جولائی ۱۹۹۳ء

۱

جامعۂ علمیہ "باب النجف" جاڑا کی پہلی پیش کش

شیعانِ آلِ محمدؐ خصوصاً واعظین و مبلغین کے لئے نادر و نایاب تحفہ

مقدمہ تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش مدظلہ بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف

اپنے بچوں کیلئے یہ الیکٹرانکس کاپی بنائی
جس سے دیگر مومنین بھی استفادہ کر سکتے ہیں
طالب سید ندر عباس 12-6-2004

ہدایہ: /130 روپے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللّٰھُمَّ عرفنی نفسک فانّک ان لم تعرفنی نفسک لم اعرف نبیّک اللّٰھم عرفنی نبیّک فانّک إن لم تعرفنی نبیّک لم اعرف حجّتک اللّٰھم عرفنی حجتک فانّک ان لم تعرفنی حجّتک ضللت عن دینی۔

"اھداء"

اس عالم میں مجھے کوئی ایسی ذات ستودہ صفات نظر نہیں آتی جس کی بارگاہ میں اس مجموعہ کو تقدیم کروں سوائے ان ذواتِ مقدسہ کے جن کو لسانِ وحی ترجمان نے قرینِ قرآن قرار دیا اور فرمایا۔ اِنّی تارک فیکم الثّقلین کتب اللّٰہ وعترتی " الحدیث " پس میں اس کتاب کو آلِ محمدؐ کی بارگاہِ قدس میں بطور ہدیہ پیش کرکے خوشنودی و رضائے خالق کی امید کرتا ہوں کیونکہ ان کی رضا و خوشنودی سے اللہ راضی و خوشنود ہوتا ہے۔

صلی اللّٰہ علیکم یا اھل بیت النبوۃ وموضع الرسالۃ ومختلف الملائکۃ ومھبط الوحی والتنزیل ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ وبعد فھذہٖ ھدیۃ منی الیکم فتقبلوھا بقبول حسن یا سادتی وموالی۔ فانی موال لولیکم ومعاد لعدوکم عجّل اللّٰہ فرجکم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الرحمن الرحیم

ملک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین

اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء

وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر

تولج اللیل فی النہار وتولج النہار فی اللیل وتخرج الحی من المیت

وتخرج المیت من الحی وترزق من تشاء بغیر حساب ۔

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العزیز الحکیم

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین ۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء

بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ۔

اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولئک

ھم المھتدون والسلام علی عبادہ الذین اصطفی ۔

والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت یخرجونھم

من النور الی الظلمت اولئک اصحب النار ھم فیھا

خالدون ۔ علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین ۔

فہرست عناوین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
تمہید	۶	امام محمد تقی علیہ السلام کا واقعہ	۶۶
سلسلۂ اسناد	۱۰	علوم قرآنیہ اہلبیت عصمت کے پاس ہیں	۶۹
ضرورتِ علم	۱۲	تائید مطلب	۷۲
قرآن مجید میں علم کی عظمت	۱۴	قرآن کی تفسیر و تاویل	۷۴
احادیث کی روشنی میں علم	۱۷	حضرت امام جعفر صادقؑ کی ابو حنیفہ سے گفتگو	۷۵
علمِ تفسیر	۲۱	ائمہ ہدیٰ کون ہیں ؟	۷۷
علوم کی ترتیب	۲۴	حضرت علیؑ کا علم اور صحابہ کا اعتراف	۸۱
فضائلِ قرآن	۲۵	حضرت علیؑ کا دعوائے سلونی	۸۳
حاملینِ قرآن کے اوصاف	۲۸	حدیث ثقلین	۸۵
آدابِ قاری	۳۰	اوصیائے پیغمبرؐ	۹۰
علمِ تسخیر اور قرآن	۳۱	قرآن و ختم نبوت	۹۵
تلاوتِ قرآن کے فضائل	۳۶	قرآن و وجودِ مہدیؑ	۹۹
آدابِ تلاوت	۴۲	قرآن کا ظاہر و باطن	۱۰۴
رسم قرآن خوانی و قل خوانی	۴۴	قرآن سے شیعہ کا تمسک	۱۱۲
ترتیلِ قرآن	۴۷	تاویل قرآن و عباداتِ ظاہریہ	۱۱۹
حضرت علیؑ کی ایک ہزار رکعت پر اعتراض	۵۱	ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے	۱۲۰
قرآن کی سات قرائتیں	۵۵	جامع قرآن کا مفہوم و مصداق	۱۲۳
اعجازِ قرآن	۵۷	جمع قرآن میں اختلاف	۱۳۰
معجز نما کی ضرورت	۶۳	حضرت علیؑ پہلے حافظِ قرآن تھے	۱۳۲

عنوان	صفحہ
ابتدائے نزول قرآن	۱۳۵
ترتیب نزول	۱۳۶
موجودہ ترتیب مکی و مدنی	۱۳۹
احراق قرآنی	۱۴۱
ناسخ و منسوخ	۱۴۳
قرآن و اہلبیت سے امت کا سلوک	۱۴۵
صحابہ رسول میں علم قرآن	۱۵۰
حضرت علیؑ کا مقام	۱۵۸
موازنہ	۱۶۰
صراطِ مستقیم	۱۶۳
صحابہ کے دلوں میں حرمت اہلبیت	۱۶۷
احراقِ بابِ فاطمہؑ	۱۷۱
معرفتِ خدا	۱۷۱
اوّل مخلوق	۱۷۵
منازلِ معرفت	۱۷۹
صادق آل محمدؑ کا طبیب ہندی سے مکالمہ	۱۸۱
کوفی امام سے گفتگو	۱۸۴
نتیجۂ بحث	۱۸۴
ضرورت نبی	۱۸۶

عنوان	صفحہ
عصمتِ انبیاء	۱۹۲
حضرت ابراہیمؑ پر جھوٹ کا الزام	۱۹۴
حضرت آدمؑ کی عصمت	۱۹۶
ضرورت قرآن مجید	۲۰۰
قرآن کے ساتھ ضرورت امام	۲۰۵
قرآن و تقلید	۲۰۷
مسئلہ تقلید اعلم	۲۱۲
علمائے سو کا حشر	۲۱۹
معیارِ مقبولیت اعمال	۲۲۰
معرفتِ امام	۲۲۲
امامت و مودّت میں تلازم	۲۲۹
عدل و احباط و شفاعت	۲۳۰
علیؑ قسیم جنت و نار ہے	۲۳۹
اجرِ رسالت	۲۴۳
احباط عمل و عدل	۲۴۴
شفاعت و عدل	۲۴۸
مسئلہ تفویض	۲۵۶
حرفِ آخر	۲۶۱
چہل حدیث	۲۶۲

اے اللہ! حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے صدقہ میں مجھے اپنے دین متین کی خدمت کی مزید توفیق عطا فرما اور میری اس کتاب یعنی تفسیر انوار النجف کو صحفِ ابرار میں جگہ دے اور مومنین کرام کو زیادہ سے زیادہ اس سے استفادہ کی سعادت نصیب فرما اور اس کو میرے لئے اور میرے آباء کرام اور میرے اعزاؒ وجملہ لواحقین نیز اساتذہ وتلامذہ کے لئے ذریعہ بخشش ونجات قرار دے آمین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تمہید

حَامِدًا وَّمُصَلِّيًا !

مدت سے طبیعت میں خیال پیدا ہوا تھا۔ اور چند روزہ دل میں تڑپ بھی پیدا ہوئی تھی لیکن عرصہ محدود تک کے لئے اور وہ صرف اس لئے کہ نہ حالات مقتضی تھے اور نہ اسباب موافق تھے نہ وقت میں گنجائش تھی اور نہ ہمت میں اسقدر یارا تھا۔ بس دل ہی دل میں ہاں اور نہ کی کشمکش تھوڑے وقت تک رہ کر منصرم ہو جاتی رہی۔ نجف اشرف میں گو اتنا وقت گزارنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ جتنا طبیعت چاہتی تھی۔ تاہم اپنے فرائض کا احساس تھوڑے ہی عرصہ میں پھر از سرِ نو پیدا ہو کر تیز سے تیز تر ہو گیا۔ حتیٰ کہ باوجود اسباب ظاہریہ کی عدم مساعدت کے اضمحلال پذیر نہ ہو سکا۔

وہ خیال یہ کہ خدمتِ علوم آل محمدؐ میں تدریسی فرائض سنبھالنے کے علاوہ تصنیف و تالیف کی طرف بھی اقدام کروں۔ تاکہ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ اَفْضَلُ مِنْ دِمَاءِ الشُّهَدَاءِ کا مقدس جملہ صرف کانوں تک ہی محدود نہ رہ جائے بلکہ عملی اقدام کر کے امیدوارانِ اجر کے زمرہ میں خواہ آخری نمبر پہ ہی سہی شمار ہو جاؤں۔ متعدد گوشوں میں خیال دوڑایا کہ کس چیز پہ قلم اٹھاؤں پھر کافی ذہنی جوڑ توڑ کے بعد اسی نظریہ پہ پہنچ کر آخر کار طبیعت نے قرار پکڑا کہ قرآن مجید ہی کی خدمت پہ لمحات فرصت کو صرف کروں کیونکہ یہ اساسِ دین بھی ہے اور اصل علوم بھی۔ لہٰذا باوجود انتہائی ہمت شکن حالات کے اسی نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کا عزم مصمم کر کے تفسیر قرآن کے لکھنے پہ کمر باندھی۔

چنانچہ اپنے دماغ میں یہ فیصلہ کر کے نجف اشرف کے زمانِ قیام میں ہی بعض عنوانات قائم کر کے بطور مقدمۂ تفسیر لکھنا شروع کر دیا۔ تاکہ شہرِ نجف بابِ مدینۂ علوم نبویہ کی بارگاہِ فیض بار سے اس خیرِ کثیر کی ابتداء انتہا تک پہنچنے کی بشارت کی حامل ہو۔ صرف فالِ نیک قرار دیکر وہاں ابتداء کر لی اور اس کے بعد فوراً مراجعت وطن مالوف (پاکستان) کا مرحلہ پیش آگیا۔

یہاں پہنچ کر پھر خیالات میں تشتت و افتراق سا پیدا ہو گیا۔ چنانچہ عالم خواب میں مولائے کونین ابوالحسنین بابِ العلوم النبویہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی بارگاہِ اقدس سے اشارہ پا کر اپنے گھر میں ہی مدرسہ دینیہ کی تشکیل کا ارادہ کر لیا۔ جس کا نام اپنے حسنِ عقیدت کی بناء پر جامعہ علمیہ "باب النجف" تجویز کیا۔ جس کی پہلی تحریک ۴ر شوال سنہ ۱۳۷۴ھ بروز جمعہ ہوئی۔ اور اسی ماہ کے آخر میں سنگِ بنیاد رکھا گیا اور ساتھ ساتھ طلبہ کرام کے پہنچ جانے پر تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ دو سال کا عرصہ تو دوڑ دھوپ اور مدرسہ کے ابتدائی حالات کو سنوارنے کی کوشش میں صرف ہو گئے۔ جب

قدرے فراغت ملی تو ارادہ سابقہ کی تکمیل کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن مدرسہ کی تعمیری منازل ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں لہذا صرف دو چار ورق مسودہ کے طور پر لکھنے کے بعد دفتر کتابت کو بند کر دیا۔

چونکہ تفسیر قرآن کے لکھنے کے متعلق اشتہارات شائع ہو چکے تھے۔ لہذا جہاں کہیں بسلسلۂ مجالس سفر کرنے کا اتفاق ہوتا تو ارباب محبت اور صاحبانِ عقیدت ملاقات ہوتے ہی رسمی احوال پرسی کے بعد تفسیر کے متعلق دریافت کرتے لکھی ہے یا نہ؟ کتنی لکھی جا چکی ہے اور کس قدر باقی ہے؟ اس قسم کے سوالات کے سننے کے بعد خجالت زدہ ہو کر جواب میں نفی نہ کر سکتا تھا اور نہ اثبات کی جرأت تھی۔ سوائے اس کے کہ ادھر ادھر کی باتوں سے ٹال دیا جاتا۔ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

بہرکیف ایک برس کامل اسی طرح ٹال مٹول میں گذر گیا اور یہ مدرسہ کا تیسرا سال تھا۔

بحمداللہ اسی سال مدرسہ کا تعمیری کام بہت کچھ ختم ہو گیا اور طبیعت میں کافی سکون و اطمینان آگیا۔ لہذا دیرینہ خواہش کی تکمیل کا موقعہ پا کر لکھنا شروع کر دیا۔

اس سلسلہ میں لائق صد ستائش ہیں وہ لوگ جنہوں نے تعمیری اخراجات میں میرا بوجھ ہلکا کر کے مجھے اس قسم کے مشاغل سے سبکدوش کر دیا۔ خصوصاً ملک میوہ رک سلمہ جس نے جامع مسجد باب النجف کی تعمیر میں بہت بڑا حصہ لیا اور عالی جناب سید غلام حسین شاہ صاحب فرزند سید علی شاہ صاحب مرحوم ساکن سید علیاں جنہوں نے تعمیر مسجد باب النجف کے لئے گرانقدر عطیہ کی پیش کش فرمائی۔

اور فخر سادات مخدوم سید محمد راجو سجادہ نشین شاہ یوسف گردیز ملتان جنہوں نے جامعہ علمیہ باب النجف کے وسیع احاطہ میں اپنے نام سے ایک علیحدہ مدرسہ بنوایا جو پانچ کمروں پر مشتمل ہے جس کا نام احاطۂ یوسفیہ تجویز ہوا اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً مدرسہ کی دیگر امداد بھی فرماتے رہتے ہیں۔

اور صوفی محمد انور سلمہ آف لاہور جنہوں نے مدرسہ کی باقی تعمیر کمروں کی تکمیل میں معتد بہ حصہ لیا۔ ان کے علاوہ سید غلام رضا شاہ صاحب[1] ساکن نوشہرہ (سابق ذیلدار) سید عبدالغفار شاہ صاحب۔ ساکن موالی۔ سید امیر حسین شاہ صاحب ساکن مٹھہ پور۔ ملک غلام محمد ساکن واندھی شاہ داؤد۔ زوار کالو خان[1] ساکن جبار والا اور ملک فدا حسین جاڑا جنرل سیکرٹری مدرسہ ہذا جنہوں نے عمارتی لکڑی سے مدرسہ ہذا کی بہت کافی اعانت فرمائی۔

خداوند کریم ان کے اور باقی سب معاونین کے عطیہ جات کو شرفِ قبولیت مرحمت فرما کر ان کو اجر جزیل عطا کرے[2] آمین۔ اور بے حد ناشکری بلکہ انتہائی ناقدرشناسی ہو گی۔ اگر اس مقام پر اپنے قبلہ وکعبہ

---

[1] فوت ہو چکے ہیں خداوند کریم ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے [2] یہ بھی وفات پا چکے ہیں۔ خدا ان کو بخشے۔

[2] اس سلسلہ میں ملک غلام حیدر جاڑا لائق صد تحسین ہیں جن کی مساعی جمیلہ سے مدرسہ کے کمروں کی تعمیر میں حائل شدہ رکاوٹیں دور ہوئیں۔

والد ماجد ادام اللہ ظلہ العالی[1] کو فراموش کر دوں۔ جن کے وجودِ مسعود کی برکات اور با اخلاص دعاؤں کے اثرات کے علاوہ جانی و مالی تعاون اور غیر معمولی عملی جدوجہد سے مدرسہ کا خیالی خاکہ ناقابل انکار حقیقت بن کے رہا۔ ضعیفی اور پیری کے باوجود تعمیرِ مدرسہ میں انہوں نے وہ نمایاں خدمات انجام دیں جو نوجوانوں کو محوِ حیرت کر دیں اور یہ سب کچھ ان کے خلوص اور قوتِ ایمان کا نتیجہ تھا۔ خداوندکریم ان کے سایۂ عاطفت کو ہمارے اوپر دیرگاہ رکھے اور ہمیں ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کا زیادہ موقعہ بخشے۔

آخر میں ان طلباء کرام کا تشکریہ کرتا ہوں جن کے عملی تعاون سے باب النجف نے جامۂ حقیقت پہنا۔ سچ ہے اگر طلبہ کرام ہمت ہار جاتے تو مدرسہ کا تعمیری کام جو دنوں میں پورا ہوا وہ سالوں میں پورا ہوتا۔ خداوندکریم ان کی خدمات کو مقبول فرمائے اور اس کے صلہ میں ان کے دامن کو دولت علم و عمل سے بھر دے اور ان کو زیادہ سے زیادہ خدمتِ دین کا شوق عطا فرمائے۔

وہ طلباء کرام جو ابتدائے تعمیر مدرسہ سے آخر تک شریک رہے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) مولوی سید کرامت علی شاہ ساکن وِجھ ضلع سرگودہا۔ نائب مدرس جامع المنتظر لاہور۔ (۲) مولوی مشتاق احمد جاڑا۔ (۳) مولوی کاظم حسین جاڑا[2] (۴) مولوی سید امداد حسین شاہ ساکن کارلو والا متصل علاقہ بھکر ضلع میانوالی (۵) مولوی سید ضمیر باقر شاہ ساکن کلورکوٹ ضلع میانوالی (۶) مولوی محمد اعجاز خلف الرشید مولانا مولوی محمد حسن ٹانٹے پوری ساکن ڈیرہ اسماعیل خان (۷) سید نیاز حسن[3] ساکن کاٹھگڑھ ضلع ڈیرہ (۸) محمد ہاشم ساکن جاڑا (۹) سید فیروز حسین شاہ ساکن گرہ بلوچ علاقہ ٹانک ضلع ڈیرہ (۱۰) سید ضیار حسین شاہ ساکن گرہ بلوچ (ٹانک) (۱۱) غلام باقر ساکن نورنگ (ٹانک) (۱۲) ربنواز ساکن بھوک قریشی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

خداوندکریم ان کو اور باقی تمام طلباء علوم آلِ محمدؐ کو تحصیل علوم دینیہ میں بلند حوصلگی عطا فرمائے اور مجھے ان کی صحیح خدمت کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائے۔

جامع مسجد باب النجف کی ابتدائے تعمیر ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۷۶ھ کو ہوئی اور اس کی تکمیل ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ کو ہوئی اور شمال و جنوب میں (مسجد کی ہر دو طرف) جو اٹھارہ کمرے (مع مدرسہ یوسفیہ) ہیں ان کی ابتدائے تعمیر ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ کو اور تکمیل حسبِ سابق ۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ کو ہوئی۔ وَالحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العالمین۔ اب اس کام سے

---

[1] الحاج ملک اللہ بخش جاڑا غفر اللہ و اسکنہ فی فرادیس جنانہ جن کی وفات ۱۴ ماہ رمضان ۱۳۹۸ھ اور ۱۵ ماہ رمضان کی درمیانی رات مطابق ۲۰ اگست ۱۹۷۸ء ۱۰ بجے شب بدھوار ہوئی اور صبح جمعرات ۱۰ بجے دن اپنی بستی جاڑا کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

[2] جو آجکل جامعہ حسینیہ جھنگ صدر میں بحیثیت پرنسپل تدریسی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

[3] فارغ التحصیل ہونے کے بعد قنال پور میں خطیب مقرر ہوئے تھے ۱۹۷۸ء میں ایکسیڈنٹ کے حادثہ سے وفات پا گئے ہیں خدا ان کو مغفرت کرے۔ آمین

کسی حد تک سبکدوش ہو جانے کے بعد تصنیف کی طرف اقدام کی جرأت کی بہت کوشش کی کہ کوئی نائب مدرس ایسا ملے جو میری طرح طالب علمی حیثیت کو اپناتے ہوئے امور تدریسیہ کی خاطر خواہ انجام دہی کے علاوہ تصنیف و تالیف میں میرا ہاتھ بٹائے۔ لیکن زمانہ کی ناساز گار ہوا نے ہم سے وہ رُخ بھی پھیر دیئے جن پر ہمیں بہت زیادہ توقع تھی۔ جب پرانے با اخلاص اور عقیدت مند شاگردوں کے کندھوں پر سہارا لینے کی کوشش کی تو سوائے مایوسی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ جن پر سو فیصدی وفاداری کا ظن تھا۔ وہ سو فیصدی خود غرض مطلب پرست اور بہانہ جُو نکلے۔ بہت عرصہ تک کفِ افسوس ملتا رہا۔ کاش ایسوں سے ایسی توقعات وابستہ نہ کی ہوتیں۔ خیر جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا۔

جب اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار چکنے کے بعد معاون کے میسر نہ آنے کا کسی حد تک یقین ہُوا۔ اور اُمیدیں ختم ہوئیں اور اس طرف ہماری تمدید میں جس قدر اضافہ ہوتا گیا اس طرف احباب کے اصرار میں بجائے تخفیف کے تشدید کا اضافہ ہوتا گیا۔ پس اللہ پر بھروسہ کر کے تدریسی اوقات سے تھوڑا تھوڑا وقت بچا کر یہ کام شروع کر دیا۔ چنانچہ دس جمادی الثانیہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۹۵۸ء ۸ پوہ ۲۰۱۵ بکرمی بشب سوموار مقدمہ تفسیر کو لکھنا شروع کر دیا چونکہ اس کی پہل بارگاہِ قدس شہرِ نجف میں ہوئی تھی۔ لہذا تفسیر کے لئے "**انوار النجف فی اسرار المصحف**" نام تجویز کیا۔ اور بحمد اللہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۹۷۶ء بروز جمعرات ۴ بجے بعد دوپہر تفسیر کا کام مکمل ہو گیا۔

اس تفسیر میں مطمحِ نظر یہ ہے کہ احادیث و اقوال آئمہ اہلبیت کی روشنی میں مطالب قرآنیہ اور مقاصد ربانیہ کی ترجمانی کی جائے۔ باوجودیکہ اپنی علمی بے بضاعتی اور ذہنی کم مائیگی کے پیشِ نظر اس مقصد عظیم کو نبھانے کے لئے کمزوری کو بہت زیادہ محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن قرآنی خدمات سے موجودہ دَور کے ذمہ دار حضرات کی غیر معمولی تساہل شعاری بلکہ انتہائی پہلو تہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ ڈر بھی محسوس ہوتا ہے کہ کہیں اس خیرِ کثیر کو ترک کر کے زیر بار نہ ہو جاؤں۔

خدا سے دُعا مانگتا ہوں کہ مجھے قرآن مجید کی صحیح خدمات انجام دینے والوں کے زمرہ میں محشور فرمائے اور قرآن کو نظر انداز کرنے والے یا مطالب قرآنیہ میں اپنی رائے کو دخل دینے والے گروہوں میں میرا حشر نہ کرے اور مجھے اس کار خیر کی انجام دہی میں تائید غیبی سے سرفراز فرما کر توفیقِ اتمام مرحمت فرمائے۔ **وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ اللھم اجعلنی ممن یذکر فتنفعہ الذکری۔**

بحمد اللہ دعا مستجاب ہوئی اور تقریباً ۱۷ سال ۴ ماہ کی مسلسل محنت و کاوش کے بعد یہ تفسیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ اور اس مقدمہ کے ساتھ تفسیر ہذا کل چودہ جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔

سلسلۂ اسناد

اکابر ملت بیضاد و مصابیح شریعت غرّاء حضرات علمائے عراق سے اجازہ روایت حاصل کرنے اور سلسلۂ جلیلۂ روایانِ احادیث آئمہ اطہار علیہم السلام میں منسلک ہونے کے بعد چاہتا ہوں کہ حاصل شدہ نعمت عظمٰی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بارگاہِ رب العزت میں بنہایت عجز و انکساری دُعا مانگوں کہ مجھے اس کار خیر کثیر یعنی ارادہ تالیف تفسیر میں اپنی عنایتِ عالیہ سے موید و موفق فرمائے۔ تاکہ میرا شمار بھی ان لوگوں میں سے ہو سکے۔ جنہوں نے ترویج معالمِ دین مبین کے لئے قلم اٹھائی اور اپنے صحیفۂ اعمال میں خدمات علوم آلِ محمدؐ کے غیر فانی و لازوال نقوش ثبت کئے

وماتوفیقی اِلّا باللہ العلی العظیم

بطور تبرک اپنے سلسلۂ سند کو آئمہ طاہرینؑ کے ساتھ متصل کرنے کے لئے رجال سند کا ذکر کرتا ہوں فاقول

بحمد اللہ حدثنی شیخی العلامہ محی الشریعۃ البیضاء ممیت البدعات العمیاء فخار العلماء ختام الفقہاء خاتمۃ المحدثین الاعلم الاورع آیۃ اللہ العظمٰی حجۃ الاسلام والمسلمین استاذ الفقہاء والمجتہدین الحاج محمد محسن المدعو بآقا بزرگ الطہرانی مدظلّہ اجازنی فی دارہ للسادس عشر من الجمیدی الثانیہ سنہ ۱۳۷۴ عن شیخہ العلامۃ خاتمۃ المحدثین والمجتہدین الحاج المیرزا حسین النوری المتوفی فی النجف فی (۱۳۲۰) عن استاذہ واستاذ الکل الشیخ العلامۃ المرتضٰی الانصاری المتوفی (۱۲۸۱)

عن استاذہ وشیخہ الاوحد صاحب المستند المولی احمد النراقی المتوفی (۱۲۴۵) عن شیخہ واستاذہ آیۃ اللہ بحر العلوم السید مہدی الطباطبائی المتوفی (۱۲۱۲) عن شیخہ الاستاذ الوحید الآقا محمد باقر البہبہانی المتوفی بالحائر الشریف (۱۲۰۶) عن والدہ و استاذہ الاجل المولی محمد اکمل عن العلامۃ الاعلم المولی محمد باقر المجلسی المتوفی (۱۱۱۱) عن والدہ العلامہ المولی محمد تقی بن مقصود علی المجلسی المتوفی (۱۰۷۰)

عن شیخ الاسلام والمسلمین بہاء الملۃ والدین محمد العاملی المتوفی (۱۰۳۰)

عن والدہ الشیخ عز الدین حسین بن عبد الصمد الحارثی المتوفی (۹۸۴)

عن استاذہ السعید الشیخ زین الدین الشہید المتوفی (۹۶۶)

عن الشیخ الفقیہ علی بن عبد العالی المیسی المتوفی (۹۳۸)

عن الشیخ محمد بن محمد بن محمد بن داؤد المؤذن الجزینی ابن عم الشھید الاوّل

عن الشیخ ضیاء الدین علی بن الشھید۔

عن والدہ العلامۃ السعید الشیخ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن محمد المکی الجزینی الشھید فی (۷۸۶) عن استاذہ فخرالدین محمد المعروف بفخرالمحققین المتوفی (۷۷۱)

عن والدہ واستاذہ شیخ جمال الدین ابی منصور الحسن بن یوسف بن المطہر الحلی الشھیر بالعلامۃ المتوفی (۷۲۶) عن استاذہ الشیخ نجم الدین ابی القاسم جعفر بن الحسن بن سعید الحلی الشھیر بالمحقق الحلی المتوفی (۶۷۶) عن الشیخ تاج الدین الحسن بن علی الدربی۔

عن الشیخ ابی عبداللہ محمد بن احمد بن شھریار الخازن لمشھد امیرالمومنین علیہ السلام۔

عن شیخہ وشیخ الطائفۃ الشیخ ابی جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی المتوفی (۴۶۰)

عن شیخہ واستاذہ السعید الشیخ ابی عبداللہ محمد بن محمد ابن النعمان المفید المتوفی (۴۱۳)

عن شیخہ واستاذہ الشیخ ابی قاسم جعفر بن محمد بن قولویہ القمی المتوفی (۳۶۸)

عن شیخہ ثقۃ الاسلام الشیخ ابی جعفر محمد بن یعقوب الکلینی المتوفی (۳۲۹)

عن علی بن ابراھیم عن ابراھیم بن ھاشم عن الحسن بن الحسین الفارسی عن عبدالرحمٰن بن یزید عن ابیہ عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم الا ان اللہ یحب بغاۃ العلم

باسناد متصل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ ہر مسلمان پر علم کا طلب کرنا فرض ہے۔ آگاہ ہو کہ اللہ علم کے چاہنے والوں کو دوست رکھتا ہے (کافی)

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی جعلنی من المتمسکین بولاء محمد وآل محمد والمنسلکین فی سلسلۃ رواۃ احادیثھم صلی اللہ علیھم

علاوہ ازیں جن علماء سے اجازت برائے روایات حاصل کئے گئے ہیں ان کو کتاب "امامت، وملوکیت" کے اواخر میں مفصل بیان کر دیا گیا ہے۔ اس جگہ تبرک کے لئے صرف ایک سلسلہ سند کو ذکر کیا گیا ہے۔

ضرورتِ علم

اس میں شک نہیں کہ بینائی نابینائی سے نور ظلمت سے اور علم جہل سے بہتر ہے لیکن کیا ہر جہالت گردن زدنی اور ہر علم واجب التحصیل ہے؟

تو ہر ذی شعور کی طرف سے اس کا جواب نفی میں ہوگا کیونکہ ہر علم کی تحصیل امکانِ بشری سے بالاتر ہے۔ بلکہ ہر جہل سے تنزہ اور ہر علم سے اتصاف صرف ذاتِ علیم وعلیم ہی کا خاصہ ہے۔

انسان پر تو صرف ایسے علوم کی تحصیل حتی الامکان واجب ہے جو انسان کو تمام ایسے نقائص وعیوب سے بچنے کی دعوت دیں جو وقارِ انسانیت کے لئے باعثِ عار اور ناموسِ انسانیت کے لئے باعثِ ننگ ہوں اور ایسے علوم کی دریافت ضروری ہے۔ جو اوجِ کمالِ انسانیت کے آخری زینہ تک پہنچا دینے والے اسرار ورموز کا پتہ دیں

ہر صاحبِ عقل جانتا ہے کہ انسانی وجود دو اہم جزوں کا مجموعہ ہے یعنی بدن اور رُوح۔

بدن جزوِ کثیف مادی ہے جو عناصرِ اربعہ (مٹی، پانی، آگ، ہوا) سے مرکب ہے اور اس کا تعلق عالمِ سفلی سے ہے۔ روح جزوِ لطیف مجرد ہے اور بسیط ہے۔ یعنی مرکب نہیں اور بدن کا مدبر ہے اور یہ عالمِ علوی سے تعلق رکھتا ہے۔ بنا بریں جزو اول بدن ظلمانی اور محکوم ہے اور دوسری جزو (روح) نورانی اور مدبر ہونے کی حیثیت سے حاکم ہے بدن اور رُوح ہر دو کے بقاء اور ارتقاء کے لئے حفاظت اور تربیت ضروری ہے۔ پس بدنی نشوونما یا اصلاح کے لئے ایسے علوم کے حاصل کرنے کی سعی لازم ہے جو صرف کسبِ معاش میں سہولت کے موجب ہوں تاکہ جسمانی صلاحیتوں سے بود وباش کی فطری ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل ہو سکے اور بقاءِ نسلِ انسانی کے اہم فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کے علاوہ منازلِ روحانیت کی طرف قدم بڑھانے کے لئے کوئی ظاہری رکاوٹ سدِراہ نہ ہو۔ کیونکہ جب تک انسان تندرست نہ ہو یا فکرِ معاش سے پوری طرح سکون واطمینان حاصل نہ کرلے باطنی اصلاح کی طرف قدم اٹھانا نہایت مشکل ودشوار ہے۔

لیکن یہ علوم چونکہ صرف بقاء وارتقاءِ جسمانیت کے لئے ہیں لہٰذا اتنی ہی مقدار پہ اکتفاء کر لینا ضروری ہے۔ جس سے یہ مقصد پورا ہو سکے۔ حدِ ضرورت سے تجاوز صرف وبالِ جان ہی نہیں بلکہ وبالِ اخروی کا پیش خیمہ بھی ہے۔ گویا جسمانی ترقیاں روح کی تربیت کا راستہ ہموار کرنے کے لئے ہیں خود مقصود بالذات نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انسان عامۃ المخلوق کے مقابلہ میں اشرف المخلوقات کے زریں لقب سے ملقب ہے۔

رُوح کی تربیت اور فلاح وبہبود کے لئے ایسے علوم حاصل کرنے کی ضرورت ہے جن کی بدولت انسان

اپنی اسی حقیقی منزل تک رسائی حاصل کر سکے ۔جس کا وہ اہل قرار دیا گیا ہے اور وہ صرف علوم شرعیہ ہی ہیں۔ جن کی اصل و اساس قرآن مجید ہے انہی علوم کی بدولت انسان اپنے خالق سے قرب حاصل کر کے حیات جاودانی اور عیش سرمدی کے بلند ترین مقصد پر فائز ہو سکتا ہے اور اوج شرافت کے آخری کنارے تک رسائی حاصل کر کے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ کا حقیقی مصداق بن سکتا ہے۔

لہذا وہ علوم جو نہ صرف مادہ پرستی کی دعوت دیتے ہیں بلکہ روح انسانیت کے لئے پیغام موت بھی ہیں۔

وہ علوم جو نہ صرف شکم پری کا ذریعہ ہیں بلکہ ظلم و تشدد کا آلہ کار بھی ہیں۔

وہ علوم جو صرف ظاہری وجاہت و اقتدار کا سبب ہیں۔

اور وہ علوم جو خود ستائی یا خود نمائی کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں۔

صرف جسد عنصری کے لئے چند روزہ بہار تو ضرور ہیں لیکن ان کا انجام روح انسانیت کی تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس قسم کی زندگی حیوانی زندگی یا اس سے بھی بدتر اور موت حیوانی موت یا اس سے بھی پست تر ہے

پس انسان کی زندگی صرف روح کی بقاء و ارتقاء سے وابستہ ہے اور ایسے علوم کی تحصیل جو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوں انسانیت کے فرائض میں سے اہم ترین فریضہ ہے۔ لہذا زندگی کا اہم ترین حصہ اسی مقصد عظیم کی تحصیل کے لئے وقف کر دینا انسان کی عین سعادت اور اس سے پہلو تہی کرنا یا جی چرانا عین شقاوت اور کمال بدبختی ہے

اصول کافی میں منقول ہے۔ ایک روز حضرت رسالتمآبؐ وارد مسجد ہوئے۔ لوگوں کا بہت بڑا ہجوم دیکھ کر سبب دریافت فرمایا۔ کسی نے عرض کیا حضور! یہاں ایک علامہ موجود ہے۔ جس کے اردگرد لوگ جمع ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ علامہ کا کیا مطلب ہے؟ لوگوں نے عرض کی حضور! ایک شخص ہے جو قدیم تاریخ عرب اور علم الانساب کا ماہر ہے۔ لوگ اس سے اس قسم کی باتیں دریافت کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ ایک ایسا علم ہے جس کے عالم کو اس سے کچھ فائدہ نہیں اور اس کے جاہل کو اس کا کچھ ضرر نہیں بلکہ علم تو صرف تین قسموں میں ہی منحصر ہے۔

(۱) آیات محکمہ کا علم

(۲) فرائض کا علم

(۳) سنت کا علم (قرآن، حدیث اور فقہ کے علاوہ تمام علوم بے فائدہ اور لغو ہیں)

گویا یہی علوم وہ ہیں جن کا عالم ان سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور ان کا جاہل ان کی جہالت سے نقصان اٹھاتا ہے اور یہی علوم انسان کو مادیت کے پست ترین گڑھے سے نکال کر اوج انسانیت کے بلند ترین زینہ پر فائز کرتے ہیں اگر ان علوم کے حاصل کرنے والا ظاہری دنیا سے انتقال بھی کر جائے تاہم اس کے روحانی فیوض و برکات کبھی مردہ نہیں ہو سکتے۔

بلکہ جس طرح ان علوم کا جاہل باوجود زندہ ہونے کے مردہ ہونے کے مترادف ہے۔

- اسی طرح ان کا عالم بعد موت کے بھی زندہ جاوید ہے۔
- اوّل الذکر کی زندگی ناموسِ انسانیت کے لئے عار ہے۔
- اور موخر الذکر کی زندگی وقارِ انسانیت کی بہار ہے۔
- وہ ننگِ انسانیت مرنے کے بعد ذکرِ خیر سے قطعاً محروم ہوتا ہے۔

اور یہ محسنِ انسانیت صحیفۂ انسانیت کے مقدس اوراق پر اپنی علمی و عملی وجاہت اور حسنِ سیرت و بلند کردار کے وہ انمٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے جو انسانیت نواز افراد سے رہتی دنیا تک خراجِ تحسین حاصل کرتے رہیں گے۔ پس انسانیت کی ممتاز زندگی اور اس کی لازوال درخشندگی کے لئے علومِ دینیہ کی تحصیل میں انتھک کوشش غیر متزلزل ارادہ اور جذبہ پائندہ بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ جسمانی تربیت کے لئے اسی قدر کسبِ معاش ضروری ہے جس سے بقاء نوعِ انسانی کی عائد شدہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا سہل ہو اور روحانی تربیت کے لئے اس کے اسباب و ذرائع کی تلاش اس قدر ضروری ہے کہ اس سے اس کی بعد میں حاصل ہونے والی غیر فانی زندگی نہایت پرسکون اور خوشگوار بن سکے کس قدر افسوس و حیرت کا مقام ہے کہ جزو فانی (جسم) کے چند روزہ آرام و آسائش کے لئے انتہائی تگ و دو اور غیر معمولی جدوجہد سے کام لیا جائے لیکن جزو باقی (روح) کی ابدی زندگی کی فلاح و بہبود کو سراسر نظر انداز کر کے پس پشت ڈال دیا جائے اس سے بڑھ کر ناعاقبت اندیشی اور کیا ہو سکتی ہے؟ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔

قرآن مجید میں علم کی عظمت

اس میں کوئی شک نہیں کہ نعمتِ وجود کے بعد خزانۂ وحدت میں علم سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں جبھی تو تمام انبیاء علیہم السلام کو اس نعمت سے نواز کر مبعوث فرمایا حضرت آدمؑ کو خلعتِ علم سے آراستہ فرما کر ملائکہ کی گردنیں جھکا دیں جس سے انہیں آدمؑ کی افضلیت کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑا۔ طالوت اور جالوت کے قصہ میں معیارِ خلافتِ الٰہیہ علم ہی کو قرار دیا گیا۔ حتیٰ کہ حضرت رسالتمآبؐ کو باوجودیکہ کمالاتِ الٰہیہ کے جامع تھے بلکہ تمام کائنات کے لئے ان کا مقدس وجود سرچشمۂ کمالات تھا۔ تاہم ذاتِ احدیت نے ان کو بھی اپنی بارگاہ سے طلبِ علم پر مامور فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا۔ قُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔

حضرت امیرالمومنینؑ علی بن ابی طالب علیہما السلام مقام افتخار میں نعمتِ علم ہی کو پیش فرمایا کرتے تھے چنانچہ آپ کی طرف نسبت شدہ اشعار میں ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِينَا لَنَا عِلْمٌ وَلِلْأَعْدَاءِ مَالٌ

ہم اللہ کی تقسیم پر راضی ہیں کہ ہمیں علم اور دشمنوں کو مال ملا۔

فَإِنَّ الْمَالَ يَفْنَى عَنْ قَرِيبٍ وَإِنَّ الْعِلْمَ يَبْقَى لَا يَزَالُ

کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا اور علم باقی اور غیر فانی ہے۔

علامہ زین الدین عاملی (شہید ثانی) قدس سرہ۔ منیۃ المرید میں قرآنی اقتباسات سے فضیلت علم کو ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے۔

کہ خداوند عالم نے علماء کو تمام ماسوا پر فوقیت مرحمت فرمائی ہے چنانچہ فرماتا ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۔ ترجمہ:۔ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں ساتھ ان لوگوں کے جو علم نہیں رکھتے؟ (یہ استفہام انکاری ہے یعنی برابر نہیں بلکہ عالم جاہل سے افضل ہے۔)

اس کے علاوہ خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں کئی چیزوں کے تقابل کا ذکر فرمایا۔ مثلاً خبیث۔ وطیب نابینا وبینا۔ ظلمت ونور۔ جنت ونار اور سایہ اور دھوپ لیکن اگر نظر غائر سے ان کی تفسیر کا جائزہ لیا جائے تو نتیجہ علم وجہل ہی نکلتا ہے۔ یعنی عالم کو طیب، بینا، نور و جنت اور ظل کی لفظوں سے یاد کیا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں جاہل کو خبیث و نابینا ظلمت و نار اور حرور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض آیات میں خداوند کریم نے صاحبانِ علم کو اپنے اور ملائکہ کے ذکر کے ساتھ یاد فرمایا۔ چنانچہ فرماتا ہے شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ۔ ترجمہ:۔ اللہ شاہد ہے کہ تحقیق اس کے علاوہ اور کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور ملائکہ اور صاحبانِ علم (یہ بھی شاہد ہیں)

نیز قرآن مجید میں چار قسموں کے لئے درجات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ۱۔ اہل بدر ۲۔ مجاہدین ۳۔ صالحین ۴۔ علماء۔ اہل بدر کے متعلق فرمایا:۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الی قولہ) لَهُمْ دَرَجَاتٌ۔ سوائے اس کے نہیں کہ مومن وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آئے تو ان کے دل تڑپ جائیں (یہانتک کہ فرمایا) ان ہی کے لئے درجات ہیں۔

مجاہدین کے لئے فرمایا:۔ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ الآیۃ یعنی اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بدرجہا فضیلت کرامت فرمائی۔

صالحین کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ مَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ

الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ۔ جو اللہ کے پاس مومن صالح ہوکر آئے گا پس ان کے لئے ہی بلند درجات ہوں گے ۔

علماء کے حق میں خطاب فرمایا ۔ یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۔ یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور وہ لوگ جن کو علم عطا کیا گیا ہے خدا ان کے درجات کو بلند فرماتا ہے

نیز خداوندِ کریم نے علماء کو پانچ اوصافِ حمیدہ سے ملقب فرمایا ہے ۔

۱۔ ایمان :۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا یعنی راسخ فی العلم کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ۔

۲۔ توحید ۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ ۔ یعنی اللہ اپنی توحید کا شاہد ہے اور فرشتے اور علماء ۔

۳۔ بکاء و حزن :۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (الیٰ قولہ) یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ الْاٰیۃ ۔ یعنی تحقیق وہ لوگ جو علم دیئے گئے ہیں وہ خدا کے سامنے سجدہ میں جھک جاتے ہیں ۔

۴۔ خشوع :۔ چنانچہ آیتِ گذشتہ اس پر دلالت کرتی ہے ۔

۵۔ خشیہ :۔ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔ یعنی خدا سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں ۔

شہید ثانی کے بیان کو میں نے اختصار سے ذکر کیا اگر فضیلت علم پر دلالت کرنے والی تمام آیات کو جمع کیا جائے تو طول ہو جائے گا ۔ اس مقام پر تبرکاً و تیمناً جو کچھ ذکر کر دیا گیا ہے کافی ہے ۔

جب آیاتِ متذکرہ سے علم کے فضل و کمال کو واضح کر دیا تو علم کی تحصیل کا وجوب از روئے عقل و نقل ثابت ہے ۔ عقلاً اس لئے کہ ہر کمال کا حاصل کرنا ۔ یا اس کے حصول کی کوشش کرنا انسان کا عقلی فریضہ ہے ۔ اور علم بھی چونکہ کمال ہے لہذا اس کا طلب کرنا بھی عقلی فریضہ ہے ۔ قرآن مجید اس کا صریح طور پر یوں تذکرہ فرماتا ہے ۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ الآیۃ پ۱۱ رکوع ۴ جس کا مرادی معنی یہ ہے کہ علومِ فقہیہ دینیہ کے حاصل کرنے کے لئے ہر قوم سے ایک ایک گروہ کیوں نہیں سفر کرتا ۔

گویا پورے ملک میں صرف ایک آدمی کے فقیہ ہونے پر کفایت کرنا تو بجائے ایک قوم کے لئے بھی ایک فقیہ کو کافی نہیں قرار دیا گیا ۔ بلکہ ہر قوم میں متعدد فقہاء کی ضرورت کو واضح کیا گیا ہے جو قوم کے دینی مسائل حل کریں اور فرائض تبلیغ انجام دیں اور ہر قوم پر واجب ہے کہ ان سے مسائل دینیہ کا حل طلب کریں اور انہیں فرائض تبلیغ کے انجام دینے کا موقعہ دیں ۔

یہ عمومی حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے ۔ تاکہ عوام کو مسائل دینیہ کے حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ رہے اگر ایک ملک میں صرف ایک ہی فقیہ ہو تو ظاہر ہے کہ تمام ملکی عوام اس سے کما حقہٗ استفادہ نہیں کر سکتے ۔ بعض ضروری

مسائل بعض اوقات اس قسم کے درپیش ہو جاتے ہیں جو مطبوعہ رسائل وعملیات میں نہیں ملتے ۔ تو دریں صورت بجز رجوع فقیہ کے ان کا حل مشکل ہو جاتا ہے ۔ اگر صرف ایک ہی فقیہ پورے ملک میں ہو تو نہ سب عوام مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اور نہ فقیہ خود اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے ۔ بخلاف اس کے اگر ہر قوم میں ایک ایک فقیہ ہو تو پہلی صورت سے اس میں کافی آسانی ہے لیکن اگر ہر قوم میں متعدد فقہاء موجود ہوں تو کسی وقت بھی کسی دشواری کا پیش آنا ناممکن ہے

اسی نکتہ کے پیش نظر خداوند علیم وحکیم نے شریعت کو سہلہ قرار دیتے ہوئے ہر قوم میں متعدد فقہاء پیدا کرنے کا حکم دیا تاکہ احکام شرعیہ کے سیکھنے میں کوئی فرد بشر نارسائی کا شکوہ نہ کر سکے ۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مجتہد اعلم کی تقلید واجب نہیں بلکہ ہر مجتہد جامع الشرائط کی تقلید ہو سکتی ہے اس مسئلہ کو ہم تفصیل کے ساتھ زیر عنوان "قرآن اور تقلید" بیان کریں گے ص۲۰۵ پر ملاحظہ ہو۔

احادیث کی روشنی میں علم کی اہمیت

علم اور اہل علم کے فضائل میں کتب عامہ وخاصہ سے احادیث بکثرت موجود ہیں ۔ شہید ثانی قدہ نے کتب فریقین سے کافی احادیث کو یکجا کیا ہے ۔ یہاں چند ایک کا ذکر کافی ہے ۔

احادیث نبویہ

قَالَ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى عُتَقَاءِ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ اِلَى الْمُتَعَلِّمِيْنَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا مِنْ مُتَعَلِّمٍ يَّخْتَلِفُ اِلٰى بَابِ الْعَالِمِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ قَدَمٍ عِبَادَةَ سَنَةٍ وَيَبْنِيْ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ قَدَمٍ مَدِيْنَةً فِي الْجَنَّةِ وَيَمْشِيْ عَلَى الْاَرْضِ وَهِيَ تَسْتَغْفِرُ لَهٗ وَيُمْسِيْ وَيُصْبِحُ مَغْفُوْرًا لَهٗ وَشَهِدَتِ الْمَلَائِكَةُ اَنَّهُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ ۔

حضور نے فرمایا جو شخص چاہے کہ میں ایسے لوگوں کی زیارت کروں جن کو اللہ نے جہنم سے آزاد کیا ہے پس وہ طلبہ علم کی زیارت کرے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جب کوئی متعلم عالم کے دروازہ پر جاتا ہے تو اس کیلئے ایک سال کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے اور ہر قدم کے بدلے اس کا جنت میں شہر بنتا ہے جب چلتا ہے تو زمین اس کے لئے استغفار کرتی ہے اور صبح وشام اس کے لئے بخشش کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور فرشتے گواہ ہیں کہ وہ جہنم سے خدا کے آزاد کردہ ہیں۔

مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ كَانَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ

جو شخص احیائے اسلام کیلئے علم سیکھتے ہوئے مر جائے تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک

دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ
فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعِيْنَ دَرَجَةً
بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ حَضْرُ الْفَرَسِ سَبْعِيْنَ
عَامًا وَ ذٰلِكَ لِاَنَّ الشَّيْطٰنَ يَضَعُ الْبِدْعَةَ
لِلنَّاسِ فَيَبْصُرُهَا الْعَالِمُ فَيُزِيْلُهَا وَالْعَابِدُ
يَقْبُلُ عَلٰى عِبَادَتِهٖ -

درجہ کا فاصلہ ہوگا۔
عالم عابد سے ایسے ستر درجات بلند ہے کہ ہر دو درجہ کے درمیان
کا فاصلہ تیز رو گھوڑے کے ستر سال کا سفر ہو اور یہ اسلئے کہ شیطان لوگوں
میں بدعات پھیلاتا ہے تو عالم ان بدعات کو دیکھ کر مٹاتا ہے اور عابد تو صرف
عبادت ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے (یعنی عالم اپنے نفس کے علاوہ عامۃ الناس
کے نفوس کی اصلاح کرتا ہے اور عابد صرف اپنے نفس کو ہی فائدہ
پہنچا سکتا ہے)

وقال اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ ۔

تحقیق علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

یہ پانچ حدیثیں جناب رسالتمآبؐ کی زبان وحی ترجمان سے منقول ہیں اور بطریق اہلبیتؑ جو احادیث اس ضمن میں وارد ہیں ان کا احصا ایک ضخیم کتاب میں ہو سکتا ہے۔ یہاں تبرکاً بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) شہید ثانی نے باسناد صحیح حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ جس کی سند جناب رسالتمآبؐ تک پہنچتی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا (ترجمہ حدیث) علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پہ فرض ہے۔ پس علم کو اپنے محل سے طلب کرو اور اس کے اہل سے حاصل کرو۔ کیونکہ اللہ (کی خوشنودی) کے لئے علم کا سیکھنا اور حاصل کرنا عبادت ہے اور اس کا مذاکرہ تسبیح اور اس پر عمل کرنا جہاد ہے اس کا ان پڑھ کو پڑھانا صدقہ اور اس کے اہل تک پہنچانا قرب خدا کا ذریعہ ہے کیونکہ اسی سے حلال و حرام کا پتہ چلتا ہے اور یہی سبیل جنت کا مینار و مونس وحشت و غربت و تنہائی کا ساتھی و علیحدگی میں ہمکلام و خوشی و غمی میں سہارا و ہمدم و دشمنوں کے مقابلہ میں ہتھیار اور دوستوں میں زینت ہے۔ اسی کی بدولت خدا اقوام کو بلند کرتا ہے اور ان کو امور خیر میں قیادت بخشتا ہے تاکہ ان کے اقوال اخذ کئے جائیں اور ان کے افعال کی اقتداء کی جائے اور ان کی بات آخری اور قطعی فیصلہ ہو۔ فرشتے ان کی دوستی میں رغبت رکھتے ہیں اور ان سے اپنے پروں کو مس کرتے ہیں اور ان کی نمازوں میں برکت کا موجب ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ہر خشکی و تری حتیٰ کہ دریائی مخلوق اور صحرائی جانور بھی استغفار کرتے ہیں

تحقیق علم قلوب کی زندگی ہے۔ جہالت کے مقابلہ میں اور آنکھوں کی روشنی ہے تاریکی جہل سے اور قوت جسم ہے بمقابلہ ضعف و ناتوانی کے۔ یہ (علم) انسان کو اخیار کی منازل ابرار کی مجالس اور دنیا و آخرت کے بلند درجات پر فائز کرتا ہے۔ اس کا مذاکرہ روزوں کے برابر اور اس کا درس عبادت کے برابر ہے۔ اسی کی بدولت اللہ کی اطاعت و عبادت و صلہ رحمی اور معرفت حلال و حرام ہوتی ہے۔

علم عمل کا مقتدا ہے اور عمل اس کا مقتدی نیکوں کو نصیب ہوتا ہے اور بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں پس طوبیٰ ہے اس کے لئے جو اس (نعمت) سے محروم نہ رہے۔

(۲) تفسیر برہان میں امالی صدوقؒ سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مومن مرجائے اور کوئی ایک ورقہ کاغذ ایسا چھوڑ جائے جس پر علمی مطالب مکتوب ہوں تو وہی کاغذ بروز محشر اس کے اور جہنم کے درمیان حائل ہوگا اور اس کے ہر ہر حرف کے بدلہ میں خدا اسے ایک ملک عطا کرے گا جو پوری دنیا سے سات گنا بڑا ہوگا۔

(۳) کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ عالم جس کے علم سے فائدہ اٹھایا جائے ستر ہزار عابد سے افضل ہے۔

(۴) تفسیر برہان میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ تمام خلق سے آئمہ ہدیٰ کے بعد کون افضل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ علمائے صالحین۔ پھر پوچھا گیا کہ تمام خلق خدا سے ابلیس۔ فرعون اور تمہارے اعداء کے بعد کون بدترین مخلوق ہے تو فرمایا کہ وہ علمائے فاسدین ہیں۔ جو باطل کو ظاہر کرتے ہیں اور حق پہ پردہ ڈالتے ہیں۔

توضیح جس طرح مادی دنیا میں خلق خدا کے درمیان ظاہری اصلاحات کے ذمّہ دار افراد کو سلاطین یعنی بادشاہ کہا جاتا ہے اسی طرح روحانی دنیا میں خلق خدا کے نفوس کی اصلاح کے ذمّہ دار افراد روحانی حکمران و بادشاہ ہوتے ہیں۔ ان کی بادشاہت وسلطنت ظاہری طاقت واقتدار کے بل بوتے پر نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ دولتِ علم ومعرفت سے سرفراز فرماکر خدا خود انہیں اس عہدہ کے لئے نامزد فرماتا ہے اور حضرت آدمؑ ابو البشر سے لے کر حضرت خاتم الانبیاءؐ جناب محمدؐ مصطفےٰ تک کل ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ومرسلین اور ان کے بعد ان کے اوصیاء طاہرین علیہم السلام سب کے سب خدا کی جانب سے روحانی حکمران ہیں۔

چونکہ جناب رسالتمآبؐ اس سلسلہ میں سلطان السلاطین کی حیثیت رکھتے ہیں اور سید الانبیاء والمرسلین کے مقدس لقب سے ملقب ہیں۔ لہٰذا ان کے اوصیاء طاہرینؑ ان کے قائمقام ہونے کی حیثیت سے صرف گذشتہ اوصیاء سے افضل نہیں۔ بلکہ تمام انبیائے سابقین سے بدرجہا افضل واشرف ہیں۔

کیونکہ بادشاہ کے وزراء یا قائمقام صرف اپنے بادشاہ ہی کے ماتحت ہوا کرتے ہیں اور باقی تمام رعایا کے حاکم ہوا کرتے ہیں اور رعایا سب اُن کی محکوم ہوتی ہے۔ خواہ عام انسان ہوں یا ان میں افسر وغیرہ ہوں۔ اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ تمام انبیاء سابقینؑ حضورؐ سرورِ کائنات کے سامنے رعایا کی حیثیت سے ہیں۔ لہٰذا وہ ان کے اوصیاءؑ کی بھی رعایا ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت قائم عجل اللہ فرجہ علیہ السلام کے انتظار میں موجود ہیں اور ان کی اقتدار میں نماز ادا کر کے دنیا والوں کو اپنے عمل سے بتائیں گے کہ حاکم کون ہے اور محکوم کون؟ جب حضرت خاتم الانبیاءؐ کے آخری جانشین گذشتہ انبیاء کے سردار اور حاکم ہیں تو ان کے پہلے جانشین کیونکر نہ ہوں گے؟

پس جس طرح مادی حکمرانوں کی دفتری ملازمتیں اور عہدہ جات ظاہری عزت ووقار اور چند روزہ وجاہت کی خاطر

مرغوب طبع ہوا کرتی ہیں۔ چونکہ روحانی سلاطین کے مشن کی ترویج کے لئے ملازمت یا عہدہ داری عین سعادت اور کمال روح ہونے کے علاوہ محبوب خدا بھی ہے۔ لہٰذا اس کو پہلی قسم کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دینا اور محبوب طبع بنانا انتہائی دانشمندانہ فیصلہ ہے۔

علمائے دین کو حکومت دنیویہ کا عہدۂ نیابت سپرد کیا گیا ہے۔ جو ظاہری حکومتوں کی وزارت سفارت یا قائمقام ہونے کے مقابلہ میں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

فی روایۃ عمرو بن حنظلہ عن الصادقؑ فِی الْکَافِیْ
مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مِمَّنْ قَدْ رَوٰی حَدِیْثَنَا وَنَظَرَ
فِیْ حَلَالِنَا وَحَرَامِنَا وَعَرَفَ اَحْکَامَنَا فَلْیَرْضَوْا
بِہٖ حَکَمًا فَاِنِّیْ قَدْ جَعَلْتُہٗ عَلَیْکُمْ حَاکِمًا فَاِذَا
حَکَمَ بِحُکْمِنَا فَلَمْ یَقْبَلْہُ مِنْہُ فَاِنَّمَا اسْتَخَفَّ
بِحُکْمِ اللّٰہِ وَعَلَیْنَا رَدَّ وَالرَّادُّ عَلَیْنَا الرَّادُّ
عَلَی اللّٰہِ وَھُوَ عَلٰی حَدِّ الشِّرْکِ بِاللّٰہِ وَفِیْ
حَدِیْثٍ مَنْ کَانَ مِنَ الْفُقَہَاءِ صَائِنًا
لِنَفْسِہٖ حَافِظًا لِدِیْنِہٖ مُخَالِفًا عَلٰی ھَوَاہُ
مُطِیْعًا لِاَمْرِ مَوْلَاہُ فَلِلْعَوَامِ اَنْ یُّقَلِّدُوْہُ۔

حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں جو شخص تم میں سے ہماری احادیث کو بیان کرے اور حلال و حرام و دیگر احکام کو جانتا ہو پس مومنین کو اس کی حکومت پر راضی ہونا چاہیئے۔ میں نے اس کو تمہارے اوپر حق حکومت دیا ہے پس جب وہ ہمارا حکم بیان کرے اور اس کو قبول نہ کیا جائے تو اللہ کے حکم کی توہین اور ہماری تردید ہوئی اور ہماری تردید اللہ کی تردید ہے اور وہ شرک کی حد ہے۔ فقہاء میں سے ہر وہ شخص جو اپنے نفس کا (گناہوں سے) بچانے والا اور دین کا نگہبان خواہش نفسانی کا مخالف اور اللہ کا فرمانبردار ہو۔ عوام کو چاہیئے کہ اس کی تقلید کریں۔

(ان ہر دو حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلم کی تقلید ضروری نہیں۔ بلکہ ہر مجتہد جامع الشرائط کی تقلید کی جا سکتی ہے)

پس جو فرق حکومت ظاہریہ کے عام وفادار رعایا اور عہدہ داروں میں ہے۔ وہی فرق حکومت باطنیہ شرعیہ کے اطاعت گزار (عابد) اور عہدہ دار (عالم) کے درمیان ہے۔

جس طرح ظاہری حکومت میں عام افراد رعایا کے جرم اور عہدہ دار کے جرم میں نوعیت کا فرق ہے۔ اسی طرح قانون شریعت کی رُو سے عام لوگوں کے گناہ اور عالم کے گناہ میں نوعیت جدا جدا ہے۔

کیونکہ عام انسانوں کی اطاعت یا مخالفت کا نفع یا نقصان ان کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے۔ بخلاف اس کے عہدہ دار حکومت کی فرمانبرداری یا نافرمانی نیکی یا بدی اس کے تمام حلقۂ اثر و رسوخ میں مبلغانہ حیثیت سے بہت سوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے کیونکہ گفتار سے کردار زیادہ مؤثر ہوا کرتا ہے۔

پس جس طرح اس کی اطاعت عام لوگوں کی اطاعت سے زیادہ وزنی اور قابل قدر ہوتی ہے اسی طرح اس کی مخالفت اور نافرمانی عام نافرمانیوں اور مخالفتوں سے بدرجہا زیادہ خطرناک اور قابل نفرت ہوتی ہے۔

لہٰذا مقتضائے عقل یہی ہے کہ اس کی اطاعت کا صلہ عوام کی اطاعت کی جزا سے زیادہ ہو۔ اور اس کی مخالفت کی سزا عام لوگوں کی مخالفت کی سزاؤں سے زیادہ سخت اور عبرتناک ہو۔

اس وضاحت سے صاف معلوم ہوگیا کہ احادیثِ سابقہ میں جو معصوم نے عالم اور عابد کے درمیان فرق بیان فرمایا ہے اور عالم کو ستر ہزار عابد سے افضل قرار دیا ہے یا عالم باعمل کا مرتبہ آئمہ کے بعد تمام خلق سے افضل ہونا اور عالم بے عمل کا درجہ ابلیس و فرعون و دشمنانِ اہلبیت کے بعد سب مخلوق سے پست ترین ہونا بیان فرمایا ہے قرینِ عقل ہے اور قانونِ عدل و انصاف کے عین موافق ہے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعُہُ الذِّکْرٰی

علمِ تفسیر

اس میں کسی کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش نہیں کہ دینِ اسلام کی اصل واساس قرآن مجید ہی ہے اور جناب رسالتمآب اور آئمہ طاہرین علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کی احادیث شریفہ بھی گو شریعتِ اسلامی میں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں لیکن وہ اس لئے کہ ان کی زبان حق ترجمان قرآن کریم ہی کا بیان تھی اور یہی وجہ ہے کہ جب کسی معصوم سے اپنے بیان کی صداقت پیش کرنے کے لئے دلیل طلب کرلی جاتی تھی تو آپ بلا تأمل و تاخیر قرآن مجید کی آیات متعلقہ[1] کو بطور استشہاد پڑھ دیا کرتے تھے اور جس مقام پر سامعین کو معصوم کے کسی بیان کے مطابق قرآن ہونا معلوم ہوتا تھا تو خاموشی سے ارشاداتِ معصوم کی سماعت کرتے تھے

اسی بناء پر تو معصوم نے خود بارہا ارشاد فرمایا کہ ہماری احادیث میں سے جو مطابق قرآن نہ ہو۔ اسے دیوار پر مار دو۔ وہ ہماری نہیں بلکہ ہماری طرف منسوب کر دی گئی ہے اور جو حدیث قرآن کے مطابق ہو وہ لے لو، کیونکہ ہماری ہے گویا اہلبیتؑ عصمت سے واردشدہ احادیث میں سے کوئی حدیث بھی ایسی نہیں جو مضمونِ قرآن کے خلاف ہو۔ یہ اور بات ہے کہ کسی مقام پر حدیث معصوم کے مطابق شاہد قرآنی پیش کرنے سے ہم قاصر ہو جائیں کیونکہ یہ ہماری کوتاہ علمی اور نافہمی کی دلیل ہے اس سے اہلِ بیت کے کلام کا خلاف قرآن ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ ان کا قرآن کے ساتھ ہونا اور قرآن کا ان کے ساتھ ہونا حدیث ثقلین اور دیگر احادیث نبویہ سے ظاہر اور واضح ہے۔

بہرکیف مطالب دینیہ اور علوم اسلامیہ کا مدار اور اصل واساس قرآن مجید ہی ہے۔

تو نہایت حیرت و افسوس کا مقام ہے کہ دورِ حاضر میں علوم قرآنیہ سے دلچسپی ختم ہوگئی ہے حتیٰ کہ اس دور کے

---

[1] جن کا تعلق معصوم کے بیان سے ہوتا تھا۔ منہ

مدارس دینیہ بھی اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہیں۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے جن علوم کو مقدمہ قرار دیا گیا ہے۔ مدارسِ دینیہ میں وہی مقصود بالذات قرار دیئے گئے ہیں زندگی کا قیمتی اور اہم ترین حصّہ مقدمات کی تحصیل میں خرچ کر دیا جاتا ہے اور علومِ قرآنیہ کو مطالعہ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جس پر کوئی صاحبِ ہمّت بمشکل ہی موفق ہو سکتا ہے اور سلسلۂ تصنیف و تالیف بھی اس گوہرِ مراد سے خالی و یکسر بیگانہ ہی ہے۔

حالانکہ خداوندِ کریم نے اپنی مقدّس کتاب میں متعدد مقامات پر انسان کو آیاتِ قرآنیہ میں تدبّر و تفکّر کی دعوت دی ہے اور حضرت رسالتمآبؐ نے کئی مرتبہ صحابہ کرام کو اہلبیت اور قرآن ہردو کے دامن سے وابستگی کا تاکیدی حکم فرما کر ان دونوں کی اہمیت کو اور زیادہ اجاگر کیا ہے۔ آئمہ طاہرینؑ سے بکثرت احادیث وارد ہیں جن میں قرآن میں غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے لیکن موجودہ دَور کی اُفتادِ طبع اس سے یکسو ہے۔ تمام اقوال و فرامین طاقِ نسیان کی زینت ہیں۔ اتنی غفلت شعاری اور پہلو تہی کہ توجہ و التفات تک نہیں اور یہی وجہ ہے کہ مدارس دینیہ کے اکثر فارغ التحصیل فضلاءٌ بعض آیاتِ قرآنیہ کا صحیح لفظی ترجمہ بھی نہیں کر سکتے۔

ہمارے کچھ عربی دان حضرات اس بات پر بہت خوش ہوتے ہیں کہ ہمیں مولوی یا عالم کہا جائے اور انتہائی خوشی ہوتی ہے جب اُن کو نائب امام کی مقدس لفظ سے نسبت دی جائے اور اگر کوئی اس قسم کے خطابات کو مجلس مکالمہ میں ترک کر دے تو دل میں خفگی اور کڑھن سی پیدا ہوتی ہے لیکن اپنے گریبان میں قطعاً دھیان نہیں کیا جاتا کہ آیا ہم ان خطابات کے اہل بھی ہوں یا نہیں؟

ہمارے عوام کا نظریہ تو اس قدر پست ہے کہ معمولی سے معمولی تعلیم یافتہ کو وہ عالم کہہ دیا کرتے ہیں۔ ان بیچاروں کی معرفت ہی اسی قدر ہے لیکن جس کو عالم کہا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ خجالت محسوس کرتا اور آئندہ کے لئے لوگوں کو اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے منع کرتا۔ وہ اُلٹا خوشی محسوس کرتا اور فخر سمجھتا ہے دل میں پھولا نہیں سماتا اور اسی مقدس خطاب کی آڑ لے کر لوگوں سے روپیہ وصول کرتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اپنی بیماری کو رفع کرتا۔ اُلٹا باقی لوگوں کے بیمار کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور اس سے اس کی شکم پُری بھی خوب ہوتی ہے۔

ہمارے سامنے کا واقعہ ہے۔ ایک بزرگ اچھے خاصے سمجھدار و تعلیم یافتہ ہمارے ایک طالب علم سے دریافت کرنے لگے کہ تو نے صرف پڑھی ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ بزرگ نے سوال کیا نحو پڑھی ہے۔ جواب دیا جی ہاں۔ پھر پوچھا کچھ منطق بھی پڑھی ہے؟ کہا جی ہاں! بزرگ یہ جوابات سُن کر آخر میں فرمانے لگے کہ پھر تو آپ بڑے ہی عالم ہوئے انہی باتوں میں ہمارے علم جو حضرات فریب خوردہ ہو کر علم کو ترک کر بیٹھتے ہیں اور چند مقدمات کی تحصیل کے بعد اپنے تئیں عالم خیال کرتے ہیں اور علوم قرآنیہ کے قریب تک نہیں آتے۔ حالانکہ عالم کہلانے کا اسے حق حاصل ہے جو قرآنی مطالب پر سیر حاصل نظر رکھتا ہو۔ چنانچہ اصولِ کافی میں ایک حدیث وارد ہے۔ مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علیہ السلام

ارشاد فرماتے ہیں۔

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالْفَقِيهِ مَنْ لَمْ يُقَنِّطِ النَّاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ وَلَمْ يُؤْمِنْهُمْ مِنْ عَذَابِ اللهِ وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُمْ فِي مَعَاصِي اللهِ وَلَمْ يَتْرُكِ الْقُرْآنَ رَغْبَةً عَنْهُ إِلَى غَيْرِهِ أَلَا لَا خَيْرَ فِي عِلْمٍ لَيْسَ فِيهِ تَفَهُّمٌ أَلَا لَا خَيْرَ فِي قِرَاءَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَدَبُّرٌ أَلَا لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَفَكُّرٌ۔

آگاہ ہو میں تمہیں ایسے فقیہ کا پتہ دوں جو کما حقہ فقیہ ہے وہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ کرے۔ اور عذاب خدا سے نڈر نہ کرے اور اللہ کی نافرمانی میں ڈھیل نہ دے اور قرآن سے دوسری طرف اعراضاً منہ نہ پھیرے آگاہ ہو کہ اس علم میں کوئی خوبی نہیں جس میں سمجھ نہ ہو۔ وہ قرآن خوانی بے فائدہ ہے جس میں تدبر نہ ہو (اور اس عبادت میں بھی" کوئی اچھائی نہیں۔ جس میں تفکر نہ ہو۔

وفی البرهان عن النبیؐ لَا يُعَذِّبُ اللهُ قَلْبًا وَعَى الْقُرْآنَ۔

تفسیر برہان میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا اس دل کو عذاب نہ کرے گا۔ جس میں قرآن محفوظ ہے۔

وایضاً فیه عنهُ خِيَارُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ وفیه عن علیؑ وَعَلَيْكَ بِكِتَابِ اللهِ فَإِنَّهُ الْحَبْلُ الْمَتِينُ وَالنُّورُ الْمُبِينُ وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ وَالْعِصْمَةُ لِلْمُتَمَسِّكِ وَالنَّجَاةُ لِلْمُتَعَلِّقِ لَا يَعْوَجُّ فَيُقَوَّمُ وَلَا يَزِيغُ فَيُسْتَعْتَبُ وَلَا يُخْلِقُهُ كَثْرَةُ الرَّدِّ وَوُلُوجُ السَّمْعِ مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ سَبَقَ۔

تم میں سے نیک ترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے حضرت امیرؑ فرماتے ہیں۔ کتاب اللہ کو لازم پکڑو کیونکہ یہی مضبوط رسی وواضح روشنی و نفع بخش تندرستی اور تمسک پکڑنے والے کے لئے بچاؤ (کا ذریعہ) اور تعلق رکھنے والے کے لئے نجات (کا رستہ) ہے یہ کج نہیں کہ محتاج اصلاح ہو۔ اس میں ٹیڑھا پن نہیں کہ حرف گیری ہو سکے زیادہ پڑھنے سننے سے پرانا نہیں ہوتا۔ جس کا قول قرآن کے مطابق وہ سچا اور جس کا عمل قرآن کے مطابق وہ سابق ہے۔

وایضاً فیه عن علیؑ۔ الْقُرْآنُ ظَاهِرُهُ أَنِيقٌ وَبَاطِنُهُ عَمِيقٌ لَا تَفْنَى عَجَائِبُهُ وَلَا تَنْقَضِي غَرَائِبُهُ وَلَا تُكْشَفُ الظُّلُمَاتُ إِلَّا بِهِ۔

نیز آپ نے فرمایا۔ قرآن کا ظاہر دلکش اور باطن دور رس ہے اور اس کے عجائب و غرائب غیر فانی اور بے حد و پایاں ہیں (جہالت کی) تاریکیاں صرف اسی سے دور ہو سکتی ہیں۔

گویا علم قرآن ہی ایک ایسا علم ہے جس میں دنیا و آخرت کی خیر و برکت کے راز و رموز پنہاں ہیں۔ لہٰذا تمام علوم کے مقابلہ میں علم قرآن کا حاصل کرنا زیادہ اہم اور ضروری ہے اور اس علم کا ترک کرنا دنیوی و اخروی (یعنی ہر دو جہاں کی) برکات سے محرومی کا موجب ہے جو صرف شقاوت ہی کا نتیجہ ہے۔ خداوند کریم تمام مومنین کو توفیق عطا فرمائے کہ اپنے بچوں کو علوم قرآنیہ کی تعلیم دلوائیں۔ آمین

ترتیبِ علوم

شہید ثانی قدہ نے جو ترتیب بیان فرمائی ہے ہم اسی کا ترجمہ ذکر کرتے ہیں۔

متعلم کو سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کر لینا چاہیئے اور علم تجوید کو بھی ضبط کر لینا چاہیئے۔ تاکہ قرآن مجید سے دل نورانی ہو کر باقی علوم کی تحصیل کا موجب ہو۔ پھر علوم عربیہ میں سے پہلے پہل علم صرف میں اچھی مہارت حاصل کر کے علم نحو میں پوری دسترس پیدا کرے۔ کیونکہ قرآن فہمی اور حدیث دانی میں اس کو بڑا دخل ہے پھر باقی علوم عربیہ کی تکمیل کے بعد بقدر ضرورت منطق و علم کلام حاصل کرے اس کے بعد علم اصول فقہ پڑھے اور اس میں مہارت کاملہ حاصل کرے۔ کیونکہ مباحث فقہیہ کی تحقیق اسی علم پر موقوف ہے پھر علم درایۃ الحدیث کا ضبط کرے اور وہ آیات قرآنیہ جو احکام فرعیہ سے متعلق ہیں۔ ان کو تحقیقی بحث کے ساتھ پڑھے۔ ان سب کے بعد ان کتب فقہیہ کو پڑھے جن میں مسائل فرعیہ اور اصطلاحات فقہیہ درج ہوں۔ جن کے استدلالات تفصیلی طور پر مفصل فقہی کتب میں مذکور ہیں۔ ان تمام علوم میں کامیابی حاصل کر لینے کے بعد قرآن مجید کی تفسیر کی طرف اقدام کرے کیونکہ باقی تمام علوم اسی کا مقدمہ ہیں۔ اگر اس پر موفق ہو جائے تو صرف مفسرین کے نتائج افکار پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ اس کے معانی پر خود غور و فکر کرے اور اس کے رموز مخفیہ پر اطلاع حاصل کرنے کے لئے تصفیہ نفس کرے اور اللہ سے کمال عجز و انکساری سے دعا مانگے کہ اسے قرآن فہمی اور اس کے رموز و اسرار کا علم عطا ہو۔ پس قرآن کے حقائق میں سے اس کو ایسے مطالب تک دسترس نصیب ہوگی۔ کہ دوسرے مفسرین کی رسائی وہاں تک نہ ہوئی ہوگی۔ کیونکہ قرآن مجید وہ بحر بیکراں ہے جس کی تہہ موتیوں سے پر ہے اور سطح خیر سے لبریز ہے اور لوگوں کی صلاحیتیں اس کے جواہر آبدار اور حقائق پر اسرار کے حاصل کرنے میں اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے مختلف ہیں کیونکہ یہ چیز ان کے ذہن رسا اور قوت مفکرہ ہی کا نتیجہ ہے اور عموماً تفاسیر میں مطالب کا اختلاف انہی ذہنی صلاحیتوں اور علمی استعدادات میں اختلاف مراتب کی بدولت ہے۔

بعض تفاسیر میں علوم عربیہ پر زیادہ زور ہے۔ جیسے کشاف زمخشری اور بعض تفاسیر پر حکمت و فلسفہ کا رنگ غالب ہے۔ جیسے مفتاح الغیب بعض میں قصص کی بھرمار ہے۔ جیسے تفسیر ثعلبی اور بعض میں صرف تاویل حقائق ہے۔ اور ظاہری تفسیر سے پہلوتہی ہے۔ جیسے تفسیر کاشی و علیٰ ہذا القیاس۔

— ایک روایت مشہورہ میں ہے کہ قرآن کے لئے تفسیر بھی ہے اور تاویل بھی۔ اس میں حقائق بھی ہیں اور دقائق بھی۔ ظاہر بھی ہے۔ باطن بھی۔ اور اس کی حد بھی ہے اور مطلع بھی۔ اللہ اپنے فضل سے جسے چاہے عطا کرتا ہے۔ اور وہ صاحب فضل عظیم ہے۔

فضائلِ قرآن

قرآن مجید کے فضائل کی حد معین کرنا انسان کی کوتاہ نظری اور نافہمی ہے کیونکہ اس مقدس کلام کو عام کلاموں سے وہی نسبت ہے جو خالق کو مخلوق سے ہے جب افکار انسانی خداوند عالم کے احسانات و نعمات میں سے ایک ادنیٰ نعمت کی جملہ خوبیوں کا احصا نہیں کر پاتے تو کلام مقدس (جو اعلیٰ و اشرف نعمات الٰہیہ ہے) کے جملہ حقائق و دقائق کا ادراک اس فہم قاصر سے کیسے ہو سکتا ہے؟ اس مقام پر بعض فضائل قرآن مجید معصومین علیہم السلام کی زبان معجز بیان سے نقل کرتا ہوں تاکہ علوم قرآنیہ کی عظمت زیادہ واضح ہو جائے۔

عن امیرالمومنین قال فی خطبته إنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ هُوَ النَّاصِحُ الَّذِيْ لَا يَغُشُّ وَالْهَادِيْ الَّذِيْ لَا يُضِلُّ وَالْمُحَدِّثُ الَّذِيْ لَا يَكْذِبُ وَمَا جَالَسَ هٰذَا الْقُرْآنَ أَحَدٌ إِلَّا قَامَ عَنْهُ بِزِيَادَةٍ أَوْ نُقْصَانٍ زِيَادَةٍ فِيْ هُدًى أَوْ نُقْصَانٍ مِنْ عَمًى وَاعْلَمُوْا أَنَّهُ لَيْسَ عَلٰى أَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْآنِ مِنْ فَاقَةٍ وَلَا لِأَحَدٍ قَبْلَ الْقُرْآنِ مِنْ غِنًى فَاسْتَشْفُوْهُ مِنْ أَدْوَائِكُمْ وَاسْتَعِيْنُوْا بِهِ عَلٰى لَأْوَائِكُمْ فَإِنَّ فِيْهِ شِفَاءً مِنْ أَكْبَرِ الدَّاءِ وَهُوَ الْكُفْرُ وَالنِّفَاقُ وَالْغَيُّ وَالضَّلَالُ فَاسْأَلُوا اللّٰهَ بِهِ وَتَوَجَّهُوْا إِلَيْهِ بِحُبِّهِ وَلَا تَسْأَلُوْا بِهِ خَلْقَهُ إِنَّهُ مَا تَوَجَّهَ الْعِبَادُ بِمِثْلِهِ وَاعْلَمُوْا أَنَّهُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ وَقَائِلٌ مُصَدَّقٌ وَأَنَّهُ مَنْ شَفَعَ لَهُ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُفِّعَ فِيْهِ

نہج البلاغۃ خطبہ ۱۷۱

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ تحقیق یہ قرآن وہ خیرخواہ ہے جو کبھی دھوکا نہیں کرتا ایسا ہادی ہے جو کبھی راہ گم نہیں کرتا اور ایسا بیان کنندہ ہے جو جھوٹ نہیں کہتا جو قرآن سے ہم مجلس ہوا۔ وہ زیادتی یا کمی لے کر اٹھا یعنی ہدایت میں زیادتی اور گمراہی میں کمی اور یقین جانئیے کہ قرآن حاصل کر لینے کے بعد کوئی فقر نہیں اور قرآن حاصل کر لینے سے پہلے کوئی دولت مندی نہیں۔ اس سے اپنی بیماریوں کی شفا حاصل کرو اور دفع مصائب کے لئے اس سے مدد طلب کرو تحقیق یہ سخت بیماری کفر نفاق غیّ اور ضلال کا واحد علاج ہے۔ اللہ سے اسی کے ذریعے دعا مانگو اور اسی کی محبت لے کر بڑھو اور اس کے ذریعے اس کی مخلوق سے گدا نہ کرو کیونکہ بندوں کی (خالق کی طرف) توجہ کے لئے اس جیسا اور کوئی ذریعہ نہیں یقین رکھو یہ کہ وہ شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت مقبول ہے اور یہ وہ بولنے والا ہے جس کی بات تصدیق شدہ ہے بروز محشر جس کی قرآن نے شفاعت کر دی اس کی شفاعت مقبول ہوگی۔

قال فی خُطْبَتِهٖ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ نُوْرًا

جناب رسالتمآب کے فضائل بیان کرتے ہوئے آپ نے ارشاد

لا تطفأ مصابيحه وسراجا لا يخبو توقده
وبحرا لا يدرك قعره ومنهاجا لا
يضل نهجه وشعاعا لا يظلم ضوءه
وفرقانا لا يخمد برهانه وتبيانا لا
تهدم اركانه وشفاء لا تخشى اسقامه
وعزا لا تهزم انصاره وحقا لا تخذل
اعوانه فهو معدن الايمان وبحبوحته
وينابيع العلم وبحوره ورياض العدل
وغدرانه واثافي الاسلام وبنيانه
واودية الحق وغيطانه وبحر لا
ينزفه المستنزفون وعيون لا ينضبها
الماتحون ومناهل لا يغيضها الواردون
ومنازل لا يضل نهجها المسافرون و
اعلام لا يعمى عنها السائرون وآكام
لا يجوز عنها القاصدون جعله الله
ريا لعطش العلماء وربيعا لقلوب
الفقهاء ومنهاجا لطرق الصلحاء ودواء
ليس بعده داء ونورا ليس معه ظلمة
وحبلا وثيقا عروته ومعقلا منيعا
ذروته وعزا لمن تولاه وسلما
لمن دخله وهدى لمن ائتم به و
عذرا لمن انتحله وبرهانا لمن تكلم
به وشاهدا لمن خاصم به وفلجا
لمن حاج به۔

نہج البلاغۃ خطبہ ۱۹۳

فرمایا کہ پھر اللہ نے ان پر وہ کتاب اتاری جو ایک نور ہے جس کی قندیلیں خاموش نہیں ہوتیں اور جس کے چراغوں کی روشنی مدھم نہیں ہوتی اور ایسا بحر ہے جس کی تہہ ناقابل رسا ہے اور ایسا رستہ ہے جس کے چلنے والا بھٹکتا نہیں۔ وہ ایسی شعاع ہے جس کی روشنی پر تاریکی کا غلبہ نہیں ہو سکتا ایسا فرقان ہے جس کی دلیل مغلوب نہیں ایسا بیان ہے جس کی طاقت کمزور نہیں ایسی شفا ہے جس کے بعد بیماری کا خطرہ نہیں۔ ایسا غلبہ ہے جس کے انصار ہارتے نہیں۔ ایسا حق ہے جس کے معاون چھوڑ نہیں جاتے وہ ایمان کا منبع و جگر علم کے چشمے اور سمندر عدل کے باغیچے و آبشاریں، اسلام کی اساس و بنیادیں اور حق کی وادیاں اور قرار گاہیں ہیں ایسا بحر ہے جس کو استفادہ کرنے والے ختم نہیں کر سکتے ایسا چشمہ ہے جسے فائدہ پانیوالے خشک نہیں کر سکتے ایسا گھاٹ ہے جو پینے والوں سے کم نہیں ہوتا۔ ایسی منازل ہیں کہ مسافر ان کا رستہ بھولتے نہیں ایسے نشان ہیں جن کو رہگذر گم نہیں کرتا اور ایسی بلندیاں ہیں جن سے قصد کرنے والے تجاوز نہیں کر سکتے خدا نے اس کو علماء کی پیاس کی سیرابی فقہاء کے دلوں کی بہار اور نیکوں کے چلنے کا رستہ قرار دیا ہے وہ دوا ہے جس کے ساتھ بیماری نہیں رہتی وہ نور ہے جس کے ساتھ ظلمت نہیں رہتی یہ مضبوط جوڑ والی رسی اور محفوظ چار دیواری والا قلعہ ہے اور محب کے لئے عزت آنے والے کے لئے امن۔ مقتدی کے لئے ہدایت اور نسبت حاصل کرنے والے کے لئے عذر ہے اور جو اس کے ساتھ بولے اس کے لئے برہان اور جو اس کے بل بوتے پر کسی سے مقابلہ کرے اس کے لئے شاہد اور جو اس کے ذریعہ سے مناظرہ کرے اس کے لئے باعث کامیابی ہے۔

عن ابی عبد اللہ یَنْبَغِیْ لِلْمُؤمِنِ اَنْ لَّا یَمُوْتَ حَتّٰی یَتَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اَوْ اَنْ یَکُوْنَ فِیْ تَعْلِیْمِہٖ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن کو چاہیئے کہ اگر اس پر موت آئے تو وہ قرآن پڑھا ہوا ہو یا پڑھنے میں مشغول ہو۔

عن النبیؐ مُعَلِّمُ الْقُرْاٰنِ وَمُتَعَلِّمُہٗ یَسْتَغْفِرُ لَہٗ کُلُّ شَیْءٍ حَتَّی الْحُوْتُ فِی الْبَحْرِ

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے ہر دو کے لئے ہر چیز حتیٰ کہ دریائی مچھلیاں بھی استغفار کرتی ہیں۔

عَنْہُ اَلْقُرْاٰنُ اَفْضَلُ کُلِّ شَیْءٍ دُوْنَ اللّٰہِ فَمَنْ وَقَّرَ الْقُرْاٰنَ فَقَدْ وَقَّرَ اللّٰہَ وَمَنِ اسْتَخَفَّ بِالْقُرْاٰنِ فَقَدِ اسْتَخَفَّ بِحُرْمَۃِ اللّٰہِ

نیز آپ نے فرمایا کہ قرآن اللہ کے بعد ہر شے سے افضل ہے جس نے قرآن کی عزت کی گویا اس نے اللہ کی عزت کی اور جس نے قرآن کی عزت نہ کی گویا اس نے اللہ کی توہین کی۔

یَضِیْءُ نُوْرُہٗ مِنْ مَسِیْرَۃِ عَشَرَۃِ اٰلَافِ سَنَۃٍ وَیُکْسَیَانِ حُلَّۃً لَا یَقُوْمُ لِاَقَلِّ سِلْکٍ مِنْہَا مِاءَۃُ اَلْفِ ضِعْفٍ مَا فِی الدُّنْیَا بِمَا یَشْتَمِلُ عَلَیْہَا مِنْ خَیْرَاتِہَا اِلٰی اَنْ قَالَ فَاِذَا نَظَرَ وَالِدَاہُ اِلٰی حُلَیْہِمَا وَتَاجَیْہِمَا قَالَ رَبَّنَا اَنّٰی لَنَا ہٰذَا الشَّرَفُ وَلَمْ تَبْلُغْہُ اَعْمَالُنَا فَیَقُوْلُ لَہُمَا کِرَامُ مَلَائِکَۃِ اللّٰہِ عَنِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ ہٰذَا لَکُمَا بِتَعْلِیْمِکُمَا وَلَدَکُمَا الْقُرْاٰنَ۔

نیز آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھنے والے کے والدین کو تاج کرامت عطا ہوگا جس کا نور دس ہزار سال کی راہ سے ظاہر ہوگا اور ان کو ایسے حلہ ہائے بہشت عطا ہوں گے کہ تمام دنیا اور اس کی جملہ خوبیوں کا لاکھ گنا اس کی ادنیٰ تار کے برابر نہ ہو سکے گا۔

یہاں تک کہ آپ نے فرمایا جب اس کے والدین یہ حلے اور تاج دیکھیں گے تو عرض کریں گے اے اللہ ہمیں یہ شرف کیسے ملا حالانکہ ہمارے اپنے اعمال تو اس قابل نہ تھے تو خداوند کریم کی طرف سے فرشتے جواب دیں گے کہ یہ شرف تم کو اس لئے ملا ہے کہ تم نے اپنے بچے کو قرآن مجید پڑھایا تھا۔

عَنْہُ اَلْقُرْاٰنُ غِنًی لَا غِنٰی دُوْنَہٗ وَلَا فَقْرَ بَعْدَہٗ

نیز فرمایا کہ قرآن کے بغیر کوئی دولتمندی نہیں اور قرآن کے ساتھ کوئی فقر نہیں

عَنْہُ اَفْضَلُ الْعِبَادَۃِ قِرَاءَۃُ الْقُرْاٰنِ

قرآن کا پڑھنا بہترین عبادت ہے۔

عَنْہُ اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ۔

فرمایا میری امت کے شرفاء قرآن خوان اور شب خیز لوگ ہیں۔

آپ نے فرمایا جو شخص اپنے لڑکے کو قرآن کی تعلیم دلوائے تو اس کے والدین کو تاج اور حلہ ہائے بیش بہا عطا ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ معلم بچے کو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھاتا ہے تو بچے اور اس کے والدین اور استاد کے لئے خدا آتش جہنم سے آزادی فرض کر دیتا ہے۔

نیز جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو قرآن پڑھائے تو گویا اس نے دس ہزار حج اور دس ہزار

عمرے ادا کئے اور اولاد حضرت اسماعیلؑ سے دس ہزار غلام آزاد کئے اور دس ہزار جہاد کئے اور دس ہزار بھوکے مسکینوں کو کھانا کھلایا اور گویا اس نے دس ہزار برہنہ مسلمانوں کو لباس دیا اور ہر ہر حرف کے بدلے میں اس کے نامۂ اعمال میں دس دس نیکیاں درج ہوں گی اور دس دس گناہ معاف ہوں گے۔ قبر سے حشر تک۔ قرآن اس کے ہمراہ ہوگا اور اس کو پل صراط سے مثل بجلی کے پار کرے گا اور قرآن اس سے جُدا نہ ہوگا جب تک کہ اس کو منازلِ کرامت میں ایسی منزل پہ نہ لے جائے جسے وہ چاہتا ہوگا۔

نیز آپ نے فرمایا کہ حاملین قرآن اللہ کی رحمت سے مخصوص اللہ کے نور سے ملبوس۔ اللہ کے کلام کے معلم اور اللہ کے مقرب ہیں۔ ان کا دوست اللہ کا دوست اور ان کا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ خداوند کریم قرآن سننے والے سے دنیا کی بلائیں اور پڑھنے والے سے آخرت کی بلائیں دُور کرتا ہے (یہاں تک کہ فرمایا) جس نے سچے دل سے قرآن کی ایک آیت سُن لی مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ سونے کا پہاڑ راہ خدا میں خرچ کرنے سے اس کا ثواب زیادہ ہے اور جس نے خلوص اعتقاد سے ایک آیت قرآن کی تلاوت کی اس کے ثواب کی عظمت کے مقابلہ میں زمین سے لے کر عرش علا تک کی بلندیاں ہیچ ہیں۔

ایک اور مقام پہ ارشاد فرمایا کہ خدا اس دل کو عذاب نہ کرے گا جو قرآن کا مسکن ہے۔

یہ چودہ حدیثیں (بعض اصل عبارت کے ساتھ و بعض کا صرف ترجمہ) ذکر کر دی گئی ہیں۔ انہی کو پڑھ لینے سے قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے کی عظمت معلوم ہو جائے گی۔ احادیث نبویہ مجمع البیان و سائل المستدرک سے نقل کی گئی ہیں۔ خداوند کریم تمام مومنین کو اس خیر کثیر میں حصہ لینے کی توفیق اور جرأت عطا فرمائے۔ تاکہ بچوں کو قرآنی علوم سے آراستہ کر سکیں۔ (آمین)

اوصاف حاملین قرآن

حضرت امیر المومنین علیہ السلام متقین کی اوصاف کو بیان فرماتے ہوئے حاملین قرآن کے لئے یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ رات کے وقت ان کے قدم (مقام عبادت) میں صف بستہ رہتے ہیں۔ ترتیل کے ساتھ قرآن کے پاروں کی تلاوت کرتے ہیں۔ اپنے نفوس کو قرآن کے ذریعہ سے خوف زدہ کرتے ہیں۔ گناہوں کو یاد کر کے اپنے غموں کو تازہ کرتے اور روتے ہیں۔ جب کسی خوف کی آیت سے گذریں تو ان کے دلوں کی آنکھیں اور کان اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کے جسموں پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جگر ان کے کانپتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی آواز اور اس کے شعلوں

کی بھڑک اور گرمی ان کے کانوں تک پہنچ رہی ہے اور جب کسی ایسی آیت سے گذریں جس میں شوقِ جنت ہو تو از روئے طمع اس طرف جھکتے ہیں اور ان کے نفوس اس کے منتظر ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کا نصب العین ہے

جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ ظاہر و باطن میں خشوع کا زیادہ سزاوار حاملِ قرآن ہے۔ اے حاملِ قرآن! عاجزی کر خدا تجھے بلند کرے گا تکبر نہ کر ورنہ خدا تجھے ذلیل کرے گا۔ اے حاملِ قرآن! اللہ کے لئے ہی قرآن کو اپنی زینت بنا۔ خدا تجھے زینت دے گا لوگوں کے لئے قرآن کو اپنی زینت نہ بنا ورنہ خدا تجھے رسوا و خراب کر دے گا۔ (یاد رکھو) جو شخص پورے قرآن کو ختم کرے گویا اس کے پہلو میں نبوت آگئی جس کے پہلو میں قرآن ہو وہ جاہلوں کے ساتھ جہالت کا سا سلوک نہیں کرتا بلکہ وہ تو عفو۔ درگذر۔ چشم پوشی اور علم کو پیش پیش رکھتا ہے۔ کیونکہ قرآن کی عظمت اس کے اندر ہے جس کو قرآن عطا ہو اور پھر کسی دوسرے کی نعمات کو اہمیت دے۔ گویا اس نے اللہ کے عظیم کو حقیر اور اللہ کے حقیر کو عظیم سمجھا۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ اس امت کا قاریٔ قرآن اگر جہنم میں داخل ہو تو سمجھ لو کہ وہ آیاتِ قرآنیہ سے مسخری کیا کرتا تھا۔ حفص سے روایت ہے کہ مقامِ رجا اور خوف میں میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے زیادہ کسی کو نہیں پایا۔ جب وہ تلاوتِ قرآن کرتے تھے تو ایسا روتے تھے جیسے کسی کے روبرو باتیں کر رہے ہوں۔

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ اللہ کی عظمت و جلال سے ہے کہ تین قسموں کے لوگ اس کی بارگاہ میں نہایت مکرم ہیں۔ ۱۔ مسلم سفید ریش ۲۔ امام عادل ۳۔ حاملِ قرآن جو معانی قرآن میں رد و بدل نہ کرے اور اس سے تجاوز بھی نہ کرے۔

قَالَ رسولُ اللهِ يُوْضَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ وَعِنْدَ كُلِّ مِنْبَرٍ نَجِيْبٌ مِنْ نُجُبِ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُنَادِيْ مُنَادٍ مِنْ قِبَلِ رَبِّ الْعِزَّةِ اَيْنَ حَمَلَةُ كِتَابِ اللهِ؟ اِجْلِسُوْا عَلٰى هٰذِهِ الْمَنَابِرِ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ حَتّٰى يَفْرُغَ اللهُ مِنْ حِسَابِ الْخَلَائِقِ ثُمَّ ارْكَبُوْا عَلٰى هٰذِهِ النُّجُبِ وَاذْهَبُوْا اِلَى الْجَنَّةِ

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز نور کے منبر نصب کئے جائیں گے اور ہر منبر کے پاس ایک نور کی سواری ہوگی۔ پھر اللہ کی طرف سے منادی ندا کرے گا۔ کہاں ہیں کتاب اللہ کے حامل۔ (کہا جائے گا) کہ جب تک خدا خلائق کے حساب سے فارغ نہ ہو تم بلاخوف و حزن ان منبروں پہ بیٹھو اس کے بعد انہی سواریوں پہ سوار ہو کر جنت کی طرف چلے جاؤ۔

سُبْحَانَ اللهِ! اللہ کے نزدیک حاملینِ قرآن کی کیا قدر و منزلت ہے؟

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاحْشُرْنَا فِيْ زُمْرَتِهِمْ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

آدابِ قاری (عالم و متعلم قرآن)

قرآن پڑھنے اور پڑھانے کے متعلق جو کچھ کتب احادیث میں موجود ہے اگر یکجا کیا جائے تو شاید ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جائے اس جگہ جو کچھ میں ذکر کر چکا ہوں وہ حضرات اہلبیتؑ کے جملہ اقوال کے مقابلہ میں قطرہ از دریا یا ذرہ از ریگِ صحرا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا باطنی طور پر ذاتِ اقدس الٰہی سے باتیں کر رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ خیال کرنا بھی اس کے لئے ضروری ہے کہ جس ذات سے وہ ہم کلام ہے۔ اس کے مناسب آداب بھی ملحوظ رکھے کیونکہ قرآن کا پڑھنا صرف لقلقہ لسانی کا نام نہیں بلکہ ساتھ ساتھ تعلق روحانی کے وابستہ رہنے کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ یہود کی مثال صادق نہ آئے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا — جن لوگوں کو تورات دی گئی پھر وہ لوگ اس کے حامل نہ بنے (عامل نہ بنے)
كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا — ان کا تورات اٹھانا مثل کتابوں سے بارشدہ گدھے کے ہے۔

خدا علم ایسی نعمت کو ذلیل نہیں کرتا۔ لوگ رزق کی تلاش کرتے ہیں اور رزق عالم کو تلاش کرتا ہے ہاں عالم کو بھی چاہیئے کہ خدا کے بھیجے ہوئے رزق پر صبر و قناعت کرے۔

وہ بدترین علماء ہیں جو رزق کی خاطر رؤسا کے دروازوں کا چکر لگا کر نعمتِ علم کی توہین کریں اور نیک ترین امراء ہیں وہ جو دین کی خاطر علماء کے دروازوں کا طواف کر کے وقارِ علم کو دوبالا کریں۔ روایت میں ہے ایک زمانہ ہوگا کہ علماء کی زبان پر قرآن ہوگا لیکن حنجرہ سے نیچے نہیں اترے گا

ایک اور روایت میں ہے کہ بعض قاریٔ قرآن ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں قرآن لعنت کرتا ہے۔

لہٰذا علمِ قرآن حاصل کرنے کے لئے نیت قربت ہو اور رضائے خالق مطلوب ہو مخلوق کی دادِ تحسین مطمحِ نظر نہ ہو۔ ریاکاری دکھاوا نہ ہو اور مال و دولت کمانا بھی مطلوب نہ ہو۔

شہید ثانی نے منیۃ المرید میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام سے ایک شخص نے علم سیکھا اور کچھ مدت حضرت موسٰیؑ کی صحبت میں رہنے کے بعد اجازت چاہی تو حضرت موسٰیؑ نے اس کو دنیا داروں کے دروازوں پر جا کر نعمتِ علم کی توہین سے باز رہنے نصیحت فرمائی۔ اس شخص نے ظاہراً حضرت موسٰیؑ کی نصیحت کو قبول کر کے اس پر عمل کرنے کا وعدہ کیا تو آپ نے اس کو رخصت دے دی لیکن بہت جلد واپس آنے کی فرمائش بھی کی۔ وہ چلا گیا اور واپس نہ آیا جب کافی دن گذر گئے تو حضرت جبریل امین سے اس کے متعلق دریافت کیا تو جبریل نے بتلایا کہ وہ بصورت بندر مسخ ہو کر دربدر پھر رہا ہے۔ آپ نے بارگاہِ قاضی الحاجات میں اس کی اس مصیبت کے دفع

ہو جانے کی دُعا مانگی اور اس کے گناہوں کی بخشش کے لئے عرض کی تو ذاتِ احدیت کی طرف سے خطاب ہُوا اے موسیٰؑ: میں نے علم جیسی گراں بہا نعمت اس کو مرحمت کی تھی لیکن اس نے جہلاء کے دروازوں کا طواف کر کے میری نعمت کی بے قدری کی ہے (لہٰذا اب وہ اسی سزا کا مستوجب و حقدار ہے اب اس کی کوئی سفارش نہ کرو) نیز قاریٔ قرآن کو چاہیئے کہ قرآن صرف دوسروں کے سنانے کے لئے نہ پڑھے بلکہ اپنے کانوں کو سنا کر دل کو اس کی طرف متوجہ کرے۔ بہر کیف علماء و متعلمین کو اس قسم کے واقعات سے درسِ عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔ عالم بے عمل مثلِ شجر بے ثمر کے ہے اور جو شخص لوگوں کو نصیحت کرے اور خود نصیحت پذیر نہ ہو وہ قرآن کی ان آیات کا مصداق ہے۔ اَتَامُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ ترجمہ: کیا لوگوں کو نیکی کا امر دیتے ہو اور خود اپنے نفسوں کو بھلا دیتے ہو؟

قیامت کے دن بہت حسرت اس عالم کے لئے ہوگی جس کی نصیحت سے دوسرے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور جنت میں چلے گئے اور وہ خود اپنی بداعمالیوں کی بدولت جہنم کا مستحق ہُوا۔

اور جب تک کوئی عالم اپنے وعظ سے خود متاثر نہ ہو اس کے وعظ سے دوسرا کوئی نصیحت ہی قبول نہیں کرتا (جو بات کہ دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے)

اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ جب تک انسان امراضِ باطنیہ روحانیہ سے نجات حاصل نہ کرلے فیوض و برکات علمیہ قرآنیہ اس کے دل و دماغ پر قطعًا باعثِ نورانیت نہیں ہو سکتے اور نہ وہ لذّاتِ قرآنیہ سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔

نیز وارد ہے کہ عالم کی دنیا میں ادنیٰ سزا یہ ہے کہ وہ لذّتِ عبادت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ یذکر فتنفعہ الذکری

عملِ تسخیر اور قرآن

عملیات کے دلدادہ افراد آیاتِ قرآنیہ کو تسخیرات کا آلہ قرار دے کر اس کو مشغلہ عملیہ قرار دیتے ہیں۔ جنات ملائکہ اور ارواح کی تسخیر کے لئے عجیب و غریب طرز عمل ان لوگوں نے ایجاد کئے ہوئے ہیں۔ بعض عمل قبرستان میں بعض جنگل میں بعض تاریک مکان میں وعلیٰ ہذا القیاس پابندیٔ وقت و مقام و لباس و طعام وغیرہ کے ساتھ بجا لائے جاتے ہیں اور شاذ و نادر بعض افراد سے یہ عمل پایۂ تکمیل کو بھی پہنچ جاتا ہے اس تسخیر کے عمل کرنے والوں کے اغراض و مقاصد

جدا جدا ہوا کرتے ہیں۔

بعض لوگ مال و دولت جمع کرنے کے لئے یہ عمل کرتے ہیں۔

بعض تسخیرات کی مدد سے اپنا ولی ہونا ظاہر کر کے اپنی پیری کی دوکان کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔

بعض لوگوں کا مطمح نظر صرف عزّ و جاہ و وقار ظاہری ہوتا ہے۔

بعض لوگ دشمن کو گزند پہنچانے یا اُسے زیر کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

بعض مادہ شہویہ سے مغلوب ہو کر اس مشغلہ کو خواہشاتِ جنسیہ کی تکمیل کا آلۂ کار بناتے ہیں۔ اور بعض لوگ محض شوقیہ بھی کرتے ہیں۔

بہر کیف اغراض جو بھی ہوں، عموماً تسخیری آیات قرآنیہ کی تلاوت کو دخل عظیم حاصل ہے۔ ان کے بغیر غالباً کوئی عمل کامل نہیں ہوتا۔ خواہ تسخیر جن ہو یا ملائکہ و ارواح و ہمزاد کی تسخیر ہو۔

اس میں شک نہیں کہ یہ عملیات بے اثر نہیں ہوا کرتے۔ بعض لوگوں کی ناکامی بعض قیود کی پابندی چھوڑ دینے سے عموماً ہوتی ہے نیز اس قسم کے عملیات میں دل کی طاقت کو بڑا دخل ہے۔ کیونکہ تمام شب قبرستان یا جنگل میں یا تاریک مکان میں تنہا وقت گذارنا صبر و حوصلہ کے علاوہ بڑے دل و جگر کا کام ہے اور اگر دوران عمل میں ذرا سا خوف و ہراس پیدا ہوا تو عمل ضائع اور نتیجہ برعکس ہو جاتا ہے۔

قرآن میں طاقت ہے کہ اس کے ذریعہ سے پہاڑ ہل جائیں، مردے بول اٹھیں، زمین کے سفر طے ہو جائیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اگر مُردہ پر ستر مرتبہ سورۂ فاتحہ دم کی جائے تو عجب نہیں کہ اس میں روح واپس آجائے۔ نیز ان آیات قرآنیہ کا دم کرنا یا بطور تعویذ پاس رکھنا اکثر امراض سے موجب شفا ہوتا ہے۔ تو عملیات کی محنت شاقہ و کدوکاوش یعنی چالیس روز یا کم و بیش ایام مقررہ تک ایک ہی مقام پر ایک ہی آیت کا لاکھوں مرتبہ روزمرہ ورد کرنا اگر تسخیر کے نتیجہ پر پہنچ جائے تو اس میں کیا تعجب ہے؟ لیکن کیا ہمارے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہ؟ قرآن کے نزول اور ہماری پیدائش کا مقصد یہی ہے؟

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی فرمائشات جو تمام انسانوں سے متعلق ہیں پر غور فرمائیے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ	اے لوگو! اس اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ	لوگو! اللہ سے ڈرو۔
مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ	میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ	ہر نفس اپنے کئے ہوئے کے ساتھ مرہون ہے۔
مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ	جو ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا۔ اور جو ذرہ برابر

يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۔ برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا۔

اس مضمون کی آیات قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ جن کا مقصد انسان کو خالق سے تعلقاتِ عبدیت قائم رکھنے کا حکم ہے گروہِ جنات ان احکام میں ہمارے ساتھ شریک ہے (ویسے تکوینی طور پر تو تمام مخلوق ارضی وسماوی فرشی وعرشی اور بحری و بری مصروفِ عبادت ہیں۔

انسان اس لئے پیدا نہیں ہوا کہ صرف جذبہ نفسانی و شہوانی کے پیشِ نظر آیاتِ قرآنیہ سے تسخیر خلائق کرتا پھرے اور نہ قرآن اس لئے اترا ہے کہ اس سے تسخیر خلائق کرتے رہو۔ بلکہ وہ خلق کے لئے ہدایت ہے اور اس کے لانے والا رسولِ عالمین کے لئے رحمت اور تمام جن وانس کے لئے بشیر ونذیر ہے۔

انسان کا آخری کمال یہ ہے کہ اپنے قوائے نفسیہ شہویہ اور غضبیہ وغیرہ کو قوتِ عاقلہ کی مدد سے قرآن مجید کی روشنی میں اللہ کے لئے مسخر کردے اور قرآن پاک خود بھی تمام انسانوں کو خالق کے لئے مسخر ہونے کی دعوت دیتا ہے بس انسان کا انسانی فریضہ یہی ہے کہ اللہ کے لئے اپنے نفس کو تسخیر کرے اور اپنی تمام نفسانی قوتوں کو اس کے اوامر ونواہی کا پابند رکھے اور یہ امر یقینی ہے کہ اگر انسان اپنے نفس کو اللہ کے لئے مسخر کرنے پر کامیاب ہو جائے۔ تو یہی انسان روحانی ارتقائی منازل طے کرکے بلند مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے کہ باقی مخلوق خود بخود اس کی مطیع و زیر فرمان ہو جائے گی۔ اس کے تصرفات عامہ مخلوقات میں نافذ اور اس کا ارادہ حاوی اور اس کا وقار مسلم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حدیثِ قدسی جو زبان زد خواص وعوام ہے کا مطلب یہی ہے۔

عَبۡدِیۡ اَطِعۡنِیۡ اَجۡعَلۡكَ مِثۡلِیۡ ۔ میرا بندہ میری اطاعت کر۔ تاکہ تجھے اپنے جیسا بنا دوں۔

كُنۡ لِیۡ اَكُنۡ لَكَ ۔ تو میرا ہو جا میں تیرا ہو جاؤں۔

یاد رہے کہ خدا جیسا کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ خود فرماتا ہے۔ لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ

پس فرمانِ ایزدی کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان پورے طور پر خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو خدا اپنی مخلوق کی توجہ اس کی طرف پھیر دیتا ہے گویا جب وہ خدا کا ہو جاتا ہے تو خدائی اس کی ہو جاتی ہے اگر یہ اللہ کا فرمانبردار ہو جائے تو مخلوقات اس کی فرمانبردار ہو جاتی ہے۔ یعنی جو اللہ کا پورے طور پر فرمانبردار ہو۔ وہ کائنات کا پورے طور پر فرمانروا ہوتا ہے۔ وہ کائنات میں جو چاہے کر سکتا ہے۔

بحار الانوار دہم باب معجزات امام حسن علیہ السلام میں ہے۔ ایک مرتبہ امام حسنؑ نے ایک مقام پر فرمایا۔ اگر میں خدا سے دعا کروں تو وہ شام کو عراق کر دے اور عراق کو شام بنا دے۔ مرد کو عورت اور عورت کو مرد بنا دے یہ کہنا تھا کہ ایک منافق دشمنِ خدا کے سینے میں آتشِ حسد بھڑک اٹھی۔ گستاخانہ لہجہ میں آپ پر طعنہ زن ہو کر کہنے لگا۔ یہ کس کی طاقت ہے۔ (اگر اتنی طاقت ہوتی تو معاویہ سے صلح کیوں کی جاتی؟ آپ نے بخاموشی اس کے بکواس سنے۔ جب

وہ خاموش ہُوا آپ نے فرمایا۔ اے عورت تو ان نامحرموں کے مجمع سے نکل جا۔ خدا نے تجھے عورت کر دیا ہے اور تیری عورت کو اب مرد بنا دیا ہے۔ تو گھر پہنچ کر اس سے ہمبستر ہوگی اور تیرے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو خنثیٰ ہوگا امام کا کلام سُن کر وہ شخص اپنے جسم کی طرف متوجہ ہُوا۔ تو اپنے آپ کو عورت پایا اور گھر آیا تو اپنی سابقہ بیوی کو مرد پایا اور بمطابق فرمانِ امامؑ مقاربت کے بعد اس کے پیٹ سے خنثیٰ پیدا ہوا۔ اس کے بعد وُہ دونوں میاں بیوی تائب ہوئے اور خدمتِ امام علیہ السلام میں حاضر ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے پس امام عالی مقام نے معافی دی اور خدا نے اُن کی توبہ قبول فرمائی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد وہ دونوں اپنی اصلی حالت پر آگئے اور ایک وقت تک زندہ رہے۔ یہ ایک واقعہ تبرکاً پیش کر دیا ہے۔ ورنہ جناب رسالتمآبؐ سے لے کر حضرت حجتؑ تک ہر معصوم کی زندگی میں اس قسم کے تصرفات عام موجود ہیں۔ جنہیں معجزات و کرامات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اہلبیت عصمت تو بجائے خود ان کے در کے غلام اور کنیزیں بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ تفصیل کے لئے کتبِ سیر کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر میں واقعات کو جمع کرنے لگ جاؤں۔ تو کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی۔ میرا مقصد عرض کرنے کا یہ تھا کہ اگر انسان اپنے خالق کے لئے اپنے نفس کی تسخیر کرلے تو کائنات کی تسخیر اس کے لئے خود بخود ہو جائے گی۔ قرآنی آیات کو باقی مخلوق جن و ملائکہ وغیرہ کی تسخیر کے لئے استعمال کرنا غلط ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر غلط ہے تو خدا نے قرآنی آیات میں یہ اثر کیوں رکھ دیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے انسان کو خیر و شر کی دونوں طاقتیں مرحمت فرما کر اس کا امتحان لیا ہے۔ اگر صرف اطاعت یا صرف معصیت کا جذبہ ہوتا یعنی دونوں میں سے ایک چیز کی طاقت دیتا تو پھر جزا و سزا کا قصہ لغو ہو جاتا اسی طریقہ پر تمام موجودات کو نفع و نقصان کا حامل بنایا۔ تاکہ انسان اپنے اختیار سے عقل کی روشنی میں شریعت کی ہدایات کے ماتحت منافع حاصل کرے اور مفاسد سے گریز کرے۔ پس ان جسمانی قوتوں کو جو اللہ نے بطور نعمت عطا کی ہیں۔ اگر انسان غلط استعمال کرے یا بالکل معطل چھوڑ دے تو یہ انسان کی اپنی غلطی ہے اسی طرح نعماتِ الٰہیہ جو موجوداتِ عالم میں ہیں۔ اگر انسان ان سے ناجائز فائدہ اٹھائے تو اس کی نااندیشی یا بد باطنی ہے۔ اس میں نعماتِ الٰہیہ کا کوئی قصور نہیں۔ اسی طرح قرآن مجید نعماتِ الٰہیہ میں سے بزرگ ترین نعمت ہے۔ اگر انسان چاہے تو اس کی ہدایت پر عمل کر کے اخروی فوائد حاصل کرے اور چاہے تو اس کو کسبِ مال و دولت کا ذریعہ بنالے اور اگر چاہے تو جھوٹی سچی قسموں کے لئے استعمال کرے اور اگر چاہے تو تسخیرات پر استعمال کر کے اغراض دنیاویہ مطالب شہویہ اور وقار و عزّت ظاہریہ کا اس کو وسیلہ قرار دے۔ انسان اپنے ان افعال میں خود مختار ہے۔

لوہے سے نفع بھی حاصل ہو سکتا ہے اور نقصان بھی۔ اگر لوہے کے کسی تیز دھار آلہ سے کسی نفسِ محترمہ کو قتل کر دے تو یہ عذر غیر معقول ہے کہ کہے۔ اگر قتل گناہ ہوتا۔ تو خدا لوہا کیوں پیدا کرتا ہے یا انسان کو اس قسم کے مہلک آلات

کے بنانے یا استعمال کرنے کی طاقت کیوں دیتا؟ اسی طرح چور یہ عذر کرے کہ اگر چوری گناہ ہوتی۔ تو مجھے خدا ہاتھ نہ دیتا۔ یا مدعی کو اپنے مال سے غافل نہ کرتا۔ زانی یہ کہہ دے کہ اگر زنا ناجائز ہوتا تو مجھے قوتِ شہویہ یا قوتِ فعلِ زنا نہ دی جاتی۔ یا عورت کو اس کے قابل نہ بنایا ہوتا۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔ ہر فعل بد کرنے والا اسی قسم کے عذر پیش کر سکتا ہے تو پھر اس قسم کے عذر درست مان لئے جائیں تو جملہ عقلا کے وضع کردہ اصول برائے نظامِ مملکت یا خالق کی طرف سے عائد شدہ احکام شریعت سب لغویت کی نذر ہو جائیں گے اور دریں صورت بنی نوعِ انسان کی تمدنی زندگی مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گی

پس اگر عاملِ تسخیرات یہ عذر پیش کرے کہ اگر غلط و ناجائز ہوتا۔ تو آیاتِ قرآنیہ اس امر کا فائدہ نہ دے سکتیں محض لغو اور بے جا ہے اور مقولہ (عذر گناہ بدتر از گناہ) کا مصداق ہے۔

ہمارے علمائے اعلام قدس اللہ اسرارہم نے عمل تسخیر کو جادو کی اقسام سے قرار دیا ہے اور اس کی حرمت کا قطعی فیصلہ فرمایا ہے۔ بعض اکابر علماء نے اس کی حرمت کو ضروریاتِ دین سے شمار کیا ہے اور اس حکم کے منکر کو خارج از اسلام قرار دیکر کفر کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ چنانچہ حجۃ الاسلام الاستاد العلام شیخ محمد باقر زنجانی نجفی مدظلہ نے درس خارج میں مکاسبِ محرمہ کی ابحاثِ تحقیقیہ کے بیان کے دوران میں اس مسئلہ کے متعلق یوں ارشاد فرمایا تھا کہ **اولاً** تو یہ یعنی تسخیرِ جنات و ملائکہ و ارواح وغیرہ سحر کے عنوان میں داخل ہیں۔ لہٰذا جن دلیلوں سے سحر (جادو) باطل ہے۔ انہی دلائل سے تسخیر بھی باطل ہے۔ **ثانیاً**۔ تمام علمائے شیعہ امامیہ کا اس چیز (تسخیر) کی حرمت پر اتفاق ثابت ہے۔ **ثالثاً**۔ فخر المحققین اور شہیدین رحمہم اللہ کی تصریحات موجود ہیں کہ اس کی حرمت ضروریاتِ مذہب سے ہے۔ یہاں تک کہ اس کو جائز کہنے والا کافر ہے۔ لہٰذا بالفرض اگر اجماع ثابت نہ بھی ہو تو ان بزرگواروں کا فرمان اس امر کی واضح دلیل ہے کہ تسخیر کی حرمت میں علمائے شیعہ کو کوئی اختلاف نہیں۔ انتہی ما افاد۔

۲۔ عن الدروس للشھید الاول قال ومن السحر الاستخدام للملائکۃ والجن (الی ان قال) نعمل ھذا کلہ حرام والتکسب بہ حرام ثم قال ویقتل مستحلہ

شہید اول نے دروس میں فرمایا ہے کہ جادو کی اقسام سے ملائکہ وجنات کا تابع کرنا بھی ہے (یہاں تک کہ فرمایا) پس یہ سب حرام ہے۔ ان کے ساتھ کمانا بھی حرام ہے۔ پھر فرمایا اس کو جائز جاننے والا واجب القتل ہے۔

۳۔ عن ایضاح فخر المحققین فی عداد اقسام السحر ما لفظہ او علی سبیل الاستعانۃ بالارواح الساذجۃ (الی ان قال) والکل حرام فی شریعۃ الاسلام و مستحلہ کافر

فخر المحققین نے سحر کی قسموں میں شمار کیا ہے ارواح سے مدد حاصل کرنا (یہاں تک کہ فرمایا) یہ سب شریعت میں حرام اور اس کا حلال کہنے والا کافر ہے۔

۴۔ قال فی ھدایۃ الطالب یعنی بھا الارواح

ہدایت الطالب میں ہے کہ ارواح ساذجہ سے مراد ارواح مجردہ

الْمُجَرَّدَةَ عَنِ الْعَنَاصِرِ كَالْمَلَكِ وَالْجِنِّ وَالشَّيَاطِيْنِ

ہیں۔ جیسے فرشتے۔ جن اور شیاطین۔

فی شرح اللمعة للشهيد الثانیؒ فی عداد اقسام السِّحر۔ وَاسْتِخْدَامُ الْجِنِّ وَالْمَلَائِكَةِ وَاسْتِنْزَالُ الشَّيَاطِيْنِ فِي كَشْفِ الْغَائِبَاتِ الی ان قال۔ فَتَعَلُّمُ ذٰلِكَ كُلِّهٖ وَتَعْلِيْمُهٗ حَرَامٌ وَالتَّكَسُّبُ بِهٖ سُحْتٌ وَيُقْتَلُ مُسْتَحِلُّهٗ

شرح لمعہ میں شہید ثانیؒ جادو کے اقسام میں فرماتے ہیں کہ اور تسخیر کرنا جن و ملائکہ کا اور حاضر کرنا شیاطین کا غائب باتوں کے معلوم کرنے کے لئے (درمیان تک کہ فرمایا) پس ان سب باتوں کا سیکھنا سکھانا حرام ہے اور اس کے ذریعہ روزی کمانا بھی حرام ہے اور جو شخص اس کو حلال جانے وہ واجب القتل ہے۔

ان علماء متقدمین قدس اسرارہم کی تصریحات سے صاف معلوم ہوا کہ تسخیرِ جنات و ملائکہ وارواح و ہمزاد وغیرہ سب سحر (جادو) کی قسمیں ہیں ان کا سیکھنا اور سکھانا سب حرام ہے۔ اس کو کمائی کا ذریعہ بنانا بھی حرام ہے حتیٰ کہ جو شخص اس کو حلال جانے وہ کافر اور واجب القتل ہے۔

خداوند کریم تمام مومنین کو خواہش نفسانی کے پھندوں سے محفوظ رکھے اور اعمال صالحہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق عنایت فرمائے اور قرآن مجید سے صحیح فائدہ اٹھانے کی جرأت عطا کرے۔

تلاوتِ قرآن مجید اور اس کے فضائل

اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید خالق و مخلوق کے درمیان ایک ایسا گہرا رشتہ اور ناقابلِ اضمحلال تعلق ہے۔ جو رہتی دنیا تک برقرار رہے گا اور یہ ایک ایسا محبت نامہ ہے۔ جس کی دید تجدید محبت بلکہ تمہید معرفت ہے۔ جس طرح محب اور محبوب کے درمیان راز و نیاز کے مکتوبات سوزشِ فراق کے ازالہ کا موجب ہو کر روح پرور اور مسرت افزا ہوا کرتے ہیں۔ ان مکتوبات کی دید لذتِ وصال کی آئینہ دار جس کی بدولت شوق دیدار میں مزید تڑپ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ان کا مطالعہ باہمی مکالمہ کا لطف پہنچاتا ہے۔ بار بار دیکھنا اور پڑھنا بجائے طول کے روحانی کیف میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح ذاتِ احدیت واجب الوجود کی صحیح معرفت اور اس کی محبت راسخہ کی حقیقی جاذبیت اہلِ عرفان کو تلاوتِ کلام اللہ میں وہی لطف بخشتی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت سے گویا ہم اپنے خالق سے ہمکلام ہیں۔ اور بالمشافہ سوال و جواب کے ذریعے پیار و محبت کا نہایت پُر کیف اور سرور بخش مکالمہ جاری ہے۔ جس سے طبیعت

کی سیری ہوتی ہی نہیں۔ پھر فہم معانی اور ادراک مطالب میں جس قدر ذہن کو رسائی حاصل ہوگی۔ اتنا ہی روح ایمان میں انبساط اور قلب ایقان میں سکون و اطمینان ہوگا۔ کہیں نعمات کا ذکر۔ کہیں اطاعت و عبادت۔ کہیں پر از اخلاص محبت بھرے لہجہ میں ناز و ادا کی پیاری باتیں۔ مثلاً تو مجھے یاد کر۔ میں تجھے یاد کروں۔ تو میرے فرائض کو نہ بھول میں تجھے بھلاؤں۔ میں تیرے دشمنوں سے بیزار۔ تو میرے دشمنوں سے بیزار۔ تو میرے محبوب کی اطاعت کر۔ میں تجھے محبوب بناؤں۔ تو میری نعمت پر شاکر۔ میں تیری اطاعت پر شاکر۔ تو میرے قریب۔ میں تیرے قریب۔ جنت تیرے لئے۔ حور و قصور تیرے واسطے۔ غلمان و حوریں تیری خاطر۔ کوثر و سلسبیل کی نہریں تیرے لئے صرف یہی نہیں۔ بلکہ تو جو چاہے گا۔ سب کچھ تیرے لئے حاضر ہوگا۔ بس میرے مہمانخانہ جنت میں تیرے پہنچنے کی دیر ہے۔ میرے اور تیرے دشمنوں کے لئے جہنم کا گھر ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔

جب خالق و مخلوق کے درمیان اس قسم کے پرلطف مذاکرے اور راز و نیاز کی روح پرور باتیں ہو رہی ہوں۔ تو کون صاحب عقل طبیعت میں ملول کا احساس کر سکتا ہے۔ بلکہ بمقتضائے فطرت اس کا جی اور بڑھنا چاہیئے۔ اور انسان کی ذہنی صلاحیتوں میں کمزوری اور مادی الجھنوں میں گرفتاری کو ملحوظ رکھتے ہوئے حکیم مطلق نے انداز کلام میں ایک ہی قسم کی بات اور یک رنگی گفتگو کو روانہ رکھا۔ تاکہ ملول آور نہ ہو۔ پس تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مضامین میں تبدیلی کر دی۔ عنوان کلام کو کبھی سابقہ نبیوں اور ان کی امتوں کے حالات و قصص کی طرف کبھی امثال۔ کبھی معقولات و بعض اوقات محسوسات وغیرہ مختلف موضوعات کی جانب منتقل فرماتا رہا۔ یہ سب کچھ اس حکیم مطلق کی کمال رافت و عطوفت کے مظاہر ہیں

اگر ایک رعایا کے فرد کو بادشاہ وقت سے گفتگو کا شرف ملے۔ یا اس کی جانب سے اس کے پاس کوئی خط یا پیغام آ جائے تو ظاہر ہے کہ وہ شخص اپنے تئیں بہت بڑا آدمی خیال کرتے ہوئے اپنے دل میں پھولا نہ سمائے گا۔ اسی طرح اگر کسی آدمی کو قرب بادشاہ کا لالچ دیا جائے تو نہ معلوم اس کی تحصیل کے لئے وہ کیا کیا قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔

لیکن "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" دنیاوی سلاطین کو خالق کائنات سے نسبت ہی کیا ہے؟ وہ مہربان امیر و غریب شاہ و گدا سب کو اپنی بارگاہ میں حضوری اور فیضیابی کی خود دعوت دیتا ہے۔ گو بندہ اس کے حکم کو ٹھکرا دے۔ تاہم وہ بار بار بلانے سے گریز نہیں فرماتا اور نہ کسی دیر میں آنے والے سے روٹھتا ہے۔ اپنی جانب قدس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اسی غرض کے لئے بھیجے کہ تمام انسانوں سے اس کا تعارف کرائیں اور پھر اس کی بارگاہ میں شرف یابی کی دعوت دیں۔ جن خطابات سے بذریعہ وحی و الہام انبیاء کو نوازا۔ ان ہی خطابات سے بذریعہ انبیاء عام انسانوں کو سرفراز فرمایا۔ ہمارے علائق مادیہ اور عوائق نفسیہ گو ہم کو اس کی بارگاہ سے گریز کراتے رہے۔ لیکن پھر بھی اس کا فیض عام کبھی ہم سے منقطع نہ ہوا۔ اب غور فرمائیے کہ اگر ایسے مہربان بادشاہ سے باہمی مکالمہ کا شرف دستیاب ہو جائے۔ تو پھر اس سے بڑھ کر اور کونسی نعمت عظمیٰ ہو سکتی ہے؟

عن ابی عبد اللہؑ قال اَلْقُرْاٰنُ عَهْدُ اللّٰهِ اِلٰی خَلْقِهٖ فَقَدْ يَنْبَغِیْ لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَنْ يَنْظُرَ فِیْ عَهْدِهٖ وَاَنْ يَقْرَاَ مِنْهُ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ خَمْسِيْنَ اٰيَةً

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ قرآن مخلوق کی طرف اللہ کا عہد ہے مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے عہد میں نظر کرے اور ہر روز اس کی پچاس آیات کی تلاوت کرے۔

۲۔ روی اسحٰق بن عمار عن الصادقؑ قال قلت جُعِلْتُ فِدَاكَ اِنِّیْ احفظ القراٰن عن ظَهْرِ قَلْبِیْ فَاَقْرَؤُهُ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِیْ اَوْ اَنْظُرُ فِی الْمُصْحَفِ قَالَ لَا بَلْ اِقْرَاْ وَانْظُرْ فِی الْمُصْحَفِ وَهُوَ اَفْضَلُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ النظر فِی الْمُصْحَفِ عِبَادَةٌ

اسحاق بن عمار کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کی قربان جاؤں۔ میں قرآن کا حافظ ہوں۔ کیا تلاوت یاد کرتا رہوں۔ یا قرآن میں دیکھ کر پڑھوں؟ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ قرآن میں نظر کرنا بھی عبادت ہے۔

۳۔ قال النبیؐ نَوِّرُوْا بُيُوْتَكُمْ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا كَمَا فَعَلَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی صَلَّوْا فِی الْكَنَائِسِ وَالْبِيَعِ وَعَطَّلُوْا بُيُوْتَهُمْ فَاِنَّ الْبَيْتَ اِذَا كَثُرَ فِيْهِ تِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ كَثُرَ خَيْرُهٗ وَاتَّسَعَ اَهْلُهٗ وَاَضَاءَ لِاَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا تُضِیْءُ نُجُوْمُ السَّمَاءِ لِاَهْلِ الدُّنْيَا

جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھروں کو قرآن کی تلاوت سے منور کرو اور یہود اور انصاری کی طرح ان کو قبریں نہ بناؤ کہ انہوں نے بھی اپنے گرجوں میں نمازیں پڑھیں اور گھروں کو محروم چھوڑ دیا۔ پس جب گھر میں تلاوت قرآن زیادہ ہو۔ تو اس میں برکت زیادہ اور رزق وسیع ہو جاتا ہے اور وہ گھر اہلِ آسمان کے لئے ستاروں کی طرح چمکتا ہے۔

۴۔ عنہ قَالَ اَهْلُ الْقُرْاٰنِ هُمْ اَهْلُ اللّٰهِ وَخَاصَّتُهٗ

نیز آپ نے فرمایا کہ قرآن والے۔ اللہ والے ہیں اور اس کے خاص بندے ہیں۔

۵۔ عن ابی عبد اللہؑ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ فِی الْمُصْحَفِ مُتِّعَ بِبَصَرِهٖ وَخُفِّفَ عَلٰی وَالِدَيْهِ وَاِنْ كَانَا كَافِرَيْنِ

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن سے دیکھ کر تلاوت کرے۔ اس کی بصارت دیرپا ہوگی۔ اور اس کے والدین سے تخفیف عذاب ہوگی۔ اگرچہ وہ کافر ہوں۔

۶۔ عن امیر المومنینؑ قَالَ فی حدیث طویل سَمِعْتُ رسولؐ اللہ یقول اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتَنٌ قُلْتُ فَمَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ خَبَرُ مَا قَبْلَكُمْ وَنَبَاُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ هُوَ الَّذِیْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ رَدٍّ وَلَا تَنْقَضِیْ

حضرت امیر المومنینؑ سے ایک حدیث طویل میں مروی ہے کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ ضرور فتنے واقع ہوں گے۔ میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ پھر بچاؤ کیسے ہوگا۔ فرمایا کتاب اللہ (کے ذریعے) اس میں گذشتہ اور آئندہ کی خبریں۔ اور دورِ حاضر کے احکام موجود ہیں۔ یہ وہ فیصل ہے جس میں تحریف نہیں۔ اس کو خواہشات کج نہیں کر سکتیں۔ اس سے علماء سیر نہیں ہوتے۔ کثرتِ تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائبات ختم

عَجَائِبُهٗ وَهُوَ الَّذِیْ مَنْ تَرَكَهٗ مِنْ جَبَّارٍ
قَصَمَهُ اللّٰهُ وَمَنِ ابْتَغَی الْهُدٰی فِیْ غَیْرِهٖ
اَضَلَّهُ اللّٰهُ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْنُ وَهُوَ الصِّرَاطُ
الْمُسْتَقِیْمُ هُوَ الَّذِیْ مَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ
وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ
دَعَا اِلَیْهِ دَعَا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

نہیں ہوتے اگر اسے کوئی سرکش چھوڑے گا۔ تو خدا اس کو پست کر دے گا جو ہدایت کو اس کے غیر میں طلب کرے گا۔ وہ گمراہ ہوگا۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی اور صراط مستقیم ہے جو اس پر عمل کرے گا۔ ثواب پائے گا جو اس کے ساتھ حکم کرے گا۔ وہ عادل ہے جس نے اس کی طرف دعوت دی۔ گویا اس نے سیدھے رستے کی طرف بلایا۔

۷۔ عن ابی عبداللہ قال ثلثۃ یشکون الی اللہ
عَزَّ وَجَلَّ مَسْجِدٌ خَرَابٌ لَا یُصَلِّیْ فِیْهِ اَهْلُهٗ
وَعَالِمٌ بَیْنَ جُهَّالٍ وَمُصْحَفٌ مُعَلَّقٌ قَدْ
وَقَعَ عَلَیْهِ الْغُبَارُ لَا یُقْرَأُ فِیْهِ

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ (قیامت کے روز) تین چیزیں اپنا اپنا شکوہ اللہ تعالیٰ کو پیش کریں گی۔ (۱) وہ مسجد غیر آباد جس میں نماز کوئی نہ پڑھتا ہو۔ (۲) وہ عالم جو جاہلوں کے درمیان ہو اور وہ اس سے مسائل دینیہ نہ پوچھیں۔ (۳) وہ لٹکایا ہوا قرآن جس پر غبار پڑتا رہے اور اس میں کوئی تلاوت نہ کرے

۸۔ عن الباقرؑ من قرأ القرآن قائمًا فی
صَلٰوتِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ مِائَةَ حَسَنَةٍ
وَمَنْ قَرَأَ فِیْ صَلٰوتِهٖ جَالِسًا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ
بِكُلِّ حَرْفٍ خَمْسِیْنَ حَسَنَةً وَمَنْ قَرَأَ فِیْ
غَیْرِ صَلٰوةٍ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرَ
حَسَنَاتٍ

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو بحالت قیام نماز میں قرآن پڑھے۔ اس کے لئے ہر حرف کے بدلہ میں ایک سو نیکی کا ثواب ہے اور جو بیٹھنے کی حالت میں پڑھے۔ تو اس کے لئے ہر حرف کے بدلہ میں پچاس نیکیوں کا ثواب ہے اور جو شخص بغیر نماز کے قرآن پڑھے تو اس کے لئے ہر حرف کے بدلہ میں دس نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

۹۔ عن الصادقؑ مَا یَمْنَعُ التَّاجِرَ مِنْكُمُ الْمَشْغُوْلَ
فِیْ سُوْقِهٖ اِذَا رَجَعَ اِلٰی مَنْزِلِهٖ اَنْ لَّا یَنَامَ
حَتّٰی یَقْرَأَ سُوْرَةً مِنَ الْقُرْاٰنِ فَیُكْتَبُ
لَهٗ مَكَانَ كُلِّ اٰیَةٍ یَقْرَأُهَا عَشْرُ حَسَنَاتٍ
وَیُمْحٰی عَنْهُ عَشْرُ سَیِّئَاتٍ

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کیا حرج ہے۔ بازاری کاروبار میں مصروف رہنے والے تاجر کو کہ گھر آ کر سونے سے پہلے قرآن کی کوئی سورت پڑھ لیا کرے تاکہ اس کے نامۂ اعمال میں ہر ہر آیت کے بدلہ میں دس دس نیکیاں درج ہوں اور دس دس برائیاں کٹ جائیں۔

۱۰۔ عن النبیؐ النَّظَرُ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ
عِبَادَةٌ۔ وَالنَّظَرُ اِلَی الْوَالِدَیْنِ بِرَاْفَةٍ
وَرَحْمَةٍ عِبَادَةٌ وَالنَّظَرُ الصَّحِیْفَةِ یعنی

جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا (۱) علیؑ بن ابی طالب کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔ (۲) نرمی و مہربانی سے ماں باپ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔ (۳) قرآن کے صحیفہ میں نظر کرنا عبادت ہے

صَحِيفَةِ الْقُرْآنِ عِبَادَةٌ وَالنَّظَرُ إِلَى الْكَعْبَةِ عِبَادَةٌ — ۴۔ اور کعبہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔

۱۱۔ عن أبي جعفر عن ابيه قال انه ليعجبني أن يكون في البيت مصحف يطرد الله عز وجل به الشياطين — حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنے والد بزرگوار سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے قرآن کا گھر میں رکھنا محبوب ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے خدا شیاطین کو دُور کرتا ہے۔

۱۲۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت رسالتمآبؐ سے نقل فرمایا ہے۔

- جو شخص ہر شب قرآن مجید کی دس آیات کی تلاوت کرے اس کا شمار غافلین سے نہ ہوگا۔
- اور جو شخص ہر رات قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھتا ہو وہ ذاکرین میں شمار ہوگا۔
- اور جو شخص ہر رات ایک سو آیات کی تلاوت کرے وہ قنوت کرنے والوں میں لکھا جائے گا۔
- اور جو شخص ہر شب دو سو آیات پڑھے خشوع کرنے والوں میں شمار ہوگا۔
- اور جو شخص ہر شب تین سو آیات پڑھے وہ کامیاب ہونے والوں میں شمار ہوگا۔
- اور جو شخص ہر رات پانچ سو آیات پڑھے وہ مجتہدین یعنی کوشش کرنے والوں میں شمار ہوگا۔
- اور جو ایک ہزار آیت ہر رات پڑھے۔ اس کے نامۂ اعمال میں ایک قنطار سونے کا درج ہوگا (جو راہ خدا میں خرچ کیا گیا ہو) ایک قنطار ہزار مثقال کے برابر اور ہر مثقال چوبیس قیراط کے برابر کہ ہر قیراط کم از کم کوہ احد اور زیادہ سے زیادہ زمین و آسمان کے مابین فاصلہ کے برابر ہوگا۔

۱۳۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر انسان کو تعقیبات نماز صبح کے بعد پچاس آیت تلاوت کرنی چاہیئے

۱۴۔ ایک مرتبہ امام حسین علیہ السلام نے قرآن کی تلاوت کرنے والے اور اس کے سننے والے کا بے حد ثواب بیان فرمایا۔ تو ایک شخص قبیلۂ اسد میں سے عرض گذار ہوا کہ حضور! یہ ثواب تو اس کا ہے جو پڑھا لکھا ہو اور جو ان پڑھ ہو وہ کیا کرے۔ آپ نے فرمایا۔ اے اسدی خدا جواد و کریم ہے جیسا پڑھنا آتا ہے ویسا ہی پڑھے۔ اس کو بھی ویسا ہی ثواب مل جائیگا

۱۵۔ جامع الاخبار میں وارد ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے سلمان پاک سے ارشاد فرمایا۔ اے سلمان قرآن کی تلاوت ضرور کیا کرو۔ کیونکہ یہ گناہوں کا کفارہ۔ جہنم کی ڈھال اور عذاب کی امان ہے۔ پڑھنے والے کے لئے ہر آیت کے بدلہ میں سو شہید کا ثواب ہے۔ ہر سورت کے بدلہ میں اسے نبی مرسل کا ثواب ملتا ہے۔ پڑھنے والے پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ جنت اس کی مشتاق اور خدا اس سے خوشنود ہوتا ہے۔ مومن جب قرآن پڑھتا ہے تو خدا اس پر نظر رحمت فرماتا ہے اور ہر آیت کے بدلہ میں اس کو ایک ہزار حور عنایت فرماتا ہے اور ہر حرف کے بدلہ میں اس کے لئے صراط پر نور ہوتا ہے۔ جب قرآن ختم کرلے تو اس کو تین سو تیرہ ایسے نبیوں کا ثواب ملے گا۔

جنہوں نے اللہ کے احکام کی تبلیغ کی۔ اور گویا اس نے تمام گذشتہ انبیاء کی کتابوں کی تلاوت کی اور خدا اس کے جسم پر آتشِ جہنم کو حرام کرتا ہے اور اپنی جگہ سے ابھی حرکت نہیں کرتا۔ کہ خدا اس کے اور اس کے والدین کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور قرآن کے ہر سورہ کے مقابلہ میں جنت الفردوس میں اس کو ایک شہر عطا ہوتا ہے جس کی بناء سبز مروارید سے ہے اور ہر شہر میں ایک ایک ہزار محل جو ایک ایک لاکھ کمروں پر مشتمل ہیں۔ اور ہر کمرہ ایک لاکھ بیت پر مشتمل ہے۔ ہر بیت کا ایک لاکھ دروازہ رحمت کا ہے۔ ہر دروازہ پر ایک لاکھ دربان اور ہر دربان کے ہاتھ میں مختلف قسم کے ہدیے ہیں اور ہر دربان کے سر پر استبرق کا رومال ہے جو دنیا اور اس کی تمام نعمات سے افضل ہے۔ اور ہر بیت کے اندر ایک ایک لاکھ مسند عنبر کی ہے کہ ہر مسند پر ایک لاکھ تخت اور ہر تخت پر ایک لاکھ بستر ان ہر دو کے درمیان ایک ہزار گز کا فاصلہ ہے اور ہر بستره پر ایک ہزار حور موجود ہے (یہاں تک کہ آپ نے فرمایا) کہ خداوند عالم قرآن مجید کے پڑھنے والے کے منہ سے نکلے ہوئے ہر ہر حرف کے بدلہ میں ایک ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک اس کے لئے تسبیح کرتا ہے (الخبر)

تنبیہ :- اعمال کے ثواب کے متعلق جو احادیث اہل بیت عصمتؑ سے مروی ہیں۔ ان کی صحیح تاویل اور حقیقی مفہوم وُہ خود ہی جانتے ہیں۔ ہم اپنے فہم قاصر اور عقل ناقص سے ان کے متعلق کوئی نظریہ قائم نہیں کر سکتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خداوند کریم کے فیض عمیم اور اس کی وسعت رحمت (جس کا کوئی کنارہ ہی نہیں) کے پیش نظر اتنا انعام تو درکنار اس سے کروڑ در کروڑ بھی بعید از عقل نہیں۔ اپنی دماغی وسعت کے ساتھ اس کی وسعتِ رحمت کا قیاس کرنا انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے۔ معصوم کے فرمان کو ازراہ تسلیم مان لینا اور اس کے حکم کے آگے سر جھکا دینا عین مقتضائے اسلام وایمان ہے جو لوگ ایسی باتوں کو خلاف عقل کہتے ہیں۔ وُہ خود خلافِ عقل کہتے ہیں۔ وہ عقل کے اندھے معرفتِ خدا سے کورے ہیں۔ ہم قدرت خدا اور خالق علیم وحکیم کی عظمت کو سمجھ ہی کیا سکتے ہیں؟ محدود قطعۂ ارضیہ کے محدود ماحول میں بیٹھ کر اپنی محدود عقلوں سے خلاق عالم کی لامحدود قدرت وحکمت کی حد بندی کرتے ہیں اور جس چیز کو ماوراء عقل پاتے ہیں اس کا صاف انکار کر دیتے ہیں۔

تخلیق آسمان پر غور کیجئے اور پھر ہر ہر سیارہ اور ستارہ کی خلقت کا ملاحظہ کیجئے اور سائنس دانوں سے ہر ایک کی عظمتِ وجود کے متعلق معلومات حاصل کیجئے۔ بلکہ آسمانی مخلوق کے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ذرا مصالح ارضیہ پر ایک نظر دوڑا ئیے اور اس کے اندر ایٹمی طاقتیں اور برقی قوتیں ملاحظہ فرمائیے وعلیٰ ہذا القیاس۔

آج سے ایک سو سال پیشتر ان باتوں کا تصور تک نہ تھا اور آج ناقابلِ انکار حقیقت بن کر سامنے موجود ہیں۔ اگر گذشتہ لوگوں سے ان چیزوں کے متعلق تبادلہ خیالات ہوتا تو وُہ یقیناً دورِ حاضر کی محیر العقول ایجادات سے ذراتِ ارضیہ میں قدرت وحکمتِ خالق کے ودیعت کردہ کمالات کے منصہ شہود میں آسکنے کا انکار کرتے۔ کیونکہ انسان فطرتاً

اپنی ناقص عقل میں سمر نہ آنے والی چیز کے انکار کا خوگر چلا آیا ہے۔

اگر مادیات سے گزر کر مجردات کی طرف دھیان کر لیا جائے۔ نفوس ارضیہ و فلکیہ اور ملائکہ و ارواح اور ان کی تفصیل خلقت اور کثرت وجود و عظمت کا جائزہ لیا جائے۔ تو ہماری عقول ورطۂ حیرت و استعجاب میں پڑ جاتی ہیں۔ خطبات نہج البلاغہ میں ابتدائے خلقت کائنات اور ایجاد آدم اور تخلیق ملائکہ کے متعلق مولائے کائنات امیر موجودات حلال مشکلات حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے جس قدر تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ ہمارے دماغ و عقول صحیح معنوں میں ان کے بھی حامل نہیں ہو سکتے۔ ورنہ ان کے سینۂ خزینۂ علوم الٰہیہ سے بے حد و پایاں معلوماتی ذخائر برآمد ہو سکتے تھے۔ بعض اوقات ارشاد فرماتے تھے کہ اس سینہ میں علم کے خزائن موجود ہیں۔ کاش ان کے حاملین ہوتے۔

روایات معراج پر اگر سرسری نظر دوڑائی جائے کہ شب معراج حضور رسالتمآبؐ نے کیا کیا دیکھا (اور اس میں سے بھی جس قدر ہم تک پہنچا یا)؟ آسمانوں کی وسعت کرسی کی عظمت عرش کی رفعت پھر ستونہائے عرش کی کثرت قندیل ہائے نور کی بہجت اور کنگرہ ہائے عرش کی شوکت و اہمیت پھر ان کے آگے دریا ہائے نور کی ہیبت وحشت پھر حجاب ہائے قدرت و سرادقات عظمت کی جلالت حتیٰ کہ جبریلؑ کے قدم رک گئے اور عرض کی کہ اگر آگے بڑھوں تو پُر جل جائیں اور عرض کی کہ میرے مقام سے آپ کے محل رسائی تک نوّے ہزار حجابات نور ہیں کہ دو حجابوں کے درمیان پانچ سو سال کی راہ ہے۔

بہرکیف ان چیزوں کی تفصیل تو کسی اور مقام پر آئے گی۔ مجھے تو صرف یہ کہنا ہے کہ خدا اپنے خاص بندوں کے لئے بطور انعام جو کچھ پیدا کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے نہ اس کی قدرت سے بعید ہے اور نہ اس کی رحمت بے پایاں سے خلاف متوقع ہے۔ ہمارا دماغ نارسا اگر نہ پہنچ سکے تو اس سے اس کی قدرت و رحمت کی نفی لازم نہیں آتی اور نہ ہمارے انکار سے اس میں کچھ کمی واقع ہو سکتی ہے۔ اسی بناء پر معصوم فرماتے ہیں کہ ہماری احادیث صعب و مستصعب ہیں۔ اس کی تاب برداشت کسی کو نہیں سوائے ملک مقرب کے یا نبی مرسل کے یا اس مومن کے جس کا ایمان امتحان کی کسوٹی پر پورا اترا ہوا ہو۔

نیز احادیث میں ثواب کی تعبیر کے الفاظ بھی جُدا جُدا ہیں مثلاً کسی میں ہے کہ ایک حرف کے بدلہ میں دس نیکیوں کا ثواب ملے گا کسی میں ہے ایک آیت کے بدلہ میں دس نیکیاں اور کسی میں ایک حرف کے بدلہ میں ایک سو نیکیاں بیان کی گئی ہیں تو اس اختلاف کو دیکھ کر جلد باز طبائع کو حرف گیری کی ہی سوجھتی ہے۔ حالانکہ ان میں کوئی منافات نہیں۔ پڑھنے والے جس طرح اپنے مدارج میں فرق رکھتے ہیں۔ ان کے اذہان جُدا جُدا۔ ایقان جُدا، صلاحیتیں جُدا جُدا، خشوع و خضوع میں منازل الگ الگ اور معرفت و بصیرت میں مراتب کا معتدبہ فرق تو اسی طرح اعمال کے ثواب میں بھی مدارج و مراتب کا فرق ضروری و لازم ہے۔ لہٰذا بعید نہیں کہ معصومین علیہم السلام کے کلام پاک میں ثواب کی تعبیر کے لئے اختلاف

الفاظ اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ ہر معصوم کا کلام حاضرینِ مجلس کی ذہنی و عقلی و ایمانی و عرفانی صلاحیتوں کے مطابق ہوا کرتا تھا۔

آدابِ تلاوت

قرآن مجید کی تلاوت کے وقت ایسے آداب ملحوظِ خاطر ہوں۔ جو خشوع و خضوع کو ظاہر کریں۔ عام قصہ خوانی یا ناول کی کتابوں کے مطالعہ کی طرح بے توجہی اور لاپرواہی برتنا گناہ ہے۔ بنا بریں بستر یا دیوار یا کسی اور چیز پر تکیہ لگائے ہوئے ٹانگیں پھیلا کر یا ویسے لیٹ کر یا ہر وہ وضع جس سے بے اعتنائی کا مظاہرہ ہو یا اس میں قرآن کی توہین و تحقیر لازم آئے وغیرہ ان سب چیزوں سے گریز کرنا چاہیئے۔

باوضو ہو کر قبلہ رُخ شائستہ انداز میں پاک مقام پر پوری توجہ اور دل لگی کے ساتھ تلاوت کرنا نہایت موزوں و مناسب ہے۔ چنانچہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق ایک روایت گذر چکی ہے کہ آپ جب تلاوت فرماتے تھے تو بہت رویا کرتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی سے روبرو گفتگو فرما رہے ہیں۔ صرف ایک نہیں بلکہ ہر معصوم کی تلاوت کا یہی دستور تھا اگر قرآن کے معانی کو جانتا ہو تو بوقتِ تلاوت ان پر غور کرے۔ جب رحمت و بشارت کی آیت سامنے آئے تو اللہ سے اس کے حصول کا سوال کرے اور جب عذاب کی آیت پر نظر پڑے تو اللہ سے امان طلب کرے۔

بے وضو کے اگرچہ قرآن مجید پڑھا جا سکتا ہے لیکن ثواب کم ہے اور نیز بے وضو قرآن مجید کے لفظوں کو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ جُنبی انسان اور حیض و نفاس والی عورت کے لئے قرآن کا اٹھانا مکروہ ہے اور اس کے لفظوں بلکہ حروف و حرکات کا چُھونا بھی حرام ہے اور قرآن مجید کی وہ سورتیں جن میں واجب سجدہ آتا ہے۔ جنب، حیض۔ نفاس کی حالتوں میں پڑھنا حرام ہے۔ حتیٰ کہ ایک آیت بھی اور بسم اللہ شریف بھی اگر ان (سجدے والی) سورتوں کی نیّت سے پڑھے تو حرام ہے۔ اور وہ سورتیں جن میں سجدہ واجب ہے چار ہیں۔ الم سجدہ پ۲۱ حم سجدہ پ۲۴ والنجم پ۲۷ ۔ العلق پ۳۰

ان چار سورتوں میں ایک ایک واجب سجدہ ہے ان کے علاوہ قرآن مجید کے جس قدر سجدے ہیں مستحب ہیں۔

تلاوت کرتے وقت جب آیتِ سجدہ کو پڑھے تو فوراً سجدہ میں چلا جائے۔ اس سجدہ میں نماز کے سجدہ کے شرائط نہیں ہیں اور نہ اس میں کوئی ذکر مخصوص طور پر واجب ہے واجب سجدہ وجوب کی نیّت سے اور مستحب سجدہ استحباب کی نیّت سے کرے۔ واجب سجدہ میں اگر بلا وجہ تاخیر کرے تو گنہگار ہو گا۔

جنب کی حالت میں چار مذکورہ بالا سورتوں کے علاوہ باقی قرآن مجید کی سات سے زیادہ آیات کا تلاوت کرنا مکروہ ہے اور ستر آیات سے تجاوز کرنا کراہت شدیدہ ہے۔ اور حیض و نفاس کی حالت میں مطلقاً تلاوت مکروہ ہے

جن حالات میں تیمم غسل کے قائمقام ہو سکتا ہے تو تیمم کر لینے کے بعد جس طرح نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید بھی پڑھا جا سکتا ہے اور اس کے حروف کو مس بھی کیا جا سکتا ہے۔

طہارت کے بغیر جس طرح قرآن مجید کے حروف و حرکات کو مس کرنا حرام ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اسماء طاہرہ کو مس کرنا بھی حرام ہے۔ بشرطیکہ انہیں کی نیت سے لکھے گئے ہوں۔ اگر کسی اور شخص کا نام انبیاء یا آئمہ کے ناموں میں سے ہو۔ تو اس کا مس کرنا حرام نہیں ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت سے پیشتر استعاذہ یعنی (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ) کا پڑھنا مستحب ہے اس کے بعد بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر تلاوت شروع کرے۔

قرآن کی تلاوت کرتے وقت یہ خیال رہے کہ جس طرح ایک عبد ذلیل اپنے مولائے جلیل کے سامنے عاجزی وانکساری سے بیٹھ کر نہایت توجہ اور کمال التفات سے اس کے خطابات کو سنتا ہے اور ان سے اثر قبول کرتا ہے یہی حالت قرآن مجید کے پڑھنے والے کی ہونی چاہیئے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کہتا ہے کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ قرآن حزن کے ساتھ اترا ہے۔ پس اس کی تلاوت کرو تو رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے۔ تو رونے کی سی شکل بنا لیا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعُهُ الذِّكْرٰى

رسمِ قرآن خوانی و قُل خوانی

گذشتہ عنوانات کے ذیل میں قرآن مجید کے دیکھنے، پڑھنے اور سننے کے متعلق احادیث سے روشنی ڈالی جا چکی ہے اس مقام پر رسم قرآن خوانی جو ہمارے ہاں عام طور پر رائج ہے کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

قرآن کا پڑھنا روحانی برکات اور اخروی نجات کے علاوہ خانگی حالات بلکہ جملہ ظاہری معاملات میں بھی آفات و بلیات کی دوری کا موجب ہے۔ اس سے دل کی کدورتیں رفع ہوتی ہیں اور رجحانات میں اچھائی پیدا ہوتی ہے۔ چہرہ پر بشاشت و بشاشت کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ نئے مکان کو پہلے پہلے قرآن خوانی کر کے مسکن بنانا خیر و برکت کا موجب ہے۔ ہر مصیبت و رنج کے وقت قرآن خوانی موجب دفعیہ ہوتی ہے۔ نیز قرآن خوانی کے بعد دعا مورد استجابت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ گذشتہ بعض احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

بوقت نزع قرآن خوانی مستحب ہے۔ خصوصاً بعض سورتوں کے متعلق زیادہ تاکید وارد ہے ایک روایت میں ہے

کہ جس مرنے والے کے پاس بوقت موت سورہ ص اور سورۂ یٰسین کی تلاوت کی جائے تو رضوان خازنِ جنت اس کے پاس پہنچ کر اس کو شرابِ جنت سے سیراب کرتا ہے۔ پس وہ سیراب ہو کر مرے گا اور سیراب ہو کر اٹھے گا دوسری روایت میں ہے کہ جس مسلمان کے پاس بوقت نزع سورہ یٰس کی تلاوت کی جائے تو ہر ہر حرف کے بدلہ میں دس دس فرشتے اس کے پاس اُترتے ہیں۔ جو اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے لئے طلب رحمت و دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اس کے غسل دینے میں ساتھ ہوتے ہیں۔ پھر اس کے جنازہ کی تشییع کرتے ہیں اور اس کے نمازِ جنازہ اور دفن میں شریک رہتے ہیں۔

ایک اور روایت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے جس میں سورہ صافات کے پڑھنے کا حکم ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ ہم تو پہلے سورہ یٰس پڑھتے تھے۔ آپ نے فرمایا جس کے سرہانے یہ سورہ پڑھا جائے اس کی روح آسانی سے قبض ہو جاتی ہے (گویا سورتوں کے خاصے جدا جدا ہیں) ان کا وہ خاصہ تھا جو بیان ہو چکا اور اس کا یہ خاصہ ہے دونوں کا پڑھنا زیادہ اچھا ہے۔ ایک روایت میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ قبرستان میں سورۂ یٰس کی تلاوت سے قبرستان والوں کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ نیز بعض روایات میں آیۃ الکرسی هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ تک پڑھنے کا حکم بھی وارد ہے۔

بہرکیف بوقتِ نزع قرآن خوانی اور بالخصوص مذکورہ سورتیں پڑھنا آسانیٔ موت، تخفیفِ عذاب اور برکت کا باعث ہے لیکن روضہ خوان حضرات (نااہل ذاکرین و واعظین) عوام کو ہنسانے اور دادِ تحسین حاصل کرنے کے لئے اپنے قلبی جذبات کو یوں تسکین دیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس کے ذریعے سے مردوں کو زندہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مولوی صاحبان کی قرآن خوانی اُلٹا اثر رکھتی ہے۔ کیونکہ بوقتِ نزع ملّا صاحب کو بُلایا جائے کہ قرآن پڑھو تو جونہی انہوں نے قرآن کھولا اور سورۂ یٰس کو شروع کیا تو ابھی دوسری یا تیسری مبین تک نہیں پہنچنے پاتے کہ حضرت ملک الموت پہنچ کر رُوح قبض کر لیتا ہے۔ اُدھر خدا فرماتا ہے کہ قرآن سے مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے اور یہ ملّا لوگ قرآن سے زندوں کو مار بیٹھتے ہیں۔ اس بیان کے نتیجہ میں حاضرینِ مجلس میں بے تحاشا قہقہہ اور واہ وا۔ واہ وا۔ ہا ہا ہا کی بے تکی صداؤں سے فضا گونج اٹھتی ہے۔ مقرر نے سمجھا کہ میں نے اچھا نکتہ بیان کر دیا اور مجلس خوب بن گئی۔ حالانکہ وہ جاہل یہ نہیں خیال کرتا کہ میرے اس بے ہودہ بیان سے معصومینؑ کے کلام کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا۔ ان کے اقوال و فرمائشات کی کس قدر توہین ہوئی اور قرآن مجید کے وقار کا عوام کے دلوں میں کیا حشر ہوا؟ اپنا ایمان ضائع عوام کے عقائد و رجحانات تباہ۔ صرف اختتامِ مجلس پر چار دام لے کر رخصت ہوئے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَارَتُهُمْ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا پس ان کی یہ تجارت قطعاً نفع بخش نہیں۔

بعض رسوم نیم خوان ملاؤں نے اپنی طرف سے شکم پُری کی خاطر ایجاد ہوئی ہیں۔ مثلاً نماز جنازہ پڑھ چکنے کے بعد کچھ دیر میت کی چارپائی کے آس پاس بیٹھ رہتے ہیں اور کچھ نہ کچھ پڑھتے رہتے ہیں۔ کچھ دیر بعد حاضرین کہتے ہیں۔ ملا صاحب جو کچھ ہم نے پڑھا ہے تیرے ملک میں دیا ہے۔ اس کے بعد قرآن خوان لوگ ایک ایک یا دو دو ختم قرآن یا اس سے کم وبیش ملا صاحب کی ملک میں دیتے ہیں اور ملا صاحب ان سب کو قبول کرتا جاتا ہے جب تملیک کا ایجاب وقبول ختم ہوتا ہے تو ملا صاحب اپنی پڑھی ہوئی کوئی چیز اور حاضرین سے وصول شدہ املاک سب میت کو تملیک کر دیتا ہے۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے اور جس حد تک مجھے معلوم ہے نہ خدا اور رسول کا حکم ہے اور نہ آئمہ طاہرین کی طرف سے اس کے متعلق کچھ وارد ہوا ہے۔ غالباً ہندوؤں، برہمنوں کی اس موقعہ کی رسوم کو ملا لوگوں نے اپنے رنگ میں ڈھال کر ایک اسلامی عمل کی شکل دے دی ہے جس سے سوائے شکم پرستی کے اور کوئی مقصد نہیں۔ اور یہ معلوم رہے کہ صاحب شریعت کے فرمان کے بغیر کسی رسم کو شرعی عنوان سے ادا کرنا بدعت کہلاتا ہے اور وہ حرام ہے۔ ویسے میت کے لئے جس قدر اعمال کئے جائیں۔ اس کے لئے نوافل پڑھی جائیں۔ قرآن خوانی کی جائے۔ صدقہ یا خیرات کی جائے یا کوئی اور عمل صالح کیا جائے اور اس کا ثواب میت کی رُوح کو ہدیہ کیا جائے تو ثواب ہے اور میت کے لئے نفع بخش ہے اور بجائے اس کے کہ ملا صاحب کی وساطت سے یہ ثواب میت تک پہنچایا جائے۔ اگر محمدؐ و آل محمدؐ کو درمیانی وسیلہ یا واسطہ قرار دیا جائے تو بدرجہا بہتر ہوگا

مرنے کے دوسرے یا تیسرے روز مولوی صاحبان نے ایک اور رسم ایجاد کی ہوئی ہے جسے عام زبان میں قل خوانی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کو ملا لوگ ایک خاص طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی خاص سورتیں اور خاص آیتیں پڑھی جاتی ہیں مولوی صاحب کے سامنے پہلے کچھ سامان رکھا جاتا ہے اور اس کے بعد مولوی صاحب پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ عراق سے واپسی کے بعد ایک عزیزہ کی موت کے دوسرے روز مجھے اس کی قل خوانی کی دعوت دی گئی۔ میں نے ہر چند آثار آئمہ اور مذہب امامیہ سے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کہیں اس کا سراغ نہ مل سکا۔ تو پھر میں نے خود جانے سے انکار کر دیا اور ان کو اس رسم کی ادائیگی سے باز آنے کی دعوت بھی دی۔ لیکن چونکہ مولوی صاحبان نے مدت مدید سے اس کو ایجاد کیا ہوا ہے۔ لوگوں کے خیالات کا رُخ بدلنا کارے دارد۔ کہتے ہیں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ لوگ کہیں گے بڑا نااہل تھا کہ رسم قل خوانی تک ادا نہ کر سکا۔ اسی قل خوانی پر بعض مقامات پر ملا لوگ بہت کچھ وصول کر لیا کرتے ہیں۔ میت کے ورثا میت کے اکثر مرغوب خاطر اشیاء کو ملا صاحب کی نذر کر دیتے ہیں چنانچہ بعض رؤسا و امراء کے مرنے پر ان لوگوں کے گھر عید ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ انہیں ہزاروں کا مال وصول ہو جاتا ہے۔ شاید یہ لوگ سمجھتے ہوں کہ اس طرز عمل یا مولوی کی اس قدر تواضع سے مرنے والے کے لئے کچھ فائدہ ہوگا لیکن یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

ہاں اگر میت کے لئے صدقات وخیرات کا ارادہ ہو۔ تو مذہب اہلبیت کے طریقہ سے مجتہدین عظام کے فتاوی

کے مطابق عمل کرے۔ تاکہ کرنے والے کو بھی فائدہ ہو۔ اور جس کے لئے کیا گیا۔ اس کے لئے بھی سودمند ہو نہ خرچ ضائع ہو نہ ثواب باطل ہو۔ اس قسم کے طریقے ہندوؤں کے رسوم کے مقابلہ میں غیر امامی ملاؤں نے کسبِ معاش کے لئے ایجاد کئے تھے۔ شیعہ علماء کی چونکہ کمی تھی۔ لہٰذا دیکھا دیکھی سے شیعہ عوام بھی انہی رسوم کے پابند ہوگئے اور انہی غیر امامی ملاؤں سے رسوم مذکورہ اداکرواتے چلے آئے ہیں۔ اب شیعہ نیم خوان ملاؤں نے جب ان لوگوں کی آمدنی پر نظر کی تو طبیعت للچا گئی۔ اور اسی طرزِ عمل کو اپنا کر کسبِ معاش کا ذریعہ بنالیا۔ حالانکہ ایسی کمائی ناجائز اور ان رسوم کا شرعی عنوان سے اداکرنا بدعت اور حرام ہے۔ البتہ کفن پر جس قدر ممکن ہو قرآن کا لکھنا مستحب ہے۔

ترتیلِ قرآن

فی الکافی عن محمد بن عبداللّٰہ قال قلت لابی عبداللہ۔ اَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِیْ لَیْلَةٍ قَالَ لَایُعْجِبُنِیْ اَنْ تَقْرَأَہُ فِیْ اَقَلَّ مِنْ شَهْرٍ وفیہ۔ عن ابی بصیر انہ قال لابی عبداللہ جُعِلْتُ فِدَاكَ اَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِیْ شَهْرِ رمضان فِیْ لَیْلَةٍ فَقَالَ لَا قَالَ فَفِیْ لَیْلَتَیْنِ؟ قَالَ لَا قَالَ فَفِیْ ثَلٰثٍ؟ قَالَ هَاءِ وَاَشَارَ بِیَدِہٖ ثُمَّ قَالَ یَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّ لِرَمَضَانَ حَقًّا وَحُرْمَةً وَلَا یُشْبِهُهٗ شَیْئٌ مِنَ الشُّهُوْرِ وَکَانَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ یَقْرَأُ اَحَدُهُمُ الْقُرْاٰنَ فِیْ شَهْرٍ اَوْ اَقَلَّ۔ اِنَّ الْقُرْاٰنَ لَا یُقْرَأُ هَذْرَمَةً وَلٰکِنْ یُرَتَّلُ تَرْتِیْلًا وَ اِذَا مَرَرْتَ بِآیَةٍ فِیْهَا ذِکْرُ الْجَنَّةِ فَقِفْ عِنْدَهَا وَاسْئَلِ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَاِذَا مَرَرْتَ بِآیَةٍ فِیْهَا ذِکْرُ النَّارِ فَقِفْ عِنْدَهَا وَتَعَوَّذْ

کافی میں محمد بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا میں ایک رات میں ختم قرآن کرلیا کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ کہ ایک ماہ سے کم عرصہ میں تو قرآن پڑھے۔ نیز کافی میں ابوبصیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں عرض کی کہ میں آپ پر فدا ہوں۔ کیا ماہِ رمضان کی ایک شب میں ختم قرآن کرلیا کروں؟ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کی۔ کیا دو راتوں میں؟ فرمایا کہ نہیں! میں نے پوچھا کیا پس تین شب میں؟ فرمایا ہاں (درست ہے) اور ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔ پھر فرمایا۔ اے ابومحمد تحقیق ماہِ رمضان کے لئے حق و حرمت ہے۔ دوسرا کوئی مہینہ اس کی مثل نہیں۔ جناب رسالتمآبؐ کے صحابہ ایک ماہ یا اس سے کم میں ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید کو جلد بازی سے نہیں بلکہ ترتیل سے پڑھنا چاہیئے۔ جب ایسی آیت سے گذرو کہ اس میں جنت کا ذکر ہو۔ تو وہاں رک جاؤ اور اللہ سے جنت طلب کرو اور جب ایسی آیت سے گذرو۔ کہ اس میں دوزخ کا ذکر ہو۔ تو وہاں

بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ ۔ وفيه عن عبد الله بن سنان قال سألت ابا عبد الله عن قول الله عز وجل وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا قَالَ قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وبيّنه تبيينا ولا تهذّه هذّ الشعر ولا تنثره نثر الرمل ولكن فزّعوا قلوبكم القاسية ولا يكن همّ احدكم آخر السورة

ٹھیر جاؤ اور اللہ سے پناہ مانگو۔ نیز کافی میں عبداللہ بن سنان سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ کے فرمان رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا (جس کا مطلب یہ ہے) کہ الفاظ کو صحیح اور واضح کر کے پڑھو۔ اشعار کی طرح بہت تیزی سے بھی نہ پڑھو اور بہت آہستہ کر کے، ذراتِ ریگ کی طرح منتشر بھی نہ کرو لیکن اپنے سخت دلوں کو اس سے خوفزدہ کرو اور سورہ کے آخر تک پہنچنا ہی ملحوظ نہ ہو۔ بلکہ استفادہ مطلوب ہو۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا

جنابِ رسالتمآب نے فرمایا کہ قرآن کو خوبصورت آواز سے مزین کرو کیونکہ اچھی آواز قرآن مجید کے حسن کو زیادہ کرتی ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام قرآن کی ایسی ترتیل سے تلاوت فرماتے تھے کہ رہگذر رستہ پر رک جاتے تھے۔

بالجملہ :۔ ان احادیث کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت میں اتنی سست رفتاری بھی نہ ہو کہ جس طرح ریگِ صحرا کے بکھرے ہوئے ذرات جس سے معانی قرآنیہ کے سمجھنے میں دشواری پیدا ہو جائے اور الفاظ و آیات کا باہمی ربط ٹوٹ جائے اور نہ اس قدر تیزی سے پڑھے کہ کچھ سمجھ نہ آسکے بلکہ ایسے متوسط طریق سے اور شستہ اور پُر اخلاص طریق پر الفاظ کی ادائیگی ہو کہ سخت ترین دلوں کو جھکا دے۔

نیز چونکہ تلاوت قرآن باطنی طور پر ذات احدیت سے مکالمہ کی حیثیت رکھتی ہے اور نہایت تیز رفتاری یا بالکل الفاظ کو چبا چبا کر نکالنا جب عام مصاحبین کی باہمی گفتگو میں ناقابل برداشت غلطی متصور ہوا کرتی ہے تو مالک الکل کے سامنے اس قدر لاابالیانہ مظاہرہ انتہائی گستاخی یا کمال جرأت و بے باکی بلکہ تمسخر و استہزاء نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ لسانی مجبوریاں یا عام ناظرہ خوان حضرات کی صلاحیتی کمزوریاں قابل عفو ضرور ہوں گی۔ کیونکہ ہر شخص اپنی استعدادی و امکانی حیثیت سے احکام شریعت کا مکلف ہے۔ لیکن بہرکیف بہت تیز پڑھنا تو بے اعتنائی ہی کا مظاہرہ ہے اور عمدی غلطی ہے۔ بعض لوگ اس کو اپنا کمال قرار دے کر فخریہ ایسا کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنا حضرات معصومینؑ کی فرمائشات کے پیش نظر قطعاً قابل تحسین نہیں۔ اسی بناء پر معصومؑ نے ایک یا دو دن میں قرآن ختم کرنے کی اجازت نہیں دی اور ماہِ مبارک رمضان کی اہمیت کے پیش نظر تین روز میں ختم کرنے کی اجازت دی اور ساتھ ساتھ صحابہ کرام کی سیرت سے استشہاد بھی فرمایا کہ وہ ایک ماہ یا کچھ کم عرصہ میں ختم کیا کرتے تھے تاکہ کوئی شخص اپنے غلط رویّہ کو صحابہ رسولؐ کے کردار کی طرف نسبت دے کر عوام کو دھوکا نہ دے سکے۔

اس مقام پر پہنچ کر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ ذاکرین وواعظین بلکہ عوام شیعہ میں ایک مشہور سا جملہ ہے اور عوام کے پختہ اعتقادات اس پر جمے ہوئے ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ ایک رکاب سے دوسری رکاب تک قرآن ختم کرتے تھے چنانچہ شواہد النبوۃ سے بھی منقول ہے کہ حضرت ایک رکاب میں پاؤں رکھتے تو دوسری رکاب تک قرآن ختم کر دیتے تھے مولانا امیرالدین مرحوم نے "فلک النجاۃ" میں علم عمر کے عنوان کے تحت میں اسی حوالہ کا ذکر فرمایا ہے۔ پس روایات گذشتہ کی بنا پر اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ حضرت امیرالمومنین کی اس قدر تیز خوانی آیا موجب فضیلت ہے۔ کیا یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت کے قول وفعل آپس میں متضاد تھے؟ لہذا یہ چیز بجائے فضیلت وکمال کے تنقیص کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ تو اس کا جواب دو طریق سے دیا جا سکتا ہے ایک عقلی اور دوسرا نقلی۔

جواب عقلی تو یہ ہے کہ متکلم کا ہر کلام نہ مبنی بر حقیقت ہوتا ہے اور نہ ہر کلام میں مجازیت کا رنگ ہوتا ہے اہل عرف کے استعمالات میں مقامی حالات یا ماحول و معاشرہ کے وقتی رجحانات یا ان کے باہمی مکالمات میں لحاظ کردہ اصطلاحات کی بنا پر اگر کوئی غیر اہل لسان اور ناواقف ان کے الفاظ کے لفظی ترجمہ کو سمجھ لے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بس وہ زبان کا عالم ہو گیا کیونکہ ہر کلام کے رموز و حقائق اور اسرار و دقائق و اصطلاح اس کلام کے اہل محاورہ کو ہو سکتی ہے۔

مثلاً عام استعمالات میں نہر یا دریا کی طرف روانی کی نسبت ہوتی ہے۔ حالانکہ حقیقت میں پانی بہتا ہے نہ کہ دریا یا نہر۔ اسی طرح چراغ کی طرف جلنا منسوب ہے۔ حالانکہ تیل جلتا ہے ایک آدمی شربت پی کر کہتا ہے کہ میں بوتل پی گیا۔ وعلی ہذا القیاس۔ جو شخص محاورات کے طریقہ اور اصطلاحات مقامیہ سے نابلد ہوگا اس کے لئے اس قسم کے جملات ایک معمہ لاینحل ہو جائیں گے۔ لیکن واقف کار کے لئے کوئی دقت نہیں ہوا کرتی۔

اگر کہا جائے کہ میدان کارزار میں ایک شیر آستین الٹ کر لڑ رہا تھا تو کوئی ہوشمند اس سے مراد جنگلی شیر نہ لے گا۔ بلکہ ایک شجاع مرد میدان ہی سمجھے گا اور اس میں شک نہیں کہ کلام کی خصوصیات کلام کے وقار اور اس کی [illegible] کا موجب ہوا کرتی ہیں۔ بنابریں حضرت علیؑ کے ایک رکاب سے دوسری رکاب تک ختم قرآن کو اگر صرف ظاہر پر چھوڑ دیا جائے اور کسی خصوصیت کو ملحوظ نہ قرار دیا جائے تو دانشمندی نہ ہوگی۔ کیونکہ ہر کلام کے لئے مناسب وجہ ضروری ہوا کرتا ہے۔

پس جس طرح دریا کا رواں ہونا محال تھا۔ لہذا ہم نے مراد پانی لے لیا۔ چراغ کا جلنا محال تھا۔ لہذا تیل مراد لیا۔ اسی طرح بوتل کا پینا محال تھا۔ لہذا شربت سمجھا اور شیر کی طرف آستین کی نسبت دیکھ کر مرد میدان مراد لے لیا۔ تو یہاں بھی چونکہ ظاہری معنی محال ہے۔ لہذا ہم کہیں گے کہ مراد اس سے یہ ہے۔

چونکہ ارشاد باری وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتٰبِ علیؑ علوم قرآنیہ کا جامع ہے اور اس کو قرآن سے [illegible]

جو روح کو بدن سے ہے۔ بلکہ اس سے بھی مضبوط تر۔ کیونکہ روح اور بدن میں جدائی ممکن ہے اور حضرت علیؑ اور قرآن میں جدائی ناممکن ہے خود حضرت رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے (یعنی ان دونوں میں سے ایک کا رُخ جدھر ہوگا اُدھر دوسرے کا رُخ ہوگا) نیز حدیث ثقلین میں بھی صاف طور پر موجود ہے (لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا الْحَوْضَ) یہ دونوں ہرگز آپس سے جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر اکٹھے پہنچیں گے۔

اگر قرآن کو بدن قرار دیا جائے تو علیؑ اس کی رُوح ہے اور علیؑ کو بدن قرار دیا جائے تو قرآن اس کی رُوح ہے قرآن کی ہر ہر آیت میں علیؑ کے فضائل و کمالات کے جلوے ہیں اور علیؑ کی ہر گفتار و کردار میں قرآن کی آیات کا پرتو ہے قرآن کی ہر ہر آیت حضرت علیؑ کے خدوخال کی آئینہ دار ہے اور علیؑ کا ہر خدوخال آیاتِ قرآنیہ کا مظہر ہے۔

گویا قرآن کی ہر سورت کی ترجمان علیؑ کی سیرت ہے اور علیؑ کی سیرت کا بیان قرآن کی ہر ہر سورت ہے۔ لہٰذا علیؑ کی ہر نقل و حرکت ہر قول و فعل آیاتِ قرآنیہ کی نقل و حرکت کے مترادف ہے۔ اور علیؑ کا تصرف و تقلب قرآن کریم کا تقلب و تصرف ہے جس طرح روح کا تصرف بدن کے ذریعے سے اور بدن کا تصرف روح کی وساطت سے ہوتا ہے اور ہر دو کے تصرفات ایک دوسرے کی طرف منسوب بھی ہو سکتے ہیں تو بنا بریں علیؑ و قرآن کے جملہ حرکات و سکنات لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا حضرت علیؑ کی ایک قدم سے دوسرے قدم تک کی حرکت پورے کلام اللہ کی الحمد سے والناس تک کی حرکت ہوا کرتی تھی۔ پس علیؑ کا ایک رکاب میں قدم رکھ کر دوسری رکاب تک منتقل ہونا قرآن مجید کا مکمل انقلاب تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ بیان گزشتہ کی تطبیق سے علیؑ کا ہر اشارہ کلام اللہ کا اشارہ تھا وہ علیؑ کا ہر سانس قرآن مجید کا پورا دَور تھا۔

دوسرا جواب از منقولات۔ وہ وہ ہے جو علامہ امینی نے الغدیر ج ۵ میں ذکر کیا ہے۔

اخرج البخاری فی صحیحه عن ابی هریرة یرفعه قال صلی الله علیه وسلم خُفِّفَ عَلٰی دَاوٗدَ الْقُرْاٰنُ فَكَانَ یَأْمُرُ بِدَابَّتِهٖ فَتُسْرَجُ فَیَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ

وقال القسطلانی فی شرحه وفیه اِنَّ الْبَرَكَةَ تَقَعُ فِی الزَّمَنِ الْیَسِیْرِ حَتّٰی یَقَعَ فِیْهِ الْعَمَلُ الْكَثِیْرُ وَقَالَ قَدْ دَلَّ هٰذَا الْحَدِیْثُ عَلٰی اَنَّ اللّٰهَ یَطْوِی الزَّمَانَ

صحیح بخاری[1] میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ حضرت داؤد پر قرآن (زبور) کا پڑھنا آسان تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی سواری پر زین رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ پس زین رکھنے سے پہلے قرآن کو یعنی (زبور) کو ختم کر لیا کرتے تھے۔

قسطلانی نے اس کی شرح[2] میں کہا ہے کہ تھوڑے زمانہ میں بعض اوقات برکت داخل ہو جاتی ہے۔ پس اس میں بڑا کام انجام پا سکتا ہے اور کہا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے۔ کہ جس طرح خدا اپنے بندوں کے لئے زمین کو سمیٹ لیتا ہے۔

---

[1] بخاری ج ۱ باب قوله تعالیٰ و آتینا داؤد زبورا و ج ۲ باب احادیث الانبیاء [2] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ج ۸

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ كَمَا يَطْوِى الْمَكَانَ لَهُمْ — اسی طرح طی زمان[۱] بھی کر دیتا ہے۔

باتفاق جمیع اہلِ اسلام جناب رسالتمآبؐ صرف حضرت داؤدؑ نہیں بلکہ تمام گذشتہ انبیاء سے افضل ہیں اور حضرت امیرالمومنینؑ بنص آیت مباہلہ نفسِ رسولؐ ہیں تو ان کیلئے زمین کا لپیٹ جانا یا زمانہ کا سمٹ جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

حضرت امیرالمومنینؑ کی ایک ہزار رکعت نماز پر اعتراض

اس باب میں علامہ عبدالحسین امینی مدظلہ کی عبارت کے اُردو ترجمہ پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ بعض مقامات پر حسب ضرورت اصل عبارت کو نقل کر دیا گیا ہے۔ بہرکیف ان کی تمام بیان کردہ تفصیلات کو من وعن نقل کرنے کی بجائے اختصار کے پیشِ نظر ضروری حصّہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف نے "الغدیر" جلد پنجم میں لکھا ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ اور حضرت امام حسینؑ اور ان کے شہزادے حضرت زین العابدینؑ میں سے ہر ایک کے متعلق نقل متضافر سے ثابت ہے۔ کہ وہ ہر شبانہ روز ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور اس پر تمام علمائے اسلام متفق رہے۔ یہاں تک کہ ابن تیمیہ کا دَور آیا تو اس نے معصومینؑ کے اس عمل پر اعتراض کیا اور طعن آور ہوا اور اس کے اعتراض کے تین پہلو ہیں۔

(۱) جو شخص ایک ہزار رکعت کو ان کے لئے فضیلت قرار دے وہ جاہل ہے اس میں قطعاً کوئی فضیلت نہیں۔ کیونکہ جناب رسالتمآبؐ رات کو تیرہ رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے اور دن کو بھی چند رکعات مخصوصہ سے تجاوز نہیں فرماتے تھے نہ تمام شب مصروفِ عبادت رہتے تھے اور نہ دن کو ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے تو دائمی طور پر ہمیشہ ہر رات کا عبادت میں بسر کرنا کیا فضیلت رکھتا ہے؟ یہ چیز مستحب تو در کنار مکروہ ہے۔ بلکہ خلافِ سنّتِ رسولؐ ہے۔

(۲) دن اور رات میں دیگر واجبات کے ادا کرنے کے علاوہ خورد و نوش کے ضروریات سے فراغت پانے کے بعد ایک ہزار رکعت نماز کا وقت کہاں رہتا ہے؟ بہت تھوڑے وقت میں ایک ہزار رکعت کا سمانا محال ہے۔

(۳) اگر بالفرض جلد بازی کے ساتھ وقت کے اندر اتنی نماز کو پورا کر بھی لیا جائے تو وہ نماز صرف ٹھونگے مارنے کے برابر ہوگی۔ اس میں خشوع و خضوع کہاں ہوگا اور بغیر خشوع و خضوع کے کسی عبادت کی کوئی قیمت نہیں۔

اختتام کلام پر کہا۔ الخ نہ تہجد کے ساتھ شب بیداری اور ایک رکعت میں ختم قرآن حضرت عثمان کے متعلق ثابت ہے۔ لہٰذا ان کا تہجد اور تلاوتِ قرآن غیروں سے زیادہ وزنی ہے۔ (منہاج السنۃ لابن تیمیہ ج۲ ص۱۱۹)

---

[۱] یعنی زمانے کو بھی سمیٹ لیتا ہے۔

علامہ موصوف نے متعدد جوابات پیش کئے ہیں۔

قولِ رسولؐ[1] (۱) اَلصَّلٰوۃُ خَیْرُ مَوْضُوْعٍ فَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَسْتَکْثِرَ فَلْیَسْتَکْثِرْ
نماز اچھا موضوع ہے۔ جو جس قدر زیادہ پڑھ سکے پڑھے

(۲) اَلصَّلٰوۃُ خَیْرُ مَوْضُوْعٍ مَنْ شَاءَ اَقَلَّ وَمَنْ شَاءَ اَکْثَرَ
نماز اچھا موضوع ہے جو چاہے تھوڑی پڑھے جو چاہے زیادہ پڑھے۔

(۳) یا انس اَکْثِرِ الصَّلٰوۃَ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ
اے انس نماز شب و روز زیادہ پڑھی کرو۔

(۴) مَنْ اَکْثَرَ صَلٰوتَهٗ بِاللَّیْلِ حَسُنَ وَجْهُهٗ بِالنَّهَارِ
جو شخص رات کو زیادہ نماز پڑھے گا دن کو اس کا چہرہ زیادہ خوبصورت ہوگا۔

(۲) **فعلِ رسولؐ** صح عن البخاری والمسلم اِنَّهٗ کَانَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ حَتّٰی تَنْفَطِرَ قَدَمَاهُ وفی روایۃ لهما والترمذی۔ اَنْ کَانَ النَّبِیُّ لَیَقُوْمُ اَوْ لَیُصَلِّی حَتّٰی تَرِمَ قَدَمَاهُ اَوْ سَاقَاهُ۔
بخاری اسلم سے صحیح میں منقول ہے کہ حضورؐ رات کو اس قدر نماز میں قیام فرماتے تھے کہ قدم مبارک پھول جاتے تھے نیز بخاری و مسلم و ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپؐ نماز میں اسقدر قیام فرماتے تھے یا (نماز پڑھتے تھے) کہ قدم (پنڈلیاں) ورم زدہ ہوجایا کرتی تھیں۔

فعلِ اکابر اہلِ سُنّت اہلِ سنت کے امام اعظم کے متعلق شیخ عبدالحی حنفی نے کتاب اقامۃ الحجۃ صد۹ پر لکھا ہے۔ کہ وہ ہر رات میں تین سو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ پس ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں سُنا ایک عورت دوسری سے کہہ رہی تھی کہ یہ شخص ہر رات پانچسو رکعت نماز پڑھا کرتا ہے۔ امام صاحب نے سُن لیا اور اس کے بعد ہر رات پانچسو رکعت کا پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر ایک دفعہ لڑکوں سے ایک دوسرے کو کہتے سُنا۔ کہ یہ شخص ہر رات ایک ہزار رکعت پڑھتا ہے اور سوتا نہیں پس اس کے بعد انہوں نے ایک ہزار رکعت کا پڑھنا شروع کر دیا اور راتوں کو سونا چھوڑ دیا۔
اسی طرح روض الاخبار ج۱ صد۹ میں رابعہ (بصریہ) کا ہر شب ایک ہزار رکعت پڑھنا مذکور ہے۔

روضۃ الناظرین صد۲ میں حسن بصری کے متعلق ہے کہ وہ چالیس برس برابر صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے رہے۔

مناقب ابو حنیفہ للخوارزمی ج۱ صد۲۳۲ میں ابو حنیفہ کا چالیس سال تک عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھنا مذکور ہے۔

۴۔ معنیٔ سنّت [2] مستدرک حاکم میں جناب رسالتمآبؐ کا فرمان موجود ہے۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ تمہارے اوپر میری اور میرے خلفاء کی سنت پر چلنا ضروری ہے۔
[3] نیز ماہ رمضان مبارک میں تراویح کی سنت عمر نے جاری کی ۱۴ھ میں (اس سے پہلے ابوبکر اور جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں نہیں تھیں) **خلاصۃ الکلام**۔ علامہ امینی نے پہلے اعتراض کا جواب پہلے قولِ رسولؐ سے دیا کہ حضورؐ کا فرمان بذریعہ تواتر منقول ہے کہ فرمایا کرتے تھے۔ نماز اچھا موضوع ہے۔ جو جس قدر چاہے پڑھ سکتا ہے۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج۱ [2] کشف الخفاء ج۲ صد۳۰ [3] مستدرک حاکم جلد ۲ [4] اہلسنت کی کتب صحاح میں یہ چیز مسلم ہے۔ سیوطی نے اسے اولیات عمر میں لکھا ہے ۱۲ منہ

پھر خود حضور کا عمل پیش کیا کہ وہ بنفسِ نفیس ہر شب میں اس قدر مصروفِ نماز رہتے تھے کہ پاؤں مبارک پر ورم آجایا کرتے تھے اس کے بعد اکابر اہلِ سنت مثلاً ابو حنیفہ وغیرہ کی لمبی لمبی نمازوں کو پیش کیا اور ان بزرگوں کی ایک لمبی فہرست قائم کردی میں نے اختصار کے پیشِ نظر ترک کردی ہے ان کے عمل کو کسی نے خلاف سنت قرار نہیں دیا۔

آخر میں سنت کے معنی کی وضاحت کردی کہ خلفاء راشدین کی سنت بھی سنت ہے تو حضرت علیؑ کا فعل کیوں خلافِ سنت قرار پایا؟

اقول: یہ عام دستور ہے کہ جس سے رشتۂ محبت قائم ہو جاتا ہے اس کا ہر قول و فعل محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے چنانچہ مشہور مقولہ ہے حُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَ یُصِمُّ (کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا و بہرہ کر دیتی ہے) اور جس سے نفرت یا عداوت ہو۔ اس کا ہر قول و فعل بھی نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے محبت کی صورت میں محبوب کے صاف و صریح طور پر غلط افعال تاویل کے قابل قرار دیئے جاتے ہیں اور ان کو بہرکیف اچھائی پر ہی محمول کیا جاتا ہے اور نفرت کی صورت میں جس سے نفرت ہو اس کے اچھے کردار میں جرح و قدح کے راستے تلاش کر کے ہر ممکن طریق سے اسے بدنام ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ اور ان کی اولاد طاہرینؑ کے ساتھ دشمنان اہلبیت کا بعینہٖ یہی رویّہ ابتداء سے آج تک چلا آیا ہے مقام زیرِ بحث میں نہ حضرت رسالتمآبؐ کے ارشاداتِ عالیہ کی پرواہ ہے اور نہ آنحضرتؐ کا ذاتی کردار پیشِ نظر ہے۔ یہ صرف اس لئے کہ حضرت علیؑ کی یہ منقبت کسی طریقہ پر بدعت کے رنگ میں پیش ہو تاکہ ان کی فضیلت کا ڈنکا جو چہار دانگ عالم میں بج رہا ہے کسی طرح مدھم پڑ جائے لیکن

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے ... وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

حیرت یہ کہ صرف حضرت علیؑ کی تنقیص شان کے لئے جناب رسالتمآبؐ کی عبادتِ شب کو صرف تیرہ رکعت میں منحصر کردیا حالانکہ کتب صحاح میں ان کا بکثرت عبادت کرنا موجود ہے حتیٰ کہ قدم مبارک ورم کر جاتے تھے اور خداوند کریم کی طرف سے بھی عبادت کے کم کرنے کا حکم آگیا۔ ارشاد ہوا کہ رات کو قیام تھوڑا کرو۔ ہم نے قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ اور پھر اپنے اکابر کے متعلق جو کچھ کوئی نقل کرے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور یہ صرف اس لئے کہ وہ اپنے ہیں اور ان سے رشتۂ محبت قائم ہے پس نہ ان کا فعل خلافِ سنت اور بدعت ہے نہ محال ہے اور نہ منافی خشوع و خضوع ہے بخلاف اس کے آلِ محمدؐ کی عبادت بدعت بھی ہے محال بھی اور منافی خضوع بھی۔ اگر وجۂ فرق پر غور کیا جائے تو صرف یہی ہے کہ چونکہ ان سے محبت ہے لہٰذا ان کا کوئی فعل قابلِ جرح نہیں اور ان سے چونکہ عداوت ہے لہٰذا ان کا ہر عمل و فعل قابلِ جرح ہے علاوہ ازیں اہلسنت کے نزدیک تمام صحابہ کا قول و فعل سنت کی حیثیت رکھتا ہے۔ خصوصاً خلفائے راشدین کا قول و فعل۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے اپنے مقام پر تمام صحابہ کا کردار بطور حجیت کے پیش ہوا کرتا ہے لیکن حضرت علیؑ کے فعل کو بدعت کہتے ہوئے نہ ان کی صحابیت کا لحاظ ہے اور نہ خلافت کا خیال ہے یہ عداوت نہیں تو کیا ہے؟ ابن تیمیہ کے اعتراض کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ ایک ہزار رکعت

شب و روز میں ناممکن ہے اس کے متعلق علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ عدم امکان کا دعویٰ صرف طبیعت کی سستی اور عبادت کی طرف عدم رغبت کی وجہ سے ہے کیونکہ جس نے عمر بھر عبادت سے دلچسپی نہ لی ہو، عاملین کے عمل اور عابدین کی عبادت سے دور تک کا واسطہ بھی نہ ہو وہ ایسی باتوں کو سن کر ناممکن کہہ دیتا ہے لیکن جس نے اطاعتِ خدا کی شیرینی کا ذائقہ چکھ لیا ہو اور عبادت کی لذات سے بہرہ اندوز ہو چکا ہو، اس کے لئے یہ باتیں عام عادی معلوم ہوتی ہیں۔ نہ ان کی طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے اور نہ انہیں مشکل محسوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد علامہ امینی نے اکابر اہلسنت کے اوراد و وظائف کا شمار کرتے ہوئے ایک طویل فہرست قائم کر دی جنھیں سے ایک ایک کے متعینہ وظیفہ و ورد کا اگر جائزہ لیا جائے تو حضرت علیؑ اور ان کی اولادِ امجاد کی ایک ہزار رکعت کے اندازہ سے کہیں زیادہ پڑتا ہے اور بایں ہمہ ان کے اس فعل کو نہ کسی نے بدعت کہا اور نہ محال اور نہ منافی خشوع۔ مثلاً ابو حنیفہ کے متعلق مناقب خوارزمی سے نقل کیا کہ وہ جب نماز جمعہ کے لئے آتے تو قبل از نماز جمعہ بیس رکعت نماز پڑھتے تھے جن میں ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ حلیۃ الاولیاء ج۱ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رات کی نماز میں ایک رکعت کے اندر قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

مناقب ابو حنیفہ القاری سے نقل کیا ہے کہ تیس سال متواتر ہر رات انہوں نے ایک رکعت میں قرآن ختم کیا۔

ان سے بھی بہت بلند پروازیاں کی گئیں ہیں حتیٰ کہ بعض کے متعلق لکھا ہے کہ ایک طواف بیت اللہ یا اس کے بھی ایک ہی چکر میں پورا قرآن ختم کیا کرتے تھے اور بعض کے متعلق شب و روز میں ستر ہزار ختم قرآن کرنا ذکر کیا گیا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ ان خرافات کے نقل کرنے والے ان کو فیضِ ربانی اور عنایت رحمانی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن آلِ محمدؐ کے لئے ان توجیہات کا دروازہ بالکل بند ہے۔ علامہ موصوف نے حضرت علیؑ کی نماز کا ان کے وظائف سے یوں موازنہ کیا ہے فرماتے ہیں کہ ایک ہزار رکعت نماز کے کل کلمات تراسی ہزار بنتے ہیں کیونکہ پہلی رکعت میں بطریق نماز شیعہ تکبیرۃ الاحرام سے لے کر آخری سجدہ تک انہتر کلمات ہیں تو ہزار رکعت میں انہتر ہزار ہوئے لیکن ہر دوسری رکعت تکبیرۃ الاحرام سے خالی ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا ایک ہزار کلمہ کم ہو گیا تو اڑسٹھ ہزار کلمات ہو گئے اور ہر دوسری رکعت میں تیس کلمات تشہد و سلام کے ملانے سے پندرہ ہزار کلمات کا اضافہ ہو گیا تو کل تراسی ہزار کلمات ہو گئے۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کے کلمات کی تعداد ستتر ہزار نو سو تینتالیس ہے۔ لہٰذا ایک ہزار رکعت کے کل کلمات سے پانچ ہزار ستاون زیادہ ہوئے۔ اندازہ فرمائیے جن سے محبت ہے ان کی ایک رکعت میں جو بعض حصہ شب یا روز میں ادا ہو، دیگر اذکار واجبہ و مستحبہ کے علاوہ ۳۴۴۹،، کلمات کی گنجائش ہے اور یہ نہ محال ہے نہ خلاف سنتِ رسولؐ ہے اور نہ منافی خشوع و خضوع ہے۔

اور جن سے عداوت ہے ان کے لئے دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں ۸۳۰۰۰ کلمات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس سے زیادہ کج بحثی اور بے راہ روی اور کیا ہو سکتی ہے؟ پھر عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے کہتے ہیں کہ ہمیں اہلبیت سے بڑی محبت ہے (وَاللّٰہُ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ) نیز ابن تیمیہ نے اختتامِ کلام پر جو حضرت عثمان کا نماز تہجد کی ایک رکعت میں ختم قرآن کا دعویٰ کیا ہے اسے علیؑ کی دشمنی نے سوچنے ہی نہیں دیا کہ جو تمہیں اعتراضات حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کی عبادت پر وارد کئے تھے

وہی یہاں پر بھی وارد ہیں کیونکہ یہ عمل نہ تو سنتِ رسولؐ ہے کیونکہ انہوں نے کبھی ایک رکعت میں ختم قرآن نہیں کیا تھا اور نہ ممکن ہے کیونکہ یہ رکعت یا تو مغرب و عشاء کے درمیان ہوگی اور یا عشاء اور صبح کے درمیان ہوگی۔ ہر دو صورتیں نطاقِ وقت سے عمل زیادہ ہے اور بفرضِ وقوع بحالت تیز رفتاری خشوع و خضوع نہ ہوگا۔ لہٰذا پڑھنا بے فائدہ۔ علاوہ ازیں غزالی[1] اور ازلی[2] نے عثمان کا شمار ان صحابہ سے کیا ہے جو ہفتہ میں قرآن ختم کیا کرتے تھے نیز بروایت عبداللہ بن عمر[3] جناب رسالتمآبؐ نے ایک ہفتہ سے زیادہ جلدی قرآن ختم کرنے سے منع فرمایا[4] ہے۔ انتہی ما افادہ

قرآن مجید کی سات قرائتیں

اکثر علماء کے نزدیک قاری قرآن سات تھے اور ان میں سے ہر ایک کی قرأت بھی جُدا جُدا ہے اور وہ یہ ہیں ابو عمر و کسائی حمزہ ابن عامر نافع ابن کثیر اور عاصم۔ بعض علماء نے ابو یعقوب ابو جعفر طبری اور ابی بن کعب کا اضافہ کر کے کل قاریوں کی تعداد دس بتلائی ہے۔ ان کی ساتوں قرأتوں کے متعلق بعض علمائے اعلام فرماتے ہیں کہ یہ قرائتیں حضرت رسالتمآبؐ سے بالتواتر منقول ہیں چنانچہ علمائے محققین میں سے شہید ثانیؒ اور محقق ثانی اور دیگر بعض اکابر امامیہ کی طرف یہی قول منسوب ہے اور اکثر علمائے امامیہ تواتر قرأت کے انکاری ہیں۔ چنانچہ شیخ طوسی ابن طاؤس محدث بحرانی اور سید نعمت اللہ جزائری وغیرہ کی طرف یہی قول منسوب ہے اور ادلہ عقلیہ و نقلیہ دوسرے قول کی موید ہیں۔ پہلے قول کے لئے متعدد دلیلیں پیش کی گئی ہیں۔

۱۔ دعویٰ اجماع (تمام امت کا اتفاق ہے) کہ قرائتیں سات ہیں۔

۲۔ عادت مقتضی ہے کہ یہ قرائتیں صحیح طور پہ منقول ہوئی ہوں کیونکہ قرآن مجید کے حفظ اور ضبط کے متعلق ابتدا اسلام سے آج تک جو اہتمام رہا ہے اگر یہ قرائتیں ابتداً ثابت نہ ہوتیں تو بعد میں ان کے پیدا ہونے کا تو امکان ہی نہیں کیونکہ اگر بعد کی ایجاد ہوتی تو پہلے ہی سے تردید کر دی گئی ہوتی اور ان کے خلاف ایک بڑا ہنگامہ اٹھا ہوتا۔

۳۔ حدیث میں ہے اِنَّ الْقُرْاٰنَ نَزَلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ یعنی قرآن سات حرفوں پہ اترا ہے جن میں سے ہر ایک کافی و شافی ہے اور حرف سے مراد قرأت ہے۔

۴۔ بروایت خصال رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اَتَانِیْ آتٍ مِنَ اللّٰهِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكَ اَنْ تَقْرَاَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى

---

[1] احیاء العلوم [2] قوت القلوب/خزینۃ الاسرار [3] صحیح بخاری و مسلم [4] جامع قرآن اور جمع قرآن میں اختلاف کی بحثوں میں تفصیلاً ثابت ہوگا کہ حضرت عثمان حافظ قرآن نہیں تھے پھر جب وہ حافظ ہی نہیں تھے تو ایک رکعت میں ختم قرآن کا دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے؟ مؤلف

حَرْفٍ وَاحِدٍ فَقُلْتُ يَا رَبِّ وَسِّعْ عَلَىٰ أُمَّتِي فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكَ أَنَّ الْقُرْآنَ عَلَىٰ سَبْعَةِ أَحْرُفٍ

ترجمہ میری طرف خدا کی جانب سے آنے والا (ملک) آیا اور کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ قرآن کو ایک حرف (قرأت) سے پڑھو میں نے عرض کی اے اللہ میری امت پر توسیع کر تو (ملک نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ قرآن کی سات قرأتیں ہیں۔

ان کے علاوہ اور دلیلیں بھی ذکر کی گئیں لیکن سب سے مضبوط اور محکم یہی ہیں۔ یہ سب دلیلیں قابل رد ہیں اور ان کے جوابات یہ ہیں۔ پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ دعویٰ اجماع ناقابل تسلیم ہے کیونکہ اگر اجماع ہوتا تو علمائے محققین کی ایک بڑی جماعت مخالف نہ ہوتی۔ دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ سب قرأتیں تواتر سے منقول ہوتیں تو ہر قاری دوسرے کی قرأت کی تردید نہ کرتا حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور ہر قاری اپنی مخصوص قرأت کے ماسوا دوسری قرأتوں کو غلط قرار دیتا ہے معلوم ہوا کہ یہ اختلاف قاریوں کی ذاتی رائے کے اختلاف کی وجہ سے ہی ہے۔ تیسری اور چوتھی دلیل کے کئی جوابات دیئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ سند کے اعتبار سے ان دونوں حدیثوں کی صحت ثابت نہیں۔

۲۔ اگر تسلیم کر لی جائیں تو حرف سے مراد قرأت نہیں بلکہ لغت ہے یعنی قرآن عرب کی سات لغتوں میں اترا ہے اور ابن اثیر سے بھی یہی منقول ہے۔

۳۔ ممکن ہے حرف سے مراد قسم ہو۔ چنانچہ حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ قرآن سات قسموں پر اترا ہے جن میں سے ہر ایک کافی اور شافی ہے اور وہ سات یہ ہیں۔ امر نہی۔ زجر۔ ترغیب۔ ترہیب۔ مثل۔ قصص۔

۴۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سات حرفوں سے سات بطن مراد ہوں جیسا کہ روایات کثیرہ میں وارد ہے۔

ان جوابات کے علاوہ حضرات معصومینؑ کی طرف سے سات قرأتوں کی صریح الفاظ میں نفی موجود ہے چنانچہ کافی میں ہے۔

عن الفضيل بن يسار قال قلت لابي عبد الله إِنَّ النَّاسَ يَقُولُونَ إِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلَىٰ سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَقَالَ كَذَبُوا أَعْدَاءُ اللّٰهِ لَكِنَّهُ نَزَلَ عَلَىٰ حَرْفٍ وَاحِدٍ مِنْ عِنْدِ الْوَاحِدِ

فضیل بن یسار سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن سات قرأتوں پر اترا ہے۔ آپ نے فرمایا دشمنان خدا جھوٹے ہیں بلکہ وہ تو ایک کی طرف سے اترا ہے۔ اور ایک ہی قرأت پر اترا ہے۔

وفيه عن زرارة عن ابي جعفر قال إِنَّ الْقُرْآنَ وَاحِدٌ نَزَلَ مِنْ عِنْدِ الْوَاحِدِ وَلَكِنَّ الْاِخْتِلَافَ يَجِيءُ مِنْ قِبَلِ الرُّوَاةِ

نیز بروایت زرارہ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے آپ نے فرمایا تحقیق قرآن ایک ہے ایک کی طرف سے اترا ہے لیکن اختلاف راویوں کی طرف سے پیدا ہو جاتا ہے۔

ان دونوں روایتوں میں سے پہلی حسن اور دوسری صحیح ہے۔ لہٰذا ان کو پہلی حدیثوں پر سنداً بھی ترجیح حاصل ہے اور توجیہات و قرائن بھی اس کی تائید کرتے ہیں پس یہی قول زیادہ قوی اور مضبوط ہے۔

آئمہ طاہرینؑ سے منقول ہے کہ ان قرأت مختلفہ میں سے ہر قرأت کے مطابق پڑھنا جائز ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ عربی زبان کے

مسلمہ قواعد کے خلاف اگر کوئی قول ہو تو اس سے اجتناب کیا جائے اور نماز میں بھی اسی بات کو ملحوظ رکھے۔ اسی طرح امالہ ادغام و اشمام اور وقف وغیرہ میں بھی متابعت ضروری نہیں بلکہ صرف قواعد عربیہ کی رعایت کافی ہے۔ البتہ سازش قاریوں کے اقوال سے جُدا قول پیدا کرنا بھی گو قواعد کے موافق ہو خلاف احتیاط ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

اِعجازِ قُرآن

قبل اس کے کہ قرآن مجید کا معجزہ ہونا ثابت کیا جائے۔ معجزہ کی حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے اور اس کے سمجھنے کیلئے محال کی اقسام میں فرق معلوم کرنا لازمی ہے محال کی چار قسمیں ہیں۔ محال ذاتی، محال عقلی، محال شرعی اور محال عادی۔

محال ذاتی وہ ہے جس کی ذات عدم کی مقتضی ہو جیسے شریک باری عزا اسمہ (خدا کا شریک)

محال عقلی وہ ہے جس کے وجود سے اس کا عدم لازم آئے۔ مثلاً اجتماع ضدین یا دَور و تسلسل وغیرہ

محال شرعی کسی شئے کا ایک شرعی خصوصیت سے الگ ہو کر بغیر تصرف شارع کے دوسری شرعی خصوصیت کا حامل ہو جانا۔ مثلاً آب مضاف کا مضاف ہوتے ہوئے مطہر ہونا۔

محال عادی۔ اشیاء موجودہ کا عام عادی دستور کو ترک کر کے ایک غیر متوقع شکل یا حالت میں منصۂ شہود پہ آنا۔

محال ذاتی اور محال عقلی قطعاً وقوع پذیر نہیں ہو سکتے بلکہ وہ حیطۂ مقدوریت سے باہر ہیں اور جو چیز مقدوریت کے دائرہ سے خارج ہو اس سے معجزہ و کرامت کا تعلق نہیں ہوا کرتا اور محال شرعی شارع مقدس کے تصرفات سے ممکن بن جاتا ہے لیکن اس کو نسخ کہا جاتا ہے پس معجزہ کا تعلق آخری قسم سے ہے یعنی ایک ممکن ذاتی کا (جو عادتاً محال ہو) غیر عادی صورتیں بحکم خدا کسی نبی و رسول یا اولی الامر کی دعا یا برکت سے ظہور پذیر ہونا معجزہ کہلاتا ہے اور معجزہ کے وقوع کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ بغیر اسباب ظاہریہ اور بغیر مادہ معہودہ کے کسی چیز کا معرض وجود میں آنا۔ جیسے ناقہ حضرت صالحؑ کا پہاڑ سے پیدا ہونا۔

۲۔ مادہ ظاہریہ سے باعتبار اسباب ظاہریہ کے استعداد حیات ختم ہونے کے بعد دوبارہ استعداد کا آ جانا جیسے احیائے موتی

۳۔ موجودات عالم میں سے کسی موجود کے فعلی مزاج کو دوسرے موجود کے فعلی مزاج سے بدل دینا مثلاً مزاج جماد کو مزاج حیوان سے بدلنا۔ جیسے عصا سے سانپ۔ یا مزاج حیوان کو مزاج جماد سے بدل دینا جیسے نگاہِ غضب سے کسی کافر کے اعضاء کو کسی لکڑی کی طرح خشک کر دینا یا مزاج جماد سے مزاج نبات بدلنا جیسے عصا کا درخت بن کر ثمر آور ہونا اور پھر اپنی حالتِ سابقہ پر عود کر آنا یا ایک نوعِ جماد کو دوسری نوع سے بدلنا جیسے سنگریزوں کا جواہر بن جانا یا جواہر کا ٹھیکریاں بن جانا۔

۴۔ موجوداتِ عالم میں سے کسی شئے سے تدریجیہ منازل طے کئے بغیر پہلی منزلوں میں آخری مراتب کے اثرات کا ظاہر ہونا جیسے

بچپنے میں حضرت عیسیٰؑ کا کلام کرنا یا لوہے کا حضرت داؤد کے لئے نرم ہونا۔

۵۔ کسی موجود کے نظام فعلی کو خلاف توقع تبدیل کرنا۔ جیسے شق القمر۔ رد الشمس اور نزول النجم

۶۔ کسی موجود کے مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے مافوق موجود کے آثار کا ظاہر ہونا جیسے بساط سلیمانی کا پرواز۔

۷۔ شیئ کی موجودہ استعداد میں تغیر واقع کئے بغیر محیر العقول انداز میں اس کے اجزا کو ترتیب دینا جیسے آیات کلام اللہ

۸۔ موجودہ استعداد و قوت کے ماتحت کسی انسان سے مافوق العادۃ آثار غریبہ کا ظہور جیسے اخبار گذشتہ و آئندہ بلا تعلیم و تعلم اور بغیر حسابات متعینہ کے۔

۹۔ مدارج ارتقاء میں بغیر تدریج کے ادنیٰ سے اعلیٰ تک پہنچنا یا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف پلٹنا جیسے بچے کا جوان یا بوڑھا ہو جانا یا جوان و بوڑھے کا بچہ ہونا یا بوڑھے کا جوان ہو جانا۔

۱۰۔ جنسی تبدیلی جیسے مرد کا عورت، یا عورت کا مرد کر دینا یا پھر ان کا اپنی اپنی حالت پر پلٹ جانا۔

غرضیکہ موجودہ عادی رفتار کا بغیر اسباب ظاہریہ کے اس طرح محیر العقول طور پر انقلاب پذیر ہونا کہ اس کی تہہ تک رسائی عقول انسانیہ اور افکار بشریہ کے بس سے باہر ہو

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے امور یعنی جو بصورت معجزہ منظر عام پر آتے ہیں اگرچہ ظاہرا خلاف توقع اور بغیر علل واسباب ظاہریہ کے صدور پذیر ہوتے ہیں۔ آیا واقع میں بھی علل واسباب سے بے نیاز اور خلاف توقع ہوتے ہیں یا ان کے لئے واقع میں اسباب ہوا کرتے ہیں لیکن ہمیں علم نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کو خلاف توقع کہہ دیتے ہیں؟

اب اس بات میں الجھنا اور اس کی گہرائیوں میں جانے کی کوشش کرنا ہمارے لئے یقیناً نتیجہ خیز نہ ہوگا کیونکہ ہماری بشری صلاحیتیں جب ماوراء البشریت کا ادراک نہیں کر سکتیں تو اس کے متعلق کوئی اٹل نظریہ قائم کرنا صاف و صریح کج اندیشی ہے اور ایسا ہے جیسے منقولات کو نہ سمجھ سکنے والے کا دخل در معقولات مثال کے طور پر ایک کمسن بچہ جب اس کا ذہن ابتداء میں کسی حد تک ظاہری دنیا سے تعلق قائم کر چکتا ہے اب اس کے سامنے چہچہانے، اور باپ کی زبان کے لئے اہم ترین مرحلہ آتا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں ان سے کچھ کہوں، وہ اپنی زبان کو حرکت بھی دیتا ہے لیکن لفظ نہیں بنا سکتا اسی طرح کان سے الفاظ کو سنتا ہے لیکن ان کی تعیین و تمیز اور حفظ و ضبط سے اس کا ذہن و شعور کوتاہ ہوتا ہے پس وہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا احساس کرتے ہوئے ماں باپ کا منہ تکنے لگتا ہے اور وہ اپنے اندر طاقت گویائی کو ایک محال عقلی اور قطعاً ناشدنی امر قرار دیتے ہوئے اپنے والدین کے تکلم سے متاثر ہو کر محو حیرت ہوتا ہے اور ان کو بولتا دیکھ کر استعجاب سے ہنس پڑتا ہے اس کے ماں باپ کے بس میں نہیں کہ بچے کو حیرت و استعجاب کے موجودہ بھنور سے نکال لیں وہ اس مرحلہ میں اس کو ہزار سکھائیں اور تکلم کے واقعی اسباب و ذرائع کی طرف لاکھ توجہ دلائیں سب فضول اور بے فائدہ ہوگا کیونکہ اس میں متوجہ ہونے اور سمجھ سکنے کی اہلیت ہی نہیں۔ وہ بہرکیف ماں باپ کے تکلم بلکہ ہر اس سے نہ ہو سکنے والی بات کا ماں باپ سے صادر ہونے کو اپنے اندر معجزہ اور

خلافِ عادت اور غیر متوقع امر قرار دیتا ہے۔ اسی طرح ہمارے اذہان گو کتنے ہی کامل ہوں انبیاء کے اذہان و افکار کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے کم سن بچہ کا ذہن ہمارے مقابلہ میں جس طرح بچہ اپنے احوال کی عادی رفتار کے ماتحت اپنے سے افوق کی حرکات کو غیر ممکن اور ناشدنی امر قرار دیتا ہے۔ اور ان کے اسباب و علل واقعیہ سے نہ مطلع ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اسی طرح ہم بھی اپنے احوال کے اعتبار سے ناشدنی و غیر ممکن امور کے اسباب واقعیہ سے نہ مطلع ہیں اور نہ مطلع ہو سکتے ہیں کیونکہ اذہان میں صلاحیت ہی نہیں اسی طرح ذاتِ واجب الوجود کے علم محیط اور قدرتِ کاملہ کے مقابلہ میں انبیاء کے علوم و اقدار کو سمندر و قطرہ یا شمس و ذرہ کی نسبت ہے۔ بلکہ اس کی ذات و صفات سے مخلوقات کو کوئی نسبت ہی نہیں۔

پس ممکن ہے کہ ان کے علل و اسباب ہوں اور انبیاء جانتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ صرف اللہ کے علم تک ہی محدود ہوں اور چونکہ خداوند کریم نہ ایجادِ کائنات میں محتاج تھا نہ بقائے کائنات میں محتاج ہے لہٰذا ممکن ہے کہ بغیر علل و اسباب اس قسم کے امور کو ظاہر کر دے کیونکہ ممکن کو اسباب کی احتیاج ہوا کرتی ہے واجب کو اسباب کی قطعاً کوئی احتیاج ہی نہیں۔

بالجملہ ہم ہزاروں بلکہ لاکھوں کوششیں کریں کہ انبیاء و اوصیاء کے ہاتھوں صادر شدہ معجزات کے اسباب واقعیہ معلوم کرلیں ناممکن ہے اس مقام تک معجزہ کے معنی کی وضاحت بہت کچھ ہو چکی اب اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ انبیاء کی بعثت سے غرض یہ ہے کہ وہ عبد و معبود کے درمیان عہدۂ سفارت کے فرائض انجام دیں اور خالقِ کائنات نے اپنے کمالِ لطف و کرم سے ہر انسان کو عمومی دعوت بھی دے دی کہ اے میرے بندے میری اطاعت کر تاکہ تجھے وہ قدرت عطا کروں کہ تیرا ارادہ کائنات میں نفوذ کرے یا بعض اسرارِ فطرت اور اسبابِ حقیقت کی تیرے سامنے نقاب کشائی کر دوں تاکہ تیرے افعال ظاہری دنیا میں اعجازی حیثیت کے حامل ہوں جس طرح عام سردار اپنے خاص وفادار اور اطاعت شعار غلاموں کو بعض ایسے خصوصی اسرار و رموز پر اطلاع دے دیتے ہیں جو کسی اور کے سامنے بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور اس قسم کے غلاموں کو محرمِ راز کہا جاتا ہے اور سردار اس کو محرمِ راز بنا کر بعض اوقات انہیں اپنے خصوصی اختیارات بھی دے دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح اطاعت شعار انسان کے لئے ذاتِ احدیت بعض رموزِ حقیقت منکشف فرما دیتی ہے۔ اور بعض امور میں تصرف کا حق بھی عطا کر دیتی ہے جن کی بدولت ان سے خارقِ عادت افعال کا صدور ہوا کرتا ہے۔ چونکہ مادہ و طبیعت کی پرستار ذہنیتیں ہمیشہ پیغامِ توحید سے برسرِ پیکار رہی ہیں۔ وہ ہر شیئے کو اسباب و علل ظاہریہ کی مخلوق سمجھتی ہیں۔ لہٰذا داعیانِ توحید کے لئے ضروری تھا کہ ان آفت زدہ اذہان کو خالقِ کائنات کی طرف اس طرح بلائیں کہ علل و اسباب کے متلاشی مادہ طبیعت کی قید و بند سے آزاد ہو کر ذاتِ واجب الوجود کی معرفت کا درس حاصل کر سکیں جو نہ خلقِ اشیاء میں مادہ کا محتاج ہے اور نہ نظامِ اکمل کائنات میں طبیعت کا ممنونِ احسان ہے

ممکن ہے مادہ پرستوں کی جانب سے انبیاء پر یہ سوال کیا جاتا کہ مادہ کے بغیر کس طرح کوئی شیئ منصۂ شہود پر آ سکتی ہے یا طبیعت کے سوا کیسے نظامِ عالم برقرار رہ سکتا ہے؟ تو ان کے سوالات کو عملی طور پر سمجھانے سلجھانے کیلئے۔

انبیاء کو ایسی قوت کا دینا ضروری تھا۔ جس کے استعمال سے ہر دور کا مہذب گروہ اور ترقی یافتہ طبقہ براہین وجود ذات احدیت کو سُن کر ان کے قبول کرنے میں پس و پیش نہ کر سکے۔ اسی بناء پر جس دَور میں ترقی یافتہ طبقہ کے نزدیک کوئی فعل اسباب و علل ظاہریہ کے ماتحت انتہائی عروج کے منازل پر پہنچا ہُوا تھا۔ اس دَور کے اعلیٰ مفکّرین و ماہرینِ فنون کے نزدیک اس سے بلند قدم رکھنا ایک مافوق العادۃ امر تھا جس سے علل و اسباب کی دنیا ناآشنا تھی تو اس دَور میں فرائض تبلیغ انجام دینے کے لئے جس نبی کو مبعوث فرمایا اسے وقتی مصلحت کے لحاظ سے وہ قوت عطا کی یا ایسے اسرارِ فطرت پر اطلاع دی جس کے استعمال سے مفکّرین کی گردنیں جھک گئیں اور انہیں بادلِ ناچار تسلیم کرنا پڑا کہ ہمارے قویٰ و افکار سے ایک بالا دست ایسی طاقت موجود ہے جو خلق میں مادہ سے اور نظام میں طبیعت سے بے نیاز ہے چنانچہ عصائے موسیٰؑ فن داؤد و دم عیسیٰؑ علی نبینا و علیہم السّلام اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں تھیں

جناب رسالتمآبؐ کے زمانۂ بعثت میں چونکہ فصاحت و بلاغت کا چرچا اس حد تک تھا کہ عرب لوگوں کی نگاہوں میں جمیع ممالک غیر عربیہ گنگ کی حیثیت سے تھے اسی بنا پر غیر عربوں کو عجم کی لفظ سے تعبیر کیا کرتے تھے کیونکہ عجم کا معنی یہی ہوتا ہے اور تاریخ بتلاتی ہے کہ اس زمانہ میں اقوام عالم کے مقابلہ میں عرب قوم شجاعت، سیاست، سیاحت اور تجارت کے اعتبارات سے مہذب ترین قوم شمار ہوتی تھی۔ لہٰذا اس دور کے مہذب اور متمدن طبقہ کو پیغام خدا پہنچانے کے لئے ایک ایسے مافوق العادۃ کلام کی ضرورت تھی جو فصحاء و بلغاء کی گردنیں جھکا دے۔ یہاں تک کہ وہ اس کلام کے مقابلہ میں گنگ نظر آئیں۔ پس اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے جناب رسالتمآبؐ کو قرآن مجید عطا ہُوا تاکہ دستورِ بعثت کے ماتحت موجودہ دَور کے اعلیٰ مفکّرین کو مقصد تبلیغ کے تسلیم کرانے میں زیادہ سے زیادہ مؤثر ثابت ہو۔ لہٰذا یہ کلام بصورت معجزہ نازل ہُوا اور قیامت تک تمام آئندہ طبقات کے لئے نسلاً بعد نسل دائمی قرار دیا گیا اور اس میں متعدد خارق العادۃ اعجازی پہلو سمو دیئے گئے۔

۱۔ الفاظ و معانی کے نظم و نسق اور مقتضائے حال و مقام کی مطابقت کے اعتبار سے وہ کمال کہ باوجود بانگ دہل اعلانیہ چیلنج اور تحدّی کے کسی کو مقابلہ کی جرأت نہ ہو سکی اور ایک چھوٹے سے چھوٹے سورۂ کوثر کو پڑھ کر (مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ) کے اعتراف پر مجبور ہو گئے۔

۲۔ تدقیق مطالب اور اسرار و رموز و معارف کے وہ خزانہ ہائے بیش قیمت اسمیں تفویض کر دیئے کہ تا قیام قیامت حقائق جو مفکّرین عالم کی انتہائی تگ و دَو اور غیر معمولی جد و جہد بھی انہیں ناپید نہ کر سکے بلکہ ہر مفکّر اپنی آخری کوشش کے بعد اس کے دقائق کے استقصاء سے اظہار عجز پر مجبور ہو اور روایات میں ہے کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور پھر باطن کا باطن یہاں تک کہ ساتھ بواطن تک اور وہ سوائے حضرت علیؑ اور ان کی اولاد امجاد کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

۳۔ سلاست کلام اور روانی کے علاوہ مرغوبیت اور حلاوت کا وہ عالم کہ کبھی عارف طبیعتیں تلاوت سے ملال کا شکوہ نہ کریں بلکہ جس قدر تلاوت میں اضافہ ہو اسی قدر لطف اندوزی میں زیادتی ہو۔ چنانچہ فضائل قرآن کے باب میں معصومینؑ کے کلام سے

اس امر کو صراحت سے ذکر کیا گیا ہے۔

عن الرضا عن ابيه عليه السلام انه سُئل ابُو عبدالله مَا بَالُ القُرْآنِ لَا يَزدَادُ عَلَى النَّشْرِ وَالدَّرْسِ اِلَّا غَضًّا فَقَالَ لِاَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى لَمْ يَجْعَلْهُ لِزَمَانٍ دُوْنَ زَمَانٍ وَلِنَاسٍ دُوْنَ نَاسٍ فَهُوَ فِيْ كُلِّ زَمَانٍ جَدِيْدٌ وَعِنْدَ كُلِّ قَوْمٍ غَضٌّ

حضرت امام رضاؑ اپنے والد بزرگوار سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا کہ قرآن مجید باوجود زیادہ نشر و اشاعت اور درس و تدریس کے زیادہ تازہ ہوتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ہے کہ خداوند کریم نے اس کو مخصوص ایک زمانہ اور ایک قوم کے لئے نہیں بھیجا (بلکہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے ہے) لہذا ہر زمانہ میں نیا اور ہر قوم کے لئے تازہ ہے اور رہے گا۔

۴۔ بیان احکام میں اسقدر اعتدال اور غیر متزلزل مصالح و مفاسد کا اعتبار کہ سیاست دانان عالم اور دانایان ہر دور تا قیامت اس میں نقص و عیب جوئی کی جرأت نہ کر سکیں۔

۵۔ امم سابقہ اور قرون خالیہ کے وہ مفصل حالات و واقعات اور تاریخی مفید نکات و معلومات کا بیان جس کا واقفیت سے بہرہ ور نہ ہو اور ایسے نبی کی وساطت سے جو علماء وا سے جب کہ ظاہری دنیا میں امم سابقہ اور قرون ماضیہ کے بقایا افراد خصوصاً ان کے علماء سے مجالست و مصاحبت کا کوئی رابطہ نہ رکھتا ہو حتیٰ کہ ظاہر بین لوگ اس کو ان پڑھ سے تعبیر کرتے ہوں۔

۶۔ آئندہ کی اخبار میں وہ صداقت کہ فن کہانت کے ممتاز لوگ حیرت سے انگشت بدنداں ہو کر ظاہری اسباب سے اس کی بے نیازی کا اعتراف کر لیں، خلقت کائنات اور ایجاد عالم کے متعلق وہ حقیقت آمیز تبصرہ کہ الفلاسفہ دانشمند اور حقیقت رس طبائع تسبیح و تقدیس خدا کے علاوہ منہ سے حرف تک نہ نکال سکیں۔

۷۔ معرفت خدا کے متعلق وہ اقوال و تردیدی براہین جن کو سن کر مشرکین کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور جواب میں دم بخود ہو جائیں۔

۸۔ حشر و نشر اور موت و حیات کی وہ جزوی تفصیلات مع استدلالات کہ فلاسفہ دور سر پکڑ لیں۔

۹۔ الفاظ و معانی میں وہ توازن کہ ہر دور کے ماہرین علوم عربیہ ایک حرف و حرکت کی اونچ نیچ یا کمی بیشی کا فرق نہ نکال سکیں

۱۰۔ لسانیت کے لحاظ سے وہ کمال کہ باوجود ابد میں آنے کے پورے کلام عرب کی اساس و اساس تسلیم کی جائے۔ حتیٰ کہ اہل لسان کے نزدیک بھی کلام کی تصحیح و تغلیط کا معیار قرار پائے اور علمائے عربیت کلام عرب کی صحت و خطا کو اسی مقدس کلام سے جانچنے پر مجبور ہوں۔

۱۱۔ سب سے محیر العقول پہلو یہ کہ اس کلام کے لانے والا نبی ظاہری دنیا میں ناخواندہ اور موجودہ دور کے خطباء فصحاء و بلغاء سے کنارہ کش، شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے تمام خطبات و مواعظ و مکاتیب بھی فصاحت و بلاغت کے وہ بے پناہ سمندر موجزن ہیں کہ مخالفین کو تسلیم کرنا پڑا کہ کلام اللہ کے بعد فصاحت و بلاغت میں نہج البلاغۃ کے مقابل کوئی کلام

نہیں لیکن رسول اکرم ﷺ کے عام خطبات و مواعظ یا احادیث شریفہ میں وہ رنگ نہیں بلکہ عام بشری کلام سے اس کو ذرا بڑا کوئی نمایاں امتیاز حاصل نہیں ہے۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ذاتی کلام میں اگر یہ جوہر ہوتا تو معترضین کو کہنے کا موقع مل جاتا کہ کلام مجید انہی کا اپنا کلام ہے اس لئے کہ جب رسول کا عام بیان اور فن البلاغۃ کلام اس قدر فصاحت و بلاغت کا حامل ہے تو وہ سوچ سمجھ کر فکر و تدبر کے بعد قرآن مجید جیسا بے نظیر کلام کیوں نہ پیش کر سکے؟ پس قرآن مجید کو سرکار رسالت کا نتیجہ فکر قرار دیا جاتا اور وہ مقصد تشنۂ تکمیل رہ جاتا جس کے لئے قرآن معجزہ بنا کر بھیجا گیا۔

دیگر کتب سماویہ اور قرآن مجید میں ایک اہم فرق یہ بھی ہے کہ ان کتابوں میں صرف وہی احکام تھے جو فقط اسی وقت کے لئے موزوں تھے اور قرآن مجید میں عموم عقائد و نظریات کا غیر فانی اور اپنی اعجاز نما ہونے کے علاوہ اپنے اندر ایسے مثبت و غیر متغیر احکام رکھتا ہے جن کو مرور زمانہ متاثر نہیں کر سکتا ہے اور نہ وہ قابل ترمیم و تنسیخ ہیں اسی لئے اس نبی کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ ان کی شریعت آخری شریعت ہے اور ان کا قانون آخری قانون ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سابقہ کتب کی افادی حیثیت محدود تھی جو بالآخر ختم ہو گئی اور قرآن مجید کی افادیت تاقیامت محفوظ ہے اور رہے گی۔

موجودہ مہذب و روشن دور کے اعلیٰ مفکرین جب بڑی غور و خوض اور بحث و تمحیص میں غیر معمولی عرق ریزی کے بعد ایک قانون مرتب کرتے ہیں تو اپنی حد امکان تک اس کو ہر قسم کے نقائص سے پاک کر کے متعدد اجتماعات میں جرح و قدح اور تصحیح و تعدیل کے بعد اس کے نفاذ کا اعلان کرتے ہیں اور ایسی ہمہ اسے ناقابل نسخ و ترمیم قرار دینے کی جرأت نہیں کر سکتے کیونکہ آئے دن کے واقعات اور ان کے تجربات شاہد ہوتے ہیں کہ کل کا بنایا ہوا قانون آج نہیں تو کل تک ضرور منسوخ نہیں تو قابل ترمیم ضرور ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ نت نئے قانون اور نت نئے ضوابط منظر عام پر آتے رہتے ہیں اور اس طرح قوانین و ضوابط کا ایک تانتا بندھا رہتا ہے۔

بڑی وجہ یہ ہے کہ قانون ساز کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو چیزوں کے تمام مصالح[1] و مفاسد کو جان سکتا ہی نہیں اور اسی لئے ہر قانون ساز خود چند روز کے بعد اپنے قانون کا دشمن بن جاتا ہے اور اگر خود مسند پہ ڈٹا رہے تو اس کے ایام اقتدار ختم ہونے کے بعد تو یقیناً اس کا قانون منتقض ہو جائے گا کیونکہ (ہر کہ آمد عمارت نو ساخت)

لیکن ذات علیم و قدیر نے احکام قرآنیہ کی بنیاد ایسے غیر متزلزل اصول پر رکھی ہے جو کسی زمانہ میں نہ منسوخ ہو سکتے ہیں اور نہ قابل ترمیم قرار دیئے جا سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج پونے چودہ سو سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ گذر جانے کے باوجود قرآنی احکام و ضوابط میں نئی روح اور تازہ جان موجود ہے اور تاقیامت رہے گی۔

---

[1] خوبیاں اور برائیاں

معجز نما کی ضرورت

گذشتہ عنوان کے ذیل میں قرآن مجید کے معجز ہونے اور اس کے اعجازی پہلوؤں کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس مقام پہ یہ بیان کرنا ہے کہ چونکہ معجزہ بغیر معجز نما کے نہیں وقوع پذیر اور ظاہر ہو سکتا لہٰذا یہاں بھی اعجاز قرآن کے اظہار کے لئے ایک معجز نما ضروری ہے۔ عصا سانپ بن سکتا ہے لیکن موسیٰؑ کے ہاتھ میں۔ اونٹنی پتھر سے پیدا ہو سکتی ہے لیکن صالحؑ کے اشارے سے۔ آگ گلزار بن سکتی ہے لیکن خلیلؑ کی ضرورت ہے۔ مٹی سے پرندہ بن کر پرواز کر سکتا ہے لیکن دم عیسیٰؑ کے ساتھ۔ میر انیس مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

جس ہاتھ میں عصا ہو اسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے

پس قرآن قرآن ہے لیکن اس کے اعجازی کرشمے معجز نما کے وجود کے محتاج ہیں۔

گذشتہ انبیاء کی چونکہ نبوتیں محدود اوقات کیلئے ہوا کرتی تھیں اس لئے ان کے معجزات بھی مختصر اور محدود زندگی رکھتے تھے اور قرآن چونکہ قیامت تک کے لئے ہے اور شریعت مصطفویہ کی عمر بھی قیامت تک ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کے ساتھ معجز نما کا ہونا بھی قیامت تک ضروری ہے کیونکہ اگر معجز نما کے وجود کا دائرہ صرف زمان رسالت تک ہی محدود کر دیا جائے تو قیامت تک کے لئے اس کے اعجاز کی رٹ لگانا صرف لقلقہ لسانی ہو کر رہ جائے گا اور یہ کہنا پڑے گا کہ معجزہ ہائے انبیاء سابقین کی طرح اس کی اعجازیت بھی محدود وقت تک تھی اور بس۔ حالانکہ باتفاق جمیع فرق اسلامیہ اعجازیت تاقیامت باقی ہے۔ اس کے خلاف کہنے والا منقول و معقول کے خلاف ہونے کے ساتھ دشمن اسلام ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر تا قیام قیامت ہر دور میں قرآن کے ساتھ ایک قرآن والا ضرور ہوگا۔ جو حضور رسالتمآب کی صحیح جانشینی کے فرائض انجام دیتے ہوئے اپنے زمانہ کی ضروریات کے پیش نظر قرآن کے اعجازات سے لوگوں کو روشناس کرا سکتا ہوگا۔

عن عیون اخبار الرضا سُئِلَ امیر المؤمنینؑ عَنْ مَعْنَى قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِنِّیْ مُخَلِّفٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابُ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ مَنِ الْعِتْرَةُ قَالَ اَنَا وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ وَالْاَئِمَّةُ التِّسْعَةُ مِنْ وُلْدِ الْحُسَیْنِ تَاسِعُهُمْ مَهْدِیُّهُمْ وَقَائِمُهُمْ لَا یُفَارِقُوْنَ کِتَابَ اللّٰهِ وَلَا یُفَارِقُهُمْ حَتّٰی یَرِدُوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ حَوْضَهٗ

حضرت امیر المومنینؑ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ حضرت رسالتمآبؐ کا جو فرمان ہے کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں اللہ کی کتاب اور عترت چھوڑے جاتا ہوں عترت کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اور حسنؑ اور حسینؑ اور نو حسینؑ کی اولاد سے ہوں گے جن کا نواں مہدی وقائم ہوگا۔ یہ قرآن سے جدا نہ ہوں گے اور قرآن ان سے جدا نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ جناب رسالتمآبؐ کے پاس حوض کوثر پہ وارد ہوں گے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہمیں صرف قرآن مجید کافی ہے اور قرآن کے علاوہ اور کسی چیز سے تمسک پکڑنے کی ضرورت نہیں تو اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کو کلام معجز نما جانتا ہو اور اس کی اعجازی حیثیت کا سرے سے انکار کرتا ہو۔

۲۔ قرآن مجید کے اعجاز کا قائل ہو لیکن خود اپنے آپ کو معجز نما سمجھتا ہو۔

۳۔ نہ قرآن کے اعجاز کا منکر ہو اور نہ اپنے آپ کو معجز نما جانتا ہو۔

پہلی صورت میں تو کسی کو اختلاف نہ ہوگا کہ منکر اعجاز قرآن خارج از ایمان ہے۔

دوسری صورت یہ کہ ہر شخص معجز نما ہو عقل و نقل سے بعید ہے کیونکہ معجز نما ہونے کا دعویٰ خالہ جی کا گھر نہیں۔ عصا ہاتھ میں رکھنا آسان ہے۔ لیکن موسیٰ بن کر اسے مار کر سانپ بنانا یا دریا پر مار کر رستے پیدا کرنا یا پتھر پر مار کر پانی کے چشمے جاری کرنا وغیرہ مشکل ہے۔ اسی طرح دم کرنا سہل ہے لیکن عیسیٰ بن کر مٹی میں روح پھونک دینا یا مردہ میں جان ڈال دینا ہر شخص کا کام نہیں اور یہ بات تو واضح اور ثابت ہے اور اس میں اثر داؤدی پیدا کرنا اور شے ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس بلکہ گذشتہ انبیاء کے معجزوں اور قرآن مجید کے اعجاز میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ قرآن مجید عصائے موسیٰ کی طرح نہیں کہ زمین پر رکھ دینے سے اعجازی پہلوؤں کو ظاہر کرنے لگ جائے یا دم عیسیٰ کی طرح نہیں کہ صرف شو کرنے سے کام چل جائے یہاں تو عیسیٰ و موسیٰ کو دم مارنے کی بھی جرأت نہیں بلکہ قرآن مجید کے اعجاز کے سامنے تو وہ خود دم بخود نظر آتے ہیں اور حضرت عیسیٰ کو حضرت حجت کے انتظار میں رکھنا اور بوقت ظہور ان کا ان کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ صاحب اعجاز ہیں اور یہ صاحب اعجاز ہیں۔

پھر کیونکہ ہر قرآن کو ماننے والا معجز نما نہیں ہو سکتا بلکہ معجز نما کے لئے قرآنی رموز و حقائق پر اطلاع چاہیئے۔ اس کے عمائق اور دقائق تک رسائی کی ہمت ہو۔ اسرار فصاحت اور نکات بلاغت میں مہارت کاملہ اور بصیرت صادقہ کے علاوہ جودت طبع اور سلامت فطنہ کا حامل ہو۔ مقام اطاعت میں شان عبودیت رکھتا ہو اور مقام معرفت میں راز و رموز خفیہ اور اسرار لطیفہ کا محرم ہو۔ گویا قرآن کے ساتھ جسم و جان اور قالب و روح کا تعلق رکھتا ہو۔

لیکن یہ باتیں الا باب مدینہ علوم نبویہ کے بغیر اور کہیں بھی نہیں پائی جا سکتیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالتمآب کی رحلت کے بعد جب کبھی صحابہ کو کوئی مسئلہ ایسا پیش آتا جس کے سمجھنے سے عاجز آ جاتے تو باب مدینۂ علم نبی حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے دروازہ کا طواف کرتے نظر آتے تھے صرف انہی تک منحصر نہیں بلکہ ہر دور میں امت اسلامیہ مسائل مشکلہ میں آل محمد کے دروازہ پر جھکتی رہی اور بنی عباس کے فقہی دور میں فقہائے عالم کی گردنیں صادق آل محمد کے علمی وقار کے سامنے خم ہو گئیں۔

اگر تعصب کی عینک اتار کر تاریخ اسلام کا صحیح مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر معلوم ہوگا کہ قرآن مجید کے حقیقی ترجمان خاندان رسالت کے وہ افراد ذوی الاحترام ہیں جنہیں خداوند عالم نے علوم قرآنیہ کا حامل قرار دے کر منصب خلافت کے لئے منتخب فرمایا ہے

اس بیان سے ثابت ہُوا کہ قرآن کے ساتھ قرآن والا صرف خاندانِ رسالت کا فردِ معصوم ہی ہو سکتا ہے اگر کوئی دوسرا یہ دعویٰ کرے تو جھوٹا ہوگا۔

پس اب تیسری صورت باقی رہی تو اسمیں ضروری ہے کہ قرآن کے ساتھ قرآن والے پر بھی ایمان لایا جائے اور وہی امام بالحق ہوا کرتا ہے جس کا وجود ہر دَور میں ضروری ہے تاکہ قرآنی تعلیمات کے ماتحت ہر زمانہ میں اسلام کی ترویج و تقویت کا کفیل ہو اور جو لوگ صرف قرآن مجید کے ساتھ تمسک پکڑنا کافی سمجھتے ہیں اور قرآن والے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے وُہ قرآن کے ساتھ رہنے کے حقیقی مفہوم سے غافل ہیں بلکہ ان کا قرآن پر ایمان رکھنے کا دعویٰ صرف زبانی ہی زبانی ہے ورنہ درحقیقت نہ ان کا قرآن سے تمسک ہے اور نہ ایمان ہے۔

فی البرهان عن الدیلمی باسنادہ عن زید بن ثابت قال قال رَسُوْلُ اللّٰہِؐ اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابُ اللّٰہِ وَعَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍؑ وَعَلِیٌّؑ اَفْضَلُ لَكُمْ مِنْ كِتَابِ اللّٰہِ لِاَنَّہٗ مُتَرْجِمٌ لَكُمْ عَنْ كِتَابِ اللّٰہِ۔

برہان میں دیلمی سے بالاسناد زید بن ثابت سے منقول ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں (ایک) اللہ کی کتاب اور (دوسرے) علی بن ابیطالبؑ اور علیؑ تمہارے لئے کتاب اللہ سے افضل ہے کیونکہ یہ تمہارے لئے کتاب اللہ کی ترجمانی کرے گا۔

(علیؑ ناطق ہے اور قرآن صامت ہے اور ناطق صامت سے افضل ہوا کرتا ہے)

وفیہ عنہ عن سلیم بن قیس الهلالی عن امیر المومنینؑ قال اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی طَهَّرَنَا وَعَصَمَنَا وَجَعَلَنَا شُهَدَآءَ عَلٰی خَلْقِہٖ وَحُجَجًا فِیْ اَرْضِہٖ وَجَعَلَنَا مَعَ الْقُرْاٰنِ وَجَعَلَ الْقُرْاٰنَ مَعَنَا لَا نُفَارِقُہٗ وَلَا یُفَارِقُنَا۔

اسی کتاب میں سلیم بن قیس ہلالی سے روایت ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں پاک معصوم خلق پہ گواہ اور زمین میں اپنی حجت بنایا ہے۔ ہمیں قرآن کے ساتھ اور قرآن کو ہمارے ساتھ قرار دیا نہ ہم اس سے جُدا ہیں اور نہ وہ ہم سے جُدا ہے۔

احادیث اس مضمون کی بہت زیادہ ہیں جو حدِ تواتر سے بڑھی ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ کسی اور عنوان کے تحت میں کچھ حصہ ان کا ذکر کیا جائے گا۔ بس اس مقام پر صرف یہی ثابت کرنا تھا کہ قرآن کی اعجازیت کے پیشِ نظر ہر زمانہ میں ایک ایسے قرآن والے کا ہونا ضروری ہے جو بحیثیت معجزنما کے قرآن کے ساتھ ہو اور عقلی بیان سے بھی ثابت ہوگیا۔ کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر صفۂ حسنہ اور خصلت حمیدہ اپنے اندر رکھتا ہو بلکہ ہر وہ کمال جو انسانی امکانی احاطہ سے باہر نہ ہو اس میں پایا جائے تاکہ قرآن کے ظواہر و بواطن اور دقائق و حقائق پہ بصیرت افروز تبصرہ کرکے ایک طرف ہر دَور کے مہذب و ترقی یافتہ یا جدت پسند گروہ کو اس کا گرویدہ بنا سکے اور دوسری طرف اپنے اوصاف و کردار کے سایہ میں ان کی روحانی زندگی کو تابناک بھی بنا سکے۔

قرآن کریم نے تاویلِ قرآن کے علم کو تو راسخین فی العلم میں بند کر دیا لیکن مصداق کی تعیین کیسے ہو اس کی تلاش کے لئے منفعت مزاج گروہ اور دانا بینا طبقہ کے لئے چنداں دقت نہیں تھی لیکن خواہشات کی رو میں بہنے والے اور جذباتی رجحانات کے پیچھے چلنے والے عموماً نظریاتی اختلافات کی آڑ لے کر طرف داری اور جنبہ نوازی کا کھیل کھیلنے لگ جاتے ہیں۔ اور اس قسم کے خطرات بددی عرابوں کی منتصبانہ روشں کے پیشِ نظر اہم ترین طور پر مرکزِ نگاہ اقتضائے رسالت تھے جن کا ازالہ اہم ترین فریضہ تھا۔ پس حضورؐ نے غیر مبہم الفاظ میں صحابہ کرامؓ پہ وضاحت فرما دی اور زبانِ وحی ترجمان نے صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے قرآن سے علی بہتر ہے کیونکہ وہ قرآن کا مترجم ہے۔ نیز اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کے صاف اور کھلے لفظوں میں صحابہ کو سمجھایا۔ عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے[1] عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ۔ علیؑ حق کے ساتھ اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ اس قسم کی واضح اور صریح فرمائشات صحابہؓ کے گوش گزار فرما کر عقیدت کے چہرہ سے پوری طرح نقاب کشائی کر دی تاکہ اعذارِ فاسدہ کا سدِ باب ہو جائے اور قرآن کے ساتھ قرینِ قرآن کا ذکر اور ہر دو سے متوازی طور پہ تمسک کا امر فرما کر نص کر دی کہ قرآن کے مفسر اور عالم یہی ہیں اور راسخون فی العلم بھی یہی ہیں۔ ان توضیحات و تصریحات کا مقصد صرف انتخابات و اجتماعات و شورائی کارروائیوں کی تردید کرنا تھا۔

لیکن باوجودیکہ جنابِ رسالتمآبؐ نے پوری اُمتِ اسلامیہ کو ایک نکتہ پر جمع کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تاہم تمام فرمائشاتِ سرکارِ رسالتؐ کو پسِ پُشت ڈال کر کہنے والے کہہ اُٹھے کہ ہمیں صرف اللہ کی کتاب کافی ہے اور ہر زمانہ میں اس بے بنیاد دعویٰ کو اپنانے والے پیدا ہوئے اور ہر بغل میں قرآن لٹکانے والے نے کہنا شروع کر دیا کہ میں قرآن کا عالم ہوں اور ہر شخص نے قرآنی مطالب میں اپنی رائے کو داخل کر دیا۔ جس کی وجہ سے معانیٔ قرآنیہ میں اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی اور استحسانات و قیاسات کی بنا پہ لوگ جس قدر آلِ محمدؐ سے دُور ہوتے چلے گئے۔ قرآنی سچائی سے اتنا ہی تہی دست اور خالی داماں رہے۔

امام محمد تقی علیہ السلام کا واقعہ

چنانچہ معتصم عباسی کے عہدِ حکومت میں ایک مرتبہ چور پر شرعی حد جاری کرنے کا مسئلہ پیش آیا۔ درباری فقہاء کی نگاہیں صرف فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا (ہاتھ کاٹ دو) تک محدود تھیں۔ اب سوال پیدا ہوا کہ ہاتھ کس مقام سے کاٹا جائے تو فقہاء میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ قطع کی حد کلائی ہے کیونکہ آیتِ تیمم میں ہاتھوں کا مسح واجب ہے اور مسح کی حد کلائی ہے اور کسی نے فتویٰ دیا کہ ہاتھوں کو کہنیوں سے جدا کرنا چاہیئے کیونکہ آیتِ وضو میں ہاتھوں کے دھونے کا حکم ہے اور حد اس کی کہنیوں تک ہے۔ مسئلہ کیا تھا ایک عقدۂ لاینحل بن گیا

---

[1] یہ حدیثیں باختلافِ الفاظ تفصیلاً مع حوالۂ کتب بعد میں آئیں گی۔ منہ

معتصم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ دربار میں تشریف لائیں۔ چنانچہ بدلِ ناخواستہ آپ تشریف لائے تو مسئلہ پیش ہوا۔ آپ نے جواب سے معذرت طلب کی لیکن خلیفہ نے قبول نہ کی اور طلب جواب پر مصر ہوا۔ آخرکار آپ نے فرمایا کہ چور کے ہاتھ کا صرف پنجہ یعنی انگلیوں کی جڑوں سے کاٹ دیا جائے[1] اس جواب پر تمام درباری فقہاء سیخ پا ہو کر دلیل کا مطالبہ کرنے لگے آپ نے فرمایا اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ مساجد اللہ کے لئے ہیں (وہ اعضاء جو بوقت سجدہ زمین بوس ہوا کرتے ہیں وہ ہیں مساجد اور ان کی تعداد سات ہے دونو پاؤں کے انگوٹھے دونوں گھٹنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور پیشانی آپ نے فرمایا جس چیز کو اللہ نے اپنے لئے مخصوص فرمالیا ہے حد جاری کرتے وقت اس کو چھوڑ دینا چاہیئے اور باقی پر حد کو جاری کرنا چاہیئے۔ معتصم آپ کی فہمائش سے مطمئن ہو گیا اور آپ ہی کے ارشاد کے مطابق چور پر حد کو جاری کیا اس پہ درباری فقہاء ناراض ہو گئے چنانچہ ابن ابی داؤد کئی دن تک بوجہ رنجش کے دربار میں حاضر نہ ہوا اور امام کے تبحر علمی کو دیکھ کر آتشِ حسد اس کے سینۂ پُرکینہ میں زور سے بھڑک اٹھی کہ اس کیلئے چین و آرام ختم ہو گیا آخرکار امام عالی مقام کو زہر دلوا کر شہید کروانے پر معتصم کو آمادہ کیا۔ تب رضامند ہوا۔

اصولی طور پر اسے ورود سے تعبیر کیا جاتا ہے ایک دلیل اگر دوسری دلیل کے موضوعِ حکم کی وسعت سے کسی فرد کو بطور تخصیص خارج کر دے تو اس کو اصطلاحِ اصول میں حکومت کہتے ہیں مخصِّص کو حاکم اور مخصَّص کو محکوم سے تعبیر کیا جاتا ہے جس طرح آیتِ وضو کے عام موضوعِ حکم سے حرجی مقاماتِ آیتِ حرج نے خارج کر دیئے آیتِ وضو محکوم اور آیتِ حرج حاکم ہے اور اگر ایک دلیل دوسری دلیل کے موضوعِ حکم سے کسی فرد کو بطور تخصص خارج کر دے یعنی وہ دلیل یہ کہے کہ فرد مذکور اس موضوع سے مستثنیٰ منقطع کی طرح تخصصاً خارج ہے یعنی ابتداء سے یہ اُس موضوع کا فرد ہی نہیں اور وُہ حکم اس کو شامل ہی نہیں تو اس کو اصطلاحِ اصول میں ورود کہتے ہیں۔ روایت مذکورہ میں اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ نے بتلایا کہ حد چوری کے حکم میں مساجد سبعہ داخل ہی نہیں لہذا یہ وارد ہے اور آیتِ سرقہ مورود۔

سطحی ترجمہ مشکل سے سمجھنے والے اس قسم کے اصولی نکات کا قرآن سے کیا خاک استنتاج کر سکتے تھے؟ یہ راسخین فی العلم ہی کی شان ہے اہلبیتِ عصمتؑ کے دامن سے علیٰحدگی اور دعوٰی حَسْبُنَا کی مقبولیت نے قرآن مجید کو ایک بازیچۂ اطفال بنا کے رکھ دیا ہے ہر دو حرف سیکھا ہوا اپنے تئیں عالمِ قرآن کہلوانے سے ذرا بھر جھجک محسوس نہیں کرتا۔ عوام کے دل و دماغ میں یہی بات سمائی ہوئی ہے کہ ہر شخص عالمِ قرآن ہو سکتا ہے۔ لہذا ہر ملّا نما شخص سے اپنے پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن مجید سے طلب کرتے ہیں اور بغیر اس کے اپنے اندر اطمینان کی صورت ہی نہیں پاتے ادھر لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین پر نگاہ جمی ہوئی ہے لیکن وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ فَاسْئَلُوْٓا

[1] اس کا قرآنی استشہاد ہے يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ الآیۃ یہاں ایدی سے مراد صرف انگلیاں ہی انگلیاں ہیں کیونکہ لکھا انگلیوں سے جاتا ہے۔ منہ

اَهۡلَ الذِّكۡرِ وکُلَّ شَيۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِيۡ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ وغیرہ کا خیال تک نہیں نیز انی تارك فیکم الثقلین پر دھیان تک نہیں اور ان ہی تخیلاتِ فاسدہ نے عوام شیعہ کو ایک بڑی حد تک اپنے اصول مسلمہ سے غافل کر دیا ہے ان کے اذہان میں بھی یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ہر بات کا ثبوت قرآن مجید سے ہونا چاہیئے پس اپنے مولوی صاحبان سے جزدی اختلافی مسائل کا حل قرآن مجید سے ہی چاہتے ہیں کیونکہ ان سے مخالفین بھی قرآن مجید کا حوالہ طلب کرتے ہیں مثلاً سوال کیا جاتا ہے رونا پیٹنا دیگر رسوم عزاداری - ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا اور آئمہ اثنا عشر کے اسمائے طاہرہ وغیرہ قرآن مجید میں کہاں ہیں ؟ مخالفین تو چونکہ حَسۡبُنَا کو اپنانے والے ہیں وہ یہ سوال کیوں نہ کریں ؟ اور ان کے لئے قرآنی استشہادات اور ساتھ ساتھ ان کے اکابر کی تصریحات اور حدیث وتاریخ کے واقعات میں ان کے اس قسم کے بلکہ جملہ اعتراضات کے منہ توڑ جوابات موجود بھی ہیں اور علمائے مناظرہ سے وہ منہ کی کھاتے ہیں نتیجتہً بعض کو ہدایت بھی ہو جاتی ہے لیکن تعجب ہے ان شیعہ افراد پر جو اس قسم کے سوالات کے جوابات میں سیرتِ آل محمدؐ کو ناکافی قرار دیتے ہیں ان کے دل و دماغ پر بھی وہی دشمن کی زبان سے نکلا ہوا جملہ حاوی ہے گو زبان سے حَسۡبُنَا کہنے والوں سے بیزاری ہے لیکن عملاً خود اسی راہ پر گامزن ہیں اور پیچھے مڑ کر دیکھتے ہی نہیں - حالانکہ ان کو سوچنا چاہیئے کہ ہمارے اصول میں سے قرآن و اہلبیت ہر دو کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم ہے اور ہمارا ایمان ہے۔ کہ محمدؐ و آل محمدؐ ہی قرآن کے حقیقی عالم اور مفسر ہیں اور ہمیں تسلی اور اطمینان ہے کہ قرآن ایک ایسا سربستہ راز ہے جو بغیر معجز نما کی رہنمائی کے انحلال پذیر ہو ہی نہیں سکتا - خداوند کریم ایسے فریب خوردہ افراد کو چشم معرفت عطا فرمائے اور ہم سب کو قرآن اور اہلبیت کے ساتھ قولی وفعلی تمسک کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)

آل محمدؐ سے دوری کے نتائج میں سے یہ بھی ہے کہ قرآن مجید تسکینِ جذبات کا آلہ قرار دیا گیا ہے - تصدیق بیانات کے لئے سچے وجھوٹے معاملہ میں قرآن بطور گواہ ہے اور قرآن مجید کی قسم تو بچوں کا ایک کھیل بن گیا ہے مساجد میں تلاوت کرنے کے لئے اتنے قرآن خوان نہیں ملتے جتنے کچہریوں میں قسم اٹھانے کے لئے حاملین قرآن دکھائی دیتے ہیں کسی کے سر پہ کسی کے ہاتھ پر کسی کی بغل میں اور کسی کے سینے سے لگا ہوا ہے پہلی دفعہ حضرت علیؑ علیہ السلام کے مقابلہ میں جنگ صفین میں قرآن کو ان اغراض کے لئے پیش کیا گیا[1] اور پھر رفتہ رفتہ یہ وبا روئی کی آگ بن کر اطراف عالم میں پھیل گئی -

نیز گداگری اور بھیک مانگنے کا ذریعہ بھی قرآن مجید کو ٹھیرایا گیا - باطہارت یا بے طہارت کا فرق نہیں - ڈیرہ اور مسجد کا امتیاز نہیں - بلکہ صحیح یا غلط کی بھی پرواہ نہیں - صرف پیسہ دو پیسہ پر منظر ہے اور طوفانِ ظلمت کے ہمہ گیر تلاطم کی حد ہو گئی کہ باجوں کی پلیٹوں میں قرآن مجید اور ریڈیائی اشاعات میں قرآن مجید - احباب ہوٹلوں میں قہوہ خانوں میں بیٹھے ہیں - تاش کھیلا جا رہا ہے - نرد و شطرنج وغیرہ کی محفل گرم ہے شراب وکباب میں انہماک ہے اور محبوب کے ساتھ بے تکلفانہ مکالمات جاری ہیں اور ادھر ساتھ ہی باجہ میں ریڈیو میں قرآن خوانی بھی شروع ہے - غضب یہ کہ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی - اور ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں - خدا سب مومنین کو اس قسم کی جملہ روحانی وباؤں سے محفوظ رکھے -

[1] تاریخ طبری جلد ۴ اور الامامت والسیاست اور تاریخ الخلفاء وغیرہ میں امیر شام کی فوج کا قرآن کو بلند کرنا مذکور ہے - منہ

نیز قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھنے کے متعلق قرآن کے ارشاد پاک کے ساتھ جو اہلِ بیت عصمتؑ کی طرف سے فرمائشات صادر ہوئیں یکسر نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ خصوصاً طبقہ حفاظ میں تو عموماً اس چیز کا خیال تک نہیں۔ قرآن کو انتہائی تیزی سے پڑھنا حافظ صاحب کا کمال سمجھا گیا ہے اور اسی تیز خوانی کو قرآن مجید کی اہم خدمت تصور کر لیا گیا ہے حتیٰ کہ تین یا چار گھنٹوں میں پورے قرآن کو ختم کر لینے والا بہت بڑا حافظ سمجھا جاتا ہے حالانکہ معصوم نے ایک پورے دن میں ختم قرآن کرنے کی بھی اجازت نہیں دی تھی۔ اس کے متعلق احادیث ترتیل کے بیان میں گذر چکی ہیں۔

علومِ قرآنیہ اہلبیتِ عصمت کے پاس ہیں

تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا۔

ایھا الناس! اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہاری طرف رسول بھیجا اور سچی کتاب نازل فرمائی۔ حالانکہ تم لوگ کتاب اور کتاب کے نازل کرنے والے سے غافل تھے رسولؐ اور اس کے بھیجنے والے سے بے خبر تھے۔ رسولوں کے گذر جانے سے ایک عرصہ گذر چکا تھا۔ امتیں لمبی نیند سو چکی تھیں۔ احکام کمزور ہو چکے تھے۔ حق سے چشم کوری، ظلم میں کجروی اور دین میں بے برکتی عام ہو چکی تھی۔ گلزار جنت دنیا میں پژمردگی کی بنا پہ گرمی کی آگ پڑ رہی تھی۔ ٹہنیاں خشک پتے مردہ پھلوں سے مایوسی اور پانیوں میں کمی رونما تھی۔ ہدایت کے نشانات کہنہ اور گمراہی کے علم بلند تھے۔ دنیا دنیا والوں کے سامنے بدنما شکل میں ظاہر تھی۔ اس کا ثمر فتنہ اور ذائقہ بد تھا۔ باطن میں خوف و ہراس اور ظاہر میں تلوار نمایاں تھی۔ گویا تم لوگ پوری طرح تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ اہل دنیا کی آنکھیں اندھی اور روشن دن سیاہ ہو چکے تھے۔ قطع رحمی، خونریزی اور لڑکیوں کا زندہ درگور کرنا عام مشغلہ تھا اور یہ سب کچھ عیش پسندی اور خوش باشی کے لئے محبوب عام تھا۔ وہ لوگ نہ اللہ سے ثواب کے امیدوار تھے اور نہ اس کے عذاب سے خوفزدہ و ترساں تھے وہ چشم کور زندہ تھے اور مرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن تھے۔

پس حضور رسالتمآبؐ سابقہ شریعتوں کی نسخ اور کتب متقدمہ کی تصدیق لے کر تشریف لائے۔ جس میں حلال و حرام کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اور وہ قرآن مجید ہے پس اس کے ساتھ کلام کرو۔ لیکن یاد رکھو! وہ ہرگز تمہارے ساتھ کلام نہیں کرے گا (یعنی تم اس کے رموز و اسرار پر مطلع نہیں ہو سکو گے) البتہ میں تم کو اس کے متعلق خبریں دے سکتا ہوں۔ اس میں ماضی و مستقبل حتیٰ کہ قیامت تک کا علم ہے۔ تمہارے روزمرہ کے احکام باہمی نزاعات کے فیصلے سب اس میں موجود ہیں۔ لیکن مجھ سے اگر اس کے متعلق دریافت کرو گے تو تمہیں بتلاؤں گا۔

(۲) بروایت مرازم امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خداوند کریم نے قرآن مجید میں ہر شئے کو وضاحت سے بیان

فرمایا ہے اور ضرور یات دین انسانی کے متعلق کوئی ایسی فروگذاشت نہیں کی کہ کوئی کہے ۔ کاش قرآن میں یہ بات ہوتی ۔ بلکہ خداوند کریم نے سب کچھ قرآن مجید میں بیان فرما دیا ہے ۔

(۳) بروایت معلی بن خنیس آپ نے فرمایا کہ کسی بھی معاملہ میں دو آدمیوں کا تبادلہ خیالات نہیں ہوتا ۔ مگر یہ کہ اس کی اصل قرآن مجید میں ہوا کرتی ہے مگر عام انسانی عقول کی رسائی سے بالاتر ہے ۔

(۴) بروایت سماعہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے ۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہر چیز کتاب اللہ اور سنت نبوی میں موجود ہے ۔ یا لوگوں کا بے بنیاد دعویٰ اور خود ساختہ مقولہ ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ بے شک ہر شئے کتاب و سنت میں موجود ہے ۔

(۵) بروایت اسماعیل بن جابر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں گذشتہ اور آئندہ کی تمام خبریں موجود ہیں اور تمہارے معاملات کا حل بھی موجود ہے اور ہم ان چیزوں کو جانتے ہیں

(۶) عبدالاعلیٰ بن اعین سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں زمانہ بچپنے سے علم کتاب کو جانتا ہوں ۔ حالانکہ اس میں ابتداء خلقت سے لے کر قیامت تک کے تمام واقعات موجود ہیں اور اس میں آسمان و زمین جنت و نار اور کان و یکون کی خبریں موجود ہیں اور میں ان کو اس طرح جانتا ہوں جس طرح اپنی ہتھیلی کو جانتا ہوں ۔

ہمارے نزدیک قرآن اور اہل بیت دونوں واجب الاتباع ہیں اور قرآن مجید کے حقیقی عالم صرف اہل بیتؑ ہی ہیں ۔ بنا بریں عوام جہلاء کے دلوں میں اس جنون کا مسلط ہونا کہ ہر شئی کا ثبوت قرآن ہی سے ہو قطعاً مبنی بر انصاف نہیں ۔ البتہ یہ فقرہ ان لوگوں کو زیبا ہے جو حسبنا کہہ کر آل محمدؐ سے کنارہ کش ہو گئے اور ثقلین سے تمسک کرنے کا حکم رد کر دیا ۔ ہمارا تو ایمان اور اعتقاد ہے کہ جس طرح عہد رسالت میں قرآن فہمی کے لئے ہمیں جناب رسالتمآبؐ کی تفسیر و تاویل کی احتیاج تھی ۔ اسی طرح دور نبوی سے لے کر تا قیام قیامت ان کے صحیح جانشینوں کی توضیحات کے ہم محتاج ہیں ۔ ہم جس طرح ایمان رکھتے ہیں کہ ہر شئے کا علم قرآن مجید میں ہے اسی طرح ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ ہر شئے کا احصاء و شمار امام مبین کے پاس ہے ایک طرف کتاب مبین میں ہر چیز کا حصر بتایا گیا ہے اور دوسری طرف امام مبین میں ہر شئے کا احصاء کر دیا گیا ہے ۔ گویا ان دونوں حصروں سے یہ ثابت ہوا کہ کتاب مبین اور امام مبین ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

(۷) فی البرھان عن ابن عباس عن امیرالمومنین اِنَّهٗ قَالَ اَنَا وَاللّٰهِ الْاِمَامُ الْمُبِيْنُ اُبَيِّنُ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ وَرِثْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

برہان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا واللہ میں ہی وہ امام مبین ہوں ۔ جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور یہ چیز مجھے جناب رسالتمآبؐ سے ورثہ میں پہنچی ہے ۔

(۸) تفسیر برہان میں بسند ابن بابویہ منقول ہے کہ جب یہ آیت اتری ۔ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۔ تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور دریافت کرنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا اس سے مراد تورات ہے ؟ آپ نے فرمایا

بھی ہے پھر سوال کیا کہ کیا انجیل مراد ہے تو آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا کیا قرآن مراد ہے؟ فرمایا نہیں۔ اتنے میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف لائے۔ تو آپ نے فرمایا یہی وہ امام مبین ہے جس کے اندر اللہ نے ہر شے کے علم کا احصا کر دیا ہے۔ بہر کیف اس مطلب کی احادیث بکثرت موجود ہیں۔ جو انشاء اللہ اپنے مناسب مقامات پر مذکور ہوں گی لیکن اس مقام پر تتمہ کے طور پر ایک دو احادیث پیش کرتا ہوں تاکہ مطلب کی وضاحت پورے طور پر ہو جائے۔

بارہ امام بفرمانِ پیغمبرؐ

(۱) تفسیر برہان میں سلیم بن قیس ہلالی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسالتمآبؐ پر کوئی آیت ایسی نہیں اتری جو انہوں نے مجھے پڑھائی لکھائی نہ ہو، اور میں نے لکھی نہ ہو۔ مجھے انہوں نے اس کی تاویل و تفسیر ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کا علم تعلیم فرمایا اور میرے لئے اللہ سے حفظ و فہم کی دعا طلب کی۔ پس اس کے بعد مجھے کتاب اللہ سے کسی آیت کا جناب رسالتمآبؐ کے تعلیم کردہ علوم و مطالب میں سے کسی علمی نکتہ کا کبھی نسیان نہیں ہوا۔ حلال و حرام امر و نہی گذشتہ و آئندہ کی باتیں اور گناہ و ثواب کے متعلق کوئی ایسا امر نہیں جو انہوں نے مجھے تعلیم نہ فرمایا ہو اور میں نے بھی ان تعلیم کردہ اشیاء کو اس طرح حفظ کیا ہے کہ ایک حرف تک فراموش نہیں ہوا۔ پھر جناب رسالتمآبؐ نے میرے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگی کہ خدایا میرے سینہ کو علم و فہم حکمت اور نور سے ایسا پُر کرے کہ کوئی چیز فراموش نہ ہونے پائے اور غیر مکتوب مطالب میں سے کوئی چیز فوت نہ ہونے پائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ کو میرے متعلق نسیان کا کوئی خطرہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں، مجھے اپنے پروردگار نے خبر دی ہے کہ اس نے میری دعا تیرے متعلق اور تیرے شرکاء کے متعلق قبول فرمائی ہے (جو تیرے بعد ہوں گے) میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کون لوگ میرے شرکاء ہیں جو میرے بعد ہوں گے؟ فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر خدا نے اپنے اور میرے نام کے ساتھ کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (اللہ اور رسولؐ اور صاحبانِ امر کی اطاعت کرو) میں نے عرض کی وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ سب میرے اوصیاء ہیں اور حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے یہ سب کے سب ہادی و مہدی ہوں گے۔ ان کو چھوڑنے والا ان کو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ وہ قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن ان کے ساتھ ہوگا۔ قرآن ان کو نہ چھوڑے گا اور وہ قرآن کو نہ چھوڑیں گے۔ میری امت پر اللہ کی مدد انہی کے ذریعہ سے نازل ہوگی انہی کے ذریعہ سے مینہ برسے گا اور انہی کے وسیلہ سے مصائب دور ہوں گے۔ اور انہی کے واسطہ سے دعا مستجاب ہوگی میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ان کے نام بتلائیں۔ آپ نے فرمایا ایک تو میرا یہ فرزند اور اپنا ہاتھ مبارک امام حسن علیہ السلام

۱؎ از صفحہ ۱۳۸ تا صفحہ ۱۴۰ بعض احادیث نقل کی گئی ہیں۔ (مصنف)

کے سر پر رکھا، پھر امام حسینؑ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ دوسرا یہ ایک فرزند پھر اس کا ایک فرزند ہوگا جس کا نام علی ہوگا۔ اور تیری موجودگی میں متولد ہوگا۔ اس کو میرے سلام پہنچا دینا۔ اس کے بعد حضورؐ نے میری اولاد سے بارہ اماموں کی تعداد کا پورا ہونا ذکر فرمایا۔ تو میں نے پھر عرض کی کہ قبلہ آپ ان کے نام تو بتلائیں۔ پس آپ نے پھر ایک ایک کر کے سب کے نام بتلا دیئے

پس حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے سلیم بن قیس راوی حدیث سے خطاب کر کے فرمایا۔ خدا کی قسم انہی میں سے مہدی امت ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ خدا کی قسم میں ان لوگوں کو بھی پہچانتا ہوں جو رکن اور مقام کے درمیان ان کی بیعت کریں گے۔ صرف ان کو نہیں بلکہ ان کے باپ دادا اور سارے قبیلہ کو جانتا ہوں

(۸) بروایت کافی حضرت محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ قرآن مجید کے پورے ظاہر و باطن کے علم کا دعویٰ سوائے اوصیاء کے اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

(۹) ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں پورے قرآن کا جامع ہوں جس طرح کہ وہ اترا تھا۔ تو وہ جھوٹا ہے بلکہ جس طرح اترا تھا۔ اسی طرح پورے طور پر اس کو جمع اور حفظ سوائے علیؑ بن ابی طالبؑ کے اور کوئی کر ہی نہیں سکا۔ اور پھر وہ آئمہ کے پاس ہے جو ان کے اوصیاء ہیں۔

(۱۰) امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق ہے۔ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔ (بلکہ وہ آیات بینات ہیں۔ ان لوگوں کے سینوں میں کہ علم دیا گیا ہے ان کو) آپ نے فرمایا اس سے مراد آئمہ علیہم السلام ہیں۔

(۱۱) ایک روایت میں آپ نے فرمایا کتاب اللہ میں ماضی و مستقبل کی خبریں اور تمہارے فیصلے موجود ہیں۔ جن کو ہم جانتے ہیں اور نیز ہم راسخون فی العلم ہیں اور ہم ہی اس کی تاویل کو جانتے ہیں۔

بس ان ہی احادیث پر اکتفا کرتا ہوں۔ آل محمدؐ کے علم کا اندازہ کرنا انسانی طاقت سے بلند و بالاتر مرحلہ ہے بس یہی اعتقاد ہے کہ خدا نے اہل بیت عصمتؑ کو جناب رسالتمآبؐ کے بعد تمام کائنات پر جملہ کمالات میں فوقیت عطا فرمائی ہے۔ ان کے کسی کمال کی حدود معین کرنا ہماری رسائی سے بعید ہے۔

نوٹ:۔ اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے حوالہ کتب بعض جگہ سے حذف کر دیا ہے نیز اصلی عبارت کی بجائے صرف ترجمہ بھی اسی نظریہ کے ماتحت ہے۔

تائیدِ مطلب

خداوند کریم کا ارشاد ہے۔ وَلَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۔ یہ صیغہ نفی یا تو معنی انشاء میں استعمال ہے اور یا معنی خبر میں ہے۔ اگر معنی انشاء میں ہے تو آیت مجیدہ کا معنی ہوگا (اس کو نہ مس کریں مگر وہ لوگ جو پاک ہیں) اور اگر معنی خبر میں ہے تو آیت مجیدہ کا معنی یہ ہوگا اس کو مس نہیں کرتے مگر وہ لوگ جو طاہر ہیں۔

پس اگر معنی انشاء میں ہو اور نہی کے قائم مقام ہو تو یہ ایک حکم تشریعی مراد ہے اور قرآن کے مس کے متعلق جو احکام تفصیل کے ساتھ کتب فقہیہ اور رسائل عملیہ میں مذکور ہیں۔ انہی کی طرف اشارہ ہے یعنی بغیر طہارت کے قرآن کا چھونا حرام ہے اور طہارت سے مراد صرف طہارت از خبث ہی نہیں۔ بلکہ حدث سے طہارت بھی مطلوب ہے یعنی بغیر وضو یا اغسال ضروریہ کے یا بحالت اضطرار

بغیر تیمم کے قرآن مجید کا مَس کرنا حرام ہے۔ صرف ہاتھ لگانے تک محدود نہیں بلکہ تمام اعضاء میں سے کسی عضو کا کوئی حصہ قرآن کو لگانا حرام ہے۔ اسی[1] طرح نجس سیاہی کے ساتھ قرآنی آیات کا لکھنا بھی حرام ہے۔ قرآن مجید کے حروف شدّیں، مدّیں حرکات اور سکنات وغیرہ سب کا یہی حکم ہے اور جس طرح قلم سے لکھے ہوئے قرآن کو حدث یا خبث کے ساتھ مَس نہیں کیا جا سکتا اسی طرح پتھر، دیوار اور فرش وغیرہ پر کندہ شدہ الفاظ قرآن کا مس کرنا بھی بغیر طہارت کے حرام ہے۔ خواہ حروف کے مقامات کو کُرید لیا جائے۔ یا باقی جگہ کریدکر حروف کو اُبھرا ہوا رکھا جائے۔ اسی طرح بستروں چادروں اور دریوں وغیرہ پر نقش شدہ آیات خواہ بنائی سے لکھی جائیں۔ یا بعد میں ان کا اضافہ بذریعہ دستکاری صنعت کے ہُوا ہو۔ اسی طرح کپڑے یا کاغذ کے حروف بنا کر الفاظ قرآن کی ترتیب میں جوڑنے کے بعد یہی حکم ہے۔

مسئلہ: جس طرح قرآن مجید کا بلا طہارت مس کرنا حرام ہے۔ اسی طرح ہر وہ فعل جس سے قرآن کی توہین لازم آئے حرام ہے۔

مسئلہ: بنا بریں قرآن مجید کا فر کے حوالہ کرنا حرام ہے اور ان کے قبضہ میں ہو تو حتی الامکان اس کا حاصل کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: نیز مقام نجاست سے یا ہر وہ مقام جہاں قرآن کی توہین ہو اس سے قرآن کا اٹھا لینا ضروری ہے۔

لیکن اگر لَا یَمَسُّہٗ کو خبر کے معنی میں لیا جائے (یعنی اس کو مَس نہیں کرتے مگر وہ لوگ جو پاک ہیں) تو ظاہراً یہ معنی درست نہیں۔ کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر اگر واقع کے مطابق نہ ہو، تو جھوٹ ہوا کرتا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ کافروں کے پاس قرآن کے سینکڑوں نسخے موجود ہیں۔ وہ انہیں مَس بھی کرتے ہیں۔ بلکہ پاکستان کے وجود سے پہلے لاہور و پشاور میں سنت سنگھ و کھڑک سنگھ کے مطابع میں ہزاروں کی تعداد میں قرآن مجید طبع ہوئے۔ نولکشور لکھنؤ نے اس سلسلہ میں بڑی خدمات انجام دیں۔ بہرکیف اگر آیتِ مجیدہ کے اس جملہ کو خبر قرار دیا جائے تو یقیناً خلافِ واقع ہوگا اور کذب لازم آئے گا وَتَعَالَى اللّٰہُ عَنْ ذَالِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ ایک امر تکوینی کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی قرآن کے حقائق و دقائق رموز و اسرار سے سوائے ذواتِ مطہرہ کے کسی کو مَس تام حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ پاک اور مطہر ذاتیں کون ہیں؟ تو اس کا جواب آیۃ تطہیر نے واضح کر دیا اور علمائے امّت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد حضراتِ خمسہ نجبا ہیں۔ محمدؐ۔ علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ علیہم آلاف التحیۃ والسلام۔ آیۃ تطہیر کا شانِ نزول اور مزید توضیح اپنے مقام پر آئے گی۔

لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ کا مطلب ہے کہ قرآن کا حقیقی مَس اور لگاؤ کسی کو نہیں سوائے مطہرین کے۔

اور آیۃ تطہیر کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ بیت عصمت کے علاوہ کوئی بھی مطہر نہیں۔ کیونکہ شانِ نزول صرف انہی حضرات سے مختص ہے پس دونوں آیتوں کی تطبیق سے نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن سے حقیقی مَس اور لگاؤ کسی کو نہیں سوائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے علیہم الصلوٰۃ والسلام

اقول: لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ وَاَھْلُ الْبَیْتِ ھُمُ الْمُطَھَّرُوْنَ۔ فینتج من الحصرین المذکورین۔ ان القُراٰنَ لا یمسّہ اِلّا اھل البیت وھٰذا واضح لا ستره فیه وَلَمَّا کَانَ المراد من المس ھھنا المس الحقیقی

[1] اسی طرح نجس کاغذ پر قرآن کی کتابت بھی حرام ہے۔ منہ

لا المس الظاهری کما مرّ بیانہ والمس الحقیقی ھو الاطلاع علی رموزہ و معارفہ والاحاطۃ بحقائقہ و دقائقہ فَثَبَتَ انحصار رسوخ العلم فیھم علیھم السلام ۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے حقیقی علماء محمدؐ و آل محمدؐ ہی ہیں جو زیور تطہیر سے آراستہ ہیں

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیۂ مجیدہ لا یمسّہٗ الّا المطھّرون یہ ثابت کر رہی ہے کہ اس کا مس صرف مطہرین کو ہی کو حاصل ہے یعنی علوم قرآنیہ صرف معصومین ہی کے پاس ہیں تو چونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی سب کے سب معصوم ہیں۔ لہٰذا وہ بھی گویا قرآن کا علم رکھتے تھے۔ حالانکہ یہ خلاف منقول ہونے کے علاوہ اختصاص محمدؐ و آل محمدؐ کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیہ شریفہ کا معنی ہے قرآن سے حقیقی تعلق (علم) صرف مطہرین اور معصومین کو ہی حاصل ہے یعنی جس کو قرآن مجید کا علم کامل عطا ہوا ہے۔ وہ معصوم اور مطہر ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو بھی معصوم و مطہر ہے وہ عالم قرآن بھی ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ ہر نبی معصوم ہے لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ ہر معصوم نبی ہے۔ اسی طرح ہر عالم قرآن معصوم ہے لیکن اس کا اُلٹ کہ ہر معصوم عالم قرآن ہے درست نہیں۔

فاقول : کل ماس و عالم للقرآن مطھر لقولہ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ۔ فھو موجبۃ کلیۃ والموجبۃ الکلیۃ لا تنعکس کلیۃ کما یعلم کل من لہ ادنی مساس بالمیزان بل ھی تنعکس موجبۃ جزئیۃ فعکس الکلیۃ بعض المطھرین یمسونہ و یعلمونہ والمراد من البعض ھم اھلبیت النبوۃ فھم مع القرآن والقرآن معھم کما ثبت متواترا عن النبی صلی اللہ علیہ و الہ وسلم وقد ذکرنا بعض الاخبار الواردۃ فی ھذا و سیاتی بعضھا فی مطاوی العناوین الاٰتیۃ انشاء اللہ۔

پس ثابت ہوا کہ علوم قرآنیہ کما حقہٗ صرف اہل بیت عصمت ہی کے پاس ہیں۔ اس مطلب کی زیادہ توضیح بعد کی ابحاث میں ہوگی اس عنوان کے تحت ہم جو کچھ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ وہ عرض کیا جا چکا ہے اور اتنا ہی کافی ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر و تاویل

فی مجمع البیان ۔ اَلتَّفْسِیْرُ کَشْفُ الْمُرَادِ عَنِ اللَّفْظِ الْمُشْکِلِ وَالتَّاوِیْلُ رَدُّ الْمُحْتَمَلَیْنِ اِلٰی مَایُطَابِقُ الظَّاھِرَ

تفسیر کا معنی ہے لفظ مشکل کی مراد کو واضح کرنا تاویل کا معنی ہے دو احتمالوں میں سے ایک کا ظاہر کی مطابقت کی طرف لانا۔

ابن عباس سے تفسیر کی چار قسمیں منقول ہیں۔

(۱) وہ تفسیر جس کی جہالت سے کوئی شخص معذور نہیں جیسے توحید کی دلیلیں۔
(۲) وہ تفسیر جس کو اہل لسان انداز بیان سے سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے حقائق لغویہ اور محاورات عرفیہ۔
(۳) وہ تفسیر جس کو صرف علماء ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جیسے تاویل متشابہات
(۴) وہ تفسیر جس کو سوائے ذاتِ علام الغیوب کے کوئی نہیں جان سکتا۔ جیسے قیامت کا آنا۔

علامہ طبرسی صاحب تفسیر مجمع البیان نے تفسیر کو چار قسموں میں تقسیم فرمایا ہے۔

(۱) یہ کہ نہ الفاظ مجملہ ہوں اور نہ معانی میں ایک سے زیادہ کا احتمال ہو۔ جیسے آیۂ قصاص اور ادلہ توحید اس قسم کی تفسیر کو ہر واقفِ عربیت جان سکتا ہے۔

(۲) وہ معانی جن میں اجمال پایا جاتا ہے۔ ان کی تفسیر کو صرف معصومین ہی جان سکتے ہیں جیسے طریق نماز و زکوٰۃ وغیرہ

(۳) وہ مقام جہاں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہو۔ اب یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ صرف ایک احتمال مراد ہو اور باقی احتمالات کی قطعاً نفی ہو اور دوسری یہ کہ سب احتمالات مراد لئے جا سکتے ہوں۔ پہلی صورت میں اپنی رائے سے ایک معنی کی تعیین کرنا بغیر دلیل قطعی حرام و ممنوع ہے اور دوسری صورت میں ایک احتمال کو یقین و قطع کے طور پر لینا بغیر نص صریح کے ناجائز ہے اور اس بارہ میں اقوال مفسرین پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک اسکی تاویل پر اجماع متحقق نہ ہو

پس نتیجہ یہی ہوا کہ معانی لغویہ اور محاورات عرفیہ میں جہاں اجمال یا معانی کثیرہ کا احتمال نہ ہو۔ یا محکمات قرآن جہاں کسی تاویل کی گنجائش تک نہ ہو۔ کے علاوہ پورے قرآن کی تفسیر و تاویل محمدؐ و آل محمدؐ کی نشاندہی کے بغیر تفسیر بالرائے ہے اپنے استحسانات و قیاسات کو عمل میں لانا ناجائز ہے اور اپنی ذاتی رائے کی بنا پر قطعی اور یقینی طور پر ایک معنی کی تخصیص۔ یا توجیہہ و تاویل ممنوع ہے۔ البتہ صرف احتمال کے طور پر بیان کرنا حرام نہیں اور نہ اقوال مفسرین کو ذکر کرنا حرام ہے۔ اگر اقوال متعددہ اور احتمالاتِ کثیرہ میں سے کسی قول یا احتمال کی تائید فرمانِ امام سے نہ ہو تو اپنی رائے سے ترجیح پیدا کرنا حرام ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے امام کوفہ کی گفتگو

بحارالانوار جلد ا میں احتجاج سے منقول ہے ایک دفعہ ابوحنیفہ مدینہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ کیا تو مفتیٔ عراق ہے ؟ اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ پھر آپ نے پوچھا۔ کہ کس چیز سے فتویٰ دیتا ہے ؟ جواب دیا کتاب اللہ سے۔ آپ نے فرمایا کیا تو کتاب اللہ کے ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کو جانتا ہے ؟ کہا ہاں! فرمایا کہ خدا فرماتا ہے وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ (ہم نے اس میں چلنا مقدر کیا پس تم اس میں دن رات امن سے سیر کرو) فرمایا یہ کس زمین کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں شب و روز انسان باامن سفر کرے اور کسی دشمن، چور

ڈاکو بلکہ حشرات الارض یا درندوں وغیرہ کا کوئی خطرہ اس کو لاحق نہ ہو؟ کہنے لگا حضور! مکہ و مدینہ کے درمیان والی زمین مراد ہے۔ یہ سُن کر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حاضرینِ مجلس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ خدارا سچ سچ کہو جب تم مکہ اور مدینہ کی طرف سفر کرتے ہو تو تم کو جانی یا مالی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا؟ کہنے لگے۔ کیوں نہیں (بڑے خطرے لاحق ہوتے ہیں۔ آپ نے ابو حنیفہ کو خطاب کر کے فرمایا۔ وائے ہو تیرے اوپر اے ابو حنیفہ خدا تو غلط بات نہیں کہتا۔ ابو حنیفہ سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ پس خاموش بیٹھا رہا۔

پھر آپ نے فرمایا۔ خدا فرماتا ہے وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا (جو بھی اس میں داخل ہوگا با امن رہے گا) بتا اس سے کون سا مقام مراد ہے؟ ابو حنیفہ نے جواب دیا۔ بیت الحرم (کعبہ) مراد ہے۔ آپ نے فرمایا (حاضرین سے متوجہ ہو کر۔ کیا عبداللہ بن زبیر اور سعید بن جبیر کے متعلق تمہیں معلوم ہے کہ وہ دونوں اس مقام پر قتل سے نہیں بچ سکے تھے۔ سب نے جواب دیا کہ ہاں! بے شک وہ دونوں اسی مقام پر قتل کر دیئے گئے۔ آپ نے پھر ابو حنیفہ کو خطاب کر کے فرمایا۔ وائے ہو تجھ پر خدا تو سچ ہی کہتا ہے (ابو حنیفہ خاموش رہا) پھر کہنے لگا۔ کہ میں کتاب اللہ کو نہیں جانتا۔ بلکہ میں تو قیاس سے فتویٰ دیا کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے قیاس میں قتل اور زنا میں سے کون سا گناہ زیادہ سخت ہے؟ جواب دیا کہ قتل سخت ترین گناہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پھر قتل کے لئے گواہ دو اور زنا کے لئے گواہ چار کیوں ضروری سمجھے گئے ہیں۔ حالانکہ قیاس کے اعتبار سے معاملہ برعکس ہونا چاہیئے۔ یعنی قتل کے لئے چار اور زنا کے لئے دو گواہ ہوں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ نماز افضل ہے یا روزہ؟ تو جواب دیا کہ روزہ سے نماز افضل ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ حائض عورت پر نماز کی قضا معاف اور روزہ کی قضا واجب کیوں ہے؟ حالانکہ نماز افضل ہے اس کی قضا معاف نہ ہوتی اور روزہ کی قضا معاف ہوتی۔ پھر آپ نے سوال کیا کہ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ تو ابو حنیفہ نے کہا۔ پیشاب زیادہ نجس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قیاس کی رُو سے پھر پیشاب کے لئے غسل واجب ہونا چاہیئے اور منی کے لئے فقط استنجا کو ہی کو کافی قرار دیا جانا چاہیئے۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے (ان سوالات کے جوابات سے جب عاجز آگیا) تو کہنے لگا میں خود صاحب رائے ہوں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ ایک شخص نے اپنی اور اپنے غلام کی ایک ہی دن میں شادی کی اور ایک ہی رات میں دونوں نے اپنی بیوی سے ہمبستری کی پھر ہر دو سفر کو چلے گئے۔ دونوں عورتیں ایک ہی مکان میں تھیں اور دونوں کے ہاں ایک ہی دن میں لڑکے پیدا ہوئے اتفاق سے مکان کی چھت گری اور دونوں عورتیں نیچے دب کر مر گئیں اور دونوں لڑکے بالکل بچ گئے اب یہ بتا کہ تیری رائے میں آقا کون ہے اور غلام کون؟ اور مالک کے مرنے کے بعد ان دونوں بچوں میں سے وارث کون ہوگا؟ اور ورثہ کون؟ یہ سُنتے ہی وُہ (جھلا کر) بولا میں تو صرف حدود ہی کو جانتا ہوں پس آپ نے پھر استفسار فرمایا کہ اگر نابینا کسی بینا کی آنکھ نکال دے یا اپاہج کسی تندرست کا پاؤں کاٹ دے تو تیری رائے میں مجرم پر حد کیسے جاری ہوگی؟ جواب سے عاجز ہو کر کہنے لگا کہ میں بعثتِ انبیاء کے مسائل اچھی طرح جانتا ہوں اور بس پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب خداوند کریم نے حضرت

موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون کی طرف بھیجا تو فرمایا۔

قُولَا لَهُ قَوْلًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ترجمہ:۔ اس فرعون کے ساتھ نرم نرم باتیں کرنا شائد وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈر جائے کیا لَعَلّ کا استعمال مقام شک پہ ہوتا ہے؟ جواب دیا ہاں! آپ نے فرمایا کیا خدا کو شک تھا؟ تو کہنے لگا جی۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے قرآن سے فتویٰ دینے کا دعویٰ کیا حالانکہ تو وارث کتاب نہیں اور تو اپنے آپ کو صاحب قیاس قرار دیتا ہے حالانکہ پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے اور (یاد رکھو) خدا کا دین قیاس کی بنیاد پر قائم نہیں۔ پھر تو دعویٰ کرتا ہے کہ میں خود صاحب رائے ہوں حالانکہ رائے کا حق صرف جناب رسالتمآبؐ کو ہی حاصل تھا اور رائے صرف انہی کی درست ہے باقی لوگوں کی رائے میں غلطی واقع ہوسکتی ہے چنانچہ ارشادِ قدرت ہے اُحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَرَاكَ اللّٰهُ (اے رسولؐ ان لوگوں کے درمیان اپنی رائے سے فیصلہ کیا کرو جو خدا نے تمہیں عطا کی ہے یہ بات صرف جناب رسالتمآبؐ کے لئے ہی ہے اور پھر تو اپنے تئیں خدا کی حدود کا عالم سمجھتا ہے حالانکہ ان کو کما حقہٗ وہی سمجھ سکتا ہے جس پہ نازل ہوئیں۔ نیز تو بعثت انبیاء کے علم کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ خود انبیاء تجھ سے اس چیز کو بہتر جانتے ہیں اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے۔ ابوحنیفہ (جعفر صادقؑ) فرزند رسول کے پاس گیا اور انہوں نے اس سے کسی بات کا سوال تک نہ کیا اس کے علمی وقار سے مرعوب ہوگئے) تو میں تجھ سے کچھ نہ پوچھتا۔ پس جا اور اگر قیاس کا قائل ہے تو اس پہ عمل کر (راوی کہنے لگا۔ رب خدا کے دین میں قیاس و رائے کو دخل نہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا حب ریاست ہرگز تیرا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ جس طرح اس نے تجھ سے پہلے لوگوں کا پیچھا نہ چھوڑا۔ غرضیکہ ان تمام سوالات کا مقصد صرف مسئول عنہٗ کی نااہلیت کا اظہار تھا اور درس دینا تھا کہ مطالب قرآنیہ امام حق کی راہنمائی کے بغیر قطعاً حل نہیں ہوسکتے۔

اہلبیت اطہار سے کلام اللہ کی تاویل و تفسیر دریافت نہ کرنے سے اور اپنے استحسانات عقلیہ اور آرائے مخترعہ پہ عمل کرنے سے بہت فرقے پیدا ہوگئے۔ بعض لوگوں نے بعض آیات کے ظاہر سے دھوکا کھا کر خدا کا جسم مان لیا (مجسمہ کہلائے اور بعض جبر کے قائل ہوگئے (مجبرہ) کہلائے۔ حالانکہ قرآن مجید تو ایک سیدھی اور پختہ شاہراہ پہ گامزن ہونے کی دعوت دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے (يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ)

آئمہ ھُدیٰ کون ہیں

تفسیر برہان میں بعض کتب امامیہ سے بروایت عبدالرحمٰن بن سمرہ منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا جو لوگ اللہ کے دین میں مجادلہ (جھگڑا) کرتے ہیں۔ ان پہ خدا نے ستر نبیوں کی زبان سے لعنت بھیجی ہے اور جو لوگ اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا يُجَادِلُ فِيْ آيَاتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ترجمہ:۔ آیاتِ خدا میں صرف کافر لوگ ہی جھگڑا کرتے ہیں۔ ان کا شہروں میں آمد و رفت کرنا تمہیں دھوکا نہ دے) اور جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی ذاتی رائے سے کرے اس نے اللہ پہ افترا بندی کی اور جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے اس پہ آسمان اور زمین کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ ہر بدعت گمراہی

ہے اور ہر گمراہی جہنم کا راستہ ہے عبدالرحمٰن بن سمرہ کہتا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے نجات کا رستہ بتلائیے۔ آپ نے فرمایا اے ابن سمرہ جب لوگوں کی خواہشات میں اختلاف پیدا ہو جائے اور رائیں جُدا جُدا ہو جائیں تو علیؑ بن ابی طالبؑ کا دامن پکڑو کیونکہ وہی میری امّت کا امام اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے اور وہی حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہے جو اس سے (احکام دین) دریافت کرے گا تو وہ اس کو بتائیں گے اور جو اس سے ہدایت طلب کرے گا وہ اس کو ہدایت کریں گے اور جو ان سے طالب حق ہوگا تو وہ ان کے پاس حق کو پائے گا اور جو ان کے پاس ہدایت ڈھونڈے گا وہ پائے گا اور جو ان سے پناہ چاہے گا امن میں رہے گا اور جو ان سے تمسک رکھے گا وہ اس کو نجات دیں گے اور جو ان کی اقتدا کرے گا۔ وہ اس کی رہبری فرمائیں گے۔ اے ابن سمرہ صلح کا خواہاں وہ شخص ہے جو ان سے صلح رکھے اور اس کے ساتھ دوستی رکھے اور ہلاک ہوگا وہ شخص جو اس کو رد کرے اور اس سے دشمنی رکھے۔ اے ابن سمرہ تحقیق علیؑ مجھ سے ہے اس کی رُوح میری رُوح ہے اور اس کی طینت میری طینت ہے وہ میرا بھائی اور میں اس کا بھائی ہوں۔ وہ میری پارہ جگر فاطمہ سیدۃ نساء العالمین کا شوہر ہے اس سے میرے دو شہزادے میری امّت کے دو امام جوانانِ جنّت کے سردار حسنؑ و حسینؑ ہیں نیز اسی سے (حسینؑ کی اولاد سے) نو (امام) ہوں گے۔ ان کا نواں میری امّت کا قائم ہے جو روئے زمین کو اس طرح عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

بروایت کلینی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو بات جانو تو کہو اور جو نہ جانو صاف کہہ دو کہ اللہ بہتر جانتا ہے کیونکہ بعض اوقات انسان ایک آیت کو لیکر اس پہ کچھ کہہ بیٹھتا ہے (اور حق سے) آسمان و زمین کے فاصلہ سے بھی دُور جا پڑتا ہے۔

نیز بروایت ابن بابویہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے بسلسلۂ اسناد آباؤ اجداد طاہرینؑ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ (حدیث قدسی) میں ذاتِ احدیث کا ارشاد ہے وہ مومن نہیں جو میرے کلام کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اس کو میری معرفت نہیں جو مجھے میری مخلوق سے تشبیہہ دے اور میرے دین پر نہیں وہ شخص جو میرے دین میں اپنے قیاس کو استعمال کرے۔

بہرکیف قرآن مجید کی تفسیر بالرائے کی حرمت کے متعلق احادیث منقولہ کتب عامہ و خاصہ سے بہت زیادہ بلکہ حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ حتّیٰ کہ وارد ہے کہ اگر تفسیر بالرائے واقع میں درست بھی ہو تب بھی اس کا کوئی ثواب نہیں ہے آیات محکمات میں جہاں نہ اجمال ہو اور نہ کثرت معانی کا احتمال ہو۔ تفسیر بالرائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن جہاں اجمال ہو یا کثرت معانی کا احتمال ہو وہاں اپنی جانب سے اس اجمال کا بیان بطور یقین کے یا ایک قول کی ترجیح بجز قول معصومؑ کے تفسیر بالرائے ہوگی جو حرام ہے۔

علامہ شیخ مرتضیٰ انصاری قدس سرہ نے رسائل میں تفسیر بالرائے کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اپنی نظر قاصر اور عقل فاطر سے لفظ کو خلافِ ظاہر پر محمول کرنا یا دو چند احتمالوں میں سے ایک کو ترجیح دینا۔ چنانچہ اسی کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لوگ متشابہات میں ہلاک ہو گئے کیوں کہ وہ معنی کی حقیقت پر اطلاع نہیں رکھتے۔ پس اپنی رائے سے اس کی تاویل وضع کرتے ہیں اور اوصیاء علیہم السلام سے سوال کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ تاکہ وہ ان کی اس معاملہ میں صحیح رہنمائی فرمادیں۔

(۲) دلائل عقلیہ، قرائن نقلیہ اور احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کئے بغیر بادی الرائے میں جو معانی لغویہ یا مطالب عرفیہ نظر آئیں اسی پر معنی کو حمل کر لینا۔

عقل بھی اسی چیز کا مؤید ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنا ممنوع ہو کیونکہ قرآن مجید کی حیثیت مثلِ عام مکتوبات کے نہیں کہ جو بھی اٹھا کر پڑھے مطلب سمجھ لے۔ بلکہ عام مکتوبات میں بھی تمام مندرجہ امور کا احاطہ سوائے مکتوب الیہ کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ بعض اوقات بعض باہمی اصطلاحات یا رموز و اشارات و کنایات وغیرہ کا اندراج ہوتا ہے جن کو بغیر مکتوب الیہ کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ پھر خالق کا کلام ہر شخص کیسے سمجھ سکتا ہے۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید جب ہماری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے اور اس کے خطابات، اوامر و نواہی کا تعلق بھی ہم سے ہی ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم کو وہ سمجھ نہ آئے؟ اور ہماری ہدایت کے لئے ایسی کتاب بھیجی کیوں گئی جس کو ہم سمجھ نہ سکیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک قرآن مجید ہماری ہدایت کے واسطے ہے اور اس میں مندرجہ اوامر و نواہی کا تعلق بھی ہم سے ہے لیکن چونکہ ہمارے مواد کثیفہ میں اسقدر اہلیت نہیں کہ فیوض انوارِ قدسیۂ الٰہیہ سے براہِ راست استفادہ کر سکیں۔ اور اس کے خطابات کے مفاہیم کا از خود ادراک صحیح کر سکیں۔ لہٰذا اس نے اپنے کمال لطف سے اس کے سمجھانے والے بھی بھیج دیئے اس کی حکمتِ عملی پر اعتراض تو تب ہوتا کہ اس نے اپنے خطابات کی توضیح و تشریح کرنے والا کوئی نہ بھیجا ہوتا جب اس نے اپنی پاک کلام کے مدرس خود منتخب فرما کر بھیج دیئے تو ہم کیوں نہ مطالبِ قرآنیہ کا استفادہ ان سے کریں؟ اگر ہم میں سے اس کے خطابات سے صحیح استفادہ کرنے کی صلاحیت تھی تو جنابِ رسالتمآبؐ کو خصوصی عہدۂ نبوت دے کر خدا کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر تو ہم بھی ان جیسے ہوتے اور یکساں طور پر قرآن کی فرمائشات کو سمجھ کر عمل کرتے۔ مثال کے طور پر ظاہری حکومتوں کے ضوابط و قوانین کی طرف نگاہ کیجئے۔ صدرِ مملکت یا بادشاہ کی طرف سے نافذ شدہ احکام و ضوابط تمام رعایا کے لئے یکساں طور پر ہوا کرتے ہیں۔ لیکن ضلع دار یا صوبہ دار عہدہ دارانِ حکومت کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور وہ عہدہ دار اپنے ماتحت عملۂ ملازمین کے ذریعہ سے تمام افراد رعایا تک پہنچا دیا کرتے ہیں۔ اگرچہ قوانین و ضوابط شائع کر دیئے جاتے ہیں۔ کتابوں میں چھپ کر عام ہو جاتے ہیں ہر شخص خرید کر مطالعہ بھی کر سکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ رعایا کا ہر فرد ہر قانونی نکتہ کو سمجھ سکے یا اس کے ہر ضابطہ کی اصطلاح کو جان سکے۔ بہر کیف اس کی مخصوص اصطلاحات اور مبہم نکات کے سمجھنے اور جاننے کے لئے حکومت کے مقرر کردہ خصوصی ذمہ دار یا حکومتی قانونی مدارس کے سند یافتہ اشخاص کے دروازہ پر دستک

دینی پڑے گی۔ ورنہ صرف قانونی کتاب کا اٹھا کر بغل میں دبا لینا کافی نہیں اور جو لوگ یہ کہیں کہ ہمیں صرف کتاب کافی ہے انہیں دنیا والے بیوقوف سمجھتے ہیں۔ جب انسانوں کی لکھی ہوئی اور انسانوں کی بنی ہوئی کتاب بغیر سرکاری کتاب دان کے ہمارے لئے سودمند نہیں تو خدا کا کلام بغیر خدائی کالج کے سند یافتہ افراد کے یا بغیر عہدہ داران حکومت الٰہیہ کے ہمارے لئے کیونکر کافی ہو سکتا ہے؟ نیز حکومتِ ظاہر یہ میں قانون دان اور کتاب قانون کا عالم وہ نہیں ہوا کرتا جس پر رعایا کے چند افراد مل کر قانون دان یا عالم کتاب کا اطلاق کرنے لگ جائیں یا اس کو کسی سرکاری عہدہ سے پکارنے لگ جائیں اور ایسا کرنے والے سب مجرم قرار دیئے جاتے ہیں بلکہ قانون دان وُہ ہے جس کو حکومت کی طرف سے یہ اعزاز حاصل ہو اور عہدہ دار بھی وہ ہے جس پر حکومت کی طرف سے نص ہو۔ پس خدا کی کتاب کا عالم اور اس کی جانب سے مبلغ کتاب وہی ہوگا جس کو وہ خود انتخاب فرمائے۔

قرآن مجید میں خداوند کریم نے جو صریحی طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ اس میں محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں لیکن دِل جن لوگوں کے کج ہیں وہ فتنہ کی غرض اور تاویل کی خواہش سے متشابہات کے پیچھے لگ جاتے ہیں حالانکہ ان کی تاویل کو سوائے اللہ کے اور راسخین فی العلم کے کوئی جانتا ہی نہیں اور صاف ارشاد فرمایا۔ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (جو تم خود نہیں جانتے اہل ذکر سے دریافت کر لیا کرو) عبدالرحمٰن بن کثیر سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت امیرالمومنین اور آئمہ علیہم السلام ہی راسخین فی العلم ہیں۔

ابوالصباح کنانی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہم ہی راسخون فی العلم ہیں

ابوبصیر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ہم راسخون فی العلم ہیں۔ پس ہم ہی اس کی تاویل کو جانتے ہیں۔

ان کے علاوہ آلِ محمدؐ کے علم کے متعلق پہلے عنوانات میں کافی احادیث نقل کی جا چکی ہیں اور آئندہ عنوانات کے تحت بھی بہت کچھ ذکر ہوں گی پس تاویل قرآن میں آل محمدؐ کی رہبری کے بغیر چلنا قرآن کی حقیقت سے دُوری کا موجب ہے۔ اور خدا اور رسول کی ناراضگی کا پیش خیمہ ہے۔

ہمارے مجالس خوان بعض حضرات اس معاملہ میں نہایت لاپرواہی سے کام لیتے ہیں بلکہ دنیاوی چند روزہ عارضی نفع کی خاطر بعض لوگ تو اس امر کے انتہائی طور پر دلدادہ ہیں کہ انہیں عالم قرآن کہا جائے۔ چنانچہ ہر دَور میں ایسے افراد کی بہتات رہی ہے بلکہ قرآن مجید کے دعویٰ لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ کو دیکھ کر تو ہر کہ دمہ کے دماغ میں یہی جنون سمایا ہے کہ ہر متنازعہ فیہ امر کو قرآن ہی سے حل کیا جائے اور جو مُلّا نما شخص ان کے سامنے اپنی طرف سے اِدھر اُدھر کی رطب و یابس ملا کر تاویلِ قرآن ان کے مطلب کے موافق کر دے تو داد و تحسین اور واہ وا کے شور سے فضا گونج اُٹھتی ہے اور ایسا شخص واقعی عالم قرآن سمجھا جاتا ہے اور کبھی عوام کے سامنے یہ بات کہنے کی جرأت نہیں کرتا کہ میں فلاں بات نہیں جانتا کیونکہ وہ اس بات میں اپنی توہین سمجھتا ہے۔ اپنی بے علمی سے قرآن کی توہین کرتا رہے تو پرواہ نہیں لیکن بے علم کہلانے میں اپنی توہین ملحوظ ہوتی ہے جو قابلِ برداشت نہیں ہوتی اور یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ اگر ایک عالم بعض مطالب قرآنیہ میں صحیح نظریہ

پہ نہ پہنچ سکے یا کسی دقیق مقام میں اُلجھ جائے اور تامل کا اظہار کرے تو عوام بجائے محتاط کہنے کے اُسے جاہل اور بے علم کہنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور بخلاف اس کے اگر ایک جاہل ناخدا ترس بے سوچے سمجھے کوئی اختراع کر کے بیان کر دے تو عوام اس کو سر پہ اٹھا لیں گے۔ قرآن کی تفسیر بالرائے کی ذرہ بھر پرواہ نہیں صرف تسکین جذبات ہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید میں تمام چیزوں کا علم موجود ہے لیکن یہ بھی خیال ہونا چاہیئے کہ تمام مطالب کا صحیح استکشاف قرآن مجید سے صرف حاملین علوم قرآنیہ یعنی محمدؐ و آل محمدؐ ہی کر سکتے ہیں۔ جس طرح قرآن کا دعویٰ ہے۔ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ اسی طرح قرآن کا دعویٰ ہے سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ وَقُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ وَكُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ یعنی اس کے ذریعہ سے پہاڑ چل سکتے ہیں زمین کا فاصلہ طے ہو سکتا ہے اور مُردوں سے کلام کی جا سکتی ہے۔ جس طرح قرآن مجید کا دوسرا دعویٰ حاملین قرآن ہی سے کما حقہٗ پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے اسی طرح اس کا پہلا دعویٰ بھی انہی سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے۔

اپنے آپ کو عالم کہلوانے کے شیدائی پہلے دعویٰ کو دیکھ کر اپنی جہالت کا اظہار باعث خجالت سمجھتے ہیں کیونکہ ادھر اُدھر کی باتوں اور کج مج بیانوں کے ذریعہ عوام کے قلوب کی تسکین کی جا سکتی ہے اور ان کے سیدھے سادے دماغوں کو دھوکا دیا جا سکتا ہے لیکن قرآن کے دوسرے دعویٰ پر جب نظر پڑتی ہے تو اس آیت کے سامنے سر خم کر کے اپنی جہالت کو مان جاتے ہیں اور علم قرآن کو اہلبیت عصمت کی میراث قرار دیتے ہیں۔ اگر یہاں بھی عوام کے قلوب کی تسکین کا کوئی پہلو نظر آتا تو یقیناً اس کسر نفسی سے بھی گریز کیا جاتا کیونکہ آیت اولیٰ کے متعلق تو یہ ہو سکتا ہے کہ تاویلات سے کام چلا کر عوام کو مطمئن کر لیا جائے لیکن دوسری آیت میں صرف تاویلات سے کام نہیں بنتا بلکہ عملی تطبیق کی ضرورت ہے۔ لہٰذا صرف پہلے مقام پر اپنی کم مائیگی کا اعتراف اور الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ کا حوالہ خلافِ شان شمار کرتے ہیں اور بے دریغ تفسیر بالرائے کر کے عوام کو دھوکا دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام ان کی اس دماغی غلطی کی گرفت نہیں کر سکتے انہیں کیا معلوم کہ واقع میں معنی اس کے خلاف ہے تاکہ اس کو جھوٹا کہیں لیکن دوسری آیت میں چونکہ عملی تطبیق کا مقام ہے دماغی چوری نہیں کہ عوام متوجہ نہ ہو سکیں۔ پہاڑوں کا چلنا۔ مردوں کا بولنا۔ اور زمینوں کی مسافت کا طے ہو جانا۔ یہ سب حس ظاہری سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔ لہٰذا چار و ناچار الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ کا حوالہ دے کر جان چھڑا لیتے ہیں۔ خداوند کریم اس قسم کی فریب کاری اور فریب کاروں سے تمام مومنین کو محفوظ رکھے۔ آمین

علم علیؑ کے متعلق صحابہ کا اعتراف

کتب فریقین سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے علم کا صحابۂ حضرت رسالتمآبؐ میں سے ہم پلہ کوئی نہ تھا بلکہ آنحضرت کی تمام صحابہ سے اعلمیت کے متعلق روایات تواتر سے موجود ہیں اور واقعات تاریخ پر بھی اگر منصفانہ نظر ڈالی جائے تو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو علمی اعتبار سے جو نسبت باقی صحابہ سے تھی اسی طرح حضرتؑ کی اولاد طاہرین کو اپنے اپنے زمانہ کے علماء

فضلاء سے وہی نسبت حاصل تھی۔

علامہ امینی نے اس سلسلہ میں کتب مخالفین سے بہت کافی آثار نقل کئے ہیں جناب رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے۔

۱۔ اَعْلَمُ اُمَّتِیْ مِنْ بَعْدِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِب	میرے بعد میری امت کا بڑا عالم علی بن ابی طالبؑ ہے۔
۲۔ عَلِیٌّ وِعَاءُ عِلْمِیْ وَوَصِیِّیْ وَبَابِیَ الَّذِیْ اُوْتیٰ مِنْهُ	علیؑ میرے علم کا ظرف اور میرا وصی اور میرے پاس پہنچنے کا دروازہ ہے
۳۔ عَلِیٌّ بَابُ عِلْمِیْ وَمُبَیِّنٌ لِاُمَّتِیْ مَا اُرْسِلْتُ بِهٖ مِنْ بَعْدِیْ	علیؑ میرے علم کا دروازہ اور میری امت کے لئے ان چیزوں کے بیان کرنے والا ہے جن کے لئے میں رسول بناکر بھیجا گیا ہوں۔
۴۔ عَلِیٌّ خَازِنُ عِلْمِیْ	علیؑ میرے علم کا خازن ہے۔

ان کے علاوہ بہت سی روایات بالفاظ مختلفہ متعدد کتابوں سے انہوں نے نقل فرمائی ہیں جو حد تواتر تک پہنچتی ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ اکابر صحابہ مسائل مشکلہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے دروازہ پر جبہ سائی کا شرف حاصل کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے تھے اور حل مسائل کے بعد آنحضرت کی علمی سبقت اور اپنی بے مائیگی کا کھلے لفظوں میں اعتراف کرلیا کرتے تھے چنانچہ علامہ موصوف نے حضرت عمر کا اعتراف مختلف تعبیرات کے ساتھ متعدد کتب مخالفین سے نقل فرمایا ہے۔

۱۔ لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ	اگر علیؑ نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہوجاتا۔
۲۔ اَللّٰهُمَّ لَا تُبْقِنِیْ لِمُعْضَلَةٍ لَیْسَ لَهَا ابْنُ اَبِیْ طَالِب	اے اللہ مجھے ایسے مشکل مسئلہ کے لئے زندہ نہ رکھ جس کے حل کرنے کے لئے علیؑ موجود نہ ہو۔
۳۔ اَقْضَانَا عَلِیٌّ	ہم میں بڑا قاضی علیؑ ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد عبارتیں ہیں جو الغدیر کے مطالعہ سے معلوم کی جاسکتی ہیں۔

دیگر صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عباس (حبر الامۃ) کا قول ہے۔

مَا عِلْمِیْ وَعِلْمُ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فِیْ عِلْمِ عَلِیٍّ اِلَّا كَقَطْرَةٍ فِیْ سَبْعَةِ اَبْحُرٍ۔	میرا اور جناب رسالتمآبؐ کے تمام صحابہ کرام کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ ایک قطرہ آب سات سمندروں کے سامنے۔

نیز عبداللہ بن مسعود کا قول ہے۔

اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ مَا مِنْهَا حَرْفٌ اِلَّا وَلَهٗ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَاِنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِب عِنْدَهٗ مِنْهُ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ۔	تحقیق قرآن مجید سات حرفوں پہ نازل ہوا ہے اور ان میں سے ہر حرف کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے پاس ان کے ظاہر و باطن کا علم ہے

---

۱ مناقب خوارزمی و کنز العمال ج ۶ ۲ شمس الاخبار ۳ کنز العمال ج ۶ ۴ شرح ابن ابی الحدید ۵ مناقب خوارزمی الریاض النضرۃ مطالب السئول وغیرہ ۶ مناقب خوارزمی وغیرہ ۷ استیعاب تاریخ ابن عساکر مفتاح السعادۃ منہ

یہ روایت سات قرأتوں کے عنوان کے ذیل میں بیان کی جا چکی ہے۔

ان کے علاوہ اور کئی اکابر صحابہ کا انہوں نے ذکر کیا جنہوں نے حضرت علیؑ کی اعلمیت کا اعتراف کیا ہے۔

اسی طرح بہت بڑی تعداد ہے اُن صحابہ کرام کی جنہوں نے جناب رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا۔

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا وَلَا تُؤْتَی الْبُیُوْتُ اِلَّا مِنْ اَبْوَابِھَا وَفِیْ بَعْضِھَا

میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے اور گھروں میں دروازوں سے ہی آیا جاتا ہے اور بعض روایات میں یہ لفظ ہیں۔

مَنْ اَرَادَ الْمَدِیْنَۃَ فَلْیَاْتِھَا مِنْ بَابِھَا

جو شہر میں آنا چاہے اس کو دروازہ سے آنا چاہیے۔

اَوْ کَذِبَ مَنْ زَعَمَ اَنَّہٗ یَصِلُ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ اِلَّا مِنْ قِبَلِ الْبَابِ۔ اَوْ لَنْ تُؤْتَی الْمَدِیْنَۃُ اِلَّا مِنْ قِبَلِ الْبَابِ

جو دروازہ کے سوا شہر میں داخل ہونے کا وہم و گمان کرے۔ وہ جھوٹا ہے۔ دروازہ کے بغیر شہر میں داخل ہونے کی صورت ہی نہیں۔

اَوْ فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَاْتِ الْبَابَ

جو علم کا خواہش مند ہو پس وہ دروازہ سے ہی آئے۔

اسی طرح روایات میں مدینۃ العلم۔ دار العلم، دار الحکمۃ اور مدینۃ الفقہ کے الفاظ کا اختلاف بھی ہے۔ علامہ امینی نے ایک سو تینتالیس[۱۴۳] علمائے اہسنت کی فہرست لکھی ہے جنہوں نے باسنادِ صحیحہ یہ حدیث نقل کی ہے۔

حضرت علیؑ کا دعویٰ سلونی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ایک فرمان بھی تازگیٔ روح کے لئے درج کردوں۔ بحار الانوار جلد ۴ ۔ باب احتجاجات امیر المومنین علیہ السلام میں اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ جب حضرت علیؑ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور لوگ بیعت کر چکے تو آپ جناب رسالتمآبؐ کا عمامہ سر پر اور آنحضرتؐ کی چادر دوش اطہر پر اور نعلین رسول الثقلین زیب پا اور تلوار سرکار رسالتؐ کمر سے آراستہ کر کے مسجد نبوی میں تشریف لائے آتے ہی منبر رسالت پر جلوہ افروز ہوئے اور اطمینان سے بیٹھ کر ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھ لئے اور فرمایا۔

یَا مَعَاشِرَ النَّاسِ سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ ھٰذَا سَفَطُ الْعِلْمِ ھٰذَا لُعَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ھٰذَا مَا زَقَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ زَقًّا زَقًّا سَلُوْنِیْ فَاِنَّ عِنْدِیْ عِلْمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اَمَا وَاللّٰہِ لَوْ ثُنِّیَتْ لِیَ الْوِسَادَۃُ فَجَلَسْتُ عَلَیْھَا لَاَفْتَیْتُ اَھْلَ التَّوْرَاۃِ بِتَوْرَاتِھِمْ حَتّٰی یَنْطِقَ التَّوْرَاۃُ فَتَقُوْلَ صَدَقَ۔

اے لوگو مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ یہ علم کا جوہر ہے یہ رسول اللہؐ کا لعاب ہے۔ یہ علم مجھے رسالتمآبؐ نے اس طرح سکھایا ہے۔ جس طرح پرندہ اپنے بچے کو دانہ بھراتا ہے۔ تحقیق میرے پاس اوّلین و آخرین کا علم ہے آگاہ ہو! اگر میرے لئے تکیہ لگا دیا جائے پس میں اس پر بیٹھ جاؤں تو اہل توراۃ کو توراۃ سے ایسا فتویٰ دوں کہ توراۃ خود بول اٹھے گی۔ اور کہے گی کہ سچ فرمایا

عَلِيٌّ مَا كَذَبَ لَقَدْ اَفْتَاكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيَّ وَاَفْتَيْتُ
اَهْلَ الْاِنْجِيْلِ بِاِنْجِيْلِهِمْ حَتّٰى يَنْطِقَ الْاِنْجِيْلُ فَيَقُوْلُ
صَدَقَ عَلِيٌّ مَا كَذَبَ لَقَدْ اَفْتَاكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ
فِيَّ وَاَفْتَيْتُ اَهْلَ الْقُرْاٰنِ بِقُرْاٰنِ حَتّٰى يَنْطِقَ
الْقُرْاٰنُ فَيَقُوْلُ صَدَقَ عَلِيٌّ مَا كَذَبَ لَقَدْ اَفْتَاكُمْ
بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيَّ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَيْلًا
وَنَهَارًا فَهَلْ فِيْكُمْ اَحَدٌ يَعْلَمُ مَا نَزَلَ فِيْهِ
اِلٰى اَنْ قَالَ، ثُمَّ سَلُوْنِيْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِيْ
فَوَالَّذِيْ خَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَاَ النَّسَمَةَ لَوْ سَاَلْتُمُوْنِيْ
عَنْ اٰيَةٍ اٰيَةٍ فِيْ لَيْلٍ نَزَلَتْ اَوْ فِيْ نَهَارٍ نَزَلَتْ
مَكِّيِّهَا وَمَدَنِيِّهَا وَسَفَرِيِّهَا وَحَضَرِيِّهَا وَنَاسِخِهَا
وَمَنْسُوْخِهَا وَمُحْكَمِهَا وَمُتَشَابِهِهَا وَتَاْوِيْلِهَا
وَتَنْزِيْلِهَا لَاَخْبَرْتُكُمْ (الحديث) وَفِيْ اٰخَرَ
قَالَ سَلُوْنِيْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِيْ فَاِنَّ بَيْنَ
جَوَانِحِيْ عِلْمًا جَمًّا

علیؑ نے اور جھوٹ نہیں کہا اور تم کو وہ فتویٰ دیا ہے
جو مجھ میں خدا نے نازل فرمایا ہے اور انجیل والوں کو انجیل سے ایسا
فتویٰ دوں کہ خود انجیل پکار کر کہے گی کہ علیؑ نے بالکل درست کہا اور
غلط نہیں کہا اور تمہیں ایسی چیز کا فتویٰ دیا جو خدا نے مجھ میں نازل فرمائی
ہے اور قرآن والوں کو قرآن سے اس طرح فتویٰ دوں گا کہ خود قرآن پکار
کر کہے گا کہ علیؑ نے درست فتویٰ دیا ہے اور جھوٹ نہیں کہا اور تمہیں ایسے امر
کا فتویٰ دیا ہے جو خدا نے مجھ میں نازل فرمایا ہے۔ حالانکہ تم بھی شب و روز
قرآن مجید پڑھتے ہو کیا تم میں کوئی بھی ایسا ہے جو قرآن میں نازل شدہ تمام
امور کو جانتا ہو (سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے) آپ نے فرمایا مجھ سے سوال کرو
مجھ سے قبل اس کے کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں۔ مجھے دانہ کو شگافتہ اور روح کو
پیدا کرنے والے کی قسم ہے کہ اگر تم مجھ سے ایک ایک آیت کے متعلق سوال
کرو رات میں اتری ہو یا دن میں، مکی ہو یا مدنی، سفری ہو کہ حضری، ناسخ
ہو یا منسوخ، محکم ہو یا متشابہ اور تاویل یا تنزیل البتہ میں تم کو سب بتلا سکتا ہوں
ایک اور جگہ فرمایا مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ تحقیق میری
پسلیوں کے اندر علم کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے

حضرت امیر المومنینؑ کے دعویٰ سلونی کو سن کر مختلف دوروں کے ملّاؤں کے منہ میں پانی بھر آیا اور جو سر منبر اسی دعویٰ کی رٹ لگائی لیکن کوتاہ اندیشی، تہی دامنی اور کور باطنی کے منظر عام پر آنے کے فوراً بعد ہی اپنے الفاظ واپس لینے پر مجبور کر دیئے گئے پس حسد و عناد کی آگ دل میں، تعصب کی پٹی آنکھوں پر، غضب خدا کا وبال سر پر لاد کر رسوائی و خجالت کا طوق گردن میں پہن کر منبر سے ان کو نیچے اترنا پڑا۔ سبط بن جوزی کا واقعہ عام مشہور ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں نے طبع آزمائی کی اور رسوائی پائی والحمدللہ۔ بہر کیف یہ واضح ہو گیا کہ علوم قرآنیہ اہلبیت عصمتؑ کے ہی پاس ہیں لہٰذا ان سے حاصل کئے بغیر کسی شخص کو قرآن مجید کی تاویل یا متعدد احتمالات میں سے بعض کی ترجیح میں ذاتی رائے دینے کا کوئی حق نہیں

آئمہ طاہرینؑ کی فرمائشات کے علاوہ جناب رسالتمآبؐ سے قریب تواتر کے منقول ہے مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (ترجمہ جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ اپنی جگہ جہنم میں سمجھے) اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنَ النَّارِ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ

حدیث اِنّی تارِکٌ فیکُمُ الثّقلَین

عن مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ تَرَکْتُ فِیکُمْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِی الثَّقَلَیْنِ اَحَدُھُمَا اَکْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ کِتَابُ اللّٰہِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ وَاِنَّھُمَا لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔

مسند احمد بن حنبل سے بروایت ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا میں نے تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر ان سے تمسک رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ ثقلین (گرانقدر چیزیں) ہیں ایک دوسری سے بزرگ تر ہے۔ کتاب اللہ جو آسمان سے زمین تک لمبی رسی ہے اور میری عترت اہلبیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ حوض کوثر پر دونوں میرے اوپر وارد ہوں گے۔

عن صحیح المسلم عن زید بن ارقم فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ۔ ما لفظہ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَوَّلُھُمَا کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ الْھُدٰی فَخُذُوْا بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاسْتَمْسِکُوْا بِہٖ (الی ان قال) وَاَھْلُ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ۔ فَقَالَ حُصَیْنٌ وَمَنْ اَھْلُ بَیْتِہٖ؟ فَقَالَ لَیْسَ نِسَآءُہٗ اَھْلَ بَیْتِہٖ وَلٰکِنَّ اَھْلَ بَیْتِہٖ مَنْ حُرِمَتْ عَلَیْھِمُ الصَّدَقَۃُ

صحیح مسلم سے بروایت زید بن ارقم ایک حدیث طویل میں جناب رسالتمآب سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جاتا ہوں پہلی ان دونوں میں سے اللہ کی کتاب جس میں نور ہدایت ہے پس اللہ کی کتاب لو اور اس سے تمسک پکڑو (آپ نے فرمایا) اور میرے اہلبیت اور اپنے اہلبیت کے متعلق تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں (راوی حدیث) حصین نے زید بن ارقم سے پوچھا کہ اہلبیت رسول کون ہیں؟ کیا آپ کی بیویاں اہلبیت نہیں؟ (زید نے) جواب دیا کہ انکی بیویاں اہلبیت نہیں بلکہ ان کے اہل بیت تو وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

عن التفسیر الثعلبی فی تفسیر قولہ واعتصموا بحبل اللہ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ خَلِیْفَتَیْنِ اِنْ اَخَذْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَحَدُھُمَا اَکْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ کِتَابُ اللّٰہِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلُ بَیْتِیْ وَاِنَّھُمَا لَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ

تفسیر ثعلبی سے واعتصموا بحبل اللہ کی تفسیر میں بروایت ابو سعید خدری منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا اے لوگو میں نے دو گرانقدر جانشین تم میں چھوڑے ہیں۔ اگر تم ان کے ساتھ رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ میرے بعد ان میں کا ایک دوسرے سے بڑا ہے کتاب اللہ جو آسمان سے لے کر زمین تک ایک حبل ممدود ہے اور میری عترت اہل بیت یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے اوپر دونوں وارد ہوں گے۔

ابن مغازلی سے بروایت زید بن ارقم منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا۔ میں تم سے پہلے حوض کوثر پر موجود ہوں گا۔

اور تم سے سوال کروں گا۔ کہ تم نے ثقلین کے ساتھ کیا کیا (زید بن ارقم کہتا ہے) کہ ہمیں ثقلین کا مطلب معلوم نہ تھا تو مہاجرین میں سے ایک شخص اٹھا اور کھڑے ہو کر عرض کی کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں۔ ثقلین سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا ان میں سے بزرگ تر اللہ کی کتاب ہے جس کا ایک کنارا اللہ کے پاس ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کے ساتھ تمسک پکڑو اور اس پر اعتراضات نہ کرو اور ان میں سے دوسری جو چھوٹی چیز ہے وہ میری عترت اہل بیت ہے۔ پس جو لوگ میرے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں اور میری باتوں پر ایمان رکھیں۔ ان پر لازم ہے کہ ان کو قتل نہ کریں اور ان پر ظلم بھی نہ کریں یہاں تک کہ ارشاد فرمایا کہ ان کا ناصر میرا ناصر اور ان کا خاذل میرا خاذل اور ان کا دشمن میرا دشمن ہوگا (الحدیث) **اقول**۔ حدیث ثقلین کتب فریقین میں تواتر سے نقل کی گئی ہے۔ تمام آثار جو اس حدیث شریف کے متعلق وارد ہیں۔ کا جمع کرنا مناسب نہیں ہے اور صرف ترجمہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ تاکہ زیادہ طول نہ ہو

(۱) جابرؓ[1] بن یزید جعفی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے لوگوں کو مقام منٰی پر بلایا اور فرمایا۔ **ایہا الناس**! میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر ان سے تمسک پکڑو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری میری اہلبیت یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ یہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے۔ پھر فرمایا اے لوگو! میں تم میں اللہ کی تین حرمتیں چھوڑ رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اپنی عترت اہل بیت اور کعبہ بیت الحرام۔ اس کے بعد امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ پس کتاب اللہ کی لوگوں نے تحریف کر لی اور کعبہ کو گرا دیا۔ اور عترت کو قتل کیا۔ گویا اللہ کی تمام امانتوں کو پس پشت ڈال دیا۔ **اقول**:۔ تحریف سے یہ مراد نہیں کہ قرآن کے الفاظ تبدیل کر دیئے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنی ذاتی رائے سے تاویلاتِ فاسدہ اور استحسانات عقلیہ پر اعتماد کر کے معانی قرآن کو بدل ڈالا اور ان میں اپنی من مانی کر لی۔ اگر اہلبیت کے دروازہ پر آتے اور ان سے قرآن کو سیکھتے تو یہ خرابیاں نہ ہوتیں)

(۲) ابن بابویہ[2] سے کتاب النصوص علی الائمہ میں عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ کو فرماتے سنا۔ اَیُّھَا النَّاس! حوض کوثر کے کنارے تم میرے پاس پہنچو گے (جس کی وسعت صنعا سے بصرہ تک کے برابر ہے) وہاں چاندی کے پیالے ستاروں کی تعداد کی مثل ہوں گے۔ جب تم میرے پاس پہنچو گے۔ تو میں تم سے ثقلین کے بارے میں سوال کروں گا۔ دیکھنا ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہو۔ سبب اکبر اللہ کی کتاب ہے جس کا ایک کنارا اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کے ساتھ تمسک پکڑو اور اس کو تبدیل نہ کرو اور 'دوسری' میری عترت اہلبیت ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے (راوی کہتا ہے) میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کی

---

[1] البرہان [2] یہ روایت گو بطریق اہل بیت منقول نہیں۔ لیکن چونکہ کتب امامیہ سے منقول ہے۔ اس لئے اس کو ان احادیث کے ضمن میں نقل کیا گیا ہے۔ (حسین بخش عفی عنہ)

عترت کون لوگ ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ میرے اہلبیتؑ جو علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد سے ہیں اور نو شہزادے جو حسینؑ کی پُشت سے ہوں گے۔ یہ آئمہ ابرار ہیں اور یہی میری عترت ہیں۔ میرے گوشت اور خون سے ہیں۔

(۳) نیز اسی کتاب میں ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ حدیث ثقلین میں عترت سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا میں، حسنؑ، حسینؑ اور نو امام حسینؑ کی پشت سے جن کا نواں مہدی قائمؑ ہوگا۔ یہ ہرگز کتاب اللہ سے جُدا نہ ہوں گے اور کتاب اللہ ان سے جُدا نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر جناب رسالتمآبؐ کے پاس پہنچیں گے۔

(۴) اسی کتاب میں حذیفہ سے روایت ہے (بمضمونِ سابق) یہاں تک کہ فرمایا رسالتمآبؐ نے کہ حوضِ کوثر پر جب تم میرے پاس پہنچو گے۔ تو بعض لوگ پیچھے ہٹ جائیں گے۔ میں کہوں گا۔ اے اللہ یہ لوگ میری اُمت سے ہیں۔ تو جواب ملے گا۔ اے محمدؐ! کیا تجھے معلوم ہے جو کچھ انہوں نے کیا؟ یہ لوگ تیرے بعد اپنے پچھلے نقشِ قدم پر پلٹ گئے۔ پھر تین بار ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں اپنی عترت کے متعلق نیکی کی وصیت کرتا ہوں۔ پس حضرت سلمان نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! آپ اپنے بعد کے آئمہ کا پتہ دیجیے۔ جو آپ کی عترت سے ہوں گے تو فرمایا۔ ہاں! میرے بعد آئمہ جو میری عترت سے ہوں گے۔ وہ نقبادِ بنی اسرائیل کی تعداد کے برابر ہوں گے۔ جن میں نوؑ حضرت امام حسینؑ کی پُشت سے ہوں گے۔ ان کو خداوند کریم نے میرا علم و فہم عطا فرمایا ہے تم ان کو نہ سکھانا۔ کیونکہ وہ تم سے اعلم ہیں۔ اور ان کے پیچھے چلنا۔ کیونکہ وہ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے

(۵) ابن بابویہ سے کتاب الغیبۃ میں زید بن ارقم سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآبؐ حجۃ الوداع سے واپس آکر غدیرِ خُم پر اُترے۔ اور چند درختوں کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم صادر فرمایا۔ پس درختوں کے نیچے جھاڑو دیا گیا۔ (پس آپ نے لوگوں کو بُلایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ کی طرف سے گویا دعوتِ وصال پہنچ چکی ہے اور میں جانے والا ہوں۔ میں نے تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑی ہیں۔ ایک بڑی ہے دوسری سے۔ یعنی کتاب اللہ اور عترت اہل بیت۔ دیکھو ان کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کرتے ہو۔ وُہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ حتیٰ کہ حوضِ کوثر پہ میرے پاس پہنچیں گے۔ اس کے بعد فرمایا۔ تحقیق اللہ میرا مولا ہے اور ہر مومن اور مومنہ کا میں مولا ہوں۔ پھر علیؑ بن ابی طالب کے ہاتھ سے پکڑا اور فرمایا جس کا میں ولی ہوں اس کا علیؑ ولی ہے (پھر دُعا مانگی) اے اللہ جو علی کے ساتھ موالات رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو اُسے دشمن رکھ (عامر بن واثلہ راوی حدیث) کہتا ہے کہ میں نے زید بن ارقم سے دریافت کیا کہ کیا تُو نے جناب رسالتمآبؐ سے خود سُنا تھا؟ تو اس نے جواب دیا کہ اُن تمام درختوں کے نیچے کوئی مرد ایسا نہ تھا۔ جس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہ ہو اور کانوں سے سُنا نہ ہو۔

(۶) عیسیٰ بن معمر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری کو کعبہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر کہتے ہوئے سُنا کہ جو شخص مجھے پہچانتا ہے۔ وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو مجھے نہیں پہچانتا تو وہ اب سے جان لے کہ میں ابوذر جندب بن السکن ہوں میں نے (اپنے کانوں) جناب رسالتمآبؐ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ کتاب اللہ اور

عترت اہلبیت - یہ ہرگز ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے - یہاں تک کہ حوض کوثر پر وارد ہوں گے اور ان دونوں کی مثال کشتی نوح جیسی ہے جو سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا -

(۷) بروایت سلیم بن قیس ہلالی حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا - خدا نے ہمیں پاک معصوم - شہید علی الخلق اور اپنی طرف سے حجت بنایا اور ہمیں قرآن کے ساتھ اور قرآن کو ہمارے ساتھ قرار دیا - ہم قرآن سے جدا نہ ہوں گے اور قرآن ہم سے جُدا نہ ہو گا (یہ روایت اصل عبارت کے ساتھ (معجز نما کی ضرورت) کے عنوان سے گذر چکی ہے ص۵۱)

(۸) بروایت دیلمی زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا میں دو گرانقدر چیزیں تم میں چھوڑنے والا ہوں - کتاب اللہ اور علی ابن ابی طالب اور علیؑ تمہارے لئے کتاب اللہ سے افضل ہے کیونکہ یہ کتاب اللہ کا ترجمان ہے (گذر چکی ہے ص۶۵)

(۹) کتاب روضۃ الواعظین سے بروایت امام محمد باقر علیہ السلام منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ایک خطبہ کے دوران میں جو مسجد خیف میں ارشاد فرمایا تھا جس میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت پر نص فرمائی تھی - ارشاد فرمایا کہ تحقیق علیؑ اور اس کی طیب اولاد ثقل اصغر ہیں اور قرآن ثقل اکبر ہے - ان میں سے ہر ایک دوسرے کا ترجمان اور مبین ہے - یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جُدا نہ ہوں گے - یہاں تک کہ حوض کوثر پر (خدا کے امر و حکم ، جو زمین سے متعلق ہیں کے ساتھ) وارد ہوں گے تحقیق اللہ نے فرمایا اور میں نے اس کی طرف سے پہنچایا - آگاہ ہو تحقیق میں ادا کر چکا - آگاہ رہو میں پہنچا چکا - آگاہ ہو تحقیق میں سُنا چکا آگاہ ہو تحقیق میں واضح کر چکا - آگاہ ہو تحقیق امیر المومنین سوائے میرے اس بھائی کے اور کوئی نہیں اور اس کے سوا کسی کے لئے جائز نہیں کہ امیر المومنینؑ کہلائے - پھر اپنا ہاتھ مبارک حضرت علیؑ کے بازو میں ڈال کر ان کو بلند فرمایا - پس حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہی پہلے وہ شخص ہیں جن کو رسالتمآبؐ نے بلند فرمایا اور اس قدر بلند کیا کہ حضرت علیؑ کے پاؤں مُبارک حضرت رسالتمآبؐ کے گھٹنوں کے برابر ہو گئے - تفسیر برہان میں پچاس سے زائد حدیثیں اسی مضمون کی نقل کی گئی ہیں - بعض احادیث میں ثقلین کی وجہ تسمیہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ تمسک پکڑنا چونکہ ثقیل ہے اس لئے ان کو ثقلین کہا گیا ہے -

یہ واضح ہے کہ قرآن مجید کو ثقل اکبر اور اہلبیت کو ثقل اصغر کی لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن مقام اطاعت میں حضرت علیؑ اور اس کی اولاد طاہرینؑ افضل ہیں - کیونکہ یہ ناطق ہیں اور وہ صامت ہے - قرآن مجید پر ان سے دریافت کر کے عمل کرنا ہے پس ان کی اطاعت ہی قرآن کی اطاعت ہے اور اسی مطلب کی تائید دیلمی کی گذشتہ روایت سے ہوتی ہے -

بالجملہ - قرآن اور اہلبیت میں لازم و ملزوم کی حیثیت ہے اور ہمیں ان ہر دو کے ساتھ یکسانیت سے تمسک پکڑنے کا حکم ہے - ان دونوں میں سے ایک کا انکار کفر ہے اور بغیر ان دونوں کی اطاعت کے خدا و رسول کی رضا کا حاصل کرنا قطعی ناممکن ہے بلکہ ان دونوں میں سے ایک سے کنارہ کش ہو کر دوسرے کا دعویٰ کرنا فضول محض اور لقلقہ لسانی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں -

مزید توضیح چونکہ مسلمانوں کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے ناقابل تنسیخ دستور العمل ہے اس کے فیصلہ جات آخری اور قطعی ہیں - جن میں ترمیم تک کی کسی کو مجال نہیں - اب عقل سلیم خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ جب کوئی بھی

دستور بغیر دستور چلانے والے کے مفید و کارآمد نہیں ہوتا تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ دستور خداوندی تنہا کافی قرار پائے۔ اگر یہ تنہا کفایت کر سکتا تو ابتداء سے کسی لانے والے کی کیا ضرورت تھی؟ خداوند کریم کے لئے ممکن تھا کہ وہ براہِ راست کسی طریقہ سے ہر انسان کے پاس اپنا قانونی ضابطہ بھیج دیتا اور ہر انسان اسی ضابطہ پر عمل کر کے راہِ نجات حاصل کر لیتا۔ پھر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی و رسولؑ بھیجنے کا لمبا چوڑا انتظام کرنے کی اس کو کیا ضرورت تھی؟ صرف صحف سماویہ اور کتبِ الٰہیہ سے کام نکل سکتا تھا۔ لیکن ایسا نہیں اور انسانی فطرت سے بہت بعید ہے کہ وہ صرف کتاب ہی پر عمل کر کے راہِ حق پر بغیر کتاب والے کے گامزن ہو جائے۔ اسی بناء پر خالقِ فطرت نے ضروری قرار دیا کہ کتاب کے ساتھ کتاب والا ہو۔ قانون کے ساتھ قانون دان ہو۔ جو لوگوں کو ایک طرف دعوتِ عمل دے اور دوسری طرف خلاف ورزی کرنے والے کو قانونی سزا دے۔

پس جس طرح قانونِ الٰہی کی وضع انسان کے بس سے باہر ہے بلکہ خود خدا ہی بنا کر بھیجتا ہے۔ اسی طرح اس کے مبلغ کا انتخاب بھی اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔ عام سکولوں میں جس طرح نصاب درسیہ اور کتب متعلقہ کا انتخاب افسر اعلیٰ کے اختیار میں ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح درجہ وار مدرسین کا انتخاب بھی اسی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کسی کلاس کے لڑکے اپنی صف میں سے کسی ایک کا انتخاب نہیں کر سکتے۔ ورنہ نتیجہ نہایت افسوس ناک ہوگا۔

حکومت رعایا کے لئے جو قوانین ان کے نظم و نسق اور فلاح و بہبود کے لئے وضع کرتی ہے۔ ان کی محافظت اور نگہداشت کے لئے متعلقہ افسر بھی خود ہی متعین کرتی ہے۔

اسی طرح اس مقام پر انتہائی بے راہ روی اور ناانصافی ہوگی۔ اگر کہا جائے کہ قوانین کی کتاب خدا کی طرف سے ہو۔ اور مبلغ کا انتخاب ہماری مرضی سے ہو۔ اگر سابق طریق انتخابات توحید پر نظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرح انبیاء کا انتخاب لاجواب خود اللہ نے ہی فرمایا تھا۔ اسی طرح ان انبیاء کے قائم مقام اوصیاء کا انتخاب بھی اسی نے ہی فرمایا۔

چونکہ گذشتہ انبیاء سب کے سب صاحبِ شریعت و حامل کتاب نہیں تھے۔ لہٰذا جن جن انبیاء کو کتاب و شریعت عطا فرمائی گئی۔ اس کے بعد دوسرے صاحب کتاب و شریعت آنے والے نبی کی آمد تک درمیان میں جس قدر نبی ہوا کرتے تھے گویا وہ عہدہ دار نبوت بھی تھے اور گذشتہ نبی کی شریعت کے منجانب اللہ محافظ و نگہبان و مبلغ بھی تھے۔ ان کا انتخاب گذر جانے والے صاحبِ شریعت نبی کے اختیار میں نہیں ہوا کرتا تھا۔ بلکہ ان کو بھی خود خداوند کریم ہی اس عہدہ کے لئے نامزد فرماتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ جناب رسالتمآبؐ تک منتہی ہوا۔ اب حضورؐ نے (لانبی بعدی) (بارشاد قدرت) فرما کر دروازۂ نبوت کے قطعی طور پر بند ہو جانے کا اعلان فرما دیا۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا ہوتا تو آپ کے سکوت سے ناجائز فائدہ اٹھائے جانے کا کافی احتمال تھا۔ کیوں کہ قرآن مجید کے فرمان خاتم النبیین کی من مانی تاویلیں کرنا مدعیان نبوت کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بلکہ جب لانبیؐ بعدی کی استغراقی اور عمومی نفی کی مضبوط حصار کو پھاند کر ادعائے نبوت کے متوالے اپنے تئیں ظلی و بروزی یا امتی نبی کہلوا کے ہی رہے تو خدا معلوم اس حصار کی عدم موجودگی میں تو نبوتوں کا بے پناہ سیلاب امتِ اسلامیہ کو کہیں سے

کہیں بپا کر لے جاتا۔ بلکہ بہت ہی ممکن تھا کہ ہر طرح کا تعلیم یافتہ انسان بلکہ ہر با رسوخ آدمی اپنے آپ کو عہدۂ نبوت پر فائز قرار دے کر ایک جماعت بنا لیتا۔

بہرکیف باتفاق امتِ اسلامیہ جناب رسالتمآبؐ پر سلسلۂ نبوت کا خاتمہ ہوا۔ اور آپ کی شریعت اور کتاب کی حد قیامت قرار پائی۔ تو کس قدر تعجب خیز بلکہ ایک ناممکن سا تصور ہے۔ کہ سابقہ قابلِ نسخ اور محدود شریعتوں کی تبلیغ اور ترویج کے لئے تو اللہ کی جانب سے عہدہ دار متعین ہوں اور ناقابلِ نسخ شریعت اور غیر محدود دین کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی انتظام نہ ہو۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ بات منافی عدل و حکمت ہے۔ پس ماننا پڑے گا کہ جس طرح قرونِ سابقہ اور امم سالفہ میں صاحبانِ شریعت انبیاء کے قائمقام نبی ان کی شریعت کے محافظ اور ان کے دین کے مبلّغ ہوا کرتے تھے۔ اور وہ عالمِ شریعت وکتاب ہونے کے علاوہ پاک و معصوم بھی ہوا کرتے تھے۔ اسی طرح آخری نبی سید الانبیاء کی قائم مقامی کا شرف جن کو ملے گا۔ وہ گو نبی تو نہ ہوں گے (کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے) لیکن عالم کتاب و شریعت اور معصوم ضرور ہوں گے اور جس طرح ان قائمقام انبیاء کا انتخاب و تقرر ید قدرت میں تھا۔ اسی طرح ان اوصیائے معصومین کا انتخاب اور تقرر بھی ید قدرت میں ہی ہے۔

اوصیائے پیغمبرؐ

جس طرح جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام صاحبانِ شریعت انبیاء سابقین سے افضل ہیں۔ اسی طرح ان کے اوصیائے طاہرینؑ جو مروّج شریعت اور مبلّغین احکام قرآن ہیں۔ انبیاء کے قائمقام اوصیاء سے افضل ہوں گے اور جس طرح یہ قرآن کتبِ سابقہ اور صحفِ گزشتہ پر حاکم ہے۔ اسی طرح اس کے مبلّغین (اوصیائے رسالت) ان کتابوں اور صحیفوں کے مبلّغین پر حاکم ہوں گے۔ بلکہ اس قاعدہ سے اوصیائے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گذشتہ صاحبانِ شریعت انبیاء سے بھی افضل ہوں گے۔ کیونکہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء حضرت رسالتمآبؐ کے سامنے رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں تو ان کے اوصیائے طاہرینؑ کے سامنے بھی وہ بحیثیت رعایا کے ہوں گے۔

مثال کے طور پر۔ ایک ایک ملک میں ہر ہر ضلع و ریاست کا حکمران جس طرح پورے ملک کے بادشاہ کی رعایا میں شمار ہوا کرتا ہے اسی طرح ملک کے بادشاہ کے وزراء کا بھی وہ محکوم اور فردِ رعیت شمار ہوتا ہے۔ ہر ضلع یا صوبہ و ریاست کا حاکم اپنے ماتحت پر حاکم ضرور ہے لیکن اپنے ملکی بادشاہ یا اس کے وزراء کا ماتحت ہونا بھی اس کی کسرِ شان نہیں بلکہ اس کے لئے مقامِ فخر ہوا کرتا ہے۔ یہاں بھی اپنے اپنے حدود و شرع کے اندر ہر نبی اپنی امت کا حاکم اور بادشاہ ہے لیکن جناب محمد مصطفیٰؐ کی عالمی نبوت کے مقابلہ میں چونکہ وہ بحیثیت امت اور رعایا کے ہے۔ لہٰذا آنحضرتؐ کے اوصیا و خلفائے طاہرین علیہم السلام بھی ان کے سردار اور حاکم ہیں۔

بلکہ جہاں تک جناب رسالتمآبؐ کا دائرہ نبوت ہے وہاں تک اُن کا دائرہ خلافت ہے اگر وہ عالمین کے لئے بشیر و نذیر ہیں تو یہ بھی عالمین کے امام و امیر ہیں۔ لہٰذا تحت الثریٰ سے لے کر عرش علا تک اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت ہے تو اسی ساری کائنات میں آنحضرتؐ کے اوصیائے طاہرین کی خلافت و ولایت ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسالتمآبؐ کے بعد ظاہری مسندِ اقتدار خواہ کوئی سنبھال لے۔ حقیقت میں مسندِ رسالت کا اہل اور ملکِ خلافت کا تاجدار وہی ہوگا۔ جس کا اقتدار عرش سے لے کر فرش تک مسلّم ہو اور جس کی غلامی میں انبیاء معصومین اور ملائکہ مقربین سب داخل ہوں اور اس عہدۂ جلیلہ کا اہل غیر معصوم تو یقیناً نہیں ہو سکتا۔ پس آلِ محمدؐ ہی اس عہدہ پہ فائز ہو سکتے ہیں اور چونکہ جناب رسالتمآبؐ کی شریعت کی حدود قیامت سے جاملتی ہیں تو ان کے اوصیائے طاہرینؑ کا سلسلہ بھی قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے اور وہ سب کے سب آلِ محمدؐ ہی سے ہیں اس وقت سرکار رسالت کا آخری جانشین خلافتِ الٰہیہ کا آخری تاجدار اور سلک امامت کا بارہواں درشہوار حضرت حجۃ العصر صاحب الامر امام زمان مہدی و ہادی علیہ و علی آبائہ السلام بحیات موجود ہیں۔ جو قرآن و شریعت کے حقیقی محافظ و نگہبان ہیں اور انہی کے وجود مسعود کی برکات سے وجود کائنات باقی ہے۔ ایک وقتِ مقررتک اللہ کی حکمت و مصلحت سے غائب ہیں۔ جب پردۂ غیبت اٹھے گا۔ عالمِ ظاہر میں تشریف فرما ہوکر عالمی مسندِ اقتدار پہ متمکن ہوں گے اور قرآن و شریعت کو نئی زندگی بخش کر پورے روئے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ جس طرح کہ ظلم و جور سے بھر چکی ہے اور ان کے وجود غائب سے دنیا اس طرح استفادہ کر رہی ہے جس طرح بادلوں میں چھپ جانے کے بعد سورج سے کیا جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ خدا کی طرف سے قرآن کا آجانا کافی ہے اور اس کے سمجھانے کے لئے صرف حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی ہیں اور ان کے گذر جانے کے بعد ان کے جانشین کے تقرر کا اختیار تمام امتِ اسلامیہ کو حاصل ہے وہ جسے منتخب کر دے بس درست ہے کیونکہ سب امت باطل پر جمع نہیں ہو سکتی تو اس صورت میں وسعت نظری اور بلند حوصلگی سے یہ خیال کرنا ہوگا کہ کیا حضور رسالتمآبؐ کی حدودِ رسالت صرف مدینہ یا مکہ یا اطراف حجاز و عرب تک محدود تھیں اگر جواب نفی میں ہے تو پھر دامنِ انتخاب کو بھی حدودِ مملکتِ نبوت کی وسعتوں تک پھیلانا پڑ جائے گا۔ کیونکہ محدود علاقہ اور محدود اقوام تک اگر ان کی نبوت محدود ہوتی تو انتخابات کو بھی اسی قدر محدود ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اگر حدود مملکتِ نبوت عرش سے فرش تک اور ناسوت سے لے کر ملکوت تک پھیلی ہوئی ہوں تو انتخابات کو صرف مدینہ تک بلکہ وہاں کے بھی گنے چنے چند افراد تک محدود کیوں کر دیا جائے ؟

تاریخ بتلاتی ہے کہ بہت سے صحابہ کرام اس انتخاب پر راضی نہیں تھے۔ جنہوں نے پُرزور احتجاجات بھی کئے آواز بھی اُٹھائی لیکن وبا دی گئی۔ چنانچہ انصار نے سقیفائی اجتماع میں کُھلا نعرہ لگایا تھا۔ لَا نُبَایِعُ اِلَّا عَلِیًّا یعنی ہم علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت نہ کریں گے۔ (تاریخ طبری) اب کسی کا برسرِ اقتدار آجانا اور اس کی حکومت کا مضبوط ہو جانا اور مخالف آواز کا مرعوب ہو کر دب جانا اور ...ہے اور اس کو صحیح اور قانونی طور پہ منتخب ماننا اور شے ہے۔ اربابِ تاریخ و سیر نے مسئلہ انعقادِ اجماع اور کیفیتِ خلیفہ سازی کو کافی بسط و تفصیل کے ساتھ معتبر ذرائع سے اپنی تصانیف میں مبرہن اور مدلل طور پر محققانہ انداز کے ساتھ ایسا واضح و عیاں کیا ہے کہ منصف طبائع کو تلاشِ حق میں ذرہ بھر دقت نہیں رہتی چنانچہ

آغا سلطان مرزا کی کتاب "البلاغ المبین" جو بلند پایہ مصنف کی ایک قابلِ قدر تصنیف ہے ۔ اس موضوع پر ہر پہلو سے تحقیقی بحث کرنے میں اپنی نظیر آپ ہے ۔ اور مصنف کے تاریخی معلومات میں ید طولیٰ کا پتہ دیتی ہے ۔ اور اگر بنا بریں تسلیم اس انتخاب کو درست مان لیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ دوسری خلافت کے تعین کے لئے اس طرزِ عمل کو کیوں ترک کر دیا گیا اور بطور نامزدگی کے تقرری عمل میں کیوں آئی ۔

اگر پہلا طریق تعین (انتخابات) درست تھا تو اس کو ترک کرنا ناجائز تھا ۔ پس دوسری خلافت غیر قانونی ہوگی اور اگر دوسرا طریقہ درست تھا (یعنی نامزدگی) تو دونوں خلافتیں غلط ٹھہریں ۔ پہلی اس لئے کہ وہ نامزد نہیں تھے اور دوسری اس لئے کہ جس نے نامزد کیا وہ خود غلط جانشین تھا لہذا (اس کو نامزدگی کا حق ہی حاصل نہیں تھا)

لطف یہ کہ تیسرے دورِ خلافت میں نامزدگی بھی نہ رہی بلکہ ایک شورائی کمیٹی بنا کر تقرر خلیفہ کا حق ان کو دے دیا گیا اب اگر اس کو درست کہا جائے تو پہلے ہر دو طریق غلط تھے اور اگر پہلے غلط تھے تو یہ خود بخود غلط تھا کیونکہ انہی کا ایجاد کردہ تھا اب کوئی خاک سمجھے کہ نبی کی خلافت کا تعین کیسے ہونا چاہیئے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خلافتِ نبویہ با اقتدار طبقہ کے ذاتی رجحانات کے ماتحت نئے نئے طریق بدل کر نئے روپ میں نئے جنم لیا کرتی ہے اس کا نہ کوئی قاعدہ ہے اور نہ قانون بلکہ جو جس طریق سے اور جس طرزِ عمل سے مسند نشین ہو جائے درست ہے ۔ اس بحث کو ہماری کتاب امامت و ملوکیت میں مفصل ملاحظہ فرمائیے ۔

بالفرض اگر یہ کہا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر وہ سب طریق درست تھے اور سب پر اجماع امت کا اطلاق ہو گیا تو سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ کو نبی علیہ السلام کے بعد تھوڑے عرصہ تک محدود کیوں کر دیا گیا ۔ جب نبوت کی حد قیامت ہے تو تقرر خلافت بھی قیامت تک ہے ۔ لہذا اس طرزِ عمل کو قیامت تک جاری رکھنا چاہیئے ۔ اگر عذر پیش کیا جائے کہ خلافت بعد میں اقتدار کا تختۂ مشق بن گئی اور اقتداری رکاوٹیں انتخاباتِ صحیح کی راہ میں حائل ہو گئیں تو ہم پوچھیں گے کہ یہ اقتدار جو عام انتخابات کی راہ میں روڑا بن گیا کیوں ناجائز ہے ۔ اور وہ اقتدار جو عام انتخاب نہ ہونے کے باوجود اجماع کا ڈھنڈورا پیٹتا رہا کیوں جائز ہے یا ان دونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے ؟

بہر حال یہ سوال اپنے مقام پر باقی ہے کہ دورِ اول کے اقتدار نے حدیث غدیر مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ کے سننے کے بعد نیز علیؑ کو رسالتمآبؐ کا اپنا عمامہ (سحاب) بطور رسم تاجپوشی بندھانے اور صحابہ کے رسوم مبارک باد ادا کرنے کے بعد عہدِ رسالتؐ کو کیوں چھوڑا اور ولایت علیؑ سے منہ کیوں موڑا ؟

اگر بنفسِ نفیس خود حضرت رسالتمآبؐ اپنے ولی عہد کو لاکھوں کے مجمع میں نامزد فرما دیں تو خلافت کے انعقاد کے لئے ناکافی ہے اور امت بعد میں انتخاب سے تقرر کرے (اور وہ بھی چند آدمیوں کا) یا نامزدگی کو طریق تقرر خلافت قرار دے یا شورائی کمیٹیاں تشکیل دے کر کام نکال لے تو یہ سب کچھ درست اور کافی ہے (عجب ہے معیارِ خلافت) اگر جناب رسالتمآبؐ

کی طرف یہ نسبت دی جائے کہ انہوں نے فرمایا تھا میرے صحابہ کا اجماع یا میری امّت کا اجماع حق ہے یا یہ کہ میری امّت باطل پہ کبھی جمع نہ ہوگی یا یہ کہ میرے صحابہ واجب الاتباع ہیں۔ والی غیر ذالک۔ تو ہمیں دریافت کرنے کا حق حاصل ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں بعض صحابہ کا اجتماع یا بنا بر تسلیم تمام اہلِ مدینہ کا اجماع (گو حضرت علیؑ اور بعض دیگر اکابر صحابہ شریک نہ ہوئے تھے) اگر حق اور واجب الاتباع ہے تو میدانِ غدیر میں ایک لاکھ سے زائد لوگوں کا اجماع جن میں مکّی۔ مدنی طائفی۔ یمنی۔ مصری۔ بصری کوفی و شامی وغیرہ اطراف مملکتِ اسلامیہ کے افراد موجود تھے اور خود بنفسِ نفیس حضرت رسالتمآبؐ بھی تشریف فرما تھے اور شریک اجماع بلکہ محرک اجماع تھے اور تحریک اجماع بحکم آیت يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ واقع ہوئی اور جناب رسالتمآبؐ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے اس کی ابتداء فرمائی اور تمام صحابہ نے برضائے تمام بلا پس و پیش فرائض بیعت و مبارکباد ادا کئے۔ رسم تاجپوشی بھی ادا ہوئی تو بتایئے اتنا زبردست اجماع کیوں ٹھکرا دیا گیا؟

سب کچھ سہی لیکن اب جبکہ ممالک اسلامیہ دینی مقاصد سے دُور جا رہے ہیں۔ قرآن کا پُرسانِ حال کوئی نہیں اسلام پر مخالفینِ اسلام آوازیں کس رہے ہیں۔ تمام عالمِ اسلامی نہایت بے چینی سے وجود حضرت قائم آلِ محمد صاحب الزمان امام العصر مہدی و ہادی علیہ السلام عَجَّلَ اللہُ فَرَجَهٗ کی انتظار میں ہے۔ ذرائع نقل و حرکت، آمد و رفت نہایت آسان ہیں اور اجماع کی حجیت بھی قیامت تک کے لئے ہے تو دریں صورت تمام عالمِ اسلامی کو بجائے انتظار کے ایک عالمی مجلسِ مشاورت قائم کر کے کسی ایک کو عہدۂ مہدویت سپرد کرنا چاہیئے جو کفیل نظامِ اسلامی ہو اور مژدہ امن ہو کر فسق و فجور اور ظلم و جور کا قلع قمع کر دے۔ پس وہ مہدی ہوگا اور اس صورت میں تمام عالم مزید خطرات سے دُور اور محفوظ ہو جائے گا۔ دنیا آرام و اطمینان کا سانس لے گی۔ جب اپنے بس کی بات ہے تو خُدا سے مزید دُعا مانگنے کی اور انتظار کی صعوبتیں برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہی جواب ہوگا کہ دُورِ حاضر میں تمام ممالکِ اسلامیہ کے اربابِ بست و کشاد جمع ہو کر اگر کوشش کریں بھی تو حضرت مہدی نہیں بنا سکتے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ دُورِ حاضر کے اعلیٰ دماغ مفکرین تمام اطراف عالمِ اسلامی سے جمع ہو کر مہدی امّت نہیں بنا سکتے۔ یعنی جناب رسالتمآبؐ کا آخری جانشین معین نہیں کر سکتے اور اگر بالفرض جرأت کریں بھی تو وُہ اُن کا بنایا ہوا ہوگا۔ خدائی مہدی نہ ہوگا تو ایک محدود خطۂ زمین کے چند عمر رسیدہ مل کر پہلا جانشین بنا لینے میں کیونکر کامیاب ہو گئے تو اب سمجھ لیجئے کہ جس کو انہوں نے بنایا تھا وہ ان کا تھا لیکن خدائی عہدہ دارِ خلافت نہ تھا۔ کہنے کو دنیا کہہ دے گی کہ دُورِ حاضر میں ہمارا انتخاب ناقص ہے اور عقلائے زمانہ بارہا تجربہ کر چکے ہیں کہ ہمارا منتخب شدہ لیڈر چند روز بعد ناقابلِ انتخاب قرار پا جاتا ہے اور قہراً اسے مسند اقتدار سے اتارنا پڑ جاتا ہے۔ جب ہمارے انتخاب کی یہ حالت ہے تو انتخاب مہدیؑ ہم سے کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اللہ ہی کا منتخب کردہ ہونا چاہیئے۔

اب انصاف طلب بات ہے کہ جب عقلائے عالم کا انتخاب ناتسلّی بخش ہے اور وہ بھی دُورِ حاضر میں جب کہ انسان

ذہنی اور دماغی صلاحیتوں میں ترقی کے بلند ترین زینہ پر پہنچ چکا ہے تو بھلا آج سے چودہ سو برس پہلے کے انسانوں کا انتخاب اور وہ بھی تمام ممالک کا نہیں ایک پورے ملک کا نہیں بلکہ ایک صوبہ یا ایک ضلع کا بھی نہیں اور حد یہ کہ ایک پورے شہر کا بھی نہیں (صرف چند آدمیوں کا) کیسے خالی از خطرہ قرار دیا جا سکتا ہے اور ایسے منتخب لیڈر کو کس طرح ایک ناقابلِ تنسیخ پوری ملت کا ۔ مذہبی و دینی پیشوا یا خدائی فرمانروا مانا جا سکتا ہے ؟

اس مقام پر تین باتیں سامنے آتی ہیں ۔

۱۔ یہ کہ جانشین رسالتؐ کا انتخاب ہمیشہ امت کے ہاتھ میں ہے ۔

۲۔ یہ کہ جانشین رسالتؐ کے انتخاب کا امت کو کوئی حق نہیں بلکہ خدا ہی کے ہاتھ میں ہے ۔

۳۔ یہ کہ دورِ اول میں جانشین رسولؐ کے انتخاب کا حق امت کو تھا اور بس ۔

پہلی صورت میں اگر پہلے زمانہ کی امت پہلے زمانہ کے خلفاء کا انتخاب کرنے میں کامیاب تھی تو اب بھی اسی اصول کے ماتحت رسولؐ کے آخری جانشین بنانے میں کامیاب انتخاب ہو جانا چاہیئے ورنہ ماننا پڑے گا کہ یہ طریق کار اللہ کی طرف سے نہیں ورنہ ناکام نہ ہوتا ۔ تیسری صورت میں اگر کہا جائے کہ پہلے لوگوں کو حق انتخاب حاصل تھا کیونکہ وہ نیک تھے اور اب چونکہ باطل پرستی کا دور دورہ ہے ۔ لہذا اختیار امت سے سلب کر کے خدا نے اپنے لئے مخصوص فرما لیا تو ہم کہیں گے کہ حکیم مطلق نے ایک پائیدار ملت کے لئے شروع سے ایک ناپائیدار قانون کیوں وضع فرمایا جب اس کو معلوم تھا کہ انتخابی طرزِ عمل ایک وقت کے بعد بے کار ہو جائے گا ۔ تو ایسے چند روزہ کے طرزِ عمل کو ایک قیامت تک باقی رہنے والی ملت کا اصل واساس کیوں قرار دیا ؟ اور نیز اسلامی احکام میں مساوات اور یکسانیت کہاں گئی ؟ خدا نے جنبہ داری روا کیوں رکھی ؟

پس وہ درمیانی صورت ہی بالکل درست و قرینِ عقل ہے ۔ یعنی جانشین رسولؐ کے انتخاب کا حق پہلے بھی اور اب بھی سوائے خدا کے اور کسی کو حاصل نہیں نہ اب کا انتخاب بارہواں اور آخری جانشین بنا سکتا ہے ۔ اور نہ پہلے کا انتخاب پہلا جانشین رسولؐ اور امامِ اول بنا سکتا ہے اگر امت جرأت کرے بھی تو وہ امت کے بنائے ہوئے ہوں گے ۔ خدائی عہدہ دار خلافت نہ ہوں گے ۔ پس ثابت ہوا کہ جس طرح قرآن مجید اللہ کی جانب سے ہمارے اعمال و افعال کے لئے ایک مستقل اور ناقابلِ تردید ضابطہ ہے اسی طرح اس کا مدرس و مبلغ بھی ہر دور میں اللہ کی جانب سے ہی ہوا کرتا ہے ۔

جس طرح ہمیں کتاب کے بنانے کا حق نہیں اسی طرح ہمیں اس کے مدرس و مبلغ کے انتخاب کا بھی کوئی حق حاصل نہیں ہے جس طرح دورِ اول میں نصِ رسولؐ قرآن کا معلم حضرت علیؑ تھا ۔ اسی طرح ہر زمان میں یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرینؑ نصِ رسولؐ چلے آئے اور دورِ حاضر میں حضرت حجت عجل اللہ فرجہٗ بھی بفرمانِ رسالت مبلغ قرآن ہیں ۔

نہ اب ہمارے بنانے سے بن سکتا ہے اور نہ اس دور میں لوگوں کے بنانے سے بن سکتا تھا ۔

جس طرح آج کا انتخاب غلط اور خلافِ حکمِ خدا ہے اسی طرح اس زمانہ کا انتخاب بھی غلط اور خلافِ حکمِ خدا تھا ۔

نہ آج کا بنایا ہوا خدائی فرمانروا بن سکتا ہے اور نہ اس دور کا لوگوں کا بنایا ہوا خدائی خلیفہ و جانشین رسول بن سکتا ہے پس وہ رسولؐ جو مَا یَنطِقُ عَنِ الهَوىٰ (خواہشِ نفسانی سے کلام نہیں کرتا) اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (ان کا کلام تو وحی خدا سے ہی ہوا کرتا ہے) اپنی امّت کو کسی سرپرست کے بغیر قطعاً چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمام احکام قرآنیہ بیان کر کے جائیں اور اتنا بڑا مسئلہ جس پر بعد میں قیامت تک کے لئے پوری امّت کے دینی مسائل کے حل کا دار و مدار ہے اس کو بغیر بیان کے چھوڑ جائیں؟

انہوں نے کھلے الفاظ میں صریح اور غیر مبہم بیان میں صاف طور پر ثقلین کے ساتھ تمسک کا حکم فرمادیا۔ زبان سے بھی سنایا اور ہاتھوں پہ بلند کر کے دکھایا بھی اور سنایا بھی اور عملی طور پہ تاج پوشی کر کے بھی آنے والے خطرات کا سدِّباب کیا اور یہ سب کچھ اللہ ہی کی جانب سے تھا انہوں نے صرف پہنچادیا۔

اگرچہ قوم طالوت نے طالوت کے منتخب من اللہ ہونے پر اس کی مالی کمزوری کا اعتراض کیا تھا لیکن خدا کے نزدیک چونکہ معیارِ انتخاب پر پورا اترنے والا صرف وہی تھا۔ اس لئے وہی منتخب ہوا اور وہی خدائی عہدہ دار رہا۔ خواہ کسی نے مانا یا نہ مانا۔ خدائی عہدہ جس کے پاس ہو کسی کے تسلیم نہ کرنے سے چھن نہیں سکتا۔ جس طرح خدا کو نہ ماننے والے اس کی خدائی میں موجب نقصان نہیں ہو سکتے۔ رسولؐ کو رسولؐ نہ تسلیم کرنے والے آنحضرتؐ کی رسالت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اسی طرح علیؑ اور اولادِ علیؑ سے منہ موڑنے والے ان سے نہ عہدۂ ولایت و امامت چھین سکتے ہیں اور نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں وہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہے وہ نہ قرآن سے جدا ہیں اور نہ قرآن سے جدا ہے خواہ کوئی تسلیم کرلے یا نہ کرے

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَمَسِّکِیْنَ بِالثَّقَلَیْنِ کِتَابِکَ وَعِتْرَۃِ نَبِیِّکَ الطَّاھِرِیْنَ

قرآن اور ختمِ نبوّت

کتبِ سماویہ میں سے قرآن مجید کا آخری کتاب ہونا مسلّماتِ اسلامیہ میں سے ہے لیکن یہ کیوں؟

تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ہر فردِ انسانی کا تدریجی ارتقاء اور ہر مرتبہ میں اس کی دماغی و ذہنی صلاحیتوں کا متدبہ تفاوت اس امر کا مقتضی ہے کہ اسے ہر مرتبہ میں اسی ہی مرتبہ کی مناسبت سے تعلیم و فرائض و احکام کا حامل قرار دیا جائے کیونکہ وہ اسی کا ہی اہل ہے۔

جس طرح ترقی کے تدریجی مدارج میں بچپنے اور جوانی و بڑھاپے کا فرق ہے کہ بچپنے کے انتہائی دانشمندانہ افعال دورِ جوانی میں طفلانہ حرکات شمار کئے جاتے ہیں گو بچے کے لئے اس دور میں وہی زیبا اور اس کی کامیابی و کامرانی و ہر دلعزیزی کا وہی معیار ہوتے ہیں۔ بچے کے لئے ابتدائی درجہ میں حروفِ تہجی کا سمجھ لینا اور یاد کرنا ویسا ہی مشکل ہوتا ہے۔ جیسا کہ منتہی

طلبہ کے لئے اپنا کورس ۔ تاہم کامیابی ہر دور میں اپنے مناسب نصاب و معیار کے ماتحت ہوا کرتی ہے لیکن دل و دماغ پر نتائج کے اثرات یکسانیت سے ہوتے ہیں ۔ کامیابی کی خوشی جس طرح منتہی کو ہوتی ہے ۔ اسی طرح مبتدی کو بھی ہوتی ہے۔ اور ایسا ہی ناکامی کا درد و افسوس بھی دونوں کو ہوتا ہے ۔ لیکن خوشی و غمی کی مقدار میں مراتب ذہن کے تفاوت کے لحاظ سے اختلاف ضرور ہوا کرتا ہے ۔

پس مدارج و مراتب کا اختلاف جب روزِ روشن کی طرح واضح ہے تو قطعاً معقول نہیں کہ ہر مرتبہ کا مدرس ایک ہی قابلیت و اہلیت کا حامل ہو ۔ بلکہ ہر مرتبہ میں اسی مرتبہ کے نصاب کے پیشِ نظر اسی معیار کے معلم کا انتخاب عین دانائی ہے اور اس کے خلاف کرنا عقلی طور پر قطعاً غلط اور ناجائز ہے ۔

یہ اختلاف انسانوں کی صرف شخصی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اقوام کی اجتماعی زندگیاں بھی اسی طرح کے نشیب و فراز سے دوچار ہیں ۔ تاریخی مطالعہ سے اس نتیجہ پر بخوبی پہنچا جا سکتا ہے کہ اقوام کی ابتدا و وسط و انتہا میں واضح طور پر بچپنے جوانی اور بڑھاپے کا سا فرق رونما ہوتا ہے

بلکہ پوری نوعِ انسانی کے تدریجی ارتقاء کا بعینہ یہی حال ہے انسان کا ابتدائی دَور نوعِ انسانی کے بچپنے کا دَور تھا ۔ رفتہ رفتہ ترقی کی منازل عبور کرنے کے بعد اس منزل کی نوبت آپہنچی ۔ جسے نوعِ انسانی کی جوانی کا آغاز کہا جا سکتا ہے تو چونکہ ہر مرتبہ انسان اُسی ہی مرتبہ کی تعلیم و تربیت کا اہل اور اُسی موزونیت سے فرائض و احکام کا حامل ہوا کرتا ہے ۔ لہٰذا اسی ہی مرتبہ کا معلم خدا کی طرف سے منتخب کیا جانا ضروری تھا ۔ پس خالقِ علیم و حکیم نے اسی ترتیب سے انتخاب فرمایا ۔

صحف آدمؑ جس درجہ کا نصاب تھے حضرت آدمؑ اسی درجہ کے معلم تھے اسی طرح صحف نوحؑ ۔ صحفِ ابراہیمؑ تورات موسیٰؑ ، زبورِ داؤدؑ اور انجیل عیسٰیؑ جن جن انسانی مدارج کا نصاب تھیں ۔ یہ انبیاء علیہم السلام انہی درجات کے لئے باختلاف مدارج معلم و مبلغ بن کر تشریف لاتے رہے ۔

اب نوعِ انسانی میں پوری صلاحیتیں موجود ہوگئیں تھیں اور اس کا دورِ شباب سے ہم آغوش ہو گیا تھا ۔ تو حکیم مطلق نے اس کی فلاح و بہبود اور عمل و کردار کے لئے وہ آخری نصاب تجویز فرمایا جو نوعِ انسانی کی آخری سانس تک اس کے لئے مشعلِ راہ بن سکے اور قطعاً کسی وقت تبدیل نہ کیا جائے اور فرمایا ۔ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ (تحقیق یہ قرآن انتہائی سیدھے اور مضبوط رستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے) ملاحظہ فرمائیے جس کو خود علیم و حکیم (اَقْوَم) انتہائی سیدھا و مضبوط ۔ کی لفظ سے تعبیر فرمائے تو اس میں تغیّر و تبدل کا امکان ہی کیا ہو سکتا ہے ؟ کیونکہ اس کے علاوہ جو بھی ہوگا ۔ اس سے کم ہوگا کیونکہ اس کے برابر اگر ہو تو اس کو یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ نہیں کہا جا سکتا ۔

پس جب قرآن مجید تکمیل تعلیم نفوس انسانیہ کا آخری کورس ہوا تو اس کا لانے والا نبی کمالات انسانیہ میں آخری حد امکان پر فائز ہو کر نوعِ انسانی کی آخری صف تک باوجود تفاوت استعدادات و اختلافات اذہان کے قابل پذیرائی ہو ورنہ

دامنِ انتخاب علیم وقدیر پر جہل یا عجز کا بدنما داغ لگ جائے گا جو شانِ اقدس الٰہیہ کے سراسر خلاف ہے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے جو ورائے ہمہ صفات کمالات ہے جس کو اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے مقدس القاب سے سرفراز فرما کر اللہ نے مبعوث فرمایا

پس معلوم ہُوا کہ اس نبی کی نبوّت وجود عالم امکان کی آخری حد تک ہے جس کے بعد قیامت ہے۔ لہٰذا اس نبی کے بعد کسی نبی کی آمد کا امکان ہی نہیں کیونکہ نہ نوعِ انسانی میں مزید ایسی صلاحیتیں پیدا ہو سکتی ہیں جو معیار قرآن سے بالاتر ہوں اور نہ تعلیماتِ قرآنیہ میں ردّ و بدل یا نسخ کا کوئی امکان باقی ہے ورنہ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ کے منافی ہوگا۔ اور نہ مراتبِ کمالاتِ انسانیہ میں کوئی ایسا گوشہ خالی ہے جس تک جناب رسالتمآبؐ کی رسائی نہ ہوئی ہو۔

لہٰذا جناب رسالتمآبؐ نوعِ انسانی کے آخری نصاب کے آخری مدرس ہیں۔ ان کے بعد نہ کسی کی گنجائش ہے اور نہ کوئی آسکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مستقل نبی گو نہیں آسکتا لیکن آنحضرتؐ کے بعد کسی ظلّی بروزی یا امّتی نبی کے آجانے میں کیا حرج ہے کیونکہ یہ نئی شریعت نہیں لاتے بلکہ ان کا کام اسی نبی کی تعلیمات کی توضیح و ترویج ہی ہوتا ہے اور بس تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کی شریعت کی توضیح و ترویج یا تشریح و تبلیغ کا فریضہ اس کے اوصیاء و خلفائے طاہرینؑ کے بعد تمام علماء پر عائد ہوتا ہے تاہم وہ نبوّت کے مقدس اور خصوصی لقب سے ملقب نہیں کئے جا سکتے۔ علاوہ ازیں جناب رسالتمآبؐ کا ارشاد گرامی لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اور اس کا ناقابلِ تخصیص عموم کسی مدعیٔ نبوت کو خواہ امّتی یا جزوی یا ظلّی و بروزی نبی کہلوانے کے ہزاروں بہانے بناتا پھرے، صفِ انبیاء میں قدم دھرنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

نیز کسی جزوی نبی کی بعثت نوعِ انسانی کی تدریجی طرزِ تعلیم کے بھی منافی ہے جسے کوئی صاحبِ ہوش و ذی شعور قبول نہیں کر سکتا۔ مثلاً کسی کالج کے پرنسپل کے چلے جانے کے بعد کسی طالب علم کو گو پورے کالج میں ممتاز ہی کیوں نہ ہو کالج کا پرنسپل نہیں بنایا جا سکتا۔ خواہ اس کی کارکردگی کالج بھر میں افادی حیثیت کی حامل بھی ہو ویسے وہ اپنی بلند استعداد اور افادیت کے پیشِ نظر انعام و اکرام کا مستحق بھی ضرور ہوگا۔ لیکن اگر اُس نے اس خطاب مخصوص کو چرانے کی کوشش کی تو اس کی محنت اکارت جائے گی اور اس کی سب حسنِ کارکردگی افسرانِ بالا کی نگاہوں میں محض بدنیتی پر محمول ہوگی اور کالج سے نکال دینے کے علاوہ اس کو عبرتناک سزا دینا بھی عین انصاف ہوگا۔ بلکہ طالب علم تو درکنار کالج کا ممتاز ترین پروفیسر بھی اس خطاب کا اہل نہیں ہوا کرتا اگر وہ بھی ایسا کرے تو ویسی ہی سزا بلکہ اس سے بھی زیادہ سزا کا مستحق قرار دیا جائے گا۔ پس اس مقام پر کسی بھی شخص کا ادعائے نبوّت نوعِ انسانی کو دھوکا دینے اور سادہ لوح انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔ پھر اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی تشریف آوری پھر کیسے ہوگی؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ فرائض نبوّت کی انجام دہی کے لئے تشریف نہ لائیں گے بلکہ حضرت رسالتمآبؐ کے آخری قائمقام حضرت مہدی امام آخرالزمان علیہ السلام عجل اللہ فرجہٗ کے مقتدی اور مؤید بن کر آئیں گے تاکہ اطراف عالم میں

پھیلی ہوئی قوم نصاریٰ کے دل و دماغ میں جناب رسالتمآبؐ کی عظمت اور ان کے دین کا سکہ بیٹھ جائے۔ اور ان کے لئے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا رستہ ہموار ہو جائے۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس جرم کی پاداش میں ان سے عہدۂ نبوّت سلب کیا جائے گا اگر ان کا جرم ثابت ہو تو ان کی نبوت ہی ساقط ہے اور اگر ان کا کوئی جرم نہیں تو پھر بلا وجہ ان سے عہدہ نبوّت چھین کر صفِ امّت میں کھڑا کر کے دوسرے کا مقتدی بنانا عدل خداوندی سے دُور بلکہ منافیٔ عدل ہے۔

(۱) اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا حضرت مہدیؑ علیہ السلام کی اقتدا میں ہونا نہ ان کی توہین ہے اور نہ منافیٔ نبوت ہے تاکہ منافیٔ عدلِ خداوندی ہو۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کا خضرؑ کی شاگردی میں داخل ہونا نہ ان کی توہین تھا۔ اور نہ منافیٔ نبوّت۔ چھوٹے مدرسے کا مدرس اعلیٰ اگر کسی کالج کے پرنسپل یا اس کے قائمقام یا ماتحت پروفیسر کے شاگردوں کی صف میں داخل ہو کر کچھ استفادہ کرے تو یہ چیز نہ اس کی منقصت و توہین کی موجب ہے اور نہ اس کی ملازمت کے منافی ہے بلکہ وہ اپنے سکول میں ویسے کا ویسا معلم و استاد ہے لیکن کالج کے پرنسپل کے سامنے یا اس کے قائمقام یا ماتحت پروفیسرز کے سامنے شاگرد کی حیثیت سے ہے اس کے چھوٹے سکول کے مدرس ہونے کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہوا کرتا کہ وُہ کالج میں بھی اسی مدرسی کی حیثیت سے جائے۔ ورنہ اس کی توہین ہوگی اور اس کی معلّمی کے منافی ہوگی۔ بلکہ کالج کے پرنسپل سے کچھ استفادہ کر لینے کے بعد وہ اپنی پہلی ڈگری سے ترقی کر کے بلند درجہ کی تدریس کے قابل ہو جائیگا

(۲) نیز یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ جب وہ تشریف لائیں گے تو وہ عالمین کے نبی تو تھے نہیں۔ لہٰذا عالمین کے ہادی کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنی قوم نصاریٰ کو پیغام خُدا سنائیں گے اور جناب رسالتمآبؐ کے دین پر آنے کی دعوت دیں گے اور عمل سے حضرت حجّت علیہ السّلام کی اقتداء میں نماز پڑھ کر اپنی قوم کے سامنے ان کا واجب الاتباع اور امام برحق ہونا ثابت کریں گے لہٰذا ان کا عہدہ ان سے چھینا نہیں جائے گا۔ بلکہ وہ اپنے عہدۂ نبوّت کے ماتحت اپنا تبلیغی فریضہ ادا کریں گے۔

(۳) نیز یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہا حضرت مہدیؑ کے پیچھے کھڑے ہو کر اُن کے عقائد فاسدہ کو عملی طور پر باطل کریں گے کہ اگر خدا یا خدا کا بیٹا ہوتا تو کسی مخلوق کی اقتداء میں کیوں ہوتا؟ اور یہ بات اُن کے عہدۂ نبوت سے کیا منافات رکھتی ہے؟ بلکہ بمطابق عہدہ فریضۂ تبلیغ کی ادائگی ہے اور اس سے پہلی فصل میں ثابت ہو چکا ہے کہ گذشتہ انبیاء اپنی امتوں کے نبی اور سردار تھے۔ لیکن حضرت محمد مصطفیٰؐ کی عالمی نبوّت کے مقابلہ میں وہ بحیثیت رعایا اور امّت کے تھے اور اسی طرح حضرت کے برحق جانشینوں کے سامنے بھی وہ رعایا کی حیثیت سے ہیں۔ پس حضرت عیسیٰؑ اپنی اُمّت کے لئے فرائضِ نبوّت کی ادائگی کریں گے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کے آخری جانشین کی اقتداء میں کھڑے ہو کر دنیائے اسلام کے

لے ان کا اس فریضۂ تبلیغ کا ادا کرنا بحیثیت نبی کے نہیں ہوگا۔ بلکہ حضرت مہدیؑ کے ایک مقتدی و سپاہی کی حیثیت سے ہوگا۔ لہٰذا اس کی ختم نبوّت سے کوئی منافات نہیں۔ گویا حضرت عیسیٰؑ دینِ اسلام کے مبلغ ہوں گے اور حضرت مہدیؑ کے ماتحت کام کریں گے (منہ)

سامنے ایک عملی وعظ و نصیحت بھی فرمائیں گے اور وہ یہ کہ۔ اے انتخاب سے محمد مصطفےٰ کے جانشینوں کا تعین کرنے والو، دیکھ لو محمد مصطفےٰ کا جانشین وہ ہو سکتا ہے جو گذشتہ تمام نبیوں پہ حکومت کر سکتا ہو اور انبیاء چونکہ معصوم ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کو معصوم ہونا چاہیئے۔ پس غیر معصوم قطعاً حضرت محمد مصطفےٰ کا جانشین نہیں ہو سکتا۔

میرے اس پورے بیان کا ماحصل یہ ہے۔

چونکہ قرآن مجید تکمیلِ نفوس انسانیہ کا آخری کورس ہے۔ لہٰذا اس کا معلم و مدرس نبی بھی آخری نبی ہے۔

چونکہ قرآن مجید شریعت کی آخری کتاب ہے۔ لہٰذا اس کو لانے والے نبی کی نبوت بھی آخری نبوت ہے۔

قرآن آخری کتاب اور شریعت آخری شریعت ہے پس محمد مصطفےٰ آخری نبی اور اسلام آخری دین ہے۔

قرآن کے بعد کسی دوسری کتاب کے نازل ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے اور وہ کتاب بھی جھوٹی ہوگی اور اس کتاب والا بھی جھوٹا ہوگا۔ اسی طرح دینِ اسلام کے بعد کسی اور دین کے پیش کرنے والا بھی جھوٹا اور اس کا دین بھی جھوٹا ہوگا۔ پس محمد مصطفےٰ کے بعد اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو اس کی نبوت جھوٹی اور وہ بھی جھوٹا ہوگا۔

والحمد للہ رب العٰلمین

قرآن اور وجودِ مہدی علیہ السلام

گذشتہ بیان میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآن آخری کتاب اور اس کے لانے والا رسولؐ آخری رسولؐ ہے۔

حدیث قدسی مشہور لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کا مطلب یہ ہے کہ حضور رسالتمآبؐ ہی مقصد تخلیق عالم تھے تو جب آپ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف تشریف لے گئے تو کائنات کے وجود کو بھی تو ختم ہو جانا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس کی خاطر یہ سب کچھ بنایا۔ جب وہ نہ رہا۔ تو اس سب کچھ کے باقی رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ جس معزز مہمان کی آمد کے لئے پلنگ بستر لگایا جائے۔ دستر خوان بچھایا جائے۔ فانوس جگایا جائے تو اس کے رخصت ہو جانے کے بعد سب سامان سمیٹ دیا جاتا ہے۔ پس اسی طرح جب مقصد خلقتِ کائنات و آسمانی آخری کتاب (قرآن مجید) کا آخری مبلغ موجود نہیں تو یہ کتاب کس لئے ہے اور دیگر تکالیفِ شرعیہ کیوں باقی ہیں؟

تو اس کا جواب بلکہ واحد حل یہی ہے کہ ابھی کسی آنے والے کا انتظار ہے اور ابھی وجود کائنات کا سہارا اور کتابِ خدا کا مدرس ایک ایسا فرد موجود ہے جو حدیث لولاک کے مصداق کا حصہ ہے۔ ورنہ جس طرح حضورؐ تشریف لائے۔ اور چلے گئے اگر ان کے بعد حدیث لولاک کے اور مصادیق کی آمد نہ ہوتی اور دنیا میں ان کا حقیقی جانشین باقی نہ ہوتا۔

تو نہ کتاب باقی رہتی اور نہ مکتب باقی رہتا۔ پس کتاب اور مکتب کا وجود مدرس کتاب کے وجود کی دلیل ہے۔

علاوہ ازیں گذشتہ صفحات ۶۲-۷۱-۹۳-۹۴ میں وجود حضرت ولی العصر مہدی آخرالزمان علیہ السلام کے متعلق مختصر طور پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اور صاحب انصاف کے لئے وہ کافی ہے۔

قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں جن کی تاویل حضرت حجت علیہ السلام کے وجود مسعود اور ان کے زمانہ اور زمانہ والوں سے کی گئی ہے۔

(۱) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ	ہم نے زبور میں ذکر کے بعد یہ بات لکھ دی ہے کہ میرے صالح بندے ہی میری زمین کے وارث ہونگے (ان سے مراد حضرت حجت اور ان کے اصحاب ہیں (بحارالانوار ج۱۳)
(۲) يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ الآیۃ	لوگ اللہ کے نور کو منہ سے بجھانا چاہتے ہیں اور خدا اپنے نور کو تمام کرنے والا ہے تاکہ تمام دینوں پر اس کو غلبہ دے (حضرت قائم کا دور مراد ہے) بحارالانوار ج۱۳
(۳) هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (الآیۃ)	اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غلبہ دے (حضرت قائم کا زمانہ مراد ہے (بحارالانوار جلد ۱۳)

پہلی آیت میں ہے کہ میری زمین کے وارث صالح بندے ہوں گے اور تیسری آیت بتلاتی ہے کہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غلبہ دیگا۔ تو جو لوگ اس وقت تک دعوائے مہدویت کر چکے ہیں۔ ان کی تکذیب کے لئے تو ان آیات مجیدہ کے ظاہری الفاظ ہی کافی ہیں کیونکہ حضرت مہدیؑ کی حکومت پوری روئے زمین پر ہوگی اور یہ چیز کسی بھی مدعی مہدویت کو نصیب نہ ہوئی۔ نیز حضرت مہدیؑ کے دور میں خدا کا دین تمام باطل دینوں پر غالب ہو جائے گا۔ حالانکہ ان مدعیان مہدویت کی تحریکات معدودہ افراد تک محدود ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ لوگ ان آیات کے مصداق نہیں تھے بلکہ غلط دعویدار تھے اور جھوٹے مدعی مہدویت تھے آیات متذکرہ جس مہدیؑ کی آمد کا پتہ دیتی ہیں وہ ابھی آنے والا ہے اور جب آئے گا تو اس کی حکومت بھی پوری روئے زمین پر ہوگی اور دین خدا غالب بھی ہوگا حتیٰ کہ ادیان باطلہ مٹ جائیں گے۔

نیز ان مدعیان مہدویت کا جب سے سلسلہ شروع ہوا عالم اسلامی تو درکنار پوری زمین سے رفتہ رفتہ امن و آرام چین و اطمینان ختم ہونے لگ گیا اور فسق و فجور کا دور دورہ عام ہونے لگ گیا حتیٰ کہ پوری دنیا سے امن و آرام صرف برائے نام ہی باقی رہ گیا۔ لیکن ان آیات سابقہ کے حقیقی مصداق جب ظہور فرمائیں گے تو پوری دنیا امن و آرام سے اس طرح معمور ہو جائے گی جس طرح اس سے پہلے ظلم و ستم اور فسق و فجور سے بھرپور ہو چکی ہوگی۔

(۴) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي	وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے تم میں سے اور عمل صالح کئے ہیں کہ ضرور خلیفہ زمین ان کو بنائے گا۔ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا اور ضرور پوری قدرت دے گا ان کے اس دین کو جو چن

ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا
لیا ان کے لئے اور البتہ ضرور ان کے خوف وہراس کو امن سے تبدیل کر دے گا۔

(۵) وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ
ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور قرار دیئے گئے اور ان کو امام بنائیں اور زمین کا وارث مقرر کریں۔

بحارالانوار جلد ۱۳ میں ہے کہ یہ ہر دو آیات حضرت حجتؑ کے متعلق ہیں۔ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن کی تاویل حضرت حجتؑ کے متعلق کی گئی لیکن سب کا ذکر کرنا اثبات مطلب کے لئے ضروری نہیں۔ لہٰذا ہم ان ذکر شدہ پنج آیات پر اس مقام میں اکتفا کرتے ہیں البتہ اپنے اپنے مقام پر آیات کی تاویلات جو آئمہ سے منقول ہوتی رہیں گی۔ بیان کروں گا۔

ان دو آیتوں میں پہلی آیت کو بعض ناسمجھ لوگ خلافتِ اجماعیہ پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ اس کے مصداق وہی لوگ تھے۔ جو خلیفے بن گئے۔ لہٰذا ان کی خلافت سے ثابت ہوا کہ وہ ایماندار اور صالح بھی تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حب الشئی یُعمی ویُصم۔ یعنی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے اگر اس آیۂ مجیدہ کے صرف تحت اللفظی ترجمہ پر ہی غور کیا جائے تو قطعاً خلافتِ اجماعیہ کے انعقاد کے بطلان پر دلالت کرتی ہے کیونکہ آیۂ مجیدہ میں خدا وعدہ فرماتا ہے کہ میں بناؤں گا۔ یعنی میری طرف سے منصوص ہوگا اور وہ سوائے حضرت علیؑ کے صحابہ میں اور کوئی بھی نہیں۔ جناب رسالتمآبؐ نے مقام غدیر پر اعلان فرمایا اور عملی طور پر اسے بلند کرکے بھی دکھایا تاکہ کوئی شک وشبہ نہ رہ جائے اور حضرت کے سامنے لوگوں نے بخ بخ کی صدائیں بھی بلند کیں۔ اگر لَيَسْتَخْلِفَنَّ کا کوئی مصداق صحابہ میں سے ہوسکتا ہے تو وہ صرف حضرت علیؑ ہی کی ذات بابرکات ہے ان کے علاوہ نہ کوئی اور منصوص من اللہ ہے اور نہ اس آیۂ شریفہ کا مصداق بن سکتا ہے۔

نیز اس امر کی مزید وضاحت کے لئے خدا نے یہ بھی ساتھ ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو خلیفہ اسی طرح بناؤں گا۔ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو میں نے خلیفہ بنایا۔ اب آثارِ صحیحہ سے صاف معلوم کیا جا سکتا ہے کہ پہلی خلافتیں آیا اجماع سے منعقد ہوئیں تھیں یا خدا کی طرف سے منصوص تھیں؟ پس جس طرح خدا نے ان گزشتہ لوگوں کو خود خلافت کے لئے منتخب فرمایا اور لوگوں کو حق انتخاب سے محروم رکھا۔ اسی طرح یہاں بھی فرماتا ہے کہ میں اسی طریق سے خلافت دوں گا جس طرح گزشتہ لوگوں کو خلافتیں دیں۔

اور اگر بالفرض یہ آیۂ استخلاف ان لوگوں کی خلافت پر نص ہے جن کو خلیفہ بنا لیا گیا۔ تو کم از کم ان خلیفہ بننے والوں کو تو یہ علم ہونا چاہیئے تھا۔ کہ یہ آیت ہماری خلافت پر نص ہے اور سقیفائی لمبے چوڑے نزاع میں انصار ومہاجرین کی خلافت کی رسہ کشی کے موقعہ پر اس آیہ مجیدہ سے استشہاد کر لینا ضروری تھا تاکہ جھگڑا طول نہ کھینچتا اور عجیب معمہ ہے کہ محبت کرنے والے اور عقیدت مند تو کہتے ہیں کہ یہ آیہ مجیدہ ان کی خلافت پر دال ہے اور خود ان کو علم ہی نہیں تھا ورنہ ضرور استشہاد

کے طور پہ پیش کر دی ہوتی۔

ہاں ضرور ان کو یہ علم تھا کہ ہم اس آیت کے مصداق نہیں کیونکہ اگر ہم اس کو اپنے متعلق مخصوص کر دیں یا اختصاص کا دعوی کریں تو مجمع کا ہر فرد بول اُٹھے گا کہ اس صفت میں میں بھی شریک ہوں تو دریں صورت چار وناچار یا تو حرب وضرب پر نوبت پہنچ جاتی اور یا آیاتِ مجیدہ کی رہبری کے پیشِ منظر انتخاب خداوندی کو اپنا لیا جاتا اور عہدِ غدیری کا اعادہ ہو جاتا لیکن یہ دونوں صورتیں خلافت کی قمیص اوڑھنے والوں پہ گراں تھیں۔ لہٰذا اس آیت کو پیش کرنے کی جرأت ہی پیدا نہ ہوئی۔ اس کی مزید تفسیر و تفصیل جلد نمبر۱ صفحہ ۱۵۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اب رہی آخری آیت۔ وہ صاف بتلاتی ہے کہ وارث زمین اس کو بنایا جائے گا۔ جو پہلے کمزور وضعیف کر دیا گیا ہو۔ وہ خلیفہ وامام بھی ہوگا اور وارثِ زمین بھی ہوگا۔

استخلاف والی آیت کے آخری الفاظ ہیں کہ خلیفہ بننے والوں کی خاطر اپنے پسندیدہ دین کو تمکین تام (پوری طاقت) دوں گا اور ان کے خوف کو امن سے تبدیل کر دوں گا۔

آخری آیت میں ہے کہ کمزور کئے جانے کے بعد ان کو خلافت و وراثتِ زمین عطا ہوگی۔

ان ہر دو آیات کی تطبیق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی مصداق وہ خلافتیں نہیں اور ہرگز نہیں اس لئے کہ

(۱) دینِ اسلام کو تمکینِ تام حاصل نہ ہو سکی۔ ورنہ اطرافِ عالم میں کوئی بھی غیر مسلم نہ رہتا۔

(۲) جناب رسالتمآب کے دور میں ان کو کون سا خوف تھا۔ جس کو خدا نے خلافت کے سایہ میں امن سے تبدیل کیا۔ بلکہ یہاں تو بالکل معاملہ بر عکس معلوم ہوتا ہے کیونکہ جناب رسالتمآب کے دور میں اہلِ اسلام پورے امن میں ہو گئے تھے۔ اغیار پہ ان کا اقتدار قائم تھا۔ آپس میں صلح و آشتی تھی۔ خلافت کے انعقاد کے بعد مسلمانوں میں آپس میں قطعاً صلح و آشتی نہ رہی اگر صرف خلافتِ راشدہ ہی کا دور لیا جائے۔ تو پہلے خلیفہ کے بعد باقی سب خلفاء مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ کیا اسلام کی تمکین اور خوف کے بعد امن اسی کا نام ہے؟

(۳) کمزور کئے جانے کے بعد ان کو طاقت نہیں ملی۔ بلکہ اُلٹا اس خلافت کے انعقاد کے بعد تفرق و تشتت کی خلیج کا پاٹ وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کے تلخ اثرات سے خلافت مآب خود بھی نہ بچ سکے۔

(۴) پوری روئے زمین کی وراثت (حکومت و ملکیت) حاصل نہ ہو سکی۔

اسلامی تاریخ کی اوراق گردانی اور صحیح مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آیات صرف آلِ محمد ہی کی رجعت اور حضرت قائم آلِ محمد عجؑ کی ہمہ گیر حکومت پہ دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ

(۱) پہلی آیت کی رُو سے جس قدر ائمہ نے ان کو خائف وہراساں کیا ہے۔ اتنا کسی قوم کو کسی دور میں نہیں کیا گیا ان کو گھروں سے نکال دیا گیا، قتل کیا گیا۔ قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا گیا۔ حقوق سے محروم کیا گیا۔ زندہ دیواروں میں چنوا دیا گیا

گھروں کو آگ لگا دی گئی ۔ عورتوں کو رُلایا گیا اور در بدر پھرایا گیا ۔ چھوٹے بچوں پر تشدد کیا گیا ۔ غرضیکہ کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ اور حد یہ کہ اپنے مقتولین اور شہداء کی مظلومیت کی داستان پڑھنا اور سُننا ان کے لئے ممنوع قرار دیا گیا ۔ ان پر گریہ کرنا اور آنسو بہانا حرام قرار دیا گیا ۔ اگر تاریخ سادات کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بہت سی سادانیاں اپنے بے گناہ مردوں کے شہید کر دیئے جانے کے بعد اپنے یتیم بچوں کو ساتھ لے کر جنگلوں میں ویرانوں میں ۔ پہاڑوں میں بھوک و پیاس کی شدتیں نبھا نبھا کر پیدل سفر کرنے کی تکلیفیں اٹھا اٹھا کر انتہائی غربت و کس مپرسی کی حالت میں دار فانی سے کوچ کر گئیں

خوف کا یہ عالم تھا کہ سادانیاں اپنے خورد سال بچوں کو گھر سے باہر قدم رکھنے سے روکتی تھیں اور بالفرض بچہ باہر جانے پر مُصر ہو جاتا ۔ تو مائیں بار بار سمجھایا کرتیں کہ دیکھو بیٹا اگر کوئی تم سے اپنا نسب پُوچھے تو یہ نہ کہنا کہ میں سیّد ہوں اور سادات نے ایسا ہی کرنا شروع کر دیا ۔ چنانچہ بہت سے سادات اپنے نسب کو چھُپانے میں اس قدر محتاط رویّہ اختیار کرتے تھے کہ اپنی بیوی تک کے سامنے اپنا سیّد ہونا ظاہر نہ کر سکتے تھے جس کی وجہ سے اولاد کو بھی اپنے سیّد ہونے کا علم نہ ہو سکتا تھا ۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ[1] بن زید لڑکی کی رحلت کے بعد یہی درد لے کر دنیا سے گئے کہ ہائے میری لڑکی کو مرتے دم تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ میں سیّد زادی ہوں اور علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد سے ہوں ۔

آجکل کی حالت بھی دیکھئے ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اس وقت حکومتِ وقت اور رعایا مل کر سادات کو پامال کرنے کی کوشش میں تھے اور اب حکومت کا رویّہ غیر جانبدارانہ ہے ورنہ اگر آج بھی حکومت کی طرف سے خوف نہ ہوتا تو کیا مجال تھی کہ آلِ محمدؐ کا اعلانیہ طور پر کوئی نام لیتا یا سادات اپنے بزرگوں کے مصائب کی یاد تازہ کرتے ؟

اہلِ اسلام کے علماء نے فتویٰ دے دیا تھا کہ امام حسینؑ کے مصائب سننے سے چونکہ بعض صحابہ کے متعلق بدظنی پیدا ہونے کا امکان ہے لہٰذا شریکِ مجلس ہونا ناجائز ہے ۔ بہرکیف خوف و ہراس میں جس قدر آلِ محمدؐ اور ان کے اتباع کو رکھا گیا ہے اس سے بڑھ کر واقع ہونا تو درکنار تصوّر کرنا بھی مشکل اور محال ہے ۔

(۲) دوسری آیت کی رُو سے بھی صاف ظاہر ہے کہ آلِ محمدؐ سے بڑھ کر کسی قوم کو کمزور کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ۔

پس ان آیاتِ مجیدہ کی تاویل سوائے قائم آلِ محمدؐ عج علیہ السلام اور ان کے انصار کے اور کسی کے متعلق ہرگز نہیں کی جاسکتی وہ منصوص من اللہ ہیں ۔ لہٰذا وہی خلیفۃ اللہ ہیں ۔ ان کی آمد کے بعد دینِ اسلام کی جُملہ کمزوریاں ختم ہو جائیں گی اور تمام باقی ادیان پر اس کو غلبہ حاصل ہو جائے گا ۔ وہ امام برحق اور وارثِ زمین ہیں ان کی تشریف آوری خوف کے بعد امن اور ضعف کے بعد طاقت کی حقیقی مصداق ہوگی ۔

بہرکیف قرآن مجید میں بہت کافی آیات موجود ہیں ۔ جن کی تاویل زمان مہدیؑ سے کی گئی ہے ۔ حدیث ۱۱۱ پر ایک طویل روایت میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے من جملہ اور سوالات کے ابوحنیفہ سے اس آیت مجیدہ کی تاویل

---

[1] امام زین العابدینؑ کے فرزند زید کا لڑکا گویا امام زین العابدینؑ کا پوتا تھا (مصنف)

بھی پوچھی تھی فَسِیْرُوْا فِیْھَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا آمِنِیْنَ۔ وہ تو خیر بتا ہی کیا کر سکتا تھا؟ اس کے چلے جانے کے بعد بعض حاضرین نے امام عالی مقام سے تاویل دریافت کی۔ تو فرمایا اس سے مراد زمان قائم آل محمدؑ علیہ السلام ہے

بحار الانوار جلد چہارم باب احتجاجات حضرت امیر المومنین علیہ السلام میں ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

لَوْ قَدْ قَامَ قَائِمُنَا لَاَنْزَلَتِ السَّمَاءُ قَطْرَهَا وَلَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ نَبَاتَهَا وَلَذَهَبَتِ الشَّحْنَاءُ مِنْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ وَاصْطَلَحَتِ السِّبَاعُ وَالْبَهَائِمُ حَتّٰی تَمْشِیَ الْمَرْاَۃُ مَا بَیْنَ الْعِرَاقِ اِلَی الشَّامِ لَا تَضَعُ قَدَمَیْهَا اِلَّا عَلَی النَّبَاتِ وَعَلٰی رَاْسِهَا زِیْنَتُهَا لَا یُهَیِّجُهَا سَبُعٌ وَلَا تَخَافُهُ

ہمارے قائمؑ کا دور شروع ہوگا تو آسمان سے باران رحمت برسے گی زمین اپنی انگوریاں اگائے گی اور لوگوں کے دلوں سے کینے چلے جائیں گے اور عام حیوانات اور درندے آپس میں اتفاق سے رہنے لگیں گے یہاں تک کہ ایک عورت (تنہا) عراق سے شام تک سفر کرے گی۔ تو پوری راہ میں اس کے قدم سبزہ زار پر ہی آئیں گے اور اس پر اسباب زینت بھی موجود ہوں گے لیکن کوئی درندہ۔ اسے دیکھ کر ہیجان میں نہ آئے گا اور نہ وہ خوفزدہ ہوگی۔

دعا برائے ظہور حضرت حجت عجل اللہ فرجہٗ علیہ السلام

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِیِّكَ الْحُجَّةِ بْنِ الْحَسَنِ صَلَوٰاتُكَ عَلَیْهِ وَعَلٰی آبَائِهٖ فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَفِیْ كُلِّ سَاعَةٍ وَلِیًّا وَّحَافِظًا وَّقَائِدًا وَّنَاصِرًا وَّدَلِیْلًا وَّعَیْنًا حَتّٰی تُسْكِنَهٗ اَرْضَكَ طَوْعًا وَّتُمَتِّعَهٗ فِیْهَا طَوِیْلًا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ وَّعَجِّلْ فَرَجَهُمْ وَسَهِّلْ مَخْرَجَهُمْ وَاَهْلِكْ اَعْدَائَهُمْ اَجْمَعِیْنَ

قرآن کا ظاہر و باطن

کتب عامہ اور خاصہ میں متواتر یا قریب متواتر احادیث وارد ہیں کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور باطن کا باطن یہاں تک کہ سات بواطن موجود ہیں۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں حلیۃ الاولیاء سے بروایت ابن مسعود نقل کیا ہے۔

اِنَّ الْقُرْاٰنَ نَزَلَ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ مَا مِنْهَا حَرْفٌ اِلَّا وَلَهٗ ظَهْرٌ وَّبَطْنٌ وَاِنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْطَالِبٍ عِنْدَهٗ مِنْهُ عِلْمُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ

قرآن سات قرأتوں یا سات قسموں میں اترا ہے اور ان میں ہر ایک کیلئے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور تحقیق علی بن ابیطالب کے پاس اس کے ظاہر و باطن دونوں کا علم ہے

مقدمہ تفسیر مراۃ الانوار اور مقدمہ تفسیر برہان میں مستقل الواب اسی موضوع پر قائم کئے گئے ہیں اور بہت کافی احادیث ان میں اسی موضوع سے متعلق جمع کی گئی ہیں۔

بعض روایات کا مضمون تو یہ ہے کہ جس طرح باطن کا باطن اور اسی طرح سلسلہ سات بواطن تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح قرآن کے ظاہر کا ظاہر اور اسی طرح کئی ظاہر در ظاہر چلے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ انسان کے عقل سے کوئی چیز اتنی دور نہیں جتنی کہ تفسیر قرآن یعنی باقی ہر شئے کا ادراک عقولِ انسانیہ کے ساتھ اگر کر بھی لیا جائے۔ تاہم تفسیر قرآن تک پھر بھی عقل کی رسائی مشکل ہے۔

بعض روایات میں ہے اِنَّ الْقُرْآنَ ذُلُولٌ ذُوْ وُجُوْہٍ فَاحْمِلُوْہُ عَلٰی اَحْسَنِ الْوُجُوْہِ یعنی قرآن میں ایک یہ آسانی ہے کہ اس کے معانی میں کئی وجوہ پیدا ہوسکتی ہیں پس اس کو اچھی جگہ پر محمول کرلیا کرو۔ (لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے قیاساتِ عقلیہ اور استحسانات فکریہ کے ماتحت جس کو پسند کرو لے لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ ادلہ شرعیہ جو احادیثِ نبویہ یا فرمائشاتِ عترتِ طاہرہ سے مستفاد ہوں۔ اگر کوئی معنی ان کے ساتھ موافقت رکھتا ہو تو اسے اختیار کرلیا کرو اور حقیقت میں معنی حسن بھی وہی ہے جو قواعد شرعیہ کی رُو سے حَسن ہو ورنہ اگر قواعد شرعیہ کے خلاف ہو اور تفہیم صاحبِ شریع کے موافق نہ ہو تو وہ قطعاً معنی حُسن نہیں کہا جاسکتا اور قرآن کے معانی میں کثرت احتمالات کا پیدا ہوسکنا اور ایک کا مراد ہونا بھی بتلاتا ہے کہ تنہا قرآن کافی نہیں بلکہ قرآن والا ساتھ ضروری ہونا چاہیے۔ جو اس معنی مقصود کی طرف ہماری رہنمائی کرسکے اور وہ ہیں آلِ محمدؐ جن کو حدیث ثقلین[1] نے غیر مبہم الفاظ میں واضح کیا ہے۔)

بروایت عیاشی منقول ہے کہ فضیل بن یسار نے حضرت صادق علیہ السلام سے ظاہر و باطن کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ظاہر سے مراد تنزیل اور باطن سے مراد تاویل ہے بعض ان میں سے گذر چکی ہیں اور بعض آنے والی ہیں۔

نیز عیاشی نے حضرت امام محمد علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے حمران کو فرمایا کہ ظاہر قرآن سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے حق میں نازل ہوا ہے اور باطن سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان جیسے اعمال کریں پس جو کچھ ان کے متعلق اترا ہے ان میں بھی جاری ہے۔

عن غیبۃ النعمانی عن الصادقؑ انہ قال فی حدیث لہ ذکر فیہ اِنَّ مَنْ مَاتَ عَارِفًا بِحَقِّ عَلِیٍّ دُوْنَ غَیْرِہٖ مِنَ الْاَئِمَّۃِ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً اِنَّ الْقُرْآنَ تَاوِیْلُہٗ یَجْرِیْ کَمَا یَجْرِی اللَّیْلُ وَالنَّھَارُ وَکَمَا تَجْرِی الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ فَاِذَا جَاءَ تَاوِیْلُ مِنْہُ وَقَعَ فِیْہِ مَا قَدْ جَآءَ

بروایت غیبت نعمانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے ایک حدیث میں جس میں یہ ذکر کیا کہ تحقیق جو شخص علیؑ کے حق کا عارف ہو کر مرے اور باقی آئمہ کو نہ پہچانتا ہو تو وہ گویا کفر کی موت مرا، فرمایا کہ قرآن کی تاویل اس طرح جاری ہے جس طرح دن اور رات جاری ہیں اور جس طرح سورج اور چاند جاری ہیں۔ پس جب تاویل آجاتی ہے تو وہ چیز واقع ہوجاتی ہے پس ان

[1] گذشتہ صفحات میں اس پر کافی روشنی ڈالی جاچکی ہے (مصنف)

مِنۡہُ مَا لَمۡ یَجِیٔ میں سے کچھ آچکی ہیں اور کچھ باقی ہیں ابھی نہیں آئیں۔

اس مضمون کی روایات اور بھی ہیں۔ جن میں تاویل قرآن کے جاری ہونے کو دن رات اور شمس و قمر کے جاری ہونے سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ یعنی تاویل صرف ایک جگہ ساکن نہیں۔ اس سے پہلے کی تفسیر عیاشی کی ہر دو روایات بھی اسی بات کی تصریح کر رہی ہیں۔ یعنی شان نزول ہر آیت کا ایک ہی واقعہ کے متعلق یا ایک یا چند اشخاص کے متعلق ہی ہوا کرتا ہے۔ وہ بے شک اپنے مقام پر ساکن ہے لیکن تاویلِ آیات تمام ان لوگوں پر حاوی اور شامل ہوتی ہے۔ جن سے ان جیسے افعال صادر ہوں۔ جن سے تنزیل کا تعلق تھا اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ کیونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے ہے۔ جس طرح شب و روز اور شمس و قمر کا ایک جگہ قیام نہیں بلکہ قیامت تک جاری ہیں۔

بنابریں جو آیات ظاہر اور تنزیل کے لحاظ سے جناب محمدؐ مصطفےٰ اور حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام سے تعلق رکھتی ہیں وہ باطن اور تاویل کے اعتبار سے ان کے حقیقی جانشین حضرات آئمہ طاہرین علیہم السّلام سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ یکے بعد دیگرے قیامت تک ان آیات کے تاویلاً مصداق ہیں جس طرح کہ وہ تنزیلاً ان آیات کے مصداق تھے۔ ظاہر اُن کے لئے تھا اور باطن اِن کے لئے ہے تاقیامت۔

پس جس طرح جناب رسالتمآبؐ کا منکر ظاہر و تنزیل کے اعتبار سے جس حکم میں ہے اسی طرح باطن اور تاویل کے لحاظ سے ان کا منکر اسی حکم میں ہے۔ پس جس طرح ظاہری اور تنزیلی طور پر علیؑ کی امامت و ولایت کا منکر ان آیاتِ قرآنیہ کا منکر ہے جو علیؑ کی امامت پہ دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا اس کی موت کفر و جہالت کی موت ہے اسی طرح باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام کی امامت کا منکر تاویلی اور باطنی طور پہ انہی آیاتِ قرآنیہ کا منکر ہوگا۔ پس اس کی موت بھی موتِ جہالت و کفر ہوگی۔

بلکہ ظاہر و تنزیل کے لحاظ سے منکرینِ رسالت کا جو بھی حشر ہوگا ان کے بعد حضرت علیؑ اور پھر یکے بعد دیگرے تاقیامت ہر امام برحق کی امامت کے منکر کا حشر از روئے تاویل و باطن وہی ہوگا۔

دن رات اور شمس و قمر کے ساتھ تشبیہہ دینے کا یہی مطلب ہے کہ جب پہلی مرتبہ دن کو دن کہا گیا اور اس کے اوقات کی تقسیم صبح دوپہر ظہر و عصر سے کی گئی یا اس کے دوسرے احکام وضع کئے گئے تو ایک معین دن تھا اور اسی طرح جب رات کو رات کہا گیا اور دیگر اوقات کی تقسیم و احکام کی تعیین کی گئی تو وہ ایک مخصوص رات تھی۔ لیکن وہ نام اور باقی تعینات و تخصیصات قیامت تک کے لئے تمام شب و روز پر حاوی ہیں۔ پس فرق صرف یہی ہے کہ وہ پہلے شب و روز ظاہری مصداق تھے اور قیامت تک کے شب و روز باطنی مصداق ہیں۔ پس فرد اوّل ان احکام کا محل تنزیل تھا اور قیامت تک کے باقی افراد محل تاویل ہیں اور شمس و قمر کی تشبیہہ سے بھی بعینہٖ یہی مراد ہے۔

اب معصوم کے فرمان کی پوری وضاحت ہوگئی کہ قرآن کی تاویل شب و روز اور شمس و قمر کی طرح قیامت تک جاری

ہے تنزیلی اور تاویلی مصداق حکم میں بالکل برابر ہوا کرتے ہیں۔ جس طرح پہلے لیل و نہار قیامت تک کے لیل و نہار کے ساتھ حکم میں یکساں ہیں۔ سرمو تک فرق نہیں۔

چنانچہ بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ

وَلَوْ كَانَتْ إِذَا نَزَلَتْ آيَةٌ عَلَى رَجُلٍ ثُمَّ مَاتَ ذَالِكَ الرَّجُلُ مَاتَتِ الْآيَةُ لَمَاتَ الْكِتَابُ وَلَكِنَّهُ حَيٌّ يَجْرِي فِيمَا بَقِيَ كَمَا جَرَى فِيمَنْ مَضَى۔

اگر ایسا ہوتا کہ جب ایک آیت ایک شخص کے متعلق اتری اور وہ شخص بعد میں مر گیا تو اس کے ساتھ وہ آیت بھی مردہ ہو گئی ہوتی تو اس طریق سے تو پھر سب کتاب مردہ ہو گئی ہوتی حالانکہ وہ زندہ ہے اور آئندہ کیلئے اسی طرح جاری ہے جس طرح گذشتہ لوگوں کے لئے جاری تھی۔

وعن عبدالرحيم قال ابوعبدالله إِنَّ الْقُرْآنَ حَيٌّ لَمْ يَمُتْ وَإِنَّهُ يَجْرِي كَمَا يَجْرِي اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَكَمَا تَجْرِي الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَيَجْرِي عَلَى آخِرِنَا كَمَا يَجْرِي عَلَى أَوَّلِنَا

بروایت عبدالرحیم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تحقیق قرآن زندہ ہے مرا نہیں گیا اور وہ اس طرح جاری ہے جس طرح لیل و نہار اور شمس و قمر جاری ہیں اور یہ ہمارے آخر پر ویسے جاری ہے۔ جیسے ہمارے اول پر جاری تھا۔

عن تفسير فرات بن ابراهيم عن خيثمة عن ابي جعفرؑ قال إِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ أَثْلَاثًا ثُلُثٌ فِينَا وَفِي أَحِبَّائِنَا وَثُلُثٌ فِي أَعْدَائِنَا وَعَدُوِّ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا وَثُلُثٌ سُنَّةٌ وَمَثَلٌ وَلَوْ أَنَّ الْآيَةَ إِذَا نَزَلَتْ فِي قَوْمٍ ثُمَّ مَاتَ أُولَئِكَ مَاتَتِ الْآيَةُ لَمَا بَقِيَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ وَلَكِنَّ الْقُرْآنَ يَجْرِي أَوَّلُهُ عَلَى آخِرِهِ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَلِكُلِّ قَوْمٍ آيَةٌ يَتْلُونَهَا هُمْ مِنْهَا مِنْ خَيْرٍ أَوْ شَرٍّ

تفسیر فرات بن ابراہیم سے بروایت خیثمہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ قرآن تین حصوں پر اترا ہے ایک حصہ ہمارے اور ہمارے دوستوں کے بارے میں ہے اور ایک حصہ ہمارے دشمنوں اور ہمارے گذشتہ بزرگوں کے دشمنوں کے حق میں ہے اور ایک حصہ سنت اور امثال میں ہے (اگر ایسا ہوتا) کہ جب کوئی آیت کسی قوم کے متعلق نازل ہوتی اور پھر اس قوم کی موت کے بعد وہ آیت بھی مردہ ہو جاتی تو اس وقت تک قرآن باقی نہ رہا ہوتا۔ (لیکن ایسا نہیں) بلکہ قرآن کا اول آخر پر جاری رہے گا جبتک آسمان و زمین باقی ہیں اور ہر قوم کے لئے آیت موجود ہے کہ وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں یا وہ اس آیت سے خیر کے مصداق ہیں یا شر کے۔

عن تفسير العياشي عن عبدالرحيم القصير عن ابي جعفر انّه قال في انّما وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ عليٌّ الهَادِي وَمِنَّا الْهَادِي فَقُلْتُ فَأَنْتَ جُعِلْتُ فِدَاكَ الْهَادِي؟ قَالَ صَدَقْتَ إِنَّ الْقُرْآنَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَالْآيَةُ حَيَّةٌ لَا تَمُوتُ

تفسیر عیاشی سے بروایت عبدالرحیم قصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان (وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ) کے متعلق فرمایا کہ علیؑ ہادی ہے اور ہم میں سے ہادی (مراد) ہے میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہو جاؤں کیا آپ وہی ہادی ہیں؟ تو فرمایا (بالکل) تو نے سچ کہا کیونکہ قرآن زندہ ہے مردہ نہیں اور یہ آیت بھی زندہ ہے مردہ نہیں (اگر

فَلَوْ كَانَتِ الْآيَةُ إِذَا نَزَلَتْ فِي الْأَقْوَامِ وَمَاتُوا مَاتَتِ الْآيَةُ لَمَاتَ الْقُرْآنُ وَلٰكِنْ هِيَ جَارِيَةٌ فِي الْبَاقِينَ كَمَا جَرَتْ فِي الْمَاضِينَ

ایسا ہوتا کہ ایک آیت جن قوموں کے بارے میں نازل ہوتی اگر ان کے مرجانے کے بعد وہ آیت بھی مردہ ہو جاتی تو (اس طرح) پھر سارا قرآن مردہ ہو جاتا لیکن ایسا نہیں بلکہ وہ آئندہ نسلوں میں ویسے جاری ہے جیسے گذشتہ لوگوں میں جاری تھا

پہلی روایات قرآن کے ظاہر و باطن کے متعلق مقام ثبوت و بیان اثنیت پر مشتمل تھیں اور آخری روایات مقام اثبات اور بیان لمّیت کے لئے ہیں۔ یعنی وہ روایات بطور دعویٰ تھیں اور یہ روایات بطور دلیل ہیں۔

یعنی اگر معانیٔ قرآنیہ کو فقط ظاہری اور تنزیلی مصادیق پر بند رکھا جائے اور اس کی تاویل کو جاری نہ سمجھا جائے تو اس کا صاف یہ مطلب ہوگا کہ قرآنی ہدایات کے چشمے فقط زمانِ تنزیل تک ہی تھے گویا جناب رسالتمآبؐ کی رحلت اور اختتام وحی کے بعد وہ چشمے بالکل خشک ہوگئے اور قرآن کی معنوی زندگی ختم ہوگئی لیکن چونکہ باتفاق امتِ اسلامیہ قرآن قیامت تک زندہ ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ اس کے مصداق اہلِ خیر سے ہوں یا اہلِ شر سے ہوں قیام قیامت تک زندہ ہیں۔ اور قرآنی احکامات و خطابات میں گذشتہ لوگوں کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

اب قرآن مجید میں عام طور پر تین قسموں کے مضمون وارد ہیں۔

۱۔ ابتدائے تخلیق حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت ختم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور تک کے انبیاءؑ صالحین اور ان کے اتباع کے تذکرے اور ان کی اوصافِ حمیدہ کا ذکر تاکہ قیامت تک آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ قرار دیئے جائیں۔

۲۔ دشمنانِ دین اعدائے انبیاء و صالحین اور ان کے پیروکاروں کے واقعات اور ان کی برائیاں اور ان کے عبرتناک انجام کا ذکر تاکہ قیامت کے لئے باعثِ نصیحت و عبرت ہوں۔

۳۔ اوامر ونواہی و ضرب الامثال و جنت و نار وغیرہ کا ذکر تاکہ نیک لوگوں کے انعامات اور بُروں کی عقوبات سے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کے بعد خوشنودیٔ خدا کی تحصیل اور غضبِ خدا سے اجتناب کے لئے قیامت تک کی آنے والی نسلوں کو طریق عمل اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کا پتہ چل سکے اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے جنت کی راہ لیں یا دوزخ کا راستہ اختیار کریں۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ یعنی دین میں کوئی مجبوری اور زبردستی نہیں۔ ہدایت اور گمراہی (دونوں کے رستے) واضح ہو چکے ہیں۔

اب تنزیل کے طور پر آیاتِ قرآنیہ کے جو اقسام ہیں۔ تاویل کے اعتبار سے بھی ویسے ہی اقسام ہوں گے۔

پس جہاں تنزیل کے آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک تمام خاصانِ خدا۔ آیاتِ قرآنیہ کے ظاہری مصداق تھے۔ وہاں قیامت تک کے لئے حضرت رسالتمآبؐ کے حقیقی جانشین اور ان کے اتباع و اشیاع باطنی طور پر انہی آیاتِ قرآنیہ کے مصداق ہیں۔ اور جہاں ابتداء سے لے کر جناب رسالتمآبؐ کے دور تک کے سب دشمنانِ خدا و انبیاء و صالحین۔ جن جن آیاتِ قرآنیہ کے

ظاہری مصداق تھے ۔ وہاں تاویلی طور پہ قیامت تک کے تمام اعدائے دین اور دشمنانِ آئمہ ظاہر ہیں باطنی مصداق مقصود ہیں ۔

بنا بریں جن آیات کا تنزیلی مصداق حضرت علیؑ ہے ان کا تاویلی و باطنی مصداق ہر زمانہ کا امام ہے اسی لئے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے عبدالرحیم قصیر کے جواب میں ولکل قوم ھاد کا مصداق ہر زمانہ کے امام کو قرار دیا ۔ حالانکہ تنزیلی کے اعتبار سے اس کے مصداق صرف حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام ہی تھے اور آپ نے یہی استدلال فرمایا کہ قرآن قیامت تک زندہ ہے لہٰذا اس کے مصداق بھی قیامت تک زندہ رہیں گے ۔

پس بنا بریں انبیاء کی تاویل آئمہ ہیں اور تمام اعدائے دین کی تاویل ان کے دشمن ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ باقی ہے اس تحقیقی بیان سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ آدمؑ کے علم کا جوہر ۔ نوحؑ کی خشیت کا مظہر ۔ ابراہیمؑ کی خلت کا نقشہ یوسفؑ کے جمال کا جلوہ ۔ ایوبؑ کا صبر و رضا ۔ عیسیٰؑ کا زہد و تقویٰ ۔ موسیٰؑ کی ہیبت و جلال اور حضرت **محمد مصطفےٰ** کا حسب و کمال بلکہ تمام انبیاء کی حمیدہ خصال کو اگر دیکھنا چاہو تو علیؑ کے چہرہ کی زیارت کرو ۔ (یہ ہیں مرقع خصال انبیاء)

عن البحار ۔ قال رسول اللہؐ فی حدیث طویل یا انس ۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلیٰ آدَمَ فِیْ عِلْمِہٖ وَ اِلیٰ اِبْرَاھِیْمَ فِیْ وَقَارِہٖ وَ اِلیٰ سُلَیْمَانَ فِیْ قَضَائِہٖ وَ اِلیٰ یَحْیٰی فِیْ زُھْدِہٖ وَ اِلیٰ اَیُّوْبَ فِیْ صَبْرِہٖ وَ اِلیٰ اِسْمَاعِیْلَ فِیْ صِدْقِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِلیٰ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِب ۔

بحارالانوار سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ایک حدیث طویل میں فرمایا ۔ اے انس ۔ جو شخص چاہے کہ میں حضرت آدم کو علم میں ابراہیم کو وقار میں سلیمان کو اپنے فیصلوں میں ۔ یحییٰ کو اپنے زہد میں ۔ ایوب کو اپنے صبر میں ۔ اور اسماعیل کو اپنے صدق میں دیکھوں تو وہ علیؑ بن ابی طالب کی طرف دیکھے ۔

جب احادیثِ سابقہ سے تنزیل اور تاویل ۔ ظاہر اور باطن کے معنی کی وضاحت ہو چکی تو اس حدیث کی تطبیق بالکل آسان ہے کیونکہ جہاں قرآن مجید میں انبیائے سابقینؑ کے جن جن اوصافِ حسنہ اور خصالِ حمیدہ کا تذکرہ ہے تو وہ ظاہر اور تنزیل کے اعتبار سے ان کے مصداق تھے لیکن چونکہ آیاتِ قرآنیہ قیامت تک زندہ ہیں اگر ان کے مصداق ان انبیاء تک ہی محدود کر دیئے جائیں تو وہ آیاتِ قرآنیہ ہمیشگی کی زندگی سے قطعاً محروم ہو جائیں گی تو اس کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ قرآن مجید کل کا کل قیامت تک کے لئے زندہ و ہادی و حجت نہیں ۔ تو ماننا پڑے گا کہ انبیائے سابقین کے اوصاف و کمالات کے حاملین بھی قیامت تک زندہ اور باقی ہیں اور باطنی رنگ میں وہ انہی آیاتِ مجیدہ کے مصداق ہیں ۔

اپنے دور میں جناب رسالتمآبؐ ان تمام خصالِ حمیدہ کا مجسمہ تھے اور ان کے بعد حضرت امیرالمؤمنینؑ کی ذات تمام خصالِ انبیاء کا خزینہ تھی اور ان ہی تک محدود نہیں ۔ بلکہ ہر زمان میں نسلاً بعد نسلٍ ہر زمانہ میں حجتِ خدا پیکرِ خصالِ انبیاء تھا اور سب کے آخر میں حضرت ولی العصر صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ علیہ و علیٰ آباءہ السلام ان تمام اوصاف و کمالاتِ انبیاء و سابقینؑ کے جامع ہیں اور اسی ہی شان و شوکت سے ظہورِ جلال فرما کر دنیا کو صلح و آشتی سے پر کریں گے اور فتن و فسادات کا

قلع قمع کریں گے۔

اس مطلب کی مزید وضاحت حضرت آئمہ طاہرین علیہم السلام کی زبان حق ترجمان سے سنیئے۔

(۱) عن امیرالمومنینؑ - نَحْنُ اَهْلُ الْبَيْتِ لَا يُقَاسُ بِنَا اَحَدٌ فِيْنَا نَزَلَ الْقُرْآنُ وَفِيْنَا مَعْدِنُ الرِّسَالَةِ

حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ ہم اہلبیت کے ساتھ کسی کو برابر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن ہمارے متعلق اترا ہے اور رسالت کی کان ہم میں ہے۔

(۲) روی الکلینی باسنادہ عن ابی بصیر قال قال الصادق علیہ السلام یَا اَبَا مُحَمَّدٍ مَا مِنْ آيَةٍ تَقُوْدُ اِلَى الْجَنَّةِ وَلَا يَذْكُرُ اَهْلَهَا بِخَيْرٍ اِلَّا وَهِيَ فِيْنَا وَفِيْ شِيْعَتِنَا وَمَا مِنْ آيَةٍ نَزَلَتْ يَذْكُرُ اَهْلَهَا بِشَرٍّ وَلَا تَسُوْقُ اِلَى النَّارِ اِلَّا وَهِيَ فِيْ عَدُوِّنَا وَمَنْ خَالَفَنَا -

کلینی نے باسناد خود ابوبصیر سے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابومحمد، جس قدر آیات جنت کی دعوت دیتی ہیں اور ان کے اہل کا ذکر خیر سے کیا گیا ہے وہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے حق میں ہیں اور جس قدر آیات ہیں ان کے اہل کا ذکر برائی سے کیا گیا ہے اور وہ جہنم کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ وہ ہمارے دشمنوں اور مخالفوں کے حق میں ہیں

(۳) عن العیاشی عن محمد بن مسلم عن ابی جعفرؑ قال یا محمد اِذَا سَمِعْتَ اللّٰهَ يَذْكُرُ قَوْمًا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بِخَيْرٍ - فَنَحْنُ هُمْ وَاِذَا سَمِعْتَ اللّٰهَ ذَكَرَ قَوْمًا بِسُوْءٍ مِمَّا مَضٰى فَهُمْ عَدُوُّنَا -

بروایت تفسیر عیاشی - محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا، اے محمد! جہاں سنو کہ اللہ نے اس امت میں سے کسی قوم کا ذکر خیر کیا ہے (پس جان لو) کہ مراد ہم ہیں اور جب سنو کہ اللہ نے کسی بھی قوم کا ذکر بدی سے کیا ہے جو گذر چکی ہیں (تو جان لو کہ) وہ ہمارے دشمن ہیں۔

(۴) عن امیرالمؤمنینؑ فی حدیث، لہ طویل ذکر فیہ صفات الامام اِنَّ هٰذِهِ كُلَّهَا لِآلِ مُحَمَّدٍ لَا يُشَارِكُهُمْ فِيْهَا مُشَارِكٌ لِاَنَّهُمْ مَعْدِنُ التنزیل ومعنی التاویل - الخبر

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے جس میں آپ نے صفاتِ امام کا تذکرہ کیا۔ فرمایا تحقیق یہ سب صفات آلِ محمد کی ہیں۔ ان میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ کیونکہ یہ تنزیل کی کان اور تاویل کا مقصد ہیں۔ الخبر

(۵) فی مناقب بن شہر آشوب ان معاویۃ قال لابن عباس اِنَّا كَتَبْنَا فِي الْآفَاقِ نَنْهٰى عَنْ ذِكْرِ مَنَاقِبِ عَلِيٍّ فَكُفَّ لِسَانَكَ عَنْهَا قَالَ اَفَتَنْهَانَا عَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ قَالَ لَا قَالَ اَفَتَنْهَانَا عَنْ تَاْوِيْلِهِ ؟ قَالَ نَعَمْ - قَالَ اَفَنَقْرَاُهُ وَلَا نَسْئَلُ قَالَ سَلْ عَنْ غَيْرِ اَهْلِ بَيْتِكَ

مناقب بن شہر آشوب میں ہے کہ معاویہ نے ابن عباس کو کہا کہ ہم نے اطراف مملکت میں حکمنامہ جاری کر دیا ہے کہ علیؑ کے فضائل کا ذکر نہ کیا جائے۔ پس تم بھی اپنی زبان کو اس سے روک لو۔ ابن عباس نے کہا کہ تو ہمیں قرآن پڑھنے سے روکتا ہے؟ کہا نہیں (ابن عباس) نے کہا۔ کہ کیا تو ہمیں اس کی تاویل سے روکتا ہے؟ کہا ہاں (ابن عباس) نے کہا کہ کیا ہم قرآن کو پڑھیں اور اس کے متعلق سوال نہ کریں؟ کہا

قال إِنَّهُ مُنَزَّلٌ عَلَيْنَا أَفَنَسْئَلُ غَيْرَنَا؟ الخبر

کہ سوال کرو لیکن اہلبیتؑ کے غیر سے سوال کرو (ابن عباس نے کہا کہ آیا ہم پر ہے اور پوچھیں غیر سے؟

(۶) عن الاحتجاج عن الباقرؑ قال قال النبیؐ فی خطبة یوم الغدیر مَعَاشِرَ النَّاسِ! هٰذَا عَلِيٌّ أَحَقُّكُمْ بِي وَأَقْرَبُكُمْ إِلَيَّ - وَاللّٰهُ وَأَنَا عَنْهُ رَاضِيَانِ - وَمَا نَزَلَتْ آيَةُ رِضًى إِلَّا فِيهِ وَمَا خَاطَبَ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَّا بَدَءَ بِهِ وَلَا نَزَلَتْ آيَةُ مَدْحٍ فِي الْقُرْآنِ إِلَّا فِيهِ مَعَاشِرَ النَّاسِ! إِنَّ فَضَائِلَ عَلِيٍّ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَدْ أَنْزَلَهَا عَلَيَّ فِي الْقُرْآنِ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ أُحْصِيَهَا فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ فَمَنْ نَبَّأَكُمْ بِهَا وَعَرَفَهَا فَصَدِّقُوهُ

بروایت احتجاج حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے خطبہ غدیر میں ارشاد فرمایا اے لوگو! یہ علیؑ تمہاری بہ نسبت میرے حقوق کا زیادہ حقدار ہے اور میرے زیادہ قریب ہے اللہ اور میں اس سے دونوں راضی ہیں خوشنودیٔ خدا کی جو آیت بھی اُتری ہے اسی کے حق میں ہے اور جس مقام پر بھی خدا نے ایمان والوں کا ذکر کیا ہے اس کا پہلا نمبر ہے قرآن میں کوئی تعریف کی آیت نہیں اُتری مگر اس کے حق میں۔ اے لوگو! تحقیق علیؑ کے فضائل جو اللہ نے قرآن مجید میں میرے اُوپر نازل کئے ہیں وہ ایک جگہ پر شمار کرنے میں نہیں آسکتے پس جو شخص تمہیں اُن کی خبر دے اور ان کو پہچانتا ہو پس اس کی تصدیق کرلو۔

(۷) فی توحید الصدوق وغیرہ باسانید قال الصادقؑ مَا مِنْ آيَةٍ فِي الْقُرْآنِ أَوَّلُهَا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِلَّا وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ أَمِيرُهَا وَقَائِدُهَا وَشَرِيفُهَا وَأَوَّلُهَا

توحید صدوق و دیگر کتب سے باسانید منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ کوئی آیت ایسی نہیں جس کے اوّل میں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ہو مگر علیؑ بن ابیطالب اس کا امیر و قائد و شریف و اوّل ہے۔

ان روایات کے علاوہ اور بھی اسی مضمون کی روایات بکثرت وارد ہیں۔ جن میں سے بعض ضمنی طور پر اپنے مناسب مقامات پر إن شاء الله مذکور ہوں گی۔

بہرکیف قرآن قیامت تک زندہ ہے مردہ نہیں۔ لہٰذا اس کی آیات کے مصادیق بھی خواہ نیکوں سے ہوں یا بُروں سے ہوں۔ قیامت تک آتے رہیں گے۔

مطلب کی تائید کے لئے دستور قرآنی ملاحظہ فرمائیے۔ خداوند کریم نے جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ کے بنی اسرائیل کی طرف بہت سے کاموں کی نسبت دی حالانکہ وہ کام ان سے سرزد نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً فرمایا۔ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ أَنْبِيَاءَ اللّٰهِ تم نے نبیوں کو کیوں قتل کیا۔ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ۔ تمہارے دل سخت ہوگئے۔ نَجَّيْنَاكُمْ ہم نے تم کو نجات دی۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ لیکن جن لوگوں نے یہ سب کام کئے تھے حالانکہ ایک ہزار سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ ان کو گذر چکا تھا۔ یہ لوگ ان کے کاموں کو بُری نگاہ سے نہ دیکھتے تھے بلکہ راضی تھے پس ان کو بھی ان جیسا قرار دیا گیا۔ مَنْ رَضِيَ بِفِعْلِ قَوْمٍ

فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو جس قوم کے فعل پر راضی ہے وہ گویا انہی سے ہے۔

پس ان آیات کے حقیقی مصداق وہ لوگ تھے جو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تھے لیکن ان کو انہی جیسا قرار دے کر مصداق آیات بنایا گیا ہے۔

لہذا گذشتہ لوگوں کے اعمال بد پر راضی ہونے والے یا ان کے افعال کو اپنانے والے اگر ان ہی کے درجہ میں شریک اور ان جیسے ہیں تو گذشتہ لوگوں کے افعال حسنہ اور اعمال صالحہ میں ان کے ساتھ شرکت کرنے والے کیوں نہ ان کے صفات وخطابات کے مستحق ہوں گے؟

فِی الْبُرْهَانِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِنَّ فِیْكُمْ مَنْ یُّقَاتِلُ عَلٰی تَاْوِیْلِ الْقُرْاٰنِ كَمَا قَاتَلْتُ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ وَهُوَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ

برہان میں ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تحقیق تم میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو تاویل قرآن کے ماتحت جہاد کرے گا۔ جیسا کہ میں نے تنزیل کے ماتحت کیا ہے اور وہ حضرت علی بن ابی طالبؑ ہے۔

پس اس روایت سے بھی بروز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے مقابلہ میں لڑنے والوں کی تنزیل قرآن اور ظاہر قرآن کے اعتبار سے جو پوزیشن ہے۔ اسی طرح حضرت امیرالمومنینؑ اور ان کے مقابلہ میں آنے والوں کی وہی پوزیشن ہے۔

جن خطابات قرآنیہ کے ظاہر و تنزیل کے لحاظ سے وہ حقدار تھے۔ بعینہ انہی خطابات کے بلحاظ باطن حقیقت میں مصداق آیات الٰہیہ ہوئے ہیں جناب رسالتمآبؐ اور حضرت امیرالمومنینؑ کے درمیان ظاہر و باطن یا تنزیل و تاویل کا فرق ہے یعنی آنحضورؐ ظاہری اور تنزیلی مصداق تھے اور یہ باطنی اور تاویلی مصداق ہیں۔ اس طرح اُن کے دشمنوں کو خطابات قرآنیہ سے جو ظاہراً حیثیت تھی۔ اِن کے دشمنوں کو باطناً وہی حیثیت حاصل ہے۔ اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرینؑ اور اُن کے ہر دور میں دشمنوں کے درمیان خطابات قرآنیہ کی تقسیم بعینہٖ اسی طرح ہے۔ جیسا کہ اس باب کی گذشتہ احادیث میں بیان ہو چکا ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

قرآن سے شیعہ کا تمسّک

اس عنوان کے تحت میں صرف یہی بیان کرنا ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کا قرآن سے کیا ربط ہے اور ان کا قرآن پر ایمان کس قدر راسخ ہے اور ان کے خلاف کہنے والے کس قدر ان پر بہتان تراشی کرتے ہیں۔

تصریحات علمائے شیعہ

(۱) ابن بابویه فی الاعتقادات - اعتقادنا فی الفرقان انه کلام الله ووحیه و تنزیله وقوله وکتابه وانه لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه تنزیل من حکیم علیم وانه القصص الحق وانه لقول فصل وما هو بالهزل وان الله تبارک وتعالی محدثه ومنزله وربه وحافظه والمتکلم به اعتقادنا - ان القرآن الذی انزله الله تعالی علی نبیه محمد هو ما بین الدفتین وهو ما فی ایدی الناس لیس باکثر من ذلک و مبلغ سوره عند الناس مأة واربع عشرة سورة وعندنا ان الضحی والم نشرح سورة واحدة ولایلاف والم ترکیف سورة واحدة ومن نسب الینا انا نقول انه اکثر من ذلک فهو کاذب -

شیخ ابن بابویہؒ نے رسالۂ اعتقادات میں تحریر فرمایا ہے۔ ہمارا اعتقاد قرآن کے متعلق یہ ہے کہ یہ اللہ کا کلام اور اس کی معرفت کا ذریعہ اس کی تنزیل۔ اس کا قول اور اس کی کتاب ہے اس کے پاس آگے اور پیچھے سے باطل نہیں آسکتا۔ یہ علیم وحکیم کی نازل کردہ کتاب اور تحقیق یہ بیان حق ہے اور بے شک یہ قول فصل ہے مسخری و مزاح نہیں اور تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا پیدا کرنے والا نازل کرنے والا اور محافظ ونگہبان اور کلام کرنے والا ہے۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ تحقیق قرآن جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفٰے پر نازل کیا وہ وہی ہے جو ان دو تختیوں کے درمیان ہے اور وہی ہے جو عام لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے کچھ بھی زیادہ نہیں اور اس کی سورتوں کی تعداد لوگوں کے نزدیک ایک سو چودہ ہے۔ اور ہمارے نزدیک الضحیٰ اور الم نشرح ایک سورہ شمار ہوتی ہے۔ اور لایلاف اور الم ترکیف دونو ایک سورۃ کے شمار میں ہیں۔ اور جو لوگ ہماری طرف اس سے زیادہ نسبت دیتے ہیں پس وہ جھوٹے ہیں۔

(۲) المجلسی فی الاعتقادات - یجب ان یومن بحقیقة القرآن وما فیه مجملا وکونه منزلا من الله تعالی وکونه معجزا وانکاره والاستخفاف به کفر وکذا فعل ما یستلزم الاستخفاف به کحرفته من غیر ضرورة والقائه فی القاذورات -

علامہ مجلسیؒ رسالہ اعتقادات میں فرماتے ہیں۔ قرآن کی حقیقت پر ہمارے نزدیک ایمان لانا واجب ہے اور اسمیں جو کچھ موجود ہے (خواہ تفصیل معلوم نہ ہو) اس پر اور اس کے منزل من اللہ ہونے پر اور اس کے معجز ہونے پر ایمان لانا ہمارے نزدیک واجب ہے اس کا انکار اور توہین ہمارے نزدیک کفر ہے اسی طرح ہر وہ کام جس سے قرآن کی توہین لازم آئے مثلاً اس کو بلا ضرورت رقم کمانے کے لئے پیشہ بنانا یا نجس جگہ میں ڈالنا حرام ہے کفر ہے)

(۳) المرتضی - ان العلم بصحة نقل القرآن کالعلم بالبلدان والحوادث الکبار والوقائع

سید مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ ہمیں قرآن مجید کے صحیح منقول ہونے کا ایسے علم ہے جیسے دور کے بڑے شہروں اور بڑے حادثوں اور

العظام والکتب المشهورۃ و اشعار العرب المسطورۃ

عظیم یادگاروں اور مشہور کتابوں اور جاہل عرب کے شعروں کے صحیح نقل ہونے کا علم ہے۔

۴۔ الطبرسی۔ فی مجمع البیان۔ قال فاما الزیادۃ فیہ فمجمعٌ علی بطلانہ واما النقصان منہ فقط روی جماعۃ من اصحابنا وقوم من حشویۃ العامۃ ان فی القرآن تغییرا ونقصانا والصحیح من مذہب اصحابنا خلافہ

علامہ طبرسی مجمع البیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں زیادتی کا قول باطل ہے (اجماعاً) البتہ کمی کے متعلق ہمارے اصحاب کی ایک جماعت اور سنیوں میں سے بھی بعض لوگوں نے قرآن میں تغیر اور نقصان کا قول کیا ہے۔ لیکن ہمارے شیعہ علمائے کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے (کوئی کمی نہیں ہے جس طرح کوئی زیادتی نہیں)

یہ سب فرمائشات اکابر علمائے مذہب شیعہ کی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہی موجودہ قرآن جو شرق سے لے کر غرب تک اور جنوب سے شمال تک شائع اور عام ہے جس سے اسلام کا بچہ بچہ واقف ہے۔ یہی قرآن کلام خدا ہے اور جناب محمد مصطفٰے پر اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ اس کی آیات میں سے ایک چھوٹی سی آیت کا انکار کرنا بلکہ ایک حرف کا انکار کرنا بھی کفر ہے اور اس کے کسی فیصلے کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ اسی طرح اس کی توہین یا ہر وہ فعل جس سے اس کی توہین لازم آئے وہ بھی کفر ہے۔

علمائے اسلام زمانِ آئمہ طاہرین سے لے کر دورِ حاضر تک قرآن کی خدمت اور اس کی تبلیغ و ترویج کو اپنا دین سمجھتے رہے ہیں اور رہیں گے چنانچہ ابتدائی عنوانات میں قرآن مجید کے جو فضائل کتب امامیہ سے میں نے نقل کئے ہیں۔ وہ علمائے امامیہ کی مفصل کتب میں جمع شدہ احادیث کے مقابلہ میں ایسے ہیں۔ جیسے بحر زخار کے مقابلہ میں ایک قطرۂ آب شیعہ مذہب میں قرآن ہی رُوحِ ایمان ہے۔ اگر کتب امامیہ سے قرآن۔ قاری قرآن۔ سامع قرآن۔ حامل قرآن۔ عالم قرآن متعلّم قرآن۔ حافظ قرآن اور کاتب قرآن وغیرہ کے تمام ذکر شدہ فضائل کو جمع کیا جائے تو بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب میں سمانا بھی مشکل ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام فیصلہ تحکیم کے بعد ایک طویل خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ چنانچہ نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۱ میں ارشاد ہے۔

اِنَّا لَمْ نُحَکِّمِ الرِّجَالَ وَاِنَّمَا حَکَّمْنَا الْقُرْاٰنَ وَھٰذَا الْقُرْاٰنُ اِنَّمَا ھُوَ خَطٌّ مَسْتُوْرٌ بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ لَا یَنْطِقُ بِلِسَانٍ وَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْ تَرْجُمَانٍ وَاِنَّمَا یَنْطِقُ عَنْهُ الرِّجَالُ وَلَمَّا دَعَانَا الْقَوْمُ اِلٰی اَنْ یُّحَکِّمَ بَیْنَنَا الْقُرْاٰنُ لَمْ نَکُنِ الْفَرِیْقَ الْمُتَوَلِّیْ عَنْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَقَدْ قَالَ

ہم نے لوگوں کو حاکم نہیں بنایا۔ بلکہ ہم نے تو قرآن کو ہی حاکم قرار دیا تھا اور یہ قرآن سوائے اس کے نہیں کہ دو تختیوں کے درمیان محفوظ خط ہے وہ خود نہیں بولتا بلکہ اس کے لئے ترجمان کی ضرورت ہے اور انسان ہی اس کی طرف سے بولا کرتے ہیں۔ جب قوم (معاویہ) نے ہم کو دعوت دی کہ قرآن کو اپنے درمیان فیصل مقرر کریں تو ہم کتاب اللہ سے منہ موڑنے والا فریق نہیں تھے۔ اللہ سبحانہٗ بھی ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم کسی امر

اللہ سُبحانہٗ فَاِن تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ فَرَدُّہٗ اِلَی اللّٰہِ اَنْ نَحْکُمَ بِکِتَابِہٖ ۔ الخطبہ

میں جھگڑا کرو تو اس کے فیصلہ کے لئے معاملہ کو اللہ و رسول کی طرف پلٹا دو۔ پس اللہ کی طرف پلٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے نزاعات میں اس کی کتاب کو حاکم بنائیں ۔الخطبہ

اسی قرآن کا فیصلہ جنگ صفین میں ہر دو فریق نے تسلیم کیا تھا اور جنگ روک دی گئی تھی۔ پھر تحکیم کے بعد فیصلہ قرآن مجید کے مطابق ہوا یا نہیں۔ یہ ایک الگ بحث ہے جو موضوع کتاب سے خارج ہے۔ بہر کیف یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ حضرت علیؑ والوں کے پاس کوئی دوسرا قرآن نہیں تھا بلکہ وہی تھا جو معاویہ والوں کے پاس تھا۔

عمل علمائے شیعہ

مذہب شیعہ کے علمائے اعلام رضوان اللہ علیہم نے قرآن مجید کی بہت بڑی تفاسیر لکھی ہیں اور وہ سب اسی قرآن کی ہیں۔ جو تمام اہل اسلام کے پاس موجود ہے۔ ایک حرف تو بجائے خود ایک نقطہ بلکہ زیر و زبر تک کا فرق نہیں اور اکثر مفسرین نے اپنی تفاسیر کے مقدمہ میں فضائل قرآن کا ایک مستقل باب قائم کرکے اس بارہ میں بہت کچھ احادیث آئمہ نقل کی ہیں اور علمائے شیعہ نے جتنا اہتمام احادیث آئمہ کے جمع کرنے کے لئے کیا ہے اس سے کہیں زیادہ اہتمام تفسیر قرآن کے لئے کیا ہے اور تصانیف فریقین پر استقرائی نظر کرنے کے بعد منصف طبائع اس نظریہ پر پہنچ جاتی ہیں کہ قرآن کریم کی تفسیری خدمات میں علمائے امامیہ تمام ملل و مذاہب اسلام سے گوئے سبقت لے گئے ہیں اور عموماً دیگر فرقوں کے اکابر نے ان کے علمی افادات سے خوشہ چینی کی ہے۔

علمائے امامیہ کا یہ اہتمام بتاتا ہے کہ مذہب شیعہ کا اصل و اساس صرف قرآن مجید ہی ہے جس طرح کہ آئمہ طاہرینؑ سے گذشتہ ابواب میں قرآن مجید کے ساتھ تمسک پکڑنے کا پُرزور فرمان اس امر کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ البتہ بات یہ ہے کہ شیعہ تنہا قرآن کو کافی نہیں جانتے بلکہ وہ حدیث رسول اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْن کے پیش نظر قرآن کے ساتھ ساتھ اہلبیت رسولؐ کے ساتھ تمسک کرنا بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔

شیعہ کتب احادیث جو شرق و غرب میں دائر و سائر ہیں۔ آئمہ اہلبیتؑ کے استدلالات قرآنیہ سے بھرپور ہیں۔ اثبات توحید۔ عدل۔ قیامت۔ قبر حشر میزان۔ ثواب و عقاب اور جنت و نار وغیرہ میں قرآن مجید کی آیات سے ہی استدلال کیا گیا ہے۔ اسی طرح نما[illegible] ۔روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کے مسائل فرعیہ میں قرآنی آیات سے کافی استشہاد کیا گیا ہے اور علاوہ ازیں عقود۔ ایقاعات۔ حدود، تعزیرات اور فرائض وغیرہ حتیٰ کہ تمام ابواب فقہیہ کے فرعی احکام میں استدلالات قرآنیہ ہی پیش پیش ہیں۔ علم اصول فقہ میں شیعہ کے نزدیک قرآن مجید موضوع علم میں پہلی اصل بلکہ اصل اصول ہے کیونکہ جملہ ابواب اصولیہ میں اصولی نکات پر اثباتی ابحاث قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں ہی ہوا کرتی ہیں غرضیکہ

تمام علوم مذہب حقہ اثنا عشریہ قرآن مجید سے ہی مستفاد ہیں اور یہی تمام علوم کی بنیاد ہے علمائے امامیہ قدس اللہ اسرارہم نے علوم قرآنیہ کی اشاعت و ترویج کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں اور اب تک یہی سلسلہ جاری ہے اور رہے گا قرآن مجید کے فیض کو عام کرنے کے لئے علمائے اعلام نے بڑے مصائب برداشت کئے قید و بند کی تکالیف جھیلیں۔ اور جلاوطنی کے دل پر تیر سہے جام شہادت ہنس ہنس کر نوش کیا۔ بایں ہمہ جب تک بدن میں جان باقی رہی۔ علوم قرآنیہ کی خدمات سے کنارا نہ کیا۔

شیعہ عوام کا کردار

تمام ممالک اسلامیہ میں جس جس مقام پر کم یا بیش شیعہ آبادی موجود ہے۔ ان کے گھروں میں قرآن، مساجد میں قرآن، امام باڑوں میں قرآن موجود ہے مقام گریہ و بکا یعنی **عزاداری** کا منظر ملاحظہ فرمائیے۔ اطراف عالم میں جہاں شیعہ لوگ عزائے آلِ محمدؐ کی صف بچھاتے ہیں اور شبیہہ وغیرہ بناتے ہیں۔ شبیہہ روضہ مبارکہ و ذوالجناح و جھولا برآمد کرتے ہیں شبیہہ روضہ کے اندر قرآن مجید۔ ذوالجناح کے ساتھ قرآن اور جھولے کے اندر قرآن ہوتا ہے

اگر تعصب کی عینک اتار کر منصفانہ نگاہ ڈالی جائے اور شبیہہ تعزیہ کا تجزیہ کیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ گنبد نما ایک محل کا نمونہ (جس کو قیمتی پارچات یا خوبصورت کاغذات یا رنگدار لکڑیوں کے قطعات سے مزین کیا جاتا ہے) ہوتا ہے گویا وہ تاجدار مملکت امامت شہسوار عرصۂ شجاعت اور سرکار شہادت کے عصمت کدہ شاہی ایوان کا خالی ڈھانچہ ہوا کرتا ہے جس کے اندر غلافوں میں ملفوف یا بلا غلاف متعدد قرآن مجید رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ شیعہ لوگ اس کو اپنے سروں پر اٹھا کر چودہ سو برس سے ماتمی لباس میں ماتمی عنوان سے ماتمی جلوسوں میں ہزاروں کی تعداد میں سر ننگے پا برہنہ نوحہ کناں سینہ زناں بازاروں میں چلتے ہوئے چوکوں میں کھڑے ہو کر غرضیکہ منظر عام پر چلا چلا کر بلا بلا کر رو رو کر پیٹ پیٹ کر تمام اقوام عالم کے گوش گذار کرتے ہیں کہ دیکھو ہمارے رسولؐ نے اس ایوانِ امامت میں (جس کی شبیہہ کو ہم اٹھائے ہوئے ہیں) ہماری ہدایت اور نجات کے لئے دو گرانقدر چیزیں چھوڑی تھیں۔ ایک قرآن اور دوسری اہلبیت۔ لیکن افسوس کہ نااہل امت نے اس ایوانِ خلافت کو لوٹ لیا۔ گھروں کو آگ لگا دی گھر والوں کو جلا وطن کر دیا۔ ان کے حقوق چھین لئے اور ان کے ناحق خون کو پانی کی طرح بہا دیا۔ بس اب ان محلات میں صرف قرآن باقی ہے۔

اسی طرح ہمارے سامنے گھوڑا ہے اس کی زین کے اوپر بھی قرآن ہی ہے قرآن والے کو بے وفا امت نے نشانۂ جور و ظلم بنا کر اتار لیا اور ہمارے پاس صرف قرآن مجید ہی باقی رہ گیا اور امت نے چھوٹے بچوں کو شہید کر دیا۔ لہذا ان کے جھولے میں بھی صرف قرآن ہی موجود ہے۔

پس ہم ان مواقع پر چار کام اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

۱۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ان خالی ایوانوں کی عزت کریں۔ جن کی یہ شبیہیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

۲۔ ہمارا فریضہ ہے کہ قرآن مجید کی عظمت کو باقی رکھیں اور اس کی حفاظت کے لئے مخالف طاقت کے سامنے بجائے جھکنے کے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیں جس طرح کہ ہمارے پیشواؤں نے ہمیں عملی درس دیا ہے ماتم کرکے اپنے پورے جسم کو اپنے خون سے رنگین کرکے کربلا والوں کی یاد تازہ کرتے ہوئے ہم دنیا والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ناموسِ قرآن کے لئے اپنے آئمہ کے نقشِ قدم پر ہمارے خون کا آخری قطرہ حاضر ہے اور یہ وہی قرآن ہے جس کو اہلبیت اپنے خالی ایوانوں میں چھوڑ کر گئے۔

۳۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ایوانِ امامت کے خالی ہو جانے کا بلکہ اس کے اجڑ جانے کا جب تک جیئیں غم کریں اور اہلبیت کی یاد کو تازہ رکھتے ہوئے ان لوگوں سے اعتقادی اور عملی اور لسانی اور ہر طریق سے بیزاری اختیار کریں۔ جنہوں نے قرآن والوں پر مظالم کے پہاڑ ڈھا کر اُن کے محلّات کو ویران کر دیا۔

۴۔ ہمارا فریضہ ہے کہ اللہ سے بصد عجز و انکساری دعا مانگیں اور کہیں اے اللہ! ہمارے سامنے ایوانِ امامت میں صرف قرآن باقی ہے۔ قرآن والوں سے یہ ایوان خالی کرا دیا گیا ہے (جس کی تشبیہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے) پس تو اپنے فضل و کرم سے اس ایوان شاہی کے ساکن تاجدار منصب خلافت حضرت قائم آلِ محمدؐ کے ظہور میں تعجیل فرما تاکہ یہ ایوان اجڑ جانے کے بعد دوبارہ آباد ہو اور اسی ایوان میں قرآن کے ساتھ ہم قرآن والوں کو دیکھیں اور فیض حاصل کریں آمین۔

ذاکرین و واعظین کا طرزِ بیان مجالس فضائل و عزا میں یہی ہوتا ہے کہ عنوان مجلس آیات قرآنیہ کو قرار دے کر بیان کو شروع کیا جاتا ہے۔ فضائل آلِ محمد کا اثباتی بیان عموماً استدلالات قرآنیہ سے ہوتا ہے بلکہ چھوٹی مجلسوں سے لے کر بڑے جلسوں تک ابتداء تلاوتِ قرآن سے کرنا شیعانِ آلِ محمدؐ کا بالعموم شیوہ ہے۔

یہ اہتمام صرف زندگی کے لمحات تک نہیں بلکہ مرنے والے کے پاس قرآن خوانی سنت، اس کی موت واقع ہو جانے کے بعد اس کے پاس قرآن پڑھنا مستحب اس کے کفن کے قطعات پر قرآن لکھنا مستحب۔ گویا ہمیشہ قرآن شیعہ کے ساتھ اور شیعہ قرآن کے ساتھ ہیں۔

اور گذشتہ تمام مفصل بیان شیعہ کے اس دعویٰ کا مؤید و مصدق ہے کہ جملہ اسلامی فرقوں میں سے قرآن کے ساتھ صرف مذہب شیعہ والے ہی صحیح تمسک رکھتے ہیں اور حقیقۃً قرآن صرف انہی کے پاس ہے اور قرآن پر انہی کا ایمان ہے ان کے مذہب کا دارومدار بھی قرآن ہے اور موت و حیات میں ان کا سہارا بھی قرآن ہی ہے۔

لیکن متواتر حدیث ثقلین اور دیگر تصریحات نبویہ کے پیشِ نظر شیعہ قرآن مجید کی تفسیر و تاویل میں صرف آلِ محمد کی ہی فرمائشات پر اعتماد رکھتے ہیں اور کسی بڑے سے بڑے آدمی کے قول و عمل کو قطعاً درخورِ اعتناء نہیں قرار دیتے جو آئمہ آلِ محمد کی تعلیمات سے بے بہرہ ہو۔

بہتانِ عظیم

جو لوگ صرف قرآن مجید کو کافی سمجھتے ہیں اور آلِ محمدؐ سے صرف دُور ہی نہیں بلکہ آلِ محمدؐ کی تعلیمات کو بالکل مٹانے

کے درپے ہیں۔ جس طرح کہ خود آلِ محمدؐ کو مٹانے میں انہوں نے کوئی کسر باقی اٹھا نہیں رکھی تھی۔ وہ سادہ لوح عوام میں بڑے زور و شور سے یہ منحوس پروپیگنڈہ کرتے پھرتے ہیں۔ کہ شیعوں کا قرآن مجید پر ایمان ہی نہیں تاکہ عوام نہ ان کی سُنیں اور نہ آئمہ اہلبیتؑ کے کمالاتِ علمیہ سے مطلع ہوں اور نہ جناب رسالتمآبؐ کی فرمائش إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ ان کے کانوں تک پہنچے۔ ورنہ کون اتنا نادان ہے کہ حق کو دیکھ کر اس سے کنارہ کرے؟ یا اہل بیت کے کمالات پہ اطلاع پا کر کسی غیر کو ان پر ترجیح دے؟

اور اسی بناء پر شیعہ مجالس میں جانا حرام قرار دیا گیا ہے۔ کتابوں میں، اخباروں میں رسالوں میں اشتہاروں میں اور تقریروں میں فتاوی صادر کئے جاتے ہیں کہ شیعہ کی مجلس میں جانا گناہ۔ ان کے ساتھ برتاؤ کرنا حرام حتی کہ ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون ممنوع۔ مجلس میں آنے والوں پر فسخ نکاح کا فتویٰ یا تعزیرِ شرعی کا حکم بھی صادر ہوتا ہے اگر کسی شہر میں شیعہ بہت کمزور ہوں تو بہت سے مقامات پر ان کے لئے پانی جیسی عام نعمتِ الٰہیہ کا استعمال ممنوع بلکہ جملہ ضروریات زندگی سے ان کو محروم کر دیا جاتا ہے۔

اگر وجہ دریافت کی جائے کہ شیعوں کا قرآن پر کیسے ایمان نہیں؟ حالانکہ ان کے مذہب کا دارومدار ہی قرآن پر ہے ان کی تفاسیر قرآن دوسرے اسلامی فرقوں کی بہ نسبت زیادہ ان کی احادیث میں قرآن۔ ان کی فقہ و اصول میں استدلالِ قرآن، ان کی مساجد میں قرآن، امام باڑوں میں قرآن، شبیہہ تعزیہ میں قرآن، گھروں میں قرآن، درسوں میں قرآن حتی کہ ان کے کفنوں پر قرآن۔ غرضیکہ ان کی شرعی زندگی کا کوئی گوشہ قرآن سے خالی نہیں؛

تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ شیعہ لوگ خلافتِ اجماعیہ کے انکاری ہیں اور "معاذ اللہ" صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں اس لئے ان کا قرآن سے کوئی واسطہ نہیں اور ان کی مجالس میں سب صحابہ ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا ان میں شرکت کرنا بدعت حرام اور موجب فسخ نکاح ہے۔

ہاں ہاں! شیعہ کے نزدیک خلافت کا معیار ہنگامہ آرائی نہیں۔ بلکہ نصِ خدائی ہے۔ جس کی مفصل بحث عنوان "ثقلین" کے تحت میں ص۸۵ سے ص۹۵ تک پیش کی جا چکی ہے۔

باقی رہا سبِّ صحابہ کا افتراء۔ تو اس کے متعلق شیعہ کا مذہب یہ ہے کہ صحابہؓ تو بجائے خود کسی ادنیٰ ترین انسان خواہ کافر ہی کیوں نہ ہو، کو سب کرنا اور گالی دینا ناجائز اور فعل حرام ہے اور آئمہ اہلبیتؑ کی تعلیمات اور ان کی سیرت کے قطعاً خلاف ہے۔ یہ ضرور ہے کہ آلِ رسولؐ کا ہم پلہ صحابہ تو درکنار آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک انبیاء کو بھی ہم نہیں سمجھتے جس کی بحث معجزنما کے عنوان کے تحت میں اور بعض دیگر مقامات پہ مختصراً گذر چکی ہے اور آئندہ اپنے مقام پر تفصیل سے بھی مذکور ہوگی پس جو صحابہ کرامؓ تعلیمات رسالتمآبؐ کے پیشِ نظر ثقلین یعنی قرآن اور اہلبیت سے متمسک رہے ہم ان کے غلام ہیں۔ اور جن لوگوں نے آلِ محمدؐ کو چھوڑ دیا۔ ہم ان سے بے زار ہیں۔ ہمارا ایمان قرآن پر ہے۔ اور آلِ محمدؐ کے علاوہ قرآنی علوم نہ کسی سے حاصل

ہو سکتے ہیں اور نہ ہمیں کسی اور سے ربط و واسطہ قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ چونکہ بفرمانِ رسولؐ قرآن و اہلبیت ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ لہٰذا دونوں سے تمسک پکڑنا ہی دینِ اسلام ہے۔ جس کا قرآن پر ایمان نہیں اس کا اہلبیت سے واسطہ نہیں اور جس کا اہلبیتؑ سے واسطہ نہیں اس کا قرآن پر ایمان نہیں۔

پس شیعہ کا قرآن اور اہلبیت ہر دو پر ایمان ہے اور ہر دو سے تمسک ہے لہٰذا درحقیقت تمام اسلامی فرقوں میں سے قرآن پر صرف مذہب شیعہ ہی کا ایمان ہے جو لوگ یہ کہیں کہ شیعہ قرآن کو نہیں مانتے وہ صرف عوام کو ہی نہیں۔ بلکہ خدا و رسولؐ کو بھی دھوکا دیتے ہیں۔ اور فریب کاری اور افترا پردازی اور بہتانِ عظیم سے اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہیں۔

تاویل قرآن اور عباداتِ ظاہریہ

چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ ہر شخص معصومینؑ کی ہر فرمائش کی تاب برداشت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے بعض لوگ مختلف قسم کے شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کا صحیح حل معلوم نہ ہو سکنے پر غلط عقائد ان کے دلوں میں راسخ ہو جاتے ہیں

فی الکافی عن جابر قال قال ابوجعفرؑ قال رَسُوْلُ اللّٰہِؐ اِنَّ حَدِیْثَ آلِ مُحَمَّدٍ صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ لَا یُؤْمِنُ بِہٖ اِلَّا مَلَکٌ مُقَرَّبٌ اَوْ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ اَوْ عَبْدٌ اِمْتَحَنَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ لِلْاِیْمَانِ فَمَا وَرَدَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَدِیْثِ آلِ مُحَمَّدٍ فَلَانَتْ لَہٗ قُلُوْبُکُمْ وَعَرَفْتُمُوْہُ فَاقْبَلُوْہُ وَاِنِ اشْمَأَزَّتْ مِنْہُ قُلُوْبُکُمْ وَاَنْکَرْتُمُوْہُ فَرُدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلَی الْعَالِمِ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ وَاِنَّمَا الْہَالِکُ اَنْ یُحَدَّثَ اَحَدُکُمْ بِشَیْءٍ مِنْہُ لَا یَحْتَمِلُہٗ فَیَقُوْلُ وَاللّٰہِ مَا کَانَ ھٰذَا وَاللّٰہِ مَا کَانَ ھٰذَا۔

کافی میں جابر سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ تحقیق آلِ محمدؐ کی حدیث مشکل اور گراں تر ہے اس کو نہیں تسلیم کرتا مگر مقرب فرشتہ یا نبی المرسل یا وہ عبد جس کا دل خدا نے امتحان کی کسوٹی پر پرکھ لیا ہو۔ پس آلِ محمدؐ کی جو حدیث تم پر وارد ہو اگر تمہارے دل اس کے لئے نرم ہو جائیں اور تم اس کو پہچان لو تو قبول کر لو اور جس کو سن کر تمہارے دل اچاٹ ہو جائیں اور تم اسے اجنبی جانو تو اس (کے علم) کو اللہ اور رسولؐ اور آلِ محمدؐ کے عالم کی طرف رد کر دو۔ اور وہ شخص برباد ہو گیا جس کو آلِ محمدؐ کی ایک حدیث سنائی گئی جو اس کی برداشت سے باہر تھی تو کہنے لگ جائے کہ خدا کی قسم ایسا نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں۔

وفیہ عن ابی عبداللہؑ قال اِنَّ حَدِیْثَنَا صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ لَا یُؤْمِنُ بِہٖ اِلَّا صُدُوْرٌ مُنِیْرَۃٌ

نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری حدیث مشکل اور گراں تر ہے۔ صرف نورانی سینے صاف

اَوْ قُلُوْبٌ سَلِيْمَةٌ اَوْ اَخْلَاقٌ حَسَنَةٌ (الحدیث) دل اور نیک طبیعتیں ہی اس کو برداشت کر سکتی ہیں۔

اس مضمون کی بہت زیادہ احادیث کتب اخبار میں اہلبیت عصمت سے وارد ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جب آئمہ طاہرینؑ نے بعض مقامات پر قرآن مجید کی بعض تاویلات کا ذکر فرمایا تو مطلب کی تہہ تک نہ پہنچ سکنے والوں نے غلط نظریئے قائم کر لئے اور دین سے دُور ہو گئے۔

عن علی فی حدیث له اِنَّ ثُلُثَیِ الْقُرْآنِ فِیْنَا وَفِیْ شِیْعَتِنَا فَمَا کَانَ مِنْ خَیْرٍ فَلَنَا وَلِشِیْعَتِنَا وَالثُّلُثُ الْبَاقِیْ اَشْرَکَنَا فِیْهِ النَّاسَ فَمَا کَانَ مِنْ شَرٍّ فَلِعَدُوِّنَا الخبر

حضرت امیرالمومنینؑ سے ایک روایت میں وارد ہے کہ قرآن کا دو تہائی حصہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے حق میں ہے پس جہاں ذکر خیر ہے وہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے لئے ہے اور باقی تہائی میں اور لوگ ہمارے ساتھ شریک ہیں پس جو بھی ذکر شر ہے وہ ہمارے دشمنوں کے لئے ہے۔

اس مضمون کی بہت سی حدیثیں مع وجہ تطبیق ص۱۰۵ سے ص۱۱۲ تک بیان کی جا چکی ہیں۔

ان کو پڑھ سن کر بعض لوگ اس نظریہ پر پہنچے کہ عبادات کے جملہ الفاظ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ تاویل اور باطن کے اعتبار سے چونکہ ان سے مراد حضرات آئمہ اہلبیت ہیں اور بخلاف اس کے جملہ شرور و محرمات سے باطنی طور پر مراد دشمنان خدا اور رسولؐ و آئمہ ہیں تو پس نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عبادات کا خلاصہ ولایت آل محمدؐ کا اقرار ہے اور تمام معاصی و محرمات کا نچوڑ ان کے دشمنوں سے بے زاری حاصل کرنا ہے۔ لہذا ولائے آل محمدؐ حاصل ہو جانے کے بعد نماز و روزہ وغیرہ جملہ عبادات ظاہریہ کی کوئی ضرورت نہیں اور دشمنانِ آل محمدؐ سے بے زار ہو جانے کے بعد چوری۔ زنا۔ شراب وغیرہ ہر قسم کی ظاہری بدکاریوں سے بچنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے

اس عقیدہ فاسدہ کے لوگ حضرات آئمہ طاہرین علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اور رفتہ رفتہ یہ عقیدہ مستقبل میں سرایت کرتا ہوا چلا آیا۔

چنانچہ دورِ حاضر میں متعدد مقامات پر اس قسم کے عقائد کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو صرف آل محمد کی محبت اور ان کے دشمنوں سے بے زاری کو خدا کی خوشنودی و رضامندی کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ لہذا نہ عباداتِ ظاہریہ کی بجا آوری کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ اعمال فاسدہ سے اجتناب کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ انہی عقائد کے لوگوں کے متعلق آئمہ اطہارؑ کے بعض صحابہ نے آئمہ طاہرینؑ سے سوال کیا اور انہوں نے ان عقائد باطلہ کی پرزور تردید فرمائی۔ چنانچہ مقدمہ تفسیر مراۃ الانوار میں بصائر الدرجات سے بروایت مفضل بن عمر منقول ہے جس کا اختصار کے طور پر مرادی ترجمہ یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے مفضل کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا۔ امّا بعد میں تجھے اللہ کے تقویٰ۔ اطاعت و پرہیزگاری، تواضع اجتہاد فرماں برداری۔ اس کے پیغمبروں سے حسن عقیدت، امور خیر میں سبقت اور خدا کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کی وصیت کرتا ہوں۔ تیرا خط پہنچا۔ میں نے اس کا مضمون سمجھا۔ تیری خیر و سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ تو نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے میں

ان کو جانتا ہوں۔ تجھے معلوم ہوا کہ وہ کہتے ہیں کہ دین معرفت ہی کا نام ہے اور معرفت حاصل ہو جانے کے بعد انسان کا جو جی چاہے کرتا پھرے۔ تونے اپنے متعلق ذکر کیا ہے کہ میں بھی دین کی اصل معرفت ہی کو جانتا ہوں۔ خدا تجھے موفق کرے۔ تونے ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وعمرہ، مسجد الحرام، بیت الحرام اور شہر الحرام سے مراد معرفت امام لیتے ہیں۔ اسی طرح طہر اور غسل وغیرہ سے مراد بھی معرفت امام لیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ تمام فرائض معرفت، (رجل) امام ہی ہے اور جو شخص ان کی معرفت رکھتا ہو اسے وہ کافی ہے۔ لہٰذا عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس اس کی نماز بھی ہوگئی اور روزہ، حج، غسل، تعظیم حرمات اللہ اور تعظیم شہر الحرام وغیرہ سب اعمال اس کے ہوگئے گویا معرفت کے بعد یہ سب عبادات اس کی ہوگئیں اور نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمام فواحش، مثلاً شراب، جُوا، سود اور قتل وغیرہ سب (معرفت) رجل (دشمن اہلبیت) کا نام ہے، پس جس نے ان سے نفرت کی تو اس نے گویا تمام برائیوں سے اجتناب کر لیا۔ ظاہری پرہیز کی کوئی ضرورت نہیں اس کے بعد تو نے سوال کیا ہے کہ کیا یہ باتیں درست ہیں یا غلط؟

لہٰذا اب میں تیرے لئے وضاحت سے بیان کرتا ہوں تاکہ تجھ پر کوئی اشتباہ نہ رہ جائے اور تو تاریکی میں نہ پڑا رہے اور تیرے لئے حلال وحرام کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہوں اور تجھے پہچنواتا ہوں تاکہ تو پہچان لے۔ اور انکار نہ کرے وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ میں تجھے متنبہ کرتا ہوں کہ جو شخص ایسا دین اختیار کرے جس طرح تونے ذکر کیا ہے وہ میرے نزدیک مشرک باللہ ہے اس کے مشرک ہونے میں ذرہ بھر شک نہیں۔ میں تجھے آگاہ کرتا ہوں کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک بات سُن لی اور اس کے اہل سے اس کو سمجھنے کی کوشش نہ کی اور اپنے من مانے قیاسات سے اس کی حدود مقرر کر دیں اور چیزوں کو جن حدوں پر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اُن حدوں پر نہ رکھا پس یہ چیز اللہ اور اس کے رسولؐ پر افترا ہے اور جھوٹ ہے نیز نافرمانی پر جرأت اور انتہائی درجہ کی جہالت ہے اگر وہ لوگ چیزوں کو اپنی مقررہ حدوں پر رکھتے اور قبول کر لیتے تو اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ لیکن ان لوگوں نے تحریف کی اور حدود سے تجاوز کیا۔ لہٰذا انہوں نے غلط کیا اور خدا کے اوامر ونواہی کی توہین کی۔ میں تجھے خبردار کرتا ہوں کہ خدا نے اشیاء کی حدود اس لئے مقرر فرمائی ہیں کہ ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔

پھر میں تجھے حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں کہ خدا نے اپنے دین اسلام کو پسند فرمایا۔ لہٰذا کسی شخص کا کوئی عمل بغیر اس دین کے قابلِ قبول نہیں۔ اسی دین کے لئے انبیاء ورسل بھیجے اور فرمایا کہ میں نے اس کو حق کے ساتھ بھیجا اور وُہ حق کے ساتھ اترا۔ پس اصلِ دین رسولوں کی معرفت ہے اور ان سے ولایت اور ان کی اطاعت حلال ہے۔ پس وہی چیز حلال ہے جس کو وُہ حلال کہیں اور وہی چیز حرام ہے جس کو وہ حرام کہیں۔

وہ دین کی اصل ہیں اور ان سے فروعاتِ حلال نکلتی ہیں جو ان سے متشعب ہوتی ہیں اور ان کی شاخوں میں سے ہے ان کا اپنے شیعوں اور موالیوں کو حلال کا حکم دینا یعنی نماز، روزہ، حج، عمرہ اور تعظیم حرمات اللہ وغیرہ حتیٰ کہ

سب نیکیوں کے اعمال چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۔

تحقیق خدا انصاف، احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بدکاری، برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے اور تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

پس ان انبیاء کے دشمن حرام محرم ہیں اور ان کے دوست احباب وغیرہ بھی ان ہی کے حکم میں ہیں۔ پس وہی ظاہری و باطنی بدکاریاں ہیں۔ شراب، جوا، زنا وغیرہ سب وہی لوگ ہیں یعنی انبیاء کے دشمن حرام کی اصل ہیں اور وہی شر اور شر کی اصل ہیں۔ باقی تمام بدکاریاں اسی اصل کی شاخیں ہیں اور انبیاء کی تکذیب ان کے اوصیاء کا انکار فواحش کا ارتکاب اور تمام محرمات کی بجا آوری وغیرہ انہی کے فروعات میں سے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کی اطاعت و محبت سے منع کیا گیا ہے۔

اب اگر میں کہہ دوں کہ بدکاری، شراب، جوا، زنا، میتہ اور خنزیر وغیرہ سب دمعرفت، دجل۔ (دشمن دین) کا نام ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ شخص دشمن دین ہونے کی حیثیت سے تمام حرام افعال کی اصل ہے اور مذکورہ بدکاریاں اور برائیاں سب اس کی شاخیں ہیں تو ایک اعتبار سے درست اور بجا ہے کیونکہ خدا نے جس طرح اصل کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح اس کی فروعات بھی حرام کی ہیں اور اس کی ولایت بھی حرام اور ناجائز کی ہے۔ پس بجا ہے اگر میں کہہ دوں کہ ان تمام برائیوں سے مراد فلاں شخص ہے۔

پھر تجھے یہ بھی بتا دوں کہ دین اور دین کی اصل بھی ایک شخص (کی معرفت) ہے یعنی امام الوقت اور امام زمان جس نے اس کو پہچانا اس نے اللہ کو پہچانا اور اس کے دین کو پہچانا اور جس نے اس کو نہ پہچانا اس نے اللہ کو اور اس کے دین کو نہ پہچانا۔ پس اس کا جاہل اللہ کا اور اس کے دین کا جاہل ہے کیونکہ انسان اللہ کو اور اس کے دین کو اور حدود و احکام شرعیہ کو امام کی معرفت کے بغیر جان سکتا ہی نہیں اور یہ مقولہ کہ اللہ کا دین معرفت رجال کا نام ہے اس کا یہی مطلب ہے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اگر میں کہہ دوں کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج و عمرہ وغیرہ حتیٰ کہ تمام اعمال صالحہ اور امور خیر اور جملہ فرائض سے مراد نبی علیہ السلام ہیں جو ان چیزوں کے لانے والے ہیں تو بالکل درست ہے کیونکہ آنجناب ہی ان تمام فروع کی اصل تھے اگر وہ نہ ہوتے تو یہ چیزیں کون سناتا اور سمجھاتا؟ پس وہ ہی اصل ہیں ان تمام امور خیر اور اعمال صالحہ کی اور سب اعمال صالحہ ہی ان کی فرعیں ہیں۔ پس بنا بریں تمام فروعات کو اگر اپنی اصل کے نام سے پکارا جائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ بالجملہ یہ ثابت ہو گیا کہ دین خدا اس کی اصل معرفت ہی کا نام ہے کیونکہ اگر وہ نہ ہوتی تو یہ ہرگز نہ پہچانے جاتے لہٰذا ان کا عارف دین کا عارف ہے اور ان کا جاہل دین خدا کا جاہل ہے۔ چونکہ دین خدا انہی انسانوں کے ذریعہ سے پہنچا ہے تو یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ تمام فرائض و احکام شریعت شخصی معرفت کا نام ہے اور وہ معرفت امام[له] ہے

له من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة جاهلیة

لیکن وہ جو اوپر ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ صرف معرفت ہی کو کافی جانتے ہیں اور اعمال کی ضرورت محسوس نہیں کرتے وہ سراسر غلطی پر ہیں کیونکہ فروعات کو چھوڑ دینے کے بعد اصل سے تمسک پکڑنے کا دعویٰ بالکل بے فائدہ ہے جس طرح لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ زبان پر جاری نہ کرے (کیونکہ توحید جب اصل ہے اور نبوت فرع ہے اور اصل کا اقرار بغیر اس کی فرع کے اقرار کے لغو اور بے فائدہ ہے) پس اسی طرح حضرت رسالتمآب سے تمسک کر کے باقی فروعات اور اعمال صالحہ سے دست برداری اسی معنی میں ہے یعنی معرفت رجال باطن ہے اور اعمال صالحہ اس کا ظاہر ہیں اور ظاہر کو ترک کر کے باطن سے تمسک پکڑنا بالکل بے فائدہ ہے اور لغو ہے معرفت امام اصل اور جملہ عبادات فرع یا یہ کہ معرفت امام باطن اور جملہ عبادات اس کا ظاہر ہیں پس فرع اور ظاہر کے بغیر اصل اور باطن سے تمسک کرنا سراسر غلط بلکہ شرک ہے

اور دشمنی نبی اور دشمنی امام تمام برائیوں کی اصل ہے اور تمام برائیاں اس کی فرع ہیں تو جو شخص اصل سے نفرت کرتا ہو اور برائیوں سے نفرت نہ کرے جو اس کی فروعات ہیں اور اسی اصل کی پیداوار ہیں تو وہ بالکل جھوٹا ہے کیونکہ دشمن امام سے نفرت اور بیزاری کرنا اصل اور باطن ہے اور تمام برائیوں سے نفرت کرنا اس کی فرع اور ظاہر ہے اور اصل کی پہچان فرع سے اور باطن کی پہچان ظاہر سے ہی ہوا کرتی ہے

ہاں یہ جملہ کہ معرفت حاصل کر لو اور جو جی چاہے کرو درست ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی معرفت حاصل کر لینے کے بعد جتنی نیکی کرو مقبول ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اور بجز معرفت کے کوئی نیکی نیکی ہی نہیں۔ الخبر

شعر: زاہد تیری نماز کو میرا سلام ہے — بے حب اہلبیت عبادت حرام ہے

جامع قرآن کا حقیقی مفہوم و مصداق

جامع قرآن کے دو مطلب ہو سکتے ہیں

۱۔ ظاہری اوراق و اجزاء کو اکٹھا کرنے والا

۲۔ پورے مطالب قرآنیہ کو جاننے سمجھنے والا یعنی علوم قرآنیہ کا جامع

اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہیں کہ دونوں متذکرہ بالا معنوں میں قطعاً کوئی تلازم نہیں ہے کیونکہ جو ظاہری اوراق کا جامع ہو ضروری نہیں کہ وہ اس کے مطالب کا عالم بھی ہو یا جو اس کا عالم ہو ضروری نہیں کہ وہ اس کا جامع اوراق بھی ہو۔ صاحبان مطابع ہزاروں کتابیں شائع کرا دیا کرتے ہیں لیکن سوائے شاذ و نادر کے اکثر مطبوعہ کتب کے مطالب نہیں جان

سکتے ۔ بلکہ مالک مطبع اگر ان پڑھ ہو تو تمام مطبوعات کے مندرجات سے براہِ راست قاصر الفہم ہوتا ہے ۔ اسی طرح کاتب متفرق اور مختلف قسم کے مسودات کو خوشخط یکجا لکھ کر بہت علمی خدمات انجام دیتے ہیں لیکن وہ بھی عموماً لفظی جمع ہی کو جانتے ہیں۔

قرآن مجید کو جمع کرنے والے یعنی اجزاء و اوراق کو یکجا کر کے کتاب کی شکل میں لانے والے نے اللہ کی خوشنودی کے لئے اگر یہ کام کیا تو اس کو اللہ کی جانب سے بڑا اجر ملے گا کیونکہ جب تک اس کی خدمت کے آثار دنیا میں رہیں گے قرآن پڑھا جاتا رہے گا ۔ اس پر عمل ہو گا تو اس کے نامۂ اعمال میں اضافہ ہوتا رہے گا ۔ بلکہ اس کا یہ عمل اس کے نامۂ اعمال میں سب سے بڑی نیکی ہے کیونکہ یہ اسلام کا سرمایۂ حیات ہے اور شریعت کی اصل و اساس ہے اور یہ نہ صرف صدقۂ جاریہ ہے بلکہ دنیا بھر کے تمام امورِ خیر کا تاقیامت منبع ہے ۔

اور اگر جمع کرنے والے نے رضائے خدا ملحوظ نہ رکھی ہو بلکہ محض ناموری یا اغراض دنیاوی ہی ملحوظ خاطر ہوں تاہم قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر ناشر قرآن ہونے کی حیثیت سے اس کا احسان عظیم ہے عامۃ المسلمین کو ہر دو صورتوں میں اس کا ممنونِ احسان ہونا چاہیئے ہمیں اس بحث میں دُور تک جانے کی ضرورت ہی نہیں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۔ بلکہ قابل غور امر تو یہ ہے کہ قرآن فہمی کے لئے یا اس پر عمل کرنے کے لئے بھی ہمیں آیا ۔ جامع قرآن کے دروازہ پر جبہ سائی کی ضرورت ہے عام کتب میں تو یہ صورت ہوا کرتی ہے کہ کتاب حاصل کرنے کیلئے تو مطبع یا کاتب یا جامع کتب کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن کتاب فہمی کے لئے ان سے ربط قائم کرنے کی خاص ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس غرض کی تکمیل کے لئے کتاب کے عالم و معلم کے ساتھ تعلقات قائم کرنا لازمی ہوا کرتا ہے بلکہ کتاب حاصل کرنے سے پہلے اس بات کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو پڑھائے گا کون ؟ نیز کاتب و ناشر کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ نہ سہی کوئی اور مل جائے گا لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کتاب داں نہ سہی تو اور کوئی طریقہ نکل آئے گا ۔

پس اس مقام پر بھی ہم کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید پر ایمان لانا ضروری اور فرض عینی ہے ۔ لہٰذا اس کا حاصل کرنا بھی لازمی امر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے سیکھنے اور سمجھنے کے لئے اس کے عالمین اور معلمین سے تمسک پکڑنا اور پھر ان کے دروازہ پر دستک دینا بھی ضروری ہے ۔

اگر جامع قرآن عالم قرآن بھی ہو تو دونو مطلب ایک ہی جگہ سے پورے ہو سکتے ہیں لیکن چونکہ ان ہر دو معنوں میں کوئی تلازم نہیں ۔ لہٰذا ضروری نہیں کہ جس کو جامع اجزاء قرآن مانا جائے اس کو عالم قرآن بھی تسلیم کیا جائے پس ناشر قرآن ہونے کی وجہ سے اس کی احتیاج ہے لیکن نہ اس کا عالم ہونا ضروری ہے اور نہ اس کو عالم جاننا اور نہ اس کے واجب الاطاعت ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ کتاب کے کاتب ناشر جلد ساز یا کتب فروش وغیرہ کو عالم یا معلم کتاب تسلیم کرنا کوئی ضروری نہیں ہوا کرتا ۔

قرآن پر ایمان لانا اور بات ہے اور اس کے جامع کو عالم ماننا یا تاجدار رسالت کا صحیح قائمقام اس کو تسلیم کرنا اور بات ہے۔ لہٰذا یہ کہنا قطعاً بے جا اور خلاف اصول ہے کہ جو جامع قرآن کی خلافت پر ایمان نہ لائے اس کا قرآن پر ایمان نہیں بلکہ علم قرآن یا خلافت تو درکنار اگر منصفانہ طور پر غور کیا جائے تو جمع قرآن اور اسلام میں بھی کوئی تلازم نہیں۔ بہت سے غیر مسلم بھی ناشر قرآن ہوا کرتے ہیں جس طرح کہ مشاہدہ بتا رہا ہے۔ ہاں تمسک کے لئے قرآن اور عالم قرآن میں تلازم ضروری ہے ان دونوں میں قطعاً افتراق محال ہے اگر قرآن کی ضرورت ہے تو عالم قرآن کی ضرورت بھی ساتھ ساتھ ہے اگر قرآن کے ساتھ تمسک ضروری ہے تو اس کے عالم کے ساتھ تمسک بھی ضروری ہے۔ پس اگر جامع قرآن سے مراد عالم قرآن ہو تو اس لحاظ سے جس طرح قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اس کے جامع پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اور یہ کہنا بجا ہے کہ جس کا جامع قرآن پر ایمان نہیں درحقیقت اس کا قرآن پر ایمان نہیں کیونکہ اس صورت میں ان دونوں میں لازم و ملزوم کی حیثیت ہے اور اس کے حقیقی مصداق سوائے اہلبیت عصمت کے کوئی بھی نہیں لہٰذا قرآن حاصل کرنے اور اس کے سیکھنے سمجھنے کے لئے ان ہی کے دروازہ پر دستک دینے کی ضرورت ہے کیونکہ وہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہے نہ وہ قرآن سے جدا ہیں اور نہ قرآن ان سے جدا ہے۔ گذشتہ فصول میں اس مطلب پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ مزید توضیح کے لئے اس مقام پر بھی چند احادیث کا ذکر خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

عن ربیع الابرار للزمخشری - استاذن ابو ثابت مولیٰ علیؑ علیٰ ام سلمۃ رضی اللہ عنہا فقالت مرحبا بک یا ابا ثابت اَیْنَ طَارَ قَلْبُکَ حِیْنَ طَارَتِ الْقُلُوْبُ مَطَارَھَا ؟ قَالَ تَبِعَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَتْ وُفِّقْتَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْقُرْآنِ وَالْحَقُّ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِیٍّ وَلَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔ [۱]

زمخشری کی ربیع الابرار میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ کے غلام ابو ثابت نے اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ سے اجازت لی اور اندر داخل ہوا پس (اُمّ سلمہ نے) کہا مرحبا تجھے اے ابو ثابت! بتا تیرا دل کہاں پرواز کر گیا تھا جبکہ لوگوں کے دل اِدھر اُدھر پرواز کر چکے تھے؟ ابو ثابت نے جواب دیا کہ (میرا دل) علیؑ بن ابی طالبؑ کے نقش قدم پر رہا تو (اُمّ سلمہؓ) نے کہا خدا تجھے موفق رکھے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے فرماتے تھے علیؑ حق اور قرآن کے ساتھ ہے اور حق و قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس اکٹھے وارد ہوں گے۔

عن ام سلمۃؓ قال رسولؐ اللہ علیٌّ مع القرآن والقرآن معہ لا یفترقان حتّٰی یردا علیّ [۲]

ام سلمہ سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے یہ دونوں آپس سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ

[۱] الغدیر ج۳ طبع ۲ ص۱۸۰ [۲] الغدیر ج۳ عن المستدرک والصواعق وتاریخ الخلفاء وغیرھا ف عن اسنی المطالب وغیرھا

الحوض — میرے پاس حوض کوثر پر اکٹھے پہنچیں گے

اس مضمون کی احادیث کتب فریقین میں تواتر سے وارد ہیں جن کا مطلب یہی ہے کہ قرآن اور علیؑ میں لازم و ملزوم کی سی حیثیت ہے بعض روایات میں قرآن و علیؑ کی لفظیں ہیں اور بعض میں حق و علیؑ کا ذکر ہے اور بعض میں قرآن و عترت اہلبیت کا تذکرہ ہے مطلب سب کا ایک ہے اور حدیث حدیث ثقلین کے نام سے زبان زد عام ہے

اس کی رو سے علیؑ کا منکر قرآن کا منکر اور قرآن کا منکر علیؑ کا منکر ہے یا اہلبیت کا دشمن قرآن کا دشمن اور قرآن کا دشمن اہلبیت کا دشمن ہے اور یہی وجہ ہے کہ علیؑ کے ساتھ دشمنی رکھنا اور بغض و کینہ رکھنا نفاق ہے چنانچہ اکابر صحابہ نے خود اسکا اعتراف کیا ہے

۱۔ ابوذر غفاریؓ قَالَ كُنَّا نَعْرِفُ الْمُنَافِقِينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ بِثَلَاثٍ بِتَكْذِيبِهِمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالتَّخَلُّفِ عَنِ الصَّلٰوةِ وَبُغْضِهِمْ لِعَلِيِّ ابْنِ اَبِي طَالِبٍ

حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں ہم منافقین کو تین چیزوں سے پہچان لیا کرتے تھے ۱۔ خدا اور رسولؐ کی تکذیب ۲۔ نماز سے پیچھے رہ جانا ۳۔ علی بن ابی طالب کے ساتھ بغض رکھنا

۲۔ ابوسعید خدری قَالَ كُنَّا نَعْرِفُ الْمُنَافِقِينَ نَحْنُ مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ بِبُغْضِهِمْ عَلِيًّا

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم گروہ انصار منافقین کو بغض علیؑ سے پہچان لیا کرتے تھے

۳۔ جابر بن عبد اللہ انصاریؓ قال ماکنا نعرف المنافقین الا ببغض او ببغضهم علی ابن ابی طالب (لفظه او لاختلاف الفاظ الروایة)

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم منافقین کو صرف حضرت علی بن ابی طالب (علیہ السلام) کے بغض سے پہچان لیتے تھے۔

۴۔ ابوسعید محمد بن ہشیم قال انا کنا نعرف المنافقین نحن معشر الانصار ببغضهم علی ابن ابی طالب

ابوسعید محمد بن ہشیم فرماتے ہیں کہ ہم گروہ انصار منافقین کو البتہ صرف حضرت علی بن ابی طالب (علیہ السلام) کے بغض سے ہی پہچان لیتے تھے

۵۔ ابو درداءؓ قال انا کنا نعرف المنافقین معشر الانصار ببغضهم علی بن ابی طالب

حضرت ابو درداؓ فرماتے ہیں کہ ہم گروہ انصار منافقین کو صرف علیؑ کے بغض سے پہچان لیا کرتے ہیں

۶۔ ام سلمہؓ قالت کان رسول اللّٰه یقول لا یحب علیا منافق ولا یبغضه مومن

حضرت امّ سلمہؓ فرماتی ہیں۔ کہ جناب رسالتمآبؐ فرمایا کرتے تھے کہ منافق علیؑ سے محبت نہ کرے گا اور مومن علیؑ سے بغض نہ کرے گا۔

۷۔ ابن عباسؓ قال نظر رسول اللّٰه الی علی فقال لا یحبك الا مومن ولا یبغضك الا

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے علیؑ کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تیرے ساتھ نہ محبت کرے گا مگر مومن اور تیرے ساتھ نہ بغض رکھے گا

---

۱ عن الترمذی وغیرہ ۲ عن الاستیعاب وغیرہ ۳ عن اسنی المطالب ۴ عن الترمذی ۵ عن الترمذی ۶ عن مجمع الزوائد

منافق — مگر منافق

۸۔ علیؑ بن ابی طالب لعهد النبی الامی الی انه لایحبنی الا مومن ولایبغضنی الا منافق — حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہما السلام فرماتے ہیں نبی امّی کا مجھ سے عہد ہے کہ میرے ساتھ مومن ہی محبت رکھے گا اور صرف منافق ہی میرے ساتھ بغض رکھے گا۔

او لعهد النبی الی لایحبك الا مومن ولا یبغضك الا منافق — جناب رسالتمآبؐ کا مجھ سے عہد ہے کہ (یا علیؑ) تیرے ساتھ مومن ہی محبت کرے گا اور تیرے ساتھ منافق ہی بغض رکھے گا۔

او یا علی لا یبغضك مومن ولا یحبك منافق — فرمایا یا علیؑ تیرے ساتھ مومن بغض نہ کرے گا اور منافق محبت نہ کرے گا۔

او ان الله عز وجل اخذ میثاق کل مومن علی حبی ومیثاق کل منافق علی بغضی (عن شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید) — روز میثاق سے مومن نے میری محبت کا اور منافق نے میرے بغض کا اللہ کے سامنے عہد کیا ہے۔

ان کے علاوہ حدیث غدیر جس کا متواتر ہونا مسلّم ہے ایک سو سے زائد صحابہ کرام نے اس کا قول رسول ہونا تسلیم کیا ہے اور علامہ امینی مدظلہ نے بترتیب حروف تہجی ان تمام صحابہ کرام کے نام مع الفاظ روایت ذکر کئے ہیں اور تا عہد حاضر اس حدیث کا تواتر کے ساتھ نقل ہونا ثابت فرمایا ہے۔ (الغدیر ج)

ان احادیث کے ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ علیؑ ہی چونکہ عالم قرآن ہے، لہٰذا قرآن کے ساتھ ساتھ علیؑ کی محبت کے بغیر قطعاً انسان مومن نہیں بن سکتا اور گذشتہ فصول میں اس امر پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام ہی عالم قرآن اور معلّم قرآن ہیں اور ان کے بعد ان کی عترت طاہرہ کو یہ شرف تا قیامت حاصل ہے کیونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے ہے۔ اب اس سلسلہ میں کتب امامیہ میں سے بعض اور احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ تاکہ روح ایمان کے لئے صیقل کا کام دیں۔ چنانچہ مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار میں بصائر الدرجات سے بسند صحیح منقول ہے کہ حضرت صادق آل محمد امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ

(۱) ان الله علم نبیه التاویل والتنزیل قال فعلم رسول الله علیا قال وعلمنا والله الخبر — تحقیق اللہ نے اپنے نبی کو تنزیل اور تاویل کا علم عطا فرمایا۔ پس جناب رسالتمآبؐ نے علیؑ کو تعلیم فرمایا۔ پھر فرمایا کہ خدا کی قسم ہم اس کو جانتے ہیں

(۲) قال رسول الله یا علی انت تعلم الناس تاویل القرآن بما لا یعلمون فقال علی ما ابلغ رسالتك — جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا اے علیؑ تو لوگوں کو تاویل قرآن کی تعلیم دے گا کہ وہ نہیں جانتے ہوں گے۔ حضرت علیؑ نے عرض کی۔ مولا میں آپ کی رسالت

لے عن الترمذی ومسند احمد وسنن ابن ماجہ وسنن نسائی وغیرہ۔ ایضاً۔ عن الترمذی وغیرہ ۔ نہج البلاغہ

بعدك يا رسول الله قال تخبر الناس بما
اشكل عليهم من تاويل القرآن وما فيه

کی تبلیغ آپ کے بعد کس طرح کروں؟ تو آپ نے فرمایا۔ تاویل قرآن یا اس کے جملہ مطالب جو لوگوں پر حل نہ ہو سکیں تو ان کو ان سے خبردار کرنا

۳- روى الصفار من ثقات اصحاب الصادق
انه قال بعد ما اومى الى صدره علم الكتاب
كله والله عندنا ثلثا

صفار نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ثقہ اصحاب سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے تین بار ارشاد فرمایا۔ کہ خدا کی قسم پوری کتاب خدا کا علم ہمارے پاس موجود ہے۔

۴- عنه باسناده عن يعقوب بن جعفر
قال كنت مع ابى الحسنؑ بمكة فقال له رجل
انك لتفسر من كتاب الله مالم نسمع به؟ فقال
ابو الحسنؑ علينا نزل قبل الناس ولنا فسر قبل
ان يفسر فى الناس فنحن نعرف حلاله
وحرامه وناسخه ومنسوخه وسفريه وحضريه
وفى اى ليلة نزلت من اية وفى من نزلت
وفيما انزلت الخبر

یعقوب بن جعفر سے روایت ہے کہ مکہ میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے ہمراہ میں موجود تھا کہ آپ کی خدمت میں آکر ایک شخص کہنے لگا آپ قرآن کی ایسی تفسیر بیان فرماتے ہیں جو ہم نے سنی نہ ہو تو آپ نے فرمایا کہ قرآن لوگوں سے پہلے ہم پر نازل ہوا۔ اور لوگوں سے پہلے ہم پر اس کی تفسیر کھلی پس ہم ہی اس کے حلال وحرام، ناسخ ومنسوخ، سفری وحضری کو جانتے ہیں اور ہم ہی جانتے ہیں کہ کون سی آیت کس رات میں کس شخص کے بارے میں اور کس باب میں اتری ہے۔

۵- فى الكافى عن ابى جعفرؑ قال ما يستطيع
احد ان يدعى ان عنده علم جميع القرآن
كله ظاهره وباطنه غير الاوصياء

کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سوائے اوصیاء کے کسی کو جرأت نہیں کہ یہ دعویٰ کرے کہ میں پورے قرآن کا اس کے ظاہر وباطن کا علم رکھتا ہوں

۶- وفى رواية اخرى عنهؑ قال ما ادعى احد
انه جمع القرآن كله كما انزل الا كذاب
وما جمعه وحفظه كما انزل الا على بن
ابى طالب والائمة من بعده

ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے جو بھی جامع قرآن ہونے کا دعویٰ کرے جس طرح اترا ہے وہ جھوٹا ہے کیونکہ جس طرح اترا ہے اس طرح اس کے جمع اور حفظ کرنے والا سوائے علی بن ابی طالب اور اس کے قائمقام آئمہ کے اور کوئی بھی نہیں۔

۷- عن تفسير العياشى قال انا اهل بيت لم
يزل الله يبعث فينا من يعلم كتابه من
اوله الى آخره

بروایت تفسیر عیاشی حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ ہم اہلبیت میں سے خدا ہمیشہ ایک ایسا شخص بھیجتا رہا ہے جو قرآن کا اول سے لے کر آخر تک عالم ہوا کرتا ہے۔

۸- وفى رواية ان من علم ما اوتينا تفسير
القرآن واحكامه لو وجدنا اوعية او مستراحا

ایک روایت میں ہے فرمایا ہمارے علوم وہبیہ میں سے قرآن کی تفسیر بھی ہے اور اس کے احکام کا علم بھی ہے کاش ہمیں اس کے ظرف اور

لَقُلْنَا واللہ المستعان — حال ملتے تو ہم بیان کرتے۔

۹۔ عن قوۃ القلوب۔ قال علی لوشئت لاوقرت سبعین بعیرامن تفسیر فاتحۃ الکتاب — حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بار کر سکتا ہوں۔

۱۰۔ ابوخالد واسطی روایت کرتا ہے کہ زید بن علیؑ سے مروی ہے حضرت امیرالمومنین فرمایا کرتے تھے کہ عہد رسالت میں کبھی میرے سر میں اونگھ یا نیند نے جگہ نہیں لی۔ جب تک کہ میں نے حضرت رسالتمآبؐ سے اس دن میں جبرئیل کی لائی ہوئی آیات کے متعلق حلال و حرام، سنّت اور امر و نہی اور مقصد نزول اور شان نزول دریافت نہ کر لیا ہو۔ راوی کہتا ہے کہ باہر جا کر ہم نے معتزلیوں سے ملاقات کے موقعہ پر اس چیز کو پیش کیا تو انہوں نے اس پر فوراً اعتراض کر دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کیونکہ بعض اوقات وہ دونوں (رسالتمآبؐ اور حضرت علیؑ) ایک دوسرے سے بہت دُور دُور ہوا کرتے تھے۔ پس وہ کس طرح جناب رسالتمآبؐ سے سب باتیں دریافت کر سکتے تھے۔ معتزلیوں کا یہ اعتراض واپس آکر ہم نے زید سے بیان کیا تو زید نے جواب دیا کہ وہ تاریخیں نوٹ کر لی جاتی تھیں اور پھر جب بھی ملاقات ہوتی تھی تو جناب رسالتمآبؐ تاریخ وار آیات سُنا دیا کرتے تھے اور ان کے جملہ گوشوں کے متعلق ارشاد فرمادیا کرتے تھے اور اس طریقہ سے ملاقات کے روز تک کی کمی پوری ہو جایا کرتی تھی۔[1] بس اسقدر روایات اس بارہ میں کافی قرار دیتا ہوں اور ضمنی طور پر اس مضمون کی دوسری روایات اپنے اپنے مقام مناسب پر ذکر ہوتی رہیں گی۔ انشاء اللہ العزیز

میں شروع میں ذکر کر چکا ہوں کہ جامع اوراق اور عالم مطالب مندرجہ میں فرق ہے۔

اصل کتاب اور جامع ظاہری میں کوئی تلازم نہیں۔ لیکن تمسک کے لئے کتاب اور عالم کتاب میں تلازم ہے لہذا عالم قرآن کی معرفت اور مودت کے بغیر صرف قرآن یا اس کے جامع اجواد ظاہریہ کے ساتھ تمسک پکڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے گذشتہ احادیث نے ثابت کر دیا کہ علیؑ کا منکر قرآن کا منکر ہے کیونکہ علیؑ ہی قرآن کے جملہ علوم کے عالم و معلم ہیں۔

نتیجہ یہی ہوا کہ اگر جامع قرآن سے مراد جامع اوراق اور صرف ناشر ہے تو قرآن کی محبت کے ساتھ اس کی محبت کے وجوب کا کوئی تلازم نہیں۔ لہذا اس پر ایمان نہ لانے سے ایمان بالقرآن میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور اگر جامع قرآن سے مراد جامع علوم قرآنیہ ہو تو قرآن کی محبت اور جامع علوم قرآنیہ کی محبت میں قطعی طور پر تلازم ہے۔ ان میں سے ایک کا منکر دوسرے کا منکر ہوگا اور جامع علوم قرآنیہ علیؑ اور ان کی اولاد طاہرین کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں۔ پس قرآن اور ان کی مودت میں یقیناً تلازم ہے۔ ان دونوں میں سے ایک سے منفرت کرکے دوسرے کے ساتھ ایمان کا دعویٰ بے بنیاد ہے

---

[1] فی ثالث البحار عن علی اوتیت فہم الکتاب وفصل الخطاب وعلم القرون والاسباب واستودعت الف مفتاح یفتح کل مفتاح الف باب یفضی کل باب الی الف الف عہد (البحر)

جمع قرآن میں اختلاف

جمع قرآن کے متعلق اہل سنت کے علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں تفصیلی روشنی ڈالنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے چنانچہ مستدرک حاکم سے بروایت زید بن ثابت نقل کیا ہے کہ پہلی بار قرآن مجید عہد رسالت میں جمع ہوا تھا اور بیہقی نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ جمع قرآن سے مراد اس روایت میں جمع آیات قرآنیہ ہے یعنی آیات قرآنیہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر مختلف حالات و واقعات کے متعلق نازل ہوا کرتی تھیں تو جناب رسالتمآب نے سورتوں کی حدود معین فرمائی اور اس کے بعد جب کوئی آیت اترتی تھی تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ اس کو فلاں سورہ میں شامل کر دو اور پھر اسی طریقہ سے تمام نازل شدہ آیات کو حضرت رسالتمآب نے خود ہی علیحدہ علیحدہ سورتوں میں جمع فرما دیا تھا۔ لیکن سورتیں سب یکجا نہ تھیں، بعض پتھروں پر بعض درختوں کے پتوں اور بعض چمڑوں پر تحریر تھیں (جن کو بعد میں جمع کیا گیا)

اس کے بعد بروایت بخاری حضرت ابوبکر کو جامع اول قرار دیا۔ اور زید بن ثابت نے ان کے حکم سے جمع کیا لیکن خوشی اور رضامندی سے نہیں بلکہ جبرو اکراہ سے۔ چنانچہ سیوطی نے اس کی نقاب کشائی یوں کی ہے۔

وفی موطا ابن وھب عن مالك عن ابن شھاب عن سالم بن عبدالله بن عمر قال جمع ابوبکر القرآن فی قراطیس وکان سئل زید بن ثابت فی ذالك فابی حتی استعان علیه بعمر

موطا ابن وہب میں مالک سے اس نے ابن شہاب سے اس نے سالم بن عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے قرآن کو کاغذوں میں جمع کیا چنانچہ انہوں نے زید بن ثابت سے اس کی خواہش کی تھی تو اس نے انکار کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے خلاف حضرت عمر سے مدد لی گئی

نیز بروایت ابن شہاب یہ بھی نقل کیا ہے فکان ابوبکر اول من جمع القرآن (یعنی ابوبکر ہی پہلا جامع قرآن ہے نیز ابن داؤد سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا۔ ابوبکر کتاب اللہ کا پہلا جامع ہے۔

اسی ضمن میں سیوطی نے بروایت ابن سیرین یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے یہ بھی فرمایا۔

لما مات رسول الله صلی الله علیه وسلم آلیت ان لا آخذ ردائی الا لصلوٰۃ الجمعة حتی اجمع القرآن فجمعته

کہ جناب رسالتمآب نے رحلت فرمائی تو میں نے قسم اٹھائی کہ دوش پر سوائے نماز جمعہ کے ردا نہ لوں گا جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں گا پس میں نے قرآن کو جمع کر لیا۔

اس پر ابن حجر نے بغض و حسد کی بھڑاس یوں نکالی ہے کہ حضرت علیؑ کی پہلی روایت یعنی جس میں حضرت ابوبکر کو جامع اول

قرار دیا گیا ہے درست اور صحیح ہے لیکن دوسری روایت جس میں حضرت علیؑ نے اپنا جامع قرآن ہونا ذکر فرمایا ہے ضعیف ہے اور اگر بالفرض صحیح بھی تسلیم کر لی جائے تو ان کے جمع کرنے کا مقصد حفظ کرنا ہے۔

پھر سیوطی نے ابن ابی داؤد سے بروایت حسن حضرت عمر کا پہلا جامع قرآن ہونا ذکر کیا ہے۔

اور نیز بروایت ابن بریدہ حضرت ابوحذیفہ کے غلام سالم کے جامع اول ہونے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

ان تمام روایات کے جمع کرنے کے بعد حارث محاسبی کی رائے یوں نقل کی ہے۔

المشهور عند الناس ان جامع القرآن عثمان وليس كذالك انما حمل عثمان الناس على القراءة بوجه واحد على اختيار وقع بينه وبين من شهده من الانصار والمهاجرين

لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآن کا جامع عثمان ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ انہوں نے تو لوگوں کو صرف ایک قرأت پر متفق ہونے کے لئے آمادہ کیا۔ جن کو اپنے حاضر دربار مہاجرین و انصار کے مشورے سے منتخب کیا۔

چنانچہ صحیح بخاری کے اردو ترجمہ میں مرزا حیرت دہلوی یوں تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۶۷ حدیث ۲۰۸۹)

انس بن مالک سے مروی ہے کہ حذیفہ بن یمان حضرت عثمان کے پاس آئے اور ان دنوں حضرت عثمان اہل شام اور اہل عراق دونوں کو ساتھ ملا کر فتح آرمینیہ بائیجان میں جہاد و جنگ کر رہے تھے اور حضرت حذیفہ بھی ان میں شریک تھے حضرت حذیفہ کو شامیوں اور عراقیوں کی اختلاف قرأت نے گھبرا دیا۔ تو حضرت عثمان سے آکر کہا کہ ان آدمیوں کی خبر لیجئے اس سے پہلے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف نہ کریں تو حضرت عثمان غنی نے حضرت حفصہؓ کے پاس ایک آدمی کو بھیجا کہ اپنا قرآن بھیجدو تاکہ اس سے ہم اور نقل کر لیں اور پھر اصل آپ کے پاس واپس بھیج دیں گے حضرت حفصہؓ نے اس کو ان کے پاس بھیجدیا۔ اور یہاں اس کی چند نقلیں کی گئیں اور حضرت زید بن ثابت انصاریؓ و عبداللہ بن زبیرؓ و سعید بن العاصؓ و عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو لکھنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمانؓ نے ان تینوں آدمیوں (قریشیوں) سے کہا۔ کہ جہاں تمہارا زید بن ثابت (انصاری) سے اختلاف ہو تو وہاں قریشی زبان میں لکھنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قریشی زبان میں قرآن شریف نازل کیا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بہت سے قرآن شریف لکھ لئے اور پھر اصل کو حضرت عثمانؓ غنی نے حضرت حفصہؓ کے پاس بھیجدیا اور ہر اسلامی شہر میں ایک ایک نقل بھیج دی اور پہلے کے جو مختلف قرآنی مسودات تھے ان کو جلا دینے کا حکم فرما دیا۔ (انتہی موضع الحاجۃ)

اس بات میں اختلاف ضرور ہے کہ پہلا جامع قرآن کون شخص ہے؟ گذشتہ تفصیل سے جناب رسالتمآبؐ کے بعد پانچ شخصوں کے نام لئے گئے ہیں کہ یہ قرآن کے جامع ہیں (۱) حضرت ابوبکر (۲) حضرت عمر (۳) حضرت عثمان (۴) حضرت سالم غلام ابوحذیفہ (۵) حضرت علیؑ

بہرکیف ہمیں قرآن ہی سے واسطہ ہے جامع خواہ کوئی ہو۔ حضرت عثمان کے جامع قرآن ہونے کے متعلق توجو

رائے عارف محاسبی نے قائم کی ہے۔ بخاری کی متذکرہ بالا روایت کے پیشِ نظر تو وہی بالکل درست اور مطابق واقع معلوم ہوتی ہے کیونکہ بنا بر روایت بخاری حذیفہ نے شامیوں اور عراقیوں کی اختلافِ قرأت کا ہی شکوہ کیا تھا اور اسی اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حضرت عثمان نے یہ سب اہتمام کر کے ایک ہی قرأت کو شائع کرا دیا اور اطرافِ مملکت میں اسکی نقول بھیج دیں۔ حضرت سالمؓ اور حضرت علیؓ ان کے جمع شدہ قرآن چونکہ ہر دو منظرِ عام پہ نہ آسکے۔ لہٰذا معلوم نہیں ہوسکتا کہ اسی موجودہ قرآن کی قرأت و ترتیب کے موافق تھے یا نہ۔ ان ہر دو کو جامع قرآن اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ حکومت وقت نے ان کی جامعیت کو نامعلوم وجوہ کی بنا پر کوئی خاص اہمیت نہ دی۔

حضرت سالمؓ تو خیر تھے ہی غلام ان کی کون سنتا تھا؟ لیکن حضرت علیؓ کی جمع کو موردِ التفات کیوں نہ قرار دیا گیا۔ اس کو خود خدا جانتا ہے یا وہی جانتے ہیں جن سے معاملہ تھا۔ ابنِ حجر نے بقول سیوطی، حضرت علیؓ کی جامعیت والی روایت کو ٹالنے کی خوب کوشش کی۔ اولاً تو کہہ دیا کہ حضرت علیؓ کے جامع ہونے کے متعلق جو روایت ہے وہ قابلِ اعتماد نہیں ضعیف ہے۔ اب بات چونکہ خلافِ واقع تھی، طبیعت میں اطمینان کیسے آتا؟ سند روایت کی پختگی کو بھانپ کر خجالت محسوس کی لیکن حضرت علیؓ کی فضیلت کا اعتراف بھی تو منشائے تعصب کے خلاف تھا۔ فوراً پینترا بدلا اور کہہ دیا۔ چلو روایت درست ہی سہی۔ تاہم حضرت علیؓ کے جمع کرنے سے مراد حفظ کرنا ہے۔

حضرت علیؓ پہلے حافظِ قرآن تھے

کہتے ہیں (دروغ گو را حافظہ نباشد) اب ذرا کوئی پوچھے کہ جب حضرت علیؓ کے جمع کرنے سے مراد حفظ کرنا ہی ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ پہلے حافظِ قرآن تھے۔ پس اس صورت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے حافظِ قرآن (حضرت علیؓ) کو چھوڑ کر غیر حافظ (زید بن ثابت) کو جمع قرآن پر کیوں مجبور کیا؟ حالانکہ بروایت بخاری اس نے بہت معذرت خواہی بھی کی اور بروایت موطاب وہب اس نے صاف انکار کر دیا اور حَتّٰی اسْتَعَانَ عَلَيْهِ بِعُمَرَ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ حضرت عمر نے سختی سے اُسے جمع کرنے پر آمادہ کیا۔ کیونکہ قانون عربیت کے اعتبار سے لفظ علیٰ ضرر کے لئے ہوا کرتی ہے۔ قطعاً منت و مشورہ کے معنی میں نہیں ہوا کرتی۔

ترجمہ بخاری از مرزا حیرت دہلوی ج۲ حدیث نمبر ۲۰۸۰ ملاحظہ فرمائیے۔ زید نے کہا کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ تم عقلمند جوان آدمی ہو۔ تم پر ہم بھول یا جھوٹ کا الزام نہیں لگا سکتے اور تم نبی صلعم کی وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ (لہٰذا) تم ہی قرآن کو تلاش کر کر کے جمع کرو۔ زید کہتے ہیں۔ کہ واللہ اگر مجھے پہاڑ کے اُٹھانے کا حکم حضرت ابوبکرؓ فرماتے تو وہ مجھے اس جمع قرآن کے کام سے آسان معلوم ہوتا۔

بالفرض اگر زید پر سختی نہ بھی ہوئی ہو۔ تاہم ان کو یہ کام پہاڑ کے سر پر اُٹھانے سے بھی مشکل معلوم ہوتا تھا۔ تو ان کو تلاش کر کر کے جمع کرنے کی تکلیف دینے کی بجائے حافظِ قرآن (حضرت علیؓ) سے جمع کیوں نہ کروا لیا گیا۔ کیونکہ زید بن ثابت

خود حافظ تھا نہیں ۔ ورنہ نہ اس کام کو وہ خود پہاڑ سے سنگین تر سمجھتا ۔ بلکہ کار خیر سمجھ کر خود ہی خواہش کرتا اور نہ خلیفہ تلاش کر کر کے جمع کرنے کا اس کو حکم دیتے ۔

علاوہ ازیں دیگر مسائل مشکلہ میں تو حضرت علیؑ کی طرف وقتاً فوقتاً رجوع کرنے کی ضرورت محسوس ہوا کرتی تھی ۔ اور حضرت علیؑ کی مشکل کشائی کے بعد لولا علی لھلک عمر یا اس قسم کے دیگر اعترافی کلمات زبان سے نکل جایا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی سبقت علمی کا اعتراف کرتے تھے تفصیل کے لئے صفحہ ۸۲ ملاحظہ ہو ۔ نیز جناب رسالتمآبؐ کا فرمان علی مع القرآن والقرآن مع علی (علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے) بھی زیر نظر تھا حوالہ صفحہ ۱۲۵ پر ملاحظہ ہو اور حدیث متواتر ثقلین جو تمام صحابہ کے گوش گذار ہو چکی تھی ۔ ابھی اتنی پرانی نہیں ہوئی تھی کہ کسی کو اس کا خیال نہ رہا ہو ہم اس کو گذشتہ عنوانات میں بالعموم اور ایک علیحدہ عنوان میں بالخصوص متعدد طرق سے بیان کر چکے ہیں اور ان سب کے علاوہ ابن حجر کی سابق تاویل کے پیش نظر حضرت علیؑ اول حافظ قرآن تو تھے ہی ۔ بایں ہمہ زید بن ثابت کے سر یہ پہاڑ سے گراں تر بھار رکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور حضرت علیؑ پر جمع کرنے کا اعتماد کیوں نہ کیا گیا ؟ نیز خود علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے عہد رسالت میں قرآن جمع کر کے جناب رسالتمآبؐ کے پیش بھی کیا تھا ۔ چنانچہ اُن کے حضرت علیؑ کی تعریف میں اصل الفاظ یہ ہیں ۔ واحد من جمع القرآن وعرضہ علی رسول اللہ یعنی علی ایک شخص ہے ۔ جس نے قرآن کو جمع کیا اور حضرت رسالتمآبؐ کے پیش بھی کیا ۔ اب انصاف سے فرمایئے کہ جب حضرت علیؑ کے پاس جناب رسالتمآبؐ کا مصدقہ قرآن موجود تھا تو اُسے چھوڑ کر ادھر اُدھر دوڑ دھوپ کرنے یا ہاتھ پاؤں مارنے کی کیا ضرورت تھی ؟ کیا ان کے نزدیک جناب رسالتمآبؐ کی فرمائشات حدیث ثقلین یا دیگر اس قسم کی احادیث جن کو تواتر سے نقل کیا گیا ہے قابل اعتماد اور مبنی بر صحت نہیں تھیں ۔ یا آنحضرتؐ کا مصدقہ جمع شدہ قرآن جو علیؑ کے پاس تھا ۔ وہ ناکافی تھا ؟ جمع قرآن جیسے اہم دینی معاملہ میں حضرت علیؑ جیسی اہم شخصیت کو منظر انداز کرنا حالانکہ علم قرآن سب سے زیادہ علیؑ کو تھا کیا معنی رکھتا ہے اور اس کا پس منظر کیا ہے ؟ دانا خود سوچیں اور منصفانہ طور پر اس کا جائزہ لیں کہیں دال میں کالا نہ ہو

لطیفہ ۔ جمع قرآن کے متعلق وارد شدہ اور دیگر متعلقہ روایات سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ مذکورین میں سے سوائے علیؑ بن ابی طالبؑ کے ایک بھی حافظ قرآن نہ تھا ۔ کیونکہ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس سے صحف منگوا کر زید کو ایک مصحف میں جمع کرنے کا حکم دیا اور متعدد نسخے لکھوائے اور کہا کہ اختلافی مقامات پر قریش کی لغت کو ترجیح دینا کیونکہ قرآن اسی لغت میں اترا ہے اگر خود حافظ ہوتے تو حضرت حفصہ سے صحیفے منگوانے کی یا اختلاف قرآت کا خطرہ محسوس کر کے علاج معین کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟ اپنے حفظ سے ہی سب کچھ ہو سکتا تھا ۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی اگر حافظ ہوتے تو زید کو تلاش کر کر کے جمع کرنے کی تکلیف نہ دیتے اپنے حفظ سے ہی لکھوا دیتے یا کم از کم امداد ضرور دیتے تاکہ اس کا بھار ہلکا ہو جاتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زید خود بھی حافظ نہیں تھا ۔ ورنہ جمع قرآن جیسی اہم دینی خدمت سے ہرگز جی نہ چُراتا

اور معذرت پیش کر کے پہلو تہی کی کوشش نہ کرتا اور نہ اس کو پہاڑ سے گراں تر سمجھتا اور نہ اس کو تلاش کرنے کی فرمائش ہوتی بلکہ وہ اپنے حفظ سے سب کچھ کر لیتا۔

پس اس ساری فہرست میں سے ایک بھی حافظِ قرآن نہیں۔ ابن حجر بیچارے کو یہ خیال تک نہیں آیا ورنہ وہ حضرت علیؑ کو کیوں حافظ قرآن کہتا؟ روایت متعلقہ کی کوئی اور توجیہہ نکال لیتا۔ تاکہ حضرت علیؑ صحابہ کے مقابلہ میں ذرا نیچے معلوم ہوتے اس میں شک نہیں کہ شیعہ قوم میں حافظ کم ہیں۔ لیکن الحمدللہ بتصدیق ابنِ حجر شیعوں کا امام تو حافظ قرآن ہے مقتدی، حافظ نہ سہی، مقتدا تو حافظ ہے۔ مقتدی بوقتِ ضرورت ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

رونا تو ان لوگوں کی حالت پہ آنا چاہیئے کہ مقتدی حافظ اور مقتدا سب کے سب بے بہرہ

ابن حجر نے حضرت علیؑ کے جامع قرآن ہونے پہ حرف گیری کرتے ہوئے جمع کی تاویل حفظ سے کر کے حضرت علیؑ کے حافظ ہونے کا اعتراف کر لیا۔ لیکن ایک بات کا خیال نہ رہا۔ اگر کوئی سوال کرے کہ اگر قرآن پہلے جمع نہ تھا تو حضرت علیؑ حافظ کس چیز کے تھے اور حضرت علیؑ نے اگر حفظ کیا ہے تو بھی گھر پہ کیونکہ متعلقہ روایت کے الفاظ ہیں کہ دوش پہ عبا نہ لوں گا۔ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں یعنی گھر سے باہر قدم نہ رکھوں گا۔ جب تک جمع نہ کر لوں گا۔ یہاں تک کہ میں نے جمع کر لیا اور بقول ابنِ حجر معنی یہ ہوا کہ دوش پہ عبا نہ ڈالوں گا۔ جب تک حفظ نہ کر لوں گا۔ یہاں تک کہ میں نے حفظ کر لیا سوچنے کے قابل ہے کہ اگر قرآن علیؑ نے جمع نہیں کیا تو پھر گھر بیٹھ کر حفظ کس چیز سے دیکھ کر کرتے رہے۔ پس اپنے ہاں جمع تھا تو حفظ کیا اور پہلے حفظ تھا تو جمع کیا کیونکہ نہ باہر گئے اور نہ کسی سے دریافت کیا اور نہ کوئی ضعیف سے ضعیف بھی ایسی روایت ملتی ہے کہ علیؑ نے کبھی کسی سے کوئی آیت دریافت کی ہو۔ پس یہی معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کا حفظ رسالتمآبؐ سے تھا اور جمع حفظ سے تھی اور بروایت سابقہ تاریخ الخلفاء علیؑ عہد رسالت سے جامع بھی تھے اور حافظ بھی۔ لسانِ وحی ترجمان سے سُن سُن کر حفظ بھی کرتے رہتے اور جمع بھی ہوتا رہا اور ان کے متعلق جمع کی وہ روایت جس کی ابنِ حجر نے حفظ سے تاویل کی ہے اس سے مراد صرف ترتیب اجزاء ہے اور بس۔

نتیجہ:۔ جامع قرآن حضرت سالم نہیں بلکہ وہ تو ایسی کس مپُرسی کے عالم میں ہے کہ اس سلسلہ میں اس کا نام بھی کوئی نہیں لیتا۔ حضرت علیؑ کے جامع قرآن تسلیم کرنے سے طبیعت گھبراتی ہے حتّٰی کہ لفظ جمع کو حفظ سے مؤوّل کر لیا جاتا ہے گو حفظ خود بخود جمع کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اگر تاویل کرنے والا سوچتا تو قطعاً یہ تاویل نہ کرتا۔ کیونکہ جمع میں صرف ایک ہی فضیلت تھی اور حفظ میں دو فضیلتوں کا اظہار ہوتا ہے جمع بھی اور حفظ بھی (پہلے جمع نہ ہو تو لفظ حفظ لغو ہے)۔

حضرت عثمان بھی جامع نہیں کیونکہ بروایت حارث محاسبی اور تبائید روایت بخاری وہ تو صرف لوگوں کو ایک قرأت پہ جمع کرنے والے ہیں۔ قرآن اُن سے پہلے جمع تھا۔ انہوں نے نقل کر کے اور قرأت ایک کر کے اطراف میں بھیج دیئے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بھی خود جامع نہیں وہ تو صرف حکم دینے والے ہیں حکم دینا اور بات ہے اور عمل کرنا اور شیئے ہے۔

اب رہا زید تو اس کے متعلق مستدرک حاکم کی روایت سُنیئے جس کو سیوطی نے الاتقان میں ذکر کیا ہے۔

اخرج بسند علی شرط الشیخین عن زید بن ثابت قال کُنّا عند رسول اللّٰہ نؤلف القرآن من الرقاع

حاکم نے ایسی سند سے روایت کی ہے۔ جو شرط شیخین (بخاری و مسلم) کے موافق ہے زید بن ثابت کہتا ہے کہ ہم جناب رسالتمآبؐ کے پاس رہ کر قرآن شریف کو مختلف (چمڑے یا کاغذ وغیرہ کے) ٹکڑوں سے جمع کرلیا کرتے تھے

مطلب صاف یہی نکلا کہ قرآن مجید عہدِ رسالت میں جمع ہو چکا تھا اور زید نے دوبارہ خلفاء وقت کے حکم سے ان کو نقل کرکے دیدیا گو بیہقی نے جامع قرآن کی اہمیت بڑھانے کے لئے اس روایت کی تاویل کرلی جو پہلے ذکر ہو چکی ہے لیکن واقعات اس تاویل کو قبول نہیں کرتے اور جناب رسالتمآبؐ کے دَور میں جمع کرنے والوں میں سے ایک حضرت علیؑ بھی ہیں جس کو تاریخ الخلفاء میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان کے جمع شدہ قرآن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جمع کے بعد حضورؐ نے اس کا ملاحظہ فرمالیا تھا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مصدقہ جمع شدہ قرآن تھا۔ لیکن نامعلوم وجوہ کی بنا پر حکومتِ وقت نے اس کی ترویج مناسب نہ سمجھی اور نہ اس معاملہ میں حضرت علیؑ کو شامل کرنا مناسب سمجھا۔ اس تفصیل سے ایک طرف تو صحابہ کا باہمی شیروشکر ہونا بھی ظاہر ہو گیا اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ ان سب میں سے سوائے علیؑ کے نہ کوئی حافظ قرآن ہے نہ جامع بلکہ قرآن عہدِ رسالتؐ سے جمع تھا۔ حضرت علیؑ اس کے حافظ بھی تھے اور جامع بھی پس فرمانِ رسالتؐ کی تصدیق ہو گئی۔

علیؑ مع القرآن والقرآن مع علیؑ

ابتدائے نزولِ قرآن

اس میں اختلاف ہے کہ قرآن مجید کا سب سے پہلے نازل ہونے والا سورہ کون سا ہے۔ چنانچہ اس میں چار اقوال مشہور ہیں

۱۔ سورۂ اقراء سب سے پہلے نازل ہوا ہے۔

۲۔ بعض مفسرین نے سورہ مدثر کو پہلا نازل ہونے والا سورہ قرار دیا ہے۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ سب سے پہلے اُترا ہے

۴۔ ایک روایت میں ہے کہ قرآن کا سب سے پہلے اترنے والا حصہ آیت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہے۔

پہلا قول کرنے والوں نے ایک روایت کو اپنے قول کا مدرک قرار دیا ہے جس کو علامہ سیوطی نے الاتقان میں کتب صحاح سے نقل کیا ہے جس کی راویہ حضرت عائشہ ہیں کہ غار حرا میں جب پہلے پہل حضرت جبریل کا نزول ہوا تو اس نے حضرت رسالتمآبؐ سے خواہش کی کہ اِقۡرَاۡ یعنی پڑھو تو آپ نے جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو جبریل نے آپ کو ڈھانپ

لیا اور خوب دبایا پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو تو پھر آپ نے حسب سابق جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں چنانچہ پھر جبرئیل نے آپ کو ڈھانپ کر خوب دبایا اور جب چھوڑا تو کہا کہ پڑھو لیکن آپ نے پھر بھی وہی جواب دہرایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں پس جبرئیل نے تیسری دفعہ پھر ڈھانپ لیا اور خوب دبایا اور چھوڑنے کے بعد پھر پڑھنے کو کہا تو آپ نے پھر فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اب کی بار جبرئیل نے پڑھا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ تک اور حضورؐ نے اس کو دھرالیا ۔ جبکہ آپ کے اعضاء میں کپکپی طاری تھی

دوسرے قول کا مدرک کتب صحاح سے الاتقان میں بروایت جابر بن عبداللہ انصاری منقول ہے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں غار حرا سے نکل کر وادی کے درمیان میں تھا کہ میں نے ہر چہار سو دیکھ کر آسمان کی طرف نظر بلند کی تو جبرئیل دکھائی دیا۔ پس میرے جسم میں کپکپی طاری ہوگئی ۔ چنانچہ گھر میں پہنچ کر میں نے خدیجہ سے کہا دَثِّرُوْنِیْ یعنی میرے اوپر لحاف ڈال دو پس اللہ نے نازل فرمایا يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ الخ

اقول : شیعہ عقیدہ کی رو سے حضرت رسالتمآبؐ کا نزول وحی کے وقت جبرئیل سے خوفزدہ ہونا بعید از عقل ہے اسی طرح ہر وہ روایت جس میں شانِ رسالت میں بے ادبی یا گستاخی کا پہلو ظاہر ہو وہ لائق تاویل یا قابل رد ہے پہلا قول سب سے زیادہ مشہور ہے اور روایاتِ اہلبیت میں اس کی تائید بھی موجود ہے۔

چنانچہ الاتقان میں حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ مکہ میں سب سے پہلا نازل ہونے والا سورہ اِقْرَأْ ہے جبکہ سب سے آخر اترنے والا سورہ المومنون ہے (بعضوں نے عنکبوت کہا ہے) اور مدینہ میں سب سے پہلے اترنے والا سورہ وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِيْنَ ہے اور آخری سورہ براءت اور بعض مفسرین نے مدینہ میں پہلا اترنے والا سورہ البقرہ اور بعض نے سورہ القدر قرار دیا ہے ۔

اکثر قرآن مکہ و مدینہ میں اترا ہے لیکن چند آیتیں سماوی ہیں مثلاً سورۂ زخرف کی آیت وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الخ اور سورۂ صافات کی تین آیتیں وَمَا مِنَّا اِلَّا الخ اور سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں اور سورہ مرسلات زمین کے اندر نازل ہوا جبکہ آپ غار ثور میں تشریف فرما تھے۔

شیعہ عقیدہ کی رو سے چونکہ آیتِ مجیدہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سورہ برات کے علاوہ ہر سورہ کا جزو ہے لہذا جو سورہ بھی پہلے اترا اس کی ابتدا بسم اللہ سے ہوئی پس بسم اللہ کا سب سے پہلے نازل ہونا یقینی ہے ۔

ترتیب نزول

بعض متعصب مزاج لوگ آلِ محمدؐ کے فضائل و مناقب پر پردہ ڈالنے کے لئے جہاں آیات کی تاویل میں ہیرا پھیری سے کام لے کر عوام کے دلوں میں شکوک و شبہات کے بیج بوتے ہیں ۔ وہاں مکی و مدنی سورتوں میں خلط کر کے عوام کو آلِ محمدؐ

کے بارے میں نازل شدہ آیات کے مضامین سے مائل بانحراف کرتے ہوئے دل کی بھڑاس کو ٹھنڈا کرنے میں مسرور محسوس کرتے ہیں چنانچہ سورۂ الدھر جو آلِ محمدؐ کی یتیم پروری مسکین نوازی اور اس پر رحمدلی کے ایثار پسندانہ جذبات کے مظاہر پر خالق کائنات کی طرف سے خراج تحسین و تشکر کی پیش کش اور اخروی انعامات و اکرامات کی محکم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اس کے شانِ نزول کے انکار کرنے کے بہانہ سے سورۂ دھر کو مکی ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے اور دَورِ حاضر کے متعصب ترین مصنف جناب ابوالاعلی مودودی نے بھی اسی اشعار کو اپناتے ہوئے اپنے مجتہدانہ ذہن کو اسی منہج پر لگالیا اور سورہ مذکورہ کو مکی کہہ کر مذہب اہلبیت کا مذاق اڑانے کی کوشش کی۔

میرے سامنے اس وقت علامہ جلال الدین سیوطی کی الاتقان فی علوم القرآن مطبوعہ مصر کا دوسرا ایڈیشن ہے جس کے جزو اوّل کے ص۲۵ پر انہوں نے مکی و مدنی سورتوں کی تفصیل بروایت جابر بن زید نقل کی ہے چنانچہ مکہ میں نازل ہونے والے سوروں کی علی الترتیب فہرست یہ ہے۔

نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ
۱	اقراء	۱۵	الکوثر	۲۹	لایلاف	۴۳	الفاطر
۲	ن والقلم	۱۶	التکاثر	۳۰	القارعة	۴۴	مریم
۳	المزمل	۱۷	أرأیت	۳۱	القیامة	۴۵	طٰہٰ
۴	المدثر	۱۸	الکافرون	۳۲	ویل لکل ھمزة	۴۶	الواقعہ
۵	الفاتحہ	۱۹	الفیل	۳۳	المرسلات	۴۷	الشعراء
۶	تبت یدا	۲۰	الفلق	۳۴	ق	۴۸	النمل
۷	التکویر	۲۱	الناس	۳۵	البلد	۴۹	القصص
۸	الاعلیٰ	۲۲	قل ھو اللہ احد	۳۶	الطارق	۵۰	بنی اسرائیل
۹	واللیل	۲۳	والنجم	۳۷	القمر	۵۱	یونس
۱۰	والفجر	۲۴	عبس	۳۸	ص	۵۲	ھود
۱۱	والضحیٰ	۵	انا انزلنا	۳۹	الاعراف	۵۳	یوسف
۱۲	المنشرح	۲۶	والشمس	۴۰	الجن	۵۴	الحجر
۱۳	والعصر	۲۷	البروج	۴۱	یٰسین	۵۵	الانعام
۱۴	والعادیات	۲۸	التین	۴۲	الفرقان	۵۶	الصافات

نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ
۵۷	لقمان	۶۵	الاحقاف	۷۳	النحل	۸۱	النازعات
۵۸	السباء	۶۶	الذاریات	۷۴	نوح	۸۲	الانفطار
۵۹	الزمر	۶۷	الغاشیہ	۷۵	الطور	۸۳	الانشقاق
۶۰	المومن	۶۸	الکہف	۷۶	المومنون	۸۴	الروم
۶۱	حٰم السجدہ	۶۹	الشوریٰ	۷۷	الملک	۸۵	العنکبوت
۶۲	الزخرف	۷۰	ابراھیم	۷۸	الحاقہ	۸۶	المطففین
۶۳	الدخان	۷۱	السجدہ	۷۹	المعارج		
۶۴	الجاثیہ	۷۲	الانبیاء	۸۰	عم یتساءلون		

یہ کل چھیاسی ۸۶ سورتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں اور تفسیر الاتقان میں ہے کہ سورہ النحل کی چالیس آیتیں مکہ میں اور باقی مدینہ میں نازل ہوئیں۔ ان کے بعد مدینہ میں اترنے والی سورتوں کی علی الترتیب فہرست یہ ہے۔

نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ	نمبر شمار	نام سورہ
۸۷	البقرہ	۹۴	اذا زلزلت	۱۰۱	البینہ	۱۰۸	الحجرات
۸۸	آل عمران	۹۵	الحدید	۱۰۲	الحشر	۱۰۹	التحریم
۸۹	الانفال	۹۶	محمد	۱۰۳	اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللہ	۱۱۰	الجمعہ
۹۰	الاحزاب	۹۷	الرعد	۱۰۴	النور	۱۱۱	التغابن
۹۱	المائدہ	۹۸	الرحمٰن	۱۰۵	الحج	۱۱۲	الصف
۹۲	الممتحنہ	۹۹	الدھر	۱۰۶	المنافقون	۱۱۳	الفتح
۹۳	النساء	۱۰۰	الطلاق	۱۰۷	المجادلہ	۱۱۴	التوبہ

تاج کمپنی کے موجودہ طبع شدہ قرآن میں سورتوں کی تنزیل کے ترتیب وار نمبر درج ہیں جو نمبر ۶۱ حم السجدۃ تک روایت مذکورہ کے مطابق ہیں اور بعد میں قدرے اختلاف ہے چنانچہ وہ نمبر اس طرح ہیں۔

نمبر	نام سورہ	نمبر	نام سورہ	نمبر	نام سورہ	نمبر	نام سورہ
۶۲	الشوریٰ	۷۶	الطور	۸۹	الانفال	۱۰۳	الحج
۶۳	الزخرف	۷۷	الملک	۹۰	الاحزاب	۱۰۴	المنافقون
۶۴	الدخان	۷۸	الحاقہ	۹۱	الممتحنہ	۱۰۵	المجادلہ
۶۵	الجاثیہ	۷۹	المعارج	۹۲	النساء	۱۰۶	الحجرات
۶۶	الاحقاف	۸۰	النباء	۹۳	إذا زلزلت	۱۰۷	التحریم
۶۷	الذاریات	۸۱	النازعات	۹۴	الحدید	۱۰۸	التغابن
۶۸	الغاشیہ	۸۲	الانفطار	۹۵	مُحَمَّدٌ	۱۰۹	الصف
۶۹	الکہف	۸۳	الانشقاق	۹۶	الرعد	۱۱۰	الجمعہ
۷۰	ابراھیم	۸۴	الروم	۹۷	الرحمٰن	۱۱۱	الفتح
۷۱	نوح	۸۵	العنکبوت	۹۸	الدھر	۱۱۲	المائدہ
۷۲	الانبیاء	۸۶	المطففین	۹۹	الطلاق	۱۱۳	التوبہ
۷۳	النحل		مدنی سورتیں	۱۰۰	البیّنہ	۱۱۴	النصر
۷۴	المومنون	۸۷	البقرہ	۱۰۱	الحشر		
۷۵	السجدہ	۸۸	آلِ عمران	۱۰۲	النور		

موجودہ ترتیب مکی و مدنی

دورِ حاضر میں موجودہ قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب حسبِ ذیل ہے جو تاج کمپنی کے مطبوعہ قرآنوں میں موجود ہے

نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی
۱	الفاتحہ	مکیہ	۵	المائدہ	مدنیہ	۹	توبہ	مدنیہ	۱۲	رعد	مدنیہ
۲	البقرہ	مدنیہ	۶	الانعام	مکیّہ	۱۰	یونس	مکیّہ	۱۳	ابراھیم	مکیّہ
۳	آل عمران	"	۷	الاعراف	"	۱۱	ھود	"	۱۴	الحجر	"
۴	النسآء	"	۸	الانفال	مدنیہ	۱۲	یوسف	"	۱۵	النحل	"

نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی
۱۷	بنی اسرائیل	مکیہ	۴۱	حم السجدۃ	مکیہ	۶۵	الطلاق	مدنیہ	۸۹	الفجر	مکیہ
۱۸	الکہف	〃	۴۲	الشوریٰ	〃	۶۶	التحریم	〃	۹۰	البلد	〃
۱۹	مریم	〃	۴۳	الزخرف	〃	۶۷	الملک	مکیہ	۹۱	الشمس	〃
۲۰	طٰہٰ	〃	۴۴	الدخان	〃	۶۸	القلم	〃	۹۲	واللیل	〃
۲۱	الانبیاء	〃	۴۵	الجاثیہ	〃	۶۹	الحاقہ	〃	۹۳	الضحیٰ	〃
۲۲	الحج	مدنیہ	۴۶	الاحقاف	〃	۷۰	المعارج	〃	۹۴	الانشراح	〃
۲۳	المومنون	مکیہ	۴۷	محمد	مدنیہ	۷۱	نوح	〃	۹۵	التین	〃
۲۴	النور	مدنیہ	۴۸	الفتح	〃	۷۲	الجن	〃	۹۶	اقراء (العلق)	〃
۲۵	الفرقان	مکیہ	۴۹	الحجرات	〃	۷۳	المزمل	〃	۹۷	القدر	〃
۲۶	الشعراء	〃	۵۰	ق	مکیہ	۷۴	المدثر	〃	۹۸	البینہ	مدنیہ
۲۷	النمل	〃	۵۱	الذاریات	〃	۷۵	القیامہ	〃	۹۹	اذا زلزلت	〃
۲۸	القصص	〃	۵۲	الطور	〃	۷۶	الدھر	مدنیہ	۱۰۰	العادیات	مکیہ
۲۹	العنکبوت	〃	۵۳	النجم	〃	۷۷	المرسلات	مکیہ	۱۰۱	القارعہ	〃
۳۰	الروم	〃	۵۴	القمر	〃	۷۸	النباء	〃	۱۰۲	التکاثر	〃
۳۱	لقمان	〃	۵۵	الرحمن	مدنیہ	۷۹	النازعات	〃	۱۰۳	العصر	〃
۳۲	السجدۃ	〃	۵۶	الواقعہ	مکیہ	۸۰	عبس	〃	۱۰۴	الھمزۃ	〃
۳۳	الاحزاب	مدنیہ	۵۷	الحدید	مدنیہ	۸۱	تکویر	〃	۱۰۵	الفیل	〃
۳۴	سبا	مکیہ	۵۸	المجادلہ	〃	۸۲	الانفطار	〃	۱۰۶	لایلاف	〃
۳۵	فاطر	〃	۵۹	الحشر	〃	۸۳	المطففین	〃	۱۰۷	الماعون	〃
۳۶	یٰس	〃	۶۰	الممتحنہ	〃	۸۴	الانشقاق	〃	۱۰۸	الکوثر	〃
۳۷	الصافات	〃	۶۱	الصف	〃	۸۵	البروج	〃	۱۰۹	الکافرون	〃
۳۸	ص	〃	۶۲	الجمعہ	〃	۸۶	الطارق	〃	۱۱۰	النصر	مدنیہ
۳۹	الزمر	〃	۶۳	المنافقون	〃	۸۷	الاعلیٰ	〃	۱۱۱	اللھب	مکیہ
۴۰	المومن	〃	۶۴	التغابن	〃	۸۸	الغاشیہ	〃	۱۱۲	الاخلاص	〃

نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی	نمبر	نام سورہ	مکی یا مدنی
۱۱۳	الفلق	مکیہ	۱۱۴	الناس	مکیہ

روایت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ سورہ الدھر مدنی ہے اور موجودہ قرآنوں میں بھی اس کو مدنی کہا گیا ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں سورتوں کی ترتیب نقل کرنے کے بعد اس میں منظر کا اظہار کیا ہے۔ تاکہ اس کو ناقابلِ اعتماد قرار دیا جائے لیکن اس کے مقابلہ میں کوئی دوسری روایت صحیح پیش نہیں کر سکا اور اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے عملی طور پر دبے انداز میں اس کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہو گیا ہے ہم نے تفسیر ہذا کی جلد ۱۴ میں سورہ دھر کی تفسیر کے ذیل میں مکی و مدنی سورتوں کی ترتیب نقل کی ہے۔ بہرکیف آلِ محمدؐ کے فضائل کو گھٹانے یا دبانے یا مٹانے کے لئے روزِ اوّل سے حاسدانہ زبان و قلم کو استعمال کرنے کی سعی لاحاصل جاری ہے لیکن ؟

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

احراقِ قرآن کا مسئلہ

یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت عثمان نے باقی ماندہ قرآنوں کو جلا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ اس مقام پر مرزا حیرت دہلوی نے ترجمہ صحیح بخاری میں حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے کیونکہ بخاری کے الفاظ یہ ہیں وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃٍ او مُصحفٍ ان یحرق یعنی حضرت حفصہ کی طرف سے آئے ہوئے صحیفوں پر جس قدر قرآن درج تھا اس کو متعدد مصاحف میں نقل کروا لینے کے بعد وہ صحیفے تو حضرت حفصہ کو واپس بھیج دیئے لیکن اس قرآن کے علاوہ جس قدر قرآن دوسرے صحیفوں میں مرقوم تھا اس کو جلا دینے کا حکم دے دیا۔ یہ فرق یاد رہے کہ باقی صحیفوں کو نہیں جلایا۔ بلکہ ان صحیفوں میں جس قدر قرآن ماسوا اس قرآن کے تھا جو حضرت حفصہ کے صحیفوں سے نقل کیا گیا تھا۔ اس کو جلانے کا حکم دیا بخاری کی اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

فارسل الی حفصۃ ان ارسلی الینا الصحف ننسخها فی المصحف ثم نردها الیک فارسلت بها حفصۃ الی عثمان فامر زید بن ثابت وعبداللّٰہ بن زبیر وسعید بن العاص

پس حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ اپنے صحیفے بھیج دو تاہم ان کو اور مصاحف میں نقل کر لیں پھر اصل تمہیں واپس بھیج دیں گے۔ حضرت حفصہ نے وہ حضرت عثمان کی طرف بھیج دیئے۔ پس انہوں نے زید بن ثابت اور عبداللّٰہ بن زبیر اور سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن

وعبدالرحمٰن بن الحارث بن هشام فنسخوها فی المصاحف وقال عثمان للرهط القرشیین الثلاثة اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شیء من القرآن فاکتبوه بلسان قریش فانه انما نزل بلسانهم ففعلوا حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی حفصة وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخو اوامر بما سواه من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق۔

بن حارث بن ہشام کو حکم دیا کہ نقل کر لیں (پس انہوں نے متعدد نسخے لکھ لئے اور حضرت عثمان نے تینوں قریشیوں کو کہدیا کہ جب تمہارا اور زید کا قرأت میں سے کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو قریش کی لغت میں لکھنا کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ یہانتک کہ انہوں نے جب ان صحیفوں کو متعدد مصاحف میں لکھ لیا تو وہ صحیفے حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کو واپس بھیج دیئے اور ہر طرف انہی نقل شدہ مصاحف میں سے ایک ایک نسخہ بھیج دیا اور اس کے ماسوا جس قدر قرآن دیگر صحیفوں میں یا کسی اور مصحف میں تھا۔ اس کو جلانے کا حکم دے دیا۔

اس عبارت کا صاف طور پر یہ مطلب ہے کہ حضرت حفصہ کے پاس سے آئے ہوئے صحیفوں میں جس قدر قرآن تھا۔ صرف وہی متعدد مصاحف میں نقل کر لیا گیا اور باقی ماندہ صحیفوں میں اس کے ماسوا جس قدر قرآن تھا۔ سب کو جلا دیا گیا۔ باقی صحیفوں کو نہیں بلکہ ان میں جو قرآن حضرت حفصہ کے صحیفوں میں لکھے ہوئے قرآن کے علاوہ اور ماسوا تھا صرف اسی کو جلانے کا حکم دیا گیا۔ لیکن مرزا حیرت مترجم بخاری نے اس آخری ٹکڑے کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ (پہلے پہلے کے جو قرآنی مسودات تھے سب کو جلا دینے کا حکم فرما دیا۔ صفحہ پر ملاحظہ ہو

مسودہ تو اس رف خاکہ کو کہا جاتا ہے جو دوسرے اصلی مقام پر نقل کر لینے کے بعد بے کار قرار دیا جائے اس لحاظ سے تو حضرت حفصہ کے صحیفے ہی مسودات سے تعبیر کئے جا سکتے ہیں لیکن انکو نہیں جلایا گیا۔ اور اس کو کس طرح مسودہ سے تعبیر کیا جائیگا جس کو نقل کئے بغیر تلف کر دیا گیا ہو۔ البتہ اپنے تیار شدہ مضامین میں یہ گنجائش ہوا کرتی ہے کہ اس کی کاٹ چھانٹ کی جائے زائد رف کو ترک کر دیا جائے اور ناقص رف کی کمی کو پورا کر دیا جائے لیکن کلام اللہ تو اس قسم کا مسودہ نہیں تھا جس کی کاٹ چھانٹ کا اختیار کسی جامع قرآن کے ہاتھ میں ہوتا اگر ایسا تھا تو جناب رسالتمآب خود بنفس نفیس اس کام کو سرانجام فرما کے جاتے وہ تو پوری امت کو تاکیدی حکم فرما گئے تھے کہ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک اہل بیت دوسرے قرآن مجید اگر قرآنی مسودات میں جلائے جانے کے قابل کوئی رف زیادتی ہوتی تو اس کو حضور خود ہی تلف کر جاتے اور ہمیں اس سے تمسک کا حکم ہرگز نہ فرماتے۔

مترجم بخاری نے جلائے جانے والے قرآن کو مسودات سے تعبیر کر لیا لیکن جلال الدین سیوطی نے "الاتقان" ج آداب کتابت کے بیان کے اخیر میں یہ تاویل پیدا کر لی کہ اَحْرَقَ مَصَاحِفَ کَانَ فِیْهَا آیَاتٌ وَقِرَاءَاتٌ مَنْسُوْخَةٌ

یعنی حضرت عثمان نے صرف وہ مصحف جلائے جن میں منسوخ آیتیں اور قرأتیں تھیں۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس قدر قرآن کو جمع یا نقل کرا کے اطراف مملکت میں روانہ کیا ان میں تو کوئی آیت ایسی نہیں جو منسوخ ہو چکی ہو۔ کتب تفسیر و آثار سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اس موجودہ قرآن میں بھی بہت سی آیات ایسی ہیں جو منسوخ ہو چکی ہیں۔

ناسخ و منسوخ

سیوطی نے الاتقان میں ناسخ و منسوخ کے باب میں لکھا ہے قال الائمۃ لا یجوز لاحد ان یفسر کتاب اللہ - الا بعد ان یعرف منہ الناسخ والمنسوخ - یعنی ائمہ نے کہا ہے کہ کسی شخص کے لئے قرآن مجید کی تفسیر کرنا جائز نہیں جب تک اس میں سے ناسخ و منسوخ کا علم نہ رکھتا ہو چنانچہ اس کے بعد منسوخ آیات پر ایک طویل بحث کرنے کے بعد یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ میرے نزدیک کل منسوخ آیات کی تعداد بیس ہے جو اس موجودہ قرآن میں ہیں اور ان کو میں ایک نظم میں پیش کرتا ہوں۔

وقد اکثر الناس فی المنسوخ من عدد	وادخلوا فیہ آیا لیس تنحصر
لوگوں نے منسوخ آیات کی بڑی تعداد بیان کی ہے	اور انمیں بہت کافی آیات داخل کردی ہیں جو شمار سے باہر ہیں
وھاک تحریر آی لا مزید لھا	عشرین حررھا الحذاق والکبر
یہ لو بغیر کسی زیادتی کے آیاتِ منسوخہ کی تعداد	بیس ہے جس کو ماہرین بزرگواروں نے تحریر کیا ہے۔
آی التوجہ[1] حیث المرء کان وان[2]	یوصی لاھلیہ عند الموت محتضر
نماز کے وقت قبلہ کی طرف منہ پھیرنے کی آیات اور	بوقت احتضار مرنے والے کو وصیت کے حکم والی آیت
وحرمۃ[3] الاکل بعد النوم مع رفث	وفدیۃ[4] لمطیق الصوم مشتھر

[1] اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ، جس طرف منہ کرلو اسی طرف ذاتِ خدا موجود ہے یہ منسوخ ہے اس آیت سے کہ فرمایا فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اپنے منہ مسجد حرام کی طرف پھیر دو [2] کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ (الآیۃ) تمہارے اوپر فرض ہے کہ مرنے کے وقت اپنے والدین اور اقرباء کے لئے وصیت کر جاؤ اس آیت کو وراثت والی آیت نے منسوخ کر دیا۔

[3] یہ حکم کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ سے مستفاد تھا کیونکہ پہلے جن امتوں پر روزے فرض تھے ان کے لئے رات کو سونے کے بعد کھانا پینا اور مجامعت ممنوع تھی۔ اب یہ آیتیں اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ ترجمہ تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں سے ہمبستری جائز ہے (الآیۃ) اور کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمْ (الآیۃ) یعنی تم روزوں کی راتوں میں صبح کی سفیدی ظاہر ہونے تک کھا پی سکتے ہو، اس حکم کی ناسخ ہیں [4] وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ الآیۃ یعنی جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہیں یا یہ کہ مالی طاقت رکھتے ہیں ان کے لئے ہر روزہ کے لئے فدیہ دے دینا کافی ہے اور فدیہ دینے کی صورت میں ان پر روزہ معاف ہے اسکی ناسخ یہ آیت ہے فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ یعنی جو شخص اس ماہ میں حاضر ہو یعنی مسافر نہ ہو وہ روزہ ہی رکھے اس آیت نے واضح کر دیا کہ (بیمار و مسافر کے علاوہ)

ہر آدمی پر روزہ رکھنا واجب ہے اور فدیہ دینا کافی نہیں۔

ماہ رمضان میں سونے کے بعد کھانے پینے اور مجامعت کی منع — اور طاقت کے ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنا اور فدیہ دینا یہ دونو آیتیں

وحق تقواه[5] في ما صح في اشر — وفي الحرام[6] قتال للاولى كفروا

اتقوا اللہ حق تقتہ یعنی اللہ سے ڈرو جسطرح ڈرنے کا حق ہے — اور ماہ حرام میں کافروں سے لڑنے کا حکم۔ یہ دونو آیتیں

والاعتداد[7] بحول مع وصيتها[8] — وان يبدوا[9] حديث النفس والفكر

عورت کا سال تک عدت میں بیٹھنا اور اس کی وصیت — اور دل والی باتوں کا حساب لیا جانا۔ یہ دونو آیتیں

والحلف[10] والحبس[11] للزاني وترك[12] اولى — كفروا[13] اشهادهم[14] والصبر[15] والنفر[16]

[10] حلف والی آیت زانی کے حبس کرنے والی آیت اور کفار کو چھوڑ دینے — [13] کے حکم والی اور انکی شہادت کی قبولیت اور صبر فی الجہاد اور عمومی حکم جہاد

ومنع عقد الزاني او الزانية — وما على المصطفى في العقد محتظر

زانی اور زانیہ کے عقد کی ممنوعیت — اور وہ جو رسالتمآب پر حکم منع تھا (عقد کے متعلق)

ودفع[17] مهر لمن جاءت واية[18] نجوا — كذاك[20] قيام الليل مستطر

کفار سے آئی ہوئی عورتوں کے مہر اور آیت نجوی میں صدقہ — اور جناب رسالتمآب کا عبادت کے لئے رات کا قیام

[5] اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ یعنی اللہ سے ڈرو جس طرح تقوی کا حق ہے۔ اس حکم کو دوسری آیت نے منسوخ کردیا کہ فرمایا۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی اللہ سے تقوی اختیار کرو جتنا کر سکتے ہو [6] یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ الایۃ یعنی تم سے لوگ ماہ حرام میں لڑائی کے متعلق سوال کرتے ہیں تو ان کو جواب دیجئے کہ حرمت والے مہینے میں لڑائی کرنا گناہ کبیرہ ہے اس حکم کو دوسری آیت نے منسوخ کردیا چنانچہ فرماتا ہے قَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَافَّۃً یعنی تمام مشرکوں سے لڑائی کرو [7] جس عورت کا شوہر فوت ہو جاتا ہے اس کے لئے عدت ایک سال تھی وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ تا مَتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ یعنی جو لوگ مرجاتے ہیں ان کی عورتیں سال بھر تک انتظار کریں اور اپنے مرنے والے شوہر کے سوگ میں وقت گذاریں۔ اب اس آیت کے حکم کو چار ماہ دس دن کی عدت بتانے والی آیت نے منسوخ کردیا۔ [8] مطلقہ کے لئے مالی وصیت کا حکم وراثت والی آیت سے منسوخ ہے [9] اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ (دل کی بات ظاہر کرو یا چھپائے رکھو خدا ان سب کا حساب لے گا) یہ آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا خدا وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا کی آیت سے منسوخ ہے [10] وَالَّذِیْنَ عَاقَدَتْ اَیْمَانُکُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ جو لوگ تمہارے ساتھ ہم قسم ہیں ان کو اپنا حصہ دو یہ ایک دستور جاہلی تھا کہ ہم قسم لوگ ایک دوسرے کی وراثت سے حصہ لیا کرتے تھے قرآن مجید میں پہلے اس کی اجازت تھی اور بعد میں اولوالارحام والی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوا [11] زانی کے حبس کرنے والی آیت حکم رجم سے منسوخ ہوئی [12] ولا الشھر الحرام والی آیت اباحت قتال سے منسوخ ہوگئی [13] آخَرَانِ مِنْ غَیْرِکُمْ (دو گواہ غیر مسلم لے لو) وَاَشْھِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ (دو مسلم عادل گواہ قائم کرو) سے منسوخ ہوگئی [14] تم میں سے بیس ہوں تو دو سو کے مقابلہ میں صبر کرکے اور جم کر لڑیں یہ آیت اس کے بعد والی آیت سے منسوخ ہوگئی [15] اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا جہاد کیلئے چلو خواہ تندرست ہو یا بیمار یہ لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ والی آیت سے منسوخ ہوگئی [16] وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ والی آیت سے منسوخ ہے [17] لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَاءُ تیرے

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۵ پر)

وزید آیۃ الاستیذان من ملکت[۱۱] | وآیۃ القسمۃ الفضلی لمن حضروا[۱۲]

غلام کا نکاح میں اجازت آقا کا محتاج ہونا (بعض نے منسوخ کہا ہے) | اور حاضرین پر پہت مال کی تقسیم کا حکم (اسکو بھی بعضوں نے منسوخ کہا ہے)

یہ فہرست ہے ان آیات کی جن کو منسوخ قرار دیا گیا ہے اور آیات اب تک قرآن میں موجود ہیں ان میں سے بعض کے منسوخ ہونے میں اختلاف بھی ہے چنانچہ آخری دو علامہ سیوطی کے نزدیک منسوخ نہیں ہیں بلکہ محکم ہیں۔ الاتقان ص۲۳ ج۲

بتائیے جب جامع القرآن نے آیات منسوخہ کو جلا دیا تھا تو یہ آیات کیوں بچائی گئیں؟ اگر آیات منسوخہ کو جلانا ضروری تھا تو ان کا بچانا کیسے جائز ہوا اور اگر ناجائز تھا تو ان کو کیوں جلایا گیا؟ شائد حضرت عثمان کے قرآن جلانے کی توجیہہ بیان کرتے ہوئے یہ آیات خیال شریف سے اتر گئیں۔ بہرکیف خواہ بات کو رف سودہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کی جائے یا آیات منسوخہ کا بہانہ بنایا جائے واقعات و حقائق پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا ہمیں اس بارہ میں آگے جانے کی ضرورت نہیں ارباب دانش اپنے ذوق سلیم سے یہ معمہ حل کر سکتے ہیں۔

ثقلین (قرآن اور عترت طاہرہ) سے امت کا سلوک

جناب رسالتمآب نے ثقلین کے ساتھ تمسک پکڑنے کا انتہائی تاکید کے ساتھ جو حکم فرمایا تھا۔ اہل اسلام نے اس پر خوب عمل کیا۔ قرآن مجید کا جو حشر ہوا اسے گذشتہ عنوان میں بیان کر دیا گیا ہے اور عترت طاہرہ کے ساتھ تمسک کا جو حال ہوا۔ وہ سرکار رسالت کی اکلوتی شہزادی خاتون دو جہاں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی حالت زار سے صاف ظاہر ہے۔ صحیح بخاری کتاب الخمس میں حضرت عائشہ روایت فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ نے رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر سے رسول اللہ کے مال فئی سے بچے ہوئے مال کی وراثت کا سوال کیا تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہمارا کوئی وارث نہیں ہم جو کچھ چھوڑ کر جائیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد بخاری شریف کے لفظ بعینہٖ یہ ہیں۔

فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ فَهَجَرَتْ أَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ

پس فاطمہ بنت رسول اللہ ناراض ہوگئیں اور ابوبکر سے بائیکاٹ (ترک تعلق یا قطع کلامی) کرلی اور ہمیشہ اس سے بائیکاٹ میں رہیں یہاں

---

[۱۰] اور حورتیں حلال نہیں یہ آیت منسوخ ہوگئی۔ اس آیت سے انا احللنا لک ازواجک تیری زوجات ہم نے تیرے لئے حلال کی ہیں۔ [۱۱] آیت غنیمت کے ساتھ منسوخ ہوگئی [۱۱] اس کے بعد والی آیت اس کی ناسخ ہے [۱۲] سورت کا آخر اس کا ناسخ ہے۔

[۱۱] [۱۲] استیذان اور قسمت والی آیت علامہ سیوطی کے نزدیک منسوخ نہیں ہیں۔

وعاشت بعد رسول الله ستة اشهر (الحدیث) تک کہ وفات پاگئیں اور رسول اللہ کے بعد کُل چھ مہینے زندہ رہیں (الحدیث)

مترجم بخاری نے غضبت کا معنی کیا ہے (ناخوش ہوگئیں) کیونکہ ناخوشی کی لفظ عام طور پر بیماری کے معنی میں ہوتی ہے مترجم نے ناراضگی کو چھپانے کیلئے یہ لفظ رکھ لی تاکہ صرف اُردو پڑھنے سمجھنے والا یہ سمجھتا رہے کہ اس فیصلہ کے بعد بی بی ناخوش ہوگئیں (بیمار ہوگئیں) اور پھر باہمی مکالمہ کا موقعہ ہی نہ رہا اور اسی اثنا میں ان کی رحلت ہوگئی۔ ترجمہ سے عوام کو دھوکا دیا جا سکتا ہے لیکن بخاری کے اصل الفاظ کو بدلنا قدرے مشکل ہے۔ غضبت کی صاف وصریح لفظ بتلاتی ہے کہ بی بی اتنی سخت ناراض ہوگئیں کہ مرتے دم تک ان سے دوبارہ کلام کرنا روا نہ رکھا۔

نیز بخاری شریف کے باب غزوہ خیبر میں اس سے بھی زیادہ وضاحت موجود ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ ہی سے روایت ہے

فابی ابوبکر ان یدفع الی فاطمة منها شیئا فوجدت فاطمة علی ابی بکر فی ذلك فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت وعاشت بعد النبی ستة اشهر فلما توفیت دفنها زوجها علی لیلاً ولم یوذن بها ابابکر وصلی علیها وکان لعلی من الناس وجه حیاة فاطمة فلما توفیت استنکر علی وجوه الناس	پس ابوبکر نے فاطمہؓ کو اس میں سے کچھ بھی دینے سے صاف انکار کردیا چنانچہ فاطمہ ابوبکر پر اس بات سے ناراض ہوگئیں پس ان سے قطعاً کلام کرنا بھی ترک کردیا اور بائیکاٹ کرلی یہانتک کہ ان کی وفات ہوگئی اور کل چھ ماہ نبی علیہ السلام کے بعد زندہ رہیں۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے شوہر حضرت علیؑ نے ان کو رات کے وقت دفن کیا اور ابوبکر کو شمولیت کی اجازت نہ دی اور نماز جنازہ بھی خود ہی پڑھی اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں لوگوں کے درمیان حضرت علیؑ کی آبرو تھی جب اُن کی وفات ہوئی تو علیؑ[1] سے لوگوں کے رُخ پھر گئے

مترجم بخاری اردو ترجمہ میں حدیث نمبر ۱۴۶۴ حاشیہ پر یوں رقمطراز ہیں۔

حضرت فاطمہ کا دعویٰ بربنائے وراثت تھا ان کو یہ حدیث معلوم نہ تھی کہ انبیاء کا قبضہ مالکانہ نہیں ہے نہ وہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ان کا کوئی وارث ہوسکتا ہے اس میں کچھ عجب نہیں ہے کہ فاطمہؓ زہرا کو اس حدیث سے واقفیت نہ تھی، بہت سے امور خانہ داری کے بارے میں جو ازواج کو علم تھا غیر کو نہ تھا پس حضرت فاطمہؓ کو جب اس کا اطمینان ہوگیا تو حضرت ابوبکر صدیق سے راضی ہوگئی تھیں اور محض بلاوجہ کا ناراض ہونا کوئی موجب نقصان نہیں ہے۔

اب ذرا بخاری شریف سے جناب فاطمہ زہراؑ کی منزلت ملاحظہ ہو۔ باب مناقب قرابت رسولؐ میں ہے۔

قال النبیؐ فاطمة سیدة نساء اهل الجنة وعن المسورؓ مخرمه ان رسول الله قال فاطمة بضعة منی فمن اغضبها اغضبنی	فاطمہؓ جنت میں جانے والی عورتوں کی سردار ہے مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ فاطمہؓ میرا پارہ گوشت ہے جو اسے غصہ دلائے گا اس نے مجھے غصہ دلایا۔

[1] حضرت علیؑ کے ساتھ امتِ رسول کا سلوک دیکھئے اور پھر ان کے شیر و شکر ہونے کا جائزہ لیجئے۔ (منہ)

باب مناقب فاطمہؓ میں مرزا حیرت نے اسی کا ترجمہ یوں کیا ہے فاطمہؓ میرا پارہ گوشت ہے جس نے اسے رنجیدہ کیا اس نے مجھے رنجیدہ کیا اور فاطمہ سیدۃ نساء اہل الجنۃ والی حدیث کو مرزا حیرت نے اپنے ترجمہ میں بالکل حذف کر دیا ہے نہایت حیرت وافسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں کو۔ فاطمہؓ کو جہالت کی طرف منسوب کرنے میں ذرہ بھر جھجک محسوس نہیں ہوتی اور عذر یہ ہے کہ (اس میں کچھ عیب نہیں کہ فاطمۂ زہرا کو اس حدیث سے واقفیت نہ تھی بہت سے امور خانہ داری کے بارہ میں جو ازواج کو علم تھا غیر کو نہ تھا) عجیب الٹی منطق لڑائی، مثال تو درست دی لیکن نتیجہ الٹا اخذ کیا جن لوگوں کا بعض خاص امور سے خاص تعلق ہوا کرتا ہے ان کے متعلقہ مسائل میں ان کو ہی زیادہ واقفیت حاصل ہوتی ہے امور خانہ داری کا تعلق ازواج سے ہے لہذا آنحضرتؐ نے ازواج کی ان کے متعلقہ مسائل میں رہبری فرمائی نہ ان مسائل کا دیگر صحابہ سے تعلق تھا نہ ان کے سامنے بیان ہوئے بلکہ بعض شوہر و بیوی کے درمیان خصوصی مسائل کو صرف بیوی تک محدود رکھا جاتا ہے پھر دوسری عورتوں تک پہنچانا ان کا کام ہوا کرتا ہے اس مقام پر یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی کہ اگر جناب رسالتمآب نے انبیاء کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کی بنا پر اپنی لڑکی کو محروم کرنا تھا تو اس مسئلہ کا تعلق تو حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ سے ہی تھا۔ لہذا ان دونوں کو پہلے سمجھا دیا ہوتا تاکہ آئندہ والے اختلافات اور رنجشوں کا سدباب ہو جاتا۔ سابقہ مثال میں عقلمندی سے بعید ہے کہ مسئلہ کا تعلق امور خانہ داری سے ہو اور زوجات کو نہ سمجھایا جائے اسی طرح بعینہٖ یہاں بھی بعید از عقل ہے کہ مسئلہ کا تعلق وراثت سے ہو اور سمجھایا جائے غیر وارثوں کو۔

جس بی بی کو اہل جنت کی عورتوں کا سردار فرما رہے تھے یا اپنے پارہ گوشت سے تعبیر فرما رہے تھے اگر آپ ان کو فرما دیتے تو یقیناً وہ سر تسلیم خم کر لیتیں اور حضرت علیؑ بھی آنحضرت کی وصیت کی ذرہ بھر خلاف ورزی نہ کرتے پھر اگر کسی مصلحت کی بنا پر وارثوں کو بتانا مناسب نہ سمجھا اور صحابہ کے بتا دینے پر اکتفا کر لیا تو جس شخص کو (بقول آپ کے) رسولؐ نے صدیق کا لقب دیا ہوا تھا اس کی نقل پر بی بی کو اطمینان کیوں نہ ہوا؟ اور مرتے دم تک ناراض کیوں رہیں؟

نیز عائشہ تو یہ فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہؑ نے مرتے دم تک حضرت ابوبکر سے کلام نہ کی (ناراض ہی رہیں) اور مرزا حیرت فرماتے ہیں کہ اطمینان ہو جانے کے بعد راضی ہو گئیں یہ فیصلہ خود فرما لیجئے کہ حضرت عائشہ سچ فرماتی ہیں یا آپ سچ فرما رہے ہیں؟

نیز یہ بات بھی غور طلب ہے کہ آیا خبر واحد آیات قرآنیہ کی ناسخ ہو سکتی ہیں؟ قرآن میں وراثت کا اولاد کے لئے ہونا بالعموم ثابت ہے حتیٰ کہ انبیاء کی وراثت کا تذکرہ بھی قرآن میں موجود ہے

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ۔ حضرت سلیمان حضرت داؤد کے وارث تھے حضرت زکریاؑ نے طلب فرزند کے لئے دعا کی تو "يَرِثُنِي" کے لفظ کی تصریح کی۔ یعنی میرے اللہ مجھے وہ فرزند عطا کر جو میرا وارث ہو۔ جب قرآن مجید میں وراثت کا قانون بالعموم تمام افراد انسانی پر حاوی ہے تو خبر واحد نے اس حکم کی تردید کیوں کر دی؟

نیز مرزا حیرت فرماتے ہیں کہ ان کا بلا وجہ کافی ناراض ہونا موجب نقصان نہیں ادھر رسولؐ فرماتے ہیں جس نے فاطمہؑ کو رنجیدہ کیا اس نے مجھے رنجیدہ کیا جو اسے غصہ دلائے گا اس نے مجھے غصہ دلایا۔ لفظیں سب روایات میں غضبت

کی ہیں خواہ ترجمہ میں رنجیدگی یا غصہ یا ناراضگی جو بھی مراد لیا جائے تو ان احادیث کی رُو سے معلوم ہُوا کہ بی بی کی ناراضگی رسولؐ کی ناراضگی کی موجب ہے آپ کا یہ فرمانا کہ بی بی کی کافی ناراضگی نقصان دہ نہیں۔ اس کا یہی مطلب ہُوا کہ رسولؐ کی کافی ناراضگی بھی موجب نقصان نہیں (العیاذ باللہ)

ایک طرف حضرت عائشہ کے قول کی تردید وہ فرماتی ہیں کہ بی بی مرتے دم تک راضی نہ ہوئیں اور آپ فرماتے ہیں کہ اطمینان ہو جانے پر راضی ہو گئیں اور دوسری طرف حضرت فاطمہؑ پر اتہام اور تیسرے (فاطمہ کی ناراضگی جو رسولؐ کی ناراضگی کو مستلزم ہے) کو غیر موجب نقصان کہہ کر۔ کہاں سے کہاں چلے گئے۔ اپنے گریبان میں نظر ڈالئے؟

بالجملہ :- قرآن کو جلانا اور عترت کو رلانا حدیث ثقلین پر عمل کرنے کا نتیجہ رہا۔

شیعوں پر بہت الزامؑ اور اتہام بلکہ بہتانِ عظیم ہے کہ شیعہ صحابہ کرام کو اچھا نہیں مانتے حالانکہ شیعہ مذہب کی رُو سے صحابہ رسول کی عزت کرنا اور نقشِ قدم پر چلنا واجب ہے جس کے دل میں صحابہ کی عزت نہیں گویا اس کے دل میں جناب رسالتمآبؐ کی فرمائشات کی وقعت نہیں لیکن صحابہ وہ جو جناب رسالتمآبؐ کے فرمانبردار اور عترتِ رسول کے قدردان تھے۔ یعنی جن کا قرآن اور آل رسول دونوں سے تمسک تھا جن پر خدا و رسول بھی راضی اور عترتِ طاہرہ بھی خوشنود تھی پس ہم ان کی غلامی کو فخر اور ان کی محبت کو ایمان سمجھتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ آثار و واقعات کی روشنی میں ہم صحابہ رسول میں یکسانیت کے قائل نہیں۔ رسولؐ اور آل رسولؐ کے دوست کو دوست سمجھتے ہیں اور ان کے دشمن سے بے تعلقی کا اظہار کرتے ہیں اور بس۔

یہ دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے کہ جناب رسولخداؐ کے تمام صحابی یکساں طور پر مومن اور واجب الاتباع تھے۔ ذرا صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث و سیر کا مطالعہ فرمایئے یہ چیز روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ بہت سے صحابہ ایسے تھے جو جناب رسالتمآبؐ کی رحلت کے بعد ثابت قدم نہ رہ سکے۔

بخاری شریف کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ

عن العلاء بن المسیب عن ابیہ قال لقیت البراء بن عازبؓ فقلت طوبیٰ لک صحبت النبیؐ وبایعت تحت الشجرۃ فقال یابن اخی انک لاتدری ما احدثنا بعدہ

وفی تفسیر سورۃ المائدہ عن ابن عباسؓ فی حدیث عن رسول اللہؐ ان اول الخلائق ابراھیم یکسیٰ یوم القیامۃ الا وانہ یجاء

ترجمہ مرزا حیرت دہلوی جلد۔ حدیث نمبر ۱۳۱۶

علاء بن مسیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے براء بن عازب سے مل کر کہا تم کو مبارک ہو کہ تم رسولخداؐ کی صحبت میں رہے اور آنحضرت سے درخت کے نیچے بیعت کی (ازراہِ عجز و انکساری) انہوں نے جواب دیا اے بھتیجے تمہیں نہیں معلوم ہم نے رسولخداؐ کے بعد کیا کیا خرابیاں کی ہیں۔

ترجمہ :- حدیث نمبر ۱۶۲۸۔ ابن عباسؓ سے اسی حدیث کے ذیل میں ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے پہلے ابراہیم کو کپڑے پہنائے جائیں گے اور ہوشیار ہو کہ چند آدمی میری امت کے لائے جائیں گے اور فرشتے

برجال من امتی فیؤخذ بھم ذات الشمال فاقول یارب اصیحابی فیقال انک لاتدری ما احدثوا بعدک (الی ان قال) فیقال ان ھؤلاء لم یزالوا مرتدین وفیہ فی کتاب الفتن عن ابی وائل قال قال عبد اللہ قال النبیؐ انا فرطکم علی الحوض لیرفعن الیّ رجال منکم حتی اذا ھویت لاناولھم اختلجوا دونی فاقول ای رب اصحابی فیقول لاتدری ما احدثوا بعدک ـ

ان کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے اس وقت میں کہوں گا۔ اے رب یہ تو میرے صحابی ہیں (اللہ کی جانب سے) ندا آئے گی تو نہیں جانتا انہوں نے تیرے بعد کیا کیا کیا" یہانتک کہ فرمایا" پھر اللہ کی جانب سے ندا ہوگی کہ یہ لوگ تیرے (محمدؐ کے) جدا ہونے کے بعد ہی مرتد ہو گئے تھے۔

ترجمہ بخاری مرزا حیرت ج۲ حدیث نمبر ۱۹۲۲۔ عبداللہ (بن مسعود) سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض (کوثر پر) تمہارا پیش خیمہ ہوں گا اور تم میں سے چند لوگ میرے پاس لائے جائیں گے۔ یہانتک کہ جب میں ان کو (کوثر کا پیالہ) دینا چاہوں گا تو وہ لوگ میرے پاس سے کھینچ لئے جائیں گے میں عرض کروں گا کہ اے میرے پروردگار (یہ لوگ تو) میرے اصحاب ہیں۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا۔ تم نہیں جانتے ہو کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا بدعتیں کی ہیں۔

پہلی حدیث کے ترجمہ میں تو مترجم نے صحابہ سے معیار ہلکا کرنے کی خاطر بریکٹ دے کر عجز و انکساری کی راہ نکال لی لیکن پچھلی دو حدیثوں میں یہ راہ پیدا نہ ہو سکی۔ کیونکہ نہ ان کو دوزخ میں لے جایا جانا ان کی انکساری ہے اور نہ ان کے مرتد ہونے میں عجز و انکساری کی راہ پیدا ہو سکتی ہے۔ اور نہ ان کا حوضِ کوثر سے کھینچ لیا جانا ازراہِ انکساری تھا۔

موطا امام مالک۔ باب الشھداء جناب رسالتمآبؐ نے شہداء احد کی تعریف کی۔ تو حضرت ابوبکر نے عرض کی۔ کہ ہم نے بھی جہاد کیا اور ان لوگوں کے ساتھ شریک رہے تو آپ نے فرمایا تمہیں کیا معلوم میرے بعد کیا کیا بدعتیں کرو گے

پس جناب رسالتمآبؐ کی رحلت کے بعد جو صحابہ کرام آنحضورؐ کی تعلیمات پر ثابت قدم رہے ان کی خاک پا ہمارے لئے سرمۂ چشم اور احادیث بخاری و سیر و احادیث کی روایات کے پیشِ نظر جو جو لوگ ثابت قدم نہ رہ سکے۔ ہم ان سے بیزار ہیں ہمیں یہ تعین کرنے کی ضرورت نہیں کہ کون ثابت قدم رہے اور کون بخاری کی سابقہ حدیث کے پیشِ نظر مرتد ہو گئے۔ فرمانِ نبوی موجود۔ حدیث ثقلین موجود۔ قرآن و اہلبیت موجود۔ کتب حدیث و سیر موجود۔ تاریخی حقائق و واقعات موجود صحاح ستہ موجود عقل و دماغ موجود، **بشرطیکہ** تعصب و عناد اور جنبہ داری مفقود ہو اور انصاف موجود ہو تو ہر صاحبِ دانش سوچ سمجھ کر فیصلہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کسی صاحب اقتدار کے بڑے نام سے مرعوب ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

صحابہ کرام میں علم قرآن

اس باب میں ہم اہل سنت کے مشہور مفسر و محدث علامہ جلال الدین سیوطی کی تحقیق انیق پیش کر کے ان کے انصاف کش رویہ اور عدل سوز فیصلہ کو منظر عام پر لاکر حقیقت کی نقاب کشائی کرتے ہیں ۔ چنانچہ الاتقان فی علوم القرآن کی دوسری جلد طبقات المفسرین کے بیان میں رقم طراز ہیں ۔

اشتهر بالتفسير من الصحابة عشرة الخلفاء الاربعة وابن مسعود وابن عباس و ابی بن کعب وزيد بن ثابت و ابو موسى الاشعرى وعبدالله بن الزبير - اما الخلفاء فاكثر ما روى عنه منهم على بن ابى طالب والرواية عن الثلاثة نزرة جدا وكان السبب فى ذلك تقدم وفاتهم كما ان ذلك هو السبب فى قلة رواية ابى بكر رضى الله عنه للحديث ولا احفظ عن ابى بكر رضى الله عنه فى التفسير الا آثارا قليلة جدا لا تكاد تجاوز العشرة واما على فروى عنه الكثير وقد روى معمر عن وهب بن عبدالله عن ابى الطفيل قال شهدت عليا يخطب وهو يقول - سلونى فوالله لا تسألونى عن شيئ الا اخبرتكم و سلونى عن كتاب الله فوالله ما من آية الا وانا اعلم أبليل نزلت ام بنهار ام فى سهل ام فى جبل

صحابہ میں سے مشہور مفسر قرآن دس آدمی ہیں خلفائے اربعہ اور (عبداللہ) بن مسعود، (عبداللہ) ابن عباس، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر۔ لیکن خلفاء پس ان میں سب سے زیادہ (تفسیر) علیؑ بن ابی طالب سے ہی مروی ہے اور پہلے تینوں سے (تفسیر قرآن) بہت کم مروی ہے ۔ شاید ان کا پہلے وفات پا جانا ہی اس کا موجب ہو جس طرح کہ ابوبکر سے روایات حدیث کا کم منقول ہونا اسی سبب سے تھا۔ اور مجھے تو ابوبکر سے تفسیر قرآن کے متعلق بہت کم روایات دستیاب ہو سکی ہیں۔ جن کی تعداد دس سے زیادہ نہیں البتہ علیؑ سے اس بارہ میں زیادہ روایات لی گئی ہیں ۔ چنانچہ معمر نے وہب بن عبداللہ سے انہوں نے ابوالطفیل سے روایت کی ہے کہ علیؑ کو ایک خطبہ میں فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ پوچھ لو مجھ سے خدا کی قسم ہے تم جس چیز کا سوال کرو گے ۔ بتاؤں گا اور مجھ سے قرآن شریف کے متعلق پوچھو پس اللہ کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں جس کو میں نہ جانتا ہوں ۔ خواہ رات میں اتری ہو یا دن میں زمین پر نازل ہوئی یا پہاڑ پر ۔

واخرج ابو نعيم فى الحلية عن ابن مسعود قال ان القرآن انزل على سبعة احرف ما

اور ابونعیم نے حلیہ میں ابن مسعود سے نقل کیا ہے ۔ کہ تحقیق قرآن سات حرفوں[1] پر اترا ہے ۔ جن میں سے ہر حرف کا ظاہر بھی ہے

[1] حروف سے مراد قرأت یا قسم یا لغت ہے قرأتوں کے بیان میں تحقیق گذر چکی ہے (منہ)

منها حرف الا و له ظهر و بطن و ان علی بن ابی طالب عنده منه الظاهر والباطن

واخرج ایضاً من طریق ابی بکر بن عیاش عن نصیر بن سلیمان الاحمسی عن ابیه عن علی قال واللّٰه ما نزلت آیة الا وقد علمت فیما انزلت و این انزلت ان ربی وهب لی قلبا عقولا ولسانا سئولا

اور باطن بھی اور تحقیق علیؑ بن ابی طالب کے پاس اس کے ظاہر و باطن سب کا علم موجود ہے۔

نیز ابو نعیم نے بطریق ابوبکر بن عیاش۔ رجال سند کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں اتری جس کا مجھے علم نہ ہو کہ کس کے بارے میں اتری اور کہاں اتری۔ تحقیق میرے اللہ نے مجھے قلب فہیم اور زبان گویا عطا فرمائی ہے۔

دعوت فکر

علامہ سیوطی نے جامعین قرآن، حضرات اصحاب ثلاثہ کو عالم قرآن ثابت کرنے کی سعی بلیغ میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن چونکہ واقعات و تاریخی حقائق اس کے موید نہ تھے بلکہ برعکس تھے تو عجیب منطق لڑانے کی سوجھی کہ ایک طرف تو عوام کالانعام کی آنکھوں میں دھول جھونک دی اور دوسری طرف دھیمی آواز میں حقیقت کے چہرے سے نقاب بھی الٹ دی۔

پہلے پہل بڑے زور و شور سے نعرہ لگا دیا کہ صحابہ میں سے مشہور مفسر قرآن دس آدمی تھے اور پہلے نمبر پر خلفائے اربعہ کا نام لے لیا۔ عوام بالکل مطمئن ہو گئے اور دل میں پختہ عقیدہ جما لیا کہ واقعی چاروں خلیفے مشہور مفسر قرآن تھے اور یہ چیز رسوخ میں ان کے دل و دماغ پر کالنقش علی الحجر ہو گئی کیونکہ عوام بیچاروں کا دستور ہے کہ جو بات مولوی صاحب نے کہہ دی انہوں نے فوراً تسلیم کر لی۔ انہیں دلیل طلب کرنے کی مزید ضرورت نہیں ہوتی بلکہ مولوی صاحب کا فرمان ان کے لئے اٹل فیصلہ اور برہان قاطع ہوا کرتا ہے اور پھر بجائے عام مولوی کے علامہ اور وہ بھی سیوطی جیسا جسے نویں صدی کا مجدد بھی کہا جاتا ہو اگر بات کہہ دے تو عوام کے لئے ان کے قول سے بڑھ کر اور کون سی دلیل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے لیکن پڑھا لکھا سنجیدہ طبقہ مولوی لوگوں کی اس قسم کی قلابازیوں میں مشکل سے پھنستا ہے۔ علامہ سیوطی کو محسوس ہونے لگا کہ عوام سے داد تحسین مرحبا واہ وا کا صلہ حاصل کرنے کے لئے تو صرف پہلا فقرہ ہی کافی ہے کہ وہ مشہور مفسر قرآن تھے لیکن مبادا کوئی سمجھدار پڑھا لکھا آدمی اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے دلیل طلب کرے تو حقیقت چونکہ اس کے خلاف ہے جواب میں شرمساری ہوگی۔ لہذا دس آدمیوں کے نام گنوانے کے فوراً بعد کہہ دیا والروایة عن الثلاثة نزر جداً۔ کہ پہلے تینوں حضرات خلفاء سے تفسیر قرآن بہت کم مروی ہے۔

دروغ گو را حافظہ نباشد۔ پہلے کہہ دیا کہ مفسر مشہور تھے اور ایک منٹ کا وقفہ کئے بغیر بول اٹھے کہ ان سے آثار تفسیر بہت ہی کم منقول ہیں۔ علامہ کہلانے والے شخص سے اس قسم کی تضاد بیانی ایک اعجوبہ یا اضحوکہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے بعد ایک اور عذر دماغ میں سوجھا کہ کہیں یہ تضاد بیانی رفع ہو جائے لیکن بقولے عذر گناہ بدتر

ارشاد فرماتے ہیں شاید ان کی تقدم وفات ہی اس کا سبب ہے۔ یعنی تفسیر قرآن کے بیان کرنے کا ان کو موت نے موقعہ نہ دیا گویا وہ مشہور مفسرین کی فہرست میں شامل بھی رہے اور ان سے آثار تفسیر کا کم منقول ہونا بھی بلاوجہ نہیں۔

عالی جاہ! مان لیا کہ موت پہلے آگئی اور ان کی دل کی بات دل میں رہی سکی کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ کو ان کے مشہور مفسر قرآن ہونے کا علم کیسے ہوگیا؟ جب موت نے ان کو علم قرآن کے ظاہر کرنے کی مہلت ہی نہیں دی۔ آپ نے ان کی کون سی علمی تحقیق یا مشکلاتِ قرآن کے حل کی تصدیق پالی؟ کہ یقین کرکے بیٹھ گئے اور ساتھ دعویٰ بھی کر دیا کہ مشہور مفسر قرآن تھے۔ بے شک وہ مفسر قرآن ہوں ہمیں اس بات میں خوشی ہے لیکن کیا صرف آپ کے کہنے سے ہم بھی کہہ دیں کہ ہاں! بے شک تھے نہ انہوں نے کچھ سنایا نہ بیان کیا۔ نہ مشکلات قرآن کا حل بتایا۔ نہ تاویل وتنزیل کے متعلق کچھ سمجھایا تو دریں حالات کوئی کس منہ سے کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ جی وہ تھے اور ضرور تھے۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ آپ کو کسی طرح کا الہام ہوا اور کہہ گذرے ہم کسی شہرت کے پیچھے کیوں جائیں۔ جب تحقیق اس کے خلاف ہو۔ کَمْ شُهْرَةٍ لَا أَصْلَ لَهَا۔ (بعض شہرتیں بے بنیاد ہوا کرتی ہیں) ہم جرأت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ خدا بھی اگر خدائی کے آثار ظاہر نہ کرتا تو خدا نہ مانا جاتا۔ کیونکہ بجز آثار کے نہ کوئی پہچانتا نہ مانتا۔ اسی طرح ایک نبی اپنی امت میں ہزاروں برس گزار دے۔ لیکن جب تک علم نبوت کو ظاہر نہ کرے گا۔ نہ اس کی نبوت پہچانی جائے گی اور نہ اسے نبی مانا جائے گا۔

اسی طرح کوئی بڑے سے بڑا عالم لاکھوں کروڑوں داناؤں کے مجمع میں بیٹھا رہے اور کچھ دیر کے بعد بغیر کچھ سنائے کے اٹھ کر چلا جائے۔ میرے خیال میں تو اسے نہ کوئی عالم سمجھے گا اور نہ کہے گا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہر صاحب فن کی یہی حالت ہے

پس جب بغیر آثار کے خدا نہیں پہچانا جاسکتا۔

ہزاروں برس کسی امت میں رہ کر بغیر علم نبوت کے اظہار کے نبی کی تصدیق نہیں ہوسکتی۔

پاس بیٹھنے والا مجمع بغیر اظہار علم کے کسی کو عالم ماننے پر تیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو عالم کہنے والا بیوقوف کہا جاتا ہے تو نہ معلوم نو سو برس کے بعد آنے والا شخص غائبانہ طور پر نہ شکل دیکھی نہ صورت نہ علم دیکھا نہ اثر کس عقل وخرد سے نظریہ قائم کرسکتا ہے کہ صرف مفسر نہیں بلکہ مشہور مفسر قرآن تھے؟ بریں عقل ودانش بباید گریست۔

پہلے مفسر کے متعلق فرماتے ہیں کہ مجھے بہت کم آثار مل سکے ہیں۔ جو دس سے زیادہ نہیں چلو۔ دس ہی سہی۔ گویا وہ دس لفظوں کی تشریح ہوگی یا زیادہ سے زیادہ دس آیات کی تفسیر ہوگی۔ خود سیوطی نے الاتقان میں باب عدد الآیات میں بقول ابن عباس کل آیات قرآنیہ کی تعداد چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) بیان کی ہے اور اس سے کم وبیش کے اقوال اور بھی ہیں۔

اب جو مشہور مفسر قرآن کی علم تفسیر میں شہرت عامہ کے ساتھ ان کی طرف سے آثار منقولہ پر نگاہ دوڑائی تو تعجب ناک بلکہ انتہائی حسرتناک صورت حال سامنے آئی۔ خیال تھا کہ مشہور مفسر سے علوم قرآنیہ کے بہت بڑے ذخائر برآمد ہوں گے لیکن جب کل قرآن کے مقابلہ میں ان کی علمی تحقیقات کو سامنے کیا تو ۶۶۱۶ آیات میں سے صرف دس آیتوں کے متعلق ہی ان کا علم ثابت ہو سکا

لہٰذا باقی ہر دو مشہور مفسرین کی علمی تحقیقات کے پیچھے پڑنے کی جرأت نہ ہوئی اور ممکن ہے کہ ان کے اقوال کی تلاش بھی کی ہو۔ لیکن پہلے کی بہ نسبت یہاں طبیعت زیادہ سیر ہوگئی ہو۔ کیونکہ ان کے متعلق بھی اگر دس تک اقوال دستیاب ہو جاتے تو مقامِ فخر تھا۔ ذکر کرنے میں ہرگز بخل نہ کرتے۔ لہٰذا ان کی لفظی شہرت کے ڈھنڈھورا پیٹنے پر اکتفا کرلی اور آگے قدم رکھنا مناسب نہ سمجھا۔

میرے خیال میں تو یہ سب کمزوری ناقلانِ حدیث کی ہے کہ جب انہوں نے صحابہ کرام کے فضائل میں حدیثوں کے طومار لکھ دیئے اور یہ خیال تک نہ کیا کہ ہمارے یہ سب طومار بیکار ہیں۔ جب اصل ہی خیر ہے۔ مرید کہاں تک کسی کو اڑائیں گے جب پیر میں اڑنے کی صلاحیت ہی نہ ہو؟

کسی کو عالم کہنے سے وہ عالم نہیں بنا کرتا۔ اسی طرح اگر کوئی عالم ہو تو اس کو عالم نہ کہنے سے اس کا علم چلا نہیں جاتا۔

ایسے کسی کو بہادر کہنے سے وہ بہادر ہو نہیں جاتا۔ اور بہادر کو بہادر نہ کہنے سے اس کی بہادری ختم نہیں ہو جایا کرتی۔

اگر آپ کسی کو عالم کہیں گے تو ہم ضرور اس کے علمی آثار دیکھیں گے صرف آپ کا دعوائے شہرت بلا دلیل و حجت ہرگز قابلِ تسلیم نہیں ہوگا۔ اسی طرح آپ مشہور کر دیں کہ فلاں بہت بڑا بہادر تھا تو اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے اس کے آثارِ شجاعت دیکھیں گے۔ بات اگرچہ موضوع سے خارج ہے لیکن عرض کر دوں کہ فتوحاتِ اسلامیہ دلیلِ شجاعت نہیں۔ ہاں دلیلِ سیاست ضرور ہیں۔ فوج و لشکر بھیج کر کسی ملک کا فاتح بننا اور بات ہے اور سپاہی مردِ میدان بن کر معرکۂ کارزار پر چھا جانا اور شجاعانِ زمانہ و آزمودہ کارانِ حرب و ضرب کو تہِ تیغ کرکے میدان جیتنا اور بات ہے اور یہ صرف حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب ہی کا حصہ ہے۔ بس یوں کہئے کہ نام نام ہے اور کام کام ہے۔

موضوع زیرِ بحث میں سیوطی صرف بڑا نام سن کر اور بڑے چرچے اور ہاؤ ہو سے متاثر ہو کر ان کی شہرتِ علمِ تفسیر کا دعویٰ کر بیٹھا۔ لیکن جب مقامِ اثبات میں آیا تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ۔

بقولِ شاعر ~~ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ~~ جو چیرہ تو اک قطرۂ خون نکلا

اگر پورے قرآن مجید میں سے پچاس ساٹھ فیصدی علمِ تفسیر ثابت ہو جاتا۔ تو بہت غنیمت شمار ہوتا۔ لیکن یہاں تو دس فیصدی کیا۔ دس فی ہزار ایک فی صدی بھی نہیں۔ فرماتے ہیں پورے قرآن میں سے دس قول یعنی ۱۰/۶۶۶۶ گویا ۱/۶ فیصدی سے بھی کم اقوال مجھے دستیاب ہو چکے ہیں۔

حالانکہ جانشین رسالتؐ کے لئے قرآن کا سو فیصدی علم ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہرگز مسندِ رسالت پر قدم نہیں رکھ سکتا اور وہ سوائے علیؑ بن ابی طالبؑ کے صحابۂ رسولؐ میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے متعلق اسی بیان کی ابتداء میں اور گذشتہ متعدد مقامات پر جناب رسالتمآبؐ کی تصریحات سے قطع نظر۔ خود صحابہ کرام کے اعترافی الفاظ گذر چکے ہیں اور اس کے بعد بھی انشاء اللہ بیان ہوں گے۔ ملاحظہ ہو ص ۸۲ ، ص ۱۵۰

صاحبِ اتقان نے اچھا کیا کہ باقی دو حضرات کی علمی تحقیقات کے پیچھے پڑ کر وقت ضائع نہیں کیا اور صرف بنا بر شہرت کے ان کو مشہور مفسر کہہ دینے پر اکتفا کی۔ خواہ حسد و تعصّب اس امر کے اظہار کی اجازت دے یا نہ دے یہ اور بات ہے اپنے اندر یہ نظریہ ضرور قائم کر لیا ہوگا کہ رب شھرۃ لا اصل لھا (بعض مشہور باتیں بے اصل ہو جایا کرتی ہیں)

نیز ان سے آثار حدیث کے کم منقول ہونے کا بھی یہی عذر قرار دیا کہ تقدم وفات کی وجہ سے وہ حدیث بھی زیادہ نہ روایت کر سکے کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ کیا جناب فاطمۃؑ زہرا بنت رسول اللہؐ کو فدک یا وراثت سے محروم کرنے اور ان کو غضبناک کرنے کے لئے ہی صرف موت نے ان کو مہلت دی اور حدیث یاد آگئی (نحن معشر الانبیاء لا نورث ولا نورث) یعنی ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہم ہیں اور نہ ہمارا کوئی وارث ہے اور اس کے بعد اڑھائی سال تک موت سے ہراساں رہے؟ وہ تو مسند رسالت پر قابض تھے ان کو بیان کرنے کا اب حق تھا۔ لوگ آتے ہوں گے۔ پوچھتے ہوں گے۔ اگر ہر نماز کے بعد ایک ایک مسئلہ بھی بیان کیا ہوتا تو بہت کافی ہو جاتا۔ صرف عترت طاہرہ کے رُلانے کا ہی ڈھنگ تھا اور بس؟ معتقدین کو بھی موقعہ مل گیا کہ تقدم وفات کی وجہ سے وہ بیان کچھ نہ کر سکے ورنہ علم میں کمی نہیں تھی۔ اور تعجب یہ کہ حضرت عمر سے تفسیر قرآن کم بیان ہونے کی وجہ بھی تقدم وفات ہی کو بیان کیا۔ حالانکہ وہ جناب رسالتمآبؐ کے بعد بارہ برس سے زیادہ زندہ رہے۔ اتنی لمبی چوڑی فتوحات ملکیہ اور دیگر کارہائے حکومت جو نمایاں حیثیت کے حامل ہیں ان سب کا موقعہ ملا اور صرف تفسیر قرآن شریف کا موقعہ دستیاب نہ ہو سکا۔ موت نے مہلت نہ دی اگر زیادہ زندہ رہتے تو بیان کر جاتے۔ یہ معلوم رہے کہ اس زمانہ میں علم حدیث و تفسیر کتابوں میں نہیں تھا۔ تاکہ کہا جائے کہ ان کو مطالعہ کا وقت نہیں مل سکتا تھا۔ دورِ اوّل میں علوم شرعیہ فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ سب صحابہ کے سینوں میں تھا۔ بس جس جس کے سینہ میں کچھ تھا وہ ہی بیان کرتا تھا۔

بارہ تیرہ برس کے عرصہ میں تو کم از کم بھی روزانہ بیان ہوا کرتا۔ تو پوری تفسیر قرآن پر عبور ہو سکتا تھا۔ چل پھر کر بیان کر سکتے تھے خطبات جمعہ و عیدین میں بیان ہو سکتا تھا۔ ہر تقریر میں کچھ نہ کچھ بیان کیا جا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ میدان جنگ میں بھی بیان کرنے کا موقعہ مل سکتا تھا۔ آخر مسائل جہاد کی ضرورت ہو گی۔ خود ہی انصاف فرمائیے کہ تقدم وفات صرف قرآن سے ہی مانع تھا؛ صاف کہہ دیجئے کہ قرآن حفظ نہ تھا۔ تفسیر معلوم نہ تھی۔ بس سیاست ملکیہ میں خوب ماہر تھے۔

اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ حضرت عثمان کے متعلق بھی تقدم وفات کا عذر ہے۔ حالانکہ حضرت رسالتمآبؐ کے بعد پورے پچیس برس زندہ رہے۔ گویا اتنا طویل عرصہ تک قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق خاموش رہے اپنے دور خلافت میں صرف یہ کیا کہ کاتبوں سے متعدد نسخے لکھوا کر اطراف مملکت میں بھیج دیئے اور بس۔

سیوطی کو تقدم وفات کا عذر مبارک رسالتمآبؐ کے بعد کوئی شخص دو اڑھائی برس یا بارہ یا پچیس برس تک زندہ رہے چونکہ اس سے کوئی علمی بات منقول نہیں ہوئی۔ لہٰذا بہانہ سب میں یکساں پیش کر دیا۔ یہی خیال ہوگا کہ عوام

سُن کر خاموش ہو جائیں گے۔ باقی کون پوچھتا ہے بس ضد ہے جس کو علیؑ کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا ہے۔ اب اسے عالم بھی ضرور کہنا ہے خواہ واقعات و حقائق اس کی تائید کریں یا نہ کریں۔

اب ذرا علامہ سیوطی کی تاریخ الخلفاء میں تفسیر قرآن کے متعلق حضرت ابوبکر سے نقل شدہ اقوال کا ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) عن ابی ملیکۃ قال سئل ابوبکر عن آیۃ[۱] فقال ای ارض تسعنی وای سماء تظلنی ان قلت فی کتاب اللہ ما لم یرد اللہ۔

ابو ملیکہ سے مروی ہے کہ ابوبکر سے ایک آیت کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے کونسی زمین جگہ دے گی اور کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا اگر میں خدا کی کتاب میں وہ بات کر بیٹھوں جو خدا کی مراد کے خلاف ہو (یعنی مجھے اس کا معنی نہیں آتا)

(۲) سئل ابوبکر عن قولہ تعالیٰ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا فقال ای السماء تظلنی وای ارض تقلنی ان قلت فی کتاب اللہ ما لم اعلم

حضرت ابوبکر سے خدا کے قول وَفَاكِهَةً وَأَبًّا کا معنی پوچھا گیا تو جواب دیا کہ میں کس آسمان کے سایہ میں اور کس زمین کے اوپر بسوں گا۔ اگر میں قرآن کا وہ معنی بتاؤں جو میں نہیں جانتا۔

(۳) انہ سئل عن الکلالۃ فقال انی ساقول فیھا برائی فان یکن صوابا فمن اللہ وان یکن خطاءً فمنی ومن الشیطان۔ اراہ ما خلا الولد والوالد فلما استخلف عمر قال انی لاستحی ان ارد شیئا قال ابوبکر

ان سے کلالہ کا معنی پوچھا گیا تو کہا کہ میں اپنی رائے سے بیان کروں گا اگر درست ہوا تو اللہ کی جانب سے (سمجھنا) اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی جانب سے سمجھنا، میری رائے میں تو اس کا معنی باپ اور بیٹے کے علاوہ جو رشتہ دار ہیں۔ ہے۔ پھر جب عمر خلیفہ ہوا تو اس نے کہا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ ابوبکر کے قول کی تردید کروں۔

(۴) عن ابی بکر الصدیق فی قولہ تعالیٰ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ۔ قال النظر الی وجہ اللہ تعالیٰ

حضرت ابوبکر نے خدا کے فرمان (احسان کرنے والوں کے لئے بدلہ میں احسان اور زیادتی ہو گی) کے متعلق فرمایا کہ زیادتی سے مراد خدا کے چہرہ کی طرف نظر کرنا ہے

(۵) حضرت ابوبکر نے بعض صحابہ سے إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا ۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ۔ ان ہر دو آیتوں کا معنی دریافت فرمایا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دین پر مضبوط ہو گئے اور کوئی گناہ نہ کیا اور اپنے ایمان کو خطا کاری سے بچا لیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ تم نے بے جا کہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ رب ہمارا اللہ ہے اور اس پر مضبوط ہو گئے اور اس کے بعد کسی اور خدا کی عبادت کی طرف نہ جھکے اور اپنے ایمان کے ساتھ شرک کی ملاوٹ نہ کی۔

[۱] پہلے دو سوالوں کے جواب میں بہت محتاط رہے اور تفسیر بالرائے سے گریز کرتے رہے۔ لیکن اب دیکھا کہ اگر تفسیر بالرائے نہ کروں تو رہی ہے۔ اور ایک دو دن نہیں بلکہ نت نئے مسائل وارد ہوں گے پس دل میں ٹھان لی کہ آئے یا نہ آئے کہنا ضرور ہے (منہ)

[۲] خدا فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ کوئی آنکھ اس کا ادراک کر ہی نہیں سکتی، وہ سب کا ادراک کر سکتا ہے۔ اب ذرا خلیفہ صاحب کے معنی کو اس آیت سے مطابق کیجئے۔ (منہ)

(۶) ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت کا ترجمہ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ جنہوں نے کلمہ (رَبُّنَا اللہ) کہا اور مرتے دم تک اس پر ثابت رہے وہ ہی مستقیم ہیں۔

یہ ہیں سب وہ اقوال جن کے متعلق علامہ سیوطی نے الاتقان میں کہا تھا کہ حضرت ابوبکر سے تفسیر قرآن کے متعلق بہت کم آثار وارد ہیں۔ جو دس سے زیادہ نہیں۔ اقوال کلیہ چھ ہیں۔ اب دس سے کم کہتے ہوئے ذرا شرم محسوس ہوئی کہ ادھر دعویٰ مشہور منتشر کا اور ادھر اقوال کل دس سے بھی کم۔ لہٰذا دس سے کم کہنا بارگاہِ خلافت میں توہین کا موجب سمجھا اور عوام کے اغرا بالجہل میں اور دس تک کے اشتباہ میں شاید خلافت مآب کی عزت افزائی سمجھی خیر! کل چار کا فرق ہے اتنی بڑی بات نہیں

اب ذرا ان چھ اقوال کا تجزیہ کیجئے (۱) پہلے قول میں تو قصہ بالکل صاف ہے آیت کا معنی دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ میں کیسے ایسی بات کہوں کہ مبادا منشائے خدا کے خلاف ہو اور اس صورت میں زمین و آسمان کے درمیان میں رہنے کے قابل نہ رہا

(۲) دوسرا قول فَاكِهَةً وَّابًّا کا معنی دریافت کیا گیا تو مثل سابق جواب دیا (ان دونوں کا مطلب اپنی لاعلمی کے اظہار کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے حالانکہ ہر عربی دان اس کا معنی کتب لغت کی ورق گردانی کئے بغیر سمجھ سکتا ہے کیونکہ اس کے فوراً بعد ہے (مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ) یعنی فاکہ اور اب تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کی منفعت کے لئے ہیں لف و نشر مرتب کے دستور کے مطابق ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ فاکہہ (میوہ) کا تعلق انسان سے ہے اور اب کا تعلق چوپائے سے ہے تو اس سے مراد یقیناً گھاس ہی ہوگا۔

(۳) تیسرا قول کلالہ کے معنی میں تفسیر بالرائے سے کام لے کر جرأت کا اظہار کیا پہلے دونوں کے جواب میں اپنی لاعلمی کو سکوت کے لباس میں ملبوس رکھا۔ لیکن اس مقام پر زمین و آسمان کے درمیان بسنے کے قابل نہ رہنے کے خطرہ کو خدا معلوم کیوں دُور کر دیا۔ حالانکہ صورت حال پہلے جیسی ہے اور وہی لاعلمی کا اظہار اس جرأت سے بدرجہا بہتر تھا فرماتے ہیں۔ مجھے آتا بھی نہیں اور کہتا بھی ضرور ہوں لیکن میری رائے اگر درست تو اللہ سے اور غلط تو مجھ سے اور شیطان سے۔ کلالہ کا معنی مَا خَلَا الْوَلَدَ وَالْوَالِدَ (باپ بیٹے کے علاوہ باقی رشتہ دار) اب اہل علم معنی کرنے والے کی علمی قابلیت کا خود اندازہ فرما لیں کیونکہ معنی بیان کرنے والا مشہور مفسر قرآن بھی ہے اور لوگ اس کو تاجدار رسالت کا جانشین بھی جانتے ہیں اور خود ان کو قرآن کے لفظی ترجمہ میں دقت ہو رہی ہے اور طرہ یہ کہ اس کے بعد ہونے والے خلیفہ حضرت عمر نے باوجودیکہ ان کی غلطی کو محسوس کر لیا۔ تاہم اس غلطی کا ازالہ کرنا خلیفہ اوّل کی توہین سمجھا (فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے قول کی تردید کروں) اب اندازہ فرمایئے کہ قرآن کی توہین ہو اس کی پرواہ نہیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ حضرت ابوبکر کو کوئی جاہل سمجھ بیٹھے (ماشاءاللہ بڑی احتیاط سے کام لیا گیا)

خلاصہ یہ ہوا کہ کل پانچ آیتوں میں سے تین آیتوں کے معنی نہ آئے۔ پہلے دو کے متعلق خوف خدا سے لاعلمی کا اظہار کر کے متقی بن بیٹھے۔ اور تیسری آیت میں اپنی جرأت کا مظاہرہ فرمایا اور لاعلمی کا اعتراف کرنے کے باوجود معنی کیا۔ باقی رہ گئیں

دو آیتیں ایک کا ایک معنی اور دوسری کے متعلق ان سے دو معنی نقل کئے گئے۔

یہ ہے مفسر قرآن خلیفۂ رسولؐ کی ساری کی ساری قرآن دانی اور علمی پونجی۔ اور یہ ہیں باقی دونوں میں سے زیادہ عالم اور مسندِ رسالت کے پہلے حقدار۔

اب سیوطی بیچارہ پھنس گیا۔ ان کو عالم کہتا ہے تو حقیقت اس کے خلاف ہے اور واقعات جھٹلاتے ہیں اور اگر جاہل کہتا ہے تو خلافت کی ناؤ بھنور میں آتی ہے۔ جو شخص تفسیر و تاویل تو درکنار صرف تحت اللفظی ترجمہ نہ کر سکتا ہو اس کے متعلق مشہور مفسر قرآن ہونے کا ڈھنڈورا پیٹنے کے بعد تقدمِ وفات کا عذر نہ کرتا تو اور چارہ ہی کیا تھا!

چھ ہزار چھ سو سولہ ۶۶۱۶ آیات بقول ابن عباس میں سے صرف تین آیات کا تحت اللفظی ترجمہ اور مفسر قرآن مشہور (العجب) الاتقان کے اشتباہی الفاظ سے تو یہ اندازہ کر لیا گیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ ان کو ½ فیصدی قرآن کا علم تھا۔ لیکن تاریخ الخلفاء کے تفصیلی بیان سے معلوم ہوا کہ ۳/۶۶۶۶ یعنی کل قرآن کا ½ فی صدی علم ان کو تھا۔ یعنی ہم تک ان کا علم اس سے زیادہ نہیں پہنچ سکا۔

مسندِ خلافت کیلئے ایسے ہی علمائے قرآن کا انتخاب شایانِ شان تھا کیونکہ علیؑ کو تو پیچھے ہٹانا ہی ہے خواہ نتیجہ جو بھی ہو؟

اپنا اعتراف حضرت ابوبکر خود اپنے متعلق جو نظریہ قائم فرماتے ہیں۔ کتاب الامامۃ والسیاستہ میں اہل سنت کے علامہ ابن قتیبہ دینوری تحریر فرماتے ہیں۔

قال فی خطبۃ اعلموا ایھا الناس انی لم اجعل لھذا المکان ان اکون خیرکم ولوددت ان بعضکم کفانیہ ولئن اخذتمونی بما کان اللہ یقیمہ برسولہ من الوحی ما کان ذالک عندی وما انا الا کاحدکم فاذا رایتمونی قد استقمت فاتبعونی وان زغت فقومونی واعلموا ان لی شیطانا یعترینی

آپ (ابوبکر) نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ لوگو! جان لو کہ میں اس خلافت کے مقام کے لئے اس لئے منتخب نہیں ہوا ہوں کہ میں تم سے بہتر ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی آدمی یہ کام سنبھال لے اور اگر تم مجھ سے وہ کام چاہو جس کے لئے خدا نے اپنے رسولؐ کو بذریعہ وحی کھڑا کیا تھا تو میرے پاس وہ بات نہیں ہے میں تو تم ہی جیسا آدمی ہوں۔ پس جب مجھے ٹھیک چلتا ہوا دیکھو تو میرے پیچھے چلو اور اگر میں کجروی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کر لیا کرو اور یقین جانو کہ میرے لئے ایک شیطان ہے جو مجھ پر غالب آجاتا ہے۔

گذشتہ تاریخ الخلفاء کے حوالہ میں کلالہ کی تفسیر کرتے ہوئے بھی آپ نے یہی فرمایا تھا کہ اگر غلط مطلب بیان کروں تو سمجھ

---

۱ اس کے مقابل میں حضرت علیؑ کا اپنے متعلق نظریہ ص۸۳ ص۱۱۱ ص۱۲۹ پر ملاحظہ فرمائیے اور جناب رسالتمآبؐ کی فرمائشات سے تطبیق کیجئے (منہ)

۲ یعنی مجھ سے احکام شریعت کی تبلیغ اور مقاصد رسالت کی ترویج (جس طرح کہ جناب رسالتمآبؐ فرماتے تھے) کی امید نہ رکھنا میں خود تم جیسا ایک بے علم آدمی ہوں۔ اگر دیکھو ٹھیک چل رہا ہوں تو نبھا ورنہ مجھے تم خود ٹھیک کر لینا (منہ)

لینا کہ میری اور شیطان کی مشترکہ رائے سے ہے۔

مدعی سست اور گواہ چست

حضرت ابوبکر خود ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اس خلافت کا اہل نہیں ہوں اور نہ مجھ سے اس بات کی توقع رکھو جس کے لئے خدا نے رسولؐ کو بھیجا تھا۔ غلط کرنے یا درست کرنے میں یا شیطان کے پھندے میں آجانے کے اعتبار سے میں تم جیسا ایک انسان ہوں۔

حضرت علیؑ کا مقام

اب ذرا چشم انصاف سے حضرت علیؑ کے کلمات کا مطالعہ کیجئے۔ اور ابن قتیبہ دینوری کی زبانی سنئے (الامامۃ والسیاسۃ)

ثم ان علیا کرم اللہ وجھہ اتی بہ الی ابی بکر وھو یقول انا عبد اللہ واخو رسولہ فقیل لہ بایع ابابکر فقال انا احق بھذا الامر منکم لا ابایعکم اخذتم ھذا الامر من الانصار واحتججتم علیھم بالقرابۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتاخذونہ منا اھل البیت غصبا

الستم زعمتم للانصار انکم اولی بھذا الامر منھم لما کان محمد منکم فاعطوکم المقادۃ وسلموا الیکم الامارۃ وانا احتج علیکم بمثل ما احتججتم بہ علی الانصار نحن اولی برسول اللہ حیا ومیتا فانصفونا ان کنتم تومنون والا فبوؤا بالظلم وانتم تعلمون فقال لہ عمر انک لست متروکا حتی تبایع فقال لہ علی احلب حلبا لک شطرہ واشدد لہ الیوم امرہ یردہ علیک غدا ثم قال واللہ یا عمر لا اقبل قولک ولا ابایعہ فقال لہ ابوبکر فان لم تبایع فلا اکرھک فقال ابوعبیدۃ بن جراح لعلی کرم اللہ وجھہ یا ابن عم

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر کے پاس لایا گیا تو آپ کی زبان سے یہ لفظ جاری تھے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں پس آپ سے ابوبکر کی بیعت کے لئے کہا گیا۔ تو فرمایا میں تم سے خلافت کا زیادہ حقدار ہوں۔ لہٰذا تمہیں میری بیعت کرنا چاہیئے۔ میں تمہاری بیعت نہیں کرتا۔ تم نے جناب رسالتمآبؐ کی قرابت کو پیش کرکے انصار سے امر خلافت لیا ہے اور ہم اہلبیت سے اب خود غصب کرکے لے رہے ہو۔ (قرابت دار تو ہم تم سے زیادہ ہیں) کیا تم نے انصار کو یہی نہیں کہا کہ چونکہ جناب رسالتمآبؐ ہم میں سے تھے لہٰذا اس امر خلافت کے ہم ہی حقدار ہیں۔ پس انصار نے تمہاری اطاعت کرلی اور تمہیں حکومت دیدی۔ میں بعینہٖ وہی دلیل تمہارے اوپر پیش کرتا ہوں جو تم نے انصار پر پیش کی تھی ہم جناب رسالتمآبؐ کے زیادہ قریبی ہیں۔ زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی پس اگر تم میں ایمان ہے تو ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ ورنہ دیدہ دانستہ ظالم بنے رہو۔ عمر نے کہا تمہیں چھوڑا نہیں جائے گا جب تک بیعت نہ کروگے۔ پس حضرت علیؑ نے فرمایا تو یہ دودھ دوہ دودھ لے کیونکہ تیرا اس میں حصہ ہے۔ آج اس کے معاملہ کو مضبوط کرلے کیونکہ کل وہ اس کو تیری طرف پلٹا دے گا۔ پھر فرمایا خدا کی قسم اے عمر میں تیری بات نہ مانوں گا اور اس کی بیعت نہ کروں گا۔ پس ابوبکر نے کہا کہ اگر تم بیعت نہیں کرتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کرتا پس

انك حديث السن وهولاء مشيخة قومك ليس لك مثل تجربتهم ومعرفتهم بالامور ولا ارى ابابكر الا اقوى على هذا الامر منك واشد احتمالا واضطلاعا به فسلم لابی بکر هذا الامر فانك ان تعش ويطل بك بقاء فانت لهذا الامر خليق وبه حقيق فی فضلك ودينك وعلمك وفهمك وسابقتك ونسبك وصهرك فقال علی کرم الله وجهه - الله الله يا معشر المهاجرين لا تخرجوا سلطان محمد فی العرب عن داره وقعر بيته الی دوركم وقعود بيوتكم ولا تدفعوا اهله عن مقامه فی الناس وحقه فوالله يا معشر المهاجرين لنحن احق الناس به لانا اهل البيت ونحن احق بهذا الامر منكم ما كان فينا القاری لكتاب الله - الفقيه فی دين الله - العالم بسنن رسول الله - المضطلع بامر الرعية الدافع عنهم الامور السيئة - القاسم بينهم بالسوية والله انه لفينا فلا تتبعوا الهوى فتضلوا عن سبيل الله فتزدادوا من الحق بعدا - فقال بشير بن سعد الانصاری لو كان هذا الكلام سمعته الانصار منك يا علی قبل بيعتها لابی بكر ما اختلف عليك اثنان قال وخرج علی کرم الله وجهه يحمل فاطمة بنت رسول الله صلی الله عليه وسلم

ابو عبیدہ بن جراح نے حضرت علیؑ کو کہا۔ اے چچا کے بیٹے تم نوجوان آدمی ہو اور یہ لوگ تیری قوم کے عمر رسیدہ ہیں۔ تیرے پاس ان جیسا تجربہ اور معاملہ فہمی نہیں ہے اور میں ابوبکر کو اس معاملہ میں تجھ سے زیادہ مضبوط اور صاحب برداشت اور حوصلہ مند سمجھتا ہوں۔ پس اس معاملہ (خلافت) کو ابوبکر کے لئے چھوڑ دو پس اگر تم زندہ رہے اور تمہاری حیاتی طویل ہوئی۔ تو تم اس (خلافت) کے بوجہ فضل، دین، علم و فہم، سبقت الی الاسلام۔ قرابت داری اور دامادی رسول کے سزاوار اور حقدار ہو۔ پس حضرت علیؑ نے فرمایا۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اے گروہ مہاجرین حضرت محمد مصطفےٰ کی حکومت کو عرب میں اس کے گھر اور مکان سے نکال کر اپنے گھروں اور مکانوں کی طرف نہ لے جاؤ اور اس کے اہل بیت کو اس کے مقام اور حق سے نہ ہٹاؤ۔ جو لوگوں میں معلوم ہے پس خدا کی قسم اے گروہ مہاجرین۔ بہ نسبت اور لوگوں کے ہم رسالتمآب کے زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ ہم اہل بیت ہیں اور ہم ہی اس امر (خلافت) کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ ہمیشہ ہم میں قاری قرآن اللہ کے دین کا فقیہ۔ جناب رسالتمآبؐ کی سنتوں کا عالم، امور رعایا میں واقف کار ان سے آمدہ مصائب کے دفع کرنے والا موجود ہے۔ اللہ کی قسم وہ صرف ہم میں ہی ہے۔ پس خواہشات کے پیچھے نہ جاؤ۔ ورنہ اللہ کے رستہ سے گمراہ ہو جاؤ گے اور حق سے دُور تر ہوتے جاؤ گے پس بشیر بن سعد انصاری نے کہا کہ یا علیؑ اگر آپ کا یہ کلام انصار نے ابوبکر کی بیعت کرنے سے پہلے سُن لیا ہوتا تو تیرے خلاف دو آدمیوں کی آواز بھی نہ اٹھتی کہتا ہے (اس کے بعد) حضرت علی کرم اللہ وجہہ چلے گئے اور ہر رات حضرت فاطمہؑ بنت رسول اللہ کو سواری پہ بٹھا کر انصار کے گھروں میں جا کر (احتجاجاً) ان سے اپنے حق کی نصرت کا سوال کرتے۔ وہ بی بیؑ کو یہ جواب

لہ حضرت ابوبکر کے سابق اعتراف اور ان کے وکیل ابو عبیدہ بن جراح کے بیان میں ٹھنڈے دل سے مطابقت پیدا کیجئے وہی بات ہی ہے۔ مدعی سست اور گواہ چست۔ (منہ)

على دابة ليلاً في مجالس الانصار تسألهم النصرة، فكانوا يقولون يا بنت رسول الله قد مضت بيعتنا لهذا الرجل ولو ان زوجك وابن عمك سبق الينا قبل ابي بكر ما عدلنا به فيقول علی کرم الله وجهه افكنت ادع رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيته لم ادفنه واخرج انازع الناس سلطانه؟ فقالت فاطمة: ما صنع ابوالحسن الا ما كان ينبغي له ولقد صنعوا ما الله حسيبهم وطالبهم (الامامة والسياسة الجزو الاول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲)

دیتے تھے کہ اے بنت رسولؐ اب تو ہم اس شخص (ابوبکر) کی بیعت کر چکے ہیں۔ اگر تیرا شوہر و چچا زاد (علیؑ) ہمارے پاس ابوبکر سے پہلے پہنچ جاتا۔ تو ہم اس سے روگردانی نہ کرتے۔ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ کیا میں جناب رسالتمآبؐ (کی میت) کو ان کے گھر میں بغیر دفن کئے چھوڑ آتا اور لوگوں کے ساتھ حکومت (خلافت) کا جھگڑا کرتا؟ پس حضرت فاطمہؑ فرماتی تھیں کہ جو کچھ ابوالحسن (علیؑ) نے کیا ہے انہیں ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا اور البتہ ان لوگوں نے جو کچھ کیا خدا ان سے حساب لے گا اور مطالبہ کرے گا۔

موازنہ

اب حضرت ابوبکر کے کلام اور حضرت علیؑ کے کلام کا موازنہ کیجئے۔

حضرت ابوبکر فرماتے ہیں اس مقام خلافت پر میں اس لئے نہیں لایا گیا کہ تم سے بہتر ہوں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ نَحْنُ اَحَقُّ بِهٰذَا الْاَمْرِ ہم اس امر خلافت کے تم سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ اور تم غاصب ہو۔

حضرت ابوبکر۔ میں تم جیسا عام انسان ہوں اگر مجھ سے بھول چوک ہو جائے تو مجھے سیدھا کر دینا (میری رہبری کرنا)

حضرت علیؑ۔ ہم اہل بیت رسول۔ قرآن کے قاری ہم۔ دین خدا کے فقیہ ہم اور سنتِ رسولؐ کے عالم ہم ہیں۔

حضرت ابوبکر۔ ان لی شیطانا یعترینی میرے ساتھ ایک شیطان ہے، جو مجھے راہ حق سے بھٹکاتا ہے (مجھ پر اس کا غلبہ ہے)

حضرت علیؑ۔ ہمارا ساتھ چھوڑنے سے گمراہی ہوگی اور راہِ حق سے دُوری نصیب ہوگی۔

حضرت ابوبکر۔ قرآن کے علم میں سے ۱/۱۰ فیصدی ترجمہ ہم جانتے ہیں (جہاں تک سیوطی کی دسترس ہے) اور دو آیتوں کے متعلق تو انہوں نے خود بھی صاف کہہ دیا اگر میں اپنی طرف سے کوئی بات کہہ دوں تو ممکن ہے منشار ایزدی کے خلاف ہو اور زمین اور آسمان کے درمیان بسنے کے قابل نہ رہوں اور ایک آیت کا ترجمہ اپنی رائے سے کیا بھی تو حضرت عمر نے غلطی کا ان میں احساس کیا۔ گو ذہن سمجھتے ہوئے تردید نہ کر سکے۔

حضرت علیؑ۔ تمام علم قرآن کو جانتے ہیں۔ چنانچہ اس فصل کے تمہیدی بیان صفحہ ۱۵۱ پر ملاحظہ ہو۔ نیز بفرمان رسولؐ عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ صفحہ ۱۲۵ پر ملاحظہ ہو۔ اِنِّی تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْن حدیث نبوی پوری تفصیل سے گزر چکی ہے عَلِیٌّ وِعَاءُ عِلْمِی۔ علیؑ میرے علم کا ظرف ہے۔ کفایۃ الکنجی و شمس الاخبار سے پیش کی جا چکی ہے۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا حدیث مشہور صفحہ ۸۲ و صفحہ ۱۶۴ پر ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوبکر۔ بقول ابو عبیدہ بن الجراح صرف سن رسیدگی کی وجہ سے خلیفہ بنایا گیا۔ اس کے علاوہ کسی ملکہ فاضلہ میں اس کو امتیاز نہ تھا

حضرت علیؑ۔ بقول ابو عبیدہ بن الجراح فضل، علم، فہم، دین قرابت رسولؐ، سبقت فی الاسلام اور دامادیٔ پیغمبر سب کمالات سے ممتاز تھے۔ نوجوان کہہ کر ان کو ہٹا دیا گیا اور حضرت علیؑ کے فرمان کے مطابق صرف خواہشاتِ نفسانیہ کی وجہ سے ان کو پیچھے کیا گیا۔

حضرت ابوبکر۔ ابنِ قتیبہ کی آخری عبارت کے پیشِ نظر جناب رسالتمآبؐ کے کفن و دفن میں شریک نہ ہوئے اور جلدی سے خلافت کے معاملہ میں پڑ گئے۔ ورنہ جس طرح بشیر بن سعد انصاری کی بات سے معلوم ہوتا ہے اگر رسولؐ کے دفن و کفن میں شرکت کرتے اور حضرت علیؑ کا احتجاج پہلے پیش ہو جاتا تو یقیناً خلافت ان کو نصیب نہ ہو سکتی۔

حضرت علیؑ۔ بمطابق قول ابن قتیبہ جناب رسالتمآبؐ کی تجہیز و تکفین و تدفین میں مصروف رہے اور ان کی جزا و سزا کو اللہ کے سپرد کر دیا اور بعد میں بطور اتمامِ حجت ان پر احتجاج فرماتے رہے۔

حضرت علیؑ کی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور ابو عبیدہ بن جراح کے ساتھ باہمی گفتگو سے انعقادِ خلافت کی صورت حال بھی معلوم ہو گئی۔ جب عمر نے حضرت علی جیسی شخصیت سے ان الفاظ میں بیعت کا مطالبہ کیا (انك لست متروكاً حتى تبايع) آپ کو چھوڑا نہ جائے گا۔ جب تک بیعت نہ کرو گے اور ص۱۳ پر ہے فقال ان انا لم افعل فمه، حضرت علیؑ نے فرمایا۔ اگر میں بیعت نہ کروں تو تم کیا کرو گے (قالوا اذا والله الذي لا اله الا هو نضرب عنقك) انہوں نے کہا خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم تم کو قتل کر دیں گے۔ خیر یہ تو حضرت علیؑ ہی تھے کہ فرما دیا والله يا عمر لا اقبل قولك ولا ابايعه اے عمر تیری یہ بات نہ مانوں گا اور بیعت نہ کروں گا۔ اسلامی جمہوری راج اسی دھکم دھکا کا نام ہے۔

حضرت علیؑ کے علاوہ باقی لوگوں سے جو انداز برتا گیا ہوگا۔ وہ صاف ظاہر ہے۔

نیز انصار سے جس اشتباہ کے ماتحت بیعت لی گئی۔ وہ حضرت علیؑ کے سابق بیان اور بشیر بن سعد انصاری کے کلام سے صاف واضح ہے اس سے اگلی فصل میں انشاء اللہ اس پر قدرے مزید عرض کروں گا۔

عقیدت مند تو کہنے کو تیار ہو جائیں گے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا۔ وہ سب کسرِ نفسی اور انکساری پر مبنی ہے کیونکہ اپنی خوش اعتقادی سے ان کو عالم کہہ جو دیا ہے تو اب ان کو عالم ماننا ہے (خواہ وہ عالم ہوں یا نہ ہوں) پیراں نمے پرند مریداں مے پرانند) پیر نہیں اڑتے مرید بزوری ان کو اڑاتے ہیں۔ وہ اپنے متعلق جن خیالات کا اظہار فرما رہے تھے وہ یقیناً مبنی بر صداقت ہے۔ انہیں اپنی علمی بے مائیگی کا احساس تھا اور یہی وجہ ہے کہ مرنے سے پہلے بھی انہوں نے اس بات کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ چنانچہ الامامۃ والسیاسۃ ص۱۸ پر ملاحظہ ہو۔ مرنے سے قبل فرماتے ہیں۔

واللہ ما آسی الا علی ثلث فعلتهن ليتني كنت — خدا کی قسم مجھے تین کاموں کے کرنے پر افسوس ہے۔ کاش نہ کئے ہوتے

تركتهن وثلث تركتهن ليتني فعلتهن وثلث
ليتني سألت رسول الله منهن فاما التي فعلتهن
وليتني لم افعلهن فليتني تركت بيت علي
وان كان اعلن علي بالحرب وليتني يوم
سقيفة بني ساعدة كنت ضربت على
يد احد الرجلين ابي عبيدة او عمر فكان
هو الامير وكنت انا الوزير (الى ان قال)
فليتني سألته لمن هذا الامر من بعده؟
فلا ينازعه فيه احد وليتني كنت سألته
هل للانصار فيها حق؟ وليتني كنت سألته
عن ميراث بنت الاخ والعمة فان في
نفسي من ذلك شيئا۔

اور تین کاموں کے نہ کرنے کا افسوس ہے ۔ کاش وُہ کئے ہوتے ۔ اور تین کاموں کے متعلق کاش جناب رسولِ خداؐ سے پوچھ لیا ہوتا پس وہ تین کام جو کئے اور کاش نہ کئے ہوتے (۱) کاش ! علیؓ کے گھر کی بے ادبی نہ کی ہوتی اگرچہ وہ کھلم کھلا میرے خلاف ہی تھے (۲) کاش ! سقیفہ بنی ساعدہ کے دن میں نے ابو عبیدہ یا عمر میں سے ایک کی بیعت کر لی ہوتی پس وہ امیر ہوتا اور میں اس کا وزیر ہوتا ۔ (اس کے بعد بیان کو جاری رکھتے ہوئے آخری تین چیزوں کے متعلق فرمایا) کاش ! میں نے دریافت کیا ہوتا کہ ان کے بعد خلافت کا کون حقدار ہے ؟ تاکہ کوئی جھگڑا نہ کرتا ۔ کاش پوچھا ہوتا کہ آیا انصار کا بھی اس میں حق ہے ؟ اور کاش بھتیجی اور پھوپھی کی میراث کے بارے میں بھی دریافت کر لیا ہوتا ۔ کیونکہ میرے دل میں اس مسئلہ کے متعلق کچھ شک سا ہے ۔

اس تقریر میں انہوں نے متعدد امور پر اظہار افسوس کیا جس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں ۔

۱۔ بیعت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے علیؓ کے گھر کی بے ادبی کی ۔ چنانچہ اگلے بیان میں قدرے تفصیل آجائے گی ۔

۲۔ حضرت علیؓ سے اچھی خاصی کشیدگی رہی (اعلن علی الحرب) کا صاف یہی مطلب ہے ۔

۳۔ اپنے آپ کو خلافت کے لئے ناموزوں قرار دینے کے باوجود اڑھائی سال تک ڈٹے رہنے پر افسوس کا اظہار فرما رہے ہیں ۔ کاش ! اس دن عمر یا ابوعبیدہ میں سے کسی کی بیعت کر لی ہوتی اور خود اس مسند پر نہ بیٹھتا ۔

۴۔ دل میں یقین تھا کہ میرا خلیفہ ہونا مرضی رسولؐ کے خلاف تھا ۔ لہٰذا اب افسوس کر رہے ہیں کہ کاش ! دریافت کر لیا ہوتا

۵۔ انصار کی حق تلفی کا احساس رہا اگر اپنی خلافت کے برحق ہونے کا یقین ہوتا تو انصار کی حق تلفی کا احساس فضول تھا ۔

۶۔ مسائل میراث میں لاعلمی کا اظہار ۔ البتہ مسائل میراث میں سے حق فاطمہؑ کو ضبط کرنے کے لئے ایک فرضی حدیث نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا بنالی ۔ جو کہ صریح حکم قرآنی کے خلاف تھی اس کے علاوہ باقی میراث کے مسائل سے بے خبر تھے حتیٰ کہ کلالہ کے لغوی معنی بھی ان کو تو نہ آتے تھے ۔ (جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے ۔

اب ذرا پیر و مرید کے نظریاتی اختلاف کا جائزہ لیجئے ۔

۱۔ پیر کہتا ہے مسائل میراث میں بالکل بے خبر ہوں ۔ حتیٰ کہ بعض الفاظ کے معانی بھی نہیں جانتا ۔ لیکن مرید کہتا ہے

لہ اگلے بیان میں اس کے متعلق صفحہ ۱۶۵ پر بیان ہوگا ۔ (منہ)

نہیں جی وُہ تو بڑے عالم تھے۔

۲۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآنی آیات کے معانی معلوم نہیں اگر اپنی طرف سے تفسیر بالرائے کر بھی دوں اور منشائے ایزدی کے خلاف ہو تو سمجھ لینا کہ وہ میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور یہ کہتے ہیں نہیں جی وہ مشہور مفسّر قرآن تھے۔

۳۔ وہ کہتے ہیں میں خلافت کے اہل نہیں ہوں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ وُہ سچا طور پہ خلیفۂ رسولؐ تھے۔

۴۔ وہ کہتے ہیں میرے ساتھ ایک شیطان ہے جو مجھے راہِ حق سے بھٹکاتا رہتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ نہیں وہ تو بڑے نیک تھے

۵۔ وہ کہتے ہیں ہماری علیؑ سے دشمنی رہی اور ان کے گھر کی بے ادبی بھی ہم نے کی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ وُہ تو آپس میں شیر و شکر تھے

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۔ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ٥ پارہ ۲ قرآن مجید۔

یاد کرو جب برأت اور بیزاری کریں گے وہ لوگ جن کی (ناحق) اتباع کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے ان کی (ناحق) اتباع کی۔ اور عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے باہمی تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے دنیا میں ان کی اتباع کی تھی وہ کہیں گے کہ اے کاش! ہمارے لئے (ایک دفعہ دنیا میں دوبارہ) پلٹنا ہوتا تو ہم ان سے ایسے بیزار ہوتے جسطرح کہ وہ اب ہم سے بیزار ہو چکے ہیں اسی طرح (خدا) ان کو اپنے اعمال دکھائے گا جو ان کے لئے باعثِ حسرت ہوں گے اور وُہ دوزخ سے نہ نکلنے پائیں گے۔

صراطِ مستقیم کی تلاش

اِدھر اُدھر دُور جانے کی ضرورت نہیں اور نہ اندھی تقلید فائدہ مند ہے۔ تعصب اور جنبہ داری کے نظریہ سے بالاتر ہو کر ارشاد خداوندی پر نظر ڈالئے فرماتا ہے۔ إِذْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ٥ جب تم کسی چیز میں نزاع کرو تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسولؐ پہ چھوڑ دو۔

اب ذرا جناب رسالتمآبؐ کی تصریحات کی طرف رجوع فرمائیے!

۱۔ حدیثِ متواتر[۱]۔ إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللَّهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي (الحدیث) میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن اور دوسرے میرے اہلبیت یہ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر اکٹھے وارد ہوں گے۔ اہل بیت کی تعیین کے متعلق صحیح ترمذی میں باب مناقب اہل بیت میں وارد ہے۔

عن عمر بن ابی سلمة، نزلت آیة تطهیر فی بیت ام سلمة فدعا النبی فاطمة وحسنا و

عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ آیتِ تطہیر حضرت ام سلمہ کے گھر اتری پس جناب رسالتمآبؐ نے فاطمہؑ، حسنؑ اور

[۱] متعدد طرق سے ثقلین کے عنوان میں بیان کی جاچکی ہے۔ (مصنف)

حسینًا وعلیؑ خلف ظهره فجللهم بکساء ثم قال اللّٰهم هؤلاء اهلبیتی فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهیرًا قالت ام سلمة وانا معهم یا رسول الله قال انت الی مکانك وانت الی خیر	حسینؑ کو بلایا۔ حضرت علیؑ اُن کے پس پُشت بیٹھے تھے۔ پس ان سب کو چادر اڑھادی۔ اور دُعا کی کہ لے میرے اللہ یہ میرے اہلبیت ہیں۔ ان سے رجس کو دُور رکھ اور ان کو پاک رکھ جس طرح حق پاکیزگی ہے۔ امّ سلمہ نے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں تو آپ نے فرمایا تو اپنے مکان پر رہ تو نیکی پر ہے۔
(۲) أعلم اُمّتی من بعدی علی بن أبی طالب	میرے بعد میری امّت کا بڑا عالم علیؑ بن ابی طالب ہے ص ۸۲ پر ملاحظہ ہو
(۳) علیٌّ وعاءُ علمی	علیؑ میرے علم کا ظرف ہے ص ۸۲
(۴) علیٌّ خازنُ علمی	علیؑ میرے علم کا خازن ہے ص ۸۲
(۵) علیٌّ باب علمی	علیؑ میرے علم کا دروازہ ہے ص ۸۲
(۶) أنا دارُ الحکمة وعلی بابُها	میں حکمت کا گھر اور علیؑ اس کا دروازہ ہے ص ۸۳
(۷) انا مدینة العلم وعلی بابها	میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ ص ۸۳

اس مضمون کی احادیث جناب رسالتمآبؐ سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور اکابر صحابہ کا اعتراف ہے کہ حضرت علیؑ تمام امّت سے زیادہ عالم ہیں۔ ان ہی صفحات پر مذکور ہو چکا ہے اور اس بیان کی ابتداء میں خود علامہ سیوطی کا اعتراف اور حضرت علیؑ کی علمی سبقت کے متعلق بعض صحابہ کی تصدیق غیر مبہم الفاظ میں بیان ہو چکی ہے۔ نیز حضرت علیؑ کے حافظِ قرآن ہونے کا ابن حجر جیسے متعصب کو بھی اعتراف ہے۔ نیز عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ ص ۱۲۵ حدیث رسالتمآبؐ بھی ان کے ساتھ ملا لیجئے۔

اب چشمِ بصیرت سے آئینہ انصاف میں حضرات صحابہ کا اعتراف، علامہ سیوطی وابن حجر کی تصریحات خود سرکار رسالتؐ کی ہدایات اور واقعات و تاریخی حقائق کی شہادت کے ساتھ ساتھ جنبہ داری کے جذبات سے علیحدہ ہو کر عقل و خرد کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے ورنہ ایک واضح راستہ کو ترک کرکے ایک تاریک گڑھے میں پڑے رہنا دانائی نہیں۔

قرآن شریف کے سو فیصدی عالم، حافظ، قرین اور مفسّر کو محکوم و مفضول بنانا اور بقول خود شش و باستقراء سیوطی ۱/۲ فیصدی مفسّر کو حاکم و فاضل ماننا عقل و انصاف کا خون نہیں۔ تو اور کیا ہے؟ اس کے علاوہ باقی کمزوریاں جن میں سے مجمل طور پر بعض کا ذکر سیوطی وابن قتیبہ کی سابقہ عبارتوں میں گذر چکا ہے وہ بھی زیر نظر رکھ کر انصاف فرمالیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی کے عذر کی وضاحت اور اس کا پس منظر واضح کرنے کے لئے بحث میں طول دیا گیا ہے۔ جو خالی از فائدہ نہیں۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے اشتباہی کلمات عوام پر اعزاء بالجہل کا سبب نہ ہوں اور حقیقت حال منظرِ عام پر آجائے۔ لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَیِّنَةٍ ورنہ جو مفسّرین علامہ موصوف نے مشاہیر سے شمار کئے ہیں اور وہ صرف اس

لئے کہ حضرت علیؑ کی امتیازی شان پر پردہ آجائے اور لوگ یہ سمجھ لیں۔ کہ وہ بھی حضرت علیؑ کی طرح ہی عالم تھے۔ اگر ان سب کے جزوی حالات و واقعات کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی۔

مجھے اس کتاب میں خلفاء کے علم سے بحث کرنا مقصود نہیں۔ علامہ سیوطی کی تحقیقات کے پیش نظر الاتقان و تاریخ الخلفاء کے مطالعہ سے مشہور مفسر اوّل کی علم قرآن میں دسترس جب معلوم ہوگئی (حالانکہ وہ باقیوں سے افضل قرار دیئے جاتے ہیں) تو دوسروں کی علمی استعداد خود بخود معلوم ہوگئی (بقول شخصے نمونہ از خروار) علامہ سیوطی نے بھی جب ان کی علمی تحقیقات کا جائزہ لیا تو طبیعت اتنی سیر ہوئی کہ باقیوں کے تذکرے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور سب کو تقدم وفات کے عذر میں معذور قرار دیکر عہدہ برآ ہوگئے۔

حضرت علیؑ کے متعلق صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ ان سے تفسیر قرآن بہت زیادہ مروی ہے اور دو تین روایات بھی حضرت علیؑ کی علمی پوزیشن واضح کرنے کے لئے ذکر کردیں۔ حالانکہ پہلے دو بزرگاروں یعنی حضرت عمر اور حضرت عثمان کے مقابلہ میں ان کا زمانِ خلافت نصف سے بھی کم ہے اور وہ بھی اس قدر پرآشوب کہ حضرت علیؑ کو پورے دَور خلافت میں آرام و اطمینان کی سانس لینے کا موقعہ نہ مل سکا۔ پہلے پہل حضرت امّ المومنینؓ عائشہ نے فوج کشی کرکے بصرہ پر حملہ کر دیا اور حضرت علیؑ کو ان سے نپٹنا پڑا جس میں بروایت سیوطی تیرہ ہزار مسلمان قتل ہوگئے۔ یہ جنگ جنگِ جمل کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ آپ اونٹ پر سوار ہوکر جنگ میں فوج کی کمان کر رہی تھیں۔ اس کے بعد حضرت علیؑ مدینہ سے کوفہ میں تشریف لائے تو امیر شام معاویہ نے خونِ عثمان کے بہانہ سے جنگِ صفین کا آغاز کر دیا۔ تقریباً ستر لڑائیاں یا اس سے بھی زیادہ لڑی گئیں۔ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان قتل ہوگئے اس کے بعد خوارج کے ساتھ جنگِ نہروان میں نبرد آزما رہے اور اسی دوران میں شہید کر دیئے گئے باایں ہمہ تفسیر قرآن اور علوم رسالت کے حقائق و دقائق اور رموز و اسرار کے جو نایاب ذخائر اس پاک وجود سے معرضِ ظہور میں آئے وہ انہی کا حصہ تھا۔ سچ ہے برتن سے وہی چیز برآمد ہوسکتی ہے جو اس میں ہو اور دروازہ سے وہی چیز خارج ہوتی ہے جو گھر میں ہو۔

لیکن تعصب کا بُرا ہو۔ جب دیکھا کہ خلفائے ثلثہ سے تو علم میں علیؑ کا پلّہ بھارا نظر آرہا ہے لیکن کہیں منصف مزاج طبقہ اور حقیقت آشنا گروہ علی کو بنا بر اعلمیّت و افضلیّت کے خلافت بلافصل کا حقدار نہ تسلیم کرلے۔ لہٰذا حضرت علیؑ کی علمی پوزیشن واضح کرنے کے بعد فوراً ابن مسعود کی فردی عنہ اکثر مما روی عن علی۔ (یعنی ابن مسعود سے (تفسیر قرآن کے متعلق) روایات علیؑ سے بہت زیادہ ہیں) اور آخر بیان میں ابی بن کعب سے بھی بہت کچھ تفسیر قرآن کے منقول ہونے کا اعتراف کرلیا۔ حالانکہ مفتاح السعادہ سے (حبر الامّۃ) عبداللہ بن عباس کا قول منقول ہے کہ فرماتے ہیں ص۸۲

ماعلمی وعلم اصحاب محمدؐ فی علم علی	میرا اور محمد مصطفےٰ کے تمام صحابہ کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا
الا کقطرۃ فی سبعۃ ابحر	ہے جیسا کہ ایک قطرہ آب سات سمندروں کے مقابلہ میں۔

یہ مخفی نہ رہے کہ بقولِ سیوطی ابی بن کعب کی وفات زمانِ خلافت حضرتِ عمرؓ میں ہوئی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی وفات زمانِ عثمان میں ہوئی۔

اب ایک دفعہ پھر پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں کہ تقدم وفات اگر خلفائے ثلثہ سے آثار تفسیر کے کم نقل ہونے کا سبب تھی۔ تو ابی بن کعب جس کی وفات حضرت عمر اور حضرت عثمان دونوں سے پیشتر ہے۔ ان سے تفسیر قرآن زیادہ کیوں منقول ہوئی اور اسی طرح ابن مسعود جس کی وفات حضرت عثمان سے پہلے ہوئی وہ حضرت علیؑ سے کیونکر بڑھ گئے حالانکہ آپ کے تقدمِ وفات والے قاعدہ سے تو ان کو حضرت عثمان سے بھی پیچھے رہنا چاہیئے تھا چہ جائیکہ وہ علیؑ سے بھی سبقت کر جائیں۔

گویا ان کی پوری تگ و دو کا نتیجہ یہ رہا کہ

جہاں اصحاب ثلثہ کی علمی کم مائیگی کی خفت کو مٹانا چاہا تو تقدم وفات کا بہانہ بنالیا۔

اور جہاں علیؑ کو گھٹانا چاہا۔ تو ابن مسعود کو بڑھانے کے لئے وہ بات بھول گئے اور ان کا تقدم وفات نظر انداز کر دیا

حالانکہ ان دونوں متضاد بیانوں میں کلیہ آٹھ دس سطروں کا فاصلہ ہے۔ اتنا جلدی نسیان! خدا کی پناہ!

اچھا اس کو جانے دیجئے آگے چل کر فرماتے ہیں۔

وقد ورد عن جماعة من الصحابة غير هولاء اليسير من التفسير كانس و ابی هريرة وابن عمر وجابر وابی موسى الاشعرى

ان صحابہ (دس گزشتہ) کے علاوہ باقی ایک جماعت صحابہ سے بھی معمولی تفسیر وارد ہوئی ہے۔ مثلاً انس، ابوہریرہ، ابن عمر، جابر اور ابوموسیٰ اشعری۔

ادھر مشہور مفسرین میں دسویں نمبر پہ ابوموسیٰ اشعری ہیں اور یہاں شاذ مفسرین میں بھی آخری نمبر پہ ابوموسیٰ اشعری نہ معلوم کس ہوش و حواس سے "الاتقان" لکھ رہے ہیں۔ اتقان والی بات وہی ہوا کرتی ہے کہ جو منہ سے آئے کہتا جائے یہ خیال نہ کرے کہ پہلے کیا کہہ چکا ہوں اور اب کیا کہہ رہا ہوں (میں تو کہوں گا بغض علیؑ کا صلہ ہے۔) اچھا ممکن ہے کاتب کا سہو ہو۔ لیکن پھر بھی سوچنے کے قابل بات ہے۔ کہ یہ مفسرین کو معمولی مفسر کہا جا رہا ہے اگر تفاسیر کا جائزہ لیا جائے تو ان سے نقل شدہ آثار بہ نسبت اصحاب ثلثہ کے کہیں زیادہ ہیں۔ بایں ہمہ وہ عالم اور یہ ان کے مقابلہ میں کم علم۔ وہ مشہور مفسر اور یہ شاذ راوی کیوں؟

وجہ یہ ہے کہ وہ چونکہ مسندِ اقتدار پہ ہیں اور اکثریت کی ہاؤ ہو سے متاثر ہو کر بلا تحقیق ان کو خلافت کا اہل بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ اب واقعات موافق ہوں یا نہ ہوں۔ دلیل ساتھ دے یا نہ دے اس بات پہ اڑ گئے ہیں کہ ان کو عالم کہیں گے اور ضرور کہیں گے۔ کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟ اکثریت اپنی ہے کسی کا کیا ڈر ہے؟

حالانکہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ حق کے جویا اور متبع اور اللہ کے شکر گزار تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں۔

صحابۂ رسولؐ کے دلوں میں عزّت و حرمت آلِ رسولؐ

گذشتہ صفحات میں چونکہ وعدہ کر چکا ہوں۔ لہٰذا اس حقیقت کو صرف اہلِ سنّت کے مشہور علامہ ابنِ قتیبہ دینوری کے الفاظ سے پیش کرتا ہوں، تاکہ مسئلہ انعقادِ خلافت کے ساتھ صحابہ کا اہلِ بیت سے برتاؤ ذرا زیادہ واضح ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ جنابِ رسالتمآبؐ کی بے حد سفارشات کے بعد صحابہ نے عترتِ رسولؐ کی حرمت کا کس حد تک لحاظ رکھا۔ چنانچہ علامہ موصوف نے کتاب الامامة والسياسة مطبوعہ مصر کی جزءِ اوّل ص۱۲ سے بیان کو یوں شروع کیا ہے۔

كيف كانت بيعة علی بن ابی طالب كرم الله وجهه

وان ابا بکرؓ تفقد قوما تخلفوا عن بيعته عند
علی کرم الله وجهه فبعث اليهم عمر فجاء
فناداهم وهم فی دار علی فابوا ان يخرجوا
فدعا بالحطب وقال والذی نفس عمر
بيده لتخرجن اولاحرقنها علی من فيها
فقيل له يا ابا حفص ان فيها فاطمة
فقال وان ، فخرجوا فبايعوا الا عليًا فانه
زعم انه قال حلفت ان لا اخرج ولا
اضع ثوبی علی عاتقی حتی اجمع القرآن
فوقفت فاطمة رضی الله عنها علی بابها
فقالت لاعهد لی بقوم حضروا اسوء محضر
منكم تركتم رسول الله صلی الله عليه

تحقیق حضرت ابوبکر نے ایک قوم کو نہ پایا جو ان کی بیعت سے[1] کنارہ کش ہو کر حضرت علی علیہ السلام کے پاس جمع تھے۔ پس ان کی طرف عمر کو بھیجا چنانچہ وہ آیا اور ان کو آواز دی۔ درحالیکہ وہ حضرت علیؑ کے گھر میں تھے پس انہوں نے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ پس اس (عمر) نے لکڑیاں منگوائیں اور کہا مجھے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے نکلو ورنہ میں اس گھر کو جلا دوں گا۔ ان آدمیوں سمیت جو اس کے اندر ہیں پس کہا گیا اے ابوحفص (عمر) اگر اس میں فاطمہؑ (بنتِ رسولؐ) ہو تو بھی؟ (عمر) نے جواب دیا۔ اگرچہ وہ بھی ہو۔ پس سب[2] نکلے اور انہوں نے بیعت کی سوائے علیؑ کے کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ باہر نہ آؤں گا اور اپنے کندھے پر چادر نہ ڈالوں گا۔ جب تک قرآن شریف کو جمع نہ کر لوں گا (اس دوران میں) حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا دروازہ پر کھڑے ہو کر فرما رہی تھیں کہ ہمارے دروازہ پہ آنے والوں میں سے تم سے

---

[1] آلِ رسولؐ کی عزت و حرمت اسی کا نام ہے اور رسالتمآبؐ کی فرمائشات کی قدردانی کا یہ طریقہ ہے اور ثقلین کے ساتھ تمسک پکڑنے کا یہ ہی کامیاب پہلو ہے اور یہ ہے آپس میں شیر و شکر ہونے کا مطلب الفاطمة بضعة منّی من آذاها فقد آذانی) کو ملاحظہ فرمائیے [2] یہ تھا اسلام کا پہلا جمہوری طور پر ووٹوں سے حاصل شدہ منصفانہ طرزِ عمل۔ ڈرا دھمکا کر گھروں کو جلا دینے کی قسمیں کھا کر مسندِ رسالت پر اسلامی تاجدار اور مقتدائے امت کی حیثیت سنبھالنے کی عادلانہ روش (منہ) سے مرتے وقت حضرت ابوبکرؓ اس بات کا افسوس کر رہے ہیں کہ کاش حضرت علیؑ کے گھر کی بے ادبی نہ کی ہوتی ص۱۶۹ پہ ملاحظہ فرمائیے

وسلم جنازة[1] بين ايدينا وقطعتم امركم بينكم لم تستأمرونا ولم تردّ والنا حقًّا - فاتى عمر ابا بكر فقال له الا تأخذ هٰذا المتخلف عنك بالبيعة فقال ابوبكر لقنفذ وهو مولىٰ له - اذهب فادع لى عليا قال فذهب الى على فقال ما حاجتك؟ فقال يدعوك خليفة رسول[2] الله، فقال علىؑ لسريعٌ ما كذبتم على رسول الله فرجع فابلغ الرسالة قال فبكى ابوبكر طويلا فقال عمر الثانية الا تمهل هٰذا المتخلف عنك بالبيعة فقال ابوبكر رضى الله عنه لقنفذ عد اليه فقل له امير المومنين يدعوك لتبايع فجاء قنفذ فادّى ما امر به فرفع على صوته فقال سبحان الله؟ لقد ادّعىٰ[3] ماليس له فرجع قنفذ فابلغ الرسالة - فبكى ابوبكر طويلا ثم قام فدقوا الباب فلما سمعت اصواتهم نادت باعلى صوتها: يا ابت يا رسولؐ الله ماذا لقينا بعدك من ابن الخطاب وابن ابى قحافة فلما سمع القوم صوتها وبكاءها انصرفوا باكين وكادت قلوبهم تنصدع واكبادهم تنقطر وبقى عمر ومعه قوم فاخرجوا عليًّا فمضوا به الى ابى بكر فقالوا

زیادہ بدترین انسان آجتک ہمارے دروازہ پر کوئی نہیں آیا۔ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا جنازہ ہمارے پاس چھوڑ دیا اور اپنے درمیان معاملہ (خلافت) طے کر لیا۔ نہ ہم سے مشورہ لیا اور نہ ہمیں اپنا حق دیا۔ پس عمر ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ اس پیچھے رہے (علیؑ) سے تو بیعت کیوں نہیں لیتا۔ پس ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ کو حکم دیا کہ جا اور علیؑ کو بلا لا۔ پس اس کا غلام (قنفذ) علیؑ کے پاس آیا۔ تو آپ نے پوچھا کہ کیوں آیا ہے تو کہا کہ آپ کو رسولؐ اللہ کا خلیفہ بلاتا ہے۔ پس حضرت علیؑ نے فرمایا کہ بہت جلد تم نے رسولؐ اللہ پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ پس اس نے واپس آکر حضرت علیؑ کا پیغام پہنچایا۔ پس ابوبکر بہت دیر تک روتا رہا۔ پھر عمر نے دوبارہ کہا کہ اس بیعت سے پیچھے رہے ہوئے (علیؑ کو) مہلت نہ دو۔ پس ابوبکر نے قنفذ کو کہا کہ ان کے پاس دوبارہ جاؤ اور کہو کہ آپ کو امیر المومنین بیعت کے لئے بلا رہے ہیں۔ پس قنفذ واپس آیا اور علیؑ کا پیغام پہنچایا۔ پھر ابوبکر بہت دیر تک روتا رہا۔ پھر عمر اٹھا اور ایک جماعت کو ہمراہ لے کر حضرت فاطمہؑ کے دروازہ پر پہنچے۔ پس انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب بی بی نے ان کی آواز سنی تو بلند آواز سے ندا دی۔ اے اباجان اے رسولؐ اللہ تیرے بعد ہم کو عمر بن خطاب اور ابوبکر بن ابی قحافہ سے کیا کیا تکلیفیں پہنچی ہیں؟ جب لوگوں نے بی بیؑ کی آواز اور رونا سنا تو روتے ہوئے واپس چلے گئے اور قریب تھا کہ ان کے دل پھٹ جائیں اور جگر شگافتہ ہو جائیں اور عمر اس کے ساتھ چند آدمی کھڑے رہے پس علیؑ کو انہوں نے باہر بلایا اور اپنے ہمراہ ابوبکر کے پاس لے گئے۔ پس ان سے کہا کہ بیعت کرو۔ آپ نے فرمایا اگر میں نہ کروں تو کیا کرو گے؟ تو کہنے لگے کہ

[1] جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ جنازۂ رسولؐ کو چھوڑ گئے تھے (منہ) [2] حضرت علیؑ کے نزدیک ان کا خلیفۂ رسولؐ کہلانا رسول پر بہتان تھا۔ (منہ) [3] حضرت علیؑ کے نزدیک ان کا امیر المومنین کہلانا ناجائز تھا۔

بایع فقال وان انالم افعل فمه؟ قالوا اذاوالله الذی لا إله إلاهو نضرب عنقك قال اذا تقتلون عبدالله واخارسوله قال عمر اما عبدالله فنعم واما[1] اخورسوله فلا و ابوبکر ساکت لایتکلم فقال له عمر الا تأمر فیه فقال لا اکرهه علی شیٔ ما کانت فاطمة الی جنبه فلحق علی بقبر رسول الله صلی الله علیه وسلم یصیح ویبکی وینادی[3] یابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی

اس اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ تیری گردن اڑا دیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ پھر اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ کے بھائی کو قتل کروگے؟ تو عمر نے کہا کہ اللہ کا بندہ تو ہم مانتے ہیں لیکن اس کے رسول کا بھائی نہیں مانتے اور ابوبکر چپکے سے یہ باتیں سن رہا تھا۔ اس کو عمرؓ[2] نے کہا کہ تم اس کے متعلق کوئی حکم کیوں نہیں دیتے ہو۔ پس اس نے کہا کہ جب تک اس کے پہلو میں فاطمہؑ زندہ ہے میں اسکو کسی بات کیلئے مجبور نہیں کرتا۔ پس حضرت علیؑ روتے ہوئے اور نالہ و زاری کرتے ہوئے جناب رسالتمآبؐ کی قبر پر تشریف لے گئے اور (قبر کو سینے سے لگاکر) عرض کرنے لگے۔ اے بھائی جان! قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں۔

[1] حضرت علیؑ نے جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ اخوت کا دعویٰ کیا جس کو عمر نے رد کر دیا۔ اور کہا کہ ہم تم کو رسولؐ کا بھائی نہیں مانتے اب ذرا کتب اہل سنت میں سے اس کا جائزہ لیجئے۔ اور جناب رسالتمآبؐ کی فرمائشات کے مقابلہ میں حضرت عمر کے قول کا حق بجانب ہونا یا مبنی بر تعصب و عناد ہونا خود دیکھئے

عن مسند احمد بن حنبل من عدة طرق ان النبیؐ آخی بین الناس وترك علیا حتی بقی آخرهم لا یری له اخ فقال یارسولؐ الله آخیت بین اصحابك ترکتنی فقال انما ترکتك لنفسی انت اخی وانا اخوك فان ذکرك احد فقل انا عبد الله واخو رسوله لا یدعیها بعدك الاکذاب والذی بعثنی بالحق ما اخرتك الا لنفسی وانت منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه لا نبی بعدی وانت اخی ووارثی

مسند احمد بن حنبل سے متعدد طرق سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے لوگوں کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم کیا اور حضرت علیؑ کو چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ یہ سب سے آخر تنہا رہ گئے اور کوئی باقی نہ تھا۔ جن کے ساتھ ان کا بھائی چارہ قائم فرماتے تو حضرت علیؑ نے عرض کی یا رسولؐ اللہ! آپ نے تمام صحابہ کے درمیان صیغہ اخوت جاری کیا اور مجھے چھوڑ دیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تجھے میں نے اپنے لئے باقی چھوڑا ہے تو میرا بھائی ہے اور میں تیرا بھائی ہوں اگر کوئی تیرے ساتھ بات کرے تو تو کہہ دے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور اس چیز کا دعویٰ تیرے علاوہ جو بھی کرے وہ جھوٹا ہے۔ مجھے برحق نبی مبعوث کرنے والے خدا کی قسم تجھے میں نے صرف اپنے لئے ہی باقی رکھا ہے اور تیری مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کی موسٰی سے تھی صرف فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبی اور کوئی نہ ہوگا اور تو میرا بھائی بھی ہے اور وارث بھی۔

وفی حدیث) قال مکتوب علی باب الجنة محمد رسولؐ الله علی اخو رسول الله قبل ان یخلق الله السمٰوٰت بالفی عام

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ خلقت آسمان سے دو ہزار برس پہلے سے جنت پر لکھا ہوا ہے محمد رسول اللہ وعلی اخو رسول اللہ (نقلاً از دلائل الصدق)

[2] یہ پہلے اسلامی راج ؟ ہمارا امت کا حال دیکھئے اور انصاف کیجئے غالباً اس کا یہی مطلب ہوگا کہ وہ قتل کا حکم دے دے اور ہم اس پر عمل کریں (منہ)

[3] یہ وہی الفاظ ہیں جو حضرت ہارونؑ نے اپنی قوم کی گوسالہ پرستی اور مرتد ہو جانے کے بعد حضرت موسٰیؑ کے سامنے کہے تھے قرآنی الفاظ ہیں۔ ان الفاظ میں اس بات کا کنایہ ہے کہ حضرت علیؑ ان کو مرتد سمجھتے تھے۔ (منہ) نوٹ: حدیث مواخات ترمذی۔ مستدرک و دیگر کتب صحاح سے بھی منقول ہے (منہ)

یہاں پر پہنچ کر بخاری شریف کے گذشتہ نوٹ سے تطبیق دیجئے۔

وکان لعلی من الناس وجہ حیاۃ فاطمۃ ... فاطمہؓ کی موجودگی میں لوگوں کے درمیان کچھ نہ کچھ علیؓ کی عزت تھی۔

فلما توفیت استنکر علی وجوہ الناس — جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں کے چہرے علیؓ سے پھر گئے۔

حضرت ابوبکر بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ فاطمہ کے عین حیات علیؓ کو ہم مجبور نہیں کرتے (پھر دیکھا جائے گا) نتیجہ خود سمجھ لیں

اس کے بعد ابن قتیبہ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا حضرت فاطمہؓ سے معافی طلب کرنے کیلئے جانے کا تذکرہ کیا ہے۔

فلما قعدا عندھا حولت وجھھا الی الحائط — جب یہ دونو قریب جا کر بیٹھے تو بی بی نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔

فلما سلما علیھا فلم ترد علیھما السلام — پس انہوں نے سلام دیا تو بی بی نے ان کو جواب[لہ] سلام تک نہ دیا۔

پھر بی بی نے اپنی میراث کے متعلق احتجاج کیا اور فرمایا۔

ما بال یرثک اھلک ولا نرث محمدا — کیا تیرے اہل تیرے وارث ہوں اور ہم محمدؐ کے وارث نہ ہوں۔

اس کا جواب اس فرضی حدیث سے دیا گیا کہ حضورؐ کا فرمان ہے ہمارا کوئی وارث نہیں ہوا کرتا۔ پس بی بی پاک نے فرمایا۔

ارأیتکما ان حدثتکما حدیثا عن رسول اللہ تعرفانہ وتفعلان بہ قالا نعم فقالت نشدتکما اللہ اما تسمعا رسول اللہ یقول رضا فاطمۃ من رضای وسخط فاطمہ من سخطی فمن احب فاطمہ ابنتی فقد احبنی ومن ارضی فاطمۃ فقد ارضانی ومن اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی قال نعم سمعناہ من رسول اللہ قالت فانی اشھد اللہ وملائکتہ انکما اسخطتمانی وما ارضیتمانی ولئن لقیت النبیؐ لاشکونکما الیہ

کیا میں اگر تم کو جناب رسالتمآبؐ کی حدیث سناؤں تو اس پر عمل کروگے ان دونوں نے کہا۔ ہاں! پس آپ نے فرمایا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دیکر سوال کرتی ہوں کہ کیا تم نے رسولؐ اللہ کو فرماتے ہوئے سُنا تھا کہ فاطمہؓ کی رضا میری رضا سے اور فاطمہؓ کی ناراضگی میری ناراضگی سے ہے۔ جس نے فاطمہؓ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے فاطمہؓ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہؓ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ دونوں نے کہا۔ ہاں! ہم نے رسولؐ اللہ سے ایسا ہی سُنا ہے۔ پس فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا اور رضامند نہیں کیا اور جب میں نبی سے ملاقات کروں گی۔ تو تم دونوں کی ان کو شکایت کروں گی۔

یہ سُن کر حضرت ابوبکر رونے لگ گئے اور سخت روئے اور بی بی آخر تک یہی فرماتی رہی کہ

واللہ لادعون اللہ علیک فی کل صلوۃ اصلیھا ثم خرج باکیا - الخبر — خدا کی قسم میں ہر نماز میں تیرے اوپر بددعا کرتی رہوں گی۔ اور وہ روتا ہوا باہر چلا گیا۔

[لہ] حالانکہ مسلمان کے سلام کا جواب واجب ہوا کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بیؑ کے نزدیک وہ اس قابل نہ تھے۔ منہ

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا الآن حصحص الحق

احراق باب فاطمہؑ

ابن قتیبہ دینوری کے متذکرہ روایت کے علاوہ باقی کتب تاریخ میں بھی جناب خاتون جنت سلام اللہ علیہا کے دروازہ کے جلانے کی روایات موجود ہیں۔ مختصراً حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱) جناب فاطمہؑ نے ابن خطاب سے فرمایا۔ اَتُرَاكَ مُحْرِقًا عَلَیَّ بَابِیْ یعنی کیا تو میرا دروازہ جلانا چاہتا ہے؟ قَالَ نَعَمْ اس نے جواب دیا۔ ہاں! انساب الاشراف بلاذری جلد۱ صفحہ ۵۸۶

(۲) اِنَّ عُمَرَ قَالَ لِفَاطِمَه۔ مَا اَحَدٌ اَحَبُّ اِلٰی اَبِیْكِ مِنْكِ وَمَا ذَالِكَ بِمَانِعِیْ اِنِ اجْتَمَعَ هٰؤُلَاءِ النَّفَرُ عِنْدَكِ اَنْ اٰمُرَهُمْ یُحْرِقُوْا عَلَیْكِ الْبَابَ۔ یعنی حضرت عمرؓ نے فاطمہ سے کہا۔ میں جانتا ہوں کہ تیرے باپ (رسول اللہ) کو تجھ سے زیادہ محبوب کوئی نہ تھا (اور تو ہی اس کی محبوب ترین شہزادی ہے) تاہم مجھے کوئی پرواہ نہیں اگر یہ لوگ (بیعت نہ کرنے والے) تیرے پاس جمع رہے تو میں حکم دوں گا۔ کہ دروازہ کو جلا دیا جائے۔ کنز العمال ج۳ ص۱۴۰

(۳) حضرت عمر خاتون جنت کا دروازہ جلانے کے لئے آگئے۔ الریاض النضرہ ج۱ ص۱۶۷ حاشیہ تاریخ کامل ص۱۱۲

(۴) قَالَتْ فَاطِمَه لَتَخْرُجُنَّ اَوْ لَاَكْشِفَنَّ شَعْرِیْ وَلَاَعِجَّنَّ اِلَی اللّٰهِ فَخَرَجُوْا یعنی جناب فاطمہ نے لوگوں کے ہجوم سے فرمایا میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ میں سر کے بال پریشان کر کے اللہ کی بارگاہ میں فریاد (بددعا) کروں گی۔ تاریخ یعقوبی ج۲ ص۱۰۵

(۵) اِنَّ عُمَرَ ضَرَبَ بَطْنَ فَاطِمَه۔ یَوْمَ الْبَیْعَةِ حَتّٰی اَلْقَتْ مُحْسِنًا مِنْ بَطْنِهَا وَكَانَ یَصِیْحُ اَحْرِقُوْهَا بِمَنْ فِیْهَا وَمَا كَانَ فِی الدَّارِ غَیْرَ عَلِیٍّ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ۔ یعنی عمر نے حضرت خاتون جنت کے شکم اطہر کو ایسی تکلیف پہنچائی بیعت کے دن کہ جناب محسن شکم اطہر سے ساقط ہو گئے اور وہ لگاتار چیخ رہا تھا کہ اس گھر کو گھر والوں سمیت جلا دو۔ حالانکہ گھر میں سوائے علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے اور کوئی مرد نہ تھا۔ الملل والنحل شہرستانی ج۱ ص۲۶

معرفتِ خُدا

قال سبحانه فی کتابه المجید

اللہ سبحانہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ

تحقیق آسمان و زمین کی پیدائش، شب و روز کا اختلاف لوگوں کی

اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ
بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ
السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ
وَتَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ
بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ

نفع رسانی کی خاطر دریاؤں میں کشتیوں کی آمد و رفت ۔ اللہ کا آسمان سے آب باراں نازل کر کے مُردہ و بنجر زمینوں کو زندہ و آباد کرنا اور ہر قسم کے جانوروں سے اسے معمور کرنا ہواؤں کا چلانا اور آسمان و زمین کے درمیان بادلوں کا مسخر ہونا ان تمام چیزوں میں دانشمند انسانوں کے لئے معرفتِ خدا کے دلائل ہیں ۔

(۲) أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ

کیا اپنے دلوں میں سوچ نہیں کرتے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں یا ان کے مابین جو اللہ نے خلق فرمایا ۔ سب برحق اور بجا ہے ۔

(۳) وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْ
أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

یقین والوں کے لئے زمین میں اور خود تمہارے نفسوں میں (دلائلِ توحید) موجود ہیں ۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو ؟

واقعاً اگر انسان تدبرِ صحیح کرے اور اپنے ذہن کو موجوداتِ عالم میں اور پھر اپنے جسم و رُوح کے مصالح و مفاسد کی طرف متوجہ کرے تو جس طرح کوہ و جبل کا ہر کنکرہ ، موجِ دریا کا ہر قطرہ ، ریگِ صحرا کا ہر ذرّہ ، وسعتِ زمین کا ہر حبہ اور شجر و نبات کا ہر پتہ اپنے خالقِ یکتا کا پتہ دیتا ہے ۔ یا جس طرح آسمانوں کی بلندیاں ، زمینوں کی وسعتیں ، شب و روز کے اختلاف میں نور و ظلمات کا فرق ، دریاؤں کی طغیانی اور ان کی موجوں پر کشتیوں کی روانی و نفع رسانی ، آسمانوں سے برستا ہوا پانی اور اس کی بدولت زمینوں کی سرسبزی و شادابی اور اس پر ہر ذی رُوح کی آبادی اور فیض یابی ، ہواؤں کی نگہت و صرصراہٹ اور سرعت و خفت میں فرمانبرداری اور آسمان و زمین کے درمیان بادلوں کی صف آرائی اور اطاعت شعاری ، یہ سب چیزیں خالقِ کائنات کے وجود و حکمت اور علم و قدرت کی غماز ہیں اور ان کا نظامِ اتم و اکمل اس کی بے ہمتائی اور یکتائی کی برہانِ قاطع ہیں ۔

اسی طرح خود وجودِ انسانی میں بدن کی رگ رگ خون کا قطرہ قطرہ اور جسم کا بال بال بھی خلاقِ عالم کے وجود اور اس کی حکمتِ کاملہ اور قدرتِ شاملہ کا از خود معترف ہے ۔ بشرطیکہ سلامتِ ذہن و دماغ اور تدبرِ صحیح سے جائزہ لیا جائے اس بنا پر قبلۂ عارفین کعبۂ دینِ متین ، امام المتقین حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ آلاف التحیۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں ۔ (دیوان علیؑ)

وَتَزْعَمُ أَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ وَفِيْكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ
وَأَنْتَ الْكِتَابُ الْمُبِيْنُ الَّذِيْ بِأَحْرُفِهِ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ

تو اپنے آپ کو ایک چھوٹا سا جسم خیال کرتا ہے ۔ حالانکہ تجھ میں ایک عالمِ اکبر پنہاں ہے تو وہ کتابِ مبین ہے ۔ جس کے حرفوں سے رازہائے پوشیدہ

منکشف ہیں۔ اثباتِ صانع کے لئے آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا تو فرمایا (جامع الاخبار)

اَلْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ وَالرَّوْثَةُ تَدُلُّ	اونٹ و گدھے کے فضلات خارجیہ ان کے وجود پر دلالت کرتے ہیں
عَلَى الْحَمِيْرِ وَآثَارُ الْقَدَمِ تَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ	اور نشانِ قدم کسی گذرنے والے کا پتہ دیتے ہیں تو عالم علوی اپنی
فَهَيْكَلٌ عُلْوِيٌّ بِهٰذِهِ اللَّطَافَةِ وَمَرْكَزٌ سِفْلِيٌّ	لطافت کے ساتھ اور عالم سفلی اپنی کثافت کے ساتھ اپنے صانع حکیم جو
بِهٰذِهِ الْكَثَافَةِ كَيْفَ لَا يَدُلَّانِ عَلَى اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ	صفتِ کمالِ لطف و کمالِ علم سے متصف ہے، پرکیونکر دلیل نہ ہوں گے۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے انسان کو عالم اکبر سے تشبیہ دیکر معرفتِ خدا کا وہ درس دیا ہے کہ اس سے بڑھ کر وجودِ صانع اور اس کی حکمت و علم و قدرت و وحدانیت کی کوئی اور دلیل ہو ہی نہیں سکتی اور قرآن مجید کی اس لفظ (وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ) کی ایسی جامع تفسیر علیحدہ علیحدہ ان دو گزشتہ شعروں میں سموئی ہے کہ اس کے مقابلہ میں اس قدر جامع اور پُر از اسرار و رموز کلام کسی فردِ ممکن سے ممکن ہی نہیں۔

پہلے شعر میں عالم اکبر کے ظاہری وجود کے ساتھ انسان کے ظاہری جسم کو تشبیہ دیکر اس کو عالم اصغر قرار دیا ہے۔

اور دوسرے شعر میں عالم اکبر کو استعارہ کے طور پر کتابِ اکبر اور جسم انسانی کو بنا بر تشبیہ کے کتاب اصغر قرار دیا ہے۔

وضاحت

شعر اول۔ انسان کا سر بمنزلہ عالم علوی اور باقی جسم بمنزلہ عالم سفلی کے قرار دیا گیا ہے۔ دو کان بمنزلہ قطبین دو آنکھیں بمنزلہ شمس و قمر، سر پر کثیر التعداد بال بمثل کثیر التعداد ستارگانِ آسمانی کے اور سر میں قوائے باطنہ و قوتِ سامعہ، باصرہ، شامہ و ذائقہ یا دیگر قویٰ متخیلہ، واہمہ، عاقلہ، حافظہ وغیرہ بمنزلہ ملائکہ و قدسیین کے اور بھیجہ دماغ اور اس کے پردے اور دیگر اجزائے متفرقہ کو عالم بالا کی قدسی مخلوق سے تشبیہہ حاصل ہے اور جسم کا دایاں۔ بایاں سامنے پیچھے اور اوپر نیچے یہ چھ طرفین جہات ستہ (شمال جنوب، مشرق، مغرب فوق و تحت سے مشابہ ہیں۔

باقی جسم کا ظاہر بمنزلہ زمین کے اور اس کے بال بمنزلہ آبادیٔ نباتات وغیرہ کے، ہڈیاں بمثل پہاڑوں کے خون کی رگیں، نالیاں، دریاؤں اور نالوں کی مثل، قلب انسان مثل کعبہ جہاں کے وعلی ہذا القیاس۔

تو جس طرح اس عالم اصغر یعنی وجود انسانی میں تمام اعضائے موجودہ کی زندگی کے لئے ایک قوت کی ضرورت ہے۔ جس کو رُوح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہاتھ ہلتے ہیں۔ قدم بڑھتے ہیں۔ آنکھ دیکھتی ہے۔ کان سنتے ہیں اور زبان بولتی ہے وعلی ہذا القیاس۔ سب اعضاء اپنی مخصوص ڈیوٹی میں مصروف کار رہتے ہیں۔ لیکن یہ سب اس وقت تک کہ جبتک ان میں وہ قوتِ (روح) موجود ہے اگر وہ رخصت ہو جائے تو یہ سب کے سب بیکار محض ہو جایا کرتے ہیں اور دفن کردینے کے یا بعض لوگوں کے نزدیک جلا دینے کے قابل ہوتے ہیں۔ پس وہ حاکم ہے اور یہ سب اعضاء اس کے محکوم ہیں۔

بایں ہمہ وہ (رُوح) ان تمام اعضاء کے ادراک سے باہر ہے۔ نہ اس کو آنکھ نے دیکھا، نہ اس کی آواز کبھی کان نے سُنی، نہ اُسے ان ہاتھوں نے کبھی محسوس کیا اور نہ ناک نے کبھی اس کی بُو کا ادراک کیا۔ صرف ان قوائے ظاہریہ تک ہی

محدود نہیں۔ بلکہ قوائے باطنہ کا بھی یہی حال ہے نہ وہم و گمان اس کی تعیین کر سکتا ہے اور نہ عقل و دماغ اس کی حد بندی کر سکتا ہے۔

اور ان تمام چیزوں کے باوجود وہ ہے اور ضرور ہے۔ دلیل اس کے (روح کے) وجود کی یہی ہے کہ اگر وہ نہ ہوتو یہ سب اعضاء بے کار ہو جاتے ہیں اور ان کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ان کا با کار اور زیر نظام ڈیوٹی کا انجام دینا اس (روح) کے وجود اور تدبیر کی کھلی ہوئی دلیل ہے۔

جسم کے باقی تمام اعضاء غیر شعوری طور پر اس کے وجود و تدبیر کے قائل اور زبان بے زبانی سے اس کے مدح سرا ہیں اور عقل اپنے شعور و احساس سے اس کے وجود و تدبیر کا قائل و ثنا گر ہے۔ لیکن یہ بھی اس کی تحدید و تعیین کا خیال تک نہیں کر سکتا۔ صرف اس کے آثار و افعال سے اس کو جانتا ہے اور اس کی حسن تدبیر کا معترف ہے۔ یہ معلوم اسے نہیں ہو سکتا کہ وہ کیا ہے اور کس نوعیت کا ہے؟ تاہم ہے ضرور کیونکہ اگر نہ ہوتا تو یہ تدبیر نہ ہوتی۔

پس ان تمام اعضاء کے کاروبار بعض شعوری طور پر اور بعض غیر شعوری طور پر اسی کے زیر حکم، محتاج فرمان اور تابع ارادہ ہیں۔ تو جب یہ چھوٹا سا عالم بغیر ایک مدبر کے نہیں رہ سکتا۔ جس کو نہ دیکھا، نہ سنا نہ سونگھا نہ چکھا اور نہ چھوا۔ بلکہ نہ وہم سے اس کا تصور ہوا اور نہ عقل و دماغ سے اس کا ادراک ہو سکا حالانکہ ہے پورے نظام کا مدبر اور ہے بھی ضرور۔ تو اتنا بڑا عالم جس کی وسعتوں کے تصور سے ہمارے عقول عاجز ہیں۔ اتنا بڑا آسمان بلکہ ایک نہیں کئی ہیں۔ اتنی وسیع زمین شمس کا اپنے مقام پر قمر کا اپنے محور پر گردش کرنا، دریاؤں کی روانی، بادلوں کی بارانی اور زمینوں کی آبادیاں۔ غرضیکہ تمام عالم اکبر کا وجود اور اس کے نظام اکمل کی بقاء بغیر ایک مدبر کے کیسے ہو سکتا ہے؟

پس معلوم ہوا کہ عالم اکبر کے وجود کے تمام اعضاء کا اپنی اپنی جگہ پر حس و حرکت کرنا اور اپنی اپنی مخصوص ڈیوٹیوں پر مصروفِ کار رہنا اس امر کی واضح اور ناقابلِ تردید برہان ہے کہ ان کا موجد اور مدبر ضرور موجود ہے۔ ورنہ ان کا وجود بیکار اور نظام درہم برہم ہو جاتا۔ نیز اس عالم میں بھی اکثر موجودات غیر شعوری طور پر اس کی ذات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ کناں اور مدح سرا ہیں۔ اور بعض موجودات (ذوی العقول) شعوری طور پر اس کا اعتراف کرنے اور اس کی حمد کرنے پر بے بس ہیں۔ تاہم اس عالم اکبر کے اعضاء و افراد میں سے بھی کسی کو مجال نہیں کہ اُسے دیکھ سکے یا اس کی آواز سُن سکے۔ یا دیگر آلاتِ ظاہریہ اور حواس باطنہ سے اس کا ادراک کر سکے۔

جب اس عالم اصغر (وجود انسانی) کا مدبر حواس و مشاعر کے ادراک سے باہر ہے تو اس عالم اکبر کا خالق و مدبر کس طرح حواس و مشاعر کے ادراک میں آ سکتا ہے؟ پس وہ عقل کا اندھا اور بے بصیرت ہے جو یہ کہے کہ خدا نظر آ سکتا ہے دنیا میں یا قیامت میں وہ خود فرماتا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ۔ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔

جس طرح اس عالم اصغر (وجودِ انسانی) کا مدبر روح سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے تلوے تک ہر ہر عضو کے ہر ہر

حِصّہ میں موجود ہے لیکن حسی طور پر کسی جگہ کا پابند نہیں کہا جا سکتا اور وُہ اس عالمِ اصغر کی پُوری کائنات میں بستا ہے۔ کوئی جگہ ایسی نہیں۔ جہاں وُہ نہ ہو۔ہاں! جس حِصّہ میں وُہ نہ ہوگا، وُہ حِصّہ جسم سے جُدا کرنے کے قابل ہوجائے گا۔

اسی طرح عالمِ اکبر کے وجود میں عرشِ علیٰ سے تحت الثریٰ تک بلکہ عرش کے ماوراء سے فرش کے ماوراء تک تمام موجوات کے ہر ہر حِصّہ میں اس کی ذات جلوہ گر ہے۔ لیکن تحدیدی طور پر اس کا کہیں بھی ادراک و احساس نہیں کیا جا سکتا۔ پس یہ کہنا بجا اور دُرست ہے کہ قدرت و حکمت کے اعتبار سے ہر جگہ موجود اور تحدید و تعیین کے اعتبار سے ہر جگہ سے دُور ہے قریب اتنا کہ شہہ رگ سے بھی نزدیک تر اور آنکھ کی پُتلی سے قریب تر اور بعید اتنا کہ نہ وہاں وہم و گمان کی رسائی اور نہ عقل و خرد کی پہنچ۔ حتّٰی کہ ذاتِ معصوم بھی بول اٹھیں مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعرِفَتِكَ۔

بحار الانوار جلد ۲ میں ہے۔ ایک شخص نے مولائے کائنات حلّالِ مشکلات حضرت امیر المؤمنین علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے خدا کو دیکھا بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کبھی ایسے خدا کی عبادت نہیں کی۔ جسے دیکھا نہ ہو اس نے عرض کی کہ آپ نے کس طرح دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا اُس کو آنکھیں بصارتِ ظاہریہ سے نہیں دیکھ سکتیں۔ بلکہ اُسے دل بصیرتِ ایمانیہ سے دیکھتے ہیں یعنی آثارِ ظاہریہ اور افعالِ حکمیہ اس کے وجود، علم، حکمت، قدرت کے واضح کرشمے موجود ہیں جن کو دیکھ کر اس کی ذاتِ موصوف بہمہ صفات کے وجود پر اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔

عن عبد الله بن سنان عن ابيه قال حضرت ابا جعفرؑ فدخل عليه رجل من الخوارج فقال له يا ابا جعفر اى شيئ تعبد قال الله تعالىٰ - قال رأيته قال بل لم تره العيون بمشاهدة الابصار ولكن رأته القلوب بحقائق الايمان لا يعرف بالقياس ولا يدرك بالحواس ولا يشبه بالناس موصوف بالآيات معروف بالعلامات لا يجور فى حكمه ذالك الله لا اله الا هو فخرج الرجل وهو يقول الله اعلم حيث يجعل رسالته - یعنی راوی حدیث کہتا ہے میں ایک مرتبہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک خارجی نے آ کر سوال کیا۔ آپ کس کی عبادت کرتے ہیں؟ فرمایا صرف اللہ کی۔ تو اس نے کہا کہ آپ نے اللہ کو کبھی دیکھا بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ اس کو آنکھیں مشاہدے سے نہیں دیکھ سکتیں؛ البتہ اس کو دل حقائق ایمانی سے دیکھ سکتے ہیں۔ نہ اس کو قیاس سے پہچانا جا سکتا ہے اور نہ اس کا حواس سے ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ وہ لوگوں کے مشابہ ہے وہ اپنے افعال و نشانیوں سے موصوف ہے اور اپنی علامات سے پہچانا جاتا ہے وہ اپنے حکم میں ظلم نہیں کرتا پس وہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں ہے یہ سن کر وہ شخص یہ کہتا ہوا نکلا کہ اللہ ہی جانتا ہے جن کو رسالت دیتا ہے۔

اوّل مخلوق

جس طرح اس عالمِ اصغر میں ایک عقل موجود ہے جو مشاعرِ باطنہ اور حواسِ ظاہرہ سے روح کا تعارف کراتی ہے۔ عقل کے بغیر نہ تو حواسِ باطنہ واہمہ و متفکرّہ و متخیلہ وغیرہ صحیح کام کر سکتے ہیں اور نہ حواسِ ظاہرہ میں ارتکابِ صحیح و غلط کی تمیز ہوتی ہے بس اسی عقل ہی کی بدولت ظاہری و باطنی ہر دو طاقتیں راہ راست پر گامزن ہوتی ہیں

اسی طرح عالم اکبر میں عقل کُل یعنی نور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہی کام ہے کہ ادھر قدسین عالم بالا میں ان کی رہبری کے (درس توحید میں) محتاج اور ادھر عالم سفلی میں یہ مخلوق فیوض روحانیہ میں ان کی دست نگر ہے۔

جس طرح عالم اصغر میں (وجود انسانی میں) اوّل مخلوق عقل ہے۔ یعنی بچّے کی ترتیب خلقت میں علقہ۔ مضغہ کی منازل طے کرنے کے بعد جب انسانی ڈھانچہ پُورا تیار ہو جاتا ہے اور رُوح کی آمد ہوتی ہے۔ تو پہلے پہل روح عقل و دماغ میں آتی ہے اور اس کے بعد باقی اعضاء میں پہنچتی ہے۔

اسی طرح وجود عالم اکبر میں مخلوق اوّل نور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے اور ان کے بعد باقی مخلوق کی تخلیق ہوئی۔ چنانچہ فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

کتاب جامع الاخبار باب فضائل نبی میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسالتمآب کو فرماتے ہوئے سُنا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھے اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ اور باقی آئمہ کو ایک نور سے خلق فرمایا۔ اور پھر اسی نور سے ہمارے شیعوںؑ کے نور کو پیدا کیا۔ پس ہم نے تسبیح ادا کی تو ہمارے شیعوں نے ہماری اتباع میں تسبیح ادا کی۔ ہم نے اس کی تقدیس بیان کی تو ہمارے شیعوں نے ہم سے سُن کر اس کی تقدیس زبان پر جاری کی ہم نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وردِ زبان کیا تو انہوں نے بھی ایسا کیا۔ ہم نے اس کی عظمت کا ذکر کیا تو انہوں نے بھی ایسا کیا۔ ہم نے اس کی توحید کا اقرار کیا تو انہوں نے بھی اقرار کیا۔

پھر اس کے بعد خداوند کریم نے آسمانوں اور زمینوں کو خلق فرمایا اور فرشتوں کو پیدا کیا۔ پس فرشتے خلقت کے بعد ایک سو برس تک خاموش رہے۔ انہیں تسبیح و تقدیس و تمجید کا علم نہ تھا۔ پس ہم نے تسبیح ادا کی تو ہماری اقتدا میں ہمارے شیعوں نے اور فرشتوں نے تسبیح ادا کی۔

ہم نے تقدیس بیان کی تو ہمارے شیعوں اور ملائکہ نے ہماری تقدیس سن کر زبان پر تقدیس جاری کی۔

ہم نے اس کی عظمت و بزرگی کا ذکر کیا تو شیعوں اور ملائکہ نے ہم سے سُن کر اس کی عظمت کا ذکر زبان پر جاری کیا۔

ہم نے اس کی توحید بیان کی تو ہمارے شیعوں نے اور فرشتوں نے ہم سے سُن کر توحید بیان کی۔

اس سے پہلے ملائکہ کو تسبیح و تقدیس کا علم نہ تھا۔ پس ہم اسی وقت سے خدا کی توحید بیان کرنے والے ہیں۔ تو جس طرح اس نے ہمیں اور ہمارے شیعوں کو یہ خصوصی شرف مرحمت فرمایا ہے۔ سزاوار ہے کہ ہمیں اعلیٰ علیّین میں جگہ کرامت فرمائے۔ نیز باب فضائل آئمہ میں بطریق آئمہ اہلبیتؑ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آئمہ میرے بعد بارہ ہوں گے۔ پہلا ان میں سے علیؑ بن ابی طالبؑ اور آخری ان کا حضرت قائمؑ ہوگا۔ یہ میرے جانشین اور اوصیاء و اولیاء

لہ واضح رہے کہ حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء آلِ محمد کے شیعان کے زمرہ میں داخل ہیں۔ اور اسی طرح ان کے اوصیاء بھی (منہ)

ہوں گے اور میرے بعد خدا کی طرف سے حجّت علی الخلق ہوں گے ۔ ان کی امامت کا اقرار کرنے والا مومن اور انکار کرنے والا کافر ہوگا ۔ نیز آپ نے فرمایا کہ میری اہلبیت مثل ستارگانِ آسمان کے ہے جس طرح ستارے اہلِ آسمان کے لئے امان ہیں اسی طرح اہلبیت اہلِ زمین کے لئے باعثِ امان ہیں۔

ان روایات کے نقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضراتِ محمدؐ و آلِ محمدؑ ساری خلقتِ ارضی و سماوی کے مدرس و معلم ہیں جس طرح عالمِ اکبر کی قدسی مخلوق عالمِ انوار میں عقلِ کل اور مخلوقِ اوّل نور محمدؐ مصطفےٰ و آلِ محمدؑ کے انوارِ طاہرہ سے درس و توحید و تمجید اور تسبیح و تقدیس حاصل کرکے حمد و ثنائے ذاتِ خدا میں رطب اللسان ہوئی ۔ اسی طرح عالمِ ظاہر میں بھی تاقیامت انہی کی ذواتِ طاہرہ ہادیٔ کل و حجتِ خدا ہیں۔

اوّل مخلوق کے متعلق جو روایات وارد ہوئی ہیں ۔ بعض میں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ یعنی سب سے پہلے سرکارِ رسالتؐ کے نور کو خلق کیا گیا و بعض میں ہے اوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْل جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل مخلوق عقل ہے دونوں قسم کی روایات کو جمع کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب وُجودِ نوری سرکارِ رسالت کی جُدا جُدا تعبیریں ہیں یہی کائنات عالم کی عقلِ کل بھی ہیں اور نورِ اوّل بھی ۔ لہٰذا کوئی منافات روایتوں میں نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات حضرت جبرئیلؑ خدمتِ سرکارِ رسالت میں موجود ہوتے اور حضرت علیؑ کی آمد پر ان کے لئے بہرِ تعظیم کھڑے ہو جاتے ۔ حضور کے استفسار پر جواب دیتے تھے کہ ان کا میرے اُوپر حقِ تعلیم ہے ۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیسے ؟ تو جبرئیلؑ نے عرض کی کہ ابتدائے خلقت میں مجھ سے خالق کا خطاب ہوا کہ مَنْ اَنَا وَمَنْ اَنْتَ میں کون اور تو کون ہے ؟ تو میں نے جواب دیا اَنَا اَنَا وَ اَنْتَ اَنْتَ میں میں ہوں اور تو تو ہے پھر دوبارہ یہی سوال و جواب ہوا جب سہ بارہ سوال ہوا تو میں محوِ حیرت تھا کہ کیا جواب عرض کروں پس اچانک عالمِ انوار سے اسی جوان کو دیکھا اور اس نے مجھے صحیح جواب تعلیم کیا اور فرمایا کہ تو کہہ کہ تو رب جلیل ہے اور میں تیرا عبد ذلیل ہوں ۔ تیرا نام جلیل ہے اور میرا نام جبرئیل ہے ۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تیری خلقت کب سے ہے ؟ تو جواب دیا کہ جانب عرش سے ایک ستارہ تیس ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ طلوع کرتا ہے اور اب تک میں اس کو تیس ہزار بار دیکھ چکا ہوں۔

پس یہ ذواتِ مقدسہ عقل کل کی حیثیت سے جس طرح عالمِ اکبر کی سفلی مخلوق جن و انسان کے لئے ہادی ہیں ۔ اسی طرح عالم کی علوی مخلوق ملائکہ و روحانیین کے لئے بھی رہبر و معلم ہیں اور ہمارے عقول چونکہ ان عقول کے مقابلہ میں ناقص ہیں لہٰذا جب تک ہم ان سے ربط تعلق پیدا نہ کریں تو فیوض قدسیہ اور انوار معرفتِ الٰہیہ تک رسائی ناممکن ہے ۔ کیونکہ ہماری عقلیں تمام اشیاء کے مصالح و مقاصد کا نہ ادراک کر سکتی ہیں اور نہ صحیح لائحہ عمل از خود مرتب کرکے صراطِ مستقیم

لہ لواعج الاحزان ص۲۰۴ جناب رسالتمآبؐ خود جانتے تھے لیکن اس بات کو منظرِ عام پر لانے کے لئے اس سے سوالات کئے ممکن ہے کوئی اور وجہ ہو) واللہ اعلم منہ

کی تعیین کر سکتی ہیں۔

مثال کے طور پر جس طرح ایک غیر ممیز بچہ عقل و دماغ رکھتا ہے جو بچے کے حواس کو اچھی و بری اشیاء کی نشاندہی کرتا ہے لیکن اس کی عقل میں جس قدر قوت ہے اسی مقدار کی موزونیت سے وہ فرائض رہبری انجام دیتی ہے اسے صرف اتنا بتلا سکتی ہے کہ یہ کھانے کی چیز ہے اور یہ پینے کی چیز ہے۔ لیکن یہ صلاحیت اس کی عقل میں ہرگز نہیں کہ بچے کو اپنی و بیگانی کے درمیان تمیز بھی بتلا سکے۔ لہذا اس کا نظریہ ہر خوردنی و نوشیدنی شئ کے استعمال تک ہی محدود رہتا ہے۔ عقل اُسے اس شئے کے نفع و نقصان کا فرق بھی نہیں بتا سکتی۔ کیونکہ اس میں اس کی بھی صلاحیت نہیں بس وہ صرف شکم پری کی رہبری ہی کر سکتی ہے۔ اب چونکہ اس بچہ کی رہبر (عقل) رہبری کے دُرست فرائض انجام نہیں دے سکتی۔ کیونکہ اس میں قوت ہی نہیں۔ لہذا اس بچے کے افعال کی خرابی یا انجام کی برائی میں اس کو ملامت نہیں کی جاتی اور حکومتِ شرعیہ اور حکومتِ ظاہریہ دنیاویہ ہر دو کے نزدیک بچہ اپنے افعال کا ذمہ دار نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اور نہ وُہ جزاو سزا کا سزاوار گردانا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے افعال کی بازپرس اس کے مربی (ماں، باپ) وغیرہ سے ہوتی ہے اور وہی اس کے ذمہ دار قرار دیئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی عقول اس کے مقابلہ میں کامل ہیں۔

اسی طریق پہ ہمارے عقول گو کمال کی انتہا کو پہنچ جائیں۔ عقول انبیاء خصوصًا محمدؐ و آل محمدؐ کے عقول کاملہ کے مقابلہ میں بالکل ناقص اور خوردسال بچے کی عقل کی مانند ہیں۔ پس یہ ہماری رہبری اپنی حدِ رسائی تک تو ضرور کر سکتی ہیں۔ لیکن اس سے آگے قدم بڑھانا ان کے لئے ناممکن ہے کیونکہ تمام اشیاء ضرورت اور امور حفاظت کے مصالح و مفاسد کا نہ ان کو علم ہو سکتا ہے اور نہ اس کے مطابق فرائض ہدایت انجام دے سکتی ہیں۔ بلکہ تمام روزمرہ کی چیزوں میں ہر مصلحت و مفسدہ کا ادراک بھی کلی طور پر ان کے بس سے باہر ہے۔ لہذا وہ انجام کے ذمہ دار کیسے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ خود ذاتِ احدیت کا ارشاد ہے۔

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ۲ ع ۲

اور ممکن ہے کہ تم ایک شئے کو ناپسند کرو اور درحقیقت تمہاری اس میں بھلائی ہو اور ممکن ہے تم ایک شئے کو پسند کرو اور درحقیقت وہ تمہارے لئے بُری ہو۔

ہماری عقول آیات متقدمہ کی روشنی میں زمین و آسمان کی ترتیب میں فکر یا جسمانی اعضاء کا نظام مرتب اور اس میں غور سے صرف اس مرحلہ تک پہنچ سکتی ہیں کہ اس کائنات کا خالق و مدبر ضرور ہے جو تمام صفات کمال علم، قدرت، حکمت اور قدم حیات وغیرہ سے متصف ہے۔

لیکن یہ کہ اس کی ذات تک رسائی کیسے ہو؟ اور اس کی مرضات کی تحصیل کیونکر ہو؟ اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ (میں نے جنوں اور انسانوں کو معرفت و عبادت کے لئے خلق کیا ہے) کے فرمان کی تعمیل و امتثال کس طرح ہو؟

یہ چیز ہماری ناقص عقلوں سے دُور تر ہے ۔ لہٰذا ہمیں عقلِ کل (حضرات محمدؐ و آل محمدؐ) کی فرمائشات پر عمل کرنا ہوگا۔

منازلِ معرفت

پس معرفت کی پہلی منزل ہے خدا کی پہچان ۔ یعنی آثارِ خارجیہ ظاہرہ کا مشاہدہ اور اعضاءِ جسمانیہ اور اس کے اسرار کا مطالعہ کرنے سے عقلِ انسانی وجودِ صانع حکیم کے اقرار کی رہبری کرتی ہے لیکن اب اس تک رسائی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے آگے قدم بڑھانے کے لئے ایک واسطہ کی ضرورت ہے جو اس کے اوامر و نواہی سے ہمیں روشناس کرائے ۔ لہٰذا

معرفت کی دوسری منزل ہے نبیؐ کی پہچان ۔ تاکہ اس کی فرمائشات پر عمل کرتے ہوئے اور ان کی ہدایات کو لائحہ عمل قرار دیکر اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکیں ۔ لیکن ان کے گذر جانے کے بعد ان کی صحیح پہچان کیسے ہو؟ اور ان کی فرمائشات تک دسترس کیسے ہو؟ جبکہ ظلم و عدوان کے جابر ہاتھوں نے ان کی اکثر تعلیمات کو زمانہ سے روپوش کر دیا ۔ بہت سی بدعات کا آغاز کر دیا گیا ۔ واقعات و حقائق چھپا دیئے گئے ۔ ان کی طرف جھوٹی اور غلط حدیثیں منسوب کر دی گئیں پس

معرفت کی تیسری منزل ہے امام برحق حجتِ خُدا کی پہچان ۔ جن کے ذریعہ سے ہم صحیح طور پر جناب نبی علیہ السلام کی تعلیمات حاصل کرکے ان پر عمل کرتے ہوئے خدا کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں

اسی بناء پر زمانِ غیبت میں اس دُعا کا پڑھنا مستحب قرار دیا گیا ہے جو اصول کافی کے باب غیبت امام میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ۔

اَللّٰھُمَّ عَرِّفْنِیْ نَفْسَکَ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِیْ نَفْسَکَ لَمْ اَعْرِفْ نَبِیَّکَ اَللّٰھُمَّ عَرِّفْنِیْ نَبِیَّکَ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِیْ نَبِیَّکَ لَمْ اَعْرِفْ حُجَّتَکَ اَللّٰھُمَّ عَرِّفْنِیْ حُجَّتَکَ فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تُعَرِّفْنِیْ حُجَّتَکَ ضَلَلْتُ عَنْ دِیْنِیْ ۔

اے میرے اللہ مجھے اپنی ذات کی معرفت عطا فرما ۔ کیونکہ اگر تونے مجھے اپنی ذات کی معرفت عطا نہ کی ۔ تو میں تیرے نبی کی معرفت حاصل نہ کر سکوں گا ۔ اے میرے اللہ مجھے اپنے نبی کی معرفت عطا کر ۔ پس اگر تُو نے مجھے اپنی نبی کی معرفت نہ دی تو میں تیری حجت کی معرفت حاصل نہ کر سکوں گا ۔ اے میرے اللہ مجھے اپنی حجت کی معرفت عطا فرما کیونکہ تونے اگر مجھ کو اپنی حجت کی معرفت عطا نہ کی تو میں دین سے گمراہ ہو جاؤں گا ۔

کیونکہ ترتیب معرفت یہی ہے کہ ادلہ عقلیہ سے خدا کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کے احکام پر مطلع ہونے کیلئے نبوت کی پہچان اور نبوت کی پہچان کے بعد اس کی تعلیمات صحیحہ حاصل کرنے کے لئے اس کے صحیح جانشین کی تلاش لازم اور واجب ہے توحید کی معرفت کے بعد ہی نظریہ قائم ہو سکتا ہے کہ خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ وُہ ہی ہو سکتا ہے ۔ جو انسانی امکانی کمالات میں سے آخری حد پر پہنچا ہوا ہو ۔ ہماری طرح کا عام انسان قطعًا اس عہدہ پر فائز نہیں ہو سکتا ۔ ورنہ اسے پھر ایک اور واسطہ کی ضرورت ہوگی ۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس ۔ اور یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا ۔ پس اس کا انتخاب بھی اللہ ہی کی جانب سے

ہونا ضروری ہے اور جب نبی کی صحیح معرفت ہو جائے گی تو اس کے جانشین کی صحیح معرفت کا امکان ہو سکتا ہے ورنہ اگر نبی کو اپنے جیسا ایک عام انسان فرض کر لیا۔ تو اس کا قائم مقام بھی اپنے جیسا ہی تصور کریں گے لیکن جب نبی کو عام انسانوں سے مافوق حیثیت کا حامل قرار دیں گے تو اس کے جانشین کے متعلق بھی یہی نظریہ ہوگا۔ پس جب نبی کا انتخاب اپنی انسانی دسترس سے بالاتر سمجھیں گے تو اس کے حقیقی جانشین کا انتخاب بھی اپنی پہنچ سے بالاتر جانیں گے اور نبی کے انتخاب کی طرح اس کا انتخاب بھی خدا ہی کی جانب سے ضروری تصور کریں گے۔ پس جب امام کی معرفت جو نبی کا صحیح قائمقام اور روحانی پیشوا ہے ہو گئی تو صراط مستقیم مل گیا۔ ورنہ گمراہی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

جس طرح عقل اس عالم اصغر (وجود انسانی) میں معصومانہ حیثیت کی حامل ہے اسی طرح عقل کل (وجود نبوت) وجود کائنات میں معصومانہ حیثیت کا حامل ہونا چاہیئے اور یہ یاد رہے کہ گذشتہ انبیاء چونکہ محدود اور مختصر ماحول کے نبی تھے۔ لہذا وہ اپنے اپنے ماحول کے لحاظ سے اپنی امتوں کے جزوی عقول کے مقابلہ میں عقل کل تھے اور جناب رسالتمآبؐ چونکہ کائنات عالم کے لئے کلی نبی اور رحمۃ اللعالمین ہیں۔ لہذا یہ کائنات اور عالمین کے مقابلہ میں عقل کل ہیں۔

عقل انسانی کو میں نے اس لئے معصوم کہا ہے کہ باقی تمام اعضاء کی غلطیوں پر اس کی نگاہ رہتی ہے اور جہاں تک اس کی قوت کی پہنچ ہے اور اس کے علم کا تعلق ہے۔ قطعاً فعل بد کے ارتکاب کو بری نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور ہرگز افعال ناشائستہ کی دعوت نہیں دیتی ورنہ اگر نیکیوں کو پس پشت ڈال کر اس میں بھی برائیوں کی بجا آوری کا جذبہ ہوتا تو اس کی وجود انسانی میں مبلغ کی حیثیت نہ ہوتی اور خدائی خطابات کا اس سے تعلق نہ ہوتا۔ حالانکہ خدائی خطابات سب عقل والوں کے لئے ہی ہیں۔ پس اس کا اپنا انداز معصومانہ ہے خواہ خواہشات نفسانیہ اس کو مغلوب کر کے کس مپرسی کی حالت میں ہی کیوں نہ چھوڑ دیں۔

نیز جس طرح عقل وجود انسانی میں اعلم ہے تمام اعضاء سے۔

اسی طرح ہر نبی اپنی امت سے اور حضرت رسالتمآبؐ کل کائنات سے اعلم ہیں کیوں کہ وہ ان کے مقابلہ میں عقل کل ہیں۔ یہاں تک پہنچ کر اب حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے دوسرے شعر کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔

تمام عالم کا وجود کتاب اکبر اور وجود انسانی کتاب اصغر

آسمان و زمین کتاب عالم کے دو بڑے باب ہیں۔ آسمان میں شمس و قمر ستارے وغیرہ جدا جدا عنوانات ہیں اور ان کے جزوی حالات و فوائد پر از حکمت مصالح اور ان کی اوضاع و حرکات میں عجیب و غریب اسرار فکر کرنے والوں کے لئے گویا ایک قسم کی بین و مفصل تحریریں ہیں اور زمین میں عناصر اربعہ موالید ثلثہ وغیرہ جدا جدا فصول و عنوانات ہیں اور ان میں سے ہر ہر جنس و نوع پر تفصیلی تبصرے کتاب ہستی کا مطالعہ ہے۔

اسی طرح وجود انسانی میں سر اور باقی جسم دو مستقل باب ہیں۔

ایک طرف سر میں ہر ہر عضو علیحٰدہ علیحٰدہ فصلیں ہیں اور دوسری طرف جسم کا ہر ہر حصّہ جُدا جُدا عنوان ہے اور پھر ہر ہر عضو کی تشریحات وتفصیلات ، غوامض و دقائق ، فوائد و مصالح اور ان میں عجیب وغریب صنائع و بدائع کتاب وجود کی مبرہن تحریریں ہیں۔

جس طرح طبیعات ، فلکیات ، عنصریات کا عالم ان حالات و واقعات اور رموز و اسرار پر ایک حد تک مطلع ہو جانے کے بعد پکار اٹھتا ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا میرے اللہ یہ چیز تونے بے کار اور خالی از حکمت پیدا نہیں کی ہے۔ اسی طرح علم ابدان حاصل کرنے کے بعد اور پھر ہر ہر عضو کی وضع و ساخت پر نظر غائر ڈالنے کے بعد قہراً انسان کی زبان سے نکل جاتا ہے۔ تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ہندی طبیب سے مکالمہ

اس مقام پر حضرت امام جعفر[1] صادق علیہ السّلام اور طبیب ہندی کا مکالمہ خالی از فائدہ نہیں جس میں زبانِ امامت سے خلقتِ انسانی کے نایاب اسرار و رموز منظر عام پر آگئے۔ طبیب ہندی سے جب آپکی ملاقات ہوئی۔ تو رسمی گفتگو کے بعد آپ نے طبیب ہندی سے سوال کیا۔ طب کا عالم میں زیادہ ہوں یا تو۔ اس نے عرض کی کہ اس فن میں مجھے زیادہ دسترس حاصل ہے۔ (یہ سُن کر آپ نے اعضائے انسانی کی وضع و ساخت کے علل و مصالح کے متعلق انیس ۱۹ سوالات اس سے کئے جن کے جوابات سے وہ قاصر رہا ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ سر کے اندر چھوٹے چھوٹے گوشے کیوں موجود ہیں۔ یعنی کھوپڑی کی ہڈی ہموار کیوں نہیں ؟

۲۔ سر کے اوپر بال کیوں ہیں ؟

۳۔ پیشانی بالوں سے کیوں خالی ہے ؟

۴۔ پیشانی پر خطوط (بل) کیوں پیدا کئے گئے ہیں۔

۵۔ ابرو آنکھوں کے اوپر کیوں پیدا کئے گئے ہیں۔

۶۔ آنکھوں کی وضع بادامی نمونہ پر کیوں ہے ؟ یعنی درمیان میں موٹی اور کنارے باریک۔

۷۔ ناک کو آنکھوں کے درمیان کیوں رکھا گیا ہے ؟

۸۔ ناک کے سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہیں ؟

۹۔ ہونٹ اور مونچھیں منہ کے اوپر کیوں پیدا کی گئی ہیں ؟

۱۰۔ دانتوں کی تیزی ، داڑھوں کی چوڑائی اور نابوں کی لمبائی کس لئے ہے ؟

۱۱۔ مردوں کی داڑھی کیوں ہے ؟

---

[1] الدمعۃ الساکبہ

۱۲۔ ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں ہیں۔

۱۳۔ ناخنوں اور بالوں کے اندر زندگی کیوں نہیں؟

۱۴۔ دِل کی شکل صنوبری کیوں ہے؟

۱۵۔ پھیپھڑا دو حصّوں پر منقسم کیوں ہے؟

۱۶۔ جگر محدب کیوں ہے؟

۱۷۔ گردہ لوبیا کی شکل میں کیوں ہے؟

۱۸۔ گھٹنے پیچھے کو کیوں مڑتے ہیں؟

۱۹۔ قدم درمیان میں اوپر کو کیوں اٹھا ہُوا ہے۔

ان سوالات میں سے ہر ایک کے جواب میں طبیب ہندی یہی کہتا رہا کہ حضور مجھے اس کا جواب معلوم نہیں، آخرکار حضرتؑ نے فرمایا کہ اگر تو نہیں جانتا تو ان کے جواب میں تجھے خود بتلاؤں۔ طبیب ہندی نے عرض کی حضور! آپ بیان فرمائیں تو آپ نے ہر سوال کا جواب اسی ترتیب سے بیان فرمایا۔

ج ۱۔ کھوپری اگر اندر سے ہموار ہوتی تو صداع کا اثر جلدی سے ہوتا۔ اس کے اندر کے گوشے صداع کو دُور رکھتے ہیں۔

۲۔ سر کے بال اس لئے ہیں کہ تیل یا دیگر روغنی مالش کا اثر (مساموں کے ذریعہ سے) اندر پہنچ سکے اور بخاراتِ دماغیہ انہی مسامات کے ذریعہ سے بآسانی باہر نکل سکیں، نیز ٹھنڈک یا گرمی کے اثرات حسبِ ضرورت اندر جذب ہو سکیں۔

۳۔ پیشانی کو بالوں سے اس لئے خالی رکھا گیا ہے کہ آنکھیں اچھی طرح روشنی حاصل کر سکیں۔

۴۔ پیشانی پر خطوط و بل و شکن اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ گرمی کا پسینہ سیدھا آنکھوں میں نہ چلا جائے۔ بلکہ ان شکنوں میں رُک جائے۔ تاکہ ہاتھ کی مدد سے اس کو وہاں سے دُور کر دیا جائے جس طرح زمین میں زیادہ پانی کو دفع کرنے کے لئے نالے یا نہریں کھودی جاتی ہیں۔

۵۔ ابروں کو آنکھوں کے اوپر اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ ضرورت سے زائد دھوپ کو روکے رکھیں۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ دھوپ کی شدت کو آنکھوں سے کم کرنے کے لئے بعض اوقات ہاتھ کی ہتھیلی سے بھی مدد لی جایا کرتی ہے۔

۶۔ ناک کو آنکھوں کے درمیان اس لئے رکھا گیا ہے کہ روشنی برابر دو حصّوں میں تقسیم ہو کر ہر آنکھ میں پہنچے۔

۷۔ آنکھ کو بادامی شکل اس لئے دی گئی ہے کہ بصورت بیماری بذریعہ سلائی وغیرہ کے اس میں دوائی ڈالنا آسان ہو سکے اور اس کے ہر دو گوشوں سے مادہ غلیظہ خارج ہوتا رہے۔ ورنہ اگر مستطیل یا مربعہ یا مدوّر ہوتیں تو یہ مصلحت ختم ہو جاتی نہ دوائی ڈالنے میں سہولت رہتی اور نہ غلاظت کا خروج آسانی سے ہو سکتا۔

۸۔ ناک کے سوراخ نیچے کی طرف اس لئے ہیں کہ دماغ سے مواد فاسدہ آسانی سے خارج ہو سکیں اور خوشبو سہولت کے ساتھ دماغ کی طرف جا سکے۔ اگر سوراخ اوپر کی طرف ہوتے تو نہ فضلاتِ دماغ آسانی سے خارج ہو سکتے اور نہ خوشبو دماغ میں آسانی سے پہنچ سکتی۔

۹۔ ہونٹ اور مونچھیں منہ کے اوپر اس لئے قرار دی گئیں کہ دماغ سے خارج شدہ فضلات منہ کو گندہ نہ کریں۔

۱۰۔ داڑھی مردوں کے لئے پیدا کی گئی تاکہ عورتوں اور مردوں میں امتیاز رہے۔

۱۱۔ دانت تیز اس لئے کر دیئے گئے ہیں تاکہ سخت غذا کے کاٹنے میں سہولت ہو اور ڈاڑھوں کا چپٹا ہونا چبانے کی سہولت کے لئے اور تالوں کا بلند ہونا دانتوں اور ڈاڑھوں کے درمیان ربط کی مضبوطی کے لئے ہے۔ جس طرح لمبی دیواروں کے درمیان منارے رکھ دیئے جاتے ہیں تاکہ دیوار زیادہ مضبوط رہے۔

۱۲۔ ہتھیلیاں بالوں سے خالی ہیں تاکہ قوت لامسہ صحیح کام کر سکے اگر بال ہوتے تو یہ فائدہ کما حقہ حاصل نہ ہو سکتا۔

۱۳۔ ناخن اور بال بڑھ جانے کے بعد بدنما لگتے ہیں۔ لہٰذا ان کو کاٹنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس ان کو زندگی اس لئے نہیں دی گئی۔ تاکہ کاٹنے میں تکلیف نہ ہو۔

۱۴۔ دل کو صنوبری شکل کا اس لئے بنایا گیا ہے کیونکہ وہ الٹا رکھا ہوا ہے اور اس کا باریک کنارہ پھیپھڑے کے اندر داخل کر دیا گیا ہے۔ تاکہ پھیپھڑے میں آنے والی تازہ ہوا سے اس کو ٹھنڈک پہنچتی رہے اور دماغ کی حرارت اس کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

۱۵۔ پھیپھڑے کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے کہ ہوا کی آمد و رفت سے بآسانی حرکت کر سکے۔

۱۶۔ جگر کو محدب (درمیان کا حصہ ابھرا ہوا) اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ اوپر سے معدہ کے بوجھ پڑنے سے اس کے بخارات آسانی کے ساتھ اتر سکیں۔

۱۷۔ گردہ کو لوبیا کی شکل اس لئے دی گئی ہے کہ مادہ منویہ کے گرنے کی جگہ ہے۔ منی اس پر قطرہ قطرہ ہو کر گرتی ہے اگر یہ مربع یا مدور شکل کے ہوتے تو قطراتِ منی کو ترتیب وار قطرہ قطرہ آگے نہ بھیجتے بلکہ یکجا اور اکٹھا کر دیتے اور وہ لطف جو حاصل ہوتا ہے اس صورت میں حاصل نہ ہو سکتا کیونکہ جب منی صلب سے گردوں پر گرتی ہے تو یہ متواتر سکڑتے اور پھیلتے رہتے ہیں۔ پس اپنے پھیلاؤ سے باہر آنے والے قطرہ کو آگے بھیج دیا کرتے ہیں۔

۱۸۔ گھٹنوں کا موڑ پیچھے اس لئے ہے کہ اس کا الٹ ہوتا تو آگے کی طرف چلا نہ جا سکتا بلکہ چلنے والا منہ کے بل گر پڑتا

۱۹۔ پاؤں کے تلوے درمیان سے اس لئے اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں کہ جب کوئی چیز زمین پر متوازی طور پہ پڑ سکتی ہو تو اس کا زمین پر رکھنا اور اٹھانا ہر دو مشکل ہوا کرتے ہیں۔

ہندی طبیب نے جب امام عالی مقام حضرت صادق آلِ محمد علیہ آلاف التحیہ والسلام کی زبان ہمایوں سے

یہ تفصیل سنی تو فوراً کلمہ توحید و رسالت زبان پر جاری کیا اور آپ کے امام برحق ہونے کا اعتراف کیا۔ ہم نے تفسیر جلد ۱۱ صہ ۵۵ پر طبیب ہندی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

نیز کتاب الدمعۃ الساکبہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا میں نے سُنا ہے کہ تو قیاس کرتا ہے۔ اس نے عرض کی ! جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ تیرے او پر ویل ہو قیاس نہ کیا کر۔ کیونکہ پہلا قیاس کرنے والا شخص ابلیس ہے۔ جس نے آگ کو مٹی پر قیاس کر کے افضل ثابت کیا اگر آدمؑ کے نور کا نار سے موازنہ کرتا تو اُسے اپنی غلطی کا علم ہو جاتا۔ اچھا ! تو مجھے اپنے سر کے متعلق قیاس کر کے بتا۔

۱۔ کانوں میں تلخی کا مادہ کیوں ہے (قیاس سے جواب دے)

۲۔ آنکھوں میں نمکینی کیوں ہے ؟

۳۔ ہونٹوں کا مادہ شیریں کیوں ہے۔

۴۔ اور ناک میں ٹھنڈک کس لئے ہے (یہ چار مادے تلخ نمکین شیریں سرد اپنے مقامات پر کس مصلحت کی بنا پر ہیں) ابو حنیفہ نے عرض کی۔ حضور ! مجھے معلوم نہیں کہ ایسا کیوں ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے بدن کے معاملہ تو قیاس نہیں کر سکتا۔ اور حلال و حرام کے معاملہ میں قیاس کرتا ہے وہ عرض کرنے لگا۔ حضور ! مجھے (از راہِ کرم) سمجھائیے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

۱۔ اگر کانوں کا مادہ تلخ نہ ہوتا تو حشرات الارض ان کے سوراخوں میں داخل ہو کر نقصان دہ ہوتے۔ خداوند کریم نے ان کو تلخ مادہ دیدیا ہے تاکہ جو کیڑا وغیرہ داخل ہونا چاہے اس مادہ کی تلخی سے متاثر ہو کر مر جائے اور آگے جا کر دماغ کو نقصان و ضرر نہ پہنچا سکے۔

۲۔ آنکھوں کو نمکین مادہ اس لئے دیا ہے کہ یہ دونوں چربی کے ٹکڑے ہیں اگر نمکین نہ ہوتیں تو آنسو کی حرارت سے پگھل جاتے

۳۔ ہونٹوں (یا بعض روایات کی بناء پر ہونٹوں کے پانی کو) کھانے پینے کے ذائقہ سے لطف اندوز ہونے کے لئے شیرینی کا مادہ دیا۔

۴۔ ناک کو ٹھنڈا مادہ اس لئے دیا گیا کہ حسب ضرورت فضلاتِ دماغیہ کو سہولت سے خارج کر سکے۔ اگر اس کا مادہ گرم ہوتا تو بوجہ قرب کے دماغ کو پگھلا کر ختم کر دیتا۔

ان کے علاوہ مفصل کتابوں میں آئمہ طاہرینؑ نے انسانی اعضاء کے مصالح اور ان کی وضع و ساخت پر جو تبصرہ فرمایا ہے اس کے ضبط کے لئے علیحدہ کتاب چاہیئے۔ نیز کتاب وجود انسانی کی مفصل تحریرات کے مطالعہ کے لئے بھی ایک کافی وقت درکار ہے لیکن معمولی سے معمولی حد تک بھی معلومات کا حاصل ہو جانا صانع حکیم کی معرفت کا بہترین ذریعہ ہے اس لئے تو مولائے کائنات حلّال مشکلات حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اے انسان تو وُہ کتاب مبین ہے جس کے ہر ہر حرف کے اندر معارف و حقائق کے خزانے پنہاں ہیں جو مطالعہ کرنے سے ظہور پذیر ہو کر منظر عام پر آ سکتے ہیں۔

نتیجہ بحث | جب اس کتاب صغیر (وجود انسانی) کے مطالعہ اور اس کے اسرار و رموز پر اطلاع ملنے سے

اس کے کاتب (صانع حکیم) کے وجود جامع صفاتِ کمال کا پتہ ملتا ہے کیونکہ اس کا ایک ایک حرف معرفتِ خدا کا بے پایاں خزانہ ہے۔

تو اس کتاب کبیر (وجود عالم) کی تفصیلات پر غور کرنے والا اور اس کے مطالعہ میں شغف رکھنے والا کیونکر تشنہ معرفت رہ سکتا ہے اسی بنا پر تو خالق کائنات نے آفاق اور انفس ہر دو کے مطالعہ کی طرف معرفت حاصل کرنے کے لئے یکساں طور پہ دعوت دی ہے چنانچہ اس عنوان میں ابتدائی آیات قرآنیہ کا یہی مطلب ہے

پس جس ہستی کو ان دونوں کتابوں کے تفصیلی مضامین پر عبور حاصل ہو وہ کیوں نہ دعوے کرے سَلُونِي قَبْلَ أَنْ تَفْقِدُونِي اور یہ بھی واضح رہے کہ مقامِ معرفت جس قدر بلند ہو مقامِ عبودیت میں بھی اسی قدر ارتقاء ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

كَفَىٰ بِي فَخْرًا أَنْ تَكُونَ لِي رَبًّا وَكَفَىٰ — میرے فخر میں یہی کافی ہے کہ تو ہی میرا رب ہے۔

بِي عِزًّا أَنْ أَكُونَ لَكَ عَبْدًا — اور میری عزت کے لئے یہی کافی ہے کہ تیرا ہی عبد ہوں۔

اس کلامِ پاک میں جو سرکارِ ولایتؑ نے کوزے میں دریا بلکہ قطرہ میں سمندر کو سمو دیا ہے وہ صرف ذوقِ سلیم والے ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ سچ ہے کلام الامام۔ امام الکلام امام کا کلام باقی تمام کلاموں کا امام ہوتا ہے۔

بہرکیف اس کے صنائع و بدائع پر نظر ڈالنے کے بعد صاحبِ عقلِ سلیم کے لئے راہِ انکار و فرار قطعاً مسدود ہو جاتی ہے۔ لیکن ساتھ یہ یاد رہے کہ جس طرح خدا تمام صفاتِ کمال کا جامع ہے اور صفات اس کی عین ذات ہیں۔ اسی طرح یہ اعتقاد ضروری ہے کہ نہ وہ دنیا میں نظر آ سکتا ہے نہ آخرت میں نظر آ سکے گا جو لوگ اس کے دنیا یا آخرت میں نظر آنے یا آ سکنے کے قائل ہیں وہ خدا کی معرفت سے قطعاً بے بہرہ ہیں۔

ذرا اپنے گریبان میں نگاہ ڈال کر جائزہ لیں کہ جب اپنی روح جو اس چھوٹے سے جسم کی مدبر ہے اس کو نہیں دیکھا جا سکتا تو مدبر عالمین کو کیسے دیکھا جا سکتا ہے؟ دیکھنے کے لئے آنکھ ہے اور وہ ہر اس شئے کو دیکھ سکتی ہے جو رنگ و مادہ کثیف رکھتی ہو؟ اور جس میں نہ رنگ ہو نہ کثافت ہو آنکھ اس کا قطعاً ادراک کر ہی نہیں سکتی اور خداوند کریم نہ کثیف ہے اور نہ رنگ کا محل ہے فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ۔ جب عام لطیف مخلوق کے دیکھنے سے آنکھ عاجز ہے تو وہ لطیف جو تمام لطائف کا خالق ہے اسے دیکھنے پر کیسے قادر ہو گی؟

یہ بھی خیال رہے کہ عالمِ خواب میں بھی وہی چیز دیکھی جاتی ہے جو عالمِ بیداری میں دیکھی جا سکتی ہو۔ پس خدا کا دیکھنا نہ خواب میں ممکن ہے اور نہ بیداری میں۔ نہ اس کی مثال ہے نہ شبیہ۔ نہ وہ تصور میں سما سکتا ہے اور نہ وہم میں آ سکتا ہے انسان کے وہم و گمان و عقل سے اس کی ذات کا ادراک بلند و بالا ہے چہ جائیکہ آنکھ اس کو ادراک کر سکے تَعَالَى اللهُ عَمَّا يَصِفُونَ

البتہ بعض وہ آیاتِ قرآنیہ جن کے پیشِ نظر لوگ اشتباہ میں مبتلا ہیں ان کا تفصیلی بیان تو اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ اس مقام پر اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جب عقل و نقل سے ثابت ہو چکا ہے کہ خالق کائنات، مماثلت و مشابہت مخلوقات سے برتر و بالا ہے، جسم و جسمانیت سے مبرا ہے تو اگر کوئی آیت ایسی آ جائے جس سے اس کی جسمیت یا مماثلت کا وہم پڑے پس اس کی صحیح تاویل ضروری ہے مثلاً یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ کا یہ معنی غلط ہے کہ وہ اپنی پنڈلی کو ظاہر کرے گا۔ بلکہ یہ لفظ یعنی کشف عن الساق اس دن کی شدت سے کنایہ ہے عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہے بلکہ استویٰ کا معنی استولیٰ ہے یعنی غالب و مسلط ہے اسی طرح یداللہ، وجہ اللہ سے مراد اس کی قدرت، نعمت ذات، وغیرہ مراد لئے جا سکتے ہیں بعض مقامات پر حذف مضاف مانا جا سکتا ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

حقیقت یہ ہے کہ اہلبیت عصمت کے دروازہ سے کنارہ کرنے کی وجہ سے لوگوں نے توحید کا رستہ کھو دیا ہے بخاری والے نے تو صاف لکھ دیا ہے کہ جب دوزخ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کی آواز بلند کرے گی تو خدا اپنے قدم جہنم میں رکھیگا تب وہ کہے گی بس بس (میں سیر ہو گئی) صحیح بخاری تفسیر سورہ ق نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ ذٰلِكَ

اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ الآية

(جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں)

ضرورتِ نبیؐ

وہ خدا جو کل کائنات کا خالق اور ہر شے پر قادر ہے اس کی ہر صنعت عین حکمت، اس کا ہر فعل عین عدل ازلی ابدی قدیم قیوم، اس کی صفات عین ذات، نہ دیکھنے میں نہ سننے میں، نہ سونگھنے میں نہ چھونے میں اور نہ چکھنے میں آتا ہے ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے بے نیاز ہے، باوجود انتہائی قریب کے انتہائی بعد بھی رکھتا ہے اور باوجود بعید تر ہونے کے قریب تر بھی ہے نہ زبان کا محتاج اور نہ مکان کا خواہشمند ہے

چنانچہ بحار الانوار ج ۲ میں ہے کہ جب حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے برسرِ منبر دعوٰئے (سَلُوْنِيْ) کیا تو ایک شخص ذعلب نامی نہایت طرار، بلیغ اللسان اور جری القلب حاضرین میں سے یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا کہ آج علیؑ نے بہت اونچی اور مشکل جگہ پر قدم رکھا ہے میں ان کو لاجواب کر کے (معاذ اللہ) شرمسار کرتا ہوں وہیں عرض کی! یا امیرالمومنینؑ! کیا آپ نے کبھی اپنے

۱؎ ایک شاعر جاہلی سعد بن مالک نے جنگِ بسوس کی شدت کے متعلق کہا ہے۔ کَشَفَتْ لَهُمْ عَنْ سَاقِهَا وَبَدَا مِنَ الشَّرِّ الصُّرَاحُ (از حماسہ) منہ

رب کو دیکھا بھی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اے ذعلب! میں ایسا نہیں ہوں کہ ان دیکھے خدا کی عبادت کروں۔ اس نے عرض کی پھر کیسے دیکھا؟ ذرا تشریح فرمائیے۔ آپ نے فرمایا! اس کو آنکھیں مشاہدہ بصارت سے نہیں پا سکتیں بلکہ دل بصیرت ایمان سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اے ذعلب! میرے رب کو نہ بعید، نہ متحرک، نہ ساکن، نہ قائم بمعنی کھڑے ہونے کے کہا جاتا ہے اور نہ وہ آمد و رفت کی صفت سے متصف ہے، تمام لطافتوں سے لطیف تر لیکن اس کو باریک نہیں کہا جا سکتا۔ تمام عظمتوں سے عظیم تر لیکن جسمیت کے اعتبار سے نہیں۔ تمام بڑوں سے بڑا لیکن عمر کے اعتبار سے اس کو اس صفت سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔ مقام جلالت میں جلیل تر نہ جسمانی موٹائی کے معنی میں مقامات رحمت میں رحیم تر لیکن نہ رقت قلبی کے اعتبار سے مومن ہے لیکن نہ اقرار لفظی سے مدرک ہے لیکن نہ احساسات سے متکلم ہے لیکن بغیر تلفظ زبانی کے وہ چیزوں کے اندر ہے لیکن نہ خلط کے رنگ میں اور ہر شئے سے خارج ہے لیکن نہ مغایرت کے طور پر اس کے اوُپر کوئی شئے نہیں کہی جا سکتی۔ وہ ہر شئے سے پہلے کوئی شئے اس سے پہلے نہیں۔ اشیاء میں داخل لیکن نہ مظروفیت کے طریق پر اور اشیاء سے باہر ہے لیکن نہ اس طرح کہ جیسے ایک شے سے دوسری شئے باہر کر دی جاتی ہے۔

آپ اس مقام پر پہنچے تو ذعلب بے ہوش ہو کر زمین پہ گر گیا۔ ہوش سنبھالنے پر عرض کرنے لگا۔ خدا کی قسم ایسا جواب میں نے کبھی نہیں سُنا تھا اور خدا کی قسم اس قسم کا سوال آئندہ ہرگز نہ کروں گا۔

علاوہ ازیں مقام توحید کو بیان کرنے کے لئے نہج البلاغہ یا دیگر کتب خاصہ و عامہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زبان دُر فشان سے معرفت کے جو دریا جاری ہوئے ہیں وہ صرف آپ ہی کا حصّہ تھا اس جگہ مقام توحید کی طرف اشارہ کرنے کے بعد مجھے یہ کہنا ہے کہ پس ایسی ذات تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اور اس کی رضامندی کی تحصیل اور اس کے غضب سے بچاؤ کے لئے کیا طریق اختیار کرنا چاہیئے؟ اس غرض کے لئے کیا ہم خود اپنا رستہ معین کر سکتے ہیں یا کسی ایسے واسطہ کی ضرورت ہے جو وہاں سے لاکر یہاں پہنچائے؟ جس کا تعلق اس کی ذات سے بھی ہو اور ہماری پہنچ بھی اس تک ہو سکتی ہو۔ نہ وہ اس کی مثل کیونکہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ اور نہ وُہ پُوری طرح ہمارے مشابہ ہو۔ ورنہ وہ بھی فیوض قدسیہ الٰہیہ کی تحصیل میں ہماری طرح عاجز و محتاج غیر ہو جائے گا۔ پس وُہ ایسا ہو جو خُدا سے اِدھر ہو اور ہم سے اُدھر ہو۔ اُدھر سے لانے کی اہلیت رکھتا ہو اور اِدھر پہنچانے میں بصیرت تامہ کا حامل ہو۔ خدا ارشاد فرماتا ہے۔

وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ — اللہ کی طرف پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔

(۱) قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِی الآیۃ — کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (محمدؐ کی) اطاعت کرو الخ

(۲) مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا — جو تم کو رسولؐ دے وُہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ الخ

(۳) وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی — وہ (رسولؐ) خواہش نفس سے نہیں بولتا وہ تو وحیِ خُدا ہی ہوتی ہے۔

۵۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۔

البتہ اللہ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا ہے کہ ان میں انہی کے نفسوں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا، جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاکیزہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت (شریعت) کی تعلیم دیتا ہے اور تحقیق وہ اس سے پہلے پوری طرح گمراہی میں تھے

(۶) يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ

اے لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بھیجا ہوا ہوں) الخ

(۷) فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ

پس اللہ اور اس کے رسول اُمّی کے ساتھ ایمان لاؤ الخ

(۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو۔ حالانکہ تم سنتے ہو۔

(۹) يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ الآية

اے رسولؐ! پہنچا دے وہ چیز جو تیری طرف نازل کی گئی ہے۔

ان قرآنی اقتباسات سے معلوم ہوا کہ انسان خوشنودیٔ خالق کے حاصل کرنے میں اس کے رسولؐ کا محتاج ہے۔

حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام کے شعر سابق (جو اس سے پہلی فصل میں بیان کیا جا چکا ہے) کی تمثیل کی بنا پر جس طرح بدنِ انسانی میں عقل انسانی رسولِ باطنی ہے۔ اسی طرح وجودِ عالم میں خدا کا فرستادہ مبلّغ عقلِ کل (رسولِ ظاہری) ہے اور وہ اعضاءِ بدن کا ہادی ہے اور یہ افرادِ عالم کا رہبر ہے۔ جس طرح عقلِ انسانی انسان کے اعتقاد و عمل دونوں پہلوؤں میں رہبری کے فرائض انجام دیتی ہے۔

اسی طرح خدا کا رسولؐ افرادِ عالم کی ہر دو پہلوؤں سے ہدایت کرتا ہے۔ گو گزشتہ بحث میں اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے لیکن اس مقام پر اعادہ خالی از افادہ نہ ہوگا۔ رسولؐ کے دو کام ہوا کرتے ہیں۔ ایک اصلاحِ عقیدہ اور دوسرے اصلاحِ عمل وہ ایک طرف تو معبود کے متعلق کج اعتقادات کو مٹا کر روحِ معرفت پیدا کرتے ہیں اور دوسری طرف فرائضِ عبدیت کی تعلیم کے ساتھ تمدن و معاشرہ میں پیدا شدہ خرابیوں کا قلع قمع کر کے اصلاحی طرزِ عمل کا نفاذ کرتے ہیں۔

دیکھئے! حیوانات میں روح ہے لیکن عقل نہیں۔ پس وہ روح کا احساس رکھتے ہیں لیکن عقل نہ ہونے کی بنا پر عمل میں صحت و خطا کی تمیز ان میں ناممکن ہے اور انہیں حلال و حرام سے آگاہ کرنا محال ہے۔

پس عقل وجودِ انسانی میں روح اور باقی اعضاء کے درمیان واسطہ کی حیثیت سے ہے جس کی بدولت انسان کو حیوانات سے امتیازی شان حاصل ہے لیکن عقل نہ تو روح کے مشابہ ہے بلکہ اس کی مثل ان اعضاء میں کوئی ہو ہی نہیں سکتی اور نہ باقی اعضاء سے اس کی مشابہت ہے، ہاں البتہ روح کی رعایا ہونے میں باقی اعضاءِ بدن کے ساتھ شریک ضرور ہے۔ روح سے خود بلاواسطہ استفادہ کرتی ہے اور باقی اعضاء کو فائدہ پہنچاتی ہے اور باقی تمام اعضاء پر اس کو حقِ حکومت حاصل ہے اور ان کی اصلاح کے لئے اپنی حیثیت کے مطابق اس کو کلی اختیارات حاصل ہیں اگر عقل درمیان میں نہ ہو تو باقی اعضاء کو عام حیوانات کی طرح روح کا احساس تو ضرور ہوگا لیکن نفع و نقصان کا ادراک

مصلحت ومفسدہ کا علم یا حلال وحرام، اپنی و پرائی میں تمیز ہرگز نہ ہو سکے گی۔ پس عقل رُوح اور باقی اعضاء ہردو کے درمیان واسطہ ہے اور ہردو کی حقیقت سے جُدا ہے اور ہردو کے ساتھ اتصال کُلی بھی اسی کو حاصل ہے۔ نہ اس کے مشابہ ہے، نہ ان کے مشابہ ہے اُس سے اِدھر ہے اور اُن سے اُدھر ہے۔

اسی طرح رسولؐ۔ خدا اور خدائی کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ نہ وہ اُس جیسا ہو سکتا ہے اور نہ اُن جیسا اس کو کہا جا سکتا ہے۔ ہاں اس کی مخلوق عبد رعایا ہونے میں ان جیسا ضرور ہے۔ ہردو طرف اس کو اتصال حاصل ہے اُدھر سے لاتا ہے اور اِدھر پہنچاتا ہے اور تمام مخلوق کی اصلاح کے لئے اختیارات وسیعہ کا حامل ہے۔ مَآ اٰتٰیکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰیکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا جو بھی حکم دیں اس کی اطاعت کرو اور جس سے منع کریں۔ اُس سے رُک جاؤ۔

جس طرح بدن انسانی میں رُوح کی پہلی منزل عقل ہے۔
اسی طرح بدنِ عالم میں معرفتِ خدا کی پہلی منزل رسولؐ ہے۔
جس طرح بدنِ انسان میں عقل انسانی مخلوقِ اوّل ہے۔
اسی طرح تمام عالم میں نورِ نبوّت مخلوقِ اوّل ہے۔
جن انسانوں کو عقل نہیں دی گئی۔ ان سے جزا و سزا ساقط ہے۔ (جس طرح بچے یا دیوانے)

فی الکافی، عن ابی جعفر علیہ السلام قال لما خلق اللّٰہ العقل استنطقہ ثم قال اقبل فاقبل ثم قال لہ ادبر فادبر ثم قال وعزتی و جلالی ماخلقت خلقا ھو احب الیّ منك ولا اکملتك الا فی من احب اما انی ایاك امر و ایاك انھیٰ و ایاك اعاقب و ایاك اثیب۔

کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ جب خدا نے عقل کو پیدا کیا، تو اس کو گویا کیا۔ پھر فرمایا آگے بڑھ تو وہ بڑھا پھر فرمایا پیچھے ہٹ تو وہ ہٹا۔ پھر فرمایا کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم تجھ سے محبوب تر کوئی مخلوق میں نے پیدا نہیں کی اور میں نے محبوب ترین انسان میں ہی تجھے کامل کر کے بھیجا ہے۔ میرے اوامر ونواہی کا تعلق بھی تجھ ہی سے ہوگا۔ اور سزا و جزا کا مورد بھی تو ہی ہوگا۔

اسی مضمون کی اور احادیث بھی وارد ہیں۔ جن کو جمع کرنا کتاب میں طول کا باعث ہے۔

ذاتِ احدیت کا عقل سے خطاب کرنا غالباً امر تکوینی ہے نہ کہ تشریعی۔ جس طرح زمین وآسمان سے فرمایا۔ کہ آؤ پس وُہ اطاعت کرتے ہوئے آگئے اور انہوں نے کہا (اَتَیْنَا طَائِعِیْن) جس طرح روز ازل تمام ارواح سے خطاب فرمایا (اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ) تو سب نے کہا (بلیٰ) غرض اس سے معرفت واطاعت کی استعداد کا حسب حیثیت ان میں تفویض کرنا ہے۔ واللہ اعلم

لیکن حدیث کے الفاظ ہیں "آگے آ" تو وہ آیا اور "پیچھے ہٹ" تو وہ ہٹا۔ اس اقبال و ادبار کے فرمان کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کے متعلق متعدد توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ میں اس مقام پر صرف کچھ ہی عرض کرتا ہوں۔

(۱) عقل سے مراد عقلِ انسانی ہو تو مقصد یہ ہے کہ عقل سے یہ عہد لیا گیا کہ جب اس کو اپنی حیثیت کے مطابق نفع و نقصان معلوم ہو جائے۔ پھر ایک صورت میں اس کو صاف نفع معلوم ہو اور اسی کام کا دوسرا پہلو اس کی نگاہ میں باعثِ نقصان ہو تو دریں صورت خدا کا حکم بذریعہ رسولؐ بھی اسی صورت کے موافق ہو جائے۔ جس کے نفع مند اور مطابق مصلحت ہونے کا اُس نے خود فیصلہ کیا تھا۔ پس اس صورت میں عقل کی اطاعت کا نام ہے۔ "آگے آنا (اقبال) اور اگر خدا کا حکم بذریعہ رسولؐ صورتِ نفع کے خلاف ہو بلکہ عقل کی نگاہ میں اس کام کا کرنا باعثِ نقصان ہو تو اپنے نظریہ کے ماتحت ذاتی جذبات کو کچل کر حکمِ خُدا اور رسولؐ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام ہے۔ "ادبار" پیچھے ہٹنا۔ پہلی صورت کی مثال۔ جیسے نکاح کرنا۔ تجارت کرنا وغیرہ عقل کے نزدیک بھی نافع اور مصلحت دار اور حکمِ خُدا بھی ایسا ہی ہے پس اس قسم کے امور میں اطاعت شعاری کا نام اقبال ہے اور دوسری صورت کی مثال جیسے جہاد میں سر کٹوانا اپنے کمائے ہوئے ذاتی مال سے خمس و زکوٰۃ ادا کرنا۔ حج کرنا وغیرہ۔ ظاہری اعتبار سے عقل کے نزدیک جانی یا مالی نقصان کا موجب اور خلافِ مصلحت ہیں۔ پس اپنے جذبات کو زیر کر کے خدائی حکم کے سامنے سر جھکا دینے کا نام ہے ادبار۔ پس عقل نے عالمِ تکوین میں دونوں صورتوں میں اطاعت کو قبول کیا اور اب عالمِ تشریع میں اس سے ہر دو صورتوں میں اطاعت مطلوب ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) عقل سے مراد نورِ نبوت ہو۔ تو ممکن ہے کہ اقبال سے مراد عالمِ علوی میں اپنے تقدیس و تسبیح کے فریضہ کو ادا کرنا اور ادبار سے مراد عالمِ سفلی میں جا کر تسبیح و تقدیس کے علاوہ فرائضِ تبلیغ انجام دینا۔

(۳) اقبال کا معنی اُمت کی اطاعت کی صورت میں فرائضِ تبلیغ کا انجام دینا اور ادبار سے مراد مخالفت و نافرمانی بلکہ ایذا رسانی کے باوجود اپنے عہدہ کو نبھاتے رہنا۔

(۴) سنجیدہ و دانا طبقہ کو تعلیم دینا اقبال سے مراد اور نااہل، اکھڑ مزاج اور کند ذہن طبقہ کو حسنِ سلیقہ و نرمی و لطف کے ساتھ راہِ راست پر لانا ادبار سے مراد ہو۔

(۵) تندرستی و صحت کے زمانہ میں اور بیماری و دُکھ کی حالت میں خوشنودئ خالق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی اطاعت کو ہر کام میں ملحوظ رکھنا علی الترتیب اقبال و ادبار سے مطلوب ہوں۔

(۶) حالتِ تجرد میں یعنی مادۂ نفسانیہ، غضبیہ و شہویہ کے بغیر بھی اطاعتِ خدا کو مقدم قرار دینا اور ان موانع نفسانیہ کو اگر ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ تب بھی اطاعتِ خالق کو ہی مطمحِ نظر رکھنا علی الترتیب اقبال و ادبار ہوں۔ ان کے علاوہ اور توجیہات بھی بیان کی جا سکتی ہیں اور ہر دو صورتوں میں عقل نے اطاعت کا عہد کیا۔

ورنہ ظاہر کے اعتبار سے اقبال و ادبار کی لفظوں کا کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اور ان توجیہات سے معنی صاف واضح ہے واللہ الموفق۔ بہرکیف میرا مقصد حدیث مذکورسے یہ تھا کہ سزا و جزا عقل سے ہی وابستہ ہے۔ اگر عقل نہیں تو نہ سزا ہے نہ جزا۔ اسی طرح اگر مخلوق میں نبی نہ ہو۔ یا کہیں دعوتِ نبوت نہ پہنچی ہو تو وہ لوگ بھی معذور ہیں اور ان سے بھی ثواب و عقاب ساقط ہے جس طرح بدنِ انسان میں عقل بلاواسطہ علم کا مورد ہے اور باقی اعضاء اس کے محتاج ہیں۔

اسی طرح وجود عالم میں نور نبوت بلاواسطہ مورد علم ہے اور باقی لوگ ان سے مستفید و مستفیض ہیں۔

وجود انسانی میں اگر عقل نہ ہو تو انسانیت نہیں رہتی۔

اسی طرح وجود کائنات میں اگر نور نبوت نہ ہو تو کائنات نہ رہے۔ (لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاك)

عقل انسانی وجود انسانی میں سید الاعضاء ہے۔

اسی طرح نور محمدی جو عالمین کیلئے عقلِ کُل ہیں وہ سید کائنات ہیں۔

حضرت محمدؐ مصطفےٰ سے لے کر حضرت حجّتؑ تک سب اسی ایک ہی نور کے حصّے ہیں۔ جس طرح کہ حدیث نور میں صاف تصریحاً موجود ہے۔ پس سرکار رسالت کے گذر جانے کے بعد کائنات کی بقا صرف اس لئے ہے کہ ابھی اس نور کا ایک حصّہ دنیا میں باقی ہے ورنہ کائنات ختم ہو جاتی اور قیامت آجاتی اور وہ حضرت حجۃ العصر صاحب الزمان عجل اللہ فرجہٗ علیہ السلام ہیں۔ جن کی بقا سے دنیا باقی ہے۔ عقل وجود انسانی میں بے لوث بغیر طمع کے اپنا فریضہ منصبی سمجھ کر فرائض تبلیغ انجام دیتی ہے۔

اسی طرح نبی بھی اپنی رعایا کے لئے بے لوث مبلغ و مدرس ہوتا ہے۔

تنبیہ

عقل وجود انسانی میں پردۂ غیبت میں رہ کر اپنی رعایا (اعضائے جسمانیہ) پر تبلیغ کے فرائض انجام دیتی ہے اس کے رعایا کی مجال نہیں کہ اس کے وجود کا انکار کرسکیں۔ کیونکہ اس کے آثار و علامات، فیوض و برکات قطعاً اس کے جحود و انکار کی اجازت نہیں دیتے۔

اسی طرح عقلِ کُل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آخری جانشین پردۂ غیبت میں رہ کر خلق خدا کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ لہٰذا کسی ہوشمند انسان کے لئے ان کے وجود مسعود کے انکار کی بھی گنجائش نہیں۔

جناب محمدؐ مصطفےٰ خلقت نوری کے بعد سے لے کر حضرت عیسیٰ کے دورِ نبوت کے اختتام تک گو تمام کائنات میں غائبانہ وجود رکھتے تھے لیکن تمام گذشتہ انبیاء اور ان کی امتوں پر ان کی تصدیق واجب اور ان کا انتظار لازم اور ان کی آمد کی صورت میں ان کی نصرت کے لئے تیار رہنا ضروری تھا اور بجز اس کے سابق انبیاء کے نبوتیں متزلزل تھیں چنانچہ قرآن مجید میں میثاق نبیّین والی آیت اس امر کا صاف اعلان کر رہی ہے پس بعینہٖ اسی طرح ان کے آخری وصی و جانشین کے زمانِ غیبت میں ان کی امامت کا اقرار اور ان کی نصرت کا عہد بھی واجب و لازم ہے۔ اور بغیر اس کے دعویٰ اسلام

و ایمان بے سود اور لغو ہے۔

سبحان اللہ! حضرت امیرالمومنینؑ کے مختصر سے جملہ (وفیک انطوی العالم الاکبر) میں معرفت توحید و نبوت و امامت کے کس قدر درس ملتے ہیں۔ "کلام الامام امام الکلام"

نتیجۂ بحث خدا کی معرفت کے بعد انسان کو انسانی کمالات حاصل کرنے اور اپنے خالق کی خوشنودی کے اسباب مہیا کرنے میں نبوت کے دروازہ پر جبہ سائی ضروری ہے اور ضمنی طور پر یہ معلوم ہو ہی گیا ہے کہ نبی کو کن کن صفات سے متصف ہونا چاہیئے۔

(۱) اپنی تمام رعایا سے اعلم ہو۔ ورنہ فرائض تبلیغ کی انجام دہی میں ناکام رہے گا۔

(۲) اپنے قول و فعل میں معصوم عن الخطا ہو۔ ورنہ تبلیغ بے اثر ہو گی۔

(۳) تمام امت سے صفاتِ کمالیہ میں ممتاز ہو۔

(۴) دعویٰ نبوت کے ساتھ صاحبِ اعجاز بھی ہو۔ تاکہ اس کے دعویٰ کی مقبولیت ہمہ گیر ہو اور ہمارے نبی کے معجزات میں سے قرآن شریف قیامت تک کے لئے باقی و دائم معجزہ ہے۔ اس کے اعجازی پہلوؤں پر ایک مستقل عنوان کے تحت میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

عصمتِ انبیاءؑ

مذہب حقۂ شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سیّد الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کل ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی برحق تھے اور ہدایت خلق کے لئے مبعوث کئے گئے تھے پس وہ اپنی امتوں میں جمیع خصالِ حمیدہ کے لحاظ سے ان سے افضل و اکمل تھے اور صاحبانِ اعجاز تھے۔ علمی و عملی افضلیت کے ساتھ وہ اپنے جملہ اقوال و افعال میں اوّل سے آخر تک بچپنے کے دور سے دمِ آخر تک قبل از بعثت اور بعد از بعثت تمام گناہان کبائر و صغائر سے معصوم تھے۔

عصمتِ انبیاء کے متعلق ہمارے علمائے اعلام نے متعدد دلیلیں پیش فرمائی ہیں۔ حتیٰ کہ اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی تحریر کی گئی ہیں۔ اس جگہ میں نے صرف آسان اور عام فہم سادہ طریق پر چند دلیلیں پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ آسانی سے استفادہ کیا جا سکے۔ علمائے اعلام نے علمی مذاق کے ماتحت جو استدلالات ذکر فرمائے ہیں وہ کافی وقت طلب اور اصطلاحاتِ خصوصیہ کے جاننے پر موقوف ہیں۔ لہٰذا اس مقام پر ان کو ترک کر دیا گیا ہے۔

(۱) اگر نبی معصوم نہ ہو تو اس کی تبلیغ ناقابلِ قبول ہوگی۔ کیونکہ بغیر عصمت کے اس کی ہر بات میں جھوٹ کا احتمال ہوگا۔

(۲) نبی کے لئے دعویٰ نبوّت کا اثبات بغیر عصمت کے محال ہے کیونکہ اگر اس سے گناہوں کا سرزد ہونا جائز ہو تو منجملہ گناہوں کے ایک کذب بھی ہے تو جب اس کی ہر بات میں کذب کا احتمال پیدا ہوگیا تو دعویٰ نبوّت میں بھی یہی احتمال رہے گا۔ لہٰذا اس کی نبوّت تسلیم نہ ہو سکے گی۔

(۳) اگر نبی گنہگار ہو اور جملہ افعال و کردار میں خدا کا تابع فرمان نہ ہو۔ تو عام رعایا پر اس کی تبلیغ کا کیا اثر ہوگا؟ وہ تو صاف کہہ دیں گے کہ جو کام خود نہیں کرتے ہو۔ دوسروں کو کس منہ سے کہتے ہو؟ بلکہ خود عمل نہ کرنے والے کی نصیحت موثر ہونے کی بجائے مضحکہ خیز ہوا کرتی ہے۔

(۴) جو شخص عامل نہ ہو لوگوں کے دلوں سے اس کا وقار اٹھ جایا کرتا ہے اور وقار کے بغیر نہ کوئی بات سنتا ہے نہ مانتا ہے۔

(۵) بعثتِ انبیاء کی غرض ہے اصلاح اور جس شخص کو نبی بنایا گیا ہے اگر گنہگار ہو تو وہ خود قابلِ اصلاح ہے۔ لہٰذا اس کی اصلاح کا انتظام بھی ہونا چاہیئے۔ اب یا تو ایسا ہو کہ وہ امّت کی اصلاح کریں اور امت ان کی اصلاح کرے تو یہ ناممکن ہے اور اگر ان کی اصلاح کے لئے کوئی اور نبی مبعوث ہو جو فقط اسی کی اصلاح پر ہی مامور ہو تو اس کے غیر معصوم ہونے کی صورت میں اس کیلئے ایک اور نبی درکار ہوگا اور پھر یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا۔

(۶) اگر نبی میں عصمت نہ ہو تو وہ گنہگار ہونے میں امّت کے ساتھ برابر ہو جائے گا تو اس صورت میں بلا ترجیح اس کو نبی بنانا اور باقی امت پر اس کو فوقیت دینا منافیٔ عدل ہے۔

(۷) اگر نبی خود گناہ سے کنارہ کش نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے احکام کی اہمیت اس کے اندر نہیں ورنہ ایسا نہ کرتا تو اس صورت میں ممکن ہے کہ ارتکابِ گناہ میں دوسروں کا ہمنوا ہو جائے تو پس بجائے ترویج کے تخریبِ دین کا موجب ہو جائے گا اور یہ حکمتِ خداوندی کے خلاف ہے۔

(۸) اگر خود گنہگار ہوگا تو رعایا کے باہمی نزاعات کے فیصلوں میں عدل سے کام نہ لے گا اور تمدنی زندگی خراب ہو جائے گی۔

(۹) اگر بالفرض قبل از بعثت گناہ کرتا ہو اور بعد از بعثت گناہ نہ کرے۔ تاہم رعایا جرأت سے کہے گی کہ کل تک تو تم خود ایسا کیا کرتے تھے اور آج ہم کو منع کرتے ہو۔ لہٰذا نہ رعب نہ وقار نہ اثر اور تبلیغ بے کار ہوگی۔

(۱۰) اگر نبی گناہ صغیرہ کرتا ہو اور وہ قبل از بعثت ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں خوفِ خدا اور عدالت کا ملکہ راسخہ نہیں اور اس صورت میں بعد از بعثت بھی اس سے ارتکابِ گناہ ممکن ہو سکتا ہے۔ پس وہی خرابیاں لازم آئیں گی جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔

ان کے علاوہ اور دلیلیں بھی کتبِ مفصلہ میں مذکور ہیں۔ اس مقام پر انہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

بہرکیف انبیاء کی بعثت کے لئے ضروری ہے کہ خداوندِ عالم جس شخص کو ہماری ہدایات کیلئے بھیجے وہ ہم سے

ہر طرح افضل و اکمل ہو۔ پس ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء اپنے اپنے زمانہ میں پوری امت سے اعلم اور گناہانِ صغیرہ و کبیرہ سے معصوم تھے۔ اور ہمارا رسولؐ چونکہ تمام کائنات کا نبی بلکہ گذشتہ نبیوں کا بھی نبی ہے۔ لہٰذا وہ ماسوا اللہ تمام کائنات سے افضل و اعلم و اکمل ہیں اور ان کے بارہؑ جانشین ان کے قائمقام ہونے کی حیثیت سے آنحضورؐ کے علاوہ باقی تمام کائنات سے افضل و اعلم ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام تک تمام انبیاء بھی ان کی رعایا کی حیثیت سے ہیں۔ جس طرح کہ وہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رعایا ہیں۔ کیونکہ بادشاہ کے وزراء یا قائمقام بادشاہ کی پوری رعایا کے حاکم و سردار ہوا کرتے ہیں اور اس کی تصدیق خود حضرت عیسیٰؑ اپنے عمل سے کریں گے۔

جب حضرت محمد مصطفیٰ کا آخری وصی و جانشین گذشتہ تمام انبیاء کے آخری ممتاز نبی کا مقتدا ہوگا (جس کی کتاب و شریعت گذشتہ انبیاء کی شریعتوں کی ناسخ تھی) تو اس سے پہلے کے انبیاء کا مقتدا کیونکر نہ ہوگا؟

اور جب آخری وصیؑ ان سے افضل اور ان کا مقتدا ثابت ہوا تو اس سے پہلے گیارہ اوصیائے رسالتؐ کیونکر افضل نہ ہوں گے۔ اس مقام پر پہنچ کر بعض شکوک و شبہات کا ازالہ ضروری ہے جو بعض آیاتِ قرآنیہ سے عصمت انبیاء پر حرف گیری کا موجب قرار دیئے جاتے ہیں۔ گو ان کی تفصیلی بحثیں اپنے اپنے مقامات پر انشاء اللہ مذکور ہوں گی۔

پس یہ جاننا چاہیے کہ جب رسول باطنی (عقل) کے صریح فیصلہ سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ حجت خدا یعنی نبیؐ و رسولؐ کے لئے ہر صغیرہ و کبیرہ گناہ سے معصوم ہونا ضروری ہے تو جس جس مقام پر کسی آیتِ قرآنی سے اس کے خلاف کا شبہ ہو تو وہاں مناسب توجیہ و تاویل ضروری ہے محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑ جانا کجی قلب کی نشانی ہے۔

آئمہ اہلبیتؑ نے اس قسم کے مقامات پر ازالۂ شبہات کے لئے نہایت بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ جو منصف طبائع کے لئے موجب اطمینان ہے۔ کاش امتِ اسلامیہ کا ثقلین (کتاب و عترت)، ہر دوؑ کے ساتھ تمسک ہوتا۔ صرف اغراضِ دنیاویہ کی خاطر صرف قرآن کو کافی سمجھنا اور عترتِ رسولؐ سے کنارہ کرنا ہی عقائد اسلامیہ کی تباہی کا موجب ہوا۔ یہی تو صحیح بخاری میں حضرت ابراہیمؑ جیسے بزرگ پیغمبر پر بھی جھوٹ کے الزامات سے گریز نہیں کیا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ پر کذب کا اتہام اور اس کا جواب

چنانچہ بخاری شریف ج ۲ مطبوعہ مصر ۱۴۵ کتاب الانبیاء میں ہے۔

عن ابی هریرة قال لم یکذب ابراهیم علیه الصلوة والسلام الا ثلث کذبات ثنتين منهن فی ذات الله عز وجل۔ قوله انی سقیم وقوله بل فعله کبیرهم هذا وقال بينا هو ذات یوم وسارة اذ اتی علی جبار

ابوہریرہ سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف تین مقامات پر جھوٹ بولا ہے ان میں دو تو اللہ کے لئے (۱) ان کا کہنا کہ میں بیمار ہوں (۲) ان کا کہنا کہ یہ کام ان کے بتوں میں سے بڑے نے کیا ہے (پہلے مقام پر بیمار نہ تھے اور کہا بیمار ہوں اور دوسرے مقام پر کیا خود تھا اور بڑے بت پر تھوپ دیا) (۳) ابوہریرہ نے کہا

من الجبابرة فقيل له ان ههنا رجل معه امرأة من احسن الناس فارسل اليه فسأله عنها فقال من هذه؟ قال اختی، فاتی سارة قال یا سارة لیس علی وجه الارض مومن غیری وغیرك وان هذا سالنی عنك فاخبرته انك اختی۔ فلا تکذبینی (الخ)

کہ ایک دن وہ اپنی بیوی سارہ کو لے کر جا رہے تھے کہ ایک جابر بادشاہ کے پاس سے گذرے (بادشاہ) سے کسی نے کہہ دیا کہ یہاں ایک شخص ہے جس کی بیوی بڑی خوبصورت ہے۔ پس اُس نے اُن کو بلالیا اور پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میری بہن ہے پھر آکر سارہ سے کہا (کہ دیکھو) اس روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا اور کوئی مومن نہیں ہے اور اس (بادشاہ) نے مجھ سے تیرے متعلق دریافت کیا ہے تو میں نے اس کو بتایا ہے کہ یہ میری بہن ہے (اگر تجھ سے کوئی پوچھے) تو مجھے نہ جھٹلانا الخ

وفی کتاب النکاح عن ابی هریرة لم یکذب ابراهیم الاثلث کذبات

اور بخاری کی کتاب النکاح میں بھی ہے کہ ابوہریرہ کہتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے صرف تینؑ دفعہ جھوٹ بولا تھا۔

ایک تیسری حدیث میں بھی ابوہریرہ نے حضرت ابراہیمؑ کی طرف جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے لیکن (معاذاللہ) اس حدیث میں جناب رسالتمآبؐ کی طرف نسبت دیدی ہے (کتاب الانبیاء)

لیکن پہلی دونوں حدیثیں جو اصل عبارت کے ساتھ میں نے نقل کی ہیں۔ ان میں ابوہریرہ نے اپنی طرف سے یہ بات کی ہے اور تعجب ہے کہ مرزا حیرت مترجم اُردو بخاری نے اُن دونو حدیثوں کو بھی جناب رسالتمآبؐ کی طرف سے منسوب کر دیا ہے اور صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ہی ایسا فرمایا ہے (العیاذ باللہ)

انصاف فرمائیے کہ ابوہریرہ کے دامن کو بچانے کے لئے جناب رسالتمآبؐ کی طرف غلط بیانی کی نسبت سے ذرا بھر باک نہیں اور اگر حضرت ابراہیمؑ جیسے اولوالعزم نبی بھی جھوٹ وغیرہ سے پرہیز نہ کرتے ہوں تو دیگر عامۃ الناس پر جھوٹ کی حرمت کا فتویٰ کیسے عائد ہو سکے گا۔ حالانکہ خدا ارشاد فرماتا ہے وَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا۔ حضرت ابراہیمؑ کی ملت کی اتباع کا مطلب تو یہ ہے کہ پھر ملت اسلامیہ میں جھوٹ بولنا جائز ہو۔ کیونکہ ابراہیمؑ خود جھوٹ بولا کرتے تھے۔ یہ سب اہلبیتؑ عصمت کے دروازہ سے کنارہ کرنے کے نتائج ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ان مقامات پر توریہ فرمایا ہے اور یہ تقیہ کی بہترین صورت ہے یعنی ایسی لفظ استعمال کی جائے کہ سننے والا ظاہری معنی سمجھ کر خاموش ہو جائے اور یہ اپنے دل میں دوسرا معنی مراد لے لے جو مطابق واقع ہو پس اِنِّي سَقِيمٌ سے مراد ہے کہ اگر تمہارے ساتھ تمہارے تہوار میں شرکت کروں تو بیماری روحانی میں مبتلا ہو جاتا ہوں پس وہ لوگ ظاہری جسمانی بیماری سمجھ کر خاموش ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ روحانی بیماری مراد لے کر جھوٹ سے بچ گئے اور مسلمانوں نے بھی وہی ظاہری معنی مراد لے کر حضرت ابراہیم پر جھوٹ کا الزام عائد کر دیا۔

اسی طرح بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ساتھ شرط لگا دی اِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ اس عبارت میں جھوٹ تو درکنار۔ حضرت ابراہیمؑ نے بہترین طریقہ پر ان کو دعوت توحید دی ہے اور مصنوعی خداؤں سے کنارہ کشی کا درس دیا ہے فرمایا ان بتوں سے سوال کرو اگر یہ بول سکتے ہیں تو یہ کام بت شکنی بھی ان کے بڑے نے کیا ہے اور اگر وہ بول نہیں سکتے ہیں تو یہ کام بھی اُس نے نہیں کیا (یعنی جو بول تک نہیں سکتا وہ کسی کو نفع یا ضرر پہنچانے میں کیسے قدرت رکھ سکتا ہے؟ پس وہ لائق عبادت کیسے ہو سکتے ہیں؟

اور اسی طرح تیسری صورت میں مراد ہے کہ میری دین کی بہن ہے نہ کہ نسبی بہن تاکہ جھوٹ لازم آئے (بشرطیکہ روایت مقبول ہو) اسی طرح چاند، سورج، ستاروں کی پرستش کرنے والوں کے سامنے حضرت ابراہیم کا (هٰذَا رَبِّي) کہنا استفہام انکاری ہے۔ ہاں بعض وہ آیات قرآنیہ جن میں عصیان، غوایت، ظلم یا ضلالت کی لفظوں کو انبیاء کی طرف منسوب کیا گیا ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر ہیں متعدد مقامات پر ایسا ہوا ہے وہ وقت طلب ضرور ہیں

عصمت آدم

پس جس طرح خداوند کریم کا جسم و جسمانیت سے مبرا ہونا ادلہ قطعیہ سے ثابت ہے اور اس کے خلاف وہم ڈالنے والی آیات کی صحیح و مناسب توجیہہ ضروری ہے اسی طرح جب عصمت انبیاء قطعی طور پر ثابت ہے تو اس کے خلاف جہاں وہم پیدا ہو سکتا ہو وہاں مناسب تاویل کرنا ضروری و لازم ہے حضرت آدمؑ کے متعلق وارد شدہ شبہات کے حل کے لئے مقدمہ کے طور پر مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) حضرت آدمؑ کے سجدہ سے انکار کرنے کے بعد ہی آدمؑ کو گمراہ کرنے کے متعلق قسمیہ طور پر اس نظریہ کا ابلیس نے اظہار کیا تھا۔ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ تیری عزت کی قسم میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا۔

(۲) اس حتمی اور تاکیدی اعلان کے بعد خود ابلیس نے بعض لوگوں کے متعلق ان صریح اور غیر مبہم لفظوں میں استثناء کر دیا۔ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ مگر ان میں سے تیرے با اخلاص بندے (ان کو گمراہ نہ کروں گا یا نہ کر سکوں گا)

(۳) انبیاء کے متعلق خداوند کریم نے یوں ارشاد فرمایا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ پس تم بھی انہی کے رستہ پر چلو۔

(۴) مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي جس کو اللہ ہدایت کر دے وہ ہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور نیز فرمایا فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ جو میری ہدایت پر ہو نہ وہ گمراہ ہوتا ہے اور نہ شقی ہوتا ہے۔

(۵) حضرت آدمؑ کے لئے یہ بھی ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ الآیۃ۔ تحقیق اللہ نے حضرت آدم کو چن لیا پس حضرت آدمؑ مہتدین (ہدایت یافتگان درس خدا) سے بھی تھے اور مخلصین سے بھی تھے ورنہ مصطفےٰ نہ ہو سکتے چونکہ ہدایت یافتہ خدا تھے۔ لہٰذا ضلالت ان کے پاس نہیں آسکتی (پس اُضِلَّنَّهُمْ سے مستثنیٰ تھے اور چونکہ مخلصین میں سے تھے۔ لہٰذا اغوائے شیطانی کا اثر ان پر نہیں ہو سکتا پس لَأُغْوِيَنَّهُمْ سے مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ

چیز مسلّم ہے کہ ہدایتِ خدا اور اخلاص دونوں جڑیں اور اصل ہیں۔ تمام نیکیوں کی اور اسی طرح اضلال اور اغوائے شیطانی جڑیں اور اصل ہیں تمام بدکاریوں اور برائیوں کی۔

پس جب حضرت آدم سے ضلال اور غوایت جو من جانب شیطان ہیں۔ کی نفی ہوگئی تو ظلم اور عصیان جو۔ ان کے فروعات میں سے ہیں خود بخود منتفی ہوگئے۔

باقی رہا حضرت آدمؑ کا جنّت میں رہنا یا وہاں سے چلا جانا اس بات کا تعلق نہ حقوق الناس سے ہے اور نہ حقوق اللہ سے بلکہ اس کا تعلق صرف اس کے ذاتی نفع و نقصان سے تھا جو دنیاوی زندگی سے وابستہ ہیں پس نہ ان سے امر و نہی کا تعلق امورِ دینیہ کی طرف راجع تھا اور نہ اُن کے خلاف کرنا حقوق العباد یا حقوق اللہ کی پامالی کا موجب تھا۔

حضرت آدمؑ کی خلقت ہی زمین کے لئے تھی جیسا کہ ارشاد ہے (اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً) میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ پس ان کو ابتداً ایک مقام خاص (جنّت) میں سکونت دی گئی کیونکہ ابتداء آفرینش سے ان کو اتنی وسیع و عریض زمین میں بھیجنا ان کے مقتضائے بشریت کے اعتبار سے ان کے لئے باعثِ وحشت تھا۔ لہٰذا ایسی جگہ ان کی ابتدائی رہائش کا انتظام کیا گیا جہاں ملائکہ کی تسبیح و تقدیس و میل جول یا باغ جنّت کی سیر و تفریح سے ان کی طبیعت قدرے مانوس ہو جائے اور ان کو بشری قوتیں شہویہ، غضبیہ واہمہ، عاقلہ وغیرہ سب عطا کر دی گئی تھیں

اب اس مقام پر یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ہدایت دو قسم پر ہے ایک ہدایت عقلِ انسانی اور دوسرے ہدایت خدا جو انبیاء کو بذریعہ وحی و الہام اور عامۃ الناس کو بذریعہ انبیاء ہوا کرتی ہے۔

عقلِ انسانی کی ہدایت صرف امورِ ظاہریہ تک محدود ہوتی ہے جو تجربہ کے بعد انسان کو عمل میں مضبوطی کی دعوت دیتی ہے اور بخلاف اس کے ہدایتِ الٰہیہ وہ تجربہ کی محتاج نہیں بلکہ پہلی مرتبہ سے ہی اطمینانی طور پر اس کو ماننا اور اس کو واجب العمل قرار دینا عقلِ انسانی کا فریضہ ہے اس سے ذرا بھر اِدھر اُدھر ہونا خطا کاری و عمدی غلطی قرار دی جاتی ہے کیونکہ ہدایتِ خدا میں غلطی کا امکان ہی نہیں ہوتا تا کہ محتاجِ تجربہ ہو پس اس کے خلاف کرنا گناہ اور ظلم ہے۔

ہدایتِ عقل گو وہ بھی خدا کی عطا کردہ استعداد ہی سے ہوتی ہے۔ لیکن اس میں پختگی خدا خود ہی بعد تجربہ کے پیدا کرتا ہے اور یہی دستورِ خداوندی ہے ورنہ اگر اس میں بھی غلطی کا امکان نہ ہوتا اور پہلی دفعہ سے ہی پختہ و استوار ہوتی تو کبھی کوئی انسان کسی معاملہ میں خطا کار نہ ہوتا۔

ایک حکیم بڑی محنت سے معجون تیار کرتا ہے یا کوئی کشتہ یا دوائی بناتا ہے اور اُسے تسلی و اطمینان ہے کہ یہ دوا فلاں مرض کے لئے سو فیصدی مفید ہے بلکہ اکسیر اعظم ہے دوائی کے تیار ہو جانے کے بعد اگر اس کے دل میں ایک وسوسہ سا پیدا ہو جائے مثلاً اس کی فلاں جزء شاید درست حل نہ ہوئی تھی یا اشیاء کے اوزان کی مناسبت میں فرق تھا تو اس وسوسہ کے

پیدا ہوتے ہی وہ اس دوائی کو بے کار قرار دیکر ردی کی ٹوکری میں پھینک دے گا اور جس بیماری کے لئے وہ نسخہ اس نے اپنی محنت شاقہ سے تیار کیا تھا وہ اس کو اپنے کسی عزیز دوست کو لاحق ہو جائے اور اس حکیم سے اسی دوائی کا مطالبہ کیا جائے تو ہرگز وہ یہ دوائی استعمال کرنے پر تیار نہ ہوگا۔ گو عقل لسے پکار پکار کہے کہ دوائی بالکل درست تیار ہے۔ اس میں کوئی خرابی نہیں۔ لیکن وہم کی وجہ سے اس کو قطعاً اطمینان نہ آئے گا۔

ہاں اگر یہی دوائی ایک دفعہ یا چند مرتبہ استعمال ہو چکی ہو اور مفید نتیجہ اس سے برآمد ہو تو اب ہزاروں وسوسے آتے رہیں۔ اوہام کا مقابلہ ہوتا رہے شکوک پڑتے رہیں۔ اس کا تجربہ سے پیدا شدہ اطمینان قطعاً زائل نہ ہوگا اور عقل کے قطعی فیصلہ پر عمل کرنے میں اسے کوئی تامل نہ ہوگا (خواہ اس دفعہ نتیجہ خاطر خواہ نہ بھی ہو)

اسی طرح ایک زمیندار محنت شاقہ سے زمین کو نرم و ہموار کرے اور عقلی نظریہ کسی خاص جنس کے متعلق رکھتا ہو پس پوری محنت کر چکنے کے بعد اس زمین کے زرخیز ہونے کے متعلق اس کو شک پڑ جائے تو ہرگز اس میں قیمتی جنس کی کاشت کرنے سے اولاً گھبرائے گا کہ کہیں بیج ہی تلف نہ ہو جائے لیکن تجربہ کے بعد ہزار وہم آئیں۔ پرواہ نہ کرے گا۔

بہر کیف مقصد یہ ہے کہ قوتِ عاقلہ کی دنیاوی امور میں ہدایت گو اللہ کی جانب سے ہی ہے لیکن اس کے نظریہ کا راسخ ہونا تجربہ کا محتاج ہے۔ آپ دنیاوی امور میں جس جس چیز کو لیں گے عموماً آپ کو یہ یقین کرنا پڑے گا کہ عقلی نظریہ محتاجِ تجربہ ضرور ہے۔

پس حضرت آدم کا اسی عقلیہ نظریہ کے ماتحت یہ فیصلہ تھا کہ اس درخت کے پاس نہیں جانا۔

اور یہ اس لئے کہ انہوں نے دیکھا کہ اس ماحول میں رہنے والے اس سے گریز کرتے ہیں اور اس کے پاس نہیں جاتے اور یا اس لئے کہ ابتدائی دَور کے پیشِ نظر ان کو اللہ نے ہی بذریعہ وحی جتلا دیا کہ یہ باعث نقصان ہے اس کے قریب نہ جانا فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ورنہ تم کو خسارہ رہے گا۔ ظلم کا معنی خسارہ ہے۔

ان کے اس عقلی نظریہ کو اللہ نے اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا کیونکہ استعدادات عقلیہ بھی اللہ کی جانب سے ہیں اور عقل بھی اللہ ہی کی طرف سے انسان کے لئے رسولِ باطنی ہے اور اس عقلی حکم کو اللہ کا حکم کہا جایا کرتا ہے مثلاً عام کہتے ہیں۔ اللہ کا حکم ہے۔ کماؤ اور کھاؤ۔ مقصد یہ ہے کہ چونکہ استعدادِ عقل اللہ کی طرف سے ہے اور اس کا یہی فیصلہ ہے تو پس اللہ کا یہی حکم ہے۔

ابلیس چونکہ حضرت آدم سے حسد کرتا تھا۔ کیونکہ زمین کی خلافت قوم جن سے لے کر حضرت آدمؑ کو دی جا رہی تھی اور پھر حضرت آدمؑ کی عزت و وقار یہ کہ ملائکہ کو ان کے سامنے جھکا دیا گیا جس سے۔ وہ اور زیادہ جل بھن گیا اور خود انکاری و فراری ہو گیا۔ اور تیسرے ان کی تعظیم نہ کرنے کی وجہ سے راندۂ بارگاہ و مستحق لعنت بھی ہو چکا تھا۔

اپنے حسد کی بھڑاس کسی اور ذریعہ سے تو نکال نہیں سکتا تھا اسے معلوم تھا کہ یہ مہدی خدا اور مخلص و مصطفےٰ

نبیؑ ہے لہٰذا اس کو ضلال دغی میں پھنسانا محال ہے خود اس کا اپنا اعتراف بھی ہے کہ مخلص و برگزیدگان خدا کو میں گمراہ نہ کر سکوں گا اور ذاتِ احدیت کا بھی ساتھ ساتھ اعلان ہو چکا تھا کہ میرے مخصوص بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہ ہوگا

پس امور دینیہ میں حضرت آدمؑ کو دھوکہ دینا اور ان کو صراطِ مستقیم سے ہٹانا اور عباداتِ الٰہیہ سے ان کو منحرف کرنا قطعاً اس کے لئے ناممکن تھا۔ اب اس نے یہ سوچا کہ دنیاوی زندگی میں ان کی تلخی پیدا کر دوں تاکہ کئی دن مبتلائے مصیبت رہیں۔

ان کے عقلی نظریہ میں چونکہ بذریعہ وسواس کے رخنہ اندازی کی گنجائش تھی کیونکہ حد تجربہ کو نہ پہنچا تھا، لہٰذا اس کو بدلنے کی کوشش میں لگ گیا وہ اس معاملہ میں پرانا خرانٹ تھا اور تجربہ سے اس کا باعث نقصان ہونا جانتا تھا۔ لگا ان دونوں کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنی خیر خواہی جتلانے۔ آخرکار حضرت آدمؑ نے اس کی قسموں سے متاثر ہو کر اس کے وسواس کی وجہ سے بمشورۂ حضرت حوّا اس عقلی نظریہ کو نظر انداز کر کے اس کی خلاف ورزی کر لی جس کے نتیجہ میں انہیں فوراً اکیلا اس بنجر زمین پر آنا پڑ گیا۔ اگر ایسا نہ کرتے تو کچھ عرصہ اور بھی وہاں گذار سکتے تھے۔

بہرکیف ان کا وہاں رہنا ویسے بھی عارضی تھا، وہ پیدا ہی صرف زمین پر آنے کے لئے کئے گئے تھے اور انہوں نے ایک وقت یہیں آنا تھا صرف چند روزہ مانوسیت حاصل کرنے کے لئے ان کو وہاں ٹھہرایا گیا تھا اور اس عمل کی وجہ سے چند روز قبل ان کو یہاں آنا پڑ گیا۔ جس کا کافی عرصہ تک احساس کرتے رہے اور روتے رہے۔

پس عصیان سے مراد ہدایت عقل کی خلاف ورزی اور امر ارشادی میں کوتاہی ہے۔ جس کا خسارہ صرف دنیاوی زندگی تک ہی محدود ہوا کرتا ہے اور اس کے متعلق نہی ارشادی تھی جس طرح کہ عرض کر دیا گیا ہے۔

عصیان سے مراد ہدایت الٰہیہ شرعیہ کی مخالفت نہیں ہے یعنی یہ نہی مولوی نہیں تھی تاکہ مخالفت کا وبال آخرت پر رکھا جائے۔ نہ اس فعل کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور نہ حقوق اللہ سے ہے بلکہ اس کا تعلق صرف ان کے ذاتی نفع و نقصان سے ہے پس ان کی طرف غوایت اور ظلم کی نسبت سے مراد خسارہ دنیاویہ ہے جو ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہوا کرتا ہے

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک باپ بیٹے کو نصیحت کرتا ہے کہ دیکھو بیکار بیٹھنا اچھا نہیں۔ تجارت کرو لیکن رستے دو ہیں اگر فلاں کام کرو گے تو اس میں تکلیف زیادہ ہوگی اور فلاں کام کرو گے تو تکلیف کم ہوگی آمدنی دونو صورتوں میں یکساں ہی ہے۔ صرف تیری اپنی سہولت و تکلیف میں فرق ہے۔ پس اگر بیٹا کسی کے کہنے سے یا اپنی ذاتی رائے سے اس راستہ کو اختیار کرے جس میں باپ کے خیال میں تکلیف زیادہ تھی تو یہ باپ کی نافرمانی نہیں ہے بلکہ ہے وہ دونوں صورتوں میں باپ کا اطاعت گذار۔ فرق یہ ہے کہ اس کے مشورہ پر چلتا اور دوسری صورت اختیار کرتا تو وہ خود ذرا سہولت سے رہتا اور تکلیف سے بچ جاتا۔

اس مقام پر حضرت آدمؑ کا قصہ بعینہٖ یہی ہے کہ اگر وہ کام نہ کرتے تو کچھ عرصہ زیادہ اس جگہ رہ کر ملاء اعلیٰ کی

صحبت میں خوشنود ہوتے اور اس کام کے کرنے سے ان کی وہاں رہنے کی مدت کو جلد ختم کر دیا گیا۔ بہرکیف آنا ہر دو صورت میں زمین پر ضرور تھا کیونکہ وہ پیدا ہی اس لئے کئے گئے تھے اور زمین پر ان کا آجانا سزا نہیں تھا۔ بلکہ ڈیوٹی تھی صرف عدم تجربہ عقلی کی بنا پر (چونکہ پہلا ہی موقعہ تھا) ناہموار رستہ اختیار کرنے کی وجہ سے تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ملاء اعلیٰ کی صحبت سے بہت جلد محروم ہوجانے کی وجہ سے بہت عرصہ تک کف افسوس ملتے رہے اور روتے رہے۔

پس اس بیان سے ثابت ہوا کہ نہ حضرت آدمؑ کی طرف راجع نہی (مولوی) تھی اور نہ اس کی خلاف ورزی باعث گناہ تھی بلکہ وہ نہی ارشادی تھے جس کی موافقت یا مخالفت نفع ونقصان دنیاوی زندگی تک محدود ہے۔

پس نہ وہ مخالفِ امرِ خدا ہوئے نہ گناہگار نہ اُن سے عصیان سرزد ہوا نہ ظلم نہ ان کا یہ فعل مہدی و مخلص ہونے کے منافی تھا اور نہ مصطفائی میں مخل تھا۔

پس وہ مصطفےٰؑ بھی تھے اور معصوم بھی اور نبی بھی۔

والحمد للہ رب العالمین

ضرورتِ کتاب اللہ (قرآن مجید)

جب یہ ثابت ہوگیا کہ خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہمیں خدا کے فرستادہ پیغمبر معصومؑ کی تعلیمات حاصل کرکے ان کے نقشِ قدم پر چلنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ جو نبی وہ اپنی طرف سے ہماری راہنمائی کے لئے بھیجے اس کو اس قسم کے معجزات بھی عطا کرے جس سے اس کی من جانب اللہ مبعوث بعہدۂ نبوت ہونے کا اطمینان ہوسکے۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ خداوند کریم جس کو عہدۂ نبوت کرامت فرماکر ہماری راہنمائی پر مامور فرمائے اس کو معجزات کے علاوہ ہماری اصلاحات کے لئے ایک ایسا ضابطۂ قوانین بھی اپنی جانب سے عطا فرمائے جو ہمارے لئے لائحہ عمل کی حیثیت سے ہو اور جس کو وضع کرنے سے ہمارے عقول قاصر ہوں۔

گذشتہ انبیاء کو معجزات بھی عطا ہوئے اور ضابطۂ قانون (کتاب یا صحیفہ) بھی عنایت ہوا اور ہر دو جُدا جُدا یعنی معجزہ الگ اور کتاب یا صحیفہ الگ۔ معجزہ ہر نبی کو اس قسم کا دیا گیا جو زمانِ حاضر کے ترقی یافتہ طبقہ کے نزدیک ایک ناشدنی امر تھا۔ اور غیر شعوری طور پر ان کی طبائع کا مطمحِ نظر تھا اور اس کے علاوہ ان کے موجودہ خیالات و جذبات کے اس طرف رجحان کا اور کوئی موثر و کارگر ذریعہ نہ تھا اور نہ ان کی جاذبیت کا اس سے زیادہ مفید تر کوئی اور اقدام تھا۔

حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جادو کا چرچا تھا اور اس زمانہ کا ماحول اسی کو انتہائی کمالِ انسانی خیال کرتا تھا اور غیر شعوری طور پر اس سے بالاطاقت کے منتظر تھے کہ جو اس سے قدم آگے بڑھا کر رکھ دے اس کے گرویدہ ہو جائیں۔ کیونکہ اس سے آگے بڑھنا ان کے نزدیک ایک ناممکن جیسا امر تھا پس حضرت موسیٰؑ کو اسی نوعیت سے جداگانہ رنگ کا کوئی معجزہ عطا ہوتا تو وہ اتنا جاذب و مؤثر نہ ہوتا۔ جتنا کہ عصا کا سانپ بن کر دوسرے جادوگروں کے مفروضہ سانپوں کو کھا کر ہضم کر کے پھر اصلی حالت میں پلٹ کر عصا بن جانا مؤثر و کارگر ثابت ہوا اور جس کی بدولت تمام صاحبانِ کمال جادوگر مسلمان ہو گئے کیونکہ ان لوگوں کے دماغ اس دور کے جادوگروں کے موجودہ کمال کے اردگرد چکر لگا رہے تھے اور وہ اس کو آخری کمال سمجھتے تھے

پس اس سے بڑھ کر اسی جنس کا خارقِ عادت اقدام ہی ان کا جاذب بن سکتا تھا۔ دوسرا کسی نوعیت کا معجزہ ان کی نظر التفات سے اجنبی رہتا۔ لہٰذا مقبولیت عامہ میں اس کو وہ مقام حاصل نہ ہو سکتا جو اس کو حاصل ہوا کیونکہ اس کو غیر شعوری طور پر وہ خود تلاش کر رہے تھے پس منظر عام پر آجانے کے بعد وہ ان پر اثر انداز کیونکر نہ ہوتا؟

حضرت عیسیٰؑ کے دور میں افتادِ طبع فن طب پر تھی۔ اہل زمانہ کے اذہان افلاطون، ارسطو، جالینوس وغیرہ کے طبی کمالات کے شیفتہ و شیدائی تھے اور غیر شعوری طور پر اس سے مافوق کمال کے طالب تھے۔ لہٰذا خدائی عہدہ دارِ نبوت کے لئے ضروری تھا کہ ان کے موجودہ رجحانات کے پیشِ نظر ان کے سامنے ایسی چیز پیش کرے جس کو موجودہ طب و حکمت کا کمال ادراک نہ کر سکے۔ ماہرینِ زمانہ ہر مرض کا علاج کر سکتے تھے۔ اپاہج کو تندرست کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی نسخہ نہ تھا۔ مُردہ کو زندہ کرنا اُن کے بس سے باہر تھا وہ معجونیں اور کشتے تیار کر سکتے تھے لیکن مٹی کا بوتہ بنا کر اس میں رُوح پھونک کر جاندار نہ بنا سکتے تھے۔

پس حضرت عیسیٰؑ کو ایسا معجزہ عطا ہوا کہ موجودہ دور کے کمالات اس کے سامنے ماند پڑ گئے

وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ ہر زمانہ کے انبیاء کو اس قسم کا معجزہ عطا ہوا جو دورِ حاضر کے صاحبانِ کمال کی گردنیں جھکا دے بنا بریں تصدیقِ نبوت کے بعد قوانینِ شریعت کی کتاب انہیں علیحدہ عطا کی گئی۔ لہٰذا ان کی کتابیں اور صحیفے اعجازی حیثیت کے حامل نہ تھے۔

لیکن جناب رسالتمآبؐ کے دورِ پُر آشوب میں اس زمانہ کا موجودہ ترقی یافتہ گروہ فصاحت و بلاغت کا دلدادہ تھا۔ یہاں تک کہ عرب اپنے خطباتِ فصیحہ اور اشعارِ بلیغہ پر اس قدر نازاں تھے کہ اپنے مقابلہ میں باقی اقوامِ عالم کو عجم، گنگ بے زبان کی لفظ سے تعبیر کرتے تھے۔ دریں صورت اگر خدائی پیغامات سے روشناس کرانے کا طریقہ عام گفتگو قرار دے کر معجزہ اس سے الگ نوعیت میں عطا کیا جاتا تو ہرگز ہرگز اس میں کامیابی کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ عام گفتگو اگر دیگر فصحائے عرب اور بلغائے زمانہ کے معیارِ کلام سے پست ہوتی تو ادعائے نبوت محلِ تمسخر و مزاح کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا اور اگر عام فصحاء و بلغاء کے کلام کے برابر ہوتی تو پھر دوسرے اس جیسی کلام کرنے والے ہزاروں خم ٹھوک کر اس میدان میں

کود پڑتے اور دعوائے نبوت کر لیتے اور جناب رسالتمآبؐ کو امتیازی حیثیت قطعاً حاصل نہ ہو سکتی۔ کیونکہ باقی معجزات کو جادو کی لفظ سے تعبیر کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

پس اتمام حجت اور تبلیغ رسالت کے لئے اس ماحول میں اس سے زیادہ مؤثر اور کامیاب کوئی طریقہ نہ تھا کہ جس گفتگو کو دعوتِ توحید کا ذریعہ قرار دیا جائے وہ عام انسانی طاقت سے بلند ترین معیار پہ فائز ہو جس کے سامنے فصحاء و بلغاء زمانہ اپنی گردنیں جھکا دیں اور اس کو خدا کی کلام تسلیم کرنے کے علاوہ ان کے لئے کوئی اور راہ نہ نکل سکے پس وہ کلام معجزہ بھی ہو اور ضابطۂ قوانین شرعیہ بھی قرار پائے۔

تاریخ عرب سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اس دور میں انتہائی مشکل سے مشکل کام نکالنے کے لئے فصیح و بلیغ کلام جس قدر مفید و کارگر تھی۔ مال و زر یا قوت و زور کو وہ مقام حاصل نہ تھا۔ چنانچہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ عرب کا ایک مشہور شاعر ایک دفعہ ایک بادیہ نشین عرب کے ہاں مہمان ہوا۔ اس نے اس کی بڑی تواضع کی۔ اس شاعر نے رخصت ہوتے ہوئے بطور صلہ کے اس کے سامنے اپنی خدمات پیش کیں۔ وہ بادیہ نشین تین لڑکیوں کا باپ تھا اور بوجہ گمنامی و غربت کے اس کے ساتھ رشتہ و ناطہ کے لئے کوئی خاندانی آدمی تیار نہ تھا۔ پس اس نے اس شاعر کے سامنے اپنی حالتِ زار کا تذکرہ کیا اور اس تکلیف کے رفع کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس شاعر نے وعدہ کیا کہ عرب کے مشہور اجتماع (میلہ عکاظ) میں تیری اس مشکل کو حل کر دوں گا۔ چنانچہ جب وہ وقت آیا تو اس نے شرفائے عرب کے بھرے مجمع میں اس بادیہ نشین عرب کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا اور بڑھا چڑھا کر اس کے فضائل و اوصاف کا تذکرہ کیا۔ پس قصیدہ کیا تھا۔ ایک جادو کی لہر مجمع میں دوڑ گئی، قصیدہ سنتے ہی اس بادیہ نشین کو شرفائے عرب، عزت و حرمت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے اس کی شرافت و برتری کا پورے مجمع میں غل پڑ گیا۔ لوگ اس کو دیکھنے کے لئے اور اس سے تعارف کے لئے اس کے مکان پہ حاضر ہوئے۔ آخر کار اس سے رشتہ کی درخواستیں کی گئیں۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں چند دنوں کے اندر اس کی تینوں لڑکیاں شرفاء کے گھروں میں بیاہی گئیں۔

اور یہی وجہ تھی کہ امراء و رؤسا اپنی شہرت و بلندی کی خاطر مشاہیر شعراء کی بڑی خدمت کرتے تھے اور کسی قیمت پر ان کی دل شکنی گوارا نہ کرتے تھے اور ان کے مطالبات کو تسلیم کرنے میں ذرا بھر پس و پیش کرنے کی ان میں جرأت نہ تھی۔

بنا بریں دعوتِ توحید جو اس دور باطل میں بت پرستی اور خود ستائی کے موجودہ وقتی رجحانات کے لئے کھلا ہوا چیلنج تھی۔ عام کلام سے قطعاً اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔ خواہ حضرت رسالتمآبؐ اپنی تصدیق کے لئے اس کے علاوہ دوسرے ہزاروں قسم کے معجزات ہی کیوں نہ پیش کرتے۔ ان کی نگاہوں میں انسانی کمالات سے مافوق کمال صرف معیار کلام کی ایسی بلندی میں مضمر تھا جو موجودہ صاحبانِ کمال کی دسترس سے بالاتر ہو جس کو سن کر مشاہیر فصحاء و بلغائے عرب اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سامنے گردن خم کرنے پہ مجبور ہو جائیں۔ وہ گویا غیر شعوری طور پہ اس کمال کے منتظر تھے

جس کو قرآن مجید نے آکر طشت از بام کر دیا جس کی ضوء ارتقاء کے سامنے مشاہیر دور کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور جس کے اوج کمال کے مقابلہ میں ان کا موجودہ کمال بالکل ہیچ پوچ معلوم ہونے لگا۔

اور اس کا کمال بالائے کمال یہ کہ یہ کلام ایسی ذات کی زبان حق ترجمان پہ جاری ہوا۔ جو موجودہ فصحاء و بلغاء عرب سے راہ و رسم کا دُور سے بھی واسطہ نہ رکھتا تھا۔ جس کو رسمی تعلیم و تعلم کے طریقوں سے قطعاً کوئی وابستگی حاصل نہ تھی۔ بایں ہمہ اس کلام نے آتے ہی عرب عرباء کو اپنے خالق کی کلام ہونے کے ثبوت کے لئے مقابلہ کی عام دعوت دیدی اور بار بار پکار پکار کر صدا بلند کی آؤ اگر یہ اللہ کا کلام نہیں تو تم بھی اس جیسا بنا لاؤ " چلو پورا قرآن نہ سہی "۔ اس کے ایک سورہ کی مثل بنا لاؤ۔ "یہ بھی نہ سہی" تو اس کی ایک آیت کا مقابلہ کر کے دیکھو۔ صرف ایک ایک سے تنہا نہیں ہو سکتا" تو پورے ملک عرب کے فصحا و بلغا، خطبا و شعرا مل کر ایک دوسرے کی امداد و تعاون سے، مجموعی طاقت و استعداد سے، اس کا مقابلہ کر لیں۔ بلکہ جن و انسان مل کر اس کلام کے مثل ایک چھوٹا ٹکڑا ہی پیش کر دیں اور اس تحدی بالائے تحدی، چیلنج در چیلنج کے بعد ان کے عجز کا بھی کھلے لفظوں میں اعلان فرما دیا کہ خواہ کتنا ہی زور لگائیں، تنہا کریں یا مل جل کر کرنا چاہیں اس کی مثل ہرگز لا سکتے ہی نہیں۔ یہ سب کچھ سنتے رہے اور مبہوت و ششدر سے ہو کر ایک دوسرے کا منہ ہی تکتے رہے اور دنگ کے دنگ ہی رہ گئے۔ اس کے مقابلہ کے لئے ان کی زبانیں گنگ یا شل ہو گئیں۔ صرف حیرت سے انگشت بدندان ہونے کے سوا ان کے پاس اور چارہ ہی نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ عکاظ کے میلہ کے موقعہ پہ سورۂ کوثر کی تین آیتیں لکھ کر دیوار کعبہ سے لٹکا دی گئی تھیں۔ فصحاء عرب دیکھتے ہی محو حیرت ہو گئے اور مقابلہ میں کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکے۔ آخرکار ایک شاعر نے بار بار پڑھ کر کچھ اضافہ کی جرأت کی تو وہ صرف اس قدر کہ آخر میں لکھ دیا۔ مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ (یعنی یہ انسان کا کلام نہیں ہے)

اب ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات پوری طرح بیٹھ گئی کہ انسانی طاقتوں کے مافوق ایک ایسی طاقت ضرور موجود ہے جس کے سامنے انسان کی ذہنی کاوشیں ایک افسانۂ باطل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسانی افکار رسا کی روشن قندیلوں کے مافوق ایک ایسا نور یکتا موجود ہے جس کی ہمہ گیر ضیاء پاشیوں کے مقابلہ میں یہ چراغ سحری ہیں بلکہ بالکل مدھم و خاموش ہیں۔

یہ تصور جب پیدا ہو گیا تو کلام اللہ قرآن مجید کی ہمہ گیر جاذبیت نے معیاری کلام سننے کے دیوانوں کو اپنا پروانہ بنا لیا جب سننے تک نوبت آگئی تو ساتھ ساتھ کلام مقدس نے ادلہ توحید کے وہ ناقابل تردید براہین سامنے رکھ دئیے۔ جس کو فطرت سلیمہ بلا پس و پیش قبول کئے بغیر دم نہ لے سکے بس سنتے گئے اور پرکھتے گئے اور ہمنوا ہوتے گئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے اندر شرک و کفر کے مضبوط آہنی جال، ظلم و باطل کے محکم فولادی پھندے، تار عنکبوت بن کر معمولی ید اللٰہی جنبشوں سے ٹوٹنے لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے مستقبل قریب میں سب کا خاتمہ ہو گیا۔

جب عرب اذہان نے اس کلام کے مقابلہ میں ہار تسلیم کر لی۔ اس کے متعلق اللہ کا کلام ہونا تسلیم کر لیا تو دیگر اقوام

عالم جوان کے مقابلہ میں عجم (گنگ) کی حیثیت سے تھیں کس طرح اس کی صداقت کے تسلیم کرنے سے اعراض کر سکتے تھے؟ پس دینِ خدا کا تھوڑی مدت کے اندر چار دانگ عالم میں، ڈنکا بج گیا اور فوج فوج ہوکر اطراف و نواح سے حضور رسالتمآبؐ کی بارگاہِ فیض میں آکر لوگ اسلامی تعلیمات سے دامنِ مراد پر کرکے جانے لگے اور قرآنی فیوض و برکات سے تشنگانِ معرفت نے وہ استفادہ کیا کہ پھر اور لوگ ان سے سیکھ سیکھ کر دُور دُور تک اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے

چونکہ اس کلامِ مقدس کی فصاحت و بلاغت کا معیار انسانی دماغی صلاحیتوں سے بلند و بالاتر ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس کی فصاحت و بلاغت کے لئے جن لطائف و رموز اور اُصول و نکات کو ملحوظ قرار دیا گیا ہے، ان کا استکشاف بھی انسانی اوہام و ظنون یا افکار و عقول کی انتہائی بلند پروازی اور نازک خیالی سے ہو سکنا ناممکن اور محال قطعی ہے کیونکہ قاعدہ ہے التحلیل انما یکون الی ما منہ الترکیب (کسی شی کی تحلیل انہی اجزا کی طرف ہی ہو سکتی ہے جن سے ابتداً ترکیب واقع ہوئی تھی، یعنی جن لطائف و نکات اور دقائق و اسرار کو ابتدًا ملحوظ قرار دیکر خالق کلام نے ان کے مطابق کلام مقدس (قرآن مجید) کی ترکیب (تشکیل فرمائی ہے) ناممکن ہے کہ انسانی فہم صائب اور ذہن ثاقب اپنی انتہائی اور انتھک جدّ و جہد سے اپنی غیر معمولی نکتہ سنجی و دقائق رسی کی بنا پر ان کا ادراک کر سکے کیونکہ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو ابتداء سے اس قسم کے لطائف و نکات کا لحاظ رکھ کر اُن کی مطابقت سے کلام کرنا اور مرکب کرنا کیوں محال ہوتا؟ اور اگر ابتداءً ان کے دماغوں سے یہ بات اوجھل تھی تو اس پاک کلام کے مطالعہ یا سماعت کے بعد تو وہ سب نکات و رموز سامنے آچکے تھے پھر تحدی و چیلنج کے باوجود خاموش کیوں رہتے؟ یا اس کے مافوق البشر ہونے کا اعتراف کیوں کرتے؟

پس معلوم ہوا کہ نہ ابتداءً ان کی رسائی مافوق البشر لطائف تک تھی تاکہ اپنے کلام کو اس معیار پر لے جا سکتے اور نہ قرآن آجانے کے بعد اور اس کا بار بار مطالعہ و مذاکرہ کرنے کے بعد ان لطائف تک ان کا پہنچ سکنا ممکن ہے تاکہ اس کلام لاجواب کا جواب پیدا کرنے کی جرأت کریں۔

تو جس طرح جناب رسالتمآبؐ قدرت کے انتخاب لاجواب سے اس کلام کے لانے کے اہل تھے بس وہ ہی اس کلام کے سمجھنے اور سمجھانے کے اہل بھی تھے اور باقی تمام لوگوں نے اس کے معانی و اسرار کو جناب رسالتمآبؐ سے اپنی اپنی استعداد و قابلیت سے حاصل کیا۔ بعض صرف سرسری ترجمہ سمجھنے کے اہل تھے بعضوں نے کچھ تفسیر و تاویل سیکھ لی۔ گویا جس قدر استعداد اسی قدر استفادہ۔ یہانتک کہ بعض لوگ تو لفظی ترجمہ سے ذرا بھر آگے قدم نہ رکھ سکے اور آسان سے آسان اشارہ تک پہنچنے کیلئے بھی ان کا دماغ دقت محسوس کرتا تھا چہ جائیکہ مزید دقائق کی طرف قدم بڑھاتے۔

چنانچہ صحیح بخاری کتاب الصوم میں ہے کہ جب ماہ مبارک رمضان میں روزہ کے سحری کے وقت کی تعیین کیلئے یہ آیت اتری كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ (کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سفید تاگا سیاہ تاگے سے متمیز ہو جائے) تو بعض صحابہ نے یہ دستور بنالیا کہ اپنے پاؤں میں دو تاگے ایک سیاہ اور دوسرا سفید باندھ لیا کرتا تھا اور

(۱) فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ	اہل ذکر سے دریافت کرو جو تم نہ جانتے ہو۔
وعن ابن عباس ۔ هم محمّد وعلی وفاطمه والحسن والحسین هم اهل الذکر والعلم والعقل والبیان وهم اهل بیت النبوة ومعدن الرسالة ومختلف الملائكة واللّٰه ماسمی المؤمن مومنا الا كرامة لامیر المؤمنینؑ	ابن عباس سے مروی ہے "اہل ذکر سے مراد" حضرت محمد مصطفٰے اور علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ یہی اہل ذکر، اہل علم، اہل عقل، اہل بیان اور اہل بیت نبوۃ۔ نیز رسالت کی کان اور ملائکہ کا محل نزول ہیں۔ اللہ کی قسم مومن کو مومن ہی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی کرامت کے لئے کہا گیا ہے

اور ینابیع المودۃ سے بروایت تفسیر ثعلبی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے۔

قال علیؑ نحن اهل الذکر	حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اہل الذکر ہم ہیں
ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۔ الآية ۔ قال الفضل بن روزبهان فی ابطال النهج ۔ علی من جملہ ورثة الكتاب لانه عالم بحقائق الكتاب فهذا يدل على علمه ووفور توغله فی معرفة الكتاب انتهى ويؤيده قول النبیؐ علی مع القرآن والقرآن مع علی ۔	(ارشاد قدرت ہے) پھر ہم نے وارث کتاب بنایا۔ ان لوگوں کو جن کو اپنے بندوں میں سے چن لیا۔ فضل بن روزبہان جو علمائے اہل سنت میں سے ہے اس نے اپنی کتاب ابطال النہج میں لکھا ہے کہ علیؑ وارثان کتاب میں سے ہے کیونکہ وہ حقائق کتاب کا عالم ہے پس یہ چیز ان کے علم اور معرفت کتاب کے راسخ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور جناب رسالتمآبؐ کا فرمان کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کیساتھ ہے اس کا موید ہے۔
(۲) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۔ عن السیوطی فی الدر المنثور عن ابن عباس وكونوا مع علی بن ابی طالب	(ارشاد خداوندی ہے) ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اس کے متعلق درمنثور سے بروایت ابن عباس منقول ہے۔ یعنی علیؑ بن ابی طالب کے ساتھ ہو جاؤ۔
(۴) وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۔ عن الثعلبی عن عبد اللّٰه بن سلام قال هو علی	جس کے پاس کتاب (قرآن) کا علم ہے۔ ثعلبی سے بروایت عبداللہ بن سلام مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت علیؑ ہے
(۵) إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ روی العلامه عن الجمهور عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰهؐ انا المنذر وعلی الهادی وبك يا علی يهتدی المهتدون	سوائے اس کے نہیں کہ تو ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کیلئے ایک ہادی ہے علامہ نے بطریق جمہور حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ میں منذر ہوں اور علیؑ ہادی ہے اور فرمایا اے علیؑ طالبان ہدایت تجھ ہی سے ہدایت پائیں گے۔

یہ پانچ آیات مجیدہ قرآنیہ کے اقتباسات نقل کئے ہیں۔ جن کے متعلق روایات سے ثابت ہے کہ ان کا مصداق حضرت

کھانے میں مشغول رہتا تھا۔ پس جب وہ دونوں تاگے اپنے اپنے رنگ میں دکھائی دینے لگتے تھے تو کھانا وغیرہ بند کر دیا تھا۔ پس جب (مِنَ الْفَجْرِ) کی لفظ اتری تو معلوم ہؤا کہ اس سے تو صبح صادق مراد تھی۔

اور بعض صحابہ تو پورے قرآن مجید کا لفظی ترجمہ ہی نہ سیکھ سکے جیسا کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں بعض اکابر صحابہ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ ان کو فَاکِهَةً وَّاَبًّا کا معنی نہیں آتا تھا تفصیل کے ساتھ ص۱۵۴ تا ۱۵۶ پر ملاحظہ فرمائیں حالانکہ انہی کو "الاتقان" میں علامہ موصوف نے مشہور مفسرین قرآن کی فہرست میں پہلے نمبر پر جگہ دی ہے۔

علاوہ اُن رموز و اسرار کے جو معیار فصاحت و بلاغت قرار دیئے جائیں قرآن کے ظاہر و باطن اور باطن در باطن حتی کہ سات باطن تک موجود ہونے کی روایات بھی ہیں۔ پھر اس میں خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مبیّن، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ بھی ہیں۔ تو اگر جناب رسالتمآبؐ کے بعد یہ تمام چیزیں پردۂ خفا میں رہ جائیں اور ان کے سمجھنے سمجھانے والا کوئی نہ ہو تو قرآن مجید کا قیامت تک انسانوں کے لئے باعثِ ہدایت ہونے کا کیا مطلب رہ جائے گا؟ بلکہ پھر تو منہ پر قرآن بھر قرآن کی لفظی رٹ ہی رہ جائے گی اور بس۔

لہٰذا عقل کی روشنی میں اس نتیجہ تک پہنچنا ضروری ہوگا کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ قیامت تک کے لئے امت میں حضرت رسالتمآبؐ کا ایک جانشین موجود ہو۔ جو قرآن مجید کی جملہ باریک گتھیوں کو سلجھانے کی اہلیت تامہ اور اس میں بصیرت صادقہ رکھتا ہو اور وہ سوائے عترتِ طاہرہ کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا جس طرح کہ "ثقلین" "معجز نما" اور دیگر متفرق عنوانات کے تحت میں قدرے تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے۔

اس وقت حضرت رسالتمآبؐ کا جانشین موجود ہے جس کے وجود مسعود سے زمانہ قائم ہے۔ جب پردۂ غیبت اُٹھے گا وہ عالم ظہور میں تشریف فرما ہو کر قرآن مجید کی صحیح تعلیمات سے دنیا والوں کو روشناس کرائیں گے۔ باطل کا دور یکسر ختم ہو جائے گا اور دینِ خدا مقبول عام ہوگا۔ ظلم و جور کا قلع قمع ہو جائے گا۔ عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ عَجِّلْ لَنَا ظُهُوْرَهٗ فَاِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرَاهُ قَرِيْبًا بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَّعَلِيٍّ وَّاٰلِهِمَا عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اٰمِيْنَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ

قرآن کے ساتھ ضرورت امام

متعدد عناوین کے ذیل میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ ایک ایسے عالم قرآن کا ہونا بھی ضروری ہے جو قرآن کے ظاہر و باطن بلکہ اس کے جملہ علوم پر بھی حاوی ہو۔ اب اس مطلب کی تائید کے لئے قرآن مجید کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں تاکہ ارباب بصیرت ان کی روشنی میں اپنے نظریات کا جائزہ لے سکیں۔

امیرالمومنینؑ ہے۔ پس ان سے ثابت ہوا کہ جناب رسالتمآبؐ کے بعد امت اسلامیہ پر حضرت علیؑ کی اطاعت واجب ہے اور چونکہ قرآن کے خطابات صرف اسی دور تک محدود نہیں لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ تاقیامت ان آیاتِ قرآنیہ کا مصداق امت میں باقی ہونا واجب ہے جو جناب رسالتمآبؐ کی تعلیمات کا ذمہ دار قرار دیا جاسکے اور آیاتِ قرآنیہ کی وضاحت کرنے میں وہ ان کا صحیح قائمقام ہو۔

(۱) پہلی آیت کی رُو سے تاقیامت اہل ذکر میں سے ایک فرد کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ فَاسْئَلُوا کا خطاب تاقیامت باقی رہے

(۲) دوسری آیت کے اعتبار سے وارثِ کتاب کا تاقیامت موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ کتاب کی حد قیامت ہے۔

(۳) تیسری آیت میں چونکہ خطاب قیامت تک کے ایمان والوں سے ہے۔ لہذا ہر دور میں تاقیامت ایک صادق کا وجود ضروری ہے جس کے ساتھ تمسک پکڑا جاسکے۔

(۴) چوتھی آیت کا مصداق (عالم کتاب) بھی قیامت تک ہونا لازم ہے کیونکہ آیت قیامت تک زندہ ہے اور قرآن بھی قیامت تک ہے

(۵) پانچویں آیت کی رُو سے قیامت تک اقوام عالم کے لئے ایک ہادی کی بقا ضروری ہے۔

(۶) چونکہ قرآن معجزہ باقیہ ہے لہذا اس کے ساتھ تاقیامت ایک معجز نما کا وجود ضروری ہے جو قرآن کے اعجاز کو منظر عام پر لاسکے۔

(۷) چونکہ قرآن قیامت تک کیلئے ضابطہ قوانین ہے۔ لہذا اس کے نافذ کرنے والے کا وجود بھی تاقیامت لازم ہے۔

(۸) حدیث متواتر (ثقلین) سے چونکہ قرآن اور اہل بیت رسولؐ میں تلازم وجود ثابت ہے جس کی مفصل بحث سابقاً مذکور ہو چکی ہے پس جب تک قرآن موجود ہے اہل بیت رسولؐ کی ایک فرد معصوم بھی ساتھ ساتھ موجود رہے۔ اور وہی مخلوق پر حجت خدا ہے۔

پس جس طرح سورج بادلوں میں روپوش ہو کر دنیا والوں کو اپنا فیض پہنچایا کرتا ہے اسی طرح امام زمانہ بھی غائب رہ کر اپنے فیوض سے خلق خدا کو بہرہ ور کر سکتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّعَجِّلْ فَرَجَھُمْ

قرآن اور مسئلہ تقلید

یہاں تک تو یہ ثابت کر دیا جا چکا ہے کہ قرآن کے ساتھ ایک عالم قرآن کا وجود ضروری ہے جو تعلیماتِ اسلامیہ سے روشناس کرا سکے اور یہی سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔

جناب رسالتمآبؐ اپنے زمانہ میں مرجع علوم قرآنیہ تھے اور خود ہی بہ نفسِ نفیس مسائل قرآنیہ کے حل کرنے کے کفیل تھے لیکن خود چونکہ ایک ہی مقام پر قیام فرمار ہا کرتے تھے ۔ لہٰذا اطراف و نواح میں صحابہ کرام بفرمانِ سرکار رسالتمآبؐ فرائض تبلیغ احکام پر مامور ہوا کرتے تھے ۔ جس حد تک وُہ خود علم رکھتے تھے ان کے مسائل حل کر دیا کرتے اور جو نہ جانتے تھے ۔ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں مشرف ہو کر سیکھ لیا کرتے تھے اور پھر جا کر دوسروں کو سکھا دیا کرتے گویا وہ لوگ اطراف و نواح میں حضورؐ کے زمانہ میں نیابت کے فرائض اپنے مخصوص علاقہ تک انجام دینے پر مامور تھے ۔

اسی طرح جناب امیرالمومنینؑ علیہ السلام اپنے دورِ حکومت میں چونکہ عالم قرآن تھے ۔ لہٰذا علومِ قرآنیہ کا مرجع وہی تھے لیکن وہ خود بنفسِ نفیس ایک مقام پر مثلاً کوفہ میں تشریف فرما تھے اور اطرافِ مملکت میں ان کے نائبین فرائض تبلیغ و نظام ملکی انجام دیا کرتے تھے ۔ مثلاً بصرہ میں عبداللہ بن عباس ، مصر میں محمد بن ابی بکر ، مدائن میں سلمان پاک اور مدینہ میں قثم بن عباس وغیرہ اور ان سب کے اُوپر حضرت علیؑ خود نگران اعلیٰ تھے اور یہ سب نائبین مسائل مشکلہ میں آنحضرتؑ کی طرف بذریعہ ملاقات یا بطریق مکاتبت رُجوع کر لیا کرتے تھے ۔ یہ لوگ نیابت خاصہ کے حامل تھے ۔

ان ہر دو مقامات پر تو سلطنت ظاہریہ و باطنیہ ہر دو یک جا تھیں ۔ معاملاتِ دنیاویہ اور مسائل دینیہ ہر دو کا حل نبیؐ یا امام یا ان دو کے نائبین کے ہاتھ میں تھا اور حضرت امام حسنؑ علیہ السلام کا ابتدائی چھ ماہ کا زمانہ بھی اسی طرح تھا ۔ لیکن جناب رسالتمآبؐ کے بعد سے لے کر حضرت علیؑ کی خلافتِ ظاہریہ کے دَور تک اور حضرت امام حسنؑ کی صلح سے لے کر حضرت امام حسن عسکریؑ کے زمانہ تک آئمہ اہلبیتؑ کے پاس حکومت ظاہریہ نہیں تھی ۔ لہٰذا اس مدت میں حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام اپنے شیعوں کے لئے صرف مسائل دینیہ کا مرجع تھے ۔ اطرافِ عالم سے شیعہ لوگ ان کی خدماتِ عالیہ میں پہنچ کر ان سے احکامِ قرآنیہ مسائل شرعیہ کا درس حاصل کرتے اور ان پر عامل ہوتے تھے اور جو لوگ خدمتِ آئمہ میں شرف باریابی حاصل نہ کر سکتے وہ اپنے مقامی علمائے شیعہ سے جو آئمہ طاہرینؑ سے پڑھ کر گئے ہوئے ہوتے تھے ۔ اپنے مسائل دینیہ سیکھ لیا کرتے تھے ۔

چنانچہ کتب رجال میں بہت سے اصحاب آئمہ کا ذکر ہے جو آئمہ کی اجازت سے دُور دراز کے شیعوں کے لئے مرجع مسائل دینیہ قرار دیئے گئے جس طرح کہ جناب رسالتمآبؐ کی سلطنت اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے دورِ حکومت میں ان کے نائبین مرجعیت رکھتے تھے ۔ متعدد اصحاب آئمہ جن کو شرف مرجعیت حاصل تھا وہ زمانِ حضورِ آئمہ میں مسائل دینیہ حل فرمایا کرتے تھے ۔

(۱) حضرت زرارۃ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا شاگرد خاص تھا ۔ آپ نے ایک شخص کو ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب تم کو ہماری حدیث کی ضرورت ہو تو زرارۃ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ۔ اس بیٹھنے والے کی طرف رجوع کر لیا کرو ۔ ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا کہ اگر زرارہ نہ ہوتا تو ہماری احادیث کہنہ ہو جاتیں ۔

(۲) حضرت محمد بن مسلم ، ابن ابی یعفور سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر

ہوکر عرض کی ۔ مولا ! میں ہر دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں اور لوگ مجھ سے مسائل دینیہ کا سوال کرتے ہیں تو چونکہ ہمیں بعض مسائل میں علم نہیں ہوتا ۔ لہذا ایسے مقامات پر ہمیں کیا کرنا چاہیئے تو آپ نے فرمایا۔

فما يمنعك عن الثقفي يعني محمد بن مسلم فانه سمع من ابي احاديث وكان عنده وجيها۔

(تجھے ثقفی سے کیا مانع ہے (محمد بن مسلم ثقفی) پس تحقیق اس نے میرے باپ سے کافی احادیث سُنی ہیں اور یہ ان کا خاص طور پر منظور نظر تھا (اس سے مسائل دریافت کر لیا کرو)

(۳) ابان بن تغلب چنانچہ مسلم بن ابی حبیبہ سے روایت ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے مجھے ابان بن تغلب کی طرف رُجوع کرنے کا حکم دیا۔

(۴) ابوبصیر شعیب عقرقوتی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی۔ کہ حضور ہمیں مسائل دینیہ دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے متعلق حضور کا ارشاد ہو ہم اس کی طرف رُجوع کر لیا کریں تو آپ نے فرمایا عليك بالاسدي يعني ابابصير (ابوبصیر اسدی سے دریافت کر لیا کرو)

(۵) زکریا بن آدم : علی بن مسیب ہمدانی روایت کرتا ہے کہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی میرا وطن دُور ہے اور ہر وقت خدمتِ عالیہ میں حاضر ہو کر (مسائل دینیہ دریافت نہیں کر سکتا) فرمایئے ہم کیا کریں ؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زکریا بن آدم قمی جو دین و دنیا میں امین ہے سے دریافت کر لیا کرو۔

(۶) یونس بن عبدالرحمٰن : عبدالعزیز بن مہدی نے عرض کی کہ ہر وقت (بوجہ دوری مسافت کے) آپ سے مسائل دینیہ کا حل حاصل کرنے سے قاصر ہوں کیا یونس بن عبدالرحمٰن موثق ہے (اس سے پوچھ لیا کروں؟) فرمایا! ہاں ! یہ لوگ جو احادیث آئمہ کی ترویج اور عوام شیعہ کی مشکلات مسائل دینیہ میں رہبری کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ اُن پر آئمہ طاہرین علیہم السلام کو پُورا وثوق تھا ۔ حتیٰ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یزید بن معاویہ عجلی ابوبصیر لیث بن بختری ، محمد بن مسلم اور زرارہ ۔ یہ چار اللہ کے نجباء (برگزیدگان) اور امنا ہیں ۔ اگر یہ نہ ہوتے تو آثار نبوت کہنہ ہو جاتے ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ۔ جس طرح ان چار شخصوں نے ہمارے ذکر اور احادیث کو زندہ کیا اسی طرح کسی اور نے نہیں کیا۔

اسی طرح زمان غیبت صغریٰ میں نواب اربعہ حضرت حجت عج علیہ السلام کی طرف سے مخصوص عہدہ دارِ نیابت تھے (۱) عثمان بن سعد (۲) محمد بن عثمان بن سعید (۳) ابوالقاسم حسین بن رُوح (۴) علی بن محمد سیمری

یہ بزرگوار جن کا ذکر کیا جا چکا ہے ان کا حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام سے ربط ظاہری قائم تھا اور ان کی جانب سے تبلیغ مسائل دینیہ و احکام قرآنیہ میں نائب خاص تھے۔

لیکن عہدۂ نیابت صرف انہی پر منحصر نہیں تھا ۔ بلکہ زمان آئمہ میں اطراف ممالک کے شیعہ لوگ اپنے ہاں کے

علمائے شیعہ اور راویانِ احادیث آئمہ کی طرف مسائل دینیہ میں رجوع کرنے پر مامور تھے فرق صرف یہ ہے کہ جو لوگ آئمہ کی خدمت میں پہنچ کر مشرفِ زیارت ہو سکے انہوں نے ازراہِ اطمینان دریافت کر لیا کہ مسائل دینیہ اور امور شرعیہ میں جبکہ ہم آپ سے بہت دُور ہیں، کیا کریں؟ تو معصوم نے ایک عالم راوئ حدیث کا نام لے لیا جو ان کے قریب ترین تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے مختلف سائلین کے جواب میں علیحدہ علیحدہ مراجع کا نام لیا۔ اگر سب کے لئے ایک مرجع کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تو جس مشکل اور دشواری کی وہ شکایت پیش کر رہے تھے اس کا ازالہ قطعاً نہ ہو سکتا اور اس سے دُور دراز والوں کے لئے پھر انہی مشکلات کا سامنا ہوتا اور یہ چیز قابلِ برداشت ہوتی تو کسی اور کو مرجع بنانے کی ضرورت ہی نہ ہوتی بلکہ ہر ایک پر خود امام کی خدمت میں پہنچنا اور ان سے ہی دریافت کرنا ضروری ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ شیعوں کی سہولت و آرام کے لئے اور تعلیماتِ قرآنیہ کو عام کرنے کے لئے ہر شہر کے عالم اور راوئ حدیث کو اس شہر کے شیعوں کا مفتی نامزد فرمایا یا ہر علاقہ کے عالم و راوئ حدیث کو اس علاقہ والوں کا مرجع قرار دیا۔

عن الکشی عن ابی الحسن الثالث فیما کتبہ جوابًا عن السؤال عن من یعتمد علیہ فی الدین، اعتمدا فی دینکما علی کل مسن فی حبنا وکل کثیر القدم فی امرنا۔

رجال کشی، سے حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ دو آدمیوں نے آپکی خدمت میں خط لکھا کہ مسائل دینیہ میں ہم کس پر اعتماد کریں؟ تو آپ نے جوابًا تحریر فرمایا کہ تم اپنے دینی معاملات میں ہر اس شخص کی طرف رجوع کر سکتے ہو جو ہماری محبت میں سن رسیدہ ہو اور ہمارے امر میں (مسائل دینیہ میں) تجربہ کار ہو۔

تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد ہے کہ تمہارے شہر یا علاقہ میں قریب ترین لوگوں میں سے جو اس صفت سے متصف ہو۔ اس کی طرف رجوع کرو اسی طرح زمانۂ غیبت امام علیہ السلام میں چونکہ امام کی خدمت میں رسائی تو ہو نہیں سکتی تھی کہ مسائل دینیہ کا جواب براہِ راست ان سے حاصل کیا جا سکتا۔ پس اس زمانہ کے شیعوں کو بلکہ ہر دُور کے شیعوں کو آئمہ نے اس زمانہ کے علماء کی طرف رجوع کرنے کا حکم عام دیدیا۔ تاکہ ہر ہر شہر یا علاقہ میں وہاں کے باشندے اپنے قریب ترین عالم دین سے راوئ حدیث کی طرف رجوع کر کے آسانی سے دین خدا و احکام قرآن کی تعلیم حاصل کر کے اس پر عمل کر سکیں اور اسی کا نام ہے تقلید چنانچہ اسحٰق بن یعقوب کے سوالات کے جواب حضرت حجت عج نے تحریرًا ارشاد فرمایا۔

واما[1] الحوادث الواقعۃ فارجعوا فیہا الی رواۃ احادیثنا فانہم حجتی علیکم و انا حجۃ اللّٰہ علیہم

پس آئندہ کے مسائل میں ان لوگوں کی طرف رجوع کرو جو ہماری حدیثوں کے راوی ہیں وہ میری جانب سے تم پر حجت ہیں اور میں ان پر حجت خدا ہوں۔

نیز حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:

فاما[2] من کان من الفقہاء صائنًا لنفسہ

پس جو شخص فقہا میں سے اپنے نفس پر قابو رکھنے والا، دین کا نگہبان

---

[1] عن اکمال الدین [2] عن الاحتجاج

حافظا لدینہ مخالفا علی ھواہ مطیعا لامر مولاہ فللعوام ان یقلدوہ

خواہش کا مخالف اور مولا کا فرماں بردار ہو پس عوام کو چاہیئے۔ کہ کہ اس کی تقلید کرلیں۔

نیز کافی میں بروایت عمر بن حنظلہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں مروی ہے کہ ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

من کان منکم ممن قد روی حدیثنا ونظر فی حلالنا وحرامنا وعرف احکامنا فلیرضوا بہ حکما فانی قد جعلتہ حاکما فاذا حکم بحکمنا فلم یقبلہ منہ فانما استخف بحکم اللہ وعلینا رد والراد علینا الراد علی اللہ و ھو علی حد الشرک باللہ الخ

جو شخص تم میں سے ہماری حدیثوں کا راوی ہو اور ہمارے حلال وحرام کو جانتا ہو اور ہمارے احکام کی معرفت رکھتا ہو (پس شیعوں کو چاہیئے) کہ اس کے حکم پر راضی ہوجائیں۔ میں نے اس کو تمہارے اوپر حاکم بنایا ہے پس جب وہ ہمارا حکم سنائے اور اس کو قبول نہ کیا جائے۔ پس گویا وہ اللہ کے حکم کی توہین اور ہماری تردید ہے۔ اور ہماری تردید اللہ کی تردید ہے اور وہ حد شرک ہے۔

پس ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانِ غیبت میں مجتہدین عظام کی وہی حیثیت ہے جو آئمہ کے ظہور کے زمانہ میں ان کے اصحاب کی تھی۔ صرف فرق یہ ہے کہ ان میں بعض خاص طور پر نامزد تھے اور بعض عمومی طور پر مجاز تھے اور زمانِ غیبت امام علیہ السلام میں سب علمائے امامیہ (مجتہدین عظام) یکساں طور پر عمومی لحاظ سے مامور ہیں اور شیعوں کو بھی بالعموم حکم ہے کہ ان کی طرف رجوع کریں اور ان کی تقلید کرکے اعمال بجالائیں۔

اس مقام پر پہنچ کر تائید مزید کے لئے آیتِ قرآنی پیش کرتا ہوں۔ چنانچہ پ ۱۱ ع ۴ میں ارشاد ہوتا ہے۔

مَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔

مومنین سب کے سب تو (دینی مسائل طلب کرنے کیلئے) باہر نہیں جاسکتے لیکن ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر قوم کی طرف سے ایک ایک گروہ جاکر مسائل فقہیہ دینیہ حاصل کرلیں۔ اور واپس آکر اپنی قوموں کو خوف خدا کی تلقین کریں۔ شاید وہ ڈر جائیں (اور اعمال صالحہ کی طرف توجہ کریں)

اس آیۃ شریفہ میں ہر ہر قوم سے ایک ایک گروہ کو فقیہہ بننے کی دعوت دی گئی ہے۔ محض اس سہولت وآسانی کیلئے جس کو آئمہ طاہرینؑ نے ملحوظ قرار دیا تھا۔ تاکہ عوام مومنین احکام قرآن سیکھنے میں کوئی تکلیف محسوس نہ کریں۔ پس بنا بریں ہر وہ شخص جو جامع شرائط فتویٰ ہو۔ متدین ہو، شہوات وخواہشات کا دلدادہ نہ ہو۔ یعنی نیک وصالح ہو۔ عوام پر واجب ہے کہ اس کی تقلید کریں یعنی مسائل دینیہ سیکھنے میں اس کی طرف رجوع کریں۔

مسئلہ تقلید اعلم

اس مقام پر پہنچ کر یہ بات خود بخود واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ تقلید اعلم کا مسئلہ جو عام مشہور ہے۔ بالکل خالی از دلیل اور بے بنیاد ہے۔ البتہ اگر ایک ہی شہر یا علاقہ میں متعدد فقیہہ موجود ہوں اور ان کے فتاوی میں اختلاف ہو تو اس صورت میں اعلم کی طرف رجوع ضروری ہے جیسا کہ کافی میں عمر بن حنظلہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔

ورنہ جب زمانِ آئمہ میں یہ سہولت ملحوظ تھی کہ ہر شہر و علاقہ کے لوگ اپنے قریب ترین اعلم کی طرف مسائل دینیہ میں رُجوع کر کے اعمال کی صحت کریں اگر اعلم کی طرف رجوع واجب ہوتا تو اس زمانہ کے شیعوں کے لئے سوائے امام علیہ السلام کے اور کسی کی طرف رجوع کی اجازت نہ ہوتی حتٰی کہ زمانِ رسالت میں یہ چیز صرف سرکار رسالتؐ تک ہی محدود رہتی اور اور اسی طرح حضرت امیرالمومنینؑ علیہ السلام کے زمانہ میں آنحضرتؐ تک محدود ہوتا اور نائبین کی صورت اوّل سے آخر تک سب باطل ہوتی کیونکہ ہر دَور کے نائبین اپنے اپنے مقامات پر ناقلِ فتویٰ نہیں تھے بلکہ خود اپنے اجتہادات سے فتویٰ دیا کرتے تھے حالانکہ ان سے اعلم خود نبی یا امام معصوم موجود تھے۔

خداوند کریم نے ہر قوم میں متعدد فقیہہ پیدا کرنے کا حکم صادر فرما کر مرجع تقلید کو عام قرار دیا ہے تاکہ احکام شریعت کے سیکھنے اور سکھانے میں عسر و حرج نہ رہے اور دینِ خدا آسان و سہل ہو اور اسی بنا پر زمانِ رسالت سے تا زمانِ حضرت امام حسن عسکریؑ اسی سہولت کو برقرار رکھا گیا اور عوام کی مرجعیت کو عام کیا گیا اور یہ پابندی نہ رکھی گئی کہ معصوم ہی سے دریافت کیا جائے اور بس۔ ورنہ عوام پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ ہوتا۔ جس کو روا رکھنا تکلیف مالایطاق کے مترادف ہے پس جب اس وقت اس آسانی کو ملحوظ رکھا گیا تو زمانِ غیبت میں شیعوں سے بلا وجہ یہ سہولت کیوں سلب کر لی گئی؟

نیز قرآن میں ہر قوم کو متعدد فقیہہ پیدا کرنے کا کیوں حکم ہوا؟ جب کہ پوری روئے زمین پر صرف ایک ہی مفتی کی تقلید واجب تھی؟ جب ایک کے علاوہ باقیوں سے مسئلہ پوچھنا ناجائز ہو تو ان پر بتانا کیسے واجب ہو سکتا ہے! تو پھر ان کا فقیہہ بننا کس کام کا؟

جن جن احادیث میں تقلید کا حکم دیا گیا ہے اُن میں کہیں نہیں کہ صرف ایک ہی اعلم کی تقلید واجب ہے۔ بلکہ روایات میں صاف طور پر ہے کہ جو بھی حرام و حلال جاننے والا، خواہش نفس کا مخالف، اللہ کا اطاعت گزار وغیرہ شرائط رکھتا ہو عوام کو ان کی طرف رُجوع کرنا چاہیئے۔

ابتدائے زمانہ غیبت سے آج تک ہر دَور میں ہزاروں کی تعداد میں نہیں تو سینکڑوں کی تعداد میں تو ضرور مجتہد بن رہے ہیں اور ہر مجتہد اپنے حلقۂ تقلید میں فتویٰ دیتا رہا ہے اور اس کے فتاوٰی پر ان کے مقلدین عمل کرتے رہے ہیں۔ اس دَور

ہیں تو یقیناً ہزاروں کی تعداد میں مجتہدین موجود ہیں اور بہت سوں کے رسائل عملیہ طباعت شدہ ہیں۔ ان کے مقلدین بھی موجود ہیں اگر صرف ایک اعلم کی تقلید واجب ہو تو مندرجہ ذیل چند خرابیوں کا لازم آنا ضروری ہے جن کا علاج بھی سوچنا پڑے گا

اللہ کے نزدیک سب سے بڑا عالم (اعلم) تو ایک زمانہ میں صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ پس اس ایک کی تقلید واجب ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ دوسروں کی تقلید حرام ہو۔ لہٰذا اللہ کے نزدیک تو اسی ایک ہی مجتہد (اعلم) کے مقلدین کے اعمال درست اور قابل قبول ہوں گے۔ پس وہ مجتہد (اعلم) بھی مستحق نجات اور اس کے مقلدین بھی ناجی اور اس مجتہد اعلم کے علاوہ جتنے مجتہدین نے اعلم کی موجودگی میں فتویٰ دیا انہوں نے غلط اور ناجائز کیا اور جن لوگوں نے ان سے فتویٰ لیا انہوں نے بھی غلط کیا اور فعل حرام کیا۔ لہٰذا ان تمام کے اعمال رائیگاں و برباد ہوگئے پس نہ غیر اعلم مجتہد ناجی ہوئے اور نہ ان کے مقلدین: گویا۔ دورِ حاضر میں ہزاروں کی تعداد میں ایک اعلم کے علاوہ سب مجتہدین اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ان کے تمام مقلدین غلط راستے پر ہوئے اور ان سب کے اعمال ضائع و بے کار ہوئے۔

اور یہ ممکن ہے کہ جس شخص کو ایک آدمی نے اعلم سمجھ کر اس کی تقلید کی ہے۔ اللہ کے نزدیک وہ اعلم نہ ہو اور دورِ حاضر میں اکثر صاحبانِ رسالہ مجتہدین کے رسائل عملیہ کے ٹائٹل پیج (سرورق) پر جس مجتہد کا وہ رسالہ ہوتا ہے اس کے نام کے ساتھ اعلم لکھا ہوا ہوتا ہے۔ گویا ہر صاحب رسالہ اپنے آپ کو اعلم قرار دیتا ہے۔ ورنہ جب اس کا فتویٰ ہے کہ تقلید صرف اعلم کی ہی کی جا سکتی ہے تو اگر اپنے آپ کو غیر اعلم سمجھے تو رسالہ عملیہ ہی کیوں لکھے؟

اب واقع میں تو اعلم صرف ایک ہی ہے اور تقلید بھی صرف اسی ایک کی ہی جائز ہے اور دعوئے اعلمیت کرنے والے ہیں زیادہ پس نہ اعلم کا صحیح فیصلہ ہوگا اور نہ کوئی شیعہ دریں صورت دعویٰ کر سکتا ہے کہ میری تقلید اور اعمال درست ہیں۔ لہٰذا اگر تقلید اعلم واجب ہو تو اعمال کی کشتی اس طوفانی بھنور میں پھنسی ہی رہے گی۔

(۲) اگر اعلم کی تقلید واجب ہو اور غیر اعلم کی حرام ہو تو جس طرح عوام پر واجب ہے کہ اعلم کی تشخیص کریں اور پھر اس کی تقلید کریں اسی طرح مجتہدین (صاحبان فتویٰ) میں سے ہر ایک پر واجب ہونا چاہیئے کہ جب تک ان کو اپنی اعلمیت کا یقین پیدا نہ ہو جائے فتویٰ نہ دیں تو جس طرح عوام کے لئے تعین اعلم کے لئے علامات قرار دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح ان کے پاس بھی تشخیص اعلمیت کا کوئی ذریعہ ہو۔ بلکہ عوام کے لئے متعدد دعوے داروں میں سے ایک کا اعلم ہونا معلوم کرنا زیادہ مشکل ہے۔ بہ نسبت ان کے کیونکہ ان سب پر اگر تشخیص اعلمیت کے بغیر فتویٰ حرام ہو تو تاریخ مقرر کر کے یکجا جمع ہو کر چند روزہ تبادلہ خیالات سے کسی ایک کی اعلمیت پر یقین پیدا کر لیں گے پس تمام لوگوں کو اسی ایک کے فتویٰ پر عمل کرنے کی دعوت دیں اور خود سوائے اسی ایک کے فتوے سے دست برداری اختیار کر لیں۔

اور یہ اجتماع نقیضین ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے صاحب فتویٰ ہونا جائز اور عوام پر صرف ایک اعلم کی تقلید اور اس کے فتویٰ پر عمل کرنا واجب اور باقیوں کے فتاویٰ کو رد کر دینا ضروری۔ اور عجیب و غریب معمہ ہے کہ فتویٰ

دینے کے لئے مجتہد پر اپنی اعلمیت کا علم پیدا کرنا واجب نہ ہو اور عوام پر فتویٰ قبول کرنے کے لئے تشخیص اعلم ضروری ہو۔ جب غیر اعلم کی بات سننا ناجائز ہے تو غیر اعلم کو بات کرنے کی اجازت دینا کون سا عدل ہے۔

(۳) اگر تقلید اعلم واجب ہو تو آیت نفر (لَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ ۔الایۃ) معاذ اللہ بے معنی رہ جائے گی کیونکہ اس مذکورہ آیت میں تو ارشاد خداوندی ہے کہ ہر قوم میں سے متعدد فقہا ہونے چاہئیں جو اپنے حلقۂ اثر میں تبلیغات قرآنیہ اور احکام شرعیہ کو لوگوں تک پہنچائیں اور لوگوں کو عذاب خدا سے خوفزدہ کریں اگر صرف اعلم کے علاوہ دوسروں کے فتویٰ پر عمل کرنا ناجائز ہو تو ہر قوم میں متعدد فقہا پیدا کرنے کا حکم دینا بے کار ہے اور وہی اجتماع متنافیین یا خلاف عدل ہی لازم آئے گا کہ اُدھر حکم ہے علماء کے لئے کہ زیادہ فقیہہ بنو اور مفتی بن کر اپنی اپنی اقوام میں احکام شرعیہ کی ترویج کرو۔ اور ادھر عوام کو حکم ہے کہ صرف ایک ہی کا فتویٰ مانو۔ جو سب سے بڑا ہو اور اس کے علاوہ کسی کی نہ سنو۔ دریں صورت تو کیا اچھا ہوتا کہ اُدھر علماء کو فرما دیا کہ تم سب تکلیف نہ کرو۔ صرف ایک ہی فتویٰ دینے کے لئے کافی ہے۔ پس یہ اشتباہ ختم ہو جاتا۔

(۴) اگر تمام روئے زمین پر صرف ایک اعلم کی تقلید واجب ہو تو رفتہ رفتہ علم فقہ دنیا سے اٹھ جائے گا کیونکہ اعلم کی تقلید کے وجوب کا مطلب تو یہ ہے کہ باقیوں سے کوئی فتویٰ نہ لے۔ تو جس شخص نے اپنی عمر کا عزیز ترین حصہ طلب علوم دینیہ میں صرف کیا اور صرف اس لئے کہ فراغت کے بعد مذہب کی خدمات انجام دوں گا تو جب یہ فارغ ہو گا اور سب مسائل شرعیہ حاصل کرے گا تو چونکہ تقلید واجب ہے صرف اعلم کی۔ نہ تو یہ خود غیر کی تقلید کر سکتا ہے۔ کیونکہ خود مجتہد ہے اور نہ غیر مجتہد (عوام) اس کی تقلید کر سکتے ہیں کیونکہ یہ اعلم نہیں اگر مذہب کی خدمات کرے تو کیونکر؟ کیونکہ اگر زبانی خدمات کرے تو یہ صرف نقل قول ہی کر سکتا ہے اپنی علمی تحقیقات کو منظر عام پر نہیں لا سکتا کیونکہ لوگ اس کے مقلد نہیں ہیں اور اگر تصنیف کی طرف قدم بڑھائے تو وہاں بھی نقل قول پر ہی اُسے منحصر رہنا چاہیئے کیونکہ اس کی ذاتی تحقیقات ناقابل قبول ہیں اس لئے کہ وہ اعلم نہیں پس اس کی قومی و مذہبی خدمات صرف نقل قول تک ہی منحصر رہ گئیں تو اتنی کافی مدت تک اس کی سر دردی کا کیا فائدہ؟ اگر اپنی علمی تحقیقات کو ظاہر کرنے کے لئے یا عوام کو قبول کرنے کے لئے شرعی اجازت نہیں تو مذہبی خدمات کا جذبہ لے کر اپنی عمر عزیز کو رائیگاں ہی کرتا رہا۔ پھر تو سرے سے اس کو تحفۃ العوام یا دیگر عملیات کو تھوڑے عرصہ میں عبور کر کے پیش نماز ہو کر قوم کی خدمات کرتا رہنا چاہیئے تھا۔

دریں صورت جو شخص تحصیل علم کے میدان میں قدم رکھے اسے یقین کر لینا چاہیئے کہ آخری درجہ تک پہنچ جانے کے بعد بھی میری حیثیت ناقل کی ہو گی۔ عالمانہ حیثیت تب حاصل ہو گی جب روئے زمین میں اعلم صرف میں ہی ہوں گا تو سرے سے جذبۂ تحصیل علم رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔ اور علوم شرعیہ اٹھ جائیں گے۔

(۵) بحار الانوار میں سرکار رسالت سے منقول ہے۔ فرمایا: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس طرح بنی اسرائیل کے انبیاء بیک وقت ہزاروں یا سینکڑوں کی تعداد

میں عہدہ تبلیغ نبوت پر فائز تھے اور اپنی اپنی بستی یا قوم یا گھر میں فرائض تبلیغ انجام دیا کرتے تھے ؟ اسی طرح میری امت کے علماء ہزاروں یا سینکڑوں کی تعداد میں بستی بستی یا قوم قوم میں اپنے اپنے مقامات پر خدمات دینیہ انجام دیں گے اگر یہ فریضہ صرف اعلم کے ذمہ ہو۔ تو اس تشبیہ کا کیا فائدہ ؟

(۶) یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ۔ خدا تمہاری آسانی چاہتا ہے اور تمہاری تنگی نہیں چاہتا۔ اگر پوری دنیا میں صرف ایک اعلم کی طرف رجوع کرنا واجب ہو تو نت نئے نئے پیش آمدہ مسائل جن کا ان کے رسالۂ عملیہ میں ذکر نہ ہو اور اطراف عالم میں ان کا پیش آنا ہے بھی ضروری ۔ اگر ان سب میں صرف اسی ایک ہی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہو تو ایک آدمی ان سب کے جوابات کیسے دیگا ؟ اور یہ دریافت کرنے والے جواب کی آمد تک کون سی زندگی گزاریں گے۔ جبکہ یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے جواب کی باری کب آئے گی ؟ تو اس کا مطلب تو یہی ہے کہ معاملہ سب گڑبڑ رہے گا پس نہ مجتہد کو کسی وقت ان جوابات سے فراغت ملے گی تاکہ اس کی زندگی کا کوئی لمحہ آرام سے گزرنے پائے اور نہ عوام کو مسائل شرعیہ میں صحیح رہبری حاصل ہو سکے گی۔ بخلاف اس کے اگر ہر جگہ کے عوام کو اپنے قریب ترین مجتہد کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہو جس طرح کہ آئمہ کے زمانہ میں تھا۔ تو عوام کو مسائل دینیہ و احکام شرعیہ حاصل کرنے میں بھی آسانی اور مفتی پر بھی بوجھ کم ۔ اگر ایسا نہ ہو تو شریعت سہلہ کی لفظ بے کار اور آیت نفی عسر مذکورہ معاذ اللہ بے معنی ہو گی۔

(۷) آئمہ طاہرین علیہم السلام نے دُور دُور کے شیعوں کو اپنے قریب ترین عالم ۔ راوئ حدیث کی طرف رُجوع کرنے کا حکم کیوں دیا ؟ (جس طرح کہ ص ۲۰۹ ، ۲۱۰ پر گزر چکا ہے) اگر صرف ایک اعلم کی طرف رجوع واجب تھا تو حضرت آئمہ طاہرینؑ اعلم بھی تھے اور معصوم بھی پس جب معصومینؑ نے اپنے حضورؑ کے زمانہ میں دُور دراز کے شیعوں پر یہ بھار ڈالنا گوارا نہ فرمایا تو زمانِ غیبت میں اس بوجھ کو کیوں گوارا کیا گیا ؟ کیا زمانۂ حضورؑ اور زمانہ غیبت کی شریعت جُدا جُدا ہے ؟ پس نتیجہ یہی نکلا کہ تقلید اعلم کا وجوب دعوائے بلا دلیل اور بجائے نفع کے نقصان عظیم کا موجب ہے بلکہ ہر مجتہد جامع الشرائط کی تقلید جائز ہے اور اس کے فتوے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اعلم کی تقلید واجب نہ ہو تو وحدت مرکز ختم ہو جائے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام شیعہ کا مرکز واحد صرف حضرت حجت علیہ السلام عج موجود ہیں اور تمام علماً اسی کی تعابعین ہیں اور اگر خواہ مخواہ مرکز ظاہری کی ہی وحدت کا مطالبہ ہو تو وہ قطعاً زمانِ غیبت میں حاصل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اعلم کی تقلید کی صورت میں وحدت مرکز تو جب ہو گی کہ جب اعلمیت کا مدعی صرف ایک ہی ہو۔ جب ہر رسالۂ عملیہ کے سرورق پر مجتہد صاحب رسالہ کے نام کے ساتھ اعلم کی لفظ موجود ہو تو اعلمیت کا فیصلہ کیونکر ہو گا۔ اور وحدت کیسے آئے گی ؟ اور ممکن ہے کہ جس کو ایک طبقہ والوں نے اعلم کہا ہے ۔ دوسرے طبقہ کے نزدیک ان کا نظریہ غلط ہو بلکہ ان کی نگاہوں میں اعلم کوئی اور ہو۔

صرف شہرت بھی تشخیص اعلم میں ناکام ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک طبقہ میں ایک کی اعلمیت کا شہرہ ہو۔ اور دوسرے طبقہ میں دوسرے کی شہرت ہو اور تیسرے طبقہ میں ان دونوں کے علاوہ کوئی اور زیادہ شہرت کا حامل ہو جس طرح دورِ حاضر میں یہ چیز عیاں رہی۔ بیان کی مصداق ہے نہ اس اعلمیت کا تسویہ ہوسکتا ہے اور نہ وحدت قائم ہوسکتی ہے

اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ عقلاً اعلم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے کیونکہ مقتضائے عقل یہ ہے کہ ہر فن میں بوقت ضرورت اس فن کے ماہر ترین انسان کی طرف رجوع کیا جائے۔ مثلاً بیمار کو علاج کے لئے اعلیٰ ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنے کی عقل دعوت دیتی ہے۔ مکان کے لئے اعلیٰ معمار، قانون کے لئے اعلیٰ وکیل، پڑھنے کے لئے اعلیٰ استاد وعلیٰ ہذا القیاس گویا ہر فن میں فن کے ماہر ترین انسان کی طرف رجوع کرنا عقل کا اٹل فیصلہ ہے۔ پس مسائل شرعیہ میں اعلم کی طرف رجوع ضروری ہے

اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ زمانِ آئمہ میں عملی طور پر اس نظریہ کے خلاف کرکے اس کو رد کردیا جاچکا ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ ہر فن میں ماہر ترین فن کی تلاش قطعاً عقلاً واجب نہیں کیونکہ دنیا بھر میں ہر فن کا ماہر ترین تو ایک وقت میں صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اگر پوری دنیا والوں کے لئے صرف اسی ایک کی طرف رجوع کرنا واجب عقلی ہوتا تو تمام دنیا کا نظام معطل ہوجاتا۔ ہاں عقلاً اتنا واجب ضرور ہے کہ ضرورت کے وقت پہلے پہل قریب ترین عالم فن کی طرف رجوع کیا جائے۔ اگر اس سے ضرورت پوری نہ ہوسکے تو علاقہ بھر کے ماہر فن کو طلب کیا جائے اگر اس سے بھی مطلب حل نہ ہو تو حسب حیثیت آگے قدم بڑھاتا چلا جائے۔ بلکہ گھر میں بیٹھ کر قریب ترین ماہر فن سے مطلب پورا ہوسکنے کے باوجود دور دراز کی سفر کی تکالیف برداشت کرنا اور قریب والوں کو نظر انداز کرنا قطعاً خلاف عقل ہے پس مسائل شرعیہ کے حاصل کرنے کے لئے بھی عقلی نقطۂ نگاہ یہی ہے کہ اولاً قریب ترین عالم کی طرف رجوع ہو اور بصورت عجز آگے قدم رکھا جائے اور اس کے خلاف کرنا خلاف عقل ہے اور خلاف نقل بھی ہے۔ جس طرح کہ مفصلاً ذکر کیا جاچکا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ آج تک تمام علمائے کرام ومجتہدین عظام کا یہی فتویٰ رہا ہے کہ اعلم کی تقلید واجب ہے اور اس کے بغیر اعمال سب باطل ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام مجتہدین کا اگر یہ فتویٰ ہوتا تو ہر دور میں متعدد صاحب فتوے کیوں موجود ہوتے۔ دورِ حاضر میں ایران وعراق وہند میں متعدد صاحب رسالہ موجود ہیں۔ اسی طرح کربلا، سامرا، کاظمین اور ایران کے ہر بڑے شہر میں مجتہدین موجود ہیں۔ جن کے فتاویٰ پر عمل ان کے مقلدین کرتے ہیں اگر ان تمام کے نزدیک صرف اعلم کی تقلید واجب ہوتی تو فتویٰ دینے یا رسالۂ عملیہ لکھنے سے پہلے اپنی اعلمیت کا علم کیوں نہ پیدا کرلیتے؟ بلکہ مشاہدہ ہے کہ ایک ہی وقت میں اساتذۂ مجتہدین بھی موجود ہیں اور ان کے تلامذۂ مجتہدین بھی موجود ہیں۔ استاد اور شاگرد ہر دو کے عملیہ بھی موجود ہیں اور علیحدہ علیحدہ مقلدین بھی موجود ہیں۔ اب اگر اعلم کی تقلید واجب ہو تو ان دو میں سے یا استاد اعلم ہے یا شاگرد پس غیر اعلم کو چاہیئے کہ فتویٰ سے دست بردار ہوجائے۔ جبکہ وہ جانتا ہے کہ تقلید صرف اعلم کی ہی ہوسکتی ہے۔ لہذا اپنے تمام حلقۂ اثر میں اپنے سے اعلم کی طرف رجوع کا حکم دیدے اور حد یہ ہے کہ چونکہ یہ

بات عام چل چکی ہے کہ اعلم کی ہی تقلید ہونی چاہیئے ۔ لہٰذا اساتذہ کے رسائل عملیہ کے سرورق پر بھی نام کے ساتھ اعلم کی لفظ ہے اور تلامذہ کے رسائل عملیہ کے سرورق پر بھی ان کے نام کے ساتھ اعلم کی لفظ موجود ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہو جایا کرتا ہے کہ تلامذہ کا حلقہ تقلید بہ نسبت اساتذہ کے وسیع تر ہوتا ہے ۔ پس اب یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ آیا تمام مجتہدین کے نزدیک اعلم کی تقلید واجب ہے یا نہ ؟ اور ہر ذی شعور سمجھ سکتا ہے کہ تمام مجتہدین اعلم کی تقلید واجب نہیں سمجھتے اور ان کا اپنا عمل اس کا شاہد بین ہے ۔ بلکہ ان کا عمل صاف طور پر اعلان کر رہا ہے کہ ہر مجتہد جامع الشرائط کی تقلید جائز ہے ۔

اب ذرا اعلم کی لفظ پر غور کیجئے ۔ اگر مسئلہ تقلید اعلم میں ، اعلم کا مطلب یہ ہو کہ دَور موجود کے تمام مجتہدین سے اعلم تو سابقہ براہین وادلہ سے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس معنی میں تقلید اعلم واجب نہیں ورنہ وہ خرابیاں لازم آئیں گی جو مذکور ہو چکی ہیں اور نیز نہ اعلم اس معنی میں ۔ مقلدین کو معلوم ہو سکتا ہے اور نہ خود مجتہدین اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں تاکہ اس پر عملی اقدام کیا جا سکے پس اعلم کا معنی ہے (اعلم فی الجملہ) تو اس اعتبار سے ہر جامع الشرائط مجتہد عوام کے مقابلہ میں اعلم ہے اور اس کی تقلید واجب ہے اگر اعلم کا معنی یہ نہ ہو، بلکہ وہ پہلا معنی یعنی تمام مجتہدین میں سے اعلم تو ہر مجتہد کو فتویٰ دینے یا رسالہ لکھنے سے پہلے ضروری ہو جائیگا کہ تمام مجتہدین میں سے اپنی اعلمیت کا علم پیدا کریں اور پھر فتویٰ دیں اور یہ علم پیدا کرنا مشکل نہیں بلکہ محالات میں سے ہے ۔ لہٰذا اعلم کا دوسرا معنی بالکل درست ہے ۔ اور حدیث سابق مَنْ كَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ صَائِنًا لِنَفْسِهِ الحدیث ۔ یعنی فقہاء میں جو شخص بھی ان شرائط کا جامع ہو عوام اس کی تقلید کر سکتے ہیں یا اس کے ساتھ دوسری حدیثیں مثلاً جو بھی ہمارے حلال وحرام کا جاننے والا اور ہمارے احکام کا عالم ہو وہ ہماری طرف سے تمہارے اوپر حاکم ہے یہ ہمارے راویانِ حدیث ہماری طرف سے تمہارے اوپر حجت ہیں ۔ گویا ائمہ کی یہ سب فرمائشات اسی دوسرے معنی کی شاہد ہیں ۔ پس تمام مجتہدین اس معنی کے اعتبار سے اعلم کی صفت سے متصف ہیں کیونکہ وہ عوام سے یقیناً اعلم ہیں ۔ لہٰذا ان کی تقلید میں اعمال بجالانا درست ہے ۔ پس اعلم کی لفظ صرف رسمی ہی ہے ۔ ایران وعراق و ہند وغیرہ میں جہاں جہاں لوگ کسی مجتہد جامع الشرائط کی تقلید سے اعمال بجالاتے ہیں ۔ بالکل درست اور انشاءاللہ موجب اجر ہیں ۔ خداوند کریم کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرتا اور اس نے اپنے دین کو سہل کیا ہے ۔ وہ اپنے بندوں پر حرج وعسر نہیں ڈالتا

پس تمام مجتہدین جو جامع شرائطِ فتویٰ ہوں اپنے اپنے مقامات پر فتویٰ دے سکتے ہیں اور علاقہ والے ان سے استفادہ کر سکتے ہیں ان کے ساتھ حضرت حجت قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ علیہ السلام کی تائید غیبی شامل حال ہے اور وہ سب ان کے فرائض نیابت عامہ انجام دینے کے اہل ہیں اور ان کی طرف سے اس کار خیر کے انجام دینے پر مامور ہیں ۔ جس طرح ان کا فرض ہے کہ ان سے کماحقہٗ استفادہ کریں اور ان کو خدمات علمیہ کا موقع دیں ۔ بحار الانوار جلد ۱ حدیث میں وارد ہے کہ بروز محشر تین چیزیں اللہ کی بارگاہ میں اپنی کس مپرسی کی شکایت کریں گی ۔

(۱) قرآن مجید جس کو لاکر رکھ دیا گیا ہو اور اس پر تلاوت نہ کی جائے (صرف الماری یا صندوق کی ہی زینت بنا ہے)

(۲) وہ مسجد خستہ حال جس میں نماز نہ پڑھی جائے۔

(۳) وہ عالم جس سے مسائل نہ دریافت کئے جائیں (تقلید اعلم کی مشہور اصطلاح کے مطابق جبکہ عوام کا فریضہ صرف ایک سے ہی دریافت کرنے پر منحصر ہو) تو حدیث کے اس فقرہ کا کوئی معنی ہی نہیں۔ اس اصطلاح کے مطابق غیر اعلم مجتہد کی بروز محشر شکایت ہی بے جا ہے پس تمام مجتہدین جو جامع الشرائط ہوں مجموعی طور پر اعلم ہیں اور حضرت حجت کے نائبین عمومی ہیں۔ تمام عالم میں ان کا فیض درحقیقت انہی کا فیض ہے۔ جس طرح شہر میں بجلی گھر ایک ہوتا ہے اور اس سے ربط رکھنے والے قمقمے دُور دُور تک گھروں میں روشنی پہنچاتے ہیں۔ یہ روشنی ان کی نہیں ہوتی بلکہ درحقیقت اسی مرکز کا فیض ہوا کرتا ہے جس سے ان قمقموں کی تار ملی ہوئی ہوتی ہے یا جس طرح ایک بادشاہ سیر و تفریح یا دیگر امور ضروریہ کے لئے کچھ عرصہ کے لئے ملک سے باہر چلا جائے یا کسی مصلحت کے ماتحت گھر کے اندر ہی بیٹھ جائے اور باہر نہ نکلے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوا کرتا کہ ملک بادشاہ کے فیض سے محروم ہے کیونکہ اطراف مملکت میں ہر ضلع یا صوبہ کے مقامی عہدہ داروں کا نظام سلطنت کو بحال رکھنا اور ضابطہ قوانین مملکت کی پاسداری و نگہبانی کرتے رہنا اسی سلطانِ غائب کا ہی فیض ہوا کرتا ہے اور وہ ملک بھی اسی کا ملک کہلاتا ہے یہ سب اسی کے ملازمین شمار ہوتے ہیں۔ بادشاہ کا آنکھوں کے سامنے ہونا یا غائب ہونا اس کے فیض عام میں دخیل نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ شاہی نظام کی کفالت ہی اسی کا فیض ہے۔

پس زمانِ غیبت میں علمائے کرام اپنے عہدہ کے ذمہ دار ہیں اور ان کی کوتاہیاں موجب باز پرس ہیں اور اُن کی اپنے فرائض کی انجام دہی موجب اجر عظیم ہے چنانچہ جو علماء خوشنودیٔ خدا کو ملحوظ رکھ کر احکام قرآن کو زندہ کریں اور احادیث اہلبیت عصمت اور ان کی صحیح تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرائیں اور خدمات دینیہ کو کما حقہٗ بجا لائیں۔ ان کے متعلق وارد ہے کہ وہ کامل ایتام آلِ محمدؐ کے نام سے پکارے جائیں گے۔ کتاب بحار الانوار جلد۱ میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اپنے حقیقی باپ کے سایہ سے محروم رہنے والے یتیموں سے بھی بڑا یتیم وہ شخص ہے جو اپنے امام کے ظل عاطفت سے محروم ہو جائے اور ان تک پہنچ نہ سکے۔ اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ جن مسائل دینیہ سے مجھے تعلق ہے اور مجھ سے باز پرس ہے ان کے احکام کیا ہیں؟

آگاہ ہو! جو شخص ہمارے شیعوں میں سے ہمارے علوم کا عالم ہو تو یہ شخص جاہل ہو نہ ہمارے احکام جانتا ہے اور نہ ہم تک پہنچ سکتا ہے اس کی گود میں بمنزلہ یتیم کے ہے پس جو اس کو ہدایت کرے گا اور اس کی رہبری کر کے اس کو ہماری شریعت کے مسائل سکھائے گا وہ ہمارے ساتھ رفیق اعلیٰ میں ہوگا (علامہ مجلسی قدہ نے رفیق کے متعلق فرمایا ہے کہ مراد اس سے انبیاء کی جماعت ہے جو "اعلیٰ علیین" میں ہوگی۔

نیز بحارالانوار میں سرکار رسالتؐ سے پانچ کاموں کو عبادت کے نام سے موسوم کرنا منقول ہے۔ آپ نے فرمایا

(۱) علماء کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے (علمائے صالحین جن کا مقصد رضائے خدا کے لئے ترویج دینِ خدا ہو۔

(۲) حضرت امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔

(۳) قرآن شریف پر نظر کرنا عبادت ہے (تلاوت وغیرہ کا ثواب اس سے الگ ہے)

(۴) بیت اللہ (کعبہ) کا دیکھنا عبادت ہے۔

(۵) والدین کی طرف (مہر و محبت سے) نظر کرنا عبادت ہے۔

پس بہرکیف بفرمانِ آئمہ طاہرینؑ عوام پر علماء حاکم و حجت ہیں اور اُن پر آئمہ حجت خدا و حاکم ہیں تو جس طرح عوام پر ان کے حقوق ہیں۔ اور وُہ اُن کی حقوق تلفی میں مسئول و ماخوذ ہوں گے اسی طرح آئمہ کی طرف سے عوام کے اُن پر حقوق ہیں جن کے وہ مسئول ہوں گے۔

اپنے فرائض منصبیہ کی ادائیگی پر عوام سے اُجرت طلب کرنا یا دیگر منافع دنیا پر نظر رکھنا علماء کی شانِ نیابت کے سراسر منافی ہے بلکہ ان کو تو اپنے حسنِ کردار اور بلندیٔ سیرت سے عوام کو سیرت آئمہ کی طرف جذب کرنا ضروری ہے اور یہی ان کی شان ہے۔ ورنہ جس طرح جنت کے اعلیٰ درجات میں علمائے عاملین کا مقام ہے اسی طرح جہنم کے اسفل درکات میں علمائے سوء کی جگہ ہے۔

عُلمائے سوء کا حشر

بحارالانوار جلد ۲ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جہنم میں علمائے سوء کیلئے طبقات منقسم ہیں۔

(۱) وہ عالم جو اپنے علم کو اپنے پاس خزانہ کرے اور دوسروں تک نہ پہنچائے وہ جہنم کے پہلے طبقہ میں ہوگا۔

(۲) وہ عالم جب اس کو نصیحت کی جائے تو ناک چڑھائے اور جب وُہ دوسروں کو نصیحت کرے تو سختی سے کام لے یہ جہنم کے دوسرے طبقہ میں ہوگا۔

(۳) وہ عالم جو اپنے علم کو صاحبانِ ثروت کے سامنے پیش کرے اور مساکین کو محروم رکھے وہ جہنم کے تیسرے طبقہ میں ہوگا

(۴) وہ عالم کہ اگر اس کی کوئی بات نہ مانی جائے یا اس کے معاملہ میں کوتاہی برتی جائے تو جابر حکمرانوں کا سا سلوک کرے وہ جہنم کے چوتھے طبقہ میں ہوگا۔

(۵) وہ عالم جو یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال کی تلاش کرے تاکہ لوگ اس کو بڑا عالم کہیں اور اس کا رُعب زیادہ

ہو جائے وُہ جہنم کے پانچویں طبقہ میں جگہ پائے گا۔

(۶) وہ شخص جو لوگوں میں اپنا مفتی ہونا ظاہر کرے اور ان کو اپنی طرف دعوت دے خواہ درحقیقت وہ کچھ بھی نہ جانتا ہو وہ جہنم کے چھٹے طبقے میں جائے گا۔

(۷) وہ عالم جو اپنے علم کو خود غرضی اور بڑائی کا آلہ بنائے وہ جہنم کے ساتویں طبقہ میں ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعُهُ الذِّكْرٰى

مقبولیتِ اعمال

خالق و مخلوق کے درمیان انبیاء طاہرین علیہم السلام کا سلسلہ اس لئے ہے کہ ہر انسان براہ راست اللہ سے احکام حاصل کرنے کا اہل نہیں۔ انسان مادی جگہ میں اس قدر پھنسا ہے کہ صرف عقلی ہدایات پر قطعاً توجہ ہی نہیں دیتا جب تک کہ باہر سے کوئی طاقت اس کو اس طرف متوجہ کرنے والی نہ ہو

بے شک خالق کائنات کا عین لطف ہے کہ ہمیں عقل عطا فرما کر اور اس کو خیر و شر کے ادراک کا اہل قرار دیکر باقی موجودات پر افضلیت و کرامت عطا فرمائی۔ پس انسان اپنی اس عقل کے ذریعے اطراف عالم میں غور و فکر کرکے اور اپنے نفس و بدن میں توجہ کرکے اور ان تمام چیزوں کے مصالح و مفاسد پر تبصرہ کرکے اس نتیجہ تک تو ضرور پہنچ جاتا ہے کہ میرا خالق ضرور موجود ہے جو مجانست و مماثلت مخلوقات سے بلند و بالا ہے لیکن اتنی فرصت کہاں؟ کہ عقل کو ان اشیاء میں غور کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ محبت دنیا خواہش نفسیہ، حرص و ہوس وغیرہ کا بھوت کسی وقت سر سے اُترے تو کسی دوسری طرف توجہ کی جا سکے اور یہ بات بھی ساتھ ساتھ ہے کہ عمر میں جس قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ خواہشات و اغراض میں اسی قدر زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ پس انسان کا دماغی کارخانہ صرف ایک ہی رُخ کی طرف استعمال ہوتا رہتا ہے۔ یعنی منافع دنیاویہ کی سوچ بچار۔

عوارض مادیہ اور اغراض نفسیہ اس کو غرض خلقت کی طرف متوجہ ہونے ہی نہیں دیتے تاکہ چشم بصیرت کھُلے اور خالق کی معرفت اور اس کی خوشنودی کے ذرائع کی طرف دھیان کیا جائے اور تنہا عقل اگرچہ صلاحیت رکھتا ہے کہ معرفت کے اسباب پر غور کرکے اللہ کی ذات کو پہچان لے لیکن موانع مذکورہ کی موجودگی میں ان منازل کا طے کر سکنا بہت گراں ہے۔

اللہ نے کمال لطف و عنایت سے عقل کی رہبری اور تقویت کے لئے سلسلۂ انبیاء جاری فرما دیا۔ تاکہ انسان آسانی سے اس طرف آسکے اور پھر اس کو فرائض عملیہ سے آگاہ کیا جائے۔ پس ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا یہی کام تھا کہ عقول

انسانیہ کی رہبری فرماکر انسان کو ورطۂ ظلمات نفسانیہ سے نکال کر احاطۂ قدس روحانیہ میں لاکر ٹھاکریں اور دنیاوی منافع کی ناپائیداری، زندگی کی فنا اور دنیا کی عدم وفا وغیرہ پر متوجہ کرکے اس کو آخرت کے منافع کی طرف راغب کریں اور اس کی اس ابدی زندگی کے لئے جن جن اعمال کی ضرورت ہے ان سے ان کو روشناس کرائیں۔

پس اس سلسلہ میں حضرت رسالتمآبؐ کا وجود ذیجود سیدالانبیاؐ کی حیثیت رکھتا ہے اور جس قدر ان کا حلقۂ تبلیغ زیادہ اسی قدر باقی انبیاء کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک ان کی توقیر و اجلال بھی زیادہ ہے کیونکہ اگر یہ نہ ہوتے تو وہ ہرگز نہ ہوتے اور جس طرح نبی کی رہبری کے بغیر خدا کی طرف متوجہ ہونا ہمارے لئے دشوار تھا اسی طرح توجہ ہو جانے اور معرفت حاصل کر چکنے کے بعد احکام خدا اور اس کی ذات کی طرف تقرب کے ذرائع و اسباب کا معلوم کرنا ہماری عقلوں کی رسائی سے بالاتر تھا۔ ان میں از خود یہ استعداد ہرگز نہیں کہ خدائی احکام واجبات و محرمات خود سوچ کر پیدا کر سکیں۔

پس تمام مسلمانوں پر جناب رسالتمآبؐ کا احسان عظیم ہے کہ ظلمت کدہ کفر و شرک سے نجات دلاکر انہوں نے ہم کو توحید کی معرفت اور اس کی لذات روحانیہ سے ہمکنار کیا اور قرب خدا حاصل کرنے کے وہ زرّیں اصول تعلیم فرمائے جو رہتی دنیا تک نوع انسانی کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اگر انسان ان کے تعلیم کردہ اصول و فروع کو اپنا کر قرب خداوندی کا جویا ہو تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی معرفت حاصل کرکے ان کی محبت و اطاعت کو اپنا شعار قرار دے کیونکہ خالق کائنات کے بعد یہ محسن کائنات ہیں۔ اس کی ذات نے انکو خلعت وجود سے آراستہ کیا اور ان کی ذات سے اس کی معرفت اور قرب کا درس ملا۔ بلکہ خالق کو اگر اس ذات مقدسہ کی تخلیق مقصود نہ ہوتی تو کائنات نعمت وجود سے ہم آغوش نہ ہوتی۔ اسی بناء پر تو حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ مجھے اپنی جان و مال و اولاد سے محبوب ترین نہ قرار دے۔ پس انسان ہزاروں اعمال صالحہ بجالائے لیکن جب تک اس محسن انسانیت سے قلبی محبت نہ رکھتا ہو اور اس کی اطاعت کو فرض نہ سمجھتا ہو اس کے تمام اعمال اکارت جانے کے قابل ہیں اور اسی طرح ان کی محبت و اطاعت کے ساتھ ان کی عترت طاہرہ جو ان کی صحیح قائمقام ہے ان کی معرفت اور محبت و اطاعت بھی ویسے ہی فرض عین ہے۔ ورنہ رسالتمآبؐ کی خوشنودی قطعاً حاصل ہو نہیں سکتی کیونکہ ان کے بعد ان کی صحیح تعلیمات کے امت تک پہنچانے کے یہی ذمہ دار ہیں اور قرآنی احکام ان ہی کی بدولت ہم تک پہنچے ہیں۔ پس قرب خدا، رسالتمآبؐ کے قرب پر موقوف ہے کیونکہ حضور کی اطاعت ہی محبت پروردگار کا زینہ ہے۔ اور قرب رسالتمآبؐ ان کے قرب پر موقوف ہے پس تمام اعمال صالحہ کی مقبولیت اور خدا و رسول کی خوشنودی انہی کی اطاعت و معرفت پر منحصر ہے۔

چنانچہ مقدمۂ تفسیر مرآۃ الانوار میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی۔

یارسول اللہؐ! اکل من قال لا الٰہ الا اللہ حضورؐ! یہ فرمایئے کہ جو بھی لا الٰہ الا اللہ پڑھے وہ مومن ہے؟ آپؐ

مومن؛ قال عداوتنا تلحق بالیہود والنصاریٰ انکم لاتدخلون الجنۃ حتی تحبونی وکذب من زعم انہ یحبنی ویبغض ھذا یعنی علیاً علیہ السّلام

نے فرمایا کہ ہماری عداوت یہود و نصاریٰ کے ساتھ ملحق کر دیتی ہے تحقیق تم لوگ ہرگز جنت میں داخل نہ ہو گے جبتک مجھ سے محبت نہ کرو گے اور جو شخص علیؑ سے بغض رکھتا ہو اور میری محبت کا دعویٰ کرتا ہو وہ جھوٹا ہے

پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ لا الہ الا اللہ پڑھنا اور جنت میں جانے کی آرزو رکھنا فضول ہے۔ جب تک محبت رسولؐ نہ ہو اور محبت رسولؐ کا دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے جبتک محبت علیؑ نہ ہو گویا رضائے خالق دخول جنت اور محبت رسولؐ کا مدار و محور علیؑ ہے۔

(۲) مسند احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ جب یہ آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی نازل ہوئی تو بروایت ابن عباس لوگوں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کون لوگ آپ کے قرابت دار مراد ہیں جن کی مودت فرض کی گئی ہے تو آپ نے فرمایا علیؑ و فاطمہؑ اور ان کے فرزند۔ دلائل الصدق میں نیابیع المودت۔ صواعق محرقہ اور درمنثور وغیرہ متعدد کتابوں سے اس روایت کو مختلف الفاظ سے نقل کیا گیا ہے مقصد سب کا یہی ہے کہ اس آیہ وافی ہدایہ میں جن لوگوں کی مودت فرض کی گئی ہے وہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب اور جناب بتول معظمہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ اور ان کی اولاد طاہرین ہیں۔ اور مقدمہ تفسیر کبیر امام رازی سے بھی اسی طرح منقول ہے گویا جناب رسالتمآبؐ کی تعلیمات کا اجر ہے مودت آل رسولؐ تو جبتک مودت اہل بیت نہ ہو گی۔ تعلیمات قرآن پر عمل کرنا ہی تصرف غاصبانہ ہو گا اور حرام ہو گا جس طرح کہ عام کسی اجیر کی اُجرت ادا کئے بغیر اس چیز کا استعمال ناجائز و حرام ہوتا ہے جس سے اس اُجرت کا تعلق ہو۔

معرفت امام

(۳) جامع الاخبار (فصل المودت) میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت آل محمدؐ پر مرنے والے اور بغض آل محمدؐ پر مرنے والے لوگوں کے متعلق ارشادات ذیل منقول ہیں۔

(۱) مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَہِیْدًا

جو آل محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے۔ وہ شہید مرتا ہے۔

(۲) اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مَغْفُوْرًا

آگاہ ہو! جو بھی آل محمدؐ کی محبت پر مرے وہ مغفور ہو کر مرتا ہے۔

(۳) اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ تَائِبًا

آگاہ ہو! جو بھی آل محمدؐ کی محبت پر مرے وہ تائب ہو کر مرتا ہے۔

(۴) اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ مُؤْمِنًا مُسْتَکْمِلَ الْاِیْمَانِ۔

آگاہ ہو! جو بھی آل محمدؐ کی محبت پر مرے وہ مومن کامل الایمان ہو کر مرتا ہے۔

(۵) اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ بَشَّرَہٗ مَلَکُ الْمَوْتِ بِالْجَنَّۃِ ثُمَّ مُنْکَرٌ وَنَکِیْرٌ۔

آگاہ ہو! جو بھی آل محمدؐ کی محبت لے کر مرے اسے ملک الموت اور اس کے بعد منکر و نکیر بھی جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔

(۶) اَلَا وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ فُتِحَ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ بَابَانِ اِلَی الْجَنَّۃِ

آگاہ ہو! جو بھی آل محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے اس کے لئے قبر میں دو دروازے جنت کی طرف کھول دیئے جاتے ہیں۔

(۷) اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَعَلَ اللّٰہُ قَبْرَہٗ مَزَارَ مَلَائِکَۃِ الرَّحْمَۃِ

آگاہ ہو! کہ جو بھی آل محمد کی محبت پر مرے اللہ اس کی قبر کو رحمت کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنا دیتا ہے۔

(۸) اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ عَلَی السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ

آگاہ ہو! کہ جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت لے کر مرتا ہے وہ سنت و جماعت پہ ہو کر مرتا ہے۔

(۹) اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَکْتُوْبٌ بَیْنَ عَیْنَیْہِ آیِسٌ مِّنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ

آگاہ ہو! کہ جو شخص آلِ محمدؐ سے بغض رکھ کر مرتا ہے تو قیامت کے روز جب محشور ہوگا تو اس کی پیشانی پہ لکھا ہوگا کہ یہ خدا کی رحمت سے نا امید ہے۔

(۱۰) اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ کَافِرًا

آگاہ ہو! کہ جو آلِ محمدؐ کی دشمنی پر مرتا ہے وہ کافر ہو کر مرتا ہے۔

(۱۱) اَلَا وَمَنْ مَّاتَ عَلٰی بُغْضِ اٰلِ مُحَمَّدٍ لَمْ یَشَمَّ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ

آگاہ ہو! کہ جو شخص آلِ محمدؐ کے بغض پہ مر جائے وہ جنت کی بُو نہ سونگھے گا۔

جناب رسالتمآبؐ کی یہ فرمائشات تفسیر کشاف سے بھی منقول ہیں اسی بناء پر حضرت صادقؑ آلِ محمدؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم اہلِ بیت سے عداوت رکھنے والے کیلئے نماز، روزہ وغیرہ یا چوری، زنا وغیرہ کرنا یکساں ہے کیونکہ لامحالہ اس کی بازگشت تو دوزخ ہے ہی۔

(۴) جامع الاخبار میں (مفصل معرفت آئمہ کے بیان میں) جناب سلمان پاک سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ میں ایک دفعہ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو مجھے دیکھ کر حضورؐ نے ارشاد فرمایا: سلمان! تحقیق! خداوند کریم نے کوئی رسولؐ و نبی مبعوث نہیں فرمایا، مگر یہ کہ اس کیلئے بارہ نقیب بھی بھیجے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں یہ بات دونوں کتابوں (توراۃ، انجیل) والوں کی طرف سے جانتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا: کہ تو میرے نقباء کو جانتا ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ و اللہ کا رسول بہتر جانتا ہے تو آپ نے فرمایا: اے سلمان! خدا نے مجھے اپنے برگزیدہ نور سے خلق فرمایا اور مجھے اپنی اطاعت کی دعوت دی تو میں نے قبول کر لی پھر اس اللہ نے علی الترتیب اسی میرے نور سے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے انوار کو خلق فرمایا اور ان کو اپنی اطاعت کی دعوت دی اور ان سب نے قبول کی۔ پھر اس نے اپنے اسماء سے ہمارے پانچ نام مقرر فرمائے۔ پس اللہ محمود ہے اور میں محمدؐ ہوں۔ خدا اعلیٰ ہے اور یہ علیؑ ہے، اللہ فاطر ہے اور یہ فاطمہؑ ہے اللہ صاحب احسان ہے اور یہ حسنؑ ہے اور خدا محسن ہے اور یہ حسینؑ ہے پھر حسینؑ کے نور سے نو اماموں کے انوار خلق فرمائے اور ان کو اپنی اطاعت کی دعوت دی، ان سب نے قبول کی اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا۔ جب نہ آسمان خلق ہوا تھا اور نہ زمین بچھائی گئی تھی۔ اور نہ ہوا نہ ملک نہ بشر کی تخلیق ہوئی تھی۔

ہم عالم انوار میں اس کی تسبیح کرتے تھے اور اس کے ارشادات کی اطاعت کرتے تھے۔ میں نے عرض کی۔ میرا ماں باپ

آپ پر فدا ہو۔ یا رسول اللہؐ! جو شخص کما حقہ ان کی معرفت رکھتا ہو اس کا کیا مرتبہ ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: اے سلیمان! جو شخص ان کی معرفت رکھے جس طرح حق معرفت ہے اور ان کی موالات رکھتے ہوئے ان کی اطاعت کرے اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کرے وہ ہم میں سے ہوگا۔ اور جس مقام پر ہوں گے وہ اسی مقام پر ہوگا۔ جہاں ہماری سکونت ہوگی اس کی بھی وہاں سکونت ہوگی۔ میں نے عرض کی کہ ان کے اسماء و انساب کی معرفت کے بغیر انسان مومن بن سکتا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا: نہیں اے سلمان! میں نے عرض کی کہ میں ان کو کس طرح پہچانوں؟ آپ نے فرمایا حسینؑ تک تو پہچان چکا ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا پھر اس کے بعد سید العابدین علی بن الحسین پھر اس کا فرزند محمد بن علی باقر علم الاولین و آخرین، پھر جعفر بن محمد اللہ کی سچی زبان، پھر موسیٰ بن جعفر جو اللہ کی راہ میں غصہ کو ضبط کرنے والا ہوگا۔ پھر علی بن موسیٰ الرضا، پھر محمد بن علی المختار، پھر علی بن محمد الہادی پھر حسن بن علی پھر حسن کا فرزند القائم عج

سلمان کہتا ہے کہ میں نے رد کر عرض کی یا رسول اللہ! کیا مجھے ان کے زمانے تک مہلت دی جائے گی؟ آپ نے فرمایا اس آیت کو پڑھ[1] فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدُ اللّٰهِ مَفْعُولًا۔ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا۔

سلمان بیان کرتا ہے کہ یہ سن کر میرا اشتیاق اور گریہ زیادہ ہوا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ آپؐ کی طرف سے عہد ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں میری طرف سے بھی اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ و باقی نو[9] آئمہ جو حسینؑ کی نسل سے ہونے والے ہیں۔ سب کی طرف سے، تیرے ساتھ اور ہر اس شخص کے ساتھ جو ہم میں سے اور ہماری محبت کی وجہ سے ظلم کا شکار ہے اور ایمان خالص رکھتا ہے، عہد ہے۔

ہاں خدا کی قسم اے سلمان! ابلیس اور اس کے سب لشکر اور تمام خالص کافر حاضر کئے جائیں گے اور ان سے انتقام و بدلہ لیا جائے گا اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اس آیہ مجیدہ کی تاویل ہم ہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ

ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور کر دیئے گئے اور ان کو امام خلق اور ان کو زمین کا وارث قرار دیں اور ان کو زمین میں پوری قدرت دیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ انجام دکھائیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔

سلمانؓ کہتا ہے کہ میں سرکار دو عالم کی خدمت سے اٹھ کھڑا ہوا اور دل میں فیصلہ کر لیا کہ اب پرواہ نہیں کہ موت پر جا پڑوں یا موت مجھ پر آ پڑے۔

---

[1] اس آیت سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ مومنین کو حضرت حجتؑ کے زمانے میں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اسی لئے حضرت سلمان نے عرض کی کہ کیا آپ کا عہد ہے کہ مجھے بھی اس حق کے دور میں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تجھے بھی اور ہر مخلص مومن کو اٹھایا جائیگا یہ ہمارا عہد ہے منہ

(۵) محاسن برقی سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ اہلِ بیت کی محبت کو لازم پکڑو۔ مجھے قسم ہے! اس ذات کی جس کے ید قدرت میں میری جان ہے ہمارے حق کی معرفت کے سوا کسی انسان کیلئے کوئی عمل فائدہ مند نہیں ہے۔

(۶) مقدمہ تفسیر میں حضرت باقرؑ سے منقول ہے کہ ہم اللہ کے اسمارِ حسنیٰ ہیں۔ انسان کا کوئی عمل ہماری معرفت کے بغیر قابلِ قبول نہیں ہے۔

(۷) نیز سلمان سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب ہم بروز احد حضرت حمزہؓ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو جبریل کا نزول ہوا اور کہا اے محمدؐ! خدا بعد درود و سلام کے فرماتا ہے کہ میں نے نماز فرض کی ہے لیکن بیمار[۱] سے ساقط کی ہے اور میں نے روزہ واجب کیا ہے لیکن بیمار سے اور مسافر[۲] سے معاف ہے۔ اسی طرح حج واجب کی ہے لیکن زاد و راحلہ نہ رکھنے والے پر معاف ہے زکوٰۃ واجب ہے لیکن جس کا نصاب پورا نہ ہو اس سے یہ فریضہ اٹھا لیا گیا ہے اور حبِ علیؑ ایسا فریضہ ہے کہ اس میں کسی کو کوئی رخصت نہیں ہے۔

(۸) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان میدانِ محشر میں اللہ کی بارگاہ میں حساب کے لئے کھڑا ہوگا تو اس سے سب سے پہلے واجب نماز، زکوٰۃ مفروضہ، روزہ حج واجب اور ہماری ولایت کا سوال ہوگا اگر ہماری ولایت کا قائل ہوا تو نماز روزہ، زکوٰۃ و حج وغیرہ جملہ عبادات اس کی قبول ہوں گی اور ہماری ولا کا قائل نہ ہوا تو اس کے دیگر اعمال ہرگز قابلِ قبول قرار نہ دیئے جائیں گے۔

(۹) عیون اخبار الرضا سے جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ انسان سے پہلے پہل ہماری اہلبیتؑ کی محبت کے متعلق سوال ہوگا

(۱۰) مجالس شیخ سے مروی ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا! اللہ کے سامنے انسان سے چار چیزوں کے متعلق سوال ہوگا (۱) عمر کے متعلق کہ اس کو کس کام میں فنا کیا؟ (۲) جسم کے متعلق کہ اس کو کہاں کہنہ کیا؟ (۳) مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں صرف کیا؟ (۴) ہم اہلِ بیت کی محبت کا سوال ہوگا۔ ایک شخص نے اٹھ کر سوال کیا۔ یا رسولؐ اللہ آپ کی محبت کی علامت کیا ہے؟ آپ نے علیؑ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس کی محبت

(۱۱) امالی سید سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی نے آکر حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت اقدس میں عرض کی یا رسولؐ اللہ جنت کی بھی کوئی قیمت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اعرابی نے عرض کی کہ حضورؐ فرمائیے کیا قیمت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اخلاص سے پڑھنا، اس نے عرض کی۔ حضورؐ! اخلاص کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ایا عمل کرنا ساتھ اس چیز کے جس کے ساتھ میں مبعوث ہوا ہوں اور محبت اہلِ بیتؑ کے ساتھ

---

[۱] نماز کے ساقط ہونے سے مراد اس کے بعض واجبات ساقط یعنی تکلیف حسب طاقت کر دی۔ قیام سے عاجز تو قیام ساقط ہے پس بیٹھ کر پڑھے اور اگر عاجز ہے تو سو کر پڑھے یا کہ بیمار اتنا زیادہ ہو کہ ہوش و حواس نہ رہیں پس زمانِ بے ہوشی میں نماز اصلاً ساقط ہے۔ منہ

[۲] لیکن بیماری یا سفر ختم ہو جانے کے بعد قضا واجب ہوتی ہے۔ مسئلہ کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ (منہ)

اس نے عرض کی حضور! محبت اہل بیت بھی اس کے حقوق میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے حقوق میں سے بڑی چیز تو اہل بیت ہی کی محبت ہے۔

(۱۲) حضرت صادق آل محمدؑ سے منقول ہے کہ ہر چیز کی بنیاد ہوا کرتی ہے اور اسلام کی بنیاد محبت اہل بیت ہے۔

(۱۳) حضرت باقر العلومؑ سے مروی ہے اسلام کی بنا کے پانچ ستون ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور محبت اہل بیت۔

(۱۴) عن معانی الاخبار عن ابن عباس عن النبی ایھا الناس من اختار منکم علی علیّ اماماً فقد اختار علی نبیّاً ومن اختار علی نبیّاً فقد اختار علی اللہ عز وجلّ ربّاً

معانی الاخبار سے منقول ہے کہ ابن عباس نے جناب رسالتمآبؐ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا" لوگو! جس نے علیؑ کو چھوڑ کر کسی اور کو امام بنایا گویا اس نے میری نبوت سے اعراض کر کے کسی اور نبی کو مانا اور جس نے مجھے چھوڑ کر کسی اور نبی کو مانا گویا اس نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور رب کو مان لیا۔

مقصد روایت کا یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی امامت کا منکر ایسا ہے جیسے منکر نبوت و منکر توحید)

(۱۵) عن عقائد الصدوق قال النبیؐ من ظلم علیاً مقعدی ھذا بعد وفاتی فکانما جحد نبوتی ونبوۃ الانبیاء من قبلی ومن تولی ظالماً فھو ظالم

عقائد صدوق میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص علیؑ پر میری مسند کے معاملہ میں ظلم کرے (میرے بعد اس سے میرا منبر غصب کرے) تو گویا اس نے میری اور مجھ سے سابق انبیاء کی نبوت کا انکار کیا اور جو ظالم سے دوستی رکھے وہ بھی ظالم ہے۔

(۱۶) قال: یا علی انت والائمۃ من ولدک حجج اللہ علی خلقہ واعلامہ فی بریتہ فمن انکر واحداً منھم فقد انکرنی ومن عصی واحداً منھم فقد عصانی ومن اطاعکم فقد اطاعنی الخبر

حضورؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ تو اور تیری اولاد سے ہونے والے آئمہ مخلوق پر اللہ کے خلیفے اور زمین پر اس کے اعلام ہیں جس نے ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا۔ اس نے گویا میرا انکار کیا اور جس نے ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے تمہاری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔

(۱۷) قال یا علی ما من عبد لقی اللہ وھو جاحد ولایتک الا لقی اللہ بعبادۃ صنم او وثن

آپ نے فرمایا: اے علیؑ جو تیری ولایت کے انکار کے ساتھ محشور ہوگا وہ بت پرست اور صنم پرست محشور ہوگا۔

(۱۸) وفی تفسیر الامام انہ لا یکون مسلماً من قال ان محمد رسول اللہ فاعترف بہ ولم یعترف علیاً وصیہ وخلیفتہ وخیراہ تہ وقال ان تمام الاسلام باعتقاد ولایۃ علی علیہ السلام ولا ینفع الاقرار بالنبوۃ

اور تفسیر امام حسن عسکریؑ میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جناب محمدؐ مصطفےٰ کی رسالت کے اقرار سے اور محمد رسول اللہ کہنے سے انسان مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک علیؑ کے وصی، خلیفہ اور خیر امت ہونے کا اعتراف نہ کرے اور فرمایا اسلام کی تکمیل حضرت علی علیہ السلام کے اقرار ولایت سے ہی ہے اور امامت علیؑ کے انکار کے

مع جحد امامة علی کما لا ینفع الاقرار بالتوحید من جحد النبوة۔

ساتھ نبوت کے اقرار کا کوئی فائدہ نہیں ہے جس طرح کہ نبوت کے منکر توحید کے اقرار کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بہرکیف توحید اور نبوت کے اقرار سے اسلام نہیں آسکتا جب تک حضرت امیرالمومنینؑ کی امامت وولایت کا اقرار نہ ہو۔

(۱۹) عن امیرالمومنینؑ من لم یقر بولایتی لم ینفعه الاقرار بنبوة محمد الا انهما مقرونان وذلك ان النبی نبی مرسل وهو امام الخلق وعلی من بعده امام الخلق ووصی محمد فمن استکمل معرفتی فهو علی الدین القیم کما قال الله تعالیٰ وَذَالِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۔ ثم قال بعد کلام کنت انا ومحمد نورا واحدا من نور الله فامر الله ذالك النور ان ینشق فقال للنصف کن محمدا وقال للنصف کن علیا (ومنها) قال رسول الله عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا من علی ۔ ولا یؤدی عنی الا علیؑ ۔ ثم قال بعد کلام طویل یا سلمان ویا جندب ۔ اَنَا مُحَمَّدٌ وَمُحَمَّدٌ اَنَا وَاَنَا مِنْ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدٌ مِنِّيْ ۔ ثم قال بعد کلام یا سلمان ویا جندب انا امیر کل مؤمن ومؤمنة ممن مضی وممن بقی وقال ایضا بعد کلام یا سلمان ویا جندب انا احیی وامیت باذن ربی وانا عالم بضمائر قلوبکم والائمة من اولادی یعلمون ویفعلون هذا اذا احبوا وارادوا ۔ لانا کلنا واحد

حضرت امیرالمومنین سے منقول ہے کہ جس نے میری ولایت کا اقرار نہ کیا اس کو جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا اقرار کوئی فائدہ نہ دے گا آگاہ ہو! یہ دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ کیونکہ نبی، رسول اور امام خلق ہے اور علی اس کے بعد، امام خلق اور وصی نبی ہے پس جو شخص پوری طرح میری معرفت حاصل کرے وہ سیدھے دین پر ہے جس طرح خدا فرماتا ہے وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۔ پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ میں اور حضرت محمد مصطفیٰؐ اللہ کے نور سے ایک ہی نور تھے تو پھر اللہ نے اس نور کو دو حصوں میں منقسم ہونے کا حکم دیا اور ایک حصہ سے حضرت محمدؐ مصطفیٰ کو بنایا اور دوسرا حصہ علیؑ بنا (اسی حدیث میں ہے) کہ سرکار رسالتؐ نے فرمایا کہ علی مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ میری طرف سے علیؑ ہی پہنچا سکتا ہے۔ پھر کلام طویل کے بعد فرمایا۔ اے سلمان اور اے جندب! میں محمدؐ ہوں اور محمدؐ میں ہوں، میں محمدؐ سے اور محمدؐ مجھ سے ہے پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے سلمان اور اے جندب! میں گزشتہ اور آئندہ کے ہر مومن مرد و عورت کا امیر ہوں۔ کلام کو جاری رکھتے ہوئے پھر آپ نے فرمایا اے سلمان اور اے جندب! اللہ کے اذن سے میں مارتا اور جلاتا ہوں [1] میں تمہاری دلوں کی پوشیدگیوں کو جانتا ہوں اور میری اولاد سے آئمہ جب چاہیں تو یہ باتیں جان اور کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم سب کے سب ایک ہیں۔ ہمارا پہلا محمدؐ اور آخری محمدؐ اور درمیان میں محمدؐ

[1] انسان کی حقیقی زندگی ایمان اور حقیقی موت کفر ہے اور حضرت علیؑ کی محبت ایمان اور ان کا بغض کفر ہے۔ پس حضرت علیؑ انسان کے لئے حقیقی موت و حیات کا موجب ہیں۔ (منہ)

اولنا محمد و آخرنا محمد و اوسطنا محمد وکلنا محمد فلا تفرقوا بیننا و نحن اذا شئنا شاء الله و اذا کرهنا کره الله الویل کل الویل لمن انکر فضلنا وخصوصیتنا وما اعطانا الله ربنا ان من انکر شیئاً مما اعطانا الله فقد انکر قدرة الله ومشیته ۔

اور ہم سب محمدؐ ہیں۔ پس ہمارے درمیان تفریق نہ ڈالو اور جب ہم چاہتے ہیں تو اللہ بھی چاہتا ہے اور جب ہم ایک چیز کو نہ چاہیں تو اسے اللہ بھی نہیں چاہتا ــــــــــ مکمل ویل ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی عطا کردہ ہماری فضیلت اور خصوصیت کا انکار کریں، تحقیق جن لوگوں نے ہماری کسی خدائی عطا کردہ فضیلت کا انکار کیا گویا اس نے اللہ کی قدرت و مشیت کا انکار کیا۔

(۲) مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِیْتَةً جَاهِلِیَّةً

جو شخص امام زمان کی معرفت حاصل کئے بغیر مر جائے پس اس کی موت جاہلیت (کفر) کی موت ہے (حدیث مشہور بین الفریقین ہے)

(۳) عن الباقرؑ حبنا ایمان وبغضنا کفر ونفاق

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ ہماری محبت ایمان اور ہمارا بغض کفر و نفاق ہے

(۴) جامع الاخبار (باب النوادر) مر علی فی مسجد الکوفه وقنبر معه فرأی رجلا قائما یصلی فقال یا امیرالمومنین ما رأیت رجلا احسن صلوٰة من هذا فقال امیرالمومنین یا قنبر فوالله لرجل علی یقین من ولایتنا اهل البیت خیر من عبادة الف سنة ولو ان عبدا عبد الله الف سنة لا یقبل الله منه حتی یعرف ولایتنا ولو ان عبداً عبد الله الف سنة وجاء بعمل اثنین و سبعین نبیا ما یقبل الله منه حتی یعرف ولایتنا اهل البیت والا اکبه الله علی منخریه فی نار جهنم

کتاب جامع الاخبار کے نوادر میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام قنبر کو ساتھ لئے مسجد کوفہ عبور فرما رہے تھے کہ قنبر نے ایک شخص کو نماز پڑھتے دیکھا پس عرض کی مولا! اس شخص سے بہتر نماز پڑھتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں دیکھا تو آپ نے فرمایا۔ اے قنبر۔ خدا کی قسم۔ ہم اہلبیت کی ولایت پر یقین رکھنے والا شخص ہزار برس کی عبادت سے بہتر ہے اگر کوئی انسان ہزار برس خدا کی عبادت کرے جب تک ہماری ولایت کی معرفت نہ رکھے گا خدا اس کی کوئی عبادت قبول نہ فرمائے گا اگر کوئی انسان ہزار سال اللہ کی عبادت کرے اور بہتر نبیوں کے برابر اعمال کر کے لائے۔ خدا قبول نہ فرمائے گا جبتک کہ ہماری اہلبیت کی ولایت کا اقرار نہ کرے۔ اگر ایسا نہ ہو) تو خدا اس کو الٹے منہ جہنم میں ڈالے گا۔

بہر کیف اس مضمون کی احادیث کتب امامیہ میں تواتر سے منقول ہیں۔ اس مقام پر جس قدر ذکر کی جا چکی ہیں جلا ایمانی کے لئے کافی ہیں۔ اختصار کے پیش نظر بعض کا صرف ترجمہ ہی ذکر کر دیا ہے۔ اور ان میں سے اکثر مقدمہ تفسیر سے

۱؎ ص [illegible] پر اسی حدیث کو ملاحظہ فرمائیے۔ (منہ)

منقول ہیں۔ لہٰذا اختصاراً حوالہ کتاب کو عموماً ترک کر دیا ہے۔ (مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار)

اس قسم کی جملہ احادیث کا خلاصہ یہی ہے کہ چونکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے بعد قرآن مجید کے حقیقی محافظ و مبلّغ اور اسلام کے مروّج اور اس کی تعلیمات کے مدرّس آل محمدؐ ہی ہیں۔ لہٰذا ان کی محبت واجب ہے اور ان کی ولایت و امامت کے اقرار و معرفت کے بغیر کوئی عمل صالح، صالح نہیں کہا جا سکتا لہٰذا قابلِ قبول بھی نہیں ہو سکتا جس طرح کہ توحید کے بعد نبوت کے انکار سے کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہوا کرتا۔

نکتہ: امامت و مودّت میں تلازم

ان احادیث کی رُو سے معلوم ہُوا کہ امامِ خلق آلِ محمدؐ سے غیر نہیں اور آلِ محمدؐ امامت سے جُدا نہیں۔

بعض احادیث میں ہے کہ جو شخص معرفتِ امام کے بغیر مر جائے اس کی معرفت کفر و جہالت کی موت ہے۔ ایک طرف ہے (حبِ اہلبیت ہے تو ایمان ہے) دوسری طرف ہے (معرفتِ امام ہے تو ایمان ہے) نتیجہ نکلا کہ جس کو حبِ اہلِ بیت حاصل ہے اسی کو ہی معرفتِ امام حاصل ہے چونکہ دونوں حدیثیں فریقین سے مروی ہیں تو اب ذرا ان دونوں کا تجزیہ کر کے دیکھیں۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ امام اہلبیت سے نہیں (غیر از اہلِ بیت کو عہدۂ امامت دیا جائے) تو قطعاً دونوں حدیثیں صادق نہیں آسکتیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص حبِ اہلِ بیت رکھتا ہو اور اس امام کا منکر ہو جو غیر از اہلِ بیت ہے) تو حبِ اہلِ بیت والی حدیث کی رُو سے وہ مومن کامل الایمان ہے اور اس کی موت ایمان کی موت ہے لیکن معرفتِ امام والی حدیث کی رُو سے وُہ غیر مومن ہے اور اس کی موت جہالت و کفر کی موت ہے

اسی طرح فرض کرو ایک شخص اہلِ بیت سے بغض رکھتا ہے اور اس امام کی امامت کا قائل ہے جو غیر اہلِ بیت سے ہے تو حبِ علیؑ والی حدیث کی رُو سے وہ کافر و منافق ہے اور معرفت والی حدیث کی رُو سے وُہ مومن ہے۔

پس اگر امامت کو اہلِ بیت سے جُدا مانا جائے تو جنابِ رسالتمآبؐ کی ہر دو حدیثوں سے صرف ایک سچی ہوگی اور دوسری معاذ اللہ جھوٹی ہوگی اور جنابِ رسالتمآبؐ کی زبان وحی ترجمان کی کوئی فرمائش غلط نہیں ہو سکتی تو ماننا پڑے گا کہ حدیثیں دونوں صحیح اور صادق ہیں اور جن کی محبت واجب ہے وہی امامت کے اہل ہیں اور جو عہدہ امامت کے سزاوار ہیں۔ ان ہی کی محبت واجب ہے۔

جس طرح محبت و معرفت ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں کیونکہ محبت بغیر معرفت کے اور معرفت بغیر محبت کے محال ہے۔ اس طرح امامت بغیر اہلِ بیت کے اور اہلِ بیت بلا امامت کا قول لغو اور بے سود ہے۔ پس جنابِ رسالتمآبؐ کی دونوں فرمائشیں دُرست ہیں اور امامت صرف اہلِ بیت ہی میں منحصر ہے۔

عدل واحباط وشفاعت

قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ العزیز — خدا قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔

مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَهٗ — جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھے گا (اس کی جزا پائیگا) جو شخص ذرہ بھر برائی کرے گا اسے دیکھے گا (اس کی سزا پائے گا)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَھَا وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ — جو شخص نیکی کرے اس کے لئے اس کا دس گنا ثواب ہے۔ اور جو شخص برائی کرے پس اس کو اس کا اس کے مثل ہی دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ — خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔

ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ — احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔

بہرکیف قرآن مجید میں اس مضمون کی آیات بہت زیادہ ہیں۔ تمام کو یکجا کرنے کی خاص ضرورت نہیں۔

کتاب جامع الاخبار میں عدل کے بیان میں عباد بن صہیب سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابو حنیفہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ہمکلام ہوا۔ امام کا عالم شباب تھا۔ ابو حنیفہ نے امام کو یوں خطاب کیا۔ اے جوان! بتا گناہ کس سے سرزد ہوتے ہیں؟ آپ نے جواباً فرمایا اے بڈھے! تین صورتوں سے خالی نہیں یا تو صرف اللہ کی طرف سے ہیں۔ یا صرف بندوں کی جانب سے ہیں۔ یا اللہ و بندے دونوں کی شرکت سے ہیں۔

(۱) اگر پہلی صورت ہو یعنی خدا سے ہی صادر ہو تو بندہ بے قصور ہے۔ لہٰذا اس کو سزا نہیں ملنی چاہیئے۔

(۲) اگر تیسری صورت کہ دونو فعلِ گناہ میں شریک ہوں تو دونو برابر کے مجرم ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ صاحبِ قوت و طاقت ہے اور یہ کمزور ہے، پس سزا صرف کمزور پر کیوں رکھی گئی؟ حالانکہ طاقتور کے لئے کمزور پر ظلم کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے گناہ کرنے میں برابر کا شریک اور سزا صرف کمزور پر؟

(۳) باقی صرف ایک صورت رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ بندہ خود مختار ہے اور نیکی و بدی کی جزا و سزا کا بھی خود مستحق و سزاوار ہے

پس ابو حنیفہ اٹھا اور امام عالی مقام کی پیشانی اقدس پر بوسہ دے کر کہنے لگا کہ واقعی آپ وارثِ رسولؐ ہیں۔

تمام علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ خداوند کریم عادل ہے اور قطعاً اس سے ظلم صادر نہیں ہوسکتا کیونکہ ظلم فی نفسہٖ قبیح اور عیب ہے اور خدا جملہ عیوب و قباحتوں سے پاک و منزہ ہے نیز انسان سلیم الطبع اگر اپنے وجدان کی طرف دھیان کرے تو اس کو صاف طور پر معلوم ہوگا کہ وہ جو کام کرتا ہے اپنے ذاتی اختیار سے ہی کرتا ہے اس

میں اس کو کوئی چیز مجبور نہیں کر رہی ہوتی نہ نیکی میں نہ برائی میں۔ اگر خدا کسی آدمی کو نیکی پہ اور کسی کو برائی پہ مجبور کر دے اور پھر نیک کو انعام اور بُرے کو سزا کا سزاوار قرار دے تو اس قسم کا غیر منصفانہ رویّہ تو عام انسانوں کے لئے بھی زیبا نہیں چہ جائیکہ خالقِ کائنات یہ رویّہ اختیار کرے۔

ہاں خداوندکریم نے انسان کو خیر و شر کی طاقت عطا کر دی ہے اس کے بعد انسان کو اپنے اختیار سے سب کچھ کرنا ہے خواہ اپنی طاقت کو نیکی کے کاموں میں استعمال کرے یا بُرائی کے کاموں میں استعمال کرے۔ اس نے اپنے دین میں کوئی جبر و اکراہ روا نہیں رکھا۔ مثال کے طور پر اگر ایک شریف کسی فقیر مسکین کو کچھ روپے بطور اعانت عطا کر دے تاکہ وہ بیوی بچوں کے اخراجات و مصارف میں صرف کر کے آسودہ حال ہو جائے۔ فقیر کے پاس پیسہ آجانے کے بعد اس کو اختیار ہے کہ وہ پیسہ اپنے خانگی ضروریات پر خرچ کر کے اپنے فرائض منصبیہ سے عہدہ برآ ہو جائے یا اِدھر سے پیسہ وصول کر کے اُدھر فضول خرچ کر کے ویسے کا ویسا گھر آ جائے۔ اب یہ شخص ہر دو صورتوں میں ہرگز مجبور نہیں ہے اگر بالفرض یہ شخص وہی پیسہ برائی پر خرچ کر دے تو اس پیسہ دینے والے شریف انسان کا قصور ہرگز قرار نہ دیا جائے گا اور یہ کہنا بالکل بے جا ہوگا کہ اس کے افعال بد کا موجب وہ شریف آدمی ہے اگر اس نے یہ امداد نہ کی ہوتی تو اس سے یہ فعل سرزد نہ ہوتا۔

جو لوگ خیر و شر کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ عدلِ خداوندی کے قائل نہیں وہ قرآن مجید کی ان آیات سے لوگوں کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن میں ہدایت و ضلالت کی نسبت خدا کی طرف ہے یا ختم و طبع کو خدا نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ ان چیزوں کے مفصل بیانات تو اپنے مناسب وقت پر آئیں گے۔ لیکن اس مقام پر بھی اس شُبہ کا ازالہ مختصر طور پر کر دینا ضروری ہے خداوند عالم جو محسن و خالقِ کائنات ہے اس نے اپنے فضلِ عمیم سے اشیاء کو خلق فرما کر ان میں علّیت و معلولیت اور سببیت اور مسببیت تفویض فرما دی۔ انسان کو اعضاء عطا فرمائے اور ان کو افعال کا سبب قرار دیا۔ پاؤں کو چلنے کی، ہاتھوں کو پکڑنے کی، آنکھوں کو دیکھنے کی۔ وعلیٰ ہذا القیاس طاقتیں عطا فرمائیں اور دل عطا فرمایا۔ جس کو اچھائی یا برائی کی طرف میلان کی قوت عطا فرمائی تاکہ اس کے ایک طرف میلان کے بعد قوتِ ارادیہ سے بذریعہ حرکاتِ اعضاء کے افعال کا ظہور ہو۔ اب اعضاء افعال بد کی طرف بھی چل سکتے ہیں اور افعال حسنہ کی طرف بھی بڑھ سکتے ہیں لیکن ہیں تابع ارادہ کے اور ارادہ بھی ہر دو طرف ہو سکتا ہے لیکن نفع و نقصان کے تصور کے تابع ہے اور تصور بین نفع و نقصان کا امتیاز اور ان کا صحیح فیصلہ قوتِ عاقلہ پر موقوف ہے اگر قوتِ عاقلہ نہ عطا کرتا تو نفع و نقصان کا صحیح فیصلہ نہ ہو سکتا۔ لہٰذا میلان قلب اور اس کی قوتِ ارادیہ اور افعال صادرہ سب کے سب قابلِ بازپرس نہ رہتے اور جزا و سزا کا قصہ سرے سے ساقط ہو جاتا اور اگر قوتوں کو صرف ایک ہی رُخ عطا فرماتا اور دوسری طرف ان کا قطعاً رُخ ہی نہ ہوتا تو پھر بھی تکلیف ساقط تھی کیونکہ انسان اس صورت میں اسی ایک رُخ پر چلنے کے لئے مجبور محض ہو جاتا۔ پس انسان کو اعضائے سلیمہ، قوتِ عاقلہ اور قوتِ ارادیہ کا عطا فرمانا ذاتِ احدیت کا عین فضل اور کمال

احسان ہے لیکن خدا کے بذریعہ انبیاء وکتب سماویہ عقل کو صحیح و فاسد، جائز و ناجائز کی طرف متوجہ کرنے کے بعد اپنے اختیار اور قوتِ ارادیہ کو صحیح اور جائز کی طرف موڑنا انسان کا فرض عین ہے۔

اب قرآن مجید میں ہدایت وضلالت یا ختم وطبع کا خدا کی طرف منسوب ہونا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اس نے تمام طاقتیں عطا کرنے کے بعد اس کو اختیار دے دیا ہے اور اسی نے بذریعہ انبیاء و رسل خیر و شر کے رستے واضح فرما دیئے ہیں۔ کوئی خیر کے رستہ پر چلے تو اپنے اختیار سے اور شر کا رستہ پسند کرے تو اپنی مرضی سے فرماتا ہے اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُورًا ۔ قرآن میں ہر دو کا اللہ کی طرف منسوب ہونا۔ اس لئے ہے کہ وہ ان تمام قوتوں اور قوتِ ارادیہ کا خالق ہے اگر اُس نے یہ قوتیں نہ دی ہوتیں تو انسان سے یہ اعمال کیونکر سرزد ہوتے ؟ لیکن اعتراض تو جب وارد ہوتا کہ اس نے صحیح راہنمائی نہ فرمائی ہوتی۔ پس خدا کی طرف نسبت اسی طرح ہے جس طرح سبب کی طرف نسبت دی جاتی ہے جیسا کہ مجازاً مثال گذشتہ میں فقیر کے افعال ناشائستہ کو پیسہ دینے والے شریف انسان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس نے اس سے یہ کام کروایا ہے۔ حالانکہ وہ صرف اس کا محسن ہی ہے اور اس کے افعال ناشائستہ کا قطعاً ذمہ دار نہیں۔ پس خداوند کریم محسن ہے اور انسان کے افعال کی ذمہ داری قطعاً اس پر عائد نہیں ہوتی۔ اور انسان اپنے اختیار سے عمل کرنے کے بعد سزا و جزا کا مستحق بھی ہے اور یہی مقتضائے عدل ہے۔

انسان کے اُوپر جس طرح خالق کے احسانِ عمیم اور فضل جسیم کا شکر ادا کرنا واجب ہے اسی طرح اس کے فرستادہ پیغمبروں کے حقوق سے عہدہ برآ ہونا بھی انسان پر واجب ولازم ہے۔ جنہوں نے ہماری صحیح رہنمائی فرمائی اور مفید اصولوں سے آگاہ فرمایا۔ پس جس طرح خدا کا انکار اور اس کی نافرمانی موجب عتاب وعقاب ہے اسی طرح اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کا انکار اور ان کے حکم سے سرتابی، درحقیقت خدا کے اوامر و نواہی کی توہین اور اس کی اس نعمت عظمیٰ کی تحقیر کے مترادف ہونے کی حیثیت سے مستوجب عذاب ہے۔

اب اگر کوئی انسان اپنے مقام پر خلقِ خدا کا خادم ہو اور کسی کو بلاوجہ تکلیف نہ پہنچاتا ہو اور اس کے تمام اعضاء عقل کے کنٹرول میں ہوں لیکن معرفتِ خدا نہ رکھتا ہو تو اس کے تمام کارہائے حسنہ جزائے اُخروی اور نعماتِ ابدیہ کے مستحق قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ بلکہ اخروی لحاظ سے یہ سب اس وقت ثمر آور ہوں گے۔ جب اللہ کی معرفت بھی ہوگی۔ نیز معرفتِ خدا کے بعد بھی اس کے اعمال موجب جزا تب ہوں گے جب اس کے تعلیم کردہ اصولوں کے ماتحت ادا کئے جائیں ورنہ اپنی ایجاد کردہ عبادت کا کوئی فائدہ نہیں۔

چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے (حضرت آدمؑ کے سجدہ سے انکار کرنے کے بعد ابلیس نے کہا تھا کہ اے میرے اللہ! مجھے حضرت آدمؑ کے سجدہ سے معاف کر۔ ویسے میں تیری اس قدر عبادت کروں گا جو نہ کسی ملک مقرب نے کی ہوگی اور نہ نبی مرسل اتنی عبادت کرے گا۔ پس ارشاد قدرت ہوا مجھے تیری

عبادت کی ضرورت نہیں۔ میں وہ عبادت چاہتا ہوں جو میری مرضی کے مطابق ہو اور مرضیٔ خدا کے مطابق صرف وہی عبادت ہوسکتی ہے جو اس کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ پس معلوم ہوا کہ خدا کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت سے جدا نہیں اور رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت سے علیٰحدہ نہیں۔

پس جس طرح خدا کا منکر و نافرمان سزاوارِ عذاب کا سزاوار ہے اسی طرح رسولؐ کا منکر و نافرمان بھی عذاب کا مستحق ہے تو رسولؐ کے دنیا سے چلے جانے کے بعد جس کو وہ اپنا جانشین مقرر کر کے جائیں چونکہ وہ بھی رسولؐ کی قائمقامی میں رسولؐ کی طرح تعلیماتِ الٰہیہ کا مبلغ و مدرس ہے لہٰذا اس کی اطاعت مثل خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے فرض ہے اور اس کی نافرمانی مثلِ خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کے موجب عتاب و عقاب ہے اور مقبولیت اعمال کے فصل میں متعدد احادیث اسی موضوع کی ذکر کی جاچکی ہیں کہ خلفائے رسولؐ میں سے کسی ایک کا منکر کافر ہے اور جس نے ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا۔ گویا اس نے سب کا انکار کیا اور ان کا منکر ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے منکر کی مثل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ان کا منکر گویا خدا کا منکر ہے تو جس طرح نبی کا نافرمان خدا کا نافرمان شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے برحق جانشین کا انکار و نافرمانی چونکہ احکام نبویہ کی توہین کے مترادف ہے۔ لہٰذا خدا اور رسولؐ کا انکار و نافرمانی شمار ہوتی ہے۔

پس معلوم ہوا ... کہ انسان اپنی مرضی کے مطابق خواہ کتنے ہی اعمال صالحہ کرتا ہے مقبول بارگاہِ احدیت صرف وہی اعمال ہوں گے جو خدا کے حکم کے ماتحت رسولؐ اور خلفائے رسولؐ کی رہبری سے ادا ہوں تو جو شخص خلفائے رسولؐ کا منکر ہو اس کے تمام اعمال نہ خدا اور رسولؐ کی مرضی کے مطابق ہو سکتے ہیں اور نہ مرتبۂ مقبولیت کو پہنچ سکتے ہیں اسی بنا پر مقبولیت اعمال کی گزشتہ فصل میں متعدد احادیث ذکر کی جاچکی ہیں کہ آلِ محمدؐ کی اطاعت و محبت کے بغیر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ تمام عبادات رائگاں اور ناقابل قبول ہیں اور یہ چیز خدا کے عدل کے منافی نہیں بلکہ عین عدل ہے۔

اس کی واضح مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص ایک ملک میں نہایت نیک اور وطن پرست ہو۔ حکومت کے سرکاری ٹیکس وغیرہ بلا کم و کاست ادا کرتا ہو۔ چور، ڈاکو بھی نہ ہو۔ ارکین حکومت کے لئے کسی اندرونی نظامی معاملہ میں باعثِ تکلیف بھی نہ ہو۔ لیکن بایں ہمہ حکومت کو حکومت نہ سمجھتا ہو۔ ان کے اعلیٰ آفیسران کو وقار کی نگاہ سے نہ دیکھتا ہو بلکہ حکومت کے احکام پر نکتہ چینی اور اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنے سے گریز نہ کرتا ہو تو آپ اندازہ فرمائیں کہ اس کے جملہ افعال و کردار کی حکومت کی نگاہوں میں کیا وقعت ہوگی؟ ایسا شخص حکومت کی نظروں میں چوروں، ڈاکوؤں، غنڈوں اور بدمعاشوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوگا۔ اور نظامی معاملات میں باعثِ تکلیف ہونیوالے مجرموں سے اس کی سزا سنگین تر ہوگی کیونکہ وہ لوگ جو کہ حکومت کو حکومت ماننے کے بعد نظامی معاملات میں جرم کا ارتکاب

کرتے ہیں اُن کے جُرم کا اثر نہایت محدود ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ محدود سزا کے سزاوار گردانے جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے جو لوگ باقی ہر طرح نیک ہوں اور قوم و وطن کے خیر خواہ بھی ہوں۔ لیکن حکومت کو تسلیم نہ کرتے ہوں۔ حکومت کے ضابطۂ قانون پر عمل کرتے ہوں لیکن جن کو حکومت کے ضابطۂ قانون کے نفاذ کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ ان سے دشمنی رکھتے ہوں ان کا حلقۂ تخریب وسیع تر ہوگا۔ گویا ایسے لوگ ایک وقت میں حکومت کا تختہ اُلٹنے کے منتظر ہیں۔ پس ایسے لوگ گرفتاری اور ثبوت جُرم کے بعد کسی مراعات کے مستحق نہ ہوں گے۔ ان کا کوئی عملِ خیر، عمل خیر نہ شمار ہوگا۔ اور ان کے ضابطۂ قانون کا احترام کرنا بے سود محض قرار دیا جائے گا۔ پس صرف یہ شخص سزا ہی سزا کا بلکہ ڈبل سزا کا مستوجب ہوگا۔ تاکہ اس کی عبرتناک سزا سے دوسروں کو نصیحت حاصل ہو۔ اب یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کی باقی خوبیاں کیوں نظرانداز کی گئیں؟ اس کا احترامِ قانون کیوں موجب انعام نہ ہُوا۔ بلکہ صاحب ہوش اس کی فردِ جُرم پر نگاہ کرنے کے بعد یہی کہے گا کہ اس کو ایسی ہی سزا ملنی چاہیئے تھی اور یہی عین دانائی اور مقتضائے عدل ہے۔

پس بعینہٖ اسی طرح ایک انسان کتنا ہی صالح ہو۔ عبادت گذار ہو اور حکومتِ الٰہیہ کے ضابطۂ قانون (قرآن مجید) کا احترام بھی کرتا ہو۔ اس کے قوانین کی خلاف ورزی حسبِ امکان نہ کرتا ہو اور بایں ہمہ نظامِ حکومتِ الٰہیہ کے حفظ و ضبط کے لئے جو خدا نے فرمانروا معین فرمائے اور جناب رسالتمآبؐ نے ضابطۂ قوانین اسلامیہ (قرآن مجید) کی حفاظت و نفاذ و ترویج کے لئے جن پاک و معصوم ہستیوں کو بذریعہ حدیث متواتر (ثقلین) و دیگر فرامینِ نبویہ امّت کے لئے تاقیامت نامزد فرمایا اور بذریعہ حدیثِ غدیر متواتر بازو پکڑ کر لاکھوں کے اجتماع عظیم میں بلند کر کے دکھایا۔ اگر ان کو حکومتِ الٰہیہ کا صحیح فرمانروا نہ سمجھے اور ان کی حکومت کو قطعاً تسلیم نہ کرے تو وہ دیگر اخلاقی، نجی معاملات کے مجرمین کی بہ نسبت سنگین ترین مجرم ہے اور وہ بعد از گرفتاری و پیشیِ عدالتِ عالیہ الٰہیہ و ثبوتِ جُرم، کسی اپنی نیکی کو بروئے کار لانے کا سزاوار نہ ہوگا اور نہ اس کی کوئی نیکی نیکی قرار دی جائے گی اور نہ اس کا احترامِ قرآن موجبِ اجر قرار پائے گا۔ بلکہ وہ صرف سزا کا اور ڈبل سزا کا مستحق ہوگا اور اس کی سزا تمام اہلِ محشر کے لئے باعثِ عبرت ہوگی اور ہر اہلِ دل سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کے مجرم کے لئے مراعات کی امید رکھنا بھی خلافِ عقل ہے اور ایسے شخص کی دوسری عام نیکیوں کو موجبِ اجر قرار دینا قطعاً مبنی بر انصاف نہیں پس اس کی نیکیوں کا رائیگان قرار دینا اور اس کو سخت ترین سزا دینا عین عدل ہے اور ایسے مجرم کے جُرم کو قابلِ معافی سمجھنا ظلمِ عظیم ہے۔

اسی بناء پر حضرت رسالتمآبؐ نے جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کو قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّة فرمایا۔

حضرت امام شافعی کی طرف یہ اشعار منسوب ہیں۔

عَلِیٌّ حُبُّہٗ جُنَّہ ٭ اِمَامُ الْاِنْسِ وَالْجِنَّہ	علیؑ کی محبت دوزخ کی ڈھال ہے (علیؑ جنوں اور انسانوں کا امام ہے)
وَصِیُّ الْمُصْطَفٰی حَقًّا ٭ قَسِیْمُ النَّارِ وَالْجَنَّہ	محمد مصطفےٰ کا برحق وصی ہے۔ جنّت و نار کا تقسیم کرنے والا ہے۔

اور صواعق محرقہ اور دیگر کتب عامہ و خاصہ سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ کوئی شخص صراط سے نہ گزرنے پائے گا، جب تک علیؑ اس کو گذرنے کا اجازت نامہ نہ لکھ دیں۔

سابقہ مثال سے یہ واضح کر دیا جا چکا ہے کہ معصیت دو قسموں پر ہے ایک اصولی اور دوسری فروعی۔ اصل حکومت کی مخالفت اصولی معصیت ہے اور حکومت کی تسلیم کے بعد انتظامی معاملات میں کوتاہی فرعی معصیت ہے دوسری نوع معصیت کی سزا بہ نسبت پہلی نوع کے خفیف ہے۔ پہلی نوع کے مخالف کو معاف کرنا اور اس کو سزا نہ دینا خلافِ عدل ہے۔ جبتک کہ وہ سابقہ نظریۂ فاسدہ سے تائب ہو کر اپنی وفاداری کا عہد نہ کرے۔ لیکن دوسری نوع کے مخالف کو بعض مصالح کی بناء پر معاف کر دینا بعید از عقل نہیں۔

توحید، نبوّت، امامت چونکہ اصولِ اسلام میں سے ہیں۔ لہٰذا ان کی مخالفت و انکار اصولی معصیت میں داخل ہے اور ان تین اصولوں کے اقرار کے بعد اسلام کے فرائض و واجبات مثلاً نماز و روزہ وغیرہ میں کوتاہی فروعی معصیت ہے پس پہلی نوع قابلِ عفو قطعاً نہیں جب تک کہ تائب نہ ہو اور خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔ لیکن اگر اصول کا انکاری نہ ہو تو فروعی معصیت اگر خدا چاہے تو معاف کر سکتا ہے۔

پس اطاعت بھی ایک اصولی ہے اور دوسری فروعی۔ اگر انسان اصولی طور پر اطاعت گزار ہو یعنی توحید و نبوّت و امامت کا قائل ہو لیکن فروعی اطاعت میں کچھ کوتاہی کرتا ہو تو اس کا جرم قابلِ عفو ہے وہ دائمی عذاب کا سزاوار نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ فروعی اطاعت کو ترک کرنے سے اس کی اصولی اطاعت کو خالی از جزا و ثواب نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں اصولی اطاعت نہ ہوتے ہوئے فروعی ہزارہا اطاعتیں کرتا پھرے ان میں سے ایک بھی قابلِ قبول نہیں اور ایسا شخص آخرت میں ابدی سزا کا مستحق ہوگا۔

کیونکہ فرع (شاخ) کے کٹنے سے اصل خشک نہیں ہو جایا کرتی لیکن اگر اصل کٹ جائے یا خشک ہو جائے تو فروعات کا خشک اور ضائع ہو جانا یقینی ہے چونکہ اقرار امامت جس کو اقرارِ نبوّت و توحید لازم ہے اصل ہے تمام اعمال خیر کی اور انکار امامت جس کو انکار نبوّت و توحید لازم ہے اصل ہے تمام اعمال بد کی۔ پس جس کے پاس پہلی اصل ہو اس کے لئے اس کے فروعات کا کٹ جانا یا خشک[1] ہو جانا عذاب دائمی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عذاب دائمی تو واجب ہوگا کہ اس کے نامۂ اعمال میں نیکی کوئی نہ ہو۔ اس کے نامۂ اعمال میں ولایت و نبوت و توحید کی معرفت و اقرار کی ایسی نیکی موجود ہے جس کو نہ کوئی [illegible] بداعمالی فاسد کر سکتی ہے اور نہ اس تک ریاکاری یا ظاہر داری یا دیگر اغراضِ فاسدہ کی رسائی ہے کیونکہ اس کا تعلق محض باطنی اعتقاد سے ہی ہے۔ پس نتیجہ یہی ہوگا کہ فروعی معصیت پر اس کو محدود

---

[1] بلا لحاظ شرائط اس کا بجالانا۔

سزا دیکر آخر جنت میں اس کو اصولی نیکی کی بناء پہ بھیج دیا جائے گا اور پھر وہ ہمیشہ جنت ہی میں رہے گا۔

اور جس شخص کے پاس دوسری اصل ہو یعنی انکار امامت تو اب فروغ اس کے پاس یا صالح ہونگی یا غیر صالح اگر صالح ہوں تو بے کار محض ہیں کیونکہ اصل کے بغیر فرع بیکار ہوتی ہے اور عداوت کے دشمن کے لئے بزوی نیکیاں قابل جزا نہیں ہوتیں اور اگر اس کے پاس فروع بھی بد ہوں تو دگنا مجرم ہوگا۔ ہر دو صورت میں اس کے پاس ایسی چیز کوئی بھی نہیں جو اس کو عذاب دائمی سے نجات دلا سکے۔ فرق دونوں میں یہ ہے کہ صرف اصولی معصیت کے ساتھ ہمیشہ عذاب ہوگا۔ لیکن فروعی معصیت کی سزا کا بوجھ نہ ہوگا اور فروعی معصیت کی موجودگی میں دگنا عذاب ہوگا۔ حاتم اور نوشیرواں سے تخفیف عذاب کا یہی معنی ہے۔

پس ان احادیث کا مطلب صاف واضح ہوگیا کہ آل محمدؐ کے دشمن کی کوئی نیکی قابل قبول نہیں[1] اور اس کے لئے عذاب دائمی ہے اور اس کی مدت کفر کی مدت ہے۔ مزید وضاحت کے لئے چند احادیث اور نقل کرتا ہوں چنانچہ علامہ علی اعلی اللہ مقامہٗ نے بعض کتب عامہ سے نقل فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔

اِن اللّٰہ جعل لاخی علی فضائل لا تحصی کثرۃ فمن ذکر فضیلۃ من فضائلہ مقرا بہا غفر اللّٰہ لہٗ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر ومن کتب فضیلۃ من فضائلہ لم تزل الملائکۃ تستغفر لہٗ ما بقی لتلک الکتابۃ رسم ومن استمع فضیلۃ من فضائلہ غفر اللّٰہ لہ الذنوب التی اکتسبہا بالاستماع ومن نظر الی کتاب من فضائلہ غفر اللّٰہ لہ الذنوب التی اکتسبہا بالنظر ثم قال النظر الی علی عبادۃ و ذکرہ عبادۃ ولا یقبل اللّٰہ ایمان عبد الا بولایتہ والبراۃ من اعدائہ

تحقیق اللہ نے میرے بھائی علیؑ کو وہ فضائل عطا فرمائے جو شمار سے باہر ہیں۔ جو شخص علیؑ کے فضائل میں سے کسی فضیلت کا ذکر اس کا اقرار کرتے ہوئے کرے تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور جو شخص اس کے فضائل میں سے ایک فضیلت لکھے تو جب تک اس کی کتابت کے نشان باقی رہیں گے ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے اور جو شخص اس کے فضائل میں سے کوئی فضیلت سُنے تو اس کے وہ گناہ خدا معاف کر دے گا جو اس نے کانوں سے کمائے ہوں گے اور جو شخص علیؑ کے لکھے ہوئے فضائل پہ نگاہ کرے اس کے خداوہ گناہ معاف کرے گا جو اس نے آنکھوں سے کمائے ہوں گے پھر فرمایا کہ علیؑ کو دیکھنا عبادت ہے اس کا ذکر عبادت ہے اور علیؑ کی ولایت اور اس کے دشمنوں سے بیزاری کے بغیر خدا کسی عبد کا ایمان قبول ہی نہیں کرتا۔

نیز علامہ نے بطریق جمہور ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آدمؑ کی خلقت اور نفخ روح کے بعد ذات احدیت

---

[1] اور یہ بھی ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ چیز عین عدل ہے بلکہ اس کا نہ ہونا خلاف عدل ہے چنانچہ گزشتہ مثال حکومت کی تطبیق سے صاف طور پر واضح ہے ۱۲ منہ

کا حضرت آدمؑ سے یوں ارشاد ہُوا۔

وعزتی وجلالی لولا عبدان اریدا خلقهما فی دار الدنیا ما خلقتك قال الٰهی فیکونان منی؟ قال نعم یا آدم ارفع راسك وانظر فرفع راسه فاذا مکتوب علی العرش لا الٰه الا الله محمد نبی الرحمة وعلیٌ مقیم الحجة من عرفَ حقّ علی زکا وطابَ ومَن اَنکرَ حقّه لُعِنَ وخَابَ اَقسمتُ بعزّتی وجَلَالِی اَنْ اُدخُلَ الْجَنَّةَ من اطاعَه وَانْ عَصَانِی واَقسَمتُ بِعزّتِی اَن اُدخِلَ النّارَ مَنْ عَصَاهُ وَ اِن اَطَاعنِی۔

مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر دارِ دنیا میں مجھے دو بندوں کا پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو تجھے پیدا نہ کرتا۔ حضرت آدمؑ نے عرض کی میرے اللہ کیا وہ دونوں میری اولاد سے ہوں گے؟ فرمایا ہاں اے آدمؑ سر کو بلند کر اور دیکھ پس آدمؑ نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش پر لکھا ہُوا پایا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ نبی رحمت ہیں اور حضرت علیؑ حجت خدا کے قائم کرنے والے ہیں پس جو علیؑ کے حق کا عارف ہوگا وہ پاک و پاکیزہ ہوگا اور جو اس کے حق کا منکر ہوگا وہ ملعون اور خاسر ہوگا مجھے اپنے عزو جلال کی قسم کہ اس کے فرمانبردار کو جنت میں داخل کروں گا خواہ میرا نافرمان ہی ہو اور مجھے اپنی عزت کی قسم کہ اس کے نافرمان کو جہنم میں داخل کروں گا۔ خواہ میرا اطاعت گذار ہی ہو

ونقل احادیث منها قال لواجتمَعَ النّاسُ علی حُبِّ علیٍّ لم یَخْلُق الله النّارَ وَقَالَ حب علیٍّ حسنة لا یضر معها سَیّئَةٌ وَبُغضُ علی سَیئةٌ لا یَنْفَعُ مَعَهَا حَسَنَةٌ

علامہ نے متعدد احادیث کتب عامہ سے نقل فرمائی ہیں مثلاً حضورؐ نے فرمایا اگر تمام لوگ علیؑ کی محبت پر جمع ہو جاتے تو خدا جہنم کو پیدا نہ کرتا۔ نیز حضورؐ نے فرمایا۔ علیؑ کی محبت وہ نیکی ہے جس کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں اور علیؑ سے بغض رکھنا ایسی برائی ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ مند نہیں۔

وقالَ مَنْ اَحَبَّ عَلیًّا قَبّلَ الله صلوته وَصِیَامَهُ وَاسْتَجَابَ دُعائهُ اَلَا وَمَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا اَعْطَاهُ بِکُلِّ عِرقٍ فی بدنه مَدِینةً فی الْجَنَّةِ اَلَا وَمَنْ اَحَبَّ آلِ مُحَمّدٍ اَمِنَ الْحِسَابَ وَالمیزان والصّراط (الحدیث)۔

اور آپ نے فرمایا جو علیؑ سے محبت رکھے اس کی نماز، روزہ قیام خدا مقبول فرماتا ہے اور اس کی دُعا کو مستجاب کرتا ہے۔ آگاہ ہو جو بھی علیؑ سے محبت رکھے اس کے بدن کی ہر رگ کے بدلہ میں خدا اس کو جنت کا ایک شہر عطا کرے گا۔ آگاہ ہو جو آلِ محمدؐ سے محبت رکھے گا وہ حساب میزان اور صراط کی منازل میں با امن ہوگا۔

اس قسم کی احادیث بکثرت وارد ہیں۔ جن میں سے بعض پہلے عنوانات کے تحت میں مذکور ہو چکی ہیں میرے سابق بیان سے ان کا مطلب بھی صاف واضح ہے اور یہ عدل الٰہی کے عین مطابق ہے بلکہ اس کا خلاف عقل کے خلاف ہے کیونکہ دشمن علیؑ کی نیکیوں اور عبادتوں کے مردود ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) جو علیؑ کا دشمن ہے وہ نبیؐ کا دشمن ہے اور جو نبی کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ پس دشمن علی حسب حکومت الٰہیہ کا اصولی طور پر نافرمان ہے تو اس کی دوسری نیکیوں اور فرعی عبادتوں کی کیا وقعت رہ سکتی ہے جس طرح کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔

(۲) جس شخص کو خلیفۂ رسولؐ کی معرفت نہیں اس کو رسولؐ کی معرفت نہیں اور جو رسولؐ کی معرفت نہیں رکھتا وہ صحیح طور پر عارف خدا نہیں۔ پس ایسی صورت میں اس کی جملہ عبادات خدا و رسولؐ و خلیفۂ رسولؐ کی ہدایات کے مطابق نہیں ہوں گی۔ بلکہ اس کا خود ساختہ طریقہ ہوگا اور سابق میں گزر چکا ہے کہ خدا صرف وہ عبادت منظور فرماتا ہے جو اس کے فرمان کے مطابق ہو اور ہرگز ایسی عبادت نہیں چاہتا جو عبد کی اپنی بنائی ہوئی ہو۔ اور خدا کی مرضی کے مطابق صرف وہی عبادت ہی ہو سکتی ہے۔ جس کا طریقہ ادائیگی۔ اس کا اپنا فرستادہ رسولؐ ہی تعلیم فرمائے۔ یا اس کے بعد اس کا صحیح قائمقام اس کی طرف رہنمائی فرمائے۔ پس جو شخص علیؑ سے بغض رکھتا ہوگا۔ اس کی عبادات مرضئ خدا کے خلاف ہوں گی۔ لہٰذا ان کا ناقابل قبول ہونا عین مطابق عقل اور موافق عدل ہے اور سابقہ ابحاث میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ رسولؐ کا صحیح جانشین سوائے علیؑ اور اس کی اولاد معصومینؑ کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

پس حدیث کے اس حصہ کا مطلب واضح ہو گیا کہ بغض علیؑ کے ساتھ کوئی عمل مفید نہیں۔ کیونکہ اصل کے کٹ جانے یا خشک ہو جانے کے بعد فروعات خود بخود خشک اور مُردہ ہو جاتے ہیں۔ پس یہ درست ہے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے خواہ اپنی مرضی سے کتنی ہی عبادتیں کرتا رہے۔ اب رہا حدیث کا دوسرا حصہ کہ علیؑ کے محب کے لئے جنت ضروری ہے۔ خواہ خدا کا نافرمان ہی ہو۔ یا یہ کہ علیؑ کی محبت کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں ہوتا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ علیؑ کی محبت بتلاتی ہے کہ یہ رسولؐ کا محب ہے۔ اور خدا کا بھی محب ہے۔ گویا علیؑ کا عارف خدا و رسولؐ کا عارف ضرور ہوا کرتا ہے پس اصولی طور پر تو اس کا قطعاً کوئی گناہ ہے ہی نہیں اور یہ اصولی نیکی اس کی قطعاً باطل ہو نہیں سکتی۔ اب اگر ایسے شخص سے گناہ سرزد ہوں گے تو وہ فرعی گناہ ہوں گے اور چونکہ فرع کی موت اصل کی موت کا موجب نہیں ہوتی لہٰذا صرف فرعی سزا کا مستحق ہوگا۔ پس اسی قدر جہنم میں جائے گا۔ جس قدر اس کے گناہ مقتضی ہوں گے اور اس کے بعد رہائی حاصل کر کے اصولی اطاعت کے ماتحت جنت میں داخل ہوگا۔ پس حدیث کا یہ جملہ کہ علیؑ کی محبت کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں۔ یعنی ابدی جہنم کا موجب نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو ان فرعی معصیتوں کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیا جائے

اور آخرت کا عذاب اس سے ساقط ہو جائے۔ لیکن دشمن علیؑ کے اعمال کی اصل ہی جب مردہ ہے تو فرعی اعمال تو مُردہ ہیں ہی۔ لہٰذا ان کے بدلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور گزشتہ حکومتِ ظاہریہ دنیاویہ کی مثال میں واضح کیا گیا ہے کہ اس قسم کے اصولی مُجرم کو معاف کرنا خلاف عقل اور منافی عدل ہے۔

علیؑ قسیم جنّت و نار ہے

پس جن حدیثوں میں حضرت علیؑ کو جنّت و نار کا قسیم کہا گیا ہے۔ ان کا مطلب بھی صاف صاف واضح ہو گیا، چنانچہ حدیث وسیلہ میں ہے کہ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جب میں اور علیؑ اپنی منازل قرب خدا پر فائز ہو چکیں گے۔ اس کے بعد

فیاتی النداء من قبل اللہ عزّ یسمعہ النبیون والصدیقون والشہداء والمومنون ھذا حبیبی محمدؐ وولیّ علی۔ طوبیٰ لمن احبہ وویل لمن ابغضہ وکذب علیہ فلا یبقی یومئذ احد احبک یا علی الا استراح الی ھذا الکلام وابیض وجھہ وفرح قلبہ ولا یبقی احد ممن عاداک ونصب لک حربا وجحد لک حقا الا اسود وجھہ واضطربت قدماہ فبینا انا کذالک اذا ملکان قد اقبلا الیّ۔ احدھما رضوان خازن الجنۃ واما الآخر فمالک۔ خازن النار فیدنو رضوان فیقول السلام علیک یا احمد فاقول السلام علیک یا ایھا الملک من انت فما احسن وجھک واطیب ریحک فیقول انا رضوان خازن الجنۃ وھذہ مفاتیح الجنۃ بعث بھا الیک رب العزۃ فخذھا یا احمد فاقول قد قبلت ذلک من ربی فلہ

پس جانب خدا سے ندا ہو گی جن کو تمام نبی، صدیق، شہداء اور مومن سنیں گے کہ یہ میرا حبیب محمد مصطفےٰ ہے اور میرا ولی علیؑ ہے اس کے محب کیلئے طوبیٰ ہے اور اس کے دشمن مکذّب کیلئے ویل ہے پس اس دن (یا علیؑ) تیرا کوئی محب نہ ہو گا۔ مگر یہ کہ اس کلام کو سن کر خوش ہو گا اس کا چہرہ نورانی ہو گا۔ اس کا دل مسرور ہو گا اور تیرے دشمنوں اور تیرے ساتھ لڑنے والوں اور تیرے حق کا انکار کرنیوالوں میں سے کوئی شخص نہ ہو گا مگر یہ کہ اس کا چہرہ سیاہ اور اس کے قدموں میں لرزہ پیدا ہو گا۔ پس اسی اثناء میں دو فرشتے میرے پاس حاضر ہوں گے ایک رضوان (دربانِ جنّت) اور دوسرا مالک داروغہ جہنّم، پس رضوان قریب آکر کہے گا۔ السلام علیک یا احمد، میں اس کو جواب سلام دوں گا۔ اور پوچھوں گا کہ تو کون ہے؟ تیرا چہرہ کیسا خوبصورت اور تیری خوشبو کس قدر پاکیزہ ہے پس وہ کہے گا۔ میں رضوان خازن جنت ہوں اور یہ کلید ہائے جنّت ہیں۔ جو خدا نے تیری طرف بھیجی ہیں، یہ لے لو۔ پس میں کہوں گا کہ میں نے اپنے رب کی طرف سے قبول کر لی ہیں اور ——— اس فضیلت کے عطا کرنے پر اس کی حمد کرتا ہوں۔ پس میں وہ علیؑ

لہ البرہان۔ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے تحت میں ہے۔ منہ وذکر العلامہ المجلسیؒ ہذا الحدیث فی ثالث البحار صفحہ ۱۵۲ مع اختلاف بعض الالفاظ ۱۲ منہ

الحمد علی ما فضلنی به ادفعها الی اخی علی بن ابی طالب ثم یرجع رضوان فیدنوا مالک فیقول السلام علیک یا احمد فاقول السلام علیک ایها الملک فما اقبح وجهک وانکر رؤیتک فیقول انا مالک خازن النار وهذه مقالید النار بعث بها الیک رب العزة فخذها یا احمد فاقول قد قبلت ذلک من ربی فله الحمد علی ما فضلنی به ادفعها الی اخی علی بن ابی طالب علیه السلام ثم یرجع مالک فیقبل علی ومعه مفاتیح الجنة ومقالید النار حتی یقف علی جهنم وقد تطایر شررها وعلا زفیرها واشتد حرها وعلی آخذ بزمامها فتقول لجهنم جزنی یا علی فقد اطفأ نورک لهبی فیقول لها علی قری یا جهنم خذی هذا واترکی هذا خذی هذا عدوی واترکی هذا ولیی (الخبر)

کر دوں گا پھر رضوان واپس جائے گا اور مالک قریب آ کر سلام کہے گا اور اس کو جواب میں السلام علیک کہہ کر دریافت کروں گا کہ تیرا چہرہ کتنا قبیح اور تیرا منظر کس قدر بدنما ہے؟ تو وہ کہے گا میں مالک خازن جہنم ہوں اور یہ کلید ہائے جہنم خدا نے تیری طرف بھیجی ہیں۔ یہ لے لو۔ پس میں کہوں گا کہ میں نے قبول کی ہیں۔ اور اللہ کے اس فضل پر اس کی حمد کرتا ہوں۔ اور پھر وہ علی بن ابی طالب علیہ السلام کے حوالے کر دوں گا۔ پھر مالک واپس چلا جائے گا۔ اور علی کلید ہائے جنت و نار کو لے کر آگے بڑھے گا حتی کہ جہنم کے کنارا پہ آکر کھڑا ہوگا۔ اس وقت جہنم کے شعلے اٹھ رہے ہوں گے۔ اس کی آواز بلند ہوگی۔ اور گرمی تیز ہوگی اور حضرت علیؑ کے ہاتھ میں اس کی مہار ہوگی۔ اور وہ کہے گی۔ یا علیؑ آپ جلد گذر جائیں۔ کیونکہ آپ کا نور میرے شعلوں کو بجھاتا ہے۔ پس حضرت علیؑ فرمائیں گے صبر کر اے جہنم، اس کو لے لے اور اس کو چھوڑ دے اس کو لے کیونکہ میرا دشمن ہے اور اس کو چھوڑ کیونکہ میرا دوست ہے۔

پس اس حدیث کا صاف مطلب یہی ہے کہ جنت و نار کا معیارِ استحقاق حب علیؑ اور بغض علی ہی ہے چونکہ محب علی، خداوند کریم کا اصولِ معرفت میں اطاعت گزار ہے۔ لہذا وہ جہنم کی سزا کا مستحق نہیں۔ پس وہ فرعی گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد آزاد ہو جائیگا اور دشمن علیؑ چونکہ اصولِ معرفت میں خدا کا نافرمان ہے۔ لہذا اس کی فرعی نیکیوں کی کوئی قیمت نہیں پس وہ جہنم کی دائمی سزا کا سزاوار ہے اور اس کو صرف توحید و نبوت کا اقرار کوئی فائدہ نہ دے گا۔ جس طرح نبوت کے منکر کو صرف توحید کا اقرار فائدہ مند نہیں ہے۔

مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار میں بروایت علل صدوق مفضل سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام قسیم الجنۃ والنار کس طرح ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ چونکہ علیؑ کی محبت ایمان اور اس کا بغض کفر ہے اور جنت ایمان والوں کے لئے اور جہنم اہل کفر کے لئے ہے۔ پس علیؑ قسیم الجنۃ والنار ہوگئے

یعنی جنت میں صرف علیؑ کے محب جائیں گے اور دوزخ میں صرف علیؑ کے دشمن ہی جائیں گے۔

مفضل کہتا ہے میں نے عرض کی۔ یا ابن رسولؐ اللہ! کیا گذشتہ انبیاء و اوصیاء بھی علیؑ کے محب تھے اور ان کے دشمن علیؑ کے دشمن تھے آپؑ نے فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کی حضورؑ! اس کی وضاحت فرمائیے؟ آپ نے فرمایا کیا تجھے یوم خیبر کا سرکار رسالت کا فرمان معلوم نہیں کہ حضورؐ نے فرمایا تھا[1] لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا یَرْجِعُ حَتّٰی یَفْتَحَ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ (کل علم فوج ضرور ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور رسولؐ کا محب ہوگا اور بغیر فتح کے نہ پلٹے گا) میں نے عرض کی۔ ہاں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب حضورؐ کے پاس بھونا ہوا پرندہ لایا گیا تو آپ نے دعا مانگی۔ اَللّٰھُمَّ ایتِنِی بِاَحَبِّ خَلْقِكَ اِلَیْكَ یَاْكُلُ مَعِیَ هٰذَا الطَّیْرَ وَعَنٰی بِهٖ عَلِیًّا۔ (اے اللہ اپنی مخلوق میں سے اپنا محبوب ترین انسان بھیج جو میرے ساتھ اس پرندے کے کھانے میں شریک ہو اور آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو ہی مراد لیا تھا) میں نے عرض کی کہ ہاں! ایسا ہی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کے نبی و رسولؐ اور ان کے اوصیاء ایسے شخص کو دوست نہ رکھتے ہوں جس کو اللہ اور اس کا رسولؐ دوست رکھتے ہوں اور وہ اللہ و رسولؐ کو دوست رکھتا ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا پس معلوم ہوا کہ خدا کے نبی و رسولؐ اور گذشتہ تمام مومنین علیؑ کے محب تھے اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اُن کے مخالفین۔ حضرت علیؑ اور اس کے تمام محبوں کے دشمن تھے۔ میں نے عرض کی بے شک آپ نے فرمایا (پس نتیجہ یہ ہوا) کہ جنت میں علیؑ کا محب ہی جائے گا۔ خواہ اوّلین سے ہو یا آخرین سے ہو۔ لہذا وہ قسیم الجنۃ والنّار ثابت ہوگئے۔

میں نے عرض کی۔ آپ نے میرا عقدہ حل کر دیا ہے۔ خداوند کریم آپ کی جملہ مشکلات و مصائب رفع فرمائے مجھے اپنے علم خاص سے کچھ اور افادہ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا اے مفضل! تو دریافت کر۔ میں نے عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ! اگر علیؑ اپنے محبوں کو جنت اور دشمنوں کو جہنم بھیجیں گے تو رضوان اور مالک؟ (کیا کریں گے)

آپ نے فرمایا۔ اے مفضل! کیا تجھے معلوم ہے کہ خداوند کریم نے تمام مخلوق سے دو ہزار سال قبل عالم ارواح میں جناب رسالتمآبؐ کو ارواح انبیاء پر مبعوث فرمایا اور آپ نے ارواح انبیاء کو توحید کی دعوت دی اور اپنی اطاعت و اتباع کے لئے حکم دیا اور بصورت اطاعت جنّت اور بصورت معصیت جہنّم کا ان کے ساتھ وعدہ و وعید کیا۔ مفضل نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا رسولؐ خدا خدا کی جانب سے وعدہ وعید کے ضامن نہیں تھے؟ میں نے عرض کی۔ ہاں (بے شک وہ ضامن ہیں) آپ نے فرمایا۔ کیا علیؑ بن ابی طالبؑ ان کے خلیفہ اور ان کے بعد ان کی امّت کے امام نہیں

---

[1] مجمع البیان۔ لاعطین الرایۃ غدًا رجلًا یحب اللہ ورسولہ ویحبّہ اللہ ورسولہ کرارا غیر فرار لا یرجع حتّی یفتح اللہ علی یدیہ (الحدیث)

میں نے عرض کی: ہاں! آپ نے فرمایا کہ کیا رضوان اور مالک شیعانِ علیؑ اور تمام محبانِ علیؑ کی مغفرت کے لئے دعا مانگنے والے ملائکہ میں سے نہیں ہیں؟ میں نے عرض کی ہاں! ہیں، آپ نے فرمایا اے مفضل یہ مخزون و مکنون علم میں سے ہے اس کو محفوظ کر اور نا اہل کے حوالہ نہ کر۔ مفضل نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ یہ علم کا وہ دروازہ ہے جس سے ہزار دروازے کھلتے ہیں۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگر دشمن علیؑ کے اعمال کو ضائع قرار دیا جائے تو عدل خداوندی کے منافی ہے۔ کیونکہ مزدوری کرنے کے بعد مزدور کو حقِ اجرت سے محروم کرنا ظلم ہے؟ تو اس کے کئی جوابات ہیں:

(۱) اصل کی مخالفت کے ساتھ فرعی نیکیاں، نیکیاں ہی نہیں جس طرح اصل حکومت ظاہریہ کا دشمن جزوی اطاعتوں کی وجہ سے حکومت کا مخلص یا اطاعت گذار نہیں کہا جا سکتا اور اس کی جملہ نیکیوں کو تلف قرار دینا عین موافق عقل اور اس کی سزا مطابق عدل ہے۔

(۲) علیؑ کی مخالفت کی وجہ سے چونکہ اس کے تمام اعمال منشاء خدا کے مطابق نہیں۔ لہذا وہ قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ عبادت وہی مقبول ہے جو خدا کی مرضی کے مطابق ہو اور وہ صرف وہی ہو سکتی ہے جو خدا کے رسولؐ اور اس کے صحیح قائمقام کی تعلیمات کے ماتحت ہو۔

(۳) اعمال کو مزدوری قرار دینا ہی غلط ہے اگر انسان عمر بھر عباداتِ الٰہیہ میں مصروف رہے۔ تاہم اس کے سابقہ احسانات کا بدلہ نہیں ادا کیا جا سکتا اور حقِ عبادت ادا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے احسانات حد شمار سے بیش تر ہیں۔ خود فرماتا ہے۔ اِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ پس جب عباداتِ انسانیہ اس کے سابقہ احسانات کا بدلہ نہیں ہو سکتیں تو آئندہ کے لئے استحقاقِ اجر ان میں کس طرح پیدا ہو جائے گا۔

(۴) اور بالفرض اگر ان عبادات کو آئندہ کے انعامات کے لئے مزدوری ہی کہا جائے۔ تاہم مزدوری قابل اجر اس وقت ہوا کرتی ہے جب منشاء مالک کے مطابق ہو اور اس کی طرف سے عائد شدہ تمام شرائط کا لحاظ رکھا جائے اور معرفتِ خدا و رسولؐ و امام عبادات کی جملہ شرائط میں سے اہم ترین شرط ہے (اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ (شرط چلی جائے تو مشروط خود بخود ختم ہو جایا کرتا ہے) پس معرفتِ امامِ حق کے بغیر اس کی عبادت، عبادت ہی نہیں۔ لہذا اجر کا اس میں کوئی استحقاق نہیں خدا فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (الآیۃ) مقصد یہ ہے کہ اللہ کی محبت اطاعتِ رسولؐ کے بغیر قطعاً نہیں ہو سکتی اور رسولؐ کی اطاعت کے متعلق

[illegible] فرمانِ رسول گذر چکا ہے کہ اگر تمام لوگ علیؑ کی محبت پر جمع ہو جاتے تو خدا جہنم کو پیدا ہی نہ کرتا۔ اس کا [illegible] صاف واضح ہوگیا۔ منہ۔

فرماتا ہے مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (جو کچھ تم کو رسولؐ دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ روکے اس سے رُک جاؤ) اور رسولؐ کی دی ہوئی چیزوں میں سے ولایت علیؑ ہے جس کا لاکھوں کے اجتماع عظیم میں بازو پکڑ کر دکھا دکھا کے اتمام حجت کی اور فرمایا۔ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ یہ حدیث غدیر وہ متواتر حدیث ہے جس کو ایک سو سے زائد صحابہ کرام نے خود نقل کیا اور اس کے بعد دُعا مانگی اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ (الحدیث) اے اللہ تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کا دوست ہو اور اس کو دشمن رکھ جو علیؑ کا دشمن ہو۔

پس معلوم ہوا کہ علیؑ کا محب ہی محبت خدا حاصل کر سکتا ہے نیز اطاعت ثقلین رسولؐ کی عطا کی ہوئی چیزوں میں سے ہے جو کتب عامہ وخاصہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے اور گذشتہ فصول میں متعدد جگہوں پہ اس کو واضح کیا گیا ہے اور ثقلین کے مستقل عنوان کے تحت کافی احادیث بھی جمع کر دی گئی ہیں۔ نیز جناب رسالتمآبؐ نے علیؑ کی محبت کو ایمان اور اس کے بغض کو کفر و نفاق سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ صلا۲ صلا۱۱ پہ احادیث مذکور ہو چکی ہیں۔

پس علیؑ کی مخالفت نبی کی مخالفت اور نبی کی مخالفت خدا کی مخالفت ہے پس مخالفتِ علیؑ کے ہوتے ہوئے کوئی عبادت مقبول ہو ہی نہیں سکتی۔ جب علیؑ کی محبت ہی ایمان ہے تو بجز ایمان کے کوئی عبادت قابل قبول کیسے بن سکتی ہے؟

ظلم تو جب لازم آتا کہ عبادت کو شرائط کے ساتھ ادا کیا جاتا اور پھر اس کو معاذ اللہ خدا ضائع کر دیتا۔ حالانکہ خدا ایسا ہرگز نہیں کرتا۔ فرماتا ہے میں محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ لیکن جب شرائط کو ترک کر کے انسان خود ہی اپنے اعمال کو ضائع کر دے تو ان کا اجر سے محروم رہنا کوئی منافیٔ عدل نہیں۔

اجرِ رسالت

(۵) خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی۔ فرما دے اے رسولؐ کہ میں تم سے اجر رسالت سوائے مودت فی القربیٰ کے اور کچھ نہیں مانگتا۔

وَذَکَرَ العلامۃ نقلاً عن مسند احمد و تفسیر الثعلبی وغیر ذلک من الصحاح عن بن عباس قال لما نزل قُل لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی، قالوا یا رسول اللہ من قرابتک الذین وجـ ـ علینا مودتھم؟ قال (علی وفاطمہ وابناھما)

علامہ علی قدس سرہ نے مسند احمد، تفسیر ثعلبی اور اہلسنت کی دیگر کتب صحاح سے نقل فرمایا ہے کہ جناب ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (کہہ دے میں اجر رسالت تم سے سوائے مودۃ فی القربیٰ کے اور کچھ نہیں مانگتا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ وہ آپ کے کون قرابت دار ہیں جن کی مودت ہم پر واجب ہے تو حضورؐ نے فرمایا۔ وہ علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دونوں فرزند ہیں۔

پس آلِ رسولؐ کی مودت ہی اجر رسالت ہے۔ تو جو شخص اسلام کا دعویٰ کرے اور جناب رسالتمآبؐ کے ان قرابتداروں سے مودت نہ رکھے تو اس نے گویا اجر رسالت کے ادا کرنے میں کوتاہی کی اور اجر کی ادائیگی کے بغیر کوئی عمل

درست ہو نہیں سکتا۔ مثلاً مسجد تعمیر کرانیوالا اگر معمار یا مزدوروں کی اُجرت کو ادا نہ کرے یا کپڑے سلانے والا درزی کو حق سلائی نہ دے تو اس کا اس مسجد میں یا اس لباس میں نماز ادا کرنا صرف فضول ہی نہیں بلکہ وبالِ اُخروی کا موجب بھی ہے۔ پس اسی طرح کلمہ توحید و رسالت زبان پر جاری کرنے کے بعد بغیر مودت آلِ رسولؐ کے اعمال سب رائیگاں ہیں اور ہرگز ہرگز قابلِ قبول نہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ باقی تمام انبیاء نے تو کبھی تبلیغ نبوت پر اجر کا امت سے مطالبہ نہیں کیا اور حضرت سید المرسلین نے کیوں ایسا کیا گویا ان نبیوں نے قربۃً الی اللہ تبلیغ کی۔ اور انہوں نے اپنی تبلیغ دین کی اُجرت کا مطالبہ فرمایا۔ یقیناً اس میں تنقیصِ شانِ رسالت ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات منافیٔ شان سید الانبیاء تب لازم آتی کہ اُجرت کا تعلق ان کی ذاتی اغراض کی تکمیل سے ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ یہاں اُجرت کا تعلق صرف امت ہی سے ہے اور اس کی منفعت صرف انہی پر عائد ہے۔ چنانچہ حدیث ثقلین میں اس امر کی پوری وضاحت فرمادی کہ ان کے ساتھ تمسک پکڑنے سے تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور یہ اخلاص تبلیغ کی انتہائی حد ہے کہ متعدد مصائب جھیل کر تکالیف اُٹھا اُٹھا کر ان کو قعر ذلت سے نکالا۔ اوج رفعت پر پہنچایا اور پھر انتہائی محبت سے فرمادیا کہ دیکھو مجھے ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے تمہارے روپوں، اشرفیوں وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ میری اُجرت یہی ہے کہ تم ان اسلامی نعمات اور اخروی لذات کا راستہ کھو نہ بیٹھو۔ پس اس کے لئے میری نصیحت مانو اور اس پر عمل کرو اور یہی میری اجرت ہے کہ میری آل کے ساتھ محبت رکھو تاکہ حوض کوثر تک میرے پاس صحیح پہنچ سکو۔

نیز یہ طلب اجر نہیں بلکہ تبلیغ رسالت کا ایک کام ہے جس طرح آپ نے نماز پہنچائی روزہ پہنچایا وغیرہ۔ یہاں بھی ارشاد ہے قُلْ یعنی پہنچادو۔ اگر اُجرت طلب کرتے تو آیت میں لفظ قَالَ ماضی کا صیغہ ہوتا۔ پس یہ آیت منجملہ تبلیغاتِ رسالت کے ہے اور مقصد صرف بقائے اسلام ہے۔

احباطِ اعمال

چونکہ اعمال صالحہ کی جزا کے متعلق قرآن مجید میں بارہا وعدہ ہو چکا ہے اور عدلِ خداوندی سے کسی کے اعمال کا ضائع کرنا بعید ہے۔ لہٰذا وہ آیات جن کا مضمون حبط اعمال کی لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کی بناء پر یہ خطور ذہن میں پیدا ہونا لازمی ہے کہ عدل اور حبط کیا یہ دو باتیں آپس میں تنافی تو نہیں رکھتیں۔

تو اس اشکال کے جواب سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ ضبط اور حبط دو عدالفظیں ہیں۔ جن کے معانی جُدا جُدا ہیں۔ ضبط کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ایک چیز کا مستحق قرار دیتے ہوئے کسی اور معاملہ یا حق میں اس کو ماخوذ قرار دیکر بطور تاوان کے اس کے استحقاق کو باطل کر دینا اور اس کا سبب صرف تسکینِ جذبات ہی ہوا کرتا ہے اور یہ سراسر ظلم ہے ایسے امر کا صدور کسی شریف سے بھی بعید ہے چہ جائیکہ معبود برحق سے اس کا صدور ہو۔

حبط کا مطلب یہ ہے کہ عمل میں معاوضہ کا استحقاق ہی نہیں - یعنی وہ عمل صوری طور پر عمل ہے - اس میں معنویت ہی نہیں - جس کی بدولت اس میں کسی قسم کا استحقاق پیدا ہو - اور اس کی دو صورتیں ہیں -

(۱) عمل میں وہ شرائط ملحوظ نہ رکھی گئی ہوں جو اس کی مقبولیت کا مدار ہیں -

(۲) بوقتِ عمل شرائط متعینہ کا لحاظ ہو جن کی بدولت وہ عمل صحیح قرار دیا جائے - لیکن اس کی مقبولیت و استحقاق کی آخری شرط (یعنی خاتمہ کا ایمان سے ہونا) مفقود ہو جائے -

پس اگر نمازی، نماز کو شرائط صحت کے ساتھ ادا کرے اور بالآخر اس کا خاتمہ بھی ایمان سے ہو تو اس کی نماز یقیناً موجب اجر ہے اور وہ شخص فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ کا مصداق ہے - اسی طرح باقی تمام اعمال صالحہ اگر اسی صورت سے ہوں تو ان کی جزا ضروری ہے اور کوئی دوسرا جُرم ان کی جزا کو ضبط نہیں کرا سکتا - کیونکہ ضبط ظلم ہے پس ایسے شخص سے اپنی زندگی میں اگر کوئی عمل موجب مواخذہ سرزد ہو بھی جائے تو وہ اس کی سزا علیحدہ پائے گا اور سزا کی میعاد ختم ہو جانے پر اپنے اعمال صالحہ کی جزا کا وہ ضرور مستحق ہوگا -

لیکن اگر اس کی نماز یا دیگر عبادات میں بوقتِ ادائیگی شرائط صحت ملحوظ نہ ہوں اور من جملہ شرائط صحت کے محبت و ولائے آلِ محمد بھی ہے - جیسا کہ گزشتہ بیانات میں اس پر کافی بحث گذر چکی ہے یا بوقتِ ادائیگی شرائط صحت ملحوظ تھیں لیکن خاتمہ ایمان پر نہ رہا ہو - تو ان ہر دو صورتوں میں اس کے اعمال میں استحقاق جزا ہی نہیں رہتا جیسے حبط عمل سے تعبیر کیا گیا ہے پس جب اس قسم کے اعمال موجب جزا ہی نہیں تو ضبط جزا کا قصہ ہی ختم ہے گویا اس کے اعمال کا وجود کالعدم ہے نماز کا سرے سے بے وضو پڑھنا یا قبل سلام کے وضو توڑ دینا دونوں مساوی ہیں - اسی طرح روزہ میں شروع سے نیت فاسدہ رکھنا یا قبل از غروب خواہ ایک منٹ ہی پہلے ہو توڑ دینا برابر ہیں - و علیٰ ہذا القیاس تمام عبادات پس ایسا ہی ابتداءً ولائے اہلِ بیت سے منحرف ہونا اور قبل از موت منحرف ہو جانا ہر دو صورتیں برابر ہیں اور ہر دو مبطل جمیع اعمال ہیں -

اس مقام پر گزشتہ مثال حکومت کو مقام کی مزید توضیح کے لئے مدنظر فرمائیے کہ جو شخص حکومت وقت کا دشمن و غدار ہو خواہ ابتداً ایسا ہو خواہ عرصہ دراز کے بعد ایسا ہو جائے - ہر دو صورتمیں حکومتِ وقت کی طرف سے سخت ترین سزا کا مستوجب ہوا کرتا ہے اور اس کا یہ جُرم قطعاً قابلِ عفو نہیں ہوتا - خواہ ظاہری طور پر وہ حکومت کے قوانین کا کتنا ہی احترام کرتا ہو پس جب بھی جُرم مذکور میں گرفتار ہوگا - اس کی کسی دوسری خوبی کو سامنے نہ لایا جائے گا اور نہ وہ ان خوبیوں کو جتلا کر اپنا گناہ دھو سکے گا - بلکہ اس کی وہ تمام خوبیاں صرف ظاہر داری اور منافقت ہی پر محمول ہونگی - اب اس کی سزا محدود نہ ہوگی - تاکہ کسی وقت اس کو رہا کر کے دوبارہ اس کو اس قسم کی شرارتوں کا موقعہ دیا جائے - ایسی صورت میں اس کو رہا کرنا بھی حکومت کی دانائی کے سراسر خلاف ہے -

لیکن بخلاف اس کے جو شخص حکومت کا دل سے وفادار ہو لیکن جذباتِ نفسانیہ کے ماتحت اگر اس سے حرکاتِ ناشائستہ کا صدور ہو جائے تو ایسا شخص اپنے جرم میں گرفتار ہو کر دفعاتِ حکومت کی رُو سے متعینہ سزا کا سزاوار ضرور ہوگا۔ لیکن اس کی سزا محدود ہوگی اور آخر کار رہائی کا مستحق ہوگا اور یہی عین مصلحت و عدالت ہے اور جرم کی حیثیت سے اس کو زیادہ سزا یا سب رکھنا عینِ ظلم ہوگا۔

پہلی صورت میں مجرم کا رہا کرنا ناانصافی اور دوسری صورت میں اس کو زیادہ دیر تک مبتلائے سزا رکھنا ناانصافی ہے پہلی صورت میں مجرم کی سزا کی تخفیف موجب خطرہ ہے اور دوسری صورت میں سزا کی تخفیف حکومت کی رحمدلی اور مجرم کے لئے تازیانۂ عبرت ہے۔ نیز دوسری صورت میں بعض مصالح کی بنا پر مجرم کا معاف کر دینا بھی ممکن ہے بشرطیکہ جرم کا تعلق حکومتی حقوق سے ہو اور اگر رعایا کے حقوق سے اس کا تعلق ہوا تو پھر اس کی معافی صاحب حق کے حق کی تلافی یا اس کی معافی پر موقوف ہے۔

یہ مثال صرف مطلب کی وضاحت کے لئے ہے ورنہ اخروی جزا و سزا کا اس پر قطعاً قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بعض اوقات حکومتِ ظاہریہ میں پہلی قسم کے مجرم کو بھی توبہ کرنے اور وفاداری کا یقین دلانے پر رہا کر دیا جاتا ہے لیکن قیامت کی عدالتِ عالیۂ الٰہیہ میں یہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ وہاں مجرم کا توبہ کرنا یا آئندہ کی وفاداری کی یقین دہانی کرنا ناممکن ہے یہ صورت تو صرف موت سے پہلے پہلے ہو سکتی تھی اور اس صورت میں اس کو یقینی طور پر معاف بھی کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اب موت کے آہنی شکنجہ میں گرفتار ہو جانے کے بعد نہ تو توبہ کا امکان ہے اور نہ اس کی رہائی کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے ہاں اگر اب کوئی خواہش کرلے کہ دوبارہ مجھے دنیا میں بھیجا جائے تو اعمال سابقہ کی تلافی کروں گا۔ جواب ملے گا۔ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا۔

اس مثال کے بعد آسانی سے اس نظریہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ جو لوگ حکومتِ الٰہیہ اسلامیہ کے اصول یعنی توحید نبوت، امامت یا ان میں سے کسی ایک عقیدہ کے باغی ہیں۔ ان کی تمام نیکیاں نہ قابلِ قبول ہیں اور نہ موجب ثواب۔ پس گرفتاری کے بعد ان کے لئے نہ امکانِ توبہ ہے نہ تخفیف عذاب بلکہ وہ جَزَاؤُهُمْ خَالِدِينَ فِيهَا کے ہی مصداق ہیں

لیکن بخلاف اس کے جو لوگ اصل حکومت کے موافق وفادار ہیں تو ان کی جزوی کوتاہیاں موجب سزا ضرور ہیں لیکن سزائے محدود نہ دائمی۔ اگر توحید و رسالت و امامت کے قائل و عارف سے ایسا گناہ سرزد ہو جائے جو تعزیراتِ شرعیہ کی رُو سے دائمی سزا کا موجب ہے تو اب تعارض پیدا ہو جائے گا۔ ایک طرف اس کے پاس نیکی موجود ہے جس کی جزا ضروری ہے کیونکہ وہ کسی صورت میں ضائع نہیں کی جا سکتی اور وہ ہیں عقائدِ حقہ اور دوسری طرف اس کی برائی بھی اس قسم کی ہے کہ اس کی سزا دائمی مقرر شدہ ہے اب اگر اس کے گناہ کی سزا دائمی ہو تو اس کی نیکی کی جزا کا ضبط ہونا لازم آئے گا کیونکہ وہ نیکی [illegible] ہمارے بھی مذموم ہے اور منضبط عدلِ خداوندی کے خلاف ہے۔

پس جمع کی صورت یہی ہو گی کہ اس کی سزا سے دوام کو ہٹا دیا جائے اور محدود کر دیا جائے پس گویا وہ شخص مستحق سزا [illegible] پہلے گناہ کی سزا لے گا اور پھر نیکی کی جزا میں داخل جنت ہو گا۔ پس ایسی صورت میں اس کی سزا میں اگر خلود کی لفظ وارد ہو تو اس سے مراد مدت طویلہ لینی ہو گی۔ تاکہ جزا و سزا ہر دو اپنے اپنے مقام پر برقرار رہیں۔

اب مجرم کی سزائے دائمی کو ہلکا کر کے کم کر دینا منافی عدل نہیں ہے۔ بلکہ تخفیفِ سزا اس کا فضل و احسان ہے البتہ اس کی سزا کو دائمی کر کے اس کو اپنی نیکی کی جزا سے محروم کر دینا شانِ ربوبیت کے منافی اور عدل خداوندی کے خلاف ہے

میزان اعمال کے متعلق ارشاد قدرت ہے۔

اَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ — جس کا میزانِ عمل بھاری ہو گا وہ آرام کی زندگی میں ہو گا۔

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ الآیۃ — اور جس کا اعمال کا پلڑا ہلکا ہو گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے الخ

اعمال صالحہ کی زیادتی اور اعمالِ بد کی کمی کی صورت میں اس کے ان تھوڑے گناہوں کو معاف قرار دینا اور اس سے سزا کو قطعاً برطرف کر دینا اللہ کے فضل و کرم سے بعید نہیں۔ جس طرح پہلی آیت سے صاف طور پر ظاہر ہے۔

لیکن اعمال بد کی زیادتی کی صورت میں اس کی تھوڑی نیکیوں کو نظر انداز کرنا اور ضبط کرنا خلاف عدل ہے۔ پس دوسری آیت جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال بد کی زیادتی کی صورت میں اس کی نیکیاں بے اثر قرار دے کر اس کی بازگشت ہاویہ کو قرار دیا جائے گا۔ اس کی توجیہہ کی دو صورتیں ہیں (۱) اس کے نامۂ اعمال میں قطعاً عمل صالحہ کا وجود ہی نہ ہو اور خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ کا یہی معنی لیا جائے اور یہ خدا اور رسولؐ و آئمہ طاہرین کے دشمن کی ہی صورت ہو سکتی ہے کیونکہ ان کے اعمال بوجہ حبط کے ناقابلِ جزا ہیں۔ لہٰذا ان کا میزان عمل خیر سے قطعاً خالی ہو گا۔ پس اس کے نامہ میں سوائے برائی کے اور کچھ نہ ہو گا اور حکومتِ الٰہیہ کے باغی ہونے کی حیثیت سے وہ صرف سزا ہی سزا کا سزاوار ہو گا۔ پس اس کی جزا ہاویہ ہی ہے (۲) اعتقاداً مومن ہو لیکن اعمال صالحہ کم اور اعمال بد زیادہ ہوں تو چونکہ دوسرے مقام پر فرماتا ہے مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ۔ (جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کی جزا پائے گا) اور ادھر فرماتا ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ پس اگر اس کی سزا دائمی ہو تو اس کے اعمال صالحہ کا ضبط خلافِ وعدہ بھی ہے اور منافی عدل بھی۔ تو ماننا پڑے گا کہ اپنے اعمالِ فاسدہ کی محدود سزا بھگت لینے کے بعد وہ ضرور جنت میں اپنی جگہ لے گا اور اگر خدا چاہے تو اپنے فضل و کرم سے اس کی ساری سزا ہی معاف فرما دے۔ بشرطیکہ اس کے گناہوں کا تعلق حقوق الناس سے نہ ہو اور حقوق الناس بھی صاحب حق کی معافی یا رضامندی سے معاف ہو سکتے ہیں اور اگر حقوق اللہ سے ہوں تو خود فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ — تحقیق خدا شرک کے گناہ کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ تمام گناہ بخش سکتا ہے جس کے لئے وہ چاہے۔

روایت میں ہے اس استثنا سے مراد شیعانِ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہی ہیں۔

پس نتیجہ بحث یہ ہوا کہ اعمالِ صالحہ صحیحہ کا ضبط کرنا خلاف عدل ہے اور منکرِ توحید و نبوت و امامت کے اعمال کا حبط ہونا عین عدل ہے۔ نیز عقائدِ حقہ کی صحت کی صورت میں تخفیف کا ہونا یا سزا کا سرے سے معاف ہو جانا اس کا فضل و احسان ہے۔

مسئلہ شفاعت

بیان سابق سے یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ ولایتِ آلِ محمدؐ خود اپنے مقام پر شفاعت کا کام کرتی ہے۔ یعنی ولایتِ آلِ محمدؐ کے ساتھ جس قدر اعمال صالحہ انسان سے ادا ہو سکیں وہ قطعاً ضائع تو ہو نہیں سکتے۔ پس ان کا ضبط نہ ہونا اور ان کی جزا کا ضروری قرار دیا جانا لازمی طور پر دخولِ جنت کا موجب ہے۔

پس دائمی عذاب تو قطعاً ہو نہیں سکتا کیونکہ اعمالِ صالحہ کی جزا کا ضبط ہونا لازم آتا ہے۔ جو منافیٔ عدلِ خداوندی ہے۔ لہٰذا دائمی سزا کو تخفیف کر کے محدود تک لے آنا مودّتِ آلِ محمدؐ ہی کا کام ہے اب اگر خدا چاہے تو پوری معافی بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ حقوق العباد نہ ہوں۔ ورنہ صاحب حق کی تلافی یا معافی پر اس کی بخشش کلی کا انحصار ہو گا۔

اور جناب رسالتمآبؐ اور ان کے خلفائے طاہرینؑ کو حق خصوصی یہ بھی حاصل ہے کہ وہ گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور وہ صرف انہی گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ جن پر بوجہ کفر و شرک و نفاق (انکار توحید و رسالت و امامت) دوام جہنم کی سزا واجب نہ ہو گی اور وہ صرف شیعانِ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہی ہیں چنانچہ ارشادِ سرکار رسالت ہے۔

یَا عَلِیُّ اَنْتَ وَ شِیْعَتُکَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ اے علیؑ تو اور تیرے شیعہ ہی نجات پانے والے ہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ولایتِ آلِ محمد علیہم السلام

چونکہ تعلیماتِ قرآن اور ان پر عمل کرنے کے بعد نعماتِ آخرت کا استحقاق آلِ محمدؐ کی ولا پر ہی موقوف ہے۔ لہٰذا اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق چند احادیث ذکر کر دی جائیں۔ تاکہ طالبانِ حق کے لئے راستہ زیادہ ہموار ہو جائے اور اہل بیت عصمت کے فرامین سے ایمان والوں کے دلوں میں نورِ معرفت اور زیادہ ہو جائے۔

مقدمۂ تفسیر مرآۃ الانوار میں ریاض الجنان سے بروایت جابر جعفی منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ صرف اللہ تھا اور اس کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ پہلے پہل ذاتِ احدیت نے حضرت محمد مصطفےٰؐ اور ہم کو اپنے نور سے خلق فرمایا ہم اللہ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ اس وقت نہ زمین تھی نہ آسمان، نہ مکان، نہ زمان، شب و روز اور نہ شمس و قمر (غرضیکہ کوئی اور شے نہ تھی) ہمارا[1] مقام نورِ پروردگار کے سامنے ایسا تھا جیسے شعاعِ شمس شمس کے مقابلہ میں

[1] یہ نظیر صرف سمجھانے کے لئے ہے ورنہ سورج اپنی شعاع کے لئے فاعل موجب ہے فاعل مختار نہیں۔ یعنی یہ شعاعیں سورج کے (باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۹ پر)

پس ہم اس کی تقدیس و تحمید و عبادت کرتے تھے جس طرح حق عبادت ہے پھر خدا نے مکان[1] کو پیدا کیا اور اس پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ عَلِیٌّ امیرالمومنین وَ وَصِیُّہٗ بِہٖ اَیَّدْتُہٗ وَ نَصَرْتُہٗ کا نقش فرمایا۔ پھر عرش کو پیدا کیا اور اس کے سرادقات پر اسی کلمہ طیبہ کا نقش کیا۔ پھر آسمانوں کو خلق فرما کر ان کے اطراف کو اسی پاک کلمہ کی تحریر سے مزین فرمایا۔ اس کے بعد ملائکہ کو پیدا کر کے ان کو آسمانوں میں سکونت دی اور ان پر اپنی ربوبیت اور حضرت محمد مصطفےٰ کی نبوت اور حضرت علیؑ کی ولایت کا اقرار پیش کیا ملائکہ کے جسم لطیف پر یہ سن کر لرزہ پیدا ہو گیا۔ بوجہ تاخیر جواب کے خداوند کریم نے ان سے اظہار عتاب کے طور پر ایک وقت کیلئے نظر رحمت اٹھالی۔ اس کے بعد سات برس[2] تک ملائکہ عرش کا طواف کرتے رہے اور اللہ سے معافی طلب کرتے رہے جب انہوں نے اسی کلمہ طیبہ کا اقرار زبان پر جاری کیا تو خدا نے ان سے عتاب کو دور فرما کر اظہار رضا مندی فرمایا اور ان کو اپنی عبادت کے لئے چن لیا۔ پھر ہمارے انوار کو تسبیح کا حکم ہوا۔ پس ہمارے انوار نے تسبیح جاری کی تو ملائکہ نے سن کر تسبیح جاری کی۔ اگر ہمارے انوار کی تسبیح نہ ہوتی تو ملائکہ کو تسبیح و تقدیس کے ادا کرنے کا طریقہ معلوم نہ تھا۔ پھر خدا نے ہوا کو پیدا کیا اور اس پر کلمہ طیبہ (توحید و نبوت و ولایت) کا نقش فرمایا۔ پھر قوم جن کو پیدا کر کے ان کو ہوا میں سکونت دی اور ان سے اسی کلمہ طیبہ کے اقرار کو طلب کیا۔ چنانچہ ان میں سے اقرار کرنے والوں نے اقرار کیا اور انکار کرنے والوں نے انکار کر دیا اور ان میں سے پہلا انکار کرنے والا شخص ابلیس تھا۔ پس اس پر شقاوت (بدبختی) کی مہر لگ گئی۔ پھر خدا نے ہمارے انوار کو تسبیح کا حکم دیا چنانچہ ہمارے انوار نے تسبیح زبان پر جاری کی اور قوم جنات میں سے مومنین نے بھی تسبیح جاری کی۔ اگر ہماری تسبیح نہ ہوتی تو ان کو تسبیح کا پتہ نہ ہوتا۔ پھر خداوند کریم نے زمین کو پیدا کیا اور اس کی اطراف کو کلمۂ توحید و نبوت و ولایت کی تحریر سے مزین فرمایا۔

اے جابر! انہی کلمات مقدسہ کی بدولت آسمان بغیر ستونوں کے قائم ہیں اور زمین اپنے مقام پر ثابت ہے پھر خداوند کریم نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اور اس میں روح کو پھونکا اور اس کی ذریت کو اس کی صلب سے عالم ذر میں جمع کر کے اپنی ربوبیت اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت اور حضرت علیؑ کی ولایت کا اقرار لیا۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۸ سے آگے) اختیار میں نہیں بلکہ وہ مجبور ہے وہ شعاعوں کو قطعاً نہیں روک سکتا لیکن اللہ سبحانہٗ حضرات محمدؐ و آل محمدؐ کیلئے فاعل مختار ہے نیز سورج جب ہے شعاع اس کے ساتھ ہے لیکن یہاں ایسا ہرگز نہیں ہے ایک حال میں خدا تھا اور یہ نہ تھے وہ قدیم ہے یہ حادث ہیں وہ خالق ہے یہ مخلوق ہیں پس یہاں تشبیہ سے مطلب یہ ہے کہ جس طرح شعاع شمس شمس کی مظہر ہے شمس کے وجود کی دلیل ہے اور اس کے فیض کی قاسم ہے اسی طرح یہ پاک ہستیاں اللہ کا مظہر اور اس کے وجود کی برہان ساطع اور اس کے فیض قدس کے مخلوق تک پہنچانے کا وسیلہ ہیں (منہ) [1] یہاں مکان سے مراد مطلق جائے قرار ہے (منہ) [2] برس کی تعبیر مجازی ہے کیونکہ روایات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ملائکہ کی تخلیق نظام شمسی کے قیام سے پہلے ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ حسین بخش عفی عنہ

اور اس اقرار میں بھی ہمارے انوار کو ہی سبقت حاصل تھی۔

پس جناب محمد مصطفےٰ (کے نورپاک) کو خطاب کرکے فرمایا مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم، اگر تجھے اور علیؑ کو اور تمہاری عترتِ طاہرہ کو جو ہادی و مہدی ہیں، خلق نہ کرتا، تو نہ جنّت کو پیدا کرتا اور نہ نار کو، نہ مکان و زمین کو نہ آسمان و ملائکہ کو اور نہ کسی دوسری مخلوق کو پیدا کرتا۔

اے محمدؐ! تو تمام مخلوقات سے میرا خلیل و حبیب وصفی و برگزیدہ و محبوب ترین ہے تو ہی اوّل مخلوق ہے۔ تیرے بعد تیرا وصیؑ صدیق امیرالمومنین علیؑ ہے جو تیرا مؤید و ناصر، میری مضبوط رسی اور میرے اولیاء کا نور ہے اور اس کے بعد آئمہ طاہرین ہیں جو ہادی و مہدیؑ ہیں۔ تمہاری خاطر میں نے سب مخلوق کو خلق کیا ہے تم ہی میرے اور میری تمام مخلوق کے درمیان برگزیدہ ہو۔ تمہیں میں نے اپنی عظمت کے نور سے پیدا کیا۔ تمہاری وجہ سے مخلوق میری رضا و غضب کی حقدار بنے گی اور تمہاری وجہ سے مخلوق سے سوال و جواب ہوگا۔ پس ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ سوائے میرے "وجہ" کے اور تم ہی میرا "وجہ" ہو۔ تم ہلاک نہ ہوگے اور تم سے محبت رکھنے والے ہلاک نہ ہوں گے اور جو تم کو واسطہ قرار دینے کے بغیر میری طرف متوجہ ہوں گے وہ گمراہ اور ہلاک ہوں گے۔ تم ہی میری مخلوق میں برگزیدہ اور اہل ارض و سما کے سردار ہو۔

سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جب خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کی اولاد سے اپنی ربوبیّت کا اقرار لیا اور فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو پہلے ہم ہی تھے جنہوں نے بَلٰی کہا اس کے بعد حضرت محمدؐ کی نبوت اور حضرت علیؑ کی ولایت کا اقرار لیا۔ پس اقرار کرنے والوں نے اقرار کیا اور انکار کرنے والوں نے انکار کیا۔

سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے حضرت باقر العلوم علیہ السلام نے فرمایا پس ہم ہی پہلی مخلوق ہیں۔ جنہوں نے پہلے پہل اللہ کی عبادت کی اور اس کی تسبیح زبان پر جاری کی اور ہم ہی تمام مخلوق کی خلقت کا ذریعہ اور ان کی تسبیح و عبادت کا وسیلہ ہیں خواہ ملائکہ ہوں یا انسان۔ پس ہم ہی کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت حاصل کی گئی اور ہم ہی کے ذریعہ سے اس کی عبادت ہوئی اور ہم ہی کی وساطت سے اس کی توحید پہچانی گئی۔ تمام مخلوقات میں سے جن کو عزت ملی وہ ہماری ہی بدولت ہے نیز ثواب کا استحقاق ہماری اطاعت سے ہے --------- اور عذاب کا استحقاق ہماری ہی نافرمانی سے ہے اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ اور یہ آیت تلاوت فرمائی قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِيْنَ پس جناب رسالتمآبؐ ہی پہلے وہ شخص ہیں۔ جنہوں نے خدا کے لئے "ولد" کی نفی کی اور اس کے شریک کو محال قرار دیا اور ان کے بعد ہماری یہی شان ہے۔

ہمارا نور صلب آدمؑ میں رہا۔ پھر یکے بعد دیگرے اصلاب و ارحام میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ صلب عبدالمطلب میں پہنچا اور یہاں سے آگے دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ ایک حصّہ حضرت عبداللہ کی طرف اور دوسرا حصّہ حضرت ابوطالب کی طرف منتقل ہوا۔ چنانچہ خدا ارشاد فرماتا ہے۔ وَتَقَلُّبَكَ فِى السَّاجِدِيْنَ اس سے مراد اصلاب انبیاء اور ان کی زوجات

کے ارحام طاہرہ ہیں۔

نوٹ: ۱۔ یہ حدیث اختصار کے پیشِ نظر مرادی ترجمہ سے ذکر کی ہے۔

(۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ارشاد خدا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا میں فطرت سے مراد توحید و رسالت اور ولایت امیرالمومنین علیؑ ہے۔

(۳) نیز حضرت صادق آل محمدؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ خداوند کریم نے تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے قبل چودہ ہزار سال نور محمدی کو خلق فرمایا اور اس کے ساتھ بارہ حجاب پیدا کئے ان حجابوں سے مراد آئمہ طاہرین ہیں (مقدمۂ تفسیر

(۴) عن تفسیر الامامؑ انه قال ان ولایة محمد وَآلِ محمد هی الفرض الاقصیٰ والمراد الافضل مَا خَلَقَ اللهُ اَحَدًا من خلقه ولا بعث احدا من رسله الا لید عوهم الی ولایة محمد صلّی الله علیه وآله وسلّم وعلیٍّ وخلفائه ویاخذ علیهم العهد لیقیموا علیه وَلِیُعَلِّمُوْا بِه سائر عوام الامم (الخبر)

تفسیر امام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تحقیق محمدؐ و آل محمدؐ کی ولایت انتہائی مقصود و مراد خداوندی ہے خدا نے جس قدر مخلوق پیدا کی ہے اور جتنے انبیاء مبعوث فرمائے ہیں وہ صرف اس لئے کہ باقی مخلوق کو حضرت محمد مصطفیٰؐ اور حضرت علیؑ اور ان کے جانشینوں کی ولایت کی طرف دعوت دیں اور ان سے عہد لیا کہ وہ خود بھی اس پر ثابت قدم رہیں اور اپنی امتوں کو بالعموم اس کی تعلیم دیں۔

(۵) عن امالی الشیخ عن الصادقؑ قال ولایتنا ولایة الله التی لم یبعث نبی قط الابها

امالی شیخ سے منقول ہے کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ ہماری ولایت اللہ کی ولایت ہے کوئی نبی اس کے بغیر مبعوث نہیں کیا گیا۔

(۶) عن الکافی عن الصادق ما من نبی جاء قط الا بمعرفة حقنا وتفضیلنا علی من سوانا

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں آیا جو ہماری معرفت نہ رکھتا ہو اور ہمیں غیروں سے افضل نہ مانتا ہو۔

(۷) عنه ایضًا عن ابی الحسنؑ قال ولایة علی مکتوبة فی جمیع صحف الانبیاء ولم یبعث الله رسولًا الا بنبوة محمدؐ وولایة علیؑ

حضرت ابوالحسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی ولایت تمام صحف انبیاؑ میں مکتوب ہے اور خدا نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نبوت اور علیؑ کی ولایت کے بغیر کسی نبیؑ کو مبعوث نہیں فرمایا۔

(۸) عن تفسیر العیاشی عن الحسن بن علی انه قال من دفع فضل امیرالمومنین فقد کذب بالتوراة والانجیل والزبور وصحف ابراهیمؑ وموسیٰؑ وسائر کتب الله المنزلة فانه ما نزل شَیْءٌ مِنْهَا اِلَّا واهم ما فیه بعد الاقرار

تفسیر عیاشی میں حضرت امام حسن علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے فضل کا انکار کرے تو گویا اس نے تورات، انجیل، زبور، صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ اور تمام کتب سماویہ کو جھٹلایا۔ کیونکہ ان کتب میں سے کوئی کتاب ایسی نہیں اتری جس میں اقرار توحید اور اقرار نبوت کے بعد حضرت علیؑ

بتوحید اللہ والاقرار بالنبوۃ والاعتراف بولایۃ
علی والطیبین من آلہ قال قال رسول اللہ
ما قبض اللہ نبیاً حتی امرہ ان یوصی
الی عشیرۃ من عصبتہ وامرنی ان اوصی
فقلت الی من یا رب: فقال الی ابن عمک
علی بن ابی طالب - فانی قد اثبتہ فی
الکتب السالفۃ وکتبت فیہا انہ وصیک
وعلی ذلک اخذت میثاق الخلائق و
مواثیق انبیائی ورسلی اخذت مواثیقہم
لی بالربوبیۃ ولک یا محمد بالنبوۃ و
لعلی بالولایۃ

(۹) عن حذیفۃ بن اسید قال قال رسول
اللہ ما تکاملت النبوۃ لنبی فی الاظلۃ حتی
عرضت علیہ ولایتی وولایۃ اھل
بیتی ومثلوا لہ فاقروا بطاعتہم و
ولایتہم

(۱۰) عن کتاب سلیم بن قیس الہلالی عن
المقداد قال سمعت رسول اللہ یقول والذی
نفسی بیدہ ما استوجب آدم ان یخلقہ
وینفخ فیہ من روحہ وان یتوب علیہ
ویردہ الی جنتہ الا بنبوتی وبولایۃ علی
بعدی والذی نفسی بیدہ ما اری ابراہیم
ملکوت السموات ولا اتخذہ اللہ خلیلا
الا بنبوتی ومعرفۃ علی بعدی والذی نفسی
بیدہ ما کلم اللہ موسی تکلیما ولا اقام

علیہ السلام اور ان کی آلِ طاہرین کی ولایت کا اعتراف کرتے کا بیان
اہلبیت کے ساتھ مذکور نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ حضرت رسالتمآبؐ
نے فرمایا کہ خدا نے کسی نبی کی قبض روح نہیں کی مگر یہ اس کو
اپنی عترت میں سے ایک کو وصی بنانے کا حکم دیا۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔۔ اور مجھے بھی وصی مقرر کرنے کا حکم دیا۔ تو میں نے
عرض کی کہ یا رب کس کو وصی بناؤں؟ فرمایا۔۔۔ اپنے عم زاد علیؑ
بن ابی طالبؑ کو۔ کیونکہ میں نے کتبِ سابقہ میں اسی کو حتمی طور پر قرار
دیا ہے اور ان میں لکھ دیا ہے کہ تحقیق وہی تیرا وصی ہوگا۔۔۔۔
۔۔۔۔ اور اسی پر میں نے تمام مخلوق اور انبیاء و رسل سے عہد و
پیمان لیا۔ میں نے ان سے اپنی ربوبیت اور تیری نبوت اور علیؑ
کی ولایت کا ہی میثاق لیا تھا۔

حذیفہ بن اسید سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا
کہ کسی نبی کی نبوت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی۔ یہاں تک کہ ان پر میری
اور میرے اہلبیت کی ولایت پیش کی گئی اور ان کے سامنے ان کی
صورتیں لائی گئیں۔ پس انہوں نے ان کی اطاعت و ولایت کا
اقرار کیا۔

کتاب سلیم بن قیس ہلالی سے بروایت مقدادؓ منقول ہے کہ میں نے جناب
رسالتمآبؐ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ مجھے قسم ہے اس ذات
کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ آدمؑ کا مستحق خلقت ہونا۔
اس میں رُوح کا پھونکنا اس کی توبہ کا قبول ہونا اور اس کا جنّت کی
طرف پلٹنا صرف میری نبوت اور علیؑ کی ولایت ہی کی بدولت تھا
مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ابراہیمؑ
کا ملکوتِ سما کی سیر کرنا اور اس کا خلیل اللہ بننا میری ہی نبوت اور
میرے بعد علیؑ کی معرفت کے طفیل سے تھا اور مجھے قسم ہے اس
ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ خدا کا حضرت موسیٰؑ سے کلام

عیسی آیۃ للعالمین الا بنبوتی والاقرار
لعلی من بعدی والذی نفسی بیدہ
ماتنبا نبی قط الا بمعرفتی والاقرار لہما
بالولایہ ولا استاھل خلق من اللہ النظر
الا بالعبودیۃ لہ والاقرار لعلی بعدی

(۱) عن السرائر عن جامع البزنطی عن سلیمان
بن خالد قال سمعت اباعبداللہ یقول ما
من نبی ولا من آدمی ولا من انسی
ولا جنی ولا ملک فی السموات والارض الا
ونحن الحجج علیھم وما خلق اللہ خلقا
الا وقد عرض ولایتنا علیہ واحتج بنا
علیہ فمومن بنا وکافر جاحد حتی السموات
والارض والجبال

(۲) عن مناقب بن شھر آشوب عن محمد بن
الحنفیہ عن امیرالمومنینؑ فی حدیث قال
ان اللہ عرض ولایتی وامامتی علی الطیور
فاول من آمن بھا البزاۃ البیض والقنابر
اول من جحدھا البوم والعنقا فلعنھما
اللہ من بین الطیور فاما البوم فلاتقدر
تطیر بالنھار لبغض الطیر لھا واما العنقا
فغابت فی البحار لاتری وان اللہ عرض
امامتی علی الارض فکل بقعۃ آمنت
بولایتی جعلھا طیبۃ زکیۃ وجعل
نباتھا وثمرھا حلوا عذبا وجعل ماءھا
زلالا وکل بقعۃ جحدت امامتی وانکرت

کرنا اور عیسیٰ کو عالمین کے لئے معجزہ بنا (میری) نبوت اور میرے
بعد علیؑ کے اقرار کی وجہ سے تھا اور مجھے قسم ہے اس ذات
کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ہماری معرفت اور ہماری ولایت
کے اقرار کے بغیر کوئی نبی، نبی نہیں بن سکا ۔ اور کوئی مخلوق خدا کی
نظر رحمت کی مستحق نہیں ہوئی مگر اسکی عبودیت اور میرے بعد علی کی ولایت کے اقرار سے

سرائر میں بروایت جامع بزنطی سلیمان بن خالد کہتا ہے کہ میں نے حضرت
امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا کہ آپ نے فرمایا، کوئی نبی،
کوئی بشر، کوئی جن و انس و ملک خواہ زمین میں خواہ آسمان میں ایسا
نہیں جس پر ہم حجت خدا نہ ہوں اور خداوند کریم نے کوئی ایسی
مخلوق پیدا نہیں کی جس پر ہماری ولایت کو پیش نہ کیا گیا ہو پس جو
مومن ہوئے وہ بھی ہماری وجہ سے اور جو کافر و منکر ہوئے وہ بھی
ہمارے بغض کے سبب سے ہوئے ۔ حتّیٰ کہ آسمانوں، زمینوں
پہاڑوں کا بھی یہی حال ہے ۔

مناقب ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ حضرت
امیرالمومنینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ۔ تحقیق اللہ سبحانہٗ
نے میری امامت و ولایت کو پرندوں پر پیش فرمایا ۔ پس سب سے
پہلے سفید بازوں اور قمریوں نے قبول کیا اور بوم اور عنقا نے انکار
کیا ۔ پس پرندوں میں سے ان دونوں پر خدا نے لعنت کی ۔ لیکن بوم ۔
پس وہ تو دن میں پرواز نہیں کر سکتا کیونکہ باقی پرندے اس کو مبغوض جانتے
ہیں اور عنقا ؛ پس وہ سمندروں میں غائب ہو کر لاپتہ ہو گئی ہے اور
تحقیق اللہ نے میری ولایت کو زمین پر پیش کیا ۔ پس جو بقعہ میری ولایت
پر ایمان لایا ۔ خدا نے اس کو پاکیزہ قرار دیا اور اس کی انگوری
اور پھل کو میٹھا اور شیریں بنایا اور اس کے پانی کو خوشگوار بنایا اور
جس بقعہ نے میری امامت کا انکار کیا اور میری ولایت کو ترک
کیا ۔ خدا نے اس کو زمین شور بنایا ۔ اور اس کی انگوری کو تلخ اور

ولایتی جعلها سبخا وجعل نباتها مرا وعلقما وجعل ثمرها العوسج والحنظل وجعل ماءها ملحا اجاجا - الخبر

بدمزہ قرار دیا اور اس کا پھل ایلوا و کوڑتمہ بنایا اور اس کا پانی نمکین و شور بنایا۔

(۱۳) عن الاختصاص عن جابر عن ابی جعفرؑ فی حدیث قال یا جابر سمّی الله الجمعة جمعة لان الله عزوجل جمع فی ذلك الیوم الاوّلین والآخرین وجمیع ما خلق الله من الجن والانس وکل شیئ خلق ربنا والسّمٰوٰت والارضین والبحار والجنة والنار وکل شیئ خلق الله فی المیثاق فاخذ المیثاق منهم له بالربوبیة ولمحمد بالنبوة ولعلی بالولایة الخ

اختصاص سے بروایت جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے جابر خدا نے جمعہ کا نام جمعہ اس لئے رکھا ہے کہ اس روز اوّلین و آخرین جن و انس، آسمان و زمین، خشک و تر اور جنت و نار غرضیکہ تمام مخلوق جو خداوند کریم نے پیدا کی ہے ان سب کو جمع کر کے ان سے اپنی ربوبیت اور حضرت محمدؐ مصطفٰےؐ کی نبوت اور اور حضرت علیؑ کی ولایت کا اقرار لیا۔ اسی مضمون کی روایات جلد ۱۲ صفحہ ۲ پر ملاحظہ ہوں۔

(۱۴) فی حدیث عن النبیؐ قال یا جارود لیلة اسری بی الی السماء اوحی الله عزوجل ان سل من ارسلنا قبلك من رسلنا علی ماذا بعثوا فقلت لهم علی ما بعثتم فقالوا علی نبوّتك وولایة علی بن ابی طالب والائمة منکما ثم اوحی الی ان التفت عن یمین العرش فالتفت فاذا علی والحسن والحسین وعلی بن الحسین ومحمد بن علی وجعفر بن محمد بن علی ــــــــ وموسی بن جعفر وعلی بن موسی ومحمد بن علی وعلی بن محمد والحسن بن علی والمهدی فی ضحضاح من نور یصلون فقال لی الرب تعالی هؤلاء الحجج اولیائی الخبر

ایک حدیث میں حضرت رسالتمآبؐ نے جارود کو ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو خدا نے میری طرف وحی کی کہ اپنے سے پہلے رسولوں سے دریافت کیجئے کہ وہ کس شرط پر مبعوث کئے گئے پس میں نے ان سے پوچھا کہ تم کس شرط پر مبعوث ہوئے؟ تو انہوں نے کہا کہ تیری نبوت اور علیؑ اور باقی آئمہ کی ولایت کے اقرار پر ہم مبعوث ہوئے پھر میری طرف وحی ہوئی کہ عرش کی دائیں جانب نظر کر پس میں نے دیکھا تو علیؑ، حسنؑ، حسینؑ، علی بن الحسینؑ، محمد بن علیؑ، جعفر بن محمدؑ، موسیٰ بن جعفرؑ، علیؑ بن موسیٰؑ، محمد بن علیؑ، علی بن محمدؑ، حسن بن علیؑ اور حضرت مہدیؑ علیہم السلام۔ ایک ایوانِ نور میں مشغول عبادت ہیں۔ پس مجھے ارشاد ہوا کہ میرے اولیاء حجت علی الخلق یہی ہیں۔ مزید تفصیل جلد ۹ صفحہ ۲۹۲ اور جلد ۱۲ صفحہ ۲۴۰ پر ملاحظہ ہو۔

(۱۵) عن ینابیع المودة عن ابن مسعود قال قال

ینابیع المودۃ سے بروایت ابن مسعود منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ

رسولؐ اللہ لما عرج بی الی السماء انتھی بی السیر مع جبرئیل الی السماء الرابعۃ فرأیت بیتا من یاقوت احمر فقال جبرئیل ھذا البیت المعمور قم یا محمد فصلّ الیہ قال النبیؐ، جمع اللہ النبیین فصفوا وراِئی صفا فصلیت بھم فلما سلمت اتانی آتٍ من عند ربی فقال یا محمد ربک یقرئک السلام ویقول سل الرسل علی ما ارسلتھم من قبلک فقلت معاشر الرسل، علی ماذا بعثکم ربکم قبلی ؟ فقالت الرسل علی نبوتک وولایۃ علی بن ابی طالب الخبر

نقل العلامۃ ھذا الحدیث عن ابن عبد البر و ابی نعیم وفی تفسیر القمی والبصائر عن الصادقؑ قال والذی نفسی بیدہ لملائکۃ اللہ فی السمٰوٰت اکثر من عدد التراب فی الارض وما فی السماء موضع قدم الا وفیھا ملک یسبحہ ویقدسہ ولا فی الارض شجر ولا مدر الا وفیھا ملک موکل بھا وما منھم احد الا ویتقرب کل یوم الی اللہ بولایتکم اھل البیت ویستغفر لمحبینا ویلعن اعدائنا۔

نے فرمایا کہ جب مجھے معراج آسمانی کرائی گئی۔ میرا گذر جبرئیل کے ہمراہ چوتھے آسمان سے ہوا پس میں نے وہاں یاقوت احمر کا ایک محل دیکھا تو جبرئیل نے کہا کہ یہ بیت المعمور ہے۔ یہاں ٹھیر کر اس کی طرف رُخ پھیر کر نماز پڑھئے۔ پس حضور فرماتے ہیں۔ کہ خدا نے تمام انبیاء کو جمع کیا اور انہوں نے میرے پیچھے صف باندھی پس میں نے ان کو نماز پڑھائی۔ جب سلام پڑھا۔ تو فرشتہ اللہ کی طرف سے آ پہنچا۔ پس کہا۔ اے محمدؐ! خدا بعد تحفہ سلام کے فرماتا ہے کہ رسولوں سے سوال کیجئے کہ میں نے ان کو کس شرط پر مبعوث کیا۔ پس میں نے پوچھا۔ اے گروہ انبیاء تم کو خدا نے مجھ سے پہلے کس شرط پر مبعوث کیا۔ پس رسولوں نے جواب دیا کہ تیری نبوت اور علیؑ بن ابی طالب کی ولایت کے اقرار پر ہم مبعوث ہوئے)

علّامہ حلّی نے اس حدیث کو ابن عبد البر اور ابی نعیم سے بھی نقل کیا ہے تفسیر قمی اور بصائر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے البتہ آسمان میں اللہ کے فرشتے زمین میں مٹی کے ذرات سے زیادہ ہیں۔ آسمان میں کوئی قدم رکھنے کی ایسی جگہ نہیں۔ جہاں ایک فرشتہ مشغول تسبیح و تقدیس نہ ہو اور زمین پر کوئی انگوری یا کوئی ڈھیلا ایسا نہیں۔ جہاں ایک فرشتہ موکل موجود نہ ہو اور ان میں سے ہر ایک ہر دن اللہ کی بارگاہ میں محبت اہل بیت کو ذریعہ قرب قرار دیکر مناجات کرتے ہیں اور ہمارے محبّوں کے لئے استغفار اور ہمارے دشمنوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔

۱۷۔ بحار الانوار ج۳ ص ۲۴۶۔ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا قرآن پر ایمان نہیں اس کا تورات پر بھی ایمان نہیں کیونکہ ان میں سے ایک پر ایمان لانا بغیر دوسرے کے قابل قبول نہیں ہے۔ اسی طرح ولایت علیؑ پر ایمان لانا ایسا ہی فرض ہے جس طرح نبوت محمد پر ایمان لانا فرض ہے۔ پس جو نبوت محمدؐ پر ایمان لائے اور ولایت علیؑ کا منکر ہو پس اس کا نبوت پر کوئی ایمان نہیں۔

چنانچہ آپ نے فرمایا کہ بروز حشر جب خلق سے ایمان کا سوال ہوگا۔ تو پہلے منادی کلمۂ توحید کی صدا بلند کرے گا۔ پس تمام موحد یہ کلمہ زبان پر جاری کریں گے اس کے بعد حضرت محمد مصطفےٰ کی نبوت کی شہادت (اشھد ان محمدا رسول اللہ) کی صدا بلند کرے گا۔ پس تمام مسلمان یہ کلمہ زبان پر جاری کریں گے۔ اس کے بعد عرصۂ محشر سے کوئی کہنے والا کہے گا کہ ان کو جنت میں لے جاؤ۔ کیونکہ نبوت محمدؐ کا اقرار زبان سے ان لوگوں نے جاری کر دیا ہے تو اللہ کی طرف سے ندا آئے گی:۔ قفوھم انھم مسئولون۔ ان کو ابھی روکو کہ ان سے سوال ہونا ہے پس عرض کیا جائے گا کہ یہ لوگ حضرت محمد مصطفےٰ کی نبوت کی شہادت دے چکے ہیں۔ اب ان کو مزید کیوں روکا جا رہا ہے؟ تو ارشاد قدرت ہوگا۔ قِفُوْھُمْ اِنَّھُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عن ولایۃ علی بن ابی طالب ان کو روکو کیونکہ ان سے ابھی ولایت علیؑ بن ابی طالب کا سوال باقی ہے۔ اے میرے عباد (ملائکہ) میں نے ان لوگوں کو حضرت محمدؐ کی نبوت کے ساتھ ایک اور چیز کی شہادت کا حکم بھی دیا تھا (ولایت علی بن ابی طالب) اگر بجا لائیں تو لائق اکرام و اعزاز ہیں۔ ورنہ ان کو نہ مصطفیٰ کی نبوت کی شہادت فائدہ مند ہے اور نہ میری ربوبیت کا اقرار مفید ہے پس ولایت کا اقرار کرنے والے کامیاب ہوں گے اور انکار کرنے والے ہلاک ہوں گے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو کہہ دیں گے کہ ہم ولایت علیؑ کے قائل اور آل محمدؐ کے محب تھے۔ حالانکہ وہ جھوٹے ہوں گے اور ان کا یہ خیال ہوگا کہ ہم اس جھوٹ کی وجہ سے بچ جائیں گے پس حضرت علیؑ فرمائیں گے کہ جنت میرے اولیاء کی خود گواہی دیگی۔ اور جہنم میرے دشمنوں کو خود پہچان لے گی۔ پس جنت سے ایک ہوا باہر آئے گی اور وہی نسیم جنت علیؑ کے دوستوں کو اٹھا کر خود محلات جنت میں پہنچا دے گی اور جہنم سے شعلے بلند ہوں گے جو دشمن علیؑ کو اپنی لپیٹ میں لے کر داخل نار کریں گے۔

پس جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ تو اسی طرح قسیم جنت و نار ہے تو دوزخ سے کہے گا کہ وہ تیرا ہے اور یہ میرا ہے۔ اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں اس مقام پر اسی قدر کافی ہے۔ یہ باختلاف الفاظ جلد ۲ صـ۱۴۳ پر ملاحظہ ہو۔

اللّٰھُمَّ صل علی محمد و آل محمد وعجل فرجھم وسھل مخرجھم واھلک اعداءھم واجعلنا من المتمسکین بولاءھم یارب العلمین

مسئلہ تفویض

بعض جہلاء لوگ آئمہ معصومین علیہم السلام کے کمالات کی تاب برداشت نہ لا کر ان کے بعض کلمات سے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر ان کو خالق و رازق کہہ دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ شان اقدس اہل بیت میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے جن لوگوں نے اہل بیت عصمت کی خصوصیات کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔ انہوں نے ان کو آپ جیسا عام انسان تصور کر لیا اور ان کی جانب سے مافوق العادۃ صادر شدہ امور کی تاویلیں تلاش کر لیں۔ اور بعض اوقات متعلقہ روایات کو ضعف کی

ان لوگوں سے اظہار برأت کرتا ہوں جو ہماری طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں، جن کو ہم اپنے وجود میں نہیں پاتے۔ اے اللہ! خلق و امر کا مالک صرف تو ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اے اللہ! تو ہمارا بھی خالق ہے اور ہمارے آباء اولین و آخرین کا بھی خالق ہے۔ اے اللہ ربوبیت تیری ذات کو زیبا ہے اور خدائی تیرے لئے ہی موزوں ہے۔

لعنت ہے ان نصاریٰ پر جنہوں نے تیری عظمت کو گھٹایا اور لعنت ان لوگوں پر جو ان جیسی باتیں کریں۔

اے اللہ ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کے لئے نفع و نقصان اور موت و حیات کے مالک نہیں۔ اے اللہ! جو ہم کو خالق و رازق سمجھے ہم تیری طرف اس سے بری ہیں جس طرح کہ حضرت عیسیٰ نصرانیوں سے بری ہیں۔ اے اللہ! ہم نے ان لوگوں کو اس (عقیدہ فاسدہ) کی دعوت نہیں دی۔ لہٰذا ان کے قول (فاسد) کی گرفت میں ہم کو نہ لانا

نیز زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ایک شخص عبداللہ بن سبا کی اولاد میں سے آپ کے متعلق تفویض کا قائل ہے۔ آپ نے فرمایا! تفویض کا کیا مطلب؟ میں نے عرض کی وہ کہتا ہے کہ خدا نے حضرت محمد مصطفےٰ اور حضرت علی مرتضیٰ کو پیدا کیا اور پھر سب کچھ ان کے سپرد کر دیا پس باقی سب مخلوق کو ان دونوں نے پیدا کیا اور یہی ان کو جلاتے اور مارتے ہیں اور یہی رزق دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا! اس دشمن خدا نے جھوٹ کہا ہے۔ جب دوبارہ تو اس سے ملے تو یہ آیت اس کو پڑھ کر سنانا جو کہ سورۂ رعد میں ہے أَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (کیا ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا لئے کہ وہ اسی کی طرح خلق کر سکتے ہیں پس ان پر معاملہ خلق متشابہ ہو گیا ہے۔ کہہ دو کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق اور وہ واحد و قہار ہے) مقصد یہ تھا کہ اس آیت کی رُو سے خُدا کے سوا کسی کو خالق ماننا شرک ہے۔

مقدمہ تفسیر میں احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ تفویض کے مسئلہ میں شیعوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ایک گروہ کہتا تھا کہ اللہ نے آئمہ کو طاقت دی ہے کہ یہ پیدا بھی کرتے ہیں اور رزق بھی دیتے ہیں اور یہ معاملہ انہی کے سپرد ہے اور دوسرا گروہ اس عقیدہ کی تردید کرتا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ چیز محالات میں سے ہے کیونکہ اجسام سوائے اللہ کے کوئی پیدا کر ہی نہیں سکتا۔ پس ان دونوں گروہوں کی رائے یہ ٹھہری کہ محمد بن عثمان (نائب امام) کی طرف رجوع کیا جائے پس ان دونوں گروہوں نے (نائب مذکور کی وساطت سے حضرت حجت عج کی خدمت میں عریضہ بھیجا۔ پس حضرت حجت علیہ السلام کی جانب سے یہ جواب صادر ہوا۔

ان اللہ تعالیٰ هو خلق الاجسام کلها وقسم الارزاق لانه لیس بجسم ولا حال فی جسم لیس کمثله شئ وهو السمیع

تحقیق اللہ تعالیٰ تمام اجسام کا خالق ہے اور رزقوں کے تقسیم کرنے والا ہے کیونکہ نہ وہ جسم ہے اور نہ جسموں میں حلول کرنے والا ہے اس کی مثل کوئی شے نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

البصیر فاما الائمۃ فانھم یسئلون اللہ فیخلق و یسئلونہ فیرزق ایجابا لمسئلتھم و اعظاما لحقھم

لیکن آئمہ علیہم السلام پس وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں اور وہ پیدا کرتا ہے اور یہ سوال کرتے ہیں اور وہ رزق دیتا ہے ان کی دعاؤں کو مستجاب کرتے ہوئے اور ان کے حق کی عظمت کو بڑھاتے ہوئے۔

نیز روضۃ الواعظین سے منقول ہے۔ ایک شخص کامل بن ابراہیم کہتا ہے کہ میں حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ مسئلہ تفویض کے متعلق دریافت کروں پس میں خدمت اقدس میں پہنچ کر سلام کرکے بیٹھ گیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک مہہ جبیں خوردسال بچہ جس کی عمر چار سال کے لگ بھگ تھی میرے قریب آیا اور پھر فرمایا اے کامل تو ولی اللہ اور حجۃ اللہ کے پاس مفوضہ کے بارے میں کچھ دریافت کرنے کے لئے آیا ہے وہ تو جھوٹے ہیں بلکہ ہمارے دل اللہ کی مشیت کے ظرف ہیں چنانچہ فرماتا ہے۔ وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللہُ

پس ان احادیث سے بھی صاف طور پر واضح ہوگیا کہ خالق، رازق، محی، ممیت صرف اللہ سبحانہ کی ذات ہی ہے اور اس کی مخلوق میں سے کوئی شخص ان صفات میں اس کا شریک نہیں بلکہ اہلبیت اطہار کی طرف ان اوصاف کا منسوب کرنا شرک و کفر ہے اور اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے لوگوں سے آئمہ اہلبیتؑ بری و بیزار ہیں۔

البتہ حضرات محمدؐ و آل محمدؐ مقصودِ کائنات ہیں اور اللہ کی طرف رسائی کے لئے مخلوق کا وسیلہ ہیں۔ نیز اگر یہ پیدا نہ ہوتے تو نہ خلق ہوتی اور نہ رزق ہوتا۔ پس بارگاہِ رب العزت میں رسائی انہی کے ذریعہ سے ہے اور استجابت دعا انہی کے توسل سے ہوتی ہے نیز یہ بھی واضح رہے کہ آئمہ اہلبیتؑ کی شان و منزلت جو اللہ کے نزدیک ہے ہمارے ناقص عقول اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کے مراتب کی حقیقت یا خدا جانے یا محمدؐ مصطفےٰ جانے۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ ہر صفت کمال میں جہاں تک امکانات بشریہ کا تعلق ہے آئمہ طاہرین اس کی آخری حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔

پس بے جا نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ رضائے خدا ان کے پیچھے ہے اور حق ان کے تابع ہے یعنی ان کے پیچھے چلنے والا ہی حق بجانب ہوتا ہے اور اسی کو ہی رضائے خُدا حاصل ہو سکتی ہے اور بس

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وُہ رضائے خُدا کے آگے اور حق سے بڑھے ہوئے ہیں یا یہ کہ خُدا ان کا محتاج ہے کیونکہ یہ عقیدہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے ہر ایک کو خدا کی طرف احتیاج ہے اور خدا کسی کا محتاج نہیں پس آل محمدؐ جس طرف چلتے ہیں حق ان کے پیش نگاہ ہوتا ہے اور رضائے خدا مطمح نظر ہوا کرتی ہے وہ حق کی طرف اور رضائے خدا کی جانب ہی اقدام کرتے ہیں پس وہ حق کے تابع اور رضائے خدا کے پیچھے ہی ہیں۔

البتہ جب عام لوگوں کے سامنے حق و باطل کے درمیان اشتباہ پڑ جائے اور رضا و غضب کے مسلک میں التباس ہو جائے اور چاہیں کہ حق مل جائے اور رضائے خدا دستیاب ہو تو ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ محمدؐ و آل محمدؐ کی سیرت کا مطالعہ کریں اور ان کے کردار کا جائزہ لیں پس جس طرف ان کا عمل ہوگا ماننا پڑے گا کہ حق اسی طرف ہے اور رضائے خدا

بھی اسی جانب ہے کیونکہ آلِ محمدؐ کا عمل حق و رضا کے پیچھے ہی ہوا کرتا ہے۔

پس آلِ محمدؐ کا حقیقی شیعہ و موالی وہی ہے جس کا کردار آلِ محمدؐ کے کردار کے پیچھے اور عمل آلِ محمدؐ کے عمل کے تابع ہو۔ گزشتہ عنوانات میں شیعان و محبان آلِ محمدؐ کے متعلق جس قدر فضائل گذر چکے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے حق میں ہیں جو ولایت آلِ محمدؐ کے ساتھ ساتھ اطاعت آلِ محمدؐ بھی رکھتے ہوں۔ جیسا کہ اکثر احادیث کا صریحی مضمون یہی ہے۔ ورنہ صرف زبان سے دعویٰ کر کے عملی طور پر ان کے خلاف کرنا قطعاً فائدہ مند نہیں ہے۔ خداوند کریم تمام محبان آلِ محمدؐ کو توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین۔

والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی محمد وآلہ الطاہرین

حرفِ آخر

بحمد اللہ باوجود نامساعد حالات اور انتہائی عدیم الفرصتی کے اس مقدمہ میں جن خیالات کا اظہار کرنا چاہتا تھا اُس سے فارغ ہو گیا ہوں خداوند کریم سے دست بدعا ہوں کہ بطفیل محمدؐ و آلِ محمدؐ مجھے اپنے اس مقصدِ خیر بلکہ جمیع مقاصدِ حقہ میں کامرانی عطا فرمائے اور میرے والدین کا سایہ میرے سر پر تا دیر سلامت رکھے جن کی دعاؤں سے میں ان خدمات کے بجا لانے کا اہل ہوا ہوں اور خداوند کریم ان کو اس کارِ خیر کا اجر جزیل عطا فرمائے اور قارئین کرام سے استدعا ہے کہ ہمارے حق میں دُعا کریں کہ خداوند کریم اس مرحلہ میں توفیق اتمام مرحمت فرمائے۔

آج بتاریخ ۵ ذوالقعدۃ الحرام ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۵۹ء بروز جمعرات قریباً ۱۰ بجے صبح اس مقدمہ کی تکمیل سے فارغ ہوا ہوں اور اس کے بعد پارہ اوّل کی تفسیر کا کام شروع کروں گا۔ اگر قوم نے توجہ کی اور مالی رکاوٹیں حائل نہ ہوئیں تو انشاء اللہ ہر دو ماہ بعد ایک پارہ کی تفسیر چھپ کر منظرِ عام پر آتی رہے گی۔

تفسیر قرآن میں الفاظ کا حل آیات کا سلیس با محاورہ اُردو ترجمہ شانِ نزول، اقوال مفسرین، اقوال آئمہ، تفسیر باطنی وضاحتِ عقائد، مخالف اعتراض کا جواب، مناسب مقامات پر فقہی نقطۂ نظر سے جزئیات مسئلہ کا بیان وغیرہ امور کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا اور یہ سب کچھ اللہ سبحانہٗ کی توفیق مزید اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی غیبی تائید سے ہو سکتا ہے۔

وھو الموفق والمعین وھو حسبی ونعم الوکیل۔

چہل حدیث

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بطور وصیت کے ارشاد فرمایا۔ یا علیؑ۔ میری امت میں سے جو شخص خوشنودیٔ خدا کے لئے چالیس حدیثیں یاد کرلے تو قیامت کے روز انبیاء صدیقین شہداء و صالحین کے ساتھ محشور ہوگا۔ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی یارسول اللہ! بیان فرمایئے۔ آپ نے چالیس حدیثیں بیان فرمائیں۔

(۱) اللہ پر ایمان لاؤ جو واحد و لاشریک ہے اس کی عبادت کرو اور غیر کی عبادت نہ کرو۔

(۲) صحیح وضو کے بعد نماز کو اپنے صحیح وقت میں ادا کرو کیونکہ بلاوجہ اس کو وقت سے ٹال کر پڑھنا اللہ کی ناراضگی کا موجب ہے۔

(۳) زکوٰۃ واجبہ کو ادا کیا کرو

(۴) ماہِ رمضان میں روزے رکھا کرو۔

(۵) اگر صاحب مال و استطاعت ہو تو حج بیت اللہ ادا کرو۔

(۶) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو۔

(۷) از راہِ ظلم کسی یتیم کا مال نہ کھاؤ

(۸) سود خوری نہ کرو۔

(۹) شراب نوشی نہ کرو بلکہ کسی نشہ آور پانی کا استعمال نہ کرو

(۱۰) زنا و لواطہ نہ کرو۔

(۱۱) چغلخوری نہ کرو۔

(۱۲) اللہ کی جھوٹی قسم نہ کھاؤ۔

(۱۳) چوری نہ کرو۔

(۱۴) جھوٹی گواہی نہ دو کسی کے حق میں خواہ اپنا ہو یا بیگانہ۔

(۱۵) حق کو قبول کرلو۔ خواہ بیان کرنے والا چھوٹا ہو یا بڑا۔

(۱۶) ظالم کی طرف نہ جھکو خواہ اپنا قریبی ہی کیوں نہ ہو۔

طرف منسوب کر دیا اور جن لوگوں نے اہل بیت کی فرائشات اور ان سے صادر شدہ کمالات کو تسلیم و رضا کی نگاہ سے دیکھا۔ وہ بعض اوقات دوسری طرف اصول مذہب اور دیگر تصریحات قرآن و حدیث سے غافل ہو گئے۔ پس تطبیق پر موفق نہ ہو سکنے کی وجہ سے جادۂ مستقیمہ سے ہٹ گئے اور اہل بیت عصمت کو خالق و رازق کہہ کر دامن توحید سے الگ ہو کر شرک کی وادی میں جا گرے۔

حالانکہ اہل بیت عصمت کے حق میں نہ وہ بات درست تھی نہ یہ درست ہے وہ تفریط تھی اور یہ افراط ہے۔

قرآن مجید میں متعدد آیات جن میں خلق و رزق کا مسئلہ واضح طور پہ بیان کیا گیا ہے اور غیر مبہم الفاظ میں ذاتِ احدیت نے خالقیت اور رازقیت کا اپنی ذات میں حصر فرمایا ہے جن میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

اور حضرات محمدؐ و آل محمدؐ ہی چونکہ مقصدِ تخلیقِ کائنات ہیں جس طرح گذشتہ صفحات میں مضمون احادیث گزر چکا ہے اور حدیث قدسی مشہور لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کے حقیقی مصداق بھی یہی ہیں تو گویا مقصد یہ ہوا کہ اگر یہ نہ ہوتے تو باقی مخلوقات میں سے کچھ نہ ہوتا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر خلاق عالم کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کو اس عظیم مرتبہ پر فائز فرمایا اور اپنے اختیار سے ہی ایسا کیا۔ وہ مقصدِ کائنات ہیں اور مصداق لولاک ہیں۔ لیکن خدا کا ہی احسان ہے کہ اس نے ان کو اس عظمت کا حامل اور اس شان کا اہل قرار دیا۔ یہ اس کا ان پر فضل و احسان ہی ہے ورنہ ایسا کرنا اس پر واجب نہیں تھا کیونکہ اگر نہ کرتا تو اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہ تھا۔

پس جب وہ مقصد و غایتِ خلقت کائنات ہیں تو باقی تمام مخلوق کا وجود خلق و رزق انہی کے صدقہ سے ہے اور یہ کہنا بجا ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ ہم موجود ہوتے نہ مخلوق ہوتے اور نہ مرزوق ہوتے۔ خداوند کریم نے اپنے لطف و کرم سے ان کو اپنے اور باقی مخلوقات کے درمیان واسطہ و وسیلہ قرار دیا ہے۔ ورنہ موجد بھی وہی ہے اور خالق و رازق بھی وہی ہے جس طرح اس نے ان کو پیدا کیا اسی طرح ہم کو اور ساری مخلوق کو بھی اسی نے ہی پیدا کیا ہے۔ وہ ان کا بھی رازق ہے اور ہمارا بھی رازق ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اگر وہ نہ پیدا ہوتے تو ہم نہ ہوتے ہمارا وجود خلق و رزق سب انہی کی مبتنیہ وساطت سے ہے پس اگر ان کو خالق و رازق کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ چونکہ واسطہ ہیں۔ لہٰذا نسبت مجازاً ان کی طرف کی گئی ہے تو یہ کفر نہیں ہے لیکن آئمہ پہ ان الفاظ کا اطلاق اذن شارع کا محتاج ہے اور اگر مطلب یہ ہو کہ وہ حقیقتاً خالق و رازق ہیں یہ عقلاً و نقلاً باطل ہے اور اس عقیدہ کا رکھنا کفر ہے۔

پس اگر احادیث آئمہ میں ایسے الفاظ وارد ہوں جن سے خلق و رزق کا ان کی طرف منسوب ہونا ثابت ہو تو بجائے اس کے کہ اس کو رد کیا جائے یا اس کو مبنی بر حقیقت قرار دیکر دامن توحید سے دست کشی کی جائے اس کا صحیح حل یہی ہے کہ ان کو واسطہ فی الخلق اور واسطہ فی الرزق قرار دے کر نسبت کو مجازیت پر محمول کر لیا جائے۔ اس کی عام فہم مثال یوں ہے کہ اگر ایک شریف انسان اپنے نوکروں کو ہمراہ لے کر کسی دوسرے شریف کا مہمان ہو اور میزبان اس کے لئے پُر تکلف کھانے

لائے تو اس کے بعد دسترخوان پر جملہ حاضر ہونے والے مہمانوں کو کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ تمہیں میں نے کھلایا ہے اور اگر اس کے نوکر کہہ دیں کہ ہمیں اپنے آقا نے یہ کھانے کھلائے ہیں تو یہ بھی بے جا نہیں۔ حالانکہ حقیقتاً یہ انتظام و اہتمام ہوتا میزبان کی طرف سے ہی ہے اور وہ شریف مہمان چونکہ سب کے لئے واسطہ ہے لہٰذا اس کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اور اگر میزبان کے کانوں تک یہ بات پہنچ جائے تو وہ بھی اسے کو برا نہیں مانتا کیونکہ اس نے سب کچھ کیا ہو اسی ایک مہمان کی خاطر ہوتا ہے لیکن اگر اس نسبت کو مبنی برحقیقت قرار دیا جائے تو یقیناً کذب صریح بلکہ بہتان عظیم ہے پس بعض جہلا جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ خداوند کریم محمدؐ و آل محمدؐ کو پیدا کرنے کے بعد بالکل بے کار اور معطل سا ہو گیا ہے (اور یہی جو جا ہتے ہیں خود کرتے ہیں وہ بحیثیت تماشائی کے دیکھ رہا ہے اور سب کچھ ان کے حوالہ کر چکا ہے۔ لہٰذا ان کے معاملات میں اس کو کوئی دخل دینے کا اختیار نہیں، خلق، رزق، زندگی و موت وغیرہ کا انتظام سب انہی کے ہاتھ میں ہے اور ہے بھی حقیقتاً نہ مجازاً ایسا عقیدہ رکھنا شرک و کفر ہے (خداوند کریم جملہ مومنین کو اس سے محفوظ رکھے)۔

عقلی طور پر ان کو خالق و رازق ماننے پر متعدد اشکالات وارد ہوتے ہیں۔

۱۔ اگر یہ خالق ہوں تو جملہ مخلوق ہیں سے ان کے قاتلین عبدالرحمٰن بن ملجم، شمر وغیرہ سب ان کی مخلوق ہوں گے تو کونسی عقل یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ ادنیٰ ترین مخلوق اپنے خالق کو قتل کر دینے پر قادر ہو جائے۔

۲۔ اگر یہ خالق و رازق ہوں، تو فدک تھا رزق اور اس پر ناجائز قبضہ کرنے والے تھے مخلوق و مرزوق تو کیا رازق کی شان یہی ہے کہ اپنے ادنیٰ ترین مخلوق و مرزوق سے رزق کا سوال کرے؟

۳۔ اگر یہ خالق ہوں تو ان کی مظلومیت کا رونا قیامت تک کس لئے ہے؛ کیا مخلوق خالق پر ظلم کر سکتی ہے۔

۴۔ کربلا کی سہ روزہ بھوک و پیاس کا رونا کس لئے ہے کیا مخلوق نے اپنے خالق کا تین دن تک رزق بند کر دیا تھا؟

۵۔ اگر حضرت علیؑ مثلاً خالق ہوں تو ان کے والدین حضرت ابوطالبؑ اور حضرت فاطمہؑ بنت اسد یا ان سے پہلے تا حضرت آدمؑ و حوّا تمام آباؤ امہات ان کی مخلوق ہوں تو کیا مخلوق کی پشت یا بطن سے خالق پیدا ہو سکتا ہے؟

۶۔ آئمہ معصومینؑ کی اولادیں بلا واسطہ یا بالواسطہ تا قیامت بھی یقیناً مخلوق ہیں تو کیا خالق کو مخلوق کے پیدا کرنے کیلئے شادی کی ضرورت ہے۔ بہرکیف اس فاسد عقیدہ سے متعدد اسی قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

شیخ صدوق قدہ عقائد میں تحریر فرماتے ہیں کہ مفوضہ اور غالیوں کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کافر ہیں۔ اور یہود و نصاریٰ و مجوس سے بھی بدتر ہیں چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا اے اللہ میں تیری طرف حولؔ و قوت سے برأت چاہتا ہوں کیونکہ حول و قوت کا مالک صرف تو ہی ہے۔ میرے اللہ! میں تیری طرف

لے یعنی جو لوگ میری طرف منسوب کرتے ہیں میں ان سے اور ان کے اس عقیدہ سے بری ہوں۔ منہ

(۱۷) خواہش نفس کے لئے عمل نہ کرو۔

(۱۸) کسی پاکدامن (نکاح والی عورت) کو زنا کی تہمت نہ دو۔

(۱۹) ریاکاری نہ کرو کیونکہ کم از کم ریاکاری بھی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے۔

(۲۰) کسی پست قد کو اوچھوٹے۔ اور کسی بڑی قد والے کو اونٹ لگڑ نہ بلاؤ کیونکہ یہ عیب جوئی ہے اور خلق خدا سے مسخری نہ کرو۔

(۲۱) بلاء اور مصیبت پر صبر کرو۔

(۲۲) اللہ نے جو نعمتیں عطا کی ہیں اُن کا شکر ادا کرو۔

(۲۳) گناہ کے بعد اللہ کے عذاب سے نڈر نہ رہو اور اس کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہو جاؤ۔

(۲۴) گناہوں سے توبہ کرو کیونکہ توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں اور استغفار کے بعد گناہ پر اصرار نہ کرو کیونکہ ایسا کرنا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسولوں کے ساتھ مسخری کرنے کے برابر ہے (توبہ توبہ بھی کرتا رہے اور گناہ بھی کرتا رہے۔

(۲۵) یہ جان لو کہ جو مصیبت یا خوشی تمہیں پہنچی ہے اس نے پہنچنا ہی تھا اور جو چوک گئی اس نے چوکنا ہی تھا (مقصد یہ ہے کہ انسان ہائے ہائے کر کے اپنی مصیبت میں اضافہ نہ کرے بلکہ اللہ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔)

(۲۶) کبھی ایسا نہ کرنا کہ مخلوق کی رضامندی کی خاطر اپنے اللہ کو ناراض کر لو۔

(۲۷) کبھی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینا بلکہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا کیونکہ دنیا فانی اور آخرت باقی ہے۔

(۲۸) جو کچھ تم سے ہو سکے اپنے بھائیوں کی امداد سے بخل نہ کرنا۔

(۲۹) ظاہر و باطن کو ایک جیسا رکھو ظاہر اچھا اور باطن بُرا نہ بناؤ کیونکہ یہ منافقین کی نشانی ہے۔

(۳۰) نہ جھوٹ بولو نہ جھوٹوں کی صحبت اختیار کرو۔

(۳۱) حق بات کو سُن کر غصہ نہ کرو (جبکہ حق بات تمہارے مفاد کے خلاف ہو)

(۳۲) اپنے نفس کو اور اپنے اہل و عیال اور ہمسایوں کو حسب طاقت ادب سکھاؤ اور اپنے علم پر عمل کرو

(۳۳) اللہ کی مخلوق کے ساتھ جو معاملہ کرو حق کے ساتھ کرو۔

(۳۴) قریب اور بعید کے لئے خوش خلق رہو اور جبار عنید نہ بنو۔

(۳۵) تسبیح تقدیس تہلیل اور دعا کو زیادہ کرو نیز موت کا ذکر اور موت کے بعد قیامت اور جنت و نار کا ذکر زیادہ کرو اور قرآن مجید کی قرأت زیادہ کرو اور اس کی ہدایات پر عمل کرو۔

(۳۶) مومنین و مومنات پر احسان و نیکی کرنے کو غنیمت سمجھو اور نیک کام سے گھبراہٹ محسوس نہ کرو۔

(۳۷) جس کام کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسرے مومنوں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔

(۳۸) کسی پہ بوجھ نہ ہو

(۳۹) کسی پہ احسان کرکے جتلاؤ نہیں۔

(۴۰) دنیا کو قید خانہ سمجھو یہاں تک کہ خدا تجھے جنت کا گھر عطا فرمائے۔

یہ چالیس حدیثیں ہیں جو شخص ان کو یاد کرے اور ان پر عمل کرے وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا۔ اور لوگوں سے افضل اور اللہ کا محبوب ترین بندہ ہوگا انبیاء و صدیقین کے بعد۔ خداوند کریم ایسے شخص کو انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ محشور کرے گا۔ اور یہ اس کے بہترین رفیق ہوں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ہماری احادیث میں سے چالیس حدیثیں یاد کرے بروز محشر وہ فقیہہ ہو کر اٹھے گا۔

معذرت

کافی عرصہ سے مقدمہ تفسیر انوار النجف کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا تھا لیکن نامساعد حالات اور مالی مشکلات کے پیش نظر اس کو دوبارہ طبع نہ کرایا جا سکا۔ اب قارئین کرام کے بڑھتے ہوئے اصرار کے ماتحت ضروری اضافہ کے ساتھ اس کو دوبارہ طبع کرایا گیا ہے اور "دیر آید درست آید" کے مقولہ کے مطابق مقدمہ تفسیر کا تیسرا ایڈیشن، پہلے ایڈیشن کے مقابلہ میں مزید افادیت کا موجب ہوگا۔ انشاء اللہ۔ قارئین سے دعائے خیر کی امید رکھتا ہوں اور اپنی اس کاوش کا ثواب اپنے والدین مرحومین کو ہدیہ کرتا ہوں۔ جن کی نیک تمناؤں کا یہ ثمر اور نتیجہ ہے۔

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد و آلہ الطاہرین

انا عبدہ الحقیر المسکین حسین بخش جاڑا ابن المرحوم المغفور ملک اللہ بخش جاڑا رضوان اللہ علیہ بانی جامعۃ العلمیہ باب النجف جاڑا من مضافات ڈیرہ اسمعیل خان، وبانی الجامعۃ العربیۃ "درسگاہ امامیہ" دریاخان ضلع میانوالی (پاکستان)

کتبہ محمد شفیق قریشی عفی عنہ سرگودھا وقد تمت الکتابۃ فی یوم الجمعۃ ۲۰ر اکتوبر ۱۹۷۸ء مطابق ۱۷ ذق ۱۳۹۸ھ فی دریاخان۔

جلد نمبر ۲

تفسیر

انوار النجف
فی
اسرار المصحف

2

علامہ حسین بخش جاڑا

مکتبہ انوار النجف دریاخان ضلع بھکر

حقوق الطبع محفوظة

چوتھا ایڈیشن اپریل ۱۹۹۰ء

تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۲ء

حدیث رسولؐ

اِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَبَيْتِیْ

شیعیانِ آلِ محمدؐ خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب گرانقدر پیشکش

اَلْمُجَلَّدُ الثَّانِیْ مِنْ تَفْسِيْرِ

انوار النجف فی اسرار المصحف

مصنفہ

حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ علامہ حسین بخش جاڑا بانی — جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان

پرنسپل: جامعہ امامیہ کربلا گامے شاہ لاہور

ناشر

مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

ہدیہ مجلد ۷۰ روپے ہدیہ غیر مجلد ۶۰ روپے

نقشہ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

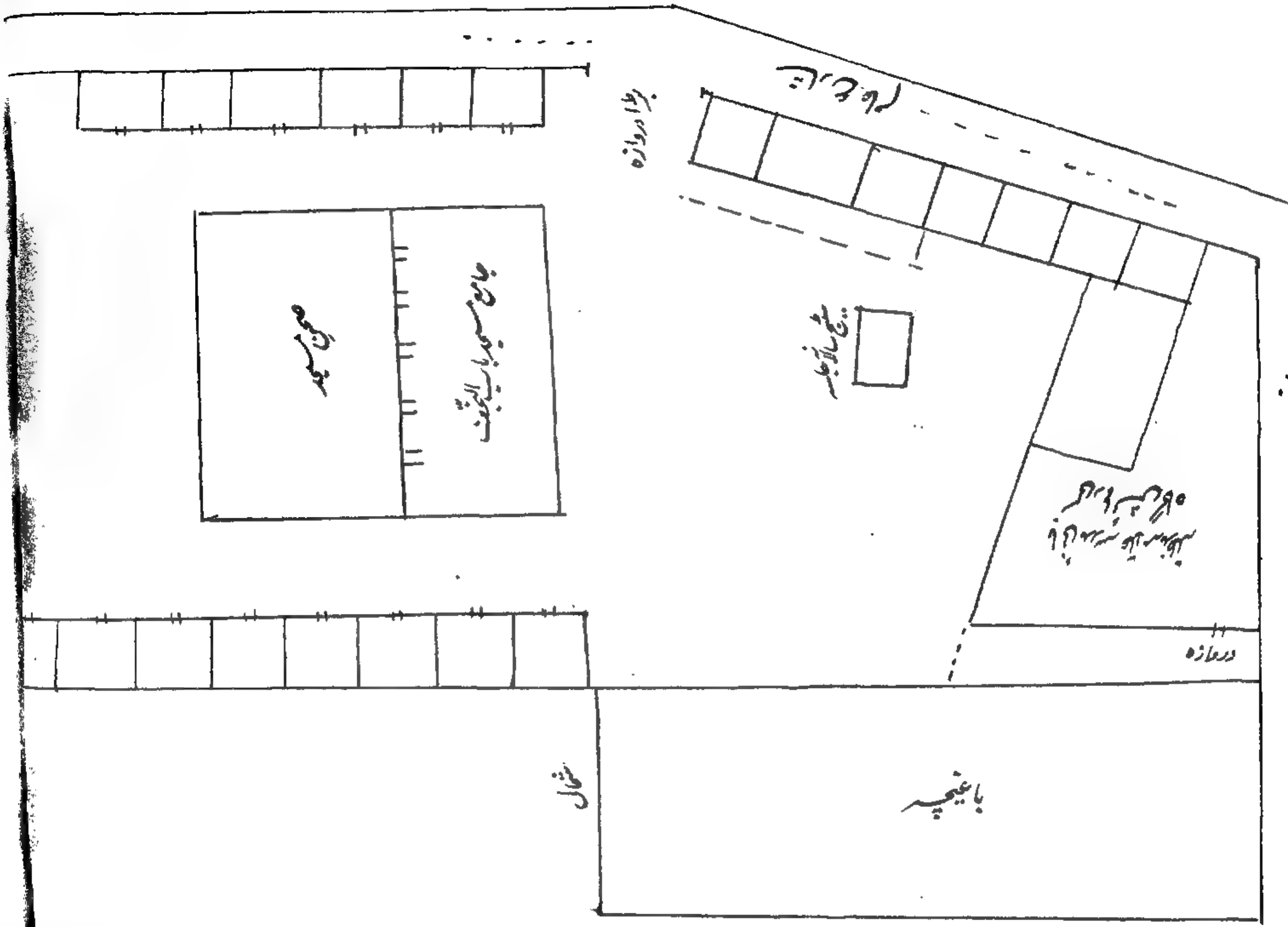

۱۔ جامعہ علمیہ باب النجف کی ابتداء ماہ شوال ۱۳۷۴ھ میں ہوئی اور مکانات کا تعمیری سلسلہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ کو ختم ہوا

۲۔ اس مدرسہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ سوائے کڑی کے باقی اکثر و بیشتر کام بانی مدرسہ و طلباء کرام نے انجام دیا۔

۳۔ مدرسہ کی سرپرستی کسی رئیس یا نواب کو حاصل نہیں بلکہ عمومی چندہ جات رقوم خیرات خمس زکوٰۃ و فطرہ اور نذر و نیاز وغیرہ پر ہی انحصار ہے۔ بانی مدرسہ اور مدرس اعلیٰ کو سہم امامؑ کے خرچ کرنے کی مکمل اجازت حاصل ہے۔

۴۔ مدرسہ میں دار التصنیف قائم کیا گیا جس کی پہلی گرانقدر پیش کش یہی تفسیر انوار النجف ہے جس کی اب تک ۱۴ جلدیں مکمل چھپ چکی ہیں

۵۔ تمام قوم شیعہ سے گزارش ہے اس ناقابل فراموش ادارہ علمیہ کی سرپرستی فرما کر دامے درمے قدمے سخنے اس کی امداد فرما کر شا

زر اعانت کی ترسیل کا پتہ

مدرس اعلیٰ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

حمد و شکر

اس اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے علماء کے قلم کی سیاہی کو عام شہداء کے خون سے افضل قرار دیا ہے اور وہی ذات لائقِ حمد و ثنا ہے جس نے ہر دور میں باطل پرستوں کی غوغا آرائیوں کے باوجود حق پرستوں کو حق کا پرچم بلند کرنے کی ہمت و سعادت بخشی اور انہیں انتہائی نازک و مساعد حالات اور پر آشوب ماحول میں ثباتِ قدم اور عزم و استقلال کی نعمتِ بے پایاں سے نوازا۔ چنانچہ اس تفسیر کے خلاف زر و دولت اور نام و نمود کے پجاری نام نہاد مولویوں نے ہر جگہ گلہ پھاڑ پھاڑ کر آوازِ لاحاصل اور صدائے لاطائل بلند کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا لیکن علومِ آلِ محمدؐ کی ترویج و توسیع پر مشتمل یہ تفسیر اللہ کے فضل و کرم سے مقبولیت عامہ حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھتی گئی۔ اور پورے ملک میں علومِ قرآنیہ سے وابستگی رکھنے والوں نے اسے سر و آنکھوں پہ رکھنا اپنی سعادت سمجھا۔ پس حاسدین کے جلتے جلتے ابھی تک تفسیر کی بارھویں جلد کا مسودہ سورۂ احقاف تک پہنچا ہی تھا کہ اس کی پہلی دونوں جلدوں کا پہلا اڈیشن ختم ہو گیا۔ چنانچہ تفسیر کی دوسری جلد کا یہ دوسرا اڈیشن پیشِ خدمت ہے۔ حالات کی مساعدت کے ماتحت تفسیر کی پہلی جلد یعنی مقدمۂ تفسیر کا دوسرا اڈیشن بھی عنقریب شائع کیا جائے گا اور درود و سلام ہو اللہ کے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ اور اس کی آل اطہار پر جو پوری کائنات کے لئے غایتِ مقصودہ کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی تائید و امدادِ غیبی سے مجھے قرآن مجید کی تفسیر کی سعادت نصیب ہوئی ہے پس میں اپنی اس خدمت کو حضرات محمد و آلِ محمدؑ علیہم السلام کی بارگاہِ عصمت میں ہدیہ پیش کرتا ہوں تاکہ میرے اور میرے والدین و اکابر و اساتذہ و اقرباء و اولاد کے لئے بروزِ محشر ذخیرۂ حسنات ہو اور اللہ سے توفیقِ مزید کی دعا کرتا ہوں کہ مومنین کرام کو اس سے مزید استفادہ کی صلاحیت و ہمت عطا فرماوے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ

۱۳ر مئی ۱۹۷۳ء مطابق ۹ر ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ بوقت ۶ ½ بجے صبح

تیسرا اڈیشن مئی ۱۹۸۲ء کو شائع کیا گیا۔

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تفسیر سورہ فاتحہ	٦
۲	سورۂ فاتحہ کے فضائل	٧
۳	سورۂ فاتحہ کے مقدم ہونے کی وجہ	٩
۴	سورۂ فاتحہ کی وجہ تسمیہ	١٢
۵	ترتیب آیات سورۂ فاتحہ	١٤
۶	دو فائدے	١٧
۷	فضائل بسم اللہ	١٨
۸	بسم اللہ کا جزو سورہ ہونا	١٩
۹	اعتراض و جواب	٢٤
۱۰	نقطۂ باء بسم اللہ	٢٥
۱۱	سوال و جواب	٢٦
۱۲	تعظیم ضرائح مقدسہ	٢٨
۱۳	ایک سنی و شیعی عقیدہ	٣١
۱۴	دعائے توسل	٣٢
۱۵	رفع اشتباہ	٣٦
۱۶	یا علیؑ مدد	٣٧
۱۷	آیات فاتحہ ابواب جنت کی کنجیاں ہیں	٤٢
۱۸	آیات فاتحہ کی دوسری معنوی توجیہ	٤٤
۱۹	سورۂ بقرہ کی تفسیر	٤٧
۲۰	رکوع ۱	٤٨
۲۱	مقطعات قرآنیہ	٤٩
۲۲	متقین کی ہدایت	٥٠
۲۳	انسانی مزاج	٥٣
۲۴	مسئلہ قضا و قدر	٥٤
۲۵	عقیدۂ جبر کی تردید	٥٦
۲۶	لا جبر ولا تفویض	٥٩
۲۷	ختم کی وضاحت	٦١
۲۸	پانچ نکات	٦٤
۲۹	منافقین کا ذکر	٦٥
۳۰	عبادت کی دعوت عام	٦٩
۳۱	گمراہی کا ذمہ دار کون ہے؟	٧٥
۳۲	ذکر توحید	٧٦
۳۳	آسمان و زمین کی تخلیق	٧٧
۳۴	ذکر خلقت آدم و خلافت	٧٨
۳۵	حکم سجدہ و انکار ابلیس	٨٤
۳۶	حضرت آدم کا جنت سے خروج	٨٩
۳۷	عصمت آدم	٩٤
۳۸	تحقیق شجرہ	٩٥
۳۹	قبول توبہ آدمؑ	٩٦
۴۰	بنی اسرائیل کا ذکر	٩٩
۴۱	نماز و زکوٰۃ کا بیان	١٠١
۴۲	نماز با جماعت	١٠٢

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۴۳	بنی اسرائیل پر نعمات خداوندی کا ذکر	۱۰۴
۴۴	فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی	۱۰۶
۴۵	بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی	۱۰۸
۴۶	رویتِ خدا کا سوال	۱۱۱
۴۷	ذکرِ رجعت	۱۱۲
۴۸	من و سلویٰ	//
۴۹	بنی اسرائیل کو دروازے سے داخل ہونیکا حکم	۱۱۵
۵۰	پتھر سے پانی کے چشمے	۱۱۶
۵۱	مچھلی کا شکار	۱۱۹
۵۲	یہود و نصاریٰ کی وجہِ تسمیہ	۱۲۲
۵۳	گائے کے ذبح کرنیکا حکم	۱۲۳
۵۴	کتاب کے معانی بدلنے والے	۱۲۸
۵۵	والدین کی اطاعت	۱۳۰
۵۶	علمائے صالحین کا مقام	۱۳۳
۵۷	مومن کی حاجت روائی	۱۳۶
۵۸	امام حسینؑ کی مظلومی	۱۳۸
۵۹	یہود آنحضرتؐ کی انتظار میں تھے	۱۴۱
۶۰	علیؑ قسیم الجنۃ والنار ہے	۱۴۳
۶۱	تمنائے موت	۱۴۴
۶۲	حکومتِ سلیمان اور جادو کی حرمت	۱۴۸
۶۳	نسخ آیات	۱۵۳
۶۴	خالق و رازق اللہ	۱۵۹
۶۵	بنی اسرائیل کی بدعنوانیاں	۱۶۰
۶۶	امتِ اسلامیہ کے لئے عبرت	۱۶۴
۶۷	امتحان ابراہیمؑ و عہدۂ امامت	۱۷۰
۶۸	مقام ابراہیمؑ	۱۷۷
۶۹	حضرت ہاجرہ کی ہجرت	۱۷۸
۷۰	زمزم کا ظاہر ہونا	۱۸۰
۷۱	وصیتِ ابراہیمی	۱۸۱
۷۲	پارہ ۲	۱۸۶
۷۳	تحویلِ قبلہ کا حکم	۱۸۷
۷۴	امتِ وسط	۱۸۹
۷۵	ظہورِ قائمؑ	۱۹۲
۷۶	شہدا کی زندگی	۱۹۶
۷۷	گریہ کا جواز	۲۰۰
۷۸	شاہ خدا بندہ کا ذکر	۲۰۰
۷۹	صفا و مروہ کا ذکر	۲۰۳
۸۰	ادلۂ توحید	۲۰۵
۸۱	پیروں و مریدوں کی ایک دوسرے سے بیزاری	۲۰۷
۸۲	قصاص کا ذکر	۲۱۱
۸۳	وصیت کا بیان	۲۱۳
۸۴	صدقۂ جاریہ	۲۱۶
۸۵	فضائل ماہِ مبارک رمضان	۲۱۹
۸۶	روزہ کے مفطرات	۲۲۶
۸۷	جن لوگوں کے لئے روزہ رکھنا جائز ہے	۲۳۲
۸۸	تاخیر قبولیتِ دعا	۲۳۴
۸۹	اعتکاف	۲۳۹
۹۰	غیر کا مال کھانا حرام ہے	۲۴۰

پارہ ۱

تفسیر

سُورۂ فاتحہ

اس سورہ کو بعض مکّی کہتے ہیں اور بعض مدنی کہتے ہیں اور بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورہ مبارکہ دو دفعہ نازل ہوا۔ ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ مدینہ میں۔ لہذا مکّی بھی ہے اور مدنی بھی۔ اس سورہ کی کل آیات سات ہیں جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی داخل ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان سے جو راندۂ درگاہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ③ مٰلِكِ يَوْمِ

حمد صرف اللہ کے لئے ہی ہے جو عالمین کا پروردگار رحمٰن رحیم (اور) مالکِ روزِ جزا

الدِّيْنِ ④ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ⑤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑥

ہے (میرے اللہ) صرف تیری ہم عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں ثابت رکھ ہم کو سیدھے رستے پر

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦

(یعنی) ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا

سُورۂ فاتحہ کے فضائل

مجمع البیان۔ ابی بن کعب سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جو مسلمان سُورہ فاتحہ کو پڑھے اس کو دو تہائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملے گا اور تمام مومنین و مومنات پر صدقہ کرنے کا اجر اُس کو عطا ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سورہ فاتحہ کے پڑھنے کا ثواب پُورے ختم قرآن کے ثواب کے برابر ہے الغرض جو شخص قرآن پڑھا ہوا نہ ہو تو اُس کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے بلکہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کرے خدا اُس کو پُورے قرآن کے پڑھنے کا اجر دیگا۔

نیز ابی بن کعب سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسالتمآبؐ کے حضور میں سُورہ فاتحہ پڑھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ید قدرت میں میری جان ہے خداوندِ کریم نے تورات۔ انجیل۔ زبور بلکہ خود قرآن میں بھی اس کی مثل نازل نہیں کی۔ یہ اُمّ الکتاب ہے اور یہی سبع مثانی ہے اور یہ اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم شدہ ہے اور بندے کے لئے ہے جو بھی سوال کرے۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ جابر بن عبداللہ انصاری کو حضور نے فرمایا کیا میں تجھے ایک ایسی سورت کی تعلیم دوں جس سے بہتر خداوندِ کریم نے کوئی سورت قرآن میں نازل نہ فرمائی ہو۔ جابر نے عرض کی جی ہاں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسُول اللہ

پس آپ نے اس کو سورۂ حمد تعلیم فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے جابر! اس کے متعلق میں تجھے کچھ بتاؤں؟ جابر نے عرض کی جی ہاں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ موت کے سوا ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جس کو الحمد تندرست نہیں کر سکتی اُس کو کوئی چیز تندرست نہیں کر سکتی۔

حضرت امیر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ مجھے ارشادِ خداوندی ہوا ہے یا مُحَمَّدُ وَلَقَدْ اٰتَیْنَاکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ۔ (ترجمہ) ہم نے تجھے سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا۔ پس اللہ تعالےٰ نے مجھے فاتحہ کا احسان الگ جتلایا اور پورے قرآن کے مقابلہ میں اس کو ذکر فرمایا اور تحقیق عرش کے تمام خزانوں میں سے فاتحہ زیادہ وزنی و قیمتی جوہر ہے۔ اور اللہ نے محمدؐ کو اس کے ساتھ مختص فرمایا اور کسی نبی کو اس نعمت میں شریک نہیں کیا۔ سوائے حضرت سلیمانؑ کے کہ اس کو اس کی ایک آیت عطا کی۔ چنانچہ بلقیس کے قول کو بیان فرماتا ہے۔ اِنِّیْ اُلْقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیْمٌ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ پس جو شخص محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ولا کا اعتقاد رکھتے ہوئے اور اس کے امر کی اطاعت کرتے ہوئے نیز اس کے ظاہر و باطن پر ایمان لاتے ہوئے اس کو پڑھے گا۔ خداوند کریم ہر ہر حرف کے بدلہ میں اس کو ایسی نیکی (نعمت) عطا فرمائے گا جو دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے افضل ہو گی۔ اور جو شخص سورہ فاتحہ کو کسی اور سے سُنے گا تو جس قدر پڑھنے والے کو ثواب ملے گا اُس کا ایک تہائی سُننے والے کو عطا ہو گا۔ پس ہر ایک کو یہ آسان نیکی زیادہ سے زیادہ حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ یہ غنیمت ہے ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور تمہارے دلوں میں حسرت باقی ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ اگر سورۂ فاتحہ کسی درد کے مقام پر ستّر مرتبہ پڑھی جائے تو وہ درد ضرور ختم ہو جائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ پانی کے پیالہ پر چالیس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر مریض پر چھڑکا جائے تو اس کو شفا ہو گی۔ بہر کیف سورہ فاتحہ کے فضائل اور اس کے خواص شیعہ و سنّی ہر دو فریق کی کتابوں میں بہت زیادہ منقول ہیں۔ گویا یہ سورہ مجیدہ روحانی و جسمانی ہر دو بیماریوں کے لئے شفا بخشی ہے بشرطیکہ نیت صاف ہو۔

چنانچہ علّامہ علی اکبر نہاوندی نے کتاب خزینۃ الجواہر صؔ ۲۸۵ و صؔ ۵۶۲ میں کتاب جامع النورین سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے کسی صحابی کا ہاتھ ایک جنگ میں کٹ گیا پس وہ حضرتؑ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کا کٹا ہوا ہاتھ اپنے مقام پر جوڑ کر آہستہ سے کچھ پڑھا پس وہ تندرست ہو گیا اور خوشی سے چلا گیا۔ پھر دوسرے دن حضرت کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی حضور میرے دست بریدہ پر آپ نے کیا پڑھا تھا کہ وہ تندرست ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے سورہ فاتحہ پڑھا تھا تو اُس شخص نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا۔ اچھا! آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھا تھا۔ بس یہ کہنا تھا کہ اُس کا وہی ہاتھ اُسی مقام سے دوبارہ جُدا ہو کر گر گیا۔

مرتے دَم تک ویسے کا ویسا رہا۔

کلامِ خدا میں یہ برکت ہے کہ بیماری تو بجائے خود مردہ بھی اس سے زندہ ہوسکتا ہے جیسا کہ ایک مقام پر خدا ارشاد فرماتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے پہاڑ چلائے جاسکتے ہیں۔ زمینوں کی مسافتیں طے کی جاسکتی ہیں اور مردوں سے کلام کیا جاسکتا ہے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ سورہ فاتحہ میں موجود ہے بلکہ گذشتہ روایت میں بھی موجود ہے کہ سُورہ فاتحہ باقی تمام سورتوں سے افضل ہے اور خداوندکریم نے بھی اس کو پورے قرآن کے مقابلہ میں ذکر فرمایا ہے تو سورہ فاتحہ کے پڑھنے سے بیمار کی تندرستی تو درکنار اگر مردہ میں روح پلٹ آئے تو یہ بھی بعید نہیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اگر کسی مردہ پر ستّر مرتبہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کی جائے اور خدا اس میں روح کو پلٹا دے تو تعجب کی بات نہیں۔

لطیفہ ۔ علاّمہ نہاوندی قدہ نے محدّث نوری قدہ کی کتاب دارالسّلام سے نقل فرمایا ہے کہ سیّد محمد موسوی نجفی ذکر کرتے ہیں کہ میں بچپنے کے زمانہ میں بلید (کند ذہن) تھا لیکن نوافل و تعقیبات کا دلدادہ تھا۔ ایک دن مصباح کفعمی کا مطالعہ کیا تو اس میں یہ حدیث نظر سے گذری جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر میّت پر چالیس مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھی جائے تو اس کے زندہ ہوجانے میں کوئی تعجب نہیں میں نے دل میں کہا کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ اس بات کے ہوتے ہوئے اپنے مردوں کو دفن کر دیتے ہیں اور سورہ فاتحہ پڑھ کر ان کو زندہ نہیں کر لیتے۔ پس ایک مکھّی کو پکڑ کر میں نے ایک حوض میں ڈبو دیا اور عصر تک اُسے ڈبوئے رکھا جب مجھے اس کی موت کا یقین ہوگیا تو اُس کو پانی سے باہر نکال کر خشک مقام پر رکھا اور اس کے دوبارہ زندہ کرنے کی نیت سے اس پر سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کیا اور اس پر دم کرتا گیا جب تیس مرتبہ پڑھ چکا تو اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اُس مکھی نے اپنے پاؤں کو حرکت دی اور اپنے پروں کو مس کیا اور ابھی چالیس مرتبہ تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ مکھی پرواز کر کے چلی گئی۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ مکھّی شاید پہلے سے زندہ ہو۔ اور اُس پر موت واقع نہ ہوئی ہو اور مجھے اس کی موت کا اشتباہ ہوا ہو۔ پس دوسرے دن ایک اَور مکھّی پکڑ لی اور اس کو صبح سے لے کر ظہر تک برابر پانی میں ڈبوئے رکھا اور پھر نکال کر عصر تک زمین پر اُسے ڈال دیا۔ اس میں کوئی حس و حرکت نہ تھی۔ جس سے مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مرچکی ہے۔ پس میں نے سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیا اور اس مرتبہ بھی چالیس تک نہ پہنچا تھا کہ مکھی باذنِ خدا زندہ ہوکر ہوا میں پرواز کر گئی۔

سورہ فاتحہ کے مقدم ہونے کی وجہ

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کا ایک مشہور فرمان جس کو علاّمہ نہاوندی قدس سرّہ نے خزینۃ الجواہر ص۳۳ و ص۷۴ میں نقل فرمایا ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ تمام آسمانی کتابوں کا علم قرآن مجید میں ہے۔ اور تمام قرآن کا علم سورہ فاتحہ میں موجود ہے۔ اور جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہے۔ اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ اس نقطہ میں ہے جو باء کے نیچے ہے

اور میں وہی نقطہ ہوں۔ اسی ذیل میں علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ من جملہ باقی وجوہ کے سورہ فاتحہ کے باقی قرآنی سورتوں پر مقدم ہونے کی یہ بھی ایک وجہ ہے کیونکہ سورہ فاتحہ کو باقی قرآن کے ساتھ اجمال و تفصیل کی نسبت حاصل ہے یعنی قرآن میں جو کچھ تفصیل کے ساتھ درج ہے وہ سورہ فاتحہ میں اجمالاً موجود ہے۔

اَلْحَمْدُ قرآن مجید میں خداوند کریم کی تمجید تحمید تسبیح۔ تقدیس تہلیل۔ تکبیر شکر و رضا جس قدر تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں لفظ الحمد ان کا اجمالی خاکہ ہے۔

لِلّٰهِ۔ قرآن مجید میں جس قدر صفات جلال و کمال ذاتِ احدیت کے لئے بیان ہوئے ہیں لفظ للّٰہ ان سب کا اجمال ہے۔

رَبِّ۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں ربوبیّت کا تفصیلی ذکر ہے لفظ رَبّ میں وہ سب کچھ اجمالاً موجود ہے۔

اَلْعَالَمِیْنَ۔ کتاب مجید میں آسمانوں، زمینوں، جنّوں، انسانوں، وحوش، طیور، انبیا، اولیا، نیکوں اور بدوں بلکہ جمیع مصنوعات کی جس قدر تفصیل ہے وہ لفظ اَلْعَالَمِیْنَ میں بند ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ۔ قرآن میں جس قدر۔ رزق۔ انعام۔ احسان۔ اکرام وغیرہ مذکور ہیں لفظ اَلرَّحْمٰن اُن سب پر مشتمل ہے۔

اَلرَّحِیْمِ۔ کلام مجید میں جہاں کہیں وسعتِ رحمت اور گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہے لفظ الرّحیم سب کو شامل ہے۔

مَالِكِ۔ قرآن شریف میں خدا کی قدرت و عظمت۔ اس کی بقا و سرمدیت اور اس کا بے مثل و بے مثال اور لاشریک ہونا یہ سب کچھ کلمہ مالک میں جمع ہیں۔

یَوْمِ الدِّیْنِ۔ پورے قرآن میں جس قدر قیامت۔ مواقفِ حساب۔ نعمات و جملہ احوالِ بہشت اور درکات و خطراتِ جہنم میزان و صراط وغیرہ کے تفصیلی تذکرے ہیں وہ لفظ یَوْمِ الدِّیْن میں سمائے ہوئے ہیں۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ۔ جملہ عبادات جن کا قرآن میں ذکر ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے اندر موجود ہیں۔

وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ کلام اللہ میں ذکر استعانت، توکل اور طلب مدد جہاں بھی مذکور ہے وہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں مندرج ہیں

اِهْدِنَا۔ قرآن میں ہدایت و ارشاد، دعا و سوال اور تضرع وغیرہ کا جہاں ذکر ہے اِهْدِنَا اس کا جامع ہے۔

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ قرآن پاک میں جملہ حلال و حرام، اوامر و نواہی اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ۔ کتاب پاک میں جس قدر نیک لوگوں کے حالات۔ اُن کے طریقے، اُن کی سُنّتیں، سیرتیں اُن کا سبب نجات اور بلندیٔ درجات وغیرہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ ان لفظوں میں اختصار کے ساتھ مندرج ہیں۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ۔ بنی اسرائیل کے حالات و قصص۔ اُن کا کفرانِ نعمت۔ تکذیب انبیاء و قتل انبیاء اور ان کا گناہ

پر اصرار اور پھر اُن پر غضبِ خدا و عذاب کا نزول قرآن میں جتنی تفصیل سے مذکور ہے وہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں سمایا ہوا ہے۔

وَلَا الضَّالِّيْنَ۔ فرعونوں۔ جابر بادشاہوں۔ نصرانیوں اور مشرکوں گمراہوں کی پوری قرآنی تفصیل کا یہ اجمالی عنوان ہے۔ پس اسی لئے سورہ فاتحہ کو تمام قرآنی سورتوں پر مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اجمال تفصیل سے پہلے ہوا کرتا ہے۔

اقول ۔ جس طرح سورہ فاتحہ پورے کلام اللہ کا اجمال ہے۔ اسی طرح آیہ کریمہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پورے سورہ فاتحہ کی اجمالی تصویر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ ۔ لفظ اللہ عَلَم ہے اس ذات کا جو واجب الوجود اور جامع جمیع صفات کمال ہے۔ لہٰذا اس لفظ میں جملہ صفاتِ جلال و کمال اور تمام صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ اجمالاً درج ہیں۔ پس تحمید و تسبیح و تہلیل و عبادت و استعانت وغیرہ کا سزاوار ہونا اسی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

اَلرَّحْمٰنِ ۔ تمام نعماتِ دنیاویہ و دینیہ کا بیان اسی مختصر سی لفظ میں سمویا ہوا ہے۔

الرَّحِيْمِ ۔ چونکہ یہ لفظ خصوصی انعامات کے لئے ہے جو قیامت کے روز مومنین پر کئے جائیں گے اور دشمنانِ خدا ان سے محروم ہوں گے۔ لہٰذا قیامت کے اَحوالات اور اُخروی انعامات اور کفار کی بری بازگشت وغیرہ کے لئے لفظ الرّحیم کو جامع کہا جا سکتا ہے۔

روایت گذشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ ذاتِ ربّ العزت نے جناب رسالت مآبؐ پر قرآن مجید کے ساتھ سورہ فاتحہ کا بالخصوص امتنان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۔ (ترجمہ) ہم نے تجھے سبع مثانی (فاتحہ) اور قرآن عظیم عطا کیا۔ پس سورہ فاتحہ کا قرآن مجید کے مقابلہ میں ذکر کرنا بھی غالباً اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ تفصیل سے بیان ہوا ہے سورہ فاتحہ میں وہ اجمالاً درج ہے۔ یہ سورہ مجیدہ اصولِ دین۔ توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ قیامت کے بیان کو جس طرح متضمن ہے اسی طرح جملہ فروعِ دین نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خمس، جہاد۔ تولیٰ۔ تبرا کو اجمالاً اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ گویا اس سورہ کے ہر ہر لفظ میں علومِ قرآنیہ و مطالب شرعیہ کے دفتر پنہاں ہیں جن کو کما حقہ سوائے راسخین فی العلم کے اور کوئی نہیں پا سکتا۔ چنانچہ مولائے کائنات۔ حلّالِ مشکلات حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے ابن عباس رضی اللہ کے سامنے تفسیر بائے بسم اللہ بیان کرنا شروع کی حتیٰ کہ صبح نمودار ہو گئی۔ اور ایک مقام پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتا جاؤں تو اس سے ستر اونٹ بار ہو سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے تو ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ میرا اور جناب رسالت مآبؐ کے تمام صحابہ کا علم حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح ایک قطرۂ آب سات سمندروں کے مقابلہ میں۔ ہم نے یہ حدیث اور اس باب کی اکثر احادیث معہ حوالہ جات کتب

اسی کتاب کی پہلی جلد یعنی مقدمۂ انوار النجف میں اصل عبارتوں کے ساتھ مختلف عناوین کے تحت میں بیان کر دی ہیں۔ (مقدمہ تفسیر ص۱۳۹ و ص۱۵۶) کور باطن یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ سورہ فاتحہ کی آیات آپس میں بالکل بے ربط و بے جوڑ ہیں۔ لہذا اس سے ایک مسلسل مضمون حاصل نہیں ہو سکتا حالانکہ چشم بصیرت سے لمعاتِ حقیقت پر نظر ڈالنے سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ جو لطافتِ بیان سورہ مجیدہ فاتحہ میں پائی جاتی ہے اور جس حُسنِ انداز سے علومِ قرآنیہ کو اس مختصر سورہ میں سمو دیا گیا ہے وہ صرف اسی کلام پاک کا حصہ ہے جو اس کی اعجازی حیثیت کی واضح دلیل ہے۔

گویا پورے قرآن مجید کے تفصیلی بیان کے لئے سورہ فاتحہ موضوع کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور سورہ فاتحہ کے لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم موضوع بیان ہے تو بس آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پورے قرآن مجید کا موضوع ٹھہری اور سورہ فاتحہ اس کا ایک سرسری ترجمہ ہے اور الحمد سے لے کر والناس تک پورا کلامِ پاک انہی مطالب کا تفصیلی بیان ہے۔ اب یہ کہنا بالکل درست اور قرینِ عقل ہے کہ کتبِ سماویہ کے تمام علوم قرآن میں ہیں اور قرآن کے تمام علوم سورہ فاتحہ میں ہیں۔ اور سورہ فاتحہ کے تمام علوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہیں۔ اب رہا یہ کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جمیع علوم بائے بسم اللہ میں اور بائے بسم اللہ کے جملہ علوم اس نقطہ میں ہیں جو با کے نیچے ہے تو اس میں اشکال تب ہو سکتا ہے کہ باء سے مراد یہی حرف لیا جائے جو حروفِ تہجی میں دوسرے نمبر لکھا جاتا ہے اور نقطہ سے مراد وہی ظاہری نقطہ لیا جائے جو حرف باء کے ساتھ لازم کی حیثیت رکھتا ہے لیکن حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بیان کے آخر میں اس خیال کی تردید فرما دی ہے کہ نقطہ سے مراد میں ہوں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ باء سے مراد باطناً وجود ذیجود جناب رسالت مآب ہے۔ کیونکہ یہ دونوں ایک حقیقت نوری کے دو حصے ہیں (اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ) اب مطلب صاف ہے کہ وہ تمام علوم جو بسم اللہ میں ہیں وہ جناب رسالت مآب کے پاس ہیں۔ اور وہ تمام علوم جو جناب رسالتمآب کے پاس تھے وہ حضرت علیؑ کے پاس ہیں چنانچہ خود رسالت مآب کا ارشاد ہے۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا عَلِیٌّ خَازِنُ عِلْمِیْ عَلِیٌّ وِعَاءُ عِلْمِیْ۔ یہ حدیثیں باختلاف عبارات معہ حوالہ جات کتب اسی کتاب کی پہلی جلد میں بیان کی جا چکی ہیں (مقدمہ تفسیر ص۸۳ تا ص۹۵ و ص۱۰۱) نقطہ بائے بسملہ کا مفصل بیان ایک مستقل عنوان کے تحت ہو گا۔ نیز سورہ فاتحہ کا نام "اُمّ الکتاب" ہونا اسی بات کی دلیل ہے کہ قرآن کے جملہ مضامین کی یہ اصل ہے کیونکہ اُمّ کا معنی ماں ہے اور ماں اولاد کے لئے اصل اور اولاد اس فرع ہوتی ہے اور اصل کا فرع سے مقدم ہونا ضروری ہے۔ اور اسی سورہ کا نام "الاساس" بھی اسی کا مؤید ہے کیونکہ اساس کا معنی بنیاد ہوتا ہے گویا سورہ فاتحہ بنیاد ہے پورے قرآن کی لہذا اس کا مقدم ہونا لازمی ہے اور ترتیب آیات سورہ فاتحہ۔ عنوان میں اس بیان کی مزید وضاحت آ جائے گی۔

سورہ فاتحہ کے اسماء اور وجہ تسمیہ

الفاتحہ۔ فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام قرآنی سورتوں سے یہ پہلے

اور اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

اُمّ الکتاب۔ اَلْاَسَاس۔ ان دو ناموں سے سورہ مجیدہ فاتحہ کی وجہ تسمیہ ابھی بیان کر دی گئی ہے۔

اَلشِّفَاء۔ سورہ مذکورہ کے فضائل کے بیان سے وجہ تسمیہ صاف ظاہر ہے۔

اَلسَّبع۔ چونکہ اس سورہ کی کل آیات سات ہیں اور سبع بھی سات کو کہتے ہیں۔

اَلْحَمْد۔ کیونکہ اس میں پروردگار عالم کی حمد بیان کی گئی ہے۔

الوَافِیہ۔ کیونکہ ہر نماز میں خواہ واجب ہو یا سُنّت اس کا پُورا پڑھنا ضروری ہے اور وافیہ کا معنی ہے پوری۔

الکافیہ۔ یہ اس لئے کہ یہ سُورہ نماز سنتی میں تنہا کافی ہے اور واجبی نمازوں میں بھی بعض مقامات پر تنہا کافی ہو سکتی ہے۔ اور دوسری کوئی سورت نماز میں تنہا کافی نہیں ہے۔

اَلصَّلٰوۃ۔ یہ اس لئے کہ نماز میں اس سُورہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ چنانچہ مشہور حدیث ہے۔ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ اُلْکِتَاب۔ یعنی کوئی نماز بغیر فاتحہ کے درست نہیں۔

اَلْمَثَانِی۔ اس نام کے متعدد وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ چونکہ ہر نماز میں خواہ فرض ہو یا سنّت اس کو دو دفعہ پڑھنا ضروری ہے اس لئے اس کو مثانی کہتے ہیں۔

۲۔ یہ سورہ مبارکہ دو دفعہ نازل ہُوئی۔ ایک دفعہ مکہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ میں اس لئے اس کو مثانی کہا جاتا ہے۔

۳۔ یہ سورہ دو حصوں میں منقسم ہے ثناء خالق اور سوال مخلوق جیسا کہ بعض احادیث سے یہ مضمون مذکور ہو چکا ہے۔

۴۔ اس سورہ کی سات آیتیں ہیں اور ہر آیت دو معنے رکھتی ہے۔

اسماء وصفات حق تعالیٰ کی دو قسمیں ہیں ایک اس کی عظمت وقدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور دوسرے اس کی رحمت اور مہربانی کو ظاہر کرتے ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں دونوں پائے جاتے ہیں۔

شکر کی دو قسمیں ہیں ایک ذات وصفات پر اور دوسرے احسانات وانعامات پر اور الحمد للہ میں دونوں شکر کی قسمیں موجود ہیں۔

عالم دو ہیں۔ دنیا وآخرت اور ربُّ العالمین دونو کو شامل ہے۔

رحمت کی قسمیں دو ہیں۔ دنیا میں اور قیامت میں اور الرحمن الرحیم میں دونوں موجود ہیں۔

بدلہ وجزا دو چیزوں کے مقابلہ میں ہوتا ہے ایک نیکیوں کا دوسرا برائیوں کا اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں دونو آجاتے ہیں۔

اطاعت کی دو قسمیں ہیں۔ عبادت اور عبودیت اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں دونوں پائی جاتی ہیں۔

طلب مدد دو چیزوں کے لئے ہوتی ہے۔ اچھی چیز حاصل کرنے کے لئے اور بری چیز کو روکنے کے لئے اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن دونوں معنوں کو شامل ہے۔

ہدایت دو مقام کے لئے ہے۔ ایک معرفت اور دوسرے اطاعت اِھْدِنَا سے دونوں مراد ہیں۔

گمراہی دو قسم کی ہے ایک اہل کتاب کی اور دوسری مشرکین وغیرہ کی اور آخر سورہ میں دونوں کا بیان ہے۔ ان وجوہ کے علاوہ اس سورہ کو المثانی کہنے کے اور وجوہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ جن کا ذکر کرنا غیر ضروری ہے۔

ترتیب آیات سورہ فاتحہ

مراتب ارتقاء میں پہلا مرتبہ علم کا ہے۔ اس کے بعد عمل اور پھر نتیجہ ذات احدیت نے جنوں اور انسانوں کے مقصد خلقت کے متعلق ارشاد فرمایا مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن (ترجمہ) ہم نے جنوں اور انسانوں کو نہیں خلق کیا مگر عبادت کے لئے عبادت، معرفت اور جزا دونوں کے درمیان میں واقع ہے معرفت عبادت سے پہلے ہے اور عبادت جزا سے مقدم ہے۔ پس خداوند کریم نے انسان کو پہلے پہل معرفت کا درس دیا اور کلام مجید کو لفظ بسم اللہ سے شروع فرمایا اور بندے کو تعلیم دی کہ ہر کام سے پہلے اللہ کا نام لینا ضروری ہے اور چونکہ ذات اللہ کا تصور حقیقی بندہ کے لئے ناممکن تھا۔ اس لئے اس کے بعد الرحمٰن الرحیم کا اضافہ کر دیا تاکہ یہ سمجھ میں آجائے کہ تمام نعمات چھوٹی یا بڑی کا فیضان جس ذات کی طرف سے ہے وہ ہے اللہ۔ اب یہ بھی خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ چونکہ تمام نعمات میں اہم نعمت وجود ممکنات ہے اور اللہ ہی اس کا منعم ہے تو اس کی ذات قدیم ہے اور وجود ممکنات حادث ہے۔ اور وجود ممکنات کا حسن نظام سے برقرار رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا صانع حقیقی قادر بھی ہے علیم و حکیم بھی ہے اور چونکہ ممکنات تغیر سے خالی نہیں تو ماننا پڑے گا کہ ان کا موجد باقی و غیر فانی ہے۔ اس میں تغیر آہی نہیں سکتا اور نیز اس کا مرید و مدرک ہونا بھی ضروری ہے۔ بس صرف اسی آیت میں غور و فکر کرنے سے اس کی جملہ صفات ثبوتیہ و سلبیہ کی معرفت ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفات کمال کی جامع ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ورنہ نظام کا درہم برہم ہو جانا ضروری ہے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے۔ لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (ترجمہ) اگر آسمان و زمین میں اللہ کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہوتے تو ان کا نظام فاسد ہو جاتا۔ یعنی نظام کائنات کی بقا اس کے باقی اور لاشریک ہونے کی ظاہر و واضح دلیل ہے۔

پس جب انسان کے ذہن میں خدا کی معرفت آگئی اور یہ سمجھ لیا کہ میرا بلکہ کل کائنات کا وجود اور دنیا کی تمام نعمات اللہ ہی کی طرف سے ہیں تو عقل انسان کو خود پکار کر کہے گی کہ اس منعم حقیقی کا شکر ادا کیا جائے جو عالمین کا رب ہے اب شکر کا وجود سمجھ لینے کے بعد اس کی طرف سے آئے ہوئے تمام اوامر و نواہی کو معلوم کر کے ان پر عمل کی کوشش کرے گا اور اس کے بھیجے ہوئے

رسولوں کے دروازہ پر دستک دئے بغیر چونکہ یہ مرحلہ طے کرنا مشکل ہے لہٰذا معرفت خدا کے بعد عمل و عبادت کے لئے معرفت نبیؐ و امامؑ کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ اسی کتاب کی جلد اوّل میں توحید و ضرورت نبیؐ و ضرورت امام کے عناوین میں تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے پس آیہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔ معرفت کے بعد عبادت کی منزل کو ظاہر کرتی ہے۔

منعم حقیقی کا شکر ادا کرنے کے لئے جب نبیؐ یا امام سے احکام شرعیہ کی تعلیم پالی تو مقتضائے بشریت کے لحاظ سے اس میں بھول چوک کا ہونا ضروری تھا اور یہ اندیشہ تھا کہ مبادا انسان اپنی کوتاہیوں کے پیش نظر اس کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔ لہٰذا بعد میں پھر الرحمٰن الرحیم کا اعادہ فرما دیا جس میں لطیف اشارہ ہے اس طرف کہ اے انسان مقام الطاعت و ادائیگی شکر میں اگر تجھ سے کچھ کوتاہی ہو بھی جائے تو مایوس نہ ہو کیونکہ میں رحمٰن و رحیم ہوں جس طرح وجودِ کائنات اور اس میں تمام ظاہری انعامات میری طرف سے ہیں اسی طرح آخرت کے انعامات و مہربانیاں بھی میری ہی طرف سے ہوں گی اور جس طرح میں رب العالمین ہوں اسی طرح رحمٰن و رحیم بھی ہوں۔ خطا سرزد ہو جانے کے بعد تو اگر توبہ کرے گا تو میں اپنے رحم و کرم سے تجھے معافی دے دوں گا۔ اور اس کے بعد فرمایا مالک یوم الدین یعنی قیامت کا معاملہ میری ذات سے ہی وابستہ ہے کیونکہ اس دن اور کسی کی کوئی ملکیت نہ ہوگی۔ نیز اس آیت سے متنبہ کر دیا کہ اے انسان اپنے نتیجہ سے غافل نہ ہو۔ جس طرح میں ایجاد خلق میں منفرد ہوں اور میں نے اپنے ارادہ سے ہی تمام کائنات کو وجود بخشا ہے اور تجھے مقام اطاعت پر لا کھڑا کیا ہے۔ اسی طرح تجھے اپنی کارکردگی کا بدلہ دینے کے لئے بھی صرف میں ہی ہوں جس طرح ایجاد میری قدرت سے ہے اسی طرح اعادہ بھی میری قدرت سے ہوگا۔ مجھ سے بھاگ کوئی نہیں سکتا تجھے شکر گذاری کی جزا ضرور دوں گا اور اگر احسان فراموشی کر کے سرکشی کرے گا تو اس کی سزا بھی ضرور دوں گا۔

پس یہاں تک پہنچ کر انسان نے مقامِ دنیا میں اپنے پیش و پس کو یعنی مبدأ و معاد کو سمجھ لیا بلکہ دیکھئے کہ من این و فی این و الی این۔ یعنی کہاں سے آیا اور کہاں آیا اور کہاں جانا ہے۔ تینوں منازل کا تصوّر سامنے آگیا کہ اللہ نے بھیجا اور مقام الطاعت و عبادت و شکر میں بھیجا اور مقام جزا و سزا (قیامت) میں حاضر ہونا ہے جب انسان اس منزل معرفت تک پہنچ چکا اور جان لیا کہ میرے ماضی حال مستقبل سب اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ مبدأ و معاد کا مالک صرف وہی ہے۔ تو پس اس کی عظمت قدرت ہیبت جلالت آنکھوں کے سامنے آگئی اور غیب سے خطاب کی طرف پلٹ گیا جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ اَلْمَعْرِفَۃُ بَذْرُ الْمُشَاهَدَةِ وَالرُّؤْيَةُ ثَمَرَۃُ الْيَقِيْن یعنی معرفت مشاہدہ کا بیج ہے اور رؤیت یقین کا پھل ہے یعنی کسی چیز کی معرفت جب کامل ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سامنے ہے اور گویا میں اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اسی طرح جب کسی شے کے وجود کا یقین کامل ہو جاتا ہے تو وہ شے اگرچہ ظاہراً آنکھوں سے اوجھل ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ چنانچہ بحار الانوار ج میں منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کبھی اپنے خدا کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے بے دیکھے خدا کی عبادت کبھی نہیں کی

سائل نے عرض کیا وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ آنکھیں اس کو بصارت ظاہریہ سے نہیں دیکھ سکتیں بلکہ دل بصیرت ایمانیہ سے اِس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

پس معرفت کے بعد زبان پر یہ کلمات جاری ہوئے اِیَّاکَ نَعْبُدُ۔ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اِس مقام پر نَعْبُدُکَ نہیں کہا اور اِیَّاکَ کو مقدم کیا تاکہ انسان مقامِ اطاعت و عبادت میں بھی پہلے معبود کا تصوّر کرے اور پھر عبادت کو سامنے لائے یعنی عبادت کو معرفت کے پیچھے قرار دے اور چونکہ مقامِ عبادت میں حقِ عبادت کا ادا کرنا انسان کے اپنے بس سے باہر ہے تو فوراً دوسرا جملہ انسان کی تعلیم کے لئے ارشاد فرمادیا کہ انسان یہ کہے وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اے اللہ ہم اس مرحلۂ عبادت میں بھی تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں کیونکہ اگر تیری توفیق شاملِ حال نہ ہو تو ہماری کوتاہیاں ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچنے سے مانع رہیں گی۔ نیز یہ بھی احتمال ہوسکتا تھا کہ مقامِ عبادت میں مبادا یہ خیال پیدا ہو کہ میں عابد ہوں اور حق واجب شکر ادا کر رہا ہوں۔ پس میں اپنے کمال پر پہنچ گیا۔ اس تکبّر کے شائبہ کو رفع کرنے کے لئے اس طرف متوجہ کیا گیا کہ توفیقِ عبادت بھی بغیر اسی ذات کی عنایت و امداد کے نہیں ہو سکتی یعنی انسان کا عبادت گذار ہونا بھی اس کی ایک جدا نعمت ہے اور اسی کا فیض ہے اس پر بھی شکر گذار ہونا چاہیے۔

مقامِ عبادت میں کھڑے ہو کر یہ خیال کرنا چونکہ ضروری ہے کہ آیا جس کو میں عبادت و اطاعت سمجھ رہا ہوں یہی عبادت و اطاعت ہے بھی سہی؟ کیونکہ اپنی عقل تعیینِ عبادت میں کوتاہ ہے (جیسا کہ ہم نے کتاب کی جلد اوّل ضرورت نبیؐ کے باب میں اس کو کافی تفصیل سے بیان کیا ہے) پس ضرورت محسوس ہوئی کہ مقامِ اطاعت و معصیت کے سمجھانے کے لئے خود خدا نے جن برگزیدہ افراد کو نامزد فرمایا ہے اور ان کو اپنی طرف سے بندوں کی طرف عہدہ سفارت عطا فرما کر رسوؐل نبی و امام کے لقب سے ملقب فرمایا ہے یہ طریقے ان ہی سے حاصل کئے جائیں۔ اور یہ مرحلہ بھی چونکہ اس کی توفیق و تائید کے بغیر طے ہونا مشکل تھا اس لئے ہماری تعلیم کے لئے ارشاد فرمایا۔ اے انسان راہِ ہدایت اور ہادی کی تلاش میں بھی مجھ سے توفیق طلب کر اور پھر راہِ حق پر ثابت قدم رہنے کے لئے بھی مجھ سے توفیق کی دُعا مانگ اور کہہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اے اللہ سیدھے رستہ پر گامزن ہونے کی اور اس پر ثابت قدم رہنے کی مجھے توفیق دے۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ یعنی ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام نازل فرمایا نہ اُن لوگوں کا رستہ جو مقامِ اطاعت میں اپنے من گھڑت طریقوں پر چلنے کی وجہ سے تیرے غضب کے نیچے آگئے اور گمراہ ہوگئے۔

یا یوں عرض کروں کہ انسان مرکب ہے دو اہم جزوں سے ایک روح اور دوسرے جسم۔ روح جزو اشرف و اعلیٰ ہے اور جسم جزو اخس و ادنیٰ ہے۔ روح راکب ہے اور جسم اُس کا مرکب ہے۔ رُوح محلِ معرفت ہے اور جسم محلِ عمل ہے۔ پس خداوند کریم نے تعلیم معرفت سے ابتدا فرمائی جس کا اہل روح ہے۔ پس جملہ صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ کی طرف اس کو متوجہ فرمایا اور اپنی ربوبیّت اُلوہیّت کا اعتراف لیا

اور اپنے مبدأ و معاد میں مالک کل ہونے کا درس دیا جب رُوح نے مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک پہنچ کر منازلِ معرفت طے کر لیں تو جسم چونکہ روح کے تابع اور مرکب کی حیثیت سے ہے لہذا اس کے اعضا بول اُٹھے اور اپنے راکب (روح) کے ارادہ سے متاثر ہو کر خالق کائنات کی عظمت وجلال کو مدّ نظر رکھتے ہوئے پکار اُٹھے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اور اپنی خطا کے امکان کو محسوس کر کے دعا مانگ لی کہ میرے مالک تو مجھے اس مقام پر ثابت قدم رکھ کہ انعام پانے والوں کے رستہ سے ہمارے قدم ڈگمگا نہ جائیں تاکہ مستحقین غضب اور گمراہوں کی طرح ہمارا حشر نہ ہو۔ اور جمع کی ضمیریں ذکر کی گئیں جس سے لطیف اشارہ کیا گیا ہے کہ بندوں کے لئے لازم ہے کہ مل جل کر بارگاہِ پروردگار میں کھڑے ہو کر یہ آیات اپنی زبانوں سے جاری کریں تاکہ بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت کو پہنچیں گویا ضمنی طور پر یہ آیات نماز جماعت کی تاکید پر دلالت کر رہی ہیں۔

نیز اس تفصیلی بیان سے سورہ فاتحہ کا علوم قرآنیہ کے لئے جامع ہونا مدلّل طور پر معلوم ہو گیا اور باقی سُوَرِ قرآنیہ پر اس کی تقدیم کی زیادہ وضاحت ہو گئی کیونکہ علوم کل تین ہیں۔ مبدأ کا علم معاد کا علم اور دار التکلیف میں انسان کے اپنے فرائض کا علم جس کو علم الوسیط کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ یہ مبدأ و معاد کے وسط (درمیان) میں ہے اور پورے قرآن مجید میں ان ہر سہ علوم کی ابحاث ہیں۔ اور انہیں کے بیانات و براہین و توضیحات ہیں اور سورہ فاتحہ میں یہ تینوں علم اجمالی طور پر بیان کر دیے گئے ہیں۔ پس یہ اُمّ الکتاب بھی ہے اور الاساس بھی اور پورے قرآنی بیانات کے لئے بحیثیت موضوع بھی ہے لہذا تمام قرآنی سورتوں پر مقدم ہے اس بیان کی ایک اور توجیہ مستقل طور پر آیات فاتحہ کی معنوی توجیہ کے عنوان میں بیان ہو گی۔

فائدہ۔ چونکہ تلاوتِ کلام اللہ معنوی طور پر حق سبحانہ سے مکالمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہذا شروع سے پہلے تمام ان علائق خارجیہ سے جو فیضانِ انوارِ قدسیہ سے حرمان یا بُعد کا موجب ہوں۔ اپنے دل و دماغ کو پاک وصاف کر لینا ضروری ہے اور وساوس شیطانیہ کے جال سے طائر خیال کو آزاد کر کے تلاوت کرے تاکہ فیوضِ قدسیۂ الٰہیہ سے زیادہ سے زیادہ بہرہ ور ہو سکے۔ لہذا تلاوت سے قبل اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھے یعنی اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اُس شیطان سرکش سے جو راندۂ درگاہ خدا اور لعنت کا نشانہ ہے۔ خود ذاتِ احدیت کا ارشاد ہے فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ یعنی جب قرآن پڑھو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اور اسی کو استعاذہ کہتے ہیں۔ سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے اور اسی وجہ سے گو سورہ فاتحہ بلکہ قرآن کے کسی سورہ کا یہ جزو نہیں لیکن سورہ فاتحہ سے پہلے اس کو لکھا جاتا ہے تاکہ پڑھنے والا جب بھی ابتداء سے تلاوت کرے تو پہلے استعاذہ کر لیا کرے اور پھر قرآن پڑھے اسی طرح نماز میں بھی سورہ فاتحہ سے پہلے آہستہ سے استعاذہ پڑھنا مستحب ہے۔

فائدہ۔ سورہ فاتحہ میں جب انسان اولاً منازلِ معرفت کی سیر کرتا ہے۔ اور پھر مقام اطاعت میں اپنے

آپ کو پاکر اپنے مالک حقیقی سے مکالمہ کا شرف حاصل کرتا ہے اور اس سے راہِ حق پر ثبات قدمی کی دعا مانگتا ہے تو اس وقت گویا تمام علائق و موانع خارجیہ سے منقطع ہو کر اپنی ذات کو اللہ کی بارگاہِ قدس میں پاکر قربتِ خداوندی کی لذتوں سے بہرہ اندوز ہو رہا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ خدا کے غضب کردہ اور راہِ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے میرا شمار نہیں۔ لہذا اختتامِ سورہ فاتحہ پر اگر نماز با جماعت ہو تو پیش نماز جب کہے وَلَا الضَّالِّيْنَ آہستہ سے مقتدی کہیں. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ گویا معنوی طور پر پیش نماز کی قرأت اپنے اور مقتدیوں کے راہِ حق پر گامزن ہونے اور نماز کے مقبول ہونے کی بشارت ہوتی ہے۔ لہذا مقتدیوں کے لئے بطور شکر آہستہ سے الحمد للہ رب العالمین پڑھنا مستحب ہے ہمارے نزدیک آمین کہنا اس مقام پر بے جا ہے اور اگر نماز میں عمداً کہے گا تو نماز باطل ہو گی۔

فضائل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر برہان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے خداوند کریم اس کے لئے جنت میں ستر ہزار محل یاقوت سرخ کے بناتا ہے کہ ہر محل میں ہزار گھر سفید موتی کے اور ہر گھر میں ستر ہزار تخت زبرجد سبز کے اور ہر تخت پر ستر ہزار فرش سندس واستبرق کے اور ہر ہر فرش پر ایک ایک حور العین اور ہر ہر حور کے ستر ہزار گیسو جو موتیوں اور یاقوتوں سے آراستہ ہوں گے اور اُن کے دائیں رخسارہ پر محمد رسول اللہ بائیں رخسارہ پر علی ولی اللہ اس کی پیشانی پر حسنؑ اور ٹھوڑی پر حسینؑ اور دونوں ہونٹوں پر لکھا ہو گا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ راوی نے دریافت کیا کہ حضور یہ انعام کس شخص کو ملے گا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو حرمت و تعظیم سے پڑھے گا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ روایت کی طرز بتلاتی ہے کہ یہ انعام آلِ محمدؐ کے موالیان و محبان ہی کے لئے مختص ہے۔

نیز حدیث نبوی میں ہے کہ مومن جب پل صراط سے عبور کرے گا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو زبان پر جاری کرے گا تو جہنم کے شعلے خاموش ہو جائیں گے اور جہنم کہے گی. گذر جا اے مومن کیونکہ تیرا نور میرے شعلوں کو بجھا رہا ہے۔

حدیث نبوی میں ہے کہ جب معلم کسی بچے کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تعلیم دیتا ہے تو خداوند کریم اس بچے اور اس کے والدین اور معلم کے لئے آتشِ جہنم سے آزادی فرض کر دیتا ہے۔

ایک روایت میں ہے جس کو تفسیر عمدۃ البیان میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک قبر سے گذرے کہ قبر والے پر ملائکہ عذاب نازل ہو رہے تھے۔ پس آپ گذر گئے۔ جب واپسی پر وہاں سے گذر ہوا تو اسی قبر پر ملائکہ رحمت کا نزول دیکھ کر متعجب ہوئے اور عرض کی یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو وحی نازل ہوئی۔ اے عیسیٰ یہ بندہ بہت گنہگار تھا لیکن جب مرا تو اس کی زوجہ حاملہ تھی اس کا بچہ پیدا ہوا تو اس کو تعلیم کے لئے معلم کے سپرد کیا گیا معلم نے اس کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا درس دیا۔ پس مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس بندہ کو قبر میں عذاب کروں جس کا بچہ میرا نام لے رہا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب ہمارا شیعہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ترک کرتا ہے تو خدا اس پر کوئی آزمائش نازل کر دیتا ہے اور اس کو اپنے شکر کی طرف متوجہ فرماتا ہے پھر اس کی وہ کوتاہی معاف کر دیتا ہے۔

تفسیر عمدۃ البیان میں ہے۔ جناب رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں نے پانی۔ دودھ۔ شہد اور شراب کی چار نہریں دیکھیں۔ جبریل سے دریافت کیا تو جبریل نے عرض کی کہ مجھے حکم ہے کہ آپ کو ان نہروں کے منبع کی سیر کراؤں۔ پس ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک قبہ ہے جس کا دروازہ مقفل ہے جبریل نے کہا کہ آپ انگلی کا اشارہ اس قفل کی طرف کریں تاکہ قفل کھل جائے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے انگلی کا اشارہ کیا وہ قفل کھل کر گر گیا۔ میں اس قبہ میں داخل ہوا۔ اور اس قبہ کے اندر ایک ستون دیکھا جس پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا تھا میں نے دیکھا۔ پانی کی نہر بسم اللہ کے حلقہ سے جاری ہے اور دودھ کی نہر لفظ اللہ کے ہاء کے حلقہ سے جاری ہے اور شہد کی نہر الرحمن کے میم کے حصّہ سے اور شراب کی نہر الرحیم کے میم کے حلقہ سے جاری ہے۔ اور بسم اللہ کی باء پر لکھا ہوا دیکھا کہ جو کوئی دنیا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے گا یہ قبہ اور چار نہریں اس کو عطا کروں گا۔

بعض روایات میں ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا جہر سے پڑھنا علاماتِ مومن میں سے ہے۔ تمام جہری نمازوں میں اس کا جہر سے پڑھنا واجب ہے اور بغیر اس کے نماز باطل ہو جاتی ہے اور اخفاتی نماز میں اس کا جہر سے پڑھنا مستحب ہے۔ روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس کام سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں شیطان شریک ہوتا ہے۔ اپنی عورت سے ہمبستر ہونے سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھے بلکہ دسترخوان پر جتنے کھانے حاضر ہوں ہر ایک کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ پانی پینے سے قبل بسم اللہ پڑھے۔ غرضیکہ ہر امر خیر کو بسم اللہ سے شروع کرے۔ حدیث نبوی میں ہے کہ جو کوئی اہم کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے وہ ناقص و ناتمام ہوتا ہے۔ جب کوئی ذبیحہ اللہ کے نام لئے بغیر حلال نہیں رہ سکتا حالانکہ ان کی اصل حلال ہے تو انسان کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے کہ تمام حلال رزق گو حلال ہیں لیکن شکر منعم کے طور پر عظمتِ خدا کو یاد کرنا اور اس کے ذکر کے بعد حلالِ خداوندی میں تصرف کرنا اُمور ضروریہ میں سے ہے۔ گو اس حکم کو شرعی وجوب سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا تاہم مستحب موکد ضرور ہے کیونکہ معصوم نے جہر بسم اللہ کو علائم شیعہ میں سے قرار دیا ہے۔

بسم اللہ کا جزو سورہ ہونا

باتفاق مذہب امامیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم سوائے سورہ برأت کے قرآن کی تمام سورتوں کا جزو ہے اور کتب شیعہ و سنّی میں اس آیتِ کریمہ کے فضائل حدِ احصاء سے زیادہ ہیں بایں ہمہ مقامِ عمل میں سوائے شیعہ کے باقی مذاہب والوں کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں حتیٰ کہ نماز جیسی اہم عبادت میں بھی دوسرا سورہ شروع کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے حالانکہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے اندر جو کچھ مرقوم ہے اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی۔ اور قرآن مجید میں کوئی فقرہ ایسا نہیں جو غیر قرآن ہو۔ لاکھوں کی تعداد میں حفاظ موجود ہیں اور ہر سورہ کے پہلے بسم اللہ شریف کا ہونا تسلیم کرتے

ہیں لیکن جب بارگاہِ خدا میں عبادت کے عنوان سے کھڑے ہوتے ہیں تو سوائے فاتحہ کے اَور کسی سورہ کو بسم اللہ سے شروع نہیں کرتے اور سورہ فاتحہ میں بھی جزوِ سورہ بناکر نہیں بلکہ تبرکًا پڑھتے ہیں۔ اب سمجھ سے یہ بات بالا ہے کہ کتابوں میں بسم اللہ کے فضائل کی اس قدر بھرمار کہ دفتر پُر ہو جائیں اور مقامِ عمل میں اس قدر پہلو تہی۔ آخر یہ کیوں ہے؟

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ چونکہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا تھا کہ تمام علوم کا جامع قرآن ہے اور علومِ قرآنیہ کی جامع سورہ فاتحہ ہے اَور سورہ فاتحہ کے علوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہیں اور بسم اللہ کے جمیع علمی خزائن باءِ بسم اللہ میں ہیں اور باءِ بسم اللہ کے علمی ذخائر نقطہ باء میں موجود ہیں اور وہ نقطہ میں ہوں۔ پس یہ سُنتے ہی بغضِ علیؑ کے متوالوں نے فضائلِ بسم اللہ کے تمام فرامین نبویہ پر قلمِ نسخ پھیرتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی قرآنیت کا سرے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ یہ آیت مجیدہ جن سورتوں کی ابتدا میں واقع ہے سب تبرک و تیمن کے طور پر ہے اَور کسی سورت کی جزو نہیں سوائے سورہ نمل کے جہاں وسط سورہ میں واقع ہے کیونکہ وہ جزوِ سورہ ہے

لیکن اگر حقیقت میں آنکھوں سے تعصّب کی عینک اتار کر عقلی و نقلی ادلّہ پر نظر ڈالی جائے تو عقلِ سلیم کے لئے یہ فیصلہ نہایت آسان ہے کہ بسم اللہ کو جزوِ سورت نہ ماننا اور اس کے محض تبرکًا ہونے کا قائل ہونا۔ وقار و عظمتِ بسم اللہ کے خلاف معنت کی ہنگامہ آرائی اور مصداقِ نقطہ باءِ بسم اللہ کی علمی جلالت و وجاہت کے خلاف فضول و بے معنی کی صدائے صحرائی ہے۔ کیونکہ سورج کے مقابلہ میں گرد اڑانے سے سُورج کی روشنی میں کمی نہیں ہوجایا کرتی بلکہ دھول اڑانے والوں کی اپنی آنکھیں گرد آلود ہوجاتی ہیں اور اُن کو داد دینے والوں کا بھی وہی حشر ہوتا ہے اور اُن کے سامنے دنیا تاریک ہوجاتی ہے حالانکہ حقیقت میں تاریک نہیں ہوتی۔

ادلّہ عقلیہ

(۱) اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کی جزو نہ ہوتی تو صرف تبرک کے لئے اوّل قرآن میں اس کا لکھا جانا کافی تھا۔ جس طرح استعاذہ (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ) کسی سورہ کا جزو نہیں لہذا دوریِ شیطان کے لئے صرف پہلے ایک دفعہ لکھنا کافی سمجھا گیا ہے۔

۲۔ قرآن مجید سے زائد کلام جو جزوِ قرآن نہیں کو قرآن سے علیحدہ رکھنا اَور اس اشتباہ کا سدّباب کرنا ابتداءِ اسلام سے تا ایں زمان انتہائی اہتمام سے کیا گیا ہے اَور قرآن پاک میں کسی ایسے جملہ کو رہنے نہیں دیا گیا جو جزوِ قرآن نہ ہو اور جمیع فرقِ اسلامیہ کے نزدیک موجودہ قرآن میں کوئی زیادتی نہیں۔ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ قرآنیہ کی جزو نہ ہوتی تو قطعًا اس زیادتی کو برداشت نہ کیا جاتا اور ہر سورہ کے شروع میں لکھے جانے پر کسی نہ کسی دَور میں ضرور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوتی۔ پس نزولِ قرآن سے لے کر دورِ حاضر تک اس کا ہر سورہ کے ابتدا میں مرقوم ہونا اور اس کے خلاف احتجاج نہ ہونا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ یہ جن سورتوں کے اول میں ہے ان کی جزو ہے۔

۳۔ اگر یہ آیت مجیدہ صرف تیمن و تبرک کے لئے ہوتی تو قرآن ہونے کی حیثیت سے سورہ برائت کو اس تیمن سے محروم نہ رکھا جاتا۔

اعتراض۔ سورہ برائۃ اگرچہ قرآن ہے لیکن چونکہ اس میں مشرکین سے برائت اور اُن پر غضبِ خدا کے نزول کا ذکر ہے اور بسم اللہ

میں خداوند کریم کی رحمت کا تذکرہ ہے لہذا سورہ برأۃ کے پہلے اس کو نہیں لکھا گیا۔

جواب ۔ اگر سورہ برأۃ کو بسم اللہ سے اس لئے محروم کیا گیا ہے کہ اس میں مشرکین سے برات اور اُن پر غضب خدا کا ذکر ہے تو اس لحاظ سے سورہ لہب (تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ الخ) سورہ ماعون (وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الخ) سورہ جحد (قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ الخ) اور اسی طرح آخری دو سورتیں معوذتین اور سورہ ھمزہ (وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الخ) جن میں عذاب ۔ ویل ۔ برأت اور استعاذہ کے علاوہ دوسرا کوئی مضمون ہی نہیں ہے ان کے پہلے بھی بسم اللہ کو ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ توقیفی چیز ہے اور جن سورتوں کے پہلے بسم اللہ ہے وہ ان کی جزو ہے۔

۔ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ کی آیات سات ہیں اور موجودہ قرأت کے طبع شدہ قرآنوں میں اگر بسم اللہ جزو سورہ فاتحہ نہ ہو تو اس کی سات آیتیں پوری ہو ہی نہیں سکتیں۔

ادلّہ نقلیہ اس مقام پر مولانا امیر الدین صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کی تحقیقات پر اکتفا کرتے ہوئے فلک النجات کے بعض اقتباسات پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔

۱۔ المیزان الشعرانی ص۱۳۳ قال الشافعی واحمد انہا منہا فتجب وکذلک القول فی الجہر بہا ۔ میزان شعرانی ج ص۱۳۳ میں ہے کہ شافعی واحمد کے مذہب میں بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ فاتحہ کی آیات سے ہے اس لئے اس کا پڑھنا واجب ہے اور اسی طرح فاتحہ کے ساتھ اس کا جہر بھی واجب ہے۔

۲۔ الروضۃ الندیۃ ص۲۶ قد اورد شیخنا العلامۃ الشوکانی فی شرح المنتقی (فی التسمیۃ) مالا یحتاج الناظر فیہ الی غیرہ الحاصل ان الحق ثبوت قرائتہا (ای البسملۃ) فانہا ایۃ من کل سورۃ (ترجمہ) روضہ ندیہ ص۲۶ میں ہے تحقیق ہمارے شیخ ہمارے علامہ شوکانی نے شرح منتقی میں بسم اللہ کے بارہ میں اس قدر کافی مضمون لکھا ہے کہ جو اس کو دیکھے پھر دوسری کتاب دیکھنے کی اس کو حاجت نہیں رہتی۔ الحاصل حق یہ ہے کہ بسم اللہ کا پڑھنا ثابت ہے اور وہ ہر سورہ کی آیت ہے۔

۳۔ عن علیؑ ان النبیؐ کان یجہر فی المکتوبات ببسم اللہ فی السورتین جمیعًا کذا رواہ الدارقطنی فی سُننہ ص۱۱۱ (ترجمہ) علیؑ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام فرضی نماز کی ہر دو سورتوں میں بسم اللہ کو بآواز بلند پڑھتے تھے۔ اسی طرح دارقطنی نے اپنے سنن ص۱۱۱ میں روایت کیا ہے۔

۴۔ قال النووی فی الشرح ص۱۷۲ باب حجۃ من قال البسملۃ ایۃ من اوّل کل سورۃٍ سوی براۃ فیہ حدیث انس ترجمہ ۔ نووی نے شرح مسلم ج ص۱۷۲ میں کہا ہے۔ باب اس شخص کی دلیل میں جس نے کہا ہے کہ سوا سورہ برأت کے ہر سورت کے اوّل میں بسم اللہ آیت ہے (اُسی سورت کی جس کے اول میں ہے) اس میں انس کی حدیث ہے۔

۵ ۔ نصب الرایۃ ص۲۲۷ روی الحاکم عن انس قال صلّیت خلف النبی وابی بکر وعمر وعثمان وعلی فکانوا یجھرون ببسم اللہ (ترجمہ) نصب الرایہ ص۲۲۷ میں ہے حاکم نے انس سے روایت کی ہے کہ میں نے نبی علیہ السّلام وابوبکر وعثمان وعلی کے پیچھے نماز پڑھی اور وہ سب بسم اللہ کو جہر سے پڑھتے تھے۔

اِن کے علاوہ علّامہ موصوف نے اس موضوع پر بکثرت روایات جمع فرمائی ہیں جن میں اکابر صحابہ کا جہر سے بسم اللہ کا پڑھنا کتب معتبرہ سے نقل فرمایا۔ اور اکابر علمائے اسلام اور آئمہ فقہ مثل امام شافعی وامام احمد کے نزدیک بسم اللہ کے جزوِ ہر سورت ہونے کا قول بھی نقل فرمایا اور جناب رسالت مآبؐ کا جہر بسم اللہ سے نماز پڑھنا بھی تواتر سے ثابت فرمایا۔

روایات بتلاتی ہیں کہ ابتدائے اسلام میں بسم اللہ کے جزو سورت ہونے اور نماز میں اس کے بالجہر پڑھنے میں کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا لیکن جب معاویہ کا دورِ حکومت آیا تو بسم اللہ کے چھپانے میں اس نے پہل کی چنانچہ اس نے نماز میں بسم اللہ کو ترک کر دیا جس پر مہاجرین وانصار پکار اُٹھے۔ یَا مُعَاوِیَۃُ اَسَرَقْتَ الصَّلٰوۃَ اَمْ نَسِیْتَ اَینَ بسم اللہ (ترجمہ) اے معاویہ کیا تو نے نماز میں چوری کی ہے یا بھول گیا ہے۔ بسم اللہ کہاں گئی؟ اس روایت کو مولانا موصوف نے مسند شافعی ودیگر کتب معتبرہ اہل سنت سے نقل فرمایا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السّلام اتباع رسوؐل کرتے ہوئے جہر بسم اللہ پر زور دیتے تھے اور معاویہ کو حضرت علیؑ کے ساتھ چونکہ دشمنی تھی لہٰذا ان کی خصوصیات کے مٹانے کے لئے بسم اللہ پر اپنی بھڑاس نکالی اور شاید یہ وجہ بھی ہو کہ حضرت امیر علیہ السّلام چونکہ فرماتے تھے۔ اَنَا النقطۃ تحت الباء۔ میں باء بسم اللہ کے نیچے والا نقطہ ہوں۔ تو اس نے حضرت کی اس منقبت پر پردہ ڈالنے کے لئے بسم اللہ پر ہی ہاتھ صاف کر لیا۔ چنانچہ فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر سے اس کی تائید موجود ہے جس کو مولانا موصوف نے اصل عبارت عربی کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور ہم طول سے بچتے ہوئے صرف اُردو ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام فخر رازی نے اپنی تفسیر کبیر ج ص۲۰۶ مطبوعہ مصر میں کہا ہے کہ نیز اس میں (یعنی روایات بسم اللہ کے اخفات پڑھنے میں جو انس سے بالاضطراب مروی ہیں) دوسری تہمت اور عیب (آہستہ بسم اللہ پڑھنے والے پر) وارد ہے وہ یہ ہے کہ تحقیق علی علیہ السلام جہر بسم اللہ میں مبالغہ کرتے تھے اور جب حکومت اور ریاست بنی اُمیہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے منع جہر تسمیہ میں مبالغہ کیا اس واسطے کہ حضرت علیؑ کے آثار کو مٹانا چاہتے تھے۔ پس شاید انس بنی اُمیہ سے ڈر گیا ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ جہر بسم اللہ کے بارے میں اس کے اقوال میں اضطراب و اختلاف موجود ہے (ورنہ خود انس جہر کا قائل تھا) اور اسی تفسیر کبیر جلد اول ص۱۶۱ میں ہے۔ ساتویں وجہ یہ کہ دلائل عقلیہ ہمارے موافق ہیں اور علی بن ابی طالب کا عمل بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اور جس نے علیؑ کو اپنے دین کا امام بنایا اس نے محکم دستاویز سے تمسک کیا۔ اسی تفسیر کے ص۱۵۹ میں ہے کہ حضرت علیؑ کا یہ مذہب تھا کہ آپ بسم اللہ کو تمام نمازوں میں (خواہ سرّی ہوں خواہ جہری) باآواز بلند پڑھتے تھے۔ میں (راوی) کہتا ہوں یہ دلیل میرے دل میں قوی ہے اور میری عقل میں مضبوط ہے۔ بایں حد کہ ہرگز مخالفین کے کلمات سے زائل نہیں ہو

سکتی۔ اور بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابی ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسُولؐ اللہ نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے۔ پھر شیخ بیہقی نے عمر بن خطاب و ابن عباس، ابن عمر اور ابن زبیر سے جہر کی روایات لکھی ہیں اور بتحقیق علی بن ابی طالب بسم اللہ کو آوازِ بلند پڑھتے تھے۔ اور جس نے اپنے دین میں جناب علی بن ابی طالب کی اقتدا کی اُس نے ہدایت پائی اور راہِ راست پالیا اور اس پر نبی کا قول دلیل ہے کہ یا اللہ حق کو اس طرف پھیر دے جس طرف کہ علی پھرے۔ انتہیٰ از تفسیر کبیر۔

اب منصف مزاج طبائع خود بخود اس نتیجہ پر پہنچ سکتی ہیں کہ اہل بیت رسُولؐ کی عداوت نے لوگوں کو کہاں تک پہنچا دیا۔ جس طرح نماز میں بسم اللہ کا جہر سے ترک کرنا اسی عداوت کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح بسم اللہ کی جزئیتِ قرآن کا انکار بھی اسی عداوت کی پیداوار ہے۔ کیونکہ روایت سابقہ میں یہ نہیں کہ معاویہ نے بسم اللہ کو اخفات سے پڑھا اور صحابہ نے اس پر اعتراض کیا بلکہ روایت کے صریح لفظ یہ ہیں کہ اِنَّ مُعَاوِیَةَ صَلّٰی بِالْمَدِیْنَةِ فَلَمْ یَقْرَءْ بِسْمِ اللّٰہِ الْخَبَرُ (ترجمہ) معاویہ نے مدینہ میں نماز عشا پڑھائی۔ اور نماز میں بسم اللہ کو نہ پڑھا نہ اخفات سے نہ جہر سے، یہی وجہ ہے کہ مہاجر و انصار نے پکار کر کہا کہ تو نے چوری کی ہے یا بھول گیا ہے؟ ورنہ اخفات سے پڑھا ہوتا تو چوری یا بھول کا سوال غلط تھا اور رازی کی توجیہ سابق سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ کے ڈر سے لوگ دینِ حق کو چھپانے میں اور مذہب اہل بیت پر پردہ ڈالنے میں ذرہ باک نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ اُس صحابی رسُولؐ کے متعلق رازی نے خود ذکر کیا ہے۔ اور اسی تشدد کی بنا پر شریعتِ رسُولؐ کے حقیقی احکام الناس علی دین ملوکھم (لوگ بادشاہوں کا دین اختیار کر لیا کرتے ہیں) کی نذر ہو گئے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ بسم اللہ کے جہر سے پڑھنے تک محدود نہیں بلکہ جزئیت بسم اللہ بھی اسی تشدد کا شکار ہو گئی۔ حالانکہ مولانا امیر الدین اعلی اللہ مقامہ نے تفسیر کبیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد شرح مواہب لدنیہ (زرقانی) سے یہ عبارت نقل فرمائی ہے۔ قال السھیل نزلت البسملة مع کل سورة بعد اقرأ۔ سہیل نے کہا ہر سورت کے ساتھ اقراء کے بعد بسم اللہ اتری ہے (یعنی ہر سورہ کی جزء ہے بسم اللہ)

اسی بنا پر امام حضرت جعفر صادق مقامِ تعجب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا ان لوگوں کو رسوا کرے (جنہوں نے بسم اللہ کو چھوڑ دیا) ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ قرآن مجید کی عظیم ترین آیت کے متعلق انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ اس کا ظاہر کرنا بدعت ہے۔

تکمیل مطلب کے لئے اس مقام پر دو اعتراضوں کا جواب دینا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر۱۔ اگر بسم اللہ کو جزوِ قرآن تسلیم کیا جائے تو بسم اللہ قرآن ہو جائے گی۔ اور حکم ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت پہلے بسم اللہ پڑھی جائے۔ لہذا بسم اللہ سے پہلے ایک اور بسم اللہ کا پڑھنا لازم ہوگا اور پھر یہ سلسلہ آگے چلا جائے گا۔

جواب۔ اس طرح تو حمد کے متعلق بھی ایک مشہور حدیث موجود ہے کہ جو کام اللہ کی حمد کے بغیر شروع کیا جائے وہ ناقص ہے لہذا الحمد للہ ربّ العالمین کو جزئیت سے خارج ہونا چاہیے۔ پس جو جواب اس اشکال کا ہوگا اس کا بھی وہی ہے کیونکہ آیت الحمد کو اگر

قرآن مانیں تو اس سے پہلے ایک اور الحمد پڑھنی چاہیے اور یہ سلسلہ پھر آگے چلا جائے گا۔

جواب نمبر۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جزوِ سورہ ہے اور یہ کہ ہر امر خیر کو بسم اللہ سے شروع کرنا ضروری ہے۔ خود بسم اللہ کو شامل نہیں جس طرح مثلاً کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم ابوالبشر ہیں یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں حالانکہ خود بھی بشر اور انسان ہیں۔ اور ابوالبشر کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ معاذ اللہ اپنے بھی باپ ہیں بلکہ وہ خود اس سے مستثنیٰ ہیں۔ نیز کہا جاتا ہے بدنِ انسانی میں سر تمام اعضاء سے بلند ہے حالانکہ خود بھی عضو ہے۔ پس مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنی ذات کو چھوڑ کر باقیوں سے بلند ہے۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفےٰ تمام نبیوں کے سردار ہیں حالانکہ خود بھی نبی ہیں۔ یعنی اپنی ذات کے علاوہ تمام نبیوں کے سردار ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ پس اس مقام پر بھی یہی کہا جائے گا کہ بسم اللہ کے پہلے پڑھنے کا حکم اس کے ماسوا باقی قرآن کے لئے ہے۔

اعتراض نمبر۲۔ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سورہ فاتحہ کی جزو قرار دیا جائے تو آیت الحمد للہ رب العالمین کے بعد الرحمٰن الرحیم کا دوبارہ تکرار خالی از فائدہ ہوگا۔

جواب ۱۔ آیت بسم اللہ میں الرحمٰن الرحیم اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو ذات دنیا و عقبیٰ کی نعمات کے عطا کرنے والی ہے۔ انسان کے لئے سزاوار ہے کہ اس کی نعمات میں سے ہر نعمت کے تصرف میں لانے سے پہلے اس کا ذکر زبان پر جاری کرے اور حمد کے بعد پھر ان دونوں صفتوں کا لانا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہر نعمتِ الٰہیہ کے تصرف کے بعد اس کے منعم حقیقی ہونے کا لحاظ رکھتے ہوئے کلمہ حمد زبان پر جاری کرے یعنی اس کی رحمانیت اور رحیمیت جس طرح ہر کام کی ابتدا میں اس کے ذکر کو واجب کرتی ہیں۔ اسی طرح اس کی رحمانیت و رحیمیت ہر کارِ خیر کے انجام پر اس کے شکر کو ضروری قرار دیتی ہے۔ گویا آیت بسم اللہ میں یہ دونوں صفتیں اس کے وجوبِ ذکر کی علت ہیں۔ اور آیہ حمد کے بعد یہ دونوں صفتیں اس کے وجوبِ شکر کی مقتضی ہیں پس ان کا تکرار بے فائدہ نہیں بلکہ ان کے بغیر دعوائے حمد بلا دلیل ہو کر افادیت کی منزل سے ہٹ جاتا ہے۔

۲۔ وہی جواب ہے جس کو ترتیب آیات فاتحہ کے عنوان میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پہلی آیت میں پہلے پہل معرفتِ توحید کا درس دینا مطلوب تھا اور چونکہ اللہ کی ذات کا تصور کنہِ حقیقت سے محال ہے پس یہ صفتیں لائی گئیں تاکہ ان صفات سے اس کی معرفت ہو جائے اور انسان اس کی نعمات کا شکر ادا کرنے میں آگے بڑھے اور اس کے بعد الرحمٰن الرحیم کے ذکر سے ایک طرف تو شکر بجا لانے والے کے لئے اُخروی بشارت ہے کیونکہ رحیم کا معنی کیا گیا ہے اُخروی نعمات کے عطا کرنے والا اور دوسری طرف ادائیگی حمد میں کوتاہی ہو جانے کے بعد رحمانیت و رحیمیت انسان کو مایوس و ناامید ہونے سے بچاتی ہیں اور توبہ کی طرف مائل کرتی ہیں پس پہلی آیت میں یہ دونوں صفتیں موجبِ معرفت ہیں اور حمد کے بعد باعثِ شکر، داعیٔ توبہ اور مژدۂ جنت بھی ہیں۔

۳۔ الحمد للہ رب العالمین میں چونکہ عالمین کی ربوبیت ذات اللہ کے لئے ثابت ہے اور ربوبیت کو صفت قرار دیا گیا تھا۔ اور

نیز صفات چونکہ اس کی عین ذات ہیں لہٰذا اس صفت ربوبیت کے تصور سے خیال پیدا ہونا ممکن تھا کہ یہ صفت بھی عین ذات ہوگی پس اللہ فاعل موجب ہوگا یعنی یہ صفت اس سے جدا ہو سکتی ہی نہیں پس وہ مجبور ہے اس امر پر کہ فوائد رُبوبیت انجام دے کیونکہ ربوبیت اس کی عین ذات ہے۔ اگر ربوبیت نہ رہے گی تو وہ نہ ہوگا جس طرح سورج کی ذات سے روشنی جدا نہیں ہے اور وہ مجبور ہے کہ روشنی پھیلائے اگر روشنی اس سے جدا ہو جائے تو سورج سورج نہ رہے گا۔ اور یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ فاعل موجب یعنی جو اپنے فعل میں مجبور ہو حمد کا سزاوار نہیں ہوتا کیونکہ حمد کا سزاوار تو وہ ہوتا ہے جو اپنے اختیار سے کوئی احسان کرے۔ پس اس احتمال و خدشہ کو دور کرنے کے لئے ربّ العالمین کی لفظ کے بعد فوراً الرحمٰن الرحیم کا اضافہ فرمادیا کہ صفت ربوبیت میں میں مجبور نہیں ہوں بلکہ یہ بھی میرے احسانات میں سے ہے اور میں اس کا فاعل مختار ہوں پس صفت ربوبیت اس کا اختیاری فعل ثابت ہوا۔ اور محسن کے اختیاری وارادی فعل پر اس کی حمد ضروری ہوا کرتی ہے۔ اگر الرحمٰن الرحیم کا اضافہ نہ ہوتا تو اس شبہ کا کوئی اور جواب نہ تھا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ الرحمٰن الرحیم کا دوبارہ آیۃ حمد کے بعد ذکر ہونا افادہ مطلب کے لئے ضروری ہے۔ یہ وجوہات میں نے نہ کسی کتاب سے اخذ کی ہیں اور نہ اس تفسیر کے لکھنے سے پہلے میرے ذہن میں تھیں بلکہ جب اس مقام پر پہنچا تو ذات احدیت نے دماغ میں القاء کردیں۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

نقطۂ بائے بسم اللہ

علامہ نہاوندی نے خزینۃ الجواہر ص ۷۴۵ میں سید نعمت اللہ جزائری کی کتاب مقامات النجات سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ عِلْمُ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ كُلُّهُ فِي الْقُرْآنِ وَعِلْمُ الْقُرْآنِ كُلِّهِ فِي الْفَاتِحَةِ وَعِلْمُ الْفَاتِحَةِ فِي بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَعِلْمُ الْبَسْمَلَةِ كُلِّهِ فِي بَائِهَا وَاَنَا النُّقْطَةُ تَحْتَ الْبَاءِ (ترجمہ) ماکان ومایکون کا تمام علم قرآن مجید میں ہے اور قرآن مجید کا تمام علم سورہ فاتحہ میں ہے۔ اور سورہ فاتحہ کا تمام علم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے۔ اور بسم اللہ کا تمام علم اس کی باء میں ہے اور میں باء کے نیچے والا نقطہ ہوں۔

تقدیم فاتحہ کے عنوان میں یہ روایت بیان کی جا چکی ہے لیکن کان ومایکون کی بجائے اس میں کتب سماویہ کے الفاظ ہیں اور آخری لفظ یہ ہیں کہ بائے بسم اللہ میں جو کچھ ہے وہ نقطہ باء میں موجود ہے اور میں وہی نقطہ ہوں۔

اعتراض۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں قرآن مجید پر نقطے لگائے نہیں گئے تھے۔ جب نقطے نہ تھے تو کیسے درست ہے کہ حضرت علیؑ نے کہا ہوگا میں بائے بسم اللہ کے نیچے والا نقطہ ہوں پس معلوم ہوا کہ یہ حدیث محل اعتبار سے ساقط ہے۔

جواب۔ یہ درست ہے کہ نقطے بعد میں لگائے گئے لیکن نقطے کا بنانا اور بات ہے اور لگانا اور شئے ہے۔ ایسا نہیں کہ نقطے بعد میں بنائے گئے بلکہ تاریخ یہ کہتی ہے کہ نقطے بعد میں لگائے گئے کیونکہ اگر نقطے پہلے سے بنے ہوئے نہ ہوتے تو ب، ت، ث، ج ح خ وغیرہ متشابہ حروف کی تمیز کیسے ہو سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ مسلسل تحریر میں ماہرین لوگ مطلب کو بغیر نقاط کے سمجھ سکتے ہیں۔ اور پڑھ سکتے ہیں۔ اور آج کل بھی شکستہ تحریروں میں عموماً نقاط کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور باایں ہمہ قرائن کے ملانے سے مکتوب الیہم کو پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی وقت

محسوس نہیں ہوتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حروفِ تہجی میں سے بھی نقاط اڑا دیئے جائیں ورنہ ابتدائی تعلیم والوں کے لئے تعلیم کا رستہ ہی بند ہو جائے گا۔ پس اس زمانہ میں بھی نقاط موجود تھے اور تعلیم و تعلّم میں حروفِ تہجی کی باہمی شناخت کا دار و مدار نقطوں پر تھا لیکن عربی اُن کی مادری زبان تھی۔ لہذا کاتب حضرات لکھتے وقت نقطوں کو نظر انداز کر دیتے تھے اور ان کے بغیر بلا دقّت پڑھ سمجھ لیا کرتے تھے۔ بعد ازاں رفتہ رفتہ اسلام جب اطرافِ عالم میں پھیلنا شروع ہوا۔ اور غیر عربوں نے قرآن مجید کو حاصل کرنا چاہا تو اُن کی چونکہ مادری زبان نہ تھی لہذا بغیر نقاط کے ان کے لئے پڑھنا مشکل تھا پس نقاط لگا دئے گئے اور یہ مشکل غیر عربوں کی ختم ہو گئی۔

۲۔ جس طرح نقطے بعد میں لگوائے تھے اسی طرح اعراب زبر۔ زیر۔ پیش۔ جزم وغیرہ بھی بعد میں لگوائی گئیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ پہلے عربی زبان اور قرآن مجید میں اعراب نہ تھے اور بعد میں ہوئے ہ؟ معلوم ہوا کہ اعراب و نقاط بعد میں بنائے نہیں گئے صرف لگائے گئے ہیں۔ پہلے اسلام چونکہ صرف عرب میں تھا پس ماہرینِ لسان کے لئے اپنی زبان کے لکھنے یا پڑھنے میں اعراب لگانے کی ضرورت نہ تھی اور جب اسلام عجم میں پھیلا تو دونوں چیزوں کی ضرورت محسوس ہوئی اور اُسے پورا کر دیا گیا۔

۳۔ اگر نقطے اور اعراب وغیرہ پہلے سے نہ ہوتے تو بعد میں اُن کا اضافہ تحریفِ قرآن کا موجب ہوتا اور چونکہ بعد میں ان کا لگنا تحریف کا موجب نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ پہلے سے داخلِ قرآن تھے۔ پس حضرت امیر علیہ السّلام کے فرمان پر اس قسم کے اعتراضات چشم کوری اور بدباطنی ہی ہے۔

سوال۔ فاتحہ میں تمام علوم کا ہونا تو مسلّم ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لیکن تمام کا باء میں ہونا ہو یا باء کے نقطہ میں ہونا سمجھ میں نہیں آسکتا بلکہ ظاہراً حرف مفرد میں یا نقطہ میں علومِ قرآنیہ کا سمانا محالات میں سے ہے۔

جواب۔ اِس کی توجیہ علاّمہ نہاوندی نے اِس طرح فرمائی ہے کہ حروفِ تہجی میں الف تمام حروف سے پہلے بھی ہے اور مجرد بھی ہے سیدھا بھی ہے اور بلند بھی ہے۔ پس عالمِ حروف میں اس کی حیثیت ایسی ہے جس طرح عالمِ موجودات میں ذاتِ ربّ العزت کا وجود کہ وہ سب سے پہلے بھی ہے مجرد بھی ہے بلند و متعالی بھی ہے اور الف کے بعد عالمِ حروف میں باء حرفِ اول ہے جس طرح وجود ذیجود جناب رسالت مآبؐ عالمِ موجودات میں موجودِ اوّل ہے، ہم شکل حروف کی باہمی امتیاز نقاط سے کرتے ہیں۔ لہذا باء کو عالمِ حروف میں اپنے ہم شکل حروف سے تحتانی نقطہ کے ذریعہ سے تمیز حاصل ہے۔ اِسی طرح عالمِ موجودات میں مخلوقِ اوّل حضرت محمد مصطفٰےؐ کے وجودِ ذیجود کو وجودِ علیؑ کے ساتھ اختصاص و تمیز عطا کی گئی۔ انتہیٰ عالمِ حروف یا وجودِ کتابی میں باء اور نقطہ ایک ہی وجود رکھتے ہیں۔ اسی طرح عالمِ موجودات یا وجودِ خلقی میں نورِ محمد و نورِ علی ایک ہی نور ہیں جیسا کہ ارشاد ہے اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَاحِدٍ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں، کتاب ہذا کے حصہ اوّل ص۲۳۳ پر حضرت امیرؑ کا فرمان ملاحظہ ہو (جناب رسالت مآبؐ کی خلقت نوری کی تفصیلی روایات کتب مفصلہ میں مذکور ہے اِس مقام پر ان کا ذکر کرنا موضوع سے خارج ہے) نیز عالمِ حروف میں باقی تمام حروف سے، باء کو الف سے انتہائی قرب حاصل

ہے۔ اسی طرح عالمِ موجودات میں حضرت رسالت مآبؐ کو اللہ سے جو قرب حاصل ہے اور کسی کو حاصل نہیں۔ باء چونکہ الف سے وضعی طور پر قرب رکھتا ہے یعنی حروف بنانے والے نے باء کو الف کے قریب رکھ دیا ہے لہذا باء میں قربِ الف کی وجہ سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں ہے۔ اگر آج بھی دنیا والے حروف کی وضعی ترتیب کو بدل کر باء کے قرب کو الف سے ہٹا دیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں نہ پہلے سے اس میں کوئی خصوصیت تھی اور نہ بعد قربِ الف حاصل ہونے کے اس میں کوئی خاص استحقاق کی وجہ پیدا ہوئی ہے۔ لیکن وجودِ ذیجودِ رسالتمآبؐ کی پہلے کی خصوصیت ارادۂ کاملہ ذاتِ احدیت ہے جو خالی از مصلحت نہیں اور اس کا قربِ حقیقی اُسی مخلوق کے لئے سزاوار ہے۔ جس کو اس نے اپنے اختیار و ارادۂ کاملہ سے تمام فضائل و کمالاتِ ممکنہ سے سرفراز فرمایا ہو اور ان کمالات میں باقی کسی کو اُس کا شریک نہ کیا ہو پس اُس نے اس مخلوقِ اوّل کو تمام امکانی کمالات میں امتیاز کامل عطا فرمایا اور افضل موجودات قرار دیا اور وہ تمام صفاتِ حسنہ جو حدودِ امکان کے اندر کسی کو عطا ہو سکتی ہیں۔ آنحضورؐ کو اُن سے مشرف فرما کر ارشاد فرمایا۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ اور علم چونکہ تمام کمالات میں سے اشرف کمال ہے۔ لہذا حضور کو علومِ ماکان ومایکون میں سے اس قدر عطا فرمایا کہ نطاقِ امکان میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہ تھی۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے اس فرمان میں کہ جمیع علومِ کان ومایکون یا جمیع علوم کتبِ سماویہ باءِ بسم اللہ میں ہیں اس باء سے مراد تاویلی طور پر وجودِ حضرت خاتم الانبیاءؐ ہے نہ کہ ظاہری حرف باء جو حروفِ تہجی میں دوسرے نمبر پر ہے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ کا آخری فقرہ کہ نقطہ باء میں ہوں صاف طور پر اس امر کا کشف ہے کہ باء سے مراد آنحضورؐ ہی ہیں۔

اب مطلب صاف ہوا کہ تمام علومِ قرآنیہ باءِ بسم اللہ میں ہیں اور باء بسم اللہ کے تمام علوم نقطہ باء میں ہیں جو باء کے نیچے ہے۔ یعنی تمام علومِ قرآنیہ کا خزانہ حضرت رسالت مآبؐ اور حضرت رسالتمآبؐ کے تمام علوم کا خزانہ وجودِ علیؑ ہے جو باقی کائنات سے افضل اور حضرت رسالتمآبؐ کے ماتحت ہے اور حضرت علیؑ کا علومِ رسالت کا وارث ہونا کتبِ آثار میں تواتر سے ثابت ہے اسی کتاب کی جلد اول میں بعض احادیث نقل کی گئی ہیں جن سے منصف طبائع اطمینان حاصل کر سکتی ہیں اور علومِ قرآنیہ میں حضرت علیؑ کی کمال وسعت کے مظاہرے کتبِ آثار میں اتنی کثرت سے منقول ہیں کہ ان کے یکجا کرنے سے ضخیم کتابیں پُر ہو سکتی ہیں جبھی تو ارشاد فرماتے تھے لَوْ ثُنِّيَتْ لِيَ الْوِسَادَةُ لَذَكَرْتُ فِيْ تَفْسِيْرِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حِمْلَ بَعِيْرٍ الدمعۃ الساکبۃ عن ابن عباس انّہ شرح لہ فی لیلۃ واحدۃ من حین اقبل ظلامہا حتّی صباحہا فی شرح الباء من بسم اللہ ولم یتعدّ الی السّین وقال لو شئت لاوقرت اربعین بعیرا من شرح بسم اللہ صـ۹۶ (ترجمہ) اگر میں تکیہ لگا کر بیٹھ جاؤں تو صرف بسم اللہ کی تفسیر اس قدر بیان کروں کہ اونٹ بار ہو جائے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت امیرؑ نے میرے سامنے ایک رات شروع تاریکی سے سفیدیٔ صبح تک باءِ بسم اللہ کی شرح فرمائی اور سین تک نہ پہنچے اور فرمانے لگے کہ اگر چاہوں تو بسم اللہ کی شرح سے چالیس اونٹ بار کر دوں۔ (دمعۂ ساکبہ)

تعظیم ضرائح مقدسہ ایاک نعبد کے منافی نہیں

اعتراض۔ عبادت کا معنی ہے انتہائی خضوع اور ایاک کا مقدم ہونا دلالت کرتا ہے کہ خضوع صرف اللہ کی ذات کے لئے ہی ہے لہذا کسی غیر اللہ کے سامنے انتہائی خضوع موجب شرک ہے۔ پس شیعوں کا آئمہ طاہرینؑ کی ضرائح مقدسہ کی زیارت اور اُن کی تعظیم اور اُن کو بوسہ دینا وغیرہ یہ سب عبادتِ غیر اللہ ہے اور شرک ہے اور اسی طرح ضرائح مقدسہ کی شبیہیں بنا کر ان کی تعظیم کرنا بھی شرک ہے اور اِن افعال کو بُت پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جواب۔ عبادت کا مفہوم بے شک غایت خضوع ہے لیکن غایتِ خضوع کا مطلب یہ نہیں کہ جس کو عبد خضوع سمجھے وہ خضوع ہے اور جس کو عبد خضوع نہ سمجھے وہ خضوع نہیں ہے۔ آقا اپنے غلام سے کہے کہ میرے آگے چل اور غلام کہے نہیں حضور! اس میں گستاخی ہے میں تو آپ کے پیچھے ہی چلوں گا۔ اس کو خضوع نہیں کہتے۔ بلکہ خضوع یہ ہے کہ اپنے آقا و مولا کے ہر حکم کو بلا پس و پیش قبول کرے۔ خواہ اس کی اپنی دانست میں اس حکم پر چلنا خضوع ہو یا خلافِ خضوع کیونکہ آقا اپنے حکم کی مصلحت کو جس طرح خود سمجھ سکتا ہے غلام نہیں سمجھ سکتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنے ہر حکم کی مصلحت کو اپنے غلام پر واضح کر دے۔

حجر اسود، کعبۃ اللہ، صفا و مروہ وغیرہ ان سب چیزوں کی تعظیم کا چونکہ اُس نے امر فرمایا اور شعائر اللہ کی تعظیم کو تقویٰ سے تعبیر فرمایا اب عبد جس نے فرائض عبدیت ادا کرنے ہیں اس کو یہ دریافت کرنے کا حق نہیں کہ تو نے یہ حکم کیوں دیا۔ ہم کیوں ان جمادات کی تعظیم کریں جب کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں؟ پس جب معلوم ہے کہ خدا ان کی تعظیم کو محبوب رکھتا ہے تو ان کی تعظیم کرنا ہی غایت خضوع ہے اگرچہ وہ غیر اللہ ہیں اور در حقیقت یہ تعظیم ان چیزوں کی نہیں بلکہ اللہ کے حکم کی تعظیم ہے۔ اسی طرح حجر اسود کو بوسہ دینا گو مصلحت معلوم نہ ہو۔ چونکہ بابت خدا کی فرمانبرداری ہے لہذا واجب ہے اور عبادت ہے اگرچہ ظاہراً غیر اللہ کی تعظیم ہے۔ ملائکہ کا حضرت آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنا ملائکہ کی شانِ عبودیت کے منافی نہیں تھا بلکہ شیطان کا سجدہ نہ کرنا منافی خضوع و عبودیت تھا۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کا نام ہے خضوع اور اس کی اطاعت سے گریز کرنا ہے خلافِ خضوع۔

مناسکِ حج میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی سنت کو زیادہ تر دہرایا گیا ہے اور وہ مقامات جو اُن کی طرف منسوب ہیں اُن کو مشاعر یا شعائر اللہ سے موسوم کیا گیا ہے اور ان کی حرمت و عزت واجب کر دی گئی ہے تاکہ اللہ کے مخصوص بندوں کی راہِ حق میں قربانیاں اور خوشنودی خالق کے لئے اُن کی جانفشانیاں یادگار رہ کر آنے والی نسلوں کو درسِ عبرت دیں اور قبولِ موعظہ میں ممد ثابت ہوں اور وہ یہ مناظر و منازل اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ اللہ کی اطاعت کرنے والے رضائے خدا کے لئے کونسی کٹھن منزلوں اور پُر خطر وادیوں اور ہوش ربا مشقتوں سے دوچار ہوئے لیکن پائے ثبات میں تنزلزل نہ آیا اور مقامِ عبودیت میں لغزش نہ آئی۔

اور حضرت رسالت مآبؐ جو تمام گذشتہ انبیاء کے سید و سردار تھے ان کے ساتھ جن مقامات کو خصوصی نسبت و تعلق حاصل ہے جن کی یاد یقیناً جناب رسالت مآبؐ کے عہد کی یاد کو تازہ کرتی ہے۔ جن کی زیارت آنحضورؐ کے ساتھ رشتہ محبت کے استوار کرنے میں انتہائی ممد و معاون ہے بالخصوص وہ ضریح پاک جس میں جسمِ اطہر صاحب لولاکؐ زیر خاک ہے وہ خطیرۂ قدس جو قدسیین کے آقا کے جسد نوری کا گہوارہ ہے۔ وہ مقامِ مشرف جس کو مالکِ شرافت کے ابدی بیت الشرف ہونے کا شرف حاصل ہے اور وہ زمین مطہر جس کی طاہر گود میں مالکِ تطہیر آرام فرما ہے وہ کیونکر شعائر اللہ سے نہیں اور اس کی عظمت کا برقرار رکھنا اور اس کے عہد کا تازہ کرنا کیوں ناجائز ہے اور اس کو بوسہ دینا کیوں شرک ہے جب کہ حجر اسود کو بوسہ دینا عین عبادت ہے؟

اعتراض۔ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و ہاجرہ کی یادگاروں کی تعظیم کا حکم چونکہ ثابت ہے اور جناب رسالتمآبؐ کے روضۂ اقدس کی تعظیم اور اس کو بوسہ دینا کسی حکم شرعی سے ثابت نہیں لہٰذا وہ عبادت ہے اور یہ بدعت ہے۔

جواب۔ جب ایک عالم اپنے شاگرد کو کہے کہ فلاں شخص کی عزت کیا کرو کیونکہ وہ ایک عالمِ دین کی اولاد اور اس کی نشانی ہیں اب یہ عالم اگر مر جائے تو کیا شاگرد یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے استاد نے اپنی اولاد کی عزت کرنے کا حکم تو نہیں دیا تھا لہٰذا میرے اوپر صرف اسی عالم کی اولاد کی تعظیم کرنا واجب ہے جس کے متعلق استاد نے حکم دیا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسے شاگرد کو احسان فراموش اور بدترین انسان سمجھا جائے گا کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ جب اُستاد نے ایک معیار بتلا دیا تھا تو افراد کی تطبیق اپنا فریضہ تھا اور استاد کی اولاد اس معیار کی رو سے بہ نسبت بتلائے ہوئے عالم کی اولاد کے زیادہ قابلِ تعظیم اور لائق عزت ہے۔

بعض روایات کا مفہوم ہے کہ جس نے کسی کو ایک حرف پڑھا دیا گویا اس نے اس کو اپنا غلام بنا دیا۔ اس سے شاگرد یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ جس نے اس کو زیادہ تعلیم دی ہو وہ اس کلیہ سے خارج ہے۔ بلکہ زیادہ پڑھانے والے کی اسی قاعدہ کی رو سے بدرجہٗ اولیٰ زیادہ تعظیم کرنا واجب ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

پس حضرت ابراہیمؑ کی یاد میں اُن کی بعض سنتوں پر عمل کرنے کا ہم کو حکم ہے اور وہ تاقیامت ہمارے لئے دستور العمل ہیں تو فخر ابراہیمؑ اور سید الانبیاءؐ جن کی پوری زندگی کا ہر قول و فعل ہمارے لئے مشعلِ راہ اور اسوۂ حسنہ ہے۔ اُن کے نشانات اور مقدس مقامات ہمارے لئے کیوں نہ محلِ عزت و احترام ہوں؟ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کی طرف منسوب چیزیں جن کی راہِ خدا میں قربانی ایک محدود حیثیت کی حامل تھی، شعائر اللہ ہوں اور حضرت سید الانبیاءؐ کی عترت طاہرین کے عتبات عالیات جن کی راہِ حق میں قربانی عالم میں نظیر نہیں رکھتی کیوں نہ شعائر اللہ ہوں؟ اور اُن کی یاد کو تازہ کرنا کیوں نہ اعظم قربات سے قرار دیا جائے جب کہ اُن کی سیرت و کردار پر عمل کرنا جسدِ انسانیت کی روح و جان اور عالمی تشتت و افتراق کے لئے دعوتِ اتحاد اور پیغام امان و اطمینان ہے پس ان ضرائح مقدسہ کی زیارت اور اُن کے آستانِ قدس پر جبہ سائی اور اُن کی حرمت و عظمت کی پاسبانی تاکہ اُن کے واقعات کی

یاد کو تازہ کر کے اپنے جسدِ ظلمانی کو رُوحِ ایمانی سے زندہ کیا جا سکے یا حضیضِ حیوانیت سے مدارجِ انسانیت کی طرف قدم بڑھایا جا سکے یقیناً مطلوب بارگاہِ ربّ العزت ہے اور قربِ خدا تک رسائی کا بہترین زینہ ہے۔

اگر بوسہ دینا شرک فی العبادۃ ہے تو گذارش ہے کہ کیا احترام کی غرض سے قرآن مجید کے حروف اور وہ کاغذ جن پر قرآن لکھا ہے اُن کو بوسہ دینا شرک نہیں ہے؟ محبت کی غرض سے اپنی اولاد کو بوسہ دینا بدعت و شرک نہیں تو پھر اظہارِ محبت یا مقامِ احترام کے پیشِ نظر مقاماتِ مقدسہ کو بوسہ دینا کیوں بدعت و شرک ہے؟ جب کہ مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ والوں کی یادگاریں ہیں جن کی یاد یادِ خدا کا درس دیتی ہے اور جن کا ذکر ذکرِ خدا کا شوق دلاتا ہے۔

ہاں آئمہ طاہرینؑ کے عتباتِ عالیات کی زیارت اس لئے کی جاتی ہے کہ طبیعت میں جذبۂ عبادت پیدا ہو۔ اس لئے نہیں کہ وہ خود مقصودِ عبادت ہیں ورنہ ہمارے نزدیک ضرائحِ مقدسہ کو بجائے خود کعبہ (بیت اللہ) کا سجدہ کرنا بھی ناجائز ہے جب کہ بیت اللہ کو معبود قرار دیا جائے، یعنی شعائر اللہ کی تعظیم اس لئے ضروری ہے کہ ان سے درسِ عبادت حاصل ہو نہ اس لئے کہ خود ان کو مقصودِ عبادت قرار دیا جائے۔ پس صفا، مروہ، مقامِ ابراہیمؑ، حجرِ اسود، کعبہ وغیرہ یہ سب چیزیں غیر اللہ ہیں اور خود ان کو معبود ماننا کفر و شرک ہے جب ہم کعبہ کو معبود نہیں جانتے تو کسی اور مقام کو کیوں معبود قرار دینے لگے ہیں؟

یہی وجہ ہے کہ ہمارے نزدیک آئمہ معصومین کی ضرائحِ مقدسہ کی زیارت پڑھنے کے بعد مستحب ہے کہ دو رکعت نمازِ زیارت سر کی جانب پڑھی جائے یعنی ضرائح کے سیدھا پیچھے ہو کر پڑھنے سے بچا جائے تا کہ ضرائحِ مقدس کے سامنے آجانے کی صورت میں یہ شائبہ تک پیدا نہ ہو کہ غیر اللہ کو سجدہ ہو رہا ہے ورنہ جب مقصودِ عبادت خود جنابِ ربّ العزت ہوتا ہے تو ضرائح کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوا کرتی۔ البتہ کوئی نااہل اپنی کوتاہ علمی کی بناء پر ایسا فعل کرے جس سے شرک و کفر لازم آجائے تو یہ تعلیمِ مذہب نہیں بلکہ اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

اب رہا ضرائحِ مقدسہ کی شبیہات کا معاملہ جو ہمارے ملک میں مروج ہے تو ان کی تعظیم کو بُت پرستی یا شرک سے تعبیر کرنا صرف چشم کوری اور عناد و شعاری سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکہ کسی ذی رُوح کی سایہ دار تصویر کو بُت کہا جا سکتا ہے اور غیر ذی روح کی شبیہ قطعاً نہ بُت ہے نہ بُت پرستیؑ ورنہ اگر کسی مکان کی غیر مستقل شبیہ ناجائز ہو تو پھر مکان کی مستقل شبیہ یعنی ایک مکان جیسا دوسرا مستقل مکان بنانا تو بدرجۂ اولیٰ بت پرستی ہو گا بلکہ ہر وہ کام جس میں کسی دوسرے کی نقل اتاری جا رہی ہو وہ بدعت و شرک سے موسوم ہو گا حالانکہ ان چیزوں کو کوئی بھی شرک سے تعبیر نہیں کرتا اور صرف ایوانِ امامت کی نقل کو بُت اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ امامتِ حقہ کی یاد لوگوں کے دلوں سے اُتر جائے اور اُن کی صداقت و حقانیت و مظلومیت کے قصے فراموش ہو جائیں اور مبادا بنائی ہوئی امامت کی دُکان کی شہرت مدہم پڑ جائے اور لوگ اس طرف سے کنارہ کش ہو کر حق سے ہم آغوش ہو جائیں بالجملہ نہ عتباتِ عالیات خود مقصودِ

عہ مجسمہ سازی کے متعلق مفصل بحث تفسیر کی جلد [illegible]

عبادت ہیں اور نہ اُن کی شبیہات مقصودِ عبادت ہیں اور قابلِ احترام اس لئے ہیں کہ ان کو خدا والوں سے نسبت ہے۔ ان کی زیارت ان خدا والوں کی یاد تازہ کرتی ہے جن کی طرف یہ منسوب ہیں اور اُن کی یاد خدا کی یاد کا وسیلہ اور عبادت کا ذریعہ ہے۔

پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ جس طرح ہم زبان سے جاری کرتے ہیں ہمارا اعتقاد بھی یہی ہے۔ اور جو لوگ عمل شیعہ پر بے جا اعتراض کرتے ہیں وہ صرف لفظ عبادت جانتے ہیں حقیقی معنی و مفہوم عبادت سے غافل ہیں ان کے پاس صرف ظاہر ہے دامنِ حقیقت سے ان کے ہاتھ کوتاہ ہیں خلاصہ یہ کہ خوشنودئ خدا کے لئے ہر واجب التعظیم شئی کی تعظیم کرنا مفہوم عبادت کے منافی نہیں بلکہ عین عبادت ہے پس اِیَّاکَ نَعْبُدُ کی آڑلے کر کفر و شرک و بدعت و بُت پرستی وغیرہ کی ارزاں تقسیم بلکہ مفت تقسیم اپنے ہاں ان جنسوں کی فراوانی و بہتات کی دلیل ہے اور سچ ہے برتن سے وہی چیز برآمد ہوتی ہے جو اس میں ہو۔

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور شیعی عقیدہ

اس مقام پر یہ سوال عام طور پر کیا جاتا ہے کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا مطلب ہے اَے اللہ ہم صرف تجھ سے مدد چاہتے ہیں لہذا آئمہ طاہرینؑ سے مدد طلب کرنا اور اُن کو خطاب کرکے پکارنا اس فقرہ آیت کے صریح منافی ہے لہذا ناجائز بلکہ کفر ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السّلام کے متعلق اُن سے مدد طلب کرنے میں عقیدہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ تفویض کا قول یعنی یہ کہ خداوندکریم نے امرِ خلق و رزق و موت و حیات وغیرہ کے تمام معاملات محمدؐ و آلِ محمدؐ کے سپرد کر دیے ہیں پس وہی پیدا کرتے ہیں اور مارتے ہیں اور وہی خلائق کو رزق دیتے ہیں اور خدا اپنے مقام میں بے کار سا رہ گیا ہے۔

۲۔ وسیلہ کا قول کہ خداوندکریم نے اِن ذواتِ مقدسہ کو چونکہ تمام کائنات سے افضل اور کل مخلوق کا سردار بنایا پس یہ لوگ اللہ تک رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں جس طرح احکامِ خدا کے ہم تک پہنچانے کے لئے وہ مامور من اللہ ہیں اسی طرح ہماری دُعا و مناجات کی قبولیت کا بھی وہی وسیلہ ہیں پس اگر پہلی قسم کا اعتقاد رکھا جائے تو اس سے کفر و شرک لازم آتا ہے اور آئمہ معصومین علیہم السّلام کی طرف سے اس عقیدۂ فاسدہ کی پُرزور تردید کی گئی ہے جیسا کہ کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمۂ تفسیر میں عقلی و نقلی طریقہ سے اس کو بالکل باطل کیا گیا ہے اور اگر حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کو وسیلہ قرار دے کر ان کو پکارا جائے اور امداد طلب کی جائے تو جائز اور موجب نصرتِ خدا ہے اور اس بارہ میں اہل بیت عصمت سے جو آثار و روایات منقول ہیں حدِ تواتر سے زیادہ ہیں۔

تفسیر برہان ج ۱ میں بروایت سلیم بن قیس ہلالی جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے جس میں اہل بیت عصمت کے متعلق یہ الفاظ تصریح سے موجود ہیں (وہ قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن اُن کے ساتھ ہوگا۔ قرآن اُن کو نہ چھوڑے گا اور وہ قرآن کو نہ چھوڑیں گے میری اُمت پر اللہ کی مدد انہی کے ذریعہ سے نازل ہوگی انہی کے ذریعہ سے مینہ برسے گا اور انہی کے وسیلہ سے مصائب دُور ہوں گے اور انہی کے واسطہ سے دُعا مستجاب ہوگی) اس کے بعد حضورؐ نے بارہ اماموں کی تعداد بیان فرمائی اور نام بھی بتائے۔ پوری

روایت جلد اوّل ص۲۸۶ و ص۲۶۷ پر ملاحظہ ہو۔

یہ روایت بطور تبرک و تیمن کے پیش کی ہے اب اس مقام پر ادعیہ ماثورہ کے چند اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہ مطلب صاف ہو جائے اور تعلیم آئمہ کے پیش نظر نظریات اور اعتقادات میں سے صحیح و فاسدہ کا جائزہ لیا جا سکے۔

دُعائے توسّل

یہ دُعا مفاتیح الجنان میں شیخ عباس قمی قدہ نے علامہ مجلسی قدہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس کو محمد بن بابویہ قدہ سے اور انہوں نے آئمہ طاہرین سے روایت کی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ يَا اَبَا الْقَاسِمِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا اِمَامَ الرَّحْمَةِ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

يَا اَبَا الْحَسَنِ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَا عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ

يَا فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ يَا بِنْتَ مُحَمَّدٍ يَا قُرَّةَ عَيْنِ الرَّسُوْلِ يَا سَيِّدَتَنَا وَمَوْلَاتَنَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكِ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكِ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهَةً عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعِيْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

يَا اَبَا مُحَمَّدٍ يَا حَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ اَيُّهَا الْمُجْتَبٰى يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ يَا حُسَيْنَ ابْنَ عَلِيٍّ اَيُّهَا الشَّهِيْدُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

يَا اَبَا الْحَسَنِ يَا عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ يَا زَيْنَ الْعَابِدِيْنَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ يَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَى اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَيْنَ يَدَيْ حَاجَاتِنَا يَا وَجِيْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا جَعْفَرٍ یَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِیٍّ اَیُّهَا الْبَاقِرُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَی اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ یَا جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ اَیُّهَا الصَّادِقُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَی اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا الْحَسَنِ یَا مُوْسَی ابْنِ جَعْفَرٍ اَیُّهَا الْكَاظِمُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَی اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا الْحَسَنِ یَا عَلِیَّ بْنَ مُوْسٰی اَیُّهَا الرِّضَا یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَی اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا جَعْفَرٍ یَا مُحَمَّدَ بْنَ عَلِیٍّ اَیُّهَا التَّقِیُّ الْجَوَادُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَی اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا الْحَسَنِ یَا عَلِیَّ بْنَ مُحَمَّدٍ اَیُّهَا الْهَادِی النَّقِیُّ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَی اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا اَبَا مُحَمَّدٍ یَا حَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ اَیُّهَا الزَّكِیُّ الْعَسْكَرِیُّ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَی اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

یَا وَصِیَّ الْحَسَنِ وَالْخَلَفُ الْحُجَّةُ اَیُّهَا الْقَائِمُ الْمُنْتَظَرُ الْمَهْدِیُّ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَا حُجَّةَ اللّٰهِ عَلٰی خَلْقِهٖ یَا سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا اِنَّا تَوَجَّهْنَا وَاسْتَشْفَعْنَا وَتَوَسَّلْنَا بِكَ اِلَی اللّٰهِ وَقَدَّمْنَاكَ بَیْنَ یَدَیْ حَاجَاتِنَا یَا وَجِیْهًا عِنْدَ اللّٰهِ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

اِس دُعا میں حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ سے لے کر حضرت قائم آلِ محمد عج علیہ السلام تک چہاردہ معصومین کو اپنے مخصوص نام اور معروف لقب کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اے ہمارے آقا و مولا ہم اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُس کی بارگاہ میں آپ کو بطور شفیع و وسیلہ ہم نے پیش کیا اور اس کی بارگاہ میں اپنی حاجات حاصل کرنے کے لئے آپ کو مقدم کیا۔ اے مقرب بارگاہِ خدا۔ اللہ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔

نقل مذکور کی رُو سے ابن بابویہ فرماتے ہیں کہ میں نے جس امر کے لئے اِس دُعا کو پڑھا ہے اس کو مقبول پایا ہے میں نے اِس دعا کو پُورا اس مقام پر نقل کر دیا ہے حالانکہ اقتباس پیش کرنے کا وعدہ تھا تاکہ اِس کتاب کا مطالعہ کرنے والا اِس دُعا کے لئے دُوسری کتاب کی طرف رجُوع کرنے کا محتاج نہ ہو اور نیز تاکہ اِس دُعا کی خیر و برکت سے خداوندکریم میری جملہ حاجات صحیحہ برلائے اور خصُوصًا اس تفسیر کی تکمیل پر مجھے موفق فرمائے۔

۱۔ اب بعض دوسری اَدعیہ کے اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ چنانچہ دُعائے توسّل دیگر کے الفاظ اس طرح ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى ابْنَتِهٖ وَعَلَى ابْنَيْهَا وَاَسْئَلُكَ بِهِمْ اَنْ تُعِيْنَنِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ وَ رِضْوَانِكَ وَاَنْ تُبَلِّغَنِيْ بِهِمْ اَفْضَلَ مَا بَلَّغْتَ اَحَدًا مِنْ اَوْلِيَائِكَ اِنَّكَ جَوَادٌ كَرِيْمٌ (الی آخر الدعا)

ترجمہ۔ اے اللہ رحمت نازل فرما اُوپر حضرت محمدؐ اور اُس کی شہزادی اور اُس کے دو فرزندوں کے اور انہی کے واسطہ سے میں سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنی اطاعت اور رضامندی پر میری مدد فرما اور انہی کے ذریعہ سے مجھے بہترین مقام پر فائز فرما جس پر تُو نے اپنے کسی ولی کو فائز فرمایا ہے کیونکہ تو جواد و کریم ہے۔

۲۔ دُعائے سریع الاجابت کے الفاظ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ الْكُبْرٰى وَالْمُحَمَّدِيَّةِ الْبَيْضَاءِ وَالْعَلَوِيَّةِ الْعُلْيَاءِ وَبِجَمِيْعِ مَا احْتَجَجْتَ بِهٖ عَلٰى عِبَادِكَ وَبِالْاِسْمِ الَّذِيْ حَجَبْتَهٗ عَنْ خَلْقِكَ (الی آخر الدعا)

ترجمہ۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں بواسطہ تیری وحدانیت کبریٰ کے اور محمدیت بیضا کے اور علویت علیا کے اور بواسطہ تمام اُن چیزوں کے جن کو تو نے اپنے بندوں پر حجت قرار دیا اور بواسطہ اس اسم کے جس کو تو نے اپنی مخلوق سے پوشیدہ رکھا۔

۳۔ ماہ رمضان کی شب ہائے قدر میں قرآن کو سر پر رکھ کر یہ دُعا پڑھی جاتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ هٰذَا الْقُرْاٰنِ وَبِحَقِّ مَنْ اَرْسَلْتَهٗ بِهٖ وَبِحَقِّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مَدَحْتَهٗ فِيْهِ وَبِحَقِّكَ عَلَيْهِمْ فَلَا اَحَدَ اَعْرَفُ بِحَقِّكَ مِنْكَ بِكَ يَا اَللّٰهُ وَبِمُحَمَّدٍ وَبِعَلِيٍّ وَبِفَاطِمَةَ وَبِالْحَسَنِ

وَبِالْحُسَيْنِ وَبِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ وبمحمد بن عَلِي وَبِجَعْفَرِ بْنِ محمّد وَبِمُوسٰى بْنِ جعفر وبعلى بن مُوسٰى وَ بِمُحمّد بن على وبعلى بن محمّد وبالحسن بن على و بِالْحُجَّةِ۔

ترجمہ: میرے اللہ اس قرآن کے واسطہ سے اور اُس ذات کے واسطے سے جس کو تو نے قرآن دے کر بھیجا اور ہر اُس مومن کے واسطہ سے جس کی تو نے قرآن میں تعریف کی اور تیرے اُس حق کا واسطہ جو اُن پر واجب الادا ہے جس کو تو ہی بہتر جانتا ہے اور تجھے اپنی ذات کا واسطہ اور اُس کے بعد حضرت محمدؐ سے لے کر حضرت حجت تک چہاردہ معصومین کا نام بنام واسطہ دے کر آخر میں اپنی حاجت کو طلب کیا جاتا ہے اور دس دس دفعہ ہر واسطہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔

۴۔ اب زیاراتِ مشاہدِ مشرفہ میں مخصوصہ زیارات کے بعض الفاظ ملاحظہ ہوں چنانچہ زیارتِ مطلقہ حضرت امیرالمومنین میں ہے۔

يَا مَوْلَايَ اِلَيْكَ وُفُوْدِيْ وَبِكَ اَتَوَسَّلُ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ بُلُوْغِ مَقْصُوْدِيْ وَاَشْهَدُ اَنَّ الْمُتَوَسِّلَ بِكَ غَيْرُ خَائِبٍ وَالطَّالِبُ بِكَ عَنْ مَعْرِفَةٍ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ اِلَّا بِقَضَاءِ حَوَائِجِهٖ فَكُنْ لِيْ شَفِيْعًا اِلَى اللّٰهِ رَبِّكَ وَرَبِّيْ فِيْ قَضَاءِ حَوَائِجِيْ وَتَيْسِيْرِ اُمُوْرِيْ وَكَشْفِ شِدَّتِيْ وَغُفْرَانِ ذَنْبِيْ وَسَعَةِ رِزْقِيْ وَتَطْوِيْلِ عُمْرِيْ وَاِعْطَاءِ سُؤْلِيْ فِيْ اٰخِرَتِيْ وَدُنْيَايَ۔

ترجمہ: اے میرے مولا میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اور اپنے مقصود تک پہنچنے کے لئے میں نے آپ ہی کو وسیلہ بنایا ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ کو وسیلہ بنانے والا اپنے مقصد میں ناکام نہیں ہوتا اور آپ کی معرفت کے ساتھ آپ کے وسیلہ سے کوئی چیز طلب کرنے والا اقتضائے حاجات کی بغیر نہیں پلٹایا جاتا۔ پس آپ اللہ کی بارگاہ میں جو آپ کا اور میرا ربّ ہے۔ میرے قضائے حوائج، آسانی معاملات، سختی کے دور ہونے، گناہوں کی مغفرت وسعتِ رزق، زیادتی عمر اور دنیا و آخرت کے سوالات کی منظوری میں میرے شفیع ہوں۔

۵۔ زیارت مخصوصۂ یوم مولود کے الفاظ ہیں۔

يَا مَوْلَايَ يَا حُجَّةَ اللّٰهِ يَا اَمِيْنَ اللّٰهِ يَا وَلِيَّ اللّٰهِ اِنَّ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ذُنُوْبًا قَدْ اَثْقَلَتْ ظَهْرِيْ وَمَنَعَتْنِيْ مِنَ الرُّقَادِ وَذِكْرُهَا يُقَلْقِلُ اَحْشَايَ وَقَدْ هَرَبْتُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاِلَيْكَ فَبِحَقِّ مَنِ ائْتَمَنَكَ عَلٰى سِرِّهٖ وَاسْتَرْعَاكَ اَمْرَ خَلْقِهٖ وَقَرَنَ طَاعَتَكَ بِطَاعَتِهٖ وَمُوَالَاتَكَ بِمُوَالَاتِهٖ كُنْ لِيْ اِلَى اللّٰهِ شَفِيْعًا وَمِنَ النَّارِ مُجِيْرًا۔

ترجمہ ۔ اے میرے آقا۔ اے اللہ کی حجت ۔ اے اللہ کے امین ۔ اے اللہ کے ولی تحقیق اللہ کے سامنے میرے پاس اتنے گناہ ہیں کہ اُنھوں نے میری پیٹھ جھکا دی اور مجھے نیند سے محروم کردیا۔ اُن کی یاد میرے دل کو تڑپا دیتی ہے اور میں اُن سے بھاگ کر اللہ کی طرف آیا ہوں اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں پس اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے آپ کو اپنے راز کا امین اور معاملاتِ خلق کا محافظ بنایا اور آپ کی محبّت واطاعت کو اپنی محبت واطاعت کے ساتھ ملادیا کہ آپ۔ اللہ کی بارگاہ میں میرے شفیع بنیں اور آتش جہنم سے مجھے پناہ دلانے والے بنیں۔

اسی طرح باقی آئمہ کی زیارات اور ان کی بارگاہوں میں منقول دعاؤں کے الفاظ اسی نہج پر ہیں اگر تمام کو جمع کیا جائے تو کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی پس ان سب دعاؤں میں مقصود ذات جناب رب العزت ہے اور حضرات طاہرینؑ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اس کی بارگاہ تک رسائی کا وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ طلب مدد اللہ سے کی جاتی ہے اور آلِ محمدؐ واسطہ ہیں چونکہ ان کے وسیلہ قرار دینے کے بغیر دُعاؤں کی استجابت مشکل ہے لہٰذا اس کی ذات تک پہنچنے کے لئے ان ذواتِ طاہرہ کو واسطہ قرار دینا ضروری امر ہے۔

اشتباہ ۔ اس مقام پر بعض لوگوں کو اشتباہ ہوتا ہے کہ بعض دُعاؤں کے الفاظ یہ بتلاتے ہیں کہ حضرات طاہرینؑ قضائے حاجات کے لئے خود کفیل ہیں اور وسیلہ نہیں گویا مطلب یہ نکلتا ہے کہ صرف اُنہی کو پکارا جائے اور اُنہی سے مدد وغیرہ طلب کی جائے ۔ اللہ سے مانگنے اور مدد طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں یعنی ان دُعاؤں سے تفویض کے مسلک کی درستی ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ دُعائے فرج کے الفاظ یہ ہیں۔

یا محمد یا علی یا علی یا محمد اکفیانی فانکما کافِیایَ وَانْصُرانِی فَاِنَّکُمَا نَاصِرایَ یَا مَوْلَانَا یَا صَاحِبَ الزَّمَانِ الْغَوْث الْغَوْث اَدْرِکْنِیْ اَدْرِکْنِیْ السَّاعَۃَ السَّاعَۃَ اَلْعَجَلْ اَلْعَجَلْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہِ الطَّاهِرِیْنَ ۔

ترجمہ ۔ اے محمدؐ۔ اے علیؑ آپ دونوں میری کفایت کریں کیونکہ آپ دونوں مجھے کافی ہیں ۔ اور آپ میری مدد کریں کیونکہ آپ میرے مددگار ہیں ۔ اے ہمارے مولا صاحب الزمان فریاد ۔ فریاد ۔ فریاد ۔ میری مدد کو پہنچئے پہنچئے پہنچئے ۔ ابھی ۔ ابھی ۔ ابھی ۔ جلدی جلدی ۔ جلدی ۔ اے ارحم الراحمین حضرت محمد مصطفےٰؐ اور اس کی آلِ طاہر کے صدقہ میں۔

پس اس دُعا میں وسیلہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔

جواب اشتباہ ۔ صرف تخریب عقائد کے لئے انہی جملوں کو پیش کرنا ناخدا ترسی بلکہ تعلیماتِ آئمہ کے خلاف اعلانِ جنگ کے مترادف ہے اگر چشمِ بصیرت سے ان کو ملاحظہ کیا جاوے تو اس دعا میں عقائد حقہ کے خلاف کوئی بات نہیں نکلتی بلکہ یہ دُعا

بھی پہلی دعاؤں کے اقتباساتِ گذشتہ کی تائید کرتی ہے کیونکہ انہی جملوں سے پہلے صاف طور پر یہ کلمات ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ اُولِی الْاَمْرِ الَّذِیْنَ فَرَضْتَ عَلَیْنَا طَاعَتَهُمْ وَعَرَّفْتَنَا بِذٰلِكَ مَنْزِلَتَهُمْ فَفَرِّجْ عَنَّا بِحَقِّهِمْ فَرَجًا عَاجِلًا قَرِیْبًا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ۔ (ترجمہ) اے اللہ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رحمت نازل فرما وہ جو صاحبانِ امر ہیں جن کی تو نے ہم پر اطاعت فرض کی ہے اور اسی سے تو نے ہم کو اُن کی منزلت کی معرفت عطا کی ہے۔ پس انہی کے حق کا واسطہ دے کر ہم عرض کرتے ہیں کہ ہمیں جملہ مصائب سے فوری پلک جھپکنے یا اس سے بھی جلدی نجات عطا فرما۔

اب یہ الفاظ ببانگِ دہل پکار رہے ہیں کہ مقصود بالذات نداء ذاتِ احدیت ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ وسیلہ و واسطہ ہیں۔ اب اس کے بعد یا محمدؐ اور یا علیؑ کہہ کر یہ کہنا کہ تم ہی میری مدد کرو اور تم ہی میری کفایت کرو۔ کیونکہ تم دونوں مددگار اور کافی ہو۔ اور حضرت حجت عج کو ندا کر کے اُن سے فریاد کرنا طالبِ دعا ہونا۔ اس سب کا مطلب یہی ہے کہ تم وسیلہ و واسطہ بننے میں میرے لئے کافی ہو۔ اور اس امر کے لئے مجھے کسی اور سے مدد طلب کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ سوائے تمہارے وسیلہ کے باقی ذرائع میری کفایت مہم کے لئے ناکافی ہیں اور نیز دعائے مذکور کے آخری کلمات کہ یا ارحم الراحمین بحق محمدؐ و آلِ الطاہرین بھی اسی مطلب کی تائید کر رہے ہیں کہ اُن کو پکارنا اور اُن سے فریاد کرنا صرف وسیلہ قرار دینے کی خاطر تھا ورنہ اللہ کو خطاب کر کے بحق محمدؐ و آلہ الطاہرین کہنا بے معنی ہو جاتا۔

یا علیؑ مدد

سوال۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہر وقت ہر مقام پر حاضر و ناظر ہونا خداوندکریم کی ذات سے مخصوص ہے اور اس میں کسی اور کو شریک کرنا کفر و شرک ہے لہٰذا شیعوں کا یا علی مدد کہنا یا یا عباس اور کہنا وغیرہ ناجائز و شرک ہے۔

جواب۔ خداوندکریم سے جو صفت اختصاص رکھتی ہے ہمارا اعتقاد ہے کہ واقعی اس میں کسی کو شریک ماننا ناجائز اور کفر ہے لیکن جہاں تک محمدؐ و آلِ محمدؐ کے علوم کا تعلق ہے جو خدا نے اُن کو عطا فرمائے ہیں اور کائناتِ عالم میں جس حد تک ان کی رسائی ہے جس کو شیعی عقیدہ درست قرار دیتا ہے۔ آیا خدا کا اختصاص انہی حدود سے ہے اور بس؟ تو یہ ناخدا شناسی ہے بلکہ یہ عقیدہ دامنِ علم و قدرتِ خداوندی پر بدنما داغ ہے جس سے انسان حیطۂ اسلام سے کوسوں دُور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خدا واجب ہے اور اس کے علم اور اس کی قدرت کی کوئی حد نہیں اور محمدؐ و آلِ محمدؐ ممکن ہیں۔ ان کا علم و قدرت محدود ہے خواہ ہم اپنے ناقص دماغ سے ان کی حدود معین کرنے سے قاصر ہیں لیکن ہمارے اُن کی حدود معین نہ کر سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعی طور پر ان کے علم و قدرت کی کوئی حد نہیں۔

۲۔ روح جب عناصر کے شکنجہ میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے تصرفات کافی حد تک پابندِ عناصر ہوتے ہیں لیکن جب قفسِ عنصری کی تاروں کو توڑ کر آزادی کی وادی میں قدم رکھتا ہے تو اس کے اختیارات میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً نیند اور موت کسی حد تک ایک دوسرے سے ملتی جلتی دو چیزیں ہیں۔ عالمِ خواب میں رُوحِ انسانی کچھ تھوڑی سی آزاد ہو جاتی ہے اور موت مر جانے کے بعد بالکل آزاد ہوتی ہے۔ عالمِ خواب کی تھوڑی سی آزادی حاصل ہوتے ہی اپنے بستر پر لیٹ کر گو ظاہری جسمانی آنکھیں بند ہوتی ہیں

لیکن رُوح اسی جسم ظاہری جیسا ایک مثالی جسم لے کر بہت دُور دراز کے سفر کرنے پر موفق ہوتی ہے۔ اس مثالی جسم کی آنکھیں یہ آنکھیں نہیں جو جسم ظاہری کی جزو ہو کر بستر پر موجود ہیں اسی طرح مثالی جسم کے ہاتھ پاؤں اس ظاہری جسم کے ہاتھ پاؤں سے الگ الگ ہیں حتیٰ کہ مثالی جسم کے تمام اعضا اس واقعی اور ظاہری جسم کے تمام اعضا سے الگ ہوتے ہیں کیونکہ یہ تو ایک جگہ موجود ہیں اور وہ اسی وقت مثالی جسم کی معیت میں اطراف عالم کی سیر میں مصروف ہوتے ہیں لیکن اُن کا ہر فعل اِن کا فعل کہا جاتا ہے اور اُن کی تمام سیر و تفریح ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے مثلاً خواب میں دیکھنے والا بیدار ہو کر خواب کی تعبیر حاصل کرنے کے لئے بیان کرتا ہے کہ میں خواب میں فلاں جگہ گیا یہ دیکھا وہ دیکھا فلاں سے ملا۔ اُس نے مجھے یہ کہا وہ کہا۔ فلاں زیارت کی فلاں خوشی دیکھی۔ فلاں مصیبت میں مبتلا ہوا وغیرہ۔ اب یہ نہیں کہتا کہ میرے مثالی جسم نے یہ مناظر دیکھے یا مصائب جھیلے بلکہ اسی ظاہری جسم کی طرف وہ سب کچھ منسوب کرتا ہے جو اُس کو عالم خواب میں مثالی جسم کے ساتھ پیش آیا اور سُننے والا کوئی ہوش مند اس کو غلط بیانی سے بھی تعبیر نہیں کرتا اور کوئی موحد اس پر کفر و شرک کا فتویٰ بھی نہیں لگاتا کہ حاضر ناظر ہونا تو اللہ کا خاصہ ہے تو کس طرح ہر جگہ حاضر و ناظر ہو گیا؟ سویا یہاں تھا اور ایک ہی وقت میں پہنچ وہاں گیا؟ اور طرہ یہ کہ فتوے لگانے والے خود بھی اپنی حالات سے دوچار ہوتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ ظاہری جسم کی آنکھیں بند ہیں اور مثالی جسم کی آنکھیں کھُلی ہیں۔ اِس کے پاؤں ساکن ہیں اور اُس کے متحرک ہیں اِس کے ہاتھ ایک جگہ پڑے ہیں اور وہ ہل جل رہے ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ بیان کے وقت یہ بند آنکھیں کہتی ہیں کہ وہ کھلی ہوئی آنکھیں ہم تھیں یہ خاموش زبان کہتی ہے کہ اس عین خاموشی کے وقت بول میں رہی تھی اور یہ سب ساکن اعضاء کہتے ہیں کہ بعینہٖ اسی سکون کے عالم میں وہاں متحرک ہم تھے تو گویا حاضر و ناظر ہونا تو بجائے خود اجتماع ضدین کا ہر جگہ مسئلہ درپیش ہے اور اسے محال کوئی نہیں کہتا؟ نیز عالم خواب میں بعض اوقات مثالی جسم مصائب سے دوچار ہوتا ہے تو یہ حقیقی جسم نیند کی حالت میں تڑپ جاتا ہے بلکہ زبان سے واویلا کرنا شروع کر دیتا ہے یا وہ مثالی جسم مناظر عجیبہ دیکھتا ہے تو یہ بستر پر سویا ہوا جسم مسکرا دیتا ہے حالانکہ اس پر نیند طاری رہتی ہے۔ اب اگر سوال کیا جائے کہ تو ہنس کیوں رہا تھا یا رو کیوں رہا تھا تو جواب دیتا ہے کہ میں فلاں مقام پر کسی منظر عجیب کو دیکھ کر ہنسا تھا یا فلاں مقام پر کسی مصیبت میں پھنس کر رو یا تھا۔

بہر کیف یہاں ایک ہی رُوح ہے جو ایک ہی وقت میں دونوں جسموں سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک یہاں خاموش سویا ہوا ہے دوسرا وہاں سیر کر رہا ہے وہ عجیب منظر دیکھ کر وہاں ہنستا ہے تو یہ سویا ہوا یہاں ہنستا ہے مصیبت سے گھبرا کر ایک ہی وقت میں وہ وہاں روتا ہے تو یہ یہاں واویلا کرتا ہے۔ اسی طرح باقی تمام افعال سمجھ لیجئے۔ پس ایک ہی وقت میں یہاں بھی حاضر وہاں بھی حاضر۔ زبان سے دونوں مقاموں پر بولتا ہے۔ آنکھوں سے ہر دو مقام پر روتا ہے منہ سے دونوں مقاموں پر ہنستا ہے اور یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے کہ کسی کو مجالِ انکار نہیں۔ اگر دونوں جگہ پر حاضر و ناظر نہیں تو بتائیے۔ نظارہ تو وہاں تھا یہ یہاں کیوں ہنسا ہے؟ مصیبت تو وہاں تھی یہ یہاں کیوں چلّایا ہے؟ ہمکلام تو وہاں تھا یہ یہاں کیوں بولا ہے؟ کیا اب یہاں فتویٰ لگانے کی جرأت ہے کہ جو شخص ایک

انسان کے دو مختلف مقامات یا زیادہ پر ایک ہی وقت میں حاضر و ناظر ہونے کا اعتقاد رکھے وہ مشرک ہے؟

سوال ۔ اگر کوئی کہے کہ وہ جسم مثالی ایک فرضی جسم ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں اور درحقیقت جسم صرف یہی ایک ہے۔ اور روح بھی صرف اسی ایک میں موجود ہے اور یہ ایک وقت میں صرف ایک ہی مقام پر ہے۔

جواب ۔ بے شک وہ ایک مثالی جسم ہے اور یہ جسم حقیقی ہے لیکن بات تو یہ ہے کہ روح کا تعلق ایک ہی وقت میں دونوں سے ہے یا نہیں؟ اگر وہ فرضی ہے اور روح کا تعلق اس سے نہیں تو بتائیے کہ اس کے اثرات اس پر کیسے طاری ہوگئے۔ اس کے رونے سے اسی وقت اس کی زبان سے فریاد کیوں نکلی اس کے ہنسنے سے یہ کیوں ہنسا؟ اور اگر آپ انکار ہی پر مصر ہوں اور کہیں کہ اس جسم پر اس مثالی جسم کے کوئی اثرات نہیں۔ یہ نہ روتا ہے نہ ہنستا ہے بلکہ یہ سب واقعات اسی مثالی جسم سے تعلق رکھتے ہیں تو میں عرض کروں گا کہ اگر حقیقت کچھ نہیں ہوتی تو بصورت وجوب غسل واقعہ کا تعلق تو اس مثالی جسم سے ہوتا ہے اور منی کا خروج بھی اسی سے ہوتا ہے فرمائیے اس پر غسل کیوں واجب ہوگیا اور اس کے کپڑے کیوں نجس ہوگئے۔؟

اگر ایک مسلمان عالم خواب میں حضرت رسالت مآبؐ کی زیارت کا شرف حاصل کر رہا ہو اور اسی اثنا میں کوئی باہر سے آکر اس جسم کو بیدار کر دے تو وہ چونکہ اس جسم ظاہری کا مدبّر ہے خواہ وہاں کتنا ہی پر لطف وقت گذر رہا ہو۔ اسی آن میں وہ سب پر کیف حالات چھوڑ کر فریضۂ تدبیر سنبھالنے کے لئے یہاں آپہنچے گا اور فوراً ہی جگانے والے پر خفا ہوگا کہ تو نے ایسا کیوں کیا اور اسی ظاہری جسم کی زبان سے کہے گا کہ میں نے انہی آنکھوں سے زیارت کی۔ اس زبان سے سلام عرض کیا وغیرہ۔ اور بیدار ہونے پر اس کو اس پر کیف منظر کے ترک کرنے کا افسوس حد سے زیادہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر جگانے والا کمزور ہوگا تو اسے پیٹنے سے بھی گریز نہ کرے گا۔ اب اگر واقعات کا تعلق صرف اسی فرضی جسم سے ہے تو افسوس یا خوشی کیوں ہے؟

بہرکیف یہ روح کی اس تھوڑی سی آزادی کا نتیجہ ہے کہ ایک ہی وقت میں دو مقاموں پر حاضر ہوتا ہے نیز یہ حالات صرف مومن و مسلمان سے مختص نہیں بلکہ کافر و مشرک بھی اس قسم کے حالات سے دوچار ہوتے رہتے ہیں پس اگر کافر کی روح ایک وقت میں دو مقاموں پر حاضر ہوسکتی ہے اور اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا شرک نہیں تو کسی اور کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا شرک کیوں ہوگا؟

مومن کے خواب کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزہے۔ چنانچہ صحیح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۲۸ و صفحہ ۱۲۹ چاپ مصر میں ہے۔

۱۔ عن انس بن مالکؓ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الرُّؤْیَا الْحَسَنَۃُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّۃٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّۃِ ۔ (ترجمہ) انس بن مالک سے مروی ہے کہ جناب حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ نیک مرد کا اچھا خواب نبوت کی چھیالیسویں جز ہوا کرتا ہے۔

۲۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

ترجمہ۔ عبادہ بن صامت نے جناب رسالت مآبؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا مومن کا خواب نبوت کی چھیالیسویں جُزء ہوتا ہے۔

۳۔ عَنْ اَبِی هريرة ان رسول الله قَالَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْأً مِنَ النُّبُوَّةِ۔ (ترجمہ) ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جناب پیغمبرؐ خدا نے فرمایا مومن کا خواب نبوت کی ۱/۴۶ جزء ہے۔

۴۔ عن ابی سعید الخدریؓ اِنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْأً مِنَ النُّبُوَّةِ

ترجمہ۔ ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ میں نے جناب رسالت مآبؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اچھا خواب نبوت کی جزوں میں چھیالیسویں جزء ہے۔

بہرکیف ہر چہار روایات کا مطلب واحد ہے یعنی ایک صالح مومن کی روح جب قید عناصر سے معمولی آزاد ہو جس کی بدولت وہ بیک وقت دو مقاموں پر حاضر ہو سکتی ہے۔ اس سے روح نبوت باوجودیکہ محبوس قید عناصر ہو چھیالیس گنا زیادہ طاقت رکھتی ہے جب عام روح نبوت کی یہ طاقت ہے تو پھر وہ نبوت جس کے زیر فرمان ایک لاکھ ایک کم چوبیس ہزار نبوتوں کی دنیا آباد ہو۔ اس کی طاقت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ میں نے تفسیر کی جلد اول یعنی مقدمہ تفسیر میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ گذشتہ انبیاء سرکار رسالت مآبؐ کے مقابلہ میں جزوی حیثیت رکھتے تھے اور یہ ان کے مقابلہ میں کل حیثیت کے حامل ہیں وہ محدود قوم اور محدود علاقہ پر مامور بہ نبوت تھے اور ان کی نبوت عالمی نبوت ہے تو اس چیز سے یہ چیز خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ ان کا صحیح جانشین گذشتہ نبیوں سے افضل ہوگا۔ کیونکہ بادشاہ کا قائم مقام اس کی تمام رعایا کا حاکم ہوا کرتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم اس کے صحیح جانشین کے انتخاب میں خطا کر جائیں۔ اور ایسے شخص کو منتخب کر بیٹھیں جو ان صفات کا حامل نہ ہو۔ پس صحیح بخاری کی روایات کی تطبیق سے معلوم ہوا کہ اگر مومن کی روح عالم خواب میں دو مقاموں پر پہنچ سکتی ہے تو نبی عالم بیداری میں چھیالیس جگہ حاضر ہو سکتا ہے اور یہ عام نبی کی حالت ہے اور خاتم الانبیاء کا ایک مختصر وقت میں متعدد مقامات میں حاضر ہونا شب معراج کی حقیقت سے واضح ہے اور پھر جو ان کا صحیح قائم مقام ہو اس کے لئے متعدد مقامات پر حاضر ہو سکنے کا اشکال ہی فضول ہے۔

پس اگر یہی حاضر و ناظر ہونا خدا کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ عقیدہ یقیناً ناخدا شناسی ہے اور اگر خدا کی ذات کو اس سے اجل و ارفع قرار دے کر کہا جائے کہ خدا اتنی طاقت اپنی خاص مخلوق کو بھی دے سکتا ہے تو یہ اس کی عظمت و قدرت کی دلیل ہے اور وہ خدا جو اپنے خاص بندوں کو اس قدر طاقت دے سکتا ہے جس سے ہمارے ناقص عقول عاجز ہیں تو ہمارے وہم و گمان کی رسائی اس کی اپنی ذات تک کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب نمبر۳۔ علم مسمریزم کے عامل اپنے معمول کے ذریعہ سے عجیب وغریب باتیں ظاہر کرتے ہیں ایک عامل علم مسمریزم کی طاقت سے ایک نابالغ معمول کو بے ہوش کر کے سلادیتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اس میں کوئی حس وحرکت نہیں۔ اب پوچھتا ہے تو کون؟ وہ کہتا ہے میں معمول۔ پھر پوچھتا ہے میں کون؟ وہ جواب دیتا ہے تو عامل پھر عامل ایک شخص کے سر پہ ہاتھ رکھ کر معمول سے دریافت کرتا ہے تو معمول جس نے اس سے پہلے نہ اس شخص کو دیکھا نہ سنا۔ عامل کے سوال کے بعد اس شخص کا نام بتلاتا ہے اس کے باپ کا نام لیتا ہے اس کے شہر کا پتہ بیان کرتا ہے۔ اور اس کا سوال بیان کر کے اس کے نتیجہ کی خبر بھی دے دیتا ہے اور یہ سب چیزیں عام طور پر درست بھی ہوا کرتی ہیں جیسا کہ عام مشہور ہے پھر عامل دوسرے شخص کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے تو وہی معمول اس شخص کے تفصیلی حالات بیان کرتا ہے اور مجمع میں سے جس جس کے متعلق عامل سوال کرتا جائے۔ وہ بیان کرتا جاتا ہے حالانکہ یہ لوگ دور دور کے بسنے والے ہوتے ہیں جن سے معمول ظاہری طور پر قطعاً ناآشنا ہوا کرتا ہے اب بتائیے کہ وہ معمول یہ خبریں کہاں سے لایا؟ اور ان پر کیسے مطلع ہوا؟ پس جب ایک عامل اپنے علم مسمریزم کے ذریعہ سے اپنے معمول میں یہ طاقت بھر سکتا ہے تو خالق کائنات اپنے مخصوص بندوں کو اتنی یا اس سے زیادہ طاقت عطا کرنے سے عاجز ہے؟

۴۔ معراج جسمانی مسلمانوں کا مسلّمہ عقیدہ ہے۔ جناب رسالت مآبؐ رات کے ایک مختصر حصّہ میں تمام ملاء اعلیٰ کی سیر کر کے واپس بھی آگئے اور اس تھوڑے سے وقت میں آپ نے جو تفصیلی مناظر ملاحظہ فرمائے اس کی لمبی فہرست ہے ملائکہ سے باتیں ہوئیں بیت المعمور پر نماز پڑھی جنّت کو دیکھا، دوزخ کو دیکھا، عرش کی سیر کی، عجائبات قدرت دیکھے نامعلوم کیا کیا دیکھا؟ اور پھر پلٹ بھی آئے تو جو خدا جسم عنصری کی پابندی کے ساتھ اپنے رسولؐ کو اتنی طاقت دے سکتا ہے اور وہ اس پابندی کے ہٹ جانے کے بعد صرف روح رسالتؐ کو اتنی طاقت نہیں دے سکتا کہ چشم زدن میں پورے عالم کا معائنہ فرمالیں؟

پھر یہ سوال بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ مرجانے کے بعد کسی کو پکارنا عبث ہے کیونکہ وہ نہ سن سکتا ہے اور نہ کچھ کر سکتا ہے۔

جواب نمبر۱۔ نماز کے تشہد میں تمام مسلمان السّلام علیك ایّها النّبیّ ورحمة الله وبركاته پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے رحلت فرما جانے کا علم ہے تو کیا نماز کے وقت وہ حاضر وناظر ہیں۔ اور باقی حالات میں ان کی یہ خصوصیت مفقود ہوتی ہے؟

۲۔ اگر کسی کا بھائی یا فرزند مرجاتا ہے تو قبر پر جا کر قبر سے خطاب کیا جاتا ہے کہ بھائی جان میں تیرے بعد تنہا ہوں۔ تیرے بچے یتیم ہیں۔ یا بیٹا تیرے بعد باپ کا کوئی سہارا نہیں۔ میں تیری قبر پر آیا ہوں۔ میرے ساتھ کلام کرو۔ حالانکہ علم ہوتا ہے کہ یہ جواب نہ دیں گے اور ان خطابات کو کوئی شخص شرک وکفر سے تعبیر نہیں کرتا کیونکہ یہ خطابات صرف اظہار محبت کے لئے ہوتے ہیں پس جب عام عزیزوں کی قبروں سے خطاب کیا جاسکتا ہے تو اولیاء اللہ کی قبروں کے سامنے اظہار عقیدت سے کیا مانع ہے کہ ان کو خطاب کر کے اپنی مشکلات کا ذکر کیا جائے جب کہ مقصود ان کو بارگاہ خدا میں وسیلہ بنانا ہو؟

پس نتیجہ یہ نکلا کہ نہ گھر بیٹھے ان کو پکارنا ممنوع ہے اور نہ ان کی قبروں پر جا کر ان کو خطاب کرنا عبث ہے۔ کیونکہ مقصود ہر دو صورتوں میں ان کا وسیلہ بنانا ہوا کرتا ہے اور اللہ سے ہی طلب حاجات کی جاتی ہے۔ پس اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن سے اس فعل کی کوئی منافات نہیں ہے

آیاتِ فاتحہ ابوابِ جنّت کی کنجیاں ہیں

کتاب بحار الانوار ج ۳ صفحہ ۲۹۴ پر عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ مجھے شبِ معراج جب آسمانوں کی سیر کرائی گئی تو جنّت و نار میرے سامنے لائی گئیں میں نے جنت کی نعمات کو دیکھا اور جہنم کے عذاب کو بھی دیکھا۔ جنّت کے آٹھ دروازے تھے کہ ہر دروازے پر چار ایسے کلمات مرقوم تھے کہ ان کا ہر ایک جاننے اور عمل کرنے والے کے لئے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے مجھے جبریل نے کہا کہ پڑھو تو میں نے پڑھا۔

پہلے دروازے پر لکھا تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ ہر شے کے لئے حیلہ ہوا کرتا ہے۔ اور آرام کی زندگی کے چار حیلے ہیں۔ ۱۔ قناعت۔ ۲۔ بجا خرچ۔ ۳۔ کینے کا ترک کرنا۔ ۴۔ نیکوں کی صحبت۔

دوسرے دروازہ پر مرقوم تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ۔ ہر شے کے لئے حیلہ ہوتا ہے اور آخرت کی خوشی کے چار حیلے ہیں۔ ۱۔ یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرنا۔ ۲۔ بیواؤں پر رحم کرنا۔ ۳۔ مومنین کی حاجات میں کوشش کرنا۔ ۴۔ فقراء اور مساکین کی خبر گیری کرنا۔

تیسرے دروازے پر تحریر تھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رسول اللہ علی ولی اللہ۔ ہر شے کے لئے حیلہ ہوتا ہے اور دنیا کی تندرستی کے چار حیلے ہیں۔ ۱۔ کم بولنا۔ ۲۔ کم سونا۔ ۳۔ کم چلنا۔ ۴۔ کم کھانا۔

چوتھے دروازے پر منقوش تھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ علی ولی اللّٰہِ۔ جو شخص اللہ پر اور قیامت پر یقین رکھتا ہو پس اُس کو لازم ہے کہ مہمان کی عزت کرے جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو اُس کو چاہیئے کہ اپنے ہمسایہ کی حرمت کا خیال رکھے جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو ضروری ہے کہ اپنے والدین کا احترام کرے اور جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہو پس وہ نیکی کی بات کہے ورنہ چپ اختیار کرے۔

پانچویں دروازہ پر مکتوب تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ۔ جو شخص اپنے اُوپر ظلم برداشت نہ کرے۔ تو وہ دوسرے پر ظلم سے اجتناب کرے جو گالی دیا جانا نہ پسند کرے چاہیئے کہ خود بھی کسی کو گالی نہ دے جو ذلیل ہونا نہ چاہے وہ کسی دوسرے کو ذلیل نہ کرے اور جو دنیا و آخرت میں مضبوط تعلق سے وابستگی چاہے پس اس کلمہ کو پڑھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ علی ولی اللہ

چھٹے دروازہ پر درج تھا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیؑ ولی اللہ جو قبر میں کشادگی کا تمنائی ہو چاہیئے کہ مساجد کی بنا کرے جو چاہے کہ میں قبر میں بوسیدہ نہ ہوں پس (عبادتِ خدا کے لئے) مساجد میں سکونت کرے جو چاہے کہ زمین کے نیچے مجھے

کپڑے ٹکڑے نہ کھائیں پس وہ (یاد خدا کے لئے) مساجد میں بسر کرے اور جو جنت میں اپنا گھر دیکھنا چاہے (پس ذکر خدا کے لئے) مساجد میں رہے۔

ساتویں دروازہ پر ثبت تھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّد رسول اللہ علیؑ ولیُّ اللہ۔ دِل کی نورانیت چار چیزوں میں ہے۔ ابیمار پرسی ۲۔ تشییع جنازہ ۳۔ کفن کو خرید کرکے رکھنا ۴۔ قرض کا ادا کرنا۔

آٹھویں دروازہ پر رقم تھا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ۔ جو شخص ان دروازہ ہائے جنت سے گذرنے کا متمنی ہو وہ اپنے اندر چار خصلتیں پیدا کرے۔ ۱۔ سخاوت ۲۔ خوش خلقی ۳۔ صدقہ ۴۔ اللہ کے بندوں کی ایذا رسانی سے پرہیز۔ (الخبر)

مُلّا صدرالدین شیرازی اعلی اللہ مقامہ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے کہ نماز چونکہ بفرمان معصوم مومن کی معراج ہے پس اس معراج کی تیاری کے لئے پہلے پہل ظاہری نجاسات وکثافات کو بدن ولباس سے دُور کرے تاکہ اس کی رُوح اس معراج پر فائز ہونے کے قابل ہوسکے پھر بارگاہِ ربّ العزت میں حاضر ہوکر پُورے سکونِ قلب اور توجّہ خاطر کے ساتھ زبان سے اللہ اکبر کے کلمات جاری کرکے جلال و عظمتِ خداوندی کے سامنے اپنے آپ کو جمیع ماسوائے اللہ سے علیحدہ پائے پس یہ دُعائے توجہ جو مستحب ہے پڑھے وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ الآیۃ۔ اور یہ مقام حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن کا ہے کہ انہوں نے یہی کلمات ادا فرمائے تھے جب روحانیت کے منازل اس حد تک طے ہوگئے تو اب جنت کے دروازے کھلنے شروع ہوجاتے ہیں جن کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ **باب المعرفۃ**۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھنے سے کھُلتا ہے کیونکہ اس میں اغوائے شیطانی سے برأت کا اظہار ہے اور تکبر سے یکسوئی ہے۔

۲۔ **باب الذکر**۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے زبان سے جاری کرنے سے کھُلتا ہے۔

۳ **باب الشکر**۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کے پڑھنے سے کھُل جاتا ہے۔

۴ **باب الرجاء**۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے پڑھنے سے کھُلتا ہے۔

۵ **باب الخوف**۔ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی تلاوت سے کھُلتا ہے۔

۶ **باب الاخلاص**۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے پڑھنے سے باز ہوتا ہے۔

۷ **باب الدّعاء**۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے زبان پر جاری کرنے سے کھلتا ہے۔

۸ **باب الاقتداء**۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے پڑھنے سے کھلتا ہے۔

پس جس طرح جنّت الخلد کے آٹھ دروازے ہیں اسی طرح معارفِ ربانیہ کی جنت کے بھی آٹھ دروازے ہیں اور یہ اُن کی رُوحانی

کنجیاں ہیں اور نماز کا معراج روحانی یہی ہے۔ زیادتی وضاحت کے لئے میں نے ملا صدرا مرحوم کے بیان کو اپنے بیان سے مخلوط کر دیا ہے۔

آیاتِ فاتحہ کی دوسری معنوی توجیہ

نماز چونکہ مومن کی معراج ہے اور روحانی معراج کا حصول جملہ روحانی بیماریوں سے شفایابی کے بعد ہوتا ہے اور آیاتِ سورہ فاتحہ اُن روحانی بیماریوں سے تندرست ہونے کی تعبیریں ہیں جس کی ترجمانی ملا صدرا نے جس رنگ میں کی ہے اُس کا ماحصل یہ ہے۔ انسان کی گمراہی کے تین رستے ہیں ا۔ شہوت۔ ۲۔ غضب ۳۔ خواہش نفس۔ شہوت قوتِ بہیمیہ ہے۔ غضب قوتِ درندگی ہے اور خواہش نفس شیطان ہے۔ شہوت بری بلا ہے لیکن غضب اس سے زیادہ ہے اور غضب آفتِ عظیمہ ہے لیکن خواہش نفس اس سے سخت ترین ہے اور خداوند کریم کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔ (ترجمہ) نماز فحشاء منکر اور بغی سے روکتی ہے فحشاء شہوت ہے منکر سے مراد غضب ہے اور بغی ہوائے نفس کی تعبیر ہے اور انہی تین وجوہات کی بناء پر حضرت موسےٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی اُمت میں مسخ واقع ہوا۔ چنانچہ بندر، سؤر اور عبد طاغوت ہوئے۔ شہوت سے انسان اپنے نفس کا ظالم ہوتا ہے اور غضب سے دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔ اور ہوائے نفس سے اپنے اللہ پر ظلم کرتا ہے اور اسی بنا پر جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد ہے کہ ظلم تین قسم کے ہیں ایک ظلم وہ ہے جو قابلِ بخشش نہیں دوسرا ظلم وہ ہے جو ترک نہ کیا جائے گا اور تیسرا ظلم وہ ہے جس کو ممکن ہے کہ خدا معاف کر دے پس وہ ظلم جو قابلِ مغفرت نہیں وہ شرک ہے جو ہوائے نفس کی پیداوار ہے وہ ظلم جس کو چھوڑا نہ جائے گا یعنی اس کا معاوضہ لیا جائے گا وہ بندوں پر ظلم کرنا ہے جو غضب کی پیداوار ہے اور وہ ظلم جس کو اگر خدا چاہے تو معاف کر دے وہ اپنے نفس کا ظلم ہے جو قوتِ شہویہ کی پیداوار ہے۔ ان تین بدخصلتوں میں سے ہر ایک کی دو دو فرعیں ہیں۔ شہوت کی دو فرعیں حرص اور بخل ہیں۔ غضب کی دو فرعیں خود پسندی اور تکبر ہیں ہوائے نفس کی دو فرعیں کفر و بدعت ہیں۔ ان کے جمع ہو جانے کا نتیجہ رحمتِ خدا سے دوری ہے۔ ان برائیوں کے اصول یعنی شہوت، غضب ہوئی سورہ فاتحہ کی پہلی آیت یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت و معرفت سے ختم ہو جاتے ہیں اور باقی آیاتِ فاتحہ سے تفصیلی طور پر ان کی فرعیں ختم ہو جاتی ہیں اور ان کا لازمی نتیجہ ہے قربِ خداوندی جو مومن کی روحانی معراج ہے کیونکہ جب انسان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے تو اللہ کی معرفت سے ہوائے نفس کا بھوت اس کے سر سے اُتر جاتا ہے کیونکہ خدا ارشاد فرماتا ہے اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ (ترجمہ) کیا تو نے اس کو دیکھا جو اپنی خواہشِ نفس کو خدا جانتا ہے؟ یعنی ہوائے نفس اُلوہیت سے برسرِ پیکار رہتی ہے چنانچہ حضرت موسیٰ کو خطاب ہوا کہ میری مخلوق میں سے کوئی بھی سوائے ہوائے نفس کے میرے ساتھ میرے ملک میں جھگڑا نہیں کرتا پس انسان کو جب اللہ کی معرفت حاصل ہو گئی اور اس کو خدا تسلیم کر لیا تو ہوائے نفس کے شکنجے سے آزاد ہو گیا۔ اور جب الرحمٰن کا تصور کیا تو غضب چلا گیا۔ کیونکہ غضب بھی طلبِ بڑائی اور تحصیل ملک و جاہ کے لئے ہوتا ہے اور ملک و جاہ ذاتِ احدیت ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ ملک رحمٰن کے لئے ہے تو طلب ملک و جاہ کے لئے غضب کی اتباع

سے خود بخود کنارا کش ہوجائے گا اور الرحیم کے کہنے سے شہوت کا آہنی جال بوسیدہ ہو کر خاکستر ہو جائے گا کیونکہ رحیمیت کا تصوّر بہیمانہ کردار کے قلع قمع کے لئے کافی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے تینوں اسمائے طاہرہ ہر سہ صفات بد شہوت غضب اور ہوائے نفس کے دُور کرنے کے کفیل ہیں اور یہی روحانی امراض کی جڑیں ہیں اور تمام بد افعال انہی کی شاخیں اور نتیجہ ہیں۔ باقی آیاتِ فاتحہ ان روحانی امراض کا دفیعہ اس طرح کرتی ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ جب زبان پر جاری ہوا تو گویا اعتراف کر لیا کہ خدا نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا میں اُس پر راضی ہوں اور اُس کا شکر ادا کرتا ہوں پس شہوت کافور ہوگئی۔

رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ پڑھا تو معلوم ہوا کہ عالمین کا رازق و مربی اللہ ہے تو اپنی کفایت سے زیادہ کا حرص نہ کرے گا اور اپنے پاس جمع شدہ کا بخل نہ کرے گا۔

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے پڑھنے سے اس کا غضب رفع ہوجائے گا کیونکہ معلوم ہو گیا کہ ملک اور عظمت اسی کی ذات کے لئے ہی سزاوار ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے پڑھنے سے تکبّر کا قلع قمع ہو گیا۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے خود پسندی ختم ہو گئی کیونکہ معلوم ہو گیا کہ ہر امر کی انجام دہی کے لئے میں خود ناکافی ہوں اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ سے ہوائے نفس کا خاتمہ ہو گیا۔ اپنے من بھائے رستے پر چلنے سے گریز کر کے اللہ سے صراطِ مستقیم پر رہنے کی دُعا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے پڑھنے سے کفر رفع ہو گیا اور

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے بدعات کا طریقہ ختم ہو گیا۔

پس جب روحانی بیماریوں کے اُصول و فروع کا پوری طرح ازالہ ہو گیا تو ظلمانی حجابات دور ہو گئے اور ہر طرف سے رحمتِ خداوندی نے گھیر لیا اور قربِ روحانی حاصل ہو گیا اور یہی ہے معراجِ روحانی (ملخص از تفسیر صدرا) اور قرآن مجید میں انہی بیماریوں سے بچنے کی تعلیمات ہیں جن کا اُصولی طور پر سورہ فاتحہ نے اجمالی رنگ میں ذکر کر دیا ہے لہذا یہ سورہ مبارکہ اُمّ القرآن اور الاساس ہے اور من جملہ تقدیم سورہ فاتحہ کی وجوہ کے یہ بھی ایک وجہ ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر گذشتہ بحار الانوار ج ۸ ص ۲۹۲ کی روایت کا آخری حصہ ذکر کرنا نہایت موزوں ہے جس میں سرکار رسالت مآبؐ نے ابوابِ جہنم کی تعداد سات بتائی ہے اور ہر دروازہ پر جو کچھ لکھا تھا بیان فرمایا چنانچہ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

۱۔ پہلے دروازہ پر تین کلمات لکھے ہوئے تھے (۱) اللہ سے اُمید کرنے والا نیک بخت ہے (۲) اللہ سے ڈرنے والا بےخوف ہے (۳) اور ہلاک ہونے والا فریب خوردہ وہ ہے جو اللہ کے غیر سے اُمید رکھے اور اُس کے غیر سے خوف زدہ ہو۔

۲۔ دُوسرے دروازہ پر مرقوم تھا (۱) جو قیامت کی بھوک سے بچنا چاہے وہ دنیا میں بھوکے لوگوں کو کھانا کھلائے (۲) جو روزِ قیامت برہنہ محشور ہونے سے بچنا چاہے وہ دنیا میں برہنہ جسم لوگوں کو لباس پہنائے (۳) جو قیامت کی پیاس سے بچنا چاہے وہ پیاسوں کو پانی پلائے

۳۔ تیسرے دروازہ پر تحریر تھا۔ ۱۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ۔۲۔ بخیلوں پر اللہ کی لعنت ۔۳۔ ظالموں پر اللہ کی لعنت۔

۴۔ چوتھے دروازہ پر مکتوب تھا ۱۔ اسلام کو ذلیل کرنے والا اللہ کے نزدیک ذلیل ہے ۲۔ اہل بیت کی توہین کرنے والا اللہ کے نزدیک ذلیل ہے ۳۔ ظالموں کی امداد کرنے والا اللہ کے نزدیک ذلیل ہے۔

۵۔ پانچویں دروازہ پر لکھا تھا۔ ہوائے نفس کی اتباع نہ کرو کیونکہ یہ ایمان کی دشمن ہے ۲۔ بے محل کلام نہ کرو کیونکہ یہ اللہ کی رحمت سے دُوری کی موجب ہے ۳۔ ظالموں کی امداد نہ کرو۔

۶۔ چھٹے دروازہ پر مرقوم تھا۔ ۱۔ میں مجتہدین پر حرام ہوں ۔۲۔ میں صدقہ دینے والوں پر حرام ہوں ۔۳۔ میں روزہ داروں پر حرام ہوں۔

۷۔ ساتویں دروازہ پر مکتوب تھا ۱۔ حساب لئے جانے سے پہلے اپنے نفسوں کا حساب کر لو۔ ۲۔ تنبیہ کئے جانے سے پہلے اپنے نفسوں کو تنبیہ کر لو ۔۳۔ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے سے قبل اس سے دُعا کر لو۔

پس ادنیٰ تامّل و تتبع سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دروازہ ہائے جنّت پر جو خصلتیں مرقوم تھیں وہ آیات سُورہ فاتحہ کے منطوقی اصُول اور ان کی فروعات ہیں لہٰذا آیاتِ فاتحہ کو کلید جنت کہنا بالکل بجا ہے اسی طرح وہ خصلتیں جن سے بچنے کے لئے دروازہ ہائے جہنّم کی تحریر صدا دے رہی ہے وہ آیات سورہ فاتحہ کے مفہوم مخالف کے اُصولاً و فروعاً نتائج ہیں جن کا نتیجہ جہنم ہے۔

پس سُورہ فاتحہ کے متعلّق مختصر طور پر جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا۔ پُورا ہو گیا۔ اس کے بعد سورہ بقرہ کی تفسیر آئے گی۔

واللہ الموفق والمعین علیہ توکلت وھو حسبی ونعم

الوکیل۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمد وآل محمّد۔

تفسیر

سورۂ البقرہ

اس کی آیات ۲۸۶ ہیں۔اور سب مدنی ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ملانے سے ان کی تعداد ۲۸۷ ہے۔

۱۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کو پڑھے گا تو بروزِ محشر یہ دونو سورتیں اس کے سر پر سایہ کریں گی۔

۲۔ حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی پہلی چار آئتیں اور آیۃ الکرسی خالدون تک اور آخر سورہ کی تین آیتیں پڑھے گا۔اپنے جان مال اور اہل میں کوئی ناپسندیدہ امر نہ دیکھے گا۔شیطان اس کے قریب نہ آئے گا اور قرآن کو نہ بھولے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے متقیوں کے لئے جو غیب کے ساتھ ایمان رکھتے

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ

ہیں اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں وہ جو ایمان رکھتے ہیں ساتھ اس چیز

اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ

کے جو آپ پر اتری اور ساتھ اس چیز کے جو آپ سے پہلے اتری اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ لوگ ہدایت

عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ

پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور وہی ہیں چھٹکارا پانے والے تحقیق وہ لوگ جو کافر ہیں ان پر برابر ہے خواہ

عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ایمان نہ لائیں گے مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور

وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۷

کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے

رکوع نمبر ۱ ، حروفِ مقطعات کا بیان

الٓمّٓ حروفِ مقطعاتِ قرآنیہ کے بارے میں مفسّرین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا سربستہ راز ہے جس کو سوائے علّام الغیوب کے کوئی بھی نہیں سمجھتا بعضوں نے کہا ہے کہ جن سُورتوں کے شروع میں یہ حروف ہیں انہی سورتوں کے نام ہیں بعضوں نے کہا ہے کہ قرآن کے نام ہیں۔ ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں جن کے درپے ہونا طول بلاطائل ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ الم اور جمیع مقطّعات اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم پر مشتمل ہیں جس کو نبی یا امام صحیح ترتیب دے سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے ان کی دُعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ الخبر (برہان)

تفسیر امامؑ سے منقول ہے کہ ان حروف سے ابتداء کا مقصد منکرین کو تحدی کرنا ہے یعنی یہ قرآن صرف انہی حروف سے مرکب

ہے جن سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو۔ اس کے حروف کوئی نئے نہیں۔ پس اگر اس کلام کو تم اللہ کا کلام نہیں مانتے تو انہی حروف سے تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لاؤ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قسم کے لئے ہیں یعنی الف لام و میم کی قسم اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

تفسیرِ صافی سے بحوالۂ تفسیرِ عیاشی حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میرے پاس حروفِ مقطعاتِ قرآنیہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جملہ حروفِ مقطعاتِ قرآنیہ اسرار و رموز علومِ الٰہیہ کے خزانے ہیں جن کی صحیح خبر راسخون فی العلم کے علاوہ اور کسی کو نہیں اور یہ کہنا کہ سوائے اللہ کے اور کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ نبیؐ و امام بھی اس سے بے خبر ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ ورنہ یہ کتاب ساری کی ساری ہدایت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس کے بعض کلمات کسی کی سمجھ میں ہی نہ آئیں اور پھر اس قسم کے الفاظ نازل کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے جس کا علم اس کے اپنے رسول کو بھی نہ ہو؟ پس جس طرح عموماً حبیب و محبوب کے باہمی مکالمات و مکاتیب میں بعض اس قسم کے اسرار و رموز ہوا کرتے ہیں جن کو غیر نہیں سمجھ سکتا یا یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک افسرِ اعلیٰ اور حاکمِ بالا اپنے ماتحت افسر کو رعایا پر نافذ کرنے کے لئے چند احکام تحریر کرے اور چھٹی کے سرنامہ پر چند ایسے اشارات درج کر دے جن کا تعلق صرف اسی مکتوب الیہ افسر سے ہو اور ان اشارات میں چھٹی کے تمام مندرجہ احکام کے نافذ کرنے کی خصوصی ہدایات درج ہوں جن پر عوام کو مطلع کرنا مصلحتِ وقت کے خلاف ہو تو جب عوام کے سامنے وہ چھٹی آئے گی۔ یقیناً وہ سرنامے پر درج شدہ اشارات کو مہمل خطوط سمجھیں گے اور ذیل میں مندرجہ احکام کے صحیح فیصلہ وہ ہی افسر کر سکے گا جس کو وہ چھٹی بھیجی گئی تھی اور اشاراتِ خصوصی پر اسے مطلع کیا گیا تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس کا صحیح قائم مقام ان مندرجات کے صحیح نفاذ کا ذمہ دار ہو گا۔

اسی طرح مقطعاتِ قرآنیہ کے علوم حضرت محمد مصطفیٰؐ اور اس کی آلِ طاہرین ہی تک محدود ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں اس کا مضمون گذر چکا ہے اور وہی قرآنِ مجید کے جملہ مضامین کا صحیح حل سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے دروازہ سے یک سوئی ہی مسلمانوں کے اختلاف کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ پس جس طرح سلاطین دنیا کا یہی طرزِ عمل ہے کہ ان کی چٹھیاں دو حصوں پر منقسم ہوا کرتی ہیں ایک حصہ کا تعلق صرف مکتوب الیہ افسر سے ہوتا ہے جس میں عمومی احکام کے نافذ کرنے کے طریقے اور دیگر خصوصی ہدایات ہوتی ہیں اور دوسرے حصے کا تعلق عام رعایا سے ہوتا ہے لیکن دوسرے حصہ کو کما حقہٗ وہی سمجھ سکتا ہے جس کو پہلے حصے کا علم ہو اسی طرح قرآن مجید میں مقطعاتِ قرآنیہ کا علم انہی ذواتِ طاہرہ سے مختص ہے جن کو قرآن کا مبلّغ قرار دیا گیا ہے اور باقی قرآن کا تعلق پوری امت سے ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ قرآن پورے کا پورا ہدایت و رحمت ہے لیکن ہادی سے کنارہ کشی اس کے صحیح مطالب سے دوری کی موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنابِ رسالت مآبؐ نے بار بار قرآن و اہل بیت ہر دو سے تمسک کی تاکید فرمائی۔ اور اس کے بغیر امت کی گمراہی کا خطرہ ظاہر فرمایا۔

علاوہ ازیں حروفِ مقطعات جن کی کل تعداد (چودہ ہے) کی صحیح ترتیب خود اس امر کی غماز ہے کہ ان کا علم آلِ محمدؐ تک ہی محدود ہے کیونکہ قرآن کے تمام حروف مقطعات کو جمع کرکے دوبارہ آنے والے حروف کو علیحدہ کیا جائے۔ تو بامعنی عبارت صرف یہ بنتی ہے صراطُ علی حق نمسکه یا علی صراط حق نمسکہ۔ اس کے بغیر اور کوئی صحیح عبارت بن ہی نہیں سکتی۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ حروفِ تہجی الف لام میم وغیرہ سے مرکب کامل یہی کتاب ہے۔ ذرا بھر اس میں شک نہیں۔ یعنی اگر اس کی ترتیب ونظم واسلوب بیان کا صحیح مطالعہ کیا جائے تو اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی شک نہیں رہتا اور پھر بھی اگر کوئی اس کتاب کو غیر اللہ کا کلام کہے تو انہی حروف سے اس جیسا کلام مرکب کرکے پیش کرے یا یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق انبیاء سابقین نے خبر دی تھی اور اس بات میں کوئی شک نہیں یا اللہ نے جس کتاب کے نازل فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا بلاشک وشبہ یہ وہی کتاب ہے یا یہ وہ پائدار کتاب ہے جو قابلِ تغیر ونسخ نہیں جس طرح کتبِ گذشتہ تھیں (یعنی ریب کنایہ نسخ سے ہو (تفسیر صدرا) یا یہ وہ سچی کتاب ہے جس کی صداقت وحق بیانی میں قطعاً صاحبِ عقل سلیم کے لئے کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ یاد رہے کہ تحریف سے پہلے کتب سماویہ سابقہ کی بھی یہی صفت ہے کہ ان کی صدق بیانی میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں ہوتی لیکن اس مقام پر چونکہ قرآن مجید کے متعلق نزاع تھا لہٰذا اسی مقدس کتاب کو نفئ ریب سے مخصوص کیا گیا۔ حاصل معنی یہ ہے۔ یہ وہ کتاب کامل بلکہ اکمل ہے جس میں نہ کوئی لفظی یا معنوی نقص وعیب ہے جو موجب گرفت ہو اور نہ اس میں کوئی رخنہ ہے تاکہ قابلِ ترمیم ہو۔ اور نہ اس میں کوئی کمزوری ہے تاکہ قابلِ تغیر ونسخ ہو اور یہ جملہ تمام قرآنی مطالب کا موضوع بیان اور عنوان بحث کی حیثیت رکھتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ متقین کے لئے ہدایت ہے یا ہادی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب ہر شخص کے لئے منارِ ہدایت ہے لیکن چونکہ اس کی ہدایت سے نفع صرف متقی ہی اٹھاتے ہیں اس لئے ان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا جس طرح جناب رسالتمآبؐ عالمین کے رسول تھے لیکن چونکہ اسلام لانے والوں نے ہی ان کی تبلیغات سے اثر لیا۔ لہٰذا مسلمانوں کے رسول کہلاتے ہیں۔ یعنی فیضِ قرآن اگرچہ عام ہے لیکن قبول کرنے والوں سے منسوب کردیا جائے تو اس میں حرج بھی کوئی نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جسمانی امراض کے علاج کے لئے جو شفاخانہ جات اور ڈاکٹر مقرر کئے جاتے ہیں۔ وہ تمام بیماروں کے لئے یکساں طور پر مفید وکارآمد ہوتے ہیں لیکن اگر مریض ان کے قریب تک نہ جائے یا جاکر مقررہ علاج سے گریز کرے یا ڈاکٹر کے مشوروں پر عمل نہ کرے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شفاخانہ یا دوا یا ڈاکٹر اس مریض کے لئے مفید نہ تھا لیکن اس صورت میں اگر کہا جائے کہ وہ صرف ان لوگوں کے لئے کارآمد ہیں جنہوں نے اس شفاخانہ میں داخل ہوکر ڈاکٹر کی تشخیص ومشورہ کے مطابق ادویہ جات کا استعمال کیا تو یہ بات اس شفاخانہ یا ادویہ یا ڈاکٹر کے عمومی فائدہ مند ہونے کے منافی نہیں اسی طرح روحانی امراض کیلئے بھی دائرہ اسلام شفاخانہ اور جناب رسالتمآبؐ اور اس کی آلِ طاہرینؑ معالج اور احکام قرآنیہ ادویہ جات ہیں اور ان کی افادیت عالمین کے لئے یکساں ہے پس اس روحانی شفاخانہ

(دائرہ اسلام) میں داخل نہ ہونا یا داخل ہو کر اس کے حقیقی معالجین یعنی محمدؐ و آل محمدؐ کو نہ پہچاننا یا ان کی فرمائشات سے انحراف کرنا، نہ قرآن کی عالمی ہدایت کے منافی ہے اور نہ مبلغین قرآن کی عالمی تبلیغ پر حرف زنی کا موجب ہے پس قرآن جس طرح ہدایت کل تھا لیکن صرف متقین نے ہی اس سے فائدہ اٹھایا لہذا اس کو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کہا گیا۔ اسی طرح جناب رسالتمآبؐ کے بعد مبلّغ قرآن حضرت علی علیہ السّلام امام الخلق تھے لیکن ان کو صرف متقین نے ہی امام تسلیم کیا لہذا ان کا لقب امام المتقین ہوگیا اور چونکہ اسلام اور قرآن کے ذمہ دار افراد میں سے سب سے زیادہ اور اہم اختلاف صرف حضرت علی علیہ السّلام کی ذات بابرکات میں ہے۔ اسی لئے ان کو اس لقب خصوصی سے ملقب کیا گیا ورنہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سے لے کر حضرت قائم آل محمدؐ عج علیہ السّلام تک سب کے سب متقین کے پیشوا اور ہادی ہیں۔ اور سب قرآن کے ساتھ ہیں نہ وہ قرآن سے جدا ہیں نہ قرآن ان سے جدا ہے اور تفسیر برہان میں کتب معتبرہ امامیہ سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ متقی ہمارے شیعہ ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ اس کو جملہ مستانفہ بھی کہا گیا ہے اور متقین کی صفت بھی کہا گیا ہے۔ بہرکیف یہ متقین کا بیان ہے اور اس میں متقین کی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ یہاں غیب سے تین مطلب لئے جا سکتے ہیں۔ ۱۔ دل۔ ۲۔ غائب ہونے کی حالت۔ ۳۔ وہ اُمور جو حواسِ ظاہریہ کی پہنچ سے دُور ہیں۔

پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ متقی لوگ ہیں جو دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی ان کا ایمان صرف لقلقۂ لسانی اور اقرار زبانی نہیں ہوا کرتا بلکہ جس طرح وہ منہ سے اقرار کرتے ہیں اسی طرح اپنے دلوں میں اس کا اعتقاد یقین بھی رکھتے ہیں۔

دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو غائب ہونے کی حالت میں بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ تمہارے سامنے ہوں تو ایمان کا اظہار کریں اور غائب ہو جائیں تو اور اور باتیں کریں بلکہ پاس بیٹھے ہوں یا تنہائی میں ہوں کسی صورت میں ان کے ایمان میں لغزش نہیں آتی۔

تیسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو تمام ان چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو خداوند کریم نے بزبانِ رسالت فرمائی ہیں گو وہ چیزیں اُن کے حواسِ ظاہریہ کے ادراک سے غائب ہیں مثلاً معراج کے واقعات قیامت کے مواقف جنّت و نار کے حالات انبیاء سابقین کی نبوت و رسالت اور ملائکہ کا وجود وغیرہ اور اس زمانہ میں خود نبوت و بعثت رسالتمآبؐ اور اس کے اوصیائے طاہرینؑ کی امامت بھی ان ہی اُمور میں داخل ہیں اور من جملہ ان اُمور کے حضرت حجت علیہ السّلام کا ظہور اور زمانِ رجعت بھی ہے چنانچہ آئمہ اہل بیتؑ سے بکثرت روایات موجود ہیں تبرکاً چند حدیثیں اس مقام پر ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ البرھان عن ابن بابویہ عن ابی عبداللہ فی قولہ عزوجل اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ قَالَ مَنْ اٰمَنَ بِقِیَامِ الْقَائِمِ اَنَّہٗ حَقٌّ وَفِیْ نُسْخَۃٍ مَنْ اَقَرَّ بِقِیَامِ الْقَائِمِ علیہ السّلام۔ (ترجمہ) خداوند کریم کے

فرمان اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قائم آلِ محمدؑ کی آمد پر ایمان لائیں اور اس کو حق سمجھیں اور بعض نسخوں میں ہے جو قیامِ حضرت قائمؑ کا اقرار کریں۔

۲۔ وعنہ فی حدیث قَالَ الْمُتَّقُوْنَ شِیْعَۃُ عَلِیٍّ وَالْغَیْبُ فَھُوَ الْحُجَّۃُ الْغَائِبُ الخبر۔ (ترجمہ) نیز حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا متقی علیؑ کے شیعہ ہیں اور غیب سے مراد حضرت حجّت غائب ہے۔ الخبر۔

۳۔ وعنہ جابر بن عبداللہ الانصاری عن رسول اللہ فی حدیث یَذْکُرُ فِیْہِ الْاَئِمَّۃَ الْاِثْنَیْ عَشَرَ فِیْھِمُ الْقَائِمُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ طُوْبٰی لِلصَّابِرِیْنَ فِیْ غَیْبَتِہٖ طُوْبٰی لِلْمُقِیْمِیْنَ عَلٰی مُحَبَّتِھِمْ اُولٰٓئِکَ مَنْ وَصَفَھُمُ اللہُ فِیْ کِتَابِہٖ فَقَالَ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ثُمَّ قَالَ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (ترجمہ) جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ ایک حدیث میں جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جس میں بارہ اماموں کا ذکر فرمایا اور حضرت قائم عج کا بھی اس میں نام لیا تو آپ نے فرمایا طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کی غیبت میں صبر کریں اور طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو ان کی محبت پر ثابت قدم رہیں۔ خداوند کریم نے اپنی کتاب میں انہیں کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ پھر ارشاد فرمایا وہی اللہ کی فوج ہیں۔ اور آگاہ ہو تحقیق اللہ کی فوج ہی غلبہ حاصل کرنے والی ہے۔

وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔ یہ متقین کی دوسری نشانی ہے یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو نماز کو ہمیشہ بروقت اور پوری حدود کے ساتھ خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں کیونکہ اقامت الصّلوٰۃ کے تین معانی بیان کئے گئے ہیں ۱۔ ہمیشہ ادا کرنا۔ ۲۔ پوری حدود و شرائط کے ساتھ ادا کرنا۔ ۳۔ بروقت ادا کرنا۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ یہ متقین کی تیسری نشانی ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں یا ہمارے عطا کردہ علم سے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔ گویا رزق سے مراد یہاں عام ہے خواہ مالی ہو خواہ بدنی ہو۔ خواہ علمی ہو۔ یعنی مالی رزق سے فقراء و مساکین کی خبرگیری کریں۔ لہذا زکوٰۃ و خمس اور دیگر تمام صدقات مالیہ واجبہ و مستحبہ اس میں داخل ہیں اور بدنی رزق سے محتاجوں کی امداد کریں۔ مثلاً بینا کو چاہیے کہ بوقتِ ضرورت نابینا کی دستگیری کرے۔ تندرست کو چاہیئے کہ بیمار کی عیادت تیمارداری کرے۔ قوی کو چاہیئے کہ ضعیف کی امداد کرے۔ صاحب اعضائے صحیحہ پر لازم ہے کہ بے دست و پا اپاہج لوگوں کی فریادرسی کریں وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہ نعمات بدنیہ اللہ کا عطا کردہ رزق ہیں ان کا خرچ یہی ہے کہ جو لوگ ان نعمات سے محروم ہیں ان کی امداد و اعانت کی جائے۔ اسی طرح علمی رزق کو بے علم لوگوں پر خرچ کرنا واجب ہے یعنی عالم کا فریضہ ہے کہ جاہل [illegible]

ہے جن سے تم اپنا کلام مرکب کرتے ہو۔ اس کے حروف کوئی نئے نہیں۔ پس اگر اس کلام کو تم اللہ کا کلام نہیں مانتے تو انہی حروف سے تم بھی اس جیسا کلام بنا کر لاؤ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قسم کے لئے ہیں یعنی الف لام ومیم کی قسم اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

تفسیر صافی سے بحوالۂ تفسیر عیاشی حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میرے پاس حروفِ مقطعاتِ قرآنیہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ جملہ حروفِ مقطعاتِ قرآنیہ اسرار و رموز علومِ الٰہیہ کے خزانے ہیں جن کی صحیح خبر راسخون فی العلم کے علاوہ اور کسی کو نہیں اور یہ کہنا کہ سوائے اللہ کے اور کوئی جان ہی نہیں سکتا۔ حتیٰ کہ نبیؐ و امام بھی اس سے بے خبر ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ ورنہ یہ کتاب ساری کی ساری ہدایت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس کے بعض کلمات کسی کی سمجھ میں ہی نہ آئیں اور پھر اس قسم کے الفاظ نازل کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے جس کا علم اس کے اپنے رسول کو بھی نہ ہو؟ پس جس طرح عموماً حبیب و محبوب کے باہمی مکالمات و مکاتیب میں بعض اس قسم کے اسرار و رموز ہوا کرتے ہیں جن کو غیر نہیں سمجھ سکتا یا یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک افسرِ اعلیٰ اور حاکمِ بالا اپنے ماتحت افسر کو رعایا پر نافذ کرنے کے لئے چند احکام تحریر کرے اور چھٹی کے سرنامہ پر چند ایسے اشارات درج کر دے جن کا تعلق صرف اسی مکتوب الیہ افسر سے ہو اور ان اشارات میں چٹھی کے تمام مندرجہ احکام کے نافذ کرنے کی خصوصی ہدایات درج ہوں جن پر عوام کو مطلع کرنا مصلحتِ وقت کے خلاف ہو تو جب عوام کے سامنے وہ چٹھی آئے گی۔ یقیناً وہ سرنامے پہ درج شدہ اشارات کو مہمل خطوط سمجھیں گے اور ذیل میں مندرجہ احکام کے صحیح فیصلہ وہی افسر کر سکے گا جس کو وہ چٹھی بھیجی گئی تھی اور اشاراتِ خصوصی پر اسے مطلع کیا گیا تھا اور اس کی عدم موجودگی میں اس کا صحیح قائم مقام ان مندرجات کے صحیح نفاذ کا ذمہ دار ہو گا۔

اسی طرح مقطعاتِ قرآنیہ کے علوم حضرت محمد مصطفیٰؐ اور اس کی آلِ طاہرین ہی تک محدود ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں اس کا مضمون گذر چکا ہے اور وہی قرآنِ مجید کے جملہ مضامین کا صحیح حل سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے دروازہ سے یک سوئی ہی مسلمانوں کے اختلاف کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ پس جس طرح سلاطین دنیا کا یہی طرزِ عمل ہے کہ ان کی چٹھیاں دو حصوں پر منقسم ہوا کرتی ہیں ایک حصہ کا تعلق صرف مکتوبِ الیہ افسر سے ہوتا ہے جس میں عمومی احکام کے نافذ کرنے کے طریقے اور دیگر خصوصی ہدایات ہوتی ہیں اور دوسرے حصے کا تعلق عام رعایا سے ہوتا ہے لیکن دوسرے حصہ کو کما حقہٗ وہی سمجھ سکتا ہے جس کو پہلے حصے کا علم ہو اسی طرح قرآن مجید میں مقطعاتِ قرآنیہ کا علم انہی ذواتِ طاہرہ سے مختص ہے جن کو قرآن کا مبلّغ قرار دیا گیا ہے اور باقی قرآن کا تعلق پوری امت سے ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ قرآن پورے کا پورا ہدایت و رحمت ہے لیکن ہادی سے کنارا کشی اس کے صحیح مطالب سے دوری کی موجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے بار بار قرآن و اہل بیت ہر دو سے تمسک کی تاکید فرمائی۔ اور اس کے بغیر امت کی گمراہی کا خطرہ ظاہر فرمایا۔

علاوہ ازیں حروفِ مقطعات جن کی کل تعداد (چودہ ہے) کی صحیح ترتیب خود اس امر کی غماز ہے کہ ان کا علم آلِ محمدؐ تک ہی محدود ہے کیونکہ قرآن کے تمام حروف مقطعات کو جمع کر کے دوبارہ آنے والے حروف کو علیحدہ کیا جائے۔ تو بامعنی عبارت صرف یہ بنتی ہے صِرَاطُ علی حق نمسکہ یا علی صِرَاط حق نمسکہ۔ اس کے بغیر اور کوئی صحیح عبارت بن ہی نہیں سکتی۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ حروفِ تہجی الف لام میم وغیرہ سے مرکب کامل یہی کتاب ہے۔ ذرا بھر اس میں شک نہیں۔ یعنی اگر اس کی ترتیب و نظم و اسلوب بیان کا صحیح مطالعہ کیا جائے تو اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی شک نہیں رہتا اور پھر بھی اگر کوئی اس کتاب کو غیر اللہ کا کلام کہے تو انہی حروف سے اس جیسا کلام مرکب کر کے پیش کرے یا یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق انبیاء سابقین نے خبر دی تھی اور اس بات میں کوئی شک نہیں یا اللہ نے جس کتاب کے نازل فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا بلاشک وشبہ یہ وہی کتاب ہے یا یہ وہ پائدار کتاب ہے جو قابلِ تغیر و نسخ نہیں جس طرح کتبِ گذشتہ تھیں (یعنی ریب کنایہ نسخ سے ہو (تفسیر صدرا) یا یہ وہ سچی کتاب ہے جس کی صداقت و حق بیانی میں قطعاً صاحبِ عقل سلیم کے لئے کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ یاد رہے کہ تحریف سے پہلے کتب سماویہ سابقہ کی بھی یہی صفت ہے کہ ان کی صدق بیانی میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں ہوتی لیکن اس مقام پر چونکہ قرآن مجید کے متعلق نزاع تھا لہٰذا اسی مقدس کتاب کو نفیٔ ریب سے مخصوص کیا گیا۔ حاصل معنی یہ ہے۔ یہ وہ کتاب کامل بلکہ اکمل ہے جس میں نہ کوئی لفظی یا معنوی نقص و عیب ہے جو موجبِ گرفت ہو اور نہ اس میں کوئی رخنہ ہے تاکہ قابلِ ترمیم ہو۔ اور نہ اس میں کوئی کمزوری ہے تاکہ قابل تغیر و نسخ ہو اور یہ جملہ تمام قرآنی مطالب کا موضوع بیان اور عنوان بحث کی حیثیت رکھتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ متقین کے لئے ہدایت ہے یا ہادی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب ہر شخص کے لئے منارِ ہدایت ہے لیکن چونکہ اس کی ہدایت سے نفع صرف متقی ہی اٹھاتے ہیں اس لئے ان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا جس طرح جناب رسالتمآبؐ عالمین کے رسول تھے لیکن چونکہ اسلام لانے والوں نے ہی ان کی تبلیغات سے اثر لیا۔ لہٰذا مسلمانوں کے رسول کہلاتے ہیں۔ یعنی فیضِ قرآن اگرچہ عام ہے لیکن قبول کرنے والوں سے منسوب کر دیا جائے تو اس میں حرج بھی کوئی نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جسمانی امراض کے علاج کے لئے جو شفاخانہ جات اور ڈاکٹر مقرر کئے جاتے ہیں۔ وہ تمام بیماروں کے لئے یکساں طور پر مفید و کارآمد ہوتے ہیں لیکن اگر مریض ان کے قریب تک نہ جائے یا جا کر مقررہ علاج سے گریز کرے یا ڈاکٹر کے مشوروں پر عمل نہ کرے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شفاخانہ یا دوا یا ڈاکٹر اس مریض کے لئے مفید نہ تھا لیکن اس صورت میں اگر کہا جائے کہ وہ صرف ان لوگوں کے لئے کارآمد ہیں جنہوں نے اس شفاخانہ میں داخل ہو کر ڈاکٹر کی تشخیص و مشورہ کے مطابق ادویہ جات کا استعمال کیا تو یہ بات اس شفاخانے یا ادویہ یا ڈاکٹر کے عمومی فائدہ مند ہونے کے منافی نہیں اسی طرح روحانی امراض کیلئے بھی دائرہ اسلام شفاخانہ اور جناب رسالتمآبؐ اور اس کی آلِ طاہرینؑ معالج اور احکام قرآنیہ ادویہ جات ہیں اور ان کی افادیت عالمین کے لئے یکساں ہے پس اس روحانی شفاخانہ

(دائرہ اسلام) میں داخل نہ ہونا یا داخل ہو کر اس کے حقیقی معالجین یعنی محمدؐ و آل محمدؐ کو نہ پہچاننا یا ان کی فرمائشات سے انحراف کرنا نہ قرآن کی عالمی ہدایت کے منافی ہے اور نہ مبلغین قرآن کی عالمی تبلیغ پر حرف زنی کا موجب ہے پس قرآن جس طرح ہدایت کل تھا لیکن صرف متقین نے ہی اس سے فائدہ اٹھایا لہٰذا اس کو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کہا گیا۔ اسی طرح جناب رسالتمآبؐ کے بعد مبلغ قرآن حضرت علی علیہ السّلام امام الخلق تھے لیکن ان کو صرف متقین نے ہی امام تسلیم کیا لہٰذا ان کا لقب امام المتقین ہو گیا اور چونکہ اسلام اور قرآن کے ذمہ دار افراد میں سب سے زیادہ اور اہم اختلاف صرف حضرت علی علیہ السّلام کی ذات بابرکات میں ہے۔ اسی لئے ان کو اس لقبِ خصوصی سے ملقب کیا گیا ورنہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ سے لے کر حضرت قائم آل محمدؐ عج علیہ السّلام تک سب کے سب متقین کے پیشوا اور ہادی ہیں۔ اور سب قرآن کے ساتھ ہیں نہ وہ قرآن سے جدا ہیں نہ قرآن ان سے جدا ہے اور تفسیر برہان میں کتب معتبرہ امامیہ سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ متقی ہمارے شیعہ ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ۔ اس کو جملہ مستانفہ بھی کہا گیا ہے اور متقین کی صفت بھی کہا گیا ہے۔ بہرکیف یہ متقین کا بیان ہے اور اس میں متقین کی نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ یہاں غیب سے تین مطلب لئے جا سکتے ہیں۔ ۱۔ دل ۲۔ غائب ہونے کی حالت ۳۔ وہ اُمور جو حواسِ ظاہریہ کی پہنچ سے دُور ہیں۔

پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ متقی لوگ ہیں جو دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی ان کا ایمان صرف تلفظ لسانی اور اقرار زبانی نہیں ہوا کرتا بلکہ جس طرح وہ منہ سے اقرار کرتے ہیں اسی طرح اپنے دلوں میں اس کا اعتقاد یقین بھی رکھتے ہیں۔

دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو غائب ہونے کی حالت میں بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ تمہارے سامنے ہوں تو ایمان کا اظہار کریں اور غائب ہو جائیں تو اور باتیں کریں بلکہ پاس بیٹھے ہوں یا تنہائی میں ہوں کسی صورت میں ان کے ایمان میں لغزش نہیں آتی۔

تیسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو تمام ان چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو خداوند کریم نے بزبانِ رسالت فرمائی ہیں گو وہ چیزیں اُن کے حواسِ ظاہریہ کے ادراک سے غائب ہیں مثلاً معراج کے واقعات قیامت کے مواقف جنت و نار کے حالات انبیاء سابقین کی نبوت و رسالت اور ملائکہ کا وجود وغیرہ اور اس زمانہ میں خود نبوت و بعثت رسالتمآبؐ اور اس کے اوصیائے طاہرینؑ کی امامت بھی ان ہی اُمور میں داخل ہیں اور من جملہ ان اُمور کے حضرت حجت علیہ السّلام کا ظہور اور زمانِ رجعت بھی ہے چنانچہ آئمہ اہل بیتؑ سے بکثرت روایات موجود ہیں تبرکاً چند حدیثیں اس مقام پر ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ البرھان عن ابن بابویہ عن ابی عبداللہ فی قولہ عزوجل اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ قَالَ مَنْ اٰمَنَ بِقِيَامِ الْقَائِمِ اَنَّهٗ حَقٌّ وَفِيْ نُسْخَةٍ مَنْ اَقَرَّ بِقِيَامِ الْقَائِمِ علیہ السّلام۔ (ترجمہ) خداوند کریم کے

فرمان اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو قائم آل محمدؐ کی آمد پر ایمان لائیں اور اس کو حق سمجھیں اور بعض نسخوں میں ہے جو قیام حضرت قائمؑ کا اقرار کریں۔

۲۔ وعنه فی حدیث قَالَ الۡمُتَّقُوۡنَ شِیۡعَةُ عَلِیٍّ وَالۡغَیۡبُ فَهُوَ الۡحُجَّةُ الۡغَائِبُ الخبر۔ (ترجمہ) نیز حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا متقی علیؑ کے شیعہ ہیں اور غیب سے مراد حضرت حجّت غائب ہے۔ الخبر۔

۳۔ وعنه جابر بن عبدالله الانصاری عن رسول الله فی حدیث یَذۡکُرُ فِیۡهِ الۡاَئِمَّةَ الۡاِثۡنَیۡ عَشَرَ وَ فِیۡهِمُ الۡقَائِمُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ طُوۡبٰی لِلصَّابِرِیۡنَ فِیۡ غَیۡبَتِهٖ طُوۡبٰی لِلۡمُقِیۡمِیۡنَ عَلٰی مُحَبَّتِهِمۡ اُولٰٓئِکَ مَنۡ وَصَفَهُمُ اللهُ فِیۡ کِتَابِهٖ فَقَالَ اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ ثُمَّ قَالَ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللهِ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ۔ (ترجمہ) جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ ایک حدیث میں جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جس میں بارہ اماموں کا ذکر فرمایا اور حضرت قائمؑ کا بھی اس میں نام لیا تو آپ نے فرمایا طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو اس کی غیبت میں صبر کریں اور طوبیٰ ہے ان لوگوں کے لئے جو ان کی محبت پر ثابت قدم رہیں۔ خداوند کریم نے اپنی کتاب میں انہیں کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ۔ پھر ارشاد فرمایا وہی اللہ کی فوج ہیں۔ اور آگاہ ہو تحقیق اللہ کی فوج ہی غلبہ حاصل کرنے والی ہے۔

وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ۔ یہ متقین کی دوسری نشانی ہے یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو نماز کو ہمیشہ بروقت اور پوری حدود کے ساتھ خشوع وخضوع سے ادا کرتے ہیں کیونکہ اقامت الصلوٰۃ کے تین معانی بیان کئے گئے ہیں ۱۔ ہمیشہ ادا کرنا۔ ۲۔ پوری حدود وشرائط کے ساتھ ادا کرنا۔ ۳۔ بروقت ادا کرنا۔

وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ۔ یہ متقین کی تیسری نشانی ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں یا ہمارے عطا کردہ علم سے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔ گویا رزق سے مراد یہاں عام ہے خواہ مالی ہو خواہ بدنی ہو۔ خواہ علمی ہو یعنی مالی رزق سے فقراء ومساکین کی خبرگیری کریں۔ لہذا زکوٰۃ وخمس اور دیگر تمام صدقات مالیہ واجبہ ومستحبہ اس میں داخل ہیں اور بدنی رزق سے بھی محتاجوں کی امداد کریں۔ مثلاً بینا کو چاہیے کہ بوقت ضرورت نابینا کی دستگیری کرے۔ تندرست کو چاہیئے کہ بیمار کی عیادت و تیمارداری کرے۔ قوی کو چاہیئے کہ ضعیف کی امداد کرے۔ صاحب اعضائے صحیحہ پر لازم ہے کہ بے دست وپا اپاہج لوگوں کی فریادرسی کریں وعلیٰ ہذا القیاس یہ نعمات بدنیہ اللہ کا عطا کردہ رزق ہیں ان کا خرچ یہی ہے کہ جو لوگ ان نعمات سے محروم ہیں ان کی امداد واعانت کی جائے۔ اسی طرح علمی رزق کو بے علم لوگوں پر خرچ کرنا واجب ہے یعنی عالم کا فریضہ ہے کہ جہلاء کو علوم واجبہ شرعیہ کی تعلیم دے۔ عبادات میں سے متقین کی نشانیاں صرف یہی دو بیان فرمائیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جملہ عبادات

سے یہ دو باتیں اہم ترین ہیں بلکہ جو شخص ان دو عبادتوں کو اپنے پورے حدود و شرائط کے ساتھ ادا کرے تو باقی تمام واجبات ان کے اندر آجاتے ہیں اور تمام گناہوں سے وہ خود بخود کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صحیح معیار پر نماز کا قائم کرنا جملہ حقوق اللہ کے ادا کرنے کی دعوت دیتا ہے اور رزقِ خدا سے صحیح خرچ کرنا جملہ حقوق العباد میں تصرفِ بے جا سے بچاتا ہے پس ان دو عبادتوں کی صحیح ادائیگی تمام واجباتِ فرعیہ کی ادائیگی کی تفصیلی دعوت ہے اور ان دو کا ترک تمام محرماتِ شرعیہ کا پیش خیمہ ہے اس لئے متقین کی عملی زندگی میں ان دو عبادتوں کو خصوصیت سے ذکر کر دیا گیا۔

نتیجہ ۔ قرآن ہدایت ہے متقین کے لئے یعنی قرآن سے صحیح تمسک وہی رکھتے ہیں جو متقی ہیں۔ اسی طرح اہل بیت علیہم السّلام آئمہ ہیں متقین کے یعنی اہل بیتؑ سے صحیح تمسک وہی رکھتے ہیں جو متقی ہوں تو معلوم ہوا کہ قرآن و اہل بیتؑ ہر دو سے صحیح تمسک رکھنے والے ہی متقی ہوتے ہیں، اور متقین کی نشانیاں یہ ہیں جو خداوند کریم نے بیان فرمائی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ صرف زبانی دعویٰ قرآن و اہلبیتؑ سے تمسک کرنے کا کافی نہیں جب تک عملی تصدیق ساتھ نہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ۔ متقین کی چوتھی علامت یہ ہے کہ آپؐ پر نازل شدہ چیز یعنی قرآن مجید اور اُس کے جملہ احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔ اور متقین کی پانچویں نشانی یہ ہے کہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔ یہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں یعنی متقین جن کی پانچ علامتیں مذکور ہوئی ہیں قرآنی ہدایت پر عمل کرنے والے یہی لوگ ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ اور بروز قیامت یہی رستگاری حاصل کرنے والے ہیں۔

مزید وضاحت

نوعِ انسان مزاج کے اختلاف کی بنا پر تین قسموں پر ہے۔ منصف مزاج۔ ضدّی مزاج اور متلوّن مزاج۔

۱۔ **منصف مزاج** ۔ جو بات کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور پرکھ کر اچھی چیز کو اپناتے ہیں اور بُری چیز سے دُور ہو جاتے ہیں یعنی حق کو لے لیتے ہیں اور باطل کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

۲۔ **ضدّی مزاج** ۔ وہ جو کسی کی سُنتے نہیں یا سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا پھر پرکھ نہیں کرتے یا سننے سمجھنے پرکھنے کے بعد بھی باطل کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ اُن کا نظریہ صرف یہی ہوتا ہے کہ جو کچھ اپنا خیال ہے خواہ درست خواہ غلط بس اسی پر ہی رہنا ہے اور دوسرے نظریہ کا خواہ حق ہی ہو۔ ہر ممکن طریقہ سے مقابلہ کرتا ہے پس اس مزاج کے انسان دوسرے کے نظریہ کے مقابلہ کرنے کے لئے دلیل و برہان یا کسی دوسرے معقول فیصلے کو قطعاً اہمیت نہیں دیتے بلکہ ہنگامہ آرائی ہی ان کا آخری ہتھیار اور تشدّد

ہی اُن کا آلہ کار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معقول فیصلہ ہمیں اپنے مسلک سے دست برداری پر آمادہ کرے گا جس کو وہ کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

۳۔ متلوّن مزاج۔ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کو تماشائی صورت میں لبسر کرنا اپنی کامیابی سمجھتے ہیں وہ حق والوں کے بھی دوست اور باطل پرستوں کے بھی ہمنوا ہوتے ہیں۔ نہ ان کی دل شکنی کرتے ہیں اور نہ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ گویا اِن کے پاس ہوں تو ان کے اور اُن کے پاس ہوں تو اُن کے ہو جایا کرتے ہیں۔ پس قرآن مجید کا پُراز حکمت کلام پہلے پہل ان ہر سہ قسم کے لوگوں کے نظریات و اعمال کی وضاحت کرتا ہے۔ پہلی قسم کو متّقین سے تعبیر فرمایا اور دوسری قسم والوں کو کفر کی صفت سے ذکر کیا اور تیسری قسم کے صرف اوصاف و علامات کا ذکر فرمایا اور اصطلاحِ قرآن میں اِس قسم کو منافقین کہا جاتا ہے۔ پس قرآن مجید اگرچہ تمام نوعِ انسان کے لئے باعث ہدایت ہے لیکن پہلی قسم کے لوگ ہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔ پس وہی مومن و متقی کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور قرآنی ہدایت چونکہ صرف انہی کے کام آتی ہے۔ لہٰذا قرآن کو ہدًی للمتقین کہا اور دوسری قسم والے چونکہ قرآن کی فرمائشات کو ٹھکرا دیتے ہیں خواہ ان کو ہزار سمجھایا جائے وہ ہرگز اس کو قبول کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے پس ان کو کافر کہا گیا کیونکہ کفر کا معنی ہے انکار اور تیسری قسم کو منافق کہا گیا کیونکہ نفاق کا معنی ہے مقبولیّت عامہ چونکہ وہ اپنی دو طرفی پالیسی سے اپنی مقبولیت عامہ چاہتے ہیں لہٰذا ان کو منافق کہا گیا۔

مسئلہ قضاء و قدر

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ (مہر لگا دی اللہ نے اُن کے دلوں پر) یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے بعض لوگ اِس اشتباہ میں مبتلا ہیں کہ کافر کے دل پر جب اللہ نے مہر کر دی ہے تو وہ اب اپنے اعمال میں مجبور ہے۔ جس طرح کہ مومن مہر کفر نہ ہونے کی وجہ سے نیکی کرنے پر مجبور ہے اور اُمّتِ اسلامیہ میں یہ مسئلہ انتہائی انتشار و تشویش کا موجب بنا آرہا ہے۔ ہر دور میں عُلما نے اِس مسئلہ پر اپنی اپنی حیثیت سے اظہار خیال کیا ہے۔ اہل قلم نے اِس مسئلہ پر اپنی تحقیقات کے طومار لکھ دیئے لیکن اکثریت آرائے فاسدہ و اوہام کاسدہ کی اتباع میں راہِ مستقیم سے کوسوں دُور رہی۔ اور اِس مسئلہ میں رُوحِ تسکین و اطمینان سے وہی بہرہ وَر ہوئے جنہوں نے ابوابِ مدینۂ علمِ رسالت پر جبہ سائی کی اور شناورانِ دریائے حقیقت سے معارف و حقائق کا درس لیا۔

اِس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ خداوندِ کریم خلقتِ موجودات سے پیشتر تمام ہونے والی مخلوق خواہ مادی ہو یا مجرد علوی ہو یا سفلی عرشی یا فرشی، نوری یا ناری اور جنّتی یا دوزخی کے تمام جزوی و کلی حالات کو ازل سے جانتا ہے اور ابدالآباد تک ہونے والے سب واقعات روزِ اوّل سے اِس کو بیک وقت معلوم ہیں۔ نیکوں کی نیکیاں۔ بُروں کی بُرائیاں۔ ظالم کا ظلم اور مظلوم کی مظلومی۔ حتّٰی کہ سب حوادثِ تفصیلیہ ازل سے اُس کے علم میں ہیں ... اس نے اِن صفات سے متصف ہونے والی مخلوق کو اپنے ارادہ ازلیہ سے اور قدرتِ کاملہ سے خلق فرمایا اور اس تخلیق میں وہ مجبور نہیں بلکہ اپنے اختیار سے ایسا کیا ابلیس اور اس کے پیرو اور اُن کی تخریبات جو

عالم موجودات میں ہونے والی تھیں سب کو پہلے سے جانتا تھا اور اپنے ارادہ کاملہ سے ان کو اسی طرح علی الترتیب خلق فرمایا جس طرح اس کے علم میں تھا اور اُن کے بالمقابل اپنے ... انبیاء و رسل وغیرہ اور اُن کے اطاعت گذاروں کو بھی اپنے علم سابق کی بنا پر ترتیب وار منصہ شہود پر جلوہ افروز فرمایا پس ان سب ہونے والے واقعات کے علم سابق کا نام ہے قضا اور اسی ترتیب سے علل و اسباب کی وساطت سے ترتیب وار تمام موجودات کو خلعت وجود عطا کرنے کا نام ہے قدر۔

بعض لوگوں نے صرف قضاء کو لے لیا ہے اور قدر کو ترک کر دیا ہے وہ جبریہ کہلاتے ہیں۔

اور جنہوں نے قدر کو لے لیا اور قضاء سے غافل ہوئے ان کو قدریہ کہا جاتا ہے۔

جبریہ۔ کا اعتقاد ہے کہ مخلوق کے جملہ افعال اچھے یا بُرے خداوند کریم کے علم ازلی میں موجود ہیں۔ لہٰذا کوئی انسان اس علم ازلی الٰہی کے خلاف تو کر نہیں سکتا ورنہ اللہ کے علم میں خطا لازم آئے گی لہذا انسان اپنے افعال میں مجبور ہے۔ اور تمام نیک و بد اعمال اللہ ہی کی جانب سے ہیں۔

قدریہ کا عقیدہ ہے کہ چونکہ موجودات عالم علل و اسباب کے ماتحت ہیں اور کوئی شئے بغیر اسباب کے ہو نہیں سکتی۔ لہٰذا انسان اپنے افعال میں مختار کل ہے۔ اچھے اسباب کا نتیجہ اچھا اور بُرے اسباب کا نتیجہ بُرا ہونا یقینی ہے اور اسباب کی اچھائی یا بُرائی انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔

گویا جبریہ قضاء کے معنی کا تصور کر کے علل و اسباب کو بھول جاتے ہیں اور قدریہ علل و اسباب پر نظر رکھ کر قضاء کو فراموش کر دیتے ہیں۔ احادیث میں ان ہر دو فرقوں پر قدریہ کی لفظ عام طور پر استعمال کی گئی ہے۔ جیسا کہ شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے سفینۃ البحار میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ جناب رسالتمآب سے منقول ہے جیسا کہ تفسیر صدرا میں ہے۔

۱۔ القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ۔ (قدریہ اس اُمت کے مجوسی ہیں۔

۲۔ وفیہ لَعَنَ اللّٰہُ الْقَدَرِیَّۃَ عَلٰی لِسَانِ سَبْعِیْنَ نَبِیًّا قِیْلَ وَمَنِ الْقَدَرِیَّۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ قَوْمٌ یَزْعُمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ قَدَّرَ عَلَیْھِمُ الْمَعَاصِیَ (ترجمہ) خدا نے ستر نبیوں کی زبانی قدریہ فرقہ پر لعنت بھیجی ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ حضور! قدریہ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا نے ہمارے لئے گناہ مقدر کر دیئے ہیں۔

۳۔ وفیہ ایک شخص جناب رسالتمآب کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے جو انوکھی چیز دیکھی ہو مجھے بیان کر اس نے عرض کی کہ میں نے ایک قوم دیکھی ہے جو اپنی ماؤں بہنوں سے نکاح کرتے ہیں جب ان کو کہا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو جواب میں کہتے ہیں کہ خدا کی قضا و قدر ایسی ہے۔ یعنی خدا نے ہمارے لئے یہی مقدر کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت میں بھی اس قسم کے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی باتیں کریں گے اور وہ میری اُمت کے مجوسی ہوں گے۔

۴۔ وفیہ جابر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایک قوم پیدا ہوگی جو گناہ کریں گے اور کہیں گے کہ خدا کی تقدیر ایسی تھی پس ان کی تردید کرنا اللہ کی راہ میں تلوار سے جہاد کرنے کے برابر ہے۔

ظاہر ہے کہ ان احادیث میں قدریہ سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو افعال میں مجبور سمجھتے ہیں۔

سفینۃ البحار میں امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السّلام نے اس آیت کو پڑھا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ اور فرمایا قدریہ فرقہ اپنے مذہب کے اثبات کے لئے اس آیت کے پہلے حصّہ کو پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ بعد میں ارشاد ہے وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ مقصد یہ ہے کہ آیت کے پہلے حصّہ میں انسان کا مختار ہونا ثابت ہے اور آخری حصّہ میں ارادۂ ازلیۂ الٰہیہ کی حکومت ثابت ہے۔ آیت کا مرادی معنی یہ ہے کہ خداوندِ کریم کسی قوم کی نعمات کو زائل نہیں کرتا یعنی ان پر عذاب نہیں کرتا جب تک کہ اپنے نفسوں کے اعمال سے زوالِ نعمت کے وہ مستحق نہ ہو جائیں۔ اور جب خدا کسی قوم پر عذاب کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یعنی خداوندِ کریم نے عالمِ ظاہر میں اشیاء کو اسباب سے وابستہ کر دیا ہے اور ان اسباب کے صحیح و غلط استعمال میں انسان کو پورا پورا اختیار دے رکھا ہے۔ نیک اعمال کو سببِ نجات اور بد اعمال کو سببِ عذاب قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان اِنکی بجا آوری میں قطعاً مجبور نہیں بلکہ مختارِ کل ہے لیکن اُدھر اُس کے علمِ ازلی میں یہ ثابت ہے کہ فلاں نیک عمل کر کے ناجی ہوگا اور فلاں بد اعمال کی بدولت مستحقِ عذاب ہوگا تو پس جس کی نیک اعمالی کے لئے خدا کا ارادہ ازلیہ ثابت ہے تو دنیا میں اس سے نیکی ہی ہوگی اور علمِ ازلی الٰہی میں جس کا بد اعمال ہونا ثابت ہے وہ دنیا میں بد اعمال ہی ہوگا اور مستحقِ عذاب ہوگا پس آیت کا مطلب یہی ہے کہ دنیا میں بغیر اسبابِ ظاہریہ عذاب کے عذاب نہیں ہوتا۔ اور خدا کسی قوم پر بغیر ان کے استحقاق کے عذاب نہیں کرتا لیکن جن کے متعلق ارادۂ ازلیہ میں عذاب کا استحقاق موجود ہے اُنہوں نے دنیا میں اسباب ہی ایسے پیدا کرنے ہیں جن کی بدولت وہ اپنے اختیار سے عذاب کے سزاوار ہوں گے اور اس اَمر کو کوئی ٹال سکتا ہی نہیں کیونکہ خدا کے علمِ ازلی میں خطاء و غلطی کا امکان ہی نہیں ہو سکتا اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کے علمِ ازلی کے ماتحت انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے کیونکہ اس کا علم انسان کے اختیار میں کوئی پابندی نہیں لاتا۔

پس قضاء و قدر بھی حق ہے اور انسان کا اختیار بھی ثابت ہے چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔

مَنۡ لَمۡ یَرۡضَ بِقَضَائِیۡ وَلَمۡ یَصۡبِرۡ عَلٰی بَلَائِیۡ فَلۡیَعۡبُدۡ رَبًّا سِوَائِیۡ وَلۡیَخۡرُجۡ مِنۡ اَرۡضِیۡ وَسَمَائِیۡ

(ترجمہ) جو شخص میری قضاء پر راضی نہ ہو اور میری آزمائشات پر صابر نہ ہو تو پس کسی اور رب کی عبادت کرے اور میرے آسمان و زمین سے نکل جائے۔

عقیدہ جبریہ کی تردید۔ کافی باب الجبر والقدر سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ جنگِ صفین سے واپسی کے بعد کوفہ میں

سے یہ دو باتیں اہم ترین ہیں بلکہ جو شخص ان دو عبادتوں کو اپنے پورے حدود شرائط کے ساتھ ادا کرے تو باقی تمام واجبات ان کے اندر آجاتے ہیں اور تمام گناہوں سے وہ خود بخود کنارہ کش ہوجاتا ہے۔ کیونکہ صحیح معیار پر نماز کا قائم کرنا جملہ حقوق اللہ کے ادا کرنے کی دعوت دیتا ہے اور رزق خدا سے صحیح خرچ کرنا جملہ حقوق العباد میں تصرف بے جا سے بچاتا ہے پس ان دو عبادتوں کی صحیح ادائیگی تمام واجبات فرعیہ کی ادائیگی کی تفصیلی دعوت ہے اور ان دو کا ترک تمام محرمات شرعیہ کا پیش خیمہ ہے اس لئے متقین کی عملی زندگی میں ان دو عبادتوں کو خصوصیت سے ذکر کر دیا گیا۔

نتیجہ ۔ قرآن ہدایت ہے متقین کے لئے یعنی قرآن سے صحیح تمسک وہی رکھتے ہیں جو متقی ہیں۔ اسی طرح اہل بیت علیہم السلام آئمہ ہیں متقین کے یعنی اہل بیتؑ سے صحیح تمسک وہی رکھتے ہیں جو متقی ہوں تو معلوم ہوا کہ قرآن و اہل بیتؑ ہر دو سے صحیح تمسک رکھنے والے ہی متقی ہوتے ہیں، اور متقین کی نشانیاں یہ ہیں جو خداوند کریم نے بیان فرمائی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ صرف زبانی دعویٰ قرآن و اہلبیتؑ سے تمسک کرنے کا کافی نہیں جب تک عملی تصدیق ساتھ نہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ۔ متقین کی چوتھی علامت یہ ہے کہ آپؐ پر نازل شدہ چیز یعنی قرآن مجید اور اس کے جملہ احکام پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔ اور متقین کی پانچویں نشانی یہ ہے کہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۔ یہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں یعنی متقین جن کی پانچ علامتیں مذکور ہوئی ہیں قرآنی ہدایت پر عمل کرنے والے یہی لوگ ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ اور بروز قیامت یہی رستگاری حاصل کرنے والے ہیں۔

مزید وضاحت

نوع انسان مزاج کے اختلاف کی بنا پر تین قسموں پر ہے ۔ منصف مزاج ۔ ضدی مزاج اور متلون مزاج۔

۱۔ منصف مزاج ۔ جو بات کو سنتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور پرکھ کر اچھی چیز کو اپناتے ہیں اور بری چیز سے دور جاتے ہیں یعنی حق کو لے لیتے ہیں اور باطل کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

۲۔ ضدی مزاج ۔ وہ جو کسی کی سنتے نہیں یا سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے یا پھر پرکھ نہیں کرتے یا سننے سمجھنے پرکھنے کے بعد بھی باطل کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ ان کا نظریہ صرف یہی ہوتا ہے کہ جو کچھ اپنا خیال ہے خواہ درست خواہ غلط بس اسی پر ہی رہنا ہے اور دوسرے نظریہ کا خواہ حق ہی ہو۔ ہر ممکن طریقہ سے مقابلہ کرتا ہے پس اس مزاج کے انسان دوسرے کے نظریہ کے مقابلہ کرنے

ہی اُن کا آلۂ کار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ معقول فیصلہ ہمیں اپنے مسلک سے دست برداری پر آمادہ کرے گا جس کو وہ کسی قیمت پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

۳۔ متلوّن مزاج۔ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کو قلاشائی صورت میں بسر کرنا اپنی کامیابی سمجھتے ہیں وہ حق والوں کے بھی دوست اور باطل پرستوں کے بھی ہمنوا ہوتے ہیں۔ نہ ان کی دل شکنی کرتے ہیں اور نہ ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ گویا ان کے پاس ہوں تو ان کے اور اُن کے پاس ہوں تو اُن کے ہو جایا کرتے ہیں۔ پس قرآن مجید کا پُر از حکمت کلام پہلے پہل ان ہر سہ قسم کے لوگوں کے نظریات و اعمال کی وضاحت کرتا ہے۔ پہلی قسم کو متّقین سے تعبیر فرمایا اور دوسری قسم والوں کو کفر کی صفت سے ذکر کیا اور تیسری قسم کے صرف اوصاف و علامات کا ذکر فرمایا اور اصطلاحِ قرآن میں اِس قسم کو منافقین کہا جاتا ہے۔ پس قرآن مجید اگرچہ تمام نوعِ انسان کے لئے باعثِ ہدایت ہے لیکن پہلی قسم کے لوگ ہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔ پس وہی مومن و متقی کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور قرآنی ہدایت چونکہ صرف انہی کے کام آتی ہے۔ لہٰذا قرآن کو ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن کہا اور دوسری قسم والے چونکہ قرآن کی فرمائشات کو ٹھکرا دیتے ہیں خواہ ان کو ہزار سمجھایا جائے وہ ہرگز اس کو قبول کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے پس ان کو کافر کہا گیا کیونکہ کفر کا معنی ہے انکار اور تیسری قسم کو منافق کہا گیا کیونکہ نفاق کا معنی ہے مقبولیت عامہ چونکہ وہ اپنی دوطرفی پالیسی سے اپنی مقبولیت عامہ چاہتے ہیں لہٰذا ان کو منافق کہا گیا۔

مسئلہ قضاء و قدر

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔ (مہر لگا دی اللہ نے اُن کے دلوں پر) یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے بعض لوگ اِس اشتباہ میں مبتلا ہیں کہ کافر کے دل پر جب اللہ نے مہر کر دی ہے تو وہ اب اپنے اعمال میں مجبور ہے۔ جس طرح کہ مومن مہر کفر نہ ہونے کی وجہ سے نیکی کرنے پر مجبور ہے اور اُمّتِ اسلامیہ میں یہ مسئلہ انتہائی انتشار و تشویش کا موجب بنا آرہا ہے۔ ہر دور میں عُلما نے اِس مسئلہ پر اپنی اپنی حیثیت سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اہلِ قلم نے اِس مسئلہ پر اپنی تحقیقات کے طومار لکھ دیئے لیکن اکثریت آرائے فاسدہ و اوہام کاسدہ کی اتباع میں راہِ مستقیم سے کوسوں دُور رہی۔ اور اِس مسئلہ میں رُوح تسکین و اطمینان سے وہی بہرہ وَر ہوئے جنہوں نے ابوابِ مدینہ علمِ رسالت پر جبہ سائی کی اور شناورانِ دریائے حقیقت سے معارف و حقائق کا درس لیا۔

اِس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ خداوند کریم خلقتِ موجودات سے پیشتر تمام ہونے والی مخلوق خواہ مادی ہو یا مجرد علوی ہو یا سفلی عرشی یا فرشی، نوری یا ناری اور جنّتی یا دوزخی کے تمام جزوی و کلی حالات کو ازل سے جانتا ہے اور ابدالآباد تک ہونے والے سب واقعات روزِ اوّل سے اس کو بیک وقت معلوم ہیں۔ نیکوں کی نیکیاں۔ بُروں کی بُرائیاں۔ ظالم کا ظلم اور مظلوم کی مظلومی۔ حتّٰی کہ سب حوادثِ تفصیلیہ ازل سے اُس کے علم میں ہیں۔ اس نے اِن صفات سے متصف ہونے والی مخلوق کو اپنے ارادہ ازلیہ سے اور قدرتِ کاملہ سے خلق فرمایا اور اس تخلیق میں وہ مجبور نہیں بلکہ اپنے اختیار سے ایسا کیا ابلیس اور اس کے پیرو اور اُن کی تخریبات جو

عالمِ موجودات میں ہونے والی ہیں سب کو پہلے سے جانتا تھا اور اپنے ارادہ کاملہ سے ان کو اسی طرح علی الترتیب خلق فرمایا جس طرح اس کے علم میں تھا اور اُن کے بالمقابل اپنے ... انبیاء و رسل وغیرہ اور اُن کے اطاعت گذاروں کو بھی اپنے علم سابق کی بنا پر ترتیب وار منصۂ شہود پر جلوہ افروز فرمایا پس ان سب ہونے والے واقعات کے علم سابق کا نام ہے قضا اور اسی ترتیب سے علل و اسباب کی وساطت سے ترتیب وار تمام موجودات کو خلعتِ وجود عطا کرنے کا نام ہے قدر۔

بعض لوگوں نے صرف قضاء کو لے لیا ہے اور قدر کو ترک کر دیا ہے وہ جبریہ کہلاتے ہیں۔

اور جنہوں نے قدر کو لے لیا اور قضاء سے غافل ہوئے ان کو قدریہ کہا جاتا ہے۔

جبریہ۔ کا اعتقاد ہے کہ مخلوق کے جملہ افعال اچھے یا بُرے خداوند کریم کے علمِ ازلی میں موجود ہیں۔ لہٰذا کوئی انسان اس علمِ ازلیٔ الٰہی کے خلاف تو کر نہیں سکتا ورنہ اللہ کے علم میں خطا لازم آئے گی لہٰذا انسان اپنے افعال میں مجبور ہے۔ اور تمام نیک و بد اعمال اللہ ہی کی جانب سے ہیں۔

قدریہ کا عقیدہ ہے کہ چونکہ موجوداتِ عالم علل و اسباب کے ماتحت ہیں اور کوئی شے بغیر اسباب کے ہو نہیں سکتی۔ لہٰذا انسان اپنے افعال میں مختارِ کل ہے۔ اچھے اسباب کا نتیجہ اچھا اور بُرے اسباب کا نتیجہ بُرا ہونا یقینی ہے اور اسباب کی اچھائی یا بُرائی انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔

گویا جبریہ قضاء کے معنی کا تصور کر کے علل و اسباب کو بھول جاتے ہیں اور قدریہ علل و اسباب پر نظر رکھ کر قضاء کو فراموش کر دیتے ہیں۔ احادیث میں ان ہر دو فرقوں پر قدریہ کی لفظ عام طور پر استعمال کی گئی ہے۔ جیسا کہ شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے سفینۃ البحار میں اس امر کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے جیسا کہ تفسیر صدرا میں ہے۔

۱۔ القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ۔ (قدریہ اس اُمت کے مجوسی ہیں۔

۲۔ وفیہ لَعَنَ اللّٰہُ الْقَدَرِیَّۃَ عَلٰی لِسَانِ سَبْعِیْنَ نَبِیًّا قِیْلَ وَمَنِ الْقَدَرِیَّۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ قَوْمٌ یَزْعُمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ قَدَّرَ عَلَیْھِمُ الْمَعَاصِیْ (ترجمہ) خدا نے ستر نبیوں کی زبانی قدریہ فرقہ پر لعنت بھیجی ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ حضور! قدریہ کون لوگ ہیں تو آپ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا نے ہمارے لئے گناہ مقدر کر دیئے ہیں۔

۳۔ وفیہ ایک شخص جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں آیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے جو انوکھی چیز دیکھی ہو مجھے بیان کر اس نے عرض کی کہ میں نے ایک قوم دیکھی ہے جو اپنی ماؤں بہنوں سے نکاح کرتے ہیں جب ان کو کہا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو جواب میں کہتے ہیں کہ خدا کی قضا و قدر ایسی ہے۔ یعنی خدا نے ہمارے لئے یہی مقدر کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت میں بھی اس قسم کے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی باتیں کریں گے اور وہ میری اُمت کے مجوسی ہوں گے۔

۴۔ وفیہ جابر بن عبداللہ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایک قوم پیدا ہو گی جو گناہ کریں گے اور کہیں گے کہ خدا کی تقدیر ایسی تھی پس ان کی تردید کرنا اللہ کی راہ میں تلوار سے جہاد کرنے کے برابر ہے۔

ظاہر ہے کہ ان احادیث میں قدریہ سے مُراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو افعال میں مجبور سمجھتے ہیں۔

سفینۃ البحار میں امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السّلام نے اس آیت کو پڑھا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً فَلَا مَرَدَّ لَہٗ اور فرمایا قدریہ فرقہ اپنے مذہب کے اثبات کے لئے اس آیت کے پہلے حصّہ کو پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ بعد میں ارشاد ہے وَاِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً فَلَا مَرَدَّ لَہٗ مقصد یہ ہے کہ آیت کے پہلے حصّہ میں انسان کا مختار ہونا ثابت ہے اور آخری حصّہ میں ارادۂ ازلیۂ الٰہیہ کی حکومت ثابت ہے۔ آیت کا مرادی معنی یہ ہے کہ خداوندِ کریم کسی قوم کی نعمات کو زائل نہیں کرتا یعنی ان پر عذاب نہیں کرتا جب تک کہ اپنے نفسوں کے اعمال سے زوالِ نعمت کے وہ مستحق نہ ہو جائیں۔ اور جب خدا کسی قوم پر عذاب کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یعنی خداوندِ کریم نے عالمِ ظاہر میں اشیاء کو اسباب سے وابستہ کر دیا ہے اور ان اسباب کے صحیح و غلط استعمال میں انسان کو پورا پورا اختیار دے رکھا ہے۔ نیک اعمال کو سببِ نجات اور بد اعمال کو سببِ عذاب قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انسان اُن کی بجا آوری میں قطعاً مجبور نہیں بلکہ مختارِ کل ہے لیکن اُدھر اُس کے علمِ ازلی میں یہ ثابت ہے کہ فلاں نیک عمل کر کے ناجی ہو گا اور فلاں بد اعمال کی بدولت مستحقِ عذاب ہو گا تو پس جس کی نیک اعمالی کے لئے خدا کا ارادہ ازلیہ ثابت ہے تو دنیا میں اس سے نیکی ہی ہو گی اور علمِ ازلیٔ الٰہی میں جس کا بداعمال ہونا ثابت ہے وہ دنیا میں بداعمال ہی ہو گا اور مستحقِ عذاب ہو گا پس آیت کا مطلب یہی ہے کہ دنیا میں بغیر اسبابِ ظاہریہ عذاب کے عذاب نہیں ہوتا۔ اور خدا کسی قوم پر بغیر ان کے استحقاق کے عذاب نہیں کرتا لیکن جن کے متعلق ارادۂ ازلیہ میں عذاب کا استحقاق موجود ہے اُنہوں نے دنیا میں اسباب ہی ایسے پیدا کرنے ہیں جن کی بدولت وہ اپنے اختیار سے عذاب کے سزاوار ہوں گے اور اس اَمر کو کوئی ٹال سکتا ہی نہیں کیونکہ خدا کے علمِ ازلی میں خطاء و غلطی کا امکان ہی نہیں ہو سکتا اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کے علمِ ازلی کے ماتحت انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے کیونکہ اس کا علم انسان کے اختیار میں کوئی پابندی نہیں لاتا۔

پس قضا و قدر بھی حق ہے اور انسان کا اختیار بھی ثابت ہے چنانچہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے۔

مَنْ لَّمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَعْبُدْ رَبًّا سِوَائِیْ وَلْیَخْرُجْ مِنْ اَرْضِیْ وَسَمَائِیْ

(ترجمہ) جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو اور میری آزمائشات پر صابر نہ ہو تو پس کسی اور رب کی عبادت کرے اور میرے آسمان و زمین سے نکل جائے۔

عقیدہ جبریہ کی تردید۔ کافی باب الجبر والقدر سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ جنگِ صفین سے واپسی کے بعد کوفہ میں

تشریف فرما تھے کہ ایک بوڑھا آدمی دوزانو ہو کر خدمت اقدس میں بیٹھ گیا اور عرض کی یا امیر المومنین! فرمائیے ہماری شام پر فوج کشی قضاء و قدر سے تھی؟ آپ نے فرمایا ہاں اے شیخ تمہارا ہر بلندی و پستی پر چڑھنا یا اُترنا اللہ کے قضاء و قدر سے تھا پس اس نے عرض کی کہ پھر میں اپنی اس تکلیف و مشقت کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں، آپ نے فرمایا بوڑھے خاموش رہو! خدا کی قسم تمہاری اس روانگی میں حالت سفر یا حالت قیام یا حالت واپسی ہر حال میں خدا نے تمہارے لئے اجر عظیم مقرر فرمایا ہے۔ تم ان حالات میں مجبور و مضطر نہیں تھے (بلکہ تم نے اپنے اختیار سے سب کچھ کیا لہذا تم مستحق اجر ہو) بوڑھے نے عرض کی حضور! واضح فرمائیے جب ہمارا جانا اور آنا سب قضاء و قدر سے تھا تو ہم مجبور و مضطر کیوں نہ تھے؟ آپ نے فرمایا کیا تو یہ سمجھا ہے کہ قضا حتمی اور قدر ضروری تھی؟ (قضا و قدر حتمی و لازمی نہیں تھی بلکہ بندے کے ذاتی اختیار کو اس میں دخل تھا۔ اگر قضا حتمی اور قدر ضروری ہوتی تو ثواب و عذاب۔ امر و نہی اور اجر وغیرہ باطل ہو جاتے اور وعدہ وعید لغو ہو جاتے نہ بدکار قابل ملامت ہوتا اور نہ نیک لائق ستائش قرار دیا جاتا بلکہ گنہگار نیک کی بہ نسبت انعام و اکرام کا زیادہ مستحق ہوتا اور نیک بدکار کی نسبت سزا کا زیادہ سزاوار ہوتا۔ اس قسم کا اعتقاد بت پرستوں، خدا کے دشمنوں، شیطان والوں اور اس اُمت کے قدریہ و مجوسیہ کا ہے۔ تحقیق خداوند کریم نے اختیار دے کر مکلف بنایا ہے اور جہنم سے بچنے کے لئے اپنے نواہی ارشاد فرمائے ہیں، وہ تھوڑی سی نیکی پر اجر کثیر عطا فرماتا ہے، اس کی نافرمانی اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ مغلوب ہے اس کی عطا اس لئے نہیں کہ وہ مجبور ہے اور انسان کو مالک اس طرح نہیں بنایا کہ پس وہ مختار کل ہے (بلکہ جب چاہے اس کے اختیارات واپس لے سکتا ہے) آسمان و زمین اور اس کی درمیانی مخلوق کو اس نے فضول پیدا نہیں کیا اور بشارت و انذار کے لئے نبیوں کو عبث نہیں بھیجا، یہ عقیدے کافروں کے ہیں اور کافروں کے لئے ویل ہے جہنم سے یہ سُن کر بوڑھے نے فوراً یہ شعر پڑھے۔

اَنْتَ الْاِمَامُ الَّذِیْ نَرْجُوْا بِطَاعَتِہٖ ۔۔۔ یَوْمَ النَّجَاۃِ مِنَ الرَّحْمٰنِ غُفْرَانًا

آپ وہ امام ہیں کہ جس کی اطاعت کی بدولت قیامت کے دن ہم خدا سے بخشش کی اُمید رکھتے ہیں

اَوْضَحْتَ مِنْ اَمْرِنَا مَا کَانَ مُلْتَبِسًا ۔۔۔ جَزَاکَ رَبُّکَ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا

آپ نے ہمارے اعتقاد میں سے مشکل امر کی وضاحت کر دی خدا آپ کو احسان کے بدلہ میں احسان کی جزا دے

۲۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ ابوحنیفہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ اور آپ سے دریافت کیا کہ بتائیے گناہ کا مرتکب کون ہے؟ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تاکہ میں بیان کروں۔ پس وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا کہ تین صورتیں ہیں۔ گناہ یا تو بندے سے ہوتا ہے یا اللہ سے ہوتا ہے یا دونوں شریک ہیں۔ اگر اللہ سے ہے تو وہ اجل و اعلیٰ ہے کہ اپنے کمزور بندے کو سزا دے ایسے کام کی جس میں اس کا قصور نہ ہو۔ اگر اللہ اور بندہ دونوں شریک ہیں تو قوی کو کمزور پر رحم کرنا چاہیئے۔ اور اگر صرف بندہ ہی مرتکب فعل ہے تو

جزاو سزا کا تعلق بھی اسی سے ہے اور امر و نہی بھی اُسی کے لئے ہے اور ثواب و عقاب کا مستحق بھی وہ خود ہے۔

۳۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ حجاج بن یوسف نے حسن بصری ۔ عمرو بن عبید واصل بن عطا اور عامر شعبی کو خطوط لکھے کہ قضاء و قدر کے متعلق ان کے پاس جو صحیح مسلک ہو تحریر کریں تو حسن بصری نے اس کو لکھا کہ قضاء و قدر کے مسئلہ میں فیصلہ کن بات جو مجھ تک پہنچی ہے۔ وہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کا فرمان ہے۔

اَتَظُنُّ اَنَّ الَّذِیْ نَہَاکَ دَہَاکَ اِنَّمَا دَہَاکَ اَسْفَلُکَ وَاَعْلَاکَ وَاللّٰہُ بَرِیٌٔ مِنْ ذَاکَ (ترجمہ) کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ جس نے تجھے ایک چیز سے منع کیا ہے اُسی نے تجھے اس کام میں دھوکا دیا ہے اور تجھے مبتلا کر کے تجھے نیچے کر دیا اور خود بلند ہو گیا ۔ خدا اس سے بیزار ہے۔

عمرو بن عبید نے لکھا کہ قضا و قدر کے معاملہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کا فرمان جو مجھے پہنچا ہے اس سے بہتر اور کوئی نظریہ ہو ہی نہیں سکتا لَوْ کَانَ الْوِزْرُ فِی الْاَصْلِ مَحْتُوْمًا کَانَ الْوَازِرُ فِیْہِ مَظْلُوْمًا ۔ (ترجمہ) اگر گناہ دراصل محتوم ہوتا تو گنہگار گنہگار نہ ہوتا بلکہ مظلوم ہوتا۔

واصل بن عطا نے لکھا کہ مسئلہ قدر و قضاء میں حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کا فرمان آخری فیصلہ ہے اَیَدُلُّکَ عَلَی الطَّرِیْقِ وَیَاخُذُ عَلَیْکَ الْمَضِیْقَ (ترجمہ) کیا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا تجھے ایک رستہ بتائے اور خود اس پر چلنے کے لئے دشواری پیدا کر دے۔

عامر شعبی نے لکھا کہ قضاء و قدر میں حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کے فیصلے سے اور کوئی فیصلہ بہتر نہیں آپ فرماتے ہیں کُلَّمَا اسْتَغْفَرْتَ اللّٰہَ مِنْہُ فَہُوَ مِنْکَ وَکُلَّمَا حَمِدْتَ اللّٰہَ تَعَالٰی عَلَیْہِ فَہُوَ مِنْہُ (ترجمہ) ہر وہ فعل جس کی معافی تو اللہ سے طلب کرے سمجھ لے کہ وہ تیرا فعل ہے اور ہر وہ فعل جس پر تو اللہ کی حمد کرے پس سمجھ کہ وہ اس کا فعل ہے۔

جب حجاج کے پاس یہ خطوط پہنچے اور اس نے پڑھے تو کہا کہ خدا کی قسم یہ اقوال ایسے صاف و شفاف علمی چشمے سے ماخوذ ہیں جن میں میل ہو ہی نہیں سکتی۔

۴۔ رُوِیَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدِنِ الصَّادِقَ عَنِ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ فَقَالَ مَا اسْتَطَعْتَ اَنْ تَلُوْمَ الْعَبْدَ عَلَیْہِ فَہُوَ فِعْلُہٗ وَمَا لَمْ تَسْتَطِعْ اَنْ تَلُوْمَ الْعَبْدَ عَلَیْہِ فَہُوَ فِعْلُ اللّٰہِ یَقُوْلُ اللّٰہُ لِلْعَبْدِ لِمَ عَصَیْتَ لِمَ فَسَقْتَ لِمَ شَرِبْتَ الْخَمْرَ لِمَ زَنَیْتَ فَہٰذَا فِعْلُ الْعَبْدِ وَلَا یَقُوْلُ لِمَ مَرِضْتَ لِمَ قَصُرْتَ لِمَ ابْیَضَضْتَ لِمَ اسْوَدَدْتَ لِاَنَّہٗ مِنْ فِعْلِ اللّٰہِ فِی الْعَبْدِ۔

ترجمہ ۔ روایت میں ہے ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے قضاء و قدر کے مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو

آپ نے فرمایا کہ جس فعل پر تو عبد کی ملامت کر سکے تو پس وہ اس کا فعل ہے اور جس فعل پر عبد کی ملامت تو نہ کر سکے تو پس وہ اللہ کا فعل ہے خدا بندے سے دریافت کرے گا تو نے گناہ کیوں کیا؟ تو نے فسق کیوں کیا؟ تو نے شراب نوشی کیوں کی؟ تو نے زنا کیوں کیا؟ پس یہ افعال بندے کے ہیں اور یہ سوال نہ کرے گا کہ تو بیمار کیوں ہوا؟ تو چھوٹا کیوں ہوا؟ تو سفید کیوں ہوا؟ تو سیاہ کیوں ہوا؟ کیونکہ یہ اللہ کے فعل ہیں۔

بہرحال آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے صحیح تعلیم حاصل نہ کرنے سے اُمّتِ اسلامیہ معارف وحقائق سے بہت دور ہٹ گئی ۔ کیونکہ مسائل عرفانیہ کی منازل علمائے ربانیین کی رہبری کے بغیر ہرگز طے نہیں کی جاسکتیں۔

لَاجَبْرَ وَلَاتَفْوِیْضَ بَلْ اَمْرٌ بَیْنَ الْاَمْرَیْن

جبر واختیار کے مسئلہ میں مذہب حقہ شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے اور نہ کلی مختار ہے بلکہ کچھ حصہ میں مجبور ہے اور کچھ حصہ میں مختار ہے انسان کی تمام قوتیں ظاہری وباطنی سب اللہ کی عطا کردہ ہیں پس قوتوں کا عطا کرنا اللہ کا فعل ہے اور ان قوتوں کے استعمال کا اختیار چونکہ انسان کو حاصل ہے لہٰذا ان کا صحیح وغلط استعمال انسان کا فعل ہے۔

چنانچہ اس کی وضاحت حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ علامہ میرزا حسن یزدی نجفی مدظلہ العالی نے اپنے بیان درس خارج میں اس طرح فرمائی تھی جس کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کا ذاتی وجدان بسلامتی عقل جبر واختیار کے مسئلہ میں خود فیصلہ کر سکتا ہے چنانچہ جب میرزا قمی مرحوم سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ فیصلہ وجدان سلیم خود کر سکتا ہے دیکھیے جس انسان کے ہاتھوں میں رعشہ ہو تو اس کے ہاتھ حرکت کرتے ہیں اور ایک تندرست انسان بھی ہاتھوں کو حرکت دیتا ہے پس ان دو حرکتوں میں فرق کا وجدان خود گواہ ہے کہ رعشہ والا مریض اپنے ہاتھوں کی حرکت میں مجبور ہے اور تندرست انسان اپنے ہاتھوں کی حرکت میں مختار ہے، رعشہ والا اپنے ہاتھوں کی حرکت کو بند نہیں کر سکتا اور تندرست چاہے تو حرکت دے چاہے تو حرکت بند کر دے یہ اس کے اپنے اختیار کی بات ہے پس انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ جو افعال اس کے ارادہ پر غالب ہیں ان میں وہ مجبور ہے اور جو افعال ارادہ کے تابع ہیں ان میں وہ مختار ہے۔ البتہ ان افعال اختیاریہ میں اعضاء کی قوت اور ارادہ اللہ کی طرف سے ہیں اور ان کا استعمال بندے کی طرف سے ہے۔ اسی لئے نماز میں کہا جاتا ہے بِحَوْلِ اللّٰہِ وَقُوَّتِہٖ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ یعنی میں اللہ کی عطا کردہ زور وقوت سے قیام وقعود کرتا ہوں پس حول وقوت اللہ کی جانب سے ہے۔ اور قیام وقعود بندے کی طرف سے ہے۔

اس کی مزید تفصیل یوں سمجھیے کہ بعض صفاتِ انسان میں ایسی ہیں جن پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا مثلاً وجود ۔ زندگی قوتِ شعور قوتِ تصور، اعضاء کی طاقت ۔ اچھائی وبرائی میں قوتِ امتیاز ۔ قوتِ شوق ۔ قوتِ ارادیہ وغیرہ پس ان کے متعلق یہ سوال کرنا عبث ہے کہ انسان کا وجود کیوں ہے؟ اس میں قوتِ شعور واحساس کیوں ہے؟ اچھائی وبرائی میں تمیز کیوں کرتا ہے؟ قوتِ شوق ونفرت کیوں ہے؟ قوت

ارادہ کیوں ہے؟ وغیرہ۔ کیونکہ یہ چیزیں خلقتِ انسان کو لازم ہیں ان کے متعلق کیوں کہنا ایسا ہے جیسا کہا جائے کہ انسان انسان کیوں ہے؟ ان پر کیوں تب کہا جاتا جب یہ چیزیں انسان کے اپنے بس میں ہوتیں۔ اسی طرح قوتِ اختیار یہ بھی وجودِ انسانی کو لازم ہے اور اللہ کی عطا کردہ ہے اس پر بھی کیوں کے ذریعہ سے سوال نہیں کیا جا سکتا کہ یہ قوت انسان میں کیوں ہے؟ ان کے بعد ہے فعل کی منزل تو یہاں سوال بجا ہے کہ کہا جائے تو نے یہ کیوں کیا وہ کیوں کیا؟ کیونکہ یہ چیزیں انسان کے اپنے بس کی ہیں۔ اسی طرح قوتِ اختیاریہ اور قوتِ ارادیہ اللہ کی جانب سے ہیں۔ لیکن صحیح و غلط کا ارادہ اور اختیار انسان کے بس کے اندر ہے چاہے تو اچھائی کا ارادہ کرکے اس کو اختیار کرے اور اگر چاہے تو برائی کا ارادہ کرکے اس کا ارتکاب کرے۔

اور صحیح و غلط اچھائی و برائی کی تمیز کے لئے خداوند کریم نے قوتِ فکر کے ساتھ قوتِ عاقلہ بھی عطا فرمائی اور اپنے کمال فضل و کرم سے انبیاء و رسل بھیجے تاکہ انسانی عقل کی صحیح رہبری فرمائیں اب اگر انسان خدائی مبلغین کی تعلیمات سے فائدہ نہ اٹھائے اور اپنے عقل کو قوتِ شہویہ غضبیہ وہمیہ کا مغلوب بنا کر ناجائز افعال کو اختیار کرے تو مستحق مذمت اور سزاوار سزا ہے اور اگر خدائی مبلغین کی تبلیغات کے ماتحت عقل کی روشنی میں جائز و ناجائز کی پرکھ کرنے کے بعد جائز کو بجالائے اور ناجائز سے اجتناب کرے تو لائق ستائش بھی ہے اور مستحق جزا بھی۔

پس قوتوں کے عطا ہونے میں انسان مجبور ہے اور اپنے ارادہ و اختیار سے افعال و اعمال کے بجالانے میں وہ مختار ہے تو گویا انسان اپنے جملہ افعال میں دو پہلوؤں کے اندر محدود ہے۔ ہر فعل میں خواہ اچھا ہو یا برا بنیادی طاقتیں اللہ کی طرف سے ہیں اور ارادہ و اختیار خیر و شر اور ان طاقتوں کا استعمال بندے کی طرف سے ہیں پس ثابت ہوا کہ نہ جبر ہے نہ اختیار بلکہ معاملہ دونوں کے درمیان ہے۔ انتہیٰ محصّل ما افادہٗ۔

پس کفار کی مذمت بجا ہے اور مومنین کی مدح صحیح ہے کیونکہ ان کا کفر اختیاری ہے اور ان کا ایمان اختیاری ہے نہ وہ کفر پر مجبور ہیں اور نہ یہ ایمان پر مجبور ہیں۔ اسی بنا پر خود ارشاد فرماتا ہے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ یعنی دین میں کوئی مجبوری نہیں بتحقیق ہدایت اور گمراہی ہر دو واضح ہو چکی ہیں۔ انسان کو اختیار ہے چاہے دین کو قبول کرے چاہے بے دین بنا رہے! اور ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا۔ ہم نے انسان کو صحیح رستہ کی ہدایت کر دی خواہ شاکر بنے خواہ کافر بنے (یہ معاملہ اس کے اپنے اختیار میں ہے)

ازالۂ وہم۔ چونکہ افعالِ انسانی کی قوتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں اسی بنا پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کسی کی گمراہی چاہتا ہے یا کسی کو گمراہ کرتا ہے بلکہ یہ شیطان کا عقیدہ تھا کہ اس نے اپنی گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا اور کہا اَغْوَیْتَنِیْ یعنی تو نے مجھے گمراہ کیا اللہ نے انسان کو طاقتیں اس لئے عطا نہیں کیں کہ وہ ان کو غلط استعمال کرے بلکہ وہ تو جنوں و انسانوں سے عبادت ہی چاہتا ہے یہ ایسا ہے جیسا کوئی رحم دل سخی کسی فقیر کی حالتِ زار پر ترس کھا کر اس کو کچھ رقم اپنے

اور اپنے بال بچوں کے اخراجات کے لئے [illegible] ہے اور یہ فقیر وہ رقم بجائے واجبی اخراجات سے سبکدوش ہونے کے قمار خانے یا شراب خانے کی نذر کر دے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے غلط کیا تھا بلکہ وہ تو لائقِ ستائش ہے کہ اس نے ایک غریب مسکین کی امداد کی تھی بلکہ مذمّت اور ملامت کا مستحق وہ فقیر ہے جس نے محسن انسان کی قدر نہ کی اور اُس کے عطیہ کو بے محل خرچ کر کے ضائع کر دیا اس مقام پر اگر کہا جائے کہ اس فقیر سے قمار بازی یا شراب نوشی اُس عطا کرنے والے رحم دل نے ہی کردائی ہے کیونکہ اس فعل کی بنیادی قوت اسی کی جانب سے ہے تو یہ نسبت مجازی ہوگی اور اس نسبت سے فقیر کی بدباطنی اور غلط کاری میں ہرگز فرق نہ آئے گا اور نہ اس کی سزا میں اس نسبت کی وجہ سے کوئی فرق پڑے گا۔ اور اسی طرح اس کی غلط کاری اس محسن کی حسن کارکردگی پر حرف زنی کی موجب بھی نہ ہوگی۔

ختم کی وضاحت

بعض احادیث میں وارد ہے جن کا مضمون یہ ہے کہ انسان جب فعل بد کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل میں سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے پس اگر توبہ کرے تو صاف ہو جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے بلکہ پھر کوئی دوسرا گناہ کرے تو پھر دل کی سیاہی میں زیادتی پیدا ہوتی ہے پھر اگر توبہ سے اس کو نہ مٹائے اور گناہ میں اضافہ کرتا جائے تو سیاہی بڑھتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ دل پورا سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نہ کسی نصیحت کو قبول کرتا ہے۔ اور نہ قرآن و حدیث سے کوئی اثر حاصل کرتا ہے اور اسی معنی کو قرآن مجید میں ختم، وقر، غلاف، غشاوہ وغیرہ کی لفظوں سے ادا کیا گیا ہے اور بنیادی قوتیں چونکہ اللہ کی جانب سے ہیں۔ اس لئے آیت مجیدہ میں ختم کو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا نے ہی واقعی ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کیونکہ خدا کسی کے دل یا کان یا آنکھ پر پردہ نہیں ڈالتا۔ اگر ایسا کرنا ہوتا تو پھر انبیاء و رسل بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ کتابیں نازل کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ بلکہ مطلب یہ ہے کہ پے در پے نافرمانیاں کرنے کے بعد ان کے دل اس قدر سیاہ ہو گئے ہیں کہ وہ حق کو نہ دیکھنا پسند کرتے ہیں نہ سننا گوارا کرتے ہیں اور نہ سوچنے کے لئے بات کو دل میں جگہ دیتے ہیں۔

جو لوگ عقیدۂ جبر کے قائل ہیں وہ اس قسم کی آیات سے دھوکا کھا کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ کافر کفر میں مجبور ہے اور مومن ایمان میں مجبور ہیں۔ کافر کا کفر اللہ کی طرف سے ہے اور مومن کا ایمان بھی اللہ کی جانب سے ہے کیونکہ خدا خود فرماتا ہے کہ میں نے مہر لگا دی ہے حالانکہ اس فاسد عقیدہ والے حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ان کو اپنے قیاسات و استحسانات نے اس ورطۂ ظلمات میں دھکیل دیا ہے اور خاندانِ عصمت سے عناد ہی ان کی گمراہی کا موجب ہے۔

سوال۔ اگر جبریہ کی طرف سے یہ سوال پیدا کیا جائے کہ جب خدا کو علم تھا کہ کافر لوگ ایمان نہ لائیں گے جس طرح خود فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ۔ یعنی تحقیق وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے لئے برابر ہے خواہ ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ یہ ایمان نہ لائیں گے تو اس صورت میں ان کے لئے ایمان لانا محال ہے کیونکہ ان کے ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے یہ خبر خلافِ واقع دی ہے اور جب خدا کا علم خلافِ واقع ہو ہی نہیں سکتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اپنے کفر میں مجبور تھے۔

جواب ۔ علم ازلی خداوندی فعل عبد کے اختیاری ہونے کو باطل نہیں کرتا چنانچہ اس کو علم تھا کہ فرعون ایمان نہ لائے گا لیکن پھر موسیٰ و ہارون علیٰ نبینا وعلیہما السلام کو حکم ہوا کہ جاؤ اور فرعون کو تبلیغ کرو اور نرم لہجہ میں اس کو سمجھاؤ شاید وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے لعلّہ یتذکر او یخشیٰ کا جملہ صاف طور پر بتارہا ہے کہ اس کا علم فرعون کے ایمان لانے میں رکاوٹ کا باعث نہ تھا ورنہ موسیٰ کو حکم تبلیغ نہ دیتا۔

۲۔ خود فرماتا ہے یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ پ۱۳۔ یعنی خدا جس کو چاہے محو کرتا ہے اور جس کو چاہے ثابت کرتا ہے اور اس کے پاس علم مخزون ہے گو اس کے علم ازلی کے لحاظ سے ہونے والے امور کے متعلق قضا ثابت ہے لیکن گذشتہ بیان میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی قضا انسان کے افعال اختیاریہ کے متعلق حتمی و مبرم نہیں ہے اور اس آیت میں اس امر کی صاف وضاحت ہے کہ خداوند کریم علم ازلی کی رو سے مجبور نہیں بلکہ وہ اپنے افعال میں مختار کل ہے اور اس کے علم ازلی میں ثابت شدہ امور میں سے جس کو چاہے محو کر سکتا ہے اور جس غیر ثابت کو چاہے ثابت کر سکتا ہے چنانچہ برہان ج۲ میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔

ھَلْ یُمْحیٰ اِلَّا مَا کَانَ ثَابِتًا وَھَلْ یُثْبِتُ اِلَّا مَا لَمْ یَکُنْ وَفِیْہِ عَنِ الْبَاقِرِ وَعِلْمٌ عِنْدَہٗ مَخْزُوْنٌ یُقَدِّمُ مِنْہُ مَا یَشَاءُ وَیُؤَخِّرُ مِنْہُ مَا یَشَاءُ فِیْہِ عَنِ الْبَاقِرِ اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَدَعْ شَیْئًا کَانَ اَوْ یَکُوْنُ اِلَّا کَتَبَہٗ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ فَھُوَ مَوْضُوْعٌ بَیْنَ یَدَیْہِ یَنْظُرُ اِلَیْہِ فَمَا شَاءَ مِنْہُ قَدَّمَ وَمَا شَاءَ مِنْہُ اَخَّرَ وَمَا شَاءَ مِنْہُ مَحیٰ وَمَا شَاءَ مِنْہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَاءُ لَمْ یَکُنْ۔

ترجمہ ۔ نہیں محو کیا جاتا مگر اس کو جو پہلے ثابت ہو اور نہیں ثابت کیا جاتا مگر اس کو جو پہلے ثابت نہ ہو۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ اس کے پاس علم مخزون ہے اس میں سے جس کو چاہے مؤخر کرے اور جس کو چاہے مقدم کرے اور جس کو چاہے ثابت کرے ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے کوئی شے ہونے والی چیزوں میں سے ایسی نہیں چھوڑی جس کو کتاب میں درج نہ فرمایا ہو پس وہ کتاب اللہ کے سامنے ہے وہ اس سے غافل نہیں۔ اس میں سے جس کو چاہے مقدم کرتا ہے جس کو چاہے محو کرتا ہے اور جس کو چاہے وہ ہوتی ہے اور جس کو نہ چاہے نہیں ہوتی۔ اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں پس معلوم ہوا کہ کسی کافر کا کفر علم ازلی الٰہی کی وجہ سے ناقابل زوال نہیں کیونکہ اللہ محو و اثبات پر قادر ہے ورنہ اگر محو و اثبات پر قدرت نہ ہوتی تو ایسے لوگوں سے تکلیف ہی ساقط ہوتی حالانکہ یہ لوگ مکلف ہیں۔

۳۔ ہر شخص کی زندگی کی مدت کا اللہ کو علم ہے حالانکہ مستحب ہے کہ انسان طول عمر کی دعا مانگے تو کیا طول عمر کی دعا مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا مبارک کردے تو اس کے سابق علم میں خطا واقع ہو گی؟ نہیں بلکہ اس کو اول و آخر میں کمی و بیشی کا اختیار ہے وہ بڑھا بھی سکتا ہے

اور کم بھی کر سکتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر خودکشی کرنا کیوں حرام ہے؟ حالانکہ اللہ کے علم ازلی میں ہی اس کی خودکشی درج تھی۔ اور اسی طرح رزق کی دعا طلب اولاد کی دعا بلکہ جملہ دعائیں فضول متصور ہوں گی کیوں کہ اس کے علم ازلی میں جو کچھ ہے ہوگا وہی۔ پس معلوم ہوا کہ اس کا علم انسان کے افعالِ اختیاریہ میں مخل نہیں اور خدا محو و اثبات پر قادر ہے۔ اسی طرح حضرت حجت عج علیہ السّلام کے ظہور کی جلدی کی دُعا کی جاتی ہے حالانکہ اللہ کو ایک وقتِ مقرر کا علم ہے اگر جلدی ظہور ہونے سے اس کے علم کا خلاف ہونا لازم آتا تو یہ دُعا قطعاً جائز نہ ہوتی حالانکہ تمام مسلمان اس دُعا میں متفق ہیں۔

۴۔ خدا چاہے تو اب بھی قیامت لا سکتا ہے لیکن قیامت کے لئے اس کے علم میں ایک وقت مقرر ہے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ خدا اب قیامت کے قائم کرنے پر قادر نہیں کیونکہ اب قیامت کے قائم کرنے پر قادر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے علم کو جھٹلا سکتا ہے حالانکہ یہ عقیدہ مُوجب کفر ہے۔

۵۔ ہمیشہ علم کا تعلّق شے کی واقعیت سے ہوتا ہے واقعہ ہو تو اس کا علم علم ہوتا ہے یہ نہیں کہ علم ہو تو واقعہ واقعہ بنتا ہے واقعہ کا علم ہونا اور بات ہے اور واقعہ کو واقعہ بنانا اور بات ہے پس خدا کو کافر کے کفر کا علم ہے نہ کہ خدا کے علم نے ان کو کافر بنایا اور نہ خدا کا علم ان کو کفر سے توبہ کرنے سے روکتا ہے اگر ایسا ہوتا تو ان کو ایمان کی دعوت ہی نہ دی جاتی۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کی علمائے تفسیر نے متعدد توجیہیں بیان کی ہیں۔ چنانچہ علامہ طبرسی نے چند ایک کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۔ کافر جب حالتِ کفر میں اس حد کو پہنچتا ہے کہ اس کا دل قبولِ حق کی طرف مائل ہی نہیں ہو سکتا تو خدا اُن کے دلوں پر ایک علامت لگا دیتا ہے جس کو بعضوں نے سیاہ نقطہ سے تعبیر کیا ہے پس فرشتے اس کو اس نقطہ یا اس علامت سے پہچانتے ہیں کہ کافر ہے پس وہ اس پر لعنت و نفرین کرتے ہیں گویا ختم کا معنی علامت ہے۔

۲۔ معنی یہ ہے خدا شاہد ہے کہ ان کے دل اور کان اور آنکھیں راہِ حق سے منحرف ہیں گویا ختم کا معنی شہادت و تصدیق ہے۔

۳۔ معنی یہ ہے کہ ان لوگوں کے دل مثل مہر کردہ شے کے ہیں کہ نہ اس میں کوئی اور چیز داخل ہو سکتی ہے اور نہ اس سے کوئی چیز خارج ہو سکتی ہے یعنی نہ ان کے دلوں میں اب ایمان داخل ہو سکتا ہے اور نہ ان کے دلوں سے کفر خارج ہو سکتا ہے۔

۴۔ کفار کے کلامِ حق سننے اور سمجھنے سے تنگدلی کرنے کو ختم سے تعبیر فرمایا یعنی ان کے دل کان آنکھیں حق سے گھٹتی ہیں۔

سوال۔ دل کان اور آنکھوں کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا گیا ہے۔

جواب۔ ان تین اعضاء کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ علم حاصل کرنے کے راستے صرف یہی ہیں کیونکہ کان اور آنکھ سے سن اور دیکھ کر انسان دل میں فکر کرتا ہے تب چیز کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اگر یہ تین اعضاء معطّل ہو جائیں تو علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

پس قرآن مجید میں جہاں کہیں اس قسم کے لفظ آئیں متذکرہ بالا بیان سے اُن کے مطالب تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے اور اس قسم کی آیات کا صحیح حل میسر نہ آنے کی وجہ سے عقائد میں خرابی ظہور پذیر ہوتی ہے اور خداوند کریم اجل وارفع ہے اس بات سے کہ انسان کو فعل بد پر مجبور کرے اور پھر اس کو اس کی سزا بھی دے۔ عقیدہ جبر عدلِ خداوندی کے سراسر خلاف ہے بلکہ اس سے خدا کا ظالم ہونا ثابت ہوتا ہے اور خدا خود فرماتا ہے وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۔ یعنی اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا اور متعدد مقامات پر فرماتا ہے کہ میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ خداوند کریم مجھے اور جملہ مومنین کو راہِ راست پر ثابت قدم رکھے اور جملہ مسلمانوں کو صراطِ مستقیم کی ہدایت فرماوے اور اہل بیت عصمت سے تمسک پکڑنے کی توفیق مرحمت کرے تاکہ ان کے علوم کی روشنی میں جادۂ حق پہ گامزن ہو کر اس قسم کے مزخرفات سے محفوظ رہیں۔ اس مقام پر طول بہت ہو گیا ہے لیکن مسئلہ کی نزاکت اور آیاتِ متعلقہ کا حل اس امر کا مقتضی تھا کہ مقام مذکور کو تشنۂ بیان نہ چھوڑا جائے شائد خدا اس کی بدولت کسی راہ گم کردہ کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پانچ نکات

۱۔ کافرین کے متعلق یہ پیشین گوئی کہ ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ایمان نہیں لائیں گے حرف بحرف سچی ثابت ہوئی اور یہ قرآن مجید کے معجزہ ہونے اور پیغمبرؐ کے صادق ہونے کی واضح دلیل ہے۔

۲۔ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ فرمایا یعنی ان کی ہٹ دھرمی اور سُوءِ اختیار کی بنا پر تیرا ڈرانا یا نہ ڈرانا اُن کے لئے برابر ہے یعنی وہ اثر قبول کرنے سے محروم ہیں یہ نہیں فرمایا کہ سَوَاءٌ عَلَيْكَ یعنی ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا تیرے لئے برابر ہے کیونکہ حضورؐ کے لئے ان کو ڈرانا اتمام حجت تھا اور یہ آپ کا فریضہ تھا جس کی ادائیگی میں آپ پوری طرح کامیاب رہے اور نہ ڈرانے کی صورت میں آپ ایک اہم فریضۂ نبوت کی ادائیگی سے محروم ہو جاتے پس آپ کے حق میں ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر نہیں بلکہ ڈرانا کامیابی اور نہ ڈرانا کوتاہی تھا۔

۳۔ ختم کی اللہ کی طرف نسبت اس بنا پر ہے کہ اللہ نے خیر و شر کی دونوں قوتیں دے کر ان کو قبولِ حق پر مجبور نہیں فرمایا پس چونکہ بنیادی طاقتیں اللہ کی عطا کردہ تھیں اس لئے ختم کی نسبت مجازاً اللہ کی طرف دی گئی مقصد یہ ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اُن کے کان کلمۂ حق سننے سے آنکھیں مناظر حق دیکھنے سے اور دل راہِ حق کو اپنانے کی جرأت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں جس طرح کہ ان کے اُوپر مہر لگا دی گئی ہو اور وہ بے بس ہو چکے ہوں۔

۴۔ قلب و بصر اعضا کے نام ہیں اس لئے ان کو جمع کی لفظوں سے ذکر کیا گیا ہے اور سمع چونکہ مصدر ہے اور واحد و جمع دونوں کے لئے اس کا استعمال جائز ہے اس لئے اس کو مفرد کے صیغے سے ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔ چونکہ دل کی سوچ بچار کسی ایک سمت کی پابند نہیں اسی طرح کان کی سماعت میں بھی کسی خاص سمت کی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر طرف سے پہنچنے والی آواز کو سن سکتا ہے اس لئے دل اور کان کے لئے ختم کی لفظ کو ذکر کیا گیا ہے جو ہر جانب سے ادراک کے دروازے بند کر دیتی ہے اور آنکھ چونکہ صرف سامنے کی جانب ہی دیکھ سکتی ہے اور اسکے ادراک کی سمت صرف ایک ہی ہے پس اس کو روکنے کے لئے صرف سامنے کی جانب حجاب ہی کافی ہے لہذا اسکے لئے غشاوہ کا ذکر کیا یعنی انکی آنکھوں پر پردہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧ يُخٰدِعُوْنَ

اور بعض لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور ساتھ یوم آخر کے حالانکہ وہ مومن نہیں وہ دھوکا دیتے ہیں

اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور درحقیقت وہ نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے نفسوں کو اور نہیں سمجھتے ان کے دلوں میں بیماری ہے پس

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ⑩ وَاِذَا قِيْلَ

زیادہ کیا اللہ نے ان کو بیماری میں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس لئے کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں اور جب کہا جائے

لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ

ان کو کہ نہ فساد کرو زمین میں تو کہتے ہیں کہ بجز اس کے نہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں آگاہ ہو تحقیق وہی فساد کرنے

الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا

والے ہیں لیکن سمجھتے نہیں ہیں اور جب کہا جائے ان کو کہ ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے ہیں اور لوگ تو کہتے

اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے ہیں بیوقوف آگاہ ہو تحقیق وہی بیوقوف ہیں لیکن جانتے نہیں

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ

اور جب ملاقات کریں ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب تنہا ہوں ساتھ اپنے شیطانوں کے تو کہتے ہیں

منافقین کا ذکر

سورہ بقرہ کی پہلی چار آیتیں مومنین کے حق میں اُتریں اور ان کے بعد دو آیتیں کفار کے بیان میں اُتریں۔ اور یہ پورا رکوع جس کی تیرہ آیتیں ہیں منافقین کے بیان میں ہے خواہ ان آیات کا شانِ نزول بعض مخصوص لوگوں سے ہی متعلق ہو لیکن قرآن چونکہ تاقیامت زندہ ہے لہذا اس کی تاویل کسی ایک زمانہ کے لئے مخصوص نہیں قرار دی جاسکتی چنانچہ اسی کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں اس چیز کو پوری وضاحت سے پیش کیا جاچکا ہے ص۱۱۳ تا ص۱۲۱۔

دورِ نبوی میں حضرت علی علیہ السلام کے بغض کو نفاق سے تعبیر کرنا اکثر صحابہ سے مروی ہے جیسا کہ کتب صحاح اہل سنّت سے حضرت علی السلام کا فرمان مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا لا یحبّك الا مومن ولا یبغضك الا منافق تیرے ساتھ نہ محبّت کرے گا مگر مومن اور تجھ سے نہ بغض رکھے گا مگر منافق۔ اس کو تاریخ الخلفاء میں علامہ سیوطی نے

إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۴﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۵﴾

تحقیق ہم تمہارے ساتھ ہیں بجز اس کے نہیں ہم تو ہنسی کرنے والے ہیں ساتھ مومنوں کے اللہ ہنسی کا (معاملہ) کرتا ہے ساتھ انکے اور ڈھیل دیتا ہے ان کو اپنی سرکشی میں درحالیکہ وہ حیران ہوتے ہیں

بھی نقل کیا ہے۔ نیز صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ - ابوسعید خدریؓ - جابر بن عبداللہ انصاریؓ - ابوسعید محمد بن ہیثمؓ - ابوداؤدؓ - ابن عباسؓ اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کے اعترافات (کہ حضرت علی علیہ السلام کا دشمن منافق ہوا کرتا ہے اور ہم عہد رسالت میں منافق کی نشانی علی کے ساتھ بغض رکھنے کو قرار دیتے تھے) ہم نے جلد اوّل میں بمعہ حوالہ کتب درج کئے ہیں - صلا۱۳۶ و صلا۱۳۷

اسی بنا پر انہی آیات کی تاویل تفسیر آئمہ میں بیعت غدیر کے توڑنے والوں سے کی گئی جیسا کہ تفسیر برہان میں اس کے متعلق بہت زیادہ حدیثیں مذکور ہیں اور فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ میں مرض کی تاویل کلام اہل بیت میں عداوت علی علیہ السلام سے کی گئی ہے (برہان) مرض کی زیادتی کی نسبت اللہ سے اس واسطے ہے کہ چونکہ خداوند کریم وحی قرآن کے ذریعہ سے جناب رسالت مآبؐ اور ان کے اوصیائے طاہرینؑ کے فضائل کو واضح فرماتا ہے لہذا حاسدین کا حسد ان فضائل کو دیکھ کر اور بڑھتا ہے اس مناسبت سے زیادتی مرض کی نسبت اللہ سے ہوئی ورنہ مسئلہ جبر میں اس امر کو ادلہ عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ انسان افعال اختیاریہ میں مجبور نہیں اور نہ خدا کسی کو مجبور کرتا ہے۔

منافقین کے تمسخر کی تفسیر میں تفسیر برہان میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک طویل روایت منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقین کا سرکردہ گروہ جب کسی مقام پر خالص مومنین مثلاً سلمان وغیرہ سے ملاقات کرتا تھا تو ان کا پہلا دوسرے اور تیسرے اور دیگر ساتھیوں سے کہتا تھا کہ دیکھو میں ان مومنوں سے مسخری کرتا ہوں۔ پہلے سلمان کو خطاب کر کے کہتا آئیے مرحبا سلمان تیرے متعلق ہی تو حضور پاک نے فرمایا ہے کہ اگر دین ثریا سے معلق کر دیا جائے تو ایرانی وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے اور تجھے ہی تو حضور نے فرمایا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ پھر مقداد سے مل کر یوں کہتا - مرحبا مقداد تیرے لئے ہی تو حضورؐ نے علی کو فرمایا تھا کہ یا علی مقداد تیرا دینی بھائی ہے تیرے لئے طوبیٰ ہے پھر ابوذر کو مل کر کہتا۔ مرحبا ابوذر تیرے لئے حضور نے فرمایا تھا کہ زمین کے اوپر اور فلک کے نیچے ابوذر سے زیادہ کوئی صادق اللسان نہیں اسی طرح عمار بن یاسر کو مل کر ان کی تعریف کرتا پھر جب ان سے ہٹ کر علیحدہ ہوتے تو وہ پہلا دوسرے منافق ساتھیوں سے کہتا دیکھو میں نے ان سے مسخری کی ہے یہ سن کر باقی ساتھی اس کو تحسین و آفرین کہتے تھے اور جب یہ گروہ منافقین کی مجلس عام میں بیٹھتا تھا تو وہ لوگ ان کو کہتے تھے کہ تم تو مومنوں سے ایسی ایسی باتیں کرتے ہو تو یہ ان کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم نے ان سے تمسخر کیا تھا۔ درحقیقت ہم تمہارے ساتھی ہیں اب رہا یہ کہ اللہ ان کے ساتھ تمسخر کیسے کرتا ہے؟ تو اس کے متعلق روایات میں ہے کہ جب مومن جنت کی نعمتوں سے ہمکنار ہوں گے اور منافقین جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوں گے تو بحکم خدا ان کے سامنے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مول لی ہے گمراہی بدلے ہدایت کے پس نہ نفع مند ہوئی ان کی تجارت اور نہ وہ ہدایت یافتہ

مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ

ہوئے ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی ہو پس جب آگ نے روشن کر دیا اس کے

ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّ بُكْمٌ

اردگرد کی چیزوں کو تو سلب کر لیا اللہ نے ان کا نور اور ان کو چھوڑ دیا ایسی تاریکیوں میں کہ وہ کچھ نہ دیکھتے ہوں وہ بہرے گونگے

عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ

اور اندھے ہیں پس وہ رجوع نہیں کرتے یا ان کی مثال ایسی ہے جس طرح بارش ہو آسمان سے جس میں تاریکی اور گرج

جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور جب وہ اس طرف آنے کی کوشش کریں گے تو ملائکہ زبانیہ جہنم کے گرزوں کے ساتھ ان کو مار کر پیچھے ہٹا دیں گے اور مومن ان کا برا حشر دیکھ کر ان پر ہنسیں گے۔ چنانچہ خدا خود فرماتا ہے۔ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۔ پ۳۰۔ طول سے بچتے ہوئے روایت کو مختصر کر دیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ منافقین نے چونکہ واضح دلائل اور آیاتِ قرآنیہ کی اتباع کو چھوڑ کر وساوس شیطانیہ اور عقائد باطلہ کو اپنائے رکھا گویا راہِ جنت پر چلنے کی قدرت رکھنے کے باوجود راہِ جہنم کو اختیار کیا اس لئے ان کے اس فعل کو خداوند کریم نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خریدنے سے تعبیر فرمایا اور ساتھ ہی ان کو اس غلط کاری پر متنبہ فرما دیا کہ یہ سودا ان کے لئے فائدہ مند نہ ہوگا۔ اب بھی توبہ کر کے سنبھل جائیں اور اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں تو ان کے لئے بہتر ہے۔

مَثَلُهُمْ الخ خداوند کریم نے منافقین کی روش کو دو مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

پہلی مثال جس طرح تاریکی شب میں راہ گم کردہ انسان تلاشِ راہ کے لئے مشعل جگائے اور ماحول کے روشن ہو جانے کے فوراً بعد قدرتی اسباب سے اس کی مشعل خاموش ہو جائے تو اس کی آنکھوں کے سامنے بالکل اندھیرا ہو جاتا ہے اور اب وہ کسی شے کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح ظلمات کفر سے منافقین نے مشعلِ اسلام کی بدولت اپنے ماحول کو روشن تو پا لیا لیکن چونکہ اس مشعل سے ان کا تعلق محض لسانی اور غیر مضبوط ہے لہذا وہ راہِ ہدایت پر گامزن ہونے سے قاصر رہے جب قدرتی سبب یعنی موت کے ذریعہ سے ان کی یہ روشنی چھن جائے گی تو ایسی ظلمات میں گرفتار بلا ہوں گے کہ اس سے نکلنے کا ان کے لئے کوئی رستہ نہ ہوگا۔

وَّبَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ

اور بجلی ہو کر وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالتے ہوں (صاعقہ) کڑک کی وجہ سے موت کے ڈر سے اور

وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ

اللہ کی قدرت محیط ہے کافروں پر (معلوم ہوتا ہے) کہ عنقریب بجلی اچک لے گی ان کی آنکھوں کو جب روشنی ہو گئی

مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ

ان کے لئے تو اس میں چلنے لگے اور جب تاریکی چھا گئی تو رک گئے اور اگر چاہے تو سلب کرے ان کے کانوں اور

اَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

آنکھوں کو تحقیق اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ الخ معجزاتِ باہرات اور آیاتِ بیّنات کو دیکھ کر صحیح راستہ پر گامزن ہو سکنے کے باوجود چونکہ راہِ حق سے منحرف ہیں لہٰذا بمنزلہ اندھوں کے ہیں۔ علاماتِ حق وصداقت کو دیکھ کر بوجہ عناد و سرکشی کلمۂ حق زبان سے ادا کرنے سے کنارا کش ہیں لہٰذا بمنزلہ گونگوں کے ہیں۔ اور ہادیٔ برحق کی زبانی آیاتِ قرآنیہ کو سن کر عمل پیرا ہونے سے گریز کرتے ہیں لہٰذا بمنزلہ بہروں کے ہیں پس گویا وہ بہرے بھی ہیں اور گونگے اور اندھے بھی ہیں۔ اسی طرح ان کا قیامت میں حشر بھی اسی حالت میں ہوگا چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا پ۱۵۔ ہم ان کو قیامت کے دن منہ کے بل اندھا۔ بہرہ اور گونگا محشور کریں گے۔

اَوْ كَصَيِّبٍ الخ۔ یہ دوسری مثال ہے یعنی جس طرح آسمان سے موسلا دھار بارش برس رہی ہو اور اس میں سخت تاریکی بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک بھی ہو اور راہ چلنے والے کڑک سے گھبرا کر موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں اور بجلی کی چمک اتنی تیز ہو کر ان کی آنکھیں خیرگی کر رہی ہوں۔ ایسا معلوم ہو کہ ابھی بجلی ان کی آنکھوں کو لیا چاہتی ہے جب بجلی کی چمک سے روشنی پیدا ہو تو وہ چلنے لگ جائیں اور جب تاریکی ہو تو ٹھہر جائیں پس اسی طرح قرآن بارانِ رحمت ہے اور اس بارانِ رحمت میں منافقین کی حالت بھی ہے کہ جب عذاب کی خبر سنتے ہیں تو کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں اور جب مومنین کے لئے جنت کی بشارت سنتے ہیں تو آگے بڑھنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں یا جب جہاد کا حکم سنتے ہیں تو گھبرا کر پیچھے ہٹتے ہیں اور جب فتح کی خبر سنتے ہیں تو غنیمت کے لئے ان کے دل للچاتے ہیں اور یہ ڈر بھی ان کو دامن گیر رہتا ہے کہ کہیں ہمارے خبثِ باطن کی خبر پیغمبر کو بذریعہ وحی نہ ہو جائے ورنہ کفار کی طرح ہمارے اوپر بھی عذابِ ظاہری کی بجلی گر کر ہمیں تباہ و برباد کر دے گی۔ اس کے بعد پھر تنبیہ فرما دی کہ اگر خدا چاہے تو

ع۳ ۲۰ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

اے انسانو! عبادت کرو اپنے اُس رب کی جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ۲۱ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

بچ جاؤ وہ (اللہ) جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو آرام گاہ اور آسمان کو چھت اور نازل کیا آسمان سے

مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۲۲

پانی پس نکالا بذریعہ اس کے پھلوں سے تمہارا رزق پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے لئے شریک حالانکہ تم جانتے ہو

ان کی سرکشی اور بدباطنی کی پاداش میں ان سے آنکھوں اور کانوں کی قوت کو سلب کر سکتا ہے اور ان کو اس دنیاوی عذاب میں بھی گرفتار کر سکتا ہے کیونکہ اس کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے لیکن وہ اپنی کمال مہربانی سے ایسا نہیں کرتا، بلکہ مزید سوچنے کے لئے مہلت دیتا ہے تاکہ بروزِ محشر ان کو عذر پیش کرنے کی جرأت نہ ہو۔ تفسیر برہان میں آئمہ اہل بیتؑ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات ان لوگوں پر صادق ہیں جنہوں نے زبان سے حضرت علیؑ کی ولایت کا جناب رسالت مآبؐ کے سامنے اقرار کیا اور دل سے اس کے مخالف رہے۔ ابن مسعود سے مروی ہے کہ دو منافق جناب رسالت مآبؐ سے خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے اور رستہ میں بارش اور رعد و برق کا سامنا ہوا اور آخر کار حضورؐ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہو کر تائب ہوئے اور سچے دل سے مسلمان ہو گئے پس خدا نے مدینہ کے منافقین کو ان کے حال سے تشبیہ دی ہے۔

تمام انسانوں کو عبادت کی دعوتِ عامہ

یٰاَیُّهَا النَّاسُ الخ۔ انسانوں کی تینوں قسموں یعنی مومن کافر اور منافق کے خصوصی امتیازات اور نشانیاں بیان فرمانے کے بعد تمام انسانوں کو عام خطاب یٰاَیُّهَا النَّاسُ سے متوجہ فرما کر خدا نے عبادت کی دعوتِ عامہ دی ہے اور اس دعوتِ عامہ سے عقیدہ جبر کی ضمنی طور پر نفی بھی کر دی کیونکہ اگر انسان اپنے افعال میں مجبور ہوتا تو خدائے علیم و حکیم سب کو یکساں طور پر دعوت نہ دیتا۔

حاکم کی اطاعت تین طریقوں سے کی جاتی ہے۔

۱۔ کسی کے زیر بار احسان ہو کر انسان فطرتاً اس کی فرمانبرداری پر آمادہ ہوتا ہے۔

۲۔ نافرمانی کی سزا سے خوف زدہ ہو کر اطاعت پر کمربستہ ہوتا ہے۔

۳۔ فرمانبرداری کے بعد انعامات و کرامات کو ملحوظ رکھ کر اطاعت گذار ہوتا ہے۔ اور حاکم بھی بوقت حکم یا اپنے احسانات کی بناء پر حکم کی جرأت کرتا ہے یا نافرمانی پر سزا کی دھمکی دیتا ہے اور یا اطاعت پر انعام کا طمع دیتا ہے۔ یہ ہیں حکم اور اطاعت کے اصول۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا

اور اگر تم شک میں ہو اس چیز (کتاب) سے جو نازل کی ہم نے اُوپر اپنے بندے کے پس لاؤ کوئی سورت اس جیسی یا اس جیسے (انسان

شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا

سے اور اپنے مددگاروں کو بھی دعوت دو جو اللہ کے سوا تم نے تجویز کئے ہوئے ہیں اگر تم سچے ہو پس اگر تم ایسا نہ کرو اور ہرگز کر بھی نہ سکو گے تو پس ڈرو

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے

خدا محسن بھی ہے اور جزا و سزا پر قادر بھی ہے۔ اور یہ تینوں چیزیں مستقل طور پر اپنے اپنے مقام پر اس کی اطاعت کی داعی ہیں۔ اور سب عبادتوں سے بلند ترین عبادت وہ ہے جو اس کے احسانات کے پیش نظر اس کو مستحق عبادت قرار دے کر خشوع و خضوع سے کی جائے چنانچہ مولائے کائنات حلّال مشکلات حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کی مناجات کے الفاظ ہیں۔ اے میرے اللہ! میں تیری عبادت نہ جہنم کے خوف سے کرتا ہوں اور نہ جنت کے لالچ سے کرتا ہوں بلکہ تجھے عبادت کا اہل سمجھ کر تیری عبادت کرتا ہوں نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں۔ اے میرے اللہ۔ میری عزت کے لئے یہی کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں اور میرے فخر کے لئے یہی کافی ہے کہ تو میرا رب ہے۔

پس عبادت کے تین مرتبے ہیں۔ عبادتِ عرفان۔ عبادتِ خوف اور عبادتِ طمع۔ عبادتِ عرفان کا مرتبہ سب سے بلند ہے اس کے بعد عبادتِ خوف ہے اور آخری درجہ عبادتِ طمع کا ہے۔ اس مقام پر پہلے پہل خداوندِ کریم نے دعوتِ عبادت دیتے ہوئے منزلِ معرفت کو مقدم فرمایا اور اپنے احسانات کی نشاندہی فرمائی اور اپنے استحقاق عبادت کو دلیل و برہان سے پیش کیا ہے تاکہ انسان بصیرتِ تامہ سے اس کی معرفت حاصل کر کے اس کی عبادت کی طرف قدم بڑھائے۔

یہاں خداوندِ کریم نے اپنی دو صفتوں کو ذکر فرمایا ہے (۱) ربوبیّت (۲) خالقیت۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں حس کے زیادہ قریب ہیں اور ان میں غور کرنے سے اس کے علم۔ قدرت۔ حکمت۔ حیاتِ قدم ارادہ وصدق وغیرہ جملہ صفات ثبوتیہ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اور صفاتِ سلبیہ کی نفی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی توحید و عدل کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔

انسان اپنی خلقت پر غور کرے کہ کس طرح پانی کے ایک نجس قطرہ سے تدریجی طور پر خونِ بستہ پھر لوتھڑا اور پھر ایک مدّت معیّنہ کے اندر اُسے شکل انسانی میں پیدا کیا اور صرف اس کو نہیں بلکہ ابتداءِ خلقت سے لے کر اس وقت تک کے تمام انسانوں پر اس کا یہی فیض ہے اور آئندہ تا قیامت رہے گا۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور خوش خبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل نیک کئے کہ تحقیق ان کے لئے بہشتی باغات ہیں کہ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ

جب بھی رزق دیے گئے وہ بہشتی ان باغات میں سے پھلوں کا تو کہیں گے یہ وہی ہے جو رزق دیے گئے ہم اس سے پہلے اور دیے جائیں گے وہ

مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۲۵

پھل آپس میں ملتے جلتے اور ان کے لئے باغات میں پاک بیویاں ہوں گی اور وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

ربوبیت کی وضاحت کے لئے خلقتِ زمین و آسمان اور نزولِ باران کا ذکر فرمایا۔ تفسیر برہان میں امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے اسی آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ زمین کو اس نے تمہاری طبیعت کے مناسب اور تمہارے جسموں کے موافق خلق فرمایا۔ نہ سخت گرم تاکہ تمہیں جلا دے اور نہ سخت سرد کہ تمہیں جما دے نہ تیز خوشبودار کہ تمہارے سر درد کریں اور نہ اتنی بدبُودار کہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہو۔ نہ بہت نرم کہ تمہیں غرق کر دے اور نہ بہت سخت کہ تم گھر اور مکان اور مردوں کی قبریں بنانے سے عاجز آ جاؤ بلکہ اس نے اس کو ایسی متانت بخشی ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ رہ سکتے ہو۔ تمہارے بدن آسودگی سے اس پر گذارا کر سکتے ہیں۔ نیز تمہارے مکانات گھر قبریں آسانی سے بن سکتے ہیں اور علاوہ ازیں ہر قسم کے منافع تم حاصل کر سکتے ہو۔ پس زمین کے فرش بنانے کا یہی مطلب ہے پھر فرمایا کہ خدا نے آسمان کو تمہارے اُوپر محفوظ چھت بنایا ہے۔ اس میں شمس و قمر و ستارے تمہارے فوائد کے لئے خلق فرمائے پھر جہت بلندی سے باران کا سلسلہ جاری کیا تاکہ پہاڑوں ٹیلوں اور بلندیوں پستیوں پر یکساں سیرابی کا فائدہ دے اور سیرابی زمین کے لئے ایک ایک قطرہ کر کے نازل فرمایا۔ اگر سب پانی ایک بار برسا دیتا تو تمہاری زمین درخت کھیتیاں اور پھل سب برباد ہو جاتے ہیں۔ پس اس حسن نظام سے زمین میں تمہارے رزق کا اہتمام کیا لہٰذا اس کے برابر اُن بتوں کو قرار نہ دو جو نہ عقل رکھتے ہیں نہ سُن دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں حالانکہ تم خود جانتے ہو کہ تمہارے یہ بُت کچھ نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد مخالفین و منکرین کی حجت کو توڑنے کے لئے ارشاد فرمایا وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ۔ الآیتہ۔ یہ خطاب مشرکین اور اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ سب کی طرف ہے یعنی معرفتِ خدا کی براہین سمجھ لینے کے بعد اور اس کی خالقیت اور ربوبیت سے اس کو مستحق عبادت ماننے کے بعد اگر تمہیں جناب محمد مصطفےٰ کے بیان کردہ احکامِ شریعت اور آیاتِ قرآنیہ میں کوئی شک و شبہ ہو تو وہ اس طرح دُور کیا جا سکتا ہے کہ تم بھی اہلِ لسان ہو اور تم میں فصحاء و بلغا موجود ہیں۔ پس اس کلام پاک جیسا ایک ٹکڑا تم بھی بنا لاؤ اور اگر ایسا کرنے سے تمہاری مجموعی طاقت بھی قاصر ہو اور یقیناً ہے تو پھر غضبِ خدا اور اس کے عذاب سے ڈرو اور یقین پیدا کرو کہ یہ بندے کا کلام نہیں ورنہ تم

اس کے مقابلہ سے عاجز نہ ہوتے بلکہ یہ خالق کا کلام ہے اور اسی کی اتباع نجاتِ اُخروی اور فلاحِ دنیوی کا پیش خیمہ ہے۔ یہ معنی اِس صورت میں ہوگا جب مِثْلِہٖ کی ضمیر کا مرجع مَا کو قرار دیا جائے اور اگر ضمیر کا مرجع عَبْدِنَا ہو تو پھر معنی یہ ہوگا۔ اے گروہِ عرب جو فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتے ہو اگر تمہیں اس کلامِ پاک کی صداقت اور من جانب اللہ ہونے میں شک ہے تو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ جیسے شخص کی طرف سے ایسے کلام کا ایک ٹکڑا پیش کرو یعنی ایسا شخص جو ظاہر میں نہ کسی سے پڑھا ہو نہ لکھنا سیکھا ہو نہ کتابوں کا مطالعہ کیا ہو اور نہ کسی عالم کی صحبت میں رہا ہو۔ اور چالیس سال تک سفر و حضر میں تمہارا دیکھا بھالا ہو۔ اور باوجود ان سب باتوں کے ایسا کلام پیش کرے جو علومِ اوّلین و آخرین کا جامع ہو تو سمجھ لو کہ یہ اس کا اپنا بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ اور اگر پھر بھی اس کے کلام اللہ ہونے میں تم کو شک ہو تو تم میں سے اسی جیسا انسان جو ظاہری طور پر ان پڑھ ہو اس جیسے کلام کا ایک ٹکڑا تو بنا لائے اور تنہا نہیں بلکہ اپنے تمام معاونین سے مدد لے کر ایسا کر دکھائے اور اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا تو یقین کر لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے ورنہ اگر مخلوق کا کلام ہوتا تو تمام فصحاء و بلغا اس کے مقابلہ سے عاجز نہ آتے اور اگر یہ خطاب یہود و نصاریٰ کی طرف ہے تو معنی یہ ہوگا کہ اے یہود و نصاریٰ اگر تمہیں اس کتاب کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شبہ ہے تو اپنی کتب یعنی تورات و انجیل و زبور یا دیگر صحفِ سماویہ سے اس کلام جیسا ایک ٹکڑا پیش کرو اور جب تم ایسا نہیں کر سکتے تو مان لو کہ یہ تمام کلاموں سے افضل ہے اور تمام گذشتہ کتب کا ناسخ ہے پس اس کتاب کے لانے والے نبی کی شریعت گذشتہ شریعتوں کی ناسخ ہے لہٰذا اس کو واجب الاتباع سمجھو اور ضد کر کے اُس آگ کا ایندھن نہ بنو جو کفار کے لئے تیار کی گئی ہے پس خداوند علیم و حکیم نے معرفت کا درس دینے کے بعد اتمامِ حجت کے لئے ان کے شکوک و شبہات کا جواب بیان فرمایا اور اپنے ضد پر اڑ جانے والوں کو سخت سزا سے خوف زدہ بھی کیا تاکہ کسی صورت میں وہ راہِ حق کو اختیار کر لیں اور یہ اللہ کی کمالِ مہربانی کا مظاہرہ ہے ورنہ کسی کے نیک یا بد ہونے سے اس کی عظمت میں نہ کمی آسکتی ہے نہ اضافہ ہو سکتا ہے بلکہ ساری کائنات عبادت کرنے والوں سے پُر ہو جائے تب بھی وہ خدا ہے اور ساری دنیا نافرمانیوں پر ڈٹ جائے تب بھی وہ خدا ہے۔

بَشِّرِ الَّذِيْنَ الخ۔ منصف مزاج طبائع جو دلائلِ حق اور براہینِ صدق سے آشنا ہو کر راہِ مستقیم پر گامزن ہوتے ہیں اور اُن کا دامن ایمان و عمل صالح سے پُر ہوتا ہے۔ اُن کے لئے یہ خوشخبری ہے۔ اے میرے حبیب! اُن لوگوں کو جنہوں نے ایمان کے ساتھ عملِ صالح کو اختیار کیا۔ بہشت کی خوشخبری سناؤ جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان کا رزق میوہ ہائے بہشت سے ہوگا جب وہ بہشت کا پھل کھائیں گے تو چونکہ شکل و شباہت میں ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہوگا۔ دیکھ کر کہیں گے کہ اس کو تو ہم کھا چکے ہیں لیکن ذائقہ و مزہ میں سب مختلف ہوں گے کھانے کے بعد معلوم ہوگا کہ وہ اَور تھا اور یہ اَور ہے یا یہ کہ اُخروی پھل دنیا کے پھلوں سے رنگ میں مشابہت رکھتے ہوں گے لہٰذا بہشتی لوگ دیکھتے ہی کہیں گے کہ ہم دنیا میں ایسے پھل کھا چکے ہیں لیکن جب چکھیں گے تو معلوم ہوگا یہ وہ نہیں جو دنیا میں ہم کھا چکے ہیں بلکہ اسکو تو اس سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ چہ نسبت خاک را بعالم پاک

معرفت اور تمام حجت کے بعد خوفِ سزا اور وعدۂ انعام واکرام اطاعت کے لئے آخری محرک ہیں اور قبولِ نصیحت کے لئے انتہائی موثر ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنی ضد پر ڈٹا رہے اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑا رہے تو اس کا علاج ہی کیا ہے؟

انسان کو آرام و آسائش کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ مقام رہائش، اسباب خورد و نوش اور بیوی، اور یہ تینوں چیزیں اگر مرغوبِ خاطر اور موافق مزاج حاصل ہوجائیں تو زندگی کا کوئی پہلو تلخ نہیں ہوتا۔ مکان اچھا، غذا اچھی اور بیوی اچھی۔ خداوندکریم نے نعماتِ جنّت میں سے ان کا اس مقام پر خصوصیت سے ذکر فرمایا کہ اہل بہشت کے مکانات باغاتِ جنّت میں ہوں گے جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ ان کی خوراک میوہ ہائے جنّت ہوگی۔ اور ان کی بیویاں پاک و پاکیزہ ہوں گی۔ نہ شکل کثیف۔ نہ لباس کثیف نہ عادات و خصلات میں کثافت۔ گویا روحانی وجسمانی، یا ظاہری و باطنی جملہ کثافتوں اور عیبوں سے پاک وصاف ہوں گی۔ انسان کی لذّات کا زیادہ تر دارومدار انہی چیزوں پر ہے جو مومنین کے لئے خدا نے جنّت میں مخصوص فرمائی ہیں لیکن دنیا و آخرت کی نعمات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دنیا میں اگر کوئی شخص اس قسم کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو بھی تاہم لذاتِ دنیا چونکہ فانی ہیں اور قریب الزوال ہیں لہٰذا ہر شخص آخرکار بغیر سیر ہوئے ان نعمات سے دست برداری پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور بیماری یا موت اس سے یہ نعمات سلب کر لیتی ہے۔ لہٰذا خداوندکریم نے جنّت میں مومنین کے لئے جو جو نعمات مخصوص فرمائی ہیں ان سے اس خطرہ کو دُور فرما دیا ہے کہ وہ نعمات کسی وقت چھینی نہ جائیں گی۔ نہ موت آئے گی نہ بیماری کا خطرہ ہوگا بلکہ جنّت والے ہمیشہ ہمیشہ ان نعمات سے محظوظ ہوتے رہیں گے۔

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے ایک طویل روایت کے ضمن میں منقول ہے۔ اے گروہِ شیعہ اللہ سے ڈرو۔ اور آتش جہنّم کا ایندھن نہ بنو اللہ کا کفر نہ کرو۔ اپنے مومن بھائیوں پر ظلم کرنے سے بچو تاکہ جہنّم سے بچ جاؤ ورنہ جو مومن اپنے مومن بھائی پر ظلم کرے گا وہ آتش جہنم میں گراں بار زنجیروں میں جکڑ کر ڈالا جائے۔ اور اس کا چھٹکارا ہماری شفاعت کے بغیر نہ ہوگا لیکن ہم بھی شفاعت نہ کریں گے جب تک وہ مظلوم مومن اس کو معافی نہ دے گا حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جنّت کا بلند ترین درجہ ان مومنوں کے لئے ہے جو دوسرے مومنین سے ہمدردی کریں اور فقراء مومنین کی خبر گیری کریں ۔ ایک مومن کی دوسرے مومن فقیر سے محبّت و پیار کی پاکیزہ گفتگو جنت کو ایک لاکھ برس کی راہ سے زیادہ قریب کر دیتی ہے۔ پس مومن بھائی پر احسان کرنا معمولی نہ سمجھو۔ ورنہ اس وقت پچھتاؤ گے جب اس کا فائدہ نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

تحقیق اللہ نہیں شرماتا اس سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی ہو یا اس سے کسی بڑی چیز کی ہو وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں

فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ

پس جانتے ہیں کہ تحقیق وہ حق ہے ان کے رب کی جانب سے اور بہرحال وہ لوگ جو کافر ہیں پس کہتے ہیں کہ یہ کیا ارادہ کیا ہے اللہ

اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ

نے ساتھ اس مثال کے گمراہ کرتا ہے ساتھ اس کے بہت سوں کو اور ہدایت فرماتا ہے ساتھ اس کے بہت سوں کو حالانکہ نہیں گمراہ کرتا ساتھ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖ ۔ الایۃ ۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب قرآن مجید میں خداوندکریم نے مکھی اور مکڑی کی مثالیں بیان فرمائیں تو مشرکین نے اس پر نکتہ چینی کی کہ خدا کی شان سے ایسی حقیر چیزوں کی مثالیں پیش کرنا بعید ہے تو یہ آیت اتری کہ بیان حق کے لئے خدا چھوٹی یا بڑی چیز کی مثال پیش کرنے سے نہیں شرماتا ۔ خواہ وہ مچھر کی مثال ہو یا اس سے بڑی چیز مثلاً مکھی کی مثال ہو بعض نے کہا ہے کہ وما فوقہا سے مراد وہ چیز جو چھوٹائی میں اس مچھر سے بھی زیادہ ہو یعنی خواہ مچھر کی مثال ہو یا حجم میں اس سے بھی چھوٹی چیز کی مثال ہو ۔ یہ اعتراضات کفار کے عناد اور حد درجہ کی جہالت پر مبنی ہیں کیونکہ مخلوق بڑی سے بڑی ہو یا چھوٹی ہو مخلوقِ خدا ہونے میں تو سب یکساں ہیں اور بعض اوقات چھوٹی چیزوں میں وہ خوبیاں پنہاں ہوتی ہیں جن سے بڑے حجم والی مخلوق محروم ہوا کرتی ہے ۔

علامہ طبرسی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس مقام پر مچھر کے ذکر کرنے سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ مچھر باوجود اتنے چھوٹے جسم رکھنے کے خداوندکریم نے اس میں تمام وہ اعضاء پیدا کئے ہیں جو ہاتھی کے بڑے جسم میں موجود ہیں پس خدا نے اپنے حسن صنعت پر غور وفکر کے لئے کفار کے سامنے یہ مثال پیش فرمائی ہے ۔

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا ۔ الایۃ ۔ مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآنی آیات کو سن کر اعتراضات اور نکتہ چینیاں شروع کر دیں اور ازراہِ عناد انکار پر آمادہ ہوئے تو وہ گمراہ ہو گئے ۔ چونکہ سبب ان کی گمراہی کا تکذیبِ آیاتِ قرآنیہ ہی تھا ۔ اور نزولِ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اس بنا پر گمراہی اللہ کی طرف منسوب ہوئی اور جن لوگوں نے ان مثالوں کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا اور آیاتِ قرآنیہ کے احکام کو تسلیم کرکے سر جھکا لیا وہ راہِ ہدایت پر موفق ہوئے پس ان کی ہدایت اللہ کی طرف سے ہوئی ۔ خیر و شر کو اللہ کی طرف منسوب کرنے والے یعنی جبر کے معتقد ۔ اس قسم کی آیاتِ قرآنیہ کو اپنے عقیدہ کی دلیل قرار دیتے ہیں اور ہم نے تفصیل کے ساتھ اس عقیدہ کی پوری طرح تردید رکوع نمبرا کے ذیل میں کی ہے لہٰذا اس مقام پر دہرانے کی ضرورت نہیں ہاں البتہ اتنا عرض کر

إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ

کے مگر فاسقوں کو جو توڑتے ہیں اللہ کا عہد بعد پکا کر لینے کے اور قطع کرتے ہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾

اس چیز کو کہ اللہ نے حکم فرمایا ہے اس کے ملانے کا اور فساد کرتے ہیں زمین میں وہی ہیں خسارہ پانے والے

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

اور کس طرح کفر کرتے ہو ساتھ اللہ کے حالانکہ تم مردہ تھے پس اس نے تم کو زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر جلائے گا

ضروری ہے کہ آیت کا سیاق و سباق خود اس عقیدہ کی تردید کر رہا ہے۔ چنانچہ پہلے ارشاد ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ ان مثالوں کو حق سمجھتے ہیں یعنی اپنے اختیار سے ایمان لا کر ان کو حق سمجھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ جن کو ایمان پر مجبور کیا گیا وہ حق سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اور جو لوگ کافر ہیں یعنی سمجھنے سوچنے کے بعد ازراہِ عناد و انکارِ حق پر کمربستہ ہیں وہ قرآنی امثال پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ جن کو کفر پر مجبور کیا گیا وہ نکتہ چینیوں پر مجبور ہیں ورنہ اگر ایمان والوں کو ایمان پر مجبور کر کے ان سے حق تسلیم کرایا جاتا تو وہ ہرگز قابلِ مدح نہ ہوتے اور اسی طرح کافروں کو اگر کفر پر مجبور کر کے ان سے انکار کرایا جاتا تو وہ قابلِ مذمت نہ ہوتے پس معلوم ہوا کہ اُن کا ایمان فعل اختیاری تھا جس کا نتیجہ آیاتِ قرآنیہ کا تسلیم کرنا تھا پس وہ قابلِ مدح ہیں اور ان کا کفر فعلِ اختیاری تھا جس کا نتیجہ آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب تھی لہذا وہ قابلِ مذمت ٹھہرے اور قوّتِ اختیار چونکہ ہر انسان کو اللہ کی عطا کردہ ہے لہذا نسبت اللہ کی طرف دی گئی۔ یہ ایسا ہے جس طرح ایک لوہار کسی کو تلوار بنا دے تاکہ دشمنِ اسلام سے جہاد کرے اور وہ بدبخت اسی تلوار سے کسی مومن کو قتل کر دے اب ظاہری طور پر تو کہا جائے گا کہ اس مومن کے قتل کا باعث وہ لوہار ہے جس نے اس کو تلوار بنا کر دی لیکن حقیقت شناس لوگ لوہار کی طرف اس نسبت سے کبھی دھوکا نہ کھائیں گے بلکہ وہ سمجھیں گے کہ یہ شرارت قاتل کے سُوءِ اختیار کا نتیجہ ہے اور اس معاملہ میں صرف وہی مجرم ہے۔ اسی طرح اللہ نے انسان کو قوتِ اختیاریہ و ارادیہ عطا فرما کر حق و باطل سے روشناس کرا دیا۔ اب انسان چاہے تو اپنی طاقت کو اُمورِ خیر میں صرف کرے اور چاہے تو اُمورِ شر میں استعمال کرے اس نے تو صاف طور پر فرما دیا (لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ) اب اپنے اختیار سے اگر انسان بُرائی کا اقدام کریں تو چونکہ اس کی طاقتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ لہذا اللہ کی طرف اس کے فعل کو منسوب کیا جاتا ہے اور حقیقت شناس خود سمجھ سکتے ہیں کہ یہ نسبت مجازی ہے۔ درحقیقت اس بُرائی کا ذمہ دار وہ شخص ہے جس نے اپنے سُوءِ اختیار سے افعالِ بد کا ارتکاب کیا اور آیتِ مجیدہ کے آخری لفظ بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ گمراہ صرف وہی ہوتے ہیں جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور جس کو ملانے کا حکم ہے اس کو قطع کرتے ہیں۔ اور زمین میں فساد بپا کرتے ہیں اگر گمراہ اللہ نے

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾	هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا	ثُمَّ اسْتَوٰى
پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے	وہ وہی خدا ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے تمام ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں	پھر متوجہ ہوا
اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ	وَّهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾	
طرف آسمان کے پس ٹھیک بنایا ان کو سات آسمان	اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے	

کیا ہوتا توعہد شکنی قطع رحمی اور فساد کاری کی نسبت بھی اللہ کی طرف ہوتی ۔ پس معلوم ہوا کہ یہ سب افعال ان کے اختیاری ہیں اور اسی لئے تو آخر میں فرمایا کہ وہ خسارہ پانے والے ہیں ۔ اگر گمراہی اللہ کا فعل ہوتی توان کے خسارہ کی ذمہ داری بھی اللہ پر ہوتی ۔

اس کے بعد پھر ان کو عار اور شرم دلانے کے لئے اپنے احسانات کا تذکرہ فرماتا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ یعنی اے انسانو! تم کس ضمیر سے اس اللہ کا کفرانِ نعمت کرتے ہو جس نے تمہیں موت کے بعد حیات دی یعنی کہ تم عدم سے نکال کر صفحۂ ہستی پر زندگی بخشی اور پھر یہ بھی نہیں کہ تم ہمیشہ اس زندگی میں رہو اور تمہیں اس کے بعد باز پرس کرنے والا کوئی نہ ہو بلکہ اس کے بعد وہی خدا تمہیں موت سے ہم آغوش کرے گا اور تمہاری ظاہری کر و فر کو مٹی میں ملا دے گا اور اس کے بعد پھر تمہیں سوال و جواب کے لئے زندہ کرے گا اور پھر اس کی طرف تمہاری بازگشت ہو گی ۔ اب ہر عقلمند انسان ان آیات میں غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اگر ایمان وکفر انسان کے اختیار میں نہ ہوتے تو ان چیزوں کے ذکر کرنے کا اور عبرت دلانے کا کیا فائدہ ؟

هُوَ الَّذِيْ پھر اپنے احسانِ خلقت کو جتلا کر دعوتِ فکر دی ہے اور کفرانِ نعمت سے باز رہنے کی تحریک فرمائی ہے کہ کیا اپنے اس خالق کا کفر کرتے ہو جس نے تمہیں خلعتِ وجود سے سرفراز فرما کر زمین کی تمام چیزوں کو تمہاری نفع رسانی کے لئے پیدا کر دیا تاکہ تم اس میں رہو اور کھاؤ اور پیو لیکن کیا اس محسن کے احسان کا بدلہ یہی ہے کہ تم سب ان باتوں کو بھول کر شیطان کی پیروی کرو ؟ ایسا ہرگز نہیں بلکہ تم پھر سوچو اور بار بار غور و فکر کرو تمہاری عقلیں قطعاً تمہیں اس کے کفر و انکار کی اجازت نہ دیں گی ۔ اور اس احسان کے ذکر فرمانے کے بعد اپنی عظمت و قدرت پر متنبہ فرمادیا کہ صرف تمہیں اور ان زمین کی مخلوق کو ہی نہیں بلکہ اس کی قدرت و عظمت کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ اس نے آسمانوں کی خلقت کا ارادہ فرما کر بغیر ستونوں کے سات آسمان پیدا کر دیئے اور ان کو ستاروں کی روشن قندیلوں سے مزین فرما دیا اور شمس و قمر سے عالم کو منور کر دیا اور جس طرح وہ ان چیزوں کی خلقت پر قادر ہے وہ ان تمام اشیاء کے تمام کلّی و جزوی اُمور کو جانتا ہے ۔

جو لوگ خدا کو فاعل مجبور جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے بلا اختیار یہ سب کچھ بنایا ہے یعنی جس طرح سورج سے بلا اختیار روشنی پھوٹتی ہے اسی طرح خالق کائنات کا یہ فیض اس کی ذات سے خود بخود صادر ہے ۔ پس خداوند کریم نے نعمت خلقت کے ذکر

کرنے کے بعد فوراً اس عقیدہ باطلہ کی تردید فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ یعنی وہ اللہ جس نے یہ سب کچھ خلق فرمایا ہے۔ وہ اس ... کچھ کو جاننے والا ہے۔ کیونکہ علم ہو تو ارادہ ہوتا ہے اور ارادہ کے بعد شئے کا وجود ہوتا ہے یعنی فعل ارادہ کے بعد اور ارادہ علم کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے افعال کو جو ارادہ و علم کے بعد معرض وجود میں آئیں افعالِ اختیاریہ کہا جاتا ہے بخلاف اس کے افعالِ اضطراریہ ہیں نہ پہلے ارادہ ہوتا ہے اور نہ علم۔ پس خدا نے اپنے علیم ہونے کا ذکر فرما کر تنبیہ فرمادی ہے کہ میرے تمام احسانات اختیاری ہیں۔ لہذا مخلوق پر ان کا شکر واجب ہے اور اس کی اطاعت ضروری ہے۔

سوال۔ اس مقام پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند علیم و حکیم نے زمین کو پہلے خلق فرمادیا ہے اور آسمانوں کو اس کے بعد خلق کیا۔ لیکن ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰھَا رَفَعَ سَمْکَھَا فَسَوّٰھَا وَاَغْطَشَ لَیْلَھَا وَاَخْرَجَ ضُحٰھَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَا۔ پ ۳۰۔ نازعات۔ (ترجمہ) کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان جس کو اس نے بنایا۔ اس کی چھت کو بلند اور درست کیا اور اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کو ظاہر فرمایا اور زمین کو اس کے بعد بچھایا۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی تخلیق زمین سے پہلے ہے۔

جواب۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہے جس طرح اس جگہ ارشاد ہے لیکن زمین کا بچھانا اور پھیلانا خلقت آسمان کے بعد ہے جس طرح اس جگہ موجود ہے لہذا دونوں مقامات پر کوئی تنافی وغیرہ نہیں ہے لیکن یہاں پھر سوال کی گنجائش ہے کہ اس مقام پر یہ فرماتا ہے کہ زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے خلق کیا اور پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور ساتوں آسمان بنائے۔ پس جب زمین کی تمام اشیاء خلقتِ آسمان سے پہلے ہیں تو ظاہر ہے کہ زمین بچھائی بھی پہلے گئی کیونکہ چیزوں کی پیدائش زمین کے بچھائے جانے سے پہلے نادرست ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زمین کی سب پیداوار آسمانوں کی خلقت سے پہلے کہاں ہے؟ بلکہ زمین میں پیدا ہونے والی چیزیں خواہ انسان ہوں یا دیگر مخلوق علی الترتیب معرض وجود میں آتے ہیں اور قیامت تک خلقت کا یہ سلسلہ برقرار رہے گا لہذا خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زمین کی سب پیداوار بیک وقت خلقت آسمان سے پہلے ہوئی بلکہ تدریجی پیدائش مقصود ہے کیونکہ رات دن اور زمانہ رفتارِ فلک سے بنتا ہے اور اوقات کی تعیین شمس و قمر کے دَور سے ہوتی ہے اور زمین کی اکثر پیداوار اور اُن کی نشوونما گردشِ فلک اور اجرامِ سماویہ شمس و قمر و نجوم کی ضیاء پاشی کی مرہون ہیں لہذا ممکن نہیں کہ زمین کی پیداوار سب کی سب خلقتِ افلاک سے پہلے ہو۔ پس آیت میں صرف خلقتِ زمین کا خلقتِ آسمان سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر آسمان کی خلقت کا زمین کے بچھانے سے مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے اور کوئی منافات نہیں ہے۔

جواب (۲) ثُمَّ کی لفظ ہر دو مقاموں پر بعدیتِ زمانی کے معنے میں نہیں بلکہ ہر دو مقام پر ذاتِ احدیت نے اپنی قدرت و حکمت اور احسان و انعام میں انسان کو دعوتِ فکر دی ہے۔ اس مقام پر انسان کو اپنی پیدائش و موت و زندگی اور خلقتِ زمین اور اس کی

ع وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوٓا أَتَجْعَلُ فِيهَا

اور جب کہا تیرے رب نے ملائکہ کو تحقیق میں پیدا کرتا ہوں زمین میں خلیفہ تو انہوں نے کہا کیا پیدا کرتا ہے تو

مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّيٓ

اس میں ایسے شخص کو جو فساد کرے گا اس میں اور خونریزی کریگا حالانکہ ہم تیری تسبیح حمد کی کرتے ہیں اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا

أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

تحقیق میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور تعلیم کئے آدم کو نام سب، پھر پیش کیا ان کو (جن کے نام آدم کو بتلائے تھے) فرشتوں

فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ

پر پس فرمایا مجھے بتاؤ نام ان کے اگر تم سچے ہو تو انہوں نے عرض کی تو پاک ہے ہمیں کوئی

لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَآ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ أَنْبِئْهُمْ

علم نہیں مگر اس قدر جو تو نے تعلیم فرمایا تحقیق تو جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے فرمایا اے آدم تو بتا ان کو

جملہ نعمات میں غور کرنے کی دعوت دے کر اپنی عبادت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور کفرانِ نعمت سے منع فرمایا ہے اور اس کے بعد خلقتِ آسمان میں غور کرنے کی دعوت دی ہے تاکہ انسان علوی وسفلی ہر قسم کی مخلوق میں فکر کرکے معرفتِ خدا حاصل کرسکے اور دوسرے مقام پر اپنے مظاہرِ قدرت پر روشنی ڈالتے ہوئے خلقتِ آسمان اور شب و روز کی پیدائش کی طرف متوجہ کرکے زمین اور اس میں جملہ نعمات میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ یہاں خلقتِ ارض وسمار کے مقدم یا موخر ہونے کا ذکر نہیں بلکہ دعوتِ فکر میں مناسبتِ مقام کے اعتبار سے تقدیم وتاخیر ہے لہذا کوئی منافات نہیں۔ از مجمع البیان۔

ذکرِ خلقتِ آدمؑ

وَإِذْ قَالَ چونکہ اس سے پہلے انسان کی خلقت کا ذکر ہوا لہذا سوال ہو سکتا تھا کہ کب؟ تو یہاں اس کی وضاحت کا بیان ہوا کہ جب اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کو کہا تھا کہ میں زمین میں خلیفہ بناتا ہوں۔ بعض کہتے ہیں کہ تمام ملائکہ کو خطاب کیا تھا اور ابن عباس سے منقول ہے کہ صرف زمین کے ملائکہ کو خطاب ہوا تھا جو قوم جنات کے بعد زمین پر ساکن کئے گئے تھے۔ اور تفسیر برہان میں امام زین العابدین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ وہ عرش کے گرد رہنے والے ملائکہ تھے کیونکہ ان کے دلوں میں یہ خیال گزرا تھا کہ ہم اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہیں ہم سے افضل مخلوق اور کوئی نہ ہوگی پس انہی سے آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا مطالبہ ہوا اور ملائکہ کے جمع کے صیغے پر الف ولام کا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ تمام ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا ہے۔

بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ

نام ان کے پس جب اس (آدم) نے ان کو ان کے نام بتائے فرمایا کہ میں نے نہیں کہا تھا تم کو کہ تحقیق میں آسمانوں اور زمینوں

غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

کے غیبوں کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو

ابن عباس سے منقول ہے کہ ان کو بتا دیا گیا تھا کہ اولادِ آدم میں سے ایسے لوگ ہوں گے جو فساد اور خونریزی کریں گے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے زمین پر جنّوں نے چونکہ فسادات و خونریزیاں کی تھیں اسی بناء پر ملائکہ نے اندازہ کر لیا کہ یہ بھی ایسا کریں گے۔ چنانچہ بعض روایات ائمہ سے بھی اسی قول کی تائید موجود ہے۔ عیاشی سے تفسیر برہان میں منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ فرشتوں نے اس سے پہلے فساد و خونریزیاں کرنے والوں کو نہ دیکھا ہوتا تو ان کو یہ کیسے معلوم تھا کہ یہ بھی فساد و خونریزی کریں گے؟ فرشتوں کو خدا کی تعلیم سے یا سابق تجربہ سے جب یہ بات معلوم تھی کہ اولادِ آدمؑ زمین پر فساد و خونریزی کرے گی تو انہوں نے ازراہِ تعجب نہ بصورتِ اعتراض سوال کیا کہ کیا تو ایسی مخلوق کو پیدا کرتا ہے اور زمین کا خلیفہ بناتا ہے جو فساد و خونریزی کرے؟ اور اس کے بعد انہوں نے اپنی تسبیح و تقدیس کو بھی ظاہر کر دیا کہ ہم تیرے تسبیح گزار اور تیری پاکیزگی کا ذکر کرنے والے ہیں۔ بعض تفاسیر میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ فرشتوں نے زمین کی خلافت اپنے لئے طلب کی تھی اور اسی بناء پر انہوں نے اپنی تسبیح و تقدیس بھی جتلائی تھی اور جب اللہ نے فرمایا کہ تم اس مصلحت کو نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو انہوں نے فوراً توبہ کی اور عرش کی پناہ لی اور اُن کی توبہ منظور ہوئی۔ اور جب حضرت آدمؑ علیہ السلام سے ترکِ اولیٰ ہوا تو انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور ان کی توبہ منظور ہوئی اور روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ندا آئی کہ تیری اولاد میں سے جو بھی اس مکان پر حاضر ہو کر اپنے گناہ سے توبہ کرے گا میں اس کی توبہ قبول کروں گا۔

اجمالی طور پر تو ملائکہ کو معلوم ہو گیا کہ آدمؑ کی خلافت میں مصلحت ہے اور انہوں نے خلافِ مصلحتِ خدا لب کشائی کی اور توبہ بھی کر لی جو منظور ہو گئی لیکن ان کو وجہ معلوم نہ ہو سکی جس سے وہ خود اعتراف کرتے کہ ہاں بے شک ہم غلطی پر تھے اور آدمؑ ہم سے افضل ہے پس اس تفصیل کو یوں پیش فرمایا جیسا کہ تفسیر برہان میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدم کو تمام انبیاء کے نام اور حضرت محمد مصطفےٰ حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ اور اُن کی ذریّت طاہرہ اور ان کے مخصوص شیعوں اور سرکش دشمنوں کے نام تعلیم فرمائے اور پھر عالم اشباح میں چہاردہ معصومینؑ کے انوار کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ان کے ناموں کی تفصیل وار خبر دو۔ پس ملائکہ نے عاجزی کا اظہار کیا اور کہا کہ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۔ الآیہ ۔ یعنی ہمیں صرف اتنا ہی معلوم ہے جتنا تو نے ہمیں تعلیم فرمایا اور بس اس کے

بعد آدمؑ کو خدا نے حکم دیا کہ تو ان کو اُن یعنی انبیاء و ائمہ کے ناموں کی خبر دے پس جب حضرت آدمؑ نے نام تبلائے تو خدا نے ملائکہ سے انبیاء و ائمہ پر ایمان لانے اور ان کو اپنے سے افضل ماننے کا عہد و پیمان لیا (یعنی ملائکہ نے تسلیم کر لیا کہ واقعی گروہ انبیاء و آئمہ ہم سے افضل و برتر ہیں) اور پھر ارشاد ہوا کہ کیا میں نے تم کو کہا نہیں تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کے غیبوں کو جانتا ہوں اور میں اس چیز کو بھی جانتا ہوں جس کو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور اس کو بھی جانتا ہوں جس کو تم پوشیدہ رکھتے ہو (ملخصاً ترجمہ) اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کو اپنے تمام ہونے والے حُجج (یعنی انبیاء و ائمہ) کے نام تعلیم فرمائے اور عالمِ ارواح میں ان کو ملائکہ کے سامنے ظاہر کیا اور فرمایا کہ اگر تم اپنی تسبیح و تقدیس کے بل بوتے پر زمین کی خلافت کے استحقاق کے دعویٰ میں سچے ہو تو ان ناموں کی خبر دو تو انہوں نے عرض کی۔ ہم تو صرف وہی جانتے ہیں جو تو نے ہمیں بتلایا ہے اور بس۔ اور ہر چیز کا دانا و بینا صرف تو ہی ہے۔ پس ارشادِ قدرت ہوا۔ اے آدمؑ تو ان کو ان کے ناموں کی خبر دے پس جب آدمؑ نے ان کو ان کے نام تبلائے تو ملائکہ کو ان کے اللہ کے نزدیک عظیم المرتبت ہونے کا علم ہوا اور جان گئے کہ واقعی زمین کی خلافت اور مخلوق میں حجۃ اللہ ہونے کے یہی حقدار ہیں۔ پس خدا نے ان کو ملائکہ کی آنکھوں سے اوجھل کر دیا اور ان سے ان کی ولایت و محبت کا اقرار لیا اور فرمایا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کے غیبوں اور تمہاری ظاہر و پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں۔

بروایت مجمع البیان ابن عباس سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدم کو تمام نام اور کاریگریاں زمینوں کی آبادکاری، اشیاء خوردنی۔ اور یہ معدنیات درخت لگانا اور ان کے منافع بلکہ دین و دنیا کی آبادی کے لئے جتنے اُمور کی ضرورت تھی۔ سب تعلیم فرمائے تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ تمام دنیا کی تمام موجُودہ و غیر موجُودہ اشیاء کے ہر زبان میں نام سکھائے تھے اور حضرت صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ زمینوں۔ پہاڑوں۔ وادیوں اور گھاٹیوں کے نام بھی آدمؑ کو تعلیم کئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی بساط کی طرف جو نیچے بچھی تھی۔ اشارہ کر کے فرمایا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو اس کا نام بھی بتایا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ تمام ملائکہ اور قیامت تک کی اپنی نسل کے نام تبلائے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ تمام چیزوں کے القاب معانی اور خواص تعلیم فرمائے تھے اور قرآن مجید کے یہ الفاظ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (یعنی حضرت آدمؑ کو تمام نام تعلیم کئے) اسی عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

لیکن کیا ان تمام چیزوں کو ملائکہ پر پیش کیا گیا اور ان سے ان تمام کے نام تبلانے کا سوال کیا تو قرآن کے ظاہری الفاظ یہ ہرگز نہیں تبلاتے کیونکہ ارشاد ہے ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ (یعنی پھر پیش کیا ان کو فرشتوں پر) اور ھُم کی ضمیر صرف ذوی العقول کے لئے ہی استعمال ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ ذوی العقول زیادہ تھے اور غیر ذوی العقول کم تھے۔ اس لئے غلبہ ذوی العقول کو حاصل تھا پس ذکر ذوی العقول کا کیا گیا اور مراد سب چیزیں ہیں۔

لیکن میرے خیال میں اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آدم علیہ السّلام کو تمام چیزوں کے نام تبلانا اور اس کو اس نعمت علم سے سرفراز فرمانا شانِ اُلوہیت ہے جس کو وہ نبی بنا کر بھیجے اس کی علمی کمزوری شانِ اقدس الٰہی کے انتخاب پر نقص کی موجب ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ امتحان و مقابلہ کے مقام پر یا کسی کی امتیازی شان کو اجاگر کرنے کے لئے اس کی ساری علمی پونجی کو حرف بحرف معرضِ ظہور میں لایا جائے بلکہ ایسے مقامات پر صرف چند خصوصی نکات کا دریافت کر لینا ہی کافی ہوا کرتا ہے جس سے مدمقابل پر اُس کی برتری واضح ہو جاتی ہے اور اس مقام پر چونکہ معیارِ خلافت کو ظاہر کرنا تھا۔ لہٰذا باقی دنیاوی منافع کی اشیاء کے نام یا ان کے خواص کے متعلق سوال وجواب ایسا ہے جس طرح کسی سکول کے ماسٹر کے انتخاب کے لئے اُمیدواروں میں ہل چلانا یا باغ لگانا یا کوئی دوسرا اس قسم کا پہلو معیارِ کامیابی قرار دیا جائے بلکہ اس جگہ تو اسی موضوع کے متعلق سوالات ہی موزوں ہوں گے۔ مثلاً کیفیت تدریس یا ماہر مدرسین کی خصوصیات و حالات اور ان کا طرزِ عمل ہی موضوعِ امتحان ہوگا۔ اور اس میں سبقت معیارِ انتخاب ہوگی۔ اسی طرح ڈاکٹری امتحان میں تجارتی سوالات کا آنا ناموزوں ہے بلکہ اسی ہی موضوع سے متعلق سوالات مناسب ہیں۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ یعنی بالمقابل اُمیدواروں میں سے انتخاب کے لئے موزوں وکامیاب وہی قرار دیا جاتا ہے جو اسی مقام ونشست کے لئے زیادہ اہل ہو۔ اور اس کی اہلیت تب ہی معلوم ہوگی کہ اسی مقام ونشست کی نوعیت کے سوالات اس سے کئے جائیں اور وہ ان کو حل کر دے اس مقام پر ملائکہ خواہشمند تھے کہ خلافت ہم میں ہو۔ اور خدا کی مصلحت آدمؑ کی خلافت میں تھی پس فرشتوں نے اپنی تسبیح و تقدیس جتلائی۔ اور وہ یہ سمجھے کہ شائد تسبیح و تقدیس ہی معیارِ خلافت ہوگی۔ اور حضرت آدمؑ کی اولاد سے چونکہ فساد و خونریزی متوقع ہے لہٰذا ایسی مخلوق خلافت کے اہل نہیں ہوگی۔

پس چونکہ ہر دو طرف اُمیدوارانِ خلافت تھے لہٰذا امتحان بھی اسی نوعیت سے مناسب تھا۔ چنانچہ پہلی دونوں روائتوں کے مضمون کے مطابق تمام خلفاء اللہ (جن کے افضل وسردار محمدؐ وآلِ محمدؐ تھے) کے نام پیش کئے گئے جن کے جواب سے ملائکہ قاصر رہے اور آدمؑ نے بتا کر فرشتوں سے اپنی علمی برتری کا لوہا منوالیا۔

سوال۔ یہ عجیب مقابلہ ہے۔ آدمؑ کو خدا نے نام تبلا دیئے تھے۔ چنانچہ خود فرماتا ہے کہ اس کو اللہ نے تبلائے اور فرشتوں کو نہیں تبلائے تھے تو اس مقابلہ میں فرشتوں نے خواہ مخواہ ہار کھانی ہی تھی۔ اور عدلِ خداوندی کا تقاضا یہی ہے کہ فریقین کو تعلیم برابر دے کر مقابلہ کروانا حالانکہ ایسا نہیں ہوا؟

جواب (۱) مثال کے طور پر اگر ایک اُستاد اپنے دو شاگردوں میں سے ان کی استعداد یا رجحان طبع کے ماتحت ایک کو ایک فن کی تعلیم دے کر اس کی ڈیوٹی اسی فن کے ماتحت معین کر دے اور دوسرے کو کوئی دوسرا فن دے کر اس کو اسی نوعیت کی ڈیوٹی سپرد کرنا چاہے۔ اور پہلا شاگرد اپنے فن کے بل بوتہ پر دوسری ڈیوٹی کے سنبھالنے کی خواہش کرے تو اُستاد اُسے اپنی غلطی تسلیم

کرانے کے لئے دوسرے فن کے متعلق اس سے سوال کرکے اس کو خاموش کردے تاکہ وہ خود بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جائے کہ واقعی میری خواہش نادرست ہے۔ اور میرا فن صرف میری اپنی ڈیوٹی کے لئے کار آمد ہے اور اس دوسری ڈیوٹی کے لئے وہی موزوں ہے جو اس کا صاحب فن ہے تو اس صورت میں پہلے شاگرد کو یہ کہنے کی مجال نہیں کہ مجھے وہ فن کیوں نہ سکھایا گیا۔ پس اس میں نہ پہلے شاگرد پر تشدد و ظلم لازم آتا ہے اور نہ اُستاد کی جنبہ داری کا سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ استاد ان مصالح کو خود بہتر جانتا ہے یا حکومت وقت ایک شخص کو کسی ملک کی سفارت کے لئے نامزد کرکے اس کو اسی عہدہ کے متعلق اُمور ضروریہ کی تعلیم دے کر دفتر سفارت کے کاغذات اس کو سپرد کردے اور پھر دوسرے شخص کو عدلیہ کا محکمہ سپرد کرنے کے لئے اس کو اس نوعیت کی تعلیم دلوا کر عہدہ سپرد کرنا چاہے اور پھر سفیر اپنے علم سفارت کے پیش نظر عدلیہ کے عہدہ کی خواہش کرے اور بصورت ناکامی اپنی غلطی تسلیم کرے تو اُسے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ مجھے پہلے سے وہ تعلیم کیوں نہ دلوائی گئی۔ پس اس میں نہ دل آزاری ہے اور نہ جنبہ داری۔ جب ظاہری دنیا کا یہ حال ہے کہ انتخاب کرنے والے کے طرز عمل کو مناسب مصلحت سمجھ کر ایک فن کا نااہل اپنی نااہلیت کا اعتراف کر لیا کرتا ہے اور یہ نہیں کہتا کہ مجھے اس فن کا اہل کیوں نہیں کہا گیا۔ چونکہ ملائکہ کو پیدا ہی تسبیح و تقدیس کے لئے کیا گیا تھا اور ان کی ڈیوٹی بھی وہی تھی۔ اور آدم کو پیدا ہی خلافت زمین کے لئے کیا گیا تھا لہذا علم خلافت ان کو عطا کیا گیا۔ اب اگر ملائکہ اپنی تسبیح و تقدیس کے بل بوتہ پر عہدہ خلافت کے لئے بھی اپنا نام پیش کریں اور علوم خلافت سے اپنے آپ کو نااہل پا کر اپنی درخواست واپس لے لیں اور اپنے کئے کی معافی مانگ لیں تو بعید از عقل ہرگز نہیں اس میں ان پر تشدد و ظلم کا سوال ہی نہیں آتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت آدمؑ کی برتری مان لی اور سر تسلیم جھکا لیا اور سمجھ گئے کہ ہم جس عہدہ پر ہیں اسی کے اہل ہیں۔ اور آدمؑ کو جو عہدہ دیا گیا ہے وہ اسی کے اہل ہے۔

جواب (۲) ممکن ہے یہ نام ملائکہ کو پہلے سے معلوم ہوں جس طرح کی جناب رسالتمآبؐ اور اس کی آل طاہرین علیہم السلام کی خلقت نوری کی احادیث میں کثرت سے اس کا ذکر موجود ہے حتی کہ ملائکہ نے تسبیح و تہلیل کا طریقہ بھی انہی کی تسبیح و تہلیل سے سیکھا تھا اور ان میں بعض احادیث ہم نے کتاب کی جلد اول یعنی مقدمہ میں ذکر کی ہیں۔ اور حضرت آدمؑ چونکہ نو وارد تھے اس لئے ان کو اب تعلیم کئے گئے، نام تو ہر دو کو معلوم ہو گئے۔ اب اُن ناموں والے جب عالم انوار میں ملائکہ کے پیش ہوئے تو ملائکہ کو گو نام معلوم تھے لیکن ہر نام کی نام والے کے ساتھ تطبیق نہ دے سکے کہ یہ فلاں ہے اور وہ فلاں ہے۔ اور جب حضرت آدم سے سوال ہوا تو انہوں نے ہر ایک نام کو اپنے مسمّے پر منطبق کر دیا۔ ملائکہ چونکہ مجردات سے ہیں لہذا ان میں علم اسی حد تک محدود رہتا ہے جتنا کو ان کو تعلیم کیا جائے اور مادہ بشریہ اور قوائے بدنیہ کا یہ خاصہ ہے کہ عقل ان کی معیت میں اپنی تحصیل میں ترقی کر سکتی ہے پس حضرت آدمؑ نے علائم و خصوصیات کے پیش نظر اپنے غور و فکر یا اجتہاد سے ہر صاحب نام کا ملائکہ سے تعارف کرایا اور ملائکہ نے بھی اپنا

معذرت میں خود اس چیز کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (انہوں نے کہا تیری ذات پاک ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا ہی معلوم ہے جتنا تو نے ہمیں تعلیم فرمایا یعنی اس سے آگے قدم ہم نہیں رکھ سکتے یہ نہیں کہا کر تو نے ہمیں بتایا نہیں بلکہ بتایا تو ہے لیکن جتنا بتایا ہے ہم اُسے دُہرا سکتے ہیں اس سے آگے نہیں چل سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ تعلیم مساوی تھی لیکن اس سے ترقی کرنا خاصۂ بشریت تھا جس سے فرشتے عاجز تھے اور فرشتوں نے اس مرحلہ پر پہنچ کر یہ نتیجے حاصل کئے۔

(۱) خدا کا آدمؑ کو خلافتِ ارضیہ کے لئے نامزد فرمانا عین مصلحت ہے۔ جس سے ہم غافل تھے لہذا اپنے بے جا سوال پر اللہ سے توبہ کی اور معافی مانگ لی جو قبول ہوئی۔ (۲) ان کے دلوں میں جو یہ گھمنڈ تھا کہ ہم عابد و تسبیح گذار ہیں اور اسی پر اترا کر یہ خیال کر لیا کہ ہم تمام مخلوق سے افضل ہیں وہ ختم ہو گیا اور سمجھ لیا کہ ہم سے افضل وہ مخلوق ہے جو خلافتِ ارضیہ کے لئے نامزد کی گئی ہے (۳) یہ بھی سمجھ لیا کہ خلافتِ الٰہیہ کا معیار صرف تسبیح و تقدیس نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کافی استعداد علمیہ کی ضرورت ہے (۴) ان کی نظر جو صرف بنی آدمؑ کے فسادات و خونریزیوں پر مرکوز تھی جس کی بناء پر وہ ان کو خلافتِ ارضیہ کے لئے ناموزوں سمجھتے تھے اب ان کے فضائل و کمالات کا پہلو بھی انکے سامنے آگیا (۵) حضرتِ آدم کا علمی کمال دیکھ کر اس کا استحقاقِ خلافت تسلیم کر لیا اور بحکمِ خدا ان کو اُنکے سامنے سرِ تسلیم جھکانا پڑا (۶) ابلیس جو مدتوں ملائکہ کے ساتھ شریکِ عبادت رہا اس سرتابی سے اس کا خبثِ باطن بھی ان کو معلوم ہو گیا اور سمجھ گئے کہ نوریوں کی صحبت میں بھی ناری ناری ہوا کرتا ہے اور بوقتِ امتحان اہلِ کمال کے سامنے جھک جانے سے قربِ بارگاہ نصیب ہوتا ہے اور جو اس مقام پر نکتہ چینی یا تکبر کرے وہ راندۂ بارگاہ ہو کر مستحق لعنت ہو جایا کرتا ہے (۷) ملائکہ کی نظر بنی آدمؑ کے فسادی افراد پر تھی جو یقیناً عہدۂ خلافت کے لئے اَن فٹ تھے لیکن جب عالمِ انوار میں حضرت آدمؑ کی پشت سے ہونیوالے حقیقی خلفا سے تعارف ہوا تو ان کے سامنے اپنی گردنیں خم کر دیں اور ان کی موالات و محبت کا عہد خدا سے کر لیا اور مان لیا کہ واقعی یہ لوگ زمین کی خلافت کے زیادہ حقدار ہیں جس طرح پہلے روایات میں گذر چکا ہے۔

حضرت آدم کے بتا دینے کے بعد خداوند کریم نے ملائکہ کو تنبیہہ مزید فرمائی کہ جس چیز کی حقیقت کا علم نہ ہو اس کے متعلق لب کشائی درست نہیں ہوتی چنانچہ فرمایا الم اقل لکم۔ الآیہ۔ اس کی تفسیر میں امام حسن عسکری سے منقول ہے جیسا کہ تفسیر برہان میں پوری روایت مذکور ہے کہ جب تم اپنے ساتھ رہنے والے یعنی ابلیس کی بدباطنی سے مطلع نہیں ہو حالانکہ وہ تمہارے درمیان موجود ہے تو کسی غائب مخلوق کے متعلق جو ابھی آئی نہیں کس طرح ایک اٹل فیصلہ کر سکتے ہو؟ اور میں زمینوں و آسمانوں کے غیب کو اور تمہارے ظاہری و پوشیدہ سب باتوں کو جانتا ہوں۔ پس اس واقعہ سے صاف واضح ہوا کہ انسان کے جملہ اوصافِ حمیدہ میں سے علم بلند و برتر صفت ہے۔ اور یہی چیز خلافتِ الٰہیہ کا معیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولائے کائنات حضرت امیر المومنین علیہ السّلام مقامِ افتخار میں اپنے علم کو پیش فرماتے تھے جیسا کہ ان کی طرف منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ

اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کا پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار و تکبر کیا اور تھا

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

کافروں میں سے اور ہم نے کہا اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں اور کھاؤ اس سے

رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

کھلم کھلا جہاں چاہو تم اور نہ قریب جاؤ اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے نقصان پانے والوں میں سے

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ

پس پھسلایا ان کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے پس ان کو نکال دیا اس سے کہ جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا اترو درحالیکہ بعض

رَضِيْنَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِيْنَا لَنَا عِلْمٌ وَلِلْاَعْدَاءِ مَالُ

ہم اللہ کی تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم دیا اور دشمنوں کو مال دیا

فَاِنَّ الْمَالَ يَفْنٰى عَنْ قَرِيْبٍ وَاِنَّ الْعِلْمَ يَبْقٰى لَا يَزَالُ

کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا اور تحقیق علم باقی و غیر فانی دولت ہے

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ جو مجھے چار خلیفوں میں سے چوتھا نہ کہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے حسن بن زید کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے عرض کی کہ آپ تو اس کے علاوہ کچھ اور فرماتے ہیں حضرت صادقؑ نے جواب دیا کہ یہ حدیث درست ہے کیونکہ خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں آدمؑ کو خلیفہ کہا پس وہ پہلا خلیفہ ہے اور داؤد کو بھی خلیفہ کہا پس وہ دوسرا خلیفہ ہے اور ہارون حضرت موسٰی کا خلیفہ تھا وہ تیسرا ہے اور آپ (حضرت علیؑ) محمد مصطفیٰ کے خلیفہ ہیں بنا برین ان کا فرمان بجا ہے کہ میں خلفاء اربعہ میں سے چوتھا ہوں۔

حضرت آدمؑ کے سجدہ کا حکم اور ابلیس کا انکار

وَاِذْ قُلْنَا - انسان کی ابتدائے خلقت کے ذکر کے بعد خداوند کریم نے ان پر اپنے احسان عظیم کا ذکر فرمایا ہے کہ فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ جس نے سجدہ کرنے کا انکار کیا اُسے بارگاہِ قرب سے نکال دیا اور اُس کو ہمیشہ کے لئے مستحق لعنت قرار دے دیا۔

قرآن کے ظاہر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم تمام فرشتوں کو تھا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرماتا ہے - فَسَجَدَ

لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ

تمہارا بعض کا دشمن ہوگا اور تمہارا زمین میں ٹھکانا اور نفع ہے ایک وقت تک کا پس حاصل کئے آدم نے اپنے

رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۳۷﴾ قُلۡنَا اہۡبِطُوۡا مِنۡہَا

رب سے چند کلمے پس (ان کی بدولت) توبہ قبول کی اللہ نے اس کی وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے ہم نے کہا اترو اس سے سب

جَمِیۡعًا ۚ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی فَمَنۡ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ

پس جب آئے گی میری طرف سے ہدایت تمہارے پاس تو جو پیروی کرے گا میری ہدایت کی پس نہ خوف ہوگا ان پر اور

وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ

نہ وہ غمگین ہوں گے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیات کو وہ ساکنانِ جہنم ہوں گے

النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۹﴾

درحالیکہ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

اَلۡمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّہُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ - یعنی پس سجدہ کیا تمام فرشتوں نے اور بعضوں نے کہا ہے کہ فرشتوں کے ایک گروہ کو حکم تھا جنہوں نے جنوں کی سرکوبی کی تھی اور ابلیس بھی ان میں بوجہ مصاحبت کے شامل تھا۔

نیز سجدہ میں بھی اختلاف ہے کہ سجدہ آدمؑ کا تھا اور اس میں اس کی تعظیم واکرام مقصود تھی یا سجدہ اللہ کا تھا اور آدم کو صرف قبلہ بنایا گیا تھا۔ آئمہ اہل بیت سے مروی یہ ہے کہ سجدہ آدم کا تھا اور تعظیمی سجدہ تھا اور اس کو علمائے امامیہ نے ملائکہ سے انبیاء کی افضلیت کی دلیل قرار دیا ہے۔ مجمع البیان۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ سجدہ اللہ کا تھا اور آدم قبلہ تھا۔ (برہان)

نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا ابلیس فرشتہ تھا یا نہیں۔ شیخ ابوجعفر طوسیؒ کا مسلک یہی ہے کہ وہ فرشتہ تھا۔ اور شیخ مفید فرماتے ہیں کہ وہ جنّ تھا۔ اور اکثر علمائے امامیہ کا یہی مذہب ہے کہ وہ قوم جنّ سے تھا اور متواتر روایات اسی پر دلالت کرتی ہیں گو بعض روایات میں پہلے قول کی تائید بھی موجود ہے۔ ابن عباس اور ابن مسعود سے بھی پہلا قول منقول ہے اور جو اس کے فرشتہ ہونے کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ خازنِ جنّت تھا۔ بعض کے نزدیک آسمانِ دنیا اور زمین کا حکمران تھا۔ (از مجمع البیان)

دوسرا قول یعنی ابلیس کا جنّ ہونا زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ اور علّامہ طبرسی نے بھی اس کو مختار فرمایا ہے جس کی متعدد دلیلیں دی گئی ہیں۔

۱۔ قرآن میں ایک مقام پر ارشاد ہے کَانَ مِنَ الْجِنِّ یعنی ابلیس قوم جن سے تھا۔
۲۔ قرآن میں فرشتوں کے متعلق ارشاد ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم ہوتا ہے یعنی وہ معصوم مخلوق ہے۔ پس اگر ابلیس فرشتہ ہوتا تو اس سے نافرمانی ناممکن تھی۔ اور چونکہ نافرمانی اس سے صادر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ نہیں تھا
۳۔ ابلیس صاحب اولاد ہے کیونکہ قرآن میں ارشاد ہے۔ اے انسانو! ابلیس اور اس کی اولاد کو اپنا دوست نہ بناؤ اور فرشتوں میں سلسلۂ تناسل نہیں ہے پس معلوم ہُوا کہ فرشتہ نہیں تھا۔
۴۔ روایاتِ آئمہ میں اس کے فرشتہ ہونے کی صاف طور پر تردید ہے۔ چنانچہ جمیل بن دراج سے منقول ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا ابلیس فرشتہ تھا یا بعض آسمانی معاملات اس کے سپرد تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہ فرشتہ تھا اور نہ آسمانی معاملات اس کے سپرد تھے۔ تھا جنّ لیکن فرشتوں کی صحبت میں رہتا تھا جس کی وجہ سے فرشتوں نے سمجھا تھا کہ یہ ہم میں سے ہے حالانکہ خدا جانتا تھا کہ یہ اُن میں سے نہیں ہے پس جب آدمؑ کے سجدہ کا حکم ہوا تو اس سے وہی ہوا جو ہوا۔
جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا وہ یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ اگر فرشتہ نہ ہوتا تو حکم سجود میں شامل نہ ہوتا لہٰذا سجدہ نہ کرنے سے اُسے کافر مستحق لعنت نہ قرار دیا جاتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے ساتھ اس کو بھی سجدہ کا حکم تھا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ مَا مَنَعَكَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (ترجمہ) تجھے سجدہ سے کس چیز نے روکا ہے جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف فرشتوں کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ ابلیس کو بھی سجدہ کا حکم تھا۔ اور خود ابلیس نے بھی اس کی تردید نہیں کی۔ ورنہ اس کو امر نہ ہوتا تو عذر کر سکتا تھا کہ تو نے تو صرف فرشتوں کو حکم دیا تھا لہٰذا میں اس حکم میں شریک نہ تھا بلکہ اُس نے جواب میں کہا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ کیونکہ وہ مٹی سے پیدا ہوا ہے اور میں آگ سے پیدا ہوا ہوں یعنی ابلیس یہ تسلیم کرتا ہے کہ مجھے حکم ضرور تھا لہٰذا سجدہ سے انکار کی وجہ اس نے صرف اپنے تکبر کو قرار دیا اور اس کے حکم میں داخل ہونے کی مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح ایک شہر والوں کو حکم دیا جائے کہ تم فلاں مقام پر اکٹھے ہو جاؤ اور اتفاقاً عارضی سکونت کی صورت میں وہاں کوئی اجنبی انسان بھی قیام پذیر ہو تو عرفاً اس حکم میں وہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح ابلیس کی رہائش چونکہ ملائکہ کے ساتھ تھی حتیٰ کہ ملائکہ اس کو اپنے میں سے سمجھتے تھے لہٰذا حکم مذکور اس کو شامل تھا۔
نیز جو لوگ اس کو فرشتہ کہتے ہیں بعض کہتے ہیں اس کا نام عزازیل تھا اور جن فرشتوں کی رہائش زمین پر تھی۔ ان سب کو جن کہا جاتا تھا جب اس نے آدمؑ کے سجدہ سے انکار کیا تو کافر ہو گیا اور اس کا نام ابلیس و شیطان رکھ دیا گیا۔
بہرکیف ابلیس آدمؑ کے سجدہ کے حکم میں شامل تھا اور تکبر و انکار کرنے کی وجہ سے مردود ہو گیا اور جو لوگ خیر و شر ہر دو کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان آیات سے ان کی تردید موجود ہے کیونکہ اگر اللہ نے اس سے نافرمانی کرائی ہوتی تو اس کو انکار کے بعد

مستحق لعنت نہ قرار دیتا۔ نیز ابلیس نے بھی اپنے انکار و نافرمانی کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ کہا ہے بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ یعنی تو نے مجھے گمراہ کیا۔ پس معلوم ہوا کہ گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کرنا ابلیس کا پڑھایا ہوا سبق ہے۔

تفسیر برہان میں ایک طویل روایت کے ذیل میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کو مٹی سے خلق فرمایا تو چالیس برس تک اس کا مجسمہ بغیر نفخ روح کے پڑا رہا جب بھی ابلیس لعین کا ادھر سے گذر ہوتا تھا تو کہتا تھا کہ کسی اہم معاملہ کے لئے تجھے پیدا کیا گیا ہے۔ اور معصوم فرماتے ہیں کہ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اللہ نے مجھے تیرے سجدہ کا حکم دیا تو اس بارہ میں میں ضرور نافرمانی کروں گا۔ پس جب آدمؑ کے جسد میں نفخ روح ہوئی تو روح جب دماغ میں پہنچی تو آدمؑ نے چھینک لی، اور زبان سے الحمدللہ کا کلمہ جاری کیا۔ اللہ کی طرف سے یرحمک اللہ کا جواب ملا۔ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت اس کو پہلے پہنچ گئی پھر اللہ نے ملائکہ کو آدمؑ کے سجدہ کا حکم دیا تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا۔ اور ابلیس نے اپنے دل کا حسد ظاہر کر دیا اور سجدہ سے انکار کر دیا پس ارشادِ خالق ہوا کہ تو نے میرے امر کے باوجود کیوں سجدہ نہ کیا؟ تو جواب دیا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور اس کو مٹی سے خلق کیا ہے۔ حضرت صادقؑ فرماتے ہیں کہ مخلوق میں پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے اور اس نے تکبر کیا اور خدا کی پہلی نافرمانی "تکبر" ہی سے شروع ہوئی۔ آپ فرماتے ہیں کہ ابلیس نے عرض کی میرے اللہ! آدم کے سجدہ سے مجھے معاف رکھ تو میں تیری ایسی عبادت کروں گا کہ ملک مقرب اور نبی مرسل سے بھی ایسی عبادت نہ ہوگی۔ پس اللہ نے فرمایا کہ میں تیری عبادت کا محتاج نہیں ہوں۔ میں اپنی وہ عبادت چاہتا ہوں جو میری منشا کے مطابق ہو۔ نہ وہ عبادت جو تیری منشا کے موافق ہو۔ پس اس نے اپنے انکار کو بحال رکھا تو ارشادِ خداوندی ہوا نکل جا میری بارگاہ سے تو راندہ ہوا ہے اور تیرے اُوپر میری قیامت تک لعنت ہے۔ ابلیس نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ تو عادل ہے۔ تیرے پاس جور و ظلم نہیں ہے کیا میرے سابقہ اعمال کی جزا باطل ہوگی؟ اللہ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اُمور دنیا میں سے جو تیرا جی چاہے اپنے اعمال کے بدلہ میں مجھ سے مانگ لے۔ پس اس نے پہلا سوال کیا کہ مجھے یوم الدین تک کی زندگی عطا کر۔ پس اللہ نے فرمایا کہ میں نے تجھے عطا کر دی۔ اس نے کہا مجھے اولادِ آدم پر قابو دے فرمایا یہ بھی دے دیا۔ اُس نے عرض کی مجھے ان کے رگ و ریشہ میں گھسنے کی توفیق دے۔ فرمایا یہ بھی تجھے دے دیا۔ اس نے کہا آدم کی اولاد میں سے ایک کے بدلہ میں مجھے دو۔ دو فرزند عطا کر اور میں ان کو دیکھوں اور وہ مجھے نہ دیکھیں۔ اور میں ان کے سامنے ہر شکل میں آسکوں۔ اللہ نے فرمایا یہ بھی تجھے دے دیا۔ اس نے عرض کی کچھ اور بھی دے تو اللہ نے فرمایا تیرا اور تیری اولاد کا اولادِ آدم کے سینوں میں وطن ہوگا۔ تو ابلیس نے کہا کہ بس اتنا کافی ہے اور اس وقت ابلیس نے کہا کہ تیری عزت کی قسم سوائے تیرے مخلصین بندوں کے تمام کو گمراہ کروں گا۔ اور ان کے پاس سامنے پیچھے دائیں اور بائیں سے حاضر ہوں گا۔ پس اکثر ان کے شکر گذار نہ ہوں گے جیسا کہ فرماتا ہے فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ

وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَمِنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ فَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ ۔

بروایت زرارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو یہ طاقت عطا کی تو حضرت آدمؑ نے عرض کی اسے رب تو نے ابلیس کو میری اولاد پر مسلّط کر دیا اور اس کو ان کے رگ و ریشہ میں مثل خون کے جاری ہونے کی قوت دے دی اور اس کے علاوہ جو کچھ تو نے اس کو دیا سو دیا۔ پس میرا اور میری اولاد کا کیا حال ہوگا؟ پس خدا نے فرمایا تیرے اور تیری اولاد کے لئے یہ ہے کہ گناہ کریں گے تو ایک کا ایک اور نیکی کریں گے تو ایک کا بدلہ دس دوں گا۔ حضرت آدمؑ نے عرض کی کچھ اور۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کے لئے روح کے حلقوم تک پہنچنے تک توبہ کا دروازہ کھلا ہوگا۔ حضرت آدمؑ نے عرض کی اسے رب کچھ اور بھی! تو اللہ نے فرمایا میں ان کے گناہ بخشوں گا اور مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ تب حضرت آدمؑ نے عرض کی بس مجھے کافی ہے۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی۔ میں آپ پر فدا ہوں۔ ابلیس کس وجہ سے عطیۂ خداوندی کا اس قدر حقدار ہوا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی ایک نیکی تھی جس کا خدا نے بدلہ دیا۔ میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہوں وہ کونسی نیکی تھی جو ابلیس سے ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس نے آسمان میں دو رکعت نماز پڑھی تھی جس پر چار ہزار برس صرف کئے تھے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب جناب رسالت مآبؐ نے خواب میں تیم عدی اور بنی اُمیہ کو اپنے منبر پر سوار پایا اور اس سے گھبرا گئے۔ پس خداوند کریم نے ان کو تسلّی دی وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى ۔ اسے محمدؐ میں نے حکم دیا تھا پس میری اطاعت نہ کی گئی تھی پس تو بھی گھبرا نہیں کہ تو امر کرے اور اپنے وصی کے معاملہ میں تیری اطاعت نہ کی جائے۔

درسِ عبرت ۔ خداوند کریم نے جس طرح حضرت آدمؑ کی خلقت کا ذکر اور ملائکہ کے سجود کا واقعہ ہمارے اُوپر اپنے فیضِ عمیم اور احسانِ عظیم کے یاد دلانے کی خاطر پیش فرما کر اپنی عبُودیت کی دعوت دی اور شیطان کی پیروی سے روکنے کے لئے ہماری رگِ حمیّت کو حرکت دی اور واضح کیا کہ وہ ہے جس نے ابتدا سے تمہارے بابا کے ساتھ یہ برتاؤ کیا تھا پھر بھی تم اسی آبائی دشمن کے دھوکے میں آ کر اپنے محسن سے روگردانی کرتے ہو۔ اسی طرح اس امر پر بھی متنبہ فرمایا کہ میری عبادت وہ ہے جو میرے حکم اور منشاء کے موافق ہو کسی کی ایسی عبادت جو منشاء ایزدی کے خلاف ہو وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ کو پسند وہی عبادت ہے جو اللہ کا بھیجا ہوا رسول سکھائے یا اس کے چلے جانے کے بعد اس کے صحیح قائم مقام اس کا طریقہ تعلیم فرمائیں ورنہ ہر من گھڑت عبادت قطعاً شرفِ قبولیت کو نہیں پہنچ سکتی۔ اور شیطان سجدہ کا منکر نہیں تھا۔ صرف اللہ کے فرمائے ہوئے طریقہ پر سجدہ کرنے کے خلاف تھا جس سے مقصود خلیفۃ اللہ کی نافرمانی تھی۔ معلوم ہوا کہ خلیفۃ اللہ کی تعظیم کا انکار یا اس کی نافرمانی ہزاروں برس کی عبادت پر پانی پھیر دیتی ہے۔ اور نوری مخلوق کے مدتوں کے ساتھی کو ابلیس و مردود بنا دیا کرتی ہے لیکن یہ

یاد رہے کہ وہ سجدہ کا انکاری نہ تھا عبادت کا منکر نہ تھا۔ اس لئے خدا نے اس کو مشرک نہیں کہا بلکہ کافر کہا ہے اور نماز ترک کرنے والوں کو خدا نے قرآن میں مشرک کہا ہے۔ فرماتا ہے۔ اقیموا الصّلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔ (ترجمہ: نماز قائم کرو اور مشرک نہ ہو۔

پس مسلمانوں کو خصوصاً شیعہ کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کر کے نماز جیسے فریضہ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت آدم کا جنّت سے خروج

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے متعدد روایات میں ہے کہ جس جنّت میں حضرت آدم کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ جنتِ آخرت نہیں تھی بلکہ جنّت دنیا تھی جس میں شمس و قمر طلوع کرتے تھے اگر جنّت آخرت ہوتی تو اس سے قطعاً نہ نکلتے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ جنّت الخلد تھی اور چونکہ جزاء و ثواب کے طور پر آدمؑ کی اس میں رہائش نہ تھی اس لئے اس کا اس سے نکل جانا موجب حرج نہیں۔ جہاں جنّت کی یہ تعریف ہے کہ اس میں رہنے والے ہمیشہ اس میں رہیں گے اور کبھی نکالے نہ جائیں گے۔ وہ اس صورت میں ہے کہ جب جنّت میں دخول بطور جزاء و ثواب کے ہو۔

بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جنّت نہ جنّت الخلد تھی۔ اور نہ جنّت زمین بلکہ مخصوص آدم علیہ السّلام کی ابتدائی رہائش کے لئے آسمان پر علیحدہ بنادی گئی تھی۔

بہرکیف دیکھنا یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کا اس جنّت سے نکالا جانا اُن کی عصمت کے منافی ہے یا نہیں؟ تو چونکہ ادلّہ قطعیہ سے تمام انبیاء کی عصمت ثابت ہے اور فرقہ حقہ شیعہ اثنا عشریہ کے عقیدہ کی بنا پر تو انبیاء میں قبل بعثت و بعد بعثت کا بھی فرق نہیں اور نہ صغیرہ و کبیرہ کا فرق ہے بلکہ انبیاء سے کسی وقت بھی کوئی گناہ صادر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ گناہ کا صادر ہونا قبیح ہے اور انبیاء ارتکاب قبیح سے پاک ہیں کیونکہ جو بھی کسی وقت خود قبیح کا مرتکب ہو کسی دوسرے کو قبیح سے روک نہیں سکتا اور انبیاء کا عہدہ چونکہ تبلیغ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے لہذا ناممکن ہے کہ وہ خود تارک معروف یا فاعل منکر ہوں۔ انبیاء کی عصمت کے اثبات میں علمائے امامیہ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں عقلی و نقلی دلائل سے اس مطلب کو ثابت کیا گیا ہے۔ ہم نے بھی چند ایک دلیلیں کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ میں ذکر کر دی ہیں۔ پس جب ثابت ہے کہ انبیاء سے گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا تو پھر قرآن مجید میں اس قسم کے الفاظ جو ظاہری صورت میں منافی عصمت انبیاء ہوں۔ ان کی تاویل ضروری ہے۔ البتہ جو لوگ انبیاء کی عصمت کے قائل نہیں۔ وہ ان ظاہر الفاظ کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔ امّا الذین فی قلوبھم زیغ فیتّبعون ماتشابہ منہ۔ ہم نے کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں اس مطلب کو نہایت واضح کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جس جنّت میں حضرت آدم کو رہائش دی گئی تھی وہ حضرت آدمؑ کے لئے نہ دار الجزاء تھی اور نہ دار العمل

تھی۔دار الجزاء تو اس لئے نہیں تھی کہ جزاء عمل کے بعد ہوتی ہے۔اور دار العمل بھی نہیں تھی جس کی کئی وجہیں ہیں۔

ا۔ خداوند کریم نے حضرت آدم کو پیدا زمین کی خلافت کے لئے کیا تھا۔جب کہ فرشتوں سے خطاب ہوا۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خلیفه۔ اس سے صاف معلوم ہے کہ ان کا دار العمل زمین کو قرار دیا گیا تھا اور ایک وقتی مصلحت کے ماتحت ان کو اس جنت میں رکھا گیا۔خواہ وہ آسمان پر ہو یا جنّت الخُلد ہو یا جنّت الارض۔

۲۔ ملائکہ نے کہا تھا کہ تو زمین میں اس کو خلیفہ بناتا ہے جو زمین میں فساد و خونریزی کرے گا۔اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے لئے زمین دار العمل تھی۔

۳۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور تمہارا ٹھکانا (رہائش گاہ) زمین ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو اتباع کرلیں گے تو خوف وحزن اُن پر نہ ہوگا۔ اور جو کفر کریں گے اور میری آیات کو جھٹلائیں گے ۔ وہ اصحابِ نار ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔پس یہ آیت صاف طور پر پکار رہی ہے کہ آدم کے وہاں چلے جانے کے بعد اطاعت و عصیان کا قصہ شروع ہوا اور دار العمل میں وہ اس جنت سے نکل کر پہنچے اور جزا و سزا ابدی کا اپنے اعمال سے استحقاق یہاں پہنچنے کے بعد شروع ہوا۔

پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ حضرت آدم کی جنت دار العمل میں پہنچنے سے پہلے ایک عارضی قیام گاہ تھی۔اور آدم کو وہاں ٹھہرانے کا مقصد شاید یہ ہو کہ ابتدائی طور پر تنہا اُجاڑ و ویرانے میں بمقتضائے بشریّت آدم کو وحشت نہ ہو لہذا کچھ وقت اس سرسبز و شاداب پُر کیف و پُر لطف ماحول میں پہلے بسر کرلیں۔جانا تو بہر حال تھا ہی۔لیکن انسانی تمدن کے نشیب و فراز ذات ربّ العزت نے اپنے حکیمانہ انداز سے تدریجی قرار دیئے ہیں اور انسان کی فطرت کو ایسے سانچے میں اس نے ڈھالا ہے کہ یکبارگی دفعی انقلاب انسان پر بار خاطر ہوا کرتا ہے اور انسان کی شرعی زندگی کا ارتقاء بھی اس حکیم مطلق نے تدریجی مقرر کیا ہے۔مثال کے طور پر جب جناب رسالت مآبؐ مبعوث برسالت ہوئے تو جملہ احکامِ شرعیہ کی بجا آوری اسی وقت سے واجب تھی لیکن پہلے اعلان میں حضورؐ نے صرف اسی ایک کلمہ کو معیارِ نجات بیان فرمایا کہ قولوا لا اله الا اللّٰہ تُفْلِحُوْا یعنی کلمہ توحید زبان پر جاری کرلو بس اسی میں تمہاری نجات ہے۔پھر کچھ وقت کے بعد نماز کے فریضہ کا حکم سنایا پھر ایک عرصہ کے بعد روزہ کا وجُوب بیان فرمایا و علی ہذا القیاس تئیس برس تک تدریجاً جملہ احکامِ اسلامیہ بیان فرمائے۔جن کے آخر میں کلمہ ولایت کا اقرار تھا جس کا حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر میں اعلان فرمایا بلکہ جناب رسالت مآبؐ کو چالیس برس تک خاموش رکھنا بھی اسی مصلحت کے ماتحت تھا ورنہ انسان کی غرضِ خلقت پہلے دن سے عبادت کرنا ہے۔جیسے فرماتا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۔ پ۲۷ ۔ یعنی جنوں اور انسانوں کو میں نے پیدا ہی عبادت کے لئے کیا ہے۔لیکن احکام کا سلسلہ تدریجاً مقرر کیا ہے۔اور تمام انبیاء کی بعثت کا اپنے اپنے مقام پر یہی حال ہے۔تو اس مقام پر بھی بعید نہیں بلکہ عین

مقتضائے عقل ہے کہ انسان اوّل یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کو چونکہ جملہ خواص و لوازم بشریت عطا فرما کر خلق فرمایا تھا۔ لہٰذا ان کی دینی و دنیاوی زندگی کو اسی فطرت کے ماتحت قرار دے کر تدریجی اقدام کا سلسلہ جاری فرمایا ہو تاکہ ایک طرف تو وہ گُل و گلزار کی تازہ بہاریں کچھ وقت گزار کر اگلی منزل کے لئے تیار ہو جائیں جو ان کے لئے دار العمل اور دار الخلافت تھی اور دوسری طرف شیطان کی دشمنی کے انداز سے بھی عملی طور پر تجربہ کر لیں کہ وہ بدبخت کس کس حیلے و بہانے سے انسان کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے اور نعماتِ جنّت سے محروم کرنے کے لئے انسان کو کیسے سبز باغ دکھا کر بھٹکانے کے درپے ہوتا ہے تاکہ دار العمل میں پہنچ کر اپنی اولاد کو اس کی مکاریوں اور فریب کاریوں سے پُوری طرح آگاہ کر کے جادۂ شریعت پر گامزن کریں اور صراطِ مستقیم پر سیدھا چلنے کی ان کو تلقین کریں۔ اور شیطان چونکہ ظاہری جسم بن کر تو گمراہ کرنے کے لئے آتا نہیں بلکہ اس نے بنی آدم کے رگ و ریشہ میں گھسنے اور وساوس میں مبتلا کرنے کی طاقت پہلے سے طلب کر لی تھی۔ اور اب دار العمل (زمین) پر پہنچ کر حضرت آدمؑ جب اپنی اولاد کو مقامِ تبلیغ میں فرماتے کہ خبردار شیطان کی مکاریوں اور حیلہ سازیوں سے بچ کر رہنا وہ میرا اور تمہارا دشمن ہے کہیں تم کو صراطِ حق سے بھٹکا نہ دے اور تم کو راہِ جنّت سے ہٹا نہ دے تو اب ان کو دریافت کرنے کا حق تھا کہ وہ کیسے بھٹکاتا ہے یا یہ کہ وہ دشمنی کیسے کرتا ہے؟ حضرت آدمؑ دشمنی کی وضاحت تو فرماتے کہ اُس نے میرا سجدہ نہیں کیا تھا لیکن بھٹکانا کیسے سمجھائے؟ صرف یہی فرماتے کہ وہ وسوسے ڈالتا ہے۔ پھر اولاد پوچھتی اس کے وسوسے کیسے ہوا کرتے ہیں؟

یہ تھی انسانی زندگی کی ابتدائی منزل۔ ان کا فریضہ تھا کہ اولاد کو ہر نکتہ سمجھاتے اور شیطان کے ہر طرزِ عمل سے پوری طرح آگاہ کرتے۔ ان کے لئے قطعاً یہ جواب ناکافی تھا کہ بس وہ وسوسے ڈال کر گمراہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ مدرسۂ اسلامیہ کی پہلی جماعت تھی۔ اور اس مکتبۂ شرعیہ میں ان کے سوالات پہلی جماعت کے سوالات کی طرح ہونے چاہیئے تھے۔

خداوند کریم کو علم تھا کہ ابلیس حضرت آدم کے ساتھ شرارتیں کرنے سے باز نہ آئے گا۔ اور وہ اپنے حسد کی بھڑاس نکالے گا۔ پس آدم علیہ السّلام کو اس جنّت میں جو ان کی رہائش گاہ تھی (مدّت رہائش کا حضرت آدم کو علم نہیں دیا گیا تھا وہ صرف اللہ کو معلوم تھی) ایک مخصوص درخت کے قریب جانے سے روک دیا یعنی اس باغ میں جو جی چاہے کھاؤ لیکن صرف اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تمہیں خسارہ ہوگا (اور وہ خسارہ یہ تھا کہ اس کے بعد فوراً اس جنّت سے نکل کر اپنے دار العمل یعنی زمین میں رہائش اختیار کرنی ہوگی۔ اور اس خسارہ کا علم بھی حضرت آدمؑ کو نہیں دیا گیا تھا) ظلم کا معنی خسارہ ہوا کرتا ہے۔

ابلیس کو یہ بھی معلوم تھا کہ دار العمل میں پہنچنے کے بعد حضرت آدمؑ پر میرا داؤ نہیں چل سکے گا کیونکہ وہ نبی ہے اور یہ اقرار بھی کر چکا تھا کہ سب کو گمراہ کروں گا سوائے مخلصین کے۔ اور حضرت آدمؑ کے مخلص ہونے کا اس کو پتہ تھا۔ پس اس نے یہ موقع غنیمت سمجھا اور اپنے حسد کی بھڑاس نکالنے کے لئے آگے بڑھا۔ اب یہ معلوم کرنا کہ وہ کس طریقہ سے وہاں تک پہنچا، اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ بہرکیف پہنچا ضرور

پس حضرت آدم سے یُوں خطاب کیا کہ خدا نے تم کو اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لئے کہ اس کے استعمال سے تم فرشتے بن جاؤ گے ۔ قرآنی الفاظ یہ ہیں مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ (ترجمہ، خدا نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لئے کہ تم فرشتے بن جاؤ گے ۔ پس شیطان نے یہ لفظ استعمال کر کے شائد فوراً محسوس کر لیا کہ میرا یہ طرز بیان کچا ہے اور بے اثر ہے ۔ کیونکہ جس شخص کے سامنے ملائکہ سر بسجود رہے ہوں ، اس کو ملک بننے کا طمع دینا سراسر بے معنی ہے ۔ یہ تو ایسا ہے جیسا ایک ڈپٹی کو کہا جائے کہ فلاں کام کرو تاکہ تحصیلدار بن جاؤ ۔ شیطان چالاک و ہوشیار تو تھا ہی وہ اپنی غلطی کو بھانپ کر فوراً آگے بڑھا اور کہا اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ممکن ہے اَوْ اعراض کے لئے ہو یعنی تم کو اس درخت سے اس لئے روکا گیا ہے کہ تم اس کے استعمال سے یہاں ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ گے جب تک تمہاری زندگی ہے ۔ اسی باغ و بہار میں گذارو گے ۔ اور اجاڑ و غیرہ آباد زمین میں تمہیں نہ جانا پڑے گا ۔ یعنی تمہاری دار العمل اور دار الخلافت زمین ہی ہو جائے گی ۔

ابلیس کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی جنت اسی زمین پر تھی جیسا کہ ابتدائے بیان میں آئمہ اہل بیت کی روایات میں ہے ۔ ورنہ اگر جنت الخلد یا جنت آسمانی ہوتی جیسا کہ بعض نے کہا ہے تو ابلیس آدمؑ کو دھوکا دینے کے لئے یہ بات بھی نہ کہتا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آدم کو زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا ہے ۔ اور آدم کو بھی معلوم تھا کہ میں زمین کی خلافت کے لئے نامزد ہوا ہوں تو بھلا ابلیس کے اس فریب میں وہ کیسے آسکتے تھے کہ اس درخت کے قریب جانے سے میں جنت الخلد یا جنت آسمانی میں ہمیشہ رہوں گا ۔ اور زمین پر نہ جاؤں گا لیکن اگر وہ جنت روئے زمین پر ہو تو ابلیس کا یہ مکر چل سکتا تھا کہ اس درخت کا اثر یہ ہے کہ جو کھائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہے گا ۔ یعنی تا زندگی اسی میں بسر کرے گا ۔ یا یہ کہ اس پر موت نہ آئے گی ۔ پھر اس مطلب پر ابلیس نے قسمیں کھائیں لیکن حضرت آدمؑ نے ایک نہ مانی اور فرمایا کہ جس چیز سے مجھے خدا نے منع فرمایا ہے میں اس کا قصد نہیں کرتا ۔ پس بنا بر مضمون روایت اُس نے حضرت حوّا کے پاس جا کر اپنے سابق طریق کو کارگر نہ سمجھتے ہوئے دوسرا رویہ اختیار کر لیا اور کہنے لگا ۔ اے حوّا ! خدا نے تمہارے اُوپر جس درخت کو حرام فرمایا تھا اب اُس نے تمہارے لئے مباح کر دیا ہے ۔ اب اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں رہی اور تجھے بشارت ہو کہ اگر آدم سے پہلے تُو نے اُس کو کھا لیا تو تُو اُس پر حکمران ہو گی ۔ اور وہ تیرا ماتحت ہو گا ۔ حضرت حوّا نبی تو تھی نہیں ۔ اور ابلیس نے بھی عورت پر اُس کے مزاج کے موافق مکر کا جال ڈالا ۔ اور اس درخت کا مباح ہو جانا بھی تبلایا ۔ پس حضرت حوّا نے بڑھ کر تناول کیا جب اس کے تناول کا اُس پر کچھ اثر نہ ہوا تو حضرت آدمؑ سے آکر کہا کہ واقعی اس درخت کی حرمت خدا نے برطرف کر دی ہے ۔ دیکھو میں نے تناول کیا ہے تو مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا ۔ آپ بھی تناول کر لیں کیونکہ وہ مباح ہو چکا ہے ۔ روایت میں ہے کہ اب اباحت کا پیغام سُن کر حضرت حوا کے کہنے سے حضرت آدم نے تناول کیا ۔ اور شیطان اس طریقہ سے ان کے پھسلانے میں کامیاب ہو گیا ۔

پس اللہ کا حکم ہوا کہ تم اب زمین (دار العمل) میں چلے جاؤ ۔ کیونکہ تمہاری رہائش گاہ زمین ہو گی وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى

حِیْن۔ تمہارا زمین میں ٹھکانہ اور ایک وقت تک نفع اٹھانا ہوگا۔ اِهْبِطُوْا صیغہ جمع کا ہے لیکن دو کے لئے اس کا استعمال ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ ابلیس بھی اس خطاب میں داخل ہو۔ جیسا کہ بعض روایت سے ثابت ہے اور بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ بھی اسی بات کا شاہد ہے کیونکہ صیغہ خطاب کا ہے۔ اور اس وقت حضرت آدمؑ و حوّاؑ کا ابلیس ہی دشمن تھا اور یہی بوقت خطاب موجود بھی تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمنی طور پر تمام اولادِ آدم اس صیغہ میں داخل ہو۔ اور انہی میں سے بعض کی بعض کے ساتھ دشمنی مراد ہو۔ اور فرمایا کہ جاؤ زمین میں پھر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت یعنی احکامِ شریعت پہنچیں گے پس جو میری ہدایت کی اتباع کریں گے۔ ان پر کوئی خوف و حزن نہ گا اور جو کفر و تکذیب کریں گے وہ اصحاب نار ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

خداوند کریم نے آدم کو بھیجنا پہلے سے عہدہ خلافت دے کر زمین پر ہی تھا لیکن عارضی طور پر ایک جنّت میں رہائش دے کر ابلیس کی دشمنی سے عملی طور پر چونکہ متنبہ کرنا تھا لہٰذا ابلیس کے اس مکر کو اُن کے جنّت سے نکلنے کا سبب قرار دے دیا۔

پس آدمؑ کا اس زمین پر آنا بطور سزا نہیں تھا بلکہ یہ مقام تو ان کی پہلے سے رہائش گاہ قرار دی جا چکی تھی یہی اُن کا دارالخلافت اور دارالعمل تھا۔ اور اس کو خسارہ اس لئے کہا گیا کہ ایک تو اس سے شیطان اپنے حربہ کے استعمال کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اب اس دار العمل میں انبیاء پر نہ سہی لیکن غیر انبیاء پر اپنے داؤ پیچ کے استعمال کرنے میں اس کی جرأت بڑھ گئی۔ اور اُسے اپنی حیلہ سازیوں میں کامیابی کی کافی ڈھارس مل گئی۔

اور دوسرے یہ کہ ظاہری طور پر باغ و بہار کو چھوڑ کر غیر آباد زمین کو نئے سرے سے آباد کرنے کی زحمت گوارا کرنی پڑی جو اس آسائش و آرام کے بعد یقیناً تکلیف دہ تھی۔

اور تیسرے ملائکہ کی تسبیح و تقدیس سے مانوسیت جو حاصل تھی اُس سے ظاہری طور پر علیحدہ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کو اس چیز کا بہت افسوس ہوا جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔

گویا حضرت آدم علیہ السّلام کی جنّت میں رہائش اولادِ آدمؑ کی زمین کی رہائش کے لئے ایک پہلی تجربہ گاہ تھی یا یُوں سمجھئے کہ جنّت آدم اولادِ آدمؑ کی دنیاوی زندگی کے تفصیلی پروگرام کا ایک اجمالی خاکہ تھا اور ابلیس کی مکاریوں سے بچنے کے لئے وہاں اس کی تلبیس کا نمونہ ظاہر کیا گیا اور اس کا نتیجہ اس جنّت سے خروج قرار دیا گیا۔ یعنی یہ قصّہ تمام بنی آدم کے لئے جنّت الخلد کی نعمات حاصل کرنے کے لئے وساوسِ شیطانیہ سے اجتناب کرنے کا محرکِ عظیم ہے اور تازیانہ عبرت بھی ہے جس طرح حضرت آدمؑ کی جنّت اس دنیا کی تفصیلی زندگی کا اجمال تھی اسی طرح کل دنیاوی زندگی حیاتِ آخرت کا اجمال ہے۔ یعنی دنیا کے تمام اُمورِ خیر کی تفصیل جنّت الخلد ہے۔ اور دنیا کے تمام آفات و مصائب و شرور کی تفصیل جہنّم ہے۔ وہ مقام اس آبادیٔ دنیا کی کھیتی تھا۔ کیونکہ اس کا انجام یہی دنیا بنی۔ اور یہ دنیا دارِ آخرت کی کھیتی ہے۔ اور اس کا انجام آخرت ہے۔ خواہ جنّت خواہ جہنّم۔ پس بمقتضائے بشریت وہاں حضرت آدم کو ان باتوں کا تجربہ ہوا۔

۱۔ ابلیس راہِ راست سے بھٹکانے کے لئے ہر ممکن حیلہ وبہانہ تلاش کرتا ہے اور ایک نیکی سے ہٹانے کے لئے دوسری طرف زیادہ ثواب وخوشنودئ خدا کا لالچ دلاتا ہے تاکہ اس میں پھنسائے جیسا کہ حضرت آدمؑ کے سامنے کیا۔

۲۔ عورتوں کو گمراہ کرنے کے لئے عورتوں کے مزاج کے موافق پھندے ڈالتا ہے۔

۳۔ حلال گو زیادہ ہوں اور حرام کم ہوں لیکن شیطان اپنی مکاریوں سے صرف اسی حرام کے ارتکاب کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ اس جنت میں صرف ایک درخت سے منع تھی اور باقی سب مباح تھے لیکن ابلیس نے پھر اسی درخت کے استعمال کے لئے ہی سب فریب کاریاں برتیں۔

۴۔ عورت کی اطاعت بعض مراحل میں نقصان دہ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت آدمؑ کو سابق واقعہ میں پیش آیا کہ انہوں نے ابلیس کے قول کو ردّ کر دیا تو جب حضرت حوّا پر ابلیس کا مکروفریب کارگر ہوا تو حوا کے کہنے پر اور اُس کے مباح ہونے کی خبر سُن کر حضرت آدمؑ نے بھی تناول فرمایا۔ گویا انسان کے بھسلانے کے لیے ابلیس کے پاس عورت کے جذبات کو آلۂ کار بنانا اُس کی کامیابی کا آخری حربہ ہیں۔

پس یہ تھا دارالعمل کی زمین میں آنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السّلام کا تجرباتی کورس جس کو اجمالاً مقامِ جنّت میں حضرت آدمؑ نے طے کیا اور پھر دارالعمل میں پہنچ کر اس کی تفصیل سے اپنی اولاد کو آگاہ فرمایا۔ اور یہی طریقہ انسان کی ابتدائی منازل کے لئے جس پر تدریجی ارتقاء موقوف تھا مصلحتِ خداوندی کے عین موافق تھا۔

سوال۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قبل از بعثتِ انبیاء سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔ اور آدم علیہ السّلام کا یہ فعل بھی قبل از نبوّت ہونا قرار دیتے ہیں تو اس گذشتہ بیان سے اُنہی کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ حالانکہ شیعی عقیدہ کی رُو سے انبیاء معصوم ہیں؟

جواب ۔ واقعی یہ عقیدہ درست ہے۔ اور انبیاء سے گناہ کا سرزد ہونا کسی وقت بھی خواہ قبل از بعثت خواہ بعدِ بعثت۔ خواہ صغیرہ خواہ کبیرہ ناممکن ہے۔ لیکن گناہ وہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ نعماتِ اُخروی سے محرومی اور درکاتِ جہنّم میں گرفتاری ہو۔ بہرحال ایسی خطا جس کا نتیجہ زمین کے ایک حصّہ سے منتقل ہو کر دوسرے حصّہ میں جانا ہو۔ اُسے گناہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ ترکِ اولیٰ ہے۔

نیز حکم کی دو قسمیں ہوا کرتی ہیں۔ حکمِ مولوی اور حکمِ ارشادی۔ حکم مولوی وہ ہوتا ہے جس کی خلاف ورزی میں مولا کی کسرِ شان ہو۔ اور حکمِ ارشادی وہ ہے جس کی خلاف ورزی مولا (حاکم) کی کسرِ شان کی موجب نہ ہو۔ جس طرح کوئی ڈاکٹر ایک تندرست انسان کو مشورہ دے کہ تم فلاں غذا نہ کھایا کرو۔ ورنہ اس کا انجام تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا۔ پس اس انسان کا اس غذا کو استعمال کرنا ڈاکٹر کی کسرِ شان نہیں بلکہ اُس کا نفع یا نقصان خود اُسی شخص کی طرف ہی عائد ہے۔ پس یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ خداوندِ کریم نے حضرت آدمؑ کو ارشاد کے طور پر فرمایا کہ اس درخت کے قریب جانے میں تمہیں خسارہ ہوگا۔ اور درحقیقت اُس شجرہ کے قریب جانے یا تناول کرنے میں نہ

حق اللہ کا تلف ہونا لازم آتا تھا اور نہ حق الناس پڑ ڈاکہ تھا لہٰذا حضرت آدمؑ کا اُس درخت کے قریب جانا یا تناول کرنا نہ گناہ صغیرہ تھا نہ کبیرہ۔ گویا یہ نہی تنزیہی تھی۔ تحریمی نہیں تھی۔ لہٰذا اس کا ارتکاب منافیٔ عصمت آدم نہیں تھا اور خداوندِ کریم نے آدم کے اس فعل کو اس مقامِ جنّت سے خروج کا موجب قرار دے دیا تاکہ ایک طرف تو ابلیس کی مکّاریوں کا عملی تجربہ ہو جائے۔ اور ساتھ ساتھ توبہ کی طرف عملی اقدام بھی ہو جائے تاکہ دار العمل کی زمین میں پہنچ کر فرائضِ تبلیغ کو تمام پہلوؤں سے ادا کر سکیں۔ یعنی اولاد پر شیطان کی حیلہ سازیوں کی وضاحت بھی کریں اور ان کو گناہ کے بعد توبہ کا طریقہ بھی سکھلائیں۔ اور دنیا کے پہلے انسان کے لئے یہ عملی درس ضروری تھا۔

نیز اگر حضرت آدم علیہ السّلام کا اُس درخت کو تناول کرنا نافرمانی اور گناہ ہوتا تو جب اُنہوں نے توبہ کر لی تھی اور توبہ منظور بھی ہو گئی تھی جیسا کہ خود ارشاد فرماتا ہے فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ (ترجمہ) پس سیکھ لئے حضرت آدمؑ نے اپنے ربّ سے کلمات پس اللہ نے ان کی بدولت ان کی توبہ منظور فرمائی۔ کیونکہ وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے۔ پس جس جرم کی پاداش میں انہیں جنّت سے نکالا گیا تھا جب وہ جرم معاف کر دیا گیا تو ان کو جنّت میں پھر پلٹا لیا جاتا۔ کیونکہ یہ بات بالکل بے معنی ہے کہ جرم معاف ہو جائے اور سزا باقی رہے۔ پس توبہ قبول ہو جانے کے بعد ان کا زمین میں بحال رکھنا اور دوبارہ جنّت میں نہ بھیجنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ آدم کا زمینِ عمل پر آنا بطور سزا کے نہیں تھا بلکہ زمین پر ان کا تشریف لانا ان کی ڈیوٹی تھی جس کے لئے وہ خلق ہوئے تھے اور جنّت کا مقام ایک عارضی رہائش گاہ تھی جو ذاتِ احدیت نے اس نووارد مہمان کے لئے مخصوص طور پر تجویز فرمائی تھی جہاں اُسے تلبیسِ ابلیس اور طریقۂ توبہ سے عملی طور پر آگاہ کرنا تھا جیسا کہ تدریجی ارتقاء کا تقاضا ہے۔ اور آئمہ اہل بیتؑ کی روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کا اس جنّت میں قیام کا کل زمانہ چھ یا سات گھنٹے تھا جیسا کہ تفسیر برہان میں باختلاف منقول ہے۔

تحقیق شجرہ

تفسیر برہان میں منقول ہے کہ عبد السّلام بن صالح ہروی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ یا ابن رسُول اللہ! فرمائیے وہ درخت کون تھا جس سے حضرت آدم و حوا علیہما السّلام نے تناول کیا کیونکہ لوگوں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ گندم کا درخت تھا۔ بعض انگور کہتے ہیں اور بعض اس کو شجرۂ حسد بیان کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سب درست ہے۔ میں نے عرض کی کہ پھر اس کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا اے ابن صلت جنّت کا درخت کئی قسموں کا پھل دے سکتا ہے۔ گندم کا درخت تھا لیکن اس میں انگور بھی لگ سکتے تھے۔ وہ مثل دنیا کے اشجار کے نہ تھا۔ اور جب آدم کو اللہ نے ملائکہ کے سجدہ کا شرف مرحمت فرمایا اور داخلِ جنّت کیا تو آدم کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب مجھ سے افضل اور کون ہو سکتا ہے۔ پس اللہ کی جانب سے ندا پہنچی کہ سر بلند کر کے ساقِ عرش کی طرف نگاہ کرو۔ پس آدمؑ نے ساقِ عرش پر دیکھا تو لکھا ہوا پایا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَزَوْجَتُهٗ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

پس آدمؑ نے عرض کی اے میرے رب! یہ کون ہیں! پس ارشاد ہوا۔ اے آدم! یہ تیری ذرّیت ہیں۔ اور تجھ سے افضل ہیں اور میری تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھکو پیدا کرتا اور نہ جنّت و نار کو اور نہ زمین و آسمان کو پیدا کرتا۔ خبردار ان کی طرف حسد کی نگاہ نہ اُٹھانا (یعنی ان کی منزل کی تمنّا نہ کرنا کیونکہ وہ انہی کے لئے مخصوص ہے) ورنہ میرے جوار سے یعنی اس مقام جنّت سے نکالا جائے گا۔ پس حضرت آدمؑ نے نگاہ اُٹھائی اور ان کی منزل کی تمنا کی تب ابلیس نے اس درخت کے قریب جانے کی دعوت پیش کی الخ اور اس مضمون کی احادیث بکثرت موجود ہیں یعنی حضرت آدمؑ نے محمدؐ وآلِ محمدؐ کی منازل پر رشک کیا۔ اور رشک کرنا فعل حرام نہیں ہوتا۔

قبول توبہ حضرت آدم علیہ السّلام

حضرت آدم علیہ السّلام نے جن کلمات سے توبہ کی روایات ہیں ان کے الفاظ مختلف ہیں۔ تفسیر عیاشی سے بروایت حضرت امام محمدؐ باقر علیہ السّلام جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ دُعا کے کلمات یہ تھے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ بعض روایات حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ وہ کلمات یہ تھے۔ سُبْحَانَکَ اَللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ رَبِّ اِنِّیْ عَمِلْتُ سُوْٓءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ اِنِّیْ عَمِلْتُ سُوْٓءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ ان کے علاوہ دیگر روایات بھی ہیں لیکن مقصد سب میں حمد و ثنا جناب باری تعالیٰ اور اس کے بعد اپنے قصور کا اعتراف اور طلب معافی ہے چنانچہ خود قرآن مجید ان کی دُعا کے کلمات یہ بیان فرماتا ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ۔ پ۔

اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے روایات کے الفاظ مختلف یا کم و بیش کیوں ہیں؟ کیونکہ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر مطالب ایسے ہیں جو اجمالاً بیان ہوئے ہیں۔ اور روایات میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ لہٰذا اس صورت میں قرآن مجید اور الفاظ روایات میں منافات نہیں بلکہ اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ نیز معصومینؑ سے نقل شدہ روایات کے الفاظ کا اختلاف بھی کوئی باہمی منافات نہیں رکھتا کیونکہ ممکن ہے کہ راویان حدیث میں سے کسی نے کلام کو پورا ضبط کر لیا۔ تو پورے الفاظ آگے چل کر نقل کر دئے اور کسی کو پوری روایت یاد نہ رہی تو اُس نے اس کا معنی نقل کر دیا۔ اسی وجہ سے ایک ہی روایت متعدد راویوں سے مختلف الفاظ میں نقل ہو جاتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ حضرت آدمؑ نے جب توبہ کی تو اس توبہ کا طریقہ بھی خداوند کریم نے خود تعلیم فرمایا۔ جس طرح کہ قرآن مجید میں موجود ہے فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ یعنی آدمؑ نے اپنے رب سے کلمات سیکھے۔ اور متواتر روایات آئمہ طاہرین علیہم السّلام میں ہے کہ خمسہ نجباء یعنی حضرت محمد مصطفےٰؐ، حضرت علیؑ، جناب فاطمہؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو واسطہ دے کر دُعا کی چنانچہ شیخ کلینیؒ اور صدوقؒ سے مروی ہے جیسا کہ تفسیر برہان میں مذکور ہے۔ نیز ابن بابویہ سے مسنداً معمر بن راشد سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سنا کہ ایک دفعہ ایک یہودی حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سامنے

کھڑے ہوکر آں حضرت پر نظر جما کر دیکھنے لگا۔ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے یہودی! کیا چاہتا ہے؟ اُس نے جواب میں عرض کی حضور! مجھے فرمائیے کہ آپ افضل ہیں یا حضرت موسیٰ بن عمران جن سے خدا نے کلام فرمائی۔ اور اس پر تورات اور عصا کو نازل کیا اور اس کے لئے دریا کو شق کیا۔ اور بادل کا سایہ کیا؟ حضورؐ نے فرمایا انسان کے لئے اچھا نہیں کہ اپنی تعریف کرے لیکن میں اتنا کہتا ہوں کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو اُس کی توبہ کے الفاظ یہ تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ پس خدا نے اُس کو معاف کر دیا اور جب حضرت نوحؑ کشتی پر سوار ہوئے اور غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہوا تو یہ کلمات کہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ لِمَا نَجَّیْتَنِیْ مِنَ الْغَرَقِ۔ یعنی میرے اللہ میں تجھ سے بحق محمدؐ وآلِ محمدؐ سوال کرتا ہوں کہ مجھے غرق سے نجات دے پس اللہ نے اس کو نجات دی اور حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں پھینکا گیا تو انہوں نے وہی الفاظ دُہرائے یعنی میرے اللہ میں تجھ سے محمدؐ وآلِ محمدؐ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس سے نجات دے پس اللہ نے آگ کو ٹھنڈا اور موجبِ سلامتی کر دیا اور جب حضرت موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا اور دل میں ڈر محسوس کیا تو یہی کلمات کہے اے اللہ میں تجھ سے بحق محمدؐ وآلِ محمدؐ سوال کرتا ہوں کہ مجھے بچا۔ پس ارشادِ قدرت ہوا۔ لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ پھر آپ نے فرمایا اے یہودی اگر موسیٰ مجھے پا لیتے اور میری نبوّت پر ایمان نہ لاتے تو اس کو اپنا ایمان اور اپنی نبوت کچھ فائدہ نہ دیتی لے یہودی! میری ذرّیت سے مہدی ہو گا جب وہ ظاہر ہو گا تو اُس کی مدد کے لئے عیسیٰ بن مریم اُتریں گے اور اُس کو آگے کھڑا کر کے خود اُس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ ابن شہر آشوب سے بروایت خصائص نطنزی ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے خمسۂ نجباء کے وسیلہ سے دُعا مانگی اور الفاظ یہ کہے یَا رَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّعَلِیٍّ وَّفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ لِمَا غَفَرْتَ لِیْ۔ پس خدا نے اُس کی توبہ قبول کر لی اور یہی وہ کلمات ہیں جو حضرت آدمؑ نے اپنے پروردگار سے حاصل کئے جس کے متعلق قرآن میں ہے فَتَلَقّٰی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْہِ۔ تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ پیدائش سے قبض روح تک حضرت آدم علیہ السّلام کی کل عمر ۹۳۰ برس تھی اور دفن مکہ میں ہوئے تھے۔ جس وقت حضرت آدمؑ کے جسد خاکی میں رُوح داخل کی گئی تو وہ جمعہ کا دن تھا اور زوال کے بعد روح اُن کے جسم میں داخل ہوئی۔ اس کے بعد اُن کی زوجہ پیدا ہوئی اور اُسی دن داخل جنّت ہوئے۔ کل چھ گھنٹے جنّت میں رہنے کے بعد ترک اولیٰ کی وجہ سے غروب شمس کے بعد جنت سے باہر آ گئے وہاں ایک رات بھی نہیں رہے۔

پس یہ تھا حضرت آدمؑ کے جنّت میں رہنے کا مطلب اور ترک اولیٰ کا واقعہ اور توبہ وقبول توبہ کا قصہ جس کو میں نے تفصیل سے عرض کر دیا۔ اس میں نہ حضرت آدمؑ کا گناہ ثابت ہوتا ہے نہ خلاف عصمت ونبوت کوئی شے لازم آتی ہے نہ منافی عقل ہے اور نہ مخالفِ نقل۔ اسی کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں مَیں نے عصمتِ آدمؑ کے متعلق ایک دوسرا عقلی طریقہ اختیار کیا

تھا لیکن یہ بیان اس بیان سے زیادہ واضح اور زیادہ موافق عقل و نقل ہے۔ اس میں معانی آیات کی بھی چنداں تاویل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور مضامین روایات سے بھی اس کو کوئی تصادم نہیں بلکہ یہ بیان مضمون روایات کے مطابق ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ ۔ حضرت آدم علیہ السّلام کی عصمت بلکہ تمام انبیاء طاہرین علیہم السّلام کی عصمت میں کسی قسم کا شک وشبہ کرنا حرام و ناجائز ہے۔ اور انبیاء کے متعلق گناہ کو منسوب کرنا خواہ گناہ صغیرہ ہو خواہ کبیرہ قبل از بعثت ہو یا بعد از بعثت منافی ایمان ہے خداوند کریم نے انبیاء کو قرآن مجید میں مصطفیٰ، مجتبیٰ، اخیار، مخلصین، منعم علیہم اور صالحین وغیرہ کے پاکیزہ خطابات سے نوازا ہے اور جن کو خدا ان جیسے مقدس الفاظ سے ذکر فرمائے ان کی عصمت پر اس سے زیادہ نقلی برہان اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور یہ ناممکن ہے کہ خداوند کریم عہدۂ نبوت کے لئے ایسے افراد کو انتخاب کرے جو خود گناہ سے اجتناب نہ کرتے ہوں کیونکہ خود گناہوں سے نہ بچ سکنے والا دوسروں کو گناہوں سے بچنے کی تبلیغ نہیں کر سکتا کیونکہ جس شخص کا قول اپنے فعل کے خلاف ہو اس کی بات سننے والوں کے دلوں میں گھر کر سکتی ہی نہیں۔ پس ضروری ہے کہ خدا کی طرف سے عہدۂ نبوت پر فائز ہونے والا معصوم ہو۔ دیگر چند عقلی ادلّہ و براہین کتاب کی جلد اوّل میں پیش کی جا چکی ہے۔ اور کتاب لمعۃ الانوار کے مطالعہ سے یہ مسئلہ بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

پس جب قرآن مجید میں انبیاء کی مصطفائی و مجتبائی کا کھلا اعلان موجود ہے جو ثبوتِ عصمتِ انبیاء کے لئے کافی ہے تو قرآن میں ایسے واقعات یا ایسے الفاظ جن سے انبیاء کی عصمت کے خلاف وہم پڑتا ہو وہ واجب التاویل ہیں۔

بعض لوگ ممکن ہے کہ اس کی تاویل سے عاجز آکر اصل واقعہ کا انکار کر کے اس کو ایک تمثیل قرار دے دیں اور کہیں کہ قرآن کی دوسری مثالوں کی طرح یہ بھی ایک مثال ہے۔ اور در اصل واقعہ کچھ نہیں یا بعض لوگ اس کو عقل و وہم کی تعبیریں قرار دے دیں یعنی آدم سے مراد عقل انسانی اور حوا سے مراد وہم انسانی ہے۔ اور گویا قرآن پاک میں عقل و وہم کی کش مکش کو حسّی مثال سے واضح کیا گیا ہے لیکن یہ صراحت قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ بعض لوگ حضرت آدم کے متعلق قرآنی بیان کی صحیح تاویل تک دسترس نہ پانے کے باعث اصل واقعہ کا انکار اس طرح کرتے ہیں کہ جملہ خطابات قرآنیہ کا رُخ اولادِ آدمؑ کی طرف ہے جیسا کہ عصمتِ آدمؑ کے مصنف نے کیا ہے میرے خیال میں اس قسم کے خیالات کا اظہار کوتاہ فہمی ہے کیونکہ جب قرآن مجید کی تصریحات اور آئمہ معصومین کی روایات بحد تواتر واقعہ کو حضرت آدم کی ذات سے مخصوص کرتی ہیں تو کسی مسلمان کو اس کا انکار کس طرح زیبا ہے؟ بے شک عصمت انبیاء کے منافی الفاظ کی تاویل کرنا ضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل واقعہ جو قرآن و حدیث کی رُو سے مسلّم طور پر ثابت ہو اس کا سرے سے انکار کر دیا جائے۔

پس ہمارا عقیدہ ہے کہ واقعہ کا تعلق حضرت آدم علیہ السّلام کی ذات سے ہے اور منافی عصمت بھی نہیں۔ اس بیان میں طول ہو گیا ہے لیکن امید ہے کہ افادیت کے پیش باعث ملول نہ ہو گا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ

اے اولاد یعقوب یاد کرو میری اس نعمت کو جو انعام کیا میں نے تمہارے اُوپر اور تم پورا کرو میرے عہد کو میں

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا

پورا کروں گا تمہارے عہد کو اور صرف مجھ سے ڈرو اور ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو میں نے نازل کی درحالیکہ وہ تصدیق کرنے

لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ

والی ہے اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے اور نہ ہو پہلے کفر کرنے والے اس کے اور نہ وصول کرو میری آیات کے بدلے قیمت تھوڑی اور

فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

صرف مجھ سے خوف کرو اور نہ ملاؤ حق کو ساتھ باطل کے اور نہ چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۔ اللہ نے اس سے پہلے عام انسانوں پر اپنی عمومی نعمت خلق کو ذکر کیا اور زمین کی تمام چیزوں کا انسان کے فائدہ کے لئے خلق کرنے کا ذکر کر کے اپنی عبادت و معرفت کی طرف متوجہ فرمایا۔ اور پھر حضرت آدمؑ کی تخلیق و خلافت اور ملائکہ کا اُس کے سامنے سجدہ کرانے کا بنی آدم پر خصوصی احسان بیان فرما کر انسان کو خطا کے بعد توبہ کی طرف متوجہ ہونا سکھایا۔ جس کی تفصیل قدرے بیان ہو چکی ہے۔ اب بنی اسرائیل پر اپنے خاص احسانات کا ذکر فرماتا ہے۔ اس مقام پر صرف توجہ دلانے کے لئے اجمالی طور پر یاددہانی کے بعد ان کو حق پوشی سے بچنے کی اور قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دے کر اپنی گرفت سے ڈرایا ہے اگلے رکوع میں ان نعمات و احسانات کی تفصیل آئے گی جن کا یہاں اجمال ہے۔

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السّلام کا نام ہے۔ عبرانی زبان میں اِسر کا معنی عبد اور ایل کا معنی اللہ ہوتا ہے پس اسرائیل کا معنی عربی میں عبداللہ ہوتا ہے۔ یعقوب ان کو اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کا بھائی عیص اور یہ دونوں جوڑویں پیدا ہوئے پہلے عیص کا تولد ہوا اور ان کے بعد یہ پیدا ہوئے تو چونکہ یہ بعد میں پیدا ہوئے اس لئے ان کو یعقوب کہا گیا۔ یعنی بعد میں پیدا ہونے والا۔ لفظ یعقوب عقب سے مشتق ہے۔ اسی طرح امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے۔

تورات میں خداوند کریم نے بنی اسرائیل سے عہد فرمایا تھا کہ میں ایک نبی یعنی حضرت محمد مصطفٰےؐ کو مبعوث کروں گا جو اُس کی اطاعت کرے گا اُس کو دوگنا اجر عطا کروں گا۔ ایک اجر موسٰی اور تورات پر ایمان لانے کا۔ اور دوسرا اجر جناب محمد مصطفٰےؐ اور قرآن پر ایمان لانے کا اور جو شخص آنؐ پر ایمان نہ لائے گا اُس کو سزا کے طور پر جہنّم میں داخل کروں گا۔ پس یہاں اسی عہد کو یاد دلا رہا ہے۔ یہ بنی اسرائیل جو اس وقت جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ میں تھے گو اس وقت موجود نہ تھے لیکن چونکہ تورات پر ایمان

کا دعویٰ رکھتے تھے لہٰذا وہ عہد ان کو شامل تھا اور اس کی وفا ان پر لازم و واجب تھی (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں اسی آیت کے ذیل میں ابن بابویہ سے بسند متصل ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے جب یہ آیت اُتری تو فرمایا کہ جب حضرت آدم دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے فرزند حضرت شیث کے ساتھ وفا کرنے کا اپنی اُمّت یعنی باقی اولاد سے عہد لیا لیکن اس عہد کی وفا نہ کی گئی اور جب حضرت نوح دنیا سے گئے تو انہوں نے اپنے فرزند سام کے لئے اپنی اُمّت سے وفا کا عہد لیا لیکن ان کی اُمّت نے وفا نہ کی۔ اور حضرت ابراہیم نے دنیا سے جاتے ہوئے اپنے فرزند اسمٰعیل کے لئے اپنی قوم سے وفا کا عہد لیا لیکن اُمّت نے پُورا نہ کیا۔ اور حضرت مُوسٰے نے جب دنیا سے رحلت فرمائی تو اپنی قوم سے اپنے وصی حضرت یوشعؑ کے ساتھ وفاداری کا عہد لیا لیکن اُنہوں نے پورا نہ کیا۔ اور جب حضرت عیسٰی بن مریم علیہما السلام آسمان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے اس سے پہلے اپنی قوم سے اپنے وصی حضرت شمعون کے ساتھ وفا کرنے کا عہد لیا لیکن اُمّت نے وفا نہ کی اب میں بھی عنقریب تم سے جدا ہونے والا ہوں اور تمہارے درمیان سے رخصت ہونے والا ہوں اور میں نے بھی اپنی اُمت سے علی بن ابی طالب کے لئے عہد لیا ہے لیکن یہ بھی گذشتہ اُمّتوں کے نقش قدم پر چل کر میرے وصی کی مخالفت و نافرمانی کریں گے۔ آگاہ رہو! علی کے بارے میں مَیں اپنے عہد کو تازہ کرتا ہوں پس جو شخص اس عہد کو توڑے گا اُس کا وبال اس کے سر پر ہوگا اور جو وفا کرے گا خدا اس کو اَجرِ عظیم عطا کرے گا۔ ایّہا النّاس۔ علی میرے بعد تمہارا امام ہے۔ اور تمہارے اُوپر میرا خلیفہ ہے۔ اور یہی میرا وصی ہے۔ اور وزیر بھی ہے۔ میرا بھائی بھی ہے اور ناصر بھی ہے۔ میری شہزادی کا شوہر بھی ہے اور میری اولاد کا باپ بھی ہے میری شفاعت حوض اور لواء کا مالک بھی ہے۔ جس نے اس کا انکار کیا اُس نے میری نبوت کا انکار کیا اور جس نے میرا انکار کیا اُس نے اللہ کا انکار کیا۔ اور جس نے اس کی امامت کا اقرار کیا اُس نے میری نبوت کا اقرار کیا۔ اور جس نے میری نبوت کا اقرار کیا اُس نے اللہ کی توحید کا اقرار کیا۔ اے لوگو! جس نے علی کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے علی کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی ایّہا النّاس جس نے علیؑ کے قول و فعل کی تردید کی اُس نے میری تردید کی۔ اور جس نے میری تردید کی اُس نے عرش کے اُوپر اللہ کی تردید کی۔ لوگو جس نے علی کے اُوپر کسی اور امام کو ترجیح دی گویا اُس نے میرے اُوپر کسی اور نبی کو ترجیح دی گویا اُس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو ربّ ہونے میں ترجیح دی۔ ایّہا النّاس۔ علی سیّد الوصیین ہے نوریوں کا سردار ہے اور مومنوں کا مولا ہے۔ اس کا ولی میرا ولی اور میرا ولی اللہ کا ولی ہے۔ اس کا دشمن میرا دشمن اور میرا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ پس علیؑ کے بارے میں اللہ کے عہد کی وفا کرو وہ قیامت کے دن تمہارے ساتھ جنّت کے عہد کی وفا کرے گا۔

مجمع البیان میں امام محمدؐ باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حُیَیّ بن اخطب اور کعب بن اشرف اور دیگر عُلمائے یہود کے لئے

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ

اور قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنیوالوں کے کیا امر کرتے ہو لوگوں کو نیکی

بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا

کا اور بھلاتے ہو اپنے نفسوں کو حالانکہ تم تلاوت کرتے ہو کتاب (تورات) کی کیا پس تم نہیں سمجھتے اور اللہ سے مدد چاہو ساتھ

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ

صبر اور نماز کے اور تحقیق یہ بات بڑی گراں ہے مگر اوپر خشوع کرنے والوں کے جن کو یقین ہے (ظن کا معنی بیان

اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

تعیین ہے) کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں

عوام یہودیوں کی طرف سے سالانہ وظائف مقرر تھے اور جب رسالت مآبؐ کے دین کی ترویج و اشاعت میں انہیں اپنے مقررہ وظائف کے بند ہو جانے کا خطرہ پیدا ہوا جس کو وہ نہ چاہتے تھے تو پس انہوں نے جناب رسالت مآبؐ کا ذکر و جملہ اوصاف جن کا تورات میں ذکر تھا سب کو بدل ڈالا پس قرآن مجید ان کی اسی شرارت کی خبر دے رہا ہے اور ان کو نصیحت کر رہا ہے کہ میری آیات کے بدلہ میں دنیاوی فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ دنیا کا فائدہ خواہ کتنا زیادہ ہی کیوں نہ ہو آخرت کے فوائد کے مقابلہ میں اقل قلیل ہے۔ پس یہ خطابات علمائے یہود کی طرف راجع ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ جو تورات کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے ساتھ کفر کرنے میں پہل نہ کرو کیونکہ تمہارے پیچھے عوام یہود بھی تم کو دیکھ کر گمراہ ہوں گے اور سب وبال آخرت میں تمہارے اوپر ہوگا۔ اور دنیاوی مال قلیل کے بدلہ میں تورات کی آیات کی تحریف کر کے اپنی عاقبت کو خراب نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور حق کو چھپانے کی خاطر حق و باطل کو خلط ملط نہ کرو حالانکہ تمہیں تورات کی رو سے بھی معلوم ہے کہ ایسا کرنے والے کا انجام آتش جہنم ہے۔

نماز و زکوٰۃ کا بیان

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۔ تمام عبادات میں سے نماز اور زکوٰۃ افضل ہیں۔ نماز عبادات بدنیہ میں سے افضل ہے۔ اور زکوٰۃ عبادات مالیہ میں سے افضل ہے۔

نماز ۔ کافی میں بروایت زرارہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا نماز سے سستی نہ کرو۔ کیونکہ جناب رسالت مآبؐ نے اپنے آخری وقت میں فرمایا کہ نماز کو خفیف جاننے والا مجھ سے یعنی میری اُمّت سے نہیں ہے۔ اور شراب پینے والا بھی میری اُمّت سے نہیں ہے۔ خدا کی قسم ایسا شخص میرے پاس ہرگز حوض کوثر پر وارد نہ ہوگا۔ نیز دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مومن جب تک نماز کا پابند رہے شیطان اس سے خوف زدہ رہتا ہے۔ جب یہ نماز کو ضائع

کردے تو وہ اس پر غلبہ حاصل کرکے اس کو دوسرے گناہان کبیرہ میں مبتلا کردیتا ہے۔ نیز حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ جو شخص فرضی نمازوں کو پابندیٔ وقت سے ادا کرے وہ غافلین میں شمار نہ ہوگا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے منقول ہے کہ میرے والد بزرگوار نے آخری وقت میں مجھے فرمایا۔ بیٹا جو شخص نماز کو خفیف سمجھے اس کو ہماری شفاعت نہ پہنچے گی۔ نیز حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ ہر شئے کا چہرہ ہوا کرتا ہے۔ اور تمہارے دین کا چہرہ نماز ہے۔ پس تم اپنے دین کے چہرہ کو بدنما نہ کرو (کافی) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ معصومینؑ نے اپنے آخری وقت میں سب سے پہلے نماز کی وصیت فرمائی۔ حتیٰ کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام نے خیام سے آخری رخصت کے وقت اپنے بیمار فرزند کو سب سے پہلے نماز کی وصیت فرمائی۔ اور ابوثمامہ صیداوی نے جب نماز کا وقت یاد دلایا تو آپ نے نہایت خوش ہو کر اُس کو یہی دعا فرمائی کہ خدا تجھے نمازیوں میں محشور کرے۔ مومنین کو واقعہ کربلا سے کہ امام حسینؑ کی فرمائشات اور آخری وصیت کی قدر کرنی چاہیے۔ نماز کے مسائل کی پوری تفصیل جلد۵ میں ملاحظہ کیجئے۔

زکوٰۃ ۔ کافی میں ہے امام جعفر صادق علیہ السّلام نے محمدؒ بن مسلم سے فرمایا کہ جو شخص اپنے مال زکوٰۃ میں سے کوئی چیز روک دے اور ادا نہ کرے خداوند کریم بروز محشر اس مال کو اژدھا کی شکل دے کر اس کی گردن میں ڈال دے گا جو اُسے نوچتا رہے گا۔ یہاں تک کہ مخلوق کا حساب ختم ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ جناب رسولِ خدا نے نام لے کر پانچ آدمیوں کو اپنی مسجد سے نکال دیا اور فرمایا کہ تم چونکہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے لہٰذا اس مسجد میں نماز بھی نہ پڑھو۔ ابوبصیر سے مروی ہے کہ حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ جو شخص زکوٰۃ کا ایک قیراط ادا نہ کرے نہ وہ مومن ہے اور نہ مسلمان ہے۔ اور روایت میں ہے کہ اس کی نماز بھی مقبول نہیں ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب قائم آلِ محمدؐ کا ظہور ہوگا تو زکوٰۃ نہ دینے والوں کی گردنیں اڑا دیں گے۔ نیز جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ ادا نہ ہو اس پر لعنت ہے۔ زکوٰۃ کے مسائل کی تفصیل جلد۶ میں ملاحظہ ہو۔

نماز با جماعت

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۔ میں چونکہ نماز جماعت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ لہٰذا نماز جماعت کی فضیلت کے متعلق چند حدیثیں بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اگر نماز جماعت میں تعداد دس سے زیادہ ہو جائے تو ایک ایک رکعت کا ثواب لکھنے سے ملائکہ عاجز آجاتے ہیں۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ صفوں میں سے پہلی صف افضل ہے۔ اور پھر جس قدر پیش نماز کے قریب ہوگا افضل ہوگا تنہا نماز پڑھنے والے سے باجماعت نماز پڑھنے والا جنّت میں پچیس درجے بلند ہوگا۔ نیز مروی ہے کہ دائیں طرف والوں کا درجہ بائیں طرف والوں سے اتنا زیادہ ہے جتنا جماعت کا درجہ انفرادی نماز سے زیادہ ہے۔ امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ ایک شخص جناب رسولِؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں بادیہ نشین ہوں۔ میرے پاس میری بیوی بچے اور غلام ہوا کرتے ہیں۔ کیا میں اذان و اقامت کہہ کر اُن کو نماز پڑھاؤں تو جماعت کا درجہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو اُس نے عرض کی

کہ میرے غلام بعض اوقات پانی کی تلاش میں باہر چلے جاتے ہیں تو کیا میں اپنی بیوی بچوں کو اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھاؤں تو جماعت کا درجہ ہو گا؟ فرمایا ہاں! اُس نے عرض کی کہ بعض اوقات میرے بچے مال مویشی لے کر ادھر ادھر چلے جاتے ہیں تو کیا میں اپنی بیوی کو اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھاؤں تو جماعت کا ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اُس نے عرض کی کہ اگر عورت کسی کام کے لئے چلی جائے اور میں تنہا اذان و اقامت سے پڑھوں تو جماعت کا ثواب ہو گا آپ نے فرمایا ہاں! مومن اکیلا بھی جماعت ہے۔ (کافی)

لیکن روایت کے آخری جملہ سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مومن کی تنہا نماز ہر وقت جماعت کا ثواب رکھتی ہے بلکہ یہ اُس وقت ہے جب جماعت ممکن نہ ہو۔ وافی باب المعاصی والمناہی میں حضرت صادق علیہ السّلام سے ایک طویل روایت میں ہے کہ جو شخص ثوابِ جماعت کی طلب کے لئے مسجد کی طرف چلے اُس کے ہر قدم کے بدلہ میں ستر ہزار نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔ اور ستر ہزار درجات بلند ہوں گے، اور اسی حالت میں اگر مرے تو ستر ہزار فرشتہ اس کے دفن میں شریک ہو گا جو اُسے جنت کی خوش خبری سنائیں گے۔ اور تنہائی میں اُس کے مونس ہوں گے اور قیامت تک اُس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے

غلط فہمی کا ازالہ۔ ہمارے عام مومنین سمجھتے ہیں کہ پیش نماز میں عدالت کی شرط ایک ایسا ناشدنی امر ہے کہ سوائے معصوم کے اور کوئی نماز جماعت کے اہل ہو ہی نہیں سکتا شیطان چونکہ چاہتا ہے کہ مومن کو افضل ترین عبادت سے محروم رکھے لہذا دلوں میں شبہات ڈال کر مومن کو ایک بہترین عبادت سے محروم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ جب طلاق کی شہادت کے لئے عادل میسّر ہو سکتے ہیں، نکاح کی وکالت کے لئے عادل مل سکتے ہیں۔ ماہ رمضان یا عید کا چاند ثابت کرنے کے لئے عادل دستیاب ہو سکتے ہیں تو کیا صرف نمازِ خدا کی ادائیگی کے وقت پُورے شہر کے سب مومن فاسق و فاجر ہو جاتے ہیں؟ یہ معاملہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ میرے خیال میں یہ صرف شیطانی وسوسہ ہے جو نمازیوں کو نماز سے تو روک نہیں سکتا لہذا اس بہانہ سے ان کو ایسے طرز عمل سے روک دیتا ہے جس سے نماز کی مقبولیت یقینی ہوتی ہے۔ پس نماز پڑھنے والوں کے لئے احادیث معصومین کے پیش نظر ضروری ہے کہ نماز باجماعت کی کوشش کریں اور ان شیطانی وساوس کا اعتبار نہ کریں۔ جو شخص نماز و طہارت کے ضروری مسائل جانتا ہو قرأت درست رکھتا ہو اور ظاہر میں نیک ہو وہ پیش نماز بن سکتا ہے۔ اور اس کے پیچھے نماز ادا کر کے ہر جگہ مومنین ثوابِ جماعت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور پیشنماز کے پاس مزید کسی سند کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

علمائے یہود کی مذمت کر کے خداوند کریم نے علمائے اسلام کو بھی متنبہ فرمایا ہے کہ مبادا لوگوں کو ہدایت کر کے اپنے نفسوں کو بھلا دیں۔ اور آیت کا مفہوم صرف ایک زمانہ والوں کے لئے نہیں بلکہ تا قیامت باقی ہے اسی لئے تو روایت میں ہے کہ روزِ محشر بڑی حسرت ان علما کو ہو گی جن کی نصیحت سے دوسروں نے فائدہ اٹھا کر جنت میں جگہ پالی اور ان کو اپنی بداعمالیوں کی بدولت جہنم کا جیل خانہ نصیب ہوا۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا وَجَمِيعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

يٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ

اے اولادِ یعقوب یاد کرو میری اس نعمت کو جو انعام کیا میں نے تم پر اور میں نے تم کو فضیلت دی

عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ

عالمین پر اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کفایت کرے گا کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی اور قبول نہ ہوگی اس

مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ

سے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس سے فدیہ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے اور (یاد کرو) جب ہم نے بچایا تم کو

اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ

فرعونیوں سے کہ تکلیف دیتے تھے تم کو برے عذاب کی کہ ذبح کر ڈالتے تھے تمہارے لڑکوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری لڑکیوں کو

وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾

اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی

بنی اسرائیل پر نعماتِ خداوندی کا ذکر

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ - اس مقام پر تنزیل کے اعتبار سے بنی اسرائیل سے مراد اولادِ یعقوب ہے۔ پہلے رکوع میں ان پر انعامات کو اجمالی طور پر ذکر کیا گیا تھا۔ یہاں سے ان نعمتوں کی تفصیل کو شروع کیا گیا ہے اور اسی بنا پر اس کو دہرایا گیا ہے۔

شفاعت: ۔ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہاں جس دن سے ڈرنے کا حکم خدا نے دیا ہے اُس سے مراد موت کا دن ہے کیونکہ موت سے نہ کوئی دوسرے کی مدد کر سکتا ہے اور نہ سفارش کا مقام ہوتا ہے اور نہ فدیہ سے اس کو روکا جا سکتا ہے۔ اور اس سے یوم قیامت مراد نہیں کیونکہ اُس دن ہم اپنے شیعوں کی مدد کریں گے۔ اعراف پر حضرت محمد مصطفیٰ ۔ علیؑ ۔ فاطمہؑ ۔ حسنؑ ۔ حسینؑ اور ان کی طاہر اولاد موجود ہوگی۔ پس عرصہ محشر میں جب مومنین سختی دیکھیں گے تو ہر زمانہ کے نیک اور اخیار شیعوں کو ان کی نجات کے لئے بھیجیں گے مثلاً اپنے زمانہ والوں کے لئے سلمان ۔ مقداد ۔ ابوذر وغیرہ (بحکم امام) باز و شاہین کی طرح جھپٹ کر گنہگار شیعوں کو اٹھا کر جنّت میں داخل کریں گے۔ پس مومن داخل جنّت ہوں گے اور اہل بیت سے عداوت رکھنے والے داخل جہنّم ہوں گے (ملخصاً)

تفسیر مجمع البیان میں بنی اسرائیل پر فرعون کے مظالم کی وجہ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا کہ

بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ اُٹھی جس نے مصر کے تمام گھروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان کو جلا کر خاکستر کر دیا اور صرف قبطیوں کو اُس نے جلایا اور بنی اسرائیل کو ضرر نہ پہنچایا۔ فرعون اس سے بہت گھبرایا اور جادوگروں، قیافہ شناسوں اور نجومیوں کو بلا کر ان سے تعبیر خواب دریافت کی۔ انہوں نے کہا بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری ہلاکت ہوگی۔ تیرا ملک زائل ہوگا اور تیرا دین ختم ہوگا۔ پس فرعون نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں ہر پیدا ہونے والا لڑکا قتل کر دیا جائے اور اپنی مملکت کی تمام دایہ عورتوں کو بلا کر حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا کوئی لڑکا زندہ نہ چھوڑا جائے اور کوئی پیدا ہونے والی لڑکی قتل نہ کی جائے چنانچہ وہ ایسا ہی کرتی تھیں۔ بنی اسرائیل کے سن رسیدہ لوگ اپنی اپنی اجل سے مرتے گئے اور بچے ذبح ہوتے گئے تو قبطیوں کے رؤسا فرعون کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ سن رسیدہ بنی اسرائیل ویسے مر رہے ہیں اور پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کیا جا رہا ہے اگر یہی صورتِ حال رہی تو تھوڑے عرصہ کے اندر ہمارے کاروبار کرنے والا کوئی نہ بچے گا اور تمام نجی کام ہمیں خود کرنا پڑیں گے۔ پس فرعون نے حکم دیا کہ ایک سال قتل کو جاری رکھا جائے اور ایک سال یہ سلسلہ بند کر دیا جائے۔ پس حضرت ہارون اس سال پیدا ہوئے جس سال قتل نہ تھا اور حضرت موسیٰ قتل کے سال میں پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا تفصیلی ذکر تفسیر ہذا کی جلد ۹ ص۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ۔

بنی اسرائیل کے مرد قبطیوں کے نوکروں کی حیثیت سے تھے۔ ان کی کھیتی باڑی اور دیگر تمام نجی کاروبار ان کے ذمہ تھے جو شخص کام سے عاجز ہوتا تھا قبطیوں کی طرف سے اس پر جزیہ (ٹیکس) رکھا جاتا جس کو وہ ظلم سے وصول کیا کرتے تھے۔ اور بنی اسرائیل کی عورتوں کو اپنی کنیزی میں رکھتے تھے اس لئے فرعون نے ان کے ذبح نہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور درحقیقت لڑکیوں کا ان کی کنیزی میں ہونا ان کے لڑکوں کے قتل ہونے سے زیادہ سخت اور ناقابلِ برداشت ظلم تھا۔

بَلَآءٌ عَظِيمٌ کا معنی سخت آزمائش بھی ہے اور اس کا معنی احسانِ عظیم بھی ہے اور اس مقام پر دونوں مراد لئے جا سکتے ہیں یعنی فرعون کا یہ ظلم تمہارے اُوپر امتحان عظیم تھا جس سے خدا نے تمہیں نجات دی، یا فرعونیوں کے اس مبینہ ظلم سے جو خدا نے تمہیں نجات دی ہے اس میں تمہارے اُوپر اس کا احسان عظیم ہے۔

فرعون مصر کے بادشاہ کا نام نہیں تھا بلکہ یہ عمالقہ کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ جس طرح روم کے بادشاہوں کو قیصر اور ایران کے حکمران کو کسریٰ کہا جاتا تھا اسی طرح عمالقہ کے بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ کے فرعون کا نام مصعب بن ریّان تھا۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل پر جب فرعون کے مظالم سخت ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر وحی ہوئی کہ اپنی قوم کو محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجنا سکھائے جب انہوں نے یہ عمل شروع کیا تو درود کی برکت سے ان کے مصائب

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (۵۰)

اور یاد کرو جب شق کیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پس تمہیں بچالیا اور غرق کردیا ہم نے فرعونیوں کو حالانکہ تم دیکھ رہے تھے

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ

اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس راتوں کا پھر پکڑا (پوجا) تم نے گوسالہ اس کے پیچھے اور

اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (۵۱) ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۵۲)

تم ظالم تھے پھر ہم نے درگذر کیا تم سے اس کے بعد تاکہ تم شکر گزار ہو

کم ہوگئے جب ان کے ہاں بچہ کی پیدائش ہوتی تھی تو فرعونیوں کے ڈر سے اس کو کسی غار میں چھپا دیتے تھے اور اس پر دس مرتبہ درود پڑھ دیتے تھے۔ خداوند کریم اس کی تربیت کے لئے ایک فرشتہ بھیج دیتا تھا۔ اور بقدرت خدا وہ اپنی انگلی کو چوستا تھا تو اس سے دودھ جاری ہوجاتا تھا جس سے اُس کی نشوونما ہوتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ باوجود فرعون کے تشدد کے بنی اسرائیل کی تعداد میں کمی واقع نہ ہوئی۔ اور عورتوں نے بھی درود کو وردِ زبان بنایا جس سے فرعونیوں کو ان کی آبروریزی پر قدرت نہ ہوسکتی تھی۔ اب خدا اسی احسان کو بنی اسرائیل پر ذکر فرمارہا ہے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

فرعون اور اُس کے لشکر کے غرق ہونے کا واقعہ

وَاِذْ فَرَقْنَا۔ تفسیر مجمع البیان میں فرعون اور اُس کے لشکر کی دریائے نیل میں غرقابی کا قصہ ابن عباس سے، اس طرح منقول ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر وحی ہوئی کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر رات کے وقت روانہ ہوئے تو فرعون نے دس لاکھ سواروں کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور حضرت موسیٰ کے ہمراہیوں کی تعداد چھ لاکھ بیس ہزار تھی۔ پس حضرت موسیٰ، ان کو لے کر پانی کے کنارے پہنچے جب پلٹ کر دیکھا تو فرعون کے گھوڑوں کا غبار نظر آیا۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ سے کہنے لگے۔ اے موسیٰ تیرے آنے سے پہلے بھی ہم مبتلائے مصیبت رہے اور تیرے آجانے کے بعد بھی معاملہ وہی ہے۔ سامنے پانی ہے پیچھے فرعون ہے۔ حضرت موسیٰ نے اُن سے کہا کہ مجھے اُمید ہے کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کرے گا اور تم کو زمین کی حکومت عطا کرے گا۔ حضرت یوشع بن نون نے عرض کی کہ اب کیا حکم ہے؟ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ پانی پر اپنا عصا ماروں اور خدا نے دریا کو وحی کی تھی کہ وہ موسیٰ کے عصا مارنے سے اس کی اطاعت کرے پس حضرت موسیٰ نے جب پانی پر عصا مارا تو وہ شق ہوگیا اور اس میں بارہ راستے پیدا ہوگئے اور بنی اسرائیل کے ہر قبیلہ کے لئے الگ راستہ تھا پس وہ کہنے لگے کہ ابھی رستوں میں تری زیادہ ہے یعنی کیچڑ ہے ہم ایسے راستے سے نہیں چلتے پس خدا نے بادِ صبا کو بھیج کر

راستے خشک کر دیئے۔ جب داخل ہوئے تو کہنے لگے کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے۔ نہ معلوم ان کا حال کیا ہوگا تو حضرت موسےٰ نے اللہ سے ان کے حالات کی شکایت کی۔ پس وحی ہوئی کہ تو اپنے عصا سے دائیں بائیں اشارہ کر چنانچہ حضرت موسٰی نے ویسا ہی کیا۔ تو پانی کی بلند دیواروں میں ہر دو طرف سے دروازے پیدا ہوگئے کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے۔ جب فرعون ساحل آب پر پہنچا تو اُس کا مشکی گھوڑا پانی میں داخل ہونے سے گھبرایا پس جبرائیل بصورت بشر ایک مادہ گھوڑی پر سوار ہو کر فرعون کے گھوڑے کے آگے ہوگئے اور پانی میں داخل ہوئے تو فرعون کا گھوڑا بھی پیچھے داخل ہوگیا۔ اس کے بعد فرعون کا لشکر بھی داخل ہونا شروع ہوگیا۔ جب بنی اسرائیل سب کے سب پار ہوگئے اور لشکرِ فرعون سب کا سب داخلِ آب ہوگیا تو بحکمِ خدا پانی آپس میں مل گیا۔ اور لشکرِ فرعون غرق ہوگیا۔ (ملخص ترجمہ روایت)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت موسٰی بمعہ بنی اسرائیل جب ساحلِ آب پر پہنچے تو وحی ہوئی کہ اے موسےٰ! بنی اسرائیل سے کہو کہ میری توحید کا اقرار تازہ کریں اور جناب محمد مصطفےٰ کا دل سے اقرار کریں اور اس کے بھائی علی اور اس کی آلِ پاک کی ولایت کو تازہ کریں اور پھر اس پانی کو عبور کرنے کے لئے ان کا واسطہ دے کر مجھ سے دُعا مانگیں۔ میں اس پانی کی سطح کو مثل زمین کے کر دوں گا۔ حضرت موسٰی نے جب اُن کو اللہ کا یہ حکم سنایا تو کہنے لگے ایسی بات ہم نہیں مانتے ہم نے موت کے ڈر سے تو فرعون سے فرار کیا ہے اور تو ان کلمات کے ذریعہ سے ہمیں اس گہرے پانی میں داخل کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ معلوم نہیں۔ کالب بن یوحنا گھوڑے پر سوار تھا اور اس جگہ سے پانی کی چوڑائی بارہ میل تھی۔ عرض کرنے لگا یا نبی اللہ! کیا اللہ کا حکم ہے کہ ہم یہ کلمات زبان پر جاری کر کے پانی میں داخل ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! پھر عرض کی کہ آپ کی اجازت بھی ہے؟ موسٰی نے فرمایا۔ ہاں! پس اُس نے توحید خدا اور نبوت محمد مصطفےٰ اور ولایت علی مرتضیٰ اور اُن کی آلِ اطہار کا عہد تازہ کر کے دعا مانگی کہ میرے اللہ ان کے وسیلہ سے مجھے اس پانی کے عبور کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ یہ کہہ کر گھوڑے کو پانی میں داخل کیا اور ایڑ لگائی پس پانی کی سطح زمین کی مانند ہوگئی۔ اُس کنارے تک پہنچ کر پھر واپس آیا اور بنی اسرائیل سے خطاب کر کے کہا اللہ کی اطاعت کرو اور حضرت موسٰی کی بات مانو کیونکہ یہ دعا ابواب جنت کی کنجیاں ہیں اور دربہائے جہنم کے بند کرنے کا ذریعہ ہیں طلب رزق کا وسیلہ اور رضائے خالق کا سبب ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو زمین پر ہی چلیں گے اور بس۔ پس حضرت موسٰیؑ کو وحی ہوئی کہ محمدؐ و آل محمدؐ کو وسیلہ قرار دے کر دعا مانگو اور اس پانی پر اپنا عصا مارو پس حضرت موسٰی نے ایسا ہی کیا تو پانی شق ہوا اور زمین ظاہر ہوگئی۔ وہ کہنے لگے کہ کیچڑ سے ہم عبور نہ کریں گے کیونکہ جب تک زمین پوری طرح خشک نہ ہو ہمیں خطرہ ہے کہیں دھنس نہ جائیں پھر بذریعہ وحی حضرت موسٰی نے محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو اللہ نے باد صبا کو بھیج کر زمین کو خشک کر دیا۔ وہ کہنے لگے ہم بارہ قبیلے ہیں ایک راستہ سے کیسے گذریں جب کہ ہر قبیلہ پہلے گذرنے کا خواہش مند ہوگا۔ اور اس میں جھگڑا ہو جائے گا لہٰذا ہمارے لئے جدا جدا رستے ہونے چاہئیں پس بحکم خدا

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَى

اور جب ہم نے دی موسٰی کو کتاب (توراۃ) اور فرقان تاکہ تم ہدایت پاؤ اور جب کہا موسٰے نے

حضرت موسٰی نے بارہ جگہ پر بذریعہ عصا پانی میں رستے پیدا کئے اور ہر بار محمدؐ و آلِ محمدؐ کو وسیلہ قرار دیتے رہے ، اور بذریعہ بادِ صبا بطریقِ سابق سب خشک بھی ہو گئے ۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہمیں ایک دوسرے کا علم کیسے ہوگا وہ تو نظر نہ آئیں گے تو حضرت موسٰی نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگی ۔ اور عصا کا دائیں بائیں اشارہ کیا جس سے پانی کی دیواروں میں دروازے پیدا ہو گئے ۔ الخبر

بروایت مجمع البیان جب فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گئے اور بنی اسرائیل واپس مصر میں آباد ہو گئے تو خداوند کریم کا وعدہ ہوا کہ میں توراۃ و شریعت عطا کروں گا ۔ پس حضرت موسٰی اپنے بھائی ہارون کو اپنا قائم مقام مقرر کرکے کوہِ طور پر گئے اور چالیس دن وہاں رہے ، ماہ ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ۔ اسی اثنا میں سامری جس کا نام میخا یا موسٰی بتلایا گیا ہے جو دراصل گاؤ پرست قوم سے تھا اور بنی اسرائیل میں ظاہری صورت میں مسلمان کہلاتا تھا (نے فریب کیا) وہ اس طرح کہ قبطیوں کے جو زیورات بنی اسرائیل کے پاس موجود تھے حضرت ہارون نے ان کو پھینک دینے کا حکم دیا ۔ چنانچہ اس نے آگ جلوائی اور ان تمام زیورات کو اس میں ڈال دینے کا حکم دیا ۔ سامری نے جبریل کی گھوڑی کے قدم کے نشان سے مٹی اٹھا کر اپنے پاس محفوظ کی ہوئی تھی ۔ اپنی مٹھی میں لے کر آگ کے قریب آیا اور اس مٹی کو آگ میں ڈال کر گوسالہ بنا ڈالا ۔ اور بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہارا خدا یہی ہے ۔ چنانچہ بنی اسرائیل اس کی بات مان کر اس کی پوجا کرنے لگ گئے ۔ خداوند کریم ان آیات میں ان کے دشمن فرعون کی ہلاکت اور ان کی نجات پھر ان کی گوسالہ پرستی کی شرارت اور توبہ کی مقبولیت اور معافی کا ذکر فرما رہا ہے تاکہ ان احسانات کا احساس کرکے اپنے محسن حقیقی کا حق شکر ادا کریں ۔

اس پانی میں اختلاف ہے کہ جس پانی سے حضرت موسٰی اور آپ کی قوم کو گذرنے کا حکم ہوا وہ دریائے نیل تھا یا بحرِ قلزم ۔ اور جغرافیائی قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بحرِ قلزم کا پاٹ ہی ہوگا کیونکہ اُس پانی کو عبور کرکے ہی حضرت موسٰی کی قوم صحرائے سینا کی طرف آئی تھی اور کوہِ طور بھی اُسی طرف تھا ۔ اور شام و فلسطین کے علاقے ہی اُن کی رہائش گاہ تھے ۔ نیز فرعون کی غرقابی کے بعد بنی اسرائیل کا واپس مصر کی طرف پلٹ کر جانا اور وہاں اپنی حکومت قائم کرنا بھی تاریخ کا اختلافی مسئلہ ہے ۔

بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کی سزا اور توبہ

وَإِذْ آتَيْنَا فرقان کے معنی کی کئی توجیہات مفسرین نے بیان کی ہیں چنانچہ ابن عباس سے منقول ہے کہ فرقان کا معنی بھی توراۃ ہے اور کتاب پر اس کا عطف تفسیری ہے ۔ تفسیر اہل بیت میں ہے کہ فرقان سے مُراد حق و باطل کے درمیان فرق ہے ۔ اور حق پرستوں اور باطل پرستوں کے درمیان یعنی مومنوں اور کافروں کے درمیان امتیاز ہے (کہ یہ بچ گئے اور وہ غرق ہو گئے) بعضوں نے کہا ہے کہ فرقان کا معنی پانی کا

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ

اپنی قوم سے اے قوم تحقیق تم نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر ساتھ پکڑنے (پوجنے) گوسالہ کے پس توبہ کرو طرف اپنے پیدا کرنیوالے

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

کے پس قتل کرو اپنے نفسوں کو یہ اچھا ہے تمہارے لئے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک پس اس نے توبہ قبول کی تمہاری تحقیق وہ بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے

کاشق ہونا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى۔ حضرت موسیٰ جب کوہ طور سے واپس آئے اور قوم کی گوسالہ پرستی پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ تم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے کہ خدا کے مقابلہ میں ایک بچھڑے کو معبود قرار دے دیا۔ پس اب اللہ سے توبہ کرو۔ اور دین حق پر ثابت قدم رہنے والوں کو حکم دیا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل کردیں۔ روایت اہل بیت میں ہے کہ یہ حکم سنتے ہی اکثر گوسالہ پرستوں نے اپنی گوسالہ پرستی کا انکار کردیا اور کہنے لگے کہ ہم نے بالکل اس کی پوجا نہیں کی۔ پس وحی ہوئی کہ اس گوسالہ کو دریا میں ڈال دیا جائے۔ پس جب بنی اسرائیل اس کا پانی پئیں گے تو گوسالہ پرستوں کے ہونٹ اور ناک سیاہ ہوجائیں گے۔ اور مجرم اور غیر مجرم کا فرق معلوم ہوجائے گا۔ بروایت ابن عباس پس بحکم موسیٰ ان لوگوں نے غسل کیا اور کفن پہن لئے اور صف بستہ کھڑے ہوگئے۔ اور حضرت ہارون کے ہمراہ جن لوگوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی وہ تیز تلواریں ہاتھوں میں لے کر آگئے اور بروایت اہل بیتؑ حضرت موسیٰ نے منادی کرادی کہ جو شخص کسی مجرم کو بچائے گا یا اپنے عزیز سے چشم پوشی کرکے غیر کو قتل کرنے کی کوشش کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ پس مقتولین نے سر جھکا لئے اور بیان کیا جاتا ہے کہ خداوند کریم نے فضا کو تاریک کردیا تاکہ قاتل مقتول کو پہچان کر اس امتحان میں فیل نہ ہوجائے پس قتل شروع ہوا اور حضرت موسیٰ و ہارون نے تضرع و زاری سے دعا مانگنا شروع کی اور جب تاریکی منکشف ہوئی تو ستر ہزار آدمی قتل ہوچکے تھے۔ روایت اہل بیتؑ میں ہے کہ بارہ ہزار آدمیوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی۔ اور چھ لاکھ نے گوسالہ پرستی کا جرم کیا تھا جن کو قتل کرنے کا حکم ہوا تھا۔ جب قتل شروع ہوا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمدؐ و آل محمدؐ کا وسیلہ جو ہر مصیبت کے وقت ہمیں سکھایا گیا ہے اور اس کے ذریعے سے کوئی دعا مسترد نہیں ہوتی اور نبی و رسول بھی بارگاہ خداوندی میں یہی وسیلہ قرار دیا کرتے ہیں ہم بھی ان کے وسیلہ ہی سے دعا مانگیں؟ پس انہوں نے رونا شروع کیا اور محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگی اور توبہ کی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو وحی ہوئی کہ اب قتل روک دو۔ ملخص ترجمہ روایات۔

روایت میں ہے کہ زوال سے لے کر غروب آفتاب تک قتل جاری رہا اور ستر ہزار مقتولین کو دیکھ کر حضرت موسیٰ غمگین ہوئے تو خداوند کریم نے سب کی بخشش کا وعدہ فرمایا تب حضرت موسیٰ خوش ہوئے۔

مقتولین قتل کرنے والوں کے رشتہ دار بھی تھے۔ اسی وجہ سے خدا نے فضا کو تاریک کر دیا تھا اور یہ قتل کا عذاب صرف مقتولین پر نہیں تھا بلکہ قتل کرنے والے بھی اس عذاب میں شریک تھے کیوں کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیزوں کو قتل کر رہے تھے کیونکہ وہ گوسالہ پرستوں کو منع نہ کرتے تھے معلوم ہوا کہ جس طرح گناہ کرنے والے مستحق سزا ہوتے ہیں اسی طرح ان کے گناہ پر راضی ہونے والے یا نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کرنے والے بھی سزا میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوا کرتے ہیں۔ اسی لئے تو روایات میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کے فعل پر راضی ہو اُس کا شمار اُسی قوم سے ہو گا۔ چنانچہ یہ آیات اگرچہ اُن لوگوں کے حق میں ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تھے لیکن جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ کے بنی اسرائیل چونکہ ان کے افعال پر راضی تھے اس لئے قرآن مجید میں ان کی نعمات و عقوبات کو ان کی طرف منسوب کر کے خطاب کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ستر ہزار بنی اسرائیل کے قتل کے بعد باقیوں کی توبہ قبول ہوئی اور قتل ہونے والوں کے گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہوا۔ اور خداوند کریم اپنے اسی احسان کا موجودہ بنی اسرائیل کے سامنے تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ ان واقعات سے عبرت حاصل کر کے راہ راست پر چلنے کی کوشش کریں۔

تنزیل کے لحاظ سے اگرچہ یہ آیات بنی اسرائیل سے تعلق رکھتی ہیں لیکن تاویل اس کی صرف ایک زمانہ کے لوگوں کے لئے مختص نہیں جس طرح کہ اس موضوع پر تفسیر کی جلد اوّل میں کافی بحث کی جا چکی ہے۔ پس اس قسم کی آیات مسلمانوں کے لئے بھی درس عمل ہیں کہ انسان کو اپنے عمل بد کے بعد رحمت خدا سے مایوس نہ ہونا چاہیے چنانچہ بنی اسرائیل کی بار بار لغزشوں کے باوجود ان کی توبہ کو خداوند کریم نے نہیں ٹھکرایا۔ پس معلوم ہوا کہ اگر انسان سے لغزش ہو جائے تو اُسے توبہ کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے۔ اگر دوبارہ لغزش ہو جائے تو دوبارہ توبہ کرے کیونکہ خداوند کریم کی رحمت سے بعید ہے کہ معافی طلب کرنے والے کو معافی نہ دے وہ توّاب اور رحیم ہے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ انسان کا ظاہری جسم یا لباس اگر نجس ہو جائے تو اُسے پاک پانی سے دھو ڈالنے کا حکم ہے تاکہ وہ پاک رہے پھر اُس کو حفاظت سے رکھے تاکہ دوبارہ نجس نہ ہونے پائے لیکن اگر اتفاق سے یا اس کی غفلت سے دوبارہ نجس ہو بھی جائے تو پانی کو اُس کے دوبارہ پاک کرنے سے انکار نہیں ہوتا جتنی بار نجس ہو گا جاری پانی میں غوطہ دینے سے پاک ہی ہوتا رہے گا۔ پس اسی طرح روحانی نجاستوں کی تطہیر کے لئے خدا نے دریائے توبہ اور بحر رحمت کو جاری فرمایا ہے کہ اگر گناہ سرزد ہو تو اس کو دریائے توبہ میں غوطہ دے پھر اپنی طرف سے بچنے کی کوشش کرے لیکن پھر بوجہ گناہ کے اگر روحانی نجاست سے آلودہ ہو جائے تو یہ نہ سمجھے کہ اب دریائے توبہ میں یا بحر رحمت میں تطہیر کا بخل ہے بلکہ وہ جتنی دفعہ توبہ کرے گا خدا منظور فرمائے گا۔ بشرطیکہ زبانی توبہ نہ ہو قلبی توبہ ہو اور اللہ دلوں کے حالات کو خوب جاننے والا ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز ایمان نہ لائیں گے تیری بات پر یہاں تک کہ دیکھیں اللہ کو ظاہر پس پکڑا تم کو بجلی

الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ

نے حالانکہ تم دیکھتے تھے پھر ہم نے زندہ کیا تم کو تمہاری موت کے بعد تاکہ

تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى

تم شکر کرو اور سایہ کیا ہم نے تمہارے اوپر بادل کا اور نازل کیا ہم نے تمہارے اُوپر من اور سلویٰ

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو رزق دیا ہم نے تم کو اور انہوں نے ہمیں نقصان نہیں دیا بلکہ وہ اپنے نفسوں کو نقصان دیتے تھے

بنی اسرائیل کا رؤیتِ خدا کا سوال

وَاِذْ قُلْتُمْ (عقائد صدوق) عصمتِ انبیاء کے متعلق مامون نے جو سوالات امام رضا علیہ السّلام سے کئے منجملہ ان کے ایک سوال یہ بھی تھا کہ جب حضرت موسیٰ کو یقین تھا کہ خدا نظر نہیں آسکتا تو خدا سے رؤیت کا سوال کرنا اُن کے لئے کیسے جائز تھا؟ تو حضرت امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو علم تھا کہ خدا نظر نہیں آسکتا لیکن خدا نے جب اُن کو اپنا کلیم بنایا اور اپنی ہمکلامی سے قرب کا شرف بخشا تو انہوں نے اپنی قوم سے آکر ذکر فرمایا کہ خدا نے مجھے کلام کا شرف بخشا ہے۔ اُنہوں نے کہا یہ بات ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ ہم اس کا کلام خود نہ سنیں گے جس طرح آپ نے سنا ہے اور قوم کی کل تعداد سات لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ موسیٰؑ نے ان میں سے ستّر ہزار کا انتخاب کیا پھر اُن میں سے سات ہزار چُنے پھر اُن میں سے سات سو لئے اور پھر اُن سے ستّر کو منتخب فرمایا پھر ان ستّر کو میقات کے لئے طور سینا پر لے گئے پس اُن کو پہاڑ کے دامن میں کھڑا کر کے خود کوہ طور کے اُوپر تشریف لے گئے اور اللہ سے کلام کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ انتخاب کردہ آدمی سُن لیں پس خدا نے کلام کیا اور اُنہوں نے سنا اور وہ آواز اُوپر نیچے۔ دائیں بائیں۔ آگے و پیچھے یعنی ہر طرف سے، سنائی دے رہی تھی۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم نہیں مانتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جب تک اپنی آنکھوں سے اُس کو بولتا ہوا نہ دیکھیں جب اُنہوں نے یہ بات کہی اور تکبّر اور سرکشی کی تو خدا نے اُن کے ظلم کے بدلہ میں اُن پر بجلی نازل کی اور وہ سب مر گئے پس حضرت موسیٰ نے عرض کی میرے اللہ میں واپس جا کر قوم کو کیا جواب دوں گا وہ تو کہیں گے تو اپنے کلیم اللہ ہونے کے دعوےٰ کی تصدیق پیش نہیں کر سکا لہذا ان کو اکیلا لے جا کر قتل کر آیا ہے۔ پس خدا نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا چنانچہ وہ حضرت موسیٰ کے ساتھ واپس آئے، پھر کہنے لگے اگر تو اللہ سے رؤیت کا سوال کرتا تو وہ ضرور منظور کر لیتا ہم بھی اُس کو دیکھ کر صحیح معرفت حاصل کر لیتے

توحضرت موسیٰ نے اُن کو جواب دیا کہ خدا آنکھوں سے ہرگز نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ اُس کی نشانیاں دیکھ کر اُس کو پہچانا جاتا ہے اُنہوں نے کہا کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک تو اللہ سے رؤیت کا سوال نہ کرے گا۔ پس حضرت موسیٰؑ نے اپنی مناجات میں عرض کی، میرے اللہ! تو بنی اسرائیل کی باتوں کو جانتا ہے۔ اور اُن کی مصلحتوں سے بھی واقف ہے۔ پس وحی ہوئی اے موسیٰ وہ جو کچھ کہتے ہیں، تو سوال کر اُن کی جہالت کا مواخذہ میں تجھ سے نہ کروں گا۔ پس اسی وقت حضرت موسیٰ نے عرض کی۔ رَبِّ اَرِنِیۡ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ۔ قَالَ لَنۡ تَرٰىنِیۡ ۔ اے میرے ربّ مجھے اپنا آپ دکھا تاکہ میں تجھے دیکھوں۔ ارشاد ہوا تو ہرگز مجھے نہیں دیکھے گا۔ وَلٰكِنِ انۡظُرۡ اِلَى الۡجَبَلِ لیکن پہاڑ کی طرف نظر کر فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ تو پس تو مجھے دیکھ لے گا۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ پس جب اُس کے ربّ نے پہاڑ پر اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی کو ظاہر کیا جَعَلَهٗ دَكًّا ۔ اس کو ریزہ ریزہ کر دیا وَخَرَّ مُوۡسٰى صَعِقًا ۔ اور حضرت موسیٰ مدہوش ہو کر گر گئے۔ پس جب ہوش میں آئے تو عرض کی میرے اللہ میں اپنی قوم کی جاہلانہ روش سے تائب ہوں اور میں اس بات پر پہلا ایمان لانے والا ہوں کہ تو دیکھا نہیں جا سکتا۔

ذکر رجعت

اس آیت سے علمائے امامیہ نے رجعت کا جواز ثابت کیا ہے۔ مذہب شیعہ میں رجعت کا مسئلہ مسلّمہ حیثیت رکھتا ہے یعنی ظہور قائم آلِ محمدؑ کے بعد مخلص مومن اور خالص دشمن خدا و رسول اٹھائے جائیں گے دشمنانِ خدا کو سزائیں ملیں گی اور مومنین کو خوشی و سرور نصیب ہوگا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ ابن کوا نے یہی مسئلہ حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کئی قومیں ایسی ہیں جن کو خدا نے اپنی اجل مقرر سے پہلے بوجہ ان کے گناہوں کے موت دے دی۔ اور پھر دوبارہ ان کو زندگی بھی دی تاکہ دنیا سے اپنا رزق پورا حاصل کرلیں پھر بعد میں ان کو دوبارہ موت دی۔ ابن کوا نے جب یہ بات سُنی تو اُس کو گراں معلوم ہوئی اور سمجھ نہ سکا۔ آپ نے فرمایا وائے ہو تیرے اُوپر کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا فرماتا ہے حضرت موسیٰ اپنی قوم سے ستر آدمی منتخب کر کے وعدہ گاہ پر لے گئے تاکہ کلامِ خدا سُن کر قوم کے سامنے موسیٰ کے کلیم اللہ ہونے کے دعوےٰ کی تصدیق کریں۔ اگر وہ مان جاتے اور تصدیق کر لیتے تو ان کے لئے بہتر تھا لیکن انہوں نے موسیٰ کو کہا کہ جب تک اپنی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھیں گے نہ مانیں گے پس وہ صاعقہ کی زد میں آگئے یعنی مرگئے۔ پھر خدا نے اُن کو زندہ کیا اے ابن کوا کیا یہ لوگ دوبارہ زندہ ہو کر اپنے گھروں کو نہیں گئے تھے؟ اُس نے کہا نہیں جناب ان کو پھر خدا نے اسی جگہ موت دے دی تھی۔ آپ نے فرمایا تیرے اُوپر ویل ہو خدا فرماتا ہے ہم نے ان کے اُوپر سایہ بادل کا کیا اور من سلویٰ نازل کیا اور یہ سب ان کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد کا قصہ ہے اور رجعت پر اسکے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو دلالت کرتی ہیں اپنے اپنے مقام پر ان کا بیان ہوگا۔

منّ و سلویٰ

من و سلویٰ کا سبب نزول جیسا کہ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں ذکر فرمایا ہے یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی قوم کو بیت المقدس کی طرف روانگی کا حکم دیا اور قوم عمالقہ سے جہاد کا امر کیا تو انہوں

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ

اور جب ہم نے کہا کہ داخل ہو جاؤ اس بستی میں	پس کھاؤ اس سے جہاں چاہو کھلم کھلا	اور داخل ہو	تم دروازہ سے

نے صاف انکار کر دیا اور کہا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ پ۔ ترجمہ۔ تو اور تیرا رب دونوں جاکر لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ پس خداوند کریم نے ان کو (چٹیل میدان) میں سرگردانی کے عذاب میں مبتلا کردیا وہ پانچ یا چھ فرسخ کا فاصلہ تھا اس میں سارا دن چلتے رہتے تھے جب شام ہوتی تو اسی مقام پر اپنے آپ کو پاتے تھے جہاں سے روانہ ہوئے تھے اور چالیس سال متواتر اسی سرگردانی میں رہے۔ اور کہتے ہیں یہ وہی چٹیل میدان ہے جو صحرائے سینا کے نام سے مشہور ہے جو حکومت مصر کے قبضہ میں تھا۔ اور ۱۹۶۶ء کی اسرائیل و عرب کی جنگ کے بعد اسرائیل نے اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ و ہارون کا انتقال بھی اسی میدان میں ہوا۔ اس مصیبت میں گرفتار ہونے کے بعد وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوئے پس خدا نے ان پر رحم فرمایا کہ جب انہوں نے سورج کی گرمی کی شکایت کی تو خدا نے سایہ کے لئے بادل کو اُن کے سروں پر بھیج دیا اور کھانے کے لئے من و سلویٰ نازل فرمایا اور یہ صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے تک ان پر اُترتا تھا پس ہر شخص اپنے اس دن کی خوراک جمع کر لیا کرتا تھا حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص اس وقت میں سویا رہتا تھا وہ اس دن کی خوراک سے محروم رہتا تھا اسی لئے اس وقت میں نیند کرنا مکروہ ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ دن کو اُن کے اُوپر بادل کا سایہ رہتا تھا۔ اور رات کو آسمان سے ایک عمودِ نور اُترتا تھا جو ان کو چراغ کا کام دیتا تھا اور جو وہاں ان کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تھا خدا اس کا لباس اُس کے ساتھ بھیج دیتا تھا۔ من و سلوےٰ کے معنی میں اختلاف ہے من سے مُراد بعض شہد لیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں روٹی ہے۔ بعض کچھ اور کہتے ہیں۔ اور جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ کماۃ (کھمبی) مَن کی قسم ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے باعث شفا ہے۔ اور سلویٰ ایک قسم کا پرندہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ من سے مُراد ترنجبین ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رات کے وقت من اُترتا تھا جس کو وہ صبح کے وقت درختوں اور پتھروں وغیرہ سے اُتار لیا کرتے تھے اور رات کے وقت ان کے دسترخوان پر بھونا ہُوا پرندہ آجاتا تھا جب کھا چکتے تو وہ زندہ ہو کر پرواز کر جایا کرتا تھا۔ متعدد روایات کے مضمون سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رات کے وقت شبنم کی طرح کی ایک چیز نازل ہوتی تھی جس کو وہ صبح سویرے جمع کر لیتے تھے۔ اور وہ ایک قسم کا حلوہ ہوتا تھا اور پرندوں کا بھونا ہوا گوشت ان کو فراوانی سے دیا گیا جس کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ خدا نے بٹیر کی قسم کے پرندوں کے غول وہاں بھیج دیئے جن کو وہ بآسانی پکڑ لیتے تھے اور بھون کر کھاتے تھے پس میٹھا اور نمکین دونو طرح کا کھانا بلا تکلیف اُن کو وہاں میسر تھا من سے مراد میٹھا اور سلویٰ سے مُراد پرندوں کا گوشت جو نمکین کھانے کے طور پر تھا تاکہ ان کی طبیعتیں ایک قسم کے کھانے سے اکتا نہ جائیں۔ وَإِذْ قُلْنَا۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ جس بستی میں بنی اسرائیل کو داخل ہونے کا حکم ہوا تھا اس سے

سُجَّدًا وَّ قُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ

سجدہ کرتے ہوئے اور کہو حطہ (معافی) بخش دیں گے ہم قصور تمہارے اور زیادہ دیں گے نیکی کرنے والوں کو پس بدل ڈالا ان لوگوں نے جو

ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

ظالم تھے قول غیر اس کا جو ان کو کہا گیا تھا پس نازل کیا ہم نے ان لوگوں پر جو ظالم تھے عذاب

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

آسمان سے بوجہ اس کے کہ فسق کرتے تھے

مراد بیت المقدس ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ بستی اریحا تھی جو بیت المقدس کے قریب تھی۔ کہتے ہیں کہ بیت المقدس کے شہر کی بنا حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھی تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت یہ شہر نہ تھا اور بستی اریحا حضرت موسیٰ کے زمانہ میں موجود تھی۔ اور امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول روایت میں بھی اریحا اس بستی کا نام بتایا گیا ہے جو علاقہ شام میں تھی اور قوم عمالقہ اسی بستی میں آباد تھی اور عوج بن عنق کا مسکن بھی یہیں تھا اور یہ ان کا سرغنہ تھا لیکن اس میں اختلاف ہے کہ حضرت موسیٰ نے ان کو اس بستی میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا یا اُن کے بعد ان کے وصی حضرت یوشع بن نون نے حکم دیا تھا۔ ظاہر آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم حضرت یوشع بن نون کی طرف سے تھا کیونکہ اس حکم کے بعد وہ اس بستی میں داخل ہوئے لیکن حطۃ کی بجائے حنطۃ یا کوئی دوسرا قول تبدیل کر لیا اور سجدہ کرتے ہوئے جانے کی بجائے اُلٹا چوتڑوں کے بل گئے۔ اور یقیناً حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ و ہارون کی رحلت کے بعد حضرت یوشع بن نون نے ان کو یہ حکم دیا تھا اور یہ کلمہ حطہ بھی تعلیم فرما کر ان کو سجدہ کرنے کا حکم بھی دیا تھا لیکن انہوں نے ان کی نافرمانی کی چنانچہ عذاب کے طور پر خداوند کریم نے ان پر طاعون کی بیماری بھیج دی کہ ایک ہی گھنٹہ میں ان کے چوبیس ہزار بزرگ اور سن رسیدہ آدمی مر گئے۔

اور تفسیر برہان میں قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى۔ الخ۔ کی تفسیر میں مروی ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا کہ طاعون سے بنی اسرائیل کے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور صرف بچے باقی رہ گئے۔ پس وہ لوگ علم و عبادت سے محروم ہو گئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم حضرت موسیٰ نے دیا ہو اور ان کا عمل (خواہ خلافِ فرمان ہی تھا) بعد میں واقع ہوا ہو۔ اور فا جو فَبَدَّلَ پر داخل ہے یہ محض عطف کے لئے ہو۔ اور یہ دخول کا حکم اس وقت معلوم ہوتا ہے جب کہ موسیٰ نے ان کو قوم عمالقہ سے جہاد کرنے کے لئے فرمایا تھا اور انہوں نے صریح لفظوں میں انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ تو اور تیرا

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ

اور جب پانی طلب کیا موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پس ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر (تو انہوں نے مارا) پس پھوٹ نکلے اس سے

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

بارہ چشمے تحقیق جان لیا ہر آدمی نے اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو

خدا دونوں جاکر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں اور اس صورت میں فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا یعنی کھاؤ اس سے جہاں چاہو جی بھر کر اور کھلم کھلا۔ اس سے مراد یہ ہو گی کہ قوم عمالقہ پر فتحیابی حاصل کر کے ان کے اموال پر بطور غنیمت قبضہ کر لو اور کشادگی سے زندگی بسر کرو لیکن انہوں نے سرتابی کی جس کے بدلہ میں انہیں چالیس سال کی سرگردانی و پریشانی کا سامنا ہوا۔

کہتے ہیں کہ شہر کے سات یا آٹھ دروازے تھے جس دروازہ سے ان کو گذرنے کا حکم ہوا تھا وہ باب الحطّہ تھا اور نیز لفظ حطّہ ان کے لئے توبہ واستغفار کا کلمہ تھا اور خضوع وخشوع سے جھکتے ہوئے ان کو شہر میں داخل ہونے کا حکم تھا۔ اور مجمع البیان میں ہے کہ دروازہ ان کے لئے چھوٹا رکھا گیا تھا تاکہ خواہ مخواہ وہ جھک کر گذریں لیکن انہوں نے حطّۃ کی بجائے حنطۃ (گندم) کا ورد شروع کر دیا۔ اور سجدہ کرنے کی بجائے اکڑ کر اور سر اونچا کر کے پیر پہلے داخل کر دیے اور پھر کھسک کر گذر گئے۔ نیز آیات کی روش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی کا داخلہ حضرت موسیٰ کی موجودگی میں ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔ میں نے جو کچھ ذکر کیا ہے مفسرین کے اقوال کے نتائج ہیں۔

تفسیر عمدۃ البیان میں بعض کتب اہل سنت سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا علیؑ باب حطّہ ہے جو اس میں داخل ہو گا مومن ہو گا اور جو اس سے خارج ہو گا کافر ہو گا۔ اور مراد اس سے علیؑ کی پیروی کرنا ہے یعنی علیؑ کا پیروکار مومن اور اس کی پیروی نہ کرنے والا کافر ہے۔ نیز مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا نَحْنُ بَابُ حِطَّتِكُمْ۔ یعنی ہم تمہاری بخشش کا دروازہ ہیں اسی طرح تفسیر برہان میں عیاشی سے بھی منقول ہے۔

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس دروازہ سے بنی اسرائیل کو جھک کر داخل ہونے کا حکم تھا اس کے اوپر حضرت محمد مصطفیٰ اور حضرت علیؑ کی شبیہیں موجود تھیں اور ان کے سجدہ کرنے سے مراد ان کی تعظیم اور ان کی ولایت کے عہد کو تازہ کرنا تھا۔ اور جب انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو خدا نے ان پر طاعون کا عذاب بھیجا چنانچہ تھوڑے ہی وقت میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی موت کے سیلاب میں بہہ گئے۔ خداوند کریم ان بنی اسرائیل کے واقعات سے جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ کے بنی اسرائیل بلکہ جملہ مسلمانوں کو اطاعت کی دعوت دے رہا ہے تاکہ یہ لوگ ان لوگوں کے واقعات سے نصیحت حاصل کر کے عذاب خدا سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔

مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى

اللہ کے رزق سے اور نہ پھرو زمین میں فسادی بن کر اور جب تم نے کہا اے موسٰی ہم

لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ

ہرگز صبر نہ کریں گے اوپر طعام ایک کے پس پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ پیدا کرے ہمارے لئے ان چیزوں سے جن کو زمین

مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۭ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ

اگاتی ہے ساگ ککڑی گندم دال اور پیاز فرمایا کیا تم بدلہ میں لیتے ہو اس چیز کو

هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ

جو پست ہے بجائے اس کے جو بہتر ہے اترو شہر میں پس تحقیق تمہارے لئے وہ ہوگا جو تم نے مانگا ہے اور ماری

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۤ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

گئی ان پر ذلّت اور خواری اور حاصل کرلے گئے ناراضگی اللہ کی یہ اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

اللہ کی آیات کے ساتھ اور قتل کرتے تھے نبیوں کو ناحق یہ بوجہ اللہ کی نافرمانیوں کے تھا اور اس لئے تھا کہ وہ سرکش تھے

عصا کی حقیقت مروی ہے کہ یہ عصا آس جنت سے تھا جس کو حضرت آدمؑ ساتھ لائے تھے اور یہ حضرت شعیب نے حضرت موسٰے کو دیا تھا اس کی لمبائی دس ذراع تھی اور حضرت موسٰے کا قد بھی اسی قدر تھا۔ اس کے دو شعبے تھے جو رات کو روشن ہو کر تاریکی میں نورانیت کا فائدہ دیتے تھے۔ اسی کو دریا پر مار کر شق کیا تھا اور یہی سانپ بن جایا کرتا تھا۔

حجر: بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک مخصوص قسم کا پتھر تھا جس کو حضرت موسٰی ہر وقت اپنے پاس رکھتے تھے اور بوقت پیاس اس کو باہر نکال کر اوپر عصا مارتے تھے اور پانی جاری ہوتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ عام پتھر مراد ہے۔ یعنی جس پتھر پر بھی زمین کے پتھروں میں سے عصا مارتے تھے پانی جاری ہوتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ پتھر مربع شکل کا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ سر کی مانند تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس پتھر پر بارہ گڑھے تھے اور ہر گڑھے سے ایک چشمہ جاری ہوا کرتا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ جس منزل پر پہنچتے تھے وہی پتھر موجود ہوتا تھا۔ اور اس پر عصا مارنے سے پانی کے چشمے اس سے اُبل پڑتے تھے اور ہر روز اس سے چھ لاکھ آدمی سیراب ہوتے تھے۔

بنی اسرائیل جب تیہ (صحرائے سینا) میں چالیس برس سرگردان رہے اس دوران میں دھوپ سے بچنے کے لئے بادل کا سایہ ان کے سروں پر ہوتا تھا۔ کھانے کے لئے من وسلویٰ اُترتا تھا۔ پینے کے لئے پتھر سے بارہ چشمے جاری ہوا کرتے تھے اور ہر چشمہ ایک قبیلہ کے لئے ہوتا تھا اور جس مقام پر وہ قبیلہ فروکش ہوا کرتا تھا چشمہ خود اس طرف بہہ کر جاتا تھا اور اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ ہم نے کہا اس اللہ کے دیئے ہوئے بے مشقت رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں دنگا فساد نہ کرو۔ اور روایات اہل بیت میں ہے کہ حضرت موسٰے پتھر پر عصا مارتے ہوئے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے تب اُس پتھر سے پانی جاری ہوتا تھا۔

سوال:۔ پتھر سے پانی کیسے جاری ہو سکتا ہے حالانکہ وہ جامد چیز ہے۔ اور پھر اتنا زیادہ پانی کہ چھ لاکھ آدمیوں کو سیراب کرے؟

جواب:۔ یہ حضرت موسٰے کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔ اور خداوندِ کریم انبیاء کو ایسی خارق عادت چیز عطا فرما دیتا ہے جس سے عام لوگ عاجز ہوں تاکہ ایسی چیزیں دیکھ کر اُن کے لئے نبی کی نبوت کے انکار کی جرأت نہ ہو اور خدا کی قدرت سے یہ چیزیں بعید نہیں کیونکہ جو ذات تمام چیزوں کو کتم عدم سے معرضِ وجود میں لانے پر قادر ہے اُس کے لئے پتھر سے پانی نکالنا کوئی بڑی بات نہیں۔

بنی اسرائیل کو جب ایک عرصہ اسی حالت میں گزرا تو حضرت موسٰے سے سوال کیا کہ اللہ سے دعا مانگو کہ ہمیں وہی خوراک عطا کرے جو زمین سے اُگا کرتی ہے مثلاً ساگ۔ ککڑیاں۔ گندم۔ دال اور پیاز وغیرہ، تو حضرت موسٰے نے اُن کو سمجھایا کہ نعماتِ خدا کی بے قدری نہ کرو وہ بلا مشقت تمہیں رزق دے رہا ہے۔ اسے کھاؤ پیو اور اُس کی شکر گذاری کرو۔ لیکن اُنہوں نے ایک نہ مانی آخر کار حضرت موسٰے نے دعا مانگی اور اللہ کا حکم ہوا کہ مصر میں جاؤ۔ یہاں مصر سے بعضوں نے بیت المقدس مراد لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مصرِ فرعون مراد ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد کوئی سا شہر ہے۔ یعنی کسی شہر میں چلے جاؤ۔ اور جو کچھ مانگتے ہو وہی کماؤ اور کھاؤ۔

اس بے شکری کے نتیجہ میں عزت کے بدلے میں ذلت، دولت مندی کی بجائے فقر و فاقہ اور رضائے خدا کے بدلے میں غضب خدا اُن کو نصیب ہوا۔ اور غضب خدا کے مستحق بعد میں اس لئے بنے رہے کہ اللہ کی آیات کا انکار کرنا ان کا شیوہ بن گیا۔ اور بعد میں جو انبیاء اُن کو کلمۂ حق کہتے تھے ان کے قتل کے درپے ہو جایا کرتے تھے چنانچہ شاہانِ وقت کے مزاج کے خلاف جو احکامِ شریعت انبیاء سے سُنا کرتے تھے۔ وہ بطور چغلخوری کے بادشاہوں کو سُنا کر ان کو انبیاء کے قتل پر آمادہ کر دیتے تھے۔ چنانچہ روایات اہل بیت میں ہے کہ وہ لوگ خود قاتل نہ تھے۔ بلکہ انبیاء کے راز بادشاہوں پر فاش کر کے ان کے قتل کا موجب بنتے تھے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہودی اور نصرانی اور صابی ہوئے ان میں سے جو بھی ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور یوم آخر

الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

کے اور عمل نیک کرے پس ان کے لئے ان کا اجر ہے نزدیک اپنے رب کے اور ان پر خوف نہ ہوگا اور نہ

يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم

حزن اور (یاد کرو) جب لیا ہم نے تم سے وعدہ اور بلند کیا ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو اور کہا پکڑو اس کو جو دیا ہم نے تمہیں

بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ

ساتھ طاقت کے اور یاد کرو اس کو جو اس میں ہے تاکہ تقویٰ اختیار کرو پھر تم پلٹ گئے اس کے بعد پس اگر

فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ

نہ ہوتا فضل خدا تم پر اور اس کی رحمت البتہ تم خسارہ میں رہتے اور البتہ تحقیق تم

عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾

نے جان لیا ان لوگوں کو جنہوں نے سرکشی کی تم میں سے سینچر کے دن پس ہم نے کہا ان کو ہو جاؤ بندر رسوا

فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾

پس کیا ہم نے اس کو عبرت واسطے سامنے والوں کے اور پیچھے والوں کے اور نصیحت واسطے ڈرنے والوں کے

إِنَّ الَّذِينَ اس سے پہلے چونکہ بنی اسرائیل پر اللہ کی نعمات کا ذکر تھا اور ان کی نافرمانیوں کا قصہ تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ ان میں سے اپنے نبی کے احکام پر چلتے تھے ان کا کیا حال ہوگا ؟ تو اس آیت میں اس کا حل ہے کہ خداوند کریم کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا خواہ اس زمانہ میں جناب رسالتمآبؐ کی فرمائشات پر چلنے والے ہوں یا گذشتہ انبیاء کی اُمتوں میں سے اپنے زمانہ کے نبی کے پیرو ہیں۔ بہرکیف جو شخص بھی اپنے زمانہ کے نبی کی ہدایت کے مطابق اللہ پر ایمان رکھتا ہو۔ اور روز جزا (قیامت) کو مانتا ہو اور نیک عمل کرتا ہو۔ اُس کا اجر و ثواب اللہ کے نزدیک ثابت ہے اور قیامت کے دن خوف و حزن سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر مَنْ آمَنَ کو وَالَّذِينَ هَادُوا الخ کی خبر بنایا جائے اور فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ کو إِنَّ کی خبر قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ تحقیق جو لوگ مومن ہیں اور یہود و نصاریٰ و صابئین میں سے بھی جو لوگ ایمان لاکر عمل صالح بجالائیں گے ان سب کے لئے اللہ کے پاس اجر ہے

اُن پر کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے لئے ہے جو قبل بعثت پہلے نبیوں کے دین پر تھے اور جناب رسالتمآب پر غائبانہ ایمان رکھتے تھے پھر کئی ان میں سے حضورؐ کا زمانہ پا سکے اور ایمان بھی لائے جیسے ابوذر و سلمان وغیرہ اور کئی حضرت کی بعثت سے پہلے انتقال کر گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت سلمان اور اُن کے ساتھیوں کے حق میں ہے جو پہلے دین نصاریٰ پر تھے اور غائبانہ حضور پر ایمان رکھتے تھے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا ۔ پھر بنی اسرائیل کا ذکر شروع کر دیا حضرت موسیٰؑ کو چونکہ تورات کا وعدہ دیا گیا تھا تو بنی اسرائیل سے اقرار لیا گیا تھا کہ جب حضرت موسیٰؑ تورات کو لے کر آئیں گے تو تمہیں اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اقرار کیا لیکن جب حضرت موسیٰ تورات لے آئے اور اپنی قوم کو یہ خبر سنائی کہ مجھے خدا نے تورات عطا فرمائی ہے جس میں حلال و حرام کے احکام موجود ہیں تو انہوں نے کہا کہ ہم نہیں مانتے پس خداوند کریم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ کوہ طور کو اٹھا کر ان کے سروں کے اُوپر بلند کریں جب ملائکہ نے کوہِ طور کو بنی اسرائیل کے سروں پر بلند کیا اور ادھر حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اگر تم تورات کو قبول کر لو تو ٹھیک ورنہ یہ پہاڑ تمہارے اُوپر گرا دیا جائے گا پس انہوں نے تورات کو تسلیم کر لیا اور اللہ کا سجدہ بھی کیا لیکن پیشانی کو زمین پر ترچھا رکھ کر ایک آنکھ سے پہاڑ کو دیکھتے تھے کہ کہیں اُوپر گر نہ جائے اس لئے کہتے ہیں کہ یہودی اب تک سجدہ کرتے ہوئے پیشانی کو زمین پر ترچھا رکھتے ہیں۔

امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جبریل کو حکم ہوا تھا کہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو ان کی فرودگاہ پر بلند کرے اور وہ پہاڑ کا ٹکڑا تین تین میل لمبا اور چوڑا تھا پس جبریل نے ان کے اُوپر وہ پہاڑ بلند کیا تو انہوں نے تورات کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ بعضوں نے صرف ڈر اور خوف سے اور بعضوں نے بدل و جان قبول کیا تھا۔ الغرض پس دل و جان سے ایمان لانے والے ثابت قدم رہے اور ڈر سے اقرار کرنے والے اپنے عہد سے پھر گئے۔

مچھلی کا شکار کرنے والے تفسیر برہان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک قوم جو دریا کے کنارے پر رہتی تھی۔ اُن کے شہر کا نام ایلہ تھا۔ خداوند کریم نے ان کو بذریعہ اُن کے انبیاء کے سینچر کے دن مچھلی کے شکار سے منع فرمایا تھا پس اُنہوں نے اللہ کے حرام کو حلال بنانے کے لئے ایک حیلہ تلاش کیا۔ اور وہ یہ کہ دریا کے کنارے اُنہوں نے حوض بنا لئے۔ اور دریا سے بذریعہ چھوٹی نالیوں کے ان کو ملا دیا تاکہ مچھلیاں ان نالیوں کے ذریعہ سے ان حوضوں میں داخل ہو سکیں اور وہاں سے نکل کر واپس دریا کی طرف نہ جا سکیں پس مچھلیاں سینچر کے روز اللہ کی امان سمجھ کر آجاتی تھیں اور ان نالیوں سے پھر پھرا کر حوضوں میں داخل ہو جاتی تھیں لیکن جب بوقت شام واپس دریا کی طرف جانا چاہتی تھیں تاکہ کل کے شکار سے بچ جائیں تو واپس نہ جا سکتی تھیں۔ اور

رات کو وہاں بندرہ جاتی تھیں پس صبح اتوار کو وہ لوگ اُن کو آسانی سے پکڑ لیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے سینچر کو تو یہ شکار نہیں کیا بلکہ اتوار کو یہ شکار کیا ہے (لہٰذا یہ ہم پر حرام نہیں)، حالانکہ وہ دشمنانِ خدا جھوٹے تھے کیونکہ درحقیقت وہ مچھلیاں سینچر کے دن ہی پکڑی جاچکی تھیں۔ پس اس حیلہ وبہانہ سے وہ لوگ بڑے مالدار و دولت مند ہوگئے اور عیش وعشرت کی زندگی گذارنے لگے۔ اور اس شہر کی آبادی اسّی ہزار سے زیادہ تھی جن میں سے ستر ہزار آدمی اس جرم میں مبتلا تھے۔ اور دس ہزار سے کچھ اُوپر اس فعل حرام سے محفوظ تھے پس یہ لوگ ان کو عذاب خدا سے ڈراتے تھے اور ان کو اس فعل بد سے باز آنے کی دعوت دیتے تھے۔ لیکن کچھ اثر نہ ہوتا تھا پس وہ کہتے تھے کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے کیونکہ ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم تھا پس اللہ کے سامنے ہمارا عذر معقول ہے کہ ہم نے نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر دیا ہے اور ہم دل سے اس فعل کو بُرا جانتے ہیں شاید کوئی ہماری نصیحت سے عذاب خدا سے بچنے پر موفق ہو جائے۔ جب اُنہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں پر ہمارا وعظ ونصیحت کچھ اثر نہیں کرتا تو انہوں نے اس شہر سے ہجرت کرکے ایک علیحدہ بستی بسالی۔ اور وہاں آباد ہوگئے تاکہ مبادا خدا کا عذاب نازل ہو کر ہمیں بوجہ مجاورت کے اپنی لپیٹ میں لے لے۔ پس[1] ایک رات کو وہ سوئے جب اُٹھے تو سب بندروں کی شکل میں زن و مرد مسخ ہو چکے تھے۔ شہر کے دروازے ویسے کے ویسے بند رہ گئے نہ کوئی وہاں سے باہر آتا تھا اور نہ کوئی اندر داخل ہو سکتا تھا۔ جب بیرونی بستی والوں نے سنا تو انہوں نے شہر کا قصد کیا اور دیواروں پر چڑھ کر جھانکا تو سب عورتوں مردوں کو بندروں کی شکل میں مسخ دیکھا۔ جب یہ دیکھنے والے ان میں سے اپنے کسی قریبی یا تعلق دار کو کسی علامت سے پہچانتے تو پوچھتے کہ تو فلاں مرد ہے یا تو فلاں عورت ہے؟ تو وہ سر ہلا کر ہاں کا جواب دیتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے تھے پس تین روز تک اسی حالت میں رہے پھر خداوند کریم نے بارش اور آندھی بھیج کر ان کو ختم کر دیا اور دریا میں ڈال دیا اور کوئی مسخ شدہ جانور تین دن سے زیادہ نہیں رہتا۔ ہاں جن کو تم بندر دیکھتے ہو یہ وہ مسخ شدہ نہیں ہیں بلکہ ان کی شکلوں کے مشابہ ہیں اور یہ جانور ان کی نسل سے نہیں۔

مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ ان کو خدا نے مسخ کیا تو تین دن تک زندہ رہے اور ایک دوسرے کو بھونکتے تھے نہ انہوں نے کھایا نہ پیا۔ نہ نر و مادہ آپس میں جمع ہوئے۔ پھر خدا نے ان کو ہلاک کر دیا اور تیز ہوا نے ان کو اٹھا کر دریا میں جا پھینکا پس یہ بندر اور سور ان کی اولاد نہیں ہیں بلکہ شکل میں ان کے مشابہ ہیں۔

پھر امام زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا کہ خداوند کریم نے مچھلی کے شکار کرنے والوں کو مسخ کر دیا تو کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جنہوں نے ناحق اولاد رسول کو قتل کیا اور ان کی حرمت کی ہتک کی؟ خداوند کریم نے دنیا میں گو ان کو سزائے مسخ نہیں دی لیکن عذابِ آخرت

[1] بعض تفاسیر میں ہے کہ حضرت داؤدؑ نے ان پر بددعا کی تب ان پر مسخ کا عذاب آیا (منہ)

جو ان کے لئے تیار ہے وہ اس مسخ ہونے سے بہت زیادہ ہے۔ پس ایک شخص نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کی: یا ابن رسول اللہ بعض ناصبی ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر قتل حسینؑ ناجائز ہوتا اور بنی اسرائیل کے مچھلی کے شکار سے اس کا جرم سنگین ہوتا تو پھر قاتلانِ حسینؑ پر خدا کا غضب کیوں نازل نہیں ہوا۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے مچھلی کے شکاریوں پر نازل ہوا؟ آپ نے فرمایا کہ ان ناصبیوں سے کہو ابلیس کا گناہ ان لوگوں سے سنگین ہے جو اس کے بہکانے سے گمراہ ہوئے لیکن وہ غرق ہوگئے جن کا گناہ ہلکا تھا اور وہ غرق نہیں ہوا جس کا گناہ سنگین تھا پس خدا نے اپنی مصلحت سے سنگین جرم والے کو مہلت دے دی اور ہلکے جرم والوں کو معذب کر دیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے شکاری جو ہلکے جرم والے تھے معذب ہوگئے اور حسینؑ کے قاتل ابلیس کی طرح ایک وقت تک مہلت دیئے گئے۔ حالانکہ ان کا جرم سنگین تھا۔ نیز آپ سے سوال کیا گیا کہ یہ فعل گذشتہ زمانہ کے بنی اسرائیل کا تھا پھر زمانہ اسلام کے بنی اسرائیل کو اس فعل سے کیوں مخاطب کیا جا رہا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک شخص کی قوم اگر کسی کو قتل کر دے یا کہیں ڈاکہ ڈال دے تو اس شخص کو کہا جا سکتا ہے کہ تم نے فلاں کو قتل کیا یا فلاں مقام پر ڈاکہ ڈالا حالانکہ یہ اس قتل یا ڈاکہ میں شریک نہیں تھا۔ اور نیز اس زمانہ کے بنی اسرائیل چونکہ اپنے اسلاف کے افعال پر راضی تھے لہذا ان کو ان کے فعل کا شریک قرار دیا گیا۔ اور ان کو توبیخ و سرزنش کی گئی تاکہ اپنے عقیدۂ فاسدہ سے باز آکر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا ضمیر کا مرجع اگر بستی ہو تو معنی ہوگا کہ اس بستی کو ہم نے عبرت قرار دے دیا اور اگر ضمیر کا مرجع عقوبت اور سزا ہو تو معنی ہوگا ہم نے اس سزا کو عبرت بنا دیا اسی طرح لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا میں مَا بَيْنَ يَدَيْهَا اور مَا خَلْفَهَا میں کئی احتمالات ہو سکتے ہیں۔

۱۔ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا سے مراد وہ لوگ جنہوں نے آنکھوں سے ان لوگوں کو مبتلائے عذاب دیکھا اور مَا خَلْفَهَا سے مراد بعد میں آنے والی نسلیں ہیں۔

۲۔ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا سے مراد قریب کی بستیاں اور مَا خَلْفَهَا سے مراد دور دور کی بستیاں ہیں۔

۳۔ مَا بَيْنَ يَدَيْهَا سے مراد اُن کے سابقہ گناہ اور مَا خَلْفَهَا سے مراد بعد والا گناہ جس میں ماخوذ ہوئے۔

صادقین علیہما السّلام کی روایت سے پہلے احتمال کی تائید ملتی ہے اور تمام احتمالات کی رو سے معنی آیت کا یہ ہوگا کہ ہم نے اسی بستی کو یا اس بستی والوں کے عذاب و مسخ کو باعث عبرت قرار دیا دیکھنے اور سننے والوں کے لئے اور نزدیک و دور والوں کے لئے اور اگر نکال کا معنی عذاب لیا جائے تو پھر آخری احتمال سے معنی درست ہوگا یعنی وہ عذاب ان کے اگلے و پچھلے سب گناہوں کی سزا ہم نے قرار دیا۔ واللہ اعلم

فائدہ۔ یہود نصاریٰ اور صابی کی وجہ تسمیہ مختصراً از تفسیر مجمع البیان۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ

اور جب فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو تحقیق اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ذبح کرو ایک گائے انہوں نے کہا کیا تو ہم سے مسخری کرتا ہے

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

فرمایا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ جاہلین سے ہو جاؤں انہوں نے کہا پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ ہمیں بتائے وہ

لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ

کیسی ہو فرمایا کہ وہ فرماتا ہے تحقیق وہ ایسی گائے ہو کہ نہ بوڑھی ہو اور نہ بچی درمیان ہو ان دو حالتوں کے

۱۔ یہود۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ہود سے مشتق ہے۔ اور اس کا معنی توبہ ہے چونکہ گوسالہ کی عبادت سے انہوں نے توبہ کی تھی اس لئے ان کو یہودی کہا گیا ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب کا بڑا فرزند یہودا تھا یہ لوگ اُن کی طرف منسوب ہیں۔ جس طرح قومیں اپنے آباؤ واجداد کی طرف منسوب ہوا کرتی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہود کا معنی مائل ہونا ہے چونکہ یہ لوگ دین اسلام بلکہ دین موسیٰ سے پھر گئے۔ اس لئے ان کو یہود کہا جاتا ہے۔ اور چوتھا قول اس میں یہ ہے کہ تہوّد کا معنی حرکت کرنا ہے چونکہ یہ لوگ تورات کی تلاوت جھوم جھوم کر کرتے تھے اور اپنے جسم کو حرکت دیتے تھے اس لئے ان کو یہود کہا جاتا ہے۔

۲۔ نصاریٰ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ جس بستی میں رہتے تھے اس کا نام ناصرہ تھا یہ لوگ اسی کی طرف منسوب ہیں۔ دوسرا قول اس میں یہ ہے کہ یہ نصرت سے مشتق ہے اور چونکہ یہ لوگ ایک دوسرے کی نصرت کرتے ہیں اس لئے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی نصرت کا انہوں نے وعدہ کیا تھا اور کہا تھا نَحْنُ انصار اللہ اس لئے ان کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔

۳۔ صابی کا معنی ہے ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کی طرف مائل ہونے والا۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ اہل کتاب ہیں اور زبور کو مانتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نصاریٰ کے مشابہ دین رکھتے ہیں لیکن ان کا قبلہ سمت جنوب ہے اور دین نوحؑ کا دعویٰ رکھتے ہیں اس کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں۔ علمائے امامیہ کے نزدیک یہ لوگ اہل کتاب سے نہیں ہیں۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۱۴ باب عصمت ملائکہ میں ذکر فرمایا ہے کہ جو آسمانوں اور ستاروں کو واجب الوجود جانتے ہیں اور انہی کو کون و فساد کا مدبّر جانتے ہیں وہی صابی ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ ان پر مبعوث ہوئے تھے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى ۔ سوال۔ بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کا حکم کیوں ہوا؟

جواب۔ چونکہ وہ اس سے قبل گوسالہ پرستی کر چکے تھے پس اس موقعہ پر خدا نے ان کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم دے دیا تاکہ ان

فَافۡعَلُوۡا مَا تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنۡ لَّنَا مَا لَوۡنُهَا ؕ قَالَ

پس تم بجالاؤ وہ جو امر کئے جاتے ہو انہوں نے کہا پکار ہمارے لئے اپنے رب کو کہ ہمیں بتلائے اس کا رنگ کیا ہو؟ فرمایا تحقیق

اِنَّهٗ يَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفۡرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوۡنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيۡنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادۡعُ لَنَا

وہ فرماتا ہے تحقیق وہ گائے ہو زرد پکے رنگ کی کہ خوش کرے دیکھنے والوں کو انہوں نے کہا پکار ہمارے لئے

رَبَّكَ يُبَيِّنۡ لَّنَا مَا هِىَ ۙ اِنَّ الۡبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيۡنَا ؕ وَاِنَّآ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۷۰﴾

اپنے رب کو کہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسی ہو تحقیق گائیں ایک دوسری سے متشابہ ہیں ہمارے سامنے اور تحقیق ہم اگر اللہ نے چاہا تو البتہ ہدایت پانے والے ہیں

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوۡلٌ تُثِيۡرُ الۡاَرۡضَ وَلَا تَسۡقِى الۡحَرۡثَ ۚ

فرمایا تحقیق وہ فرماتا ہے کہ تحقیق وہ ایسی گائے ہو جو نہ رام شدہ ہو زمین پر ہل چلانے کے لئے اور نہ کھیتی سیراب کرنے کے لئے

کے دلوں سے گائے کی رہی سہی عظمت بھی چلی جائے اور کسی وقت بھی اس کے معبود ہونے کا تصور تک نہ کریں۔

ھزوًا حضرت موسیٰ نے مسخری کو جاہلوں کا فعل تبلایا ہے۔ علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ مسخری کی دو صورتیں ہیں یا تو کسی کی جسمانی وضع پر ہوگی یا اس کے فعل پر ہوگی۔ پہلی صورت میں مسخری اس لئے ناجائز ہے کہ وہ تو اللہ کا فعل ہے۔ اللہ نے بنایا ہی ایسا ہے لہذا مسخری کا محل ہی نہیں۔ اور دوسری صورت میں اگر اس کا فعل بُرا ہے تو اس کو نصیحت کرنی چاہیے نہ کہ اس سے مسخری کی جائے۔ لہذا مسخری کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ نیز مسخری کرنے والے انسان کا لوگوں کے دلوں میں ذرہ بھر بھی وقار نہیں رہتا۔

قَالُوا ادۡعُ۔ الایہ۔ بروایت ابن عباس جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ ان کو کوئی سی گائے ذبح کرنے کا حکم تھا لیکن اُنہوں نے خود اپنے اُوپر سختی کی تو خدا نے بھی سختی کر دی۔ اور اگر آخر میں انشاء اللہ نہ زبان پر جاری کرتے تو یہ سختی ان سے دُور نہ ہوتی۔ مجمع البیان

فَاقِعٌ لَّوۡنُهَا جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص زرد رنگ کا جوتا پہنے گا جب تک وہ جوتا اس کے پاؤں میں رہے گا اس کو خوشی نصیب ہوگی اور نیز اس کو مال اور علم نصیب ہوگا۔ (برہان)

واقعہ ۔ مجمع البیان۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک مالدار شخص کو اس کے بھتیجوں نے قتل کر کے اس کی لاش ایک دوسرے محلہ والوں کے دروازہ پر ڈال کر اُن پر قتل کا دعویٰ کر دیا۔ اور حضرت موسیٰ سے اُس کے فیصلہ کی درخواست کی ایک قول یہ ہے کہ اس کو اپنے سگے چچا زاد نے اس کی وراثت سنبھالنے کے طمع سے قتل کر کے خود دعویٰ دائر کر دیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی لڑکی سے شادی کرنے کے لئے اسے قتل کر دیا کیونکہ اس قاتل کو وہ نہ دینا چاہتا تھا اور کسی دوسرے مالدار کو دینے کا

مُسَلَّمَةٌ لَّاشِيَةَ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۷۱

سالم ہو اس میں کوئی عیب یا داغ نہ ہو انہوں نے کہا کہ اب تو نے حق بات کہی پس انہوں نے اس کو ذبح کیا حالانکہ ظاہراً امید نہیں تھی کہ وہ کریں گے

ارادہ رکھتا تھا اور حضرت صادقؑ سے بھی ایک روایت اسی مضمون کی وارد ہے۔

تفسیر عیاشی سے مرفوعاً منقول ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شخص نے کسی اپنے قرابتدار کو قتل کر کے دوسرے قبیلہ کے محلہ میں ڈال کر اس کے قتل کا دعویٰ کیا تھا۔ تفسیر برہان میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ تین شخصوں نے جو آپس میں چچازاد تھے ایک عورت کے نکاح کی خواستگاری کی تو اس عورت نے ان میں سے جو عالم اور شریف تھا اس کے ساتھ نکاح کرنا منظور کیا تو باقی دونوں نے مشورہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور رات کو اس کی لاش اٹھا کر بنی اسرائیل کے بڑے قبلیہ کے محلہ میں ڈال کر اُن پر قتل کا دعویٰ دائر کر دیا تھا تفسیر برہان میں مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن پر دعویٰ تھا۔ حضرت موسیٰ نے ان کو بلایا۔ اور ماجرا پوچھا تو انہوں نے قتل کا انکار کر دیا اور انہوں نے کہا کہ ہم سے قسمیں یا خون بہا لینے کی بجائے خدا سے صحیح قاتل کا علم حاصل کیا جائے۔ خدا کی جانب سے وحی ہوئی کہ ایک گائے کو ذبح کر کے اس کا بعض حصہ مقتول کے جسم پر مارا جائے تو وہ خدا کے اذن سے زندہ ہو کر اپنا قاتل خود بیان کرے گا۔ اُنہوں نے کہا آپ ہمارے ساتھ مسخری نہ کریں ہم مقتول کے متعلق پوچھتے ہیں اور آپ گائے کے ذبح کا حکم دیتے ہیں کبھی ایک مردہ کے دوسرے مردہ کے ساتھ ٹکرانے سے بھی مردہ زندہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسخری جہلا کا کام ہے۔ میں نے تو حکم خدا سنایا ہے جو خدا مرد و عورت کے مردہ نطفوں کے ملنے سے زندہ انسان پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح تمہاری ہری بھری کھیتیاں مردنی کے بعد باذنِ خدا وجودِ حیات میں آتی ہیں تو وہ خدا اس مردہ انسان کو بھی اس طریق سے زندہ کر سکتا ہے۔ آخر سوال وجواب کے بعد وہ گائے کے ذبح کرنے پر آمادہ ہوئے۔ روایت میں ہے کہ ان صفات کی گائے بنی اسرائیل میں سے ایک نوجوان کی ملکیت تھی جو اکثر محمدؐ و آل محمدؐ پر درود پڑھا کرتا تھا اور باپ کا اس قدر فرمانبردار تھا کہ ایک مرتبہ اس نے ایک چیز کو فروخت کرنا تھا اور اس میں اس کو بڑا نفع تھا جب خریدار پہنچے تو مال خانہ کی کنجیاں اس کے باپ کے سرہانے کے نیچے تھیں اور وہ محوِ خواب تھا۔ اس نے باپ کو نیند سے بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور خریداروں کو واپس کر دیا جب باپ نے بیدار ہونے کے بعد لڑکے سے مال کے فروخت ہونے کے متعلق پوچھا تو لڑکے نے کہا کہ میں نے آپ کو بے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ لہذا مال فروخت نہیں ہو سکا تو باپ نے انعام میں اس کو یہ گائے دی تھی۔ پس سابقہ روایت کے مطابق جب بنی اسرائیل گائے خریدنے کے لئے آئے تو قیمت بڑھتے بڑھتے یہ مقرر ہوئی کہ بیل کی کھال دیناروں سے پُر اس گائے کا عوض ہو اور جب اُسے پُر کیا گیا تو پچاس لاکھ دینار اس میں سمائے پس لڑکے نے قیمت وصول کر لی اور گائے دے دی۔ اُنہوں نے اس کو ذبح کیا اور ایک حصہ اس کا جب مقتول کو مارا تو وہ باذنِ خدا زندہ ہوا۔ اور اُس نے اپنے دونوں چچا زاد بھائیوں کو اپنا قاتل

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۚ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا

اور جب قتل کیا تم نے ایک شخص کو پس جھگڑا کیا تم نے اس میں اور اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس کو تم چھپاتے ہو پس کہا ہم نے

اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

مارو اس مقتول کو بعض حصہ اس گائے کا اسی طرح خدا زندہ کرتا ہے مردوں کو اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ

پھر سخت ہو گئے تمہارے دل اس کے بعد پس وہ پتھر جیسے (یا اس سے بھی) سخت تر ہو گئے اور تحقیق بعض پتھر ایسے

الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ

ہیں کہ البتہ بہتی ہیں ان سے نہریں اور تحقیق بعض ان میں سے شق ہوتے ہیں پس نکلتا ہے ان سے پانی

بتایا اور وجہ قتل بھی بیان کی پس دونوں قاتلوں کو قصاص میں قتل کر دیا گیا مقتول نے جب درود کی برکت دیکھی تو محمدؐ و آل محمدؐ پر درود پڑھ کر ان کے وسیلہ سے اپنی طول حیات کی دعا مانگی تو وحی ہوئی کہ اس کی اصل زندگی میں ساٹھ سال باقی تھے اور اس دعا کی بدولت ستر سال ہیں نے اس کو مزید عطا کئے لہٰذا اس کی باقی زندگی ایک سو تیس برس میں نے کر دی ہے اور باقی بنی اسرائیل نے محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو گائے کی ادا کردہ قیمت سے دگنا خزانہ خدا نے ان کو عطا فرمایا۔ اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمد و اٰل محمّد

وَاِذْ قَتَلْتُمْ الخ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیت معنی کے اعتبار سے پہلے ہے کیونکہ قتل کا واقعہ پہلے تھا اور گائے کے ذبح کرنے کا حکم بعد میں ہوا تھا۔ لہٰذا اس آیت کو پہلے ذکر ہونا چاہیے تھا۔

جواب۔ یہ ضروری نہیں کہ جامع قرآن نے آیات قرآنیہ کو ترتیب نزول کے ماتحت جمع کیا ہو کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ بہت سی آیات جو نزول میں پہلے تھیں لیکن موجودہ ترتیب میں موخر ہیں، اور جو آیات نزول میں موخر تھیں موجودہ ترتیب میں وہ پہلے ہیں۔

۲۔ یہاں ترتیب وار قصہ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ بنی اسرائیل پر اتمام حجت کے طور پر نعمات کا ذکر ہے اور ان کی ناقدر شناسی کا بیان ہے تاکہ موجودہ دور کے یہودی درس عبرت حاصل کریں۔

۳۔ اگر قصہ ہی سمجھا جائے تو مقصود اس سے گائے کے ذبح کا حکم اور بنی اسرائیل کے سوال و جواب کے بعد ان کے ذبح پر آمادہ ہونے کا بیان تھا۔ اب یہاں پہنچ کر ایک سوال پیدا ہوتا تھا کہ اس گائے کو ذبح کرنے کا حکم کیوں ہوا تھا اور اس میں اہمیت کیا تھی تو اس کا جواب دیا گیا کہ چونکہ انہوں نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا اور ان کے باہمی نزاع کو ختم کرنے کے لئے خدا نے ان کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کا بعض حصہ اس مردہ کو مارا جائے اور وہ خود زندہ ہو کر قاتل کی نشان دہی کرے۔ پس ترتیب آیات میں اس لحاظ سے

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (۷۴) أَفَتَطْمَعُونَ

اور تحقیق بعض ان میں سے گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور نہیں خدا غافل تمہارے اعمال سے کیا پس تم (اے مسلمانو)

أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ

طمع کرتے ہو کہ وہ ایمان لائیں تمہارے ساتھ حالانکہ تھا ایک فریق ان میں سے سنتے تھے اللہ کا کلام پھر اس کی تحریف کرتے تھے بعد سمجھ لینے

مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۷۵) وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا

کے حالانکہ وہ جانتے تھے اور جب وہ ملتے ہیں مومنوں سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتا ہے ان

بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

کا بعض طرف بعض کے تو کہتے ہیں کہ کیا تم بتاتے ہو ان کو وہ چیز جو جتلائی اللہ نے تم کو تاکہ وہ (مسلمان) حجت

لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۷۶)

پکڑیں تم پر اس کی تمہارے ربّ کے سامنے کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

کوئی اشکال نہیں اور گائے کی قربانی سے ان کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ ہر امر مشکل کے لئے خدا کی بارگاہ میں قربانی سے مصیبت دُور ہو جایا کرتی ہے اور نیز یہ بتلانا مقصود تھا کہ خدا جب چاہے اور جس طرح چاہے مردہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا - الخ- گائے کا بعض حصہ جو مقتول کو مارا گیا پچھلی چوڑی تھی یا دم کی ہڈی تھی یا زبان تھی یا کوئی دوسری ہڈی تھی یا گوشت کا ٹکڑا تھا؟ اس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض روایات اہل بیتؑ میں دم کی ہڈی مذکور ہے قرآن کا یہ واقعہ جناب رسالت مآبؐ کی نبوت کی واضح دلیل ہے کیوں کہ یہ واقعہ ایسا ہے کہ سوائے کتب متقدمہ کے مطالعہ کے کسی کو کیا معلوم تھا؟ اور آنحضورؐ ظاہری طور پر کسی پڑھے لکھے انسان سے شاگردی کے طور پر کچھ پڑھے نہ تھے اور نہ قبل بعثت علمائے یہود سے اٹھ بیٹھ تھی۔ پس ان کا واقعہ بیان فرمانا اور علمائے یہود کا اس واقعہ کی تصدیق کرنا قرآن کی حقانیت اور جناب رسالتمآبؐ کی صداقت اور نبوت کی کھلی اور واضح دلیل ہے

وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ - پتھروں سے نہروں کے جاری ہونے سے مراد جس طرح عام پہاڑوں سے دریا نکلتے ہیں۔ گویا پتھر سے مراد پہاڑ ہے اور دوسرے پتھر جو شق ہوتے ہیں اور پانی ان سے نکلتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ کے عصا مارنے سے، پتھر سے چشمے نکلتے تھے جو بنی اسرائیل کو سیراب کرتے تھے اور پتھروں کا خوفِ خدا سے گرنا جیسے وہ پہاڑ جس پر حضرت

موسیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے رویت کا سوال کیا تھا اور تجلی سے گر کر ریزہ ریزہ ہوگیا تھا یہ انسانی قلوب کی سختی و نرمی کی مثالیں ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے دل گویا ان پتھروں سے بھی سخت تر تھے اور وہ مثل ان پتھروں یا پہاڑوں کے تھے جن سے نہ پانی نکلتا ہے اور نہ وہ خوف خدا سے گرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو جب رسالت مآبؐ نے یہ آیت سنائی تو ان کو گراں معلوم ہوئی۔ روایت اہل بیت میں ہے کہ وہ جمع ہو کر حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں عرض گذار ہوئے کہ تیری نبوت کی تصدیق اگر پہاڑ کردے تو ہم مان جائیں گے۔ پس حضور ان کو ساتھ لے کر ایک پہاڑ کے قریب آئے تو حضورؐ نے اس پہاڑ کو مخاطب کیا۔ اے پہاڑ بحق محمد و آلہ الطیبین جن کے نام کی برکت سے حاملین عرش سے عرش کا بوجھ ہلکا ہوا۔ اور بحق محمد و آلہ الطیبین جن کے ذریعہ سے آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی۔ اور بحق محمد و آلہ الطیبین جن کی بدولت ادریس کو جنت میں اٹھایا گیا تو محمد کی گواہی دے۔ پس پہاڑ کانپا اور اس سے پانی جاری ہوا اور اس سے ندا آئی۔ اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ روایت بہت لمبی ہے جس میں آنحضورؐ کے معجزات باہرات کا ذکر ہے اور تفسیر برہان میں تفصیل سے مذکور ہے۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ۔ اس سے مراد وہ گروہ ہے جو موسیٰ کے ساتھ کوہ طور پر اللہ کا کلام سننے کے لئے گیا تھا لیکن واپس آکر بجائے موسیٰ اور تورات کی تصدیق کے قوم کے سامنے دوسری تاویلیں کر کے انکاری ہوگیا تھا یا یہ کہ تورات میں جو حضرت رسالت مآبؐ کی پیشین گوئیاں موجود ہیں ان کو سنتے تھے اور ان کی تحریف کر دیتے تھے کہ عوام یہود دھوکے میں رہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ خالص مومنوں سے ان علمائے یہود کی جب ملاقات ہوتی تھی جیسے سلمان مقداد تو ان کو کہتے تھے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں لیکن جب آپس میں تنہا بیٹھتے تھے تو ایک دوسرے کو سمجھاتے تھے کہ تورات میں جو جناب محمد مصطفےٰؐ کے متعلق پیشگوئیاں ہیں۔ وہ ان مومنوں کے سامنے بیان نہ کیا کرو تاکہ قیامت کے روز ہم پر حجت نہ پکڑیں اور اگر کوئی یہودی مسلمانوں کے سامنے کچھ بیان کر بیٹھتا تھا تو دوسرے اس پر ناراض ہو کر اس کو تنبیہ کرتے تھے کہ تم ان کو ایسی باتیں کیوں بتلاتے ہو جو صرف تمہاری کتاب میں ہیں اور تمہیں ہی معلوم ہیں؟ ورنہ وہ ہمیں ہماری کتاب سے لاجواب کر دیں گے

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ۔ خداوند کریم ان کے خیالات فاسدہ کی تردید فرما رہا ہے کہ خواہ وہ مسلمانوں سے بیان نہ کریں اور چھپانے میں کتنی ہی احتیاط کریں میں تو ان کی خفیہ و ظاہر سب باتوں کو جانتا ہوں۔

اُمِّيُّوْنَ۔ اُمی کی جمع ہے (جو لکھ پڑھ نہ سکتا ہو) ۔ اُم کی طرف منسوب ہے۔ یعنی جس طرح ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا اور اس وقت کچھ نہ جانتا تھا۔ اب بھی اسی طرح کچھ نہیں جانتا۔ یعنی وہ مادر زاد جاہل ہیں۔ اور اپنے خیالی اندازے سے یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ہم جنتی ہوں گے اور ان بے علم یہودیوں کی مذمت ہے جو بے سمجھے سوچے اپنے علماء سوء کی تقلید کرتے تھے۔ لہٰذا اس سے یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا

کیا وہ نہیں جانتے تحقیق اللہ جانتا ہے جس چیز کو چھپائیں اور جس چیز کو ظاہر کریں اور بعض ان میں سے ان پڑھ ہیں جو نہیں

يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ

جانتے کتاب کو مگر خالی آرزوئیں اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالی پلاؤ پس ویل ہے ان لوگوں کے لئے جو لکھتے ہیں

الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ

کتاب کو اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ حاصل کریں ساتھ اس کے مال قلیل پس ویل ہے

لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ

ان پر ان کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کی وجہ سے اور ویل ہے ان پر ان کے کسب کئے ہوئے کی وجہ سے اور کہا انہوں نے ہرگز ہم کو آتش جہنم نہ چھوئے

إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ

گی مگر چند دن گنے چنے (ان کو) کہو کیا لیا ہے تم نے اللہ سے وعدہ پس ہرگز نہ خلاف کرے گا اپنے وعدہ سے یا تھوپتے ہو

تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾ بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ

اوپر اللہ کے ایسی بات جو تم نہیں جانتے بے شک جو بھی کسب کرے برائی کا اور گھیر لیں اس کو گناہ اس کے

۱۔ اصولِ دین میں جہاں علم حاصل کرنا واجب ہے اور ممکن بھی ہو وہاں تقلید نا جائز ہے۔

۲۔ کتاب کی حجت عالم لوگوں پر قائم ہے اور ان پر واجب ہے کہ خود کتاب کے معنی کو سمجھیں۔

۳۔ کتاب کے معانی کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے صرف پڑھ لینا کافی نہیں۔ (عن مجمع البیان)

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ عوام یہود و نصاریٰ جو خود کتاب کا علم نہ رکھتے تھے اور ان کا دین اپنے علما سے سنی سنائی چیزوں کے تابع تھا اور خدا نے ان عوام کی اس لئے مذمت کی ہے کہ وہ اپنے علماء کی تقلید میں تھے پس جب ان کے لئے علماء کی تقلید حرام تھی تو ہمارے عوام کے لئے علماء کی تقلید کیسے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے عوام اور علماء اور یہود کے عوام و علماء میں فرق بھی ہے اور ایک لحاظ سے مساوات بھی ہے۔ عوام یہود کو معلوم تھا کہ ان کے علماء جھوٹ بولتے ہیں حرام کھاتے ہیں، رشوت لیتے ہیں اور سفارشوں۔ رشتہ داریوں اور رواداریوں کی بنا پر احکام خدا کو تبدیل کر دیتے ہیں جن لوگوں پر ناراض ہوں ان کو حقوق سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور جن پر راضی ہوں

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۸۱) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پس وہ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں

الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۸۲)

نے عمل صالح کئے وہ جنتی ہیں وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

ان کو ناحق اموال دلواتے ہیں وغیرہ لہذا خداوند کریم نے ان کی اس اندھا دھند تقلید کی مذمت فرمائی ہے اسی طرح ہمارے عوام بھی اگر اپنے علماء کو فاسق، کنبہ پرور مال دنیا کے طالب اور حرام خور پائیں کہ جس پر راضی ہوں اس کو ناحق مال دلوائیں اور جس پر ناراض ہوں اس کو اپنے جائز حقوق سے بھی محروم کردیں غرضیکہ بددیانت ہوں تو ایسے علماء کی تقلید کرنے میں ہمارے عوام اور یہود کے عوام میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن فقہا میں سے جو شخص اپنے نفس کو حرام سے بچانے والا دین کا نگہبان خواہش نفس کا مخالف اور اپنے مولا کے فرمان کا مطیع ہو۔ پس عوام کے لئے اس کی تقلید کرنا جائز ہے۔ اور اس صفت سے ہمارے بعض شیعہ فقہا متصف ہیں سب نہیں۔ روایت طویل ہے۔ میں نے حسب ضرورت ایک حصہ کا مختصر سا ترجمہ پیش کیا ہے اور یہ بحث اس تفسیر کی جلد اول یعنی مقدمہ میں تقلید کے باب میں مفصل لکھی جاچکی ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ - الخ - یہ ان علماء کی مذمت ہے جو کتاب خدا میں اپنی طرف سے اپنی خواہشات کے مطابق احکام داخل کرکے یا جناب رسالتمآبؐ کی صفات میں تبدیلی کرکے لکھ دیتے تھے اور عوام یہود کو سناتے تھے تاکہ امراء سے رقمیں وصول کرلیں اور عوام کو دین اسلام سے منحرف کرکے ان پر اپنا وقار قائم رکھیں اور ان سے سالانہ اپنے مقررشدہ وظائف وصول کرکے شکم پری کرتے رہیں کیونکہ تورات میں جو جناب رسالتمآبؐ کی صفات درج تھیں اگر عوام کے سامنے وہ بیان کرتے تو عوام اسلام کے حلقہ بگوش ہوکر ان سے کنارہ کش ہوجاتے اور اُن کے دلوں سے اُن کا وقار ختم ہوجاتا اور سالانہ آمدنی میں کمی واقع ہوجاتی۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ - الخ - ابن عباس سے منقول ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ مدینہ میں وارد ہوئے تو یہودی کہتے تھے کہ مدت دنیا کل سات ہزار سال ہے اور گنہگار کو ہر ہزار سال کے بدلہ میں ایک دن عذاب ہوگا یعنی کلیہ سات دن عذاب ہوگا پھر ختم ہوجائے گا بعض کہتے ہیں کہ ان کا اعتقاد تھا کہ ہم پر عذاب کی کل مدت چالیس دن ہوگی جتنے دن ہم نے گوسالہ پرستی کی تھی پس یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے اس خیال کی پرزور مذمت کی گئی۔

مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً - الخ - روایات اہل بیتؑ میں ہے کہ سیّئۃ سے مراد انکار ولایت علی بن ابی طالب ہے جناب رسالتمآبؐ سے سوال کیا گیا کہ اصحاب النار سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا جو علی سے جنگ کریں اور حضرت علی کو فرمایا - یا علی

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي

اور جب لیا ہم نے وعدہ اولاد یعقوب سے کہ نہ عبادت کرنا مگر اللہ کی اور والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور قریبیوں کے

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور کہنا لوگوں کو اچھی بات اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ

پھر تم پھر گئے مگر قلیل تم میں سے اور تم روگردانی کرنے والے تھے اور جب لیا ہم نے وعدہ تم سے کہ آپس میں خونریزی

دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

نہ کرنا اور نہ نکالنا اپنے نفسوں کو اپنے گھروں سے تم نے اقرار کیا اور تم مانتے ہو

حَرْبُكَ حَرْبِيْ وَسِلْمُكَ سِلْمِيْ۔ یعنی اے علیؑ تیرے ساتھ لڑائی میرے ساتھ لڑائی ہے اور تیرے ساتھ صلح میرے ساتھ صلح کے مترادف ہے۔ الخبر۔ اور ان آیات میں یہودیوں کے عقیدہ کی تردید ہے یعنی جو برائی کا کسب کریں گے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے سات روز یا چالیس روز کا خیال دل سے نکال دیں اور جو نیکی کریں گے ایمان کے ساتھ وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں وہ بھی ہمیشہ رہیں گے۔

والدین کی اطاعت

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ والدین کی اطاعت فرض ہے۔ یہاں تک کہ لڑکا مستحبات شرعیہ بھی والدین کی اجازت کے بغیر ادا نہیں کر سکتا البتہ اگر واجبات سے والدین روکیں تو لڑکے پر ان کی یہ اطاعت واجب نہیں بلکہ حرام ہے کیونکہ خدا کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے۔

اور منقول ہے کہ بدبخت اولاد ہے کہ جن کو والدین کی خدمت کا موقع ملے اور وہ ان کی خدمت نہ کر سکیں۔ وافی میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ احسان کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ حُسنِ صحبت رکھو۔ اور ان کی ضروریات کو تم پورا کرو قبل اس کے کہ وہ تم سے سوال کریں۔ ان کی طرف نظر محبت و پیار سے کرو۔ اپنی آواز کو ان کی آواز سے بلند نہ کرو اپنا ہاتھ اُن کے ہاتھ سے اُونچا نہ کرو اور اُن کے آگے نہ چلو۔ اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ باپ کا فرزند پر یہ حق ہے کہ اس کو نام لے کر نہ بلائے اُس کے سامنے نہ چلے۔ اس سے پہلے نہ بیٹھے اور اس کو گالی نہ دلوائے۔ ایک شخص نے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ مجھے کوئی وصیت فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا خواہ تجھے آگ میں جلانے کا عذاب دیا جائے پس تیرے دل کو ایمان کی دولت سے مالا مال ہونا چاہیئے اور ماں باپ کی

اطاعت کرو خواہ وہ زندہ ہوں یا مر چکے ہوں حتٰی کہ اگر وہ تجھے بیوی بچوں اور مال سے علیحدہ ہونے کا حکم دیں تو تجھ پر اطاعت واجب ہے اور اسی کا نام ایمان ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے تو آپ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا اور ماں باپ کی اطاعت کرنا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

ایک شخص نے حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے جہاد سے بڑی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا پس اللہ کے راستے میں جہاد کیا کرو کیونکہ اگر قتل کیا جائے گا تو اللہ کے نزدیک تو زندہ ہوگا اور رزق دیا جائے گا اور اگر مرے گا تو تیرا اجر اللہ کے نزدیک محفوظ ہوگا اور اگر خیر و سلامتی سے پلٹ آئے گا تو ایسا ہے گویا تو گناہوں سے پاک ہو گیا جس طرح شکم مادر سے پیدا ہوا تھا۔ اس نے عرض کی حضور! میرے ماں باپ بوڑھے ہیں اور ان کو مجھ سے بڑی محبت ہے وہ میرا گھر سے باہر جانا پسند نہیں کرتے تو آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں تو ماں باپ کی خدمت میں رہ۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ان کا ایک شب و روز تیرے ساتھ محبت کرنا ایک سال کے جہاد سے افضل ہے۔

اسی طرح ایک نوجوان نے جہاد سے محبت ظاہر کی اور ماں کی محبت کا تذکرہ کیا کہ وہ مجھ سے جدائی نہیں چاہتی تو آپ نے فرمایا تو واپس ماں کی خدمت میں چلا جا اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے برحق مبعوث برسالت کیا ہے اس کی تجھ سے ایک رات کی محبت ایک سال کے جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کی کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے قضائے حاجت کے لئے بھی ہم اس کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو کر سکتا ہے تو یہ کام خود کیا کر اور اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں لقمہ دیا کر یہ خدمت کل تیرے لئے ڈھال کا کام دے گی۔

ایک شخص دین نصاریٰ چھوڑ کر مسلمان ہوا اور حج پر گیا وہاں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کی اور اپنی ماں جو نابینا تھی کی خدمت کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا پس ماں کی خدمت کیا کر۔ وہ کہتا ہے کہ حج سے واپس میں اپنے گھر کوفہ میں آیا اور ماں کی خدمت میں مشغول ہوا اسے کھانا اپنے ہاتھوں سے کھلاتا تھا۔ اس کے کپڑے صاف کرتا تھا اور اس کی ہر ممکن خدمت کرتا تھا۔ تو ماں نے پوچھا بیٹا! جب تک تو میرے دین پر تھا تو اتنی خدمت نہیں کیا کرتا تھا جب سے تو نے اسلام قبول کیا ہے میری زیادہ خدمت کرتا ہے۔ میں نے کہا ہمارے نبی کی اولاد میں سے ایک بزرگ نے مجھے یہی حکم دیا ہے ماں نے پوچھا کیا وہ نبی ہے؟ میں نے کہا نہیں بلکہ وہ نبی کی اولاد سے ہے۔ ماں نے کہا بیٹا! وہ یقیناً نبی ہے۔ کیونکہ یہ چیز انبیاء کی وصیتوں میں سے ہے۔ میں نے کہا مادر گرامی ہمارے نبی کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوگا یہ اس کا فرزند ہے۔ پس وہ کہنے لگی بیٹا! تیرا دین اچھا ہے مجھے بھی سکھا۔ میں نے اس کو سکھایا۔ اور

وہ مسلمان ہوگئی۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء یہ چاروں نمازیں اس نے پڑھیں اور رات کو عارضہ میں مبتلا ہوگئی۔ اور آخری وقت پھر اصول دین کا اقرار کیا اور مرگئی تمام مسلمان اس کی تجہیز و تکفین میں شامل ہوئے اور میں نے خود اس کا جنازہ پڑھا (ملخصاً ترجمہ)

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بعض اوقات انسان زندگی میں والدین کا فرمانبردار ہوتا ہے اور جب وہ مر جاتے ہیں تو ان کا نافرمان بن جاتا ہے کیونکہ نہ ان کے قرضے ادا کرتا ہے اور نہ ان کے لئے استغفار کرتا ہے پس دفتر عدل خداوندی میں وہ عاق لکھا جاتا ہے اور بعض انسان ماں باپ کی زندگی میں ان کے نافرمان ہوا کرتے ہیں اور ان کے مرنے کے بعد فرمانبردار ہو جاتے ہیں کہ اُن کے قرضے ادا کرتے اور ان کے لئے استغفار کرتے ہیں پس دفتر عدل خداوندی میں وہ والدین کے اطاعت گزار لکھے جاتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے فرماتے ہیں تمہیں کیا ہے کہ والدین کے ساتھ احسان نہیں کرتے زندہ ہوں یا مرگئے ہوں ان کی طرف سے نماز پڑھو۔ صدقہ دو۔ حج کرو ان کے روزے رکھو کیونکہ یہ اعمال ان کو فائدہ دیں گے اور کرنے والے کو بھی اسی قدر بلکہ اس سے زیادہ ثواب ملے گا۔ یہ سب روایات وافی سے منقول ہیں۔

ایک روایت میں ہے ماں باپ کے چہرہ کی طرف مہر و محبت کی نگاہ کرنا عبادت ہے (مقدمہ تفسیر)

عنوان الکلام میں ہے کہ ماں باپ کی طرف نظر کرنا ایک حج کے ثواب کے برابر ہے اور بروز جمعہ ان کی قبروں کی زیارت کرنا حج کا ثواب ہے۔

جلد ثالث بحار الانوار میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جنّت کی خوشبو پانچسو سال کی راہ سے آئے گی لیکن اپنے والدین کا نافرمان اُسے نہ سونگھے گا۔ احادیث اس بارہ میں حدِ تواتر سے زیادہ ہیں۔ نیک نیت اور صاف دل انسان کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

یہ برّ والدین کی ظاہری تفسیر تھی اب ذرا اس کی باطنی تفسیر و تاویل ملاحظہ فرمائیے۔

تفسیر برہان میں روضۃ الواعظین سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا کی تفسیر میں فرمایا کہ والدین حضرت محمد مصطفیٰؐ اور حضرت علی مرتضیٰؑ ہیں۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ تمہارے افضل والدین اور زیادہ مستحق شکر محمدؐ و علیؑ ہیں۔ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا میں نے جناب رسالت مآبؐ سے سُنا کہ فرماتے تھے أَنَا وَعَلِيٌّ أَبَوَا هٰذِهِ الْأُمَّةِ میں اور علی اس اُمّت کے باپ ہیں اور ہمارے حقوق ان پر اپنے والدین کے حقوق سے زیادہ ہیں کیونکہ اگر وہ ہماری اطاعت کریں گے تو ہم انہیں جہنّم سے نکال کر جنّت پہنچائیں گے اور غلامی سے نکال کر آزادی دلوائیں گے پس نہ ظاہری والدین کی اطاعت کے بغیر خدا کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ باطنی اور روحانی والدین کی

اطاعت کے سوا رضائے خدا حاصل ہوتی ہے اور جنت والدین کے قدموں میں ہے۔

وَذِی الْقُرْبٰی۔ اپنے قرابت داروں کے ساتھ احسان کرنا صلہ رحمی ہے اور روایات میں ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے پر قیامت کا حساب آسان ہوگا اور جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے والدین کی قرابت کے حقوق کی رعایت کرے گا اس کو جنّت میں ہزار درجہ عطا ہوگا کہ ہر دو درجہ کے درمیان تیز رَو گھوڑے کا ایک لاکھ سال کا راستہ ہوگا اور اس کے بعد پھر امام نے درجات کی تفصیل کسی حد تک بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ جو شخص حضرت محمد مصطفٰےؐ اور علی مرتضٰےؑ کے قرابت داروں کے حقوق کی رعایت کرے گا تو نسبی قرابت داروں کے حقوق کی رعایت کے ثواب سے اس کا ثواب اتنا زیادہ ہوگا جتنا نسبی والدین اور روحانی والدین (جناب محمد مصطفٰےؐ اور علی مرتضٰےؑ) کے مراتب اور درجات میں فرق ہے پس خدا کا غضب نازل ہو ان لوگوں پر جنہوں نے رسولؐ و علیؑ کے قریبیوں کے حقوق کی رعایت کرنا تو بجائے خود ان کو اس قدر ستایا کہ آج تک رُوحِ رسُولؐ اس صدمہ سے گریاں ہے چنانچہ امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ باوجودیکہ ہمارے نانا مسلمانوں کو ہمارے ساتھ احسان کرنے کی اور ہمارے حقوق کی رعایت کرنے کی بار بار تلقین کر گئے تھے لیکن ان مسلمانوں نے ہمیں وہ مصائب دکھ پہنچائے ہیں کہ اگر ہمارے نانا مسلمانوں کو ہمارے ستانے کی وصیّت فرما جاتے تو مسلمان اس سے زیادہ ہمیں مصائب دکھ پہنچا کر نہ ستا سکتے۔ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۔

وَالْیَتٰمٰی۔ جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے یتیم پروری کی بڑی تاکید فرمائی کیونکہ وہ اپنے باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوتے ہیں پس جو ان کی حفاظت کرے گا خدا اس کی حفاظت کرے گا اور جو ان کی عزت کریگا خدا اسکی عزت کریگا اور جو شخص ازراہ کرم یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے خداوند کریم اسے اس کے ہاتھ کے نیچے آنے والے بال بال کے بدلے میں ایک ایک محلِ جنّت عطا فرمائے گا جو دنیا و مافیہا سے بزرگ تر ہوگا اور ان میں ہر وہ چیز مہیّا ہوگی جس کو اُس کا جی چاہے گا۔ اور آنکھ ٹھنڈی ہوگی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ خدا آلِ محمدؐ کے یتیموں پر ظلم کرنے والوں پر لعنت کرے۔

علمائے صالحین کا مقام

البرہان! امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا ظاہری باپ کے سایہ سے محروم ہونے والے یتیم سے بھی زیادہ قابلِ رحم وہ یتیم ہے جو روحانی باپ یعنی اپنے امام سے دور ہو جائے اور اس تک پہنچ نہ سکے اور اسے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ احکام دینیہ میں جن سے مجھے واسطہ ہے میرے امام کا کیا حکم ہے آگاہ ہو کہ ہمارے شیعوں میں سے جو شخص ہمارے علوم کا عالم ہو۔ اور ہماری شریعت سے جاہل کو واقف کرے جو ہماری زیارت سے محروم ہے چونکہ وہ جاہل اس عالم کی گود میں (ہمارا) یتیم ہے پس وہ عالم جو اس کو ہدایت کرے اور ہماری شریعت کی اس کو تعلیم دے وہ رفیق اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہوگا (رفیق اعلیٰ سے مراد مقام جنّت ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث میرے آباء طاہرین نے جناب رسولِ پاکؐ سے بیان

فرمائی ہے۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ہمارے شیعوں میں سے جو شخص ہماری شریعت کا عالم ہو پس وہ ہمارے کمزور شیعوں کو ان کی جہالت کی تاریکی سے نکال کر ان کو علم کی روشنی تک پہنچائے جو ہماری طرف سے اس کو پہنچا ہے تو جب وہ واردِ محشر ہوگا اس کے سر پر ایک نورانی تاج ہوگا جس سے تمام عرصۂ محشر منور ہو جائے گا اور اس کو حلۂ بہشتی پہنچایا جائے گا جس کی ایک ادنیٰ تار کی قیمت ساری دنیا نہیں ہوسکتی اور پھر اللہ کی جانب سے منادی ندا کرے گا۔ اے بندگانِ خدا یہ آلِ محمدؐ کے شاگردوں میں سے ایک عالم ہے پس جس جس انسان کو دنیا میں اُس نے جہالت کی تاریکی سے نکالا تھا وہ اس کے نور کے ساتھ تمسک پکڑلیں تاکہ یہی عالم اس کو عرصۂ محشر کی تاریکی کی حیرت سے نکال کر باغاتِ جنت میں پہنچا دے پس دنیا میں جن جن لوگوں کو اس نے اپنے فیض سے بہرہ ور کیا ہوگا یا جہالت کا قفل اس کے دل سے توڑا ہوگا یا اس کے کسی عقدہ کو حل کیا ہوگا وہ تمام اس عالم کے ساتھ تمسک پکڑ کر داخلِ جنت ہوں گے۔

وَالْمَسَاكِيْنِ۔ مسکین کی جمع ہے یعنی جس کو فقر و فاقہ زمین گیر کر دے کہ وہ حرکت نہ کر سکے گویا سکون سے مشتق ہے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص مساکین کی اپنے زائد مال سے خبرگیری کرے گا۔ خداوندکریم جنت میں اس کو وسیع مقام عطا فرمائے گا یعنی اپنی جملہ نعمات کو اس پر وسیع کر دے گا اور اس کو اپنی مغفرت اور رضامندی سے لذت اندوز کرے گا پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ اور حضرت علیؑ مرتضیٰ کے محب مسکین ہیں ان کی ہمدردی عام فقراء و مساکین کی ہمدردی سے افضل ہے کیونکہ دشمنانِ دین جو اُن کے مذہب پر اعتراض کرتے ہیں اور اُن کو بیوقوف بناتے ہیں ان کے مقابلہ سے اُن کی قوتیں ضعیف اور اعضاء ساکن (کمزور) ہیں پس جو شخص ان کو علمِ فقہ کی قوت دے اور ان کو پڑھائے یہاں تک کہ ان کی وہ مسکینی دُور ہو جائے اور اپنے ظاہری دشمنوں (جیسے ناصبی) اور باطنی دشمنوں (جیسے ابلیس اور اس کا لشکر) پر قابو پالیں تاکہ وہ ان کو دینِ خدا اور محبت آلِ رسولؐ سے ہٹا نہ سکیں تو خداوندکریم نے اپنے رسولؐ کی زبان پر فیصلۂ حق جاری فرمایا اور حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جو شخص دین کے مسکین اور معرفت کے کمزور کو ناصبی مخالف پر طاقتور کرے کہ یہ مومن اُسکو لاجواب کرنے میں کامیاب ہو جائے تو جب وہ قبر میں سوئے گا تو خود خداوندکریم قبر میں اپنی زبانِ قدرت سے اس کی تلقین پڑھے گا۔ اور فرمائے گا کہ میرا رب اللہ ہے میرا نبی محمدؐ ہے میرا ولی علی ہے۔ میرا قبلہ کعبہ ہے میرے ایمان کی بہار اور سفرِ آخرت کی زاد قرآن ہے اور سب مومن میرے بھائی ہیں پس خدا فرمائے گا کہ تو نے اب حجت ادا کر دی پس تیرے لئے جنت کے بلند درجات میں نے واجب کئے ہیں۔ اور اسی وقت اس کی قبر بہترین گلزارِ جنت ہو جائے گی۔

مکارم اخلاق کا درس

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں یہاں ناس سے

مراد عام ہے مومن ہوں یا غیر مومن۔ پس مومنوں کے ساتھ کشادہ روئی سے پیش آؤ اور غیر مومن کے ساتھ نرمی کی گفتگو کرو تاکہ وہ تمہاری طرف کھچ آئیں۔

وافی میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السّلام نے ایک حدیث میں فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص جب اپنے دین میں پرہیزگار ہو۔ بات میں سچا ہو۔ امانت کا ادا کرنے والا ہو اور لوگوں سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کرتا ہو تو لوگ کہیں کہ یہ جعفری ہے تو مجھے اس بات سے خوشی ہوگی اور اس کی طرف سے مجھے سرور پہنچے گا اور کہا جائے گا کہ جعفر صادق کی تعلیم یہ ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کی مصیبت اور شرمساری مجھے ہوگی کیونکہ لوگ کہیں گے کہ جعفر صادق نے اس کو ایسی تعلیم دی ہے۔ خدا کی قسم مجھے اپنے والد بزرگوار نے بیان فرمایا کہ حضرت علی علیہ السّلام کا شیعہ وہ ہے کہ جس محلہ میں آباد ہو وہ اس محلہ کی زینت ہو۔ امانت ادا کرنے والا ہو۔ حقوق کی رعایت کرنے والا ہو۔ بات کا سچا ہو کر لوگوں کی وصیتوں اور امانتوں کا مرجع ہو۔ قبیلہ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے تو کہیں کہ اس کی مثل کون ہو سکتا ہے وہ امین بھی ہے سچا بھی ہے۔

ابوالربیع شامی روایت کرتا ہے کہ میں حضرت صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجمع کثیر تھا۔ خراسانیوں، شامیوں اور گرد و نواح کے لوگوں سے صحن میں قدم رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ امام علیہ السّلام تکیہ لگا کر بیٹھے تھے۔ پس سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اور ارشاد فرمایا۔ اے آل محمدؐ کے شیعو! وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو بوقتِ غصہ اپنے نفس پر قابو نہ پا سکتا ہو۔ اپنے ساتھی سے اچھا برتاؤ نہ کرتا ہو۔ ہم کلام لوگوں سے خلق کی بات نہ کرتا ہو۔ رفقاء سے اچھی رفاقت نہ کرتا ہو۔ ہمسایوں سے حسن سلوک نہ رکھتا ہو۔ کشادہ روئی کرنے والوں سے اچھی طرح پیش نہ آتا ہو۔ اے آل محمدؐ کے شیعو! حسب طاقت اللہ سے تقویٰ اختیار کرو وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن بلند مقام اس شخص کا ہوگا جو خلقِ خدا کی خیر خواہی میں زمین پر چلنے والا ہو۔ اور آپ نے فرمایا خدا کا محبوب ترین بندہ وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہو۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ نماز رکنِ دین ہے اور ستون اسلام ہے جو نماز نہیں پڑھتا اس کا اسلام برائے نام ہے کیونکہ معصوم کا فرمان ہے جو عمداً نماز کو ترک کر دے وہ کافر ہے چنانچہ باب تفاصیل حقوق میں امام زین العابدین علیہ السّلام نے حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے روایت فرمائی ہے کہ اللہ کا بڑا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کرو۔ اور اس میں اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور جب ایسا کرو گے خدا تمہاری دنیا و آخرت کی مہموں کو انجام دے گا۔ اے انسان! تیرے اُوپر اللہ کا حق یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کر اور نماز کا حق یہ ہے کہ تجھے یقین ہو کہ میں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوا ہوں اور اس کے دربار میں حاضر ہوں جب تم یہ بات سمجھ لو گے تو اس کی بارگاہ میں اس طرح کھڑے ہو گے جس طرح ایک عبد ذلیل اپنے آقا و مولا کے سامنے نہایت

عجز و انکساری کے ساتھ کھڑا ہوتا ہے جس کو انعام کا طمع، عذاب کا خطرہ بخشش کی امید اور گناہوں کا ڈر ہو، ایسی صورت میں تمہاری پوری توجہ نماز میں ہو گی اور اس کو اپنے حقوق اور حدود کے ساتھ ادا بھی کرو گے (نقلاً از وافی) اور نماز مومن اور مشرک کے درمیان نشانِ امتیاز ہے۔ جیسے خود فرماتا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ نماز پڑھو اور مشرکین سے نہ ہو، نماز کا مفصل ذکر تفسیر کی جلد ۹ میں ص۴۳ تا ص۵۶ ملاحظہ ہو۔

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ اس کی تفسیر میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ مال و جاہ و قوتِ بدن سے زکوٰۃ دو۔ مال کی زکوٰۃ تو یہ ہے کہ اپنے غریب و نادار مومن بھائیوں کی مالی امداد کرو (وجوب زکوٰۃ اور اس کے شرائط و احکام تفسیر کی جلد نمبر ۲ میں ص۶۳ تا ص۸۵ ملاحظہ ہوں۔ اور جاہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اپنی حاجات تک پہنچنے سے جہاں مومن بھائی قاصر ہو تو تم اس کی حاجت براری میں امداد کرو۔ اور اپنے رسوخ سے اس کی مشکل حل کرو اور قوتِ بدن کی زکوٰۃ یہ ہے کہ جہاں ایک کمزور مومن کو تمہاری دست گیری کی ضرورت ہو وہاں اپنی قوتِ جسمانی سے اس کی مدد کرو مثلاً اندھے کی لاٹھی پکڑو۔ کمزور کو سہارا دو وغیرہ

وافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن کی حاجت روائی ایک ہزار غلام آزاد کرنے سے اور اللہ کی راہ میں ایک ہزار گھوڑا پیش کرنے سے افضل ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ مومن کی حاجت براری بیس حجوں سے افضل ہے۔

اور نیز آپ نے ایک روایت میں فرمایا کہ جو شخص مومن کی حاجت کو پورا کرنے کے لئے چلے اسے ہر قدم کے بدلہ میں دس نیکیاں ملیں گی۔ اور دس گناہ معاف ہوں گے اور دس درجے اس کے بلند ہوں گے اور یہاں تک کہ آپ نے فرمایا کہ اس کا ثواب ایک ماہ مسجد الحرام میں اعتکاف کرنے سے زیادہ ہے۔

ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص مومن کی حاجت کے لئے چلے تو اس کے سر پر پچھتر ہزار فرشتوں کا سایہ ہوتا ہے۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ایک مومن کی مصیبت دُور کرے خدا اُس کی قیامت کی مصیبت دور کرے گا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو بھوکے مومن کو کھانا کھلائے خدا اس کو جنت کے پھل عطا فرمائے گا اور جو پیاسے مومن کو پانی پلائے خدا اس کو رحیق مختوم سے سیراب کرے گا۔ احادیث اس ضمن میں حد تواتر سے زیادہ ہیں اور آیت مجیدہ میں ظاہری طور پر زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن صدقاتِ واجبہ و مستحبہ مالیہ و بدنیہ سب کو باطنی طور پر شامل ہے جس طرح گذشتہ فرمانِ امام اس کا شاہد ہے۔

ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ

پھر تم وہی قتل کرتے ہو ایک دوسرے کو اور نکال دیتے ہو ایک فریق اپنے کو اپنے گھروں سے درحالیکہ تم ایکدوسرے کے

عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ

معاون ہوتے ہو اُن کے خلاف ناجائز طور پر اور ظالمانہ انداز سے اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی ہو کر تو ان کا فدیہ دیتے ہو حالانکہ حرام ہے تم پر نکالنا

اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ

ان کا کیا تم ایمان لاتے ہو بعض کتاب سے اور کفر کرتے ہو ساتھ بعض کے پس نہیں جزا اس کی جو کرے یہ کام تم میں سے مگر

ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ

رسوائی زندگی دنیا میں اور روز قیامت وہ پھیر دیئے جائیں گے طرف سخت ترین

یہ عہد و میثاق جو خداوند کریم بنی اسرائیل کو جتلا رہا ہے گو ان کے اسلاف نے کیا تھا اور پھر توڑا تھا لیکن چونکہ موجودہ یہودی اُن سے بیزار نہیں تھے اس لئے خطاب ان کو کیا گیا ہے اور تاویل و باطن کے اعتبار سے یہ آیت قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے لئے باعث عبرت اور پیغامِ ہدایت ہے اور تمام بنی آدم سے خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنے کا میثاق روزِ اول سے لیا جا چکا ہے۔ اور اسی عہد کی انبیاء اپنے اپنے زمانہ میں اُمتوں کو یاد دہانی کراتے رہے تاکہ حجت تمام ہو جائے۔ دورِ اسلام کے یہود پر حجت قائم کرنے کے لئے خداوند کریم نے بذریعۂ قرآن اُس میثاق کی یاد دہانی کرائی اور مسلمانوں کو بھی اس کی نصیحت کی سابق یہودیوں نے چونکہ عہد توڑ دیا تھا لہذا موجودہ یہودیوں کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ خبردار تم ان کے نقش قدم پر نہ چلو بلکہ راہِ حق پر آجاؤ۔

نیز تورات میں ان کے اسلاف سے یہ عہد بھی لیا گیا تھا کہ باہمی خونریزی نہ کرنا ایک دوسرے کو جلاوطن نہ کرنا بلکہ صلح و آشتی سے زندگی بسر کرنا لیکن وہ اس عہد سے بھی پھر گئے۔ لہذا خداوند کریم نے ان کا یہ عہد کرنا اور پھر جانا بھی ذکر فرمایا ہے تاکہ موجودہ یہودی عبرت حاصل کریں۔

ثُمَّ اَنۡتُمۡ ۔ مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ یہود کے دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر آپس میں بھائی تھے جس طرح عرب کے دو قبیلے اوس اور خزرج تھے پس ان میں پھوٹ پڑ گئی تو قبیلہ نضیر قبیلہ خزرج کے ساتھ ہو گیا۔ اور قبیلہ قریظہ قبیلہ اوس کے ساتھ ہو گیا جب دو قبیلے آپس میں لڑتے تھے تو ہر ایک کا ساتھی اور ہم قسم قبیلہ اپنے ساتھیوں کی امداد کرتا تھا جب لڑائی ختم ہو جاتی تھی تو یہودی مغلوب قبیلے کے یہودیوں کو فدیہ دے کر آزاد کرا لیتے تھے اور اس معاملہ میں تورات کی اتباع کو نہیں چھوڑتے تھے۔ ادھر اوس اور خزرج کے دونوں قبیلے مشرک تھے حالانکہ تورات میں ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ آپس میں

الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ

عذاب کے اور خدا غافل نہیں اس سے جو تم عمل کرتے ہو وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا زندگی

الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

دنیا کو بدلہ آخرت کے پس نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے

خونریزی بھی نہ کرنا ایک دوسرے کو جلاوطن بھی نہ کرنا اور اگر کوئی ان میں سے اسیر ہو جائے تو فدیہ ادا کر کے اُسے آزاد بھی کرا لینا۔ پس یہودیوں نے ایک حصہ پر عمل نہ کیا یعنی ایک دوسرے کے قتل اور جلاوطنی سے باز نہ آئے لیکن دوسرے حصہ پر عمل کیا کہ جو یہودی قید ہوتے تھے ان کو فدیہ ادا کر کے چھڑا لیتے تھے۔ پس ان آیات میں ان کی مذمت کی گئی ہے کہ تورات کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور دوسرے حصہ پر ایمان نہیں رکھتے حالانکہ دونوں حکم واجب الاتباع ہیں۔

خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ دنیا کی رسوائی سے مراد ان سے جزیہ لینا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی رسوائی یہ تھی کہ بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا گیا اور بنی قریظہ کو قتل کر دیا گیا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا گیا۔

یہودیوں پر تورات میں ایک دوسرے کا جلاوطن کرنا حرام تھا اور قرآن میں اس حکم کا مذکور ہونا اور یہودیوں کی مذمت کرنا بتلاتا ہے کہ مسلمانوں پر بھی یہی حکم عائد ہوتا ہے۔ اسی بنا پر تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ اس کی تاویل حضرت ابوذر غفاری سے متعلق ہے جن کو مدینہ سے مسلمانوں کے حاکم نے جلاوطن کر کے ربذہ بھیج دیا تھا چنانچہ وہیں ان کا انتقال ہوا اور دفن بھی وہیں ہوئے۔

تفسیر برہان میں امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے اس آیت کے نزول کے بعد جب یہودیوں کے حالات سے خبر دی تو پھر فرمایا کہ میں اس اُمت میں سے تم کو ان لوگوں کا پتہ دوں جن کے افعال ان یہودیوں کے مشابہ ہوں گے، صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسولؐ اللہ! آپ نے فرمایا کہ میری اُمت سے ایسے لوگ ہوں گے جو میری اُمت کہلائیں گے اور میری ذرّیت کے فاضلوں کو اور میری نسل کے پاکیزہ افراد کو قتل کریں گے اور میری سنت و شریعت کو تبدیل کر دیں گے میرے شہزادوں حسنؑ اور حسینؑ کو شہید کریں گے جس طرح ان یہودیوں کے اسلاف نے حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کو قتل کیا تھا ان پر بھی خدا کی لعنت ہوگی۔ جس طرح ان پر خدا کی لعنت ہے ان کی بقیہ اولادوں پر قیامت سے پہلے خداوند کریم حسینؑ مظلوم کی اولاد سے ہادی مہدی کو بھیجے گا جو اپنے دوستوں کی تلواروں سے انہیں موت کے گھاٹ اتار کر ان کو واصل جہنم کرے گا۔ آگاہ ہو حسینؑ اور اس کے محبوں اور مددگاروں کے قاتلین پر اللہ کی لعنت ہے اور جو بلا تقیہ ان پر لعنت نہ کرے اس پر بھی خدا کی لعنت

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اس کے بعد رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو
الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ
معجزات اور ہم نے اس کی تائید کی ساتھ روح قدس کے کیا جب بھی لائے تمہارے پاس وہ چیز کہ نہ چاہے جی تمہارا تو تم نے
اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط بَلْ
تکبر کیا پس ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کرتے تھے اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلاف میں ہیں بلکہ

ہے اور اللہ کی رحمت ہو گی حسینؑ بن علیؑ کے رونے والوں پر اور ان پر جو ان کے قاتلوں پر لعنت بھیجیں اور ان پر غیظ و غضہ میں رہیں آگاہ ہو جو قاتلین حسینؑ پر راضی ہو گا اس کا شمار قاتلین میں سے ہو گا۔ نیز حسینؑ کے قاتل اور قاتلین کے مددگار اور دوست اور ان کے مقتدی یہ سب اللہ کے دین سے بیزار ہیں۔ خداوند کریم ملائکہ مقربین کو حکم فرمائے گا کہ حسینؑ کی شہادت پر رونے والوں کے آنسو کو اٹھا کر خزانِ جنت کے حوالہ کر دیں پھر وہ ان کو آبِ حیات سے ملا دیں گے جس سے اس کی شیرینی اور پاکیزگی ہزار گنا زیادہ ہو جائے گی (یہ رونے والوں کو انعام میں نصیب ہو گا) اور حسینؑ کے قتل پر خوش ہونے والوں کے آنسو کو ملائکہ اٹھا کر ہاویہ میں اس کے حمیم صدید غساق وغسلین سے ملائیں گے جس سے اس کی گرمی کی شدت ہو گی اور عذاب کی زیادتی ہزار گنا بڑھ جائے گی اور وہی اعداء آلِ محمدؐ کی بازگشت ہو گی۔

البَیِّنَات ۔ حضرت عیسٰی کو معجزات عطا کیے گئے تھے مثلاً مردہ کو زندہ کرنا۔ نابینا کو بینا کرنا۔ مبروص و اپاہج کو تندرست کرنا اور مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں رُوح پھونکنا وغیرہ یہ سب بیّنات ہیں یعنی عیسٰی کی نبوت کی واضح دلیلیں ہیں بعض نے کہا ہے کہ بیّنات سے مراد انجیل اور اس میں درج شدہ جمیع احکام حلال و حرام ہیں۔ از مجمع البیان۔

روح القدس ۔ بعض کہتے ہیں اس سے مُراد جبریل ہے اور بعض انجیل مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں اس سے مراد اسم اعظم ہے اور جبریل مراد لینے کی صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبریل کی حضرت عیسٰی سے کیا خصوصیت ہے حالانکہ وہ ہر نبی پر وحی لایا کرتا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بچپنے سے آخر تک ہر وقت حضرت عیسٰے کے ہمراہ رہتا تھا اور جب یہود نے حضرت عیسٰے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا تو آسمان پر جبریل خود ساتھ لے گیا اور حضرت مریم کو عیسٰیؑ کی بشارت دینے کے لئے بھی انسانی شبیہ بن کر آیا تھا۔ از مجمع البیان

فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ ۔ الخ ۔ ایک گروہ کی تکذیب کی جیسے حضرت عیسٰیؑ اور حضرت رسالت مآبؐ اور ایک گروہ کو قتل

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ

لعنت کی ہے ان پر اللہ نے بوجہ ان کے انکار کے پس ایمان تھوڑا ہی لاتے ہیں اور جب آئی ان کے پاس کتاب اللہ کی جانب

عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا

سے جو تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے حالانکہ تھے وہ پہلے فتح طلب کرتے تھے اوپر کافروں کے پس جب

جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾

آئی ان کے پاس وہ جس کو انہوں نے پہچانا تو اس کا انکار کر دیا پس اللہ کی لعنت ہے انکار کرنے والوں پر

کرڈالا جیسے حضرت یحییٰؑ وحضرت زکریاؑ اور تفسیر برہان میں عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ اور اس کے بعد رسولوں کا ذکر اُمت محمدؐ مصطفیٰ کے لئے ایک مثال ہے اور آیت کی تاویل اور باطن یہ ہے کہ جب حضرت محمد مصطفےٰؐ تمہارے پاس وہ چیز لائے جس کو تمہارے دل نہ چاہتے تھے یعنی ولایت علیؑ تو تم اکڑ گئے اور آلِ محمدؐ میں سے بعض کو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل کرڈالا اور اسی معنی میں کلینیؒ سے روایت منقول ہے۔

غُلُف اغلف کی جمع ہے۔ غلاف کے اندر جو چیز ہو اُسے اغلف کہتے ہیں۔ اُن کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل غلافوں میں بند ہیں تمہاری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں پس اللہ نے ان کی تردید فرمائی کہ اُن کے دل غلاف میں نہیں بلکہ کفر و عناد کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت ہے لہٰذا ایمان تھوڑا ہی لاتے ہیں یعنی نہیں لاتے۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ الخ۔ یعنی جناب رسالت مآبؐ کی بعثت سے پہلے یہودی لوگ عربوں پر یعنی اوس و خزرج پر جناب رسولؐ خدا کی آمد کی خبر سے فتح طلب کرتے تھے یعنی جب یہ لوگ ان کو تنگ کرتے تھے تو یہودی ان کو کہا کرتے تھے کہ جب رسولؐ آخر الزمان تشریف لائیں گے تو ہم ان کے ہمرکاب ہو کر تمہارا پتہ کریں گے۔ خدا ہم کو ان کی بدولت تم پر فتح دے گا اور تم مغلوب ہو جاؤ گے لیکن جب حضورؐ تشریف لائے تو یہودی انکاری ہو گئے۔ اور اوس و خزرج مسلمان ہو گئے۔ پس معاذ بن جبل وغیرہ ان کو کہتے تھے کہ اللہ سے ڈرو پہلے جب ہم مشرک تھے تو تم جناب رسولؐ خدا کی آمد کی خبر سُنا کر ہم پر فتح طلب کرتے تھے اور خدا سے دعائیں مانگتے تھے اور جب وہ تشریف لائے ہیں تو تم انکار کرتے ہو تو سلام بن مشکم یہودی جو بنی نضیر سے تھا کہتا تھا کہ یہ وہ نہیں جس کا ہم ذکر کرتے تھے [1]

[1] ترجمہ قرآن مولوی اشرف علی تھانوی کے حاشیہ صفحہ پر مرقوم ہے کہ محمد مصطفیٰؐ کے نبی ہونے سے پہلے یہود کی قبیلہ اوس و خزرج سے باہم لڑائی

تفسیر مجمع البیان میں تفسیر عیاشی سے بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ یہودیوں نے اپنی کتابوں میں پڑھا تھا کہ جناب محمدؐ مصطفیٰ کی ہجرت گاہ عیر اور اُحد کے درمیان ہوگی پس اسی مقام کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ان کا گذر ایک پہاڑ سے ہوا جس کو حداد کہا جاتا ہے تو انہوں نے سوچا کہ احد اور حداد ایک ہی جیسے لفظ ہیں (پس سمجھا کہ وہ یہی مقام ہے) تو اسی پہاڑ کے گردو نواح میں متفرق ہوکر اُتر پڑے کچھ تیما میں کچھ فدک میں اور کچھ خیبر میں آباد ہوگئے۔ پس تیما والے اپنی دوسری برادری کی ملاقات کے لئے گھر سے تیار ہوئے تو بنی قیس کا ایک شخص ان کے پاس سے گذرا۔ انہوں نے اس سے اونٹ کرایہ پر لئے اس اعرابی نے اُن کو بتایا کہ میں تم کو عیر اور احد کے درمیان سے لے کر گزروں گا۔ اُنہوں نے کہا کہ وہاں پہنچنا تو ہمیں خبر دینا پس جب مدینہ کی زمین پر پہنچے تو اعرابی نے کہا کہ یہ اُحد ہے اور وہ عیر ہے (یعنی اب تم ان دو مقاموں کے درمیان میں ہو) پس وہ اونٹوں سے اُتر پڑے اور اعرابی کو کہا کہ ہمیں اپنا مطلوب مل گیا ہے اب ہم کو تیرے اونٹوں کی ضرورت نہیں تو بے شک جا سکتا ہے اور وہاں سے فدک اور خیبر کے یہودیوں کو خط لکھا کہ ہم نے وہ مقام تلاش کر لیا ہے۔ پس تم یہاں چلے آؤ۔ انہوں نے جواب میں لکھا کہ ہم اب آرام سے یہاں آباد ہیں اور یہاں ہم نے مال و متاع جمع کر لیا ہے اور ہم تمہارے قریب بیٹھے ہیں جب وہ وقت آیا تو ہم فوراً پہنچ جائیں گے پس انہوں نے مدینہ بسایا اور اپنے مال جمع کئے جب ان کے پاس مال زیادہ ہوا تو عرب کے بادشاہ تبّع کو خبر پہنچی۔ اُس نے ان پر چڑھائی کر دی اور یہ اپنے قلعوں میں داخل ہوگئے بہت دیر تک اس نے محاصرہ کئے رکھا اور آخر کار ان کو امان دے دی اور کہا کہ مجھے تمہاری آبادیاں پسند ہیں لہذا میں یہاں ٹھہرنا چاہتا ہوں یہودیوں نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مقام نبیؐ کی ہجرت گاہ ہے جب تک وہ نہ تشریف لائیں دوسرے کسی کو ہم یہاں رہنے کی اجازت نہیں دیتے پس اس نے کہا کہ میں تم میں اپنے خاندان سے کچھ آدمی ٹھہراتا ہوں تاکہ ان کی آمد پر یہ بھی ان کی نصرت کریں پس اس نے اوس اور خزرج دونوں قبیلے وہاں چھوڑے اور خود چلا گیا۔ جب اوس و خزرج تعداد میں زیادہ ہوگئے تو انہوں نے یہودیوں کے اموال پر دست درازی شروع کر دی پس یہودی اُن کو کہتے تھے کہ جب محمدؐ مصطفیٰ تشریف لائیں گے تو ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے لیکن نتیجہ اس کے برعکس ہوا کہ جب آپ تشریف لائے تو انصار مسلمان ہوگئے اور یہودی اپنی ضد پر اڑ گئے چنانچہ آیت میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔

بِئْسَ مَا ۔ یعنی یہ سودا ان کا خسارے میں ہے اور بُرا سودا ہے کہ اپنے نفسوں کو انہوں نے عذاب جہنم میں دے دیا۔ اور

بقیہ صفحہ ۱۴۰۔ جب کبھی لڑائی ہوتی تھی اور ہزیمت نظر آتی تھی تو نبی امی خاتم النبیین کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے اور دشمن پر فتح و غلبہ چاہتے تھے اور یہ پاک وسیلہ لاتے ہی فوراً ان کو فتح ہو جاتی اور جب وہ وجود باجود دنیا میں سایہ فگن ہوا یعنی خود نبی ہو کر دنیا میں تشریف لائے تو یہ یہودی لوگ کافر ہوگئے اور ایمان نہ لائے اس کے بعد محشی نے معاذ بن جبل اور سلام بن مشکم یہودی کا مکالمہ ذکر کیا ہے۔ (منہ)

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ

بری ہے وہ چیز کہ بیچ دیا ہے بدلے اس کے انہوں نے اپنے نفسوں کو انکار کرنا اُس چیز کا جو نازل کی اللہ نے اس حسد سے کہ نازل کرتا ہے

فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ

اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے پس حاصل کیا انہوں نے غضب بالائے غضب اور کافروں کے لئے عذاب

مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ

ہے رسوا کن اور جب ان کو کہا جائے کہ ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے جو ہم پر

عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ

اتری اور کفر کرتے ہیں ساتھ اس کے جو اس کے علاوہ ہو حالانکہ وہ حق ہے تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو ان کے پاس ہے کہئے پھر کیوں قتل

کفر و انکار کی وجہ سے نعماتِ جنّت سے محروم ہونا اختیار کر لیا۔ اور اس حسد کی وجہ سے کہ نبوت حضرت اسماعیل کی اولاد ہیں کیوں آ گئی کیوں کہ اس سے پہلے سارے نبی حضرت اسحٰق کے فرزند حضرت یعقوبؑ کی اولاد سے تھے جن کو اسرائیل کہا جاتا تھا۔ حالانکہ تورات میں جو اوصاف رسولِ خدا کے ذکر کئے گئے تھے اُن کے لحاظ سے اُن کو دل میں یقین تھا کہ آپ برحق نبی ہیں اور خدا اپنا فضل یعنی نبوت جس کو وہ چاہے عطا کرتا ہے اور اُس کے اختیار میں ہے خواہ بنی اسرائیل سے نبی بنائے یا بنی اسمٰعیل سے نبی بھیجے لیکن اُن کو حسد پیدا ہوا کہ ایسا کیوں ہوا۔ پس غضب در غضب کے مستحق ہو گئے۔

اور غَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ یا تو تاکید کے لئے ہے اور یا دوسرے غضب سے مراد انکارِ نبوّتِ خاتم الانبیاء ہے۔ اور پہلے غضب سے مراد یا تورات کی تحریف یا گوسالہ پرستی یا حضرت عیسٰیؑ کا انکار ہے۔ اور آخری معنی اہل بیتؑ سے مروی ہے۔ پس پہلے غضب میں ان کو بندر سُور کی شکل میں مسخ ہونا نصیب ہوا اور دوسرے غضب سے ان کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی تلواریں یا جزیہ قبول کرنا حاصل ہوا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ۔ یعنی جب ان کو کہا جائے کہ قرآن پر ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس کو مانتے ہیں جو ہم پر اُتری یعنی تورات۔ پس خدا ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ غلط کہتے ہیں کیونکہ اگر ان کا تورات پر ایمان ہوتا تو نبیوں کو کیوں قتل کرتے۔ تورات میں تو انبیاء کی اطاعت کا حکم ہے۔ پس چونکہ اُنہوں نے نبیوں کو قتل کیا تو گویا تورات پر بھی ان کا ایمان نہیں تھا۔ اور نیز کتب سماویہ میں سے جو ایک کتاب کو نہ مانے گویا اُس نے تمام کتابوں کا کفر کیا۔ یہ بھی چونکہ قرآن کو نہیں مانتے پس تورات پر بھی ان کا ایمان کالعدم ہے۔

اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۹۱) وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى

کرتے تھے اللہ کے نبیوں کو اس، پہلے اگر تم مومن ہو اور تحقیق آیا تمہارے پاس موسٰی ساتھ

بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ (۹۲)

معجزات کے پھر پوجا تم نے گوسالہ اس کے پیچھے درحالیکہ تم ظلم کرنے والے تھے

حضرت علیؑ کا قسیم الجنّۃ والنّار ہونا

تنزیل کے لحاظ سے یہ آیتیں گو بنی اسرائیل کو خطاب کر رہی ہیں لیکن ان کی تاویل قیامت تک کے لئے ہے۔ کیونکہ قرآن قیامت تک کے لئے ہے۔

تو پس معلوم ہوا کہ جو شخص کتب سماویہ میں سے ایک کا انکار کرے گویا اس نے سب کتابوں کا انکار کیا۔ اسی طرح جو ایک نبی کا انکار کرے گویا وہ سب نبیوں کا منکر ہے اور جو ایک امام اور خلیفۂ برحق کا منکر ہو گویا وہ تمام آئمہ وخلفائے برحق اور سب انبیاء و جملہ کتب سماویہ کا منکر ہے چنانچہ انہی آیات کی تفسیر میں جناب امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا جس کا ملخص ترجمہ یہ ہے کہ خدا نے خبر دی ہے کہ جو قرآن کو نہیں مانتا۔ اس کا تورات پر بھی ایمان نہیں ہے کیونکہ خدا نے ان سے ہر دو پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا پس ایک کے ساتھ ایمان بغیر دوسرے کے نا قابل قبول ہے۔ اسی طرح میری نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ خدا نے علیؑ کے ولایت پر ایمان لانا بھی فرض کیا ہے پس جو شخص میری نبوت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرے اور علی کی ولایت کا کفر کرے تو گویا اس کا میری نبوت پر بھی ایمان نہیں ہے۔ بروز محشر جب تمام مخلوق جمع ہوگی تو منادی اللہ کی جانب سے ندا کرے گا تاکہ مخلوق میں سے مومن و کافر جدا جدا ہو جائیں پس ندا آئے گی۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اور دوسری آواز آئے گی اے خلق خدا تم بھی اس کلمے کو دہراؤ تو دہریت کے قائل گونگے ہو جائیں گے۔ ان کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور علیحدہ ہو جائیں گے اور باقی تمام مخلوق یہ کلمہ اپنی زبانوں پر جاری کرے گی، پھر ندا آئے گی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو مشرکین اور بت پرستوں کے سوا تمام لوگ یہ کلمہ زبان پر جاری کریں گے اور مشرکین اور بت پرستوں کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور وہ گونگے ہوں گے پس یہ بھی علیحدہ ہو جائیں گے پھر ندا آئے گی۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو سوائے مسلمانوں کے باقی تمام لوگ اس کلمہ کے دہرانے سے گونگے اور زبان بستہ ہو جائیں گے اور جدا ہو جائیں گے پس عرصہ محشر سے آواز آئے گی کہ اب ان اقرار کرنے والوں کو جنّت میں لے جاؤ اچانک اللہ کی جانب سے ایک اور آواز آئے گی۔ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ۔ یعنی ان کو ٹھہراؤ کیونکہ ان سے ابھی پوچھنا ہے۔ فرشتے عرض کریں گے اے اللہ یہ رسولؐ خدا کی نبوت کا اقرار تو کر چکے ہیں اب ان سے مزید سوال کونسا باقی ہے؟ تو آواز آئے گی وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ عَنْ وِلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ یعنی ان کو کھڑا کرو کیونکہ ان سے علیؑ اور آلِ محمدؐ کی ولا کا سوال باقی ہے اگر اقرارِ ولا نہ ہوگا تو میری ربوبیت اور جناب رسولؐ خدا

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا

اور جب ہم نے لیا تمہارا وعدہ اور بلند کیا ہم نے تمہارے اُوپر کوہ طور کو پکڑو اس چیز کو جو دی ہم نے تم کو طاقت سے اور سنو انہوں نے

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ

کہا ہم نے سن لیا اور نافرمانی کی اور داخل ہوگئی ان کے دلوں میں گوسالہ کی محبت بوجہ کفر کے کہہ دو کہ بری ہے وہ چیز جس کا امر کرتا

بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ

ہے تم کو تمہارا ایمان اگر ہو تم مومن کہہ دیجئے اگر ہے تمہارے لئے ہی قیامت کا گھر اللہ کے نزدیک صرف بغیر اور

خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ

لوگوں کے پس خواہش کرو موت کی اگر تم سچے ہو اور ہرگز

کی نبوت کا اقرار ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا کیونکہ میں نے ان پر یہ شہادت بھی فرض کی ہے پس جو اقرار کرے گا وہی ناجی ہوگا۔ اور جو نہ کرے گا وہ ناری ہوگا۔ پس بعض لوگ کہہ دیں گے کہ ہم علی کی ولا کے قائل تھے اور آلِ محمدؐ کے محب تھے حالانکہ وہ جھوٹ کہتے ہوں گے اور خیال کریں گے کہ ہم اس جھوٹ سے جان چھڑالیں گے۔ پس کہا جائے گا کہ یہ فیصلہ علی کی گواہی پر موقوف ہے۔ پس رسولِ خدا نے فرمایا یا علیؑ! تو آئے گا اور کہے گا کہ خود جنت میرے دوستوں کی گواہ ہے۔ اور جہنم میرے دشمنوں پر شاہد ہے۔ پس جس کا اقرارِ ولایت صحیح ہوگا نسیمِ جنت اس کو اٹھا کر محلاتِ بہشت میں داخل کردے گی جہاں اس کو کوئی تکلیف و رنج نہ پہنچے گا۔ اور جو اس اقرار میں جھوٹے ہوں گے سمومِ جہنم ان کو وہاں سے اٹھا کر نارِ جہنم میں گرا دے گی۔ پھر جناب رسولِ خدا نے فرمایا یا علی اسی لئے تو قَسِيْمُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ہے۔ تو جہنم سے خطاب کرکے کہے گا۔ هٰذَا لِيْ وَهٰذَا لَكِ۔ یہ میرا ہے اور وہ تیرا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِوَلَاءِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ یعنی انہوں نے کانوں سے سُنا اور عمل کے اعتبار سے اس کی نافرمانی پر کمربستہ رہے یا یہ کہ منہ سے کہہ دیا کہ ہم نے سُنا ہے اور دلوں میں ٹھان لی کہ اس کی نافرمانی کریں گے۔

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ جنت میں صرف ہم ہی جائیں گے اور جنت کا گھر ہمارے ہی لئے ہے تو خداوندکریم نے ان کے قول کی تردید فرمائی کہ اگر اس دعوے میں تم سچے ہو تو پھر بلا تامل موت کی خواہش کرو تاکہ دنیاوی مصائب سے نجات حاصل کرکے اخروی انعامات ولذات حاصل کرو۔

حضرت امیر المومنینؑ جنگ صفین میں ایک باریک قمیص میں مصروفِ جہاد تھے تو ان کے شہزادے امام حسن علیہ السلام

يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ

نہ خواہش کریں گے اس کی بوجہ ان اعمال فاسدہ کے جو پہلے کر چکے ہیں اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کو اور البتہ پائیگا تو

اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ

ان کو زیادہ حریص لوگوں سے زندگی پر اور بعض مشرکین بھی (حتیٰ کہ) چاہتا ہے ان کا ہر ایک کہ عمر دیا جائے

اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ

ہزار سال حالانکہ نہیں چھڑانے والا عذاب سے عمر کا دیا جانا اور خدا

نے عرض کی مولا! آپ ان باریک کپڑوں میں بغیر زرہ وغیرہ کے جہاد کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا بیٹا! اِنَّ اَبَاكَ لَا يُبَالِىْ وَقَعَ عَلَى الْمَوْتِ اَوْ وَقَعَ الْمَوْتُ عَلَيْهِ - یعنی تیرے باپ کو پرواہ نہیں کہ موت پر جا داخل ہو یا موت اس پر آ جائے اور ایک حدیث میں ہے جناب رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص تکلیف سے گھبرا کر موت کی خواہش نہ کرے بلکہ دعا مانگنی چاہیے کہ میرے اللہ! اگر زندگی میں میری بہتری ہے تو مجھے زندہ رکھ اور اگر موت میرے لئے بھلی ہے تو مجھے موت دے اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ مصائب کے وقت بے صبری اور بے شکری سے کام نہ لے بلکہ ہر حال میں اللہ کی خوشنودی و رضامندی کو پیش پیش رکھے اور اس کی قضا پر راضی رہے۔ آیت مجیدہ میں یہودیوں کو خطاب ہے کہ اگر جنتی ہونے کے دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی خواہش کرو لیکن اس کے بعد وہ خود فرماتا ہے کہ یہودیوں کو دل دل میں چونکہ اپنے جھوٹے ہونے کا یقین ہے اور وہ آخرت میں اپنا نصیب جہنم سمجھتے ہیں لہذا یہ اور مشرکین چاہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی عمر ہزار ہزار سال ہو تاکہ دنیا کی عیش جی بھر کر حاصل کریں لیکن زندگی دنیاوی کتنی ہی دراز کیوں نہ ہو موت آنے کے بعد ان کا داخلہ یقیناً جہنم میں ہوگا اور یہ لمبی زندگی ان کو عذاب جہنم سے ہرگز نہ چھڑائے گی۔ تفسیر برہان میں اہل بیت سے مروی ہے کہ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کا معنی یہ ہے کہ اے گروہ یہود اگر تم اپنے آپ کو جنتی اور ناجی سمجھتے ہو اور مقرب بارگاہِ خداوندی صرف تم ہی ہو تو خدا کی بارگاہ میں جھوٹوں کے ہلاک ہونے کی دعا مانگو اور کہو کہ خدا جھوٹے پر موت نازل کرے لیکن وہ ہرگز جھوٹے کے لئے موت کی تمنا نہ کریں گے کیونکہ وہ اپنے کرتوتوں سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ جھوٹے اور ظالم ہم ہیں اور تفسیر مذکور میں امام حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہودیوں پر اتمام حجت ہوئی تو ایک گروہ یہود حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ان کے ایک رئیس کا حسین و جمیل نوجوان فرزند کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہو کر لاعلاج ہو چکا تھا آکر عرض گذار ہوئے اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو اپنے بھائی علی کو حکم دیجئے کہ وہ ہمارے اس

بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ

آگاہ ہے ان کے اعمال سے کہہ دیجئے جو ہو دشمن جبریل کا تو ہوا کرے کیوں کہ اس نے تو اتارا ہے اس کو تیرے دل پر

مریض کے لئے تندرستی کی دعا مانگے۔ حضرت رسولِ خدا حضرت علی کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ نوجوان کی حالت بہت خراب تھی آپ نے علیؑ سے فرمایا کہ اس کے لئے دعا مانگو۔ حضرت علیؑ نے دعا کی تو وہ نوجوان فوراً تندرست اور اپنی اصلی حالت میں پلٹ آیا۔ جناب رسولِ خدا نے اُس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اس نوجوان کا باپ کہنے لگا کہ میرے بیٹے کے اسلام سے مجھے اس کی وہی بیماری محبوب تر تھی اور کہنے لگا اے محمد! یہ تیری یا تیرے بھائی کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے اس کی مصیبت کٹ چکی تھی لہذا وہ تندرست ہو گیا ہے اگر تمہارا کوئی کمال ہے تو میرے لئے حضرت علیؑ بد دعا کرے کہ میں اس بیماری میں مبتلا ہو جاؤں پس میں مان جاؤں گا کہ واقعی تمہاری دعا مقبول ہے۔ جناب رسولِ خدا نے اس کو ہر چند سمجھایا کہ تندرستی اللہ کی نعمت ہے۔ اس کی بے قدری نہ کرو بلکہ اس کا شکر کرو۔ اُس نے پھر اپنے اُسی قول کو دہرایا تو حضرت نے فرمایا کہ اگر تو میرے بھائی علی کی بد دُعا سے بیماری میں مبتلا ہو گیا تو کہے گا کہ اتفاق سے میری مصیبت لکھی تھی لہذا یہ بد دعا کا اثر نہیں ہے جیسا کہ تو نے اپنے فرزند کی تندرستی پر یہی کہا۔ یہودی نے کہا کہ ہر گز یہ نہ کہوں گا بلکہ آپ کی صداقت مان جاؤں گا۔ حضرت رسولِ خدا نے علیؑ کو فرمایا یا علیؑ! یہ کافر اپنی سرکشی اور تمرّد سے باز نہیں آتا لہذا اس کو اپنی بد دعا کا مزہ چکھا پس حضرت علیؑ نے بد دعا کی اور یہودی اسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جس میں اس کا نوجوان فرزند پہلے مبتلا تھا۔ اس کے بعد وہ حضور سے معافی مانگنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے حق میں دعا کی جائے اور خدا تجھے معاف کر دے تو پہلے سے بھی زیادہ سرکش ہو جائے گا اور خدا تیرے دل کے حالات جانتا ہے اگر تو اپنے فاسد خیالات سے صحیح معنوں میں تائب ہو جائے گا تو خدا تجھے ضرور معاف کر دے گا وہ جواد کریم ہے۔ (ملخص ترجمہ)

قُلْ مَنْ كَانَ ۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر برہان میں تفسیر امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب جناب رسولِ خدا مدینہ میں وارد ہوئے تو فدک کے یہودی عبداللہ بن صوریا کو لائے۔ پس ابن صوریا نے پوچھا یا محمدؐ! تیری نیند کیسی ہے؟ کیونکہ ہمیں آخری نبی کی نیند کے متعلق خبر دی گئی ہے تو آپ نے فرمایا میری آنکھ سوتی ہے اور دل بیدار رہتا ہے اس نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر سوال کیا کہ بچہ ماں سے ہوتا ہے یا باپ سے؟ آپ نے فرمایا۔ ہڈیاں۔ رگیں اور پٹھے باپ سے اور گوشت خون اور بال ماں سے ہوتے ہیں۔ اُس نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر پوچھا بچہ بعض اوقات پدری رشتہ داروں کے مشابہ ہوتا ہے اور بعض اوقات مادری رشتہ داروں سے ملتا جلتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا مرد و عورت میں سے جس کی منی غالب آجائے بچہ اسی کی مشابہت حاصل کرتا ہے۔ اُس نے کہا ٹھیک ہے پھر پوچھا کہ بعض لوگوں کے بچے نہیں ہوتے اور بعض کی اولاد ہوتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا اگر منی خراب ہو تو بچہ نہیں ہوتا اور اگر منی صاف ہو تو بچہ ہوتا ہے اُس نے کہا یہ بھی درست ہے اُس نے

بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ

اللہ کے حکم سے درحالیکہ تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے اور ہدایت اور خوشخبری ہے مومنین کے لئے جو دشمن ہو

عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرائیل و میکائیل کا تو اللہ بھی دشمن ہے کافروں کا

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا

اور تحقیق اُتارا ہم نے تیرے اوپر روشن آیات کو اور نہیں ان کا انکار کرتے مگر فاسق لوگ کیا جب بھی

عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا

وہ عہد کریں کوئی تو توڑ دیتی ہے اس کو ایک جماعت ان کی بلکہ ان کی اکثریت ایمان نہیں لاتی اور جب آئے

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ

ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے جو تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو ان کے پاس ہے تو پھینک دیا ان لوگوں کے ایک گروہ نے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

جن کو دی گئی کتاب اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا انہیں پتہ نہیں

پھر پوچھا کہ اپنے رب کی تعریف کرو۔ آپ نے سورہ قل ہو اللہ احد سنائی۔ ابن صوریا نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر پوچھا آپ کے پاس کون فرشتہ وحی لاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جبریل تو ابن صوریا کہنے لگا وہ تو ہمارا دشمن ہے کیونکہ جنگ اور سختیوں کی خبریں لاتا ہے اور میکائیل سرور اور خوشی کی خبر لاتا ہے۔ وہ ہمارا دوست ہے اگر تیرے پاس بجائے جبریل کے میکائیل آتا تو ہم ضرور ایمان لاتے حضرت سلمان سن رہے تھے فرمانے لگے جو جبرئیل کا دشمن ہو وہ تو میکائیل کا بھی دشمن ہے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن کو دشمن سمجھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے دوست کو دوست سمجھتے ہیں پس یہ آیت اتری اور جناب رسالتمآبؐ نے سلمان سے فرمایا اے سلمان! خدا نے تیری بات کو سچا کیا ہے اور تیرے دل کے موافق آیت نازل فرمائی ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ گذشتہ انبیاء نے بنی اسرائیل سے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا جس کو انہوں نے توڑ لیا اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ وہ عہد ہے جو جناب رسالتمآبؐ نے مدینہ میں نزول اجلال فرماتے ہی یہود بنی قریظہ و بنی نضیر سے لیا تھا جس کو انہوں نے توڑ دیا۔ خداوند کریم اس مقام پر ان کی عہد شکنی کا ذکر کر کے ان کی مذمت

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
اور اتباع کی انہوں نے اس کی جس کو پڑھتے تھے شیاطین سلیمان کی شاہی میں حالانکہ نہ کفر کیا سلیمان نے اور لیکن شیاطین نے کفر کیا
كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ
کو سکھاتے تھے لوگوں کو جادو اور وہ جو نازل کیا گیا تھا اُوپر دو فرشتوں کے بابل میں (جن کا نام) ہاروت و
مَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ
ماروت تھا اور انہیں سکھاتے تھے کسی کو یہاں تک کہ کہتے تھے سوائے اس کے نہیں ہم تو امتحان ہیں پس کفر نہ کرنا

فرما رہا ہے پھر فرمایا کہ اکثر ان میں سے ایمان نہیں لاتے البتہ تھوڑے تو ایمان لانے والے بھی تھے جیسے عبداللہ بن سلام اور کعب الاحبار وغیرہ۔

اور روایات اہل بیت علیہم السلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا ظاہر اور تنزیل گو یہود سے متعلق ہے لیکن اس کا باطن اور تاویل اطاعت اہل بیتؑ کا عہد ہے جس کو جناب رسالت مآبؐ نے اپنی اُمت کے سامنے بار بار دہرایا۔ اور اگر بالفرض روایات میں نہ بھی ہوتا تاہم عقل سلیم اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ گذشتہ انبیاء سے ان کی اُمتوں کی عہد شکنی اگر انسان کو دائرۂ ایمان سے خارج کر سکتی ہے تو سید الانبیاء کے عہد غدیر کو اُمت کا توڑ دینا کیوں نہ عہد توڑنے والوں کو ایمان سے خارج کرے گا؟ اور نیز قرآن و اہل بیت سے تمسک کا فرمانِ نبویؐ جو تواتر سے منقول ہے اس کو نظر انداز کرنے والے کس طرح دعوائے ایمان و اسلام کرنے کے حقدار ہیں؟ پس جس طرح جبرئیل و میکائیل میں فرق کرنا یہودیوں کے لئے باعث مذمت ہے اسی طرح قرآن و اہل بیتؑ میں سے ایک کو سینے سے لگانا اور دوسرے کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دینا بھی منافیٔ اسلام ہے اور جس طرح جبرئیل کی دشمنی کے ساتھ میکائیل کے ساتھ دوستی فائدہ مند نہیں اسی طرح اہل بیت رسولؐ کے ساتھ دشمنی ہوتے ہوئے قرآن کی دوستی کا دعویٰ فضول و ناقابلِ قبول ہے۔ قرآن و اہل بیت سے تمسک کی احادیث تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ میں کافی ذکر کی جا چکی ہیں۔

تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ۔ تَتْلُوْا کے دو معنی لئے گئے ہیں (۱) پڑھنا (۲) جھوٹ اور افتراء۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ اُنہوں نے اتباع کی اس کی جس کو پڑھتے تھے شیاطین ملک سلیمان میں۔ اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا۔ انہوں نے اتباع کی اس چیز کی جس کا جھوٹا افترا اور بہتان باندھتے تھے شیاطین ملک سلیمان کے متعلق حالانکہ انہوں نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ

پس سیکھتے تھے ان دونوں سے وہ چیز جس کے ذریعہ سے جدائی ڈالتے تھے درمیان مرد و عورت کے حالانکہ وہ نہیں نقصان دے سکتے کسی ایک کو بھی

مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ

سوائے اذن خدا کے اور سیکھتے تھے وہ چیز جو ان کو نقصان دیتی تھی اور نفع نہ پہنچاتی تھی اور تحقیق جان لیا انہوں نے

اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ

کہ جو شخص یہ چیز اختیار کرے اس کا قیامت میں کوئی نہیں حصہ اور بُری چیز ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے بیچ دیا ہے اپنے آپ کو

وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ○

کاش وہ جانتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور خوفِ خدا کرتے تو اس کی جزا اللہ کے نزدیک بہتر تھی کاش وہ جانتے ہوتے۔

مجمع البیان۔ وَمَا كَفَرَ۔ خداوندکریم نے حضرت سلیمان سے جادو کے کفر کی نفی فرمائی۔ اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوا کہ جادو کرنا کفر ہے اور اس کی تعلیم کفر کی تعلیم ہے لہذا اس کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔

یہودیوں نے چونکہ جادو کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کیا تھا اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنے عہد سلطنت میں جادو کی تمام کتابیں ضبط کر لی تھیں اور ان کو خزانہ میں یا اپنے تخت کے نیچے چھپا دیا تھا۔ تاکہ لوگ یہ علم نہ سیکھیں اور نہ سکھائیں''۔

پس جب حضرت سلیمان کی وفات ہوئی تو جادوگروں نے وہ کتابیں کسی طریقہ سے وہاں سے برآمد کر لیں اور لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ حضرت سلیمان کا ملک جادو کے زور پر تھا۔ اور انہوں نے جنوں انسانوں اور پرندوں کو اسی کے ذریعہ سے مسخر کیا ہوا تھا۔ لوگوں میں اس چیز کا بہت زیادہ پروپیگنڈا کیا اور یہودیوں میں یہ بات پھیل گئی اور انہوں نے اس پروپیگنڈا کو اور زیادہ ہوا دی۔

بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی رحلت کے بعد ابلیس نے جادو ایجاد کیا اور اس کو ایک دفتر میں لکھ کر بند کیا۔ اور کتاب کے سرورق پر اس کی نسبت حضرت آصف بن برخیا کی طرف دے دی۔ اور اس کو تختِ سلیمان کے نیچے دفن کر دیا اور پھر لوگوں کو اس پر مطلع بھی کر دیا تو کافروں نے فوراً کہہ دیا کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت اسی کے زور سے تھی اور ایمان دار کہتے تھے کہ یہ نہیں بلکہ وہ اللہ کا عبد اور اس کا نبی تھا۔ پس اس مقام پہ خداوندکریم نے لوگوں کے ان فاسد خیالات کی تردید فرمائی اور قرآن میں اعلان فرمایا کہ حضرت سلیمان اس کفر سے بالکل بری تھے بلکہ کفر شیطانوں نے کیا جو

لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ ۔ اس کا ایک معنی تو یہ کیا گیا ہے کہ ما موصولہ اور اس کا عطف سحر پر ہے یعنی وہ شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے جو دو فرشتوں پر بابل میں نازل کی گئی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ یہ دونوں فرشتے لوگوں کو جادو کی حقیقت بتاتے تھے اور اس کی برائی سے مطلع کرتے تھے یعنی شیاطین جادو کرنا سکھاتے اور فرشتے جادو کی حقیقت بتا کر اس سے بچنا سکھاتے تھے شیاطین سے مراد جن بھی ہو سکتے ہیں اور انسان بھی ہو سکتے ہیں یعنی جو بھی یہ کام کرتے تھے ان کو شیاطین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور وہ دونوں فرشتے یعنی ہاروت و ماروت جب بھی کسی کو جادو کی حقیقت سے مطلع کرتے تھے تو ساتھ ساتھ اُن کو یہ بات سمجھا دیتے تھے کہ ہمارا یہ سکھانا تمہارے لئے امتحان ہے پس اس کو استعمال کر کے کافر نہ بننا۔

اور دوسرا معنی اس کا اس طرح ہے کہ ما کو نافیہ قرار دیا جائے اور اس کا عطف مَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ پر ہے یعنی نہ کفر کیا سلیمانؑ نے بلکہ ان شیطانوں نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور نہ جادو نازل کیا گیا دو فرشتوں پر یعنی جبریل و میکائیل پر کیونکہ یہودی جادو کی نسبت حضرت سلیمان کی طرف جب دیتے تھے تو کہتے تھے کہ سلیمان کو جبریل و میکائیل کے ذریعہ سے جادو سکھایا گیا تھا تو خداوند کریم نے سلیمان سے بھی اس کفر کی نفی کر دی اور جبریل و میکائیل سے بھی جادو کی تعلیم کی تردید فرمادی۔ پس اس وقت بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ کا تعلق وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا سے ہو گا یعنی شیطانوں نے کفر کیا بابل میں جو کہ ہاروت و ماروت تھے۔ حضرت سلیمان اور جبریل و میکائیل اس سے بری ہیں۔ اور نحوی ترکیب کے لحاظ سے اس صورت میں ہاروت و ماروت بدل ہوں گے شیاطین سے اور تثنیہ پر جمع کا اطلاق قرآن مجید میں عام ہے مثلاً كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ۔ ہم ان دونوں کے حکم پر گواہ تھے یعنی حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان ہِم کی ضمیر جمع ہے اور مرجع اس کا دو ہیں اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا (ترجمہ) اگر دو گروہ مومنوں کے لڑیں فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا پس ان دونوں میں صلح کرا دو۔ پہلے طَآئِفَتٰنِ بھی اور آخر بَيْنَهُمَا دونوں تثنیہ کے صیغے ہیں اور درمیان میں اِقْتَتَلُوْا جمع ہے بہر کیف اس صورت میں ہاروت اور ماروت دو انسانوں کے نام ہیں جنہوں نے جادو کی تعلیم پھیلائی اور اس وجہ سے ان کو کافر کہا گیا اور اس کے بعد یہ کہنا کہ ہم فتنہ ہیں کفر نہ کرنا حالانکہ سکھاتے تو کفر کرنے کے لئے ہی تھے یہ محض مسخری اور مخول کے طور پر کہتے تھے نہ کہ نصیحت کے طور پر۔

بابل ایک شہر کا نام ہے جہاں جادو کا چرچا اور زور شور تھا اس کے محل وقوع میں اختلاف ہے بعض عراق والے بابل کو کہتے ہیں اور بعض کچھ اور کہتے ہیں۔

پہلے معنی کے اعتبار سے یعنی اگر ہاروت و ماروت کو دو فرشتے قرار دیا جائے تو ان کے زمین پر اتارنے اور بشکل بشریت لوگوں کو تعلیم دلوانے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں جادو کا چرچا عام تھا تو خداوند کریم نے ان دو فرشتوں کو بھیجا

تاکہ لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کریں اور جادو اور معجزہ میں فرق بتائیں پس یہ لوگوں کو جادو کی کیفیت سکھا کر اس سے بچنے کی ترغیب دلاتے تھے تاکہ اس کے نقصان سے اطلاع پاکر اس سے دوری کی کوشش کریں اور بعضوں نے کہا ہے کہ فرشتے چونکہ بنی آدم کی نافرمانیوں پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے اور ہاروت و ماروت اس معاملہ میں بہت تیز تھے پس خداوند کریم نے ان کو انسانی جذبات عطا کر کے زمین پر بھیجا اور اس کے بعد ایک لمبی حکایت بیان کرتے ہیں کہ آخر ان دونوں نے خدا کی نافرمانی کی اور عذاب میں گرفتار کئے گئے اور قیامت تک وہ مبتلائے عذاب رہیں گے لیکن یہ روایت اصولِ امامیہ کے اعتبار سے ضعیف ہے کیونکہ فرشتے معصوم ہیں اور ان سے گناہ کا ارتکاب قرآنی تصریحات کے خلاف ہے ہم نے اس طویل روایت کو ذکر کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا کیونکہ طول بلاطائل کے سوا اور کچھ نہیں۔

پس معنی یہی ہوا کہ شیاطین لوگوں کو جادو کرنا سکھاتے تھے اور دونوں فرشتے اس کی کیفیت سے مطلع کر کے ان کو اس سے بچنے کی نصیحت کرتے تھے اور یہ اس طرح ہے کہ مثلاً ایک شخص کو کہا جائے کہ چوری نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا۔ اور وہ پوچھے کہ چوری کیا ہوتی ہے؟ تو اس کو چوری کی کیفیت سمجھادی جائے۔ وہ پوچھے زنا کیا ہوتا ہے؟ تو اس کو زنا کی کیفیت بتادی جائے اور اس طرح کسی گناہ کا مطلب اور اس کی حقیقت سمجھانا اور پھر اس سے منع کرنا کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ جب تک ایک چیز کا معنی معلوم نہ ہو اس سے منع کرنے کا فائدہ ہی نہیں ہے لہذا اس اعتبار سے جادو کا معنی اور حقیقت اگر کوئی سیکھے یا سکھائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں جب کہ مطلب اس سیکھنے اور سکھانے سے جادو کی تردید ہو ورنہ اگر عمل کرنے کے لئے سیکھے یا سکھائے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کو جائز جاننا کفر ہے۔

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا۔ اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں اگر ہاروت و ماروت دونوں فرشتے قرار دئے جائیں جو جادو سے بچاؤ سکھاتے تھے تو معنی یہ ہوگا کہ پس یہ لوگ جن کے دلوں میں کفر تھا سیکھتے تھے یا حاصل کرتے تھے اور عمل کرتے تھے بدلے اس چیز کے جو فرشتوں نے ان کو بطور نصیحت کے کہی تھی ایسا جو ان کے لئے باعثِ نقصان تھا اور جس کی وجہ سے وہ عورت اور مرد میں تفرقہ ڈال دیتے تھے یعنی ان لوگوں نے فرشتوں کی بات پر عمل نہ کیا اور جادو سے بچنا نہ سیکھا بلکہ جادو میں مبتلا ہونا سیکھا جس طرح ایک شخص دوسرے شخص کو زنا اور چوری کا معنی سمجھا کر اس کو بچنے کی نصیحت کرے لیکن وہ بجائے بچنے کے یہ معنی سمجھ کر چور اور زانی ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں سے چوری اور زنا سیکھا۔ اور اگر ہاروت و ماروت سے دو شیطان مراد لئے جائیں تو معنی یہی ہوگا کہ حضرت سلیمان نے کفر نہ کیا۔ اور نہ فرشتوں پر یہ جادو کی تعلیم اتاری گئی بلکہ ان شیطانوں نے کفر کیا جو بابل میں ہاروت و ماروت کے نام سے موسوم تھے اور وہی لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور لوگ یہی باتیں سیکھتے تھے جس سے مرد و عورت میں تفرقہ ڈال دیتے تھے۔ اور ضرر و نقصان کی باتیں سیکھتے تھے حالانکہ وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ

اے ایمان والو تم (نبی کو خطاب کرتے ہوئے) راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہا کرو اور نبی کی بات سنو اور کافروں کے لئے عذاب

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ

دردناک ہے نہیں چاہتے وہ لوگ جو کافر ہیں اہل کتاب سے اور نہ مشرک کہ

بغیر اذن اللہ کے اور انہیں معلوم تھا کہ جو شخص جادو کے عمل کو اختیار کرے اور شریعت کے احکام کو پسِ پشت ڈال دے اُس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ یعنی اس کا انجام جہنم ہوگا جس سے چھٹکارا نہیں ہوگا۔ آخر میں فرمایا کاش وہ جانتے اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اپنے علم کے مطابق وہ عمل نہ کرتے تھے اس لئے ان کو جاہل کہا گیا یعنی اگر وہ اپنے اس عمل کا انجام بد جانتے ہوتے تو ایسا کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

علمائے شیعہ نے تسخیر جنات یا تسخیر ملائکہ، تسخیر ہمزاد، عمل مسمریزم، عمل کہانت، تسخیر ارواح اور شعبدہ بازی اور ایسے منتر جن کا معنی و مفہوم سمجھ میں نہ آئے ان سب کو جادو کے اقسام سے تعبیر کیا ہے اور ان کا ارتکاب گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے اور جو ان کو جائز قرار دے کر ایسا کرے اس پر کفر کا فتویٰ عائد کیا ہے اور اس کا واجب القتل ہونا فرمایا ہے۔ چنانچہ ہم نے جلد اوّل میں اس کے متعلق اقوال علماء کا ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وافی میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے اِنَّ السِّحْرَ وَالشِّرْكَ مَقْرُونَانِ۔ یعنی تحقیق جادو اور شرک دونوں ایک جیسے ہیں گویا جادو مثل شرک کے ہے تو جس طرح مشرک واجب القتل ہے اسی طرح یہ بھی واجب القتل ہے چنانچہ اسی حدیث میں اس سے پہلے آپ سے مروی ہے کہ فرمایا سَاحِرُ الْمُسْلِمِيْنَ يُقْتَلُ۔ یعنی مسلمانوں میں سے جو جادوگر ہو اس کی سزا قتل ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ امام حسن عسکری علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا (جس کا خلاصہ یہ ہے) کہ چونکہ مومنوں کو خدا نے حکم دیا کہ اپنی بات نبی کی بات سے اونچی نہ کیا کرو۔ اور نبی کو عام خطاب سے نہ بلایا کرو جس طرح ایک دوسرے کے لئے عام خطابات استعمال کرتے ہو۔ جب آپ مدینہ میں وارد ہوئے تو مہاجر و انصار کثرت سے آپ کی خدمت میں مسائل دینیہ دریافت کرتے تھے اور اپنی طرف سے نہایت مودبانہ الفاظ سے حضورؐ کو خطاب کیا کرتے تھے اور آنحضورؐ بھی اپنی رأفت و رحمت سے ان کی بڑی رعایت فرماتے تھے کہ کہیں یہ لوگ گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں حتیٰ کہ ایک اعرابی نے آپ کو بلند آواز سے بلایا تو آپ نے اس کو اس کے لہجہ سے بلند آواز میں جواب دیا تاکہ اس کی آواز رسولؐ کی آواز سے بلند نہ رہے اور وہ گنہگار نہ ہو۔ پس اعرابی نے پوچھا توبہ کی حد کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اے اعرابی توبہ کا دروازہ کھلا ہے جبتک کہ

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ

تمہارے اوپر کوئی اچھائی تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ مخصوص کر دیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے وہ چاہے اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۱۰۵ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا

بڑے فضل والا ہے ہم منسوخ کریں کسی آیت کو یا اس کو ترک کرا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۱۰۶ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

کیا تم نہیں جانتے تحقیق اللہ ہر چیز پر قادر ہے کیا تم نہیں جانتے تحقیق اللہ کے لئے ہی ہے ملک

وَالْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۱۰۷

آسمانوں اور زمینوں کا اور تمہارا کوئی نہیں ہے اللہ کے بغیر ولی و مددگار

سورج مغرب کی طرف سے طلوع نہ کرے۔ امام فرماتے ہیں کہ اسی بنا پر مسلمان حضورؐ کو خطاب کرتے ہوئے راعنا کی لفظ استعمال کیا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہماری طرف توجہ فرمائیے۔ ہماری عرض سنئیے پس یہودیوں نے بھی حضورؐ کو اسی کلمہ سے خطاب کرنا شروع کر دیا کیونکہ ان کی زبان میں اس کا معنی یہ تھا سن تجھے سننا نصیب نہ ہو اور انہوں نے آپس میں خوش ہو کر کہا کہ پہلے خفیہ طور پر نبی کو سب و شتم کرتے تھے اب اس لفظ کے ذریعے ہمیں ظاہر بظاہر حضورؐ کی توہین کا موقع ملا ہے تو سعد بن معاذ کو ان کی شیطنت کا علم ہو گیا اور فرمایا اگر میں نے آج کے بعد کسی کی زبان سے یہ کلمہ سنا تو اسے قتل کردوں گا اسی بنا پر یہ آیت اتری کہ مسلمانو! تم رسولؐ کو خطاب کرتے ہوئے راعنا کی لفظ چھوڑ دو بلکہ انظرنا کہا کرو تاکہ یہودیوں کو یہ بہانہ بھی نہ مل سکے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ۔ نسخ کی تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) قرأت اور حکم دونوں منسوخ ہو جائیں (۲) قرأت منسوخ نہ ہو۔ اور حکم منسوخ ہو جائے۔ ۳۔ قرأت منسوخ ہو جائے اور حکم باقی ہو جس طرح آیت رجم کہ اس کی قرأت منسوخ ہو گئی اور رجم کا حکم باقی ہے اور کہتے ہیں کہ بہت سی آیات ایسی ہیں جن کی تلاوت و قرأت منسوخ ہے اور حکم باقی ہے مثلاً ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ یہ آیت پڑھی جاتی تھی لَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَيْنِ مِنْ مَّالٍ لَا بْتَغٰى اِلَيْهِمَا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ۔ یعنی اگر اولادِ آدم کو مال کی دو وادیاں مل جائیں تو وہ تیسری کی خواہش بھی کرے گا اور اولادِ آدمؑ کا پیٹ صرف مٹی ہی بھرے گی (قبر) اور توبہ کرنے والے کی توبہ اللہ قبول فرماتا ہے۔

اَوْ نُنْسِهَا۔ اس کا معنی بعض لوگ نسیان کرتے ہیں اور خطاب رسولِ پاکؐ کی طرف قرار دیتے ہیں اور رسولِ پاکؐ کے لئے نسیان کو جائز سمجھتے ہیں لیکن ہمارے علمائے محققین نبی علیہ السّلام پر نسیان کو جائز قرار نہیں دیتے لہٰذا اس کا معنی "ترک کرتے

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ

کیا تم چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے جس طرح سوال کیا گیا تھا موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو اختیار کرلے کفر

بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ

کو بدلے ایمان کے پس تحقیق وہ گمراہ ہے سیدھے راستے سے چاہا بہت سوں نے اہل کتاب میں سے کہ تمہیں پھر کافر کر ڈالیں

ہیں تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس آیت کو ہم منسوخ کردیں یا تجھے اس کے ترک کا حکم دیں تو مصلحتِ وقت کے مطابق اس جیسی یا اس سے بہتر دوسری آیت بھیج دیتے ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض احکام کے منسوخ ہونے پر کفار مکہ یا یہود نے اعتراض کیا ہو جیسا کہ بعض مفسّرین نے ذکر کیا ہے کہ تحویل قبلہ کے وقت یہودیوں نے زبان درازی کی تھی۔ پس اس آیت میں خداوندِ کریم نے ان کی تردید فرمائی۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ ۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق اختلاف ہے۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ رافع بن حرملہ اور وہب بن زید نے حضرت رسولِ خدا سے سوال کیا تھا کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ ہمارے سامنے آسمان سے ایک کتاب اُترے اور اُس کو ہم پڑھیں اور نیز ہمارے سامنے آپ پانی کی نہریں جاری کرکے دکھائیں تب ہم مانیں گے اور تیری اطاعت بھی کریں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ عربوں نے ملائکہ کے نزول اور خدا کی رویت کا سوال کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش نے کوہِ صفا کے سونا ہوجانے کا سوال کیا تھا وغیرہ تو خداوندِ کریم نے ان کے سوالات کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم بھی رسولِ پاک سے وہ سوالات کرنے لگے ہو جو حضرت موسیٰؑ سے ان کی قوم نے کئے تھے۔ جب رسول کی تصدیق کے لئے دلائل و براہین موجود ہیں جو شخص ان کو نہیں مانتا وہ ان چیزوں پہ کیا ایمان لائے گا بلکہ جادو وغیرہ سے تعبیر کردے گا منصف مزاج کے لئے واضح دلائل موجود ہیں وہ ان میں غور کرے اور حق و باطل میں امتیاز کرے اور جو شخص خواہ مخواہ عناد سے کام لے کر ایمان لانے کی بجائے انکار ہی پر ڈٹ جائے تو وہ راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے اس کا علاج ہی کوئی نہیں۔ مجمع البیان

وَدَّ كَثِيْرٌ ۔ شانِ نزول اس کا یہ ہے کہ حُیی ابن اخطب اور اس کا بھائی ابو یاسر جناب رسالت مآبؐ کے مدینہ میں تشریف لانے کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے۔ جب یہ واپس گئے تو ان سے دریافت کیا گیا کہ آیا وہ نبی ہیں؟ تو حُیی ابن اخطب نے جواب دیا کہ ہاں بے شک پھر اس سے پوچھا گیا کہ ان کے متعلق تیرا نظریہ کیا ہے تو جواب دیا کہ مرتے دم تک دشمنی ہی رکھوں گا اور یہی وہ شخص ہے جس نے عہد شکنی کی اور جنگ خندق کا سبب بنا۔ ابن عباس سے اسی طرح منقول ہے اور بعض نے یہ باتیں کعب بن اشرف سے

مِّنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِکُمۡ کُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِہِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡحَقُّ ۚ

بعد تمہارے ایمان کے بوجہ حسد کے جو ان کے دلوں میں ہے بعد واضح ہو جانے حق کے

فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۰۹﴾

پس معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے تحقیق اللہ ہر چیز پر قادر ہے

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ ؕ

اور قائم کرو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ کو اور جو کچھ بھیجو اپنے نفسوں کے لئے اعمال خیر میں سے پاؤ گے اللہ کے پاس

اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوۡا لَنۡ یَّدۡخُلَ الۡجَنَّۃَ اِلَّا مَنۡ کَانَ ہُوۡدًا

اسکی جزا تحقیق اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے اور کہا (اہل کتاب نے) کہ ہرگز نہ داخل جنت ہو گا مگر جو یہودی ہو یا

اَوۡ نَصٰرٰی ؕ تِلۡکَ اَمَانِیُّہُمۡ ؕ قُلۡ ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾

نصرانی یہ ان کی (بلا دلیل) آرزوئیں ہیں ان کو کہہ دیجئے کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر سچے ہو

فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا ۔ یہودی جس قدر شرارتیں کرتے رہے مسلمانوں کو درگذر کرنے کا حکم رہا پس جب حکم خداوندی ہوا تو بنی قریظہ کے مردوں کو قتل اور بچوں کو قید کیا گیا اور بنی نضیر کو جلا وطن کر دیا گیا۔

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ ۔ تفسیر برہان میں جناب رسالتمآبؐ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ نماز کی کنجی طہارت ہے۔ اور وہ بڑی طہارت جس کے بغیر نماز اور دیگر تمام عبادتیں ناقابل قبول ہیں وہ ولایت محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کے دوستوں سے دوستی اور ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا ہے روایت کا مرادی ترجمہ عرض کیا گیا ہے۔

وَقَالُوۡا لَنۡ یَّدۡخُلَ الۡجَنَّۃَ ۔ یعنی یہودی لوگ اپنے مقام پر یہ کہتے تھے کہ صرف ہم ہی جنت میں داخل ہوں گے۔ اور نصرانی کہا کرتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی بھی داخل نہ ہو گا۔ خداوند کریم نے ان دو نو گروہوں کے فاسد خیالات کو یکجا ذکر فرما دیا ہے اور پھر ان کی تردید فرما دی ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سب اہل کتاب یعنی یہود و نصارٰی تمام یہودیوں اور نصرانیوں کے جنتی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے اور دوسرے گروہ کو باطل پرست قرار دیتا ہے چنانچہ اس کے بعد والی آیت اس مضمون کو صریح طور پر واضح کر رہی ہے اور اس کے بعد خداوند کریم نے صاف طور پر ان کے دعویٰ کو جھوٹا بتا دیا ہے۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ہاں جو جھکا دے اپنا منہ اللہ کے لئے اور نیک عمل ہو پس اس کے لئے اس کا اجر ہے اپنے رب کے پاس اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى

غم (بروز قیامت) اور یہودیوں نے کہا نہیں ہیں نصاریٰ اوپر دین حق کے اور کہا نصاریٰ نے کہ نہیں ہیں یہودی

لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ

اوپر دین حق کے حالانکہ تلاوت کتاب بھی کرتے ہیں اسی طرح کہا اُن لوگوں نے جو بالکل بے علم ہیں انہی جیسا

قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ وَمَنْ اَظْلَمُ

قول پس اللہ ان کے درمیان حکم کرے گا بروز قیامت اس کے متعلق جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور کون زیادہ ظالم ہے

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ۔ ان دونوں گروہوں کی تردید کے بعد معیارِ دخولِ جنّت بیان فرما دیا کہ جو اللہ کے سامنے سر جھکا دے اور اعمالِ صالحہ کرے پس اُس پر نہ خوفِ محشر ہوگا اور نہ موت کے وقت غم ہوگا کیونکہ مومن کو موت کے وقت ہی جنّت کی خوشخبری دی جاتی ہے جیسا تفسیر اہل بیتؑ میں مرقوم ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ۔ امام حسن عسکری علیہ السّلام سے اس کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ یہودی نصرانیوں کے متعلق کہتے تھے کہ ان کا دین باطل و کفر ہے اور نصرانی یہودیوں کے دین کو باطل و کفر کہتے تھے کتاب خدا کو پڑھتے تھے لیکن دونوں فریق اس میں غور نہیں کرتے تھے ورنہ گمراہی سے بچ جاتے۔ اور جو لوگ بے علم تھے (اہل کتاب کے علاوہ) وہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح ایک دوسرے کو باطل و کفر کہتے تھے۔ ترجمہ ملخص

آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق امام حسن علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہود و نصاریٰ کے گروہ حضرت رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آپ ہم میں فیصلہ فرمائیں پس یہودیوں نے اپنے تئیں مومن بتایا اور نصاریٰ کے دین کو باطل کہا۔ اور نصاریٰ نے اپنے آپ کو مومن بتایا اور یہودیوں کے دین کو غلط کہا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم ہر دو غلطی پر ہو۔ اور اگر تم کتاب اللہ پر عمل نہ کروگے تو تم پر بروز محشر باعثِ وبال ہوگی (حدیث طویل ہے)

وَمَنْ اَظْلَمُ۔ علامہ طبرسی نے ذکر فرمایا ہے کہ روایت میں آیا ہے جب جناب رسولِ خدا نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مکہ میں اصحابِ نبیؐ کی بنا کردہ مساجد جن میں نماز پڑھا کرتے تھے مشرکین نے منہدم کردیں۔ اور حضرت امام حسن علیہ السّلام سے ایک روایت میں ہے کہ حضور جب مدینہ میں تشریف لائے تو مسجد الحرام و بیت اللہ سے جدائی آپ کو بہت گراں معلوم ہوئی۔ اور

مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا

اس شخص سے جو روکے اللہ کی مساجد سے ان میں ذکر کرنے سے اور کوشش کرے ان کی بربادی میں ایسے لوگ ناجائز ہے کہ

كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ

داخل ہوں ان (مساجد) میں مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ

بڑا عذاب ہے اور اللہ کے لئے مشرق و مغرب ہے پس جس طرف منہ کر لو اسی طرف اللہ کی

وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

ذات ہے تحقیق اللہ وسیع حکمت والا ہے اور ہر چیز کے جاننے والا ہے

بہت غمزدہ ہوئے۔ پس خداوند کریم کی جانب سے وحی ہوئی کہ آپ غم نہ کریں۔ ہم تجھے فاتحانہ انداز سے اسی شہر کی طرف پلٹا دیں گے تو حضورؐ نے یہ بشارت صحابہ کو سنائی اور رفتہ رفتہ یہ خبر اہل مکہ تک بھی پہنچ گئی۔ پس جناب رسالتمآبؐ کو وحی ہوئی کہ تجھے مکہ پر خدا فتح دے گا اور پھر وہاں تیرا حکم نافذ ہوگا اور پھر مکہ کا داخلہ مشرکین پر ممنوع کیا جائے گا اور وہ مکہ میں خوفزدہ ہو کر داخل ہوں گے کیونکہ انہیں بصورتِ کفر اسلام کی تلوار کا ڈر ہوگا اور دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہوگی کہ وہ حرمِ خدا سے نکال دئے جائیں گے اور آخرت کا عذاب عظیم بھی ان کے لئے ہوگا چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو مروی ہے کہ حضورؐ نے حکم دے دیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی برہنہ طواف کرنے نہ آئے کیونکہ اس سے پہلے وہ لوگ بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر کیا کرتے تھے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول میں اختلاف ہے۔ (مجمع البیان)

ا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم ہوا اور بیت المقدس کی بجائے کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا تو یہودیوں نے اعتراضات شروع کئے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرق و مغرب سب اللہ کے لئے ہیں انسان جس طرف منہ کرے اس کی ذات ہر طرف موجود ہے۔

۲۔ آئمہ اہل بیتؑ سے مروی ہے کہ یہ آیت نوافل کے متعلق ہے کیونکہ نوافل سفر کی حالت میں جس طرف انسان جا رہا ہو۔ اُسی طرف منہ کر کے ادا کر سکتا ہے جب کہ سواری پر ہو۔ اور جناب رسالتمآبؐ نے خیبر کو جاتے ہوئے اور مکہ سے واپس مدینہ آتے ہوئے سواری پر نوافل ادا کئے حالانکہ ہر دو سفروں میں جناب رسالتمآبؐ کی پشت قبلہ کی طرف تھی۔

۳۔ جابر سے مروی ہے کہ جناب رسولِ خدا نے کسی طرف لشکر بھیجا اور میں بھی اس میں موجود تھا۔ ایک جگہ ہم پر ایسی تاریکی چھائی کہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَهُ

اور انہوں نے کہا کہ رکھتا ہے خدا اولاد اس کی ذات اس سے منزہ اور پاک ہے بلکہ اس کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے

قَانِتُونَ (۱۱۶) بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ

سب اس کے مطیع ہیں ایجاد کرنے والا ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جب ایجاد کرے کوئی شے تو سوا اس کے نہیں کہ فرماتا ہے ہو جا پس

فَيَكُونُ (۱۱۷) وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذٰلِكَ

وہ شے ہو جاتی ہے اور کہا بے علم لوگوں نے کیوں نہیں ہمارے ساتھ بولتا خدا یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی اسی طرح کہی

قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ

ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گذر گئے ان جیسی بات ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ان کے دل تحقیق ہم نے واضح کر دی ہیں نشانیاں اس قوم کے

يُوقِنُونَ (۱۱۸) إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ (۱۱۹)

لئے جو صاحب یقین ہیں تحقیق ہم نے بھیجا ہے آپ کو برحق بشیر و نذیر بنا کر اور آپ سے بازپرس نہ ہوگی دوزخ جانے والوں کی

قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو سکتی تھی پس ایک گروہ نے ایک طرف اپنے اندازے سے قبلہ کا یقین کر کے نماز پڑھ لی اور اس جانب کا نشان لگا دیا اور دوسرے گروہ نے دوسری طرف قبلہ کا اندازہ کر کے نماز ادا کی اور اس جانب کا نشان بھی محفوظ کر لیا جب صبح ہوئی اور سورج نکلا تو وہ سب نشان خلافِ قبلہ تھے پس جب سفر سے واپس پلٹے تو جناب رسولِ خدا سے یہ مسئلہ دریافت کیا پس یہ آیت اُتری۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق علامہ طبرسی نے ذکر فرمایا ہے کہ چونکہ نصرانی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے لہذا خدا نے ان کے قول کی تردید فرمائی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے لہذا یہ آیت ہر دو فریق کے مقولہ کی تردید کرنے کے لئے اُتری۔

پس فرمایا سبحانہٗ یعنی اللہ اس نسبت سے بلند و بالا اور پاک و منزّہ ہے پھر اس کی چند وجوہ بھی ذکر فرما دیں۔

ا۔ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں خواہ ملائکہ ہوں یا حضرت عیسیٰ ہوں یا جملہ انبیاء ہوں یہ سب اس کی ملکیت میں ہیں اور بیٹا باپ کا مملوک نہیں ہوا کرتا لہذا ان کو اس کا بیٹا یا بیٹی کہنا ناجائز ہے۔

۲۔ وہ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ یعنی آسمانوں اور زمینوں اور ان میں آباد ہونے والی جملہ مخلوق کا موجد ہے۔ یعنی

اسبابِ ظاہریہ کے بغیر پیدا کرنے والا ہے اور بیٹا باپ سے بغیر سبب ظاہری کے تولد نہیں پاتا۔

۳۔ بیٹا باپ کی جنس سے ہوا کرتا ہے لہذا وہ باپ کی ایجاد نہیں کہا جا سکتا اور یہ سب مخلوق چونکہ اللہ کی ایجاد ہے لہذا ان کو اس کی اولاد کہنا غلط ہے۔

۴۔ تمام مخلوق امرِ کُن سے پیدا ہوئی ہے اور اولاد کی پیدائش اس طرح نہیں ہوتی۔

کُنْ فَیَکُوْنُ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خداوند کریم لفظ کُن کی ایجاد فرماتا ہے اور بعد میں مخلوق پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا پیدا کرنے میں چونکہ آلات و اسباب کا محتاج نہیں لہذا وہ جب کسی چیز کے خلق کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فوراً وہ چیز پیدا ہو جایا کرتی ہے جس طرح کہ کہا جائے کُن یعنی ہو جا پس وہ چیز ہو جائے یعنی پیدا کرنے میں اس کو دیر نہیں لگتی۔

اشتباہ۔ اس مقام پر بعض جہلاء یہ کہا کرتے ہیں کہ تمام مخلوق سوائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ان ہی کی پیدا کردہ ہے اور یہ اللہ کے پیدا کردہ ہیں کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ جب میں پیدا کرتا ہوں تو کُن کہتا ہوں اور شی ہو جاتی ہے۔ اور خدا چونکہ جسم و جسمانیت سے پاک ہے لہذا اس کی زبان نہیں پس اس کے لئے کُن کہنا ناجائز ہے تو گویا ثابت ہوا کہ پہلے ایسی ذواتِ مقدسہ موجود تھیں جنہوں نے کُن کہا اور مخلوق پیدا ہوئی۔

نیز حضرت امیر علیہ السّلام کے بعض خطبات سے بھی ان کو دھوکا ہوتا ہے جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے نَحْنُ صَنَائِعُ اللّٰہِ وَالنَّاسُ بَعْدُ صَنَائِعُ لَنَا۔ اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی مخلوق ہیں اور پھر باقی لوگ ہماری مخلوق ہیں۔

جواب۔ یہ عقیدہ کفر و شرک ہے خدا جس طرح حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کا خالق ہے اسی طرح وہ تمام کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا خالق ہے۔ اوّل تو کُن کہنے میں وہ جسم کا محتاج نہیں جس طرح وہ تمام موجوداتِ جواہر و اعراض کو پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح اس آواز کو بغیر کسی محل کے ایجاد کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور وہ کلام کے پیدا کرنے میں زبان کا محتاج نہیں اور حضرت موسیٰؑ سے کلام کرنے میں وہ درخت کا بھی محتاج نہیں تھا اور زبان کو کلام کرنے کی طاقت بھی اس کی عطا کردہ ہے اور درخت سے آواز کا پیدا ہونا بھی اسی کی قدرتِ شاملہ کا کرشمہ تھا۔ اسی طرح معراج پر جناب رسالت مآبؐ سے کلام کرنے کے لئے نہ زبان تھی نہ کوئی درخت تھا البتہ کلام کا لہجہ حضرت امیرؑ کا سا تھا اور وہ بھی صرف حضور رسالت مآبؐ کی محبت و مانوسیت کی وجہ سے اور حضرت علیؑ کی شان کو بلند کرنے کی خاطر تھا ورنہ لہجہ کا خالق بھی وہی ہے جو آواز کا خالق تھا۔ پس مقصد یہ ہے کہ اس کو پیدا کرنے میں دیر نہیں لگتی بس ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح کُن کہا جائے اور شئے ہو جائے۔

اور جناب امیر علیہ السّلام کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کی مخلوق ہیں ہمارے اُوپر سوائے اُس کی ذات کے کسی کا احسان نہیں لیکن لوگ ہماری وجہ سے پیدا ہوئے ہیں کہ اگر ہم نہ ہوتے تو باقی مخلوق پیدا نہ کی جاتی پس تمام لوگوں کا خالق بھی ہے

وہی لیکن ہماری بدولت جس طرح فرمان ہے۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ

بنی اسرائیل کی بدعنوانیوں کی فہرست

یہاں تک پورے دس رکوع بنی اسرائیل کے متعلق گزرے ہیں جن میں اسرائیل کی بدعنوانیاں اور ان پر خداوند کریم کے احسانات اور حُسنِ تجاوز اور بعض انکی سرکشیوں کی سزاؤں کا ذکر ہوا ہے تاکہ دورِ حاضر کے بنی اسرائیل نصیحت حاصل کریں اور تا قیامت مسلمانوں کے لئے بھی درسِ عبرت ہو۔ خلاصہ کے طور پر بنی اسرائیل کی مذکورہ بدعنوانیوں کی ہم فہرست بیان کرتے ہیں تاکہ اچھی طرح وضاحت ہو سکے۔

۱۔ باوجود حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے سمجھانے کے اور اُن کے ادلہ توحید پیش کرنے کے اُنہوں نے اصرار کیا کہ ہم خدا کو دیکھیں گے تب مانیں گے۔

۲۔ منّ وسلویٰ کی بے مشقت پاکیزہ خدا کی عطا کردہ نعمت سے بے شکری کرتے ہوئے منہ پھیر لیا اور محنت و مشقت کرکے زمین کی پیداواروں میں سے غذا حاصل کرنے کی خواہش کی۔

۳۔ بیت المقدس میں دروازہ سے داخل ہوتے ہوئے سجدہ کرنے کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

۴۔ لفظ حِطّۃٌ جس کا معنی توبہ کرنا تھا کے بجائے حنطۃٌ کہنا شروع کر دیا۔

۵۔ حضرت موسیٰ کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کے بعد سامری کی اطاعت کرتے ہوئے گوسالہ پرست ہو گئے۔

۶۔ آیاتِ خداوندی کا مطالعہ کرنے کے بعد انکار در انکار کرتے رہے۔

۷۔ انبیاء مثلاً حضرت یحییٰؑ و حضرت زکریاؑ کے قتلِ ناحق کا ارتکاب کیا۔

۸۔ تورات سے تمسک پکڑنے کا عہد کرکے حضرت موسیٰؑ کے لانے کے بعد انکار کر دیا۔

۹۔ کوہ طور کے سر پر آجانے کے بعد اقرارِ اطاعت کیا اور پھر مرتد ہو گئے۔

۱۰۔ سینچر کے روز مچھلی کا شکار ممنوع تھا لیکن باز نہ آئے۔

۱۱۔ ناحق قتل کرکے خود مدعی بن گئے اور حضرت موسیٰؑ کے فیصلے کے بعد گائے کی تعیین میں بھی پس و پیش کرتے رہے۔

۱۲۔ تورات کی آیات کے مضامین بدل ڈالتے تھے اور تحریف کرکے عوام کو دھوکا دیتے تھے۔

۱۳۔ جناب رسالت مآبؐ کی اوصاف جو تورات میں صاف طور پر موجود تھیں۔ طاقتور کمزوروں پر زور ڈالتے تھے کہ مسلمانوں سے ان کو پوشیدہ رکھا جائے تاکہ وہ ہمارے اُوپر میدانِ محشر میں حجت نہ پکڑیں۔

۱۴۔ مسلمانوں کے سامنے نبی کی نبوت کا اعتراف کرکے علیحدگی میں اس کی مخالفت پر آمادہ رہتے تھے۔

۱۵۔ تورات کی آیات میں ردّ و بدل کرکے عوام سے سبب پڑی کرتے تھے۔

۱۶۔ وہ کہتے تھے چند دن ہی ہم دوزخ میں جائیں گے اور وہ گوسالہ پرستی کے ایام ہیں۔
۱۷۔ ان سے عبادت، اطاعت والدین، ہمسایہ پروری، غریب پروری، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کا عہد لیا گیا تھا لیکن اُنہوں نے عمل نہ کیا۔
۱۸۔ ان سے خونریزی نہ کرنے کا عہد لیا گیا تھا لیکن باز نہ آئے۔
۱۹۔ ان سے عہد لیا گیا تھا کہ ایک دوسرے کو جلاوطن نہ کرنا لیکن اُنہوں نے اس پر بھی عمل نہ کیا۔
۲۰۔ رسول جو چیز ان کی خواہش کے خلاف بیان کرتے تھے وہ اُس کا صاف انکار کر دیتے تھے۔
۲۱۔ کہتے تھے ہمارے دل حجاب میں ہیں۔
۲۲۔ نبی علیہ السلام کی آمد سے پہلے اوس وخزرج پر جناب رسالت مآب کی آمد کا رُعب جماتے تھے یا اُن کے وسیلہ سے دعا مانگ کر فتح حاصل کرتے تھے لیکن جب آپ تشریف لائے تو دشمن ہو گئے۔
۲۳۔ ان کو جناب رسالت مآبؐ کی نبوّت کا صرف یہی حسد تھا کہ اسمٰعیل کی اولاد میں نبی کیوں ہوا؟
۲۴۔ پہلے حضرت عیسیٰؑ کا انکار تھا اور اب حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نبوّت سے سرتابی کی جس کی بدولت غضب در غضب میں مبتلا ہوئے۔
۲۵۔ ان کو کتاب اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی تو کہا جو ہم پر اُتری ہے اس کو مانیں گے۔ اس کے علاوہ کسی کتاب کو ہم ماننے کے لئے تیار نہیں۔
۲۶۔ منہ سے کہتے تھے کہ ہم نے نصیحت سُن لی لیکن دل میں اس کا انکارِ محکم رکھتے تھے۔
۲۷۔ وہ کہتے تھے جنّت کا گھر صرف ہمارے لئے ہی ہے۔
۲۸۔ وہ چونکہ دل میں سمجھتے تھے کہ آخرت میں ہمارے لئے جہنّم ہے لہٰذا لمبی عمروں کی خواہش کرتے تھے۔
۲۹۔ وہ کہتے تھے کہ جبرئیل ہمارا دشمن ہے اگر قرآن میکائیل کا لایا ہوا ہوتا تو ہم ضرور مانتے۔
۳۰۔ بنی قریظہ وبنی نضیر نے جناب رسالت مآبؐ سے ابتداء ہجرت میں عہد کیا تھا جس کو بعد میں توڑ دیا۔
۳۱۔ جادو کر کے لوگوں کو ضرر پہنچاتے تھے۔
۳۲۔ حضرت سلیمانؑ کی طرف جادو کی نسبت دیتے تھے جس کی خدا نے تردید فرمائی۔
۳۳۔ رسول اللہؐ کو راعنا کی لفظ سے ندا دیتے تھے جس سے مراد ان کی اپنی اصطلاح میں گالی دینا تھا۔
۳۴۔ آیات واحکام کے نسخ پر اعتراض کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرتے تھے جس کا اللہ نے جواب دیا۔

لَن تَرضٰى عَنكَ اليَهُودُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُم قُل اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ

ہرگز نہ راضی ہوں گے آپ سے یہودی و نصاریٰ مگر اس صورت میں کہ آپ پیروی کریں ان کے دین کی فرما دیجئے تحقیق اللہ کی ہدایت ہی

الهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعتَ اَهوَاءَهُم بَعدَ الَّذِى جَاءَكَ مِنَ العِلمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ

ہدایت ہے اور اگر آپ پیروی کریں ان کی خواہشات کی بعد اس کے کہ آپ کو علم ہو چکا ہے تو نہ ہوگا آپ کے لئے اللہ سے بچانے والا

۳۸۔ جناب رسالت مآبؐ سے وہی سوال کرتے تھے جو حضرت موسیٰؑ سے اُن کے اکابر نے کئے تھے۔

۳۹۔ مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے ان کے دلوں میں شبہات ڈالتے تھے۔

۴۰۔ اہل کتاب کا ہر فرقہ اپنے آپ کو جنّت کا ٹھیکیدار سمجھتا تھا اور دوسرے کے دین کو باطل کہتا تھا۔

۴۱۔ تحویل قبلہ کے حکم سے مسلمانوں پر اعتراضات کئے جن کا خداوند کریم نے ازالہ فرمایا۔

۴۲۔ خدا کے لئے اولاد کے قائل تھے جس کی اللہ نے تردید فرمائی۔

۴۳۔ کہتے تھے ہم نہ مانیں گے جب تک خدا ہمارے ساتھ خود کلام نہ کرے۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا کسی قدر صراحت سے گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔

بعض یہودیوں سے مختص ہیں اور بعض میں نصرانی بھی شریک ہیں بعض حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے بنی اسرائیل سے متعلق اور ان کے بعد سے لے کر جناب رسالت مآبؐ کے دور تک کے بنی اسرائیل سے متعلق ہیں لیکن موجودہ دور والے چونکہ اپنے اکابر کے افعال پر بھی راضی تھے اس لئے تمام بدعنوانیوں کی سرزنش ان کو کی گئی۔ اور ان کے علاوہ بھی بنی اسرائیل کی غلطیاں ہیں جو گذشتہ آیات میں ضمناً مندرج ہیں۔ اور آیندہ اپنے اپنے مقام پر وضاحت سے ذکر ہوں گی۔ اور خداوند کریم کی طرف سے بنی اسرائیل پر ان کی سرکشیوں اور بداعتدالیوں کے باوجود احسانات و انعامات بھی اس قدر ہیں کہ شاید کسی دوسری قوم کو یہ صورت نصیب نہ ہوئی مثلاً قبطیوں کی غلامی سے آزادی۔ ان کے دشمن فرعون اور اس کے ساتھیوں کا غرق ہونا۔ پانی کے عبور کے لئے راستوں کا ہونا۔ من و سلویٰ کا نزول۔ بادل کا سایہ اور پانی پینے کے لئے پتھر سے چشموں کا جاری ہونا وغیرہ وغیرہ اور پھر ان کی بار بار غلطیوں اور بدعنوانیوں کی بدولت متعدد مرتبہ ان پر عذاب بھی نازل ہوا مثلاً گوسالہ پرستی کی سزا میں ستر ہزار کا قتل صاعقہ سے ستر آدمیوں کی موت۔ طاعون سے ہزاروں کی موت۔ مچھلی کے شکار سے ستر ہزار آدمیوں کا بندر کی شکل میں مسخ وغیرہ اور ان کی کافی غلطیوں سے درگذر بھی کیا گیا جن کا گذشتہ آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔

وَلَن تَرضٰى۔ بنی اسرائیل پر خداوند کریم نے اپنے احسانات و انعامات جتلا کر ان کی چالیس یا اس سے بھی زائد صراحتاً

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

کوئی دوست و مددگار — وہ لوگ جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح تلاوت کا حق ہے وہ اس پر

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کا انکار کریں پس وہی خسارہ پانے والے ہیں

ضمناً بداعتدالیوں اور سرکشیوں کا ذکر فرمایا اور بعض مقامات پر ان کے معذب ہونے کا ذکر بھی کیا یہ سب تفصیل ایک طرف تو موجودہ بنی اسرائیل کے لئے سرزنش اور نصیحت کا باعث تھی اور دوسری طرف تمام مسلمانوں کے لئے مقام عبرت تھا کہ وہ اپنے نبی کے متعلق ایسے اقدامات سے باز آئیں اور نیز جناب رسالتمآبؐ کے لئے تسلی و حوصلہ افزائی کا موجب بھی ہے کہ جس قوم کی ابتدا سے یہ حالت ہے کہ باوجود اس قدر احسانات و اکرامات کے انہوں نے اپنے قومی نبیوں کے ساتھ وفا نہ کی، ان کو قتل کیا، اُن کی تکذیب کی، اُن کے عہد و پیمان کو توڑا، نعماتِ خدا کی بے قدری کی۔ حتیٰ کہ عذابِ خدا چکھنے کے بعد بھی اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے۔ آپ ایسی قوم سے ایمان کی ہرگز توقع نہ رکھیں نہ اس کا عہد و پیمان قابلِ وثوق ہے اور نہ اُن کا اقرار و ایمان قابلِ تسلی ہے کیونکہ عہد و پیمان کر کے اس کو توڑنے سے وہ گریز نہیں کرتے اور اقرار و ایمان کے بعد اس سے پلٹ جانے کو وہ عار نہیں سمجھتے جس طرح کہ ابتدا سے ان کا رویّہ یہی رہا ہے پس جب وہ گذشتہ انبیاء سے کسی بات پر راضی نہیں رہے تو آپ پر کیوں کر راضی ہوں گے؟ ہاں البتہ ایک بات پر وہ راضی ہوں گے اور وہ یہ کہ آپ (معاذ اللہ) خوشنودیٔ خدا کو ترک کر کے ان کی ملت کی پیروی کرنے لگ جائیں لیکن اگر آپ ملت یہود کی پیروی کریں گے تو یہودی راضی رہیں گے۔ اور اگر ملت نصاریٰ کی پیروی کریں گے تو نصرانی راضی ہوں گے۔ بہرکیف یہ صورت تو پھر بھی نہ ہوگی کہ ہر دو فریقین اکٹھے راضی ہو جائیں کیونکہ وہ اپنے مقام پر ایک دوسرے کو کافر و باطل پرست کہتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت جعفر طیار اور ان کے چالیس ساتھیوں کے حق میں اُتری ہے جو حبشہ سے واپس آئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہودیوں میں سے جو لوگ ایمان لا کر ثابت قدم رہے مثلاً عبداللہ بن سلام اور ابن صوریا وغیرہ یہ آیت اُن کے حق میں اُتری ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے صحابہ کرام جو ثابت الایمان ہیں اُن کے حق میں اُتری ہے اور تفسیر اہل بیت علیہم السلام میں ہے کہ اس آیت کے مصداق آئمہ علیہم السلام ہیں

تفسیر اہل بیت میں ہے کہ حق تلاوت کا معنی یہ ہے کہ تلاوت کے وقت اگر ذکر جنت آجائے تو ٹھہر کر جنت کی دعا مانگے اور ذکر نار ہو تو اس سے پناہ مانگے جیسا کہ طبرسی نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے اور تفسیر برہان میں آپ سے منقول

ہے کہ حقِ تلاوت کا مقصد یہ ہے کہ آیات کو ترتیل سے پڑھیں، ان کو سمجھیں، اُن کے احکام پر عمل کریں۔ وعدہ کی اُمید رکھیں، وعید سے خوف کریں، اس کے قصّوں سے عبرت حاصل کریں۔ اس کے اوامر پر کاربند ہوجائیں اور اس کے نواہی سے بچیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آیات کو یاد کرلیں اور حروف کو رٹ لیں۔ اور اس کی سورتوں کو پڑھیں۔ اور اس کے بعض حصوں کو دہراتے رہیں اور لوگوں نے تو اس کے حروف یاد کرلئے اور اس کی حدیں بھلادیں۔

حالانکہ کا حقہٗ تلاوت یہ ہے کہ اس کی آیات میں تدبّر کیا جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ کِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ اِلَیْکَ مُبَارَکٌ لِیَدَّبَّرُوْا اٰیَاتِہٖ۔

بنی اسرائیل کے واقعات اُمّتِ اسلامیہ کے لئے درسِ عبرت ہیں

اِس میں شک نہیں کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے۔ چنانچہ کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر صد ۱۱۳ پر ہم نے اس مطلب کو ایک مستقل عنوان کے تحت قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور ابتداءِ عنوان میں "الاتقان" سے ایک روایت نقل کی ہے جو ابن مسعود سے مروی ہے۔

اِنَّ الْقُرْاٰنَ نَزَلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ مَا مِنْھَا حَرْفٌ اِلَّا وَلَہٗ ظَھْرٌ وَّ بَطْنٌ وَاِنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ عِنْدَہٗ مِنْہُ عِلْمُ الظَّاھِرِ وَالْبَاطِنِ

قرآن سات قرأتوں یا سات قسموں میں اُترا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور تحقیق حضرت علی بن ابی طالب علیہ السّلام کے پاس اُس کے ظاہر و باطن دونوں کا علم ہے۔

اس کی وضاحت بروایت عیاشی جناب امام محمد باقر علیہ السّلام نے یوں فرمائی ہے کہ آپ نے عمران کو فرمایا ظاہر قرآن سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے حق میں نازل ہوا۔ اور باطن سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان جیسے اعمال کریں۔ پس جو کچھ ظاہراً ان کے متعلق اُترا ہے۔ وہ باطناً ان میں جاری ہے۔

اور اس کی دلیل بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس طرح مروی ہے آپ نے فرمایا۔

وَلَوْ کَانَتْ اِذَا نَزَلَتْ اٰیَۃٌ عَلٰی رَجُلٍ ثُمَّ مَاتَ ذٰلِکَ الرَّجُلُ مَاتَتِ الْاٰیَۃُ لَمَاتَ الْکِتٰبُ وَلٰکِنَّہٗ حَیٌّ یَجْرِیْ فِیْمَا بَقِیَ کَمَا جَرٰی فِیْمَنْ مَضٰی۔

اگر ایسا ہوتا کہ جب ایک آیت ایک شخص کے متعلق اُتری اور وہ شخص بعد میں مرگیا تو اس کے ساتھ اگر وہ آیت بھی مردہ ہوجاتی تو اس طرح تو پھر سب کتاب مردہ ہوگئی ہوتی حالانکہ وہ زندہ ہے اور آنے والوں کو ایسے شامل ہے جیسے گذشتہ لوگوں پر شامل تھی

پس اس قدر عرض کرنے کے بعد مقام غور ہے کہ اگر بنی اسرائیل کے واقعات صرف انہی تک محدود ہوتے تو ان کا تا قیامت

ہدایت اور حجت ہونا ساقط ہو جاتا حالانکہ جس طرح قرآن تاقیامت باعث ہدایت ہے اسی طرح اس کی ہر ہر آیت تاقیامت باعث ہدایت ہے اور قرآن اگر قیامت تک زندہ ہے تو اس کی ہر ہر آیت تاقیامت زندہ و باقی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ جن لوگوں کے حق میں یہ آیات اُتری ہیں وہ ان کا محل تنزیل اور ظاہر کے لحاظ سے تھا اور تاقیامت ان کے نشانِ راہ پر چلنے والے ان آیات کا محل تاویل و باطن کے لحاظ سے ہیں پس قرآن میں جس قدر نیک لوگ ظاہری و تنزیلی مصداق آیات ہیں تو قیامت تک آنے والے نیک افراد انہی آیات کے باطنی و تاویلی مصداق ہوں گے۔ اور جتنے خدا کے نافرمان اور انبیاء و مومنین کے دشمن قرآن کی آیات کے ظاہری طور پر محلِ تنزیل ہیں۔ ان سے باطنی طور پر محلِ تاویل تاقیامت وہ لوگ ہیں جو انہی کی طرح خدا اور رسول و مومنین سے عداوت رکھتے ہیں اُمتِ اسلامیہ کے حالات کی تشبیہ بنی اسرائیل کے حالات سے آثارِ منقولہ میں کافی موجود ہے چنانچہ سورۂ مزمل میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا - الخ

تحقیق ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تمہارے اُوپر شاہد ہے جس طرح کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا پس نافرمانی کی تھی فرعون نے اس رسول (موسیٰ) کی پس ہم نے اس کی گرفت کی تھی سخت طریقہ سے پس تم کس طرح بچ سکو گے اگر تم نے کفر کیا اس دن سے (جس کی سختی) بچوں کو بوڑھا کر دینے والی ہے۔

ان آیاتِ مبارکہ میں ذاتِ احدیت نے جناب محمد مصطفیٰ کو حضرت موسیٰ سے تشبیہ دے کر اس کے بعد خود فیصلہ فرمایا کہ جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ کی مخالفت کی اور پھر ہماری سخت گرفت میں آگیا۔ اسی طرح اے اُمّتِ محمدؐ اگر تم بھی کفر و سرکشی کرو گے تو ہماری قیامت کی گرفت سے ہرگز نہ بچ سکو گے۔ گویا اُمتِ محمدیؐ کا اُمّتِ مُوسیٰ سے مشابہ ہونا اگرچہ ان آیات کا مصداق صریح نہیں لیکن مفہوم ضمنی کے طور پر مُراد ہونا بھی بعید از عقل نہیں اور پھر احادیث کی تائید سے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

الترمذی باب اِفْتِرَاقِ الْاُمَّةِ عن عبد الله بن عمر قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّصْنَعُ ذَالِكَ (الحدیث)

صحیح ترمذی باب افتراق الامت میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میری اُمت میں وہی کچھ ہوگا جو بنی اسرائیل میں ہوا۔ میری اُمت کا کردار ان کے کردار سے اسی طرح برابر ہوگا جس طرح جوتے کے دو پیزار ایک دوسرے کے بالکل برابر ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر ان میں سے اپنی سگی ماں کے ساتھ زنا کرنے

والے ہوں گے تو میری اُمت میں بھی بعض افراد ایسے پیدا ہوں گے جو ایسا کریں گے۔

نیز ترمذی میں ایک باب مستقل اس عنوان سے قائم ہے کہ آپ نے فرمایا لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ۔ کہ اے میری اُمت ضرور تم انہیں لوگوں کے طریقہ پر چلو گے جو تم سے پہلے تھے اور اس ضمن میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ غزوۂ حنین کی طرف جاتے ہوئے مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے گذرے جس کو وہ ذات انواط کہتے تھے تو صحابہ نے عرض کی یا رسولؐ اللہ آپ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط بنائیں جس طرح ان کا ہے۔ آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ تم ویسی باتیں کرتے ہو جس طرح قومِ موسیٰ حضرت موسیٰ سے کرتی تھی کہ انہوں نے بھی بُت پرستوں کو دیکھ کر حضرت موسیٰ کو کہا تھا اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۔ ہمارے لئے آپ ایسے معبود بنائیں جس طرح ان کے معبود ہیں اور پھر فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ تم گذشتہ لوگوں کے طریقوں پر ضرور چلو گے۔ اور بطریق اہل بیت ہم نے دسویں رکوع کی تفسیر میں ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے جب بنی اسرائیل کا نبیوں کی تکذیب کرنا اور اولیاء اللہ کا قتل کرنا ذکر کیا تو بعد میں فرمایا کہ میری اُمت میں بعض لوگ ایسے ہوں گے، جو بنی اسرائیل کے یہودیوں کے مشابہ ہوں گے۔ میری اُمت کہلائیں گے اور میری شریعت و سنّت کو تبدیل اور میرے شہزادوں حسن و حسین کو قتل کر دیں گے جس طرح اُن یہودیوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کو قتل کیا تھا پس جس طرح اُن پر خدا کی لعنت تھی اِن پر بھی خدا کی لعنت ہو گی اور پھر قیامت سے پہلے حسینؑ کی اولاد سے حضرت مہدیؑ تشریف لا کر ان سے انتقام لیں گے اور ان کو واصلِ جہنم کریں گے۔ پوری حدیث اپنے مقام پر گذر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۱۳۸ و ص ۱۳۹

اور ترمذی میں افتراق اُمت والی گذشتہ حدیث کے آخری الفاظ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل بہتر گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور میری اُمت کا تہتر فرقہ ہو گا جن میں سے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسولؐ اللہ! وہ کونسا فرقہ ہو گا تو آپ نے فرمایا کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہو گا۔

حدیث کے آخری الفاظ عام لوگوں میں اشتباہ کا موجب ہیں لیکن بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ سے تشبیہ پر غور کرنے سے نتیجہ نکالنے میں منصف طبائع قطعاً دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ اوّلاً یہ دیکھنا ہو گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھیوں سے کون لوگ مراد ہیں کیا وہ سب لوگ حضرت موسیٰ کے صحابہ میں داخل ہوں گے جو چھ لاکھ یا اس سے کم و بیش حضرت موسیٰ کے ساتھ چل کر پانی سے پار ہوئے تھے یعنی اگر حضرت موسیٰ وصیت فرمائیں کہ میری اُمت کے بہتر فرقوں میں سے صرف ایک ناجی ہو گا اور اکہتر ناری ہوں گے اور پھر کوئی سوال کرے کہ ناجی فرقہ کون ہو گا؟ تو وہ یہی فرمائیں کہ جو میرے اور میرے ساتھیوں کے طریق پر ہو گا تو کیا اس کا یہی

مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ کے چھ لاکھ صحابہ میں سے ہر ایک کی سنت پر عمل جائز ہے اور ان سب کا طریق صحیح ہے ؟ تو قرآن کی رُو سے ماننا پڑے گا کہ بایں صورت میں حضرت موسیٰ کے صحابہ سے مراد صرف وہی لوگ ہوں گے جو حضرت موسیٰ کے صحیح پیرو تھے ورنہ گوسالہ پرست بھی حضرت موسیٰ کے صحابہ سے تھے عمالقہ سے جنگ کا انکار کرنے والے بھی ان کے صحابہ تھے۔ خدا کے دیکھنے کے شیدائی بھی ان کے صحابہ تھے۔ بات بات پر حضرت موسیٰ کو ٹوکنے والے بھی ان کے صحابہ میں سے ہی تھے۔ اگر یہ سب واجب الاتباع ہوتے تو قرآن کریم ان کی اس قدر مذمت نہ فرماتا بلکہ تمام اُمتوں کو متنبہ فرما رہا ہے اور آئندہ کے بنی اسرائیل کو بھی نصیحت فرما رہا ہے کہ خبردار ان کے پیچھے نہ جاؤ۔

پس حضرت موسیٰ اور اُن کے صحیح صحابہ کا راستہ ہی وہی بہتّر میں سے ایک ممتاز راستہ ہے جو آئندہ کے تمام بنی اسرائیل کے لئے راہِ نجات ہے۔ آپ جب کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو ہارون کو خلیفہ بنا کر گئے اور اُمت کو اُن کی پیروی کی تاکید فرما گئے لیکن باوجود انتہائی تاکید کے اکثریت گوسالہ پرست ہوئی اور تھوڑے بندے ہارون کے ہمنوا رہے اور حضرت موسیٰ کے چلے جانے کے بعد حضرت یوشع بن نون اُن کے نامزد وصی و خلیفہ تھے لیکن اکثریت منحرف رہی اور اقلیت ہی اُن کے ساتھ رہی یعنی ۷۱ فرقہ نافرمان رہا اور صرف ایک فرقہ موسیٰ کی وصیت پر رہا جس طرح کہ حدیث مذکور صریح طور پر بتا رہی ہے۔

بنا بریں اُمتِ اسلامیہ کے تہتر فرقوں میں سے صرف ناجی ایک فرقہ ہے جو جناب محمد مصطفیٰؐ اور آپ کے صحابہ کا ہے لیکن بنی اسرائیل کے واقعات و حالات کی تشبیہ کے اعتبار سے صحابہ رسولؐ سے بھی وہی صحابہ مراد ہوں گے جو جناب رسالت مآبؐ کے عینِ حیات ان کے صحیح پیرو تھے اور ان کے بعد ان کے نامزد وصی و خلیفہ کے مطیع فرمان رہے۔

اس مقام پر چند احادیث جن کو علامہ نے "نہج الحق" میں کتب معتبرہ عامہ سے نقل کیا ہے ذکر کرتا ہوں۔

(۱) من المسند عن سلمان قَالَ قَالَ یَارسولَ اللہ مَنْ وَصِیُّكَ قَالَ یَا سَلْمَانُ مَنْ كَانَ وَصِیُّ اَخِیْ مُوسٰی؟ قَالَ یُوْشَعُ بْنُ نُوْنٍ قَالَ فَاِنَّ وَصِیِّیْ وَ وَارِثِیْ یَقْضِیْ دَیْنِیْ وَیُنْجِزُ وَعْدِیْ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔

مسند احمد بن حنبل میں جناب سلمان سے مروی ہے کہ انہوں نے جناب رسالت مآبؐ سے دریافت کیا۔ آپ کا وصی کون ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا اے سلمان میرے بھائی موسیٰ کا وصی کون تھا؟ جواب دیا کہ حضرت یوشع بن نون ان کا وصی تھا تو آپؐ نے فرمایا کہ میرا وصی اور وارث جو میرے قرضے ادا کرے گا اور میرے وعدے وفا کرے گا وہ علی بن ابی طالب ہے۔

(۲) مسند احمد والبخاری والمسلم قَالَ

مسند احمد بن حنبل، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے

رَسُوْلُ اللہِ لِعَلِیٍّ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ہَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

کہ جناب رسالتمآبؐ نے علیؑ کو فرمایا کہ کیا تیرے لئے کافی نہیں کہ تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسٰیؑ سے تھی فرق صرف یہ ہے کہ ہارون موسٰیؑ کا خلیفہ تھا اور نبی بھی تھا لیکن میرے بعد نبی کوئی نہیں (یعنی تو صرف میرا خلیفہ ہے)

یہ روایت جناب رسالتمآبؐ کے بعد علیؑ کی خلافت پر نص صریح ہے۔
نیز یہی حدیث دلائل الصدق میں کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۵۲ و صفحہ ۳۹۵ و صفحہ ۳۹۹ اور ج ۵ صفحہ ۴۰ اور خصائص نسائی سے بھی مروی ہے اور صحیح ترمذی میں بھی یہ حدیث متعدد طرق سے منقول ہے، اور یہی حدیث یعنی حدیث منزلت، حدیث مواخات کے ضمن میں بھی متعدد کتب معتبرہ سے منقول ہے پس اس حدیث کے متواتر ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اور ایک حدیث میں حضورؐ نے حضرت علیؑ کو حضرت عیسٰیؑ کے مثل قرار دیا۔

(۳) مسند احمد بن حنبل اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ قَالَ لِعَلِیٍّ اِنَّ فِیْکَ مَثَلًا مِنْ عِیْسٰی اَبْغَضَہُ الْیَہُوْدُ حَتّٰی اَتَّہَمُوْا اُمَّہٗ وَ اَحَبَّہُ النَّصٰرٰی حَتّٰی اَنْزَلُوْہُ الْمَنْزِلَ الَّذِیْ لَیْسَ لَہٗ بِاَہْلٍ۔

مسند احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ تحقیق جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تحقیق تجھ میں حضرت عیسٰیؑ کی سی مثال ہے ان سے یہودیوں نے بغض رکھا کہ ان کی مادر گرامی پر تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے حد سے زیادہ محبت کی کہ ان کو ایسی منزل پر لے گئے جس کے وہ اہل نہیں تھے۔ (یعنی ان کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا)

یہ روایت مستدرک حاکم اور خصائص نسائی اور استیعاب سے بھی نقل کی گئی ہے۔
اس مقام پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے جملہ فضائل کا ذکر کرنا مطلوب نہیں ورنہ کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی، صرف مناسبت مقام کے لئے یہ حدیثیں کتب صحاح اہل سنّت سے نقل کی ہیں جن کو فضل بن روزبہان جیسے متعصب نے بھی اپنی کتاب ابطال الباطل میں تسلیم کیا ہے۔ ہاں اسی مناسبت کی ایک اور حدیث بھی پیش کرتا ہوں جس کو مسند احمد بن حنبل سے علامؒ نے نقل کیا ہے۔

(۴) اِنَّ النَّبِیَّ قَالَ مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ اَیُّہَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا بُعِثَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَہُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا۔

حضورؐ نے فرمایا جس نے علیؑ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ اے لوگو جو علیؑ کو اذیت دے گا وہ بروز محشر یہودی یا نصرانی ہو کر اٹھیگا یہ حدیث دلائل الصدق میں متعدد کتب معتبرہ سے منقول ہے

سابقہ روایات میں حضرت علی علیہ السّلام کو حضرت ہارون و حضرت یوشع و حضرت عیلی علیہ السّلام سے تشبیہ دی گئی ہے اور آخری روایت میں حضرت علیؑ کے رنجیدہ کرنے والوں کو یہودی و نصرانی کہا گیا ہے اور اس سے قبل ایک روایت میں امام حسنؑ و امام حسینؑ کے قاتلین کو اُمتِ محمدیہ کے یہودی کہا گیا ہے۔ اور یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام کی اولاد سے حضرت مہدیؑ ظاہر ہو کر اُن سے انتقام لیں گے۔ اور البرہان میں اَمْ تُرِيْدُوْنَ الخ۔ رکوع نمبر ۱۳ کی تفسیر میں جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کو حضرت آدمؑ کے جلال، شیثؑ کی حکمت، ادریسؑ کی ہیبت، نوحؑ کے شکر و عبادت، ابراہیمؑ کی وفا و خلّت، موسیٰؑ کی دشمنانِ خدا سے عداوت اور عیسیٰؑ کی مومنین سے حُسنِ معاشرت سے تشبیہ دی ہے۔ حدیث اختصار کے پیشِ نظر ترک کر دی ہے۔

پس ان روایات و آثار سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرت رسالت مآبؐ کے بعد حضرت علیؑ سے لے کر حضرت مہدی تک کے بارہ امام جناب رسُولِ خدا کے صحیح جانشین اور قائم مقام ہیں جن کی مخالفت و عداوت کرنے والے اس امت کے یہودی ہیں۔

اور جس طرح بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ حضرت ہارون سے کنارہ کشی کر کے سامری کی اطاعت میں گوسالہ پرست و مشرک ہو گئے تھے۔ اِسی طرح حضرت علیؑ سے روگردانی اور غیر کی اطاعت اِس اُمّت کے لئے سامری کی اطاعت اور گوسالہ پرستی ہو گی۔

اور جس طرح حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے وصی حضرت یوشع بن نون خلیفہ برحق تھے اور ان کی اطاعت والا گروہ ہی ناجی اور باقی اکثر جہنمی اور قابلِ نفرین تھے اسی طرح حضرت رسُولِ خدا کے بعد حضرت علیؑ مثل یوشع کے واجب الاتباع ہیں۔ اور انہی کی پیروی باعث نجات ہو گی اور اس کو چھوڑنے والے مستحق عذاب ہوں گے۔

جس طرح حضرت موسیٰؑ کے قائم مقام نبیوں کے قاتل جہنمی اور مستحق لعنت تھے۔ اِسی طرح حضرت رسولِ خدا کے قائم مقام خلفاؑ معصومینؑ کے قاتل جہنمی اور مستحق لعنت ہیں جس طرح گذشتہ ایک حدیث میں حضورؐ نے حسنین شریفین علیہما السلام کے قاتلوں کو یہودی اور لعنتی کہا ہے۔ تفسیر برہان میں قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى کے تحت حضرت علی السلام سے منقول ہے۔

فَهٰؤُلَاءِ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ نُصِبَ لَهُمْ بَابُ حِطَّةٍ وَّاَنْتُمْ يَا مَعْشَرَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ نُصِبَ لَكُمْ بَابُ حِطَّةٍ اَهْلِ بَيْتِ مُحَمَّدٍ وَاُمِرْتُمْ بِاتِّبَاعِ هُدَاهُمْ وَلُزُوْمِ طَرِيْقِهِمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ بِذَالِكَ خَطَايَاكُمْ وَذُنُوْبَكُمْ وَلِيَزْدَادَ الْمُحْسِنُوْنَ

اُن بنی اسرائیل کے لئے باب حطہ نصب کیا گیا تھا اور اے گروہ اُمتِ محمدؐ تمہارے لئے اہل بیت محمدؐ بطور باب حطہ کے منصوب ہیں اور تمہیں انہی کی رہبری کے تحت اطاعت کرنے کا حکم ہے۔ اور ان کے طریقہ پر چلنے کا حکم ہے تاکہ ان کی بدولت خدا تمہارے قصور اور گناہ بخش دے اور تمہارے نیکوں کی جزائے خیر میں

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۲۲﴾

اے اولادِ یعقوب یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے انعام کیا تمہارے اوپر اور تحقیق میں نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِىۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّلَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا

اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کفایت کرے گا کوئی نفس کسی نفس سے کچھ بھی اور نہ قبول کیا جائے گا فدیہ اور نہ نفع مند ہوگی سفارش

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ

اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے ساتھ چند کلمات کے پس اس نے ان کو پورا کیا

مِنۡكُمۡ وَبَابُ حِطَّتِكُمۡ اَفۡضَلُ مِنۡ بَابِ حِطَّتِهِمۡ ۔ الخبر — اضافہ فرمائے اور نیز تمہارا باب حطہ ان کے باب حطہ سے افضل ہے ۔ الخبر۔

پس معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کا اس قدر طویل ذکر قرآن مجید میں اُمتِ اسلامیہ کے لئے درس ہے اگرچہ تنزیلی اور ظاہری طور پر مراد وہ ہیں لیکن تاویلی اور باطنی صورت میں مُراد اُمتِ محمدیہ ہے اور بنی اسرائیل کے ذکر میں جہاں انبیاء اور ان کے اوصیاء کی اطاعت کا حکم اور اطاعت کرنے والوں کی مدح قرآن نے کی ہے۔ ان سب سے باطنی اور تاویلی طور پر محمدؐ و آلِ محمدؐ کی اطاعت کا حکم اور اُن کی اطاعت کرنے والوں کی مدح ہے اور جہاں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا ذکر اور ان کو غضبِ خدا کا مستحق کہا گیا ہے ان سے باطنی طور پر محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دشمنان مراد ہیں۔ اور وہی تا قیامت غضب کے مستحق و سزاوار ہیں۔ اور قرآن قیامت تک زندہ ہے۔ لہذا یہی تاویل قیامت تک جاری رہے گی۔ اور خدا جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔

ذکرِ امتحانِ ابراہیم و عہدۂ امامت

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ ۔ اگرچہ خداوند کریم نے جناب رسالت مآبؐ کو یہ تسلی دے دی کہ یہ لوگ جن کی نافرمانیوں اور احسان فراموشیوں کی اتنی طویل فہرست گذر چکی ہے ہرگز آپ کی نبوت پر راضی نہ ہوں گے جب تک آپ اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ایسا کرنا آپ سے بعید ہے۔ لہذا اُن کے ایمان لانے کی توقع چھوڑ دیئے۔ گویا بنی اسرائیل پر یہ واضح کیا گیا کہ تمہارے ایمان کا نہ خدا محتاج ہے اور نہ جناب محمد مصطفےٰ محتاج ہیں لیکن ازراہِ لطف و اتمام حجت پھر بنی اسرائیل کو نعمات کی یاد دلا کر اُن کو راہِ حق پر گامزن ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔

بِكَلِمٰتٍ ۔ تفسیر مجمع البیان اور البرہان میں بروایت ابن بابویہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کلمات سے وہی کلمات مراد ہیں جو حضرت آدم علیہ السّلام نے اپنے رب سے حاصل کئے تھے اور ان کی توبہ قبول ہوئی

قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

تو فرمایا کہ تحقیق میں تجھے لوگوں کا امام بنانا ہوں ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد سے بھی فرمایا کہ میرا عہد (عہدۂ نبوت و امامت) ظالموں کو نہیں پہنچ سکتا

تھی یعنی یَا رَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَعَلِیٍّ وَفَاطِمَۃَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ اِلَّا تُبْتَ عَلَیَّ الخ راوی نے پوچھا کہ پھر فَاَتَمَّهُنَّ سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ امام حسینؑ کی اولاد سے جو نو امام ہیں ان کو بھی ملا کر حضرت قائم علیہ السّلام تک کل بارہ امام پورے کئے۔ راوی نے دریافت کیا وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ پ ۲۵ ع ۹۔ میں کلمہ باقیہ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ امامت امام حسین علیہ السّلام کی اولاد میں تا قیامت باقی رہے گی۔ پھر سائل کے جواب میں آپ نے فرمایا جس طرح موسیٰؑ و ہارونؑ دونو بھائی تھے لیکن نبوت ہارون کی پشت میں رہی اور موسیٰؑ کی پشت میں نہ آئی لہذا خدا کے فعل پر کیوں کہنا درست نہیں۔

اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے یہ بھی مروی ہے کہ ابتلائے کلمات سے مراد حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرنے کا امتحان ہے جس کو حضرت ابراہیمؑ نے پورا کیا اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے ذبح اسمٰعیل کا عزم مصمم کر لیا تو ان کی صدق نیت کی جزا میں اور ان کی اطاعت کے ثواب میں خداوند کریم نے ارشاد فرمایا اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اور پھر خداوند کریم نے ان پر حنیفیت کو نازل فرمایا۔ اور وہ کل دس چیزیں ہیں۔ پانچ کا تعلق سر سے ہے۔ اور باقی پانچ بدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو پانچ سر میں ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) مونچھیں کترانا (۲) ڈاڑھی رکھنا (۳) سر کے بالوں کی مانگ نکالنا (۴) مسواک کرنا (۵) خلال کرنا اور جو پانچ باقی بدن میں ہیں۔ وہ یہ ہیں (۱) تمام بدن کے بال دُور کرنا (۲) ختنہ کرنا (۳) ناخن کٹوانا (۴) غسل جنابت کرنا (۵) پانی سے طہارت کرنا پس یہی حنیفیت طاہرہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ لائے یہ نہ منسوخ ہوئی ہے اور نہ قیامت تک منسوخ ہو گی اور اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا۔

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ تفسیر البرہان میں بروایت کتب معتبرہ امامیہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا اور پھر ان کو نبی بنایا۔ قبل رسول بنانے کے۔ اور پھر رسول بنایا قبل خلیل بنانے کے اور پھر خلیل بنایا قبل درجہ امامت سپرد کرنے کے جب پہلے تمام مراتب پر وہ فائز ہو چکے تب ارشاد فرمایا اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اور اس کے بعد امام علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ عہدۂ امامت کی عظمت یہ ہے کہ ابراہیمؑ نے اپنے سابق عہدوں کے لئے اپنی اولاد کے لئے دُعا نہ مانگی لیکن جب منصب امامت پر فائز ہوئے تو فوراً اپنی اولاد کے لئے اسی عہدہ کو طلب کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور اسی طرح امام محمد باقر علیہ السّلام سے بھی مروی ہے۔

لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کو مستجاب فرمایا کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی تمام اولاد کے لئے امامت نہیں طلب کی تھی چنانچہ اپنی دعا میں یہ نہیں کہا تھا کہ اے پروردگار میری ساری اولاد کو عہدہ امامت عطا فرما دے۔

بلکہ مِنْ ذُرِّيَّتِي ۔ کہا تھا اور من تبعیض کا ہے جس کا معنی بعض ہوتا ہے یعنی اپنی اولاد کے بعض افراد کے لئے خواہش ظاہر کی تھی پس خدا نے قبول فرمائی اور اس فقرہ سے تنبیہ فرمادی کہ عہدۂ امامت ظالم کو نہیں پہنچ سکتا اور اہل سنّت کے علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں اعتراف کیا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کو امامت کا عہدہ نہیں مل سکتا۔ پس یہ آیت نبوت و امامت کی عصمت کی واضح دلیل ہے۔ اور یہاں ظلم سے مراد ہر قسم کی خدا کی نافرمانی ہے۔ پس گناہ صغیرہ یا کبیرہ قبل بعثت یا بعد بعثت نبی و رسول سے سرزد ہونا عقلاً باطل ہے۔ اور یہ آیت اس فیصلہ کی نقلی طور پر برہان قاطع ہے۔ ظالم کی لفظ عام ہے خواہ عہدہ ملنے کے وقت ظالم ہو یا اس سے پہلے کسی وقت ظالم رہ چکا ہو اور تمام ظلموں سے شرک بڑا ظلم ہے۔ خدا فرماتا ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ پس جو لوگ اپنی زندگی کے کسی دور میں مشرک و بُت پرست رہ چکے ہوں یا کسی اور گناہ میں مبتلا رہ چکے ہوں۔ آیہ مجیدہ کی رو سے وہ ظالم ہیں اور عہدۂ امامت کے قطعاً لائق نہیں بلکہ اس عہدہ پر صرف وہی فائز ہو سکتا ہے جو ابتدائے عمر سے آخر تک تمام گناہوں سے بچا ہو اور معصوم ہو۔ اور جناب رسالتمآبؐ کے بعد وہ صرف اہل بیت محمدؐ ہی ہیں۔ چنانچہ صاحب عمدۃ البیان نے مناقب خوارزمی سے روایت نقل کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دعا کی کہ میری اولاد میں بھی امام بنا اور خداوند کریم نے ان کے جواب میں فرمایا کہ عہد میرا ظالموں کو نہیں پہنچتا تو اس وقت ابراہیمؑ نے دعا کی وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ یعنی یکسو رکھ مجھے اے خدا اور میری اولاد کو اس سے کہ پرستش کریں ہم بتوں کی چنانچہ خدا نے میرے اور علیؑ کے حق میں ان کی دُعا قبول کی اور مجھ کو نبی کیا اور علیؑ کو وصی کیا۔

اور برہان میں مناقب ابن مغازلی سے مروی ہے کہ عبداللہ بن مسعود کہتا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہوں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کیسے اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہوگئے؟ آپ نے فرمایا کہ جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو وحی کی کہ میں تجھے امام بناتا ہوں تو ابراہیمؑ بہت خوش ہوئے۔ پس عرض کی میرے اللہ میری اولاد سے بھی میری طرح امام بنانا تو جواب ملا کہ میں ایک صورت میں تیری اولاد کو امامت کا عہدہ نہ دوں گا۔ پس انہوں نے عرض کی وہ کونسی صورت ہے؟ تو فرمایا وہ یہ کہ تیری اولاد میں سے ظالم کو یہ عہدہ نہ ملے گا۔ ابراہیم نے پوچھا کہ میری اولاد میں سے ظالم کون ہوگا؟ تو جواب ملا کہ جو بُت پرستی کرے گا اس کو کسی وقت بھی یہ عہدہ تفویض نہ کروں گا۔ اور وہ امام نہ ہو سکے گا پس حضرت ابراہیمؑ نے دُعا مانگی وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۔ اے اللہ! مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے محفوظ رکھنا۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۔ اے رب انہوں (بتوں) نے بہت سوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پس اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میرے اور علیؑ کے حق میں ثابت ہوئی کیونکہ ہم نے کبھی بت پرستی نہیں کی پس خداوند کریم نے مجھے نبی بنایا اور علیؑ کو وصی یا (ولی) بنایا۔

ربطِ بیان ۔ قرآن مجید میں ابتدائے سورۂ بقرہ کے دو رکوع انسان کی تقسیم کے بارے میں تھے کہ انسان کی فطری طور پر تین قسمیں ہیں۔ایک منصف مزاج جو حق کو سن سمجھ کر قبول کرتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں جن کو متقین کے مقدس لفظ سے ملقب کیا گیا۔دوسری قسم ضدی وعنادی لوگوں کی ہے جو کسی صورت میں اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے۔اور سن سمجھ کر حق سے اندھے، گونگے اور بہرے ہوتے ہیں جن کو قرآن نے کافر کی لفظ سے موسوم کیا ہے۔تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کی فطرت میں دو رنگی ہوتی ہے وہ حق والوں کے سامنے بھی جی ہاں اور باطل پرستوں کے سامنے بھی جی ہاں کرتے ہیں وہ دونوں کے دشمن بھی اور دوست بھی ہوتے ہیں ان کو اصطلاحِ قرآن میں منافق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد قرآن نے دعوتِ حق کا بیان شروع کیا ہے اور چونکہ بنی آدمؑ دو گروہوں میں منقسم تھے ایک وہ جو کسی کتاب سماوی کی پیروی کا دعویٰ رکھتے تھے اور دوسرے عامۃ الناس جن کا کسی کتاب سے واسطہ نہیں تھا بلکہ دیکھا دیکھی اُن کا مذہب تھا جس طرح ماں باپ کو کرتے دیکھا اسی کے پیچھے لگ گئے وہ بت پوجتے تھے لہٰذا یہ بھی بت پوجنے لگے وہ ستارہ پرست تھے سورج پرست یا آتش پرست یا گاؤ پرست وغیرہ تھے تو یہ بھی انہیں کے نقشِ قدم پر اُن جیسے ہو گئے۔

پس دعوتِ حق میں پہلے پہل خدا نے اُن عامۃ الناس کو خطاب فرما کر یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا سے نصیحت کی ابتدا فرمائی اور نصیحت کے تینوں طریقے استعمال فرمائے۔پہلے اپنے احسانات کا تذکرہ کہ میں نے تمہیں خلعتِ وجود عطا کی اور زمین وغیرہ تمہارے لئے پیدا کی پس میں ہی مستحق عبادت ہوں۔اس کے بعد عذابِ جہنم کا خوف دلایا جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔اور پھر اطاعت پر جنت کی بشارت بھی سنائی۔ان ہر سہ طریق کو استعمال کرنے کے بعد تمام انسانوں پر خصوصی نعمت کا احسان بیان فرمایا کہ دیکھو تمہارے باپ آدمؑ کو پیدا کر کے میں نے اس کے سامنے ملائکہ جیسی نوری مخلوق کو سجدہ کرایا اور اس کی خاطر ابلیس کو نوریوں کی صف سے نکال کر مردود ابدی قرار دیتے ہوئے دربارِ رحمت سے خارج کر دیا لیکن پھر تم اسی آبائی دشمن کے پھندے میں آکر میری عبادت سے منہ پھیرتے ہو۔گویا ان واقعات سے انسان کی رگِ حمیت کو حرکت دی تاکہ انسان محسن اور دشمن میں فرق کر سکے۔

ان کی دعوت کے بعد کلام کا رُخ ان لوگوں کی طرف فرمایا جو اپنے تئیں کسی کتابِ سماوی کے قائل و پیرو جانتے تھے۔اور وہ بنی اسرائیل تھے اُن کی دعوت میں وہی نصیحت کے تینوں طریقے استعمال فرمائے ان پر اپنے خصوصی احسانات کا ذکر فرمایا۔ ان کی چالیس یا زیادہ سرکشیوں کے باوجود اپنی رحمت و درگذر کو یاد دلایا پھر عذاب سے خوف زدہ کیا۔اور ساتھ ساتھ اطاعت پر انعاماتِ جنت کا وعدہ بھی فرمایا۔اب ان کو نصیحت کے ہر سہ طریق سے دعوتِ حق دینے کے بعد ان کے جدِّ اعلیٰ پر احسانات کا تذکرہ فرمایا یعنی جس طرح بنی آدم پر عمومی احسانات کے جتلانے کے بعد بنی آدم کے باپ حضرت آدمؑ پر نعمات کا ذکر فرمایا تھا اسی طرح بنی اسرائیل پر عمومی پیغام حق پہنچانے کے بعد ان کے باپ حضرت ابراہیمؑ پر خصوصی نعمات کا ذکر شروع فرمایا۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

اور جب کر بنایا ہم نے کعبہ کو جائے ثواب لوگوں کے لئے اور مقام امن اور پکڑو تم مقام ابراہیم کو جائے نماز

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

اور ہم نے عہد کیا طرف ابراہیم اور اسمٰعیل کے کہ پاک رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنیوالوں کے لئے

دیکھو اس پر ہم نے کیا کیا احسانات کئے اور کیا عہد لیا اور تمہیں انہوں نے ہمارا کیا پیغام سنایا اور باوجود ان سب باتوں کے تم کیا کر رہے ہو؟۔

مقام ابراہیمؑ

مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جنت سے تین پتھر آئے۔ ایک مقام ابراہیمؑ دوسرے حجر بنی اسرائیل (جس پر حضرت موسیٰ عصا مارتے تھے اور پانی کے چشمے اس سے نکلتے تھے) اور تیسرا حجر اسود ہے (منہ)

مَثَابَةً لِّلنَّاسِ۔ مثابہ کا معنی جائے رجوع اور جائے پناہ بھی کیا گیا ہے۔ روایت میں ہے کہ جو شخص مکہ سے واپسی پر آئندہ سال کی حج کی نیّت بھی کرلے تو اس کی عمر میں زیادتی کی جاتی ہے۔ اور جو حج کر کے دوبارہ آنے کی نیّت نہ کرے تو اس کی موت نزدیک کی جاتی ہے۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى۔ آئمہ اہل بیت کی طرف سے احادیث بکثرت وارد ہیں کہ حاجی کے لئے ضروری ہے کہ طواف بیت اللہ سے فارغ ہو کر دو رکعت نمازِ طواف اسی مقامِ ابراہیم پر پڑھے۔ تفسیر بیضاوی میں جابرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقامِ ابراہیمؑ کا رُخ کیا اور اس کے پیچھے کھڑے ہو کر دو رکعت نمازِ طواف ادا فرمائی اور پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى۔ اس مقام پر صیغہ امر کا ہے اور اس کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے تو پس معلوم ہوا کہ نماز طواف کا مقامِ ابراہیم پر پڑھنا واجب ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؑ نے اسی مقامِ ابراہیم کو ہی مصلّٰی قرار دیا۔

حضرت رسولِ اکرمؐ نے مصلّٰی ابراہیمؑ کو ہی اختیار فرمایا بلکہ خود خدا نے مصلّٰی ابراہیمی کو مصلّٰی قرار دینے کا حکم صادر فرمایا تو یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ اس مصلّٰی کو چھوڑ کر الگ ایک دو نہیں بلکہ چار مصلّے قائم کر دیئے جائیں؟ اور بیضاوی نے اس اعتراض سے بچنے کے لئے امر کو استحباب پر محمول کر لیا حالانکہ اکثر اصولیوں کے لئے صیغۂ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے؟ جب تک کہ خلاف کا قرینہ نہ ہو اور پھر جب رسولِ پاکؐ کے عمل سے تائید بھی ہوجائے تو استحباب کا محل ہی باقی نہیں رہتا اور بفرضِ تسلیم استحباب

ہی سہی لیکن سنّتِ رسولؐ پر چلنے کے دعویداروں کے لئے اس استحباب سے کنارہ کشی کیونکر روا ہے؟

بات صرف یہ ہے کہ اہل بیت رسولؐ نے مصلّیٰ ابراہیمی کو اختیار فرمایا پس اہل بیت سے مفت کی عداوت رکھنے والوں نے سنتِ رسولؐ کو ترک کرنے میں ہی بھلائی سمجھی کہ کہیں اہل بیت کی اتباع کا الزام عائد نہ ہو جائے۔ گویا حب اہل بیت رسولؐ سے مقابلہ کرنا ہو تو کتاب اللہ کو کافی سمجھنے والے کتاب اللہ کو بھی چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ اور ہاجرہؑ کو مکہ میں چھوڑ کر واپس چلے گئے اور ایک مدت گذر گئی تو یہاں قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا اور حضرت اسماعیلؑ نے انہی میں شادی کر لی اور ہاجرہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے سارہ سے کہا کہ میں ہاجرہ کی خبر گیری کے لئے جاتا ہوں۔ سارہ نے اجازت دی اور یہ شرط کر لی کہ وہاں آپ اپنی سواری سے نہ اُتریں گے۔ پس آپ جب مکہ میں وارد ہوئے تو ہاجرہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر پہنچے اور ان کی بیوی سے اُن کا حال پوچھا۔ اُس نے کہا وہ بال بچوں کی خوراک کے لئے شکار کو گئے ہیں (کیونکہ مکہ کی زمین میں زراعت وغیرہ نہ تھی) اور حضرت اسمٰعیل حرم سے باہر جا کر شکار پکڑ لاتے تھے پس حضرت ابراہیمؑ نے کھانا طلب کیا تو اُس نے کہا کہ نہ میرے پاس کھانا ہے اور نہ کوئی دوسرا آدمی ہے (کہ یہ انتظام کر سکے) پس حضرت ابراہیمؑ نے واپس ہوتے ہوئے فرمایا کہ جب تیرا شوہر واپس آئے تو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ گھر کا دروازہ تبدیل کرے یہ کہہ کر آپ چلے گئے جب حضرت اسمٰعیلؑ واپس آئے تو انہوں نے اپنے باپ کی خوشبو معلوم کر کے زوجہ سے دریافت کیا تو اس نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ ہاں فلاں فلاں صفت کا ایک بوڑھا آدمی یہاں آیا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ کچھ کہتا بھی تھا۔ عورت نے جواب دیا کہ ہاں وہ کہتا تھا کہ اپنے شوہر کو میرا سلام دے کر کہنا کہ وہ اپنے گھر کے دروازہ کو تبدیل کرے۔ پس حضرت اسمٰعیلؑ نے فوراً اس کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ سارہ سے اسمٰعیل کو ملنے کی خواہش ظاہر کی تو اُس نے اجازت دی اور وہی شرط لگائی کہ سواری سے آپ نہ اُتریں گے پس جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیل کے گھر پہنچے تو اس موجودہ بیوی سے اُس کے شوہر کا حال پوچھا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ شکار کو گئے ہیں اور ابھی تشریف لاتے ہیں۔ انشاء اللہ، خدا آپ پر رحم فرمائے تشریف رکھیے۔ آپ نے کھانا طلب فرمایا تو فوراً دودھ اور گوشت سے اُن کی ضیافت کی۔ آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ اس نیک بخت عورت نے آپ سے اُترنے کی خواہش کی تاکہ ان کے سر سے گرد و غبار سفر کو دھوئے لیکن آپ نہ اُترے۔ وہ فوراً ایک پتھر اٹھا لائی اور آپ کے دائیں طرف رکھ دیا۔ آپ نے اُس پر اپنا قدم رکھا جس کا پتھر پر نشان باقی ہے تو اُس نے آپ کے سر کے دائیں حصہ کو غسل دیا پھر پتھر بائیں طرف لا کر رکھ دیا۔ آپ نے اُس پر بایاں قدم رکھا جس کا نشان موجود ہے اُس نے آپ کے سر کا بایاں حصہ دھویا۔ پس فارغ ہو کر جب آپ نے واپس پلٹنے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا کہ اپنے شوہر کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ اب تیرے گھر کا دروازہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ

اور جب دعا مانگی ابراہیم نے کہ اے رب کر اس کو شہر پُرامن　اور رزق دے اس کے بسنے والوں کو پھلوں سے　جو ایمان

اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ

لائے ساتھ اللہ کے اور یوم قیامت کے فرمایا کہ جو کافر ہوگا پس اس کو فائدہ دوں گا تھوڑا پھر اُس کو داخل کروں گا　عذاب

اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ

دوزخ میں　اور وہ بری بازگشت　ہے　اور جب بلند کرتا تھا ابراہیم بنیادیں کعبہ کی　اور اسماعیل بھی

ٹھیک ہے۔ جب حضرت اسمٰعیل واپس آئے اور باپ کی خوشبو سونگھی تو عورت سے دریافت فرمایا۔ اُس نے جواب دیا کہ ہاں نہایت خوبصورت و پاکیزہ رو ایک بزرگ تشریف لائے تھے اُنہوں نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور میں نے یہ یہ عرض کیا تھا۔ اور اُن کے سر کو غسل بھی دیا تھا چنانچہ اس پتھر پر ان کے قدم کے نشانات باقی ہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا کہ وہ میرے والد حضرت ابراہیمؑ تھے انتہی ملخصاً یہ وہی مقام ابراہیم ہے جس کو مصلّٰی بنانے کا اُمّتِ اسلامیہ کو حکم ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ مقام ابراہیمؑ وہ مقام ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی۔ جس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں ان کے متعلق بعض ارباب تحقیق نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ

حضرت ابراہیمؑ کا یہ معجزہ تھا کہ اُن کے پاؤں کے نیچے پتھر مٹی کی طرح نرم ہو جاتا تھا جس سے اُن کے پاؤں کا نشان باقی رہتا تھا۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا۔ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ ابتدائے خلقت سے مکہ جائے حرمت ہے اور اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے مکہ مکرمہ حضرت ابراہیمؑ کی دُعا سے پیشتر حرم خدا اور جائے امن قرار دیا گیا تھا جیسا کہ علامہ طبرسی نے ذکر فرمایا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے اس کی حرمت زیادہ مؤکد ہوگئی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے بعد مکہ حرم قرار پایا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں جناب رسالتمآبؐ کا ایک فرمان بھی ہے کہ ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا اور ہم نے مدینے کو حرم بنایا ہے۔

بعض لوگ ان دونوں کو اس طرح جمع کرتے ہیں کہ مکہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پہلے بھی جائے امن تھا لیکن دنیاوی عذاب از خسف وغیرہ سے لیکن حضرت ابراہیمؑ کی دُعا کے بعد جائے امن اور حرم بن گیا عظمت و ہیبت کے لحاظ سے اور بعض مفسّرین نے کہا ہے کہ حرم پہلے سے تھا اور حضرت ابراہیمؑ نے اس کے دوام کی دعا مانگی تھی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی

وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ

اے رب ہم سے قبول کر تحقیق تو سننے جاننے والا ہے اے رب ہم (باپ بیٹے) دونو کو اپنے حکم کے

لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ

سامنے جھکنے والا قرار دے اور ہماری اولاد میں بھی ایک گروہ ایسا پیدا کر جو تیرے حکم کے سامنے جھکنے والے ہوں اور ہمیں اپنے مناسک سے آگاہ

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

فرما اور ہم پر رجوع رحمت فرما تحقیق تو بہت رجوع رحمت کرنیوالا مہربان ہے۔ اے رب اور بھیج ان میں ایک رسول ان میں سے جو پڑھے ان کے سامنے

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

تیری آیات اور تعلیم دے اُن کو کتاب و شریعت کی اور ان کو پاک کرے تحقیق تو غالب حکمت والا ہے

ہے کہ جو انسان مکہ کی پناہ لے لے وہ خدا کے عذاب سے بچ جاتا ہے اور جو جانور پرندہ وغیرہ اس میں داخل ہو جائے وہ لوگوں کی اذیّت و گرفت سے امن میں آجاتا ہے۔ خداوند کریم نے عرب اقوام کے دلوں میں بھی اس کی تعظیم داخل کردی تھی کہ جو بھی اس میں داخل ہو جاتا تھا اس کا جان و مال محفوظ سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ قبل از اسلام اگر کوئی شخص حرم مکہ کے اندر اپنے باپ کے قاتل کو بھی پالیتا تھا تو حرم کی عظمت کے پیش نظر اس سے انتقام نہ لیتا تھا۔ اور یہ عقیدہ حضرت اسمٰعیلؑ سے ان کو ورثہ میں ملا تھا۔

مسئلہ ۔ اگر کسی شخص پر حدِ شرعی واجب ہو اور بھاگ کر حرم میں داخل ہو جائے تو شرعاً اس پر حرم کی حدود کے اندر حد لگانا حرام ہے۔ جب تک کہ وہ حرم سے باہر نہ ہو جائے بشرطیکہ اُس نے ارتکاب جرم حرم کی حدود سے باہر کیا ہو (از مجمع البیان)

وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ :۔ مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ثمرات سے مراد وہ میوہ جات وغیرہ ہیں جو گرد و نواح سے ان کی طرف پہنچائے جائیں۔ اور حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے میوہ ہائے دل مراد ہیں یعنی اے اللہ اس کے ساکنین کو لوگوں کا محبوب بنادے تاکہ آس پاس سے کچھ کر ان کی طرف آئیں اور حضرت ابراہیمؑ نے رزق کی دعا اہلِ مکہ میں سے اُن لوگوں کے لئے مخصوص فرمادی جو ایمان والے ہوں کیونکہ جب اُنہوں نے امامت کے لئے اپنی اولاد کا بالعموم نام لیا تھا تو ارشادِ قدرت ہوا تھا کہ یہ عہدہ ظالموں کو نہ دیا جائے گا لہذا اب کی مرتبہ دعا میں محتاط رویّہ اختیار فرماتے ہوئے صرف مومنین کو مخصوص فرمادیا۔ بعض مفسّرین کہتے ہیں کہ دعا کو اہلِ ایمان کے ساتھ اس لئے مخصوص کیا ہے کہ اگر وسعتِ رزق کی دُعا میں مومن و کافر ہر ایک کو شریک کیا گیا تو کفار کی مکہ میں زیادتی فساد کی موجب ہوگی اور وہ مومنوں کو اعمالِ

حج سے منع کرنے لگیں گے۔ لہٰذا دعا ہی صرف مومنوں کے لئے فرمائی۔

وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا۔ یعنی کفار کو وہاں تھوڑا رزق دوں گا مُراد اس سے یعنی صرف زندگی دنیاوی اُن کی ہوگی۔ اس کے بعد عذابِ دائمی میں گرفتار ہوں گے۔ اور زندگی دُنیاوی اُخروی زندگی کے مقابلہ میں متاعِ قلیل ہی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ کفار کو مدتِ قلیلہ تک وہاں رزق ملے گا اور اس سے مُراد حضرت رسولِ اکرمؐ کی بعثت یا فتح تک کا زمانہ ہے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ۔ روایاتِ آئمہؑ میں ہے کہ بیت اللہ کی بنا حضرت آدمؑ نے قائم کی تھی جو بعد میں ناپید ہو گئی اور اُسی کو حضرت ابراہیمؑ نے ازسرِ نو کھڑا کیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آسمان سے پہلی چیز جو نازل ہوئی وہ یہی بیت اللہ ہے جو مکہ میں رکھا گیا اور یہ یاقوت سُرخ کا تھا۔ جب حضرت نوحؑ کی قوم نے فسق کیا تو اس کو اٹھا لیا گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ سفید موتی کا تھا جسے اٹھا لیا گیا اور اس کی بنیاد پر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیرِ نو کا کام شروع کر دیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ ان کو پتھر اٹھا کر دیتے تھے اور وہ دیوار بناتے تھے اور روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی زبان عبرانی تھی پس وہ اپنی عبرانی زبان میں حضرت اسمٰعیلؑ کو فرماتے تھے جس کا مطلب تھا پتھر لاؤ اور حضرت اسمٰعیلؑ عربی میں جواب دیتے تھے یَا اَبَا هَاكَ الْحَجَر ابا جان پتھر لیجئے پس حضرت اسمٰعیلؑ پہلے شخص ہیں۔ اولادِ ابراہیمؑ سے جنہوں نے عربی کو اپنی زبان بنایا۔

وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ۔ حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہے کہ ہمیں اپنے حکم کے سامنے جھکنے والا قرار دے کہ تیرے ہر حکم کے سامنے ہمارا سرِ تسلیم خم رہے اور اس کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد نمبر ۱۲ سورہ صافات کی تفسیر میں آئے گی۔

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا۔ اس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں کیونکہ دعا مانگنے والے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے سوائے آں حضورؐ کے اور کوئی نبی ہوا ہی نہیں اور حضورؐ کا ارشاد بھی ہے کہ میں ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت کا مصداق ہوں۔

حضرت اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ حضرت ہاجرہ کی ہجرت

تفاسیر معتبرہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام علاقہ شام میں سکونت پذیر تھے جب ہاجرہ کے شکم سے حضرت اسمٰعیلؑ کا تولد ہوا تو حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ حضرت سارہ بہت مغموم ہوئیں کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہیں تھی پس وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو ہاجرہ کے معاملہ میں تکلیف دیتی تھیں۔ سورہ صافات کی تفسیر میں تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت اسحٰقؑ سے کچھ بڑے تھے۔ ایک دفعہ تین برس کی عمر میں حضرت اسحٰقؑ باپ کی گود میں تھے کہ حضرت اسماعیلؑ آگئے اور انہوں نے اسحٰقؑ

کو باپ کی گود سے دھکیل کر خود ان کی جگہ لے لی۔ اور حضرت سارہ یہ ماجرا دیکھ رہی تھی پس اُن سے رہا نہ گیا اور حضرت ابراہیمؑ سے عرض کی کہ میرے لئے چونکہ یہ بات قابل برداشت نہیں ہے لہذا ہاجرہ اور اسمٰعیل کو یہاں سے نکال دیجئے۔ پس آپ ان کو مکہ کی طرف لے گئے۔ (تفسیر کی جلد ۱۲ میں مفصل ملاحظہ ہو۔) بہرکیف حضرت سارہ کا رویہ حضرت اسمٰعیل کی ولادت کے بعد حضرت ہاجرہ کے متعلق بہت سخت تھا چنانچہ وہ حضرت ابراہیمؑ کو بھی غم زدہ کرتی تھیں تو حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی۔ پس وحی ہوئی کہ عورت ٹیڑھی پسلی کی مانند ہے اگر اس کو اپنی حالت پر رہنے دیا جائے تو انسان کو نفع پہنچاتی ہے۔ اور اگر اس کو سیدھا کرنا چاہیں تو وہ ٹوٹ جائے گی اور حکم ہوا کہ آپ اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کو یہاں سے کسی اور مقام پر لے جائیں۔ ابراہیمؑ نے عرض کی کہ کہاں لے جاؤں؟ تو ارشاد ہوا میرے حرم اور جائے امن اور اس مقام کی طرف لے جائیے جو زمین کے ٹکڑوں میں سے خلقت کے لحاظ سے پہلا بُقعہ ہے۔ اور وہ مکہ ہے۔ پس جبرائیل براق لے کر اُترے اور حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ وہاجرہ کو سوار کیا۔ اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ پس اثنائے راہ میں جہاں کہیں آباد اور سرسبز و شاداب مقام آتا تھا تو جبرئیل سے دریافت فرماتے تھے کہ کیا یہی جگہ ہے؟ تو جبرئیل جواب دیتا تھا کہ نہیں بلکہ آگے ہے۔ یہاں تک کہ مکہ کی سرزمین پر پہنچ کر مقام کعبہ پر اتارا اور حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی سارہ سے وعدہ کر کے آئے تھے کہ میں وہاں سواری سے اُترے بغیر واپس آؤں گا۔ وہاں ایک درخت تھا حضرت ہاجرہ کے پاس ایک چادر تھی اس کو اس درخت پر پھیلا کر سایہ بنایا اور حضرت ابراہیمؑ نے ان کو وہاں بٹھا کر واپس اپنی زوجہ سارہ کی طرف پلٹنے کا ارادہ فرمایا تو ہاجرہ نے عرض کی کہ آپ ہمیں ایسے مقام پر چھوڑے جاتے ہیں جہاں نہ انسانوں کی آبادی ہے اور نہ پانی و زراعت وغیرہ ہے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا مجھے اپنے رب کا یہی حکم ہے کہ تمہیں اسی مقام پر چھوڑوں پس یہ کہہ کر آپ واپس ہوئے جب ذی طوی کی پہاڑی پر پہنچے تو پیچھے مڑ کر اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے فرزند اسمٰعیلؑ کو دیکھا اور اللہ سے دعا مانگی۔ میرے اللہ! میں اپنی ذریت کو ایک غیر آباد وادی میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ الخ۔ اور پھر چلے گئے اور ہاجرہ رہ گئی۔ جب سورج بلند ہوا تو حضرت اسماعیلؑ کو پیاس لگی۔ حضرت ہاجرہ نے پانی کی تلاش میں وادی میں اِدھر اُدھر پھرنا شروع کیا یہاں تک کہ مقام سعی پر پہنچی (جہاں حاجی لوگ طواف بیت اللہ کے بعد صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں) اور بی بی نے آواز بلند کی کہ آیا اس وادی میں کوئی انسان ہے؟ (لیکن انسان کا وہاں نام ونشان تک نہ تھا) اتنے میں حضرت اسماعیل نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ پس فوراً کوہ صفا پر چڑھ گئیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو وادی میں سراب کی چمک معلوم ہوئی سمجھا کہ پانی ہے۔ پس فوراً وہاں سے اُتر کر وادی میں آئیں اور دوڑیں یہاں تک کہ کوہ مروہ تک پہنچیں پھر حضرت اسماعیلؑ نظر سے غائب ہو گئے تو کوہ مروہ پر چڑھیں اور صفا کی طرف جب نگاہ کی تو سراب کی چمک کو پانی سمجھا۔ پس اُتر کر دوڑتی ہوئی صفا تک پہنچیں پس اسی تلاش میں کوہ صفا سے مروہ تک اور مروہ سے صفا تک۔ بی بی نے سات چکر لگائے۔ ساتویں بار جب کوہ مروہ پر چڑھیں۔ اور اپنے

فرزند اسماعیل کی طرف نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلؑ کے قدموں کے مقام سے پانی جاری ہے۔ پس واپس آئیں اور بیٹھ کر پانی کے گرد مٹی کا بند لگانا شروع کر دیا اور اس کو تالاب کی صورت میں محدود کر لیا۔ زم زم اسی لئے اس کا نام مشہور ہو گیا۔ کیونکہ اس کا معنی روکنا ہوتا ہے۔ اور ہاجرہ نے چونکہ اس کو جاری ہونے سے روکا تھا پس وہ زمزم کے نام سے موسوم ہوا۔ قبیلہ جرہم اس وقت مقام ذوالمجاز اور عرفات میں اُترا ہوا تھا جب پانی یہاں ظاہر ہوا تو جانور اور پرندے اس مقام پر جمع ہوئے۔ قبیلہ والوں نے جب پرندوں کا اس طرف رُخ دیکھا تو سمجھا کہ اس طرف پانی ہو گا پس وہ یہاں آگئے کیا دیکھا کہ ایک عورت ہے اور ایک بچہ ہے جنہوں نے ڈیرہ لگایا ہے۔ درخت پر سایہ کے لئے چادر لٹکائی ہوئی ہے۔ اور پانی انہی کی بدولت یہاں ظاہر ہوا ہے تو انہوں نے کیفیت دریافت کی۔ حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ میں خلیل خدا حضرت ابراہیمؑ کی ام ولد (زوجہ) ہوں۔ اور یہ انہیں کا بچہ ہے اور خدا نے اُن کو ہمارے یہاں ٹھہرانے کا حکم فرمایا ہے۔ انہوں نے عرض کی اگر اجازت ہو تو ہم بھی آپ کی ہمسائیگی میں آباد ہو جائیں۔ ہاجرہ نے فرمایا جب تک مجھے حضرت ابراہیمؑ اجازت نہ دیں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ جب تیسرے روز حضرت ابراہیمؑ دیکھنے کے لئے پلٹے تو بی بی نے عرض کی کہ یہاں ایک قبیلہ جرہم قریب میں آباد ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو وہ ہمارے ہمسایہ ہو جائیں۔ آپ نے اجازت دی اور چلے گئے۔ پس ہاجرہ نے جرہم کو اپنے قرب و جوار میں بسنے کی اجازت دی۔ اور وہ آکر یہاں آباد ہوئے۔ حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو ان کی آبادی کی وجہ سے مانوسیت ہو گئی۔ جب حضرت ابراہیم دوسری دفعہ تشریف لائے تو لوگوں کی کثیر آبادی کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ قبیلہ جرہم میں سے ہر ایک آدمی نے حضرت اسماعیل کو کسی نے ایک کسی نے دو بکریاں ہبہ کی تھیں جس سے دونوں ماں بیٹے کا گزارا تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ جب جوان ہوئے تو خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو کعبہ کی تعمیر کا حکم فرمایا۔ حضرت ابراہیم نے عرض کی کہ کس مقام پر کعبہ بناؤں؟ تو ارشاد ہوا کہ اس مقام پر جہاں حضرت آدمؑ پر قبہ نور اترا تھا جس کی وجہ سے تمام حرم منور رہتا تھا اور وہ قبہ طوفانِ نوحؑ کے زمانہ تک اسی مقام پر قائم رہا۔ جب طوفان سے دنیا غرق ہوئی تو خدا نے اس قبہ کو اٹھا لیا اور سوائے زمین کعبہ کے باقی تمام زمین پر پانی پھر گیا تھا۔ اسی وجہ سے کعبہ کو بیتِ عتیق بھی کہا جاتا ہے کیونکہ عتیق کا معنی ہے محفوظ۔ پس حضرت جبرئیل نے آکر حضرت ابراہیمؑ کو اس مقام کے نشانات بتلائے اور انہوں نے کعبہ کی تعمیر شروع کی الخ

اقول - حضرت ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ اور ہاجرہ کی خبر گیری کے لئے متعدد مرتبہ تشریف لاتے رہے لیکن جب ہاجرؑہ کا انتقال ہوا اور حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی اس بار ذرا دیر کے بعد آئے تھے لہذا گذشتہ روایات اور اس روایت میں کوئی منافات نہیں ہے۔

امام جعفر صادقؑ علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ زمین کعبہ نے فخر کرتے ہوئے کہا کہ مجھ جیسا کون ہو سکتا ہے؟ حالانکہ خدا نے میری پشت پر کعبہ بنایا۔ ہر جانب سے لوگ میری زیارت کو آتے ہیں اور میں اللہ کا حرم اور جائے امن ہوں پس خدا

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي

اور نہیں منہ پھیرتا ملت ابراہیمی سے مگر شخص جو اپنے نفس سے بے خبر ہو اور تحقیق ہم نے اس کو چن لیا دنیا میں اور تحقیق وہ

الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ

قیامت میں بھی صالحین کے گروہ میں ہوں گے جب کہ کہا اس کو اس کے رب نے کہ اطاعت قبول کر تو عرض

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

کی کہ میں نے اطاعت قبول کر لی ہے عالمین کے رب کی اور وصیت فرمائی اسی ملت کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے بھی کہ اے بیٹے تحقیق اللہ نے چن

نے وحی فرمائی کہ خاموش رہ اور ٹھہر جا کیونکہ تیری فضیلت زمین کربلا کی فضیلت کے مقابلہ میں ایسی ہے جس طرح لوکِ سوزن کو سمندر میں ڈبونے کے بعد جو نسبت اس کی تری کو سمندر کے پانی سے ہوتی ہے۔ اور (اے زمین کعبہ) اگر زمین کربلا نہ ہوتی تو تجھے یہ فضیلت حاصل نہ ہوتی اور اگر وہ ہستی نہ ہوتی جو زمینِ کربلا کی مدفون ہے تو نہ میں تجھے پیدا کرتا اور نہ اس گھر کو پیدا کرتا جس پر تجھے فخر ہے پس آرام کر اور تواضع اختیار کر۔ (سفینۃ البحار)

وَمَنْ يَّرْغَبُ ۔ ملتِ ابراہیمی تکمیلِ نفوسِ انسانیہ کا ایسا مکمل کورس ہے جس سے اعراض کرنا کسی صاحب عقلِ سلیم کے لئے جائز نہیں پس بنی آدم کے لئے ملتِ ابراہیمی کی پیروی کی اس آیت مجیدہ میں دعوتِ عامہ ہے۔

جس طرح سابقاً آدمؑ کے ذکر سے عموماً اولاد آدمؑ کو تحریکِ اطاعت وعبادت کی تھی اسی طرح اس مقام پر بنی اسرائیل کو بالخصوص متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنے باپ کی ملت کو چھوڑ کر کس طرف جاتے ہو حالانکہ وہ مصطفیٰ بھی ہے اور صالحین سے بھی ہے اور جنابِ رسالت مآبؐ کی طرف خطاب کا رُخ کر کے تاقیامت مسلمانوں کو بھی پیغامِ ہدایت ہے کہ خبردار ملتِ ابراہیمی سے اعراض نہ کرنا اور من جملہ اُن کے مقامِ ابراہیم کو مصلیٰ قرار دینا بھی ہے۔

اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۔ سفہ کے معنی ہلاکت بھی ہوا ہے اور بیوقوفی اور بے خبری بھی ہے۔ یعنی ملتِ ابراہیمی سے وہی روگردان ہو سکتا ہے جو اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنا چاہے یعنی عذاب خداوندی میں مبتلا کرنا چاہے یا اپنے نفس کو بیوقوف بنائے یا اپنے نفس کی قدر سے جاہل ہو۔ اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ۔ کے ماتحت معنی یہ ہوگا کہ ملتِ ابراہیمؑ کو جس میں معرفتِ خدا کی دعوت ہے وہی ترک کر سکتا ہے جو اپنے نفس کو نہ پہچانتا ہو۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ الخ ۔ تمام لوگوں کے لئے بالعموم اور اولادِ ابراہیمؑ اور اولادِ یعقوب کے لئے بالخصوص ۔ پھر تاکیدی پیغام ہے کہ ملتِ اسلام کی پیروی کرنا تمہارے آباء حضرت ابراہیمؑ و حضرت یعقوبؑ کی تمہیں وصیت ہے اور تمہیں

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ

لیا ہے تمہارے لئے دین (اسلام) پس تمہیں موت نہ آئے مگر اس صورت میں کہ تم مسلمان ہو کیا تم حاضر تھے جب قریب ہوئی یعقوب کی

الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ

موت جب انہوں نے اپنی اولاد سے فرمایا تھا کہ کس کی عبادت کرو گے میرے بعد تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ عبادت کریں گے تیرے معبود کی اور تیرے

اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ

آباء ابراہیمؑ، اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی جو یکا و تنہا ہے اور ہم صرف اسی کے اطاعت گذار ہوں گے یہ گروہ تھا جو

قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

گذر گیا ان کا کمایا ان کے لئے اور تمہارا کمایا تمہارے لئے ہے اور ان کے کئے کا سوال تم سے نہ ہوگا

اس پر عمل کرنا واجب و لازم ہے۔

ملتِ اسلام ہی ملتِ ابراہیمؑ ہے جس کے قوانین و ضوابط و جملہ احکام مطابق عقلِ سلیم ہیں۔ ان سے انکار کرنا اور روگردانی کرنا بیوقوفی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ خدا کے برگزیدہ بندے مصطفیٰ اور صالحین سے تھے۔ ان کا طریقہ ہر شخص کے لئے واجب الاتباع ہے بخصوصاً ان کی اولاد کے لئے اس کا ترک باعثِ شرم ہے۔ باوجود اس سب کچھ کے اپنی اولاد کو انہوں نے آخری دم تک اس کی وصیت بھی فرمائی تھی اور وصیت پر عمل کرنا واجب ہوا کرتا ہے۔

اِلٰهَ اٰبَآئِكَ۔ جب حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو جمع کر کے دریافت فرمایا تھا کہ کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ تیرے آباء کے معبود کی اطاعت کریں گے۔ اور دین اسلام پر رہیں گے اور انہوں نے حضرت یعقوب کے آباء سے مراد حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ علیہم السّلام لئے تھے۔

یہ واضح رہے کہ آباء جمع ہے اب کی اور اس کا معنی باپ ہوا کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوب کے دادا تھے۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ ان کے چچا تھے۔ اور حضرت اسحٰقؑ والد تھے۔ پس قرآن کی اس اصطلاح سے معلوم ہوا کہ باپ کی لفظ دادا، چچا اور باپ ہر ایک پر بولی جا سکتی ہے۔

لہٰذا چونکہ مذہب امامیہ کا اعتقاد ہے کہ نبی و امام کے والدین کافر نہیں ہو سکتے پس جس جس مقام پر حضرت ابراہیمؑ کا اَب آذر بتلایا گیا ہے جو کہ مشرک اور بت پرست تھا اُس سے چچا مراد ہے۔ اور آذر حضرت ابراہیمؑ کے نسب میں چچا تھے ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ

اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تب ہدایت پاؤ گے فرما دیجئے بلکہ ہم تو ملت ابراہیمی کی پیروی کریں گے جو راہِ حق پر تھے اور مشرک

الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ

نہیں تھے ان کو کہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس چیز پر جو ہماری طرف اُتری ہے اور جو اتری حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل

وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن

حضرت اسحاق حضرت یعقوب اور ان کی صالح اولاد پر اور اس چیز پر جو دیئے گئے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور اس چیز پر جو عطا کی گئی تمام نبیوں

رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا

کو اپنے رب سے ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں جانتے اور ہم اسی کے اطاعت گزار ہیں پس اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لائیں جس

آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَ

طرح ایمان لائے ہو تو تحقیق وہ ہدایت پر ہوں گے اور اگر اس سے روگردانی کریں تو یقیناً وہ باطل پر ہیں پس اللہ تیری ان سے کفایت کرے گا

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾

اور وہ سننے جاننے والا ہے

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۔ اس آیت میں ان لوگوں کے عقیدہ کی تردید کی ہے جو اپنے باپ دادا کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان کا عمل ہمارے لئے کافی ہے۔ اس آیت میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور تفسیر بیضاوی میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ بروز محشر باقی لوگ اپنے اعمال کو ساتھ لائیں اور تم اپنے انساب کا سہارا لے آؤ۔

قَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۔ الخ۔ یعنی یہودی کہتے تھے کہ یہودی ہو جاؤ اور نصاریٰ کہتے تھے کہ نصرانی ہو جاؤ۔ یعنی ان میں سے ہر ایک گروہ اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا تھا۔ پس حکم ہوا کہ ان کو ملت ابراہیم کی دعوت دو اور کہو کہ ہم تو اسی کی ملت پر ہی ہیں، اور وہ تمام باطل دینوں سے دُور اور حق پر ثابت تھے۔ اور آیت کے شانِ نزول کے متعلق مجمع البیان میں مروی ہے۔ ابن صوریا نے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں عرض کی کہ ہدایت کا راستہ یہی ہے جس پر ہم ہیں۔ آپ بھی ہمارے دین پر آ جائیں اور نصرانیوں نے بھی آپ کو ایسے ہی الفاظ کہے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً ۫ وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلۡ

دین خدا (کی اطاعت کرو) اور کس کا دین بہتر ہے اللہ کے دین سے اور ہم تو اسی کے عبادت گذار ہیں کہہ دیجئے

اَتُحَآجُّوۡنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ ۚ وَلَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ۚ وَنَحۡنُ

کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا رب ہے اور ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہیں

لَهٗ مُخۡلِصُوۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ

اور ہم اسی کے خالص عبادت گذار ہیں کیا تم کہتے ہو کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب

لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۔ لئے یعنی جس قدر انبیاء خدا نے بھیجے ہیں ہم ان میں یہ فرق نہیں جانتے کہ کسی کو نبی مانیں اور کسی کی نبوت کا انکار کریں بلکہ ہماری نظروں میں سب برحق نبی تھے۔

فَاِنۡ اٰمَنُوۡا تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب اس سے پہلی آیت اُتری اور آنحضور نے یہودیوں اور نصرانیوں کے سامنے پڑھی تو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کا ذکر سن کر انکار اور کفر کیا۔ اور نصرانیوں نے کہا کہ ہم عیسیٰ کو باقی انبیاء کی طرح نہیں جانتے بلکہ وہ تو اللہ کا فرزند تھا تب یہ آیت اُتری۔ پس اُن کے عقائد فاسدہ کی اصلاح کے لئے اور اُن کے مقولہ کی تردید کے لئے ارشاد ہوا کہ اگر ایمان اس طرح رکھیں کہ سب انبیاء کی نبوت برحق ہے اور ایمان لانے میں فرق نہ کریں اور نیز سب کو خدا کا بندہ سمجھیں تب تو درست ہے ورنہ ان کی باتیں سب فضول ہیں اور اُن کے پاس سوائے جھگڑنے اور باطل پرستی کے اور کچھ نہیں اور رسولِ اکرمؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ خدا آپ کو ان کی شرارتوں سے بچانے کے لئے کافی ہے۔ وہ اُن کی باتوں کو بھی سنتا ہے اور اُن کے ضمائر کو بھی جانتا ہے۔

نَحۡنُ لَهٗ مُخۡلِصُوۡنَ کافی میں باب الاخلاص کافی سے مروی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اس شخص کے لئے طوبیٰ ہے جو عبادت اور دُعا میں اخلاص کرے۔ جو آنکھوں کو لبھانے والی چیز میں اس کا دل راغب نہ ہو۔ سُنی سنائی باتوں سے اللہ کے ذکر کو بھلا نہ دے اور غیر کو اگر کوئی نعمت عطا ہو تو غمزدہ نہ ہو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خالص عمل وہ ہے جس سے تجھے دوسرے کی تکلیف مطلوب نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضامندی ہی مقصودِ خاطر ہو۔

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ ۔ یہودیوں کا نظریہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور یعقوبؑ و اسحاقؑ اور اُن کی اولاد سب دینِ یہود پر تھے اور نصاریٰ ان بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ دین نصاریٰ پر تھے پس خداوند کریم نے اس آیت میں ہر دو کے نظریوں کی تردید فرمائی ہے کہ ان بزرگوں پر اتہام کیوں لگاتے ہو کیا تم کو ان کے دین کا زیادہ علم ہے یا اللہ کو زیادہ علم ہے اور گذشتہ کتب میں

وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے کہ دیجئے کیا تم زیادہ علم رکھتے ہو یا اللہ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو چھپائے اپنی

شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۱۴۰ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ

سچی گواہی کو اللہ سے اور خدا نہیں غافل اس چیز سے جو تم عمل کرتے ہو وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی ان کے

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۴۱

لئے ان کا کمایا اور تمہارے لئے وہ جو تم نے کمایا اور تم سے سوال نہ ہوگا اس چیز کا جو وہ کیا کرتے تھے

صاف طور پر جناب رسالت مآبؐ کے اوصاف مذکور ہیں۔ اور دین اسلام کی حقانیت ان کتابوں میں موجود ہے تو پھر کیسے کہتے ہو کہ یہ بزرگوار یہودیت یا نصرانیت کے پیرو تھے اور کلمۂ حق جو کتب سماویہ میں موجود ہے اس کو کیوں چھپاتے ہو۔ اور ظالم ترین ہے وہ شخص جو حق کی گواہی پر پردہ ڈالے۔

پارہ نمبر ۲

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ

عنقریب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان کو ان کے قبلہ سے جس پر پہلے تھے فرما دیجئے کہ اللہ کے لئے مشرق و مغرب ہے

وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً

وہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے طرف راہِ راست کے اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو اُمّت بہترین تاکہ ہو جاؤ گواہ

وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي

یا حجت لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہ یا حجت اور نہیں بنایا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ پہلے

رکوع نمبر ا ۔ بحث تحویلِ قبلہ

سَيَقُولُ ۔ جب بنی اسرائیل کو اسلام پر آنے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے ایک اعتراض تو یہ کیا کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور اُن کی نیک اولاد سب یہودیت یا نصرانیت کے دین پر تھے۔ گذشتہ آیات میں ان کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا۔

ان کا دوسرا اعتراض تحویل قبلہ سے پہلے تو یہ تھا کہ اگر ہمارا دین باطل ہے تو آپ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز کیوں پڑھتے ہیں ؟ پس جب قبلہ ہمارا درست ہے تو باقی دین ہمارا کیونکر غلط ہے ؟ اور جب تحویل قبلہ کا حکم ہوا ۔ اور بیت المقدس کی بجائے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اعتراض اس طرح کرنے لگے کہ اگر قبلہ تمہارا پہلا ٹھیک تھا تو دوسرا قبلہ (کعبہ) غلط ہے ۔ آپ ٹھیک کو چھوڑ کر غلط راستہ کیوں لے رہے ہیں ؟ اور اگر اللہ کے نزدیک یہ دوسرا قبلہ (کعبہ) ٹھیک ہے تو اس وقت تک آپ اِس غلط قبلہ (بیت المقدس) کی طرف نماز کیوں پڑھتے رہے ہیں ؟

خداوند کریم نے ان کے اس اعتراض کو ان کی بے وقوفی سے تعبیر فرمایا ہے اور بعد میں ان کے اعتراض کا جواب ذکر فرمایا ہے

ا۔ قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ ۔ مشرق و مغرب سب اللہ کے لئے ہیں ۔ اور وہ جس طرف منہ کر کے عبادت کرنے کا حکم دے اس میں کوئی قباحت نہیں اور اُس کے حکم کی اطاعت کرنا ہی سیدھا راستہ ہے ۔

۲۔ كَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ ۔ جس طرح ہم نے تم کو اپنا علیحدہ قبلہ (کعبہ) عطا فرما کر صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھا ہے اِسی طرح ہم نے تمہیں اُمتوں میں سے بہترین اُمّت بھی بنایا ہے کہ تم لوگوں پر حجتِ خدا ہو ۔ اور رسول تمہارے اُوپر حجت ہو یا تم لوگوں پر شاہد ہو اور رسولؐ تمہارے اُوپر شاہد ہے ۔ تحویلِ قبلہ کے انعام سے اُمّت وسط بنانے کے انعام کو تشبیہ دی یعنی جس طرح یہ اُمّت تمام اُمتوں سے ممتاز ہے اُن کا قبلہ بھی تمام اُمتوں کے قبلہ ہائے نماز سے افضل و ممتاز ہے گویا یہ بنی اسرائیل کے اعتراض کا دوسرا جواب ہے میں نے اُن کے لئے کعبہ کو قبلہ قرار دے کر ان پر ایک احسان و انعام کیا ہے جس طرح اُمتوں میں سے میں نے ان

كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ

تھے مگر اس لئے کہ جانیں کہ کون اتباع کرتا ہے رسول کی اور کون پیچھے پلٹتا ہے اپنی ایڑیوں پر تحقیق

لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ

یہ بڑا بوجھ ہے مگر ان لوگوں پر جن کو ہدایت اللہ نے فرمائی اور خدا نہیں ضائع فرماتا تمہاری

لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

سابقہ نمازیں تحقیق اللہ لوگوں پر شفیق و مہربان ہے

کو اُمتِ وسط قرار دیا ہے۔

۳۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ ۔ لخ۔ یعنی کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنے کے لئے ہم نے تحویل قبلہ کا حکم دیا تاکہ عام پتہ چل جائے کہ رسولؐ کی اطاعت دل وجان سے کرنے والے کون کون ہیں اور پیچھے ہٹنے والے کون ہیں؟ تفسیر برہان میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ مکہ والے چونکہ کعبہ سے زیادہ محبت رکھتے تھے اس لئے ان کی خواہشات کے خلاف بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کا حکم ہوا تاکہ خواہش کی اطاعت کرنے والے اور رسولؐ کی اطاعت کرنے والے الگ الگ ہو جائیں اور جب آپ مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف فرما ہوئے تو یہاں کے لوگ بیت المقدس سے مانوس تھے (کیونکہ مدینہ کے یہودی بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے) پس ان کی خواہشات کے خلاف کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا تاکہ رسول کے اطاعت گذار اور خواہش نفس کے پیچھے چلنے والے الگ الگ ہو جائیں اگرچہ یہ بات بڑی گراں اور بھاری تھی لیکن جن پر اللہ کی مہربانی ہو اور اُس کی ہدایت و توفیق شامل حال ہو تو کوئی بڑی بات نہیں پس معلوم ہوا کہ خدا اپنی عبادت انسان کی مرضی کے خلاف چاہتا ہے تاکہ مخالفتِ خواہش میں اس کا اطاعت گذار ہونا معلوم ہو (مُرادی ترجمہ)

۴۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۔ تفسیر عمدۃ البیان میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ورغلانے اور گمراہ کرنے کے لئے یہودیوں نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا کرنے شروع کئے تھے کہ تمہاری گذشتہ نمازیں سب ضائع ہو گئیں کیونکہ وہ قبلہ تمہارا درست نہ تھا اور مولوی اشرف علی تھانوی کے ترجمہ پر محشی نے ذکر کیا ہے کہ حی بن اخطب یہودی مسلمانوں میں اس قسم کے مکروہ پروپیگنڈے کرتا تھا تو خداوند کریم نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ تمہاری گذشتہ نمازیں خدا ضائع نہیں کرتا بلکہ اپنے وقت میں وہ قبلہ مشیت خداوندی کے ماتحت درست تھا۔ اور اب مصلحتِ ایزدی اس قبلہ میں ہے لہٰذا اب یہ درست ہے۔ پس وہ نمازیں بھی درست تھیں اور یہ بھی صحیح ہیں۔

تفسیر عیاشی سے مروی ہے کہ جب تحویل قبلہ کا حکم ہوا تو مسلمانوں نے جناب رسولِ خدا سے دریافت کیا کہ ہماری گذشتہ نمازیں ضائع تو نہیں یا جو ہمارے مسلمان بھائی اس زمانہ میں انتقال کر گئے ان کو تو کوئی گرفت نہ ہوگی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا تمہارے ایمان (نماز) کو ضائع نہیں کرتا۔

تفسیر برہان میں امام حسن عسکری علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ جب تک جناب رسالتمآبؐ مکہ میں قیام پذیر رہے تو آن کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز قائم کرنے کا حکم تھا تو آپ نماز کے وقت کعبہ کو بیت المقدس اور اپنے درمیان رکھتے تھے تاکہ دونوں کی طرف منہ ہو جائے۔ اور جب یہ صورت میسّر نہ آسکتی تھی تو بیت المقدس کی طرف منہ کیا کرتے تھے اور تیرہ سال کی مکّہ کی زندگی میں یہی طرزِ عمل رہا پھر جب مدینہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو ۱۶ ماہ یا ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی پس یہودیوں نے اعتراضات شروع کر دیئے کہ عجیب بات ہے کہ محمدؐ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ہمارے یعنی یہود کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتا ہے۔ آپ پر یہ بات شاق گذری اور تحویل قبلہ کے لئے دعا مانگی اور اللہ نے اس کو شرفِ قبولیت بخشا چنانچہ کعبہ کو قبلہ قرار دینے کا حکم نازل ہوا۔ یہودیوں نے پھر اعتراض کرنا شروع کیا۔ اگر وہ حق تھا تو اُسے ترک کیوں کیا۔ اور اگر یہ حق ہے تو پہلے غلطی کیوں کی؟ جواب میں ارشاد ہوا کہ مشرق و مغرب اللہ کے لئے ہے۔ لہذا اس پر اعتراض کرنا بیوقوفی ہے۔ وہ اپنے اوامر کی مصلحتوں کو خود بہتر جانتا ہے۔ لہذا تمہیں اس پر نکتہ چینی کا کوئی حق نہیں۔ جناب رسالتمآبؐ نے یہودیوں کو الزامی جواب بھی دیا۔ وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ تم کو خدا نے مچھلی کے شکار سے سنیچر کے دن منع فرمایا تھا۔ اور باقی ایام میں تمہارے لئے جائز قرار دیا تھا اگر مچھلی کا شکار جائز تھا تو سنیچر کے دن کو منع کیوں کیا اور ناجائز تھا تو باقی ایام میں روا کیوں رکھا؟ انہوں نے کہا کہ دونوں حکم جائز اور تابع مصلحتِ خداوندی تھے۔ پس آپؐ نے فرمایا۔ تحویل قبلہ کی بھی یہی صورت ہے کہ اپنے وقت میں وہ بھی صحیح تھا۔ اور اب یہ بھی صحیح ہے اور مصلحتِ خدا کے تابع ہے۔ اس کے بعد اُن کے دیگر شکوک کا جواب دینے کے بعد آپؐ نے فرمایا اے اللہ کے بندے تم بیمار کی حیثیت سے ہو۔ اور اللہ طبیب کی حیثیت سے ہے۔ تمہیں شفایابی کی ضرورت ہے خواہ طبیب علاج کا جو طریقہ بھی اختیار کرے اور بیمار کی شفایابی ہمیشہ طبیب کی منشا کے مطابق علاج کرنے سے ہوتی ہے نہ کہ مریض کی رائے سے پس اللہ کے حکم کو تسلیم کرو۔ اسی میں ہی فائدہ ہے۔

اُمّتِ وسط۔ اہلِ بیتِ عصمت سے روایات بکثرت اس بارہ میں منقول ہیں کہ اُمّتِ وسط سے مُراد آئمہ اہلِ بیتؑ ہیں حضرت صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ نَحْنُ الْاُمَّةُ الْوُسْطٰى وَنَحْنُ شُهَدَآءُ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ وَحُجَّتُهٗ فِیْ اَرْضِهٖ ہم اُمّتِ وسطیٰ ہیں۔ ہم اللہ کی طرف سے لوگوں پر گواہ ہیں اور ہم حجّتُ اللہ ہیں۔ تفسیر برہان میں اس مضمون کی دس روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ سب اہلِ قبلہ (مسلمان) اس آیت کے مصداق ہیں لیکن تعجب کی بات

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

ہم دیکھتے ہیں آپ کے چہرے کا پلٹنا آسمان کی طرف پس ضرور ہم پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جس پر آپ خوش ہیں پس

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ

پھیر دو اپنے منہ کو طرف مسجد الحرام کے اور (اے مومنین) تم جہاں بھی ہو پس پھیر دو اپنے موہنوں کو طرف اس کے

ہے کہ جس شخص کی دنیا میں کھجور کے ایک صاع کے متعلق شہادت قابل قبول نہیں ہوتی۔ کیا قیامت کے دن خدا اس کی شہادت لے گا اور گذشتہ اُمتوں کے روبرو اس کی گواہی کو شرف قبولیت بخشے گا۔ ہرگز ہرگز خدا نے اس آیت میں اُمتِ وسط کی لفظ سے تمام اُمتِ اسلامیہ مراد نہیں لی بلکہ اس اُمت سے وہی اُمت مراد ہے جس کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دُعا فرمائی تھی (رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ) اور اُسی اُمت کے متعلق خدا فرماتا ہے (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) پ۴۔

اور ان ہر دو آیتوں کی تفسیر میں آئمہ اہل بیت سے مروی ہے کہ اُمَّةً مُسْلِمَةً سے مراد بھی آلِ محمدؐ ہیں اور خیر اُمت بھی آلِ محمدؐ ہیں۔

اس میں تو کوئی شک و شبہ نہیں کہ ہجرت کے بعد کچھ عرصہ تک بیت المقدس قبلہ رہا لیکن وہ کتنی مدت تھی اس میں اختلاف ہے جس طرح تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے بقولِ ابن عباس ۱۷ ماہ یعنی ایک سال پانچ مہینے اور بروایت براء بن عازب ایک سال چار مہینے اور بقول انس بن مالک ۹ یا ۱۰ ماہ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سات ماہ مروی ہیں۔

قَدْ نَرٰى۔ علامہ طبرسی نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ جب یہود نے آں حضرتؐ پر اعتراضات کئے تو آپ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور رات کو گھر سے باہر تشریف لا کر امرِ خدا کی انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے رہے جب صبح ہوئی اور نمازِ ظہر کا وقت آیا۔ آپ بنی سالم کی مسجد میں نمازِ ظہر کی دو رکعت ادا فرما چکے تھے تو جبریل نازل ہوا اور آپ کے بازوؤں سے پکڑ کر آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا اور یہی آیت اُتری۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کے لئے آپ کو اس قدر انتظار کیوں تھی کہ رات کو گھر سے باہر نکل کر آسمان کی طرف دیکھتے اور وحی کا انتظار فرماتے تھے؟ تو اس کے لئے کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آپ کا قبلہ بیت المقدس سے تبدیل کر کے خانہ کعبہ کو قرار دیا جائے گا لہٰذا آپ منتظر تھے۔

۲۔ ابنِ عباس سے مروی ہے کہ کعبہ حضرت ابراہیمؑ و دیگر آپ کے آباء طاہرینؑ کا قبلہ تھا۔ اس لئے آپؐ کو اس سے محبت تھی

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

اور تحقیق وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے البتہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور خدا غافل نہیں ان کے

عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ

عمل سے اور اگر آپ لائیں ان لوگوں کے سامنے جن کو کتاب دی گئی ہے ہر قسم کی دلیلیں تب بھی وہ نہ مانیں گے

وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ

تیرے قبلہ کو اور نہ آپ اتباع کر سکتے ہیں اُن کے قبلہ کی اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو قبول کرتے ہیں اور اگر آپ اتباع کریں

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ

ان کی خواہشات کی بعد علم ہو جانے کے تو تحقیق آپ بھی ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے جن کو ہم نے

اور خواہش تھی کہ ہمارا قبلہ بھی وہی ہو۔

۳۔ یہود کی طعنہ زنی حد سے بڑھ چکی تھی۔

۴۔ چونکہ عرب اقوام کو کعبہ سے اُنس تھا۔ اِس لئے کعبہ کے قبلہ ہونے کی خواہش آپ کے دل میں تھی تاکہ عرب قومیں زیادہ سے زیادہ دین اسلام میں داخل ہو سکیں۔ اور علامہ طبرسی نے احتمال کی صورت میں فیصلہ فرمایا ہے کہ ممکن ہے یہ سب صورتیں ملحوظِ خاطر ہوں کیونکہ ان وجوہ میں منافات کوئی نہیں۔

تفسیر برہان میں مروی ہے کہ بنی عبدالاشہل اپنی مسجد میں دو رکعت نماز بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے تو ان کو کہا گیا کہ تمہارے نبی نے کعبہ کو قبلہ بنا لیا ہے۔ پس اُنہوں نے فوراً کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا پہلے مرد آگے تھے اور عورتیں پیچھے۔ اس تبدیلی کی وجہ سے معاملہ برعکس ہو گیا اور باقی دو رکعتیں اُنہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں اور اُن کی ایک نماز دو قبلوں کی طرف ادا ہوئی۔ لہٰذا ان کی مسجد کو مسجد القبلتین کہا جاتا ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ۔ ان سے مراد علمائے یہود و نصاریٰ ہیں۔ اُنہیں یہ معلوم تھا کہ قبلہ کی تبدیلی کا حکم اللہ کی جانب سے ہی ہے باوجود اس کے پھر بھی اعتراض کرتے تھے۔ علاّمہ طبرسیؒ نے بیان فرمایا ہے کہ ان کو اس لئے معلوم تھا کہ انبیاء سابقین کی بشارت بھی تھی کہ آنے والے نبی کی صفات فلاں فلاں ہوں گی۔ اور منجملہ اُن کی صفات کے ایک یہ بھی ہے کہ وہ دو قبلوں کی طرف نماز پڑھے گا۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ ۔ الخ۔ جناب رسالت مآبؐ کو ان کے قلبی رجحانات سے آگاہی دی گئی ہے کہ وہ عناد میں اس

اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ

کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ۔ اور تحقیق ایک گروہ ان سے البتہ حق پر

لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

جان بوجھ کر پردہ دیتا ہے حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس آپ کو ہرگز شک میں نہیں پڑنا چاہیے

حد تک پہنچ گئے ہیں کہ حق بات کو قبول کرتے ہی نہیں۔ اُن کے اعتراضات حق کی تلاش کے لئے نہیں بلکہ صرف عناد ہی عناد ہے۔ اگر آپ دلائل و براہین کے ڈھیر لگا دیں تب بھی وہ ماننے کے نہیں۔ اور نہ اب آپ کو ان کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ پہلا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور اہلِ کتاب کے درمیان بھی قبلہ میں اختلاف ہے۔ وہ بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی طرف نہیں جھکتے۔ مجمع البیان میں بیان کیا گیا ہے کہ نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کرتے تھے جس طرف حضرت عیسیٰؑ کی جائے ولادت تھی۔ اور یہودی بیت المقدس کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ۔ ظاہراً خطاب جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے اور مراد تمام اُمتِ اسلامیہ ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ۔ یعنی جناب رسالتمآبؐ کی جو اوصاف گذشتہ کتابوں میں مذکور تھیں۔ اُن کی رُو سے اہلِ کتاب کو جنابِ محمد مصطفٰےؐ کے برحق نبی ہونے کا اس طرح علم تھا جس طرح کہ ہر شخص اپنی اولاد کا علم رکھتا ہے لیکن باوجود علم ہونے کے اُن کے علماء عوام سے یہ بات چھپاتے تھے۔ پس خداوندکریم نے اسی وجہ سے ان کی مذمت فرمائی ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ۔ یہ خطاب بھی ظاہراً جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے اور مراد تمام اُمت ہے۔ واللہ اعلم

احادیث ظہورِ قائم آلِ محمدؑ رکوع نمبر۲

وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ الخ ۱۴۸ اس آیت کے متعدد معانی کئے گئے ہیں: ایک وہ جو زیرِ آیت موجود ہے (۲) وِجْهَةٌ کا معنی طریقہ یعنی ہر نبی اور صاحبِ ملت کے لئے ایک ہی طریقہ ہے جس پر وہ عامل رہا ہے اور وہ طریقہ اسلام ہے۔ اگرچہ وقتی مصالح کے لحاظ سے جزوی احکام میں فرق رہا ہے (۳) ھُوَ کی ضمیر کا مرجع ذاتِ خدا ہو یعنی ہر قوم کے لئے اپنا اپنا قبلہ ہے۔ لیکن خداوندکریم سب کو کعبہ کی طرف ہی رُخ کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ سابق ادیان منسوخ ہو گئے ہیں۔ (۴) وِجْهَةٌ کا معنی جہت۔ یعنی ہر شخص اپنے اپنے مقام پر ایک نہ ایک جہت میں ہے۔ کوئی مشرق میں ہے کوئی مغرب میں کوئی شمال میں کوئی جنوب میں لیکن خدا سب جہات والوں کو نمازوں میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا۔ الخ۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ تم جس جگہ بھی ہو بروزِ محشر خدا سب کو یکجا کر دے گا لیکن تفسیر اہلبیتؑ میں یہ آیت حضرت قائم آلِ محمدؑ کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ مجمع البیان میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ

اور ہر صاحب ملت کے لئے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے پس نیکیوں کی طرف بڑھو تم جہاں بھی ہوگے سب کو خدا جمع

اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

کرلے گا بلاشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جہاں آپ باہر نکلیں (اسی جگہ سے) پھیر دیں

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾

اپنا رخ طرف مسجد الحرام کے اور تحقیق یہ حکم حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور خدا تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے

حضرت قائمؑ کا ظہور ہوگا تو خدا ہر گوشۂ دنیا سے ہمارے شیعوں کو اُن کی طرف جمع کردے گا۔ اور ہوسکتا ہے کہ ظاہر کے لحاظ سے پہلا معنی مراد ہو۔ اور باطن کے اعتبار سے دوسرا معنی مراد ہو لہذا کوئی منافات نہیں ہے۔

تفسیر برہان ۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام اور امام محمدؑ باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت قائمؑ کے اصحاب رات کو اپنے بستر پر سوئیں گے اور صبح کو مکہ میں موجود ہوں گے چنانچہ یہ آیت اسی چیز پر دلالت کرتی ہے ۔ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت قائمؑ کی ندا سے تین سو تیرہ آدمی فوراً آپ کے پاس پہنچ جائیں گے اور یہ لوگ ان کی فوج کے علمبردار یعنی نشانچی ہوں گے۔ ان میں بعض رات کو گھر سوئیں گے اور صبح کو ان کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوں گے اور بعض دن کو بادل پر سوار ہو کر حاضرِ خدمت ہوں گے۔ حضرت قائمؑ ان کے ناموں سے مع ولدیت کے واقف ہوں گے اور اُن کا حسب و نسب بھی جانتے ہوں گے پھر آپ نے مذکورہ بالا آیت پڑھی۔

بروایت جعفر جعفی حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اصحاب قائمؑ جو تین سو تیرہ ہیں آپ کے پاس بادل کے ٹکڑوں کی طرح فوراً اِدھر اُدھر سے جمع ہو جائیں گے۔ اور رکن و مقام کے درمیان (بیت اللہ) میں آپ کی بیعت کریں گے۔ آں جنابؑ کے پاس جناب رسالت مآبؐ کا عہد نامہ ہوگا جو ورثہ میں آپ کو پہنچا ہوگا پھر آپ نے بھی یہی آیت پڑھی یعنی أَيْنَ مَا تَكُونُوا ۔ الخ۔

بروایت ابو خالد کابلی حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے پہل حضرت جبرئیلؑ آپ کی بیعت کریں گے اور اس کے بعد ۳۱۳ آپ کے اصحاب بیعت کریں گے اور فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ کی تفسیر میں آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد ولایت اہل بیتؑ ہے۔

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت قائم علیہ السلام کے اصحاب جب ایک دوسرے سے ملیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ سب ایک ماں باپ کے فرزند ہیں جو رات کو ایک دوسرے سے جدا ہو کر صبح کو ملاقات کر رہے ہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ کی تاویل یہی ہے اور فرمایا کہ حضرت قائمؑ ان کے شکموں اور پشتوں پر دستِ شفقت پھیریں گے جس سے وہ عالم ہو جائیں گے اور آپ کے دَورِ سعادت میں پھر وہی نجیب، قاضیٔ دین، حاکمِ وقت اور فقیہ ہوں گے۔

بحوالہ احتجاج حضرت شہزادہ عبدالعظیم حسنی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام نے فرمایا کہ ہم میں سے ہر ایک قائم ہے لیکن وہ قائم جس کی بدولت خدا زمین کو کفر و الحاد سے پاک کرے گا اور عدل و انصاف سے پُر کرے گا۔ اس کی ولادت لوگوں پر مخفی ہوگی وہ خود غائب ہوں گے حتیٰ کہ ان کا نام لینا بھی درست نہ ہوگا۔ ان کا نام مبارک حضرت رسولؐ خدا کے نام کی مثل ہوگا اور ان کی کنیت بھی وہی ہوگی جو رسولِ خدا کی تھی۔ ان کے لئے زمین لپٹ جائے گی اور ہر سخت ان کے سامنے نرم ہو جائے گا۔ اہلِ بدر کی تعداد میں ان کے صحابہ ہوں گے جو اطرافِ زمین سے ان کے پاس جمع ہوں گے اور خدا کا قول اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا ۔ الخ انہی پر صادق ہے۔ جب یہ تعداد جمع ہو جائے گی تو وہ ظہور فرمائیں گے۔ اور جب تعداد دس ہزار تک پہنچے گی تو آپ باذنِ خدا مصروفِ جہاد ہوں گے اور دشمنانِ خدا کو تہ تیغ کریں گے۔ الخبر

اس مقام پر احادیث کثرت سے وارد ہیں میں نے اختصار کے پیش نظر ترک کر دی ہیں۔

اقول۔ حضرت قائم آلِ محمدؐ کے نام لینے کی ممانعت یا تو اس زمانہ کے اعتبار سے ہے جس زمانہ میں آپ غائب ہوئے تھے اور یہ امتناعی حکم غیبت کے معاملہ کی تاکید کے لئے ہے کیونکہ اس زمانہ میں آپ کا نام لینا ان کے راز کو فاش کرنے کے مترادف تھا۔ اور پھر اس حکم کو مصلحتاً عام کر دیا گیا۔ اور ممکن ہے نام لینے کی ممانعت میں ان کا کمالِ احترام مقصود ہو کیونکہ جس کا احترام مقصود ہوتا ہے اس کو اس کے نام سے بلانا یا ویسے اس کا نام لینا خلافِ ادب قرار دیا ہے بلکہ محترم ہستیوں کو ہمیشہ القاب سے ہی یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حجتؑ کو نام لینے کی بجائے ان کے لقب سے یاد کرنا چاہیئے مثلاً ولی العصرؑ، صاحب الزمانؑ حضرت حجتؑ یا قائم آلِ محمدؐ وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

دعائے ظہور حضرت حجّت علیہ السّلام

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِيِّكَ الْحُجَّةِ ابْنِ الْحَسَنِ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى آبَائِهِ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَفِيْ كُلِّ سَاعَةٍ وَلِيًّا وَّ نَاصِرًا وَّ دَلِيْلًا وَّ عَيْنًا حَتّٰى تُسْكِنَهُ اَرْضَكَ طَوْعًا وَّ تُمَتِّعَهُ فِيْهَا طَوِيْلًا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ

اور آپ جہاں باہر تشریف لے جائیں (اسی مقام سے) اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دیں اور اسے (مسلمانوں) تم جہاں بھی

فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا

ہو پس پھیر دو اپنا منہ طرف اس کے تاکہ نہ باقی رہے لوگوں کی تمہارے اوپر کوئی حجت سوائے ان لوگوں کے جو ان میں

مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۱﴾

ظالم ہیں پس نہ ڈرو ان سے اور مجھ سے ہی ڈرو اور تاکہ پورا کروں میں اپنی نعمت کو تم پر اور تاکہ تم ہدایت پا جاؤ

وَمِنْ حَيْثُ ۔ الخ ۔ اس حکم کو دوبارہ ذکر گیا ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہنوں میں راسخ ہوجائے ۔ نیز پہلی آیت میں صرف قبلہ کی طرف منہ پھیرنے اور سابق حکم کے منسوخ کرنے کے وجوہات بیان کئے گئے ہیں۔ اور یہاں حکم کو دہرایا گیا ہے اور اس کے وجوہات بیان کئے گئے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ پہلی آیت میں حضر کا حکم ہے اور دوسری آیت میں سفر کا حکم ہے۔

تحویل قبلہ کی تین وجہیں خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) لِئَلَّا يَكُونَ تاکہ لوگوں کی تم پر حجت باقی نہ رہے اور وہ یہ کہ یہودی جانتے تھے کہ آخر الزمان پیغمبر کی نماز دو قبلوں کی طرف ہوگی اگر مسلمان ہمیشہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہتے تو وہ کہہ دیتے کہ یہ وہ نبی نہیں جس کی تورات نے خبر دی ہے کیونکہ وہ نبی تو قبلتین کی طرف نماز پڑھے گا۔

یا یہ کہ اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم بالکل پکا اور ناقابلِ تنسیخ ہے تم جہاں بھی ہو اب کعبہ کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھنا اور بیت المقدس کی طرف منہ نہ کرنا۔ ورنہ یہودی پھر حجت کریں گے کہ دیکھو ہمارا قبلہ درست تھا بہر کیف یہودیوں کی حجت بازی کو ختم کرنا مقصود تھا تاکہ منصف مزاج طبقہ لب کشائی سے رُک جائے کیونکہ ظالم اور کج رَو کی زبان بندی مشکل ہوتی ہے۔

(۲) وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي ۔ مسلمانوں پر اپنی اس نعمت کا اتمام مقصود تھا جس طرح رسولؐ کو انہی میں سے مبعوث فرمایا تھا اسی طرح قبلہ بھی کعبہ کو قرار دیا ہے جس سے یہ مانوس تھے۔

(۳) وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۔ تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ، تاکہ تم ہدایت یافتہ ہوجاؤ ۔ یعنی غرض پرست اور خدا پرست چونکہ حکمِ خدا کی مخالفت اور موافقت سے پہچانے جاتے ہیں ۔ لہٰذا تحویلِ قبلہ کا حکم ہوا تاکہ مومن (خدا پرست) اور اغراض پرست الگ الگ ہوجائیں پس قبلہ کا یہ ردّ و بدل مومنین کی ثابت قدمی کے لئے ایک امتحانی مرحلہ تھا جس میں کامیاب ہونے والے ہی ہدایت یافتہ تھے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ

جس طرح ہم نے تم میں تمہاری قوم سے رسول بھیجا جو تلاوت کرتا ہے تمہارے اوپر ہماری آیات کی اور تمہیں پاک کرتا ہے

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

پس مجھے یاد کرو تم تاکہ میں یاد کروں تم کو اور میرا شکر ادا کرو اور میری نعمات کا کفران نہ کرو

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ الخ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی خداوند کریم نے اُس کو قبول فرمایا تھا پس حضرت ابراہیمؑ کی دُعا میں جو کلمات تھے خداوند کریم نے اس آیت میں وہی ذکر فرمائے کہ میں نے بمطابق دُعائے ابراہیمؑ تم میں سے ہی رسول بھیجا ہے جو تمہارے سامنے ہماری آیات کو پڑھتا ہے اور تم کو بدعادتوں سے پاک کرتا ہے اور تم کو علومِ قرآن اور احکامِ شریعت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی نیک اور اچھی باتیں تمہیں تبلاتا ہے جن کو تم نہیں جانتے تھے۔

اس آیت مجیدہ میں ظاہری اعتبار سے گو حضرتؐ کی بعثت کا اُمّتِ اسلامیہ پر احسان جتلایا گیا ہے لیکن کنایہ کے طور پر اہلِ کتاب کو دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ دیکھو جس نبی کے لئے تمہارے جدِّ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے دعا طلب کی تھی یہ وہی رسول ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ اپنے جدِّ اعلیٰ کی روح کو خوش کرنے کے لئے اس رسولؐ کی اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور اس کی تعلیم سے بہرہ ور ہو کر علومِ قرآنیہ سے اپنی کدورتیں دُور کرو اور دُنیا و عقبیٰ کی نعماتِ خداوندی کا استحقاق اپنے میں پیدا کرو۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ :۔ اِن نعمات کے ذکر کرنے کے بعد خداوند کریم اپنی اطاعت کی طرف متوجّہ فرماتا ہے۔ اس کی تفسیر میں علامہ طبرسیؒ نے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ فرشتہ انسان کے عمل لکھنے کے لئے ابتدائے دن میں نازل ہوتا ہے اور ابتدائے شب میں بھی اترتا ہے۔ پس ان دونوں وقتوں میں اس کو اپنی نیکیاں ہی لکھواؤ تاکہ درمیان کے گناہ تمہارے خدا بخش دے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے تم مجھے یاد کرو اور میں تمہیں یاد کروں۔

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تسبیح فاطمہ اللہ کا ذکر کثیر ہے جس کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۔

شہداء کی زندگی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ [۱۹۶] تفسیر برہان میں بطریق مخالفین بروایت موفق بن احمد ابن عباس سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں جس جس جگہ آیت کی ابتداء

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے ایمان والو مدد طلب کرو (اللہ سے) ساتھ صبر اور نماز کے تحقیق اللہ ساتھ صابرین کے ہے

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور نہ کہو ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ

اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مالوں کی کمی سے اور نفسوں کی کمی سے اور پھلوں (کی کمی سے)

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ سے ہے تو اس کا رئیس و امیر حضرت علیؑ ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کا شریف و امیر حضرت علیؑ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فضیل کو فرمایا کہ جس جگہ تمہاری ہمارے موالیان سے ملاقات ہو اُن کو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام بھی پہنچا دینا کہ میں اللہ کی طرف سے تمہاری کسی چیز کا ضامن و ذمہ دار نہیں ہوں مگر پرہیزگاری اور تقویٰ کے ساتھ۔ پس اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو قابو میں رکھو اور صبر و نماز کو لازم پکڑو خدا صابرین کا ساتھی ہے۔

اور نیز ایک روایت میں یہاں صبر سے مُراد روزہ ہے۔

بَلْ اَحْيَاۗءٌ ۔ علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ صحیح مذہب یہ ہے کہ شہداء حقیقۃً زندہ ہیں۔ اور اس کی تائید میں تہذیب الاحکام سے ایک روایت بھی اُنہوں نے نقل فرمائی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ایک حدیث میں یونس راویٔ حدیث کو فرمایا اے یونسؔ! خدا جب مومن کی روح کو قبض فرماتا ہے تو اس کو دنیاوی جسم کی طرح ایک جسم عنایت فرماتا ہے۔ پس مومنین وہاں کھاتے ہیں اور پیتے بھی ہیں اور کوئی مومن ان پر وارد ہوتا ہے تو اس کو اسی صورت سے پہچانتے ہیں جو اس کی دنیا میں تھی۔ اور ایک حدیث میں آپ نے ابوبصیر سے فرمایا کہ جنّت میں مومنین کی صورتیں دنیاوی صورتوں کی طرح ہوں گی کہ اگر ان کو تو دیکھے تو پہچان لے کہ یہ فلاں آدمی ہے۔

ان روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہدا تو بجائے خود عام مومنین بھی مرنے کے بعد مُردہ نہیں ہوا کرتے پس آیت مجیدہ میں صرف راہِ خدا میں شہید ہونے والوں کو زندہ کہنا ان کی عظمتِ شان کے لئے ہے اور اس سے ان کی افضلیت کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔ ورنہ حدیث میں ہے۔ مَنْ مَاتَ عَلٰى حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِيْدًا ۔ یعنی جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت میں مرتا ہے وہ شہید مرتا ہے۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ

اور خوشخبری دو صبر کرنے والوں کو جن پر جب مصیبت آئے کوئی سی مصیبت تو کہیں تحقیق ہم اللہ کے لئے ہیں اور بیشک اس طرف

رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

پلٹنے والے ہیں ان لوگوں پر صلوات ہے اپنے رب کی طرف سے اور رحمت اور وہ لوگ صحیح راہ پانے والے ہیں

سوال ۔ ہم ظاہر میں دیکھتے ہیں کہ جو لوگ راہ خدا میں قتل ہوتے ہیں یا بستر کی موت مرتے ہیں ان میں کوئی حس وحرکت نہیں ہوتی لہذا اُن کا زندہ ہونا اور نعماتِ خداوندی سے بہرہ ور ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔

جواب (۱) ۔اُن کی زندگی مثالی اجسام کے ساتھ ہوتی ہے ۔اور رُوح ان مثالی اجسام کے ساتھ نعماتِ خداوندی سے ہمکنار ہوتی ہے جس طرح گذشتہ روایات میں صراحت سے مذکور ہے۔

(۲) ۔ یہ ضروری نہیں کہ اگر جسم ظاہری طور پر خاموش ہو تو واقعاً بھی وہ مردہ ہو جس طرح سویا ہوا آدمی ظاہری صورت میں بالکل خاموش ہوتا ہے ۔اس میں کوئی حس وحرکت نہیں ہوتی حالانکہ درحقیقت وہ زندہ ہوا کرتا ہے اور خواب میں اطرافِ مملکت کی سیر میں مشغول ہوا کرتا ہے اور لذات وسرور میں منہمک ہوتا ہے جس سے ظاہر والے بے خبر ہوا کرتے ہیں اور خود جاگنے کے بعد اپنی بیداری سے ناخوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ کاش میری نیند طویل ہوتی اور میں جی بھر کر لذات سے بہرہ ور ہوتا ۔پس اسی طرح مرنے والے مومنین یا راہِ خدا میں قتل ہونے والے شہداء گو ظاہری طور پر ہمارے سامنے ان کے اعضا خاموش ہوا کرتے ہیں ۔جن میں کوئی حس وحرکت نہیں ہوتی لیکن درحقیقت وہ نعماتِ خداوندی کے ساتھ لذّت اندوز ہوا کرتے ہیں چنانچہ بعض احادیث میں ہے کہ اس کو کہا جاتا ہے نَمْ نَوْمَةَ الْعَرُوْسِ ۔ اے مومن اب سو جا جس طرح تازہ شادی شدہ سوتے ہیں پس قبر کے سوال وجواب اور مومن کی جزا اور کافر کا عذاب جس طرح مذہب امامیہ کا اعتقاد ہے بالکل درست اور حق ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ ۔ آیت مجیدہ کا ظاہر یہ ہے کہ خوف ۔بھوک ۔جانی و مالی نقصان اور ثمرات کا خسارہ (اس سے عام پھل مراد نہیں بلکہ اولاد مراد ہے کیونکہ عام پھلوں کا نقصان مالی نقصان میں آچکا ہے اور اولاد بھی انسان کا میوۂ دل ہوا کرتی ہے ۔) ان سب چیزوں سے خداوند کریم مومنین کا امتحان کرتا ہے اور ان حالات پر صبر کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیتا ہے۔ اور ان پر اپنی صلوات ورحمت نازل فرماتا ہے۔

تفسیر صافی میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جب کسی انسان کا فرزند مرجائے تو خداوند کریم ملائکہ کو فرماتا ہے کہ کیا تم نے میرے بندے کے فرزند کا رُوح قبض کیا ہے ؟ وہ جواب میں ہاں کہتے ہیں تو پھر ارشاد ہوتا ہے کہ کیا تم نے

اس کے میوۂ دل کو توڑ لیا ہے؟ ملائکہ کہتے ہیں کہ ہاں! پھر خدا فرماتا ہے کہ اس میرے بندے نے کیا کہا تھا؟ تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ تیری حمد ادا کی تھی اور کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا تھا۔ پس ارشاد ہوتا ہے کہ میرے بندے کا گھر جنت میں تعمیر کرو۔ اور اُس کا نام بیت الحمد رکھو۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بطریق آباء طاہرینؑ جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ جس شخص میں چار صفتیں پائی جائیں وہ خدا کے نور اعظم میں ہوا کرتا ہے۔

(۱) اس کا تمسک شہادت توحید و رسالت سے ہو۔

(۲) جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو زبان پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کو جاری کرے۔

(۳) جب اس پر کوئی خدا کی نعمت ہو تو کلمۂ حمد پڑھے۔

(۴) جب اس سے گناہ سرزد ہو تو اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ زبان پر جاری کرے۔

آیت مجیدہ کی یہ تفسیر ظاہری تھی لیکن باطنی تاویل کے متعلق آئمہ علیہم السلام سے منقول ہے کہ یہ چیزیں علائم ظہور حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام سے ہیں کیونکہ آں جنابؑ کا جب ظہور قریب ہوگا تو لوگوں میں خوف و بدامنی زیادہ ہوگی اور قحط سالی بھی ہوگی جس سے بھوک عام اور مالی نقصان زیادہ ہوگا۔ وبائی امراض زیادہ ہوں گی جس سے جانی نقصان بہت ہوگا اور جو مومن ہوں گے وہ صبر سے کام لیں گے اور یہ بشارت اُن لوگوں کے لئے ہے جو اُن حالات کا صبر سے مقابلہ کریں گے۔

بعض تفاسیر میں ان آیات کا باطنی مصداق حضرت امام حسین علیہ السلام کو قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ درست بھی ہے بلکہ ان آیات کا مصداق ان سے بڑھ کر شاید ہی کوئی اور ہوا ہو کیونکہ آیت مجیدہ میں ہے بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ الخ۔ یعنی ہم قدرے خوف اور قدرے بھوک اور قدرے جانی مالی نقصان اور قدرے موت اولاد سے آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کے لئے بشارتِ جنت بھی ہے اور ان پر اللہ کی صلوات و رحمت بھی ہے کیونکہ مِن تبعیض کے لئے ہے اور اس کا معنی ہوتا ہے تھوڑا سا اور قدرے تو جب ان چیزوں کے تھوڑے سے اور قدرے نقصان پر صبر کرنے والوں کی یہ جزا ہے تو ان چیزوں کے زیادہ سے زیادہ نقصان پر صبر کرنے والوں کی جزا کا سوائے خدا کے اور کون اندازہ کر سکتا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر جس قدر مصائب آئے اس قدر مصائب کسی پر نہیں گذرے۔ خوف کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف دشمن ہی دشمن دکھائی دیتے تھے۔ بھوک و پیاس کا یہ عالم تھا کہ دسویں محرم کی شب بچوں کو کہیں آرام نہ تھا پانی کے خالی جام اٹھا کر خیام کا طواف کرتے۔ رات گذاری۔ خشکی سے زبانیں تالو سے چمٹ گئی تھیں۔ مالی نقصان کی تو حد ہو گئی کہ مردوں کے قتل ہو جانے کے بعد دشمنوں نے گھروں کو آگ لگا دی۔ سامان لوٹ لیا۔ حتٰی کہ عورتوں کے سروں سے چادریں بھی چھین لیں بچوں کے گوشوارے تک کانوں سے اتار لئے۔ جانی نقصان اس

سنے زیادہ اور کیا ہوگا کہ ششماہے شیر خوار سے لے کر بوڑھوں تک سب قتل ہو گئے اور انتہا یہ کہ ان کو بے غسل و کفن صحرائے کربلا کی تپتی ہوئی ریتی پہ چھوڑ کر پردہ داروں کو ان کی لاشوں پر رونے تک نہ دیا گیا۔ اور باوجود ان تمام مصائب کے صبر کا یہ عالم تھا کہ آخر دم تک رضائے خدا کے سامنے سر تسلیم خم رہا اور جس قدر مصائب آئے زبان پر اُف تک نہ لائے اور شکر پروردگار آخر تک زبان پر جاری رہا اور مرد تو بجائے خود عورتوں اور بچوں نے بھی ان مصائب کا ایسا دلیرانہ مقابلہ کیا کہ رہتی دنیا تک فرزندانِ توحید کے لئے ان کا کردار صبر و حوصلہ اور عزم و استقلال مشعلِ راہ کا کام دیتا رہے گا۔

سوال: جب مصائب پر صبر کرنا خاصانِ خدا کا طرۂ امتیاز ہے تو ان کے مصائب پر گریہ وزاری کرنا کیونکر جائز ہے پس چاہیے کہ مصائب پر گریہ بھی نہ کیا جائے؟

جواب۔ مصائب پر گریہ کرنا فطری چیز ہے البتہ یہ ضروری چیز ہے کہ گریہ میں رضائے خدا کے خلاف کوئی مظاہرہ نہ ہو نہ زبان سے حرفِ شکایت نکلے اور نہ عمل سے اس قسم کا اظہار ہو۔ صبر کا معنی ہے حدودِ شرعیہ کے اندر اپنے قول و فعل کو محدود رکھنا اور بے صبری کا مطلب ہے حدودِ خدا کو توڑ کر باہر چلا جانا خدا کی خوشنودی کے پیش نظر خاصانِ خدا کے فراق میں رونا خاصانِ خدا سے محبت کی دلیل ہے اور بے صبری نہیں بلکہ قربِ خداوندی کا پیش خیمہ ہے اور اگر یہ رونا بے صبری ہوتا تو حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کے فراق میں رو کر آنکھیں کھو بیٹھنے کے بعد حلیم نہ کہا جاتا۔ اور حضرت رسولِ خدا نے حضرت حمزہ کا ماتم اپنے گھر میں خود نہ بپا کرایا ہوتا۔ شیعہ کا مصائبِ شہداء پر گریہ خدا کی ناسپاسی اور بے شکری نہیں بلکہ ان کے مصائب پر رونا اُمتِ رسول کی بے قدری و بے دردی کا رونا ہے کہ ایسے محسنانِ اسلام کو انہوں نے احسان کا یہ بدلہ دیا۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۔ الخ ۔ انہی مصائب پر صبر کرنے والوں پر خدا کی طرف سے درود و رحمت ہے۔ اور وہی ہیں ہدایت پانے والے۔ علامہ حلی قدس سرہ نے ایک مناظرہ میں اہلِ بیت اطہار پر درود و سلام ثابت کرنے کے لئے انہی آیات سے استدلال فرمایا تھا۔ اس مقام پر ان کا واقعہ گو موضوعِ بحث سے باہر ہے لیکن اختصار سے ذکر کرتا ہوں اُمید ہے مومنین کے لئے استفادہ کا موجب ہوگا۔

شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے سفینۃ البحار باب الشین میں مستدرک سے اختصاراً نقل فرمایا ہے جس کو میں اور مختصر کرتا ہوں تاکہ طول نہ ہو۔

ہلاکو خان کے پوتے کا بیٹا یعنی پڑپوتا سلطان غازان خان جو ۷۰۳ھ میں بغداد کا بادشاہ تھا اس کے دورِ سلطنت میں ایک دفعہ بروزِ جمعہ ایک سید نے بغداد کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے بعد انفرادی طور پر نماز ظہر پڑھی۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شیعہ ہے۔ پس انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ سید مرحوم کے رشتہ داروں نے بادشاہ سے شکایت کی اور واقعہ بیان کیا بادشاہ کو بڑا رنج ہوا کہ اولادِ

رسول میں سے ایک شخص صرف نماز طرز علیحدہ پڑھنے کے جرم میں قتل کیا گیا۔ بادشاہ کو اس وقت تک مذاہب اسلامیہ کی حقیقت کا علم نہ تھا پس اُس دن سے اُس نے مذہب کی تلاش شروع کر دی۔ امیر طرمطار جو بادشاہ کے خواص میں سے تھا اور بچپنے سے بادشاہ کا خادم تھا اُس نے بادشاہ کے سامنے مذہب شیعہ کی حقیقت بیان کی۔ چنانچہ بادشاہ نے دیگر مذاہب کو ٹھکرا کر شیعیت کو اپنا لیا اور اس کے بعد اُس نے سادات کے احترام میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے مشاہد کی بھی تعمیر کی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بھائی سلطان محمد سروف شاہ خدا بندہ تخت نشین ہوا اور وہ حنفی المذہب اور حنفی علماء کا احترام کرتا تھا جو اپنے مذہب میں متعصب تھے۔ بادشاہ کا وزیر خواجہ رشید الدین شافعی بہت کڑھتا تھا لیکن بادشاہ کے میلان کی وجہ سے بے بس تھا یہاں تک کہ قاضی نظام الدین شافعی جو منقولات و معقولات میں بہت ماہر تھا۔ مراغہ سے چل کر یہاں آیا۔ بادشاہ نے اس کے علم کے پیش نظر اس کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ وہ بادشاہ کے سامنے حنفی علماء سے مناظرے کرتا تھا اور ان کو لاجواب کر دیتا تھا حتیٰ کہ بادشاہ نے مذہب حنفی ترک کر کے مذہب شافعی اختیار کر لیا۔ ۹۰۷ھ میں بخارا سے ایک حنفی عالم ابن صدر جہاں بغداد پہنچا تو مقامی علماء نے نظام الدین قاضی کی اس سے شکایت کی۔ اُس نے اس مشکل کے حل کرنے کا ان سے وعدہ کیا پس بروز جمعہ بادشاہ کے حضور میں اُس نے قاضی نظام الدین سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اگر ایک شخص کسی عورت سے زنا کرے اور اُسی زنا سے لڑکی پیدا ہو۔ کیا وہ لڑکی اس زانی کے نکاح میں آسکتی ہے بمطابق مذہب شافعی جواب دیجئے؟ قاضی نے جواب دیا کہ ہاں بیشک آسکتی ہے جس طرح کہ مذہب حنفیہ میں ماں بہن نکاح میں آسکتی ہیں اس بحث میں بڑی لے دے ہوئی۔ ابن صدر جہاں حنفی نے اس مسئلہ کا انکار کر دیا تو قاضی نے امام ابوحنیفہ کے منظومہ میں سے یہ شعر پڑھا۔

وَلَيْسَ فِيْ لِوَاطَةٍ مِنْ حَدٍّ وَلَا بِوَطْيِ الْاُخْتِ بَعْدَ عَقْدٍ

پس وہ خاموش ہوگیا۔ بادشاہ اور دیگر اُمراء اس بحث کے نتیجہ میں بہت نادم ہوئے اور بادشاہ غضبناک ہو کر اٹھ گیا۔ اور مذہب اسلام کے اختیار کرنے پر پشیمان ہوا کہ یہ عجیب مذہب ہے کہ کوئی لڑکی کے نکاح کے جواز کا قائل ہے اور کوئی ماں بہن کے نکاح کو جائز کہتا ہے۔

اقول: حقیقت یہ ہے کہ عام طور پر مناظرین اپنے مذہب کی صداقت ثابت کرنے کی بجائے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا اپنی کامیابی کا زینہ سمجھتے ہیں اور اس قسم کے لوگ ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں وہ اپنے خیال میں مذہب کی حمایت کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ مذہب کے بدترین دشمن ہوتے ہیں دوسرے کو گالی دینا معیارِ صداقت نہیں ہوتا بلکہ دلیل و برہان اور عمل و کردار سے مذہب کے اُصول و فروع کی نقاب کشائی ہی صداقت کا طرۂ امتیاز ہے۔

امیر طرمطار نے جب یہ ماجرا دیکھا تو بادشاہ کو مذہب شیعہ کی حقیقت معلوم کرنے کی دعوت دی۔ بادشاہ شیعہ کی لفظ

سن کر نہایت غیظ و غضب سے تملا اٹھا کہ او بدبخت تو مجھے رافضی بنانا چاہتا ہے۔

اقول - موجودہ درباری علماء نے مذہبِ شیعہ کو بادشاہ کے سامنے ایک ایسے بُرے رنگ میں ظاہر کیا ہوا تھا کہ بادشاہ شیعہ کا نام سُن کر آگ بگولہ ہوگیا چنانچہ آج کل بھی ناواقف لوگوں کے سامنے شیعہ مذہب کی حقیقت و صورت ایسے ہی بدنما خدوخال سے پیش کی جاتی ہے کہ لوگ فریب خوردہ ہو کر شیعہ کے نام سے ہی نفرت کرنے لگ جاتے ہیں۔

آخر کار امیر طرمطار کے اصرار سے بادشاہ نے علامہ حلّی اور اُن کے فرزند فخر المحققین کو دعوت دے دی۔ علامہ کے پاس اپنی تصنیفات میں سے نہج الحق اور منہاج الکرامۃ موجود تھیں جو بادشاہ کو ہدیہ کے طور پر پیش کیں۔ علامہ سے مناظرہ کرنے کے لئے قاضی نظام الدین شافعی کا انتخاب عمل میں آیا۔ دربار شاہی میں علمائے اسلام کے بھرے مجمع میں علامہ موصوف نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خلافتِ بلافصل کو براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے ثابت فرمایا کہ قاضی مذکور کو رد کرنے کی جرأت نہ ہو سکی اور اس کے لئے بغیر تسلیم کے اور کوئی چارہ نہ رہا اور آخر کار یہی عذر پیش کیا کہ ابتدائے اسلام سے آج تک جن لوگوں کو ہم خلیفۂ رسول مانتے چلے آرہے ہیں ان کی خلافت کا انکار اسلام میں تفرقہ ڈالنے کا موجب ہے۔ لہٰذا ہم نہ اُن پر طعن کر سکتے ہیں اور نہ ان کی غلطیوں کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ پس قاضی کا دبی زبان سے خلفائے ثلٰثہ کی خلافت سے انکار مناظرے کا فیصلہ تھا فوراً ہی بادشاہ اور اکثر امرائے مذہبِ شیعہ اختیار کر لیا۔ بادشاہ نے خطبۂ جمعہ میں خلفائے ثلٰثہ کے ناموں کی بجائے آئمہ اثنا عشر کے اسمائے طاہرہ کے ذکر کا اطراف مملکت میں حکم بھیج دیا اس کے بعد علامہ نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر فرمائی جس میں حمد و ثنا کے بعد محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام بھیجا۔ سید رکن الدین موصلی جو علامہ کی کامیابی اور مذہبِ شیعہ کی فتح پر دل سے جل رہا تھا اور علامہ پر نکتہ چینی کا بہانہ تلاش کر رہا تھا اُس نے اُٹھ کر فوراً اعتراض کیا کہ غیر نبی پر صلوات کہاں سے جائز ہے؟ علامہ قدس سرہ نے قرآن مجید کی یہی آیات تلاوت فرمائیں کہ جن لوگوں پر مصائب آئے اور راہِ خدا میں خوشنودیٔ خدا کے پیشِ نظر ان کو برداشت کر کے صبر کیا۔ ان پر خدا کی طرف سے صلوات و رحمت ہے اور وہی ہدایت والے ہیں۔ سید موصلی نے اعتراض کیا کہ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد پر کیا مصیبت آئی؟ علامہ نے اس کے بعد مصائبِ اہل بیت کا ذکر کیا اور آخر میں فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اور مصیبت کیا ہوگی کہ تو ان کی اولاد سے کہلواتا ہے اور اُن کے مخالفین کے نقشِ قدم پر ہو کر ان کو اہلِ بیتؑ سے افضل مانتا ہے؟ حاضرین نے علامہ کا جواب پسند کیا اور وہ شرمندہ ہوا۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمد و آل محمد۔

انّ الصفا - الخ ۲۰۳ - کوہ صفا کو صفا اس لئے کہا گیا ہے کہ اس پر حضرت آدم صفی اللہ اترے تھے اور مروہ کو مروہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس پر حضرت حوّا اُتری تھیں اور یہ مرأۃ سے مشتق ہے جس کا معنی عورت ہے۔

گذشتہ آیتوں میں بیان فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں وہ مردہ نہیں ہوتے اور جو مصائب پر ثابت رہتے

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

تحقیق (کوہ) صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ بجالائے پس کوئی حرج اس پر نہیں کہ ان

عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ

دونوں کا طواف بھی کرے اور جو شخص بخوشی نیک عمل کرے تو اللہ اس کی نیکی کا قدردان اور جاننے والا ہے   تحقیق

الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي

وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جس کو ہم نے واضح طور پر ہدایت کے لئے نازل کیا بعد اس کے کہ ہم نے اس کو بیان کر دیا لوگوں کے لئے

الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا

کتاب (تورات و انجیل) میں ایسے لوگوں پر خدا لعنت کرتا ہے اور باقی لعنت کرنیوالے بھی لعنت کرتے ہیں مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کی

ہیں۔ ان پر اللہ کی رحمت اور درود ہوتا ہے۔

پس اس آیت میں راہِ خدا میں قربانی پیش کرنے والوں اور مصائب پر صبر کرنے والوں کی زندگی کی ایک مثال پیش فرما دی کہ دیکھو اللہ کی راہ میں مصائب و آلام پر صبر کرنے والے جس طرح نعماتِ جنت میں ہمیشہ کی زندگی سے ہمکنار ہیں۔ اسی طرح دنیا میں بھی ان کے نقوش و یادگاریں تاقیامت باقی رہتی ہیں اور ظاہری آنکھوں سے گو اوجھل ہیں لیکن ان کے آثار و نشانات کو ہیں نے اپنے شعائر قرار دے کر ہمیشہ کی زندگی عطا کر دی۔ پس تاقیامت جو شخص فریضہ حج یا عمرہ ادا کرے گا، اس پر لازم ہے کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑے کیونکہ یہ میرے شعائر ہیں پس جب گذشتہ انبیا کی یادگاریں شعائر اللہ ہیں تو حضرت رسالتمآب یا ان کے اوصیاء کی یادگاریں کیوں نہ شعائر اللہ ہوں گی جن کی مظلومیت اور ناحق خون کی داستان صفحۂ آسمان کے اطراف پر آفاق کی سرخی سے نمایاں طور پر لکھی ہوئی ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ذکر کیا ہے کہ امام حسین علیہ السّلام کی شہادت سے پہلے افق پر یہ سرخی نہیں تھی جو صبح و شام ظاہر ہوا کرتی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ: مذہب شیعہ میں طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا) واجب ہے لیکن آیت میں یہ ہے کہ اگر ان کا طواف کرے تو حرج کوئی نہیں اس سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نہ بھی کرے تب بھی حرج نہیں تو اس کا جواب تین طریقوں سے دیا گیا ہے۔

(۱) امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب حج کا حکم ہوا تو ابتداءً مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ شاید صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنا کفار و مشرکین کی ایجاد ہے لہذا یہ آیت اُتری کہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا بھی خدائی حکم ہے کفار کی ایجاد نہیں۔

وَبَيَّنُوا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا

اور بیان کردیا پس ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہوں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت

وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

میں مرگئے تو ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ

اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نہ ہلکا ہوگا ان سے عذاب اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے اور تمہارا معبود

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

صرف ایک ہے کوئی معبود سوائے اس کے نہیں وہ رحمٰن و رحیم ہے

یہ بھی رکن حج ہے۔

(۲) حضرت صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت عمرۂ قضا میں اُتری کہ جب جناب رسالتمآبؐ قضائے عمرہ کے لئے وارد مکہ ہوئے تو کفار سے کہا کہ صفا و مروہ سے وہ اپنے بت اٹھالیں چنانچہ اُنہوں نے اٹھالئے اور حضرت رسولِ خدا نے مع صحابہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اس کے بعد کفّار نے پھر اپنے بت وہاں رکھ دیئے۔ ایک صحابی کو کچھ دیر ہوگئی تھی جب وہ سعی کرنے کے لئے آیا تو بت رکھے جاچکے تھے لہذا اُس نے سعی کرنا پسند نہ کیا تب یہ آیت اتری کہ کوئی گناہ نہیں ہے تم اپنا رکن حج ترک مت کرو۔

(۳) کہتے ہیں کہ صفا پر جو بت تھا اُس کا نام اساف تھا اور مروہ پر جو بُت تھا اس کا نام نائلہ تھا۔ مشرک لوگ اُن کا طواف کرتے ہوئے اُن کو بوسہ بھی دیتے تھے اور مسلمان اس کو گناہ سمجھتے تھے لہذا یہ آیت اتری کہ سعی کرنا گناہ نہیں ہے بلکہ فعلِ ثواب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ۔ ظاہری طور پر یہ آیات گو اہلِ کتاب کے لئے ہیں لیکن باطنی طور پر تاقیامت جو بھی اس صفت سے متصف ہوگا وہی ان آیات کا مصداق ہوگا۔ چنانچہ حضرت امیرؑ سے پوچھا گیا کہ انبیاء اور آئمہ کے بعد مخلوقِ خدا سے افضل کون ہے فرمایا کہ نیک علماء اور پھر سوال کیا کہ ابلیس و فرعون کے بعد بدترین انسان کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ علمائے بد ہیں جو باطل کو ظاہر کریں اور حق پر پردہ دیں ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔ (البرہان)

جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جس شخص سے ایک مسئلہ دریافت کیا جائے اور وہ باوجود جاننے کے اس کو چھپائے بروزِ محشر اس کے منہ میں آتشِ جہنم کی لگام دی جائے گی۔ (مجمع البیان)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ

تحقیق آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے میں اور شب و روز کے اختلاف میں اور کشتیوں میں جو دریاؤں میں چلتی

فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ

ہیں ساتھ انسانی فوائد کے اور اس میں کہ نازل فرمایا ہے اللہ نے آسمان سے بارش کا پانی پس زندہ کیا ہے زمین

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ

کو بعد مردہ ہونے کے اور پھیلا دیا اس میں ہر قسم کے زمین پر چلنے والے جانوروں کو اور ہواؤں کے اور ابر پھیر میں اور

الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

بادلوں میں جو مسخر یعنی مطیع ہیں آسمان و زمین کے درمیان (خدا کی وحدانیت کی واضح) دلیلیں ہیں عقل رکھنے والوں کے لئے

ادلّۂ توحید

ربط۔ یہاں تک بنی اسرائیل کے متعلق خطاب رہا۔ ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے اور مومنین کو تلقین صبر کی اور مصائب پر ثابت قدم رہنے کا حکم دے کر ان کو تسلّی دی کہ دین حق پر قربانی اور راہِ خدا پر مرمٹنا حیاتِ جاودانی کا موجب ہے ایسے لوگ خود بھی زندہ ہوا کرتے ہیں اور اُن کے آثار بھی زندہ ہوا کرتے ہیں۔ اور جو لوگ حق کو چھپائیں اُن پر خدا کی بھی لعنت اور دوسرے لعنت کرنے والوں کی بھی لعنت ہے اور آخرت کا عذاب دائمی بھی اُن کے لئے ہے۔

ان بیانات کے بعد عقیدۂ توحید کی وضاحت فرماتا ہے جو دین اسلام کی بنیاد ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک اللہ ہے جو تمام مخلوق پر بڑا مہربان ہے۔ اور اس عقیدہ کے اثبات کے لئے عقلی براہین کو پیش فرمایا ہے تاکہ کسی ذی ہوش کے لئے مجالِ انکار نہ رہے چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ۔

۱۔ آسمان و زمین کا پیدا کرنا کہ کس طرح ان کو بغیر مادہ کے صحیح و مناسب انداز سے اللہ نے پیدا کیا۔ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قرار بخشا اور سطح زمین کو نہایت فائدہ بخش صورت میں خلق فرمایا۔ نہ اس قدر نرم کہ انسان اس میں دھنس جائیں اور نہ اتنی سخت کہ چلتے وقت پاؤں کو زخمی کر دے اور ایسی حکمت و تدبیر سے خلق فرمایا کہ عیب جوئی کی مجال تک نہیں۔

۲۔ پھر شب و روز کا اختلاف کہ آسمان پر سورج کو گردش دے کر شب و روز کے اوقات معین فرمائے اگر ہمیشہ دن یا رات ہوتی تو مخلوق کو یہ چین و آرام کی زندگی نصیب نہ ہو سکتی جو دن و رات کی تبدیلی میں ہے۔ دن کو کاروبار کے لئے اور رات کو آرام کے لئے بنایا پھر اپنی حکمت و قدرتِ کاملہ سے سورج کی گردش کو ایسے انداز سے رکھا کہ کبھی دن بڑھ جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی

ہے۔ اور کبھی رات بڑھ جاتی ہے اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور اسی سے موسموں کی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں جو انسانی زندگی میں صحیح توازن کی موجب ہیں۔

۳۔ پانیوں میں کشتیوں کی روانی۔ چونکہ زمین کا اکثر حصہ پانی کے نیچے ہے صرف ¼ حصہ پانی سے باہر ہے اور اسی ظاہر حصہ میں بھی دریا وغیرہ بکثرت جاری ہیں جو ایک علاقہ کو دوسرے علاقہ سے جدا کرنے کے موجب ہیں۔ اس نے اپنی حکمت کاملہ سے پانی میں وہ قوت پیدا کر دی کہ کشتیوں اور جہازوں کو اپنی سطح پر اٹھا سکے تاکہ انسان اپنی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کے لئے پانی کی حدود کو آسانی سے عبور کر سکے اور سامانِ زندگی ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک بسہولت منتقل ہو سکے۔

۴۔ آسمان سے بارش۔ وہ اللہ جو بخارات سے بادلوں کو پیدا کر کے ان سے اپنی حسنِ تدبیر کی بدولت پانی برساتا ہے۔ جس کی بدولت بنجر و غیر آباد زمین سرسبز و شاداب باغات لہلہاتے ہوئے سبزوں اور مہکتے ہوئے پھولوں کی آغوشِ تربیت بن کر انسان کی زندگی کو پُرکیف بنا دیتی ہے۔

اور اس نے زمین کو گوناگوں کے حیوانات، رنگارنگ کے چرند و پرند کا مسکن قرار دے دیا جو انسانوں کے دل کا بہلاوا ہیں۔ اور اکثر و بیشتر تکالیف کا مداوا بھی ہیں بلکہ انسان کی زندگی بغیر حیواناتی آبادی کے غالباً کسی حد تک اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

۵۔ ہواؤں کا ردّ و بدل کبھی شمال کبھی جنوب گاہے شرقی گاہے غربی کسی وقت تیز کسی وقت سُست کبھی گرم کبھی سرد وغیرہ یہ ہواؤں کا ہیر پھیر انسان کے لئے اللہ کی رحمتِ عظمیٰ ہے اور نعمتِ کبریٰ ہے بلکہ انسانی صحت و تندرستی کا زیادہ دارومدار اسی چیز پر ہے۔

۶۔ بادلوں کا آسمان و زمین کے ساتھ مسخر و مطیع ہونا پہلے جملہ میں بارش کی مصلحت کا ذکر تھا اور اس آخری فقرہ میں صرف بادلوں کی تسخیر کو اللہ نے اپنی حکمت و قدرت کا کرشمہ قرار دے کر اس میں دعوتِ فکر دی ہے۔

یہ چھ چیزیں صاحبانِ عقول کے لئے دعوتِ توحید کا پیغام ہیں کہ ان کے کلی و جزوی فوائد اور مصالح پر غور کرنے سے عقلمند انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ضرور ان کا خالق مدبّر کائنات ہے اور وہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے ورنہ یہ نظامِ کائنات جو بدرجۂ اتم ہمارے سامنے موجود ہے درہم برہم ہو جاتا۔ یہ سب چیزیں چونکہ حادث ہیں لہذا ماننا پڑتا ہے کہ ان کا خالق قدیم ہے اور وہ حی بھی ہے جس نے اپنے اختیار اور حسنِ تدبیر سے یہ سارا کارنامہ انجام دیا نیز اس سے اس کا علیم و حکیم ہونا اور مرید و مدرک ہونا اور قادر و قیوم ہونا بھی صاف ظاہر ہے۔ غرضیکہ صرف انہی چیزوں اور ان کی مصلحتوں پر غور کرنے سے توحید اور جملہ صفاتِ ثبوتیہ کی معرفت حاصل کی جا سکتی ہے اور انہی سے تمام صفاتِ سلبیہ کی نفی کا بھی علم حاصل ہو جاتا ہے بشرطیکہ عقل پر پردہ نہ ہو۔ اسی لئے آخر میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ دلیلیں اور نشانیاں ذی ہوش اور صاحبِ عقل طبقہ کے لئے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور بعض وہ لوگ ہیں جو اختیار کرتے ہیں خدا کے علاوہ شریک جن سے وہ محبت کرتے ہیں جس طرح کہ اللہ سے محبت کرنی چاہیئے اور ایمان والے

اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا

پکے محب ہیں خدا کے اور کیا اچھا ہو تا کہ سمجھ لیتے (ظالم) مشرک جب کہ دیکھتے عذاب کو کہ تحقیق طاقت سب اللہ کے لئے ہے

وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا

اور تحقیق اللہ سخت عذاب دینے والا ہے قیامت میں جب کہ بیزار ہوں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی پیروی کرنے والوں سے

وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ

اور عذاب کو دیکھ لیں گے اور ٹوٹ جائیں گے ان کے تعلقات اور کہیں گے پیروی کرنے والے کاش! ہمیں ایک بار پلٹنا

وَمِنَ النَّاسِ - اس آیت کا ظاہر تو مشرکین کے لئے ہے جو غیر اللہ سے اللہ جیسی محبت و اطاعت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اس کا باطن ہر باطل پرست کے لئے ہے چنانچہ جابر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم کہ اس سے مراد فلاں و فلاں کے دوست ہیں جنہوں نے ان کو امام تسلیم کیا اور اُس امام کو چھوڑ دیا جس کو خدا نے عہدۂ امامت عطا فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپ نے آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی اور آخر میں فرمایا اے جابر خدا کی قسم اس سے ظالم امام اور ان کے پیروکار مراد ہیں - (برہان)

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ - ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ بروز محشر حق سبحانہٗ کی جانب سے ندا آئے گی۔ اَيْنَ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ فِيْ اَرْضِهٖ (کہاں ہے وہ جس کو اللہ نے زمین پر عہدۂ خلافت عطا فرمایا تھا، پس حضرت امیر المومنینؑ کھڑے ہوں گے پھر اللہ کی جانب سے ندا آئے گی کہ اے گروہ مخلوق یہ علی بن ابی طالب زمین پر اللہ کا خلیفہ اور بندوں پر خدا کی حجت موجود ہے پس جس کسی نے دنیا میں اس سے تمسک پکڑا تھا وہ اب بھی اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے اور اس کی نورانیت سے فیض یاب ہو کر جنت کے بلند درجات کی طرف اس کے پیچھے پیچھے چلا جائے پس وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں ان کا دامن پکڑا ہو گا ان کے پیچھے پیچھے جنت کی طرف چلیں گے اس کے بعد دوسری ندا آئے گی کہ دنیا میں جس شخص نے جس امام کی پیروی کی تھی وہ اس کے پیچھے ہو جائے جہاں اس کا امام جائے گا اس کو بھی وہاں جانا پڑے گا۔ پس اس وقت لوگ اپنے اپنے اماموں سے بیزار ہوں گے اور کہیں گے کاش! ہمارے لئے ایک دفعہ دنیا کی طرف پلٹنے کی اجازت ہوتی تو ہرگز ان کے پیچھے نہ چلتے ان آیات

لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ

ہوتا تو ہم بھی ان سے بیزار ہو جاتے جس طرح وہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں اسی طرح دکھائے گا خدا ان کو ان کے کرتوت باعث حسرت

حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا

بنا کر حالانکہ وہ کبھی بھی آتش جہنم سے نکلنے نہ پائیں گے اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو

مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

زمین میں ہیں حلال و پاکیزہ اور نہ پیچھے چلو قدم بقدم شیطان کے تحقیق وہ تمہارا دشمن صریح

مُبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

ہے بجز اس کے نہیں کہ وہ تمہیں حکم دے گا برائی اور بدکاری کا اور اس بات کا کہ اللہ کے متعلق ایسی باتیں کرو جو تم نہ جانتے ہو

میں خداوند کریم انہیں کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ (برہان)

كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک شخص جس کو خدا نے دنیا میں مال عطا فرمایا اور اس نے کسی نیک کام میں اس کو صرف نہ کیا اور مر گیا پھر اس کا کوئی اور وارث ہوا جس نے اسی مال کو نیک کاموں میں خرچ کیا تو پس وہ مال جمع کرنے والا اپنے مال کی نیکیاں دوسرے کے میزان عمل میں دیکھ کر پچھتائے گا۔

حَلَالًا۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ عبادت کے ستر حصے ہیں اور سب سے افضل ہے حلال کی تلاش کرنا۔

قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ ۔ یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ جہاں باپ، دادا خدا اور رسول کے خلاف چلنے کا حکم دیں تو اولاد پر ان کی اس معاملہ میں اطاعت واجب نہیں بلکہ حرام ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ ۔ امام محمد باقر علیہ السّلام سے اس آیت کا معنی اس طرح مروی ہے کہ تمہارا کافروں کو اسلام کی طرف بلانا ایسا ہے جس طرح چرواہا اپنے مویشیوں کو بلاتا ہے جس طرح مویشی چرواہے کی بات نہیں سمجھتے بلکہ صرف آواز و پکار سنتے ہیں اسی طرح یہ بھی تمہاری بات سنتے ہیں سمجھتے نہیں ہیں یعنی ازراہِ عناد سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ ۔ صفحہ ۲ پر اس کی تفسیر گذر چکی ہے۔

غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ ۔ اس کا یہ ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ باغ سے مراد خواہش لذت کرنے والا اور عاد سے مراد قدر ضرورت سے تجاوز کرنے والا اور بعض روایات میں ہے کہ باغی سے مراد ظالم اور عادی سے مراد غاصب ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا ط

اور جب ان کو کہا جائے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے اتاری ہے تو کہنے لگے بلکہ ہم تو پیروی کریں گے اس کی جس پر پایا ہم نے اپنے

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

باپ دادا کو کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں (معاملہ دین کو) اور نہ خبر رکھتے ہوں (حق کی) اور مثال کافروں کے بتوں کو پکارنے کی

كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ط صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا

اس شخص جیسی ہے جو بلائے ایسی چیزوں کو جو نہ سنیں کچھ بھی سوائے آواز اور پکار کے بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس وہ سمجھتے نہیں

يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ

ہیں اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ ان چیزوں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا اور شکر کرو اللہ کا

اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

اگر تم صرف اسی کے عبادت گزار ہو سوائے اس کے نہیں کہ حرام کیا ہے اس نے تمہارے اوپر مردار اور خون اور سور کا گوشت

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ط اِنَّ

اور وہ چیز جس پر نام لیا جائے غیر خدا کا پس جو شخص ناچار ہو کہ نہ (امام حق) پر بغاوت کرنے والا اور نہ تجاوز کرنیوالا (چور ڈاکو) ہو پس اس

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ

پر کوئی گناہ نہیں تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے تحقیق وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو نازل کی ہم نے کتاب سے اور

يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا

حاصل کرتے ہیں بدلے اس کے قیمت معمولی وہ لوگ نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ اور نہ

اِنَّ الَّذِيْنَ ۔ علمائے یہود جناب رسولِ خدا کے اوصاف جو تورات میں موجود تھے چھپاتے تھے تاکہ عوام یہود مطلع ہو کر دین یہود سے برگشتہ ہو کر دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو جائیں جس سے ان کی عوام یہود کی طرف سے مقررہ آمدنی میں خسارہ تھا۔ خداوند کریم ان کے اس فعل کی مذمت فرما رہا ہے کہ ثمن قلیل کی خاطر جناب رسولؐ پاک کے اوصاف پر پردہ ڈالتے ہیں اور گویا اپنے پیٹ کو آتش جہنم سے بھر رہے ہیں، کیونکہ ان کا انجام آخر جہنم ہوگا۔

يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

ان سے کلام کریگا خدا بروز قیامت اور نہ ان کو پاکیزہ کریگا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے وہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے

اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

لی گمراہی بدلے ہدایت کے اور عذاب بدلے بخشش کے پس کس قدر ان کا حوصلہ ہے آگ پر

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ

یہ اس لئے کہ تحقیق اللہ نے نازل فرمائی کتاب حق کے ساتھ اور تحقیق وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا کتاب میں البتہ وہ بڑی بدبختی

بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ

میں ہیں نہیں نیکی (کا انحصار) تمہارے منہ پھیرنے میں طرف مشرق و مغرب کے بلکہ نیکی اس شخص کی ہے جو

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر اور دے مال اپنا باوجود پیارا

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ

ہونے کے صاحبان قرابت کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور منگتوں کو اور غلاموں کے آزاد کرانے میں

شان نزول - جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو لوگوں میں اس حکم کا چرچا عام ہوگیا اور یہود و نصاریٰ نے ہر مقام پر اسی مسئلہ کو محل بحث بنالیا پس یہ آیت اُتری کہ نیکی کا انحصار صرف مشرق و مغرب کی طرف منہ کر لینے میں نہیں ہے بلکہ جب تک ان ذکر ہونے والے احکام پر عمل نہ کیا جائے تو صرف قبلہ کی طرف منہ کر لینا کوئی فائدہ مند نہ ہوگا۔

لَيْسَ الْبِرَّ - اگر برّ پر نصب پڑھی جائے تو خبر مقدم اور اگر رفع پڑھا جائے تو اسم لیس کا اور مابعد خبر اس کی دونو ترکیبیں صحیح ہیں اور ہر دو صورتوں میں معنی ایک ہے۔

لٰكِنَّ الْبِرَّ - اس ترکیب میں ایک جگہ مضاف کو محذوف ماننا پڑتا ہے یا اسم میں اور یا خبر میں اگر اسم میں تصرف کریں گے تو ذُو مضاف محذوف مانیں گے۔ اور اگر خبر میں تصرف کریں گے تو بِرّ مضاف ماننا پڑے گا تاکہ مصدر یا ذات ہونے میں اسم اور خبر ایک دوسرے کے مطابق ہو جائیں۔

عَلٰى حُبِّهٖ - ضمیر کا مرجع مال بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں ترجمہ وہی ہوگا جو نیچے موجود ہے اور اگر مرجع ضمیر اللہ کو قرار

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ

اور قائم کرے نماز کو اور دے زکوٰۃ اور وہ لوگ جو اپنے عہد سے وفا کرنے والے ہوں جب عہد کر لیں اور صبر کرنے والے ہوں

فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

سختی اور تکلیف میں اور بوقت لڑائی ایسے لوگ صادق ہیں اور وہی پرہیزگار (متقی) ہیں

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ

اے ایمان والو۔ فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص (بدلہ) مقتولین کے بارے میں

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ

آزاد بدلے آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے پس جس شخص کے لئے معافی ہو جائے اپنے (ایمانی)

فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ

بھائی کی طرف سے کچھ تو معافی دینے والے کے لئے باقی کا) پیچھا کرنا جائز ہے ساتھ نیکی کے اور (معاف شدہ کو باقی کا) ادا کرنا ہے ساتھ احسان کے یہ آسانی ہے

دیا جائے۔ تو معنی ہوگا کہ اللہ کی محبت میں مال خرچ کرتے ہیں۔

ذَوِی الْقُرْبٰی۔ بعض روایات میں ہے کہ اس سے جناب رسولِ خدا کے قریبی مراد ہیں۔ اور آیت مجیدہ میں جس قدر اوصاف کا ذکر ہے سوائے علی بن ابی طالب کے کوئی بھی ان کا جامع نہیں ہے لہٰذا آیت کا مصداق سوائے علیؑ کے کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ شانِ نزول۔ عرب لوگ اپنے دستورِ قدیم کے موافق قسم اٹھا لیا کرتے تھے کہ اگر کوئی ہمارا غلام قتل کرے گا تو ہم اس کے بدلہ میں آزاد کو قتل کریں گے۔ اسی طرح عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کریں گے اور ایک کے بدلہ میں دو کو قتل کریں گے۔ اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی کہ مقتول کا قصاص یہ ہے کہ آزاد کے بدلہ میں آزاد، غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت قتل ہو۔ اس سے تجاوز کرنا قطعاً ناجائز ہے۔

کُتِبَ عَلَیْکُمْ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت بتلاتی ہے کہ قصاص لینا فرض ہے حالانکہ وارث پر قصاص کا لینا فرض نہیں ہوتا بلکہ اُس کو تین چیزوں میں اختیار ہوتا ہے۔ ۱۔ قصاص (۲) یا خون بہا (۳) یا معاف کر دے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ واجب تخییری کو بھی واجب کہا جاتا ہے اس مقام پر بھی چونکہ قصاص واجب تخییری کا ایک فرد ہے پس اگر وارث اسی فرد کو اختیار کریں تو یہ واجب اور فرض ہوگا۔

فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ

پس جو بھی تجاوز کرے اس کے بعد تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے اور تمہارے لئے بدلہ لینے میں زندگی ہے

حَیٰوةٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اے صاحبانِ عقل تاکہ تم بچ جاؤ

فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ - مقتول کا وارث اگر قاتل سے قصاص معاف کر دے اور اس پر خون بہا عائد کرے تو صاحب حق یعنی وارثِ مقتول کو چاہیئے کہ معروف یعنی احسان و بھلائی سے خون بہا کا مطالبہ کرے یعنی اس کو تنگ نہ کرے اور اگر تنگ دست ہو تو اس کو کچھ مہلت دے دے اسی طرح قاتل پر بھی واجب ہے کہ وارث مقتول کا حق خیر و خوبی سے ادا کرے ٹال مٹول کر کے خواہ مخواہ اس کو تنگ نہ کرے۔

مِنْ اَخِیْهِ - اخ سے مراد یہاں مقتول ہے یعنی جس قاتل کو اپنے مقتول بھائی کی جانب سے کچھ معافی مل جائے یعنی وارث مقتول کے قصاص لینے کی بجائے خون بہا پر راضی ہو جائیں پس اس مقام پر مقتول کو قاتل کا بھائی کہا گیا ہے اور اسی قول کو صاحب مجمع البیان نے پسند فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ - قتل کے بارے میں تورات کا حکم تھا - بدلہ لینا یا معاف کرنا اور انجیل کا حکم تھا معاف کرنا یا خون بہا لینا اور قرآن کا حکم ہے بدلہ یا خون بہا یا معافی - پس قرآنی حکم سب سے زیادہ آسان ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰی - یعنی مقتول کا وارث اگر معاف کر دے یا خون بہا پر راضی ہو جائے تو پھر اس کو قصاص لینے کا حق نہیں ہے ورنہ اگر پھر قصاص لینے پر آمادہ ہو تو اس کے لئے عذاب دردناک ہے۔

وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ - احتجاج طبرسی سے امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اے اُمّتِ محمدؐ تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے کیونکہ جو شخص قتل کا ارادہ کرے گا اور جانے گا کہ مجھ سے قصاص لیا جائے گا تو وہ خود قتل سے رک جائے گا پس مقتول بھی قتل سے بچ گیا اور یہ بھی قصاص میں قتل ہونے سے بچ گیا گویا قصاص کے وجوب نے دونوں کو زندگی بخش دی - اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ قصاص ہے تمہارے دنیاوی قتلوں کا - اگر چاہو تو میں تم کو اس سے بڑے قتل کا پتہ دوں اور اللہ کے نزدیک اس کے قاتل کی سزا جو مقرر ہے اس کو بھی بیان کروں جو اس قصاص کی سزا سے بہت زیادہ ہے - لوگوں نے عرض کی حضور! بیان فرمایئے - تو آپ نے فرمایا کہ عظیم ترین قتل وہ قتل ہے جس کے بعد مقتول کبھی زندہ نہیں ہو سکتا - اور نہ اس کا خسارہ پورا ہو سکتا ہے لوگوں نے پوچھا وہ کونسا قتل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ کسی کو جناب محمد مصطفےٰؐ کی نبوت اور علی بن ابی طالبؑ کی ولایت

كُتِبَ عَلَيْكُمْ	اِذَا حَضَرَ	اَحَدَكُمُ	الْمَوْتُ	اِنْ تَرَكَ	خَيْرَا	الْوَصِيَّةُ	لِلْوَالِدَيْنِ	
فرض کیا گیا تم پر	کہ جب کبھی حاضر	تم میں سے کسی پر	موت	اگر چھوڑے	کوئی مال	وصیت کرنا	ماں	باپ

سے برگشتہ کیا جائے اور اللہ کے راستہ سے گمراہ کرکے دشمنانِ علیؑ کے طریقہ پر اس کو گامزن کیا جائے اور ان کو امام مان کر علیؑ کو اپنے منصب سے ہٹایا جائے۔ اور اس کی فضیلت و عظمت کا انکار کیا جائے پس یہ وہ قتل ہے جس سے مقتول کو ہمیشہ جہنم میں بھیجا جاتا ہے پس اس قتل کی جزاء آتشِ دوزخ ہی ہے۔ البرہان۔

فائدہ ۔ اسی معنی کو ادا کرنے کے لئے عربوں میں ایک جملہ مشہور تھا۔

اَلْقَتْلُ اَنْفٰی لِلْقَتْلِ ۔ (ترجمہ) قتل قتل کو مٹاتا ہے۔

لیکن قرآن مجید کا یہ جملہ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ قصاص میں زندگی ہے۔ لفظی و معنوی ہر دو اعتبار سے اس سے بلیغ تر ہے۔ لفظی اعتبار سے اس لئے کہ قرآنی جملہ اس عربی مقولہ سے مختصر ہے کیونکہ اس کے حروف دس اور اُس کے حروف چودہ ہیں اور معنوی لحاظ سے اس لئے کہ قرآنی جملہ میں تکرار نہیں اور عربی مقولہ میں قتل دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

مسئلہ ۔ قصاص لینے کا حق امامِ معصوم یا اس کے نائب خاص کو حاصل ہے جب کہ مقتول کے وارث قصاص کا مطالبہ کریں۔

مسئلہ ۔ اگر آزاد، آزاد کو یا غلام غلام کو یا عورت عورت کو قتل کردے تو قصاص کے وجوب میں کوئی شک نہیں۔ اسی طرح اگر عورت یا غلام کسی آزاد مرد کو قتل کردیں تب بھی قصاص واجب ہے لیکن اگر آزاد، غلام کو قتل کردے تو آزاد سے قصاص نہ لیا جائے گا بلکہ خون بہا لیا جائے گا۔ اور اگر مرد عورت کو قتل کردے تو اس میں دو صورتیں ہیں۔

(۱) عورت کے وارث خون بہا لے لیں۔

(۲) عورت کے وارث قاتل کو قصاص میں قتل کردیں اور اس مرد کی نصف قیمت اس کے وارثوں کو ادا کریں کیونکہ عورت حقوق میں مرد کا نصف ہوا کرتی ہے۔

وصیّت کا بیان

كُتِبَ عَلَيْكُمْ ۔ اگر انسان کوئی مال ترکہ رکھتا ہو تو اس کو چاہیئے کہ مرنے سے پہلے اس کے متعلق وصیت کر جائے۔ موت حاضر ہونے سے مراد موت کی علامتیں ہیں۔

بِالْمَعْرُوْفِ ۔ سے مراد یہ ہے کہ نہ بہت تھوڑی چیز کی وصیت کرے اور نہ بہت زیادہ کی وصیت کرے۔ اس کی حد امام جعفر صادق علیہ السّلام نے یہ فرمائی ہے کہ کم از کم ۱/۵ حصہ اور بنا بر بعض روایات ۱/۹ حصہ) اور زیادہ سے زیادہ ۱/۳ حصہ ہو حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص مرنے کے وقت اپنے غیر وارث قریبیوں کے لئے وصیت نہ کر جائے تو اس کا خاتمہ گناہ پر ہوا

وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَا

اور قریبیوں کے لئے نیکی کی یہ حق ہے اُوپر ڈرنے والوں کے پس جو تبدیل کرے اس (وصیت کو) بعد سننے کے تو گناہ اس کا

اِثْمُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا

صرف ان لوگوں پر ہے جو اس کو تبدیل کریں تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے پس جو ڈرے کسی وصیت کرنے والے کے متعلق ظلم یا

اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸۲﴾

گناہ سے پس صلح کرادے ان میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں تحقیق اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

حدیث نبویؐ میں ہے کہ جو شخص بغیر وصیت کے مرتا ہے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مسلمان انسان پر ضروری ہے کہ جب رات کو سوئے تو اپنی وصیت لکھ کر اپنے سر کے نیچے رکھ لے۔

فَمَنْ بَدَّلَهٗ ۔ وصیت کو تبدیل کرنا یا توڑنا گناہِ کبیرہ ہے۔ احادیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے لئے وصیت کر جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے خواہ جس کے لئے وصیت کی گئی ہے یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو۔

جَنَفًا اَوْ اِثْمًا ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جنف سے مراد ⅓ سے زیادہ۔ اور ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص آتش کدہ یا شراب خانہ تعمیر کرنے کی وصیت کرے تو وصی کے لئے اس کا تبدیل کرنا جائز ہے۔

فائدہ ۔ آیتِ وصیت کے منسوخ ہونے میں تین قول ہیں (۱) بالکل منسوخ ہے (۲) وارثوں کے حق میں منسوخ ہے کیونکہ وراثت بھی اُن کے لئے حق کو ثابت کرتی ہے اور وصیت سے بھی یہی مقصود ہوتا ہے پس ان کا حق ثابت کرنے کے لئے وراثت کا ثبوت کافی ہے۔ لہذا آیتِ میراث جب اُتری تو آیتِ وصیت منسوخ ہوگئی (۳) یہ آیت قطعاً منسوخ نہیں ہے اور محققین علمائے امامیہ کا یہی مسلک ہے کیونکہ نسخ اس وقت ہوتا ہے جب دو حکموں میں منافات ہو جس سے ہر دو پر عمل نہ کیا جا سکتا ہو۔ اور یہاں نسخ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ وصیت اور وراثت کے دو نو حکموں میں کوئی منافات نہیں ہے۔

وصیّت ۔ کسی شخص کا اپنی زندگی میں اپنی موت کے بعد کسی امر کی سفارش کرنا مثلاً کہے میرے مال میں سے اتنی مقدار فلاں کام پر خرچ کی جائے یا فلاں شخص کو دے دی جائے یا فلاں حق واجب اس مال سے ادا کیا جائے یا میری قبر فلاں مقام پر بنائی جائے وغیرہ اور جس شخص کو ان اُمور کی انجام دہی کی سفارش کرے اُسے وصی کہا جاتا ہے۔

مسئلہ ۔ وصیت کرنے والے میں ان شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) بالغ ہو ۔ ۲ ۔ عاقل ہو ۔ ۳ ۔ قصد و ارادہ سے وصیت کرے۔

مسئلہ ۔ وصیت کرنے والا اپنی زندگی میں اپنی وصیت کو توڑ سکتا ہے اور اُسے تبدیل بھی کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۔ اگر کوئی شخص کسی کے لئے کچھ مال کی وصیت کر جائے تو وصیت کرنے والے کی موت کے بعد وہ وصیت شدہ مال اس شخص کی ملکیت ہوگا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے بشرطیکہ اُس نے وصیت کو قبول بھی کیا ہو۔

مسئلہ ۔ وصی وہ شخص ہو سکتا ہے جو عاقل۔ بالغ اور موثق ہو۔ اور اگر وصیت کرنے والا مسلمان ہو تو وصی کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ ۔ اگر ایک شخص کے ذمہ خمس۔ زکوٰۃ یا دیگر حقوقِ مالیہ ہوں تو اس پر واجب ہے کہ کوشش کرکے اپنی زندگی میں ان کو ادا کرکے ان سے سبکدوش ہو جائے اور اگر ایسا نہ کر سکتا ہو تو اُن حقوق کی ادائیگی کے متعلق وصیت کر جائے۔

مسئلہ ۔ اگر نماز و روزہ کی قضا اُس کے ذمہ ہو تو بڑے لڑکے کو ان کے متعلق وصیت کرے اور اگر بڑا لڑکا موجود نہ ہو تو اپنے مال سے بذریعہ اُجرت واجبات کے ادا کرنے کی وصیت کر جائے۔

مسئلہ ۔ اگر کوئی شخص واجبات اور مستحبات کی وصیت کر جائے تو اس کے واجبات اصل ترکہ سے ادا کرائے جائیں گے اور مستحبات ترکہ کے ⅓ حصہ سے ادا کرائے جائیں گے بشرطیکہ ورثاء زائد خرچ پر رضامند نہ ہوں۔ اگر میت کا ترکہ اتنا ہے کہ صرف میت کے واجبات اس سے ادا ہو سکتے ہیں تو واجب ہے کہ اس ترکہ سے میت کے واجبات ادا کئے جائیں مثلاً خمس۔ زکوٰۃ۔ حج اور اُجرتِ قضائے نماز و روزہ وغیرہ۔ اور اگر میت کا ترکہ اس کے تمام واجبات کے ادا کرنے کا کفیل نہیں ہو سکتا تو جس قدر ممکن ہو اُس کے واجبات کی ادائیگی میں خرچ کیا جائے۔

مسئلہ ۔ ایک شخص اُمورِ مستحبہ کے لئے اگر کچھ مال کی وصیت کر جائے مثلاً زیارت نیابت کے لئے یا عزاداری کے لئے یا دیگر اُمورِ خیر (مساجد یا امام باڑہ یا دینی مدرسوں وغیرہ) کے لئے تو پس اگر وصیت شدہ مال اس کے کل ترکہ کا ایک تہائی ⅓ یا اس سے کم مقدار بنتا ہو تو وصیت پر اسی طرح عمل واجب ہے جس طرح مرنے والے نے کہا تھا اور جن جن اُمورِ مستحبہ کی اُس نے سفارش کی تھی اس مال سے اُن کا بجا لانا واجب ہے اور اگر وصیت شدہ مال کل ترکہ کا ایک تہائی (⅓) سے زائد ہو تو ⅓ سے زیادہ مال میں وصیت نافذ نہ ہوگی جب تک کہ ورثاء کی رضامندی نہ ہو۔ پس اگر وارث اجازت دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ کل ترکہ کے ⅓ کو میت کے بتائے ہوئے اُمور میں خرچ کیا جائے گا اور اس سے زائد مال میں وصیت باطل ہوگی۔

مسئلہ ۔ میت کے ذمہ جس قدر قرضہ ہو وہ میت کے اصل مال سے ادا کیا جاتا ہے قرضہ کی ادائیگی سے جو مال بچے گا وارثوں کو ملے گا۔ اسی طرح میت کے ذمہ جس قدر حقوق مالیہ خمس و زکوٰۃ وغیرہ واجب ہیں یہ بھی سب میت پر قرضہ ہیں ان کو بھی اصل ترکہ سے ادا کرنا واجب ہے پس ان کی ادائیگی کے بعد جو کچھ مال بچے گا وارث صرف اسی کے حقدار ہوں گے۔

مسئلہ۔ میت کے حقوق واجبۂ مالیہ ادا کئے بغیر مالِ میت میں وارثوں کا تصرف کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ۔ اگر ایک شخص کسی کو وصی بنائے تو اس کی زندگی میں وصی کو انکار کا حق حاصل ہے لیکن اس کے مرجانے کے بعد وصی پر لازم ہے کہ وصیّت پر عمل کرے اب وہ وصیت کو توڑنے کا حق نہیں رکھتا۔

مسئلہ۔ بعض روایات میں ہے کہ وصیت کم از کم ⅓ یا ¼ حصہ مال کی ہونی چاہیے۔ استحباب پر مبنی ہیں ورنہ اس سے کم مقدار کی بھی وصیت ہو سکتی ہے۔

صدقہ جاریہ اور دعوتِ عمل

بعض احادیث میں وارد ہے کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر مرنے والا اپنے پیچھے نیک اولاد یا صدقہ جاریہ چھوڑ کر مرے تو اس کی نیک اولاد جب تک نیک اعمال کرتی رہے گی مرنے والے کو فیض پہنچتا رہے گا اور اس کا صدقہ جاریہ بھی جب تک باقی رہے گا، مرنے والے کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

صدقہ جاریہ سے مُراد یہ ہے کہ انسان اپنے مالِ حلال سے ایک ایسا تعمیری کام کر جائے جو تادیر باقی رہ کر خلقِ خدا کو نفع پہنچاتا رہے مثلاً کسی سڑک کے کنارے پر کنواں کھدوائے تاکہ پیاسے مسافر اس مقام پر پہنچ کر سیراب ہوں تو جب تک خلقِ خدا اس سے نفع مند ہوتی رہے گی اس کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسی طرح تعمیر مسجد کہ جب تک مسجد میں نمازی نماز پڑھتے رہیں گے اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوتی رہیں گی۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص ایک مسجد خواہ کتنی ہی چھوٹی ہو تعمیر کرے اُس پر جنّت واجب ہے۔ اِسی طرح مسجد میں قرآن رکھنا یا مومنین کو قرآن پڑھنے کے لئے دینا یا شفاخانہ تعمیر کرنا یا مدرسہ دینیہ بنوانا یا ان چیزوں کی بقا و زیست کے لئے اپنی آمدنی یا اس کے کچھ حصّہ کی وصیت کر جانا تاکہ جب تک ان کارہائے خیر کا سلسلہ جاری رہیگا اس کے نامہ اعمال میں ثواب کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

اور انسان کو چاہیئے کہ صدقہ جاریہ کے لئے اگر کچھ مال کی وصیت کرنا چاہتا ہو تو جملہ اُمورِ خیر میں سے اَہم فالاہم کا انتخاب کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب کا مستحق ہو۔ مثلاً از روئے حدیث عام مومن کے صدقہ سے فقیر مومن کے لئے صدقہ زیادہ اہم اور موجب ثواب ہے جو کمانے سے معذور ہو اور معذور مومن فقیر کے صدقہ سے رشتہ دار مومن فقیر کے لئے صدقہ زیادہ اہم اور موجب زیادتی ثواب ہے اور رشتہ دار مومن فقیر کے صدقہ سے طالب علم مومن کے لئے صدقہ زیادہ اہم اور ضروری ہے چنانچہ عام مومن کے صدقہ کا ثواب ایک کے بدلے دس گنا ہوتا ہے اور معذور مومن کے صدقہ کا ثواب ایک کے بدلہ میں ستر گنا ہوتا ہے۔ اور رشتہ دار مومن فقیر پر صدقہ کرنے کا ثواب ایک کے بدلہ سات سو گنا ہے۔ اور والدین کے لئے صدقہ کرنے کا ثواب ایک کے بدلہ میں ستر ہزار گنا ہے اور طالب علم مومن پر صدقہ کرنے کا ثواب ایک کے بدلہ میں ایک لاکھ گنا ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کی روایت عنوان الکلام میں حضرت امیر المومنینؑ سے

مروی ہے۔ ایک حدیث میں مروی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عالم یا طالب علم کی اعانت کرے خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ اگرچہ وہ قلم شکستہ سے ہی ہو تو اس کا ثواب اتنا ہے کہ گویا اُس نے ستر مرتبہ بیت اللہ کی تعمیر کی ہے۔

اقول۔ کعبہ اپنے مقام پر ایک بابرکت مقام ہے جو شخص وہاں جا کر اپنے گناہوں سے تائب ہو اور اللہ کے سامنے جھک جائے تو خداوند کریم اس مبارک مکان کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرماتا ہے اور اُس کو داخلِ جنت کرتا ہے۔ لیکن اہلِ علم کی امداد علماء اور طالبانِ علم کو طلبِ معاش سے بے نیاز کر کے اُن کو خدمتِ علوم کا زیادہ سے زیادہ موقعہ دیتی ہے۔ اور معاشی افکار سے فارغ ہو کر وہ علم کی طرف زیادہ توجہ صرف کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک اپنی نجات کے علاوہ ہزاروں افراد کے لئے آتشِ جہنّم سے آزادی کا موجب بنتا ہے۔ کیونکہ اگر علماء کا وجود نہ ہو تو کعبہ کی پہچان نہ ہوگی۔ اور نجات کے لئے صرف کعبہ کا وجود کافی نہیں بلکہ معرفت بھی ضروری ہے۔ اور یہ چیز بجز علمائے کرام کے دستیاب نہیں ہوسکتی۔ اسی بنا پر حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے ظاہری وجود کی تعمیر سے علومِ شرعیہ کی تعمیر میں کم از کم خرچ بھی ستر گنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔

پس معلوم ہوا کہ دینی تعمیری کاموں میں سب سے زیادہ اہم مدارسِ دینیہ کا قیام و بقا ہے صرف تقاریر اور ہاؤ ہو پر پیسہ اُڑانا اتنا مفید نہیں ہے جتنا کہ مدارسِ دینیہ کا اہتمام مفید و کارآمد ہے بلکہ ہر قوم کی قومی و مذہبی زندگی کی بقا کا زیادہ تر انحصار ان ادارہ ہائے دینیہ کے استحکام پر ہے جن میں قومی و مذہبی احساس و شعور کی خفتگی و غفلت کے دُور کرنے کے انتظامات موجود ہوں اور وہ صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ قوم میں دینی مدارس کی بہتات و کثرت ہو۔ اور ہونہار بچوں کو وہاں زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے سہولتیں میسر ہوں تاکہ وہ بچے وہاں سے فارغ ہو کر اپنے اپنے قبیلہ میں عوام کے سامنے علمی و عملی طور پر اچھا کردار پیش کر سکیں اور یہ ظاہر ہے کہ قومیں علمی طاقت سے دنیا پر چھا سکتی ہیں اور علمی انحطاط ہی اقوام کی تذلیل کا موجب ہوتا ہے۔

قومِ شیعہ عالمِ ہستی میں وہ ممتاز ترین قوم ہے جن کے نشانِ راہ پر اقوامِ دنیا نے گامزن ہو کر مقصود تک رسائی کے منازل طے کئے۔ یہ وہ قوم ہے جن کے آفتابِ علم کی روشنی میں ہر دَور کے صاحبانِ ذوق نے علومِ مختلفہ میں سیر کی راہ پائی اور یہی وہ قوم ہے جس کی ایثار شعاری اور حق کوشی اقوامِ عالم میں زبان زدِ عوام و خواص رہی۔ اسی قوم کی بے لوث قربانیوں نے طاغوتی و استبدادی نظریات کو صفحۂ دنیا سے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا اسی قوم نے صداقت و ثباتِ قدم کے بل بوتے پر ظلم و جور کی آہنی چٹانوں سے ٹکرا کر ان کو خاکستر کا ڈھیر بنا دیا۔ اسی قوم کے صبر و استقلال اور بلند حوصلگی نے ہمیشہ سے قصرِ باطل کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں اسی قوم کی پُرسکون و باوقار عملی و علمی زندگی نے انسانیت کی پیشانی سے غلط کردار کے ظلمانی و بدنما داغ دھو ڈالے۔

لیکن نہایت مقامِ افسوس ہے کہ آج قومِ شیعہ علوم و معارف کے میدان میں باقی اقوام سے پیچھے ہٹتی جارہی ہے اور جادۂ حق سے دن بدن ان کے قدم سرکتے جارہے ہیں جس کے نتیجہ میں غیر قومیں ان کے علم و عمل کا جائزہ لے کر ماضی اور حال کی تاریخ و حالات سامنے

رکھ کر ہرگز یہ کہنے کی جرأت نہیں کرتیں کہ یہ وہی قوم ہے جو کسی زمانہ میں شیعہ کے مقدس نام سے موسوم تھی۔

بدقسمتی سے اس قوم میں بعض ایسے جہلا بھی پیدا ہو گئے ہیں جو ترویجِ علومِ آلِ محمدؐ کے خلاف لسانی وقلمی وعملی محاذ قائم کئے ہوئے ہیں اور اسی قسم کے سرپھرے لوگوں کو بعض نااہل بڑے وقیع ووزنی خطابات سے موسوم کرکے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جس سے ان کی فرعونیت جوش میں آکر خدا والوں کے کچلنے کی بے سود تدبیریں سوچتی ہے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ حق کی آواز باطل کی سینہ زوریوں غلط بیانیوں اور حیلہ سازیوں سے کبھی دب نہیں سکتی خدا جب چاہتا ہے اس قسم کے اعداء دین پر اُخروی عذاب سے پہلے دنیاوی عذاب بھیج دیتا ہے اگر وہ توبہ کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ مراکز علمیہ اور اہلِ علم کے خلاف ہنگامہ آرائی صدائے صحرائی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی اللہ حق کا خود پاسبان ہے۔

اور اس قسم کا مفسدانہ رویہ ہمیشہ سے رہا ہے۔ شیطنت حق سے ہمیشہ برسرپیکار رہی ہے لیکن ہمیشہ حق کا بول بالا رہا اور باطل کا منہ کالا ایمان والوں کو کسی صورت میں بھی ہمت نہیں ہارنی چاہیئے بلکہ میدانِ عمل میں سینہ تن کر مردانہ وار ڈٹ جانا جوانمردی کا شیوہ ہے۔ اگر یہ قوم میدانِ سیاست میں گامزن ہو کر قائداعظم پیدا کر سکتی ہے تو میدان علم وعمل میں بڑھ کر علامہ حلی محقق شیخ طوسی، شیخ مفید وغیرہ جیسی ہستیاں کیوں نہیں پیدا کر سکتی؟ بیشک ہمارے ملک پاکستان کی مٹی بڑی مردم خیز ہے اس کی کوکھ سے بڑے بڑے فلاسفر ومفکر لوگوں نے جنم لیا ہے۔

پس اگر عراق وایران کی زمین علمائے ومجتہد پیدا کر سکتی ہے تو پاکستان کی زمین کے لئے کونسی چیز مانع ہے؟

صاحبان دولت وثروت اربابِ سیم وزر تھوڑی سی توجہ کرکے اسی خواب پریشان کو شرمندہ تعبیر کرکے اسے ناقابلِ انکار حقیقت بنا سکتے ہیں۔ اپنی گرہ سے پیسہ دو پیسہ خرچ کرنے کے عادی صرف اپنی کثرت کے بل بوتے پر ملک بھر کے گوشہ گوشہ میں علمی مراکز قائم کر سکتے ہیں تو اپنی جیب سے ہزاروں روپیہ حسینی مشن پر قربان کرنے والے اپنی صداقت کی بنا پر علومِ آلِ محمدؐ کی ترویج کا ملک بھر کے ہر زاویہ میں انتظام کیوں نہیں کر سکتے؟ بے شک وہ ایسا کر سکتے ہیں اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

اس وقت میں آیت زیر بحث (آیت وصیت) کی طرف اپنی آخرت وقیامت کے سنوارنے والوں کو متوجہ کرتا ہوں۔ یہی مال ودولت یہی سیم وزر اگر انسان چھوڑ کر جائے تو مرنے والے کے وارث خواہ وہ پیسہ نیکی پر خرچ کریں یا برائی پر ہر دو صورت میں مرنے والے کے لئے بروز محشر باعث حسرت ہوگی کیونکہ اگر نیکی پر خرچ کریں گے تو قیامت کے دن ان کی جزا کو دیکھ کر افسوس کرے گا کہ کاش میں نے اگر اپنے ہاتھ سے راہِ خدا میں خرچ کئے ہوتے تو اس جزا سے محروم کیوں ہوتا؟ اور اگر وہ برائی پر خرچ کریں گے تو اس کے لئے بھی وبال میں زیادتی ہوگی کہ اس کا موجب یہی پیسہ ہوا ہے جو اس نے چھوڑا تھا پس کفِ افسوس ملے گا لیکن اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے اسی مضمون کی روایت منقول ہے۔

لہذا ہر مومن اگر اپنے اپنے مقام پر اپنے مالِ حلال میں سے کچھ حصہ بطورِ وصیت علومِ دینیہ کی ترویج وخدمات کے لئے معین کر جائے تو یہ صدقہ جاریہ جس طرح مرنے والے کے لئے قبر وحشر میں فائدہ مند ہوگا اسی طرح اس کے فیض سے دنیا علومِ محمدؐ وآلِ محمدؐ

سے روشناس ہوکر علم وعمل سے معمور ہوگی۔ اور جب تک اس کے آثار باقی رہیں گے وصیت کرنے والے کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے گا اور دنیا میں بھی اس کا نام زندۂ جاوید رہے گا اور اس کے صدقہ سے فیض یاب ہونے والے ہمیشہ اپنی انتہائی عقیدت مندی سے اس کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنی دعاؤں سے سرفراز فرماتے رہیں گے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم مومنوں کو آخرت کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے اس صورت میں کوئی ضلع ایسا خالی نہ رہ سکے گا جس میں مرکز علمی کی کوئی نہ کوئی شاخ نہ پہنچ سکے۔ جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان بھی ان مدارس دینیہ اور مراکز علمیہ میں سے ہے جو قوم کو بیانگ دہل حیّ علیٰ خیر العمل کی دعوت دیتے ہیں اور مومنین کی توجہ سے ہمہ گیر صلاحیتوں کا حامل ہو سکتا ہے۔

ربط آیات - قرآن مجید میں پہلے پہل معرفت کی دعوت عامہ دے کر عبادت کی طرف بلایا گیا اور اس کے بعد مخالفین کی طرف سے وارد شدہ اعتراضات کا رد کیا گیا اور اب اصولی ابحاث کے بعد فروعی احکام کے بیان کا سلسلہ شروع ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ توحید، قیامت، کتاب، انبیاء اور ملائکہ پر ایمان لانے کے بعد اپنا محبوب مال خدا کی محبت میں قریبیوں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں اور غلاموں پر خرچ کرنا، نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، وفائے عہد کرنا، جہاد میں ثابت قدم رہنا اپنا شعار بناؤ۔ اور ان عبادات کی طرف متوجہ کرنے کے بعد مسئلہ قصاص کا ذکر فرمایا تاکہ انسان ذاتی نیکیوں سے آراستہ ہوکر ظلم واستبداد و بے راہ روی کی ناپاک اور انسانیت سوز حرکات سے گریز کرے کیونکہ انسانی کمالات دو قسم کے ہیں (۱) اپنے میں نیک اوصاف کا پیدا کرنا اور اس کو تحلیہ کہا جاتا ہے (۲) اپنے سے بدعادات کو دور کرنا اور اس کو تخلیہ کہا جاتا ہے۔ اور نفس انسانی کی تکمیل تحلیہ وتخلیہ ہر دو کے بغیر ناممکن ہے یعنی کامل انسان وہ ہے جو صفات حسنہ سے آراستہ ہو اور صفات بد سے خالی ہو۔ مسئلہ قصاص کے بعد وصیت کے مسئلہ کا ذکر فرمایا تاکہ انسان میں صلہ رحمی کا جذبہ کارفرما رہے اور دوسرے برادران ایمان کی امداد کو ذخیرۂ آخرت سمجھے اور اس کے بعد فوراً روزہ کا بیان شروع فرما دیا تاکہ اپنی بھوک پیاس کے احساس سے انسان قرابت دار غرباء، مساکین اور فقراء مومنین کے ساتھ ہمدردی کرنے کی طرف شوق وذوق کے ساتھ قدم بڑھا سکے کیونکہ بھوکے کو بھوکوں کی بھوک کا جو احساس ہو سکتا ہے وہ پیٹ بھر کر کھانے والے کو نہیں ہو سکتا۔ اور پیاسے کو پیاسوں کی پیاس کا جو درد ہوتا ہے وہ سیر ہونے والے کو نہیں ہو سکتا۔

فضائل ماہ مبارک رمضان

چونکہ اس رکوع میں روزہ کا بیان ہے لہذا مناسب ہے کہ پہلے ماہ مبارک رمضان کے کچھ فضائل بیان کئے جائیں چنانچہ مفاتیح الجنان میں شیخ صدوق سے بسند معتبر مروی ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے بسلسلہ آبائے طاہرین علیہم السلام حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نقل فرمایا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ایک روز خطبہ میں ارشاد فرمایا ایھا الناس! تمہارے پاس اللہ کا مہینہ برکت ورحمت اور بخشش لے کر آیا ہے یہ مہینہ خدا کے نزدیک تمام مہینوں سے بہتر ہے اس کے دن تمام دنوں سے اور اس کی راتیں تمام راتوں سے اور اس کی گھڑیاں تمام گھڑیوں سے افضل ہیں

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۱۸۳

اے ایمان والو تم پر فرض کئے گئے روزے جس طرح فرض کئے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم بچ جاؤ

اس ماہ میں تم خدا کی مہمانی کی طرف مدعو کئے گئے ہو اور تم خدا کی کرامت کے اہل ہوئے ہو۔ اس ماہ میں تمہارے سانس تسبیح خدا اور تمہاری نیند عبادتِ خدا کا ثواب رکھتی ہے۔ اس ماہ میں تمہارے عمل مقبول اور تمہاری دعائیں مستجاب ہیں پس پروردگار سے اپنی نیتوں کی درستی اور گناہوں اور بد عادتوں سے دلوں کی پاکیزگی کا سوال کرو تاکہ خدا تم کو روزہ رکھنے اور قرآن پڑھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ یقیناً شقی اور بدبخت انسان وہ ہے جو اس باعظمت مہینہ میں خدا کی بخشش سے محروم رہ جائے اس ماہ کی بھوک وپیاس سے روزِ قیامت کی بھوک وپیاس کا تصور کرو۔ اپنے فقیروں اور مسکینوں پر صدقہ کرو۔ بڑوں کی عزت کرو۔ اور بچوں پر رحم کرو۔ قریبیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اپنی زبانوں کو نامناسب کلمات سے محفوظ رکھو۔ اپنی آنکھوں کو ناجائز نگاہوں سے بچاؤ۔ اپنے کانوں کو ایسے آواز کے سننے سے پاک رکھو جس کا سننا حرام ہے۔ یتیموں پر مہربانی کرو تاکہ خدا تمہارے یتیموں پر مہربانی فرمائے۔ اور گناہوں سے کنارہ کشی کر کے اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اوقات نماز میں اپنے ہاتھوں کو اللہ کی بارگاہ میں دعا کے لئے بلند کرو کیونکہ نماز کا وقت مقبولیتِ دعا کے لئے بہترین وقت ہے۔ اس وقت خدا اپنے بندوں پر نظرِ رحمت فرماتا ہے۔ اور پکارنے والوں کی آواز پر لبیک فرماتا ہے۔ اور ان کی دعاؤں کو مستجاب کرتا ہے۔

لوگو! تمہاری جانیں رہن شدہ ہیں طلبِ بخشش سے ان کو فک کراؤ۔ تمہاری گردنیں گناہوں کی وجہ سے زیربار ہیں طول سجدہ سے ان کا بوجھ ہلکا کرو۔ حق تعالیٰ نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ اس ماہ میں نماز پڑھنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کو عذاب نہ کرے گا اور قیامت کے دن ان کو آتشِ جہنم سے خوفزدہ نہ فرمائے گا۔

اَیُّهَا النَّاس جو شخص اس ماہ میں روزہ دار مومن کو افطار کرائے گا خدا اس کو ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب مرحمت کریگا اور اُس کے گناہانِ گذشتہ معاف کر دے گا۔ کسی نے عرض کی کہ حضور ! ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ افطار کرا سکیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ روزہ داروں کا روزہ افطار کرا کے آتشِ جہنم سے بچنے کی کوشش کرو اگرچہ نصف دانہ کھجور سے ہی ہو۔ یا اگرچہ ایک گھونٹ پانی سے ہی ہو۔ خداوند کریم ایسا کرنے والے کو بھی وہی ثواب عطا فرمائے گا اگر یہ شخص اس سے زیادہ پر قدرت نہ رکھتا ہو۔

اَیُّهَا النَّاس ! جو شخص اس مہینہ میں اپنے اخلاق کو پاکیزہ رکھے وہ پل صراط سے بآسانی گذرے گا جب کہ قدم ڈگمگائیں گے اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلاموں اور کنیزوں سے ہلکا کام لے گا خدا اس سے قیامت کا حساب ہلکا کر دے گا۔ جو شخص اس ماہ میں اپنی سختی لوگوں سے کم کرے گا تو خدا اس سے قیامت کا غضب اٹھائے گا جو اس ماہ میں یتیم کی عزت کرے گا تو خدا بروز قیامت اس کی عزت کریگا جو اس ماہ میں صلہ رحمی اور قریبیوں پر احسان کرے گا تو خدا قیامت کے دن اس کو اپنی رحمت سے فیض یاب کرے گا اور جو اس ماہ

میں قریبیوں سے قطع تعلق کرے گا تو خدا قیامت کے دن اس کو اپنی رحمت سے دُور کرے گا اور جو شخص اس ماہ میں سنتی نماز پڑھے گا تو خدا اس کے لئے آتش جہنم سے بیزاری فرض کر دے گا۔ اور جو شخص نماز واجب پڑھے گا تو دوسرے مہینوں کی نمازوں سے اس کو ستر گنا زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔ اور جو شخص اس ماہ میں صلوات زیادہ پڑھے گا تو قیامت کے روز اس کا نامہ اعمال وزنی ہوگا اور اس ماہ میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھنے والے کو دوسرے مہینوں کے ختم قرآن کے برابر ثواب ملے گا۔

اَیُّهَا النَّاس! اس ماہ میں بہشت کے دروازے کھلے ہیں پس خدا سے سوال کرو تاکہ تمہارے سلئے بند نہ ہو جائیں اور جہنم کے دروازے اس ماہ میں بند ہیں پس خدا سے سوال کرو تاکہ تمہارے لئے کھل نہ جائیں اور شیاطین اس ماہ میں مقید ہیں پس خدا سے دعا مانگو تاکہ وہ تمہارے اُوپر مسلط نہ ہو جائیں۔ الخ۔

صاحب مفاتیح فرماتے ہیں ماہ رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور بہترین مہینہ ہے اس ماہ میں آسمانوں کے اور بہشت ورحمت کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ اس ماہ میں ایک رات وہ ہے کہ اس میں عبادت دوسرے ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے پس فکر کرو اس ماہ میں دن رات کیسے گزارتے ہو۔ اور اپنے اعضاء کو پروردگار کی نافرمانیوں سے کس طرح محفوظ رکھتے ہو؟ ایسا نہ ہو کہ رات کو سونے میں اور دن کو غفلت میں گزار دو۔

حدیث میں ہے کہ اس ماہ دن کے آخر میں بوقتِ افطار حق تعالےٰ لاکھوں انسانوں کو آتشِ جہنم سے آزاد فرماتا ہے اور شب جمعہ و روز جمعہ ہر گھنٹہ میں لاکھوں آدمیوں کو آتش جہنم سے آزاد کرتا ہے جن پر جہنم واجب کرتا ہے اور ماہ رمضان کی آخری رات اور دن میں اتنے انسانوں کو دوزخ سے نجات دیتا ہے جتنے پورے ماہ میں نجات پاتے ہیں۔ پس اے عزیز ایسا نہ ہو کہ ماہ مبارک رمضان گزر جائے اور تیرے گناہ باقی رہ جائیں اور جب روزہ دار اپنی مزدوری وصول کریں تو تُو محروم رہ جائے۔ پس اللہ کا قرب حاصل کرو۔ اس ماہ میں شب و روز تلاوتِ قرآن کے ساتھ نماز کے ساتھ عبادت کے ساتھ اور استغفار کے ساتھ۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس شخص کی مغفرت ماہ رمضان میں نہیں ہو سکتی تو دوسرے ماہ رمضان تک اس کی مغفرت نہیں ہو سکتی مگر یہ کہ عرفات پر جانے کے لئے موفق ہو جائے۔ پس اپنے آپ کو فعل حرام سے بچاؤ اور حرام چیز سے افطار نہ کرو۔

آپ نے فرمایا جب تمہیں روزہ ہو تو چاہیے کہ تمہارے کان۔ آنکھ۔ بال۔ کھال اور جملہ اعضاء روزہ دار ہوں یعنی محرمات و مکروہات کے قریب نہ جاؤ۔

آپ نے فرمایا کہ تمہارا روزہ کا دن دوسرے عام دنوں کی طرح نہ ہونا چاہیے۔

اور فرمایا کہ روزہ صرف کھانے اور پینے سے رُکنے کا نام نہیں بلکہ زبان کو جھوٹ سے اور آنکھ کو حرام سے بچاؤ۔ ایک دوسرے

سے نزاع وحسد نہ کرو۔ گلہ وجھگڑا نہ کرو۔ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ بلکہ سچی قسم بھی نہ کھاؤ۔ گالی وفحش نہ دو۔ ظلم وبے مروتی اور دل تنگی نہ کرو اور یادِ خدا سے غفلت نہ کرو ناگفتنی باتوں سے چپ رہو۔ راست گو ہو جاؤ۔ اہلِ شر سے دوری رکھو۔ بدگوئی۔ دروغ۔ افتراء جھگڑا۔ بدگمانی غیبت اور سخن چینی سے پرہیز کرو۔ اپنے آپ کو آخرت کے قریب سمجھو۔ اور حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے ظہور کی انتظار میں رہو آخرت کے ثواب کی اُمید رکھو اور سفرِ آخرت کے لئے اعمالِ صالحہ کا زاد تیار کرو۔ اور لازم ہے کہ آرامِ دل۔ آرامِ تن۔ خضوع و خشوع اور عاجزی وانکساری سے اس طرح رہو جس طرح غلام اپنے آقا کے سامنے رہتا ہے۔ عذابِ خدا سے ڈرو اور رحمتِ خدا کے اُمیدوار رہو۔

اے روزہ دار! تیرا دل عیبوں سے تیرا باطن مکر وحیلہ سے اور تیرا بدن میل کچیل سے پاک ہونا چاہیے۔ خدا کی طرف غیر سے بیزاری حاصل کرو۔ اور حالت روزہ میں خالص اللہ کی محبت دل میں رکھو۔ ظاہر و پوشیدگی میں خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچ کر رہو۔ اور اعلانیہ وخفیہ ان چیزوں سے ڈرو جن سے ڈرنے کا حق ہے۔ ایام روزہ میں اپنا روح وبدن اللہ کے حوالہ کرو اور اپنے دل کو اس کی محبت و یاد کے لئے فارغ کردو۔ اور اپنے جسم کو اس کی فرمانبرداری کے لئے چھوڑ دو۔ پس جو کچھ میں نے بیان کیا اگر ان تمام پر تو عمل کرے گا تو روزہ کے لئے جو کچھ سزاوار تھا تُو نے پورا کر دیا اور اطاعتِ خدا بجالایا اور اس سے جس قدر کم کرے گا تو روزہ کے ثواب سے بھی اسی قدر کم ہو جائے گا۔ تحقیق میرے والد بزرگوار نے فرمایا کہ جناب رسالت مآبؐ نے سنا کہ حالتِ روزہ میں ایک عورت اپنی کنیز کو گالی دے رہی تھی پس آپؐ نے کھانا طلب فرمایا اور اُس عورت کو کھانے کی دعوت دی۔ اُس عورت نے عرض کی! یا رسول اللہ میں روزہ دار ہوں تو آپ نے فرمایا تجھے کس طرح روزہ ہے حالانکہ تو اپنی کنیز کو دشنام دے رہی تھی؟ روزہ صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے تحقیق خدا نے روزہ کو تمام اُمورِ قبیحہ کا حجاب بنایا ہے خواہ بدکرداری یا بدگفتاری ہو۔ پھر فرمایا روزہ دار کس قدر کم ہیں اور بھوک جھیلنے والے کس قدر زیادہ ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا بہت روزہ دار ایسے ہوا کرتے ہیں جن کا روزہ میں سے حصہ سوائے بھوک اور پیاس کے اور کچھ نہیں ہوتا اور بہت عبادت گزار ایسے ہوتے ہیں کہ عبادت میں سے ان کا حصہ سوائے جسمانی کوفت کے اور کچھ نہیں ہوتا عاقل (اہل علم ومعرفت) کی نیند احمق کی بیداری وعبادت سے بہتر ہے اور ان کا افطار بے عقلوں کے روزوں سے افضل ہوتا ہے۔ جابر بن یزید نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے جابر بن عبد اللہ انصاری کو فرمایا اے جابر! جو شخص ماہ رمضان میں دن کو روزہ رکھے اور رات کے ایک حصہ میں عبادتِ خدا کرے اور اپنے شکم وفرج کو محفوظ رکھے حرام سے اور زبان کو بند رکھے تو جب وہ ماہِ رمضان سے باہر آتا ہے گویا اپنے گناہوں کی دلدل سے باہر نکل جاتا ہے جابر نے عرض کی آپ نے کیا خوب حدیث بیان فرمائی۔ آپ نے فرمایا جابر شرط بھی کس قدر سخت ہے۔؟

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ہشام بن حکم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روزہ کے وجوب کی علت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ روزہ فرض کیا گیا ہے تاکہ امیر و غریب میں ایک گونہ مساوات قائم ہو جائے کیونکہ جب تک امیر بھوک کا ذائقہ نہ چکھیں غریب کا احساس ان کو نہیں ہوتا کہ ان پر رحم کریں پس خدا نے چاہا ہے کہ امیر کو بھی بھوک کا ذائقہ چکھائے تاکہ غریب کے لئے اس کا دل نرم ہو۔ اور بھوکے پر رحم کرے۔

روزہ ہائے ماہ رمضان کا ثواب تفصیل وار جناب رسالت مآب سے اس طرح منقول ہے جس کا ملخص پیش کرتا ہوں۔

(از عمدۃ البیان)

یکم ماہ رمضان کو خداوند کریم میری اُمت کے گناہ بخشتا ہے۔ اور اُن کے ہزار ہزار درجات بلند فرماتا ہے۔

دوسرے روزہ کے دن ہر ایک قدم کے بدلہ میں ایک برس کی عبادت و روزہ کا ثواب عطا فرماتا ہے۔

تیسرے روزہ کے عوض میں بدن کے بالوں کے برابر فردوس میں مروارید سفید کے قبے جن کے اُوپر و نیچے ہزاروں نور کے گھر اور نورانی تخت ہوتے ہیں عطا فرماتا ہے کہ ہر روز ہزار فرشتے ہدیے لے کر وہاں اس کے پاس حاضر ہوں گے۔

چوتھے روزہ کے بدلہ میں جنت الخلد کے ستر ہزار محل عطا فرمائے گا کہ ہر محل میں ستر ہزار گھر اور ہر گھر میں پچاس ہزار تخت اور ہر تخت پر ایک حور جس کی ایک ہزار کنیزیں ہوں گی کہ ہر کنیز دنیا و ما فیہا سے بہتر ہو گی۔

پانچویں روزہ کے بدلہ میں جنت الماوی میں خدا ہزار ہزار شہر عطا فرمائے گا کہ ہر شہر میں ستر ہزار گھر اور ہر گھر میں ستر ہزار دسترخوان اور ہر دسترخوان پر ستر ہزار خوانچے اور ہر خوانچہ میں ستر ہزار قسم کے کھانے ہوں گے جو ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہوں گے۔

چھٹے روزہ کے عوض خدا جنت دار السلام میں ایک لاکھ شہر عطا کرے گا کہ ہر شہر کا لاکھ محلہ اور ہر محلہ میں لاکھ گھر اور ہر گھر میں لاکھ طلائی تخت کہ ہر ایک کا طول ہزار ذراع ہو گا اور ہر تخت پر حور ہو گی جس کے گیسوؤں میں موتی و یاقوت جڑے ہوں گے۔

ساتویں روزہ کے عوض خدا جنت النعیم میں ساٹھ ہزار عابدوں اور زاہدوں کا ثواب دے گا۔

آٹھویں روزہ کے عوض جنت النعیم میں خدا چالیس ہزار شہیدوں اور صدیقوں کا ثواب عنایت کرے گا۔

نویں روزہ کے بدلہ خدا ہزار عالموں اور ہزار مجاہدوں کا ثواب دے گا۔

دسویں روزہ کے عوض اس کی ستر ہزار حاجات خدا بر لائے گا اور عالم کی ہر خشکی و تری کی مخلوق اس کے لئے طلب مغفرت کرے گی۔

گیارہویں روزہ کا ثواب پیغمبر کے ہمراہ چار حجوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ہمراہ بجا لائے ہوئے چار عمروں کے برابر ہے۔

بارہویں روزہ کے عوض خدا اس کے گناہوں کو بخشتا ہے اور نیکیوں کو ہزار گنا کرتا ہے۔

تیرہویں روزہ کا ثواب حرمین شریفین کے تمام عبادت گذاروں کے ثواب کے برابر خدا اس کو عطا فرماتا ہے۔

چودہویں روزہ کو حضرت آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ سلیمانؑ اور داؤدؑ کی زیارت کا ثواب عطا کرتا ہے۔

پندھرویں روزہ کے عوض خدا اس کی دنیاوی و اخروی حاجات برلاتا ہے۔ حاملانِ عرش اس کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں۔ اور بروز محشر خدا اس کو چالیس نور عطا فرمائے گا جو ہر چہار طرف سے اس کا احاطہ کئے ہوں گے۔

سولہویں روزہ کا عوض اس کو بہشت کے ساٹھ حلّے عطا ہوں گے اور گرمئ محشر سے بچنے کے لئے اس کے سر پر بادل کا سایہ ہوگا

سترہویں روزہ کے عوض خدا روزہ دار اور اُس کے باپ دادا کے گناہ بخشتا ہے۔ اور اُن سے قیامت کی سختی دُور فرماتا ہے

اٹھارویں روزہ کے عوض اُس کو خداوندکریم شہدائے بدر کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اور تمام ملائکہ آیندہ سال تک اُس کے لئے استغفار کریں گے۔

انیسویں روزہ کے بدلہ میں تمام فرشتے قبر میں جنّتی تحفہ اور شراب طہور لے کر اُس کی زیارت کو آئیں گے۔

بیسویں روزہ کے عوض ستّر برس کے روزوں کا ثواب عطا ہوگا۔ ستر ہزار ملائکہ شیاطین سے اُس کی حفاظت کریں گے اور چاروں کتابوں کے قاریوں اور پرہائے جبرئیل کی تعداد کے برابر اُس کو ثوابِ عبادت ملے گا اور آیاتِ قرآنیہ کی تعداد کے برابر اُس کو حوریں عطا ہوں گی۔

اکیسویں روزہ کے عوض خدا اُس کی قبر ہزار فرسخ وسیع کرے گا اور ظلمت و وحشتِ قبر سے محفوظ ہوگا اور اُس کا چہرہ مثل چہرۂ یوسفؑ کے ہوگا۔

بائیسویں روزہ کے عوض ملک الموت انبیاء کی طرح اُس کی قبض روح کے لئے آئے گا اور خدا دنیا و آخرت کے غم اور منکر و نکیر کے ہول سے اس کو بچائے گا۔

تئیسویں روزہ کے عوض نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور نیکوں کے ہمراہ پل صراط سے پار ہوگا اور تمام اُمت کی یتیم پروری اور برہنہ پوشی کا ثواب اُس کو ملے گا۔

چوبیسویں روزہ کے عوض مرنے سے پہلے اپنا مکان جنّت میں دیکھے گا اور ہزار بیماروں۔ ہزار راہِ خدا میں ترکِ وطن کرنے والوں اور ہزار غلام اولاد اسمٰعیلؑ سے آزاد کرنے والوں کے ثواب کے برابر اس کو ثواب عطا ہوگا۔

پچیسویں روزہ کے عوض میں خدا زیرِ عرش ہزار قبہ ہائے سبز تعمیر فرماتا ہے جن پر خیمۂ نور بلند کرتا ہے اور فرماتا ہے مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی کہ تم کو ہزار تاج نورانی پہنا کر نورانی ناقہ پر سوار کر کے ایسی جنّت میں بھیجوں گا کہ تمام مخلوق حیران ہوگی۔

چھبیسویں روزہ کے عوض قتل ناحق اور غصب کے علاوہ ستر گناہانِ کبیرہ کو خدا معاف فرما دیتا ہے۔
ستائیسویں روزہ کا ثواب تمام مومنوں کی امداد کرنے اور ہزار برہنہ کو لباس پہنانے۔ تمام کتبِ سماویہ کی تلاوت کرنے اور ہزار مجاہدوں کی خدمت کرنے کے برابر ہے۔
اٹھائیسویں روزہ کے عوض خدا اس کے لئے جنت الخلد میں لاکھ شہر نور کے اور جنت الماویٰ میں لاکھ محل چاندی کے، اور جنت الفردوس میں لاکھ شہر سونے کے کہ ہر شہر میں ہزار کمرے ہوں عطا فرمائے گا۔
انتیسویں روزہ کے عوض خدا ہزار محل عطا کرے گا کہ ہر محل میں ایک تخت سفید کافوری ہوگا اور ہر تخت پر سندس و استبرق کے ہزار فرش ہوں گے۔ اور ہر فرش پر ایک حور ہوگی جس کے ستر ہزار حلّے ہوں گے اور اس کے ہزار گیسو ہوں گے جو موتیوں اور یاقوتوں سے جڑے ہوں گے۔
تیسویں روزہ کا ثواب تمام گذشتہ روزوں کے برابر ہے۔ اور علاوہ ازیں ہزار شہیدوں اور ہزار صدیقوں کے ثواب کے برابر ہے۔ الخ۔ جنت کا ایک دروازہ ہے جس کا نام ریّان ہے۔ اس میں سے صرف اُمتِ محمدیہ کے روزہ دار داخل ہوں گے۔ (بحار الانوار ج ۲)

مسئلہ۔ ماہ رمضان المبارک میں روزہ کا وجوب ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا منکر کافر واجب القتل ہے۔

مسئلہ۔ جو شخص جان بوجھ کر ماہ رمضان کا روزہ افطار کرے تو اس کی تعزیر پچیس تازیانے ہے۔ اگر دوبارہ ایسا کرے تو پھر وہی تعزیر یعنی پچیس تازیانے ہوگی۔ اور اگر تیسری دفعہ کرے گا تو اس کی سزا قتل ہے۔ اور بعض علماء کے نزدیک چوتھی دفعہ قتل ہے۔

مسئلہ۔ روزہ نہ رکھنا یا روزہ رکھ کر توڑ دینا ایک جیسا ہے یعنی دونوں صورتیں گناہ کبیرہ ہیں۔

مسئلہ۔ جو شخص بغیر عذر شرعی کے ماہ رمضان کا روزہ نہ رکھے تو اس پر قضا و کفارہ دونو واجب ہوتے ہیں۔ ایک روزہ کا کفارہ ہے غلام آزاد کرانا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ساٹھ روزے پے در پے رکھنا۔ اگر اکتیس روزے پے در پے رکھ چکا ہے تو باقی روزے متفرق طور پر رکھ سکتا ہے لیکن اگر شروع سے ہی ناغہ کرتا جائے تو وہ روزے اُس کے کفارہ میں شمار نہ ہوں گے یعنی اکتیس تک پے در پے رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ۔ اگر ایک شخص نے عمر کے ایک حصہ میں روزے نہیں رکھے تھے تو اُن کی قضا واجب ہے اور کفارہ بھی دلبشرطیکہ ترک عمدی ہوا اور اگر کفارہ سے عاجز ہو تو اُسے رحمتِ خدا سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ بارگاہِ خدا میں صدقِ نیت سے توبہ کرے اور استغفار کرے خدا کی رحمت سے بعید نہیں کہ معاف فرما دے۔

روزہ کے مفطرات روزہ دار کے لئے جن چیزوں کا ترک ضروری ہے وہ چند چیزیں ہیں۔
(۱) کھانا (۲) پینا۔

مسئلہ ۔ کھانے اور پینے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے خواہ تھوڑا ہو یا بہت ۔ اور وہ چیز عام عادۃً کھانے اور پینے میں استعمال ہونے والی ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ ۔ اگر روزہ کا خیال نہ رہے اور کوئی چیز کھا پی لی جائے تو روزہ باطل نہیں ہوتا لیکن یاد آجانے پر جو نوالہ یا گھونٹ منہ میں موجود ہو اُس کو فوراً باہر نکال دے۔

مسئلہ ۔ تھوک اگر منہ میں جمع ہو جائے خواہ ترش اشیا کے تصور سے ہی ہو اُس کے نگلنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۔ فضلاتِ دماغیہ یا کھانسی کی وجہ سے سینے سے خارج ہونے والے مواد غلیظہ اگر منہ تک آجائیں تو اُن کے نگلنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن اگر منہ تک نہ آجائیں اور اندر ہی اندر حلق سے اُتر جائیں تو روزہ باطل نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۔ آنکھ یا کان میں دوا ڈالنے سے روزہ باطل نہیں ہوتا۔

مسئلہ ۔ بیماری کے علاج کے لئے ٹیکہ ۔ انجکشن وغیرہ سے روزہ باطل نہیں ہوتا البتہ بھوک و پیاس روکنے کے لئے غذائیت یا طاقت کے لئے انجکشن کرانے سے پرہیز کرنا چاہیے بلکہ روزہ دار کو ہر حالت میں حتی الامکان ان چیزوں سے بچنا چاہیئے۔

(۳) جماع ۔ خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔ مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ چھوٹے سے ہو یا بڑے سے ۔ زندہ سے یا میّت سے انسان سے ہو یا حیوان سے ۔ ہر صورت میں روزہ کو باطل کر دیتا ہے ۔

(۴) استمناء جان بوجھ کر مرد کا منی کو خارج کرنا ۔ خواہ بوس و کنار کے ذریعہ ہو یا دیدبازی سے ہو یا کسی اور طریقہ سے ہو جب کہ اُس کا قصد ان افعال سے منی کا خارج کرنا ہو۔

مسئلہ ۔ روزہ دار کو اگر دن میں احتلام ہو جائے تو روزہ باطل نہیں ہوتا بشرطیکہ اُس کے قصد کو دخل نہ ہو۔

(۵) خدا اور رسولؐ و آئمہ طاہرینؑ کی طرف عمداً جھوٹ منسوب کرنا بعض علماء کے نزدیک روزہ کا مبطل ہے ۔ اور قضا اُس کی ضروری ہے لہذا ماہ رمضان میں بیان کرنے والے کو چاہیے کہ جس روایت کی صحت کا یقین نہ ہو اُس کو بیان نہ کرے اور اگر کرے تو حکایت کے عنوان سے کرے ۔

(۶) گھنا غبار حلق تک پہنچانا جس طرح آٹے کی گرد یا مٹی یا چونے وغیرہ کا غبار

مسئلہ ۔ بخاراتِ غلیظہ اور اسی طرح غلیظ دھواں بھی علماء نے غبارِ غلیظ کے حکم میں درج کئے ہیں ۔ لہٰذا ان سے بھی بچنا چاہیئے۔

مسئلہ۔ حقہ کا دھواں اگرچہ غلیظ نہ ہو اور بیڑی یا سگریٹ یا پیڑا جس کو بعض لوگ حقہ نوشی کی بجائے منہ میں رکھتے ہیں یا نسوار وغیرہ حالت روزہ میں ان کا استعمال بھی ترک کیا جائے۔

(۷) پانی میں غوطہ لگانا۔ اس طریقہ سے کہ پورا جسم پانی کے اندر چھپ جائے۔

مسئلہ۔ اگر روزہ دار غسل واجب جان بوجھ کر ارتماس سے کرے تو روزہ و غسل دونوں باطل ہوں گے۔

(۸) جان بوجھ کر صبح صادق تک جنابت سے رہنا۔

مسئلہ۔ جب رات کے وقت انسان پر حالت جنب طاری ہو جائے تو بغیر غسل کے اس پر سونا حرام ہے مگر اس صورت میں کہ اس کو قبل صبح صادق کے جاگ کر غسل کر لینے کا یقین ہو۔

مسئلہ۔ روزہ دار کو دن میں احتلام ہو جائے تو غسل فوراً کرنا ضروری نہیں البتہ تاخیر خلافِ احتیاط ہے۔

مسئلہ۔ حیض و نفاس والی عورت کا روزہ درست نہیں بلکہ اس پر ان ایام کے روزوں کی قضا واجب ہے اگر روزہ دار عورت پر دن کے کسی حصہ میں حالتِ حیض یا نفاس طاری ہو جائے تو روزہ اسی وقت باطل ہو جاتا ہے اور اس کی قضا لازم ہے خواہ غروب شمس سے بالکل معمولی وقت ہی باقی ہو۔ اسی طرح اگر کسی عورت کا خون حیض یا نفاس طلوعِ فجر کے بعد بند ہوا ہو تو اس کا اس دن کا روزہ صحیح نہیں ہوگا اور اس کی قضا واجب ہے البتہ ماہ مبارک کے احترام کے پیش نظر اس کو کھانے پینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۹) مائع کے ساتھ حقنہ اگرچہ علاج کے لئے ہی ہو (عام اصطلاح میں اس کو انیمہ یا پچکاری کہا جاتا ہے)

(۱۰) عمداً قے کرنا اگرچہ علاج کے لئے ہو۔

مسئلہ۔ اگر روزہ دار کے حلق میں بحالتِ نماز واجب مکھی یا مچھر یا دانتوں میں باقی ماندہ غذا کا کوئی ٹکڑا چلا جائے اور "اخ" کئے بغیر اس کا نکلنا مشکل ہو تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔ اگر نماز کے فارغ ہونے تک اس کو اسی مقام پر روک سکتا ہو تو نماز پڑھ لے اور پھر "اخ" کر کے اس کو نکال دے۔ اگر اتنی دیر تک اس کو ضبط نہ کر سکتا ہو تو اب اس کو نگلتا ہے تو روزہ باطل اور اخ کر کے نکالتا ہے تو نماز باطل لہٰذا اگر وہ ایسی چیز ہے جس کا کھانا عام حالت میں بھی حرام ہے جیسے مکھی وغیرہ تو اس صورت میں نماز کو باطل ہونے دے۔ اور اخ کر کے اس کو نکال دے خواہ نماز کا وقت تنگ ہی ہو۔ بعدازاں نماز کو قضا پڑھ لے اور اگر ایسی چیز ہو جس کا عام حالت میں کھانا حرام نہیں ہے جیسے دانتوں میں بقیہ غذا کے ٹکڑے تو پس اگر نماز کا وقت وسیع ہے تو نماز توڑ دے اور اس کو نکال دے اور اگر نماز کا وقت تنگ ہے تو نگل کر روزہ کو باطل ہونے دے اور نماز کو پورا کرے اور پھر روزہ کی قضا کرے۔

مسئلہ۔ مندرجہ ذیل چیزیں روزہ دار کیلئے مکروہ ہیں جس طرح کہ علما نے ذکر کی ہیں۔

۱۔ عورت کے ساتھ بوس و کنار و خوش طبعی جب کہ اس کا قصد منی کا لانا نہ ہو۔ اور نہ ہی ایسی حالتوں میں منی کا آنا اس سے

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

دن گنے ہوئے (ماہ رمضان)، پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو پس یہی تعداد دوسرے دنوں سے (رکھ دیں)

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ

اور ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں فدیہ ہے روٹی ایک مسکین کی پس جو زیادہ کرے تو اس کے لئے بہتری ہے اور

وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (۱۸۴) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي

روزہ رکھنا تمہیں اچھا ہے اگر تم جانتے ہو ماہ رمضان وہ ہے کہ

أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ

نازل کیا گیا اس میں قرآن جو کہ ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور روشن دلیلیں ہدایت اور فرقان سے

متوقع ہو۔

۲۔ ایسا سرمہ یا کاجل جس میں مسک کی ملاوٹ ہو یا ایسی چیز کی ملاوٹ جس کا ذائقہ یا بو حلق تک پہنچ جائے۔

۳۔ حمام میں داخل ہونا جب کہ اس کی کمزوری کا موجب ہو۔

۴۔ خون نکلوانا جب کہ بے ہوشی تک پہنچا دینے کا موجب نہ ہو ورنہ حرام ہو گا

۵۔ ناک سے کوئی دوائی وغیرہ سونگھنا جب کہ حلق تک اس کا پہنچنا یقینی نہ ہو ورنہ ناجائز ہے۔

۶۔ ہر خوشبودار گھاس یا پھول کا سونگھنا خصوصاً نرگس۔

۷۔ جسم پر تر کپڑا ڈالنا ۔ ۸۔ عورت کا پانی میں بیٹھنا ۔ ۹۔ دانت نکلوانا بلکہ ہر وہ چیز جس سے منہ میں خون آجائے ۔ ۱۰۔ جامد چیز جیسے حقنہ ۔ ۱۱۔ تر لکڑی سے مسواک کرنا ۔ ۱۲۔ عبث طور پر غرغرہ کرنا ۔ ۱۳۔ اشعار پڑھنا سوائے ان کے جو مطالب حقہ پر مثلاً مدح آئمہ طاہرین یا مرثیہ پر مشتمل ہوں ۔ ۱۴۔ جھگڑا فساد کرنا۔

باقی روزہ کے تفصیلی احکام کتب فقہیہ سے حاصل فرمائیں۔

فَمَنْ كَانَ ۔ مذہب امامیہ کا اتفاق ہے کہ مسافر اور بیمار، سفر اور بیماری کی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد عذر کے رفع ہو جانے کے بعد ان پر قضا واجب ہے شرائط سفر یہ ہیں۔

(۱) مسافت تقریباً ساڑھے ستائیس میل یا اس سے زیادہ کا قصد ہو (۲) سفر جائز اور مباح ہو (۳) درمیان سفر میں

فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ ؕ وَمَنۡ كَانَ مَرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

پس جو تم میں سے گھر میں حاضر ہو اس ماہ میں تو روزہ رکھے اور جو بیمار اور سفر پر ہو تو یہی تعداد دوسرے دنوں سے (رکھ دے)

مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِكُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ بِكُمُ الۡعُسۡرَ وَلِتُكۡمِلُوا

چاہتا ہے خدا تمہاری آسانی اور نہیں چاہتا تمہاری تنگی اور چاہیے کہ تعداد پوری کرو اور اللہ کی بزرگی

الۡعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰٮكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾

بیان کرو کہ تمہیں اس نے ہدایت کی تاکہ تم شکر گذار ہو جاؤ

اپنا وطن حائل نہ ہو یا دس روزہ قیام کی نیت نہ ہو (۴) خانہ بدوش نہ ہو (۵) سفر پیشہ نہ ہو (۶) حد ترخص سے آگے نکل جائے اور بیماری کی حد یہ ہے کہ روزہ رکھنے میں اُس کو ضرر کا خطرہ ہو چنانچہ ابوبصیر کے سوال کے جواب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ معاملہ اُس کے اپنے سپرد ہے اگر وہ اپنے آپ کو روزہ رکھنے سے کمزور سمجھتا ہے تو روزہ نہ رکھے اور اگر اپنے جسم میں روزہ کی طاقت پاتا ہے تو روزہ رکھے۔

وَعَلَى الَّذِيۡنَ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو پہلے طاقت رکھتے تھے اور اب بوجہ بڑھاپے کے یا بوجہ پیاس کے عارضے کے روزہ رکھنا ان کے لئے باعثِ مشقت ہے پس ان کا حکم یہ ہے کہ ہر روزہ کے عوض میں وہ بجائے روزہ کے ایک مُدّ طعام فدیہ کے طور پر مسکین کو دیں۔ مسکین سے مراد مومن مسکین ہے۔

مسئلہ۔ عَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ماہ رمضان میں بوجہ بیماری کے روزہ نہ رکھ سکے اور پھر ماہِ مبارک کے گذر جانے کے بعد وہ تندرست ہو جائے لیکن آئندہ ماہ رمضان تک اس نے پچھلی قضاء کے روزے نہیں رکھے تو اب اس پر ان کی قضاء کے ساتھ ساتھ فدیہ بھی ہے یعنی ان روزوں کی قضا بھی رکھے اور ہر روزہ کے عوض میں ایک مُدّ طعام مومن مسکین کو صدقہ بھی دے اور اگر اس ماہ رمضان سے اگلے ماہ رمضان تک وہ مسلسل بیمار رہ جائے تو اس پر صرف فدیہ واجب ہے اور قضا واجب نہیں ہے

شَهۡرُ رَمَضَانَ ۔ قرآن مجید کے ماہ مبارک رمضان میں نازل ہونے کے متعلق روایات میں اختلافی صورت موجود ہے چنانچہ ابن عباس سے منقول ہے کہ قرآن لیلۃ القدر میں یک مُشت آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ اور اس کے بعد جناب رسالت مآبؐ پر قسط وار بیس برس میں اُترتا رہا۔ اور ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی ایسا ہی قول مروی ہے اور دوسرا قول

یہ ہے کہ شبِ قدر میں سالِ رواں کی ضرورت کے مطابق قرآن کا ایک حصہ اکٹھا آسمانِ اول پر آتارا جاتا تھا اور پھر رفتہ رفتہ دورانِ سال میں آنحضورؐ پر نازل ہوتا رہتا تھا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ صحفِ ابراہیمؑ ۳ ماہ رمضان کو اُترے۔ نیز بعض روایات میں ہے کہ یکم ماہ رمضان کو اُترے۔ اور تورات موسیٰ ۱۰ ماہ رمضان کو نازل ہوئی۔ اور انجیل عیسیٰ ۱۳ ماہ رمضان کو اُتری اور زبورِ داؤدؑ ۱۸ ماہ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن مجید ۲۳ ماہ رمضان مبارک کو اُترا (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں جناب امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ماہ رمضان تمام مہینوں سے افضل ہے اور ماہِ رمضان کا دل شبِ قدر ہے اور قرآن مجید ماہ رمضان کی پہلی رات نازل ہوا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ قرآن ماہ رمضان میں بیت المعمور پہ اُترا اور پھر بیس برس میں آنحضورؐ پہ اُترتا رہا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایسا نہ کہا کرو کہ رمضان آیا۔ رمضان گیا کیونکہ رمضان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے پس کہا کرو شہر رمضان یعنی ماہ رمضان کیونکہ یہ مہینہ رمضان کی طرف منسوب ہے۔

وَالْفُرْقَانِ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن سے مراد پوری کتاب ہے اور فرقان سے مراد وہ آیات محکم ہیں جن پر عمل کرنا واجب ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ ۔ بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بھی لیا ہے کہ جو شخص گھر پر ہو اور ماہ رمضان اس پر داخل ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ پورا مہینہ روزے رکھے یعنی سفر کو نہ جائے اور جو پہلے سے ہی مسافر ہے تو گھر پہنچنے کے بعد جس قدر ماہ رمضان کے ایام باقی ہوں روزے رکھے اور سفری ایام کے روزے بعد میں قضا کرے۔

تفسیر برہان میں ہے۔ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے ماہ رمضان میں سفر کرنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے اسی آیت مجیدہ سے استدلال فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص گھر میں موجود ہو اور ماہ رمضان داخل ہو جائے تو اب اس کے لئے سفر کو جانا درست نہیں سوائے حج و عمرہ کے یا ایسے مال کی طلب کے لئے جس کے تلف ہونے کا ڈر ہو۔

پس مناسب یہی ہے کہ بلاوجہ ماہ مبارک میں سفر اختیار نہ کرے۔ بعض لوگوں نے دستور بنا لیا ہے کہ ماہ رمضان میں ہی سفر اختیار کر لیتے ہیں خصوصاً طبقہ ذاکرین کے متعلق یہ عام شکایت ہے۔ اگرچہ جوازِ سفر کے لئے شرعی بہانے بنائے جاسکتے ہیں جن کی بنا پر ظاہر شریعت کی رُو سے انہیں گرفت نہیں کی جاسکتی لیکن اس پر جو مفاسد مرتب ہوتے ہیں ان کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے۔

ا۔ جس شریف کے ہاں جا کر مہمان ہوئے اگر وہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو تو یہ لوگ ان کو بے وقت تکلیف دینے کا موجب ہوتے ہیں نہ تو وہ ترشروئی سے پیش آسکتے ہیں اور نہ طیب خاطر سے فرائض میزبانی ادا کر سکتے ہیں چنانچہ مشاہدہ خود اس کا گواہ ہے۔

۲۔ اگر میزبان خود نماز روزہ کا پابند نہیں تو ان لوگوں کی آمد سے اس کے خبث باطن کو اور تقویت مل جاتی ہے۔ ویسے تو وہ چھپ کر کھانا پکاتے اور کھاتے پیتے تھے۔ اب اس مہمان کے بہانہ سے وہ خود بھی اعلانیہ ماہ مبارک کی توہین پر جرأت کرتے ہیں۔
۳۔ غیر شیعہ لوگ جب یہ حالت مشاہدہ کرتے ہیں تو شیعوں پر ان کو اعتراضات کا موقع مل جاتا ہے۔ اور جو لوگ شیعہ مذہب کی طرف قدرے مائل ہوتے بھی ہیں ان حالات کو دیکھ کر وہ متنفر ہو جاتے ہیں۔ بے شک ان کو یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ مسافر پر روزہ واجب نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہیں کہ کونسی اہم ضرورت لاحق ہوگئی تھی کہ آپ خواہ مخواہ رخت سفر باندھ کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے تو اس کا جواب سوائے حیلہ سازی و بہانہ جوئی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور بعض اوقات عین مجلس میں مجمع عام کے سامنے میز پر سے گڑ وغیرہ اٹھا کر کھاتے بھی رہتے ہیں اور مجلس بھی پڑھتے رہتے ہیں اس میں ماہ مبارک رمضان کی سخت توہین ہے۔ اور یہ شریعت طاہرہ کے ساتھ مخول بازی ہے مذہب حقہ جعفریہ اس قسم کی ناشائستہ اور غیر ذمہ دارانہ حرکات سے بیزار ہے کیونکہ فتویٰ یہ ہے کہ اگر عذر شرعی کی وجہ سے انسان کو روزہ نہ ہو تب بھی چاہیے کہ در پردہ کھائے پیئے تاکہ ماہ مبارک کی ہتک عزت نہ ہو۔

الحاصل اہم اور نہایت ضروری مقصد کے لئے ماہ مبارک رمضان میں بھی سفر کیا جا سکتا ہے لیکن کھانے پینے میں ماہ مبارک رمضان کے ادب و حرمت کی پاس رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ۔ حالت سفر میں واجب روزہ رکھنا حرام ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا ایسا ہے جیسا کہ گھر میں نہ رکھنا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر کوئی شخص سفر میں روزہ کی حالت میں مر جائے تو میں اس پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھوں گا۔

ایک روایت میں آپ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جناب رسالتمآبؐ سفر میں نہ واجب روزہ رکھتے تھے اور نہ سنتی۔

مسئلہ۔ سفر یا مرض میں قضا ہونے والے روزے اگلے ماہ رمضان سے پہلے رکھنے چاہییں ورنہ بلا عذر تاخیر کرنے سے قضا کے علاوہ ایک مُد فی روزہ فدیہ دینا پڑے گا۔

مسئلہ۔ قضا روزوں کا پے در پے بلا ناغہ رکھنا واجب نہیں ہے بلکہ متفرق طور پر رکھے جا سکتے ہیں لیکن پے در پے رکھنا مستحب ہے۔

مسئلہ۔ ماہ رمضان کا قضا روزہ زوال سے پہلے اگر افطار کیا جائے تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا لیکن اگر بعد زوال کے

بلا عذر افطار کرے تو ناجائز ہے اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور یہ ناممکن ہو تو پھر تین روزے رکھنا ہے۔

مسئلہ۔ جس دن سفر کرنے کا ارادہ ہو تو گھر میں روزہ رکھ لے جب روانہ ہو کر حدِ ترخص سے نکل جائے تب افطار کرے ورنہ اگر پہلے سے افطار کرے گا تو اس پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہو جائیں گے۔

مسئلہ۔ اگر زوال شمس کے بعد سفر اختیار کرے تو اُس دن کا روزہ درست ہوگا۔ اسی طرح اگر قبل اَز زوال گھر سے روانہ ہو لیکن حد ترخص سے نکلنے سے پہلے زوال ہو جائے تو روزہ صحیح ہوگا اور اُس کا توڑنا حرام ہے۔

مسئلہ اگر سفر سے واپس زوال سے پہلے گھر پہنچ جائے یا حدِ ترخص تک پہنچ جائے تو اگر پہلے کوئی چیز کھا پی نہ چکا ہو تو نیتِ روزہ واجب ہے اور اس دن کا روزہ اُس کا صحیح ہو جائے گا اور اگر کچھ کھا پی چکا ہو تو روزہ اگرچہ نہیں لیکن ماہ مبارک کی پاس ادب کے لئے کھانے پینے سے رُکا رہنا مستحب ہے۔ اور اگر بعد زوال کے گھر پہنچے تو روزہ نہ ہو سکے گا خواہ اس سے قبل سارا دن کچھ کھایا پیا نہ بھی ہو لیکن ماہِ مبارک کے احترام کے پیش نظر کھانے پینے سے اجتناب مستحب ہے۔

مسئلہ۔ قضا روزوں میں یہ ضروری نہیں کہ ہر روزہ کی تعیین کرے مثلاً یہ کہ آج فلاں تاریخ کا قضا روزہ رکھ رہا ہوں بلکہ اتنا کافی ہے کہ جس قدر فوت ہوئے ہیں اتنے دن بنیت قضا روزے رکھ دے۔

مندرجہ ذیل افراد کے لئے ماہ رمضان میں افطار کرنا جائز ہے۔

۱۔ بوڑھا مرد۔ بوڑھی عورت۔ اگر روزہ رکھنا ان کے لئے موجب حرج و باعث مشقت ہو تو روزہ نہ رکھیں اور ہر روزہ کے عوض میں ایک مُد طعام مومن مسکین کو فدیہ دیں۔

۲۔ ذوالعطاش۔ یعنی جس شخص کو پیاس کی بیماری ہو کر صبر کرنا اس کے لئے ناممکن ہو یا باعث مشقت ہو تو روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے عوض میں ایک مُد طعام مومن مسکین کو دے دے۔

۳۔ حاملہ عورت۔ جس کو روزہ ضرر دیتا ہو یا اُس کے بچہ کو ضرر کا خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھے اور فدیہ دے لیکن بعد میں اس پر ان ایام کے روزوں کی قضا واجب ہے۔

۴۔ مرضعہ۔ وہ عورت جو بچہ کو دودھ پلاتی ہے اور اُس کا دودھ کم ہے اگر روزہ رکھے تو اُس کو یا اُس کے بچہ کو ضرر پہنچنے کا احتمال ہے تو اُس کا حکم بھی یہی ہے کہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن کا بدلہ ایک مُد طعام فدیہ دے اور بعد میں قضا بھی کرے اس میں فرق نہیں کہ بچہ اُس کا اپنا ہو یا کسی اور کا بچہ مزدوری پر یا قربۃً الی اللہ پال رہی ہو۔

وَاللّٰہُ یُرِیْدُ۔ یعنی خدا آسانی چاہتا ہے بندوں کو تکلیف اور مشقت میں ڈالنا پسند نہیں فرماتا یہ آیت مجیدہ ان لوگوں کے عقیدۂ فاسدہ کو چیلنج کر رہی ہے جو جبر کے قائل ہیں کیونکہ اگر انسان اپنے افعال میں مجبور و بے بس ہوتا تو یہ آیت بے معنی ہو جاتی

کیونکہ جو انسان فعل بد پر مجبور کیا گیا ہو اس کو نیکی کا حکم دینا تکلیف مالایطاق ہے اور خدا جب عُسر کی تکلیف (مشقت والے کام کی بجاآوری) کا حکم دینا لپسند نہیں کرتا تو تکلیف مالایطاق (ناشدنی امر کی تکلیف دینا) کیسے لپسند فرماتا ہے پس معلوم ہوا کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہیں اور خداوند کریم اپنے فضل وکرم سے بندوں کو انہی کاموں کی بجاآوری کا حکم دیتا ہے جس کو وہ خود آسانی سے نبھا سکتے ہیں۔

تفسیر باطنی میں آئمہ اہل بیتؑ سے یُسر کی تاویل ولایت اہل بیتؑ اور عُسر کی تاویل ولایت اغیار مروی ہے۔

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس تکبیر سے مُراد شب عید الفطر کی تکبیرات ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا کہ شب عید الفطر تکبیر سنّت ہے۔ راوی نے پوچھا کہ وہ کس وقت ؟ تو آپ نے فرمایا کہ نماز مغرب نماز عشاء، نماز صبح، اور عید کے بعد۔ راوی نے دریافت کیا کہ اس کی کیفیت کیا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا۔ اور روایات میں ان الفاظ سے کم وبیش الفاظ بھی منقول ہیں جس روایت پر عمل کیا جائے سنّت ادا ہو سکتی ہے۔

ماہ رمضان کی فضیلت کے متعلق جناب رسالت مآبؐ سے ایک نقل شدہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ مہینہ دوسرے ہزار مہینوں سے افضل ہے اس میں روزہ رکھنا فرض ہے اس ماہ میں دو رکعت نماز نافلہ دوسری ستر شب کی عبادت کے برابر ہے اس ماہ میں کوئی مستحب کام ادائے فریضہ کا ثواب رکھتا ہے اور اس کا فریضہ دوسرے مہینوں کے ستر فریضوں کے برابر ہے یہ صبر اور ہمدردی کا مہینہ ہے خدا اس ماہ میں رزق کا اضافہ کرتا ہے۔ جو شخص روزہ دار مومن کا روزہ چھڑوائے تو اس کو غلام آزاد کرانے کا ثواب ملے گا اور گناہ اس کے بخش دیئے جائیں گے۔ کسی نے کہہ دیا کہ حضور! ہم دوسروں کو افطار نہیں کرا سکتے تو آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص زیادہ پر قادر نہ ہو تو کھٹے دودھ پر یا آبِ شیریں کے گھونٹ پر یا کھجور کے چند دانوں پر افطار کرا دے پس اس کو بھی ویسا ہی ثواب عطا فرمائے گا اور جو شخص اس ماہ میں اپنے غلام سے تخفیف کرے خدا اس کا قیامت کا حساب ہلکا کریگا یہ وہ مہینہ ہے کہ اس کا اول رحمت اور وسط مغفرت اور آخر اجابت اور جہنّم سے آزادی ہے اور نیز آپ نے فرمایا کہ روزہ دار کی نیند عبادت اور خاموشی تسبیح اور دعا مقبول اور عمل دوگنا ہوا کرتا ہے (از مجمع البیان)

ماہ مبارک رمضان میں قرآن کی تلاوت زیادہ کرے اگر تیسرے دن ختم کرے تو خوب ہے۔ اور روزانہ ختم کر سکے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ کم از کم ماہ مبارک میں ایک ختم تو ضرور کرے۔ روایت میں ہے کہ ہر چیز کی بہار ہوا کرتی ہے اور ماہ مبارک کی بہار قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ اس ماہ مبارک میں زیادہ مناسب ہے کہ انسان اپنی زبان کو حمد وثناء پروردگار یا درود شریف یا دیگر اذکار سے تر رکھے اور شب وروز کی منقول دُعائیں پڑھ کر ثواب حاصل کرے مفاتیح الجنان میں ماہ رمضان مبارک کے شب و روز کے اعمال اور ادعیہ منقولہ کافی بسط وتفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

اور جب آپ سے پوچھیں میرے بندے میرے متعلق فرما دیجئے کہ میں قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا دعا کرنے والے کی جب مجھ سے دعا کرے

فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ

پس انہیں چاہیے کہ میری بات کو قبول کریں اور میرے ساتھ ایمان لائیں تاکہ ہدایت یافتہ ہوں حلال ہے تمہارے لئے روزوں کی رات میں

الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ

مباشرت اپنی عورتوں سے وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو آگاہ ہے اللہ کہ تحقیق تم خیانت

كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ

کرتے تھے اپنے نفسوں سے پس اُس نے رجوع رحمت کیا تم پر اور تمہیں معاف کر دیا

وَاِذَا سَاَلَكَ ۔ کسی نے جناب رسولِ خدا سے سوال کیا کہ آیا خدا قریب ہے یا بعید تاکہ اُس کے قرب و بعد کے لحاظ سے اس کے پکارنے میں نیچی یا اُونچی آواز کا استعمال کریں تب یہ آیت اُتری۔

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ ۔ جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ عاجز ترین شخص وہ ہے جو دعا سے عاجز ہو۔ اور بخیل ترین وہ ہے جو سلام سے بخل کرے۔

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں اپنے بھائیوں اور موالیوں کے لئے دعا کرتا رہتا ہوں آپ کی اس میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا غائب کی دعا غائب کے لئے قبول فرماتا ہے۔ اور جو شخص مومنین اور مومنات اور اہل مودّت کے لئے دعا کرے خدا آدم سے لے کر قیامت تک کے تمام مومنین کے برابر نیکیاں اس کو عطا فرمائے گا۔ پس آپ نے فرمایا کہ خدا نے نمازیں بہترین اوقات میں فرض کی ہیں پس نمازوں کے بعد دعا مانگا کرو اس کے بعد حضرت نے اس کے لئے اور جملہ حاضرین کے لئے دعا کی۔

تاخیر قبولیّت دعا کی وجہ

ایک شخص احمد نامی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ مولا میں نے ایک عرصہ سے ایک حاجت کا اللہ سے سوال کیا ہوا ہے اور اب مقبولیت کی تاخیر کی وجہ سے میرے دل میں کچھ شک جیسا آتا ہے حضرت نے فرمایا اے احمد! شیطان کے پھندے سے بچ کر رہ کہ تجھے کہیں رحمتِ خدا سے مایوس نہ کر دے۔ تحقیق (میرے جد) امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات مومن

دعا مانگتا ہے تو خداوند کریم اُس کی قبولیت کو مؤخر کر دیتا ہے کیونکہ اُس کی غمناک آواز اور دردناک لہجہ خدا کو محبوب ہوتا ہے اور علاوہ اس کے بات یہ ہے کہ منافع دنیاویہ میں سے جو کچھ مومن خدا سے طلب کرتے ہیں جن کو اب خدا نے معرضِ التوا میں ڈال دیا ہے وہ اِن نعماتِ دنیاویہ سے بہتر نہیں ہیں جو خدا نے ان کو عطا کر دی ہیں۔ اور دنیا چیز کیا ہے؟ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مومن کو خوش حالی کی حالت میں بھی خدا سے ایسی ہی دعا مانگنی چاہیئے جیسے کہ سختی کے زمانہ میں مانگتا ہے ایسا نہ ہو کہ جب مطلوب حاصل ہو جائے تو دعا سے سُست ہو جائے اور دعا سے تھک نہ جانا چاہیئے کیونکہ وہ اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ اور تم کو صبر اور طلب حلال اور صلہ رحمی لازمی طور پر اختیار کرنی چاہیے اور لوگوں کے ساتھ دشمنی سے بچتے رہنا چاہیے۔ ہم اہل بیتؑ کا دستور ہے کہ قطع رحمی کرنے والے سے بھی صلہ رحمی کرتے ہیں اور بُرا برتاؤ کرنے والے سے بھی ہم اچھائی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ پس خدا کی قسم اس عمل میں ہمیں بڑا اسکھ نصیب ہوتا ہے تحقیق دنیا میں صاحبِ نعمت اگر کسی چیز کا سوال کرے اور اس کو اس کی سوال کردہ چیز کے علاوہ کوئی دوسری شے مل جائے اور وہ اس کو حقیر و معمولی سمجھے تو ایسا شخص کسی بھی شے سے سیر نہیں ہوتا اور جب انسان پر نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں تو ان کے حقوقِ واجبہ سے مسلمان کے لئے عہدہ برا ہونا اور اس کے فتنہ سے بچنا مشکل ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اگر میں تمہیں کوئی بات کہوں تو آیا میری بات پر تمہیں وثوق آئے گا؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی مولا آپ پر فدا ہو جاؤں اگر مجھے آپ کے فرمان پر اعتماد نہ ہو تو پھر کس کے قول پر اعتماد ہوگا؟ حالانکہ آپ خلقِ خدا پر حجّتِ خدا ہیں۔ پس حضورؑ نے فرمایا تو پھر تجھے خدا کی بات پر زیادہ مطمئن رہنا چاہیے کیونکہ وہ وعدہ فرما چکا ہے وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور نیز فرمایا وَلَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اور نیز فرمایا وَاللّٰهُ یَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا۔ پس غیر کی بات پر وثوق کرنے سے خدا کی فرمائش پر زیادہ وثوق کرنا چاہیے اور دلوں میں نیک بات لانی چاہیے پس خدا تمہیں بخش دے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ مولا! قرآن مجید کی دو آیتوں میں مجھے دعوٰی کی تصدیق نہیں ملتی۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہیں۔ سائل نے کہا کہ ایک تو آیت ہے کہ خدا فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (مجھ سے دُعا کرو تو میں قبول کروں گا) ہم دعائیں مانگتے ہیں لیکن ان کی قبولیت نہیں پاتے۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے خیال میں خدا نے خلافِ وعدہ کیا ہے؟ سائل نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ سائل نے کہا نہ معلوم۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کی حقیقت بتاؤں کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کرے اور پھر دعا مانگے جس طرح دعا مانگنے کا طریقہ ہے۔ اس کی دعا قبول ہے۔ سائل نے عرض کی دعا مانگنے کا طریقہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پہلے اللہ کی حمد کرے پھر اس کی نعمات کو یاد کر کے شکریہ ادا کرے پھر درود پڑھے اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے ان کا اقرار کرے اور ان سے توبہ کرے

پس یہ دعا کا طریقہ ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دوسری آیت کونسی ہے؟ سائل نے عرض کیا کہ وہ یہ ہے وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ (تم کچھ بھی خرچ کرو پس خدا اس کا بدل عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے) پس میں تو خرچ کرتا ہوں اور اُس کا بدل نہیں پاتا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے خیال میں خدا نے خلافِ وعدہ کیا ہے؟ سائل نے کہا کہ نہیں! آپ نے فرمایا پھر یہ کیوں ہے؟ سائل نے کہا! نہ معلوم۔ آپ نے فرمایا کہ تم حلال سے کسب کرو اور حلال کے راستہ میں خرچ کرو۔ اس صورت میں کوئی درہم خرچ نہ کرو گے مگر یہ کہ خدا اس کا بدل عطا فرمائے گا۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ابتدائے اسلام میں جب روزہ کا حکم ہوا تو رات کو بھی عورت کے ساتھ مجامعت کرنا حرام کیا گیا تھا لیکن بعض نوجوان اس کو برداشت نہ کر سکتے تھے اور رات کو خفیہ طور پر اپنی عورتوں سے مجامعت کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض تفاسیر اہلِ سنّت مثلاً بیضاوی سے منقول ہے کہ حضرت عمر نے بھی شب ماہ رمضان میں اپنی عورت سے مجامعت کر لی اور پھر صبح کو جناب رسالت مآبؐ سے اپنی عدمِ برداشت کا شکوہ بیان کیا اور دیگر صحابہ نے بھی اپنی اپنی معذرت بیان کی تب وہ حکم منسوخ ہوا اور یہ آیت اُتری کہ اب تمہارے لئے ماہ رمضان کی رات میں اپنی عورتوں سے ہمبستر ہونا جائز اور حلال ہے۔

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ ماہ رمضان کی پہلی رات اپنی عورت کے ساتھ ہمبستری کرنا مستحب ہے۔ علامہ طبرسیؒ نے فرمایا ہے کہ ماہ رمضان کی باقی راتوں کا بھی یہی حکم زیادہ موزوں ہے۔

مسئلہ ۔ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ سوائے ماہ رمضان مبارک کے ہر ماہ کی پہلی رات عورت سے ہمبستری کرنا مکروہ ہے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ۔ چونکہ بوقت مجامعت عورت و مرد کا جسم ایک دوسرے سے اس طرح متصل ہوتا ہے جس طرح بدن کا لباس بدن سے متصل ہوتا ہے اسی لئے ان کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ یعنی مرد عورت سے مجامعت کرے تو اللہ سے اولاد طلب کرے صرف لذّتِ نفسانی ملحوظ نہ ہو۔ تفسیر عمدۃ البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے ایک روایت منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اگر کوئی عورت گھر میں اپنے شوہر کی صلاح و درستی کے لئے کوئی کام کرے تو خداوند کریم اس کے گناہ معاف کرتا ہے اور اس کی نیکیاں دوچند فرماتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے مرد سے حاملہ ہو جائے تو اس کو تمام عمر کے ایام کے روزوں اور راتوں کی عبادت کا ثواب مرحمت فرماتا ہے۔ اور عورت کا اپنے بچے کو ایک دفعہ دودھ پلانا غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور جب بچے کو دودھ چھڑائے تو اس کو اللہ کی جانب سے منادی ندا کرتا ہے کہ تیرے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ یہ تو عورت کا ثواب ہے فرمایئے کہ مرد کو کیا ثواب ملتا ہے تو آپؐ مسکرا دیئے اور فرمایا کہ جو مرد اپنی عورت کا محبت سے ہاتھ پکڑے تو خدا اس کی نیکیاں درج کرتا ہے اور اگر عورت کی

فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ

پس اب ان سے مباشرت کرو اور چاہو وہ جو لکھا ہے اللہ نے تمہارے لئے اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے

الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا

تمہارے سامنے تاگا سفیدی صبح کا سیاہی شب سے جو کہ فجر کا حصہ ہے پھر پورا کرو روزوں کو رات تک اور ان سے

تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا

نہ مباشرت کرو جب کہ اعتکاف کرنیوالے ہو مسجدوں میں یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس مت جاؤ

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے تاکہ وہ بچیں۔

گردن میں ہاتھ ڈالے تو دس نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں درج فرماتا ہے اور اگر اُس کو بوسہ دے تو بیس نیکیاں اور اگر مجامعت کرے تو اس قدر نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں درج کرتا ہے کہ اُس کے مقابلہ میں دنیا ہیچ ہے۔ اور جب وہ غسل کرتا ہے تو اُس کے بالوں کے برابر اس کے درجات بلند فرماتا ہے اور فرشتوں سے خطاب فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو کہ میں نے اس کے گناہ بخش دیئے۔

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ ابتدا میں ماہ رمضان کی رات میں سو جانے کے بعد کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا خندق کے ایام میں مطعم بن جبیر دن کا تھکا ماندہ جب شام کے وقت گھر پہنچا تو اپنی بیوی سے کھانا طلب کیا بوڑھا آدمی تھا۔ کھانا لانے میں جب کچھ دیر ہوئی تو اُس کو کوفت و تکان کی وجہ سے نیند آ گئی جب بیدار ہوا تو اپنی زوجہ سے کہا کہ میں چونکہ سو چکا ہوں لہٰذا اب میرے اُوپر کھانا حرام ہو گیا ہے۔ دوسرے دن پھر روزہ تھا اور خندق کی کھدائی کا کام بھی تھا جب اپنی ڈیوٹی پر پہنچا تو کام کرتے ہوئے بے ہوش ہو گیا۔ اسی طرح دوسرے بعض صحابہ کو بھی واقعات پیش آئے تو اُنہوں نے جناب رسالت مآبؐ کے سامنے اپنے حالات بیان کئے اور معذرت چاہی تب یہ آیت اُتری کہ پہلا حکم منسوخ ہے۔ اور اب تمہارے لئے رات بھر کھانا جائز ہے۔ جب تک صبح کی سفیدی کا خط رات کی تاریکی سے ممتاز نہ ہو جائے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ دو تاگے ایک سیاہ اور ایک سفید اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور ان کو دیکھتے رہتے تھے جب دونوں تاگے ایک دوسرے سے پہچانے جاتے تھے تب کھانا پینا بند کر لیتے تھے۔ پھر اُن کو سمجھایا گیا کہ سفید تاگے سے مراد صبح کی

سفیدی اور سیاہ تاگے سے مُراد رات کی سیاہی ہے۔ تب انہوں نے اس آیت کا صحیح معنی سمجھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں بھی اسی مضمون کی ایک روایت موجود ہے۔

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ۔ لیل سے مُراد ہے غروب شمس کا یقین۔ علماء نے اس کی علامت مشرق کی سُرخی کا دُور ہونا بیان فرمایا ہے۔ اگر مشرق کی سُرخی پُوری طرح زائل نہ ہوئی ہو۔ اور غروب شمس کا یقین ہو تو افطار جائز ہے۔

مسئلہ۔ کھانا کھاتے ہُوئے اگر سفیدی صبح کی ظاہر ہو جائے تو جو نوالہ منہ میں ہے اُس کو باہر نکال دے اور اگر یقین ہو جائے کہ صبح اس سے پہلے طلوع ہو چکی تھی تو اُس دن کی قضا واجب ہے۔

مسئلہ۔ اگر کھانا کھانے سے پہلے اُس نے تحقیق کر کے معلوم کر لیا کہ ابھی رات باقی ہے پھر اس کو طلوعِ فجر میں شک ہو گیا تو روزہ صحیح ہے۔

مسئلہ۔ افطار کے وقت اگر بادل کی وجہ سے فضا تاریک تھی۔ اور اُس نے غروب کا یقین کر کے کچھ کھا پی لیا۔ اور بعد میں بادل پھٹ جانے کی وجہ سے معلوم ہوا کہ ابھی غروب نہ ہوا تھا تو اس پر صرف اس روزہ کی قضا واجب ہے۔

مسئلہ۔ اگر غروب میں شک ہو تو جب تک یقین پیدا نہ ہو جائے کھانا پینا حرام ہے۔

مسئلہ۔ غیر معتبر شخص کی بات پر اعتماد کر کے مشکوک وقت میں کھانا پینا خلافِ واقع ظاہر ہونے کی صورت میں روزے کو فاسد کرتا ہے۔

مسئلہ۔ سحری کرنا مستحب ہے اور سُورہ انا انزلنا پڑھنا بوقت سحور مستحب ہے۔ مروی ہے کہ جو شخص سحور اور افطار کے وقت سورہ انا انزلنا پڑھے تو اُس کو شہادت کا ثواب عطا ہوتا ہے۔

مسئلہ۔ افطار کے وقت سورہ انا انزلنا کا پڑھنا اور اس دُعا کا پڑھنا مستحب ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔

مسئلہ۔ نماز مغرب کے بعد افطار کرنا بہتر ہے لیکن اگر نفس افطار کی طرف زیادہ متوجہ ہو یا کچھ اور آدمی اس کے افطار کے منتظر ہوں تو نماز سے پہلے افطار کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ۔ افطار پاک و حلال چیزوں پر کرے۔ کھجور خشک یا تازہ پانی۔ دودھ۔ مٹھائی۔ کھانڈ اور گرم پانی۔ نمک وغیرہ سے افطار کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ۔ بوقت افطار صدقہ دینا مستحب ہے اور وہ اس طرح کہ چند روزہ دار مومنین کو افطار کرا دے خواہ کھجور سے ہی یا

پانی کے شربت سے یا کسی اور پاکیزہ چیز سے حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ اس ماہ میں مومن کو ایک لقمہ کھلانا تیس غلام آزاد کرانے کے برابر ہے اور خدا اس کے بدلہ میں اس کی ایک دعا مستجاب فرماتا ہے۔

اعتکاف

وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ۔ یعنی زمانہ اعتکاف میں رات کے وقت بھی عورت سے مجامعت کرنا ناجائز ہے۔ اعتکاف کے لئے روزہ کا ہونا شرط ہے۔ لہذا جس زمانہ میں روزہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ میں اعتکاف بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اعتکاف کیلئے بہتر وقت ماہ رمضان مبارک ہے اور ماہ مبارک کا آخری عشرہ افضل ہے۔ اعتکاف اصل شریعت کے اعتبار سے مستحب ہے۔ اور بعض اوقات نذر یا عہد وغیرہ سے واجب بھی ہو جایا کرتا ہے۔

مسئلہ: اعتکاف کے لئے یہ شرائط ہیں۔

۱. ایمان ۲. عقل ۳. نیت قربت ۴. روزہ ۵. یہ کہ تین روزے سے کم نہ ہو ۶. یہ کہ اعتکاف کے لئے جامع مسجد میں بیٹھے۔
۸. بغیر امور ضروریہ کے مسجد سے باہر نہ جائے۔

مسئلہ۔ اگر عورت بھی اعتکاف کرنا چاہے تو اس پر بھی اعتکاف کے لئے جامع مسجد کی پابندی ضروری ہے۔

مسئلہ۔ جب اعتکاف میں دو دن گذر جائیں تو تیسرا دن واجب ہو جایا کرتا ہے۔

مسئلہ۔ اعتکاف کرنے والے پر یہ چیزیں حرام ہیں۔

۱. عورت ۲. منی کا خارج کرنا ۳. خوشبو سونگھنا ۴. خرید و فروخت کرنا ۵. جھگڑا کرنا خواہ مسئلہ دینیہ میں ہی ہو جب کہ غرض اس سے اپنی علمی استعداد کا اظہار کرنا ہو۔

مسئلہ۔ ہر وہ چیز جس سے روزہ باطل ہوتا ہے وہ اعتکاف کو بھی باطل کرتی ہے۔

مسئلہ۔ اعتکاف کی نیت طلوعِ صبح سے پہلے کرے اس کے بعد اس کا اعتکاف شروع ہو جائے گا۔ اور پھر تیسرے دن جب روزہ افطار ہوگا تو اعتکاف بھی پورا ہو جائے گا تو پس تین دن سالم اور درمیان کی دو راتیں اعتکاف میں داخل ہیں پہلی اور چوتھی رات کو اعتکاف کے اندر داخل کرنا ضروری نہیں۔ اور اگر داخل کرے تو حرج بھی کوئی نہیں۔

مسئلہ۔ جب اعتکاف واجب ہو تو اس کا توڑنا حرام ہے۔ اگر اعتکاف واجب ہو۔ اور ماہ رمضان ہو تو دن کو بذریعہ مجامعت اگر اعتکاف کو توڑے گا تو اس پر دو کفارے واجب ہوں گے۔

ایک اعتکاف کے لئے

اور دوسرا ماہ رمضان کے لئے

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا

اور نہ کھاؤ اپنے مالوں کو اپنے درمیان ساتھ باطل کے اور نہ لے جاؤ ان کو طرف حکام کے تاکہ کھاؤ

فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۱۸۸

ایک حصہ لوگوں کے مالوں سے ساتھ گناہ کے جانتے بوجھتے ہوئے

غیر کا مال کھانا حرام ہے

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ ۔ یعنی باطل اور غلط طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ شرعی جائز طریقہ کے علاوہ اور جس طریقہ سے انسان کوئی مال حاصل کرے وہ سب باطل ہے ۔چوری۔ڈاکہ۔ٹھگی۔ دھوکا۔جوأبازی۔رشوت۔غصب، ناجائز بیع وشراء۔ خیانت وغیرہ ان تمام کے ذریعہ مال کا حاصل کرنا باطل اور اس کا کھانا حرام ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جھوٹی قسم کے ذریعہ سے مال حاصل کرنا باطل ہے۔

بعض کتب میں مروی ہے کہ اگر انسان قرض لے اور نیت ادائیگی کی نہ رکھتا ہو تو وہ بھی باطل میں داخل ہے۔

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ ۔ ابوبصیر سے مروی ہے کہ ...... امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا اے ابوبصیر! تحقیق اللہ کو علم تھا کہ اُمّت میں حکام جور ہوں گے ۔ پس اس آیت میں اُس نے حکامِ عدل مراد نہیں لئے بلکہ حکّامِ جور مراد لئے ہیں۔ اے ابومحمد اگر تیرا کسی شخص پر کچھ حق ہو۔ اور تو اُس کو حکّامِ عدل کے فیصلہ کی طرف دعوت دے اور وہ تجھے حکّامِ جور کی طرف جانے کے لئے مجبور کرے تو البتہ وہ طاغوت کے فیصلہ کو ماننے والا ہے۔اس کے بعد آپ نے ایک آیت پڑھی جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو قرآن اور سابقہ کتابوں پر ایمان لانے کے دعویدار ہیں حالانکہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جانے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۔ حاکم جائر کی طرف مقدمہ لے جانا حرام ہے ۔اور اس کے فیصلہ سے جو مال حاصل ہو وہ بھی حرام ہے۔ خواہ واقع میں یہ اس کا حقدار ہی کیوں نہ ہو۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

علامہ حسین بخش جاڑا کی تصانیف

○ تفسیر انوار النجف (مکمل سیٹ) ۶۵۰/- روپے
○ تحفۃ الانوار ۳۵/- روپے ○ اصحاب الیمین
○ اسلامی سیاست ○ المجالس المرضیہ
○ امامت وملوکیت ○ احباب رسول
○ معیارِ شرافت ○ انوارِ شرافت ○ انوارِ شرعیہ
○ مناظرہ بغداد ○ مناظرہ مصر ○ نماز امامیہ

ملنے کا پتہ

مکتبہ انوار النجف ۔ دریا خاں ۔ ضلع بھکر
محفوظ بک ایجنسی ۔ امام بارگاہ ۔ مارٹن روڈ ۔ کراچی
افتخار بک ڈپو ۔ اسلام پورہ ۔ لاہور
حسن علی بک ڈپو ۔ بمبئی بازار ۔ کھارادر ۔ کراچی
حیدری کتاب منزل ۔ حیدری روڈ ۔ پرانا سکھر

جلد نمبر ۳

تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

علامہ حسین بخش جاڑا

مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

جلد سوم تفسیر جلد ۵

فہرست

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
پارہ ۲ رکوع ۸	۷	سوال وجواب	۴۴	عورت کی ضرر رسانی سے باز رہنے کا حکم	۷۳
آلِ محمد ابواب اللہ ہیں	۸	رکوع ۱۱	۴۵	رکوع ۱۴	۷۵
حکمِ جہاد	۹	مرتد کی قسمیں اور احکام	۴۶	ناجائز رواج	۷۶
ہلاکت سے بچنے کا حکم	۱۱	شراب وجوئے کی حرمت کا بیان	۴۷	مطلقہ کا حقِ رضاع اور نان نفقہ	۷۷
حج کا بیان	۱۲	یتیموں کی اصلاح کا حکم	۵۰	عدتِ وفات کا بیان	۸۲
کیفیتِ حج اور اس کے بعض مسائل	۱۴	یتیموں کے مال کی حفاظت کا حکم	۵۰	عدت کے اندر پیغامِ نکاح کی ممانعت	۸۳
تمام اور کمال میں فرق	۲۳	مومن کا کافر سے رشتہ ناجائز ہے	۵۱	غیر مدخولہ عورت کی طلاق	۸۴
رکوع ۹ نکاتِ علمیہ	۲۴	رکوع ۱۲	۵۳	نمازِ وسطیٰ کی تاکید	۸۶
آیت مَنْ يَشْرِي	۳۰	حیض کا بیان	〃	نمازِ وسطیٰ کی تاویل	۸۷
رجعت کا بیان	۳۱	ازدواجی زندگی کا حقیقی مفاد	۵۶	دعائے قنوت کا بیان	۹۰
رکوع ۱۰	۳۲	ایلاء کا بیان	۵۹	نمازِ خوف کا بیان	۹۱
بنی آدم کے اختلاف پر اصولی وعقلی بحث	۳۴	مطلقہ کی عدت کا بیان	۶۰	طلاق شدہ عورتوں کے بعض احکام	۹۲
حقیقتِ انسان	۳۵	مرد وعورت کے حقوق	۶۱	نسوانی زندگی پر اسلام کے احسان	۹۳
وجوہِ اختلاف	۳۶	دورِ حاضر میں عورت کی آزادی کا تصور	۶۲	مسئلہ مساوات کی توضیح	۹۴
اختلاف کا علاج	۳۷	رکوع ۱۳	۶۵	سلسلۂ نکاح	۹۷
وجہِ اشتباہ	۳۷	طلاقِ عدت وطلاقِ سنت کا طریقہ	〃	تعددِ نکاح	۹۸
ضرورتِ دین	۳۸	طلاق کی شرائط	۶۶	مسئلہ عدلِ اسلامی	۹۹
مصلحتِ جہاد	۳۹	طلاق عقل کی روشنی میں	۶۸	عدت کی مصلحت	۱۰۱
دینی اختلاف	۴۰	خلع ومبارات	۶۹	خلاصہ بحث	۱۰۲
ضرورتِ نبی	〃	خلع ومبارات کے صیغے	۷۰	اشتراکیت کا پس منظر	〃
آزمائش کی پیش کش	۴۲	نکتۂ لطیفہ (تین طلاقیں)	۷۱	موت کے بعد زندگی اور پھر موت	۱۰۸
دعوتِ جہاد	۴۳	طلاق بائن	۷۲	راہِ خدا میں خرچ	۱۱۰

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
طالوت کا قصہ اور معیار انتخاب خداوندی	۱۱۲	سود کھانے والے کا عذاب	۱۷۱	حضرت یحییٰ کی حضرت عیسیٰ سے	
تابوت بنی اسرائیل	۱۲۰	مقروض تنگدست کو مہلت دینا	۱۷۵	مشابہت	
		نقدی کی مصلحت	〃	کلام ملکوتی اور وسوسۂ شیطانی میں فرق	
طالوت اور جالوت کی لڑائی	۱۲۲	رکوع نمبر			
حضرت داؤد کی شجاعت	۱۲۴	قرضے کا بیان	۱۷۷	حضرت یحییٰ کا شکم مادر میں بولنا	
فلسفہ جذب و دفع	۱۲۶	شب معراج کی باتیں	۱۸۲	انتخاب مریمؑ	
پارہ ۳		سورۂ آل عمران	۱۸۶	جناب بتول معظمہ کی سیادت	
رکوع نمبر ۱	۱۳۲				
رکوع نمبر ۲		اسم اعظم	۱۸۸	سوال و جواب	
تفسیر آیت الکرسی	۱۳۵	انوار علمیہ	۱۹۰	بشارت عیسےٰ	
آیت الکرسی کے خواص	۱۳۶	محکمات و متشابہات کا بیان	۱۹۱	مسیح کی وجہ تسمیہ	
علمی نکتہ	۱۳۸	راسخون فی العلم		نبی اور رسول میں فرق	
العروۃ الوثقیٰ کی تاویل	۱۳۹	تاویل قرآن کا مطلب		حیات مسیح	
رکوع ۳	۱۴۲	رکوع ۱۰		موت اور وفات میں فرق	
نمرود کا حضرت ابراہیم سے مناظرہ		جنگ بدر کی طرف اشارہ		نصاریٰ نجران کے قول کی تردید	
موت کے بعد زندگی	۱۴۵	مقام توحید		تفسیر آیت مباہلہ	
بخت نصر کا قصہ	۱۴۶	فضیلت اہل علم		واقعہ مباہلہ کے متعلق روایات	
انجام بخت نصر	۱۴۷	دین اسلام		رکوع ۱۵	
حضرت ارمیاء کی موت	۱۴۸	رکوع ۱۱		رکوع ۱۶	
حضرت ابراہیمؑ کا پرندوں کو زندہ ہوتے دیکھنا	۱۵۱	انوار علمیہ		عباد و عبید میں فرق	
رابطہ آیات و علمی نکات	۱۵۲	جواز تقیہ		کتاب و اہل کتاب	
رکوع نمبر					
خدا کی راہ میں خرچ کرنا	۱۵۴	رکوع ۱۲		تورات اور یہودیت	
رکوع نمبر ۵ پاکیزہ رزق	۱۶۰	آیت اصطفاء		نصرانیت اور انجیل	
اسلام اور سرمایہ داری	۱۶۵	حضرت مریمؑ کی ولادت		میثاق انبیاء	
رکوع ۶ ۔ سود کھانے کا گناہ اور		نکات علمیہ			
چند مسائل	۱۶۹	حضرت ذکریا کو حضرت یحییٰ کی بشارت			

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ
اور آپ سے دریافت کرتے ہیں پہلی رات کے چاندوں کے متعلق فرما دیجئے کہ یہ تعیین اوقات کا ذریعہ ہیں لوگوں کے لئے
وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ
اور حج کے لئے اور نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں آؤ پیچھے سے لیکن نیکی اس
الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
کی ہے جو تقویٰ کرے اور آؤ گھروں میں دروازوں سے اور اللہ سے ڈرو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾
تاکہ فلاح پاؤ

تفسیر رکوع ۸

يَسْـَٔلُوْنَكَ :۔ اس کے شان نزول کے متعلق وارد ہے کہ معاذ بن جبل نے عرض کی ۔ یارسول اللہ! یہودی لوگ ہم سے چاند کی بابت دریافت کرتے ہیں کہ یہ چھوٹا بڑا کیوں ہوتا رہتا ہے اور ہمیشہ یکساں حالت سے کیوں نہیں رہتا ۔ تب یہ آیت اتری ۔

قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ :۔ خداوند کریم نے چاند کی کمی اور زیادتی کی مصلحت کو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ۔ کہ اسی کمی و بیشی کی وجہ سے لوگوں کے وقتوں کی تعیین ہوتی ہے ۔ روزوں کا زمانہ ، افطار کا زمانہ ، حج کا وقت ، عورتوں کی عدت ، حمل کا زمانہ اور دودھ پلانے کی میعاد وغیرہ ۔ یہ سب باتیں اسی سے معلوم ہوتی ہے ۔ اگر چاند ہمیشہ ایک حالت میں رہتا تو اس سے اوقات کی تعیین نہ کی جا سکتی ۔ یعنی تمہارے سامنے علم ہیت کی باریکیاں اور علم الافلاک کی گتھیاں سلجھانے کی ضرورت نہیں ۔ اور نہ تمہیں چاند کی زیادتی کے واقعی علل و اسباب پر اطلاع حاصل کرنا چنداں مفید ہے ۔ البتہ اس کی مصلحتوں کا علم تمہارے لئے کسی حد تک فائدہ مند ہے اور وہ ہم بتائے دیتے ہیں ۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ :۔ اس کے معنی میں کئی وجہیں بیان کی گئی ہیں ۔

(۱) عرب لوگ احرام کے زمانے میں اپنے گھروں کے اندر دروازوں کے بجائے پیچھے کی طرف سے دیواروں میں نقب لگا کر آمد و رفت کرتے تھے بعض کہتے ہیں کہ قریش کا یہی دستور تھا ۔ پس یہ آیت اتری کہ نیکی کا معیار یہ نہیں جسے تم نے سمجھا ہوا ہے بلکہ نیکی تقویٰ کا نام ہے ۔

(۲) بیوت سے مراد امور ہیں اور معنی یہ ہے کہ ہر کام کو اُلٹے طریقے سے کرنا خوبی کی بات نہیں۔ بلکہ خوبی واچھائی اس میں ہے کہ تمام امور کی بجا آوری صحیح طریقہ سے ہو۔

(۳) مراد یہ ہے کہ نااہل سے اچھائی کی اُمید رکھنا اچھا نہیں۔ بلکہ معروف کی امید اہل معروف سے ہی ہونی چاہیئے۔

آلِ محمدؐ ابواب اللہ ہیں

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا :۔ مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آلِ محمدؐ اللہ کے ابواب وسیلۂ جنت کی طرف بلانے والے اور قیامت تک رہبری کرنے والے ہیں۔

اور جناب رسالت مآب نے فرمایا۔ اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ وَلَا تُؤْتَى الْمَدِيْنَةُ اِلَّا مِنْ بَابِهَا۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے اور شہر میں دروازہ ہی سے داخل ہوا جاتا ہے۔ اور بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اوصیا ہی اللہ کے وہ دروازے ہیں۔ جن سے آنے کا حکم ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتے تو اللہ کی معرفت نہ حاصل کی جاسکتی اور انہی کے ذریعہ سے خدا نے مخلوق پر حجت تمام فرمائی ہے۔

اسود بن سعید سے مروی ہے کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس حاضر تھا میرے پوچھے بغیر آپ نے ارشادات عالیہ کو یوں زبان سے جاری فرمایا کہ نَحْنُ حُجَّةُ اللّٰهِ وَبَابُ اللّٰهِ وَنَحْنُ لِسَانُ اللّٰهِ۔ وَنَحْنُ وَجْهُ اللّٰهِ وَنَحْنُ عَيْنُ اللّٰهِ وَنَحْنُ وُلَاةُ اَمْرِ اللّٰهِ فِيْ عِبَادِهٖ (ہم حجت اللہ، باب اللہ، لسان اللہ، وجہ اللہ اور عین اللہ ہیں اور ہم اللہ کے بندوں میں اولی الامر ہیں۔

احتجاج طبرسی سے منقول ہے۔ اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابن کوا آیا۔ اور اس نے آنجناب سے اسی آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ گھر ہم ہیں جن کے دروازوں سے آنے کا حکم ہے۔ ہم اللہ کا دروازہ ہیں اور وہ گھر ہیں جن میں آنے کا حکم ہے۔ پس جس نے ہماری بیعت کی اور ہماری ولایت کا اقرار کیا۔ پس وہ گھروں میں دروازوں سے داخل ہوا۔ اور جس نے ہماری مخالفت کی اور غیر کو ہم پر ترجیح دی تو وہ گویا گھروں میں پشتوں سے داخل ہوا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو آلِ محمدؐ کے پاس آیا۔ گویا وہ صاف چشمے پر وارد ہوا۔ جو اللہ کے علم کے ساتھ جاری ہے اور خداوند کریم نے آلِ محمدؐ کو اپنے دروازے قرار دیا اور انہی سے اس کی بارگاہ میں پہنچا جاسکتا ہے اور اس قسم کی روایات بکثرت موجود ہیں۔ لیکن اختصار کے پیش نظر انہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

تنبیہ :۔ آیت مجیدہ کے پہلے معانی اور اس معنی میں منافات نہیں سمجھنی چاہیئے کیونکہ وہ معانی تفسیر ظاہری کے لحاظ سے تھے اور یہ معنی تفسیر باطنی کے طور پر ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ

اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑیں اور تجاوز نہ کرو

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ

تحقیق اللہ کو پسند نہیں جو تجاوز کریں اور اُن کو قتل کرو۔ جہاں اُن کو پاؤ

وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ

اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا۔ اور فتنہ زیادہ سنگین جرم ہے

مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ

قتل سے اور نہ لڑو اُن سے۔ مسجد الحرام کے پاس۔ یہاں تک

يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ

کہ وہ لڑیں تم سے اس میں۔ پس اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کرو۔ اسی

جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾

طرح جزا ہے۔ کافروں کی

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ :- شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب آنحضرتؐ بمعہ اپنے چودہ سو صحابہ کے عمرہ ادا کرنے کے لئے مقام حدیبیہ پر فروکش ہوئے تو مشرکین نے مکہ کے داخلے سے روک دیا۔ چنانچہ آپ نے قربانیوں کو وہاں نحر کر دیا اور مشرکین سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ اس سال واپس پلٹ جائیں اور اگلے سال تشریف لائیں اور یہ طے ہوا کہ مشرکین تین روز کے لئے وہاں سے نکل جائیں گے اور آنحضرت اپنے مناسک حسبِ منشاء ادا فرمائیں گے پس حضورؐ واپس مدینہ تشریف لائے اور اگلے سال عمرہ قضاء کے لئے بمعہ صحابہ تیار ہو کر روانہ ہوئے لیکن یہ ڈر تھا کہ کہیں مشرکین اپنے عہد کو توڑ کر روکاوٹ پیدا کر کے لڑائی نہ چھیڑ دیں۔ اور مہینہ کی حرمت کا خیال بھی ساتھ تھا۔ پس یہ آیتیں اتریں کہ جو لوگ تم سے لڑائی کی ابتداء کریں۔ ان سے بے شک لڑائی کرو۔ اور اس سے تجاوز نہ کرو۔ صلح حدیبیہ کی تفصیل تفسیر کی جلد ۱۳ ص ۱۶ تا ص ۲۶ اور ص ۲ تا ص ۶ ملاحظہ فرمائیں۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى

پس اگر باز آجائیں ۔ تو تحقیق اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور ان سے لڑو یہاں تک

لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ

کہ فتنہ باقی نہ رہے اور اللہ کا دین (عام) ہو جائے پس اگر باز آجائیں تو نہیں جائز ہے

اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ

کوئی زیادتی بسگر ظالموں پر حرمت والا مہینہ بدلے حرمت والے مہینے کے ہے اور حرمتیں ایک

قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى

دوسری کا بدلہ ہیں ۔ پس جو زیادتی کرے تم پر، تو تم بھی زیادتی کر سکتے ہو اس پر جس قدر اس نے زیادتی کی ہو

عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٩٤﴾

تم پر اور اللہ سے ڈرو اور یقین جانو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا :- یعنی اگر وہ تائب ہو جائیں تو خدا ان کی سابقہ لغزشوں کو معاف فرما دے گا ۔ اور اُن کی توبہ مقبول ہوگی۔

فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا :- اس آیت میں ظالمین کی باطنی تاویل حضرت امام حسینؑ کے قاتلین اور ان کی اولاد سے کی گئی ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں اس مضمون کی متعدد روایات منقول ہیں۔

عبدالسلام بن صالح ہروی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت قائم آل محمد علیہ السلام تشریف لائیں گے تو حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلین کی اولاد سے قصاص لیں گے اور ان کو قتل کریں گے ۔ کیا یہ درست ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ! درست ہے میں نے عرض کیا کہ خدا فرماتا ہے :-

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔ کا پھر کیا مطلب ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے سچ فرمایا ہے ۔ لیکن امام حسینؑ علیہ السلام کے قاتلوں کی اولاد اپنے باپ دادا کے فعل پر راضی ہے اور ان کے فعل پر فخر کرتے ہیں اور جو شخص کسی کے فعل پر راضی ہو ۔ تو وہ بھی اسی جیسا مجرم ہوا کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ اگر ایک شخص مشرق میں کسی کو قتل کرے اور مغرب میں رہنے والا شخص اس پر راضی ہو تو وہ بھی اس میں برابر کا شریک ہے ۔ پس حضرت قائم آل محمدؑ اُن کو اس

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۛۚ
اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ بڑھاؤ اپنے ہاتھ طرف ہلاکت کے اور نیکی کرو
وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾
تحقیق اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

لئے قتل کریں گے کہ وہ اپنے باپ دادا کے فعل پر راضی ہوں گے۔

وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ:۔ اس کے معنی میں دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) قریش نے اس بات پر فخر کیا تھا کہ ہم نے رسول اللہؐ کو ماہ ذیقعدہ میں بحالتِ احرام واپس کر دیا ہے۔ اور اُن کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔ خداوند کریم نے اسی ماہ میں باذن قتال مکّہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تاکہ یہ پہلے سال کا عوض اور حرمت والے مہینہ میں واپسی کا بدلہ حرمت والے مہینہ ہی کا داخلہ ہو جائے۔

(۲) حرمت حرمت کا بدلہ ہے اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی حرمت والے مہینہ کا احترام نہ کرتے ہوئے خواہ مخواہ تمہیں چھیڑے تو تم بھی اس سے بے شک لڑو اور کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس کو جیسے کا بدلہ تیسا اسی ماہ میں دے سکتے ہو۔

ہلاکت سے بچنے کا حکم

وَلَا تُلْقُوْا:۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں:۔

(۱) بخل کر کے ہلاکت میں اپنے ہاتھ نہ ڈالو (۲) حد سے زیادہ خرچ کر کے اپنے ہاتھ ہلاکت (بھوک) میں نہ ڈالو۔

(۳) گناہوں کے ارتکاب سے اپنے ہاتھ ہلاکت میں نہ ڈالو (۴) بلا وجہ لڑائی چھیڑ کر ہلاکت میں نہ پڑو۔ بہرکیف تمام معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

سوال:۔ اس آیت کی رُو سے جس طرح جناب رسالتمآب نے حدیبیہ میں اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے صفین میں اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کر لی تھی تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے صلح کیوں نہ کر لی؟

جواب:۔ اسباب ظاہریہ اور حالات حاضرہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو یقین تھا کہ عبید اللہ بن زیاد میرے قتل سے باز نہ آئے گا جس طرح کہ اُس نے حضرت امیر مسلم کو قتل کرا دیا تھا۔ پس ان حالات میں صلح کرنا ذلّت کی موت خریدنے کے مترادف تھا اور صلح نہ کرنا عزت کی موت کو پسند کرنے کا نام تھا۔ پس آپؑ نے ذلّت کی موت سے عزّت کی موت کو ترجیح دی۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

اور تمام کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پس اگر تم روک دیئے جاؤ (بوجہ بیماری یا دشمن کے) تو جو میسر ہو قربانی کر دو

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا

اور نہ منڈواؤ اپنے سر یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی اپنے مقام پر پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا

اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ

اس کے سر میں تکلیف ہو (تو سر منڈوالے) اور فدیہ دے روزے یا صدقہ یا قربانی پس جب تم باامن ہو

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

تو جو شخص تمتع کرے ساتھ عمرہ کے طرف حج کے تو جو کچھ میسر آئے قربانی (کرے) لیکن جس کو نہ مل سکے

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ

تو روزے رکھے تین دن دوران حج میں اور سات روزے جب واپس آؤ یہ ہیں دس پورے یہ اس

لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَھْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

شخص کے لئے ہے جس کے اہل خانہ مسجد الحرام کے قریب نہ ہوں اور اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع

سخت سزا دینے والا ہے۔

حج کا بیان

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ: یعنی اگر تم روک دیئے جاؤ تو قربانی کرلو۔ رکاوٹ دو قسم کی ہوا کرتی ہے۔

(۱) بیماری کی وجہ سے (۲) دشمن یا درندہ یا کسی ظالم و جابر کی وجہ سے

اصطلاح فقہا میں پہلی قسم کی رکاوٹ کو حصر کہتے ہیں اور دوسری قسم کو صد کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے اُحصِرتم جس کا معنی ہے کہ تم حصر کی وجہ سے رک جاؤ تو ایسا کرو لیکن یہاں پر مراد عام ہے یعنی رکاوٹ خواہ حصر (مرض کی وجہ) سے ہو یا

صد (خوف دشمن) کی وجہ سے ہو۔ ہر دو صورت میں قربانی کر کے احرام سے باہر آؤ۔

فَمَا اسْتَيْسَرَ :- قربانی کے جانور تین ہیں (۱) اونٹ (۲) گائے (۳) بکری

ان میں سے حسب حیثیت جو بھی میسر ہو سکے اسی کی قربانی کر لے۔ اور احرام سے حلال ہو جائے۔

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ :- یعنی حصر یا صد کی صورت میں قربانی کرنے کے بعد سر منڈوائے اور احرام کھول دے۔ ورنہ جبتک احرام کی حالت باقی ہو اس وقت تک سر منڈوانا یا باقی حجامت کرانا ممنوع ہے اور اسی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ سر منڈوانا جائز نہیں ہے جبتک کہ قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے تفصیل اس کی یہ ہے کہ احرام کی دو قسمیں ہیں (۱) احرام حج اور (۲) احرام عمرہ اور ہر دو صورتوں میں رکاوٹ یا حصر (بیماری) سے ہو گی یا صد (خوف دشمن وغیرہ) سے تو یہ کل چار صورتیں بنتی ہیں

(۱) پس اگر احرام حج کا ہو اور رکاوٹ کی وجہ بیماری ہو جس سے آگے نہ جا سکتا ہو تو اس صورت میں اپنی حسب حیثیت قربانی روانہ کر دے اور اس کے ذبح کا محل مقام منیٰ ہے۔ اور قربانی لے جانوالے کے ساتھ وقت کی تعیین کر لے کہ دسویں ذوالحجہ کے دن فلاں وقت میں اس قربانی کو ذبح یا نحر کرنا ہے۔ پس یہ بیمار دسویں کے دن اس وقت تک انتظار کرے کہ جس میں قربانی کے ذبح کا وعدہ کیا تھا اور جب وہ وقت آجائے تو یہ اپنے احرام کو کھول دے اور حجامت وغیرہ کرالے لیکن اس وقت سے پہلے نہ سر منڈوا سکتا ہے اور نہ کوئی دوسرا کام کر سکتا ہے جو احرام کے منافی ہو۔

(۲) اگر احرام حج کا ہو اور رکاوٹ دشمن وغیرہ کی وجہ سے ہو گئی ہو کہ آگے نہ جا سکے تو جس مقام پر اسے روکا گیا ہے وہیں قربانی کر کے احرام سے سبکدوش ہو جائے۔

(۳) اگر احرام عمرہ کا ہو اور رکاوٹ بیماری کی ہو تو قربانی مکہ میں بھیج دے اور تاریخ اور وقت مقرر کر لے کہ مثلاً فلاں روز فلاں وقت مکہ میں میری قربانی کو ذبح یا نحر کر دینا۔ پس یہ مریض اس وقت کی انتظار کرے اور وقت گذر جانے کے بعد اپنے آپ کو احرام سے آزاد سمجھے اور سر وغیرہ منڈوالے۔

(۴) اگر احرام عمرہ کا اور رکاوٹ دشمن کی وجہ سے ہو تو جس مقام پر رکاوٹ لاحق ہوئی ہو۔ اسی مقام پر قربانی کر کے احرام کھول دے جسطرح کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پہ جناب رسالتمآبؐ نے مقام حدیبیہ پہ اپنی قربانی ذبح کر لی اور صحابہ کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا۔

پس قرآن مجید کے اس حکم کا مطلب واضح ہو گیا کہ سر نہ منڈواؤ۔ جب تک کہ قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حج کے احرام میں قربانی کا مقام منیٰ ہے اور عمرہ کے احرام میں قربانی کا مقام مکہ ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں حصر (بیماری) کی وجہ سے رک جانے والے کے لئے ہیں۔ ورنہ صد (خوف دشمن) کی صورت میں حج کا احرام ہو یا عمرہ کا ہو۔ قربانی کا مقام وہی ہے جہاں صد واقع ہوا ہے۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ :- اگر کوئی شخص بیماری یا سر میں جوؤں کے پڑ جانے کی وجہ سے سر منڈوانے کا محتاج ہو اور صبر

نہ کرسکتا ہو تو وہ اس صورت میں سر منڈوا سکتا ہے۔ لیکن اس پر کفارہ لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ یا تین دن روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ بعض روایات میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم ہے اور یا ایک بکری ذبح کرے ان تینوں چیزوں میں سے اس کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ :۔ بیماری یا دشمن وغیرہ کا خوف نہ ہو اور حج کرنے والا صحیح اعمال حج کے بجا لانے پر موفق ہو۔ تو حج تمتع کرنے والے پر ہدی (قربانی) واجب ہے اور اگر قربانی دستیاب نہ ہو سکے تو اس کے بدلہ میں اس پر دس روزے واجب ہیں۔ جن میں سے تین روزے وہیں ایام حج میں رکھنے پڑتے ہیں اور اُن کا پے در پے رکھنا ضروری ہے۔ مگر ایک صورت میں اور وہ یہ کہ آٹھویں اور نویں کو روزہ رکھا ہے اور دسویں کو رکھ نہیں سکتا۔ کیونکہ عید ہے تو یہ شخص تیسرا روزہ ایام تشریق کے گذر جانے کے بعد رکھ لے۔ اس صورت کے علاوہ ان روزوں میں اگر پے در پے ہونے کی شرط نہ پائی گئی تو باطل ہو جائیں گے۔ اور دس روزے سفر حج سے واپس اگر گھر پر رکھنے ضروری ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص گھر نہ پلٹے اور وہاں ٹھہر جائے تو پھر اتنے ایام صبر کرے جتنے گھر تک پہنچنے کے لئے درکار تھے اور اس کے بعد بقیہ روزے رکھ لے۔ یہ کل دس روزے ہیں۔ جو قربانی حج تمتع کا بدلہ ہیں۔

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ :۔ یہ حج تمتع ان لوگوں کا فریضہ ہے۔ جن کی اہل مسجد الحرام کے حاضرین سے نہ ہو حاضرین مسجد الحرام سے مراد ہے کہ مکہ سے اڑتالیس ۴۸ میل کے فاصلہ کے اندر ہوں۔ بعض علمائے کرام نے بارہ میل کا قول اختیار فرمایا ہے۔

کیفیت حج اور اُس کے بعض مسائل

حج کے اقسام

حج کی تین قسمیں ہیں حج تمتع، حج افراد، حج قرآن۔ ان ہر سہ قسموں میں سے حج تمتع افضل ہے جو لوگ مکہ یا اس کے ۴۸ میل کے فاصلہ کے اندر رہتے ہیں ان کا فریضہ حج افراد یا حج قران ہوتا ہے اور جو لوگ مکہ سے ۴۸ میل سے زیادہ فاصلہ پر آباد ہوں۔ ان کا فریضہ حج تمتع ہے۔ جس طرح قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ یہ حج (تمتع) ان لوگوں کا فریضہ ہے جن کی اہل مسجد الحرام کے حاضرین سے نہ ہو۔ حج تمتع میں پہلے عمرہ بجا لانا پڑتا ہے اور یہ عمرہ عُمرۂ تمتع کہلاتا ہے اور حج افراد اور حج قران میں صرف حج کے اعمال کو بجا لانا پڑتا ہے اور اس کے بعد عمرہ علیحدہ کیا جاتا ہے اور اس کو عُمرۂ مفردہ کہتے ہیں۔

عمرہ :۔ عُمرہ کے واجبات یہ ہیں۔ احرام۔ طواف۔ دو رکعت طواف۔ سعی۔ تقصیر۔

احرام :۔ حاجی کے لئے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔

میقات :- اس مقام مخصوص کو کہا جاتا ہے جہاں سے احرام باندھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

میقات کل چھ ہیں۔

(۱) جحفہ :- شام کے راستہ سے حج کو جانے والوں کے لئے یہی میقات ہے۔

(۲) مسجد شجرہ :- مدینہ کے رستہ سے حج کرنے والوں کا میقات ہے اگر حاجی یہاں سے احرام نہ باندھ سکے۔ تو مقام جحفہ سے احرام باندھ سکتا ہے۔

(۳) وادیٔ عتیق :- عراق کے راستہ سے حج کرنے کا میقات ہے۔

(۴) طائف والوں کے لئے قرن المنازل (۵) یمن والوں کے لئے یلملم ہے۔

(۶) جس شخص کا گھر ان مقررہ میقاتوں کی بہ نسبت مکہ کے زیادہ قریب ہو تو اس کا میقات اپنا گھر ہے یعنی وہ وہاں سے احرام باندھ لے۔

مسئلہ :- اگر کوئی شخص ایسے راستے سے حج کو جائے کہ کسی میقات سے نہ گذرتا ہو تو وہ شخص جب ان میقاتوں میں سے کسی ایک کی محاذات (برابری) میں پہنچے تو احرام باندھ لے۔

مسئلہ :- جنب، حیض، نفاس احرام سے مانع نہیں ہیں۔

مسئلہ :- اگر بھول کر بغیر احرام باندھنے کے میقات سے آگے گزر جائے تو اس پر واجب ہے کہ واپس آ کر میقات سے احرام باندھ کر جائے۔ ہاں اگر واپسی ناممکن ہو تو جس مقام پر یاد آیا ہے وہیں سے احرام باندھ کر آگے چلے۔

مسئلہ :- احرام کے لئے تین چیزیں واجب ہیں۔ احرام کے کپڑوں کا پہننا، نیت اور لبیک کہنا۔

مسئلہ :- احرام کے کپڑے دو سوتی سفید چادریں ہوتی ہیں۔ ایک زیر ناف سے پاؤں تک ڈھانپنے کے لئے اور دوسری کندھوں پر اوڑھنے کے لئے۔

مسئلہ :- احرام کی چادروں کا کپڑا ایسا باریک نہیں ہونا چاہیئے کہ نظر اس سے پار ہو کر چمڑے تک پہنچ سکے۔

مسئلہ :- مستحب ہے کہ پہلے حجامت کروالے اور جسم سے بالوں کو صاف کر دے اور پھر غسل کر کے احرام باندھے

مسئلہ :- نماز ظہر کے بعد احرام باندھنا بہتر ہے۔ ورنہ کسی فریضہ نماز کے بعد باندھے۔ اور اگر ایسا کرنا ناممکن ہو تو پھر چھ رکعت نماز نافلہ احرام پڑھ کر بعد میں احرام باندھے اور یہ بھی نہیں تو کم از کم دو رکعت نافلہ پڑھ کر احرام باندھے۔

مسئلہ :- غسل کرنے اور احرام باندھنے کے وقت منقولہ دعاؤں کا پڑھنا اللہ کی حمد و ثنا اور درود پڑھنا باعث ثواب ہے۔

مسئلہ :- احرام کے کپڑے پہن لینے کے بعد نیت کرے کہ عمرۂ تمتع کے لئے میں نے قربۃً الی اللہ احرام باندھا ہے اور اس نیت کے بعد فوراً اپنی زبان پر کلمات لبیک کو جاری کرے اور کہے :-

لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ۔

مسئلہ :۔ لبیک کہتے ہوئے مکہ کو جائے اور مکہ کے مکانات جب دکھائی دینے لگیں تو لبیک کہنا ختم کر دے۔

مسئلہ :۔ حالتِ احرام میں مندرجہ ذیل چیزوں سے بچنا چاہیئے۔

(۱) جنگلی جانور کا شکار۔ خود کرنا۔ کسی کو حکم دینا۔ مشورہ دینا۔ اشارہ کرنا اور ذبح کرنا وغیرہ محرم کے لئے سب حرام ہیں اور محرم کا ذبح شدہ شکار مردار کی طرح حرام ہوا کرتا ہے۔ اس کا کھانا ہر ایک پر حرام ہے۔

(۲) **عورت** :۔ عورت سے ہمبستری کرنا، بوس وکنار کرنا یا بنظرِ شہوت اس پر نظر کرنا حرام ہے۔

مسئلہ :۔ اگر کوئی شخص حالتِ احرام عمرہ میں سعی کرنے سے پہلے اپنی عورت سے ہمبستری کرے تو اس پر ایک کفارہ واجب ہے اور اس سال اس کی حج بھی فاسد ہے۔ لہٰذا اس پر واجب ہے کہ یہ حج بھی پوری کرے اور آئندہ سال اس کی قضا بھی کرے۔

مسئلہ :۔ اگر احرام حج میں وقوفِ مشعر سے پہلے عورت کے ساتھ ہمبستر ہو جائے تو حج بھی فاسد اور اونٹ کا کفارہ بھی واجب ہے۔ لیکن اس سال اس حج فاسد کو پورا کرنا واجب ہے اور اگلے سال اس کی قضا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ :۔ عورت کے ساتھ بوس وکنار سے بھی اونٹ کا کفارہ واجب ہے اور نظرِ شہوت کرنے سے اگر خروج منی ہو جائے تب بھی واجب ہے کہ اونٹ کفارہ دے۔

(۳) عورت سے نکاح کرنا۔ یا کسی اور کا نکاح پڑھنا محرم پر حرام ہے بلکہ خواستگاری کرنے اور کسی کے نکاح میں شریک ہونے اور گواہ بننے اور گواہی دینے سے بھی پرہیز کرے۔

(۴) استمنا۔ یعنی مشت زنی یا اسی قسم کے کسی کرتوت سے منی کا خارج کرنا۔

(۵) خوشبو، مشک زعفران وغیرہ کا سونگھنا، بدن پر ملنا اور کھانا وغیرہ (اس کا کفارہ ایک گوسفند ہے)

(۶) سِیا ہُوا لباس۔ یا وہ جو سِلے ہوئے کے ہو جس طرح نمدہ وغیرہ

(۷) بقصدِ زینت سیاہ سُرمہ لگانا۔

(۸) آئینہ دیکھنا۔

(۹) جراب یا موزہ یا جوتا وغیرہ جو پاؤں کے ظاہر حصّہ کو ڈھانپ لیں۔ البتہ نعل عربی میں کوئی حرج نہیں۔

(۱۰) جھوٹ بولنا۔

(۱۱) قسم کھانا۔ مثلاً لَا وَاللّٰہ ۔ بلٰے واللّٰہ کہنا۔

مسئلہ :۔ جھوٹی قسم کا کفارہ پہلی بار ایک گوسفند۔ دوسری بار ایک گائے۔ اور تیسری دفعہ ایک اُونٹ ہے۔

اور سچّی قسم کے لئے پہلی دو دفعہ صرف توبہ استغفار ہی کافی ہے اور تیسری بار اگر کرے تو ایک گوسفند کفارہ ہے۔

(۱۲) مچھر، جوں، اور کھٹمل وغیرہ کا مارنا۔ بلکہ ایک حصّہ جسم سے دوسرے غیر محفوظ حصّہ پر اس کا منتقل کرنا بھی خلافِ احتیاط ہے۔

(۱۳) مہندی لگانا، زینت کے لئے بلکہ احرام سے پہلے مہندی لگانا بھی ٹھیک نہیں اگر اس کا اثر احرام کے بعد تک رہنے والا ہو۔

(۱۴) عورت کا حالتِ احرام میں زینت کے لئے زیورات کا استعمال کرنا۔

(۱۵) تیل یا گھی یا دیگر روغنی چیزوں کا ملنا اگرچہ خوشبودار نہ بھی ہو۔

(۱۶) اپنے بدن سے یا کسی دوسرے محرم کے بدن سے بال دُور کرنا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کی آنکھ میں بال پیدا ہو جائے تو اس کو دُور کرنا جائز ہے اسی طرح وضو یا غسل وغیرہ سے اگر کوئی بال جُدا ہو جائے تو حرج نہیں۔ نیز سر دردی وغیرہ کی وجہ سے اگر سر منڈوالیا جائے تو بھی گناہ نہیں۔

مسئلہ:۔ جسم سے بال دُور کرنے کا کفارہ ایک گوسفند ہے اگر مجبوری کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔ تو تین روزے یا دس مُد کفارہ دے۔

مسئلہ:۔ سر یا داڑھی پر ہاتھ پھیرنے سے اگر کوئی بال گر جائے تو ایک مٹھی گندم صدقہ دے۔

(۱۷) مرد کا سر کو ڈھانپنا حالتِ احرام میں حرام ہے اور اس کا کفارہ ایک گوسفند ہے۔

(۱۸) عورت کا حالتِ احرام میں منہ کو ڈھانپنا اور اس کا کفارہ بھی ایک گوسفند ہے۔

(۱۹) مرد کا حالتِ احرام میں اپنے سر پر سایہ کرنا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی بیماری یا کمزوری یا کسی تکلیف کی وجہ سے سایہ میں بیٹھنا ضروری ہو جائے تو اس صورت میں سایہ کے نیچے بیٹھ سکتا ہے۔ لیکن ایک گوسفند کفارہ دینا ہوگا۔ حج اس کی صحیح ہوگی۔

(۲۰) اپنے بدن سے خون نکالنا۔ اور اس کا کفارہ ایک گوسفند ہے۔

(۲۱) ناخن لینا۔ ایک ناخن کا کفارہ ایک مُد ہے۔ اور پُورے ہاتھوں اور پاؤں کے ناخن اُتارنے سے ایک گوسفند کفارہ دینا ہوگا۔

(۲۲) دانت نکلوانا۔ اس کا کفارہ بھی ایک گوسفند ہے۔

(۲۳) حرم کے درخت یا گھاس وغیرہ کاٹنا۔ درخت کاٹنے کا کفارہ ایک گوسفند ہے۔

طواف عمرۂ تمتع کا احرام باندھنے کے بعد جب مکہ میں داخل ہو تو مکہ میں داخلے کے لئے غسل مستحب کرے اور پھر مسجد الحرام کے داخلے کے لئے ایک اور غسل مستحب کرلے اور طواف واجب کرے اور طواف بیت اللہ

کے گرد سات چکر پھرنے کا نام ہے۔ طواف میں طہارتِ جسم (حدث اور خبث سے) اور طہارتِ لباس اور اس کا مباح ہونا ضروری ہے۔ مرد کا بغیر ختنہ کے طواف باطل ہوتا ہے طواف کرنے سے پہلے نیت یہ کرے کہ عمرۂ تمتع کا طواف قربتہً الی اللہ بجالاتا ہوں۔ اور نیت کا دل میں ہونا ضروری ہے۔ اس کا زبان پر جاری کرنا لازم نہیں۔

طواف کا طریقہ یہ ہے کہ نیت کرکے حجرِ اسود سے طواف شروع کرے اس لحاظ سے اس کا ہر چکر حجرِ اسود تک پورا ہوگا۔ اور یہ خیال رہے کہ حالتِ طواف میں اس کا بایاں کندھا بیت اللہ کے سامنے رہے۔ لہٰذا ہر کونہ سے موڑ کاٹتے ہوئے اپنے جسم کو ترچھا رکھ کر اپنے کندھے کو کعبہ کی سیدھ سے ہٹنے نہ دے۔ اسی طرح اگر اثناء طواف بیت اللہ کو بوسہ دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔ تو یہ خیال رکھے کہ اپنا کندھا کعبہ کی سیدھ میں رہے۔ ورنہ اگر غفلت ہوجائے اور کندھا بیت اللہ کی سیدھ سے ہٹ جائے اور اسی حالت میں طواف کا کچھ حصہ گذر جائے تو ملتفت ہونے کے بعد اس پر واجب ہے کہ اسی مقام سے طواف کو دوبارہ شروع کرے جہاں سے یہ بے اعتدالی واقع ہوئی تھی۔ اور پھر طواف کو صحیح طریقہ سے ادا کرے۔

مسئلہ:۔ طواف میں ضروری ہے کہ ایک طواف کے لئے سات چکر پورے کرے اگر سات چکروں سے عمداً کم یا زیادہ کرے گا تو طواف باطل ہوگا۔

مسئلہ:۔ حالتِ طواف میں زبان کو ذکرِ خدا سے تر رکھے۔ بے ہودہ باتیں نہ کرے۔ نیز منقول دعاؤں کا پڑھنا مستحب ہے۔

نمازِ طواف

طواف کے بعد دو رکعت نمازِ طواف پڑھنی چاہیئے۔ طواف واجب کے لئے نماز طواف واجب اور طوافِ مستحب کے لئے مستحب ہے۔ طواف کے فوراً بعد مقامِ ابراہیم پر جاکر دو رکعت نمازِ طواف ادا کرے۔ مقامِ ابراہیم سے مراد وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک کا نشان باقی ہے اگر لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے وہاں جگہ نہ مل سکے تو اس کے قریب دائیں یا بائیں جانب دو رکعت نمازِ طواف ادا کرے۔

مسئلہ:۔ دو رکعت نمازِ طواف میں مستحب ہے کہ پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورۂ قل ہو اللہ احد اور دوسری رکعت میں حمد کے بعد قل یا ایہا الکافرون پڑھے اور اس کے بعد اپنے گناہوں سے توبہ کرکے اللہ سے معافی طلب کرے۔

سعی صفا و مروہ کے درمیان:۔ دو رکعت نمازِ طواف سے فارغ ہوکر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے۔ سعی کو کوہِ صفا سے شروع کرے اور کوہِ مروہ پر ختم کرے۔ شروع کرتے وقت کوہِ مروہ کے کچھ حصہ کے اوپر چڑھ جائے۔ سعی کے بھی سات چکر واجب ہیں۔ لیکن صفا سے مروہ تک جانا ایک چکر اور واپس صفا تک آنا دوسرا چکر شمار ہوتا ہے۔ لہٰذا ساتواں چکر کوہِ مروہ پر ہی ختم ہوگا۔ سعی کو شروع کرنے سے پہلے نیت کرلینا ضروری ہے۔ لیکن طہارت بدن و لباس اس میں شرط نہیں ہے۔ سعی کرنا حج کا رکن ہے۔

تقصیر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر لینے کے بعد تقصیر کی نیت کر کے سر کے بال تھوڑے سے کٹوالے اور اسی کا نام تقصیر ہے لیکن سر منڈوانا اس مقام پر حرام ہے۔ اب احرام میں جتنی چیزیں اس پر حرام تھیں۔ وہ سب حلال ہو گئیں یہ تھا عمرہ تمتع جس کے اعمال کی بجا آوری ہو گئی۔ اس کے بعد مکہ میں ٹھیرا رہے پھر جب حج کے احرام کا وقت آئے گا۔ تو مکہ سے دوسرا احرام باندھ کر عرفات و منیٰ کی طرف جائے اور وہاں حج کے اعمال بجا لائے۔

افعالِ حج حج کے واجب افعال چودہ ہیں :۔

(۱) احرام (۲) وقوفِ عرفات (۳) وقوفِ مشعر (۴) افاضہ (۵) رمی جمرۂ عقبہ (۶) نحر یا ذبح (۷) سر منڈوانا (۸) مکہ میں آکر طوافِ زیارت (۹) دو رکعت نماز طواف (۱۰) سعی درمیان صفا و مروہ (۱۱) طوافِ نساء (۱۲) دو رکعت نماز طواف (۱۳) مبیتِ منیٰ (۱۴) رمی جمارِ ثلٰث۔

احرامِ حج احرام باندھنے کا طریقہ۔ کپڑے۔ نیت وغیرہ وہی ہیں جو پہلے بیان ہو چکے ہیں اور جو چیزیں احرام کی حالت میں حرام ہو جاتی ہیں ان کا بیان گذر چکا ہے۔

مسئلہ :۔ حج کا احرام مکہ معظمہ کے جس مقام سے باندھے جائز ہے لیکن مسجد الحرام میں مقام ابراہیم سے باندھنا افضل ہے

مسئلہ :۔ احرام حج ایسے وقت میں باندھے کہ نویں ذوالحجہ کو وقوفِ عرفات کے لئے وہاں پہنچ سکے اور بہتر یہ ہے کہ آٹھویں ذوالحجہ کو احرام باندھ کر روانہ ہو جائے اور رات کو مقام منیٰ میں رہے اور نویں کے روز وہاں سے روانہ ہو کر عرفات کے مقام پر جائے۔ اور احرام باندھ کر لبیک کے کلماتِ گذشتہ کو زبان پر جاری کرے۔ اور جب مقام ابطح پر پہنچے تو باآواز بلند لبیک پڑھے۔

وقوفِ عرفات نویں ذوالحجہ کو زوال سے لے کر غروبِ شمس تک عرفات میں ٹھیرنے کا نام وقوفِ عرفات ہے اور یہ حج کا رکن ہے اس کے فوت ہونے سے حج فوت ہو جاتا ہے۔ جس کی تفصیل کتُب فقہیہ میں موجود ہے

مسئلہ :۔ عرفات میں ظہر سے مغرب تک ٹھیرنا واجب ہے خواہ وہاں کھڑا رہے یا بیٹھا رہے یا چلتا رہے۔

مسئلہ :۔ وقوف کی نیت کرے کہ وقوفِ عرفات حج تمتع کے لئے کرتا ہوں۔ قربۃً الی اللہ

مسئلہ :۔ وقوفِ عرفات غروب آفتاب تک ہے اگر کوئی شخص غروب سے پہلے عرفات سے باہر نکل جائے تو اس پر واپس پلٹ کر غروب تک وقوف کرنا واجب ہے ورنہ اس کا کفارہ ایک اونٹ ہے اور اگر یہ ناممکن ہے۔ تو اٹھارہ روزے پے در پے رکھے۔

مسئلہ :۔ اگر بصورتِ سہو قبل از غروب عرفات سے چلا جائے اور غروب تک ملتفت نہ ہو یا جہالتِ مسئلہ کی صورت میں ایسا کرے اور بغروب تک اس کو مسئلہ کا علم نہ ہو سکے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔ لیکن اگر بروقت اس کو علم ہو جائے۔

تو واپس آکر غروب تک وقوف کرنا واجب ہے اور بصورتِ مخالفت کفارہ لازم ہے۔

مسئلہ:۔ اگر حکومتِ وقت کے قاضی نے چاند کے ثبوت کا حکم دے دیا ہو لیکن مذہب شیعہ کی رُو سے شرعاً چاند اس تاریخ پر ثابت نہ ہو اور تقیہ حکومتِ وقت کے قاضی کے حکم کے موافق عمل کرنے کا مقتضی ہو تو ایسی صورت میں انشاءاللہ فریضۂ حج ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ وقوفِ عرفات سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے اول وقت میں اذان کے بعد نمازِ ظہر و عصر کو پڑھے اور اس مقام پر تمام مذاہب اسلامیہ بلا اختلاف جمع بین الصلوٰتین پر عمل کرتے ہیں جس میں مذہب شیعہ کی صداقت کی پُرزور عملی تائید ہے۔ پس چاہیئے کہ نہایت دل جمعی سے باطہارت وہاں غروب تک کھڑے ہو کر اور ایسا نہ کرسکے تو قبلہ رُخ بیٹھ کر تا غروب ذکرِ خدا میں مشغول رہے۔ اللہ اکبر ایک سو بار۔ الحمد للہ ایک سو بار۔ سبحان اللہ ایک سو مرتبہ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ایک سو دفعہ، آیۃ الکرسی ایک سو دفعہ، دُرود شریف ایک سو دفعہ، سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَا ایک سو مرتبہ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ ایک سو دفعہ اور سورہ توحید ایک سو دفعہ پڑھنا مستحب ہے۔ اپنے گناہوں کو اپنے سامنے رکھ کر اللہ سے ان کی معافی مانگے اپنے والدین و قریبیوں و دیگر برادرانِ ایمانی کے لئے دُعا طلب کرے۔ کیونکہ جو شخص غائبانہ طور پر اپنے مومن بھائیوں کے لئے دعا کرتا ہے تو فرشتے اس کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ مقامِ عرفات گناہ معاف کرانے کے لئے بہترین مقام ہے اور بدبخت انسان ہے وہ جو مقامِ عرفات سے واپس آئے اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب نہ کرسکے روایت میں ہے کہ ماہِ رمضان میں جس کے گناہوں کی بخشش نہیں ہو سکتی تو اس کی بخشش ہو ہی سکتی۔ مگر یہ کہ عرفات جانے پر موفق ہو اور وہاں اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرے۔

اس مقام پر آئمہ معصومین علیہم السلام سے جو دعائیں منقول ہیں۔ ان کو پڑھنا مستحب ہے۔

اِفاضہ:۔ غروبِ شمس کے بعد عرفات سے مشعر کی طرف روانگی کا نام افاضہ ہے۔

وقوفِ مشعر غروبِ شمس کے بعد عرفات سے روانہ ہو کر مشعر الحرام میں پہنچے اور وہاں اذان کے بعد دونو نمازیں مغرب و عشا بجا لائے۔ اس مقام پر بھی تمام مسلمان مغرب و عشاء کو جمع کرکے پڑھتے ہیں وقوفِ مشعر سے پہلے غسل مستحب ہے اس مقام پر منقولہ دعائیں پڑھے اور اپنے گناہوں کی اللہ سے مغفرت طلب کرے اور حمد و ثنا پروردگار سے اپنی زبان معطر رکھے۔ نیت کرے کہ وقوفِ مشعر کرتا ہوں۔ حج تمتع کے لئے قربۃً الی اللہ طلوعِ صبح صادق سے لے کر طلوعِ شمس تک وقوف کرنا لازم ہے۔ البتہ عورتیں اور ضعیف مرد اور بیمار لوگ جن کو طلوعِ شمس کے بعد روانہ ہونے میں لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے تکلیف کا خطرہ ہو تو وہ طلوعِ صبح سے پہلے بھی منیٰ کی طرف روانہ ہو سکتے ہیں۔ اور اگر یہ خوف نہ ہو تو پھر طلوعِ شمس کے بعد روانہ ہونا چاہیئے۔

منیٰ کے اعمال طلوعِ شمس کے بعد مشعر الحرام سے روانہ ہو اور اگر اس سے پہلے روانہ ہو جائے تو وادیٔ

محسر کو طلوع شمس سے پہلے عبور نہ کرے اور یہاں سے تین جمروں کو مارنے کے لئے ستر سنگریزے چُن لے اگر دو چار زیادہ اٹھالے تو بہتر ہے۔ منیٰ کے اعمال تین ہیں۔

(۱) رمی جمرۂ عقبہ (۲) قربانی (۳) حلق

رمی جمرۂ عقبہ منیٰ میں پہنچ کر پہلے پہل جمرۂ عقبہ کو نیّت کرکے سنگریزے مارے۔ سنگریزوں میں شرط ہے کہ پہلے استعمال شدہ نہ ہوں اور بہتر ہے کہ رنگ برنگے ہوں اور حذف کے طریقہ سے مارے یعنی انگشتِ شہادت کے ناخن اور انگوٹھے کے درمیان رکھ کر کم از کم سات ذراع کے فاصلہ سے جمرہ کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پشت کرکے پاپیادہ باوضو یکے بعد دیگرے مارے اور مارتے وقت منقول دعا بھی پڑھے۔

قربانی حج تمتع کرنے والے پر واجب ہے کہ جمرۂ عقبہ کو سنگریزے مار چکنے کے بعد حسبِ حیثیت اونٹ یا گائے یا بکری وغیرہ کی قربانی کرے اور ہر شخص کو جدا جدا قربانی کرنی چاہیئے۔

مسئلہ:۔ قربانی کے جانور کی عمریں یہ ہوں۔ بھیڑ یا دنبی کی عمر سات ماہ سے زائد ہو اور گائے بکری وغیرہ دوسرے سال میں داخل ہو۔ اونٹ چھٹے سال میں داخل ہو۔

مسئلہ:۔ قربانی کا جانور دُبلا بیمار، عیب دار نہ ہو۔ لہٰذا اندھے، کانے، لنگڑے، کن کٹے، بیمار اور دُبلے جانور کی قربانی ناکافی ہے۔ قربانی کا جانور خصی بھی نہیں ہونا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ قربانی کے گوشت میں سے کچھ صدقہ دے۔ اور کچھ مومنین کو ہدیہ دے اور ہدیہ یا صدقہ کو ایک تہائی سے کم نہیں ہونا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ قربانی کے وقت یہ دعا مستحب ہے۔

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ۔

اگر قربانی کرنے والا خود ذبح کا طریقہ نہ جانتا ہو تو ذبح کرنے والے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے اور دعائے مذکور پڑھے:۔

مسئلہ:۔ اونٹ نحر کئے بغیر حلال نہیں ہوتا۔ اور دوسرے جانور ذبح سے حلال کئے جاتے ہیں۔

حلق یا تقصیر قربانی کر چکنے کے بعد سر منڈوانا چاہیئے یا تقصیر کرنی چاہیئے۔ یعنی مونچھوں یا سر کے بالوں میں سے کچھ بال کٹوالے یا ناخن اُتروالے۔ اگر پہلی دفعہ کا حاجی ہے تو اس کے لئے حلق (سر منڈوانا)

افضل ہے۔ عورتوں پر حلق نہیں ہے۔ بلکہ ان کے لئے تقصیر ہے۔
حلق کے وقت قبلہ رُخ بیٹھے اور یہ دعا پڑھے :۔ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ بِكُلِّ شَعْرَةٍ نُوْرًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ
مسئلہ :۔ حلق یا تقصیر کے بعد احرام کی وجہ سے جتنی چیزیں حرام ہوئی تھیں ۔ صرف خوشبو ۔ بیوی اور شکار کے علاوہ سب حلال ہو جائیں گی۔

طوافِ زیارت منیٰ کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد مکہ معظمہ کا رُخ کرے اور طوافِ زیارت بجا لائے طواف کے لئے غسل مستحب ہے۔ باقی شرائط وطریقہ وہی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ صرف نیت یہ کرے گا کہ حج تمتع کے لئے طوافِ زیارت کرتا ہوں۔ قربۃً الی اللہ۔

دو رکعت نمازِ طواف :۔ طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت نماز طواف مقام ابراہیم پر پڑھے جس طرح مذکور ہو چکا ہے۔

سعی :۔ طواف و نمازِ طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے جیسا کہ عمرہ کے بیان میں گذر چکا ہے۔

مسئلہ :۔ سعی کے بعد اس پر خوشبو لگانا حلال ہو جائے گا۔

طوافِ نساء سعی کے بعد بیت اللہ کا طواف کرے اور اس کو طواف النساء کہا جاتا ہے۔ نیت یہ کرے کہ طوافِ نساء کرتا ہوں یا کرتی ہوں حج تمتع کے لئے قربۃً الی اللہ۔ اور طواف کے بعد دو رکعت نمازِ طواف مقام ابراہیم پر پڑھے۔

مسئلہ :۔ طوافِ نساء کرنے سے عورت اور شکار بھی حلال ہو جائیں گے۔ اگر طواف نساء کو ترک کیا جائے تو عورت کے لئے مرد اور مرد کے لئے عورت حرام رہے گی۔ جب تک کہ یہ طواف نہ کیا جائے اور شیعہ حاجیوں کو اس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے۔

مبیتِ منیٰ اعمالِ منیٰ سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ میں جا کر طوافِ زیارت اور سعی اور طوافِ نساء وغیرہ کے اعمال بجا لائے اور اس کے بعد واپس مقام منیٰ پر آجائے اور نیت قربۃً الی اللہ کر کے ۱۱ ذوالحجہ، ۱۲ ذوالحجہ کی دو راتیں یہاں ٹھہرے۔

مسئلہ :۔ اگر جان بوجھ کر یہ راتیں مقام منیٰ میں نہ رہے تو ایک گوسفند فی شب قربانی دینا اس کا کفارہ ہے۔
مسئلہ :۔ جو شخص حالتِ احرام میں شکار اور بیوی سے بچ چکا ہے اس پر تیرھویں کی رات منیٰ پر رہنا ضروری نہیں پس ۱۲ ذوالحجہ کو بعد از ظہر منیٰ سے جا سکتا ہے اور اگر ۱۲ ذوالحجہ کے دن منیٰ میں غروب ہو جائے تو پھر ۱۳ ذوالحجہ کی رات کا وہاں مقام منیٰ میں ٹھیرنا ضروری ہے۔

رمیِ جمار ۱۱ ، ۱۲ ذوالحجہ کو تینوں جمروں کو نیت قربت سے سنگریزے مارے۔ پہلے جمرۂ اُولیٰ پھر جمرۂ وسطیٰ اور پھر جمرۂ عقبیٰ کو سات سات سنگریزے مارے اور ترتیب یہی رکھے۔ اور عمداً اس کی خلاف ورزی نہ کرے

اگر ۱۳ر کی شب منیٰ میں ہو تو ۱۳ر کے دن بھی تینوں جمروں کو اسی ترتیب سے سنگریزے مارے اور اگر ۱۲ر کی ظہر کے بعد وہاں سے روانہ ہو جائے تو باقی ماندہ سنگریزوں کو دفن کردے۔

مسئلہ:۔ مقام منیٰ میں رہائش کے دوران میں نماز ہائے واجبہ و مستحبہ کو مسجد خیف میں ادا کرنا مستحب ہے روایت میں ہے کہ وہاں ایک سو رکعت نماز نافلہ پڑھنا ستر برس کی عبادت کے برابر ہے۔

طواف وداع ان اعمال سے فارغ ہوکر مستحب ہے کہ پھر مکہ معظمہ میں داخل ہو اور طواف وداع کرے۔ اور زیادہ سے زیادہ طواف کرنے کی کوشش کرے اور ۳۶۰ طواف کرنا مستحب ہے اور اگر یہ نہ کرسکے تو ۳۶۰ چکر مستحب ہیں۔ بیت اللہ میں طواف کرنا نافلہ پڑھنے سے افضل ہے۔ وہاں اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے۔ والدین قریبیوں اور دیگر مومن بھائیوں کے لئے دعا طلب کرے۔ کعبہ کے اندر داخل ہوکر ذکر خدا بجالائے۔

مسئلہ:۔ ہر طواف میں خواہ واجب ہو خواہ مستحب حجر اسود کو بوسہ دینا مستحب ہے اگر بھیڑ و اژدھام وغیرہ کی وجہ سے بوسہ دینے پر قدرت نہ ہو تو ہاتھ سے مس کرے دیوار کعبہ سے اپنے جسم کو مس کرنا بہتر ہے۔ خصوصاً تمام ارکان سے چمٹنا مستحب ہے اور ان تمام حالات میں حمد و ثنائے پروردگار اور درود شریف کے ذکر خیر سے اپنی زبان کو تر رکھے۔ بیت اللہ کو اس طرح وداع کرے۔ جس طرح اپنے انتہائی قریبی دوست سے وداع کر رہا ہو اور خدا سے دوبارہ حج پر موفق ہونے کی دعا طلب کرے۔ روانگی کے وقت کچھ کھجوریں خرید کر صدقہ کرے۔ آب زمزم کو واپسی پر شفا کے لئے ہمراہ لانا خوب ہے۔

مسئلہ:۔ حج بیت اللہ سے فارغ ہونے کے بعد یا حج سے پہلے مدینہ منورہ میں جناب رسالتمآبؐ اور دیگر معصومینؑ کی زیارت کو جانا مستحب ہے اور حضور رسالتمآبؐ کا فرمان ہے کہ مَنْ حَجَّ وَلَمْ يَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي۔ یعنی جو حج کرے اور میری زیارت کو نہ آئے تو تحقیق اس نے میرے اوپر جفا کی۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حَجَّ بَيْتِكَ الْحَرَامِ وَزِيَارَةَ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ۔

تتمہ:۔ تمام اور کمال میں فرق

تمامیت:۔ کسی مرکب کے بعض اجزا شروع ہو جانے کے بعد اس کے آخری جزء تک انضمام کا نام ہے۔

کمال:۔ تمامیت کے بعد ایک وصف کے ساتھ اس کا متصف ہونا جس پر اس شے کے آثار کا ترتب موقوف ہو۔

مثلاً انسان کے تمام اجزاء کا پورے طور پر موجود ہونا یہ اس کی تمامیت ہے اور اس کا عالم یا شجاع ہونا مثلاً اس کا کمال ہے پہلی صورت میں انسان تام ہے اور دوسری صورت میں انسان کامل ہوگا۔ اس مقام پر حکم ہے کہ حج اور عمرہ کے شروع کرنے کے بعد اس کو تمام کرو۔ یعنی تمام اس کے اجزاء بجالاؤ۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ

حج کے مہینے معلوم (مقرر شدہ) ہیں۔ پس جس نے ان مہینوں میں حج واجب کیا (اپنے اوپر) تو وہ قرب عورت

وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ

جھوٹ اور سچی یا جھوٹی قسموں سے دوران حج میں بچے اور جس قدر تم نیکیاں کروگے اللہ ان کو جانتا ہے

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

اور زاد راہ تیار کرو۔ تحقیق بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور مجھ سے ڈرو اے صاحبانِ عقل

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ

نہیں ہے تم پر کوئی گناہ۔ کہ طلب کرو فضل اپنے رب سے پس جب تم افاضہ کرو

مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا

عرفات سے تو ذکر کرو اللہ کا نزدیک مشعر الحرام کے اور اس کا ذکر کرو جس طرح اس نے تمہیں

هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا

ہدایت کی۔ اگرچہ تم اس سے پہلے (احکام شرعیہ) سے گمراہ تھے پھر افاضہ کرو تم۔ جہاں سے

مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

افاضہ کرتے ہیں لوگ۔ اور بخشش طلب کرو اللہ سے تحقیق اللہ غفور رحیم ہے

سوال:۔ قربانی کے نہ ملنے کی صورت میں جہاں دس روزوں کا حکم دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ تین روزے حج کے دوران میں اور سات روزے واپس پہنچ کر۔ پس یہ دس کامل ہوں گے۔ حالانکہ گذشتہ فرق کے پیش نظر سات روزوں کے ملنے سے دس کو تمام کہنا چاہیئے۔

جواب:۔ تین اور سات روزوں کا حکم جدا جدا ہے گویا یہاں تین روزوں کا حکم اپنے مقام پر تمام ہے۔ البتہ ان کا کمال اور قائم مقام قربانی کا ہونا۔ ان سات روزوں کے رکھنے پر موقوف ہے لہٰذا یہ سات روزے پہلے تین روزوں کے لئے کمال ہیں۔

رکوع ۹ - اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ - حج کے مہینے تین ہیں :- شوال - ذوالقعدہ - ذوالحجہ - لہٰذا حج تمتع کے عُمرہ کا احرام ماہ شوال سے پہلے نہیں باندھا جاسکتا۔

فَمَنْ فَرَضَ :- اپنے اوپر حج فرض کرنے سے مراد ہے کہ جس شخص نے حج کا احرام باندھ لیا تو پھر آئندہ ذکر ہونے والی چیزوں سے اس کو بچنا لازم ہے۔

وَلَا فُسُوْقَ - اس سے مراد جھوٹ ہے اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ تمام گناہ مراد ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے کسی کو بُرے نام سے پکارنا۔ بعضوں نے گالی گلوچ مراد لئے ہیں اس مقام پر تمام معانی مراد لئے جاسکتے ہیں اور حالتِ احرام میں اِن سب سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

وَلَا جِدَالَ :- اس سے مراد لَا وَاللہ اور بَلٰی وَاللہ کے الفاظ ہیں۔ خواہ جھوٹ میں کہے یا سچ میں کہے۔ اور بعضوں نے مطلق جھگڑا اور گالی گلوچ مراد لیا ہے۔

نکتہ علمیہ :- آیت مجیدہ میں حج کے لفظ کو تین دفعہ دہرایا گیا ہے۔ حالانکہ پہلی دفعہ ذکر کرنے کے بعد باقی دونوں مقامات پر ضمیر کا لانا کافی تھا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں حج سے مراد ہر سہ مقامات پر ایک نہیں ہے پہلی جگہ لفظ حج سے مراد زمانِ حج ہے اور دوسری جگہ افعالِ حج مراد ہیں اور تیسری جگہ افعالِ حج کا زمانہ مقصود ہے اگر لفظِ حج کو نہ دہرایا جاتا۔ بلکہ ضمیر کو لایا جاتا تو عبارت میں طول ہو جاتا۔ کیونکہ دوسری جگہ بجائے لفظِ حج کے اَفْعَالَہٗ اور تیسرے مقام پر بجائے لفظ حج کے زَمَانَ اَفْعَالِہٖ کہنا پڑتا۔ اور اس میں شک نہیں کہ لفظ حج کے دہرانے سے اس طول کی ضرورت نہیں رہتی

اَنْ تَبْتَغُوْا :- امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ فضل سے مراد رزق ہے یعنی جب احرام سے فارغ ہو جائے اور اپنے مناسکِ حج ادا کرلے اور تو اس کے لئے خرید و فروخت کی ممانعت نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ جو لوگ زمانِ حج میں کرایہ دار اور مزدور ہوا کرتے تھے تو ان کو دوسرے ساتھی کہا کرتے تھے کہ تمہاری حج صحیح نہیں ہوئی کیونکہ تم پیسہ کما رہے ہو۔ اور اس بنا پر یہ آیت اتری اور جابر نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فضل سے مراد یہاں مغفرت ہے کہ ان ایام میں خدا سے بخشش و مغفرت طلب کرو۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا :- اس کے معنی میں دو قول ہیں :- ایک یہ کہ افاضہ سے مراد وہی عرفات سے افاضہ کرنا ہے۔ کیونکہ قریش لوگ وقوفِ عرفات نہیں کرتے تھے اور لوگوں کے ہمراہ رہنا اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ لہٰذا وہ مشعر میں وقوف کرکے وہاں سے منیٰ کی طرف افاضہ کرتے تھے تو یہ آیت اتری کہ تم اسی جگہ سے افاضہ کرو۔ جہاں سے اور لوگ افاضہ کرتے ہیں۔ اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ عرفات سے افاضہ کرنے کا حکم پہلے بھی آچکا ہے تو یہاں تکرار کیوں کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل میں یوں تھا۔ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ - یعنی پھر افاضہ کرو جہاں سے افاضہ کرتے ہیں باقی لوگ

فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا ؕ

پس جب پورا کرو اپنے اعمال کو تو ذکر کرو اللہ کا جسطرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ

فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

پس بعض لوگ کہتے ہیں اے رب ہمیں عطا کر دنیا میں اور نہیں ہے ان کا آخرت میں کچھ حصہ

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً

اور بعض ان میں سے کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں عطا کر دنیا میں خیر و خوبی اور آخرت میں خیر و خوبی

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے ایسے لوگوں کے لئے حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے

یعنی دوسرے عرب اور جب عرفات سے افاضہ کرو تو پھر مشعر الحرام میں پہنچ کر خدا کا ذکر کرو اور دوسرا معنی اس کا یہ ہے کہ اس افاضہ سے مراد مشعر الحرام سے افاضہ کرنا ہے پس دو افاضے واجب ہوئے۔ پہلے عرفات سے مشعر کی طرف اور دوسرا مشعر سے منیٰ کی طرف۔ (از مجمع البیان)

روایاتِ اہلبیت میں پہلے معنی کو اختیار کیا گیا ہے اور وجہ یہی ہے کہ قریش مشعر سے افاضہ کرتے تھے اور دوسرے عرب قبائل عرفات سے افاضہ کرتے تھے جب جناب رسالتمآبؐ تشریف لائے تو سب کو عرفات سے افاضہ کا حکم ہوا۔ نیز آیت میں ناس سے مراد حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ لئے گئے ہیں۔

فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ :- مجمع البیان۔ امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب جاہلی عرب ان اعمال سے فارغ ہوتے تھے تو منیٰ میں جمع ہو کر اپنے آباؤ اجداد کے کارنامے ذکر کر کے ایک دوسرے پر فخر و مباہات کیا کرتے تھے پس یہ آیت اتری کہ جب مناسک حج کو ادا کیا کرو تو اللہ کا ذکر کیا کرو جس طرح اس سے پہلے اپنے باپ دادا کا ذکر کیا کرتے تھے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور ذکر سے مراد تکبیرات ہیں جو عنقریب ذکر کی جائیں گی۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً :- اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔ (۱) حسنہ دنیا سے مراد نعماتِ دنیا ہیں اور حسنۂ آخرت سے مراد نعماتِ آخرت ہیں۔ (۲) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حسنہ دنیا سے مراد، رزق و معاش کی وسعت اور حسن خلق ہے اور حسنۂ آخرت سے مراد اللہ کی خوشنودی و جنت ہے (۳) دنیا میں علم و عبادت اور آخرت میں بہشت (۴) دنیا میں مال اور آخرت میں جنت (۵) دنیا میں نیک عورت اور آخرت میں جنت۔ یہ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جس شخص کو شکر گذار دل،

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ

اور تم ذکر کرو اللہ کا گنے چنے ہوئے دنوں میں پس جو شخص جلدی کرے دو دنوں میں تو اس

عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ

پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ واسطے اس کے جو بچا ہو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو تحقیق تم

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

طرف اسی کے جمع کئے جاؤ گے۔

ذکر کرنے والی زبان اور امورِ دنیا و آخرت میں امداد کرنے والی مومنہ عورت عطا ہو تو پس اس کو دنیا و آخرت کی خیر و خوبی عطا ہو گئی اور وہ عذاب دوزخ سے بھی بچ گیا۔

سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ اس کے دو معنی ہیں (۱) انسان کو اپنے اعمال کی جزاء دُور نہیں سمجھنی چاہیئے بلکہ خدا بہت جلد اس سے حساب لینے والا ہے کیونکہ ادھر اُس کی موت آئی اُدھر اس کا حساب شروع ہوا۔ لہٰذا حساب لئے جانے میں کوئی دیر نہیں۔ (۲) قیامت کے روز خدا حساب (اپنی مخلوق) سے جلدی لے گا یعنی ایک ہی وقت میں وہ تمام اہل محشر کا حساب لے لیگا۔ بعض روایات میں ہے ایک پلک جھپکنے کے وقت میں سب حساب لے لے گا۔ کیونکہ وہ ایک ہی وقت میں سب کی سُن سکتا ہے اور سب سے خطاب فرما سکتا ہے وہ اس معاملہ میں آلات و اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا مخلوق کا حساب ایک ہی وقت میں اسی طرح لے گا۔ جس طرح سب کو رزق ایک ہی وقت میں دے دیتا ہے۔

نکتۂ لطیفہ:۔ یہاں حج کرنے والوں کی نیت میں فرق بیان کیا گیا ہے کہ لوگ حج کے لباس میں بھی دو قسم کے ہُوا کرتے ہیں ایک طالب دنیا اور دوسرے طالب دین۔ پہلی قسم کا پہلی آیت میں ذکر فرمایا ہے کہ ان کی دعا صرف منافع دنیاوی کی طلب تک ہی محدود ہے لہٰذا ان کی طلب میں حَسَنَۃ کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ اغراض دنیاویہ کے متوالے صرف تحصیل منافع دنیاویہ ہی ان کا مطمح نظر ہوتا ہے خواہ اللہ کے نزدیک وہ اچھی ہو یا بُری۔ کیونکہ ان کو تمام دنیاوی فوائد اچھے ہی اچھے نظر آتے ہیں۔ اور دوسری آیت میں دوسری قسم کے حاجیوں کا ذکر ہے جو خوشنودیٔ خدا کے لئے حج کرتے ہیں اور چونکہ ان کا مطمح نظر اللہ کی رضامندی ہوتی ہے لہٰذا ان کی دعا میں دنیا و آخرت میں حسنہ کی طلب کا ذکر فرمایا ہے پہلی قسم کے لوگوں کا عمل اگرچہ تمام ہوتا ہے لیکن چونکہ کامل نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان کے متعلق فرمایا کہ ان کا آخرت میں حصّہ نہ ہوگا۔ اور دوسری قسم کے لوگوں کا عمل تام بھی ہوتا ہے اور کامل بھی۔ لہٰذا وہ جزاؤ ثواب کے مستحق ہیں تو ان کے لئے فرمایا کہ ان کے لئے اُن کے کمائے ہوئے کا اجر ثابت ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ:۔ ایّام معدودات یعنی گنے ہوئے دن ان سے مراد ایّام تشریق ہیں یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳، ذوالحجہ اور ان ایّام

میں ذکر کرنے سے مراد تکبیرات ہیں۔ جن کو نماز ہائے فریضہ کے بعد پڑھنا مستحب ہے اور بعض علماء کے نزدیک واجب ہے اور عید کے دن نماز ظہر سے لے کر ۱۳ ار ذوالحجہ کی نماز صبح تک ان پندرہ نمازوں کے بعد اُن کو پڑھنا چاہیئے اور وہ یہ ہیں :- اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ عَلٰی مَا ھَدَانَا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا اَوْلَیْنَا وَاللّٰہُ اَکْبَرُ عَلٰی مَا رَزَقَنَا مِنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ۔ اور جو لوگ منیٰ میں موجود نہ ہوں۔ ان کے لئے دس نمازوں کے بعد ہی تکبیرات پڑھنی چاہئیں۔ یعنی عید کے دن نماز ظہر سے لے کر بارہویں کی نماز صبح تک۔ گویا حاجیوں کے لئے پندرہ نمازوں کے بعد اور باقی لوگوں کے لئے دس نمازوں کے بعد تکبیرات کا پڑھنا مستحب ہے اور بقولے واجب ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ۔ ظاہراً اس میں نفرِ اوّل کے جائز ہونے کی طرف اشارہ ہے جو شخص ایام تشریق کے دوسرے روز یعنی ۱۲ ار ذوالحجہ کو منیٰ سے روانہ ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ (حرج) نہیں ہے اور جو تاخیر کرے اور ۱۳ ار ذوالحجہ کو وہاں سے روانہ ہو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ بارہویں کے دن نفر کرنا یعنی کوچ کرنا بھی جائز اور تیرھویں کے دن نفر کرنا بھی جائز ہے لیکن نفرِ اوّل سے نفرِ ثانی یعنی تیرھویں کے دن کی روانگی افضل ہے تاکہ جمروں کو سنگریزے اس دن بھی مار کر مقدار پوری کر لے اور بارہویں کے دن اگر نفر کرے تو زوال سے پہلے ناجائز ہے بلکہ زوال کے بعد غروب تک جس وقت چاہے جا سکتا ہے اور غروب اگر منیٰ میں ہو جائے تو پھر رات کو رہنا واجب ہو جائے گا اور تیرھویں کے دن نفرِ ثانی کو اختیار کرنا لازم ہو گا۔

آیت کے معانی میں چند قول ہیں۔

(۱) لَا اِثْمَ عَلَیْہِ :- سے مراد ہے کہ اعمالِ حج کرنے کے بعد اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ خواہ نفرِ اوّل کرے یا نفرِ ثانی، دونوں صورتوں میں اس کے سابقہ گناہ مغفور ہیں۔

(۲) ازالۂ شبہ ہے :- ممکن ہے بعض لوگوں کے دل میں یہ وہم پڑ جائے کہ شاید نفرِ اوّل یعنی بارہویں کو منیٰ سے کوچ کرنا گناہ ہو تو اس وہم کا ازالہ کر دیا گیا ہے کہ نفرِ اوّل یا نفرِ ثانی ہر دو میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس کی موت جلدی آ جائے اور ان دنوں کے اندر مر جائے تو اس کے ذمہ کوئی گناہ باقی نہیں کیونکہ مناسک حج ادا کرنے کی وجہ سے سب کے سب معاف ہو گئے ہیں اور جس کی موت ان ایام سے مؤخر ہو جائے تو اس کا آئندہ کوئی گناہ نہ محسوب ہو گا۔ بشرطیکہ گناہانِ کبیرہ سے بچا ہے

لِمَنِ اتَّقٰی :- اگر پچھلے فقرہ سے مراد نفرِ اوّل اور نفرِ ثانی کا جواز ہو۔ (یعنی ۱۲ ار ذوالحجہ یا ۱۳ ار ذوالحجہ دونوں ہی تاریخوں میں منیٰ سے روانگی جائز ہے اور حاجی کو اختیار ہے کہ جس دن چاہے روانہ ہو) تو اس صورت میں لِمَنِ اتَّقٰی اس کے اختیار کی قید ہے یعنی یہ اختیار اس حاجی کے لئے ہے جو حالتِ احرام میں شکار سے بچا رہے۔ ورنہ جو شخص حالتِ احرام

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىۡ قَلۡبِهٖۙ

اور لوگوں میں سے بعض کہ آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے بات اس کی دنیا میں اور وہ گواہ بناتا ہے اللہ کو اوپر اس کے جو اس کے دل میں ہے

وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الۡاَرۡضِ لِيُفۡسِدَ فِيۡهَا وَيُهۡلِكَ

حالانکہ وہ سخت ترین دشمن ہے اور جب وہ برسر اقتدار آتا ہے تو بھاگ دوڑ کرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اس

الۡحَـرۡثَ وَالنَّسۡلَؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ

میں اور برباد کرے کھیتی اور نسل کو اور خدا فساد کو دوست نہیں رکھتا اور جب اس کو کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو غلبہ کرتی

الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُؕ وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ

ہے اس پر حمیت ساتھ گناہ کے پس کافی ہے اس کے لئے دوزخ اور وہ برا ٹھکانا ہے اور بعض لوگ ہیں جو بیچتے ہیں

يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌ ۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اپنے نفس کو واسطے طلب رضامندی خدا کے اور اللہ بڑا مہربان ہے اپنے بندوں پر

میں تنکار سے نہ بچ سکا ہو۔ تو اس کے لئے نفر اول جائز نہیں ہے بلکہ نفر ثانی اس پر واجب و معین ہے اور اگر پہلے فقرہ میں پہلا یا تیسرا قول اختیار کیا جائے تو اتقی سے مراد گناہان کبیرہ سے اجتناب ہے یعنی حاجی کے تمام سابقہ ولاحقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ آئندہ گناہان کبیرہ سے بچا رہے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا ہے۔

ربط :۔ بیان حج میں گذر چکا ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک طالب دنیا اور دوسرے طالب آخرت تو اس مقام پر بھی لوگوں کی دو قسموں کو بیان فرما رہا ہے۔ ایک منافق قسم کے اور دوسرے خالص مومن۔ پس ان آیتوں کو حج کی آیات سے مناسبت تھی لہذا حج کے بیان کے بعد ان کا ذکر کیا گیا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ :۔ تفسیر عمدۃ البیان میں ہے کہ ایک شخص منافق اخنس نامی جو نہایت خوش گفتار تھا۔ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا اور اللہ کو گواہ کر کے کہتا کہ جو کچھ میرے دل میں ہے وہی میری زبان پر ہے اور میں سچے دل سے مسلمان ہوں۔ آنحضورؐ کو اس کی چکنی چپڑی باتیں ظاہر کے لحاظ سے پسند آیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ آنحضورؐ کی خدمت سے رخصت ہو کر چلا گیا تو کسی مقام پر مسلمانوں کی کھیتی کو آگ لگا دی اور ان کے چوپاؤں کو قتل کر دیا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی تفسیر برہان میں معصومینؑ سے مروی ہے کہ باطن کے لحاظ سے اس آیت کے مصداق فلاں فلاں ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ :- اس کے شانِ نزول کے متعلق اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کے حق میں اتری جبکہ شب ہجرت بستر رسولؐ پر سوئے تھے اور واقعہ یوں ہے کہ کفار قریش نے مشورہ کیا تھا کہ جناب رسالتمآبؐ کو اپنے مقام پر قتل کر دیا جائے اور چونکہ ظاہر ہو کر ایک آدمی یا ایک قبیلہ کا قتل کرنا مشکل ہے کیونکہ بنی ہاشم مشتعل ہو جائیں گے اور خواہ مخواہ قصاص لیں گے لہذا بہتری اسی میں ہے کہ تمام خاندانوں میں سے ایک ایک آدمی منتخب کر لیا جائے اور وہ سب مل کر آنحضورؐ کو قتل کر دیں اس صورت میں اگر بنی ہاشم مشتعل ہوں گے تو ان کو خون بہا پر راضی کر لیا جائے گا۔ کیونکہ تمام خاندانوں سے قصاص لینا اُن کے لئے مشکل ہوگا۔ پس حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور قریشیوں کے خبث باطن کی آنجنابؐ کو خبر دی اور حکم سنایا کہ اپنے بستر پر حضرت علیؑ کو سلا دیں اور خود بنفس نفیس مدینہ کی طرف تشریف لے جاویں۔ پس آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؑ بستر رسولؐ پر سو گئے جوانان قریش اپنے مشورہ کے ماتحت جب پہنچے تو انہیں یہ یقین تھا کہ حضورؐ خود بستر پر سوئے ہوئے ہیں پس جب انہوں نے جگایا تو حضرت علیؑ کو سویا ہوا پایا۔ پوچھنے لگے۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ آپؑ نے فرمایا مجھے کیا معلوم؟ پس وہ خائب و خاسر وہاں سے چلے گئے۔

تفسیر ثعلبی سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے جبرائیل و میکائیل کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے اور ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ مقرر کی ہے پس دونوں میں سے کون اپنی عمر کے کچھ حصہ کی قربانی پیش کرتا ہے تاکہ اس کے حصہ سے کاٹ کر اس کے بھائی کے حصہ میں شمار ہو جائے یہ سنتے ہی دونوں فرشتے خاموش ہو گئے۔ پس خدا کی جانب سے وحی ہوئی کہ تم میرے ولی علیؑ بن ابی طالب کی مثل کب ہو سکتے ہو؟ کہ میں نے اس کے اور اپنے نبی محمدؐ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا ہے پس وہ اپنے بھائی پر اپنی جان قربان کر کے سو رہا ہے۔ پس تم دونوں زمین پر اترو اور دشمنوں سے اس کی حفاظت کرو۔ پس دونوں فرشتے اترے جبرئیل جانب سر بیٹھا اور میکائیل جانب قدم بیٹھ گیا اور جبرئیل نے کہنا شروع کیا۔

بَخٍ بَخٍ مَنْ مِثْلُكَ يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ وَاللّٰهُ يُبَاهِيْ بِكَ الْمَلَائِكَةَ۔ مبارک، مبارک! اے ابو طالب کے فرزند! تیرا ہمسر کون ہو سکتا ہے؟ کہ خدا ملائکہ پر بھی تیرے ایثار کا فخر کر رہا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ رات کے وقت آپ کو نیند نہ آئی ہوگی کیونکہ موت کا خطرہ تھا تو آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم، آج کی شب کی طرح مجھے عمر بھر نیند نصیب نہیں ہوئی۔

بعض لوگوں نے اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول کو دوسرے صحابہ سے متعلق کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جن کو قدرے علومِ اسلامیہ میں دخل ہے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس آیت میں علیؑ کا اور شریک کوئی نہیں ہے خود حضرت امیر المومنینؑ نے مجلس شوریٰ میں عثمان۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کے سامنے جب اپنی یہ منقبت بیان فرمائی تو سب نے سر جھکائے اور اس کے انکار کی جرأت کسی سے نہ ہو سکی۔

معاویہ کے زمانہ میں جب حدیث سازی کا کام شروع ہوا تو سمرہ بن جندب کو حکومت نے چار لاکھ درہم صرف اس انعام میں دیئے کہ اس نے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ الخ علیؑ کے حق میں اور مَنْ يَّشْرِيْ ابن ملجم کے حق میں اترنے کی روایت گھڑ کر پیش کی تھی (سوانح عمری حضرت عمر حصہ اوّل نقلاً از شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ

اے ایمان والو (صرف زبانی دعویٰ کرنے والو) داخل ہو جاؤ اسلام میں (دل و جان سے) سب کے سب اور نہ اتباع کرو نقش قدم شیطان

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ

کی تحقیق وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے پس اگر تم پھسل جاؤ بعد اس کے کہ آچکیں تمہارے پاس روشن دلیلیں تو پس جان لو کہ

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ

تحقیق اللہ غالب اور حکمت والا ہے وہ نہیں انتظار کرتے مگر اس کی کہ لائے خدا ان پر بادل کے ٹکڑے

فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

اور فرشتے (عذاب کے) اور حتمی ہو جائے معاملہ (عذاب کا) اور اللہ کی طرف ہی پھیرے جائیں گے تمام امور

رجعت کا بیان

اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ - تفسیر برہان میں آئمہ اہلبیت علیہم السلام کی طرف سے متعدد روایات منقول ہیں جو غالباً حد تواتر تک پہنچتی ہیں کہ سِلم سے مراد اس آیت میں حضرت علیؑ اور اس کی اولاد طاہرینؑ کی ولا کا اقرار ہے اور خطوات شیطان سے مراد دشمنان اہلبیت کی ولاء ہے (یہ تفسیر باطنی اعتبار سے ہے)

هَلْ يَنْظُرُوْنَ - تفسیر آئمہ اہلبیتؑ میں ہے کہ یہ آیت رجعت کے متعلق ہے چنانچہ ایک روایت میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ یوم وقت معلوم میں ابلیس اپنے تمام مریدوں کو جمع کرے گا اور اس کے مقابلہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے شیعوں میں تشریف لائیں گے ان دونوں لشکروں کی ملاقات فرات کے کنارے کوفہ کے قریب مقام روحا پر ہوگی۔ اور سخت ترین لڑائی واقع ہوگی پس اس وقت خدا کا امر بادلوں کے ٹکڑوں میں نمودار ہوگا۔ ملائکہ عذاب اتریں گے اور جناب رسالتمآبؐ تشریف لائیں گے کہ ان کے ہاتھ مبارک میں ایک نورانی حربہ ہوگا۔ جب ابلیس یہ چیزیں ملاحظہ کرے گا۔ تو فرار کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے پیروکار اس سے بھاگنے کی وجہ پوچھیں گے تو جواب میں کہے گا کہ مجھے وہ چیز نظر آرہی ہے جس کو تم نہیں دیکھ رہے ہو۔ پس جناب رسالتمآبؐ اس کو پیچھے سے دونوں کندھوں کے درمیان نیزہ ماریں گے اور وہ واصل جہنم ہوگا۔ اس کے بعد ایک طویل مدت تک حضرت علیؑ حکومت کریں گے جو چوالیس ہزار سال ہوگی۔ الخبر)

سَلْ بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ

دریافت کیجئے بنی اسرائیل سے کہ کس قدر دی ہیں ہم نے اُن کو نشانیاں واضح اور جو شخص تبدیل کرے اللہ کی نعمت

اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا

کو بعد اس کے کہ اس کے پاس آجائے تو پس تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے زینت دی گئی کافروں کے لئے

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ

زندگانی دُنیا اور وہ لوگ مسخری کرتے ہیں اُن سے جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو متقی ہیں ان سے بلند مرتبہ ہوں گے بروز

الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

محشر اور خدا رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے

رکوع ۱۰

ربطِ آیات :۔ اصولِ اسلام بیان کرنے کے بعد خداوند کریم نے یہ فروعی مسائل بیان فرمائے اور عمل کرنے والوں کے لئے وعدہ جنّت اور نافرمانی کرنے والوں کے لئے وعید جہنّم کا ذکر کیا اور بیان فرمایا کہ لوگوں کی تین قسمیں ہیں :۔

(۱) مومن جو دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتے ہوئے نیک اعمال بجالاتے ہیں

(۲) خالص کافر جن کا مطمح نظر صرف منافع دنیاویہ ہیں ۔

(۳) منافق لوگ جو تیرے سامنے میٹھی میٹھی اور چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں اور باہر جاکر فساد بپا کرتے ہیں ۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں کی مخالفت اس لئے نہیں کہ حق کی دلیلیں کمزور ہیں بلکہ اُن کا خبثِ باطن اور سُوء سریرت اُن کو قبولِ حق سے روکتی ہے ۔ اور تجھ سے پہلے بنی اسرائیل کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے لہٰذا اُن سے سوال تو کیجئے کہ تمہارے پاس کس قدر واضح دلیلیں آچکی ہیں اور جو لوگ جان بوجھ کر حق سے کنارہ کش ہوتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ کا عذاب سخت ہے ۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا :۔ بنی اسرائیل کو متنبہ کرنے کے بعد کفّار کے متعلق فرماتا ہے کہ اُن کو زینتِ دنیاوی پر غرور ہے اور اپنی ظاہری ٹھاٹھ کی بنا پر حق سے یکسوئی کرتے ہوئے مومنین سے مسخری وغیرہ کرتے ہیں اور ان کو اپنے سے پست سمجھتے ہیں حالانکہ رزق تو اللہ کے ہاتھ میں ہے ۔ ہاں قیامت کے دن ان کو پتہ چلے گا کہ ایمان والوں اور ڈرنے والوں کا مرتبہ کس قدر بلند ہے اور وہ لوگ خود کس تاریکی و پستی میں تھے اور اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق کہا گیا ہے کہ ابوجہل اور دیگر اکابر قریش جو مالدار

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ

لوگ ایک جماعت تھے پس بھیجا خدا نے نبیوں کو جو بشارت دینے والے اور ڈرانے

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ

والے تھے اور اتاری ان کے ساتھ کتاب ساتھ حق کے تاکہ حکم کرے لوگوں میں اس چیز کے متعلق جس میں ان کو اختلاف تھا

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

اور اس میں نہیں اختلاف کیا مگر ان لوگوں نے جن کو وہ دی گئی بعد اس کے کہ آئیں اُن کے پاس واضح دلیلیں

بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ

سرکشی کرتے ہوئے اپنے درمیان ۔ پس ہدایت فرمائی اللہ نے ایمان والوں کی اس چیز جس میں اُن کو اختلاف تھا حق سے

بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

ساتھ اپنے اذن کے ۔ اور خدا ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے طرف راہِ راست کے

تھے فقراء مومنین مثلاً عبداللہ بن مسعود اور بلال و عمار وغیرہ سے مسخری کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر محمدؐ اللہ کا نبی ہوتا تو ہمارے اشراف و اکابر اس کی اتباع کیوں نہ کرتے ؟ اور بعض کہتے ہیں کہ رؤسا یہود مہاجر فقراء سے مسخری کرتے تھے اور ان کو فقر کا طعنہ دیتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً :۔ اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں :۔

(۱) حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوحؑ کے زمانہ تک کے لوگ مراد ہیں کیونکہ یہ سب ملّتِ کفر پر تھے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت صادقؑ سے ایک روایت ہے کہ جب حضرت آدمؑ کی رحلت ہوئی تو حضرت شیثؑ ان کے وصی اور جانشین تھے۔ لیکن قابیل نے ان کو دینِ حق کے اظہار سے روک دیا تھا اور قتل کی دھمکی دی تھی۔ پس حضرت شیثؑ تقیہ میں زندگی بسر کرتے رہے اور کفر روز بروز ترقی کرتا گیا اور حضرت شیثؑ ایک جزیرہ میں علیحدگی اختیار کرکے عبادتِ خدا میں مشغول رہے۔

(۲) بعضوں نے کہا ہے کہ اس آیت سے حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک کے زمانہ کے لوگ مراد ہیں جو کہ حالت کفر پر تھے۔

(۳) بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ ایک جماعت میں تھے یعنی کلمۂ حق پر تھے لیکن بعد میں ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

(۴) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے یہ سب حق پر تھے۔ لیکن

کچھ عرصہ بعد ان میں اختلاف پیدا ہوا اور پھر یکے بعد دیگرے ان کے پاس انبیأ بھیجے گئے۔

۵۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان والے لوگ مراد ہیں اور یہ لوگ نہ کافر تھے اور نہ مومن تھے بلکہ مذبذب تھے۔ پس انبیاء مبعوث ہوئے اور ان کو صحیح اسلام کے راستہ کی دعوت دی گئی۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ :۔ یعنی جن لوگوں کے پاس کتاب آجاتی تھی تو پھر جان بوجھ کر وہ اس میں اختلاف ڈال دیتے تھے جس طرح یہودی علمأ کہ انہوں نے جناب رسالتمآبؐ کے اوصاف جو تورات میں موجود تھے کو تبدیل کر کے عوام کو اختلاف و گمراہی میں ڈال دیا۔

فَهَدَى اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا :۔ خدا ہدایت سب کو کرتا ہے لیکن فائدہ چونکہ مومن ہی اٹھاتے ہیں اس لئے ان کو خاص طور پر ذکر فرمایا۔

عقلی و اُصولی بحث

ذات حق سبحانہٗ نے اس مقام پر نوع انسانی کی اصل فطرت، ان کی تکلیف، دین کی وجہ تشریع، نوع انسانی میں سبب اختلاف اور ارسال انبیاء کی غرض کو واضح فرمایا ہے۔

جس کا اجمال یہ ہے کہ نوع انسانی کی فطرت جو اللہ نے ان کو ودیعت فرمائی ہے وہ ہے باہمی اتحاد و تعاون یعنی اوّل خلقت میں مزاج انسانی کا خمیر اسی فطرت پاکیزہ اور جبلت سعیدہ سے ہے۔ لیکن طلب فضائل و کمالات اور اشتہار مآثر و مرغوبات کی فطری و خلقی ہوس نے اسے بے اعتدالی اور بے راہ روی کی آماجگاہ میں ڈال کر باہمی انتشار اور آپس کے نزاعات تک پہنچا دیا۔ لہٰذا ان کے باہمی حقوق کے امتیازات اور نزاع و اختلاف سے نجات کے لئے ایسے قوانین کے وضع کرنے کی ضرورت ناگزیر تھی۔ جو ان کے روزمرہ کے معاملاتی خلفشار اور ذاتی مشاجرات کے قلع قمع کے لئے عمل میں لائے جائیں۔ پس ایسے قوانین جو خود ذاتِ اقدس الٰہیہ نے مصالح عباد کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ ان کے مجموعی ڈھانچے کو دین کا لبادہ اوڑھا دیا اور اُن پر عمل کرنے یا ان کو پس پشت ڈالنے کا نتیجہ ثواب و عقاب مقرر فرمایا اور ان قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انبیاء و رسل کو بشارت و نذارت کے فرائض تفویض فرما کر بھیجا اور ساتھ ساتھ ان کو معارف و حقائق کا معلّم بناتے ہوئے فروعی اعمال کا ضابطہ دے کر ان کو قیادتِ انسانی کا عہدہ سپرد فرمایا تاکہ نوع انسانی جور و اعتساف کجی و انحراف اور بے داد و استبداد کی پرُخطر، امن سوز اور وحشیانہ انداز سے اجتناب کرتے ہوئے بجائے توحش و تفحش کے پرُبہار پرُامن اور پرُاطمینان زندگی گذاریں، باہمی اختلاف و انتشار کی جگہ انس و محبت لے لے۔ افتراق اتفاق سے بدل جائے خلفشار کی بجائے دوستی و پیار ہو، سفاکی و بیباکی کے مقام پر صلح و آشتی آجائے، بے حیائی و بے اعتدالی حیا و عفت اور عدل و انصاف سے تبدیل ہو جائے، خود غرضی و نفس

پرستی کی جگہ رواداری و غمگساری آجائے اور حیوانیت اور درندگی کی بجائے شرافت اور انسانیت کا بول بالا ہو۔

پس دین ایک ایسا ضابطہ اور لائحہ عمل ہے جو نوعِ انسانی کو اپنی فطرت و جبلت کے فرائض سے روشناس کراتا ہے اور جو اتحاد و تعاون کا سرچشمہ ہے اور لادینی انسانیت کے لئے وہ سمِ قاتل اور زہر ہلاہل ہے جو خلافِ فطرت افعال کے لئے انسان کا پیش خیمہ ہے جن کا نتیجہ آخر کار انسانیت کے زندہ درگور کرنے پر منتہی ہوتا ہے۔

اِنسان کیا ہے؟ مادہ و طبیعت کے پرستار سادہ لوح طبائع انسانیہ کو موؤف بلکہ مضمحل کرنے اور ان کو لادینیّت کے اُلجھاؤ میں ڈالنے کے لئے کئی ایک بے تکیاں کستے ہیں اور من جملہ ان کی خرافات کے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کی ابتداء بندر سے ہوئی۔ یعنی انسان پہلے بندر تھا اور مرورِ زمانہ سے ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا۔ اُن کا یہ دعویٰ صرف بعض مشابہات سے اکتشاف کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مقامِ دلیل میں اُن کے پاؤں لنگ اور زبان گنگ ہے۔ خداوند قدوس نے اپنے کلام پاک میں متعدد مقامات پر پوری تفصیل سے آغازِ خلقتِ انسانیہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور نوعِ انسانی کو ایک علیحدہ مخلوق قرار دیا ہے۔ اس کا ماں باپ حضرت آدم و حوّا کو قرار دیکر ان بے ہودہ ولایعنی خیالات میں پڑنے سے روکا ہے اور اس کو اشرف المخلوقات کی خلعت سے مزیّن فرما کر دنیا میں بھیجا ہے اگر نسل انسان بندر سے ہو تو اس عقیدہ کی حمایت کرنے والوں پر یہ عقلی فرض عائد ہوتا ہے کہ خلعتِ شرافت و تاجِ کرامت جو انسانیت کا زیور ہے اپنے سر سے اتار کر ان کرم فرماؤں اور مہربانوں کے سپرد کر دیں جن سے اپنی نسل کی ابتداء مانتے ہیں۔ کیونکہ باپ کی موجودگی میں بیٹے کو قطعاً حکومت کا حق نہیں بلکہ کس قدر ناخلف اور عاق ہوگی وہ اولاد جو دوسروں پر تو بجائے خود اپنے باپ اور محسن پر بھی اپنی فوقیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والی ہو (بریں عقل و دانش بباید گریست)

اِنسان دو جزؤں کا مرکب ہے۔ ایک رُوح دوسرے بدن۔ رُوح جزء اشرف و اعلیٰ ہے اور بدن جزء اخس ہے ان ہر دو جزؤں کا تعاون و تلازم زندگی کہلاتا ہے اور ان کے تفارق کا نام موت ہے اور جو خُدا قعرِ عدم سے نکال کر ہر دو جزؤں کو خلعتِ وجود سے آراستہ فرماتے ہوئے ان کو اتحاد و یگانگت بخش سکتا ہے وہ ان کے افتراق و انتشار کے بعد دوبارہ ان میں یکجہتی لاکر حیاتِ ثانیہ سے بھی سرفراز فرما سکتا ہے اور جو عدمِ ازلی کے بعد وجود دینے پر قادر ہے اس کے لئے عدمِ لاحق کے بعد موجود کرنا کیا مشکل ہو سکتا ہے کیونکہ نئے سرے سے جوڑ سکنے والے کے لئے توڑنے کے بعد جوڑنا تو کوئی بڑی بات ہی نہیں۔

پھر فیاضِ مطلق نے انسان پر خلعتِ وجود کے ساتھ ساتھ ایک جوہرِ شعور بھی مرحمت فرمایا اور اس کو کان، آنکھ، دل و دماغ ایسی قوتیں عطا فرمائیں۔ پس وہ حواسِ ظاہریہ و قوائے باطنیہ کے باہمی تعاون اور عقل و دماغ کی روشنی میں ادراک و فکر کے صحیح و صائب نظریوں سے استفادہ کرکے اشیاءِ عالم کا مطالعہ کر سکتا ہے اور پوری دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کے ذریعہ سے تمام عالمی پیداوار میں سے اپنے نفع و نقصان کی چیزوں میں امتیاز کرکے جلبِ نافع اور دفعِ ضار کرنے پر قادر ہے۔ یعنی انواعِ موجودات میں آمرانہ تصرف اور حاکمانہ تسلط اس حضرتِ انسان کو حاصل ہے۔

ارشاد قدرت ہے :۔ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لئے ہی اللہ نے پیدا کیا ہے) سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (تمہارے لئے اس نے آسمانوں اور زمین کی تمام اشیاء کو مسخر فرمایا ہے) اس کے علاوہ دیگر آیات بھی بکثرت موجود ہیں جن میں انسان کا عالمی اشیاء کے استخدام و تسخیر پر قادر ہونے کا صراحتاً یا اشارتاً و کنایتہً ذکر آتا ہے اور دَورِ حاضر میں اس کا مطلب عقلی ادلہ یا نقلی براہین سے پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ کیونکہ مشاہدہ و تجربہ نے مقامِ اثبات میں پڑنے سے سبکدوش کر دیا ہے۔

پس قوتِ فکر و ادراک اور رابطہ تسخیر موجودات کے حصول کے بعد انسان کا ارتقاء پسند اور رفعت طلب دماغ علوم مناسبہ و فنونِ لائقہ میں دسترس حاصل کرنے کے لئے بے چین رہتا ہے اور اس کے مشاعر و قویٰ اس کو ہمیشہ آگے بڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔

وجوہِ اختلاف و انتشار

نیز انسان میں اسی شعور و ادراک کے آثار و نتائج میں مختلف قوتیں موجود ہیں جو باہمی طور پر برسرِ پیکار بھی رہتی ہیں۔ جذباتِ خود پسندی و خود غرضی و نفس کوشی کا مقتضا یہ ہے کہ ان کمالات میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو اور انصاف و عدل کے تقاضے اپنی اپنی حدود سے تجاوز کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ جہاں اپنی ذات کے لئے جلب منفعت اور استخدام و تسخیر موجودات کی طرف پیش قدمی کی دعوت انسان کے جذبۂ فطرت کی آواز ہے وہاں تجاوز حدود سے اجتناب اور شرافت و دیانت کے ماتحت باہمی یگانگت و اتحاد و صلح و آشتی اور عدل و انصاف کے اصولوں سے تمسک اس کی آزاد و صالح ضمیر کی آواز ہے جس کو خلاقِ عالم نے نوعِ انسانی کی فطرت و جبلت میں تفویض فرما دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے :۔ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (اس نے انسان کو برائی اور تقویٰ کا الہام کر دیا ہے) اور انسان کے مدنی الطبع ہونے کا بھی یہی مطلب ہے۔

افرادِ انسانی چونکہ قوت و ضعف میں یکساں نہیں اور جس طرح ان کی قوائے ظاہریہ میں تفاوت ہے۔ اسی طرح ان کے مشاعر باطنیہ دل و دماغ اور حس و شعور وغیرہ میں بھی معتد بہ فرق ہے فطری رجحان و جبلی میلان میں چونکہ ایک دوسرے سے متحد ہیں لیکن ان کی ہر ہر قوت ظاہری و باطنی میں اپنے اپنے مقام پر نمایاں اختلاف ہے تو ہر مرحلہ پر جذبہ تسخیر و استخدام جہاں آگے بڑھنے کی دعوت دیتا ہے۔ وہاں دوسرے کو اپنے راستہ سے ہٹانے کی بھی پیش کش کرتا ہے اور ذاتی شعور اور فطری احساس چونکہ سب میں ہے۔ لیکن اسبابِ حصول اور ذرائع وصول میں تفاوت ہے لہذا اپنا رستہ ہموار کرنے کے لئے دوسروں پر دست تعدی دراز کرنے اور اپنی طاقت کے بل بوتہ پر ضعیف و کمزور پہ ظلم کرنے تک نوبت آجاتی ہے اور جائز و ناجائز کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ جذبۂ ہوس کے پیشِ نظر دوسروں کے حقوقِ زندگی کو پامال کرتے ہوئے ان کے فطری استحقاق کو صرف نظر انداز نہیں بلکہ کچل کر رکھ دیا جاتا ہے۔ اگرچہ تمدّن کا تقاضا یہ تھا کہ باہمی اُنس و محبت ہو تعاون و اتحاد ہو اور رواداری و ہمدردی سے امن و اطمینان کا دَور دورہ ہو اور یہی چیز نوعِ انسانی کا پہلا فطری جوہر

بلکہ اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ لیکن حرص و ہوس کے جذبات کا اُبھار عدل واعتدال کی اس شاہراہ سے انسان کو کوسوں دور لے جاکر اسے اختلاف وانتشار کا گردیدہ بناتے ہوئے باہمی دست وگریبان ہونے کی بھی پیشکش کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ سفاکی و بے باکی اور درندگی و بہیمیت بلکہ انسانیت کشی ہے۔

اختلاف کا علاج كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۔یعنی لوگ ایک امت تھے یعنی اصل فطرت کے لحاظ سے ان میں یگانگت واتحاد تھا اور تمدن اُن کی عین جبلت تھا۔ لیکن ان کو اختلاف وانتشار نے بے راہ روی اور امن سوزی کے تاریک گڑھے میں ڈال کر وحشت زدہ اور دہشت خوردہ بنا دیا۔ لہٰذا خدائے حکیم نے انبیاء و رسل کو شریعت اور کتاب دے کر بھیجا جو اُن کے لئے ضابطۂ زندگی اور شاہراہ امن و سکون ہو۔

بنظرِ ظاہر ان اختلافات کے قلع قمع کا جو علاج سوچا گیا ہے اس کے دو طریقے ہیں: ایک قانون اور دوسرا تعلیم وتربیت۔ اور اس کی مثال اس طرح ہے کہ جس طرح ایک قافلہ کسی مقصد کے حصول کے لئے کسی دُور منزل کی طرف اپنے زادِ راہ اور لوازمِ سفر کے ساتھ گامزن ہو۔ اور اثنائے طریق میں اُن کے مابین پھوٹ پڑ جائے کہ آپس میں ہتکِ عزت، لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت تک کی نوبت آجائے۔ پس ان ناگفتہ بہ حالات کا جائزہ لے کر اربابِ حل وعقد یکجا ہو کر اپنے جان و مال کی خاطر کافی سوچ و بچار سے متفقہ طور پر ایک لائحہ عمل کی تشکیل دینا چاہیں تو امن و سلامتی کی بقاء ان کو دو نظریوں میں معلوم ہو گی۔ مثلاً ایک جماعت کہے گی کہ قافلہ کے تمام افراد کی شخصی ملکیت کو ختم کر دیا جائے اور ان کی ہر شے پر ہر شخص کو تصرف کا حق دیا جائے کیونکہ سفر کا وقت پاس کرنا ہے جب سفر ختم ہو گا تو ہمیں ان چیزوں کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ لہٰذا اس انفرادی ملکیت کا کیا فائدہ ہے جو باہمی رفاقت کے لئے باعثِ خطرہ ہو۔ بس امن وآشتی کے قیام کی واحد صورت ہے اشتراکیت۔

اور دوسری جماعت کہے گی کہ نہیں! بلکہ ہر شخص کی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے ایسا ضابطہ بنالیا جائے جس کی بنا پر کوئی انسان اپنی حدودِ معیّنہ سے باہر نہ جاسکے اور باہمی ہمدردی اور رواداری کے اُصول سے اس منزلِ سفر کو چین و آرام سے گذار لیں۔

وجہِ اشتباہ یہ دونوں طریقے اس نظریہ کے ماتحت ہیں کہ انسان کی زندگی صرف انہی دنیاوی چند لمحات میں منحصر ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں اور یہ صرف جہالت اور نا اندیشی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ درحقیقت ان لوگوں نے انسانیت کی غرضِ خلقت سے چشم پوشی کر لی ہے کیونکہ صرف یہی چند روزہ زندگی انسان کی غرضِ خلقت نہیں۔ بلکہ اس فانی دنیا کے بعد انسان ایک غیر فانی منزل تک پہنچتا ہے اور اس منزل کی بود و باش اور آرام و امن اس چند روزہ حیاتِ فانیہ سے وابستہ ہے۔ انسان کو سمجھنا ہے کہ مجھے کس نے پیدا کیا۔ اور کیوں پیدا کیا اور میں نے کیا کرنا ہے؟ توحید سے چشم پوشی بلکہ کنارہ کشی ہی امن عالم کو جلا کر خاکستر کا ڈھیر بنانے کی ذمہ دار ہے۔ ہزار قانون بنائے جائیں لاکھ ضابطے تیار کئے جائیں لیکن حرص و ہوس جذباتِ شہویہ اور ہیجاناتِ نفسیہ جور و اعتساف اور ظلم و استبداد کی ناخوشگوار فضا سے قطعاً

باہر نہ آنے دیں گے۔ کیونکہ قہر و غضب سے کمزور طبقہ کو دبایا تو ضرور جائے گا۔ لیکن ان کی قلبی ہم آہنگی اور سچی وفاداری کی تحصیل نہایت مشکل بلکہ محال ہے نیز قانونی شکنجہ کی سخت گرفت نچلے طبقہ میں اگر ظاہری طور پر مؤثر ثابت ہو بھی جائے۔ لیکن اُوپر کا طبقہ اور با اقتدار گروہ اپنی بدعنوانیوں سے ہرگز باز نہیں آسکتا۔

ضرورتِ دین

پس ان حالات کے پیش نظر جب تک یہ تصور نہ ہو کہ (ہمیں کوئی پوچھنے والا بھی ہے اور اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ہمیں کہیں جوابدہ بھی ہونا ہے اور ہمارے لئے جہاں نیک کرداری کی جزا ہے وہاں بداعمالی کی سزا بھی مقرر ہے) تو یقیناً تمدن میں اعتدال آ ہی نہیں سکتا۔ پس معلوم ہوا کہ ان تمام نزاعات و مشاجرات کا واحد علاج ہے دین۔ اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے خداوند حکیم نے انبیاء و رسل کو شریعت دے کر مبعوث فرمایا۔ جو انسانی پُرامن زندگی کے لئے مژدہ جانفزا ہے۔ اور اُخروی پُرکیف زندگی بنانے کے لئے انتہائی طور پر کامیاب دستور العمل ہے پس توحید و عدل کا عقیدہ، نبوت و امامت کا اعتقاد اور قیامت کا یقینی تصور ہی انسان کو انسانیت کے صحیح معیار پر لانے کا کفیل ہے اور اسی نظریہ کو تسلیم کرنے اور اسی کے ماتحت وضع شدہ قوانین شرعیہ کی پابندی کرنے کا نام ہے دین۔ پس دین مادہ و طبیعت پرستوں کے قول کے مطابق صرف تقلید ہی تقلید کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا ناقابل تردید اصولی و عقلی ضابطہ ہے۔ جس سے کوئی صاحب عقل سلیم سرِمو انکار کر ہی نہیں سکتا۔ بشرطیکہ اولاد انسان سے ہو۔ البتہ بندروں کی اولاد اسے اگر تقلید سے تعبیر کرے تو ان سے بعید بھی نہیں۔ بہرکیف قیامت کا یقین محاسبہ کا خوف اور جزا و سزا کا تصور ہی ہر قسم کی غلط کاریوں کا علاج اور دنیوی و اُخروی فلاح کا ضامن ہو سکتا ہے۔

نتیجہ

معاشی پہلو میں جو کچھ اختلاف ہوتا ہے وہ صرف ان ہی دو فطری تقاضوں کی نبرد آزمائی کی ہی بدولت ہے یعنی تمدن اور استخدام و تسخیرِ موجودات اور اس اختلاف کا حل واحد ہے بعثتِ انبیاء۔

سوال: - دو فطری تقاضے جب آپس میں متضاد ہیں تو خالق حکیم نے انسان کو تفویض کرنے میں کیا مصلحت رکھی ہے؟

جواب: - دو فطری تقاضوں کا تضاد باعث عیب اور خلافِ حکمت ہوا کرتا ہے جب کہ ان کے اُوپر کوئی سلطان نہ ہو۔ لیکن جب یہ دونوں ایک حاکم بالا کے زیرنگیں قرار دیئے جائیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور اس کی مثالیں بہت سی مل سکتی ہیں؟

وجودِ انسان میں جو قوتیں موجود ہیں وہ اپنے اپنے مقام پر فطری حقوق رکھتی ہیں۔ لیکن ان کے تصرف سے باہمی تزاحم تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ جس کو بیماری کہا جاتا ہے۔ مثلاً قوتِ جاذبہ کا فطری حق ہے کہ غذا طلب کرے اور قوتِ ہاضمہ کی فطری ڈیوٹی ہے کہ اس کو ہضم کر کے جزو بدن بننے کے اہل کرے لیکن قوتِ جاذبہ جب بے اعتدالی سے کام لیتے ہوئے حد سے بڑھ جائے تو قوتِ ہاضمہ سے اس کا ٹکراؤ ہو جائے گا۔ یا قوتِ جاذبہ موذی غذا حاصل کرے اور قوتِ ہاضمہ اس کو ہضم کر کے جزئیتِ بدن کی حد تک پہنچا دے تو دیگر قوائے باطنیہ اس سے بُری طرح متاثر ہوں گی۔ اور نتیجہ میں نظامِ بدن

خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح زبان کا فطری حق ہے بولنا۔ لیکن اگر حدِّ اعتدال سے بڑھ جائے تو نتیجہ ہوگا شر و فساد اسی طرح باقی اعضائے بدنیہ کی بعینہٖ یہی حالت ہے۔ پس ان قوتوں کو اپنے اپنے مقام پر حق فطری کے استعمال کی اجازت ہے لیکن بحدِ اعتدال اور چونکہ یہ خود ان حدود کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو خدا نے اپنی حکمتِ کاملہ سے ان کے رفع تزاحم اور دفع تہاجم کے لئے ایک سلطان و حاکم بالا اپنی طرف سے معیّن فرمایا۔ جس کو لسان شرع میں رسولِ باطنی سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور وہ ہے عقل۔ اور خداوند کریم نے اس رسول (عقل) کو ایک حد تک مصالح و مفاسد معلوم کرنے کی طاقت دی ہے۔ پس بدنی طاقتوں کا کام ہے اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا اور عقل کا فریضہ ہے ان کو بے اعتدالیوں سے روکنا۔ اور جب تک عقل کی یہ رعایا اپنے سلطان (عقل) کے زیر حکم عمل پیرا رہے گی تو اس میں امن و سلامتی اور صلح و آشتی رہے گی۔ جس کے نتیجہ میں نظامِ بدن درست رہے گا۔ اور ساری رعایا کو خوش حالی نصیب ہوگی۔ لیکن جب ہی اس رعایا میں سے کسی فرد نے اپنے حاکم یعنی عقل کے سامنے علم بغاوت بلند کیا۔ اور بے راہ روی اختیار کی تو اس کا وبال صرف اسی تک محدود نہ رہے گا۔ بلکہ پوری مملکتِ بدن کی تباہی کے لئے پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

پس اسی طرح نوعِ انسانی کو خدا نے ایک طرف فطری طور پر حق تمدّن عطا فرمایا اور دوسری طرف حق استخدام موجودات مرحمت کیا۔ اور اعتدال و توازن قائم کرنے کے لئے رسولوں کو ان پر مسلّط فرمایا۔ جن کو انسانی ضابطۂ حیات بطور وحی و الہام و کتاب و شریعت تفویض فرمایا۔ تاکہ ہر ایک اپنی اپنی حدود کے اندر رہ کر دنیوی و اخروی فلاح و بہبود کی طرف اقدام کرے۔ اور عالم میں امن و سکون اور آرام و اطمینان قائم ہو۔ پس جب تک نوعِ انسانی اس نظام کے ماتحت رسولوں کی ہدایت کو مدّنظر رکھتے ہوئے اعتدال میں رہے گی تو نتیجہ خوشگوار ہوگا۔ لیکن بخلاف اس کے اگر انسانی افراد کُل یا بعض حکومتِ الٰہیہ سے بغاوت کریں گے تو امن عالم تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

مصلحتِ جہاد

یہاں تک پہنچنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکے گی کہ ایک طرف تو انسان کا قتل گناہِ عظیم ہے اور دوسری طرف خدا کی طرف سے جہاد کا حکم وجوبی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں انسانی موت کو فراوانی دی جاتی ہے تو مثالِ گذشتہ اس سوال کو حل کرنے کے لئے کافی ہے کہ بدن کی حفاظت کے لئے ایک یا دو فاسد اور باغی عضووں کو بدن سے الگ کر دینا عقل کا اٹل فیصلہ ہے جو انتہائی طور پر قابلِ قبول ہے۔ کیونکہ جزدی مفاد کو کلی مفاد پر قربان کرنا بہتر ہے اس سے کہ کلی مفاد کو جزدی مفاد کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ پہلے بمقتضائے عقل فاسد حصوں کی ہمہ تن کوشش سے اصلاح کی جائے اور حتی الوسع ہر ممکن علاج سے اس کو رو بصحت لانے کی سعی بلیغ کی جائے لیکن جب علاج سے مایوسی ہو اور اس کا رو بصحت لانا ناممکن ہو اور باقی بدن کی اصلاح و بقا اس فاسد حصہ کے معدوم کرنے میں ہو تو بلا دریغ اس کو کائناتِ بدن سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جانا عین دانائی ہے۔

پس اسی طرح نظام عالم کی بقاء کے لئے جن جن اصول و عقائد اور فروع و اعمال کے ضابطہ کی ترویج پر رسول مامور ہیں اگر بعض افراد اپنے مفسدانہ رویے پر قائم رہیں اور اس ضابطہ کو تسلیم نہ کریں تو پہلے ہر ممکن طریقہ سے ان کو سمجھانا ضروری ہے اور بصورتِ ضد و ہٹ دھرمی ان کا صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دینا عین مصلحت اور قرین عقل ہے۔ کیونکہ امن افراد پر امن عالم کو ہرگز قربان نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ بقائے عالم پر بقائے افراد کو قربان کیا جاسکتا ہے۔

دینی اختلاف

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً - مقصد یہ تھا کہ لوگ فطری تمدن اور صلح و آشتی کی زندگی کے پیش نظر یگانگت کی دولت کے مالک تھے۔ لیکن استخدام و تسخیر موجودات کے فطری حق کی بناء پر ذاتیاتی کشمکش ان کو تفرق و تشتت کی وادی میں ڈال کر آپس میں دست و گریباں کر رہی تھی۔ پس اس مفسدہ کے قلع قمع کے لئے اور اعتدال و امن کی برقراری کے لئے خدا نے رسول بھیجے۔ پس آیت کا مقصد یہ ہوا کہ لوگ ایک امت تھے۔ یعنی ان میں فطری یگانگت تھی۔ لیکن تعیش ظاہری اور مفاد زندگی کے حصول کی خاطر بے اعتدالیوں کی وجہ سے ان میں نظریاتی اختلافات رونما ہوئے تو خدا نے ان کی اصلاح کے لئے کتاب و شریعت دے کر رسول بھیجے جو اطاعت گذاروں کو مژدۂ جنت اور سرکشوں کو عذاب خداوندی میں گرفتاری کی خبریں سنائیں اور لوگوں کے باہمی اختلافات کو ہر ممکن کوشش سے ختم کریں۔ لیکن اس کے بعد فرماتا ہے کہ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ - یعنی اختلاف ہی ان لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی۔ بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح دلائل و براہین پہنچ چکیں اور یہ اختلاف صرف ازراہِ بغاوت ہی تھا۔

پہلا اتحاد، اتحاد فطری تھا اور اس پر متفرع اختلاف بھی اختلاف فطری تھا جس کا تعلق معاشی پہلو سے تھا اور اس کو رفع کرنے کے لئے انبیاء کی بعثت ہوئی۔ اب یہ اختلاف، اختلافِ فطری نہیں بلکہ ازراہِ بغاوت و عناد ہے۔ جو بعثتِ انبیاء کے بعد امتوں میں رونما ہوا۔ وہ اختلاف معاشیات میں بے راہ روی کا نتیجہ تھا اور یہ اختلاف دینیات میں بے جا تصرفات سے ظاہر ہوا۔ کیونکہ فرماتا ہے کہ اس اختلاف کی ذمہ داری اُن افراد پر عائد ہوتی ہے۔ جن کو کتاب دی گئی۔ پہلی قسم کا اختلاف فطرت کا تقاضا تھا۔ لہذا اس کے لئے خالقِ فطرت نے انبیاء و رسل کا انتظام فرمایا۔ لیکن دوسرا اختلاف چونکہ صرف عناد و سرکشی کی پیداوار تھا۔ لہذا اس کا علاج افہام و تفہیم یا ڈانٹ ڈپٹ یا عذاب اخروی کی وعید سے کافی سمجھا گیا۔

ضرورتِ نبی

گذشتہ بیان سے واضح کر دیا جا چکا ہے کہ انسان طبعی و فطری طور پر استخدام و تسخیر موجودات کا حق رکھتا ہے اور اس کی بدولت انسان کی معاشی زندگی میں اختلاف و فساد کی بنیاد پڑتی ہے لہذا اجتماعی زندگی اور تمدنی بقا کے لئے قوانین کی ضرورت

ہے۔ جن کی پابندی انسان کو اپنے کمال وسعادت پر فائز کر سکے۔ پس ایسے قوانین کی تشکیل یا تو خود فطرت ہی کریگی یا کوئی ایسی ذات کرے گی جو فطرت کے تقاضوں کو جاننے والی اور اس کی تمام تر صلاحیتوں پر نگاہ رکھنے والی ہو۔ تو ظاہر ہے کہ فطرت جو خود منبع ہے ان تمام اختلافات کا وہ رفع اختلاف کا زینہ نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا فطرتِ انسانی کے علاوہ ہی وہ ذات ہونی چاہیئے جو اصلاحِ انسانیت کے لئے قوانین مرتب کرے تو وہ سوائے خالقِ کائنات کے اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ پس ضروری ہے کہ خدا اپنے انتخاب سے ایسے افراد کو اصلاحِ خلق کے لئے مامور فرمائے جن کو ان قوانین کا پوری طرح علم دیا گیا ہو۔ اور وہ ان قوانین کے نفاذ میں بلا لومۃ لائم اپنی خدمات پیش کرنے والے ہوں۔ پس نبوّت وہ عہدۂ جلیلہ ہے جو خدا اصلاحِ خلق کے لئے کسی اپنے خاص بندے کو عطا فرماتا ہے۔ اور اس سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ جس کو خُدا یہ عہدۂ جلیلہ عنایت فرمائے گا وہ خود اس قسم کی بے اعتدالیوں سے پاک و منزہ ہوگا۔ جن کی اصلاح کے لئے وہ مبعوث ہُوا ہے۔ ورنہ اگر اس عہدہ پر فائز ہونے والا بھی عام لوگوں کی طرح جور و اعتساف سے کام لینے والا ہو۔ تو اس کی اصلاح کے لئے کسی دوسرے مصلح کی ضرورت ہوگی اور اگر وہ بھی ویسا ہو تو پھر اس کے لئے کسی تیسرے کی ضرورت ہوگی اور یہ سلسلہ ختم نہ ہوگا۔ اور اسی کو تسلسل کہتے ہیں جو کہ اتفاقاً محال ہے نیز اگر فرستادہ خدا خود اُمّت کی غلط کاریوں سے ملوث ہو تو اس کے موعظہ کا عامۃ الناس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ لہٰذا اس کی بعثت خالی از فائدہ ہوگی۔ نیز ایک غلط کار انسان پر اصلاحی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالنا کسی عام عاقل انسان سے بعید از قیاس ہے۔ چہ جائیکہ خداوندِ حکیم ایسے فعل کا ارتکاب کرے۔ کیونکہ نہ سدھرے ہوئے کو دوسروں کے سدھارنے پر مامور کرنا وقارِ علم وحکمتِ ذاتِ اقدسِ الٰہی پر ایک ایسا بدنما دھبّہ ہے جو چہرۂ توحید و دامنِ عدل کو تشکوک وشبہات کی بے پناہ تاریکی و سیاہی میں پوشیدہ کرنے کے لئے کافی ہے پس ثابت ہُوا کہ اصلاحِ خلق کے لئے خداوندِ عدل وحکیم کی طرف سے ایسے افراد مامور بہ تبلیغ ہوں۔ جن کا دامن ہر قسم کی غلط کاریوں سے پاک و منزہ ہو۔ بلکہ جس رستہ پر چلنے کی دعوت دینے کے لئے مامور ہوں وہ خود اس پر اس طرح گامزن ہوں کہ اس راستہ پر اُن کی اُمّت میں سے ان سے سابق کوئی نہ ہو۔ اور اسی کو عصمت کے مقدس نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہم نے مقدمہ تفسیر انوار النجف میں ایک مستقل باب کے ذیل میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔ نیز اس بحث کی تفصیل کیلئے ہماری کتاب "اسلامی سیاست" کا مطالعہ ضروری ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ

کیا تم نے گمان کیا ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور نہ آئے گی تم پر (آزمائش) مثل ان لوگوں کے جو تم سے پہلے گزر

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى

چکے ہیں جن کو مس کیا سختی اور تکلیف نے۔ اور ان کو جھنجوڑا گیا حتیٰ کہ پکار اٹھے رسول اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے

نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ

کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ آگاہ ہو تحقیق اللہ کی مدد قریب ہے آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ فرما دیجئے

اَمْ حَسِبْتُمْ: شانِ نزول :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنگ خندق کے موقعہ پر اور بعض کہتے ہیں کہ جنگِ اُحد کے موقعہ پر نازل ہوئی جبکہ مومنین شدت اور تکلیف سے گھبرا گئے تھے خدا نے اُن کو یہ آیت بھیج کر تسلی دی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مہاجرین جب اپنا وطن ترک کر کے مصائب جھیل کر مدینہ میں وارد ہوئے تو اُن کی تسلی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

جناب رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے: حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ۔ یعنی جنت مصائب میں گھری ہوئی ہے اور دوزخ شہوات کے اندر محصور ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جنت میں پہنچنے کے لئے مصائب کو جھیلنا پڑتا ہے اور شہوات کی اتباع جہنم تک پہنچاتی ہے۔ تفسیر عمدۃ البیان میں ہے کہ وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ میں نے بعض حواریین کی کتاب میں لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اے فرزندِ آدم جب خدا تجھے مصائب میں مبتلا کرے تو خوش ہو کیونکہ یہ طریقہ انبیاء و اولیاء کا ہے اور جس وقت تجھے آسودگی و خوشحالی حاصل ہو تو غمزدہ ہو کیونکہ تیرے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو انبیاء و اولیاء کے ساتھ نہیں کیا گیا تھا اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جنت میں بعض درجات ایسے ہیں جو نیک اعمالیوں سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ مصائب و آلام میں صبر کرنے والوں کے لئے ہیں۔ یہاں تک کہ انسان جب اُن مراتب کو دیکھے گا تو کہے گا کہ کاش دنیا میں میرا جسم مقراض سے ریزہ ریزہ کیا جاتا تاکہ مجھے یہ درجات نصیب ہوتے۔ بہرکیف مصائب و آلام پر صبر کرنے کے درجات زیادہ ہیں۔ خداوند کریم تمام مومنین کو آئمہ طاہرین علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور مصائب پر صبر کی طاقت عنائت کرے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الصَّابِرِيْنَ وَاحْشُرْنَا فِيْ زُمْرَةِ الصَّابِرِيْنَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ

جو بھی خرچ کرو۔ خیر سے پس والدین اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

السَّبِیْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۲۱۵﴾ کُتِبَ عَلَیْکُمُ

اور جو بھی نیکی کرو پس تحقیق اللہ اس کو جانتا ہے فرض کیا گیا تم پر لڑنا حالانکہ

الْقِتَالُ وَهُوَ کُرْهٌ لَّکُمْ ۚ وَعَسٰٓی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ۚ وَعَسٰٓی اَنْ

وہ ناپسند ہے تم کو اور ہو سکتا ہے کہ تم ناپسند کرو ایک چیز کو اور (درحقیقت) وہ تمہارے لئے اچھی ہو اور ہو سکتا ہے کہ

تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع ۱۰

تم چاہو ایک شے کو اور (درحقیقت) وہ بُری ہو تمہارے لئے اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یَسْئَلُوْنَکَ :۔ مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق لکھا ہے کہ ایک شخص جس کا نام عمرو بن جموح تھا بہت بوڑھا اور مالدار تھا، خدمتِ سرکارِ رسالتؐ میں پہنچ کر عرض کی۔ یارسول اللہ! میں کون سی چیز راہ خدا میں خرچ کروں اور کیسے لوگوں کو دوں تب یہ آیت اُتری۔ گویا نزول اس کا اس ایک واقعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن حکم اس کا قیامت تک کے لئے جاری ہے اور باقی احکام قرآنی بھی سب اسی طرح ہیں۔

مَآ اَنْفَقْتُمْ :۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ زکوٰۃ کا حکم ہے۔ لیکن زکوٰۃ کا مصرف چونکہ والدین نہیں ہُوا کرتے لہٰذا اس کو صدقاتِ واجبہ ومستحبہ سے عام قرار دیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اولاد پر والدین کا نفقہ واجب ہُوا کرتا ہے جب وہ احتیاج رکھتے ہوں۔ حالانکہ زکوٰۃ نہیں لے سکتے اور علامہ طبرسی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

وَهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ :۔ کیونکہ جنگ میں فتح کی صورت میں کامیابی کی خوشی اور مالِ غنیمت کا حصول ہوتا ہے۔ اور قتل کی صورت میں شہادت وجنّت عطا ہوتی ہے۔ پس ہر دو صورتیں خیر ہیں۔

وَهُوَ شَرٌّ لَّکُمْ :۔ دنیاوی بُرائی یہ ہے کہ فقر وفاقہ کی ذلّت کے علاوہ ہمیشہ کفّار سے سہمے رہنا بدترین زندگی ہے اور اُخروی خسارہ یہ ہے کہ نعماتِ آخرت سے ان کو قطعاً محروم کیا جائے گا

مسئلہ :۔ جہاد واجب کفائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر سارے مسلمان ترک کر دیں تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر اس قدر مسلمان مصروفِ جہاد ہو جائیں جو دشمن کے مقابلہ کے لئے کافی ہوں تو باقیوں سے وجوب ساقط ہے بشرطیکہ امام وقت کا خصوصی حکم کسی فرد کے لئے صادر نہ ہو ورنہ اس فرد پر جہاد واجب عینی ہو جائے گا۔

سوال وجواب

یہ آیت بتلاتی ہے کہ مومنین پر حکم جہاد گراں تھا اور وہ دل سے اس کو نہ چاہتے تھے حالانکہ دوسرے مقام پر مومنین کی جو مدح ثنا کی گئی ہے اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ مومنین راہِ خدا میں جان ومال بلکہ ہر قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرتے ہونگے جیساکہ تاریخ کے صفحات اس امر کے شاہد ہیں اور اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱) مومنین کے دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو اپنے ایمان میں صادق تھے اور اسلام کی حقانیت وصداقت ان کی دلوں کی گہرائیوں میں اتری ہوئی تھی وہ خُدا ورسولؐ کے ہر حکم پر مٹنے والے تھے اور قرآن مجید میں جہاں جہاں مومنین کی دقیع الفاظ میں مدح کی گئی ہے اس سے مراد یہی طبقہ ہے اور دوسرے وہ تھے جو ظاہر طور پر دعویٰ ایمان کرتے تھے۔ لیکن اُن کی زبان پر کلمۂ حق کا جاری ہونا ان کی دل کی آواز نہیں تھا۔ اور اکثر مقامات پر ایسوں کی قدح بھی کی گئی ہے اور ان کو عتابانہ خطاب سے بھی مخاطب کیا گیا ہے چنانچہ جنگ اُحد، بدر، خندق کی آیات اس کی گواہ ہیں۔ پس یہاں بھی جن کی طرف جہاد کی کراہت منسوب ہے وہ یہی گروہ ہے۔

(۲) ابتدا اسلام میں چونکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اسلحہ جنگ بھی ناکافی تھا اور کفار میں جنگی اسلحہ اور باقی فوجی طاقت کی کمی نہ تھی۔ لہٰذا اسلام کا حلقہ بگوش طبقہ دل سے اس امر کا خواہاں تھا کہ جنگ کو مؤخر کر دیا جائے۔ یہانتک کہ مسلمانوں کا حلقہ وسیع ہو جائے اور فوجی قوت دشمن کے مقابلہ میں درجہ کمال کو پہنچ جائے تاکہ مقابلہ کے بعد ناکامی کی رسوائی سے دوچار نہ ہونا پڑے پس ان کا اس وقت جنگ کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھنا اسلام کی سربلندی کے لئے تھا تو خداوند کریم چونکہ انجام سے دانا بینا ہے اس نے ان کے اس نظریہ کی تردید اس لہجہ میں فرمائی کہ مجھے انجام معلوم ہے اور تمہیں معلوم نہیں اور گویا جس چیز کو تم ناپسند کر رہے ہو یعنی فوری جہاد اسی میں تمہاری بھلائی کا راز مضمر ہے۔

(۳) مومنین جہاد کے حکم کو بزدلی کی بنا پر ناپسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو وسعتِ اسلام محبوب تھی وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا طریقہ نکل آئے کہ بجائے قتل وغارت کے ان کفّار کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے تو نفوسِ انسانیہ ہلاکت سے بچ جائیں گے۔ اور دوسری طرف اسلام کے دائرہ میں وسعت ہو جائے گی۔ پس خداوند کریم نے ان کو اس طرح سے رد فرمایا کہ میں چونکہ رازہائے دل سے واقف ہوں اور تمہیں پتہ نہیں ہے تم خواہ کتنی ہی کوششیں کرو خاک فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ حسد وعناد کی بنا پر اسلام کے حلقہ بگوش ہرگز نہ ہوں گے اور ہٹ دھرمی کو کسی قیمت پر نہ چھوڑیں گے اور دریں حالات چونکہ ان کا تخریبی پہلو نوعِ انسانی کے لئے وبالِ زندگی ہے اور امن عامہ کے لئے پیغام موت ہے لہٰذا افراد کو نوع پر قربان کرنا اس سے بہتر ہے کہ افراد کی خاطر نوعِ انسانی کو خطرہ میں ڈال دیا جائے ان کی مثال بدن انسانی کے اس عضوِ فاسد کی سی ہے جس میں کوئی علاج کارگر نہ ہو اور بدن کی سلامتی کا دارومدار اس کے کاٹ دینے میں ہو۔ لہٰذا ان سے ایمان کی توقع رکھنا اور اصلاح کی امید کرنا فضول ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ

آپ سے دریافت کرتے ہیں حرمت والے مہینے میں لڑائی کے بارے میں ۔ فرما دیجئے کہ اس میں لڑائی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اللہ کی

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ

راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد الحرام سے روکنا اور اس کے اہل کو وہاں سے نکال

اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى

دینا گناہ اکبر ہے اللہ کے نزدیک اور فتنہ (کفر) بہت بڑا گناہ ہے قتل سے ہمیشہ (اہل مکہ) تم سے برسرپیکار رہیں گے یہاں تک

يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ

کہ تمہیں پلٹا دیں تمہارے دین سے اگر ان کے بس میں ہو اور جو شخص مرتد ہو جائے تم میں سے اپنے

دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

دین سے ۔ پس وہ مر جائے حالتِ کفر میں تو پس ایسے لوگوں کے اعمال ضائع ہو گئے دنیا اور آخرت میں

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اور وہ لوگ اصحابِ جہنم ہیں درحالیکہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

بلکہ اُن کے وجود کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا ہی اسلام کی سربلندی اور دینِ خدا کی سرفرازی کا موجب ہے پس چونکہ وہ جہاد سے گریزاں اور صلح کے خواہاں تھے تو خدا نے اُن کے ہر دو نظریوں کی اپنے علم اور اُن کی بے علمی کے حوالہ سے تردید فرما دی ۔ اور اسی نکتہ کے پیشِ نظر لفظِ عسٰی کا تکرار بھی فرمایا ہے ۔

رکوع ۱۱

یَسْـَٔلُوْنَکَ :۔ اس کا شانِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب جناب رسولخدا ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تو انہوں نے اطراف و نواح میں سریّے (چھوٹے لشکر) روانہ فرمائے ۔ چنانچہ ایک سریّہ جو آٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا ۔ عبداللہ بن جحش کی زیر قیادت (جو کہ آپؐ کا پھوپھی زاد تھا ، مقامِ نخلہ کی طرف روانہ فرمایا (اور یہ جنگِ بدر سے دو ماہ قبل ہجرت کے بعد سترھویں ماہ کا واقعہ ہے) تاکہ طائف

سے آنے والے قافلہ قریش کی سرکوبی کریں اور اُن کا مال بطور غنیمت قبضہ میں لیں۔ قریش کا جو قافلہ طائف سے آرہا تھا اُن کا سرکردہ عمرو بن عبداللہ حضرمی تھا۔ جو عتبہ بن ربیعہ کا ہم قسم تھا اور ماہ جمادی الآخری کے آخری دن اِن ہر دو قافلوں کا آپس میں تصادم ہُوا، اور درحقیقت یہ دن رجب کا پہلا دن تھا۔ لیکن مسلمان اس کو جمادی الاخری کا آخری دن سمجھے ہوئے تھے۔ عمرو بن عبداللہ حضرمی مارا گیا اور مسلمانوں نے اُن کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا اور مدینہ واپس آگئے۔ کفار نے طعن و تشنیع شروع کی کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینے (ماہ رجب) میں جنگ کو حلال کر دیا ہے۔ چنانچہ جناب رسالتمآبؐ نے عبداللہ بن جحش سے ماجرا پوچھا۔ تو اس نے عرض کی۔ حضورؐ! ہم نے جمادی الاخری کی آخری تاریخ سمجھ کر ایسا کیا ہے۔
بہرکیف حضورؐ نے وہ لوٹا ہُوا مال و اسباب واپس کر دیا۔ اس کے بعد صحابہ نے ماہ حرام میں جنگ کرنے کے متعلق آپ سے دریافت کیا۔ نیز کفار قریش کا ایک خط بھی آنحضورؐ کے پاس پہنچا تو خداوند کریم نے یہ آیت بھیجی۔ کہ بے شک حرمت والے مہینہ میں جنگ کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اور کفر کرنا اور مسجد الحرام سے روکنا اور وہاں سے اس کے اہل کو نکال دینا (جس طرح اہلِ مکّہ نے مسلمانوں کے ساتھ کیا) یہ چیزیں گناہِ اکبر ہیں اور شرک کا گناہ قتل کے گناہ سے بہت زیادہ ہے۔

مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ :۔ مرتد کے اعمال سابقہ کے ضائع ہونے کے متعلق جہانتک اس آیت مجیدہ سے ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ ارتداد پر اس کی موت آجائے۔ ورنہ اگر ارتداد کے بعد مرنے سے پہلے توبہ کرلے اور اپنے سابق کئے پر نادم ہو جائے تو مفہوم آیت سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہے اور اس کو اپنے اعمالِ صالحہ کا بدلہ دیا جائے گا۔ گویا ارتداد سابقہ اعمال کی موت ہے اور توبہ ان کو دوبارہ زندہ کر دیتی ہے جبھی تو کہا جاتا ہے کہ مرتد پر اپنے زمانۂ ارتداد میں فوت شدہ عبادات کی قضا بھی واجب ہے۔ جس طرح کہ ظاہری حکومتوں میں حکومت کے باغی افراد کی گذشتہ تمام خدمات کو کالعدم قرار دیا جاتا ہے اور اسے گردن زدنی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ نادم ہو کر آئندہ کے لئے حکومت سے وفاداری کا عہد کرلے تو اس کی تن بخشی ہو جایا کرتی ہے۔ بشرطیکہ حکومت کو اس کے عہد و پیمان پر اطمینان بھی ہو جائے۔ اسی طرح حکومتِ الٰہیہ جو اساس عدل اور معیار انصاف پر مبنی ہے اس کے باغی کی تمام نیکیوں پر قلم نسخ پھیر دیا جاتا ہے۔ لیکن جب توبہ کرلے اور بدل و جان اپنے خالق سے طالب عفو ہو جائے تو بتقاضائے عدل و انصاف اور بمقتضائے کرم وجود اس کی توبہ کے لئے دامن عفو خداوندی میں گنجائش ہے تو پس اس کے اعمال قابلِ جزا ہوں گے۔ بشرطیکہ خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔

مُرتد کی قسمیں

علماء نے مرتد کی دو قسمیں کی ہیں ۱۔ مرتد ملی ۲۔ مرتد فطری۔ مرتد ملی وہ ہے جو کافر والدین کے گھر پیدا ہو کر بعد میں باختیار خود دائرہ اسلام میں داخل ہو اور پھر دوبارہ کفر کی طرف پلٹ جائے۔
مرتد فطری اس کو کہتے ہیں جو مسلمان والدین کے ہاں پیدا ہُوا ہو یا اس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک اس کے انعقادِ نطفہ کے وقت مسلمان ہو لیکن بعد میں وہ عقیدہ چھوڑ کر کفر میں داخل ہو جائے۔

مسئلہ :۔ مرتد ملی کا حکم یہ ہے کہ اس سے توبہ طلب کی جائے اور اس کی توبہ ظاہری اور اُخروی ہر دو لحاظ سے قابلِ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ
تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا میں وہ لوگ
يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ
اُمیدوار ہیں رحمتِ خدا کے اور خدا غفورٌ رّحیم ہے آپ سے دریافت کرتے ہیں شراب اور جوئے کے متعلق
قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ
فرما دیجئے کہ ان میں گناہِ کبیرہ بھی ہے اور نفع بھی ہے لوگوں کیلئے اور گناہ اُن کا اُن کے نفع کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے
وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں ؟ تو فرما دیجئے کہ بچت اس طرح بیان فرماتا ہے خدا تمہارے
لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾
لئے آیات کو ۔ تاکہ تم سوچو

قبول ہے دنیاوی لحاظ سے اس کی توبہ کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقدار زمانِ عدّت کے اندر اس کی عورت اس کو واپس مل جائے گی اس کی جائیداد تقسیم نہ ہوگی اور اس سے قتل کا حکم برطرف کر دیا جائے گا اور اُخروی لحاظ سے توبہ قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اُخروی جزا کا بھی حقدار رہے گا۔ لیکن اگر اس عرصہ کے اندر توبہ نہ کی تو واجب القتل قرار دیا جائیگا اس کی عورت اس سے آزاد اور اس کا مال ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

مسئلہ :۔ مرتد فطری کی ظاہری طور پہ توبہ قبول نہیں بلکہ مرتد ہوتے ہی اس کی عورت اس سے بائن اور اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔ اور اگر حکومت شرعی ہو تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ البتہ اُخروی طور پہ اگر صدقِ دل سے توبہ کرے تو بعید نہیں کہ رحمتِ خداوندی اس کو اپنے سایہ میں لے لے اور عذابِ آخرت اس سے برطرف کر دے۔

شراب و جوئے کی حرمت کا بیان

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا :۔ جو لوگ ایمان لائے اور مہاجر بھی ہوئے اور مجاہد بھی رہے ان کے اللہ کے نزدیک بلند درجات ہیں اور وہ جنتی ہیں۔ لیکن بشرطیکہ اُن کا خاتمہ بھی ایمان پہ ہو جائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ ۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ شراب کی حرمت کیلئے پہلے پہل یہ آیت اتری۔ پس اس آیت کے آنے سے لوگوں کو شراب اور جوئے وغیرہ کی حرمت کا احساس ہوگیا اور اس سے بچنے کے متعلق سوچنے لگے۔ پھر اس کے بعد حتمی حکم نازل ہوا جس میں شراب، جوئے انصاب اور ازلام کو رجس اور عمل شیطان کہا گیا اور پھر ان سے اجتناب کا حکم دیا گیا۔ اور یہ آیت شراب وجوا کی حرمت کے لئے پہلی سے سخت تر ہے اس کے بعد تیسری آیت خدا نے نازل فرمائی جس میں شراب اور جوئے کا ذکر خدا اور نماز وغیرہ سے روکنے والا قرار دیا گیا۔ گویا شراب اور جوئے کی حرمت کے ساتھ وجہ حرمت بھی بیان فرمائی اور یہ پہلی دو آیتوں سے شراب وجوئے کی حرمت میں سخت تر ہے اور ان سب کے بعد خداوند کریم نے ایک اور آیت نازل فرمائی۔ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔ یعنی بجز اس کے نہیں کہ میرے رب نے حرام کیا ہے فاحش چیزوں کو جو ظاہر ہیں یا باطن اور گناہ کو اور بغاوت کو جو بغیر حق کے ہو۔

اس آیت میں خداوند کریم نے سابقہ تینوں آیتوں کے امتناعی حکم کی وضاحت فرمادی۔ کیونکہ پہلی آیت میں شراب اور جوئے کو اِثم کے لفظ سے تعبیر فرمایا تھا کہ یہ دونوں چیزیں گناہ (اثم) ہیں اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے بعض منافع بھی ہیں اب اس آیت میں اِثم کو حرام قرار دے دیا۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ خداوند کریم مخلوق پر جس چیز کو حرام کرتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کے حکم میں شدت کرتا ہے تاکہ آہستہ آہستہ لوگ عادی ہو جائیں اور یہ اس کی بہترین تدبیر ہے (کیونکہ پہلے صرف اتنا فرمایا کہ اس میں گناہ بھی ہے اور نفع بھی لیکن نفع کے مقابلہ میں گناہ زیادہ ہے تو اس کو سنتے ہی لوگ اس کے منع ہونے کو بھانپ گئے تو دوسری آیت میں حکم ہوگیا کہ فَاجْتَنِبُوْهُ یعنی اس سے بچو پھر تیسری آیت میں مصلحت بھی فرمادی کہ کہ یہ امورِ خیر ذکر خدا و نماز وغیرہ سے روکنے والی چیزیں ہیں اور چوتھی آیت میں صاف حرمت کا فتویٰ صادر فرمادیا)

ایک روایت میں علی بن یقطین سے مروی ہے کہ مہدی عباسی خلیفہ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کی کہ مولا! خدا نے قرآن مجید میں شراب نوشی سے منع کیا ہے لیکن یہ نہیں کہا کہ شراب حرام ہے"۔ آپ نے فرمایا۔ بلکہ خدا نے قرآن میں شراب کو حرام فرمایا ہے۔ مہدی نے دریافت کیا کہ کہاں؟ آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (سوائے اس کے نہیں کہ خدا نے حرام قرار دیا برائیوں کو جو ظاہر ہوں یا باطن اور گناہ اور بغاوت جو بغیر حق کے ہو)۔ برائی ظاہر سے مراد اعلانیہ زناکاری جس طرح قحبہ خانوں کا قیام اور ان میں آمد و رفت کا سلسلہ۔ اور باطنی برائی سے مراد ہے کہ باپ کی منکوحہ بیٹے کو نہیں آسکتی)

(اقول۔ جو عورت مرد پر حرام ہو۔ اسی کے ساتھ بدکاری ممنوع ہے لیکن امام پاک نے ایک جزئی بیان فرمادی کیونکہ خلفائے عباسیہ اسی مرض میں مبتلا تھے۔) اور اِثم سے مراد ہے شراب۔ کیونکہ خدا نے فرمایا۔ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۔ پس قرآن مجید میں اِثم کا اطلاق شراب اور جوئے پر ہوا ہے۔ اور اس کو

خدا نے حرام کیا ہے پس مہدی عباسی نے سنتے ہی علی بن یقطین سے متوجہ ہو کر کہا :- هٰذِهٖ فَتْوٰی هَاشِمِیَّةٌ (یہ ہاشمی فتوے ہے)

مجمع البیان میں ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا کہ شراب کے بارے میں خداوندکریم نے دسؔ آدمیوں کو ملعون قرار دیا ہے (۱) خریدنے والے کو (۲) اس کو جس کے لئے خریدا جائے (۳) نچوڑنے والے کو اور جس (۴) کے لئے نچوڑا جائے (۵) پلانے والے کو (۶) پینے والے کو (۷) اٹھانے والے کو (۸) اور جس کی طرف اٹھا کر لے جائے (۹) اور بیچنے والے کو (۱۰) کاشت کرنے والے کو۔

ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ شراب پینے والا مثل بت پوجنے والے کے ہے اور منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ میری امت میں دس قسم کے لوگ ایمان کا دعوٰے کرتے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔
(۱) تارکِ نماز (۲) تارکِ زکوٰۃ (۳) سود خور (۴) زانی (۵) شرابی (۶) چغل خور (۷) فتنہ باز (۸) گلہ کرنے والا (۹) ہمسایوں کو دکھ دینے والا (۱۰) ظالموں سے تعلق قائم کرنے والا تاکہ کسی کو مصیبت میں پھنسائے۔

اَلْمَیْسِرِ :- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نرد اور شطرنج ، میسر کی قسمیں ہیں اور جناب رسالتمآبؐ سے میسر کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہر وہ شئے جس میں جیت ہار کا مقابلہ ہو پس وہ جوا ہے۔ حتیٰ کہ گوٹیاں اور اخروٹوں سے کھیلنا بھی جوا بازی میں داخل ہے۔ تاش بازی جس کا ہمارے ملک میں عام رواج ہے۔ یہ بھی اسی قسم میں داخل ہے۔

اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :- کہ شطرنج کا بیچنا ، اس کی قیمت کا کھانا حرام ہے۔ اس کا خریدنا کفر ہے اس کے ساتھ کھیلنا شرک ہے اور اس کو ہاتھ لگانا ایسا ہے جس طرح سؤر کے گوشت کو ہاتھ لگایا جائے۔ لہٰذا جس طرح سؤر کے گوشت کو ہاتھ لگانے کے بعد بغیر دھونے کے نماز نہیں ادا کی جاسکتی۔ اسی طرح شطرنج کو ہاتھ لگانے کے بعد بھی بغیر ہاتھ دھوئے نماز نہیں ہوسکتی اور شطرنج کی طرف نظر کرنا ایسا ہے جس طرح اپنی ماں کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنا۔ شطرنج کھیلنے والے پر سلام کہنا گناہ ہے اور شطرنج کھیلنے والوں کے پاس بیٹھنا دوزخ میں لے جاتا ہے۔
(حدیثوں میں شطرنج کا نام بطور مثال کے ہے ورنہ تمام اُن چیزوں کا یہی حکم ہے جو میسر کے حکم میں داخل ہیں۔ جیسے گوٹیاں کھیلنا اور اخروٹ بازی اور تاش وغیرہ) (خداوندکریم تمام مومنین کو ان روحانی امراض سے محفوظ رکھے۔
قُلِ الْعَفْوَ :- عفو کا معنی ہے جو اپنے اور بال بچوں کے اخراجات سے بچ جائے۔ یا اس کا معنی ہے درمیانہ ، یعنی نہ اسراف نہ بخل۔ احادیثِ اہلبیت میں دونوں معنے وارد ہوئے ہیں۔

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن

دنیا و آخرت کے متعلق اور آپ سے دریافت کرتے ہیں یتیم بچوں کے متعلق فرما دیجئے کہ اصلاح ان کے مال کی

تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

اچھی ہے اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملالو تو تمہارے بھائی ہیں اور خدا جانتا ہے فساد کرنے والے کو اصلاح کرنیوالے سے۔ اور اگر چاہتا خدا

لَأَعْنَتَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾

تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا۔ تحقیق اللہ غالب و دانا ہے

یتیموں کے مال کی حفاظت کا بیان

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۔ یتیم کے مال کی حفاظت واجب ہے اور اس کے مال میں خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر ایک شخص یتیموں کے اموال کی دیکھ بھال کے لئے اس قدر مصروف ہو کہ اس کو اپنے لئے کسب معاش کی فراغت ہی نہ مل سکتی ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ یتیموں کے مال سے ضرورت کے مطابق کھا پی لے۔ لیکن اگر یتیموں کا مال تھوڑا ہو تو پھر اس کو ان کے مال سے کچھ بھی نہیں کھانا چاہیئے۔ ابوصباح کنانی راوی حدیث نے عرض کی کہ حضورؑ! خدا فرماتا ہے:- وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ۔ یعنے اگر تم یتیموں کا مال اپنے مال سے ملا دو۔ تو وہ تمہارے بھائی ہیں یعنی اس میں حرج نہیں" تو آپؑ نے فرمایا:- اس کا مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے کے لئے نسبت لگا کر ان کا اور اپنا سامانِ خورد و نوش ملا لو۔ اور پھر کھانا اکٹھا تیار کر کے اکٹھا کھا پی لو۔ راوی نے عرض کی:- حضورؑ! اگر یتیموں میں بعض چھوٹے اور بعض بڑے ہوں۔ بعض کے لباس کا خرچ زیادہ اور بعض کا کم۔ اسی طرح بعض کم کھاتے ہوں اور بعض زیادہ تو پھر کس طرح نسبت قائم ہوگی؟ آپؑ نے فرمایا۔ کہ لباس کے لئے سب کا حساب جدا جدا ہونا چاہیئے۔ لیکن کھانے میں سب کو یکساں نسبت سے رکھا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ چھوٹا بڑے سے زیادہ کھا جائے (یا اس کے برابر کھائے)

عبداللہ بن یحییٰ کاہلی سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ بعض اوقات ہم اپنے ایک بھائی کے ملنے کے لئے جاتے ہیں اور ان کے پاس یتیم ہوا کرتے ہیں، ہم ان کے بستروں پر بیٹھتے ہیں اور بعض اوقات وہ ہم کو کھانا بھی کھلاتے ہیں حالانکہ اس میں یتیموں کا مال ملا ہوا ہوتا ہے۔ تو ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

اور نکاح کرو مشرکہ عورتوں سے یہانتک کہ ایمان لائیں اور البتہ مومنہ لونڈی بہتر ہے مشرکہ آزاد عورت سے اگرچہ وہ تمہیں

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ

بھلی معلوم ہو اور نکاح کر دو مشرکوں کو (مومنہ عورتیں) یہانتک کہ وہ ایمان لائیں اور البتہ غلام مومن بہتر ہے (آزاد) مشرک سے

وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ

اگرچہ وہ تم کو پسند بھی ہو (کیونکہ) وہ لوگ دعوت دیں گے طرف دوزخ کے اور خدا دعوت دیتا ہے طرف جنت اور

الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

بخشش کے ساتھ اپنے اذن کے۔ اور بیان فرماتا ہے اپنی آیات کو لوگوں کے لئے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

آپؑ نے فرمایا کہ اگر تمہارا جانا ان کی مصلحت و منفعہ کے لئے ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر تمہارے جانے میں ان کی کوئی مصلحت و فائدہ نہیں تو پھر تمہارے لئے ایسا کرنا جائز نہیں اور اس چیز کو ہر انسان خود سمجھ سکتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ :- اس فقرہ سے جبرہ کا قول باطل ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے کیونکہ اس صورت میں کسی فعل بد کے مرتکب کو نیکی کا حکم دینا، مشقت میں ڈالنا تو بجائے خود ایک ناشدنی امر کی تکلیف دینا ہے اور خدا جب بندے کو مشقت میں ڈالنا پسند نہیں فرماتا۔ تو اس کو امر محال کی تکلیف کیسے دے سکتا ہے؟

مومن کا کافر سے رشتہ ناجائز ہے

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ :- اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق صاحب مجمع البیان نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص مرثد ابن ابی مرثد غنوی کو جناب رسالتمآبؐ نے مکہ روانہ کیا تاکہ وہاں سے مسلمانوں کو نکال کر مدینہ منورہ کی طرف لائے اور یہ طاقتور اور بہادر آدمی تھا پس جب یہ مکہ میں پہنچا تو اس نے اپنا کام شروع کر دیا وہاں ایک عورت تھی۔ جس کا نام عناق تھا۔ زمانِ کفر و جاہلیت میں مرثد بن ابی مرثد کے اس عورت سے ناجائز تعلقات تھے جب اس عورت کو مرثد کے مکہ میں پہنچنے کی خبر ہوئی تو وہ اس کے پاس آئی اور اس سے فعل بد کے ارتکاب کی خواہش کی۔ لیکن اس نے زنا کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر اس عورت نے خواہش کی کہ میرے ساتھ نکاح کر لو۔ مرثد نے جواب دیا کہ جب تک میں

جنابِ رسالتمآبؐ سے اجازت نہ لوں گا تیرے ساتھ نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ پس جب وہاں سے فارغ ہو کر واپس مدینہ آیا تو جنابِ رسالتمآبؐ سے اس عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرکہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ آزاد مشرکہ عورت خوبصورت ہی ہو اور تمہیں پسند بھی ہو۔

مسئلہ:۔ مذہب شیعہ کا متفقہ فتویٰ ہے کہ کافرہ عورت خواہ اہل کتاب سے ہو یا مشرکین سے اس کے ساتھ نکاح دائمی کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ البتہ کافرہ کتابیہ کے ساتھ متعہ کرنا جائز ہے۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومنوں کے لئے جائز نہیں کہ مومنہ عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں دے دیں تو گویا مومنہ عورت کا نکاح کافر مرد سے خواہ اہل کتاب سے ہو یا ہونا جائز ہے اور یہ مذہب امامیہ کا متفقہ فیصلہ ہے۔

اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔ مشرکوں، کافروں سے مومنہ عورت کے نکاح کے ناجائز ہونے کی وجہ بیان فرمائی کہ چونکہ مرد، عورت پر غالب اور حاکم ہوتے ہیں جب مومنہ عورت ان غیر مومن مردوں کے نکاح میں چلی جائے گی۔ تو غیر مومن مرد اپنی فطرتِ فاسدہ اور طینتِ خبیثہ کے ماتحت اپنی زوجہ مومنہ کو دینِ حق کے ترک کرنے پر مجبور کریں گے اور اگر وہ بالفرض مجبور نہ بھی کریں تو چونکہ عورت نے محکومی کی زندگی بسر کرنی ہے لہٰذا رفتہ رفتہ مرد کے اثرات قبول کرتے کرتے اسی کے اعتقادات کو اپنائے گی اور دینِ حق سے برگشتہ ہو جائے گی یا یہ کہ مرد کی خوشامد کے لئے اور اپنی زندگی کو راحت و آرام سے بسر کرنے کے لئے دینِ حق کے ترک کرنے پر مجبور ہو جائے گی جبکہ اس کو علم ہو جائے کہ مرد کی محبت سوائے اس کے حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ پس ان وجوہات کے پیشِ نظر خداوند کریم نے مومنہ عورت کا نکاح کافر اور غیر مومن مرد سے ناجائز قرار دے دیا ہے اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ کافر اور غیر مومن دوزخ کی طرف دعوت دیں گے اور میں اللہ جنت اور بخشش کی دعوت دیتا ہوں لہٰذا ایسا رشتہ جس سے کفر کی دعوت میں قبولیت کو تقویت پہنچتی ہو ترک کر دیا جائے اگر مومنہ عورت کے ماں باپ غیر مومن مرد سے اس کا نکاح کرنے کی جسارت کریں گے تو اس کا وبالِ اُخروی ماں باپ کے سر پر ہوگا اور اس حکم کی وضاحت کے بعد قیامت کے دن اُن کا کوئی عذر نہ سُنا جائے گا اگر مومنہ عورت غیر مومن مرد کے نکاح کی وجہ سے دینِ حق کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئی تو بروزِ محشر عذر کر سکے گی کہ مجھے ماں باپ نے اس مصیبت میں پھنسا دیا تھا اور میں مجبور تھی تو اس قسم کے والدین کو قیامت کے دن جواب دہی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

مسئلہ:۔ کافر اور مشرک کا جو حکم ہے فرقِ اسلامیہ میں سے ناصبی، خارجی اور غالی کا بھی وہی حکم ہے۔ بلکہ مومن اپنا رشتہ صرف مومن کو ہی دے سکتا ہے۔

وجہ ربطِ آیات:۔ احکام فرعیہ میں سے پہلے اوامر کا بیان فرمایا، مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، وصیت، قصاص وغیرہ اور ان احکام کے بعد نواہی کا بیان شروع کیا یعنی وہ چیزیں جن سے بچنے کا حکم ہے پس ان میں سے زیادہ اہم امور کا ذکر فرمایا

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ
آپ سے پوچھتے ہیں حیض کے متعلق فرما دیجئے کہ وہ نجس ہے ۔ پس علیحدہ رہو عورتوں سے اثنائے حیض میں
وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ
اور نہ نزدیک جاؤ ان کے یہانتک کہ پاک ہولیں ۔ پس جب پاک ہولیں تو آؤ ان پر جہاں سے امر کیا تم کو
اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾
خدا تعالٰے نے تحقیق خدا دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے پاک بازوں کو

مثلاً شراب نوشی، جوا بازی، یتیموں کا مال کھانا اور مشرکوں، کافروں (غیر مومن لوگوں کے ساتھ) رشتہ ناطہ کرنا ۔ ان سب سے مومنوں کو بچنا واجب ہے ۔ ان مسائل کے بعد امور خانہ داری کی طرف متوجہ فرماتے ہوئے مسائل زوجیت کو بیان فرمایا ۔

رکوع ۱۲

حیض کا بیان

یَسْئَلُوْنَکَ :۔ اس کے شان نزول کے متعلق ہے کہ ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لوگ اپنی عورتوں سے حیض کے دنوں میں بالکل علیحدہ ہوجایا کرتے تھے اور اُن کے ساتھ کھانا، پینا، بیٹھنا ترک کر دیتے تھے ۔ پس انہوں نے جناب رسالتمآب سے اس بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اُتری ۔

فَاعْتَزِلُوْا :۔ ایام حیض میں عورت کے ساتھ جماع کرنا حرام ہے اگر کوئی شخص عمداً ایسا کرے تو اس پر کفارہ واجب ہے ۔ اگر حیض کے پہلے حصہ میں مجامعت کرے تو اس کا کفارہ ایک دینار اور اگر درمیان میں کرے تو اس کا کفارہ نصف دینار اور اگر آخر حصہ میں کرے تو اُس کا کفارہ دینار کا چوتھا حصہ ہے

مسئلہ :۔ ایام حیض میں مجامعت کے علاوہ عورت سے بوس و کنار وغیرہ جائز ہے البتہ زیر ناف اس سے استمتاع حاصل کرنا مکروہ ہے ۔ یعنی اس کو ہاتھ لگانے سے بھی گریز نہ کرے ۔

حَتّٰی یَطْهُرْنَ ۔ اس لفظ کو بعض قاریوں نے یَطَّهَّرْنَ شد کے ساتھ پڑھا ہے اگر بغیر شد کے پڑھا جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ عورتوں سے مقاربت نہ کرو جب تک کہ خون سے پاک نہ ہوجائیں اور شد کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں معنی ہوگا کہ عورتوں سے مجامعت نہ کرو ۔ جب تک کہ خون ختم ہونے کے بعد غسل نہ کرلیں ۔

مسئلہ :۔ خون حیض ختم ہوجانے کے بعد اور غسل سے پہلے عورت کے ساتھ مجامعت کرنا جائز ہے لیکن غسل سے پہلے مکروہ ہے

لہٰذا بہتر ہے کہ غسل سے پہلے مجامعت نہ کرے اور بعض علماء کے نزدیک غسل سے پہلے عورت کے ساتھ مجامعت کرنا حرام ہے۔
فَاِذَا تَطَهَّرْنَ - یعنی جب خون سے پاک ہو جائیں یا غسل کر لیں تو ان کے پاس آؤ یعنی مجامعت کرو اور ان کے پاس آنے کا امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ اباحت کے لئے ہے مقصد یہ ہے کہ اب تمہارے لئے جائز ہے کہ اُن کیساتھ مجامعت کرو۔
مسئلہ: خونِ حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن آتا ہے اور ہر تندرست عورت کو ایک ماہ میں ایکدفعہ آتا ہے اور ایک حیض سے دوسرے حیض تک کم از کم مدت دس دن ہے اگر ایک حیض کے بعد دس دن گزرنے سے پہلے کوئی خون آ جائے تو وہ یقیناً استحاضہ کا خون ہوگا اور حائض عورت کے احکام یہ ہیں
(۱) وہ عبادات جن میں طہارت شرط ہے مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔ حیض والی عورت پر ان کا بجالانا حرام ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ کے اسماء طاہرہ کو مس کرنا اس پر حرام ہے۔ بلکہ انبیائے طاہرینؑ اور آئمہ معصومینؑ کے ناموں کو مس کرنے سے بھی پرہیز کرے۔ نیز قرآن مجید کے حروف حرکات سکنات وغیرہ کو بھی وہ مس نہیں کر سکتی۔
(۳) وہ آیات جن میں سجدہ واجب ہے۔ حائض عورت پر ان کا پڑھنا حرام ہے بلکہ سورہ سجدہ کے پڑھنے سے بھی اجتناب کرے
(۴) مساجد میں ٹھہرنا اس کے لئے حرام ہے۔
(۵) کوئی چیز مسجد میں رکھنا اس کے لئے حرام ہے جبکہ مستلزم دخول مسجد ہو۔
(۶) مسجد الحرام اور مسجد نبیؐ۔ ان دو مسجدوں سے گذرنا بھی حیض والی عورت پر حرام ہے۔
(۷) حیض والی عورت کے ساتھ مجامعت کرنا حرام ہے۔ اور بصورت مجامعت کفارہ واجب ہے۔
(۸) ایام حیض میں عورت کو طلاق دینا ناجائز ہے۔ بشرطیکہ (۱) مدخولہ ہو (۲) حاملہ نہ ہو (۳) مرد حاضر ہو یعنی عورت کے حالات سے مطلع ہونا اس کے لئے آسان ہو اور ان شرائط کے نہ پائے جانے کی صورت میں حیض والی عورت کو طلاق دی جاسکتی ہے یعنی اگر عورت مدخولہ نہ ہو یا مدخولہ حاملہ ہو یا یہ کہ مرد کے لئے اس کے حالات سے مطلع ہونا دشوار ہو۔ ان حالتوں میں عورت کو طلاق دینا جائز ہے خواہ ایام حیض ہی میں کیوں نہ ہو۔
(۹) خون کے اختتام کے بعد غسلِ حیض عباداتِ مشروطہ با طہارت کے لئے واجب ہوا کرتا ہے۔
مسئلہ: غسلِ حیض کی کیفیت مثل غسل جنابت کے ہے۔ یعنی اگر ارتماسی ہو تو نجاست دُور کرنے کے بعد نیت کر کے ایک دفعہ غوطہ لگانا کافی ہے اور اگر غسل ترتیبی ہے تو نجاست دُور کرنے کے بعد نیت کر کے پہلے سر اور پھر دایاں حصّہ اور پھر بایاں حصّہ بدن پر پانی کو جاری کرے اس طرح کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔
مسئلہ: عورت کے وہ زیورات جو چمڑے تک پانی پہنچنے سے مانع ہیں غسل کے وقت ان کا اتارنا واجب ہے۔ تاکہ پانی چمڑے تک پہنچ جائے ورنہ غسل باطل ہوگا۔
مسئلہ: ناخن پالش جس کا عورتوں میں آجکل عام رواج ہے اس کی موجودگی میں غسل کی صحت مشکل ہے کیونکہ ناخن کے اُوپر ایک علیحدہ پردہ سا ہوتا ہے جو ناخن تک پانی پہنچنے سے مانع ہے۔

مسئلہ:- سر کے بال اگر گندھے ہوں اور پانی جسم تک پہنچنے سے مانع ہوں تو ان کا کھولنا بوقت غسل واجب ہے۔

مسئلہ:- غسل حیض کے پہلے یا بعد وضو کرنا عبادت کے لئے ضروری ہوا کرتا ہے اور بہتر ہے کہ وضو بقصد قربت پہلے کیا جائے۔

مسئلہ:- غسل کے بعد عورت پر وہ سب چیزیں حلال ہو جائیں گی جو بوجہ حیض کے اس پر حرام تھیں سوائے ان عبادات کے جو مشروط بالطہارت ہیں کیونکہ ان کے لئے وضو بھی ضروری ہے خواہ غسل سے پہلے کرے یا بعد کرے۔ لیکن پہلے کرنا بہتر ہے

مسئلہ:- اگر غسل کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو تیمم بدلے غسل کے کرنا چاہیئے اور اگر وضو بھی ناممکن ہو تو دوسرا تیمم بدلے وضو کے کرنا ضروری ہوگا۔

(۱۰) ایام حیض میں عورت سے جو نمازیں ترک ہوتی ہیں۔ اُن کی قضا واجب نہیں لیکن جو روزے قضا ہوئے ہوں ان کی قضا واجب ہے۔

(۱۱) جو عورت، طہارت و نجاست کی پرواہ کرنے والی نہ ہو اور ایام حیض میں اپنے لباس و بدن وغیرہ کو آلودگی سے بچانے میں احتیاط نہ کرتی ہو۔ ایسی عورت کی جھوٹی چیز اُس کا پس خوردہ استعمال کرنا مکروہ ہے اسی طرح حیض والی عورت کے لئے مہندی لگانا، سجدہ والی سورتوں کے علاوہ اور قرآن کے حروف کے علاوہ اوراق کی خالی جگہوں کو یا جلد کو مس کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ:- اگر ایام حیض میں عورت مر جائے تو اس کو غسل حیض دینے کے بعد غسل میت دیا جائے۔

مسئلہ:- اگر وقت نماز داخل ہونے کے بعد اتنی مقدار گزر جائے کہ وہ باشرائط نماز پڑھ سکتی ہو اور اس کے بعد اس کو حیض شروع ہو جائے تو اس پر اس نماز کی قضا واجب ہے اسی طرح اگر آخر وقت میں حیض ختم ہو جائے اور اتنا وقت باقی ہو کہ غسل اور باقی نماز کی شرائط حاصل کرنے کے بعد ایک رکعت نماز وقت کے اندر ادا کر سکتی ہو۔ لیکن نہ کرے تو اس پر اس نماز کی قضا واجب ہے۔

مسئلہ:- من جملہ علامات بلوغ کے عورت کو حیض کا آنا بھی ایک علامت بلوغ کی ہے۔

مسئلہ:- ایام حیض میں اگرچہ عورت پر نماز معاف ہے لیکن اس کے لئے مستحب ہے کہ وقت نماز میں وضو بقصد قربت کر کے مصلائے عبادت پر بیٹھ کر نماز کی مقدار کے برابر ذکر خدا کرتی رہے۔

مسئلہ:- ہر عورت بالغہ پر واجب ہے کہ مسائل حیض سیکھے اور ان پر عمل کرے۔

مسئلہ:- حیض کے دنوں میں عورت پر روزہ رکھنا حرام ہے اور اس کی قضا واجب ہے۔

مسئلہ:- اگر روزہ دار عورت کو غروب آفتاب سے پہلے حیض شروع ہو جائے تو اس کا روزہ باطل ہو جائیگا اور اس کی قضا لازم ہوگی

مسئلہ:- حیض والی عورت بیت اللہ کا طواف نہیں کر سکتی کیونکہ بیت اللہ مسجد الحرام کے اندر ہے اور مسجد میں اس کا داخل ہونا ممنوع ہے

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ پس آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو اور بھیجو اپنے نفسوں کے لئے (نیک اعمال) اور اللہ سے ڈرو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا أَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٢٣﴾ وَلَا

اور جانو تحقیق تم اس کے پاس حاضر ہونے والے ہو۔ اور خوشخبری دیجیے ایمان والوں کو اور نہ بناؤ

تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا

اللہ کو نشانہ اپنی قسموں کا تاکہ نیک بنو اور بچو گناہوں سے اور اصلاح کرو درمیان

بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٤﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ

لوگوں کے اور خدا سننے جاننے والا ہے نہیں گرفت کرتا تم کو خدا ساتھ لغو کے تمہاری قسموں میں

أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾

لیکن وہ مواخذہ کرے گا ساتھ اس چیز کے جو کسب کیا تمہارے دلوں نے اور خدا بخشنے والا حلیم ہے۔

ازدواجی زندگی کا حقیقی مفاد

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ۔ نسل انسانیت کو چونکہ موجودات پر افضلیت اور فوقیت دی گئی ہے لہٰذا ان کے احکام کو بھی موجودات سے امتیازی شان کا حامل ہونا ضروری ہے۔ عام حیوانات کی بقاء نسل کا دارومدار بھی نر مادہ کے باہمی جوڑ پر ہے۔ بلکہ ماہرین نباتات کے نزدیک تو نباتات کی افزائش و بقاء بھی اجناس نباتیہ کے نر و مادہ کے ملاپ پر موقوف ہے اور عربی ممالک میں تو آج کل بھی بار آوری کے زمانہ میں نر کھجور کے خوشوں سے اس کا پھل نکال کر مادہ کھجور کے خوشوں میں داخل کر کے اُسے ادنیٰ سے اعلیٰ بنایا جاتا ہے اور اسے تابیر کہتے ہیں اور چونکہ تمام نباتات میں نر و مادہ کی ملاوٹ پر انسان کی قدرت نہیں بلکہ پودہ جات کے اقسام مختلفہ میں سے نر و مادہ کی پوری شناخت بھی انسان کے بس کا روگ نہیں۔ لہٰذا خداوند حکیم نے ہواؤں اور تیز آندھیوں کے ذریعہ سے ان کے اثرات کو ایک دوسرے تک منتقل فرمانے کا انتظام کیا ہے اور یہ تجربہ شدہ امر ہے کہ کھجوروں کی باغات میں اگر نر کھجور کے پودے نہ ہوں یا بہت کم ہوں تو باغات کے پھلوں میں معتدبہ کمی واقع ہو جاتی ہے اس سے اس امر کا بخوبی انکشاف ہو سکتا ہے کہ باقی پودہ جات اور میوہ دار اشجار کا بھی یہی حال ہوگا۔

اس مقام پر خدائے قدوس نے نسل انسانی کی بقا اور نشوونما کے طریقہ کی وضاحت کی ہے کہ عورت کو صرف استلذاذ اور تسکین شہوات کا آلہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ قدرت کی حکیمانہ ایجاد و تخلیق نے اسے اشرف المخلوقات کی نشوونما کے لئے کھیتی قرار دیا ہے۔

اس مختصر سے لفظ میں خداوند کریم نے عورت و مرد کی ازدواجی زندگی کے متعدد پہلوؤں کی نشان دہی فرمائی ہے

(۱) کھیتی میں متعدد مالکوں کی شرکت باعث نزاع ہوا کرتی ہے۔ بنابریں عورت کے لئے بیک وقت ایک سے زیادہ مرد حرام ہیں۔

(۲) کھیتی پر مالک کا تصرف حاکمانہ ہوتا ہے اس سے عورت پر مرد کی حکومت کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) کھیتی کی تربیت مالک کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس سے عورت کے تمام تر اخراجات لائقہ کی ذمہ داری کا وجوب مرد پر عائد ہونا سمجھا جاتا ہے۔

(۴) کھیتی کے حفاظتی انتظامات مرد پر عورت کے لئے پردہ داری کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں۔

(۵) کھیتی میں غیر کے بے جا داخلے سے نقصان کا اندیشہ، جہاں زنا کی حرمت بتاتا ہے وہاں مرد کو غیرت کا بھی درس دیتا ہے۔

(۶) بعض وقتی تقاضوں کے ماتحت کھیتی کو اپنی ملکیت سے خارج کیا جا سکتا ہے جو مسئلہ طلاق کی طرف متنبہ کرتا ہے۔

(۷) اسی طرح ازدواجی زندگی کے جملہ اصول کا اسی مثال سے استکشاف کیا جا سکتا ہے اور خاص طور پہ قابل توجہ امر یہ ہے اور انسان کا عقلی فریضہ بھی یہی ہے کہ اچھے پھل حاصل کرنے کے لئے اچھی سے اچھی زمین کا انتخاب کرے کیونکہ اچھے سے اچھا بیج ناکارہ زمین میں تلف ہو جاتا ہے یا بعض اوقات غیر تسلی بخش افادیت کا حامل ہوتا ہے اور بخلاف اس کے کمزور بیج لائق اور شستہ زمین میں تسلی بخش اور صحت افزا نتیجہ تک منتہی ہوتا ہے۔

اسی نقطہ کے پیش نظر تو خانوادۂ عصمت سے کافی روایات منقول ہیں جن میں عورت کے انتخاب پر زور دیا گیا ہے عورت کو صرف حسن و جمال کی خاطر یا زر و مال کے طمع کے لئے منتخب کیا جائے تو یہ دانش مندی نہیں بلکہ قرآن مجید کی تشبیہ کے لحاظ سے پہلے پہل عورت کے عقل و دماغ کا جائزہ لیا جائے کیونکہ صنفی طور پر تو وہ ویسے ناقص العقل ہے اگر شخصی طور پر بھی کور دماغ ہو تو ایک دانش مند اور بلند خیال انسان کا اس کے ساتھ قطعاً گذر نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ عورت اپنے مقام پر ظاہری لحاظ سے تصویر حسن اور پیکر جمال ہی کیوں نہ ہو، اسی بنا پر تو معصوم کا فرمان ہے کہ اگر عورت کو صرف ظاہری جاہ و جلال یا حسن و مال کی خاطر اپنے عقد میں لائے تو بعید نہیں کہ وہ ان دونوں فائدوں سے محروم رہے۔

نیز اگر عورت کند ذہن اور بد دماغ ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ ہے اولاد کا کند ذہن ہونا، خواہ مرد کتنا ہی

عقیل اور فہیم ہو، جس طرح کہ عورت کی کھیتی سے تشبیہ اس امر کی شاہد ہے کہ عمدہ بیج نالائق زمین میں نالائق پیداوار لاتا ہے اور ناکارہ بیج بھی اعلیٰ زمین میں خوشگوار نتائج پیش کرتا ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا شجاع اولاد کی خواہش میں شجاع خاندان کی عورت کے انتخاب کے لئے حضرت عقیل سے مشورہ لے کر ام البنین کا عقد میں لانا اسی نکتہ کے پیش نظر تھا۔ ورنہ اگر یہ اوصاف مرد کے تابع ہوتیں تو شجاعت کے مقام میں آنحضرتؑ کسی سے کیا کم تھے؟ اور یہی وجہ ہے کہ حسنین شریفینؑ گو مقام شجاعت میں بھی بے پناہ شخصیت کے حامل تھے۔ لیکن ایثار، حلم و حوصلہ صبر و رضا، سکون و اطمینان اور رحم و کرم میں بھی نمایاں حیثیت کے حامل تھے اور یہ شیر بتول معظمہؑ کی تاثیر تھی اور حضرت عباسؑ باوجود باقی صفات میں کامل ہونے کے جوہر شجاعت میں امتیازی شان پر فائز تھے۔ اور یہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے اسی انتخاب کا نتیجہ تھا اگر تتبع کیا جائے اور تاریخ میں شخصیات کے ان پہلوؤں پر نظر رکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ اولاد کی اچھائی یا برائی میں ماؤں کا کس قدر دخل ہے۔

بہر حال عورت و مرد کی ازدواجی زندگی کا انحصار صرف شہوت رانی اور تعیش پرستی پر ہی نہیں بلکہ ان کی نگاہ ایک اعلیٰ اور بلند مقصد پر ہونی چاہیئے تاکہ ایک طرف ان کی اپنی زندگی خوشگوار ہو اور دوسری طرف بہترین اولاد ان کی نسل سے منصۂ شہود پر آئے تاکہ عالم وجود انسان نما درندوں سے بھرپور ہو جانے کی بجائے صحیح معنوں میں انسانیت کا گہوارہ بن کر امن و اطمینان کا سانس لے

اَنّٰی شِئْتُمْ۔ اس میں خداوند کریم نے اپنی عورت کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کی کھلی اجازت دی ہے کہ جب چاہو جہاں چاہو اپنی منکوحہ کو اپنی نسل کیلئے کھیتی سمجھ کر اس سے ہمبستری کرو اور ایک دوسرے مقام پر عورت کو مرد کے لئے باعث سکون قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ پر عورت و مرد کو ایک دوسرے کا لباس تصور کیا گیا ہے۔ ان سب تصریحات و ارشادات میں مرد کو ہوس جنسی کی تسکین کے ساتھ ساتھ حقوق و فرائض کی طرف بھی متنبہ کیا گیا ہے تاکہ صرف شہوت رانی اور جنسی لذات کو ہی ازدواجی زندگی کا مال نہ سمجھے بلکہ ہمبستری کے وقت بھی تسکین قلب کے ساتھ ان حدود کی پاسداری کا خیال رکھے جو شریعت مقدسہ نے اس کے لئے مقرر فرمائی ہیں اور چونکہ وطی فی الدبر میں عورت کے کھیتی ہونے کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے لہذا شریعت مقدسہ نے اس فعل شنیع کو قابل نفرت اور مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ عورت کے ساتھ ہمبستری کرنے کے لئے اس کے کھیتی ہونے حیثیت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور عورت پر بھی واجب ہے کہ مرد کے لئے تسکین قلب کی موجب ہو اور ہر ممکن طریقہ سے مرد کے جذبات کا احترام کرنا اپنا نصب العین سمجھے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ۔ تفسیر عمدۃ البیان میں ہے کہ عبداللہ بن رواحہ نے اپنے بہنوئی سے ناراض ہو کر قسم کھائی تھی کہ نہ اس کے ساتھ نیکی کروں گا اور نہ اس کی زوجہ سے اس کی صلح کراؤں گا اور نہ اس کے دشمنوں اور اس کے درمیان صلح کراؤں گا۔ پس یہ آیت اتری کہ اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔ تاکہ نیک بنو یا یہ کہ اللہ کو باعث رکاوٹ نہ بناؤ اس بات سے کہ نیکی کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور صلح کراؤ۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ

واسطے ان کے جو قسم کھاتے ہیں اپنی عورتوں کے بارے میں مہلت چار ماہ کی ہے پس اگر رجوع کرلیں تو تحقیق

اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۷﴾

اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور اگر ارادہ کریں طلاق کا۔ تو تحقیق اللہ سننے والا ہے۔

ایلاء کا بیان

ایلاء کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی مدخولہ عورت سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم کھائے اور اس سے اس کا مقصود صرف عورت کو ضرر و تکلیف دینا ہو خواہ اس میں مدت مقرر نہ کرے یا مدت مقرر کرے لیکن چار ماہ سے زیادہ ہو۔

ایلاء۔ میں شرط یہ ہے کہ قسم اللہ کے لفظ سے ہو یا اللہ کے خاص صفات سے واقع ہو اور اگر کسی اور متبرک چیز مثلاً قرآن یا انبیاء و اوصیائے طاہرین علیہم السلام کے اسماء طاہرہ کی قسم کھائے گا تو اس پر ایلاء کا حکم جاری نہ ہوگا۔

ایلاء کرنے والے میں یہ شرطیں بھی ضروری ہیں:۔ (۱) عاقل ہو (۲) بالغ ہو (۳) صاحب اختیار ہو یعنی کسی اور نے ایسا کرنے پر مجبور نہ کیا ہو (۴) ایلاء کرتے وقت اس کا قصد بھی ہو، اگر بھول کر یا حالت غفلت میں ایسا کرے تو ایلاء نہ ہوگا۔

مسئلہ ۱۔ اگر ایلاء متحقق ہو جائے تو عورت کو حاکم شرع کے پاس رپورٹ کرنے کا حق ہے۔ پس حاکم شرع چار ماہ کے بعد مرد کو دو چیزوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کا حکم دے گا۔ (۱) یا تو عورت کی طرف رجوع کرکے ایلاء کا (قسم کا) کفارہ ادا کرے (۲) یا عورت کو طلاق دے دے۔ مسئلہ ۲۔ اگر ایلاء کرنے والا ان دونوں میں سے کسی کو اختیار نہ کرے تو حاکم شرع اس سے جبریہ ایسا کرانے کا مجاز ہے۔

مسئلہ۔ ایلاء کا کفارہ دوسری قسم کے کفارہ کی طرح ہے یعنی دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دس[۱] مسکینوں کو لباس دینا یا غلام آزاد کرنا اور اگر ان تینوں چیزوں سے عاجز ہو تو تین روزے رکھ دے۔

مسئلہ۔ اگر عورت سے ہمبستری ترک کرنے کی قسم عورت کے فائدہ کے لئے کھائے۔ مثلاً عورت حاملہ ہو، یا بچہ دار ہو، یا بیمار ہو۔ پس ترکِ ہمبستری کی قسم حمل کی حفاظت کے لئے یا دودھ کی درستی کے لئے یا عورت کو تکلیف سے بچانے کے لئے کھائے تو یہ ایلاء نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا حکم عام قسم کی طرح ہوگا۔ یعنی اس کی خلاف ورزی سے صرف قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

اور طلاق شدہ عورتیں انتظار کریں تین طہر۔ اور ان کے لئے حلال نہیں کہ چھپائیں وہ چیز جو پیدا کی

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِىْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ

ہے اللہ نے ان کے رحموں میں۔ اگر ان کا ایمان خدا اور قیامت کے دن پر ہے اور ان کے شوہر زیادہ

اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ

حقدار ہیں ان کو پھیر لینے میں اُس (عدت) میں اگر ارادہ کریں اصلاح (درستی) کا اور ان کا (مردوں پر حق) ویسا ہی ہے جیسا

عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

(مردوں کا حق) ان پر ہے۔ ساتھ نیکی کے اور مردوں کو ان پر درجہ ہے (فوقیت حاصل ہے) اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

مطلّقہ کی عدّت کا بیان

ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔ قُرُوْٓءٌ جمع ہے قُرْءٌ کی اور یہ لفظ لغات اضداد میں شمار ہوتا ہے یعنی اس کے دو معنی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ قُرْءٌ کا معنی حیض بھی ہے اور اس کا معنی طہر بھی ہے اس مقام پر علمائے امامیہ کا مذہب یہ ہے کہ قُرْءٌ کا معنی طہر لیا جائے۔ پس طلاق شدہ عورت کی عدت تین طہر ہوگی۔ ایک طہر وہ بھی شمار ہوگا جس میں طلاق واقع ہوئی ہو اور اس کے بعد دو طہر سالم جب گزریں گے اور تیسری مرتبہ اس کو حیض شروع ہوگا تو پس عدت ختم ہو جائے گی اور آئمہ طاہرین علیہم السّلام سے ایسا ہی مروی ہے۔ حنفیوں کے نزدیک یہاں قُرْءٌ سے مراد حیض ہے پس ان کے نزدیک طلاق کی عدت تین حیض ہے۔ پس تیسرے حیض کے ختم ہونے پر عورت کی عدت ختم ہوگی۔

فِىْٓ اَرْحَامِهِنَّ (جو کچھ ان کے رحم میں ہے) اس سے بعضوں نے مراد حیض لیا ہے اور بعضوں نے حمل مراد لیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مراد اس سے حیض اور حمل دونوں ہیں اور لفظ کا عموم بھی اسی کا مؤید ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے بھی یہی مروی ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد عورت کو اپنا حیض یا حمل چھپانا نہیں چاہیے۔ (اگر اس سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس کو صاف صاف بتا دینا چاہیے) اور حمل یا حیض کی خبر میں عورت کا قول معتبر ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو حائض بتلائیں تو اُن کو حائض سمجھنا چاہیے اور اگر اپنے آپ کو حیض سے پاک بتلائیں تو ان کو پاک سمجھنا چاہیے اس پر اُس سے مزید گواہ وغیرہ لینے کی ضرورت نہیں، اسی طرح اس کی اپنے متعلق حاملہ ہونے یا نہ ہونے کی خبر شریعت میں معتبر

سمجھی گئی ہے۔

پس طلاق شدہ عورت کو حیض یا حمل کی حالت کے چھپانے سے ممانعت ہے کیونکہ اس کی عدت کے باقی ہونے، یا گزرنے کا دارومدار اسی چیز پر ہے اگر عورت غلط بیانی کرے تو اس میں مرد کی حق تلفی ہے کیونکہ مرد کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اور عورت کی غلط بیانی اور حقیقت پر پردہ پوشی مرد کو اپنے جائز حق سے محروم رکھنے کے مترادف ہے۔

اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد عدت کے اندر مرد کو بغیر عقد ثانی کے عورت کی طرف رجوع کرنے کا حق حاصل ہے خواہ عورت رضامند ہو یا نہ ہو۔ لیکن بشرطیکہ مرد کی نیت اصلاح (خانہ آبادی) کی ہو اور اگر مرد کی نیت فاسد ہو۔ یعنی محض عورت کو تنگ کرنے کے لئے طلاق کے بعد رجوع کر رہا ہو۔ تاکہ وہ کسی اور جگہ نکاح کرنے کے قابل نہ رہے تو ایسی صورت میں مرد کے لئے رجوع کرنا ناجائز ہے اور اگر بالفرض مرد اسی فاسد نیت سے رجوع کرے بھی تو رجوع کا حکم صادق آجائے گا اور وہ عورت اس کی منکوحہ ٹھیری رہے گی۔ اگرچہ مرد پر ایسا کرنا حرام ہے۔

عورت و مرد کے حقوق

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ الخ یعنی عورتوں کے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر۔ لیکن مردوں کو اُن پر درجہ (فضیلت) حاصل ہے۔ خداوند کریم نے اس آیت میں امور خانگی کی اصلاح اور عورت و مرد کی حسن معاشرت کو نہایت جامع طریقہ پر بیان فرمایا ہے۔

مجمع البیان میں منقول ہے کہ معاذ کی عورت نے جناب رسالتمآبؐ سے مرد پر عورت کے حقوق دریافت کئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مرد پر عورت کا حق یہ ہے کہ اس کے منہ پر تھپیڑ نہ مارے اس کے ساتھ بدزبانی نہ کرے جو خود کھائے اس کو کھلائے۔ جو خود پہنے، اس کو پہنائے اور اس سے یکسوئی نہ اختیار کرے۔

نیز آپؐ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ عورت کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ اللہ کی امانت میں تم نے اُن کو حاصل کیا ہے اور اللہ کے فرمان سے تم نے ان کے پوشیدہ مقامات پر تصرف کیا ہے تمہارا اُن پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے غیر کو اپنے جسم پر تصرف نہ کرنے دیں۔ اور ایسا کرنے سے وہ سزا کی حقدار ہیں اور اُن کا تم پر حق یہ ہے۔ کہ ان کو روٹی کپڑا خوش اسلوبی سے دیتے رہو۔ کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک عورت جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دریافت کیا کہ مرد کے عورت پر کیا حقوق ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس پر مرد کی اطاعت واجب ہے۔ مرد کے اذن کے بغیر وہ گھر سے کسی کو صدقہ نہ دے اور نہ اس کی اجازت کے

بغیر سنّتی روزہ رکھے اور نہ اپنے جسم سے مرد کو روکے اگرچہ پالانِ شتر پر ہی کیوں نہ ہو اور بغیر اجازت مرد کے گھر سے باہر نہ جائے اور اگر بغیر اجازت مرد کے گھر سے باہر جائے گی تو آسمان وزمین کے فرشتے اور غضب اور رحمت کے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے جب تک کہ وہ گھر واپس نہ پہنچ جائے۔

پھر اس عورت نے سوال کیا۔ یا رسول اللہ! لوگوں میں سے عورت پر زیادہ سے زیادہ حق کس کا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ شوہر کا۔" پھر اُس نے پوچھا کہ کیا میرا حق بھی اس پر ویسا ہی ہے؟ جس طرح اس کا مجھ پر ہے؟" آپ نے فرمایا۔ کہ ایسا نہیں۔ بلکہ اُس کے مقابلہ میں ایک سو میں سے ایک بھی نہیں۔"

پس یہ سنتے ہی عورت نے آپ کی نبوت کی قسم کھاتے ہوئے کہا۔ کہ میں ہرگز شادی نہ کروں گی۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر مجھے کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دینا ہوتا تو البتہ میں عورت کو شوہر کے سجدہ کا حکم دیتا۔"

دورِ حاضر میں عورت کی آزادی کا تصوّر

زمانِ حاضر میں مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر عورتیں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کو اپنے لئے توہین خیال کرتی ہیں کیونکہ مغرب کی اسلام کُش مسموم اور تند ہوا اُن کو مردوں کے دوش بدوش چلنے کی طرف مسلسل دھکیلے جا رہی ہے اور اسلامی تعلیمات سے برسرِپیکار ہونے والے مرد بھی صرف اپنی خواہشاتِ نفسانیہ اور جذباتِ شہوانیہ کی تسکین کی سہولت کی خاطر اسی قسم کے نعرے بلند کرتے نظر آتے ہیں۔

حالانکہ خداوندِ کریم نے عورت و مرد کو جو علیحدہ علیحدہ خصوصیات عطا فرمائی ہیں اُن سے آگے قدم بڑھانے کی جرأت کرنا خدائی فیصلہ کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے عورت کے وجود کو ایسے سانچے میں ڈھالا ہے کہ وہ گھر کے اندرونی کاروبار کو سنبھالنے کی ذمہ داری کا بوجھ ہی برداشت کر سکتی ہے اور اپنی چاردیواری کے اندر اپنے فرائض کی ادائیگی ہی اس کے نمایاں مقام پر فائز ہونے کی دلیل ہے برخلاف اس کے مرد کی ساخت اس نے ایسی رکھی ہے کہ وہ گھریلو زندگی کے سنوارنے کے علاوہ بیرونی میل جول سے اپنے نمایاں کردار کے ذریعے اپنی خداداد استعداد کو عمل میں لا کر اپنے لئے ایک بلند مقام حاصل کرے اور تعمیر اخلاق و کردار سے صحیفۂ انسانیت سے حیوانیت و درندگی کے بدنما داغ دھو کر عالم میں امن و سکون کا علم بلند کرے۔

مولائے کائنات حلّالِ مشکلات حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے عورت و مرد کی پوزیشن کو ایک مختصر سے جملہ میں یوں واضح فرمایا کہ:۔ حُسْنُ الرِّجَالِ فِی عُقُوْلِهِمْ وَعُقُوْلُ النِّسَاءِ فِی حُسْنِهِنَّ (بحار الانوار ج ۱۷) یعنی مردوں کا حُسن ان کی عقلوں میں مضمر ہے اور عورتوں کی عقلیں ان کے حُسن کے پردہ میں ہیں" اس جملہ کی کئی توجیہیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) مرد کے لئے جوہر انتخاب جو اس کی امتیازی حیثیت کا نشان ہے وہ عقل ہے یعنی مرد عقل و خرد سے ہی اپنی محبوبیت

کا سکہ جما سکتا ہے اور اس کی دانائی و عقلمندی ہی اس کا طرۂ کمال اور زیورِ حسن ہے لیکن بخلاف اس کے عورت کا جوہرِ امتیاز جو اس کی قدر و قیمت کا موجب ہے وہ حُسن ہے یعنی عورت کی خوبصورتی ہی اس کی محبوبیت کی علمبردار ہے اور اس کا حسن و جمال ہی اس کی دلآویزی کی جان اور اس کی برتری کا نشان ہے۔

(۲) مرد کے لئے مایۂ ناز اور سرمایۂ افتخار عقل ہے اور اسی عقل و دانش کے بل بوتہ پر ہی مرد دوسروں پر سبقت لے جانے کے اہل ہوتا ہے لیکن بخلاف اس کے عورت کا معیارِ سبقت اور مدارِ رفعت حسن ہوتا ہے اور وہ صرف حسن و صورت کی بنا پر ہی معرضِ افتخار میں قدم رکھ سکتی ہے۔

(۳) مرد کے عقل و دانش سے اس کی حسن و خوبی منظرِ عام پر آتی ہے لیکن عورت کے حسنِ منظر سے متاثر ہو کر اس کے عقل و خرد سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔

(۴) مرد کی دانشمندی اس کو اپنے فرائض سے روشناس کراتی ہے اور عورت کا حُسن اس کو اپنے فرائض سے غافل کرنے کا موجب بنتا ہے۔

(۵) مرد عقل کو اپنے مقبولِ عام ہونے کا ذریعہ قرار دیتا ہے اور عورت کی عقل اس کو صرف اپنے حسنِ ظاہری کے اضافہ کی دعوت دیتی ہے یعنی مرد کی سوچ بچار اپنی دنیوی یا اُخروی فلاح و بہبود میں ہوا کرتی ہے جو اُس کا حقیقی حُسن ہے اور عورت کی تمام تر غور و فکر اپنے بناؤ سنگار میں صرف ہوتی ہے جو اس کی ظاہری چاہت کا ہی ذریعہ ہے۔

پس ہر دو فریقین کو اپنے اپنے مقام پر رہنا ہی زیبائش دیتا ہے لہذا عورت کا اپنے مخصوص فرائض کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہی اس کی شرافت اور فطری خوبی ہے لہٰذا اسے غلامی سے تعبیر کرنا نا اندیشی ہے بلکہ اس کا اپنی حدودِ متعینہ سے گذر کر مردوں کے دوش بدوش رہنے کا جذبہ اس کی فطرت سے کھلی ہوئی بغاوت اور نافرض شناسی ہے اور اس کے اس خیال کو نظریۂ آزادی قرار دینا انتہائی کور باطنی ہے جو مرد عورتوں کو اس نام نہاد نظریۂ آزادی کی طرف لانے کی فکر میں ہیں۔ وہ صرف اپنی خواہشات کا اُلّو سیدھا کرنے کے لئے ان کی بھولی بھالی عقلوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے درپے ہیں اور جو عورتیں اس دامِ تزویر میں پھنس کر اس غلط نظریئے کو اپنی آزادی کا پیش خیمہ سمجھتی ہیں۔ انہیں صرف دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔

مردوں کو چاہیئے کہ وہ عورتوں کو اپنے جائز اور اسلامی حقوق سے محروم نہ کریں اور انہیں اپنی شرعی حدود میں رہ کر اپنے فرائضِ نسوانی سے روشناس کرائیں۔ مردوں کا عورتوں پر بے جا تشدد اور ناقابلِ برداشت رویہ ہی ان کو خدا اور رسول کے احکام سے باغی ہونے پر آمادہ کرتا ہے۔ مرد چونکہ بہت سے امورِ خانگی سے فارغ ہوتا ہے اس لئے اگر جسمانی قوت اور مالی وسعت اسے اجازت دے تو ایک سے زیادہ بیویاں کر سکتا ہے جن کی حد چار تک ہے بشرطیکہ وہ اپنے عادلانہ رویّہ سے ان کی حق تلفی نہ کرے لیکن عورت امورِ خانہ داری اور بال بچوں کی تربیت میں گھر کر اس قدر مشغول الذمہ ہو جاتی ہے کہ وہ صرف ایک

ہی مرد کی ذمہ داریوں کا بوجھ بمشکل اٹھا سکتی ہے لہذا اس کے لئے بیک وقت صرف ایک ہی مرد سے نکاح کرنے کی پابندی ہے تو مرد کے لئے متعدد ازواج کا جواز اور عورت کے لئے صرف ایک مرد کی پابندی ایک فطری تقسیم ہے اس کو مرد کی آزادی اور عورت کی قید سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے اور عورت و مرد ہر دو کے فرائض کا جائزہ لیا جائے تو ہر دو اپنے اپنے مقام پر آزاد ہیں اور اگر فرائض و ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھ دیا جائے تو دونوں مقید ہیں۔

اگر عورت کے لئے یہی قید ہے کہ وہ صرف ایک ہی مرد سے نکاح کر سکتی ہے تو کیا مرد اس امر کا مقید نہیں کہ وہ عورت کے تمام لوازماتِ زندگی مہیا کرے۔ جہاں مرد ایک نکاح کی قید سے آزاد ہے وہاں عورت اپنے لوازماتِ زندگی کی فکر سے آزاد ہے۔ اگر عورت کے لئے بچوں کی پرورش قید ہے تو مرد کے لئے تمام تر اخراجات کی ادائیگی کی قید بھی تو ہے۔

اگر عورت پر پردہ کی پابندی ہے تو مرد پر اس کے مناسب مکان و رہائش کا بندوبست اور پردہ داری کے جملہ اسباب کی فراہمی کی پابندی ہے۔

پس عورت کی پابندی عورت کی شان کے مطابق ہے اور مرد کی پابندی مرد کے رُتبہ کے ماتحت ہے اور دونو پابندیاں اپنے اپنے مقام پر موزوں ہیں جو پابندی عورت پر عائد ہے اس سے مرد آزاد ہے اور جو قید مرد کے لئے ہے اس سے عورت کو آزادی حاصل ہے۔

عورت چونکہ صرف اپنی پابندی کو مدّ نظر رکھتی ہے اور مرد کی پابندیوں کا اُسے احساس نہیں ہوتا اس لئے وہ سمجھتی ہے کہ مرد آزاد ہیں اور بخلاف اس کے مرد عورتوں کو آزاد سمجھتے ہیں لہذا عورتیں اپنے حدود پھلانگ کر مردوں کے فرائض سنبھالنے میں خوشی محسوس کرتی ہیں اور مرد اپنے فرائض کو بار خاطر قرار دیکر عورتوں کے نام نہاد نظریۂ آزادی کی تائید کرتے ہیں۔ اس میں ان کو دو فائدے نظر آتے ہیں ایک تو عورت کے اپنے اخراجات سنبھال لینا ان کے لئے غنیمت ہے اور دوسرے جذبۂ شہوانیت کی تسکین اس سے اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ بہر کیف عورت کے لئے یہ نام نہاد آزادی صرف عورت ہی کے لئے قید در قید ہے کیونکہ امور خانہ داری اور بچوں کی نگہداری کا بوجھ تو ویسے کا ویسا ان کے سر پر رہتا ہے اور مزید برآں جو اخراجات مرد پر عائد تھے وہ بھی اب اس کے اپنے اُوپر آجاتے ہیں۔

پس خدا کا قانون وہ قانون ہے جس کو تا قیامت غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا اور قرآن مجید میں خُدا نے مردوں اور عورتوں کو اپنے جن جن حدود کے اندر پابند رہنے کا حکم دیا ہے وہی ہر دو کی دنیا و آخرت کی کامیابی و بھلائی کی ضامن ہیں۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ

طلاق رجعی دو مرتبہ ہے پھر یا تو اس کو رکھ لے خیر و خوبی کے ساتھ اور یا جانے دے ساتھ احسان کے اور نا جائز ہے تمہارے

تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ

لئے کہ لو ان چیزوں میں سے جو اُن کو تم دے چکے ہو، کچھ بھی مگر یہ کہ دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ کر سکیں گے اللہ کی حدود کو پس

خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ

اگر تمہیں ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ کر سکیں گے۔ پس (در ایں صورت) ان دونوں پر گناہ نہیں اس چیز میں جو عورت فدیہ دے یہ اللہ کی

اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾

حدیں ہیں پس ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی (بیان کردہ) حدوں سے بڑھے۔ پس وہی لوگ ظالم ہیں۔

رکوع ۱۳

طلاق عدت اور طلاق سنت کا طریقہ

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ :- اگر کوئی شخص اپنی عورت مدخولہ کو شرائط کے ساتھ طلاق دے تو عدت کے اندر وہ اس عورت کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور وہ عورت اس پر بغیر نکاح جدید کے حلال ہے پس اگر عدت کے اندر رجوع کر لے اور پھر شرائط کے ساتھ اس کو طلاق دے دے تو اب بھی عدت کے اندر اس کو عورت کی طرف رجوع کرنے کا حق حاصل ہے پس اگر رجوع کر لے تو عورت کی اب دو طلاقیں پوری ہو گئیں اب حکم یہ ہے کہ اگر نیکی کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے عورت کو اپنے نکاح میں باقی رکھے اور نان ونفقہ وغیرہ میں اس کو تنگی نہ دے تو وہ اس کی عورت ہے ورنہ اس کو تیسری دفعہ شرائط کے ساتھ طلاق دے دے اور اس طلاق کے بعد وہ مرد اس عورت کی طرف رجوع نہیں کر سکتا اور یہ طلاق طلاق بائن ہو جائے گی۔ عدت گزرنے کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ جس مرد سے چاہے نکاح کر لے لیکن اس طلاق دینے والے سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ اگر عورت نے اس طلاق بائن کے بعد کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کر لیا اور اس مرد نے اپنی خوشی و رضامندی کے ساتھ اس کو طلاق بائن بطریق سابق دیدی یا طلاق رجعی دی اور عدت کے اندر رجوع نہ کیا یا وہ مرد مر گیا تو اس کی عدت گزرنے کے بعد وہ عورت پہلے طلاق دینے والے مرد کے

ساتھ نکاح کر سکتی ہے اس طلاق کو اصطلاح میں طلاق عدّت کہا جاتا ہے۔

اور اگر مرد عورت کو شرائط کے ساتھ طلاق دے اور عدّت کے اندر رجوع نہ کرے تو عدّت گزرنے کے بعد وہ مرد عورت کے ساتھ نکاح جدید کر سکتا ہے۔ پس اگر عدّت کے بعد وہ مرد اس عورت سے نکاح کرلے اور پھر شرائط کے ساتھ طلاق دے دے اور عدّت کے اندر رجوع نہ کرے بلکہ بدستور سابق عدّت کے بعد اسی عورت سے پھر نیا نکاح کرلے تو اس عورت کی دو طلاقیں مکمل ہوگئیں اب اگر اُسے اپنے نکاح میں باقی رکھے اور حسن سلوک سے گزارہ کرتا رہے تو ٹھیک ورنہ اب تیسری دفعہ جو طلاق دے گا یہ طلاق بائن ہوگی اور اس کے بعد نہ عدّت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور نہ عدّت کے بعد اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ مگر اسی پہلی طرح کہ وہ عورت نیا شوہر کرلے اور وہ شوہر با شرائط اس کو طلاق بائن دے یا طلاق رجعی دے کر عدّت کے اندر رجوع نہ کرے یا وہ مرد مر جائے تو اس کی عدّت گزرنے کے بعد وہ عورت پہلے طلاق دینے والے مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے اور اس قسم کی طلاق کو اصطلاح میں طلاق سنّت کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کا فرمان :- اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ :- طلاق عدّت اور طلاق سنّت ہر دو پر صادق ہے اور طلاق کے مذکورہ بالا دونوں طریقوں میں سے طلاق سنّت کو افضل کہا گیا ہے۔

مسئلہ :- اگر مرد عورت کو مذکورہ بالا دونوں طریقوں میں سے ایک طریقہ پر تین طلاقیں دے دے اور پھر عورت کے نئے شوہر کی طلاق یا موت کے بعد پھر اُسی عورت سے نکاح کرلے اور پہلے کی طرح پھر اس کو تین طلاق دیدے اور پھر عورت کے نئے شوہر کی طلاق یا موت کے بعد اس سے نکاح کرے لیکن پھر اُسی طرح اُس کو تین طلاق دے دے۔ تو اب تیسری بار طلاق بائن ہو چکنے کے بعد وہ عورت اس مرد پر حرام مؤبد ہو جائے گی اور کسی صورت میں وہ اس مرد کے نکاح میں نہ آسکے گی۔

مسئلہ :- اگر طلاق دینے والا بیک مرتبہ، تین مرتبہ طلاق کا صیغہ جاری کردے تو وہ تین طلاقیں نہ ہونگی بلکہ طلاق صرف ایک ہوگی جو پہلی مرتبہ صیغہ جاری کرنے سے ہوگئی باقی دو دفعہ کا صیغہ لغو ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ الخ

مسئلہ :- بلاوجہ طلاق دینا مکروہ ہے اور اگر مرد و عورت کے تعلقات آپس میں اچھے نہ ہوں تو طلاق دینا سنّت ہے جبکہ اتفاق کی صورت کی بالکل کوئی اُمید نہ ہو اور گناہ میں واقع ہونے کا ڈر ہو۔

طلاق کی شرائط

مسئلہ :- طلاق میں چار چیزوں کو دخل ہے (۱) صیغہ (۲) طلاق دینے والا (۳) وہ عورت جس کو طلاق دی جائے۔

(۴) دو عادل گواہ

مسئلہ :- اگر مرد عورت کو طلاق دینا چاہے اور عورت سامنے موجود ہو تو کہے :- أَنْتِ طَالِقٌ اور اگر عورت سامنے موجود نہ ہو تو کہے :- زَوْجَتِي فُلَانَةُ (اس کا نام لے) طَالِقٌ :- اگر اس کی عورت صرف ایک ہو تو نام لینے کی ضرورت نہیں ہے اگر خود صیغۂ طلاق جاری نہ کر سکتا ہو تو کسی صیغہ پڑھ سکنے والے کو اپنا وکیل بنائے پھر اس کا وکیل یوں کہے :- زَوْجَةُ مُوَكِّلِي فُلَانَةُ (عورت کا نام لے) طَالِقٌ - اگر عورت اس کی صرف ایک ہو تو نام لینے کی ضرورت نہیں - اور اگر نام لے بھی لے تو حرج نہیں -

ایک زوجہ ہونے کی صورت میں بغیر نام لئے خود طلاق کا صیغہ پڑھے تو کہے :- زَوْجَتِي طَالِقٌ اور وکیل پڑھے تو کہے :- زَوْجَةُ مُوَكِّلِي طَالِقٌ -

مسئلہ :- طلاق دینے والے مرد میں چند شرائط ضروری ہیں :-

(۱) بالغ ہو، لہذا نابالغ کی طلاق صحیح نہیں ہے -

(۲) عاقل ہو، لہذا دیوانے آدمی کی طلاق صحیح نہیں ہے - مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے باپ یا دادا دیوانے آدمی کی طرف سے طلاق دے سکتے ہیں، جبکہ اس کی دیوانگی دائمی اور لاعلاج ہو - اسی طرح نابالغ بچہ بھی اگر بعد از بلوغ فاسد العقل ثابت ہو تو اس کی طرف سے بھی باپ دادا طلاق دے سکتے ہیں اور باپ دادا کی عدم موجودگی میں حاکم شرعی کو اختیار حاصل ہے -

شہید ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ گو احادیث میں یہ چیز صراحت سے مذکور نہیں لیکن فخر المحققین نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے - لہذا یہی قوی ہے بلحاظ حجیت کے -

(۳) مختار ہو - لہذا جس شخص کو طلاق پر مجبور کیا جائے اور وہ جبر و تشدد کے ڈر سے صیغہ طلاق جاری کرے - تو یہ طلاق صحیح نہ ہوگی اور تشدد اور جبر سے مراد یہ ہے کہ اس کو طلاق نہ دینے پر جانی یا مالی یا عزت کے نقصان کی دھمکی دی جائے اور دھمکی دینے والا ایسا کر بھی سکتا ہو، جانی نقصان خواہ قتل کی دھمکی ہو خواہ زد و کوب کی خواہ قید وغیرہ کی ہو اور مالی نقصان کی دھمکی خواہ تھوڑے مال کی ہو یا زیادہ کی ہو اور عزت کا نقصان خواہ اس کی ناموس پر دست درازی کی دھمکی ہو یا گالی گلوچ اور فحش کا اس کو ڈر ہو - بہر کیف وہ چیز جو شان اور حالت کے اعتبار سے اس کے لئے قابل برداشت نہ ہو -

(۴) ارادہ ہو - اگر بھول کر یا حالت خواب میں یا ویسے غلطی سے صیغہ طلاق منہ پر جاری کرے تو وہ طلاق شمار نہ ہوگا اسی طرح غصہ کی حالت میں اگر منہ سے طلاق کا صیغہ جاری کرے اور قصد طلاق کا نہ ہو - تو یہ بھی طلاق نہیں ہو گی - اور صیغۂ طلاق جاری کرتے وقت قصد انشا ضروری ہے ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی -

مسئلہ:۔ جس عورت کو طلاق دی جائے اس کے لئے ضروری ہے کہ نکاح دائمی والی ہو اور اگر وہ مدخولہ غیر حاملہ ہو اور مرد بھی حاضر ہو تو ضروری ہے کہ حیض و نفاس سے پاک ہو لیکن عورت غیر مدخولہ یا حاملہ یا جس کا شوہر غائبانہ حالت میں طلاق دے رہا ہو یا اگر حاضر ہو بھی لیکن عورت کے حالات تک رسائی نہ رکھ سکتا ہو تو ایسی عورت کی طلاق میں اس کا حیض و نفاس سے خالی ہونا شرط نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ حاملہ عورت کو طلاق دی جا سکتی ہے اور اس کی عدت بچہ کی پیدائش پر ختم ہو گی خواہ کم مدت ہو یا زیادہ۔

مسئلہ:۔ طلاق کا صیغہ جاری کرتے وقت دو عادل گواہوں کا موجود ہونا اور ان کا سننا ضروری ہے اور بغیر اس کے طلاق صحیح نہیں ہو سکتی۔

طلاق عقل کی روشنی میں

اسلام کے مطابق فطرت قوانین کے ناقابل تنسیخ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسی مصلحتوں اور خوبیوں کے پیش نظر خالق کی طرف سے وضع شدہ ہیں کہ تا قیامت ان کا عملی پہلو اضمحلال پذیر نہیں ہو سکتا من جملہ انہی قوانین کے اسلام نے مرد و عورت کے باہمی تعلقات کی ناشگفتگی کی صورت میں تعلق زوجیت کو ختم کر دینے کا حکم صادر فرمایا ہے جسے طلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام نے اس قانون کی رو سے ازدواجی زندگی سے ان ناخوشگوار خدشات کا ازالہ فرما دیا ہے جو طلاق کے غیر مروج ہونے کی صورت میں مرد و عورت کو پیش آتے تھے۔ جن سے ہر دو کی زندگی انتہائی بدمزگی سے بسر ہوتی تھی اور ازدواجی تعلق ہر دو کے لئے حلق کا کانٹا بن کر جان لیوا ہو جاتا تھا۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ مرد و عورت کی زندگی میں ایسی مسرت افزا اور قلب پرور روح موجود ہو کہ ان کا ہر لمحہ باہمی انس اور پیار سے معمور ہو، ان کا دل باہمی تعاون کے پرخلوص جذبات کا آئینہ دار ہو اور ان کا ظرف خاطر آپس کی ہمدردی اور خیر خواہی کی بے پناہ دولت سے لبریز ہو، محبت سے اٹھنا بیٹھنا ہو اور پیار کا رہنا سہنا ہو۔ تاکہ ان کے دل و دماغ ہر قسم کی دنیاوی الجھنوں سے مطمئن ہو کر اللہ کی نعمات کا شکریہ ادا کر سکیں، مرد کا عورت کے ساتھ خلوص ایسا ہو کہ عورت خواہ ہزار انفکرات و ہموم میں گرفتار ہو۔ لاکھ غم و اندوہ میں تڑپ رہی ہو لیکن جب ہی اس کی نظر مرد کے چہرہ پر پڑے تو اس کی ساری کوفت دور اور غم کافور ہو جائے اور عورت بھی ایسی صاحب وفا اور باحیا اور مرد کی غمگسار ہو کہ مرد کی دن بھر کی تھکان کو اس کی ایک سادہ سی لبوں پر کھیلتی ہوئی مسکراہٹ راہ گیر ملک عدم کر دے اور اسی قسم کے مضامین کی احادیث بھی خانوادہ عصمت سے وارد ہیں۔

پس اسی بنا پر اسلام نے مرد و عورت ہر دو کی آزادی اور خیر و خوشی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے قفل زوجیت کو بے کلید نہیں بنایا بلکہ اگر مرد و عورت کے تعلقات میں سازگاری کی کوئی صورت نہ ہو، آپس کا باہمی رجحان مفقود ہو

اور دل سے ایک دوسرے سے بیزار ہوں تو فراخدلی اور کشادہ روئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آزادانہ فضا میں بذریعہ طلاق ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلیں تاکہ مرد عورت کے لئے گلے کے ہار کی بجائے خار نہ بنا رہے اور عورت مرد کے لئے رُوح کی بہار کی بجائے فضائے دل فگار نہ بنی رہے۔ پس جب تک اچھا نبھا ہو سکے تو ٹھیک ورنہ ایک دوسرے کے لئے بارِ خاطر بنے رہنے سے پوری زندگی کو وبالِ جان بنانے سے کیا فائدہ؟

پس نکاح کے ساتھ ساتھ حکمِ طلاق عورت و مرد کی خوشگوار زندگی کے لئے وہ پر از مصلحت اور سراپا حکمت قانون ہے جس میں تاابد کوئی تزلزل آہی نہیں سکتا۔ جو لوگ صیغۂ طلاق کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یا اسے عورت کی توہین قرار دیتے ہیں انہیں آزادانہ طور پر یہ بھی سوچ لینا چاہیے کہ باہمی نفرت کی صورت میں ان کو بزوری ایک دوسرے سے میل جول رکھنے کے لئے مجبور کرنا ان ہر دو کو زندہ درگور کرنے کے مترادف نہیں؟ اور کیا باہمی محبت ایسی چیز ہے کہ مجبور کئے جانے سے واپس آسکتی ہے؟ اور کیا اس قسم کے ناخوشگوار حالات میں قیدِ نکاح ان کے لئے زنجیرِ غلامی نہیں؟ بلکہ جسمانی قیود سے روحانی قیود کہیں زیادہ مہلک و جان فرسا ہوا کرتی ہیں۔ وہ ممالک جہاں طلاق کو مدتِ مدید سے عورت کی توہین سمجھا جاتا رہا ہے وہ بھی ان جیسی مشکلات و مصائب کا جائزہ لیتے ہوئے آج طلاق کو قانونی شکل دینے پر مجبور ہوگئے ہیں جسے اسلام نے تیرہ چودہ سو سال پیشتر ترویج دے کر ناقابلِ تنسیخ قرار دیا تھا۔

مرد سے حقِ طلاق کو سلب کرنا، یا اس پر پابندی عائد کرنا عورت کی طرفداری اور خیر خواہی نہیں بلکہ یہ ایک ناعاقبت اندیشی اور کور دماغی ہے جسے کوئی عقلِ سلیم دامنِ قبولیت میں جگہ دینے کو تیار نہیں۔

عورت کا ایک مرد سے طلاق حاصل کرکے دوسرے کے نکاح میں جانا اس کی توہین نہیں بلکہ فطری حق ہے اور آزاد مزاجی کا مظاہرہ ہے اور اسی طرح مرد کا ناسازگار حالات میں عورت کو اپنی قیدِ نکاح سے آزاد کرنا اس کی منصف مزاجی اور فراخدلی کا ثبوت ہے اور بخلاف اس کے دونوں کو مکروہ و ناپسندیدہ زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرنا صرف تنگدلی ہی نہیں بلکہ ان کو اپنے فطری حقوق سے محروم کرنے کے مترادف ہے۔

خلع اور مبارات

وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ الخ یعنی جب کوئی مرد عورت کو طلاق دے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ عورت کو دی ہوئی چیز حق مہر وغیرہ اس سے واپس لے لے۔

اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ الخ یہ پہلے حکم سے استثناء ہے یعنی ویسے تو طلاق دینے والا مرد عورت سے کوئی دی ہوئی چیز کو واپس نہیں لے سکتا۔ مگر ایک صورت میں اور وہ یہ کہ دونوں کو یقین ہو کہ وہ بغیر طلاق کے اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مراد یہ ہے کہ عورت سے نشوز یعنی مرد کی نافرمانی اور مرد کے حق میں بداخلاقی ظاہر ہو اور روایات آئمہ طاہرین علیہم السلام میں ہے کہ جب عورت مرد کو کہے کہ میں تیرے اذن کے بغیر گھر سے باہر جاؤں گی اور تیری خوابگاہ پر غیر کو لاؤں گی اور تیرے لئے جنابت سے غسل نہ کروں گی۔ یا یہ کہے کہ میں تیری اطاعت نہ کروں گی یہاں تک

کہ مجھے طلاق دے دے تو ان حالات میں مرد کے لئے عورت سے فدیہ لے کر طلاق دینا جائز ہے۔

پھر اختلاف اس میں ہے کہ ایسی صورت میں مرد عورت سے فدیہ صرف وہی چیز لے سکتا ہے جو پہلے مہر میں اس کو دے چکا ہو۔ یا اپنے دیئے ہوئے سے فدیہ زیادہ بھی لے سکتا ہے؟ تو اس میں علمائے امامیہ نے دو صورتیں بیان فرمائی ہیں:-

(۱) اگر نافرمانی صرف عورت کی طرف سے ہو اور وہ مرد کے ساتھ آباد ہونا پسند نہ کرتی ہو تو اس صورت میں مرد کے لئے اپنے دیئے ہوئے حق مہر سے زیادہ چیز وصول کرنا جائز ہے اور اس کو خلع کہا جاتا ہے۔

(۲) اور اگر بغض و ناراضگی ہر دو طرف سے ہو اور دونوں ایک دوسرے کو نہ چاہتے ہوں اور اللہ کی حدود کو توڑنے کا دونوں سے خطرہ ہو تو اس صورت میں مرد عورت سے صرف اسی قدر وصول کر سکتا ہے جس قدر اس کو دے چکا ہے اور اس کو مبارات کہا جاتا ہے۔

مسئلہ:- خلع اور مبارات کا صیغہ جاری کرتے وقت انہی شرائط کا ہونا ضروری ہے جو طلاق کے صیغہ کے وقت معتبر ہوا کرتی ہے۔ نیز خلع اور مبارات کے صیغہ میں طلاق کا ذکر کرنا بھی لازمی ہوا کرتا ہے۔

خلع کا صیغہ خلع کرنے والا مرد عورت کو یوں کہے:- خَلَعْتُكِ عَلٰى كَذَا (یہاں فدیہ کا ذکر کرے) فَاَنْتِ طَالِقٌ۔ یا کہے:- خَلَعْتُ زَوْجَتِيْ فُلَانَةَ (نام عورت کا) عَلٰى كَذَا (ذکر فدیہ کرے) فَهِيَ طَالِقٌ اور اگر مرد کی طرف سے وکیل ہو تو کہے:- خَلَعْتُ زَوْجَةَ مُوَكِّلِيْ (فلانہ نام عورت) عَلٰى كَذَا (ذکر فدیہ) فَهِيَ طَالِقٌ۔

مبارات کا صیغہ مرد عورت کو کہے:- بَارَاْتُكِ عَلٰى كَذَا (ذکر فدیہ) فَاَنْتِ طَالِقٌ۔ یا کہے:- بَارَاْتُ زَوْجَتِيْ فُلَانَةَ (نام عورت) عَلٰى كَذَا (ذکر فدیہ) فَهِيَ طَالِقٌ۔ مرد کا وکیل ہو تو کہے بَارَاْتُ زَوْجَةَ مُوَكِّلِيْ فُلَانَةَ (نام عورت) عَلٰى كَذَا (فدیہ) فَهِيَ طَالِقٌ۔

مسئلہ:- خلع کی صورت میں اگر عورت فدیہ کی طرف رجوع کرے تو پھر مرد کو بھی عورت کی طرف عدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہے اور مبارات کی صورت میں بھی یہی حکم ہے اور عدت گزر جانے کے بعد نہ عورت کو فدیہ کی طرف رجوع کرنے کا حق ہے اور نہ مرد کو عورت کی طرف رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

مسئلہ:- خلع یا مبارات کی طلاق میں عدت گزرنے کے بعد وہ مرد اس عورت کے ساتھ نکاح جدید کر سکتا ہے کیونکہ یہ طلاق ایک طلاق ہے اور اسی قسم کی تین طلاقوں کے بعد طلاق بائن ہو گی۔ پس وہ مرد اس عورت سے پھر نکاح نہ کر سکے گا

مگر یہ کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرلے اور وہ بالشرائط اس کو طلاق دے دے یا مر جائے۔ تو عدت کے بعد یہ مرد اس سے نکاح کر سکتا ہے چنانچہ بعد والی آیت میں اسی کو بیان کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول جمیلہ بنت عبداللہ۔ ثابت بن قیس کی زوجہ تھی اور اپنے شوہر کو ناپسند کرتی تھی چنانچہ وہ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ گو میں اپنے شوہر میں دینی یا اخلاقی کوئی عیب نہیں پاتی اور اسلام قبول کرنے کے بعد میں خدا کی نافرمانی کو ناپسند کرتی ہوں لیکن میرا شوہر چونکہ سیاہ رنگ، کوتاہ قد اور بدصورت ہے لہذا میں اس کے ساتھ کسی صورت میں ہمبستر ہونا گوارا نہیں کرتی (پس میرا شوہر مجھے طلاق دے دے تو ٹھیک ہے کیونکہ اس کے طلاق نہ دینے کی صورت میں مجھے خدا کی نافرمانی میں پڑنے کا ڈر ہے) ثابت دل سے اس کو طلاق دینے پر آمادہ نہ تھا۔ پس یہ آیت اتری۔ ثابت نے کہا کہ مجھے اپنا مہر واپس کردے (اور وہ ایک باغ تھا) حضرت رسول خداؐ نے جمیلہ سے دریافت فرمایا کہ تو اسے وہ باغ واپس کردے گی۔ اس نے عرض کی کہ حضورؐ! وہ باغ بھی واپس کرتی ہوں اور کچھ زائد بھی دوں گی (بہر کیف یہ مجھے طلاق دے) آپ نے فرمایا کہ بس تو زائد نہ دے بلکہ وہی باغ واپس دے دے۔ پس عورت نے باغ واپس دیا اور ثابت نے اس کو طلاق دے دی۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ۔ یعنی طلاق خلع کی صورت میں عورت جس قدر بھی فدیہ دے۔ عورت اور مرد دونوں پر اس کا کوئی گناہ نہیں ہے، نہ عورت کو دینے میں گناہ ہے اور نہ مرد کو لینے میں گناہ ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں) یہاں مراد حدود سے خلع، طلاق، رجوع اور عدت وغیرہ ہیں۔

نکتہ لطیفہ جو لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ مرد اگر بیک وقت عورت کو تین دفعہ طلاق کہہ دے تو وہ طلاق بائن ہو جاتی ہے اور مرد اس کی طرف رجوع نہیں کر سکتا جب تک کہ عورت دوسرا مرد کرکے اس سے طلاق نہ حاصل کرلے۔ آیت مجیدہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ الخ ان کے مسلک کو کھلے اور غیر مبہم بیان سے باطل کر رہی ہے۔ کیونکہ آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلاق دو مرتبہ ہے کہ ہر مرتبہ طلاق کے بعد مرد کو رجوع کرنے کا اختیار حاصل ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ یعنی یا تو اس کو خیر و خوبی سے اپنے پاس رکھ لے اور یا احسان و نیکی کے ساتھ جانے دے اگر ایک وقت میں تین طلاق کہنے سے طلاق بائن ہو جاتی تو رجوع کرنے کا قصہ ہی باقی نہ رہتا۔ لہذا فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ الخ کے ذکر کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

پس معلوم ہوا کہ تین طلاقوں کی صورت قرآن کے مطابق وہی ہے جو مذہب شیعہ نے بتلائی ہے۔ جس کی قدرے تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے اب ان دو طلاقوں کے بعد تیسری دفعہ جو طلاق دے گا۔ وہ طلاق بائن ہو گی۔ جس کو اگلی آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا

پس اگر (تیسری مرتبہ) اس کو طلاق دے تو وہ عورت اس پر پھر حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ نکاح نہ کرلے کسی اور مرد سے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ

اس کے علاوہ۔ پس اگر (یہ دوسرا شوہر اپنی مرضی سے) اسکو طلاق دے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں رجوع کرکے نکاح کرلیں بشرطیکہ انکو تسلی ہو کہ اللہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

کی حدود کو قائم کرینگے اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں جنکو بیان فرماتا ہے اس قوم کیلئے جو جانیں۔

طلاق بائن

فَاِنْ طَلَّقَهَا: پہلے دو رجعی طلاقوں کا ذکر تھا اور یہ تیسری طلاق کا ذکر ہے یعنی اس طلاق کے بعد مرد کو عورت کی طرف نہ عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق ہے اور نہ عدت کے بعد نکاح کرنے کا حق ہے جب تک کہ کسی اور مرد کے نکاح میں نہ جائے پس وہ دوسرا مرد اگر اپنی خوشی سے اس عورت کو طلاق دے دے تو اس کی عدت کے بعد وہ عورت اگر چاہے تو پہلے مرد کے ساتھ نکاح کرا سکتی ہے۔ یہاں يَّتَرَاجَعَا سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ عورت پہلے مرد پر صرف رجوع کرنے سے حلال ہو جائے گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف رجوع کرکے نکاح جدید کرلیں تو ان کے لئے جائز ہے جب کہ اللہ کی حدود کو پورا کرسکنے پر ان کو اطمینان حاصل ہو۔

حلالہ کا طریقہ جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اس کا بھی قرآن مجید سے کوئی ربط نہیں کیونکہ اولاً تو بیک وقت تین طلاق کرنے سے طلاق بائن نہیں ہوتی جیسا کہ اس سے پہلے ہم اس کی وضاحت کرچکے ہیں بلکہ صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے لہذا حلالہ کی ضرورت ہی نہیں بلکہ مرد کو عدت کے اندر بحکم خدا رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر بالفرض طلاق بائن بھی ہو تب بھی قرآن کی رُو سے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے تو پہلا مرد اس عورت کو نکاح میں لے سکتا ہے یہ کہیں نہیں کہ دوسرے مرد کو پہلے سے ہی طلاق کا پابند کرلیا جائے جیسا کہ حلالہ کرنیوالوں میں مروج ہے لہذا دوسرے نکاح کرنے والے سے پہلے شرط کرلینا کہ عورت سے ہمبستری کرکے بعد میں اس کو طلاق کرنا ہوگا۔ قرآنی فیصلہ کے خلاف ہے۔

نیز دوسرے شوہر کی طلاق کے بعد بغیر انتظار عدت گزرنے کے فوراً پہلے مرد کے ساتھ نکاح جدید پڑھا جانا غلط ہے کیونکہ قرآن مجید میں مطلقاً مطلقہ عورت پر تین طہر یا بقولِ حنفیہ تین حیض عدت کی انتظار واجب ہے جس طرح رکوع ۱۳

میں بیان ہو چکا ہے اور چونکہ مذہب شیعہ قرآنی احکام کی تفصیل اور آیات قرآنیہ کی تشریح صرف ان پاک ہستیوں سے حاصل کرتا ہے جو قرآن مجید کے حقیقی وارث اور عالم ہیں لہذا ان کی فقہی کتب اس قسم کے بے بنیاد و شرمناک فتاوی سے پاک و منزہ ہے۔

اور جناب رسالتمآبؐ کا تاکیدی فرمان :- اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ الخ جس کو ہم نے کتاب کی جلد اول میں یعنی مقدمہ تفسیر میں متعدد عنوانات کے تحت فریقین کی کتابوں سے نقل کیا ہے اسی نکتہ کے ماتحت تھا کہ لوگ دامن اہلبیتؑ کو چھوڑ کر راہ حق سے بھٹک نہ جائیں اور ظاہر ہے کہ فرمان نبویؐ کو پس پشت ڈال کر لوگوں نے ہر مرحلہ پر ٹھوکریں کھائیں اور جادۂ حق سے کوسوں دور رہے اور مسئلہ طلاق و حلالہ وغیرہ میں قرآنی تصریحات کے خلاف جانا صرف اسی وجہ سے ہے کہ اہلبیت عصمتؑ اور دودمان رسالتؐ سے علم قرآن حاصل نہ کیا گیا۔

مسئلہ :- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ اگر ایک مرد عورت کو طلاق بائن دیدے اس کے بعد کوئی دوسرا شخص اس عورت سے متعہ کرلے تو متعہ کی مدت گزرنے کے بعد وہ عورت پہلے مرد کے نکاح میں آسکتی ہے؟

آپ نے فرمایا :- کہ نہیں ، وجہ اس کی یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے۔ فَاِنْ طَلَّقَهَا الخ یعنی اگر دوسرا مرد اس کو طلاق دے (دے) تب پہلے کے نکاح میں آسکتی ہے اور نکاح متعہ میں چونکہ طلاق ہے نہیں لہذا یہاں دوسرے نکاح کرنے والے سے مراد نکاح دائمی ہے نہ کہ نکاح متعہ۔ تفسیر برہان میں اس مضمون کی متعدد احادیث منقول ہیں۔

عورت کی ضرر رسانی سے باز رہنے کا حکم

مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر خداوند کریم نے پھر مرد کو بلند حوصلگی اور منصف مزاجی کے ساتھ خانگی معاملات میں اعلےٰ کردار پیش کرنے کی دعوت دی ہے کہ جب تم عورتوں کو طلاق رجعی دو اور عورتیں عدت ختم ہونے کے نزدیک پہنچ جائیں تو اب تم کو چاہیئے کہ یا تو رجوع کر کے نیکی اور خوش اسلوبی کے ساتھ ان کو اپنی زوجیت میں رکھ لو، ورنہ ان کو چھوڑ دو یعنی ان کو عدت گزارنے دو تاکہ اس کے بعد کوئی اور شوہر کرنے کے قابل ہوں۔ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی تصریح ہے۔

جاہلی رسوم کے ماتحت بعض مرد عورتوں کو بے جا تنگ کرنا ہی اپنی مردانگی تصور کرتے ہیں اور جذبۂ شہوانیت کی تکمیل میں بے اعتدالی اور بے راہ روی ہی ان کو اس قسم کے ظالمانہ اقدام کی دعوت دیتی ہے شریعت مقدسہ اسلامیہ نے انسانی جذبات کے منظم و معتدل کرنے میں جسقدر رہنمائی فرمائی یقیناً جملہ ادیان عالم ایسی پاکیزہ تعلیمات سے محروم ہیں جسطرح مرد کو جینے کا حق حاصل ہے اسی طرح عورت کو بھی زندگی کا حق پہنچتا ہے اور عورت مرد کی ازدواجی زندگی چونکہ تعمیر انسانیت کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے لہذا اس معاملہ میں معتدلانہ روش انسانیت پر احسان عظیم ہے جسطرح عورت پر مرد کے جذبات کا احترام ضروری ہے اسی طرح مرد پر بھی شرعی قوانین کے ماتحت عورت کے مفاد کا ملحوظ رکھنا واجب ہے ان دونوں کا ایک دوسرے کے درپے ایذا ہونا صرف ان دونوں کے لئے ہی بربادی کا موجب نہیں ہے بلکہ اس سے ان دونوں کا وجود صحیفۂ انسانیت پر ایک بدنما داغ بن جاتا ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾

اور جب طلاق دو عورتوں کو پس عدت گزرنے) کو پہنچ جائیں۔ تو یا رکھ لو ان کو (رجوع کرکے) ساتھ نیکی کے یا چھوڑ دو ان کو ساتھ نیکی کے اور نہ رکھو ان کو رجوع کرکے) واسطے ضرر کے تاکہ ان پر ظلم کرو اور جو ایسا کرے گا تو تحقیق اس نے ظلم کیا اپنے نفس پر اور نہ کرو خدا کے احکام کی بے قدری اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت اور جو نازل فرمائی اس نے تم پر کتاب اور علم شریعت کہ اس کے ذریعے تمہیں نصیحت فرماتا ہے اور خدا سے ڈرو اور جانو۔ کہ تحقیق اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

شانِ نزول

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ الخ۔ کہتے ہیں کہ ابتداء میں عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ عورتوں کو طلاق دے دیتے تھے اور جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تھی تو رجوع کر لیتے تھے اور پھر طلاق دے دیتے تھے اور پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے تھے اور یہی سلسلہ متواتر جاری رکھ کر عورتوں کو بے جا اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ نہایت ہی تلخ زندگی گزارتی تھیں پس ان آیات میں خداوند کریم نے مردوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ عورتوں کو تکلیف پہنچانے کے لئے رجوع نہ کریں بلکہ اچھے طریقہ سے رہنے سہنے کے لئے رجوع کریں۔ ورنہ ان کو آزادی سے عدت گزار کر کسی اور جگہ نکاح کرنے کا موقع دیں اور رجوع کا اختیار بھی صرف دو طلاقوں تک ہے کیونکہ تیسری طلاق بائن ہے

وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا الخ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے۔ کہ جو شخص کسی غنی سے ملے اور اس کے غنی ہونے کی وجہ سے اس کے سامنے جھکے تو گویا اس نے اپنا دو تہائی دین ضائع کیا اور اس امت میں سے جو شخص قرآن پڑھنے کے باوجود جہنم میں جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیات کی بے قدری کرتا تھا۔

(برہان)

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

اور جب تم طلاق دو عورتوں کو ۔ پس عدت کو پہنچ جائیں تو ان کو نہ روکو ۔ اس بات سے کہ نکاح کریں

أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ

اپنے (ہونے والے) شوہروں سے جبکہ وہ آپس میں راضی ہوں ساتھ نیکی کے ان احکام کے ساتھ نصیحت کی

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ

جاتی ہے ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہوں ۔ اللہ اور روز قیامت پر ۔ یہ (قبول نصیحت) تمہارے لئے خوب تر اور پاکیزہ تر ہے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

اور خدا جانتا ہے (تمہاری دنیاوی و اخروی بہتریوں کو) اور تم بذات خود نہیں جانتے

شانِ نزول

عاصم بن عدی نے اپنی عورت جملاء کو طلاق دی اور عدت کے گزرنے کے بعد اس سے دوبارہ نکاح کرنے کا ارادہ کیا اور عورت بھی دوبارہ نکاح کرنے پر راضی تھی لیکن عورت کے بھائی معقل بن یسار نے اپنی بہن کو دوبارہ پہلے شوہر سے نکاح کرنے سے روک دیا پس یہ آیت نازل ہوئی اور کہتے ہیں کہ اس کے بعد معقل نے اپنی بہن کا عقد پھر عاصم سے کر دیا اس بنا پر وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ کا خطاب عورت کے وارثوں اور ولیوں سے ہے کہ عدت گزارنے کے بعد اگر عورت پھر اپنے اسی شوہر سے نکاح پر راضی ہو جائے تو تمہیں حق نہیں کہ ان کو روکو بلکہ یہ چیز تمہارے لئے زیادہ بہتر اور تمہارے خانگی معاملات میں باعث پاکیزگی ہے ورنہ اگر عورت دل سے چاہتی ہو اور اس کے اولیاء اس کو منع کر دیں تو اس کے جذبات مجروح ہوں گے اور ممکن ہے کہ وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کر کے اپنی عاقبت بھی خراب کرلے اور خاندان کی ناموس کو بھی داغدار کرے لہذا اس کو اپنے جائز حق سے محروم نہ کیا جائے تاکہ فعل حرام کا خیال اس کے دل میں پیدا ہی نہ ہو۔

علامہ طبرسی نے اس وجہ کو پسند نہیں فرمایا بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ کا خطاب طلاق دینے والوں سے ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت ختم ہونے کے قریب پہنچے تو تمہیں جائز نہیں کہ دوسری جگہ اس عورت کے نکاح کرنے کی رکاوٹ کے لئے اور عورت کو بے جا تکلیف پہنچانے کے لئے رجوع کر لو۔ تاکہ وہ بیچاری بند ہو کر دوسری جگہ نکاح کے قابل نہ ہو۔

بہر کیف ۔ آیت ہر دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے اور مقصد یہ ہے کہ نہ عورت کے وارثوں کے لئے جائز ہے کہ وہ مطلقہ ہونے کے بعد اس کے نکاح ثانی پر پابندی عائد کریں خواہ وہ اسی سابق شوہر سے کرے یا کسی نئے شوہر سے

کرے اور نہ طلاق دینے والے کے لئے جائز ہے کہ ضرر پہنچانے کے لئے رجوع کرکے عورت کو نکاح ثانی سے روکے

ناجائز رواج

ہمارے ہاں نہایت غلط اور غیرت سوز بلکہ ایمان ربا ایک رواج ہے اور وہ یہ کہ عورت اور مرد کے درمیان خواہ کتنے ہی تعلقات کشیدہ ہوں اور عورت باہمی اختلاف کی بناء پر خواہ سالہا سال اپنے میکے میں گزار دے تاہم مرد اس کو طلاق دینا اپنی خود ساختہ غیرت کے خلاف سمجھتے ہیں اور بعض مقامات پر اگر مرد طلاق پر آمادہ ہو بھی جائے تو عورت کے میکے والے اس میں اپنی گھٹتی سمجھتے ہوئے مرد کو طلاق نہیں دینے دیتے اور ایسی صورت میں اگر مرد طلاق دیدے تو عورت کے خاندان اور مرد کے خاندان درمیان سخت قسم کی منافرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے جو بعض اوقات ناگفتہ بہ نتائج تک پہنچ جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غیرت قرآن کی رُو سے بدترین بے غیرتی ہے۔

قرآن کا صاف اور غیر مبہم طور پر کھلے لفظوں یہ حکم موجود ہے کہ اگر عورت اور مرد میں باہمی مصالحت و مفاہمت کی صورت نہ ہو سکتی ہو تو مرد کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنی قید نکاح سے آزاد کر دے تاکہ ہر دو کی زندگی تلف نہ ہو اور باہمی کشمکش سے کہیں شریعت کی حدود شکنی ان سے نہ ہو اور مرد کا عورت کو ناموافق حالات میں طلاق دے کر آزاد نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے اور شریعت کی حد شکنی ہے اور نیز عورت کے خاندان کا دریں حالات مرد کو طلاق سے روکنا ناجائز اور حرام ہے اور شریعت کی حد شکنی ہے جو کہ گناہ عظیم ہے۔

بعض اوقات مرد عورت کو طلاق دینا بُرا نہیں سمجھتے لیکن صرف عورت کو ایذا دینے کے لئے یا اس لئے کہ عورت اس کے دشمن خاندان میں شادی کرلے گی طلاق نہیں دیتے یہ صورت بھی قرآن کی ہدایت کے سراسر خلاف اور گناہ کبیرہ ہے۔

بعض اوقات مرد عورت کو طلاق دے دیتے ہیں لیکن عورت کے میکے عورت کو دوبارہ کہیں شادی کرنے سے روک دیتے ہیں اور اسکی دوبارہ شادی اپنی توہین سمجھتے ہیں گزشتہ آیات قرآنیہ کے ظاہر سے انکو اس قسم کی ناجائز حرکات سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی ہے

بہر کیف طلاق کا خدائی ضابطہ گھریلو زندگی کی اصلاح و بہبود کے لئے انتہائی طور پر قرین عقل ہے اور اگر اسی قانون خداوندی کو صحیح طور پر استعمال کیا جائے اور اپنی خود ساختہ غیرتوں اور شیطانی جذباتی خیالات کو خدا کی تعلیم کردہ غیرت اور قرآنی اصلاحی ہدایات کے ماتحت اپنی قوت ایمانی کے ذریعہ کچل کر شاہراہ شریعت پر گامزن ہونے کی جرأت کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان کی گھریلو زندگی پر کیف اور خوشگوار نہ ہو مردوں نے اپنے غلط رویئے سے عورتوں کے لئے حیوانیت کی سی بدترین اور تاریک زندگی تجویز کرکے ایک طرف قرآنی ہدایات کی خلاف ورزی کی ہے اور دوسری طرف عورتوں کو مردوں کے خلاف آواز بلند کرنے کا موقعہ دیا ہے جس کے نتائج اور خطرناک ہیں۔

خداوند کریم تمام مومنین کو قرآن و شریعت کے احکام و ضوابط پر چلنے کی توفیق دے تاکہ ہر قسم کے بد نتائج سے محفوظ ہو کر دنیاوی و اخروی زندگی کو سنوار سکیں۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو دو سال پورے (یہ مدت) اس کے لئے ہے جو پوری مدت دودھ پلانا چاہے

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا

اور باپ پر اُن (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا (لازم ہے) ساتھ نیکی کے (مناسب حال) نہیں تکلیف دیا جاتا (خدائی احکام میں)

وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ

کوئی شخص مگر بقدر وسعت نہ ضرر دیا جائے ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے (اور باپ کی عدم

مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ

موجودگی میں) جو بچہ کا وارث ہو اس پر اسی جیسے (احکام) ہیں پس اگر دونوں (ماں باپ قبل از مدت) دودھ چھڑانا چاہیں باہمی رضامندی اور

عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ

اور مشورہ سے تو پس ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اور اگر تم (ماں کے علاوہ کسی اور عورت کا دودھ) پلانا چاہو اپنے بچوں کو تو تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم دیدو

مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

جو تم نے دینا کیا ہے ساتھ نیکی کے (حسب حال) اور خدا سے ڈرو اور جانو کہ تحقیق اللہ اس چیز کو جو تم کر رہے ہو دیکھنے والا ہے۔

مطلّقہ کا حقِّ رضاع اور نانُ و نفقہ

وَالْوَالِدٰتُ :- رضاع کے بیان میں ماں باپ اور بیٹے کے لئے اُم - اب اور ابن کا استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ والدہ' والد اور ولد کی لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اُم کا مفہوم والدہ کے مفہوم سے عام ہے اور اب کا مفہوم والد سے عام ہے اور اسی طرح ابن کا مفہوم ولد سے عام ہے چنانچہ دادے اور دادی پر اب اور اُم کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن انہیں والد' و والدہ نہیں کہا جا سکتا اور پوتے پر ابن کا اطلاق ہوتا ہے لیکن اسے ولد نہیں کہا جاتا۔ پس اس مقام پر چونکہ حکم کا اختصاص صرف ماں باپ اور بیٹے کے ساتھ تھا لہذا ان خاص لفظوں سے تعبیر کیا گیا۔

يُرْضِعْنَ :- فعل مضارع کا صیغہ ہے لیکن یہاں امر کے معنی میں ہے یعنی دُودھ پلائیں اور اس مقام پر امر استحباب کے لئے ہے کیونکہ ماں پر بچے کا دودھ پلانا واجب نہیں ہے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ بچے کو دودھ پلانے کے لئے پہلے ماں کا حق ہے

اگر وہ نہ پلانا چاہے یا دوسری پلانے والیوں کی بہ نسبت اُجرت زیادہ طلب کرے تو پھر باپ کسی اور دایہ کی طرف رجوع کرسکتا ہے اسی طرح اگر ماں دودھ کی اُجرت طلب کرے اور کوئی دایہ مفت پلانے کیلئے مل سکتی ہو تب بھی باپ دایہ کی طرف رُجوع کرسکتا ہے۔

حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۔ دوسال پورے یعنی چوبیس ماہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے کیونکہ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ حمل اور دودھ پلانے کی مجموعی مدت تیس (۳۰) ماہ ہے۔ پس جب صرف دودھ پلانے کی کامل مدت دو سال ہے تو حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہوگی۔

اسی بناء پر یہاں اختلاف ہے کہ آیا ہر بچے کو دودھ پلانے کی مدت دوسال ہے یا دوسال کا عرصہ اس بچے کے لئے ہے جو چھ ماہ کا پیدا ہوتا کہ حمل اور رضاع مل کر تیس (۳۰) ماہ پورے ہو جائیں۔ ابن عباس سے یہی منقول ہے کہ یہ مدت صرف اسی بچہ کے لئے ہے جو چھ ماہ کا پیدا ہو اگر بچہ سات ماہ کا پیدا ہو اس کی دودھ کی مدت تیئس (۲۳) ماہ ہوگی اور اگر بچہ نو ماہ کا پیدا ہو تو اس کی دودھ کی مدت اکیس (۲۱) ماہ ہوگی۔

بہر کیف دودھ پلانے کی مدت اس قدر ہوگی کہ حمل کی مدت کے ساتھ مل کر تیس (۳۰) ماہ پورے ہوں۔ اسی بناء پر ہمارے علماء روایت فرماتے ہیں کہ بچے کو اکیس (۲۱) ماہ سے کم دودھ پلانا بچہ پر ظلم ہے (کیونکہ عام طور پر انتہائی مدت حمل نو ماہ ہی ہوا کرتی ہے لہذا کم از کم مدت رضاع اکیس ماہ ہونی چاہیے اور اس سے کم کرنا بچے کی حق تلفی ہوگی) اور بعض کہتے ہیں کہ ہر بچے کی دودھ پلانے کی مدت دوسال ہے اور اس سے کمی یا بیشی ناجائز ہے لیکن لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ کے ظاہری الفاظ بتلاتے ہیں کہ دوسال کا عرصہ رضاع کی آخری حد ہے پس جو شخص پورا کرنا چاہے بے شک کرلے لیکن جو نہ پورا کرنا چاہے تو اس پر مدت کا پورا کرنا لازم نہیں ہے البتہ بچے کی مصلحت کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

مسئلہ ۔ چونکہ رضاع کی حدِ آخر دوسال ہے لہذا علمائے امامیہ کے نزدیک دوسال کے بعد کی رضاعت شرعی طور پر احکام رضاع پر اثر انداز نہ ہوگی۔ لہذا رضاع کے لئے جو احکام حرمت نکاح کے متعلق ہیں وہ دوسال کے اندر ہونے والے رضاع کے لئے ہیں اور دوسال کے بعد کا رضاع حرمتِ نکاح کا موجب نہ ہوگا۔

اَلْمَوْلُوْدِ لَهٗ ۔ یعنی وہ شخص جس کا بچہ ہے اور وہ باپ ہی ہوتا ہے اسی بناء پر میں نے مرادی ترجمہ (باپ) ہی کیا ہے۔

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ اکثر مفسرین سے منقول ہے کہ اس سے مراد وہ بچہ دار عورتیں ہیں جن کو شوہروں نے طلاق دے دی ہو چنانچہ اس سے پہلے طلاق کا ذکر بھی اسی کا قرینہ ہے تاکہ بیان کے تسلسل میں فرق نہ آئے اور اس آیت کی رُو سے بچے کی تربیت کا حق زمانِ رضاعت میں ماں کو حاصل ہے لہذا اس مدت تک اس کا خرچہ یعنی روٹی کپڑا باپ پر واجب ہے اگرچہ عدت کے بعد مطلقہ ہونے کی حیثیت سے مرد سے اس کا نان ونفقہ ساقط تھا اور یہ دوسرا قرینہ ہے کہ یہاں ان ماؤں کا ذکر ہے جن کو اپنے شوہروں نے طلاق دے دی ہو ورنہ اگر مطلقہ نہ ہوتیں تو نان ونفقہ

کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ زوجہ کا نان و نفقہ مرد پر واجب ہے خواہ بچے کو دودھ پلائے یا نہ پلائے اور بِالْمَعْرُوْفِ سے مراد ہے کہ روٹی و کپڑے میں مرد کی پوزیشن کا لحاظ رکھا جائے یعنی خوش حالی یا بدحالی کی حالت میں اپنی حیثیت کے لحاظ سے اس کو خرچہ ادا کرے۔

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ۔ ترکیب کے لحاظ سے اس فقرہ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ لَا تُضَآرَّ فعل نہی کا صیغہ ہے معلوم بھی ہو سکتا ہے اور مجہول بھی ہو سکتا ہے اگر معلوم کا صیغہ ہو تو اصل میں لَا تُضَارِرْ ہوگا اور اگر مجہول کا صیغہ ہو تو اصل میں لَا تُضَارَرْ ہوگا۔ اسی طرح باء جارہ سببیت کے معنی میں بھی ہو سکتی ہے اور زائدہ بھی ہو سکتی ہے۔ نیز یہ فقرہ گزشتہ فقرہ لَا تُکَلَّفُ الخ سے بدل بھی بنایا جا سکتا ہے چنانچہ بعض قاریوں نے اسی بنا پر لَا تُضَآرُّ رفع کے ساتھ فعل نفی مجہول کا صیغہ قرار دیکر پڑھا ہے پس آیت میں معانی کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) لَا تُضَآرَّ۔ فعل نہی معلوم کا صیغہ قرار دیا جائے اور باء جارہ کو سببیہ بنایا جائے تو معنی یہ ہوگا "نہ ضرر دے بچے کی والدہ بسبب بچے کے۔ یعنی بچے کے باپ پر ناراض ہو کر بچے کو دودھ پلانا نہ چھوڑ دے کیونکہ اس سے بچے کے باپ کو بھی ضرر ہوگی اور بچہ بھی ضرر کا نشانہ بن جائے گا اور اسی طرح مَوْلُوْدٌ لَّهٗ کے لئے بھی اس مناسبت سے فعل محذوف ہوگا یعنی لَا یُضَآرَّ اور معنی ہوگا کہ نہ ضرر دے بچے کا باپ بسبب بچے کے۔ یعنی بچے کی ماں سے ناراض ہو کر اس سے بچہ چھین نہ لے تا کہ اس کی ماں کو ضرر پہنچے کیونکہ اس ضرر میں بچہ بھی شریک ہوگا ان دونوں صورتوں میں بچہ ضرر میں اس لئے شریک ہے کہ ماں کی شفقت سے دور ہو جائے گا اور نیز ان صورتوں میں باب مفاعلہ کا صیغہ مبالغہ کے لئے ہے ورنہ فعلِ ضرر صرف ایک جانب سے ہے۔

(۲) لَا تُضَآرَّ۔ فعل نہی معلوم کا صیغہ اور باء جارہ کو زائدہ قرار دیا جائے۔ پس معنی یہ ہوگا کہ نہ ضرر دے ماں اپنے بچے کو کہ اس کو دودھ پلانا چھوڑ دے اور نہ ضرر دے باپ بھی اپنے بچے کو کہ ماں سے جدا کر کے کسی اور دایہ کے حوالہ اس کو کر دے۔

(۳) لَا تُضَآرَّ فعل نہی مجہول کا صیغہ قرار دیا جائے اور باء جارہ سببیت کے معنی میں ہو پس معنی یہ ہوگا کہ نہ ضرر دی جائے والدہ کو بوجہ اپنے بچے کے کہ بلاوجہ اس سے بچہ چھین لیا جائے اور کسی دوسری دایہ کے حوالہ کیا جائے اور نہ ضرر دیا جائے بچے کا باپ بسبب بچے کے کہ ماں اس کو دودھ پلانا چھوڑ دے۔

(۴) ترکیب صرفی و نحوی وہی اور معنی یہ کہ ضرر دی جائے والدہ، مرد کی طرف سے ترک مجامعت کی بوجہ بچہ کے یعنی مرد عورت سے ہمبستر ہونا بچہ کی وجہ سے ترک کر دے تاکہ حمل نہ ہو جائے جس سے عورت کو ضرر ہو تو ایسا نہیں ہونا چاہیے اسی طرح نہ ضرر دیا جائے مرد عورت کی جانب سے ترک مجامعت کی بسبب بچے کے یعنی عورت بچے کے لحاظ سے مرد کے پاس جانا چھوڑ دے حمل کے ڈر سے جس سے مرد کو ضرر ہو۔ تو ایسی صورت سے گریز کیا جائے اور آئمہؑ سے یہی معنی مروی ہے۔

(۵) لَا تُضَآرَّ ۔ صیغہ نفی مجہول ۔ ہو کہ لَا تُکَلَّفُ سے بدل ہو تو معنی یہ ہو گا کہ احکام شرعیہ میں کسی نفس کو وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی یعنی بچے کی پرورش میں بھی بچے کے ماں اور باپ کو وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی کہ بچہ کے وجہ سے ان کو ضرر حاصل ہو ۔ یہ احتمال بیضاوی نے بیان کیا ہے چار احتمالات علامہ طبرسی نے بیان فرمائے ہیں اور آخر میں فرمایا ہے کہ ان احتمالات کے درمیان آپس میں کوئی منافات نہیں ہے لہذا آیت کو ان تمام معانی پر محمول کر لینا بہتر ہے ۔

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۔ یعنی بچے کا باپ اگر مر جائے تو باپ کی طرح بچے کی دودھ پلانے والی کا خرچہ اور ترکِ ضرر کے احکام اس شخص پر عائد ہوں گے جو بچے کا وارث ہو گا یعنی اگر بچے پر موت آجائے تو جو شخص اس کا صحیح وارث متصور ہو گا ان چیزوں کا ذمہ دار بھی وہی ہے اور بعضوں نے وارث سے مراد مرنے والے باپ کا وارث لیا ہے اور علامہ طبرسی نے پہلے مطلب کو ترجیح دی ہے ۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا الخ یعنی اگر میاں بیوی باہمی مشورہ و رضامندی سے دو سال سے پہلے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں ان پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ملحوظ اس میں بچے کی مصلحت ہے اور ان معاملات کو بہ نسبت باپ کے ماں اچھا سمجھ سکتی ہے اور ہر دو کا مشورہ و رضامندی بچے کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے پس اگر میاں بیوی میں اختلاف ہو جائے تو پھر دو سال کی مدت کو پورا کیا جائے گا ۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ ۔ اگر ماں بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر دے یا دودھ کی اجرت طلب کرے اور کوئی دوسری عورت مفت دودھ پلانے پر حاضر ہو ۔ یا ماں دوسری دودھ پلانے والیوں سے زیادہ اجرت طلب کرے ، یا ماں بیمار ہو ، یا اس کا دودھ نہ ہو ، یا اس کا دودھ اتنا کم ہو کہ بچہ نہ پل سکتا ہو ۔ تو ان حالات میں بچے کا باپ دودھ پلانے کے لئے کسی اور دایہ کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور خداوند کریم اس کے متعلق فرماتا ہے کہ اگر تم دوسری عورتوں سے بچوں کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے ۔

اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ اس فقرہ کے کئی معانی کئے گئے ہیں ۔ یعنی دوسری عورتوں سے پلاؤ ۔ بشرطیکہ جس عرصہ تک بچہ اپنی ماں کا دودھ پیتا رہا ہے ، خوش اسلوبی اور انصاف پسندی سے اس کو اس مدت کی اجرت دے دو ۔

یا بشرطیکہ تسلیم کرو بچہ جو دوسری عورت کو رضاع کے لئے دے رہے ہو ساتھ معروف کے یعنی آپس کی خوشی و رضامندی سے نہ کہ ماں کی ضرر کی خاطر ایسا کرو ۔

یا بشرطیکہ ۔ دودھ اجرت جو تم نے دینی کی ہے خیر و خوشی اور منصف مزاجی کے ساتھ (حسب حیثیت)

مسئلہ ۔ ماں پر واجب ہے کہ ولادت کے بعد پہلا دودھ بچے کو ضرور پلائے اور بعض علماء نے اس کی

حد تین دن مقرر کی ہے اس وجوب کا مطلب یہ نہیں کہ ماں مفت پلائے بلکہ اگر چاہے تو مرد سے اس کی اُجرت وصول کر سکتی ہے لیکن اس دودھ کا پلانا اس پر ضروری ہے اور اس کے بعد دو سال تک بچے کو دودھ پلانا ماں پر مستحب ہے اگرچہ اس کی اُجرت وصول کر سکتی ہے۔

مسئلہ :۔ رضاع کے زمانہ میں بچے کی تربیت کا زیادہ حق ماں کو حاصل ہے اور دودھ چھڑانے کے بعد بنا بر فتویٰ مشہور کے سات برس تک لڑکی کی تربیت میں ماں کا حق مقدم ہے اور لڑکی کا سات برس کے بعد اور لڑکے کا دُودھ چھڑانے کے بعد تا بلوغ باپ کا تربیت کا حق مقدم ہے اور ماں باپ کی عدم موجودگی میں دادا، اور اس کی عدم موجودگی میں بچے کا قریب ترین رشتہ دار حق تربیت میں دوسروں سے مقدم ہے۔

مسئلہ :۔ بچے کو دودھ پلانے کے لئے عاقلہ مومنہ خوشرو، خوش اخلاق اور پاک دامن عورت کا انتخاب مستحب ہے کیونکہ دودھ کا طبیعت اخلاق اور شکل پر اثر ہوا کرتا ہے اور آئمہ معصومین علیہم السلام سے اسی مضمون کی متعدد احادیث وارد ہیں۔

مسئلہ :۔ بچے کو دودھ پلانے کے ثواب کے متعلق جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ عورت کا بچے کو ایک دفعہ دودھ پلانا ایسا ہے جیسا کہ راہِ خدا میں غلام آزاد کیا جائے اور جب بچے کا دودھ چھڑائے تو خدا کی طرف سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ اے عورت تیرے گذشتہ گناہ معاف ہو گئے۔

تنبیہ :۔ بچے پر ماں کی تربیت کا کافی اثر ہوتا ہے اور خصوصاً ماں کی صورت و سیرت بچے کو بہت زیادہ متاثر کرتی ہیں اور صرف ماں کی گود کی تربیت ہی بچے پر موثر نہیں بلکہ شکم مادر میں بھی بچہ پر ماں کے اخلاق و کردار کا کافی اثر پڑتا ہے جس طرح اچھی غذا اندرونِ شکم بچے کی جسمانیت پر اچھے اثرات ظاہر کرتی ہے اسی طرح غذا کی پاکیزگی اور اس کی حلیت بچے کی روحانی صلاحیتوں کے لئے سنگِ بنیاد ہوتی ہے نیز ماں کی اپنی پاکیزگی نیک کرداری، نیک چلنی اور اخلاقِ حمیدہ و عاداتِ شریفہ سے آراستگی بچے کے نیک اطوار اور خوش کردار ہونے کا پیش خیمہ بنتی ہے اور بعد از ولادت جب تک بچہ کی غذا کا خزینہ اپنی ماں کا سینہ رہتا ہے لازمی طور پر بچہ پر سابق اثرات کا توارد تکوینی طور پر ہوتا رہتا ہے اور اس دوران میں ماں کی ظاہری طہارت بچے کی ظاہری و باطنی برتری کے لئے اساس و بنیاد ہوا کرتی ہے اور اس کے برعکس حمل اور رضاع کے زمانہ میں ماں کی غیر محتاط روش طہارت و نجاست میں لاپرواہی اور حلیت و حرمت غذا میں بے توجہی تکوینی اور وضعی طور پر بچے پر بُرے اثرات کی موجب بنتی ہے اگر اس دوران میں تربیت شکستہ ہو گی تو نتیجۃً بچے کی شکستگی طینت معرض ظہور میں آئے گی اور زمانِ رضاع کے بعد کی تربیت کا اگرچہ اولاد پر اثر ہوتا ہے لیکن اس کی حیثیت اکتسابی ہوا کرتی ہے وہ قطعاً بچے کی طینت و فطرت پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

پس خوش نصیب اس بچے کے جس کی فطری و اکتسابی صلاحیتوں کے لئے اس کے ماں باپ اچھے اثرات کے

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ

اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کو انتظار کرنی

بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا

چاہیئے اپنے نفسوں میں - چار ماہ اور دس دن پس جب پہنچیں اپنی مدت کو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اس چیز

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

کے بارے میں جو وہ کریں اپنے نفسوں کے حق میں ساتھ نیکی کے (یعنی جائز طریقہ سے نکاح) اور خدا اس چیز سے جو تم بجالاتے ہو آگاہ ہے۔

موجب بنیں رضاع کے شرائط اور اس کے باقی احکام اپنے مناسب مقام پر حسب ضرورت بیان ہوں گے۔

عدّتِ وفات کا بیان

مسئلہ:- جس عورت کا شوہر مرجائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے خواہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو صغیرہ ہو یا یائسہ۔ اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ دس دن گذرنے سے پہلے وضع حمل ہو جائے یعنی بچہ اس مدت سے پہلے پیدا ہو جائے تو عدت اس کی یہی مدت ہے یعنی چار ماہ اور دس دن اور اگر اس مدت کے اندر عورت کا وضع حمل نہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔

مسئلہ:- وفات کی عدت کے زمانہ میں عورت پر سرمہ کاجل سرخی لگانا اور گھر سے باہر جانا حرام ہے۔ اسی طرح عمدہ لباس پہننا تیل، خوشبو لگانا، مہندی لگانا، زیور سنگار کرنا پوڈر ملنا وغیرہ یعنی جن چیزوں کو زینت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ان پر سب حرام ہیں۔

ہاں اگر زینت کے علاوہ ان چیزوں میں سے کسی کا استعمال کسی خاص ضرورت کے ماتحت کرے تو اسی قدر جائز ہے جس سے وہ ضرورت پوری ہو جائے نیز جسم کی صفائی، غسل، کنگھی، مسواک، ناخن تراشی یا بچوں کا بناؤ سنگار حرام نہیں ہے۔

علمی وعقلی تنبیہ بیوہ عورتوں کے متعلق مختلف اقوام نے جو دستور العمل تجویز کئے ہوئے تھے وہ عقلی واصولی طور پر انسانیت کے لئے قطعاً ناقابل برداشت تھے ہندوؤں میں ستی کی رسم کو اہمیت حاصل تھی یعنی بیوہ عورت کو اپنے متوفی شوہر کے ساتھ نذر آتش کر دیا جاتا تھا اور عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال تھی اور بعض اقوام کے نزدیک بیوہ عورت کا شادی کرنا بالکل ناجائز تھا۔ پس اسلام نے زندگی کے

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ

اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ وکنایہ سے کرو خواستگاری (عدت والی) عورتوں کی یا پوشیدہ رکھو

أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُو

اپنے دلوں میں۔ خدا جانتا ہے کہ تحقیق تم عنقریب ان (عورتوں) کا ذکر کرو گے۔

نَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا

لیکن ان سے (صاف نکاح کا) وعدہ نہ لو چپکے چپکے (عدت ختم ہونے سے پہلے) مگر یہ کہ کہو اچھے طریقہ سے (بطور

مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ

کنایہ کے) اور نہ قصد کرو نکاح کا۔ یہاں تک کہ پہنچ جائے (حکم) قرآن اپنی

أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ

(مقررہ) حد (عدت) کو اور جانو تحقیق خدا جانتا ہے وہ جو تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے ڈرو

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

اور جانو تحقیق خدا بہت بخشنے والا، علم کرنے والا ہے

ہر شعبے میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ حصّہ دار قرار دے دیا۔ یعنی جس طرح مرد کو بیوی کے مرنے کے بعد شادی کرنے کا حق ہے اسی طرح عورت بھی اپنے شوہر کے مرنے کے بعد عدت گزرنے کے بعد شادی کر سکتی ہے۔

عدّت کے اندر پیغامِ نکاح کی ممانعت

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ الخ۔ عورتوں کے عدت کے زمانہ میں اس کو صاف طور پر کھلے لفظوں میں نکاح کا پیغام دینا ممنوع ہے البتہ اشارے اور کنائے سے اپنی خواہش کا اظہار جائز ہے یعنی عورت کو سنا کر ایسے الفاظ کہے کہ وہ سمجھ جائے کہ میرے ساتھ نکاح کی خواہش رکھتا ہے۔

وَلَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا۔ اس کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے اور دوسرا یہ کہ سِر کا معنی علیحدگی اور خلوت کرنے کا وعدہ نہ لو کیونکہ یہ چیز برائی کی طرف دعوت دیتی ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ سِر کا معنی زنا ہو۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا

نہیں گناہ تم پر اگر طلاق دو عورتوں کو جبکہ تم نے ان سے مس (جماع) نہ کیا ہو یا مہر ان کا مقرر

لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ

نہ کیا ہو اور فائدہ پہنچاؤ ان کو خوش حال اپنی حیثیت سے اور تنگدست اپنی حیثیت سے

مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ

فائدہ ساتھ نیکی کے (حسب حال) یہ واجب ہے اوپر فرض شناس لوگوں کے اور اگر طلاق دو ان کو قبل مس (جماع) کرنے

اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ

کے درانحالیکہ مقرر کر چکے ہو تم ان کے لئے مہر تو پس آدھا حصہ مہر مقررہ کا (ان کو دے دو) مگر یہ کہ وہ معاف کر

اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا

دے یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں گرہ نکاح کی ہے اور تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے زیادہ

اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

قریب ہے اور مت بھلاؤ آپس میں فضل و احسان کرنا۔ تحقیق اللہ تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔

یعنی ان سے زنا کا وعدہ نہ لو اور سِر کا معنی جماع کیا گیا ہے۔ بہرکیف عدّت والی عورت سے صراحتاً نکاح و شادی کا ذکر کرنا یا علیحدگی و خلوت میں اس قسم کی باتیں کرنا ناجائز ہے۔ وَلَا تَعْزِمُوْا۔ الخ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عدّت ختم ہونے سے پہلے ان سے نکاح نہ کر لو بلکہ نکاح کا عقد عدت کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ عدّت کے بعد نکاح کرنے کا دورانِ عدّت میں ارادہ بھی نہ کرو کیونکہ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ۔ کے الفاظ صاف بتلاتے ہیں کہ ختم عدّت کے بعد نکاح کا ارادہ ابھی سے جائز ہے۔ مسئلہ:۔ عدّت کے اندر عورت سے اگر نکاح کیا جائے تو نکاح باطل ہے اور جان بوجھ کر ایسا کرنے سے وہ عورت اس مرد پر حرام مؤبد ہو جاتی ہے۔

رکوع ۱۵

غیر مدخولہ عورت کی طلاق

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ۔ گویا وہم پڑتا ہے کہ شاید عورت کو قبل دخول طلاق دینا ممنوع ہو۔ پس ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں۔

بلکہ اگر مرد چاہے تو قبل دخول کے اپنی عورت کو طلاق دے سکتا ہے اسی طرح جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا ہو اس کو بھی طلاق دے سکتا ہے لیکن اس کو کچھ نہ کچھ (حسب حیثیت) فائدہ پہنچانا ضروری ہوگا۔ تفصیل اس کی یوں سمجھئے کہ جس عورت کو طلاق دے رہا ہے وہ مس شدہ (مدخولہ) ہے یا غیر مس شدہ (غیر مدخولہ) ہے اور ہر دو صورتوں میں اس کا مہر مقرر ہے یا مہر مقرر نہیں۔

(۱) اگر مدخولہ ہے اور مہر مقرر شدہ ہے تو اس کی طلاق کے لئے وہ ہی شرائط ہیں جو گذر چکی ہیں اور ایسی مطلقہ پورے مہر کی حقدار ہوتی ہے مہر کے علاوہ اس کو کچھ دینا واجب نہیں ہے۔

(۲) اگر مدخولہ ہو اور مہر اس کا مقرر شدہ نہ ہو تو طلاق کی شرطیں وہی ہیں لیکن خاندان، عمر، شکل وصورت و دیگر اوصاف کے لحاظ سے اس جیسی عورتوں کے لئے جسقدر حق مہر ہونا چاہیئے وہ اس کو دینا پڑے گا۔

(۳) اگر غیر مدخولہ ہو اور مہر مقرر ہو تو طلاق میں باقی شرطیں ضروری ہیں صرف حیض سے پاک ہونا عورت کا ضروری نہیں بلکہ غیر مدخولہ کو حالتِ حیض میں بھی طلاق دی جا سکتی ہے اور مقرر شدہ مہر کا نصف عورت کو دینا واجب ہے مگر اس صورت میں کہ عورت اپنا نصف مہر کا حق معاف کردے یا اُس کا ولی معاف کردے۔

(۴) اگر غیر مدخولہ ہو اور مہر مقرر نہ ہو تو طلاق میں حسب سابق اس کا حیض سے پاک ہونا ضروری نہیں ہے اور مرد پر اس کو متعہ (فائدہ) پہنچانا واجب ہے اور یہ فائدہ مرد کی حیثیت کے لحاظ سے ہے پس اگر غنی ہو تو گھوڑا یا بلند قیمت کپڑا یا دس دینار دے اور اگر متوسط طبقہ کا آدمی ہو تو پانچ دینار دے اور اگر غریب ہو تو ایک دینار، یا سونے کی انگوٹھی یا چاندی کی انگوٹھی دے دے اور مرد کا غنی یا فقیر یا متوسط طبقہ سے شمار ہونا۔ زمان، مکان اور پوزیشن کے لحاظ سے عام عرف کے تابع ہے اسی طرح علماء نے ذکر فرمایا ہے۔

اَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ - غیر مدخولہ عورت جس کا مہر مقرر ہو اس کو طلاق دینے کی صورت میں مرد پر اس کا نصف مہر ادا کرنا واجب ہوا کرتا ہے مگر یہ کہ عورت اپنا حق یعنی نصف مہر معاف کر دے یا وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور اس سے مراد عورت کا ولی ہے اور علمائے امامیہ کے نزدیک باکرہ غیر بالغہ لڑکی کا ولی صرف باپ یا دادا ہی ہو سکتے ہیں پس اگر بالغہ ہوگی تو معاف کرنا یا وصول کرنا اس کے اپنے اختیار میں ہے اور نابالغہ ہوگی تو اس کے ولی کو اختیار ہے

مسئلہ: غیر مدخولہ مطلقہ کا ولی پورا نصف مہر معاف کرنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ بعض حصہ معاف کر سکتا ہے۔

مسئلہ: اگر لڑکی اپنے ولی (باپ دادا) کے تصرفِ معافی پر ناراض ہو تو اس کا کوئی اثر نہیں بشرطیکہ ولی نے اس کی مصلحت کے لئے ایسا کیا ہو۔

مسئلہ: مطلقہ غیر مدخولہ عورت کی کوئی عدت نہیں ہوا کرتی بلکہ طلاق کے بعد فوراً اس کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

پابندی کرو نمازوں پر خصوصاً درمیانی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے لئے دعا مانگتے ہوئے

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا

پس اگر تمہیں ڈر ہو تو پس پیدل یا سوار ہوکر (جیسا ممکن ہو نماز پڑھو) پھر جب امن میں ہو جاؤ تو خدا کو

اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں تعلیم فرمائی اس چیز کی کہ جسے تم نہیں جانتے تھے

نمازِ وسطیٰ کی تاکید

شانِ نزول مجمع البیان میں زید بن ثابت سے مروی ہے کہ جناب رسولِ خدا ظہر کی نماز اوّل وقت میں ادا فرماتے تھے اور یہ نماز تمام باقی نمازوں سے صحابہ پر شاق و دشوار تھی چنانچہ اس نماز میں آپ کے پیچھے ایک یا دو صف نمازیوں کی ہوا کرتی تھی۔ پس آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ اس نماز میں شریک نہیں ہوتے ان کے گھر جلا دوں۔ پس یہ آیت اتری۔

وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى۔ اس سے مراد اکثر روایاتِ آئمہ میں نماز ظہر ہے اور شانِ نزول کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے اگرچہ روایت عامی ہے اور اس کو وُسطیٰ یعنی درمیانی اس لئے کہا گیا ہے کہ دن کے تقریباً درمیان میں واقع ہوتی ہے ایک روایت میں ہے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھلے ہوتے ہیں یہاں تک کہ نماز ظہر ادا کی جائے اور اس وقت دعا مستجاب ہوتی ہے بعض لوگ نمازِ عصر مراد لیتے ہیں کیونکہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان ہے بعض لوگ نماز مغرب مراد لیتے ہیں کیونکہ یہ دن اور رات کے درمیان میں واقع ہے اور بعض لوگ نماز عشا مراد لیتے ہیں کیونکہ قصر نہ ہونے والی دو نمازوں کے درمیان میں ہے اور بعض لوگ نماز صبح مراد لیتے میں کیونکہ رات اور دن کی دو دو نمازوں کے درمیان ہے کہ وہ دو دو ایک وقت میں ہیں اور یہ تنہا ایک وقت میں ہے اور یہ سفیدی اور سیاہی کے درمیان میں واقع ہے یہ تمام اقوال علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر میں نقل فرمائے اور ہر قول کی تائید میں قائلین نے جو حدیثیں پیش کی ہیں انہوں نے وہ بھی ذکر کی ہیں۔ لیکن تفسیر اہلبیت سے صرف پہلا قول ثابت ہے اور وہ یہ کہ نماز ظہر ہی نماز وسطیٰ ہے اور چونکہ آل محمدؐ ہی قرآن کے حقیقی مفسر ہیں لہذا ان کے فرمان کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول کی کوئی وقعت نہیں ہے چنانچہ ابو بصیر سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز وسطیٰ نماز ظہر ہے اور یہی نماز پہلے پہل حضرت رسالتمآبؐ پر اتری۔ اسی طرح تفسیر برہان میں متعدد روایات مذکور ہیں۔

نماز وسطیٰ کی تاویل

ہم نے کتاب کی جلد اوّل یعنی مقدمۂ تفسیر میں کئی عنوانات کے تحت میں اشارۃً وصراحتاً اس مطلب کو ظاہر کیا ہے کہ تمام اعمال کی اصل معرفت ہے اور معرفت کے بغیر اعمال شرفِ قبولیت کو نہیں پہنچ سکتے۔ چنانچہ مفضل بن عمر کی روایت کے آخری فقرات یہ ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا معرفتِ امام اصل ہے اور جملہ عبادات اس کی فرع ہیں یا یوں سمجھئے کہ معرفتِ امام باطن اور تمام عبادات اس کا ظاہر ہیں۔ پس فرع اور ظاہر کے بغیر اصل اور باطن سے تمسک پکڑنا سراسر غلط بلکہ شرک ہے اور دشمنِ نبیؐ و امامؑ تمام برائیوں کی اصل ہے اور تمام برائیاں اس کی فرع ہیں پس جو شخص اصل سے نفرت کرتا ہو اور برائیوں سے نفرت نہ کرے جو اس کی فروعات اور اس کی پیداوار ہیں۔ تو وہ جھوٹا ہے کیونکہ دشمنِ امام سے نفرت کرنا اصل اور باطن ہے اور تمام برائیوں سے نفرت کرنا اس کی فرع اور ظاہر ہے اور اصل کی پہچان فرع سے ہی ہوا کرتی ہے۔ ہاں یہ بات کہ معرفت حاصل کرلو اور جو جی چاہے کرو۔ درست ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی معرفت حاصل کر لینے کے بعد جتنی نیکی کرو مقبول ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اور بجز معرفت کے کوئی نیکی نیکی ہی نہیں۔ انتہیٰ۔

پس جب معلوم ہوا کہ معرفت ہر عبادت اور عملِ خیر کی روح ہے اور بغیر اس کے کوئی عبادت عبادت ہی نہیں خواہ وہ نماز ہو یا کوئی اور شے ہو تو اس بنا پر قرآن مجید میں جس قدر اعمالِ خیر کا ذکر ہے ان کا باطن اہلبیت اطہارؑ کی محبت قرار دینا بالکل درست ہے۔

چنانچہ مقدمہ تفسیر مراۃ الانوار میں بصائر الدرجات سے منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن کی دو تہائی ہمارے اور ہمارے شیعوں کے حق میں ہے پس جہاں بھی خیر کا ذکر ہے وہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے لئے ہے اور باقی تہائی میں دوسرے لوگ ہمارے ساتھ شریک ہیں اور جہاں بھی شر کا ذکر ہے وہ ہمارے دشمنوں کے لئے ہے۔

اور اسی کتاب میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ کیا قرآن بولتا بھی ہے؟ آپ نے سائل سے فرمایا کہ ہاں! نماز بھی بولتی ہے اس کی شکل وصورت بھی ہے وہ امر بھی کرتی ہے اور نہی بھی کرتی ہے سعد خفاف راوی حدیث کہتا ہے کہ یہ سنتے ہی میرا رنگ فق ہو گیا۔ پس میں نے عرض کی کہ آپ نے ایسی بات فرمائی ہے جس کا اظہار میں لوگوں میں نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ لوگ تو ہمارے شیعہ ہی ہیں پس جو شخص نماز کی معرفت نہیں رکھتا۔ وہ ہمارے حق کا منکر ہے پھر فرمایا۔ اے سعد! خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے:۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ (پ ۲۱) تحقیق نماز

نہی کرتی ہے فحشاء اور منکر سے اور اللہ کا ذکر اکبر ہے)

پس نہی کرنا کلام ہی ہے اور فحشاء و منکر سے مراد کئی لوگ ہیں اور ہم ذکر اللہ ہیں اور ہم اکبر ہیں۔ نیز اسی کتاب میں علل سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک مرتبہ صحن کعبہ سے گذر فرما رہے تھے کہ ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اس کی نماز کو اچھا پایا۔ پس فرمانے لگے۔ اسے شخص! کیا تو اپنی نماز کی تاویل کو جانتا ہے؟ اس نے عرض کی۔ اسے سید کائنات کے برادر! کیا عبادت گذاری کے علاوہ نماز کی کوئی دوسری تاویل بھی ہے؟ آپ نے فرمایا! اسے شخص! ہاں۔ تحقیق اللہ تبارک و تعالےٰ نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث نہیں فرمایا! ساتھ کسی ایسے امر کے جس کی شبیہ اور تاویل اور تنزیل نہ ہو اور یہ سب کچھ اطاعت کے ماتحت ہے پس جو شخص اپنی نماز کی تاویل کو نہیں سمجھتا تو اس کی نماز ناقص اور نامکمل ہے (صاحب مقدمہ اس کی توجیہہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تاویل سے مراد باطن اور تنزیل سے مراد ظاہر ہے۔)

مقصد یہ ہے کہ جناب رسالتمآب جس قدر اوامر ظاہریہ لائے ہیں ان کی شبیہ اور مثال ضرور ہے جو باطن کے لحاظ سے مامور اور واجب العمل ہے اور ان ہر دو پر ایمان لانا ضروری ہے پس جو شخص نماز کے باطن کو نہ پہچانتا ہو جس سے مراد امام اور اس کی اطاعت ہے تو اس کی نماز ظاہریہ ناقص ہے۔

باقی تمام عبادات بدنیہ میں سے نماز افضل عبادت ہے اور اس اہم عبادت کو محمدؐ و آل محمدؐ کے علاوہ کسی نے بھی کامل طریق پر ادا نہیں کیا۔ کیونکہ نماز ان کی جان تھی اور یہ نماز کی جان تھے۔ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نافلہ کا ادا کرنا انہی کا کام تھا۔ نماز میں مشغول ہو کر اس قدر محو ہو جانا کہ لوگ سمجھیں دنیا سے گذر گئے گویا نماز اور یہ کالب و جان تھے اور ان کے خد و خال ان کے رنگ ڈھنگ۔ ان کے گفتار و کردار اور ان کی رگ و پے میں نماز کے آثار ظاہر و ہویدا تھے ان کے جسم کا بال بال، خون کا قطرہ قطرہ، بدن کی رگ رگ نماز و جملہ عبادات الٰہیہ کا مجسمہ تھا۔ ابتدائے دنیا میں تشریف لائے تو گود مادر میں مقام نہ کیا جب تک پہلے سربسجود نہ ہوئے اور جب دنیا کو آخری الوداع کہا تو نماز کے لباس میں۔ پس اس کمال قرب کی وجہ سے گویا یہ نماز کا وجود تھے اور نماز ان کا وجود تھی۔

نیز نماز بلکہ جملہ عبادات کی مقبولیت کے لئے ان کی ولاء و محبت شرط ہے اور اس کے بغیر اعمال کی مقبولیت مشکل بلکہ محال ہے کیونکہ انہی کی ولاء درحقیقت نماز کا درس دیتی ہے اور نماز کا طریقہ سکھاتی ہے اس مطلب کو میں نے جلد اول میں ایک مستقل عنوان کے ماتحت قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے پس انہی وجوہات کی بناء پر باطن قرآن میں نماز سے مراد یہی ہیں۔

مقدمہ تفسیر میں باب الصاد میں بعض کتب امامیہ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے راوی حدیث داؤد بن کثیر سے فرمایا! اسے داؤد! اللہ کی کتاب میں نماز ہم ہیں، زکوٰۃ ہم ہیں، روزہ ہم ہیں، حج ہم

ہیں۔ شہر حرام ہم ہیں۔ بلد الحرام ہم ہیں۔ کعبۃ اللہ ہم ہیں۔ قبلۃ اللہ ہم ہیں اور وجہ اللہ ہم ہیں۔ الخبر۔

نیز حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ کی تاویل میں منقول ہے کہ صبر سے مراد جناب رسالتمآبؐ ہیں اور صلوٰۃ (نماز) سے مراد میری ولایت کا قائم کرنا ہے اسی بناء پر تو خدا نے نماز کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ بھاری ہے اور اس کی طاقت صرف خشوع کرنے والوں کو ہوگی اور خاشعین ہمارے شیعہ ہی ہیں اور صبر کو بھاری نہیں کہا گیا (کیونکہ رسالت کا قائل تو ہر مسلمان ہے)

بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ کی تاویل یہ ہے کہ علیؑ کی ولاء کا ابھی اعلانیہ بیان نہ کرو۔ یہانتک کہ میرا حکم آئے اور لَا تُخَافِتْ بِهَا کی تاویل یہ ہے کہ اس کو بالکل چھپاؤ نہیں بلکہ علیؑ کو اس کی خبر دے دو۔

نیز امام علیہ السلام سے آیت زیر بحث کی تاویل یوں منقول ہے کہ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ میں صلوات سے مراد حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت امیر المومنینؑ اور حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ علیہم السلام ہیں اور نماز وسطیٰ سے مراد صرف حضرت امیر المومنینؑ ہیں اور قَانِتِیْنَ سے مراد ہے آئمہ کی اطاعت کرنے والے مقصد باطنی طور پر یہ ہوا کہ محمدؐ و آل محمدؐ کی ولاء اور محبت کو اپنے پاس محفوظ رکھو۔ خصوصاً ولائے علیؑ اور اللہ کے سامنے ان کی اطاعت کرتے ہوئے اور ان کے نقش قدم پر گامزن ہوتے ہوئے پیش ہوا کرو۔

اقول حضرت علیؑ کے متعلق زیادہ تاکید کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ مسلمانوں میں اختلاف اسی بزرگوار کی وجہ سے پیدا ہونا تھا اس لئے خدا نے اس کو خصوصیت سے بیان فرمایا۔ ورنہ ان سب کی محبت و ولاء ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے۔

نیز امام جعفر صادق علیہ السلام سے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ جہنمیوں کا جواب کہ ہم نمازی نہیں تھے۔ کی تاویل میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ کہیں گے چونکہ ہم آئمہ کی اطاعت نہیں کرتے تھے اس لئے جہنم میں ڈال دیئے گئے ہیں۔

پس ان تمام احادیث کے نقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آئمہ طاہرینؑ عبادات ظاہریہ کا باطن ہیں۔ اور نماز وسطیٰ جس کی تاکید کی گئی ہے ظاہر میں گو نماز ظہر ہے لیکن باطن کے لحاظ سے ولائے امیر المومنین مراد ہے اور اسی پر چونکہ تمام نمازوں کی مقبولیت کا دارومدار ہے لہذا اس کو خصوصی تاکید کے ساتھ ذکر فرمایا۔ لیکن ابتداً میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرمان سے نقل کیا ہے کہ صرف ولائے اہلبیتؑ کا دعوےٰ کرکے عبادات ظاہریہ سے منہ پھیرنا ناجائز ہے ولاء اہلبیتؑ اصل ہے اور عبادات اس کی فرع ہیں اور اصل بغیر فرع کے نہیں ہوتی اور ظاہر و باطن ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اور اس مطلب کی مزید تفصیل کتاب کی جلد اوّل میں "قرآن" کے

ظاہر و باطن کے عنوان میں اور تاویل قرآن اور عباداتِ ظاہریہ کے عنوان میں موجود ہے ملاحظہ فرمائیے۔

دعائے قنوت کا بیان

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابو رجاء العطاردی سے مروی ہے کہ ہمیں ابن عباس نے مسجدِ بصرہ میں صبح کی نماز پڑھائی اس میں رکوع سے پہلے قنوت بھی پڑھا اور رفع یدین بھی کیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے کہ یہی وہ نماز وسطیٰ ہے جس میں قنوت پڑھنے کا حکم ہے نیز تفسیر ثعلبی سے بروایت انس بن مالک نقل کیا گیا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ ہمیشہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے یہانتک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے اور قَانِتِيْنَ کا معنی ابن عباس سے یہی منقول ہے یعنی نماز میں بحالتِ قیام دعا مانگنا۔

صحیح بخاری جلد ۱ سے منقول ہے کہ راوئ حدیث کہتا ہے۔ میں نے انس بن مالک سے قنوت کے متعلق دریافت کیا۔ تو انس نے جواب دیا کہ قنوت پڑھا جایا کرتا تھا" میں نے پھر پوچھا۔ کہ رکوع سے پہلے یا پیچھے۔ تو اس نے جواب دیا کہ پہلے۔ میں نے کہا۔ کہ مجھے کسی آدمی نے تیرے متعلق بتایا ہے۔ کہ تو رکوع کے بعد قنوت کہتا ہے۔ انس نے کہا جس نے یہ کہا ہے۔ وہ جھوٹا ہے کیونکہ جناب رسالتمآبؐ نے رکوع کے بعد صرف ایک ماہ قنوت پڑھا ہے۔ یعنی اس کے علاوہ وہ ہمیشہ رکوع سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔

قرآن مجید کے اس فرمان پر مذہب شیعہ ہی پورے طور پر عامل ہے اور اہلبیتؑ طاہرین علیہم السّلام سے قنوت کے متعلق روایات تواتر سے منقول ہیں۔ حتےٰ کہ فروع کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص قنوت کو بے توجہی کرتے ہوئے چھوڑ دے تو اس کی نماز نماز نہیں۔

وفیہ:۔ بروایت زرارہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جس شخص کو دعائے قنوت نماز میں بھول جائے اور گھر جاتے ہوئے راستہ میں یاد آ جائے تو وہیں قبلہ رُخ کھڑے ہو کر پڑھ لے"۔ پھر فرمایا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ کوئی شخص سنّت رسولؐ سے بے توجہی برتے یا اس کو چھوڑ دے۔

وفیہ:۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ قنوت میں [illegible] دعا کا پڑھنا کافی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَعَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ نیز آپ نے ایک اور روایت میں فرمایا کہ قنوت ہر نماز کے لئے ہے خواہ فرض ہو خواہ نافلہ ہو۔

وفیہ:۔ امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ قنوت ہر نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے پہلے ہے۔

مسئلہ:۔ نماز جمعہ میں دو قنوت مستحب ہیں ایک پہلی رکعت میں رکوع سے پہلے اور دوسرا دوسری رکعت

میں رکوع کے بعد۔

مسئلہ:۔ نماز وتر ایک رکعت ہوتی ہے لہٰذا اس میں قنوت قبل رکوع پڑھا جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ نماز عیدین میں نو نو قنوت ہوا کرتے ہیں۔ پہلی رکعت میں پانچ اور دوسری رکعت میں چار۔

(احادیث کو اختصار کے پیش نظر ترک کر دیا ہے)

نمازِ خوف کا بیان

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا۔ کافی باب صلوٰۃ خوف۔ عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق سوال کیا۔ کہ نماز کس طرح پڑھے۔ اور کیا پڑھے۔ درحالیکہ چور یا درندہ کا خطرہ ہو۔ آپ نے فرمایا۔ تکبیر الاحرام کہے اور پھر اشارہ سے پڑھتا جائے نیز بروایت ابو بصیر آپ نے فرمایا کہ اگر تم خوفناک زمین میں ہو اور چور یا درندہ کا ڈر ہو تو ایسی حالت میں سواری کے اُوپر نماز پڑھ لیا کرو۔

نیز بروایت علی بن جعفر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے۔ راوی نے سوال کیا۔ ایک شخص کے سامنے درندہ آجائے اور نماز کا وقت ہو اور درندہ کے ڈر سے کہیں جا نہ سکتا ہو اگر نماز پڑھتا ہے تو رکوع و سجود میں درندہ کے حملہ کا خطرہ ہے اور درندہ بھی قبلہ کے خلاف جانب میں ہے اگر قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے تو درندہ سے ڈرتا ہے پس وہ شخص ان حالات میں کیا کرے؟

آپ نے فرمایا۔ کہ وہ درندہ کی طرف متوجہ رہے اور نماز شروع کر دے اور قیام کی حالت میں ہی ساری نماز پڑھے۔ رکوع و سجود کے لئے اشارہ کرتا رہے۔

پس قرآن مجید کے اس فرمان کا مطلب معلوم ہو گیا۔ کہ فرماتا ہے کہ اگر تم کو ڈر ہو تو پیدل یا سوار جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لیا کرو۔"

خداوند کریم نے احکام شرعیہ میں انسان کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں رکھا۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتا ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ (تحقیق خدا تمہاری آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہاری تنگی نہیں چاہتا)

پس اگر امن کی حالت ہو تو باقاعدہ پورے خشوع و خضوع سے عبادت کو تمام شرائط کے ساتھ بجا لانا ضروری ہے

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً

اور وہ لوگ جو تم میں سے مرجائیں اور چھوڑ جائیں بیویاں وہ وصیت کر جائیں اپنی بیویوں

لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا

کے لئے فائدہ (نان ونفقہ ومکان) کی سال تک کے لئے کہ گھر سے نکال نہ دی جائیں۔ پس اگر خود چلی جائیں

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ

تو تمہیں کوئی گناہ نہیں کہ وہ جو کچھ کریں اپنے نفسوں کے لئے اچھے طریقہ سے اور اللہ تعالیٰ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى

غالب حکمت والا ہے اور طلاق شدہ عورتوں کے لئے فائدہ پہنچانا ساتھ نیکی کے (اچھے طریقے سے) واجب

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۱۵

ہے متقی لوگوں پر اسی طرح واضح فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کو تاکہ تم سمجھو

جیسا کہ خود فرما رہا ہے فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ۔ الخ۔ کہ جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ۔ تو خدا کو اُسی طرح یاد کرو جس طرح اُس نے تمہیں تعلیم دی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو جس قدر ممکن ہو اور جیسے ممکن ہو اپنے فرائض کو ادا کرو۔

طلاق شدہ عورتوں کے بعض احکام

وَصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ۔ یہاں فعل محذوف مانا گیا ہے جو وَصِيَّةً کا ناصب ہے یعنی فَلْيُوْصُوْا وَصِيَّةً۔

تفسیر برہان میں تفسیر عیاشی سے بروایت معاویہ بن عمار مرسلاً مروی ہے کہ یہ آیت چار ماہ اور دس روز کی عدت بتلانے والی آیت سے منسوخ ہے اور نیز آیت میراث بھی اس کی ناسخ ہے۔

اور مجمع البیان میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلے یہ دستور تھا کہ جب ایک شخص مرجاتا تھا تو اس کی بیوہ پر ایک سال تک اسی متوفی کے مال سے خرچ کیا جاتا تھا اور پھر میراث دیئے بغیر اس کو گھر سے نکال دیا جاتا تھا پس اس حکم کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ کی میراث والی آیت نے منسوخ کر دیا۔ پس اب عورت کا خرچ اپنے

حصہ میراث سے ہوگا۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ الخ۔ طلاق شدہ عورت کے حقوق کی تفصیل گذر چکی ہے۔ متعہ (فائدہ پہنچانا) صرف اس مطلقہ کے لئے واجب ہے جو غیر مدخولہ ہو۔ اور اس کا مہر مقرر نہ ہو ورنہ غیر مدخولہ جس کا مہر مقرر ہو اس کو طلاق کے بعد نصف مہر دیا جائے گا۔ اور مدخولہ مطلقہ کو اگر مہر مقرر ہو تو سالم مہر ورنہ مہر مثل دیا جائے گا۔ یعنی مطلقہ کی ان تینوں قسموں کے لئے مذہب امامیہ میں متعہ نہیں ہے۔

بِالْمَعْرُوْفِ ط۔

خداوند حکیم نے ان احکام میں معروف کے لفظ کو بار بار دہرایا ہے اور انہی آیات میں اسی لفظ کا بارہ دفعہ تکرار کیا ہے۔ اس سے مقصود نکاح۔ طلاق اور ان سے متعلقہ جملہ احکام کی اہمیت کو واضح کرنا ہے اور ازدواجی زندگی کو خوشگوار بناتے ہوئے ہر پہلو میں خوش اسلوبی کے برتاؤ کی تاکید ہے اور معروف کی لفظ مقتضائے عقل، حکم شرع اخلاقی فرائض اور بلند کرداری ہر ایک کی رعایت کو شامل ہے۔

نسوانی زندگی پر اسلام کا احسان

عورت کی حیثیت متمدن اور غیر متمدن اقوام میں ہمیشہ جداگانہ رہی ہے لیکن مجموعی طور پر اسے انسانی زندگی کے حقوق سے محروم ہی رکھا گیا ہے۔ بعض ملکوں میں عورت کی حیثیت عام پالتو حیوان کی سی تھی۔ مرد کو کلی اختیار تھا کہ اس کو فروخت کرے یا عاریۃً کسی کو دے دے۔ اسی طرح اس کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے لئے حیوانات کا سا سلوک ہوتا تھا اور ساتھ ساتھ گھر کے تمام کاروبار کا بوجھ اسی کے سر پر رہتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض مقامات پر حسب ضرورت اس کو ذبح کر کے کھا لینا بھی معیوب نہ تھا بلکہ مرسوم تھا۔

اور بعض ملکوں میں شوہر کی موت عورت کے لئے بدترین طریقہ پر پیغام اجل تھی کیونکہ یا تو اُسے نذرِ آتش یا زندہ درگور کیا جاتا تھا اور یا پھر انتہائی بدحالی، کس مپرسی اور ذلت شعاری کی زندگی کے لمحات گذارنے اس کو نصیب ہوتے تھے۔ عورت کے ساتھ کھانا مرد اپنی توہین سمجھتے تھے۔ عرب لوگ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے اور جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا بھی ہو جاتی تو شرمساری سے اس کا سر جھک جاتا اور منہ سیاہ ہو جاتا۔ ہاں لڑکوں کی پیدائش پر بڑی خوشی محسوس کرتے اور ان کی کثرت پر ناز کیا کرتے تھے خواہ حلال طریقے سے پیدا ہوئے ہوں یا حرام طریقے سے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کرتا تھا کہ ایک لڑکے کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے متعدد لوگ دعویدار ہو جایا کرتے تھے اور آخر کار قرعہ اندازی سے فیصلہ ہوا کرتا اور جس کو لڑکا مل جاتا اس کے

گھر خوشی ہوتی اور اس کو تہنیتی پیغامات پہنچتے تھے۔

لڑکی کو زندہ درگور کرنے کی ابتداء بنی تمیم نے کی تھی۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ نعمان بن منذر بادشاہ عرب کے ساتھ ایک مرتبہ ان کی ٹکّر ہوئی جس میں ان کی شکست ہوئی اور نعمان بن منذر نے ان کی بہت سی لڑکیوں کو اپنی اسیری و کنیزی میں لے لیا جس کا انہیں بڑا درد ہوا۔ پس اس کے ردّ عمل میں انہوں نے اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا اور رفتہ رفتہ ان کی اس بدرسم نے روئی کی آگ بن کر عرب کے دیگر قبائل کو بھی اپنی لپیٹ لے لیا۔

غرضیکہ اسلام سے قبل عورت کی زندگی عمومی طور پر حیواناتی زندگی تھی۔ اسلام جو ایک فطری دین ہے۔ اس نے عورت کے حقوق کی پامالی پر مبصرانہ تنقید کرتے ہوئے انسان کو عدل و انصاف کی دعوت دی اور صنفِ نازک کے حقوق پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے انسانی زندگی میں مردوں کے دوش بدوش کھڑا کیا اور فطرت کے اصولوں پہ مرد و عورت ہر دو کو انسانیت کی تعمیر و تخریب میں برابر کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ پس ابتدائے عالم سے آج تک کی تمام غلط رسوم اور انصاف کش نظریات پر قلم تنسیخ پھیر دیا اور صنفِ نسواں کو حیوانیت کے تاریک و نحس دور سے نکال کر انہیں انسانیت کی پاک اور روشن فضا میں رہنے کو جگہ دی۔ نیز مردوں کو ان کی اہمیت کی طرف متوجہ کر کے انہیں ان کا برابر طور پر شریکِ زندگی قرار دیا۔

پیدائشی مساوات

قرآن نے صاف طور پر اور کھلے لفظوں میں اعلان فرمایا کہ ہم نے تم کو نر و مادہ سے پیدا کیا ہے۔ یعنی مرد و عورت عالمِ وجود میں انسانی مشینری کے دو اہم پرزے ہیں اور جس مادہ و عنصر سے مرد کی تخلیق ہوئی ہے، عورت کی پیدائش بھی اسی سے ہے لہٰذا پیدائشی حق میں عورت مرد کے ساتھ برابر کی حصہ دار ہے۔

عبادت میں مساوات

قرآن نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ خدا عورت یا مرد میں سے کسی کے اعمال کو ضائع نہیں کرتا اور نیز ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ کے نزدیک مکرّم وہ ہے جو اس سے زیادہ تقویٰ کرے۔ پس خدا نے اپنے قرب کا معیار تقویٰ کو قرار دے کر عورت و مرد کو برابر طور پر اس کی طرف دعوت دی۔ بنابریں منازلِ عرفان و ایقان اور مراتبِ اعمال و افعال میں آگے بڑھنے کے لئے عورت کو مرد کے دوش بدوش چلنے کا حکم دیا۔ پس وہ عورت جو ایمان میں راسخ، عمل میں کامل، علم و دانش میں سابق اور حسنِ اخلاق میں بلند ہو وہ اسلامی نقطہ نظر سے ان مردوں سے افضل و ارفع ہے جو ان صفات سے تہی دامن ہوں۔

پس جس طرح مرد ترقی کر سکتا ہے اسی طرح عورت کے لئے بھی یہ راہیں مسدود نہیں۔ جنّت کی بشارت میں مرد و عورت دونوں کو یکساں خطاب ہے اور جہنّم کی عقوبت بصورتِ نافرمانی مرد و عورت دونوں کے لئے برابر ہے اور قرآن نے عربوں کی اس رسم کی بھی پُر زور مذمّت فرمائی۔ جس کے ماتحت وہ معصوم لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے تھے

بہر کیف اللہ کے نزدیک اطاعت گذار کی قدر و منزلت ہے خواہ مرد ہو یا عورت اور اس کی بارگاہ قرب اور ساحت عزو شرف سے دُور بلکہ اس کے قہر و غضب کا مورد وہ ہے جو نافرمانی کرے خواہ مرد ہو یا عورت ہو۔

مسلمانوں میں اپنی سابقہ جاہلی رسوم میں سے بعض رسمیں تاحال موجود ہیں۔ مثلاً خداوندکریم کے نزدیک زناکاری گناہ کبیرہ ہے اور اس جُرم کے مرتکب کے لئے سنگساری کی سزا ہے اور عورت و مرد دونوں اس سزا میں شریک ہیں۔ لیکن رسم جاہلی کے ماتحت زنا میں صرف عورت کو مجرم سمجھا جاتا ہے اور مرد کو کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہوتا۔ عورت کی زناکاری خاندان کے لئے شرمساری کی موجب سمجھی جاتی ہے اور بخلاف اس کے مرد کی زناکاری پر پورے خاندان میں اگر افتخار کا اظہار نہ بھی ہوتا تاہم شرمساری کا تو نام و نشان ہی نہیں ہوتا۔ اور یہ عرب کی جاہلی رسم کا ایک شرمناک مظاہرہ ہے۔

تمدنی مساوات

قرآن نے انسانی تمدن میں عورت کو مرد کے ساتھ برابر کا حصہ دار قرار دیا ہے۔ خورد و نوش اور تمام لوازم زندگی میں جس طرح مرد کمانے کا حق رکھتا ہے اسی طرح عورت بھی حقدار ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ مردوں کے لئے اپنا کمایا اور عورتوں کیلئے اپنا کمایا۔ مرد اگر عورت کا وارث ہے تو عورت بھی مرد کی وارث ہے۔ ہاں ایک طرف اگر وراثت میں مرد کو عورت سے دگنا دیا جاتا ہے تو دوسری طرف مصارف زندگی میں عورت پر اخراجات کی ذمہ داری کا کوئی بوجھ نہیں رکھا جاتا۔

پس قرآن نے احکام عبادات و شرائع میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ برابر کا شریک کیا ہے۔ سوائے بعض خصوصی موارد کے جن سے عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جن کا تعلق ان کی صنفی کمزوری و معذوری سے ہے۔ اور اسی طرح صنفی موزونیت کے ماتحت بعض احکام عورتوں سے ہی اختصاص رکھتے ہیں اور ان سے مرد مستثنیٰ ہیں۔ بالجملہ خداوندکریم نے ہر لحاظ سے عورت کو حیوانیت کی پست زندگی سے نجات دے کر اسلام کے ذریعہ سے اس کو انسانیت کی بلند سطح پر قرآن کی روشنی میں قدم آگے بڑھانے کی اجازت دی ہے اور اس کی صنفی اور وضعی بعض کمزوریوں کے پیش نظر اس کو بعض ایسے امور میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے جو اس کی وضع کے منافی ہیں جس طرح جنگ و جہاد اور حکومت و قضا وغیرہ اور بعض امور کی پابندی اس پر خصوصیت سے عائد کر دی ہے جو اس کی صنفی وضع کے لئے انتہائی طور پر موزوں و مناسب ہیں۔ مثلاً پردہ داری، اطاعت شوہر اور تربیت اولاد وغیرہ

مسئلہ مساوات کی مزید توضیح

حقوق میں عورت و مرد کی مساوات کا یہ مطلب نہیں کہ ہر معاملہ میں عورت مرد کے برابر قرار دی جائے۔ مثال کے طور پر بچہ، بوڑھا اور جوان سب کی حیثیت یکساں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسانی فرائض کی بجا آوری میں بچہ جوان اور بوڑھا سب کی حیثیت

یکساں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جسمانی ساخت اور مناسب قوتِ برداشت کو ملحوظ رکھ کر ہر ایک کو تمدن میں حصّہ دیا جائے یعنی حِصّہ بقدر جُثّہ ۔ اسی طرح فطری احساسات اور جبلّی رجحانات کے موزون و مناسب تقاضے عورت اور مرد کو تمدنی زندگی میں تقسیم کار پر مجبور کرتے ہیں ۔ پس عورت فطری طور پر اپنی مناسب شان سے جس گوشۂ زندگی میں رہنے کی حقدار ہے اُسے اس حد سے پیچھے ہٹانا تفریط اور آگے بڑھانا افراط ہے اور مرد قدرتی طور پر اپنی موزون اقدار کے ماتحت زندگی کے جس میدان میں قدم رکھنے کا سزاوار ہے اس کا اس حد سے پیچھے رہنا فرض ناشناسی اور کوتاہ اندیشی ہے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرنا حدود سے تجاوز اور اقدارِ الٰہیہ سے کھلی ہوئی بغاوت ہے ۔

○ مرد کی ساخت خشونت آمیز ہے اور اس کے مقابلہ میں عورت کی وضع لطافت و نزاکت کا مرقع ہے ۔

○ مرد قوّت و توانائی کا مظہر ہے اور بخلاف اس کے عورت کمزوری و ناتوانائی کا مجسمہ ہے ۔

○ مرد میں چُستی و ہوشیاری اس کی نوعی خصوصیت ہے اور عورت میں سستی اور تساہل شعاری اس کی صنفی اقتضاء ہے

○ مرد کو دل و گردہ مضبوط دیا گیا ہے جو مصائب و آلام میں کوہِ گراں کی طرح جم کر گردشِ دہر کے طوفانی بگولوں کو سر سے گذار سکتا ہے اور انتہائی کڑی اور سنگین منزلوں میں پوری دل جمعی سے حوادثِ زمانہ کا ثباتِ قدم کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہے لیکن عورت کے قلب و جگر میں یہ تاب کہاں ؟ وہ تو معمولی سے معمولی گھریلو معاملات کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانا تو درکنار اُلٹا ان کے الجھاؤ کا موجب بنتی ہے اور تارِ عنکبوت کی طرح انہیں اپنی گردن کا پھندا بنا کر اپنی زندگی بھر کے لمحات کو نیم مُردنی حالت میں تبدیل کر لیتی ہے اور ایک ادنیٰ ترین مصیبت کی چوٹ اس کے جگر کو پاش پاش کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے اگر اس کے دل کا غبار اور جگر کا دھواں سحابِ غم بن کر آنکھوں سے برس نہ پڑتا تو ذرہ سی مصیبت اس کے لئے جان لیوا ہو جاتی ۔ اور ہر مصیبت و تکلیف ناقابل برداشت ہو کر اس کے حرکتِ قلب کے بند ہو جانے کا بہانہ بن جاتی ۔

○ مزاج کے لحاظ سے مرد میں قوّتِ مفکرہ اس کو بلند کرداری کی دعوت دیتی ہے ۔ لہٰذا وہ اصلاح و تسخیرِ عالم میں اپنی قوتوں کو صرف کر کے عالم میں نمایاں مقام حاصل کرنے کے درپے ہوتا ہے لیکن عورت کی قوتِ مفکرہ کا محیطِ نظر اور اس کی سوچ بچار کی آخری منزل جسمانی نمائش ظاہری حسن، سحر آفرین وضع قطع اور جاذبِ نظر شکل و صورت تک محدود ہوا کرتی ہے جس کا پس منظر صرف تسخیرِ قلوب اور عمومی نتیجہ تعمیرِ قصرِ محبت و شہوت اور تخریبِ منزلِ معرفت و مروّت ہوتا ہے ۔ بالجملہ مرد کا نتیجۂ فکر ہے دین یا دنیا میں سرفرازی یا نام و نمود میں سربلندی اور عورت کا نتیجۂ فکر ہے ۔ محبت بازی اور فریب نگاہی ۔ پس اس کے لئے سر پہ آرائی زیبا اور اس کے لئے حسن آرائی موزوں تر ہے ۔

نیز مرد میں خود اعتمادی، خود داری اور احساسِ برتری کا جوہر اس کا فطری نشان ہے لیکن بخلاف اس کے

عورت ان صفات سے یکسر محروم ہے - بلکہ عورت کی صنفی پوزیشن ان صفات سے منافی اور متصادم ہے -

اس قسم کے بے حد و حساب فطری امتیازات موجود ہیں جو مطالعہ قدرت سے زن و مرد کے باہمی تفاوت کی نشاندہی کرتے ہیں - اگر صفاتِ نفس میں آپ غور فرمائیں گے تو بعض صفات جو مردوں میں موجب کمال ہیں وہ عورتوں میں نقص شمار ہوتے ہیں اور اس کے برعکس بعض صفات جو مردوں میں باعثِ نقص ہیں وہ عورتوں میں موجب کمال شمار ہوتے ہیں - کیونکہ فطری طور پر عورت و مرد میں کمال کا معیار الگ الگ ہے - ہاں بعض مردوں میں اُن کے شایانِ شان صفات کا فقدان اور نامناسب رجحانات کا وجود یا بعض عورتوں میں مردوں کی سی بعض صفاتِ کمال کا ظہور ان کے باہمی صنفی تفاوت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا لہذا نوعِ انسانی کے فلاح و بہبود کے لئے وضع شدہ قواعد کلیہ اور ضوابطِ عامہ اس قسم کے جزوی اور شاذ و نادر افراد کی خاطر نہ نظر انداز کئے جا سکتے ہیں اور نہ قابلِ تخصیص یا ترمیم ہو سکتے ہیں - مسئلہ مساوات کی مکمل وضاحت ہماری کتاب "اسلامی سیاست" میں ملاحظہ فرمادیں -

بنا بریں نوعِ انسانی کی نشوونما اور بقاء ارتقار کے لئے جب زن و مرد کا باہمی اختلاط صانعِ فطرت کے حکیمانہ تدبّر نے ضروری قرار دیا - جس کا قرآن مجید نے بطور ارشاد کے اعلان فرمایا ہے تو تمدنی اور معاشرتی اصول کے ماتحت حاکم و محکوم کے تعین اور افسر و ماتحت کے فرق کا اپنی فطری اقدار کے ماتحت بطور ضابطہ کے قرآن کی زبان سے کھلے لفظوں میں اعلان فرما دیا کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (مرد عورتوں پر حاکم ہیں) اس میں نہ عورت کی حق تلفی ہے اور نہ مرد کی پاسداری - بلکہ یہ فطری اور مناسب تقسیم کار میں ایک اصولی اور برمحل انتخاب ہے اور اعلان خالق صرف ارشاد کے طور پر ہے ورنہ عقل سلیم خود عورت کو اس کی فطری پوزیشن کے ماتحت مرد پر حاکمانہ تسلط عطا کرنا انسانیت کی توہین بلکہ موت سمجھتی ہے -

سلسلۂ نکاح

اسلام نے عورت و مرد کی باہمی آمیزش اور قلبی آویزش کو منظم و مرتب کرنے کے لئے حدبندی کے طور پر سلسلۂ نکاح کا اجراء فرمایا اور اس کے لئے ضروری حدود معین کر دیں تاکہ افراط و تفریط کی راہیں مسدود ہو جائیں - نکاح کی پابندی میں متعدد خوبیوں کو مدنظر رکھا گیا ہے جن کا کماحقہٗ احصا اور اس کی مصالح کا واقعی استقصاء فہم بشر سے بالاتر ہے چونکہ انسان کو عالم موجودات میں دستارِ کرامت کا حامل قرار دیا گیا ہے لہذا اس کے عنصری و مادی وجود کو جوہر عقل سے نوازا گیا جو اس ظلمانی ڈھانچے میں علم و معرفت کا روشن چراغ اور نورانی قندیل ہے اگر موجوداتِ عالم کے عام نر و مادہ کے آوارہ جنسی تعلقات کو انسان کے لئے جائز قرار دیا جاتا - تو انسان کا طرۂ امتیاز خاک میں مل کر رہ جاتا - نیز عقل کا وجود کالعدم ہوتا اور لوحِ انسانیت انسان کے امتیازی نقوش سے خالی رہ جاتی -

جملہ حیوانات، انسانوں کی طرح جسم و روح کا مجموعہ ہیں - ان میں ارادہ - شوق - غضب شہوت وغیرہ قوتیں

موجود ہیں وہ حواس ظاہریہ اور حواس باطنیہ کے بھی حامل ہیں۔ البتہ صرف جوہر عقل سے وہ محروم ہیں ان میں باہمی جنسی تعلق کا سلسلہ ہے لیکن حواسِ ظاہریہ و باطنیہ کی موجودگی کے باوجود اُن میں جنسی تعلقات کی تنظیم کا شعور نہیں وہ محرم و نامحرم کے احساس سے خالی ہیں۔ ماں، بہن، بہو، بیٹی کی تمیز وہ نہیں کر سکتے۔ نسلی امتیاز ان کی فہم سے بالاتر ہے۔ اسی طرح وہ اپنی و بیگانی جائز و ناجائز کا فرق نہیں کر سکتے۔ وہ اعتدال و بے اعتدالی کے مفہوم سے ناآشنا ہیں۔ ان میں حیا و بے حیائی، شرم و بے شرمی، مروّت و بے مروّتی، عزّت و بے عزّتی، شرافت و کمینگی، حلال و حرام اور نکاح و زنا کی کوئی تمیز نہیں، لہٰذا ان کی اولاد نہ حلال زادہ ہے نہ حرام زادہ، کیونکہ حلال زادے اور حرام زادے کا فرق تو اس جگہ ہے جہاں حلال و حرام میں فرق بھی ہو۔ لیکن جہاں حلال و حرام میں کوئی امتیاز تک نہ ہو وہاں حلال زادہ یا حرام زادہ کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا۔ اور یہ سب اس لئے ہے کہ ان کے پاس عقل موجود نہیں۔ پس اگر انسان جوہر عقل کی موجودگی میں ان مذکورہ بالا معانی کو سمجھنے کے باوجود ان کے وجود و عدم اور اثبات و نفی میں عملی فرق نہ کرے یعنی حلال و حرام، عزّت و بے عزّتی شرافت و کمینگی، محرم و نامحرم، اپنی و بیگانی، اور نکاح و زنا کو سمجھنے کے بعد بھی عملی طور پر حیوانات کی طرح بے تمیزی کا رہنا سہنا برداشت کرلے۔ تو انسان کا وجود صحیفۂ عالم میں کلنک کا ٹیکہ ہوگا جو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کے قابل ہوجائے گا۔ پس انسان کا فطری شعور اور طبعی احساس اس کو مجبور کرتا ہے کہ اپنے امتیازی نشان کو برقرار رکھتے ہوئے سلسلۂ تولید کو منظم و مرتب طریق سے جاری کرے۔ تاکہ نسلِ انسانی کا سلسلہ آوارگی سے محفوظ رہ سکے اور حلال زادہ و حرام زادہ میں فرق ہوجائے اور فطری تقاضوں کو پُورا کرنے والا انسان بھی وہی ہے جو قیودِ نکاح کے اندر رہ کر نسلِ انسانی کو حلال طریق سے آگے بڑھائے ورنہ اس میں اور حیوان میں صرف برائے نام ہی فرق ہوگا اور اس کا اپنے تئیں اشرف المخلوقات کہنا صرف لقلقۂ لسانی اور دعوائے زبانی ہوگا۔ ورنہ درحقیقت وہ اللہ کے نزدیک حیوانات سے بھی بدتر ہوگا کیونکہ حیوان بے چارے تو دولتِ عقل سے محرومی کی بدولت حلال و حرام کی تمیز سے ناآشنا ہیں لہٰذا وہ قابلِ مواخذہ نہیں۔ لیکن اگر انسان تمیز رکھنے کے بعد بھی بدتمیزی کا مرتکب ہو تو ظاہر ہے کہ وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہوگا۔ پس موجوداتِ عالم میں انسان کے لئے پہلا امتیازی نشان ہے سلسلۂ تولید و تناسل کی تنظیم اور زن و مرد کے جنسی تعلقات کا انضباط جس کو زبانِ شرع میں نکاح کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

تعدّدِ نکاح

چونکہ فطری طور پر مرد و عورت میں سے ہر ایک اپنی اولاد میں برابر کا شریک ہے جس طرح وہ اولاد مرد کی ہے اسی طرح عورت کی بھی ہے لیکن مرد کی فطری حاکمانہ پوزیشن اور عورت کی فطری محکومانہ زندگی کا اقتضاء یہ ہے کہ جس طرح جملہ معاملات میں ملکیتی پہلو مرد کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے مثلاً یہ گھر فلاں کا ہے یہ زمین فلاں کی ہے حالانکہ مرد و بیوی دونوں انتفاع میں برابر کے شریک ہوا کرتے ہیں بلکہ بہ نسبت مرد کے عورت

انتفاع زیادہ حاصل کرتی ہے کیونکہ گھر میں مرد کم رہتا ہے اور عورت زیادہ رہتی ہے اسی طرح تمام خانگی منفعت کی چیزوں میں گو ملکیت مرد کی طرف منسوب ہے لیکن موقع پر زیادہ سے زیادہ فائدہ عورت ہی اٹھا سکتی ہے کیونکہ وہ گھر سے کم باہر نکلتی ہے۔ پس اسی مناسبت سے اولاد کو بھی باپ کی طرف ہی منسوب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں ماں باپ اُن میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

بنابریں عورت کے لئے بیک وقت متعدد نکاح مردوں میں اولاد کے پیش نظر نزاع و فساد کا پیش خیمہ تھے جو نوعِ انسانی کے لئے موجب خطر ہے لیکن مرد کے لئے متعدد نکاح اس خطرہ سے باہر ہیں کیونکہ ملکیتی پہلو ہی اسی کی طرف منسوب ہے نیز پہلی صورت میں نسلی امتیاز قطعاً موجود نہیں رہ سکتا اور دوسری صورت میں نسلی امتیاز یقیناً موجود ہے نیز عورت کی محکومانہ پوزیشن اور خانگی امور کی ذمہ داری اور بچوں کی تربیت و نگہداری بیک وقت ایک سے زیادہ نکاح کے لئے اس کو قطعاً اجازت نہیں دیتی۔ بخلاف مرد کے۔ کیونکہ وہ فطری حاکمانہ حیثیت کے ماتحت ان ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہے۔

علاوہ ازیں مرد پیدائشی طور پر تعداد میں عورت سے کم ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ عام ملکوں کی مردم شماری کے اعلانات صاف بتلاتے ہیں کہ عورتیں تعداد میں مردوں سے زیادہ ہیں پس قدرتی نظام اس امر کا متقاضی ہے کہ مرد کے لئے بیک وقت متعدد نکاح کی اجازت ہو۔ ورنہ انسانی عمومی نظام کنٹرول سے باہر ہو جائے گا

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مرد کو جسمانی ساخت قوت و توانائی و جملہ اوصاف مردانہ کے ماتحت جہادِ دُشمن کا سامنا بھی ہوا کرتا ہے اور عورت سے یہ فریضہ اس کی فطری وضع کے ماتحت ساقط ہے لہذا مردوں کا ایسے مواقع میں مارا جانا خلافِ توقع نہیں اور اگر جنگ نہ بھی ہو تب بھی حفاظتِ مال، جان اور ناموس کے سلسلہ میں مردوں کو متعدد دفع جان پہ کھیلنا پڑتا ہے۔ بہر کیف قتل و غارت میں صرف مردوں کا ہی حصہ ہے اور عموماً عورت ان حالات سے بری ہوتی ہے لہذا مرد کیلئے متعدد نکاح اگر جائز نہ ہوتے تو نظام انسانی میں ہرج مرج واقع ہو جاتی اور ایک عورت کیلئے بیک وقت متعدد نکاح تو جلتی پر تیل کا کام دیتے پس معلوم ہوا کہ تعدد ازدواج مرد کا فطری حق ہے جس کی قرآن کریم نے ترجمانی فرمائی ہے اس کو مرد کو بے راہ روی یا عورت کی حق تلفی پر محمول کرنا فطری اقدار کا مقابلہ اور قدرتی نظام سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے؟

مسئلہ عدل اسلامی

اور چونکہ ازدواجی زندگی کی بناء اتحاد و تعاون اور اصلاحِ تمدن پر ہے لہذا اس بارے میں تشدد اور زبردستی خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی جانب سے ہو۔ انسانیت پر ظلم عظیم ہے ابتدائے عقد میں اگر تشدد یا زبردستی کو عمل میں لایا گیا تو سرے سے عقد ہی فاسد ہے اور ایسے عقود کو قرآنی عدلیہ قطعاً ناقابل تسلیم قرار دیتا ہے اور عقد کے وقوع کے بعد باہمی ازدواجی دور میں اگر خلاف عدل کوئی بات مرد یا عورت کی جانب سے وقوع پذیر ہو تو شرعی طور پر جُرم عظیم ہے۔ صرف مرد کے لئے ضروری نہیں کہ وہ عدل

کا مظاہرہ کرے بلکہ جس طرح مرد پر عورت کے حقوق سے عہدہ برآری ضروری ہے۔ اسی طرح عورت پر بھی مرد کے حقوق کی پاسداری واجب ہے جو لوگ مرد کے لئے تعدد ازدواج کے مسئلہ کی تردید کرتے ہیں۔ وہ ظاہرًا یہی آڑ لے کر شرعی قانون سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ مرد پر عورتوں کے درمیان عدل کی حدود کیا کیا ہیں اور آیا اس صورت میں عورتوں پر بھی کوئی فریضہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

جہاں تک شرعی ذمہ داری کا تعلق ہے مرد پر عورتوں کے نان ونفقہ اور مکان رہائش کا انتظام ضروری ہے۔ مرد پر یہ ضروری نہیں کہ اپنی تمام منکوحہ عورتوں کے نان ونفقہ اور مکان رہائش میں بھی ہر حیثیت سے مساوات رکھے۔ البتہ اس پر مجموعی طور سے اُن کی ضروریات کی تکمیل ضروری ہے جو ان کے مناسب حال ہو اور سب کے لئے ایک صنف کا کپڑا۔ ایک نوع کا کھانا اور ایک قسم کا مکان وغیرہ خود ساختہ مسائل میں سے ہے جس کی شریعت ذمہ دار نہیں ہے اور اسی طرح مرد پر واجب ہے کہ عورتوں پر شب باشی کو تقسیم کرے اور اس بارہ میں کسی کی حق تلفی نہ کرے۔ البتہ مباشرت وہمبستری میں مساوات ضروری نہیں۔ نیز محبت و چاہت میں بھی برابری ضروری نہیں کیونکہ یہ ایک قلبی چیز ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک سے محبت زیادہ ہو اور دوسری سے کم۔ جس طرح کہ حضرتِ عائشہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آنحضورؐ کی ان سے زیادہ محبت تھی ہاں ظاہری حقوق واحکام ومعاملات میں شرعی متعینہ حدود سے باہر قدم نہ رکھا جائے اسی طرح عورتوں پر بھی لازم ہے کہ وہ ہر لحاظ سے مرد کی مرضی سے قدم آگے نہ بڑھائیں اگر وہ مرد کو خواہ مخواہ تنگ کریں۔ بات بات پر مرد سے نبرد آزمائی اپنا شیوہ بنالیں، معمولی معمولی باتوں میں اُلجھ کر جھگڑا کرنے کی عادت بنالیں۔ ہر معاملہ میں مرد کو موردِ طعن وتشنیع قرار دیں۔ اور اس کی عدالت وانصاف پر نکتہ چینی کریں تو شرعی قانون عورتوں کی اس قسم کی ہنگامہ آرائیوں اور شر پسندیوں سے ہرگز گردن زدنی نہیں ہو سکتا۔

عورت پر پردہ داری، امورِ خانہ داری، بچوں کی پرورش ونگاہ داری وغیرہ کی ذمہ داری ہے جو کہ اس کی جسمانی ووضعی ساخت اور فطری پرداخت سے عین موزوں ومناسب ہے اور اس کے مقابلہ میں مرد حاکمانہ حیثیت سے عورت کے جملہ اخراجاتِ ضروریہ کا ذمہ دار ہے۔ نیز محکومانہ حیثیت سے وُہ عدل وانصاف کے پیشِ نظر خانگی منافع سے بہرہ اندوز ہونے کا حق رکھتی ہے اور مرد حاکمانہ حیثیت سے خانگی، کُلّی وجزئی امور میں مالکانہ اختیارات کا حامل ہے۔

وقوعِ نکاح میں اگرچہ طرفین کی رضامندی ضروری ملحوظ رکھی گئی ہے۔ لیکن مرد کی حاکمانہ پوزیشن کے ماتحت ازدواجی سلسلے کے توڑنے کا حق صرف مرد کو دیا گیا ہے کیونکہ مرد کی ذہنی صلاحیتیں عورت کی ذہنی صلاحیتوں

سے کہیں زیادہ ہیں اور ازدواجی مصالح کو جس طرح مرد سمجھ سکتا ہے، عورت نہیں سمجھ سکتی۔ اسی لئے یہ فیصلہ مرد کے ہاتھ میں دیا گیا ہے۔ ہاں بعض نااہل مردوں کی طرف سے قانونِ شرع کی توہین کے مظاہرات قانون کی خرابی کے موجب نہیں ہو سکتے۔

وراثت میں عورت کو مرد سے نصف دیا جاتا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں عورت کا خرچہ مرد پر عائد کیا گیا ہے طلاق کے بعد جس طرح مرد کے لئے دوسری عورت سے نکاح جائز ہے اسی طرح عورت کے لئے دوسرا شوہر جائز ہے۔

عدّت کی مصلحت

طلاق یا موت کی صورت میں عورت کو عدّت کا پابند کیا گیا ہے تاکہ عورت کی حیثیت عام حیوانات کی طرح نہ سمجھی جائے کہ ایک ملکیت کے زائل ہونے کے بعد فوراً دوسری ملکیت کا پھندا اس کی گردن میں ڈال لیا جائے۔ نیز اس کی محکومانہ زندگی کے پیش نظر اس کو سوچنے کا موقعہ دیا گیا ہے کہ سابقہ تجربات کے ماتحت جدید شوہر کے انتخاب میں اپنے مستقبل کی بہبود کا خیال رکھے اور اندھا دھند دوسرے شوہر کے انتخاب میں عجلت سے کام نہ لے۔ بخلاف اس کے مرد کی چونکہ حاکمانہ پوزیشن ہے لہٰذا اس کو اتنی مدّت کی انتظار کا پابند نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ناخوشگواری کی صورت میں طلاق سے اس کی گلوخلاصی آسانی سے ہو سکتی ہے۔ بخلاف عورت کے کہ بے سوچے سمجھے نکاح کر لینے کے بعد ناخوشگوار حالات کے رونما ہونے کی صورت میں مرد سے اُس کا طلاق کی خواہش کرنا اس کے وقار کے منافی ہے اور اس کی عفت و پاکدامنی کے لئے موردِ طعن ہے۔ کیونکہ مرد کا عورتوں کو بار بار طلاق دینا اتنا معیوب نہیں جتنا کہ عورت کا مردوں سے متواتر طلاق حاصل کر کے ایک کے بعد دوسرے کے نکاح میں جانا معیوب ہے کیونکہ یہ عورت کی خست مزاجی اور گستاخانہ ذہنیت کی دلیل ہے لہٰذا شریعتِ مقدسہ نے ایک مرد سے آزاد ہو جانے کے بعد عورت کو عدّت کا عرصہ آزادنہ طور پر سوچنے کے لئے عطا فرمایا کہ وہ ازدواجی زندگی کے نشیب و فراز کو خوب سوچ کر شوہر سابق سے عملی تجربہ جو اُسے ہو چکا ہے اس کے ماتحت پوری طرح غور و خوض کر کے عقدِ جدید کا فیصلہ کرے اور ہر امکانی طریقہ سے ایسی ناخوشگوار فضا میں دیدہ دانستہ کود پڑنے سے گریز کرے۔ جس کا نتیجہ اختلاف و افتراق ہو اور ظاہر ہے۔ کہ عدّتِ وفات یا عدّتِ طلاق میں عورت کے لئے وقار کا جو پہلو مضمر ہے وہ بلاتاخیر ایک مرد سے دوسرے مرد کی طرف منتقل ہونے میں نہیں ہے اور علاوہ بریں عورت میں حمل کا احتمال بھی اس امر کا مقتضی ہے کہ اس کو ایک شوہر سے فراغ کے بعد ایک مدّت تک آزاد رہنا چاہیئے اور بعض مقامات پر حمل کے نہ ہونے کا یقین ایک کلیہ قاعدہ اور عام قانون کے لئے باعثِ تخصیص نہیں ہو سکتا۔ بالجملہ وفات یا طلاق کے بعد عورت کا عدّت کی انتظار کرنا اور مرد کا انتظار نہ کرنا عورت کی حق تلفی یا مرد کی پاسداری پر مبنی نہیں۔ بلکہ

فطرتِ انسانی کا تقاضا یہی ہے۔

قانونِ نکاح کی خلاف ورزی کرنے میں جس طرح عورت مجرم ہے اسی طرح مرد مجرم ہے اور ہر دو برابر طور پر سزا کے مستحق ہوا کرتے ہیں اور توبہ کا دروازہ بھی ہر دو کے لئے یکساں کھلا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔

خلاصہ بحث پس معلوم ہوا کہ عورت و مرد حقوق میں برابر ہیں جس طرح مرد کو جینے کا حق ہے اسی طرح عورت کو بھی حاصل ہے اور اسلام سے قبل عورت جن جن مصائب اور بدترین مظالم کا شکار تھی اسلام نے اس کو اُن سے پوری طرح محفوظ کر لیا۔ لہذا عورت و مرد یکساں طور پر میدانِ عمل میں قدم رکھ سکتے ہیں اور خداوند کریم کی بارگاہ میں جس طرح مرد شرفیاب ہو سکتا ہے اسی طرح عورت بھی ہو سکتی ہے۔ نیز اخروی نعمات مرد و عورت دونو کے لئے یکساں ہے اور قربِ خداوندی کے لئے تقویٰ ہر دو کے لئے یکساں طور پر معیار قرار دیا گیا ہے اور علم و معرفت کے دروازے بھی ہر دو کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوئے ہیں اور احکام فروعیہ میں بھی دونوں برابر کے مکلف ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ فطری جداگانہ ساخت اور صنفی باہمی تفاوت کے پیش نظر بعض احکام میں اختلاف ان کی یکسانیت کے اتلاف کا موجب نہیں ہو سکتا۔

پس دینی و دنیاوی ترقی کے لئے عورت و مرد دونوں برابر طور پر آگے قدم بڑھانے کے حقدار ہیں لیکن عورت اپنے فطری راستے پر اور مرد اپنے موزوں طریقہ پر، عورت اپنی مخصوص ذمہ داریوں کی پاسبانی کرتے ہوئے اور مرد اپنے عہدہ کی نگہداشت کرتے ہوئے اور حقوق زندگانی میں مساوات اسی کا نام ہے۔ مرد کا عورت کے حقوق پر دست درازی کرنا یا عورت کا مرد کے حقوق پر ہاتھ ڈالنا اور مرد کا اپنے حقوق سے کوتاہی کرنا، یا عورت کا اپنے حقوق سے غفلت شعاری کر کے اپنی حدود کو پھاندنا افراط و تفریط ہے اسے مساوات کی مقدس لفظ سے تعبیر کرنا انصاف کا خون ہے۔ عورت کا مرد کے دوش بدوش میدانِ عمل میں قدم بڑھانا اگر اپنے اپنے مناسب و موزوں طریق سے ہو اور اپنی اپنی متعینہ حدود کے اندر ہو تو یہی ہے۔ فطرت کا مقرر کردہ سیدھا راستہ جس کو اسلام نے پیش کیا ہے اور اسی کا نام ہے آزادی۔ پس عورت بھی آزادی سے اپنے مقصد کی طرف بڑھے اور مرد بھی آزادانہ اپنے مقصد کی طرف اقدام کریں اور ایک دوسرے کے دوش بدوش دینی و دنیوی ترقیاتی سکیموں کو عملی جامہ پہنائیں لیکن اپنی اپنی حدود کے اندر رہ کر اور یہی ہے اسلامی آزادی و فطری مساوات۔

اشتراکیت کا پس منظر انسان کے مدنی الطبع ہونے کے پیش نظر اجتماعی زندگی کے اصول کی تشکیل میں نظریات ہمیشہ سے متصادم رہے ہیں اور ہر دَور کے عقلاء انسانی تمدن میں اصلاح و فلاح کے لئے قوانین مرتب کر کے اجتماعی نظام کی بھلائی کا اعلان کرتے چلے آئے ہیں لیکن روزِ اوّل سے لے کر قیامت تک کے لئے اسلام نے اجتماعی زندگی کا جو نظام پیش کیا ہے وہ عقلائی تدابیر اور

امکانی مصالح پر حاوی ہے۔

اشتراکیت کا ڈھونگ بھی من جملہ انہی نظریات کے ہے جو سیاست مدنیہ اور اجتماعی نظام کی خوبی کے لئے منظر عام پر آئے جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے ہر ایک کے لئے ہے اور ہر چیز میں ہر فرد برابر کا شریک ہے۔ اس نظریئے میں صرف انسان کے حیواناتی پہلو کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اس کے امتیازی نشان کو سرے سے نظر انداز کیا گیا ہے کیونکہ ہر شئے کا ہر ایک کے لئے ہونا مسلّم طور پر حیوانی تخیلات میں سے ہے حیوان کے نظریئے میں زمین کی کسی پیداوار میں ملکیتی رنگ ناجائز تصرّف ہے وہ ماکول و مشروب اور ازدواجی تعلقات میں تخصیصات کے دشمن ہیں۔ لیکن بخلاف اس کے انسان میں عقل و ادراک کا جوہر جو حیوانی زندگی میں اشتراکی نظریئے کے مقاصد کو سمجھتا ہے۔ اُس نے ملکیتی نظریہ اپنایا۔ اور عقولِ انسانی اسی نظریئے کے ماتحت تمدّن و اجتماع کی اصلاح کے لئے ہمیشہ قوانین مرتب کر کے نافذ کرتے رہے لیکن انسان بحیثیت ممکن کے ہزار دانا ہو اور لاکھ دانشمند ہو۔ انسانی اجتماعی زندگی کی جملہ خوبیوں پر محیط نظر اور حاوی مطالعہ تو رکھ نہیں سکتا اور نہ تمام مصالح و مفاسد پر عبور اس کے حیطۂ امکان میں ہے یہی وجہ ہے کہ عقلاً زمانہ کے وضع کردہ قوانین ہر دَور میں تنسیخ و ترمیم کی زد میں آتے رہے ہیں اور ایک دور میں جو قانون انتہائی سوچ بچار کے بعد مبنی بر اصلاح قرار پا کر نفاذ پاتا ہے فوراً کچھ عرصہ بعد اس کے مفاسد سامنے آکر اس کی تنسیخ کی طرف متوجہ کرتے ہیں اور قوانین تمدّن میں یہ جوڑ توڑ ہمیشہ سے رہا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہر مقنن اپنے ذاتی جذبات و رجحانات کے ماحول میں تمدّن کی اصلاح سوچتا ہے اور متعدد افراد کے جذبات و خواہشات میں وحدت و یکسانگی نہایت مشکل ہے پس ایک دَور میں جب یک گونہ جذبات میں اکثریت رونما ہو جائے تو اقلیتی جذبات اُن کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ پس اکثریتی رجحان کے ماتحت اجتماعی قانون پاس ہو جاتا ہے اور تھوڑا عرصہ بعد جب اقلیتی فرقہ اپنی تحریک میں اکثریت کا رنگ حاصل کر لیتا ہے۔ تو وہ اس قانون کے مقابلہ میں بغاوت کا علم بلند کر کے دوبارہ مجلس مشاورت کے انعقاد کی دعوت دیتا ہے اور حسب موقعہ اپنی خواہشات کے ماحول میں قانون کو نیا لباس پہنا کر اپنی ذہنی فتح اور دماغی کامیابی پر فخر و مباہات کرتا ہے اور یہی سلسلہ جاری و ساری رہا کرتا ہے۔ پس قانون تمدّن جذبات کے اکثریتی میلان کا نام ہے۔ اس میں فرق نہیں۔ جمہوریت ہو یا شخصیت۔ قانون سازی کی رفتار یہی ہے اور لطف یہ کہ ہر قانون میں ذاتی مفاد کے لئے اور اپنے تئیں اس کی زد سے بچانے کے لئے بعض شقیں ایسی رکھ دی جاتی ہیں۔ جو بوقتِ ضرورت کام میں لائی جا سکیں۔ اسی وجہ سے عوام میں ایک مقولہ مشہور ہے کہ قانون چھوٹے طبقہ پر سوار ہوتا ہے اور بڑا طبقہ قانون پر سوار ہوتا ہے۔

اسلامی قوانین چونکہ خالق کائنات کی طرف سے وضع شدہ ہیں جو عالمی مصالح پر حاوی بھی ہیں اور جذبات و خواہشات کے ماحول سے بلند و بالا بھی۔ ان میں یہ امکان نہیں کہ کسی قانون میں کوئی مصلحت عمداً جذباتی طور پر یا سہواً اور

لاعلمی کے رنگ میں نظر انداز کر دی گئی ہوگی۔ تاکہ ترمیم یا تنسیخ کو اس میں سراغ مل سکے۔ البتہ رفتار زمانہ اور گردشِ دہر کے پیش نظر بعض مصالح عامہ میں تبدیلی ناگزیر ہے جو قانون میں ترمیم و تنسیخ کو دعوت دیا کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ادیانِ گذشتہ یکے بعد دیگرے منسوخ ہوتے رہے اور دورِ اسلام تک نوبت پہنچی۔ اب اس دین کے بعد خدا کی طرف سے کسی نئے دین نے قدم رکھنا نہیں۔ لہٰذا اس کے قوانین میں وہ پختگی و دوام ملحوظ رکھ دیا گیا کہ ادوار و ازمنہ کا تفاوت ان کی مصالح میں تبدیلی پیدا کر کے اُن کو قابل نسخ نہ بنا سکے۔

چونکہ خدائی قوانین میں شخصی و انفرادی جذبات و خواہشات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور نہ ان میں برسرِ اقتدار طبقہ کے لئے بعض شقیں ایسی رکھی گئی ہیں کہ بوقتِ ضرورت اُن سے فائدہ اٹھا سکیں بلکہ ان میں تو وہ یکسانیت ملحوظ ہے کہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک اور فقیر سے لے کر شہنشاہ تک سب کے سب برابر طور پر اس کی زد میں آتے ہیں اور کسی کی ذرّہ بھر رعایت نہیں ہوتی۔

لہٰذا ہر دَور میں انسانوں کا اکثریتی طبقہ اسلامی نقطہ نگاہ سے باغی رہا ہے اور تمدّنی قوانین میں اپنی رائے کو استعمال کرتا چلا آیا ہے تاکہ حکمران طبقہ کے جذبات کا احترام ہو سکے اور کوئی قانون ان کی خواہشات کو کچل نہ سکے جس کا لازمی نتیجہ یہی سامنے آتا رہا ہے کہ قانون نت نئے جنم لیتا ہے اور قانون سازی کی مشین نت نئے پرزے تیار کرتی ہے اور انسانیت کو کبھی اطمینان و سکون کا سانس نصیب نہیں ہو سکا اور نہ تمدّن و اجتماع میں اصلاح کا پروگرام مرتب ہو سکا بلکہ ہر نیا دن نئے خطرے کا الارم لے کر آیا اور دنیا روز افزوں ترقی سے بے اطمینانی اور بے چینی کی منزلیں طے کرتے ہوئے ہلاکت کے قریب سے قریب تر ہوتی گئی اور بایں ہمہ خدائی قانون اور اسلامی نظریہ اپنانے کی جرأت تک نہیں کی گئی کیونکہ اس میں جذبات کا اُلّو سیدھا نہیں ہوتا اور دوسری طرف خود ساختہ قوانین اپنی داخلی بیماریوں اور اندرونی کمزوریوں کے پیش نظر تمدّن کی اصلاح اور امن عامہ کی بحالی سے خود قاصر ہیں۔

لہٰذا انسانوں کا ایک امن پسند طبقہ اُٹھا اور انہوں نے اشتراکیت کا جھنڈا بلند کر دیا کہ انسانوں کو اپنی موجودہ حیثیت سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر حیوانی ماحول میں پلٹ جانا چاہیئے ممکن ہے کہ وہاں کچھ اطمینان و سکون نصیب ہو جائے۔ گویا انتہائی مطمح نظر اور محطّ فکر صرف یہی نکتہ ہے کہ جذبات و خواہشات کو بھی ٹھیس نہ لگے اور تمدّن کی راہیں بھی ہموار رہیں۔ حالانکہ یہ اجتماع ضدین ہے کیونکہ انفرادی جذبات اور شخصی خواہشات کا باہمی اختلاف تضاد بلکہ تصادم تک پہنچ کر اشتراکیت میں بھی چین نہیں لینے دے گا اور نظریۂ اشتراکیت میں بھی صرف بڑے بڑوں کے جذبات کا احترام ہوگا چھوٹے چھوٹوں کے لئے وہی ظلم و تشدّد کے آہنی شکنجے تیار رہیں گے، اچھے محل، عمدہ بیویاں، خوبصورت لباس، اعلیٰ مشروبات، نفیس کھانے، آرام دہ سواریاں اور قیمتی سامان یہ سب کچھ صرف صاحبان اقتدار کے لئے اور اہنی لوازمِ زندگی میں سے ردی و ناقص اشیاء عوام طبقہ کے لئے مخصوص ہوں گی اور بایں ہمہ زبان

پر بلا تامل اشتراکیت کی رٹ جاری ہے کہ ہر شے ہر فرد کے لئے ہے۔

بہرکیف تمدّنی قوانین کے متعلق یہ نظریئے ہیں جو عمومی اجتماعی زندگی سے وابستہ ہیں اور ان کا تعلق صرف اسی فانی اور چار روزہ زندگی سے ہی ہے اور بس۔ ان اجتماعی قوانین میں قطعاً اس امر کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ کہ اس دورِ فانی کے بعد انسان کا کوئی اور ٹھکانا بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو ہمیں اس کے لئے کیا کرنا ہے۔

اسلامی قوانین کی نظر چونکہ صرف اسی فانی دور تک محدود نہیں بلکہ اس کی نظریں اخروی دور پر بھی ہیں بلکہ اخروی دور ہی درحقیقت اس کا مطمح نظر ہے یعنی اسلامی نگاہوں میں دنیاوی زندگی صرف عبوری دور ہے اور اخروی زندگی قیام و سکون کی حقیقی منزل ہے۔ لہٰذا اسلام اِس فانی زندگی کی اصلاح اُس باقی اور غیر فانی زندگی کے لئے کرتا ہے بنا بریں وہ اس زندگی کی خواہشات و جذبات کو پنپنے کی کھلی اجازت نہیں دیتا مگر اس حد تک کہ بغیر اس کے گذارہ نہ ہو سکے اور اسلام سے باغی ذہنیتیں چونکہ حیاتِ اخروی کے مفہوم سے ناآشنا ہیں اور وہ مآلِ زندگی اِسی چند روزہ قیام کو قرار دیتی ہیں اور جذبات و خواہشات کی تکمیل کے لئے ان کی نظر میں کوئی دوسرا محل مناسب تو ہے نہیں۔ لہٰذا وہ کسی قیمت پر اپنے جذباتِ تعیش کو کچلنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے اور حصولِ اقتدار کو تکمیل جذبات اور تتمیم شہوات کا زینہ قرار دے کر اس کے لئے ہر ممکن قربانی کے لئے تیار ہوتے ہیں اور اس کے بعد اشتراکیت و ملوکیت کے نظریئے اور عمومی اصلاح و فلاح کے قوانین اور اجتماعی و تمدّنی زندگی کے ضوابط صرف اقتدار کی بحالی کے حیلے اور حربے ہیں اور درحقیقت تسکینِ خواہشات اصل مقصد ہے کیونکہ اس دورِ فانی کے بعد وہ کسی ایسی زندگی کا تصور نہیں کرتے جو سکون و اطمینان کی زندگی ہو یا اگر اِس زندگی غیر فانی کا تصور کرتے بھی ہیں تو عقیدہ اتنا ناقص ہوتا ہے کہ اُس اُخروی زندگی کے مفاد کو اس فانی زندگی پر ترجیح نہیں دے سکتے اور نہ اس کے حصول کے لئے اس عبوری دَور کی خواہشات و جذبات کی قربانی کر سکتے ہیں۔

لیکن اسلام چونکہ اُسی حیاتِ جاودانی کے پُرسکون و پُراطمینان ماحول میں ابدیت اور لازوال انتفاع کی خوشخبری سناتا ہے لہٰذا اس زندگی کی تعمیر کو اُس زندگی کی تعمیر کا زینہ بناتا ہے۔ پس اسلام کی نظر میں یہ زندگی عبوری دَور ہے اور آخرت مقصد سفر ہے لہٰذا اجتماعی زندگی کی بھلائی کے ساتھ ساتھ اسلام نے نفسی اصلاح اور خانگی بہبود کے لئے بھی قوانین و ضوابط پیش کئے ہیں۔ نفسی اصلاح و فلاح کے ضوابط کا نام ہے علم الاخلاق اور خانگی اصلاح کے قواعد و ضوابط کا نام ہے تدبیر منزل اور زن و مرد کے باہمی تعلقات اور ازدواجی زندگی کے اصول و فروع اور اس کی فلاح و کامیابی کے ضوابط تدبیر منزل کے ماتحت ہیں۔

اسلام سے برسرِپیکار طبقہ چونکہ اُخروی حیثیت کو ملحوظ نہیں رکھتا اور صرف ظاہری تمدّن ان کے سامنے ہے لہٰذا وہ عورت کے لئے تحریکِ آزادی صرف ظاہری تعیش اور اسی فانی سکون و آرام کی خاطر کرتے ہیں

اور اسی میں تمدن کی بھلائی سمجھتے ہیں اور اشتراکیت کا پس منظر بھی یہی ہے اور چونکہ صرف یہی ظاہری پہلو ان کا مطمح نظر ہے لہٰذا عفت و پاکدامنی، عصمت و شرافت اور غیرت و حمیت وغیرہ فاضلہ صفات ان کی نگاہوں میں فضول اور بے فائدہ ہیں اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا صرف لذت اندوزی اور تعیش مزاجی کے لئے ہے۔ اور کامیاب انسان وہ ہے جو لذتِ زندگی سے جی بھر کر سیر ہو سکے۔ پس حیاء شرافت اور عفت وغیرہ یہ صفات ان کے نزدیک مفاد زندگی سے متصادم ہیں لہٰذا وہ ان کو راستے سے ہٹا کر ظاہری زندگی کو صاف اور پُر لطف بنانے کے درپے ہوتے ہیں اور عورت کی تحریک آزادی کا صرف یہی مطلب ہے لیکن اسلام چونکہ اس دنیا کو عبور گاہ قرار دیتا ہے۔ جیسے کشتی پر سوار انسان۔ کیونکہ کشتی اس کیلئے منزل نہیں بلکہ منزل کشتی کے ساحل پر پہنچنے کے بعد آتی ہے اور حقیقی زندگی وہی ہے جو اس عبوری دور کے بعد نصیب ہو گی۔ لہٰذا عورت کے لئے حیاء شرافت اور عفت وغیرہ تمام صفات حسنہ گو اس فانی دور میں تعیش مزاجی کے لئے سدِ راہ ہیں لیکن یہی فاضلہ صفات اس کی اخروی زندگی کا پیش خیمہ ہیں بنا بریں اسلام نے عورت و مرد کی ازدواجی زندگی کے لئے عام اجتماعی و تمدنی قوانین کے علاوہ خصوصی احکام بھی مرتب فرمائے ہیں تاکہ انسانی زندگی کے ہر دو پہلو دنیوی و اخروی سلجھے ہوئے ہوں نہ اس کے لئے ظاہری ترقی کی راہیں مسدود ہوں اور نہ اخروی ترقی کے راستے بند۔ لیکن چونکہ یہ زندگی دائمی نہیں لہٰذا اس زندگی کے لئے اسی قدر محنت کرنے کی ضرورت ہے جس قدر ناگزیر ہو اور باقی ماندہ تمام وقت اس زندگی کی اصلاح کے لئے وقف کرنا چاہیے جو دائمی اور باقی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے تدبیر منزل کے قوانین جس طرح اصلاح منزل کے لئے ہیں اسی طرح اس کے ضوابط اصلاح آخرت کے لئے بھی ہیں۔ مثلاً مرد کی حاکمانہ حیثیت اور عورت کی محکومانہ زندگی یا مرد پر اخراجات خانگی کا وجوب اور عورت پر بچوں کی ذمہ داری اسی قسم کے جملہ احکام اصلاح دنیا و آخرت ہر دو کے لئے ہیں۔ پس عورت کی تحریک آزادی کا نظریہ صرف آخرت سے ہی چشم پوشی نہیں بلکہ ظاہری شریفانہ زندگی کے لئے بھی سم قاتل ہے اور اشتراکیت جس میں عورت کو حیاء و عفت سے بیگانگی کی تعلیم دی گئی ہے صرف جذبات و شہوات کی تکمیل کا بہانہ ہے اس کو تمدن کی اصلاح میں دخیل کرنا یا اجتماعی نظام میں مؤثر کہنا صرف سادہ لوح طبقہ کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے پس انسان کی حیوان سے ممتاز اور کامیاب زندگی کا مدار صرف اسلامی قوانین کی پیروی ہے اور بس اور ازدواجی زندگی کے لئے اسلام نے جو نظریات پیش فرمائے ہیں۔ عورت و مرد ہر دو کے لئے اس سے بہتر نہ کوئی لائحہ عمل ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور بالخصوص نظریہ طلاق جو اسلام نے پیش کیا ہے۔ باقی ادیانِ عالم میں سے صرف اسی مقدس دین کا طرۂ امتیاز ہے اور ازدواجی زندگی کو خوش سے خوش تر اور خوب سے خوب تر بنانے اور زن و مرد کے باہمی تعلقات کو انتہائی خوشگوار رکھنے کے لئے جہاں مرد کے لئے عدل و انصاف اور عورت کے

لئے اطاعت شعاری اور مرد پر اخراجات و مصارف کا وجوب اور عورت پر خانگی تربیتی معاملات کا بوجھ تقسیم کار کے طور پر عائد کئے گئے ہیں تاکہ باہمی اختلاف و انتشار کا سدباب ہو سکے وہاں اختلاف و انتشار باہمی کا آخری حل طلاق قرار دیا گیا ہے تاکہ اختلاف باہمی کے لاعلاج ہونے کی صورت میں زن و مرد کے لئے ازدواج وبالِ جان نہ بنا رہے۔ بلکہ خیر وخوشی سے آزادانہ طور پر بذریعہ طلاق ایک دوسرے سے الگ ہوکر نئی ازدواجی زندگی میں قدم رکھنے کے قابل ہو سکیں۔

آج دنیا کی مہذب قومیں جن کے مذہب میں طلاق نہ تھی۔ تنگ آکر نت نئے نزاعات و فسادات سے تنگ آکر ازدواجی زندگی میں طلاق کے لئے جگہ تلاش کر رہے ہیں جس کو اسلام نے آج سے پونے چودہ سو سال پہلے ضروری قرار دیا تھا۔ پس جذبات وخواہشات کی تکمیل میں انتہا پسندی اور افراط ہے ملوکیت یا آمریت۔ اور اس میں آوارگی اور تفریط کا نام ہے۔ نظریۂ اشتراکیت اور ان کے بین بین نقطۂ اعتدال پر جم کر رہنا۔ یعنی ان دونوں نظریوں میں حدودِ ضروریہ کی پابندی اور میانہ روی کے نظریہ کا نام ہے اسلام۔ چنانچہ جملہ اسلامی فروعی ضوابط و احکام کا محور و مدار صرف یہی اصولی نظریہ ہے اور یہی ہے تعمیر انسانیت کا آخری پروگرام اور تکمیل نظام زندگی کا آخری کورس جو ہر شعبۂ زندگی میں راہبری کے فرائض کی انجام دہی کر سکتا ہے۔ مسئلہ کی تفصیل "اسلامی سیاست" میں ملاحظہ فرمائیں

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ

کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنے گھروں سے نکلے ہزاروں کی تعداد میں موت

حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ

کے ڈر سے ۔ پس فرمایا ان کو اللہ نے کہ مرجاؤ (تو وہ مرگئے) پھر ان کو زندہ کیا ۔

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۴۳﴾

تحقیق اللہ صاحب فضل ہے اوپر لوگوں کے ۔ لیکن اکثر لوگ (اس کا) شکر ادا نہیں کرتے

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾

اور تم لڑو اللہ کی راہ میں — اور جانو تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے

موت کے بعد زندگی اور پھر موت

چونکہ کتب امامیہ میں بکثرت رجعت کے اثبات میں آئمہ طاہرینؑ سے احادیث منقول ہیں اور یہی شیعی عقیدہ ہے کہ حضرت قائم آل محمدؐ عج کے ظہور کے زمانہ میں خالص مومنین اور خالص اعدائے دین کو زندہ کیا جائے گا۔ اس پر مخالفین کی طرف سے اعتراض ہوتا ہے کہ موت صرف ایک دفعہ ہے اور اس کے بعد زندگی صرف قیامت کی زندگی ہے۔ دنیا میں دو دفعہ موت خلاف قرآن ہے تو ان لوگوں کی تردید میں قرآن کی ذیلی فرمائش کافی ہے کہ اگر خدا چاہے تو مردوں کو دوبارہ اسی دنیا میں زندہ کر سکتا ہے جیسا کہ یہ آیت صاف طور پر بتلا رہی ہے۔

قصّہ :- مجمع البیان میں منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے ان کو لڑائی کا حکم دیا پس وہ لڑنے سے بزدل پڑ گئے اور بہانا بنایا کہ وہاں وبا ہے جب تک وبا ختم نہ ہوگی ہم نہ جائیں گے تو خدا نے ان پر موت کو نازل کیا جب موتیں ان میں زیادہ ہوئیں تو وہ موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ پس اس بادشاہ نے ان پر بددعا کی اور وہ سب مر گئے جب آٹھ دن گذرے تو ان کے جسم پھول گئے اور بدبودار ہو گئے۔ لوگ ان کے دفن کرنے سے چونکہ عاجز تھے لہذا درندوں سے حفاظت کے لئے ایک گہرا گڑھا کھود کر ان کو اس میں ڈال دیا اسی حالت میں عرصہ گذر گیا۔ ان کی لاشیں بوسیدہ ہو گئیں۔ اسی اثناء میں حضرت حزقیلؑ پیغمبر کا وہاں سے گذر ہوا۔ تو متعجب ہوئے اللہ کی جانب سے وحی ہوئی کہ کیا میں تجھے اپنی نشانی دکھاؤں کہ کس طرح میں مردوں

کو زندہ کرتا ہوں تو پیغمبر نے عرض کی ۔ ہاں ! پس خداوند کریم نے ان کو زندہ فرمایا۔

ایک روایت ہے کہ وہ حضرت حزقیلؑ کی قوم تھی جب ان پر موت آئی تو وہ ان کی تلاش میں نکلے جب ان کو مردہ پایا تو رو دیئے اور عرض کی ۔ اے اللہ ! یہ میری قوم کے لوگ تیرے حمد گزار اور تسبیح خوان تھے اب ان کے بعد میں تنہا رہ گیا ہوں خدا نے وحی کی کہ میں نے تجھے اُن کے زندہ کرنے میں اختیار دے دیا ہے تو حضرت حزقیلؑ نے فرمایا :- احیوا باذن اللہ ۔ یعنی خدا کے اذن سے زندہ ہو جاؤ۔ پس وہ زندہ ہو گئے۔

حمران بن اعین نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا یہ لوگ زندہ ہوئے اور لوگوں کے دیکھ لینے کے بعد مار دیئے گئے یا دنیا میں پلٹ کر دوبارہ آباد ہوئے ؟ تو آپ نے فرمایا :- نہیں ۔ بلکہ وہ گھروں میں کھاتے پیتے رہے شادیاں کیں اور ایک وقت تک زندہ رہے پھر ان کو وقت مقرر پر موت آئی ۔

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ لوگ شام کے شہروں میں سے ایک شہر کے رہنے والے تھے اور وہ ستر ہزار گھرانے تھے اور ان میں طاعون کی وبا پڑتی تھی پس غنی لوگ شہر چھوڑ کر باہر چلے جاتے اور غرباء بوجہ تنگدستی کے کہیں نہ جا سکتے تھے پس یہ لوگ طاعون کا شکار ہو جاتے اور ان میں موت واقع ہوتی اور اس پر غنی لوگ یہ سمجھتے تھے اگر ہم نے شہر نہ چھوڑا ہوتا تو ہم میں موت زیادہ واقع ہوتی اور غرباء کہتے تھے کہ اگر ہم بھی باہر چلے گئے ہوتے تو موت سے بچ جاتے پس انہوں نے مشورہ کیا کہ اگر اب طاعون آیا تو ہم سب شہر چھوڑ کر باہر چلے جائیں گے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اثنائے سفر میں وہ ایک اجڑی ہوئی بستی میں پہنچے جس کو طاعون نے ہی برباد کر دیا تھا۔ پس یہ لوگ وہیں مقیم ہو گئے۔

اللہ نے اُن پر موت کو بھیج دیا۔ پس وہ سب مر گئے وہ چونکہ ایک سڑک کے قریب تھے لہٰذا گذرنے والوں نے ان کی لاشوں کو رستہ سے دور علیحدہ ایک جگہ پر جمع کر دیا۔ اسی دوران میں بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر حضرت حزقیل کا وہاں سے گذر ہوا تو ان کی بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھ کر رو دیئے اور عرض کی ۔ اے اللہ ! جس طرح تو نے ان کو موت دی ہے اسی طرح تو زندہ بھی کر سکتا ہے پس وہ تیرے شہروں کو آباد کریں گے ۔ تیری مخلوق بڑھے گی اور تیرے دوسرے عبادت گذاروں کی طرح یہ بھی عبادت کریں گے۔

ارشاد باری ہوا ۔ کیا تو یہی چاہتا ہے ؟ عرض کی ! ہاں ۔ اے پالنے والے ۔ پس خدا نے ان پر اسم اعظم کی وحی فرمائی تو حضرت حزقیلؑ نے وہ اسم اعظم ان پر پڑھا ۔ پس ان کے سامنے ان کی ہڈیاں گوشت پوست وغیرہ آپس میں ملنے لگ گئیں اور وہ زندہ ہو گئے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر انہوں نے خدا کی تسبیح و تکبیر و تہلیل کو زبان پر جاری کیا۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا

کون ہے جو قرض دے اللہ کو۔ قرض حسن پس خدا اس کو بڑھا کر دے کئی گنا

كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

زیادہ اور اللہ ہی تنگی اور فراخی عطا کرتا ہے اور اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہے

راہِ خدا میں خرچ

مَنْ ذَا الَّذِيْ الخ ۔ تفسیر مجمع البیان میں آیت مجیدہ کا شان نزول یوں مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے صدقہ کا ثواب بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صدقہ دے اس کو جنت میں اس کا دگنا عطا ہو گا تو ایک شخص ابوالدحداح انصاری نے عرض کی۔ یارسول اللہؐ! میرے دو باغ ہیں۔ اگر ان میں سے ایک کو صدقہ میں دے دوں تو کیا جنت میں مجھے اس کا دگنا ملے گا؟ فرمایا ہاں! اس نے عرض کی کہ میرے بیوی بچے بھی میرے ہمراہ ہوں گے فرمایا۔ ہاں! پس اس نے ان دو باغوں میں سے بہترین باغ بطور صدقہ کے جناب رسالتمآبؐ کے حوالہ کر دیا (مستحقین پر تقسیم کرنے کے لئے) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جب ابوالدحداح واپس آیا تو اس کے بیوی بچے اسی باغ میں گئے ہوئے تھے۔ جس کو وہ صدقہ میں دے چکا تھا۔ فوراً باغ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو بلایا اور کہا کہ میں نے یہ باغ صدقہ میں دے دیا ہے اور اس کے بدلہ میں باغ جنت خرید لیا ہے جس میں میرے بیوی بچے بھی میرے ہمراہ ہوں گے۔ اس نیک بخت بیوی نے جواب دیا۔ خدا تیرے سودا کو مبارک کرے۔ پس وہ سب اس باغ سے نکل آئے۔ اور باغ حضورؐ کے حوالہ کر دیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۔ یعنی جو نیکی کرے پس اس کو اس کی بہتر جزا ملے گی۔ تو جناب رسالتمآبؐ نے عرض کی۔ اے پروردگار اور زیادہ عطا فرما۔ پس یہ آیت نازل ہوئی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۔ یعنی جو نیکی کرے گا۔ اس کو اس کی دس گنا جزا ملے گی۔ آپ نے عرض کی اے پروردگار! اس سے بھی زیادہ عطا فرما۔ پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی کہ مَنْ ذَا الَّذِيْ الخ ۔ جو بھی اللہ کو قرض دے یعنی راہ خدا میں صدقہ و خیرات کرے گا تو اس کو اس کی جزا بہت زیادہ بڑھا کر دی جائے گی۔ تو آپ نے فرمایا:۔ کہ بہت زیادہ کا مطلب ہے کہ اس کو اس کی جزا اتنی ملے گی کہ حساب و شمار سے باہر ہو گی۔

عنوان الکلام میں جناب امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ صدقہ کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) ایک کے بدلہ میں دس گنا ثواب اور وہ صدقہ یہ ہے جو ایک فقیر مومن کو دیا جائے جس کے اعضاء صحیح اور سالم ہوں۔

(۲) ایک کے بدلہ میں ستر گنا کا ثواب۔ یہ وہ صدقہ ہے جو ایسے مومن کو دیا جائے جو خود کما کر اپنے اخراجات کو نبھانے سے عاجز ہو۔

(۳) ایک کے بدلہ میں سات سو گنا کا ثواب، یہ وہ صدقہ ہے جو مومن فقیر رشتہ دار کو دیا جائے۔

(۴) ایک کے بدلہ میں ستر ہزار گنا کا ثواب، یہ وہ صدقہ ہے جو والدین پہ کیا جائے (یا والدین کے لئے کیا جائے)

(۵) ایک کے بدلہ میں ایک لاکھ گنا کا ثواب، اور یہ وہ صدقہ ہے جو مستحق مومن علم دین طلب کرنے والے کو دیا جائے۔

سلسلہ عزاداری سید الشہداء علیہ السلام میں خرچ کرنے کے متعلق وارد ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو ذات پروردگار کی جانب سے ارشاد ہوا کہ اگر کوئی بندہ نبی مصطفٰے حضرت خاتم الانبیاء کے نواسہ کی محبت میں اپنے مال سے کسی کو کھانا کھلائے گا۔ یا اس سلسلہ میں کوئی درہم یا دینار خرچ کرے گا۔ تو اس کو دنیا میں اس کا ستر گنا عطا کروں گا۔ اور آخرت میں اس کا مقام جنت ہوگا۔ اس کے تمام گناہ بخش دوں گا۔ مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم اگر کسی مرد یا عورت کی آنکھ سے عاشورا یا کسی اور دن میں اس کی مصیبت پر ایک قطرہ آنسو جاری ہوگا۔ تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک سو شہید کا ثواب درج کروں گا۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى

کیا تم نے نہیں دیکھا طرف سرداران بنی اسرائیل کے بعد حضرت موسٰی (علیہ السلام) کے

اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ

جبکہ انہوں نے کہا اپنے ایک نبی کو۔ کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ

اللّٰهِ‌ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا

میں لڑیں فرمایا نبی نے شاید اگر تم پر لڑنا فرض ہو جائے۔ تو تم نہ لڑو۔ انہوں نے

تُقَاتِلُوۡا‌ؕ قَالُوۡا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا

جواب دیا۔ ایسا کب ہو سکتا ہے کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں (حالانکہ حکم جہاد کے علاوہ یہ دکھ بھی تو ہے) کہ ہم کو

مِنۡ دِيَارِنَا وَاَبۡنَآئِنَا‌ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا

اپنے گھروں سے نکال دیا گیا اور بیٹوں سے (جدا کیا گیا) پس جب ان پہ فرض کیا گیا لڑنا۔ تو سب پھر گئے

قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۴۶﴾

سوائے چند آدمیوں کے اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے

طالوت کا قصّہ اور معیار انتخاب خداوندی

اَلَمۡ تَرَ۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ موسٰی علیہ السلام کی موت کے بعد بنی اسرائیل نافرمانیوں میں پڑ گئے دینِ خدا کو تبدیل کر ڈالا اور اللہ کے حکم سے سرکش ہو گئے۔ ان کو نبی ہدایت کرتا تھا لیکن اس کی اطاعت نہ کرتے تھے اور ایک روایت میں وہ نبی حضرت ارمیاء علیہ السلام تھے پس خدا نے ایک قبطی بادشاہ جالوت نامی کو ان پر مسلّط کر دیا کہ اس نے ان کو ذلیل و خوار کیا ان کے مردوں کو قتل و جلا وطن کر دیا مال چھین لئے اور ان کی عورتوں کو قید کر کے کنیزی میں رکھ لیا۔ بنی اسرائیل کا یہ دورِ غلامی اس قدر سخت تھا کہ وہ تمام شعبہ جاتِ زندگی میں استقلال کی دولت سے یکسر محروم کر دیئے گئے تھے آخر مصائب و آلام کے دور نے ان کو ایک دفعہ خوابِ غفلت سے چونکنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ ان میں تحریکِ آزادی کی حس بیدار ہوئی اور بہت جلد وہ اپنی تحریک آزادی کی تنظیم کے لئے

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ط

اور فرمایا ان کو اپنے نبی نے کہ تحقیق اللہ نے تم پر طالوت کو نبی مقرر فرمایا ہے۔ (وہ چیں بجبیں ہوکر)

قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ

کہنے لگے وہ کیسے ہمارے اوپر حکومت کر سکتا ہے؟ حالانکہ ہم اس کی بہ نسبت حکومت کے زیادہ

مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ط قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ

حقدار ہیں۔ اور اس کے پاس وسعتِ مال بھی نہیں ہے۔ فرمایا (نبی نے) کہ تحقیق اللہ نے تم پر اس کا انتخاب فرمایا

عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط وَاللَّهُ يُؤْتِي

ہے اور اس کو بڑھایا ہے وسعتِ علمی اور کمالِ جسمی کے لحاظ سے اور اللہ جس کو

مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (۲۴۷)

چاہتا ہے ملک عطا فرماتا ہے اور اللہ ہی صاحبِ وسعت و علم ہے۔

اپنے نبی سے قائد اور صدر کے انتخاب کے خواہاں ہوئے اور نبی نے بحکم خداوندی طالوت کو نامزد فرمایا جو باوجود ان کے ریخ پا ہونے کے معزول نہ ہو سکا۔

مجمع البیان میں ہے کہ اس نبی کے نام میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ شمعون بن صفیہ تھے جو لاوی بن یعقوب کی اولاد سے تھے بعض نے اس کا نام یوشع بن نون بتلایا ہے جو حضرت یوسف کی اولاد سے تھے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کا نام اشمویل منقول ہے کہ زبان عربی میں اس کو اسماعیل کہا جاتا ہے اور مروی ہے کہ جب اشمویل کو خدا نے مبعوث فرمایا تو چالیس برس تک تو وہ اچھی حالت میں رہے پھر اس کے بعد جالوت اور عمالقہ کا معاملہ درپیش ہوا۔

تفسیر برہان کی سابقہ روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل میں نبوت ایک خاندان میں (لاوی بن یعقوب کی اولاد میں) اور بادشاہت دوسرے خاندان میں (حضرت یوسف کی اولاد میں یا یہودا کی اولاد میں) چلی آرہی تھی اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں بادشاہ کے پاس لشکر کم ہوا کرتا تھا اور نبی ہی اس کے معاملہ کو مضبوط کیا کرتا تھا۔ پس اس نبی نے بحکم خدا ان کا بادشاہ مقرر کیا اور جب جہاد واجب ہوا تو وہ لوگ ثابت قدمی کے عہد سے پھر گئے اور تھوڑے ثابت قدم رہے اور تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ تھوڑے بھی ساٹھ ہزار تھے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ الخ۔ جب بنی اسرائیل نے نبی سے بادشاہ کے تقرر کی خواہش کی تو نبی نے فرمایا ایسا نہ ہو کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم پھر جاؤ۔ کہنے لگے ایسا ہرگز نہ ہوگا کیونکہ ہمیں اپنی جلاوطنی قتل وغارت اور بیوی بچوں کی قید کا بھی درد ہے ہم ضرور جان توڑ کر لڑیں گے اور ثابت قدم رہیں گے۔ پس نبی نے فرما دیا کہ خدا کی طرف سے طالوت تمہارا بادشاہ ہے۔ طالوت نہ خاندانِ نبوت (لاوی کی اولاد) سے تھے اور نہ خاندانِ شاہی (یوسف یا باختلاف یہودا کی اولاد) سے تھے بلکہ وہ بنیامین کی اولاد میں سے تھے اور سقائی یا باختلاف رنگریزی کا کام کرتے تھے۔ لمبی قد کی وجہ سے ان کو طالوت کہا جاتا تھا (بعضوں نے کہا ہے کہ بعد میں یہ مبعوث بنبوت بھی تھے۔
قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ الخ۔ بل جل کر انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ خاندانِ نبوت ومملکت میں سے ہم ہیں اور وہ ایک معمولی پیشہ کا آدمی ہے لہٰذا وہ خاندانی لوگوں سے کیسے سبقت لے سکتا ہے البتہ اگر وہ مالدار ہوتا تو اس ذریعہ سے ہمارے خاندانی شرف کا مقابلہ کر سکتا یا حکومتی معاملات کو سنبھال سکتا پس بنی اسرائیل نے جذباتی رنگ میں آکر سات زبردست غلطیاں کیں۔

(۱) خدائی انتخاب پر حرف زنی کی جو قطعاً ناجائز ہے۔
(۲) علم خداوندی کے مقابلہ میں اپنے قیاسات کو پیش کیا۔
(۳) محض اس کی غربت وافلاس کے پیشِ نظر اس کو خاندان میں گھٹیا قرار دیا۔ حالانکہ وہ بھی انہی کے خاندان سے تھا اور اولادِ یعقوب میں سے تھا۔
(۴) نبی کی نص کے بعد بھی اس کے خلاف اجماع کا ڈھونگ رچایا۔
(۵) اپنے زعم باطل میں پیسہ کی فراوانی کو خاندانی شرف کے مقابلہ میں لے آئے۔ یعنی جس کے پاس پیسہ ہو خواہ وہ پست قوم میں سے ہی ہو۔ وہ خاندانی شرف کا مقابلہ کر سکتا ہے۔
(۶) معیارِ انتخاب خداوندی بھی انہوں نے اپنے غلط نظریہ کے ماتحت کثرتِ مال ودولت کو سمجھا ہوا تھا۔
(۷) لوگوں میں ہر دلعزیزی اور ان کا نظم ونسق اور ان پر حکومتی کنٹرول وغیرہ ان چیزوں کا دارومدار بھی ان کے نزدیک پیسہ تھا۔

اور نبی نے مندرجہ وجوہات سے سب کو رد کر دیا۔ تمہارے اعتراضات، قیاسات اور اجماعات وغیرہ انتخابِ خداوندی کے مقابلہ میں لغو و بے معنی ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ۔ تحقیق اللہ نے ہی اس کا انتخاب کیا ہے۔ پس جس کو اللہ چن لے تو کسی نبی کے صحابی اس کے انتخاب پر ہزار اعتراض کریں، لاکھ قیاس آرائیاں کر کے اس کے خلاف اجماعی پروگرام قائم کریں۔ تاہم وہ اللہ کے انتخاب کو اپنے مقام سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں کر سکتے۔
بنی اسرائیل نے اگرچہ اپنے نبی سے یہ خواہش کی تھی کہ آپ خود ہمارے لئے بادشاہ کا تقرر فرمائیں۔ لیکن نبی

نے ان کے جواب میں فرمایا۔ کہ خدا نے طالوت کو مقرر فرمایا ہے گویا وہ نبی اپنے صحابہ کو یہ ذہن نشین کرا رہے تھے کہ تمہارا مجھ سے اس انتخاب کی خواہش کرنا بے محل ہے اور انتخاب کا حق صرف اللہ کی ذات کو حاصل ہے۔ کیونکہ وہ ہر شخص کے ظاہر و باطن کی جملہ خوبیوں یا برائیوں سے مطلع ہے لہذا اس کے انتخاب میں غلطی کا امکان نہیں ہوگا۔ پس اس مقام پر بنی اسرائیل کے نبی حضرت اشمویل ہوں یا حضرت ارمیاء۔ انہوں نے اس امر کا انکشاف بھی فرمایا ہے کہ نبی کا کام خدائی فرامین و انتخابات کا اعلان کرنا ہے اور بس۔ چنانچہ پہلی دفعہ فرمایا کہ خدا نے اس کو تمہارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ جب انہوں اپنا احجاج اس کے خلاف پیش کیا اور بزبان اعتراض اپنے قیاسی مواد کو دہرایا۔ تو پھر بھی نبی نے اپنی طرف سے کچھ پیش کرنے کی بجائے سرداران بنی اسرائیل سے یہی فرمایا:۔ کہ حضرات! بس اللہ نے اسی کو چُنا ہے۔ لہذا تمہاری چوں و چرا اور قیل وقال سب بے ہودہ ہے۔

پس وہ نبی اپنی طرز کلام ولہجۂ جواب سے ان کے ذہن نشین یہی بات کرا رہے تھے کہ تمہاری میرے اُوپر اس معنی میں ناراضگی بے سود ہے اور مجھ سے اس معاملہ میں نظرثانی کی درخواست یا اس کے انتخاب کی منسوخی کی خواہش اور جدید انتخاب کی آرزو سب فضول ہے کیونکہ نہ میں پہلے سے اس قسم کے انتخاب کا مجاز تھا اور نہ اب اس کے نسخ و ترمیم کا مجاز ہوں۔ پہلے بھی اللہ نے انتخاب کر کے مجھ سے اعلان کروایا تھا اور اب اس کی منسوخی، یا ترمیم، یا نظرثانی کا حق بھی اُسی کو حاصل ہے گویا اللہ کے علاوہ صحیح انتخاب نہ کوئی کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کا حق حاصل ہے پس نبی کو نہ اس کے جوڑنے کا حق ہے اور نہ توڑنے کا اختیار ہے۔

نیز نبی نے ان کے شور و غوغا سے متاثر ہو کر خدا سے نظرثانی کی اپیل بھی نہیں کی۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ انتخاب خداوندی بغیر مصلحت کے ہو نہیں سکتا۔ اور جب مصلحت سے انتخاب ہُوا ہے تو اس پر نظرثانی کی اپیل کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو خلاف مصلحت کرنے کے لئے عرض کی جائے اور یہ فعل ایک نبی سے نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) آپ نے فرمایا:۔ کہ خدا نے اُن کو علمی وسعت عطا فرمائی ہے۔ پہلے جواب میں صرف خدا کے انتخاب کا ذکر کیا جو ان کے تمام اعتراضات اور قیل وقال پر حاوی تھا۔ اس جواب میں ان کو اپنی اصولی غلطی پر تنبیہ فرمایا ہے کہ علم وجہل کے مقابلہ میں ہر حال میں علم کو ترجیح ہے۔ علم جہل پر حاکم ہے جس طرح روشنی تاریکی پر حاکم ہے جہلا کی قیاس آرائیاں عالم کے وقار علمی میں رخنہ انداز نہیں ہو سکتیں اور چند جہلا کا مل جل کر شور و غوغا کر کے اجماعی صورت بنا کر ایک غلط جمہوریت کی آواز بلند کرنا ایک عالم کے متعلق خدائی انتخاب کو رد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اجماعی وجمہوری انتخاب کا مطلب یہ ہے ع

(جمہوریت اک راج ہے اقبال کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے)

- انہوں نے غربت و افلاس کو معیارِ نا اہلیت قرار دیا تھا۔ خدا نے جہالت کو نا اہلیت و ناموزونیت کا معیار قرار دیا ہے۔
- انہوں نے پیسہ کی فراوانی کو معیار انتخاب قرار دیا تھا۔ خدا نے علمی وجاہت کو مدار و محورِ حکومتِ الٰہیہ قرار دیا ہے۔
- انہوں نے مالداری کو خاندانی شرف کے مقابلے میں پیش کیا تھا۔ خدا نے علمی برتری کو خاندانی شرافت پر فوقیت دینے کا اعلان فرمایا۔
- انہوں نے صاحبِ افلاس و غربت کو حکومتی نظام سنبھالنے کے لئے اَن فِٹ قرار دیا تھا۔ اور خدا نے صاحبِ جہل کو عوامی نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے ناموزوں قرار فرمایا ہے۔
- انہوں نے صاحبِ زر کو رعایا پر کنٹرول رکھنے کا اہل سمجھا تھا۔ اور خدا نے صاحبِ علم کو اس عہدہ کے لئے موزوں قرار دے کر منتخب فرمایا۔

پس عالم بوریا نشین تخت و سایر بیٹھنے والے جاہل سے افضل ہے لہٰذا اگر کوئی غنی ہو تو اپنے مقام پر ہوا کرے۔ لیکن اللہ کے نزدیک نہ اس کے خاندانی جاہ و جلال کی کوئی وقعت ہے اور نہ اس کے مالی کرّ و فر کی کچھ قدر و قیمت ہے پس وہ حکومتِ الٰہیہ اور رعایا کے صحیح نظام کو قائم رکھنے کیلئے یقیناً نا اہل اور غیر موزوں ہے اور ایسے کا انتخاب دامنِ انتخابِ الٰہی پر ایک بدنما داغ ہے۔

اس کے برعکس اگر کوئی عالم ہے خواہ وہ فاقہ مست اور خاک نشین ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا لباس جگہ جگہ سے پیوند دار ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اللہ کے نزدیک عالم کی فاقہ مستی جاہل کی شکم پُری سے بہتر۔ عالم کی فقیری جاہل کی امیری سے بہتر۔ عالم کی فروتنی جاہل کی سج دھج سے افضل اور عالم کی خاک نشینی، جاہل کی سریر آرائی سے محبوب تر ہے۔ لہٰذا وہی انتخابِ خداوندی کے لئے موزوں اور حکومتِ الٰہیہ کے نظام کے سنبھالنے کے لئے سزاوار تر ہے۔

(۳) اس کے بعد اس نبی نے ان کو ایک اور غلطی کی طرف متوجہ فرمایا۔ تاکہ ان کو مصلحت و حکمتِ انتخابِ قدرت سے کسی حد تک آگاہی ہو جائے اور وہ یہ کہ دشمن کے مقابلہ میں صف آرائی کے لئے غنی اور مالدار ہونا کافی نہیں بلکہ وہاں جسمانی قوت کی ضرورت ہے اور اس میں طالوت تم سب سے زیادہ ہے۔ پس خدائی انتخاب کا تعلق ظاہری جذبات سے نہیں بلکہ حقیقی مصالح سے ہے جہاں دشمن سے جہاد کرنے کی ضرورت ہو وہاں سپاہ کی سرکردگی کے لئے وہ ہی موزوں تر ہو سکتا ہے جو شجاع اور مردِ میدان ہو خواہ ظاہری نگاہوں میں فقر و فاقہ کی وجہ سے نظر انداز ہی کیوں نہ کیا جاتا ہو؟ اور یقیناً ایسے مقام پر ایسے شخص کا انتخاب جو مردِ میدان

نہ ہو۔خواہ مالدار وغنی ہوا کرے۔ ناقابلِ عفو عقلی و روایتی غلطی ہے کیونکہ دشمن پر فتح یابی حاصل کرنے کے لئے بہادری اور قوتِ جسمانی کی ضرورت ہے نہ کہ دولتمندی اور تونگری کی۔

سوال:۔ طالوت کو بھی علم و جسمانی قوت اللہ کی عطا کردہ ہے اگر یہی چیزیں ان کو عطا فرما دیتا تو کیا حرج تھا جیسا کہ خداوند کریم نے طالوت کو عطا فرمائیں اور ان کو سرے سے ان چیزوں سے محروم رکھا تو پھر معیارِ انتخاب ان چیزوں کو قرار دینا ہی سب یکطرفہ سودا ہے؟

جواب:۔ اسی سوال کا جواب وَاللّٰہُ یُؤْتِیْ مُلْکَہٗ۔ الخ سے دے دیا ہے یعنی مشیّت خداوندی پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور یہ بھی اس کی مشیّت ہے۔

الحاصل۔ بنی اسرائیل کی طرف سے طالوت پر دو اہم اعتراض تھے۔ پہلا اعتراض یہ تھا کہ وہ شاہی خاندان سے نہیں ہیں اور اس کی تعبیر انہوں نے اپنے استحقاق کے اظہار میں کی کہ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْکِ۔ مقصد یہ ہے کہ شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ہم حکومت کا استحقاق رکھتے ہیں اور اس میں ضمنی طور پر طالوت کا عدم استحقاق اور اس کی وجہ بھی معلوم ہو گئی اور دوسرا اعتراض یہ تھا کہ وہ مالی حیثیت میں کمزور ہیں پس ان کے اعتراض کا جواب تو اس طرح دے دیا گیا کہ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰہُ۔ کہ اللہ نے چن لیا ہے گویا خاندانی استحقاق اس کے چناؤ کے مقابلہ میں کوئی وقعت و اہمیت نہیں رکھتا اور دوسرے اعتراض کا جواب اس طرح دیا کہ نظام مملکت کا سنبھالنا مالداری پر موقوف نہیں بلکہ وہ حسن تدبیر اور جوہر شجاعت کا مرہونِ منت ہے اور جوہر شجاعت، قوت و توانائی کا محتاج ہے اور طالوت میں یہ دونوں خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں لہذا انتخاب خداوندی بجا اور برمحل ہے۔

پہلے جواب میں جب یہ ارشاد ہوا۔ کہ اس کو اللہ نے چُن لیا ہے تو یہ شائبہ پیدا ہوتا تھا کہ بلا وجہ اور بغیر استحقاق کے حکومت کو شاہی خاندان سے نکال کر دوسرے کے حوالے کرنے میں کیا حکمت ہے؟ پس خداوند کریم نے دوسرے جواب میں حکمت کا تذکرہ فرما دیا۔ اور اعلان کر دیا۔ خدائی انتخاب کا تعلق اگرچہ اس کی اپنی مشیّت سے ہے لیکن پھر بھی خالی از حکمت نہیں اور وہ حکمت یہ ہے کہ جس کو چُنا جا رہا ہے وہ عالم بھی ہے اور شجاع بھی اور بادشاہت کے لئے یہ دونوں چیزیں ضروری ہیں۔ لیکن یہ مطلب چونکہ قدرے معرض خفا میں سے تھا۔ لہذا پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے صاف اور کھلے لفظوں میں اعلان کر دیا۔ وَاللّٰہُ یُؤْتِیْ مُلْکَہٗ مَنْ یَّشَآءُ۔ کہ کسی کو ملک کا عطا کرنا خدائی مشیت ہے۔ وہ جسے چاہے دے دے۔

وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ اس فقرہ میں پھر اُسی شبہ کا ازالہ ہے کہ گو ملک کا کسی کو عطا کرنا میری مشیت

سے ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا چاہیئے کہ مشیت خالی از حکمت ہوتی ہے بلکہ اللہ کا مشیتی فعل بھی حکمت کے ماتحت ہی ہوتا ہے لفظ وَاسِعٌ میں قدرت اور مشیت کے دائرہ کی وسعت کو بیان کرنا مقصود ہے اور عَلِیْمٌ کی قید اس کی مشیت کی وسعتوں میں حکمت وعلم کے دخل کی طرف اشارہ کرتی ہے جس طرح کہ صاحبانِ ذوق پر مخفی نہیں ہے۔

سوال:۔ اگر بنی اسرائیل نے نبی وخدا کے انتخاب پر اعتراض کرنا تھا تو پہلے اپنے میں سے ایک کو چُن لیتے۔ اور بادشاہ بنا لیتے۔ نبی سے اس چناؤ کی درخواست کیوں کی؟

جواب:۔ اس صورت کے بغیر ان کا اپنا چناؤ کسی صورت میں پایۂ تکمیل تک پہنچ ہی نہ سکتا تھا۔ کیونکہ تمام سرکردہ افراد اور سردارانِ قوم اپنا نام امیدواروں کی فہرست میں گنوا دیتے اور اس صورت میں تمام قبیلوں کی آپس میں سر پھٹول ہو جاتی اور بدترین نتیجہ برآمد ہوتا۔ لیکن جب اُن کے سامنے ایک ایسے شخص کا انتخاب ہُوا۔ جس کو وہ سب نہ چاہتے تھے تو اس کے خلاف ہنگامہ آرائی کر کے باہمی طور پر کسی ایک پر جمع ہو جانا ممکن تھا۔ کیونکہ اسی صورت میں جذبات کا اُبھار چونکہ ایک معیّن شخص کے خلاف شدت کی صورت میں ہوتا ہے لہذا یہ قربانی کرنا آسان ہوتا ہے کہ چلو میں نہ سہی کوئی دوسرا برادری کا آدمی سہی بہرکیف وہ نہ ہو جس کو ہم متفقہ طور پر نہیں چاہتے۔

نصیحت وعبرت قرآن مجید میں اس قسم کے واقعات اور حکایات صرف ظاہری دلچسپی کے لئے نہیں دہرائے گئے بلکہ چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے موعظہ بھی ہے اور دستورالعمل بھی لہذا اس کے تمام قصص وحکایات تاقیامت امتِ مرحومۂ اسلامیہ کے لئے دعوتِ عمل ہیں۔ ایک نبی کا واقعہ اور ان کی امت کے ساتھ گفت وشنید اعتراضات وجوابات اور ان سب کا ردِ عمل یہ باتیں صرف کانوں کی ہوس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ درس حاصل کرنے کے لئے ہیں۔

پس آیاتِ زیرِ بحث میں جہاں مقابلۂ دشمن میں ثباتِ قدمی کی دعوت دی گئی ہے اور بزدلی کی مذمت کی گئی ہے۔ وہاں ساتھ ساتھ اس اہم مطلب کے چہرہ سے بھی نقاب کشائی کی گئی ہے کہ عہدہ حکومتِ الٰہیہ کے لئے عہدہ دار کا انتخاب صرف اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے جس کا اعلان کرنے کا نبی کو حق حاصل ہے۔ اور امّت کو نہ اس پر اعتراض کرنے کی اجازت ہے اور نہ اس معاملہ میں ان کا اجماع کوئی وقعت رکھتا ہے۔ اب مسلمان ذرا سوچیں کہ ہمارے نبی نے بھی ہمارے اُوپر کوئی حاکم مقرر کیا ہے یا وہ ہم کو اندھیرے میں چھوڑ کر چلے گئے تو اس کا جواب کتب فریقین سے متواتر ملتا ہے۔ کہ نبی نے ہمیں بار بار بتایا۔ گھر میں بتایا۔ سفر میں بتایا۔ مسجد میں بیان کیا۔ جنگوں کے مواقع پر بیان کیا۔ فرداً فرداً سنایا۔ اور کھلے جلسوں میں ببانگ دہل اعلان فرمایا۔ پہلے پہل دعوتِ ذوالعشیرہ میں اپنی تصدیق کرنے والے کے لئے اپنے بعد کے لئے

خلافت کی پیش کش فرمائی۔

اورسب سے آخر میدانِ غدیر میں ایک لاکھ سے زیادہ کے مجمع میں کھلے الفاظ میں خلافت کا اعلان فرمایا اور صرف یہ نہیں بلکہ دستار بندی بھی کرائی اور صحابہ سے بیعت بھی کرائی اور صحابہ کرام نے بخٍ بخٍ لک کے گرانقدر الفاظ سے علی کو خراجِ عقیدت بھی پیش کیا۔

ان کے علاوہ حدیث مواخات۔ حدیث طیر۔ حدیث منزلت وغیرہ میں صاف طور پر علی کی خلافت کو بیان فرمایا اور حدیث الثقلین کو کئی بار دہرا دہرا کر تمام مسلمانوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش فرمائی۔ کہ میرے بعد سوائے میری آل کے تمہارے لئے کوئی قرآنی مسائل کو حل کرنے کے لئے اہل نہیں ہے۔ یہی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن اُن کے ساتھ ہے اور یہ آپس میں ایک دوسرے سے ہرگز جُدا نہ ہوں گے۔ یہانتک کہ وہ تمہیں حوضِ کوثر پر میرے پاس لے آئیں گے۔

لیکن افسوس کہ امتِ اسلامیہ نے گذشتہ واقعات کو صرف کانوں تک ہی محدود رکھا اور قرآن نے گذشتہ اقوام و امم کے جس جس کردار کو غلطی اور بے راہ روی سے تعبیر کیا تھا مسلمانوں نے صرف زبان سے قرآن کے فیصلہ کی تصدیق کر لی لیکن عمل وہی کیا جو گذشتہ امتیں کر گذریں۔ حضرت رسالتمآبؐ کے مقرر کردہ خلفاؑ کو پیچھے ہٹانے اور دوسروں کو آگے بڑھانے میں وہی بہانے تجویز کئے جو گذشتہ امتوں نے کئے تھے جن کو قرآن نے رد کر دیا تھا اور باوجودیکہ معیار قرآنی کے مطابق حضرت علیؑ انتخاب حکومتِ الٰہیہ کے لئے تمام سے موزوں تر تھے اور خدا کی طرف سے منتخب بھی تھے۔ پُوری اُمت میں نہ اُن سے بڑھ کر کوئی عالم تھا اور نہ ان سے زیادہ کوئی شجاع تھا۔ دیگر اوصاف کمالیہ میں بھی وہ اپنی نظیر آپ ہی تھے لیکن امت کا رویہ وہی رہا جس کو تاریخ گذشتہ کے طور پر قرآن نے عبرت حاصل کرنے کے لئے دہرایا تھا۔ اس مقصد کی مزید وضاحت ہماری کتاب "اسلامی سیاست" میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ

اور ان کو اپنے نبی نے بتایا کہ تحقیق اس کے بادشاہ بننے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس

التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

تابوت آئے گا جس میں تسکین ہے (تمہارے لئے) تمہارے رب سے اور بقیہ (تبرکات) ان چیزوں سے جو

آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي

چھوڑ گئے حضرت موسٰے و ہارون کہ فرشتے اس کو اٹھالائیں گے ۔ تحقیق اس میں

ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾ ع ۱۶

تمہارے لئے نشانی ہے ۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

تابوتِ بنی اسرائیل

وَقَالَ لَهُمْ ۔ گویا انہوں نے اپنے نبی سے طالوت کی بادشاہت کی نشانی طلب کی اور نبی نے یہ فرمایا کہ تمہارے پاس تابوت آئے گا اور برہان میں حضرت باقرؑ سے مروی ہے کہ یہ وہی تابوت تھا جس میں حضرت موسٰی کو اپنی والدہ نے بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا اس میں تورات کی الواح اور موسٰی کی زرہ اور دیگر تبرکات بند تھے بنی اسرائیل اس کی تعظیم کرتے تھے حضرت موسٰے کی وفات کے بعد وہ ان کے وصی یوشع کے پاس تھی ۔ پس کچھ عرصہ بعد انہوں نے اس کی تعظیم چھوڑ دی ۔ حتیٰ کہ بچے اس کے ساتھ رستوں میں کھیلا کرتے تھے جب تک انہوں نے تابوت کی عزت کی وہ خود بھی عزت میں رہے اور جب وہ گناہوں میں پڑ کر تابوت کی عزت سے کنارہ کش ہوئے تو مبتلائے مصائب ہو گئے اور مروی ہے کہ ان کے دشمن جب ان پہ غالب ہوئے تو ان کے باقی سامان لوٹنے کے ساتھ ان سے وہ تابوت بھی چھین لئے گئے تھے ۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ تابوت حضرت آدم پر اترا تھا اور اس میں تمام انبیاء کی تصویریں تھیں اور ورثہ بورثہ بنی اسرائیل تک پہنچا تھا اور امام موسٰے کاظم سے مروی ہے کہ اس کا طول تین ذراع اور عرض دو ذراع تھا (برہان) لڑائی کے وقت اس کو لشکر کے سامنے رکھتے تھے اور اس سے آواز پیدا ہوتی تھی اور چل پڑتا تھا اور فوج اس کے پیچھے پیچھے چلتی تھی جب وہ ٹھہر جاتا تو وہ بھی ٹھہر جاتے تھے ۔

فِيْهِ سَكِيْنَةٌ ۔ اس کے مطلب میں اختلاف ہے بعض روایات میں ہے کہ تابوت سے جنت کی ہوا نکلتی تھی اور وہی سکینہ تھی اور علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ سکینہ کا معنی امن و اطمینان ہو کیونکہ اس تابوت میں بھی بنی اسرائیل کے لئے سکون قلب و اطمینان ہوتا تھا ممکن ہے کہ اس سے مراد آثار علم کا بقیہ اور تبرکات انبیاء ہوں۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سکینہ کا معنی دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ وہ اللہ کی پیدا کردہ روح تھی جو بولتی تھی اور جب ان کو آپس میں اختلاف درپیش ہوتا تو وہ ان کے ساتھ کلام کرتی تھی اور خبر دیتی تھی (برہان)

اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ ۔ اس مقام پر آل موسیٰ و آل ہارون سے مراد خود موسیٰ و ہارون ہیں اور عرب میں آل فلاں بول کر خود وہ شخص مراد لینا عام ہے اور کہتے ہیں کہ اس تابوت میں حضرت موسےٰ کی نعلین اور حضرت ہارون کا عمامہ بھی تھا۔

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۔ فرشتوں کے اٹھا لانے کا مطلب بعضوں نے تو یہی بیان کیا ہے کہ جانب آسمان سے فرشتے اٹھا کر لائے۔ چنانچہ ابن عباس سے یہی قول مروی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب بنی اسرائیل کے دشمن ان پر غالب آئے اور ان سے تابوت چھین لیا۔ اور انہوں نے تابوت کو اپنے بتخانہ میں لے جا کر رکھ دیا۔ پس تابوت کے پہنچتے ہی تمام بت منہ کے بل گر گئے۔ تو انہوں نے تابوت کو وہاں سے نکال کر شہر کے باہر کہیں رکھ دیا۔ پس ان لوگوں کی گردنوں میں درد پیدا ہو گیا اور جہاں تابوت رکھتے تھے وہاں وباء اور موت عام ہو جایا کرتی تھی۔ لہذا انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اس کو یہیں سے نکال دینا چاہیئے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو دو بیلوں پر مضبوط کس کر باندھ دیا۔ اور ان دو بیلوں کو ہانک دیا۔ پس ملائکہ ان کو بنی اسرائیل کے پاس لائے اس روایت کے اعتبار سے تَحْمِلُ کا معنی صرف لانا ہو سکے گا نہ کہ اٹھا لانا۔

مقدمہ تفسیر مراۃ الانوار میں ہے کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ تبرکات انبیاء مثلاً الواح اور عصاء موسیٰ اور ان کے علاوہ باقی چیزیں آئمہ معصومین علیہم السلام کے پاس موجود تھیں اور تابوت بھی ان کے پاس تھا۔ کیونکہ یہ چیزیں اسی میں تھیں اور بعض زیارات کے کلمات میں ہے کہ تم وہی ہو جن کے پاس تابوت سکینہ پہنچائی گئی اور بعض زیارات میں ہے کہ تم وہ ہو کہ خدا نے تم کو اپنی حکمت کا تابوت قرار دیا ہے اور اسی کتاب میں مناقب بن شہر آشوب سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد حضرت جبرئیلؑ اہلبیتؑ کو پرسا دینے کے لئے آیا اور سلام دیا یہانتک کہ اس نے کہا جَعَلَكُمُ اللّٰهُ تَابُوْتَ عِلْمِهٖ وَاَوْرَثَكُمْ كِتَابَهٗ ۔ یعنی تم کو خدا نے اپنے علم کا صندوق و تابوت بنایا ہے اور تمہیں اپنی کتاب کا وارث بنایا ہے۔

بعض مفسرین نے اس مقام پر سکینہ سے مراد رُوح سکون لیا ہے جو خداوند کریم مومنین کو عطا فرماتا ہے اور اس کو سکینہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس سے دل و دماغ میں سکون و اطمینان آجاتا ہے اور احادیث جو سکینہ کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان کی تاویل بھی اسی معنی کے مطابق کی گئی ہے۔ (واللہ اعلم)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم

پس جب روانہ ہوا طالوت فوج لے کر تو کہا کہ تحقیق اللہ تمہارا امتحان کرنے والا ہے۔

بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ

ایک نہر سے پس جو اس سے پئے گا وہ میرا نہ ہوگا اور جو اس سے نہ پئے گا وہ میرا ہوگا مگر وہ جو اپنے ہاتھ

مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا

سے ایک چلو لے لے (اس پر حرج نہیں) پس سب نے اس سے پیا سوائے ان کے تھوڑے آدمیوں

قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا

کے۔ پس وہ جب وہاں سے گذر گئے بمعہ ان لوگوں کے جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے وہ کہنے لگے

لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ

کہ آج ہماری طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کریں　ان لوگوں نے کہا جو یہ سمجھتے تھے کہ ہم

أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ

اللہ سے ملنے والے ہیں کہ بسا اوقات تھوڑی جماعتیں فتح پا لیا کرتی ہیں بڑی جماعتوں پہ بحکم خدا

طالوت و جالوت کی لڑائی کا قصہ

فَلَمَّا فَصَلَ ۔ گویا بنی اسرائیل نے نشانی طلب کی اور وہ تابوت اسی بیان کردہ صفت کے ساتھ ان کے پاس آیا۔ تو انہوں نے طالوت کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ اور اسی ہزار یا ستر ہزار کی تعداد میں باختلاف روایت فوج لے کر جہاد کے لئے روانہ ہوئے۔ پس خدا نے ان کے صبر کا امتحان لیا تاکہ سچے ایماندار اور جھوٹے کا فرق معلوم ہو جائے۔ جب نہر کے کنارے پہنچے تو طالوت نے ان کو امتحان کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی اور بعض کا خیال ہے کہ وہ نہر فلسطین تھی۔

احتجاج سے مروی ہے کہ طاؤس یمانی نے حضرت امام محمد باقرؑ سے دریافت کیا کہ وہ کون سی چیز ہے۔ جس کا تھوڑا حلال ہے اور زیادہ حرام ہے آپ نے فرمایا وہ نہر طالوت ہے جس کا ایک چلو حلال اور زیادہ پینا حرام تھا۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ

اور اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے اور جب نکلے جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے تو یہ

قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا

دعا مانگی۔ اے ہمارے رب ہمیں صبر کی توفیق دے اور ہمیں ثابت قدمی عطا کر اور کافر قوم پر

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

ہماری نصرت فرما

اِلَّا قَلِيْلًا۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ تین سو تیرہ تھے کہ بعضوں نے ایک چلو پیا تھا اور بعضوں نے کچھ بھی نہ پیا تھا اور بعض کہتے ہیں وہ کل چار ہزار تھے لیکن ان میں سے باقی منافق ہو گئے اور صرف تین سو تیرہ ثابت قدم رہے اور کہتے ہیں۔ طالوت نے نافرمانوں کو واپس کر دیا اور صرف ایمان والوں کے ساتھ نہر کو عبور کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بصراحت موجود ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنہوں نے چلو پیا تھا وہ سیر ہو گئے اور جنہوں نے حرص زیادہ کیا۔ ان کی پیاس بڑھ گئی اور ہونٹ بھی سیاہ ہو گئے (حاشیہ مقبول)

قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا۔ چونکہ ان کی تعداد کم تھی اور ادھر جالوت کے پاس بہت کافی فوج تھی۔ اس لئے بعض لوگ گھبرا کر یہ بات کہنے لگے جو قرآن میں ہے۔

طالوت کا ایمان قرآن مجید کے الفاظ سے طالوت کا مومن یا کافر ہونا واضح نہیں ہوتا لیکن اشارات و کنایات کی رُو سے اُن کے مومن ہونے کا پہلو زیادہ روشن ہے چنانچہ بعضوں نے ان کی نبوت کا قول بھی کہا ہے جیسا کہ ص۱۱۱ پر گزر چکا ہے البتہ تاریخ سے اس کے مومن نہ ہونے کے قول کو تقویت پہنچتی ہے چنانچہ طبری نے لکھا ہے کہ اعلان جنگ کے بعد طالوت نے اپنی فوج میں اعلان کیا تھا کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا میں اس کو اپنی لڑکی کا رشتہ بھی دوں گا اور اس کے نام کا سکہ بھی جاری کر دوں گا جب حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کیا تو اس نے حسب وعدہ داؤد کو لڑکی بیاہ دی اور ان کے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا اور حضرت داؤد نے اپنی خداداد استعداد سے جب لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تو اُن کی مقبولیت عامہ سے گھبرا کر طالوت نے اپنے اقتدار کی بحالی کیلئے ان کو اپنے راستہ سے ہٹانے کی ٹھان لی اور اسی قلبی کدورت کو عمل میں لانے کیلئے اس نے بنی اسرائیل کے کافی علماء مروا ڈالے تاکہ اس بہانہ سے کسی وقت حضرت داؤد کو بھی قتل کروا دیا جائے لیکن اللہ نے اس کے ارادۂ فاسدہ کو پنپنے نہ دیا چنانچہ ایک آنے والی جنگ میں طالوت خود دشمن کے ہاتھوں مارا گیا اور حضرت داؤد جو نائب السلطنت کے عہدہ پر پہلے فائز تھے حکومت کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا اور وہ طالوت کے بعد مملکت اسرائیل کے مطلق فرماں روا ہو گئے۔

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ

پس انہوں نے ان کو شکست دے دی باذن خدا اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور عطا کیا اس کو

اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ

اللہ نے ملک اور علم شریعت ۔ اور اس کو سکھایا جو چاہا اور اگر نہ ہوتا خدا کا دفع

اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ

کرنا بعض (مفسد) لوگوں کا بذریعہ بعض دوسرے لوگوں کے تو زمین فساد سے بھر جاتی ۔ لیکن

اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ

اللہ صاحب فضل ہے اوپر عالمین کے یہ اللہ کی آیات ہیں

نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں

حضرت داؤد کی شجاعت

وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بنی اسرائیل کے نبی کو یہ وحی ہوئی تھی کہ جالوت کو وہ شخص قتل کریگا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زرہ فٹ ہوگی اور وہ شخص لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہے جس کا نام داؤد ہے اور دنبیاں چراتا ہے اور اس کے باپ کا نام ایشا ہے (اسی) ایشا کے دس فرزند تھے اور حضرت داؤد سب سے چھوٹے تھے پس جب طالوت کے پاس لشکر جمع ہوا۔ تو انہوں نے ایشا کو کہلا بھیجا کہ آپ اپنے بیٹوں کو لائیں پس جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت موسٰے کی زرہ باری باری ہر ایک کو پہنائی لیکن وہ کسی پر فٹ نہ آئی بلکہ کسی سے بڑی اور کسی سے چھوٹی ہوتی تھی تو طالوت نے دریافت کی کہ ان کے علاوہ آپ کا کوئی فرزند بھی ہے ؟ انہوں نے جواب دیا ۔ کہ ہاں ! ان سب سے چھوٹا ایک ہے جس کو دنبیوں کی حفاظت کے لئے ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں ۔ پس ان کو طلب کیا گیا ۔ جب ان کو پیغام پہنچا تو وہ غلیل مارنے کی ایک کمان (فلاخن یا گوپھن) اپنے ساتھ لئے وہاں سے روانہ ہوئے ۔ رستہ میں تین پتھروں نے یکے بعد دیگرے آواز دی

کہ ہیں اسے داؤد اپنے ساتھ لیتے جایئے۔ کہ تیرے کام آئیں گے پس انہوں نے ان کو اپنے توبرہ میں رکھ لیا اور وہ فیروزہ کے پتھر کی قسم سے تھے اور حضرت داؤد تنومند بہادر اور قوی ہیکل جوان تھے۔ پس جب طالوت کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان کو حضرت موسٰے کی زرہ پہنائی جو ان کو پوری طرح فٹ آئی۔

پس القصہ جب طالوت کا لشکر جالوت کے لشکر کے مقابلہ میں آیا۔ تو جالوت کی شجاعت کا بڑا چرچا سنا۔ حضرت داؤد نے ان سے کہا کہ جس کے بارے میں اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہے ہو۔ خدا کی قسم ایک بار مجھے دکھا دو۔ اُسے ضرور قتل کروں گا۔ حضرت داؤد کا کہنا تھا کہ پورے لشکر میں اُن کے جرأت مندانہ کلام کی آواز مشہور ہوئی اور اُن کو طالوت کے سامنے لایا گیا۔ طالوت نے دریافت کیا کہ آپ کی قوتِ بازو کی کیا حد ہے اور آپ نے کس حد تک اپنی طاقت کو آزمایا ہے (کہ اسقدر جرأت آمیز دعوے کرتے ہو) تو انہوں نے کہا کہ میری قوت بازو یہ ہے کہ شیر جب میری دُنبیوں پر حملہ آور ہوتا تھا۔ تو میں اس کو پکڑ لیتا تھا اور اس کے سر کو قابو کر کے اس کی ڈاڑھیں کھول کر اپنی دُنبی وغیرہ اس کے مُنہ سے چھڑا لیتا تھا۔ تب طالوت اور لشکریوں کو اطمینان حاصل ہوا۔

پس جب صُبح کو دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے تو جالوت اپنے ہتھیار لگا کر میدان میں آیا۔ بقول صاحب عمدۃ البیان تقریباً انیس ۱۹ من لوہا بوزن ہندی کے برابر اس کے جسم پر ہتھیار تھے اور تقریباً چھ من وزن کا اس کے سر پر خود تھا۔ ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے سر پر ایک تاج تھا اور پیشانی پر ایک یاقوت تھا جو چمکتا تھا اس کا لشکر اس کے سامنے کھڑا تھا۔

حضرت داؤد نے فلاخن میں ان تین پتھروں سے ایک پتھر رکھ کر لشکر جالوت کے میمنہ (دائیں حصہ) پر مارا۔ جب وہ پتھر ان پر گرا۔ تو وہ بھاگ گئے۔ پھر دوسرا پتھر لشکر جالوت کے میسرہ (بائیں حصہ) پر مارا تو پتھر کے پڑنے سے وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے پس تیسرا پتھر سیدھا جالوت کو نشانہ بنا کر مارا تو وہ پتھر اس کی پیشانی پر ٹھیک اسی یاقوت والے مقام پر پڑا۔ جو اس کے سر کو پھوڑ کر دماغ تک جا پہنچا اور ہاتھی کی پشت سے دھڑام زمین پر گر پڑا۔

لوگوں میں حضرت داؤد کی شجاعت کا ڈنکا بج گیا اور اس واقعہ کے بعد حضرت داؤد کو بادشاہت کے لئے منتخب کیا گیا اور بنی اسرائیل نے ان کی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ اہل تفاسیر نے اس واقعہ کو اسی طرح ہی بیان کیا ہے اگرچہ کئی تفسیروں کے مختلف بیانات کو میں نے یک جا کر دیا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ۔ اس فقرہ کا ایک معنی تو وہ ہے جو تحت اللفظ موجود ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے اس کا معنی یوں منقول ہے کہ اگر نہ ہوتا خدا کا معاف کرنا اور درگذر کرنا۔ بعض گنہگار لوگوں سے بتصدق دوسرے بعض نیک لوگوں کے۔ تو تمام اہل ارض عذاب خداوندی کی وجہ سے درہم برہم ہو چکی ہوتی۔ لیکن اللہ تمام جہانوں پر صاحب فضل وکرم ہے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے بطرق مختلفہ مروی ہے کہ خدا ہمارے نماز گذار شیعوں کی

وجہ سے بے نماز شیعوں سے درگذر فرما لیتا ہے ورنہ اگر سب بے نماز ہوتے تو یقیناً ہلاک ہو جاتے اور ہمارے روزہ دار شیعوں کی بدولت بے روزہ شیعوں سے عذاب ٹال دیتا ہے ورنہ اگر سب بے روزہ ہو جاتے۔ تو معذب کر دیئے جاتے اور ہمارے زکوٰۃ دینے والے شیعوں کی وجہ سے بے زکوٰۃ شیعوں سے درگذر کرتا ہے ورنہ اگر سب تارکِ زکوٰۃ ہو جاتے تو ہلاک ہو جاتے۔

اور ہمارے حاجی شیعوں کے صدقہ سے تارکِ حج شیعوں سے درگذر کرتا ہے ورنہ اگر سب تارکِ حج ہو جاتے تو ہلاک ہو جاتے اور فرمایا کہ خدا کی قسم یہ آیت تمہارے ہی حق میں اتری ہے اور اس سے تم ہی مراد ہو اور تمہارے غیر مراد نہیں ہیں۔ (تفسیر البرہان)

ربیع الابرار زمخشری سے بروایت ابن عمر مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خداوند کریم ایک نیک مسلمان کی بدولت اس کے قریب بسنے والے ایک لاکھ گھرانوں سے مصیبت کو دفع فرماتا ہے اور پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔

مجمع البیان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ جناب رسولخدا نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرد مسلمان جو نیک اور صالح ہو، کی بدولت خداوند کریم، اس کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد اور پھر ان کی اولاد، اور اس کا باقی خاندان اور اس کے جوار میں بسنے والے خاندانوں کی حالتوں کو سنوار دیتا ہے اور اس نیک مرد مسلمان کی بدولت وہ سب حفظ و امانِ خدا میں آجاتے ہیں۔

پس طالوت کے انتخاب اور حضرت داؤد کی شجاعت کی بدولت بنی اسرائیل کو دشمن پر کامیابی نصیب ہوئی اور ہر قسم کی مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ اور اس تجربہ کے بعد بنی اسرائیل کو اپنے سابقہ اعتراضات کی غلطی کا علم ہو گیا اور انہیں معلوم ہو گیا۔ کہ واقعی خدائی انتخاب ہی امن و سلامتی کا مژدہ لا سکتا ہے اور علم و جسمانی طاقت ہی معیارِ انتخاب ہو سکتی ہے۔ اس معاملہ میں خاندانی جاہ و جلال و زر و دولت اور فراوانیٔ مال پر نازاں ہونا صرف حماقت اور ناعاقبت اندیشی ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ اعلانِ قدرت کے بعد اجماعی پروگرام کی ترتیب مفت کی ہنگامہ آرائی ہے۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کے متعلق قرآن مجید میں کوئی نص نہیں ہے لیکن یہ بات صرف ان کی قرآنی مطالب سے چشم پوشی اور پہلو تہی، بلکہ حسد اور تعصب کی آئینہ دار ہے۔ قرآن مجید میں امم سابقہ کے واقعات صرف قصہ خوانی کے طور پر نہیں ہیں بلکہ وہ تو تا قیامت انسانی فلاح و بہبود کا ایک معیار بیان کرتا ہے خواہ اس کا تعلق اخروی مفاد سے ہو۔ یا دنیوی فلاح سے ہو۔ خواہ تدبیر منزل کے متعلق ہو یا سیاست عامہ کے متعلق ہو۔ جب ایک امت کے لئے ایک معیار قائم کیا گیا اور قرآن نے اسے بیان کر کے اس کے نتائج سے بھی روشناس کرا دیا تو تا قیامت وہ معیار تمام امتوں کے لئے ایک نص کی حیثیت رکھتا ہے پس امتِ اسلامیہ میں اگر جناب رسالتمآبؐ کے بعد انتخابِ خلافت ضروری ہے اور ہے بھی ضروری تو جو بھی اس معیار پر پورا اترے وہی اہل ہے کہ خلیفۃ اللہ اسے کہا جائے اور ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کے علاوہ اس معیارِ انتخاب پر کوئی بھی پورا نہیں اتر سکا تو قرآنی مذکورہ بالا آیات حضرت علی علیہ السلام کی خلافت پر نص نہیں تو کیا ہے۔ نص اور معیار کے درمیان

فرق اور اس کی ضروری وضاحت ہماری کتاب "اسلامی سیاست" میں ملاحظہ فرمائیے ۔

فلسفۂ جذب و دفع

اس میں شک نہیں کہ عالم میں جذب و دفع کی دونوں قوتیں اپنے اپنے مقام پر عمل پیرا ہیں اور نظام عالم کی دیمومیت وبقا میں ان کو خصوصی دخل ہے ورنہ اگر ان دونوں میں سے ایک کا وجود ختم ہو جائے تو پورا عالم عدم کی گود میں جا آرام لے گا زمین میں اپنی جگہ جذب موجود ہے جسے کشش کہا جاتا ہے اور سورج میں اپنے مقام پر یہی جذب و کشش موجود ہے پس اگر ان میں دفع کی قوت موجود نہ ہو تو ایک دوسرے سے ٹکرا کر ختم ہو جائیں گے اسی طرح عالم علوی کے تمام اجرام چاند سورج اور ستارے وغیرہ انہی دونوں قوتوں کی بناء پر برقرار ہیں۔ یعنی عالم وجود کے علوی یا سفلی اہم پرزے قوتِ جذب کی بناء پر ایک دوسرے سے اس قدر دور نہیں جا سکتے کہ باہمی افادہ واستفادہ سے محروم رہ جائیں اور قوتِ دفع کی بناء پر ایک دوسرے کی طرف کھچ کر تباہی و بربادی سے بھی ہمکنار نہیں ہوتے۔ پس جب تک یہ جذب و دفع کا توازن قائم ہے عالم باقی ہے اور جب یہ توازن ختم ہوگا۔ بقا کی کشتی گرداب میں آ کر ساحل فنا پر جا دم لے گی۔

اگر عالم علوی سے قطع نظر کر کے صرف عالم سفلی کا نظر غائر سے مطالعہ کیا جائے تو وجود عناصر و عنصریات میں انہی دونوں قوتوں کی کار فرمائی موجود ہے۔ نہ یہ ایک دوسرے سے اس قدر دور ہیں کہ باہمی نفع رسانی سے محروم ہوں اور نہ ایک دوسرے سے اتنے قریب ہیں کہ لڑ کر فنا ہو جائیں۔ اسی طرح زمین کی ہر جزوی پیداوار کو الگ الگ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر ایک میں یہی دونوں اصول کار فرما نظر آتے ہیں۔ خواہ جمادات ہوں یا نباتات اور حیوان ہوں یا انسان، یعنی کوئی ذی روح یا غیر ذی روح مخلوق ایسی نہیں جو کلی نظام میں ان دونوں قوتوں سے متاثر ہوئے بغیر افادیت کی حامل ہو۔

وجودِ انسانی جس کو عالمِ اصغر سے تعبیر کر کے عالم اکبر کا خلاصہ کہا گیا ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کی طرف ایک شعر بھی منسوب ہے ۔

أَتَزْعَمُ أَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيرٌ وَفِيكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ

وَأَنْتَ الْكِتَابُ الْمُبِينُ الَّذِي بِأَحْرُفِهِ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ

کیا تو اپنے آپ کو ایک چھوٹا سا جسم خیال کرتا ہے حالانکہ تجھ میں ایک عالمِ اکبر پنہاں ہے اور تو وہ کتاب مبین ہے جس کے حروف سے راز ہائے پوشیدہ کھلتے ہیں"

اس مختصر سے وجود کی طبیعت میں جذب و دفع کی دونوں طاقتیں ظاہر و باہر ہیں اور دونوں کی بدولت نظام جسم قائم ہے اور جب تک ان میں توازن موجود ہے نظام جسم باقی ہے اور جب توازن ختم ہو جاتا ہے موت سوار ہو جاتی ہے اور فرداً فرداً ہر حیوان کی یہی کیفیت ہے اور یہی تجاذب و تدافع جس طرح فرد فرد میں نظام شخصی کا محافظ ہے اسی طرح ہر نوع

اور صنف میں نظامِ نوعی و صنفی کا کفیل ہے اور پورے وجود سفلی میں نظام کلی کا ضامن ہے اور تمام عالم میں نظام اتم و اکمل کا ذمہ دار ہے جو نظام کل ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں قوتیں فطری طور پر تحفظ و بقائے نظام میں کلی و جزوی ہر دو طریق سے دخیل ہیں۔ اور ان کا باہمی توازن رُوحِ حیات ہے۔

قرآن مجید نے اس مقام پر اسی فطری اصول کو پیش فرماتے ہوئے جہاد کو انسان کُشی کے الزام کے پیشِ نظر بربریت اور سفاکیت سے تعبیر کرنے والوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ اگر دفع کا اصول نہ ہوتا اور جذب ہی جذب پر عمل ہوتا تو نظام انسانی درہم برہم ہو جاتا۔ کیونکہ انسان میں تسخیر موجودات کا جذبہ جو اسے فطرت سے تفویض ہوا ہے اس کے پیشِ نظر وہ ہر معاملہ میں اور ہر مرحلہ پر اپنی ہر محبوب و مرغوب شے کے حصُول کا متمنی رہتا ہے اور ہر شوق و خواہش کی تکمیل کا آرزومند ہوتا ہے بنابریں وہ اسی تلاش میں ہر گوشہ میں جھانکتا ہے اور ہر وادی میں قدم رکھنے کی جرأت کرتا ہے۔

اور چونکہ ہر انسان کی فطرت کا تقاضہ یہی ہے تو مرغوبات و مشتہیات میں تصادم ضروری ہے اور بغیر تدافع کے ناممکن ہے کہ کوئی بھی کسی مرغوب چیز سے بہرہ اندوز ہو سکے۔ بلکہ جذب کا معنی دفع کے بغیر اور دفع کا معنی جذب کے بغیر قطعاً پورا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جذب کا معنی ہے کسی شے کو حاصل کرنا یعنی اس کی ضد اور نقیض کو دفع کرنا اور اسی طرح دفع کا معنی ہے کسی ناپسند حالت یا چیز کو دور کرنا یعنی اس کی ضد یا نقیض کو حاصل کرنا۔ پس یہ دونوں مفہوم ایک دوسرے کے بغیر پورے ہو ہی نہیں سکتے۔

پس جب یہ دونوں قوتیں فطری ہیں تو تمدن و اجتماع سے ان کا ٹکراؤ ضروری ہے اور کَانَ النَّاسُ اُمَّةً کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ لوگوں کی اس مقام پر وحدت سے مراد ہے فطرت اولیہ میں یکسانگی یعنی فطرت اوّلی کے اعتبار سے وہ سب کے سب مدنی الطبع تھے اور اتحاد و تعاون ان کا ذاتی جوہر تھا۔ لیکن تجاذب و تدافع کے فطری اصولوں کے ماتحت ان میں اختلاف ضروری تھا۔ لہذا خداوند کریم نے انبیاء و مرسلین کو بھیج کر ان کو جذب و دفع میں توازن قائم کرنے کی دعوت دی تاکہ جذب و دفع اپنے نقطہ اعتدال میں رہ کر تمدن و اجتماع سے ٹکر نہ لیں جو نظامِ انسانی کے لئے ازبس ضروری ہے لیکن جذبات و خواہشات کا وفور انبیاء کی اس دعوت سے ٹکرا گیا اور چونکہ انبیاء کی یہ دعوت اقتدار پر ضرب کاری تھی لہذا بالخصوص طاقت و ثروت رکھنے والا گروہ کھلم کھلا بغاوت پر اُتر آیا۔ اور ان کے اتباع اور نچلا طبقہ جو علم و معرفت سے کورا ہونے کی وجہ سے ہاہُو اور شور و غوغا کا تماشائی طور پر نظارہ گر تھا انہوں نے بلا سوچے سمجھے بڑوں کی ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی اور انبیاء کے خلاف اپنے بڑوں کا سہارا لیتے ہوئے زبان درازی طعن و تشنیع اور ایذا رسانی سے ان کو ستانے لگ گئے۔ لیکن بالآخر حقیقت بین اور حق شناس طبقہ کم و بیش ہر زمانہ میں انبیاء کا ہم آہنگ بھی ہوتا رہا۔ تو چونکہ انبیاء تمدن کی اصلاح کے پیشِ نظر جذب و دفع میں اعتدال کی

دعوت دیتے تھے تاکہ انسانیت صفحۂ عالم پر خوب پھولے پھلے اور ان کے مخالفین خواہشات و شہوانی جذبات کے ماتحت جذب و دفع میں بے راہ روی اور بے اعتدالی کے علم بردار تھے اور بالخصوص برسر اقتدار گروہ جن کی عیاشانہ زندگی اور رنگ رلیاں اس توازن واعتدال کے بعد موت سے ہم آغوش ہوجاتیں وہ خاص طور پر دعوت انبیاء سے برسر پیکار تھے اور ان لوگوں کو بے اعتدالیوں کی کھلی چھٹی دینا چونکہ پوری نوع انسانی کے لئے پیغام موت تھا اور زبانی تبلیغ کی ان کے ہاں کوئی پذیرائی نہ تھی لہٰذا حکم جہاد دیا گیا تاکہ نوع انسانی میں سے اس حصے کو الگ کردیا جائے جو پوری نوع کے وجود کے لئے باعث خطرہ ہے پس معلوم ہوا کہ ذاتی مفاد کی خاطر کسی کو قتل کرنا نفس کشی اور ظلم ہے لیکن نوع انسانی کی حفاظت کے لئے فرد خبیث کو موت کے گھاٹ اتار دینا پوری نوع پر احسانِ عظیم اور انسانیت نوازی ہے۔

آیت مجیدہ میں دفع کو خدا نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے کیونکہ یہ دفع عام فطری جذب و دفع پر حاکم ہے کیونکہ فطری جذب و دفع میں افراط و تفریط کو ختم کرنے اور ان میں اعتدال و توازن کو قائم کرنے کے لئے انبیاء کو جس جہاد کا حکم دیا گیا وہ دفاع عام فطری دفاع سے الگ ہے جس طرح کہ ان کا جذب عام فطری جذب سے جداگانہ ہے کیونکہ انبیاء کی تبلیغ جو انسان کے تمدن کو ہموار راہوں پر چلانے کے لئے تھی وہی ان کا جذب تھا اور جو لوگ اس تمدن میں بے راہ روی اور بداعتدالی کو اپناتے ہوئے درحقیقت پوری نوع کے لئے معرضِ خطر تھے بلکہ وجود انسانیت پر وہ حملہ آور تھے ان کو اس طغیانی اور سرکشی سے باز رکھنا اور انسانیت پر ان کے اس حملہ کو روکنا اور ان کے سامنے علم جہاد بلند کرنا اُن کا دفع تھا۔ گویا انبیاء نوع انسانی کے لئے حکیم و ڈاکٹر تھے جس طرح ڈاکٹر بدن انسانی میں توازن واعتدال کی بحالی کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی عضو اس قسم کا مریض ہو کہ اس کا مرض پورے بدن کے لئے معرضِ خطر ہو اور اس کا علاج بھی کسی صورت میں نہ ہو سکتا ہو تو حفاظتِ بدن کے لئے اس کو سرے سے کاٹ دیتا ہے اور اس عضو کو کاٹ دینا جو پورے بدن کے خلاف علم بغاوت اٹھائے ہوئے تھا۔ ڈاکٹر کا ظلم و تشدد شمار نہیں ہوگا۔ بلکہ پورے بدن پر اس کا یہ فعل احسانِ عظیم ہوگا۔ اسی طرح نوعِ انسانی میں توازن واعتدال کی بحالی کے لئے انبیاء روحانی ڈاکٹر ہیں اور ناقابلِ اصلاح افراد اور پوری نوع کے مفاد کو خطرہ میں ڈالنے والے مفسد اشخاص کو صفحۂ دنیا سے مٹا دینا وجودِ انسانیت پر ان کا احسان ہے۔ اور چونکہ وجودِ انسانیت کے علاج کے لئے خدا نے ہی ان کو یہ اختیارات دے کر بھیجا ہے تو بنا بریں ان کے دفع کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

پس اسلام تمدن و اجتماع انسانی کی حفاظت اور اس سے برسر پیکار قوتوں یعنی تجاذب و تدافع میں توازن واعتدال کے قائم کرنے والا فطری دین ہے جس کے تمام قوانین انہی فطری اصول کے ماتحت ہیں۔ لہٰذا اسلام سے بغاوت۔ فطرتِ انسانی سے بغاوت کرنے کے مترادف ہے اور اسلامی اصول و فروع سے اُلجھنا انسانیت

سے دشمنی کرنے کے برابر ہے اور اس بغاوت کو فرو کرنا اور باغیوں کی سرکوبی کرنا انسانیت کا فطری حق ہے۔ جس کا علم بردار خداوند کریم نے انبیاء کو قرار دیا ہے۔

اسی بنا پر ارشاد فرماتا ہے کہ اگر خدا کا دفاع نہ ہوتا بعض مفسدین کو بذریعہ بعض کے تو پوری زمین فساد سے بھر جاتی۔ یعنی پورا نظام درہم برہم ہو جاتا اور آخر میں فرماتا ہے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی اللہ عالمین پر صاحب فضل ہے۔ ارضی فسادات کے قلع قمع کا دار و مدار دفاع کو قرار دینے کے بعد اس فقرہ کو آخر میں ذکر کرنا اس امر کے لئے ہے کہ دفاع اگرچہ بعض مفسد افراد کے حق میں فائدہ مند تو بجائے خود نقصان دہ ہے۔ لیکن پورے عالمین کے لئے یعنی نظام کلّی کے لئے حکم دفاع ضروری ہے اور دفاع کا حکم نظام کلّی کے لئے مفید تر بلکہ عالمین کے لئے یہ حکم خدا فضل عمیم اور احسان جسیم ہے۔

پارہ ۳

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ

ان رسولوں میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا۔

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

اور بلند کیا ان میں سے بعض کو درجات کے لحاظ سے اور دیں ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح دلیلیں اور اس کی

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ

تائید کی رُوح القدس کے ذریعے اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ۔ جو ان کے بعد تھے۔

بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ

بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آچکی تھیں لیکن انہوں نے اختلاف کیا پس بعض ان میں سے ایمان

اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳

لائے اور بعض کافر ہوئے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لڑائی نہ کرتے۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے

رکوع نمبر ۱

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ۔ کل انبیاء جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے ایک کا انکار کرنے والا ایسا ہی کافر ہے جیسا سب کا انکار کرنے والا۔ لہٰذا یہ فرق کرنا کہ کسی کو نبی ماننا اور کسی کا انکار کرنا کفر ہے لیکن ان انبیاء کے لئے بعض کی بعض پر فضیلت کا اقرار کرنا ایمان ہے۔ کیونکہ انبیاء میں سے حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ اولوالعزم پیغمبر ہیں اور باقی سب غیر اولوالعزم ہیں اور اولوالعزم ان سب سے افضل ہیں اور پھر ان سب سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو افضلیت حاصل ہے کیونکہ وہ صرف انسانوں پر مبعوث تھے اور محدود قوم وقبیلہ و علاقہ کے نبی تھے اور آنحضرت عالمین (جن والنس) کے رسولؐ ہیں اور اس آیت مجیدہ میں خداوندکریم یہی بیان فرماتا ہے کہ انبیاء و رسل میں سے بعض سے بعض افضل و برتر ہیں

وَمِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ۔ اس سے بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ کلام خدا میں علم کلام کے ماہرین کافی بحث تمحیص کیا کرتے ہیں مختصر طور پر اس قدر جان لینا کافی ہے کہ انسان چونکہ مدنی الطبع ہے اور افہام و تفہیم کے لئے

ایک ذریعے کا محتاج ہے اور سوائے کلام کے اس بارے میں اور کوئی مفید اور کار آمد ذریعہ ہو نہیں سکتا۔ لہذا انسان اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے کلام کا محتاج ہے اگر انسان میں یہ اجتماعی اور تمدّنی زندگی نہ ہوتی تو کلام کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ حیوانات میں سے بھی بعض حیوان دوسرے بعض حیوانات کو اپنے مافی الضمیر سے مطلع کرتے ہیں لیکن حروف سے مرکب الفاظ کے ذریعے سے نہیں بلکہ مہمل سی آوازوں سے یا آنکھوں کے ذریعے سے یا قوتِ شامہ کے واسطے سے اور علی ہذا القیاس اور یہ طریقہ ان کا آپس میں کلام کہا جا سکتا ہے اسی طریقہ سے جنات و ملائکہ کا کلام اپنی مخصوص نوعیت سے ہوگا۔

پس موجوداتِ عالم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ کا کلام کرنا ان کی اپنی اپنی جداگانہ نوعیت و استعداد کے اعتبار سے ہے پہلے بعض خطابات میں اس کے قول یا کلام سے مراد امر تکوینی ہے جس طرح زمین یا آسمان یا اسی قسم کی رُوح و ارادہ نہ رکھنے والی مخلوق سے عہد اطاعت طلب کرنا اور ان کو قبول کرنا اور صاحبان رُوح و ارادہ اور حاملانِ عقل و دانش مثلاً جنات ملائکہ اور انسان وغیرہ سے اس کے کلام کرنے کا مطلب ہے۔ ہر وہ طریقہ جس سے اس کے اوامر ونواہی وجملہ خطابات کا مطلب سمجھا جا سکے۔ پس انسانوں سے اس کا کلام حروف سے مرکب الفاظ کے ذریعہ سے ہوگا چنانچہ ان کے لئے افہام وتفہیم کا سہل طریقہ یہی ہے اور جنات و ملائکہ کے ساتھ کلام اس لب ولہجہ یا طرز وطریقہ سے ہوگا جو ان کی تفہیم کے لئے ضروری ہو۔ بہرکیف موجوداتِ عالم کی ہر ہر صنف اور ہر ہر نوع کے ساتھ کلام ہر ایک کی جداگانہ حیثیت کے لحاظ سے اسی کے مخصوص انداز میں مقصد کی تفہیم کا نام ہے۔

پس حضرت موسےٰ علیہ السلام کا کلیم اللہ ہونا باعتبار مجاز نہیں بلکہ باعتبار حقیقت ہے اور ان کے ساتھ کلام سے مراد وحی یا القاء یا کوئی اور طریقہ نہیں بلکہ کلام حقیقی ہے۔ ورنہ ان کی خصوصیت نہیں رہے گی۔ کیونکہ باقی انبیاء بھی وحی یا القاء یا الہام وغیرہ سے تو نوازے گئے ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ خدا کا کلام منہ یا زبان سے صادر ہونے والا کلام ہو کیونکہ یہ صورت مستلزم حدوث ہے اور خدا اس صفت سے مبرا اور منزّہ ہے بلکہ مراد ہے کلام کا ایجاد کرنا خواہ اس کا جو طریقہ اور جو لب ولہجہ بھی ہو اور اس کے کلام کی کنہ کو جاننا اور اس کی کما حقہٗ کیفیت سے مطلع ہونا انسانی امکان سے باہر ہے۔ نیز کلام۔ خدا کی صفاتِ ذات سے نہیں جس طرح علم قدرت اور حیات وغیرہ بلکہ یہ صفاتِ افعال میں سے ہے جو کہ محدث ہیں اور احادیث آئمہ اسی معنے پر دلالت کرتی ہیں۔

رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ یہاں بعض سے مراد حضرت محمد مصطفےٰؐ لئے گئے ہیں ان کو تمام وہ معجزات عطا کئے گئے جو گذشتہ نبیوں کو دیئے گئے تھے اور ان کا قرآن مجید کا معجزہ تمام معجزات سے افضل ہے کیونکہ باقی معجزات ظاہر ہونے کے بعد ختم ہو گئے اور قرآن کا معجزہ قیامت تک باقی ہے۔ تفسیر برہان میں کتب امامیہ معتبرہ سے بروایت اصبغ بن نباتہ منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک روایت میں فرمایا کہ خداوند کریم نے انبیاء میں پانچ روحیں خلق فرمائی ہیں (۱) روح القدس (۲) روح الایمان (۳) روح الشہوۃ (۴) روح القوۃ (۵) روح البدن۔

پس روح القدس کے ذریعہ سے ان کو نبوت یا رسالت عطا ہوئی اور اسی کی بدولت ان کو چیزوں کا علم مرحمت ہوا۔
رُوح ایمان کے ذریعہ سے انہوں نے اللہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ تسلیم کیا۔
روح قوت کے ذریعہ سے وہ دشمنوں سے جہاد کرتے رہے اور اسی سے اپنے معاشیات کا انتظام فرماتے رہے۔
روح شہوت کی وجہ سے انہوں نے بعض اوقات اچھا کھانا بھی کھایا اور جوان عورتوں سے نکاح بھی کیا۔
اور روح بدن کے ذریعے ان کا سلسلہ نشوونمائے دنیاوی انجام پذیر ہوا۔ پیدا ہوئے اور بڑے ہوئے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ۔ یعنی خداوند کریم دین میں کسی کو مجبور نہیں فرماتا ورنہ اگر ایسا کرتا تو پھر دلائل واضحہ کے بعد کوئی کیوں گمراہ ہوتا اور جہاد وقتال تک نوبت کیوں آتی لیکن خداوندکریم کی جانب سے ایمان قبول کرنے اور نہ کرنے میں انسانوں کو مجبور نہیں کیا گیا لہذا ہر دور میں انبیاء کے بعد اختلاف ہوتا رہا۔ بعض ایمان لاتے اور اس پر ثابت قدم رہتے اور بعض کافر ہو جاتے تھے اور اس وجہ سے سلسلہ جہاد وقتال قائم رہا۔

برہان میں امالی شیخ سے بروایت اصبغ بن نباتہ منقول ہے کہ ایک شخص حضرت امیر علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ مولا! یہ فرمائیے کہ جن لوگوں کے ساتھ ہم لڑ رہے ہیں۔ ہمارا ان کا دین ایک۔ رسول ایک۔ نماز ایک اور حج ایک ہے تو ان کے متعلق ہم اعتقاد کیا رکھیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہمارا ان کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو خدا نے قرآن میں بیان فرمایا ہے اس نے دوبارہ پوچھا تو آپ نے یہی آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا کہ جب اختلاف واقع ہو گیا تو چونکہ ہم خدا اور رسولِ خدا کے ساتھ اولیٰ ہیں۔ لہٰذا ہم اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے مصداق ہیں اور وہ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا کے مصداق ہیں۔ پس ان لوگوں سے لڑنا مشیت و ارادۂ خداوندی سے ہے ایک اور روایت میں ہے کہ اس سائل نے جنگ جمل کے موقعہ پر سوال کیا تھا۔ اصبغ کہتا ہے کہ میں پاس موجود تھا پس جب آپ نے دلیل قرآنی کے ساتھ جواب فرمایا تو اس شخص نے کہا۔ رب کعبہ کی قسم کہ وہ لوگ یقیناً کافر ہیں یہ کہہ کر میدان کارزار میں کود پڑا۔ اور لڑ کر درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

سوال :۔ انبیاء کی بعثت کے بعد جنگ و جدل امتوں میں کیوں باقی رہا۔ حالانکہ اس کو ختم ہو جانا چاہیئے تھا جس کی وجہیں دو ہیں۔

(۱) خداوندکریم نے انسان کی سعادت دنیوی و اُخروی کے لئے انبیاء بھیجے جن کو واضح معجزات اور آیات بیّنات عطا کی گئیں پس انبیاء کی دعوتِ اسلامیہ کے بعد یقیناً نزاعات کا قلع قمع ہو جانا ضروری تھا۔ خصوصاً اسلام کا دائرہ وسیع ہو جانے کے بعد تو جھگڑا فساد تو برائے نام بھی نہ رہتا۔ کیونکہ اتحاد و اتفاق اسلام کا خصوصی رکن ہے۔

(۲) اسلام کی حقیقت کا دلوں پر چھا جانا کدوراتِ قلبیہ کو ختم کر دیتا ہے لہٰذا استقرار دعوتِ نبوت کے بعد قتل و مقاتلہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی؟

جواب :۔ آیت مجیدہ میں رسل کی بعثت اور ان کا باہمی تفاضل ظاہر کرنے کے بعد سوالِ مذکور کے جواب کا بیان ہے کہ چونکہ تمام امور کو خدا نے علل و اسباب کا تابع بنایا ہے اور قتل و مقاتلہ کی علت ہے اختلافات کا وجود۔ پس اگر اختلافات ختم ہو جاتے تو لڑائیاں بھی ختم ہو جاتیں لیکن نہ اختلاف ختم ہوا۔ نہ لڑائی ختم ہوئی ہاں اگر خدا چاہتا تو سرے سے امور کو اسباب کا تابع نہ بناتا۔ یا اسباب کو غیر مؤثر قرار دیتا۔ پس قتل وقتال وغیرہ کا خاتمہ ہو جاتا لیکن اس میں جبر لازم آتا اور خدا کی مشیت کے وہ منافی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ

اے ایمان والو۔ خرچ کرو ہمارے دیئے ہوئے رزق سے۔ پہلے اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں سودا

يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

نہ ہوگا نہ دوستی (بجز ایمان کے) اور نہ شفاعت۔ (بغیر مومن کے) اور کافر ہی ظالم ہیں

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَّهُ

اللہ کہ اس کے بغیر کوئی بھی مستحق عبادت نہیں ہے جو حیّ وقیوم ہے نہ اس پر غلبہ کرتی ہے اونگھ اور نہ نیند اسی کا

مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ

ہی ہے تمام وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کون (جرأت کرسکتا) ہے کہ سفارش کرے (کسی کی) اس کے سامنے

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ

بجز اس کے اذن کے وہ جانتا ہے وہ واقعات جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو ان کے بعد آئیں گے اور وہ نہیں احاطہ کرسکتے کسی

إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ

چیز کا اس کے علم میں سے مگر جس کو وہ چاہے۔ وسیع ہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمینوں سے اور نہیں دشوار اس پر ان دونوں کی حفاظت اور وہ تمام

رکوع نمبر ۲

تفسیر آیۃ الکرسی

وَلَا شَفَاعَةٌ - اس مقام پر شفاعت کی ظاہراً نفی کی گئی ہے اور چونکہ شفاعت کا ہونا احادیث میں تواتر سے ثابت ہے بلکہ قرآن میں بھی دوسرے مقام پر شفاعت ثابت ہے چنانچہ آیت الکرسی میں إِلَّا بِإِذْنِهِ کا کلمہ شاہد ہے کہ جن کو اذن ہوگا وہ شفاعت کریں گے اور اس سے مراد انبیاء و آئمہ ہیں جو گنہگاران امت کی شفاعت کریں گے بلکہ یہ بھی منقول ہے کہ بعض نیک مومن بھی کسی حد تک شفاعت کرسکیں گے لہذا اس مقام پر شفاعت کی نفی غیر مومن کے لئے ہے۔

آیتہ الکرسی کی فضیلت مجمع البیان میں کتب عامہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمر کہتا ہے کہ جناب رسولِ خدا نے فرمایا۔ جو شخص ہر فریضہ نماز کے بعد آیتہ الکرسی پڑھے گا تو بوقت موت اس کی قبض رُوح خود خداوند عالم

اپنے ید قدرت سے فرمائے گا اور اس کا ثواب انبیاء کے ہمراہ جہاد کر کے شہید ہونیوالوں کے برابر ہوگا اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضورؐ نے بر سر منبر ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز فریضہ کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا رہے تو اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت ہی کا فرق رہ جاتا ہے اور اس کو ہمیشہ نہیں پڑھتے مگر صدیق یا عابد۔ اور جو شخص اس کو سونے سے پہلے تلاوت کرے تو خدا اس کو بمعہ ہمسایوں کے امن میں رکھے گا۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ تمام کلاموں کا سردار قرآن ہے اور تمام قرآن میں سورۃ بقرہ سردار ہے اور تمام سورۃ بقرہ میں آیۃ الکرسی سردار ہے فرمایا۔ اے علیؑ اس میں پچاس لفظ ہیں اور ہر لفظ میں پچاس برکتیں ہیں۔

اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ آیۃ الکرسی کو پڑھے تو خداوند عالم اس سے دنیا و آخرت کی ایک ایک ہزار سختیاں دُور فرماتا ہے کہ کم از کم سختی دنیا کی فقر اور کم از کم سختی آخرت کی عذاب قبر ہے۔ اور ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر شے کی ایک چوٹی ہوتی ہے اور قرآن مجید کی چوٹی آیۃ الکرسی ہے۔ مومنوں کے قبرستان میں آیۃ الکرسی پڑھ کر ثواب ان کو بخشنا بہت باعثِ ثواب ہے۔

خواص :۔ (۱) ہر نماز فریضہ کے بعد پڑھنا رزق کی زیادتی کا موجب ہے۔

(۲) صبح و شام پڑھنا۔ چور۔ ڈاکو۔ آتش زنی وغیرہ سے حفاظت کا موجب ہے۔

(۳) روزمرہ ہر فریضہ نماز کے بعد پڑھنا سانپ و بچھو کا تعویذ ہے بلکہ جن و انس اس کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔

(۴) اگر اس کو لکھ کر کھیت میں دفن کیا جائے تو کھیت چوری اور نقصان کی آفت سے محفوظ رہے گا اور باعث برکت ہے۔

(۵) اگر لکھ کر دوکان میں رکھی جائے تو بہت باعثِ برکت ہے۔

(۶) گھر میں لکھ کر رکھنا چوری سے امان کا باعث ہے اگر مرنے سے پہلے پڑھ لے تو بہشت میں اپنی جگہ دیکھے گا۔

(از عمدۃ البیان)

(۷) سوتے وقت ہر روز آیۃ الکرسی کا پڑھنا فالج سے حفاظت کا باعث ہے۔ (برہان) فرمان صادق علیہ السلام لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا۔ کہ تیرا خدا جاگتا ہے یا سوتا ہے تو حضرت موسیٰ نے اپنی مناجات میں بارگاہِ خدا میں عرض پیش۔ پس ارشاد ہوا کہ تو ایک شب و روز خواب نہ کر۔ اس کے بعد ایک فرشتہ دو شیشیاں لے کر نازل ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ کا حکم سنایا کہ ان دونوں کو ہاتھوں میں رکھ اور ان کی حفاظت کر اور نیند نہ کرنا، لیکن چونکہ ان پر پورے شب و روز کی بیداری کی وجہ سے نیند کا غلبہ تھا۔ ہر چند انہوں نے نیند کے دفع کرنے کی کوشش کی لیکن آخر کار نیند غالب آئی اور ہاتھ پہ ہاتھ جو لگا تو دونوں شیشیاں چور ہوگئیں۔ پس جبریل نازل ہوا۔ اور کہا کہ خدا فرماتا ہے۔ اے موسیٰؑ! تو خواب میں دو شیشیوں کو محفوظ نہیں کر سکا۔ اگر میں سو جاؤں تو زمین و آسمان کا نظام کون محفوظ کرے گا۔ (عمدۃ البیان) اور یہودیوں نے یہی سوال جناب رسولِ خدا سے بھی کیا۔

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ

(صفات نقص سے) بلند (کبریائی میں) صاحبِ عظمت ہے نہیں زبردستی دین میں تحقیق ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے ۔ (پس)

مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

جو کفر کرے شیطان کا اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو گویا اس نے

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥٦﴾

پکڑا دستاویز محکم کو جو کبھی نہ ٹوٹے گا ۔ اور خدا سننے جاننے والا ہے

تو آیۃ الکرسی نازل ہوئی ۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا جنّت والے سوئیں گے تو فرمایا کہ نیند موت کی بہن ہے ۔ وہاں نہ جنّتی سوئیں گے اور نہ دوزخی سوئیں گے ۔ (البرہان) ج ۲ صہ ۲۳۲

وَسِعَ کُرْسِیُّہٗ ۔ صادقین علیہم السلام سے مروی ہے کہ کرسی سے مراد اس مقام پر علم ہے یعنی خدا کا علم آسمان اور زمین پر حاوی ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ کرسی سے مراد عرش ہے اور بعض نے قدرت ملک اور سلطنت اس سے مراد لی ہے ۔ نیز منقول ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی حیثیت کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جس طرح ایک انگوٹھی ایک وسیع جنگل میں اور کرسی کی نسبت عرش سے بھی ایسی ہے جس طرح ایک انگوٹھی یا چھلا ایک وسیع جنگل میں پڑا ہو۔

علم ہیئت والوں کے نزدیک کرسی سات آسمانوں کے اوپر محیط ہے اور وہ اس کو فلک البروج کہتے ہیں اور ان کے نزدیک تمام ستارے اور بروج وغیرہ اسی میں ہیں

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۔ روایت میں ہے کہ خداوند کریم نے اپنے ننانوے ناموں میں سب سے پہلے اپنی ذاتِ مقدس کے لئے اَلْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ کو منتخب فرمایا۔

لَا اِکْرَاہَ ۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق بعضوں نے کہا ہے کہ ایک انصاری ایک حبشی غلام صبیح نامی کو اسلام لانے پر مجبور کرتا تھا ۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ شام سے کچھ تاجر وارد مدینہ ہوئے انہوں نے حصین انصاری کے دو بیٹوں کو نصرانیت کی دعوت دی پس وہ دونوں نصرانی ہو گئے اور ان کے ہمراہ شام چلے گئے اس پر حصین نے جناب رسولِ خدا کو خبر دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

بعض لوگ اس کو آیتِ جہاد سے منسوخ جانتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ حکم صرف ذمّی کافروں کے لئے مخصوص ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اعمالِ شرعیہ کی بجا آوری میں انسان مختارِ کل ہے اور اس پر اللہ کی طرف سے

کوئی جبر نہیں کیونکہ نیکی و بدی ہر دو کا رستہ بتایا جا چکا ہے اب انسان کی اپنی مرضی نیکی کی طرف آئے یا برائی کی طرف جائے گویا یہ آیت اس عقیدہ کو چیلنج کر رہی ہے کہ نیکی و بدی سب اللہ ہی کرواتا ہے اور انسان اپنے افعال میں مجبور ہے۔ حَاشَا وَکَلَّا ہم تفسیر کی جلد ۲ میں پہلے رکوع کے تحت میں مسئلہ جبر کو بیان کر چکے ہیں۔

علمی نکتہ

چونکہ دین کی اصل معرفت و اعتقادات ہے اور اعمال و عبادات مالیہ و بدنیہ اس کی فروعات ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اعتقاد کیفیت قلبیہ ہے جس میں جبر و اکراہ مؤثر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے علیحدہ علل و اسباب ہیں جو اس کے حصول کا پیش خیمہ ہوا کرتے ہیں۔ پس لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا جملہ ترکیب نحوی کے لحاظ سے یا تو جملہ خبریہ ہے تو مقصد یہ ہے کہ دین ایک ایسی چیز ہے جس میں جبر و اکراہ قطعاً داخل نہیں ہوا کرتا۔ اور یہ اُن لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور اگر یہ جملہ انشائیہ قرار دیا جائے تو دین کے قبول کرانے کے لئے جبر و تشدد کو منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ جبر اعمالِ ظاہریہ و افعالِ بدنیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ قلبی میلان اور اعتقادی رجحان میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوا کرتا۔ لہذا جبر کا استعمال بے ہودہ اور بے معنی ہے۔

قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ۔ یہ نفی اکراہ کی تعلیل ہے کہ کوئی حاکم کسی امر ضروری میں تشدد و جبر کو اس وقت استعمال کرتا ہے۔ جب ماتحت میں فعل مامور بہ کی خوبی و بدی کے سمجھنے کی اہلیت نہ ہو۔ جس کی وجہ سے وہ فعل مامور کی مصالح سے مطلع نہ ہو سکے یا ماتحت میں سمجھنے کی اہلیت ہو لیکن بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس کو سمجھانا خلاف مقصود ہو تو ان حالات میں امور ضروریہ کی بجا آوری میں تشدد سے کام لیا جاتا ہے اور مامورین کے لئے سوائے تقلیدی رویہ کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ لیکن دین اسلام کی اچھائی اور اس کے رو کرنے کی برائی کو سمجھنے کے لئے نہ انسانوں میں فہمی معذوری ہے کیونکہ اس کے اصول فطری اور مطابق عقل ہیں اور نہ حاکم مطلق نے ان کے سمجھانے میں کوئی کمی کی ہے بلکہ وحی اور نبوت کے ذریعے سے ہدایت اور گمراہی کے ہر دو طریق پوری طرح واضح کر دیئے گئے ہیں۔ پس اس وضاحت کے بعد جبر و اکراہ کا سوال باقی ہی نہیں رہتا۔ بلکہ صاحب عقل و فہم انسان نفع و نقصان کے سمجھنے کے بعد اپنے اختیار و ترک میں مختار ہے لہذا اس میں جبر کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

نیز اس بیان سے یہ امر بھی پوری طرح واضح ہو گیا کہ دین اسلام زورِ تلوار سے ہرگز نہیں پھیلا۔ بلکہ اس کے مشن کی صداقت اور اس کے اصول کی مبنی بر حقیقت جاذبیت نے چہار وانگ عالم میں اس کی مقبولیت کا ڈنکا بجایا اور اس کی فطری و طبعی ناقابل تردید براہین نے فضلائے عالم میں اس کا جھنڈا لہرایا ہے۔ پس روز روشن کی طرح اس امر کی بھی وضاحت ہو گئی کہ یہ آیت تا قیام قیامت منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کسی حکم کی منسوخی اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ پہلے اس کی علت کو منسوخ کیا جائے اور

یہاں عدم اکراہ کی علت ہے ہدایت وگمراہی کے رستوں کی وضاحت اور یہ علت تاقیامت قابل نسخ نہیں۔ لہذا اس کا معلول حکم یعنی جبر وتشدد کے استعمال کی منع بھی ہرگز نسخ پذیر نہیں ہو سکتا۔ پس جن لوگوں نے اس حکم کو جہاد والی آیات سے منسوخ قرار دیا ہے یہ ان کا اشتباہ ہے اور اسلام کی جملہ لڑائیاں دین اسلام کی نشر واشاعت کی خاطر نہیں تھیں۔ بلکہ جو لوگ انسانیت کے اس فطری حق پر پردہ ڈالنے اور شمع توحید کو بجھانے کے درپے تھے۔ اسلام کی لڑائیاں بحکم جہاد۔ اس نفیس ترین متاع فطرت یعنی کلمۂ توحید کی حفاظت کے لئے صرف دفاعی حیثیت سے تھیں۔ نہ ان میں توسیع دائرہ اسلام کی ہوس کارفرما تھی اور نہ ملک گیری کا جذبہ موجب تحریک تھا۔ کیونکہ ملک گیری کا جذبہ تبلیغ اسلام سے بالکل منافات رکھتا ہے اور جبر و تشدد اور فاتحانہ انداز دائرہ اسلام کی توسیع میں فائدہ بخش نہیں کیونکہ اصل دین ہے معرفت اور وہ اکراہ سے حاصل کی نہیں جا سکتی

اَلطَّاغُوْتِ سے مراد شیطان یا سرکش خواہ جن ہو یا انسان، یا کاہن یا جادوگر، یا بُت ہے (باقوال مفسرین)

بروایت ابو بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ قائم آل محمد علیہ السلام سے پہلے جو جھنڈا بلند ہو پس سمجھ لو کہ اس کا اٹھانے والا طاغوت ہے۔ تفسیر قمی سے نقل کیا گیا ہے کہ طاغوت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے آل محمدؐ کے حقوق کو غصب کیا۔

اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰی۔ تفسیر برہان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جو شخص اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰی سے تمسک پکڑنا چاہے جو کبھی نہ ٹوٹے گا تو اس کو چاہیئے کہ میرے بھائی اور وصی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت سے تمسک پکڑے کیونکہ اس کا محب و موالی ہلاک نہ ہوگا اور اس کا منکر و دشمن نجات نہ پائے گا۔

(۲) حذیفہ بن اُسید سے مروی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔ اے حذیفہ! میرے بعد تم پر اللہ کی حجت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے۔ اس کا کفر اللہ کا کفر، اس کا شرک اللہ کا شرک۔ اس میں تنک اللہ میں تنک۔ اس سے کنارہ اللہ سے کنارہ، اس کا انکار، اللہ کا انکار اور اس پر ایمان اللہ پر ایمان ہے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ کا بھائی، ان کا وصی۔ ان کی امت کا امام ہے اور وہ اللہ کی مضبوط رسی اور اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰی ہے جو ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اس (علیؑ) کے متعلق دو قسم کے انسان ہلاک ہوں گے۔ (ایک غالی جو ان کو اپنی حد سے بڑھا کر خدا یا خدا کی صفات میں شریک کہیں گے) دوسرے مقصر (جو اس کو اپنے حقوق سے پیچھے ہٹا کر دوسروں کو اس کی جگہ دیں گے)۔ اے حذیفہ۔ علیؑ سے جدا نہ ہونا، ورنہ تو مجھ سے جدا ہو جائے گا۔ اور علی کی مخالفت نہ کرنا، ورنہ تو میرا مخالف ہوگا۔ کیونکہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ جس نے اس کو ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے اس کو راضی کیا اُس نے مجھے راضی کیا۔

(۳) اسناد سابق سے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا حسین کی اولاد سے ہونے والے امام جس نے اُن کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی۔ اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ یہی عروۂ وثقی ہیں اور یہی اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ۗ وَ

اللہ ولی ہے ایمان والوں کا کہ ان کو نکالتا ہے (کفر) کی تاریکیوں میں سے طرف نور (ہدایت) کے اور

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ

وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے اولیاء شیطان ہیں ۔ کہ ان کو نکالتے ہیں نور (ہدایت) سے طرف

اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع

(کفر کی) تاریکیوں کے ۔ ایسے لوگ جہنم میں جانے والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

(۴) نیز جناب رسولِ خدا سے منقول ہے کہ جو شخص عروۃ وثقیٰ (دستاویز محکم) سے تمسک پکڑنا چاہے ۔ پس وہ علی اور اس کی اہلبیت کی محبت کو اختیار کرے ۔

(۵) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ایک اپنے لمبے خط میں ارشاد فرمایا ۔ کہ رسولِ خدا اپنی امت میں ایک کتاب خدا اور دوسرے اپنا وصی علی بن ابی طالب چھوڑ گئے ۔ جو امیر المومنین امام المتقین حبل اللہ المتین العروۃ الوثقیٰ اور عہد مؤکد ہیں ۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مصداق ہے ۔

(۶) بطریق مخالفین ۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کو فرمایا ۔ اَنْتَ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى (تو خدا کی محکم دستاویز ہے)

(۷) امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا ۔ میرے بعد تاریک فتنہ ہوگا ۔ نجات وہی پائے گا جو عروہ وثقیٰ سے تمسک پکڑے گا ۔ جب اس کے متعلق دریافت کیا گیا کہ وہ کون ہے ؟ تو فرمایا ۔ کہ سید الوصیین کی ولایت پھر پوچھا گیا کہ سید الوصیین کون ہے ؟ تو فرمایا ۔ امیر المومنین ۔ پھر پوچھا گیا کہ وہ کون ہوگا ؟ تو فرمایا کہ جو مسلمانوں کا حاکم اور میرے بعد امام ہوگا پھر سوال ہوا کہ آپ کے بعد امام اور مسلمانوں کا حاکم کون ہوگا تو آپ نے فرمایا ۔ کہ وہ میرا بھائی علیؑ بن ابی طالب ہے

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ تفسیر برہان میں کافی اور دیگر کتب امامیہ سے بروایت عبداللہ بن ابی یعفور منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں لوگوں سے ملتا جلتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ بعض لوگ جو آپ سے تولا نہیں رکھتے اور فلاں فلاں سے دوستی رکھتے ہیں ۔ ان میں امانت سچائی اور وفا پائی جاتی ہے اور ایک قوم جو آپ سے تولا رکھتی ہے ، ان میں وہ امانت ، وفا اور سچائی نہیں پائی جاتی ۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سنتے ہی امام علیہ السلام ، سیدھے ہو بیٹھے اور غصے میں میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا جو شخص ظالم امام کی ولایت کا قائل ہو ،

جو خدا کی طرف سے نہیں اس کا کوئی دین نہیں اور جو شخص امام عادل منصوص من اللہ کی ولایت کا قائل ہو اس پر کوئی عتاب نہیں۔ میں نے عرض کی؟ کہ ان کا کوئی دین نہیں اور ان پر کوئی عتاب نہیں؟ تو فرمایا۔ ہاں! ان کا کوئی دین نہیں اور ان پر کوئی عتاب نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تو نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا۔ فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا ان کو گناہ کی تاریکیوں سے نکال کر توبہ اور بخشش کی نورانیت کی طرف منتقل کر دیتا ہے کیونکہ وہ امام عادل سے تولّا رکھتے ہیں جو کہ منصوص من اللہ تھا اور خدا فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔھُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے وہ نور اسلام میں تھے۔ جب انہوں نے امام ظالم کو امام مان لیا جو اللہ کی طرف سے نہ تھا کہ وہ ان کی ولایت کی وجہ سے نور اسلام سے نکل کر کفر کی تاریکی میں چلے گئے۔ پس خدا نے کفار کے ساتھ ان کے لئے جہنم واجب کر دیا۔ پس وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

ابن ابی یعفور کہتا ہے کہ میں نے عرض کی کیا۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے عام کافر مراد نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ کافروں کے پاس پہلے نور ہی کون سا تھا جس سے وہ نکالے گئے؟ بلکہ اس سے وہی معنی مراد ہے جو میں نے بیان کیا)

بروایت ابن شہر آشوب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ میں نور سے مراد ولایت علی ابن ابی طالب ہے اور ظلمات سے مراد دشمنان علی کی ولایت ہے اور طاغوت سے مراد علی بن ابی طالب کی ولایت کے منکرین اور ان کے دوست ہیں۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے دشمن ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ خواہ اپنے نزدیک انتہائی متقی، زاہد اور عبادت گذار ہی کیوں نہ ہوں۔

اقول:۔ اس مطلب کو استدلالی رنگ میں ہم نے کتاب ہذا کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں مفصّل بیان کیا ہے عدل، احباط۔ شفاعت اور ولایت آل محمد اور ضرورت امام کے عناوین ملاحظہ فرمائیں۔ نیز اسی جلد میں اسی پارہ کے رکوع ۱۰ کی تفسیر کے ذیل میں اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ کے تحت بھی کسی قدر بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ:۔ یہ دو آیتیں ویسے آیۃ الکرسی سے الگ ہیں لیکن بعض نمازیں جن میں آیۃ الکرسی پڑھی جاتی ہے مثلاً نماز وحشت یا نماز غدیر وغیرہ تو وہاں آیۃ الکرسی سے مراد یہ تینوں آیتیں ہوا کرتی ہیں۔ یعنی ان نمازوں میں هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ تک پڑھنا چاہیے جس طرح کہ کتب فقیہہ میں مذکور ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ

کیا تم نے نہیں دیکھا وہ شخص جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کے متعلق اس لئے کہ دیا اس کو خدا نے ملک

اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

جب فرمایا ابراہیمؑ نے کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ تو کہنے لگا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ

تو فرمایا ابراہیم نے کہ تحقیق اللہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے پس تو لا کر دکھا مغرب کی طرف سے۔ تو لاجواب

الَّذِىْ كَفَرَؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَۚ ۲۵۸

ہو گیا کافر۔ اور خدا نہیں ہدایت فرماتا۔ اس قوم کو جو ظالم ہو

رکوع نمبر ۳

نمرود کا حضرت ابراہیمؑ سے مناظرہ

اَلَمْ تَرَ۔ یہ قصہ حضرت رسالتمآبؐ کی تسلی و اطمینان کیلئے ہے کہ ہمیشہ سے دشمنانِ خدا نبیوں کو ستاتے رہے اور نبی حوصلہ کرتے رہے ہیں۔ اِلَى الَّذِىْ۔ حضرت ابراہیمؑ سے جھگڑا کرنے والے کا نام نمرود بن کنعان تھا اور کہتے ہیں کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے خدائی دعوےٰ کیا۔ اور تفسیر برہان میں ابو بصیر سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت یوسف بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ نے ان کو ابراہیمؑ سمجھ کر اُن سے مزاج پرسی کی۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ میں ابراہیمؑ نہیں ہوں بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسحٰقؑ کا پوتا ہوں۔ یہ وہی بادشاہ تھا جس نے ابراہیمؑ سے مناظرہ کیا تھا؟ اس کی عمر چار سو برس تھی اور جوان تھا؟

مناظرہ کا موضوع۔ توحید تھا اور یہ مناظرہ حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی کے بعد اور آگ میں ڈالے جانے سے پہلے واقع ہوا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ آگ میں ڈالے جانے کے بعد تھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرے سے خدا کے وجود کا منکر نہیں تھا بلکہ لوگوں کو دھوکا دینے کیلئے اس فعل شنیع کا مرتکب تھا جس طرح کہ فرعونِ مصر پس اس کا خدائی دعویٰ صرف دنیاوی گھمنڈ پر تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے دلیل پیش فرمائی کہ میرا خدا مارتا اور جلاتا ہے تو اس نے جواب میں کہہ دیا کہ ایسا تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ آپ نے پوچھا کیسے؟ اس نے کہا کہ دو واجب القتل قیدیوں کو حاضر کر کے ایک کو رہا کر دوں گا اور دوسرے کو قتل کر دوں گا۔ چنانچہ اس نے ایسا کر بھی دیا آپ نے فرمایا اگر تو جلا سکتا ہے تو قتل کرنے کے بعد اسی کو زندہ کر دکھا۔

اس میں اگرچہ وہ لاجواب تھا۔ لیکن عوام الناس ان باریکیوں کو نہ سمجھتے تھے۔ پس فوراً آپ نے پہلی بات کی تائید میں سورج کے ابھارنے کو دلیل پیش فرمادیا۔ اب نمرود نے سمجھا کہ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ مشرق سے میں لایا کرتا ہوں تیرا خدا مغرب سے لائے تو اس کو یقین تھا کہ ابراہیمؑ ایسا کرلے گا اور میں زیادہ شرمسار ہوں گا۔ لہذا خاموشی کو غنیمت سمجھا۔ کیونکہ دل سے تو وہ خدا کی قدرت کا معترف تھا اور اپنے آپ کو عاجز جانتا تھا۔

تنبیہ:۔ مردوں کو زندہ کرنا۔ یا دورِ شمس کو بدل دینا صرف اللہ ہی کا کام ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیمؑ نے ان فعلوں کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا۔ بلکہ اللہ کے وجود کی دلیل قرار دیا ہے۔ پس اگر کسی کامل انسان (خواہ نبی ہو یا امام) سے اس قسم کے افعال ظہور پذیر ہوں تو یہ ان کے خدا ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ اُن کے خدا دوست ہونے کی علامت ہے کہ خدا نے ان کی صداقت منوانے کے لئے ان کی دُعا کو قبول کرکے نظامِ ظاہری کو بدل دیا۔ کیونکہ اس مقام پر اگر نمرود ضد کرتا تو حضرت ابراہیمؑ کے لئے خداوند کریم نظامِ شمسی کو تبدیل فرما کر ان کی صداقت کو تسلیم کرواتا۔ لیکن نمرود کی ہارنے اس حد تک نوبت کو آنے ہی نہ دیا۔ پس کسی انسان کامل کی دعا سے نظامِ شمسی کی تبدیلی اس کی خدائی کی دلیل نہیں اور اسی طرح باذنِ خدا مردوں کو زندہ کرلینا بھی خدائی کی دلیل نہیں۔ بلکہ خدا وہ ہے جو اپنے مخصوص بندوں کی شان دکھانے کے لئے ان کی دعاؤں کو یہ اثر بخش دیتا ہے کہ ان سے اس قسم کے خارق عادت افعال ظہور پذیر ہوں۔

پس حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے لئے ردِ شمس یا مردوں کا زندہ ہونا۔ ان کی بارگاہ رب العزت میں عظیم المنزلت ہونے کی دلیل ہے کہ ان کی دعاؤں کو مستجاب فرما کر خدا نے ان کی شان وعظمت کا سکّہ لوگوں کے دلوں پر بٹھا دیا ہے۔ بعض جہلاء مقررین اس مقام پر عوام کو دھوکا میں ڈالتے ہوئے یہ کہہ جاتے ہیں کہ دیکھو ابراہیمؑ نے ردِ شمس کو توحید کی دلیل قرار دیا اور حضرت علی نے ردِ شمس کر دکھایا۔ پس حضرت ابراہیمؑ کے بیان کردہ قاعدہ کی رُو سے یہ خدا ٹھہرے اور بعض جہلا سے مجھے شاید خود سننے کا اتفاق ہُوا ہے کہ ہم ملتِ ابراہیمی پر ہیں اور قرآن نے بھی ملتِ ابراہیمی پر چلنے کا درس دیا ہے اور ابراہیمؑ کا عقیدہ یہ ہے کہ جو مغرب سے سُورج کو لاکر دکھائے وہ خدا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ ملتِ ابراہیمی کی رُو سے علیؑ خدا ہے۔ معاذ اللہ۔

ایمان والوں کو خداوند کریم اس قسم کے فاسد عقائد سے محفوظ رکھے۔ بیان کرنے والے صرف نعرہ لگوانے اور اپنی خطابت کا سکّہ بٹھانے کے لئے یہ سب جتن کرتے ہیں۔ جس سے عوام کا اعتقاد اور اپنی عاقبت تباہ کرتے ہیں۔ ردِ شمس کے متعلق حقیقت یہ ہے کہ جناب امیرالمومنین کے زانو پر جناب رسالتمآبؐ کا سر تھا۔ بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا لہذا اشارے سے نماز پڑھ لی۔ حضورؐ کی آنکھ کھُلی تو دریافت فرمایا کہ نماز کا کیا ہُوا۔ آپ نے جواب میں عرض کی۔ کہ حضورؐ! اشارے سے پڑھ لی ہے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے دعا مانگی۔ اے میرے اللہ اگر تیرا بندہ علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھا۔ تو تُو اس کے لئے شمس کو واپس پھیر دے۔ پس ابھی جناب رسالتمآبؐ کی دعا ختم ہی نہ ہوئی تھی کہ سُورج واپس آیا اور حضرت علیؑ نے نماز

ادا کی۔ بہر کیف سورج کا واپس پلٹانا خدا کا فعل ہے اور وہ اپنے خاص بندوں کی دعا کو قبول کر کے ان کے لئے ان چیزوں کو معرضِ ظہور میں لاتا ہے اگر حضرت ابراہیمؑ کو ضرورت پڑتی اور دعا کرتے تو ان کے لئے بھی سورج مغرب سے طلوع کرتا جس طرح کہ حضرت علیؑ کے لئے بوقتِ ضرورت جناب رسالتمآبؐ کی دعا سے سورج مغرب کی طرف سے پلٹ آیا۔ پس خدا وہ بالا و برتر ذات ہے جو اپنے مخصوص بندوں کی دعاؤں کو اتنا زبردست اثر عطا فرما دیتا ہے کہ ان کے طفیل نظامِ عالم میں انقلاب پیدا ہو جاتا ہے اور بلاشک خدا ایسا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کرنے پر قادر ہے۔ نیز ردِّ شمس کی روایات متعدد ہیں اور الفاظ مختلفہ وارد ہیں اور سب کا مآل یہ ہے کہ خدا نے ردِّ شمس کے بارے میں دعا کو مستجاب فرمایا اور سورج واپس پلٹا۔

پس جو شخص انبیاء یا آئمہ کو اس قسم کے معجزات یا خارق عادات چیزیں دیکھ کر خدا مانیں یا خدا کا شریک مانیں وہ کافر اور مشرک ہیں۔ انبیاء اور آئمہ علیہم السّلام اس قسم کے لوگوں سے بیزار ہیں۔ خداوند کریم تمام مومنین کو اس قسم کے بے ہودہ اور بے بنیاد عقائد سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

نیز اگر یہی بات درست ہو کہ جس کے لئے سورج واپس پلٹ آئے پس اس کو خدا مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر نمرود حضرت ابراہیمؑ کے سامنے بضد ہو جاتا اور حضرت ابراہیمؑ خدا سے دعا مانگ کر سورج کو پلٹا دیتے (اور یقیناً ایسا ہی ہوتا کیونکہ وہ سچے اور برحق اولوالعزم پیغمبر تھے اور ان کی دعا مستجاب تھی) تو ایسی صورت میں عوام النّاس نمرود کو خدائی دعوے میں جھوٹا قرار دے کر حضرت ابراہیمؑ کو خدا تسلیم کر لینے میں حق بجانب ہوتے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور اگر ایسا ہوتا۔ تو جس طرح وہ لوگ نمرود کو خدا کہہ کر مشرک تھے اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کو خدا مان کر بھی مشرک ہی رہتے۔ خدا وہ ہے جس نے ابراہیمؑ کو ابراہیمؑ بنایا، محمدؐ کو محمدؐ بنایا، اور علیؑ کو علیؑ بنایا۔ یہ سب اس کے عبد ہیں اور وہ ان سب کا معبود ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ چار آدمی پورے روئے زمین کے بادشاہ گذرے ہیں۔ دو مسلمان اور دو کافر۔ حضرت سلیمان بن داؤد اور حضرت ذوالقرنین یہ دونوں مسلمان اور نمرود اور بخت نصر یہ دونو کافر تھے (غالباً ان کے پوری زمین پر بادشاہ ہونے کا مقصد یہ ہوگا کہ ان کے زمانہ میں ان کا اقتدار پورے روئے زمین پر مسلّم تھا اور باقی کسی خطّۂ زمین کا کوئی حکمران ان کے آگے سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکتا تھا)۔ مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ مچھر نمرود کے منہ پر بیٹھا اور اس کو کاٹا۔ نمرود نے اس کو پکڑنے کے لئے ہاتھ اٹھایا تو وہ اڑ کر اس کے ناک کے سوراخ میں چلا گیا پس یہ جونہی اس کے نکالنے کی کوشش کرتا رہا وہ آگے گھستا گیا۔ حتیٰ کہ اس کے دماغ تک جا پہنچا۔ پس خداوند کریم نے اس کو چالیس شب و روز اسی عذاب میں گرفتار رکھا۔ اور پھر اس کو ہلاک کر دیا۔

یہ سب ذاتِ مقدّسہ الٰہیہ کی مصلحتیں ہیں اگر نہ چاہا تو چار سو سال تک اپنے دشمن کو مسندِ الوہیّت پر قبضہ جمائے ہوئے رہنے دیا اور اُسے ذرّہ بھر بھی عذابِ زندگی کا مزہ نہ چکھایا۔ لیکن جب چاہا تو کسی کی سطوت کو مٹانے کے لئے مچھر کو مسلّط کر دیا اور کسی کی الوہیّت مفروضہ کو دریاؤں کی لہروں کی نذر کر دیا۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ

یا مثل اس کے جو گذرا ایک بستی سے اور وہ اپنی چھتوں پہ گری ہوئی تھی (والیں) کہا کیسے زندہ کرے گا

يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ

ان کو خدا موت کے بعد پس خدا نے اس کو مار دیا ایک سو برس پھر اس کو اٹھایا۔ فرمایا

كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ

کہ تو کس قدر سویا ہے۔ عرض کی کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ سویا ہوں فرمایا بلکہ تو تو ایک سال

مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ

سو چکا ہے پس دیکھ اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کی طرف کہ وہ متغیر نہیں ہوئیں اور دیکھ

إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ

اپنے گدھے کی طرف۔ اور تاکہ تجھے لوگوں کے لئے ہم نشانی بنائیں اور دیکھ طرف ان کی ہڈیوں کے کہ کس طرح ہم

نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ

ان کو جوڑتے ہیں پھر ان کو گوشت پہناتے ہیں پس جب بات واضح ہو گئی تو کہنے لگے میں جانتا ہوں۔ تحقیق

موت کے بعد زندگی

أَوْ كَالَّذِي۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ عزیر علیہ السلام تھے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے بھی ایسا ہی منقول ہے لیکن امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ حضرت ارمیاء علیہ السلام تھے پس ان ہر دو روایتوں کی توجیہہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ شاید یہ ایک ہی شخص ہو اور اسی کے دو نام ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ دو شخص ہوں اور ہر دو کو اس قسم کا واقعہ پیش آیا ہو۔

عَلَىٰ قَرْيَةٍ۔ وہ بستی جس کی چھتیں گری ہوئی تھیں وہ بیت المقدس کا شہر تھا جس کو بخت نصر نے خراب کیا تھا۔

قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي۔ حضرت عزیرؑ یا ارمیاؑ کا یہ کہنا کہ خدا ان کو کیسے زندہ کرے گا یہ بطور تعجب یا انکار کے نہیں تھا کیونکہ نبی کو ان چیزوں پر شک نہیں ہوا کرتا اور ان کا ایمان کامل ہوا کرتا ہے نبی تو نبی بلکہ اگر کوئی عام مومن بھی خدا کے زندہ کرنے پر شک یا انکار کرے تو صفِ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ پس ان کا یہ کہنا صرف اس لئے تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ خداوند کریم ان

کو دوبارہ زندہ کرے۔ گویا انہوں نے اپنی درخواست کا اظہار ان لفظوں میں کیا۔

بخت نصر کا قصّہ

تفصیل اس قصّہ کی جو کتب تفاسیر میں مذکور ہے وہ اس طرح ہے کہ جب بنی اسرائیل نے برائیوں کو اپنا شیوہ بنالیا اور اللہ کے حکم سے بالکل سرکش ہوگئے تو حضرت ارمیاء پیغمبر کو وحی ہوئی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں بنی اسرائیل پر بوجہ ان کی بدکاریوں کے ایک بدترین انسان کو مسلّط کردوں گا۔ جو بدطینت اور حرام خور ہوگا۔ وہ ان کو قتل کرے گا۔ ان کی عورتوں کو قید کرے گا اور ان کے شہروں کو خراب کرے گا۔

حضرت ارمیاء نے بنی اسرائیل کے علماء سے اس کا بیان کیا تو انہوں نے عرض کی کہ قصور تو امراء طبقہ کا ہے۔ غریب طبقہ اور کمزور لوگ اس عذاب میں کیوں گرفتار ہوں گے۔ حضرت ارمیاء بارگاہِ رب العزت میں گذارہوئے تو خداوند کریم کی طرف سے ان کو سخت تنبیہ ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ اگرچہ تم برائیوں کے مرتکب نہیں ہو۔ لیکن تم بُروں کی برائی پر تو راضی ہو۔ تم نے منکر کو دیکھا اور اُس سے نہی نہیں کی۔ لہٰذا اس عذاب میں تم بھی ان کے ساتھ برابر کے شریک ہو۔

پس حضرت ارمیاء نے عرض کی کہ میرے اللہ! مجھے بتا کہ وہ کون شخص ہوگا۔ تاکہ میں اس سے جاکر اپنے اور اپنے بال بچّوں کے لئے امان طلب کرلوں۔ تو وحی ہوئی کہ تو فلاں مقام پر جا۔ وہ ابھی لڑکا ہے جو اس وقت سخت بیمار ہے چلنے پھرنے کے قابل نہیں۔ اس کی پیدائش خبیث تر اس کا جسم نحیف تر اور اس کی غذا خسیس تر ہے۔

پس حضرت ارمیاء اسی شہر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک سرائے میں وہ ایک مزبلہ پر کس مپرسی کے عالم میں پڑا ہُوا ہے۔ اس کی ماں روٹی کے ٹکڑے ایک پیالہ میں لے کہ اس پر سورنی کا دودھ دوہتی ہے تاکہ وہ نرم ہوجائیں پھر اس کو کھلاتی ہے۔ حضرت ارمیاء نے جانا کہ یہ وہی ہے جس کی اللہ سبحانہٗ نے خبر دی تھی۔ پھر اس سے دریافت کیا کہ تیرا نام کیا ہے تو اس نے اپنا نام بخت نصر بتایا۔ اب تو ان کو یقین ہوگیا کہ یہ وہی ہے پس اس کے علاج میں مشغول ہوگئے۔ یہانتک وہ تندرست ہوگیا۔ پھر فرمایا کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ صرف اتنا جانتا ہوں کہ تو ایک نیک آدمی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بنی اسرائیل کا نبی ہوں۔ میرا نام ارمیاء ہے۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ تجھے بنی اسرائیل پر غلبہ دے گا اور تو ان کو قتل کرے گا۔ یہ سُن کر بخت نصر اس وقت حیران و ششدر سا ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت ارمیاء نے فرمایا کہ تو میرے لئے امان نامہ لکھ۔ تو حضرت ارمیاء کے فرمانے پر اس نے امان نامہ لکھ دیا۔

تندرست ہوجانے کے بعد بخت نصر کا دستور تھا کہ رات کے وقت پہاڑ کی طرف نکل جاتا اور لکڑیاں جمع کرکے لاتا۔ اور ان کو بازار میں بیچ کر گذر اوقات کرتا تھا اور اسی سے ترقی کرتے کرتے ایک بارسوخ سفید پوش انسان ہوگیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے لوگوں کو بنی اسرائیل سے لڑنے کے لئے اپنی طرف بلانا شروع کردیا اور لوگ بھی کافی تعداد میں اس کے

حلقہ بگوش ہوگئے۔ یہاں تک کہ کثیر تعداد میں ایک جرار لشکر لے کر بیت المقدس کی طرف متوجہ ہوا۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل کا مسکن تھا۔

حضرت ارمیاء علیہ السلام کو جب بخت نصر کی فوج کشی کی خبر پہنچی تو وہ امان نامہ ساتھ لئے گدھے پر سوار ہو کر شہر سے باہر تشریف لائے لیکن لشکر اس قدر زیادہ تھا کہ ان کی بخت نصر تک رسائی نہ ہو سکی تو انہوں نے ایک لکڑی کے سرے پر اس امان نامہ کو باندھ کر بلند کیا۔ جب بخت نصر نے یہ دیکھا۔ تو اُن کو اپنے پاس بلا کر دریافت کیا۔ کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میں وہی ارمیاء نبی ہوں جس نے تجھے بادشاہی کی بشارت دی تھی اور یہ وہی امان نامہ ہے جو تو نے مجھے لکھ کر دیا تھا پس بخت نصر نے جواب دیا کہ تجھے بے شک امان ہے لیکن تیرے اہلبیت (گھر والوں) کے لئے کوئی امان نہیں۔ پس وہ بیت المقدس کے شہر میں داخل ہوا۔ شہر کے وسط میں ایک ٹیلہ دیکھا کہ اس کے درمیان سے خون جوش مار کر اُبلتا ہے اور بند نہیں ہوتا اس نے لوگوں سے دریافت کیا۔ کہ اس کا ماجرا کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہ نے ایک نبی کو قتل کیا تھا اور یہ اس نبی کا ناحق خون ہے کہ ہم لوگ جس قدر اس پر مٹی ڈالتے ہیں یہ اور زیادہ جوش زن ہوتا ہے۔ اور یہ نبی حضرت یحییٰ بن زکریا تھے اور ان کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ اس دور کا بنی اسرائیل کا بادشاہ زانی و بدکار تھا۔ جب حضرت یحییٰ سے اس کا گذر ہوتا۔ تو آپ اس کو اس فعل بد سے روکتے تھے اور خوف خدا کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔

ان بدکار عورتوں میں سے ایک عورت نے جب کہ بادشاہ نشۂ شراب میں چور تھا۔ بادشاہ سے کہا کہ اے بادشاہ یحییٰ کو قتل کر دیا جائے کیونکہ یہ ہماری عیش پسندی میں رخنہ اندازی کرتا ہے، بادشاہ نے فوراً اس کے قتل کا حکم دے دیا پس حضرت یحییٰ کے سر کو طشت میں اٹھا کر بادشاہ کے سامنے لایا گیا۔ تو اس پاک سر سے آواز آئی فرمایا۔ خدا سے ڈر۔ تیرے لئے زناکاری حلال نہیں۔ پس طشت میں خون کھولنے لگ گیا۔ یہاں تک کہ زمین پر جاری ہوگیا اور اس کا جوش بڑھتا گیا اور جوں جوں کوشش اس کو روکنے کی کی گئی۔ توں توں وہ زیادہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ یہ مٹی کا پہاڑ بن گیا۔ اور بخت نصر کے خروج اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل ہونے کے درمیان ایک سو برس کا فاصلہ تھا۔

پس بخت نصر نے قسم کھائی کہ میں بنی اسرائیل کو اس وقت تک قتل کرتا رہوں گا جب تک یہ خون بند نہ ہوگا مردوں عورتوں بچوں حتٰے کہ ان کے حیوانوں کو بھی قتل کرتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ ان کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ لیکن باوجود اس کے حضرت یحییٰ کے خون کا جوش بند نہ ہوا۔ اس نے دریافت کیا کہ کیا ابھی ان شہروں میں بنی اسرائیل سے کوئی آدمی موجود ہے تو کہا گیا کہ ایک بڑھیا فلاں مقام پر رہتی ہے پس اس کو قتل کرنے کا حکم دیا چنانچہ وہ قتل کر دی گئی اور جب وہ قتل ہوئی تو حضرت یحییٰ کا خون بند ہوا۔ اور کہتے ہیں کہ یہ وہی عورت تھی جس نے بادشاہ کو حضرت یحییٰ کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔

انجام بخت نصر

اس کے بعد بخت نصر بابل کی طرف آیا اور یہاں ایک شہر تعمیر کیا اور حضرت دانیالؑ پیغمبر کو ایک کنواں کھدوا کر اس میں ڈال دیا۔ اور ایک عرصہ تک ان کو وہاں محبوس رکھا۔ بیت المقدس کے نبی کو وحی ہوئی کہ بابل کے فلاں کنویں میں دانیالؑ کو آب و غذا پہنچاؤ۔ پس وہ نبی آیا اور کنویں کے کنارہ سے جھانک کے سلام کر کے

آواز دی۔ حضرت دانیالؑ نے جواب میں لبیک کہا۔ اس نبی نے کہا کہ خداوند کریم نے بعد سلام کے تجھے آب و طعام بھیجا ہے اس کو قبول کیجئے اور اس کو کنوئیں میں لٹکایا۔ حضرت دانیالؑ نے خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا۔ بایں الفاظ

اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اپنی یاد سے نہیں بھلایا۔ اس اللہ کی حمد ہے جو دعا مانگنے والے کی دعا کو رد نہیں فرماتا۔ اس اللہ کی حمد ہے جو توکل کرنے والوں کو خود کافی ہوتا ہے۔ اس اللہ کا شکر ہے جو اپنی ذات پر بھروسہ کرنے والے کو اپنے غیر کے حوالہ نہیں کرتا۔ بلکہ خود اس کا کفیل ہوتا ہے۔ اس اللہ کا شکر ہے جو احسان کا بدلہ احسان سے دیتا ہے۔ اس اللہ کا شکر ہے جو صبر کے بدلہ میں نجات عطا فرماتا ہے۔ اس اللہ کی حمد ہے جو مصائب کے بعد ان کو دفع بھی فرماتا ہے اس اللہ کا شکر ہے کہ تمام حیلوں کے ختم ہو جانے کے بعد اُسی کی ذات پر بھروسہ باقی رہ جاتا ہے اور اس اللہ کا شکر ہے کہ جب ہم اپنے اعمال سے بدظن ہو جائیں تو اس کی رحمت کی امید دل میں ہوتی ہی ہے۔

بخت نصر نے خواب میں دیکھا کہ اس کا سر لوہے کا اور پاؤں پیتل کے اور سینہ سونے کا ہے فوراً نجومیوں کو بلا کر پوچھا کہ بتاؤ میں نے کیا دیکھا ہے۔ وہ کہنے لگے۔ بادشاہ۔ آپ خواب بیان فرمائیں۔ تب ہم اس کی تعبیر بیان کریں گے ورنہ ہمیں کیا معلوم کہ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ بخت نصر کہنے لگا کہ میں تم کو تنخواہیں حرام کی دیتا ہوں۔ جب تم اتنی سی بات بھی نہیں بتا سکتے۔ پس فوراً ان سب کو قتل کروا دیا۔

بعض حاضرین نے کہا۔ کہ یہ چیز وہی شخص ہی بتا سکے گا جو کنوئیں کی تاریکی میں مدت سے زندگی کے دن گذار رہا ہے پس حضرت دانیال کو حاضر کیا گیا۔ بخت نصر نے اپنا سوال پیش کیا۔ حضرت دانیالؑ نے اس کو خواب کا سب ماجرا سُنا یا۔ اور اس کی تعبیر بتائی کہ بس! اب تیرا ملک زائل ہے اور تو تین دن تک قتل ہو جائے گا اور تیرا قاتل ایرانی باشندہ ہوگا یہ سنتے ہی بخت نصر نے شہر کے ہر دروازہ پر سخت پہرہ بٹھا دیا۔ اور حکم دیا کہ جو بھی اس طرف آئے اس کو قتل کر دو اور حضرت دانیال کو اپنے پاس رکھا۔ کہ اگر تین روز گذر گئے اور میں قتل نہ ہُوا۔ تو تجھے قتل کر دوں گا۔ تیسرے دن جب شام ہوئی تو بخت نصر کو پریشانی اور غم لاحق ہُوا۔ اور اسی پریشانی کے عالم میں گھر سے باہر نکلا۔ اس کا غلام جو اس کے بچے کی خدمت کرتا تھا۔ اس کے سامنے آیا اور وہ غلام ایرانی تھا لیکن بخت نصر کو اس کی خبر نہ تھی۔ پس بخت نصر نے اس کو تلوار دی اور حکم دیا کہ تیرے سامنے جو بھی آئے اس کو قتل کر دے خواہ میں ہی کیوں نہ ہوں۔ غلام نے تلوار لے کر اسی جگہ بخت نصر کو اسی تلوار سے ڈھیر کر دیا۔

حضرت ارمیاءؑ یا حضرت عزیرؑ کی موت

جب بخت نصر بنی اسرائیل کو قتل کر چکا تو نبی کی طرف پیغام بھیجا کہ تو اللہ کا نبی ہے اگر چاہے تو میرے ہاں قیام کرو اور نہیں تو جہاں جاؤ۔ میری طرف سے کُھلی اجازت۔ آپ نے وہاں سے روانگی کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد قصہ وہی ہے جس کو قرآن مجید بیان فرما رہا ہے۔

قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ۔حضرت ارمیا جب روانہ ہوئے تھے تو گدھے پر سوار تھے اور ان کے ساتھ زاد راہ انجیر و انگور اور شیرہ تھا۔ پس جب اس بستی سے ان کا گذر ہوا جس کو بخت نصر نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ کشتوں کے پُشتے لگے ہوئے تھے دل میں سوچا کہ خدا ان کو کیسے زندہ کرے گا۔ یعنی ان کی زندگی کی خواہش کی تاکہ اپنی آنکھوں سے قدرتِ خدا کو ملاحظہ کریں۔ پس خدا نے ان کو موت دے دی اور ایک سو سال تک وہ وہاں مرکر سوئے رہے۔

جب وہ پہلی دفعہ وہاں سوئے تھے تو دن چڑھا ہوا تھا اور جب سو برس کے بعد خدا نے ان کو دوبارہ زندہ کیا تو سورج مغرب کی طرف تھا۔ پہلے پہل ان کی آنکھوں میں روح پلٹائی گئی اور سوال کیا گیا کہ بتائیے تم یہاں کس قدر ٹھہرے رہے ہو؟ جواب دیا کہ ایک دن کامل۔ پھر جب سورج کی طرف نگاہ کی تو فوراً کہا۔ بلکہ دن کا کچھ حصہ۔ پس ارشاد ہوا نہیں بلکہ تم تو یہاں ایک سو سال ٹھہرے رہے ہو۔ اب اپنی یا اپنے گدھے کی ہڈیوں کو ملاحظہ کرو کہ ہم کس طرح ان کو آپس میں جمع کرتے ہیں اور پھر ان پر گوشت پہناتے ہیں تو اس کے بعد حضرت ارمیاء دیکھتے رہے اور ان کے سامنے ان کے بقیہ بدن کی ہڈیاں جو خاکستر ہو گئی تھیں اکٹھی ہونی شروع ہو گئیں اور آپس میں ملتی گئیں جب سب اعضاء اپنے مقام پر آگئے تو اُوپر گوشت پوست پھر مکمل ہو گیا اور خود بھی اٹھ بیٹھے اور ان کا گدھا بھی زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

پھر ارشاد ہوا کہ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ ۔ یعنی اپنے زاد راہ کو ملاحظہ کرو جو کہ بہت جلد خراب ہو جانے والی چیز ہیں۔ لیکن بقدرت خدا ابھی تک مثل تازہ کے ہیں اور باسی نہیں ہوئیں۔ پس جب حضرت ارمیاء نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ ملاحظہ کیا۔ کہنے لگے۔ بے شک مجھے یقین ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے (یہ واقعہ حضرت قائم آل محمدؑ کی طویل زندگی پر وارد ہونے والے تمام اعتراضوں کا جواب ہے جو خدا ایک بہت جلد خراب ہو جانے والے عام میوہ جات کو ایک عرصہ دراز تک تروتازہ رکھ سکتا ہے کیا وہ اپنے کسی خاص بندے کو ایک طویل عرصہ تک زندہ رکھنے پر قادر نہیں بے شک وہ ہے اور اس نے اپنی مصلحت سے ایسا کیا ہے۔

یہ قصہ اگرچہ بعض روایات میں حضرت ارمیاء کی طرف منسوب ہے لیکن زیادہ مشہور حضرت عزیرؑ کے متعلق ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت اپنے گھر سے نکلے تھے تو ان کی زوجہ حاملہ تھی اور ان کی عمر اس وقت پچاس برس کی تھی۔ جب سو برس کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے تو ان کی عمر وہی پچاس برس ہی تھی جب گھر تشریف لائے اور ان کا فرزند اس وقت سو برس کا تھا اور عمر میں حضرت عزیر سے پچاس برس بڑا تھا اور یہ اللہ کی آیات میں سے ہے کہتے ہیں کہ بخت نصر نے تورات کو جلا دیا تھا۔ پس جب حضرت عزیر واپس آئے تو انہوں نے تورات کو از سر نو اپنے حفظ سے لکھ دیا۔ بنی اسرائیل اس بات پر باور نہیں کرتے تھے کہ یہ وہی تورات ہے یا اس میں کمی یا بیشی ہے تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میرے دادا نے اپنے باغ میں تورات کا نسخہ دفن کروایا تھا۔ مجھے وہاں لے چلو۔ تاکہ اسے وہاں سے نکال کر مقابلہ کر کے دیکھیں۔ جب تورات کا وہ نسخہ برآمد کر کے لائے اور اس کے ساتھ اس کا مقابلہ کرایا گیا۔ تو ایک حرف تک

حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی۔ اور چار پرندوں کے پکڑنے اور ان کو قیمہ کرکے پہاڑوں پر تقسیم کرنے کا حکم ہوا۔ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ چار پرندے :- مور، مرغ، کبوتر اور کوّا تھے۔ اور امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ گدھ، مور، بطخ اور مرغ تھے۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے وہ چار پرندے پکڑے ان کے گوشت کے ٹکڑے کئے ان کو آپس میں ملا کر قیمہ کر لیا اور دس پہاڑوں پر اس کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا اور ہر ایک کی چونچ اپنی انگلیوں میں محفوظ رکھی اور اس کے بعد باری باری سے ایک ایک کو بلایا پس بقدرت خدا اُن کے اجزاء ہوا میں پرواز کرنے لگے اور ہر پرندہ کی جزئیں علیحدہ علیحدہ یکجا ہونے لگ گئیں اور جب ان کے جسم مکمل ہوگئے اور ان میں رُوح داخل ہوگئی تو دوڑ کر حضرت ابراہیمؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ (بطور امتحان کے) ایک پرندہ کی چونچ دوسرے پرندہ کے سامنے کرتے تھے تو وہ اس کو قبول نہ کرتا تھا۔ جب اس کی اپنی چونچ سامنے کرتے تو وہ اس کو قبول کر لیتا تھا۔ پس اس طریقہ سے ان کے جسم مکمل ہوگئے۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے ان کی چونچوں کو چھوڑ دیا۔ تو وہ اڑ گئے اور اپنے کھانے پینے میں مصروف ہوگئے۔

وجہ ربط چونکہ پہلے ارشاد فرمایا کہ خدا ایمان والوں کا ولی ہے اور ان کو ظلمات سے نور کی طرف لے جاتا ہے اس کے بعد ایمان کی طرف لے جانے کے مدارج اور اسباب ہدایت کی تفصیل کو ان آیات میں واضح فرمایا کہ ہدایت و رشد کے تین طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ۔ دلیل و برہان۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے مقابلہ میں اختیار فرمایا۔ پس صاحبان انصاف کے لئے حضرت ابراہیمؑ کا استدلال قبول ایمان کے لئے کافی تھا اور اس کے بعد جو یقین و اعتقاد پیدا ہو، اُسی کا نام ہے ایمان اور اس طریقہ سے حاصل ہونے والے یقین کو اہل معرفت علم الیقین کہتے ہیں۔

دوسرا طریقہ۔ شہادت عینی۔ جس طرح حضرت عزیرؑ کو آنکھوں سے مشاہدہ کرایا گیا۔ اور اس درجہ کو اہلِ معرفت عین الیقین سے تعبیر کرتے ہیں۔

تیسرا طریقہ۔ علت و معلول پر ہر دو کی سیر یعنی اصل واقعہ کا مشاہدہ بھی ہو اور اس کی علت کی نشاندہی بھی ہو اور یہ ہدایت کا قوی ترین مرتبہ ہے جس کو حق الیقین کہا جاتا ہے۔

جس طرح کہ حضرت ابراہیمؑ کا پرندوں کو ذبح کرکے ان کے قیمے کو پہاڑوں پر رکھ کر پھر پکارنا اور ان کا زندہ ہو کر ان کے پاس آنا۔

گویا حق کو مان لینے اور تسلیم کر لینے کے مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ تو ہے صرف کسی کے کہنے پر سر جھکا لینا اور صاد کر دینا اور یہ ہے انقیاد و اطاعت کی منزل کمال، نہ طلب دلیل ہو نہ طلب مشاہدہ اور نہ طلب ذوق ہو۔ گویا اُدھر سے ارشاد ہو اور اُدھر سے گردن حاضر ہو یہ ہے حقیقی اسلام و تسلیم لیکن یہ تسلیم چونکہ صرف تقلید ہی تقلید ہوتی ہے لہذا اس میں ثبات

نہیں ہوتا۔ بلکہ ادنیٰ سے شکوک وشبہات سے اس کا زوال متوقع ہوا کرتا ہے اس لئے کہ اس کو دلیل وبرہان سے تقویت حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس سے پختگی ودوام اور خلوص اتقان کی رُو سے بلند مرتبہ وہ ہے جو دلیل وبرہان سے استوار ہو۔

اور اس کے بعد دوسرا درجہ ہے مقام تبلیغ میں تسکین قلب اور تفہیم غیر کے لئے طرق معرفت میں دلیل سے اقدام کرنا، تاکہ کسی کی تشکیک یا گمراہ کن شبہات اس کے قدموں میں لڑکھڑاہٹ نہ پیدا کر سکیں۔ لہٰذا یہ مقام ہے دلیل وبرہان کا۔ جو علم الیقین اور ایمان راسخ کی اصل ہے۔

پھر تیسرا درجہ ہے مشاہدہ کا۔ جو ایقانِ قلب اور عین الیقین کا سبب ہے اور چوتھا درجہ ہے معلول وعلت دونوں کا مشاہدہ۔ اور یہ اطمینان اور حق الیقین کا زینہ ہے۔ مثال کے طور پر کسی کے کہنے سے آگ کا وجود مان لینا ہے حسن یقین اور دھواں دیکھ کر تسلیم کرنا ہے علم الیقین اور آگ کا مشاہدہ کرنا ہے عین الیقین، اور اس کی گرمی سے متاثر ہو کر اس کا اعتراف کرنا ہے حق الیقین۔

نمرود کے سامنے علم الیقین یعنی ایمان کا منظر تھا اور حضرت عزیر عین الیقین اور ایقان کی منزل تک پہنچے اور حضرت ابراہیمؑ حق الیقین اور اطمینان کے درجہ کے طالب تھے جسے پا لیا۔ اور یہ عرفان کی آخری منزل ہے۔ جس میں کوئی شک وشبہ مؤثر نہیں ہو سکتا۔

بحار الانوار ج ۱۵ باب الیقین والبصر میں بروایت کافی حضرت امام رضا علیہ السلام سے یونس نے ایمان واسلام کا فرق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان بھی اسلام کو ہی کہتے ہیں لیکن یہ اس سے ایک درجہ بلند ہے اور تقویٰ ایمان سے ایک درجہ بلند ہے اور یقین تقویٰ سے ایک درجہ بلند ہے اور لوگوں میں یہ درجہ بہت کم تقسیم ہوا ہے یونس کہتا ہے میں نے عرض کی۔ یقین کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اللہ پر توکل اور اس کیلئے تسلیم ورضا۔ الخبر یعنی جب انسان کو اللہ کی وحدانیت، علم، قدرت، حکمت، تقدیر، تدبیر اور رأفت ورحمت پر یقین ہو گا تو لامحالہ اپنے تمام امور میں اس پر توکل وبھروسہ کریگا۔ اسی ذیل میں علامہ مجلسی قدہ فرماتے ہیں کہ علم وایمان کے مدارج ومراتب ہیں جس قدر علم میں زیادتی ہو گی اسی قدر ایمان میں بلندی ہو گی اور ایمان کا پہلا مرتبہ ہے تصدیق جسمیں شکوک وشبہات کی کم وبیش ملاوٹ بھی ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ۔ اور اسی درجہ کو اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے جس طرح فرماتا ہے قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا الخ اس کے بعد ایمان کا وہ درجہ ہے جس میں شک وشبہ نہ ہو۔ جس طرح ارشاد ہے الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا۔ الخ اور اس سے بلند مرتبہ ہے محبت کاملہ کا جس کو احسان سے بھی تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ اور یہی یقین کا مرتبہ ہے اور پھر یقین کے تین درجے ہیں۔ علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، اور حق الیقین وصل کی وہ آخری منزل ہے جس سے آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں چنانچہ حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں کہ اگر میرے سامنے سے پردے اٹھ جائیں تب بھی یقین میں اضافہ نہ ہو گا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں مثل اس دانے کے ہے جو اگائے سات خوشے کہ ہر خوشہ

سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۱

میں ایک سو دانہ ہو اور خدا زیادہ کرتا ہے جس کے لئے چاہے اور خدا صاحب وسعت و علم ہے

رکوع نمبر ۴ خدا کی راہ میں خرچ کرنا

مَثَلُ الَّذِيْنَ - امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن جو بھی نیکی کرے ۔ خداوند کریم اس کو ہر نیکی کا بدلہ سات سوگنا جزا کرامت فرمائے گا اور آپ نے اسی آیت مجیدہ سے استشہاد فرمایا ۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام گھر سے تشریف لائے ۔ حسنین شریفین کو بے تاب دیکھا ۔ جناب فاطمہؑ نے عرض کی کہ شہزادے بھوک سے ہیں اور تین روز کا ان کو فاقہ ہے ۔ پس آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور عبداللہ بن عوف سے ایک دینار قرض طلب فرمایا ۔ اس نے ایک تھیلی جس میں سو دینار تھے بطور صدقہ کے پیش کی ۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے جناب رسولخدا سے سنا ہے کہ دینے والا ہاتھ لینے والے سے بہتر ہے پس میں کسی کا احسانمند نہیں ہونا چاہتا ۔ مجھے قرض دے دیجئے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ صدقہ کا ثواب ایک کا دس گنا ہے اور قرضہ کا ثواب اٹھارہ گنا ہے ۔ پس ایک دینار قرض لے کر بازار کی طرف روانہ ہوئے ۔ دیکھا کہ راستہ میں مقداد بیٹھے ہیں ۔ آپ نے فرمایا مقداد ! ایسی گرمی میں کیسے گھر سے نکلنا ہوا ۔ مقداد نے عرض کی کہ چار روز سے فاقہ ہے لہذا مجبوراً گھر سے نکلا ہوں کہ شاید کچھ میسر آجائے تو آپ نے وہ دینار مقداد کو دیدیا اور فرمایا کہ تو ہم سے زیادہ مستحق ہے کیونکہ ہمارے گھر تین روز سے فاقہ ہے اور تجھے چوتھا روز ہے پس مسجد میں تشریف لائے تو یہ آیت اتری ۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ الخ دوسرے دن ایک سوار آیا حضرت علیؑ کو ایک تھیلی پیش کی اور غائب ہو گیا ۔ حضرت علیؑ اس کو لے کر خدمت سرکار رسالت میں وارد ہوئے اور ماجرا سنایا ۔ آپ نے تھیلی کو کھولا تو اس میں سات سو دینار تھے فرمایا ۔ اے علیؑ کیا تو نے اس ناقہ سوار کو پہچانا تھا ؟ وہ تو حضرت جبریلؑ تھے اور بحکم خدا آئے تھے اور یہ تھیلی اس ایک دینار کا عوض ہے جو آپ نے کل مقداد کے حوالہ کیا تھا اور آخرت میں خدا اس کا بدلہ اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا ۔ پس حضرت علیؑ نے فرمایا کہ بے شک فرمان خدا درست وصحیح ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ ان کی جزا مثل اس ایک دانے کے ہے جس سے سات سو دانہ پیدا ہو ۔ اس کے بعد آپ نے ایک دینار قرض خواہ کو واپس دیا اور باقی اہلبیتؑ اور فقراء پر تقسیم فرمایا ۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں پھر اس کے پیچھے احسان بھی نہیں جتلاتے اور

مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا

نہ اذیت دیتے ہیں تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پہ خوف ہوگا اور نہ وہ

هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝۲۶۲ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ

غمگین ہوں گے نیک بات اور درگزر بہتر ہے اس صدقہ سے جس کے بعد اذیت ہو۔

مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی پر احسان کرکے پھر جتلائے تو خدا بروز محشر اس کو اپنے کلام و نظرِ رحمت سے محروم کرے گا اور نہ ہی اس کا عمل پاکیزہ ہوگا (تاکہ قابل جزا ہو) اور اس کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ سائل کو اذیت دینے کا مطلب یہ ہے کہ ترشروئی سے اس کے پیش آئے یا جھڑک کر اس کو کچھ دے یا احسان کرنے کے بعد اس سے اپنے کام کاج کروائے تو اس قسم کی چیزیں احسان کی جزاء کو باطل کر دیتی ہیں۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۔ اگر کوئی سائل کچھ سوال کرے اور اس کو کچھ دینا نہ چاہے تو بجائے سخت کلامی کے اس کو دعائے خیر کرے۔ مثلاً کہے کہ خدا تجھے رزق وافر عطا فرمائے۔

وَمَغْفِرَةٌ ۔ اگر سائل سخت لہجہ میں سوال کرے یا خدا و رسول و آئمہ کی قسمیں دینے لگ جائے یا بے وقت اور بے جا سوال کرے جس سے دل کو تکلیف پہنچے۔ تو ایسے حالات میں اس سے درگذر کرنا اور اس سے چشم پوشی کرنا بہتر ہے۔ بہرکیف اس کو نیک بات کہہ کر ٹال دینا۔ یا اس کی بے جا و بیہودہ باتوں سے درگذر کرنا اس دینے سے بہتر ہے جو ترشروئی سے جھڑک کر دیا جائے یا اس کو کوئی اور قولی یا فعلی تکلیف دی جائے۔

تفسیر عمدۃ البیان میں ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے ایک دفعہ خضرؑ سے فرمایا۔ کہ کوئی کلمۂ حکمت سنائیے تو خضر نے کہا۔ غنی اور مالدار لوگوں کی فقراء لوگوں پر شفقت و مہربانی اگر حصولِ ثواب کے لئے ہو تو کیا خوب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے بہتر چیز سنائیے۔ انہوں نے کہا۔ اس سے بہتر اور نہیں ہے تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس سے بہتر ہے غنی اور مالدار لوگوں کے سامنے فقراء کی خود داری جو خدا پر توکل کرکے کسی اور کے زیر بار احسان ہونا پسند نہ کریں۔

اس مقام پر صرف صدقہ خیرات کرنے کا ذکر ہے یہ تصریح نہیں کہ واجب ہو یا غیر واجب۔ اور راہ خدا میں خرچ کرنے کی مدات بھی متعدد ہیں۔ فقراء و مساکین کی اعانت، تعمیر مساجد، عزاداری حضرت سید الشہداء اور ترویج علوم آل محمد وغیرہ ان سب پر خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ ہے لیکن اس میں سے بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے اور بمطابق مضمون احادیث

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۲۶۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ

اور اللہ غنی اور صاحب حوصلہ ہے اے ایمان والو! نہ باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور اذیت

وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

دے کر مثل اس کے جو خرچ کرتا ہے مال اپنا لوگوں کے دکھانے کے لئے حالانکہ نہ اللہ پر اس کا ایمان ہے اور نہ قیامت پر

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا

پس اس کی مثال اس صاف پتھر کی سی ہے جس پر گرد پڑی ہو۔ پس اس پر زور کی بارش آئے اور اس کو صاف کر دے۔ وہ

يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۶۴﴾

لوگ کچھ بھی نہ وصول کریں گے اپنے کئے کا بدلہ اور خدا نہیں ہدایت فرماتا ہے کافر لوگوں کو

ترویج علوم آلِ محمدؐ کے لئے مدارس دینیہ پر خرچ کرنا سب سے افضل ہے کیونکہ علم تمام نیکیوں کی اصل ہے اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ عالم یا متعلم کی امداد کرنا، خواہ معمولی ہو، تعمیر کعبہ کا ثواب رکھتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسولخداؐ نے فرمایا کہ جو شخص مومن پر احسان کرے اور پھر اس کو کلام کے ساتھ اذیت دے یا اس پر اپنا احسان جتلائے تو گویا اس نے اپنی خیرات کو باطل کر دیا۔ جیسا کہ آیت مجیدہ میں خداوند کریم ارشاد فرما رہا ہے کہ احسان جتلانے اور اذیت دینے سے اپنے صدقات کو باطل نہ کرو۔ اور اس قسم کا صدقہ اس طرح باطل ہے۔ جس طرح ریاکاری کی خیرات باطل ہے اور پھر مزید وضاحت کے لئے اس کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جس طرح پتھر پہ پڑی ہوئی گرد بارش پڑنے سے بالکل دھل جاتی ہے اور پتھر بالکل صاف نکل آتا ہے۔ اسی طرح صدقہ احسان جتلانے یا اذیت دینے کے بعد بالکل ضائع اور برباد ہو جاتا ہے۔

(بحار ص۱) جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ بروز محشر پہلے پہل تین قسم کے لوگوں کو حاضر کیا جائے گا (۱) قاری قرآن (۲) مجاہد (۳) مالدار۔ قاری سے سوال ہوگا کہ تو نے علم قرآن حاصل کرنے کے باوجود کیا عمل کیا وہ جواب دیگا کہ میں نے شب و روز عبادت کی پس ارشاد ہوگا کہ غلط کہتا ہے بلکہ تو نے تو صرف لوگوں کے دکھاوے کی خاطر ہی سب کچھ کیا تھا۔ مالدار سے سوال ہوگا کہ تو نے میرے عطا کردہ مال سے کیا عمل کیا تھا وہ جواب دیگا کہ میں نے فلاں صلہ رحمی کی۔ فلاں صدقہ دیا تو جواب ملے گا کہ غلط کہتا ہے بلکہ تو نے تو یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں۔ پھر مجاہد سے سوال ہوگا تو وہ کہے گا کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا تھا۔ پس جواب ملے گا کہ یہ تو نے شہرت حاصل کرنے کے لئے کیا تھا پس ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ خداوند کریم جملہ مومنین کو اس مرض سے بچائے

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا

اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو واسطے حاصل کرنے خوشنودی خدا کے اور ساتھ قوت ایمانی

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا

کے۔ مثل اس باغ کے ہے جو بلندی پر ہو اور اس پر زور کا مینہ پڑے پس وہ اپنی آمدنی دگنی دے

ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

پس اگر نہ بھی پڑے اس پر زور کا مینہ۔ تو معمولی بارش (شبنم) اور اللہ تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِىْ

کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ ہو اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا کہ جاری ہوں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ

اس کے نیچے نہریں۔ جس میں اس کے لئے ہر قسم کے پھل ہوں اور اس پر بڑھاپا آجائے

وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ

اور اس کے بچے (چھوٹے) کمزور ہوں پس اس باغ پر ایک بگولہ ایسا آئے جس میں آگ ہو پس وہ جل جائے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع

اسیطرح بیان فرماتا ہے خدا تمہارے لئے آیات کو تاکہ تم فکر کرو (سوچو)

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ ۔ یعنی جو لوگ خوشنودی خدا کے لئے اور ایمانداری سے خیرات کرتے ہیں نہ احسان جتلاتے ہیں۔ اور نہ اذیت دیتے ہیں ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو بلندی پر ہو اور بارش کی وجہ سے اس کی آمدنی دگنی ہو جائے (یعنی ان کا اجر دگنا ہو جاتا ہے) اور اگر بارش نہ آئے تو معمولی بوندا باندی یا شبنم بھی اس کے لئے فائدہ مند ہوا کرتی ہے۔ بہرصورت وہ نقصان میں نہیں رہتے امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے پہلی آیت بنی امیہ کے حق میں اتری۔ اور دوسری آیت کے مصداق حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ ۔ یہ ریاکاری سے خرچ کرنے والے کی مثال ہے کہ جس طرح ایک شخص محنت کر کے باغ تیار کرے جس میں ہر قسم کے میوہ جات کے درخت ہوں اور بوڑھا بھی ہو اور بچے بھی چھوٹے ہوں اور جب اس کا باغ تیار ہو جائے

تو ایک گرم ہوا آکر اس کے سب باغ کو جلا دے تو اس وقت جس طرح اس بوڑھے کو حسرت ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے کیونکہ عمر گزر چکی ہے جوانی واپس نہیں آتی تاکہ دوبارہ محنت کرکے بچوں کے مستقبل کے لئے کوئی انتظام کر سکے۔ اسی طرح ریاکاری سے خرچ کرنے والا میدانِ محشر میں جبکہ اس کو کمائی اپنی کی بہت زیادہ ضرورت ہوگی۔ کیونکہ اب نہ دنیا میں واپس آسکتا ہے اور نہ عمل صالح کرنے کا موقعہ مل سکتا ہے اور جو کچھ اس نے کیا تھا اس کو ریاکاری نے اسی طرح جلا کر نیست و نابود کر دیا تھا جس طرح کہ گرم لُو باغ کو تباہ کر دیتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جو صدقہ و خیرات احسان جتلانے کے لئے یا اذیت کے لئے یا ریاکاری کے طور پر کیا جائے وہ بالکل برباد و رائیگاں جاتا ہے۔

چنانچہ عمدۃ البیان میں حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جوانمردی چار چیزوں میں ہے۔

(۱) غنی ہوتے ہوئے تواضع کرنا (۲) باوجود قدرت کے انتقام نہ لینا (۳) باوجود دشمنی کے خیر خواہی کرنا (۴) احسان جتلائے بغیر کسی کو کچھ دینا۔

نیز آپؑ سے منقول ہے سخی لوگ دنیا و عقبیٰ کے سردار ہیں۔ نیز فرمایا۔ تعجب ان لوگوں پہ ہے جو غلام خرید کرکے آزاد کرتے ہیں۔ بھلا وہ احسان کرکے آزادوں کو اپنا دائمی غلام کیوں نہیں بنا لیتے۔ جناب رسولِ خداؐ سے مروی ہے کہ بہشت سخیوں کے لئے ہے۔

پس انسان کو چاہیئے کہ خوشنودیٔ خدا کے لئے ہی فقراء مومنین کی اپنے مالِ حلال سے اعانت کرے کیونکہ بعض احادیث میں ان کو اللہ کی عیال سے تعبیر کیا گیا ہے اور صدقہ کرنا بہت سے مصائب کو دفع کرتا ہے اگر سفر میں صدقہ کیا جائے تو وہ سفر کی مصیبتوں سے نجات دلانے کا موجب ہو جایا کرتا ہے اور سفر سے پہلے صدقہ و خیرات کرکے گھر سے روانگی ایام کی نحوست کو برطرف کر دیا کرتی ہے۔

تنبیہ:۔ انسان نے آخر مرجانا ہے اور اس دنیا کے مال میں سے انسان کا حصہ صرف وہی ہے جو کچھ اس نے کھایا پیا۔ اور راہِ خدا میں خرچ کیا۔ ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ کے پاس ایک مہمان وارد ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں کچھ مشغول ہوں۔ میرے اونٹوں میں سے ایک اچھا اونٹ تلاش کر لائیے پس وہ ایک کمزور اونٹ لائے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ تم نے خیانت سے کام لیا ہے یعنی عمدہ اونٹ کیوں نہیں لائے تو جواب دے دیا گیا کہ عمدہ اونٹ موجود تھا۔ لیکن آپ کی اشد ضرورت کے وقت وہ کام آئے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا سخت ترین وقت قبر سے زیادہ اور کون سا ہوگا اور لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ الخ کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ اونٹ میرا محبوب ترین مال ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اُسے اپنے کام میں لاؤں۔ نیز آپ نے فرمایا کہ مال میں تین شریک ہیں (۱) تقدیر جو موت و ہلاکت سے اچھے یا بُرے مال کو لے جائے گی۔ (۲) وارث جو موت کے منتظر ہیں، مالک مرگیا تو وہ لے جائیں گے اور تیسرا خود مالک۔ پس اُسے باقیوں سے شست

نہیں ہونا چاہیئے اور پھر وہی آیت تلاوت فرمائی۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ الخ (مجمع البیان)

——— تو خوشا نصیب ہے وہ مالکِ مال جو اپنے اختیار سے اپنے مال سے خود فائدہ اٹھائے۔

بعض اوقات جب انسان کے پاس مال ہوتا ہے تو راہ خدا میں خرچ کرنے سے اس لئے گریز کرتا ہے کہ کہیں فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہو جائے چنانچہ اگلے رکوع میں خدا اسی خیال کی نشان دہی فرما رہا ہے کہ یہ وسوسہ انسان کو شیطان کی طرف سے آیا کرتا ہے۔ کیونکہ جب انسان زکوٰۃ یا خمس یا کوئی اور خیرات کرنا چاہے تو چپکے سے شیطان یہ سبق پڑھاتا ہے کہ خبردار! یہ خرچ نہ کر ورنہ تیرا اس قدر مال بے فائدہ ضائع ہو جائے گا۔ تیرے بال بچے بھوکے رہیں گے۔

چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ۔ یعنی شیطان ہی یہ باتیں دل میں ڈالتا ہے حالانکہ خدا بخشش اور زیادتی مال کا وعدہ کر چکا ہے اور یہ انسان کی کمال بدبختی کی نشانی ہے کہ شیطانی وسوسے میں پھنس کر خدا کے وعدہ کو نظر انداز کر دے۔ ہم نے کئی ایسے انسان دیکھے ہیں جو زکوٰۃ و خمس وغیرہ کے پابند ہیں اور جس قدر راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں خدا ان کو اس سے کہیں زیادہ رزق عطا فرماتا ہے اور بہت سے ایسے بھی دیکھے ہیں جو اپنے مال سے حقوق واجبہ کی ادائیگی نہیں کرتے اور دن بدن بدحالی کی طرف ان کے قدم بڑھتے ہیں

حلال کھانے والے اور حقوق مالیہ کے ادا کرنے والے بالعموم آفاتِ سماویہ و ارضیہ سے اللہ کی امان میں ہوتے ہیں اور حرام کھانے والے اور حقوق کے ادا کرنے سے جی چرانے والے آفاتِ ارضیہ و سماویہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ ہاں اگر بعض اوقات ایسے لوگوں میں کوئی عذاب خدا نہ بھی آئے تو اس کو اللہ کی رضامندی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ خدا اس کے وبال و عذاب کو آخرت پر ملتوی کر دیتا ہے جیسا کہ نمرود و شداد و فرعون و ہامان وغیرہ کی مثالوں سے خدا نے قرآن مجید میں تصریح فرما دی ہے پس انسان پر لازم ہے کہ اپنے مال سے اپنی دنیا و عقبیٰ کی فلاح و بہبود کا انتظام کرے۔

راہ خدا میں مال حلال کے خرچ کرنے والے کا بھروسہ خدا پر ہوتا ہے لہذا اس کی زندگی اطمینان سے گزرتی ہے لیکن بخل کرنے والا اور اپنے حقوق واجبہ کی ادائیگی سے گریز کرنے والا چونکہ اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا لہذا کبھی اس کو چین نصیب نہیں ہوتا۔

نیز سخی عقبیٰ کی فلاح کے علاوہ دنیا میں نیک نام زندگی بسر کرتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اپنا ذکر خیر چھوڑ جاتا ہے اور بخیل آخرت کا عذاب خریدنے کے علاوہ دنیا میں بھی بدنام ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی مستحق لعن وطعن رہتا ہے اسی طرح راہ خدا میں خرچ کرنے کا عادی قناعت کی دولت سے فیض یاب ہو کر اللہ کی عطا کردہ نعمت پر راضی رہتا ہے لیکن بخیل کے حرص میں اضافہ اور اس کی ہائے ہائے میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے خواہ خزائن کا مالک ہی کیوں نہ ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا

اے ایمان والو۔ (راہ خدا میں) خرچ کرو اپنے پاکیزہ کسب سے اور اُن چیزوں سے جو پیدا کیں ہم نے

لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ

تمہارے لئے زمین سے اور نہ قصد کرو بُرے مال کا۔ کہ اس سے خرچ کرو حالانکہ تم خود ایسی چیز

بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾

کا اپنا پسند نہیں کرتے مگر بصورت چشم پوشی اور جان تو تحقیق اللہ غنی (اور) لائق حمد ہے

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ

شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور حکم دیتا ہے تم کو بُرائی کا اور خدا تم سے وعدہ

مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾

بخشش و زیادتی کرتا ہے اور اللہ صاحب وسعت و علم ہے

رکوع نمبر ۵

طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ۔ مفسرین نے پاکیزہ کسب سے مراد تجارت لیا ہے کیونکہ جناب رسولؐ خدا سے مروی ہے۔ رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے تجارت میں ہیں اور ایک حصہ باقی کسبوں میں ہے اور آپ سے پاکیزہ رزق کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ اس سے مراد ہے انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور نیکی سے خرید و فروخت کرنا اس مقام پر اپنی حلال کمائی اور زمین کی پیداوار سے راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم ہے لیکن فرماتا ہے کہ جو چیز دو اچھی دو۔

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ کا مقصد یہ ہے کہ اپنے مال سے ردی اور نکمی چیز کو راہ خدا میں نہ دو۔ چنانچہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ بعض لوگ جناب رسولخداؐ کے زمانہ میں بھی جب کھجوروں کی زکوٰۃ (صدقہ) ادا کرتے تھے تو اچھی کھجور رکھ لیتے تھے اور ردی کھجور صدقہ میں پیش کرتے تھے جس کی گٹھلی موٹی اور اوپر معمولی سا چھلکا ہوا کرتا تھا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسا نہ کیا کریں اور فرماتا ہے کہ ایسی چیزیں راہ خدا میں نہ دو کہ اگر وہ تم کو لینی پڑ جائیں تو تم ان کو لینے سے گریز کرتے ہو اور بادل نخواستہ قبول کرنے پر آمادہ ہوتے ہو۔

تفسیر برہان میں مروی ہے کہ ابراہیم نخعی کا گذر ایک عورت سے ہوا کہ اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھ کر صبح سویرے

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ

دیتا ہے حکمت جسے چاہے ' اور جو بھی حکمت دیا جائے پس اس کو گویا

خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

خیر کثیر دی گئی۔ اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر صاحبان عقل و دانش

چرخہ کات رہی تھی اور نام اس کا ام بکر تھا۔ یہ کہنے لگا۔ اے ام بکر تو تو بوڑھی ہے اب بھی چرخہ کاتنے سے باز نہیں آتی۔ وہ کہنے لگی کہ میں اس کام کو کیسے چھوڑ دوں حالانکہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے اپنے کانوں سُن چکی ہوں کہ چرخہ کاتنا پاکیزہ رزق ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ۔ روایاتِ امامیہ میں اہلبیت طاہرین سے حکمت کی تفسیر اطاعتِ خدا۔ معرفتِ امام اور گناہوں سے اجتناب کی گئی ہے اسی طرح خیر کثیر سے مراد بھی معرفتِ ولایت آئمہ طاہرین علیہم السلام لی گئی ہے (برہان)

مجمع البیان میں ابن عباس وابن مسعود سے مروی ہے کہ حکمتِ قرآن سے مراد ہے علم قرآن یعنی ناسخ منسوخ محکم، متشابہ، مقدم، موخر، حلال، حرام اور امثال وغیرہ کا علم۔ بعض نے کہا ہے کہ حکمت کا مطلب ہے گفتار و کردار کی صحت۔ اسی طرح علم دین، نبوت، معرفت فہم، خوف خدا، اور قرآن وفقہ، مفسرین نے حکمت سے مراد لئے ہیں۔

جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ خدا نے مجھے قرآن وحکمت عطا فرمائی ہے اور جس گھر میں حکمت نہیں وہ گھر برباد ہے اللہ سے ڈرو، فقہ حاصل کرو اور علم سیکھو تاکہ جاہل ہو کر نہ مرو۔

اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حکمت کا معنی ہے معرفت اور دین میں فقہ حاصل کرنا۔ پس جس نے فقہ حاصل کر لی وہ صاحب حکمت ہے اور کسی مومن کی موت ابلیس کو ایک فقیہ کی موت سے محبوب تر نہیں ہے۔

اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ خدا نے اپنے بندوں پر جو نعمات تقسیم فرمائی ہیں ان میں عقل و علم سے بہتر اور کوئی نعمت نہیں ہے کیونکہ عاقل (عالم) کی نیند جاہل کی شب بیداری سے افضل ہے۔ عاقل (عالم) کا گھر رہنا، جاہل کے سفر سے بہتر ہے، اور خدا نے کسی نبی ورسولؐ کو مبعوث نہیں فرمایا۔ جب تک کہ اس کو عقل وعلم میں کامل نہیں کیا۔ اور نبی کا عقل و علم تمام امت کے عقول وعلوم سے افضل ہوتا ہے اور انبیاء کی پوشیدہ باتیں کوشش کرنے والوں کی ظاہری کوششوں سے بہتر ہوا کرتی ہے اور کسی انسان کا فریضہ کو ادا کرنا درست نہیں انجام پاتا۔ جب تک اس کو اس کا علم نہ ہو اور تمام عبادت گذار مل کر بھی عبادت کا وہ مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ جو ایک عالم کو عطا ہوتا ہے اور انہی کو خدا نے اُولُوا الْأَلْبَابِ کہا ہے اور حضرتِ صادقؑ سے منقول ہے کہ حکمت، معرفت کا نور، تقویٰ کی میراث، سچائی کا پھل ہے اگر میں کہوں کہ نعماتِ خداوندی میں سے کوئی نعمت نعمتِ حکمت سے زیادہ قیمتی اور بلند تر نہیں ہے تو بجا ہوگا۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ

اور جو بھی تم خرچ کرو کوئی خرچ یا جو بھی تم نذر مانو کوئی نذر۔ پس تحقیق اللہ اس کو جانتا ہے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَ

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا اگر تم ظاہر بظاہر دو صدقے تو خوب ہے اور

اِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ

اگر خفیہ طور پر دیدو فقراء کو تو وہ بہتر ہے تمہارے لئے اور وہ کفارہ ہوگا تم سے تمہاری

سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ

برائیوں کا۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے نہیں ہے تیرے اوپر واجب ان کا راہ ہدایت پر لانا

اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ

اللہ راہ ہدایت پہ لاتا ہے جسے چاہے اور جو کچھ تم خرچ کرو کار خیر میں وہ تمہارے اپنے لئے ہی ہے اور تم نہیں خرچ کرتے

اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

مگر واسطے طلب رضائے خدا کے اور جو بھی تم خرچ کرو کار خیر میں (اس کا بدلہ) پورا دیا جائیگا تمہیں اور تم کو کوئی خسارہ نہ دیا جائے گا۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ ۔ یعنی انسان جو بھی خیرات کرے خواہ صدقہ واجبہ ہو یا مستحبہ اور جو بھی نذر کرے۔ خدا سب کو جانتا ہے اور اس کے بعد فرماتا ہے کہ ظالمین کا مددگار کوئی نہ ہوگا۔ مقصد یہ ہے۔ اگر صدقہ و نذر میں ظلم کرے گا۔ مثلاً صدقہ ریاکاری کے لئے کرے یا مال حرام سے کرے یا کسی اور غرضِ باطل کے پیش نظر کرے اور اسی طرح نذر اور منت خدا کی نافرمانی میں کرے اور کسی ناجائز کام کیلئے کرے یا نذر غیر طریق شرعی سے کرے تو خدا اس کی سزا دے گا اور اس کا کوئی ناصر و مددگار نہ ہوگا اور پس اگر نیت نیک سے نیک کام کرے تو مستحق جزا۔۔۔۔ ورنہ مستحق سزا ہوگا۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ظاہر بظاہر جن صدقات کا دینا بہتر ہے اس سے مراد صدقاتِ مستحبہ ہیں اور اسی مضمون کی امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی متعدد روایات منقول ہیں اور تفسیر مجمع البیان میں خفیہ طور پر اور چھپا کر صدقہ دینے کے متعلق منقول ہے کہ چھپا کر صدقہ دینا اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور گناہوں کو اسطرح بجھاتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے اور ستر قسم کی مصیبتوں کو دور کرتا ہے اور نیز معصوم نے فرمایا کہ سات قسم کے

آدمیوں کو خدا بروز محشر اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا جس دن اس کے سوا اور کوئی سایہ کا مقام نہ ہوگا (۱) امام عادل (۲) جوان عبادت گذار (۳) مساجد سے محبت رکھنے والا (۴) وہ دو شخص جو خوشنودئ خدا کے لئے ایک دوسرے سے محبت کریں اور اسی بنا پر ان کی باہمی نشست و برخاست ہو (۵) وہ مرد جس کو حسن و جمال والی عورت بدکاری کی دعوت دے اور وہ خوف خدا کو ملحوظ رکھ کر اس کو ٹھکرا دے۔ (۶) وہ شخص جو خفیہ طور پر اور چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کے فعل کی دائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو (مقصد یہ ہے کہ اس کے قریب ترین رشتہ دار اور دوست بھی مطلع نہ ہو سکیں (۷) وہ شخص جو عالم تنہائی میں خدا کو یاد کر کے روئے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلیں۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ۔ مقصد یہ ہے کہ صدقات کے ادا کرنے کا طریقہ آپ ان کو بیان فرما دیں۔ اس کے بعد وہ عمل کریں یا نہ کریں۔ اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ آپ کا کام ہے صرف راہ دکھا دینا۔ ان کو مجبور کر کے راہِ راست پر لانا آپ کا فریضہ نہیں ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا۔ یعنی اے مومنو! تمہاری تو شان ہی یہی ہے کہ صرف خوشنودئ خدا کے پیش نظر تم خرچ کرنے والے ہو اور تمہاری شان سے بعید ہے کہ ریاکاری یا احسان جتلانے یا اذیت دینے کے لئے تم خرچ کرو اور ممکن ہے جملہ خبر اور معنی انشاء میں ہو۔

بحار الانوار ج ۱۵ باب السخاء جمیل بن دراج نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تمہارے اچھے وہ ہیں جو سخی ہوں اور تمہارے بُرے وہ ہیں جو بخیل ہوں۔ برادرانِ ایمانی سے حسن سلوک اور ان کی حاجت برآری عمل صالح ہے اور شیطان کی ذلت دوزخ سے دوری اور بہشت میں داخلے کا وسیلہ ہے پس یہ حدیث اپنے برگزیدہ صحابیوں تک پہنچا دینا جمیل نے عرض کی! حضور! پسندیدہ و برگزیدہ اصحاب کون ہے؟ تو فرمایا کہ جو برادرانِ ایمانی کے ساتھ تنگی و خوشحالی میں احسان سے پیش آئیں۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص اپنے مال سے حق واجب نکال کر مستحقین تک پہنچا دے وہ سخی ہے اور جو حقوق واجبہ ادا نہ کرے وہ بخیل ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ نیکی کے راستے تین ہیں۔ سخاوت، خوش گفتاری اور صبر۔ جناب رسالتمآبؐ نے عدی بن حاتم طائی سے فرمایا کہ تیرے باپ کو سخاوت نے عذاب شدید بچا لیا ہے نیز آپ نے چند واجب القتل لوگوں کے قتل کا حکم صادر فرمایا اور ان میں سے ایک کو مستثنیٰ قرار دیدیا تو اس شخص نے اپنے قتل نہ کئے جانے کی وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے بذریعہ وحی اطلاع ملی ہے کہ تو سخی ہے لہٰذا تجھ سے قتل کی سزا مرفوع ہے پس فوراً اس نے کلمۂ شہادتین جاری کیا اور مسلمان ہو گیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سخاوت نے اس کو جنت تک پہنچا دیا۔

مروی ہے کہ سخی نوجوان جو اپنے گناہوں کا معترف ہو۔ اس سن رسیدہ عابد سے اللہ کو محبوب تر ہے جو بخیل ہو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ لوگ چار قسموں پر ہیں۔ سخی، کریم، بخیل اور لئیم۔ (۱) سخی وہ ہے جو خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے (۲) کریم وہ ہے جو دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دے یعنی خود نہ کھائے اور دوسروں کو کھلائے (۳) بخیل وہ ہے جو خود

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِی

(یہ صدقات) ان فقراء کے لئے ہیں جو بند ہو گئے ہوں اللہ کے راستہ میں جو نہ طاقت رکھتے ہوں کسی طرف

الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ

جانے کی زمین میں - جاہل سمجھتے ہوں کہ وہ غنی ہیں - بوجہ ترک سوال کے - تم ان کو پہچانو گے ان کی علامتوں سے

لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

وہ نہیں سوال کرتے لوگوں سے گڑگڑاتے ہوئے - اور جو بھی خرچ کرو - کار خیر میں تحقیق اللہ اس کے جاننے والا ہے -

کھائے اور دوسروں کو کچھ نہ دے (۴) لئیم وہ ہے جو نہ خود کھائے اور نہ دوسروں کو کھانے دے -

لِلْفُقَرَآءِ - اس سے پہلی آیات میں صدقات کی ترغیب وثواب اور دینے کا طریقہ وغیرہ بیان فرمایا - اس آیت مجیدہ میں صدقہ کے مصرف کا ذکر ہے کہ تمہارے صدقات ایسے فقراء کو ملنے چاہئیں - جو راہ خدا میں بند ہوں - یعنی عبادتِ خدا یا تحصیلِ علومِ دینیہ یا اسی قسم کے اور مشاغل شرعیہ میں وہ اس قدر مصروف ہوں کہ نہ تجارت کر سکیں - اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے کسبِ معاش کر سکیں اور سوال کرنا بھی پسند نہ کرتے ہوں - جاہل لوگ ان کے سوال نہ کرنے سے ان کو غنی سمجھیں حالانکہ ان کے چہروں اور جسمانی کمزوری کی علامتوں سے خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ یہ لوگ مستحق ہیں -

دورِ حاضر میں یہ صفت صرف دینی مدارس کے دینی طلبہ میں ہی پائی جاتی ہے جو موجودہ لادینیت کی بڑھتی ہوئی رفتار کی زد سے بچ کر اور لامذہبیت کی عام رَو سے علیحدہ ہو کر علم دین کی تحصیل میں شب و روز مصروف ہیں - نہ تو ان کے پاس خود کمانے کا وقت ہوتا ہے اور نہ دیگر مسلمانوں کے مدارس کے طلبہ کی طرح بھیک مانگ کر غیرت کشی کو پسند کرتے ہیں - لہٰذا ان پر صدقات وغیرہ کا خرچ کرنا سب سے بہتر اور افضل ہے -

حدیث میں ہے کہ خدا اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا پسند فرماتا ہے اور بدحالی کے اظہار کو ناپسند فرماتا ہے اور اپنے بندوں سے حلیم خود دار کو محبوب رکھتا ہے اور سائل بے حیا کو مبغوض رکھتا ہے - نیز فرمایا کہ خدا تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے (۱) قیل وقال (۲) کثرتِ سوال (۳) تضییع مال - اور فرمایا: ہاتھ تین ہیں - اللہ کا ہاتھ بلند ہے اور دینے والے کا ہاتھ اس کے نیچے ہے اور مانگنے والے کا ہاتھ قیامت تک پست ہی رہے گا اور فرمایا کہ کفایت کے باوجود جو سوال کرے بروز محشر اس کا چہرہ بدنما ہو گا اور اس پر خراش کے نشان ہوں گے -

اسلام اور سرمایہ داری

اسلام نے سرمایہ داری کی بدترین انسانیت سوز لعنت کو ختم کرنے کا جس قدر اہتمام فرمایا ہے شاید کسی دین وملّت میں اس کی نظیر نہ مل سکے۔ لہذا اپنی ضرورت سے فالتو رقم کو ذخیرہ کرنے کی جا بجا مذمت فرمائی اور فقراء و تنگ دست لوگوں پر خیرات کرنے کی تاکید فرمائی اور لوگوں کو پیسہ خرچ کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے مختلف طریقے استعمال کئے۔ کہیں وجوب کا حکم دیا اور کسی مقام پر استحباب و سنّت قرار دیا۔

خمس و زکوٰۃ کے رنگ میں، کفّارات کے ضمن میں، فدیے کی صورت میں، صدقاتِ واجبہ و مستحبہ کے طریق پر، اوقاف کے ذریعے سے اور وصیّت وہبہ، یا بخشش و ہدیہ وغیرہ کے لباس میں بہر کیف خرچ کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ مدّات قرار دے کر متموّل طبقہ کو ذخیرہ اندوزی اور سرمایہ داری سے باز رہنے کی دعوت دی ہے تاکہ مال و دولت انسانوں میں دست بدست چلتی پھرتی رہے اور کہیں ایک جگہ رُک نہ جائے اور تمام بنی آدم اس سے کما حقہ استفادہ کر سکیں اور انسانوں کے پست و نادار طبقہ کی زندگی کی سطح مالدار طبقہ کی دست گیری کی بدولت بلند ہو کر اہلِ ثروت کے برابر نہ سہی تو کم از کم ان سے ملتی جُلتی ہو جائے اور جہاں ایک طرف صاحبانِ ثروت کو نادار لوگوں پر اپنے سرمائے سے خرچ کرنے کے احکام جاری فرمائے وہاں اُن کو اسراف و فضول خرچی سے روکتے ہوئے عیش پسندیوں اور رنگ رلیوں میں پیسہ اڑانے، بلکہ ہر قسم کے فاخرانہ اور متکبرانہ انداز سے باز رہنے کی اُن کو تلقین بھی کر دی۔

ایک طرف غرباء کی زندگی کی سطح کو صاحبانِ ثروت کی امداد سے بلند کرنا اور دوسری طرف مالداروں کو انتہائی بلند اور چوٹی کی زندگی بسر کرنے عیاشیوں میں پیسہ اڑانے اور ناز و نعمت کے مسرفانہ مظاہروں سے روک دینا صرف اس لئے ہے کہ انسانی زندگی ایک متوسط سطح پر ہو اور تمام افراد ایک دوسرے کے قریب قریب رہ کر ملتی جلتی زندگی بسر کر سکیں۔ اور کینہ، بغض، حسد اور اس قسم کی قلبی کدورتوں، دماغی کوفتوں اور ذہنی آفتوں اور ناپاک ارادوں سے نوعِ انسانی کی گلو خلاصی ہو سکے اور ان کی بجائے یک جہتی، یگانگت اور اتحاد و تعاون کا جذبہ کار فرما ہو جائے تاکہ انسانی تمدن اپنے فطری تقاضوں اور طبعی حدوں پر جلوہ گر ہو کر عالم کو امن و آرام اور سکون و اطمینان کا گہوارہ بنا دے کیونکہ اسلام کی نظر صرف اصلاحِ آخرت پر محصور نہیں بلکہ وہ انسان کے لئے ایک ایسے لائحہ عمل کی تشکیل کرتا ہے جس سے انسانی زندگی کے دنیاوی و اُخروی ہر دو شعبوں کی اصلاح ہو سکے۔ لہذا قرآن کریم نے اسلام کا جو نظریہ ہمارے سامنے رکھا ہے اس میں دین و دنیا کی خیر و خوبی اور دارِ فانی اور عالم جاودانی ہر دو کی بھلائی و بہبودی کا راز مضمر ہے۔

اسلامی تعلیمات کا مطمحِ نظر انسان کو صحیح انسانیت سکھانا ہے تاکہ وہ آئے دن کی شورشوں سے محفوظ رہ کر اپنی پاکیزہ زندگی کو اخلاقِ فاضلہ اور عاداتِ لائقہ سے آراستہ کر سکے اور انسانی عائد شدہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے پر پوری طرح موفق ہو جائے۔ تاکہ زمین اللہ کی مال و متاع سب اللہ کا شمار ہو اور تمام مومن بھائی بھائی ہو کر اس میں بسر اوقات کریں۔ اور سیرتِ نبویہ نے اسی نوعیت کی زندگی کا رواج قائم کیا جو آپ کے عین حیات تک ہی قائم رہ سکا۔ اور آپ کی رحلت کے بعد شہوات و جذبات کے ناخدا ترس ہاتھوں نے فوراً ہی اس کا گلا دبا دیا جس کے متعلق حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے دردمند دل کے تاثرات کا تاسف و تحیر کے لہجہ میں یوں اظہار فرمایا ہے۔

"تمہیں وہ زمانہ نصیب ہوا ہے کہ نیکی میں ادبار اور برائی میں اقبال روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ شیطان لوگوں کی تباہی کی تاک میں ہے اور اس زمانہ میں وہ طاقت پکڑ چکا ہے، اس کی مکاری مقبول عام اور اس کے شکار کا پھندا ہمہ گیر ہو رہا ہے تم لوگ جس طرف نظر اٹھا کے دیکھو تو کسی فقیر پر نظر پڑے گی جو فقر و فاقہ کی سختیوں میں مبتلا ہوگا، یا مالدار دیکھو گے جو کفرانِ نعمت میں گرفتار ہوگا۔ کہیں بخیل اپنے بخل کو توانگری اور زیادتی مال و دولت کا ذریعہ بنا رہا ہے اور کسی جگہ متمرد و سرکش وعظ و نصیحت سے کانوں کو بند کئے ہوئے ہے۔ (نہج البلاغہ)

قرآن کا تمام انسانوں کو متوسط سطح پر لانے کا ہمہ گیر نظریہ حقیقت اور صداقت کے لیسے پائیدار اصولوں پر مبنی تھا جن کو کسی دَور میں غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا اور اس کی مصلحتیں اس کے احکام کی پائیدار اور ٹھوس بنیادیں ہیں۔ جو تا قیامت اپنی استواری کی بناء پر انہدام پذیر نہیں ہو سکتیں۔ انسانوں کے نچلے طبقہ کو اوپر لانے اور اوپر کے طبقہ کو اسراف سے روک کر سرنگوں رہنے کا پروگرام آمریت و ملوکیت اور اشتراکیت[1] و شیوعیت[2] کے بین بین ایک ایسا ہموار اور آسان راستہ تھا جس پر چل کر تمدن انسانی کبھی ٹھوکریں نہ کھاتا اور مقتضائے انسانیت کبھی پامال نہ ہوتا۔ مغربی تہذیب کا جب سے افقِ مشرق پر طلوع ہوا ہے، حیوانی شہوات، بہیمی خواہشات اور نفسی لذات میں افراط و انہماک نے انسانیت کو زندہ درگور کر کے رکھ دیا ہے، انسانی دماغ متاعِ انسانیت انہی لذات کو قرار دے چکا ہے اور ہر ممکن طاقت انہی کی تحصیل پر خرچ کرنا زندگی کی کامیابی سمجھتا ہے۔ جس کے نتیجے میں صاحبانِ دولت و ثروت کے دروازہ پر ہر قسم کے لذائذ نے ڈیرہ جما لیا ہے اور نچلا طبقہ اپنے حرمان کے دامن میں منہ ڈال کر آہ حسرت و چشم عبرت سے گریہ کناں و نالاں ہے لیکن اوپر کا طبقہ بھی مطمئن نہیں بلکہ ہوس و حرص کے شکنجے میں ایسا بُری طرح پھنسا ہے کہ ایک دوسرے کو کھانے پر تُلا ہوا ہے اور مادی، دنیاوی آرام و نیک بختی کی زندگی پورے ہفت اقلیم میں چند افراد کے قبضہ میں آگئی ہے اور اکثریت صرف انہی چند لوگوں کے رحم و کرم پر زندگی کے سانس پورے کر رہی ہے۔ ان حالات کے پیشِ نظر اخلاقِ شریفانہ اور عاداتِ کریمانہ کا جنازہ نکل چکا ہے اور لذاتِ زندگی کی چاہت میں ہر فرد اس قدر سرگرداں ہے کہ اس کی تحصیل میں اعتدال کا نام و نشان تک نہیں رہا۔ اوپر کے طبقہ کو اپنی ظالمانہ روش ماتحتوں کے طغیان سے مطمئن نہیں ہونے دیتی اور نچلا طبقہ ہر وقت استبدادی

[1] کمیونزم [2] سوشلزم

شکنجے سے جی چھڑانے کی فکر میں ہے۔ پس دونوں طبقے مزاج کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کوسوں دُور ہو گئے ہیں اور اندرونی طور پر ایک دوسرے کے سخت ترین دشمن بن چکے ہیں۔ اور بسا اوقات غنی وفقیر کا یہ تصادم، امیر و غریب میں یہ تفاوت، اور صاحب ثروت اور فاقہ مست میں یہ تنافر بڑے سے بڑے فساد کا پیش خیمہ بن جایا کرتا ہے اور مالدار اور غنی طبقہ کی بے راہ روی ہی نچلے طبقہ میں اشتراکیت و شیوعیت کے انسانیت سوز اور شرمناک نظریئے کو جنم دے دیتی ہے اور دورِ حاضر میں کمیونزم کا یہ ہمہ گیر طوفان اور شیوعیت و اشتراکیت کا جاذبِ طبع بحران وطغیان اسی ناجائز سرمایہ داری اور غلط ذخیرہ اندوزی کا شاخسانہ ہے ورنہ اگر قرآنی اصولوں پر عمل کیا جاتا اور نچلے طبقہ کو بھی کسی حد تک جینے کے حقوق دیئے جاتے تاکہ وہ بھی چند روزہ زندگی میں اطمینان کا سانس لے سکیں تو یقیناً کمیونزم کو اس قدر پر و بال پھیلانے کا موقعہ نہ مل سکتا اور شیوعیت کا سیلاب اپنے منبع سے اس حیرت انگیز رفتار کے ساتھ نہ بڑھتا۔

اسلام نے اغنیاء کے مال میں فقراء کے حقوق مقرر کر کے اور سود خوری کی لعنت کو ختم کر کے دونوں طبقوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوشش کی ہے تاکہ ان میں باہمی انس و تعاون کا جذبہ پیدا ہو اور انسان کی تمدّنی زندگی ہر قسم کے آشوب سے بالاتر ہو کر پُرامن و پُرسکون بن جائے۔

اسی نکتہ کے پیشِ نظر خداوند کریم نے سود خواری کو حرام قرار دیا اور اغنیاء کو بلا سُود قرض دینے کی ہدایت فرمائی۔ لیکن حرص و ہوس نے قلوبِ انسانی سے اسلامی اصولوں کو بہت جلد ہی مٹا کر رکھ دیا جس کی بدولت درندگی اور بہیمیت متاعِ انسانیت کو لوٹنے میں کامیاب ہو گئی اور دنیاوی زندگی امن و سلامتی کی بجائے ظلم و استبداد اور خوف و ہراس کا مرقع بن گئی۔

سود خواری، ذخیرہ اندوزی اور سرمایہ داری کا بدترین زینہ ہے اور عالمی جنگ اسی کے خوفناک نتائج ہوا کرتے ہیں کیونکہ غریب اور پست طبقہ خواہشات و جذبات کو ضبط کرتے کرتے جب تنگ آجاتا ہے تو وہ چار و ناچار اُوپر کے طبقہ سے ٹکر لینے کے متعلق سوچتا ہے اور بالآخر باہمی تصادم کی آگ بھڑک اٹھتی ہے جس سے انسانی سکون و اطمینان کا خرمن جل کر خاکستر کا ڈھیر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید نے اسلام کے فروعی احکام میں سے اس قدر کسی حکم کو اہمیت سے بیان نہیں فرمایا۔ جس قدر اس نے سرمایہ داری اور ذخیرہ اندوزی کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے اہتمام فرمایا ہے۔

بہر کیف قرآن مجید ملکیت کو ختم نہیں کرتا، بلکہ ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے غیر مالکوں کے حقوق کی پاسداری کی تلقین فرماتا ہے۔ تاکہ مالک و غیر مالک ہر دو حقوق زندگی سے برابر حصہ لے سکیں اور ایک دوسرے سے قریب تر رہ کر اتحاد و تعاون سے تمدّنی و اجتماعی پوزیشن کی اصلاح کر سکیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اسلام کمیونزم کی تعلیم دیتا ہے۔ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے بلکہ قرآن و اسلام پر بہتان و افترائے عظیم ہے۔ قرآن حقِ ملکیت کسی سے سلب نہیں کرتا اور نہ کسی کو

کسی کی ملکیت پر دست درازی کی اجازت دیتا ہے۔ ہاں ملکیت والوں کو غیر مالکوں اور ناداروں کی رعایت کی تعلیم دیتا ہے جو انسانی حق ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسانوں میں حیوانیت کی جذباتی و شہواتی طاقتیں منظم ہو کر ایک امتیازی حیثیت کی حامل بن جائیں جس طرح طاقتور حیوان کمزور حیوان سے حق زندگی سلب کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ اور اس میں رفق و ملاطفت کا مادہ نہیں ہوتا کہ کمزور پر رحم و کرم کی نظر کر سکے اور اس کے لئے بھی جینے کا حق تجویز کرے اسی طرح اگر انسان بھی اپنی طاقت و ملکیت کے بل بوتہ پر کمزور و ناتواں طبقہ سے حق زندگی سلب کرنے کے درپے ہو اور اپنے لطف و کرم اور سخاوت و ایثار سے امتیازی شان کا مظاہرہ نہ کر سکے تو انسان و حیوان میں پھر فرق ہی کیا باقی رہتا ہے؟

اگر خدا چاہتا تو سب کو برابر و یکساں امیر و غریب پیدا کرتا لیکن اس نے اپنی مشیت و مرضی سے تفاوت اور اختلاف پیدا کر کے انسان کو آزمائش کے مقام پر کھڑا کیا ہے تاکہ اپنے اختیارات سے نیکی و بدی کے راستوں کے درمیان امتیاز کر کے آگے بڑھے۔

حضرت ابوذرؓ پر کمیونزم کے شیدائی یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ اشتراکیت کے حامی تھے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حضرت ابوذرؓ جناب رسالتمآبؐ کے وہ مقتدر و معزز صحابی تھے کہ آپ نے ان کے حق میں فرمایا تھا۔ کہ زمین و آسمان کے مابین حضرت ابوذرؓ سے زیادہ کوئی صادق اللسان نہیں ہے آپ حق ملکیت کے قائل تھے لیکن وہ مالک اور صاحبان ثروت و دولت جو اپنے اموال میں سے فقراء کے حقوق ادا نہ کرتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ ان کو کبھی معاف نہیں کرتے تھے اور علی الاعلان ان کو حکم خدا سنانے میں جھجک محسوس نہ فرماتے تھے اور برملا اور بر سر اجلاس اغنیاء کو حکم زکوٰۃ و خمس و جملہ حقوق مالیہ کی ادائیگی کی تلقین کرتے تھے اور ان کے یہی بے لوث کلمات اور مبنی بر خلوص موعظے ان کی جلاوطنی کے موجب ہوئے لیکن تا دم زیست انہوں نے اپنے نظریہ حق کو تبدیل نہ کیا اور حکومتِ وقت کے تہدیدی پیغامات اور خلافتِ وقت کے استبدادی اقدامات باوجودیکہ ان کے لئے وبالِ زندگی بن گئے لیکن ان کو اپنے اصلاحی موقف اور غلط اقدامات کے خلاف احتجاجی پالیسی سے ذرہ بھر نہ ہٹا سکے۔

میں شیعانِ آلِ محمد سے گزارش کروں گا کہ اپنے میں حضرت ابوذرؓ کی سی سیرت پیدا کریں اور خصوصاً اغنیاء و مالدار طبقہ کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ ایسے پاکباز صحابیٔ رسولؐ کی سیرت سے درس عمل حاصل کر کے حقوق مالیہ کی بجا آوری میں کوتاہی نہ کریں اور دین و دنیا کی فلاح کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہماری نو تصنیف کتاب "اسلامی سیاست" میں ملاحظہ فرمائیں

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال ۔ رات اور دن کو خفیہ اور ظاہر (راہ خدا میں) پس اُن کا

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ زندگی نہیں بسر کرتے مگر مثل زندگی بسر کرنے اس شخص کے جس کو بدحواس کردے

الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ

شیطان بوجہ مس کرنے کے ۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے ۔ حالانکہ حلال کیا ہے خدا نے

اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ

بیع کو اور حرام کیا سود کو۔ پس جس کے پاس آجائے نصیحت اپنے رب سے ۔ پس وہ رک جائے تو اس کے لئے (معاف) ہے جو ہو چکا اور

مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو پھر ایسا کرے تو وہ دوزخی ہوں گے ۔ اور اس میں ہمیشہ رہیں گے

رکوع نمبر ۶

سُود کھانے کا گناہ اور چند مسائل

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ ۔ تفسیر برہان میں کتب فریقین سے منقول ہے کہ یہ آیہ مجیدہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کے شان میں اتری ۔ آپ کے پاس چار درہم تھے اور ان کو راہ خدا میں صدقہ دیا۔ ایک رات میں ایک دن میں " ایک پوشیدہ طور پر اور ایک اعلانیہ طور پر تب یہ آیت اتری ۔ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا ۔ منقول ہے کہ سود خوار بروز قیامت جب کھڑے ہوں گے تو ان کی حالت باؤلے اور دیوانے انسان کی سی ہوگی جس سے تمام اہل محشر ان کو پہچان لیں گے اور جو لوگ سود کو حلال جانتے ہیں وہ سود کو خرید و فروخت (تجارت) پر قیاس کرتے ہیں اور کہتے ہیں تجارت میں بھی نفع لیا جاتا ہے اور وہ حلال ہے اور سود میں بھی وہی نفع ہے لہذا یہ بھی حلال ہونا چاہیئے تو خداوند کریم اس آیت میں ان کے قول کی تردید فرماتا

ہے کہ ان کا قیاس غلط ہے کیونکہ تجارت حلال ہے اور سود حرام ہے بلکہ یہ ان کی کمال حماقت ہے گویا سود خواری نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال کر ان کو اس قدر بدحواس کر دیا کہ وہ بیع اور سود میں فرق و امتیاز بھی نہیں کر سکتے۔ پس ان کی زندگی بدحواسی اور پاگل پنے کی زندگی ہے۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ۔ یعنی جو شخص ایک عرصہ تک سود کھاتا رہا ہو اور اس کو اس کے حرام ہونے کا علم تک نہ ہو۔ لیکن حرام ہونے کا علم ہو جانے کے بعد گذشتہ سے توبہ کر کے آئندہ اس کو بالکل ترک کر دے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ لیکن معلوم ہونے کے بعد بھی جو ڈٹا رہے تو وہ دائمی طور پر جہنم کا مستحق ہوگا۔

مسئلہ:۔ جو شخص باوجودیکہ اس کو علم ہو لیکن ایک عرصہ تک وہ سود کھاتا رہے اور اس کے بعد وہ توبہ کرنا چاہے تو اس پر واجب ہے کہ سابق جس قدر حرام کھا چکا ہے اس سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرے یعنی جن جن لوگوں کا جسقدر کھا چکا ہے ان کو ان کا حق واپس کرے یا اُن سے معافی مانگے اور اگر وہ مر چکے ہوں یا زندہ ہوں لیکن اس کو یاد نہ رہے ہوں یا بعض معلوم ہوں اور بعض کا پتہ نہ ہو تو ان صورتوں میں جس حد تک مالک یا اُن کے وارث معلوم ہیں ان کو اپنا حق واپس کرے یا اُن سے معافی حاصل کرے اور جو نامعلوم ہیں تو جس قدر ان کا حق معلوم ہو وہ ان کی طرف سے صدقہ کر دے اور اگر نہ مالک معلوم ہیں اور نہ ان کا حق صحیح طور پر معلوم ہے کہ کسقدر ہے تو اس صورت میں اپنے سارے مال کا خمس ادا کرے انشاءاللہ باقی اس کیلئے حلال ہوگا اور اگر یہ معلوم ہو کہ فلاں سے سود لیا تھا لیکن یہ معلوم نہ ہو وہ کسقدر تھا تو اس صورت میں اس کے ساتھ مصالحانہ فیصلہ کر کے اس کو رضامند کرے۔

مسئلہ:۔ جس شخص کو سود کی حرمت کا حکم معلوم نہ ہو اور کھاتا رہے تو علم ہو جانے کے بعد جسقدر کھا پی چکا ہے وہ معاف ہے اور جسقدر مال سود اس کے پاس موجود ہے وہ اپنے مالکوں کو واپس کرے اور اس کی باقی شقوں کا حکم وہی ہے جو پہلے مسئلہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ:۔ سود کی دو قسمیں ہیں ایک تجارت میں اور دوسرا قرضہ میں اور یہ دونوں قسمیں حرام ہیں۔

مسئلہ:۔ کسی شخص کو ایک مدت تک کے لئے قرضہ دے کر اس سے زیادہ کی کچھ شرط کرنا۔ مثلاً پانچ فیصدی یا دس فیصدی وغیرہ سود ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔

مسئلہ:۔ بنک میں جو پیسہ جمع کر دیا جاتا ہے اور بنک والے اپنے دستور کے مطابق جمع کرانے والے کو کچھ معین منافعہ ادا کرتے ہیں اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اولاً تو اس پر قرض کا عنوان بھی صادق نہیں آتا۔ بلکہ پیسہ کی حفاظت کے لئے ایسا کیا جاتا ہے اور ثانیاً جو کچھ بنک والے زیادہ ادا کرتے ہیں وہ اپنی مرضی سے دیتے ہیں ورنہ پیسہ جمع کرنے والے کی طرف سے یہ شرط نہیں ہوا کرتی اور ثالثاً بنک میں جمع شدہ رقوم کو تجارت وغیرہ پر لگایا جاتا ہے جس کے منافعہ کی معین مقدار مالکوں کو ادا کی جاتی ہے لہذا اس پر ربا کا صادق آنا مشکل ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ تجارت کا سود، اُن جنسوں میں ثابت ہے جن کی خرید و فروخت وزن سے ہو (جیسے سیر و من وغیرہ) یا پیمانہ سے ہو (جیسے ہمارے ہاں ٹوپہ، پڑوپی وغیرہ مروج ہے) چنانچہ بروایت زرارہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے

کہ سود صرف وزن اور پیمانہ کی چیزوں میں ہے اور بس۔

مسئلہ:۔ مذکورہ اجناس (جو ناپ یا وزن کے تحت میں ہوں) اُن میں سے ہر جنس دوسری جنس سے اگر فروخت کی جائے مثلاً گندم نخود کے بدلہ میں، یا کھجور انگور کے بدلے تو کمی یا بیشی میں کوئی ہرج نہیں۔ لیکن ایک جنس کا سودا اسی جنس سے ہو مثلاً گندم گندم کے بدلے، یا کھجور کھجور کے بدلے وعلیٰ ہذا القیاس تو اس صورت میں برابر برابر لینا اور دینا واجب ہے خواہ دونوں اعلیٰ جنسیں ہوں یا دونوں ادنیٰ ہوں یا ایک اعلیٰ ہو اور دوسری ادنیٰ۔ اگر عمدہ گندم کے بدلہ میں ردی گندم زیادہ لے یا اعلیٰ کھجور کے بدلہ میں ادنیٰ کھجور زیادہ وصول کرے تو یہ سود ہے اور حرام ہے۔

مسئلہ:۔ مسئلہ تجارت میں گندم اور جو کو ایک جنس قرار دیا گیا ہے لہٰذا گندم اور جو کی آپس میں خرید و فروخت ہو۔ تو برابر برابر لینا دینا واجب ہے اور گندم کم دے کر جو زیادہ لینا یا جو کم دے کر گندم زیادہ لینا سود ہے۔

مسئلہ:۔ ایک جنس سے حاصل شدہ چیز اسی جنس کے حکم میں ہے لہٰذا باہمی سودا میں کمی و بیشی ناجائز ہے۔ مثلاً گندم کا آٹا گندم کے بدلہ میں برابر برابر لے دے سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک جنس کا دودھ اور اسی جنس کے دودھ سے حاصل شدہ چیزیں مکھن، گھی وغیرہ ایک ہی جنس کے حکم میں ہیں، خرید و فروخت میں ان کا تبادلہ برابر برابر ہوگا۔ زیادتی سُود ہوگی۔ وعلیٰ ہذا القیاس

مسئلہ:۔ سونے کا سونے سے تبادلہ، اسی طرح چاندی، چاندی کے بدلہ میں برابر برابر لینا واجب ہے۔ خواہ ایک سونا بیش قیمت اور دوسرا کم قیمت ہی ہو۔ اور اسی طرح چاندی بھی، خواہ ایک عمدہ اور دوسری غیر عمدہ ہو۔ کم دے کر زیادہ لینا سُود ہے۔

مسئلہ:۔ یہ چیزیں جن پر سود صادق ہے۔ اس میں فرق نہیں کہ سودا نقد ہو یا ادھار ہر دو صورت میں زیادتی سُود شمار ہوگی۔

مسئلہ:۔ احادیث میں وارد ہے کہ جو شخص تجارت کرنا چاہے اس کو چاہیئے کہ تجارت کے مسائل معلوم کرے ورنہ بعید نہیں کہ وہ سود میں مبتلا ہو جائے۔

سود کھانے والے کا عذاب

(۱) سود کھانے والا میدانِ محشر میں نہایت بدترین حالت میں پیش بارگاہِ رب العزت ہوگا جس طرح کہ مخبوط الحواس اور دیوانے ہوتے ہیں اور یہ ان کی سود خواری کی علامت ہوگی جس سے تمام محشر والے جان لیں گے کہ یہ سود خوار تھا بلکہ مروی ہے کہ ہر بدکار کے اُوپر اس کی برائی کی مخصوص نشانی ہوگی جس سے وہ پہچانا جائے گا اور اسی طرح ہر نیکی کرنے والے کے چہرہ

پر مخصوص علامت ہو گی جس سے اس کی اہمیت و عظمت معلوم ہو گی۔

(۲) سودخوار کو خداوند کریم نے کفار اور اثیم کے سخت لفظوں سے موسوم کیا ہے یعنی سود خوار بڑا کافر اور بڑا گنہگار ہے اور جس کو خدا بڑا کافر یا بڑا گنہگار کہے تو اس کا ٹھکانا ہی کیا ہو سکتا ہے مگر یہ کہ توبہ کر کے اپنے گناہ کی معافی لے۔ چنانچہ اگلی آیت میں اسی کا تذکرہ ہے۔

(۳) سود کھانے والا ایسا ہے جیسا کہ خدا و رسول سے نبرد آزما ہو اور لڑ رہا ہو۔ چنانچہ بعد والی آیت میں صاف طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔

(۴) جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ شب معراج میں نے جہنمیوں کو دیکھا ان میں کئی ایسے آدمی تھے جن کے پیٹ بہت بڑے تھے اور ان کے اندر سے سانپ نظر آ رہے تھے۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا۔ کہ یہ کون لوگ ہیں تو اس نے کہا کہ یہ وہ ہیں جو دنیا میں سود کھاتے ہیں۔ (مجمع البیان)

(۵) آپؐ سے مروی ہے کہ شب معراج میں نے جہنمیوں میں کئی لوگوں کو دیکھا کہ اُن کے پیٹ بہت بڑے تھے کہ وہ اٹھ نہ سکتے تھے۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہیں؟ تو جبریل نے جواب دیا کہ سود خوار ہیں جو میدان محشر میں مخبوط الحواس اٹھیں گے اور یہ لوگ فرعونیوں کی طرف صبح و شام جہنم کا مزہ چکھتے ہیں۔ الخبر (مجمع البیان)

(۶) حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے سود کے معاملہ میں پانچ قسم کے آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے۔

(۱) سود کھانے والا (۲) اس کا کھلانے والا (۳، ۴) سود لینے اور دینے کے دو گواہ (۵) سود کا تحریر نامہ لکھنے والا۔ (مجمع البیان)

(۷) آپؐ نے فرمایا کہ جب خدا کسی بستی پر عذاب نازل فرمانا چاہتا ہے۔ تو ان میں سود خواری زیادہ ہو جایا کرتی ہے (مجمع البیان)

(۸) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں کہ کم از کم درجے کا گناہ ایسا ہے جیسا کہ اپنی ماں سے کعبہ میں زنا کیا جائے (برہان)

(۹) جمیل بن دراج نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ سود کے ایک درہم کا گناہ اللہ کے نزدیک اُن ستر زنا کے گناہ سے زیادہ ہے جو اپنی ماں، بہن، پھوپھی وغیرہ سے کعبہ کے اندر کیا جائے۔ (برہان)

(۱۰) جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ میری امت پر ایک دور آئے گا کہ سود کھانے سے کوئی نہ بچے گا اور اگر کوئی بچے گا تو اس پر بھی سود کی کچھ نہ کچھ گرد تو پڑ ہی جائے گی۔ (مجمع البیان)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ

مٹاتا ہے خدا سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو اور اللہ نہیں محبوب رکھتا ہر بڑے کافر

اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

گنہگار کو تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے اور قائم کی نماز

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کا اجر ہے نزدیک اپنے رب کے اور نہ ان پر خوف ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا

اور نہ وہ محزون ہوں گے اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو وہ

بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

جو باقی ہے سود سے اگر تم (سچے) مومن ہو

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا - زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں سود کو مٹاتا ہوں اور صدقات کو بڑھاتا ہوں۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سود کھانے والوں کا مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مٹانا اور کیا ہوگا کہ سود کا ایک درہم دین کو مٹا دیتا ہے اور اگر وہ اس سے توبہ کرے گا تو اس کا مال خوار رہے گا اور وہ تنگ ہوجائے گا (مقصد یہ ہے کہ جب سود خوار توبہ کرے گا تو اسس کو غیر کا حق جو کھا چکا ہے وہ تو واپس مالکوں کو دینا پڑے گا۔ لیتے وقت تو اس نے تھوڑا تھوڑا لیا تھا اور دیتے ہوئے اس کو اکٹھا دینا پڑے گا۔ لہذا لازمی طور پر اس کے جمع شدہ مال پر اثر پڑے گا اور وہ تنگدستی تک پہنچ جائے گا۔)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ ہر چیز پر فرشتے مامور ہیں سوائے صدقہ کے۔ کیونکہ اس کو خدا خود اپنے دستِ قدرت میں لیتا ہے اور اس کی پرورش فرماتا ہے جس طرح تم اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہو اور قیامت کے دن جب تم کو دیا جائے گا یعنی اس کی جزا دی جائے گی تو مثل کوہ احد ہوگا۔ (برہان)

نیز جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ کوئی مال صدقہ دینے سے کم نہیں ہوتا (جیسا کہ آیت مجیدہ میں خداوند عالم خود وعدہ فرما رہا ہے۔ کیونکہ آیت کا ظاہر یہی بتلاتا ہے کہ دنیا میں بھی صدقہ مال کو بڑھانے کا سبب ہے)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا - شانِ نزول اس آیت کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ بعض صحابہ ایام جاہلیت میں سود کا معاملہ کیا کرتے

فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ

پس اگر ایسا نہ کرو تو تیار رہو اللہ اور رسول سے لڑنے کے لئے اور اگر توبہ کرو تو تمہارے

رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۹﴾ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ

لئے تمہاری اصل پونجی ہے۔ نہ ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ اور (تمہارا مقروض) تنگ دست ہو۔ تو مہلت

إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا

تا زمانِ خوشحالی (ان کو دو) اور تمہارا صدقہ کر دینا زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانتے ہو اور ڈرو اس دن سے کہ

تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۸۱﴾ ع ۶

پلٹائے جاؤ گے اسمیں اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر نفس کو اپنا کمایا ہوا۔ اور نہ خسارہ دیئے جائیں گے

تھے اور ان کی سود کی کافی رقوم ان کے مقروضین کے ذمہ تھیں اور اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنی سودی رقوم کا مقروض حضرات سے مطالبہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے پہلے جو کچھ کھا چکے ہو وہ معاف ہے اور جو کچھ تمہارے سود کا بقایا اُن کے ذمہ ہے اُس کو چھوڑ دو۔ اور اگر پھر بھی باز نہ آؤ تو پھر تمہاری خدا و رسولؐ سے جنگ ہے ہاں اگر توبہ کر لو تو صرف اپنے مقروض لوگوں سے اپنی اصل رقم واپس لے لو اور زیادہ کا مطالبہ نہ کرو۔ اس میں نہ ان کو خسارہ دو اور نہ تم پر کوئی خسارہ ہے۔

وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ۔ اس سے پہلے تو فرمایا کہ قرضہ وصول کرتے وقت صرف اپنی اصلزر واپس لو اور سود چھوڑ دو، اب فرماتا ہے کہ اگر تمہارے مقروض غریب و تنگدست ہوں کہ تمہیں فوری طور پر عندالمطالبہ اصلزر بھی واپس نہ دے سکتے ہوں تو ان کو تنگ نہ کرو، بلکہ ان کی میعاد بڑھا دو، جب ان کے پاس پیسہ آجائے اور وہ خوش حال ہو جائیں تب ان سے مطالبہ کرو اور اگر ان کو ان کی تنگدستی کے پیشِ نظر معاف کر دو، تو تمہارے لئے اور زیادہ بہتر ہے۔

مسئلہ :۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سود کھانے والے پر اگر ثابت ہو جائے کہ اس نے سود لیا ہے تو اُسے تادیب کی جائے اگر دوبارہ کرے تو دوبارہ تادیب کی جائے اور اگر سہ بارہ کرے تو اُسے قتل کر دیا جائے

(مجمع البیان)

مسئلہ :۔ اگر کوئی شخص سود کھانے کی حرمت کا انکار کرے تو وہ کافر اور واجب القتل ہو جاتا ہے۔

مقروض تنگدست کو مہلت دینا اس کے متعلق تفسیر برہان میں کافی روایات درج ہیں۔ چند ایک کا ذکر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) جناب رسالتمآبؐ ایک روز منبر پر تشریف لائے حمد و ثنا پروردگار اور درود بر انبیائے اطہار کے بعد فرمایا:- ایھا الناس تم میں سے جو حاضر مجلس ہیں ان کو چاہیئے کہ غیر موجود لوگوں کے کانوں تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ جو شخص کسی تنگدست مقروض کو مہلت دے گا تو خدا کے نزدیک اس کا وہ روپیہ ہر روز کا صدقہ اور خیرات شمار ہوگا۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ جو شخص بروز محشر عرش خدا کے سایہ کا امیدوار ہو کہ جس دن اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اس کو چاہیئے کہ تنگدست کو مہلت دے اور اس پر سے اپنا حق اٹھالے۔

(۳) امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ جو شخص جہنم کے تیز شعلوں سے بچنا چاہے اُسے چاہیئے کہ تنگدست کو مہلت دے۔ الخبر۔

(۴) جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروز محشر خداوند عالم چند لوگوں کو زیر عرش جگہ کرامت فرمائے گا کہ ان کے چہروں سے نور ساطع ہوگا۔ نورانی لباس سے آراستہ ہو کر نور کی کرسیوں پر وہ جلوہ گر ہوں گے پس باقی مخلوق ان کی کرامت و عزت کو دیکھ کر عرض کرے گی کہ کیا یہ لوگ نبی ہیں؟ تو زیر عرش سے منادی ندا کرے گا کہ یہ نبی نہیں ہیں۔ پھر پوچھا جائے گا کہ کیا یہ لوگ شہداء ہیں؟ منادی کی طرف سے جواب ملے گا کہ یہ شہداء بھی نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں مومنوں کو خوشحال کیا تھا یا تنگدست مومنوں کو خوش حالی تک کی مہلت دی تھی۔

مسئلہ:- تنگدست انسان کو مہلت دینا واجب ہے اور تنگدستی کی حد یہ ہے کہ اپنے اور بال بچوں کے درمیانہ گذر اوقات سے اس کے پاس زائد مال نہ ہو کہ وہ اس کو قرضہ میں ادا کرے اور مقروض پر واجب ہے کہ اگر اس کے پاس مال موجود ہو اور قرضہ کی میعاد آجائے تو اوّلین فرصت میں اپنے قرضہ سے سبکدوش ہونے کی کوشش کرے اور خواہ مخواہ قرضخواہ کو بار بار کے مطالبہ کی زحمت نہ دے۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں سے سب سے آخر نازل ہونے والی آیات یہی ہیں جن میں سود کا حکم بیان کیا گیا ہے اور تفسیر برہان میں ہے کہ سود کی آیات کے بعد نسب قرآن کے آخر میں یہ آیت اُتری وَاتَّقُوْا یَوْمًا - الخ اس آیت مجیدہ کے نزول کے بعد جناب رسالتمآبؐ کل اکیس (۲۱) دن زندہ رہے۔

نقدی کا وجود چونکہ انسان مدنی الطبع ہے اور امور زندگی میں باہمی تعاون اور لین دین کا محتاج ہے بنا بریں چیزوں کا تبادلہ اس کا جزو زندگی ہے مثلاً ایک شخص کو گندم کی ضرورت ہے لیکن پاس موجود نہیں اور بجائے گندم کے اس کے پاس اپنی ضرورت سے زائد کپڑا موجود ہے اور دوسرے شخص کو لباس کی ضرورت ہے لیکن بجائے کپڑے کے

اس کے پاس گندم فالتو موجود ہے پس دونوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے پاس موجودہ فالتو چیز کا دوسرے کے پاس موجودہ زائد شی سے حسب ضرورت تبادلہ کر لیں لیکن مشکل یہ ہے کہ کپڑے کی معین مقدار کے مقابلہ میں کس قدر گندم ہونی چاہیئے اور ہر جنس کا دوسری جنس سے بوقت حاجت جب تبادلہ ہوگا یہی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ پس اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے ایک تیسری چیز کی ایجاد کی گئی جس سے ہر جنس کا اندازہ صحیح ہو سکے اور بوقت تبادلۂ اجناس اسی کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ ہے نقدی۔ پس اس میں شک نہیں کہ نقدی کا وجود خود مقصودِ تمدن نہیں بلکہ مقصود بالذّات ہے۔ باہمی تعاون اور لین دین میں آسانی اور اس کا ذریعہ ہے نقدی۔

پس عقل وفطرت، انسان کو نقدی کے اپنے پاس رکھنے کی اجازت اس حد تک دیتی ہے جہاں تک اس کی ضرورت زندگی کا تعلق ہے اور وہ نقدی جو انسان کی ضروریات سے وافر ہو تو بجائے بے کار جمع کرنے کے اس پر ضروری ہے کہ محتاج انسانوں کی خبر گیری کرے اور ہر انسان کے کام آنے والی نقدی صرف وہی ہے جس سے وہ خود فائدہ اٹھا سکے لہذا جس حد تک اُسے دنیا میں ضرورت ہے بے شک اس سے دنیاوی مفاد حاصل کرے اور جس قدر اس کے پاس دنیاوی ضروریات سے وافر ہو اس سے دارِ آخرت کی تعمیر کرے اور وہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ فقراء و محتاجین کی دست گیری کرے اور وہ روپیہ جو اس کی دنیا کی ضرورتوں سے بچ گیا اور آخرت کے لئے اس کو خرچ نہ کیا بلکہ خزانہ میں جمع کر کے چلا گیا تو وہ روپیہ بروز محشر اس کے لئے وبال وعذاب کا موجب ہو جائے گا۔ اسی بناء پر خداوند کریم نے قرآن مجید میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور دوسرے سے ناجائز پیسہ بطور سود وصول کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ انسان اپنے فطری وعقلی تقاضوں کے ماتحت نقدی کو صرف جائز طریق پر استعمال کرنے کی عادت اختیار کرے اور ناجائز طور پر تحصیلِ زر سے اجتناب کرے۔

بعض عارف لوگوں نے نقدی کو خزانہ میں جمع کرنے کی مثال یوں دی ہے کہ جس طرح معین شدہ علاقائی مجسٹریٹ کو نظر بند کر دیا جائے اور پھر اس علاقہ کے لوگوں کو جھگڑا کے فیصلہ کا حکم دیا جائے کہ فلاں تعینات شدہ مجسٹریٹ کی طرف رجوع کر کے فیصلہ حاصل کرو۔ حالانکہ بصورت نظر بندی اِن کا اس کی طرف رجوع کرنا اور اُس کا ان کے مابین فیصلہ کرنا محال ہے۔ اسی طرح پیسہ چونکہ لوگوں کی ضروریات کی کفالت کے لئے ہے تو اس کی ذخیرہ اندوزی، مجسٹریٹ کی نظر بندی کی مثل ہے اور بوقتِ ضرورت لوگوں کو فطرت کی طرف سے رجوع کرنے کا حکم ایسا ہے جیسا کہ مقید مجسٹریٹ کی طرف طلب فیصلہ کے لئے رجوع کرنے کا حکم دیا جائے۔ بنا بریں انسان کا فطری تقاضا یہی ہے کہ پیسہ کو بجائے نظر بند کرنے کے بجائے آزاد رکھا جائے اور تمام انسانوں کو اس کی طرف رجوع کا موقعہ دیا جائے تاکہ انسانی زندگی کا سفینہ شورشوں کے طوفانی تلاطم و گرداب میں پھنس کر غرق نہ ہو جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ

اے ایمان والو! جب تم آپس میں قرض کا لین دین کرو، مدت مقررہ تک کے لئے تو اس کو لکھ لو

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا

اور چاہیئے کہ لکھے تمہارے درمیان کاتب انصاف کے ساتھ۔ اور نہ انکار کرے کاتب لکھنے سے جس طرح کہ اللہ نے

عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

اس کو علم دیا ہے پس وہ لکھے اور لکھواتا جائے وہ جس پر حق ہے (قرض لینے والا) اور وہ اپنے رب

رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا

سے ڈرے اور کم نہ کرے اس سے کوئی چیز پس اگر ہو وہ شخص جس پر حق ہے (قرض لینے والا) بیوقوف یا کمزور

اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ

یا یہ کہ نہ قابل ہو لکھوانے کے خود۔ تو لکھوائے اس کا ولی ساتھ انصاف کے۔

رکوع نمبر

قرضے کا بیان

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ ۔ تفسیر برہان میں مروی ہے کہ سورۃ بقرہ میں پانچ سو حکم مذکور ہیں اور ان میں سے پندرہ حکم صرف اسی ایک آیت مجیدہ میں ہیں۔ تفصیل یہ ہے (۱) جب ایک مدت معینہ کے لئے قرضے کا لین دین کیا جائے تو اُسے لکھ لینا چاہیئے (۲) کاتب پر واجب ہے کہ عدل و انصاف سے لکھے اپنی تحریر میں قرضہ لینے یا دینے والے کو نقصان نہ دے یعنی کم یا زیادہ نہ لکھے (۳) جب کاتب کو لکھنے کے لئے کہا جائے تو انکار نہ کرے (۴) کتابت کرنا کاتب پر واجب کفائی ہے اور شیخ طوسیؒ فرماتے ہیں کہ کاتب پر اس کی اُجرت لینا حرام ہے

مسئلہ ۔ کاغذ سیاہی وغیرہ کا خرچہ قرض دینے والے پر ہے نہ کہ لینے والے پر اور یہ تحریر بھی قرض خواہ کے پاس محفوظ رہے گی۔ (۵) جو قرضے رہا ہے وہ خود تحریر لکھوائے یعنی کاتب کے سامنے اپنی زبانی اقرار کرتا جائے کہ واقعی میں نے فلاں سے اتنی مدت تک کے لئے اس قدر روپیہ لیا ہے وغیرہ۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ

اور گواہ قائم کرو دو گواہ اپنے مردوں میں سے پس اگر دو مرد نہ مل سکیں تو پس ایک مرد

وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ

اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے کہ تمہیں ان پر بھروسہ ہو (عادل ہوں) اس لئے کہ ایک عورت بھول جائے

اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْئَمُوْٓا

تو اس کو دوسری یاد دلا سکے (لہٰذا ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتیں ہوں) اور نہ انکار کریں گواہ جب وہ بلائے جائیں اور تنگدلی نہ کرو اس

اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ

کے لکھنے سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اپنے وقت تک کے لئے یہ زیادہ قریب انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور زیادہ

(۶) قرضہ لینے والے کو اللہ سے خوف کرنا چاہئے کہ کاتب کو غلط نہ بتائے جس طرح آپس میں معاملہ کیا ہے اسی طرح صحیح صحیح لکھوائے۔ شئ کی مقدار۔ اوصاف۔ مدت وغیرہ میں کوئی کمی یا بیشی کر کے نہ لکھوائے۔

(۷) جس کے لئے قرض لیا گیا ہے اگر وہ کم عقل ہے یعنی دیوانہ مجنون ہے یا بچہ ہے یا یہ کہ لکھوانے سے اور اقرار کرنے سے معذور ہے مثلاً یہ کہ وہ گونگا ہو تو اس کے ولی پر واجب ہے کہ وہ لکھوائے لیکن عدل و انصاف کو ملحوظ رکھّے نہ قرض لینے والے کو خسارہ دے اور نہ دینے والے کا نقصان کرے۔

(۸) قرضہ کی لین دین کے وقت دو عادل مرد گواہ قائم کرنے چاہئیں۔

(۹) اگر دو عادل مرد دستیاب نہ ہو سکتے ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ مقرر کریں اور ان میں بھی عدالت شرط ہے اور مِمَّنْ تَرْضَوْنَ کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے نزدیک ان کا دین اور عدالت پسندیدہ ہو یعنی مومن ہوں اور ظاہر کے اعتبار سے نیک ہوں (۱۰) جب گواہوں کو گواہ بننے کے لئے یا حاکم شرع کے سامنے گواہی دینے کے لئے بلایا جائے تو ہر دو صورت میں ان کا انکار کرنا ناجائز ہے۔ (۱۱) چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا لکھنے کے حکم میں سب برابر ہیں یعنی اس قسم کا ہر معاملہ لکھ لینا چاہئے کیونکہ اس میں ایک دوسرے پر بدگمانی اور شک وشبہ وغیرہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

(۱۲) اگر تجارت اور نقد بنقد خرید و فروخت کا قصہ ہو۔ تو اس میں لکھنا ضروری نہیں اور اگر لکھ لیا جائے تو بھی حرج نہیں۔

(۱۳) خرید و فروخت پر بھی گواہ قائم کئے جائیں اور یہ امر استحباب کے لئے ہے۔

(۱۴) لَا یُضَآرَّ ۔ اگر صیغہ معلوم کا ہو۔ تو مطلب یہ ہے کہ کاتب اور گواہ معاملہ کرنے والوں کو ضرر نہ دیں یعنی ان کو ان کی ضرورت ہو تو ان کو پریشان نہ کریں بلکہ کتابت یا گواہی کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیں۔

لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً

پختہ کرنے والی ہے شہادت کو اور زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم تنگ میں نہ پڑو مگر یہ کہ ہو سودا نقد بنقد۔

تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا

جس کا تم باہمی لین دین کرو تو پس تم پر گناہ نہیں کہ نہ لکھو اس کو اور گواہ قائم کرلیا

إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ تَفْعَلُوا

کرو جب خرید و فروخت کرو اور نہ ضرر دے یا نہ ضرر دیا جائے کاتب اور نہ گواہ اور اگر ایسا کرو

فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ

تو تمہارے لئے گناہ ہوگا۔ اور اللہ سے ڈرو۔ اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾

ہر چیز کا جاننے والا ہے

اور اگر صیغہ مجہول کا ہو تو معنی یہ ہو گا کہ معاملہ کرنے والے کاتب یا گواہ کو ضرر نہ دیں کہ اگر ان کا وقت فارغ نہ ہو اور ان کو بھی اور جا سکتے ہوں تو خواہ مخواہ ان کو تنگ نہ کریں۔

(۱۵) کاتب یا گواہ کا معاملہ والوں کو یا معاملہ کرنے والوں کا کاتب یا گواہ کو بلا وجہ ضرر دینا فسق اور گناہ ہے

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خداوند عالم تین آدمیوں کی دعا کو قبول نہیں کرتا۔ (جس کا خلاصہ یہ ہے) (۱) وہ شخص جس کی عورت بدمزاج ہو اور اس کو اذیت دیتی ہو اور اس کی عیب جوئی کرتی ہو اور یہ اس سے تنگ ہو پس اللہ سے دعا مانگے کہ اے پروردگار! مجھے اس سے نجات دے تو خدا کی طرف سے اس کو جواب ملتا ہے کہ اے جاہل! اس سے نجات حاصل کرنا تیرے اپنے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ میں نے تجھے اس کو طلاق دے کر نجات حاصل کرنے کا اختیار دے دیا ہے (۲) وہ شخص جو کسی شہر میں ہو اور وہ جگہ اس کے ناموافق ہو اور وہاں وہ جو کچھ چاہتا ہو اسے دستیاب نہ ہو سکتا ہو پس دعا مانگے کہ اے پروردگار مجھے اس سے نجات دے تو خدا کی جانب سے جواب ملتا ہے کہ تیرے لئے میری طرف سے راستہ کھلا ہے۔ اس شہر کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلا جا۔

(۳) وہ شخص جس نے کسی ناقابل اعتبار آدمی کو قرض دیا اور اس سے وثیقہ نہ لکھوایا۔ پس اس نے قرض کا انکار

کر دیا یا واپس کم دیا۔ پس یہ شخص اللہ سے دعا مانگے تو جواب ملتا ہے کہ اے میرا بندہ تو نے میرے فرمان پر عمل نہیں کیا اور اب مجھ سے دعا مانگتا ہے حالانکہ تو نے اپنا مال خود ضائع کیا ہے اور میری وصیت کو تبدیل کیا ہے پس اس بارہ میں تیری دعا قبول نہیں ہے اور جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ اللہ کی وصیت پر عمل کرو کیونکہ اس میں تمہاری کامیابی ہے اور اس کی خلاف ورزی نہ کرو ورنہ پشیمان ہو گے۔

اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ جو شخص بغیر لکھے کے اور بغیر گواہوں کے کسی کو قرضہ دے اور پھر وہ اس کو واپس نہ دے تو اس کی بد دعا بھی اس کے بارے میں مقبول نہیں۔

فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ۔ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ جناب امیر المومنینؑ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں جملہ عورتوں کی طرف سے حاضر خدمت ہوئی ہوں کہ خداوند عالم تمام عورتوں، مردوں کا پروردگار اور خالق ورزاق ہے اور حضرت آدمؑ و حواؑ بھی یکساں طور پر تمام مردوں، عورتوں کے والدین ہیں۔ اور آپ بھی تمام مردوں، عورتوں کی طرف یکساں طور پر رسول ہیں پھر کیا وجہ ہے؟ کہ شہادت اور میراث میں دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا اے عورت خدائے عادل و حکیم ظلم و جور نہیں کرتا۔ کیونکہ تمہیں کم دینے سے اس کو نفع نہیں اور زیادہ دینے سے اس کو خسارہ نہیں ہے لیکن وہ معاملات کی تدبیر اپنے علم سے فرماتا ہے۔ اے عورت! وجہ یہ ہے کہ تمہارا دین اور عقل ناقص ہے اس نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے دین کا نقصان تو اس سے ظاہر ہے کہ تمہیں ہر ماہ میں نماز پڑھنے سے معذوری لاحق ہوا کرتی ہے (اور عقل کے نقصان کی یہ علامت ہے) کہ تم لعن وطعن زیادہ کرتی ہو اور کفران نعمت تمہارا شیوہ ہے مثلاً ایک عورت اگر دس برس ایک مرد کے پاس رہے اور وہ اس کی ہر قسم کی ناز برداری کرتا رہے۔ لیکن پھر ایک دن اگر مرد پر تنگی آجائے یا مرد عورت کو اس کے خلاف مزاج کوئی بات کہہ دے تو وہ (اس کی دہ سالہ خدمات و احسانات کو نظر انداز کرتے ہوئے) فوراً کہتی ہے کہ میں جب سے تیرے گھر آئی ہوں تجھ سے کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔ ہاں اگر کوئی عورت اس سے بلند کردار اور اس قسم کی بد عادتوں سے کنارہ کش ہو تو اس کے لئے یہ (میراث و شہادت میں) کمی اس کا امتحان ہے تاکہ صبر کرے اور اس سے اس کے درجات بلند ہوں۔ پس تجھے خوشخبری ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا:۔ ردی مردوں اور ردی عورتوں میں سے عورت ردّی ترین ہوتی ہے اور صالح مردوں اور صالح عورتوں میں سے مرد صالح ترین ہوا کرتا ہے اور خداوند کریم نے (معاملہ شہادت میں) کسی عورت کو مرد کے برابر نہیں قرار دیا۔ مگر جناب فاطمۃ الزہرا کو کہ وہ اس معاملہ میں حضرت علیؑ کے برابر تھیں۔

(برہان)

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ

اور اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ مل سکے تو پس کوئی چیز گروی قبض کرنا (اچھا ہے)

فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ

پس اگر امین سمجھے تم میں سے ایک دوسرے کو تو پس ادا کرے وہ جس کو امین سمجھا گیا ہے اپنی امانت کو اور ڈرے

اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ

اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے اور نہ چھپاؤ گواہی کو اور جو اسے چھپائے گا پس اس کا

آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع

دل گنہگار ہے اور خدا تمہارے اعمال کو جاننے والا ہے

وَإِنْ كُنْتُمْ ۔ اس سے پہلی آیت میں ادھار دیتے وقت تحریر اور شہادت ہر دو کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا اور اس مقام پر فرماتا ہے اگر سفر میں بامر مجبوری کسی کو ادھار دو اور کاتب دستیاب نہ ہو سکے تو اس سے اس کے بدلہ میں کوئی چیز رہن کے طور پر رکھ لو اور یہی چیز تحریر و شہادت وغیرہ کے قائمقام ہو جائے گی۔

فَإِنْ أَمِنَ ۔ اگر کسی کو امین اور قابلِ اعتبار قرار دے کر نہ اس سے تحریر لی گئی ہے اور نہ رہن رکھوایا گیا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اپنا حق امانت ادا کرے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص شہادت کو چھپائے، یا ایسی شہادت دے جس سے ایک مسلمان کا خون رائیگاں ہو جائے یا کسی مسلمان کا خون تلف ہو تو بروز محشر اس کا منہ سیاہ ہوگا اور نگاہ چشم تک اس کے سامنے سیاہی ہوگی۔ جس سے تمام اہل محشر اس کو پہچان لیں گے اور اگر کوئی حق کی شہادت دے تاکہ مسلمان کا حق زندہ ہو تو بروز قیامت اس کا چہرہ نورانی ہوگا اور تا حدِ نگاہ اس کی روشنی ہوگی کہ تمام مخلوق اس کو پہچان لے گی۔

اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جھوٹی شہادت دینے والا ابھی تک شہادت سے فارغ نہیں ہوتا۔ کہ جہنم میں اس کی جگہ ریزرو ہو جاتی ہے۔

مسئلہ :۔ اس شہادت سے مراد ہے کہ حاکم شرع اگر شہادت طلب کرے تو انکار نہ کرنا چاہیے اور نہ غلط بیانی کرنی چاہیے حاکم جور کے سامنے مقدمہ لے جانا بھی حرام ہے اور اس کے سامنے شہادت دینا بھی گناہ ہے مگر یہ کہ بامر مجبوری ایسا کرنے پر آمادہ ہو جائے تو خدا غفور رحیم ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ

اللہ کے لئے ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور خواہ تم ظاہر کرو وہ جو تمہارے دل میں ہے یا

تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

اس کو چھپاؤ اس کا حساب تم سے لے گا پھر وہ بخشے جسے چاہے اور عذاب دے جسے چاہے

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ایمان لایا رسول ساتھ اس کے جو نازل کیا گیا اس پر

مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫

اپنے رب سے اور مومنین (بھی) سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتے اور کتابوں اور رسولوں پر

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ

(اور وہ کہتے ہیں) کہ فرق نہیں کرتے ہم (بلحاظ ایمان) درمیان کسی ایک کے اس کے پیغمبروں میں سے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی تیری بخشش چاہتے اے ہمارے پروردگار اور

شب معراج کی باتیں

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ الخ ۔ اس آیت کے ماقبل کے ساتھ ربط کی وجوہات میں سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ چونکہ خدا نے اس سورۂ مجیدہ میں فروعی احکام بیان فرمائے ہیں تو اب سورۃ کو ذکر توحید اور وعظ و نصیحت اور اقرار جزا و سزا پر ختم فرما رہا ہے۔ جس طرح کہ ابتدا بھی ان ہی چیزوں سے ہوئی تھی۔

نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ احکام شرعیہ بیان کرنے کے بعد یہ بھی مقصود ہے کہ بیان کردہ احکام کی بھلائی تمہارے لئے ہی ہے اور ان پر عمل کرنے کا فائدہ تمہیں ہی ہوگا ورنہ اللہ کو ان چیزوں کی احتیاج نہیں وہ آسمانوں اور زمینوں اور کل موجودات کا مالک ہے۔

مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ۔ دل کی باتوں کا حساب لینے کا مقصد یہ ہے کہ غلط عقیدہ کی خدا باز پرس کرے گا چنانچہ تفسیر برہان میں عیاشی سے اسی آیت کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس شخص کے دل میں ان دو شخصوں کی رائی کے دانہ کے برابر بھی محبت ہوگی تو خدا اس کو ہرگز ہرگز بہشت میں داخل نہ کرے گا۔

اِلَیۡكَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتۡ

تیری طرف ہی بازگشت ہے نہیں تکلیف دیتا خدا کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق اس کے کمائے ہوئے کا نفع

وَعَلَیۡهَا مَا اكۡتَسَبَتۡ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ۚ رَبَّنَا

اسی کے لئے ہے اور اس کا وبال بھی اسی کے اوپر ہے - اے پروردگار ہمارا ہمارا ہمیں گرفت نہ کرنا اگر بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں

وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا

اے رب نہ رکھ ہم پر بوجھ جس طرح رکھا تو نے ان پر جو ہم سے پہلے گذرے اے رب اور نہ

تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعۡفُ عَنَّا ٝ وَاغۡفِرۡ لَنَا ٝ وَارۡحَمۡنَا ٝ

اٹھوا ہم سے وہ جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور معاف کر ہم کو اور بخش ہمیں اور رحم فرما ہم پر

اَنۡتَ مَوۡلٰٮنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۲۸۶﴾ ع

تو ہمارا مولا ہے پس ہماری مدد فرما کافر لوگوں پر

اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ - تفسیر برہان میں ایک حدیث طویل میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ - پوری آیت شب معراج جناب رسالتمآبؐ پر پیش کی گئی اور آپ نے اس کو قبول فرمایا - پس ارشاد قدرت ہوا - اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ - یعنی رسول ایمان لایا ساتھ اس چیز کے جو اس پر اس کے رب کی طرف سے نازل ہوئی - تو جواب میں جناب رسالتمآبؐ نے اپنی اور اپنی امت کی طرف سے عرض کی - وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ الخ - یعنی مومنین بھی ایمان لائے اور سب اللہ و فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے ہیں - اور بلحاظ ایمان و تصدیق ان رسولوں میں فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں اور سب نے خدائی فرمائشات کو سنا اور اطاعت قبول کی - پس جانب خدا سے آواز آئی کہ جنت اور مغفرت ان ہی کے لئے ہے پھر حضرت رسالتمآبؐ نے عرض کی غُفۡرَانَكَ الخ اے پروردگار تیری بخشش چاہیئے اور تیری طرف ہی بازگشت ہے - اس کے بعد ارشاد قدرت ہوا -

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ الخ - یعنی خدا کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں رکھتا پس جو عمل خیر کریں گے تو وہ ان کی جزا پائیں گے اور جو عمل بد کریں گے وہ ان کی سزا جھیلیں گے - تو جناب رسالتمآبؐ نے عرض کی - اے پروردگار ہمیں اس سے کچھ زیادہ مرحمت فرما - ارشاد ہوا کہ طلب کرو - جو چاہتے ہو پس عرض کی - رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا -

اے پالنے والے ہمیں نسیان یعنی بھول چوک اور خطا کا مواخذہ نہ کرنا تو ارشاد ہوا کہ گذشتہ امتیں جب یاد دلائے جانے کے بعد بھول جاتی تھیں تو اُن پر میں عذاب کے دروازے کھول دیتا تھا اور تیری امت سے میں نے معاف کر دیا اور گذشتہ امتوں سے جب غلطی سرزد ہوتی تھی تو ان کو سزا دی جاتی تھی۔ اب تیری کرامت کی وجہ سے تیری امت پر سے میں نے یہ سزا اٹھا دی ہے پھر حضورؐ نے عرض کی کہ کچھ اور بھی دے۔ ارشاد ہوا کہ طلب کر جو کرنا ہے۔ پس عرض کی رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا الخ۔ یعنی اے اللہ! ہم پر وہ بار نہ رکھ جو گذشتہ امتوں پر رکھے گئے تھے پس خدا نے قبول فرمایا اور ارشاد ہوا کہ میں نے گذشتہ امتوں کے بوجھ تمہاری امت سے اٹھا لئے۔ مثلاً ان کی نمازیں سوائے مخصوص مقامات کے اور کہیں بھی قابلِ قبول نہیں ہوا کرتی تھیں خواہ وہ مقامات ان سے دُور بھی ہوتے تھے ان کو ضروری طور پر نماز کی ادائیگی کے لئے وہاں جانا پڑتا تھا لیکن تمہاری امت سے یہ بوجھ میں نے اٹھا لیا ہے وَقَدْ جَعَلْتُ الْأَرْضَ كُلَّهَا لِأُمَّتِكَ مَسْجِدًا وَتُرَابَهَا طَهُورًا۔ اور تحقیق میں نے تمام روئے زمین کو تیری امت کے لئے جائے سجدہ قرار دے دیا ہے (جہاں وقت نماز ہو جائے وہاں پڑھ لیں) اور اس کی مٹی کو میں نے باعث طہارت کر دیا ہے (اگر پانی دستیاب نہ ہو سکے تو تیمم کر کے نماز کر ادا کریں۔

(۲) گذشتہ امتوں کے لئے یہ تھا کہ جہاں بدن میں ان کو نجاست لگتی تھی اس جگہ کے کاٹے بغیر ان کا بدن پاک نہ ہوتا تھا اور آپکی امت کیلئے پانی کو مطہر بنایا ہے کہ دھو دینے سے وہ مقام پاک ہو جائیگا جہاں نجاست لگی ہو پس یہ بوجھ بھی آپکی امت سے اٹھا لیا گیا ہے۔

(۳) گذشتہ امتیں اپنی قربانیاں گردنوں پر اٹھا کر بیت المقدس میں لاتی تھیں اور ان کی مقبولیت کی نشانی یہ تھی کہ میں ایک آگ کو بھیجتا تھا تو مقبول قربانی کو اٹھا لیتی تھی۔ پس ان کے لئے وہ خوشی کا باعث ہوتی اور جس کی قربانی کو آگ نہ کھاتی تھی۔ وہ ناکام ہو کر واپس آجایا کرتے تھے۔ لیکن تیری امت کی قربانیوں کی مقبولیت کا معیار تیری امت کے فقراء و مساکین کے پیٹ ہیں۔ پس جو قربانی ان تک پہنچ جائے اگر وہ مقبول ہوگی تو بروز قیامت اس کا بدلہ چند در چند دونگا اور اگر مقبول نہ بھی ہوگی تو اُن سے دنیا کے عذاب کو تو برطرف کر ہی دوں گا۔

(۴) گذشتہ امتوں پر رات کی تاریکی اور دن کے وسط میں نمازیں واجب تھیں جو مشقت کا باعث تھیں اور تیری امت پر فرحت و نشاط کے وقتوں میں نمازیں واجب کی گئیں۔

(۵) گذشتہ امتوں پر پچاس نمازیں دن رات کے پچاس وقتوں میں واجب تھیں اور تیری امت پر صرف پانچ نمازیں واجب ہیں اور وہ کل اکاون رکعتیں ہیں اور ان کو ان پانچ نمازوں کا ثواب ان کی پچاس نمازوں کے برابر عطا کروں گا۔

(۶) گذشتہ امتوں میں یہ تھا کہ اگر وہ نیکی کی نیت کرتے تھے تو اس کا ثواب نہ تھا اور اگر نیکی کر لیتے تھے تو اس کا ثواب صرف ایک کے بدلے ایک تھا اور آپ کی امت اگر نیکی کا صرف ارادہ کرے تو اس کو ایک نیکی کا ثواب اور اگر نیکی کا عمل بھی کرے تو ایک کے بدلہ میں دس گنا ثواب دوں گا۔

(۷) گذشتہ امتوں میں یہ تھا کہ اگر وہ برائی کا ارادہ کرتے اور پھر اس پر عمل نہ کرتے تو اس کا بدلہ کچھ نہ تھا اور تیری امت

اگر برائی کا ارادہ کرے اور پھر عمل نہ کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھی جائے گی۔
(۸) گذشتہ امتوں میں کوئی شخص جب گناہ کرتا تھا تو اس کے دروازہ پر لکھا جاتا تھا (جس سے وہ شرمسار ہوتا تھا) اور آپ کی امت کا گناہ صرف میرے اور اُن کے درمیان بند ہے اور میں نے اُن پر پردہ دے رکھا ہے۔
(۹) گذشتہ امتوں کی گناہ سے توبہ اس طرح ہوتی تھی کہ میں اُن پر لذیذ ترین غذا بطور سزا کے حرام قرار دیتا تھا اور آپ کی امت کی توبہ بغیر سزا کے قبول ہے۔
(۱۰) گذشتہ امتوں میں ایک شخص گناہ سے توبہ کرتا تو سو سال، اسی سال، پچاس سال معافی مانگتا رہتا تھا اور پھر بھی بغیر سزا دنیاوی کے مقبول نہ ہوتی تھی لیکن آپ کی امت میں سے کوئی شخص بیس سال، تیس سال، چالیس سال یا سو سال گناہ میں مبتلا رہے اور پھر توبہ کرے تو طرفۃ العین (پلک جھپکنے کی دیر تک) کی پشیمانی سے اس کے سب گناہ معاف کر دوں گا۔
(پس یہ وہ بوجھ ہیں جو گذشتہ امتوں پر تھے اور جناب رسالتمآبؐ کی دعا سے اس امت سے وہ اٹھائے گئے)
اس کے بعد جناب رسالتمآبؐ نے عرض کی۔ اے پروردگار! وَلَا تُحَمِّلْنَا۔ ہم سے ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ اٹھوا۔ تو ارشاد ہوا کہ یہ بھی منظور ہے۔ پھر عرض کی کہ اے پروردگار! وَاعْفُ عَنَّا۔ ہمیں معاف کر اور بخش اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مولا ہے تو ارشاد ہوا کہ یہ چیز توبہ کرنے والوں کے لئے میں نے قبول کی ہے۔ پس عرض کی۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔ ہماری کافروں پر مدد فرما۔ تو ارشاد ہوا کہ آپ کی امت اگرچہ تعداد میں قلیل ہو گی۔ لیکن ان کا رعب اور سکہ ہو گا اور آپ کا دین مشرق و مغرب میں پھیل جائے گا۔ (اَنْتَہٰی مُلَخَّصًا)
نیز تفسیر برہان میں مروی ہے کہ شب معراج جب مجھے خطاب پروردگار ہوا۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ اور میں نے جواب میں کہا۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ الخ۔ پھر ارشاد ہوا اے محمدؐ میں نے زمین پر نگاہ قدرت کی اور تجھے چُن لیا اور تیرا نام اپنے نام سے مشتق کیا۔ جہاں میرا ذکر ہو گا وہاں تیرا ذکر بھی ساتھ ہو گا۔ پس میں محمود ہوں اور تو محمدؐ ہے پھر میں نے دوبارہ زمین پر منظر انتخاب کی تو علیؑ کو چُنا اور اس کا نام بھی اپنے نام مشتق کیا۔ میں اعلیٰ ہوں اور وہ علیؑ ہے۔
اے محمدؐ میں نے آپ کو اور علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور باقی آئمہ جو حسینؑ کی نسل سے ہونے والے ہیں ان سب کو اپنے نور سے خلق کیا اور تمہاری ولایت کو میں نے تمام اہل ارض و سما پر پیش کیا پس جس نے اس کو قبول کیا وہ میرے نزدیک مومن ہے اور جس نے اس کا انکار کیا وہ میرے نزدیک کافر ہے۔
اے محمدؐ! اگر میرے بندوں میں سے کوئی بندہ میری عبادت کرتے کرتے نڈھال اور بوسیدہ ہو جائے لیکن تمہاری ولایت کا اقرار نہ کرتا ہو تو اس کو نہ بخشوں گا جب تک کہ تمہاری ولایت کا اقرار نہ کرے گا۔ اے محمدؐ کیا تو اُن کو دیکھنا چاہتا ہے؟ (یعنی باقی تیرہ معصومین کو) تو میں نے عرض کی! ہاں۔ پس مجھے خطاب ہوا کہ عرش کی دائیں جانب نگاہ کیجئے۔ پس میں نے دیکھا۔ تو علیؑ فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ، علیؑ بن الحسینؑ، محمدؑ بن علیؑ، جعفرؑ بن محمدؑ، موسیٰؑ بن جعفرؑ، علیؑ بن موسیٰؑ، محمدؑ بن علیؑ، علیؑ بن محمدؑ

حسن بن علیؑ اور حضرت مہدیؑ ایک فضائے نور میں کھڑے ہو کر مصروف عبادت تھے اور حضرت مہدیؑ ایک درخشاں ستارہ کی طرح ان سب کے وسط میں جلوہ افروز تھے۔ پس ارشاد باری ہوا۔ اے محمدؐ! یہ سب میری طرف سے حجت ہوں گے اور وہ تیری (مظلوم) عترت کا بدلہ لینے والا ہو گا۔ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم کہ وہ میرے دوستوں کے لئے حجت واجبہ اور میرے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہو گا تفسیر مذکور میں ہے کہ اس روایت کو بعض مخالفین نے بھی نقل کیا ہے۔ (باختصار)

اسی تفسیر میں مروی ہے کہ ایک یہودی نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے دریافت کیا کہ شب معراج تمہارے نبی سے پہلی کلام کون سی ہوئی؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ الخ یہودی نے کہا کہ میرا یہ مطلب نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد یہ آیت جو کہ قول رسول تھا وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ الخ یہودی نے کہا میری مراد یہ بھی نہیں آپ نے فرمایا کہ پوشیدہ باتوں کو رہنے دو۔ تو یہودی نے کہا کہ اگر آپ نہیں بتا سکتے تو آپ وہ نہیں؟ آپ نے فرمایا اگر تجھے خواہ مخواہ پوچھنا ہے تو سُن۔ جب جناب رسالتمآبؐ واپس تشریف لا رہے تھے تو ابھی حجابوں کی منازل میں تھے اور مقام جبرئیلؑ تک نہ پہنچے تھے کہ پیچھے سے ایک ملک نے صدا دی یا احمد آپؐ نے کہا لبیک۔ فرشتہ نے عرض کی کہ اللہ سلام کے بعد فرماتا ہے کہ سید ولی کو سلام کہنا۔ آپؐ نے پوچھا سید ولی کون ہے؟ تو ملک نے کہا کہ وہ علی بن ابی طالب ہی تو ہے۔ یہ سُن کر یہودی بولا بے شک خدا کی قسم میں نے اپنے والد کی کتاب میں ایسا ہی پڑھا ہے اور وہ یہودی حضرت داؤد کی اولاد سے تھا (باختصار)

شب معراج نو چیزیں جناب رسالتمآبؐ کی اُمت سے اٹھالی گئیں ہیں انکو ان چیزوں پر گرفت نہ ہوگی۔ چنانچہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا رُفِعَ عَنْ اُمَّتِیْ تِسْعَةُ اَشْيَآءَ۔ میری امت سے نو چیزیں اٹھائی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) نسیان (۲) خطا (۳) لاعلمی (۴) بے بسی و بے طاقتی (۵) جو کام ظالم کے ظلم و جبر کے ڈر سے کیا ہو (۶) جو کام حالت اضطرار میں ہو جائے (۷) فال نیک یا بد لینا (۸) توحید کے بارے میں وسوسے بشرطیکہ ان کو کراہت کی نگاہ سے دیکھے (۹) حسد بشرطیکہ اس کا استعمال نہ کرے۔ جناب رسولخدا سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ کی پہلی چار آیتیں اور آیۃ الکرسی تا هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اور آخری تین آیتیں لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ سے تا آخر پڑھے گا تو وہ اپنی جان و اہل و مال میں کوئی ناپسندیدہ بات نہ دیکھے گا اور اس کے قریب شیطان نہ آئے گا اور اس کو قرآن فراموش نہ ہوگا۔

نکتہ: سورہ بقرہ کی آخری آیتیں پوری سورت کا تتمہ یا نتیجہ ہیں کیونکہ سورہ مذکورہ میں متعدد احکام قصص و واقعات اور مختلف خبریں ذکر ہوئی پس آخر میں بطور تتمہ کے یہ اعلان نہایت موزوں تھا کہ رسولؐ اور ایمان والوں کو اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کسی شئی پر ذرہ بھر بھی تردد یا شبہ نہیں بلکہ وہ ہر نازل شدہ شئی پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہیں نیز ابتداء سورہ میں خوف خدا رکھنے والے اور اللہ کی جانب سے نازل شدہ تمام چیزوں پر ایمان لانے والے متقی کے مقدس لقب سے یاد کئے گئے تھے اور اس کے بعد خدا نے کفار اور منافقین کے امر جبلی طبائع اور عادات و کردار کا تعارف کرادیا تھا اور بنی اسرائیل پر اپنی نعمات کا نزول اور ان کا انکار اور پھر ان پر عذاب کی سختی وغیرہ کا تذکرہ فرمایا تھا اب اختتام سورہ پر ایک فقرہ پھر بطور تلخیص و فذلکہ[1] کے ارشاد فرما رہا ہے کہ رسولؐ اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے اپنے موقف ایمانی پر ثابت قدم ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی ہر چیز پر وہ ایمان رکھتے ہیں اور اپنی جملہ ضروریات اسی سے مانگتے ہیں اور مشکلات کا حل بھی اسی سے چاہتے ہیں

[1] فذلکہ کا معنی ہے نتیجہ (منہ)

تفسیر
سورہ آلِ عمران

یہ سورۂ مدینہ ہے اور اس کی کل آیات دو سو ہیں۔
اور بسم اللہ کو شامل کر کے کل تعداد دو سو ایک ہوگی۔

فضائل و خواص :- (۱) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو پڑھے گا تو بروز محشر یہ دونوں سورتیں اس کے سر پر مثل بادل کے سایہ فگن ہوں گی۔

(۲) جناب رسالتمآب سے منقول ہے کہ جو شخص سورۂ آل عمران کو جمعہ کے دن پڑھے گا تو غروب شمس تک اس پر اللہ کی رحمت برستی رہے گی اور ملائکہ اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔

(۳) نیز آپ سے مروی ہے کہ جس عورت کو حمل نہ ہوتا ہو اس سورہ مبارکہ کو زعفران سے لکھ کر اس کے گلے میں ڈالا جائے تو اسے حمل ہوگا اور اگر کسی کھجور یا درخت پر جو پھل گرا دیتا ہو یا اس کے پتے گر جاتے ہوں اگر لکھ کر یہ سورۂ لٹکائے تو اس کے پھل پتے گرنے سے رُک جائیں گے۔
(باذنِ خدا)

(۴) نیز حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے اگر تنگدست آدمی اس کو لکھ باندھے تو اس کی روزی فراخ ہوگی اور خداوند کریم اس کو رزق وسیع عطا فرمائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

اللہ کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں جو حیّ وقیوم ہے اتاری اس نے آپ پر کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ

برحق جو تصدیق کرنے والی ہے (ان کتابوں) کی جو اس سے پہلے ہیں اور اتارا تورات و انجیل کو اس سے پہلے لوگوں کی

قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ

ہدایت کے لئے اور اتارا فرقان کو تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ کی آیات

اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ

سے اُن کے لئے عذاب ہے سخت اور اللہ غالب اور بدلہ لینے والا ہے تحقیق اللہ پر

ٱلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ :- (تفسیر مجمع البیان) ابن عباس سے مروی ہے کہ اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ اسم اعظم ہے حضرت آصف بن برخیا نے اسی کے ذریعہ سے دعا مانگ کر بلقیس کا تخت ملک سبا سے چشم زدن میں حضرت سلیمان کے لئے حاضر کیا تھا۔

وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن ساری کتاب ہے اور فرقان سے مراد وہ آیات ہیں جو محکم اور واجب العمل ہیں۔

اسم اعظم شیخ عباس قمی قدہ نے مفاتیح الجنان میں ذکر کیا ہے جس کی اصل عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔ سید اجل علی خان شیرازی نے کلم طیب میں نقل کیا ہے کہ خدا کا اسم اعظم وہ ہے جس کی ابتداء لفظ اللہ اور انتہا لفظ ھُوَ ہے اور اُن کے حروف پر نقطے نہیں اور اس کا معنی نہیں بدلتا۔ خواہ اعراب دیا جائے یا نہ دیا جائے اور یہ قرآن مجید کی پانچ آیتوں میں ہے جو پانچ سورتوں میں ہے بقرہ آل عمران۔ نساء۔ طٰہٰ اور تغابن شیخ مغربی نے کہا ہے کہ جو شخص ان پانچ آیات مبارکہ کو ہر روز گیارہ مرتبہ اپنا ورد بنالے تو اس کی ہر کلی و جزی مشکل جلدی سے آسان ہوگی۔ انشاء اللہ اور وہ پانچ آیتیں یہ ہیں۔

(۱) آیۃ الکرسی (۲) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ (۳) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (۴) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝۵ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ

کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور یہ وہی ہے جو تمہاری صورتیں

فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶

رحم مادر میں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے کوئی لائق عبادت نہیں مگر وہی جو غالب حکمت والا ہے

(۵) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

شانِ نزول

تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ سورہ آل عمران کی ابتدائی اسّی سے کچھ زائد آیات اہل نجران کے وفد کے متعلق نازل ہوئیں جو کہ ساٹھ سوار تھے اور جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کے سرگروہ تین آدمی تھے ایک عبدالمسیح جو ان کا امیر اور صاحب رائے تھا۔ دوسرا ایہم جو ان کا بزرگ تھا اور تیسرا ابوحارثہ بن علقمہ جو ان کا پادری اور مذہبی پیشوا تھا اور بہت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ روم کی حکومت میں اس کے علم و اجتہاد کے پیش نظر اس کا بہت کافی وقار قائم تھا۔ یہ لوگ بصورتِ وفد داخل مدینہ ہوئے اور جب مسجد نبوی میں پہنچے تو اس وقت حضورؐ نماز عصر سے فارغ ہو چکے تھے یہ لوگ نہایت فاخرہ اور قیمتی لباس میں ملبوس تھے صحابہ میں سے جن لوگوں نے ان کو دیکھا ہے کہتے ہیں کہ ان جیسا وفد ہم نے آج سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو ناقوس بجانے لگے اور پھر اٹھ کر مسجد نبوی میں انہوں نے نماز کا ارادہ کیا۔ صحابہ کرام کو مسجد نبوی میں ان کا یہ فعل ناگوار گذرا چنانچہ بارگاہِ رسالت میں انہوں نے اپنے احساسات جتلائے تو آپ نے فرمایا۔ کہ انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دیجئے۔ پس انہوں نے نماز مشرق کی طرف منہ کر کے پڑھی۔

اس کے بعد عاقب جس کا نام عبدالمسیح تھا اور السید جس کا نام ایہم تھا۔ دونو نے جناب رسالتمآبؐ سے گفتگو کی۔ آنجنابؐ نے دونوں کو اسلام کی دعوت دی انہوں نے کہا کہ ہم پہلے سے مسلمان ہیں آپ نے فرمایا تم جھوٹے ہو کیونکہ تم اللہ کے لئے اولاد کے قائل ہو۔ صلیب کی عبادت کرتے ہو اور سور کھاتے ہو۔ حالانکہ اسلام ان باتوں سے منع کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اللہ کے لئے بیٹا نہیں ہے تو فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ اور اس بات پر وہ سب کے سب بول اٹھے آپ نے چند عقلی دلیلیں پیش کیں جن میں سے وہ ایک کا بھی جواب نہ دے سکے۔ اور تسلیم کرتے گئے چنانچہ آپ نے فرمایا:-

(۱) کیا تم مانتے ہو کہ بیٹا ہمیشہ باپ کے مشابہ ہوا کرتا ہے؟ کہنے لگے کہ ہاں! فرمایا کیا تم یہ بھی مانتے ہو کہ خدا حیّ یعنی زندہ ہے اور اس کے لئے موت نہیں ہے۔ حالانکہ عیسیٰ پر فنا آئے گی؟ کہنے لگے کہ ہاں!

(۲) پھر فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے؟ کہ خدا قیوم یعنی ہر شے کا مدبر و محافظ و رزاق ہے۔ کہنے لگے۔ ہاں بے شک ایسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا عیسیٰ بھی ان چیزوں میں سے کسی چیز کا مالک ہے۔ کہنے لگے کہ نہیں۔

(۳) آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ خدا پر آسمانوں اور زمینوں کی چیزوں میں سے کوئی چیز مخفی نہیں ؟ کہنے لگے ہاں ایسا ہی ہے۔ فرمایا۔ کیا عیسےٰ کو بھی ان سب چیزوں کا علم ہے سوائے ان چیزوں کے جو اللہ نے ہی بتلائی ہوں کہنے لگے کہ نہیں۔

(۴) پھر فرمایا۔ کیا تم قائل ہو کہ حضرت عیسےٰ کی صورت رحم مادر میں خدا نے جس طرح چاہی بنائی۔ حالانکہ خدا خود کھانے پینے اور حدوث سے پاک ہے ؟ کہنے لگے۔ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔

(۵) آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ عیسےٰ کی والدہ باقی عورتوں کی طرح حاملہ ہوئیں اور پھر عام عورتوں کی طرح اس کا وضع حمل ہوا۔ اور عام بچوں کی طرح ان کی تربیت ہوئی وہ کھاتے پیتے تھے حالاتِ ضروریہ ان کو لاحق تھیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہاں درست ہے تو آپ نے فرمایا کہ تمہارا دعوےٰ پھر کہاں گیا۔ بالآخر وہ سب لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے پس خداوندکریم نے آلِ عمران کی اسیؔ سے کچھ زاید آیتیں انہی کے بارے میں نازل فرمائیں۔

انوارِ علمیہ

(۱) یہ چھ آیتیں سورۂ مبارکہ آلِ عمران کے مضامین کے تفصیلی بیانات کا اجمال ہیں مثلاً توحید کا ذکر اور تورات وانجیل کے نزول کا ذکر۔ یہود و نصاریٰ کے ایرادات کا ملخص جواب ہے کفار کے لئے عذاب کی پیش کش اور انتقام کا ذکر۔ جنگ اُحد کے تفصیلی بیان کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے اور ارحام میں بچوں کی تصویر کشی کا ذکر تولدِ مریم۔ پیدائش حضرت یحییٰ اور ولادتِ حضرت عیسےٰ علیہم السلام کے تفصیلی قصوں کا ملخص ہے۔

(۲) تنزیل۔ کسی شے کو تدریجاً اتارنا اور انزال ایک دفعہ نازل کرنا۔ اسی وجہ سے قرآن کے لئے تنزیل کا لفظ استعمال فرمایا۔ اور تورات وانجیل کے لئے انزال کا لفظ استعمال کیا۔ لیکن بعض چیزیں جن میں تدریج اور مجموعیت دونوں کا لحاظ رکھا جا سکتا ہے۔ ان پر دونوں لفظیں استعمال ہو سکتی ہیں۔ مثلاً بارش کو اگر مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس پر انزال استعمال ہوگا اور اگر اس کی تدریج کا لحاظ کیا جائے تو تنزیل کا استعمال بھی جائز ہے اور اسی کے پیش نظر قرآن میں اس کے لئے دونوں لفظیں استعمال کی گئی ہیں۔

(۳) تورات عبرانی زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے شریعت اور انجیل کے متعلق بعض کہتے ہیں یونانی ہے اور بعضوں نے اسے فارسی کلمہ کہا ہے اور اس کا معنی ہے بشارت (خوشخبری)

(۴) انجیلیں نصاریٰ کے پاس کافی ہیں اور نزولِ قرآن کے وقت بھی چار مشہور انجیلیں موجود تھیں جو لوقس۔ پطرس۔ متی اور یوحنا کی طرف منسوب تھیں۔ پس اناجیل صیغہ جمع کی بجائے لفظ مفرد انجیل کا استعمال اس امر پر دلالت کے لئے ہے کہ انہوں نے کلام خدا میں تحریف سے کام لیا ورنہ دراصل انجیل ایک تھی اور تحریف کے ہاتھ نے اسے بڑھا کر چار یا زیادہ تک پہنچا دیا۔

(۵) خداوندکریم نے شکمِ مادر میں بچے کی تصویر کشی اپنی طرف منسوب فرمائی حالانکہ اسباب ظاہریہ کو بچے کی تصویر میں دخل ہے جیسا کہ علم الابدان میں اس کی تصریح موجود ہے اور خداوندکریم نے دنیا کے جملہ امور کو اسباب وعلل سے وابستہ کر رکھا ہے اور اس کے خلاف ہونے کا نام ہی تو معجزہ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بچے کی تصویر کشی شکم مادر میں اگرچہ اسباب مادیہ اور علل ظاہریہ کی طرف سے ہے

هُوَ الَّذِىٓ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ

وہ وہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب۔ اس میں کچھ آیتیں محکم ہیں جو اصل

الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ‌ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ

کتاب ہیں اور کچھ متشابہ ہیں لیکن جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے تو وہ پیچھے پڑتے

فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ ۚ وَمَا

ہیں ان کے جو اس میں سے متشابہ ہیں بغرض فتنہ اور بغرض (من مانی) تاویل کے حالانکہ کوئی

يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ‌ؔ‌ۘ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖۙ كُلٌّ

نہیں جانتا اس کی صحیح تاویل مگر اللہ اور وہ لوگ جو راسخ ہیں علم میں۔ حالانکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پہ ایمان رکھتے ہیں کہ سب

مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝

(محکم ہوں یا متشابہ) ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نہیں نصیحت لیتے مگر صاحبانِ عقل

لیکن علل و اسباب میں اس قسم کی انقلابی کیفیات اور فعلی و انفعالی تحریکات اسی فیاضِ مطلق کی طرف سے عنایت شدہ ہیں پس خدا سبب حقیقی ہے اور یہ اسباب ظاہریہ ہیں اور یہ دونو ایک دوسرے کے طول میں واقع ہیں لہذا دونوں کی طرف نسبت صحیح ہے۔ ہاں اگر یہ ایک دوسرے کے عرض میں اور مقابلہ میں واقع ہوتے تو تضاد لازم آتا۔

محکمات و متشابہات کا بیان

مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ الخ۔ محکم و متشابہ کے متعلق چند اقوال ہیں (۱) محکم وہ ہے جس کا معنی و مطلب بالکل ظاہر اور صاف ہے نہ اس میں کوئی اجمال ہو اور نہ کوئی گنجلک ہو اور متشابہ وہ ہے جس کی مراد ظاہر نہ ہو اور مطلب واضح نہ ہو بلکہ اس کے سمجھنے کے لئے کافی غور و خوض کی ضرورت ہو۔

(۲) محکم سے مراد ناسخ اور متشابہ سے مراد منسوخ ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی ایک روایت میں وارد ہے کہ منسوخ آیتیں متشابہات سے ہیں (۳) محکم وہ ہے جس کی تاویل کا صرف ایک ہی رُخ ہو اور اس سے صرف ایک ہی مطلب نکل سکتا ہو اور متشابہ وہ ہے جس میں دو یا اس سے زیادہ معانی کا احتمال ہو (۴) محکم وہ ہے جس کی تاویل معین کی جا سکتی ہو اور متشابہ وہ

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ

اے ہمارے پروردگار! نہ پھیر ہمارے دلوں کو بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت فرمائی اور عنایت فرما ہمیں

رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ

اپنی رحمت تحقیق تو ہی تو عطا کرنے والا ہے اے رب تحقیق تو اکٹھا کرنے والا ہے لوگوں کو

لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۹﴾ ع

اس دن کہ جس میں شک نہیں۔ بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

ہے جس کی تاویل کا تعین نہ ہو سکتا ہو۔

سوال :- خداوند کریم نے جب قرآن مجید عام مخلوق کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے تو چاہئے تھا کہ سارا قرآن محکم نازل کیا جاتا تاکہ ہر ایک اس کا مطلب آسانی سے سمجھ سکتا۔ لہذا متشابہ نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب :- آیاتِ متشابہات نازل کرنے کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں :-

(۱) اگر سب کا سب محکم ہوتا تو لوگوں کی قرآنی علوم سے دلچسپی ختم ہو جاتی صرف نقل پر اکتفا کر لی جاتی۔ اور غور و خوض کی طرف توجہ نہ ہوتی۔

(۲) عام خطوط و مکاتیب میں یہی دستور ہے کہ اگر عبارت سلیس اور مطلب واضح ہو تو صرف ایک دفعہ اس کا سرسری مطالعہ کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور دوسری مرتبہ اس کو دیکھنے کے لئے جی تک نہیں چاہتا اور اگر اس میں ذرہ گنجلک ہو تو اس کا بار بار غور و خوض اور پورے دھیان سے مطالعہ کیا جاتا ہے اور قرآن چونکہ صرف ایک وقت یا ایک دور کے لوگوں کے لئے نہ تھا بلکہ تاقیامت تمام آنے والی نسلوں کے لئے بھی باعث ہدایت تھا۔ اگر بالکل سلیس اور عام فہم ہوتا تو اس کی بہجت و نضارت تھوڑے دنوں تک محدود ہو کر رہ جاتی اور اس کی جاذبیت کے محدود عرصہ کے اندر ناپید ہو جانے سے طبیعتوں میں بار بار شوق تلاوت نہ رہتی۔ اور یہ چیز قرآن مجید کی قیامت تک کی طویل زندگی کی راہ میں سدِ راہ ہو جاتی۔ پس خدا علیم و حکیم نے اس مقدس کلام میں ایسا رنگ بھر دیا۔ کہ جوں جوں زمانہ طول پکڑتا جائے اس کی طرف طبائع کا رجحان روز افزوں ترقی کرتا جائے۔

(۳) اگر سب آیات محکمات ہوتیں اور اس کا مطلب بآسانی سمجھ میں آسکتا تو قرآن فہمی میں طبائع کو سرور حاصل نہ ہو سکتا۔ کیونکہ جو چیز بلا تعب و مشقت حاصل ہو اس کے حصول پر اتنی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ جتنی کہ مشقت و محنت کے بعد حاصل ہونے والی شئے پر خوشی حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جس چیز کی توقع ہوتی ہو اور توقع کے مطابق کامیابی حاصل ہو جائے۔ تو وہ کامیابی اتنی موجب سرور نہیں ہوتی۔ جتنی کہ بعض مطالب و مقاصد پر خلاف توقع کامیابی حاصل ہونے سے ہوا کرتی ہے چنانچہ بوعلی سینا

(شیخ رئیس) کا قول ہے کہ جب مطالب کے سمجھنے کے لئے مجھے شب و روز کی محنت شاقہ برداشت کرنی پڑے جس سے دماغ پر کافی بوجھ ڈال کر اس کو حل کرنا ضروری ہو اور بالآخر اس مقصد میں کامیابی و کامرانی حل ہو جائے تو جہاں ایک طرف تمام ذہنی کاوشوں کا شیریں و خوش مزہ پھل میسر آجانے سے تمام دماغی کوفتیں ختم ہو جاتی ہیں وہاں دوسری طرف طبیعت میں اس قدر سرور و فرحت حاصل ہوتی ہے کہ شاید زمین و آسمان کے مابین کی حکومت و شاہی ملنے سے بھی وہ خوشی حاصل نہ ہو سکتی ؟

(۴) جو چیز آسانی سے دستیاب ہو جائے اس کی نہ اہمیت ملحوظ رہتی ہے اور نہ اس کی قدر و قیمت ہوتی ہے بخلاف اس کے جو چیز کسی قدر محنت طلب ہو اس کی اہمیت زیادہ اور قدر و منزلت بلند ہوتی ہے۔

(۵) قرآن مجید قیامت تک کے لئے معجزہ ہے اور ہر مفسر اپنی ذہنی منزل کے پیش نظر اس سے مطالب تک رسائی حاصل کرتا ہے ہر بعد میں آنے والا ایسے نکات و رموز پر مطلع ہوتا ہے جن تک گذشتہ مفسرین نہ پہنچ سکے تھے اور یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام انتہائی غور و فکر سے مطالب قرآنیہ حاصل کرنے کے بعد یہ دعوے نہیں کرسکتے کہ ہم اس کی کنہ و انتہا تک پہنچ گئے اور مطالبِ قرآنیہ تک ہمیں کماحقہٗ دست رس حاصل ہوگئی اور جس قدر رموز قرآنیہ میں خوض کرتے ہیں اسی قدر طبیعت میں آگے بڑھنے کا جذبہ تیز سے تیز تر ہوتا جاتا ہے اگر سارا قرآن محکم آیات پر مشتمل ہوتا تو قرآن مجید میں تدبر و تفکر کی راہیں مسدود ہو جاتیں۔ پس یہ بھی قرآن کا ایک معجزہ ہے کہ تیرہ سو سال سے ہر دور میں علمائے اعلام نے اپنی توجہات خاصہ کو قرآنی مطالب کے استنتاج پر وقف رکھا۔ اور اس بحرِ ذخار سے نایاب موتیوں کی دولت حاصل کی اور بالآخر ان کو ناپید نہ کرسکے اور یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔

(۶) قرآن پاک میں محکمات و متشابہات ہر دو قسم کی آیات کو نہایت موزونیت و مناسبت سے خلاق عالم نے ترتیب دیا۔ تاکہ صرف متشابہات کو دیکھ کر معمولی قابلیت کے انسان اس کے مطالب سمجھنے سے مایوسی کا شکار نہ ہو جائیں اور صرف محکمات کو ملحوظ رکھ کر سنجیدہ طبائع اور وقت پسند مزاج اس کو سہل و سلیس قرار دے کر سرے سے نظر انداز کرنے پر آمادہ نہ ہو جائیں پس ہر مزاج و طبع کے انسانوں کی جاذبیت کے لئے ذاتِ علیم و حکیم نے ایک ایسا مکمل و منظم کلام بھیجا جس سے ہر مزاج اور طبیعت کا انسان اپنی حیثیت کے مطابق مطلب تک رسائی حاصل کرسکے اور حسبِ لیاقت اس کی شیرینی سے بہرہ اندوز ہو کر اپنے دامن کو گوہرِ مراد سے پُر کرسکے۔ تاکہ قرآن مجید ہر دور میں ہر قسم کے مزاج کے انسانوں کے لئے جاذبِ طبع ہو کر مرکز التفات رہے۔

(۷) محکم و متشابہ کی تقسیم کو ذاتِ ربّ العزت نے مسلمانانِ عالم کے لئے ایک امتحان گاہ قرار دیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ تسلیم کس کو ہے اور عناد کس میں ہے؟ اور حکم فرمادیا کہ محکمات کی پیروی کریں اور ان کو چھوڑ کر اپنی نظریاتی غلطیوں میں آیاتِ متشابہات کی آڑ لے کر راہ گمراہی اختیار نہ کریں۔ چنانچہ راسخین فی العلم کی مدح فرمائی کہ یہ لوگ تسلیم والے ہیں اور محکم و متشابہ پر کلیتہً

ایمان رکھتے ہیں اور دوسروں کی مذمت فرمائی کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور کھوٹ ہے وہ آیاتِ محکمات کو نظر انداز کرکے خواہ مخواہ فتنہ پروری کے لئے متشابہ آیات سے غلط طور پر مطلب برآری کے درپے ہوتے ہیں۔

(۸) بحوالہ احتجاج طبرسی جناب امیر المومنین علیہ السلام سے ایک حدیث میں مروی ہے جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ خداوند کریم کو علم تھا کہ لوگ قرآن مجید سے من مانے مطالب نکال کر اس کے احکام میں تغیر پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا اس نے اپنے کلام کو تین حصوں میں منقسم فرمادیا۔ ایک قسم تو ایسی ہے کہ اس کو عالم و جاہل یکساں طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ دوسری قسم ایسی ہے کہ جن کے ذہن صاف، حس لطیف اور تمیز صحیح ہے اور خدا نے اس کے سینے علم کی خوبیوں کو سمجھنے کے لئے کھول دیئے ہیں۔ بس وہی سمجھتے ہیں۔ اور تیسری قسم وہ ہے جس کو خدا اور راسخون فی العلم کے علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکتا اور یہ اس لئے کیا کہ خدا کو معلوم تھا کہ باطل پرست طبقہ میراثِ رسولؐ پر غاصبانہ تصرّف و قبضہ کرے گا۔ پس ان کو اس قسم کے غلط اقدامات کرنے کے باوجود علمِ قرآن کے دعوے کی جرأت نہ ہوسکے۔ بلکہ جب بھی ان کے سامنے علم کتاب کے متعلق کوئی سوال پیش آئے تو جو لوگ درحقیقت عالم قرآن اور اللہ کے سچے ولی ہیں۔ ان کو مجبوراً ان کے دروازہ پر جبہ سائی کرنا پڑے (جس سے حقیقی وارثِ قرآن اور غلط دعوے دار کے درمیان فرق کرنا آسان ہو۔) پس خداوند کریم نے قرآن مجید میں آیات متشابہات نازل فرما کر عوام کے سامنے علماء کے فضل کا معیار قائم فرمادیا اور باطل کے مقابلہ میں اس کو صداقت کا معیار مقرر کیا۔ اگر قرآن کی آیات سب محکمات ہوتیں تو ہر مسندِ رسول کا قابض عالم قرآن کہلاتا اور سچے و جھوٹے کی تمیز نہ ہوسکتی۔

سوال:۔ ایک مقام پر خداوند کریم نے تمام قرآن کو محکم بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ الٓرٰ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ (یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں) اور دوسرے مقام پر تمام قرآن کو متشابہ بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا۔ (ترجمہ) اللہ نے نازل فرمائیں سب سے اچھی باتیں وہ کتاب متشابہ ہے) اور اب یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ نہ سب آیات محکمات ہیں اور نہ سب کی سب متشابہ ہیں بلکہ بعض محکم اور بعض متشابہ ہیں۔

جواب:۔ جس مقام پر پوری کتاب کو محکم بیان فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے معانی میں وہ پختگی اور اس کے مطالب میں وہ سنجیدگی ہے جس میں تاقیامت کوئی خلل نہیں پیدا ہوسکتا۔ اس کے دلائل و براہین اس قدر ٹھوس اور مضبوط ہیں کہ تاقیامت ناقابلِ تردید ہیں اس کے اوامر و نواہی میں وہ مصالح و مقاصد ملحوظ ہیں جو ادوارِ مختلفہ اور ازمنۂ متفاوتہ میں اذہانِ متفرقہ کی عیب جوئی سے بالاتر ہیں اور تاقیامت ناقابلِ تنسیخ و ترمیم ہیں۔ اس کے قصص و واقعات ایسے حقائق پر مبنی ہیں۔ کہ علمائے کتب سابقہ اور ماہرین آثارِ متقدمہ اس کو غلط بیانی سے نسبت نہیں دے سکتے آئندہ کی خبریں اسقدر صحیح اور مبنی برحقیقت ہیں کہ حرف بحرف ان کے مطابق واقع ہونے کی کسی کو مجالِ انکار نہیں۔ گویا ہر لحاظ اور ہر حیثیت سے ہر دور ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے انسانوں کے لئے اس کی پختگی و مضبوطی ناقابلِ انکار حقیقت ہے اس لئے فرمایا کہ اس کتاب مقدس کی آیات محکم ہیں۔

اور جس مقام پر فرمایا۔ کہ یہ کتاب متشابہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اوّل سے لے کر آخر تک حسن و صداقت، درستی و صحت

پختگی و مضبوطی اور بے عیب ولا ریب ہونے میں اس کتاب کی تمام آیات ایک دوسری سے ملتی جلتی ہے اور ایک ہی جیسی ہیں جس طرح کہ ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں کافی اختلاف پایا جاتا۔ یعنی بعض پختہ بعض غیر پختہ۔ کچھ حصہ مطابق واقع کچھ خلاف واقع اور کہیں فصاحت و بلاغت۔ کہیں عامی خطابات۔ غرضیکہ تفاوت اور تہافت کا ایک مرقع ہوتا۔ لیکن چونکہ خالق کا کلام ہے لہذا اس کی سب آیات ایک جیسی ہیں۔ اس میں کہیں نہ کمزوری ہے نہ غلطی، نہ جائے تردید ہے نہ مقام ترمیم۔ اور یہی اس کے خدائی کلام ہونے کی اٹل دلیل ہے۔

پس معلوم ہوا کہ تمام اوصاف حسنہ اور خصائل حمیدہ کی جامعیت میں قرآن کی تمام آیات ایک دوسری کے متشابہ اور ایک جیسی ہیں اور اسی لحاظ سے تمام کا تمام محکم اور متقن ہے اس میں کوئی رخنہ یا کمزوری نہیں۔ لیکن مطالب کی سہل بیانی اور دقت طلبی میں اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سہل جس کو ہر ایک سمجھ سکے پس وہ اس اعتبار سے محکم ہے اور دوسری وہ جس کو سمجھنے کیلئے بلند ذہن و ذکا اور فہم رسا چاہیئے یعنی بعض تک علماء کی رسائی ہو سکتی ہے اور بعض کا حل راسخون فی العلم کی رہبری کا مرہون منت ہے۔

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ آیات محکمات کی تاویل حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور باقی آئمہ طاہرین اور آیات متشابہات کی تاویل فلاں فلاں اور فلاں ہیں اور فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ الخ سے مراد ان کے ساتھی اور اُن سے دوستی رکھنے والے لوگ ہیں۔

اَلرَّاسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ

روایات اہلبیت علیہم السلام میں تواتر سے ثابت ہے کہ رسولؐ اللہ کے بعد راسخین فی العلم سوائے اہلبیت عصمت کے اور کوئی نہیں ہے چنانچہ بعض کو تبرکاً ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) ابو بصیر سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم راسخین فی العلم ہیں اور ہم ہی اس کی تاویل جانتے ہیں

(۲) امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ راسخین فی العلم میں سے افضل فرد حضرت رسالتمآبؐ ہیں۔ اور جو کچھ بھی خداوند کریم نے نازل فرمایا۔ اس کی تاویل و تنزیل کا ان کو علم تھا اور کوئی چیز خدا نے ایسی نازل نہیں فرمائی جس کا آنجنابؐ کو علم نہ ہو اور حضور رسالتمآبؐ اور اُن کے بعد ان کے اوصیاءؑ سب کا علم رکھتے ہیں۔ نیز آپؑ نے فرمایا کہ قرآن میں خاص بھی ہے عام بھی۔ محکم بھی اور متشابہ بھی اور ناسخ بھی اور منسوخ بھی، لیکن راسخین فی العلم ان تمام کو جانتے ہیں۔

(۳) ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن زاجر بھی ہے اور آمر بھی۔ جنت کا امر کرتا ہے اور دوزخ سے زجر کرتا ہے اس میں محکم بھی ہیں اور متشابہ بھی۔ پس محکمات کا تعلق ایمان و عمل ہر دو سے ہے اور متشابہات کا تعلق ایمان سے ہے اُن پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اس کے بعد آپ نے آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی۔ اور آخر میں فرمایا۔ کہ آل محمدؑ ہی راسخین فی العلم ہیں۔

ہم نے تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں بھی اس پر کسی حد تک روشنی ڈالی ہے اور اس مطلب کو متعدد عناوین کے تحت بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ احادیث کے علاوہ صحابہ کرام کی تصریحات بھی نقل کی ہیں جس سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے کہ وقارِ علمی میں علیؑ کے ہم پلّہ صحابہ میں سے کوئی نہ تھا۔ حتّٰے کہ ابن عباس کا قول ہے کہ میرے اور جناب رسالتمآبؐ کے تمام صحابہ کے علم کو حضرت علیؑ کے علم سے وہ نسبت ہے جو ایک قطرۂ آب کو سات سمندروں سے حاصل ہے۔

اِس بناء پر آیت مجیدہ میں اَلرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْم کا عطف لفظ اللّٰہ پر ہے اور مقصد یہ ہے کہ تاویل آیاتِ قرآنیہ کے علم کا حصر ہے۔ اللّٰہ میں اور راسخون فی العلم میں۔ اور ان کے سوا اس کو کوئی جانتا ہی نہیں اور اس کے بعد یَقُوْلُوْنَ الخ محلاً منصوب اور حال ہے۔ راسخون فی العلم سے پس لفظ اللّٰہ پر وقف درست نہیں۔ اور معنی آیت وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے۔

اور اس آیت کی دوسری ترکیب اس طرح ہے کہ لفظ اللّٰہ پر وقف اور جملہ کو تام مانا جائے اور اس کے بعد واؤ کو بجائے عطف کے استینافیہ قرار دیا جائے اور اَلرَّاسِخُوْنَ کو مبتدا قرار دے کر یَقُوْلُوْنَ اس کی خبر ہو، اور آیت مجیدہ کا اِس ترکیب کی رُو سے مطلب یہ ہوگا کہ متشابہ کی تاویل کو کوئی نہیں جانتا۔ مگر صرف اللّٰہ۔ اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں وہ اس چیز کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سب ہمارے پروردگار کی جانب سے ہی ہیں یعنی تاویل کا علم تو صرف اللّٰہ کے پاس ہے اور لوگوں کی اس بارے میں دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو من مانی تاویلیں کر کے متشابہات کی اتباع کرتے ہیں اور وہ وہی ہیں جن کے دل حق سے پھرے ہوئے ہیں اور جو علم میں رسوخ رکھتے ہیں اور وہ متشابہات کا اللّٰہ کی جانب سے ہونا تسلیم کرتے ہوئے ٹھہر جاتے ہیں اور اپنی جانب سے اس میں رائے زنی نہیں کرتے لیکن اگر صحیح تدبر کرتے ہوئے حقیقت کا جائزہ لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی ترکیب اور معنی بالکل صاف و سیدھا اور موزوں و مناسب ہے اور دوسری ترکیب اور معنی میں مخالفت واقع بھی ہے اور مخالفت عمل بھی۔ نیز مخالفت عقل بھی ہے اور مخالفتِ نقل بھی۔

مخالفت واقع تو اس لئے ہے کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیاتِ قرآنیہ میں تدبّر اور تفکّر کی دعوت دی ہے تو یقیناً اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ صرف محکمات میں ہی تدبر کریں کیونکہ محکمات کا تو مطلب ہی صاف ہوتا ہے۔ اور اُن میں مزید غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس سے مراد آیات محکمہ کے علاوہ دوسری آیات ہی ہونی چاہئیں۔ کیونکہ اگر ان کا علم صرف اللّٰہ ہی کی ذات میں منحصر ہے تو عام لوگوں کو اُن میں تدبّر و تفکر کی دعوت دینا عبث ہے اور لطف یہ ہے کہ خداوند کریم نے ان لوگوں کی جابجا مذمت فرمائی ہے۔ جو آیات میں تدبر نہیں کرتے پس معلوم ہُوا کہ ان آیات کا علم خدا نے اپنی ذات میں منحصر نہیں فرمایا بلکہ راسخون فی العلم کو بھی ان کا علم دیا ہے۔ اور لوگوں کو ان میں تدبر کی دعوت بھی دی گئی ہے۔

سوال :۔ اگر تدبر فی القرآن اور تفکّر کی دعوتِ عام ہے تو پھر اس مقام پر ان کی مذمت کیوں ہے ؟ کہ فرماتا ہے جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور کھوٹ ہے وہی متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔

جواب :۔ مذمت اس لئے نہیں کہ وہ تدبر کیوں کرتے ہیں بلکہ اس لئے ہے کہ فتنہ جوئی اور فساد کی خاطر وہ متشابہات

کو اپنے مطلب فاسد اور مقصد کا سد پر فٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں گویا اُن کا متشابہات کے درپے ہونا حق طلبی کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ فتنہ پروری کے لئے ہی ہوتا ہے۔

سوال :۔ اگر راسخون فی العلم متشابہات کی تاویل صحیح طور پر جان سکتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔ کیونکہ متشابہ کی تاویل کا علم اللہ اور راسخون فی العلم میں بند ہے تو پھر وہی اعتراض تو واقع ہو گا کہ خدا نے باقی مخلوق کو قرآن میں تدبر کرنے اور تفکر کرنے کی دعوت کیوں دی جب کہ ان کا علم سوائے اللہ اور راسخین کے کوئی حاصل ہی نہیں کر سکتا۔ اور راسخین سے مراد صرف آل محمد ہیں جس طرح کہ احادیثِ آئمہ میں تواتر سے یہ مطلب منقول ہے تو گویا تدبّر کا حکم بھی صرف انہی کے لئے ہی ہے اور ان کے علاوہ باقی لوگ اگر تدبّر کریں تو وہ تفسیر بالرائے کے مرتکب ہوں گے۔

جواب :۔ قرآن مجید چونکہ خالق کا کلام ہے اور اس میں ہر وہ خوبی موجود ہے جو کسی کلام میں ہو سکتی ہے لہذا اس کے جملہ پہلوؤں پر پوری طرح اطلاع صرف اسی کی ذات کو ہی ہو سکتی ہے جس نے اس کو نازل فرمایا اور اس کے تمام رموز و نکات پر عبور کامل بھی اسی کی ذات کے لئے ہے جس نے اس کو خلق فرمایا ہے۔

اور ظاہری اعتبار سے اگرچہ ایک کلام میں احتمالاتِ متعددہ پیدا ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہر پیدا ہونے والا احتمال جو قواعد عربیہ یا محاوراتِ اہل لسان کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔ وہ خواہ مخواہ مرادِ متکلم بھی ہو چنانچہ ہر معمولی قابلیت کا انسان اس حقیقت کا معترف ہے بلکہ یہ چیز فطرت سلیمہ کے مسلمات میں سے ہے۔ پس خداوند کریم نے اپنے مقدس کلام کو جس پاک وجود پر نازل فرمایا۔ اس کو قرآن کا علم بھی ساتھ ساتھ عطا فرمایا۔ کیونکہ اگر قرآن لانے والے کو قرآنی علوم پر عبور تام حاصل نہ ہو۔ تو اس کا قرآن لانا سوائے مضحکہ کے اور کچھ نہیں۔ اور اسی طرح جن کو تا قیام قیامت قرآنی تبلیغات پر مامور فرمایا اور جناب رسالتمآبؐ نے صحابہ کے بھرے مجمع میں اپنے بعد کے لئے ان کی خلافت کا اعلان فرمایا اور دیگر فرامین میں متعدد مقامات پر اُن کا قرآن کے ساتھ ہونا اور قرآن کا ان کے ساتھ ہونا ذکر فرمایا جس طرح کہ حدیثِ ثقلین جو تواتر سے فریقین کی کتب میں منقول ہے۔ ان لوگوں کو بھی قرآنی علوم کماحقہٗ عطا فرمائے۔ پس جسطرح کہ جناب رسالتمآبؐ عالم قرآن تھے اسی طرح وہ بھی عالم قرآن ہیں اور اگر قرآن کا علم صرف اللہ نے اپنی ذات تک محدود رکھا ہوتا۔ اور مبلغین کو اس سے بہرہ ور نہ فرمایا ہوتا تو صرف کتاب کا کسی کو عطا کر کے بھیجنا فضول ہوتا اور اس کی حیثیت ایسی ہوتی جس طرح ایک چٹھی رساں ایک خط کسی مکتوب الیہ کی طرف پہنچائے۔ جس کو نہ وہ خود پڑھ سمجھ سکے اور نہ مکتوب الیہ کو اس سے کچھ حاصل ہو۔ اور اس صورتِ حال پر مطلع ہونے والا سنجیدہ طبقہ چٹھی رساں، یا مکتوب الیہ کو قابلِ ملامت ہرگز نہ سمجھے گا۔ بلکہ خط بھیجنے والے کی عقل و دانش کا ماتم کرے گا اور خداوند علیم و حکیم اس قسم کے نقائص سے بلند و بالا اور اجل و اعلےٰ ہے پس اس نے اپنی کتاب کا علم مبلغین کتاب کو کماحقہٗ عطا فرمایا۔ اور انہی کو راسخین فی العلم کے مقدس لقب سے سرفراز فرمایا اور لوگوں کو ان کے علم حاصل کرنے اور اس میں تدبّر کرنے کی دعوت دی تاکہ وہ راسخین فی العلم کے دروازہ پر جبہ سائی کر کے ان سے فیوضِ معرفت حاصل کریں اور مطالب حقۂ قرآنیہ تک دسترس حاصل کر کے اپنے قلوب

کو انوارِ علومِ قرآنیہ کی روشن قندیلوں سے منور کریں۔

اسی بناء پر ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو اپنی عقل فاسد اور ذہن کاسد سے قرآنی مطالب کا استنتاج کرنے کے درپے ہوتے ہیں اور قرآن والوں سے مطالب صحیحہ تک رسائی کا درس حاصل نہیں کرتے اور اسی چیز کو احادیث نبویہ میں تفسیر بالرائے سے تعبیر کیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کی پرزور مذمت کی گئی ہے جو قرآن کی تفسیر اپنی آرائے فاسدہ سے کرتے ہیں اور جہاں تدبّر و تفکّر کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے اور اُن کی محنتوں اور ذہنی کاوشوں کو سراہا گیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو احادیث نبویہ اور فرامین عترت طاہرہ کی روشنی میں قرآنی مطالب میں غور و خوض کرتے ہیں۔

پس قرآنی جملہ علوم اور محکمات و متشابہات کی تمام تر معلومات کا راسخین فی العلم میں بند کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر نہ ہو اور ان کے علومِ دینیہ کا مرکز ایک ہو جو ان کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تشتت و افتراق کی وبائی روحانی امراض سے بچائے رکھے کیونکہ مرکز علم کی وحدت سے بڑھ کر کسی قوم کی وحدت کو برقرار رکھنے کیلئے اور کوئی علاج کارگر ہے ہی نہیں جس طرح کہ اقوامِ عالم کی تاریخ کا سچا مطالعہ اس کا شاہد ہے۔

پس خداوند کریم نے ایک طرف تدبّر اور تفکّر کی دعوت عام دے دی۔ اور دوسری طرف مرکز علم کو مستحکم اور مضبوط کرکے اختلافی مسائل حل کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی تاکہ نہ ان میں قرآن فہمی کی شوق کم ہو اور نہ اپنی آراء و قیاسات میں پڑ کر راہِ حق سے دُور نکلنے پائیں یا یوں سمجھئے کہ علوم قرآنیہ کی طرف شوق و شغف کا اضافہ بھی ہوتا رہے اور راسخین کی ہدایات کے ماتحت حدودِ متعینہ سے باہر جانے کی نوبت بھی نہ آئے۔

پس قرآن کے علوم کا راسخین فی العلم میں منحصر ہونا عوام النّاس کے تدبر فی القرآن کی دعوت سے کوئی منافات نہیں رکھتا ہاں اگر متشابہات کا علم صرف ذاتِ خدا میں منحصر قرار دیا جائے تو پھر تدبّر و تفکّر کی دعوت قطعاً بے محل ہے کیونکہ نہ تو انسان خود اپنی ذہنی صلاحیتوں سے مطالب واقعیہ تک دسترس حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی صحیح تاویل صرف اللہ کے پاس ہی ہے اور نہ اس میں کسی سے رہبری حاصل کر سکتا ہے پس تدبر و تفکّر کا نتیجہ اس صورت میں صرف تفسیر بالرائے ہے جس سے پرزور منع کیا گیا ہے لہذا صحیح مطلب اسی صورت میں نکلے گا کہ اَلرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کا عطف اللہ پر ہو اور ساتھ ساتھ یہ تسلیم کیا جائے کہ خدا نے ان کو قرآن کے محکمات و متشابہات کا کامل علم عطا فرمایا ہے اس سے تدبّر و تفکّر کا حکم بھی صحیح ہے کیونکہ مقام خطا پر راسخین کی طرف رجوع کرکے مطالب صحیحہ تک رسائی ممکن ہے اور اس میں تفسیر بالرائے کا خطرہ بھی نہیں رہتا۔

مخالفت عمل صدر اوّل سے لے کر آج تک علمائے مفسرین نے قرآن مجید کی تمام آیات کی تفاسیر اور حل مطالب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور کسی مشکل سے مشکل ترین آیت کی تفسیر کو اس لئے ترک نہیں کیا کہ یہ متشابہ اور اس کا علم صرف ذاتِ احدیت تک ہی محدود ہے اس میں فرق نہیں کہ علمائے مفسرین شیعہ ہوں یا سُنّی تمام کا یہی رویّہ رہا ہے پس یہ عمل صاف بتلاتا ہے کہ وَالرّٰاسِخُوْن کا عطف اللہ پر ہے اور بعد میں آنے والا جملہ مستانفہ نہیں بلکہ راسخین سے حال ہے۔

مخالفتِ عقل ۔ قرآن میں آیاتِ متشابہات نازل فرماکر اس کا علم کسی کو نہ دینا قرآن مجید کے تاقیامت ہادی ہونے کو باطل کرتا ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ خدا مبلغین کو تبلیغ امورِ قرآنیہ پر مامور فرمائے اور ان کو قرآن کے اکثر مطالب کا واقعی علم نہ عطا کرے۔ جس طرح کہ گذشتہ بیان میں تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے پس معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن تاقیامت ہادی ہے اس کے ساتھ ساتھ مبلغین قرآن کا سلسلہ بھی تاقیامت جاری ہے جو تمام قرآنی رموز ونکات کا واقعی علم رکھتے ہیں ان کو محکم ومتشابہ عام وخاص۔ ناسخ و منسوخ، مطلق ومقید، تاویل وتنزیل اور ظاہر وباطن وغیرہ کا کماحقہ علم حاصل ہے اور وہ صرف محمدؐ وآلِ محمدؐ ہی ہوسکتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیل تفسیر کی جلد اوّل میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور مخالفتِ نقل اس لئے ہے کہ کتب فریقین میں یہ چیز مسلّم حیثیت رکھتی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے عالم قرآن ہونے پر تقریباً تمام صحابہ متفق تھے اور جناب رسالتمآبؐ کا فرمان اس مطلب پر نص قاطع ہے اور تاریخ صاف صاف بتلاتی ہے کہ صحابہ کرام قرآن کے مشکل مسائل کا حل حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ہی طلب کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر کے یہ الفاظ تواتر سے منقول ہیں۔ لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ (اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا) چنانچہ مقدمہ تفسیر کے ص۸۷، ص۸۸ پر بہ حوالہ جات کتب اس مطلب کو بیان کیا جاچکا ہے۔

احادیث ائمہ اس بارہ میں تواتر سے منقول ہیں کہ تمام قرآن کا علم اہلبیت عصمت کے پاس ہے چنانچہ جلد اوّل ص۱۳۸، ص۱۳۹ میں بعض احادیث کو میں نے نقل کیا ہے اور تاریخ بتلاتی ہے کہ ہر دَور میں جب قرآنی مسائل مشکلہ میں علمائے مذاہب لاجواب ہوجاتے تھے تو ائمہ اہلبیت کی طرف رجوع کرنے کے بغیر ان کو کوئی چارہ نہ ہوتا تھا۔ پس ان حقائق پر نظر دوڑانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کا عطف لفظ اللہ پر ہے اور آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ تاویلِ آیات متشابہ کو سوائے خدا اور راسخین فی العلم کے اور کوئی نہیں جانتا۔

تاویلِ قرآن :۔ تاویل کا لغوی معنی ہے پلٹانا۔ لیکن یہاں مراد ہے معنی کی بازگشت اور بازگشت سے مراد اس طرح نہیں جس طرح کہا جاتا ہے کہ غلام کی بازگشت آقا اور عدد کی بازگشت واحد ہے بلکہ یہاں بازگشت سے مراد رجوع خاص ہے اور تاویلِ قرآن سے مراد وہ حقیقی وخارجی واقعہ یا مصلحت جس پر کلام کا اعتماد ہو۔ اور وہ اس کلام کا سچا مصداق ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں تاویل کے متعدد استعمالات پر عبور کرنے سے اس حقیقت کا صحیح انکشاف ہوسکتا ہے۔

(۱) کیل و وزن کی درستی واستقامت کے امر کے بعد فرماتا ہے ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ یعنی کیل و وزن کی صحت واستقامت کی تاویل بہت خوب ہے اور اس سے مراد تمدنی واجتماعی خوشحالی ہے۔

(۲) کافروں کے بارے میں فرماتا ہے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں افترا ہیں پھر فرماتا ہے کہ انہوں نے ایسی شئے کی تکذیب کی ہے۔ جس کے علم کا ان کو احاطہ نہیں ہے اور نہ اس کی تاویل ان کے پاس پہنچی ہے۔ یعنی قیامت کی خبروں کو انہوں نے جھٹلایا تھا۔ اور رسولِ پاکؐ کی طرف نسبت افترا کی دی تھی۔ پس خداوند کریم نے قیامت کے دن میں واقع ہونے والے امور کو جو قرآنی خبروں کے

مصداق ہیں، تاویل کا نام دیا ہے۔

(۳) حضرت خضرؑ کے کشتی کو توڑنے اور لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار بنانے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کرنے کے بعد اُن کا کہنا ہے کہ میں آپ کو ان چیزوں کی تاویل بتلاتا ہوں تو ان مصالح واقعیہ کو اُن امور کی تاویل کہا گیا۔ جو حضرت خضرؑ سے صدور پذیر ہوئے تھے۔

(۴) حضرت یوسفؑ کے قصہ میں تعبیر خواب کو متعدد مقامات پر تاویل سے یاد کیا گیا۔

ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تاویل سے مراد وہ حقائق خارجیہ اور مصالح واقعیہ ہیں جن پر آیاتِ قرآنیہ کے معارف وعلوم شرائع واحکام اور جملہ قصص وحکایات کا مدار واعتماد ہے اور اس کا ماحصل اور خلاصہ یوں سمجھئے کہ قرآن کے معانی اور جملہ مضامین میں جہاں تک عام انسانی عقول کی رسائی ہے یہ قرآن کا جسم ظاہری ہے اور اس کے پس پردہ ایسے حقائق و دقائق اور مصالح وحکم موجود ہیں جو رُوحِ قرآن ہیں اور اُسی کو اُم الکتاب، کتاب حکیم اور کتاب مکنون کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

اور قرآنِ مجید کے تمام معارف واحکام کی بازگشت اور جائے اعتماد وہی ہیں وہ نہ الفاظ ہیں اور نہ معانی ومضامین ظاہریہ کی قسم سے ہیں اسی لئے اُن تک نہ افہام عامہ کی رسائی ہے اور نہ عقولِ بشریہ اُن تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسی بناء پر فرماتا ہے۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۔ اُس کو مس نہ کر سکنے کا مطلب ہے کہ اُس کے حقائق واقعیہ اور معارفِ باطنیہ جو الفاظ مبنیہ اور مضامینِ متعینہ کا مآل ومرجع ہیں۔ اُن تک سوائے نفوسِ قدسیہ اور ذواتِ مطہرہ کے کسی کی رسائی نہیں اور آیۂ تطہیر اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ الخ سے اُن ذواتِ مقدسہ کی تعین بھی فرما دی جو پاک اور مطہر ہیں۔ کہ وہ اہلبیت عصمت اور خانوادۂ نبوت ہیں پس یہاں ہمیں دو عنصر معلوم ہو گئے۔

(۱) آیاتِ الٰہیہ کی تاویل یعنی مضامین قرآنیہ کے حقیقی مصداقات کو کوئی نہیں جان سکتا مگر اللہ اور راسخونِ فی العلم۔

(۲) کتاب مکنون کو کوئی نہیں مس کر سکتا مگر وہ جو مطہر ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ تاویل قرآن کا علم اور مس ایک چیز ہے اور راسخین فی العلم اور مطہرین ایک ہی خانوادہ ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ راسخین فی العلم اور مطہرین تاویل کا علم رکھتے ہیں — نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ تاویل کا تعلق صرف آیاتِ متشابہ سے نہیں بلکہ آیاتِ محکمات سے بھی ہے اور اسی کو تو قرآن مجید کا باطن کہا جاتا ہے۔ جس کا تعلق تمام آیاتِ قرآنیہ کے ساتھ ہے اور اس کی ظاہری مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح انسان نکاح کرتا ہے تو اس کا ظاہری مفہوم ہے۔ تکمیلِ خواہشاتِ جنسیہ لیکن اس کا اتباعِ سنتِ رسولؐ ہے اور اس کے باطن میں انسان کی تنظیم اور بے راہ روی سے اجتناب کرتے ہوئے جذبۂ انسانیت کی تکمیل ہے نیز پھر اسی کے باطن میں انسان کی تمدنی اور اجتماعی زندگی کے فطری تقاضوں کے پورا ہونے کا راز بھی پنہاں ہے پھر اس کے اندر بقاء نوعِ انسانی کا راز بھی مضمر ہے اور اس کا آخری مقصد ہے نعماتِ جنت کی تحصیل جو کمال رُوح کی آخری منزل ہے۔

پس نکاح کا ظاہری اور سرسری معنی ہے خواہشاتِ جنسیہ کا دفاع لیکن اس کا ایک باطن ہے اور باطن در باطن یہانتک کہ

تدریجاً کئی بواطن ہیں اور اسی طرح آخری باطن تک سلسلہ پہنچ جاتا ہے۔ پس معمولی دماغ کا آدمی صرف ظاہری معنی سمجھتا ہے اور بلند پایہ لوگ اذہان و افکار کے مدارج کے لحاظ سے اس کے مراتب باطنیہ تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کا ایک ہے ظاہری ترجمہ اور ان مطالب و مضامین اور احکام و فرامین کا سمجھنا جن تک عقول انسانیہ اور افکار بشریہ اپنی اپنی خداداد استعدادات سے رسائی حاصل کر لیتے ہیں اور ایک ہے اس کا باطن جو ان معانی اور مطالب ظاہریہ کے لئے بحیثیت روح کے ہے جس کو عام انسانی عقول و افکار مس تک نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ان کی دسترس سے بلند و بالا ہے اور اس کو صرف وہی پا سکتے ہیں جن کے اذہان و قلوب ہر قسم کے ارجاس باطنیہ سے پاک و مطہر ہوں جیسے ارشاد ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔

پس قرآن مجید کا ظاہری ترجمہ اور اپنے ذہنی استعدادات کے ماتحت اس کے مطالب کا استنتاج اور اس کے احکام و فرامین تک دسترس حاصل کرنے کے لئے غور و خوض اور متعدد معانی میں سے باعتبار قرائن کے بعض کی بعض پر ترجیح وغیرہ یہ سب کچھ تفسیر قرآن ہے جس پر ہر شخص موفق ہو سکتا ہے اور متشابہ آیات کو محکمات کی روشنی میں حل کرنا بھی اسی کے تحت میں ہے اور محکمات کو ام الکتاب کہنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آیات متشابہ کا حل انہی کی روشنی میں ہوتا ہے لیکن وہ امور خارجیہ اور مصالح واقعیہ جو قرآن کے معانی و مفاہیم اور مطالب و مضامین ظاہریہ کا مرجع و مآل اور مصداق حقیقی ہیں وہ باطن قرآن اور روح ہیں اور انہیں تاویل سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا علم سوائے خدا اور راسخین فی العلم کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے پس اس بیان سے تفسیر اور تاویل کے درمیان فرق کی وضاحت ہو گئی اور تفسیر و تاویل کے درمیان مفسرین نے کئی فرق بتائے ہیں۔

(۱) تفسیر اس لفظ کا معنی بیان کرنا جس میں متعدد احتمالات نہ ہوں اور تاویل سے مراد ہے متعدد احتمالات میں سے ایک کو ترجیح دینا۔

(۲) تفسیر معنی کی دلیل کو بیان کرنا اور تاویل معنی کی حقیقت کو ظاہر کرنا۔

(۳) تفسیر معنی ظاہری کو بیان کرنا اور تاویل معنی مشکل کو واضح کرنا۔

(۴) تفسیر کا تعلق روایت اور تاویل کا تعلق درایت سے ہے۔

لیکن قرآن کی وہ آیات جن میں تاویل کا استعمال ہوا ہے اُن کی روشنی میں ان اقوال کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں رہتی۔ پس تحقیق وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے بعض آیات کی جو تاویلیں منقول ہیں وہ ہمارے بیان کی تصدیق و تائید کے لئے کافی ہیں اور اسی تفسیر کے مقدمہ صفحہ ۹ پر بھی تفسیر و تاویل پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ
تحقیق جو لوگ کافر ہیں ہرگز نہ فائدہ دیں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد
مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿۹﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ
اللہ سے (بچانے میں) کچھ بھی۔ اور وہی جہنم کا ایندھن ہوں گے جس طرح فرعون کے تابعدار
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ
اور ان سے پہلے کے لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو پس ان کو گرفتار کر لیا خدا نے اپنے گناہوں کے
وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۰﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَ
سبب اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے فرما دیجئے کافروں کو کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے اور
تُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۰﴾
جمع کئے جاؤ گے طرف جہنم کے جو بُرا ٹھکانا ہے

رکوع نمبر ۱۰

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۔ اس کے شان نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ جنگ بدر فتح کرکے واپس مدینہ میں تشریف لائے تو یہودیوں کو بازار بنی قینقاع میں جمع کرکے فرمایا۔ اے گروہ یہود۔ وہ عذاب جو قریش پر نازل ہوا ہے تم بھی اللہ سے اس کا خوف کرو۔ اور اُن جیسا عذاب اترنے سے پہلے تم اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاؤ۔ حالانکہ تم کو علم ہے کہ تمہاری کتابوں کی رو سے میں نبی مرسل ہوں۔ یہودی یہ سُن کر کہنے لگے۔ اے محمدؐ آپ ہرگز دھوکہ میں نہ پڑیں کیونکہ وہ ناتجربہ کار قوم تھی جو قواعد حرب وضرب سے بالکل بے بہرہ تھی پس موقعہ پاکر آپ نے ان کو شکست دے دی ہے۔ ہمیں ان جیسا نہ سمجھئے خدا کی قسم اگر ہمارے ساتھ لڑائی ہوتی تو پتہ چل جاتا کہ ہم کیسے جوانمرد ہیں۔ تب یہ آیت اتری کہ ان کو فرما دیجئے کہ تم مغلوب ہو گے اور قیامت کے دن بھی جہنم تمہارا حشر ہو گا۔ اب موقعہ ہے کہ بدر کی لڑائی اور مسلمانوں کی فتح یابی سے عبرت حاصل کرو۔ کیونکہ مسلمان تھوڑے سے اور کافر تعداد میں زیادہ تھے لیکن خدا کی نصرت مومنوں کے شامل حال تھی اور باوجود قلیل تعداد کے غالب اور فتحیاب رہے۔

کہتے ہیں کہ بعض یہودیوں نے یہ کہا تھا کہ واقعی یہ وہی رسول ہے جس کے متعلق ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی اور ہماری کتب میں اس کا تذکرہ ہے اور اس کی صفات بھی اس سے ملتی جلتی ہیں کہ اس کا جھنڈا سرنگوں نہ ہو گا پھر ایک دوسرے کو کہنے لگے

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِیْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى

تحقیق تمہارے لئے نشانی تھی ان دو گروہوں میں جو ایک دوسرے سے لڑے ایک گروہ تو لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا

كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْیَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

کافر تھا۔ کہ ان کو اپنے سے دوگنا سمجھتے تھے آنکھوں کے دیکھنے سے اور اللہ تائید فرماتا ہے اپنی مدد سے جس کی چاہے

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۝

تحقیق اس میں البتہ عبرت تھی صاحبانِ بصیرت کے لئے

کہ فی الحال جلدی کی ضرورت نہیں۔ ایک آدھ تجربہ اور بھی کرلینا چاہیئے پس جب اُحد کی جنگ میں مسلمانوں نے بزدلی کا مظاہرہ کیا اور بھاگ گئے تو یہودیوں کا پہلا عقیدہ جاتا رہا اور اپنے کفر پر پختہ ہوگئے نیز قوم یہود کا جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ غیر جانبداری کا عہد تھا لیکن انہوں نے مدت عہد کے اندر اندر عہد شکنی کی جس کی پاداش میں ان کو قتل یا جلا وطن ہونا پڑا۔ جیسا کہ تاریخ میں موجود ہے۔

جنگِ بدر کی طرف اشارہ

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ ۔ اس کے معنی میں دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ کہ خطاب کافروں سے ہو اور جناب رسالتمآبؐ کے قول کا اس کو تتمہ قرار دیا جائے اور دوسرا یہ کہ خطاب مومنین سے ہو۔ بہرکیف آیت میں جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے اور یہودیوں کے لئے تنبیہہ اور درس عبرت ہے۔ یا مومنین کے لئے ثابت قدمی کی تلقین اور نصیحت ہے

جنگ بدر اسلامی لڑائیوں میں سے سب سے پہلی لڑائی ہے جو مسلمانوں اور کفار قریش میں واقع ہوئی تھی اس میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی جن میں ۷۷ مہاجر اور ۲۳۶ انصار تھے مہاجرین کے علمبردار حضرت امیرالمومنین علیہ السلام تھے اور انصار کا علم حضرت سعد بن عبادہ انصاری کے ہاتھ میں تھا۔ جناب رسالتمآبؐ کی فوج میں ستّر اونٹ تھے اور دو گھوڑے ایک مقداد کے پاس اور دوسرا مرثد ابن ابی مرثد کے پاس اور ہتھیار صرف چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اس طرف کفار قریش کے لشکر کی تعداد کافی تھی باختلاف روایات وہ ایک ہزار کے لگ بھگ تھے ان کے پاس ایک سو گھوڑے سوار تھے اور سالار فوج عتبہ بن ربیعہ تھا۔

اس جنگ میں کل ۲۲ مسلمان شہید ہوئے جن میں چودہ مہاجر اور آٹھ انصار تھے اور اس جنگ میں کامیابی کا سہرا حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے سر تھا۔

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ ۔ اس کے معنی میں کئی احتمالات ہیں:- (۱) یَرَوْنَ کا فاعل ضمیر جو راجع طرف کفار کے ہے قرار دی جائے اور پہلی ضمیر ھُمْ کا مرجع مسلمان ہوں اور دوسری ضمیر ھِمْ کا مرجع بھی مسلمان ہوں تو معنی یہ ہوگا۔ خدا نے مسلمانوں کا رعب ان کے

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ

مزین ہے لوگوں کے لئے شہوانی محبت ۔ عورتوں سے بچوں سے اور اُن تھیلیوں سے جو بھری ہوں سونے اور

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ

چاندی سے اور علامت دار گھوڑوں اور چوپاؤں سے اور کھیتی سے

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ

یہ سب سرمایہ ہیں زندگی دنیا کا اور اللہ کے پاس اچھی بازگشت ہے فرما دیجئے کیا

اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

میں بتاؤں تمہیں اس سے بہتر چیز (وہ یہ کہ) جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے اپنے رب کے پاس جنتیں ہیں کہ جاری

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ

ہیں ان کے نیچے نہریں کہ ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور بیویاں پاکیزہ اور خوشنودی خدا (بھی) ان کے لئے

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝١٥

ہے) اور اللہ نگران ہے بندوں پر

دلوں پر اس قدر جما دیا۔ کہ کافران کو ان کی اصل تعداد سے دگنا خیال کرتے تھے اور ظاہر میں یہی دکھائی دیتا تھا۔

(۲) باقی ترکیب وہی پہلی صرف آخری ضمیر ھُمْ کا مرجع کافروں کو قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ بوجہ رعب کے کافر مسلمانوں کو اپنی تعداد سے ظاہری نظروں کے لحاظ سے دگنا خیال کرتے تھے۔

(۳) یَرَوْنَ کا فاعل مسلمان ہوں اور دونوں مقام پر ھُمْ ضمیر کا مرجع کفار ہوں تو معنی یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی قوت قلب اور تسلی کے لئے خدا نے یہ انتظام فرمایا کہ کافر لوگ ان کو تھوڑے معلوم ہوتے تھے پس مسلمان کافروں کو اپنی تعداد سے صرف دگنا ہی سمجھ رہے تھے۔

حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ مجمع البیان ہے جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ میرے بعد مردوں کے لئے عورت سے بڑھ کر اور کوئی نقصان دہ فتنہ نہیں۔ نیز فرمایا کہ یہ شیطان کا جال ہیں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ عورت مجسمہ شر ہے اور اس میں سب سے بڑی شر ہے اور یہ ایک ایسا بچھو ہے جس کا ڈسنا شیریں ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿۱۶﴾

جو یہ کہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے۔ پس بخش دے ہمارے گناہ۔ اور بچا ہم کو عذاب جہنم سے

اَلصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡمُنۡفِقِیۡنَ وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾

صابر اور سچے اور اطاعت شعار اور سخی اور پچھلی رات کو استغفار کرنے والے ہیں

شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۙ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الۡعِلۡمِ قَآئِمًۢا بِالۡقِسۡطِ ؕ

شہادت دی اللہ نے کہ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور صاحبان علم نے درحالیکہ وہ عدل پر قائم ہیں

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿ؕ۱۸﴾

اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ غالب حکمت والا ہے

وَالۡبَنِیۡنَ ۔ ایک حدیث میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے (اولاد) میوۂ دل اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور باعث بزدلی۔ بخل اور حزن وغم بھی ہے۔
وَالۡقَنَاطِیۡرِ۔ جمع ہے قنطار کی اور ایک قنطار کی مقدار بیل کی کھال جو سونے سے پُر ہو اور یہ معنی صادقین علیہما السلام سے مروی ہے بعض مفسرین نے دوسرے معانی بھی کئے ہیں۔

اَلۡمُسَوَّمَۃِ ۔ مسومۃ کو سوم سے مشتق قرار دیا جائے تو معنی ہوگا چرنے والے اور سیماء سے مشتق مانا جائے تو معنی خوبصورت ہوگا۔
وَالۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ۔ مجمع البیان۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اللہ فرماتا ہے جب میں اہل زمین پر عذاب کا ارادہ کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ میرے گھروں کے آباد کرنے والے اور میری خوشنودی کے لئے آپس میں محبت کرنے والے اور سحر کے وقت استغفار کرنے والے موجود ہیں تو اہل زمین سے اپنا عذاب ٹال دیتا ہوں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص بوقت سحر نماز وتر میں ستر مرتبہ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوۡبُ اِلَیۡہِ ایک سال تک پڑھتا رہے تو وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

مقام توحید

شَہِدَ اللّٰہُ ۔ پوری آیت کا معنی اس طرح ہوگا کہ اللہ نے شہادت دی یعنی اس کی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ کے مناظر اور مظاہر زمینوں کی وسعتیں پہاڑوں کی بلندیاں دریاؤں کی موجیں بادلوں کی تسخیر آسمانوں کا بغیر ستونوں کے قیام اور ان میں ستاروں کی روشن قندیلیں۔ شمس وقمر کا دورا اور پھر ان کے اندر مخلوقات عالم کی آبادی اور ہر فرد خلقت میں اس کی صنعت بدیعہ کے بے مثال کرشمے ان سب چیزوں کے کلی وجزوی مصالح وحکم اور عجیب صنعت وحکمت پر اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ سب خلاق عالم کی یکتائی کے اپنے اپنے مقام پر شاہد مبین ہیں اور ان کا نظام اتم واکمل۔ گویا قادر مطلق، خالق فطرت، خدائے علیم وحکیم کی بولتی ہوئی زبان ہے جو اس کی قدرت اور حکمت کی ببانگ دہل آواز ہے اور بذریعہ وحی مزید وضاحت کے لئے اسی شہادت کا غیر مبہم اعلان ہے کہ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ

قَائِمًا بِالْقِسْطِ - اور پھر جن لوگوں کو خدا نے علم کے زیور سے آراستہ فرمایا۔ وہ لوگ بھی مشاہداتِ حسیہ تاثراتِ فطریہ موازناتِ عقلیہ اور مکاشفاتِ قدسیہ سے جو آیاتِ آفاقیہ و انفسیہ سے ان کو حاصل ہیں اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ - یعنی کوئی بھی لائق عبادت نہیں سوائے اُس ایک ذات کے جس کا فیصلہ حکمت اور نظام قدرت بالکل عدل و انصاف پر مبنی ہے اور جور و اعتساف سے بالکل علیحدہ ہے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ - کوئی معبود نہیں مگر وہ جو تمام اشیاء پر غالب ہے اور اس کا تمام نظامِ کائنات جو بدرجہ اتم و اکمل موجود ہے وہ سب مبنی بر حکمت ہے۔ قَائِمًا بِالْقِسْطِ - ترکیب میں لفظ اللہ سے حال بھی ہو سکتا ہے اور معنی یہ ہوگا کہ اللہ جو قائم بالقسط ہے وہ اپنی توحید کی شہادت دیتا ہے اور ملائکہ اور صاحبانِ علم بھی اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں۔

فضیلت اہل علم

وَاُولُوا الْعِلْمِ - اس آیت مجیدہ میں ذاتِ ذوالجلال نے علم و علماء کی فضیلت کو اجاگر فرمایا ہے۔ کیونکہ علماء کا ذکر ملائکہ کے ذکر کے ساتھ اور ان کی شہادت کو ملائکہ کی شہادت کے ساتھ متصل فرمایا ہے اور صرف انہی کا ذکر کر کے باقی مخلوق کا تذکرہ ترک فرما دیا ہے اور وہ علم جس کی بدولت علماء کا ذکر خالق کائنات نے ملائکہ کے ساتھ کیا اور ان کی شہادت کا اہمیت سے تذکرہ فرمایا، علم توحید ہے یا جو علم علوم توحید سے وابستہ ہیں یعنی علوم شرعیہ دینیہ اس جگہ مراد ہیں کیونکہ شہادت اسی مطلب پر ہے یہی وجہ ہے کہ آئمہ معصومینؑ اور خود جناب رسالتمآبؐ نے تحصیلِ علومِ دینیہ پر بڑا زور دیا اور علماء کے فضائل بہت زیادہ بیان فرمائے چنانچہ مجمع البیان میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ عالم کا ایک گھنٹہ تک اپنے تکیہ پر آرام سے اپنے علم میں غور و فکر کرنا ایک عبادت گذار کی ستر برس کی عبادت سے افضل و بہتر ہے اور انس بن مالک سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا لوگو! علم سیکھو کیونکہ اس کا سیکھنا نیکی ہے اس کے درس و تدریس میں ثواب تسبیح خدا ہے اس کا تکرار و مباحثہ جہاد ہے اس کا ان پڑھ کو پڑھانا صدقہ ہے اور اس کی اپنے اہل کو یاد دہانی کرانا قربت ہے کیونکہ یہ حلال و حرام کا نشان ہے اور جنت و نار کے راستوں کا مینار ہے۔ یہ وحشت کا مونس، مسافرت کا ساتھی، تنہائی میں ہمکلام و ہمدم، خوشی و غمی میں رہبر۔ دشمن کے سامنے ہتھیار اور غرباء کے نزدیک موجب قرب ہے اسی کے ذریعہ سے خدا قوموں کو سربلندی عطا فرما کر ان کو امورِ خیر میں پیشرو بناتا ہے تاکہ ان کی اقتدار کی جائے اور ان کے نقوشِ قدم پر چلا جائے اور ان کے مشوروں کو آخری فیصلہ قرار دیا جائے فرشتوں کو ان کی دوستی محبوب و مرغوب ہے وہ اپنے پروں کو ان سے مس کرتے ہیں اور اپنی نمازوں میں اُن کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں بلکہ ہر خشک و ترحتیٰ کہ دریاؤں کی مچھلیاں اور دوسرے جانور، زمین کے درندے اور چوپائے آسمان اور اس کے ستارے ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ آگاہ رہو! علم دلوں کی زندگی، آنکھوں کا نور اور جسموں کی طاقت ہے۔ یہ انسان کو شرفاء کی منازل اور سلاطین کی مجالس تک پہنچاتا ہے اس میں غور و خوض روزہ کے برابر اور اس کی درس و تدریس عبادت کے برابر ہے اور اسی کے ذریعے سے حرام و حلال کی پہچان اور صلہ رحمی ہوتی ہے علم عمل کا پیش رو اور عمل اس کا مقتدی ہے یہ نیک بختوں کو عطا ہوتا ہے اور بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہم اولو العلم ہیں اور ہم ہی حلال و حرام کو جانتے ہیں (البرہان)

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا

تحقیق دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور نہیں اختلاف کیا۔ ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی مگر

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ

بعد آجانے علم کے باہمی حسد کی وجہ سے اور جو کفر کرے آیاتِ خدا سے۔ تو تحقیق

اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَاۗجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ

اللہ جلد حساب لینے والا ہے پس اگر وہ آپ سے جھگڑیں تو فرما دیجئے کہ میں نے اللہ کے لئے سر جھکا دیا ہے اور

اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا

میرے تابعداروں نے بھی اور فرما دیجئے ان کو جنہیں کتاب دی گئی اور ان پڑھ لوگوں کو۔ کیا تم نے بھی (اس کے لئے) سر جھکایا ہے (اسلام لائے)

فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

پس اگر وہ اسلام لائیں تو وہ راہِ راست پر ہوں گے اور اگر منہ پھیر لیں تو آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور خدا خود نگران ہے بندوں پر

آیت مجیدہ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ آخر تک پڑھنے کے متعلق انس نے جناب رسالتمآبؐ سے روایت کیا ہے کہ سوتے وقت یہ آیت مجیدہ تلاوت کرے تو خداوند کریم ستر ہزار مخلوق پیدا فرماتا ہے جو تا قیام قیامت اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔ نیز جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جب اس آیت مجیدہ کی تلاوت کرنے والا بارگاہِ خدا میں پیش ہوگا تو خدا فرمائے گا میرے اس بندے کا مجھ سے عہد ہے اور میں عہد کو پورا کرنے کا سب سے بڑا حقدار ہوں پس میرے اس بندہ کو داخلِ جنت کر دو۔ سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ کعبہ کے پاس ۳۶۰ بت تھے جب یہ آیت اتری تو سب بت سجدہ میں سرنگوں ہو گئے۔

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ۔ تفسیر برہان اور مجمع البیان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اسلام کی ایسی نسبت بیان کرتا ہوں جو نہ مجھ سے پہلے کسی نے بیان کی اور نہ میرے بعد کوئی بیان کرے گا اور وہ یہ کہ اسلام تسلیم کا نام ہے اور تسلیم یقین کا نام ہے اور یقین تصدیق ہے اور تصدیق کا مطلب اقرار ہے اور اقرار کا معنی ادا کرنا ہے مومن اپنا دین خدا سے لیتا ہے اور اس کا ایمان اُس کے عمل سے پہچانا جاتا ہے اور کافر کا کفر اس کے انکار سے معلوم ہوتا ہے۔ اے لوگو! دین کو اختیار کرو۔ کیونکہ اس میں گناہ کرنا بے دینی کی نیکی سے بہتر ہے اس لئے کہ دین کے ہوتے ہوئے گناہ بخشا جا سکتا ہے لیکن بے دینی میں کوئی نیکی قابل قبول ہی نہیں ہے۔ بروایت ابن شہر آشوب امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اسلام سے مراد حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی ولایت کا تسلیم کرنا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ ایمان کا درجہ اسلام سے بلند ہے جس طرح کہ کعبہ کا درجہ مسجد الحرام سے بلند ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ

تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں ساتھ آیاتِ خدا کے اور قتل کرتے ہیں۔ نبیوں کو ناحق اور قتل کرتے

الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

ہیں ان کو جو امر کرتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے پس خبر دو ان کو عذاب دردناک کی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

وہ وہی ہیں جن کے ضائع ہو گئے اعمال دنیا اور آخرت میں اور کوئی نہ ہوگا ان کا مددگار

(اقول) پہلی حدیث میں ہے کہ ایمان کی پہچان عمل سے ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ اسلام ولایت علیؑ کو مان لینے کا نام ہے تو معلوم ہوا کہ جو ولایت کے قائل ہیں وہ مسلمان ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں وہ مومن ہیں اور جو ولایت کے قائل نہیں۔ وہ نہ مسلمان ہیں نہ مومن اسی بنا پر فرمایا۔ لَوِاجْتَمَعَ النَّاسُ عَلٰى حُبِّ عَلِيٍّ لَمْ يَخْلُقِ اللّٰهُ النَّارَ وَقَالَ حُبُّ عَلِيٍّ حَسَنَةٌ لَا يَضُرُّ مَعَهَا سَيِّئَةٌ وَبُغْضُ عَلِيٍّ سَيِّئَةٌ لَا يَنْفَعُ مَعَهَا حَسَنَةٌ (ترجمہ) اگر تمام لوگ علیؑ کی محبت پر جمع ہو جائیں تو خدا جہنم کو پیدا ہی نہ کرتا اور فرمایا کہ علی کی محبت وہ نیکی ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان دہ نہیں ہوتا۔ اور علی کے ساتھ عداوت کرنا ایسا گناہ ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی فائدہ مند نہیں ہوتی۔

اور دوسرے رکوع کے ذیل میں اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ کی تفسیر میں بھی اسی مطلب کی بعض حدیثیں مذکور ہو چکی ہیں نیز مقدمۂ انوار النجف ص۲۴ پر بھی ملاحظہ ہوں یعنی حضرت علیؑ کی ولایت رکھنے والے گناہوں سے توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول ہوتی ہے اور گناہوں کے نقصان سے بچ جاتے ہیں اور دشمن علی کی نہ نیکی قبول اور نہ گناہ سے توبہ قبول ہوتی ہے۔

رکوع ۱۰

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ کہتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے حق میں اتری۔ ابو عبیدہ بن جراح سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ سے میں نے دریافت کیا کہ سخت ترین عذاب میں کون لوگ ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو کسی نبی کو قتل کریں یا ایسے انسان کو قتل کریں جو نیکی کا امر کرنے والا اور برائی سے روکنے والا ہو۔ پس آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا۔ اے ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے ۴۳ نبی بوقت صبح ایک گھنٹہ کے اندر قتل کئے۔ پس بنی اسرائیل کے عبادت گزار لوگوں کی ایک جماعت جن کی تعداد ایک سو بارہ تھی، نے ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا تو ان کو اسی دن پچھلے پہر قتل کر دیا گیا۔

تنبیہ:۔ اگرچہ اس فعل بد کے مرتکب تو وہ لوگ تھے جو بوقت نزول آیت موجود نہ تھے لیکن چونکہ موجودہ یہودی بھی ان کے اس فعل پر راضی تھے لہٰذا ان کو اس فعل کا مجرم قرار دے کر خطاب کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ جو لوگ کسی مومن یا معصوم کے قاتل کی پاس کریں۔ اور

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ

کیا تم نے نہیں دیکھا اُن کو جنہیں دیا گیا ہے حصّہ کتاب سے اُن کو بلایا جاتا ہے طرف کتاب خدا کے تاکہ وہ فیصلہ کرے

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

ان کے درمیان پھر بیٹھ پھیرتا ہے ایک گروہ اُن کا رد گردانی کرتے ہوئے یہ اس لئے کہ انہوں

قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

نے کہا ہمیں ہرگز آگ نہ چھوئے گی مگر چند دن گنے چنے اور ان کو دھوکا دیا اپنے دین کے معاملہ میں اُن کی من گھڑت باتوں نے

اُن کے اس بدفعل پہ راضی ہوں تو وہ بھی قاتل کی طرح مذمت کے مستحق ہیں پس اس آیت کا ظاہر اگرچہ بنی اسرائیل کے حق میں ہے۔ لیکن اس کا باطن تمام ان لوگوں سے متعلق ہے جو ان جیسا فعل کریں۔

بِغَيْرِ حَقٍّ :- یہودیوں کو اس امر پر مذمت کرنا کہ وہ ناحق نبیوں کو قتل کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعض اوقات ان کا قتل برحق بھی ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ انبیاء کا قتل جو فعل ناحق ہے، کا ارتکاب کرتے ہیں یعنی بغیر حق کا کلمہ تاکید و مبالغہ کے لئے ہے کلمہ احتراز یہ نہیں ہے تاکہ اشکال لازم آئے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ - سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب امر بالمعروف کرنے پر قتل کا خطرہ ہو تو کیا ایسی صورت میں بھی امر بالمعروف جائز ہے ؟ تو اس مقام پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہاں :- ایسی صورت میں امر بالمعروف جائز ہے چنانچہ جناب رسالتمآبؐ سے ایک حدیث وارد ہے کہ اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ يُقْتَلُ عَلَيْهِ - یعنی بہترین جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے جس پر وہ قتل کر دیا جائے لیکن ہمارے نزدیک امر بالمعروف کے حسن کے لئے شرط یہ ہے کہ اس پر کوئی مفسدہ لازم نہ آتا ہو۔ لہذا یہ آیت مجیدہ یا اس قسم کی روایات کا مطلب یہ ہے کہ امر بالمعروف کرنے والے کو جب یہ ظن ہو کہ میری نصیحت پر غالباً کوئی ضرر مترتب نہ ہو گا تو اس وقت امر بالمعروف جائز اور مستحسن ہے پس اگر اس کو خلاف توقع ضرر پہنچ جائے اور اس نتیجہ میں وہ قتل بھی کر دیا جائے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے ورنہ اگر پہلے سے ہی معلوم ہو کہ امر بالمعروف میں بجائے فائدہ کے نقصان ہی ہو گا تو ایسی صورت میں امر بالمعروف ساقط ہے۔

يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ - ابن عباس سے مروی ہے کہ خیبر کے یہودیوں میں سے ایک مرد و عورت نے زنا کا ارتکاب کیا اور وہ دونوں بڑے خاندان کے فرد تھے ان کی کتاب میں اسکی سزا رجم کرنا تھا لیکن وہ لوگ ان کو بچانا چاہتے تھے۔ پس جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں آئے کہ یہاں شاید کچھ گنجائش ہو۔ لیکن آپؐ نے بھی رجم کا حکم دے دیا۔ تو یہودیوں نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ کہ حضورؐ! یہ تو ان پر ظلم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چلو تورات کا فیصلہ منظور کر لو۔ انہوں نے کہا یہ بالکل درست ہے" آپ نے فرمایا۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

پھر کیا حال ہوگا جب اُن کو جمع کریں گے اس دن جس میں کوئی شک نہیں اور پورا دیا جائے گا ہر نفس کو اپنی کمائی (کا بدلہ)

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ

اور ان کو خسارہ نہ دیا جائے گا تم کہو۔ اے اللہ مالک مُلک عطا فرماتا ہے مُلک تو جسے چاہے

تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ؗ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ

اور لے لیتا ہے مُلک تو جس سے چاہے اور تو عزت دیتا ہے جسے چاہے اور ذلیل کرتا ہے جسے چاہے

بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

تیرے ہاتھ میں بھلائی ہے۔ تحقیق تو ہر شے پر قادر ہے۔

تم میں سے تورات کا بڑا عالم اس وقت کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ مرد اعور ہے یعنی یک چشم ابن صوریا نامی جو فدک کا باشندہ ہے پس اس کو منگوایا گیا۔ آپ نے باطلاع جبریل اس کو خطاب کیا کہ کیا تو ابن صوریا ہے؟ کہا۔ "ہاں" فرمایا تو ان کا بڑا عالم ہے؟ کہنے لگا ایسا ہی لوگ کہتے ہیں۔ پس آپؐ نے تورات کا وہ حصہ منگوایا جس میں حکم رجم موجود تھا۔ فرمایا۔ کہ پڑھ۔ تو اس نے پڑھنا شروع کیا۔ لیکن جب رجم کی آیت پہ پہنچا تو اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر آگے نکل گیا۔ عبداللہ بن سلام نے عرض کی۔ حضورؐ۔ یہ تو آیت رجم چھوڑ کر آگے جا رہا ہے اور پھر خود اٹھ کر اس کا ہاتھ ہٹا کر وہ آیت پڑھی جس میں رجم کا حکم تھا کہ محصن مرد اور محصنہ عورت اگر زنا کریں اور گواہوں سے ثابت ہو جائے تو ان کو رجم کرنا واجب ہے لیکن اگر عورت حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس کو مہلت دینی چاہیئے۔ پس حضورؐ نے حکم دیا کہ ان کو رجم کیا جائے چنانچہ وہ سنگسار کئے گئے اور اس پہ یہودی اور زیادہ آنحضرتؐ پر غصے ہوئے۔ مجمع البیان

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمیں صرف چالیس دن عذاب ہوگا کیونکہ اتنے ہی دن انہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی اور یا یہ کہ وہ کہتے تھے ہمیں سات دن عذاب ہوگا۔ يَفْتَرُوْنَ۔ ان کا افترا یہ تھا کہ وہ باوجود ان باتوں کے اپنے آپ کو اَبْنَاءُ اللّٰهِ کہتے تھے۔ یعنی ہم اللہ کے بیٹے ہیں یا یہ افترا مقصود ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمیں چند معین ایام میں ہی عذاب ہوگا۔ اور اس کے بعد ہم جنتی ہو جائیں گے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ۔ تفسیر مجمع البیان میں بطریق اہلبیت حضرت رسالتمآبؐ سے ایک حدیث میں ہے کہ فرماتا ہے مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم کہ جو بندہ ہر فریضہ نماز کے بعد سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، شہد اللہ۔ اور یہ آیت بغیر حساب تک پڑھے تو اس کی حظیرۃ القدس میں جگہ ہوگی۔ یا ہر روز ستر مرتبہ اس پر نظر رحمت ہوگی۔ یا ہر دن اس کی ستر حاجات پوری کی جائیں گی جن

تُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ

الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو رزق عطا فرماتا ہے جسے چاہے بلا حساب

میں سے کم از کم مغفرت ہے اور یا اس کو ہر دشمن سے محفوظ رکھوں گا اور اس کا ناصر رہوں گا اور اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت کا ہی فاصلہ ہوگا۔

معاذ بن جبل کہتا ہے کہ میں ایک دفعہ نماز جمعہ میں شریک نہ ہو سکا جب بارگاہ رسالت میں شرفیاب ہُوا۔ تو آپؐ نے غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کیا۔ حضورؐ۔ یوحنا یہودی کا میرے اوپر قرضہ ہے اور وہ میری تاڑ میں تھا اس لئے میں نے گھر سے نکلنا پسند نہ کیا تاکہ مجھے روک نہ لے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے معاذ۔ کیا تو قرضہ کی ادائیگی چاہتا ہے۔ میں نے عرض کی۔ جی ہاں! "آپؐ نے فرمایا یہ دو آیتیں پڑھا کرو اور اس کے بعد کہو۔ يَا رَحْمَانَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمَهُمَا تُعْطِي مِنْهُمَا مَا تَشَاءُ وَتَمْنَعُ مِنْهُمَا مَا تَشَاءُ اِقْضِ عَنِّيْ دَيْنِيْ۔ اگر ایسا کرو گے تو پھر اگر روئے زمین کے برابر سونا بھی تیرے اُوپر قرضہ ہوگا۔ تو خدا وند کریم اس کو ادا کرے گا۔

شانِ نزول تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر خندق کی کھدائی کے لئے صحابہ کے لئے چالیس ذراع مقرر کئے مہاجر اور انصار میں ہر جماعت سلمان کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتی تھی تو حضورؐ نے فرمایا۔ اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ۔ پس خندق کی کھدائی شروع ہوئی۔ تو نیچے سے ایک پتھر سخت ایسا نکلا۔ کہ اُس پر کدال کام نہ کرتی تھی۔ پس سلمان جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماجرا سنایا۔ تو آنحضرت بنفسِ نفیس خود تشریف لائے اور پھر سلمان کے ہمراہ خندق میں اترے اور سلمان کے ہاتھ سے لے کر اس کو پتھر پر مارا۔ تو اس کا ایک حصہ توڑ دیا اور اس پتھر سے بجلی کی طرح ایک روشنی نمودار ہوئی۔ پس حضورؐ نے تکبیر کی آواز بلند کی۔ اور صحابہ نے بھی تکبیر پڑھی۔ پھر آپ نے دوبارہ اس کدال کو اس پتھر پر مارا۔ اور پھر اس کا ایک حصہ ٹوٹ گیا اور بجلی کی مانند ایک روشنی ظاہر ہوئی پس حضورؐ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اور صحابہ نے بھی تکبیر کہی۔ پھر حضورؐ نے سہ بارہ کدال کو اس پتھر پر مارا۔ کہ وہ پتھر بالکل ٹوٹ گیا اور مثل سابق روشنی نمودار ہوئی۔ پس حضورؐ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور صحابہ نے بھی تکبیر کہی۔ اس کے بعد حضورؐ سلمان کے ہاتھ کو پکڑ کر خندق سے باہر تشریف لائے۔

تو سلمان نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آج میں نے آپ سے نئی بات دیکھی ہے۔ پس حضورؐ متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ جب میں نے پہلی ضرب لگائی اور روشنی پیدا ہوئی تو میں نے اس میں حیرہ اور مدائن کے محل دیکھے اور جبرئیل نے بتایا۔ کہ آپ کی اُمت کو اس پر غلبہ ہوگا۔ لہٰذا میں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جب دوبارہ میں نے پتھر پر کدال کی ضرب لگائی۔

اور روشنی ظاہر ہوئی تو میں ملک روم کے محلات دیکھے اور جبریل نے خبر دی کہ آپؐ کی امت کو ان پر بھی غلبہ ہوگا اور تیسری دفعہ ملک صنعاء کے محل دکھائی دیئے اور جبریل نے ان پر بھی مجھے فتح کی خوشخبری سنائی۔ پس جب جناب رسالتمآبؐ نے مسلمانوں کو یہ بشارت دی تو سب مسلمان خوش ہوئے۔ اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ یہ سُن کر منافقین ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ عجیب بات ہے کہ ادھر ڈر کے مارے خندق کھود رہے ہیں اور کھلے میدان میں لڑائی کی جرأت نہیں کرتے لیکن ادھر ایران و روم کی فتح کی دل میں اُمیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ ان آیات کا ورد کیا کرو۔

انوارِ علمیہ

(۱) مِلک اور مُلک دو جُدا لفظیں ہیں۔ اور ان کے معانی الگ الگ ہیں۔ صاحبِ مِلک کو مالک کہا جاتا ہے اور صاحب مُلک کو مَلِک کہا جاتا ہے اس آیت میں مالک کو مُلک کی طرف مضاف کرکے اس مطلب کو واضح کیا گیا کہ موجوداتِ عالم کی مِلک اور مُلک ہر دو درحقیقت اللہ کے قبضہ میں ہیں اور تمام مخلوق کی مِلک یا مُلک اسی کا عطیہ ہے جس کو وہ کسی شئے کا مِلک عنایت فرماتا ہے وہ اس چیز کا مالک ہوتا ہے اور جس کو وہ مُلک عطا کرتا ہے وہ اس کا مَلِک اور بادشاہ ہوتا ہے۔

(۲) خیر صفت مشبہ ہے اس کا اصل معنی ہے انتخاب۔ پس اسی شئے کو خیر کہا جاتا ہے جسے اس کے مقابل کی چیزوں سے منتخب کیا جائے بعضوں نے اس کو صیغۂ افعل التفضیل قرار دیا ہے اور اس کی اصل اَخْیَرُ بیان کی ہے حالانکہ بالکل اشتباہ اور بے سود تکلف ہے کیونکہ چند اشیاء یا متعدد معانی میں سے جس کو خیر کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نظر انتخاب میں اس کو باقیوں سے سبقت حاصل ہے اور یہ انتخاب صرف اس کے مادہ کی دلالت سے ہے نہ کہ صیغہ کی طرف سے۔ اور چونکہ اس کو افضل کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے مثلاً افضل القوم کی جگہ خیر القوم کہنا درست ہے پس اسی بناء پر اس کو افعل التفضیل قرار دے کر اس کی اصل اَخْیَرُ تجویز کرنے کا تکلف کیا گیا ہے حالانکہ چند چیزوں میں سے افضل اس کو کہا جائے گا جب اس کے مقابل کے چیزوں میں اصل فضیلت موجود ہو اور اس میں بہ نسبت ان کے زیادتی پائی جائے لیکن خیر کے محل استعمال میں یہ چیز ضروری نہیں مثلاً قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ (کہدو کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو سے بہتر ہے) یہاں انعاماتِ اخرویہ کو لہو سے خیر کہا گیا ہے حالانکہ انعامات خداوندی اور لہو میں کوئی قدر مشترک نہیں تاکہ زیادتی صفت کے لحاظ سے انعاماتِ خداوندی کو برتری حاصل ہو بلکہ بیان تو صاحبانِ عقل و دانش کو عقلی نظریہ کے ماتحت تنبیہ کیا گیا ہے کہ تمہاری نظر انتخاب بجائے لہو و لعب کے نعماتِ اُخروی پر ہونی چاہیئے اور یہ خیر کی ذاتی دلالت ہے نہ کہ تفضیلی معنی۔

(۳) بِيَدِكَ الْخَيْرُ۔ جار مجرور کو مقدم کرنے میں حصر کو ظاہر کیا گیا ہے اور الخیر پر الف لام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جملہ امورِ خیر کا فیضان صرف اسی ذات کی طرف سے ہی ہے خواہ تکوینیات سے ہوں یا تشریعیات سے ہوں۔ ملک و عزت کا مرجع واحد وہی ہے اور مالکانِ مُلک اور صاحبانِ عزت اسی ذات کے ممنونِ احسان ہیں پس یہ خیر تکوینی ہے اور جملہ عبادات و اعمال صالحہ چونکہ اسی کی توفیق سے ہیں اگرچہ عبد کو ان کی بجا آوری میں اختیار حاصل ہے اور یہ خیر تشریعی ہے۔ پس تمام امورِ خیر کا حصر

اس کی ذات میں صحیح ہے اور موجوداتِ عالم میں صاحبانِ خیر اسی ذات سے مستفیض ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کی ذات سے صرف خیر کا ہی افاضہ ہوتا ہے اور خیر کا عدم چونکہ شر ہے اور عدم فاعل کا فعل نہیں ہوا کرتا بلکہ فعل کا عدم ہوا کرتا ہے پس کسی پر خیر کا افاضہ نہ ہونا شر ہے اور چونکہ خیر کی نسبت اللہ کی طرف حقیقی ہے۔ لہذا اس کے عدم (شر) کو بھی مجازاً اس کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔

(۴) رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنے کا مطلب ظاہراً یہ ہے کہ خطِ استوا سے میل شمس کی کمی و بیشی کی بدولت شب و روز میں جو تفاوت ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے کبھی رات کا حصہ دن میں اور کبھی دن کا ایک حصہ رات میں داخل ہو جاتا ہے مثلاً اعتدالِ ربیعی کے زمانہ میں یعنی جب سورج برج حمل میں داخل ہوتا ہے تو اس وقت سورج سیدھا خطِ استوا پہ ہوتا ہے اور دن رات تقریباً برابر ہوتے ہیں اس کے بعد سورج خطِ استوا کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور رات کا کچھ حصہ روزمرہ دن میں داخل ہو کر رات میں تدریجی طور پر کمی اور دن میں اسی نسبت سے زیادتی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ سورج اپنی میل شمالی میں آخری درجہ تک پہنچ جاتا ہے اس کے بعد تدریجاً میل کم ہونا شروع ہوتی ہے جس سے رفتہ رفتہ دن میں کمی اور رات میں زیادتی پیدا ہوتے ہوتے جب سورج دوبارہ خطِ استوا پر پلٹ آتا ہے تو رات دن پھر برابر ہو جاتے ہیں اور وہ زمانہ اعتدالِ خریفی کا ہوتا ہے جبکہ سورج کا داخلہ برج میزان ہوتا ہے۔ اس کے بعد سورج کی خطِ استوا سے میل جنوبی شروع ہوتی ہے جس کی وجہ سے دن کا کچھ حصہ روزمرہ تدریجاً رات میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ پس رفتہ رفتہ دن گھٹتا جاتا ہے اور رات بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ میل جنوبی اپنے آخری درجہ پہ پہنچتی ہے اور اس کے بعد پھر آہستہ آہستہ نقطۂ اعتدالِ ربیعی کی طرف رجوع ہوتا ہے پس تقریباً چھ مہینے رات کا کچھ حصہ دن میں داخل ہوتا ہے اور یہ ابتدائے موسم گرما سے لے کر ابتدائے موسم سرما تک ہے اور تقریباً چھ مہینے دن کا کچھ حصہ رات میں داخل رہتا ہے اور یہ ابتدائے موسم سرما سے لے کر ابتدائے موسم گرما تک کا زمانہ ہے اور سال بھر میں صرف دو دن تقریباً رات اور دن اپنی اپنی حدود کے اندر رہتے ہیں اور وہ ایک دن جبکہ سورج اعتدالِ ربیعی میں خطِ استوا پر آتا ہے اور دوسرا دن جبکہ سورج اعتدالِ خریفی میں خطِ استوا پر ہوتا ہے۔

(۵) مردوں کو زندوں سے اور زندوں کو مردوں سے نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ مومن سے کافر اور کافر سے مومن پیدا کرتا ہے اور ممکن ہے کہ یہاں تعمیم مراد ہو۔ تاکہ انسان و حیوان کا نطفہ سے اور نباتات کا مٹی سے پیدا ہونا اور پھر خروجِ روح کے بعد ان کا خاکستر ہو کر حالتِ مردنی سے ہم آغوش ہونا بھی اس میں داخل ہو جائے۔

(۶) دونوں آیتوں میں تقابل کی جو لطیف صنعت پیش کی گئی ہے وہ اسی کلام بلاغت نظام کا ہی حصہ ہے۔ پہلی آیت میں ملک عطا کرنے اور ملک لے لینے کے مقابلہ میں دوسری آیت میں رات کو دن میں داخل کرنا اور دن کو رات میں داخل کرنا مذکور ہے کیونکہ ملک عطا کرنے کا مطلب ہے کہ بعض افراد کو بعض پر حقِ تصرف دیا گیا ہے اور اس کی مناسبت رات کو دن میں داخل کرنے کے ساتھ ہے وہاں بھی نور کو ظلمت پر تصرفِ شاہانہ حاصل ہے اور ملک کے زائل ہونے کو دن کے رات میں داخل ہونے

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ

نہ پکڑیں مومن کافروں کو دوست مومنوں کو چھوڑ کر اور جو ایسا کرے گا

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَ

پس نہ اس کا اللہ سے کوئی واسطہ نہیں مگر اس صورت میں کہ تم کو ان سے ڈر لگتا ہو اور

يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿٢٨﴾

ڈراتا ہے تمہیں خدا اپنی ذات سے اور اللہ کی طرف ہی بازگشت ہے

سے مناسب ہے یعنی دن کا رات پر غالب آنا حکومت سے اور رات کا دن پر چھا جانا زوالِ حکومت سے موزوں و مناسب ہے۔

اسی طرح پہلی آیت میں عزت و ذلت کا مقابلہ دوسری آیت کے زندہ کو مُردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے سے کیا گیا ہے کیونکہ ذلت کے بعد عزت، موت کے بعد زندگی سے اور عزت کے بعد ذلت زندگی کے بعد موت سے مشابہ ہے نیز پہلی آیت کے آخر میں عطائے ملک و عزت کو خیر سے تعبیر کیا گیا اور دوسری آیت کے آخر میں اس کو رزق کہا گیا۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے جو کچھ عطا ہو وہ خیر بھی ہوتا ہے اور رزق بھی۔

(۷) پہلی آیت میں ملک و عزت کے عطا کرنے کا ذکر تھا لہذا اس کو اپنی قدرت کے محیط ہونے کے ذکر سے ختم کیا اور دوسری آیت میں چونکہ اپنی عطا و بخشش کو رزق سے تعبیر فرمایا۔ لہذا اس کے بعد بغیر حساب فرما دیا جو وسعتِ رزق پر دلالت کرتا ہے اور یہاں حساب کا معنی عوض ہے نہ کہ اندازہ۔ یعنی خدا کا رزق بلا معاوضہ ہے کیونکہ کائنات کی ہر شے جب اس کی ملکیت اور اسی کا عطا کردہ رزق ہے تو جس چیز کو عوضہ قرار دیا جائے گا وہ بھی بعینہٖ اس کا رزق ہوگا پھر عوض کیسے بن سکے گا اور یہ کہنا کہ خدا رزق بلا اندازہ اور بغیر مقدار کے دیتا ہے دوسری قرآنی آیات کے خلاف ہے۔

جوازِ تقیہ | اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً - آیت مجیدہ کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے لئے ناجائز ہے کہ کافر بے دین سے دوستانہ تعلقات رکھے بلکہ مومن کی دوستی صرف مومن سے ہی ہونی چاہیئے البتہ صرف اس صورت میں مومن، غیر مومن سے رواداری کے طور پر اظہار محبت کر سکتا ہے جبکہ مومنین کمزور ہوں اور وہ طاقتور ہوں اور اگر یہ ان کے ساتھ موافقت اور محبت کا اظہار نہ کریں تو ان سے اپنی عزت و جان و مال وغیرہ کا خطرہ ہو۔ پس ایسی صورت میں مومن کے لئے ان جیسا بن کر وقتی گذارا کر لینا جائز ہے اور اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ یہ آیتِ مجیدہ جوازِ تقیہ پر نص ہے اور جو لوگ تقیہ کا انکار کرتے ہیں اُن کا عملاً اس آیت پر ایمان نہیں۔

بعض اوقات تقیہ واجب ہو جاتا ہے جبکہ جان کا خطرہ ہو اور بعض اوقات مستحب و مباح وغیرہ۔ جس طرح مقام کی مناسبت

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا

فرما دیجیے کہ خواہ تم چھپاؤ وہ جو تمہارے دلوں میں ہے یا ظاہر کرو خدا اُسے جانتا ہے اور نیز جانتا ہے جو

فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ

کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے جس دن پائے گا

كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ

ہر نفس عمل خیر (کی جزا) کو حاضر اور عمل بد (کی جزا کو بھی حاضر) تو چاہتا ہوگا کہ کاش! اس گناہ

تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ

اور میرے درمیان لمبی دوری ہوتی۔ اور ڈراتا ہے خدا تم کو اپنی ذات سے

وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ ع

اور خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے

ہو۔ بہرکیف تقیہ کے جواز پر علمائے امامیہ کا اتفاق ہے۔ کہتے ہیں مسیلمہ کذاب نے دو صحابیوں کو پکڑا۔ اور ان سے اپنی رسالت کا اقرار کروانا چاہا۔ تو ایک نے جان کے خطرہ سے تقیہ کرتے ہوئے اقرار کر لیا۔ اور دوسرے نے جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اُس کی بات کو اَن سنا کر کے ٹال دیا۔ مسیلمہ کذاب نے تین دفعہ بار بار پوچھا اور اُس نے ہر دفعہ یہی جواب دیا کہ میری قوتِ سماع کم ہے لہٰذا میں تمہاری بات سنتا نہیں ہوں آخر اُس نے اِس کو قتل کر دیا۔ جب جناب رسالتمآبؐ کو یہ خبر پہنچی تو فرمایا۔ کہ قتل ہونے والا اپنے صدق و ایمان پر قتل ہُوا۔ اور درجۂ فضیلت پر فائز ہُوا۔ پس وہ اس کو مبارک ہو۔ لیکن دوسرا شخص پس اُس نے خدا کی رخصت کو قبول کیا۔ لہٰذا اُس سے بھی اس معاملہ میں کوئی باز پرس نہیں ہے گویا اس روایت سے یہ ظاہر ہُوا کہ بصورت خوف بھی حق کا ظاہر کرنا افضل ہے لیکن تقیہ کا کرنا بھی حرام نہیں ہے بلکہ مباح اور جائز ہے لیکن آئمہ اہلبیتؑ سے تقیہ کے جواز پر بلکہ بعض مقامات پر اس کی افضلیت بلکہ وجوب پر بکثرت روایات موجود ہیں۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ الخ۔ حضرت امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ وہ ہر جمعہ مسجد رسولؐ میں یہ موعظہ فرماتے تھے۔ أَيُّهَا النَّاسُ! اللہ سے ڈرو اور یقین جانو کہ تمہاری بازگشت اسی کی طرف ہے پس دنیا میں نیکی یا بدی جو بھی کسی نے کی ہوگی۔ وہاں اس کا بدلہ اس کو ملے گا اور برائی کرنے والا اس وقت پچھتائے گا اور کہے گا کاش! اس برائی اور میرے درمیان بڑی دُوری ہوتی۔ اور خدا خود تمہیں اپنے (قہر و غضب) سے ڈراتا ہے۔ مقام افسوس ہے تیرے لئے اے غافل آدمی

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ تم کو محبوب رکھے اور بخش دے

ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ

تمہارے گناہ اور خدا بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے فرما دیجئے اطاعت کرو اللہ و رسول کی

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۳۲﴾

پس اگر روگردانی کریں تو تحقیق اللہ نہیں محبوب رکھتا کافروں کو

کیونکہ تجھ سے تو غفلت نہ برتی جائے گی۔ اے ابن آدم! موت تیری طلب میں بہت تیزی سے تیری طرف متوجہ ہے اور بہت جلد تجھے پالے گی جبکہ تیری اجل پوری ہو گی اور قبض روح کے بعد تو قبر میں تنہا جائے گا۔ پس تیری روح کو پلٹایا جائے گا اور منکر نکیر تجھ سے سوال کرنے اور تیرا امتحان لینے کے لئے تیرے پاس پہنچ جائیں گے۔ پس تجھ سے تیرے رب، تیرے نبی، تیرے دین، تیری کتاب اور تیرے امام کے متعلق دریافت کریں گے پھر پوچھیں گے کہ اپنی عمر کہاں گنوائی اور اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں پر خرچ کیا۔ پس بچاؤ کی صورت بناؤ اور اپنے نفس کے لئے فائدہ سوچو اور امتحان و آزمائش و سوال و جواب کے لئے تیاری کرلو اگر تم مومن با معرفت اور سچوں کے اطاعت گزار اور اولیاء اللہ کے دلدار رکھنے والے ہو گے تو خدا تمہیں جواب سکھا دے گا اور تمہاری زبان پر درست کلمات اور صحیح جواب جاری کر دے گا اور تمہیں رضوان خدا اور بہشت کی خوشخبری سنائیں گے اور فرشتے بشارت اور خوش روئی کے ساتھ تمہارا استقبال کریں گے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو زبان رک جائے گی، حجت کمزور ہو گی، جواب نہ بن سکے گی جہنم کی بشارت ہو گی اور عذاب کے ملائکہ جہنم پہنچانے کے لئے آجائیں گے۔

اے ابن آدم! اس کے بعد بہت بڑا ہولناک اور روح فرسا منظر قیامت کا دن ہو گا جس دن تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور خدا اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور پھر آپ نے فرمایا کہ وہاں لغزشوں کی معافی نہ ہو گی، فدیہ نہ لیا جائے گا، عذر قبول نہ ہو گا اور توبہ کی گنجائش نہ ہو گی بلکہ وہاں تو صرف یا نیکی کا بدلہ اور یا برائی کا بدلہ ہی ہو گا۔

رکوع ۶ ع ۱۲

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ: یہ آیت کھلے لفظوں اعلان کر رہی ہے کہ محبت کا دعویٰ صرف زبانی کافی نہیں جب تک عملی طور پر اس محبت کی تصدیق نہ ہو۔ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَعْلَمَ أَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهُ فَلْيَعْمَلْ بِطَاعَةِ اللّٰهِ وَلْيَتَّبِعْنَا الْخَبَر۔ (جس کو یہ پسند ہو کہ وہ جان لے کہ اللہ اس سے محبت رکھتا ہے تو اُسے اللہ کی

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى

تحقیق اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو تمام

الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

جہانوں سے حالانکہ یہ ذریت بعض بعض سے ہے اور اللہ سننے جاننے والا ہے

اطاعت اور ہماری پیروی کرنی چاہیئے اس مقام پر مولانا مقبول صاحب مرحوم کو ایک اشتباہ ہوا ہے کہ انہوں نے مَنْ شرطیہ کو مِنْ حرف جر سمجھا اور سَرَّ کا شرط کو سِرٍّ مجرور مِنْ کا قرار دیا حدیث پاک کے مذکورہ جملہ کا ترجمہ یوں بیان کیا کہ (اسرار دین میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ جان لے کہ خدا اُس سے محبت رکھتا ہے پھر وہ خدا کی اطاعت کرے اور ہماری پیروی) حالانکہ یہ ترکیب اور ترجمہ بالکل غلط ہے اور درست وہی ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں اس کے بعد آپ نے آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا۔ خدا کی قسم کبھی کوئی بندہ اللہ کا اطاعت گذار نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ خدا اپنی اطاعت کے اندر ہماری اتباع اس کے دل میں ڈالتا ہے اور قسم بخدا کہ کوئی بندہ ہماری اتباع نہیں کرتا۔ مگر یہ کہ اس سے اللہ محبت رکھتا ہے اور بخدا کوئی شخص ہماری اتباع کو نہیں چھوڑتا مگر یہ کہ وہ ہمارے ساتھ بغض رکھتا ہے اور بخدا ہمارے ساتھ جو بھی بغض رکھے گا وہ اللہ کا نافرمان ہوگا اور جو بھی اللہ کا نافرمان ہو کر مرے گا اس کو خدا رسوا کرے گا۔ اور اوندھے منہ اس کو جہنم میں ڈالے گا۔ ایک حدیث میں حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اس امت میں سے جو بھی ہمارے حق کا عارف ہوگا۔ وہ ناجی ہوگا۔ سوائے تین قسم کے لوگوں کے ۱۔ ایک حاکم ظالم کا ساتھی۔ ۲۔ دوسرا خواہش پرست۔ تیسرا اعلانیہ فسق کرنے والا۔

اور نیز آپ سے مروی ہے کہ دین تو صرف محبت ہی کا نام ہے۔ پھر اسی آیت سے استشہاد فرمایا کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو اطاعت رسولؐ کرو۔ پس خدا تم سے محبت رکھے گا۔ گویا اصل دین محبت ہے اور اطاعت اس کی فرع ہے۔ اور فرع کا درست نہ ہونا اصل کی کمزوری یا فقدان کی دلیل ہے۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ اس شخص کی اللہ سے محبت نہیں جو اس کی نافرمانی کرے پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ هٰذَا مُحَالٌ فِي الْفِعَالِ بَدِيعٌ

اللہ کی نافرمانی اور ساتھ اس کی محبت کا دعوے یہ بات قطعاً محال ہے

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ

اگر تجھے سچی محبت ہوتی تو اس کی اطاعت ضرور کرتا کیونکہ محب اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں ہے کہ اگر کوئی پتھر بھی ہماری محبت رکھتا ہوگا تو خدا اس کو بھی ہمارے ساتھ محشور کرے گا۔ کیونکہ دین تو محبت ہی کا نام ہے۔

فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ :۔ خدا و رسولؐ کی اطاعت کے حکم کے بعد یہ فرمانا کہ خدا کفر کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا و رسولؐ کی اطاعت کرنے یا نہ کرنے میں انسان خود مختار ہے پس اس سے عقیدہ جبر کی تردید ہو گئی کیونکہ اگر انسان اطاعت یا نافرمانی میں مجبور ہوتا تو خدا یہ نہ فرماتا کہ میں ان کو دوست نہیں رکھتا۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی :۔ قرات اہلبیت میں آلِ عمران کے بعد آلِ محمدؐ کے لفظ ہیں بلکہ تفسیر برہان میں تفسیر ثعلبی سے منقول ہے کہ ابو وائل کہتا ہے کہ میں نے ابن مسعود کے مصحف میں آلِ عمران کے بجائے آلِ محمدؐ پڑھا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ آلِ ابراہیم سے مراد آلِ محمدؐ ہے۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ جب وہ آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کا ذکر کریں تو خوش ہوتے ہیں اور جب آلِ محمدؐ کا ذکر ہو تو ان کے دل گھٹتے ہیں اور مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر کوئی شخص بروزِ محشر ستر نبیوں کے اعمال کے برابر بھی نیک اعمال پیش کرے گا۔ تو اس کے اعمال مقبول نہ ہوں گے جب تک میری اور علی بن ابی طالب کی ولا کو پیش نہ کرے گا۔

اٰلِ عِمْرَانَ ۔ عمران تین گذرے ہیں ایک حضرت موسےٰ اور ہارون کے والد ماجد دوسرے حضرت مریم کے والد، اور تیسرے حضرت ابو طالب، کیونکہ ان کا نام دراصل عمران تھا۔ آیت مجیدہ میں بعض لوگوں نے آلِ عمران سے مراد حضرت موسےٰ و ہارون لئے ہیں اور بعض نے حضرت عیسےٰ مراد لئے ہیں اور تفسیر عمدۃ البیان میں ہے کہ تفسیر اہلبیت میں آلِ عمران سے مراد حضرت علیؑ بن ابی طالب ہیں اور بروایت ابن عباس انہوں نے نقل کیا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ کہ میں آلِ ابراہیم ہوں اور علیؑ آلِ عمران ہیں۔

تنبیہ :۔ آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کی لفظیں گو عام ہیں لیکن ان سے مراد صرف وہ انسان ہو سکتے ہیں جو طاہر اور معصوم ہوں کیونکہ اصطفاء غیر معصوم کا نہیں ہو سکتا اور نیز اس آیت سے یہ صاف طور پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ ملائکہ سے افضل ہیں۔ کیونکہ ان کو عالمین پر چنا گیا ہے اور فرشتے عالمین میں داخل ہیں۔

وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۔ یعنی خدا ان کے اقوال سننے والا اور نیتوں کے جاننے والا ہے اور چونکہ ان کے اقوال و نیات میں کوئی نقص نہیں تھا بلکہ وہ ظاہری و باطنی دونوں قسم کی کثافتوں سے صاف تھے اور طاہر و معصوم تھے لہذا تمام جہانوں پر ان کو مصطفےٰ بنا دیا۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا

جب عرض کی زوجہ عمران نے اے رب! میں نے نذر کی ہے تیرے لئے وہ جو میرے شکم میں ہے کہ (وہ عبادت کیلئے)

فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ

آزاد ہوگا۔ پس تو قبول فرما میری نذر کو تحقیق تو سننے جاننے والا ہے پس جب اس کو جنا تو عرض کی اے رب! میں نے

إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ

لڑکی جنی ہے اور خدا بہتر جانتا ہے کہ کیا جنا ہے اور نہیں لڑکا مثل لڑکی کے۔

وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا

اور میں نے اس کا نام مریم رکھا۔ اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو

مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾

شیطان رجیم (کے شر) سے

حضرت مریمؑ کی پیدائش و تربیت

إِمْرَأَةُ عِمْرَانَ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عمران بن ہاشم حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد سے تھے اور بعض کہتے ہیں یہ عمران بن ماثان تھے۔ جو یہود بن یعقوب کی ستائیسویں پشت میں تھے اور عمران بن یصہر جو حضرت موسیٰ کے والد تھے ان کے اور ان کے درمیان اٹھارہ سو سال کا فاصلہ تھا اور ماثان کی اولاد اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی سردار تھی قاقود بن قبیل کی دو لڑکیاں تھیں ایک کا نام حنّہ تھا جو عمران کی زوجہ اور مریم کی والدہ تھیں اور دوسری کا ایشاع تھا جو حضرت زکریا کی زوجیت میں تھیں یعنی حضرت مریم اور حضرت یحییٰ ایک دوسرے کے خالہ زاد تھے۔ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ الخ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ عمران کو خدا نے وحی کی تھی کہ میں تجھے ایک مبارک فرزند عطا کروں گا جو مادر زاد نابینا اور مبروص کو شفایاب کرے گا اور میرے اذن سے مردوں کو زندہ کرے گا اور میں اس کو بنی اسرائیل کا نبی بناؤں گا تو عمران نے اپنی زوجہ حنّہ سے یہ بات بیان کی۔ پس جب اس کو حمل ہوا تو نذر مان لی کہ اے اللہ یہ بچہ جو میرے پیٹ میں ہے اس کو خدمتِ مسجد اور عبادت کیلئے اپنی طرف سے آزاد کروں گی (بروایت بحار الانوار) ابو بصیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ کیا عمران نبی تھا؟ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں وہ اپنی قوم میں نبی و مرسل تھا (المیزان)

مُحَرَّرًا :- یعنی آزاد - اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس سے اپنے کام کاج نہ کراؤں گی اور کہتے ہیں کہ جب کوئی لڑکا اس مطلب کے لئے آزاد کیا جاتا تھا تو اُسے عبادت خانہ میں ٹھیرایا جاتا تھا اور اس عبادت خانہ کی جھاڑو برداری، صفائی اور خدمت سنِ بلوغ تک اس کے ذمہ میں ہوتی تھی اور بلوغ کے بعد اس کو اختیار ہوتا تھا کہ وہاں ٹھیرا رہے یا چلا جائے پس یہاں تحریر کا معنی غلامی سے آزاد ہونا نہیں بلکہ حقِ ولدیت جو اولاد پر ماں باپ کے لئے ثابت ہے اس کا ساقط کرنا یہاں مراد ہے۔

کہتے ہیں کہ حنہ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی یہاں تک کہ بوڑھی ہوگئی - ایک دن ایک درخت کے نیچے بیٹھی تھی کہ دیکھا ایک پرندہ درخت پر اپنے بچہ کو دانہ بھرا رہا ہے یہ کیفیت دیکھتے ہی دل میں اولاد کی محبت بھر آئی اور اللہ سے طلبِ فرزند کی دعا کی - تو خدا نے اس کو قبول فرمایا اور حضرت مریمؑ سے حاملہ ہوئیں اور منت مانی کہ اس کو عبادت خانہ کی خدمت اور عبادت گذاری کے لئے آزاد رکھوں گی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا - زمانہ حمل میں حنہ کے شوہر عمران کا انتقال ہو گیا تھا اور حنہ کو یہی خیال تھا کہ میرے پیٹ میں لڑکا ہی ہوگا اس لئے کہ خدا کی طرف سے بشارت تھی کہ میں اس کو رسول بناؤں گا اور عہدۂ رسالت صرف مردوں کے لئے ہی ہوا کرتا ہے۔ لیکن اُن کے خلافِ توقع جب لڑکی پیدا ہوئی تو گھبرا گئیں اور شرمساری محسوس کرتے ہوئے سر جھکا کر عرض کی - کہ اے پالنے والے یہ تو لڑکی پیدا ہوئی ہے اور لڑکے اور لڑکی میں بڑا فرق ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا - کہ جب تمہارے بیٹوں یا پوتوں یا پڑپوتوں میں کوئی بات ہونے والی ہو اور ہم کہہ دیں کہ تم میں ایسا ہوگا تو اس بات پر تعجب نہ کرو - جیسا کہ عمران کے نواسہ کو خدا نے رسول بنانا تھا لیکن ان کو وحی یہ کی کہ میں تجھے فرزند دوں گا جو رسول ہوگا۔

سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ - ان کی زبان میں مریم کا ترجمہ عابدہ ہوتا تھا جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ تمام عالم سے خدا نے چار عورتوں کو منتخب فرمایا (۱) مریم بنت عمران (۲) آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون (۳) خدیجہ بنت خویلد (۴) فاطمہ بنت محمدؐ۔

اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا - مریم کے حسنِ قبول اور حسنِ تربیت کے متعلق کہتے ہیں کہ ان سے پہلے کوئی لڑکی بیت المقدس میں عبادت کے لئے نذر نہ کی جاتی تھی - پس یہ پہلی لڑکی تھی جس کو اس مطلب کے لئے خدا نے قبول فرمالیا اور حسنِ تربیت یہ کہ کبھی دن یا رات میں ایک گھنٹہ بھر کے لئے بھی ان کو بیماری لاحق نہ ہوئی یا یہ کہ حسنِ قبول کا مطلب ہے کہ سعادت کے راستہ پر چلنے کی خدا نے زیادہ توفیق مرحمت فرمائی - حتیٰ کہ جب بعمر نو سال پہنچی تو دن کو متواتر روزہ اور رات بھر عبادت میں بسر کرتیں - یہاں تک کہ تمام عابدوں سے سبقت لے گئیں اور حسنِ تربیت کا مطلب یہ ہے بہت جلد ترقی کرتی تھیں کہ عام بچوں کی سال کی ترقی اور اُن کی ایک دن کی ترقی برابر تھی۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا - کہتے ہیں جب حضرت مریم کی ولادت ہوئی تو اُن کی والدہ حنہ نے ان کو ایک کپڑا میں لپیٹا - اور مسجد میں لاکر احبار بنی اسرائیل سے فرمایا کہ یہ میری لڑکی ہے جس کے متعلق میں نے نذر کی تھی چونکہ بنی ماثان بنی اسرائیل کے سردار تھے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ

تو اس (نذر) کو قبول فرمایا اس کے رب نے اچھا قبول کرنا اور اس کو بڑھایا خوب بڑھانا اور کفالت دی اس کی زکریا کو۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ

جب بھی داخل ہوتے اس لڑکی پہ زکریا محراب (عبادت) میں پاتے اس کے پاس رزق پوچھتے

يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ

اے مریم کہاں سے تجھے یہ (پہنچا) وہ کہتیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے تحقیق اللہ رزق بھیجتا ہے

مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾

جسے چاہے بغیر حساب کے

لہٰذا اپنے پیشوا اور سردار کی لڑکی سمجھ کر ہر ایک کے دل میں اس کی کفالت اور تربیت کی حرص پیدا ہوئی۔ تو حضرت زکریا نے فرمایا کہ یہ چونکہ میری زوجہ کی بھانجی ہے لہٰذا میں اس کی تربیت کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔

(صاحب تفسیر صافی فرماتے ہیں کہ ہماری روایات میں حضرت زکریا کی زوجہ حضرت مریم کی بہن تھی نہ کہ خالہ چنانچہ قمی اور عیاشی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی روایت کی ہے)

تو احبار بنی اسرائیل نے جواب دیا کہ اگر اس کا حق تربیت قرابتداری کی بنا پر ہے تو پھر اس کی ماں کو اس کی تربیت کا زیادہ حق ہے بس اب اس کا فیصلہ یہ ہے کہ قرعہ اندازی کی جائے اور جس کا نام قرعہ سے نکل آئے وہی اس کی تربیت کا حقدار ہوگا تو ۲۹ آدمی یا بقولے ۲۷ آدمی اس قرعہ اندازی میں شریک ہوئے پس سب کے سب دریا کے کنارے پہنچے اور ہر ایک نے اپنے اپنے قلم پانی میں پھینکے سوائے حضرت زکریا کے سب کے قلم ڈوب گئے اور ان کا قلم پانی کی سطح پر تیرتا رہا اور بعض کہتے ہیں کہ باقی لوگوں کے قلم دریا میں بہہ گئے اور حضرت زکریا کا قلم پانی میں ایک مقام پر ٹھہر گیا۔ پس حضرت زکریا کے سپرد حضرت مریم کی کفالت و تربیت ہوئی۔ اور حضرت زکریاؑ حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد سے تھے اور ان موجودہ احبار کے رئیس بھی تھے اور نبی بھی۔ پس حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کے لئے علیحدہ حجرہ بنایا جس میں وہ رہتی تھیں اور اپنی زوجہ یعنی حضرت یحییٰ کی والدہ کو اس کے رضاع پر مامور فرمایا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ حضرت مریمؑ نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا، بلکہ خداوند کریم نے ابتدا سے اس کے لئے جنت کے رزق کا انتظام فرما دیا تھا۔

القصہ جب جوان ہوئیں تو حضرت زکریا نے مسجد میں ان کے لئے ایک علیحدہ محرابِ عبادت بنایا تاکہ وہ باپردہ اس میں مشغولِ عبادت رہیں اور اُن پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ لیکن حضرت زکریا جب اُن کے پاس تشریف لاتے تھے تو اُن کے پاس بے موسم

کے میوہ جات موجود پاتے تھے مثلاً موسم گرما میں موسم سرما کے میوے اور موسم سرما میں موسم گرما کے اور بالکل تر و تازہ ۔ اور حیرت سے دریافت فرماتے کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو وہ جواب میں کہتیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے اور خدا جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے"

اور حضرت مریمؑ کی خوبصورتی کا یہ عالم تھا کہ جب محراب عبادت میں مشغولِ نماز ہوتیں تو ان کی جبین مبین سے ایک نور ساطع ہو کر محراب کو منور کر دیتا تھا ۔ (صافی)

سبحان اللہ! یہ مریم کی شان تھی رمناسبتِ مقام کے لحاظ سے حضرت مریمِ کبریٰ صدیقہ طاہرہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شان کے متعلق بھی صرف ایک روایت عرض کرتا ہوں جو اس مقام پر بہایت موزوں ہے امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب فاطمہؑ اور حضرت امیرؑ کے خانگی معاملات کا دستور یہ تھا کہ گھر کے تمام کام کاج بتولِ معظمہؑ کے ذمہ اور باہر کے امور حضرت امیر علیہ السلام کے ذمے تھے ایک دن جب امیر المومنین علیہ السلام گھر میں تشریف لائے تو دریافت فرمایا ۔ اے فاطمہؑ ! کوئی چیز کھانے کے لئے ہے ؟ تو خاتونِ جنتؑ نے عرض کی کہ آج تیسرے روز سے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے پہلے اطلاع کیوں نہ دی ؟ تو مخدومہ نے عرض کی کہ بابا جان نے فرمایا ہے کہ اپنے ابن عم (شوہر) سے کسی چیز کی فرمائش نہ کیا کرو ۔ اگر وہ خود کچھ لائیں تو احسان سمجھو ورنہ کسی شے کے لانے کی فرمائش نہ کرو" پس آپ باہر تشریف لائے اور کہیں سے ایک دینار قرض لیا ۔ بوقت شام واپس تشریف لا رہے تھے کہ رستہ میں مقداد بن اسود سے ملاقات ہوئی ۔ آپؑ نے اس سے بے وقت گھر سے نکلنے کا سبب دریافت فرمایا ۔ تو اس نے عرض کی ، یا امیر المومنینؑ بھوک کے مارے گھر سے نکلا ہوں ۔ آپ نے فرمایا ۔ کہ میری گھر سے نکلنے کی وجہ بھی یہی تھی ۔ اور ایک دینار قرض لایا ہوں ۔ لیکن تیری ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم سمجھتا ہوں ۔ لہذا یہ دینار تو لے لے ۔ پس دینار مقداد کو دے کر خالی ہاتھ واپس گھر کی طرف متوجہ ہوئے دیکھا کہ جناب رسالتمآبؐ تشریف فرما ہیں اور خاتونِ معظمہ مصروفِ عبادت ہیں ، اور درمیان میں ایک سرپوش سے ڈھکی ہوئی چیز موجود ہے ۔ بی بی پاک جب نماز سے فارغ ہوئیں اور سرپوش ، اٹھایا ۔ تو دیکھا ایک بڑا برتن ہے جو گوشت و روٹی سے پُر ہے اس مقام پر جناب امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا : ۔ يَا فَاطِمَةُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا ۔ (اے فاطمہؑ آپ کو یہ چیز کہاں سے پہنچی ؟ تو جناب سیدہؑ نے عرض کی ۔ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔ (یہ اللہ کی جانب سے ہے اور خدا جسے چاہے بے حساب رزق عنایت فرماتا ہے ۔)

نکات علمیہ

(۱) لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى : ۔ (جملہ معترضہ) فرمانِ خدا ہے نہ کہ والدۂ مریم کا مقولہ ہے کیونکہ اگر اُن کا مقولہ ہوتا ۔ تو چونکہ لڑکے کی خواہشمند تھیں اور بجائے اس کے لڑکی کی ماں بن بیٹھیں تو مقام حسرت میں کہنا چاہیے تھا ۔ لَيْسَ الْأُنْثٰى كَالذَّكَرِ ۔ یعنی یہ عطا شدہ لڑکی ، لڑکے کی جگہ پُر نہیں کر سکتی ۔ کیونکہ ہر وہ مقام جہاں ایک اعلیٰ چیز کے طالب کو ناقص چیز ملے تو اظہار میں ناقص کا نام لے کر کہا جاتا ہے کہ یہ اس کی مانند نہیں ہو سکتی جس کا میں طالب تھا اور اگر یہ جملہ فرمانِ خدا قرار دیا جائے تو مقصد یہ ہو گا کہ والدۂ حضرت مریم چونکہ دل میں لڑکے کی متمنی تھیں اور

ان کو خیال بھی یہی تھا کہ میرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور خداوند کریم کے نزدیک مقدر یہ تھا کہ ان کو حضرت مریم عطا کرکے اس کے شکم اطہر سے لڑکا بغیر باپ کے عطا کروں جو رسول و نبی ہو اور اولوالعزم پیغمبر ہو۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ لڑکا جس کو مادرِ مریم چاہتی تھی وہ اس کی لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔ جو ان کو بالفعل عطا ہوئی۔ کیونکہ وہ لڑکا یقیناً ان خصوصیات کا حامل نہ ہوتا۔ جو حضرت مریم میں اور ان کے فرزند حضرت عیسٰے علیہ السلام میں تھیں اور جن مفسرین نے اس جملہ کو مادرِ مریم کا مقولہ قرار دیا ہے اُن کو تصحیح معنی کے لئے تکلفات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

(۲) مادرِ مریم نے خدا سے دو دعائیں طلب کیں۔ پہلی دعا بچے کی مقبولیت کے لئے کہ میں نے اس کو اپنی ولایت مادری سے آزاد کرکے تیری عبادت گزاری اور خدمت بیت المقدس کے لئے نذر کی ہے پس تو اسے قبول فرما۔ اور دوسری دعا چونکہ ان کو بذریعہ پیشین گوئی یا الہام یا ذاتی اندازے کے یقین تھا کہ مجھے لڑکا عطا ہوگا تو جب لڑکی عطا ہوئی تو ان کا وہ نظریہ فوراً بدل گیا اور علم سابق کے ذریعے سمجھیں کہ وہ معہود لڑکا اس لڑکی کے بطن سے ہوگا۔ لہٰذا اس لڑکی کا نام مریم تجویز کرکے دعا مانگی کہ میرے اللہ اس بچی کو اور اس کی ذریت کو شیطان رجیم کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس خداوند کریم نے ان کی دونوں دعائیں قبول فرمائیں پہلی دعا کے جواب میں فرمایا۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ۔ جو مریم کے اصطفا کی طرف اشارہ ہے اور دوسری دعا کے جواب میں فرمایا۔ وَاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا۔ یعنی ان کی تربیت اور پرورش نہایت صاف و پاکیزہ طریق سے فرمائی۔ یہ شیطان رجیم سے حفاظت کا عہد ہے اور جو حضرت مریم کی طہارت کی طرف اشارہ ہے چنانچہ بعد میں اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ اسی امر کی تصریح ہے۔

(۳) اَلْمِحْرَابُ۔ مسجد یا گھر میں ایک مخصوص مقام عبادت کو کہتے تھے لیکن آج کل مسجد کی جانب قبلہ کی دیوار کے وسط میں جو جگہ پیش نماز کے لئے مخصوص طور پر بنائی جاتی ہے اسے محراب کہا جاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ کے لئے چند قول ہیں۔

(۱) چونکہ شیطان اور خواہشاتِ نفسانیہ کے ساتھ یہ جگہ مقام حرب ہے اس لئے اس کو محراب کہتے ہیں؛

(۲) یہ حریب سے نکلا ہے جس کا معنی ہے لٹا ہوا چونکہ انسان اس مقام پر دنیاوی مشاغل سے تہی دامن اور فارغ القلب ہو کر آتا ہے تو گویا وہ ان چیزوں سے لٹا ہوا ہوتا ہے۔ پس اس مقام کو محراب اسی مناسبت سے کہتے ہیں۔

(۳) بعض کہتے ہیں کہ گھر میں صدر مجلس کو محراب البیت کہا جاتا ہے اور بعد میں جب مساجد کی بنا ہوئی تو ان کے صدر مقام کو بھی محراب کا نام دیا گیا ہے ان کے علاوہ اور وجوہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔

بہر حال اس مقام پر وہ مقام مخصوص مراد ہے جو حضرت مریم کی مخصوص عبادت گاہ تھا اور حضرت مریم تنہا اس میں عبادتِ خدا کیا کرتی تھیں۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُۥ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً

وہیں (حضرت) زکریا نے اپنے رب سے دعا مانگی کہا۔ اے پروردگار! مجھے عطا فرما اپنی بارگاہ سے پاکیزہ اولاد۔

طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ

تحقیق تو ہی دعا کے سننے والا ہے پس اُسے فرشتوں نے ندا دی درحالیکہ وہ کھڑے نماز

يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ

پڑھ رہے تھے محراب میں۔ اے زکریا۔ تحقیق اللہ تجھے یحیٰی کی خوشخبری دیتا ہے۔ جو تصدیق کرنے والا ہوگا کلمۃ اللہ

مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٣٩﴾

کی اور سید اور پاکباز اور نبی ہوگا صالحین میں سے۔

حضرت زکریا کو حضرت یحیٰی کی بشارت

جب حضرت زکریا نے جناب مریم کے پاس بے موسم کے میوہ جات ملاحظہ فرمائے تو جناب مریمؑ کی عظمت و کرامت دیکھ کر ان کے دل میں اسی جیسی باکرامت اولاد کی خواہش پیدا ہوئی چنانچہ وہیں طیب اولاد کے لئے دعا مانگی جو منظور ہوئی اور خداوند کریم نے حضرت یحیٰی کو حضرت عیسےٰ کے ساتھ اکثر امور میں مشابہت عطا فرما دی چنانچہ قرآن مجید میں دونوں کے اوصاف سے اس حقیقت کا صاف پتہ چل سکتا ہے اور یہ حضرت زکریا کی دُعا کا اثر تھا اور حضرت یحیٰی کو مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ فرمایا۔ حالانکہ دوسرے مقام پر کلمہ سے مراد حضرت مسیح ہیں تو اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحیٰی حضرت عیسےٰ کے اتباع و اوصیاء میں سے تھے۔

حَصُورًا۔ عورتوں سے بچنے والا۔ لیکن یہاں مراد ہے خواہشات و لذاتِ نفسانیہ سے پرہیز کرنے والا۔

اٰيَتُكَ الخ۔ بروایت عیاشی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت زکریا کو فرشتے نے ولادت یحیٰی کی بشارت دی تو حضرت زکریا نے اطمینانِ قلب کے لئے نشانی طلب کی تاکہ یقین ہو جائے کہ وہ آواز وسوسہ نہیں تھا پس وحی ہوئی کہ تیری زبان تین دن بجز ذکر خدا کے عام کلام کرنے سے بند ہو گی۔ پس اس نشانی سے حضرت زکریا مطمئن ہو گئے۔

حضرت یحیٰی کی حضرت عیسےٰ سے مشابہت

حضرت زکریا کی دعا کا مقبولیت کا اثر تھا کہ حضرت یحیٰی کو خدا نے حضرت مریم اور حضرت عیسےٰ کے کمالات کا جامع بنا دیا۔

(۱) حضرت یحیٰی کی ولادت بشارت کے بعد ہوئی جیسا کہ حضرت عیسےٰ کی ولادت بشارت کے بعد ہوئی تھی۔

(۲) حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسےٰؑ دونوں کے نام جناب رب العزت کی طرف سے تجویز شدہ تھے اور دونوں کا معنی بھی ایک ہے۔
(۳) حضرت یحییٰ کے متعلق ہے۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ اور حضرت عیسےٰ کے متعلق ہے۔ آتَانِیَ الْکِتَابَ۔
(۴) حضرت یحییٰ کے لئے فرمایا:- وَآتَیْنَاهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا اور حضرت عیسےٰ کہہ رہے ہیں۔ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔
(۵) حضرت یحییٰ کے لئے ہے حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً وَّکَانَ تَقِیًّا۔ اور حضرت عیسےٰ کے متعلق ہے:- وَجَعَلَنِیْ مُبَارَکًا اَیْنَمَا کُنْتُ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ۔
(۶) حضرت یحییٰ کی شان ہے۔ وَبَرًّا بِوَالِدَیْهِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا۔
اور حضرت عیسےٰ کی بھی یہی شان ہے وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔
(۷) حضرت یحییٰ پر تین جگہ سلام ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا۔
اور حضرت عیسےٰ پر بھی تین سلام ہیں:- وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔
(۸) حضرت یحییٰ کو سید کہا اور حضرت عیسےٰ کو وَجِیْهًا عِنْدَهٗ کا خطاب دیا۔
(۹) جس طرح حضرت یحییٰ کو حصور نبی اور صالحین میں سے کہا۔ اسی طرح حضرت عیسےٰ بھی انہی صفات سے متصف تھے۔
(۱۰) حضرت زکریاؑ کے پاس جس طرح فرشتہ بشارت لایا تھا حضرت مریمؑ کے پاس بھی فرشتہ آیا تھا۔
(۱۱) حضرت زکریاؑ نے اپنا بڑھاپا اور اپنی زوجہ کا عقیم ہونا پیش کیا تھا۔ اُدھر مریمؑ نے اپنا بغیر شوہر کے ہونا ظاہر کیا تھا۔ پس جس لہجہ میں حضرت زکریاؑ کو جواب دیا گیا تھا۔ اسی جیسا جواب حضرت مریم کو بھی دیا گیا۔
(۱۲) حضرت زکریاؑ کو کہا گیا:- آیَتُکَ اَنْ لَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا۔
اور حضرت مریمؑ کو تعلیم دی گئی۔ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا۔
(۱۳) بعض لوگوں نے عیسےٰ کا معنی یَعِیْشُ کہا ہے پس یحییٰ اور عیسےٰ دونوں لغوی معنی کے لحاظ سے بھی ایک جیسے ہیں۔

نُکتہ:- کلام وہ ملفوظات ہیں جو باہمی نسبت و ربط پر مشتمل ہو کر مخاطب تک ما فی الضمیر کے پہنچانے کا ذریعہ ہوں۔ اور اُسے قول بھی کہا جاتا ہے لیکن عرفِ عام میں ہر وہ حرکت جو ما فی الضمیر کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے اُسے بھی کلام و قول کہا جاتا ہے خواہ آواز کی قسم ہو یا اشارہ و رمز کے طریقہ سے ہو۔ آواز ایک ہو یا متعدد ہوں اور ہر وہ آواز جو پورا فائدہ دے سکنے والی ہو خواہ کسی منہ سے نہ نکلے اُسے کلام و قول کہنے میں تو کسی کو مجالِ توقف ہی نہیں۔ قرآن مجید نے وساوسِ شیطانی کو بھی کلام و قول شیطان سے متعدد مقامات پر تعبیر فرمایا ہے اگرچہ بعض مقامات پر اسے امر۔ وسوسہ۔ وحی اور وعدہ بھی کہا گیا ہے چنانچہ یَاْمُرُ یُوَسْوِسُ یُوْحِیْ۔ اور یَعِدُ کے الفاظ اس امر کے شاہد ہیں۔ پس جملہ خطرات و وساوسِ شیطانی کو کلام و قولِ شیطان کہا جاتا ہے۔
اس کے مقابلہ میں خدا کی جانب سے انسان کے دل میں جو باتیں تائیدی طور پر پہنچتی ہیں۔ انہیں وعدہ۔ حکمت۔ نور۔ سکینہ

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ

عرض کی اسے پروردگار! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا۔ حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے۔ اور میری عورت بانجھ ہے

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ

کہا (فرشتے نے) کہ خدا اسی طرح جو چاہتا ہے کرتا ہے عرض کی اسے رب مقرر کر میرے لئے کوئی نشانی۔

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ

فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو نہ بولے گا لوگوں سے تین دن تک مگر اشارے سے۔ اور یاد کر اپنے

رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

رب کو بہت اور اس کی تسبیح کر صبح و شام

اور شرح صدر وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور انہی خطاباتِ روحانیہ کو کلام و قولِ ملائکہ بھی کہا گیا ہے۔ چنانچہ آیاتِ قرآنیہ میں سیر کرنے کے بعد آسانی سے اس نتیجہ تک پہنچا جا سکتا ہے پس معلوم ہوا کہ ملائکہ اور شیاطین دل میں معانی و مطالب کے القاء کے طور پر انسان سے کلام کیا کرتے ہیں۔ کلام ملکی اور وسوسۂ شیطانی میں فرق یہ ہے کہ کلام ملکی میں شرحِ صدر، مغفرت و فضلِ خداوندی کا وعدہ ہوتا ہے اور اس میں کتاب و سنت کی پوری موافقت ہوا کرتی ہے لیکن بخلاف اس کے وسوسۂ شیطانی میں تنگ دلی، بخل خواہش پرستی۔ وعدۂ فقر اور ارتکابِ معصیت کی دعوت ہوتی ہے جس کا ماحصل خدا و رسولؐ کی صریح مخالفت ہوتی ہے۔

انبیاء کے لئے بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ملائکہ مجسم ہو کر اُن کے سامنے آئے اور ان سے ہمکلام ہوئے اور بعض اوقات شیطان بھی تجسم کے بعد اُن سے گویا ہوا۔ جس طرح کہ قرآن میں انبیاء کے قصص و واقعات میں تصریح سے مذکور ہے۔

حضرت زکریاؑ کو ملائکہ کا ندا دے کر فرزند کی بشارت دینا ظاہراً تجسم کی صورت میں نہیں تھا بلکہ القاء قلبی کے طریقہ پر تھا جسے وہ فوراً کلام ملکوتی سمجھتے ہوئے مطمئن ہو گئے اور مزید سرور اور شرح قلب کے لئے نشانی کے طالب ہوئے اور اسی کلام ملائکہ یا ان کے قول اور ندا کو دوسری آیات میں خداوند کریم نے اپنی طرف بھی منسوب فرمایا ہے اور حضرت زکریاؑ کے تین دن تک کلام نہ کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ تین دن متواتر آپ کی زبان سوائے ذکرِ خدا کے کسی اور طرف متحرک نہ ہوئی۔

شکمِ مادر میں کلام

حضرت یحییٰ سب سے پہلے حضرت عیسےٰ پر ایمان لائے یہ دونو آپس میں خالہ زاد بھائی تھے اور حضرت یحییٰؑ چھ ماہ عمر میں حضرت عیسےٰؑ سے بڑے تھے اور حضرت عیسےٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے شہید کر دیئے گئے تھے۔ تفسیر امام علیہ السلام سے تفسیر صافی میں منقول ہے کہ سوائے حضرت زکریاؑ کے حضرت مریمؑ کے پاس کوئی بھی نہیں جایا کرتا تھا اور آپ جس طرف جاتے تھے حضرت مریمؑ کے حجرہ کو قفل لگا کر جاتے تھے پس جب حضرت مریمؑ کو حضرت عیسےٰؑ

کا حمل ہوا۔ تو حضرت زکریاؑ نے محسوس فرمایا کہ لوگ اس معاملہ میں مجھے تہمت دیں گے چنانچہ اپنی زوجہ سے یہ ماجرا بیان کیا تو اس نے جواب دیا کہ آپ خوف نہ کریں اور مریمؑ کو میرے پاس لائیں تاکہ میں اس سے حقیقت دریافت کروں۔ پس حضرت زکریاؑ حضرت مریمؑ کو لائے تو چونکہ حضرت زکریا کی زوجہ مریم کی بڑی بہن تھی۔ لہذا تعظیم کے لئے نہ اٹھی تو حضرت یحییٰؑ نے بقدرت خدا شکم مادر میں آواز دی اے اماں :۔ آپ کے پاس جہان کی عورتوں کی سردار آئی ہے جو جہان کے مردوں کے سردار کی ماں ہے لہذا آپ کو اس کی تعظیم کے لئے اٹھنا چاہیئے پس زوجہ زکریاؑ تعظیم مریمؑ کے لئے اٹھیں۔

اہلبیت عصمت کے لئے بھی شکم مادر کے اندر کلام کرنا روایات سے ثابت ہے کہتے ہیں جناب رسالتمآبؐ جب جناب فاطمہ بنت اسد کے پاس تشریف لاتے تھے تو جناب فاطمہ تعظیم کے لئے اٹھ کھڑی ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ بعض بنی ہاشم نے بی بی کو اس تعظیمی قیام سے روکنا چاہا۔ تو شکم سے آواز بلند ہوئی کہ اماں :۔ یہ رسول وسیدؐ کائنات ہیں ان کی تعظیم کے لئے آپ کو اٹھنا چاہیئے (کتب معتبرہ سے یہ روایت اگرچہ مجھے نہیں مل سکی لیکن بیان کرنے والے اسی طرح بیان کرتے ہیں البتہ یہ فعل قدرتِ خدا سے بعید نہیں اور نیز اس کی نظیر بھی پہلے حضرت یحییٰؑ میں موجود ہے۔ لہذا استعجاب کی کوئی وجہ نہیں، اسی طرح شکم اطہر میں جناب بتول معظمہ خاتونِ جنت کا اپنی ماں کے لئے مونسِ تنہائی ہونا اور سید الشہداء روحی اور ارواح المومنین لہ الفدا کا شکم مادر میں اپنی والدہ ماجدہ سے ہمکلام ہونا بھی روایات میں موجود ہے جو خدا درخت میں کلام پیدا کر سکتا ہے۔ حیوانات سے کلام کروا سکتا ہے بلکہ جمادات سے بھی گویائی پیدا کر سکتا ہے چنانچہ جناب رسالتمآبؐ کے ہاتھوں پر سنگریزوں کا بولنا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرنا عام کتب میں مذکور ہے پس کیا عجب ہے کہ وہ بچے کو شکم کے اندر طاقتِ گویائی دے دے۔ ظاہری اسباب کے لحاظ سے تو بعد از پیدائش بھی بچہ بولنے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ایک خاص عرصہ اس کی تربیت ظاہری میں صرف نہ ہو جائے پس ہر خلافِ عادت چیز کو محال عقلی کہنے والے تو حضرت عیسیٰؑ کے عہد میں تکلم کرنے یا بچے کے حضرت یوسفؑ کی پاکدامنی کی گواہی دینے کو بھی اوپری نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن قدرتِ خدا کو محیط جاننے والوں کے لئے جس طرح بعد از ولادت اور قبل از وقت بچے کا بولنا ممکنات میں سے ہے اسی طرح قبل از ولادت بھی ممکنات میں سے ہے البتہ عادتاً محال ہے لیکن بہت سے عادی محال بقدرت خدا واقع ہو جایا کرتے ہیں اور خدا ہر شے پر قادر ہے اور یہی چیز خاصانِ خدا کا دوسری عام مخلوقات سے طرۂ امتیاز ہے۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریمؑ تحقیق اللہ نے تجھے چن لیا اور تجھے پاک کیا

وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ

اور تجھے برگزیدہ فرمایا عالمین کی عورتوں پر اے مریمؑ قنوت کر اپنے رب کے لئے

وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳

اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے

انتخابِ مریم

وَاِذْ قَالَتْ :۔ گذشتہ اِذْ قَالَتْ پر عطف ہے اور آیت بتلاتی ہے کہ حضرت مریم محدثہ تھیں کہ ان سے فرشتے کلام کرتے تھے اور پہلے اصطفا سے مراد قبول کر لینا اور دائرہ محبت میں لے لینا ہے اور دوسرے اصطفا سے مراد منتخب و برگزیدہ کرنا دوسروں کے مقابلہ میں ہے اسی لئے پہلا مطلق ہے اور دوسرا علےٰ کے ساتھ مستعمل ہے نیز ان کی طہارت سے مراد عصمت ہے اور بعضوں نے بتول ہونا مراد لیا ہے یعنی آلائشِ حیض سے پاک و صاف تھی تاکہ ہر وقت بیت المقدس میں رہ کر عبادت کر سکے اور بعید نہیں کہ دونوں معنی اس مقام پر مراد ہوں اور پہلا معنی زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ چونکہ حضرت عیسےٰ کی ولادت کا بعد میں تذکرہ ہے اور وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے پس حضرت مریمؑ کی عصمت کی پہلے شہادت دے دی تاکہ کسی کو اس کے متعلق شک و شبہ کی مجال نہ رہے اور بدگمانی کی طرف کوئی ذہن اقدام نہ کرے۔

سوال :۔ کیا حضرت مریمؑ کو پورے عالمین کی عورتوں پر برگزیدگی کا شرف حاصل ہوا ہے۔

جواب :۔ آیت مجیدہ کے ظاہری الفاظ تو اسی مطلب کی تائید کرتے ہیں کیونکہ عالمین جمع کا صیغہ ہے اور اس پر الف و لام بھی داخل ہے اور قواعد کے لحاظ سے اس کا معنی استغراق ہوتا ہے۔ یعنی حضرت مریم کو تمام جہانوں کی عورتوں پر خدا نے سبقت دے دی۔ اور نیز استثنار کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو تمام جہانوں کی عورتوں پر ترجیح دی گئی لہذا یہ کہنا کہ اس کو صرف اپنے زمانہ کی عورتوں پر فوقیت عطا کی گئی آیت مجیدہ کا ظاہر اس مطلب کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔

سوال :۔ عقیدہ شیعہ کی رُو سے فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا عالمین کی عورتوں کی سردار ہے چنانچہ جناب رسالتمآبؐ سے اس بارہ میں متعدد فرامین صادر ہوئے ہیں نیز کتب فریقین میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا :۔ میری شہزادی فاطمہؑ جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جنت صرف ایک عالم کی عورتوں کے لئے نہیں بلکہ تمام عالمین کی پاک و نیک عورتیں وہاں ہوں گی اور جناب فاطمہؑ بلا استثنار سب کی سردار ہے لیکن آیت مجیدہ میں حضرت مریم کو تمام جہانوں کی عورتوں میں سے برگزیدہ کہا گیا ہے اب ان ہر دو مقاموں پر غور کرنے کے بعد تعارض سامنے آجاتا ہے اور آیت اور حدیث میں تعارض کی صورت میں آیت ہی کو ترجیح دی جایا کرتی ہے۔

جواب :۔ آیت مجیدہ میں حضرت مریمؑ کو برگزیدگی کا تمغہ عطا کیا گیا ہے اور حدیث پاک میں جناب فاطمہؑ زہرا کو سیادت کا تاج دیا گیا ہے لیکن ہر دو مقام پر حصر نہیں ہے لہذا مریمؑ کا انتخاب جناب فاطمہؑ کے انتخاب کے منافی نہیں اور حضرت فاطمہؑ کی سیادت جناب مریم کی سیادت سے متصادم نہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں بلکہ ان کے علاوہ کچھ اور خواتین بھی اس کرامت میں ان کے ساتھ شریک ہوں چنانچہ شیعہ و سنی ہر دو کی کتب میں اس کی تائید موجود ہے۔

(۱) عن الدر المنثور عن انس: ان رسول الله قال حسبك من نساء العالمين مريم بنت عمران وخديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد وآسية امراة فرعون۔

(۱) دُرِ منثور۔ انس سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ تمام جہانوں کی عورتوں میں سے مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد، جناب فاطمہ بنت محمدؐ اور آسیہ زوجہ فرعون فضیلت و شرف کے لئے کافی ہیں۔

(۲) وفيه عن ابن عباس۔ قال رسول الله افضل نساء العالمين خديجة وفاطمة ومريم وآسية امراة فرعون۔

(۲) ابن عباس سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ عالمین کی عورتوں میں سے افضل۔ خدیجہ، فاطمہ، مریم اور آسیہ زوجہ فرعون ہیں۔

(۳) وفيه عن الحسن۔ قال رسول الله ان الله اصطفى على نساء العالمين اربعاً آسية بنت مزاحم ومريم بنت عمران وخديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد صلى الله عليه وآله وسلم

(۳) حسن بصری سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تمام جہانوں کی عورتوں میں سے خدا نے چار کو چن لیا۔ (۱) آسیہ بنت مزاحم (۲) مریم بنت عمران (۳) خدیجہ بنت خویلد (۴) فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۴) الخصال۔ عن ابن عباسؓ قال خطّ رسول الله اربع خطوط ثم قال خير نساء اهل الجنة مريم بنت عمران و خديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد وآسية بنت مزاحم امرأة عمران

(۴) خصال میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے چار خط کھینچے اور پھر فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سب سے بہترین۔ مریم دختر عمران۔ خدیجہ دختر خویلد۔ فاطمہ دختر محمد اور آسیہ دختر مزاحم زوجہ فرعون ہیں۔

(۵) وفيه عن ابي الحسن الاول عليه السلام قال قال رسول الله ان الله عزّ وجلّ اختار من النساء اربعاً مريم وآسيه وخديجه وفاطمه الخبر۔

(۵) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ تحقیق اللہ سبحانہٗ نے عورتوں میں سے چار کو منتخب فرمایا۔ یعنی مریم، آسیہ، خدیجہ اور فاطمہ الخبر۔

بہر کیف اس مضمون کی احادیث کتب فریقین میں حد تواتر تک پہنچی ہیں۔

(۲) جس طرح ایک سکول کی ایک کلاس میں مختلف مضامین کے لحاظ سے چند طلبہ نمبر اوّل پر فائز ہو جایا کرتے ہیں اگرچہ مجموعی طور پر ان کے مراتب میں کافی فرق ہوتا ہے مثلاً ایک لڑکا ایک مضمون میں فسٹ ہے دوسرا دوسرے میں، تیسرا تیسرے میں اور چوتھا چوتھے میں، تو کہا جائے گا کہ چاروں پورے سکول میں فسٹ ہیں لیکن مجموعی نمبروں کا تناسب ہوگا تو ان چاروں میں ایک فسٹ ہوگا دوسرا سیکنڈ وعلیٰ ہذا القیاس۔ بہر کیف یہ ضروری نہیں کہ جس طرح وہ اپنے ایک ایک مضمون میں امتیازی شان کے حامل ہیں مجموعی طور پر بھی وہ سب کے سب یکسانیت رکھتے ہوں بلکہ عام عادت کا تقاضا یہی ہے کہ ان میں تفاوت ہوگا اور ان کا یہ باہمی تفاوت ان کے پورے سکول یا جماعت میں فسٹ آنے کے منافی نہیں۔

پس اسی طرح درست ہے کہ پورے عالمین میں سے چند خواتین ممتاز ہوں۔ لیکن بعض خصوصیات کے اعتبار سے اور مجموعی طور پر ان سب میں سے صرف ایک ہی ممتاز ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت مریم کس صفت میں امتیازی شان کی حامل ہے۔ اور اس کی مصطفائی و برگزیدگی کا محور و مدار کونسی صفت ہے۔

تو اگر قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے اور حضرت مریم کے متعلق آیاتِ الٰہیہ کو غور سے دیکھا جائے تو جناب مریم کا کوئی فضیلت کا پہلو ایسا نہیں جس کو قرآن مجید نے بیان نہ کیا ہو۔ چنانچہ حضرت مریم کی خصوصی صفات میں سے جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے یہ ہیں۔

(۱) حضرت مریم حیض اور اس قسم کی آلائشات نسوانی سے پاک و منزہ تھیں۔

(۲) عفیفہ اور پاک دامن تھیں اور دونوں صفتوں کو طَھَّرَكِ کا لفظ ظاہر کر رہا ہے اور نیز اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کا جملہ بھی حضرت مریم کی عفت پر نص ہے۔

(۳) کلمات اللہ کی تصدیق کرنے والی تھی۔

(۴) کتب سماویہ کی تصدیق کرنے والی تھی چنانچہ فرماتا ہے۔ صَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ۔

(۵) قنوت کرنے والی تھی چنانچہ ارشاد ہے۔ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ۔

(۶) فرشتے ان سے کلام کرتے تھے پس محدثہ تھی۔

اور ظاہر ہے کہ ان صفات کے لحاظ سے حضرت مریم کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ ان میں دوسری متعدد خواتین بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ ہاں مریم کی وصف و ثنا جو قرآن میں خصوصیت کے ساتھ اور متعدد مرتبہ نہایت اہمیت سے بیان ہوئی ہے وہ ہے حضرت عیسیٰؑ کے بغیر باپ کے تولّد کا قصہ۔ چنانچہ ابھی بعد کی آیتوں میں بیان ہوگا۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ الخ ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔ فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (سورۂ انبیاء) اسی طرح ایک اور مقام پر ہے وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ الخ (سورۂ تحریم)

پس قرآن مجید میں حضرت مریم کی جملہ مذکورہ صفات میں سے صرف حضرت مسیح کی والدہ ہونا اور کسی مرد کے مس کئے بغیر حضرت عیسےٰ کی ماں بننا ان کا ایک ایسا خصوصی نشان ہے کہ اس میں عالمین کی عورتوں میں سے اس کا کوئی بھی شریک نہیں پس وہ اس صفت اور شان میں امتیاز کلی کی حامل ہیں اور تمام جہانوں کی عورتوں میں سے وہ اس لحاظ سے برگزیدہ اور منتخب ہیں نہ کہ تمام باقی صفات کے اعتبار سے جیساکہ ظاہر ہے پس جن روایات میں حضرت مریمؑ کو عالمین کی عورتوں میں سے ایک امتیازی حیثیت کی حامل کہا گیا ہے ان میں ان کی صرف اسی خصوصیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اسی طرح حضرت مریم کے علاوہ جناب خدیجہؑ اور جناب آسیہ بھی عالمین کی عورتوں میں سے دامنِ انتخابِ خداوندی کے اندر داخل ہیں اور یہ انتخاب ان کی نمایاں اور مخصوص بعض صفات کے تحت ہے جو ان کی عالمین میں امتیازی حیثیت کی حامل ہیں۔ پس باقی تمام عورتوں پر تو اُن کی فضیلت ثابت ہوگئی لیکن کیا یہ چاروں پاک بیبیاں مساوی اور یکساں رتبہ پر فائز ہیں؟ حضرت مریمؑ کے متعلق قرآنی تصریح صرف اس کے اپنی مخصوص صفت کے لحاظ سے منتخب اور ممتاز ہونے کا اعلان کر رہی ہے اور الفاظ آیت اور ترکیب جملہ قطعاً مریم میں اصطفاء کے محصور ہونے پر دلالت نہیں کرتے اور فرمانِ نبویؐ میں چار بیبیوں کے انتخاب کا اعلان بھی مریم میں انتخاب کے حصر کے منافی ہے جب یہ معلوم ہوا کہ قرآن حضرت مریم کے مجموعی صفات کے نتیجے کے اعلان سے ساکت ہے تو فرمانِ نبویؐ جناب فاطمہؑ کی عمومی سیادت کے اعلان کے متعلق یقیناً تعارض سے خالی ہے بلکہ بعض روایات میں تو حضرت مریمؑ کی سیادت کی حضرت فاطمہ کے مقابلہ میں صاف طور پر نفی موجود ہے جیساکہ درمنثور سے منقول ہے۔

عن فاطمہ: قال لی رسول اللّٰہؐ انتِ سیدۃ نساء اھل الجنۃ لا مریم البتول (یعنی جناب رسالتمآبؐ نے فاطمہؑ سے فرمایا کہ جنت کی عورتوں کی صرف تو ہی سردار ہے نہ کہ مریمؑ بتول۔

احادیث آئمہ علیہم السلام میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ حضرت مریمؑ کا اصطفاء صرف عیسےٰؑ کی ولادت کے لئے تھا چنانچہ

(۱) عن تفسیر القمی قال علیہ السلام اصطفاھا مرتین اما الاولیٰ فاصطفاھا ای اختارھا واما الثانیۃ فانھا حملت من غیر فحل فاصطفاھا بذالک علیٰ نساء العالمین۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ معصوم نے فرمایا۔ خداوند کریم نے مریم کو دو دفعہ چُنا، پہلی دفعہ تو (اپنی عبادت کے لئے) اُسے مختار بنایا اور دوسری دفعہ وہ چونکہ بغیر شوہر کے حاملہ ہوئیں پس اس کو تمام عالمین کی عورتوں پر اس خصوصیت کے لحاظ سے منتخب فرمایا۔

(۲) عن المجمع قال ابو جعفرؑ معنی الآیۃ اصطفٰک لذریۃ الانبیاء وطھرک من السفاح واصطفٰک لولادۃ عیسٰی من غیر فحل

(۲) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ آیت کا معنی یہ ہے۔ کہ خدا نے تجھے ذریت انبیاء ہونے کے لئے برگزیدہ کیا۔ اور بدکاری سے پاک کیا اور بغیر باپ کے عیسےٰؑ کی پیدائش کے لئے تجھے انتخاب کیا۔

پس قرآن مجید میں تدبر کرنے اور احادیث میں نظر دوڑانے کے بعد یہ نتیجہ بخوبی سامنے آجاتا ہے کہ حضرت مریمؑ کا عالمین

کی عورتوں پر اصطفاء صرف اسی خصوصی صفت کی بناء پر ہے اور یہی وہ صفت ہے جس سے عالمین کی عورتیں محروم ہیں۔ لیکن جناب خاتونِ جنت کی سیادت کسی ایک وصف کے پیشِ نظر نہیں بلکہ علی الاطلاق ان کو سیدۃ نساء العالمین کا خطاب دیا گیا ہے پس وہ مریمؑ سے بھی افضل ہیں اور باقی عام عورتوں سے بھی ان کو سبقت حاصل ہے اور یہ ممکن ہے کہ یہ چاروں عصمت مآب بیبیاں بعض اوصافِ مخصوصہ میں عالمی امتیاز رکھتی ہوں۔ لیکن جملہ صفاتِ حسنہ کے لحاظ سے ان میں باہمی طور پر تفاوتِ مراتب ہو۔ اور بعض بعض سے افضل ہوں چنانچہ مثال سابق سے اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

اعتراض :۔ اب رہا یہ سوال کہ حضرت مریمؑ کے اصطفاء کا اعلان خداوند کریم نے بذریعہ قرآن مجید کے فرمایا۔ اور خاتونِ جنت کی سیادت کا اعلان حدیث کے ذریعے ہوا۔ قرآن کی سند قطعی اور حدیث کی سند ظنی ہے کہ قطعی کے مقابلہ میں ظنی کو کوئی اہمیت ہی حاصل نہیں۔

جواب :۔ سندِ حدیث بے شک ظنی ہوتی ہے لیکن تواتر کے بعد اُسے بھی قطعیت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور حدیث مذکور کا کتب فریقین میں متواتر ہونا ثابت ہے اور اگر بالفرض تواتر ثابت نہ بھی ہو تب بھی اس سے تمسک پکڑنے میں خرابی تب لازم آتی کہ آیت اور حدیث میں تعارض ہوتا اور ہم گذشتہ بیان میں ثابت کر چکے ہیں کہ مفہوم آیت و حدیث میں قطعاً تعارض نہیں۔ کیونکہ اولاً تو آیت مجیدہ اصطفاء کا مریمؑ میں حصر نہیں بتلاتی اور ثانیاً جس خصوصیت کا مریمؑ میں حصر ہے اس سے کسی حدیث کا تعارض نہیں بلکہ وہ وصف صرف مریمؑ کی ہی ہے اور قرآن مجید کا ایک امر کے بیان سے سکوت اس کی نفی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ بلکہ بہت سے شرعی امور ایسے ہیں جن سے قرآن خاموش ہے لیکن بذریعہ حدیث اُن پر ایمان فرض ہے پس من جملہ ایسے امور کے ایک یہ بھی سمجھ لینا چاہیے۔

(۳) حضرت مریمؑ کی متذکرہ صفات جناب زہرا سلام اللہ علیہا میں بھی موجود تھیں۔ چنانچہ تفسیر عمدۃ البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جناب فاطمہ عالم کی عورتوں کی سردار، میری پارۂ جگر، نورِ چشم اور میوۂ دل ہے جب وہ عبادتِ خدا کے لئے محراب میں کھڑی ہوتی ہے تو اس کے نور سے ملائکہ اس طرح فیض حاصل کرتے ہیں جس طرح اہل زمین آسمانی ستاروں کی روشنی سے استفادہ کرتے ہیں اور خدا فرشتوں سے خطاب فرماتا ہے کہ میری کنیز خاص فاطمہ کو دیکھو کہ میرے خوف سے محراب عبادت میں مشغول گریہ ہے اور اس کا بدن کانپتا ہے وہ تمام عورتوں کی سردار ہے اور میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اس کو اور اس کے شیعوں کو آتشِ جہنم سے بے خوف کروں گا۔ ادھر اگر مریمؑ کے لئے اِصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ کا خطاب ہے تو جناب فاطمہؑ کے لئے یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ کا ارشاد ہے اگر وہ بتول تھیں تو یہ بھی بتول تھیں۔ اگر ان سے ملائکہ کلام کرتے تھے تو ان کے ساتھ بھی ملائکہ کا کلام کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب فاطمہؑ کا لقب محدثہ اس واسطے ہے کہ ملائکہ ان سے باتیں کرتے تھے۔ اور جناب مریمؑ کی طرح اُن سے بھی خطاب کر کے کہتے تھے۔ یَا فَاطِمَةُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ یَا فَاطِمَةُ اُقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ

یہ غیب کی خبروں سے ہے۔ کہ ہم وحی کرتے ہیں تیری طرف اور آپ نہ تھے ان کے پاس جب وہ اپنے

اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

قلم ڈال رہے تھے کہ کون کفالت کرے گا مریم کی۔ اور آپ نہ تھے اُن کے پاس جب وہ جھگڑ رہے تھے

ترجمہ:۔ اے فاطمہ تحقیق اللہ نے تجھے چن لیا اور پاک کیا اور عالمین کی عورتوں پر تجھے برگزیدہ فرمایا۔ اے فاطمہ اپنے رب کے لئے قنوت اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔ ایک شب جناب فاطمہ نے فرشتوں سے کہا: کیا مریم عالمین کی عورتوں سے افضل تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ صرف اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار تھی اور تو تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہے۔

اقول:۔ یعنی مریم اُس ایک خصوصی صفت کے لحاظ سے تو عالمین کی عورتوں سے ممتاز ہے اور مجموعی صفات حسنہ کے اعتبار سے فقط اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہے اور جناب فاطمہ زہرا مجموعی صفات کے اعتبار سے عالمین کی عورتوں کی سردار ہے حضرت مریم صرف ایک حجت خدا حضرت عیسٰی کی ماں ہے اور جناب فاطمہ گیارہ اماموں کی اصل ہے جن کے آخری امام حضرت عیسٰی کے بھی مقتدا ہوں گے اور حضرت مریم کی وہ خصوصی صفت جو عالمین کی عورتوں کے مقابلہ میں اس کا امتیازی نشان ہے یعنی بغیر شوہر کے عیسٰی کی ماں بننا غالباً اس ضرورت کے ماتحت ہے کہ مریم معصومہ ہے اور اس زمانہ میں اُن کا کفو مردوں میں سے کوئی موجود نہ تھا کیونکہ زکریا ان کے بہنوئی تھے اور یحییٰ ان کے بھانجے تھے اور ان کے علاوہ مردوں میں سے کوئی ایسا فرد موجود نہ تھا۔ جو مریم کا کفو ہو سکتا لیکن جناب فاطمہؑ کا کفو حضرت علیؑ موجود تھا اور حضرت مریمؑ کی یہ صفت اگرچہ اُن کی امتیازی حیثیت کی حامل ہے لیکن عوام کی نظروں میں اسے عیب کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت مریم کے لئے وہ اتہام و بدگمانی کا موجب بن گئی۔ لیکن جناب فاطمہؑ کی ساحت عصمت اور دامن عفت اس بدنما عیب سے پوری طرح محفوظ و مصون تھا پس اُن کی ناکتخدائی نے واقعیت کے لحاظ سے اگرچہ ان کو ممتاز کیا لیکن ظاہری طور پر ان کی بدنامی اور شرمساری کی موجب ہوئی چنانچہ اپنی پاکدامنی و عفت کے اثبات میں اُسے اپنے نوزائیدہ فرزند حضرت عیسٰی کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن اس طرف جناب فاطمہؑ کی حضرت علیؑ سے شادی جس طرح واقعیت کے لحاظ سے ان کے علو شان کی موجب تھی اسی طرح ظاہری نگاہوں میں بھی اُن کی برتری و سیادت کے لئے غیر متزلزل علامت ہے پس جناب فاطمہؑ کو اس اعتبار سے بھی حضرت مریمؑ سے وہ فوقیت حاصل ہے جس سے کسی منصف مزاج کو انکار کی مجال نہیں۔

يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ۔ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ جب حضرت مریم کا تولد ہوا تو آل عمران نے اس کی کفالت و تربیت میں نزاع کیا اور ہر ایک اس کی کفالت اپنے ذمہ لینا چاہتا تھا پس جب تمام نے اکٹھے ہو کر قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کا نکلا۔ لہذا حضرت مریمؑ کی تربیت ان کے سپرد ہوئی۔ لیکن تفسیر عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ق

جب کہا۔ فرشتوں نے اے مریم۔ تحقیق اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے کلمہ کی جس کا

اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾ لا

نام مسیح عیسٰے بن مریم جو مقبول ہوگا دنیا و آخرت میں اور مقرب بندوں سے ہوگا۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۴۶﴾

اور کلام کرے گا لوگوں سے جھولے میں اور بڑا ہوکر اور نیک بندوں میں سے ہوگا۔

علیہ السلام نے فرمایا۔ جب حضرت مریمؑ کا والد فوت ہوگیا تب انہوں نے اس کی تربیت میں جھگڑا کیا اور قرعہ اندازی کی۔

تنبیہ:۔ حضرت مریم کی ولادت، تربیت، زکریاؑ کی کفالت اور اس کے بعد حضرت مریمؑ کی برگزیدگی، طہارت اور قنوت و رکوع وسجود کے بعد قرعہ اندازی کا ذکر کرنا اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ قرعہ اندازی ان سب باتوں کے بعد واقع ہوئی تھی چنانچہ بعضوں نے یہ احتمال کیا ہے کہ حضرت مریمؑ کے جوان ہونے اور اس کے اصطفاء و طہارت وغیرہ کے بعد جب حضرت زکریاؑ بڑھاپے کی وجہ سے ان کی دیکھ بھال سے عاجز ہوگئے تب ان لوگوں نے مریمؑ کی تربیت میں جھگڑا کیا اور باہمی قرعہ اندازی کی۔ کیونکہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے بلکہ قرعہ اندازی شروع میں کی گئی تھی۔ البتہ اس کا ذکر تربیت وکفالت وطہارت وغیرہ کے بعد کیا گیا۔ جس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ جمع قرآن میں ترتیب نزول کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور یا یہ کہ کلام مجید کی اعجازی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے قصہ کی بعض خصوصیات کو دہرایا گیا اور وہ یہ کہ آنحضرتؐ اور اُن کے صحابہ اس قصہ کے موقعہ پر موجود نہ تھے اور نہ انہوں نے بنی اسرائیل کی کتب کا مطالعہ کیا تھا نہ ان کے ساتھ کوئی خاص آمدورفت یا نشست وبرخاست تھی تاکہ اُن کی زبانی بعض واقعات ان کو معلوم ہوگئے ہوں بایں ہمہ اس قصہ کا مطابق واقع ہونا اور بنی اسرائیل کے علماء کا مان لینا قرآن اور حامل قرآن کی صداقت کی کھلی ہوئی دلیل ہے اسی بناء پر قصہ کو مختصر الفاظ میں ذکر کرتے کے بعد فرمایا کہ آپ تو اس وقت موجود نہ تھے جب ان کی باہمی قرعہ اندازی ہورہی تھی اور جب مریم کو بشارت دی جارہی تھی پس یہ غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی کے ہم آپ کو بتا رہے ہیں۔ یہ اس طرح ہے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تمام ہوچکنے کے بعد ارشاد فرمایا:۔ ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ۔ (سورۃ یوسف) یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی ہم آپ کو وحی کرتے ہیں حالانکہ آپ اس وقت موجود نہیں تھے جب انہوں نے مکروفریب کا یہ معاملہ آپس میں طے کیا تھا؟

بشارت عیسٰے:۔ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ۔ یہ بشارت وہی ہے جس کو سورۂ مریمؑ میں تبدیلئ الفاظ سے اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ فرماتا ہے۔ پس ہم نے اس کی یعنی مریمؑ کی طرف اپنا رُوح بھیجا۔ پس وہ بشکل بشر اس کے سامنے گیا تو وہ کہنے لگی۔

میں تجھ سے اللہ کی پناہ لیتی ہوں اگر تو خوف خدا رکھتا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ میں اللہ کا فرستادہ تجھے پاکیزہ بچے کی خوشخبری دینے آیا ہوں۔ پس یہاں ملائکہ کا لفظ ہے اور وہاں اس کی بجائے روح کا لفظ رکھا گیا ہے۔

ملائکہ سے مراد بعض کہتے ہیں جبریل ہے اور جمع کا صیغہ اس کی عظمت و سیادت کے لئے ہے بعض کہتے ہیں واقعاً جبریل کے ساتھ اور ملائکہ بھی تھے اور ملائکہ یا رُوح کا حضرت مریمؑ کے ساتھ کلام کرنا اُس امر کی دلیل ہے کہ حضرت مریمؑ محدثہ تھیں۔ اور کلام مجید کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کا اُن کے ساتھ کلام کرنا آواز اور الفاظ کی قسم سے اور رو برو تھا نہ کہ خطورِ قلبی

بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۔ کلمہ جب اللہ کی طرف منسوب ہو۔ تو اُس کا معنی ہے وہ چیز جس سے اللہ کی مراد ظاہر ہو جیسے کلمۃ الایجاد اور کلمۃ الوحی اور اس مقام پر اس کی کئی توجیہیں کی گئی ہیں۔

(۱) کلمہ سے مراد حضرت مسیحؑ ہیں کیونکہ ان سے پہلے انبیاء بنی اسرائیل بشارت کے طور پر یہ کلمہ کہہ چکے تھے کہ ایک نبی آئے گا جو بنی اسرائیل کو نجات دلانے والا ہوگا۔ پس حضرت مسیحؑ وہی کلمہ تھے جس طرح کہ حضرت موسیٰ کی آمد کی بشارت کے بعد ظہور موسیٰ کو خدا نے کلمہ کہا چنانچہ فرمایا:۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔ (سورۂ اعراف)

(۲) کلمہ کا اطلاق چونکہ کلام پر بھی ہوتا ہے اور یہاں اس سے مراد ہے ارادۂ خداوندی کا مظہر۔ کیونکہ ملفوظی کلام سے اس کی ذات پاک و منزہ ہے پس جسطرح عالم وجود میں ہر موجود کی ہر ادا وجود خالق کی دلیل اور اس کی توحید کے اثبات کے لئے ناقابل تردید برہان ہے گویا ہر شے زبان بے زبانی سے اس کی تخلیق اور صنعت و حکمت کی ترجمان ہونے کی حیثیت سے اس کا کلمہ و کلام ہے چونکہ بنی اسرائیل نے تورات میں تحریف کر کے اس کے مطالب و مضامین کو بدل ڈالا تھا اور حضرت عیسےٰ خدا کی جانب سے اصل مراد خداوندی کے ترجمان تھے چنانچہ اُن کا اپنا ارشاد ہے کہ میں بعض وہ چیزیں بیان کرنے کے لئے آیا ہوں جن میں تمہیں اختلاف ہے۔ پس اسی بناء پر اُن کو کلمہ کہا گیا۔

(۳) کلمہ سے مراد بشارت کا مفہوم ہے یعنی عیسیٰ کا حمل اور اس کی ولادت وغیرہ کی پیشین گوئی۔ معنی یہ ہوگا۔ کہ خدا تجھے بشارت دیتا ہے کہ تجھے بغیر شوہر کے حمل ہوگا اور تجھ سے ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جس کا نام مسیح عیسےٰ بن مریمؑ ہوگا۔

(۴) کلمہ سے مراد کلمۃ الایجاد ہے اور حضرت عیسےٰ خود کلمہ ایجاد خداوندی تھے یعنی یہ خود کلمہ کُن کے مصداق تھے۔ اگرچہ تمام افراد انسانی تکوینی طور پر کُن سے عالم وجود میں آئے ہیں لیکن باقی افراد انسان کی پیدائش چونکہ اسباب و علل ظاہریہ کے ماتحت ماں اور باپ دونو کے ذریعے سے ہوئی اور حضرت عیسےٰؑ کی تخلیق اسباب عادیہ کی وساطت کے بغیر صرف کلمہ تکوین سے ہوئی۔ گویا وجود عیسےٰ بعینہٖ کلمہ کُن کا مصداق تھا چنانچہ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے وَكَلِمَتُهٗٓ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ (سورۂ اعراف)

اور یہی توجیہ تمام توجیہات سے بہتر ہے اور پہلی ہر سہ توجیہات پر اعتراض وارد ہو سکتا ہے مثلاً پہلی توجیہ کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اولاً تو سابق انبیاء کی طرف سے حضرت عیسےٰ کے متعلق پیشین گوئیاں قرآن مجید میں ثابت نہیں اور ثانیاً اگر ثابت ہوں بھی تاہم حضرت عیسےٰ کو اس بناء پر کلمہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ بعد میں صاف طور پر ہے اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ

اور اُن کی پیشین گوئی ظہور عیسٰیؑ ہے نہ کہ خود عیسٰیؑ یعنی اُن کا کلمہ تھا ظہور عیسٰیؑ کی پیشین گوئی اور خود عیسٰیؑ ان کا کلمہ نہ تھا۔ تاکہ کہا جائے کہ اس کا نام مسیح ہے الخ اور بعینہٖ تیسری توجیہہ پر بھی یہی ایراد وارد کیا جا سکتا ہے کہ کلمہ سے مراد بشارت ہو۔ تو اِسْمُهُ الْمَسِيحُ اس کی تائید نہیں کرتا۔ اور دوسری توجیہہ تصحیح معنی کے لئے خوب ہے لیکن کوئی دوسرا قرینہ اس کی تائید نہیں کرتا

اِسْمُهُ الْمَسِيحُ :۔ بروزن فعیل بمعنی مفعول یعنی مسح شدہ اور مسح کا معنی ہے پونچھنا۔ پس حضرت عیسٰیؑ کو مسیح کہنے کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ان کو مسیح اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کے وجود اطہر پر یمن و برکت اور خیر و خوبی کا مسح کیا گیا۔

(۲) چونکہ ان کے وجود کو گناہوں کی آلائش سے پونچھ اور دھو دیا گیا اس لئے ان کو مسیح کا لقب دیا گیا۔

(۳) کہتے ہیں کہ انبیاء زیتون کے تیل سے مالش کرتے تھے اور حضرت عیسٰیؑ کو بھی وہی مالش کی گئی اسی وجہ سے ان کو مسیح کہا گیا۔

(۴) بوقت ولادت ان کو جبریل نے اپنے پروں سے مسح کیا تھا۔ تاکہ ان کے لئے باعث تعویذ ہو۔

(۵) چونکہ وہ یتیموں کے سر پر دست شفقت پھیرتے تھے۔ بنا بریں ان کو مسیح کہا گیا۔ لیکن اس صورت میں مسیح بمعنی ماسح صیغہ اسم فاعل ہوگا۔

(۶) چونکہ نابینا کی آنکھ پر ہاتھ پھیر کر اس کو بینا کر دیتے تھے یا یہ کہ ہر صاحب آفت پر مسح کرکے ان کو تندرست کر دیتے تھے اس لئے ان کو مسیح کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں بھی صیغہ اسم فاعل کا ہوگا۔

(۷) **مشیحا** کا معرب ہے کہتے ہیں بنی اسرائیل کا طریقہ تھا کہ جب ان کے بادشاہ کا جشن تاجپوشی منعقد ہوا کرتا تھا۔ اور بادشاہ عنانِ حکومت کو سنبھالتا تھا تو کاہن لوگ کتاب مقدس سے اس کے جسم کو مسح کرتے تھے تاکہ اس کے نظام ملک کے لئے باعثِ برکت ہو۔ پس وہ اس کو مشیحا کہا کرتے تھے جس کا معنی بادشاہ۔ یا مبارک ہوتا تھا۔

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔ اس کی اصل یشوع بتلائی گئی ہے اور اس کا معنی نجات اور چھٹکارا دلانے والا اور بعض احادیث میں اس کا معنی يَعِيشُ ہے اور حضرت یحیٰؑ کے نام سے مناسبت تو اسی معنی کے لحاظ سے ہوتی ہے اور باوجودیکہ بشارت کا خطاب حضرت مریمؑ سے ہے لیکن کہا جا رہا ہے کہ تیرا بچہ پیدا ہوگا جس کا نام عیسٰیؑ ابن مریمؑ ہوگا۔ حالانکہ اس مقام پر ابن مریم کہنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ بات ہی مریم سے ہو رہی ہے۔ پس اس سے مقصد صرف یہی ظاہر کرنا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ بغیر باپ کے پیدا ہوں گے اسی بناء پر تو ہر دو عالمین کے لئے آیت قرار دیا گیا۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا۔ کہولت جوانی اور بڑھاپے کے درمیان کے زمانہ کو کہا جاتا ہے۔ پس کہل وہ ہوگا جس کے بالوں میں سفیدی داخل ہو رہی ہو اور بعضوں نے اس کی حد چونتیس۳۴ سال بیان کی ہے۔

سوال :۔ کہولت کے زمانہ میں ہر شخص بولا کرتا ہے البتہ گہوارے میں آرام کرنے والے بچے کا بولنا خلاف عادت ہے پس اس

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ

عرض کی اے میرے پروردگار کیسے (پیدا) ہوگا میرا بچہ۔ حالانکہ مجھے مس تک نہیں کیا کسی انسان نے کہا (فرشتے نے) اسی طرح

اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

اللہ پیدا کرتا ہے جسے چاہے جب وہ کسی امر کے ہونے کا فیصلہ کرے تو بجز اُسکے نہیں کہ فرماتا ہے اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾

اور اس کو علم دے گا کتاب اور حکمت و تورات اور انجیل کا

بشارت میں گہوارے میں کلام کرنے کے ساتھ کہولت میں کلام کرنے کی صفت کی کیا خصوصیت ہے ؟

جواب :۔ حضرت مریم کی خوشنودی کا لحاظ رکھا گیا ہے تاکہ وہ آج ہی سے ذہن نشین کرلے کہ میرا بن باپ کے پیدا ہونے والا بچہ بچپنے میں مر نہ جائے گا۔ بلکہ طویل عمر پائے گا اور کہولت کا زمانہ بھی اس کو نصیب ہوگا۔

سوال :۔ نصرانیوں کی موجودہ انجیلوں سے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ دنیا میں کل تینتیس ۳۳ برس رہے اور اس کے بعد اٹھا لیئے گئے پس انہوں نے کہولت کے زمانہ میں کلام کیسے کیا ؟ اور کلام اللہ کی تصدیق کیسے ہوئی ؟

جواب :۔ انجیلوں پر تحریف کے وقوع کی وجہ سے اعتماد نہیں کیا جا سکتا ؟ اور جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے حضرت عیسٰی دنیا میں تقریباً چونسٹھ سال رہے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ کہولت کے زمانہ میں کلام کرنے سے مراد ہے ان کا حضرت مہدی عجل اللہ فرجہ کے زمانہ ظہور میں آسمان سے اتر کر کلام کرنا۔ (تفسیر میزان)

قَالَتْ رَبِّ :۔ فرزند کی بشارت کا خطاب اگرچہ فرشتوں سے یا رُوح سے سُنا تھا۔ لیکن مریمؑ کو علم تھا کہ یہ خطاب اللہ کی جانب سے ہی ہے اور باپ کے بغیر اولاد کا ہونا چونکہ ظاہری طور پر ایک ناشدنی امر تھا اس لئے مقام استعجاب میں کلام کا رُخ پروردگار کی طرف کرتے ہوئے عرض گذار ہوئی۔ کہ میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا ؟ حالانکہ میری تاحال شادی نہیں ہوئی اور نہ مجھے کسی انسان نے مَس کیا ہے ؟ تو فوراً جواب ملا۔ کَذٰلِكِ۔ بچہ ایسے ہی پیدا ہوگا۔ یعنی مریمؑ کے ذہن میں اگر شادی کا احتمال ہو تو اس کلمہ سے رفع کر دیا۔ کہ خدا ایسے ہی بغیر شادی کے اور بغیر مرد کے ہی تجھے بچہ عطا کرے گا۔ اور چونکہ حضرت مریمؑ کے استعجاب سے ایک صورتِ انکاری کا شائبہ تھا اور علل و اسباب کی دنیا کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بغیر مرد کے عورت کا بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ پس اس انکار کا جواب اس طرح دیا۔ اَللّٰهُ يَخْلُقُ الخ۔ خدا جسے چاہے پیدا کر سکتا ہے اور اس کی قدرت اسباب کی محتاج نہیں بلکہ وہ جب حتمی ارادہ کسی شے کے کرنے کا فرما لیتا ہے تو وہ شی ہو جاتی ہے۔ نیز لفظ کُن ہماری تفہیم کے لئے ہے ورنہ خدا تخلیق میں کسی لفظ کا محتاج نہیں پس یہاں مراد یہ ہے کہ خدا کے ارادہ اور فعل میں ذرہ بھر بھی زمان کا فاصلہ

نہیں ہوتا بلکہ ادھر اس کا ارادہ ہوتا ہے اُدھر چیز ہو جاتی ہے جس طرح کہنے والا کُن کہے اور شئے ہو جائے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ ۔ کتاب اور حکمت پر جو لام داخل ہے، جنس کا ہے، کتاب سے مراد یہاں مطلق وحی اور حکمت سے مراد مطلق معرفت جو عمل و اعتقاد سے متعلق ہو پس تورات و انجیل کا عطف، عطف خاص بر عام ہے۔

التَّوْرَاةَ ۔ اس سے مراد وہ کتاب ہے جو حضرت موسےٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور یہودی خود معترف ہیں کہ بخت نصر کے بعد تورات کی سند محفوظ نہیں رہ سکی۔ لیکن بایں ہمہ قرآن تسلیم کرتا ہے کہ یہودیوں کے پاس موجودہ تورات جو زمانِ رسالت میں تھی۔ اصلی تورات سے بالکل الگ نہیں۔ اگرچہ تحریف سے بھی خالی نہیں۔

وَالْإِنْجِيلَ ۔ اس کا معنی ہے بشارت۔ لفظ کا واحد ہونا بتلاتا ہے کہ حضرت عیسےٰ پر انجیل صرف ایک اُتری تھی اور زمانِ رسالت میں موجودہ چار انجیلیں جو متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی طرف منسوب ہیں وہ بعد کی تصنیف شدہ ہیں۔

نبی اور رسول میں فرق

وَرَسُولًا الخ رسول اور نبی میں فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول وہ ہے جو صاحبِ کتاب و شریعت ہو اور نبی وہ ہے جو تبلیغ احکام خداوندی پر مامور ہو۔ خواہ صاحبِ کتاب ہو یا نہ ہو۔ بنا بریں عہدۂ رسالت کو نبوّت سے خاص و عام مطلق کی نسبت ہے اور صاحب میزان نے یہ بیان کیا ہے کہ نبوت اور رسالت دو جدا جدا منصب ہیں نہ ان کا یکجا ہونا ضروری ہے اور نہ ان کا الگ الگ رہنا لازمی ہے یعنی ہو سکتا ہے۔ کہ ایک شخص نبی ہو اور رسول نہ ہو اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول ہو اور نبی نہ ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی بھی ہو اور رسول بھی۔ پس ان دونوں کے درمیان نسبت عام و خاص من وجہ کی ہوگی۔

نبوّت:۔ احکامِ الہیہ کی عمومی تبلیغ کا عہدہ ہے اور رسالت ایک خصوصی سفارت کا منصب ہے کہ اس کا رد کرنا ہلاکت کا موجب ہو اور قبول کر لینا نعمت و رحمت کا باعث ہو۔ یعنی نبی وہ انسان ہے جو لوگوں پر دینِ خدا کی ترجمانی کے لئے مبعوث ہو اور رسول وہ انسان ہے جو بعض ایسے خصوصی احکام کے لئے مبعوث ہو جن کی تردید عذاب الٰہی کا پیغام اور قبول انعام خداوندی کا مژدہ ہو۔ اور قرآن مجید میں انبیاء کے قصص سے رسالت کا مفہوم یہی کچھ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ اور شعیب وغیرہ جس قدر رسول بن کر آئے اُن کے واقعاتِ اس معنی کے شاہد ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

پس ضروری نہیں کہ جو شخص ایک قوم کی طرف رسولؑ ہو وہ اس قوم کا نبی بھی ہو۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ایک قوم کے لئے رسول بھی ہو۔ اور نبی بھی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی نبوت عامہ ہو یعنی بہت سی قوموں کے لئے ہو لیکن رسالت اس کی صرف ایک یا بعض اقوام کے لئے محدود ہو۔ جیسے کہ حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ علیہما السلام یہ دونو نبی نبوتِ عامہ کے عہدہ دار تھے لیکن رسالت ان کی صرف بنی اسرائیل تک محدود تھی اور قرآن مجید میں اس معنی کی تائیدات کافی موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ فرعون کی طرف رسول تھے لیکن جادوگر ایمان لائے اور ان کا ایمان مقبول بھی ہوا۔ حالانکہ بنی اسرائیل

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ

اور اُسے رسول بنا کر بھیجے گا طرف بنی اسرائیل کے (کہ کہے گا) میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے

اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

میں بناتا ہوں تمہارے سامنے مٹی سے ایک پرندکا ڈھانچہ پس اس میں پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے

طَيْرًا ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى

پرندہ ہو جائے گا اور تندرست کرتا ہوں نابینا اور مبروص کو زندہ کرتا ہوں مردوں کو

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ

باذن خدا اور تمہیں خبر دے سکتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ ذخیرہ بناتے ہو اپنے گھروں میں

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۴۹ ۚ

تحقیق اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو

سے نہ تھے۔ اسی طرح حضرت عیسٰے بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے حالانکہ ان پر ایمان لانے والے بہت سے لوگ مثلاً حبشہ، نجران اور روم وغیرہ بنی اسرائیل سے نہ تھے اور قرآن مجید میں نصاریٰ کا جہاں بھی ذکر ہوا ہے خواہ مدح کی صورت میں یا مذمت کی صورت میں صرف بنی اسرائیل کے نصاریٰ کے لئے اس کا اختصاص نہیں بلکہ تمام دین نصاریٰ رکھنے والوں کو شامل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت موسٰے اور حضرت عیسٰے ہر دو کی رسالت اگرچہ محدود تھی۔ لیکن اُن کی نبوت پوری دنیا کیلئے تھی۔

اَخْلُقُ لَكُمْ ۔ روایات آئمہ علیہم السلام میں ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے جو پرندہ بنا کر اس میں نفخ رُوح کیا تھا۔ وہ چمگادڑ تھا۔ جیسا کہ بحارالانوار میں صادقین علیہما السلام سے منقول ہے حضرت عیسٰے علیہ السلام کے معجزات میں سے احیاءِ موتٰی اور خلق طیر چونکہ ایسے معجزے تھے کہ ان کو دیکھ کر لوگوں کے گمراہ ہونے کا ڈر تھا اس لئے ان کے ذکر کے بعد فوراً بِاِذْنِ اللّٰهِ کا اضافہ کیا گیا ہے تاکہ لوگ حضرت عیسٰے کو خدا مان کر مشرک نہ ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ یہ کام صرف اللہ ہی کر سکتا ہے یا کروا سکتا ہے

وَاُنَبِّئُكُمْ ۔ بروایت تفسیر قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت عیسٰے بنی اسرائیل کو فرماتے تھے:۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ مٹی سے پرندے کا بوتہ بنا کر اس میں پھونکتا ہوں۔ وہ اللہ کے حکم سے جیتا جاگتا پرندہ بن جاتا ہے اور نابینا و مبروص کو شفایاب بھی کر سکتا ہوں تو اس کے جواب میں وہ کہتے تھے کہ یہ سب کچھ ہمیں تو جادو معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں کوئی ایسی چیز دکھایئے جس سے ہم مان جائیں کہ آپ سچے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر میں تمہیں یہ بتلا دوں کہ تم نے کیا کھایا اور کیا بچا کر گھر میں

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ

اور تصدیق کرنے والا ہوں اس کی جو میرے سامنے ہے تورات سے اور تاکہ حلال کروں تمہارے لئے بعض چیزیں

الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

جو تم پر حرام کردی گئی ہیں اور لایا ہوں میں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

تحقیق اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ پس اسی کی عبادت کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے

ذخیرہ کیا تو پھر میری صداقت مان لوگے؟ کہنے لگے "جی ہاں" تو تب آپ فرماتے تھے کہ تو نے فلاں فلاں چیز کھائی ہے فلاں چیز پی ہے اور فلاں چیز جمع کی ہے پس بعض لوگ تسلیم کرتے ہوئے ایمان لاتے تھے لیکن بعض پھر بھی راہِ کفر اختیار کر لیتے تھے۔

وَاُحْيِ الْمَوْتٰى۔ حضرت عیسٰےؑ کے اصحاب نے آپ سے مردہ کے زندہ کرنے کی درخواست کی تو آپ حضرت سام بن نوح کی قبر پر تشریف لائے اور فرمایا:۔ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ پس قبر شگافتہ ہوئی اور پھر وہی کلمہ فرمایا تو مردہ میں حرکت پیدا ہوئی۔ پھر سہ بارہ فرمایا تو سام بن نوح باہر آگئے۔ آپ نے فرمایا کہ رہنا چاہتے ہو یا واپس جانا چاہتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا۔ اے رُوح اللہ میں واپس جانا چاہتا ہوں کیونکہ موت کی سوزش اور تکلیف اس وقت تک میرے اندر موجود ہے۔

ایک شخص سے حضرت عیسٰےؑ کی بڑی محبت تھی اور آپ اکثر اس کے ہاں جایا کرتے تھے ایک مرتبہ آپ کافی عرصہ کے بعد جب اس کو ملنے گئے تو اس کی ماں نے آپ کا سلام کیا۔ آپ نے اپنے دوست کے متعلق دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ مرچکا ہے آپ نے فرمایا کہ تو اُسے زندہ دیکھنا چاہتی ہے تو اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ آپ نے کل کا وعدہ کیا اور چلے گئے۔ دوسرے روز اس کی ماں کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر پہنچے اور دعا مانگی۔ پس وہ زندہ ہوا اور ماں بیٹا رو رو کر ایک دوسرے کے گلے ملے۔ پس حضرت عیسٰےؑ نے اس سے پوچھا:۔ کہ کیا تو اپنی ماں کے پاس دنیا میں زندہ رہنا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کی۔ جی ہاں! پس آپ نے اسے اپنی ماں کے حوالہ کیا اور وہ بیس برس زندہ رہا۔ اس نے شادی بھی کی۔ اور اولاد بھی ہوئی۔ (البرہان)

وَمُصَدِّقًا:۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عیسٰےؑ تورات کے مصدق تھے لیکن وہ تورات جو دراصل حضرت موسٰےؑ پر نازل ہوئی تھی نہ کہ یہ تورات جس کو تحریف کے ظالم ہاتھوں نے اپنے اصلی مقام سے ہٹا دیا اور نیز اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام تورات کے غیر محرف ہونے کی تصدیق فرمانے والے تھے جس طرح کہ قرآن مجید تورات و انجیل ہر دو کا مصدق ہے لیکن تورات و انجیل اصلی کا نہ کہ موجودہ تورات و انجیل کے غیر محرف ہونے کا مصدق ہے۔

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ:۔ یہودیوں کی سرکشیوں کی وجہ سے جو چیزیں ان پر حرام کردی گئی تھیں۔ انہی کی تحلیل کے متعلق ارشاد ہے اس کلام سے

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

پس جب محسوس کیا (حضرت) عیسےٰ نے اُن سے کفر۔ فرمایا میرے انصار کون ہوں گے طرف اللہ کے؟ تو حواریوں

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

نے جواب دیا۔ کہ ہم اللہ کے انصار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہوں کہ ہم مسلمان ہیں

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا

اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل فرمائی اور اطاعت قبول کی رسول کی پس ہمیں درج فرما

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع

شہادت دینے والوں کے ساتھ اور انہوں نے تدبیر کی اور خدا نے بھی تدبیر کی اور خدا اچھی تدبیر کرنے والا ہے

صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسےٰ تورات کے احکام کے امضا کرنے والے تھے صرف بعض احکام شاقہ کے ناسخ تھے پس مقصد یہ ہوا۔ کہ میں تورات کے اوامر و نواہی کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ البتہ بعض وہ احکام جن کی حرمت تم پر لازم کردی گئی تھی۔ ان کو منسوخ کرکے ان کی جگہ حلیت کا حکم لایا ہوں

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ ؛۔ چونکہ اس سے پہلے احیاء موتیٰ اور خلق طیر وغیرہ کا ذکر تھا۔ مبادا لوگ ان باتوں کو دیکھ کر خدا نہ کہہ دیں لہذا حضرت عیسےٰ نے اپنے مذکورہ ادعاء کے بعد اللہ کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی عبادت کا حکم دے دیا۔ اور اسی کو صراطِ مستقیم سے تعبیر فرما دیا۔ گویا حضرت عیسےٰؑ کو بذریعہ وحی علم تھا کہ لوگ ایسا کہیں گے لہذا پہلے سے ہی ان کے عذر کو ختم کر دیا اور حجت تمام کر دی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت عیسےٰ علیہما السلام کے درمیان چار سو سال کا فاصلہ تھا اور انجیل میں صرف پند و نصائح تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں جو باتیں شاق تھیں اس میں ان کی تخفیف تھی اس کے علاوہ انجیل میں قصاص، حدود، اور میراث وغیرہ کے احکام نہیں تھے (بلکہ یہ احکام وہی تھے جو تورات میں مندرج تھے۔)

فَلَمَّآ اَحَسَّ الخ ۔ چونکہ جب حضرت مریمؑ کو فرزند کی بشارت دی گئی تو اس میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بہت سی خصوصیات کا ذکر کر دیا گیا۔ لہذا یہاں تتمہ کے طور پر حضرت عیسےٰ کے قصہ میں سے آخری جملہ کو ذکر فرما دیا تاکہ اختصار بھی رہے اور افادیت میں بھی کمی اور تشنگی باقی نہ ہو۔

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ ؛۔ جب کوئی قائد کسی تحریک کو جاری کرتا ہے اور اس کے پرچار میں شب و روز کی محنت و کاوش کو عمل

میں لاتا ہے تو اسے اپنی تحریک کو جاری اور باقی رکھنے کے لئے ایک خصوصی گروہ کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جن کے دل میں درد ہو اور جن پر اعتماد ہو کہ یہ لوگ اس کو آگے چلائیں گے چنانچہ دعوتِ اسلام میں بیعت عقبہ اور بیعت شجرہ اسی دینی تحریک کی ہمہ گیری کے لئے ایک منظم جماعت کی تشکیل کا پروگرام تھا۔ پس اسی قاعدہ کے ماتحت جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنا تبلیغی پروگرام شروع کیا، معجزات دکھائے اور شب و روز اپنی انتھک کوششوں سے لوگوں کو کسی حد تک اپنی تحریک سے مانوس کر لیا اور دیکھا کہ بہت سے لوگ کچھ اعلانیہ اور کچھ خفیہ طور پر میری ان تبلیغی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور میری ایذاء رسانی پر تلے ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ وہ اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب ہو جائیں تو ایسا نہ ہو کہ میرے بعد ترویج دین کا سلسلہ بالکل ختم ہو جائے۔ لہٰذا انہوں نے ایک منظم جماعت کی تشکیل کا پروگرام مرتب فرمایا۔ اور منافق لوگوں کے اعمال و کردار سے بدنیتی اور کفر پر آمادگی کو بھانپ کر اپنے خصوصی انصار اور مخلص جان نثار علیحدہ معلوم کرنے کے لئے فرمایا:- مَنْ اَنْصَارِیْ یعنی کوئی ہے میرا ہمدرد جو میرے اس دین کی ترویج میں خلوص سے آگے بڑھنے والا ہو، تب حواریوں کی جماعت نے آپ کی آواز پر صدائے لبیک بلند کی۔

اَلْحَوَارِیُّوْنَ:- اصل اس کی حور ہے جس کا معنی سفیدی ہے لیکن اس کا استعمال کسی انسان کے خواص پر ہوتا ہے اور قرآن میں صرف حضرت عیسےٰ کے خواص پر اس لفظ کا استعمال ہے

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ:- ان کے مکر و تدبیر سے مراد ہے۔ ایذاء رسانی کے درپے ہونا اور اللہ کے مکر و تدبیر سے مراد ہے حضرت عیسےٰ کو بچالینا۔ اور آسمان پر اٹھالینا اور یہ واضح رہے کہ نصاریٰ نجران کے مقابلہ میں حضرت عیسےٰ کے قصہ کی جس حد تک ضرورت تھی اتنا ہی بیان فرمایا۔ اسی لئے پورا قصہ نہیں دہرایا گیا۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے حواریین کی وجہ تسمیہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ کہ لوگوں کے نزدیک تو اُن کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ دھوبی تھے اور کپڑوں سے میل اتارتے تھے اس لئے ان کو حواری کہا جاتا ہے کیونکہ خبز حوار سے مشتق ہے یعنی خالص سفید روٹی۔ اور ہمارے نزدیک ان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ خود بھی گناہوں کی میل کچیل سے پاک تھے اور لوگوں کو بھی بذریعہ وعظ و نصیحت گناہوں کی میل سے بچاتے تھے۔

کتاب توحید میں آپ سے مروی ہے کہ ان کی تعداد بارہ تھی اور ان سب سے افضل و اعلم لوقا تھا۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام

اِذْ قَالَ اللّٰہُ:- مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود بننے کی شوق میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی موت کا اعلان کیا۔ جس طرح کہ حضرت عیسےٰ کے متعلق یہودیوں نے افواہ عام پھیلائی تھی کہ انہیں سولی پر چڑھا دیا گیا اور قتل کر دیا گیا۔ قادیانی لوگ اپنے عقائد کے دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کے لئے عام مسلمانوں کو قرآن کی اُن آیات سے دھوکا میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن میں حضرت عیسےٰ کے متعلق توفی کی لفظ کو استعمال کیا گیا ہے اور اس کا معنی موت بیان کر کے مسیح موعود کا خطاب میرزائے قادیانی پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور عوام بیچارے اکثر اُن کے پلندے میں آکر دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ

جب فرمایا اللہ نے اے عیسےٰ تحقیق میں تجھے پورا لینے والا اور اپنی جانب اٹھانے والا اور تجھے نجات دینے والا ہوں

الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ

ان لوگوں سے جو کافر ہیں اور کرنیوالا ہوں تیرے تابعداروں کو بلند ان سے جو کافر ہیں قیامت تک

الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۵۵﴾

پھر میری جانب تم سب کی بازگشت ہوگی پس میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے۔

خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں جہاں یہودیوں کے غلط پروپیگنڈے کی غیر مبہم الفاظ میں تردید کرتے ہوئے اُن کے مُنہ میں لگام دی ہے اسی طرح بعد میں اگر مسیحیت کا لباس اوڑھنے کے شیدائیوں کا بھی حیات مسیح کا اعلان فرما کر ناطقہ بند کر دیا ہے برِوایت اکمال حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت عیسےٰؑ کو خدا نے نور علم حکمت اور انبیائے سابقین کے علوم کے علاوہ انجیل بھی عطا فرما کر بیت المقدس میں بنی اسرائیل کی تبلیغ کے لئے بھیجا۔ آپ وہاں تینتیس برس مقیم رہے اور اس کے بعد یہودیوں نے اس کے ساتھ مکر کیا۔ اور خدا نے ان کو محفوظ کرتے ہوئے اپنی طرف اٹھا لیا (روایت میں تینتیس برس صرف تبلیغی عمر ہے نہ کہ کل عمر لہذا کہولت میں ان کے کلام کرنے سے متعارض نہیں۔)

برِوایت تفسیر قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسےٰ نے اپنے بارہ حواریین کو اسی شام اپنے پاس طلب کیا۔ جس رات کو وہ اٹھائے جانے والے تھے پس وہ آئے اور آپ نے ان کو ایک کمرہ میں داخل کیا اور آپ زاویۂ گھر میں جو تالاب تھا اس میں غوطہ لگا کر باہر نکلے اور بالوں کو پانی سے جھاڑتے ہوئے اُن کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے بذریعہ وحی اطلاع ہوئی ہے کہ خدا مجھے اپنی جانب اٹھانیوالا ہے اور یہودیوں کے شر سے مجھے نجات دینے والا ہے پس تم میں سے کون ہے جو یہ قربانی کرے کہ اس کو میری شبیہ بنایا جائے تاکہ اس کو میری جگہ قتل اور پھانسی کی سزا دی جائے پس وہ میرے درجہ میں میرا شریک ہوگا۔ پس ایک جوان نے لبیک کہی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی قبل از صبح کافر ہو جائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ فرقوں میں بٹ جاؤ گے۔ دو فرقے افترا پرداز جہنمی ہوں گے اور ایک فرقہ جو شمعون (وصی عیسےٰؑ) کا تابع ہوگا۔ جنتی ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عیسےٰؑ ان کے دیکھتے ہی کمرہ کے ایک گوشہ سے بلند ہو کر ان کی نظروں سے چھپ گئے۔

اسی شب یہودی حضرت عیسےٰ کی تلاش میں آپہنچے اور انہوں نے دو آدمیوں کو پکڑ لیا۔ ایک وہ جوان جو اپنے آپ کو موت کے لئے پیش کر چکا تھا۔ پس اس کو قتل کر کے سُولی پر لٹکا دیا اور دوسرا کافر ہو گیا جس کے متعلق حضرت عیسےٰؑ نے صبح سے قبل کافر ہونے کی پیش گوئی کی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عیسےٰؑ کی شبہ اُس شخص پر ڈالی گئی جو یہودیوں کو حضرت عیسےٰ

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

پس وہ لوگ جو کافر ہیں تو ان کو عذاب دوں گا سخت دنیا اور آخرت میں

وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۵۶﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ

اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال نیک کئے پس پورا دے گا

أُجُورَهُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۵۷﴾ ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ

ان کو اجر ان کا اور اللہ نہیں دوست رکھتا ظالموں کو یہ ہم تلاوت کرتے ہیں تیرے اوپر کتاب

وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿۵۸﴾

اور ذکر حکیم

کے گرفتار کرنے کے لئے لایا تھا۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسےٰ کو زمین سے زندہ اٹھایا گیا اور آسمان و زمین کے درمیان ان کی قبض روح (توفی) کی گئی پھر آسمان پر لے جانے کے بعد اُن کی رُوح واپس لوٹا دی گئی چنانچہ اِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ کا یہی مطلب ہے

موت اور وفات میں فرق

سب سے پہلے وفات اور موت یا تَوَفِّی اور اِمَاتَۃ کے معنی میں فرق سمجھنا ضروری ہے اور اس مسئلہ کا حل بھی اسی پر ہی موقوف ہے۔

تَوَفِّی۔ کا مادہ اشتقاق وفی وفاءٌ ہے اور اس کا معنی ہے پُورا دینا۔ مثلاً کہا جاتا ہے فلاں نے فلاں سے وفا کی۔ یعنی اس کو اپنا حق پورا دے دیا یا اس کا حق پُورا ادا کر دیا اور تَوَفِّی کا معنی ہے پورا لے لینا۔ جیسا کہ اس کی مطاوعت کا تقاضا ہے جس طرح کہا جاتا ہے۔ وَفَاكُ فَتَوَفّٰى۔ یعنی اس نے اس کو پورا حق دے دیا۔ پس اُس نے پُورا لے لیا۔

اِمَاتَۃ موت سے اور اِحْیَاء حیات سے ہے اور موت و حیات میں تقابل ہے پس موت کا معنی ہے۔ عدم الحیات (زندگی کا سلب ہونا) قرآن مجید میں تَوَفِّی اور موت ہر دو لفظیں استعمال کی گئی ہیں لیکن اُن کے محلِ استعمال میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معانی الگ الگ ہیں اور تَوَفِّی کا معنی موت سے عام ہے کیونکہ اس کا معنی ہے پورا لے لینا اور موت میں بھی چونکہ نفسِ انسانی کو خدا اس کے بدن سے پُوری طرح نکال لیتا ہے۔ اس لئے موت پر بھی تَوَفِّی کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جس طرح انہی مناسبات و خصوصیات کی بناء پر ارتحال اور قضا کی لفظیں بھی موت کے معنی میں استعمال ہوتی ہیں۔ حالانکہ معنی کے لحاظ سے اس سے عام ہیں اور ہماری زبان میں بھی یہ استعمال بعینہٖ موجود ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ فلاں

کی موت آگئی، قضا آگئی، اجل آگئی۔ پوری ہوگئی، ختم ہوگئی، لیکن ان استعمالات سے ہرگز یہ دھوکا نہیں کھایا جاسکتا۔ کہ قضا، اجل پوری، رحلت اور ختم وغیرہ کی لفظیں جہاں بھی استعمال ہوں گی ان سے مراد موت لی جائے گی۔ اب قرآن مجید میں توفیّ کے استعمالات ملاحظہ فرمایئے :۔

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (سورۂ انعام) ہمارے فرستادہ (ملائکہ) اس کو پورا لے لیتے ہیں یعنی اس کی رُوح کو قبضہ میں کر لیتے ہیں اور ملائکہ کے رُوح کو قبضہ میں لینے سے چونکہ قوائے جسم سے حیات رُخصت ہو جاتی ہے۔ بنا بریں اسے موت کی جگہ پر استعمال کیا گیا :۔ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (سورۂ سجدہ) تمہیں پُوری طرح لے لیتا ہے یعنی تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے وہ موت کا فرشتہ جو تمہارے اُوپر وکیل ہے توفّی کو موت سے کنایہ کیا گیا ہے اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى (سورۂ زمر) اللہ پوری طرح لے لیتا ہے (محفوظ کر لیتا ہے) نفسوں کو جن کی موت آچکی ہے اور جن کو موت نہیں آئی (نیند میں) پس اپنے پاس روک لیتا ہے اُن کو جن کی موت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے اور دوسروں کو چھوڑ دیتا ہے اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ توفّی موت سے عام ہے یعنی بوقت نیند تمام نفسوں کی وفات ہو جاتی ہے یعنی تمام نفسوں کو قبض کر لیا جاتا ہے اور محفوظ کر لیا جاتا ہے پس جن کی موت آچکی ہو اُن کو روک لیا جاتا ہے اور جن کی اجل باقی ہو ان کو واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ توفّی کو قرآن مجید میں جس مقام پر موت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے وہاں اسی پورا لینے اور محفوظ کرنے کے معنی کو ملحوظ رکھ کر کنایہ موت سے کیا گیا ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ اس جگہ موت کا معنی بالکل فنا اور باطل ہو جانا نہیں ہے بلکہ اللہ اپنے پاس محفوظ کر لیتا ہے اور جب چاہے اُسے واپس بھی بھیج سکتا ہے۔ بہرکیف جہاں بھی قرآن میں توفّی کا معنی موت لیا گیا ہے وہ صرف کنایہ ہے کیونکہ موت میں بھی نفس کو پورا لے لیا جاتا ہے اور توفّی کا معنی بھی یہی ہے ورنہ درحقیقت توفّی کا مفہوم موت سے عام ہے۔

پس اس مقام پر ترجمہ آیت یہ ہے کہ ارشادِ قدرت ہوا :۔ اے عیسےٰ میں تجھے پورا لینے والا اور محفوظ کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں اور تجھے کافر لوگوں سے پاک و منزہ کرنے والا ہوں۔ یعنی نجات دینے والا ہوں اور یہودیوں کے ادعائے قتل کو دوسرے مقام پر اس طرح رد فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ترجمہ :۔ ان کا کہنا کہ ہم نے مسیح عیسےٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا۔ حالانکہ نہ انہوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ نہ سُولی چڑھایا ہے لیکن ان کو شبہ دیا گیا اور وہ لوگ جو اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں ان کو اشتباہ ہے ان کے پاس کوئی علمی خبر نہیں سوائے اطاعت ظن کے اور یقیناً انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا بلکہ اس کو خدا نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور اللہ عزیز و حکیم ہے اور کوئی اہل کتاب نہیں جو اس کی موت سے قبل اس پر ایمان نہ لائے اور وہ بروزِ قیامت ان پر گواہ ہوگا (سورۂ نساء)

پس قرآن مجید واضح اور غیر مبہم الفاظ میں حیاتِ حضرت مسیح کا اعلان کر رہا ہے اور جو لوگ اُن کی موت کا ڈھنڈورا

پیٹتے ہیں وہ صرف اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے کی تصدیق کا بہانہ ڈھونڈتے ہیں اور عوام جہلاء کی آنکھوں میں دھول جھونک کر قرآن مجید کے بعض الفاظ کو اپنے استشہاد میں لاتے ہیں۔ خداوندکریم جملہ مومنین کو ان کی تسویلات باطلہ و تاویلات عاطلہ کی گرفت سے محفوظ و مصون فرمادے۔

موت مسیح ثابت کرنے کے لئے یہ لوگ کشمیر میں ایک مفروضہ قبر پیش کر کے جہلا کو اس دھوکا میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہی حضرت عیسےٰ کی قبر ہے جو یہودیوں کے ڈر سے یہاں بھاگ آئے تھے اور پھر اسی جگہ دفن ہوئے حالانکہ یہ صرف فرضی افسانہ اور من گھڑت ترشی تراشائی ہوئی بے بنیاد اور بے سروپا داستان ہے جس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں اور مدعی مسیحیت کے دعویٰ کی تکذیب کے لئے یہی کافی ہے کہ دنیا بھر کے اہل کتاب اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان لانا تو درکنار اس کو جانتے تک نہ تھے کہ یہ کس باغ کی مولی ہے۔ ہاں بعض شاذ و نادر افراد سے اس کے راہ و رسم اِنْ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ کے استغراقی مفہوم کی خانہ پری نہیں کر سکتے پس معلوم ہوا کہ وہ مسیح جس کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب اس پر ایمان لائیں گے وہ ابھی زندہ موجود ہیں اور وہ حضرت مہدی علیہ السلام کی معیت میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور ان کی تشریف آوری کے بعد آیت مذکورہ کی عملی تصدیق ہوگی اور خدا کا وعدہ سچا ثابت ہو کر رہے گا۔

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ :- خداوندکریم نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے کہ میں تیرے تابعداروں کو کافروں پر فوقیت دوں گا قیامت تک کے لئے۔ اور تابعداران حضرت عیسےٰ جناب رسالتمآبؐ کی اطاعت کا حکم دے گئے تھے پس مطلب یہ ہوا کہ قبل از بعثت کے اطاعت گذار عیسائی اور بعد بعثت کے اطاعت گذار مسلمان کافر لوگوں پر قیامت تک فوقیت رکھنے والے ہوں گے اور فوقیت سے مراد نہ ملکی و سیاسی فوقیت بلکہ روحانی و علمی بلندی ہے۔ لیکن یہ توجیہ دو وجہ سے درست نہیں ہے۔

اولاً تو خداوندکریم یہودیوں کی ایذا رسانی کے مقابلہ میں فرما رہا ہے کہ تجھے محفوظ کر کے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تیرے اطاعت گذاروں کو غلبہ عطا کروں گا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عیسےٰ کو بالفعل یہودیوں سے مغلوب ہونے کی وجہ سے جو کوفت و تکلیف تھی اس کے بدلہ میں خدا ان کے اطاعت گذاروں کے غلبہ کی خوشخبری سے اُن کی تالیف خاطر فرما رہا ہے تاکہ ان کا رنج خوشی سے اور غم سرور سے متبدل ہو جائے تو حضرت عیسےٰ کی مغلوبیت جس نوع کی ہوگی یہ غلبہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔ جس کی بشارت دی جا رہی ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسےٰ کی مغلوبیت روحانی و علمی قسم کی نہ تھی بلکہ اس حیثیت سے تو وہ یقیناً غالب تھے تو یقیناً ان کی مغلوبیت یہی ظاہری قسم کی تھی جو قوت و طاقت کے فقدان کا نتیجہ ہوا کرتی ہے لہٰذا ان کی تالیف قلبی و تسکین خاطر کے طور پر ان کے اطاعت گذاروں کے روحانی و علمی تفوق کی خوشخبری سُنانا بے محل اور بے معنی ہے۔

ثانیاً :- روحانی و علمی غلبہ یعنی دلیل و برہان کا تفوق ایک ایسی بلندی ہے جو ناقابل زوال ہے۔ پس تاقیامت کی قید لگانا

خلاف بلاغت ہے۔ پس بنابریں زیادہ موزوں ومناسب یہی ہے کہ اس فوقیت سے مراد سطوتِ ظاہری وسلطنت ملکی ہو۔
لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰے کے اطاعت گذار قبل از بعثت تو عیسائی لوگ تھے لیکن بعد از بعثت ان کے اطاعت گذاروں سے مراد مسلمان ہیں اور مسلمانوں کو بہ نسبت کفار کے تفوق ملکی کب حاصل ہے ؟ بلکہ دیکھنے میں تو کفار کو بدرجہا تفوق وغلبہ حاصل ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے مراد یہودی ہیں اور اَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ سے مراد نصاریٰ ہیں اور اگرچہ موجودہ نصاریٰ لوگ حضرت عیسٰے کے صحیح اطاعت گذار نہیں ہیں لیکن چونکہ ان کے گذشتہ آباء جو بعثت سے پہلے تھے، حضرت عیسٰے کی شریعت پر صحیح طور پر گامزن تھے اور یہ لوگ ان لوگوں کی اطاعت پر راضی ہیں بلکہ فخر کرتے ہیں۔ لہذا ان کو بھی اس خطاب میں متبعین عیسٰے سے شمار کر لیا گیا جس طرح قوم یہود کو اپنے آباء کے افعال شنیعہ پر راضی ہونے کی وجہ سے موردِ طعن وتشنیع قرار دیا گیا۔ پس آیت مجیدہ میں خوشخبری ہے حضرت عیسٰےؑ کو کہ ان کے تابعدار جو اپنے تئیں عیسائی کہلانے والے ہوں گے ان کافر لوگوں پر تسلط واقتدار کے مالک ہوں گے اور ان کا اقتدار تا قیامت رہے گا اور قوم یہود پر مغلوبیت کا عذاب دائمی رہے گا اور سب سے انسب یہی ہے کہ اس سے مراد زمانِ ظہور حضرت قائم لیا جائے کیونکہ ان کی معیّت میں حضرت عیسٰے بھی دوبارہ اٹھیں گے پس ان کے اطاعت گذاروں کا بول بالا ہوگا اور پوری دنیا پر وہ اقتدار کے مالک ہوں گے واللہ اعلم۔

نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ :- کتاب سے مراد مطلق وحی اور ذکر سے مراد قرآن اور حکیم بمعنی محکم اس کی صفت ہے۔ پس کتاب کے بعد ذکر حکیم تخصیص بعد تعمیم ہے۔

نصاریٰ نجران کے قول کی استدلالی تردید

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی ص۲۴۵ :- اس کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ وفد نجران کے دو معتمد آدمی جو ان کے پادری تھے ایک کا نام سیّد اور دوسرے کا نام عاقب تھا۔ وہ حضرت رسالتمآبؐ کے پاس آئے اور حضرت عیسٰے کے متعلق بحث کا آغاز ہوا تو اُن دونوں نے احتجاج کے طور پر یہ بات کہی کہ ہر انسان کے لئے باپ ضروری ہوا کرتا ہے آپ عیسٰیؑ کے متعلق بتائیں کیونکہ ان کا باپ تو ہے نہیں دگویا وہ حضرت عیسٰےؑ کی الوہیت ثابت کرنا چاہتے تھے پس یہ آیت اُتری۔

اس بیان سے حضرت عیسٰے کی الوہیت کی نفی پر دو دلیلیں مستفاد ہوتی ہیں۔

(۱) حضرت عیسٰے کو خدا نے خلق فرمایا ہے اور جو مخلوق ہو خواہ باپ کے بغیر ہی پیدا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

(۲) حضرت عیسٰےؑ کی شانِ خلقت حضرت آدم کی شان سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ یہ صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور حضرت آدم بغیر ماں باپ دونوں کے پیدا ہوئے تھے اگر باپ کے بغیر پیدا ہو جانا الوہیت کا موجب ہے تو اس بارہ میں حضرت آدمؑ کو فوقیت حاصل ہے پس اس کو بدرجہ اولیٰ خدا کہنا چاہیے حالانکہ نصرانی اس کی خدائی کے قائل نہیں تو پس انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عیسٰے کے متعلق بھی اس غلط رویہ کو ترک کر دیں۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ

تحقیق عیسٰی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ اس کو بھی پیدا کیا مٹی سے پھر فرمایا اس کو ہو جا

قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾

پس وہ ہو گیا حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں سے نہ بنیں

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

پس اگر جھگڑیں وہ اس بارے میں بعد اس کے کہ تیرے پاس علم آچکا ہے تو فرما دیجئے آؤ بلالیں ہم اپنے

أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ

بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو ۔ ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو اور تم اپنے نفسوں کو پھر

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾

دعا مانگیں اور مقرر کریں اللہ کی لعنت جھوٹوں پر

كُن فَيَكُونُ :۔ ظاہر بیان کے لحاظ سے درست تو اس طرح ہوتا کہ کہا جاتا كُن فَكَانَ ۔ لیکن ظاہراً اس کو حکایت حال ماضی قرار دیکر یکون استعمال کیا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ جب بھی کسی شئے کی ایجاد کا ارادہ فرماتا ہے۔ تو اس کے ارشاد كُن سے شئے فَيَكُونُ کی منزل تک پہنچ جاتی ہے پس حضرت آدم کو پیدا کرنے کے لئے بھی اُس نے ارشاد كُن کیا اور وہ فیکون کی منزل تک پہنچ گیا۔

حضرت آدم کی مثال دے کر حضرت عیسٰی کی بغیر باپ کی پیدائش کے متعلق نصرانیوں کے شبہ کا حل کرنا مطلوب ہے کہ خالق حکیم کسی شئے کی تخلیق میں اسباب و علل اور مواد کا محتاج نہیں اور نہ مرورِ زمانہ اور تخلل وقت کا حاجت مند ہے جس طرح وہ آدم کو تدریجی طریق سے مستثنیٰ قرار دے کر فوریت تکوینیہ سے خلق فرما سکتا ہے و[ر حضر]ت عیسٰی کو بھی اس طرح پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور اس نے ایسا ہی کیا ہے پس عیسٰی اس کا بندہ ہے خدا نہیں۔

تفسیر آیت مباہلہ

جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ حضرت عیسٰی کی الوہیت کی نفی کے لئے گذشتہ آیت بیان خداوندی ہونے کے علاوہ ایک ناقابل تردید برہان ساطع اور دلیل قاطع بھی تھی اسی لئے اس کو دوسری آیت میں علم سے تعبیر فرمایا ہے یعنی اگر وہ آیت نہ بھی ہوتی تب بھی اس کی برہانیت یقین و اطمینان کے لئے بذات خود کافی تھی پس مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فرمایا اور مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّا نہیں فرمایا۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ

تحقیق یہ (جو سابق میں عیسےٰ کے متعلق ذکر ہوا) بیان حق ہے اور کوئی بھی معبود نہیں سوائے خدا کے اور تحقیق اللہ ہی غالب

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ ع

حکمت والا ہے پس اگر وہ روگردانی کریں تو خدا فسادیوں کو جاننے والا ہے

نَقُلْ تَعَالَوْا۔ گویا حق کے اثبات کے لئے دو طریقے تھے۔ ایک دلیل و برہان کا اور دوسرا استجابت دعا کا چونکہ پہلا طریقہ استعمال کرنے کے بعد جب معلوم ہوا کہ وہ اپنے ضد پر اڑے ہوئے ہیں لہذا دوسرے طریقہ کی ان کو دعوت دی گئی اور وہ یہ کہ آپس میں مباہلہ کرلیں یعنی ایک دوسرے کے لئے ہلاکت کی اللہ سے دعا مانگیں پس جو جھوٹا ہوگا۔ ہلاک و برباد ہوگا۔ مباہلہ کا معنی ہے ایک دوسرے پر لعنت کرنا۔

تَعَالَوْا نَدْعُ۔ اصل مباہلہ میں طرفین سے ایک ایک آدمی کافی تھا لیکن اپنے دعویٰ پر انتہائی اطمینان و وثوق ثابت کرنے کے لئے ابناء۔ نساء۔ اور انفس کو دعائے ہلاکت میں شریک کیا گیا۔ کیونکہ انسان بعض اوقات اپنے ضد پر اڑ کر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کی پرواہ نہیں کیا کرتا۔ لیکن بال بچوں اور اعزاء واقرباء کو کسی صورت میں معرضِ ہلاکت میں ڈالنا پسند نہیں کرتا جیسا کہ فطری محبت کا تقاضا ہے

اس آیت میں غور کرنے سے چند چیزیں بخوبی سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱) آیت کا لب و لہجہ بتلاتا ہے کہ ابناء۔ نساء اور انفس سے مراد وہ نفوس ہیں جو اصل دعویٰ میں مدعی کے ساتھ شریک ہوں۔ صرف طرفین سے کثرت کی خاطر مزید بھرتی کرکے رطب و یابس کو جمع کرکے لانا مقصود نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ نصاریٰ کی طرف سے جو زن و مرد اس میں شرکت کرتے وہ صرف وہی ہو سکتے تھے جو بدل و جان حضرت عیسےٰ کی الوہیت کے مدعی تھے تاکہ اس بارہ میں اپنی جانوں پر کھیل جانا آسان سمجھتے، نا مکمل یقین اور مذبذب مزاج لوگوں کا مباہلہ میں قدم رکھنا قطعاً معقول نہیں تھا اور اس طرف سے جو زن و مرد نصاریٰ کے مقابلہ میں جائے وہ وہی ہونا چاہیے جس کو حضرت عیسےٰ کے عبد اور مخلوق خدا ہونے کا یقین کامل ہو اور رسالتمآبؐ کے ساتھ دعوئے مذکورہ میں شریک ہو اور دعوتِ اسلام میں بھی ان کے ساتھ حصہ دار ہو ورنہ بزورِ شمشیر کلمۂ اسلام کو منہ پر جاری کرنے والوں کے ساتھ لے جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ :-

(۲) اطمینانِ قلب اور سکونِ خاطر کے بغیر مخلصانہ طور پر جھوٹے کے لئے ہلاکت کی دعا مانگنا نہایت مشکل ہے۔ ورنہ یہ خیال پیدا ہوگا کہ شاید میں خود جھوٹا ہوں تو پس کیسے دعا میں خلوص رہے گا۔ خلوص تب ہی ہو سکتا ہے جب اپنی طرف سے سو فیصدی یقین ہو نیز آیت کی ابتداء میں ہے کہ اگر وہ لوگ اس علمی گفتگو اور عقلی دلیل کو تسلیم نہ کریں تو مباہلہ کا طریق اختیار کرلو۔ یعنی مباہلہ میں ساتھ جانے والے افراد کا دلیل و برہان کی ناکامی کے بعد ساتھ لے جانا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح دلیل دعوے کو منوانے کے لئے تھی۔ یہ بھی اسی دعوے کو منوانے کے لئے میدان میں اترے ہیں تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ صرف وہی ہستیاں ہی ساتھ

جا سکتی تھیں جو دعوتِ اسلام میں اور دعویٰ عبدیت عیسیٰؑ میں جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ برابر کے شریک تھے چنانچہ آیت کے اختتام میں کَاذِبِیْن جمع کا صیغہ اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ رسولؐ کے ہمراہ جانے والے صَادِقِیْن تھے اگر دعوت نصاریٰ کے علمبردار اور مدعی صرف آپ ہی ہوتے اور ساتھ جانے والے افراد کی حیثیت گواہ کی سی ہوتی تو کَاذِبِیْن جمع نہ لایا گیا ہوتا کیونکہ نصاریٰ کی نگاہوں میں اگر معاذ اللہ کَاذِبِیْن تھے تو سب کے سب جانیوالے تھے اور خدا کے علم میں اگر صَادِقِیْن تھے تو بھی سب جانے والے تھے تو معلوم ہوا کہ نصاریٰ کی نظروں میں بھی یہ سب کے سب دعوت دہندہ اور مدعی عبدیت عیسیٰؑ تھے اور عند اللہ بھی یہ سارے جناب رسالتمآبؐ کے شریک کار تھے۔

(۲) اَبْنَآء۔ نِسَآء اور اَنْفُسْ یہ تینوں صیغے جمع ہیں اور مضاف بھی اور ظاہر ہے کہ جمع مضاف سے استغراق مستفاد ہوا کرتا ہے گویا معنی یہ ہوا کہ اپنے تمام بیٹوں، عورتوں اور نفسوں کو لاؤ۔ لیکن چونکہ لانا صرف انہی کو تھا جو دعوتِ مذکورہ اور دعویٰ عبدیت عیسیٰؑ میں شریکِ رسولؐ تھے تو مقصد یہ ہوا کہ تمام وہ بیٹے وہ عورتیں اور وہ نفس جو اس مدعا میں بحیثیت مدعی کے ہیں بلائے جائیں پس نظرِ انتخاب رسالت میں اس معیار کے لحاظ سے بیٹوں میں سے سوائے حسنین کے کوئی بچہ اس قابل نہ تھا اور عورتوں میں سے سوائے مخدومۂ کائنات خاتونِ جنت کے اور کوئی نہ تھی اور مردوں میں سے سوائے علیؑ کے اور کوئی نہ تھا۔

سوال:۔ رسولِ کریم کے دیگر جلیل القدر اور اکابر صحابہ جو اس وقت موجود تھے اسی طرح زوجاتِ محترمات بھی سب کے سب مذکورہ دعویٰ اور دعوت میں شریکِ رسولؐ تھے اور ان کو پورا پورا اطمینان حاصل تھا اور میدانِ مباہلہ میں جانے کے اہل تھے لیکن چونکہ وہاں صرف بطور نمونہ کے مختصر افراد کو لے جانا تھا۔ اس لئے جناب رسالتمآبؐ نے صرف حسنینؑ اور فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کے لے جانے پر اکتفا کر لی۔

جواب:۔ ابناء، نساء و انفس کی اضافت جو مفید استغراق ہے نمونہ کے طور پر چند افراد کو ہمراہ لے جانے کے خلاف ہے اور اگر بالفعل استغراق نہ مانا جائے تب بھی جمع ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور نمونہ کے لئے بھی لے جانا تھا تو کم از کم اتنے افراد کا انتخاب ہر صنف سے ضروری تھا کہ اقل جمع تو صادق آسکتی پس اس صورت میں ابناء کے لئے تین اور نساء کے لئے بھی تین البتہ انفس کے لئے صرف ایک اور بڑھانا پڑتا کیونکہ آپ خود بنفسِ نفیس مل کر تین ہو جاتے پس اس طرح نہ ہونا صاف بتلاتا ہے کہ اس میدان میں سوائے ان ہستیوں کے جانے کا کوئی دوسرا اہل نہیں تھا؟

(۳) نصاریٰ نجران کی تفہیم کے لئے جب قرآن کی پیش کردہ دلیل و برہان کارگر نہ ہوئی تو میدانِ مباہلہ کی تشکیل دیتے ہوئے عترت طاہرہ کو پیغمبر کا ساتھ لے جا کر حق و باطل کے درمیان امتیازی نشان قائم کرنا تا قیامت امتِ اسلامیہ کے لئے دعوتِ فکر ہے کہ جس طرح نصرانیوں کے مقابلہ میں یہ لوگ رسولؐ کے شریکِ کار ہیں اور صرف قرآنی ادلہ پر اکتفا نہیں کی جا سکتی اسی طرح تا قیامت اہل اسلام کے لئے بھی ان کی قیادت ضروری ہے اور صرف کتاب اللہ سے تمسک پکڑ کر ان کو نظر انداز

کرنا یقیناً نادرست ہے۔

(۴) چونکہ قرآن مجید میں جہاں نساء کو ابناء کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے وہاں اس سے مراد بیٹیاں ہیں۔ لہذا بعید نہیں کہ نساء سے مراد یہاں بیٹیاں ہوں۔ پس اس کی مصداق صرف خاتونِ جنت ہی ہوگی اور اگر نساء کے معنی میں تعمیم کی جائے۔ تو عورت کی تین اہم حیثیات میں سے خاتونِ جنت ہر طرح مصداق آیت ہے کیونکہ دعوت مباہلہ میں چار جانے والے مردوں میں سے دو کی ماں ہے اور ایک کی زوجہ ہے اور ایک کی دختر ہے کیونکہ نساء کا لفظ امرأۃ کی جمع ہے۔ خلافِ قیاس۔ اور اس کا معنی ہے عورت اور عورت کے لئے رشتہ کے اہم پہلو صرف یہی تین ہیں کہ زندگی میں قدم رکھتے ہی پہلے پہل بیٹی ہوتی ہے پھر زوجہ بنتی ہے اور پھر ماں بن جاتی ہے۔

(۵) ابناء جمع ہے ابن کی۔ اور آیت مجیدہ میں ابناء کو ہی مباہلہ میں شریک قرار دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاح قرآن میں لڑکی کی اولاد کو بھی ابن کہنا مبنی بر حقیقت ہے پس حسنین شریفین جناب رسالتمآبؐ کے بفرمانِ قرآن فرزند ثابت ہوئے۔

(۶) انفس جمع ہے نفس کی، قرآنی الفاظ بتلاتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ کو اس میدان اور اس دعوت میں اُن مردوں کو شریک کرنے کا حکم تھا جن کی رسولؐ کے ساتھ یگانگت اور یک جہتی اس طرح ہو جس طرح جسم سے نفس کی نسبت ہوا کرتی ہے اور وہ شخص ہی ساتھ جانے کا اہل ہو سکتا تھا جو رسولؐ کے لئے بمنزلہ نفس کے ہو پس اس آیت کی رُو سے علیؑ کا نفس رسولؐ ہونا ثابت ہوا اور جمع کے صیغہ سے خطاب کے باوجود صرف حضرت علیؑ کا انتخاب اس امر کی دلیل ہے کہ صحابۂ رسول میں سے جانثاری اور وفاشعاری کے لحاظ سے دوسرا کوئی ایسا فرد موجود نہ تھا جس کو جناب رسالتمآبؐ اپنے نفس کی حیثیت سے مباہلہ میں لے جاتے پس یہی آیت حضرت علیؑ کی جملہ صحابہ بلکہ باقی تمام انبیاء سے بھی افضل ہونے کی نص صریح ہے کیونکہ نفس اور شے کا حکم ایک ہوا کرتا ہے تو جن لوگوں پر رسولؐ کی فضیلت ثابت ہوگی۔ انہی پر رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ کی فضیلت بھی ثابت ہوگی اور اسی سے حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل بھی قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے اور جناب رسالتمآبؐ کا فرمانا۔ یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْكَ جِسْمُكَ جِسْمِیْ۔ دَمُكَ دَمِیْ رُوْحُكَ رُوْحِیْ لفظ قرآن اَنْفُسَنَا کی تفسیر ہے۔

(۷) آیتِ مجیدہ میں پہلے ابناءنا کا ذکر تھا۔ چنانچہ جناب رسالتمآبؐ نے بھی عمل کی صورت میں ان کو پہلے رکھا پس حضرت حسنؑ کو انگلی سے اور حسینؑ کو گود میں اٹھا لیا اور اس کے بعد آیت میں نساءنا کا ذکر تھا تو حضورؐ نے مقامِ عمل میں اپنے پیچھے خاتونِ جنت کو رکھا اور آیت میں آخر پر اَنْفُسَنَا کی لفظ تھی لہذا مقامِ عمل میں سب سے پیچھے حضرت علیؑ تھے اگرچہ اس ترتیب کے عمل میں لانے کا امر نہیں تھا۔ تاہم جناب رسالتمآبؐ نے ظاہری مفہوم سے واقعی مصداق کی ترتیب کو اپنے عمل سے اسطرح منطبق کر کے دکھایا کہ کبھی کوئی فرد آیت کے مصادیق کی تعیین و تطبیق میں ٹھوکر نہ کھانے پائے۔

(۸) جناب خاتونِ جنت کو درمیان میں رکھنے سے مقامِ عمل میں مخدومۂ کائنات کے پردہ کی اہمیت کو بھی واضح کرنے کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے تاکہ اگر سامنے نصاریٰ نے نظر اٹھا کر اِدھر دیکھیں تو ان کے آگے رسالت کی نوری دیوار حائل ہو جائے

اور پیچھے سے مسلمان جاتے ہوئے دیکھیں تو اُن کے سامنے امامت کا پردہ آجائے اور عصمت مآب بی بی پر کسی نامحرم کی نظر نہ پڑ سکے۔ حتیٰ کہ قدموں کے نشان بھی رسالت و امامت کے نقوشِ پا کے درمیان مستور ہو کر رہ جائیں۔

(۹) میدانِ مباہلہ میں اس طرف سے پانچوں بزرگواروں کا جانا اور مقابلہ میں نصاریٰ کا جزیہ منظور کرتے ہوئے مباہلہ سے ہٹ جانا اس امر کا کاشف ہے کہ پانچ ہستیوں کی صداقت کو وہ اُن کی پُر اطمینان روش اور ہمہ تن سکون پیش قدمی سے بھانپ گئے تھے اور مباہلہ کے بعد انہیں یقین تھا کہ اگر ایسا ہُوا تو موردِ عذاب ہو جائیں گے۔ پس انہوں نے جزیہ منظور کرنے کے عمل سے ان پانچوں کی صداقت کا اعتراف کر لیا اور قرآن کی آیت نے اس پر حقیقت کی مہر ثبت کر دی۔

(۱۰) اس پورے واقعہ اور قرآنی فرمان میں تدبر کرنے سے انسان بخوبی و بآسانی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان کے مقابلہ میں آنے والے جھوٹے اور مستحقِ لعنت تھے اور قصہ کا تعلق اگرچہ صرف ایک واقعہ سے تھا لیکن قرآن کا پورے اہتمام کے ساتھ ان کی صداقت اور ان کے مدمقابل کے جھوٹ کا اعلان کرنا اس امر کا کاشف ہے کہ اُن کی صداقت صرف اسی جزوی واقعہ میں منحصر نہیں تھی اور ان کا دعوتِ اسلام اور دعوائے عبدیت عیسےٰ میں جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ شریک کار ہونا بھی اسی کا شاہد ہے ورنہ اگر اُن میں صداقت کا وجود صرف اسی دن کے لئے ہوتا تو یقیناً ان کا انتخاب اس قسم کے اہم مقابلہ کے لئے ناموزوں ہوتا۔ پس معلوم ہُوا کہ یہ واقعہ صرف ان کی صداقت کے اعلان کا بہانہ تھا۔ ورنہ تمام صحابۂ رسالتمآبؐ میں سے کوئی آدمی ایسا موجود نہ تھا جو اس فضیلت میں ان کے ہم پلہ ہو سکتا اور اگر ایسا ہوتا تو آپ اس انتخاب میں یقیناً اس کو نظر انداز نہ فرماتے اس لئے کہ آیت کے الفاظ ابناء، نساء اور انفس کے جمع اور استغراق کے وسیع الذیل الفاظ زیادہ سے زیادہ قابلِ انتخاب افراد کو اپنے دامن میں جگہ دینے کو تیار تھے اور جناب رسالتمآبؐ کی نظرِ انتخاب میں بھی بُخل نہ تھا بلکہ وہ خلقِ عظیم کا مالک رسولؐ کشادہ روئی سے ساتھ ملانے کو تیار ہو جاتا بشرطیکہ کوئی اِدھر آنے کی صلاحیت رکھ پاتا۔ پس ثابت ہُوا کہ اس معیار پر پُورے اترنے والے صرف یہی تھے جن کو لے جایا گیا تو اس واقعہ میں اُن کا انتخاب اور چُنا جانا اور ان کے مقابل والوں کو جھوٹے کی سند کا ملنا تا قیامت ایک دستور العمل ہے کہ جب بھی یہ لوگ کسی میدان میں پہنچیں اور حق و باطل میں امتیاز مشکل ہو جاوے تو معیار یہی ہے کہ جس طرف یہ لوگ ہوں گے صداقت اور حق اسی جانب ہوگا اور ان کی مقابل جماعت کاذب و باطل پرست ہوگی۔

(۱۱) چونکہ حسنین شریفینؑ باوجود کم سنی کے مباہلہ کے پروگرام میں شامل اور خداوند کریم کی جانب سے مدعو تھے۔ لہذا یہ آیت اُن کے کمالِ عقل پر نصِ قطعی ہے کیونکہ ایسے پروگراموں میں ناقص العقل کی شرکت یقیناً ناموزوں ہے اور جناب بتولِ معظمہ کی شمولیت اور ان کا مدعو ہونا بھی ان کے کمالِ عقل کی برہانِ قطعی ہے یعنی جس طرح بچپنہ حسنینؑ کے کمالِ عقل سے مانع نہیں اسی طرح نسوانیت جنابِ زہراؑ کے کمال میں مخل نہیں اور یہی اس خانوادۂ عصمت کا امت کے عام مردوں اور عورتوں سے امتیازی نشان ہے

واقعہ مباہلہ کے متعلق روایات

بنا بر مشہور ۲۴ ذوالحجہ ۱۰ھ کو بعد از فتح مکہ یہ واقعہ پیش آیا کیونکہ آپ نے اطراف میں دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے چنانچہ ایک خط نصاریٰ نجران کو بھی

لکھا پس تحقیق کے لئے ان کا وفد مدینہ میں آیا اور انہوں نے پہلے مناظرہ کیا اور بعد میں مباہلہ کا فیصلہ ہوا۔

(۱) بروایت تفسیر قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نصاریٰ نجران کا وفد جب جناب رسالتمآب کے پاس پہنچا تو ان کے سردار تین شخص تھے۔ اہتم، عاقب اور سید۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو انہوں نے ناقوس بجائے اور پھر نماز ادا کی۔ صحابہ کرام کو مسجد رسولؐ میں اُن کا یہ فعل ناگوار گزرا اور بارگاہ رسالت میں دبی زبان سے عرض بھی کی۔ لیکن آپؐ نے فرمایا۔ کہ رہنے دیجئے۔ جب وہ فارغ ہو چکے تو آپ کے قریب آکر کہنے لگے۔ آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ فرمایا۔ اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی طرف اور یہ کہ حضرت عیسےٰ عبد خدا اور مخلوق خدا تھے، کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ اگر یہ صحیح ہے تو فرمائیے اُن کا باپ کون تھا؟ پس وحی نازل ہوئی کہ اُن سے سوال کیجئے۔ تمہارا آدم کے متعلق کیا خیال ہے کیا وہ عبدِ خدا تھا۔ کھاتا پیتا تھا اور نکاح وغیرہ کا محتاج تھا؟ تو آپ نے اُن سے یہی سوالات کئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا۔ کہ بتائیے۔ اس کا باپ کون تھا۔ پس وہ شرمسار ہو کر لاجواب ہو گئے۔ چنانچہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ سے لے کر آیتِ مباہلہ کے آخر تک یہ آیتیں اُتریں۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ مباہلہ کر لو۔ اگر میں سچا ہوں گا تو تم پر خدا کی لعنت اور عذاب نازل ہوگا اور اگر تم سچے ہوگے تو مجھ پر خدا کی لعنت نازل ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ واقعی یہ منصفانہ فیصلہ ہے اور مباہلہ کا وعدہ کر کے چلے گئے تو اُن کے رؤسا سید۔ عاقب اور اہتم نے کہا کہ اگر وہ مباہلہ کرنے کے لئے اپنی قوم کو لائے۔ تو ہم مباہلہ کریں گے کیونکہ وہ نبی نہ ہوگا اور اگر وہ اپنی خاص اہلبیت کو ہمراہ لا کر مباہلہ کرے گا تو ہم مباہلہ نہ کریں گے کیونکہ اس کا اپنی اہلبیت کو ساتھ لانا اس کی صداقت کی دلیل ہے جب صبح ہوئی تو آپ نے حضرت امیرالمومنین اور جناب فاطمہ اور حسنؑ اور حسینؑ علیہم السلام کو ساتھ لیا۔ نصاریٰ نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو ان کو جواب دیا گیا کہ ایک اس کا چچازاد وصی اور داماد علی بن ابی طالب ہے اور ایک اس شہزادی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہے اور دو بیٹے حسنؑ اور حسینؑ علیہما السلام ہیں پس پیش کر بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کی مرضی کے تابع ہیں۔ ہمیں مباہلہ سے معافی دیجئے پس آپؐ نے جزیہ پر اُن سے صلح کر لی اور وہ چلے گئے۔

(۲) عیون الاخبار سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ہارون نے دریافت کیا تھا کہ تم کیسے ذریت پیغمبر کہلاتے ہو حالانکہ ہمارے پیغمبر کی نسل نہیں ہے کیونکہ نسل بیٹوں سے ہوا کرتی ہے نہ کہ بیٹیوں سے اور تم بیٹی کی اولاد ہو؟ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے قرابت اور قبر رسولؐ اور صاحب قبر کا واسطہ دے کر اس سوال کے جواب سے معافی چاہتا ہوں۔ تو ہارون نے جواب دیا کہ مجھے جہانتک خبر پہنچی ہے آپ اولاد علیؑ میں سردار اور ان کے امام وقت ہیں لہذا میرے ساتھ اس مسئلہ میں دلیل و برہان سے بات فرمائیے اور میں جو کچھ آپ سے دریافت کر رہا ہوں۔ اس کی ہرگز معافی نہ دوں گا۔ جب تک آپ قرآن مجید سے اپنے دعویٰ کا ثبوت نہ دیں اور اے اولادِ علیؑ! تمہارا تو یہ دعویٰ ہے کہ قرآن کی کوئی چیز تم سے پوشیدہ نہیں ہے اور اس کا کوئی حرف نہیں جس کی تاویل تمہارے پاس نہ ہو اور تم اس کے احتجاج میں پیش کرتے ہو۔ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ

شیئی ہ اور دیگر تمام علماء کے قیاسیات اور خیالات سے تم استغنا ظاہر کرتے ہو؟
آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا :- اچھا مجھے اجازت دیجئے تاکہ کچھ کہوں۔ ہارون نے کہا۔ اجازت ہے بیان کیجئے۔
فرماتے ہیں کہ میں نے پڑھا :-

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے :- بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمِنۡ ذُرِّیَّتِہٖ دَاوٗدَ وَسُلَیۡمٰنَ وَاَیُّوۡبَ وَ یُوۡسُفَ وَمُوۡسٰی وَھٰرُوۡنَ وَکَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝ وَزَکَرِیَّا وَیَحۡیٰی وَعِیۡسٰی وَاِلۡیَاسَ الخ

اور اس کی ذریّت سے داؤد، سلیمانؑ اور ایوبؑ یوسفؑ موسیٰؑ اور ہارونؑ ہیں۔ اور ہم احسان کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔ اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ (بھی ان کی ذریّت سے تھے) الخ

پس میں نے دریافت کیا بتائیے :- حضرت عیسیٰؑ کے باپ کون تھے :- ہارون نے جواب دیا۔ کہ عیسیٰؑ کا باپ نہیں تھا۔ پس میں نے کہا :- کہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو ماں کی وجہ سے ذریّت انبیاء میں داخل فرمایا اور اسی طرح ہمیں بھی ماں کے ذریعے سے ذریّت پیغمبر قرار دیا۔

پھر میں نے کہا۔ کچھ اور بھی کہوں؟ اس نے کہا کہ ہاں! پس میں نے آیت مباہلہ تلاوت کی اور کہا کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جناب رسالتمآبؐ نے نصاریٰ کے مباہلہ کے دن علی ابن ابی طالبؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کے علاوہ کسی اور کو بھی دعوت دی ہو اور آیت میں اَبۡنَآءَنَا سے مراد حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ نِسَآءَنَا سے مراد جناب فاطمہؑ ہیں اور اَنۡفُسَنَا سے مراد جناب علی ابن ابی طالبؑ ہیں۔

(۳) امام علی رضا علیہ السلام سے مامون نے جو سوالات کئے تھے من جملہ اُن کے ایک یہ بھی تھا۔ کہ مامون نے دریافت کیا۔ کہ آپ کے جد پاک حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کی خلافت پر دلیل کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا :- آیت اَنۡفُسَنَا :- مامون نے کہا۔ ٹھیک ہے بشرطیکہ نِسَآءَنَا کا لفظ نہ ہو، آپ نے فرمایا۔ ہاں اگر اَبۡنَآءَنَا نہ ہو۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں :- ما الدلیل علی خلافۃ جدک علی بن ابی طالب؟ قال آیۃ انفسنا قال لولا نساءنا قال لولا ابناءنا۔

اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب مامون نے حضرت علیؑ کی خلافت کی دلیل طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ اَنۡفُسَنَا کی آیت یعنی آیت مباہلہ۔ کیونکہ اس آیت میں علیؑ کو نفس رسولؐ کہا گیا ہے اور علیؑ کا نفس رسولؐ ہونا استحقاق خلافت کے لئے کافی ہے کیونکہ جن پر رسولؐ کو افضلیت حاصل ہے ان پر نفس رسولؐ کو بھی افضلیت حاصل ہوگی اور شیئ اور نفس شیئ کا حکم ایک ہی ہوا کرتا ہے اس پر مامون نے اعتراض کیا کہ لَولَا نِسَآءَنَا یعنی اَنۡفُسَنَا سے حضرت علیؑ کا نفس رسولؐ

Presented by www.ziaraat.com

ہونا ثابت نہیں۔ کیونکہ یہاں انفس سے مراد مطلق مرد ہیں اور حضرت علیؑ ان میں ایک فرد ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں خدا نے نِسَاءَ نَا کو ذکر فرمایا ہے اور اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انفس سے مراد مرد ہیں۔ ہاں اگر نِسَاءَنَا کی لفظ نہ ہوتی تو علی کا نفس رسولؐ ہونا اس آیت سے سمجھا جا سکتا تھا۔ آپ نے اس کی تردید میں فرمایا لَوْلَا اَبْنَاءَ نَا یعنی اگر نِسَاءَ نَا کے قرینہ سے اَنْفُسَنَا کا معنی مطلق مرد ہو تو اَبْنَاءَ نَا کیوں ذکر کیا گیا یہ بھی تو مردوں میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یا یوں کہئے کہ نِسَاءَ نَا کے مقابلہ میں اگر اَبْنَاءَ نَا کا ذکر نہ ہوتا تو نِسَاءَ نَا سے مراد عورتیں اور ان کے مقابلہ میں انفس سے مراد مرد لئے جا سکتے تھے لیکن جب ان کا مقابلہ اَبْنَاءَ سے ہو تو باصطلاح قرآن نِسَاءَ سے مراد لڑکیاں ہو جایا کرتی ہیں لہذا انفس اپنے معنی حقیقی پر رہتے ہوئے حضرت علیؑ کے فضیلت مذکورہ کے اثبات کا موجب ہو جائے گا۔

اور ممکن ہے کہ مراد یہ ہو۔ کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے چونکہ اَنْفُسَنَا سے حضرت علیؑ کا نفس رسولؐ ہونا ثابت کر کے ان کا استحقاقِ خلافت بیان فرمایا۔ تو مامون نے اعتراض کیا کہ حضرت علیؑ کو نفسِ رسولؐ کہنے میں ایک خرابی لازم آتی ہے اور وہ یہ کہ خاتونِ جنت حضرت علیؑ کی زوجہ ہے اور رسول کی دختر ہے پس علیؑ نفسِ رسولؐ کیسے ہو سکتے تھے جبکہ وہ رسولؐ کی شہزادی کے شوہر ہیں تو آپ نے اس کے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ حسنین شریفینؑ کو جب خدا نے رسولؐ کے بیٹے قرار دیا تو علی نفسِ رسولؐ ثابت ہوئے کیونکہ علیؑ کے بیٹوں کو خدا رسولؐ کے بیٹے فرما رہا ہے۔ گویا معنوی طور پر حضرت علیؑ کا نفسِ رسولؐ ہونا ظاہری رشتہ سے مانع نہیں ہو سکتا۔

(۴) اہلسنت کی تفسیر ثعلبی سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے جب قوم نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی تو نصاریٰ نے کہا۔ کہ ہم سوچ کر جواب دیں گے جب علیحدہ مجلس مشاورت قائم ہوئی تو انہوں نے مل جل کر عاقب سے کہا۔ جو ان کا صاحب رائے تھا۔ عبدالمسیح (یہ اس کا لقب ہے) تیرا کیا مشورہ ہے؟ اس نے جواب دیا۔ اے نصرانیو! خدا کی قسم تمہیں معلوم تو ہے ہی کہ حضرت محمد مصطفےٰ نبی مرسل ہے اور اللہ کی جانب سے بھیجا ہوا ہے اور خدا کی قسم کبھی کسی قوم نے کسی نبی سے مباہلہ کی جرأت نہیں کی مگر یہ کہ اس کا پوری طرح ستیاناس ہو گیا۔ ان کے چھوٹے بڑے سب فنا ہو گئے اگر تم ایسا کرو گے تو یقیناً ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔ ہاں اگر تم اپنے مذہب کے خیر خواہ ہو اور اسی دین پر رہنے کے متمنی ہو تو چپ چاپ واپس جانے میں اپنی خیر سمجھو؟

پس جب صبح ہوئی تو جناب رسالتمآبؐ نے حسینؑ کو گود میں لیا اور حسنؑ کا ہاتھ پکڑا اور جناب فاطمہ ان کے پیچھے روانہ ہوئیں اور حضرت علیؑ جناب فاطمہؑ کے پیچھے تھے اور آپ ان کو فرما رہے تھے کہ دیکھنا جب میں دعا مانگوں تو تم سب آمین کہنا۔ نجران کے اسقف (پادری) نے نصاریٰ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں۔ اگر وہ اللہ سے سوال کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو ہٹ جائے گا۔ پس ان لوگوں سے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور قیامت تک زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ پس انہوں نے یہ بات مانتے ہوئے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ ہماری

Presented by www.ziaraat.com

راستے یہ ہے کہ ہم مباہلہ چھوڑ دیں۔ آپ اپنے دین پر رہیں اور ہم اپنے دین پر رہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم مباہلہ سے انکار کرتے ہو۔ تو پھر تمہیں اسلام قبول کرنا چاہیئے۔ پس مسلمانوں کے ساتھ تم نفع اور نقصان میں شریک ہو جاؤ گے تو انہوں نے اس بات سے انکار کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر جہاد کی دعوت دیتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے ساتھ لڑنے کی جرأت نہیں کرتے۔ البتہ ہم آپ سے مصالحت کے خواہشمند ہیں جس کی شرائط یہ ہوں گی (۱) آپ ہمیں نہ چھیڑیں گے (۲) ہمیں خوفزدہ بھی نہ کیا جائے گا بلکہ پُرامن زندگی گزارنے کی سہولت ہمیں دی جائے گی۔ (۳) ہمیں اپنے دین کے چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ (۴) ہم ہر سال ۲ ہزار لباس ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار رجب میں اور تینتیس ۳۳ زرہ لوہے کی ادا کرتے رہیں گے۔ پس آپ نے منظور فرمالیا اور فرمایا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تحقیق موت اہل نجران پر اپنے پر کھول چکی تھی اور اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندر اور سور کی شکل میں مسخ ہو جاتے اور پوری وادی اُن کے لئے آگ سے بھڑک اٹھتی اور خدا نجران اور اہل نجران کو تباہ کر دیتا یہاں تک کہ درختوں پر پرندے بھی زندہ نہ رہ سکتے اور ایک سال کے اندر اندر تمام روئے زمین کے نصرانی لقمۂ اجل ہو جاتے۔

نوٹ:۔ اس روایت میں جزیہ کی شرائط میں ہے کہ دو ہزار لباس سالانہ ادا کریں گے ایک ہزار ماہ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں۔ لیکن یہاں صفر سے مراد ماہ محرم ہے کیونکہ عرب لوگ ماہ محرم کو صفر اوّل اور ماہ صفر کو صفر ثانی کہا کرتے تھے جب اسلام نے صفر اوّل کے مہینے کو بھی حرمت والے مہینوں میں شمار کر دیا تو اس کا نام شہر اللہ المحرم پڑ گیا اور آہستہ آہستہ شہر اللہ کا لفظ بھی کٹ گیا اور صرف محرم مشہور ہو گیا۔

(۵) تفسیر در منثور سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے اہل نجران کو دعوت نامہ لکھا کہ میں تم لوگوں کو اللہ کی عبادت اور اُسی کی ولایت کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اگر انکار کرو گے تو تمہیں جزیہ ادا کرنا پڑے گا۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ جہاد کریں گے جب خط وہاں پہنچا اور وہاں کے اسقف نے خط پڑھا تو بہت گھبرایا اور خوفزدہ ہوا اور اہل نجران کے ایک شخص شرحبیل ابن وداعہ کو بلا بھیجا اور اس کو یہ خط پڑھنے کے لئے دیا جب وہ خط پڑھ چکا تو اسقف نے اُس سے اس بارہ میں مشورہ طلب کیا۔ شرحبیل نے جواب دیا کہ تجھے معلوم ہے کہ خداوند کریم نے ابراہیمؑ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ ذریت اسمٰعیل میں نبوت کو قرار دوں گا تو ممکن ہے یہ وہی شخص ہو۔ بہر کیف مجھے نبوت کے معاملہ میں دخل اندازی کی مجال نہیں البتہ کوئی دنیاداری کا مشورہ ہوتا تو اپنی رائے ظاہر کر سکتا اور تجھے کوئی صحیح نظریہ قائم کر کے مطلع کرتا۔ اس کے بعد اسقف نے اہل نجران کے ہر ہر شخص کو یہ خط پڑھوا کر اُن سے فرداً فرداً رائے طلب کی اور ہر ایک نے وہی جواب دیا جو شرحبیل نے دیا تھا۔ اس کے بعد تمام کی رائے اس بات پر جم گئی۔ کہ شرحبیل بن وداعہ اور عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن فیض کو معلومات حاصل کرنے کے لئے مدینہ روانہ کیا جائے اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے۔

پس یہ وفد مدینہ پہنچا۔ حضرت عیسےٰ کے متعلق بات چیت ہوئی جب انہوں نے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا سوال کیا

Presented by www.ziaraat.com

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ

فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ طرف ایسی بات کے جو یکساں طور پر (قابل قبول ہے) ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کہ کسی کی عبادت

اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا

نہ کریں سوائے خدا کے اور نہ شریک کریں اس کے ساتھ کوئی چیز اور نہ پکڑے ہمارا بعض بعض کو اپنا رب

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

بغیر اللہ کے پس اگر نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں

تو آپ نے فرمایا کہ میں کل جواب دوں گا چنانچہ اسی رات کو یہی آیات اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى سے لے کر آخر تک نازل ہوئیں بالآخر جب مباہلہ تک نوبت پہنچی اور صبح کو جناب رسالتمآبؐ مع ساتھیوں کے میدانِ مباہلہ میں پہنچے تو شرجیل نے ساتھیوں سے کہا کہ ان سے مباہلہ ہماری ہلاکت کا موجب ہو گا چونکہ اس کو اپنے ساتھیوں نے اپنی طرف سے کلی اختیار دے دیا تھا پس شرجیل نے جزیہ دینا منظور کر کے آپؐ سے مصالحت کر لی۔

بہرکیف نصاریٰ کے وفد کے ناموں میں اختلاف ہے لیکن تمام مفسرین کو اس بات پر پورا اتفاق ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے ہمراہ سوائے علی و بتول و حسنین علیہم السلام کے اور کوئی نہ تھا اور اس روایت کو شیعہ سُنّی مفسرین نے متفقہ طور پر لکھا ہے اور ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے روایت مباہلہ کو اکاون صحابہ و تابعین سے نقل کیا ہے کہ مصداق آیت حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ اور جو لوگ اس قسم کی متواترات سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے پاس سوائے عناد و حسد و بغض و کینہ کے اور کچھ نہیں اور خدا خود ہی ان سے حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

رکوع ۱۵

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ :- اس آیت میں یہود و نصاریٰ ہر دو کو دعوتِ اسلام دی گئی ہے پہلے پہل ان کو کلمۂ توحید لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے اقرار کی دعوت دی گئی اور اس کے بعد صرف زبانی اقرار کو ناکافی قرار دیتے ہوئے ان کو عملی طور پر شرک سے منع کیا گیا۔ کیونکہ یہودی عزیر کو اور نصرانی مسیح کو اللہ کا بیٹا قرار دے کر شرک کے مرتکب تھے۔ اعتقاد اور عبادت کی اصلاح کے بعد دوسرے معاملات میں ان کو اپنے احبار (ملاؤں) کی ربوبیت سے باز رہنے کی دعوت دی۔ مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری کہ اپنے احبار و رہبان کو انہوں نے اپنا رب مان لیا ہے تو عدی بن حاتم نے عرض کی۔ یا رسولؐ اللہ! ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا جس چیز کو وہ لوگ تمہارے اوپر حلال اللہ حرام کر دیتے تھے

Presented by www.ziaraat.com

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ

اے اہل کتاب تم کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں اتری تورات

وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۵﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ

وانجیل مگر اُس کے بعد کیا تم نہیں سوچتے دیکھئے تم نے ایسی بات میں جھگڑا کیا ہے

فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ

جس کا تمہیں علم تھا پھر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو علم ہی نہیں؟

وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۶﴾

اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

کیا تم اس کی اطاعت نہیں کرتے تھے؟ اس نے کہا۔ بے شک ایسا ہی تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ ان کی ربوبیت سے یہی تو مراد ہے۔ ربط :- خداوند کریم نے اہل کتاب کو دعوتِ اسلام منوانے کیلئے کیا خوب طریقہ استعمال فرمایا۔ پہلے پہل تو حضرت مریمؑ کی ولادت کا قصہ۔ پھر حضرت عیسٰےؑ کی پیدائش کا واقعہ اس انداز سے پیش کیا کہ منصف مزاج خود بخود اس کی الوہیت کے قول سے دست بردار ہو جائیں کیونکہ ولادت کے یہ ادوار و اطوار شان الوہیت کے سراسر منافی ہیں لیکن اگر ان کو تسلی نہ ہو تو پھر استدلالی طور پر حضرت عیسٰےؑ کی الوہیت کی تردید فرمائی اور حضرت آدمؑ کی خلقت سے تشبیہ دے کر اُن کے جملہ اعتراضات کا قلع قمع فرمایا۔

بعد ازاں انتہائی کند ذہن طبقہ کی تسلی و اطمینان کے لئے مباہلہ کی دعوت دی جب ان تمام باتوں سے ان کے منصف مزاج گروہ کی ذہنی خلش کسی حد تک دُور ہو گئی تو ان کو ضد اور ہٹ دھرمی سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے نہایت پیار و محبت کے لہجہ میں اُن کے سامنے ایک قابلِ قبول اور قرینِ عقل دستور العمل پیش فرمایا کہ عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیئے اور غیر اللہ کو اس کے ساتھ قطعاً شریک نہیں ماننا چاہیئے اور اس بارہ میں ملّا اور پادری لوگوں کی دجل فریبی سے بچتے ہوئے ان کی اندھی تقلید سے گریز کر کے صرف اللہ کی ربوبیت کو دل میں بٹھا لینا چاہیئے بعض مورخین نے ذکر کیا ہے کہ ۶ھ میں جناب رسالتمآبؐ نے قیصر، کسریٰ اور نجاشی کو بذریعہ وفود اسی مضمون کے دعوت نامے ارسال فرمائے تھے (میزان)

یَآ اَھْلَ الْکِتَابِ - کہتے ہیں کہ یہودیوں اور نصرانیوں نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق مناظرہ کیا۔ ہر ایک گروہ ان کو اپنی طرف کھینچتا تھا پس دونوں فیصلہ کے لئے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی کیونکہ موجودہ یہودیت اور نصرانیت تورات وانجیل کے تابع تھیں اور حضرت ابراہیمؑ حضرت موسٰیؑ سے ایک ہزار سال اور حضرت عیسٰےؑ سے دو ہزار سال پہلے تھے پس

Presented by www.ziaraat.com

اس صورت میں ابراہیم کو یہودیت یا نصرانیت میں داخل ماننا بے عقلی و بے وقوفی ہی ہے اور در منثور میں ابن عباس سے مروی ہے کہ نصاریٰ نجران اور احبار یہود کے درمیان اسی موضوع پر بارگاہ رسالت میں بحث ہوئی۔ تو آپ نے یہی جواب دے کر اُن کو ساکت کیا۔

ھَاَنۡتُمۡ - اس آیت مجیدہ کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) تم نے ایسی چیز میں جھگڑا کیا ہے جس کے متعلق کچھ نہ کچھ تمہیں علم ہے اور وہ ہے ان کی نبوت و رسالت کا علم، اب اس کے متعلق ایسی بحث کا آپس میں تم کیوں آغاز کرتے ہو جس سے تم قطعاً بے خبر ہو اور وہ ہے اس کی یہودیت یا نصرانیت کا فیصلہ۔

(۲) تا حال تم نے ایسی بات میں نزاع کیا جس کا کسی حد تک تمہیں علم تھا اور وہ ہے حضرت عیسےٰ کا معاملہ۔ اب تمہیں ایسی بات میں الجھنے کی کیا ضرورت ہے جس کا تمہیں قطعاً علم ہی نہیں اور وہ ہے حضرت ابراہیمؑ کی یہودیت یا نصرانیت۔

(۳) اے گروہ یہود و نصاریٰ تم نے آپس میں پہلے تو اس بات میں مناظرہ کیا جس کا تم کو علم تھا اور وہ تھا یہودیوں کی طرف سے نصرانیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسےٰ کی ابن اللہ ہونے کی نفی اور نصرانیوں کی طرف سے یہودیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسےٰ کی نبوت و بعثت کا اثبات۔ پس اب تم ایسی بات میں ایک دوسرے کے دست و گریباں کیوں ہو رہے ہو جس کے علم سے دونوں گروہ عاری ہو اور وہ ہے حضرت ابراہیمؑ کی یہودیت یا نصرانیت کا ثبوت۔

(۴) اے گروہ یہود و نصارےٰ پہلے تو تم ہمارے ساتھ ایسی چیز میں ازراہِ عناد جھگڑتے تھے جس کا تمہیں علم تھا اور وہ ہے جناب رسالتمآبؐ کی تورات و انجیل میں بیان شدہ صفات و علائم۔ اب تم ایسی بات میں جھگڑنے لگے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔ حالانکہ خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مفسرین نے اپنے اپنے ذوق کے ماتحت بعض اقوال کو ترجیح دی ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَّمَا كَانَ

نہ حضرت ابراہیمؑ یہودی اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو سچے مسلمان تھے اور نہ وہ

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۶۷﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرٰهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ

مشرک تھے تحقیق قریب ترین لوگوں میں سے ابراہیم کے ساتھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا ۗ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ

اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اللہ ولی ہے ایمان والوں کا چاہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ تمہیں گمراہ کردیں۔

لَوْ يُضِلُّونَكُمْ ۖ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۶۹﴾ يٰأَهْلَ

حالانکہ وہ نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور سمجھتے نہیں اے اہل

الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿۷۰﴾ يٰأَهْلَ الْكِتٰبِ

کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو آیات خدا کا حالانکہ تم گواہ ہو؟ اے اہل کتاب

لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۷۱﴾ ع

کیوں ملاوٹ کرتے ہو حق کی ساتھ باطل کے اور حق کو چھپاتے ہو جانتے ہوئے؟

مَا كَانَ إِبْرٰهِيمُ ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے ایک ہزار برس اور حضرت عیسیٰؑ سے دو ہزار برس پہلے گذر جانے کی وجہ سے جب حضرت ابراہیمؑ کو یہودیت یا نصرانیت کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا تو انہیں مسلمان کیونکر کہا جا سکتا ہے جبکہ وہ جناب رسالتمآبؐ سے تقریباً اڑھائی ہزار برس پہلے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دین اسلام جو ایک فطری اور اللہ کا پسندیدہ دین ہے حضرت ابراہیمؑ اُسی دین پر تھے۔ تورات اپنے وقتی مصالح کے لحاظ سے اُسی دین کے کمال کا کورس تھی اور انجیل بھی اپنے زمانہ کے مقتضیات کے پیش نظر اُسی فطری دین کے کمال کا پروگرام لے کر آئی پس یہ دونو دین اُسی اصلِ دینِ اسلام کے کمال کے شعبے تھے اور شریعت قرآنیہ بھی اُسی اصل دین اسلام کے کمال و عروج کا نصاب ہے لہذا حضرت ابراہیمؑ کو مسلمان کہنا اسی اصل کے لحاظ سے ہے نہ کہ فرعی اعتبار سے کیونکہ فرع کو اصل سے منسوب کیا جاتا ہے اور اصل کو فرع سے منسوب نہیں کیا جاتا اور بعض فرعی احکام کا نسخ اس کی تصدیق کے منافی نہیں ہوتا کیونکہ منسوخ احکام اپنے وقت میں بجا تھے اور ناسخ احکام اپنے وقت میں موزوں ہیں پس دونوں اپنے اپنے وقت میں درست اور واجب العمل ہیں۔ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ۔ کہتے ہیں کہ جس طرح

Presented by www.ziaraat.com

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ أُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ

کہا گروہ اہل کتاب نے ایمان لاؤ اس پر جو نازل ہوئی اُن لوگوں پر جو ایمان لائے دن کے پہلے حصے میں اور

النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ

کفر کرو آخری حصے میں تاکہ وہ پھر جائیں اور نہ مانو مگر اس کی جو تمہارے دین کی اتباع کرتا ہو

دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ إِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ أَنْ يُّؤْتٰٓى أَحَدٌ مِّثْلَ مَآ أُوْتِيْتُمْ أَوْ

فرما دیجئے تحقیق ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے کہ دیا جائے کسی کو مثل اس کے جو تمہیں دیا گیا یا یہ کہ

يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

وہ حجت قائم کریں تم پر اللہ کے ہاں فرما دیجئے تحقیق فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور خدا وسعت دینے

عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

علم والا ہے مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے

یہودی اور نصرانی حضرت ابراہیمؑ کو اپنی اپنی طرف منسوب کرتے تھے اسی طرح مشرکین عرب بھی دعویٰ کرتے تھے کہ دینِ حنیف اور ملتِ ابراہیمؑ پر ہم ہیں چنانچہ اہل کتاب ان کو حنفا یعنی ملت حنیفیہ پر چلنے والے کہتے تھے اور حنیفیت و حنفیہ مراد لیتے تھے تو خداوند کریم نے جہاں حضرت ابراہیمؑ کی یہودیت اور نصرانیت کی تردید فرمائی ساتھ ساتھ مشرکین عرب کے قول کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ حنیف تھے یعنی تمام ادیانِ باطلہ اور ملل فاسدہ سے کنارہ کش اور صراطِ حق پر گامزن تھے لیکن وہ شرک کرنے والے نہیں تھے۔ بلکہ پکے مسلمان تھے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا :۔ تفسیر صافی میں کافی و عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس سے مراد ائمہ اور ان کی اطاعت کرنے والے ہیں نیز آپ نے عمر بن یزید سے فرمایا کہ خدا کی قسم تم لوگ آلِ محمدؐ سے ہو وہ کہتا ہے میں نے عرض کی قربان جاؤں کیا ہم نفس آل محمدؐ سے ہیں؟ تو آپ نے تین بار فرمایا ہاں۔ اللہ کی قسم! تم لوگ آل محمدؐ سے ہی ہو پس آپ نے مجھے دیکھا اور میں نے اُن کی طرف نگاہ کی تو فرمانے لگے اے عمر! اللہ فرماتا ہے اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ الخ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا انبیاء کے قریب ترین وہ لوگ ہوا کرتے ہیں جو اُن کی شریعت کے احکام پر عمل پیرا ہوں پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ کا دوست اور قریبی وہی شخص ہے جو اللہ کا فرمانبردار ہو خواہ رشتہ میں آپ سے کتنا ہی دُور ہو اور اُن کا دشمن وہ شخص ہے جو اللہ کا نافرمان ہو خواہ اس کو رشتہ میں آپ سے کتنا ہی قرب حاصل ہو۔

رکوع ۱۶

قَالَتْ طَّآئِفَةٌ :۔ یہ تجویز ان کی چالاکی اور فریب کاری تھی جس کا خدا نے پردہ چاک کر دیا ان کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان یہ سمجھیں گے کہ آخر کوئی نقص اور عیب اس دین میں ضرور ہے کہ یہودی لوگ ایمان لا کر پھر دوبارہ کافر ہو گئے

Presented by www.ziaraat.com

لہٰذا وہ دینِ اسلام سے شک وشبہ کی بناء پر برگشتہ ہو جائیں گے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْا :۔ اس آیت کے کئی معانی کئے گئے ہیں

(۱) یہ کلام یہود ہے اور قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۔ درمیان میں جملہ معترضہ خطابِ خداوندی ہے اور اَنْ یُّؤْتٰٓى تتمہ کلام یہود ہے معنی یہ ہوگا۔ اسے گروہِ یہود تم کسی کے متعلق یہ بات ہرگز نہ مانو کہ اس کو تمہاری طرح علم وحکمت، کتاب اور حجت وغیرہ عطا ہوئی سوائے اس کے جو تمہارے اس دینِ یہودیت کا پیرو ہو کہتے ہیں خیبر کے یہودیوں نے مدینہ کے یہودیوں کو یہ بات کہی تھی تاکہ مبادا وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔

(۲) صرف پہلا حصہ کلام یہود ہے اور قُلْ اِنَّ الْهُدٰى کے بعد آخر تک خطابِ الٰہی ہے اور اَنْ یُّؤْتٰٓى دراصل اَنْ لَّا یُؤْتٰى تھا یا کہ یہ اَنْ کا مضاف لفظ کَرَاهَةَ محذوف قرار دیا جائے پس معنی یہ ہوگا کہ یہودیوں نے اپنے عوام کو یہودیت پر ڈٹے رہنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ تم کسی کی بات پر یقین و باور نہ کرو۔ سوائے اس کے جو تمہارے دین پر ہو تو خدا ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ اے مومنین ۔ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی جانب سے ہو اور یہ کہ کسی کو نہیں عطا ہوئیں وہ نعمتیں جو تمہیں عطا ہوئیں یا یہ کہ ناپسند فرماتا ہے اللہ کہ کسی کو عطا کرے وہ نعمتیں جو اس نے تم کو عطا فرمائیں اور اللہ کے نزدیک بروزِ محشر بھی تمہیں حجت سے کوئی مغلوب نہ کر سکے گا کیونکہ تمہارا دین حق ہے۔

(۳) اول سے آخر تک سب خطابِ خداوندی ہے اور معنی یہ ہے کہ اسے گروہ مسلمان تم کسی کی بات پر باور نہ کرو۔ سوائے اس کے جو تمہارے دینِ اسلام پر عمل کرنے والا ہو۔ کیونکہ دین صرف دینِ خدا ہی ہے اور کسی کے متعلق یہ یقین نہ کرو کہ اسے تم جیسی نعمات عطا ہوئیں۔ یا وہ تمہیں قیامت کے دن اپنی حجت سے مغلوب کرے گا اس لئے کہ یہ دین دینِ حق ہے اس پر کسی کو حجت کے اعتبار سے غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۴) صاحبِ تفسیر میزان نے ذکر کیا ہے کہ اہلبیت عصمتؑ سے اس سے پہلے آیت کے متعلق منقول ہے کہ وہ یہودیوں کا اس وقت کا مقولہ ہے جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا یعنی جناب رسالتمآبؐ نمازِ صبح بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے جو یہود کا قبلہ تھا پھر تحویل قبلہ کے حکم سے نمازِ ظہر خانہ کعبہ کی طرف منہ کرکے پڑھی تو یہودیوں کی ایک جماعت نے کہا کہ جو حکم مسلمانوں پر دن کے پہلے حصہ میں اترا تھا۔ اس پر ایمان لاؤ یعنی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم مان لو اور جو حکم دن کے آخر حصہ میں کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا ہے اس کا انکار و کفر کرو اور چونکہ تورات کی بشارت ایک یہ بھی تھی کہ نبی آخر الزمان دو قبلوں کی طرف نماز پڑھے گا۔ پس انہوں نے ایک دوسرے کو یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ یہ راز کی بات کسی کے سامنے نہ کہو اور کسی پر وثوق و باور نہ کرو سوائے اپنے ہم مذہب و ہم خیال لوگوں کے مبادا اُن کے قبلہ کا حکم پختہ ہو جائے اور مسلمانوں کو ہماری طرف سے اپنے قبلہ کی صحت کا اطمینان ہو جائے پس ہماری صاحبِ قبلہ ہونے کی خصوصیت ختم ہو کر رہ جائے گی اور علاوہ بریں وہ میدانِ قیامت میں بھی ہمارے اوپر احتجاج کرنے کے قابل ہو جائیں گے پس خداوند کریم نے اس زعمِ فاسد کی تردید فرمائی کہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی جانب سے ہو اور فضل اُسی کے ہاتھ

Presented by www.ziaraat.com

وَمِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر اُس کو دیناروں کی تھیلی کا امین بنایا جائے تو وہ واپس ادا کر دیں گے اور بعض اُن سے

اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ

ایسے بھی ہیں کہ اگر اُن کو ایک دینار بطور امانت دیا جائے تو نہ ادا کریں گے مگر درصورتیکہ اُن پر کھڑے رہو یہ اس لئے

بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ

کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر نہیں ہے ان پڑھ لوگوں کے بارہ میں کوئی گناہ اور بولتے ہیں اللہ پر جھوٹ

وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ بَلٰي مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷۶

جان بوجھ کر ہاں جو شخص اس کے عہد کی وفا کرے اور ڈرے تو خدا ڈرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے

میں ہے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ خواہ تم ایمان لاؤ۔ یا کفر کرو اور خواہ تم اس امر کا اظہار کر دیا اس کو چھپانے کی کوشش کرو اور انہوں نے اسی معنی کو ترجیح دیتے ہوئے اقوالِ گذشتہ کو سیاق آیت سے بعید قرار دیکر رد کر دیا ہے اور صاحب تفسیر صافی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت متشابہات میں سے ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے اس کے حل کے متعلق کوئی روایت ہم تک نہیں پہنچ سکی۔

وَمِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ:۔ عبداللہ بن سلام کو ایک شخص نے دو ہزار دینار بطور امانت دیئے تھے اور اُس نے نہایت خوش اسلوبی سے واپس کر دیئے تھے لہذا اس کی مدح ہے اور فنحاص بن عازوراء کو ایک شخص نے صرف ایک دینار بطور امانت دیا تھا لیکن اُس نے خیانت کر کے ادا نہ کیا لہذا اس کی مذمت ہے بعض مفسرین نے امانت ادا کرنے والوں سے مراد نصاریٰ اور خیانت کرنے والوں سے مراد یہودی لئے ہیں۔ بہر کیف تنزیل کا تعلق اگرچہ بعض موارد سے مختص ہو لیکن تاویل کے اعتبار سے ہر وہ شخص اس کا مصداق ہو سکتا ہے جو ان صفات کا حامل ہو۔

اَلْاُمِّيّٖنَ:۔ یہاں ان پڑھ لوگوں سے اُن کی مراد وہ لوگ ہیں جو اُن کے دین یعنی یہودیت پر نہیں تھے اور اُن کا خیال یہ تھا کہ خدا کے نزدیک ان لوگوں کے حق میں خیانت کرنا ہم پر مباح اور حلال ہے اور بروزِ محشر ہم سے اُن کے مال کی کوئی بازپرس نہ ہوگی اور یہ خدا پر اُن کا دیدہ و دانستہ بہتان ہے کیونکہ تورات میں صاف طور پر اس فعل بد کے ارتکاب سے منع کیا گیا ہے۔

مَنْ اَوْفٰى:۔ سیاق آیت کی رُو سے یہاں وفائے عہد سے مراد ادائے امانت ہے جناب رسالتمآبؐ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ امانت کا ادا کرنا واجب ہے خواہ نیک کی ہو یا بد کی ہو اور آپ نے فرمایا کہ جس شخص میں تین عادتیں پائی جائیں وہ منافق ہے خواہ نمازی، روزہ دار اور اپنے آپ کو مومن کہلانے والا ہو (۱) جھوٹا (۲) خلافِ وعدہ کرنے والا (۳) امانت کی خیانت کرنے والا۔ نیز فرمایا کہ جو شخص امانت کو ادا کرے گا۔ بروز محشر خدا اس کو حورعین عطا فرمائے گا۔

Presented by www.ziaraat.com

رَبَّانِیّٖنَ، رَبَّانِیٌّ کی جمع ہے اور رَبَّانِی رب کی طرف منسوب ہے لیکن ربّ کی طرف نسبت دیتے ہوئے اس میں الف و نون کا اضافہ کیا گیا ہے جس طرح لحیہ کی طرف نسبت دیتے ہوئے لحیانی کہہ دیتے ہیں اور اس سے مقصود صرف مبالغہ ہوا کرتا ہے بنا بریں لحیانی کا معنی ہوا کرتا ہے بڑی ڈاڑھی والا۔ اور یہاں معنی ہو گا رب کے ساتھ خصوصی نسبت رکھنے والا۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ :- اس سے پہلی آیت کی نسبت اگرچہ قوم نصاریٰ سے زیادہ ہے کیونکہ وہ حضرت عیسٰیؑ کی طرف اپنے دعویٰ کو منسوب کرتے تھے لیکن اس کے مفہوم کا حصر صرف اُن ہی میں نہیں تھا بلکہ تمام انبیاء کی شان یہی ہے اور اسی اعتبار سے دوسری آیت میں باقی انبیاء سے اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں کے غلط عقائد کی بھی اُسی لہجہ میں نفی فرما دی کہ جس طرح کسی نبی سے یہ ناممکن ہے کہ اپنے لئے خدائی دعویٰ کرے اسی طرح کسی نبی سے یہ بھی ممکن نہیں کہ لوگوں کو ملائکہ اور انبیاء کی ربوبیّت کا درس دے پس اس میں صابی، عرب جاہلی اور یہود کے اقوال کی تردید ہو گئی کہ صابی باوجود اہل کتاب کہلانے کے ملائکہ کی عبادت کرتے تھے اور اسی کو اپنے دین کا جزو سمجھتے تھے اور عرب جاہلی اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کی طرف نسبت دیتے ہوئے حنفاء کہلاتے تھے اور باوجود اس کے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اور یہود حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہتے تھے۔

أَيَأْمُرُكُمْ :- ان عقائد فاسدہ کی نسبت انبیاء سے دینے کا استبعاد بیان فرمایا ہے کہ تمام انبیاء تو دین اسلام کی طرف بلانے والے تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ تم کو اسلام کی دعوت دیں اور تم اسلام قبول بھی کر لو اور پھر وہ تمہیں اس قسم کے کفریہ عقائد کی تعلیم دیں بلکہ یہ صرف تم لوگوں کی بہتان تراشیاں اور افتراء پردازیاں ہیں اُن کا دامنِ عصمت اس قسم کی گندہ خیالیوں سے بالکل صاف اور مبرا ہے اور اس جگہ اسلام سے مراد دینِ فطرت ہے جس کی تبلیغ کے لئے جملہ انبیاء تشریف لائے اگرچہ جزوی فروعی اختلافات شریعتوں میں تھے لیکن وہ دینِ اسلام کے کلی عقائد سے منافات نہیں رکھتے تھے پس مقصد یہ ہے کہ کسی نبی کی شریعت میں بھی ان خرافات کی کوئی گنجائش نہیں۔

تنبیہ :- یہ فرمائشات صرف ان لوگوں تک محدود نہیں جو گذر چکے ہیں بلکہ قیامت تک کے لوگوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہیں جس طرح گذشتہ کسی نبی کو رب کہنے والے اس کی زد میں آتے ہیں اسی طرح تا قیامت کسی مخلوق کو رب کہنے والے اسی کے تحت میں آئیں گے اسی بناء پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے ایک وہ جو میرے فضائل پر پردہ ڈالتے ہوئے مجھے اپنے عہدہ سے گرائیں گے اور دوسرے وہ جو مجھے میرے مرتبہ سے بڑھائیں گے یعنی جو میری ربوبیّت کے قائل ہوں گے جس طرح کہ حضرت عیسٰیؑ کے بارہ میں اسی قسم کے دو گروہ گمراہ ہو گئے۔ ایک یہودی جنہوں نے ان کی نبوّت کا انکار کیا اور دوسرے نصاریٰ جنہوں نے ان کو خدا مان لیا پس جس طرح حضرت عیسٰےؑ نبی تھے اور مخلوق خدا تھے اسی طرح حضرت علیؑ بھی عبداللہ اور ولی اللہ ہیں اور یہی عقیدہ باعثِ نجات و فلاحِ ابدی ہے اور جو لوگ ان کی خدائی کے قائل ہیں وہ مذہب حق امامیہ کے اُصول کے مطابق کافر اور مشرک ہیں۔ اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے سب کچھ اُن کے حوالہ کر دیا اور اب بے کار و بے اختیار ہے وہ بھی کافر و مشرک ہیں اور اس کو تفسیر کی پہلی جلد یعنی مقدمہ میں زیادہ واضح کیا گیا ہے۔

Presented by www.ziaraat.com

کتاب اور اہل کتاب

بعض روایات میں اگرچہ مجوسیوں کو بھی اہل کتاب کہا گیا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون سی کتاب کی طرف منسوب ہیں اور قرآن مجید بھی اُن کے ذکر سے خاموش ہے قرآن میں جہاں کہیں اہل کتاب کا تذکرہ ہے اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہی ہیں۔

یہودیوں کے پاس جو کتب مقدسہ موجود ہیں جن کو وہ کتب سماویہ کی منزلت دیتے ہیں ان کی تعداد پینتیس ۳۵ بتائی گئی ہے۔

(۱) تورات جو حضرت موسےٰ پہ نازل ہوئی یہ پانچ سفروں پر مشتمل ہے (۲) کتاب یوشع (۳) کتاب قضاۃ بنی اسرائیل (۴) کتاب راعوث (۵) سفر اوّل صموئیل (۶) سفر ثانی صموئیل (۷) سفر اوّل من اسفار الملوک (۸) سفر ثانی من اسفار الملوک (۹) سفر اوّل من اسفار الایام (۱۰) سفر ثانی من اسفار الایام (۱۱) سفر اوّل عزرا (۱۲) سفر ثانی عزرا (۱۳) سفر استیر (۱۴) کتاب ایوب (۱۵) زبور داؤد (۱۶) کتاب الامثال (۱۷) کتاب الجامعہ (۱۸) کتاب تسبیح التسابیح (یہ تینوں کتابیں حضرت سلیمان کی طرف منسوب ہیں) (۱۹) کتاب نبوت اشعیاء (۲۰) کتاب نبوت ارمیا (۲۱) مراثی ارمیا (۲۲) کتاب حزقیال (۲۳) کتاب نبوت دانیال (۲۴) کتاب نبوت ہوشع (۲۵) کتاب نبوت یوئیل (۲۶) کتاب نبوت عاموص (۲۷) کتاب نبوت عوبدیا (۲۸) کتاب نبوت یونان (۲۹) کتاب نبوت میخا (۳۰) کتاب نبوت ناحوم (۳۱) کتاب نبوت حیقوق (۳۲) کتاب نبوت صفونیا (۳۳) کتاب نبوت حجی (۳۴) کتاب نبوت زکریا (۳۵) کتاب نبوت ملاخیا۔ لیکن قرآن میں ان مذکورہ کتب میں سے صرف تورات اور زبور کا صراحت سے ذکر موجود ہے

نصاریٰ کے پاس کتب مقدسہ میں سے چھ کتابیں اور اکیس رسالے موجود ہیں جن کو صحف سماویہ سمجھا جاتا ہے۔

(۱) انجیل متی (۲) انجیل مرقس (۳) انجیل لوقا (۴) انجیل یوحنا (۵) کتاب اعمال الرسل (۶) رویائے یوحنا اور پولس کے چودہ رسالے۔ پطرس کے دو رسالے۔ یوحنا کے تین رسالے۔ رسالۂ یعقوب اور رسالۂ یہودا۔ لیکن قرآن مجید میں صرف اسی قدر ہے کہ حضرت عیسےٰ پر ایک کتاب نازل کی گئی جس کا نام انجیل تھا اور وہ صرف ایک انجیل تھی نہ کہ زیادہ (میزان)

تورات اور یہودیت

حضرت موسےٰ کے بعد حضرت یوشع یہودیوں کے مذہبی پیشوا تھے اور ان کے بعد یہود کی قیادت قاضیوں کے ہاتھ میں ایک عرصہ تک رہی اور پھر بادشاہت نے اس کی جگہ لے لی چنانچہ ان کا پہلا بادشاہ طالوت تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور پھر حضرت داؤد، حضرت سلیمان، یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے اور حضرت سلیمان کے بعد ان میں اختلاف شدید پیدا ہو گیا جس سے ان میں کمزوری روز افزوں پیدا ہوتی گئی۔ اور تقریباً تیس تک ان میں بادشاہ ہوئے۔ جب بخت نصر (بخت نصر کی وجہ تسمیہ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس نے کُتیا کے دودھ سے پرورش پائی تھی جس کا نام بخت تھا اور اس کتیا کے مالک کا نام نصر تھا پس اس بنا پر اس کا نام بھی بخت نصر مشہور ہو گیا اور بعض روایات میں سورنی کے دودھ سے اس کا پرورش پانا بھی ملتا ہے۔ نیز بعض نے کہا ہے کہ بخت کا معنی بیٹا اور نصر اس بُت کا نام تھا جس کا یہ پجاری تھا اس وجہ سے اس کا نام بخت نصر یعنی نصر کا بیٹا مشہور ہو گیا) بابل کا بادشاہ ہُوا تو اس نے یروشلم (بیت المقدس) کو فتح کر لیا اور یہودیوں پر اس کی حکومت کا سکہ جم گیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں اُنہوں

Presented by www.ziaraat.com

اس کی اطاعت سے سرکشی کی تو اس نے لشکر جرار بھیج کر ان کو بری طرح ذلیل کیا ان کے خزانے لوٹ لئے مسجد اقصیٰ کو خراب کیا اور ان کے قریباً دس ہزار سربرآوردہ افراد کو اسیر کرلیا اور ان ہی میں سے ایک شخص صدقیا کو بادشاہ مقرر کیا جس سے اپنی اطاعت کا عہد لے لیا لیکن دس سال کے عرصہ میں فرعون مصر سے سازباز کرکے اس نے پھر بخت نصر کی ماتحتی سے بغاوت کا اعلان کیا جس کے نتیجہ میں اُس نے دوبارہ اُن پر فوج کشی کی اور تقریباً ڈیڑھ سال تک ان کا محاصرہ جاری رکھا اور آخر کار فتح کرلیا۔ اور اس دفعہ اُس نے اُن کو پوری طرح تباہ و برباد کر ڈالا۔ بروایت چھ لاکھ کی فوج سپاہ کے ساتھ یہ حملہ آور ہوا تھا۔ (سفینہ) اس واقعہ میں بخت نصر نے یہودیوں کی تمام عبادت گاہوں اور مذہبی کتابوں کو ختم کر ڈالا تھا اور اس کے پچاس سال بعد تک یہودیوں کے پاس نہ کوئی کتاب تھی نہ کوئی دوسری مذہبی نشانی باقی رہی تھی۔ آخر حکومت نے پلٹا کھایا۔ بنی اسرائیل بابل کے قید خانہ سے آزاد ہوئے ان میں سے ایک شخص عزرا جو بادشاہِ وقت کا مقرب ہوگیا تھا اس کو بنی اسرائیل کا امیر مقرر کیا گیا۔ اور اس کو تورات کے لکھنے اور عبادت گاہوں کی ازسرِ نو تعمیر کی اجازت دی گئی پس یہ لوگ واپس بیت المقدس کی طرف پلٹے اور عزرا نے پرانی کتابوں کی تلاش کرکے تورات کو ازسرِ نو لکھا اور یہودیوں کی پاس اب تک وہی تورات موجود ہے یہ واقعہ صاف بتلاتا ہے کہ تورات موجودہ کی سند حضرت موسیٰ سے متصل نہیں ہے اور نیز کتاب تورات کا جامع عزرا نامی شخص بھی ایک غیر معلوم آدمی ہے لہذا نسخہ تورات کی پوزیشن کافی مخدوش ہے اور اس کے بعد اس پر تحریف در تحریف کا استبدادی دَور تو اس کو اپنی اصلی صورت سے کہیں کا کہیں دُور لے گیا۔ تاہم قرآن مجید کے اقتباسات سے اس قدر پتہ ضرور چلتا ہے کہ دورِ نبوت کی موجودہ تورات میں بعض احکام اپنی اصل پر باقی بھی تھے جن کی طرف رجوع کرنے کا بعض اوقات ان کو حکم دیا جاتا تھا۔

(ملخص از میزان)

نصرانیّت اور انجیل

موجودہ چار انجیلیں جو اس وقت قوم نصاریٰ کے پاس ہیں اور انہی پر ان کی تبلیغ کا انحصار ہے۔ پہلی انجیل متی کی ہے جو ۴۱ء میں یا بقولے ۵۰ء و ۶۰ء کے درمیان لکھی گئی کہتے ہیں کہ اس کی اصل عبرانی زبان میں تھی جس کا ترجمہ یونانی و دیگر زبانوں میں کیا گیا۔ نسخہ اصل کا کسی کو پتہ نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ ترجمہ کس نے کیا تھا؟

دوسری انجیل مرقس کی ہے یہ خود حواریین میں سے نہ تھا بلکہ یہ پطرس کا شاگرد تھا اور اسی کے حکم سے اُس نے ۶۱ء میں یہ کتاب لکھی۔ تیسری انجیل لوقا کی ہے نہ یہ حواری تھا اور نہ حضرت عیسیٰؑ کا صحابی تھا بلکہ دین عیسائی اُس نے پولس سے سیکھا تھا۔ پولس پہلے ایک متعصب قسم کا یہودی تھا۔ کہتے ہیں یہ مرضِ صرع میں مبتلا ہوا تو عالم بے ہوشی میں حضرت مسیح نے اس کو عیسائیت کی مخالفت پر ملامت کی پس وہ مسیح پر ایمان لایا اور پھر تبلیغ پر بھی مسیح کی طرف سے مامور ہوا اور موجودہ عیسائیت کا پرچار اسی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ نجاتِ اُخروی میں صرف عیسیٰ پر ایمان لانا کافی ہے اور عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ مردار اور سور وغیرہ اسی نے حلال کئے اور ختنہ سے اسی نے روکا۔ پس لوقا نصرانیت میں اسی پولس کا شاگرد تھا۔ اور

Presented by www.ziaraat.com

اس نے انجیل مرقس کی انجیل کے بعد لکھی جبکہ بطرس اور پولس مر چکے تھے۔

چوتھی انجیل یوحنا کی ہے اور یہ یوحنا حضرت عیسٰی کا محبوب ترین حواری زبدی صیاد کا بیٹا تھا کہتے ہیں کہ ایشیا و دیگر اطراف کے تمام پادری ۹۶ء میں یوحنا کے پاس جمع ہوئے اور اس سے ایک نئی انجیل کے لکھنے کی انہوں نے خواہش کی اور کہا کہ اس نئی انجیل میں ایسی چیزوں کا اضافہ ضروری ہے جس سے پہلی انجیلیں خالی ہیں چنانچہ اس نے ان کے امتثال امر میں ایک نئی انجیل کی تصنیف کی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ یوحنا کی تصنیف نہیں بلکہ یہ مدرسہ اسکندریہ کے ایک طالب العلم نے لکھی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں یہ کتاب لکھی گئی تھی اور اسکو مقبول عام کرنے کیلئے اسے یوحنا کی طرف منسوب کیا گیا تھا

بہر کیف یہ چار انجیلوں کی تصنیفی حقیقت ہے ان کا مرجع، متی، مرقس، لوقا، یوحنا، بطرس اور لوس ہیں اور اُن سب سے قدیم ترجس کو ان سب کا مرجع قرار دیا جا سکتا ہے وہ انجیل متی کی ہے لیکن وہ بھی ایک ترجمہ ہے جس کی اصل مفقود ہے پس یہ بنیاد ہے شرق و غرب میں پھیلے ہوئے مذہب عیسائیت کی نیز یہ تو اصلی چار انجیلوں کی حقیقت ہے لیکن نہ معلوم تحریف کے زبردست ہاتھوں نے اسے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا اور بایں ہمہ قرآن صرف ایک انجیل کے متعلق تصدیق کرتا ہے اور اس قدر قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کے ہاتھوں میں موجودہ انجیل بعض بعض جگہ احکامِ حقہ پر بھی مشتمل ہے جیسا کہ ان کو تصدیق رسالت کے لئے اپنی کتاب کی طرف رجوع کرنے کے حکم سے ظاہر ہوتا ہے (ملخص از میزان)

میثاقِ انبیاء

مجمع البیان میں منقول ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک تمام نبیوں سے عہد لیا گیا کہ جب جناب محمد مصطفےٰ مبعوث ہوں گے تو اگر تم زندہ ہو تو اس پر ایمان بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا اور یہی عہد تمام نبیوں نے اپنی امتوں سے بھی لیا تھا اور تفسیر صافی میں قمی و عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ تمام انبیاء ایک دفعہ پھر رجعت کریں گے اور امیر المومنینؑ کی نصرت میں داخل ہوں گے۔

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ سے مراد یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ پر ایمان لائیں گے اور لَتَنْصُرُنَّهٗ سے مراد ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی نصرت کریں گے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی ایک طویل روایت منقول ہے جس کا ماحصل یہی ہے۔

نیز آیت کا ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ تمام نبیوں سے عہد لیا گیا تھا کہ جو کچھ تمہیں کتاب و حکمت دی جائے پھر تمہارے پاس کوئی نبی تمہارے پاس والی چیز کی تصدیق کرنے والا ہو کر آئے تو اس کی نصرت کرنا اور اس پہ ایمان لانا گویا تمام انبیاء سے باہمی ایمان و نصرت کا عہد و پیمان لیا گیا تھا اور بعض روایات میں اس طرح ہے کہ تمام انبیاء کی اُمتوں سے اپنے اپنے نبی پہ ایمان لانے اور نصرت کرنے کا عہد لیا گیا یعنی نبیین کا مضاف اُمم لفظ محذوف ہے اور معنوی طور پر مراد ہے۔

آیت کا تحت اللفظ جو ترجمہ موجود ہے وہ اس بناء پر ہے کہ مَا کو شرطیہ بمعنی مہما قرار دیا گیا ہے اور لَتُؤْمِنُنَّ کو اس

Presented by www.ziaraat.com

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ

اور جب لیا خدا نے عہد نبیوں سے کہ البتہ جب دوں تم کو کتاب و حکمت سے کچھ پھر آئے تمہارے

كُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ

پاس رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس کی جو تمہارے پاس ہو ضرور ایمان لانا اس پر اور اس کی مدد کرنا ۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا

وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ

اور قبول کیا ۔ اس بات پر میرا عہد؟ سب نے کہا کہ ہم نے اقرار کیا ۔ فرمایا ۔ گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ

مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٨٢﴾

گواہوں سے ہوں پھر جو پھرے گا اس کے بعد ۔ پس وہ فاسق ہوں گے

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا

کیا دین خدا کے سوا کچھ اور چاہتے ہیں حالانکہ اس کی اطاعت قبول کرلی ہر آسمان و زمین کی چیز نے خوشی سے اور ناخوشی سے

کی جزا قرار دیا گیا ہے ورنہ اگر مَا کو موصولہ مانا جائے اور لَتُؤْمِنُنَّ کو جواب قسم بنایا جائے تو یہی دوسرا معنی صحیح ہوگا لیکن ترکیب اوّل اور معنی تحت اللفظی زیادہ مناسب ہے اور اس باب کی روایات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ :۔ کہتے ہیں جب یہود و نصاریٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جھگڑا کیا اور جناب رسالتمآبؐ نے فیصلہ فرمایا کہ وہ نہ یہودی تھے اور نہ وہ نصرانی تھے تو دونوں گروہ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں آپ کے فیصلے سے اتفاق نہیں ہے تب یہ آیت اتری۔

آیت مجیدہ کی تاویل حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے زمانہ سے کی گئی ہے کہ اس وقت زمینِ خدا پوری طرح اسلام والوں سے آباد ہوگی اور کفر کا نام و نشان تک نہ ہوگا۔

چنانچہ تفسیر صافی میں اسی کو ترجیح دی گئی ہے اور عیاشی سے اسی مطلب کی روایت بھی نقل کی گئی ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ :۔ تفسیر درِ منثور سے منقول ہے کہ بروز محشر سب اعمال پیش ہوں گے تو اسلام بھی پیش ہوگا پس خدا اسی کو فرمائے گا کہ میرا مواخذہ اور جزا صرف تجھ ہی سے وابستہ ہے یعنی پہلے اسلام دیکھا جائے گا اور پھر اعمال کی باری آئے گی۔ اگر اسلام سے دشمنی ہوگی تو باقی اعمال کی تو کوئی قیمت ہی نہ ہوگی اور آیت مجیدہ کا بھی یہی مطلب ہے۔

کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ :۔ اس کے معنی کی کئی وجوہ ہیں (۱) کس طرح خدا ایسے لوگوں سے ہدایت یافتہ لوگوں کا سا سلوک کرے

Presented by www.ziaraat.com

وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ

اور اسی کی طرف بازگشت ہے — فرما دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہم پر اتری اور جو کچھ اتری

عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ

ابراہیم پر اسماعیل اسحٰق یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو کچھ عطا ہوئی

مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

موسےٰ و عیسےٰ کو اور تمام نبیوں کو اپنے پروردگار سے (سب پر ہم ایمان لائے) اور کوئی فرق نہیں کرتے درمیان کسی کے

وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ

ان میں سے (ایمان میں) اور ہم اسی کے اطاعت گزار ہیں اور جو شخص چاہے اسلام کے سوا کوئی اور دین تو ہرگز وہ اس سے

وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ

قبول نہ کیا جائیگا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا — کیسے ہدایت کرے اللہ اس قوم کو جنہوں نے کفر کیا بعد ایمان لانے

اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

کے اور انہیں معلوم ہے کہ رسول برحق ہے اور آچکیں اُن کے پاس واضح دلیلیں اور اللہ نہیں ہدایت فرماتا

جو اسلام کے بعد کفر پر چلے گا (۲) یہ اس طرح ہے جیسے کہا جائے کہ میں تجھے کونسا راستہ بتاؤں حالانکہ راستہ تو وہی تھا جس کو تو چھوڑ چکا ہے (۳) ایسے لوگوں کو خدا کیسے جنت کے راستہ پر گامزن کرے گا جنہوں نے اسلام کے بعد پھر کفر کا ارتکاب کیا (مجمع)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا :- کہتے ہیں یہ ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے گذشتہ نبیوں پر ایمان لانے کے بعد حضرت عیسےٰ کی نبوت و کتاب کا انکار کیا اور کافر ہو گئے اور پھر جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا کفر کر کے زیادتی کفر کے مرتکب ہوئے ان کی توبہ قابل قبول نہ ہوگی بشرطیکہ وہ موت کے ڈر سے توبہ کر رہے ہوں ورنہ اگر اپنی زندگی میں بصحت حواس اپنے سابقہ کرتوتوں سے پشیمان ہو کر اپنے دل میں ایمان کو جگہ دیں اور اللہ سے معافی طلب کر لیں تو یقیناً ان کی توبہ مقبول ہوگی جس طرح کہ گذشتہ آیت کا مضمون اس امر کا شاہد موجود ہے۔ اور اگلی آیت بھی صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ دائمی عذاب صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو بحالت کفر مر جائیں لہذا قبل از آثار مرگ توبہ کرنیوالا یقیناً ناجی ہوگا اور آیت کا نزول اگرچہ معین اشخاص سے مختص ہو لیکن تاویل کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری ہے تو جس طرح گذشتہ انبیاء پر ایمان رکھنے والے اگر موجودہ وقت کے نبی کا کفر کریں تو اس کے

Presented by www.ziaraat.com

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ

قوم ظالمین کو ایسے لوگوں کی جزا یہ ہے کہ تحقیق ان پر اللہ کی لعنت اور فرشتوں اور

النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ

تمام لوگوں کی (لعنت) ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے کہ نہ تخفیف ہوگی ان سے عذاب کی اور نہ وہ مہلت دیئے

يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

جائیں گے مگر وہ لوگ جو توبہ کرلیں اس کے بعد اور اپنی اصلاح کرلیں تو تحقیق اللہ غفور

رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ

رحیم ہے تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوگئے بعد ایمان لانے کے پھر زیادہ ہوئے کفر میں ہرگز نہ قبول ہوگی ان کی توبہ

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ

اور وہی ہیں پکے گمراہ تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوئے اور مرگئے حالت کفر میں تو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ان میں سے کسی

مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

سے زمین کی پُری کے برابر سونا اگرچہ وہ اس کا فدیہ دے دے ایسے لوگوں کے لئے عذاب دردناک ہے اور نہ ہوگا ان کا کوئی مددگار

مصداق میں داخل ہیں اسی طرح نبی پر ایمان لانے کے بعد اگر اس کے برحق وصی کی پیروی سے منہ موڑیں تو وہ بھی یقیناً اسی آیت کے مصداق میں داخل ہوں گے کیونکہ آیاتِ قرآنیہ کے مضامین صرف ایک زمانہ تک کے لئے محدود نہیں ہیں۔

پس جس طرح قرآن قیامت تک زندہ ہے اس کی ہر ہر آیت قیامت تک زندہ ہے اور اس کے مصداق بھی قیامت تک کے لئے موجود ہونے چاہئیں۔ پس اس زمانہ میں حضرت حجت والی العصر عجّ علیہ السلام کے منکرین بھی اس آیت کے مصداق ہیں۔ از راہِ تاویل جس طرح کہ وہ لوگ از راہِ تنزیل اس کے مصداق تھے۔

یہ جلد یہاں ختم ہوئی اور چوتھی جلد چوتھے پارہ سے شروع ہوگی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۶ محرم ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۰ جون ۱۹۶۱ء بروز منگل

دوسرا ایڈیشن ماہ اپریل ۱۹۶۴ء

Presented by www.ziaraat.com

جلد نمبر ٤

تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

4

علامہ حسین بخش جاڑا

مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

اشاعت سوم - اپریل سنہ ۱۹۸۶ء

حقوق الطبع محفوظۃ

قال رسول اللہؐ

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہلبیتی

شیعانِ آلِ محمدؐ خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المجلد الرابع من تفسیر (۴)

انوار النجف فی اسرار المصحف

مصنفہ
حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین استاد العلماء والمجتہدین آیۃ اللہ العلامہ حسین بخش جاڑا مد ظلہ العالی بانی باب النجف جاڑا
پرنسپل جامعہ امامیہ کربلا گامے شاہ لاہور

ناشر: مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

رجسٹریشن ۹۴ — قیمت: ۸۰ روپے صرف

اسود آفسٹ پریس فیصل آباد

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
پیش لفظ	۴
غلط فہمی	۵
رکوع ۱	۶
ذکر کعبہ	۷
مختصر تاریخ کعبہ	۸
مکان کعبہ	۱۰
غلاف کعبہ	"
آیات بینات	"
زمین کربلا	۱۲
زمین کربلا کی خصوصیات	۱۳
تولیت کعبہ	۱۴
زمین مکہ کے خصوصیات	۱۵
ولادت علیؑ در کعبہ	۱۶
کعبہ جائے امن ہے	۱۷
مسائل حج	۱۸
خصوصیات حج	۲۱
رکوع ۲	۲۲
بیان تقویٰ	"
حبل اللہ کا بیان	۲۴
تفرقۂ امت	۲۶
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	۲۶
ذکر قیامت	۲۹
رکوع ۳ خیر امت	۳۰
نماز تہجد	۳۲
رکوع ۴ جنگ احد	۳۶
شہدائے احد کی فہرست	۴۲
غزوات نبویہ کی فہرست	۴۴
رکوع ۵ سود کی حرمت	۴۷
متقین کے اوصاف	۴۹
ضبط غصہ درگذر اور احسان	۵۰
گناہ سے توبہ اور ترک اصرار	۵۱
بہلول ثابت کا واقعہ	۵۲
واقعہ احد کا بیان	۵۴
مداولت ایام	۵۶
دخول جنت کا معیار	۵۷
رکوع ۶ جنگ احد	۵۸
دلیل ماتم	۶۰
نکتۂ علمیہ	۶۱
جنگ احد میں حضرت علیؑ	۶۲
حضرت علیؑ کا امتیاز	۶۳
رکوع ۷	۶۵
فرار صحابہ	۶۷
رکوع ۸	۷۲
حکم مشورہ	۷۳
اخلاق پیغمبرؐ	۷۴
معنی توکل	۷۵
خیانت کا گناہ	۷۶
درجات کا ذکر	۷۷
آزمائش کی مصلحتیں	۷۹
شہدائے بیر معونہ	۸۱
ثواب شہداء	۸۲
رکوع ۹ حمراء الاسد	۸۳
مسئلہ علم غیب	۸۷
مانع زکوٰۃ کا عذاب	۹۰
رکوع ۱۰	۹۱
کسی کے گناہ پر راضی ہونا	۹۲
رکوع ۱۱ توحید	۹۵
دلیل بر وجود خدا	۹۶
تفسیر سورۂ نساء	۱۰۳
رکوع ۱۲ تقویٰ	۱۰۴

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حضرت حوا کی پیدائش	۱۰۵	رکوع ۲	۱۶۶	رکوع ۱۱ ہجرت کا حکم	۲۲۷
سلسلہ اولادِ آدم	۱۰۶	گناہانِ کبیرہ	۱۶۷	رکوع ۱۲ نمازِ قصر	۲۲۹
دردِ شکم کا علاج (لطیفہ)	۱۱۱	رکوع ۳	۱۷۰	شرائطِ قصر	۲۳۰
تعدد ازواج پر وارد شدہ اعتراضات اور انکے جواب	۱۱۲	مردوں کی حکومت پر ایک نظر	۱۷۲	نمازِ خوف کا بیان	۲۳۵
فعلِ رسول پر اعتراض	۱۱۵	نبیؐ و علیؑ امت کے باپ ہیں	۱۷۳	رکوع ۱۳	۲۳۸
بے عقل پہ کنٹرول	۱۱۸	رکوع ۴	۱۷۵	رکوع ۱۴	۲۴۲
یتیم کے مال کی حفاظت	۱۲۰	تیمم کا بیان	۱۷۷	رکوع ۱۵	۲۴۴
رکوع ۱۳ قانونِ وراثت	۱۲۲	مغفرت	۱۸۰	بت پرستی	۲۴۵
طبقۂ اولیٰ کی وراثت	۱۲۴	رکوع ۵	۱۸۲	خلتِ ابراہیم	۲۴۸
پوتے یا نواسے کی وراثت	۱۲۷	آلِ محمد محسود ہیں	۱۸۳	رکوع ۱۶	۲۵۰
زوج و زوجہ کی وراثت	۱۳۱	ادائے امانت	۱۸۵	عورتوں کے حقوق	۲۵۱
طبقاتِ وراثت	۱۳۵	اولوالامر کی تشخیص اولوالامر کا معیار	۱۸۹ ۱۹۱	رکوع ۱۷ حق کی گواہی	۲۵۵
وراثت کے طریقے	۱۳۷	رکوع ۶ وجوبِ تقلید	۱۹۹	ذکرِ منافقین	۲۵۶
عول کا بطلان	۱۳۸	معیارِ ایمان	۲۰۱	رکوع ۱۸	۲۵۹
طبقۂ ثانیہ کی وراثت	۱۴۰	اطاعت گذاروں کا درجہ	۲۰۳	پارہ ۶	۲۶۲
طبقۂ ثالثہ کی وراثت	۱۴۲	خلقتِ نوری	۲۰۴	رکوع ۱ غیبت سے ممانعت	۲۶۳
وراثت از روئے عقل	۱۴۳	رکوع ۷	۲۰۶	تفہیم و تلقین	۲۶۴
خاتونِ جنت کا مقدمۂ وراثت	۱۴۵	رکوع ۸	۲۰۸	رکوع ۲	۲۶۵
رکوع ۱۴	۱۴۹	قرآن میں تدبر کی دعوت	۲۱۱	حیاتِ مسیح	۲۶۷
ذکرِ توبہ	۱۵۰	سلام اور جواب سلام	۲۱۵	رکوع ۳	۲۷۰
رکوع ۱۵ محرماتِ ابدیہ	۱۵۳	رکوع ۹	۲۱۸	انبیاء کا ذکر	۲۷۰
رضاعی محرمات	۱۵۵	رواداری	۲۲۰	علی اور حق	۲۷۱
رضاع کے شرائط	۱۵۶	دورنگی سے ممانعت	۲۲۱	رکوع ۴	۲۷۳
پارہ ۵	۱۵۹	رکوع ۱۰ قتلِ خطا کا کفارہ	۲۲۲	نور و برہان	۲۷۵
رکوع ۱ نکاح متعہ	۱۶۰				

پیش لفظ

دورِ حاضر جس میں لادینی کا متلاطم سیلاب اپنی ہمہ گیر موجوں میں ہر خشک و تر کو بہائے لے جا رہا ہے جس میں مدعیانِ اسلام کے لئے قوانینِ اسلام بارِ خاطر ہو گئے ہیں اور قرآن کا پرسانِ حال کوئی نہیں رہا۔ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ اس دَور میں تفسیر قرآن سے دلچسپی رکھنے والے فرزندانِ اسلام کا زبردست قحط ہے۔ قرآنی آیات کے ترجمہ پر نظر کرنے سے لوگ ایک لغو ناول کی کتاب کے مطالعہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ قرآن پڑھنے اور سُننے کی بجائے گانا گانے اور سننے کی طرف زیادہ مائل ہیں اور بالخصوص وہ لوگ جو اپنے تئیں پکا مسلمان اور مومن کہلانے میں پیش پیش ہیں۔ مرد تو بجائے خود مستورات کے رجحانات بھی ان سے کسی طرح کم نہیں۔ صبح سویرے قرآن کی جگہ گھروں سے ریڈیائی گانوں کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔

ہم اگر پیسہ جمع کرنے کی خاطر تفسیر قرآن لکھتے تو یقیناً ہمارا یہ اقدام اس دَور میں محلِ تمسخر ہوتا لیکن چونکہ سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایک ٹھوس دینی خدمت مطمحِ نظر تھی اس لئے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا۔ کاش محمدؐ و آلِ محمدؐ سے ولا رکھنے والے علومِ قرآنیہ سے وابستگی رکھتے تو ہم سالوں کا کام مہینوں اور مہینوں کا کام ہفتوں میں کرنے کے اہل ہو جاتے۔ جب سے ہم نے قرآن کی تفسیر کا کام شروع کیا ہے بعض حاسدین کی نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی ہے ہر وقت اُن کے سینہ پُر کینہ پر سانپ و بچھو لوٹ رہے ہیں۔ وہ تفسیر کے نقائص تلاش کرتے پھرتے ہیں تاکہ عوام اس کی خریداری سے باز آجائیں۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کیونکہ ہمیشہ سے اہلِ فضل کے خلاف جاہل شور مچاتے رہے ہیں لیکن بالآخر اللہ والوں کی فتح ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ دینِ مبین کی حفاظت اور نصرت کے لئے ہر دَور میں ایسے مخلص افراد بھی معرضِ ظہور میں آتے رہتے ہیں جو اپنے آہنی ارادوں کی بنا پر باطل کی چٹانوں سے ٹکراتے اور بالآخر ان کو پاش پاش کر دیتے ہیں۔

تفسیر چودہ جلدوں میں مکمل چھپ چکی ہے اور یہ جلد چہارم کا دوسرا ایڈیشن ہے جو پیشِ خدمت ہے خداوند کریم کا جس قدر شکر کروں کم ہے جس نے مجھے تفسیر قرآن کے اتمام کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اے اللہ! میری اس کاوش کا ثواب بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ آلہ الطاہرین میرے والدین کی رُوح کو عطا فرما جن کی محنتوں اور دعاؤں سے مجھے یہ شرف عطا ہوا ہے اور قارئین کرام سے بھی اپنے والدین کے لئے فاتحہ کی استدعا کرتا ہوں۔ والسلام

دائیں سے بائیں ۱۔حضرت علامہ حسین بخش صاحب مدظلہ دریا خان ضلع میانوالی ۲۔مولانا کاظم حسین صاحب
نجفی پرنسپل جامعہ حسینیہ جھنگ صدر ۳۔حضرت الحاج ملک اللہ بخش صاحب جاڑا مرحوم جاب ژاد
۴۔مولانا مشتاق احمد صاحب ابنِ الحاج ملک اللہ بخش مرحوم

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ

ہرگز نہ پاؤ گے نیکی میاں تک کہ خرچ کرو ایسی چیزوں سے جو تمہیں پیاری ہیں اور جو بھی خرچ کرو کوئی چیز

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ

تحقیق اسے خدا جاننے والا ہے ہر غذا حلال تھی اولاد یعقوبؑ پر

اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ

مگر وہ جو حرام کی یعقوبؑ نے اپنی ذات پر قبل اُترنے تورات کے فرما دیجئے

قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ

لائیے تورات پس اسے پڑھیے اگر تم سچے ہو پس جو

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ

افتراء باندھے خدا پر جھوٹا اس کے بعد تو وہی ہیں

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ

ظالم فرما دیجئے سچ فرمایا اللہ نے پس پیروی کرو ملتِ ابراہیمؑ کی جو حنیف تھے

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾

اور مشرک نہ تھے

رکوع ۱

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ - مجمع البیان اور صافی میں مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک کپڑا خریدا اور آپ کو بہت پسند آیا پس اسے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے سُنا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر دوسرے کو ترجیح دے تو خدا اسے بروزِ محشر بہشت کرامت فرمائے گا اور جو اپنی پسندیدہ شئے راہ خدا میں دے دے تو خدا فرمائے گا کہ بندے بندوں کو نیکی کا بدلہ نیکی سے دیا کرتے ہیں اور میں اس کا بدلہ جنت دیتا ہوں۔

كُلُّ الطَّعَامِ - یہودیوں نے اعتراض کیا تھا کہ آپ ملتِ ابراہیمؑ پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اُونٹ کے گوشت کو بھی حلال

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾

تحقیق پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکہ میں ہے موجب برکت وہدایت ہے تمام جہان والوں کے لئے

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى

اس میں نشانیاں واضح ہیں مقام ابراہیم اور جو بھی اس میں داخل ہوا وہ باامن ہوا اور اللہ کے لئے

النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ

لوگوں پر حج بیت اللہ واجب ہے جو طاقت رکھتا ہو اس تک رستے کی اور جو انکار کرے تو اللہ بے نیاز ہے

جانتے ہیں حالانکہ اونٹ حرام ہے پس اس کے جواب میں ارشاد فرما رہا ہے کہ یہ لوگ غلط کہتے ہیں۔ تمام کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل پر پہلے سے حلال تھیں اونٹ کا گوشت بھی حلال تھا۔ ہاں البتہ حضرت یعقوبؑ نے اس کو اپنی ذات پر حرام قرار دیا تھا اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مطلق حرام ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو درد کمر یا عرق النساء کا درد لاحق ہوا تو انہوں نے منت مانی کہ اگر تندرست ہو جاؤں تو اپنی محبوب ترین غذا یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ رضائے خدا کے لئے ترک کر دوں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا پس یہودیوں نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اس سے پرہیز کیا اور پھر یہ کہنا شروع کر دیا کہ تورات کا حکم یہی ہے کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے حالانکہ یہ ان کا محض افترا تھا جس کو خدا بیان فرما رہا ہے اور احتجاج کے طور پر فرمایا ہے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ذرا تورات کو لا کر پڑھیے اور دکھائیے کہاں لکھا ہے کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے۔

ذکرِ کعبہ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ :- ظاہراً یہود کے ایک شبہ کا جواب ہے کیونکہ تحویل قبلہ کے بعد وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ ملتِ ابراہیمی کی پیروی اور تحویل قبلہ دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ بیت المقدس پرانے زمانہ سے قبلہ ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے لئے بھی قبلہ یہی تھا لہٰذا اس سے روگردانی ملتِ ابراہیمی کے منسوخ کرنے کے مترادف ہے پس خداوند کریم ان کے جواب میں ارشاد فرما رہا ہے کہ بیت المقدس کے مقدم ہونے کا دعویٰ وہ غلط کرتے ہیں بلکہ سب سے پہلے جس مقام کو لوگوں کے لئے عبادت گاہ بنایا گیا وہ وہی جگہ ہے جو مکہ میں ہے یعنی کعبہ اور اس کو بلاشک حضرت ابراہیمؑ نے ہی تعمیر کیا تھا اور اس کے شواہد و علامات اب تک موجود ہیں مثلاً مقام ابراہیمؑ اور اس کا جائے امن ہونا اور اس کی حج کا لوگوں پر وجوب۔ پس یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ بیت المقدس قدیمی قبلہ ہے اور یہ نیا۔

وجہ تسمیہ :- کہتے ہیں کہ بَكَّہ بَكَّ يَبُكُّ کے باب سے ہے اور بَكٌّ کا معنی ہے اژدہام اور ہجوم کی وجہ سے اس کا نام بکہ ہو گیا اور حضرت صادق علیہ السلام سے بروایت علل ایسا ہی منقول ہے اور وہ جگہ کعبہ کے اردگرد طواف کرنے کا مقام ہے یا یہ کہ بَكٌّ کا معنی گردن مروڑنا اور یہاں چونکہ سرکشوں اور متکبروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور ان کو سرکشی کی مہلت نہیں دی جاتی اس لئے

اس کو بکہ کہا گیا اسی طرح مکہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی اصل بکہ ہے اور با کو میم سے تبدیل کر لیا گیا ہے جس طرح لازب اور لازم کی دو لفظیں ہم معنی ہیں یا یہ کہ مکّ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے چوسنا پس پانی کی نایابی اور قلت کی وجہ سے اس کو مکہ کہا گیا ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ کعبہ کی جگہ کا نام بکہ ہے اور شہر کا نام مکہ ہے۔

هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ کعبہ کی ہدایت دینی و دنیاوی ہر دو طرح کی ہے عبادات و مناسک حج کی ادائیگی فروتنی و انکساری اور خدا ترسی دار آخرت کی تعمیر سے متعلق ہیں اور عالمی اجتماع یکجہتی و یگانگت کا عمومی مظاہرہ اور اتفاق و اتحاد کا عملی درس تمدن و معاشرت کی اصلاح سے وابستہ ہیں۔

مختصر تاریخ کعبہ تفسیر صافی میں بروایت فقیہ و عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب خداوند کریم نے زمین کو خلق فرمانے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کو پانی میں موج پیدا کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس کی موجوں سے جھاگ پیدا ہوئی پس وہ بیت اللہ کے مقام پر یکجا ہوئی اور ایک جھاگ کا پہاڑ بن گیا پھر خدا نے اس کے نیچے سے زمین کو بچھا دیا۔ بروایت فقیہ کعبہ کی زمین کا ٹکڑا تمام زمینوں سے پہلے پیدا کیا گیا اور اسی سے باقی زمین کو بڑھایا گیا۔ (اور ام القری کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے) مجمع البیان میں ہے کہ کعبہ کی زمین کا ٹکڑا باقی زمین سے دو ہزار سال قبل خلق ہوا اور یہ پانی کے اوپر ایک سفید جھاگ کی مانند تھا اور بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مقام کعبہ باقی زمین سے بلند تھا اور چاند و سورج کی طرح چمکتا تھا پس جب حضرت آدم کو اتارا گیا اور اطراف کی تمام زمین کو بلند کر کے اس کو دکھایا گیا اور ارشاد قدرت ہوا کہ یہ سب زمین تیری ملکیت ہے تو حضرت آدمؑ نے عرض کی اے پروردگار! یہ سفید و چمکدار زمین کونسی ہے تو ارشاد ہوا کہ یہ میری زمین میں میرا حرم ہے اور تیرے اوپر بازیست روزمرہ اس کے سات سو (۷۰۰) طواف واجب ہیں پس جب ہابیل کو قابیل نے قتل کیا تو اس سے وہ نورانیت ختم ہوگئی اور اس کی سفیدی کی جگہ سیاہی نے لے لی اور نیز آپ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کے لئے خدا نے موتی کی شکل میں کعبہ کو جنت سے اتارا تھا اس کے بعد اس کو اٹھا لیا چنانچہ اس کی بنیاد باقی رہ گئی اور وہ اس کعبہ کی سیدھ میں ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پس حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل کو انہی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا۔

جس وقت کعبہ کی تعمیر کا حکم ہوا اس وقت وہاں صرف حضرت اسمٰعیلؑ اور یمن کا ایک قبیلہ جرہم اطراف میں آباد تھا اور حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کے بعد بنی جرہم اور عمالقہ نے یکے بعد دیگرے اس کی از سر نو تعمیر کی جب کعبہ کی تولیت حضرت رسالتمآبؐ کی جد اعلیٰ قصی بن کلاب کے سپرد ہوئی تو انہوں نے گرا کر دوبارہ اس کی پختہ تعمیر کی اور عمدہ لکڑی سے اس کو مسقف کیا اور اس کے پہلو میں دار الندوہ تعمیر کر دیا جس میں وہ مقدمات کے فیصلے کرتے تھے اور وہی ان کا اسمبلی ہال بھی تھا اور قریش کے باقی قبیلوں پر جہات کعبہ کو تقسیم کر دیا چنانچہ قریشیوں نے کعبہ کے ارد گرد گھر بنوا لئے اور ان کے دروازے کعبہ کی طرف کئے (میزان)

بعثت سے پانچ برس پہلے جب کہ آپ کی عمر پینتیس برس کی تھی کعبہ کا مکان سیلاب کی وجہ سے منہدم ہوگیا پس قریش قبائل نے اس کی تعمیر کے پروگرام کو آپس میں تقسیم کر کے کام شروع کیا۔ کلینی سے بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قریش نے خانہ کعبہ کی توسیع کا ارادہ کیا تو ایک زلزلۂ عظیم برپا ہوا اور تاریکی چھا گئی چنانچہ انہوں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا اور حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں پر اسی کی تعمیر کی تجویز پاس کی۔ جب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا تو قبائل قریش میں نزاع پیدا ہوئی اور ہر شخص اس میں سبقت کا خواہاں تھا پس تجویز یہ ہوئی کہ باب الشیبہ کی طرف سے جو شخص پہلے اندر آئے اسی کا فیصلہ سب کو مان لینا چاہیئے تو سب سے پہلے حضرت رسالتمآب اس دروازہ سے داخل ہوئے پس انہوں نے نزاع کی تفصیل آپ کے سامنے بیان کی آپؐ نے اپنی ردائے مبارک کو بچھا کر حجرِ اسود کو اس کے اوپر رکھا اور فرمایا کہ قریش کے ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس کے کنارے سے پکڑ کر اٹھائے اور مقام معین تک اس طریقہ سے اسے لے جایا جائے پس وہاں پہنچ کر حضرت نے خود بنفس نفیس اس کو عبا مبارک سے اٹھا کر اسے اپنے اصلی مقام پر رکھ دیا۔

اسی زمانہ میں بادشاہ روم نے حبشہ میں ایک گرجا کی تعمیر کے لئے کافی لکڑی و دیگر عمارتی سامان بذریعہ کشتی روانہ کیا تھا۔ اور ہوا نے بقدرتِ خدا کشتی کو ساحل عرب کی طرف دھکیل دیا اور یہاں کشتی قریب ساحل کیچڑ میں دھنس گئی کشتی بانوں نے ہر چند کوشش کی لیکن بے سود۔ جب قریش کو اطلاع ہوئی تو ان کو چونکہ تعمیر کعبہ کے لئے لکڑی کی ضرورت تھی فوراً وہاں پہنچے اور وہ لکڑی خرید لائے اور کعبہ کی چھت مکمل ہوئی (حیات القلوب)

اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے مصارف کی کمی کی وجہ سے حجر اسود کی طرف سے کچھ حصہ چھوڑ کر دیوار بیت اللہ اندر کی طرف کر دی اور حجرِ اسود کا حصہ بیت اللہ سے خارج رہ گیا چنانچہ علامہ کے تذکرہ سے بھی یہی روایت منقول ہے (حاشیہ لمعہ) لیکن دوسری صحیح روایات اس کی تائید نہیں کرتیں۔ بہرکیف طواف کے وقت حجرِ اسود کو داخل طواف کرنا ضروری ہوا کرتا ہے کیونکہ عمل صاحب شریعت اسی طرح ثابت ہے۔

جب حجاز پر عبداللہ بن زبیر کا تسلط ہوا اور حصین نے یزید کی طرف سے فوجی سپہ سالار کی حیثیت سے مکہ پر چڑھائی کی تو کعبہ کو بھی منہدم کر دیا اور اس کا غلاف اور کچھ لکڑی کا سامان بھی جلا دیا گیا لیکن یزید کی موت کی خبر پہنچنے پر جب یہ لشکر وہاں سے دفع ہوا تو ابن زبیر نے کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کرایا اور حجر اسود کو بیت اللہ کے اندر داخل کیا اور اس کو پہلے کی نسبت بلند بھی کر دیا اور یہ تعمیر ۲۷ رجب ۶۴ھ کو ختم ہوئی پھر جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے حجاج بن یوسف کو ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے مکہ روانہ کیا چنانچہ ابن زبیر مارا گیا اور حجاج نے عبدالملک کو کعبہ کی تعمیر میں ابن زبیر کی تجدید کی اطلاع بھیجی۔ تو اس نے کعبہ کو اپنی اصلی پہلی شکل پر لانے کا حکم نافذ کیا پس حجاج نے شمالی طرف تقریباً چھ ذراع کی مقدار گرا کر اندر کی طرف قریش کی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کو مکمل کیا۔

پھر سلطنتِ عثمانیہ کے دور میں معمولی تغیرات اس میں رونما ہوتے رہے یہاں تک کہ ۱۰۳۹ھ میں سیل کی وجہ سے اس کی

دیواریں پھر گر گئیں تو عثمانی حکومت کے چوتھے تاجدار شاہ مراد نے اس کی ترمیم کی اور آج تک پھر اسی حالت پر باقی ہے۔

مکانِ کعبہ کعبہ کا مکان تقریباً مربع شکل کا ہے اور اس کا ہر زاویہ چار سمتوں میں سے ایک ایک سمت کے مقابل ہے نیلے قسم کے پتھروں سے دیواریں بنی ہیں اور غالباً موجودہ بلندی سے زمانِ رسالت میں اس کی بلندی کم تھی جیسا کہ روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔

کعبہ کے زاویوں کو ابتداء سے ارکان کہا جاتا ہے چنانچہ شمالی زاویہ کو رکنِ عراقی ۔غربی زاویہ کو رکن شامی جنوبی زاویہ کو رکن یمانی اور شرقی زاویہ کو جس میں حجرِ اسود ہے رکنِ اسود کہا جاتا ہے اور اسی رکن اسود سے دروازہ تک کے فاصلہ کو ملتزم کہتے ہیں کیونکہ طواف کرنے والا اس سے چمٹ کر دعائیں مانگتا اور گڑگڑاتا ہے۔

شمالی دیوار پر جو میزاب موجود ہے جس کو میزاب رحمت کہتے ہیں۔ یہ حجاج بن یوسف کی ایجاد ہے سلطان سلیمان عثمانی نے ۹۵۴؁ھ میں اس کو چاندی کا بنا دیا تھا اس کے بعد سلطان احمد نے ۱۰۲۱؁ھ میں تبدیل کر کے اس کی جگہ دوسرا چاندی کا میزاب رکھا جسمیں سنہری نقوش تھے پھر سلطان عبدالمجید عثمانی نے ۱۲۷۳؁ھ میں سونے کا میزاب اس کی جگہ نصب کرایا جو اب تک موجود ہے۔

میزاب کے سامنے ایک منحنی دیوار ہے جس کا ایک کنارہ رکنِ شمالی کی طرف اور دوسرا کنارہ رکن غربی کی طرف ہے اسے حطیم کہتے ہیں اور حطیم سے لے کر بیت اللہ تک کی درمیانی جگہ کو حجر اسماعیل کہا جاتا ہے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی تعمیر کے وقت اس کا کچھ حصہ بیت اللہ میں داخل تھا اور کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کا مدفن بھی یہی مقام تھا (میزان)

غلافِ کعبہ تعمیر کعبہ کی تکمیل کے بعد پہلے حضرت ہاجرہ نے اپنی چادر اس کے دروازہ پر آویزاں کی تھی لیکن کعبہ کا پورا غلاف پہلے پہل تبع ابوبکر نے رومیلی چادروں سے چڑھایا اور اس کے جانشین اس کی سنت پر عمل پیرا ہے اور لوگ مختلف قسم کی چادروں کا غلاف چڑھاتے رہے اور جب ایک غلاف کہنہ ہو جاتا تو اس پر دوسرا چڑھا دیا جاتا تھا اور جب قصی متولی کعبہ ہوا تو اس نے سالانہ غلاف چڑھانے کا اہتمام کیا اور اس کی اولاد میں یہ سلسلہ باقی رہا یہاں تک کہ جناب رسالتمآبؐ نے یمنی چادروں سے غلاف چڑھایا اور آپ کے بعد پھر ایسا ہی ہوتا رہا لیکن جب مہدی عباسی خلیفہ ہوا تو بیت اللہ کے دربانوں نے غلافوں کی زیادتی کا شکوہ کیا تو اس نے تمام غلاف اُتار کر صرف ایک غلاف کے باقی رکھنے کا حکم جاری کیا اور آجتک پھر یہی طریقہ ہے اور کعبہ کے اندر چادر چڑھانے کی ابتداء حضرت عباس بن عبدالمطلب کی والدہ نے کی تھی کیونکہ یہ اس کی نذر تھی۔

آیاتِ بینات مقامِ ابراھیم :- بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت اسمٰعیل کی زوجہ نے آپ کو نہلایا تھا جبکہ آپ شام سے بغرض ملاقات تشریف لائے تھے پس

اس پتھر میں آپ کے قدموں کا نشان باقی رہ گیا اور قصہ کی تفصیل تفسیر کی دوسری جلد ص۲۰۰ تا ص۲۰۹ میں مذکور ہو چکی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی۔ صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مقام ابراہیم پہلے دیوار کعبہ کے ساتھ متصل تھا پھر زمان جاہلیت میں اس کو اپنی جگہ سے منتقل کر کے دوسری جگہ رکھا گیا جہاں وہ اب موجود ہے اور جب جناب رسالتمآبؐ نے مکہ فتح کیا تو اس کو پھر اپنے اصلی مقام پر نقل کر دیا اور پہلی خلافت اور دوسری خلافت کے کچھ زمانہ تک وہاں رہا لیکن دوسری خلافت کے آخری دور میں اسے پھر وہاں سے اٹھوا کر پہلی جگہ پر منتقل کر دیا گیا آیات بینات میں سے اس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس لئے ہے کہ وہ تاحال ایک زندہ معجزہ ہے ورنہ ان واضح نشانیوں میں اور مقامات بھی ہیں جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت کافی و عیاشی مذکور ہے۔

حجرِ اسود - مروی ہے کہ یہ جوہر تھا جو خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پر اتارا تھا اس کو بنی آدم کے عہد و پیمان ودیعت کئے گئے ہیں بروز محشر ان لوگوں کے حق میں بزبان فصیح گواہی دے گا جنہوں نے اس کی زیارت کی اور اپنے عہد کی وفا کی اور اس کی گویائی روایات میں حضرت سجاد علیہ السلام کی امامت کی گواہی کے موقعہ پر بھی ثابت ہے جبکہ حضرت محمد بن حنفیہ کے ساتھ نزاع ہوئی تھی اور اس کا واضح اور غیر مبہم اعجازی پہلو بھی ہے کہ کبھی غیر معصوم اس کو اپنی جگہ پر نصب نہ کر سکے (صافی)

حطیم - یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت آدمؑ کی توبہ مقبول ہوئی تھی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کر سکو کہ تمام نمازیں خواہ واجب ہوں خواہ سنتی اسی مقام پر حطیم میں ادا کرو تو ہرگز اس سے گریز نہ کرو کیونکہ تمام زمین سے یہ بقعہ اشرف و افضل ہے اور اس کے بعد حجر اسود کے پاس نماز پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ بتاؤ زمین کے ٹکڑوں میں کونسا ٹکڑا افضل ہے؟ ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول اور اولاد رسول اس کو بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ رکن اور مقام کی درمیانی جگہ پس اگر کوئی شخص حضرت نوحؑ کی سی عمر پائے اور زندگی بھر اسی مقام پر روزہ سے اور رات کو عبادت خدا میں مصروف رہ کر ہماری ولایت کے بغیر دربار خداوندی میں پیش ہو تو اس کو اپنے اعمال ذرہ بھر فائدہ نہ دیں گے۔

اسی طرح آیات بینات میں سے زمزم ہے جس کا پانی شفا ہے اس مقام پر اہلی جانور وحشی درندوں سے نہیں ڈرتے اس کا طواف کبھی ختم نہیں ہوا، کوئی پرندہ بیت اللہ کی چھت سے نہیں گذر سکتا اس کے جانور انسانوں سے خوف نہیں کھاتے ہر سال سنگریزے مارنے کے باوجود جب دوسرے سال اس مقام کو دیکھا جائے تو وہ زمین پہلے کی طرح ہوتی ہے ورنہ قاعدہ کے مطابق تو اسے ایک پہاڑ ہو جانا چاہیے تھا اور انہی آیات میں سے قصہ اصحاب فیل بھی ہے جن کو ابابیل نے تباہ و برباد کر دیا تھا اور صافی میں بروایت کتب معتبرہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے ہر نوع سے کسی ایک

کو انتخاب فرمایا ہے اور زمینوں میں سے اس نے کعبہ کی زمین کو منتخب فرمایا ہے

زمینِ کربلا بعض روایات میں ہے کہ ایک دفعہ زمینِ کعبہ نے اپنی برتری پر ناز کیا کہ مجھ جیسا کون ہے میں کعبہ کا مسکن ہوں تو فوراً وحی الٰہی ہوئی۔ خاموش! اے کعبہ کی زمین۔ کربلا کی زمین کے مقابلہ میں تیری فضیلت کو وہ نسبت ہے جو نوکِ سوزن پر اُٹھے ہوئے پانی کے قطرہ کو پر از آب سمندر سے ہوا کرتی ہے بقسم اگر اس زمین اور اس کے ساکن کو خلق نہ کرتا تو تجھے پیدا نہ کرتا اور نہ تیرا کعبہ پیدا ہوتا (مراوی ترجمہ کر دیا گیا ہے (سفینۃ البحار)

اس روایت اور سابق روایات میں توفیق کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ صرف کعبہ کی طرف جھکنے والے اور اہلبیت اطہار کو پس پشت ڈالنے والے چونکہ صرف کعبہ پر ہی ناز کرتے ہیں اور اپنی بخشش کا انحصار صرف اسی میں سمجھتے ہیں تو ان کی تنبیہ کے لئے ارشاد ہے کہ بے شک کعبہ اور زمین کعبہ اپنی جگہ شرف و فضل کے حامل ہیں لیکن اگر کربلا والوں کی سرفروشی نہ ہوتی اور ان کے ناحق خون سے اسلام کی حفاظتی حصار کی تعمیر نہ ہوتی تو پورے اسلام کو یزیدی طاغوتی حملوں نے نیست و نابود کر دیا ہوتا اور جب اسلام ہی ختم ہو جاتا تو کعبہ کا وقار کس کام کا؟ کعبہ اپنے مقام پر محترم ہے لیکن کسی محترم کے خالی وجود کو کیا کیا جائے۔ جب احترام کرنے والا ہی دنیا میں موجود نہ ہو؟ اے کعبہ کا احترام کرنے والو پہلے اس دروازہ پر پہنچو جس نے کعبہ کا احترام بچایا ہے اور تمہیں احترام کرنا سکھایا ہے اور زمین کعبہ اگر ناز کرے کہ میں محترم ہوں تو اس ناز سے پہلے اس کو زمین کربلا کے سامنے سرنگوں ہو کر نیازمندی کا اظہار کرنا پڑے گا۔ بے شک وہ تمام زمینوں پر سر افتخار بلند کر سکتی ہے لیکن زمین کربلا کے سامنے اس کا سرِ نیاز خم ہی رہے گا۔ پس زمینِ کربلا کی افضلیت اس لحاظ سے ہے کہ اس کا ساکن محسنِ اسلام ہے اور حج بیت اللہ اسلام کا ایک فرعی حکم ہے گویا بیت اللہ صرف حاجیوں کا محورِ التفات ہے اور حسین تمام اہلِ اسلام کے لئے مرکزِ ہدایت ہے۔ پس مقامِ عمل میں کوئی زمین کعبہ کی زمین سے افضل نہیں ہو سکتی اور مقامِ ہدایت و رشد میں کوئی زمین کربلا کی زمین سے زیادہ درس آموز نہیں ہو سکتی لہذا دونوں اپنے اپنے مقام پر افضل ہیں لیکن افضلیت کی حیثیتیں جُدا جُدا ہیں اور فرعی فضیلت قطعاً اصلی فضیلت کا مقابلہ نہیں کر سکتی تاہم یہ دونوں معنوی طور پر ایک دوسرے سے جُدا نہیں لہذا جو کعبہ کا متوالا ہو اور کربلا والوں کو نظر انداز کر کے زمین کربلا کو حقیر سمجھے اس کے لئے کعبہ جانے کا کوئی فائدہ نہیں اور جو شخص کربلا والوں کی محبت کا دم بھرتا ہو اور زمین کربلا کا زائر ہو لیکن کعبہ جانے کی استطاعت رکھنے کے باوجود اس کو ترک کرے تو اس کا کربلا والوں سے محبت کا دعویٰ کرنا محض زبانی و بے بنیاد ہے کیونکہ حسینؑ نے خود جامِ شہادت نوش فرما کر شعائر اسلامیہ کو زندہ کیا تھا تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص حسینی کہلوا کر شعائر اسلامیہ کو قائم کرنے سے گریز کرتا ہو۔ امامت اصل ہے اور حج فرع ہے پس جس طرح حج کا فعل بغیر اقرار امامت کے نادرست ہے اسی طرح اقرار امامت بغیر افعال فرعیہ کے اقرار زبانی اور لقلقہ لسانی ہے کیونکہ اصل و فرع دونوں ایک دوسرے کے بغیر فائدہ مند نہیں ہوا کرتے۔

سوال:۔ یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس توجیہہ کے اعتبار سے تو پھر مدینہ منورہ کی زمین کو سب سے افضل

کہنا چاہیئے۔

جواب:۔ اس میں شک نہیں کہ ایک زمانِ مخصوص تک مدینہ منورہ ہدایت خلق کا سرچشمہ رہا اور اسی لحاظ سے اطرافِ عالم کے جویانِ حق کی ہجرت گاہ بھی رہا حتیٰ کہ اہلِ مکّہ کے لئے بھی وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ کو چلے جانے کا حکم تھا۔ اور زمینِ مدینہ کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے لیکن حضرت رسالتمآبؐ کے بعد جب اسلامی شرعی حدود کی پامالی کے لئے اموی سلاطین جور نے اپنی اندھادھند پیش قدمی سے اسلامیانِ عالم کو مسحور یا مرعوب کرتے ہوئے ظلم و استبداد کے اوچھے حربوں سے کام لینا چاہا تو سوائے حسین بن علی کے اور کون تھا جس نے ببانگ دہل بے پناہ قوتِ ایمانی کے ساتھ اس قسم کی پیش قدمیوں کے خلاف نعرۂ حق بلند فرمایا اور جان مال اور ناموس کی ہر ممکن قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے لئے سینہ سپر بنا اور سچ ہے کہ اگر حسین نہ ہوتا تو اسلام کا لہراتا ہُوا سرسبز و شاداب باغ اموی دورِ خزاں سے صحیح و سالم ہرگز نہ بچ سکتا۔ اگر حسین کی قربانی نہ ہوتی تو یقیناً شمع اسلام کی حیثیت ایک چراغِ سحری کی سی رہ گئی تھی۔ اگر حسین کا عزم و استقلال اور ثباتِ قدم ایک مضبوط چٹان بن کر سامنے نہ آتا تو دمشق کی طرف سے اُٹھا ہوا ظلم و جور کا بے پناہ طوفان خرمنِ اسلام کو بہا کرلے گیا ہوتا پس حسین نے اپنے آہنی ارادوں سے یزیدی منصوبوں کی قلعی کھول کر رکھ دی جس طرح حسین کے اس مبارک و مضبوط اقدام نے کعبہ کی لاج رکھی اسی طرح حسین کی عظیم الشان قربانیوں نے مدینہ کی حرمت اور صاحبِ مدینہ کی تیئیس سالہ محنت کو بقاء و دوام کی خلعت بھی بخش دی اور اسلام کی اس فتح مبین کا سہرا زمینِ کربلا ہی کے سر پر ہے۔ لہٰذا یہ زمین تا قیامِ قیامت مرجع ہدایتِ خلق ہے اور یہی چیز اس کے شرفِ پائیدار کا بلند مینار ہے۔

زمین کربلا کی خصوصیات

(۱) شیخ جعفر شوستری اعلی اللہ مقامہٗ نے زمین کربلا کی خصوصیات بہت کچھ ذکر فرمائی ہیں ان میں سے بعض کو اس مقام پر بطور اختصار ذکر کرنا مناسب ہے

مروی ہے کہ کعبہ کی خلقت سے چوبیس ہزار سال قبل زمین کربلا کو خلق کیا گیا۔

سوال:۔ قرآن مجید پہلا گھر خانہ کعبہ کو بتلاتا ہے اور حدیث مذکور میں زمین کربلا کو خلقت میں مقدم کہا گیا ہے۔

جواب:۔ قرآن مجید میں کعبہ کے روئے زمین پر پہلی عبادت گاہ بنائے جانے کا اعلان کیا گیا ہے کیونکہ یہودیوں نے تحویلِ قبلہ کے بعد مسلمانوں پر یہ اعتراض شروع کر دیا تھا کہ بیت المقدس روئے زمین پر پہلی عبادت گاہ ہے حتیٰ کہ حضرت ابراہیم کا قبلہ بھی یہی تھا تو خداوند کریم نے ان کی رد میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ غلط کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ لوگوں کے لئے زمین پر پہلی جائے عبادت جس خطۂ ارضیہ کو قرار دیا گیا وہ وہی ہے جو مکّہ میں ہے یعنی خانہ کعبہ۔ پس قرآن مجید میں کعبہ کی خلقت کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ صرف اس کے قبلہ ہونے کی سبقت کا اعلان ہے اور حدیث مذکور میں زمین کربلا کی خلقت کی تقدیم کا ذکر ہے۔ لہٰذا مضمونِ حدیث اور مفہوم آیت میں کوئی تعارض نہیں یعنی خلقت میں زمینِ کربلا کو زمین کعبہ پر تقدیم حاصل ہے اور قبلہ ہونے میں کعبہ کو بیت المقدس سے اوّل ہونے کا شرف حاصل ہے اور گذشتہ بعض احادیث میں جہاں کعبہ

کی پیدائشی سبقت بیان کی گئی ہے وہاں زمین کربلا کے علاوہ باقی زمینوں سے سبقت مراد ہے۔ واللہ اعلم

(۲) مروی ہے کہ زلزلۂ قیامت کا وقت آئے گا تو زمین کربلا کو اُٹھا لیا جائے گا اور یہ خطۂ جنّت کے تمام خطوں سے افضل ہوگا اور جنّت کے ریاض میں یہ زمین اس طرح چمکے گی جس طرح کوکب دُرّی دوسرے ستاروں سے نمایاں طور پر اپنی چمک کو ظاہر کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی چمک سے تمام اہلِ جنّت کی آنکھیں خیرگی محسوس کریں گی اور اس کی آواز آئے گی کہ میں وہ پاک زمین ہوں جسے شہیدوں کے مدفن و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

(۳) خاکِ شفا کی تسبیح سے استغفار کرنا ستّر گنا زیادتی ثواب کا موجب ہے۔

(۴) خاکِ کربلا یعنی خاکِ شفا کی تسبیح کا ہاتھ میں رکھنا بھی تسبیح پڑھنے کے ثواب کے برابر ہے۔

(۵) خاکِ شفا پر سجدہ کرنے سے مقبولیتِ عبادت کی رکاوٹ کے سات حجاب دُور ہوجاتے ہیں اور عبادت مقبول ہوجاتی ہے۔

(۶) مٹی کا کھانا حرام ہے لیکن خاکِ شفا کا شفایابی کی نیت سے کھانا جائز ہے۔

(۷) خاکِ شفا کا پاس رکھنا ہر قسم کے خطرات سے بچنے کا حرز اور تعویذ ہے بشرطیکہ اسی نیت سے اپنے پاس رکھے۔

(۸) اگر سامانِ تجارت میں خاکِ شفا کو رکھا جائے تو تجارت میں برکت نصیب ہوگی۔

(۹) نوزائیدہ بچے کے حلق میں خاکِ شفا ڈالنا اس کی امان و سلامتی کا موجب ہے۔

(۱۰) میّت کے ساتھ قبر میں خاکِ شفا کا رکھنا عذابِ قبر سے امان کا موجب ہے۔

(۱۱) میّت کے حنوط کے ساتھ خاکِ شفا کی ملاوٹ مستحب ہے۔

(۱۲) زمین کربلا میں دفن ہونے والا بغیر حساب جنّت میں داخل ہوگا۔

(۱۳) زمین پہ اترنے والے فرشتے جب واپس جاتے ہیں تو حُوریں اُن سے خاکِ شفا کا تحفہ طلب کرتی ہیں۔

(۱۴) تمام ملائکہ بطور تحفہ خاکِ شفا کو جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں لے جاتے رہے ہیں۔

(۱۵) یہی زمین حضرت عیسیٰ کی ولادت گاہ ہے۔

(۱۶) حضرت موسیٰ کو جس زمین پہ شرفِ کلام حاصل ہوتا تھا وہ یہی زمین تھی۔

(۱۷) آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک تمام انبیاء کا ورود اس مقدس زمین پہ ہُوا۔

(۱۸) اسی مقدس زمین میں واقعاتِ کربلا سے قبل دو سو نبی، دو سو وصی اور دو سو سبطِ نبی دفن ہوئے جو درجۂ شہادت پہ فائز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ (خصائص حسینیہ)

تولیّتِ کعبہ

بنائے کعبہ کے بعد اس کی تولیّت حضرت اسماعیل کے سپرد تھی اور ان کے بعد ان کی اولاد کو تولیّت بیت اللہ کا شرف حاصل رہا لیکن کچھ عرصہ کے بعد قبیلہ جرہم نے غلبہ حاصل کر کے کعبہ کی تولیّت ان

سے چھین لی اور جب قبیلہ جرہم اور عمالقہ کی آپس میں جنگ ہوئی تو عمالقہ غالب آگئے اور کعبہ کو اُنہوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا پھر ایک مرتبہ جرہم نے عمالقہ کو مغلوب کرکے ان سے کعبہ کی تولیّت واپس لے لی اور تقریباً تین سو برس اس کے متولی رہے اور انہوں نے کعبہ کی عمارت میں کچھ اضافہ بھی کیا۔

جب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے قبیلہ جرہم کو مکّہ سے نکال دیا اور کعبہ کی تولیّت خود سنبھال لی۔ اس وقت ان کا سرکردہ عمرو بن لحی خزاعی تھا اور یہ پہلا شخص ہے جس نے کعبہ میں بُت لاکر رکھے اور لوگوں کو شرک کی تعلیم دی۔ اُس نے پہلا بُت جو کعبہ میں رکھا تھا اس کا نام ہبل تھا اور وہ اسے شام سے لایا تھا اس کے بعد پھر دوسرے بت لائے گئے حلیل خزاعی بنی خزاعہ میں سے کعبہ کا آخری متولی ہے۔ حلیل کی صرف ایک لڑکی تھی جو قصی بن کلاب کے نکاح میں تھی۔ پس حلیل نے اپنے بعد کعبہ کی تولیّت اپنی بیٹی کے سُپرد کردی اور اس کی کلید برادری کے لئے ابو غبشان نے معمولی معاوضہ لے کر کعبہ کی کلید برادری بھی قصی بن کلاب کو بیچ دی پس اس طریقہ سے کعبہ کی تولیّت قریش تک پہنچی۔ جب جناب رسالتمآبؐ نے مکّہ کو فتح کیا تو اس کے اندر جس قدر بت وغیرہ رکھے تھے ان کو گرادیا گیا۔

زمینِ مکّہ کے خصوصیّات

(۱) اگر کوئی شخص حرم بیت اللہ کی حدود کے اندر ایسا جُرم کرے جس کی شرعی حد یا قصاص مقرر ہے تو اس کو اپنے کئے کی سزا حرم کے اندر دی جاسکتی ہے لیکن اگر جُرم کا ارتکاب حرم کی حدود سے باہر ہو اور مُجرم بھاگ کر حرم کے اندر داخل ہوجائے تو اس پر سزا جاری نہ ہوگی جب تک کہ حدودِ حرم سے خارج نہ ہوجائے۔ البتہ کھانے پینے اور دیگر ضروریاتِ زندگی میں اس پر سختی برتی جائے گی تاکہ وہ خود بخود حرم کی حدود سے نکل جائے اور اس پر معینہ حد جاری کی جائے۔

(۲) مکّہ کی زمین میں تمام مسلمانوں کو رہنے کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو وہاں کی رہائش سے روکا نہیں جاسکتا۔ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ روکنا حرام ہے۔ اور بعض مکروہ جانتے ہیں۔

(۳) کعبہ کی عمارت سے بلند کسی مسلمان کو اپنا مکان نہیں بنوانا چاہیئے (بعض علماء کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے)

(۴) حدودِ حرم کے اندر کسی کی کوئی چیز گر جائے تو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ کسی اُٹھانے والے پر وہ حلال نہیں ہوسکتی بلکہ وہ اس کے پاس امانت کے طور پر رہے گی اور سال بھر تک اس کی تعریف واعلان کرنا ضروری ہے اگر مالک مل جائے تو ٹھیک ورنہ بطور امانت اپنے پاس رکھے یا مالک کی طرف سے صدقہ کردے۔

(۵) تفسیر صافی میں مروی ہے کہ جو شخص حرم میں مدفون ہوجائے وہ قیامت کی سخت گھبراہٹ سے محفوظ ہوگا۔

(۶) جو حرم خدا یا حرم رسولؐ میں سے کسی ایک حرم میں مرجائے تو خدا اس کو امن پانے والوں میں محشور کرے گا (صافی)

(۷) جو شخص ان دونوں حرموں کے درمیان مرے تو بروز محشر اس کا دیوان پیش نہ ہوگا۔

(۸) مکہ میں داخل ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ احرام عمرہ باندھ کر داخل ہو۔

ولادت علیؑ در کعبہ

کعبہ کی خصوصیات میں سے اہم خصوصیت ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی جائے ولادت ہے اور اس شرف پر کعبہ کو بجا طور پر ناز ہے۔ کتب فریقین میں حضرت علیؑ کی کعبہ میں ولادت کی خصوصیت اور کعبہ کی حضرت علیؑ کے مولد ہونے کی خصوصیت کو متفق طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

چنانچہ کفایۃ الطالب گنجی سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں ایک عابد تھا جسے مسرم کہتے تھے اور اس نے دو سو ستر برس خداوند کریم کی عبادت کی تھی اور کبھی اپنی کسی حاجت کا سوال نہ کیا تھا۔ حضرت ابوطالب کو خدا نے اس کے پاس بھیج دیا۔ اس نے دیکھتے ہی اٹھ کر تعظیم کی سر کا بوسہ دیا اور اپنے سامنے جگہ دی پھر ان سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ حضرت ابوطالب نے جواب دیا کہ میں تہامہ (مکہ) کے رہنے والا ہوں اس نے نسب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہاشمی ہوں وہ عابد سنتے ہی دوبارہ اٹھا اور حضرت ابوطالب کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ مجھے خدا نے بطور الہام خبر دی ہے کہ خدا تجھے ایک فرزند عطا کرے گا جو ولی اللہ ہوگا۔ پس جس شب کو حضرت علیؑ کا تولد ہوا تو فضائے عالم آپ کو طلعت نورانی سے منور ہوئی حضرت ابوطالب نے باہر نکل کر اعلان فرما دیا کہ بندگان خدا کعبہ میں ولی اللہ کا تولد ہو چکا ہے۔ صبح سویرے جب داخل کعبہ ہوئے تو یہ اشعار اپنی زبان پر جاری کئے۔

يَارَبَّ هٰذَا الْغَسَقِ الدُّجِي ۔۔۔ وَالْقَمَرِ الْمُبَلَّجِ الْمُضِيِّ

بَيِّنْ لَنَا مِنْ اَمْرِكَ الْخَفِيِّ ۔۔۔ مَاذَا تَرىٰ فِي اِسْمِ ذَا الصَّبِيِّ

اے پھیلتی ہوئی تاریکی اور روشنی پھیلانے والے چاند کے پروردگار اپنے مخفی راز میں سے تو ہی بتا کہ تیرے نزدیک اس بچے کا کیا نام ہونا چاہیے۔

پس ہاتف غیبی کی ندا کان میں پہنچی۔

يَا اَهْلَ بَيْتِ الْمُصْطَفَى النَّبِيِّ ۔۔۔ خُصِّصْتُمْ بِالْوَلَدِ الزَّكِيِّ

اِنَّ اسْمَهٗ مِنْ شَامِخٍ عَلِيِّ ۔۔۔ عَلِيٌّ اشْتُقَّ مِنَ الْعَلِيِّ

اے مصطفیٰ نبی کے گھر والو تمہیں یہ بچہ مبارک ہو علی اعلیٰ نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کر کے علی رکھا ہے۔

۲۔ مستدرک حاکم سے مروی ہے کہ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَسَدٍ وَلَدَتْ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْطَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ فِيْ جَوْفِ الْكَعْبَةِ (احادیث میں یہ بات تواتر سے پہنچی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ جناب فاطمہ بنت اسد کے بطن مبارک سے کعبہ کے اندر ہی پیدا ہوئے۔

۳۔ ابن صباغ مالکی فصول مہمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام مکہ مشرفہ میں بیت اللہ کے اندر ۱۳ رجب بروز جمعہ ۳۰ عام الفیل ہجرت سے ۲۳ یا بقولے ۲۵ سال قبل اور بعثت سے ۱۲ سال یا بقولے ۱۰ سال پہلے پیدا ہوئے اور ان سے پہلے بیت اللہ میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اور یہ وہ فضیلت ہے کہ اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں اور ان کے

اجلال ، علو مرتبت اور اظہار کرامت کے لئے ہی خدا نے ان کو یہ شرف خصوصی مرحمت فرمایا اور نیز آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں۔ جو ماں اور باپ دونو کی طرف سے ہاشمی ہیں۔

۴۔ بحار الانوار سے مروی ہے کہ سعید بن جبیر یزید بن قعنب سے روایت کرتا ہے کہ میں اور عباس بن عبدالمطلب بیت اللہ کے سامنے بیٹھے تھے اچانک ہم نے والدۂ امیر المومنین علیہ السلام حضرت فاطمہ بنت اسد کو آتے دیکھا اور آپ نو ماہ سے حاملہ تھیں۔ آپ کو خاص تکلیف محسوس ہوئی جو عورتوں کو زائیدگی کے وقت ہوا کرتی ہے تو یہ دُعا زبان پر جاری کی۔ اے پروردگار! میں تیرے اُوپر ایمان رکھتی ہوں نیز تیرے رسولوں اور تیری کتابوں کو مانتی ہوں اور اپنے جدِّ بزرگوار حضرت خلیل علیہ السلام کی تصدیق کرتی ہوں جنہوں نے بیت اللہ کی بنا رکھی تھی، پس تجھے اس گھر کی بنا رکھنے والے کے حق کی اور اس بچہ کے حق کی جو میرے بطن میں ہے قسم دے کر سوال کرتی ہوں کہ اس بچہ کی ولادت کا معاملہ میرے اُوپر آسان فرما۔ یزید بن قعنب کہتا ہے کہ ہم نے دیکھا دیوار کعبہ پشت کی طرف سے شق ہوئی اور جناب فاطمہ اندر داخل ہو کر ہماری نظروں سے غائب ہو گئیں اور دیوار پہلے کی طرح متصل ہو گئی۔ ہم نے سامنے سے آکر قفل کھولنا چاہا لیکن ہمیں ناکامی ہوئی پس ہم سمجھ گئے کہ یہ قدرتی راز ہے اس کے بعد چوتھے روز جناب فاطمہ بنت اسد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو ہاتھوں پر اٹھا کر باہر آئیں اور فخریہ یہ الفاظ زبان پر جاری کئے کہ مجھے گذشتہ تمام عورتوں سے فضیلت عطا کی گئی ہے کیونکہ آسیہ بنت مزاحم نے خفیہ طور پر ایک ایسی جگہ خدا کی عبادت کی جہاں بغیر اضطرار کے کسی کی عبادت کو جائز نہیں قرار دیا جاتا اور حضرت مریم بنت عمران نے خشک کھجور کو حرکت دے کر تازہ پھل حاصل کئے اور نوش فرمائے اور میں بیت اللہ میں داخل ہو کر جنّت کے میوہ جات کھاتی رہی ہوں۔ اور جب میں نے وہاں سے باہر آنے کا ارادہ کیا تو ہاتف غیبی کی جانب سے ندا پہنچی۔ اے فاطمہ! اس بچہ کا نام علی رکھو پس وہ علی ہے اور خدائے علی و اعلیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے اور میں نے خود ہی اس کو اپنے آداب تفویض کئے ہیں اور اس کو اپنے رموزِ علم سے اطلاع بخشی ہے وہ میرے گھر سے بتوں کو توڑ کر نکالے گا اور وہی اعلانیہ میرے گھر میں اذان دے گا اور میری تقدیس و تمجید بیان کرے گا۔ پس اس کے حبداروں اور اطاعت گذاروں کے لئے طوبیٰ اور اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کے لئے ویل ہے۔ مناسبت مقام اور تبرک کے لئے یہ روائتیں نقل کی گئی ہیں۔

کعبہ جائے امن ہے

کعبہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔ جو بھی اس میں داخل ہو با امن رہے گا یہ خصوصیت صرف مکانِ کعبہ کی نہیں بلکہ حدود حرم کے اندر کا علاقہ سب کا سب اسی خصوصیت کا حامل ہے اور زمانۂ جاہلیت میں بھی جاہلی عربوں کا یہ دستور تھا کہ اگر حرم کے اندر اپنے سگے باپ کے قاتل کو بھی پا لیتے تھے تو حرم کی حرمت کی پاسداری کرتے ہوئے اس سے ان حدود کے اندر انتقام لینا پسند نہ کرتے تھے

تفسیر صافی میں بروایت علل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے ابو حنیفہ سے آیت کے اسی

ٹکڑے کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ زمین کونسی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ کعبہ تو آپ نے فرمایا کہ حجاج بن یوسف نے جب حملہ کیا تھا اور ابن زبیر کعبہ میں ہی قتل ہو گیا تھا تو اس کے لئے پھر جائے امن کیسے رہا؟ وہ جواب سے عاجز آگیا اس سوال وجواب کی قدرے تفصیل مقدمہ تفسیر انوار النجف صفحہ ۱۸۱ پہ موجود ہے۔ آخر کار اس نے آپ سے ہی اس کی تاویل پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو ہمارے قائم علیہ السلام کی بیعت کرکے اس میں داخل ہوں گے اور ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر ان کے صحابہ میں شامل ہوں گے۔ اسی کتاب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ کا مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کی جانب سے عائد کردہ جمیع احکام کا عارف ومعترف ہو کر جو بھی اسمیں داخل ہوگا وہ آخرت کے دائمی عذاب سے نجات پائے گا۔

بروایت عیاشی آپ سے مروی ہے کہ لوگوں میں سے جو بھی حرم کو پناہ سمجھ کر اس میں داخل ہوگا وہ غضب خدا سے محفوظ ہوگا اور جانوروں اور پرندوں میں سے جو بھی اس میں داخل ہوگا اس کو اذیت نہیں دی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ حرم کی حدود سے باہر چلا جائے

تنبیہ:۔ یہ روایات تاویل اور باطن کے لحاظ سے ہیں ورنہ ظاہر کے لحاظ سے ابتدار خلقت سے لے کر تا قیام قیامت کعبہ جائے امن ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کعبہ میں پناہ حاصل کرنے والے کو خوفزدہ کرے انسان تو بجائے خود کسی حیوان کو بھی حدود حرم کے اندر ستایا نہیں جاسکتا اور جو شخص اس حکم کی مخالفت کرے گا وہ حرم خدا کی توہین کرنے والا سمجھا جائے گا جس کے لئے وہ بارگاہ رب العزت میں بروز محشر جوابدہ ہوگا۔

اسلام میں سب سے پہلے حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو کعبہ میں خوفزدہ کیا گیا جس کی بنا پہ آپ نے احرام حج کو عمرہ میں تبدیل کرکے اعمال عمرہ بجالانے کے بعد احرام کھولا اور وہاں سے روانہ ہوگئے اور یہ اس لئے کہ کہیں ہماری وجہ سے حرم خدا کی ہتک نہ ہو اور اس کا مفصل تذکرہ کتب مصائب میں موجود ہے۔

حج کعبہ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ الخ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں حج وعمرہ دونوں مراد ہیں۔ اور استطاعت کے متعلق آپ سے مروی ہے کہ بدن تندرست ہو اور مالی طاقت موجود ہو تو وہ مستطیع ہوگا ایک اور روایت میں ہے کہ بدن تندرست۔ زاد وراحلہ موجود اور راستہ پُرامن ہو۔ بہرکیف فقہائے امامیہ کے نزدیک وجوب حج کے شرائط چند ہیں۔

۱۔ کامل العقل ہو۔ لہذا نابالغ اور دیوانے پہ حج واجب نہیں ہوا کرتی۔

۲۔ آزاد ہو۔ لہذا غلام پر حج واجب نہیں ہوتی۔

۳۔ زادو راحلہ موجود ہو یعنی مالی طاقت موجود ہو کہ اپنے راستہ کے آمدورفت کے اخراجات کے علاوہ اپنی واپسی تک کا بال بچوں اور دیگر واجب النفقہ افراد کی ضروریات زندگی کا انتظام کر سکتا ہو۔

مسئلہ :۔ اگر ایک شخص کے پاس زمین یا کوئی دوسری جائداد اپنی ضرورت سے زائد موجود ہو لیکن نقد روپیہ ہاتھ میں نہ ہو تو اس صورت میں زائد از ضرورت مال کو فروخت کر کے حج کو جانا واجب ہے۔

مسئلہ :۔ اگر اس کے پاس روپیہ موجود ہے لیکن اسی قدر مقروض بھی ہے تو حج کا وجوب ساقط ہوگا پس وہ روپیہ قرض خواہ کو دے کر قرضہ سے سبکدوش ہو جائے پھر اگر استطاعت ہو تو شرائط کے ماتحت اس پر حج کا وجوب عائد ہوگا

مسئلہ :۔ جس پیسہ میں خمس و زکوٰۃ اور دیگر حقوق مالیہ داخل ہیں اور اب تک اُس نے ادا نہیں کئے تو اس پر واجب ہے کہ خمس و زکوٰۃ و دیگر حقوق واجبہ سے پہلے سبکدوش ہونے کی کوشش کرے اور اس کے بعد اخراجات حج کے لئے روپیہ بچ جائے تو حج کو جائے ورنہ استطاعت کا انتظار کرے۔

مسئلہ :۔ اگر روپیہ موجود ہو لیکن وجوب کے پہلے سال ہی روانگی سے پہلے وہ تلف ہو جائے تو وجوب حج ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ :۔ اگر روپیہ موجود ہو اور حج کی درخواست بھی دے دی لیکن ملکی قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے نہ جا سکا اور دوسرے سال کے ایامِ حج آنے سے پہلے اس کا وہ روپیہ خرچ ہو گیا تو اس سے وجوبِ حج ساقط ہوگا کیونکہ پہلے سال اس پر حج کا استقرار نہیں ہو سکا تھا پھر اگر اس کو استطاعت حاصل ہوگی اور جانا بھی ممکن ہوگا تو حج واجب ہوگی۔

مسئلہ :۔ جس شخص پر حج واجب ہو اور نہ کر سکے تو اس کے وارث پر اس کی طرف سے واجب ہوا کرتی ہے۔

مسئلہ :۔ اگر حج واجب ہو جائے تو پھر ترک کر کے مر جائے تو جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ وہ قیامت کے دن یہودی یا نصرانی مبعوث ہوگا اور فرمایا کہ تارکِ حج کافر ہے کیونکہ قرآن مجید میں خدا فرما رہا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وجوبِ حج کے بعد بلا عذر شرعی جو شخص حج کو نہ جائے تو اس کی موت یہودیت یا نصرانیت کی موت ہوگی۔ روایات میں حج کی تاکید بہت زیادہ ہے خداوند کریم تمام شیعانِ اہلبیتؑ کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

۴۔ تندرستی۔ اگر ایسا بیمار ہو کہ حج کے سفر کی صعوبتوں کو برداشت نہ کر سکتا ہو تو اس سے وجوب ساقط ہے لیکن مروی ہے کہ اس صورت میں اپنی طرف سے نائب بنا کر حج کروائے پس اگر اس کی بیماری تا موت رہ جائے تو وہی حج اس کی ہوگی اور اگر بعد میں تندرست ہو جائے تو اس کو حج دوبارہ کرنی پڑے گی۔

۵۔ راستہ کا با امن ہونا۔ اگر راستہ خوفناک ہو تو حج کا وجوب ساقط ہے۔ ان مسائل کی تفصیلات کتبِ فقہیہ سے معلوم کی جا سکتی ہیں

مسئلہ :۔ عورت کی استطاعت میں وجود محرم ضروری نہیں ہے اگر عورت کے پاس دیگر اسباب موجود ہوں لیکن کوئی محرم دستیاب نہ ہو جس کے ہمراہ وہ سفر کرے تو اگر سلامتی کا ظن حاصل ہو تو وہ سفر حج کو جا سکتی ہے، ورنہ نہیں۔

مسئلہ :۔ استطاعت نہ ہونے کی صورت میں اگر حج کرے تو پھر استطاعت حاصل ہونے کے بعد اس پر دوبارہ حج واجب

عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ

تمام جہان والوں سے — فرما دیجئے اے اہلِ کتاب — تم کیوں کفر کرتے ہو — آیات خدا کا — اور خدا

شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ

باخبر ہے اس چیز پر جو تم کرتے ہو — فرما دیجئے اے اہلِ کتاب کیوں روکتے ہو — اللہ کے رستہ سے

سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ

ایمان لانے والوں کو — تم اس میں کجی چاہتے ہو — حالانکہ تم باخبر ہو — اور خدا غافل

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ

نہیں اس سے جو تم کرتے ہو — اے ایمان والو! اگر تم نے اطاعت کی ایک گروہ کی — ان لوگوں میں سے جن کو

الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۰﴾

کتاب دی گئی تو وہ تم کو ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی طرف پھیر دیں گے

ہوگی۔ کیفیت حج اور اس کے دیگر ضروری مسائل تیسری جلد کی ابتداء میں بیان ہو چکے ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا۔ شانِ نزول۔ کہتے ہیں اوس خزرج کے دونو قبیلے ایک مقام پر آپس میں پیار و محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ شاش بن قیس یہودی کا ان پہ گذر ہوا تو اس کو ان کی باہمی محبت ناگوار گذری پس اس نے ایک یہودی نوجوان کو مشورہ دیا کہ ان کو اپنی گذشتہ دشمنیوں اور لڑائیوں کے واقعات سنا کر برانگیختہ کرے پس وہ ان میں آکر بیٹھ گیا۔ اور اس نے ایک سابقہ لڑائی کا ذکر چھیڑ دیا جو اوس اور خزرج کے مابین ہوئی تھی اور اس میں قبیلہ اوس کو کامیابی حاصل ہوئی تھی پس اس پر دونو قبیلے تُو تُو میں میں پر آگئے اور لڑنے پہ کمربستہ ہو گئے استنے میں لوگ کافی تعداد میں جمع ہو گئے فوراً اطلاع پاتے ہی جناب رسالتمآبؐ بنفسِ نفیس تشریف لائے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں تم پھر جاہلیت کی طرف جا رہے ہو حالانکہ تمکو اللہ نے اسلام ایسی نعمت عطا فرما کر تم سے جہالت کو دفع فرمایا اور تمہیں ایک دوسرے سے باہمی الفت کا درس دیا۔ پس وہ فوراً بھانپ گئے کہ یہ شیطانی سازش تھی جو ہم میں چلائی گئی اور دشمن کا فریب و دھوکا تھا جس میں ہم کو مبتلا کیا گیا چنانچہ انہوں نے فوراً ہتھیار ڈال کر اپنے کئے سے توبہ کی اور ایک دوسرے کے گلے مل گئے اور جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ واپس آگئے۔ پس خداوند کریم کی جانب سے یہودیوں کی تفہیم کا حکم ہوا کہ اے اہلِ کتاب تمہیں ایسے کفریہ کرتوتوں سے باز آجانا چاہیئے اور اللہ کے سچے راستے یعنی دینِ اسلام

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ

اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور اس کا رسول تم میں موجود ہے اور جو

يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

اللہ سے تمسک کرے پس تحقیق وہ ہدایت یافتہ ہے راہ راست کی طرف

کی تعلیمات سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کی ناپاک حرکات کو چھوڑ دینا چاہیے اور خدا تمہاری ان ناپاک سازشوں سے پوری طرح آگاہ ہے اس کے بعد پھر ایمان والوں کو خود خطاب فرماتا ہے کہ تمہیں ان یہودیوں کے دام تزویر میں ہرگز نہ آنا چاہیے ورنہ وہ تو تمہیں دوبارہ کفر کی طرف ہی کھینچ کرلے جائیں گے (صافی۔میزان)

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ ۔یعنی ویسے بھی حجت تمام ہونے کے بعد انسان کو کفر نہیں کرنا چاہیے لیکن جب قرآن پاس موجود ہو اور اس کے احکام کی ترجمانی کرنے والا رسول بھی پاس ہو تو پھر کفر کی طرف عود کرنا انتہائی نالائقی ہے جس طرح وہ لوگ قرآن کے مطالب کو ہر وقت سُن کر اطمینان قلب حاصل کرتے تھے اسی طرح جناب رسالتمآبؐ کے وجود ذی جود کے معجزات وکرامات بھی ان کی تازگیٔ ایمان اور زیادتیٔ یقین کا بہترین ذریعہ تھے اور ان کو بارہا دیکھنے کا شرف حاصل ہوتا تھا چنانچہ آپ کے جسم اقدس کے کمالات جو ہر وقت سامنے تھے یہ ہیں۔

(۱) جس طرح آپ سامنے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے۔
(۲) آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا۔
(۳) آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔
(۴) مکھی آپ کے جسم پر نہ بیٹھ سکتی تھی۔
(۵) زمین آپ کے فضلات کو نگل جاتی تھی۔
(۶) بڑے سے بڑا قد آور بھی جب آپ کے پاس کھڑا ہوتا تھا تو آپ کا قد اس سے بلند نظر آتا تھا۔
(۷) آپ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت کا واضح نشان موجود تھا۔
(۸) جس مقام سے آپ کا گذر ہوتا تھا خوشبو کی مہک باقی رہتی تھی جس سے لوگوں کو آپ کے گذر جانے کا علم ہو جاتا تھا۔
(۹) شب تاریک میں آپ کے چہرہ کا نور روشنی کا موجب ہوتا تھا۔
(۱۰) آپ ختنہ شدہ متولد ہوئے تھے (مجمع البیان)
(۱۱) دھوپ میں آپ کے جسم پر بادل سایہ فگن رہتا تھا وغیرہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے اور تم پر موت نہ آنے پائے مگر اس حالت میں کہ تم

مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ

مسلمان ہو اور تمسک پکڑو اللہ کی رسی سے مل کر اور جدا جدا نہ ہو اور یاد کیا کرو خدا کی نعمت کو

اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ

جو تم پر ہے کہ تم آپس میں دشمن تھے پس اس نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے مانوس کر دیا پس تم اس کی مہربانی سے

إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ

بھائی بھائی ہو گئے اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اس نے تم کو اس سے بچایا اسی طرح بیان کرتا ہے

اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

خدا اپنی آیات کو تاکہ تم سلجھو

رکوع ۲

بیانِ تقویٰ

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ ۔ تقویٰ کے کئی مراتب ہیں اور اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ تمام واجبات و محرمات میں اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اطاعت کی منزلیں جس طرح ایک دوسری سے بلند ہوتی چلی جاتی ہے اسی طرح تقویٰ کے منازل میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور اطاعت کی آخری بلند ترین منزل یہ ہے کہ انسان عَبْدِی کُنْ لِیْ اَکُنْ لَکَ (اے بندہ تو میرا ہو جا تو میں تیرا ہو جاؤں) کے مرتبہ تک پہنچ جائے اور یہی تقویٰ کی آخری منزل ہے جس کو حق تقویٰ کہا گیا ہے اور یہ چیز معرفت کے تابع ہے معرفت کا پہلا زینہ ظاہری اسلام اس کے بعد یقین اور پھر علم الیقین اور آخر میں حق الیقین تک پہنچتی ہے اور درحقیقت اسلام کی حقیقی منزل اور واقعی قرارگاہ بھی یہی ہے جس کے متعلق حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لئے دعا طلب کی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ اور ظاہر ہے کہ جب عہدۂ نبوت و رسالت پر فائز ہونے والا معصوم اپنے لئے اسلام کی دعا مانگ رہا ہے تو اس سے معرفت کی آخری منزل ہی مراد ہو سکتی ہے

اور اسی کو دوسرے مقام پر اطمینان قلبی سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي پس معرفت کی منازل کے ساتھ ساتھ اسلام و تسلیم کے مراتب اور اطاعت و تقویٰ کے مدارج میں ارتقاء ہوتا جاتا ہے جب معرفت حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچتی ہے تو تسلیم و اطاعت میں كُنْ لِيْ اَكُنْ لَكَ کا منظر سامنے ہوتا ہے اور تقویٰ حَقَّ تُقَاتِهٖ کی منزل کو پہنچ جاتا ہے اور تمام انسانوں کو تقویٰ کی اسی آخری منزل تک پہنچنے کی دعوت دی گئی ہے لیکن چونکہ ہر انسان کے بس سے باہر ہے کہ اس مرتبہ پر فائز ہو کیونکہ اطاعت کی بعض منزلیں ایک عام انسان کے لئے ناشدنی اور غیر ممکن معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ اہل معرفت مقام سلوک میں انکو اپنے پیچھے چھوڑ کر آگے نکل چکے ہوتے ہیں لہذا دوسرے مقام پر خود ہی ارشاد فرمادیا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (پ۲۸ سورہ تغابن) یعنی تقویٰ اختیار کرو جس حد تک کر سکو۔

میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک نماز گذار کے پاس سے گذر ہوا تو اس کی نماز ناقص دیکھ کر حیران ہوئے اور خداوند کریم کی بارگاہ میں اپنی حیرت کا اظہار بھی کیا تو ارشاد ہوا اے موسیٰ تو اپنی معرفت کے ساتھ اس کی عبادت کا موازنہ نہ کر بلکہ اس کی عبادت کا موازنہ اسکی اپنی معرفت سے ہوگا اور تیری عبادت کا موازنہ تیری معرفت سے ہوگا اگر تجھے میری معرفت اس طرح حاصل ہوتی جس طرح میں خود اپنی معرفت رکھتا ہوں تو تجھے اپنی عبادت اسی طرح حقیر معلوم ہوتی جس طرح اب اس عبادت گذار کی عبادت کو تو حقیر سمجھ رہا ہے۔

پس اطاعت و تقویٰ کی آخری منزل تک جانے کی دعوت ہر ایک کو ہے لیکن اس مرحلہ تک جانے والوں کے مراتب میں تفاوت ہے اور ہر شخص اپنی قوتِ معرفت اور طاقتِ ایمان و یقین کی مقدار کے ماتحت اس کی طرف اقدام کرتا ہے اور لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ بھی اسلام کی اسی آخری منزل تک پہنچنے کا پیغام ہے اور قطعاً یہاں اسلام سے اس کا پہلا مرتبہ مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں خطاب ایمان والوں کو ہے اور ایمان کا درجہ اسلام سے بلند ہے بلکہ یہاں اسلام سے اس کا وہ مرتبہ مقصود ہے جو حضرت خلیل نے اپنے لئے طلب کیا تھا اور وہی حق تقویٰ کے مساوی ہے۔

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس آیت پر سوائے اہلبیت رسول کے اور کسی نے عمل نہیں کیا ہم نے اس کا ذکر کیا اور کبھی اس کو فراموش نہیں کیا ہم نے اس کا شکر کیا اور کبھی کفران نہ کیا اور ہم نے ہی اسکی اطاعت کی اور کبھی گناہ نہ کیا اور یہ آیت اتری تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم میں تاب نہیں کہ حق تقویٰ کی منزل کو پہنچ سکیں تب ارشاد ہوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی تقویٰ کرو جس حد تک کر سکو اور معرفت جب حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچتی ہے تو کبھی عبادت سے سیری حاصل نہیں ہوتی ادھر سے ارشاد ہوتا ہے میرے حبیب ہم نے قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑو (پ۱۶) لیکن اس طرف سے جی نہیں بھرتا۔ عرض کرتے ہیں مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اور یہ ہے تقویٰ کی آخری منزل اُدھر سے محبت و پیار کے لہجے میں عبادت کے گھٹانے کی فہمائش اور اِدھر سے رنگ عبودیت میں عبادت کے بڑھانے کی خواہش اور کربلا والوں نے حق تقویٰ کا جو مظاہرہ کیا وہ ان کی منزل حق الیقین کا خوب ترجمان ہے۔ اگر طوالت کا

خوف دامن گیر نہ ہوتا تو اس مقام پر روشنی ڈالی جاتی تاہم تاریخ کی اوراق گردانی کے بعد نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کی تفسیر

۱۔ تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دفعہ اہل یمن کا وفد خدمت اقدس جناب رسالتمآبؐ میں پہنچا تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ وہ قوم ہے جن کے دل نرم اور ایمان راسخ ہیں اور انہی سے منصور ہوگا جو ستر ہزار کی فوج لے کر میرے خلیفہ اور میرے وصی کے خلیفہ کی نصرت کرے گا اور ان کی تلواروں کے میان کھجور کی چھال کے ہوں گے انہوں نے عرض کی حضورؐ آپ کا وصی کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا وہ وہی ہے جس کے متعلق ارشاد ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ انہوں نے عرض کی اس حبل سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا۔ خدا فرماتا ہے اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ اللہ کی طرف سے حبل قرآن مجید ہے اور لوگوں میں سے حبل میرا وصی ہے پھر انہوں نے وصی کا مصداق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ وہی ہے جس کو جنب اللہ کہا گیا ہے کہ ارشاد قدرت ہے اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰہِ (پ ۲۴ زمر) آپ نے فرمایا کہ اسی کو خدا نے سبیل بھی کہا ہے یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا (پ ۱۹ نمل) جس دن ظالم حیرت و حسرت سے اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا۔ کاش میں نے رسول اللہ کے ساتھ سبیل کو پکڑا ہوتا۔ اس سے مراد میرا وصی ہے اور وہی میرے بعد مجھ تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ انہوں نے آپ کو اپنی نبوت کا واسطہ دے کر پھر سوال کیا کہ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا نے اس کو غور کرنے والوں کے لئے آیت و نشانی قرار دیا ہے۔ لہٰذا تم اس مجمع کی صفوں میں غور سے نگاہ کرو۔ پس جس کی طرف تمہارا دل جھک جائے سمجھو کہ وہی ہے پس ان میں سے ابو عامر اشعری، ابو غرہ خولانی۔ ظبیان۔ عثمان بن قیس غرقہ دوسی اور لاحق بن علاقہ نے کھڑے ہو کر تمام صفوں پر نگاہ دوڑائی۔ آخر کار حضرت امیر المومنین علیہ السلام پر ان کی نظر انتخاب نے قرار پکڑا۔ پس جناب رسالتمآبؐ نے ان کی تصدیق و تائید فرمائی اور ان کو نہایت دقیع لفظوں میں خراج تحسین پیش کیا پھر فرمایا کہ تم نے اس کو کس طرح پہچان لیا ہے؟ عرض کرنے لگے حضورؐ! ہم نے جب تمام صفوں کو چھانا تو ہماری نظریں سوائے علی ابن ابیطالبؑ کے کسی پر مطمئن نہ ہوئیں لیکن اس کو دیکھتے ہی آنکھیں سیر ہو گئیں دل ٹھنڈا ہو گیا اور طبیعت میں سکون و اطمینان آگیا پس ہم یہ سمجھے یہ وہی ہوگا۔ پھر آپ نے ان کو دعاوی اور شہادت کی بشارت دی اور جنت کا مژدہ سنایا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ لوگ حضرت امیر علیہ السلام کے ہمرکاب ہو کر جنگ صفین میں شہید ہو کر داخل جنت ہوئے۔

۲۔ حضرت علی ابن الحسینؑ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت رسالتمآبؐ اپنے صحابہ کے ساتھ مسجد میں رونق افروز تھے آپ نے فرمایا ابھی یہاں ایک شخص آئے گا جو اہل جنت سے ہوگا اور کام کی بات پوچھے گا پس فوراً ہی ایک لمبی قد والا جوان جو اہل مصر سے مشابہت رکھتا تھا داخل مسجد ہوا جناب رسالتمآبؐ پر سلام کر کے بیٹھ گیا پھر وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ

پڑھ کر عرض کرنے لگا حضورؐ! فرمائیے حبل اللہ سے کون مراد ہے ؟ آپ نے تھوڑی دیر خاموشی سے سر جھکا کر بلند کیا اور علیؑ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ وہی ہے۔ جس نے اس کے ساتھ تمسک پکڑا وہ دنیا و آخرت میں گمراہی سے محفوظ رہا۔ پس اس شخص نے فوراً اٹھ کر حضرت علیؑ کو گلے لگایا اور اِعْتَصَمْتُ بِحَبْلِ اللّٰهِ یعنی میں حبل اللہ سے تمسک رکھتا ہوں کہتے ہوئے چلا گیا۔ ایک شخص نے اٹھ کر عرض کی یا رسولؐ اللہ۔ اگر اجازت ہو تو میں اس سے بخشش کی دعا کا سوال کروں آپ نے اجازت دی پس وہ باہر آکر اس سے ملا اور طلب بخشش کی اپنے لئے خواہش ظاہر کی اس نے جواب دیا کہ جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ میرا سوال و جواب تو نے سن لیا ہے یا نہیں ؟ اس نے کہا ہاں سُنا ہے پس اس نے جواب دیا کہ اگر تو اسی شخص سے تمسک پکڑے گا (یعنی علیؑ سے) تو تیرے لئے خدا کی بخشش ہے ورنہ نہیں۔

۳- بروایت امالی شیخ - امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ سے مراد ہم ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ الخ میں حبل اللہ سے مراد بھی ہم ہیں۔

۴- جناب رسالتمآبؐ نے مرض موت میں مہاجرو انصار کے مجمع میں ایک خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مہاجر و انصار اور جملہ حاضرین جو اس جگہ موجود ہیں خواہ جن ہوں یا انسان ان کا فرض ہے کہ غیر موجود لوگوں تک میری بات پہنچا دیں اور وہ یہ کہ میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑے جا رہا ہوں جس میں نور و ہدایت اور فرائض خداوندی کا بیان ہے وہ اللہ کی طرف سے اور میری اور میرے ولی کی طرف سے تم پر حجت ہے اور میں تم میں علم اکبر علم دین اور نور و شمع ہدایت علی بن ابیطالبؑ کو چھوڑے جا رہا ہوں اور یہ ہے حبل اللہ اس کے بعد وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ کی آیت تا آخر تلاوت فرمائی اور فرمایا اے لوگو! جو شخص علیؑ سے محبت و تولی رکھے گا اس نے اللہ کے عہد کو پورا کیا اور جس نے اس کے ساتھ بغض و عداوت کو برتا تو وہ بروز محشر اندھا و بہرہ محشور ہوگا اور اس کی کوئی شنید نہ ہوگی۔

۵- عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ہم خدمتِ نبوی میں موجود تھے کہ ایک اعرابی نے پوچھا حضور! آپ فرماتے ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ الخ ہمیں بتائیے تو سہی وہ کون حبل اللہ ہے جس سے ہم کو تمسک کا حکم دیا جارہا ہے تو آپ نے اپنا دستِ مبارک علیؑ کے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا اس کے ساتھ تمسک پکڑو کیونکہ یہی حبل اللہ ہے۔

۶- بروایتِ عیاشی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب حبل اللہ ہیں۔

۷- جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی کہ آل محمد ہی حبل اللہ ہیں جس سے تمسک کا حکم ہے۔

نیز حدیثِ ثقلین جو فریقین میں تواتر سے ثابت ہے بلکہ علمائے حدیث سے مروی ہے کہ یہ حدیث جناب رسالتمآبؐ سے پینتیس صحابہ نے روایت کی ہے اور اس کے بعض حوالہ جات بمعہ اصل عبارات مقدمہ تفسیر انوار النجف صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۹۴ میں ہم نے نقل کر دیئے ہیں۔ لہذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تفرقۂ اُمّت

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ حضرت موسیٰ کی امّت کے اکہتر فرقے ہوئے جن میں سے ایک ناجی اور ستر ناری تھے اور حضرت عیسیٰ کی امّت کے بہتر فرقے ہوئے جن میں سے ایک ناجی اور اکہتر ناری تھے ۔ وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَتَفْتَرِقُ بَعْدِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَةً ۔ فِرْقَةٌ مِنْهَا نَاجِیَةٌ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ اور میری امّت کے تہتر۷۳ فرقے ہوں گے ان میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا اور بہتر ناری ہوں گے ۔ اسی روایت کو ترمذی ابن ماجہ ۔ ابو داؤد اور حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے ۔ گو الفاظ جُدا جُدا ہیں لیکن مطلب ایک ہے (میزان)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امّت کے اکہتر فرقوں میں سے ایک ناجی تھا اور وہ یقیناً وہی تھا جو حضرت موسےٰؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ کے وصی حضرت یوشع کی پیروی میں رہا اور جو ان سے انحراف کرکے اپنی خواہشات کی طرف دوڑ کر الگ ہوگئے وہ ناری ہوگئے اور حضرت عیسیٰ کی امّت کے بہتر فرقوں سے ناجی صرف وہی تھا جو حضرت عیسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے نامزد وصی حضرت شمعون کا پیروکار رہا پس جنہوں نے ان سے علیحدگی اختیار کرکے نئی جماعتوں کی تشکیل کی وہ گمراہ ہوکر ناری ہوگئے اسی طرح حضرت رسالتمآبؐ کی امّت کے تہتر فرقوں سے بھی ناجی فرقہ صرف وہی ہوسکتا ہے جو حضرت رسالتمآبؐ کے بعد ان کے نامزد وصی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کا پیروکار رہے گا اور قرآن مجید نے تفرق کی تردید کرکے صرف حبل اللہ سے تمسک پکڑنے کا حکم دیا ہے جس کا مصداق از روئے احادیث صرف حضرت علیؑ بن ابی طالب ہی ہے اور ان کے بعد ان کی عترت طاہرہ ہے اور نیز حدیث ثقلین کے غیر مبہم الفاظ بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں پس یقیناً امّتِ محمدیہ کے تہتر فرقوں میں ناجی فرقہ صرف وہی ہے جو حضرت علیؑ کا پیروکار ہو اور اس کے علاوہ جس قدر فرقے ہونگے از روئے قرآن و حدیث وہ قطعاً ناجی نہیں ہوسکتے (ہم تفسیر انوار النجف جلد دوم میں ص۱۹۶ تا ص۲۰۱ اس کی مزید وضاحت کرچکے ہیں)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ الخ بعض روایات میں اُمَّةٌ کی جگہ اَئِمَّةٌ ہے جیسا کہ مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اور تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام امّت پہ واجب ہے ؟ تو آپ نے فرمایا ! نہیں ! پھر سوال کیا گیا کہ یہ کیسے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ عہدہ اس شخص کا ہے جو صاحبِ طاقت ہو جس کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہو اور معروف اور منکر کا عالم بھی ہو ایسے شخص پہ یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا جو کمزور ہو اور اسے خود بھی سمجھ نہ ہو کہ کہاں سے کہاں جارہا ہے

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو خیر کی طرف دعوت دے نیکی کا امر کریں

وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۱۰۴ وَلَا تَكُوۡنُوۡا

اور برائی سے روکیں اور وہی ہیں فلاح پانے والے اور نہ ہو جاؤ

كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ‌ؕ

ان لوگوں کی طرح جنہوں نے پارٹی بازی اور اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس دلیلیں پہنچ چکیں

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝۱۰۵

اور ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے

اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ یہ امر خاص ہے عام نہیں جس طرح دوسرے مقام پر ارشادِ خداوندی ہے۔ وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰۤى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ الخ وہاں یہ نہیں فرمایا کہ عَلٰۤى اُمَّةِ مُوۡسٰى یعنی حضرت موسٰی کی قوم میں سے بعض مخصوص اور چند آدمیوں کا یہ عہدہ تھا نہ کہ ساری قوم کا اور اُمَّة کا لفظ جس طرح ایک پر اطلاق ہوتا ہے اسی طرح زیادہ پر اطلاق ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو بھی اُمّت کہا گیا ہے اور اس زمانہ میں اگر ایک شخص کے پاس نہ قوت ہے نہ قبیلہ اور نہ اس کی بات کی لوگوں میں وقعت ہے تو ایسے شخص پر یہ فریضہ عائد نہ ہوگا پھر آپ سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا گیا کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا اِنَّ اَفۡضَلَ الۡجِهَادِ كَلِمَةُ عَدۡلٍ عِنۡدَ اِمَامٍ جَائِرٍ کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے تو آپؑ نے فرمایا کہ اس صورت میں ہے جب اس کی بات قبول کی جاتی ہو اور وہ خود معروف اور منکر کو بھی پہچانتا ہو۔ ورنہ واجب نہ ہو نیز آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مورد مومن ہوتا ہے جو نصیحت قبول کرے یا جاہل جو علم حاصل کرے۔ صاحب تفسیر تلوار و تازیانہ اس کا محل نہیں ہوا کرتا تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کا مصداق آلِ محمدؐ اور ان کے اطاعت گذار ہیں حضرت امیر المومنینؑ نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ منکر سے روکو اور خود بھی رُک جاؤ کیونکہ روکنے کا حکم رُکنے کے بعد ہوتا ہے اور خدا کی لعنت ہے ان لوگوں پر جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود نہیں کرتے اور لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور خود نہیں رُکتے، بروایت تہذیب جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ لوگ جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے اور نیکی پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہیں گے تو ان میں خیر و برکت رہے گی ورنہ برکت ختم ہو جائے گی بعض پر بعض مسلط ہوں گے اور زمین و آسمان میں ان کا کوئی ناصر نہ رہے گا۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ

(یاد کرو) جس دن سفید ہوں گے، بعض، منہ اور سیاہ ہوں گے (بعض) منہ۔ پس وہ لوگ کہ سیاہ ہوں گے ان کے منہ (انکو کہا جائیگا)

اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

کیا تم نے کفر کیا بعد ایمان لانے کے؟ لہذا چکھو عذاب کو۔ بوجہ اس کے کہ تم کفر کرتے تھے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور وہ لوگ کہ سفید ہوں گے ان کے چہرے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہونگے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ اللہ کی آیات ہیں جن کی ہم آپ پر تلاوت ساتھ حق کے کرتے ہیں اور نہیں خدا ارادہ کرتا ظلم کا جہان والوں پہ

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع

اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے اندر ہے اور اللہ کی طرف تمام امور کی بازگشت ہوگی

نیز امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انبیاء کا طریق اور نیک لوگوں کا راستہ ہے اور یہ وہ اہم فریضہ ہے جس سے تمام فرائض کا قیام ہوتا ہے اسی سے مذہب محفوظ، کسب حلال، مظالم رد اور زمین آباد ہوتی ہے۔ الخبر نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ میں تیری قوم کے ایک لاکھ چوبیس ہزار بدکاروں کو مع ساٹھ ہزار نیکوں کے معذب کرنے والا ہوں؟ آپ نے عرض کی۔ بدکار تو خیر لیکن نیکوں کا کیا قصور ہے؟ تو ارشاد ہوا وہ اس لئے کہ یہ ان سے کراہت نہ کرتے تھے اور ان کے فعل سے چشم پوشی کرتے تھے۔

مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا زمین میں اللہ و رسولؐ کا خلیفہ ہوا کرتا ہے نیز فرمایا کہ لوگوں میں سے نیک ترین شخص وہ ہے جو نیکی کا امر کرے اور برائی سے روکے۔

ابو درداء سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرو گے تو خدا تم پر ظالم بادشاہ کو مسلط کر دے گا جو نہ بڑوں کی عزت کرے گا اور نہ چھوٹوں پر رحم کھائے گا اس وقت نیکوں کی دعا قبول نہ ہوگی۔ مدد طلب کرو گے لیکن مدد نہ کئے جاؤ گے۔ فریاد کرو گے لیکن فریاد رسی نہ ہوگی اور استغفار کرو گے تو بخشش نہ ہوگی اور حذیفہ سے مروی ہے کہ لوگوں پہ ایسا زمانہ آئے گا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے مومن سے لوگ گدھے کے مردے کو زیادہ محبوب رکھیں گے۔

اَمَّا الَّذِیۡنَ اسۡوَدَّتۡ ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق کافر ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد بدعت ایجاد کرنے والے اور خواہش پرست ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مرتد لوگ ہیں۔ جو اسلام سے پھر گئے۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ میں بروز محشر حوض کوثر پہ کھڑا ہوں گا کہ بعض لوگوں کو دُور کیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابی ہیں۔ اس وقت جواب ملے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کونسی بدعات کی ہیں؟ یہ لوگ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ چنانچہ کتب صحاح اہل سنّت سے بھی یہی مروی ہے جیسا کہ ہم نے مقدمۂ تفسیر انوار النجف میں باحوالہ نقل کیا ہے صد ۱۵۳، ص ۱۵۴

وَاَمَّا الَّذِیۡنَ ابۡیَضَّتۡ ۔ تفسیر صافی میں تفسیر قمی سے مروی ہے ابوذرؓ کہتا ہے کہ رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ میری اُمّت بروز محشر پانچ علم لے کر میرے پاس پہنچے گی۔ پہلا علم میری اُمّت کے گوسالہ کا ہوگا۔ میں اُن سے ثقلین کے متعلق بازپرس کروں گا تو وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر کی ہم نے تحریف کی تھی اور اس کو پُشت کے پیچھے ڈال دیا تھا اور ثقل اصغر کو اپنی دشمنی و بغض کا نشانہ بنایا تھا اور اس پر ظلم کیا تھا پس میں کہوں گا۔ جاؤ جہنّم رُوسیاہ اور پیاسے ہو کر۔ پھر فرعون اُمّت کا علم مجھ پر وارد ہوگا۔ ان سے بھی میں ثقلین کی بابت سوال کروں گا وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر کو ہم نے بدل ڈالا تھا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس کی مخالفت کی اور ثقل اصغر سے لڑائی و دشمنی کی تھی تو میں کہوں گا جاؤ روسیاہ اور پیاسے ہو کر۔ تیسرے نمبر پر میری اُمّت کے سامری کا جھنڈا مجھ پہ وارد ہوگا اور میں وہی سوال دہراؤں گا وہ کہیں گے۔ ثقلِ اکبر کو چھوڑ دیا تھا اور اس کی نافرمانی کی تھی اور ثقلِ اصغر کو ذلیل و رسوا کیا تھا ان کو بھی میں کہوں گا۔ جاؤ جہنّم روسیاہ ہو کر اور پیاسے ہو کر۔

پھر ذوالثدیہ کا جھنڈا تمام خوارج کی ہمراہی میں مجھ پہ وارد ہوگا اور ان سے بھی وہی سوال کروں گا تو وہ کہیں گے۔ ثقلِ اکبر کو ہم ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ اور ثقلِ اصغر سے لڑے تھے اور ان کو قتل کیا تھا پس ان کو بھی کہوں گا جاؤ جہنّم روسیاہ ہو کر اور پیاسے ہو کر۔ سب سے آخر میں امام المتقین، سید الوصیین، یعنی حضرت علیؑ بن ابی طالب کا جھنڈا فضا میں لہراتا ہوا پہنچے گا اور میں وہی سوال دہراؤں گا۔ تو یہ لوگ جواب دیں گے۔ ہم نے ثقل اکبر کی اطاعت کی تھی اور ثقلِ اصغر سے تولا و محبّت کرتے ہوئے اُن کی نصرت کی تھی۔ یہانتک کہ ہم نے اپنے خون کا آخری قطرہ اُن کی نُصرت میں قربان کر دیا تھا۔ پس میں کہوں گا حوض کوثر سے سیراب ہو کر نورانی و سفید چہروں کے ساتھ جنّت خلد میں چلے جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

ہو تم (محمد وآلِ محمد) بہتر گروہ جو بھیجا گیا لوگوں (کی ہدایت) کے لئے اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بُری باتوں سے

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ

منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کے لئے اچھا ہوتا

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ

ان میں سے بعض ایمان دار ہیں اور زیادہ فاسق ہیں (یہودی لوگ) ہرگز تمہیں ضرر نہ پہنچا سکیں گے

وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سوائے زبانی تکلیف کے اور اگر تم سے لڑیں بھی تو پشت دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی

رکوع ۳

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ - تفسیر برہان اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت اس طرح پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا بہترین اُمّت یہی ہے جس نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے دونوں فرزندوں کو بے جرم و گناہ شہید کر ڈالا؟ قاری نے دریافت کیا حضور! پھر یہ آیت کس طرح اُتری ہے؟ تو آپ نے فرمایا خَيْرَ اَئِمَّةٍ کے لفظ سے نازل ہوئی ہے (یعنی تم بہترین امام وہادی ہو) چنانچہ بعد میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ایمان باللہ کی صفات سے ان کی مدح فرمائی ہے تفسیر عیاشی سے حضرت علی علیہ السلام کی قرأت میں بھی خَيْرَ اَئِمَّةٍ منقول ہے، نیز حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت جناب رسالتمآبؐ اور اس کے اوصیاء طاہرین کے حق میں نازل ہوئی اور موجودہ قرأت کے اعتبار سے اگر لفظ اُمّت بھی ہو تو اس سے عام اُمّت ہرگز مراد نہیں لی جاسکتی بلکہ وہ اُمّت مراد ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دُعا میں عرض کی تھی وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً اور وہ صرف حضرت رسالتمآبؐ اور ان کی عترت طاہرہ ہیں اور غالباً روایاتِ گذشتہ میں خَيْرَ اَئِمَّةٍ بطور تفسیر وتاویل کے کہا گیا ہے جیسا کہ پہلی روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا تعلیلی بیان اس کا شاہد ہے یعنی خَيْرَ اُمَّةٍ کا مصداق عام امّت ہرگز نہیں ہوسکتی جنہوں نے آئمہ طاہرین کے بے گناہ خون میں اپنے ہاتھ رنگے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قرینہ سے یہاں خَيْرَ اُمَّةٍ سے مراد خَيْرَ اَئِمَّةٍ ہے اور اُمّتِ وسطیٰ سے بھی یہی لوگ مراد ہیں۔ اس سے پہلے یہ ارشاد گذر چکا ہے کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا چاہیئے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ

لازم کردی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ پائے جائیں مگر ساتھ عہد اللہ کے اور عہد

مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ

مسلمانوں کے (جبکہ ذمی بن جائیں) اور بازگشت ان کی خدا کا غضب ہوگا اور لازم کردی گئی ان پر خواری

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ

یہ اس لئے کہ وہ انکار کرتے تھے آیاتِ خدا کا اور مار ڈالتے تھے اللہ کے نبیوں کو ناحق

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

یہ اس لئے کہ وہ نافرمان اور سرکش تھے سب اہل کتاب برابر نہیں اہل کتاب میں سے

فریضہ کو انجام دینے والا ہو۔ پس اس جگہ خود ہی اس گروہ کی نشاندہی فرمادی اور بوقت نزولِ آیت باقی آئمہ طاہرین کا موجود نہ ہونا باعثِ حرج نہیں کیونکہ ان کا رئیس حضرت امیر المومنین علیہ السلام موجود تھا اور قرآن چونکہ تاقیامت زندہ ہے لہذا اس کے مصداق کا تاقیامت باقی رہنا ضروری ہے پس ہر زمانہ میں اس آیت کا مصداق باقی رہا اور اب حضرت حجت علیہ السلام اس کا مصداق موجود اور زندہ ہے عَجَّلَ اللّٰهُ فَرَجَهٗ۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ ۔ کہتے ہیں کہ رؤساء یہود باتوں باتوں میں اسلام لانے والے اہل کتاب کو کوستے تھے اور ان کے سامنے وہ اسلام و بانیٔ اسلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے تھے پس مسلمانوں کی دلجوئی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ ۔ یہ ایک پیشین گوئی ہے جو آنحضرت کی نبوت کی صداقت کی واضح اور روشن دلیل ہے کیونکہ یہود مدینہ مثلاً بنی قریظہ بنی نضیر اور بنی قینقاع اور یہود خیبر نے مسلمانوں سے چھیڑنے کی کوشش کی اور بُری طرح رسوا ہوئے۔

يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ ۔ تفسیر صافی اور تفسیر برہان میں کافی و عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں نے ہاتھ اور تلوار سے انبیاء کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کی باتوں کو پھیلا دیا اور ان کے رازوں کو افشار کیا تھا جس کی وجہ سے وہ گرفتار ہو کر قتل کر دیئے گئے پس قتل، سرکشی اور نافرمانی ان لوگوں کی طرف منسوب ہوئی جنہوں نے اس کا افشار راز کیا تھا۔ اور قیامت تک کے لئے جو لوگ اس بدعادت کے مرتکب ہوں گے وہ انہی آیات کے مصداق ہونگے پس اگر ان کی باتوں کے اثرات قتلِ نبی تک پہنچیں تو وہ قاتلِ نبی ہوں گے اور اگر ان کے افشار راز کا انجام قتلِ امام ہو تو قاتلِ امام ہوں گے اور اگر مومن کے قتل کا سبب بنیں گے تو وہ مومن کے قاتل ہوں گے (خدا تمام مومنین کو اس قسم کی بدعادات سے محفوظ رکھے)

أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ایک گروہ ایسا ہے جو (دین پر) ثابت قدم ہے وہ پڑھتے ہیں آیاتِ خدا کو اوقاتِ شب میں درحالیکہ وہ نماز پڑھتے ہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت پر اور امر کرتے ہیں نیکیوں کا اور منع کرتے ہیں

الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا

برائیوں سے اور جلدی کرتے ہیں امورِ خیر میں اور وہی لوگ صالحین میں سے ہیں اور جو

يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ

بھی کریں کوئی نیکی پس اس کی جزا سے محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے تحقیق

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ

جو لوگ کافر ہیں ہرگز نہ بے پرواہ کریں گے ان کو اپنے اموال اور نہ اپنی اولاد اللہ (کے عذاب)

اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

سے کچھ بھی اور وہی اصحابِ نار ہوں گے اور اسی میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

نمازِ تہجّد کی فضیلت

اٰنَآءَ الَّيْلِ - یہ ان لوگوں کی مدح ہے جو نمازِ تہجد میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں ۔ وافی میں کافی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن کے لئے تین چیزیں باعثِ فخر ہیں ① آخر شب میں نماز ② لوگوں کے مال سے بے نیاز ہونا ③ ولایتِ امامِ حق جو اہلبیت سے ہو۔ کتاب تہذیب سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جن گھروں میں نمازِ شب میں تلاوتِ قرآن پاک ہوتی ہے وہ اہلِ سما کے لئے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح اہلِ زمین کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔ نیز آپ سے منقول ہے کہ مومن کا شرف ہے نمازِ شب پڑھنا اور مومن کی عزت ہے لوگوں کی ناموس سے ہاتھ روکنا نیز آپ نے نمازِ شب کی تین خاصیتیں بیان فرمائی ہیں۔ ① چہرہ کو روشن کرتی ہے ② منہ کی بُو کو پاکیزہ کرتی ہے ③ رزق کو بڑھاتی ہے اس کے علاوہ متعدد روایات میں ہے کہ

نمازِ شب وسعتِ رزق کی موجب ہے۔ جناب رسالتمآبؐ نے ابوذر کو فرمایا کہ جس کا خاتمہ نمازِ شب سے ہو اس کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نمازِ شب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ثواب کی خاطر پورے خلوص کے ساتھ رات کا دسواں حصہ نمازِ شب پڑھے تو خدا ملائکہ کو حکم فرماتا ہے کہ اس رات میں اگنے والی تمام انگوریوں پتوں اور درختوں کی تعداد کے برابر اس کے نامہ اعمال میں اس کی حسنات درج کرو۔ اور اگر رات کا نواں حصہ عبادت کرے تو خدا اس کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور بروزِ محشر اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور جو شخص رات کا آٹھواں حصہ عبادت میں بسر کرے تو اس کو ایک شہید کا ثواب عطا ہوگا اور اس کو اپنی اہلبیت میں شفاعت کا حق دیا جائے گا اور جو شخص رات کا ساتواں حصہ پڑھے تو جب وہ قبر سے محشور ہوگا اس کا منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا اور پرامن پل صراط سے عبور کرے گا اور جو شخص رات کا چھٹا حصہ عبادت میں بسر کرے وہ اوابین کی فہرست میں شمار ہوگا اور اس کے گذشتہ گناہ معاف کئے جائیں گے اور جو رات کا پانچواں حصہ عبادت کرے اُسے حضرت ابراہیمؑ خلیل کے بالمقابل قبۂ نور عطا ہوگا اور جو رات کا چوتھائی حصہ عبادت کرے وہ نجات پانے والی پہلی جماعت میں ہوگا اور تیز ہوا کی طرح پل کو عبور کر جائے گا اور جنت میں بلاحساب پہنچے گا اور جو شخص تہائی رات عبادت خدا میں مصروف رہے تو اس کی منزلت قرب پر تمام ملائکہ رشک کریں گے اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں جس دروازہ سے چاہے گذرے اور جو شخص نصف شب عبادت میں گذارے تو اس کو اس قدر ثواب ملے گا کہ ہزار گنا اس زمین سے زیادہ سونا بھی اس جگہ کو پُر نہ کر سکے گا اور اولادِ اسمٰعیل میں سے ستر غلاموں کے آزاد کرنے سے بھی اس کا ثواب زیادہ ہوگا اور جو شخص دو تہائی رات عبادت میں بسر کرے تو ریگ صحرا کے دانوں سے اس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور اس کی ہر نیکی کوہِ اُحد سے دس گنا زیادہ وزنی ہوگی اور جو شخص تمام رات نماز میں تلاوتِ قرآن کے ساتھ گذار دے اور رکوع سجود اور ذکر میں مصروف رہے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک کیا جائیگا جس طرح نوزائیدہ بچہ اور تمام خلقِ خدا کے برابر اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی اور اسی قدر ہی اس کو درجات عطا ہوں گے اس کی قبر نورانی ہوگی حسد و کینہ اس کے دل سے دُور کیا جائے گا۔ عذابِ قبر سے محفوظ ہوگا جہنم سے آزادی کا پروانہ اس کو دیا جائے گا۔ امن پانے والوں میں مبعوث ہوگا اور خدا فرشتوں سے خطاب فرمائے گا کہ دیکھو میرے اس بندے نے میری رضامندی کی خاطر رات آنکھوں سے گذار دی پس اس کی جگہ جنت الفردوس میں تیار کرو جس میں اس کے لئے ایک ہزار شہر ہوں گے کہ ہر شہر میں اس کے لئے تمام وہ سامان موجود ہو جو سرورِ قلب اور خنکیٔ چشم کا باعث ہو جو اب تک کسی فردِ بشر کے دل میں بھی نہ گذرا ہو اور میرا قرب اور کرامت اس کے علاوہ ہے (وافی)

مسئلہ:- نمازِ تہجد کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہو کر طلوعِ صبح تک رہتا ہے البتہ بعض معذوریوں کے ماتحت نصف شب سے قبل بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔

مسئلہ:- نمازِ شب کل ۱۱ رکعت ہوتی ہے۔ پہلی آٹھ رکعتیں بنیت نمازِ تہجد دو، دو رکعت کر کے پڑھے اور پھر دو رکعت نمازِ شفع اور پھر ایک رکعت نمازِ وتر پڑھے۔ نمازِ تہجد میں ہر دوسری رکعت میں قنوت مستحب ہے اور نمازِ شفع میں قنوت نہیں ہے اور نمازِ وتر میں قنوت پڑھے جس میں کم از کم چالیس مومنوں کے لئے دعائے مغفرت اور ستر مرتبہ استغفار پڑھے اور تین سو دفعہ

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ

جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں وہ اس طرح (برباد ہے) جیسے ایک ہوا جس میں سخت خشکی ہو پڑ جائے

حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ

اس قوم کی کھیتی پر جنہوں نے اپنے اُوپر ظلم کیا پس وہ ہوا اس کو برباد کردے اور نہیں ظلم کیا ان پر خدا نے بلکہ وہ

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ

خود اپنے اُوپر ظلم کرتے ہیں اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنے بھیدی دوست سوائے اپنوں کے (کیونکہ) وہ نہیں کوتاہی کرتے تمہاری

خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ

ضرر رسانی میں وہ چاہتے ہیں کہ تم مشقت میں پڑو ان کا بغض و عناد ان کے مونہوں سے ظاہر ہے اور ان کے دلوں

صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ھٰٓاَنْتُمْ

میں جو مخفی ہے وہ اس سے زیادہ ہے ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کردیں اگر تم عقل رکھتے ہو دیکھئے! تم ان

العفو پڑھے۔ یہ مختصر طریقہ ہے نماز تہجد کا، اس کی پوری تفصیل اور جملہ ادعیہ کتب اعمال میں موجود ہے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ ۔ اس میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ ۱۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے بدر و اُحد میں حضرت رسالتمآب کے مقابلہ میں جو کچھ خرچ کیا تھا۔ ۲۔ عوام یہود جو کچھ اپنے علماء کو بطور رشوت یا خدمت کے دیتے تھے۔ ۳۔ کفار کے جملہ صدقات و خیرات۔ یہ تمام اس طرح رائیگاں ہیں جس طرح کسی کھیتی کو تند و سرد ہوا برباد کردے۔ نہ دنیا میں اس کا کچھ فائدہ ان کو ملا کیونکہ شکست خوردہ ہوئے اور نہ آخرت میں اس کا کچھ فائدہ ان کو ہوگا بلکہ اُلٹا زیادہ عذاب کے سزاوار ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ مسلمانوں کا ایک گروہ اپنی سابقہ دوستی قرابت پڑوس اور قسم کی بنا پر یہودیوں سے میل جول رکھتا تھا اور بعض اوقات ان سے اپنے راز تک بیان کردیتا تھا پس خدا نے ان کو اپنی اس غلطی سے متنبہ فرمایا اور ان کو اپنا رازدار بنانے سے روکا۔ نیز یہ آیت صرف انہیں لوگوں کے لئے مختص نہیں بلکہ تاقیامت ایمان والوں کو دعوت دی گئی ہے کہ اپنی دوستی و محبت کو صرف ایمانی بھائیوں تک محدود رکھیں اور غیر مومن سے سلسلۂ محبت چھوڑ دیں کیونکہ وہ ظاہراً محبت کا اظہار کرتے ہیں اور دل میں ان کی ہلاکت کے خواہشمند ہوا کرتے ہیں۔

أُولَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَإِذَا لَقُوكُمْ

سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم ایمان رکھتے ہو تمام کتابوں پر اور جب وہ تم سے ملتے ہیں

قَالُوٓا اٰمَنَّا ۖ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا

تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو کاٹتے ہیں تمہارے اوپر اپنی انگلیاں غصے سے فرما دیجئے مر جاؤ

بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ

اپنے غصہ کی وجہ سے تحقیق اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی باتوں کو اگر تمہیں چھو جائے کوئی بھلائی

تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ

تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ضرر نہ دے گا

وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ - یہاں لفظ کتاب اگرچہ واحد ہے لیکن مراد جمع ہے یعنی کتاب سے یہاں جنس کتاب مراد ہے یا یہ کہ کتاب مصدر ہے اور مراد تمام کتب آسمانی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تم تمام کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہو اور وہ لوگ تمہاری کتاب (قرآن مجید) کو نہیں مانتے پھر باہمی دوستی کیسی؟

إِنْ تَمْسَسْكُمْ - یعنی ان کی تمہارے ساتھ قلبی دشمنی اس سے واضح ہے کہ جب تم کو معمولی سا فائدہ بھی حاصل ہو جائے تو انہیں برا لگتا ہے اور جب تم کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو وہ خوش ہوتے ہیں پہلے مقام پر مساس اور دوسرے مقام پر اصابہ کا استعمال جس باریکی و دقت کی طرف اشارہ ہے اسے صاحبانِ ذوق خوب سمجھ سکتے ہیں اور یہ معنوی خوبیاں صرف اسی کلام بلاغت نظام کا ہی حصہ ہیں یعنی اگر کوئی بھلائی تمہیں معمولی طرح چھو بھی جائے تو ان کو دلی کوفت ہوتی ہے اور دوسری طرف اگر اچھی خاصی تکلیف پہنچے تو وہ فرحت محسوس کرتے ہیں اور کسی کی کسی کے ساتھ حد درجے کی دشمنی کی علامت بھی یہی ہوا کرتی ہے

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا - اہل ایمان کو خداوند عالم نے جگہ بہ جگہ صبر و تقویٰ کی تلقین فرمائی ہے اور یہ دونوں چیزیں معرفت سے حاصل ہوتی ہیں معرفت جس قدر زیادہ ہوتی ہے برداشت کی ہمت اسی قدر زیادہ ہوا کرتی ہے اور تقویٰ کی منازل میں بھی اسی نسبت سے ترقی ہوتی ہے احکام خداوندی پر صبر و سکون اور اطمینان و رضا کے ساتھ عمل پیرا رہنا اور اس معاملہ میں کسی کی طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کرنا صبر ہے اور اللہ کی نافرمانیوں سے دامن بچا کر رہنا اور خواہشات نفس کی اتباع سے گریز کرنا تقویٰ ہے اور درحقیقت صبر و تقویٰ ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب انسان معرفت و دانش اور عمل و کردار سے اس منزل پر فائز ہو جائے تو اس پہ کسی کے مکر و فریب کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ کسی کی طعن و تشنیع یا ایذا رسانی اسے اپنی منزل سے ذرہ بھر بھی پیچھے ہٹا سکتی ہے۔

كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾ وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ

تمہیں ان کا فریب کچھ بھی تحقیق اللہ احاطہ کرنے والا ہے اس کا جو کچھ وہ کرتے ہیں اور جب صبح کو آپ گھر سے باہر

أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾

نکل کر معین فرما رہے تھے مومنوں کے لئے ٹھکانے لڑائی کے اور خدا سننے اور جاننے والا ہے

إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ

جب ارادہ کیا تم میں سے دو گروہوں نے کہ بزدلی کریں اور خدا ان کا ناصر تھا اور اللہ پر ہی مومنوں

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾

کو توکل کرنی چاہیئے

رکوع ۴

جنگِ اُحد

وَإِذْ غَدَوْتَ - اس کے نزول میں اختلاف ہے لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی مروی ہے کہ یہ جنگ اُحد کے متعلق ہے جیسا کہ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے۔ جنگِ احد ۳ھ ماہِ شوال میں پیش آیا۔ واقعہ اس طرح ہے کہ جب قریش مکہ جنگ بدر میں بُری طرح شکست خوردہ ہو کر واپس مکہ میں پہنچے کیونکہ جنگِ بدر میں ان کے ستر سرآوردہ آدمی قتل ہوئے تھے اور ستر قید ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے قریش سے کہا کہ عورتوں کو اپنے مقتولین پر رونے نہ دیا جائے کیونکہ جہاں ایک طرف ہمارے دشمن (محمدؐ) خوش ہوں گے وہاں دوسری طرف رونے اور آنسو بہانے سے غم غلط ہو جائے گا اور دل میں جذبۂ انتقام نہ رہے گا پس بنی کنانہ اور دیگر اپنے حلیف قبائل عرب سے کافی فوج اور اسلحہ مہیا کر کے آمادہ جنگِ اُحد ہوئے چنانچہ پانچ ہزار کا لشکر لے کر نکلے جن میں تین ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ تھے اور عورتوں کو بھی ساتھ لائے تاکہ اپنے مردوں کو جوش دلائیں ابوسفیان اپنے ساتھ ہند بنت عتبہ کو لایا نیز عمرۃ بنت علقمہ حارثیہ بھی ان کے ساتھ تھی۔ جب جنابِ رسالتمآبؐ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ مجھے بذریعہ وحی خبر پہنچی ہے کہ قریش ایک لشکرِ عظیم لے کر مدینہ پر چڑھائی کر رہے ہیں پس آپ نے صحابہ کو جہاد پر آمادہ کیا۔ عبداللہ بن ابی سلول اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نہ جانا چاہیئے بلکہ یہیں لڑیں گے کیونکہ یہاں رہتے ہوئے ہمارے کمزور آدمی عورتیں۔ غلام اور کنیزیں بھی گلیوں کے موڑ

میں چھتوں پر اپنا بچاؤ کرکے دشمن سے حسب استطاعت لڑ سکیں گے اور ہمارا تجربہ ہے کہ جب کبھی ہم دشمن سے اس طرح لڑے ہیں تو ہم کامیاب ہوئے ہیں اور جب بھی ہم گھروں کو چھوڑ کر لڑنے کے لئے باہر نکلے ہیں تو ہم شکست خوردہ ہوئے ہیں پس سعد بن معاذؓ اور قبیلہ اوس کے بعض آدمی اٹھے اور عرض گذار ہوئے حضورؐ! جب ہم مشرک تھے اور بت پرست تھے اس وقت بھی عرب کا کوئی قبیلہ ہم سے لڑنے کی جرأت نہ رکھتا تھا اب جبکہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہے کس طرح دشمن ہم پر فتح یابی کی توقع رکھتا ہے۔ ہم بزدلی اور کمزوری کا اظہار کیوں کریں بلکہ ہم ضرور باہر نکل کر کھلے میدان میں جان توڑ کر لڑیں گے ہم میں سے جو قتل ہوگا شہید ہوگا اور جو بچ جائے گا مجاہدین میں اس کا نام باقی رہے گا پس آپ کو یہ مشورہ پسند آیا اور اپنے صحابہ کی جماعت کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے اور لڑائی کے مواقع پر صحابہ کو تعینات فرمایا چنانچہ یہ آیت اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

جناب رسالتمآبؐ صحابہ سے مشورہ لینے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر آئے اور فرمایا کسی نبی کے لئے درست نہیں کہ زرہ پہن کر لڑائی کئے بغیر اسے اتار دے پس آپ سات سو مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہوئے اور عبداللہ ابن اُبی مع اپنی جماعت کے نہ آیا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ایک ہزار کی جماعت کے ساتھ نکلے لیکن جب مدینہ اور اُحد کے درمیان ایک مقام پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی واپس پلٹ گیا اور اس کے ساتھ ایک تہائی فوج بھی واپس ہوگئی۔ مسلمانوں کے دو گروہ بنو سلمہ قبیلہ خزرج سے اور بنو حارثہ قبیلہ اوس سے جو انصار میں سے تھے انہوں نے بھی عبداللہ بن اُبی کی جماعت سے مل کر واپس ہونے کا ارادہ کیا لیکن توفیق خداوندی ان کے شامل حال ہوئی پس وہ ثابت قدم رہ گئے چنانچہ قرآن مجید کی آیت میں انہی کی طرف اشارہ ہے پس جناب رسالتمآبؐ اپنی فوج کے ساتھ کوہِ احد کے دامن میں قیام پذیر ہوئے اور فوجی کیمپ کے لئے ایسی جگہ کو منتخب فرمایا جہاں پیچھے سے پہاڑ اور سامنے کی طرف لڑنے کا میدان تھا۔ پہاڑ میں ایک درہ تھا جہاں سے یہ امکان تھا کہ شاید دشمن اس درہ سے آکر پیچھے سے حملہ کر دیں تو وہاں عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ اگر دشمن (خدانخواستہ) غالب آکر ہم کو مدینہ پہنچا دیں یا ہم غلبہ کی صورت میں دشمن کو مکہ پہنچا دیں۔ ہر دو صورت میں جب تک میرا حکم ثانی نہ پہنچے تم لوگ اس درہ پر ثابت قدم رہنا اور اس کو نہ چھوڑنا۔ اس طرف ابوسفیان نے خالد بن ولید کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ کمین گاہ پر مقرر کیا کہ جب دونو فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں تو تم اس درہ سے گذر کر پیچھے سے حملہ آور ہو جانا۔

حضرت رسالتمآبؐ نے فوج کا علم حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے حوالہ کیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ انصار نے ایک ہی حملہ میں کفّار قریش کے دانت کھٹے کر دیئے پس ان میں بھاگڑ پڑگئی تو ادھر صحابہ نے کفّار کے اموال میں لوٹ شروع کر دی۔ خالد بن ولید نے درہ سے آنا چاہا لیکن عبداللہ بن جبیر اور اس کے ہمراہیوں نے اس کو پسپا کر دیا۔ جب عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے دیکھا کہ کفّار بھاگ گئے ہیں اور صحابہ لوٹ کھسوٹ میں مشروع ہیں تو انہوں نے عبداللہ بن جبیر سے لوٹ میں شرکت کے لئے اجازت چاہی تو عبداللہ نے جناب رسالتمآبؐ کا فرمان دھرا کر ان کو اس ارادہ سے باز رہنے کی تلقین کی لیکن انہوں نے نہ مانی اور ایک ایک دو دو ہو کر وہاں سے کھسکنا شروع کر دیا یہاں تک کہ عبداللہ بن جبیر کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے۔

جنگ کی صورت یہ تھی کہ قریش کا علم قبیلۂ عبدالدار کے ایک شخص طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا (اس کو کبش الکتیبہ کہتے تھے) اس نے میدان میں قدم رکھتے ہی ان الفاظ سے مبازرطلبی شروع کر دی اے محمدؐ! تمہارا عقیدہ ہے کہ ہم میں سے جو تمہارے ہاتھوں قتل ہو تو وہ دوزخ جاتا ہے اور تمہارا جو بندہ ہم قتل کریں وہ شہید ہوتا اور جنّت میں اس کا مقام ہوتا ہے پس تم میں جس کو جنّت کی شوق ہو وہ میرے مقابل میں آئے اور جنّت میں جائے پس اس طرف سے حضرت امیر علیہ السلام نکلے اور ان اشعار سے رجز خوانی فرمائی

یَا طَلْحَ اِنْ کُنْتَ کَمَا تَقُوْلُ لَکُمْ خُیُوْلٌ وَلَنَا نُصُوْلُ

فَاثْبُتْ لِنَنْظُرَ اَیُّنَا الْمَقْتُوْلُ وَاَیُّنَا اَوْلٰی بِمَا تَقُوْلُ

فَقَدْ اَتَاکَ الْاَسَدُ الصَّئُوْلُ بِصَارِمٍ لَیْسَ لَهٗ فُلُوْلُ

یَنْظُرُهُ الْقَاهِرُ وَالرَّسُوْلُ

"اے طلحہ اگر تیری بات سچی ہے کہ تمہارے لئے گھوڑے اور ہمارے لئے تلوار کے پھل ہیں۔ ٹھہر پھر دیکھ ہم میں سے کون مقتول ہوگا اور کون تیرے مقولے کا سزاوار ہوگا۔ اب تیرے سامنے شیر جری ہے جس کی قاطع تلوار کبھی کند نہیں ہوتی جس کی جنگ کا تماشا خدا اور رسول دیکھنے والے ہیں۔

طلحہ نے سوال کیا۔ آپ کون ہیں؟ فرمایا علی بن ابی طالب ہوں تو کہنے لگا اے قضیم۔ مجھے پتہ تھا کہ تیرے سوا میرے مقابلہ کی اور کوئی جرأت نہ کرے گا۔ پس اس نابکار نے وار کیا۔ آپ نے اس کو جرأت سے رد کیا پھر اس پر ایسا وار کیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا اس کے فی النار ہو جانے کے بعد فوج قریش کا علم طلحہ کے بھائی ابو سعید بن ابی طلحہ نے سنبھالا اور وہ بھی ایک جنبش ید اللّٰہی سے لقمۂ اجل ہوا پھر اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے علم لیا وہ بھی ایک ضربت حیدری سے واصل بجہنم ہوا پس مسافع بن ابی طلحہ کی باری آئی وہ بھی جہنم زدوں میں داروغۂ جہنم کے سپرد ہوا پھر حارث بن ابی طلحہ علم لے کر آگے بڑھا تو حضرت علیؑ نے ایک ہی حملہ میں اس کو اپنے باقی بھائیوں کے عقب میں خازن نار کے حوالہ کر دیا پھر یکے بعد دیگرے ابو عزیز بن عثمان اور عبداللہ بن جمیلہ بن زہیر علم لے کر آگے بڑھے اور ڈھیر ہو گئے پھر ایک اور شخص نے علم لیا اور آخر میں نویں مرتبہ ارطاۃ بن شرجیل نے علم پکڑا اور صولت حیدری کا ذائقہ چکھ کر دوزخ کا راستہ لیا۔ جب بنی عبدالدار کے نو چیدہ نشانچی قتل ہو گئے تو ان کے ایک غلام صواب نامی نے علم اٹھا لیا اور حضرت امیرؑ کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت امیرؑ نے ایک حملہ سے اس کا دایاں ہاتھ جدا کر دیا۔ اس نے پھرتی سے علم دوسرے ہاتھ میں لیا پس حضرت امیرؑ نے اس کو دوسرے وار سے جُدا کر دیا تو اُس نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے سینے کے سہارے علم کو بلند کئے رکھا لیکن اب کی مرتبہ جو حضرت امیرؑ نے اس کے سر پر تلوار رسید کی تو موت نے اس کو آغوش میں لے کر نہایت اطمینان سے اسے بھی دربانِ دوزخ کے حوالہ کر دیا پس کفار قریش میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی تو انہوں نے میدان سے بھاگنے کی صورت اختیار کی عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے جب علم کو زمین پر پڑا ہوا پایا اور دیکھا کہ قریش کے قدم اکھڑ گئے ہیں تو اُس نے بڑھ کر فوراً علم کو بلند کیا اور قریشیوں کو لعن طعن کر کے واپس آنے اور جنگ کرنے کی دعوت دی۔ ادھر جب عبداللہ بن جبیر کو چھوڑ کر اس کے ساتھی لوٹ کھسوٹ

میں شامل ہوئے تو خالد بن ولید جو ایک مخصوص دستے کے ساتھ اسی درہ پر کمین لگائے بیٹھا تھا اس نے درہ کو خالی دیکھ کر دوسرے ساتھیوں سمیت حملہ کر دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن جبیر اپنے بارہ ہمراہیوں سمیت وہیں شہید ہو گیا اور خالد بن ولید نے درہ سے گذر کر پیچھے سے فوجِ اسلام پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ تو نہایت اطمینان سے لوٹنے میں مشغول تھے انہیں کیا معلوم تھا کہ ابھی کوئی ہماری تاک میں بھی ہے۔ اس طرف میدان سے جاتے ہوئے جب کفارِ قریش نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو علم بلند تھا۔ انہوں نے سمجھا ابھی ہمارا کوئی نشانچی و علمبردار باقی ہے پس ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور فوجِ اسلام ہر دو طرف سے محاصرہ میں آگئی اب ان کو لوٹ بھی بھول گئی اور میدان سے بھاگنے کی سوجھی چنانچہ پہاڑی جانوروں کی طرح بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھتے تھے حضرت رسالتمآبؐ نے اپنے سرِ مبارک سے خود کو ہٹا کر آوازیں دیں کہ میں رسولخداؐ زندہ ہوں تم کدھر جا رہے ہو؟ لیکن پیچھے مڑ کر بھی کسی میں دیکھنے کی جرأت نہ تھی۔

لشکر قریش میں ہند بنت عتبہ (مادر معاویہ) یہ پارٹ ادا کر رہی تھی کہ جب بھی کوئی قریشی بزدلی کا اظہار کرتا تھا تو یہ سُرمہ اور سلائی اس کے پیش کر کے کہتی۔ یہ لو تم سُرمہ لگا کر گھروں میں پردہ نشین بن بیٹھو۔ لڑنا مردوں کے لئے ہوا کرتا ہے (گویا تم نامرد ہو)

حضرت حمزہ نے اس جنگ میں وہ جوہر شجاعت دکھائے کہ کفار میں اس کے مقابلہ کی ہمت نہ رہی جب یہ جری شیرانہ وار آگے بڑھتا تھا تو کسی کافر کے اس کے سامنے قدم نہ جم سکتے تھے۔ آخر کار ہند نے ایک حبشی کو انعام کا لالچ دیا تاکہ محمدؐ یا علیؑ یا حمزہؓ میں سے کسی ایک کو قتل کر دے وہ وحشی جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس نے جواب دیا کہ محمدؐ کو قتل کرنا میرے بس کا روگ نہیں اور علیؑ کا قتل بھی کارے دارد۔ کیونکہ وہ بھی پوری طرح چوکنے ہو کر نہایت ہوشیاری سے میدان کارزار میں مصروفِ حرب و ضرب ہیں البتہ حضرت حمزہؓ کے لئے کوشش کروں گا۔ چنانچہ یہ چھپ کر ایک مقام پر تاک میں بیٹھا ادھر جنگ کرتے ہوئے حضرت حمزہؓ جب اس کے پاس سے گذرے تو اتفاقاً ایک غیر ہموار جگہ سے ان کا قدم پھسلا اور وہ گر پڑے پس اس نابکار نے فوراً نیزہ سنبھالا اور اُن کے پہلو مبارک پر اس زور سے مارا کہ وہ پار ہو گیا اور آپ نے جام شہادت نوش فرما کر جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔ اس ملعون نے ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا جگر نکالا اور ہند کو بطور ہدیہ پیش کیا چنانچہ اس ملعونہ نے اس کو اپنے حسد کی آگ ٹھنڈا کرنے کی خاطر اپنے منہ میں چبایا بقدرتِ خدا وہ پتھر کی طرح سخت ہو گیا پس اس نے اس کو منہ سے نکال کر پھینک دیا جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ ملائکہ نے اسے حضرت حمزہؓ کے جسم میں اپنے اصلی مقام پر رکھ دیا اور بعض روایات میں ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کیونکر ممکن تھا کہ حمزہ کا کوئی حصہ نار میں جاتا؟ پس ہند خود آئی اور اس نے حضرت حمزہ کے ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالے اور لاش کا اس طرح مثلہ کیا کہ وہ دیکھنے کے قابل نہ رہی۔ حضرت رسولخداؐ لاش پر بہت روئے۔

متفق علیہ روایات کے ماتحت جناب رسالتمآبؐ کے پاس سوائے ابو دجانہ انصاری اور حضرت امیر علیہ السلام کے اور کوئی نہ رہا میزان بروایت قمی۔ نسیبہ بنت کعب مازنیہ بھی جناب رسالتمآبؐ کے پاس ثابت قدم رہی یہ ہمیشہ جنگوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ زخمیوں کے علاج کے لئے حاضر ہوا کرتی تھی اس دفعہ اس کا بیٹا بھی حاضر تھا جب اس نے بھاگنا چاہا تو ماں نے اسے لعن طعن کر کے بھاگنے سے روک لیا چنانچہ وہ ثابت قدم رہا اور بالآخر شہید ہو گیا اس نیک نصیب عورت نے اپنے بیٹے کی تلوار لے

کر حملہ کیا اور ایک کافر کو تہہ تیغ کر ڈالا جناب رسالتمآبؐ نے اس کے لئے خیر و برکت کی دُعا کی پس اس نے پروانہ وار آنحضرت کے جسم کی حفاظت کی اور اس سلسلہ میں اپنے جسم پر کافی زخم برداشت کئے اس نے آنحضرت کے کہنے پر ایک ڈھال اٹھا کر مردانہ وار جہاد کر کے حضورؐ کی حفاظت کا فریضہ بھی ادا کیا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ فلاں و فلاں بھاگنے والوں سے تو نسیبہ کا درجہ افضل ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام کی یہ حالت تھی کہ جب بھی کوئی گروہ جناب رسالتمآبؐ پر حملہ آور ہوتا تھا تو حضرت علیؑ ان کو اپنی جرأت و شجاعت سے پسپا کرتے تھے۔ یہانتک کہ تلوار شکستہ ہو گئی پس حضرت رسالتمآبؐ نے ان کو ذوالفقار عنایت فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت نے درخت خرما کی خشک شاخ توڑ کر دی جو تلوار آبدار بن گئی اور بروایت حضرت صادق علیہ السلام جبرئیل آسمان و زمین کے درمیان سنہری کرسی پر بیٹھ کر یہ کہہ رہے (لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار لَا فَتٰى اِلَّا عَلِي) اور حضرت رسالتمآبؐ سے یہ کہہ رہے تھے کہ حضور! ہمدردی و وفاداری اسی کا نام ہے جو علیؑ سے ظاہر ہے تو آپ نے فرمایا اِنَّهٗ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں پس جبرئیل نے جواب دیا میں تم دونوں میں سے ہوں اس جنگ میں حضرت علیؑ کے جسم مبارک میں باختلاف روایات ستر یا نوے زخم لگے جو سب کے سب سامنے کی طرف تھے۔

مورخین نے ذکر کیا ہے کہ کفار قریش ۳ھ ماہ شوال بروز بدھ احد میں اترے تھے اور جناب رسالتمآبؐ نے اپنی فوج کے ساتھ بروز جمعہ اور بعد از نماز جمعہ نزول اجلال فرمایا تھا اور یہ لڑائی بروز سنیچر واقع ہوئی تھی جبکہ چاند کی پندرھویں تھی (میزان) اور بعض روایات میں چاند کی ساتویں منقول ہے (دمعۂ ساکبہ)

عمرو بن قیس جو دل سے اسلام کی صداقت کا قائل تھا ابھی تک اس نے ظاہری طور پر اقرار شہادتین نہیں کیا تھا جب اس نے سُنا کہ حضرت رسالتمآبؐ خود بنفس نفیس ڈھال تلوار لے کر مصروف جہاد ہیں شیر غضبناک کی طرح آگے بڑھا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کر کے بحر جنگ میں غوطہ زن ہوا اور جام شہادت نوش فرما کر داخل جنت ہوا ابھی تک اس میں رمق جان باقی تھی کہ ایک انصاری کا پاس سے گذر ہوا۔ اس نے پوچھا کیا تو آبائی دین پر باقی ہے؟ اس نیک بخت نے جواب دیا نہیں بلکہ میں توحید و رسالت کی شہادت کا اقرار کر چکا ہوں پھر وہ جاں بحق ہو گیا۔ جب حضورؐ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ بے شک وہ مسلمان ہو کر شہید ہوا ہے اور یہی وہ ایک شخص ہے جس نے نماز کی ایک رکعت تک نہیں پڑھی اور مر کر جنت میں پہنچا ہے (برہان مجمع البیان)

حضرت حنظلہ نے اسی رات عبداللہ بن ابی سلول کی لڑکی سے شادی کی تھی اور شب باشی کے لئے حضورؐ سے اجازت طلب کی تھی چنانچہ سورۂ نور کی آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الخ اسی کے متعلق اتری ہے پس آپ نے اس کو اجازت دی چنانچہ رات کو وہ اپنی عروس سے ہمبستر ہو کر صبح سویرے حالت جنب سے جنگ میں حاضر ہو گیا اور بالآخر شہید ہوا جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ ملائکہ آسمان و زمین کے درمیان اس کو غسل دے رہے ہیں چنانچہ اس کے بعد سے اس کو غسیل ملائکہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں عتبہ بن ابی وقاص نے حضورؐ کے دانت مبارک کو شہید کیا اور چہرۂ انور کو بھی زخمی کیا۔ ابن قمیہ نے آپ پر حملہ کیا اور پھر بہ آواز بلند کہا کہ لات و عزیٰ کی قسم میں نے محمدؐ کو قتل کر ڈالا ہے اور ابلیس ملعون نے بھی اعلان کیا کہ محمدؐ مارا گیا۔

چنانچہ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو مخدومۂ کائنات حضرت فاطمہ زہراؑ پریشان حال تشریف لائیں اور اپنے باپ کا خون آلود چہرہ دیکھ کر بہت روئیں اور آنحضرت نے ان کو تسلّی دی۔ بنا برمشہور حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہنچیں اور جناب رسالتمآبؐ نے ان کو تسلّی دی۔

دمعۂ ساکبہ میں بحارالانوار سے مروی ہے کہ اس روز ہاتف سے حضرت رسالتمآبؐ کو یہ ندا پہنچی۔

نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ   تَجِدْهُ عَوْنًا لَكَ فِي النَّوَائِبِ

كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِيْ   بِوِلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ

لڑائی ختم ہونے کے بعد حضرت رسالتمآبؐ نے سعد بن ربیع کے متعلق پوچھا اور فرمایا کہ میں نے اس پر بارہ نیزے پڑتے دیکھے چنانچہ ایک شخص اس کی تلاش میں نکلا تو دیکھا کہ مقتولین میں زخمی پڑا ہوا ہے اور اس میں رمق جان باقی ہے اس نے اس کو آواز دی لیکن جواب نہ ملا پھر آواز دی کہ رسولؐ اللہ تجھے یاد کر رہے ہیں پس اس نے سر بلند کیا اور خوشی کے مارے اس کے جسم میں تڑپ پیدا ہوئی پھر پوچھا کیا رسولؐ خدا زندہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں زندہ ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے سعد پر بارہ نیزے پڑتے دیکھے ہیں۔ سعد نے جواب دیا الحمدللہ بے شک رسولؐ کی زبان سچی ہے اور مجھے بارہ نیزے لگے ہیں کہ ہر ایک ان میں سے میرے لئے پیغامِ موت تھا۔ میری قوم انصار کو میرا سلام کہنا اور یہ پیغام پہنچا دینا کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے اگر رسولؐ خدا کو ایک کانٹا کی بھی تکلیف پہنچی تو تمہارا خدا کے سامنے کوئی عذر بھی مسموع نہ ہوگا پس یہ کہہ کر اس نے سرد آہ کھینچی اور اس کا رُکا ہوا خون ایک مرتبہ جوش مار کر نکلا اور اس نے جان جان آفرین کے حوالہ کی جب رسالتمآبؐ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی کہ خدا سعد پر رحم کرے جس نے زندگی میں ہماری نصرت کی اور مرتے ہوئے بھی ہمارے متعلق وصیّت کر گیا۔ (دمعہ)

شہدائے اُحد کی فہرست

اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن کے نام ذیل میں درج ہیں بروایت مجمع البیان کفار کی طرف سے ۱۸ آدمی قتل ہوئے (تفسیر آیت لِیَقطَعَ الخ)

۱۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب
۲۔ عبداللہ بن جحش
۳۔ مصعب بن عمیر
۴۔ شماش بن عثمان
۵۔ عمرو بن معاذ
۶۔ حارث بن انس
۷۔ عمارہ بن زیاد
۸۔ سلمہ بن ثابت
۹۔ عمرو بن ثابت
۱۰۔ ثابت بن وقش
۱۱۔ رفاعہ بن وقش
۱۲۔ حسیل بن جابر (ابوحذیفہ یمانی)
۱۳۔ صیفی بن قیظی
۱۴۔ حباب بن قیظی
۱۵۔ عباد بن سہل
۱۶۔ حارث بن اوس
۱۷۔ ایاس بن اوس
۱۸۔ عبید بن تیہان
۱۹۔ حبیب بن یزید
۲۰۔ یزید بن حاطب
۲۱۔ ابوسفیان بن حارث
۲۲۔ حنظلہ بن عامر (غسیل ملائکہ)
۲۳۔ انیس بن قتادہ
۲۴۔ ابوحبہ بن عمرو
۲۵۔ عبداللہ بن جبیر
۲۶۔ ابوسعد خیثمہ بن خیثمہ
۲۷۔ عبداللہ بن سلمہ
۲۸۔ سبیع بن حاطب
۲۹۔ عمرو بن قیس
۳۰۔ قیس بن عمرو
۳۱۔ ثابت بن عمرو
۳۲۔ عامر بن خلد
۳۳۔ ابوہبیرہ بن حارث
۳۴۔ عمرو بن مطرف
۳۵۔ اوس بن ثابت
۳۶۔ انس بن نضر
۳۷۔ قیس بن مخلد
۳۸۔ کیسان
۳۹۔ سلیم بن حارث
۴۰۔ نعمان بن عبدعمرو
۴۱۔ خارجہ بن زید
۴۲۔ سعد بن ربیع
۴۳۔ اوس بن ارقم
۴۴۔ مالک بن سنان
۴۵۔ سعید بن سوید
۴۶۔ عتبہ بن ربیع
۴۷۔ ثعلبہ بن سعد
۴۸۔ ثقف بن فروہ
۴۹۔ عبداللہ بن عمرو
۵۰۔ ضمرہ
۵۱۔ نوفل بن عبداللہ
۵۲۔ عباس بن عبادہ
۵۳۔ نعمان بن مالک
۵۴۔ مجذر بن زیادہ
۵۵۔ عبادہ بن حسحاس
۵۶۔ رفاعہ بن عمرو
۵۷۔ عبداللہ بن عمرو
۵۸۔ عمرو بن جموح
۵۹۔ خلاد بن عمرو بن جموح
۶۰۔ ابوایمن
۶۱۔ سلیم بن عمرو
۶۲۔ عنترہ
۶۳۔ سہیل بن قیس
۶۴۔ ذکوان بن عبدقیس
۶۵۔ عبید بن معلّٰی
۶۶۔ مالک بن تمیلہ
۶۷۔ حارث بن عدی
۶۸۔ مالک بن ایاس
۶۹۔ ایاس بن عدی
۷۰۔ عمرو بن ایاس

یہ ستر آدمی ہیں بنابر روایت ابن ہشام جو سیرت نبی میں اس نے شمار کئے ہیں۔ (میزان)

ان میں پہلے چار مہاجر ہیں اور باقی سب کے سب انصار میں سے ہیں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور تحقیق تمہاری اللہ نے مدد کی بدر میں جبکہ تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ شکر گذار بنو

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

جب آپ مومنوں کو فرما رہے تھے کیا تمہیں کافی نہیں کہ مدد کرے تمہاری تمہارا رب ساتھ تین ہزار

الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ

فرشتوں کے جو اتارے گئے ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور آجائیں تم پر (دشمن)

فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

اسی جلدی سے (یا اسی غصہ سے) تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب ساتھ پانچ ہزار فرشتوں کے جو اپنے کو علامت

مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ

لگائے ہوئے ہوں گے اور ایسا نہیں کیا تھا اللہ نے مگر تمہیں خوشخبری کرنے کے لئے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ ۙ

اور نصرت نہیں ہوتی مگر اللہ کی طرف سے جو غالب حکمت والا ہے

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ - جنگِ احد میں مسلمانوں پر اپنے احسان کا ذکر کرکے بطور تذکرہ کے جنگِ بدر کے احسان کو دہرایا۔ تاکہ مسلمانوں کے قلوب مضبوط ہوں۔ فرماتا ہے کہ جنگِ احد کے موقعہ پر بزدلی کا اظہار کرنے والے دو گروہوں کو جسطرح خدا نے ثابت قدمی کی توفیق مرحمت فرمائی پس مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے اس نے اس سے پہلے جنگِ بدر کے موقعہ پر بھی تو مسلمانوں کی مدد کی تھی جبکہ یہ تعداد میں بہت کم اور قوتِ حرب میں کفار کی بہ نسبت بہت کمزور تھے۔ جنگِ بدر میں ۷۷ مہاجر اور ۲۳۶ انصار تھے جن کی کل تعداد ۳۱۳ تھی اور اس طرف کفار کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس دن بھی عَلَم جناب امیر علیہ السّلام کے ہاتھ میں اور انصار کے علمبردار جناب سعد بن عبادہ یا بروایت سعد بن معاذ تھے۔

مِنْ فَوْرِهِمْ - فور کا معنی جوش و غضب بھی ہے اور اس کا معنی جلدی بھی ہے پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ جنگِ بدر میں کفار کو بُری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لہٰذا ان میں جذبۂ انتقام تھا اور پوری تیاری کرکے لڑائی پہ

آمادہ تھے تو خدا فرماتا ہے کہ جس طرح میں نے تین ہزار فرشتوں سے جنگِ بدر میں تمہاری مدد کی تھی۔ اگر تم ثابت قدم رہو اور رسولؐ کی نافرمانی سے بچو تو بے شک وہ جوش و غصہ لے کر آجائیں۔ میں پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کروں گا اور دوسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ جب کفار قریش جنگِ احد سے واپس ہوئے تو راستہ میں پشیمان ہوئے کہ کاش! مدینہ پر لوٹ و غارت کی ہوتی چنانچہ انہوں نے واپس پلٹنے کا عزم کر لیا۔ ادھر جناب رسالتمآبؐ کو بذریعہ وحی اطلاع پہنچی تو آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم کو زخم پہنچے ہیں تو وہ لوگ بھی تمہاری طرح زخمی ہیں لہٰذا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں اور فرمایا اگر تم ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہاری پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ نصرت فرمائے گا پس مسلمان تیار ہو کر نکلے ادھر کسی نے کفار قریش کو مسلمانوں کے خروج کی اطلاع دے دی تو اب کفار گھبرا گئے کہ ممکن ہے مسلمانوں کے ساتھ دوسرے تازہ دم لوگ بھی شامل ہوں اور ہم پر غلبہ حاصل کر لیں پس مکہ کی طرف انہوں نے تیز رفتاری سے سفر کیا اور مدینہ کی طرف دوبارہ رجوع کی جرأت نہ کی (مجمع البیان)

مُسَوِّمِیْنَ۔ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنگِ بدر میں ملائکہ کی علامت یہ تھی کہ ان کے عمامے سفید تھے اور انہوں نے ایک کنارا عمامے کا پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے عمامے زرد رنگ کے تھے (مجمع) ایک روایت میں ہے کہ نازل ہونے والے فرشتے حضرت علیؑ کی صورت میں خدا نے بھیجے تھے۔

غزواتِ نبوی کی فہرست

وہ غزوات جن میں حضرت رسالتمآبؐ بنفسِ نفیس شریک تھے وہ یہ ہیں (۱) غزوہ ابوا (۲) غزوہ بواط (۳) غزوہ عشیرہ (۴) غزوہ بدر صغریٰ (۵) غزوہ بدر کبریٰ (۶) غزوۂ بنی سلیم (۷) غزوۂ سویق (۸) غزوہ ذی امر (۹) غزوہ اُحد (۱۰) غزوہ حمراء الاسد (۱۱) غزوہ بنی نضیر (۱۲) غزوۂ ذات الرقاع (۱۳) غزوہ بدر اخریٰ (۱۴) غزوہ دومۃ الجندل (۱۵) غزوہ خندق (۱۶) غزوہ بنی قریظہ (۱۷) غزوۂ بنی لحیان (۱۸) غزوہ بنی قرد (۱۹) غزوہ بنی مصطلق (۲۰) غزوۂ حدیبیہ (۲۱) غزوہ خیبر (۲۲) غزوہ فتح مکہ (۲۳) غزوہ حنین (۲۴) غزوہ طائف (۲۵) غزوۂ تبوک۔

ان غزوات میں سے چند غزوات میں آنحضرتؐ خود بنفسِ نفیس لڑائی میں شریک ہوئے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ غزوۂ بدر کبریٰ جو بروز جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ کو پیش آیا تھا ۲۔ غزوہ اُحد جو شوال ۳ھ کو ہوا ۳۔ غزوہ خندق ۴۔ غزوۂ بنی قریظہ شوال ۵ھ میں ہوئے ۵۔ غزوہ بنی مصطلق ۶۔ غزوہ بنی لحیان (شعبان ۶ھ) ۷۔ غزوہ خیبر ۷ھ ۸۔ غزوہ فتح مکہ (رمضان ۸ھ) ۹۔ غزوہ حنین ۱۰۔ غزوۂ طائف (شوال ۸ھ) ان کے علاوہ چھوٹی جنگیں جن میں فوجی دستے بھیجے گئے ان کی تعداد ۳۶ بتلائی گئی ہے جو کتب تاریخ میں درج ہیں۔ (از مجمع البیان)

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا۟ خَآئِبِينَ ﴿۱۲۷﴾

تاکہ کاٹ ڈالے ایک حصہ ان لوگوں سے جو کافر ہیں یا ان کو رسوا کرے پس پلٹ جائیں ناکام ہو کر

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَىْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿۱۲۸﴾

نہیں آپ کو اس معاملہ میں کوئی دخل یا ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں

وَلِلَّهِ مَا فِى السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن

اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ بخشے جسے چاہے۔ اور عذاب دے

يَشَآءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

جسے چاہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

لِيَقْطَعَ طَرَفًا۔ ماقبل کے ساتھ اس کے اتصال کے متعلق چند اقوال ہیں۔ ۱۔ اس کے پہلے ملائکہ کے ذریعے نصرت کا ذکر تھا تو یہاں نَصَرَ فعل محذوف سے لام متعلق ہوگا یعنی نَصَرَكُمْ لِيَقْطَعَ الخ اللہ نے تمہاری نصرت کا یہ انتظام فرمایا تاکہ کفار کا ایک حصہ کاٹ دے جیسا کہ جنگِ بدر میں صنادیدِ قریش میں سے ستر آدمی قتل اور ستر آدمی قید کر لئے گئے تھے ۲۔ فعل محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ پچھلی آیت میں جو فعل نَصَرَكُمُ آچکا ہے اسی سے اس کا تعلق ہے اور معنی وہی ہوگا جو کیا گیا ہے ۳۔ بعض مبتدأ محذوف مانتے ہیں یعنی ذٰلِكَ التَّدْبِيْرُ لِيَقْطَعَ الخ طرف کا معنی کنارہ ہوتا ہے یہاں طرف اس لئے استعمال کیا گیا ہے اور وسطاً نہیں کہا گیا کیونکہ لڑائی طرف سے شروع ہو کر ہی وسط تک پہنچتی ہے جس طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ لڑو کفار میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے قریب ہیں اگرچہ سب کفار کے ساتھ لڑنا ہے لیکن چونکہ لڑائی قریب والوں سے شروع ہو کر دُور والوں تک پہنچتی ہے اس لئے فرمایا کہ قریب والوں سے لڑو۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ۔ الخ اس میں دو احتمال بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۔ یہ نصرت اللہ کی ہی جانب سے تھی اس میں تمہارا یا کسی اور کا کوئی دخل نہیں تھا ۲۔ اس فقرہ کو جملہ معترضہ قرار دیا جائے اور آیت کا اتصال اس طرح ہو کہ خدا چاہے تو ان کا قتل و قید سے ایک حصہ مار دے یا ان کو ذلیل و رسوا کر کے ناکام واپس پلٹا دے یا ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کی توبہ مقبول کرے یا ان پر بوجہ ظلم کے عذاب نازل کرے یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے ان باتوں میں آپ کو دخل نہیں ہے۔

شانِ نزول اس کے متعلق بھی چند اقوال ہیں۔ ۱۔ جنگِ اُحد میں جب آپ کا دانت مبارک شہید ہوا اور منہ سے خون جاری ہوا تو فرمایا وہ قوم کس طرح فلاح کی اُمید رکھ سکتی ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سلوک کیا جبکہ ان کو نبی اپنے

رب کی طرف ہی دعوت دیتا ہے پس ارشاد ہُوا کہ آپ کا کام ہے تبلیغ رسالت اور دین خدا کی ترقی کیلئے جہاد کرنا رہا ان کی فلاح یا عذاب کا قصہ تو وہ میرے اختیار میں ہے آپ کا اس میں دخل نہیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے ہی آپ کا دانت شہید کیا تھا اور منہ مبارک کو زخمی کیا تھا چنانچہ وہ اسی سال میں آپ کی بددعا سے کافر ہو کر مَر گیا۔ نیز آپ کے رُخ انور پر عبداللہ بن قمیہ حذلی نے زخم لگایا تھا آپ کی بددُعا سے اس کا انجام یہ ہُوا کہ ایک جنگلی حیوان نے اسے قتل کر دیا ۲۔ جب مُسلمان جنگِ اُحد میں فراری ہوئے تو بعض کہتے ہیں کہ آپ نے ان پر بددُعا کا ارادہ کیا تو یہ آیت اتری ۳۔ کہتے ہیں جب آپ نے جنگِ اُحد میں مسلمانوں کا بے دردی سے قتل دیکھا اور حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ ملاحظہ فرمایا تو حضرت کو بہت رنج ہُوا اور دُکھ ہوا فرمایا ہماری باری آئے گی تو ہم ان کے ساتھ اس سے بڑھ کر کریں گے پس یہ آیت اُتری۔ ۴۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بیر معونہ پر شہید ہونے والے صحابہ کے بارے میں اُتری کہ جنگِ اُحد کے پُورے چار ماہ بعد ماہِ صفر ۴ھ کو حضرت رسالتمآبؐ نے منذر بن عمرو کی سرکردگی میں ستر قاری قرآن بیر معونہ والوں کو تعلیم قرآن کیلئے روانہ فرمائے تو عامر بن طفیل نے موقعہ پا کر ان سب کو شہید کر ڈالا جناب رسالتمآبؐ کو جب خبر پہنچی تو آپ کو بہت رنج ہُوا اور ایک ماہ تک ان کا سوگ منایا۔ تب بطور تسلّی کے خدا نے یہ آیت بھیجی کہ آپ اس معاملہ میں اس قدر رنجیدہ خاطر نہ ہوں سب کچھ میرے اختیار میں ہے میں جو چاہوں کروں اگر چاہوں تو ان کو عذاب میں مبتلا کر دوں اور اگر چاہوں تو ان کو توفیقِ توبہ دے کر ان کی توبہ قبول کر لوں آپ سلسلۂ تبلیغ کو جاری رکھیں اور پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے وہ اس میں ہر قسم کے تصرف کا سزاوار ہے خواہ وہ کسی کو بخش دے یا کسی کو عذاب دے شہداء بیر معونہ کا واقعہ رکوع نمبر ۸ کی تفسیر میں ص۸۱ پر مکمل آئے گا۔

یہاں تک عام اقوال آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق بیان کئے گئے ہیں جو صاحب مجمع البیان نے ذکر کئے ہیں لیکن اختصاص مفید سے تفسیر برہان میں بروایت جابر بن یزید امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے معاملہ میں پریشان تھے۔ نیز تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ جابر نے حضرت باقر علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس طرف تو جا رہا ہے وہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ خدا نے آنحضرت کو ولایتِ علی کے اظہار کا حکم دیا تو آپ نے لوگوں کی دشمنی کا فکر کیا اور چونکہ حضرت علیؑ باقی لوگوں سے اپنے خصائلِ حمیدہ میں ممتاز تھے۔ مثلاً اسلام میں اوّل۔ معرفتِ خدا اور رسولؐ میں البصر دشمنانِ دین کو قتل کرنے میں اقدم مخالفین خدا اور رسول پر اشد۔ علومِ قرآنیہ و شرعیہ میں اعلم اور بے انتہا مناقب و فضائل میں سب سے اشرف تھے لہٰذا ان ہی کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بغض وحسد اور عداوت تھی۔ پس رسولِ خدا کو فکر لاحق ہوئی تب یہ آیت اُتری اور ارشاد ہوا کہ آپ کا کام ہے تبلیغِ رسالت باقی باتوں کی آپ فکر نہ کریں اور نہ آپ کو اس معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت ہے آپ اپنا کام کریں اور بس۔

یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۔ اس آیت میں خدا نے فرمایا ہے کہ مغفرت اور عذاب اس کی مشیت کے تابع ہیں یعنی جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کے غرور سے اس کے عذاب سے نڈر بھی نہ ہو جائے اور نہ کوئی شخص اس کی رحمت کی امید سے گناہوں میں لاپرواہ ہو کر سرکش ہو! اور دوسری طرف کوئی اس کی گرفت و عذاب کے ڈر سے اس

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو نہ کھاؤ سود دُگنے پر دُگنا (سود در سود) اور اللہ سے

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

ڈرو تاکہ فلاح پاؤ اور ڈرو آگ سے جو تیار کی گئی کافروں کے لئے اور اطاعت کرو

کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہو جائے اور گناہوں کی زیادتی دیکھ کر بخشش سے ناامید بھی نہ ہو بلکہ جہاں ایک طرف اس کی رحمت ومغفرت کی امید ہو وہاں دوسری طرف اس کے عذاب کا ڈر بھی ہو۔ نہ اعمال پر غرور کھائے اور نہ گناہوں کی بخشش سے مایوس ہو اسی بناء پر حضرت صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ لَوْ وُزِنَ رِجَاءُ الْمُؤْمِنِ وَخَوْفُهٗ لَاعْتَدَلَا۔ اگر مومن کی رجا اور خوف کو وزن کیا جائے تو دونوں برابر ہونے چاہئیں (مجمع) حضرت امیرؑ نے ہمام کے سامنے جو متقین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں ان کا بھی یہی مطلب ہے۔

سوال:۔ جب خدا نے بخشش اور عذاب کو اپنی مشیت کے تابع کیا ہے تو پھر اعمالِ صالح یا اعمال بد کو تو بخشش وعذاب میں کوئی دخل ہی نہیں لہذا نیک عمل کرنے کا فائدہ اور بداعمال سے بچنے کا معنی کیا رہا؟ نیز اس کی رحمت جب اس کے غضب سے وسیع ہے تو وہ کیونکر کسی کے عذاب کو چاہے گا؟

جواب:۔ بے شک سزا وجزا اس کی مشیت کے تابع ہے لیکن اس کی مشیت حکمت کے عین مطابق ہے اور اس کی رحمت اگرچہ اس کے غضب سے وسیع ہے لیکن اس کے عدل وحکمت کا دائرہ اس کی رحمت سے بھی وسیع تر ہے پس اس کی بخشش وعذاب اس کی مشیت کے تابع ہے اور وہ عدل وحکمت کے موافق ہے لہذا بخشش کی مشیت وہاں ہوگی جہاں عدل وحکمت کا تقاضا ہوگا اور عذاب کی مشیت وہاں ہوگی جہاں عدل وحکمت کا مقتضیٰ ہوگا اور اس کی رحمت اس کے عدل وحکمت پر غالب نہیں ہو سکتی۔

رکوع نمبر ۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ گذشتہ آیت میں چونکہ فرمایا ہے کہ خدا جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے مشیت جو عدل وحکمت کے عین موافق ہے اس کے مواقع میں سے اہم ترین کا ذکر فرمایا ہے کہ اس کی مشیتِ بخشش اس کے لئے ہوگی جو حلال کھائے اور مشیتِ عذاب اس کے لئے ہوگی جو حرام کھائے اور حلال وحرام کے مسائل میں سے سود کا مسئلہ اہم ترین ہے لہذا اس کا ذکر فرمایا جو لوگوں میں عام اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے حرمتِ سود کی مصلحت خود اللہ ہی بہتر جانتا ہے البتہ مفسرین نے جو کچھ بیان ہے وہ یہ کہ اوّل تو اس سے انسانی معاشرہ میں عدل وانصاف ختم ہوتا ہے اور دوسرے ایک نادار کو قرض دے کر اسے بلامعاوضہ ایک عرصہ تک مہلت دینا حسنِ خلق کا بہترین مظاہرہ ہے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے (مجمع) سود کا گناہ اور اس کے بعض فروعی مسائل اسی تفسیر کی جلد ۳ میں صفحہ ۱۶۹ تا صفحہ ۱۷۲ بیان کئے جا چکے ہیں۔

وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اللہ و رسول کی تاکہ رحم کئے جاؤ اور جلدی کرو طرف بخشش اپنے پروردگار کے

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور جنت کے جس کا عرض آسمانوں اور زمین (کے برابر) ہے کہ تیار کی گئی ہے متقین کے لئے

سود کا حکم اگرچہ اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے لیکن یہاں دوبارہ اس کے ذکر کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ پہلے مقام پر صریح نہی نہیں تھی اور یہاں صریح طور پر نہی کی گئی ہے اور اس سے بچنے پر اخروی فلاح و رستگاری کو معلق کیا گیا ہے۔ ۲۔ وہاں صرف سود کی حرمت کا عمومی بیان تھا اور یہاں سود کی خاص قسم یعنی سود در سود سے تاکیدی طور پر منع کیا گیا ہے۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ جہنم کا کافروں کے لئے ہونا اس کے منافی نہیں کہ غیر کافر لوگ جو فاسق و فاجر ہیں بھی جہنم میں جائیں گے بلکہ یہاں فردِ جلی کا ذکر کرکے غیر جلی فرد کو اس کے تابع کر دیا گیا ہے جس طرح جنت کے متعلق فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ حالانکہ یقیناً بعض وہ لوگ جن پر متقی کی لفظ عائد نہیں کی جا سکتی جیسے اطفالِ مومنین اور دیوانے لوگ بھی جنت میں جائیں گے اسی طرح قیامت کے روز مرتد لوگوں کے چہروں کا سیاہ ہونا ذکر فرمایا ہے حالانکہ کافر بھی ان کے ساتھ اس میں شریک ہوں گے۔ پس معلوم ہوا کہ ایک وصف کا ایک گروہ کے لئے ذکر کرنا اس کے لئے دلیل حصر نہیں بلکہ بعض اوقات فردِ جلی کو ذکر کیا جاتا ہے اور فردِ غیر جلی کو اس کے تابع قرار دے کر اس کی صراحت کو ترک کیا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ میں نے یہ دسترخوان امیر کے لئے بچھایا ہے حالانکہ اس امیر کے دوست احباب ساتھی نوکر چاکر اور جملہ لواحقین بھی اس کے ساتھ شریک ہوا کرتے ہیں۔

اِلٰى مَغْفِرَةٍ۔ بخشش کی طرف جلدی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بخشش کے اسباب کی طرف تیزی سے قدم بڑھاؤ اور وہ ہے اسلام و ایمان اور ادائے فرائض اور ترکِ محرمات یعنی اصولاً و فروعاً خدا اور رسول کی اطاعت۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا۔ الخ کعب بن اشرف یہودی نے ایک مرتبہ خلیفہ ثانی پر اعتراض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک بہشت کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کے برابر بیان کی گئی ہے تو پھر سات بہشت کہاں ہوں گے؟ خلیفہ لاجواب ہوا۔ اتنے میں حضرت امیر تشریف لائے تو یہودی نے پھر سوال دہرایا آپ نے فرمایا جب رات ہوتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے۔ اور دن کے وقت رات کہاں جاتی ہے؟ یہودی نے کہا کہ اللہ کے علم میں آپ نے فرمایا اسی طرح ساتوں بہشت اللہ کے علم میں ہیں (حضرت کا جواب اقناعی تھا، مقصد یہ تھا کہ خدا ہر شے پر قادر ہے جو ساتوں زمینوں اور آسمانوں کی وسعتوں کا خلق فرما سکتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ پر بھی قادر ہے اور ان ساتوں بہشتوں کا محلِ وقوع خود اسی کے ہی علم میں ہے) (ملخص از برہان)

الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ

وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور بدحالی میں اور ضبط کرتے ہیں غصے کو اور درگذر کرتے ہیں

عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ۚ وَ الَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً

لوگوں سے اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنیوالوں کو اور وہ لوگ کہ جب کریں کوئی برائی یا ظلم کریں

اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِہِمۡ ۪ وَ مَنۡ یَّغۡفِرُ

اپنے نفسوں پہ اللہ کو یاد کرتے ہیں پس فوراً ہی بخشش طلب کرتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے

الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ ۪۟ وَ لَمۡ یُصِرُّوۡا عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾

گناہ سوائے اللہ کے اور وہ نہیں اصرار کرتے اوپر کئے ہوئے (گناہ) کے جان بوجھ کر

اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ

ایسے لوگوں کی جزا بخشش ہے اپنے پروردگار سے اور ایسے باغات کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَ نِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾ؕ

وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں اور خوب جزا ہے عمل کرنے والوں کی

متقین کے اوصاف

اسخاوت :۔ اس سے پہلے بتلایا گیا ہے کہ مشیت ایزدی یہ ہے کہ متقین کو جنت میں جگہ ملے اب متقین کے بعض اوصاف بیان فرما رہا ہے چنانچہ ان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ خوشحالی اور تنگدستی کی دونو حالتوں میں فی سبیل اللہ خرچ کیا کرتے ہیں۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ سخاوت جنت میں ایک درخت ہے اور دنیا میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں پس جس کسی نے اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ سے تعلق قائم کیا وہ شاخ اسے جنت میں کھینچ لے جائے گی اور بخل جہنم میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں منتشر ہیں جس نے اس کی کسی شاخ سے تمسک پکڑا وہ اسے جہنم میں لے جائے گی۔

حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ جنت سخیوں کا گھر ہے، سخی اللہ کے قریب جنت کے قریب اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے دور، جنت سے دور اور لوگوں سے دور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے راہ خدا

میں خرچ کرنے کے متعلق اسی تفسیر کی تیسری جلد میں بہت کچھ تاکید گذر چکی ہے اور انسان کی تمدنی زندگی کی اصلاح کی بھی واحد صورت یہی ہے اور خداوند کریم بھی سرمایہ داری کو قطعاً محبوب نہیں رکھتا اور ہم نے سخاوت کے فضائل کی بعض حدیثیں جلد ثالث ص۱۹۳ پر درج کی ہیں۔ خداوند کریم مومنین کو توفیق دے۔

(۲، ۳، ۴) غصہ کو ضبط کرنا اور درگذر کرنا اور احسان کرنا۔

تفسیر برہان میں ارشاد مفید سے منقول ہے رشتہ داروں میں سے ایک شخص نے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ گستاخانہ لہجہ میں کلام کیا اور آپ چپکے سب کچھ سنتے رہے وہ کہہ سنا کر چلا گیا تو آپ اپنے ہمنشینوں سے مخاطب ہوئے کہ جو کچھ یہ شخص مجھے کہتا اور کوستا رہا تم نے سن تو لیا ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ہمراہ اس کے پاس چلو اور میرا جواب بھی سنو۔ انہوں نے عرض کی حضور! ہم تو چاہتے یہی ہیں کہ آپ اس کو کچھ کہیں پس آپ نے نعلین سنبھالی اور روانہ ہوئے اور اسی آیت مجیدہ کی تلاوت زبان پر جاری فرمائی۔ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ راوی کہتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے کہ آپ اس کے ساتھ سخت کلامی نہ کریں گے جب وہاں پہنچے تو اس کو آواز دی اور فرمایا کہ اس کو کہو کہ علیؑ بن حسینؑ تجھ سے بات کرنا چاہتا ہے پس وہ شخص سر جھکائے باہر آیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ آپ مجھے اپنی باتوں کا بدلہ دینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھائی جان! ابھی ابھی جو کچھ تو نے مجھے کہا اگر مجھ میں وہ باتیں ہیں جو تو کہتا تھا تو میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں اور اگر تو نے ناحق الزام عائد کئے تھے تو خدا تجھے معاف کر دے۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے حضورؑ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور عرض کرنے لگا حضورؑ میں نے جو کچھ آپ کے حق میں کہا ہے۔ آپ اس سے پاک ہیں اور میں خود ہی ان کلمات کا سزاوار ہوں

نیز اسی کتاب میں اور مجمع البیان و تفسیر میزان میں درِ منثور سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نماز کی تیاری فرما رہے تھے اور کنیز آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی۔ اتفاق سے اس کے ہاتھوں سے لوٹا گرا اور آپ کے سر مبارک پر چوٹ آگئی آپ نے اس کی طرف سر بلند کیا فوراً اس کنیز نے زبان پر جاری کیا وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے غصہ کو ضبط کر لیا ہے پھر عورت نے پڑھا وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تیری خطا بھی معاف کر دی پس اس عورت نے تلاوت کیا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ تو آپ نے فرمایا جا میں نے تجھے خوشنودی خدا کیلئے آزاد کیا ہے۔

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے اللہ کا جو بندہ اپنے غصہ کو ضبط کرے خدا اس کو دنیا و آخرت میں زیادتی عزت عطا فرماتا ہے۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جو شخص طاقت ہوتے ہوئے اپنے غصہ کو پی جائے اور اس کو استعمال نہ کرے تو خدا بروز محشر اس کو اپنی رضا کی دولت سے مالا مال کرے گا اور فرمایا کہ غصے کو ضبط کرنے والا اللہ کی راہ میں دشمن خدا سے جہاد کرنے والے کے برابر ہے اور آپ نے فرمایا طاقتور وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور و بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں کر لے اور عمدۃ البیان میں ہے آپ نے فرمایا کوئی گھونٹ اللہ کے نزدیک غصہ کے گھونٹ سے محبوب تر نہیں ہے اور جو شخص غصہ کو پی جائے خدا قیامت کے دن اس کے بدلہ میں اس کو حور العین عطا فرمائے گا۔ مجمع البیان میں

حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے جو شخص کسی کے جرم کو معاف کرے خدا اس کی عزت کو بڑھاتا ہے۔

عمدۃ البیان میں بعض تفاسیر اہلسنت سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام اشراف عرب کی ایک جماعت کے ہمراہ دسترخوان پر کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ان کا غلام طعام گرم کا ایک پیالہ لایا۔ جب امام کے قریب آیا تو اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پیالہ طعام سمیت حضرت امام حسنؑ کے سر اور منہ پر گر پڑا! حضرت نے جب اس کی طرف نگاہ کی تو اس نے اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ۔ پڑھا آپ نے فرمایا میں نے غصہ کو ضبط کیا اُس نے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ کو زبان پر جاری کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے معاف کر دیا پھر اس نے وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ پڑھا تو آپ نے فرمایا میں نے تجھے آزاد کیا اور تیری کفالت بھی اپنے ذمہ میں لی۔ اسی قسم کی ایک روایت ابھی امام زین العابدین علیہ السلام کے متعلق بھی نقل ہو چکی ہے نیز امام حسین علیہ السلام کے متعلق بھی ایک واقعہ اسی قسم کا بیان کرتے ہیں اور یہ کوئی اوپری بات نہیں بلکہ خانوادۂ عصمت کے جس فرد پر نظر کریں گے۔ خلق رسالت کا نمونہ نظر آئے گا۔ کیونکہ یہ سب کے سب محمدؐ ہیں۔

(۵، ۶) گناہ سے توبہ کرنا اور اصرار نہ کرنا۔

متقیوں کے اوصاف میں سے ہے کہ جب گناہ کر بیٹھتے ہیں تو یاد آنے پر فوراً توبہ کرتے ہیں اور اس پر اصرار نہیں کرتے۔

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ :۔ اس کے معنی میں کئی احتمالات ہیں۔ ۱۔ گناہ سے توبہ کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے گناہ کو جانتے ہیں یعنی گناہ ان کو یاد ہے اگر ایک انسان کو کیا ہوا گناہ یاد نہیں رہا تو اس سے توبہ کرنے کا معنی ہی کوئی نہیں ۲۔ گناہ کو گناہ جان کر کیا تھا اور اب پشیمان ہو کر توبہ کرتے ہیں اور اس پر اصرار نہیں کرتے ورنہ اگر ایک شخص نے ایک کام کیا تھا اور اس کو اس کے فعل حرام ہونے کا علم ہی نہیں بلکہ اس کے خیال میں وہ حلال تھا تو اب اس سے توبہ کرنے کی کیا ضرورت؟ مثلاً ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کر لیا اور وہ عورت درحقیقت اس پر حرام تھی پس علم ہونے پر اس کو اپنے گھر سے نکال دے اس سے قبل جو کچھ ہو چکا ہے وہ اس کے لئے گناہ نہیں تھا پس اس سے توبہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ۳۔ توبہ کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے (مجمع البیان)

مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اصرار کرنے کے بعد کوئی گناہ صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا اور توبہ کے بعد کوئی گناہ کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ خوشا حال وہ بندہ کہ جس وقت اپنے نامۂ اعمال کو کھولے تو نیچے ہر گناہ کے استغفار دیکھے۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر انسان گناہ کرے اور اس کے بعد استغفار نہ کرے یا اپنے دل میں توبہ کا قصد نہ کرے تو بھی اصرار میں داخل ہے تفسیر میزان میں بروایت درمنثور ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ ابلیس نے قسم کھا کر کہا تھا اے پروردگار! جب تک بنی آدمؑ کے جسموں میں رُوح ہو گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا تو خداوند کریم نے فرمایا تھا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں ان کے گناہ معاف کرتا

رہوں گا۔

تفسیر برہان و میزان و صافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہ آیت یعنی وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً نازل ہوئی تو ابلیس لعین نے مکہ کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے چیخ لگائی کہ تمام اس کے چیلے چانٹے اس کے گرد جمع ہو گئے اور دریافت کیا کہ تو نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟ تو ابلیس نے کہا قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ہے اس کا علاج کیا ہوگا ایک عفریت بولا میں فلاں فلاں طریقہ سے اس پر عمل کرنے سے روکوں گا۔ ابلیس نے کہا کہ تیرا کام نہیں ہے ایک اور بولا میں فلاں طریقہ اختیار کروں گا۔ ابلیس نے کہا تیرا کام بھی نہیں۔ پھر وسواس خناس نے آواز بلند کی مجھے یہ عہدہ دیا جائے ابلیس نے پوچھا تو کیا کرے گا تو اس نے کہا میں ان کو وعدہ دے کر اور خواہشات کو بھڑکا کر گناہ کراؤں گا۔ جب گناہ کر لیں گے تو ان کو استغفار سے غافل کر دوں گا ابلیس نے کہا بس تو ہی اس کام کے لئے موزوں تر ہے۔ پس اس نے قیامت تک کے لئے اس کو اس عہدہ پر مامور کر دیا۔

بہلول تائب کا واقعہ

انہی تفاسیر میں آیت مذکورہ کے شانِ نزول کے متعلق عبدالرحمٰن بن غنم دوسی سے روایت کی گئی ہے کہ ایک دفعہ معاذ بن جبل روتا ہوا خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا۔ سلام کیا۔ آپ نے جواب کہا۔ رونے کی وجہ پوچھی۔ عرض کی یا رسول اللہ میں نے دروازہ پر ایک خوبصورت نوجوان کو اپنی جوانی پر زنِ پسر مردہ کی طرح روتے دیکھا ہے اور وہ آپ سے اذن دخول چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو لائیے۔ پس معاذ اس کو اندر لے آیا اس نے حضرت کو سلام کیا اور آپ نے رد سلام کیا اور گریہ کی وجہ دریافت فرمائی۔ اس نے عرض کی حضورؐ! میں نے ایسے گناہ کئے ہیں کہ اگر ان میں سے بعض کی بھی مجھ سے خدا گرفت کرے تو میرے لئے دوزخ واجب ہو جائے اور میں جانتا ہوں کہ مجھے معاف نہ کیا جائیگا اور ضرور مجھے سزا ملے گی پھر میں کیوں نہ روؤں۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے شرک کیا ہے؟ اس نے کہا معاذ اللہ! آپ نے فرمایا کوئی قتل کیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا پھر تیرے گناہ اگر ساتوں زمینوں، تمام سمندروں، ریگ کے ٹیلوں اور دنیا کے تمام درختوں اور ان میں بسنے والی تمام مخلوق کے برابر بھی ہوں تو خدا معاف کر دے گا اس نے جواب دیا کہ میرے گناہ اس سے بڑے ہیں۔ فرمایا اگر آسمانوں اور ان کے ستاروں اور عرش و کرسی کے برابر ہوں تو بھی بخشے جا سکتے ہیں۔ اس نے کہا اس سے بڑے ہیں میرے گناہ۔ آپ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا اے جوان کیا تیرے گناہ بڑے ہیں یا تیرا پروردگار! اس نے فوراً خالق کا سجدہ کیا اور سر اٹھا کر عرض کی حضور میرا رب ہر عظیم سے عظیم تر ہے پس آپ نے فرمایا کہ گناہِ عظیم کو وہ ربّ عظیم ہی بخش سکتا ہے۔ جوان نے عرض کی حضور! مجھے تو امید نہیں اور پھر چپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے بتا تا کیوں نہیں۔ اس نے عرض کی حضور میں گورکن ہوں اور سات برس یہ پیشہ کیا ہے۔ مردوں کو قبروں سے نکال کر ان کے کفن اتار لیتا ہوں اور بیچ کر گذر اوقات کرتا ہوں۔ انصار میں سے ایک نوجوان لڑکی فوت ہوئی جب اس کو دفن کر کے واپس آ گئے تو میں رات کے پردہ میں پہنچا اسے قبر سے باہر نکال کر اس کا کفن اتارا اور واپس روانہ ہوا۔ راستہ میں مجھے شیطان نے پھندے ڈالنے شروع کئے کہ وہ کس طرح خوبصورت لڑکی تھی؟ یہانتک کہ میں دوبارہ واپس آ کر اس سے زنا کا ارتکاب کر بیٹھا اور اسے پھر برہنہ چھوڑ کر واپس چلا پس پیچھے سے مجھے آواز آئی۔ اے جوان مجھے تو نے

مردوں کی فوج میں برہنہ چھوڑ کے ہے۔ اب میں حالت جنب میں بروز محشر کھڑی ہوں گی یقین جان میرا اور تیرا مقدمہ اللہ کے پیش ہوگا تیری جوانی کو جہنم کی بشارت ہو۔ پس حضورؐ میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر جہنم واجب اور جنت حرام ہے پس آپ نے سنتے ہی فرمایا ہٹ جا اے فاسق قریب ہے کہ تیرا عذاب ہمیں گھیر لے۔ حضور یہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کو نکال دیا گیا۔ پس وہ شخص گھر سے زادے کر ایک پہاڑ کے دامن میں کھردرا لباس پہنے اپنے دونوں ہاتھوں کو گردن سے باندھے عبادت میں مشغول ہوا اور مناجات میں یہی کہتا تھا۔ اے میرے پروردگار! تیرا بندہ بہلول تیرا قیدی ہے اور اس سے وہ لغزش ہوئی ہے جسے تو جانتا ہے اب میں پشیمان ہوں۔ تیرے نبی نے بھی مجھے اپنی بارگاہ سے نکال دیا ہے میں تجھ سے تیری عظمت و جلال کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری دعا کو رد نہ فرما اور مجھے اپنی رحمت سے مایوس نہ کر اور چالیس دن رات یہ مناجات کرتا رہا حتیٰ کہ جنگلی جانور بھی اس کے لئے گریہ کرتے تھے۔ آخر اس نے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور عرض کی میرے اللہ میری دعا اگر قبول اور میرا گناہ معاف ہے تو اپنے نبی کو بذریعہ وحی خبر بھیج ورنہ آگ بھیج کر مجھے جلا دے اور دنیا کا عذاب مجھے دے دے تاکہ قیامت کی رسوائی سے بچ جاؤں۔ پس خدا نے یہی آیت نازل فرمائی۔ گویا فاحشہ سے مراد ہے زنا اور ظلم نفس سے مراد تھی اس کی گورکنی اور کفن چوری۔ پس ارشاد ہوا۔ اے میرے حبیب! وہ تیری بارگاہ سے راندہ گیا تھا اب وہ کہاں جاتا وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللهُ۔ اور میرے سوا گناہ کون بخش سکتا ہے؟ ایسے لوگ اگر اصرار نہ کریں تو ان کی جزا بخشش ہے اور جنت ہے پس حضور مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور صحابہ کو ہمراہ لے کر وہاں پہاڑ پر پہنچے دیکھا تو وہ دو پتھروں کے درمیان اپنے ہاتھ گردن سے باندھے کھڑا ہے اور روتے روتے اس کی پلکیں جھڑ گئی ہیں وہ مناجات میں کہہ رہا تھا میرے مالک! تو نے مجھے اچھا جسم اور اچھی صحت عطا فرمائی۔ اب مجھے آگ میں جلائے گا یا جوار رحمت میں جگہ دے گا تیرے بہت کچھ احسانات ہیں لیکن کاش میں سمجھ جاؤں آخر جنت میں مجھے بھیجا جائے گا یا جہنم میں۔ میرا گناہ زمین آسمان عرش و کرسی سے بڑا ہے لیکن کاش! مجھے علم ہو جائے کہ تو نے میرا گناہ معاف کیا ہے یا قیامت میں میرے لئے ذلت کا سامان ہے؟ یہ کہتا اور روتا تھا اور جنگلی جانور اس کے گرد جمع تھے اور پرندے اس کے سر پر موجود اور سب اس کی حالت سے متاثر ہو کر مشغول گریہ تھے پس حضورؐ نے پاس جا کر اس کے ہاتھ کھولے اور اس کے سر سے خاک کو جھاڑا اور فرمایا اے بہلول تجھے مبارک ہو کہ تو جہنم سے خدا کا آزاد کردہ ہے اور یہ آیت اس کو سنائی اور صحابہ سے فرمایا گناہوں کو اس طرح مٹاؤ جس طرح بہلول نے مٹایا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ

تحقیق گذر چکی ہیں تم سے پہلے مثالیں پس سیر کرو زمین میں (تاریخی حقائق کی) پھر دیکھو کیا انجام ہوا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾

(احکامِ خدا اور رسول کو) جھٹلانے والوں کا یہ (قرآن) بیان ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت و نصیحت ہے متقین کے لئے

قَدْ خَلَتْ :۔ جنگِ اُحد میں فرار کرنے والوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ گذشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرو اور نبیوں اور رسولوں کی نصرت سے کوتاہی کرنے والوں کے انجام دیکھو اور سبق حاصل کرو

سُنَنٌ ۔ سنّت کی جمع ہے اور اس کا اصطلاحی معنی ہے ایک وضع شدہ طریقہ جس پر لوگ چلیں پھر جس کا وضع کردہ ہوگا۔ اسی کی طرف اس کی نسبت ہوگی۔ جیسے سنّتِ رسولؐ اور سنّتِ ابلیسؑ وغیرہ اس مقام پر سُنن کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔ ۱۔ یادگارِ عبرت ۲۔ امثال ۳۔ امتیں ۴۔ مضاف محذوف ہے دراصل تھا اہلِ سُنن ۵۔ منہاج دستور۔ اس مقام پر ہر احتمال کے اعتبار سے معنی درست ہے۔

ربط و اتصال

جنگِ احد کا ذکر فرمانے کے بعد اخلاق کی چند آیات آگئیں۔ جن میں صفاتِ بد سے بچنے اور صفاتِ حسنہ سے آراستہ ہونے کی امتِ اسلامیہ کو دعوت دی گئی ہے کیونکہ یہی اخلاقی کمزوریاں ہی اُحد کے روز صحابہ کے فرار کی باعث ہوئیں۔ حرص و طمع۔ اور فرمانِ خدا و رسول سے لاپرواہی نے ان کو ثابت قدمی سے روک دیا تھا ورنہ شکست خوردہ فوجِ قریش کو واپس پلٹنے کی جرأت نہ ہوتی اور نہ خالد بن ولید پیچھے سے حملہ آور ہو سکتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ کو اس جنگ میں شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ پس خُدا نے اولاً سود اور سود در سود سے بچنے اور تقویٰ کے اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ایک طرف نافرمانی کرنے والوں کو جہنم کا خوف دلایا اور دوسری طرف اطاعت کرنے والوں کو بہشت کا وعدہ دیا اور انہیں متقین کے مقدس لقب سے یاد فرمایا اور پھر ان کی علامتیں بیان فرمائیں اور ان کے فضائل کا تذکرہ کیا اور غلطی ہو چکنے کے بعد ان کو توبہ کی طرف متوجہ فرما کر اپنی بخشش کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کو مایوسی نہ ہو جائے۔ پھر گذشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا درس دیا۔

انسان کی تمدنی زندگی کی اصلاح اور اتفاق و اتحاد کی بحالی کے لئے ذخیرہ اندوزی اور حرص و لالچ انتہائی طور پر مضر ہیں اس لئے پہلے پہلے اس کے لئے اصلاحی حکم کا بیان فرمایا اور ہر حالت میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کی مدح فرمائی جس کا مقصد دلوں سے حبِ دنیا کا قلع قمع ہے پس جنگِ اُحد کے دِن لوٹ میں گھُسنے اور مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑنے والے حضرات کو اشارۃً سرزنش فرمادی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو پہاڑوں کی چوٹیاں دیکھنی پڑیں۔ دوسری طرف اتحاد و یکجہتی اور کامیابی و کامرانی کیلئے نہایت اہم اور سب سے ضروری بات ہے اپنے قائد و پیشرو کی پوری اطاعت اور چونکہ مسلمانوں نے اس جنگ میں خدا و رسولؐ

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

نہ کمزور بنو اور نہ غم کھاؤ حالانکہ تم ہی غالب ہو (انجام کار) اگر تم ایمان رکھتے ہو (وعدۂ خدا پر)

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

(کوئی بات نہیں) اگر تمہیں زخم لگے ہیں تو اس قوم کو بھی زخم لگے ہیں (بدر میں) اسی جیسے یہ دن ان کو ہم بدلاتے

بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ

ہیں لوگوں میں (بلحاظ مصلحت) اور اس لئے بھی تاکہ پرکھے اللہ ایمان والوں کو اور بنائے تم میں سے بعض کو شہید اور اللہ

لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿١٤١﴾

نہیں چاہتا ظلم کرنے والوں کو اور تاکہ پاکیزہ کرے اللہ ایمانداروں کو (گناہوں کی کثافت سے) اور ہلاک کرے کافروں کو

کے وعدۂ نصرت کو پس پشت ڈال کر اپنی کمزوریوں کا مظاہرہ کیا تھا اس لئے ان آیات میں ان کو مخالفت پر جہنم اور اطاعت پر جنت کی بشارت سے تنبیہ کی گئی اور ان کو تقویتِ قلب کے لئے سابقہ لغزش سے توبہ کے بعد مغفرت کا وعدہ فرمایا اور آئندہ کے لئے ایسی غلطی کے ارتکاب سے باز رکھنے کے لئے بطور تسلی یا بطور عبرت و نصیحت کے گذشتہ امتوں کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی تلقین فرمائی اور کسی کی نصیحت کے لئے اور راہِ راست پر لانے کے لئے اس طرز بیان سے زیادہ موثر کوئی اور طریقہ افہام و تفہیم ہو سکتا ہی نہیں اور نہ انسان کی ہدایت کے لئے ظہورِ نقص کے بعد تکمیلِ نفس کے لئے اور رذائلِ نفسانیہ سے کنارہ کشی اور فضائلِ نفسیہ کے حصول کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی علاج کارگر ہو سکتا ہے اور یہی قرآن کریم کا طرۂ امتیاز ہے پس یہ آیات کریمہ جنگِ اُحد کے واقعہ کے تسلسل میں محل نہیں کہی جا سکتیں چنانچہ بعد میں پھر اسی جنگ کے متعلق تذکرہ ہو رہا ہے

وَلَا تَهِنُوا۔ جنگِ احد سے چلے جانے کے بعد جب کفار نے رستہ ہی میں واپس پلٹ کر مدینہ میں غارت گری کا پروگرام مرتب کیا اور رسول کو بذریعہ وحی اطلاع ملی اور ان کے تعاقب کا حکم صادر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ جنگِ احد میں گئے تھے اب تعاقب کے لئے بھی انہی کو روانہ ہونا چاہیے تو چونکہ مسلمان بہت کچھ زخمی تھے لہذا پریشان خاطر ہوئے پس ان کی تسلی کے لئے یہ ارشاد فرمایا اور چونکہ ان کو اپنی شکست کی وجہ سے بھی انتہائی پژمردگی لاحق تھی تو ساتھ بشارت بھی دے دی کہ بالآخر تم کامیاب ہو گے اور اسلام کا بول بالا ہو گا۔ بشرطیکہ تمہیں خدا و رسولؐ کے عہد اور وعدۂ نصرت پر اعتماد ہو اور ثباتِ قدم کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دو۔ أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ کا معنی مرتبہ و شرف کے لحاظ سے بلند ہونا بھی کیا گیا ہے۔ (مجمع البیان)

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ ۔ حضرت امیر علیہ السلام کو تیر تلوار اور نیزہ سے جنگِ احد میں ساٹھ سے زیادہ زخم لگے تھے حتیٰ کہ بعض روایات میں نوّے تک بھی تعداد لکھی ہے ۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ حضرت علیؑ کو لائے پس آپ دستِ شفا پھیرتے جاتے تھے اور زخم مندمل ہوتے جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی زخم تھا ہی نہیں کہتے ہیں بعد اختتامِ جنگ ابوسفیان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور ایک گھنٹہ وہاں کھڑا رہا ۔ جناب رسالتمآبؐ نے دعا مانگی ۔ اے میرے اللہ ! ان لوگوں کو ہم سے بلند ہونے کا حق نہیں ۔ پس ارشاد ہوا ۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۔ مرتبہ کے اعتبار سے تم ہی بلند ہو یا انجام کار تم ہی غالب و منصور ہو گے ۔ پس ابوسفیان نے بلند ہو کر آواز دی کہ یہ دن بدر کے دن کا بدلہ ہے وہاں ہمیں شکست اور یہاں تمہیں تو ادھر سے جواب دیا گیا تو غلط کہتا ہے ہمارے مقتولین جنت میں اور تمہارے جہنم میں ہوں گے اس نے باآوازِ بلند اور کفریہ کلمات بھی کہے اور ادھر سے ان کا دندان شکن جواب دیا گیا ۔

مداولتِ ایام کے مصالح

تِلْكَ الْاَيَّامُ ۔ دنوں کا ہیر پھیر کبھی ایک قوم کو فتح اور کبھی دوسری قوم کو ۔ یہ ایک دستور ہے اگر خدا چاہتا تو مسلمانوں کو ہر جنگ میں فتح و نصرت دے سکتا تھا ۔ لیکن ایسا کرنے میں اس کی مصالح کارفرما ہیں جن کو قرآن بیان فرما رہا ہے ۔ پہلی مصلحت تو یہ تھی کہ خدا چاہتا ہے کہ دینِ اسلام دلیل و برہان اور حق و صداقت کی بدولت ہمہ گیر ہو ۔ اگر فوجِ اسلام کو ہر جنگ میں فتح و کامرانی ہی نصیب ہوتی تو بہت سے لوگ صرف فتح و نصرت اور غلبہ و برتری کی خاطر ہی اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے گو دل سے اسلام کو نہ بھی چاہتے ۔ ویسے تو ہر مقام پر جناب رسالتمآبؐ کو فتح و نصرت نصیب ہوئی لیکن یہ ہیر پھیر ساتھ رہا تاکہ کہیں اسلام میں دخول کا سبب صرف غلبہ ہی نہ ہو جائے ۔

وَلِيَعْلَمَ ۔ دوسری مصلحت کا ذکر ہے اور اس کا عطف پہلی مصلحت پر ہے جو بوجہ واضح و آشکار ہونے کے ذکر نہیں کی گئی پس معنی یہ ہوا کہ ہم ان دنوں کو بدلاتے رہتے ہیں تاکہ اسلام کی ہمہ گیری دلیل و حجت کی بناء پر ہو نہ کہ زور و زر کی بناء پر اور تاکہ ایمان کا دعویٰ کرنیوالوں میں سے کھرے اور کھوٹے کی پرکھ ہو جائے اور مومن اور منافق میں امتیاز ہو جائے ۔

وَيَتَّخِذَ ۔ یہ تیسری مصلحت ہے کہ خداوند کریم بعض مومنین کو مرتبہ شہادت کرامت فرمانا چاہتا ہے یا یہ کہ وہ چاہتا ہے کہ ثباتِ قدمی سے ان کا مرتبہ بلند ہو تاکہ یہ لوگ اور لوگوں کے اعمال پر شاہد قرار دیئے جائیں اور صاحب تفسیر میزان نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ شہید کا پہلا معنی جدید اصطلاح ہے ۔

وَيُمَحِّصَ اللّٰهُ ۔ یہ چوتھی مصلحت کا ذکر ہے اس آیت مجیدہ میں معنی کے لحاظ سے دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) تاکہ ایمان والوں کو آزمائے اور کافروں کو نابود کر دے یعنی ایام کا دَور جب مومنوں کے خلاف ہوتا ہے تو ان کی آزمائش مطلوب ہوتی ہے اور جب کفار کے خلاف ہوتا ہے تو ان کا صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنا مطلوب ہوا کرتا ہے (۲) تاکہ مومنوں کو گناہوں سے پاک کرے یعنی ایام کا دَور مومنوں کے خلاف ان کے گناہوں کا کفارہ ہوا کرتا ہے اور کفار کے لئے زیادتیٔ عذاب کا موجب بہرکیف یہ مداولتِ ایام اہل ایمان کے لئے گناہوں سے بچاؤ کا طریقہ ہیں یا تو اس لئے کہ یہ تکالیف ان کی سابقہ خطاؤں کے لئے کفارہ بن جاتی ہیں اور ان کا مصائب

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا
کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے جبکہ نہ پرکھ لے خدا ان کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا
مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ
اور نہ پرکھ لے صبر کرنے والوں کو اور تحقیق تم لوگ تو موت کی خواہش کرتے تھے اس سے پہلے
اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع۵
کہ اس سے ملاقات کرو پس اب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں

وآلام میں صبر کرنا ان کی زیادتی درجات اور کثرتِ اجر کا موجب بن جاتا ہے اور ممکن ہے مقصد یہ ہو کہ جب مومن ایسے دشوار گذار مقامات پر صبر کا مظاہرہ کریں تو پھر خدا اپنے لطف وکرم سے ان کو آئندہ گناہوں سے بچنے کی خصوصی توفیق مرحمت فرما دیتا ہے۔

دخولِ جنّت کا معیار

اَمْ حَسِبْتُمْ۔ اس سے قبل مومنوں کے لئے جنت کی پیش کش کی گئی تھی اب فرماتا ہے کہ یہ مت سمجھئے کہ کچھ کئے بغیر ہم جنت میں جائیں گے بلکہ جنت میں جانے کے لئے آزمائشات سے نپٹنا اور مصائب وآلام پر صبر کرنا ضروری ہے۔

اقول: یہ یا اس قسم کی آیات جہادِ ظاہری کے زمانہ تک محدود نہیں بلکہ ہر دَور میں انسان کے ہر سانس کے ساتھ مقامِ جہاد وابستہ ہے اور عقل ونقل سے یہ بات واضح ہے کہ جہادِ ظاہری سے جہادِ باطنی کہیں زیادہ سخت ہوا کرتا ہے بلکہ باطنی جہاد میں فتح یاب ہونے کے بعد ہی انسان ظاہری جہاد میں معرقی ہونے کے قابل ہوا کرتا ہے۔ احکامِ خدا پر سختی سے عمل پیرا ہونا اور اطاعتِ خدا ورسول کے ماتحت نفسِ امارہ کی خواہشات کو کچلنا جہادِ عظیم ہے۔ نیز واجبات کی ادائگی اور محرمات سے بچنا اور اس بارہ میں ہر قسم کی تکالیف کا سہنا اور صبر کرنا انسان کی فتحِ عظیم ہے۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ۔ کہتے ہیں جنگِ بدر کے بعد بعض لوگوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش! ہم بھی شریکِ جہاد ہوتے اور ثباتِ قدم سے دشمن کا مقابلہ کرتے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوتے لیکن جب جنگِ اُحد پیش آئی تو انہوں نے بُزدلی کا وہ شرمناک مظاہرہ کیا جو قیامت تک صفحاتِ تاریخ سے مٹ نہیں سکتا اور یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ
نہیں ہیں (حضرت) محمد مگر رسول بے شک (بذریعہ موت یا قتل) گذر چکے ہیں اس سے پہلے بہت رسول، کیا پس اگر یہ مر بھی
اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ
جائیں یا قتل کئے جائیں تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں؟ اور جو بھی پھر جائے الٹے پاؤں پس ہرگز نہ
يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ
ضرر دے گا اللہ کو کچھ بھی اور عنقریب بدلہ دے گا اللہ شکر گذاروں کو نہیں ہو سکتا کسی نفس کے لئے

رکوع ۶

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کا کردار

کفار قریش جب اُحد میں آئے تو اُن کے لشکر کی ترتیب اس طرح تھی کہ میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھا اور عورتیں دف بجاتی اور گاتی ہوئی ان کے ہمراہ تھیں چنانچہ ہندہ کے اشعار نَحْنُ بَنَاتُ الطَّارِقِ الخ آج تک صفحات تاریخ میں موجود ہیں جب حضرت امیرؑ کے ہاتھوں ان کے دس نشانچی مارے گئے اور مسلمانوں نے میدان جیت لیا تو زبیر کہتا ہے کہ میں نے اسی ہندہ کو دیکھا کہ اپنی سہیلیوں سمیت ساز و نغمہ کو بھول کر کودتی ہوئی پہاڑیوں پر چڑھ رہی تھی۔ لیکن ادھر مسلمانوں نے فرمانِ نبویؐ کو بھلا کر جب لوٹ کی طرف ہاتھ بڑھائے اور درہ کو خالی چھوڑا تو خالد نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور کفار نے جب علم اپنا بلند دیکھا تو وہ بھی واپس آگئے چنانچہ اب مسلمانوں کو بھاگنے کی سوجھی عبداللہ بن قمئہ نے جناب رسالتمآبؐ کے دانت مبارک اور چہرہ انور کو زخمی کیا۔ مصعب بن عمیر آپ کی حفاظت کے لئے آگے بڑھا اور ابن قمئہ کے ہاتھوں شہید ہوا تو ابن قمئہ نے حضورؐ کی موت کی خبر اڑا دی۔ اسی جنگ میں قتادہ بن نعمان کی آنکھ نکل پڑی حتٰی کہ رخسارہ پر لٹک آئی تو آپ نے اُسے اپنے مقام پر اپنے دستِ مبارک سے جوڑ دیا اور وہ ٹھیک ہو گئی ابی بن خلف جمحی جناب رسالتمآبؐ کی طرف بڑھا۔ بعض صحابہ نے اس کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے آنے دیجئے اور اس سے پہلے باہمی گفتگو میں آپؐ نے اس کو فرمایا تھا کہ میں ہی تجھے قتل کروں گا پس وہ جونہی قریب آیا آپ نے حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ اپنے گھوڑے سے زمین پر گرا اور ہلاک ہو گیا۔

بالجملہ جب آپ کی موت کی خبر مشہور ہوئی اور مروی ہے کہ ابلیسؒ نے یہ خبر مشہور کی تھی تو اب مسلمانوں کے چار

گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ کہنے لگا کہ ہماری طرف سے کوئی آدمی عبداللہ بن ابی کے پاس جائے تاکہ وہ ابوسفیان سے ہمیں امان نامہ لے کر دلوائے۔ دوسرا گروہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حیران و ششدر سا رہ گیا اور انہوں نے خاموشی اختیار کر لی اور تیسرا گروہ کہنے لگا کوئی بات نہیں۔ اگر حضرت محمدؐ قتل کئے گئے ہیں تو ہمیں اپنے آبائی مذہب پر پلٹ جانا چاہیئے اور چوتھا گروہ اپنے دین پر ثابت قدم رہا اور انہوں نے کہا اگر بالفرض حضرت محمدؐ قتل بھی ہو گئے تو محمدؐ کا پروردگار تو زندہ موجود ہے ہم کسی قیمت پر نہ کسی سے امان نامہ لیتے ہیں اور نہ اپنے دین کو چھوڑتے ہیں۔

سیرت ابن ہشام سے بروایت حضرت انس بن نضر جو انس بن مالک کے چچا تھے تفسیر میزان میں منقول ہے کہ وہ حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہ کے پاس سے گذرے جبکہ مہاجرین اور انصار کی جماعت میں ایک جگہ بیٹھے تھے انسؓ نے کہا کہ تم لوگ کیوں بیٹھ گئے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ اب رسول اللہ تو مارے گئے ہیں پس اس نے کہا کہ حضورؐ کی موت کے بعد ہمارا زندہ رہنا پھر تو فضول ہے پس اٹھو اور اسی راستہ پر جان کی بازی لگاؤ جس پر آپ مارے گئے ہیں یہ کہتے ہی واپس آیا اور میدان کارزار میں داخل ہو کر جام شہادت پی لیا۔

خداوند کریم ان لوگوں کی سرزنش فرما رہا ہے کہ تمہارے قدم دین میں مضبوط نہیں ہیں حضرت محمد مصطفےؐ دوسرے گذشتہ رسولوں کی طرح رسول ہیں جس طرح وہ بعض اپنی موت سے اور بعض قتل و شہادت کی موت سے گذر چکے ہیں۔ انہوں نے بھی ایک دن ضرور گذر جانا ہے تو کیا تمہارا ایمان اس قدر کمزور ہے کہ اگر آپ دنیا سے رحلت فرما جائیں تو تم اپنا دین چھوڑ کر الٹے پاؤں اپنے پہلے طریقہ کفر کو اختیار کر لو گے؟ ہاں اللہ پر احسان کا بار مت رکھو تمہارا اسلام سے دست بردار ہو جانا مجھے نقصان دہ نہیں البتہ خود تمہارے اپنے لئے ہی دنیا و عقبیٰ کے خسارہ کا موجب ہو گا اور خدا شکر گذاروں کو ان کے تشکر کی جزاء مرحمت فرمائے گا۔ اس آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ میں سے بعض لوگوں کا ایمان حضورؐ کی زندگی تک کے لئے ہی تھا ورنہ اس خدشہ کے اظہار اور اپنی بے نیازی کے اعلان کا کوئی مطلب ہی باقی نہیں رہتا اور ایسا ہوا بھی ضرور ہے چنانچہ ہم نے کتاب ہذا کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر ص۱۵۳ میں حضورؐ کے بعد بعض صحابہ کے مرتد ہونے کی بعض احادیث بخاری وغیرہ سے نقل کی ہیں اور قرآن مجید ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے حاشیہ پر مترجم نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ تفسیر برہان میں کافی و عیاشی سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد لوگ دین سے مرتد ہو گئے سوائے تین آدمیوں کے راوی نے پوچھا وہ تین کون ہیں تو آپ نے فرمایا مقداد۔ ابوذر سلمان اس کے کچھ عرصہ بعد باقی کچھ لوگ بھی معرفت حاصل کر کے دین میں آ گئے۔ ایک اور روایت میں آپ سے عمار کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں کسی وقت بھی شک نے جگہ نہیں لی وہ صرف یہی تین آدمی تھے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب لوگ جنگ اُحد میں بھاگ گئے تو جناب رسالتمآبؐ نے آوازیں دیں کہ میں محمدؐ موجود ہوں نہ مجھے قتل کیا گیا ہے اور نہ میں مرا ہوں تو فلاں و فلاں نے مڑ کر دیکھا اور کہنے لگے اب

ہم سے تمسخر کر رہا ہے حالانکہ ہمیں شکست ہو چکی ہے صرف حضرت علیؑ اور ابو دجانہ سماک بن خرشہ باقی رہ گئے۔ آپ نے ابو دجانہ سے فرمایا کہ جاؤ میں نے تم سے بھی اپنی بیعت اٹھا لی ہے البتہ علی فَھُوَ اَنَا وَ اَنَا ھُوَ یعنی وہ اور میں ایک چیز ہیں۔ تو ابو دجانہ نے عرض کی حضور! کیا میری زوجہ یا فرزند مر رہا ہے یا میرا گھر اور مال تباہ ہو رہا ہے؟ میں کیوں جاؤں اور آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ بخدا میں تو اپنی بیعت کو خیر باد ہرگز نہ کہوں گا۔ پس آپ نے اُس کے حق میں دعائے خیر فرمائی چنانچہ ایک طرف وہ لڑتا تھا اور دوسری طرف حضرت علیؑ جہاد کرتے تھے۔ جب ابو دجانہ زخموں سے چور ہو کر گرا تو حضرت علیؑ اس کو اٹھا لائے تو اس نے بارگاہ رسالتؐ میں عرض کی قبلہ! کیا میں نے اپنی بیعت کی وفا کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں تو نے وفا کی ہے پس تنہا حضرت علیؑ مصروف جہاد ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کی تلوار تین مقامات سے ٹوٹ گئی تو حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر تلوار کے ٹوٹنے کا ذکر کیا تو آپ نے اب ذوالفقار عطا فرمائی۔ حضرت رسالتؐ پناہ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے قدموں سے خون بہہ رہا ہے۔ آپ نے رو کر ان کے حق میں دعا فرمائی۔ پس حضرت علیؑ حاضر خدمت ہوئے تو عرض کی حضور! مجھے جہاد کرتے ہوئے ایک آواز سنائی دیتی ہے اور جب میں کسی پہ حملہ کرتا ہوں تو میری تلوار لگنے سے قبل وہ گر جاتا ہے اور وہیں ختم ہو جاتا ہے تو آپ نے فرمایا جبرئیل میکائیل اور اسرافیل ملائکہ کی صفوں کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد جبرئیل کے وہ کلمات جو پہلے گذر چکے ہیں۔ نقل کئے اور جب کفار واپس مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو جبرئیل نے بحکم خدا ان کا تعاقب کیا (اور یہی رعب تھا جس کا تذکرہ ہو چکا ہے) کفار کے کانوں میں جب گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ پیچھے سے اسلام کا لشکر آرہا ہے پس وہ تیز رفتاری اختیار کر لیتے تھے اور اسی خوف وہراس کے عالم میں وہ داخل مکہ ہوئے۔

ادھر جنگ ختم ہوئی تو جناب رسالتمآبؐ نے مدینہ کا رُخ کیا اور علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا وہ آگے آگے چل رہے تھے جب ایک ٹیلے سے اُترے تو لوگوں نے دیکھ لیا۔ حضرت علیؑ نے آواز دی اے لوگو! یہ محمدؐ مصطفی زندہ موجود ہیں۔ نہ قتل ہوئے اور نہ مرے ہیں۔ انصار کی عورتیں اپنے صحن خانہ اور گھروں کے دروازوں پہ دیکھ رہی تھیں۔ پس مرد بھی جمع ہو گئے خوشامدیں کرتے اور توبہ کا اظہار کرتے تھے۔ انصار کی عورتوں نے حضورؐ کی موت کی خبر سُن کر بال پریشان کر کے رخساروں اور پیشانیوں پہ پیٹ لیا تھا اور گریبان چاک کر ڈالے تھے جب حضورؐ پر ان کی نگاہ پڑی تو خاموش ہو گئیں آپ نے انکو گھروں میں واپس جانے اور پردہ سنبھالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے دین کو تمام دینوں پہ غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور یہ آیت اتری۔ ملخصاً

دلیل ماتم

معارج النبوۃ رکن چہارم میں ہے کہ جب آنحضرت کی موت کی خبر مدینہ مشہور کر دی گئی تو جناب خاتون جنت سر پیٹتی ہوئی اور روتی ہوئی باہر آئیں اور یتیمی کے آثار ان کی حالت سے ظاہر تھے اور تمام زنانِ ہاشمیہ گریہ زاری کرتی ہوئیں اور سر پیٹتی اور نوحہ کرتی ہوئی باہر آئیں کہ ان کے رونے پیٹنے کی آواز فلک تک پہنچتی تھی جناب بتول معظمہ کا ماتمی جلوس

اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا

کہ مرجائے بغیر اذن اللہ کے یہ حتمی مقرر شدہ بات ہے اور جو شخص چاہے بدلہ دنیا کا تو ہم

نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۵

اس کو اسی سے دیتے ہیں اور جو چاہے بدلہ آخرت کا تو ہم اس کو اسی سے دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے

کے ساتھ سر پیٹتے ہوئے اور نوحہ کرتے ہوئے جانا آئندہ کے لئے کھلا ہوا ثبوت ہے کہ دین کے تاجدار کے غم میں اس طرح کے ماتمی جلوس بدعت نہیں ہوا کرتے بلکہ اولادِ پیغمبرؐ کی سنت ہے نیز جناب رسالتمآبؐ کو اگر ناگوار ہوتا تو آپ منع ہی فرما دیتے۔ پس آپ کا منع نہ فرمانا جوازِ عزاداری کی تائید مزید ہے۔

نکتۂ علمیہ صیغۂ فعل اور صیغۂ صفت کے استعمال میں یہ فرق ہے کہ فعل کی دلالت صرف حدوث پر ہوا کرتی ہے جس میں دوام و استمرار کا معنی نہیں پایا جاتا اور صیغۂ صفت کی دلالت دوام و استمرار پر ہوا کرتی ہے مثلاً جہاں یَصْبِرُ کا استعمال ہو تو اس کی دلالت صرف صبر کے ساتھ تلبس پر ہے اور اگر صَابِرٌ کہا جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں صبر کی صفت پختگی اور استمرار کے رنگ میں پائی جاتی ہے یُؤْمِنُ کا معنی یہ ہے کہ اس کا صفت ایمان کے ساتھ تلبس ہے اور مومن کا معنی یہ ہے کہ اس میں صفت ایمان کی پختگی کے ساتھ ہے یَتَّقِیْ اور مُتَّقِیْ نیز یَشْکُرُ شَاکِرٌ کے معانی میں بھی یہی فرق ہے۔ خداوند علیم و حکیم نے جزائے خیر کا وعدہ شاکرین سے کیا ہے یعنی وہ لوگ جن میں یہ صفت دیمومیت اور استمرار کی صورت میں ہو اور گویا ان میں شکر کا ملکہ پیدا ہو گیا ہو جو تا دمِ مرگ قابلِ زوال نہ ہو اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان کا ظرف ایمان و دولت خلوص سے پُر ہو پس شاکر وہی ہو سکتا ہے جو مخلص ہو اسی لئے ابلیس نے جہاں بندوں کو گمراہ کرنے کا دعویٰ کیا تو صاف کہہ دیا کہ تیرے مخلص بندے میرے پھندے میں نہ آسکیں گے (سورۂ حجر) اور دوسرے مقام پر کہا کہ تیرے اکثر بندوں کو میں شاکر نہ رہنے دوں گا۔ (سورہ اعراف) یہاں خدا فرماتا ہے کہ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔ اور اسی نکتہ کی بنا پر اَلَّذِيْنَ يَشْكُرُوْنَ نہیں فرمایا اور اس کے برعکس يَكْفُرُ اور كَافِرٌ یا يُشْرِكُ اور مُشْرِكٌ میں بھی یہی معنوی فرق موجود ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ۔ کہتے ہیں یہ آیت مجیدہ جہاد کی طرف ترغیب دینے کے لئے ہے کہ جب اللہ کے اذن کے بغیر کسی انسان پر موت آسکتی ہی نہیں تو پھر قتل کے خوف سے جہاد ترک کرنے کا مطلب ہی کیا ہے؟ کیونکہ بزدلی آئی ہوئی موت کو ٹال نہیں سکتی اور جہاد مقرر شدہ میعاد سے قبل موت کو لا نہیں سکتا (مجمع)

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا۔ جو شخص اپنا عمل صرف دنیاوی منافع کے لئے کرے یا جو شخص جہاد میں صرف مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جائے تو ایسے شخص کے لئے بدلہ صرف دنیاوی ہے اور وہ آخرت کے ثواب سے محروم

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ

اور بہت پیغمبر (گذرے ہیں) کہ لڑیں ان کے ہمراہ ہو کر جماعتیں کثیر پس وہ نہ سست ہوئے بوجہ ان مصائب کے جو

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝١٤٦

ان کو راہِ خدا میں پہنچے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے اور اللہ صابرین کو دوست رکھتا ہے

ہوگا چنانچہ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْآخِرَةِ فَمَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيْبٍ یعنی جو شخص عملِ آخرت کے ذریعہ سے دنیا کا طالب ہوگا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا (مجمع)

جنگِ اُحد میں حضرت علیؑ کا کردار

وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ :- مجمع البیان میں بروایت ابان بن عثمان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کو اُحد کے دن ساٹھ زخم لگے حضرت رسالتمآبؐ نے امّ سلیم اور امّ عطیہ کو زخموں کی مرہم پٹی پر متعین فرمایا تو انہوں نے آکر خدمتِ نبویؐ میں عرض کی حضورؐ جب ہم ایک جگہ کا علاج کرتی ہیں تو دوسرا زخم پھٹ جاتا ہے لہذا ہمیں اس سے خطرہ محسوس ہوتا ہے پس آپ بنفسِ نفیس خود تشریف لائے اور دوسرے مسلمان بھی عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے زخم اس قدر کشادہ اور قریب قریب تھے کہ سب مل کر ایک ہی زخم بنا ہوا تھا پس حضورؐ اپنے دستِ شفا کو اُوپر پھیرنے لگے اور فرماتے جاتے تھے کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں یہ تکالیف و آلام برداشت کئے اس نے اپنا حق ادا کر دیا پس آپ جس زخم پر ہاتھ پھیرتے تھے وہ زخم بالکل مندمل ہو جاتا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کی زبان پر جاری تھا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِذْ لَمْ اُوَلِّ الدُّبُرَ شکر ہے خدا کا کہ میں نے فرار نہیں کیا اور میدانِ کارزار سے کنارہ نہیں کیا پس خداوند کریم نے قرآن میں دو جگہ حضرت علیؑ کی شکر گذاری کو سراہا ایک اس سے پہلی آیت چنانچہ فرمایا - وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ اور دوسری یہ آیت کہ فرماتا ہے وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ اور تفسیر میزان میں ہے کہ صیغہ صفت کے ساتھ پورے قرآن مجید میں شاکر کا اطلاق کسی شخص پر نہیں ہوا جس کی خدا نے مدح کی ہو - سوائے ان بزرگوار ہستیوں کے جو جنگِ احد میں ثابت قدم رہے اس لئے کہ یہ دونو آیتیں باتفاقِ مفسرین جنگِ اُحد کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ بھی اربابِ تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت علیؑ جنگِ احد میں ثابت قدم رہے پس حضرت علیؑ ہی وہ ذات ہے جس میں شکر کی صفت پختگی دوام اور ملکہ کی حیثیت سے ہے جس کو بالفاظ دیگر اخلاص کہا جا سکتا ہے جیسے کہ بیان ہو چکا ہے۔

مَعَهٗ - ترکیبِ نحوی کے لحاظ سے نبیؐ کی وصف ہے یا قاتل کے فاعل سے حال ہے۔

رِبِّيُّوْنَ :- اس میں چند اقوال ہیں - یہ جمع ہے رِبِّيٌّ کی اور یہ مثل رَبَّانِيٌّ کے ہے اس کا معنی ہے وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ

مختص ہوں اور ان کا شغل کسی دوسری طرف نہ ہو یعنی اللہ کی عبادت سے ہی تمسک رکھتے ہوں (۲) ربیؒ کی جمع ہے جس کا معنی ہے ایک ہزار اور جمع کی صورت میں اس کا معنی کئی ہزار ہوگا (میزان) (۳) اس کا معنی ہے علماء وفقہا (۴) اس کا معنی ہے بہت سی جماعتیں (۵) امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے دس ہزار (۶) ربیؒ تابع کو کہتے ہیں اور ربّانیؒ والی کو کہتے ہیں۔ (مجمع)

قرأت کے اعتبار سے ابن عباس نے قُتِلَ پڑھا ہے اور ابن مسعود نے قَاتَلَ پڑھا ہے تو ابن عباس کی قرأت کے مطابق قُتِلَ کا نائب فاعل یا تو ربیّون ہوگا اور یا ضمیر ہوگی جو نبی کی طرف راجع ہے۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ نبیوں کے ہمراہ ہو کر لڑنے والوں میں سے قتل ہو جانے والوں کے بعد جو لوگ بچ گئے تھے ان میں بزدلی یا سستی پیدا نہ ہوئی اور وہ پہلے کی طرح مصروفِ جہاد رہے۔ اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بہت سے نبی گذرے ہیں کہ بوقتِ جہاد ان کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں ان کے صحابی موجود تھے لیکن جب وہ نبی قتل ہو گیا تو اُن کے بعد بھی ان کے ہمراہی مصائب سے گھبرا کر سست نہ ہوئے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دشمن کے سامنے دب کر رہے بلکہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے باقاعدہ مصروف جہاد رہے پس نبی یا اس کے ہمراہیوں کی یہ شان ہے کہ وہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کریں۔ یہاں خُدا اُحد والوں کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ بالفرض اگر نبی قتل ہو بھی جاتا جیسا کہ میدانِ اُحد میں جھوٹی افواہ پھیلا دی گئی تھی۔ تب بھی مُسلمانوں کو بزدل نہیں ہونا چاہیے تھا جیسا کہ انبیاءؑ کے ساتھ رہنے والوں کی شان ہے کہ وہ نبیوں کے قتل ہو جانے کے بعد کمزوری کا احساس نہیں کرتے چنانچہ دورِ سابق میں بہت سے نبیوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے اور ان کے ساتھی ثابت قدم رہے ہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی معنی مروی ہے۔

حضرت علیؑ کا امتیاز

تفسیر برہان میں اختصاص مفید سے ستّر منقبت والی حدیث میں سے یہ حصہ منقول ہے کہ من جملہ مناقب علیؑ کے جن میں آپ کو اختصاص حاصل ہے ایک یہ ہے کہ آپ میں دمن واشتکانت نہیں تھی۔ چنانچہ جنگ اُحد میں آپ کو اتنے ایسے زخم لگے تھے کہ دوائی ایک زخم میں ڈالی جاتی تھی تو وہ دوسرے زخم سے نکل آتی تھی۔ جب جناب رسالتمآبؐ عیادت کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت علیؑ چمڑے کے بستر پر پڑے تھے اور آپ کا جسم خون سے بالکل رنگین تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ کی راہ میں اس قدر تکلیف پہنچے تو سزاوار ہے کہ اللہ بھی اس کے ساتھ وہ کرے جو اس کی ذات کے شایان ہے تو حضرت علیؑ نے چشمِ گریان سے عرض کی۔ میرا ماں باپ آپ پر فدا ہو۔ میں اس بات پر اللہ کی حمد بجا لاتا ہوں کہ میں نے آپ سے پشت نہیں پھیری اور فرار نہیں کیا۔ میرا ماں باپ آپ پر نثار ہو مجھے بتائیے کہ میں درجۂ شہادت سے محروم کیوں ہوا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس درجہ پر بھی آپ انشاء اللہ فائز ہوں گے۔ پس فرمایا کہ ابو سفیان کو پھر حمراء الاسد پر ہماری انتظار ہے تو حضرت امیر علیہ السلام نے نہایت اطمینان وسکون سے عرض کی حضور! میرا ماں باپ آپ پر نثار۔ خدا کی قسم اگر میں چلنے کے قابل نہ ہوں گا اور دوسرے لوگ مجھے اُٹھا کر لے جائیں

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ

اور انہوں نے کوئی بات نہ کہی مگر یہ کہا اے پروردگار ہمارے گناہ بخش دے اور

إِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۷﴾

ہماری کوتاہی اپنے معاملہ میں اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہماری نصرت فرما کافر لوگوں پہ

فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ

پس دیا ان کو اللہ نے ثواب دنیا کا اور بہترین ثواب آخرت کا اور اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴۸﴾ ع

احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

گے تو یہ منظور ہے اور آپ کو تنہا بھیج کر گھر میں رہنا ہرگز پسند نہیں کروں گا۔ پس خداوندکریم نے قرآن مجید کی یہی آیت بھیجی وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ الخ اور اس سے پہلے وہ آیت بھیجی جو گذر چکی ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ الخ با ایں ہمہ آپ نے اپنے زخموں کی تکلیف کی شکایت تک نہ کی۔ یہاں تک کہ وہ دو عورتیں جو علاج اور تیمار داری پر مامور تھیں اُن سے رہا نہ گیا اور بول اُٹھیں کہ حضور! ہمیں علیؑ کے زخم تشویشناک معلوم ہوتے ہیں اور ہمیں ڈر لگتا ہے کیونکہ ایک زخم میں جب ہم کپاس داخل کرتی ہیں تو وہ دوسرے زخم سے نکل آتی ہے اور باوجود اس کے حضرت علیؑ درد کی شکایت منہ پر نہیں لاتے۔

وَمَا كَانَ الخ۔ خداوندکریم گذشتہ انبیاء کے ہمراہیوں کی ثبات قدمی اور دعاؤں کی نقل فرما کر اصحاب جناب رسالتمآبؐ کو سبق دے رہا ہے کہ تمہیں بھی یہی کردار ادا کرنا چاہیے۔

فَآتَاهُمُ اللَّهُ۔ دنیا کے ثواب سے مراد فتح و نصرت اور حصولِ غنیمت اور آخرت کے ثواب سے مراد جنت و مغفرت ہے۔

اقول:۔ اس جنگ میں ثابت قدم رہنے والوں اور استحقاق جزا رکھنے والوں کو خدا نے شاکرین، صابرین اور محسنین کے مقدس خطابات سے نوازا ہے اور چونکہ حضرت علیؑ ہی ثابت قدم رہے تو یہ خطاباتِ قرآنی انہی کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں۔ روایات میں حضرت علیؑ کے زخموں کی تعداد ساٹھ سے لے کر نوّے تک ہے اور ان روایات میں جمع ممکن ہے۔ لہذا یہ منافات نہ سمجھنی چاہیے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کروگے جو کافر ہیں تو وہ تمہیں پھیر دیں گے اُلٹے پاؤں

فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿١٥٠﴾

پس تمہارا انجام خسارہ ہوگا بلکہ اللہ تمہارا مولا ہے اور وہی بہتر مددگار ہے

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ

عنقریب ڈالیں گے ہم اُن لوگوں کے دلوں میں جو کافر ہیں رُعب اس لئے کہ انہوں نے شریک کیا اللہ کا

يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۖ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾

اس کو کہ نہیں نازل کی اس نے اس پر کوئی دلیل اور ان کی بازگشت دوزخ ہے اور بُرا ٹھکانا ہے ظلم کرنے والوں کا

رکوع نمبر ۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب مسلمان ہزیمت خوردہ جنگ اُحد سے واپس آئے تو منافقین نے اُن کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ دیکھئے تم اپنی سابق برادری سے جا ملئے اور انہی کا دین اختیار کر لیجئے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے ہزیمت خوردہ مسلمانوں سے یہ باتیں کہی تھیں تاکہ ان کے ساتھ ظاہرا اظہار ہمدردی کر کے آئندہ کے لئے ان کو جہاد کرنے سے باز رکھیں پس خدا نے ان کی شرارتِ باطنی اور خبثِ قلبی کا پردہ چاک فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ مسلمان ان کے اس دھوکا میں نہ آسکیں۔

سَنُلْقِي۔ مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق ہے کہ جب کفارِ قریش جنگ سے واپس ہوئے۔ تو ابوسفیان نے جاتے ہوئے کہا کہ ہم نے مسلمانوں کو قتل کیا اور ان کو خوب مار بھگایا لہذا ہمیں واپس پلٹ کر مدینہ میں غارت کرنی چاہیئے۔ پس خدا نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب ڈال دیا اور انہیں واپس پلٹنے کی جرأت نہ ہوسکی چنانچہ اس کی بھی قدرے تفصیل گذر چکی ہے۔ روایت میں ہے کہ کفارِ مکہ میں اس طرح داخل ہوئے جس طرح کوئی شکست خوردہ انسان ہوتا ہے انہیں یہ ڈر تھا کہ کہیں جناب رسالتمآبؐ اور ان کے صحابی ہمارا تعاقب کر کے ہمیں قتل نہ کر ڈالیں اور حضورؐ نے فرمایا کہ میری ایک ماہ کی مسافت کے برابر رعب سے نصرت کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ

اور تحقیق پورا کیا تمہارے ساتھ اللہ نے وعدہ اپنا جبکہ تم ان کو قتل کر رہے تھے اس کے اذن سے یہاں تک کہ جب تم

تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ

بزدل ہوئے اور جھگڑ پڑے معاملہ میں اور بے فرمان ہوئے بعد اس کے کہ اس نے دکھائی تمہیں وہ چیز جسے تم چاہتے تھے تم میں سے

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ

بعض چاہتے تھے دنیا کو اور بعض چاہتے تھے آخرت کو پس تم کو پھیر دیا ان سے تاکہ تمہیں آزمائے

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۵۲

اور تحقیق اس نے معاف کر دیا تمہیں اور اللہ صاحب فضل ہے ایمان والوں پر

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ - خدا نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر تم صبر کرو گے اور نافرمانی سے بچو گے اور کافر فوراً یا اپنے جوش کے ساتھ ابھی آجائیں تو خدا تمہاری ملائکہ بھیج کر امداد فرمائے گا۔ یا اس وعدہ سے وہ وعدہ مراد ہے جو جناب رسالتمآب نے فرمایا تھا کہ عبداللہ بن جبیر کے ساتھ درے پر ثابت رہنا اور اگر تم نے درہ کو نہ چھوڑا تو ہم غالب ہو کر رہیں گے۔ (مجمع)

حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ - اظہار بزدلی اور باہمی جھگڑا اور نافرمانی سے مراد یہی ہے کہ جب کفار بھاگ گئے اور مسلمان لوٹ میں پڑ گئے تو عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے جھگڑا شروع کر دیا بعض ثابت قدمی کی طرف تھے اور بعض لوٹ کو پسند کر رہے تھے۔ پس آخر کار ان سے نافرمانی سرزد ہوئی اور ان سے درہ چھوٹا جس کی بدولت شکست کا سامنا کرنا پڑا یہاں اِذَا شرطیہ کی جزا محذوف ہے کہ جب تم نے بزدلی کی تو تمہیں مصائب میں گرفتار ہونا پڑا۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ - یعنی تمہاری نافرمانی اور بزدلی کے بعد بطور آزمائش کے خدا نے تمہاری فتح و غلبہ کا رُخ ان سے پھیر دیا پس وہ غالب آگئے یا یہ کہ مقام حمراء الاسد سے جب کفار نے واپسی کا قصد کیا تھا تو خدا نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور مسلمانوں کو ان کے تعاقب کے حکم سے روک دیا۔ مجمع البیان میں بروایت واحدی سہل بن سعد انصاری سے منقول ہے کہ جب رسالتمآب اُحد سے پلٹے اور اُن کا دانت مبارک شہید ہو چکا تھا اور سر پاک پر بھی زخم تھا تو جناب بتول معظمہ آپ سے خون دھوتی تھیں اور حضرت امیر علیہ السلام پانی ڈالتے تھے لیکن خون نہیں رکتا تھا پس بی بی پاک اٹھیں اور انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس کو جلا کر اس کی راکھ کو زخم پر رکھا پس خون رک گیا۔

إِذْ تُصْعِدُونَ	وَلَا تَلْوُونَ	عَلَىٰ أَحَدٍ	وَالرَّسُولُ	يَدْعُوكُمْ		
جب تم بھاگے جاتے تھے	اور نہ پرواہ کرتے تھے	کسی کی	حالانکہ رسول	بلا رہا تھا	تم کو	پیچھے سے

فِي أُخْرَاكُمْ	فَأَثَابَكُمْ غَمًّا	بِغَمٍّ	لِكَيْلَا تَحْزَنُوا	عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ	
پس دیا (خدا نے) تمہیں ایک غم	بدلے غم کے	تاکہ تم غمگین نہ ہو	اُوپر اس چیز کے جو تم سے فوت ہوئی		

وَلَا مَا أَصَابَكُمْ	وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۳﴾	
اور نہ اس پر جو تمہیں پہنچی	اور اللہ آگاہ ہے جو تم عمل کرتے ہو	

فرارِ صحابہ بروزِ اُحد

إِذْ تُصْعِدُونَ (۱) اصعاد اور صعود میں یہ فرق ہے کہ اصعاد ہموار زمین میں جانے کو کہتے ہیں اور صعود بلندی پر چڑھنے کو کہا جاتا ہے جیسا کہ حماسی کے شعر میں ہے۔
هَوَيَّ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيْنَ مُصْعِدُ ۔ بعضوں نے یہاں تُصْعِدُونَ کی بجائے تَصْعَدُونَ پڑھا ہے تاکہ اس کا مصدر صعود ہو جائے کیونکہ بھاگنے والے اس روز پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے اور فراء کا قول ہے کہ اصعاد ہر سفر کی ابتدار کو کہا جاتا ہے جیسے کہ انحدار اس کے مقابلہ میں واپسی پر بولا جاتا ہے۔

وَلَا تَلْوُونَ :۔ لَوَىٰ يَلْوِي لَيًّا کے باب سے ہے اس کا معنی ہے گردن مروڑ کر پیچھے کی طرف التفات کرنا اور اس معنی میں اس کا استعمال ہمیشہ نفی کے صیغہ سے ہی ہوا کرتا ہے (مجمع)

فِي أُخْرَاكُمْ :۔ اُخریٰ اولیٰ کے مقابلہ میں ہوتا ہے گویا لوگ کئی جماعتوں میں ہو گئے تھے اور سب سے آخری گروہ میں حضورؐ تھے باقی سب لوگ آگے آگے دوڑے جا رہے تھے پس آپ پیچھے سے سب کو بلا رہے تھے اور ان سے کوئی مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا (میزان) بیضاوی میں ہے کہ حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ جو واپس آئے گا میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں لیکن کوئی نہیں سنتا تھا۔

فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ :۔ پس اس نے تم کو ایک غم دے دیا بجائے اس غم کے جو تم کو پہنچنے والا تھا وہ مذموم تھا یعنی لوٹ و غنیمت کے ہاتھ سے چلے جانے کا غم اور فتح کا شکست سے بدل جانے کا غم۔ پس اس کے بدلہ میں تم کو خدا نے حسرت و ندامت کا غم دے دیا تاکہ اس غم سے تمہاری خلاصی ہو جائے لہذا دوسرے غم کے ساتھ باء جارہ عوض کے لئے ہوگی گویا یہ غم اللہ نے اس غم مذموم کے بدلہ میں ان کو دے دیا اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ باء جارہ سببیت کے لئے ہو اور معنی یہ ہو کہ خدا نے تمہیں بھاگنے کا غم دے دیا بسبب اس غم کے جو تمہارے باہمی جھگڑے اور نافرمانی سے درہ کو چھوڑنے کے بعد تمہیں لاحق ہوا تھا کہ کفار تم پر ہر طرف سے حملہ آور ہو گئے تھے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ

پھر نازل فرمایا تم پر غم کے بعد امن - (یعنی نیند جو چھا گئی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک گروہ کو

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

تو فکر دامن گیر ہو رہا تھا اپنی جانوں کا گمان کرتے تھے اللہ پر ناحق گمان

الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

جاہلیت کا کہتے تھے کیا ہمارے لئے اس بارہ میں کچھ ہے (فتح و نصرت) فرمائیے معاملہ

كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ

سب اللہ کے بس میں ہے وہ چھپاتے ہیں اپنے دلوں میں جو نہیں ظاہر کرتے آپ پر کہتے ہیں اگر ہوتا ہمارے لئے

لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ

اس بارہ میں کچھ (فتح و غلبہ) تو ہم قتل نہ کئے جاتے یہاں فرمائیے اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں تب بھی

الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ

ضرور نکلتے وہ جن پر لکھا جا چکا ہے قتل ہونا طرف اپنی خوابگاہوں کے اور تاکہ آزمائے خدا تمہارے سینوں

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

کی باتوں کو اور تاکہ خالص کرے تمہارے دلی ارادوں کو اور خدا جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کو

ثُمَّ اَنْزَلَ - اس کا سبب یہ تھا کہ جب کفار نے واپس آنے اور مدینہ کے لوٹنے کی دھمکی دی اور خدا نے ان کے تعاقب کا حکم دیا تو مومنین لڑنے کے لئے تیار ہو گئے پس خدا نے ان پر امن و سکون کو طاری کیا کہ ان کو نیند آگئی اور منافقین قتل اور لوٹ مار کے ڈر سے بے چین رہے اور ان کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی - مروی ہے کہ صف بستہ حالت میں ان پر نیند کا غلبہ ہوا تھا کہ تلواریں ہاتھ سے گر پڑتی تھیں اور پھر اٹھا لیتے تھے (صافی)

صاحب تفسیر میزان نے کہا ہے کہ اس مقام پر مومنوں کے دو گروہ ہو گئے تھے ایک خالص اور پختہ عقیدہ والے جنہوں نے

فرار کرنے کے بعد جونہی ان کو حضورؐ کے زندہ ہونے کی اطلاع پہنچی تو فوراً واپس حاضر خدمت ہوئے اور توبہ اور پشیمانی کا اظہار کیا چنانچہ خدا نے ان کو معاف فرما دیا پس یہ امن و سکون انہی کے لئے تھا اور دوسرا گروہ وہ تھا جن کا ایمان متزلزل تھا جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ اگر نبی قتل ہو جائے یا مر جائے تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے وہ دین اسلام کے حلقہ بگوش تو دل سے تھے لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ خدا کا دین غالب و منصور ہی رہے گا اور کبھی خدا اپنے دین اور نبی کو غلبہ سے محروم نہیں رکھے گا اور نیز نبی قتل نہیں ہوا کرتا یا اس پر موت طاری نہیں ہو سکتی۔ پس ان لوگوں کا خلوص نبی علیہ السلام کی عین حیات تک ہی تھا۔ بلکہ اسلام والوں کو کسی مصیبت و تکلیف سے دوچار نہ ہونا پڑے اور ہمیشہ فتح و غلبہ اور غنیمتوں سے ہاتھ رنگے جاتے رہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب ہم حق پر ہیں تو ہمیشہ غلبہ ہی غلبہ ہمارے ساتھ ہوگا جبھی تو انہوں نے شکست کھانے کے بعد کہہ دیا هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٍ کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ (غلبہ و فتح) ہے؟ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ خداوند کریم نے اپنی حکمت کاملہ سے موجوداتِ عالم میں اسباب کا نظام چلایا ہوا ہے یا شکست کیلئے مخصوص اسباب ہوا کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ تھا کہ خدا دین حق کی بلاقید و شرط ہی نصرت فرماتا ہے اور یہی ان کا ظن جاہلیت کا ظن کہا گیا ہے کیونکہ وثنی گروہ کا یہ خیال تھا کہ حوادث میں سے ہر نوع مثلاً رزق حیات، موت اور لڑائی وغیرہ اور اسی طرح انواع موجودات میں سے انسان، زمین، پہاڑ اور سمندر دریا وغیرہ ہر شے کیلئے جُدا جُدا ایک رب موجود ہے جو ان کے نظام کو قائم رکھتا ہے اور وہ اپنے ارادہ میں ہمیشہ غالب ہی غالب ہوتا ہے لہذا وہ ان ارباب کی عبادت کرتے تھے تاکہ ان کیلئے موجب رزق و جالب سعادت ہوں۔ پس جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کوئی نبی اپنی دعوت میں مغلوب نہیں ہوتا یا وہ قتل نہیں ہو سکتا یا اس پر موت نہیں آسکتی تو اس نے اللہ پر ناحق گمان کیا اور گویا اس نے اللہ کا شریک قرار دیا کیونکہ گویا اس نے نبی کو بھی ایک وثنی رب مقرر کیا حالانکہ خدا واحد و لاشریک ہے اور سب معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہے چنانچہ اس سے پہلے بھی ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اے میرے حبیب! اس بارے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں بلکہ سب کچھ میرے اختیار میں ہے جو چاہوں کروں۔ پس جو لوگ اس موقعہ پر نیند اور سکون سے محروم رہے وہ اسی قسم کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (ملخص از میزان)

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ:- وہ چونکہ یہ سمجھتے تھے کہ دین حق ہمیشہ غالب ہی ہوتا ہے لہذا جب جنگ میں معاملہ کو برعکس دیکھا تو کہنے لگے اگر غلبہ و فتح ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم قتل نہ کئے جاتے اب چونکہ غلبہ ہمارے ہاتھ میں نہیں تو گویا ہم دین حق پر نہیں کیونکہ دین حق اور غلبہ تو لازم و ملزوم ہیں اور اس کو خدا فرما رہا ہے کہ یہ بات انہوں نے دل میں چھپائی ہوئی ہے جسے ظاہر نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کا اعتقاد یقیناً کفر یہ ہے پس ان کی تہدید میں فرماتا ہے کہ لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہر شخص کی موت کی اجل اس کی تاریخ موت اور محلِ موت مقرر شدہ ہے اس کے آگے کوئی بڑھ نہیں سکتا پس اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھ بھی رہتے تب بھی جن جن کی موت حتمی تھی انہوں نے ضرور اپنی اپنی قتلگاہوں کی طرف آنا ہی تھا اور ہم نے تمہارے غلبہ کو اُن سے اس لئے پھیر دیا تھا کہ تمہارے سینوں کی باتیں ظاہر ہوں اور کھرے اور کھوٹے کی صاف پہچان ہو جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ

تحقیق وہ لوگ جو بھاگ گئے تم میں سے جس دن فریقین میں لڑائی ہوئی صرف ان کو شیطان ہی نے پھسلایا تھا بوجہ ان کے

مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ ع

بعض کرتوتوں کے اور تحقیق معاف کردیا اللہ نے ان سے کیونکہ اللہ بخشنے والا صاحب علم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ بھاگنے والوں کے متعلق ہے کہ دنیاوی حرص اور غنیمت کے طمع اور رسولؐ کی نافرمانی کی بدولت ہی ان پر شیطان نے قبضہ پالیا اور آخر کار میدانِ جہاد کو چھوڑ بھاگے۔ فلک النجات میں تاریخ خمیس صـ۴۳۱ مطبوعہ مصر سے منقول ہے

قَالَ اَبُوْبَكْرٍ لَمَّا صَرَفَ النَّاسُ يَوْمَ اُحُدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَاءَ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں جب احد کے دن لوگ جناب رسالتمآبؐ کو چھوڑ بھاگے تو میں سب سے پہلا واپس آنے والا تھا اور ازالۃ الخفاء ج۱ صـ۱۶۵ سے منقول ہے کہ عَنْ كُلَيْبٍ قَالَ خَطَبَنَا عُمَرُ فَكَانَ يَقْرَءُ عَلَى الْمِنْبَرِ اٰلَ عِمْرَانَ ثُمَّ قَالَ تَفَرَّقْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَوْمَ اُحُدٍ فَصَعَدْتُ الْجَبَلَ۔

ترجمہ:۔ کلیب راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر ایک مرتبہ خطبہ میں سورۂ آل عمران پڑھ رہے تھے تو فرمایا کہ احد کے دن ہم رسول اللہؐ کو چھوڑ گئے تھے اور میں پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔

اور مدارج النبوۃ صـ۱۶۵ سے منقول ہے کہ جب مسلمان رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگے تو حضورؐ کو غصہ آیا حتیٰ کہ پیشانیٔ نورانی سے عرق کے قطرات مروارید کے دانوں کی طرح گر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ علیؑ پہلو میں کھڑے ہیں۔ فرمایا یا علیؑ تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بھاگا؟ تو عرض کی لَا اَكْفُرُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ میں ایمان لانے کے بعد کفر نہیں کر سکتا۔ گویا اس روایت کی رُو سے حضرت علیؑ کے نزدیک فرار کرنے والے کافر ہو گئے تھے۔

اور نیز تفسیر درمنثور سیوطی سے بروایت ابن جریر کلیب سے منقول ہے کہ حضرت عمر نے جمعہ کے خطبہ میں یہی آیت يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ الخ تلاوت فرمائی تو کہنے لگے اُحد کے دن جب ہم بھاگے تھے تو میں پہاڑ پر چڑھ گیا تھا اور میں پہاڑی بکرے کی طرح پہاڑ پر کود رہا تھا لفظ یہ ہیں وَقَدْ رَأَيْتُنِي اَنْزُوْ كَاَنِّي اَرْوِيَہ اس وقت لوگ کہہ رہے تھے کہ محمدؐ قتل ہو گیا ہے تو میں نے کہا خبردار میرے سامنے کوئی محمدؐ کے قتل کا نام نہ لے ورنہ میں اسے قتل کر دوں گا اور تفسیر کبیر جلد ۳ صـ۴۰۳، مطبوعہ مصر میں ہے کہ جب لوگ اُحد کے دن بھاگے تو کچھ واپس مدینہ میں پہنچ گئے سب سے پہلے سعد بن عثمان نے مدینہ میں پہنچ کر خبر دی کہ جناب رسالتمآبؐ قتل ہو گئے ہیں اس کے بعد باقی لوگوں نے پہنچنا شروع کر دیا۔ جب وہ اپنی عورتوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کیا تم رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ آئے ہو۔ حتیٰ کہ وہ ان کے منہ پر

خاک ڈالتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تم چرخہ لے کر گھر بیٹھ رہو۔ قفّال کہتا ہے جہاں تک اخبار سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگ بھاگ گئے جن میں سے بعض مدینہ آگئے اور بعض ادھر ادھر چلے گئے اور اکثر لوگ پہاڑ کی طرف چلے گئے اور وہاں جمع ہو گئے اور بھاگنے والوں میں سے حضرت عمر بھی تھے۔ لیکن وہ پہلے بھاگنے والے نہیں اور اتنے دُور بھی نہیں گئے تھے بلکہ وہیں پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور حضرت عثمان بھی بعض انصار کے ہمراہ بھاگے لیکن یہ بہت دُور نکل گئے تھے۔ اور تین روز کے بعد واپس ہوئے تھے۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا۔ آپ تو بہت دُور نکل گئے تھے؟ اختصار کے پیش نظر اصل عبارت عربی کو ترک کر دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ اس فقرہ میں اعتذار و ندامت کے بعد ان کی معافی کا تذکرہ ہے اور خطاب عام ہے لہٰذا معافی کا معنی تمام لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے فرار کیا تھا اور اس میں دونوں گروہ شامل ہیں وہ بھی جن پر امن وسکون کی نیند طاری کر دی گئی اور وہ بھی جو اس سکون سے محروم رہ گئے تھے۔ البتہ پہلے گروہ کو جس مدحیہ رنگ میں خطاب فرمایا ہے جس طرح آیتِ گذشتہ کے لب ولہجہ سے ظاہر ہے اس گروہ کے متعلق اس خصوصیت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ صرف یہ ہے کہ خدا نے ان کی اس لغزش کو دامن عفو میں جگہ دے دی ہے پس ان کو اس پر سزا نہ دے گا کیونکہ وہ صاحب حلم ہے پہلے گروہ کے متعلق اس سے پہلے یہ ارشاد تھا کہ یہ تمہاری شکست تمہاری آزمائش کے لئے تھی اور خدا نے تمہیں پھر معاف کر دیا اور خدا مومنین پر صاحبِ فضل ہے آیت ۱۵۲۔ پھر فرمایا تمہارا یہ غم اللہ کے اسی فضل وکرم کے پیش نظر اس غم مذموم کے بدلے میں تمہیں دیا گیا جو عنقریب تمہیں لاحق ہونے والا تھا۔ آیت ۱۵۳ اور پھر غم کے بعد تمہیں امن وسکون دیا گیا۔ اور نیند غالب کر دی گئی الخ یہ معافی کے الفاظ اور اس کے ساتھ ساتھ مدحیہ جملے اسی پہلے گروہ کے لئے مخصوص ہیں جن کا ایمان دلوں میں پختہ تھا لیکن ان سے لغزش ہو گئی تھی اور بعد میں فوراً سمجھ گئے اور تائب ہو گئے تھے لیکن دوسرا گروہ جو رسولؐ کے متعلق وثنیہ عقیدہ رکھنے والا تھا اور رسولؐ کے قتل یا موت کے منکر تھے اور دین کے ہمدرد اس لئے تھے کہ دین غالب ہے پس شکست کا منہ دیکھتے ہی اپنے دلی اور مخفی رازوں کو آشکار کرنے لگ گئے تھے ان کو بھی معافی دے دی گئی لیکن یہ معافی فضل پر مشتمل نہیں۔ اس لئے بعد میں ذو فضل کا استعمال نہیں فرمایا بلکہ یہ معافی اس کے حلم کے پیش نظر ہے جیسا کہ آیت کا اختتام بتا رہا ہے گویا اس لغزش پر ان کو سزا نہ دی جائے گی جو کہ اس کے حلم کا تقاضا ہے ورنہ یہ لوگ مدح کے قابل نہیں تھے اور اسی قسم والوں پر سابقہ آیت میں ارتداد کا خطرہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر رسولؐ پر موت آجائے یا قتل کئے جائیں تو یہ لوگ دین سے پھر جائیں گے اور کتب صحاح میں مروی ہے کہ بہت سے صحابہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد مرتد بھی ہو گئے تھے جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں بعض روایات کو بمعہ حوالہ جات نقل کیا ہے اور صرف وہی ثابت قدم رہے ہیں جن کے دلوں میں ایمان راسخ تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ

اے ایمان والو! نہ ہو موافق ان کے جو کافر ہوئے اور کہا اپنے بھائیوں کے حق میں

إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا

جبکہ وہ چلے (کاروبار کیلئے) زمین میں یا تھے وہ غازی (پس مرگئے یا مارے گئے) اگر ہوتے

مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ

ہمارے پاس (اور سفر کو نہ جاتے) تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ کرے اللہ یہ بات باعث حسرت ان کے دلوں

وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۵۶﴾

میں اور اللہ جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو بصیر ہے

رکوع نمبر ۸

لَا تَكُونُوا۔ کہتے ہیں یہ آیت عبداللہ ابن ابی سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری جو منافقین تھے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ ان کے بعض ساتھی جب سفر تجارت یا کسی دوسرے دنیاوی کاروبار کی خاطر یا جنگ کی خاطر باہر جاتے اور مرجاتے یا مارے جاتے تھے تو ان کے بارے میں یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ دیکھو ہم گھر میں بیٹھے ہیں لہٰذا ہمیں کچھ بھی نہیں ہوا اگر وہ بھی ہماری طرح گھر بیٹھے رہتے تو وہ بھی موت اور قتل سے بچ جاتے۔ پس خدا مومنین کو اس مقولہ کی اتباع سے منع فرما رہا ہے کہ جب تم اُن کے اس مقولہ کو درخور اعتنا نہ سمجھو گے تو اپنے جی میں خود پچھتائیں گے کیونکہ جب وہ تمہارا عمل اپنی توقع کے خلاف پائیں گے تو انہیں حسرت وندامت ہوگی۔

لِإِخْوَانِهِمْ۔ کی لام جارہ عَنْ کے معنی میں ہے اور لِيَجْعَلَ کی لام لَا تَكُونُوا کے متعلق ہے اور بعضوں نے اس لام کو عاقبت کے لئے قرار دے کر اس کو قَالُوا کے متعلق کہا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ کافر لوگ اپنے سفر کرنے اور مارے جانے والے بھائیوں کے حق میں یہ بات کہتے ہیں تاکہ مومنوں کو جہاد سے روک دیں اور چونکہ مومنوں نے ان کی اس بات سے اثر نہ لیا اور جنگ کے لئے نکل پڑے اور فتح وکامرانی بھی ان کو نصیب ہوئی اور مال غنیمت بھی ہاتھ آگیا تو ان کے دلوں میں وہ بات الٹا باعثِ حسرت بن گئی کیوں کہ انہوں نے تو مومنوں کو روکنے کے لئے کہی تھی لیکن عاقبت و انجام کے لحاظ سے وہ ان کے لئے باعثِ حسرت بن گئی اور آیت کی طرز بتلاتی ہے کہ مومنین کے دلوں میں اس قسم کے وساوس پیدا ہوتے بھی

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ

اور اگر تم قتل ہو جاؤ راہِ خدا میں یا مرجاؤ تو البتہ بخشش اللہ کی اور رحمت بہتر ہے

مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

اس (مال) سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مرجاؤ یا قتل کئے جاؤ البتہ اللہ کی طرف ہی تمہارا حشر ہوگا

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ

پس ساتھ مہربانی خدا کے آپ نرم ہیں ان کے لئے ورنہ اگر آپ بدخلق سخت دل ہوتے تو یہ لوگ

لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

بھاگ جاتے آپ کے پاس سے پس ان سے درگذر کیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور ان کو شریک

فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۹﴾

مشورہ بنائیے پس جب عزم کر لیں تو اللہ پہ بھروسہ کریں تحقیق اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

تھے کیونکہ جنگِ اُحد میں بڑے بڑے اکابر شہید ہو گئے تھے پس خدا نے ان کو اس خیال اور بدظنی سے روک دیا کہ ایسا ہرگز خیال نہ کرو۔ اس جنگ میں ستر شہداء میں سے صرف چار مہاجر اور باقی ۶۶ انصار قتل ہوئے تھے جن کی فہرست صلا۲ پر پہلے گذر چکی ہے اس سے اندازہ خوب ہوتا ہے کہ اس دن لڑائی میں زیادہ حصہ لینے والے انصار تھے اور مہاجرین نے ہی بھاگنے میں سبقت لی تھی۔ واللہ اعلم

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ :- تفسیر برہان میں کتب معتبرہ سے لطرق متعددہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جابر نے آپ سے اسی آیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم سبیل اللہ کو جانتے ہو؟ اس نے عرض کی حضور! جب تک آپ کی زبان دُرفشاں سے نہ سن لوں مجھے بذاتِ خود کوئی علم نہیں پس آپ نے فرمایا علیؑ اور اس کی ذرّیت سبیل اللہ ہیں اور جو شخص علیؑ کی ولایت میں قتل کیا جائے اس کی موت فی سبیل اللہ واقع ہوتی ہے۔

حکمِ مشورہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ :- کلامِ سابق میں چونکہ قدرے توبیخ و سرزنش تھی فرار کرنے والوں کے لئے۔ لہٰذا اب کلام کا رُخ تبدیل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ بفضلِ خدا آپ رحم دل اور نرم خو واقع ہوئے ہیں ورنہ اگر آپ میں سختی اور بدخلقی کا مظاہرہ ہوتا تو یہ لوگ کب کے آپ سے بھاگ گئے ہوتے پس ان سے درگذر کیجئے

اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور جو کام کرنا ہو ان سے مشورہ لیجئے۔

آپ اگرچہ وحی سے مؤید و مسدد تھے لیکن مشورہ لینے کے چند فوائد ہیں (۱) ان کی دلجوئی مطلوب تھی تاکہ وہ سمجھیں کہ ہماری باتوں کو بھی سرے سے ٹھکرایا نہیں جاتا۔ (۲) امت کے لئے سنت قائم کرنا مطلوب تھا کہ وہ اپنے کاموں کو باہمی مشورہ سے سر انجام دیا کریں اور اس میں اپنی توہین نہ سمجھیں۔ (۳) صحابہ کی عزت مطلوب تھی۔ (۴) امتحان مطلوب تھا تاکہ خیرخواہ و بدخواہ کا باتوں میں پتہ چل جائے۔

مکارم اخلاق پیغمبرؐ

باوجودیکہ آپ میں بلندی و برتری کے تمام اسباب موجود تھے (۱) قوم میں بلند (۲) حسب میں برتر (۳) سخاوت میں اپنی مثال خود (۴) شجاعت میں بے نظیر (۵) ذہن و ذکا میں اکمل (۶) تمام فصحاءِ عرب سے فصیح تر اور بایں ہمہ آپ میں فروتنی اور انکساری اس درجہ تک تھی کہ (۱) اپنے پھٹے ہوئے کپڑے کو اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے (۲) اپنی نعلین کی اصلاح خود بنفس نفیس فرماتے تھے (۳) گدھے کی سواری کیا کرتے تھے (۴) اونٹ کو گھاس خود ڈالتے تھے (۵) غلاموں کی دعوت کو بھی شرف قبولیت بخشتے تھے (۶) زمین پہ بیٹھتے تھے (۷) زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے (۸) اور دین خدا کی دعوت میں قطعاً سختی یا کج روی سے پیش نہ آتے اور تھکان بھی محسوس نہ فرماتے تعریضاً وکنایتہً تمام مومنین کو اس آیت مجیدہ میں درگذر مجرم کے حق میں دعائے مغفرت، باہمی مشورہ اور سخت کلامی اور بدخوئی سے اجتناب کی دعوت بالعموم دی گئی ہے اور آخر میں توکل اور اللہ کی ذات کی طرف معاملات کی تفویض کا حکم بھی دے دیا گیا ہے خداوند کریم مجھے اور تمام مسلمانوں اور بالخصوص دعوئ ایمان رکھنے والوں کو سیرت پیغمبر پہ چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے

تفسیر برہان میں کتب معتبرہ سے امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک بدوی بنی عامر کے قبیلہ کا آیا اور اس نے جناب رسالتمآبؐ کے متعلق پوچھا۔ آپ موجود نہ تھے لوگوں نے کہا وہ تفریح کے لئے باہر گئے ہیں۔ وہ ڈھونڈتا رہا۔ آپ نہ ملے کسی نے کہا منیٰ میں ہیں کسی نے کہا عرفات میں ہیں لیکن اس کو کہیں بھی نہ مل سکے پھر بتلایا گیا کہ وہ مشعر الحرام میں ہوں گے اس نے دریافت کیا کہ حضور کا حلیہ مجھے بتایا جائے تاکہ ہر ایک سے سوال نہ کرتا پھروں تو بتایا گیا کہ آپ نہ طویل قامت ہیں نہ پست قد۔ اور نورانی چہرہ۔ بال گھنے۔ پیشانی کشادہ اور ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان کی جگہ سفید۔ ناک بلند۔ جبین مبین وسیع۔ داڑھی گھنی۔ دانت کھلے نچلے ہونٹ پر خال۔ گردن پاک چاندی کی طرح چمکدار۔ کندھے چوڑے پیٹ سینے کے برابر۔ انگلیاں لمبی اور ان کے پورے موٹے سرنگوں ہو کر چلتے ہیں۔ جب مڑ کر دیکھیں تو پورے جسم کو موڑتے ہیں۔ ہاتھ آپ کے بہت نرم ہیں۔ جب کھڑے ہوں تو جب تک پاس والا نہ پیچھے ہٹے آپ پیچھے نہیں ہٹتے اور بیٹھیں تو اس وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑتے جب تک کہ ساتھی پہلے اپنی جگہ نہ چھوڑیں پس یہ علامتیں اس بدوی نے یاد کرلیں اور تلاش کے لئے روانہ ہوا اور آخر کار اس نے دیکھ کر آپ کو پہچان لیا۔ اس نے اپنی ناقہ کو حضور کی ناقہ سے آگے کر لیا لوگوں نے منع کرنا چاہا کہ یہ سوءِ ادب ہے تو آپ نے فرمایا تم کچھ نہ کہو یہ شخص باادب ہے فرمایا۔ اعرابی تیرا کیا مطلب ہے؟ اس نے

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ

اگر تمہاری مدد کرے اللہ تو کوئی بھی غالب نہیں ہو گا تم پہ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو کون ہے جو تمہاری مدد

یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

کرے گا اس کے بعد چاہیئے کہ اللہ پر ہی بھروسہ رکھیں ایمان والے

کہا حضور آپ کے فرستادہ ہمارے پاس پہنچے ہیں اور وہ ہمیں نماز، زکوٰۃ حج اور غسل جنابت وغیرہ کے بجالانے کا حکم دیتے ہیں مجھے اپنی قوم نے تسلی کے لئے بھیجا ہے اور میں آپ سے قسم اٹھوا کر پوچھوں گا لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں، آپ نے فرمایا میں غصہ نہیں کرتا میرے تورات وانجیل میں یہ اوصاف درج ہیں کہ محمد اللہ کا رسول مجتبیٰ ومصطفےٰ ہے نہ بدگو نہ سخت گیر ہے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ احسان سے دیتا ہے اور مجھے ہی قرآن میں فرمایا کہ اگر آپ سخت گیر اور بدکلام ہوتے تو لوگ آپ کے اردگرد سے ہٹ جاتے۔ پس جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لے۔ اس نے کہا جس خدا نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا ہے کیا آپ اسی کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! مجھے اسی نے بھیجا ہے پھر اس نے کہا جس ذات کے حکم سے آسمان قائم ہیں اس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اور اس نے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دے کر آپ کو بھیجا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ ہاں مجھے اسی نے بھیجا ہے غسل جنابت اور باقی حدود کا حکم بھی اسی کی جانب سے ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! پس اس نے کہا ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے رسولوں، کتابوں، یوم آخر، بعث، میزان، موقف اور جملہ حلال وحرام پر بھی ایمان لائے ہیں پس آپ نے اس کے حق میں دعائے مغفرت کی

مسئلہ :۔ توکل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے بلکہ آیت مجیدہ صاف طور پہ بتلارہی ہے کہ جب کوئی اہم کام باہمی مشورہ سے طے ہو جائے تو پھر اللہ پہ توکل کر کے اسے کر گزرو یعنی مطلوب تک رسائی کے لئے اس کے اسباب ظاہریہ کی چھان بین مل جل کے کرو اور جب اس میں ایک نتیجہ تک پہنچ جاؤ تو پھر تمہارا کلی اعتماد صرف انہی ظاہری اسباب پہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ اللہ پہ توکل کر کے آگے بڑھو کیونکہ بہرحال مطلوب تک رسائی اسی کی ہی توفیق سے ہوا کرتی ہے پس انسان پر کوشش واجب ہے اور کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ :۔ اللہ کی نصرت دو طرح پر ہے ایک ظاہری غلبہ کے لئے اور دوسری اظہار حق کے لئے دلیل و برہان کے طور پر۔ نصرت کی دوسری قسم تو ہمیشہ مومنین کے لئے ہوتی ہے اور اس میں خدا کبھی مومنوں کو اپنی نصرت سے محروم نہیں فرماتا لیکن نصرت کی پہلی قسم سے مومنین بعض اوقات محروم کر دیئے جاتے ہیں تاکہ امتحان وآزمائش کے وقت ثبات قدم اور صبر سے ان کے درجات میں ترقی ہو اور نیز تاکہ مومنین توکل کا غلط معنی ذہن نشین نہ کر لیں کہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

اور نہیں نبی کا کام خیانت کرنا اور جو بھی خیانت کرے گا لائے گا خیانت کردہ چیز کو بروز قیامت

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾

پھر پورا دیا جائے گا ہر نفس کو اپنا کمایا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا

بیٹھ جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ بہرحال ہم غالب ہی ہوں گے بلکہ ان کو اسباب ظاہریہ سے کسی وقت غفلت نہ کرنی چاہیے اور غلبہ ونصرت کے لئے اپنی پوری قوت کو عمل میں لانا چاہیے اور ہر وقت خدا و رسولؐ کے احکام کو اپنا شعار بنانا چاہیے اور پھر اللہ پر بھروسہ بھی ہو۔ چنانچہ جنگِ اُحد میں ناکامی انہی فروگذاشتوں کا نتیجہ تھی اور مومنین کے صبر و ثباتِ قدم کا امتحان بھی تھا۔

وَمَا كَانَ ۔ آیتِ مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے یہ کہہ کر درّہ چھوڑ دیا تھا کہ شاید مالِ غنیمت صرف لوٹنے والوں کے لئے ہوگا اور ممکن ہے کہ جناب رسالتمآبؐ غنیمت کے جمع کردہ مال کو تمام مجاہدین پر تقسیم نہ کریں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ مشرکین نے آپ سے خواہش کی تھی کہ قرآن مجید میں جہاں ہمارے دین کی مذمت اور ہمارے خداؤں کی تذلیل کا بیان ہو آپ اس کو ظاہر نہ کیا کریں تو یہ آیت اُن کی تردید میں اُتری ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں جن کا ذکر ناغیر ضروری ہے۔

آیت مجیدہ میں نبی کی شان کو خیانت سے اجل ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ہر مومن کی شان اس سے اجل ہونی چاہیے اور ضمنی طور پر تمام مومنین کو اس سے باز رہنے کی دعوت دی گئی ہے چنانچہ دوسرے فقرے میں اس کو عام بھی کر دیا گیا ہے اور حکم کی اہمیت کے پیشِ نظر نسبت نبی کی طرف دی گئی ہے کہ جب ایک ناشائستہ فعل کا وبال کسی نبی سے ٹل نہیں سکتا تو کوئی دوسرا اس سے کس طرح بچ سکے گا۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اونٹ کی خیانت کرے گا وہ بروزِ محشر اونٹ کو اپنی گردن کے اُوپر اٹھا کر لائے گا کہ وہ رینگتا ہوگا اور جو گھوڑے کی خیانت کرے گا وہ گھوڑے کو گردن پر اٹھا لائے گا کہ وہ ہنہناتا ہوگا۔ شاید اس مثال سے مراد یہ ہو کہ اس کو بروز محشر مجمع عام میں رسوائی نصیب ہوگی اور اس پر ایک علامت لگا دی جائے گی جس سے اس کے جرم کی نوعیت تمام اہل محشر پر ظاہر ہوگی اور یہ بات صرف خیانت کے جرم کے ساتھ مختص نہیں بلکہ بروزِ محشر ہر گناہ کے لئے ایک علامت مقرر ہوگی جس سے وہ پہچانا جائے گا بشرطیکہ بغیر توبہ کے اس کی موت واقع ہوئی ہو پس تمام اہلِ محشر اس کی علامت کو دیکھ کر اس کے گناہ سے مطلع ہوں گے اور اس کی علت عذاب بھی ہر ایک پر ظاہر ہوگی جس طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ يَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖ

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

کیا جو شخص پیچھے چلے رضائے خدا کے مثل اس کے ہے جو پلٹا ہو ساتھ ناراضگی خدا کے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو؟

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

اور وہ بری بازگشت ہے یہ (لوگ مختلف) درجے رکھتے ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ آگاہ ہے اس چیز سے جو وہ کرتے ہیں

اِنْسٌ وَّلَا جَانٌّ (اس دن کسی جن و انسان سے اس کا گناہ پوچھا نہ جائے گا) علامتوں سے ہی معلوم ہو جائے گا اور ظلم نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنی نیکیوں سے بدلہ کم نہ ملے گا بلکہ ہر نیکی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کو اپنی برائیوں سے سزا زیادہ نہ ملے گی پس بعض نیکیوں کی جزا کو دگنا یا دس گنا کرنا یا بعض برائیوں کی سزا کا معاف کرنا منافیٔ عدل نہ ہوگا بلکہ عین اس کا فضل و کرم ہوگا۔ حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص تادم مرگ تین چیزوں سے پاک رہے وہ جنت میں داخل ہوگا وہ تین یہ ہیں (۱) تکبر (۲) خیانت (۳) قرضہ (تفسیر رازی)

اَفَمَنِ اتَّبَعَ:۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عمار سے فرمایا کہ اس سے مراد آئمہ ہیں اور مومنین کے لئے درجات ہیں۔ یعنی ہماری ولایت کی بدولت ان کے اعمال میں زیادتی اور درجات میں بلندی ہوتی ہے اور كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے علی بن ابی طالبؑ اور باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام کے حق کا انکار کیا جس کی وجہ سے وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔

اَقُوْلُ:۔ آیت مجیدہ کے الفاظ میں عموم ہے اور معصوم نے تاویل کے طور پر اس کے بعض افراد کی ایک واضح نشانی بیان فرمادی ہے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی تفسیر کے ماتحت هُمْ کا مرجع مَنِ اتَّبَعَ ہے اور عمومی معنی کے اعتبار سے ضمیر کے مرجع میں بھی تعمیم ہوگی اور درجات سے مراد صاحبانِ درجات ہیں یعنی اس کا مضاف ذو محذوف ہے پس اس کے معنی میں دو قول ہیں (۱) اللہ کے برگزیدہ لوگ اور اللہ کے مبغوض لوگ مختلف درجات رکھتے ہیں یعنی قسم اول کے لئے جنت اور اس کی نعمتیں ہوں گی اور قسم ثانی کے لئے عذاب جہنم اور ذلت ہوگی (۲) جنتیوں اور دوزخیوں میں سے ہر ایک کے مراتب الگ ہوں گے کیونکہ جنت کے طبقات جدا جدا ہیں چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اہل جنت اعلیٰ علیین کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح زمین والے آسمانی ستاروں کو دیکھتے ہیں (مجمع)

اسی طرح جہنم کے درکات ہیں جو ایک دوسرے سے پست ہیں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ کم از کم عذاب قیامت کے روز اس شخص کا ہوگا جس کو جہنم کا جوتا پہنایا جائے گا جس کی حرارت سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (تفسیر رازی)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ

تحقیق احسان فرمایا اللہ نے مومنوں پر کہ بھیجا ان میں ایک رسول انہی

اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ

میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو تعلیم دیتا ہے کتاب و

الْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۱۶۴)

حکمت کی اگرچہ وہ تھے اس سے پہلے کھلی گمراہی میں

تنبیہ:۔ اصطلاح میں اہل جنت کے لئے درجات اور اہل جہنم کے لئے درکات کا استعمال ہوا کرتا ہے امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک درجہ آسمان وزمین کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوگا (برہان)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ:۔ جناب رسالتمآب اگرچہ عالمین کے رسول تھے لیکن صرف مومنین کے لئے ان کی بعثت کو اس لئے مخصوص فرمایا کہ ان سے استفادہ صرف مومن ہی کرتے ہیں اور چونکہ بعض لوگوں نے آپ کی نسبت خیانت کی طرف دی تھی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے تو اس آیت مجیدہ میں مزید وضاحت کے طور پر فرماتا ہے کہ یہ رسول تمہارے اپنے میں سے ہے اور اپنی پوری زندگی میں اعلان رسالت سے پہلے ہی اپنی قوم پر صداقت ۔ دیانت وامانت کے لحاظ سے ان کا ڈنکا بج چکا ہے تو پھر ایسے شخص سے خیانت، کیسے صادر ہو سکتی ہے بلکہ یہ تو اللہ کا احسان عظیم وفضل جسیم ہے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا جو تمہاری دینی و دنیاوی فلاح وبہبود کا ضامن ہے۔

مِنْ اَنْفُسِهِمْ:۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ وہ تمہاری قوم میں سے ہے جو تمہارے لئے مزید شرف کا موجب ہے یا یہ کہ اس سے مراد تمہاری جنس سے ہے یعنی جن وملک کی جنس سے نہیں تاکہ ان کی تعلیم وتربیت کو تم آسانی سے سمجھ سکو اور قبول کر سکو۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ:۔ تفسیر رازی میں ہے کہ نفس انسانی کے لئے دو قوتیں ہیں۔ (۱) نظریہ (۲) عملیہ اور خداوند کریم نے اپنے حبیب پر قرآن نازل فرمایا تاکہ انسان ان ہر دو قوتوں میں کمال حاصل کر سکے پس تلاوت آیات سے مراد ہے قوت عملیہ کی تکمیل کے لئے اعمال کی تبلیغ اور تزکیہ سے مراد ہے قوت نظریہ کی تکمیل کے لئے معارف، حقائق کی تعلیم اسی طرح کتاب کی تعلیم سے مراد ہے احکام ظاہریہ شرعیہ کا درس اور حکمت سے مراد ہے احکام شرعیہ کے محاسن واسرار کی تعلیم اور اس میں شک نہیں کہ حضور انسان کے اعمال وعقائد ہر دو کی اصلاح کے لئے تشریف لائے تھے پس عقائد وتعلیم فرمائے جو ہر عقل سلیم کے لئے قابل قبول ہیں اور اعمال کا وہ درس دیا جو انسانی زندگی کے ہر پہلو میں انسانیت کے وقار کی بلندی کے باعث ہیں۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ

کیاجب تمہیں پہنچے مصیبت کہ تم پہنچا چکے ہو اس سے دگنی تو کہتے ہو یہ کہاں سے آگئی

هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ

فرما دیجیے یہ تمہاری اپنی طرف سے آئی ہے تحقیق اللہ اوپر ہر شے کے قدرت رکھنے والا ہے اور جو

اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

تکلیف پہنچی تمہیں جس دن لڑے دو گروہ پس وہ اللہ کے علم میں ہے اور تاکہ پرکھے ایمان والوں کو

کردار نفسی اور معاملاتِ خانگی کے علاوہ اقتصادیات معاشیات اور تمدنی اصلاحات کے لئے وہ ناقابلِ تنسیخ و ترمیم قوانین وضوابط نافذ فرمائے جو ادیانِ عالم میں دینِ اسلام کی سربلندی و برتری کا امتیازی نشان ہیں

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ :- جنگِ بدر میں کفار کے ستر آدمی قتل کئے گئے تھے اور ستر آدمی قید ہوئے تھے جن کا فدیہ لیا گیا تھا اور جنگِ احد میں مسلمانوں کے ستر آدمی قتل ہوگئے تو مسلمانوں کو بہت دکھ ہوا جس کی خدا حکایت فرما رہا ہے اور ان کو تسلی دے رہا ہے مسلمان کہتے تھے کہ ہم پر مصیبت کیوں آگئی حالانکہ ہم حق پر بھی ہیں اور ہم میں اللہ کا رسولؐ بھی موجود ہے تو خدا فرماتا ہے کہ یہ مصیبت تمہاری اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ہے اور اس کی کئی ایک وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) مدینہ سے نکلنے سے پہلے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ یہاں شہر میں رہ کر لڑیں تو انہوں نے آپؐ کی مخالفت کرتے ہوئے باہر جا کر لڑائی کی جس کا نتیجہ وہ ہوا جو ہوا۔

(۲) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ بدر کے دن جو کافر قید ہوئے تھے ان کے قتل کا حکم تھا لیکن انہوں نے فدیہ لینا منظور کیا تھا تو حکم ہوا تھا کہ اگر فدیہ لوگے تو آئندہ سال تمہارے بھی اسی قدر آدمی قتل کئے جائیں گے تو انہوں نے کہا تھا اب فدیہ لے کر فائدہ اٹھالیں اگر آئندہ سال ہم قتل ہوئے بھی تو درجہ شہادت ہوگا لہذا ہمیں یہ بات منظور ہے

(۳) جنگِ احد میں عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے درّہ چھوڑ دیا تھا جس کا نتیجہ مسلمانوں کا قتل ہوا پس یہی کوتاہیاں ہیں جن کا اشارہ آیت مجیدہ کر رہی ہے کہ تمہیں جس قدر مصیبت پہنچی ہے وہ سب تمہاری اپنی طرف سے ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ :- یعنی تمہیں جو تکلیف پہنچی ہے اللہ کے نزدیک اس کی کئی مصلحتیں ہیں (۱) فَبِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی اس کا اللہ کو علم ہے اور درحقیقت اللہ کے نزدیک اسی میں ہی بہتری ہے (۲) وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ - یعنی یہ تکلیف بطور آزمائش کے تھی تاکہ کھرے کھوٹے پرکھے جاسکیں اور مومنوں کے ایمان کا پتہ چل جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے وبے گانے میں فرق

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ

اور تاکہ پرکھے ان کو جو منافق ہیں اور ان کو کہا گیا کہ آؤ لڑو راہ خدا میں یا دفع کرو (دشمنوں کو)

قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ

تو کہنے لگے اگر ہم لڑنا جانتے تو ضرور تمہارے پیچھے چلتے وہ اس دن کفر کے زیادہ قریب ہیں

لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

ایمان سے وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ

يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ

پوشیدہ کرتے ہیں جنہوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اور خود بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے

قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

فرما دیجئے کہ ہٹا دو اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم سچے ہو تو

معلوم ہو جائے ورنہ اللہ کو تو پہلے ہی معلوم ہے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ ۔ یعنی وہ لوگ جو ظاہری اسلام کا لباس اوڑھ کر اندرونی طور پر کافروں سے ملے ہوئے ہیں ایسے منافقوں کا بھی عام پتہ چل جائے۔

قِيلَ لَهُمْ :۔ کہتے ہیں جب جنگ احد کے لئے فوج اسلام تیار ہوئی تو عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی جن کی تعداد تقریباً تین سو تھی وہ الگ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم خواہ مخواہ کیوں اپنے آپ کو قتل کریں پس عبداللہ بن عمرو انصاری نے ان کو دعوت جہاد دی اور کہا کہ اگر تم لڑنا پسند نہیں کرتے تو کم از کم ہمارے ساتھ رہ کر اپنی ناموس کی تو حفاظت کرو۔ تو جواب میں کہنے لگے کہ ہمیں لڑنا نہیں آتا ورنہ ہم ضرور شریک جہاد ہوتے۔ اور ان کا یہ قول بھی صرف بہانہ تھا جس کو خدا بیان فرما رہا ہے کہ وہ منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی پس وہ اس فعل سے اپنا پردہ چاک کر بیٹھے کیونکہ مومنوں کو بھی اب کفر کے قریب نظر آنے لگے چنانچہ اس سے پہلے ان کے دلی حال کی مومنوں کو خبر نہ تھی۔

الَّذِينَ قَالُوا :۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اُحد کے مقتولین کے متعلق یہ کہا تھا کہ اگر وہ ہماری مانتے تو قتل نہ ہوتے خدا ان کے اس قول کی بھی مذمت فرما رہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جس سے وہ آگے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ

اور نہ خیال کرو جو لوگ قتل کیے گئے راہ خدا میں مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے

رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ

پاس رزق دیئے جاتے ہیں ۔ خوش ہیں ساتھ دیئے ہوئے اللہ کے فضل کے اور بشارت حاصل کرتے

بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ہیں ان لوگوں کے متعلق جو نہیں ملحق ہوئے ان سے ان کے پیچھے کہ نہ خوف ہے ان پر اور نہ

هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ

وہ غمگین ہیں بشارت حاصل کرتے ہیں ساتھ نعمت کے جو اللہ کی جانب سے ہے اور فضل کے اور تحقیق

لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾ ع

اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیک کام کرنے والوں کا

یا پیچھے نہیں ہو سکتی۔ پس موت کے ڈر سے جہاد کو چھوڑنا سراسر غلطی ہے۔

شہداءِ بئر معونہ

وَلَا تَحْسَبَنَّ :- اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) شہداء بدر کے متعلق نازل ہوئی جو کل چودہ آدمی تھے جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے (۲) شہداء احد کے بارے میں اتری جن کی کل تعداد ستر تھی جن میں صرف چار مہاجر تھے (۱) حضرت حمزہؓ (۲) مصعب بن عمیر (۳) عثمان بن شماس (۴) عبداللہ بن حجش اور باقی ۶۶ انصار تھے جن کی پوری فہرست رکوع نمبر ۴ کی تفسیر میں ۴ پر بیان ہو چکی ہے (۳) اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ شہداء احد و بدر سب کو یہ آیت شامل ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ شہداء بئر معونہ کے حق میں اتری جن کا واقعہ تفسیر مجمع البیان میں اس طرح منقول ہے کہ ابو براء عامر بن مالک جو بنی عامر کا سردار تھا مدینہ میں جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں کوئی چیز بطور ہدیہ کے لایا۔ آپ نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہاں اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا ہدیہ قبول ہو تو مسلمان ہو جا پھر آپ نے چند آیات قرآنیہ کی تلاوت بھی فرمائی یہ سن کر ابو براء نہ تو اسلام لایا اور نہ اسلام سے نفرت کا اظہار کیا اور عرض کی حضورؐ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں بجا ہے اگر اپنی جانب سے کچھ آدمی اہل نجد کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمائیں تو امید ہے کہ وہ قبول کر لیں گے آپؐ نے فرمایا

مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ان کو مار نہ ڈالیں۔ اس نے عرض کی کہ وہ ایسا نہ کریں گے کیونکہ میں ان کا ہمسایہ ہوں (یعنی وہ میری رعایت کرتے ہوئے ان کی ایذا رسانی نہ کریں گے) پس آپ نے بنی ساعدہ کے ایک شخص منذر بن عمیر نامی کو ستر چیدہ چیدہ مسلمانوں کے ہمراہ روانہ فرمایا جن میں حارث بن صمہ، حرام بن ملحان عروہ بن اسماء نافع بن بدیل اور عامر بن فہیرہ شامل تھے اور اور یہ واقعہ جنگ احد کے چار ماہ بعد ماہ صفر ۴ھ کا ہے یہ لوگ چل کر بئر معونہ پر پہنچے تو آپس میں مشورہ کیا کہ پیغام رسالتؐ کون پہنچائے گا؟ چنانچہ حرام بن ملحان نے کہا کہ یہ کام میرے ذمہ ہے اور میں کروں گا پس اس نے حضرت رسالتمآبؐ کا مکتوب عامر بن طفیل کو دیا لیکن اس نے آپؐ کے خط کو نظر انداز کر دیا۔ پھر حرام بن ملحان نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہوئے بئر معونہ والوں کو دعوتِ اسلام دی اتنے میں ایک شخص نے اس پر نیزہ کا وار کیا جو اس کے پہلو کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا اور اس نے اپنی کامیابی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے جان جان آفرین کے حوالہ کر دی پس عامر بن طفیل نے بنی عامر کو باقی مسلمانوں پر حملہ کی دعوت دی لیکن انہوں نے ابو براء کے عہد کا لحاظ رکھتے ہوئے انکار کر دیا پس عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے دوسرے قبائل کو پکارا تو انہوں نے فوراً مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا ادھر انہوں نے بھی تلواریں علم کر لیں اور لڑتے ہوئے سب کے سب شہید ہو گئے صرف کعب بن زید بچ گیا تھا جو بعد میں جنگِ خندق میں شہید ہوا۔ عمرو بن امیہ ضمری اور ایک دوسرا انصاری شخص جن کا قیام اپنے ساتھیوں سے علیحدہ تھا انہوں نے پرندوں کی آمد سے حادثہ کی نوعیت کو معلوم کیا اور جب پہنچے تو وہ اپنے خون میں لت پت تھے انصاری نے کہا کہ منذر بن عمرو کو قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر میں تو واپس نہ جاؤں گا چنانچہ وہ اکیلا لڑ کر وہیں شہید ہو گیا اور عمرو بن امیہ ضمری گرفتار ہو گیا جب اس نے اپنا قبیلہ مضر بتایا تو عامر بن طفیل نے اس کی پیشانی کے بال نوچ کر (غلام بنا کر) اپنے باپ کی طرف سے آزاد کر دیا اور اس نے مدینہ پلٹ کر سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ یہ مصیبت ابو براء کی طرف سے آئی ہے اور مجھے پہلے سے ہی اس کا ڈر تھا چنانچہ ابو براء کی عہد شکنی پر احسان بن ثابت اور کعب بن مالک نے اشعار کہے۔ یہ بات ابو براء پر بھی شاق گذری اور حسان اور کعب کے اشعار ابو براء کے لڑکے ربیعہ نے سُنے تو اس نے عامر بن طفیل کو قتل کر دیا پس خداوند کریم نے شہداء بئر معونہ کے حق میں یہ آیت بھیجی بہر کیف آیت مجیدہ کا شانِ نزول خواہ کسی ایک واقعہ سے تعلق رکھتا ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں اور قیامت تک کے لئے زندہ ہیں اور اس کے افراد قیامت تک ہوں گے البتہ مدارج و مراتب کا فرق ضرور ہو گا۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ :- یعنی شہداء تو خود جنت میں ہوتے ہیں لیکن جب ان کو پیچھے زندہ رہنے والے مومن بھائیوں کے متعلق خبر پہنچتی ہے کہ وہ ایمان و عمل صالح کی دولت سے مالا مال مصروف جہاد ہیں اور خوف و حزن سے آزاد ہیں تو وہ اور زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں خوف طبیعت کی اس پریشانی کا نام ہے جو آنے والے مصائب کے تصور سے لاحق ہو اور حزن طبیعت کی اس پریشانی کا نام ہے جو کسی محبوب چیز کی مفارقت کی وجہ سے لاحق ہو پس ایمان والوں کو آنے والے عذاب کا خوف اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو کر جاتے ہیں اور موت کی وجہ سے دنیا کی مفارقت کا حزن نہیں ہوتا کیونکہ نعمات جنت دنیاوی نعمات سے بدرجہا اتم اور اعلیٰ و ارفع ہیں

ثواب شہداء تفسیر مجمع البیان میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے خطبہ

میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے رہے تھے کہ ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر جہاد کا ثواب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ غزوہ ذات سلاسل سے واپسی پر میں جب جناب رسالتمآبؐ کے پیچھے ناقۂ غضباء پر سوار تھا اور میں نے آپ سے یہی سوال کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا جب مجاہد تیاری کرتا ہے تو خدا جہنم سے اس کی آزادی فرض کر دیتا ہے اور ملائکہ پر مباہات فرماتا ہے جب وہ اپنے عیال سے وداع کرتا ہے تو گھر اور اس کی دیواریں اس کے لئے گریہ کرتی ہیں اور وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے خدا چالیس فرشتوں کو موکل کرتا ہے۔ اس کی ہر نیکی دگنی شمار ہوتی ہے اس کی ہر دن کی عبادت ایسے ایک ہزار عابد کی عبادت کے برابر ہوتی ہے جنہوں نے ہزار ہزار سال عبادت میں گذارے ہوں جن کا ایک دن پوری دنیا کی زندگی کے برابر ہو جب وہ دشمنوں کے مقابل ہوتے ہیں تو ان کے ثواب کو کوئی جان ہی نہیں سکتا اور مصروف جہاد ہوں تو ملائکہ ان کیلئے دست بدعا رہتے ہیں اور ایک منادی ندا کرتا ہے کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے پس نیزہ و تلوار کا زخم ان کو موسم گرما کے ٹھنڈے پانی سے بھی محبوب تر ہوتا ہے اور جب پشت زین سے زمین پر آئیں تو ان کا سر حور عین کے دامن میں ہوتا ہے جو ان کو جنت کے انعامات کی بشارت سناتی ہیں زمین ان کو مرحبا کہتی ہے اور نعمات خداوندی کا مژدہ سناتی ہے اور آواز قدرت آتی ہے کہ اس کے پس ماندوں کا میں کفیل ہوں جو ان کو راضی کرے گا اس نے مجھے راضی کیا جو ان کو ناراض کرے گا اس نے مجھے ناراض کیا ان کے ارواح سیر جنت کرتے ہیں اور میوہ ہائے جنت کھاتے ہیں۔ ہر شہید کو فردوس بریں میں سے ستر محل عطا ہوتے ہیں۔ جن کی وسعت یمن و شام کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوتی ہے اور ان کا نور مشرق و مغرب پر حاوی ہوتا ہے ہر محل کے ستر دروازے کہ ہر ایک میں ستر تختے سنہری ہوتے ہیں اور ہر دروازے پر ساٹھ ساٹھ پردے ہوتے ہیں۔ نیز ہر محل میں ستر خیمے اور ہر خیمہ میں ستر تخت سونے کے جن کے پائے موتی و زبرجد کے ہوتے ہیں اور ہر تخت پر چالیس فرش کہ ہر ایک کی موٹائی چالیس ہاتھ ہوتی ہے اور ہر فرش پر ایک حور عین جلوہ گر ہوتی ہے جس کے ستر ہزار خادم اور ستر ہزار کنیزیں ہوتی ہیں۔ جن کے چہرے نورانی اور زیور طلائی ہوتے ہیں۔ اور سر پر موتیوں کے تاج ہوتے ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں ابریق و جام ہوتا ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر ان کے راستہ میں بروز محشر نبی آئیں گے تو ان کی شان و عظمت دیکھ کر وہ بھی پیادہ ہو جائیں گے پس جب اپنے مسکن پر پہنچیں گے تو ان میں سے ہر ایک اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں میں سے ستر ستر ہزار کی شفاعت کر سکیں گے۔ پس وہ دستر خوان کرامت پر میرے اور ابراہیمؑ کے ساتھی ہوں گے۔ اسی طرح شہداء کے ثواب کے متعلق بہت کچھ احادیث وارد ہیں اور اس قسم کی احادیث کی تہ تک پہنچنا ہمارے ناقص عقول کے لئے مشکل ہے ہاں خلاصہ کے طور پر اتنا کہنا کافی ہے کہ جن لوگوں نے دین حق کی نصرت میں اپنی جان تک قربان کر دی وہ اللہ کے نزدیک ایسے انعامات و اکرامات کے سزاوار ہیں جن کا تصور تک نہیں ہو سکتا جب عام شہیدوں کی یہ شان ہے تو جو تمام شہیدوں کا سردار ہو گا اس کے مرتبہ کی عظمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے بیشک ان کے لئے جوانان جنت کی سرداری زیبا ہے۔ الحسن والحسین سید اشباب اہل جنۃ۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ

جن لوگوں نے قبول کیا اللہ اور اس کے رسول (کی دعوت) کو بعد اس کے کہ لگے ہوئے تھے ان کو زخم

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ

ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے اجر عظیم ہے وہ جن کو کہا لوگوں نے تحقیق

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا

لوگ جمع ہو چکے ہیں تمہارے لئے پس ڈرو ان سے تو ان کا ایمان زیادہ ہوا اور کہنے لگے ہمیں کافی ہے

اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ

اللہ اور وہ خوب جائے اعتماد ہے پس پلٹے ساتھ نعمت کے اللہ سے اور فضل کے کہ

يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

نہ چھوا ان کو تکلیف نے اور تابع ہوئے رضائے خدا کے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

رکوع نمبر ۹

جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی واپسی پر مقام روحاء تک پہنچے تو انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی کہ ہم نے مسلمانوں کا قتل عام کر کے نہ ان کو لوٹا نہ حضرت محمدؐ کو قتل کیا۔ پس وہیں سے واپسی کا ارادہ کیا۔ جب یہ خبر حضورؐ کو پہنچی تو آپ نے صحابہ کو جمع فرمایا اور حکم دیا کہ کفار کا تعاقب کیا جائے اور جو لوگ شریک جنگ احد تھے انہیں کو دوبارہ تیار ہونا چاہیئے پس آپ ستر صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے جو کہ اکثر زخمی تھے۔ جب حمراء الاسد پر پہنچے تو ادھر سے معبد خزاعی کا گزر ہوا اور قبیلہ خزاعہ پورے کا پورا آپ کا ہمدرد تھا اور مکہ میں بھی ان کا آپ سے میل جول رہتا تھا اگرچہ یہ شخص مشرک تھا لیکن اس نے حضورؐ سے سابقہ ہمدردی کی روایت کو دہرایا۔ وہاں سے گزر کر ابوسفیان کے پاس پہنچا اس نے احوال پرسی کی تو اس نے بیان کیا کہ حضرت محمد مصطفٰے ایک لشکر گراں کے ساتھ تیرے تعاقب میں ہے اور وہ ابھی پہنچنے والے ہیں پس کفار قریش پر رعب طاری ہو گیا اور وہیں سے مکہ کا رخ کیا ادھر جناب رسالتمآبؐ نے حمراء الاسد پر پہنچ کر صحابہ سے فرمایا کہ کون ہے؟ جو اب کفار کی خبر لائے؟ سب خاموش رہے لیکن حضرت علی علیہ السلام ستے باوجود کافی زخموں کے لبیک کہی۔ آپ نے فرمایا دیکھنا اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں تو سمجھنا کہ ان کا رخ مدینہ کی طرف ہے

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن

بجز اس کے نہیں کہ یہ شیطان ڈراتا ہے (مومنوں کو) اپنے دوستوں سے پس ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر

كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ

تم مومن ہو اور تمہیں غم نہ کھانا چاہیے ان کا جو تیزی کرتے ہیں کفر میں تحقیق وہ ہرگز

لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ

ضرر نہیں دے سکتے اللہ کو کچھ بھی چاہتا ہے اللہ کہ نہ کرے ان کا حصہ آخرت میں

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

اور ان کے لئے عذاب بڑا ہے تحقیق جن لوگوں نے خرید کیا کفر کو ایمان کے بدلے میں ہرگز

لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۷﴾

ضرر نہیں دے سکتے اللہ کو کچھ بھی اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے

اور اگر اونٹوں پر سوار ہوں تو وہ مکہ کی طرف جا رہے ہوں گے حضرت علیؑ گئے اور واپس آکر بتایا کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر جا رہے تھے پس آپ نے صحابہ کو واپسی کا حکم دیا اور خدا کی نعمت کا شکر ادا فرمایا۔

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَٰنُ - آیت مجیدہ کا ایک معنی وہ ہے جو نیچے آیت کے مذکور ہے اور دوسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ شیطان اپنے دوستوں کو جو منافق ہیں جہاد سے ڈراتا ہے اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے جس کی وجہ سے وہ رسولؐ کی اتباع چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں پس مومنوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ تم ہرگز کفار سے خوف نہ کیا کرو۔ تحت اللفظی ترجمہ کے ماتحت يُخَوِّفُ کا مفعول اوّل مومنین محذوف ہے اور اس معنی کے لحاظ سے اس کا مفعول ثانی اعداء محذوف ماننا ہوگا۔

وَلَا يَحْزُنكَ :- بعض کہتے ہیں کہ ایک قوم مرتد ہوگئی جس کا جناب رسالتمآبؐ کو غم تھا اور بعض کہتے ہیں کہ عامۃ الکفار کے کفر سے آپ ملول خاطر ہوتے تھے پس بطور تسلی کے یہ ارشاد فرمایا۔

لَن يَضُرُّوا اللَّهَ - اس کو دوبارہ تکرار سے بیان فرمایا ہے کیونکہ پہلی آیت میں صرف جناب رسالتمآبؐ کی تسلی مقصود تھی کہ مسارعت فی الکفر کرنے والوں پر غم نہ کیجئے کیونکہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ وہ اپنی عاقبت بگاڑ رہے ہیں اور دوسری آیت میں زیادہ تعمیم فرمادی کہ جو لوگ بھی کفر کو اختیار کرتے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے خواہ وہ کفر میں مسارعت کرنے والے ہوں یا ایسے

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا

اور یہ خیال نہ کریں وہ لوگ جو کافر ہیں کہ ہمارا مہلت دینا ان کی بہتری کے لئے ہے تحقیق

نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللَّهُ

ہمارا ان کو مہلت دینا اس کا انجام یہ ہے کہ وہ گناہوں میں زیادتی کرتے ہیں اور ان کیلئے ذلت آمیز عذاب ہے یہ نہیں کہ اللہ چھوڑ دے

لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ

مومنوں کو اسی حالت پر جس پر تم ہو یہاں تک کہ وہ تمیز دے پلید کو

الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي

پاک سے اور یہ بھی نہیں کہ اللہ تمہیں مطلع کرے غیب پر البتہ اللہ چن لیتا ہے اپنے

مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا

رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے

وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۹﴾

اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے

نہ ہوں اور یہ آیت پہلی آیت کے معنی کی تعلیل ہے یعنی جب مطلق کافر بالعموم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو یہ مسارعت کرنے والے اس کا کیونکر کچھ بگاڑیں گے۔ تفسیر مجمع البیان میں مضرت اور اساءت کے درمیان یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ اساءت ہمیشہ قبیح ہوا کرتی ہے اور مضرت کبھی قبیح اور کبھی حسن ہوتی ہے جب استحقاق یا امتحان یا نفع عظیم کے لئے ہوا کرتی ہے۔

لِيَزْدَادُوا إِثْمًا :- اہلسنت کے امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں لام کو لام غرض قرار دیا ہے یعنی خدا کا کفار کو مہلت دینا اور ان کی عمروں کو لمبا کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ گناہوں میں ترقی کریں تاکہ عذاب کے حقدار اور زیادہ بنیں گویا ان کے گناہ خدا کے ارادہ سے ہوا کرتے ہیں لیکن مذہب امامیہ کے اصول کے ماتحت فعل قبیح کیلئے کسی کو مہلت دینا بھی بُرا ہے اور خدا جملہ برائیوں سے پاک ہے بلکہ خدا مہلت دیتا ہے کہ ان کی توبہ اور اعمال صالحہ کے مواقع زیادہ سے زیادہ دستیاب ہوں لیکن وہ لوگ خود اپنے اختیار سے راہ حق کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان پہ گناہوں کا بوجھ زیادہ ہوتا جاتا ہے اور وہ مستحق عذاب مہین کے ہو

جاتے ہیں پس اس صورت میں یہ لام غرض کے لئے نہیں بلکہ لام عاقبت ہے۔

عَلٰی مَآ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ :- یا تو یہ خطاب کفار و منافقین کے لئے ہے کہ خدا مومنوں کو مبہم حالت میں نہیں چھوڑے گا بلکہ اے گروہ کفار و منافقین وہ تو ایسے مواقع امتحان و آزمائش کے لئے لائے گا جس سے کھرا کھرا اور کھوٹا کھوٹا ہو جائے گا اور مومن و منافق ایک دوسرے سے صاف طور پر ممتاز ہو جائیں گے یا یہ کہ خطاب مومنین کو ہے اور غیب سے خطاب کی طرف التفات کیا گیا ہے جس طرح کلام فصحاء میں بلکہ خود قرآن مجید میں اسی طرح ہوا کرتا ہے پس مقصد یہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو خدا ان کے زبانی دعوے پر نہیں چھوڑے گا بلکہ حسب موقع ان میں سے طیب و خبیث کو الگ کر دیتا ہے جس طرح جنگِ اُحد میں ہوا۔

مسئلہ علمِ غیب

وَمَا کَانَ اللّٰهُ :- یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مومن و منافق کی تمیز کے لئے خدا مومنوں کو لوگوں کے دلی حالات کا علم کیوں نہیں دے دیتا تاکہ وہ اس علم کے ذریعہ سے کھوٹے کی خود پہچان کر لیتے اور جنگ و جدال کی جان لیوا مصیبتوں سے ان کی گلو خلاصی ہو جاتی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امتحان و آزمائش سے جس طرح مومن و منافق کی تمیز ہوتی ہے اسی طرح صبر و ثبات سے مومنوں کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے اور ثانیاً مصلحت خداوندی یہ ہے کہ انجام کا علم اس نے لوگوں سے پوشیدہ کر رکھا ہے اور نظام عالم کی بہتری اسی میں ہے چنانچہ اس آیت مجیدہ میں ارشاد ہے کہ خدا ایسا نہیں کرتا کہ تمہیں علم غیب عطا کر دے۔ وہ صرف اسی کی اپنی ذات کے شایانِ شان ہے البتہ وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اس کو غیب کی باتوں سے مطلع فرماتا ہے اور اس کے بعد یہ ضروری نہیں کہ وہ رسول اپنی امت کو علوم غیبیہ کی اطلاع دیتے رہیں بلکہ امت پر فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہر بات پر ایمان لائیں اور ان کے ہر فرمان کو دل میں جگہ دے کر اطاعت شعاری کی کوشش کریں پس امت کو خدا و رسولؐ کے کسی فیصلہ پر بھی کیوں کہنے کی اجازت نہیں کیونکہ ہر حکم کی مصلحت بتانا ان کے عہدہ میں نہیں ہے۔

مطلب کی مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ طبقاتِ موجودات میں سے حیوان کو نبات و جماد پر فوقیت ہے کیونکہ اس میں ایک حس موجود ہے جس سے وہ تہی دامن ہیں اور انسان کو عام حیوان سے برتری حاصل ہے کہ اس میں ایک ایسا جوہر موجود ہے جس سے وہ خالی ہے پس روح نباتی سے وہ شعور غائب ہے جس کو روح حیوان اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اگر روح نبات کے مقابلہ میں شعور حیوانی کو پھیلایا جائے تو ایسا معلوم ہو گا کہ نبات کے مقابلہ میں حیوان کے پاس علم غیب کا ایک بے پناہ ذخیرہ موجود ہے جسے روحِ نباتی اپنے تصور میں بھی نہیں لا سکتا۔ اسی طرح روح حیوانی سے ایک شعور غائب ہے جس کو روحِ انسانی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور اگر روحِ حیوانی کے سامنے شعورِ انسانی کو بسط دیا جائے اور علوم و فنون میں اس کی دسترس و مہارت اور عقلی دنیا میں اس کی عظیم الشان فتوحات اور تسخیر موجودات کے لئے اس کے مناسب موزوں اور برمحل اقدامات اور بظاہر ناشدنی امور پر اس کا ہمہ گیر تسلط وغیرہ کو سامنے لایا جائے تو ظاہر ہے کہ روح حیوانی کے مقابلہ میں انسان کلی طور پر علمِ غیب کا مالک نظر

آتا ہے اور اس کی ان غیبی فتوحات کا رُوحِ حیوانی تصوّر تک نہیں کر سکتا۔
اب آگے بڑھیئے انبیاء میں رُوح القدس اور شعور قدسی کا جو جوہر موجود ہے اس سے یقیناً عام انسان کوتاہ دست ہے۔ منازلِ ارتقاء کی ترتیب سے روحِ نبات روحِ حیوان اور روحِ انسان میں ان کے مختص شعور کے لحاظ سے فرق کی جو پوزیشن ہے اسی لحاظ سے شعورِ انسانی اور شعورِ قدسیٔ نبوتی میں فرق کا اندازہ لگائیے پس ماننا پڑے گا کہ ان کا شعور اپنے مقام پر اگر پہلے تو انسان کے مقابلہ میں ان کی علمی وسعتوں کا کیا مقام ہوگا؛ انسان یہی سمجھے گا کہ ان کے پاس علومِ غیبیہ کے ذخائر موجود ہیں جو میرے تصوّر سے بالاتر ہیں۔

انبیاء میں بھی اپنے مقام پر فرق موجود ہے۔ کوئی نبی ایک قوم کے لئے کوئی قبیلہ کے لئے بعض صرف کنبہ والوں کے لئے بعض تھوڑے عرصہ کے لئے اور بعض زیادہ مدّت کے لئے بہر کیف ہر ایک کی پوزیشن الگ الگ ہے بعض صرف نبی ہیں اور بعض نبی بھی ہیں اور رسول بھی ان میں سے تھوڑے اولوالعزم ہیں اور زیادہ غیرِ اولوالعزم۔ پس جس نبی کا دائرہ نبوت جس حد تک ہے وہ نبی اس حد تک اپنی تمام امّت کے افراد کے مقابلہ میں شعورِ کلّی کا حامل ہوتا ہے اور امّت کے افراد کا شعورِ مجموعی اس نبی کے شعور قدسی کے مقابلہ میں ہیچ ہوتا ہے اور حضرت رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ وآلہ چونکہ عالمی رسول ہیں لہذا ان کا روحِ قدسیٔ نبوتی اپنے قدسی شعور کے لحاظ سے عالمین پر حاوی ہونا چاہیئے اور تمام موجودات خواہ انسان ہوں یا جن و ملک اول خلقت سے لے کر آخرِ خلقت تک ان کے انفرادی و اجتماعی شعور کے مقابلہ میں ان کا شعور قدسی اور ان کے علوم و معارف محیط حیثیت کے حامل ہونگے اور ان کے پھیلاؤ کی حدود امکانی کمالات کے آخری نقطہ تک ہوں گی جن کا تصوّر تک عام انسانی عقول نہیں کر سکتے پس ان کی علمی وسعتوں کا احاطہ سوائے ذات واجب الوجود کے اور کسی کے بس کا روگ نہیں لہذا عام انسانی شعور کے مقابلہ میں چونکہ ان کا قدسی نبوتی شعور ہمہ گیر ہے جس کی بناء پر عام انسان اسے علومِ غیبیہ کا عالم کہہ سکتا ہے جس طرح عام حیوان کے مقابلہ میں انسان عالم الغیب اور روحِ نباتاتی کے مقابلہ میں عام حیوان ادراکاتِ غیبیہ کے حامل ہیں۔

ماتحت کے لئے جو مسائل لاینحل ہوا کرتے ہیں وہ مافوق کے لئے اپنے ذاتی جوہر کے لحاظ سے درجۂ اہمیت سے ساقط ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس کے وجود کے لوازم ہوتے ہیں۔ مثلاً نبات کے لئے شعورِ حیوانی کے ادراکات اگرچہ ایک عقدۂ لاینحل ہیں لیکن وہ روحِ حیوانی کے لئے جزوِ زندگی کی حیثیت سے ہیں جس کی اہمیت ان کے درجہ اعتبار سے ساقط ہے چہ جائیکہ ان کا مافوق ان کی اہمیت سے انکار کرنے اور اسی طرح روحِ حیوانی کے لئے وہ غیر ممکن افکار و مسائل جن پر انسان حاوی ہے وہ حیوانی شعور سے بالاتر ہیں لیکن وہ عقولِ انسانیہ کی ذاتی استعداد کے نتائج ہیں جو نہ ان کے لئے چنداں اہم اور نہ معرضِ تعجب ہیں البتہ جن نئی ایجادات پر انسان محوِ حیرت ہو کر انگشت بدنداں نظر آتا ہے وہ صرف اس لئے کہ عقولِ انسانیہ نے اس طرف اس سے پہلے اقدام نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کل کی ایجاد آج باعثِ تعجب نہیں کیونکہ ذہن اس سے مانوس ہو چکا ہے اور اسے اپنے احاطۂ قدرت میں داخل سمجھ چکا ہے حالانکہ کل وہ بھی تعجب کا باعث تھی پرسوں کے مقابلہ میں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہر آئندہ کی ایجاد گذشتہ کمالات

کو عادی کرتی ہوئی چلی جا رہی ہے اور انسان اسے شعورِ انسانی کا عام کرشمہ سمجھتا جا رہا ہے اب جہاں یہ انسانی کمال آخری حد کو پہنچے گا وہاں سے نبوتی کمال کی حدود شروع ہوں گی پس جس مسئلہ کو انسان لاینحل کہے گا اور عام عقول سے اس کی فتح ناممکن ہوگی وہ روحِ نبوتی کے شعورِ قدسی کے لئے اپنی خداداد استعداد کے ماتحت اس کا عام فعل ہوگا جسے انسان غیب سے تعبیر کرے گا لیکن ذاتِ اقدس الٰہیہ جو ہر شے پر محیط ہے اس کے سامنے روحِ نبوتی اور اس کے شعورِ قدسی کی تمام وسعتیں اسی طرح ہیچ ہیں جس طرح نبی کے لئے عام انسانی کمال اور انسان کے لئے عام حیوانی کمال۔ بلکہ مخلوق اور خالق کے درمیان کوئی نسبت قائم ہو ہی نہیں سکتی۔

اب آسانی سے سمجھ میں آسکے گا کہ خدا کسی کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا مگر جس کو منتخب کرے اپنے رسولوں میں سے۔ یعنی ان کو ان غیبی چیزوں پر اطلاع دیتا ہے جو عام انسانوں کے افہام سے بالاتر ہوں اور وہ غیوب ہیں جو روحِ نبوتی کے حدود کے اندر ہیں اور شعورِ انسانی کی حدود سے باہر اور جس مقام پر فرمایا! کہ سوائے میرے اور کوئی غیب نہیں جانتا بلکہ علم غیب صرف میرا ہی خاصہ ہے اس سے مراد وہ غیوب ہیں جو شعورِ نبوتی کی حدود سے بالاتر اور ذاتِ اقدس الٰہیہ کی شایانِ شان ہیں اور وہ ہر شے پر محیط ہے اور اس کی وسعتیں غیر محدود ہیں۔ اس کا احاطہ نہ انسان کر سکتا ہے نہ جن و ملک اور نہ نبی و مرسل بلکہ کسی ہستی کے تصور کا بھی امکان نہیں پس انسان اپنی نارسا عقل کے فیصلہ سے کہہ بیٹھتا ہے کہ نبی کلی غیب کا علم رکھتا ہے ورنہ علومِ الٰہیہ کے مقابلہ میں ان کے علوم ایک جزوی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ان کے علوم کو اس ذاتِ واجب الوجود کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں دی جا سکتی

دورِ حاضر میں حضرت رسالتمآب کے علم کلی و جزوی کا مسئلہ عام ہے جس کو حقیقت ناشناس لوگوں نے اچھال رکھا ہے اور اپنے تئیں عالم کہلانے والوں نے اسی میں اپنا علمی کمال سمجھا ہے تاکہ عوام سے داد و تحسین حاصل کر کے اپنے اقتدار ناپائیدار کو فروغ دیں حالانکہ ایسے لوگ علومِ حقیقیہ اور معارفِ ربانیہ سے کوسوں دور ہوتے ہیں اور بڑی دریدہ دہنی سے عام جاہل طبقہ کو جن کا جہل جہلِ بسیط ہوتا ہے عوام کالانعام سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنے جہلِ مرکب کو کلاہ و دستار یا جبہ و قبا کے نیچے مخفی کر کے عالم بلکہ علّامہ کہلواتے پھرتے ہیں حالانکہ کالانعام کی لفظ جس طرح ان کو زیب دیتی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔

میں نے اس مسئلہ کو اپنی حد تک آسان کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ نبی کے علوم ہماری نارسا عقول کے مقابلہ میں کلی حیثیت رکھتے ہیں عام انسانی عقول نہ ان کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان کی حدود کا تصور کر سکتے ہیں لیکن خداوندِ کریم کے محیط علم کے مقابلہ میں ان کی حیثیت بالکل جزوی ہے اب خدا ہی جانتا ہے کہ اس نے ان کو کس قدر دیا اور کیونکر دیا اور اس کا فیصلہ ہماری عقول سے بالاتر ہے ہمارا کام ہے ان پر ایمان لانا تسلیم کرنا اور اطاعت کرنا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور نہ خیال کریں وہ جو بخل کرتے ہیں اس چیز کے بارے جو ان کو اللہ نے اپنے فضل سے دی کہ وہ (بخل) ان کا انجام اچھا ہے

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ

ان کے لئے بلکہ وہ برا ہے ان کے لئے عنقریب طوق پہنایا جائے گا ان کو اس چیز کا جس کا انہوں نے بخل کیا بروز قیامت اور اللہ

مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو آگاہ ہے

زکوٰۃ نہ ادا کرنے کا عذاب

وَلَا يَحْسَبَنَّ ۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنی زکوٰۃ مال سے تھوڑا سا حصہ بھی ادا نہ کرے گا تو اس کو بروز محشر دوزخ کا اژدھا بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا جو حساب و کتاب کے خاتمے تک اس کے گوشت کو نوچتا رہے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ اس کے دماغ کو کھاتا رہے گا اور یہ آیت زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کے حق میں ہے۔

ایک حدیث میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص زکوٰۃ مال ادا نہیں کرتا بروز محشر تمام حیوانات کو محشور کر کے اس پر مسلط کیا جائے گا کہ حساب خلائق کے ختم ہونے تک بعض اس کو اپنے سینگوں سے ماریں گے بعض دانتوں سے کاٹیں گے اور بعض اپنے پاؤں کے نیچے اس کو روندیں گے اور جو شخص زکوٰۃ غلہ ادا نہ کرے تو وہ زمین جس پر وہ غلہ پیدا ہوا تھا ساتوں طبقوں سمیت اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ آیت مجیدہ کی تفسیر میں معصومین علیہم السلام نے صرف مانع الزکوٰۃ کے متعلق فرمایا ہے ورنہ تمام حقوق مالیہ واجبہ کا ادا نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے اور حق خمس بھی اسی قبیل سے ہے ممکن ہے معصوم نے بخل کے ایک فرد کو بطور تمثیل کے بیان کیا ہو۔

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ ۔ اس میں بخل کرنیوالوں کو مزید تنبیہ فرمائی ہے کہ جس کا تم بخل کرتے ہو وہ درحقیقت ہے تو اللہ کی ملکیت، اور تمہاری رہائش اس زمین پر یا تمہاری ان چیزوں کی ملکیت بالکل عارضی ہے جب مال سب اس کا ہے تو تمہارا بخل کرنا کیا معنی رکھتا ہے یہ ایسا ہے جیسے ایک غنی اپنی رعایا کے کسی بندے کو اپنے کھانے اور دوسروں پر تقسیم کرنے کیلئے کچھ دے دے اور کہے کہ تیرے کھانے اور تیری جائز تقسیم پر خوش ہوں گا اور تیرے بخل پر تجھے سزا دوں گا اور بہر صورت جب تو میرے پاس پہنچے گا تو باقی کو میں تجھ سے سنبھال لوں گا اور نافرمانی پر سزا بھی دوں گا تو کسقدر بے عقل ہوگا وہ انسان جو اس قسم کی ہدایات کے بعد بھی اس مال میں بخل کرے اور حقوق واجبہ ادا نہ کرنے والوں کی بعینہٖ یہی کیفیت ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ

تحقیق سنی اللہ نے بات ان کی جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾

ہم محفوظ کریں گے اسی کو جو انہوں نے کہا اور ان کا قتل کرنا نبیوں کو ناحق اور ہم کہیں گے چکھو عذاب جلنے کا

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾

یہ بوجہ اس کے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور تحقیق اللہ نہیں ظلم کرنے والا بندوں پر

رکوع نمبر ۱

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ: شانِ نزول: کہتے ہیں جب مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا پ ۲ ع ۱۶ اتری تو حیی بن اخطب یہودی نے طعن کرتے ہوئے کہا کہ پھر تو اللہ فقیر ہے کہ ہم سے قرض مانگتا ہے اور ہم دولت مند اور غنی ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت نے بنی قینقاع کی طرف ایک شخص کو دعوتِ اسلام ادائے زکوٰۃ اور اقامتِ نماز کی تبلیغ کے لئے بھیجا تو ان کے معلم فنحاص بن عازورا نے کہا کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہم غنی اور اللہ فقیر ٹھہرا چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔
(مجمع البیان ملخصاً)

سَنَكْتُبُ: یعنی ملائکہ کرام ان کا یہ کلمہ ان کے صحائف اعمال میں لکھ لیں گے اور وہ محفوظ رہے گا اور یہ بداعمالی سے روکنے کا انتہائی کارگر طریقہ ہے کیونکہ جب ایک شخص کو معلوم ہو کہ میری ہر بات میرے نامۂ اعمال میں محفوظ ہے جس کو قیامت کے روز تمام خلائق کی موجودگی میں پڑھا جائے گا اور مجھے شرمندگی ہوگی تو وہ حتی الوسع گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا۔

قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ: رسالتمآب کے زمانہ کے یہودیوں نے اگرچہ انبیاء کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کے اسلاف نے یہ کام کیا تھا لیکن یہ لوگ چونکہ ان کے اس کرتوت سے راضی تھے لہذا انبیاء سلف کا قتل ان کی طرف منسوب کیا گیا چنانچہ وارد ہے کہ اگر قتل مشرق میں ہو اور مغرب میں کوئی رہنے والا اس کے فعل پر راضی ہو جائے تو وہ بھی قاتل کی طرح مجرم قرار دیا جائے گا۔ بناء بریں امام حسین علیہ السلام کو جن لوگوں نے قتل کیا تاقیامت ان لوگوں کے اس فعل بد پر راضی ہونے والے امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک ہوں گے اور حضرت حجت علیہ السلام جب ظاہر ہوں گے تو ان سب سے انتقام لیں گے۔

قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ: ہر جرم کی نوعیت جداگانہ ہوا کرتی ہے اور تمام اعضاء اپنی نوعیت کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن چونکہ کسی شے کے بھیجنے کیلئے ہاتھ ایک اہم حیثیت رکھتا ہے لہذا ہاتھوں کی طرف تقدیم جرم کو منسوب کیا گیا اور مراد اس

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا

جنہوں نے کہا تحقیق اللہ نے عہد لیا ہے ہم سے کہ نہ ایمان لائیں کسی رسول پر یہاں تک وہ لائے

بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ۗ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ

ہمارے پاس قربانی جس کو کھا جائے آگ فرما دیجئے تحقیق آئے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے واضح نشانیاں لیکر

وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۸۳﴾

اور ساتھ اسی نشانی کے جو تم نے کہی پس کیوں تم نے ان کو قتل کیا اگر تم سچے ہو؟

فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ

پھر اگر آپ کو جھٹلائیں (تو غم نہ کرو) تحقیق جھٹلائے گئے بہت رسول آپ سے پہلے جو لائے تھے واضح نشانیاں

وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿۱۸۴﴾

اور کتاب روشن

سے تمام اعضاء کے مجرم ہیں۔

کسی قوم کے فعل پر راضی ہونیوالا انہی میں سے شمار ہوگا

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا۔ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی قربانیوں کی قبولیت کی علامت یہ تھی کہ قربانی کر کے اسے رکھ دیتے تھے پس آسمان سے آگ اترتی اور جس کی قربانی مقبول ہوتی تھی وہ اس کو جلا دیتی تھی اور جس کی قربانی مقبول نہ ہوتی تھی اس کو آگ چھوڑ دیتی تھی پس ان لوگوں نے حضرت رسالتمآبؐ سے بھی وہی نشانی طلب کی لیکن ارشاد قدرت ہوا کہ ان کے مزاج اپنے اسلاف کے مزاجوں کے بالکل موافق ہیں اور یہ لوگ ان کے افعال پر بالکل راضی ہیں جب ان کے پاس ہر قسم کے معجزات آئے اور یہی مطلوبہ نشانی بھی ان کے سامنے موجود تھی لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے بلادریغ انبیاء کو قتل کر ڈالا تو ان لوگوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ صرف بہانے بناتے ہیں۔

تفسیر برہان میں کافی و عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے قدریہ اور خوارج پر لعنت بھیجی اور اس کے بعد مرجیہ پر دو دفعہ لعنت کی راوی نے مرجیہ پر دوبارہ لعنت بھیجنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمارے قاتلین کو مومن کہتے ہیں۔ پس تا قیامت ان کے لباس ہمارے خون سے آلودہ رہیں گے جس طرح کہ رسالتمآبؐ

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ

ہر نفس چکھنے والا ہے موت کا اور تحقیق تمہیں پورا اجر دیا جائے گا بروز قیامت پس

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ

جو بچایا گیا نار سے اور داخل کیا گیا جنت میں پس وہ کامیاب ہوا اور نہیں زندگانی دنیا مگر سامان

الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۟ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

دھوکے کا البتہ تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور اپنے نفسوں میں اور ضرور سنو گے ان سے جنہیں کتاب دی گئی

مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ

تم سے پہلے اور ان سے جو مشرک ہیں اذیت بہت اور اگر صبر و تقویٰ اختیار کرو گے

کے زمانہ کے یہودیوں کو انبیاء ماسلف کے قتل کا مجرم قرار دیا گیا ہے حالانکہ قتل کرنے والوں اور ان کے درمیان پانچسو سال کی مدت کا فاصلہ تھا یہ چونکہ ان کے فعل پر راضی تھے ۔ لہذا خدا نے ان کو بھی انبیاء کا قاتل فرمایا۔

فَمَنْ زُحْزِحَ ۔ تفسیر برہان میں بروایت تفسیر قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قیامت کے دن جناب رسالتمآبؐ کو گلابی حلّہ پہنایا جائے گا اور آپ عرش کی دائیں جانب قیام فرمائیں گے ۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کو سفید حلّہ پہنایا جائیگا اور وہ عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے پھر حضرت علیؑ کو گلابی حلّہ پہنا کر جناب رسالتمآبؐ کے دائیں طرف جگہ دی جائیگی اور حضرت اسمٰعیلؑ کو سفید حلّہ پہنا کر حضرت ابراہیمؑ کے بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا پھر حضرت حسن مجتبیٰؑ کو گلابی حلّہ میں حضرت علیؑ کے دائیں طرف جگہ ملے گی اس کے بعد حضرت حسین علیہ السلام اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرین علیہم السلام کو گلابی حُلّہ ہائے بہشت پہنائے جائیں گے وہ سب بالترتیب ایک دوسرے کے دائیں جانب قیام فرما ہوں گے اور ان کے سامنے اُن کے شیعوں کو کھڑا کیا جائے گا پھر جناب فاطمہؑ اور اس کی ذرّیت اور شیعہ عورتیں آئیں گی پس یہ سب داخل جنت ہوں گے بلاحساب بطنانِ عرش سے جناب رب العزت کی طرف سے ندا آئے گی اے محمدؐ تیرا بہترین باپ ہے ابراہیمؑ اور بہترین بھائی ہے علیؑ بن ابی طالب اور بہترین سبط ہیں حسنؑ و حسینؑ اور بہترین جنین ہے محسن اور بہترین آئمہ ہیں تیری ذرّیت اور ان کا نام لیا جائے گا ۔ اور بہترین شیعہ ہیں تیرے شیعہ آگاہ رہو یہی ہیں کامیاب ہونے والے اور اس آیت کا یہی مطلب ہے (ملخصاً)

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۔ مجمع البیان میں ہے کہ جنت میں ایک چھڑی رکھنے کی جگہ دنیا اور اس کی تمام نعمات سے بہتر ہے۔

اَذًى كَثِيْرًا ۔ یہودی لوگ جناب رسالتمآبؐ کی اور مومنین کی ہجو کرتے تھے اور زبانی اذیتیں دیتے تھے پس خداوند کریم ان کو

ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ

تو یہ جواں مردی کا کام ہے اور جب لیا اللہ نے عہد ان سے جنہیں کتاب دی گئی کہ اس کو ضرور بیان کرو گے

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ

لوگوں کیلئے اور نہ چھپاؤ گے اس کو پس ڈال دیا انہوں نے اس (عہد) کو اپنی پشت کے پیچھے اور خرید لی اس کے بدلے قیمت تھوڑی پس بری

مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا

ہے وہ چیز جو خرید لیتے ہیں نہ خیال کرو ان کو جو خوش ہوتے ہیں ساتھ اس کے جو کیا انہوں نے اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے

بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

اس بات پر جو انہوں نے نہیں کی پس نہ خیال کرو کہ وہ نجات پانے والے ہیں عذاب سے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع ۱۰

اور اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

تلقین صبر و تقویٰ فرما رہا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ :۔ کتب سابقہ میں چونکہ جناب محمد مصطفیٰ کی رسالت اور دین اسلام کی حقانیت کا اعلان تھا لیکن اہل کتاب کے علماء رشوتیں اور ہدیے لے کر چھپانے کے درپے ہوتے تھے پس یہ آیت ان کی مذمت میں اتری۔ بلکہ ہر وہ عالم جو جان بوجھ کر مسائل حقہ پر پردہ ڈالے وہ اس آیت کا مصداق ہو سکتا ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ نے جاہلوں سے سیکھنے کا عہد بعد میں لیا اور اہل علم پر سکھانے اور تعلیم دینے کا عہد پہلے لے لیا۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ :۔ کہتے ہیں کہ علماء یہود جب اپنے عوام کی تعظیم کرتے اور ان کو عالم کہتے تھے تو وہ خوش ہوتے تھے یا یہ کہ منافقین جب جہاد میں حاضر ہونے سے گریز کرتے تھے اور پھر مسلمانوں کے سامنے اپنی عذر خواہی کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہمیں سچا مسلمان سمجھا جائے اور ہماری تعریف کی جائے یا یہ کہ خیبر کے یہودی حاضر بارگاہ رسالت ہوئے اور کہا کہ ہم آپ کو پہچانتے اور آپ پر ایمان رکھتے ہیں تو مسلمانوں نے ان کی تعریف کی پس آیت مجیدہ میں خداوند کریم ان کی مذمت فرما رہا ہے اور ظاہر آیت اگرچہ بعض افراد کو شامل ہے لیکن اس کی تاویل قیامت تک جاری ہے اور جو لوگ ایسی صفات کے حامل ہیں وہ ہر زمانہ میں اس آیت کے مصداق ہوتے جا رہے ہیں اور عوام کی بہ نسبت علماء پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ان کی بازپرس بہ نسبت عوام کے سخت تر ہو گی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

تحقیق پیدا کرنے میں آسمانوں اور زمین کے اور اختلاف شب و روز میں (البتہ توحید کی) دلیلیں ہیں

لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا

صاحبانِ عقل کے لئے جو یاد کرتے ہیں اللہ کو قیام و قعود میں

وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا

اور پہلوؤں کے بل اور سوچتے ہیں آسمانوں اور زمینوں کی خلقت

مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

کے بارے میں (پھر کہتے ہیں) اے رب تو نے یہ نہیں پیدا کیا بے سود۔ تو پاک و منزہ ہے پس ہمیں بچا عذاب دوزخ سے

مِمَّنْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعُهُ الذِّكْرٰى

رکوع نمبر ۱۱

توحید

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ :۔ ۱۔ تفسیر برہان میں ہے مَنْ كَانَ فِي هٰذِهِ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمٰى ۔ کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کو آسمان و زمین کی خلقت، شب و روز کا اختلاف اور گردش فلک اور شمس و قمر کی رفتار وغیرہ یہ نہ بتاسکیں کہ ان کے پیچھے ایک بڑی قوت کارفرما ہے تو وہ آخرت میں اندھا اور راہ گم کردہ محشور ہوگا۔

۲۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے تھے اپنے دلوں کو فکر سے بیدار کرو۔ رات کو سجدہ میں بسر کرو اور اللہ سے ڈرو۔

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تمام عبادتوں سے بہتر عبادت ہے اللہ اور اس کی قدرت میں تفکر کرنا۔

۴۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عبادت نماز روزہ کی زیادتی کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت توحید میں فکر کا نام ہے۔

۵۔ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ اللہ کے نزدیک اس شخص کی قدر و منزلت زیادہ ہے جو کھائے کم اور فکر زیادہ کرے اور مبغوض ترین انسان وہ ہے جو زیادہ کھا کر سونے میں گذار دے اور فرمایا کہ خلق خدا میں تفکر کیا کرو اور خود ذات خدا میں فکر نہ کرو کیونکہ تمہارے بس سے باہر ہے۔ الحدیث

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ بہتر انسان کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس کا بولنا ذکر، خاموشی فکر اور نظر برائے عبرت ہو۔

۷۔ حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی آنکھوں کو عبادت سے حصہ دیا کرو اور وہ یہ کہ قرآن میں نظر کرو اور پھر اس میں فکر کرو

اور عجائبات دیکھ کر ان سے عبرت حاصل کرو۔

۸۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ دو مختصر رکعتیں جو فکر سے پڑھی جائیں وہ بددلی کی رات بھر کی نماز سے بہتر ہیں۔ حضرت لقمان تنہائی پسند تھے چنانچہ ایک دفعہ ان سے کہا گیا کہ آپ تنہا بیٹھا کرتے ہیں اگر لوگوں کے ساتھ بیٹھیں تو وہ آپ کی دل لگی کا باعث ہوگا تو آپ فرماتے تھے کہ تنہائی میں بیٹھنا فکر کے لئے زیادہ مفید ہے اور فکر کی زیادتی جنت کا راستہ ہے (ان احادیث میں فکر سے مراد توحید کے بارے میں فکر ہے)

۹۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں حمد اس اللہ کے لئے جس نے اپنی خلق کو اپنے وجود کی اور اپنی حادث مخلوق کو اپنی ازلیت کی دلیل قرار دیا اور مخلوق کی ایک دوسری سے مشابہت کو اس کو دلیل بنایا کہ اس کی شبیہ ومثال کوئی نہیں، مشاعر اس کو چھو نہیں سکتے اور پردے اس کو ڈھانپ نہیں سکتے کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ صانع اور مصنوع دو الگ چیزیں ہیں حاد محدود سے جدا ہے اور رب و مربوب میں فرق ہے وہ یکا و تنہا ہے بغیر تاویل عدد کے وہ خالق ہے بغیر حرکت و کوفت کے سمیع ہے بغیر آلہ کے بصیر ہے بغیر آنکھ کے اور شاہد ہے بغیر مس کے۔ ہر شے سے جدا ہے لیکن نہ ساتھ دوری مسافت کے ظاہر ہے لیکن نہ یہ کہ دیکھنے میں آسکتا ہے اور باطن ہے نہ اس لئے کہ باریکی کی صفت اس میں پائی جائے چیزوں سے الگ ہے کہ اس کا قہر و غلبہ ہر شے پر حاوی ہے اور دوسری چیزیں اس سے جدا ہیں کہ وہ اس کے سامنے خاضع و خاشع ہیں جس نے اس کی وصف کی (صفت کو ذات سے الگ مانا) تو گویا اس نے حد بندی کی اور جس نے حد بندی کی گویا اس نے اس کو محدود جانا اور جس نے اس کو محدود جانا اس نے اس کی ازلیت کی نفی کی جو یہ کہے کہ وہ کیا ہے؟ تو گویا وہ اس کو موصوف جانتا ہے یعنی صفت کو ذات سے الگ تصور کرتا ہے جو یہ کہے کہ وہ کہاں ہے؟ تو وہ گویا اسے مکان کا پابند سمجھتا ہے اور وہ اس وقت سے عالم ہے جب معلوم کا وجود نہ تھا۔ وہ اس وقت سے رب ہے جب مربوب کوئی نہ تھا اور وہ اس وقت سے قادر ہے جب کسی مقدور کا صفحہ ہستی پر نام ونشان نہ تھا۔

۱۰۔ مجمع البیان میں تفسیر ثعلبی سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب رات کو اٹھ کر مسواک کرکے یہ آیات پڑھا کرتے تھے اور نیز آپ سے مروی ہے کہ ویل ہے اس شخص کیلئے جس نے ان آیتوں کو صرف منہ میں چبایا اور فکر نہ کیا۔

دلیل بر وجودِ خدا

انسان جب آسمان و زمین کے وجود اور ان میں نت نئے حادث ہونے والے عجائب و غرائب کا مطالعہ کرے تو یقین پیدا ہوتا ہے کہ جو چیز حوادث کا محل و مقام ہے وہ خود بھی حادث ہے تو ماننا پڑے گا کہ آسمان و زمین کا وجود ازلی نہیں بلکہ ایک وقت میں یہ نہ تھے پھر ہوگئے لہٰذا ضروری ہے کہ ان کو کسی نے پیدا کیا ہو۔ پس ان کا حدوث و وجود ان کے خالق کے وجود کی دلیل ہے جو قادر ہے اور ان کے وجود میں عجیب و غریب مصالح اور ان کا نظم و نسق خالق کے علم و حکمت کی ناقابل تردید برہان ہے اور نیز ان کا حدوث خالق کے قدم کا پتہ دیتا ہے کیونکہ اگر وہ بھی حادث ہو تو اس کے لئے ایک اور موجد کی ضرورت ہوگی اور یہ سلسلہ غیر متناہی چلے گا پس انتہا ایک ایسے موجد پر ہوگی جو قدیم ہے اسی طرح شب و روز کا اختلاف بھی وجودِ خدا کی دلیل ہے کیونکہ ایک مقدار معین پر دن و رات کا تعاقب جس سے کبھی

آگے پیچھے نہیں ہو سکتے پھر بلحاظ موسم ایک کا بڑھنا اور دوسرے کا گھٹنا اس طرح کہ بڑھنے والے کی زیادتی گھٹنے والے کی کمی سے برابر ہی ہوتی ہے اور یہ سلسلہ کبھی کم وبیش نہیں ہوتا پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا صانع قادر حکیم دانا و بینا ہے۔

مناسب ہے کہ اس مقام پر دَورِ حاضر کے ایک مفکر کے نتائج فکر کو پیش کر دوں چنانچہ ایک پروفیسر اس عنوان پر کہ زمین پر زندگی کی نمود محض اتفاق ہے؟ لکھتا ہے۔

عصرِ جدید سائنس کا دَور ہے اگرچہ آفتابِ سائنس ابھی طلوع ہوا ہے تاہم نئی دریافت یہ تصدیق کرتی ہے کہ یہ دنیا کا تخلیقی کارنامہ ایک حکیم مطلق یعنی خالق و پروردگار کا ہی مرہونِ منت ہے۔ ڈارون کے بعد کی اس ایک صدی میں انسان نے عظیم الشان ایجادات کی ہیں اور ہم ایک ایسے سرچشمۂ علم سے بہرہ یاب ہوئے ہیں جہاں سائنس اپنے عجز کے اقرار کے ساتھ خدا پر ایمان کو مستحکم کرتی ہے اور ہم خدا کی حقیقت سے قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں (مشاہدۂ قدرت اور جدید سائنسی علوم (ریاضی، طبیعات، جغرافیہ، فلسفہ اور علم حیوانات وغیرہ) سے ان چند دلائل نے میرے خدا پر ایمان کو تازہ کر دیا ہے شائد آپ بھی ان سے اتفاق کریں۔

۱۔ حساب کے لافانی قانون کی رُو سے ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہماری یہ کائنات ایک عظیم انجینئر کے ہاتھوں سے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی تھی فرض کیجئے آپ دس سکے لے کر ان پر ترتیب وار ایک سے دس تک ہندسے لکھ دیتے ہیں اور انہیں ملانے کے بعد جیب میں ڈال لیتے ہیں اب آپ انہیں اس ترتیب سے نکالنے کی کوشش کریں کہ پہلے نمبر ایک آئے پھر نمبر دو پھر علی الترتیب نمبر دس نکلے اور ہر سکہ کو نکالنے کے بعد اُسے جیب میں ڈال کر ملاتے رہیں حساب کی رُو سے ہم جانتے ہیں کہ ان دس سکوں میں سے نمبر ایک کو پہلی دفعہ نکالنے کی کوشش کریں تو اس کا امکان $\frac{1}{10}$ ہے۔ اگر نمبر ایک اور دو کو ترتیب وار نکالنے کی کوشش کریں تو اس کا امکان $\frac{1}{100}$ ہے۔ اسی طرح ایک دو تین کو ترتیب وار نکالنے کے لئے ہزار میں سے ایک دفعہ کا امکان ہے لیکن ایک سے دس تک تمام سکوں کو ترتیب سے نکالنے کے لئے امکان کس حد تک ہے؟ شاید ایک ارب دفعہ میں صرف ایک بار: توجیہہ سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ ہماری زمین پر زندگی برقرار رکھنے کے لئے کڑی شرائط کا ہونا ضروری ہے البتہ ان میں توازن و تناسب ناگزیر ہے زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر لگاتی ہے اگر یہ سو میل کی رفتار پر آجائے تو ہمارے دن رات موجودہ وقت سے دس گنا بڑھ جائیں گے اور سورج کی تمازت دنیا کے سبزے کی پتی پتی کو جلا کر راکھ کر دے گی اگر کوئی سخت جان کونپل بچ بھی گئی تو یخ بستہ طویل رات اسے ختم کر دے گی

سورج ہماری زندگی کے لئے ایک لازمہ کی حیثیت رکھتا ہے اس کی اُوپر کی سطح کا درجہ حرارت بارہ ہزار فارن ہیٹ ہے ہماری زمین اس سے اتنی دُور ہے کہ یہ ازلی ابدی آگ کی بھٹی ہمیں مناسب گرمی دیتی ہے اگر یہ اس سے آدھی حرارت دے تو ہم برفاب ہو جائیں اور اگر یہ اس سے آدھی حرارت تیز کر دے تو کباب ہو جائیں۔

ہماری زمین ۲۳ درجہ عمود سے جھکی ہوئی ہے اسی سے ہمارے موسم بنتے ہیں اگر یوں نہ ہوتا تو سمندروں سے اُٹھنے والے

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

اے رب تو جسے داخل کرے آگ میں تو تحقیق تو نے اسے ذلیل کیا اور نہ ہوگا ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

اے رب ہمارا تحقیق ہم نے سُنا ایک بلانے والا جو بلاتا ہے ایمان کی طرف کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر پس ہم ایمان لائے

ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ۚ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا

اے رب پس بخش دے ہمارے گناہ اور دُور کر ہم سے ہماری برائیاں اور ہمیں لے لے ساتھ نیکوں کے اے رب ہمارا اور دے ہمیں وہ جو تو نے ہم سے

بخارات شمالاً جنوباً ہر سمت میں برف کے برّاعظم بنا دیتے اگر چاند موجودہ فاصلہ سے صرف پچاس ہزار میل دُور ہوتا تو سمندروں میں اتنا شدید مدوجذر پیدا ہوتا کہ دو روز میں سارے برّاعظم طوفانِ نوح کی داستان دہراتے حتیٰ کہ ہمالیہ کی چوٹیاں بھی غرقاب ہو جاتیں اگر سطح زمین کا چھلکا صرف دس فٹ موٹا ہوتا تو یہاں آکسیجن نہ مل سکتی جس کے بغیر زندگی موت بن جاتی اگر سمندر موجودہ گہرائی سے زیادہ عمیق ہوتا تو کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن اتنے زیادہ صرف ہو جاتے کہ نباتات کا قلع قمع ہو جاتا اور اگر زمین کے گرد فضا کا ہالہ اتنا کثیف نہ ہوتا تو کائنات میں روزانہ لاکھوں کی تعداد میں ٹوٹنے والے شہاب ثاقب زمین کے چاروں طرف آگ لگا دیتے اسی طرح اور بیسیوں مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ کروڑ میں سے ایک مرتبہ بھی یہ امکان نہیں ہے کہ ہماری زمین پر زندگی کی نمود محض اتفاق ہے بلکہ اسے ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق تیار کیا گیا ہے اور یہ سکیم کسی حکیم و دانا و عقل کل کے وجود پر دلالت کرتی ہے (یعنی وجود خالق) اس کے بعد اور دلیلیں بھی ہیں لیکن یہاں صرف اسی پر اکتفا کی جاتی ہے)

رَبَّنَآ اِنَّكَ :- اس میں شک نہیں کہ جو شخص عذاب خدا میں گرفتار ہو اس سے بڑھ کر ذلیل کون ہو سکتا ہے اور صرف جہنم میں داخل ہونا ذلّت و رسوائی کے لئے کافی ہے اگرچہ پھر شفاعت کی بدولت اسے نکال بھی لیا جائے جس طرح کہ مجمع البیان میں صحیح بخاری سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بعض گناہ گاروں کو شفاعت پہنچے گی اور جہنم سے نکال لئے جائیں گے اور اہل جنت ان کو جہنمی کے نام سے پکاریں گے ایک اور روایت میں ہے کہ جب ان کو جہنم سے نکالا جائے گا تو کوئلے کی طرح سیاہ ہو چکے ہوں گے پس ان کو ایک نہر میں ڈالا جائے گا جسے نہر حیات کہتے ہیں تو ان کا گوشت پوست نیا اُگ آئے گا۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا :- امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ منادی سننے والے حضرت علی علیہ السلام تھے (البرہان) ان آیات کے نزول کے متعلق مروی ہے کہ جب حضرت ابوطالب کے انتقال کے بعد آپ کو ہجرت کا حکم ہوا تو آپ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلایا اور فرمایا کہ پردہ داروں کو لے آنا۔ صبح کو جب قریش ناکام واپس گئے تو حضرت علیؑ پردہ داروں کو لیکر

عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

وعدہ فرمایا بذریعہ اپنے رسولوں کے اور ہمیں ذلیل نہ کرنا بروز قیامت تحقیق تو نہیں خلاف وعدہ کرتا پس ان کی دعا

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ

قبول کی ان کے رب نے کہ تحقیق میں نہیں ضائع کرتا تم میں سے کسی عامل کا عمل خواہ مرد ہو یا عورت

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ

تم ایک جیسے ہو پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور

اُوْذُوْا فِیْ سَبِيْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اذیت دیئے گئے میرے راستہ میں اور لڑے اور مارے گئے البتہ ضرور میں دُور کردوں گا ان سے ان کے گناہ

روانہ ہوئے جب ابوسفیان کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک حبشی غلام کو عقب میں روانہ کیا تاکہ حضرت علیؑ کو مستورات کے ہمراہ لے جانے سے روکے چنانچہ جب یہ حبشی غلام پہنچا تو آپ نے اس کو ہٹ جانے کو کہا لیکن یہ باز نہ آیا پس آپ نے ایک جنبش یداللّٰہی سے اُسے واصل جہنم کیا اس کے بعد ابوسفیان خود آیا اور اُس نے اپنے غلام کو مقتول پایا پھر حضرت علیؑ کو مستورات کے لے جانے سے منع کیا حضرت علیؑ اور ان کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی۔ آخرکار ابوسفیان ناکام واپس چلا گیا اور حضرت علیؑ اور ان کے ہمراہیوں نے چونکہ جنگ وجدال کی وجہ سے خستہ ہو چکے تھے لہذا ایک مقام پر قیام فرمایا اور تمام رات اللہ کی عبادت میں مصروف رہے۔ کوئی کھڑے ہو کر کوئی بیٹھ کر اور کوئی پہلو کے بل لیٹ کر حمد و شکرِ خداوند بجالاتے رہے اور آخرکار بخیر و عافیت داخل مدینہ ہوئے اور ان کے پہنچنے سے پہلے جبرئیل یہ آیات لے کر نازل ہوا اور حضورؐ نے پڑھ کر سنائیں حضرت علیؑ کے ہمراہ عورتوں میں سے جناب فاطمۃ الزہراؑ فاطمہ بنت اسدؑ اور فاطمہ بنت زبیر تھیں اور بعد میں ام سلمہ بھی پہنچ گئی تھیں

فَاسْتَجَابَ :۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت امّ المومنین ام سلمہؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی کہ ہجرت کے موقعہ پر صرف مردوں کا ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ ہم عورتوں نے بھی ہجرت کی لیکن ان کا کہیں ذکر نہیں ہوتا تو خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر فرمایا۔

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ :۔ یعنی نصرت دین اور موالات میں تم سب کا ایک حکم ہے کیونکہ تم سب صفت ایمان میں یکساں ہو اور علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ اس آیت مجیدہ میں تشویق و تحریص موجود ہے کہ مومن گذشتہ آیات والی دعاؤں کو پڑھتے رہیں کیونکہ جن لوگوں نے یہ دعائیں پڑھی تھیں ان کی مدح و ثنا بھی فرمائی اور ان کی دعا کو مستجاب بھی فرمایا۔

وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور ان کو داخل کروں گا ایسے بہشتوں میں کہ بہتی ہوں گی ان میں نہریں یہ بدلا اللہ کی طرف سے ہے

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی

اور اللہ کے نزدیک بہترین بدلا ہے نہ دھوکا دے تم کو آمد و رفت ان کی جو کافر ہیں

الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

شہروں میں یہ نفع تھوڑا ہے پھر ان کی بازگشت جہنم ہے اور بُرا ٹھکانا ہے

حُسْنُ الثَّوَاب :- یعنی اللہ کے پاس اعمال کی وہ جزا موجود ہے جس کی وصف و ثنا کوئی زبان کر ہی نہیں سکتی وہ ایسی ہو گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل پر اس کا خطور ہوا ہو گا۔ کیونکہ اخروی نعمات ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک صاف ہوں گی۔ تفسیر برہان میں ہے کہ آیت مجیدہ کے مصداق حضرت امیر علیہ السلام حضرت سلمان، حضرت ابوذر اور حضرت عمار ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ بوقت نزول یہ لوگ تھے ورنہ تا قیامت ایسی صفات والے مومنین اس آیت کے صحیح مصداق ہوتے چلے جائیں گے۔

لَا یَغُرَّنَّكَ :- تفسیر صافی میں مروی ہے کہ بعض مسلمان جب کافروں کو آسودہ زندگی اور خوشحالی میں دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ دشمنانِ خدا کیسے آسودہ حال ہیں اور ہم بھوک سے مر رہے ہیں۔ ان کی تسلی کے لئے یہ آیت اُتری اور ظاہری خطاب اگرچہ حضرت رسالتمآب کی طرف ہے لیکن اس سے مراد اُمت کے افراد ہیں۔

مَتَاعٌ قَلِیْلٌ :- دنیا کی زندگی کو متاع قلیل اس لئے فرمایا کہ خواہ زندگی کتنی ہی پُر از عیش اور طویل ہو آخر اُس نے ختم ہو جانا ہے اور آخرت کی زندگی اور اس کی نعماتِ ابدیہ کے مقابلہ میں اس کا کوئی مقام ہی نہیں۔ کافر خواہ کتنی ہی نعمت میں ہو۔ آخرت کے عذاب کا جب دروازہ کھلے گا تو اس کو تمام نعمتیں بھول جائیں گی اور مومن خواہ کتنی ہی تکلیف میں مبتلا ہو جب مرنے کے وقت جنت کا دروازہ اس کے سامنے باز ہو گا تو اس کی تمام تکلیفیں رفع ہو جائیں گی۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے۔ کہ اَلدُّنْیَا سِجْنُ لِلْمُؤْمِنِ وَجَنَّةٌ لِلْكَافِرِ۔ یعنی دنیا مومن کے لئے قید اور کافر کے لئے جنت ہے۔ مومن اگر دنیا میں آسودہ حال بھی ہو۔ جنت کی نعمات کے مقابلہ میں اسے قید خانہ سمجھے گا اور کافر دنیا میں اگر بدحال بھی ہو لیکن جہنم کے مقابلہ میں اسے جنت سمجھے گا اور تفسیر مجمع البیان میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ کافر و مومن ہر دو کے لئے موت بہتر ہے مومن کے لئے تو اس واسطے کہ وہ جنت میں جا پہنچے گا۔ اور کافر کے لئے اس واسطے کہ آئندہ کی زندگی میں جو اس نے نافرمانی کرنی تھی اس سے بچ جائے گا اور اسی قدر عذاب سے وہ نجات پائے گا۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

لیکن وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ان کے لئے باغات ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں مہمانی ہے اللہ کی جانب سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے بہتر ہے نیکوں کیلئے اور تحقیق بعض

اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ

اہل کتاب ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ نازل ہوا تمہاری طرف اور جو کچھ نازل ہوا

اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ

ان کی طرف خشوع کرتے ہوئے اللہ کے لئے نہیں لیتے آیات خداوندی کے بدلے قیمت تھوڑی ان لوگوں کے

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا

لئے ان کا اجر ہے نزدیک ان کے رب کے تحقیق اللہ جلدی حساب لینے والا ہے اے ایمان والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور ثابت قدم رہو اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ

وَاِنَّ مِنْ :۔ اس آیت مجیدہ کی شان نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ بادشاہ حبشہ جس کا نام عطیہ تھا۔ جب فوت ہوا تو جبرئیل نے آکر خبر دی آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارا مومن بھائی مر چکا ہے چلو نماز جنازہ پڑھیں چنانچہ آپ بمع صحابہ کے بقیع میں تشریف لائے۔ مدینہ سے لے کر حبشہ تک آپ کے سامنے سے ظاہری حجاب ہٹا دیئے گئے کہ آپ بادشاہ نجاشی کا جنازہ دیکھ رہے تھے پس آپ نے نماز جنازہ پڑھائی تو منافقین نے بزبان طعن کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو ایک نصرانی کافر کا جنازہ پڑھ رہے ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ یہودیوں کی جماعت کے حق میں اتری جو اسلام لائے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ تمام اہل کتاب جو مومن ہوئے یہ آیت ان کو شامل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حکم صبر سے مراد ہے فرائض پر صبر کرنا اور مصائب میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا اور آئمہ کی محبت میں ثابت قدم رہنا۔

ایک دوسری روایت میں امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ مصائب میں صبر کرو۔ اور زمانِ تقیہ میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور جن کی اقتدا کرتے ہو ان کے لئے ثابت قدم رہو۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس نے اس آیت مجیدہ کی تفسیر طلب کرنے کے لئے ایک شخص کو امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب سائل نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے باپ اور ہمارے حق میں نازل ہوئی ہے اور وہ رباط جس کا آیت مجیدہ میں حکم ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ ہاں ہماری نسل سے مرابطہ کرنے والے ہوں گے واپس جاکر ابنِ عباس کو کہنا کہ تیری نسل سے ایک ذرّیت نکلے گی جو آتشِ جہنم کے لئے پیدا ہوگی۔ وہ اللہ کے دین سے لوگوں کی جماعتوں کو خارج کریں گے اور آلِ محمدؐ کے بچوں کے خون سے زمین کو رنگین کریں گے اور ایمان والوں سے لڑیں گے۔

رَابِطُوْا ۔ رباط کا اصل مفہوم تو ہے کہ اسلامی سرحدوں پر حفاظت کے لئے مجاہد بن کر ڈٹے رہنا اور ان سرحدوں پر ثابت رہنے والوں کو مرابط کہا جاتا ہے لیکن تفسیر معصومینؑ میں اس جگہ رَابِطُوْا کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے امامِ وقت کی نصرت کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھو اور ان کی تمام احکام میں اطاعت کرو اور خدا کی نافرمانی سے بچو۔ چنانچہ چند احادیث بیان کی جاچکی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فرامین ہیں جو خانوادۂ عصمت سے اس بارہ میں وارد ہوئے ہیں۔

اور امام علی زین العابدین علیہ السلام نے تاویل کے طور پر ایک فرد بیان فرما دیا جو اس آیت کا اپنے زمانہ میں مصداقِ حقیقی تھا۔ ورنہ یہ آیت بلکہ قرآن مجید کی تمام آیتیں قیامت تک کے لئے ہیں اور قیامت تک ان کے مصداق آتے رہیں گے جیسا کہ ہم نے مقدمۂ تفسیر میں اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

مجمع البیان میں مرابطہ سے مراد بعض اقوال کی رُو سے نمازوں کی یکے بعد دیگرے انتظار اور اُن کی پابندی لی گئی ہے چنانچہ جناب رسالتمآبؐ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ سے افضل اعمال کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا وضو کا کامل کرنا۔ نماز جماعت کی طرف قدم بڑھانا اور نمازوں کی یکے بعد دیگرے انتظار کرنا اور یہی مرابطہ ہے۔

آج بحمد اللہ بروز اتوار ساڑھے تین بجے بعد دوپہر ۱۷ رجمادی الثانیہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۶ رنومبر ۱۹۶۱ء سورہ آلِ عمران کی تفسیر سے فارغ ہوا اور خداوند کریم سے دست بدعا ہوں کہ بحق محمدؐ و آلِ محمد و آلہ الطاہرین مجھے پورے قرآن کی تفسیر پر موفق فرمائے اور اس سلسلہ میں حائل شدہ جمیع جانی و مالی رکاوٹوں کو دُور کرے اور وہ دعاؤں کو قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اس کے بعد سورۂ نساء کی تفسیر شروع ہوگی۔

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ

تفسیر

سُورَۂ نِسَآء

یہ سورہ مدنی ہے اور اس میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے علاوہ ایک سو چھہتر ۱۷۶ آیات اور چوبیس رکوع ہیں۔ تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو شخص سورہ نساء کی ہر جمعہ کو تلاوت کرے وہ فشارِ قبر سے نجات پائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ

اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک نفس سے اور پیدا کیا اس (کی جنس) سے

مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ

اس کی عورت کو اور پیدا کئے ان دونوں سے مرد بہت اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کا ایک دوسرے

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

کو واسطہ دیتے ہو اور رحم سے (قطع رحمی نہ کرو) تحقیق اللہ تم پر نگہبان ہے

رکوع نمبر ۱۲ حکمِ تقویٰ

يَاَيُّهَا النَّاسُ :- خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں عامۃ الخلق کو تقویٰ کا حکم دیا اور اپنے عمومی احسان کو بطور علت کے پیش فرمایا۔ پہلے پہل نعمتِ خلق کو ذکر فرمایا اور اس میں شک نہیں کہ نعمتِ وجود باقی تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے پس جس خالق نے انسان کو کتم عدم سے خلعت وجود مرحمت فرمایا وہ سزاوار ہے کہ اس کی کماحقہٗ اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانیوں سے گریز کیا جائے کیونکہ انسان بلاشک عبد ہے اور وہ مولیٰ ہے اور عبد کے لئے کسی صورت میں اپنے مولیٰ کی مخالفت جائز نہیں اور عقل کا اٹل فیصلہ ہے کہ شکر منعم واجب ولازم ہوا کرتا ہے پھر تمام انسانوں کو ایک نفس سے خلق فرمانا اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے اور حکمتِ الٰہیہ یہ ہے کہ کروڑوں نفوس انسانی صفحۂ وجود میں آئے لیکن صرف چہرہ کی طرف اگر غور کیا جائے تو ایک بالشت کی لمبائی چوڑائی سے اس کا رقبہ زیادہ نہیں اور اسی مختصر سے ٹکڑے میں اس قادر مطلق نے اس قدر لاتعد و لاتحصیٰ نقوش ونشانات تفویض فرمائے ہیں کہ ہر چہرہ دوسرے چہرہ سے ممتاز ہے ہر کی تشکل ونقش دوسرے سے الگ ہیں کوئی بڑے سے بڑا کاریگر اتنے مختصر سے ٹکڑے میں اسی قدر مختلف نقوش اور جدا جدا اشکال قطعاً پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اسی قادر مطلق اور حکیم بے مثل کی صانعیت کا طرۂ امتیاز ہے جو علی الاطلاق شکر وحمد کا سزاوار ہے صرف چہرہ نہیں بلکہ انسان کے تمام اعضاء کی خصوصیات ایک دوسرے سے جداگانہ ہوتی ہیں اسی طرح ہر انسان کا مزاج مختلف اور قوائے باطنیہ میں اختلاف حتیٰ کہ صفحۂ ہستی پہ قدم رکھنے والوں میں سے کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ ہر حیثیت

سے ایک جیسا نہیں پایا جاتا اور یہ اس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ کی بیّن دلیل ہے جو انسان کو تقویٰ کی طرف ہر وقت دعوت دے رہی ہے

حضرت حوّا کی پیدائش

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا :- اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ حضرت حوّا حضرت آدم کی بائیں جانب کی پسلی سے پیدا ہوئی تھی۔ لیکن اس کے متعلق تفسیر کبیر رازی میں ابو مسلم اصفہانی نے اس کی تحقیق یہ بیان کی ہے کہ مِنْهَا سے مراد ہے مِنْ جِنْسِهَا اور اس کے استشہاد میں متعدد آیاتِ قرآنیہ موجود ہیں چنانچہ فرماتا ہے جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ۔ (یعنی اس نے بنائیں تمہارے نفسوں سے تمہاری بیویاں) اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہر شخص کی بیوی اس کے نفس سے پیدا ہوئی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری جنس سے خدا نے پیدا کیں نیز ارشاد فرماتا ہے کہ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (انہیں میں سے ان میں رسول بھیجا) اس مقام پر یقیناً مِنْهُمْ سے مراد مِنْ جِنْسِهِمْ یا مِنْ قَوْمِهِمْ ہے یعنی خدا نے ان کی جنس یا ان کی قوم میں سے ان میں اپنا رسولؐ مبعوث فرمایا۔

اس مقام پر شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا۔ اگر حضرت حوّا کی تخلیق جُدا ہوئی ہے تو اسطرح ہوتا کہ تمہیں نفسوں سے پیدا کیا گیا تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لفظ مِنْ اس مقام پر ابتدائے غایت کے لئے ہے اور چونکہ خلقت میں حضرت آدمؑ اول تھے اس لئے کہا گیا کہ تمہاری ابتدا ایک نفس سے ہوئی نیز جب خُدا کی قدرتِ کاملہ کی یہ شان ہے کہ حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کر سکتا ہے تو کیا حضرت حوّا کی پیدائش کے وقت اس میں وہ قدرت نہ تھی کہ اس کو بھی علیحدہ مٹی سے پیدا کر لیتا حضرت حوّا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کرنے کی کونسی ضرورت لاحق تھی ؟ اور خواہ مخواہ باپ بیٹی بنا کر ان میں سلسلۂ نکاح قائم کرنے میں کونسی مصلحت کار فرما تھی ؟ تفسیر برہان میں ہے ایک طویل روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جبکہ زرارہ نے سوال کیا کہ لوگوں کا خیال ہے۔ خدا نے حضرت حوّا کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے خلق فرمایا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا خدا میں قدرت نہ تھی کہ حضرت حوّا کو حضرت آدمؑ کی پسلی کے علاوہ الگ مادہ سے خلق فرماتا جو لوگ یہ کہتے ہیں؟ وہ دشمنانِ اسلام کو یہ کہنے کا موقعہ دیتے ہیں کہ آدمؑ کا نکاح اپنی جزو سے تھا پس خدا ہی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا نے جب آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اور فرشتوں سے اس کا سجدہ کرایا پس اس پر نیند کو غالب کیا اور پھر حضرت حوّا کو علیحدہ خلق فرمایا جب حضرت آدمؑ بیدار ہوئے اور حوّا کو پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ تو کون ہے۔ تو حوّا نے جواب دیا میں مخلوقِ خدا ہوں اور مجھے بھی اس نے پیدا کیا ہے۔ پس خدا نے ان دونوں میں رشتہ نکاح قائم کیا۔ مختصراً

تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ خدا نے حوّا کو کس چیز سے خلق فرمایا ؟ آپ نے فرمایا اس بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں ؟ راوی کہتا ہے میں نے کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی۔ آپ نے فرمایا وہ جھوٹ کہتے ہیں کیا خدا عاجز تھا کہ بغیر پسلی کے اس کو کسی چیز سے پیدا کرتا ؟ پھر فرمایا مجھے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام سے خبر پہنچی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے خلق فرمایا اور اس سے جو مٹی بچی اس سے حضرت حوّا کو پیدا کیا اور بروایت علل بھی آپ سے اسی طرح منقول ہے کہ حضرت آدمؑ کی بقیہ مٹی سے حوّا کو پیدا کیا گیا۔ نیز ایک روایت میں ہے

کہ بائیں پسلی سے جو مٹی بچی تھی حضرت حوّا کو اس سے پیدا کیا گیا۔ فقیہ سے منقول ہے کہ جس روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت حوّا حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی وہ روایت صحیح ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بائیں پسلی سے بچی ہوئی مٹی سے حضرت حوّا کی تخلیق ہوئی۔ بہر کیف جن روایات میں یہ ملتا ہے کہ حضرت حوّا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ ان کا مطلب یہی ہے جو بیان کیا جا چکا ہے پس اس لحاظ سے خَلَقَ مِنْهَا کا معنی یہی ہوگا کہ اس کی بقیہ مٹی سے حوّا کو پیدا کیا گیا یعنی مِنْهَا یعنی مِنْ بَقِیَّۃِ تُرَابِهَا اور ابوالصفہانی کے قول کے مطابق ہوگا مِنْ جِنْسِهَا اور ان دونوں کا مآل ایک ہے۔

سلسلۂ اولاد حضرت آدمؑ

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً ۔ اس مقام پر ایک اور اشتباہ ہے اور وہ یہ کہ حضرت آدمؑ کی اولاد کا بھائیوں اور بہنوں میں نکاح ہوا اور ان سے تمام بنی آدمؑ بالترتیب پیدا ہوئے خاندان عصمت سے بھی اس بارے میں سوالات ہوتے رہے چنانچہ انہوں نے فیصلہ کن جوابات ارشاد فرمائے۔ تفسیر برہان اور تفسیر صافی وغیرہ میں معصومین علیہم السلام سے کافی روایات منقول ہیں حضرت صادق علیہ السلام سوال کیا گیا کہ حضرت آدمؑ کی نسل کس طرح بڑھی اور کہا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو وحی کی تھی کہ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے درمیان رشتۂ نکاح قائم کرے اور یہ تمام انسان بھائی بہنوں کے نکاح کی پیداوار ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ! کیا لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا کی تمام برگزیدہ مخلوق نبی رسولؐ ولی اور مومن حرام کی پیداوار ہیں؟ کیا خدا کو قدرت نہ تھی کہ وہ ان کو حلال سے پیدا کرتا؟ حالانکہ تمام مخلوق سے اس نے خود حلال کا عہد لیا۔ خدا کی قسم مجھے بیان کیا گیا ہے کہ کسی حیوان کے سامنے اس کی بہن بری شکل میں پیش کی گئی جب وہ اس سے جفتی کرنے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ میری بہن ہے تو فوراً اس نے اپنا آلہ اس کی شرمگاہ سے نکال لیا اور غصہ سے اپنے آلہ کو دانتوں سے کاٹ دیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی اور آپ نے فرمایا بعض حیوانات کو اپنی ماں کے ساتھ بھی یہ واقع پیش آیا اور جب حیوانات کی یہ حالت ہے تو انسان اپنی انسانیت اور علم و فضل کے باوجود اس فعل شنیع کا کیسے مرتکب ہو سکتا ہے ہاں لوگوں کے ایک گروہ نے خاندان نبوت سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے یہ چیزیں ان لوگوں سے حاصل کیں جن سے لینے کے لئے وہ مامور نہیں تھے جس کے نتیجے میں وہ جہالت اور گمراہی کے اس چکر میں مبتلا ہو گئے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے خلقت آدمؑ سے دو ہزار برس قبل لوح محفوظ پر قیامت تک کے ہونے والے جملہ احکام ثبت کر دیئے اور اس میں تمام فقہاء عراق و حجاز میں سے کسی کو مجال انکار نہیں ہے اور اس بہن بھائی کے نکاح کی حرمت پر بھی قلم قدرت جاری ہو چکی ہے تورات موسیٰؑ پر انجیل عیسیٰؑ پر زبور داؤدؑ پر اور قرآن حضرت محمد مصطفیٰؐ پر نازل ہوا اور ان میں کسی کتاب میں یہ فتویٰ نہیں ہے جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ مجوسیوں کے قول کو قوت دیتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ہابیل کو قابیل نے قتل کر دیا تو پانچ سو برس تک حضرت آدمؑ نے حوّا کے قریب جانا چھوڑ دیا اور ہابیل کے غم میں روتے رہے اس کے بعد جب مقاربت ہوئی تو خداوند کریم نے آپ کو شیث عطا فرمایا جس کا نام ہبۃ اللہ ہے اور یہ انسانوں میں پہلا وصی ہے اس کے بعد حضرت کا دوسرا فرزند یافث پیدا ہوا جب یہ جوان ہوئے تو سلسلۂ نسب کو آگے بڑھانے اور بھائی بہنوں کے نکاح سے بچنے کے لئے پہلے خدا نے عصر کے بعد بروز خمیس جنت سے ایک حور بھیجی جس کا نام

برکہ یا نزلہ تھا اور وحی ہوئی کہ اس کا نکاح شیث سے کیا جائے پھر دوسرے روز عصر کے وقت دوسری حور جنت سے آئی جس کا نام برکہ یا منزلہ تھا اور اس کا نکاح یافث سے ہوا۔ پھر ان سے سلسلۂ نسل جاری ہوا اور پہلے بطن میں شیث کا لڑکا اور یافث کی لڑکی ہوئی تھی اور ان کے باہمی نکاح سے نبی و مرسل پیدا ہوئے اور بھائیوں اور بہنوں کا نکاح بالکل غلط ہے اور بے بنیاد بات ہے۔ عیاشی سے ایک روایت منقول ہے کہ حضرت آدمؑ کے چار لڑکے ہوئے اور چاروں حوروں سے ان کا نکاح ہوا اور ان سے اولاد ہوئی۔ پھر حوروں کو اٹھا لیا گیا اور ان کے بجائے قوم جن کی چار عورتوں سے نکاح ہوئے اور نسل اس طرح آگے چلی پس انسانوں میں حلم حضرت آدمؑ سے اور جمال حوروں سے اور بد عادات قوم جنات سے آ رہی ہیں۔

ایک روایت میں ہے فرزند آدمؑ حضرت ہبۃ اللہ (شیث) کی شادی حور سے ہوئی جس سے چار لڑکے پیدا ہوئے اور حضرت آدمؑ کے دوسرے فرزند کی شادی قوم جن میں ہوئی جس سے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں اور پھر آپس میں رشتے کئے گئے اور اولاد بڑھی۔ ایک روایت میں ہے کہ ہبۃ اللہ کے چار لڑکے حور سے ہوئے اور ان چار لڑکوں کے لئے ایک مسلمان جن کی لڑکیاں نکاح میں لائی گئیں اور ان سے اولاد بڑھی بہرکیف جو روایات بھائیوں اور بہنوں کے باہمی نکاح سے متعلق ہیں وہ اسلامی اصول کے ماتحت قابل تسلیم نہیں اور مجوسی لوگ چونکہ بھائی بہنوں کے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں لہٰذا وہ اپنے استدلال میں حضرت آدمؑ کی اولاد کے نکاح پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں نے چونکہ خاندانِ عصمت و دودمانِ نبوت کا دروازہ چھوڑ دیا تو انہوں نے انہی لوگوں کی باتیں اپنی کتب میں داخل کر دیں اور اسی پر عقیدہ جما کر بیٹھ گئے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے منقولہ روایات میں جزوی اختلاف ضرور ہے جو ممکن ہے رواتِ حدیث کے عدم حفظ کا نتیجہ ہو لیکن مجموعی طور پر ان کا آخری مقصد یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی نسل بھائی بہنوں کے نکاح سے نہیں ہوئی بلکہ خدا جو تمام انسانوں کو حلال کا حکم دیتا ہے اور حلال کو پسند فرماتا ہے اس نے ابتدائے آفرینش سے انسان کیلئے حلال کا انتظام فرما دیا تھا اور وہ اس سے قطعاً عاجز نہیں ہے اس بنا پر یہ شبہ کہ پھر انسان کی پیدائش نفسِ واحد سے کیسے ہوئی حالانکہ خدا تو فرماتا ہے کہ تمام انسان نفس واحد سے پھیلے اور ان روایات کے ماتحت تو حضرت حوّا اور ان کی بہوؤں کو ملاتے ہوئے نفوس کثیرہ سے نسل کا چلنا ثابت ہوتا ہے تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ عام طور پر اولاد کی نسبت صرف باپ کی طرف ہوا کرتی ہے اور اس سلسلہ میں عورت کو تبعی حیثیت حاصل ہے بنا بریں عرفِ عام کے ماتحت تمام بنی آدم کو صرف باپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اس عرف کو کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔ یا یہ کہ من کا معنی ابتدا ہے یعنی انسان کی ابتدا حضرت آدمؑ سے ہوئی ہے۔ صاحب تفسیر میزان نے کہا ہے کہ بَثَّ مِنْهُمَا کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی آدم صرف ان دونوں سے پیدا ہوئے ہیں اگر نوعِ انسانی کی تکثیر میں کسی اور کو دخل ہوتا تو مِنْهُمَا کا کلمہ تنہا نہ ہوتا بلکہ یوں چاہیئے تھا بَثَّ مِنْهُمَا وَ مِنْ غَيْرِهِمَا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد کی بیویاں خواہ کسی خاندان و قبیلہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ ان کی اولاد ان کے جدِ اعلیٰ کی طرف بلا شک و شبہ منسوب ہوا کرتی ہے جیسے تمام سادات بنی فاطمہ کو حضرت علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد کہا جاتا ہے حالانکہ علیؑ و فاطمہؑ علیہما السلام کے شہزادوں کی بیویاں خواہ

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ

اور دو یتیموں کو اپنے مال اور نہ لو خبیث بدلہ میں طیب کے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے

اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا

مالوں کے ساتھ ملاکر تحقیق یہ گناہ کبیر ہے اور اگر ڈرو کہ نہ انصاف کرسکو گے یتیموں کے حق میں تو نکاح کرو

دوسرے خاندانوں سے تھیں۔ نیز راسخین فی العلم کی تصریحات کے بعد اس قسم کے وساوس دقیانوسی مواد کا کوئی مقام نہیں۔

اب یہ کہنا کہ زمین پر انسان کی پیدائش صرف اتفاقی ہے یا بقول لامذہب لوگوں کے کہ انسان کی ابتدا بندر سے ہے اور رفتار زمانہ سے ترقی کر کے انسانیت کی نوبت آئی جیسا کہ ایک دشمن اسلام ڈارون کا قول مشہور ہے خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں اس کو کھلے لفظوں میں باطل کیا اور خلقت انسانی کو اپنا احسان قرار دیا جس سے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ کو پیش فرماتے ہوئے تمام انسانوں کو تقویٰ کی دعوت دی۔ نوجوانوں کو نئی پود ڈارون جیسے لامذہب دشمن خدا کی باتیں سننے کی بجائے خدائے حکیم کی پراز حکمت کلام سے واقفیت حاصل کریں۔ تاکہ ان کے دلوں سے غلط عقیدت کا زنگ رفع ہو اور نور ایمان سے منور و حلاوت اسلام سے سرشار ہوں جو اپنے آپ کو آدمی کہلاتے ہیں یعنی اولاد آدم ان کیلئے قرآن نصیحت ہے البتہ جو لوگ ڈارون کے ہم عقیدہ ہو کر اپنے آپ کو بندر کی اولاد سمجھتے ہوں وہ قرآن سے کیا استفادہ کریں گے۔ ہم نے اس عقیدہ کو بطلان کیلئے تفسیر کی تیسری جلد ص۲ میں وضاحت کی ہے

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ :- ارحام کا عطف یا تو بِہٖ کی ضمیر مجرور پر ہے جو کہ محلاً منصوب ہے اور یا لفظ اللہ پر ہے اور اِتَّقُوْا کا مفعول ہے پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ڈرو اس اللہ سے جس کا ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو اور ارحام کا واسطہ بھی دیتے ہو جس طرح عرب کہتے تھے اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ وَبِالرَّحِمِ اَنْ تَفْعَلَ كَذَا (تجھے خدا و قرابت کا واسطہ ہے کہ فلاں کام کردے) اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ڈرو اس اللہ سے جس کا ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو کہ اس کی اطاعت کرو اور نافرمانی نہ کرو اور ڈرو ارحام کی قطع تعلقی سے یعنی قطع رحمی نہ کرو۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ خدا فرماتا ہے میں رحمٰن ہوں اور میں نے رحم کو اپنے نام سے مشتق کر کے اس کا نام رکھا ہے جس نے صلہ رحمی کی اس نے میرے ساتھ رابطہ قائم کیا اور جس نے قطع رحمی کی وہ مجھ سے قطع ہوا۔ صلہ رحمی دو طرح سے ہوتی ہے ایک رشتہ ناطہ ایک دوسرے کا قبول کرنا اور دوسرے بصورت فقر و فاقہ ایک دوسرے کی دستگیری کرنا (مجمع البیان) تفسیر برہان میں ابن شہر آشوب سے مروی ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ یہ آیت محمدؐ و آل محمدؐ کے حق میں اتری ہے اور ارحام سے مراد رسولؐ کے قریبی ہیں کہ ہر سبب و نسب قیامت کے دن منقطع ہوگا۔ سوائے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب و نسب کے (سبب سے مراد جو رسول خداؐ کے دوست و موالی ہیں)

یتیم کے مال کھانے کی ممانعت

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى :- حالت بچپنے میں یتیموں کو مال دینے سے مراد یہ ہے کہ نیک نیتی سے ان پر خرچ کرو اور جب بالغ ہو جائیں اور حالت رشد کو پہنچ جائیں تو مال

مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا

وہ جو پاکیزہ ہوں تمہارے لئے عورتوں میں سے دو دو تین تین اور چار چار پس اگر ڈرو کہ نہ عدل کر سکو گے

فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴿۳﴾ وَاٰتُوا النِّسَآءَ

تو ایک یا وہ جس کا مالک ہو تمہارا ہاتھ یہ زیادہ قریب ہے کہ نہ ظلم کرو اور دو عورتوں کو

صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ﴿۴﴾

ان کے حق مہر (جو اللہ کا) عطیہ ہیں پس اگر بخوشی نفس تمہیں اس سے کوئی شے دے دیں تو اسے کھاؤ طیب خوشگوار ہے

ان کو واپس کر دو اس صورت میں ان پر یتیم کا اطلاق مجازاً ہوگا کیونکہ جناب رسالتمآبؐ کا فرمان ہے لَا يُتْمَ بَعْدَ الْحُلُمِ (جوانی کے بعد یتیمی نہیں رہتی)

وَلَا تَتَبَدَّلُوْا :- اس کے معنی میں کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں صاحب مجمع البیان نے جو معنی پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ یتیموں کے اوصیاء کا دستور تھا کہ یتیموں کا عمدہ اور کھرا مال لے کر اس کی بجائے اپنا ردی اور کھوٹا مال ان کو دے دیتے تھے پس خدا نے ان کو اس سے منع کیا ہے کہ ایسا نہ کیا کرو۔ اسی طرح وہ ان کے عمدہ مال کو اپنے ردی مال سے خلط کر کے پھر مشترکہ کو مل جل کر کھاتے تھے چونکہ اس میں بھی یتیموں کو خسارہ ہے اس لئے خدا نے منع فرمایا کہ اس طرح یتیموں کے مالوں کو اپنے ساتھ ملا کر نہ کھایا کرو۔ ہاں اگر یہ بات نہ ہو اور یتیموں کو خسارہ میں ڈالنا مطلوب نہ ہو تو مال کے ایک دوسرے کے ساتھ خلط یا ملاوٹ میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ جب یہ آیت اتری تو لوگوں پر یہ معاملہ بہت شاق گزرا اور حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں شکایت پیش کی پس حکم ہوا وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ یعنی اگر تم ان کے ساتھ اپنے مال ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور یہی حضرت باقر اور حضرت صادق علیہما السلام سے مروی ہے (مجمع البیان)

وَاِنْ خِفْتُمْ :- اس آیت کے نزول اور ماقبل سے ربط اور معنی کے متعلق کئی اقوال ہیں (۱) عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی یتیم لڑکی کی پرورش کرتا تھا اور اس کے مال و جمال پر دلدادہ ہو کر اس سے نکاح کرتا تو ان کو شان موافق حق مہر نہ دیتا تھا پس اس آیت میں ان کو منع کیا گیا کہ ایسا مت کرو بلکہ اگر ان سے نکاح کرو تو ان کو حق پورا دو ورنہ ان کے علاوہ چار تک نکاح میں لا سکتے ہو اور تفسیر علمائے امامیہ میں یہی مروی ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ اس کا اتصال اس آیت سے اس طرح ہے۔ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا۔ الخ (ترجمہ) آپ سے یہ لوگ عورتوں کے متعلق فتویٰ دریافت کرتے ہیں تو فرما دیجئے کہ اس بارے میں اللہ تم کو فتوے دیتا ہے اور وہ چیز جو تم پر کتاب میں یتیم عورتوں کے متعلق تلاوت کی جاتی ہے جن کو تم پورا حق مہر ادا نہیں کرتے اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کریں پس اگر تم کو خوف ہو کہ یتیم عورتوں کے متعلق

انصاف نہ کرسکو گے تو باقی عورتوں میں سے چار تک نکاح کرلو (۲) دستور تھا کہ لوگ چار پانچ بلکہ دس تک شادیاں کرلیتے تھے اور کہتے تھے مجھے کیا پرواہ ہے اگر میرا اپنا مال ختم ہو جائے گا تو فلاں یتیم کا مال استعمال کریں گے جو ہمارے پاس پل رہا ہے پس خدا نے منع فرمایا کہ اگر تمہارے پاس اپنے مال میں گنجائش نہ ہو تو بجائے اس کے کہ یتیموں کے مال پر دست درازی کرو۔ نکاح میں تخفیف کرو اور اپنی مالی وسعت کے ماتحت ایک دو تین آخر چار تک شادیاں کرلو۔ (۳) لوگ یتیموں کے مالوں میں احتیاط کرتے تھے لیکن عورتوں میں عدل کی پرواہ نہ کرتے تھے پس حکم ہوا کہ جس طرح یتیموں کے مال کے متعلق پوچھ گچھ کرتے ہو اور یتیموں کے مالوں میں انصاف نہ کرسکنے کا تمہیں ڈر رہتا ہے تو عورتوں کے نکاح کے متعلق بھی عدم انصاف کا خوف کیا کرو اور بصورت خطرہ صرف ایک عورت پر اکتفا کیا کرو (۴) یتیموں کے مال کے ڈر کی وجہ سے یتیم پروری سے گریز کرتے تھے تو حکم ہوا کہ یتیموں کے مال میں عدم انصاف سے ڈرتے ہو تو زناکاری اور بدمعاشی سے بھی تو خوف کرو اور حلال میں حسب استطاعت ایک یا دو یا تین یا چار تک نکاح کرسکتے ہو بشرطیکہ انصاف کرسکو۔

تعدد نکاح فَانْكِحُوْا مَا طَابَ :- آیت مجیدہ میں مرد کیلئے بصورت استطاعت و امکان انصاف چار تک آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت محمد بن سنان حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس کی توجیہ اس طرح فرمائی ہے کہ مرد کے لئے چار تک عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے اور عورت کو ایک سے زیادہ مردوں کی ممانعت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اگر چار شادیاں بھی کرے تو ہر صورت میں بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اگر عورت کے لئے ایک سے زیادہ مرد جائز ہوں تو معلوم نہ ہو سکے گا کہ یہ بچہ کس کا ہے پس نسب میراث اور تعارف فوت ہو جائیں گے۔ الحدیث۔ قرآن کی تصریح اور تمام اہل اسلام کی کتب احادیث میں روایات حد تواتر تک پہنچتی ہیں کہ مرد ایک سے زیادہ یعنی چار تک بیک وقت نکاح کرسکتا ہے۔ لیکن دور حاضر میں عورت کی آزادی کا تصور اور عورت و مرد کی مساوات کا مسئلہ جو غیر اسلامی تہذیب کی پیداوار ہے اس نے مسلمانوں کی نئی پود کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ جس کی بدولت مغربیت زدہ اذہان قرآنی تعلیم سے روزافزوں دوری اختیار کرتے ہوئے اسلام سے کھلم کھلا بغاوت کرنے پر تُل گئے ہیں اور اپنے خیالات پر جمے ہوئے ہر نظریہ کو اسلام کا نام دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور آیات قرآنیہ کی جوڑ توڑ کرکے اپنے نظریہ کو ہر مسلمان پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں اور جناب رسالتمآبؐ کا فرمان بجا ہے بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا۔ اسلام کی ابتدا بھی غربت سے ہوئی اور اس کی انتہا بھی غربت ہوگی اور سچ ہے کہ جس طرح دور حاضر میں اسلام غربت میں ہے اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا دین عالم غربت میں نہیں ہر دین کے پرستار اس کے قوانین کے محافظ ہیں لیکن اسلام کی پرستاری کا دعویٰ کرنے والے اس کے قوانین کو بگاڑتے اور اپنے من مانے مسائل کو ان کی جگہ رکھنے میں خدمت اسلام سمجھتے ہیں ہم نے مسئلہ زیر بحث کو تفسیر کی تیسری جلد ص۱۰ پر زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔

اَلَّا تَعْدِلُوْا - یعنی اگر زیادہ عورتوں کے درمیان عدل و انصاف نہ کرسکو تو پھر صرف ایک عورت سے نکاح کرو یا باقی کنیزیں رکھ لو۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے۔ ایک دفعہ ابن ابی العوجاء کی ہشام بن حکم سے بات چیت ہوئی۔ ابن ابی العوجاء نے دریافت کیا کہ خدا حکیم نہیں۔ ہشام نے کہا بے شک وہ حکیم ہے اس نے یہی آیت پڑھی اور کہا کیا عورتوں کے درمیان عدل

کرنا فرض ہے؟ ہشام نے ہاں میں جواب دیا تو ابن ابی العوجاء نے قرآن کی ایک اور آیت پڑھی وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ (ترجمہ) اور ہرگز تمہاری طاقت نہیں کہ عورتوں کے درمیان عدل کرسکو۔ پس اس نے کہا کیا اس آیت اور اس آیت میں تناقض نہیں ہے ہشام کہتا ہے میں لاجواب ہوگیا اور مدینہ میں پہنچ کر حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا ہشام! نہ حج کا زمانہ اور نہ عمرہ کا وقت۔ کیسے آنا ہوا؟ میں نے ابن ابی العوجاء کا سوال پیش کیا۔ آپ نے فرمایا جہاں عورتوں کے درمیان عدل وانصاف کے قائم رکھنے کا حکم ہے اس سے مراد ہے کہ نان ونفقہ میں ان کے درمیان انصاف قائم رکھو اور جہاں فرماتا ہے کہ تم ان کے درمیان عدل کرسکتے ہی نہیں اس سے مراد ہے کہ تم ان کے درمیان محبت میں مساوات نہیں کرسکتے پس ہشام نے جب یہ جواب ابن ابی العوجاء کو آکر سنایا تو اس نے کہا کہ یہ تیری طرف سے نہیں ہے۔ ایک اور روایت میں ابوجعفر احول اور ایک زندیق کے درمیان یہی سوال وجواب مروی ہیں آج کل جو لوگ تعدد نکاح کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوئے ہیں وہ عدل عدل کی رٹ لگاتے ہیں اور اس سے مفہوم لیتے ہیں محبت میں مساوات حالانکہ جس عدل کا عورتوں کے درمیان قائم رکھنے کا حکم ہے وہ نان ونفقہ میں عدل ہے نہ کہ محبت میں اور یہ تمام مسلمانوں کا مسلمہ فتویٰ ہے۔

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ۔ یعنی عورت کا مہر دبالینا غصب ہے اور اس کا کھانا حرام ہے ہاں اگر وہ خود پورا حق مہر یا اس کا کچھ حصہ اپنی خوشی سے واپس دے دیں تو اس کا کھانا طیب ومبارک ہے۔

لطیفہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت کتاب عیاشی منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے پیٹ کے درد کی شکایت پس آپ نے دریافت کیا کہ کیا تیری بیوی بھی ہے؟ تو اس نے ہاں میں جواب دیا آپ نے فرمایا اس کے ذاتی مال سے کچھ ہے جس کو وہ خود بخوشی ورضا تجھے دے دے اور اس کا شہد خرید کرلے پھر اس میں بارش کا پانی ملا دے اور اس کو پی جا۔ کیونکہ خدا اپنی کتاب میں فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (ہم نے آسمان سے مبارک پانی اُتارا) یہ بارش کے پانی کی تعریف ہے اور شہد کے متعلق فرمایا يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔ ان کے بطون سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اس میں لوگوں کیلئے شفا ہوتی ہے اور عورتوں کے مال کے متعلق فرمایا فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا یعنی بخوشی نفس تمہیں اس میں سے کوئی چیز دے دیں تو اس کو کھاؤ کہ تمہارے لئے طیب اور خوشگوار ہے پس جب برکت شفا اور خوشگوار تینوں چیزیں مل جائیں تو انشاء اللہ تجھے شفا ہوگی۔ اس شخص نے حضرت کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے یہی نسخہ استعمال کیا اور بحکم خدا شفایاب ہوا۔

مسئلہ: بعض لوگوں نے اس آیت مجیدہ سے وجوب نکاح کا حکم استنباط کیا ہے کیونکہ فَانْكِحُوْا امر ہے اور یہ وجوب کیلئے ہوتا ہے لیکن صاحب مجمع البیان نے فرمایا ہے کہ دلیل کے ذریعے ظاہر سے عدول کیا جاسکتا ہے اور دلیل اپنے مقام پر قائم ہوچکی ہے کہ نکاح واجب نہیں (ہاں اگر حرام میں واقع ہونے کا ڈر ہو اور استطاعت بھی ہو تو اس صورت میں واجب ہوگا ورنہ مستحب اور سنت ہے)۔

تعدد ازواج پر وارد شدہ اعتراضات اور اُن کے جوابات

چونکہ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ کان میں ہر نئی آنے والی بات جاذب طبع اور اہمیت کے ساتھ معرض التفات ہوجایا کرتی ہے اور دُور کے ڈھول سہانے کا فقرہ ایک ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ اسی کے ماتحت مسلمانوں میں مغرب کی طرزِ زندگی کے اثرات زیادہ سے زیادہ جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اس طرف سے اٹھتی ہوئی ہر آواز پر یہ بھی کان دھرنے کو تیار ہیں اور ان کی صفات کو اپنے میں جذب کرنے کے شیدائی ہیں۔ وہ لوگ مجبور ہیں کنسیہ کی طرف سے ان کو ایک سے زیادہ شادی کی اجازت نہیں ملتی پس وہ مدت سے ایک ہی شادی پر اکتفا کرتے چلے آئے ہیں اور ان کی عورتیں نسلاً بعد نسل اسی نقطہ خیال سے مانوس ہیں بس مرد صرف ایک ہی عورت سے شادی کر سکتا ہے لہٰذا وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے برسرِ پیکار رہتے ہیں اور اپنے اوپر عائد شدہ پابندی کو دوسروں پر ٹھونسنے کے لئے عقلی وجوہات تلاش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اسلامی قوانین سے باغی کرنے کے حیلے و بہانے بناتے ہیں اور اس کو حریت و آزادی کا لبادہ دے کر سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے اپنے نظریۂ باطل کی فتح کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ طبقہ کے لوگ ان کی اس دجل فریبی کا شکار ہو کر اسلامی فطری قوانین کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر دیتے ہیں چنانچہ اسلامی تعدد ازدواج کے مسئلہ پر انہوں نے چند اشکالات وارد کئے ہوئے ہیں۔ یہ سوالات و جوابات تفسیر میزان جلد ۴ سے نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اخذ کئے ہیں)

۱۔ تعدد ازواج کی اجازت صنفِ نازک یعنی عورتوں کے دلوں پر ایک ضرب کاری ہے جس سے ان کے دلوں میں مردوں سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور تمدنی انسانی زندگی معرضِ خطر میں آجاتی ہے اور خانگی آسودگی اور خوشحالی بدمزگی سے تبدیل ہو کر خانہ آبادی بربادی سے بدل جاتی ہے اور عورتوں میں مرد کے حق میں خیانت کا جذبہ پیدا ہو کر ازدواجی زندگی کی روح کو ختم کر دیتا ہے۔

۲۔ مردم شماری کے لحاظ سے تقریباً تقریباً عورتوں اور مردوں میں برابری پائی جاتی ہے لہٰذا فطری تقاضا یہی ہے کہ ایک مرد کے لئے صرف ایک عورت کے ساتھ نکاح جائز ہو۔

۳۔ مردوں کو زیادہ نکاح کی اجازت دینا ان کو شہوت پرستی کی دعوت دینے کے مترادف ہے جو ازدواجی زندگی کی حقیقی رُوح کے منافی ہے۔

۴۔ اجتماعی زندگی میں عورت و مرد انسانیت کے دو اہم حصے ہیں اور اس سلسلے میں عورت بھی مرد کے ساتھ برابر حصہ دار ہے لہٰذا مرد کیلئے زیادہ نکاح کی اجازت عورت کی توہین ہے اور اجتماعی زندگی میں اس کے نظر انداز کرنے کی دلیل ہے۔

جوابِ ا:- اس میں شک نہیں کہ احساسات و جذبات پر مقدار و کیفیت کے لحاظ سے تربیت و ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے جس طرح عام عادات و رسوم میں ممدوحیت یا مذمومیت تربیت و ماحول کے ماتحت ہوا کرتی ہے چنانچہ ایک قوم و علاقہ کی ممدوح رسم دوسرے ماحول میں مذموم شمار ہو جاتی ہے پس اسلام نے عورت کے لئے جو فرائض و احکام تجویز کئے ہیں اگر عورت انہی تعلیمات

کے ماتحت پروان چڑھے تو کوئی وجہ نہیں کہ کسی اسلامی حکم کو وہ بارِ خاطر سمجھے یا اس کا اس کی طبیعت پر بُرا اثر پڑے ہاں مغربی عورتیں چونکہ مدت مدید سے اسی طرز عمل کو دیکھتی آئی ہیں کہ ایک مرد کے لئے صرف ایک ہی عورت ہوتی ہے پس ان کا ماحول ان کیلئے تعدد ازدواج کا مسئلہ ایک ناقابلِ برداشت بوجھ کی شکل میں ظاہر کرتا ہے اور اس کو فطرت و طبیعت سے کوئی واسطہ نہیں ورنہ ان کے متمدن طبقہ میں زن و مرد کا آزادانہ اختلاط مذموم ہوتا۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان کے مرد جنسی میل جول میں صرف ایک عورت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہزار میں سے بھی ایک مرد بمشکل زنا سے محفوظ ہوگا اور اس سے بھی ان کی شہوت کی تسکین نہیں ہوتی اور عورتوں سے تجاوز کرتے ہوئے لواطت کی طرف بھی قدم بڑھا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ لواطت کو قانونی جواز کی شکل دی جائے جبکہ غیر قانونی طور پر یہ وباء ہمہ گیری تک پہنچ چکی تھی اور عورتوں میں خصوصاً بے شوہر نوجوان لڑکیوں میں تو آزادانہ اختلاط کی جو روایات ہیں بس توبہ ہی بھلی۔

کیا اس آزادانہ شہوت پرستی سے ان عورتوں کی نہ دل شکنی ہوتی ہے اور نہ ان کی طبیعت پر کسی قسم کا بوجھ پڑتا ہے نہ وہاں عورت کی رگِ حمیت پھڑکتی ہے اور نہ مرد کو احساس پیدا ہوتا ہے کہ مرد کے لئے صرف ایک عورت اور عورت کے لئے صرف ایک مرد کافی ہے اس سے تجاوز کرنا دوسروں کی حق تلفی ہے لیکن یہ بے راہ روی چونکہ ان کے ماحول میں داخل ہے لہذا اس سے تأثر نہیں ہوتا اور چونکہ اسلامی قانون اور اس کے عمل سے ان کا ماحول بیگانہ ہے لہذا یہ موجب دل شکنی بھی ہے اور منافی مساوات بھی اور اجتماعی زندگی کے خلاف بھی۔ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ آزادانہ ہوس پرستی اور شہوت رانی تمدنِ انسانی سے کیا نسبت رکھتی ہے اور اس کا خانگی خوشحالی سے کیا واسطہ ہے کیا یہ صورت تو خیانت کے جذبہ کے لئے موجب نہیں بنتی؟

جواب ۲:- مردم شماری کے لحاظ سے اگر تسلیم کر لیں کہ عورتوں اور مردوں کی تعداد برابر ہے تاہم عورتوں کی قابلِ نکاح تعداد بالغ مردوں سے ہمیشہ زیادہ ماننی پڑتی ہے کیونکہ گرم ممالک میں عورت نو برس سے اُوپر جوان ہو جاتی ہے اور سرد ممالک میں ۱۱ یا ۱۲ سال کی عورت تو بالعموم قابل شادی ہو جایا کرتی ہے اور مرد پندرہ یا سولہ سال تک عموماً جوان ہو جاتے ہیں۔ فی الحال صرف سولہ سالوں کا حساب لگاتے ہیں۔ فرض کیجئے سولہ سال کے دوران میں لڑکے اور لڑکیاں مساوی تعداد میں پیدا ہوتے رہے تو اس مدت کے بعد جب ہم جائزہ لیں گے تو لڑکے صرف وہی قابلِ نکاح ہوں گے جو پہلے سال پیدا ہوئے تھے لیکن لڑکیاں چونکہ زیادہ سے زیادہ بارہ سال کی جوان ہوتی ہیں لہذا پہلے سال سے چوتھے سال تک کی پیدا ہونے والی لڑکیاں سب بالغ ہوں گی یعنی ایک سال کے پیدا شدہ لڑکوں کے مقابلہ میں چار سالوں کی پیدا شدہ لڑکیاں قابل شادی ہو جایا کرتی ہیں اس لحاظ سے بھی ایک اور چار کی نسبت رہتی ہے اور یہ نسبت ہم نے کم از کم لگائی ہے ورنہ گرم ممالک کے لحاظ سے جہاں سال سے لڑکی جوان ہو جاتی ہے جیسا کہ شرعی فیصلہ بھی یہی ہے تو نسبت اور بڑھ جائے گی کیونکہ فرض یہ ہے کہ پیدائش میں عورت اور مرد مساوی ہیں۔

نیز عورت میں سلسلہ تولید و تناسل زیادہ سے زیادہ عموماً پچاس سال تک ہوتا ہے اور مرد اس سے زیادہ عمر میں بھی سلسلہ تولید کے قابل ہوتے ہیں تو دریں صورت مرد کو صرف ایک عورت پر پابند کرنا اس کی فطری حق تلفی ہے

نیز اسباب موت بہ نسبت عورتوں کے مردوں کے لئے زیادہ ہیں کیونکہ جنگ و دفاع کے زمانہ میں مردوں کی خاصی تعداد لقمہ اجل ہو جاتی ہے اور عورتیں اس فریضہ سے سبکدوش ہیں۔ پس اگر مرد کیلئے صرف ایک نکاح کی اجازت ہو تو بہت سی عورتیں اجتماعی زندگی سے محروم کر دی جائیں گی اور بہر صورت مرد و عورت کی عددی مساوات کو تو اس وقت بصورت اعتراض پیش کیا جا سکتا ہے جب یہ کہا جائے کہ مرد کے لئے چار عورتوں سے نکاح کرنا واجب ہے حالانکہ شریعت اسلامیہ نے قطعاً وجوب کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ یہ اس صورت میں ہے کہ مرد چار عورتوں کے نان و نفقہ کی طاقت رکھتا ہو۔ اور ان میں عدل و انصاف کر سکنے پر قادر ہو تب اس کو صرف اجازت ہے کہ چار تک نکاح کرے۔

جواب ۳: عورت کی تربیت اگر اسلامی ماحول میں ہو اور پردہ عفت اور حیاء کی اُسے پُوری تعلیم دی جائے تو اس کی شہوت نکاح یقیناً صرف ایک مرد سے پُوری ہو سکتی ہے اور قطعاً وہ آمادہ زنا نہیں ہو سکتی۔ لیکن بخلاف اس کے مرد میں جو فطری جذبۂ شہوت موجود ہے وہ بالعموم ایک عورت پر بمشکل قناعت کرتا ہے اگر اس کے لئے حلال کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ یقیناً حرام کی طرف للچاتا ہے اور تکمیل شہوت کے لئے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ نیز عورت میں ہر ماہ عارضۂ حیض ضروری ہے اس کے علاوہ ایام حمل و رضاع کہ ان میں وہ جنسی تعلقات سے بے نیاز رہتی ہے اگر مرد کے لئے صرف ایک عورت کی پابندی ہو تو وہ اس زمانہ میں یقیناً اپنے فطری جذبات کی تسکین کے لئے بے راہ روی پر آمادہ ہو گا۔ پس ان تمام وجوہ کے پیش نظر اسلام نے مرد کو ایک سے زیادہ اور آخر چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ کسی طرح بے راہ روی اور آزادانہ اختلاط کا رستہ مسدود ہو۔

حیرت کی بات ہے کہ اگر مرد کو ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی جائے تو اس میں شہوت پرستی کی تعلیم ہے۔ لیکن دوسری طرف سینماؤں، کلبوں، ناچوں اور ریڈیائی گانوں میں عورتوں کو ہی پیش پیش رکھا جاتا ہے۔ ان میں مغربیت زدہ افکار کو کبھی یہ سوچنے کی ضرورت تک محسوس نہیں ہوئی کہ کیا ان صورتوں میں مردوں کو شہوت رانی کی دعوت نہیں؟ اگر مردوں کی شہوت کے خلاف جہاد کرنا ہے تو صرف قرآنی اصول سے برسرپیکار ہونے کی بجائے پہلے اس قسم کے اسباب شہوت رانی کا قلع قمع کیا جائے مرد و عورت ہر طرح کی آوارگی کا مظاہرہ کریں اور جذبات و خواہشات کی تسکین کے لئے ہر قسم کی رنگ رلیاں منائیں تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی لیکن جب اسلام ایک تنظیم کے ماتحت اسی جذبۂ شہوانی کی تکمیل کے لئے ایک ضابطہ مقرر کر دے تاکہ فطری حقوق بھی پامال نہ ہوں اور آوارگی بھی انسانیت کے وقار پر حملہ آور نہ ہو تو اس کے خلاف علم بغاوت کھڑا کیا جاتا ہے اور بعض منصف طبع عیسائی اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسیحی مذاہب میں زنا اور بدکاری کا ہمہ گیر طوفان صرف اس لئے ہے کہ کنسیہ کی طرف سے ایک سے زیادہ نکاح کی مردوں کو ممانعت ہے۔

جواب ۴: ہم نے تفسیر کی تیسری جلد ص۹۵ میں نسوانی زندگی پر اسلام کا احسان کے موضوع کے تحت میں ایک مبسوط بیان لکھا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ عالم کے تمام مذاہب و ملل میں سے کسی مذہب و ملت میں عورت کے احترام و وقار کو کوئی مقام نہیں دیا گیا جس طرح کہ ملت حقۂ اسلامیہ نے دیا ہے اور مرد کیلئے متعدد نکاحوں کی اجازت قطعاً عورت کے وقار کے منافی نہیں حتیٰ کہ اہل

مغرب کے سنجیدہ طبقہ نے بھی اسلام کے اس قانون کو بنظرِ استحسان دیکھا ہے اسلام نے عورت کو پردہ داری عفت وحیا کا درس دے کر اس کے وقار کو اس قدر بلند کیا کہ تمام اقوام عالم اس سے محوِ حیرت ہیں۔ ہر مرحلہ میں عورت کا مرد کے دوش بدوش ہونا اور بے پردہ یا نیم عُریاں لباس میں بازاروں کی سیر کرنا۔ یہ عورت کا وقار نہیں اور نہ اس میں حقوقِ نسوانی کی پاسداری ہے بلکہ درحقیقت فطرت سے کھُلی ہوئی بغاوت ہے۔

تعدّد ازدواج کے مسئلہ کو عورت کے وقار کے منافی سمجھنے والے سنیماؤں، کلبوں اور برہنہ رقصوں میں عورت کے کردار کو اس کے وقار کے منافی کیوں نہیں قرار دیتے۔ کیا عورت خود یہ نہیں سمجھتی کہ ان جیسے مقامات میں اس کا پیش ہونا مردوں کی تکمیل ہوس کیلئے نشانہ بننے کے مترادف ہے۔ تمام موجودہ متمدّن ممالک اور اپنے تئیں تہذیب یافتہ کہلوانے والے عورت ومرد کے نوعی لباس کا ذرا جائزہ لیں۔ مردوں کا لباس سرتاپا ہو اور جسم کا کوئی حصہ ننگا نہ ہو اور عورتوں کے لئے نیم برہنہ لباس اور وہ بھی برائے نام اس کی پوزیشن میں داخل ہو۔ بالکل چست ومختصر لباس عورت کے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل سمجھی جائے کیا یہ بات عورتوں کے وقار پر ضرب کا باعث نہیں۔ ہاں مغرب زدہ لوگ اہلِ مغرب کی فریب کاریوں کے جال میں اس بُری طرح پھنسے ہیں کہ ان کے ہر قول وفعل کی اقتدار کو تہذیب اور ان کے نظریہ سے ہر بیگانی چیز کو خلافِ تہذیب ومنافی وقار خیال کرتے ہیں۔

بہر کیف تعدّد ازدواج کے مسئلہ پر وارد شدہ اعتراضات بالکل بے ہودہ ولغو ہیں اور من مانی تاویلیں خلاف منشاء توحید ہیں۔ خداوند کریم نے مرد کے لئے حسبِ استطاعت بشرط عدل وانصاف ایک سے لے کر چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے اور شرعی قانون تاقیامت ناقابلِ ترمیم وتنسیخ ہے لہذا اس کے خلاف آواز اٹھانا مفت کی ہنگامہ آرائی ہے جو شرعی فیصلے کو ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں کرسکتی۔

فعلِ رسولؐ پر اعتراض کا جواب

دشمنانِ اسلام نے تعدّد ازدواج کے مسئلہ پر ہنگامہ آرائی کر کے جہاں ایک طرف مغربی آوارگی اور زن ومرد کے آزادانہ اختلاط پر مسلمانوں کی نئی پود کو آمادہ کرنے کی کوشش کی وہاں دوسری طرف جناب رسالتمآبؐ کی قداست وعلوِ شان پر حملہ کر کے انہیں اسلام اور بانیٔ اسلام سے بیزاری کی دعوت کی جرأت بھی کی چنانچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نو شادیوں پر زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ فعل کسی نبی کی شان نہیں کیونکہ یہ صرف شہوت پرستی ہے جس سے ساحتِ نبوّت کو پاک ومنزہ ہونا چاہیئے اور اسلامی تعلیم اور سیرتِ نبوی سے ناآشنا مسلمان ان کے اس دامِ تزویر میں آگئے اور انہوں نے بھی ایسا کہنا شروع کر دیا چنانچہ میں نے خود ایک اچھے خاصے مسلمان کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے۔

جواب:۔ تعدّد ازدواج کے مسئلہ سے جب استعجاب کا پردہ اٹھا دیا گیا اور یہ ثابت ہوا کہ مرد کے لئے تعدّد ازدواج اس کا فطری حق ہے اور اس میں نہ عورت کی حق تلفی ہے اور نہ کوئی دوسری خرابی اس سے پیدا ہونے کا خدشہ ہے تو پھر فعلِ رسول پر نقد وجرح کا کوئی محل ہی نہیں رہتا ہاں ان کے لئے نو تک جائز ہونا اور امّت کے لئے چار تک کی حد بندی یہ ان کے خواص

میں داخل ہے جس طرح اس کے علاوہ ان کے لئے اور خواص بھی ہیں۔

علاوہ ازیں سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی کثرت ازواج بعض اہم مصالح کی بنا پر تھیں جن میں شہوت و ہوس کا کوئی ذرہ بھر بھی داخل نہیں۔ تاریخ رسالتؐ اور سیرت نبویؐ کے مطالعہ کے بعد یہ باتیں خاص طور پہ ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے۔

۱۔ آپؐ نے عین شباب کے عالم میں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ سے شادی کی جبکہ ان کی عمر چالیس سال تھی اور ہجرت کے وقت تک آپ نے دوسری کوئی شادی نہیں کی۔ اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنا اور زندگی کا وہ حصہ جس میں خواہشات و جذبات کا وفور ہوتا ہے یعنی شباب کا زمانہ اسی پر گذار دینا اس سے ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے کہ حضورؐ کا مطمح نظر تکمیل ہوس نہ تھا۔

۲۔ ہجرت کے بعد دوسری شادیاں کیں جب کہ آپ کی عمر شریف ۵۳ سال یا اس سے اوپر تھی۔ کنواری عورت سے بھی اور بیواؤں سے بھی۔ جوان عورتوں سے بھی اور بوڑھی عورتوں سے بھی۔ اب ان حالات کے پیش نظر کون صاحب عقل سلیم کہہ سکتا ہے کہ یہ شہوت پرستی تھی۔

۳۔ جو شخص عورتوں کا دلدادہ ہوتا ہے وہ جمال و جوانی کو خاص طور پر ملحوظ رکھا کرتا ہے اور جب آپ کی سیرت پر نظر پڑتی ہے تو ان باتوں میں کوئی بات بھی نظر نہیں آتی۔ آپ نے کنواری عورت سے شادی کرنے کے بعد بیوہ سے شادی کر لی اور جوان کے بعد بوڑھی عورت کو شرف زوجیت بخشا۔ ام المومنین ام سلمہؓ سے شادی کی جبکہ وہ کافی سن رسیدہ تھی اور زینب بنت جحش سے نکاح کیا جبکہ ان کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی۔ حالانکہ ان سے پہلے حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ آپ کے نکاح میں آچکی تھیں تو کیا شہوت پرستی اور ہوس رانی اسی کو کہتے ہیں؟ یہ زینب آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی تھی۔ اس کا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا تھا لیکن باہمی تنازعہ کی وجہ سے زید نے اسکو طلاق دے کر آزاد کیا تھا۔ پس آپ نے بحکم خدا اس سے شادی کر لی تاکہ حرمت کا شبہ اٹھ جائے۔

۴۔ ارشاد قدرت ہوا یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیَاةَ الدُّنْیَا وَزِینَتَهَا فَتَعَالَیْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیلًا وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِیمًا۔ سورہ احزاب پارہ ۲۱ آخری رکوع۔ ترجمہ:۔ اے نبی اپنی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم زندگی دنیا اور اس کی زینت کی خواہش رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دیکر آزاد کرتا ہوں اور اگر تم اللہ و رسول اور روز قیامت کی خیر ساتی ہو تو خدا نے نیک کام کرنے والوں کیلئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ خداوند کریم کے اس فرمان کے بعد آپ نے عورتوں کو ان دونوں باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے خدا و رسولؐ کو چن لیا۔ اس سے منصف مزاج خود اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا شہوت پرست انسان بھی کبھی اپنی عورتوں کو اختیار دیا کرتا ہے۔

دعوت نظر و فکر

اب ان تصریحات اور نتائج کے بعد تحقیق طلب اور حق بین نگاہیں حضورؐ کی کثرت ازواج کو شہوت پرستی پر قطعاً محمول نہیں کر سکتیں بلکہ ان کے لئے الگ مصالح تلاش کرنے پر مجبور ہوتی ہیں چنانچہ ان کی

نوعیت بھی الگ الگ ہے ۔ ۱۔ بعض عورتوں سے تو اس لئے شادی کی کہ قوم و قبیلہ کے لحاظ سے قوت و توانائی حاصل ہو۔
۲۔ بعض شادیاں بعض لوگوں کے فتنہ و فساد کے خطرہ سے کیں۔ تاکہ اس ذریعہ سے ان کو اپنی طرف مائل کیا جا سکے اور ان کا فتنہ کم ہو
۳۔ بعض عورتوں کو حبالۂ نکاح میں صرف اس لئے لیا کہ ان کا سرپرست کوئی نہ تھا جو ان کے نان و نفقہ کا بندوبست کرتا پس امت میں ایک سنت قائم کی کہ اس قسم کی لاوارث بیواؤں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔
۴۔ اور بعض عورتوں سے شادی صرف ایک غلط رواج کو توڑنے کیلئے کی جیسا کہ زینبؓ سے شادی جبکہ زید نے اس کو طلاق دے دی تھی اور زید آپ کا متبنّٰی تھا اور عرب میں متبنّٰی کی عورت سے شادی کرنا قبیح سمجھا جاتا تھا چنانچہ قرآن مجید نے خود اس کا تذکرہ فرمایا۔
۵۔ اور بعض عورتوں سے شادی ان کے وقار و ناموس کے برقرار رکھنے کے لئے کی (علیٰ ہذا القیاس)
۱۔ آپ نے خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد پہلی شادی حضرت سودہ بنت زمعہ سے کی۔ حبشہ کی دوسری ہجرت سے واپسی کے بعد جبکہ یہ بیوہ ہو چکی تھی۔ یہ مومنہ مہاجرہ تھی اگر واپس میکے جاتی تو اسے کفر پر مجبور کیا جاتا اور دوسرے مومنین و مومنات کی طرح یہ بھی طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوتی (بروایت بحار، اس کا سابق شوہر حبشہ میں ہی نصرانی ہو گیا تھا اور وہاں ہی اس کی وفات ہوئی تھی۔)
۲۔ صرف حضرت عائشہ بنت حضرت ابوبکر سے مدینہ میں تشریف آوری کے سات ماہ بعد اس کے باکرہ ہونے کی حالت میں شادی کر لی
۳۔ خنیس بن حذافہ کے جنگ بدر میں قتل ہو جانے کے بعد اس کی بیوہ حفصہ بنت عمر سے شادی فرمائی۔
۴۔ عبداللہ بن ابی سلمہ جو آپ کا پھوپھی زاد تھا کی وفات کے بعد اس کی بیوہ ہند جس کی کنیت ام سلمہؓ ہے سے ۲ھ میں شادی کی یہ شخص حبشہ کی طرف پہلا مہاجر تھا۔ اور ام سلمہ نہایت زاہدہ فاضلہ تھی اور سن رسیدہ ہونے کے علاوہ یتیموں کی ماں تھی۔
۵۔ جنگ احد کے بعد زینب بنت خزیمہ سے آپ نے شادی کی یہ عورت مسکین پرور تھی یہاں تک کہ اسے ام المساکین کہا جاتا تھا پس آپ نے اس کے وقار و عزت کی بحالی کے پیش نظر اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ (میزان)
۶۔ ام حبیبہ جس کے نام رملہ بنت ابوسفیان ہے اس نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ کی تھی۔ لیکن وہاں اس کا شوہر نصرانی ہو گیا تھا اور یہ ثابت قدم رہی تھی اس کا باپ وہ ہے جو اسلام کے خلاف تمام ہنگامہ آرائیوں میں پہلا حصہ دار ہوتا تھا آپ نے مصلحت کے پیش نظر اس کو ۶ھ میں حبالۂ نکاح میں داخل فرمالیا۔
۷۔ اسی طرح آپ نے میمونہ جس کا نام برّہ بنت حارث ہلالیہ ہے سے شادی کی جس نے بیوہ ہونے کے بعد اپنا نفس حضور کو ہبہ کر دیا تھا اور قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے (میزان) (یہ رشتہ حضرت جعفر طیار کے ایماء سے ہوا ۷ھ میں) بحار الانوار
۸۔ صفیہ بنت حی بن اخطب سے شادی کی اس کا باپ یہودی تھا جو غزوہ بنی نضیر میں قتل ہوا اور اس کا شوہر جنگ خیبر میں مارا گیا یہ اسیر ہو کر آئی آپ نے اسے آزاد کر کے اس کے سابق شرف کی بحالی کے لئے خود اس کو اپنی زوجیت میں داخل فرمالیا ۷ھ
۹۔ بنی مصطلق کے سردار کی لڑکی جویریہ سے جس کا نام برّہ بنت حارث تھا غزوہ بنی المصطلق کے بعد مسلمانوں نے ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا تھا۔ جب آپ نے جویریہ سے شادی کر لی تو مسلمان کہنے لگے یہ رسولؐ کے سسرال ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ان کی اسیری مناسب

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

اور نہ دو بیوقوفوں کو اپنے وہ مال کہ کیا ہے ان کو اللہ نے تمہارے لئے موجب گذران اور خوراک دو ان کو

فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى

اس میں اور کپڑا دو اور کہو ان کو نیک بات اور آزماؤ یتیموں کو یہاں تک

نہیں ہے۔ پس سب کو آزاد کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں پورا قبیلہ بنی مصطلق مسلمان ہو گیا اور پورے عرب پر اس کا اچھا اثر پڑا۔

اب ان حالات و خصوصیات کے پیش نظر کون کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ کی کثرتِ ازواج صرف شہوت رانی کی خاطر تھیں۔ بلکہ صاف پتہ چلتا ہے کہ ان میں مقامی و وقتی طور پر ایسی مصالح کارفرما تھیں جن کے ماتحت آپ کا ان سے شادی کرنا ناگزیر تھا اور دینِ اسلام کی اسی میں خیر و بہتری تھی اور تمام عورتوں کو زہد کا درس دینا اور ترکِ زینت پر آمادہ کرنا تو صاف ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کی اغراض صرف آخرت سے وابستہ تھیں ورنہ اگر شادی کی ظاہری اغراض پیشِ نظر ہوتیں تو عورتوں کو بجائے ترکِ زینت کے ان کے لئے اسباب زینت فراوانی سے میسر کئے جاتے جب کہ آپ روحانی سلطنت کے علاوہ ظاہری سلطنت کے بھی فرمانروا ہو چکے تھے۔

یہ بحث اگرچہ موضوع سے خارج تھی لیکن کثرتِ ازواج کے مسئلہ سے اس کو کافی ربط تھا اس لئے اس مقام پر اس کا بیان کرنا خالی از فائدہ نہیں لہذا مختصر الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کی گئی امید ہے مومنین کرام کو اس کے مطالعہ سے اچھا خاصا علمی فائدہ ہوگا۔ یہ بحث بھی تفسیر میزان جلد چہارم سے مختصراً نوٹ کی ہے۔

بے عقل پر کنٹرول

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقاً کم عقل اور بے وقوف کو مال کے خرچ کا مختار نہ بناؤ خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم خواہ اپنا لڑکا ہو یا کوئی دوسرا بے عقل انسان اور بعضوں نے اس سے مراد لیا ہے کہ عورتوں کو مال کا ذمہ دار نہ بناؤ اور سفہاء سے مراد اس مقام پر عورتیں ہیں۔ نیز روایات میں شرابی پر بھی سفیہ کا اطلاق ہوا ہے یہاں مطلب یہ ہے کہ بیوقوفوں کو ایسے مالوں کا ذمہ دار نہ ٹھہراؤ جن مالوں سے تمہاری گذران چل رہی ہے کیونکہ وہ اسے ادھر اُدھر کر کے برباد کر دیں گے اور تم دوسروں کے دست نگر ہو جاؤ گے پس تم پر لازم ہے کہ ان کو اپنے ہاتھ سے روٹی کپڑا دیتے رہو اور ان سے سخت کلامی بھی نہ کرو۔

لطیفہ

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت حبشیہ جو خوب باتیں کر سکتی تھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ کہنے لگی یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کبھی کوئی بات تو ہمارے حق میں بھی اچھائی کی فرما دیجئے۔ کیونکہ میں تو سنتی ہوں کہ آپ ہمیں ہمیشہ برائی سے یاد فرمایا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے۔ کہنے لگی آپ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں فرمایا یہ نام تمہیں خدا نے دیا ہے اس نے کہا آپ ہمیں ناقص کہتے ہیں۔ فرمایا کیا یہ نقص نہیں کہ تم ہر ماہ میں چند دن نماز کے قابل نہیں رہتیں لیکن تمہاری فضیلت اور تمہارے درجہ کے لئے کافی ہے کہ جب عورت حاملہ ہو تو اسے اللہ کی راہ میں مرابطہ کرنے کا ثواب ملتا ہے جب عورت کا بچہ پیدا ہو تو اسے

إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ

کہ جب پہنچیں جوانی کو تو اگر دیکھو ان سے دانائی تو واپس دے دو ان کو ان کے مال

أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ

اور نہ کھاؤ ان کو فضول خرچی اور جلدی سے کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جو دولتمند ہو تو

غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا

اسے بچا رہنا چاہیے اور جو تنگدست ہو تو اسے کھانا چاہیے ساتھ نیکی کے پس جب

دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ⑥

واپس دو ان کو ان کے مال تو گواہ قائم کر لو ان پر اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا

شہید کا درجہ ملتا ہے جب بچہ کو دودھ پلائے تو ایک ایک گھونٹ کے بدلہ میں اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ جب بچے کی حفاظت کے لئے شب بیداری کرے تو ہر بیداری کے عوضے میں اسے اولادِ اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا درجہ ملتا ہے۔ لیکن یہ درجات ان مومنہ عورتوں کے لئے ہیں جو خشوع اور صبر کرنے والی ہوں یہ سُن کر وہ حبشی عورت کہنے لگی۔ درجہ تو بہت بڑا ہے لیکن کاش یہ شرطیں نہ ہوتیں۔

تفسیر برہان :۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص کو معلوم ہو کہ میری عورت بیوقوف ہے یا لڑکے کے متعلق معلوم ہو کہ بے عقل ہے تو اسے اپنے مال پر مسلط نہیں کرنا چاہیئے جس پر اس کی معاش کا دارو مدار ہے اور آپ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا۔

(۲) جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ شرابی کے قول کی تصدیق نہ کرو۔ اس سے رشتہ نہ کرو۔ اس کی عیادت کو نہ جاؤ۔ اس کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ اس کو امانت پر امین نہ بناؤ۔ اگر اسے امین بنایا تو اس کو نہ اجر دیا جائے گا اور نہ اس کی ذمہ داری خدا پر عائد ہو گی کیونکہ اس نے فرما دیا ہے کہ بے وقوفوں کو مال نہ سونپو اور شرابی سے زیادہ بیوقوف کون ہے ؟

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو مال دے کر یمن کی طرف بغرض تجارت روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے فرزند تجھے یہ پتہ نہیں کہ وہ تو شراب پیتا ہے۔ میں نے عرض کی۔ ابا جان! لوگ تو کہتے ہیں آپ نے فرمایا ایسی صورت میں یہ اقدام نہ کرو کیونکہ ایسے فعل کی ذمہ داری خدا پر نہیں ہے اگر نقصان ہو جائے تو اس بارے میں خدا دعا قبول نہیں کرتا کیوں کہ اس نے منع فرمایا ہے کہ بے وقوف کو مال کا امین یا ذمہ نہ بنایا جائے اور شرابی سے زیادہ بیوقوف اور کون ہو سکتا ہے ؟

اقول :۔ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق عام افواہ اس قسم کی ہو تب بھی اپنے مال کی حفاظت کے پیشِ نظر

اس سے گریز کرنا چاہیئے۔ نیز اسی قسم کی روایت حضرت امام جعفر صادقؑ کے فرزند اسمٰعیل کے متعلق بھی ہے۔ چنانچہ ان کا مال نقصان ہو گیا اور پھر حضرت صادق علیہ السلام نے اس کو اس پر بد دعا سے منع فرمایا اور کہا کہ اب یہ بد دعا بے محل ہے۔

۴۔ عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت جعفر صادقؑ علیہ السلام نے فرمایا کہ سفیہ سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قابلِ وثوق نہ ہو۔

۵۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر نشہ کی چیز استعمال کرنے والا شخص سفیہ ہے پس اسے مال کی ذمہ داری سپرد نہ کرنی چاہیئے

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى :- یعنی یتیم جب بالغ اور رشید ہو جائیں تو ان کو اپنے مال واپس کر دیئے جائیں۔ بلوغ کی علامتیں مرد کے لئے ہمارے علماء کے نزدیک پندرہ برس کی عمر احتلام یا زیرِ ناف بالوں کا اُگ آنا ہے اور رشد سے مراد یہ ہے کہ وہ سمجھدار ہو اور اپنے مال کی نگہبانی کر سکتا ہو۔

یتیم کے مال کی حفاظت

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا :- مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس یتیم کا مال موجود ہے اور اس کے اپنے گذارہ کے لئے اس کا اپنا مال کافی ہے تو پھر یتیم کے مال کے کھانے سے گریز کرے لیکن اگر ایک شخص خود تنگدست ہے کہ اپنے مال سے اپنا گذارہ نہیں کر سکتا اور یتیم کے مال کی حفاظت کے لئے اس نے اپنا وقت وقف کیا ہوا ہے تو اسے نیکی اور انصاف سے اسی قدر اس میں سے کھانا جائز ہے جو اس کی مزدوری کا حق ہے نہ اس میں فضول خرچی کرے اور نہ ایسے تصرفات کرے جو زائد از ضرورت ہیں، یتیم کے مال میں غلط تصرف کر کے اس کی مزدوری لینا بھی جائز نہیں جبکہ اسے معلوم ہو کہ یہ خود بڑا ہو کر ایسا کرنے پر راضی نہ ہوگا۔ چنانچہ آیتِ مجیدہ میں اس کی صریح ممانعت موجود ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص یتیم کے مال کی نگہداری کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے لئے علیحدہ مزدوری نہیں کر سکتا تو وہ بتقاضائے انصاف اس سے خود کھا سکتا ہے لیکن اگر یتیم کا مال برداشت نہ کر سکے تو محافظ کو اس میں سے کچھ لینے سے بچنا چاہیئے۔

امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے مروی ہے کہ اگر ایک شخص یتیم کے مال کی اصلاح اور نگاہداری میں مشغول ہے اور خود بھی محتاج ہے تو وہ بقدرِ حاجت اس سے لے سکتا ہے لیکن اگر یتیم کے مال کی حفاظت اسے اپنے کاروبار سے رکاوٹ کی موجب نہ بنے تو اسے یتیم کے مال میں سے کچھ نہ لینا چاہیئے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص یتیم کی زمین یا چوپائے وغیرہ کی حفاظت میں اپنا وقت لگائے تو اس میں سے خود بقدرِ حاجت کھا سکتا ہے لیکن اس کی نقدی یعنی درہم و دینار کی حفاظت کے بدلہ میں وہ کچھ نہیں لے سکتا (کیونکہ اس میں اس کا وقت صرف نہیں ہوتا) برہان

علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ جو شخص خود محتاج و فقیر ہے تو یتیم کے مال کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں خود بقدرِ حاجت کھا سکتا ہے لیکن نیت قرض کی کرے اور اس کے جوان ہونے کے بعد اس کو اپنا قرض واپس ادا کرے اور یہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ مجمع البیان

فَاِذَا دَفَعْتُمْ :- یعنی جب یتیم بالغ و رشید ہو جائے تو اسے اپنا حق واپس کر دیا جائے لیکن گواہ بنا لینے ضروری ہیں۔ تاکہ بعد میں جھگڑا و فساد کی نوبت نہ آئے۔ یہ تدبیرِ منزل کے لئے وہ اہم قوانین ہیں جن کی اتباع کرنا دین و دنیا کی بھلائی کا موجب ہیں غذہ کریم

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

مردوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں والدین اور قریبی اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں والدین اور

وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ

قریبی خواہ تھوڑا ہو یا بہت حصہ فرضی اور جب حاضر ہوں بوقت تقسیم

أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ ۸

وراثت قریبی اور یتیم اور مسکین تو کچھ اس سے ان کو دے دو اور کہو ان کو بات نیک

نے یتیم پروری کا ایک ایسا بہترین نظام مقرر فرمایا جو کسی ملت میں شاید نہ مل سکے اور یہ اس کا کمال لطف و رحمت ہے اور یتیم پرور لوگوں کو چاہیئے کہ یتیم کے اموال میں پوری احتیاط سے کام لیں اور اس کے استحصال سے دامن بچانے کی کوشش کریں چنانچہ معصومین کے فرامین کا یہی مطلب ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ :۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے یعنی منسوخ نہیں ہے۔ برہان

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ :۔ اس آیت کے متعلق روایات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں تو علمائے مفسرین نے ان میں اس طرح جمع کی ہے کہ جن روایات میں یہ ہے کہ منسوخ ہے تو مقصد یہ ہے کہ وجوب منسوخ ہے اور جو روایات عدم نسخ پر دلالت کرتی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ :۔ یعنی جو لوگ یتیموں کے اموال میں کوتاہی اور لاپرواہی سے کام لیتے ہیں۔ انہیں اپنی اولاد کا خیال کرنا چاہیئے پس جس طرح اپنی اولاد کے متعلق انہیں اپنے بعد کا ڈر ہوتا ہے لہٰذا ان کی بھلائی سوچتے ہیں۔ اسی طرح ان یتیموں کا درد بھی ان کے دلوں میں ہونا چاہیئے جو اس وقت ان کے زیر سایہ اور ان کی دستگیری کے محتاج ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ :۔ برہان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ میں نے شب معراج دیکھا کہ بعض لوگوں کے منہ سے آگ داخل ہو کر ان کے نیچے سے نکل جاتی ہے جبرئیل نے کہا یہ لوگ یتیموں کے مال کھانے والے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ جب قبر سے نکلیں گے تو ان کے منہ سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوں گے۔

ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ یتیم کے مال میں سے ایک درہم کھانے والا داخل جہنم ہوگا اور ہم ہیں یتیم۔ (لہٰذا اس جگہ مال سے مراد خمس ہوگا)

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ

اور ڈریں وہ لوگ جو اگر چھوڑیں اپنے پیچھے اولاد کمزور کہ ان کو ڈر ہو ان کے متعلق پس ڈریں

فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝٩ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ

اللہ سے اور کہیں بات درست تحقیق جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں

الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝١٠ ع ۱۲

کے ظلم سے یقیناً وہ بھرتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور جلیں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ

وصیت کرتا ہے تم کو خدا تمہاری اولاد کے بارے میں کہ مرد کا حصہ برابر دو عورتوں کے ہے پس اگر صرف

نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً

عورتیں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ترکہ کی اور اگر ایک ہو تو اس کا حصہ

رکوع نمبر ۱۳

قانونِ وراثت

يُوصِيكُمُ اللَّهُ ۔ تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ جب جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے باپ کی وراثت کا دعویٰ دائر کیا تھا تو جواب دیا گیا تھا کہ نبیوں کی وراثت نہیں ہوا کرتی تو آپ نے اپنے دعوے کے اثبات کے لئے یہی آیت تلاوت فرمائی تھی کیونکہ آیت مجیدہ میں نبی وغیر نبی کا فرق نہیں کیا گیا نیز اس سے پہلی آیت کہ مردوں کے لئے بھی وراثت کا حق ہے جو مورث چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حق وراثت ثابت ہے جو کچھ ان کے مورث چھوڑ جائیں وہاں بھی عموم کو استعمال کیا گیا ہے اور نبی اور غیر نبی کا فرق نہیں بتایا گیا ورنہ اگر نبی کے لئے توریث کی نفی ہوتی تو اس مقام پر استثناء کا ہونا ضروری تھا۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۔ عورت سے مرد کا حصہ خدا نے دگنا مقرر فرمایا ہے اس کی مصلحت کے متعلق امام علی رضا علیہ السلام سے بذریعہ خط دریافت کیا گیا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا ایک وجہ تو یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت کے لئے حق مہر فرض کیا گیا ہے جو مرد کے

فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ

(فرض) لئے اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصّہ ترکہ سے

إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ

اگر اس میت کی اولاد ہو اور اگر نہ ہو اس کی اولاد اور صرف وارث ہوں ماں باپ تو ماں

الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ

کے لئے ایک تہائی پس اگر ہوں اس (میت) کے لئے بھائی تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ بعد نکال لینے وصیت کے ہوگا

يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

جو وہ کر جائے یا بعد قرضہ کے تمہارے باپ اور بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں کون زیادہ قریب ہے

لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾

تمہارے نفع کے لئے۔ فریضہ ہے اللہ کی طرف سے تحقیق اللہ علیم و حکیم ہے

لئے نہیں بلکہ اسے دینا پڑتا ہے لہذا خدا نے مرد کو اس مقام پر زیادہ حصہ دے دیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد پر عورت کا نفقہ واجب ہوا کرتا ہے اور مرد خواہ محتاج و نادار بھی ہو عورت پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوتا پس خدا نے اس مقام پر مرد کو زیادہ حصہ دے دیا تاکہ اخراجات کا بوجھ اس سے ہلکا ہو جائے (الحدیث)

تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ ابن ابی العوجاء نے یہ اعتراض اٹھایا کہ عورت باوجودیکہ کمزور و ناتواں ہوا کرتی ہے۔ اس کا حصّہ قرآن مجید میں مرد سے نصف مقرر کیا گیا ہے حالانکہ مرد خود کما بھی سکتا ہے لہذا عقل کے لحاظ سے مرد کی بہ نسبت عورت کو زیادہ دینا چاہیے تھا ورنہ کم از کم مساوات تو ہوتی پس حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اس کا سوال دہرایا گیا تو آپ نے فرمایا عورت پر نہ جہاد واجب ہے نہ نفقہ اور نہ ان پر کسی قسم کا دیت وغیرہ کا خرچ ہے۔ اسی مصلحت کی بنا پر عورت سے مرد کو دگنا حق دیا گیا ہے کہ مرد پر اخراجات کا بوجھ زیادہ ہے روایات سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ چونکہ مرد خانگی انتظامی معاملات میں حق حکومت رکھتا ہے بنا بریں اس کے اخراجات زیادہ ہیں اور عورت محکومانہ حیثیت سے رہتی ہے لہذا اس کے اخراجات کا بوجھ بھی مرد پر ہوتا ہے پس مرد کو وراثت میں دگنا حصہ دیا گیا ہے تاکہ عورت کے حق مہر اور نان ونفقہ اور جہاد، دیت اور اسی قسم کے دوسرے بیرونی اخراجات کے لئے اس کا ہاتھ تنگ نہ ہو اور یہ عدلِ خداوندی کا تقاضا ہے جو دانا و بینا ہے۔

لطیفہ بعض کتب مناقب میں ہے کہ ایک دفعہ دو عورتوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایک کی لڑکی اور دوسری کا لڑکا تھا لیکن ان میں سے ہر ایک لڑکے کی دعویدار تھی۔ زمانہ تھا دوسری خلافت کا جب فیصلہ نہ ہو سکا تو حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت بابرکت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا۔ آپ نے ایک حجم کی دو شیشیاں منگوالیں اور حکم دیا کہ ایک ایک شیشی ان عورتوں کو دی جائے تاکہ اپنے اپنے دودھ سے اسے پُر کریں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا پس آپ نے دونوں کو وزن کرنے کا حکم دیا تو ایک کا وزن کم اور دوسری کا زیادہ نکلا پس آپ نے حکم دیا کہ لڑکا اس عورت کا ہے جس کا دودھ وزنی ہے اور لڑکی دوسری کی ہے۔ یہ فیصلہ سنتے ہی صحابہ ششدر ہو گئے اور آپ سے وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ فیصلہ قرآن مجید سے کیا ہے چنانچہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ :۔ جس خدا نے وراثت میں مرد کو عورت سے حق زیادہ کرامت فرمایا ہے۔ اس نے خوراک میں بھی مرد و عورت کے حصہ میں فرق مقرر کیا ہے۔ پس صحابہ آپ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے واپس چلے گئے اور دونوں عورتیں اپنے اپنے بچے لے کر رخصت ہو گئیں لیکن قرآن مجید کی ان باریکیوں کو راسخین فی العلم کے علاوہ اور کون جان سکتا تھا جبھی تو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ وَالْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ اور تمام امت کو ان دونوں سے تمسک پکڑنے کا حکم دیا تھا۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ۔

طبقہ اولیٰ کی وراثت

اولاد :۔ میت کا وارث اگر صرف لڑکا ہو تو وہ ساری جائداد کا مالک ہوگا اور اگر چند لڑکے ہوں تو وہ پوری جائداد کو برابر تقسیم کریں گے اور اگر لڑکیاں اور لڑکے موجود ہوں تو لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ہر لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر دیا جائیگا یعنی لڑکی کو لڑکے کے حصہ کا نصف دیا جائے گا۔ **مثال** :۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی جائداد تین حصوں میں برابر تقسیم ہوگی۔ دو لڑکے کو اور ایک لڑکی کو ملے گا اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں تو جائداد تین حصوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک ایک حصہ دونوں لڑکوں کو اور ایک حصہ دو لڑکیوں کو دیا جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ :۔ اگر مرجانے والے کی اولاد صرف لڑکیاں ہوں اور لڑکا کوئی موجود نہ ہو تو لڑکیاں اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے فرض کل جائداد کی دو تہائی ہے پس اگر ان کے علاوہ اس طبقہ میں کوئی دوسرا وارث نہ ہوا تو پھر باقی جائداد ان پر رد ہوگی۔ یعنی کل جائداد کی وارث یہی ہوں گی اور ان کی موجودگی میں دوسرے یا تیسرے طبقہ والوں کو وراثت سے کچھ نہ دیا جائے گا۔

آیت مجیدہ میں فَوْقَ اثْنَتَيْنِ کی لفظ ہے یعنی دو سے زیادہ ہوں لیکن علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ دو کا حکم بھی یہی ہے

وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً :۔ اگر متوفی صرف ایک لڑکی چھوڑ جائے تو اسے کل جائداد کا نصف ½ فرض کے ساتھ ملے گا اور باقی بھی رد کے طور پر اسی کو ملے گا اگر اس طبقہ میں کوئی دوسرا اس کا شریک وراثت نہ ہو ورنہ اسی طبقہ کے دیگر ورثاء کے حقوق کے بعد اگر بچے گا تو اس کو رد میں مل سکے گا اور مذہب امامیہ میں لڑکی کی موجودگی میں دوسرے یا تیسرے طبقہ کے ورثاء جو عصبہ کہلاتے ہیں متوفی کی جائداد سے محروم ہوں گے۔

ماں باپ

وَلِأَبَوَيْهِ :۔ اگر میت کی اولاد بھی موجود ہو اور اس کے والدین بھی موجود ہوں تو کل ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ماں باپ کو ملے گا۔ جس کی تفصیل یہ ہوگی۔

اگر میت کے ماں باپ بھی موجود ہیں اور ایک لڑکا بھی ہے تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دے کر باقی کل جائداد میت کے لڑکے کو ملے گی اور اگر لڑکے زیادہ ہوں تو وہ سب برابر برابر آپس میں تقسیم کریں گے اور اگر لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

اگر میت کے ماں باپ بھی موجود ہیں اور ایک لڑکی بھی ہے تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ فرض سے دیا جائے گا اور لڑکی کو نصف کل جائداد کا بطور فرض دیا جائے گا اور باقی بچے ہوئے کو ان سابقہ حصص کی نسبت سے ان پر تقسیم کیا جائے گا اور یہ رد قرابت کے لحاظ سے ہے اس میں سے دُور کے وارثوں کو کچھ نہ ملے گا۔ یعنی طبقہ اولیٰ کے بعد والے دوسرے یا تیسرے طبقہ کو کچھ نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر میت کے بیٹے بیٹیاں موجود نہ ہوں بلکہ اُن کی اولاد موجود ہو اور میت کے والدین بھی موجود ہوں۔ تب بھی تقسیم کی یہی صورت ہو گی کہ والدین کو چھٹا چھٹا حصہ دیا جائے گا اور باقی پوتوں پوتیوں پر ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم ہو گا جبکہ میت کے ایک لڑکے کی اولاد ہوں اور اگر چند لڑکوں کی اولاد ہوں گے تو اپنے اپنے باپ کے حصہ کو آپس میں اسی طرح تقسیم کریں گے اور نواسے اور نواسیوں کی بھی یہی صورت ہے اور اگر پوتوں کے ساتھ نواسے بھی ہوں تو پوتے اپنے باپ کا حصہ اور نواسے اپنی ماں کا حصہ لیں گے اور ان کی باہمی تقسیم مرد و عورت کی ایک اور دو کی نسبت سے ہو گی اور اگر صرف نواسے نواسیاں ہوں تو میت کے ماں باپ کے حصص نکالنے کے بعد اگر یہ میت کی ایک لڑکی کی اولاد ہوں گے تو ان کو کل جائداد کا ½ حصہ بطور فرض کے ملے گا جس کو یہ باہمی طور پر ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور جو جائداد بچ رہے گی اپنے سابقہ حصص کی بنا پر ماں باپ اور ان پر حق قرابت کے لحاظ سے رد ہو گی جس کو حسب سابق آپس میں تقسیم کریں گے اور اگر دو لڑکیوں کی یا زیادہ کی اولاد ہوں گی تو ماں باپ کے حصوں کے بعد کل جائداد میں سے ان کو دو تہائی ملے گا اور آپس میں حسب قرابت اور حسب حصص تقسیم کریں گے اور باقی میراث حسب سابق ان پر رد ہو گی۔

فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ:۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف باپ وارث ہو تو وہی تمام جائداد کا وارث ہو گا اور اگر اکیلی ماں ہو تو وہ بھی تمام جائداد کی وارث ہو گی لیکن اس طرح کہ ⅓ حصہ کی مالک فرض کے لحاظ سے اور باقی بحق قرابت اس کو بطور رد کے ملے گا اور اگر دونوں ماں باپ موجود ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا اور باقی باپ لے گا۔

فَاِنْ کَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ:۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ موجود ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا لیکن بشرطیکہ میت کے دو یا اس سے زیادہ بھائی موجود نہ ہوں ورنہ ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر میت کا ایک بھائی اور دو بہنیں یا صرف چار بہنیں موجود ہوں۔ تب بھی ماں کو تہائی کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ یہ بھائی بہنیں پدری ہوں یا مادری پدری ہوں۔ اگر صرف مادری ہوں تو ماں کو پورا تہائی حصہ ملے گا یہاں اِخْوَةٌ کا لفظ اگرچہ جمع ہے لیکن اس سے مراد دو یا اس سے زیادہ ہیں۔ بھائیوں کی موجودگی صرف ماں کے حصہ پر اثر انداز ہو گی ورنہ ان کو خود متوفی کی وراثت سے کچھ نہ ملے گا بلکہ ماں کے حصہ سے فاضل سب باپ کو ملے گا۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ:۔ لفظ کے لحاظ سے وصیت کا ذکر پہلے اور قرضہ کا ذکر بعد میں ہے لیکن "اَوْ" کی لفظ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی اور میت کے مال میں سے قرضہ کی ادائیگی سب سے پہلے ہوا کرتی ہے اور پھر وصیت پر عمل ہوتا ہے اور آخر میں وراثت کی تقسیم ہوتی ہے اور یہی معصومینؑ سے مروی ہے چونکہ یہ مسائل ذرا مشکل ہیں لہذا ان کی مزید وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ ہر خاص و عام خوب سمجھ سکے۔

مثال نمبر ۱:- میت کے وارث صرف اس کی لڑکی اور باپ موجود ہیں۔ کل جائداد کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی ایک حصہ باپ کو اور نصف یعنی ۳/۶ حصے لڑکی کو ملیں گے۔ اب جو دو حصے باقی رہ گئے ہیں وہ پھر ان پر حقِ قرابت کے لحاظ سے رد ہوں گے لیکن اسی نسبت سے جو ان کو پہلے مل چکا ہے چونکہ وہ نسبت ایک اور تین کی تھی لہٰذا ان دو حصوں میں سے باپ کو آدھ حصہ اور لڑکی کو ڈیڑھ حصہ ملے گا تو کل جائداد میں لڑکی کو ساڑھے چار حصے اور باپ کو ڈیڑھ حصہ آئے گا یا یوں سمجھئے کہ کل جائداد کا ۱/۴ حصہ باپ کو اور ۳/۴ حصہ لڑکی کو ملے گا۔

مسئلہ:- قرآن مجید میں ورثاء کے جو حصے مقرر کئے گئے ہیں ان کو فقہا لوگ فرض سے تعبیر کرتے ہیں اور قرآن مجید کے فرمان اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ یعنی اللہ کی کتاب میں رشتہ داروں میں سے بعض بہ نسبت دوسرے بعض کے اولیٰ ہوا کرتے ہیں اس کی رو سے جو فرض سے بچا ہوا حق قریبیوں پر تقسیم ہوتا ہے اس کو ردّ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی آیت مجیدہ کی رُو سے علماء امامیہ تعصیب کو باطل جانتے ہیں یعنی یہ کہ فروض سے جو کچھ بچ جائے وہ دوسرے دور کے وارثوں کو دیا جائے جنہیں عام اصطلاح میں وارثانِ بازگشت سے تعبیر کیا جاتا ہے ہمارے نزدیک یہ باطل ہے کیونکہ اقرب کی موجودگی میں ابعد کسی صورت میں وارث نہیں قرار دیا جاسکتا اور اُولُوا الْاَرْحَامِ الخ:- والی آیت اس کی واضح دلیل موجود ہے پس حق یہ ہے کہ فرضوں سے جو بچے وہ بحق قرابت انہی پر تقسیم ہو کیونکہ وہی زیادہ قریبی ہیں۔

مثال نمبر ۲:- وارث صرف لڑکی اور ماں ہوں۔ تقسیم کا طریقہ وہی ہوگا جو اُوپر کی مثال میں بتایا گیا ہے۔

مثال نمبر ۳:- وارث لڑکی ماں اور باپ دونوں ہوں۔ چھ حصوں میں سے ایک ماں کو ایک باپ کو ۳ لڑکی کو بحق فرض ملے گا اور ایک بچا ہوا حصہ پہلی نسبت سے پانچ حصوں میں بٹ کر ایک ایک ماں باپ کو اور ۳ حصے لڑکی کو دیئے جائیں گے گویا کل جائداد کے حصے پانچ ہوں گے ۱/۵ ماں ۱/۵ باپ اور ۳/۵ لڑکی کو ملے گا لیکن اگر میت کے پدری مادری یا صرف پدری دو یا دو سے زیادہ بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں موجود ہوں گی تو ماں کو صرف ۱/۶ حصہ دیا جائے گا اور رد صرف لڑکی اور باپ پر ایک اور تین کی نسبت سے ہوگا۔

مثال نمبر ۴:- دو یا زیادہ لڑکیاں اور ماں یا باپ میں سے ایک ہو۔ چھ حصوں میں سے ماں یا باپ کو ایک حصہ اور لڑکیوں کو دو تہائی یعنی چار حصے۔ جس کو وہ آپس میں برابر تقسیم کریں گی اور بچے ہوئے ایک حصے کو سابقہ نسبت سے یعنی ایک اور چار کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۵:- دو یا زیادہ لڑکیاں اور ماں اور باپ دونوں۔ چھ حصوں میں سے ماں باپ کو ایک ایک حصہ اور لڑکیوں کو دو تہائی یعنی چار حصے اور جائداد پوری تقسیم ہو جائے گی۔ لہٰذا رد کی ضرورت نہ ہوگی۔

مثال نمبر ۶:- وارث پوتا یا پوتی یا ہر دو جبکہ میت کے ایک ہی لڑکے کی اولاد ہوں اور ماں یا باپ یا ہر دو۔ پس ماں یا باپ یا ہر دو کو اپنا چھٹا چھٹا حصہ دیا جائے گا مثلاً چھ میں سے ایک ایک اور باقی پوتا یا پوتی لیں گے اور اگر دونوں ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ:- صرف پوتی اپنے باپ کے قائم مقام ہوتی ہے جو میت کا لڑکا تھا لہٰذا اس کو اپنے باپ کی طرح پُورا حصہ ملے گا۔

مثال نمبر ۷ :- وارث ۔ میت کا پوتا ایک لڑکے سے ۔ پوتی دوسرے لڑکے سے اور ماں اور باپ یا ان میں سے ایک ۔ چھ حصوں میں سے ماں باپ اپنا ایک ایک حصہ لیں گے باقی پوتے اور پوتی میں برابر تقسیم ہوگا ۔ اس لئے کہ پوتی اپنے باپ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے پوتے کے ساتھ برابر کی حصہ دار ہے کیونکہ یہ دونوں اپنے اپنے باپ کا حصہ لے رہے ہیں اگر وہ خود موجود ہوتے تو برابر تقسیم کرتے پس ان کے قائم مقاموں کو بھی ایسا ہی کرنا پڑے گا ۔

مثال نمبر ۸ :- پوتا ۔ نواسہ اور ماں باپ یا ان میں سے ایک ۔ چھ میں سے ماں باپ کے ایک ایک حصہ کے نکل جانے کے بعد باقی کو پوتا اور نواسہ ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے کیونکہ پوتا میت کے لڑکے کے قائم مقام اور نواسہ میت کی لڑکی کے قائم مقام ہے ۔ پس اگر نواسہ کی جگہ نواسی ہو تب بھی یہی حصہ لے گی اور نواسے اور نواسیاں جبکہ ایک ماں سے ہوں تو وہ اپنے مذکورہ حصہ کو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے ۔ بنابریں اگر پوتی اور نواسہ وارث ہوں ۔ تب بھی پوتی کو باپ کا حصہ اور نواسہ کو ماں کا حصہ دیا جائے گا ۔ یعنی پوتی کو دو اور نواسے کو ایک ۔

مثال نمبر ۹ :- صرف نواسے نواسیاں میت کی اولاد ۔ اور ماں یا باپ ۔ چھ میں سے ماں یا باپ کو ایک حصہ اور نواسوں نواسیوں کو چونکہ میت کی ایک لڑکی سے ہیں ۔ میت کی جائداد کا نصف حصہ یعنی چھ میں سے تین حصے ملیں گے ۔ باقی بحق قرابت سابق حصص کے مطابق ان پر رد ہوں گے ۔ یعنی ان باقی دو حصوں کو ایک اور تین کی نسبت سے بانٹا جائے گا ۔ پہلی مثال کی طرح ۔ پھر نواسے اور نواسیاں اپنے کل حصہ کو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے ۔

مثال نمبر ۱۰ :- نواسے نواسیاں بصورت سابق اور ماں باپ دونوں تیسری مثال کی طرح تقسیم ہوگی ۔

مثال نمبر ۱۱ :- ایک لڑکی سے نواسہ یا نواسی یا ہر دو اور دوسری لڑکی سے نواسہ یا نواسی یا ہر دو ۔ اور ماں یا باپ چھ حصوں میں سے ماں یا باپ کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا اور نواسوں نواسیوں کو کل جائداد کی دو تہائی یعنی چھ میں سے چار حصے دیئے جائیں گے ۔ اور باقی کو چوتھی مثال کی طرح تقسیم کیا جائے گا ۔ اس کے بعد نواسے اور نواسیاں اپنی اپنی ماں کے حصہ کو آپس میں تقسیم کریں گے یعنی اولاً حاصل شدہ کو دو برابر حصوں میں اور پھر ہر حصہ کو اس میں جس قدر بھائی بہنیں شریک ہوں گے ۔ ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور اگر دو سے زیادہ لڑکیوں کی اولاد موجود ہو تب بھی کل کو اصل جائداد سے حصہ اسی قدر ملے گا ۔ پھر اپنی اپنی ماں کے حصہ کو اس کی اولاد سابق قانون کی رُو سے تقسیم کرے گی یعنی مرد کو عورت سے دگنا ۔

مسئلہ :- اگر میت کی اولاد لڑکے لڑکیاں موجود ہوں اور اس کا کوئی پوتا پوتی یا نواسہ نواسی ایسا بھی موجود ہو ۔ جن کا باپ یا ماں میت کی موجودگی میں وفات پا چکے تھے تو مذہب امامیہ اثناعشریہ کی رُو سے وہ وراثت سے محروم ہوگا ۔ کیونکہ ان سے زیادہ قریبی میت کی اپنی اولاد موجود ہے ۔

پوتے یا نواسے کی وراثت کا مسئلہ

تنبیہہ :- چونکہ مسلمان قرآن کے مسلمہ اصولوں سے روز بروز دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور غیر اسلامی تعلیم ان کی رگ و پے میں

گھر کرتی چلی جا رہی ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کا جو فیصلہ ان کی خواہشات اور افتاد طبع سے متصادم ہو۔ وہ اُسے خلاف عقل کہتے میں ذرہ بھر باک محسوس نہیں کرتے چنانچہ انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہتے ہیں یتیم پوتے کو دادا کی وراثت سے محروم کرنا ناانصافی ہے اور سراسر خلاف عقل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ خود عقل سے کورے ہوتے ہیں جو کسی بھی قانونِ خداوندی کو خلافِ عقل یا منافیٔ انصاف کہیں۔ اس مسئلہ کو اگر تھوڑی سی غور کر کے دیکھا جائے تو اس کا منافیٔ انصاف اور خلافِ عقل ہونا تو درکنار یقین کرنا پڑے گا۔ کہ یہ عین انصاف اور بالکل قرین عقل ہے۔

وراثت کا حصہ خداوند کریم نے دو طریقوں سے بیان فرمایا ہے۔ ایک فرض اور دوسرا قرابت۔ فرضی حصص وہی ہیں جن کو صراحت سے ذکر کیا ہے۔ کسی کا نصف کسی کا دو تہائی۔ کسی کو چھٹا۔ کسی کے لئے تہائی کسی کا چوتھا اور کسی کا آٹھواں اور یہی وہ فرض ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں پوتے کا نام نہیں باقی رہا حق قرابت جس کو (اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ کے کلیے سے واضح کیا ہے۔ پس اس قرابت کے کلیہ کے ماتحت جو بھی میت کا زیادہ قریبی ہو وہی اس کی وراثت کا پہلا حقدار ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ لڑکے اور پوتے میں سے میت کا زیادہ قریبی لڑکا ہے اور پوتا ایک درجہ دور ہے۔ ہاں اگر میت کا لڑکا اور لڑکی موجود نہ ہو تو پھر باقی سب سے زیادہ قریب پوتا یا نواسہ ہی ہوگا۔ جس طرح اوپر کے سلسلہ میں باپ اور دادا دونوں قریبی ہیں۔ اور حکومت کے لحاظ سے جس طرح باپ حاکم ہے اسی طرح دادا بھی حاکم ہے لیکن قرابت کے لحاظ سے باپ بلاواسطہ ہے اور دادا ایک درجہ دور ہے۔ پس میت کے باپ کی موجودگی میں دادا کو وراثت کا حق حاصل نہیں ہے اسی طرح دوسرے درجہ میں بھائی بھتیجے اور بہن اور بھانجے میں بھی وہی بات ہے کہ بھائی بہ نسبت بھتیجے کے اور بہن بہ نسبت بھانجے کے میت کے زیادہ قریب ہیں اور پھر تیسرے درجہ میں چچا اور چچازاد ماموں اور ماموں زاد وغیرہ کی یہی کیفیت ہے۔

میت کی اپنی اصلی اولاد بہر صورت اولاد کی اولاد سے قریب تر ہے۔ اگر یتیم پوتے کا باپ موجود ہوتا جس کی بدولت یہ دادا سے قریبی ہونے کا حقدار ہے تو یقیناً دادا کی وراثت اس تک نہ پہنچ سکتی کیونکہ پوتے کا باپ میت سے بلاواسطہ قرب رکھتا ہے۔ پس وہی وراثت کا حق دار ہے لہٰذا اس کی موجودگی میں یہ ہرگز وارث نہیں ہو سکتا تو جب اپنے واسطۂ قرابت کی موجودگی میں محروم الارث تھا۔ اب واسطہ کے ٹوٹ جانے کے بعد یہ کیسے وارث ہو سکتا ہے؟ نیز اس واسطہ کی موجودگی میں وہ واسطہ خود وارث اس لئے نہ تھا کہ اس پوتے کا باپ ہے بلکہ وہ اس لئے وارث تھا کہ مرنے والے کا بلاواسطہ فرزند ہے پس یہ قاعدہ ثابت ہو گیا کہ بلاواسطہ فرزند کی موجودگی میں بالواسطہ فرزند وراثت نہیں پا سکتا۔ اب یہی علت پوتے کے چچوں اور پھوپھیوں کی موجودگی میں پائی جاتی ہے کہ وہ میت کے بلاواسطہ اولاد ہیں تو اس صورت میں بالواسطہ کو کیونکر حصہ دیا جائے؟ نیز میت کا نواسہ یا نواسی جس کی ماں میت کی موجودگی میں مر چکی ہو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ میت کی بلاواسطہ اولاد کی موجودگی میں خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ نواسے نواسیاں اپنے نانا کے وارث نہیں بن سکتے۔ لیکن معترض لوگ اس مقام پر نواسوں اور نواسیوں کا ذکر درمیان میں نہیں لاتے اور وہ اس لئے کہ لڑکیوں کو یا ان

کی اولاد کو جائداد سے حصہ کیوں دیا جائے۔ اور نہ ان کی محرومی کو خلافِ عقل اور منافیٔ انصاف قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ ان کے جذبات کے موافق اور خواہشات کے مطابق ہے۔

اب رہا یہ کہ وہ یتیم رہ گیا اس کا بندوبست کیا ہوگا؟ تو یہ صرف ایک نہیں بلکہ دنیا میں ہزاروں لاکھوں بچے یتیم اور لاوارث رہ جاتے ہیں جن کو خُدا رزق دے رہا ہے اور فرض کرو اگر اس دادا کی جائداد نہ ہوتی تو پھر یتیم کیسے زندگی گذارتا۔ یہ باتیں محض بے تکی ہیں۔ ان کو مسئلہ سے کوئی ربط نہیں۔ جب یہ ثابت ہوا کہ پوتے کی بہ نسبت اس کے چچے اور پھوپھیاں میّت کے زیادہ قریبی ہیں تو اس کی دادا کی جائداد سے محرومی عین انصاف اور موافق عقل ہے بلکہ یہاں محرومی کا استعمال کرنا بھی بے جا ہے۔ جبکہ وہ سرے سے حقدار ہی نہیں۔ تو پھر محرومی کیسے؟ البتہ اس کو دادا کی جائداد میں حصہ دار قرار دینا میّت کی بلا واسطہ اولاد کی حق تلفی اور ان پر ظلم عظیم ہے جس طرح باقی سلسلۂ قرابت میں اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو وراثت دینا قریبیوں کی حق تلفی ہوا کرتی ہے پس حق تو یہ تھا کہ اگر کوئی پوتے کی وراثت کا قائل ہوتا تو اس کے خلاف ہنگامہ آرائی کی جاتی کہ قریبی کی موجودگی میں بعید کی وراثت کا ڈھونگ کیوں رچایا جارہا ہے۔

واسطہ کے منقطع ہوجانے کے بعد اگر اس کو قرابت کا حق دہی دینا ہے جو واسطہ کو حاصل تھا تو اس سلسلہ میں دوسری کافی مثالیں ایسی موجود ہوجائیں گی۔ جن میں غیروارث کو وارث کرنا پڑے۔

۱۔ میّت کا نواسہ اور نواسی جس کی ماں پہلے مرچکی ہو اب اس کو بھی نانا کی وراثت سے ماں کا حق دیا جائے۔

۲۔ اولاد کی عدم موجودگی میں زوجہ کو شوہر کی جائداد منقولہ میں سے ¼ حصہ دیا جاتا ہے جو اس کی موت کے بعد اس کے قریبیوں کو ملتا ہے۔ پس اگر زوجہ شوہر کی موجودگی میں مرجائے تو شوہر کی موت کے بعد سابقہ زوجہ متوفاۃ کے وارثوں کو زوجہ متوفاۃ کا حق دیا جائے۔

۳۔ اسی طرح شوہر کو عورت کی جائداد کا ½ یا ¼ حصہ دیا جاتا ہے تو پہلے مرجانے کی صورت میں اس کا حق نہ ٹوٹنا چاہیئے بلکہ اس کی بیوہ عورت کی وفات کے بعد شوہر کے وارثوں کو حق طلب کرنا چاہیئے۔

۴۔ دوسرے طبقۂ وراثت میں بھائی کی موجودگی میں متوفی بھائی کے لڑکے لڑکیاں اور تیسرے طبقہ میں چچا کی موجودگی میں متوفی کے چچے کی اولاد رہذالقیاس، وارث قرار دیئے جائیں گے۔

بہرکیف اس قسم کی متعدد جزئیات پیدا ہوسکتی ہیں جن کو کوئی صاحب عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتا تو صرف پوتے کی محرومیٔ وراثت کا ڈھنڈورا پیٹنا محض خواہش کا بھوت سیدھا کرنے کے لئے ہی ہے پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ قرآن مجید کے احکام کو بسر وچشم تسلیم کریں اور ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کی بدعات کو خیرباد کہہ دیں اور سچے مسلمانوں کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

علمی نکتہ:۔ آیت مجیدہ میں طبقہ اولیٰ کے حقوق بیان فرماتے ہوئے بعض کے حقوق تصریحاً ذکر فرمائے اور بعض ورثاء کے لئے تلویح سے کام لیا گیا۔

تصریح:۔ ماں اور باپ کے حقوق انفرادی صورت میں اور اولاد کی موجودگی کی صورت میں جُدا جُدا معین فرما دیئے۔ اسی

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ

اور تمہارا نصف ہے اس سے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں اگر نہ ہو ان کی اولاد پس

كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

اگر ہو ان کی اولاد تو تمہارا چوتھائی ہے اس سے جو چھوڑ جائیں بعد وصیت کے

يُّوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ

جو کریں یا بعد قرضہ کے اور ان کا چوتھا ہے اس سے جو تم چھوڑ جاؤ اگر نہ ہو تمہاری

لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ

اولاد پس اگر ہو تمہاری اولاد تو ان کا آٹھواں ہے اس سے جو چھوڑ جاؤ بعد وصیت کے

وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلَالَةً

جو کرو یا بعد قرضہ کے اور اگر وہ شخص جس کی میراث ہے کلالہ

طرح ایک لڑکی اور متعدد لڑکیوں کے حقوق فرضیہ کی تصریح فرمادی ہے لیکن اگر صرف ایک لڑکا ہو یا متعدد لڑکے ہوں تو ان کو تصریحاً بیان نہیں فرمایا۔

تلویح ہر ایک لڑکا یا متعدد لڑکے ہوں تو ان کا حق تلویحاً بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم میں فرمایا مرد کو عورت سے دوگنا دیا جائے۔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔ اور دوسری جگہ صرف ایک لڑکی کے متعلق فرمایا۔ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ یعنی اگر ایک ہو تو اسے نصف دیا جائے تو چونکہ پہلے فرما چکا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دیا جائیگا تو صاف نتیجہ نکلا کہ صرف ایک لڑکا ہوگا تو پوری جائیداد کا وارث ہوگا اور نیز چونکہ یہ فرمایا کہ لڑکے اور لڑکیاں وراثت میں ایک اور دو کی نسبت رکھتے ہیں تو معلوم ہوگیا کہ صرف لڑکیاں ہوں گی تو آپس میں مساوی ہوں گی اور صرف لڑکے ہوں گے تو وہ بھی آپسمیں مساوی طور پر تقسیم کریں گے

يُورَثُ كَلَالَةً: کلالہ کا لغوی معنی احاطہ ہے چنانچہ تاج کو اکلیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سر پر محیط ہے اور اس بناء پر کل کو کل کہا جاتا ہے کہ وہ تمام عدد پر محیط ہے پس کلالہ ان رشتہ داروں کو کہا جائے گا جو اصل نسب کے محیط ہیں اور چونکہ اصل سلسلۂ نسب ہوتا ہے۔ دادا۔ پھر باپ پھر بیٹا پوتا۔ تو پس جو اس سلسلۂ طولی کے گرد و پیش رشتہ دار ہوتے ہیں جو اس کو محیط ہوتے ہیں ان کو کلالہ کہا جاتا ہے پس طولی قرابت کے علاوہ جس قدر عرضی قرابت ہوگی ان سب پر کلالہ کا اطلاق ہوگا۔

اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنۡ

ہو یا عورت (کلالہ) ہو اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لئے ان میں سے چھٹا حصہ ہے ۔ پس

كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ

اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ شریک ہوں گے تہائی میں بعد وصیت کے جو کی جائے

يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ

یا بعد قرضے کے کہ نہ ضرر دی گئی ہو وصیت اللہ کی جانب سے اور اللہ علیم و

حَلِيۡمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

حلیم ہے

آئمہ معصومین سے مروی ہے کہ کلالہ سے مراد بھائی بہنوں کا رشتہ ہے۔ نیز کلالہ مرنے والے کو بھی کہہ سکتے ہیں جبکہ اس کا طولی رشتہ مفقود ہو یعنی اس کے باپ دادا اور بیٹے پوتے موجود نہ ہوں اور اس کے وارثوں کو بھی کلالہ کہہ سکتے ہیں اور اس کا اطلاق واحد و جمع اور مذکر و مونث سب پر صحیح ہے کیونکہ یہ مصدر ہے نیز آیت مجیدہ میں جو کلالہ کی وراثت کا تذکرہ ہے اس سے مراد صرف مادری بھائی بہنیں ہیں اور اسی سورہ کے آخر میں جہاں کلالہ کا ذکر آیا ہے۔ وہاں پدری و مادری یا صرف پدری بھائی اور بہنیں مراد ہیں۔

غَيۡرَ مُضَآرٍّ :۔ یعنی اس کی وصیت وارثوں کے لئے باعث ضرر نہ ہو یعنی تہائی ترکہ سے زیادہ نہ ہو یا ایسے قرضہ کا اس نے اقرار نہ کیا ہو جو در حقیقت اس پر نہ تھا کیونکہ وہ بھی وارثوں کے لئے باعث ضرر ہے۔

زوج و زوجہ کی وراثت

وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ :۔ یعنی اگر عورت مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو اس کے کل ترکہ سے نصف ملے گا اور اگر عورت کی اولاد موجود ہو تو شوہر کو اس کے ترکہ سے ایک چوتھائی دیا جائے گا۔ (عورت کی وصیتوں اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد۔

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ :۔ اور اگر مرد مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو عورت کو ایک چوتھائی اور اولاد کی صورت میں آٹھواں حصہ اس کو ملے گا۔

مسئلہ :۔ مرد کی منکوحہ عورتیں اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب اس چوتھائی یا آٹھویں حصہ میں برابر کی شریک ہوں گی۔

روایات :۔ (۱) استبصار میں باسناد خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عورت مرد کے مکان کی لکڑیوں وغیرہ کی وارث ہوگی اس کی زمین کی وارث نہ ہوگی تو محمد بن مسلم راوی حدیث نے وجہ پوچھی کہ یہ کیسے؟ فرع کی وارث ہے اور اصل کی نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ نسب کے لحاظ سے مرد کی وارث نہیں ہے بلکہ وہ تو دوسری قوم سے آئی ہوئی ہے لہذا وہ فرع کی وارث ہوگی نہ کہ اصل کی (کیونکہ وہ خود اس کے

اصل سے نہیں بلکہ اس کی قرابت فرعی ہے۔ لہذا اسکی وراثت بھی فرعی ہوگی) اور فرمایا اس لئے تاکہ اس عورت کی وجہ سے کوئی دوسرا ان کی جائداد میں حصہ دار نہ بن جائے۔

(۲) بروایت حماد بن عثمان آپ نے فرمایا عورت مکان کی لکڑیوں وغیرہ کی قیمت سے وارث ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ کہیں اور جگہ شادی کرے تو پھر اس کی وجہ سے اس کے پہلے شوہر کے ورثار کے مال میں اس کے پچھلے لواحقین شامل ہو کر ان کی میراث کو فاسد کردیں گے۔

(۳) نیز آپ نے میسر کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عورتوں کو مکان کی لکڑیوں اور دیگر آلات کی قیمت سے حصہ دیا جائے گا۔ اور زمین اور دیگر جائداد (غیر منقولہ) سے اس کو وراثت نہ ملے گی۔ سائل نے پوچھا کہ کپڑے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کپڑے ان کے لئے ہیں۔ پھر سائل نے پوچھا کہ یہ کیسے حالانکہ ان کے لئے $\frac{1}{4}$ یا $\frac{1}{8}$ مقرر شدہ ہے تو فرمایا کہ ان کی وراثت نسب کی طرف سے تو ہے نہیں بلکہ وہ تو باہر سے آئی ہے اور یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ وہ بعد میں شادی کرے گی تو اس کا شوہر یا اس کی اولاد آکر اس کے سابق شوہر کے ورثا کے لئے رکاوٹ کا باعث بن جائیں گے۔

(۴) موسیٰ بن بکر کہتا ہے میں نے زرارہ سے دریافت کیا کہ بکیر سے روایت ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ عورت اپنے شوہر کی گھر کی زمین بلکہ جملہ زمینوں کی وارث نہیں ہو سکتی ہاں اگر مکان یا درخت یا لکڑیاں ہوں تو اس کو اپنا حصہ ان کی قیمت سے دیا جائے گا اور نفس زمین سے اس کو کچھ بھی نہ دیا جائے گا۔ یہ سن کر زرارہ نے کہا واقعی ایسا ہی ہے اور اس میں شک نہیں۔ بہر کیف اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں کہ عورت مرد کے ترکہ سے زمین کی وارث نہیں ہو سکتی باقی تمام اس کی متروکہ چیزوں کی وارث ہوتی ہے۔ البتہ مکانات اور اشجار یا زمین کے علاوہ جس قدر غیر منقولہ اشیاء ہیں ان کی قیمت سے اس کو حصہ دیا جائیگا۔ اور اس کی وجہ خود آئمہ طاہرین نے بیان فرمادی ہے اور جن بعض روایات میں عورت کا ہر چیز سے وارث ہونا مذکور ہے ان کو علمائے امامیہ نے تقیہ پر محمول کیا ہے۔ احادیث معصومین میں مطلقاً عورت کو شوہر کی زمین کی وراثت سے محروم کیا گیا ہے اس میں فرق نہیں کہ عورت صاحب اولاد ہو یا نہ ہو پس قرآن مجید میں لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ یعنی ان کی چوتھائی ہے تمہارے ترکہ سے اولاد نہ ہونے کی صورت میں وَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ۔ یعنی ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے تمہارے ترکے سے اولاد ہونے کی صورت میں۔ ان مقامات پر ترکہ سے مراد زمین کے علاوہ باقی متروکہ اشیاء ہیں اور چونکہ احادیث متواترہ اس باب میں وارد ہو چکی ہیں لہذا قرآن کے عمومی حکم کے لئے یہ باعث تخصیص ہوں گی اور دوسری طرف مرد عورت کے تمام ترکہ سے اپنے مقررہ حصہ کا وارث ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے لئے تخصیص کہیں وارد نہیں لہذا قرآنی حکم اپنے عموم پر باقی رہے گا اور عورت کا مرد کی زمین سے وارث نہ ہونا یہ صرف مذہب شیعہ کا فتویٰ ہے اور اس کے مختصات میں سے ہے۔

مسئلہ ۱:۔ عورت و مرد کی وراثت تینوں طبقوں کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ صرف اولاد کی موجودگی میں ان کو ادنیٰ حصہ یعنی مرد کو چوتھائی اور عورت کو آٹھواں حصہ دیا جاتا ہے اور باقی ہر صورت میں ان کو اعلیٰ حصہ یعنی مرد کو نصف اور عورت کو چوتھائی دیا جاتا ہے

مسئلہ ۲:۔ وارث اگر زوجہ اور اولاد ہو تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ حصہ اور باقی سب اولاد کو ملے گا اگر صرف لڑکا ہو تو وہ ساری باقی جائداد

کا مالک ہوگا اور اگر ایک لڑکی ہو تو $\frac{1}{2}$ کی وارث ہوگی فرض سے اور باقی کی مالک ہوگی قرابت سے بہرصورت ساری جائداد اسی کو دی جائیگی اور اگر وارث دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں تو $\frac{2}{3}$ فرض سے اور باقی بطور رد لیں گی۔ بہرکیف ساری جائداد ان کو ملے گی اور وہ برابر تقسیم کریں گی اور اگر لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۳:۔ وارث اگر شوہر اور اولاد ہو تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ حصہ اور باقی کی وارث حسب سابق اولاد ہوگی۔

مسئلہ ۴:۔ وارث زوجہ اور ماں ہو تو زوجہ کو $\frac{1}{4}$ حصہ اور باقی سب ماں کو ملے گا $\frac{1}{3}$ حصہ فرض سے اور باقی بچا ہوا حق قرابت سے اس کو دیا جائے گا۔

مسئلہ ۵:۔ وارث زوجہ اور باپ ہوں تو $\frac{1}{4}$ زوجہ کو اور باقی سب باپ کو بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۶:۔ وارث زوجہ اور ماں باپ دونوں ہوں تو $\frac{1}{4}$ زوجہ کو $\frac{1}{3}$ ماں کو اور جو باقی بچے گا یعنی $\frac{5}{12}$ حصہ وہ باپ کو دیا جائے گا بشرطیکہ ماں کے حاجب یعنی میت کے دو سے زیادہ بھائی موجود نہ ہوں۔ ورنہ ماں کو صرف $\frac{1}{6}$ دیا جائے گا اور باقی سب باپ کو ملے گا۔

مسئلہ ۷:۔ وارث شوہر اور ماں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور باقی ماں کو یعنی $\frac{1}{3}$ حق فرض اور باقی $\frac{1}{6}$ بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۸:۔ وارث شوہر اور باپ ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور باقی سب باپ کو بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۹:۔ وارث شوہر اور ماں و باپ، دونوں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور ماں کو $\frac{1}{3}$ اور باقی سب باپ کو یعنی $\frac{1}{6}$ حصہ بحق قرابت ملے گا بشرطیکہ متوفی کے کم از کم دو بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں پدری مادری یا صرف پدری پیچھے موجود نہ ہوں۔ کیونکہ میت کے باپ کی موجودگی میں یہ جب ہوں گے تو ماں کے لئے $\frac{1}{6}$ حصہ سے زائد کے حاجب ہوں گے۔ لہٰذا وہ اس صورت میں رد کے حصہ سے بھی محروم رہے گی۔

مسئلہ ۱۰:۔ وارث شوہر، ماں و باپ دونوں ہوں اور متوفی کے دو بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں پدری مادری یا صرف پدری موجود ہوں تو اس صورت میں شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور ماں کو $\frac{1}{6}$ اور باقی یعنی کل جائداد کا $\frac{1}{3}$ باپ کو ملے گا کیونکہ میت کے بھائی بہنوں کے اخراجات کی کفالت صرف اس کے باپ کے ذمہ ہی ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ اگر میت کے مادری بھائی بہنیں موجود ہوں تو ماں کے حصہ میں کمی نہیں پڑتی۔

مسئلہ ۱۱:۔ وارث زوجہ اور لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو ملے گا جس کا حسب سابق تقسیم کریں گے

مسئلہ ۱۲:۔ وارث زوجہ لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں باپ دونوں ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ ماں کو $\frac{1}{6}$ باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو بدستور سابق ملے گا۔

مسئلہ ۱۳:۔ وارث زوجہ لڑکی اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ لڑکی کو $\frac{1}{2}$ اور ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ ملے گا۔ اور باقی بحق قرابت ماں یا باپ اور لڑکی پر ان کے حصص کے مطابق رد ہوگا یعنی ۲۴ میں سے ۳ حصے زوجہ کو ۱۲ حصے لڑکی اور ۴ حصے ماں یا باپ کو دیئے جائیں گے باقی پانچ حصے بچے ہیں اور ماں یا باپ اور لڑکی کے حصوں میں ایک اور تین کی نسبت ہے۔ پس یہ پانچ ماں

یا باپ اور لڑکی پر ایک اور تین کی نسبت سے تقسیم ہوں گے کل جائداد ۹۶ حصوں پر تقسیم ہوگی۔ زوجہ کو ۱۲، لڑکی کو ۶۳ اور ماں یا باپ کو ۲۱ ملیں گے۔

مسئلہ ۱۴ :- وارث زوجہ لڑکی اور ماں باپ دونوں ہوں۔ زوجہ کو $\frac{1}{8}$ لڑکی کو $\frac{1}{2}$ اور باپ کو $\frac{1}{6}$ اور ماں کو بھی $\frac{1}{6}$ اور باقی ماں باپ اور لڑکی پر رد بحق قرابت ہوگا۔ کل جائداد کے ۱۲۰ حصے ہوں گے۔ ۱۵ زوجہ کو۔ ۶۳ لڑکی اور ۲۱ ماں کو اور ۲۱ باپ کو ملیں گے۔ کیونکہ حق فرض سے کل پانچ بچے تھے جو حسب حصص لڑکی کو تین اور ماں اور باپ کے حصوں میں ایک ایک کا بحق قرابت ردّ کا اضافہ ہوا۔ بشرطیکہ ماں کے لئے $\frac{1}{3}$ سے زائد کے حاجب موجود نہ ہوں۔

مسئلہ ۱۵ :- وارث شوہر۔ لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں یا باپ ہو تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو بدستور سابق۔

مسئلہ ۱۶ :- وارث شوہر لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں باپ دونوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں کو $\frac{1}{6}$ باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو حسب دستور سابق۔

مسئلہ ۱۷ :- وارث شوہر لڑکی اور ماں یا باپ ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی بحق قرابت لڑکی اور ماں یا باپ پر حسب حصص رد ہوگا۔ کل بارہ حصوں میں سے شوہر کو ۳ لڑکی کو ۶ اور ماں یا باپ کو ۲ ملیں گے اور ایک باقی کو ماں یا باپ اور لڑکی اپنے حصوں کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۱۸ :- وارث شوہر لڑکی اور ماں باپ دونوں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں کو $\frac{1}{6}$ اور باپ کو $\frac{1}{6}$ اور جو بچے گا۔ وہ لڑکی کو ملے گا۔ اس صورت میں لڑکی پر نقص وارد ہوگا کیونکہ اس کا فرضی حصہ $\frac{1}{2}$ تھا لیکن اسے اس صورت میں بارہ حصوں میں سے پانچ مل رہے ہیں جو $\frac{1}{2}$ سے کم ہے۔

مسئلہ ۱۹ :- وارث زوجہ دو یا دو سے زائد لڑکیاں اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور لڑکیوں کو $\frac{2}{3}$ ملے گا اور جو باقی بچے گا وہ سابق حصص کے مطابق لڑکیوں اور ماں یا باپ کو حق قرابت سے ردّ میں ملے گا۔ گویا ۱۲۰ میں سے ۱۵ زوجہ کو اور ۸۰ بحق فرض لڑکیوں کو اور ۲۰ بحق فرض ماں یا باپ کو ملیں گے اور باقی ایک اور چار کی نسبت سے چار لڑکیوں کو اور ایک ماں یا باپ کو دیا جائے گا پس لڑکیوں کا کل حصہ ۸۴ اور ماں یا باپ کا حصہ ۲۱ ہو جائے گا۔

مسئلہ ۲۰ :- وارث زوجہ دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں اور باپ دونوں ہوں کل ۲۴ حصوں میں سے ۳ زوجہ کو اور ۴ باپ کو ملیں گے اور باقی ۱۳ لڑکیوں کو ملیں گے۔ اس صورت میں لڑکیوں کا حصہ فرضی ۱۶ ہونا چاہیئے تھا لیکن ان کو اپنے حصے فرضی سے کم مل رہا ہے۔

مسئلہ ۲۱ :- وارث شوہر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں یا باپ ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ یعنی ۲۴ میں سے ۶ شوہر کو اور ۴ ماں یا باپ کو اور باقی ۱۴ لڑکیوں کو ملیں گے جو فرضی حصے سے ۲ کم ہوتے ہیں۔

مسئلہ ۲۲:۔ وارث شوہر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں باپ دونوں ہوں تو شوہر کو ۲۴ میں سے ۶ اور ماں کو ۴ اور باپ کو بھی ۴ اور باقی ۱۰ حصّے لڑکیوں کو ملیں گے جو ان کے فرضی حصّہ سے ۶ کم ہیں۔

مسئلہ ۲۳:۔ عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، خواہ نکاح کے بعد ان کی رسم شادی ادا نہ بھی کی گئی ہو اور دخول بھی نہ ہُوا ہو، البتہ اگر مرد مرضِ موت میں کسی سے شادی کرلے اور بلا دخول مرجائے تو عورت اس کی وارث نہ ہو سکے گی لیکن اگر تندرست ہو کر پھر کسی حادثہ سے اس کی موت بلا دخول واقع ہوئی تو عورت اس کی وارث ہوگی اور عورت کی موت کی صورت میں یہ اس کا وارث ہوگا۔

مسئلہ ۲۴:۔ طلاق رجعی کی صورت میں عدّت کے اندر اندر عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

طبقاتِ وراثت کی تفصیل

قرآنِ مجید میں قانونِ وراثت کے متعلق چند آیات ہیں جن سے تمام فرعی جزئی مسائل اخذ کئے جاتے ہیں۔

(۱) سورۂ نساء کی آیت ۷ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ الخ (۲) اسی سورہ کی آیت ۱۱ يُوصِيكُمُ اللهُ الخ (۳) آیت ۱۲ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ الخ (۴) اسی سورہ کی آخری آیت ۱۷۶ يَسْتَفْتُونَكَ الخ (۵) سورہ انفال کی آخری آیت ۷۵ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ الخ (۶) سورۂ احزاب آیت ۶ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ الخ :۔ پس شوہر اور بیوی کے معین حصّے مقرر ہوجانے کے بعد قرآن میں سے ایک کُلی قاعدہ نکلتا ہے کہ رشتہ میں ہر قریبی دُور کے رشتہ والے کے لئے وراثت سے مانع ہوتا ہے۔ پس وراثت کے لئے وارثوں کے طبقات تین ہیں۔

طبقہ اولیٰ:۔ جو سب سے زیادہ قریب ہیں، ماں باپ اولاد، اور اولاد کی عدم موجودگی میں اولاد کی اولاد جہاں تک چلے جائیں اور ہر درجہ میں قریب کی موجودگی بعید کے لئے وراثت سے مانع ہوگی اور اولاد کی اولاد بھی اولاد ہی کہلاتی ہے لہذا اسی پہلے طبقہ میں اس کا شمار ہے۔

دوسرا طبقہ:۔ بھائی بہنیں اور دادا، دادی اور نانا نانی اور اُن کی عدم موجودگی میں باپ کا دادا دادی اور نانا نانی اور ماں کا دادا دادی اور نانا نانی وعلیٰ ہذالقیاس، ان کے اور میت کے درمیان ایک ہی واسطہ ہے اور وہ ماں اور باپ ہیں۔ ماں، نانا اور نانی کو ملاتی ہے۔ باپ دادا اور دادی کو ملاتا ہے اور یہی دونوں بھائی بہنوں کو میت سے ملاتے ہیں پس بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد اور ان کے بعد انکی اولاد کی اولاد جہاں تک چلے جائیں بھائی بہنوں کے قائم مقام ہوں گے۔ بھائی کی اولاد بھائی کا حصّہ لے گی خواہ ایک کی ہو یا زیادہ کی خواہ ایک ہو یا زیادہ خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں اور اگر دونوں ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور بہن کی اولاد بہن کا حصّہ لے گی، خواہ ایک ہو یا زیادہ اور خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں اور آپس میں ایک اور

دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد کی بھی یہی صورت ہوگی لیکن ہر درجہ میں جو زیادہ قریب ہوگا وہ دُور والے کے لئے وراثت سے مانع ہوگا اور اس طبقہ میں صرف مادری بھائی بہنیں یا اُن کی اولاد میں اپنا حاصل شدہ حصّہ برابر تقسیم ہوگا یہاں ایک اور دو کی نسبت کا لحاظ نہ ہوگا۔

تیسرا طبقہ:۔ چچے ماموں اور ان کی بہنیں ان کو میّت سے دو واسطوں کے ذریعے سے قرب حاصل ہے ایک ماں و باپ کا واسطہ دوسرا دادا اور دادی یا نانا و نانی کا واسطہ۔ اس طبقہ میں ماموں اور ان کی بہنوں میں اپنا حصّہ برابر تقسیم ہوگا اور اسی طرح ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد لڑکے لڑکیاں اپنے حصّے کو آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ نیز وہ چچے اور پھوپھیاں جو باپ کے صرف مادری بھائی بہن ہوں، وہ اور ان کی اولاد بھی اپنے حصّے کو برابر آپس میں تقسیم کریں گے۔ یہاں ایک اور دُو کی نسبت نہ ہوگی۔ نیز ہر درجہ میں قریب کی موجودگی دور والے کے لئے وراثت سے مانع ہوگی۔

مسئلہ:۔ بھائی بہنوں کی چونکہ تین قسمیں ہیں (۱) مادری (۲) پدری (۳) پدری ومادری۔ پس جس مقام پر یہ تینوں قسمیں ہوں تو صرف پدری بھائی بہنیں وراثت سے محروم ہوں گے لیکن مادری بھائی بہنوں کو اپنا حصّہ ملے گا۔ اسی طرح پدری و مادری بھائی بہنوں کی اولاد کی موجودگی میں صرف پدری بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہوگی لیکن مادری بھائی بہنوں کی اولاد کو اپنا حصّہ ملے گا۔

مسئلہ:۔ اگر ایک قسم کے بھائی یا بہنیں موجود ہوں اور دوسری قسم کے بھائی بہنوں کی اولاد موجود ہو تو وارث صرف بھائی بہنیں ہوں گے خواہ صرف مادری ہی کیوں نہ ہوں اور بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہوگی خواہ وہ پدری و مادری بھائی بہنوں کی اولاد ہی کیوں نہ ہوں کیوں کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ:۔ قریبی جد کی موجودگی میں بعید جد وارث نہ ہوگا، خواہ قریبی جد مادری رشتہ سے ہو اور بعید کا جد پدری رشتہ رکھتا ہو پس نانا یا نانی کی موجودگی میں باپ کا دادا دادی اور نانا نانی محروم ہوں گے۔ لیکن قریبی جدّ بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد یا اولاد در اولاد کو نہیں روک سکتے بلکہ وہ اپنا حصّہ لیں گے اور دوسری طرف بھائی بہنوں کی موجودگی جد بعید کے لئے بھی مانع نہیں ہوسکتی۔

مسئلہ:۔ تیسرے طبقہ میں بھی صرف پدری قرابت دار پدری و مادری قرابت داروں کی موجودگی میں محروم ہوا کرتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے قائم مقام ہوتے ہیں لیکن مادری قرابت دار محروم نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنا حصّہ وصول کریں گے اور ان کی اولاد کی بھی یہی کیفیت ہوگی۔

مسئلہ:۔ اقرب کی موجودگی میں ابعد کو وراثت نہ ملے گی۔ مثلاً چچا کی موجودگی میں کسی چچا یا ماموں یا اُن کی بہنوں کی اولاد وارث نہ ہوگی، خواہ چچا، باپ کا صرف مادری بھائی ہی کیوں نہ ہو اور جن چچوں اور ماموں کی اولاد محروم ہے خواہ وہ پدری و مادری کیوں نہ ہوں بلکہ ماموں یا اس کی بہن کی موجودگی میں چچے کی اولاد محروم ہوگی خواہ وہ صرف مادری رشتہ رکھتے ہوں اور اس کا رشتہ پدری و مادری ہو کیونکہ وہ اقرب ہے اور یہ اس سے دُور ہیں البتہ اس مقام پر صرف ایک مسئلہ ہے جو اجماعا

اس قاعدہ سے خارج ہے اور وہ یہ کہ اگر میّت ایک چچازاد بھائی اور ایک چچا چھوڑ جائے جبکہ چچا صرف اس کے باپ کا پدری بھائی ہو اور چچازاد پدری و مادری بھائی کا بیٹا ہو تو کہتے ہیں وارث چچازاد ہوگا اور پدری چچا محروم ہوگا۔ اس ایک مسئلہ کے علاوہ باقی ہر مقام پر یہ قاعدہ جاری و ساری ہے کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد کو کچھ نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ:- اگر میّت کے چچے و ماموں اور ان کی بہنیں اور ان کی اولاد موجود نہ ہو تو پھر میّت کے ماں باپ کے چچے ماموں یا ان کی اولاد ان کے قائم مقام ہوں گے اور یہ سلسلہ اوپر کی طرف چلا جائے گا اور قریب کی موجودگی میں بعید محروم ہوگا۔

مسئلہ:- شوہر و بیوی ہر طبقہ والوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اور اولاد کی عدم موجودگی میں ان کو فرض اعلیٰ ملے گا یعنی شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور زوجہ کو $\frac{1}{4}$ ۔

مسئلہ:- تیسرے طبقہ کی وراثت آیت مجیدہ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ الخ:- کی رُو سے ہے اور پہلے دونوں طبقوں میں اس آیت مجیدہ کے علاوہ خصوصی نصوص بھی وارد ہیں چنانچہ پہلے طبقہ کے لئے آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اور دوسرے طبقہ کے لئے اس سے بعد کی آیت اور سورۂ نساء کی آخری آیت موجود ہیں۔

وراثت کے طریقے

وراثت پانے کے چار طریقے ہیں۔

(۱) فرض۔ ان کے حقدار وہی ہیں جن کے حقوق خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں معین فرما دیئے ہیں۔ اور وہ چار ہیں پہلی ماں اس کا فرض $\frac{1}{6}$ حصہ ہے اولاد کی موجودگی میں اور $\frac{1}{3}$ حصہ ہے جبکہ میّت کی اولاد نہ ہو بشرطیکہ اس کے $\frac{1}{3}$ سے زیادہ کے مانع موجود نہ ہوں اور وہ میّت کے پدری و مادری یا فقط پدری دو سے زیادہ بھائیوں کی موجودگی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں ہیں اور دوسرے صرف فرض کے حقدار ہیں۔ میّت کے مادری بھائی جبکہ پہلا طبقہ موجود نہ ہو پس یہ ایک ہو تو اس کا فرض $\frac{1}{6}$ اور زیادہ ہوں تو ان کا فرض ہے $\frac{1}{3}$ جس کو وہ زن و مرد آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ وَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ الخ:- یعنی اگر وہ شخص کلالہ ہے یعنی اس کا وارث طولی رشتہ میں یعنی پہلے طبقہ میں کوئی نہیں خواہ وہ مرنے والا مرد ہو یا عورت اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو (مادری) تو ان میں سے ہر ایک کو $\frac{1}{6}$ حصہ دیا جائے گا اور اگر بھائی یا بہنیں ایک سے زیادہ ہوں (مادری) وہ سب کے سب $\frac{1}{3}$ میں شریک ہیں گویا ان کی باہمی تقسیم زن و مرد کے لئے ایک اور دو کی نسبت کا لحاظ نہیں بلکہ وہ سب برابر کے شریک ہیں اس مقام پر بھائی یا بہنیں صرف مادری مراد ہیں کیونکہ اسی سورہ کے آخر میں بھی کلالہ کی وراثت کا ذکر ہے اور وہاں فرمایا ہے کہ اگر ایک بہن ہو تو اس کا فرض $\frac{1}{2}$ اور زیادہ ہوں تو ان کا فرض $\frac{2}{3}$ اور اگر زن و مرد ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور وہاں بھائی بہنوں سے مراد ہے پدری و مادری یا ان کی عدم موجودگی میں صرف پدری اور تیسرے فرض کی حقدار زوجہ اور چوتھا شوہر ہے۔

(۲) وراثت کا دوسرا طریقہ قرابت ہے جن کی وراثت اُولُوالْاَرْحَامِ ۔ والی آیت سے ثابت ہے۔

(۳) وراثت کا تیسرا طریقہ ۔کسی وقت فرض اور کسی وقت قرابت ۔ یہ باپ بیٹوں اور پدری و مادری یا صرف پدری بہنوں کے لئے ہے ۔مثلاً باپ اولاد کی موجودگی میں فرض کا مالک یعنی ۱/۶ حصہ کا اور اُن کی عدم موجودگی میں وہ قرابت سے وارث ہوتا ہے۔ اور بیٹیاں میت کے ماں باپ کی موجودگی میں فرض کی مالک ہیں اور اپنے بھائیوں کی موجودگی میں قرابت سے وراثت پاتی ہیں اسی طرح مادری پدری بہنیں صرف مادری بہنوں کی موجودگی میں فرض کی مستحق ہوتی ہیں اور اپنے بھائیوں کی موجودگی میں قرابت سے حصہ لیتی ہیں۔

(۴) چوتھا طریقہ فرض اور قرابت دونو۔ وہ صاحبانِ فروض ہیں جن کو فروض سے بچا ہوا بطور رَد کے تقسیم ہوتا ہے پس وہ فرض کے حقدار ہوتے ہیں کیونکہ ان کے حصے قرآن مجید نے معین فرما دیئے ہیں اور باقی بطور رد ان کو ملتا ہے آیت اُولُوالْاَرْحَام کی رُو سے کیونکہ آیتِ مجیدہ میں یہ نہیں کہ رشتہ میں قرب وبعد کا لحاظ فروض کے نہ ہونے کی صورت میں ہے بلکہ آیت مطلق ہے اور ہر قریبی پر صادق ہے اور جو افراد قرابت میں اَولیٰ ہوں گے وُہ اس آیت کی رُو سے حصہ دار بنیں گے خواہ اس سے پہلے وہ فرض سے لے چکے ہوں یا نہ لے چکے ہوں ۔بنابریں علمائے امامیہ کے نزدیک تعصیب باطل ہے یعنی یہ کہ فروض سے بچا ہُوا مال ان کے بعد والے موجودہ طبقہ میں حسب قرابت تقسیم ہو۔

مسئلہ عول کا بطلان

جس طرح ہمارے نزدیک تعصیب کا قول باطل ہے اسی طرح عول کا قول بھی باطل ہے یعنی جب معین شدہ فروضِ قرآنی اصل ترکہ کے واجب التقسیم عدد سے بڑھ جائیں جسطرح مسائل گذشتہ میں مسئلہ ۲۰، ۲۱، ۲۲ کی مثالوں میں ہے تو عول کے قائل یہ کہتے ہیں کہ عدد واجب التقسیم پر اسی قدر حصص بڑھا دیئے جائیں۔ جتنوں کی کمی پڑتی ہے پھر ہر صاحب کو اپنا معین حصہ دیا جائے اور اس اعتبار سے کمی تمام وارثوں پر اپنے اپنے حصص کے مطابق وارد ہوگی ۔مثلاً مسئلہ ۲۱ میں شوہر ماں باپ اور لڑکی موجود ہے تو شوہر ۱/۴ کا ماں ۱/۶ کی باپ ۱/۶ کا لڑکی ۱/۲ کی وارث تھی۔ ۱/۴، ۱/۶، ۱/۶، ۱/۲ کیلئے واجب التقسیم عدد ہے ۱۲ لیکن وارثوں کے حصے شوہر کو ۳ ماں کو ۲ باپ کو ۲ اور لڑکی ۶ اگر دیئے جائیں تو ناممکن ہے کیونکہ یہ بنتے ہیں ۱۳، اور عدد واجب التقسیم میں ایک کی کمی ہے ۔لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اسی کمی کو عدد واجب التقسیم پر بڑھا کر عدد واجب التقسیم ۱۳ قرار دیا جائے اور ۱/۴، ۱/۶ اور ۱/۲ کی نسبت کا حساب ۱۳ سے کیا جائے اور اسی لحاظ سے اس جائداد کے ۱۳ حصوں میں سے اپنا اپنا حصہ ہر ایک کو دیا جائے ۔اس صورت میں ہر وارث پر اپنی حیثیت سے کمی وارد ہوگی اور اسی طرح مسئلہ ۲۰، ۲۱، ۲۲ میں بھی عدد واجب التقسیم پر کم ہونے والے عدد کو جمع کر کے ہر وارث کو اپنا فرضی حصہ عدد واجب التقسیم کی نسبت سے دیا جائے گا۔ لیکن اس صُورت میں خدائے دانا و بینا کے علم پر اعتراض وارد ہوگا کہ اس نے اپنی کتاب میں ایسے حصے کیوں مقرر فرما دیئے جبکہ حساب کے لحاظ سے عدد واجب التقسیم میں گنجائش ہی نہیں تھی۔

اسی بناء پر علماء امامیہ کے نزدیک عول کا قول باطل ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے اس کا حل یہ فرمایا ہے کہ اس

قسم کے فروض کے جمع ہونے کی صورت میں فروض کا جائزہ لیا جائے۔ پس جن فرضوں کا خداوندِ حکیم نے دوسرا بدل مقرر فرمایا ہے وہ اپنے بدل سے پیچھے نہ ہٹیں گے اور جن فرضوں کا بدل مقرر نہیں فرمایا وہ ہٹائے جائیں گے۔

مثلاً شوہر کے لئے $\frac{1}{2}$ حصّہ مقرر ہے لیکن اگر میت کی اولاد موجود ہو تو اس کا فرض پیچھے ہٹا کر $\frac{1}{4}$ کر دیا جاتا ہے جو پہلے فرض کا بدل ہے اب اس کے کم از کم حصّے کی حد مقرر ہو گئی جس سے اسے پیچھے نہیں ہٹایا جا سکتا اسی طرح عورت کا $\frac{1}{4}$ ہے لیکن اولاد کی موجودگی اسے پیچھے ہٹا کر $\frac{1}{8}$ تک کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ اس کا کم از کم حصّہ ہے کہ اس کو اس سے پیچھے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ وعلیٰ ہذالقیاس ماں کے $\frac{1}{3}$ کا بدل $\frac{1}{6}$ اولاد کی موجودگی میں ہے اور باپ کے لئے اولاد کی موجودگی میں $\frac{1}{6}$ حصّہ مقرر ہے جسے اور کم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح مادری بھائی بہنوں میں سے ایک کے لئے $\frac{1}{6}$ اور زیادہ کے لئے $\frac{1}{3}$ کی حدود مقرر ہیں۔ جن سے کم نہیں کیا جا سکتا۔

بخلاف اس کے ایک لڑکی یا چند لڑکیاں ان کے لئے انفرادی صورت میں $\frac{1}{2}$ یا $\frac{2}{3}$ کی زیادہ سے زیادہ فرضی حدیں بتائی گئی ہیں لیکن طبقہ میں ورثاء کی کثرت کے بعد یقیناً ان کو کل جائداد سے یہ حصّہ نہیں مل سکتا اور انہیں اس حق سے پیچھے ہٹنا پڑتا ہے اور خداوند کریم نے اپنی مقدس کتاب میں ان کے کم از کم حصّہ کی حد مقرر نہیں فرمائی اس طرح پدری مادری یا صرف پدری بہنیں ان کا بھی $\frac{1}{2}$ یا $\frac{2}{3}$ زیادہ سے زیادہ حصّہ انفرادی صورت میں مقرر کیا گیا ہے لیکن ورثاء کی کثرت کے بعد کم از کم حصّہ قرآن مجید نے بیان نہیں فرمایا۔

پس معلوم ہوا کہ جب فروض زیادہ ہو جائیں اور عدد واجب التقسیم میں سے پورے نہ ہو سکیں تو کمی انہیں پر وارد ہو گی۔ جن کے لئے کم از کم مقدار مقرر نہیں کی گئی

چنانچہ منقول ہے ابن عباس فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص چاہے میں اس کے ساتھ حجر اسود کے پاس جا کر مباہلہ کرنے کیلئے تیار ہوں اور میرا دعویٰ ہے کہ خدا نے اپنی کتاب میں $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{3}$ کو کہیں جمع نہیں فرمایا اور نیز کہتے تھے کہ سبحان اللہ وہ اللہ جو ریگ صحراء کے ذرات کو جانتا ہے کیا وہ ایک عدد میں $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{3}$ کے جمع ہو جانے کو کہتا ہے۔ $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{2}$ سے تو مال پورا ہو گیا پھر $\frac{1}{3}$ کہاں جائے گا؟ اس پر زفر نے سوال کیا کہ فرائض میں سب سے پہلے عول کا قائل کون ہوا؟ تو ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ حضرت عمر تھے کہ جب فرائض جمع ہو گئے تو کہنے لگے خدا کی قسم میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم میں سے خدا نے کس کو مقدم اور کس کو موخر کیا ہے پس اس کا علاج میرے نزدیک یہ ہے کہ حصص کے لحاظ سے مال کو سب پر تقسیم کر دوں۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے فرمایا خدا کی قسم اگر اللہ کے مقدم کئے ہوئے کو تم لوگ مقدم کرتے اور اس کے موخر کئے ہوئے کو تم لوگ موخر کرتے تو عول کی نوبت نہ آتی۔ زفر نے پوچھا کہ کون مقدم اور کون موخر ہیں تو ابن عباس نے جواب دیا۔ ہر وہ فریضہ جس کو خدا نے کم کر کے ایک دوسری حد تک پہنچا دیا ہے وہ ہے مقدم اور ہر وہ فریضہ جس کے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کے بعد دوسری حد معین نہیں بلکہ وہ باقی رہی ہوئی چیز کا حقدار ہے تو وہ ہے موخر۔ مثلاً شوہر کا فریضہ مقدم ہے کیونکہ معارض کے وقت اپنی جگہ سے ہٹ کر اپنا دوسرا معین مقام لے لیتا ہے اور اسی طرح زوجہ اور ماں کا فریضہ لیکن بیٹیوں اور بہنوں کے لئے $\frac{1}{2}$ اور $\frac{2}{3}$ کے فریضے ہیں اور جب

دوسرے فروض ان کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں تو ان کی کمی کا آخری مقام معین نہیں بلکہ جو کچھ بچے گا لیں گی اور یہ ہیں مؤخر۔

پس جس مقام پر فروض اکٹھے ہو جائیں اور ان میں سے بعض مقدم ہوں اور بعض مؤخر ہوں تو پہلے مقدم فریضے نکال لئے جائیں گے اور مال میں سے جو کچھ بچے گا وہ مؤخر فریضے والوں کا ہوگا۔ (شرح لمعہ ج ۲) و تفسیر میزان نقلاً عن الکافی) نیز صاحب میزان نے دُرّ منثور سے بروایت حاکم و بیہقی وغیرہ اس مضمون کی روایات نقل کی ہیں۔

افسوس کہ لوگوں نے قرآن کی تفسیر و تاویل کے لئے اہلبیت عصمت کا دروازہ چھوڑ دیا ورنہ اگر بفرمانِ رسولؐ امت کا تمسک ثقلین سے ہوتا تو قرآن میں ان غلط تاویلات اور الٹے معانی کا سدّباب ہو جاتا اور امتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پاتا۔

روایتِ مذکورہ میں ½ اور ⅙ اور ⅔ حصص کے جمع ہونے کی صورت سے مراد ہے مثلاً میت کی پدری مادری یا فقط پدری ایک بہن اور ایک شوہر اور دو یا دو سے زیادہ مادری بھائی بہنیں ہوں تو پدری بہن کو ½ اور شوہر کو ½ اور مادری بھائی بہنوں کو ⅓ ملنا چاہیئے لیکن واجب التقسیم عدد میں ان حصص کی گنجائش نہیں ہو سکتی کیونکہ ½ اور ½ سے مال پورا ہو جائے گا۔ اور اگر صورتِ مذکورہ میں پدری بہنیں ایک سے زیادہ ہوں تو ان کا فرض ⅔ ہے۔ مادری بہنوں کے حصہ ⅓ سے ملا کر مال پورا ہو جائے گا۔ پھر شوہر کے ½ کی گنجائش نہ ہوگی۔ نیز اگر مادری بہن صرف ایک ہی ہو تو ⅙ حصہ ہوتا ہے اور وہ بھی زائد از مال بنتا ہے اور اگر شوہر کی بجائے زوجہ فرض کی جائے تو پدری بہنوں کے ایک سے زیادہ ہونے اور نیز مادریوں کے زیادہ ہونے کی صورت میں اس کے حصہ کی گنجائش بھی نہ رہے گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ پس ان سب صورتوں میں حل کی صورت یہی ہے کہ جن کا قرآن میں کم از کم حق مقرر شدہ ہے وہ مقدم ہیں اور ان کو اپنا حق پورا دیا جائے گا اور جن کے کم حصہ کی کوئی حد مقرر نہیں نقص ان پر داخل کیا جائے گا لہذا ان صورتوں میں نقص صرف پدری بہنوں پر وارد ہوگا اور مادریوں کو اور شوہر یا زوجہ کو اپنا حصہ پورا دیا جائیگا

طبقہ ثانیہ کی وراثت

اس مقام پر قرآن مجید نے طبقہ ثانیہ میں سے صرف مادری کلالہ کا ذکر فرمایا ہے اور اسی سورہ کے آخر میں پدری کلالہ کو ذکر کیا ہے اور اسی طبقہ ثانیہ میں دادا دادی اور نانا نانی اور ان سے اوپر کا جدی سلسلہ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ کے قاعدہ کی رو سے داخل ہے۔ پس مناسب ہے کہ مختصر طور پر ان کی وراثت کا ذکر کیا جائے تاکہ آخر سورہ میں پھر اس تفصیل کا اعادہ نہ ہو۔

مسئلہ ۱: اگر وارث دادا یا دادی یا نانا یا نانی ہو تو سب مال اسی کو ملے گا اور اگر اکٹھے ہو جائیں تو باپ کے نسبت داروں کو ⅔ اور ماں کے نسبت داروں کو ⅓ ملے گا۔ پس باپ کے نسبت دار اگر دونوں یعنی دادا اور دادی موجود ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے لیں گے اور ماں کے نسبت دار آپس میں برابر تقسیم کریں گے اور اگر دادا یا دادی میں سے ایک ہو اور نانا یا نانی میں سے بھی ایک ہو تو دادا یا دادی کو ⅔ اور نانا یا نانی کو ⅓ دیا جائے گا۔

مسئلہ ۲: اگر بھائی یا بہن تنہا ہو تو سب مال اسی کو ملے گا خواہ پدری مادری ہو یا مادری اور اگر تینوں قسمیں جمع ہو جائیں تو صرف پدری محروم ہوں گے اور مادری ایک بھائی یا بہن کو ⅙ اور باقی سب مال پدری مادری بھائی یا بہن کو ملے گا۔ صرف

ایک بہن ½ حصہ فرض کے ساتھ اور باقی رد کے ساتھ لے گی جس طرح لڑکی کے لئے مذکور ہو چکا ہے اسی طرح صرف مادری بھائی یا بہن تنہا وارث ہونے کی صورت میں فرضی حصہ کے علاوہ باقی بطور رد لیں گے۔

مسئلہ ۳: اگر تینوں قسموں کے بھائی بہنیں متعدد ہوں تو صرف پدری محروم ہوں گے اور مادریوں کو ⅓ دیا جائے گا جو ان پر زن و مرد میں برابر تقسیم ہو گا اور مادری پدری بھائی بہنوں کو باقی دیا جائے گا جس کو وہ آپس میں عورت، مرد ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۴: اگر ایک بہن پدری و مادری اور ایک بہن صرف مادری موجود ہوں تو پدری کو ½ اور مادری کو ⅙ اور باقی بحق قرابت صرف پدری بہن پر رد ہو گا کیونکہ قرابت میں مادری و پدری اولیٰ ہے اور رد میں صرف قرابت کی اولویت کا لحاظ ہوتا ہے اسی طرح اگر مادری کلالہ متعدد ہو تو وہ ⅓ کو آپس میں تقسیم کریں گے لیکن رد ان پر نہ ہو گا۔ بلکہ باقی بچا ہوا صرف پدری بہن پر رد ہو گا وعلیٰ ہذالقیاس۔

مسئلہ ۵: اگر پدری و مادری بہن کی بجائے صرف پدری بہن اور اس کے ساتھ صرف مادری بھائی یا بہن ہوں تو کیا فرض سے بچا ہوا بحق قرابت فریقین پر تقسیم ہو گا یا صرف پدری پر تقسیم ہو گا۔ اس میں اختلاف ہے لیکن قوت اس قول میں ہے کہ صرف پدری کو رد ملے کیونکہ فرض کی زیادتی کے وقت نقص بھی صرف پدری رشتہ پر وارد ہوا کرتا ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقولہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

مسئلہ ۶: اگر دادا، دادی، نانا نانی اور تینوں قسم کے بھائی بہنیں موجود ہوں تو صرف پدری بھائی بہنیں محروم ہوں گے اور اس کے بعد ترکہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ مادری قرابت کو ⅓ دیا جائے گا جس کو نانا نانی اور مادری بھائی بہنیں آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ اور پدری قرابت کو ⅔ حصہ ملے گا کہ دادا دادی اور بھائی بہنیں مذکر و مؤنث ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے گویا نانا نانی مادری بھائی بہنوں کے برابر اور دادا دادی پدری بھائی بہنوں کے برابر شمار ہیں۔

مسئلہ: دادا دادی اور نانا نانی موجود نہ ہوں تو پردادوں اور پرناناؤں کو اسی دستور سے حصہ دیا جائے گا۔ لیکن قریبی کی موجودگی دور والے کے لئے مانع ہو گی یعنی دادا کی یا دادی کی موجودگی میں پرنانا اور پرنانی محروم ہو گی اور نانا یا نانی کی موجودگی میں پردادا اور پردادی محروم ہوں گے لیکن اگر دادے یا نانے قریب کے نہ ہوں بلکہ دور کے ہوں مثلاً پردادے یا پرنانے تو میت کے بھائیوں کے ساتھ وہ شریک ہوں گے اور میت کے بھائی ان کے لئے مانع نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ: اگر بھائی موجود نہ ہوں تو ان کی اولاد ان کی قائمقام ہو گی اور اولاد میں سے ہر کو وہی حصہ ملے گا جو اس کے ماں باپ کی موجودگی میں ان کو ملنا چاہیئے تھا اور ان کی تقسیم باہمی بھی اسی رشتہ کے لحاظ سے ہو گی یعنی اگر پدری بھائی بہنوں کی اولاد ہیں تو حاصل شدہ حصہ ایک اور دو کی نسبت سے زن و مرد میں تقسیم ہو گا اور اگر مادریوں کی اولاد ہیں تو برابر تقسیم ہو گی۔

مسئلہ ۹:- قریب کی موجودگی میں بعید محروم ہوگا یعنی بھائی یا بہن کی موجودگی میں کسی بھائی کی اولاد حصہ دار نہ ہو سکے گی خواہ موجودہ بھائی مادری ہو اور اولاد پدری کی ہو۔ ہاں دادا دادی اور نانا نانی کا قرب بھائیوں کی اولاد کے لئے مانع نہیں ہو سکتا۔ اس قاعدہ سے صرف ایک مسئلہ مستثنیٰ ہے جو ص۱۲۷ کے شروع میں درج کیا جا چکا ہے۔

مسئلہ ۱۰:- اگر اس طبقہ میں زوج یا زوجہ بھی شامل ہو جائیں تو ان کو اصل جائداد سے اپنا اعلیٰ حصہ دیا جائے گا اور ابد میں دوسرے وارثوں پر تقسیم ہوگی۔ یعنی $\frac{1}{2}$ شوہر اور $\frac{1}{4}$ زوجہ کو ملے گا کیونکہ اولاد کی موجودگی میں ان کا فرضی حصہ یہی ہے۔

مسئلہ ۱۱:- فروض کی زیادتی کی صورت میں نقص پدری قرابت پہ وارد ہوگا جس طرح ایک پدری بہن ایک مادری بہن اور ایک شوہر کی صورت میں مادری بہن اور شوہر اپنا اپنا حصہ پورا لیں گے اور کمی پدری بہن پر پڑے گی۔ اسی طرح ایک دادی ہو اور ایک نانی ہو اور شوہر بھی ہو تو ایک نانی کو $\frac{1}{3}$ اور شوہر کو $\frac{1}{2}$ دیا جائے گا جو باقی بچے گا وہ دادی کا ہوگا کلیات بیان کر دیئے گئے ہیں اسی کے ماتحت جزئیات کو دریافت کیا جا سکتا ہے۔

طبقہ ثالثہ کی وراثت

اس سے وہ وارث مراد ہیں جو آیت اُولُوا الْاَرْحَامِ کے حکم سے استحقاقِ وراثت رکھتے ہیں اگرچہ اس مقام پر ان کا بیان بے ربط ہے لیکن تتمہ کے طور پر ان کا ذکر خالی از فائدہ نہیں

مسئلہ ۱:- جب میت کے بھائی بہنیں وغیرہ موجود نہ ہوں تو اس کے باپ کے بھائی بہنیں اور اس کی ماں کے بھائی بہنیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد وارث قرار دی جائے گی اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر دادا دادی اور نانا نانی کے بھائی بہنیں یا ان کی اولاد وارث ہوگی اور بالترتیب یہ سلسلہ آگے جائے گا لیکن قریب کی موجودگی میں بعید ہر سلسلہ میں محروم قرار دیا جائیگا

مسئلہ ۲:- چچے پھوپھیاں میت کے باپ کے بھائی بہنیں ہیں اور ماموں اور ان کی بہنیں میت کی ماں کے بھائی بہنیں ہیں۔ لہذا انفرادی طور پر ان میں سے جو بھی ہو خواہ چچا ہو پھوپھی ہو ماموں ہو یا خالہ ہو میت کی تمام جائداد کی حسب سابق وارث ہوگی خواہ باپ کا پدری بھائی یا بہن ہو یا مادری اور اسی طرح ماں کا پدری بھائی یا بہن ہو یا مادری۔

مسئلہ ۳:- اگر صرف میت کے چچے پھوپھیاں تینوں قسم کے جمع ہو جائیں یعنی میت کے باپ کے پدری مادری بھائی بہنیں اور صرف پدری اور صرف مادری تو صرف پدری محروم اور پدری مادریوں کو $\frac{2}{3}$ زن و مرد کو ایک اور دو کی نسبت سے اور صرف مادریوں کو $\frac{1}{3}$ زن و مرد برابر تقسیم کریں گے اور اسی طرح اگر صرف میت کی ماں کی تینوں قسم کی برادری موجود ہو تو پدری ساقط اور پدری مادریوں کو $\frac{2}{3}$ اور مادریوں کو $\frac{1}{3}$ دیا جائے گا۔ لیکن یہ سب کے سب خواہ پدری ہوں خواہ مادری ہوں زن و مرد کی تقسیم میں برابر حصہ لیں گے۔ مادری قرابت میں ایک اور دو کی تقسیم نہیں ہوا کرتی۔

مسئلہ ۴:- اگر میت کے تینوں قسموں کے چچے پھوپھیاں ماموں اور ان کی بہنیں جمع ہو جائیں تو دونو قرابتوں میں سے صرف پدریوں کو محروم کیا جائے گا۔ اس کے بعد جائداد تین حصّوں میں تقسیم ہوگی $\frac{2}{3}$ چچے اور پھوپھیاں لیں گی اور $\frac{1}{3}$ ماموں اور ان کی بہنیں لیں گی۔ پھر چچوں اور پھوپھیوں میں سے جو صرف مادری ہیں اس حاصل شدہ میں سے $\frac{1}{6}$ لیں گے اور برابر آپس

میں تقسیم کرلیا گیے اور باقی ۲/۳ پدریوں کے لئے ہوگا جو ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور اصل جائداد سے جو ماموں کو ۱/۳ ملتا تھا اس میں سے صرف مادری قرابت کو ۱/۳ ملے گا جو آپس میں برابر تقسیم کریں گے اور اس میں سے ۲/۳ پدری قرابت کو دیا جائے گا جس کو وہ بھی برابر تقسیم کریں گے مثلاً ترکہ کے ۳۶ حصے کئے جائیں گے، ۲۴ پدری قرابت اور ۱۲ مادری قرابت کو دیئے جائیں گے۔ ۲۴ میں سے ۱۶ میت کے باپ کے پدری بھائیوں کو اور ۸ مادری بھائیوں کو اور ۱۲ میں سے ۸ میت کی ماں کے پدری بھائیوں اور ۴ مادریوں کو دیئے جائیں گے۔

مسئلہ ۵:۔ پدری و مادری قرابت کی عدم موجودگی میں صرف پدری قرابت ان کے قائم مقام ہوگی۔

مسئلہ ۶:۔ اگر زوج یا زوجہ اس طبقہ میں آجائیں تو ان کو اپنا اعلیٰ حصہ شوہر کو ½ یا زوجہ کو ¼ دیا جائے گا۔

مسئلہ ۷:۔ اس طبقہ میں بھی اگر فرض زیادہ ہو جائیں تو کمی پدری قرابت پر وارد ہوگی۔ مثلاً چچے ماموں اور زوج یا زوجہ موجود ہو تو ماموں اور زوج یا زوجہ کو اپنا فرض دیا جائے گا اور باقی جو بچے گا وہ چچوں کے لئے ہوگا اور وہ آپس میں بدستور سابق تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۸:۔ طبقہ ثالثہ کی وراثت کے کلیات بیان ہو چکے ہیں اور ہر جزئی مسئلہ کو ان سے معلوم کیا جاسکتا ہے اگر ہر ہر جزئی کو بمعہ مثال درج کیا جائے تو ایک بڑی کتاب بن جائے گی جس کا ہمارے موضوع سے ربط نہیں ہے۔

مسئلہ ۹:۔ وراثت کی مانع تین چیزیں ہیں ایک کفر، دوسرا قتل اور تیسرے غلامی۔ پس کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا اور اسی طرح قاتل جس نے عمداً ظلماً قتل کیا ہو وہ اپنے مقتول کا وارث نہیں ہوسکتا خواہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو اور نیز غلام آزاد کا وارث نہیں ہوسکتا۔

تنبیہ قانونِ وراثت میں بعضوں کو زیادہ اور بعضوں کو کم دینا۔ اس میں ہماری قیاس آرائیاں بے سود ہیں پس خداوند کریم نے جو حصص مقرر فرمائے اور جناب رسالتمآبؐ اور ان کے اوصیائے طاہرین علیہم السلام نے ان کی جو جو تفاصیل بیان فرمائی ہیں۔ ہمیں ان کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ یہاں ہمارے جذباتی خیالات کو کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا یعنی تمہارے باپ اور بیٹوں کے رشتوں میں تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے لئے دنیا میں یا عقبیٰ میں کون نفع رساں ہے (تاکہ حقوق وراثت میں ان کے حصص کی کمی بیشی کے متعلق سوچو) یہ اللہ کی طرف سے فریضہ اور اللہ ہی علیم و حکیم ہے یعنی ان حصص کے مصالح کو اللہ ہی جانتا ہے اور اس نے اپنے علم و حکمت کے پیش نظر ان کے حصص میں فرق اور کمی و زیادتی مقرر فرمائی ہے پس صاحبِ ایمان کو صرف تسلیم کرنا چاہیئے اور اس کی حکمت و مصلحت کو علم خدا پر چھوڑ دینا چاہیئے اور یہی طریق نجات ہے

وراثت از روئے عقل اس میں شک نہیں کہ انسان کی اجتماعی تمدنی زندگی کی تنظیم میں قانونِ وراثت ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ ہم جب تاریخ عالم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وراثت انسانی زندگی میں ایک

قدیم ترین سنت ہے جو ہمیشہ سے چلی آرہی ہے اور اگر فطرت و جبلت انسانیہ کا جائزہ لیا جائے تو نظر غائر اس نظریہ تک پہنچتی ہے کہ تمدن انسانی اور ناموس بشری کی حفاظت قانون وراثت کے بغیر ممکن ہی نہیں کیونکہ مال اور جملہ ضروریات زندگی فطری طور پر انسان کے لئے جاذب طبع چیزیں ہیں اور جس چیز کو انسان غیر مملوک اور آوارگی کے عالم میں دیکھے اس پر اپنے اولین لمحات فرصت میں اپنی ملکیت کی مہر لگانا چاہتا ہے بلکہ جلب منفعت کا جذبہ تو اس حد تک کارفرما ہے کہ ہر محبوب شئے کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی صورت میں اس پر کسی غیر کے قبضہ کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور مملوکات کے ایک سے دوسرے کی طرف انتقال کے بغیر بھی تمدن انسانی برقرار نہیں رہ سکتا پس دوران زندگی میں ملکیتوں کی تبدیلی کے ذرائع موجود ہیں لیکن کسی فرد انسانی کی موت کے بعد جب اس کی مملوکہ اشیاء سے اس کا حق ملکیت سلب ہو جاتا ہے تو اس صورت میں اگر اس کے متبادل مالک بالکل قرار نہ دیئے جائیں تو انسانوں میں جنگ و جدال کا ایک طوفان برپا ہو کر انسانیت کی ناؤ کو ڈبو کر رکھ دے گا اور میزان عقل سے جب متبادل وارثوں کے انتخاب پر رائے زنی کی جائے تو جو لوگ متوفی کی زندگی میں اس کے اموال سے منتفع ہونے کے حقدار تھے یا جن لوگوں سے اس کا خونی یا سببی رشتہ قائم تھا وہ سب سے زیادہ اس کے اموال کے حقدار نظر آئیں گے اور انسان جب کسی کی زندگی میں اس کی ملکیت پر قبضہ جمانے کا خواہاں ہوتا ہے وہ اس کی موت کے بعد کیونکر اس خواہش سے دست بردار ہوگا لہذا ضروری ہے کہ جو لوگ ایک شخص کی زندگی میں اس کے مال سے منتفع ہونے کا حق رکھتے تھے۔ انہیں اس کے مرنے کے بعد سب انسانوں سے زیادہ حق دار سمجھا جائے تاکہ انسانیت باہمی فسادات کا شکار نہ ہونے پائے۔ اور فطری طور پر قرابت میں بھی قرب و بعد کا فرق اور یگانے و بیگانے میں امتیاز ضروری ہے لہذا وراثت انہیں کا حق ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ قریب ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ قانون وراثت انسان کی زندگی کا جزو اعظم ہے اور اسے عالم کے انسانوں نے دامن قبولیت میں جگہ دی ہوئی ہے۔ اور جو لوگ اشتراکیت کا علم اٹھا کر حقوق ملکیت کے خلاف نعرہ لگاتے پھرتے ہیں وہ درحقیقت فطرت کے اصولوں سے بغاوت کا اعلان کرتے ہیں۔ بہرکیف ہر قوم و ملت میں قانون وراثت جاری رہا ہے البتہ جزئیات مسائل میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہیں اور انسانی وضع شدہ قوانین ظلم و استبداد سے تو بری ہو نہیں سکتے لہذا اس مسئلہ میں کمزور طبقہ عورتیں یتیم اور بے طاقت لوگ ہمیشہ ظلم کے شکنجہ میں کچلے جاتے رہے۔ روم کی قدیمی تاریخ اور اسی طرح یونان و ہند کے حالات قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عورت کے لئے حق وراثت کے قائل نہیں تھے خواہ زوجہ ہو یا ماں یا بیٹی تاکہ ان کی جائداد وراثت کے ذریعے سے دوسرے قبائل میں کہیں نہ چلی جائے۔ ایران کی رسوم جداگانہ تھیں ان کے نزدیک محارم سے نکاح کرنا بھی جائز تھا زوجات میں سے جو شوہر کی زیادہ محبوب ہوتی تھی اس کو بیٹے کی طرح وراثت کا حقدار سمجھا جاتا تھا اور باقیوں کو محروم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح شادی شدہ لڑکی محروم اور کنواری لڑکیوں کو لڑکوں سے نصف دیا جاتا تھا۔ عرب جاہلی میں مطلقاً عورت کو محروم ازارث کرنے کا رواج تھا (میزان)

اسلام کا احسان عظیم ہے انسانیت پر اور خصوصاً صنف نازک پر کہ اس نے ان کو مردوں کی طرح وراثت کا حقدار

بنایا اور اس کے وقار کی سطح کو بلند کیا اور یہ ثابت کیا کہ جس طرح انسانی تمدن میں مرد حصہ دار ہے اس میں عورت بھی اس کے دوش بدوش ہے
ہاں مرد کو اگر عورت سے دگنا حصہ دیا ہے یعنی مرد کے لئے ۲ اور عورت کیلئے ایک تو پھر عورت کے اخراجات بھی اس
نے مرد کے سر پر رکھ دیئے ہیں۔ گویا مرد کا حق ملکیت دو حصوں پر ہے لیکن ان کو کھانے اور تصرف میں لانے کے لئے اس کی عورت
اس کی آدھ کی بھائیوال ہے اور عورت اپنے ملکیتی حصہ میں بھی تصرف کی بھی خود واحد مالک ہے پس ملکیت اور تصرف کے دونوں پہلوؤں
پر نظر کی جائے تو مرد کی ملکیت عورت سے دگنی ہے لیکن عورت کا تصرف مرد کے تصرف سے دگنا ہے ایک مرد کے حصے کے
نصف میں اور دوسرا اپنے ملکیتی حصے میں۔ پس عورت و مرد میں اس طرح یکسانیت ہو گئی۔

گویا خانگی زندگی کو کنٹرول میں لانے اور برقرار رکھنے کے لئے چونکہ خدا نے مردوں کو عورتوں کا حاکم قرار دیا اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ الخ
تو اس کا حق ملکیت بھی دو گنا قرار دیا لیکن چونکہ یہ دونوں کتاب انسانیت کے دو اہم باب ہیں تو عورت کو تصرف میں دگنا حصہ دے
دیا اور یہ عدل خداوندی ہے جو اس کے حکیمانہ تدبر کا نتیجہ ہے اسی طرح عورت کو اطاعت شوہر کا حکم دے دیا تاکہ نظام زندگی درہم برہم
نہ ہو تو اس کے بدلہ میں اس کو ازدواجی زندگی میں حق مہر کا مالک بنا دیا۔

بہر کیف یہ قانون وراثت تمام انسانوں پر حاوی ہے اور اس سے کسی کو مستثنا نہیں قرار دیا گیا خواہ رئیس ہوں یا رعایا اور
خواہ امتی ہوں یا نبی۔ ہاں اسلام میں سابق تاریخ جاہلی کو دہراتے ہوئے پہلے پہلے جناب رسالتمآبؐ کی دختر نیک اختر کو اپنے باپ
کی وراثت سے محرومی کا منصوبہ تیار کیا گیا جس کی بنا پر آج تک مسلمانوں کے دلوں پر لڑکیوں کی وراثت کا مسئلہ ایک سنگ گراں
کی حیثیت رکھتا ہے۔

خاتونِ جنت کے مقدمہ وراثت کے متعلق فخر الدین رازی کا فیصلہ

تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر فرماتے ہیں

آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ الخ کی تفسیر میں کہ یہ آیت عام نہیں رہی بلکہ مخصص ہے اس حکم سے کہ انبیار علیہم السلام کی وراثت نہیں ہوا
کرتی اور شیعہ اس تخصیص کے خلاف ہیں۔ مروی ہے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام نے جب وراثت کا دعویٰ دائر کیا تھا تو جواب میں
انہوں نے مقابلہ کی یہ حدیث پڑھی تھی نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ یعنی ہم گروہ انبیار کا وارث کوئی
نہیں ہوتا بلکہ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے تو بی بی نے ان کی رد اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں یہ آیت مجیدہ تلاوت فرمائی لِلذَّکَرِ
مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔ اور اس آیت کے عموم کو انہوں نے اپنے دعویٰ کی دلیل قرار دیا تھا اور گویا بی بی یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی
کہ عموم قرآن کو خبر واحد سے تخصیص نہیں دی جا سکتی اور شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ بالفرض اگر عموم قرآن کو خبر واحد سے تخصیص دینا جائز
ہو بھی تاہم اس جگہ نہیں ہو سکتی جس کی کئی وجوہات ہیں۔

(۱) خداوند کریم نے زکریا علیہ السلام کے قول کو نقل فرمایا ہے۔ یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔ یعنی اپنے لئے فرزند
کی دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہوگا۔ نیز فرماتا ہے۔ وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ اور سلیمانؑ داؤدؑ کا

وارث ہوا۔ اور ان آیتوں میں علم اور دین کی وراثت یقیناً مراد نہیں کیونکہ علم اور دین وراثت میں کسی کو منتقل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کسبی چیز ہے اور وراثت میں منتقل ہونے والی چیز مال ہی ہے پس معلوم ہوا کہ وہ پیش کردہ حدیث غلط ہے کیونکہ خلاف قرآن ہے۔

(۲) وراثت نبوی کا تعلق حضرت عباس جو آپ کے چچا تھے اور حضرت علی جو چچازاد اور داماد تھے اور حضرت فاطمہؑ جو دختر تھی ان سے تھا اور یہ لوگ عالم بھی تھے اور زاہد بھی تو اگر آپ نے یہ فرمانا تھا تو ان لوگوں کو فرماتے جن کو اس چیز سے واسطہ تھا۔ ایک ایسے شخص کو فرمانا جو درمیان میں کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو ایک بے معنی سی بات ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ کی وراثت سے ناقل حدیث کو کوئی تعلق و واسطہ نہ تھا پس معلوم ہوا کہ حدیث اعتبار سے ساقط ہے۔

(۳) اگر بالفرض حدیث کو درست تسلیم کیا بھی جائے تو ممکن ہے مَا تَرَكْنَا لَا نُوَرِّثُ کا مفعول ہو یعنی ہم گروہ انبیاء جس چیز کو بطور صدقہ چھوڑ جائیں اس کا کوئی وارث نہیں ہو سکتا۔ لہذا سارے مال کی وراثت کی نفی نہ ہوگی۔

اس تمام مطلب کو ذکر کرنے کے بعد جواب میں صرف ایک جملہ پیش فرماتے ہیں کہ اس مناظرہ کے بعد جناب فاطمہ ابوبکر پر راضی ہوگئی تھیں اور اجماع قائم ہو چکا ہے کہ جو کچھ ابوبکر نے کیا تھا وہ درست تھا۔ لہذا یہ اعتراضات ساقط ہیں۔

انصاف کا خون دیکھئے۔ روایت تسلیم ہے اور بی بی پاک کا احتجاج بھی تسلیم ہے نیز بی بی پاک کے استدلال پر بھی نکتہ چینی نہیں اس کے بعد نحن معاشر الانبیاء والی فرضی حدیث پر شیعوں کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات بھی تسلیم ہیں لیکن کس قدر جرأت و جسارت سے کہہ دیا کہ بی بی راضی ہوگئی میں پوچھتا ہوں کہ بی بی اس کے غلط فیصلہ پر کیسے راضی ہوگئی جبکہ اس کی فرضی حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے آپ آیت قرآنی پیش فرما چکی تھیں جس کے جواب سے وہ عاجز تھے۔ تو اس کے بعد رضا کا محل کونسا باقی رہتا ہے جبکہ آپ کا لقب صدیقہ مسلم بین الفریقین ہے۔ کیا حضرت ابوبکر نے بی بی کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر کے معافی طلب کی تھی اور حقوق الناس میں معافی مانگنے کی صورت یہ ہے کہ گزشتہ اپنے فعل سے معذرت اور اپنے پاس باقی ماندہ حقوق مالیہ کی واپس ادائیگی۔ کیا بی بی کو حق وراثت دے کر سابق غلطی سے معذرت طلب کی گئی تھی اور اگر ایسا نہیں ہوا تو بی بی کی رضامندی کیسے؟ یعنی رضامندی کی دو صورتیں ہیں یا اس کے فیصلہ پر رضامندی اور یا اس کے جرم کی معافی فیصلہ پر رضامندی ناممکن ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ بی بی نے قرآن مجید کے فیصلہ کے خلاف رضامندی کا اظہار کیا جو ان کی عصمت کے منافی ہے اور انکے جرم کی معافی کی صورت اس لئے نہیں کہ انہوں نے نہ اس جرم کا اقرار کیا اور نہ مال مطلوبہ واپس دے کر معذرت پیش کی۔ جس طرح بی بی پاک کے استدلال کا مدعیٰ علیہم کے پاس جواب نہ تھا اسی طرح بی بی پاک کے مقدمہ کے وکلاء علمائے شیعہ رضوان اللہ علیہم کے استدلالات کا جواب مدعیٰ علیہ کے وکیل نام نہاد علامہ رازی کے پاس بھی نہیں تھا لیکن بی بی پاک کے دعووں کی اہمیت کو کم کرنے اور مدعی علیہ کی لاج رکھنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ کہہ دیا بس وہ راضی ہوگئیں۔

اب ذرا خاتونِ جنت کی رضامندی ملاحظہ فرمائیے۔ صحیح بخاری کتاب الخمس اور باب غزوۂ خیبر میں ہے۔

جب بی بی نے اپنا حق طلب کیا اور اس کے مقابلہ میں وہ مفروضہ حدیث پڑھی گئی اور بی بی کو خالی پلٹایا گیا تو بی بی غضبناک واپس پلٹی اور پھر مرتے دم تک حضرت ابوبکر سے بائیکاٹ کئے رہیں اور باپ کے بعد کل چھ ماہ زندہ رہیں باب غزوۂ خیبر میں یہ لفظ زیادہ ہیں کہ جب بی بی کا انتقال ہوا تو حضرت علیؑ نے ان کو رات کے وقت دفن کیا۔ اور ابوبکر کو جنازہ و دفن میں شرکت کی اطلاع تک نہ دی؟ تفصیلی بحث تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ میں ص۱۵۱ یا ص۱۵۴ پر ملاحظہ فرمایئے۔ (پہلا ایڈیشن)

نیز ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامتہ والسیاستہ میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر وحضرت عمر دونوں مل کر بی بی پاک کے پاس برائے معذرت پہنچے تو بی بی نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور جب انہوں نے سلام کہا تو بی بی نے ان کو سلام کا جواب تک نہ دیا (حالانکہ ردّ سلام واجب ہوا کرتا ہے گویا بی بی ان کو ردّ سلام کے قابل نہ سمجھتی تھی) اس کے بعد بی بی نے اپنی وراثت کے مقدمہ کو دہرایا اور فرمایا کیا اسلام کی رُو سے تیرے قریبی تیرے وارث ہوں اور ہم اپنے باپ حضرت محمدؐ مصطفیٰ کے وارث نہ ہوں؟ لیکن پھر وہی مفروضہ حدیث دہرائی گئی اور بی بی پاک نے ناراضگی کی اور باتیں بھی کہیں اور آخر میں فرمایا کہ میں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہہ رہی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا۔ اور اپنے بابا کے پاس پہنچ کر تم دونوں کی شکایت کروں گی اور نیز فرمایا ہر نماز میں تمہارے لئے بددعا کروں گی یہ پوری روایت تفسیر کی پہلی جلد یعنی مقدمۂ تفسیر میں ص۱۷۳ یا ص۱۷۶ پر درج ہے۔ (پہلا ایڈیشن)

اور اسی مطلب کی تائید کرنے والی ایک روایت اسی مضمون کی صحیح مسلم میں بھی موجود ہے کہ یہ معذرت خواہی کے لئے گئے اور بی بی نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ہر نماز میں یا ہر نماز کے بعد تمہارے لئے بددعا کرتی رہوں گی

کاش! دامنِ خلافت کو بچانے اور بی بی کے دعویٰ کی اہمیّت کو ساقط کرنے سے قبل تاریخی واقعات کا جائزہ لے لیا ہوتا اور نہیں تو کم از کم صحاح ستہ کا مطالعہ کر لیا ہوتا تاکہ بی بی پاک کی رضامندی کا فیصلہ ہو جاتا۔ ہاں کیوں نہیں مصنّف کو اس قسم کی باتیں مُھولی ہوئی نہیں ہوتیں اور خصوصاً اس قسم کے مختلف فیہ مسائل زیرِ نگاہ ہوتے ہیں جبھی تو آیت وراثت کی تفسیر میں بی بی پاک کی وراثت کے مقدمہ کو ذکر کر ہی دیا اور اپنی پارٹی کے حق میں فیصلہ سنا کر خاموش ہو گیا۔ ضرور بخاری ومسلم کے یہ مقامات بار بار پڑھے ہوں گے اور اس موقعہ پر تو گہری نظر سے ان کا مطالعہ کیا ہو گا اور صفحاتِ تاریخ بھی پلٹے ہوں گے کہ کہیں یہ مل جائے کہ بی بی راضی ہو گئی لیکن کہیں ہوتا تو ملتا اور بی بی کی رضامندی کی صورت بھی ہو سکتی تو کوئی لکھتا کیونکہ میں عرض کر چکا ہوں بی بی کی رضامندی محالات میں سے ہے اس لئے کہ غلط فیصلہ پر رضامندی شانِ عصمت وطہارت اور صداقت کے منافی ہے اور مجرم پر رضامندی بعید از عقل ہے کیونکہ نہ اس نے حق دیا نہ معافی ہوئی لیکن اس نام نہاد علامہ بلکہ امام بے چارے کے پاس اور تو کوئی حیلہ نہ تھا پس لکھ دیا کہ وہ راضی ہو گئی تھیں

لیکن یہ کھٹک دل میں باقی رہی کہ یہ جواب کافی نہیں اس کو تاریخ و حدیث بلکہ عقل و نقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو دل میں سوچا کہ اس سے سُرکا جاؤں پس فوراً دوسری بات کہہ دی کہ چونکہ اجماعِ امت قائم ہے کہ جو کچھ خلیفہ نے کیا ہے وہ دُرست ہے لہذا اعتراضات سب بے کار ہیں۔

ہاں! ایسے ہی لوگ تو امام کہلاتے ہیں جن کے نظریہ جات اس قسم کے ہوں کہ حاکم وقت کا فیصلہ قرآن کے خلاف ہو، عقل کے منافی ہو اور حقدار کا حق تلف ہوتا ہے اور وہ بیچارہ چیختا چلاتا رہے لیکن اکثریت اس کے حکم کے سامنے دب کر خاموشی اختیار کرے یا اس کی کسی مصلحت کی بنا پر ہاں میں ہاں ملا دے اور پھر کوئی مولوی اور خصوصاً علامہ کہہ دے کہ وہ حقدار پہلے چیختا چلاتا رہا اور بعد میں وہ خاموش اور راضی ہو گیا تھا یا یہ کہہ دے کہ خواہ وہ کتنا ہی فریاد کرتا ہے اور روتا ہے لیکن حاکم وقت کا جو فیصلہ ہو چکا ہے خلاف قرآن ہو تو ہو عقل نہ مانے تو نہ مانے لیکن چونکہ عوام نے تسلیم کر لیا ہے اور اجماع ہو چکا ہے تو بس صحیح ہے اب عوام کیوں نہ کہیں ایسے علامہ اور کیوں نہ امامت کا لقب ملے۔

یہاں پر ایک حدیث مجھے یاد آتی ہے کہ بہترین جہاد کلمہ حق ہے جو سلطان جابر کے سامنے کہا جائے اور اسی حدیث کو تقیہ کے بطلان کی دلیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے لیکن جب وہ کلمۂ حق اہلبیتِ عصمت کے کسی دعویٰ کی دلیل بنتا ہو تو اس وقت یہ جہاد ساقط ہے بلکہ حاکم وقت کی ہاں میں ہاں ملانا ہی ایمان ہے۔ حق تو یہ ہے کہ مدعی کی دلیل بھی ناقابل تردید ہے اور ماننا بھی نہیں کیونکہ سارے لوگ راضی ہو چکے ہیں۔ پس اکثریت کی ہاں میں ہاں ملانی ہی ہے یہ ہے تحقیق اور بالغ النظری کی شان۔

ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ آیا حضرت علیؑ امت کا فرد نہیں تھا کیا جناب بتول معظمہؑ امت کی فرد نہیں تھیں کیا حضرت سلیمان مقداد اور ابوذر وغیرہ امت کے افراد نہیں تھے اور کیا مدینہ میں یہ لوگ موجود نہیں تھے کیا یہ لوگ اس فیصلہ پر راضی تھے؟ جب ایسا نہیں تو عوام کو دھوکا دینے کے لئے یہ بہانہ کیوں؟

ہاں اس دھاندلی کا پتہ اس وقت چلے گا جب ایک طرف میدانِ حشر میں جناب بتول معظمہ اپنا دعویٰ دائر کریں گی اور دوسری طرف مدعیٰ علیہم ہوں گے اگر اس وقت تم نے یہ کہا کہ بی بی راضی ہو گئی تھی تو ضرور جناب بتول معظمہ حضرت محسن کو پیش فرماویں گی اور وہ دروازہ خود گواہی دے گا جس پر لکڑیاں جمع کی گئی تھیں۔ نیز قرآن کی میراث والی آیات پکار پکار کر خاتون کی صداقت کی گواہی دیں گی۔ یقیناً جب اس میدان میں اس مفسر قرآن کو جواب دہی کے لئے کھڑا کیا گیا تو سمجھ آجائے گی کہ اکثریت کی ہاؤ ہو سے دب کر دلیل کا ساتھ چھوڑنا کیسا ہوا کرتا ہے۔

ہاں بی بی تیرا دعوےٰ سچا تھا اور تو حق پر تھی۔ جن لوگوں نے تیرا حق چھینا یا تیرے حق پر پردہ ڈالا وہ واقعی قیامت کے روز تیرے جوابدہ ہوں گے اور ہم دنیا و آخرت میں ان سے بری ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو اطاعت کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی داخل کرے گا اس کو بہشتوں میں کہ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ

بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو نافرمانی

يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪

کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا اس کی حدود سے اسے داخل کرے گا جہنم میں کہ ہمیشہ رہنے والا

وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

ہوگا اس میں اور اس کے لئے عذاب ذلیل کن ہوگا اور وہ جو کریں بدکاری تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ قائم کرو

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ

ان پر چار مرد اپنے سے پس اگر گواہی دیں تو روک رکھو ان کو اپنے گھروں

فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

میں یہاں تک کہ لے لے ان کو موت یا مقرر کرے اللہ ان کے لئے کوئی راستہ

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ :- احکام میراث بیان فرمانے کے بعد ان کو اپنی حدود قرار دیا ہے اور اطاعت گذاروں کو جنّت کی بشارت اور تجاوز کرنے والوں کیلئے جہنم کی وعید کی ہے کیونکہ مال کے حصول کی خاطر بے راہ روی کرنا ابدی عذاب کا مستحق بناتا ہے اور خدا کے بیان کردہ طریق کے مطابق صرف حلال پہ صبر کرنا ابدی نعمتوں کا سزاوار کرتا ہے اور عقلمند کو چاہیے کہ عارضی منافع کی خاطر ابدی وبال نہ خریدے بلکہ فانی چیز کی قربانی کرکے ابدی راحت کے حصول کی کوشش کرے۔

رکوع نمبر ۱۴

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ :- دور اوّل میں جب عورت کی بدکاری چار گواہوں کے ذریعہ سے ثابت ہوجاتی تھی تو اسے ایک کوٹھڑی میں قید کیا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ مرجاتی تھی پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور شادی شدہ مرد عورت کا زنا اگر ثابت ہوجائے تو اسے سنگسار کرنے کا حکم ہوا اور کنوارے مرد وعورت کا زنا ثابت ہوجائے تو ان کیلئے دُرّوں کی سزا مقرر ہوئی

اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا :- تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ

اور جو دو آدمی کریں بدکاری تم میں سے تو ان کو اذیت دو پس اگر توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو درگذر کرو ان سے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ

تحقیق اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے سوائے اس کے نہیں کہ توبہ قبول کرنا تو اللہ پر ان کے لئے ہے جو کریں

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ

برائی بجہالت سے پھر توبہ کرلیں جلدی سے پس یہ لوگ توبہ خدا قبول کرتا ہے ان کی اور

كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

ہے اللہ علم وحکمت والا اور نہیں توبہ ان کے لئے جو کریں بدکاریاں یہاں تک کہ جب

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ

پہنچ جائے ان پہ موت تو کہہ دے کہ میں اب تائب ہوں اور نہ ان کے لئے

يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

جو مرتے ہیں بحالت کفر ایسے لوگوں کے لئے ہم نے تیار کیا ہے دردناک عذاب

ہے اور سبیل سے مراد حدود ہیں ایک اور روایت میں فرمایا کہ سبیل سے مراد کوڑے اور سنگسار کرنا ہے۔

بروایت عوالی جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ یہ لو خدا نے سبیل مقرر فرما دیا ہے کہ کنوارا مرد کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کے لئے ایک سو تازیانہ اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ہے اور شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو اس کیلئے کوڑے بھی اور سنگسار کرنے کی سزا بھی ہے اور صاحب مجمع البیان نے فرمایا ہے کہ اکثر علمائے امامیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اس پر صرف سنگسار کرنے کی ہی سزا ہوگی

وَالَّذٰانِ :- اسلام کے دور اوّل میں جب مرد و عورت زنا کرتے تھے تو مرد کو ایذا دی جاتی تھی زبان سے یا جوتوں کی مار سے اور عورت کو ایذا دی جاتی تھی کہ اس کو تادم مرگ حبس میں رکھا جاتا تھا لیکن بعد میں یہ حکم آیت رجم سے منسوخ ہوگیا۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ :- تفسیر مجمع البیان و برہان میں فقیہ سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے آخری خطبہ میں فرمایا جو شخص مرنے سے ایک سال قبل توبہ کرلے خدا قبول کرلے گا پھر فرمایا مہینہ زیادہ ہے جو شخص ایک دن پہلے توبہ کرلے

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

اے ایمان والو! تمہیں جائز نہیں کہ وارث بنو عورتوں کے زبردستی سے اور نہ روکو ان کو اس غرض سے

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ

کہ حاصل کرو بعض وہ جو ان کو دے چکے ہو مگر یہ کہ کریں بدکاری ظاہر اور ان کے ساتھ گذران رکھو ساتھ نیکی کے

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا

پس اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم ناپسند کرو ایک چیز کو اور رکھی ہو اللہ نے اس میں خیر

خدا قبول فرمائے گا پھر فرمایا ایک دن زیادہ ہے جو شخص ایک گھنٹہ پہلے توبہ کرے خدا قبول کرے گا پھر فرمایا ایک گھنٹہ زیادہ ہے پس اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جب روح یہاں تک پہنچ جائے اور توبہ کرے تب بھی خدا قبول فرماتا ہے مروی ہے ابلیس نے کہا تھا کہ میں بنی آدم کو تا دمِ مرگ گمراہ کرتا رہوں گا تو خدا نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں بھی اس وقت تک توبہ قبول کروں گا جب رُوح حلق تک پہنچ جائے۔

تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب رُوح حنجرہ تک پہنچ جائے تو اس وقت عالم کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور جاہل کی توبہ اس وقت بھی قبول ہوتی ہے بہر کیف توبہ کو خدا قبول فرماتا ہے۔ لیکن حقوق النّاس کی توبہ کے وقت ادائیگی ضروری ہے یا ان سے معافی لے لے اور حقوق اللہ کی قضا لازم ہے اور وقت کم ہو تو اپنے ورثاء کو وصیّت کرے تو غالباً قبولیت توبہ میں عالم و جاہل کے فرق کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص حق کو پہچانتے ہوئے ضد پر ڈٹا رہے اور مرتے وقت خدا کے عذاب کو دیکھ کر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں جیسے فرعون اور جو شخص پہچانتا ہو اور جہالت کی وجہ سے حق کا انکار کرتا رہے لیکن مرنے سے تھوڑا سا قبل بھی اگر وہ حق کی معرفت حاصل کرلے اور اپنی سابقہ غلطی سے توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ واللہ اعلم

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ - تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ ایک شخص ابوقیس مرگیا تو اس کے بیٹے محصن نے ابوقیس کی عورت کبیشہ پر حسب دستور جاہلی اپنی چادر ڈالی اور اس کے نکاح کا وارث بن بیٹھا اس کے بعد نہ اس کے ساتھ ہمبستری کی اور نہ اس کو کہیں اور جگہ نکاح کرنے دیا پس وہ عورت حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی آقا! نہ مجھے شوہر کی وراثت ملی ہے اور نہ مجھے آزادی نصیب ہوئی ہے کہ کہیں اور جگہ نکاح کر سکوں تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے اور کہتے ہیں عرب کا جاہلی دستور تھا کہ مرنے

كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ

کثیر اور اگر تم چاہو تبدیل کرنا ایک عورت بدلے ایک عورت کے ۔ اور دے چکے ہو ان میں سے ایک کو

قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٢٠﴾

مال کثیر تو نہ لو اس سے کچھ بھی کیا لینا چاہتے ہو باطل اور ظاہر باہر گناہ کے طریقے سے ؟

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَّأَخَذْنَ مِنكُم

اور کیسے لیتے ہو اس کو حالانکہ مل چکا ہے تمہارا بعض طرف بعض کے اور لے چکی ہیں تم سے

مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ

عہد سخت اور نہ نکاح کرو ان عورتوں سے کہ نکاح کر چکے ہیں تمہارے باپ ان سے مگر وہ جو گذر چکا ہے ۔

والے کا بیٹا یا اس کا دوسرا ولی جس طرح مرنے والے کے باقی مال کا وارث ہوتا تھا اس کی عورت کا بھی وہ وارث ہوتا تھا پس اس پر اپنی چادر ڈال دیتا تھا اگر چاہتا تو اسے متوفی کے ادا کردہ حق مہر سے ہی اپنی زوجہ بنا لیتا اور اگر چاہتا تو اس کی دوسری جگہ شادی کر کے اس کا حق مہر خود وصول کر لیتا پس اس آیت نے ان کو اس فعل شنیع سے روک دیا۔

بعض کہتے ہیں کہ ایک شخص کی عورت ہوتی تھی اور اس نے اس کا حق مہر بھی ادا کرنا ہوتا تھا لیکن یہ اس کے ساتھ ہمبستری کرنا پسند نہ کرتا تھا تو اس کو اذیت دیتا تھا تاکہ وہ مہر بخش دے پس ان کو اس آیت مجیدہ کے بعد روکا گیا۔

نیز کہتے ہیں مرد جن عورتوں کو ناپسند کرتے تھے ان کو زبردستی اپنے گھروں میں روکے رہتے تھے تاکہ ان کے مرنے کے بعد ان کی وراثت کے حقدار بنیں۔ پس یہ آیت اتری اور حضرت باقر علیہ السلام سے یہ بھی مروی ہے اور آیت کے عموم کے پیش نظر بیان کردہ تمام صورتیں مراد ہو سکتی ہیں اور روایت میں بھی غالباً مصداق آیت کے ایک فرد کو بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے۔

إِلَّا أَن يَأْتِينَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ فاحشہ سے مراد ہر قسم کی نافرمانی ہے تو پس ایسی صورت میں عورت سے پیسے وصول کر کے اسے خلع کر سکتا ہے اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر عورت سے اچھے سلوک کے ساتھ بسر کرنا ضروری ہے جس طرح کہ آیت مجیدہ کے مضمون سے ظاہر ہے۔

وَإِنْ أَرَدْتُّمُ ۔ اگر ایک عورت کو طلاق دے کر اس کی بجائے کسی دوسری سے نکاح کرنا چاہو تو پہلی عورت کا

إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَ

تحقیق یہ برائی اور غضب ہے اور برا راستہ ہے؟ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور

بَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ

بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور ماسیاں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں

مال اس سے چھین کر نہ رکھ لو کہ دوسری اس کی مالک بنے کیونکہ یہ بہتان کی طرح گناہ کبیرہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جب بھی عورت کو طلاق دے تو اس کو دیا ہوا مال اس سے حاصل کرنے کا حقدار نہیں ہے خواہ کسی دوسری عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ (مجمع)

مِيثَاقًا غَلِيظًا - اس سے مراد وہ ہے جو بزبان حال یا مقال بوقت نکاح کیا جاتا ہے کہ عورت کے ساتھ حسن سلوک سے برتاؤ کیا جائے گا ورنہ احسان اور خوش اسلوبی سے اس کو آزاد کر دیا جائے گا اور ایسا ہی حضرت امام محمد باقرؑ علیہ السلام سے مروی ہے (مجمع البیان)

وَلَا تَنكِحُوا - عرب جاہلی میں بیٹے باپ کی منکوحہ عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیا کرتے تھے یعنی جوان کی ماں کی سوکنیں ہوتی تھیں چنانچہ ایک شخص نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کی خواستگاری کی تو اس نے جواب دیا کہ میں تجھے اپنا فرزند سمجھتی ہوں اور تو اپنی قوم میں نیک معلوم ہوتا ہے لہذا اس بارہ میں میں رسولخدا سے دریافت کرتی ہوں چنانچہ وہ آئی۔ اور دریافت کیا تو یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

مسئلہ - باپ کی منکوحہ بیٹے پر حرام موبد ہے خواہ باپ نے اس کے ساتھ مجامعت کی ہو یا نہ، لیکن آیا وہ عورت جس کے ساتھ باپ کے ناجائز تعلقات رہ چکے ہوں اس حکم میں داخل ہوگی؟ تو آیت قرآن کا حکم اس کو ناجائز کہہ رہا ہے کیونکہ نکاح کا لغوی معنی ہے مجامعت پس جس عورت سے باپ مجامعت کر چکا ہو وہ بیٹے پر حرام ہوگی۔ اور اس میں علمائے امامیہ متفق ہیں۔

محرمات ابدیہ

رکوع نمبر ۱۵ - حُرِّمَتْ - حرمت کا متعلق جس نوع سے ہوگا اسی کا مخصوص نفع حرام ہوگا مثلاً اگر کھانے والی چیزوں پر اس لفظ کا اطلاق ہو تو مراد ہوگا کھانا حرام ہے اور عورتوں پر اطلاق کی صورت میں مراد ہے کہ ان سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ حرمت کا تعلق ذات سے نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کے منافع سے ہوا کرتا ہے - أُمَّهَاتُكُمْ - یعنی ہر وہ عورت کہ سلسلہ ولادت میں آپ کی نسبت اس تک پہنچے۔ پس ماں کی ماں اور باپ کی ماں اور پھر جس قدر سلسلہ اوپر چلا جائے گا۔ سب اسی لفظ کی رو سے حرام ہوں گی

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ

اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں اپنا دودھ پلایا ہے اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں

وَ رَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ

اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن عورتوں سے تم دخول کر چکے ہو پس اگر تم نے

تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَ حَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ

دخول نہ کیا ہو ان سے تو پھر کوئی گناہ نہیں تم پر اور عورتیں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری صلب

اَصْلَابِكُمْ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

سے ہیں اور یہ کہ اکٹھی دو بہنیں (نکاح میں) کرو مگر وہ جو گذر چکا ہے تحقیق اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

غفور رحیم ہے۔

کیونکہ وہ سب مائیں ہیں بَنٰتُكُمْ۔ یعنی ہر وہ عورت کہ سلسلہ ولادت میں اس کا نسب آپ پر منتہی ہو۔ پس بیٹی کی بیٹی اور بیٹے کی بیٹی اور اس کے بعد جس قدر سلسلہ نیچے چلا جائے گا وہ سب اسی لفظ کا مصداق ہونگی کیونکہ اولاد کی اولاد بھی اولاد کہلاتی ہے۔

عَمّٰتُكُمْ۔ جمع ہے عَمَّةٌ کی یعنی ہر وہ عورت جو بہن ہو ایسے شخص کی جس کی طرف آپ کا سلسلہ نسب منتہا ہو پس اس لفظ میں باپ دادا پردادا وغیرہ کی بہنیں اور نانا پرنانا وغیرہ کی بہنیں سب داخل ہیں۔

خٰلٰتُكُمْ:۔ جمع ہے خالہ کی۔ یعنی ہر وہ عورت جو بہن ہو ایسی عورت کی جس کی طرف آپ کا سلسلہ نسب پہنچتا ہو تو ماں نانی اور پرنانی وغیرہ کی بہنیں سب اس لفظ میں داخل ہیں۔

بَنٰتُ الْاَخِ:۔ اس سے مراد بھائی کی مؤنث اولاد کا سلسلہ ہے جہاں تک نیچے چلا جائے گا۔

بَنٰتُ الْاُخْتِ:۔ اس سے مراد بہن کی مؤنث اولاد کا سلسلہ ہے جہاں تک نیچے چلا جائے گا۔

پس یہ سات قسم کی عورتیں ہیں جن کی نسبی قرابت نکاح سے مانع ہے۔ (۱) ماں (۲) بیٹی (۳) بہن (۴) پھوپھی (۵) خالہ (۶) بھتیجی (۷) بھانجی۔ اور اس کا مختصر طور پر قاعدہ کلیہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ چار قسم کی عورتیں حرام ہیں (۱) ہر وہ عورت

جو اصول میں داخل ہے (۲) ہر وہ عورت جو فروع کے سلسلہ میں داخل ہے (۳) ہر اصل کی پہلی فرع (۴) پہلی قریبی اصل کی ہر فرع یا یوں کہہ دیجئے کہ قرابتِ طولیہ کی فوقانی و تحتانی ہر عورت حرام ہے اور قرابتِ عرضیہ میں قرابتِ طولیہ فوقانیہ کی پہلی فرع اور پہلی اصل کی ہر فرع حرام ہیں۔

مجمع البیان میں بروایت ابن عباس منقول ہے کہ خداوند کریم نے عورتوں میں سے سات قسموں کو نسب سے حرام قرار دیا ہے اور سات قسموں کو سبب سے حرام کیا اور وہ یہ ہیں (۱) رضاعی ماں (۲) رضاعی بہنیں (۳) زوجہ کی ماں (۴) زوجہ مدخولہ کی بیٹیاں (۵) منکوحۂ فرزند (۶) دو بہنوں کو اکٹھے نکاح میں لانا (۷) گذشتہ آیت میں باپ کی زوجہ

رضاعی محرمات

جو عورتیں قرابتِ نسبی کی وجہ سے حرام ہوا کرتی ہیں وہی قرابتِ رضاعی سے بھی حرام ہوں گی چنانچہ جناب رسالتمآبؐ کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ یعنی خدا نے رضاع سے وہی عورتیں حرام کی ہیں جو نسب سے حرام کی ہیں۔

اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَکُمْ۔ تمہاری وہ مائیں حرام ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ دیا ہے پس اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل عورتیں داخل ہیں۔

۱۔ وہ عورت جس نے دودھ دیا ہے۔

۲۔ وہ عورت جو دودھ پلانے والی عورت کی ماں ہو خواہ نسب سے خواہ رضاع سے اسی طرح اس کی دادیاں اور نانیاں نسبی و رضاعی سب حرام ہوں گی۔

۳۔ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی (جو اس کا رضاعی باپ ہے) مائیں، دادیاں، نانیاں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی

۴۔ دودھ پینے والے کی نسبی ماں یا نسبی نانی اور نانی کی رضاعی مائیں اور پھر اوپر کا یہ سب سلسلہ۔

۵۔ دودھ پینے والے کے نسبی باپ یا دادے دادی کی رضاعی مائیں اور ہٰذا القیاس۔

وَاَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ۔ تمہاری رضاعی بہنیں۔ یعنی دودھ پینے والے کے نسبی والدین کی جو رضاعی اولاد ہوگی وہ اس کے بھائی بہنیں شمار ہوں گے اور ان کی نسبی یا رضاعی اولاد اس کے رضاعی بھانجے اور بھتیجے ہوں گے پس ان سب سے اس کا نکاح حرام ہوگا نیز اسی قاعدہ کے ماتحت نسبی بھائی بہنوں کی رضاعی اولاد اور پھر ان کی نسبی یا رضاعی اولاد آخر تک اسی حکم میں ہے اور اس مقام پر چند مسائل اور بھی ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ رضاعی لڑکیاں اور ان کی نسبی یا رضاعی اولاد اور یہ سلسلہ نیچے کی طرف جہاں تک چلا جائے۔ اسی حکم میں ہے

مسئلہ:۔ نسبی فرزند یا بیٹی کی رضاعی لڑکیاں اور پھر ان کی اولاد۔ خواہ رضاعی خواہ نسبی جہاں تک چلی جائے سب حرام ہے۔

مسئلہ :۔ رضاعی فرزند کی لڑکیاں خواہ رضاعی ہوں یا نسبی اور اسی طرح ان کی اولاد کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ :۔ رضاعی پھوپھیاں اور رضاعی ماسیاں بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح نسبی سلسلہ میں حرام ہیں پس اس سلسلہ میں باپ دادا پردادا وغیرہ کی رضاعی بہنیں اور ماں نانی پرنانی کی رضاعی بہنیں سب داخل ہیں۔

رضاع کے شرائط

(۱) دودھ نکاح سے ہو خواہ دائمی ہو یا متعہ ہو۔ بنا بریں اگر دودھ دینے والی عورت نکاح سے خالی ہو تو اس کے دودھ کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز منکوحہ ہونے کے علاوہ وہ حاملہ ہو یا بچے کی ماں ہو پس اگر بچہ جننے کے بغیر اور حمل کے زمانہ کے علاوہ اس کا دودھ ہو جائے تو وہ رضاع نہ بنے گا

۲۔ اس قدر دودھ پئے کہ اس سے بچہ کا گوشت پیدا ہو اور ہڈی مضبوط ہو۔ لہٰذا اس مقدار سے کم کا کوئی اعتبار نہ ہوگا یا ایک دن رات مکمل دودھ پیتا رہے یا پندرہ مرتبہ پے در پے دودھ پئے چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ رضاع حرمت کا موجب نہیں بنتا جو ایک دن رات سے کم ہو بشرطیکہ پندرہ مرتبہ پے در پے ہو کہ درمیان میں کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیا ہو اور ایک ہی فحل کا دودھ ہو ورنہ اگر ان پندرہ مرتبہ کے درمیان کسی اور عورت کا دودھ پئے گا تو رضاع محرّم نہ ہوگا اور بعض علمائے امامیہ دس مرتبہ پے در پے دودھ پینے کو کافی سمجھتے ہیں نیز دودھ پستان سے منہ لگا کر پئے۔ اگر دوہ کر پلایا جائے تو وہ بھی حرمت کا موجب نہ ہوگا۔

۳۔ دودھ پینے والا بچہ دو سال کے اندر ہو ورنہ رضاع کی حرمت نہ ہوگی۔

۴۔ فحل ایک ہو۔ یعنی ایک عورت جس قدر لڑکوں کو دودھ پلائے گی۔ بشرائط سابقہ وہ سب ایک دوسرے کے بھائی بہنیں رضاعی ہوں گے۔ بشرطیکہ عورت اسی ایک ہی شوہر کا دودھ سب کو پلاتی رہی ہو۔ ورنہ جس قدر بچے عورت کا دودھ ایک شوہر کے نکاح کے دوران میں پئیں گے وہ ایک دوسرے کے رضاعی بھائی بہنیں ہوں گے اور جو بچے اسی عورت کا دودھ دوسرے شوہر کے نکاح کے دوران میں پئیں گے وہ آپس میں تو رضاعی بھائی بہنیں بنیں گے لیکن اسی عورت کے پہلے شوہر کی رضاعی اولاد سے ان کا رشتہ ہو سکے گا۔ البتہ اسی عورت کی نسبی اولاد کا رشتہ نہ اس کے پہلے شوہر کی رضاعی اولاد سے ہوگا اور نہ دوسرے شوہر کی رضاعی اولاد سے ہوگا۔

مسئلہ :۔ جس بچے نے ایک عورت کا دودھ حسب شرائط پیا ہو اس پر اس عورت کی نسبی اولاد سب حرام ہوگی اور رضاعی اولاد صرف وہی حرام ہوگی جو اسی ایک شوہر کے نکاح کے ماتحت اس کا دودھ پی چکی ہو اور اسی طرح اس بچہ پر رضاعی ماں کے اس شوہر کی اولاد بھی حرام ہوگی۔ جس کے نکاح میں اس نے دودھ پیا تھا۔ خواہ اس شوہر کی اولاد اسی عورت سے ہو یا کسی اور عورت سے ہو۔

مسئلہ :۔ دودھ پینے والے بچے کے نسبی بھائی بہنیں بچے کے رضاعی ماں باپ کی اولاد میں رشتہ کر سکتے ہیں

خواہ اس بچے سے بڑے ہوں یا چھوٹے۔

مسئلہ:۔ دودھ پینے والے بچے کا نسبی باپ بچے کے رضاعی باپ کی اولاد نسبی و رضاعی میں نکاح نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ اس کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہوچکے ہیں۔ اسی طرح بچہ کا باپ دودھ پلانے والی عورت کی نسبی اولاد سے بھی نکاح نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اخبار صحیحہ میں وارد ہے۔

مسئلہ:۔ مسئلہ سابقہ کی رو سے اگر نانی یا نانے کی منکوحہ بچے کو دودھ پلائے تو چونکہ بچے کی نسبی ماں اس کی رضاعی بہن بن جاتی ہے لہذا بچے کے باپ پر وہ حرام ہو جائے گی۔

مسئلہ:۔ جس طرح اگر رضاع پہلے ثابت ہو تو نکاح نہیں ہوسکتا اسی طرح اگر نکاح ہوچکنے کے بعد رضاع آجائے تو نکاح باطل ہو جائے گا۔ مثلاً اگر ایک بچے یا بچی کو اس کے باپ کی ساس دودھ پلائے تو اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا اس مسئلہ کی جزئیات بہت نکالی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص چھوٹی بچی سے نکاح کرے اور اس کی دوسری مدخولہ عورت اسی بچی کو دودھ پلائے۔ تو وہ عورت چونکہ اس کی چھوٹی منکوحہ عورت کی رضاعی ماں ہو کر اس کی ساس ہو جائے گی لہذا اس پر حرام ہو جائے گی اور چھوٹی بچی بھی حرام ہو گی کیونکہ وہ اس کی رضاعی بیٹی ہوچکی ہے ہاں اگر اس کی دو عورتوں نے اس چھوٹی بچی کو یکے بعد دیگرے دودھ دیا ہو تو پہلی دودھ دینے والی حرام ہو گی اور دوسری حرام نہ ہو گی کیونکہ اس نے رضاعی بیٹی ہوچکنے کے بعد اس کو دودھ دیا ہے اور چھوٹی بچی بہرصورت حرام ہو جائے گی۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ:۔ یعنی تمہاری عورتوں کی مائیں (تم پر حرام ہیں) اس میں ہر وہ عورت داخل ہے جس کی طرف زوجہ کا نسب پہنچتا ہو۔ یعنی اس کی مائیں دادیاں نانیاں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی وہ سب حرام ہیں۔ اس میں فرق نہیں کہ عورت سے دخول کیا ہو یا نہ۔

مسئلہ:۔ بنا بریں اگر کوئی شخص کسی مرد سے لواط کرے تو اس پر مفعول کی ماں بہن اور بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ الخ۔ یعنی زوجہ کی وہ اولاد جو تمہاری پرورش میں ہے اور پرورش میں ہونے کا ذکر اس لئے ہے کہ عام دستور یہی ہے کہ زوجہ کی سابق شوہر کی اولاد اس کے ہمراہ ہو کر دوسرے شوہر کے ہاں پرورش پاتی ہے ورنہ نکاح کی حرمت میں اس وصف کو کوئی دخل نہیں اگر بالفرض زوجہ کی سابق شوہر کی لڑکیاں اس کی پرورش میں نہ بھی ہوں تاہم اس مرد کا ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ بشرطیکہ اس زوجہ سے دخول کرچکا ہو ورنہ اگر دخول کئے بغیر اس کو طلاق دے دے یا عورت قبل از دخول مر جائے تو اس کی سابق شوہر کی لڑکیاں اس کے نکاح میں آسکتی ہیں نیز زوجہ کی سابق شوہر سے لڑکیاں اور ان کی اولاد اسی طرح زوجہ کی سابق شوہر سے لڑکے کی اولاد یہ سب (رَبَآئِبُكُمْ) میں داخل ہیں۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الخ۔ یعنی تمہارے صلبی لڑکوں کی بیویاں (تم پر حرام ہیں) بیٹوں، پوتوں، نواسوں کی بیویاں

سب اس میں داخل ہیں خواہ بیٹے یا پوتے ونواسے نسبی ہوں یا رضاعی۔ بنا بریں صلبی قید رضاعی بیٹے کے اخراج کیلئے ہے بلکہ پرورش پانے والے ادعائی بیٹوں کی نفی کے لئے بھی ہے۔ کہتے ہیں چونکہ رسالتمآبؐ نے زید کی عورت سے نکاح کیا تھا تو مشرکین نے زبانِ طعن دراز کی تھی کہ دیکھو رسولؐ نے اپنی بہو سے شادی کر لی ہے تو یہ آیت اُتری اور نیز خدا نے فرمایا وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ :۔ خدا نے تمہارے ادعائی بیٹوں کو حقیقی بیٹوں کا مقام نہیں دیا یعنی متبنّٰی ابن نہیں ہوا کرتا اور جس طرح باپ پر بیٹے کی حلیلہ (زوجہ) حرام ہے اسی طرح بیٹے پر بھی باپ کی۔ اور دادا نانا وغیرہ کی حلیلہ (زوجہ) سے نکاح کرنا حرام ہے چنانچہ اس سے قبل فرما چکا ہے۔ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ ۔ یعنی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا (حرام ہے) قرآن مجید میں جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے ان کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے جو عورتیں اس تفصیل سے باہر ہیں ان سے نکاح کی حرمت نہ ہوگی پس خالہ اور بھانجی اور اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی بیک وقت ایک شخص کے نکاح میں جمع ہو سکتی ہیں۔ ہاں البتہ بھانجی یا بھتیجی سے پہلے نکاح ہو تو ان کی پھوپھی یا خالہ سے بلا اجازتِ زوجہ نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر پہلے خالہ یا پھوپھی سے نکاح ہو تو ان کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح کرنے کے لئے ان سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور مذہب امامیہ کا یہی فتویٰ ہے جو اہلبیت رسالتؐ کے فرامین سے اخذ کیا ہوا ہے اگر یہ بھی حرام ہوتیں تو قرآن مجید میں جہاں دو بہنوں کے بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع وارد ہوئی ہے ان سے بھی منع ہو جاتی تو چونکہ خدا نے محرمات ابدیہ کے تفصیلی ذکر میں ان کو ذکر نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں صاف طور پر فرما رہا ہے اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ یعنی ان بیان شدہ عورتوں کے علاوہ ہر قسم کی عورتیں تم پر حلال ہیں۔

پارہ ۵

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

اور (شادی شدہ عورتیں) مگر وہ جن کے مالک ہوں تمہارے ہاتھ یہ فرض اللہ کا ہے تم پر اور

اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ

حلال کی گئیں تمہارے لئے وہ جو ان کے علاوہ ہیں کہ طلب کرو بذریعہ اپنے مال کے شادی کے لئے نہ زنا کیلئے

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

پس جو متعہ کرو بذریعہ مال کے عورتوں سے تو دو ان کو ان کے اجر (حق مہر) فرضی طور پر اور نہیں گناہ تم پر اس میں

تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

جو باہمی رضامندی سے طے کرلو بعد میں مقررشدہ کے تحقیق اللہ علیم حکیم ہے

وَالْمُحْصَنٰتُ :- اس کا عطف پیچھے ہے یعنی جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شادی شدہ یعنی منکوحہ عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ پہلا شوہر اسے اپنی قیدِ نکاح سے آزاد نہ کردے اور اس کی عدت نہ گذر جائے یا پہلے کی موت کے بعد اس کی عدت نہ گذر جائے اگر کوئی شخص منکوحہ عورت سے زنا کا مرتکب ہو جائے تو وہ عورت اپنے شوہر سے آزاد ہونے کے بعد بھی اس کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اس پہ حرام موبد ہو جاتی ہے۔ بلکہ عدت کے اندر زنا کرنے سے بھی وہ حرام ہو جاتی ہے۔

نکاح متعہ

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ - ابن عباس سے منقول ہے کہ اس جگہ استمتاع سے مراد نکاح متعہ ہے اور وہ نکاح جو مہر معلوم کے ساتھ مدتِ معلومہ تک کے لئے کیا جائے۔ آیت مجیدہ میں اس جگہ نکاح متعہ کا مراد ہونا مسلمات میں سے ہے کیونکہ یہ سورہ مدنیہ ہے اور اس دور میں مسلمانوں میں متعہ کا عام رواج تھا اور عامی وخاصی تمام روایات اس کو متفق طور پر تسلیم کرتی ہیں چنانچہ فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر جلد ثالث مطبوعہ مصر صفحہ ۱۹۶ پر تسلیم کیا ہے کہ واقعی یہ آیت نکاح متعہ کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور اس سے ہمارا کوئی انکار نہیں البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا ہے اور اس کے نسخ کے قائل بعض کہتے ہیں کہ دوسری آیت قرآنیہ اس کی ناسخ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ احادیث نبویہ اس کی ناسخ ہیں۔ جو لوگ آیاتِ قرآنیہ کو ناسخ قرار دیتے ہیں ان میں باہمی زبردست اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ آیتِ طلاق اس کی ناسخ ہے کیونکہ بالعموم عورتوں کی علیحدگی کی صورت طلاق ہوتی ہے اور نکاح متعہ

میں طلاق نہیں پس منسوخ ہے بعض کہتے ہیں آیتِ میراث اس کی ناسخ ہے کیونکہ زوجہ مرد کی وارث قرار دی گئی ہے اور متعہ میں ایسا نہیں ہوتا پس منسوخ ہے اور بعض آیت عدد سے جس میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ چار عورتوں تک نکاح کی اجازت ہے اور متعہ اس سے خارج ہے وغیرہ لیکن تأمّل و غور کرنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں سے کوئی بھی نکاح متعہ کیلئے ناسخ نہیں ہو سکتی قطع نظر اس سے کہ قائلین نسخ خود ایک دوسرے سے اتفاق نہیں رکھتے کہ کس آیت کو ناسخ قرار دیا جائے اسی طرح سنت سے نسخ کی قائل بھی متفق نہیں ہیں بلکہ بعض کہتے ہیں فتح خیبر کے سال اور بعض کہتے ہیں فتح مکہ کے وقت اور بعض حجۃ الوداع کے موقعہ پر نکاح متعہ کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں اور علاوہ بریں خبر واحد حکم قرآنی کی ناسخ نہیں ہو سکتی بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ اخبار کو قرآن کے سامنے رکھا جائے جو کتاب اللہ کے موافق ہو وہ قابل عمل ہے ورنہ مردود تو دریں حالات کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے اخبار کو ایسے حکم قرآنی کا ناسخ قرار دیا جائے جو ایک عرصہ دراز تک معمول رہا ہو۔ اور تواتر سے اس پر عمل ثابت ہو۔

چنانچہ علامہ فخر الدین رازی اس مقام پر قائلین متعہ کے استدلال کو اس طرح نقل کرتے ہیں (اس میں شک نہیں کہ متعہ اسلام میں جائز تھا البتہ اس کے منسوخ ہونے میں شک ہے تو ہم کہیں گے کہ اس کا نسخ تواتر سے ثابت ہے یا خبر واحد سے اگر تواتر سے ثابت ہوتا تو حضرت علیؑ اور ابن عباس جیسے بزرگوار کیسے اس سے بے خبر رہتے ؟ اور اگر خبر واحد سے نسخ مانا جائے تو غلط ہے کیونکہ حکم متعہ کا ثبوت قطعی ہے اور خبر واحد ظنی ہوا کرتی ہے اور قطعی کو ظنی کے ذریعہ سے منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

نیز جن روایات میں ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے یوم خیبر متعہ کی حرمت کا حکم دیا تھا وہ اس لئے ناسخ نہیں بن سکتی کہ اکثر روایات میں یہ ہے کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع یا فتح مکہ کے وقت متعہ کی حلیّت کا فرمان صادر کیا تھا۔

نیز حضرت عمر کا کہنا ہے کہ دو متعے جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں جائز تھے اور میں ان کو حرام قرار دیتا ہوں ایک متعہ حج اور دوسرا متعہ نساء تو گویا ان کا صاف اقرار ہے کہ رسالتمآبؐ کے زمانہ میں یہ حلال تھا اور منسوخ نہ تھا اور میں ہی اس کو منسوخ کر رہا ہوں اور عمران بن حصین نے یہی دلیل پیش کی تھی جب اس پر متعہ کے متعلق اعتراض کیا گیا تھا کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ہمیں متعہ کا حکم دیا تھا اور ہم کرتے رہے اور آخر تک آپ نے منع نہ فرمایا۔ پھر ایک شخص نے اپنی مرضی سے جو چاہا کہہ دیا یعنی حضرت عمر نے اس سے منع کیا ہے (ملخصاً)

علامہ رازی نے ان روایات اور اعتراض کو بلا جواب چھوڑ دیا۔ گویا دبی زبان سے دلائل جواز متعہ کو تسلیم کر لیا لیکن آخر میں یہ کہہ دیا کہ چونکہ حضرت عمر نے صحابہ کے سامنے متعہ کی حرمت کا اعلان کیا اگر یہ منسوخ نہ ہو چکا ہوتا تو صحابہ پر اس سے جہاد کرنا واجب تھا اور چونکہ انہوں نے چپ اختیار کر لی لہذا حضرت عمر کا کہنا درست ہے۔ اور یہ اس سے کاشف ہے کہ حضورؐ نے ضرور منع کیا ہوگا (ملخصاً)

تفسیر میزان میں کنز العمال سے منقول ہے کہ ایک شخص شام سے مدینہ میں وارد ہوا اور ایک عورت سے متعہ کر کے کچھ مدت مقیم رہا بعد میں حضرت عمر کو اطلاع ہوئی تو اس کو بلایا گیا اور پوچھا گیا کہ کیا تو نے ایسا کیا ہے ؟ اس نے کہا ہاں ! سوال کیا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہم نے جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں کیا ہے اور کرتے رہے ہیں اور حضورؐ نے تادم

وفات منع نہیں فرمایا۔ پھر حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بھی کرتے رہے ہیں اور آپ کے دور خلافت میں بھی آج تک ہوتا رہا ہے اور آپ نے منع نہیں کیا تو حضرت عمر نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر اس سے پہلے میں منع کر چکا ہوتا تو ضرور تجھے سنگسار کرتا نیز حرمت متعہ کو جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اولیات عمر میں سے لکھا ہے اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حرام نہ تھا ورنہ متعہ کی حرمت اولیات عمر سے کیوں کر بن سکتی۔

صحیح مسلم اور مسند احمد سے بروایت عطا منقول ہے کہ جابر بن عبداللہ عمرہ کے لئے آیا تو ہم اس کے پاس جمع ہوگئے پس لوگوں نے مختلف موضوعات پر کلام کرنے کے بعد متعہ کی بحث کو چھیڑا تو جابر نے جواب دیا کہ ہم جناب رسالتمآبؐ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں خود کرتے رہے ہیں ایک اور روایت میں جابر سے مروی ہے کہ ہم نے رسالتمآبؐ کے زمانہ اور حضرت ابوبکر کے زمانہ اور حضرت عمر کے نصف دور خلافت تک متعہ کیا ہے اور اس کے بعد حضرت عمر نے منع کیا ہے۔

محاضرات راغب سے منقول ہے کہ عبداللہ بن عباس چونکہ متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا کرتے تھے تو عبداللہ بن زبیر نے ابن عباس پر اس بارہ میں طعن کیا تو ابن عباس نے کہا کہ اپنی ماں سے دریافت کرو چنانچہ جب اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے تجھے متعہ سے جنا تھا (عبداللہ بن زبیر کی والدہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی تھی اور حضرت عائشہ کی بہن تھی اور اس کا حضرت زبیر (جو عشرہ مبشرہ میں سے شمار ہوتا ہے) سے متعہ تھا اور اسی سے حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے

نیز صحیح ترمذی میں بھی ہے ایک شخص نے ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواز کا فتویٰ دیا تو سائل نے کہا کہ تیرا باپ تو حرمت کا حکم دیتا ہے اس کے جواب میں ابن عمر نے کہا کہ جس چیز کو جناب رسالتمآبؐ نے سنت قرار دیا ہو اگر میرا باپ اس سے روکے تو کیا تم سنت رسول پر عمل کرو گے یا میرے باپ کا کہا مانو گے؟

پس روایات صاف بتلاتی ہیں کہ نکاح متعہ نہ کتاب سے منسوخ ہے نہ سنت سے بلکہ حضرت عمر ہی نے اس کو حرام قرار دیا تھا اور متعہ کرنے والوں کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی۔

تفسیر میزان میں مستدرک حاکم سے مروی ہے کہ ابونضرہ کہتا ہے میں نے ابن عباس کے سامنے آیت متعہ تلاوت کی تو ابن عباس نے کہا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى راوی کہتا ہے ہم تو ایسا نہیں پڑھا کرتے تو ابن عباس نے کہا خدا کی قسم اسی طرح نازل ہوئی ہے غالباً مقصد یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں اس آیت کو اس تفسیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور جبرئیل اس کا یہی مطلب لے کر آیا تھا بہرکیف منصف مزاج انسان کے لئے تو ان روایات کو دیکھنے کے بعد کوئی شک و شبہ کی گنجائش تک نہیں رہتی کہ متعہ جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں جائز اور مروج تھا اور قطعاً منسوخ نہیں ہوا تھا۔ لہذا آپ کے بعد کسی آپ کے جانشین کو حق نہیں پہنچتا کہ شریعت مقدسہ کے کسی حکم میں ترمیم یا تنسیخ کرے اور اسی بنا پر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ عمر نے متعہ کو حرام نہ کیا ہوتا تو کوئی بدنصیب ہی زنا کا مرتکب ہوتا اور اس روایت کو تفسیر کبیر میں محمد بن جریر طبری کی تفسیر سے نقل کیا گیا ہے۔

متعہ کے جواز بلکہ سنت ہونے کے متعلق اہلبیت اطہار علیہم السلام سے احادیث بحدِ تواتر موجود ہیں اور شہید ثانی اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تقیہ کے پیشِ نظر ہماری احادیث میں بسا اوقات اختلاف رونما ہو جایا کرتا ہے لیکن متعہ کا حکم اگرچہ باقی فرق اسلامیہ میں سے شیعہ کا امتیازی فتویٰ ہے لہذا اس بارے میں احادیث میں اختلاف کا ہونا بعید نہ تھا اور بایں ہمہ ایک حدیث بھی آئمہ الطاہرین علیہم السلام سے ایسی منقول نہیں جس میں متعہ کی حرمت کا فتویٰ دیا گیا ہو۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۔ بروایت تفسیر عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر متعہ کی میعاد ختم ہو جائے اور زن و مرد اس کو بڑھانا چاہیں تو مرد مہر کو بڑھا دے اور عورت مدت کی زیادتی کی اجازت دے پس مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ کا مطلب یہ ہے کہ مدت ختم ہو جانے کے بعد ہر دو کی رضامندی سے مہر اور مدت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ البتہ متعہ کی حرمت کا فتویٰ دینے والے ایک عذر پیش کرتے ہیں کہ جس وقت جناب رسالتمآبؐ نے متعہ کی اجازت دی تھی اس وقت ضرورت لاحق تھی یعنی صحابہ گھروں سے دُور ہونے کی وجہ سے مزید صبر نہیں کر سکتے تھے پس اس ضرر کو رفع کرنے کیلئے یہ حکم عارضی طور پر دیا گیا اور بعد میں منع کیا گیا اس کا جواب تفسیر میزان نے یہ دیا ہے کہ اگر متعہ کو زنا سے تعبیر کیا جائے تو کیا ایسی صورتوں میں زنا کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ اور نیز کیا جناب رسالتمآبؐ کے دور کے بعد وہ ضرورت برطرف ہو گئی تھی جبکہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کی فوجیں مشرق سے مغرب تک جایا کرتی تھیں اور کافی عرصہ کیلئے مجاہدوں کو گھروں سے غائب رہنا پڑتا تھا اور نیز حضرت عمر کی ابتدائی خلافت اور اس کے آخری حصہ میں ضرورت کس طرح تبدیل ہو گئی۔

اور پھر زمانِ حاضر میں ضرورت کا جائزہ لیجئے جب کہ جذباتِ شہوانیہ کے مظاہرے ناموسِ انسانیت کو داغدار کر رہے ہیں اور دن بدن روز افزوں ترقی پر ہیں یہاں تک کہ نوجوان طبقہ میں بدکاری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ خدا کی پناہ یہ زنا اور لواطہ کیوں ہمہ گیر ہو رہا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ زیادہ شادیاں کرنا بعض ملکوں میں تو قانوناً ممنوع ہیں اور جہاں ممنوع نہیں وہاں نکاح دائمی کے اخراجات کے بوجھ برداشت کرنے کی طاقت کم ہے یا ایسی رکاوٹیں موجود ہوتی ہیں مثلاً تحصیل علم یا ملازمتیں وغیرہ کہ انسان شادی نہیں کر سکتا۔ پس جذبات کے مقابلہ سے عاجز ہو کر زناکاری اور لواطہ کاری کو ہی باعثِ تسکین سمجھ لیا جاتا ہے۔

ان ضروریات کے پیشِ نظر اگر متعہ جائز ہوتا تو کیوں یہ بدکاری ہمہ گیر طوفان بن کر اہلِ عالم پر چھا جاتی؟

نیز یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ عورت و مرد کی ازدواجی زندگی صرف نسلِ انسانی کو برقرار رکھنے کے لئے ہے نہ کہ خواہشات کا الو سیدھا کرنے کے لئے اور نکاح متعہ چونکہ صرف جذبات شہوانیہ کی تسکین کے لئے ہوتا ہے لہذا یہ غرضِ خلقت کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی احکام شرعیہ مصلحتوں کے ماتحت ہوا کرتے ہیں اور نکاح کی مصلحتِ حقیقیہ ہے نسلِ انسانی کو برقرار رکھنا لیکن اس سلسلہ کو جاری کرنے کیلئے جب تک عورت و مرد میں ایک دوسرے کی طرف کشش نہ ہو یہ خواب کیونکر شرمندہ تعبیر ہو۔ پس خداوند کریم نے عورت و مرد میں کشش پیدا کرنے کے لئے ان کو اپنی حکمتِ تامہ کی رُو سے قوتِ شہوانیہ عطا فرمائی تاکہ ان کا باہمی تجاذب سلسلۂ نسلِ انسانی کا پیش خیمہ ہو۔ پس فطری طور پر انسان بقاءِ نسل کی طرف اقدام

کرتا ہے لیکن شہوانی کشش کے ماتحت ورنہ اگر یہ کشش نہ ہوتی تو قطعاً یہ غرض پوری نہ ہوسکتی۔ دیکھئے نکاح سنّت ہے اور خداوند کریم کی طرف سے انسان پر عائد شدہ احکام واجبات و محرمات جن کو شریعتِ مقدسہ نے رائج فرمایا ہے کس قدر زیادہ ہیں اور انسان اور خصوصاً مسلمانوں کا طبقہ ان پر کس حد تک عمل پیرا ہے؟ اور یہ اس لئے کہ ان پر عمل کرنے سے انسان کو لذت نہیں آتی اور جن چیزوں میں نفس لذت محسوس کرتا ہے خواہ خدا ان کو حرام بھی کہے ان سے باز نہیں آتا اور نکاح باوجودیکہ سنّت ہے لیکن چونکہ اس میں لذت ہے اس لئے اس کی طرف خوشی سے بلکہ لڑبھڑ کر اقدام کرتا ہے بلکہ اس راہ میں ہزار روکاوٹیں ہوں تب بھی ان کے دفع کرنے کیلئے ہمہ تن تیار ہوتا ہے بلکہ اس کی خاطر جان و مال تک کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ پس یقینی بات ہے کہ اگر خواہش و شہوت نہ ہوتی نسلِ انسانی کی برقراری کی غرض صرف عورت و مرد کی خلقت سے پوری نہیں ہوسکتی تھی۔

پس عورت و مرد کی ازدواجی زندگی صرف نسلِ انسانی کی بقار کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ انسان حیوانیت کی بے راہ روی سے بچ سکے اور افراط و تفریط سے یکسو ہو کر تمدنِ انسانی کا ضامن ہو جس کے لازمی نتیجہ میں نسلِ انسانی کی بقار سے زمین آباد ہو اور عالم سکون و اطمینان کا گہوارہ ہو۔ پس خواہشات کا پورا کرنا غرضِ خلقتِ انسانی کے منافی نہیں، ہاں ان کی آوارگی اور بے راہ روی منافیٔ فطرت بھی ہے اور مصادمِ غرض بھی۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر شادی کرنے والا جوڑا صاحبِ اولاد ہو۔ تو کیا ایسی صورت میں ان کا شادی کرنا ناجائز قرار دیا جائے کیونکہ ان کی شادی سے نسلِ انسانی پر کچھ اثر نہیں پڑتا اسی طرح بانجھ عورت سے شادی کرنا اور اسی قسم کی ہزاروں شقیں سامنے لائی جاسکتی ہیں۔ بہر کیف شہوت کی تکمیل حرام نہیں بلکہ تکمیلِ شہوت میں بے راہ روی اور آوارگی شریعتِ مقدسہ نے ناجائز قرار دی ہے۔ بنابریں نکاح متعہ کو شریعتِ مقدسہ نے اسی آوارگی اور بے راہ روی کے سدباب کیلئے ایجاد کیا تھا جبھی تو مولائے کائنات فرمایا کرتے تھے اگر متعہ کو حرام نہ کیا گیا ہوتا تو بدنصیب ہی بدکاری کا مرتکب ہوتا۔ پس اس باب میں اتنا لکھنا کافی ہے اس کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ متعہ انہی عورتوں سے ہوسکتا ہے جن سے نکاح دائمی ہوسکتا ہے اور متعہ کی مدّت ختم ہو جانے کے بعد اس کو بڑھایا بھی جاسکتا ہے۔ مدّت ختم ہو جانے کے بعد عورت کے لئے طلاق کی نصف عدّت تک انتظار کرنا ضروری ہے اس کے بعد وہ کسی دوسرے سے نکاح متعہ یا نکاح دائمی کرسکتی ہے نیز متعہ کی اولاد اس مرد کی صحیح اولاد ہوگی اور وہ اپنے ماں باپ کی وارث ہوگی جس طرح دوسری اولاد وارث ہوا کرتی ہے۔ نیز متعہ کے صیغے نکاح کے صیغوں کی طرح پڑھے جاتے ہیں اور مجبوری کی صورت میں ان کے اپنی زبان میں ترجمہ سے بھی متعہ ہوسکتا ہے۔ اور متعہ میں تعداد کی کوئی پابندی نہیں حتیٰ کہ اگر چار منکوحہ عورتیں گھر میں ہوں تب بھی ایک یا زیادہ عورتوں سے متعہ کیا جاسکتا ہے

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ

اور جو طاقت نہ رکھے تم سے مال کی کہ نکاح کرے پاک دامن مومن عورتوں سے تو ان سے کہ مالک ہوں تمہارے

اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ

ہاتھ کنیزیں مومنہ اور اللہ جانتا ہے تمہارا ایمان کہ تمہارا بعض بعض سے ہے پس ان سے نکاح

بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

کرلو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کو ان کے مہر ساتھ نیکی کے جو پاک دامن ہو نہ ظاہر بدکار اور نہ بنانے

اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ

والی ہوں پوشیدہ یار پس جب شادی شدہ ہوجائیں تو اگر کریں بدکاری تو ان پہ آدھی ہوگی اس کی جو (آزاد) شادی شدہ عورتوں

مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

پر ہے سزا یہ (کنیزوں سے شادی) اس کے لئے ہے جو ڈرے زنا سے تم میں سے اور اگر صبر کرو تو تمہیں اچھا ہے اور اللہ غفور

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ ۔ یعنی اگر آزاد عورت کے حق مہر اور اخراجات کا بوجھ برداشت کر سکو تو کنیزوں سے شادی کرلو کیونکہ ان کے مہر و اخراجات میں تخفیف ہوتی ہے یعنی دوسروں کی کنیزوں سے ان کی اجازت کے ماتحت ورنہ اپنی کنیز تو بغیر نکاح کے حلال ہوا کرتی ہے اور شرط یہ ہے کہ کنیز بھی مومنہ ہو معلوم ہوا کہ کافرہ سے نہیں ہو سکتا۔

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ تم سب بنی آدم ہو اور ایک ہی جنس سے ہو۔

یا یہ کہ تم سب آپس میں ایمانی بھائی ہو۔ لہٰذا کنیزوں سے شادی کرنا عار نہ سمجھو

وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۔ عرب جاہلی میں بعض لوگ ایسے تھے جو اعلانیہ زنا کو گناہ سمجھتے تھے اور خفیہ زنا کو وہ جائز جانتے تھے اس لئے خداوند کریم نے ان دونوں کو الگ الگ ذکر کر کے منع فرمایا نہ وہ مسافحات ہوں یعنی اعلانیہ زنا کرنے والی اور نہ متخذات اخدان ہوں یعنی خفیہ یار رکھنے والیں۔

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ ۔ یعنی اگر آزاد و منکوحہ عورت زنا کرے تو اس کی سزا کی نصف سزا کنیز کو دی جائے گی۔ اگر زنا ثابت ہو جائے یعنی پچاس کوڑے۔

لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ ۔ یعنی اگر غلبہ شہوت سے مجبور ہو کر زنا میں پڑنے کا ڈر ہو تو کنیزوں سے شادی کرے ورنہ اگر صبر کر سکے تو

رَحِيمٌ ﴿٢٥﴾ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ

رحیم ہے چاہتا ہے خدا کہ بیان کرے تمہارے لئے (احکام) اور بتائے رستے ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے اور رجوع

عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ

رحمت کرے تم پر اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر رجوع رحمت کرے اور چاہتے ہیں وہ لوگ

يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ

جو پیچھے پڑتے ہیں شہوتوں کے یہ کہ تم کج روی کرو زیادہ چاہتا ہے اللہ کہ تخفیف کرے تم سے اور پیدا ہوا ہے

الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ

انسان کمزور اے ایمان والو! نہ کھاؤ ایک دوسرے کے مال آپس میں غلط طریقہ سے مگر یہ کہ

تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾

تجارت ہو باہمی رضامندی تمہاری سے اور نہ قتل کرو آپس میں تحقیق اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے

اور زیادہ بہتر ہے۔

رکوع نمبر ۲

يُرِيدُ اللَّهُ :- یعنی خدا چاہتا ہے کہ گذشتہ نیک لوگوں کے طریق پر چلو تاکہ جس طرح وہ انجام کار خدا کی رحمت سے واصل ہوئے اسی طرح تم بھی انہی جیسی نعمات حاصل کرو لیکن خواہش پرست لوگ تمہیں خدا کی رحمت سے دور کرنے پر آمادہ ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم خدا کی حدود شکنی کر کے مستحق عذاب ہو جاؤ۔

أَنْ يُخَفِّفَ :- یعنی آزاد عورتوں سے نکاح نہ کر سکنے کی صورت میں اس نے کنیزوں سے نکاح کر لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے اور وہ صبر نہ سکے گا یا یہ کہ تمہارے گناہوں کے بعد اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی کمزوریوں کو جانتا ہے۔

بِالْبَاطِلِ :- مجمع البیان میں اس سے مراد سود خوری، جوا، دھوکہ اور ظلم ہیں اور یہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے

لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ :- یعنی خدا کی نافرمانی سے اپنے نفسوں کو ہلاک نہ کرو یا بعض بعض کو قتل نہ کرو اور قتل نفس سے باز رکھنے کا حکم خدا کا رحم ہے ورنہ اگر اس کی طرف سے منع نہ ہو تو انسان بلکہ انسانیت تباہ ہو جائے گی۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

اور جو ایسا کرے ازراہ سرکشی و ظلم تو عنقریب اس کو جلائیں گے ہم دوزخ میں اور یہ اللہ پر

يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا

آسان ہے اگر بچو گناہانِ کبیرہ سے جن سے منع کئے گئے ہو تو ہم دور کر دیں گے تم سے برائیاں تمہاری اور داخل کریں گے پاکیزہ

گناہانِ کبیرہ سے بچنے کا حکم

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ ۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے متعلق خداوند کریم نے قرآن مجید میں جہنم کی وعید کی ہے اور اس دنیا میں اس کے لئے حد مقرر فرمائی ہے اور ابن عباس سے منقول ہے کہ ہر وہ چیز جس سے خدا نے منع فرمایا ہے اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں ہمارے علماء کا مسلک یہی ہے کہ گناہ سب کبیرہ ہیں لیکن چونکہ بعض بعض سے اکبر ہیں اس لئے ان کو صغیرہ و کبیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے نیز آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ اگر تم گناہانِ کبیرہ سے باز رہو گے جو نکاح میراث اور یتیموں کے اموال اور سود خواروں وغیرہ کے متعلق اسی سورہ میں بیان کئے جا چکے ہیں تو اس سے پہلے کی اس قسم کی تمہاری برائیاں معاف کر دی جائیں گی اسی بناء پر ابن مسعود سے منقول ہے کہ اس سورہ میں اوّل سے لیکر آیت نمبر ۳۰ تک جن چیزوں سے خدا نے فرمایا ہے ان کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور علامہ طبرسی نے اسی کو پسند فرمایا ہے لیکن میرے خیال میں اس کو مخصوص کرنے کی ضرورت نہیں جبکہ آیت کے عمومی الفاظ بھی اس سے انکاری ہیں پس مقصد یہ لیا جائے کہ اگر انسان گناہانِ کبیرہ سے رُک جائے تو اس کے گناہانِ صغیرہ معاف کر دیئے جائیں گے تو بہتر ہوگا اور روایات آئمہ بھی اس کی موید ہیں۔ ہاں علامہ طبرسی کے نزدیک چونکہ گناہ سب کبائر ہیں اس لئے انہوں نے شاید اس معنی کو اختیار نہ فرمایا ہو لیکن وہ بھی اپنے مقام پہ گناہوں میں فرق تو کرتے ہیں اور معنی ان کے مختار کے مطابق اسی نہج پہ ہو سکتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے گناہانِ کبیرہ کی فہرست یہ نقل کی گئی ہے کہ عمرو بن عبید بصری نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی اور چپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا خاموش کیوں ہوا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ حضور گناہانِ کبائر میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ پس آپ نے فرمایا (۱) سب کبائر سے اکبر گناہ ہے شرک کرنا چنانچہ اس کے متعلق فرماتا ہے وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۔ جو شرک کرے گا اس پر اللہ نے جنت حرام کی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے (۲) اللہ کی رحمت سے ناامیدی چنانچہ فرماتا ہے ۔ لَا يَيْاَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (۳) اللہ کی گرفت سے بے خوف فرماتا ہے لَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (۴) والدین کی نافرمانی (۵) نفسِ محترمہ کا قتل (۶) پاک دامن شادی شدہ عورتوں کو زنا کی تہمت دینا (۷) یتیم کا مال کھانا (۸) جہاد سے بھاگنا (۹) سود کھانا (۱۰) جادو کرنا (۱۱) زنا (۱۲) جھوٹی قسم کھانا (۱۳) دھوکا (۱۴) زکوٰۃ ادا نہ کرنا (۱۵) جھوٹی گواہی دینا (۱۶) شہادت حق پر پردہ ڈالنا (۱۷) شراب پینا (۱۸) نماز ادا نہ کرنا (۱۹) کوئی دوسرا فرض نہ ادا کرنا (۲۰) عہد شکنی (۲۱) قطع رحمی اور آپ نے ان

تمام گناہوں کے اثبات میں آیاتِ قرآنیہ تلاوت فرمائیں جن کو ہم نے اختصار کے پیشِ نظر چھوڑ دیا ہے پس جب عمرو بن عبید بصری نے سُنا تو چیخیں مارتا ہوا باہر نکلا اور یہ کہہ رہا تھا کہ جو شخص اپنی رائے سے کچھ کہے یا آپ سے فضل میں برابری کا دعویٰ کرے تو وہ ہلاک و برباد ہے۔ تفسیر برہان میں فقیہہ سے منقول ہے کہ امام رضا علیہ السلام سے حاکم جائر کی ملازمت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے سلیمان راوی - حدیث سے فرمایا (۴۲) اے سلیمان ان کے اعمال میں داخل ہونا۔ ان کی امداد کرنا اور ان کے حوائج میں جد و جہد کرنا کفر کے برابر ہے۔ (۴۳) اور ان کی طرف عمداً نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہِ کبیرہ ہے جس سے انسان دوزخ کا سزاوار ہو جاتا ہے (ممکن ہے اس کے مصادیق اس زمانہ کے سلاطین بنی عباس ہوں جو آئمہ اہلبیتؑ اور جملہ سادات بنی فاطمہؑ کے قتل و آزار کیلئے ہر وقت آمادہ تھے پس چونکہ ان کے کاروبار میں شریک ہونا اور ان کی امداد کرنا قتل آئمہ اور ایذاء سادات میں شرکت کا موجب تھا۔ اس لئے معصوم نے اسے کفر سے تعبیر فرمایا واللہ اعلم) ایک روایت میں حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے (۴۴) مطلق نشہ اور مستی گناہِ کبیرہ ہے (۴۵) اور اسی طرح وصیت میں باقی ورثاء پر زیادتی کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت فقیہ اور تہذیب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تمام گناہانِ کبیرہ میں سے اکبر کل سات ہیں (۱) شرک (۲) قتل نفس (۳) مال یتیم کا کھانا (۴) والدین کی نافرمانی (۵) پاکدامن عورت پر تہمت (۶) جنگ سے فرار (۷) اللہ کی نازل کردہ چیز کا انکار ● شرک کے متعلق تو تم لوگ سن چکے ہو کہ کیا کچھ خدا و رسول نے ہمارے حق میں فرمایا لیکن لوگوں نے اس بارے میں خدا و رسول کو جھٹلایا (پس وہ شرک کے مرتکب ہوئے) ● قتل نفس کے بارے میں امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کا قصہ اظہر من الشمس ہے ● یتیم کا مال سو ہم یتیم ہیں اور ہمارا مال فئے ہضم کیا گیا ● والدین کی نافرمانی تو رسول بفرمان خدا امت کا باپ تھا تو اس کی ذریت کے حق میں اس کی نافرمانی کی گئی ● پاکدامن پر تہمت۔ سو انہوں نے جناب فاطمہؑ کے متعلق منبروں پر بہت کچھ کہا ● جہاد سے فرار۔ تو حضرت امیر علیہ السلام کی بیعت کر کے فرار کر گئے ● خدا کی نازل کردہ اشیاء کا انکار تو ہمارا حق ہے جس کا انکار کیا گیا اور یہ وہ گناہ ہیں جن سے کسی کو معاف نہ کیا جائے گا اور پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی مقصد یہ ہے کہ جو شخص ان گناہوں سے بچ جائے اس کے باقی گناہ عفو کے قابل ہوا کرتے ہیں لیکن ان کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ صرف اہلبیتؑ عصمت کی ولایت و محبت کافی ہے اور باقی اعمال کی ضرورت نہیں ورنہ ایسے لوگوں سے آئمہ طاہرینؑ بری الذمہ ہیں۔

چنانچہ ہم نے تفسیر کی جلد اول میں بھی اس کی کافی وضاحت کی ہے۔ پہلی روایت میں جن گناہانِ کبیرہ کا ذکر تھا وہ تھی آیت مجیدہ کی ظاہری تفسیر اور آخری حدیث میں گناہانِ کبیرہ کے جن افراد اور ان کے ارتکاب کرنے والوں کا تذکرہ ہے اس سے مراد ہے آیتِ مجیدہ کی باطنی تاویل اور قرآن کے ظاہر پر جس طرح عمل کرنا واجب ہے اسی طرح قرآن کے باطن پر بھی ایمان رکھنا واجب ہے اور نیز معصوم کی اس باطنی تاویل کو صرف انہی افراد تک محدود بھی نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ تاویل کا سلسلہ تاقیامت جاری ہے اور قیامت تک کے لئے جو لوگ اس قسم کے کام کریں گے وہ بھی اسی آیۂ مجیدہ کے ماتحت گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہو کر سزاوارِ جہنم ہوں گے۔ پس دورِ اول کے بعض لوگوں پر آیت کو چسپاں کر کے اپنے اعمال و کردار کو فراموش کرنا شیطانی دھوکا ہے۔

كَرِيمًا ۝ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا

جگہ میں اور نہ خواہش کرو اس کی کہ زیادتی دی ہے اللہ نے اس شے کی بعض کو بعض پر مردوں کے لئے ہے حصہ اس

اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ

سے جو کمائیں اور عورتوں کے لئے ہے حصہ اس سے جو کمائیں اور مانگو اللہ سے اس کی زیادتی تحقیق اللہ ہے ہر شے

وَلَا تَتَمَنَّوْا - یعنی دوسرے کے پاس مال نعمت اور خوبصورت عورت دیکھ کر یہ نہ کہنا چاہیئے کہ کاش یہ میری ہوتی کیونکہ یہ حسد ہے - ہاں یہ کہنا چاہیئے کہ میرے اللہ مجھے بھی اس جیسی عطا فرما - مجمع البیان - عن الصادق علیہ السلام

لِلرِّجَالِ - کہتے ہیں اُم سلمہ نے عرض کی تھی یا رسول اللہ مردوں کے لئے جہاد ہے جو عورتوں پر نہیں اور میراث میں بھی عورت کا حصہ آدھا ہے کاش ہم مرد ہوتے تاکہ مردوں کی طرح فضیلت ہمیں ملتی تو یہ آیت اتری کہ اعمال صالحہ میں سے جو مرد کمائے گا وہ مرد کو ملے گا اور جو عورت کمائے گی اس کا بدلہ عورت کو ملے گا - اللہ کے نزدیک جزا و سزا کے لحاظ سے عورت و مرد برابر ہیں - گویا عورت و مرد کے درمیان احکام میں جو فرق کئے گئے ہیں وہ ظاہری دنیاوی نظام کے قائم کرنے کے لئے مبنی بر مصلحت ہیں - ورنہ بعد از مرگ جزا و سزا دونوں کی یکساں ہے -

وَاسْأَلُوا اللَّهَ - احادیث میں مروی ہے کہ خداوند کریم نے ہر شخص کے لئے رزق کا ایک معیار مقرر فرمایا ہے پس جو شخص اپنے رزق میں حرام کی ملاوٹ کرے اسی قدر اس کے رزق حلال سے اس کو کم کر دیا جاتا ہے اگر وہ شخص حرام نہ ملاتا تو اسے اپنا پورا حلال ملتا - تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب حضرت باقر و حضرت صادق علیہما السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں اتری ہے -

مَوَالِيَ - مولیٰ کی جمع ہے اور اس جگہ اس سے مراد قریبی اور وارث ہے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے بھی یہی منقول ہے

وَالَّذِينَ عَقَدَتْ - اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ علیحدہ ہے اور پھر اس کے معنی کے متعلق اقوال چند ہیں ایام جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ دو شخص آپس میں ہم قسم ہو کر یہ باہمی عہد کرتے تھے - تیرا خون میرا خون - تیری جنگ میری جنگ - تیری صلح میری صلح اور تو میرا وارث اور میں تیرا وارث ہوں گا اور تو میری اور میں تیری دیت ادا کروں گا - پس اس صیغہ کے جاری ہونے کے بعد جب ان میں سے ایک پہلے مرتا تھا تو دوسرا اس کا حلیف اس کی جائداد میں سے ⅙ حصہ کا وارث قرار دیا جاتا تھا پس یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ان کو اپنا مقررہ حصہ دے دو لیکن اس کے بعد آیت اُولُوا الْاَرْحَامِ کے ذریعہ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا (۲) وہ لوگ مراد ہیں کہ مدینہ میں آنے کے بعد جناب رسالتمآبؐ نے ان کے درمیان صیغہ مواخات جاری فرمایا تھا پس وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا - (۳) لوگ جاہلیت کے زمانہ میں متبنّٰی بناتے تھے جیسے کہ زید جناب رسالتمآبؐ کا متبنّٰی تھا پس ان کے متعلق حکم تھا کہ بوقت مرگ ان کیلئے کچھ نہ کچھ وصیت کر جایا کرو اور یہ آیت اسی حکم پر عمل کرنے کا اعادہ رہی ہے کہ انہیں اپنا حق دے دو (مجمع البیان)

شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ

کو جاننے والا اور ہر ایک کے لئے بنائے ہم نے وارث اس کے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور صاحبانِ قرابت اور وہ لوگ جو

اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ

تمہارے ہم قسم ہو چکے ہیں پس دو ان کو حصہ تحقیق اللہ ہر شے پہ حاضر ناظر ہے مرد بالادست ہیں عورتوں

عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ

پر بوجہ اس کے کہ فضیلت دی اللہ نے بعض کو بعض پر اور بوجہ خرچ کرنے ان کے اپنے مالوں میں سے پس نیک

یہ آیت مجیدہ بھی جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے دعویٰ فدک کی تصدیق کر رہی ہے کیونکہ آیت مجیدہ کے الفاظ عمومی بانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ ہر شخص کے لئے وارث و اقربین ہوا کرتے ہیں جو اس کے متروکہ کے مالک ہوا کرتے ہیں خواہ وہ نبی ہوں یا غیر نبی۔ پس حدیثِ مفروضہ کہ نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ محض جھوٹ اور بے حقیقت بہانہ تھا

رکوع نمبر۳

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ۔ خداوندکریم نے مردوں کو عورتوں پر بالادستی عطا فرمائی ہے اور اس آیت مجیدہ میں اس کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں ایک تو یہ کہ مرد کو عورت پر خدا نے فضیلت دی ہے اور وہ علم و عقل اور عزم و تدبیر ہے کہ عورتوں میں یہ صفات بہ نسبت مرد کے یقیناً بہت کم ہوتی ہے اور خانگی نظام میں جب تک مرد کو بالادستی حاصل نہ ہو کبھی تدبیر منزل میں کامیابی نہیں ہو سکتی اور دوسری وجہ مرد کی بالادستی کی جو خدا نے بیان کی ہے وہ ہے مرد کا خرچ کرنا یعنی عورت کے حق مہر کی ادائیگی اور اس کے بعد اس کے جملہ اخراجات بذمہ مرد کے ہوا کرتے ہیں لہٰذا بالادستی کا حق بھی اسی کو حاصل ہونا چاہیے اس کی مزید وضاحت تیسری جلد میں ہو چکی ہے۔ صـ۹۳ تا صـ۹۶ و صـ۹۵ تا صـ۱۰۱

حٰفِظٰتٌ صـ۱۷۱۔ یعنی مرد کی غیر حاضری کے زمانہ میں بھی وہ اپنی ناموس اور مرد کے اموال کی محافظ رہتی ہے جس طرح خداوندکریم نے ان کے حقوق کو محفوظ فرمایا ہے کہ ان کے جملہ اخراجات کا بوجھ مردوں کے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ صـ۱۷۱۔ یعنی جن عورتوں سے نافرمانی کے آثار نمودار ہونے لگیں اور تمہیں خطرہ محسوس ہو کہ یہ اور آگے بڑھ کر فساد کا پیش خیمہ بنیں گی تو ابھی سے ان کو نصیحت کرو اگر زبانی نصیحت کارگر نہ ہو تو سونے میں ان کے ساتھ یکسوئی کرو کیونکہ اگر عورت کی مرد کے ساتھ محبت ہوگی تو قطعاً اس مفارقت پر صبر نہ کر سکے گی اور اگر محبت کم ہوگی تو وہ پرواہ تک نہ کرے گی اور جب عورت اس نوبت سے آگے بڑھ جائے تو پھر اس کو سزا دے یعنی کم سزا سے رفتہ رفتہ زیادہ کی طرف قدم بڑھائے اور مارتے وقت اتنا بھی نہ مارے کہ اس کو زخمی کر دے۔

فَابْعَثُوْا حَكَمًا صـ۱۷۱۔ مجمع البیان میں اس امر کا مخاطب سلطانِ وقت ہے جس کی طرف عورت و مرد نے اپنا مقدمہ پہنچایا ہو چنانچہ صادقین علیہما السلام سے ایسا ہی مروی ہے۔

قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۗ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

عورتیں اطاعت گزار (جان مال کی) پاسدار ہیں پیٹھ پیچھے بوجہ پاسداری اللہ کے اور جو عورتیں ڈرتے ہو تم ان کی نافرمانی سے تو ان کو

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ

نصیحت کرو اور ان سے یکسوئی کرو سونے میں اور ان کو مارو پس اگر اطاعت کرلیں تو نہ طلب کرو ان پر کوئی راہ الزام

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ

تحقیق اللہ بلند و بزرگ ہے اور اگر ڈرو ان کے باہمی اختلاف سے تو بھیجو ایک مرد مرد کے خاندان سے

وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اور ایک عورت کے خاندان سے اگر چاہیں گے وہ دونو اصلاح تو میل دے گا خدا ان دونوں کو تحقیق اللہ دانا بینا ہے

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ سائل نے دریافت کیا کہ دو نو حکم اگر عورت و مرد سے صاف اجازت لے لیں کہ کیا تم دونوں نے اپنا معاملہ ہمارے سپرد کردیا ہے اگر ہم چاہیں تو تمہیں ملا دیں اور اگر چاہیں تو تمہیں الگ کردیں؟ پس عورت و مرد اجازت دے دیں اور اس پر گواہی قائم ہو جائیں تو کیا اب یہ دونوں حکم عورت و مرد کے درمیان طلاق واقع کرکے ان کو جدا بھی کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں لیکن شرط یہ ہے کہ عورت حیض میں نہ ہو اور اس طہر میں عورت و مرد نے ہمبستری نہ کی ہو پھر سائل نے پوچھا اگر ایک حکم ان میں جدائی کرنا چاہے اور دوسرا ان کو ملانا چاہے تو پھر؟ آپ نے فرمایا جدائی نہ ہوگی جب تک دونوں کا اتفاق جدائی پر نہ ہو۔

پس روایات معصومین علیہم السلام میں بکثرت وارد ہے کہ دونوں فیصل مرد و عورت کی تفریق کا حکم نہیں دے سکتے جب تک کہ عورت و مرد سے اجازت نہ حاصل کرلیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ دونو حکم خود مختار ہیں خواہ ان میں تفریق کا فیصلہ کریں خواہ ان کو ملا دیں لیکن یہ مذہب امامیہ کے فیصلہ کے خلاف ہے جیسا کہ بعض روایات کا مضمون گزر چکا ہے۔

محمد بن مسلم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا جب تک عورت و مرد سے اجازت نہ لیں حکمین کے لئے ان کی تفریق جائز نہیں۔ نیز زید شحام نے بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے جس کے الفاظ مثلِ حدیث سابق کے ہیں اور اس قسم کی بہت سی احادیث خانوادۂ عصمت سے صادر ہوئی ہیں اور اجازت حاصل کرنے کے بعد وہ حکم وکیل طلاق ہو جائیں گے لہذا ان کی تفریق جائز ہوگی اور آیت مجیدہ قرآنیہ میں صرف یہ ہے کہ وہ دونوں اصلاح کی کوشش کریں اور اگر دونوں کی نیت درست ہوگی تو ممکن ہے کہ خدا توفیق صلح دے دے۔ اب آیا مرد و عورت کے درمیان صلح نہ ہو سکے تو دونوں خود بخود ان میں طلاق کا حکم بھی نافذ کردیں تو آیت قرآن اس سے خاموش ہے بس اس سلسلہ میں بجائے قیاس کرنے کے ناطق قرآن کے فیصلہ کو دیکھنا چاہیئے اور وہ ہی قرآنی نکات کو تمام امت سے بہتر سمجھنے والے ہیں اور ان کے فرامین ذکر ہو چکے ہیں

مردوں کی حکومت پر ایک نظر

آیت مجیدہ الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ۔ علی الاطلاق عورتوں پر مردوں کی بالادستی کا اعلان کر رہی ہے تدبیر منزل میں بھی اور سیاست مدنیہ میں بھی اور عورت و مرد کی جداجدا وضع ساخت بھی اسی کی متقاضی ہے۔ ہاں اخروی سزا و جزا میں عورت و مرد مساوی ہیں اور اللہ کے نزدیک اکرم وہ ہے جو متقی ہو خواہ مرد ہو یا عورت چنانچہ تفسیر میزان میں تفسیر درمنثور سے مروی ہے کہ ایک روز جناب رسالتمآبؐ مجمع اصحاب میں رونق افروز تھے کہ اسماء بنت یزید انصاریہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی حضور میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں صنف نساء کی طرف سے بصورت وفد خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی ہوں اور میں جو کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام عورتیں میری آواز سے متفق ہیں۔

آپ کو خداوند حکیم نے مردوں اور عورتوں کی طرف رسول بالحق بناکر بھیجا ہے۔ پس آپ کی رسالت اور آپ کے بھیجنے والے خدا کی الوہیت پر ہمارا ایمان ہے ہم عورتیں گھروں میں پابند۔ مردوں کی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ اور تمہاری اولاد کی حامل ہیں اور تم مردوں کو جمعہ جماعت بیمار پرسی جنازہ خوانی اور حج وغیرہ کے لئے خدا نے ہم پر فضیلت دی اور جہاد ایک افضل عمل ہے وہ بھی مردوں کے حصہ میں ہے لیکن جب مرد حج عمرہ اور جہاد وغیرہ کے لئے گھر سے باہر جائے تو ہم ان کے لباس کی اصلاح اور مال کی تربیت میں مصروف رہتی ہیں تو کیا اجر میں ہم مردوں کے ساتھ شریک نہیں۔

حضورؐ یہ سنتے ہی صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا امور دینیہ کے متعلق تم نے کبھی کسی عورت کو اس سے بہتر سوال کرتے سُنا ہے انہوں نے عرض کی نہیں حضورؐ ہمیں تو خیال ہی نہیں پڑتا تھا کہ کبھی کوئی عورت اس سنجیدگی سے ایسی بات کرے پس آپ اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے عورت تو واپس جا اور باقی عورتوں کو بھی میرا پیغام پہنچا دے کہ تم میں سے کسی عورت کا مرد کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی امور خانہ داری میں فرمانبرداری اور رضا جوئی مردوں کے ان تمام امور خیر کے برابر ثواب رکھتی ہے پس وہ عورت یہ سنتے ہی خوشی سے نعرہ تکبیر پڑھتی اور ہنستی ہوئی واپس چلی گئی۔

بے شک اسلامی عورت ہمیشہ سے اس طریق اور دین پر کاربند رہی ہے اور امور خانہ داری کی اصلاح اور مرد کی اطاعت کو ہی بہترین جہاد سمجھتی ہے اور کبھی عورت کو مردوں کے دوش بدوش گھر سے باہر نکل کھڑے ہونے کا خیال تک نہیں آیا اور اپنی عفت و حیا کو روندنا عورت اپنے لئے منافی شرافت سمجھتی رہی ہے لیکن جب سے مغرب کی جانب سے نام نہاد نسوانی آزادی کی مسموم ہوا چلی ہے اس نے اپنی ہمہ گیر تباہ کن لہروں سے اسلامی عورت کو بھی متاثر کر دیا ہے جس کی بدولت حسن اخلاق عفت اور شرم و حیا کا جنازہ نکل گیا اور مردوں نے عورتوں کی لاحجابی کو اپنی شہوت رانی اور نفس پرستی کا آلہ کار بناتے ہوئے اس تحریک کو اور اچھالا اور ان دونوں کی آزادانہ میل جول کی حیا سوز روش نے انسانیت کے پاک و صاف چہرہ کو ایسا داغدار کیا۔ کہ روح حیوانی بھی اپنے مقام پر دم بخود نظر آتی ہے خداوند کریم مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کی توفیق دے تاکہ ان کے ماتحت اپنے کردار کی اصلاح کر سکیں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک کرو اس کا کسی شے کو اور ماں باپ سے احسان کرو اور قرابت دار سے اور یتیموں

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا

اور مسکینوں اور ہمسایہ قرابت دار اور ہمسایہ اجنبی اور پہلو کے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں کنیزوں کے

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝۳۶ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

ساتھ تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا ہے اترانے والے فخر کرنے والے کو جو بخل کرتے ہیں

نبی و علیؑ اُمت کے باپ ہیں

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا :۔ اس آیت مجیدہ کے ذیل میں تفسیر برہان میں متعدد احادیث خانوادۂ عصمت سے مروی ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ اور حضرت علیؑ تمام اُمت کے باپ ہیں اور جناب رسالتمآبؐ سے بھی مروی ہے کہ اَنَا وَعَلِیٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ ۔ اور کتاب مناقب محمد بن جریر سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ منادی کرو جو شخص اپنے اجیر پر اجرت کے متعلق ظلم کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے مولی کے علاوہ کسی اور کی ولا رکھے گا۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے ماں باپ پر سب کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے پس حضرت امیرؑ نے منادی کی تو صحابہ کی ایک جماعت جن میں حضرت عمر بھی تھے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور منادی کے ان کلمات کی تفسیر دریافت کی۔ آپ نے آیت مودّت پڑھ کر فرمایا جو اس بارہ میں ہم پر ظلم کریگا وہ اللہ کی لعنت کا حقدار ہے پھر اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الخ۔ آیت پڑھ کر حدیث غدیر مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ پڑھی اور فرمایا جو اس کی اور اس کی ذریت کی ولا چھوڑ کر کسی اور کو مولا بنائے گا اس پر لعنت ہے اس کے بعد فرمایا اَنَا وَعَلِیٌّ اَبَوَا الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی میں اور علی مومنوں کے باپ ہیں جو ہم میں سے ایک کو سب کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے جب باہر نکلے تو حضرت عمر نے باقی صحابہ سے فرمایا کہ غدیر خم یا دوسرے مقامات کی بہ نسبت ولاء علیؑ کے متعلق حضور کا آج کا تاکیدی فرمان بہت شدید ہے۔ حسان بن ثابت کہتا ہے کہ یہ واقعہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات سے سترہ روز پہلے کا ہے۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ہمسائے تین قسم کے ہوتے ہیں ① وہ جن کے حقوق تین ہوتے ہیں ہمسائیگی کا حق۔ قرابت کا حق اور اسلام کا حق ② وہ جن کے حقوق دو ہوتے ہیں ہمسائیگی اور اسلام کا حق ③ جن کا حق صرف ایک ہوتا ہے اور وہ ہے حق ہمسائیگی اور ان سب سے احسان کرنے کا حکم ہے بعض روایات میں اپنے گرد کے چالیس گھروں تک اور بعض روایات میں اپنے گھر سے ہر طرف چالیس ذراع تک ہمسائیگی کا حق ہوتا ہے۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ۔ پہلو کا ساتھی خواہ رفیق سفر ہو خواہ زوجہ ہو خواہ کوئی دوسرا اجنبی غلام ہو اور خواہ مہمانِ نووارد ہو آیت کے عموم کے لحاظ سے اس میں سب داخل ہیں اور ان سے حسنِ سلوک کرنے کا حکم ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ۔ یہ آیت عام ہے اور اس کا ربط پچھلی آیت کے ساتھ ہے اگر عالم علم کا بخل کرے یا کوئی صاحب

وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا اور چھپاتے ہیں اس کو جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور ہم نے تیار کیا ہے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا

کافروں کے لئے عذاب ذلیل کن اور ان کے لیئے جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال دکھلاوے لوگوں کے لئے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ اور

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا

یوم قیامت پر اور جس کا ہو شیطان ساتھی تو وہ بُرا ساتھی ہے۔ اور کیا نقصان تھا ان کو اگر ایمان لاتے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ

اللہ اور یوم قیامت پر اور خرچ کرتے اس سے جو رزق دیا ان کو اللہ نے اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے تحقیق

اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا

اللہ نہیں ظلم کرتا ذرہ برابر اور اگر ہو نیکی تو اس کو چند در چند کرتا ہے اور اپنی جانب سے اجر عظیم عطا

عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰي هٰٓؤُلَاۗءِ

فرماتا ہے پس کیا حال ہوگا جب لائیں گے ہم ہر امت سے گواہ اور آپ کو لائیں گے اوپر ان کے

نعمت اس عطا شدہ نعمت کا بخل کرے تو اس آیت کا مصداق ہوگا یعنی ایسوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔

وَيَكْتُمُوْنَ ۔ یہ بھی عام ہے یعنی خدا کو نہیں پسند کہ وہ جسے اپنی نعمت عطا کرے وہ اسے پوشیدہ کرے خواہ علم ہو یا دولت یا کوئی اور نعمت۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جب خدا اپنے بندے پر کوئی نعمت بھیجتا ہے تو وہ اپنے بندے پر اس کا اثر دیکھنا چاہتا ہے۔

مَاذَا عَلَيْهِمْ ۔ اس سے عقیدہ جبر کا بطلان ظاہر ہے کہ خدا فرماتا ہے انہیں کیا نقصان ہے اگر ایمان لائیں تو معلوم ہوا کہ انسان ایمان لانے اور نہ لانے میں مختار ہے جبھی تو ایمان نہ لانے والوں کی مذمت فرما رہا ہے۔

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۔ مثقال ثقل سے ہے اور اس کا معنی ہے مقدار اور ذرہ سرخ رنگ کی چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں جو بمشکل نظر آتی ہے یا یہ کہ مکان میں سورج کی شعاع پڑتے وقت جو اس میں چھوٹے چھوٹے اجزا دکھائی دیتے ہیں ان کو ذرہ کہتے ہیں یعنی خدا اس قدر بھی اپنے بندوں پر ظلم روا نہیں رکھتا۔

فَكَيْفَ اِذَا ۔ یعنی ہر نبی اپنی اپنی امت پر گواہ ہوگا اور حضرت رسالتمآبؐ اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ بلکہ اس وقت ہر انسان کے اپنے اعضاء و جوارح بھی گواہ ہوں گے اور بمطابق روایات کے زمان و مکان بھی گواہ ہوں گے اور ابن مسعود سے روایت ہے کہ

شَهِيدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا

گواہ اس دن خواہش کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کاش ان کو برابر کیا جاتا زمین سے اور نہ

يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿۴۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ

چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات اے ایمان والو نہ نزدیک جاؤ نماز کے بحالت بے ہوشی یہاں تک

جب آپ کے سامنے یہ آیت میں نے پڑھی تو آپ کے آنسو بہہ نکلے پس جب شاہد کی یہ حالت ہے کہ اس مقام کی ہولناکی کو یاد کرکے روتے ہیں تو جن کے خلاف گواہی ہوگی۔ ان کا کیا حال ہوگا؟ (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت بالخصوص امتِ محمدیہ کے حق میں ہے اور ہر زمانہ میں ہم میں سے ایک امام ہوگا جو اپنے زمانہ والوں پر شاہد ہوگا اور جناب رسالتمآبؐ ہم پر شاہد ہوں گے اور حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اوصیاء صراط پر موجود ہوں گے اور جنت میں ان کا عارف ہی داخل ہوگا اور فرمایا خدا نے انہی کے متعلق فرمایا ہے يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ یعنی وہ گواہ اپنے دوستوں کو پہچانتے ہوں گے۔ الحدیث۔

اور بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر نبی کی امت پر اس نبی کا وصی گواہ ہوگا اور اس امت پر حضرت علیؑ گواہ ہوں گے

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الخ۔ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ جن لوگوں نے حضرت امیر علیہ السلام کو ناراض کیا وہ تمنا کریں گے۔ کاش جس دن ہم نے علیؑ کو ناراض کیا تھا اس دن ہمیں زمین نگل گئی ہوتی اور فرمانِ رسول کو نہ چھپایا ہوتا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ خواہش کریں گے کہ کاش تمام اہل محشر ہمیں اپنے قدموں سے روندیں جس طرح زمین کو روندا جاتا ہے اور اس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہول محشر میں اپنی کرتوتوں کا عذاب سامنے دیکھ کر وہ تمنا کریں گے کہ ہمیں زمین کے برابر اور زمین جیسا کر دیا جاتا اور نیز مروی ہے کہ چوپاؤں کو قیامت کے دن محشور کرکے پھر انہیں موت دیکر مٹی کر دیا جائے گا تو یہ لوگ بھی کہیں گے کاش ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا اور دائمی عذاب سے بچ جاتے۔ (مجمع البیان)

وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ۔ اس کے معنی میں کئی قول ہیں (۱) ایک معنی تو وہی ہے جو آیت کے نیچے موجود ہے اور وہ اس لئے نہ چھپا سکیں گے کہ ان کے اعضاء و جوارح بھی گواہی دیں گے (۲) اس کا عطف لَوْ تُسَوَّىٰ پر ہو یعنی کاش اللہ کے ساتھ معاملہ کھرا کیا ہوتا اور منافقت نہ کی ہوتی (۳) اللہ کا دین نہ چھپایا ہوتا اور جناب رسالتمآبؐ کے فرمان پر پردہ نہ دیا ہوتا۔

رکوع نمبر ۴

وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ:۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں بے ہوشی سے مراد نیند کی غشی ہے یعنی اچھی طرح ہوشیار ہو کر نماز پڑھو اور تفسیر برہان میں متعدد احادیث آئمہ طاہرین علیہم السلام سے اسی مضمون کی وارد ہیں۔

زمخشری سے ربیع الابرار میں مروی ہے کہ خداوند کریم نے شراب کی حرمت کے متعلق قرآن مجید میں تین آیات نازل فرمائیں پہلی دفعہ نازل فرمایا

تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ

کہ جان سکو وہ جو کہتے ہو اور نہ حالت جنب میں مگر یہ کہ راہ عبور کرنے والے ہو یہاں تک غسل کرلو اور اگر ہو

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ الخ۔ تو بعض مسلمان پیتے رہے اور حضرت عمر نے بھی ایک دفعہ پیا اور نشہ کے عالم میں عبدالرحمن بن عوف کا سر پھوڑ دیا اور پھر بدر کے مقتولین پر بیٹھ کر نوحہ پڑھنے لگا اور اسود بن یعفر کے اشعار پڑھے۔ جب یہ خبر حضرت رسالتمآبؐ تک پہنچی تو غضبناک ہو کر روانہ ہوئے کہ آپ کی ردا مبارک زمین پر خط دے رہی تھی اور یہ آیت نازل ہوئی اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اِلٰی قَوْلِهٖ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ جب آپ نے پڑھی تو حضرت عمر نے کہا کہ بس آئندہ میں نہ پیوں گا اور تفسیر کبیر جلد ۳ میں فخرالدین رازی نے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ افضل ترین صحابہ کی عبدالرحمن بن عوف نے دعوت کی اور شراب اس زمانہ میں جائز تھا اس نے بھی طعام کے ساتھ شراب تیار کیا۔ چنانچہ سب نے خوب کھایا اور پیا جب حالت نشہ میں آئے تو ادھر مغرب کا وقت آپہنچا تو انہوں نے ایک کو آگے کھڑا کر دیا تاکہ امامت کے فرائض انجام دے تو اس نے قرأت میں سورۂ کافرون کی تلاوت کی اور اس طرح پڑھی۔ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَاَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ تب یہ آیت اتری کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے چنانچہ اس کے بعد نمازوں کے اوقات میں شراب نہ پیتے تھے اور عشاء کی نماز کے بعد شراب پی لیا کرتے تھے کیونکہ نماز صبح تک اس کا نشہ اتر جاتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد مطلقاً شراب کی حرمت کا حکم آیا۔ سبحان اللہ! جب رہبر ایسے ہوں تو مقتدیوں کا کیا مقام ہوگا۔

تفسیر برہان میں بروایت عیاشی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے حلبی نے نقل کیا ہے کہ میں نے آپ سے اسی آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس بے ہوشی سے مراد نیند کی بے ہوشی ہے یعنی جب تمہیں نیند آرہی ہو اور تم اونگھ رہے ہو اور تمہیں پتہ نہ ہو کہ رکوع سجود تکبیر وغیرہ میں کیا کچھ کہہ رہے ہو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھی کرو اور اس سے وہ معنی ہرگز مراد نہیں جو لوگ کہتے ہیں کیونکہ مومن شراب نہیں پیا کرتا اور نہ مومن نشہ دار چیز استعمال کرتا ہے اور اسی کی تائید حضرت عائشہ سے نقل شدہ ایک روایت بھی کرتی ہے آپ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا جب تم اونگھ رہے ہو تو نماز چھوڑ کر چلے جایا کرو کیونکہ شاید بے شعوری کے عالم میں اپنے لئے بددعا ہی نہ کر رہے ہو۔ بہرکیف اہلبیت عصمت سے وارد شدہ روایات میں اس جگہ بے ہوشی سے مراد نیند کی بے ہوشی ہے لیکن چونکہ دوسرے مسلمانوں کے نظریہ کے ماتحت صحابہ کرام دور اوّل میں خوب شراب کے عادی تھے اور شراب کی منع کے بعد بھی نوش فرمایا کرتے تھے۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اس جگہ شراب کا نشہ مراد ہے چنانچہ فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں کہا ہے کہ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ اس جگہ نشہ سے مراد شراب کا نشہ ہے۔

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ۔ یعنی جنبی حالت میں بھی نماز ادا نہ کرو مگر یہ کہ مسافر ہو اور پانی دستیاب نہ ہو تو پھر تیمم کر کے نماز ادا کی جاسکتی ہے اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اَلصَّلٰوةُ سے مراد مَوْضِعُ الصَّلٰوةِ ہے یعنی مسجد۔ پس معنی یہ ہوگا کہ نماز کے لئے حالت بے ہوشی میں بھی مسجد میں نہ جاؤ اور نہ جنبی حالت میں مساجد میں جاؤ مگر صرف عبور کے لئے یعنی ایک

مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ

بیمار یا سفر میں یا آیا ہو کوئی تمہارا پیشاب پاخانہ سے یا جماع کیا ہو عورتوں سے پس

تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

نہ پاؤ پانی تو قصد کرو زمین پاک کا پس مس کرو اپنے منہ کا اور ہاتھوں کا تحقیق اللہ معاف

جانب سے دوسری جانب کی طرف عبور کرنے کے لئے مسجد سے جا سکتا ہے اور مسجد میں ٹھہر نہیں سکتا اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کیا جنبی آدمی مسجد میں بیٹھ سکتا ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ مسجد سے گذر سکتا ہے لیکن مسجد الحرام اور مسجد النبی سے گزر بھی نہیں سکتا

تیمم کا بیان

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ۔ اس مقام پر اَوْ بمعنی واؤ کے ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر انسان بیمار ہو اور پانی کا استعمال اس کے لئے باعث ضرر و نقصان ہو یا انسان سفر پر ہو اور پانی دستیاب نہ ہوتا ہو اور ہر دو صورت میں پیشاب پاخانہ پھر چکا ہو یا عورت سے ہمبستر ہو چکا ہو تو نماز کے لئے مٹی سے تیمم کرے۔

پیشاب پاخانہ پھرنا اسباب وضو میں سے ہے یہاں ایک سبب کو بطور مثال ذکر کیا گیا ہے یعنی تمہیں وضو کرنا ہو اور پانی کے استعمال سے بیماری یا نایابی کی مجبوری ہو تو وضو کے بدلے تیمم کر لیا کرو۔ اور اسباب غسل میں سے لمس نساء کو ذکر کیا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ اگر تمہیں غسل کرنا ہو اور پانی کے استعمال سے بوجہ بیماری یا اس کی نایابی کی معذوری ہو تو غسل کے بدلے تیمم کر لیا کرو۔

نیز پانی کے نہ ملنے کی قید سفر کے ساتھ لگائی گئی ہے کیونکہ عام طور پر سفروں میں ہی پانی کی نایابی کا شکوہ ہوا کرتا ہے ورنہ اگر گھر میں ہوتے ہوئے بھی کبھی ایسا اتفاق ہو جائے تو وہاں بھی تیمم قائمقام وضو یا غسل کے ہو گا۔

صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ صعید کا معنی مطلق روئے زمین ہے اور طیب کا معنی پاک ہے۔ بنا بریں مطلقاً روئے زمین جو پاک ہو اس سے تیمم کرنا جائز ہے بشرطیکہ ایسی چیز نہ ہو جس پر استحالہ کی وجہ سے زمین کا نام صادق نہ آتا ہو جیسے سیمنٹ چونا، پختہ اینٹ، راکھ، کوئلہ اور شورہ وغیرہ۔

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ۔ دونوں ہاتھوں کو ملا کر اگر انگوٹھی چھلا وغیرہ ہو تو اتار کر اکٹھے زمین پر مارے اور پھر آپس میں ہاتھوں کو جھاڑ کر پہلے منہ کا مسح کرے۔ بایں طور کہ دونوں ہاتھوں کو ملائے اور انگوٹھے پھیلائے اور پیشانی کے اوپر سر کے بال اُگنے کی جگہ پر رکھے کہ انگوٹھے پیشانی کی دونوں طرفوں کو گھیر لیں۔ پھر دونوں ہاتھوں کو نیچے کی طرف سرکائے اس طرح کہ ہتھیلیاں بلکہ ہاتھوں کا باطنی حصہ پیشانی کے چہرے سے جدا نہ ہو جائے بس ابروں تک ہاتھوں کو لائے پھر اس کے نیچے کا حصہ تیمم میں داخل نہیں۔ البتہ دونوں چھوٹی انگلیوں کو ناک کی بلند جگہ تک لے آئے اس کے بعد بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی پشت کا کلائی سے لے کر انگلیوں کے سرے تک مسح کرے اور پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت کا انگلیوں کے سرے تک مسح کرے اور ہاتھوں کیلئے وہ پہلی منہ والی ضرب کافی ہے زمین پر دوسری ضرب کی ضرورت نہیں نیز فقہاء

عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ

کرنے والا بخشنے والا ہے کیا تم نہیں دیکھتے ان کو جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے خرید کرتے پھرتے ہیں گمراہی کو اور

يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ

چاہتے ہیں کہ تم بھی رستہ بھٹک جاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ ولی اور کافی ہے اللہ

غسل کے تیمم میں کوئی فرق نہیں بعض علماء تیمم بدلے غسل کے اگر ہو تو دوسری ضرب ہاتھوں کے لئے کہتے ہیں یعنی سابقہ طریقہ سے پہلی ضرب سے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرے اور پھر ایک ضرب زمین پہ مار کر صرف ہاتھوں کا مسح کرے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس احتیاط میں بھی وضو اور غسل برابر ہیں لہذا ہر تیمم میں اس طریق کو اختیار کرے تو خوب ہے۔

مسئلہ: تیمم کر لینے کے بعد حکمی طہارت حاصل ہو جاتی ہے پس انسان تمام وہ کام انجام دے سکتا ہے جو طہارت سے مشروط تھے لیکن پانی دستیاب ہونے کے بعد یا ضرر رفع ہونے کے بعد تیمم خود بخود باطل ہو جائے گا اور اس سے حاصل شدہ حکمی طہارت باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ: پانی نہ ملنے یا پانی کے استعمال میں ضرر کی صورتوں کے علاوہ پانی مہنگا ملنے کی صورت میں جبکہ اس کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو یا پانی موجود ہو لیکن وہاں جا کر لانے میں عزت جان مال وغیرہ کا خطرہ ہو یا پانی نکالنے کا آلہ موجود نہ ہو یا یہ کہ پانی استعمال کر سکتا ہو لیکن وضو یا غسل کرنے سے نماز فریضہ کے قضا ہو جانے کا ڈر ہو اس قسم کی صورتوں میں بھی وضو یا غسل کے بدلہ میں تیمم کرنے کا حکم ہے۔

تنبیہہ: تیمم کی آیت وضو میں پاؤں کے مسح کو خوب ثابت کرتی ہے کیونکہ پانی دستیاب ہونے یا بے ضرر ہونے کی صورت میں جہاں وضو کا حکم ہے۔ وہیں مجبوری اور معذوری کی حالت میں تیمم اس کے قائم مقام ہے یعنی مٹی پانی کا بدل ہے۔ پس وضو میں جن جن اعضاء کے پانی سے دھونے کا حکم تھا مٹی کی قائم مقامی کی صورت میں انہی اعضاء کا مسح چاہیے اور وہ خدا نے صرف دو بتلائے ہیں ایک منہ اور دوسرے ہاتھ اور اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر وضو میں پاؤں کا دھونا واجب ہوتا تو پانی کی عدم موجودگی میں پاؤں کا تیمم میں بھی حصہ ہوتا پس پاؤں کا تیمم میں نہ داخل ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وضو میں پانی کا دھونا واجب نہ تھا بلکہ وہاں پاؤں کا مسح تھا کیونکہ وضو میں جو مسح کے اعضاء تھے وہ تیمم میں مستثنیٰ قرار پائے ہیں اور جو دھونے کے اعضاء تھے وہ تیمم میں مسح کے نیچے لائے گئے ہیں

مسئلہ: تیمم چونکہ وضو یا غسل کا قائمقام ہے۔ لہذا جو عبادات تیمم سے واقع کی جائیں ان کی قضا واجب نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے مقام پر صحیح شمار ہوتی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ - تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ یہاں ضلالت سے مراد حضرت علیؑ کی ولاء سے انحراف ہے یعنی وہ لوگ خود بھی حضرت علیؑ سے منحرف ہیں اور لوگوں کو بھی ان کی ولاء سے انحراف کی ترغیب دیتے ہیں۔

يَشْتَرُوْنَ - چونکہ یہودی علماء کے عوام کی جانب سے وظائف مقرر تھے پس یہ لوگ ان کی مرضی کے مطابق تورات کی

نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

مددگار۔ یہودیوں میں سے بعض ایسے ہیں جو بدل دیتے ہیں لفظوں کو اپنی جگہ سے اور کہتے ہیں

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ

ہم نے سُنا اور نافرمانی کی اور سن نہ سننے پائے اور راعنا موڑتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ

اور اگر وہ کہتے ہم نے سُنا اور اطاعت کی اور سُن اور نظر کرم پر تو خوب تھا ان کے لئے اور بہتر

وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا

لیکن ان پر اللہ کی لعنت ہے بوجہ ان کے کفر کے پس وہ ایمان نہیں لاتے مگر کم اے وہ لوگ جو دیئے گئے

الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا

کتاب ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو ہم نے نازل کی کہ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ

فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

مٹا دیں ہم چہروں کو کہ کر دیں ان کو پیٹھ کی طرف یا ان پر لعنت کریں جس طرح ہم نے لعنت کی اصحاب سبت کو اور اللہ کا امر

آیات میں رَدّ و بدل کر لیا کرتے تھے چنانچہ جناب رسالتمآبؐ کی جو تعریف تورات میں موجود تھی۔ صرف اپنے وظائف کے طمع کی خاطر ان کو ظاہر نہ کرتے تھے کیونکہ خواہ عوام یہود مسلمان ہوں یا نہ ہوں دونوں صورتوں میں ان کے وظائف پر اثر پڑتا تھا اگر وہ مسلمان ہو جاتے جناب رسالتمآبؐ کی تعریفیں تورات میں دیکھ کر تو پھر ان کو کیا ضرورت تھی کہ ان کو پیسہ دیتے اور اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو پھر بھی ان کے وظائف بند ہو جاتے کیونکہ اس صورت میں یہ لوگ ان کے ناکام مناظر ثابت ہوتے اور عوام میں مناظر کا کمال یہ ہے کہ مجمع میں دوسرے کو جھوٹا ثابت کرے اور اپنا جھوٹا ہونا قطعاً تسلیم نہ کرے پس ایسے لوگ ہی عوام کے مدح و ثنا کے قابل اور ان کی عطا کے سزاوار ہوا کرتے ہیں اور ان کی نظروں میں عالم کہلانے کے مستحق بھی صرف وہی ہوتے ہیں۔

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ۔ یہ بددعا کا کلمہ ہے جس طرح کسی کو کہا جائے یہ بات سُن خدا تجھے سننے کی توفیق نہ دے اور تو نہ سننے پائے۔ اسی طرح رَاعِنَا آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے اور مراد گالی لیتے تھے اور بولتے وقت زبان کو موڑ دیتے تھے تاکہ اس کا انصراف اس طرف کوئی نہ سمجھے یہ سب اُن یہودیوں سے متعلق ہیں جو اطراف مدینہ میں رہتے تھے اور جناب رسالتمآبؐ اور مسلمانوں کے لئے باعثِ اذیت بنے رہتے تھے۔

مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ

ہو کر رہتا ہے تحقیق اللہ نہیں بخشتا شرک کو اور بخشتا ہے وہ جو علاوہ ہو اس کے

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤی اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾

جسے چاہے اور جو شرک کرے ساتھ اللہ کے تحقیق اس نے افتری باندھا گناہ عظیم کا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ

کیا تم نہیں دیکھتے طرف ان کے جو پاکیزگی بیان کرتے ہیں اپنی بلکہ اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہے اور نہ ظلم کئے جائیں گے

فَنَرُدَّهَا عَلٰۤی اَدْبَارِهَاۤ - امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کا معنی یہ منقول ہے کہ اس کو ہدایت سے منحرف کر دے جس طرح اور مقام پر فرمایا کہ ان پر مہر لگ گئی اور یہ ان کی اپنی سرکشی اور بے اعتدالی کا ہی نتیجہ ہوا کرتا ہے اور تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ یہ عذاب حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہوگا اور دشمنانِ خدا اس عذاب میں ظاہری طور پر گرفتار ہوں گے۔

اَصْحٰبَ السَّبْتِ - اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں مچھلی کے شکار سے سنیچر کے روز منع کیا گیا تھا اور پھر انہوں نے حیلہ سازی کی تھی جس کے بدلہ میں بشکل بندر ان کو مسخ کیا گیا۔ چنانچہ تفسیر کی دوسری جلد میں اس کو ذکر کیا جا چکا ہے۔

مغفرتِ خدا

اِنَّ اللّٰهَ - آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں کلبی سے منقول ہے کہ حضرت حمزہ کے قاتل غلام سے مشرکین نے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہیں قتل حمزہ کے بدلہ میں آزاد کر دیں گے لیکن جب واپس مکہ پہنچ کر انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو وہ اپنے فعل پر نادم ہوا اور حضرت رسالتمآبؐ کی طرف اپنی ندامت کا پیغام بھیجا اور اسلام کی خواہش ظاہر کی اور کہلا بھیجا کہ چونکہ اسلام میں شرک اور قتلِ نفس اور زنا کا جرم قابلِ بخشش نہیں ہے ہم اسی ڈر سے اسلام نہیں لاتے تب توبہ اور عمل صالح والی آیت نازل ہوئی اور آپ نے ان کو بھجوائی تو انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ عمل صالح کی شرط بھی سخت ہے شاید ہم پورے نہ اتر سکیں تو یہ آیت اتری کہ شرک کے علاوہ خدا چاہے تو باقی تمام گناہ بخش دے تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ شاید ہم مشیتِ خداوندی سے باہر ہو جائیں۔ لہٰذا ہمیں اطمینان نہیں ہے۔ تب آیت اتری لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا - یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو خدا سب گناہ بخش دے گا جب یہ آیت ان کے پاس پہنچی تو وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مشرف بزیارت ہوئے تو حضورؐ نے قاتل حمزہ سے حمزہ کے قتل کی کیفیت پوچھی جب اس نے واقعہ بیان کیا تو حضورؐ نے فرمایا میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ چنانچہ وہ شام چلا گیا اور وہاں ہی اس کا انتقال ہوا۔ ملخصاً۔

قرآن مجید کی یہ آیت گنہگار مومنین کے لئے بخشش کا سہارا ہے کیونکہ فرماتا ہے شرک کے علاوہ باقی تمام گناہ بخشے جا سکتے ہیں۔

قَتِيلًا ﴿٤٩﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾ ع

پھر بھی دیکھئے کیسے افترا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ کے اور کافی ہے یہ گناہ صریح

پس مومن کو کسی صورت میں بخشش خداوندی سے مایوس نہ ہونا چاہیے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے اگر مومن کی امید مغفرت اور خوف عذاب کو تولا جائے تو وہ ہموزن ہوں گے کیونکہ نا امید ہونے والے کے متعلق فرماتا ہے وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ - یعنی رحمت پروردگار سے صرف گمراہ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں اور عذاب خدا سے نڈر لوگوں کے متعلق فرماتا ہے۔ وَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ - یعنی اللہ کی گرفت سے خسارہ پانے والے ہی نڈر ہوا کرتے ہیں۔

آیت مجیدہ سے مغفرت عامہ کا استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ خدا اگر چاہے تو تمام گناہ بلا توبہ کئے ہی بخش دے کیونکہ توبہ کے بعد تو شرک کا گناہ بھی معاف ہو سکتا ہے اس آیت میں شرک اور دوسرے گناہوں کے درمیان فرق کرنے کا مطلب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ اگر انسان بغیر توبہ کئے مر جائے تو شرک کے علاوہ جس قدر گناہ ہوں گے اگر وہ چاہے گا تو بخش دے گا اور شرک کا گناہ قطعاً قابل بخشش ہی نہیں اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شرک کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ ہر ایک کے معاف نہ ہوں گے بلکہ بعضوں کے معاف ہوں گے کیونکہ اگر سب کے معاف ہوتے تو فرماتا کہ ہر ایک کے بخش دوں گا یہ نہ فرماتا کہ جس کے چاہوں گا معاف کروں گا اور یہ بات عدل کے منافی بھی نہیں کیونکہ بلا استحقاق کسی کو سزا دینا۔ منافی عدل ہوتا ہے لیکن بلا استحقاق کسی کو انعام واکرام کرنا منافی عدل نہیں بلکہ عین تفضل ہے اور وہ اپنے افعال میں مجبور نہیں جس پر اپنا فضل وکرم کرنا چاہے اسے کوئی پابندی نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے فضل وکرم کے لئے کوئی ترجیح کی بھی تو وجہ ہو گی کیونکہ فعل حکیم حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا تو اس کے متعلق تفسیر برہان میں تفسیر سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن جس حال میں مرے جس دن مرے اور جس ساعت میں اس کی روح قبض ہو۔ وہ صدیق اور شہید ہو کر مرتا ہے۔ میں نے اپنے حبیب جناب رسول خدا سے سنا ہے آپ نے فرمایا اگر مومن دنیا سے کوچ کرے درحالیکہ اس کے اوپر اہل زمین کے گناہوں کے برابر بوجھ ہو تو موت اس کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائیگی پھر فرمایا کہ جو شخص خلوص کے ساتھ کلمہ توحید زبان پر جاری کرے وہ شرک سے بری ہو گا اور جو بھی شرک سے بری ہو کر دنیا سے جائے وہ داخل جنت ہو گا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ مُّحِبِّيْكَ وَشِيْعَتِكَ يَا عَلِيُّ - یعنی اے علی یہ تیرے شیعوں کے لئے ہے۔ حضرت فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور! یہ میرے شیعوں کے لئے ہے تو آپ نے فرمایا ہاں مجھے اپنے پروردگار کی قسم یہ تیرے شیعوں کے لئے ہے۔ اور وہ لوگ قبروں سے نکلیں گے یہ کہتے ہوئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ حُجَّةُ اللّٰهِ - پس جنت کے سبز حلّے ان کی خدمت میں لائے جائیں گے پس وہ پہنیں گے اور تاج ملک اور دستار کرامت سر پر رکھیں گے اور ناقہ ہائے جنت پر سوار ہوں گے جو انہیں پرواز کر کے جنت میں پہنچائیں گی۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ - ان کو قیامت کی سخت گھبراہٹ محزون نہ کرے گی اور ملائکہ ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے یہ تمہارا

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ

کیا نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جو دیئے گئے حصہ کتاب سے ایمان رکھتے ہیں جبت اور طاغوت پر

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾

اور کہتے ہیں کافروں کے متعلق کہ یہ لوگ زیادہ پانے والے ہیں بہ نسبت مومنوں کے راہ ہدایت کو

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

ایسے لوگوں کو لعنت کی ہے اللہ نے اور جس کو لعنت کرے اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کا کوئی مددگار

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾

کیا ان کا حصہ ہے سلطنت سے ؟ پھر تو وہ نہ دیں گے لوگوں کو نقیر برابر بھی

وہی دن ہے جس کا تم وعدہ کئے گئے تھے۔ اسی بناء پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے شرک سے مراد لیا ہے کفر ولایت علیؑ اور يَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ کا مصداق وہ لوگ ہیں جو حضرت علی علیہ السلام سے ولا رکھتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ منٹ[۱۸۰] - یہود ونصاریٰ اپنے متعلق کہتے تھے کہ ہم اللہ کے دوست اور خالص جنتی ہیں۔ آیت مجیدہ نے ان کے قول کی تردید کردی ہے۔

فَتِيْلًا منٹ[۱۸۱] فتیل کھجور کی گٹھلی پر اندر کی طرف جو شگاف ہوتا ہے اور نقیر گٹھلی پر جو پشت کی طرف درمیان میں ایک لکیر ہوتی ہے اور نغیر جو گٹھلی کے اوپر باریک سی جھلی ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں بدن پر انگلیوں کے رگڑنے سے جو بدن کی میل باریک تاگوں کی طرح آجاتی ہے اسے فتیل کہتے ہیں۔

رکوع نمبرہ

اَلَمْ تَرَ - تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ستر آدمیوں کے ہمراہ واقعہ احد کے بعد مکہ پہنچا تاکہ جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ منعقدہ معاہدہ کو توڑ کر ان کے خلاف کفار قریش سے معاہدہ قائم کرے۔ پس کعب ابوسفیان کے ہاں ٹھہرا اور باقی یہودی دوسرے قریشیوں کے ہاں فروکش ہوئے ابوسفیان نے اس کی اچھی طرح مہمان نوازی کی۔ جب آپس میں بات چیت ہوئی تو اہل مکہ نے کہا کہ اے گروہ یہود تم بھی اہل کتاب ہو اور حضرت محمدؐ کا بھی صاحب کتاب ہونے کا دعویٰ ہے ممکن ہے تمہارا آپس میں گٹھ جوڑ ہو اور دھوکا آپس میں پھنسانا چاہتے ہو پس اگر تم واقعی طور پر ہمارے ساتھ ہو تو ہمارے ساتھ چل کر ان دو بتوں کا سجدہ کرلو تو کعب بن اشرف نے ان بتوں کا سجدہ کرلیا جس کے متعلق قرآن فرما رہا ہے کہ وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس کعب نے کہا۔ اے اہل مکہ تیس تیس آدمی ہم اور تم میں سے دیوارِ کعبہ کے ساتھ چھاتی ملا کر حضرت محمدؐ کے برخلاف آپس میں جنگی اور فوجی معاہدہ کریں اور ربّ بیت کے

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ

بلکہ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر کہ دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے تو تحقیق دی ہم نے آل ابراہیم

إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ

کو کتاب اور حکمت اور دیا ہم نے ان کو ملک عظیم تو بعض ایمان لائے اس پر اور بعض

وَمِنْهُم مَّن صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا

نے اس سے روگردانی کی اور کافی ہے ان کو جہنم جو جلتی آگ ہے تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں ہماری آیات سے

ساتھ عہد کریں چنانچہ ایسا کیا گیا۔ رسم معاہدہ کے بعد ابوسفیان نے کعب سے کہا کہ تو کتاب کا عالم ہے اور ہم لوگ جاہل ہیں۔ ہمیں سچ سچ بتاؤ کہ ہم سچے ہیں یا محمدؐ تو کعب نے کہا میرے سامنے تم اپنے دین کی وضاحت کرو۔ ابوسفیان نے کہا ہمارا دین یہ ہے۔ کہ ہم حاجیوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اُن کو پانی پلاتے ہیں۔ قیدیوں کو رہا کرتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں اور بیت اللہ کی تعمیر اور اس کا طواف کرتے ہیں اور اہل حرم بھی ہیں اور حضرت محمدؐ نے آبائی دین کو چھوڑ کر قطع رحمی کی اور حرم کو چھوڑ کر چلا گیا۔ نیز ہمارا دین پرانا اور محمدؐ کا دین نیا ہے۔ یہ سن کر کعب بن اشرف بولا خدا کی قسم محمدؐ کے دین سے تم لوگ بدرجہا بہتر ہو اور تم راہِ ہدایت پر ان کی بہ نسبت زیادہ قائم ہو جس کے متعلق قرآن کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد ظالم امام ہیں جو لوگوں کو جبت اور طاغوت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور آلِ محمدؐ سے ان کو اچھا جانتے ہیں بہرکیف قیامت تک آیت زندہ ہے اور اس کے مصداق ہوتے رہیں گے۔ معصوم نے تاویل کے طور پر ایک کلی قاعدہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ۔ باعتبارِ ظاہر یہودیوں کے حسد کی حکایت ہے کیونکہ وہ حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت و سلطنت سے حسد کرتے تھے پس خدا فرماتا ہے آلِ ابراہیم میں یہ نبوت کوئی پہلی بار تو نہیں اس سے پہلے بھی تو آلِ ابراہیمؑ میں نبوت و مملکت رہی ہے حضرت داؤد صاحب نبوت و سلطنت تھے جن کی ۹۹ بیویاں اور حضرت سلیمان نبی اور بادشاہ جن کی ۱۰۰ یا ایک ہزار تک زوجات تھیں تو ان پر حسد کیوں نہیں کرتے؟ اور چونکہ جناب رسالتمآبؐ تمام لوگوں کی طرف رسولؐ تھے لہذا ان کا حسد تمام لوگوں کے حسد کے برابر ہے اسی لئے کہا گیا کہ یہ لوگ ناس سے یعنی تمام لوگوں سے حسد کرتے ہیں اور باعتبار باطن ہر وہ شخص اس کا مصداق ہے جو خدا کے کسی منتخب بندے پر حسد کرے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں فضل سے مراد نبوت و امامت ہے اور ناس سے مراد نبی و آلِ نبی ہیں اور تفسیر عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا ہم وہ ہیں جن کی اطاعت اللہ نے فرض کی اور انفال وغیرہ کے حقدار ہم ہیں اور راسخین فی العلم بھی ہم ہیں اور ہم وہ محسود ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا کہ وہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں یعنی جن پر حسد کیا گیا ہم ہیں (مجمع البیان)

سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا

ان کو جلائیں گے ہم آگ میں جب جل جائیں گے ان کے چمڑے تو ان کو تبدیل کر دیں گے دوسرے چمڑے

لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

تاکہ چکھیں عذاب کو تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے

پچھلی آیتیں جو اس رکوع میں ہیں اور یہ ان کے بعد کی آیتیں سب کا ربط ایک ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے بذریعہ احادیث متواترہ مروی ہے کہ دشمنانِ آلِ محمدؐ کی مذمت میں اور آلِ محمدؐ کی مظلومی کے باب میں ہیں۔ تفسیر برہان میں منقول ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب کہ اولی الامر والی آیت کی تفسیر دریافت کی گئی۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں کو دیکھتے نہیں ہو جو جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور فلاں اور فلاں کو آل محمدؐ سے افضل قرار دیتے ہیں اگر ان کو ملک و خلافت مل جائے تو آل محمدؐ کو ایک ذرہ برابر بھی اس میں سے حصہ نہیں دیتے (یعنی وہاں بھی ناس سے مراد آل محمدؐ ہیں) اور یہ لوگ ان سے حسد کرتے ہیں جن کو خدا نے فضل یعنی امامت عطا فرمائی ہے۔ پس وہ محسود ہم ہیں۔ اور خدا فرماتا ہے ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم دیا اور تعجب ہے کہ ان پر حسد نہیں کرتے اور مان لیتے ہیں اور آل محمدؐ کے فضل کا انکار کرتے ہیں اور اس مضمون کی روایات تفسیر برہان میں تیس سے زائد ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ مِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ کے مصداق سلمان، مقداد، ابوذر اور عمار ہیں اور بِہٖ کی ضمیر حضرت علیؑ کی طرف راجع ہے یعنی تفسیر باطنی کے طور پر معصومؑ نے مصداق آیت کے بعض افراد کی طرف اشارہ فرمایا ہے ورنہ ہر دو جانبین کے مصداق تا قیامت ہونے چاہئیں۔ پس محسود بھی قیامت تک اور حاسد بھی قیامت تک آل محمدؐ سے سلسلۂ امامت چونکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ لہذا ان کے ماننے والے اور حسد کرنے والے بھی تا قیامت موجود رہیں گے اور آیت کا مصداق ہر دور میں قائم رہے گا کیونکہ قرآن قیامت تک زندہ ہے۔

بَدَّلْنٰهُمْ:۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجرم انسان کے اصلی چمڑے کو جلانا تو درست ہے لیکن جب وہ جل جائے تو دوسرا بے قصور چمڑا کیونکر مبتلائے عذاب ہو گا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ عذاب درحقیقت رُوح کو ہوگا اور چمڑا یا دوسری چیزیں ان کو بھی تکلیف اسی وقت ہوتی ہے جب ان میں رُوح ہو ورنہ اگر رُوح نہ ہو تو ان کو کوئی درد ہوتا ہی نہیں۔ لہذا چمڑے کی تبدیلی عذاب روح کے لئے ہے اور حقیقی مجرم بھی وہی ہے اور نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسی چمڑے کو پہلی حالت میں پلٹایا جائے گا۔ جس طرح ایک انگوٹھی ٹوٹ جانے کے بعد اسی چاندی کو پھر انگوٹھی کے سانچے میں ڈھال دیا جائے تو دوسری انگوٹھی بعینہٖ پہلی انگوٹھی بھی ہے اور پہلی کے غیر بھی اس کو کہنا درست ہے اسی طرح ان چمڑوں کو جب نیا کیا جائے گا تو ہوں گے اگرچہ بعینہٖ وہی پہلے لیکن ان کو ان کا غیر بھی کہا جا سکتا ہے اور تفسیر برہان

سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ

عنقریب انہیں داخل کریں گے بہشتوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں

فِيۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّنُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيۡلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ

ان کے لئے وہاں بیویاں پاکیزہ ہوں گی اور داخل کریں گے انہیں ٹھنڈی چھاؤں میں تحقیق اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ادا کرو

تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ

امانتیں اپنے مالکوں کو اور جب حکم کرو لوگوں میں تو حکم کرو انصاف سے

میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی معنی مروی ہے۔

اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ۔ تفسیر برہان میں فقیہ سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام سے ازواجِ مطہرہ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا مطہرہ سے مراد یہ ہے کہ وہ عورتیں حیض اور ہر قسم کی آلائشوں و ناپاکیوں سے پاک و صاف ہوں گی۔

ادائے امانت کا حکم

اِنَّ اللّٰهَ۔ آیت مجیدہ میں بالعموم تمام امانتوں کی ادائیگی کا حکم ہے۔ چنانچہ صادقین علیہما السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور نیز یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت خاص طور پر اولی الامر کے لئے ہے یعنی جو حاکم اور صاحب امر ہوں ان پر واجب ہے کہ رعایا کے حقوق ادا کریں اور ان کے درمیان عدل و انصاف کا حکم کریں اور صادقین علیہما السلام سے یہ بھی مروی ہے کہ خدا نے ہر امام کو حکم دیا ہے کہ وہ امامت والی امانت بعد والے امام کو پہنچا دے اور اسی قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعد والی آیت میں رعایا کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ تم اللہ اور رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کرو اور آئمہ سے بھی مروی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں سے ایک ہمارے لئے ہے اور دوسری تمہارے لئے ہے۔ بہرکیف چونکہ امانت کی ادائیگی کا حکم عام ہے تو یہ بھی امانت کا ایک فرد ہے اور اس میں داخل ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج سب امانتیں ہیں اور انہیں میں سے اولی الامر کو بھی حکم ہے کہ صدقات و غنائم اور رعایا کے دوسرے حقوق ان تک پہنچا دے۔

بعض کہتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے فتح مکہ کے دن کلید بیت اللہ عثمان بن طلحہ سے لے کر عباس کے حوالہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی امانت اس کو واپس کر دی جائے لیکن بالفرض اگر شانِ نزول کے وقت وہ واقعہ بھی رونما ہوا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیت کو وہیں بند کر دیا جائے لہذا اس کا عمومی معنی اختیار کرنا بہتر ہے (ملخص از مجمع البیان)

إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

تحقیق اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تمہیں — تحقیق اللہ سننے دیکھنے والا ہے — اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور صاحبانِ امر کی جو تم سے ہیں پس تمہیں اگر جھگڑا ہو کسی شئے میں

فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ

تو اسے رد کرو طرف اللہ اور رسول کے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روزِ قیامت پر یہ بہتر اور خوب تر ہے

وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ ع

از روئے انجام

اَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ - جناب رسالتمآبؐ نے حضرت امیرؑ سے فرمایا یا علیؑ آپس میں جھگڑا کرنے والوں کو ایک نظر سے دیکھا کرو اور ایک جیسے لہجے میں ان سے خطاب کیا کرو۔ نیز وارد ہے کہ ایک مرتبہ دو بچے حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس اپنا لکھا ہوا خط لائے اور امام حسنؑ سے فیصلہ کی خواہش کی کہ ان میں سے کونسا خط خوب ہے۔ حضرت علیؑ نے دیکھ لیا۔ تو فرمانے لگے۔ بیٹا فیصلے میں خیال کرنا۔ یہ بھی حکم ہے اور خدا بروزِ محشر اس کے متعلق بھی باز پرس کرے گا۔

بہرکیف تفسیر برہان اور تفسیر صافی وغیرہ میں احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت مجیدہ آئمہ طاہرینؑ کے حق میں ہے اور ان کو حکم ہے کہ اسرار امامت یکے بعد دیگرے دوسرے امام کو سپرد کرتے چلے جائیں اور پھر علی العموم یہ آیت ہر امانت کو بھی شامل ہے اور تفسیر صافی میں ہے کہ معصومین علیہم السلام سے متعدد روایات میں پہنچا ہے کہ کسی شخص کے لمبے رکوع اور لمبے سجدوں کو نہ دیکھو کیونکہ یہ چیز ہمیشہ دیکھنے میں آتی ہے ہاں تم سچائی اور امانت کو دیکھا کرو اور فرمایا اگر علیؑ کا قاتل میرے پاس کوئی شے امانت رکھے اور میں قبول کرلوں تو عندالطلب اس کو بھی واپس دے دوں گا۔

اولوالامر کی تشخیص

فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بات خوب کہی ہے کہ اس مقام پر خداوندکریم نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم جزمی اور قطعی طور پر دیا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ اولی الامر وہی ہو سکتے ہیں جو معصوم ہوں کیوں کہ اگر معصوم نہ ہوں تو ان سے غلطی کا امکان ہوگا اور ان کی غلط باتوں میں بھی ان کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ کیونکہ حتمی طور پر بلا استثناء اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے لیکن غلط کاریوں سے بھی منع فرماتا ہے۔ لہٰذا ایسے مقام پر اطاعت

ساقط ہونی چاہیئے تو آیت اولی الامر مُرد سے اس کی اطاعت کے وجوب کا حکم اور غلطی سے بچنے کے عمومی اوامر کے ماتحت اس کی عدم اطاعت کا حکم تناقض ہے اور محال ہے پس ثابت ہُوا کہ یہاں اولوالامر سے مراد معصوم ہے لیکن اس کے بعد کہتا ہے کہ وہ معصوم اُمت میں سے کوئی خاص آدمی ہوں گے یا اس سے مراد مجموع اُمت ہوگی۔ پہلی صورت باطل ہے کیونکہ اگر خاص افراد مراد ہوتے تو ہمیں ان کی نشاندہی کی جاتی اور تعارف کرایا ہوتا کیونکہ بغیر تعارف کے ان کی اطاعت کا حکم ناجائز ہے اور چونکہ ہمیں بتلائے نہیں گئے تو معلوم ہُوا کہ خاص افراد مراد نہیں ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس سے مراد مجموع اُمت ہے تو مقصد یہ ہے کہ اُمت کے ارباب حل و عقد جب ایک بات طے کردیں تو اس کی اطاعت واجب ہے اور آیت مجیدہ اجماع کی حجیت پر دلیل ہے۔

دیکھئے عداوتِ آلِ محمدؐ کا بھوت کس طرح دل و دماغ کو معطل کردیتا ہے کہتا ہے اگر خاص افراد مراد ہوتے تو اُن کی نشاندہی کرائی گئی ہوتی اور ہمیں اس کی نشاندہی نہیں کرائی گئی کس قدر صریحی جھوٹ اور خدا و رسولؐ پر کس قدر بہتانِ عظیم ہے۔

۱۔ آیت مجیدہ تطہیر اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ (الایہ) اس کے متعلق ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں ذکر کیا ہے کہ اکثر مفسرین اس کے قائل ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی۔ مسلم نے باب فضائل اہلبیت میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے حسنینؑ فاطمہؑ اور علیؑ کو ردا کے اندر اکٹھا کر کے آیت تطہیر پڑھی جلال الدین سیوطی نے درِ منثور میں بھی اسے نقل کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو نقل کر کے اسے صحیح علی شرط البخاری قرار دیا ہے۔ نیز ترمذی باب مناقب اہلبیتؑ میں عمر بن ابی سلمہ سے مروی ہے کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو اس وقت جناب رسالتمآبؐ اُمّ سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے پس علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کو جمع کر کے ان پر چادر ڈال دی اور دُعا مانگی۔ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا۔ نیز مستدرک اور ترمذی اور مسند احمد میں انس سے مروی ہے کہ اس کے چھ ماہ بعد تک جناب رسالتمآبؐ جب صبح کی نماز کے لئے مسجد کی طرف تشریف لے جاتے تھے تو دروازہ فاطمہؑ سے گذرتے ہوئے آیہ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے اور درِ منثور میں ابوالحمراد سے منقول ہے کہ مجھے یاد ہے کہ پورے آٹھ ماہ بعد جب حضورؐ صبح کی نماز کے لئے گھر سے نکلتے تھے تو علیؑ کے دروازہ پر پہنچ کر اپنے دونو ہاتھ مبارک دروازہ کے دونو پہلوؤں پر رکھتے تھے اور فرماتے تھے الصلوٰۃ الصلوٰۃ اور پھر آیہ تطہیر پڑھتے تھے۔ اور ابن عباس نے نقل کیا ہے کہ پورے نو ماہ بعد تک حضورؐ ہر نماز کے وقت علیؑ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اھل البیت اور آیت تطہیر پڑھتے تھے اور ہر روز پانچ مرتبہ ایسا کرتے تھے (ملخص از دلائل الصدق)

بہر کیف اس باب کی تمام روایات کو جمع کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اور علماء نے اس موضوع پر انفرادی طور پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے تواتر میں کوئی ذی شعور شک و شبہ نہیں کرسکتا اور اس کے خلاف جن لوگوں نے اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول کو ازواج سے خاص کرنے کی کوشش کی ہے تو صرف اہلبیت کی خاص فضیلت کو

پوشیدہ کرنے یا ان کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ہی ان کی رگِ عصبیت تڑپی ہے لیکن بایں ہمہ ان نقول متواترہ کے مقابلہ میں ان کو لانا فضول ہے۔

اب جائے غور ہے کہ خداوندِ کریم اس آیتِ تطہیر میں ان ذواتِ مقدسہ کی علی الاطلاق تطہیر کا اعلان فرما رہا ہے۔ اور ہر قسم کے رجس کی دوری کی تصریح فرما رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر وہ فعل جو منشاء خدا کے خلاف ہو وہ رجس ہے اور ہر وہ نظریہ جو خطا اور غلط ہو وہ رجس ہے پس جب خدا نے مطلقاً اہلبیت عصمت سے رجس کو دُور فرمایا اور ان کی ہر رجس سے تطہیر کا اپنی پاک کتاب میں اعلان فرمایا تو معصوم کی نشاندہی اور اس کا تعارف اس سے زیادہ واضح اور کھلے لفظوں میں اور کس طرح ہوگا جس کا عذر فخرالدین رازی بیان کر رہا ہے کیا اسے آیتِ تطہیر یاد نہیں تھی کیا وہ ان روایات کو نہیں جانتا تھا؟ سب کچھ تھا اس کی نظر سے یہ باتیں اوجھل نہ تھیں البتہ علیؑ کی دشمنی اس کو ان حقائق کے اظہار کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ لہذا وہ مجبور تھا کہ یہ بہانہ بنائے۔

۲۔ آیتِ مباہلہ:۔ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ مباہلہ میں رسولؐ کے ساتھ جانے والے افراد یہ بزرگوار تھے جو آیتِ تطہیر کا مصداق تھے اور سچ اور جھوٹ کے امتیاز کا یہ آخری اور چوٹی کا مقابلہ تھا چنانچہ اس کی نشانی یہ تھی کہ جھوٹوں پر لعنت کی بد دُعا کی جائے پس نصرانیوں کی تسلیم نے یہ مسلمانوں پر بھی ثابت کر دیا کہ رسولؐ اور رسولؐ کے ہمراہ جانے والے سچے ہیں اور صداقت جس طرح قول میں ہوتی ہے اسی طرح فعل میں ہوتی ہے اور اسی طرح عقلی نظریوں میں ہوا کرتی ہے اور علی الاطلاق سچا وہ کہے جانے کا مستحق ہے جو قول فعل اور اعتقاد میں ہر پہلو سے سچا ہو اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے قول عمل اور اعتقاد میں غلطی کا شائبہ نہ ہو اور اسی کو معصوم کہا جاتا ہے پس آیتِ مباہلہ میں معصوم کی نشاندہی نہیں تو اور کیا ہے اور کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ کا امر اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ کی دوسری تعبیر ہے لیکن چونکہ علیؑ کو پیچھے ہٹانا ہے لہذا کچھ بھی ہو ماننا نہیں۔

۳۔ آیتِ صلوٰۃ یعنی اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ الخ۔ صحیح مسلم سے منقول ہے کہ حضورؐ سے صلوٰۃ کا طریقہ دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس طرح کہا کرو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِیْمَ۔ اور ظاہر ہے جس پر خدا کا درود وسلام ہو اور مومنین کو بھی درود وسلام کا حکم دے وہ معصوم ہوگا چنانچہ بعد میں سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کا حکم دے کر ان کی اطاعت کو بھی لازم وواجب قرار دے دیا اور آلِ محمدؐ کے متعلق آیتِ تطہیر کے شانِ نزول نے وضاحت کر دی کہ وہ کون لوگ ہیں۔

۴۔ آیتِ ولایت اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ الخ اور مفسرین کا اجماع ہے کہ حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دینے والا سوائے حضرت امیرؑ کے اور کوئی نہیں تھا پس اللہ اور رسولؐ کی طرح حضرت علیؑ بھی ولایتِ مطلقہ کا مالک ہے تو جس قسم کی ولایت اللہ ورسولؐ کو حاصل ہے حضرت علیؑ بھی اس میں شریک ہیں اور خدا کسی کو ولایتِ مطلقہ نہیں دیتا جبکہ معصوم نہ ہو۔

بہر کیف اس قسم کی آیات اور بھی بہت ہیں جو اس مقام پر گنوائی جا سکتی ہیں۔ جن کے ذکر سے طول ہو جائے گا۔ اور منصف مزاج انسان کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اب جناب رسولِ خدا کی نشاندہی کا جائزہ لیں تو ان احادیث کی طویل فہرست ہے جو اس ذیل میں ذکر کی جا سکتی ہیں۔ البتہ مناسبت مقام سے بعض کا ذکر ناگزیر ہے۔

۱۔ حدیثِ منزلت جو صحیح بخاری صحیح مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں بھی منقول ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کو فرمایا۔ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو ہارون سے مشابہت دے کر فرمایا کہ حضرت ہارون کے لئے جو خصوصیات تھیں وہ تجھ میں ہیں سوائے نبوت کے اور باتفاق علماء اسلام حضرت ہارونؑ معصوم تھے اور روایت مذکورہ کو فضل بن روز بہان سے متعصب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

۲۔ بروز خندق حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا بَرَزَ الْاِیْمَانُ كُلُّهٗ اِلَی الشِّرْكِ كُلِّهٖ کہ سارے کا سارا ایمان سارے کے سارے شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے کیا غیر معصوم کو عین ایمان کہا جا سکتا ہے؟ اور عمرو بن عبدود کے مارے جانے کے بعد حضورؐ نے فرمایا علیؑ کی یہ ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے یا میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے کیا یہ عصمت نہیں تو اور کیا ہے؟ حدیث مذکور کو فضل بن روز بہان نے بھی تسلیم کیا ہے۔

۳۔ حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا لَا يُحِبُّكَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُكَ اِلَّا مُنَافِقٌ جس کو امام احمد بن حنبل نے مسند میں ذکر کیا ہے اور فضل بن روز بہان نے بھی اسے تسلیم کیا ہے کیا خطا کار کی محبت ایمان کی نشانی ہو سکتی ہے یا خطا کار سے بغض رکھنا منافق کی علامت ہے؟ کھلے لفظوں نہ سہی التزاماً یہ حدیث حضرت علیؑ کی عصمت کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

۴۔ حدیثِ طیر جو کتب صحاح میں موجود ہے اور مسند احمد بن حنبل میں بھی مذکور ہے کہ حضرت کے پاس ایک بھونا ہوا پرندہ آیا تو آپ نے دعا مانگی اَللّٰهُمَّ ائْتِنِیْ بِاَحَبِّ النَّاسِ اِلَيْكَ يَاْكُلُ مَعِیْ فَجَاءَ عَلِیٌّ فَاَكَلَ مَعَهٗ۔ یعنی اے اللہ تو وہ بندہ بھیج جو تیری مخلوق میں سے تیرا محبوب ترین ہو۔ پس آپ کی دعا مقبول ہوئی اور حضرت علیؑ آئے اور حضرت رسالتمآبؐ کے ساتھ وہ پرندہ نوش فرمایا۔ یہ حدیث متواترات میں سے ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خدا کا محبوب ترین بندہ غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔

۵۔ ترمذی اور مستدرک حاکم اور دیگر کتب صحاح میں موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ لَنْ يَفْتَرِقَا الخبر۔ کیا یہ الفاظ حضرت علیؑ کی عصمت کا کھلا اعلان نہیں کر رہے۔ کیا خطا کار بھی حق سے جدا نہیں ہو سکتا؟

اس باب کی حدیثیں کافی جمع کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً حدیث نور حدیث ثقلین حدیث سد الابواب حدیث مواخاۃ وغیرہ ان تصریحات کے بعد کیا کوئی منصف مزاج انسان کہہ سکتا ہے کہ معصوم پر نص وارد نہیں اور ہمیں معصوم کا تعارف نہیں کرایا گیا؟ البتہ فخر الدین اور اس کے ہمنوا جن لوگوں کی عصمت کے خواہش مند ہیں اگر ان کے متعلق تصریحاً تو بجائے خود تلویحاً بھی کوئی ایسی منقبت مذکور ہوتی جس سے ان کی عصمت کا شائبہ ہو سکتا تو یقیناً اسے ببانگ دہل اچھالتے لیکن عصمت کی نصوص ان لوگوں

کے متعلق ہیں جن کو یہ لوگ پیچھے ہٹانے کے درپے ہیں اور اگر انہیں معصوم تسلیم کر لیں تو انہیں آگے لانا پڑتا ہے ۔ پس یہ عذر ہی سوچا کہ کسی کے متعلق عصمت کی نص ہے نہیں لہٰذا اولوالامر کے مصداق افرادِ معینہ نہیں ہو سکتے ۔

اب ذرا ان سے پوچھا جائے کہ حضور! جن ارباب حل و عقد کا فیصلہ حجت قرار دیا جا رہا ہے اور آیت اولوالامر کا ان پر انطباق کیا جا رہا ہے ۔ آیا ان کے متعلق کہیں عصمت کی نص آپ کے پاس پہنچ چکی ہے اور کیا ان کی نشاندہی جناب رسالتمآبؐ نے کر دی تھی ۔

تہافت اور تناقض گوئی کی یہ حد کہ ایک دفعہ تو کہا کہ معصوم مجموعِ امت یا فرد پھر دلیل میں فرد کی نفی کر کے ارباب حل و عقد کو سامنے لے آئے ثابت تو کرنا تھا ۔ مجموعِ امت کی عصمت کو جس کے لئے افراد کی عصمت کو راستہ سے ہٹایا لیکن جب مجموعِ امت کے کردار پر نظرِ ثانی کی تو بجائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ افراد کو پھر پیش کیا جائے لیکن الفاظ تبدیل کر دیئے اور کہہ دیا اربابِ حل و عقد ۔ سبحان اللہ ؟ عجیب منطق رٹائی اور خوب علمی طریق سے بحث کی ۔

کیا میں دریافت کر سکتا ہوں ؟ کہ مجموعِ امت اولوالامر کی مصداق ہے تو اطیعوا کا حکم ہندوؤں ، سکھوں اور عیسائیوں یا یہودیوں وغیرہ کو ہو رہا ہے اور اربابِ بست و کشاد اگر اس کا مصداق ہیں تو کیا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کے خطاب سے وہ خود باہر ہوں گے یا وہ بھی کسی صاحب الامر کی اطاعت کے نیچے ہوں گے اور نیز اگر باقی امت ہی اس خطاب سے مخصوص ہے تو وہ اربابِ حل و عقد کون ہیں اور کون معصوم اربابِ حل و عقد گذرے ہیں اور موجودہ زمانہ میں کون کون ہیں ؟

اگر یہ کہا جائے کہ ہر دور کے اربابِ حل و عقد اگرچہ انفرادی طور پر ہر ایک غیر معصوم ہوتا ہے لیکن ان کا متفق علیہ حکم واجب الاتباع ہوتا ہے پس ان کا متفقہ فیصلہ ہی اولوالامر کا مصداق ہے جیسا کہ فخر الدین رازی بھی اسے اجماعی فیصلہ کی حجیت کی دلیل بنا رہا ہے تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ جب انفرادی طور پر اربابِ حل و عقد میں سے ہر ایک سے غلطی کا امکان ہے تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ چند غلط کاروں کا مجموعی اتفاقی فیصلہ کیسے عصمت کی صفت سے متصف ہو سکتا ہے ؟ اور مشاہدۂ حال بتلاتا ہے کہ اربابِ حل و عقد کا فیصلہ جو آج ہوا ہے کل وہی اربابِ حل و عقد اپنے فیصلہ کے خلاف ہو رہے ہیں کیا عصمت اسی کا نام ہے ؟

اگر تاریخ و حدیث کا جائزہ لیا جائے تو اسلام کے دورِ اوّل میں صحابہ کرام کے فیصلوں میں کبھی اتفاق نہیں ہو سکا چنانچہ گذشتہ ابحاث میں گذر چکا ہے حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود اور حضرت علیؑ وغیرہ جوازِ متعہ کے قائل تھے ۔ اور حضرت عمر نے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا ۔ ماہِ رمضان کی تراویح حضرت ابوبکر کے زمانہ میں باجماعت نہیں تھیں اور حضرت عمر نے ان کو باجماعت پڑھنے کا حکم دے دیا ۔ اور اس قسم کے ہزاروں مسائل ہیں ۔ جن میں صحابہ کو باہمی طور پر اتفاق نہ تھا پھر یہی اختلاف فتاویٰ تابعین اور تبع تابعین میں چلا آتا رہا اور آئمہ اربعہ حضرت امام ابو حنیفہ ، حضرت امام شافعی ، حضرت

امام احمد بن حنبل اور حضرت امام مالک اور اس دور کے باقی مفتیان کے فتاوے کا جائزہ لیجئے بہت کم ایسے مسائل ہوں نگے جن میں آئمہ کا اختلاف نہ ہو بلکہ میرے خیال میں تو ہر مسئلہ اختلاف کا شکار ہے تو دریں صورت ارباب حل وعقد کی اطاعت کیسے ہوگی اور ان کے فیصلہ پر عصمت کا لیبل کس طرح چسپاں ہوگا؟

ہاں یہ سب کچھ نتیجہ ہے رسولؐ کی وصیت کو بھلا دینے کا اور اہلبیت عصمت کو پیچھے ہٹانے کا اور یقیناً اگر وصیت رسولؐ کے مطابق مسلمانوں نے ثقلین یعنی کتاب اور عترت طاہرہ ہر دو سے تمسک کیا ہوتا تو اس تاریکی میں پھنسنے اور اس خار دار وادی میں اُلجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی اور اسلام کا شیرازہ منتشر نہ ہوتا۔ حضورؐ نے حجت تمام کر دی۔ اِنّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي۔ یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے اور اس کی نقل پر شیعہ سنی متفق ہیں۔ ہم نے تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمۂ تفسیر میں بعض عبارتیں درج کر دی ہیں اور اس تمام بحث کے بعد یہ چیز اظہر من الشمس ہے کہ اولوالامر کا مصداق سوائے خاندان عصمت کے اور کوئی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور یہی وہ ہستیاں ہیں جو صفت عصمت سے متصف ہیں اور جن کی عصمت پر آیۂ تطہیر خداوند کریم نے بطور مہر ثبت کر دی ہے اور اس آیت مجیدہ میں تمام ایمان والوں کو دعوت دی ہے کہ انہی کی اطاعت کرو اور انہی کو خدا اور رسولؐ کے بعد اپنا حاکم اور مقتدا سمجھو اور جناب رسالتمآبؐ نے مقام غدیر خم پر ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں بازو سے پکڑ کر اعلان فرمایا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ جو کہ تواتر سے ثابت ہے۔

اولوالامر کا معیار

جن لوگوں کی اطاعت کا حتمی طور پر خدا حکم دے ان کا کوئی معیار ہونا ضروری ہے۔ چونکہ دین اسلام بنی نوع انسان کی دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کا ضامن ہے پس وہ اولوالامر جن کی اطاعت اللہ کی طرف سے واجب ہو وہ ایسے ہوں جو دین و دنیا کی انسانی کامیابی میں انسان کے پیش رو بن سکیں۔ جناب رسالتمآبؐ چونکہ بنی نوع انسان کے دین و دنیا کے ہر دو شعبوں میں رہبر کامل تھے اور معصوم تھے اور نیز اولوالامر کی اطاعت کو بھی رسولؐ کی اطاعت کے برابر کہا گیا ہے تو گویا اولوالامر رسولؐ کی عدم موجودگی میں رسولؐ کے قائمقام کی حیثیت سے انسانوں میں فرائض قیادت انجام دینے والے ہوں گے اور جس طرح رسولؐ انسانوں کے رہبر کامل تھے اسی طرح اولوالامر کو بھی رہبر کامل ہونا چاہیئے اور رہبر کامل کے لئے جن جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے وہ اولوالامر میں ہونی ضروری ہیں۔ اس لحاظ سے تمام انسان بحیثیت شاگرد کے اور رہبر کامل بحیثیت استاد کے ہوں گے۔

سکول کے لڑکے اپنی رہنمائی کے لئے اور کورس میں عبور اور کامیابی کے لئے خود اپنے میں سے کسی کو بحیثیت مدرس منتخب نہیں کر سکتے اور ایسا کرنے کے بعد قطعاً وہ کامیابی کے امیدوار نہیں ہو سکتے اور نہ لڑکوں میں ان کے ارباب حل وعقد یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ سب کے سب محتاج ہیں تعلیم حاصل کرنے کے اور قاعدہ ہے کہ فاقد الشیٔ معطی الشیٔ نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس کے پاس ایک شئ موجود نہیں وہ اس شئے کا دوسرے کے لئے داتا نہیں ہو سکتا۔ پس

مدرس سکول کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک جوہر ہو اور اس کا ایک معیار ہو جس کے ماتحت وہ ان لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اہل قرار دیا جا سکے۔ اسی طرح بیماروں کے علاج کے لئے ان ہی میں سے ارباب حل و عقد ان کی بیماری کے علاج کے لئے کافی نہیں اور نہ ان کا اجماع کسی صحیح اور کامیاب پروگرام مرتب کرنے پر قادر ہو سکتا ہے بلکہ ان کے علاج کے لئے ایک ڈاکٹر کی ضرورت ہے جو ایک معیار پر فائز ہو۔ علیٰ ہذا القیاس تمام بنی نوع انسان بحیثیت روحانی مریض کے سمجھئے یا انسانیت کی صحیح فطری تعلیم کے طالب علم سمجھئے جنہیں خدا و رسولؐ کی اطاعت کے بعد اولوالامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے اور دین و دنیا کی کامیابیوں کے لئے ان سے درس حاصل کرکے ان پر عمل پیرا ہونے کا ارشاد ہے۔

بعض جہال کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر اولوالامر سے مراد علیؑ اور یکے بعد دیگرے ان کی نسل سے آئمہ طاہرینؑ ہوتے تو خدا نے ان کا نام بیان کر دیا ہوتا۔ یہ بات صرف عقل و فکر کے اندھے ہی کہہ سکتے ہیں کیونکہ جب ایک چیز کا معیار قائم ہو اور ان معیاری صفات میں صرف چند افراد ہی امتیازی حیثیت کے حامل ہوں اور پھر کہا جائے کہ فلاں معیار والوں کی اطاعت واجب ہے تو کیا اب بھی کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہے اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ نام کیوں نہیں لیا گیا۔ مثلاً جب کہا جائے کہ جس کے پاس ڈاکٹری کی سند ہو علاج کے لئے اس کی طرف رجوع کرو اور پورے ملک میں سند صرف ایک ہی شخص کے پاس ہو تو کیا کسی صاحب انصاف کو کہنے کی مجال ہے کہ اس کا نام نہیں لیا گیا۔ بڑا سوال یہ ہے کہ نشاندہی نہیں کرائی اور نام نہیں لیا گیا۔ کیا جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اس وقت صحابہ کو اس کے مصداق کی تعیین کی ضرورت نہ تھی۔ بلا ضرورت امور کے متعلق سوال کرتے تھے۔ مثلاً چاند کیا چیز ہے؟ اور رُوح کیا چیز ہے؟ وغیرہ تو اولی الامر کی تعیین کے متعلق کیا کسی نے سوال نہ کیا ہوگا کہ ارباب حل و عقد کو اس کے حل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی؟ ہاں ضرور سوال کیا ہوگا بلکہ کیا گیا تھا اور نشاندہی بھی کرائی گئی تھی۔ نیز خم غدیر کا فرمان اسی سوال کا جواب تھا جو متواتر منقول ہے لیکن چونکہ منشار کے مطابق نہ تھا اس لئے دبانے کی کوشش ہے اور زبان پر رٹ جاری ہے کہ حضورؐ نے نشاندہی نہیں کرائی لیکن کیا ارباب حل و عقد کی نشاندہی کرائی تھی تو چپ۔ ہاں نشاندہی بھی کرائی تھی نام بھی بتلائے تھے اور معیار بھی بیان کیا تھا لیکن مانے کون؟

قرآن مجید میں اطاعت کے لئے جو خدا کی طرف سے معیار مقرر ہے وہ خدا نے ایک مقام پر اہل اسلام کے متنبہ کرنے کے لئے ذکر فرما دیا ہے۔ چنانچہ طالوت اور جالوت کا قصہ اس کا بیّن شاہد موجود ہے۔ جب نبی سے استدعا کی گئی کہ ہمارے لئے ایک واجب الاطاعت حاکم مقرر کیا جائے تو نبی نے جواب دیا خدا نے اس معاملہ میں طالوت کو منتخب کیا ہے انہوں نے مل جل کر طالوت کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کے انتخاب پر نکتہ چینی کی تو نبی نے معیار انتخاب واضح کر دیا کہ چونکہ وہ علمی اور جسمانی حیثیت سے ممتاز ہیں۔ لہٰذا وہ ہی اس عہدہ کے اہل و سزاوار ہیں۔ وہاں بھی ارباب حل و عقد نے اجماع کیا اور نبی سے اپنے اجماعی فیصلہ کے منوانے کی سعی بلیغ کی لیکن نبی نے ان کی ہر بات کو ٹھکرا کر رکھ دیا اس کی تفصیلی بحث تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہے۔

جب نبی نے کھلے لفظوں ارباب حل وعقد کے اجماعی فیصلہ کو رد کر دیا اور خدائی معیارِ انتخاب ان کے گوش گذار کر کے انہیں خاموش کر دیا اور خدا نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو دھراتے ہوئے نبی کے اس فعل پر نکتہ چینی کرنے والوں کو مذمت کے لہجہ میں یاد فرمایا تو کیا یہ واقعہ خدا نے صرف قصہ خوانی کے طور پر قرآن مجید میں بھرتی کیا ہے اور کیا قرآن کی ہر ہر آیت اور اس کا پیش کردہ ہر مضمون اسلام والوں کی ہدایت کے لئے نہیں ؟

اسی پارہ کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں ارشاد ہے۔ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ الخ یعنی خدا چاہتا ہے کہ تمہارے لئے بیان کرے اور تمہیں چلائے ان لوگوں کے راستہ پر جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں تو کیا طالوت کا انتخاب اور ارباب حل وعقد کے اجماع کی تردید اور مذمت پہلے لوگوں کا قصہ نہیں جو ہمارے لئے ایک اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت آدمؑ کی خلافت کا اعلان ہوتے ہی ملائکہ کا مقدس اجماع ان کی خلافت کے متعلق بارگاہِ رب العزت میں عرض گذار نہیں ہوا تھا جب ان کے سامنے معیار انتخاب پیش کیا گیا اور وہ تھا علم تو ملائکہ نے فوراً اپنا سوال واپس لے لیا تھا اور آدم کے سامنے سربسجود ہو کر اپنی غلطی کی تلافی کی تھی۔ کیا قرآن کے اس قسم کے واقعات سے ہم درسِ عبرت نہیں لے سکتے کہ اولوالامر کے عہدہ کے لئے بھی وہی معیار ہونا ضروری ہے جو کسی خدا کی طرف سے واجب الاطاعت انسان کے لئے ہونا ضروری ہے۔ آیتِ مجیدہ میں چونکہ رسولؐ کی اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم مطلق ہے اور بلاقید ہے یعنی یہ نہیں کہ اگر جائز حکم دیں تو اطاعت کرنا ورنہ اطاعت ساقط ہے جس طرح والدین کی اطاعت کا حکم دیا لیکن پابندی لگادی کہ اگر ان کا حکم خدا کے دین کے خلاف ہو تو اس میں اطاعت ساقط ہے پس اولوالامر کی اطاعت میں یہ قید نہ لگانا اس امر کی دلیل ہے کہ ولی امر معصوم ہوگا ورنہ یہ قید ضرور لگادی گئی ہوتی تو آیت سے ثابت ہوا کہ اولوالامر بھی رسولؐ کی طرح معصوم ہوتے ہیں

اسی آیتِ مجیدہ سے پہلی آیت میں امانتوں کی ادائیگی اور رعایا کے درمیان عادلانہ فیصلے کا حکم ہے جس سے اولوالامر کا معیار خود بخود واضح ہو جاتا ہے اور اندازِ آیت بتلاتا ہے کہ اس آیت کا مخاطب وہ ہے جس کو حکومت تفویض ہوئی ہے پس اس میں ان صفات کا ہونا ازبس ضروری ہے۔

(۱) صفتِ عدل رکھتا ہو اور یہ صفت کماحقہٗ معصوم میں ہی ہو سکتی ہے جس سے غلطی کا امکان نہ ہو۔

(۲) حکم کی نوعیت کو سمجھتا ہو اور خدائی فیصلہ کے ماتحت ان کے درمیان حکم کر سکتا ہو لہذا علم میں کمال رکھنا ضروری ہے۔

(۳) فیصلہ کرنے میں جرأت سے کام لے سکتا ہو۔ اگر فیصلہ کسی کے خلاف ہو تو اس سے دب کر حق کو چھوڑنے والا نہ ہو پس صفت شجاعت ضروری ہے۔

(۴) لوگوں کو اس پر اعتماد کلی ہو۔ خائن نہ ہو۔ جبھی تو پہلے امانتوں کے ادا کرنے کا ذکر فرمایا ہے بلکہ خود فیصلہ وحکم کرنا بھی ایک امانت ہے۔

اس آیت کے بعد فوراً حکم دے دیا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو تو سیاق آیت صاف بتلاتا ہے اور قرآن مجید میں تھوڑا سا تدبر اور فہم رکھنے والا انسان خود سمجھ سکتا ہے کہ یہاں اولوالامر سے مراد وُہ انسان ہے جو گذشتہ آیت کا مصداق ہوتے ہوئے ان صفات مذکورہ بالا کا حامل ہو۔

صفتِ عدل کے متعلق آیتِ مباہلہ آیتِ تطہیر۔ آیتِ ولایت اور آیتِ صلوٰۃ وغیرہ پر مختصر عرض کیا جا چکا ہے کہ امتِ محمدیہ میں سے سوائے علیؑ اور اس کی پیچھے بعد دیگرے معصوم اولاد کے کوئی بھی اس صفت سے کما حقہٗ متصف نہیں ہے اور صفتِ امانت خود بخود اس ضمن میں آجاتی ہے۔

علم کے متعلق تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ ص۸۰،۸۰ میں ہم نے بہت کچھ لکھا ہے جو منصف مزاج انسان کے لئے کافی ہے اور یہاں بھی احادیث کا دھرانا خالی از فائدہ نہیں۔

علامہ نے مسند احمد بن حنبل اور صحیح مسلم سے نقل کیا ہے کہ

لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَقُوْلُ سَلُوْنِيْ اِلَّا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔

جناب رسالتمآبؐ کے صحابہ میں سے سلونی کا دعوٰی کرنے کی کسی کو جرأت نہ تھی سوائے علی بن ابی طالبؑ کے اور جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

اس پر فضل بن روزبہان جو ایک متعصب انسان گذرا ہے۔ کہتا ہے یہ حدیث حضرت علیؑ کے کثرتِ علم پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ کہ حضرت کو وقائع مختلفہ کے جوابات معلوم تھے اور متفرق علوم و معارف پر ان کو اطلاع تھی اور یہ سب باتیں مسلّم ہیں لیکن یہ چیزیں حضرت علیؑ کی خلافت پر نص نہیں ہو سکتیں کیونکہ خلیفہ کے لئے اعلم ہونا ضروری نہیں بلکہ خلیفہ وہ ہونا چاہیے جو حوزۂ اسلامیہ کو محفوظ رکھ سکے اور امت کے لئے اصلح ہو اور اگر حضرت ابوبکر امت کے لئے اصلح نہ ہوتا تو لوگوں نے اس کو منتخب نہ کیا ہوتا۔

بریں عقل و دانش بباید گریست۔ میں اس بے ہودہ قول کا جواب نہ دینا بہتر سمجھتا ہوں۔ سابق قرآنی معیارِ حکومت کے سامنے اس نظریہ کو رکھ کر صاحبانِ انصاف خود اندازہ کریں کہ عالم کے مقابلہ میں جاہل سے اصلاح کی توقع کیا ہو سکتی ہے اور کیا امت کا ایک بے علم کو انتخاب کر لینا خدائی معیار کو منسوخ کر سکتا ہے۔ حضرت طالوت کے انتخاب پر نظر رکھیں۔ اور امت جن کو چننا چاہتی تھی۔ ان کی مذمت کو بھی ملحوظ رکھیں۔

۲۔ علامہ نے صحیح ترمذی سے نقل کیا ہے۔ اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا اور بعض روایات میں ہے۔ اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ اس کے نیچے فضل بن روزبہان کہتا ہے اس میں شک نہیں کہ علیؑ امت کے علماء میں سے تھے اور لوگ ان کی طرف علم میں محتاج تھے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ حقائق و معارف اور علم کے پہنچانے میں جناب نبی

علیہ السلام کے وصی تھے (لیکن بایں ہمہ وہ خلافت کے حقدار نہیں تھے کیونکہ خلافت کے لئے علم کی ضرورت نہیں)

۲۔ سیوطی سے لئالی مصنوعہ میں حاکم سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی اٰدَمَ فِیْ عِلْمِہٖ وَنُوْحٍ فِیْ فَہْمِہٖ وَاِبْرَاہِیْمَ فِیْ حِلْمِہٖ وَیَحْیٰی فِیْ زُھْدِہٖ وَمُوْسٰی فِیْ بَطْشِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی عَلِیٍّ۔ جو دیکھنا چاہے آدمؑ کو علم میں نوحؑ کو فہم میں ابراہیمؑ کو علم میں یحییٰ کو زہد میں اور موسیٰ کو طاقت میں تو علیؑ کو دیکھے۔

اس حدیث کی تردید فضل بن روزبہان جیسے متعصب سے بعید نہیں اس لئے کہ حضرت کی فضیلت اس کی آنکھ کا خار ہے اور ہم نے ثابت کیا ہے اپنے مقام پر کہ جب جناب رسالتمآبؐ تمام عالمین کے رسول ہیں اور انبیاء سے افضل ہیں تو جو بھی ان کا صحیح قائم مقام اور جانشین ہوگا وہ عالمین کا امام ہوگا اور عالمین سے افضل ہوگا۔ مقدمہ تفسیر میں حدیث ثقلین کے بیان میں ملاحظہ فرمائیے۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ نے متعدد مرتبہ اعتراف کیا لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ اور ابن عباس حبر الامت کا قول ہے مَا عِلْمِیْ وَعِلْمُ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فِیْ عِلْمِ عَلِیٍّ اِلَّا کَقَطْرَۃٍ فِیْ سَبْعَۃِ اَبْحُرٍ کہ میرا اور جملہ اصحاب رسالتمآبؐ کا علم حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا سات سمندروں کے مقابلہ میں ایک قطرۂ آب۔

صفتِ شجاعت۔ اسی جلد میں جنگ اُحد کے بیان میں بہت کچھ گذر چکا ہے۔ جنگ خندق میں انہیں کی ایک ضربت کو تمام امت کی یا ثقلین کی عبادت سے افضل قرار دیا گیا اور بروز خیبر حضرت علیؑ کے متعلق ہی رسولؐ نے فرمایا جس کو صحیح مسلم بخاری اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے اِنِّیْ دَافِعُ الرَّایَۃِ غَدًا اِلٰی رَجُلٍ یُّحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ کَرَّارٍ غَیْرِ فَرَّارٍ لَا یَرْجِعُ حَتّٰی یَفْتَحَ اللّٰہُ لَہٗ۔ یعنی کل علم اس مرد کو دوں گا۔ جو اللہ و رسولؐ کا محب اور محبوب ہوگا جو کرار غیر فرار ہوگا اور نہ پلٹے گا جب تک کہ خدا اس کو فتح نہ عطا کرے گا۔ اسی حدیث کے متعلق فضل کہتا ہے یہ حضرت امیر علیہ السلام کے فضائل میں ایسی فضیلت ہے جس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں اور اس قسم کے اور بھی بہت سے فضائل ہیں الخ

احادیث میں سیر کرنے والا اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والا خود بخود اس نظریہ پہ پہنچ سکتا ہے کہ حضرت علیؑ امت محمدیہ میں تمام افراد امت سے افضل تھے۔ اور جملہ صفاتِ کمالیہ میں اُن کی نظیر کوئی نہیں تھا۔ بشرطیکہ طبیعت میں انصاف ہو اور حسد و تعصب سے بالاتر ہو کر حقائق کا جائزہ لینے والا ہو۔ ورنہ اگر دھڑ بندی اور پارٹی بازی کا لحاظ ہو تو حب الشی یعمی و یصم یعنی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیا کرتی ہے، کے مقولہ کے ماتحت حق تک رسائی مشکل بلکہ محال ہے اور خصوصاً یہ صفات جو صاحبانِ حکومت الٰہیہ اور اولوالامر کے لئے ضروری ہیں۔ اس کے متعلق خود اکابر صحابہ کے اعترافات موجود ہیں اور متعصب ذہنیت کے لوگ فضل بن روزبہان جیسے بھی انکار نہیں کر سکتے تو اس کے بعد یہ کہنا کہ خدا

نے نام نہیں لیا۔ یا حضرت رسالتمآبؐ نے نص نہیں فرمائی۔ صرف حق سے کنارہ کشی اور حقائق سے روگردانی نہیں تو اور کیا ہے؟ نیز اسی آیت کا آخری جملہ ہے اگر تم کسی شے میں جھگڑا کرو تو اس کو خدا و رسولؐ پہ رد کرو جو فیصلہ وہ فرمائیں اسی پر عمل کرو اور ہمیں جب اولوالامر کی تعیین میں نزاع ہے کیوں نہ اس کا فیصلہ خدا اور رسولؐ سے کرالیں اور خدا و رسولؐ کا جب فیصلہ ہو جائے اور وہ صراحتاً بھی فرمائیں اور معیار کے ذریعے سے بھی بتائیں تو پھر اِدھر اُدھر جانا اور بہانے تلاش کرنا کیا فائدہ رکھتا ہے؟

اولوالامر کا مصداق حضرت علیؑ اور ان کی عترتِ طاہرہ کو اگر قرار دیا جائے جیساکہ نصوص صریحہ اس پہ دال ہیں۔ تو فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک اور علمی مظاہرہ کیا ہے اور وہ یہ کہ خدا فرماتا ہے اولوالامر کی اطاعت کرو اور یہ ہے جمع کا صیغہ اور مذہب شیعہ کے نزدیک ایک وقت میں صرف ایک ہی امام ہو سکتا ہے لہٰذا اس لحاظ سے بھی اولوالامر سے مراد مذہب شیعہ کے بارہ امام نہیں ہو سکتے۔

یہ صرف تعصب اور حسد ہی ہے جس کو اگلا جا رہا ہے اس کو عوام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جب مجموع کی طرف ایک مجموع کا خطاب ہو تو اس سے مراد اپنے متعلقہ افراد ہی ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً حکومتِ وقت کا حکم جاری ہوتا ہے۔ کہ تمام رعایا کو چاہیے کہ افسروں سے تعاون کریں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ملک کے ہر فرد کے لئے ہر ہر افسر سے تعاون ضروری ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر جگہ کے باشندوں کے لئے اپنے اپنے مقامی افسر سے تعاون کرنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ ایک ہی وقت میں ایک مقام پر زیادہ تعداد میں افسر مقرر کئے جائیں تاکہ رعایا کی طرف جمع کا خطاب صحیح ہو بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب ایک تبدیل ہو جائے اور دوسرا آجائے۔ پھر تیسرا۔ پھر چوتھا۔ پس رعایا کو اپنے مقامی افسر کی ہر دور اور ہر زمانہ میں اطاعت اور اس سے تعاون کرنا ضروری ہے اور قرآن کریم کا لہجہ کوئی نیا نہیں۔ بلکہ یہ گفتگو عالم عرف کے ماتحت ہے۔ جس طرح فرماتا ہے اگر عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت یہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص ہر عورت کو طلاق دے۔ اگرچہ صیغہ جمع کا ہے لیکن مقصد یہ ہے کہ اپنی منکوحہ عورت کو طلاق دو تو ان کی عدت یہ ہوگی۔ کہا جاتا ہے خدا نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر فرد کے لئے وہ سب نبی بیک وقت تھے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ مجموعی طور پہ ایسا ہوا ہے ورنہ ہر ہر زمانہ کے لئے الگ الگ نبی تھے۔

خداوند کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ حافظوا علی الصَّلَوٰاتِ نمازوں پر محافظت کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب نمازیں اکٹھی پڑھو۔ بلکہ جس نماز کا وقت آتا جائے اسے ادا کرتے جاؤ و علیٰ ہذا القیاس۔

اسی طرح یہاں بھی قیامت تک کے لئے جمیع امت کو خطاب ہے کہ اولوالامر کی اطاعت کرو یعنی ہر دور میں واجب الاطاعت امام کی پیروی کرو۔ اور معیار اولی الامر کے متعلق تفصیلی بحث ہماری کتاب اسلامی سیاست میں ملاحظہ فرمائیں۔

اولوالامر کی تعیین

تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے جب یہ آیت اَطِیْعُوا اللّٰہَ الخ نازل ہوئی تو میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ ہم نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو جان لیا۔ لیکن یہ فرمایئے کہ وہ اولوالامر کون ہیں؟ جن کی اطاعت آپ کی اطاعت کے ساتھ مقرون ہے تو آپ نے فرمایا۔ اے جابر وہ میرے خلفاؑ ہیں جو میرے بعد مسلمانوں کے امام ہوں گے۔ ان میں پہلا علیؑ بن ابی طالب ہے۔ پھر حسنؑ، پھر حسینؑ، پھر علی بن الحسین پھر محمد بن علی جو تورات میں باقر کے لقب سے معروف ہے۔ اے جابر تو اس کی زیارت کرے گا جب ان سے ملنا تو میرے سلام ان کو پہنچانا۔ پھر جعفر بن محمد صادق پھر موسیٰ بن جعفر پھر علی بن موسیٰ، پھر محمد بن علی، پھر علی بن محمد، پھر حسن بن علی پھر میرا ہمنام اور ہم کنیت محمد ہوگا۔ زمین پر حجۃ اللہ اور مخلوق میں بقیۃ اللہ ہوگا۔ حسن بن علی کا فرزند ہوگا۔ اس کے ہاتھوں پر خدا مشرق و مغرب کی فتح نصیب کرے گا۔ جو کافی عرصہ اپنے شیعوں اور دوستوں سے غائب ہوگا اور اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کی امامت کے اقرار پر وہی ثابت قدم رہے گا۔ جس کا دل ایمان کے لئے امتحان کی کسوٹی سے پورا اتر گیا۔ جابر کہتا ہے میں نے عرض کی حضورؐ! اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کے وجود سے شیعوں کو کچھ فائدہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا ہے اس کی قسم شیعہ اس کے نور سے روشن ہوں گے اور اس کی ولا سے نفع مند ہوں گے جس طرح سورج بادل میں اگر مخلوق خدا کو نفع پہنچایا کرتا ہے۔

نیز ابوبصیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے اسی آیت مجیدہ کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا یہ آیت حضرت علیؑ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہم السلام کے حق میں اتری ہے تو میں نے عرض کی حضور! لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے علیؑ اور اہلبیتؑ کا نام کیوں نہیں لیا؟ آپ نے فرمایا۔ خدا نے نماز کا حکم دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس کی رکعتیں تین ہیں یا چار۔ پس جناب رسالتمآبؐ نے ہی تفصیل بیان فرمائی ہے اسی طرح زکوٰۃ کا خدا نے حکم دیا اور یہ نہیں کہا کہ چالیس درہموں میں سے ایک دیا جائے تو رسالتمآبؐ نے تفصیل بیان کی۔ اسی طرح آیت اَطِیْعُوا اللّٰہَ الخ اتری اور جناب رسالتمآبؐ نے بیان فرمایا کہ یہ علیؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کے حق میں ہے۔ حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور نیز فرمایا میں تم کو کتاب خدا اور اہلبیتؑ کی وصیت کرتا ہوں اور خدا نے میری دعا کو مستجاب فرمایا۔ پس یہ دونوں جدا نہ ہوں گی اور تمہیں حوض کوثر تک میرے پاس پہنچائیں گی۔ پس تم لوگ ان کو مت سکھانا یہ تم سے اعلم ہیں اور یہ تمہیں کبھی ہدایت سے گمراہی کی طرف نہ لے جائیں گے اور پھر حدیث کساء کے ذریعے سے آپؐ نے اہلبیتؑ کی بھی تعیین فرما دی تاکہ آل فلاں اور آل فلاں اہلبیتؑ ہونے کا دعویٰ نہ کردیں۔ چنانچہ اہلبیتؑ کی عصمت پر نص۔ آیت تطہیر نازل ہوئی۔ پس علیؑ سب سے اولیٰ تھے اور ان کے بعد امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ اور ان کے بعد ان کی اولاد یکے بعد دیگرے اور اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ کی تاویل جاری رہی۔ حدیث طویل تھی میں نے اختصار کے پیش نظر اس کا خلاصہ عرض کر دیا ہے۔ اسی مضمون کی احادیث بکثرت موجود ہیں ان میں سے بعض مقدمہ تفسیر میں بھی ذکر کی جا چکی ہے۔ یہاں تک یہ ثابت ہوگیا ہے کہ اولوالامر

سے مراد حضرت علیؑ اور اس کی عترت طاہرہ ہے جو یکے بعد دیگرے عہدۂ امامت پر فائز ہیں اور سب کے سب گناہان صغیرہ و کبیرہ سے پاک و معصوم ہیں اور اس وقت اس آیت مجیدہ کا مصداق حضرت ولی عصر صاحب الزمان عجل اللہ فرجہٗ علیہ السلام موجود ہیں جو ہماری آنکھوں سے غائب ہیں جب اللہ کا حکم ہوگا وہ ظہور فرمائیں گے۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے پُر کریں گے جس طرح کہ جور و ستم سے پُر ہو چکی ہے۔ اللّٰھم عجل فرجہٗ واجعلنا من انصارہٖ۔

تنبیہ اس آیت مجیدہ کو بعض ذاکر و واعظ پیش کر کے اس سے ثابت کرتے ہیں کہ اہلبیت طاہرین خالق ہیں ان کا استدلال اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ خدا نے ان کو اولوالامر کہا ہے اور خدا نے اپنے امر کی تعریف کی ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ یعنی خدا کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی کے متعلق ارادہ کرے کہ ہو جا تو وہ چیز ہو جایا کرتی ہے جب خدا نے کہہ دیا یعنی امر کے مالک تو کُنْ کہنے والے یہی ہیں۔ اور انہی کے ارادہ اور امر کن سے مخلوق پیدا ہو رہی ہے وغیرہ وغیرہ

خداوند کریم ایسے عقیدہ رکھنے والوں کو ہدایت کرے جو مذہب امامیہ حقہ کو بدنام کرنے کے درپے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ خدا کا امر تکوینی ہے اور امر تکوینی کا تعلق ذات آمر سے ہی ہوا کرتا ہے اور اہلبیتؑ کو جس امر کا اختیار دیا گیا وہ امر تشریعی ہے ہاں اولوالامر میں الامر چونکہ مطلق ہے اس لئے ان کو یہ اشتباہ ہوا ہے لیکن یہ ان کی لاعلمی اور دیدہ دہنی کا ہی نتیجہ ہے کیونکہ امر تکوینی کبھی قابل نیابت ہو سکتا ہی نہیں اور جو امر قابل نیابت ہے وہ صرف امر تشریعی ہے۔ اور امر تکوینی کا ناقابل نیابت ہونا ہی اس کا مقید ہے۔ لہٰذا علیحدہ قید لگانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ چونکہ ایک علمی بحث ہے اس کا پھیلانا ناظرین کتاب کے لئے اُلجھن کا باعث ہوگا۔ لہٰذا اس مسئلہ کو یہیں ختم کرتا ہوں اور واعظین و ذاکرین کرام کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے عقائد کو مضبوط کریں اور جاہت دنیا اور اس کے عارضی مفاد کی خاطر قرآن سے غلط نظریہ نہ خود قائم کریں نہ عوام کے عقائد کو تباہ کریں۔ خدا ہر شے کا خالق و مالک ہے اور محمدؐ و آل محمدؐ اس کی مخلوق میں سے افضل و برتر مخلوق ہیں اور اس کی جانب سے تمام کائنات کے حاکم ہیں۔ ان کی ولا موجب جنت اور ان سے عداوت موجب جہنم ہے اور یہی شیعہ عقیدہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

کیا دیکھتے نہیں ان کو جو بزعم خود کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر جو نازل ہوا آپ پر اور جو کچھ نازل ہوا

مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا

آپ سے پہلے وہ چاہتے ہیں کہ آپس میں حاکم بنائیں شیطان کو اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں

بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا

اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو گمراہ کرے انتہائی گمراہی اور جب ان کو کہا جائے آؤ طرف

اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝۶۱ۚ

اس کے جو نازل کیا اللہ نے اور طرف رسولؐ کے تو دیکھے گا منافق لوگوں کو روگردانی کرتے ہیں آپ سے روگردانی کرنا

اَلَمْ تَرَ ۔ تفسیر برہان میں تہذیب سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوبصیر سے فرمایا تحقیق خدا جانتا تھا کہ اُمت میں حکام جور ہوں گے اور یہاں وہی حکام جور ہی مقصود ہیں۔ اے ابوبصیر! اگر تیرا کسی پر کچھ حق ہو اور تو اسے حاکم عادل کے فیصلہ کی دعوت دے لیکن وہ تجھے حاکم جائر کی طرف فیصلہ لے جانے کو کہے تو سمجھ لینا کہ وہ طاغوت کی طرف فیصلہ لے جارہا ہے اور اسی کو حاکم مقرر کر رہا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کو کس قسم کے حاکم کی اطاعت کرنی چاہیئے پس جو لوگ اللہ کی طرف سے حکومت کے اہل ہیں وہ حاکم عادل ہیں اور جو خدائی معیارِ حکومت سے الگ ہیں وہ اس آیت کے مصداق ہوں گے۔ خواہ ان کے اوپر اسلام کا لیبل کیوں نہ لگا ہوا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَھُمْ ۔ اس میں بھی اُمت کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ خدا اور رسولؐ کے فیصلہ سے جی نہ چراؤ۔ اور خدا و رسولؐ کے فیصلہ سے اعراض کرنے والوں کو منافق سے تعبیر کیا جارہا ہے۔

وجوب تقلید

چونکہ ہر زمانہ میں اولوالامر کی اطاعت واجب ہے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے نائب عمومی یا نائب خصوصی کی طرف رجوع ضروری ہے پس زمانِ غیبت میں نائب عام مجتہد عادل کا فیصلہ شرعی مومن کے لئے واجب القبول ہے اور اس کے فیصلہ کا انکار کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے امام حق کے فیصلہ کو ٹھکرایا ہو چنانچہ معصومؑ نے فرمایا دیکھو جو شخص ہماری احادیث کا راوی ہو اور ہمارے حلال و حرام کو سمجھتا ہو اور ہمارے احکام کو جانتا ہو تو اس کو اپنے درمیان حاکم مقرر کرو۔ کیونکہ میں نے انہیں تمہارا حاکم مقرر کر دیا ہے۔ اسی بنا پر ہر بالغ و عاقل پر مجتہد جامع الشرائط کی تقلید واجب ہے تاکہ اس کے فتاویٰ سے اپنے اعمال کی

فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ

پھر کیسے جب انہیں پہنچے مصیبت بوجہ اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے تو پھر آجاتے ہیں قسمیں

بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي

اللہ کی کھاتے ہوئے کہ نہ تھا ہمارا ارادہ مگر احسان اور اتفاق کا یہ لوگ جانتا ہے اللہ وہ جو ان کے دلوں میں ہے

قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِيٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًا

پس چشم پوشی کرو ان سے اور نصیحت کرو ان کو اور کہو ان کو ان کے نفسوں کے بارے میں آخری بات

بَلِيغًا ﴿٦٣﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے بحکم خدا۔ اور اگر وہ جب انہوں نے

أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا

اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا۔ تیرے پاس آجاتے پس اللہ سے خود بھی بخشش طلب کرتے اور طلب بخشش ان کیلئے رسول بھی کرتا تو پاتے

اصلاح کرے۔ پس جس شخص کی جس مجتہد جامع الشرائط تک رسائی ہو سکتی ہو اور آسانی سے اس سے مسائل دریافت کر سکتا ہو اس کی تقلید اس پر واجب ہے اور جو لوگ اعلم کی تقلید کے وجوب کا اعلان کرتے ہیں اُن کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور معصوم کا فرمان عام ہے اس کی بلا دلیل تخصیص تصرف فی الدین ہے اور مسئلہ کی مزید وضاحت مقدمہ تفسیر میں ملاحظہ ہو۔

فَكَيْفَ إِذَا۔ روایات معصومین علیہم السلام میں ان آیات کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اولوالامر کی تعیین میں جناب رسالتمآبؐ کی عملی مخالفت کی اور آیات کا باہمی ارتباط بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ جب وہ حضورؐ کی خدمت میں پہنچتے ہیں تو اپنی خیر خواہی کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں جو بات ہے سو وہ ہے تو جناب رسالتمآبؐ کی تسلی کے لئے ارشاد ہے کہ ان کے دل کی باتیں میں جانتا ہوں۔ آپ اُن سے چشم پوشی اور درگذر کا معاملہ کرتے رہیں۔ اور ان کو ان کے نفع یا نقصان کے متعلق صاف صاف اور آخری بات بتا دیں اور وہ یہ کہ میری مخالفت میں تمہارا انجام بُرا ہو گا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ :۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ۱۲ منافقین نے ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں جناب رسالتمآبؐ کے قتل کرنے کی تجویز پاس کی اور جبرئیل نے آکر حضورؐ کو اطلاع دی پس آپ نے بھرے دربار میں فرمایا کہ تم میں سے جن جن آدمیوں نے یہ مشورہ کیا ہے وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوں گے۔ لہذا کھڑے ہو کر اللہ سے معافی مانگ لیں اور اپنے گناہ کا اعتراف کرلیں۔ تاکہ میں ان کے حق میں سفارش کروں لیکن کوئی نہ اُٹھا اور حضورؐ نے کئی دفعہ اپنے

رَّحِيمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا

اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان ۔ ایسا نہیں تیرے رب کی قسم یہ لوگ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک تیری حکومت نہ مانیں اپنے باہمی جھگڑوں میں

فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

پھر نہ محسوس کریں اپنے دلوں میں تنگی اس سے جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کریں جس طرح تسلیم کا حق ہے

فرمان کو دھرایا لیکن کوئی نہ اٹھا۔ پس آپ نے نام لے لے کر فرمایا کہ تو کھڑا ہو تو کھڑا ہو اور آپ نے دو بارہ آدمی گنے۔ پس انہوں نے کھڑے ہو کر اعترافِ جرم کیا اور توبہ کا اظہار بھی کیا لیکن آپ نے فرمایا اب یہاں سے نکل جاؤ الخ خداوند کریم اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن آیت عام ہے اور ہر دور میں اس کے مصداقات جاری ہیں اور ہر مجرم کو توبہ کی طرف جلدی کرنے کی دعوت ہے۔

معیارِ ایمان

فَلَا وَرَبِّكَ ۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ طاغوت کی طرف فیصلہ بھی لے جائیں اور اس کو حاکم بھی تسلیم کریں اور ان کا دعویٰ ایمان بھی سچا ہو۔ بلکہ ایمان دار نہیں ہو سکتے۔ جب تک آپ کی حکومت کو تسلیم نہ کریں۔

تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: وہ لوگ جنہوں نے علیؑ کی ولایت کے اعلان کے خلاف باہمی معاہدے کئے ہوئے تھے یہ آیت انہی کے متعلق ہے کہ وہ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہمی مشاجرات یعنی اختلافی امور میں آپ کی حکومت کو تسلیم نہ کریں اور علیؑ کی ولایت کے متعلق جو کچھ آپ فیصلہ فرما چکے ہیں اس کو بدل و جان قبول نہ کر لیں اور ولایتِ علیؑ کو اس طرح تسلیم کریں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے۔

اور کافی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک قوم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت گذار ہو نمازیں پڑھنے والے، حج کرنے والے، زکوٰۃ دینے والے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنے والے ہوں لیکن خدا یا اس کے رسولؐ کے کسی فیصلہ پر یہ کہہ دیں کہ ایسا کیوں کیا؟ بلکہ اس طرح کرنا نہیں چاہیئے تھا یا اپنے دلوں میں بوجھ تنگی محسوس کریں تو یہ لوگ مشرک شمار ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنے صحابہ سے متوجہ ہو کر فرمایا۔ تسلیم کو نہ چھوڑنا۔

تنبیہ

جس طرح جناب رسالتمآبؐ کے ہر فیصلہ پر کیوں کرنا یا اس سے دل تنگی انسان کو ایمان سے خارج کر دیتی ہے اسی طرح ان کے بعد ان کے حقیقی خلفاء یعنی آئمہ طاہرینؑ کے فیصلہ کے اوپر نکتہ چینی یا ان کے کسی فرمان پر دل کی کڑھن وغیرہ ایمان کی علامت نہیں بلکہ یہ منافیٔ ایمان ہے اور اسی کو معصومؑ نے فرمایا ہے۔ کہ شرک میں داخل کرتی ہے۔ جبھی تو صحابہ کو تاکید کی کہ خبردار! تم تسلیم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ ہمارے عوام میں یہ مرض عام ہے کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں اُلجھن پیدا ہوتی ہے یا نفسِ امارہ کسی بات کو نہیں مانتا تو وہ آئمہ کے فیصلہ پر اعتراض کرتے

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ

اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ قتل کرو اپنے نفسوں کو یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو نہ کرتے

اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ

سوائے چند کے ان میں سے اور اگر کرتے وہ جس کی نصیحت کئے گئے البتہ خوب ہوتا ان کے لئے اور زیادہ ثابت قدمی

تَثْبِيْتًا ۙ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

کا موجب اور پھر ہم ان کو عطا کرتے اپنی جانب سے اجر عظیم اور ان کو توفیق ثبات دیتے راہ مستقیم پر

ہیں اور آئمہ کے فیصلہ کو خلافِ عقل کہنے پر تُل جاتے ہیں حالانکہ ہمارے عقول کی مجال نہیں کہ مسائل شرعیہ کے تمام مصالح کو سمجھ سکیں اور نہ ان پر ضروری ہے کہ ہر حکم کی مصلحت کو ہر شخص کے سامنے بیان کرتے رہیں جہاں انہوں نے مناسب سمجھا صرف حکم کو بیان فرمایا اور وجہ بیان نہ کی بہرکیف مومن کا کام ہے تسلیم کرنا۔ پس جہاں ہمارے عقول ان کے فرمانشات کی مصلحت سمجھنے سے قاصر ہوں تو یہ نہیں کہنا چاہتے کہ یہ حکم خلافِ عقل ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ حکم شرعی مطابق عقل ضرور ہے لیکن میری عقل اس کی مصلحت کو سمجھنے سے قاصر ہے اور یہی ہے ایمان و تسلیم۔

وَلَوْ اَنَّا۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اگر ہم ان پر اپنے نفسوں کا قتل اور گھروں سے جلاوطنی کا حکم صادر کرتے جیساکہ قوم موسٰی پر کیا تھا اور انہوں نے اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفسوں کو قتل بھی کیا تھا اور گھروں کو چھوڑ کر تیہ کی طرف نکل کھڑے تھے تو ان لوگوں سے یہ اُمید نہیں کہ عمل کریں۔ سوائے چند لوگوں کے اور وہ جناب رسالتمآبؐ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اگر ہمیں ایسے سخت احکام دیئے جائیں تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔ اور اللہ کی حمد ہے کہ اس نے ہمیں اس قسم کی سخت آزمائش سے محفوظ رکھا اور عبداللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر بھی انہیں میں سے تھے تو جناب رسالتمآبؐ نے ان کے حق میں فرمایا۔ میری اُمت میں ایسے بندے بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے اور تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت علیؑ کی ولایت کے متعلق ہے۔ کہ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا الخ یعنی اگر وہی کرتے جو انہیں کہا گیا ہے یعنی ولایت علیؑ کے بارے میں تو ان کے لئے خوب ہوتا۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ امام کی تسلیم میں انہیں حکم دیئے جائیں تو سوائے چند آدمیوں کے کوئی بھی نہ مانے گا۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کا ایک ثوبان نامی غلام تھا جو آپ کی محبت میں دیوانہ تھا۔ ایک دن حضورؐ نے دیکھا کہ اس کا رنگ متغیر اور جسم کمزور ہے۔ آپ نے

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور جو اطاعت کرے اللہ و رسولؐ کی تو وہ ساتھ ان کے ہوں گے جن پر انعام کیا اللہ نے

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ

نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکوں میں سے اور بہترین ہے اُن کا

رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

ساتھ یہ فضل ہے اللہ سے اور کافی ہے اللہ جاننے والا

وجہ پوچھی تو غلام نے عرض کی حضور! نہ مجھے بیماری ہے نہ درد۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے آپ کے دیدار کے بغیر آرام نہیں آتا۔ اور جب میں آخرت کو یاد کرتا ہوں تو خیال گذرتا ہے کہ شاید وہاں آپ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا درجہ نبیوں کے ساتھ بلند ہوگا اور میں اگر جنت میں گیا تو یقیناً آپ کی منزلت سے کہیں پست منزل میں ہوں گا اور اگر جنت سے محروم ہوگیا تو آپ سے اور زیادہ دُور ہو جاؤں گا۔ پس اسی فکر میں ہوں تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اطاعت گذاروں کا درجہ

تفسیر برہان میں عیاشی سے منقول ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا اللہ پر حق ہے کہ ہماری ولا والوں کو نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کا رفیق بنائے۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ ابن بابویہ سے مروی ہے جناب اُمّ المومنین امّ سلمہ کہتی ہیں۔ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا نَبِيّٖنَ سے مراد میں ہوں اور صِدِّيْقِيْنَ سے مراد علیؑ ہے۔ اور شہدآء سے مراد حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ صالحین سے مراد حمزہ اور بہترین ساتھ آئمہ عشرہیں (آیت میں جمع کے صیغوں سے اشتباہ نہ کیا جائے کیونکہ حضورؐ نے اپنی امت کے لئے آیت مجیدہ کے مصداق تفسیر باطن کے لحاظ سے بیان فرمائے۔ واللہ اعلم

بعض روایات میں نبیین کا مصداق جناب رسالتمآبؐ اور صدیقین و شہداء کا مصداق آئمہ طاہرینؑ اور صالحین کا مصداق شیعیان اہلبیت کو کہا گیا ہے جیسا کہ کافی سے بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اور آپ نے فرمایا۔ اے ابوبصیر جس طرح خدا نے تمہیں صالحین کے خطاب سے ذکر کیا ہے۔ تم خود بھی صالحین میں اپنا نام پیدا

کرو اور بعض روایات میں نبیین سے مراد جناب رسالتمآبؐ اور صدیقین سے مراد حضرت علیؑ اور شہدار سے مراد حضرت حمزہ اور صالحین سے مراد عترت طاہرہ لی گئی ہے۔ جیساکہ بروایت امالی شیخ کتاب مصباح الانوار سے منقول ہے کہ انس بن مالک کے سوال کے جواب میں جناب رسالتمآبؐ نے آیت مجیدہ کی تفسیر بیان فرمائی اور یہ مصداق بیان فرمائے (بہرکیف اس قسم کے اختلاف رواۃ حدیث سے ہوجایا کرتے ہیں اور مقصد ایک ہی ہے۔)

خلقتِ نوری کی تفصیل

روایت مذکورہ میں انس کہتا ہے کہ جب آپؐ آیت کے الفاظ کے مصداق بیان کرچکے تو آپ کے چچا حضرت عباس جو حاضر مجلس تھے اور کھڑے ہوئے تھے اور حضورؐ کے قریب آکر سامنے بیٹھ گئے۔ پھر عرض گزار ہوئے۔ حضورؐ! کیا میں اور آپ اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام سب ایک درخت سے نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا اس سوال کا مطلب؟ تو عباس نے عرض کی حضور! صرف علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کی ہی تعریف فرما رہے ہیں؟ حضور ہنس پڑے اور فرمایا یہ درست ہے کہ ظاہری خلقت میں ہم ایک درخت سے ہیں۔ لیکن عمّ بزرگوار! خدا نے مجھے علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو خلقتِ آدمؑ سے پہلے خلق فرمایا جب نہ آسمان کی بنا رتھی نہ زمین کا فرش، نہ ظلمت تھی نہ نورؔ اور نہ جنّت تھی نہ نار اور نہ شمس و قمر تھے۔ پس عباس نے خلقتِ نوری کی تفصیل دریافت کی تو آپ نے فرمایا جب اللہ نے ہماری تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پہلے نور کو پیدا کیا اور پھر رُوح کو خلق فرمایا اور ان دونوں کو ملا کر مجھے اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو پیدا کیا۔ پس ہم اس وقت تسبیح گذار تھے جب تسبیح نہ تھی اور اس وقت ہم اس کی تقدیس کرنے والے تھے جب تقدیس نہ تھی (تقدیس کرنے والا کوئی نہ تھا) پس جب مخلوق کو خلق فرمانا چاہا تو میرے نور سے عرش کو پیدا کیا۔ پس عرش کا نورؔ میرے نور سے ہے لہٰذا میرا نور عرش سے افضل ہے پھر علیؑ کے نور سے ملائکہ کو خلق فرمایا۔ پس ملائکہ کا نور علیؑ کے نور سے ہے اور علیؑ کا نورؔ اللہ کے نور سے ہے لہٰذا ملائکہ کے نور سے علی کا نور افضل ہے۔ پھر زمین و آسمان فاطمہؑ کے نور سے ہیں اور فاطمہؑ اللہ کے نور سے ہے لہٰذا فاطمہؑ آسمانوں اور زمین سے افضل ہے۔ پھر حسنؑ کے نور سے شمس و قمر پیدا ہوئے۔ پس شمس و قمر کا نور حسنؑ کے نور سے ہے اور حسنؑ کا نور اللہ کے نور سے ہے لہٰذا حسنؑ شمس و قمر سے افضل ہے۔ پھر حسینؑ کے نور سے جنّت اور حورالعین کو پیدا کیا تو جنّت و حور حسینؑ کے نور سے ہیں اور حسینؑ اللہ کے نور سے ہے لہٰذا حسینؑ جنّت و حور سے افضل ہے۔ پھر ظلمات کو حکم دیا کہ چھا جائیں چنانچہ آسمانوں میں تاریکی چھا گئی اور ملائکہ تسبیح و تقدیس کے ذریعہ سے بارگاہِ ربّ العزّت میں عجز و انکساری سے عرض گزار ہوئے۔ اے ہمارے الٰہ و سیّد۔ جب سے تو نے ہمیں خلق فرمایا اور ان پاک و انوار کی معرفت عطا کی۔ آج تک ہم نے یہ مصیبت نہیں دیکھی۔ پس ان پاک انوار کے واسطہ سے اس ظلمت کو دُور فرما۔ پس خدا نے نورِ فاطمہؑ سے ایک قندیل نور کو ظاہر کرکے زیر عرش آویزاں کیا جس سے آسمان و زمین منور ہوگئے اور اسی لئے اس کو زہرا کہا جاتا ہے ملائکہ نے عرض کی پروردگار! یہ نور ظاہر کس کا

ہے جس سے زمین و آسمان روشن ہو گئے ۔ تو وحی ہوئی کہ یہ نور میں نے اپنے نور جلال سے خلق فرمایا ہے ۔ میری کنیز جو میرے حبیب کی دختر میرے ولی کی زوجہ اور میرے برگزیدہ آئمہ کی ماں ہے اس کا نور ہے اور تمہیں شاہد بنا کر کہتا ہوں ۔ اے ملائکہ ! تمہاری تمام تسبیح و تقدیس کا ثواب اس پاک بی بی اور قیامت تک کے اس کے شیعہ و محب لوگوں کے لئے ہوگا ۔ پس جب یہاں تک پہنچے تو عباس اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے کہنے لگے ۔ یا علیؑ خدا کی قسم خدا اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کیلئے تو ہی حجتِ بالغہ ہے ۔

تنبیہ ادائے امانت والی آیت کے بعد کی تمام آیات کا تسلسل اور روانی بتلاتی ہے کہ ان آیات میں اولوالامر کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے اور اس معاملہ میں تسلیم کی تائید کی گئی ہے جیسا کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین تائیدی طور پر پیش کئے جا چکے ہیں ۔ ہاں بعض آیات کے شانِ نزول کے خصوصی واقعات آیات کو انہی موارد پر بند نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن تا قیامت زندہ ہے اور اس کے مصادیق تا قیامت موجود ہونے ضروری ہیں ۔ اسلوب قرآن سے واقفیت رکھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ ان آیات میں ایسی چیز کے متعلق پُر زور تاکید کی گئی ہے جس کے ماننے سے دعویٰ ایمان کرنے والے کتراتے تھے اور ان کے دلوں میں کرھن پیدا ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ نماز روزہ حج اور جملہ واجبات و محرمات ہیں مومنین نے کبھی جی نہیں چرایا تھا اور خدا نے ان جی چرانے والوں کو منافق کے خطاب سے بھی ذکر کیا اور رسولؐ کو ان کی تفہیم کا بار بار ارشاد فرمایا اور آخر کار کھلے لفظوں فرمایا کہ تمہارا ایمان ہرگز قابلِ قبول نہیں ۔ جب تک رسولؐ کے فیصلہ کو بدل و جان قبول نہ کر لوگے ۔ یہاں تک کہ تمہارے نفسوں پر ان کا بوجھ تک نہ رہے اور کتبِ سیر و تاریخ صاف بتلاتی ہیں کہ وہ صرف حضرت علیؑ کی خلافت تھی جس کا آپ وقتاً فوقتاً اعلان فرماتے تھے اور آخر نتیجہ وہی ہوا ۔ جس کی پیشین گوئی قرآن کر رہا ہے ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾

اے ایمان والو! لگاؤ ہتھیار پس روانہ ہو دستے دستے ہوکر یا اکٹھے (لشکر بن کر)

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ

اور تحقیق بعض تم سے (جو منافق ہیں) پیچھے رہتے ہیں پس اگر تمہیں پہنچے مصیبت تو کہتے ہیں خدا کا احسان ہے

اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ

مجھ پر کہ میں نہ تھا ان کے ہمراہ حاضر اور اگر ملے تمہیں اللہ کا فضل (غنیمت) تو کہتا ہے اس طرح جیسے زتھی

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا

تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہائے افسوس میں ان کے ہمراہ ہوتا تو حاصل کرتا

عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

بڑی کامیابی پس لڑنا چاہیئے اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو جو بیچتے ہیں زندگی دنیا کے

بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

بدلے آخرت کے اور جو لڑے راہِ خدا میں تو قتل کیا جائے یا فتح مند ہو عنقریب دیں گے اسے اجرِ عظیم

رکوع نمبر ۷

یہ آیات پھر جہاد کی ترغیب اور تیاری کے لئے ہیں۔

قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ ۔ مجمع البیان اور برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر تمام اہلِ آسمان و زمین مل کر یہ کلمہ کہہ دیں کہ خدا کا احسان ہے کہ ہم رسولؐ اللہ کے ہمراہ نہ تھے تو سب کے سب مشرک ہو جائیں گے۔

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ یہاں معترضہ ہے اور اس کا ربط پچھلی آیت کے ساتھ ہے۔ یعنی کلام میں تقدیم و تاخیر ہے کہ منافق جو پیچھے رہ جاتا ہے کہتا ہے شکر ہے کہ میں ان کے ہمراہ نہ تھا ورنہ میں بھی مبتلائے مصیبت ہوتا اور یہ فقرہ اس طرح دریدہ دہنی سے کہتا ہے گویا اس کا اور تمہارا کسی وقت آپس میں دوستانہ ہی نہ تھا۔ اور اگر تم فتح یاب ہو جاؤ اور غنیمت لے آؤ تو کہتا ہے کاش میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو میرا بھی اس غنیمت میں حصہ ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر نہیں اور جملہ اپنے مقام پر ہے مقصد یہ ہے کہ جب مومنوں کو غنیمت ملے تو اس طرح

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

اور تمہیں کیا ہے کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور کمزور مردوں اور عورتوں

وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا

اور بچوں کے لئے جو دعا مانگتے ہیں اے پروردگار نکال ہمیں اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے باشندے

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ

اور مقرر کر ہمارا اپنی طرف سے ولی اور مقرر کر ہمارا اپنی طرف سے مددگار جو لوگ

آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا

ایمان لائے وہ لڑتے ہیں راہ خدا میں اور جو لوگ کافر ہیں لڑتے ہیں راہ شیطان میں پس لڑو

أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

شیطان والوں کے ساتھ تحقیق مکر شیطان کا کمزور ہے

جیسے تمہاری اور اس کی آپس میں کوئی راہ و رسم ہی نہ ہو صرف لالچ دنیا کیلئے کہتا ہے۔ کاش میں بھی اس کے ساتھ ہوتا ہر دو صورت میں لَيَقُولَنَّ کا مقولہ یٰلَيْتَنِي ہی ہے اور دوسرے ترجمہ کی صورت میں جملہ كَأَن لَّمْ تَكُن موضع نصب میں حال واقع ہوگا۔

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا۔ تفسیر برہان میں بروایت عیاشی امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ کا ہجرت سے ایک سال قبل انتقال ہوا۔ اور اس کے ایک سال بعد حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا۔ پس حضرت رسالتمآبؐ سخت رنجیدہ خاطر ہوئے تو وحی ہوئی کہ أَخْرِجْ مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا۔ یعنی اس ظالم لوگوں کی بستی سے نکل جاؤ۔ اور مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ کیونکہ مکہ میں تمہارا ناصر اب کوئی نہیں رہا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ۔ تفسیر برہان میں صادقین علیہما السلام سے منقول ہے کہ اس کے مصداق ہم ہیں (باعتبار مصداق باطنی کے)

رَبَّنَا۔ حضورؐ کی ہجرت کے بعد کچھ مومن مکہ میں رہ گئے جو کمزور تھے اس طرح کچھ عورتیں اور بچے جن کو کفار ظلم۔ستم کا نشانہ بناتے تھے وہ کہتے تھے کہ پروردگارا! ہمیں اس بستی سے نجات دے جس کے باشندے ظالم ہیں تو خدا نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا چنانچہ مکہ فتح ہوا اور وہ مسلمان ظلم کے شکنجے سے نجات یافتہ ہوئے اور خدا اسی طرح ذلی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے پیروکاروں کے پاس دلیل و برہان نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ وہ شک و شبہات کی بنا پر لڑتے رہتے ہیں اور مومنوں کے پاس اپنے مذہب و عقیدہ کے لئے مضبوط دلائل

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا

کیا نہیں دیکھا ان کو جنہیں کہا گیا کہ روک لو اپنے ہاتھ (لڑائی سے) اور قائم کرو نماز کو اور دو

الزَّكَوٰةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

زکوٰۃ پس جب فرض ہوئی ان پر لڑائی تو ایک گروہ ان کا ڈرتا ہے لوگوں سے

كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ

اللہ کے ڈر کی طرح یا اس سے بھی سخت اور کہتے ہیں اے ربّ کیوں فرض کی تونے ہم پر لڑائی

لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ

کیوں نہیں ٹال دیا اسے کچھ وقت تک فرما دیجئے دنیا کا نفع تھوڑا ہے اور آخرت

ہوتے ہیں جو ان کے ثبات قدمی کا باعث بنتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ۔ جب مکہ میں قریش کے ظلم سے مسلمان تنگ آتے تھے تو جناب رسالتمآبؐ سے درخواست کرتے تھے کہ ہمیں جہاد کا حکم دیجئے اور آپ انہیں نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے ابھی جنگ کا حکم نہیں آیا جب یہاں سے ہجرت کرکے مدینہ میں پہنچے اور بدر کی لڑائی کا حکم ہوا تو پھر کہنے لگے جہاد کیوں فرض ہوگیا ہے ابھی کچھ اور مہلت دی جاتی تو اچھا تھا۔ شانِ نزول خواہ کچھ ہو آیت قیامت تک چلے گی اور اس پر عمل کرنے والے قیامت تک ہوں گے اور ہر ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں جن کو یہ آیت تنبیہ کرتی چلی جارہی ہے۔ اسی بناء پر تفسیر برہان میں متعدد روایات ہیں جن میں اس کا مصداق امام حسین علیہ السلام کے زمانہ والوں کو قرار دیا گیا جبکہ جہاد ان پر فرض تھا لیکن کوتاہی کر گئے ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دو اور اپنی زبانوں کو محفوظ رکھو اور ان کے نتیجہ میں جنت پہنچو۔ اپنے موالیوں کو خطاب کرکے فرمایا خدا کی قسم اس آیت کے اہل تم ہو تفسیر صافی میں عیاشی سے منقول ہے کہ امام حسنؑ کے زمانہ میں لڑائی سے ہاتھ روکنے کا حکم ہوا اور امام حسینؑ کے ساتھ جہاد کا حکم ہوا اور آیت مجیدہ کے وہ لوگ بھی مصداق ہیں۔

تنبیہ عوام کو دھوکا میں ڈالنے کے لئے شاہ عبدالقادر نے کفوا ایدیکم الخ کا ترجمہ کیا ہے اپنے ہاتھ بند رکھو اور قائم کرو نماز اور تھانوی نے ترجمہ کیا ہے اپنے ہاتھوں کو تھامے رہو اور نمازوں کی پابندی رکھو الخ

خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧٧﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

بہتر ہے اس کے لئے جو تقویٰ کرے اور نہ ظلم کئے جاؤ گے معمولی بھی جہاں بھی ہو گے پالے گی تمہیں موت اگرچہ ہو گے

فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ

ایسے قلعوں میں جو مضبوط ہوں اور اگر ان کو پہنچے اچھائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

اور پہنچے ان کو برائی تو کہتے ہیں یہ آپ کی جانب سے ہے فرما دیجئے سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے

فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ

پس کیا ہے ان لوگوں کو کہ بات نہیں سمجھ پاتے ؟ جو کچھ پہنچے تمہیں اچھائی تو

تاکہ جہال تحت اللفظی ترجمہ دیکھ کر یہ سمجھیں کہ قرآن مجید نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم دے رہا ہے حالانکہ بالکل غلط بلکہ بہتانِ عظیم ہے اور مفسرین اہلسنت مثلاً فخرالدین رازی اور بیضاوی وغیرہ نے صاف لکھا ہے کہ اس سے مراد ہے جنگ سے ہاتھ روکو اور نماز زکوٰۃ کی پابندی کرو

وَاِنْ تُصِبْهُمْ - جب یہودیوں کے میلوں اور زراعت میں کمی واقع ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے کہ یہ حضرت محمدؐ کی وجہ سے ہے اور جب آبادی اچھی ہوتی تو کہتے تھے یہ اللہ کی جانب سے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جنگِ احد میں جو خسارہ پہنچا ہے وہ آنحضرت کی جانب سے ہی ہے لیکن غنیمت حاصل ہونے پر کہتے تھے یہ اللہ کی طرف سے ہے ممکن ہے ہر دو فریقین کی باتوں کو نقل کیا جا رہا ہو۔ اور اسی کو علامہ طبرسی نے ترجیح دی ہے۔

مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ - یہ خطاب جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے اور مراد امت ہے یا یہ کہ مطلق انسان کو خطاب ہے کہ جو اچھائی ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور جو برائی ہے وہ خود تیرے نفس کی جانب سے ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں خدا نے ہر اچھائی و برائی کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے۔ اور دوسری آیت میں تفریق کر دی ہے کہ اچھائی کو اپنی جانب اور برائی کو بندے کی طرف منسوب کر دیا ہے یہ کیوں؟ تو صادقین علیہما السلام نے اس کا حل اس طرح فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں حسنات و سیئات کو دو طریقوں پر استعمال کیا گیا ہے ۔ صحت سلامتی امن اور وسعتِ رزق کو حسنات کہا ہے اور مرض خوف بھوک اور تکلیف وغیرہ کو

فَمِنَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۚ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ

اللہ سے ہوگی اور جو کچھ پہنچے تمہیں برائی وہ تمہارے اپنے نفس سے ہوگی اور بھیجا ہے ہم نے آپ کو

رَسُوْلًا ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

لوگوں کیلئے رسول اور کافی ہے اللہ گواہ جو اطاعت کرے گا رسول کی تو تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوْا

کی اور جو الٹا ہوا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو نگران اُن پر اور زبانی کہتے ہیں اطاعت قبول اور جب نکلتے

سیئات سے تعبیر کیا ہے جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے مقولہ کو نقل فرمایا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ کہ وہ برائی کی بدشگونی کو حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں سے منسوب کرتے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسانوں کے نیک اعمال کو حسنات اور بداعمالی کو سیئات سے تعبیر کیا ہے۔

پس پہلی آیت میں حسنات وسیئات کا پہلا معنی ملحوظ ہے اور دوسری آیت میں دوسرا معنی مراد ہے۔ یا کہ دوسری آیت میں حسنات وسیئات سے عام مراد ہو۔ پس حسنات تو اللہ کی جانب سے ہیں دونوں معنوں کے اعتبار سے لیکن سیئات تو وہ پہلے معنی کے لحاظ سے اگرچہ ہیں اللہ کی طرف سے لیکن چونکہ وہ انسانوں کے بعض کرتوتوں اور غلط کاریوں کے نتیجہ میں ہوتے ہیں اس لئے وہ بندوں کی طرف بھی منسوب ہوسکتی ہیں۔ اور سیئات کا دوسرا معنی تو بندوں کے سوء اختیار کا چونکہ نتیجہ ہے اس لئے ان کی طرف منسوب ہیں بلکہ اس صورت میں بھی اس لحاظ سے اللہ کی طرف ان کی نسبت ہوسکتی ہے۔ کہ افعالِ بد کی بنیادی طاقتیں اللہ کی جانب سے عطا شدہ ہیں۔ پس دونوں آیتوں میں نسبت کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔

مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ انسان کو لکڑی سے کوئی خراش پہنچے یا رگ میں کوئی تکلیف ہو یا قدم پھسل پڑے تو وہ کسی گناہ کا بدلہ ہوا کرتا ہے اور خدا اس سے زیادہ معاف بھی کر دیتا ہے۔ اور اس مطلب کی احادیث آئمہ طاہرین سے بھی مروی ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ: تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: چوٹی کی بات اور انتہائی کام کی بات جو تمام باتوں کی کلید کی حیثیت سے ہے اور جس میں اللہ کی خوشنودی مضمر ہے وہ ہے امام کی اطاعت اور معرفت چنانچہ خدا اسی آیہ مجیدہ میں فرمارہا ہے اگر کوئی شخص عمر بھر راتوں کو عبادت کرے

مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ

ہیں آپ کے پاس سے تو رات کو ٹھان لیتا ہے ایک گروہ ان کا آپ کے فرمان کی مخالفت اور اللہ محفوظ کر

مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

لیتا ہے وہ جو رات کو کام کرتے ہیں پس ان سے درگذر کیجئے اور توکل کیجئے اللہ پر اور کافی ہے اللہ وکیل

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ

کیا تدبر نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا غیر اللہ کی طرف سے تو پاتے اس

اور دن کو روزہ سے رہے اور تمام مال راہ خدا میں خرچ کر دے اور حج بھی کرتا رہے لیکن اللہ کے ولی کی معرفت نہ رکھتا ہو اور اس کا موالی نہ ہو تاکہ اس کے اعمال اسی کی رہبری سے ہوں تو اللہ پر اس کے اعمال کا کوئی بدلہ نہیں ہے اور نہ وہ اہل ایمان سے ہے۔ ہاں ان میں سے بعض نیکوں کو اپنے فضل سے جنت دے گا (شاید ان بعض سے مراد وہ لوگ ہوں جن کے کان میں کلمۂ حق نہ پہنچا ہو اور اہلبیت سے اعلانیہ عداوت بھی نہ رکھتے ہوں۔ واللہ اعلم

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے تمام معاملات جناب رسالتمآبؐ کے سپرد فرمائے چنانچہ فرمایا وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اور فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اور جناب رسالتمآبؐ نے معاملہ حضرت علیؑ اور باقی آئمہ طاہرینؑ کے حوالہ فرمایا پھر اپنے صحابیوں سے متوجہ ہو کر فرماتے ہیں) تم نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے اور لوگوں نے انکار کیا ہے۔ پس خدا کی قسم ہم محبوب رکھتے ہیں کہ جو ہم کہیں تم کہو اور جس سے ہم خاموش رہیں تم بھی خاموشی اختیار کرو۔ ہم اللہ اور تمہارے درمیان وسیلہ ہیں۔ (الحدیث)

بَيَّتَ طَآئِفَةٌ ۔ کافی سے مروی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا اس سے مراد تین شخص ہیں۔ فلاں اور فلاں اور ابو عبیدہ جراح۔

قرآن میں تدبر کرنے کی دعوت

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ان کو دعوت غور و فکر دی گئی ہے کہ ذرا قرآن کے معانی میں ان کے نظم و نسق میں فکر کر کے تو دیکھیں قرآن مجید میں جس قدر احکام بیان ہوئے ہیں ایک دوسرے سے ان کا ایسا جوڑ ہے کہ ان میں کہیں تصادم و اختلاف نہیں نہ ان میں کوئی عقلی خرابی ہے اور نہ لفظی سقم ہے انسان

اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ

میں اختلاف بہت — اور جب آئے ان کے پاس بات امن کی یا ڈر کی تو اسے پھیلاتے ہیں

کو امورِ خیر کی دعوت ہے اور امور شر سے ممانعت کی گئی ہے ۔ حسن اخلاق نیکی اور زہد کی ترغیب سے بھر لور ہے اور جہاں اخبار وقصص کا بیان ہے وہ سب مبنی بر صدق وحقیقت ہیں ۔ علاوہ ازیں فصاحتِ لفظی سلاست اور معنوی اسلوب بیان میں جس معیار پر یہ کلام فائز ہے وہ صرف اسی کا حصہ ہے اور اس میں اپنی نظیر خود آپ ہی ہے پس جو شخص ان باتوں کا جائزہ لے گا اسے مجبوراً اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ کلام انسانی طاقت سے بلند وبالا ہے اور ناچار کہنا پڑے گا کہ یہ خالق کا کلام ہے ۔

وَلَوْ كَانَ ۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے فرماتا ہے کہ اگر یہ کلام مخلوق کا کلام ہوتا تو کسی کلام کی خوبی کے پرکھنے کے لئے جن جن پہلوؤں کا مدنظر رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے اس میں ہر پہلو کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی عیب ضرور پایا جاتا ۔ مثلاً حق وباطل کے بیان میں کہیں سقم ، کہیں اخبار گذشتہ کی واقعیت میں غلطی کہیں فصاحت وبلاغت کے انداز میں کوتاہی کہیں احکام مبینہ میں تناقص اور کہیں سلاست ونظم مطالب کا فرق وغیرہ کیونکہ جب کلام طولانی ہو اور اس میں مطالب بہت کثرت سے بیان ہوں ۔ عقلیات بھی ہوں اور نقلیات بھی اوامر بھی ہوں نواہی بھی ۔ اور خطاب میں بھی عوام وخواص سب داخل ہوں تو ناممکن ہے کہ کسی انسانی دماغ سے کسی پہلو میں تشنگی نہ رہے اور نہ کہیں سقم پیدا ہو لیکن قرآن مجید ان سب باتوں کے باوجود ہر پہلو کے لحاظ سے ہر سقم وعیب سے مبرا د منزہ ہے حتیٰ کہ عرب کے فصاحت وبلاغت کے چرچے کے زمانہ میں اس کے سامنے فصحا زمانہ اور بلغاءِ عصر کی گردنیں جھک گئیں اور قرآن مجید کے بار بار چیلنج کرنے کے باوجود کسی کو مقابلہ کی جرأت تک نہ ہو سکی ۔ چنانچہ پہلے فرمایا اس کی مثل لاؤ ۔ پھر فرمایا اس پورے کی مثل نہ سہی اس کے ایک سورہ کی مثل لاؤ اور بالآخر فرمایا چلو اسی معیار کے ماتحت ایک آیت ہی لے آؤ ۔ تاہم تمام فصحاء وبلغاء اس کے جواب سے گنگ رہے اور قرآن مجید میں ایک ذرہ بھر کے برابر نقص وعیب پیدا نہ کر سکے پس قرآن میں ہر خوبی کے جامع ہونے کے باوجود اس میں اختلاف وتصادم کا نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے ورنہ اگر مخلوق کا ہوتا تو کچھ صحیح اور کچھ سقیم بعض حصہ میں بلیغ تو بعض گرا ہوا اور کہیں واقعات کے بیان میں صدق تو کہیں جھوٹ بھی آجاتا اور یہ اختلاف مخلوق کے کلام میں ناگزیر ہے لیکن اللہ کا کلام اس سے پاک و مبرا ہے ۔ صدق اللہ العزیز الحکیم ۔ قرآن میں تدبر کی دعوت اس امر کی دلیل ہے کہ اصولِ دین میں تقلید حرام ہے ۔ اسی لئے تو ان کو قرآن پر ایمان لانے کے لئے تدبر کی دعوت دی گئی ہے ۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ ۔ مدینہ میں جو عام خبریں پھیلائی جاتی تھیں مثلاً کسی وقت دشمنوں کے حملہ کی خبریں کہ وہ فلاں طرف سے آمادۂ جنگ ہو کر آرہے ہیں اور کسی وقت مومنوں کی فتح کی خبریں کہ فلاں مقام پہ مومنوں کو فتح ہوئی

وَلَوْ رَدُّوْهُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَإِلٰٓى أُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

اور اگر اسے رد کرتے طرف رسولؐ کے اور اپنے اولوالامر کے تو جان لیتے اسے وہ لوگ جو

يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ

استنباط کرتے ہیں ان میں سے اور اگر نہ ہوتا فضلِ خدا تم پہ اور اس کی رحمت تو تم تابعدار بن جاتے

الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

شیطان کے سوائے چند کے

تو بعض لوگ تو بغیر اس کے کہ ان اخبار کی تحقیق کی جائے ان کی اشاعت پر زور دیتے تھے جس کی بدولت بعض اوقات مومنوں میں سنسنی سی پھیل جاتی اور سخت پریشانی کا سامنا ہوا کرتا پس خُدا نے اس رویہ سے منع فرمایا اور ہدایت کی کہ آئندہ اگر کوئی ایسی بات ہو تو وہ رسولؐ کو بتا دی جائے تاکہ اس کی پوری تحقیق ہو سکے اور چونکہ دین اسلام قیامت تک کے لئے ہے اور ہمیشہ اس قسم کے معاملات سے نپٹنا ضروری ہوا کرتا ہے۔ لہذا رسولؐ کی عدم موجودگی میں اس قسم کی اخبار کو رسولؐ کے قائم مقام یعنی اولوالامر کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا جو واقعات کی تحقیق کر کے اس پر مناسب عمل کی لوگوں کو دعوت دیں اور برمحل کارروائی کریں۔

وَ اِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ۔ مجمع البیان اور برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اولوالامر سے مراد یہاں بھی معصومین علیہم السلام ہیں اور تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد آلِ محمدؐ ہیں اور وہی قرآن سے استنباط کر سکتے ہیں اور وہی حلال و حرام کو جانتے ہیں اور خلقِ خدا پر حجت ہیں۔

يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔ ھم کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے ان منافقوں کو بنایا ہے جو خبریں پھیلایا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ جن کا ایمان درست نہیں اُن کے استنباط کی مدح کس طرح ہو سکتی ہے۔

یہاں ھُمْ کی ضمیر کا مرجع اولی الامر ہیں اور مِنْ اس لحاظ سے بیانیہ ہوگا نہ کہ تبعیضیہ اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اولی الامر ہیں وہ ہی صحیح استنباط کر سکتے ہیں اور اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ میں ھُم کی ضمیر کا مرجع اگرچہ منافقین ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان میں سے ہیں بلکہ یہ اس طرح ہے جس طرح رسولؐ کے متعلق متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ اس نے اَن پڑھ لوگوں میں رسولؐ بھیجا جو ان سے ہے یا تمہاری طرف رسولؐ بھیجا جو تم میں سے ہے یعنی تمہاری قوم و قبیلہ سے ہے یا تمہارے ملک و وطن سے ہے۔

بہر کیف تمام اُمت کو رسولؐ اور اولی الامر کی طرف رُجوع کی دعوت دی گئی ہے اور اولی الامر کے استنباط کی خُدا نے

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ

پس جہاد کیجئے اللہ کی راہ میں آپ مکلف نہیں مگر اپنے نفس کے لئے اور ترغیب

الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ

دیجئے مومنوں کو یقیناً اللہ روک دے گا شدت ان کی جو کافر ہیں اور اللہ

أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿۸۴﴾

سخت گیر اور سخت سزا دینے والا ہے

مدح فرمائی ہے اور جناب رسالتمآبؐ نے حدیث ثقلین اور دوسری متعدد احادیث میں فرمایا ہے کہ قرآن اہلبیتؑ کے ساتھ ہیں اسی طرح علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے لہذا قرآن فہمی کے لئے بھی اولی الامر کے دروازہ پر جھکنا واجب اور ضروری ہے اور اس کے بغیر امتِ اسلامیہ کبھی اسلامی تعلیمات سے کما حقہٗ بہرہ ور نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں احادیث بکثرت وارد ہیں اور یہاں ان کا جمع کرنا باعث طول ہے اور جو کچھ نقل کی گئی ہیں ساہلِ انصاف کے لئے وہی کافی ہیں اور صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ فضل سے مراد رسولِ خدا اور رحمت سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔

فَقَاتِلْ ۔ یہ خطاب صرف جناب رسالتمآبؐ کے لئے ہے اور مجمع البیان میں اس کے ارتباط کیلئے دو قول منقول ہیں۔ پہلے چونکہ گذر چکا ہے کہ جو راہِ خدا میں جہاد کرے گا خواہ قتل ہو جائے یا فتح مند ہو کر آئے۔ دونوں صورتوں میں اس کے لئے اجرِ عظیم ہے پس اس کا ربط اسی سے ہے یا یہ کہ پہلے فرمایا تھا ان کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ راہِ خدا میں جہاد نہیں کرتے پس یہ آیت اسی سے مربوط ہے لیکن جب جمع قرآن مجید میں ترتیب آیات کا لحاظ ہی نہیں اور نیز آیاتِ قرآنیہ بھی الگ الگ مواقع پر اترا کرتی تھیں تو خواہ مخواہ ہر آیت کے لئے پچھلی آیت سے ربط تلاش کرنا فضول دماغ سوزی ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیتِ مجیدہ میں جناب رسالتمآبؐ کو ایسا حکم دیا گیا ہے جو مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا گیا۔ اور وہ یہ کہ تنہا جنگ کرو اگرچہ ساتھی کوئی بھی نہ ہو۔ اسی بنا پر ان کو حق بھی اپنے برابر دے دیا چنانچہ اپنے حق میں نیکی کرنے والے کے لئے فرمایا ایک کے بدلہ میں دس دوں گا۔ پس رسولؐ کے حق میں نیکی کرنے والے کے لئے بھی دس گنا ثواب مقرر فرمایا چنانچہ رسولؐ پر درود بھیجنے والے کے لئے ایک دفعہ درود کا بدلہ دس نیکیاں ہیں۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ

جو سفارش کرے اچھی سفارش تو ہوگا اس کے لئے حصہ اس (کے اجر) سے اور جو سفارش کرے

شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

بری سفارش تو ہوگا اس کے لئے گناہ اس سے اور ہے اللہ ہر چیز پر نگران یا

مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ

قادر اور جب تمہیں سلام دیا جائے تو جواب سلام اس سے اچھا کرکے دو یا وہی پلٹا دو

مَنْ يَّشْفَعْ۔ اچھی اور بری سفارش کا معیار یہ ہے کہ ہر وہ کام جو شریعت مقدسہ میں جائز ہے اس کی سفارش اچھی اور ہر وہ کام جس سے شریعت نے منع کیا ہے اس کے متعلق سفارش بری اور ناجائز ہے۔ پس جو شخص کسی مومن کی جائز کام میں سفارش کرے خواہ اس کا کام ہو یا نہ ہو اس کو ہر صورت میں ثواب ملے گا اور جو شخص برائی میں کسی کی سفارش کرے گا تو جس طرح وہ گنہگار ہوگا۔ یہ بھی گنہگار ہوگا اور بعضوں نے اس جگہ سفارش سے مراد دعا لی ہے یعنی جو شخص امورِ خیر میں مومن کے حق میں دعا مانگے گا اس کو بھی اس سے حصہ دیا جائے گا اور جو شخص مومن کے لئے بری سفارش کرے گا یعنی اس کے لئے بددعا کرے گا تو وہ خود اس کے وبال میں گرفتار ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو شخص دو مومنوں کے درمیان صلح کرائے گا اور ایک کی دوسرے کی طرف سفارش کرکے ان کے رنج کو دور کرے گا اس کے لئے ثواب ہے اور جو چغلی لے کر ایک مومن کو دوسرے سے متنفر کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔ نیز اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ بہرکیف آیت مجیدہ کے الفاظ عام ہیں سب معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں دعائے خیر کرے تو مقبول ہوتی ہے اور فرشتے دعا کرنے والے کو اس سے دوچند کی خوشخبری دیتے ہیں۔

سلام اور جواب سلام

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ۔ خداوند کریم نے مسلمانوں کو اتحاد و یگانگت کا درس دیتے ہوئے ان کو باہمی میل جول کے طریقے تعلیم فرمائے ہیں کہ جب مسلمان و مومن ایک دوسرے سے ملیں تو پہلے سلام و جواب سلام ہو نیز جب ایک مومن دوسرے مومن کو سلام دے تو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

تحقیق اللہ ہر شے کا بدلہ دینے والا ہے اللہ! نہیں کوئی معبود مگر وہی ضرور جمع کرے گا

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

تمہیں بروز قیامت اس میں کوئی شک نہیں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں

دوسرے کو اس سے اچھا جواب دینا چاہیئے ورنہ کم ازکم اس جیسا جواب تو ضروری ہے مثلاً جب ایک کہے السلام علیکم تو جواب میں کہا جائے وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ اور جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ جب اہل کتاب تمہیں سلام دیں تو اُن کے جواب میں عَلَيْكُمْ کہہ دو اس سے آگے نہ بڑھو) یعنی اچھا جواب دینا یا اس جیسا جواب دینا صرف مومن کے لئے ہے۔

مسئلہ - سلام دینا مستحب ہے لیکن جواب سلام واجب ہے کیونکہ اس کے متعلق امر وارد ہے اور اگر کافی آدمی موجود ہوں تو جواب سلام واجب کفائی ہوتا ہے یعنی ان میں سے اگر ایک شخص جواب سلام دے دے تو باقیوں سے وجوب ساقط ہے لیکن اگر ایک شخص کو خاص طور پر سلام کہے تو اس کے لئے جواب دینا واجب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ :- اگر نماز پڑھتے ہوئے کو کسی نے سلام کہا تو نمازی پر انہی لفظوں میں اس کا جواب واجب ہوا کرتا ہے۔

مجمع البیان میں صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ تحیہ سے مراد عام ہے خواہ سلام ہو یا کوئی اور نیکی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی مومن دوسرے کے ساتھ کوئی نیکی کرے تو اس کے لئے اس کے جواب میں اس سے بڑھ کر نیکی کرنی چاہیئے ورنہ کم ازکم اس جیسی تو ضرور کرے۔

(۲) برہان میں کافی سے منقول ہے جناب رسالتمآب نے فرمایا اگر کوئی شخص سلام کہے بغیر کوئی بات کرے تو اس کا جواب نہ دو بلکہ پہلے سلام اور پھر کلام کرو۔

(۳) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حدیث قدسی میں ارشاد خداوندی ہے کہ بخیل وہ انسان ہے۔ جو سلام میں بخل کرے

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سلام کہنے والے کو باآواز بلند سلام کہنا چاہیئے تاکہ وہ سُن لے پھر اسے یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ میں نے سلام دیا اور جواب نہیں دیا گیا اسی طرح جواب سلام کہنے والے کو بھی آواز بلند سے جواب دینا چاہیئے تاکہ سلام دینے والے کو شکوہ کا موقعہ نہ ملے اور فرمایا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ نہ خود غصہ کرو اور نہ کسی کو غصہ میں لاؤ۔ سلام کو عام کرو۔ کلام پاکیزہ کرو اور نماز شب پڑھو۔ جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

پس سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو گے۔

(۵) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص صرف السلام علیکم کہے اس کے لئے دس نیکیوں کا ثواب ہے اور جو السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اس کے لئے بیس نیکیوں کا ثواب ہوتا ہے اور جو السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ کہے اس کے لئے تیس نیکیوں کا ثواب ہوتا ہے۔

(۶) تفسیر مجمع البیان میں ہے ایک شخص جناب رسالتمآبؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم تو آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ پھر تیسرا شخص وارد ہوا تو اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ پس لوگوں نے دریافت کیا حضورؐ پہلے اور دوسرے سلام کے جواب میں تو آپ نے زیادتی فرمائی لیکن تیسرے کے جواب میں زیادتی نہیں کی اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ تحیہ کی حد یہاں تک ہے اس لئے میں نے اس کو اس کے سلام جیسا جواب دیا ہے۔

(۷) تفسیر برہان میں بروایتِ کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کو جمع کے صیغے سے جواب دیا جاتا ہے اگرچہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو (۱) جب کوئی شخص چھینک دے تو اس کو کہا جاتا ہے۔ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہ اگرچہ وُہ اکیلا ہی ہو (۲) اگر کوئی سلام دے تو اس کے جواب میں کہا جائے وعلیکم السلام (خواہ تنہا ہی ہو) (۳) جب انسان دوسرے کے لئے دعائیہ کلمہ کہے تو کہنا چاہیئے عَافَاکُمُ اللّٰہ اگرچہ وُہ ایک ہی ہو۔ الحدیث

(۸) آپ نے فرمایا سلام کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام دے اور راہ گذر راستہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام دے اور چھوٹی جماعت زیادہ کو سلام دے۔

(۹) آپ نے فرمایا تھوڑے بہتوں کو، سوار پیدل کو خچر سوار، گدھے سوار کو اور گھوڑے سوار خچر سوار کو سلام کہیں۔

(۱۰) نیز فرمایا اگر زیادہ لوگ زیادہ لوگوں پر سے گذریں تو گذرنے والوں میں سے صرف ایک کا سلام کہنا کافی ہے۔

(۱۱) فرمایا گھر والے کے لئے سلام کی تکمیل مصافحہ سے اور مسافر کے لئے سلام کی تکمیل معانقہ (گلے لگ کر ملنے) سے ہوتی ہے

(۱۲) فرمایا نماز گذار کو انہی لفظوں میں جواب دینا چاہیئے جو سلام دینے والے نے کہے تھے اور نہ کہے وعلیکم السلام چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمار گذرے اور جناب رسالتمآبؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ پس عمار نے سلام دیا تو آپ نے انہی لفظوں میں جواب دیا اور نیز بروایتِ تہذیب آپ نے فرمایا نماز کی حالت میں جواب سلام باوازِ بلند نہ ... چپکے سے دیدو

(۱۳) بروایت ابن بابویہ آپ نے فرمایا۔ یہود، نصاریٰ۔ مجوس۔ بت پرست۔ دسترخوانِ شراب پر بیٹھے ہوئے نرد و شطرنج کھیلنے والے۔ مخنث اور شاعرِ لغو گو پر سلام نہ کہا کرو۔ نیز نمازی پہ بحالتِ نماز سلام نہ کہا کرو کیونکہ سلام دینا سنت ہے اور جواب واجب ہے اور وہ نماز میں پابند ہو چکا ہے۔ اسی طرح سود خور، پیشاب پاخانہ پھرنے والے حمام کرنیوالے

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ

پس کیا ہوگیا تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہوگئے اور خدا نے ان کو ذلیل کیا بوجہ اس کے جو انہوں نے کیا۔

تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

کیا تم چاہتے ہو کہ ہدایت پر لاؤ جن کو گمراہی میں چھوڑا اللہ نے اور جن کو گمراہی میں چھوڑا اللہ نے پس ہرگز نہ پاؤ گے اُن کے لئے کوئی راہ

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ

وہ چاہتے ہیں کہ تم کافر بن جاؤ جیسے وہ خود کافر ہوگئے پس برابر ہو جاؤ لہذا ان میں سے نہ بناؤ دوست

اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ

یہانتک کہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں پس اگر پھر جائیں تو پکڑو انہیں اور مار ڈالو

حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

انہیں جہاں بھی پاؤ اور نہ بناؤ ان میں سے دوست اور نہ مددگار

اور اعلانیہ فسق کرنے والوں پر بھی سلام نہ کہو۔

رکوع نمبر ۹

فَمَا لَكُمْ ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق مروی ہے کہ مکہ سے ایک گروہ مدینہ میں آیا اور اظہار اسلام کیا۔ پھر جب واپس مکہ کو گئے تو شرک میں داخل ہوگئے اور وہاں سے مشرکین کا مال و متاع لے کر بغرض تجارت یمامہ کی طرف روانہ ہوئے تو مسلمانوں نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان میں باہمی پھوٹ پڑگئی۔ بعض کہتے تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں لہذا ان سے لڑنا ناجائز ہے تب یہ آیت اُتری اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اس شان نزول سے آیت کا مطلب واضح ہے اور خدا ان لوگوں کی مذمت فرمارہا ہے جنہوں نے مرتد لوگوں کی طرفداری کی تھی۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۔ تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ اور بعد والی آیت بنی اشجع اور بنی ضمرہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب جناب رسالتمآب جنگ حدیبیہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کا گذر ان کے علاقہ کے نزدیک سے ہوا اور آپ بنی ضمرہ کے ساتھ اس سے پہلے صلح کا معاہدہ کر چکے تھے۔ صحابہ نے بنی ضمرہ سے جنگ کرنے کی خواہش کی اور کہا کہ ممکن ہے یہ لوگ قریش کے معاون بن جائیں۔ لہذا پہلے ان کا معاملہ صاف کر لیا جائے تو آپ نے

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ

مگر وہ جو ملے ہوں ایسی قوم سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہو یا تمہارے پاس آئیں

صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ

کہ تنگ دل ہوں تمہارے ساتھ لڑنے سے یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے اور اگر چاہتا اللہ تو مسلط کر دیتا

عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ

ان کو تم پر پس پھر وہ لڑتے تم سے پس اگر وہ تم سے کنارہ کریں پھر نہ لڑیں اور پیش کش کریں تمہیں صلح کی۔

فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾

تو نہیں دی اللہ نے تمہیں بھی راہ (جواز ان سے لڑنے کی)

فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لوگ والدین سے احسان کرنے والے صلہ رحمی کرنے والے اور وفائے عہد کرنے والے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ لڑنا قطعاً موزوں نہیں ہے ان دنوں بنی اشجع کے علاقہ پر قحط سالی تھی اور بنی ضمرہ کا علاقہ آباد تھا۔ اور یہ دونوں قبیلے چونکہ ایک دوسرے کے حلیف تھے لہٰذا بنی اشجع بنی ضمرہ کے علاقہ میں فروکش تھے جب آپ کو بنی اشجع کا بنی ضمرہ کے ہاں فروکش ہونا معلوم ہوا تو آپ نے بنی اشجع کے ساتھ جنگ کا ارادہ فرمایا (اور غالباً بنی اشجع ہی وہ تھے جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے جن کا اس سے پہلی آیت میں تذکرہ ہے) تو یہ آیت اتری وَدُّوا الخ کہ وہ تو کافر ہوئے خبردار تم ان سے رواداری کر کے ان جیسے نہ ہو جاؤ اور نہ ان سے دوستانہ تعلقات رکھو جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں اور اگر ایسا نہ کریں تو ان کو پکڑو اور قتل کرو وہ جہاں بھی ملیں۔ اور پھر تاکید کے طور پر فرمایا کہ ان کو دوست یا مددگار نہ سمجھو۔

إِلَّا الَّذِينَ الخ۔ یہ بنی اشجع کا استثنار ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں سے نہ لڑو جن کا تمہارے حلیفوں سے میل ملاپ ہے اور نیز ان لوگوں سے بھی جنگ نہ کرو جو تمہارے لڑنے سے کتراتے ہیں اور اپنی قوم کے ساتھ بھی تمہارے طرفدار نہیں بن کر لڑ سکتے پس وہ اگر تم سے نہ لڑیں اور صلح کی پیش کش کریں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کا حق نہیں ہے۔ آیت مجیدہ کے اُترنے کے بعد آپ کا بنی اشجع کے ساتھ لڑائی کا پروگرام خود بخود ختم ہو گیا لیکن حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر ادھر بنی اشجع کو خوف تھا کہ چونکہ لشکر اسلام قریب پہنچ چکا ہے کہیں وہ ہم پر دھاوا نہ بول دے اور ادھر مسلمانوں کو اپنے مقام پر خطرہ تھا کہ کہیں وہ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں۔ پس بنی اشجع جن کی تعداد سات سو تھی۔ اپنے رئیس مسعود بن رجیلہ کے ہمراہ اس طرف روانہ ہوئے

اور یہ واقعہ ۴ھ ماہ ربیع الاول کا ہے اور حضور نے اسید بن حصین کو تین صحابہ کے ساتھ ان کی طرف روانہ فرمایا کہ وہ کیا چاہتے ہیں تو انہوں نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ بنی اشجع کے رئیس مسعود بن رجیلہ نے اسید اور اس کے ساتھیوں پر سلام کیا اور کہا کہ ہم حضرت محمدؐ کے ساتھ صلح کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں پس اسید نے واپس آکر حقیقت حال بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ لڑائی سے ڈر گئے ہیں لہذا صلح پہ آمادہ ہیں بنی اشجع کے سردار نے دس بار اونٹ کے جو نر مادہ تھے بطور ہدیہ پیش کئے آپ نے فرمایا حاجت سے پہلے ہدیہ بہترین چیز ہے اور آپ نے دریافت فرمایا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا حضور! ہمارے گھر یہاں سے قریب ہیں ہم اپنی قوم میں تھوڑے آدمی ہیں۔ لہذا آپ کے ساتھ لڑنے سے ہم کتراتے ہیں اور نیز اسلام قبول کر کے اور آپ کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے بھی نہیں لڑنا پسند کرتے۔ لہذا صلح کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ پس آپ نے اس کا ہدیہ قبول فرمایا اور ان سے صلح کر لی۔ وہ لوگ دن بھر یہیں رہے اور پھر واپس اپنے گھروں کو چلے گئے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ ۔ یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے کہ اگر خدا چاہتا تو انہیں غلبہ دے دیتا لیکن اس نے چونکہ تم لوگوں کو غلبہ دیا ہے۔ لہذا تمہارا جہاد صرف بربریت اور حیوانیت کا مظاہرہ نہ ہو بلکہ عدل و انصاف اور انسانیت کے اصولوں کے ماتحت ہو۔ پس جو لوگ خود بخود تم سے خوف کھاتے ہوں نہ خود تمہیں چھیڑیں اور نہ کسی کا ساتھ دے کر تمہارے نقصان کے درپے ہوں اور تمہاری طرف پھر دست صلح بھی دراز کریں تو تمہیں ان سے روادار بن کر رہنا چاہیئے۔

رواداری

قرآن مجید نے کس طرح اچھوتے اور نرالے انداز سے مسلمانوں کو کفار سے بھی رواداری کا حکم دیا تاکہ انسانی تمدنی زندگی پر امن و پرسکون ہو لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ وہ مسلمان جن کو کافروں سے رواداری کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ خود آپس میں دست و گریبان ہیں اور رواداری کی زبانی رٹ لگانے کے باوجود مقام عمل میں خود غرضی اور نفس پرستی کو مقدم کرتے ہوئے ایک دوسرے کا خون چوسنے میں لذت محسوس کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات مصالح وقتیہ کے ماتحت کفار کی طرف تو رواداری کے بہانہ سے دوستی کا ہاتھ بڑھا لیتے ہیں لیکن باہمی جذبۂ محبت و الفت سے بالکل کورے ہوتے ہوئے اپنے مسلک و ہم مشرب افراد کے لئے حسد و کینہ کے ترکش اپنی بغل میں رکھتے ہیں

شیعہ علماء جو محمدؐ و آل محمدؐ کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کا بہانگ دہل دعویٰ رکھتے ہیں۔ میں نے دیکھا ان میں سے بعض نام نہاد دوسروں سے بعض اوقات رواداری اختیار کر لینے میں تو جھجک محسوس نہیں کرتے لیکن اپنوں کو نشانہ تنقید بنا کر اپنی برتری کا الو سیدھا کرنے میں ندرت دین سمجھتے ہیں چنانچہ شیخ المتالہین علامہ شیخ احمد ابن زین الدین احسائی اعلی اللہ مقامہ اسی قسم کے نام نہاد مفاد پرست بدلگام حاسدین ملاؤں کی ناجائز تنقید کا نشانہ بنے حالانکہ ان کی تصانیف انیقہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے دور کے وحید و فرید شیعہ عالم دین تھے جن لوگوں نے ان پر کفر و الحاد کے فتووں کی بارش کی وہ درحقیقت ان کے مطالب علمیہ کی گہرائیوں تک پہنچنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے ان کی تحریریں جس طرح توحید پروردگار کے اصول موتی اپنے دامن میں لیتی ہیں وہاں محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل و مناقب کا بحر ذخار ان کی قلم کے دہانے سے جاری نظر آتا ہے خداوند کریم ہر مومن کو حسد و کینہ کے موذی امراض سے نجات بخشے

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ۭ كُلَّمَا رُدُّوْٓا

عنقریب پاؤ گے ایک اور گروہ جو چاہتے ہیں کہ تم سے امن میں رہیں اور امن میں رہیں اپنی قوم سے بھی جب بھی

اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا

پھیرے جائیں طرف کفر کے تو وہ پلٹ جاتے ہیں اس میں پس اگر تم سے کنارہ نہ کریں اور نہ پیش کریں تمہیں صلح کی اور نہ روک

اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكُمْ جَعَلْنَا

لیں اپنے ہاتھ تو پکڑو انہیں اور مار ڈالو جہاں بھی ان کو پاؤ اور ایسے لوگ کی ہے

لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿٩١﴾ ع

ہم نے تمہارے لئے ان پر حجت ظاہر

دورنگی سے ممانعت

سَتَجِدُوْنَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک قوم ریاکاری کے طریقہ سے مسلمان تھی جب وہ قریش کے پاس جاتی تھی تو وہاں شرک و بت پرستی میں مشغول رہتی تھی ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں سے بھی امن پائیں اور کفار قریش کے شر سے بھی محفوظ رہیں پس خدا نے ان کے اس رویّہ کو ناپسند فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ نعیم بن مسعود اشجعی کے بارے میں اتری ہے کہ جناب رسالتمآبؐ اور مشرکین کے درمیان وہ دورنگی کی پالیسی پر عامل تھا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت عیینہ بن حصین فزاری کے بارے میں اتری ہے کہ ان کے علاقہ میں قحط ہوا تو اس نے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی اجازت لی کہ بطن نخل میں قیام کرے اور اسے ضرر نہ دی جائے اور درحقیقت یہ شخص منافق و ملعون تھا اور جناب رسالتمآبؐ نے اس کو احمق مطاع کا لقب دیا ہوا تھا۔

اور صادقین علیہما السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

اُرْكِسُوْا ۔ اس کا لغوی معنی ہے پلٹ جانا اور اس سے ذلت یا ہلاکت بھی مراد لی گئی ہے جیسا کہ گذشتہ آیت کا ہم نے ترجمہ کیا ہے

تنبیہ

یہ آیاتِ مجیدہ اگرچہ شانِ نزول کے لحاظ سے بعض موارد کے ساتھ متعلق ہیں لیکن صرف انہی واقعات پر بند نہیں بلکہ تا قیامت ان کا مضمون باقی آیاتِ قرآنیہ کی طرح جاری ہے اور تا قیامت جو بھی اس قسم کے کرتوت کرنے والا ہو وہ شرع کے نزدیک انہی کے حکم میں داخل ہے۔ خداوند کریم کو دشمنانِ دین کے ساتھ مومنوں کا دوستانہ تعلق رکھنا قطعاً پسند نہیں اور نہ وہ دورنگی پالیسی کو محبوب رکھتا ہے۔ پس صاحبانِ ایمان کو ان آیات سے درس حاصل کرنا چاہیئے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً

اور نہیں جائز مومن کے لئے کہ قتل کرے مومن کو مگر خطا سے اور جو قتل کرے مومن کو خطا سے

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ

تو (کفارہ) آزاد کرنا غلام مومن کا اور خون بہا دینا اس (مقتول) کے اہل کو مگر یہ کہ وہ صدقہ (معاف) کر دیں

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَ

پس اگر ہو ایسی قوم سے جو دشمن ہے تمہاری اور وہ بھی مومن تو آزاد کرنا غلام مومن کا اور

إِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ

اگر ہو ایسی قوم سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو تو خون بہا دینا اس (مقتول) کے اہل کو

وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

اور آزاد کرنا غلام مومن کا پس جو یہ نہ پائے تو روزے دو ماہ پے در پے رکھے۔

تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

توبہ ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

رکوع نمبر ۱

قتلِ خطا کا کفارہ

مجمع البیان میں ہے عیاش ابن ابی ربیعہ مخزومی جو ابوجہل کا مادری بھائی تھا اس نے حارث بن یزید عامری کو قتل کر ڈالا تھا اور یہ بھی مسلمان تھا لیکن عیاش کو اس کے اسلام لانے کا علم نہ تھا اور یہ وہ شخص تھا جو مکہ میں ابوجہل کے ساتھ مل کر عیاش کو ایذا پہنچاتا تھا اور اس کے لئے ہجرت سے بھی مانع ہوا تھا پس اسی سابقہ غصہ میں عیاش نے اس کو قتل کیا تھا۔ یہ روایت حضرت باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے آیت کا مضمون عام ہے لہٰذا وہ صرف اسی واقعہ سے مختص نہیں ہے۔

اِلَّا خَطَأً۔ تفسیر قمی سے مروی ہے کہ یہاں اِلَّا نفی کے معنی میں ہے یعنی مومن کے لئے مومن کا قتل جائز نہیں نہ عمد سے اور نہ خطا سے اور خطا کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور چیز کو نشانہ بنا کر مارنے لگے اور اتفاق سے کسی مومن کو لگ جائے

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ

اور جو قتل کرے مومن کو عمداً تو اس کی جزا جہنم ہے کہ ہمیشہ رہے گا اس میں اور غضب اللہ کا ہے

عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اس پر اور اس کی لعنت اور اس کے لئے اس نے تیار کیا ہے عذاب دردناک

اور وہ مرجائے اور عمد کا مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایک شخص کو نشانہ بناکر اس پر پتھر یا ڈنڈا یا بندوق و پستول وغیرہ سے حملہ کیا جائے اور وہ مرجائے۔

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ۔ چونکہ قتل میں حق اللہ اور حق الناس دونوں شامل ہیں حق اللہ اس لئے کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کی یا اللہ کی مخلوق میں سے ایک کے بے گناہ قتل کا موجب ہوا ہے اور حق الناس کا ہونا تو صاف ظاہر ہے پس حق اللہ کے بدلہ میں غلام آزاد کرے جو بالغ اور مسلمان ہو اور حق الناس کے بدلہ میں مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔

وَدِيَةٌ۔ خون بہا کے متعلق تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے قتل خطا کا کفارہ فرمایا ایک سو اونٹ یا ایک ہزار بھیڑ بکری یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار اگر خون بہا اونٹ دے تو ۲۵ بنت مخاص (دوسرے سال میں داخل مادہ شتر) ۲۵ بنت لبون (تیسرے سال میں داخل مادہ شتر) ۲۵ حقّے (چوتھے سال میں داخل) اور ۲۵ جذعے (پانچویں سال میں داخل) دے اور اگر ایسی خطاء ہو جو عمد سے مشابہت رکھتی ہو یعنی کسی کو ڈنڈا یا پتھر وغیرہ مارے جس میں اس کے قتل کی نیت نہ ہو لیکن وہ اس ضرب کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہو جائے تو اس کا خون بہا بھی ایک سو اونٹ ہوگا لیکن پہلے سے سخت اور وہ اس تفصیل سے کہ ۳۳ حقّے (چار سالے) ۳۳ جذعے (پنج سالے) اور ۳۴ ثنیّے یعنی چھ سالے دے اور بعض روایات میں قتل خطاء کا کفارہ ۲۰ بنت مخاص ۲۰ ابن لبون ۳۰ بنت لبون اور ۳۰ حقّے ذکر کئے گئے ہیں۔

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ الخ۔ اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمہارے ایمانی دشمن ہیں یعنی کافر حربی ہیں۔ اور وہ شخص ان میں مومن ہو لیکن تمہیں اس کا مومن ہونا معلوم نہ ہو پس وہ تمہارے ہاتھوں مارا جائے تو اس کا کفارہ صرف غلام مومن کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا اس لئے نہیں ہے کہ یہ بمنزلہ مقتول کی وراثت کے ہے جو اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی اور مقتول کے ورثاء میں کافر اور کافر مومن کا وارث نہیں ہوسکتا۔

وَاِنْ كَانَ الخ۔ اور اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہے جو ہیں تو غیر مومن یعنی کافر لیکن ان کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے یعنی وہ کافر ذمی ہیں تو ایسی صورت میں اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا اور خون بہا دونوں ہوں گے لیکن عمار ابا صبہ

کے نزدیک خون بہا صرف اس کے مسلمان ورثاء میں ہی تقسیم ہوگا۔

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ۔ جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا غلام نہ مل سکتا ہو تو وہ اس کے بدلہ میں دو ماہ پے در پے روزے رکھے۔

تفسیر برہان میں بروایت سماعۃ بن مہران حضرت امام جعفر صادق یا امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے منقول ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا مومن کے قاتل کے لئے توبہ بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں! مگر یہ کہ خون بہا ادا کرے اور کفارہ دے اور پھر استغفار اور زاری کرتا رہے امید ہے ایسا کرنے سے اس کی توبہ قبول ہوجائے گی۔ میں نے دریافت کیا۔ اگر خون بہا ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر؟ آپ نے فرمایا مسلمانوں سے بھیک مانگ کر ادا کرے۔ صافی میں کافی سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس پر دو ماہ پے در پے روزے واجب ہوں۔ تو اگر پہلے ماہ میں اسے کوئی بیماری لاحق ہوجائے جس کی وجہ سے اُسے افطار کرنا پڑجائے۔ تو وہ صرف باقی ماندہ روزے رکھے گا۔

وَمَنْ یَّقْتُلْ۔ تفسیر صافی اور برہان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ کیا جان بوجھ کر مومن کو قتل کرنے والے کے لئے توبہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا اگر اس کو اس لئے قتل کیا گیا ہے کہ چونکہ مومن ہے تو اس کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے اور اگر کسی اور غصے یا کسی دنیاوی معاملہ کے جھگڑے سے قتل کیا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اس کو اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے اور اگر مقتول کے وارثوں کو علم نہ ہو تو یہ خود ان کے پیش ہوجائے اور قتل کا اقرار کرے اگر وہ چاہیں تو قتل کردیں اور اگر چاہیں تو خون بہا لے کر چھوڑ دیں۔ لیکن اس صورت میں خون بہا کے علاوہ اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا اور دو ماہ پے در پے روزے رکھنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے بعض روایات میں ہے کہ مومن کا قاتل توبہ کی توفیق ہی نہیں پا سکتا۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ اگر تمام آسمان و زمین کی مخلوق مل کر ایک مومن کے قتل میں شریک ہوگی تو خدا سب کو جہنم میں داخل کرے گا اور پہلے ایک روایت گذر چکی ہے کہ اگر مومن کو اس کے ایمان کے لئے قتل کرے تو اس کے لئے کوئی بخشش کی صورت نہیں یا کسی دنیاوی غصہ کے لئے قتل کرے۔ لیکن بعد میں اس سے توبہ نہ کرے تب بھی اس کی جزا دائمی جہنم ہے لیکن اگر توبہ کرے یعنی اپنے آپ کو قصاص کے لئے پیش کردے اور اگر ورثاء مقتول قصاص معاف کردیں تو خون بہا اور کفارہ ادا کرے اور اللہ کے سامنے عاجزی وزاری سے استغفار کرے تو اس کے لئے بخشش کی اُمید ہے اور یہ واضح رہے کہ اگر وارث خون بہا بھی قاتل سے معاف کردیں تو کفارہ پھر بھی ساقط نہ ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا

اے ایمان والو! جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کرو اور نہ کہو جو شخص

لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

تمہیں سلام دے کہ تو مومن نہیں چاہتے ہو فائدہ زندگی دنیا کا

فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ

تو اللہ کے پاس غنیمتیں بہت ہیں یہی حالت تمہاری پہلے تھی پس احسان کیا

اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۹۴﴾

تم پہ اللہ نے پس تحقیق کرو تحقیق اللہ ہے تمہارے اعمال سے آگاہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ۔ تفسیر صافی و برہان میں قمی سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ فتح خیبر سے واپس آئے تو اسامہ بن زید کو کچھ فوج دے کر اطراف فدک میں بعض یہود کی طرف روانہ فرمایا تاکہ ان کو اسلام کی دعوت دے فدک کا ایک یہودی جس کا نام مرداس تھا جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے اپنا مال اور بال بچے جمع کرکے پہاڑ کے دامن میں قیام کیا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کر لیا۔ جب اسامہ کا وہاں سے گذر ہوا تو اس نے ایک نیزہ کی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا اور واپس جناب رسالتمآبؐ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تو نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا ہے۔ تو اسامہ نے جواب دیا کہ حضور! وہ ڈر کے مارے ایسا کہہ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ نہ تو نے اس کی زبان پر اعتماد کیا اور نہ تو اس کے دل کی بات معلوم کر سکا (اور بے گناہ قتل کر دیا) پس اسامہ نے قسم کھالی کہ آئندہ کسی کلمہ گو کو قتل نہ کروں گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس نے اسلام کے اظہار کے ساتھ ان کو سلام بھی دیا تھا اور قرآن مجید اسی کی حکایت فرما رہا ہے جب حضرت امیرالمومنینؑ کو لڑائیاں درپیش آئیں تو اُسامہ نے اپنی قسم کا عذر پیش کرکے علیحدگی اختیار کی تھی۔ محدث فیضؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اسامہ کے نفاق کا پتہ دیتی ہے جبھی تو حضرت علیؑ سے علیحدہ رہا اور علامہ طبرسی بھی فرماتے ہیں کہ اسامہ کا یہ عذر ناقابلِ قبول ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ امام کی اطاعت واجب ہے جبکہ رسولِ خداؐ سے سن چکا تھا حَرْبُكَ يَا عَلِيُّ حَرْبِي وَسِلْمُكَ سِلْمِي ۔ اے علیؑ تیری جنگ میری جنگ اور تیری صلح میری صلح ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي

نہیں برابر بیٹھ رہنے والے مومن جو بڑی تکلیف نہیں رکھتے اور جہاد کرنے والے

سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ

راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے فضیلت دی اللہ نے اپنے مالوں اور

وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ

جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بلحاظ درجہ کے اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے جنت کا اور فضیلت دی اللہ

الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً

نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم میں درجات ہیں اس سے اور بخشش اور رحمت ہے

لَا يَسْتَوِي۔ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں جو لوگ شریکِ سفرِ رسالت نہ ہوئے تھے یہ ان کے بارے میں ہے۔ اور عبداللہ بن امّ مکتوم جو کہ نابینا تھا اس کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ جب مجاہدوں کی غیر مجاہدوں پر فضیلت بیان ہوئی تو عبداللہ بن امّ مکتوم نے بارگاہِ رسالت میں اپنی معذوری اور محرومی کا رونا رویا تو وحی نازل ہوئی اور یہ آیت اُتری۔ (ملخصاً از تفسیر مجمع البیان)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں فرماتا ہے خدا نے مجاہدین کو غیر مجاہدین پر فضیلت دی ہے اور دوسری آیت میں فرمایا مجاہدین کو غیر مجاہدین پر درجات کی فضیلت ہے کیونکہ لفظ درجات اجراً عظیما سے بدل ہے تو کلام میں تہافت اور اختلاف معلوم ہوتا ہے تو اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں (۱) پہلے مقام پر جہاں مجاہدین کا غیر مجاہدین سے تقابل کیا گیا وہاں غیر مجاہدین سے مراد وہ تھے جو صاحبانِ ضرر ہوں مثلاً ابن امّ مکتوم جیسے نابینے اور اسی لئے فرمایا ان سب کے لئے خدا کا جنت کا وعدہ ہے کیونکہ حسنیٰ سے مراد ہے جنت البتہ درجہ میں فرق ہے اور جہاں دوسرا تقابل ہے اس میں مراد غیر مجاہدین سے وہ لوگ ہیں جو بلا عذر پیچھے رہتے تھے اور ان کا رہنا نافرمانی سے نہ تھا بلکہ ان کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی جبھی تو جنت کے وعدہ میں وہ بھی شریک ہیں۔

(۲) نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلی جگہ مجاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دشمنانِ دین کے ساتھ جان و مال سے جہاد کریں اور دوسری جگہ مجاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کی خواہشات سے جہاد کریں جو کہ جہاد اکبر ہے اور شاید اسی لئے پہلے مقام پر مجاہدین کے ساتھ جان و مال کے الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں اور دوسرے مقام پر یہ قید نہیں لگائی گئی اور اس میں شک نہیں کہ جہاد نفس ظاہری جہاد سے اکبر ہے اور اس کا درجہ بلند تر ہے کیونکہ جہاد ظاہری اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب جہادِ نفس میں انسان کسی حد تک فتح مند ہو چکا ہو (۳) ممکن ہے ہر دو مقام پہ جہاد ظاہری مراد ہو اور

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

اور ہے اللہ غفور و رحیم تحقیق جن لوگوں کی جان لے لیتے ہیں فرشتے درحالیکہ وہ اپنے نفسوں پر

قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ

ظلم کرنے والے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ تم کہاں تھے؟ تو کہتے ہیں ہم کمزور تھے زمین میں کہتے ہیں کیا نہ تھی

تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ

خدا کی زمین وسیع کہ ہجرت کر جاتے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ

جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ

جہنم ہے اور بُری بازگشت ہے مگر وہ کمزور مردوں اور

وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾

عورتوں اور بچوں سے جو نہ طاقت رکھتے ہوں حیلے کی اور نہ پا سکتے ہوں کوئی راستہ

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

تو ایسے لوگ یقیناً اللہ بخش دے گا ان کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

مجاہدین میں تفاوت درجات کو بیان کیا گیا ہو کیونکہ مجاہدین کا آپس میں بھی تو زمین و آسمان کا فرق ہوا کرتا ہے (ملخص از تفاسیر)

رکوع نمبر ۱۱

ہجرت کا حکم :- اِنَّ الَّذِيْنَ - جو لوگ جناب رسالتمآبؐ کی نصرت نہ کر سکے۔ ان کی مرنے کے بعد یہ حالت ہوگی کہ ملائکہ پوچھیں گے کہ تم نے حضورؐ کی مدد کیوں نہ کی اور تم کہاں تھے؟ تو یہ لوگ کہیں گے ہم بے طاقت تھے مشرکین اور دشمنانِ دین کا زور تھا ہم ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتے تھے لہٰذا معذور تھے تو فرشتے جواب میں کہیں گے کیا تمہارے لئے زمینِ خدا تنگ تھی تم ہجرت کر کے چلے کیوں نہ گئے؟ پس ایسے تارکینِ ہجرت کے لئے عذاب جہنم ہے پھر استثناء فرماتے ہوئے ارشاد ہے۔ البتہ بوڑھے مرد، بوڑھی عورتیں اور خورد سال بچے جو نہ اپنی حفاظت کر سکتے ہوں اور نہ ہجرت پر قدرت رکھتے ہوں۔ ان کا عذر مقبول ہے حضرت ابن عباس کہتے ہیں میرا باپ بوڑھے مردوں اور میری والدہ بوڑھی عورتوں اور میں خود بچوں میں داخل تھا۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ

اور جو ہجرت کر جائے اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں جگہ زیادہ اور کشادگی

تفسیر برہان میں ہے کہ مستضعف کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ وہ وہ ہے جو کفر سے بچاؤ کا کوئی حیلہ نہ رکھتا ہو اور ایمان پر آنے کے لئے اس کے پاس کوئی راہ نہ ہو پس نہ ایمان لا سکتا ہو اور نہ کفر کرتا ہو۔ آپ نے فرمایا بچے اور مردوں اور عورتوں میں سے بچوں کی سی عقلوں والے اسی حکم میں داخل ہیں۔ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے لوگ نہ مومن ہیں اور نہ کافر البتہ یہ لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں

اسمٰعیل جعفی کہتا ہے میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا۔ دین کی ضروری حدود کیا ہیں جن کی جہالت ناقابلِ معافی ہے آپ نے فرمایا اس کی حدیں وسیع ہیں۔ ہاں خوارج نے اپنی جہالت سے اپنے اوپر دین کا دائرہ تنگ کر دیا ہے۔ میں نے عرض کی حضور! میرا دین سن لیجئے۔ آپ نے فرمایا ہاں بیان کر۔ تو میں نے شہادتین کا کلمہ پڑھا اور کہا کہ جو کچھ رسولؐ لائے مانتا ہوں۔ تمہاری وِلا رکھتا ہوں اور تمہارے دشمنوں سے بیزار ہوں اور تمام ان لوگوں سے جو ناحق تم پر مسلط ہوئے اور تمہارے حقوق کے غاصب ہوئے ان سے بھی بیزار ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تو جاہل نہیں۔ واللہ ہمارا دین یہی ہے۔ میں نے عرض کی جو شخص یہ معرفت نہ رکھتا ہو وہ بچ سکے گا؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ مستضعف لوگ۔ میں نے دریافت کیا وہ کون ہیں؟ فرمایا تمہاری عورتیں اور بچے۔ پھر فرمایا میں ام ایمن کے متعلق بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اہلِ جنت سے تھی حالانکہ تمہاری معرفت جیسی اس کی معرفت نہ تھی۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا۔ جس شخص کو لوگوں کے دینی اختلاف کا علم ہو جائے اسے مستضعف نہیں کہا جا سکتا اور آپ نے مستضعف کی تعریف میں فرمایا وہ وہ ہے جو ہماری عداوت کی طرف بھی حیلہ نہ رکھتا ہو اور حق کی راہ تک بھی نہ پہنچ سکتا ہو۔ ایسے لوگ اپنی نیک اعمالیوں کی بدولت جنتی ہوں گے جبکہ برائیوں سے بچتے ہوں۔ ہاں ابرار کے درجات ان کو نہ مل سکیں گے۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ مستضعف وہ عورتیں ہیں جن کو نماز پڑھنے کا حکم دو تو پڑھیں۔ ورنہ از خود ان میں اتنی سوچ نہ ہو۔ اسی طرح گھر کے خادم اور کنیزیں اور بڑی عمر والے لوگ اور خورد سال بچے۔ یہ لوگ ہیں مستضعف۔ لیکن وہ موٹی گردنوں والے جو از خود خرید و فروخت کر سکتے ہوں اور خوب جھگڑ جھگڑ کر سودا کرتے ہوں اور تمہاری امداد سے بے نیاز ہوں۔ ایسے لوگ مستضعف نہیں اور بالکل نہیں۔ ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ بچوں کی عقلوں والے مرد اور عورتیں مرفوع القلم ہوتے ہیں۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ ـ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے جو شخص اپنے دین کی حفاظت کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف ایک بالشت بھی جائے گا تو اس کے لئے جنت ضروری ہے۔ مجمع البیان میں عیاشی

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

اور جو نکلے اپنے گھر سے مہاجر بن کر طرف خدا اور رسولؐ کے پھر پالے اس کو موت

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ

تو تحقیق ثابت ہوگیا اس کا اجر اللہ پہ اور ہے اللہ غفور رحیم اور جب سفر کرو

فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ

زمین میں تو نہیں گناہ تم پہ کہ قصر کرو نماز سے اگر تمہیں

خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا

ڈر ہو کہ تکلیف دیں گے تمہیں وہ لوگ جو کافر ہیں تحقیق کافر لوگ تمہارے ظاہر بظاہر

سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد زرارہ نے اپنے بیٹے کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق دریافت کے لئے بھیجا لیکن زرارہ کا بیٹا عبید ابھی خبر لے کر واپس نہ پہنچا تھا کہ زرارہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا زرارہ قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہے

اس زمانہ میں بھی جہاں مومن اپنے شعائرِ ایمانی کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں تو یہ آیت ان کو اب بھی ہجرت کی دعوت دے رہی ہے اور اسی کے ماتحت علماً فرماتے ہیں کہ جس شہر میں ایک عالم دین موجود نہ ہو جس سے دین حاصل کیا جائے تو اس شہر کو چھوڑ کر وہاں سے ہجرت کر جانا واجب ہے۔

رکوع نمبر ۱۲

نمازِ قصر کا بیان - وَاِذَا ضَرَبْتُمْ - یعنی جب سفر کے لئے گھر سے نکلو تو نماز قصر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مذہب اہلبیتؑ علیہم السلام یہ ہے کہ سفر کی نماز قصر ہوا کرتی ہے اور ہر چار رکعتی نماز دو دو رکعت پڑھی جاتی ہے لیکن نماز صبح اور نماز مغرب میں قصر نہیں ہے۔

آیتِ مجیدہ کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ وہ سفر جس میں دشمن کا خوف ہو اس میں نمازِ قصر پڑھی جائے۔ لیکن چونکہ صرف خوف بھی نماز قصر کا موجب ہوا کرتا ہے اور نمازِ خوف گھر میں بھی قصر پڑھی جاسکتی ہے اسی طرح خوف کے بغیر صرف سفر بھی قصر کا موجب ہے جیسا کہ اجماع امتِ اسلامیہ اس کی دلیل ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز قصر کے لئے سفر یا خوف میں سے صرف ایک ہی کافی ہے اور دونو کا پایا جانا شرطِ قصر نہیں۔ لیکن آیتِ مجیدہ کے ظاہری الفاظ یہ اشتباہ ڈالتے ہیں کہ شاید قصر کے لئے دونوں چیزوں کی شرط ہو یعنی خوف بھی ہو۔ اور

سفر بھی ۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے عام سفر خوف و خطر سے خالی نہیں ہوتے تھے اور اسی طرح عام طور پر خوف کا محل صرف سفر ہی ہوا کرتا ہے ۔ تو اذہانِ عامہ کے نزدیک سفر اور خوف میں یک گونہ تلازم ہی تھا ۔ ورنہ درحقیقت سفر اور خوف میں کوئی تلازم نہیں کیونکہ جس طرح سفر بلا خوف ہو سکتا ہے اسی طرح خوف بھی بغیر سفر کے ہو سکتا ہے پس آیتِ مجیدہ میں اس زمانہ کے سفر اور خوف کی عمومی نسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں کو یکجا ذکر کر دیا گیا ہے ۔ ورنہ نمازِ قصر کے لئے سفر اور خوف میں سے صرف ایک کافی ہے ۔ یہاں بھی نمازِ قصر کا بیان ہے اور سفر کے بعد خوف کا ذکر صرف اتفاقِ غالب کی بناء پر ہے نہ بطور شرط کے ۔ جس طرح اگر اسے نماز خوف کا بیان سمجھا جائے تو سفر کا ذکر عمومی اتفاق کے ماتحت ہوگا ۔ نہ کہ بعنوانِ شرط ۔ واللہ اعلم

فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ ۔ تفسیر مجمع البیان میں زرارہ اور محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ ہم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نمازِ سفر کے متعلق پوچھا کہ کس طرح ہے اور کس قدر ہے ؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ نمازِ قصر پڑھنا سفر میں واجب ہے جس طرح کہ گھر میں نماز تمام واجب ہوا کرتی ہے ۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے دریافت کیا حضورؑ ! خدا تو فرماتا ہے تم پر ایسا کرنے میں گناہ نہیں ۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قصر پڑھو تو گناہ نہیں ۔ یعنی جائز ہے اور اس کا خلاف کرنا بھی جائز ہے ۔ خدا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ خواہ مخواہ قصر ہی پڑھو ۔ پس نمازِ قصر واجب کہاں سے ہو گئی ؟ آپ نے فرمایا صفا و مروہ کا طواف سات چکر حاجیوں پر واجب ہیں ۔ حالانکہ خدا نے وہاں بھی اسی قسم کی تعبیر فرمائی کہ ان کے طواف کرنے میں گناہ نہیں پس نمازِ قصر کا حکم بھی ویسے ہی ہے اور جناب رسالتمآبؐ نے ایسا ہی کیا ہے ۔ پھر سوال کیا ۔ آیا کوئی شخص جس نے سفر میں نماز پوری پڑھی ہو ۔ اس کو دوبارہ نمازِ قصر پڑھنی پڑے گی یا وہی کافی ہے ؟ تو آپ نے فرمایا اگر اس کے سامنے نمازِ قصر کی آیت پڑھی گئی اور اس کی تفسیر بھی اس کو سنائی گئی تب تو اس پر اعادہ واجب ہے اور اگر اس پر آیت قصر نہیں پڑھی گئی اور اسے یہ حکم معلوم نہیں تھا تو پھر اعادہ نہ ہوگا ۔

نمازِ قصر کے لئے شرائط اور احکام ہیں جن کا جاننا ہر مکلف پر ضروری ہے اور مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم مختصر طور پر مناسبت مقام سے یہاں بیان کرتے ہیں ۔ تاکہ عوام کے لئے استفادہ میں کمی نہ رہے ۔

شرائط نمازِ قصر

(۱) قصدِ مسافت یعنی آٹھ فرسخ یا اس سے زیادہ مسافت کے سفر کا ارادہ ہو ۔ خواہ یہ مسافت یک طرفی ہو یا آمد و رفت کو ملا کر اس قدر ہو جائے جب کہ اس کی واپسی دس دن کے اندر ہو اور اگر تین یا چار دفعہ کے دورے سے مقدار پوری ہوتی ہو تو قصر نہ ہوگی ۔

وضاحت ۔ فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور میل ۴ ہزار ذراع کا اور ہر ذراع ۲۴ انگلیوں کا جو آپس میں ملی ہوئی ہوں اور ہر انگلی سات جو کے ملے ہوئے دانوں کے برابر جب کہ انہیں پہلو کے بل کھڑا کر کے ملایا جائے اور جو خچر کے

سات بالوں کی چوڑائی کے برابر ہو۔
مسئلہ:۔ اگر ایک مقصد کی طرف دو یا زیادہ راستے جارہے ہوں جن میں سے بعض مسافت شرعی سے کم فاصلہ رکھتے ہوں اور بعض کا فاصلہ زیادہ ہو تو جس راستہ سے سفر کرے گا اسی کے حکم کے ماتحت قصر و تمام ہی عمل کریگا اور اگر صرف نماز روزہ کی قصر کی خاطر ہی اس نے طولانی راہ کو اختیار کیا تب بھی اس کے لئے قصر کا حکم ہوگا۔
مسئلہ:۔ اپنے شہر سے لے کر تیس یا چالیس میل تک ایک سیرگاہ اور باغ بنا ہوا ہو اور اس نے اس سیرگاہ میں تفریحی طور پر پھرنے کا پروگرام بنالیا اور پھر چلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سیرگاہ کے آخری سرے تک پہنچ گیا اور پھر واپس اسی طرح تفریح کرتا ہوا چلا آیا اور گھر پہنچ گیا تو چونکہ اس پر مسافر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سیر و تفریح کے لئے پھر رہا ہے۔ لہذا اس کے لئے قصر بھی نہ ہوگی۔
مسئلہ:۔ اگر مسافت سے کم کی نیت سے نکلا اور پھر بڑھتے بڑھتے مسافت شرعی یا اس سے زیادہ تک پہنچ گیا تو جاتے ہوئے قصر نہ ہوگی۔ کیونکہ بیک وقت قصد مسافت نہیں ہوا۔ ہاں جب واپس ہوگا۔ تو چونکہ مسافت پوری ہو چکی ہے۔ لہذا اس پر قصر ہوگی۔
مسئلہ:۔ چونکہ قصد مسافت بنیت سفر ضروری ہے۔ لہذا اگر دو شخص ایک دوسرے کے مقابلہ میں دو رہیں اور ان کا مقابلہ چار فرسخ کے سرے تک جانا اور واپس آنا ہو تو چونکہ ان پر عنوان مسافر صادق نہیں آتا۔ لہذا ان کے لئے قصر نہ ہوگی۔
(۲) مسافر اثنائے سفر میں کسی ایک جگہ دس دن قیام نہ کرے ورنہ اگر دس دن کے قیام کی نیت کرلے تو پھر قصر نہ رہے گی۔
مسئلہ:۔ اگر وہ روزہ قیام کی نیت کر کے ایک نماز اسی کے ماتحت پوری پڑھ چکے اور پھر ارادہ قیام نہ کرنے کا ہو جائے تو جس قدر نمازیں وہاں روانگی سے پہلے پڑھے گا۔ پوری پڑھے گا اور بخلاف اس کے اگر دس دن سے کم قیام کا ارادہ ہو تو قصر پڑھتا رہے اگرچہ بر کم از کم ارادہ تیس روز تک ہی پہنچ جائے۔ مثلاً ایک جگہ پانچ روز کے قیام کی نیت تھی۔ جب پانچ پورے ہوئے تو پھر پانچ دن قیام کی اور نیت کرلی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اتفاقاً ایسی صورت پیدا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک ماہ ہو گیا تو اس دوران میں نماز قصر پڑھے گا۔ لیکن جب تیس دن پورے ہو جائیں گے تو اس کے بعد خواہ ایک گھنٹہ بھی رہے گا تو اس وقت میں حاضر نماز کو پورا پڑھے گا۔ کیونکہ تیس دن متردد کی نماز قصر کی آخری حد ہے۔
مسئلہ:۔ اگر قصد مسافت کرے لیکن اثنائے راہ میں اس کا وطن آجائے تو اگر ابتدائے مسافت سے اس وطن تک اور یہاں سے مقصد تک علیحدہ علیحدہ بھی فاصلہ مسافت شرعی ہے تو سفر کے ہر دو حصوں میں قصر

ہو گی اور وطن اور مقصود میں قصر نہ ہو گی ورنہ سفر کے جس حصہ کا فاصلہ مسافت شرعی ہو گا اسی میں ہی قصر ہو گی۔

مسئلہ:۔ وطن کے صدق کے متعلق متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں ملکیت بھی ہو اور قصد توطن بھی ہو اور بعض صرف توطن کو کافی سمجھتے ہیں لیکن اس مقام پر وہ قاعدہ جس پر قصر کی بنیادوں کو استوار کیا گیا ہے۔ وہ ہے عنوانِ مسافرت پس جس پر لفظ مسافر صادق ہو اس پر قصر واجب ہے اور جس پر مسافر کا عنوان صادق نہیں اس پر قصر واجب نہیں خواہ اس مقام پر اس کے توطن کی شرائط پوری ہوں یا نہ ہوں۔ پس جب اپنے گھر کو چھوڑ کر سفر میں جائے گا تو نماز قصر پڑھے گا اور اثنائے سفر میں پھر اگر اس کا اپنا ذاتی گھر آجائے تو پھر بجائے مسافر کے گھر والا ہو جائے گا۔ لہذا قصر نہ رہے گی۔ خواہ یہ گھر اس کا خرید کردہ ہو یا پرانا اور اس میں چھ ماہ یا کم وبیش متواتر قیام رہا ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کی ملکیت بھی ہو یا نہ ہو لیکن اس جگہ پر یہ صادق آتا ہو کہ یہ فلاں کا گھر ہے اور اس جگہ پر عرفاً اس کو مسافر نہ کہا جاتا ہو۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص نے متعدد منزلیں بنائی ہوں تو ضروری نہیں کہ وہ سب اس کے گھر شمار ہوں۔ بعض لوگ متعدد شہروں میں مکانات بنوا لیتے ہیں یا خرید کر لیتے ہیں تاکہ دورانِ سفر میں یہاں اگر آسودگی حاصل ہو اور کرایہ پر جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہو پس کبھی دو دن اور کبھی چار دن اور اس سے کم وبیش ٹھہر کر چلے جاتے ہیں تو ان پر عرفاً گھر اور وطن کا عنوان صادق نہیں آسکتا اور بعض مکانات ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جنہیں رہائش کے لئے خریدا یا بنوایا جاتا ہے اور اس طرح بعض لوگوں کے دو دو یا تین تین گھر بھی ہوتے ہیں۔ پس اگر منزل پہلی قسم کی ہو تو دورانِ سفر میں وہاں پہنچنے سے سفر نہیں منقطع ہوتا اور اگر منزل دوسری قسم کی ہو تو وہاں پہنچتے ہی سفر منقطع ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص نے ایک منزل کو ایک خاص موسم کے لئے بطور گھر و وطن بنایا یا خریدا۔ مثلاً موسم گرما کے لئے کسی پہاڑی علاقہ میں گھر بنایا تو اس منزل پر اس کی وطنیت کا صدق صرف موسم گرما میں ہی ہو گا۔ لہذا اگر یہی شخص دوران سفر میں موسم سرما میں اتفاقاً یا عمداً وہاں پہنچے گا تو قصر کے توڑنے کے لئے صرف وہاں پہنچنا کافی نہ ہو گا کیونکہ وہ جگہ اس کی ذاتی ملکیت کے لحاظ سے اس کی گذرگاہ ہے اور اس کی اس موسم میں وہ قیام گاہ نہیں ہے تاکہ کہا جائے کہ وہ اپنے گھر میں پہنچ گیا۔ پس اس صورت میں اس کی قصر تب ختم ہو گی جب وہ دہ روزہ قیام کرے گا۔

علی بن یقطین سے مروی ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ بستی میں فرسخ دو فرسخ کے فاصلہ پر میری جائیداد اور مکانات موجود ہیں تو آپ نے فرمایا ہر وہ مکان جس کو تو نے گھر و وطن بنایا ہو اس کے علاوہ ہر مکان میں نماز قصر پڑھ لیا کرو۔

(۳) سفر جائز ہو۔ خواہ واجب ہو یا مستحب یا مباح پس اگر سفر حرام ہو گا جیسے ظالم کی ہمراہی کے لئے یا لہو ولعب

کے شکار و تماشہ کے لئے تو نماز قصر نہ ہوگی۔ یعنی ہر وہ کام جس میں اللہ کی معصیت ہو اس کے لئے سفر کرنا حرام ہے اور اس سفر میں نماز قصر نہ ہوگی۔

مسئلہ: ناجائز سفر پر جاتے ہوئے جس طرح قصر نہ ہوگی۔ اسی طرح اس سفر سے واپسی بھی قصر کی موجب نہ ہوگی کیونکہ واپسی بھی سفرِ معصیت کا ہی حصہ ہے۔ ہاں اگر سفرِ معصیت میں جاتے ہوئے یا منزل پر پہنچ کر تائب ہو جائے تو واپسی کا سفر یا کل باقی سفر جائز اور موجبِ قصر ہوگا۔

(۴) سفر پیشہ نہ ہو اور اس عنوان کو بعض علماء نے کثیر السفر اور خانہ بدوش بھی تعبیر کیا ہے اور بعض عبارتوں میں ہے۔ سفر حضر سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن اس باب کی احادیث سے جہاں تک استفادہ کا تعلق ہے تو صرف دو قسم کے عنوان مستفاد ہوتے ہیں ایک پیشہ سفر ہونا اور دوسرا اپنا گھر اپنے ہمراہ ہونا یعنی خانہ بدوش ہو۔ ان کے علاوہ کثیر السفر یا سفر کا حضر سے زیادہ ہونے کے عنوان احادیث سے مستفاد نہیں ہوتے۔ پس اگر پیشہ کے بغیر اتفاقی طور پر متعدد اسفار پے درپے کرنے پڑجائیں اور کثیر السفر کا عنوان صادق آجائے تب بھی قصر ہوگی اور بخلاف اس کے اگر پیشہ کا سفر ہو تو خواہ کثرت نہ بھی ہو تب بھی قصر نہ ہوگی اور پیشہ سفر اگر مخصوص موسم میں ہو تو صرف اسی موسم میں اس کا سفر موجب قصر نہ ہوگا جو اسی پیشہ کے ماتحت ہو اور باقی موسموں میں اس کے اسفار موجب قصر ہوں گے۔ اور اسی طرح خانہ بدوش لوگوں کے لئے قصر نہیں ہے اور اس کا خانہ بدوش ہونا بھی اگر کسی موسم سے مختص ہے تو یہ حکم صرف اسی موسم کے لئے ہوگا۔ اور اگر سارا سال خانہ بدوش ہوں گے تو حکم بھی سارے سال کے لئے ہوگا لیکن اگر یہ لوگ کسی اور سفر کے لئے جائیں جن کا تعلق ان کے پیشے سے نہ ہو مثلاً حج یا زیارت وغیرہ تو ان کے لئے باقی شرائط کے ماتحت قصر ہوگی۔

مسئلہ: چونکہ پیشہ سفر میں کثرتِ سفر کا عنوان تو معتبر ہے نہیں لہذا اس میں پہلے اور دوسرے یا تیسرے سفر کا لحاظ نہیں ہونا چاہیئے لیکن۔ روایات میں ہے کہ دس دن کے قیام کے بعد کا سفر موجب قصر ہوگا۔ بنابریں پیشہ ور مسافر کا پہلا سفر قصر کا موجب ہوگا اور اس کے بعد بلحاظ پیشہ اس کی قصر نہ ہوگی لیکن پھر جب دس دن کہیں قیام ہوگا اس کے بعد کا پہلا سفر موجب قصر نہ ہوگا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

(۵) حد ترخص سے باہر ہو۔ اور حدِ ترخص اس مکان کو کہتے ہیں جہاں سے اس کے شہر کے مکانات نظر نہ آ سکتے ہوں یا اذان نہ سنائی دیتی ہو۔ لہذا جب تک مسافر حد ترخص کے اندر ہوگا اس پر قصر نہ ہوگی۔ جب اس سے باہر پہنچے گا تو قصر ہوگی اور نماز وروزہ کا حکم اس بارے میں ایک جیسا ہے اور جب سفر سے واپس آئے گا۔ تب بھی قصر کی آخری حد میں مقام ہوگا۔

مسئلہ: مسافتِ شرعی شہر یا محلہ کی آخری حدوں سے شروع ہو کر آٹھ فرسخ یکطرفی یا دو طرفی ہوگی

لیکن قصر کا عمل حدِّ ترخص سے شروع ہوگا اور حدِّ ترخص پر ختم ہوگا۔

مسئلہ: مسافر کا جس جگہ دس دن قیام کرنے کا ارادہ ہو اور اسی دوران میں وہ مسافت شرعی کے اندر اندر تک ضروری کاروبار کے لئے جاکر اسی روز واپس آجائے تو عرف کے لحاظ سے اس کی یہ آمد و رفت دس دن کے قیام میں مخل نہیں لیکن بعض علماء اس کو منافیٔ قیام سمجھتے ہیں بنا بریں احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ایک جگہ دس دن کے قیام کا ارادہ ہو اور دو چار دن رہنے کے بعد کسی کام کے لئے باہر چلا جائے بشرطیکہ مسافت شرعی کے فاصلہ سے کم تک ہو اور اسی دن واپس آجائے تو باقی ماندہ مدّت میں قصر اور اتمام کے درمیان جمع کرے اور اگر واپسی کے بعد دوبارہ مستقل دس روز کی علیٰحدہ نیّت کرے تو پھر اتمام ہوگی اور پہلی صورت میں بھی اتمام خالی از قوت نہیں۔

مسئلہ: اگر ایک جگہ پندرہ روزہ قیام کی نیّت کرلی ہے۔ دس دن ٹھہرنے کے بعد ایک یا دو دن کے لئے مسافتِ شرعی سے کم فاصلہ پر کہیں جانا ہے اور پھر واپس آنا ہے اور باقی ماندہ دن قیام کرکے چلا جانا ہے۔ یعنی بعد میں دس روزہ قیام کا ارادہ نہیں ہے تو اس صورت میں جانے اور وہاں ٹھہرنے اور واپس آنے اور باقیماندہ دس دن سے کم قیام کرنے کے زمانہ میں نماز قصر ہی پڑھی جائے گی اور پہلے مسئلہ میں بھی اگر دس روزہ قیام کے دوران میں کہیں شب باشی کے لئے جائے گا تو دس دن کے تسلسل میں چونکہ خلل آجائے گا۔ لہٰذا باقی ایام میں قصر ہو جائے گی اور چونکہ اسی دن کی واپسی عرفاً قیام میں مخل نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس مسئلہ میں بھی اگر یہی صورت ہو تو آمد و رفت میں اور باقی ایام میں قصر نہ ہوگی اور حسب سابق قصر و اتمام دونوں پڑھنے میں احتیاط ہے۔

مسئلہ: حماد بن عیسیٰ سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مسافر کے لئے چار مقامات پر نماز کا پورا پڑھنا۔ اللہ کے مخزون علم میں سے ہے اور وہ مقامات یہ ہیں۔ حرم خدا، حرم رسول، حرم امیرالمومنین اور حرم حسین علیہ السلام (کیونکہ ان مقامات میں نماز قصر اور تمام میں مسافر کو اختیار ہے) ایک اور روایت میں مکہ۔ مدینہ۔ مسجد کوفہ اور حائر حسینی کے الفاظ ہیں۔

مسئلہ: جو شخص قصر کو نہ جانتے ہوئے نماز پوری پڑھے تو اگرچہ وقت باقی بھی ہو۔ تاہم اس پر قضا نہیں ہے لیکن اگر بھول کر نماز قصر کی بجائے پوری پڑھ بیٹھے تو اگر وقت باقی ہے تو اعادہ لازم ہے۔ ورنہ قضا ضروری نہیں۔

مسئلہ: نماز کا وقت داخل ہوا تو ایک شخص گھر میں موجود تھا اور پھر سفر کو روانہ ہوا تو اب اس پر نماز قصر واجب ہوگی اور بخلاف اس کے اگر سفر سے واپس آئے اور گھر پہنچنے پر ابھی وقت نماز باقی ہو اور پڑھ نہ چکا ہو تو پوری پڑھے گا۔ یعنی وقتِ ادا کا لحاظ رکھے نہ کہ وقتِ وجوب کا لیکن اگر یہی نماز قضا ہو جائے تو اس کی حالت قضا کا لحاظ رکھ کر قضا پڑھے گا۔ یعنی پہلی صورت میں قصر اور دوسری صورت میں تمام۔ واللہ اعلم

مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ

دشمن ہیں اور جب آپ ان میں ہوں پس پڑھائیں ان کو نماز تو کھڑا ہو جائے ایک گروہ

مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ

ان کا آپ کے ساتھ (اقتدا میں) اور سنبھالیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کرلیں تو پیچھے ہو جائیں (دشمن کے مقابلہ میں)

وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا

اور آئے گروہ دوسرا جنہوں نے نماز نہیں پڑھی پس وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور سنبھالیں

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ

اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار چاہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں کہ تم غافل ہو جاؤ اپنے

نماز خوف کا بیان

وَاِذَا كُنْتَ - ان آیات میں چونکہ نماز سفر اور نماز خوف کا حکم بتایا گیا ہے - اور نماز سفر کے متعلق مختصر اور جامع مسائل کا ذکر کر دیا گیا ہے اب نماز خوف کا طریقہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ افادیت میں کمی نہ رہے - تفاسیر میں ہے کہ جب رسالتمآبؐ مکہ کے ارادہ سے حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے تو قریش کو بھی معلوم ہو گیا - پس انہوں نے خالد بن ولید کو ایک سو سوار کے ہمراہ بھیجا تاکہ آنحضرتؐ کی پیشقدمی کو روکے مسلمان مقام عسفان میں اور مشرکین مقام ضجنان میں تھے - نماز ظہر کا وقت آیا - بلال نے اذان کہی اور آپ نے یہ نماز رکوع و سجود کے ساتھ پڑھائی - خالد بن ولید نے کہا افسوس ہم نماز کے دوران میں ان پر حملہ آور ہو جاتے - تو یقیناً کامیاب ہو جاتے کیونکہ یہ لوگ نماز کو ہرگز نہ توڑتے - لیکن ابھی ایک اور نماز باقی ہے یعنی نماز عصر جو ان کو آنکھوں کی بینائی سے بھی زیادہ محبوب تر ہے جب اس میں داخل ہوں گے تو ہم ان پر حملہ کریں گے - پس جبرئیل نازل ہوا - اور نماز خوف کا حکم لایا اور آپ نے نماز عصر خوف کے طریقہ سے ادا فرمائی جس طرح قرآن مجید میں بیان ہو رہا ہے اور مجمع البیان میں ہے کہ یہی واقعہ خالد بن ولید کے اسلام لانے کا باعث بنا تھا۔

آیت مجیدہ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوج اسلام دو حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک گروہ ایک ایک رکعت نماز پڑھے گویا یہ قصر در قصر ہے کیونکہ پہلا گروہ صرف پہلی رکعت پڑھ کر چلا جائے گا اور دوسرا گروہ دوسری رکعت میں شریک ہو گا اور وہ بھی ایک رکعت صرف پڑھ کر ختم کرے گا اور بعض لوگوں کا یہی مذہب ہے۔

وافی میں کافی سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے صحابہ کو غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف پڑھائی تھی اور وہ

اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ

ہتھیاروں سے اور سامان سے تاکہ وہ ٹوٹ پڑیں تم پر ایک بار اور نہیں گناہ

عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ

تم پر اگر ہو تمہیں تکلیف بارش سے یا ہو بیمار کہ اتار دو

تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

اپنے ہتھیار اور لے لو بچاؤ اپنا تحقیق اللہ نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے عذاب ذلت آمیز

اس طرح کہ فوج کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک گروہ دشمن کے مقابلہ میں اور دوسرا گروہ شریک جماعت ہوا۔ جب پہلی رکعت تمام ہوئی تو آپ دوسری رکعت کے لئے اٹھے اور قیام میں کھڑے رہے اور صحابہ نے جلدی سے دوسری رکعت انفرادی طور پر تمام کر لی اور سلام پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں چلے گئے اور وہ گروہ جو لڑ رہا تھا وہ نماز کے لئے آگیا اور انہوں نے حضورؐ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پس جناب رسالتمآبؐ نے تشہد کو طول دیا۔ اتنے میں انفرادی طور پر دوسری رکعت پڑھ لی اور تشہد میں بیٹھ گئے۔ اور سلام میں حضورؐ کے ساتھ شریک ہو گئے اور چونکہ غزوہ ذات الرقاع میں اسی طرح پڑھی گئی اسی لئے اس نماز کو فقہا صلوٰۃ ذات الرقاع سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اگر مغرب کی نماز کو خوف کے طریقے سے پڑھا جائے تو پہلے گروہ کو ایک رکعت جماعت کے ساتھ اور پیش نماز کا دوسری رکعت کا قیام طولانی ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ دو رکعتیں مختصر طور پر انفراد سے پڑھ لیں گے اور ختم کر کے دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑے ہوں گے۔ اور دشمن کے مقابلہ والا گروہ آجائے گا اور امام کی دوسری رکعت میں شامل ہوگا۔ لیکن اس کی وہ رکعت پہلی ہوگی۔ پھر امام کی تیسری اس کی دوسری ہوگی۔ اس طرح یہ گروہ دو رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھے گا اور تشہد میں طول دیا جائے گا۔ تاکہ یہ لوگ اپنی تیسری رکعت انفرادی طور پر پڑھ کر سلام میں شریک ہو جائیں۔ تفسیر برہان کی ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نماز خوف کے مذکورہ طریقہ کے بعد منقول ہے۔ آپ نے فرمایا اگر خوف اس سے شدید تر ہو جس طرح باہمی تلوار زنی، نیزہ زنی اور ہاتھا پائی تک نوبت آجائے اور رکوع و سجود کا امکان بھی نہ ہو تو پیدل یا سوار جس طرف منہ ہو جائے فرمایا کہ لیلۃ الہریر میں حضرت امیر علیہ السلام نے ظہرین و مغربین کی نماز نہیں پڑھائی تھی اور تسبیح و تہلیل اور تحمید و دعا رکعتوں کا بدلہ تھیں اور یہی ان کی نماز تھی اور نماز خوف میں نمازیوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے آلات جنگ لگائے رکھیں جس طرح کہ آیت مجیدہ میں صاف مذکور ہے اور نماز خوف کے متعلق جلد ثالث ص ۹۳ پر بھی گزر چکا ہے۔

اِنْ كَانَ بِكُمْ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ایک مرتبہ ایک قبیلۂ عرب سے

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى
پس جب پوری کرو نماز تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اپنے
جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ
پہلوؤں کے بل پس جب اطمینان سے ہو تو قائم کرو نماز کو تحقیق نماز ہے مومنوں

جنگ کیا اور فتح پائی پس جب دشمنوں میں سے ایک بھی نظر نہ آیا تو مسلمانوں نے ہتھیار اتار دیئے اور حضور حاجتِ ضروریہ کے لئے وادی کو عبور کر کے پرلی طرف چلے گئے۔ بارش بھی جاری ہوگئی اور صحابہ اور آپ کے درمیان وادی کا فاصلہ بھی تھا تو آپ درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اتنے میں غورث بن حارث محاربی نے آپ کو دیکھ لیا اور ساتھیوں نے بھی اسے اُکسایا تو اس نے قسم کھائی کہ میں آپ کو ضرور قتل کروں گا پس تلوار لے کر چپکے چپکے پہاڑ سے اترا۔ اور جناب رسالتمآبؐ کو اس وقت خبر ہوئی جب وہ سر پر آپہنچا تلوار کو میان سے کھینچ کر کہنے لگا۔ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ! یہ سنتے ہی وہ دشمن خدا منہ کے بل زمین پر گرا تو آپ نے اس کی تلوار قبضہ میں کرلی اور فرمایا اب تو بتا کہ تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ وہ کہنے لگا کوئی نہیں بچا سکتا۔ آپ نے فرمایا کلمہ شہادتین پڑھو تو چھوڑتا ہوں اس نے کہا یہ تو نہیں البتہ یہ عہد کرتا ہوں کہ نہ خود تیرے ساتھ لڑوں گا اور نہ تجھ سے لڑنے والوں کی امداد کروں گا پس آپ نے تلوار واپس کر دی جب واپسی پر غورث سے اپنے ساتھیوں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔ جب میں نے جناب رسالتمآبؐ پر تلوار تولی تھی تو غائبانہ طاقت نے میرے کندھوں کو دبایا تھا کہ میں مُنہ کے بل گر پڑا تھا بارش کے خاتمہ پر آپ واپس آئے اور یہ آیت پڑھی۔ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى الخ

فَاِذَا قَضَيْتُمُ۔ آیت مجیدہ کے معنی میں اختلاف ہے (۱) بعض کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ کسی جنگ کی انتظار کے زمانہ میں جب تم نماز سے فارغ ہو تو بطور تعقیب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا لیٹ کر اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور عَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔ محلاً منصوب ہے اور حال ہے کیونکہ ماقبل پر اس کا عطف ہے گویا ان تینوں حالتوں میں اللہ کا ذکر کرو تاکہ وہ تمہیں فتح و کامرانی نصیب فرمائے اور یہ معنی ابن عباس سے منقول ہے (۲) دوسرا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز کا ارادہ کرو تو نماز پڑھو۔ اپنی وسعت و طاقت کے مطابق صحیح قیام کے ساتھ اگر تندرست ہو اور بیٹھنے کی حالت میں اگر قیام نہ کرسکتے ہو اور لیٹ کر اگر بیٹھنے کی طاقت بھی نہ ہو۔

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ۔ بعض کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم اطمینان سے اپنے وطنوں میں موجود ہو تو نماز پڑھو پوری اطمینان کے ساتھ بغیر قصر کے اور بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب تم خوف سے اطمینان حاصل کرو تو نماز اپنے حدود کے ساتھ قائم کرو۔

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا

پر فرض مقرر — اور نہ سستی کرو تلاش قوم میں — اگر تم تکلیف

تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ

محسوس کرتے ہو تو وہ بھی تکلیف زدہ ہیں — اور اُمید رکھتے ہو تم اللہ سے جو وہ نہیں رکھتے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ

اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا — ہم نے اتاری آپ پر کتاب ساتھ حق کے تاکہ آپ حکم کریں

النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ ۙ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ

لوگوں میں ساتھ اس کے جو اللہ نے آپ کو رائے زنی کی قوت دی اور نہ ہوں آپ خیانت کرنیوالوں کے طرف دار اور طلب مغفرت کیجیے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ ۚ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ

اللہ سے تحقیق اللہ غفور رحیم ہے — اور مت جھگڑو ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں

اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ ۚ ۙ يَّسْتَخْفُوْنَ

اپنے نفسوں میں تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا اس کو جو ہو خائن گنہگار — چھپتے ہیں

مَوْقُوْتًا۔ تفسیر برہان میں آئمہ معصومین علیہم السلام سے اس کا معنی مفروض کیا گیا ہے نہ کہ موقت۔

وَلَا تَهِنُوْا۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر صغریٰ کی طرف روانگی کے لئے اُتری ہے کیونکہ اُحد کے روز ابوسفیان کہہ کر گیا تھا لیکن دل پر مسلمانوں کا رُعب ایسا طاری ہوا کہ مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اُلٹے قدم واپس آیا اور بعض کہتے ہیں کہ جنگِ احد کے موقع پر اتری۔ جب کہ ابوسفیان نے کچھ فاصلہ سے واپس آکر مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے تعاقب کا حکم ہوا تھا اس بارہ میں پارہ نمبر ۴ کے رکوع نمبر ۵، ۷، ۹ میں آیات گذر چکی ہیں اور مختصر طور پر واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔

رکوع نمبر ۱۳

بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ۔ تفسیر صافی و برہان میں بروایتِ کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اپنی مخلوق میں سے خداوند کریم نے کسی کو (امورِ شرعیہ کی) تفویض نہیں فرمائی سوائے جناب رسالتمآبؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے چنانچہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس آیتِ مجیدہ کی تاویل اوصیاء میں جاری ہے۔

مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ

لوگوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب رات کو مشورہ کرتے ہیں

مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

ناپسندیدہ باتوں کا اور ہے اللہ ساتھ اس کے جو عمل کرتے ہیں احاطہ رکھنے والا

تفسیر برہان میں منقول ہے موسیٰ بن اشیم کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کے لئے وقت طلب کیا اور آپ نے میری استدعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے میرے ساتھ ایک دن کا وعدہ کیا۔ پس وعدہ کے مطابق جب میں حاضر ہوا تو جو کچھ پوچھنا تھا پوچھا۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے دروازہ پر دستک دی آپ نے فرمایا دیکھو دروازہ پر کوئی ہے۔ میں نے عرض کی حضور! میں فارغ ہو چکا ہوں۔ جیسا مناسب ہو آپ کریں تو آپ نے اس کو اندر آنے کی اجازت دی ایک شخص آکر بیٹھ گیا اور وہ مسائل دریافت کئے جو میں ابھی کر چکا تھا تو آپ نے جواب اس کو میرے جواب کے خلاف دیا۔ یہ سنتے ہی میری طبیعت میں اس قدر اضطراب پیدا ہوا کہ بس اللہ ہی جانتا ہے وہ شخص فارغ ہو کر چلا گیا اور تھوڑی دیر گذری کہ اور شخص آگیا۔ آپ نے اس کو اجازت دی وہ ایک گھنٹہ بیٹھا۔ اور وہی مسائل پوچھنے لگا جو ہم دونوں پوچھ چکے تھے تو آپ نے اس کو پہلے دو جوابوں کے علاوہ جواب دیا اور میرا غم و اضطراب پھر اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور قریب تھا کہ میں کافر ہو جاؤں پس وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد تیسرا آدمی آپہنچا اور اس نے بھی بعینہٖ وہی مسائل دریافت کئے تو آپ نے اس کو پہلے تمام جوابوں کے علاوہ جواب دیا۔ پس میرے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی اور مجھ پر دنیا تاریک ہو گئی۔ جب آپ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور میرا اضطراب ملاحظہ فرمایا تو میرے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمانے لگے۔ اے ابن اشیم خدا نے ابن داؤد کو ملک تفویض فرمایا تھا اور ارشاد ہوا تھا هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اور تحقیق اللہ سبحانہٗ نے جناب محمد مصطفےٰ کو دین کے معاملات تفویض فرمائے اور ارشاد ہوا۔ اُحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ اور خدا نے ہمیں وہی کچھ سپرد کیا جو اس نے اپنے رسول کو سپرد کیا تھا (مقصد یہ ہے کہ نبی اور امام کا کام ہے مصلحت دیکھ کر ان کے درمیان حکم کریں جس طرح کہ ڈاکٹر ایک ہی بیماری کے مریضوں کو ان کے مزاج اور ماحول کے مطابق دوا اور پرہیز بتلاتے ہیں۔ اسی طرح نبی و امام جو روحانی حکیم ہیں۔ ماحول اور مزاج کو پہچان کر ان کے موافق روحانی علاج کے نسخے تجویز کرتے ہیں۔

وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ ۔ تفسیر صافی میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ کا سبب نزول یہ ہے۔ کہ قوم انصار میں سے بنو ابیرق تین بھائی تھے جو منافق تھے اور ان کے نام بشر بشیر مبشر تھے انہوں نے قتادہ بن نعمان

هَٰأَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَادِلُ اللَّهَ			
خبردار تم لوگ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے	حیاتِ دنیا میں	تو کون جھگڑے گا اللہ کے ساتھ	
عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَن يَعْمَلْ			
ان کی طرف سے بروز قیامت	یا کون ہوگا ان پر وکیل؟	اور جو عمل کرے	

جو ہذری تھا کے چچا کے گھر نقب زنی کر کے اس کے بچوں کے کھانے پینے کا سامان اور ایک زرہ چرالی۔ قتادہ نے جناب رسالتمآبؐ سے اس کی شکایت کی۔ ان کے ہمسایہ میں ایک شخص مومن تھا جس کا نام لبید بن سہل تھا اس نے وہ چوری اس پر تھوپ دی اور قتادہ سے کہا اس کا مجرم لبید بن سہل ہے جب لبید کو معلوم ہوا تو اس نے تلوار کھینچ لی اور بنوابیرق کے سر ہو گیا کہ تم نے خود کردہ گناہ کو میرے سر کیوں تھوپ دیا اور تم ایسے منافق لوگ ہو کہ جناب رسالتمآبؐ کی ہجو کر کے قریش کی طرف منسوب کر دیا کرتے ہو۔ اب میں اس حقیقت کا پردہ چاک کروں گا اور تلوار کو تمہارے خون سے سیراب کروں گا۔ جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو لبید کے ساتھ چاپلوسی اور خوشامد سے پیش آئے بالآخر اس کو خاموش کر کے واپس کر دیا۔

پھر یہ لوگ اپنے قبیلہ کے ایک شخص اسید بن عروہ نامی کے پاس حاضر ہوئے کہ وہ رسالتمآبؐ کی خدمت میں ان کی صفائی کرے کیونکہ یہ شخص باتیں کرنا خوب جانتا تھا چنانچہ وہ اُن کی صفائی کے لئے حاضر بارگاہِ رسالت ہوا۔ اور عرض کی حضورؐ! قتادہ بن نعمان نے ہماری قوم کے بعض شرفا صاحبانِ حسب و نسب پر چوری کا الزام لگا دیا ہے۔ اور ان بے گناہوں کو اس نے مجرم قرار دیا ہے اس کے سُننے سے حضورؐ رنجیدہ خاطر ہوئے اور جب قتادہ خدمت اقدس میں پہنچا تو جناب رسالتمآبؐ نے اس کو سرزنش کی قتادہ کبیدہ خاطر واپس اپنے چچا کے پاس آیا اور کہنے لگا کاش میں مر گیا ہوتا۔ اور حضورؐ کے سامنے وہ بات نہ کی ہوتی۔ کیونکہ حضورؐ نے آج مجھے ایسے الفاظ کہے ہیں جو میں پسند نہیں کرتا تو اس کے چچا نے کہا کہ بس اللہ سے ہی ہماری فریاد ہے۔ تب یہ آیتیں اتریں۔ نیز صافی میں جوامع سے مروی ہے کہ ابوطعمہ نے جو ابیرق کا بیٹا تھا (بشیر کو ابوطعمہ کہا جاتا تھا) اپنے ایک ہمسایہ قتادہ بن نعمان کی زرہ چُرا کر ایک یہودی کے پاس رکھی۔ قتادہ نے وہ زرہ یہودی کے ہاں سے پکڑی تو یہودی نے صاف کہہ دیا کہ مجھے ابوطعمہ نے دی ہے جب بنوابیرق کو پتہ چلا تو وہ حضرت رسالتمآبؐ کے پاس چلے آئے اور عرض کی کہ حضورؐ! آپ ابوطعمہ کی طرفداری فرمائیں ورنہ وہ ہلاک و بدنام ہوگا اور یہودی بری ہو جائے گا پس جناب رسالتمآبؐ نے یہودی کی سزا کا ارادہ فرمایا تو یہ آیت اتری اور اسی قسم کی اور روایات بھی کتب عامہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ منقول ہیں۔ تفسیر صافی میں تفسیر قمی سے مروی ہے

سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾

بُرا یا ظلم کرے اپنے نفس پر پھر معافی مانگے اللہ سے تو پائے گا اللہ کو غفور و رحیم

وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو کسب کرے گناہ کا تو وہ کسب کرتا ہے صرف اپنے بُرے کے لئے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا

اور جو کسب کرے خطا یا گناہ کا پھر بہتان لگائے اس کا کسی بری پہ پس اس نے بار اٹھایا بہتان

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ بشیر کی قوم سے اس کے چند قریبیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جناب رسالتمآبؐ کے پاس جاکر بشیر کے متعلق سفارش کریں اور عذر پیش کریں کہ وہ اس چوری کے الزام سے بری ہے تو یہ آیت اتری۔ یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ الخ پس بشیر کی قوم واپس آئی اور بشیر سے کہا استغفار کر اور گناہ سے توبہ کر اس نے کہا کہ میں تو یہ قسم کھاؤں گا کہ چوری لبید نے کی ہے تو یہ آیت اتری وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا الخ اس کے بعد بشیر کافر ہوگیا اور مکہ کی طرف چلا گیا پس بشیر کے طرفداروں کے حق میں آیت اتری۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ الخ اور بشیر کے حق میں اتری وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الخ آیاتِ مجیدہ کے شانِ نزول سے ترجمہ خوب واضح ہوگیا لیکن متعدد بار عرض کیا جاچکا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کا مضمون صرف اس کے شانِ نزول تک محدود نہیں ہوا کرتا اور جس واقعہ کے متعلق کوئی آیت اتری ہو اس کا صرف اسی ایک واقعہ سے اختصاص نہیں ہوا کرتا ورنہ قیامت تک کی قرآن مجید کی حجیت کا اعتقاد باطل ہوجائے گا۔ ہاں تنزیل کا تعلق اگرچہ صرف مخصوص واقعات سے ہوتا ہے لیکن اس کی تاویل قیامت تک جاری ہوا کرتی ہے۔ پس ان آیات کی تاویل بھی قیامت تک جاری ہے جو لوگ جس جس زمانہ میں اس قسم کے فعل کا ارتکاب کریں گے وہ انہی آیات کی تاویل اور باطن قرآن کے لحاظ سے مصداق ہوں گے چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت کافی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ الخ کے مصداق فلاں فلاں اور ابو عبیدہ بن جراح تھے اور بروایت احتجاج حضرت امیرؑ سے منقول ہے کہ اس کے وہ لوگ مصداق ہیں جو رسولؐ کے بعد اپنے باطل کی ترویج کے لئے راتوں کو باہمی مشورے کرتے رہے۔ جس طرح یہود و نصاریٰ نے حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ کے بعد توراۃ و انجیل کو بدل ڈالا۔

وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

اور گناہ ظاہر کا — اور اگر نہ ہوتا فضلِ خدا تم پر — اور اس کی رحمت تو ارادہ کیا تھا ان سے ایک گروہ نے

اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ

کہ آپ کو بھٹکا دیں — حالانکہ وہ نہیں بھٹکاتے مگر اپنے نفسوں کو — اور آپ کو ضرر نہیں پہنچاتے کچھ بھی

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ

اور اُتاری اللہ نے آپ پر کتاب — اور حکمت — اور تعلیم دی آپ کو جو آپ نہیں جانتے تھے — اور ہے

رکوع نمبر ۱۴

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ :- بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بنی ابیرق کے حق میں اُتری - جن کا قصہ گذر چکا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس بنی ثقیف کا ایک وفد آیا اور انہوں نے عرض کی کہ ہم آپ کی اس شرط پر بیعت کرتے ہیں کہ ہم اپنے ہاتھوں بُت نہ توڑیں گے اور ایک سال تک عزیٰ کو پوجیں گے - لیکن حضورؐ نے ان کی یہ درخواست مسترد کر دی (مجمع البیان)

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ - اس کے معنی میں تین قول ہیں - (۱) بنی ابیرق کی جانب سے گواہ بن کر آپ سے غلط فیصلہ کے خواہشمند تھے - (۲) بنی ثقیف آپؐ سے ناجائز مطالبہ منوانا چاہتے تھے جس کو آپ نے ٹھکرا دیا - (۳) منافقین کی جماعت نے آپس میں حضورؐ کے قتل کا پروگرام مرتب کیا تھا اور اضلال سے مراد یہاں قتل ہے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے - پس اللہ اُنہی کے متعلق خبر دے رہا ہے -

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ - یعنی خدا نے وہ کچھ آپ کو بتلایا جو آپ نہ جانتے تھے - جناب رسالتمآبؐ کائنات میں سے اعلم ہیں اور مخلوقِ خدا میں سے کوئی بھی علم و معرفت کی ان حدوں تک نہ پہنچ سکا - جہاں تک حضورؐ پہنچے لیکن یہ سمجھنا چاہیئے کہ رسول کا علم عینِ ذات نہیں جس طرح کہ خدا کا علم عینِ ذات ہے - پس ایک مرتبہ ایسا فرض کرنا پڑے گا جس میں ذاتِ رسولؐ اور علم جُدا جُدا ہوں اور پھر اللہ نے اس ذات کو علم عطا فرمایا ہو اور چونکہ علمِ خداوندی بے پایاں اور لامحدود ہے اس لئے وقتاً فوقتاً اس کی زیادتی کا ہونا رسولؐ میں اور آئمہ طاہرینؑ میں بعید نہیں اسی لئے تو فرمایا رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا - ہاں بعض مواقع پر جزئی واقعات سے بے خبر ہونا ان کی مخلوق ہونے کی شان اور دلیل ہے کیونکہ ہر وقت علم و کمال کے مظاہرے عوام کو دھوکا میں ڈال دیا کرتے ہیں اور وہ ان کے حق میں ربوبیت والوہیت کا عقیدہ فاسدہ دل میں جما لیتے ہیں پس ان میں اگر یہ بشری شان نہ پائی جاتی تو جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ

فضل اللہ کا آپ پر بہت نہیں بھلائی ان کی بہت سی سرگوشیوں میں مگر جو حکم

اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ

دے خیرات کا یا نیکی کا یا اصلاح کا لوگوں میں اور جو کرے یہ کام

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ

تلاش میں رضائے خدا کے لئے تو عنقریب دیں گے ہم اس کو اجر عظیم اور جو

گیا ان کے متعلق بھی اسی قسم کے عقائد پیدا ہو جاتے اور اسلام کی بجائے کفر و شرک کی ترویج ہوتی ۔ اسی بناء پر بعض واقعات ان سے پردۂ خفا میں رکھ کر ان کو بذریعہ وحی اطلاع دی جاتی ہے تاکہ توحید و رسالت کی اپنی اپنی شان بحال رہے اور لوگوں کے لئے خالق و مخلوق اور عبد و معبود میں امتیاز کرنا آسان ہو۔

لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ ۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا میں جب کوئی مسئلہ بیان کروں تو کتاب اللہ سے بے شک اس کا ثبوت طلب کر لیا ۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے تین چیزوں سے منع فرمایا (۱) قیل و قال (۲) بربادی مال (۳) زیادتی سوال تو لوگوں نے قرآنی ثبوت طلب کیا ۔ پس آپ نے فرمایا ۔ قال و قیل سے منع کے لئے فرماتا ہے ۔ لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ الخ اور بربادی مال سے روکتے ہوئے فرماتا ہے ۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الخ اور زیادتی سوال سے منع فرماتے ہوئے ارشاد ہے وَلَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ الخ آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی باہمی چپکے کی باتیں اور سرگوشیاں اکثر اوقات بھلائی سے خالی ہوتی ہیں ۔ مگر تین مقامات پر فائدہ مند اور خوب ہوتی ہیں (۱) صدقہ دینے کے لئے باہمی مشاورت (۲) نیکی اور اچھائی کے لئے مشورہ (۳) لوگوں میں اصلاح کرنے کا مشورہ ۔

چنانچہ صافی میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کلام کی تین قسمیں ہیں ۔ سچ جھوٹ اور اصلاح یعنی اصلاحی پہلو نہ سچ میں داخل ہے اور نہ جھوٹ میں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں اصلاح کے لئے اگر جھوٹ بھی بولا جائے ۔ تب بھی اس کو جھوٹ کا گناہ نہ ہوگا اور اصلاح کی تفسیر میں آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایک شخص سے کوئی بری بات سنو جو دوسرے کے حق میں کہہ رہا ہے تو تم اس کو یہ نہ کہو کہ وہ تمہارے حق میں بری بات کہہ رہا ہے ۔ بلکہ اس کی بجائے کسی اچھی بات کی اس کی طرف نسبت دو ۔ تاکہ اس کے دل میں نفرت پیدا

يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

مخالفت کرے رسولؐ کی بعد اس کے کہ واضح ہوگئی اس کے لئے ہدایت اور چلے چھوڑ کر راہ

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾ اِنَّ

مومنوں کی تو اس کو دیں گے وہی جو اس نے اختیار کیا اور جلائیں گے اسے جہنم میں اور وہ بری بازگشت ہے تحقیق

اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

اللہ نہیں بخشتا شرک کو اور بخشتا ہے وہ جو علاوہ ہو اس کے جسے چاہے

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ

اور جو شرک کرے ساتھ اللہ کے پس تحقیق وہ گمراہ ہوا بڑی گمراہی نہیں پکارتے اس کے سوا

دُوْنِهٖۤ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ

مگر مؤنثوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو جس کو لعنت کی اللہ نے

نہ ہو۔ اور بروایت خصال جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ تین جگہ جھوٹ مستحسن ہے ایک دشمن سے لڑائی کے وقت اس کو دھوکا دینے کے لئے دوسرے اپنی عورت سے وعدہ کرنے کے لئے تیسرے لوگوں کے درمیان اصلاح کے لئے

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ۔ برہان میں بروایت عیاشی منقول ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری کے زمانہ میں لوگوں نے ماہِ رمضان کی تراویح کے لئے آپ سے ایک امام مسجد کی خواہش کی تو آپ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا تو لوگوں نے واویلا شروع کر دیا۔ حارث اعور نے حضورؑ کو لوگوں کے واویلا سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا جو جی میں آئے کرو تو یہ آیت بھی تلاوت فرمائی۔

رکوع نمبر ۱۵

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الخ آیت مجیدہ کی تفسیر اسی پارہ کے رکوع ۴ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ۔ اس میں تین قول ہیں (۱) ملائکہ کی عبادت کرتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں (۲) جمادات کی عبادت کرتے تھے اور چونکہ عرب جمادات کے لئے مؤنث کے صیغے استعمال کرتے تھے اس لئے کہا گیا کہ وہ مؤنثوں کی عبادت کرتے ہیں۔ (۳) انہوں نے جو بُت بنائے ہوئے تھے ان کے نام مؤنث تھے مثلاً لات عزّیٰ منات اساف اور نائلہ وغیرہ اور کہتے ہیں لات لفظ اللہ کی مؤنث اور عزّیٰ اعزّ کی

وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ

اور اس نے کہا کہ ضرور لوں گا میں تیرے بندوں سے ایک حصہ مقرر اور ضرور ان کو گمراہ کروں گا

وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ

اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو حکم کروں گا کہ کاٹ ڈالیں کان چوپاؤں کے اور ان کو حکم کروں گا

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ

کہ بدل ڈالیں دین خدا کو اور جو بنائے شیطان کو اپنا ولی اللہ کو چھوڑ کر

کی مؤنث ہے اور ابوحمزہ ثمالی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ہر بت میں ایک شیطانہ ہوا کرتی تھی جو دربانوں سے گویا ہوا کرتی تھی اور سب ابلیس کی کارستانی تھی اور یہ بعینہٖ وہی شیطان ہے جس کو خدا نے آیت مجیدہ میں لعنت فرمائی

(ملخص از مجمع البیان)

عرب کی ہر قوم نے اپنے اپنے الگ بت بنائے ہوئے تھے جن کے نام وہ مؤنث تجویز کرتے تھے۔ کسی نے پتھر کا اور کسی نے اُس سے زیادہ خوبصورت اور جب پہلے سے کوئی اچھا دستیاب ہوتا تو پہلے کو پھینک دیا کرتے تھے اور جب کوئی اور چیز میسر نہ آتی تو مٹی جمع کر کے اوپر بکری کا دودھ دوہ دیتے اور اس کا طواف کرتے اور بنو حنیفہ نے حلوے کا بت بنا کر ایک عرصے تک اس کی پوجا کی اور جب قحط سالی ہوئی تو اس کو کھا گئے چنانچہ بعض شعرا نے ان کے اس فعل کی اپنے اشعار میں اس طرح حکایت کی ہے۔

أَكَلَتْ حَنِيفَةُ رَبَّهَا زَمَنَ التَّقَحُّطِ وَالْمَجَاعَةِ

کھا لیا بنو حنیفہ نے اپنے رب کو قحط سالی اور بھوک کے زمانہ میں۔

لَمْ يَحْذَرُوا مِنْ رَبِّهِمْ سُوءَ الْعَوَاقِبِ وَالتَّبَاعَةِ

انہوں نے اپنے رب سے بُرے انجام اور سخت گرفت کا ڈر بھی نہ کیا۔

(تفسیر میزان جلد ۲ صفحہ ۲۸)

تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو سلام دیا اور کہا کہ السلام علیک یا امیرالمومنین پس آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا خبردار ایسا نہ کہو کیونکہ یہ لقب صرف حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے اور اللہ نے ان کو یہ لقب دیا ہے ان کے علاوہ جس شخص کو اس لقب سے پکارا جائے اور وہ اس پہ راضی بھی ہو جائے تو وہ مفعول ہوگا اور اگر پہلے سے نہ ہو تو اس کے بعد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے گا

فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ

تو تحقیق اس نے ظاہر اٹھایا نقصان وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور نہیں وعدہ کرتا شیطان

إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾

ان سے مگر دھوکا ایسے لوگ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور نہ پائیں گے اس سے چھٹکارا

کیونکہ خدا فرماتا ہے اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا الخ۔ پھر راوی نے پوچھا حضرت قائمؑ کو کس لقب سے پکارا جائے گا تو آپ نے فرمایا۔ ان کو کہا جائے گا السلام علیک یا بقیۃ اللہ! السلام علیک یا ابن رسول اللہ آیت مجیدہ کے باطن سے معصوم نے کیا خوب نظریہ پیش فرمایا ہے کیونکہ ناحق مسند الوہیت پر بیٹھنے والوں کو خدا نے مؤنث کے خطاب سے یاد کیا ہے اور چونکہ مسندِ رسالت بھی مسندِ الوہیت کے قائم مقام کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اسی وجہ سے خدا نے رسولؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا پس مسندِ رسالت پر ناجائز قبضہ جمانے والے اسی آیت مجیدہ کی رُو سے مؤنث ٹھہرے اور اگرچہ ظاہرًا وہ مذکر بھی ہوں لیکن ان میں اس صفتِ خصوصی کا پایا جانا ضروری ہے جو مؤنث کے شایانِ شان ہے پس اسی آیت کے ماتحت آپ نے فرمایا کہ جو بھی اپنے آپکو امیرالمومنین کہلوانے پر رضامند ہوگا وہ مفعول ہوگا اور واقعاتِ تاریخ معصوم کے اس فرمان کی تصدیق کرتے ہیں جن کی تفصیل کا اس جگہ محل نہیں۔ فَلَیُبَتِّکُنَّ ۔ کہتے ہیں عربوں کا دستور تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے دے چکتی اور پانچواں مذکر ہوتا تو وہ اس اونٹنی کے کان چیر ڈالتے تھے اور اس کو اپنے اوپر حرام کر دیتے تھے اور مجمع البیان میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ ان کے کان جڑ سے کاٹ دیا کرتے تھے (تفسیر صافی) اور روایات معصومینؑ میں خلق اللہ کا معنی دین اللہ کیا گیا ہے۔

یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ ۔ صافی میں بروایت مجالس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب مغفرتِ عامہ کی آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو برائی کریں یا اپنے نفسوں پر ظلم کریں۔ پھر اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں تو خدا غفور و رحیم ہے ان کے گناہ بخش دے گا تو ابلیس نے مکہ کے ایک پہاڑ جس کا نام ثور ہے اس پر چڑھ کر اپنے اتباع کرنے والے عفریتوں اور شیطانوں کو بلایا۔ پس انہوں نے حاضر ہو کر کہا کہ اے ہمارے سردار کیوں ہمیں بلایا ہے تو ابلیس نے وہ آیت پڑھی اور کہا کہ اس کا علاج کون کرے گا ایک عفریت نے کہا میں حاضر ہوں۔ ابلیس نے پوچھا تو کیا کرے گا اس نے اس کا جواب دیا جو ابلیس کو پسند نہ آیا۔ پھر اور اٹھا اور اس کا جواب بھی ابلیس کو پسند نہ آیا پھر اس کے تابعداروں میں سے وسواس خناس اٹھا اور کہا کہ اس کا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے بہشتوں میں کہ

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ

بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں کہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جنت میں دائمی کہ وعدہ اللہ کا حق ہے اور کون زیادہ سچا ہے

مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ

اللہ سے بات میں نہ تمہاری خواہشات پر اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر ہے جو

يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا

کام کرے گا بُرے اس کا بدلہ لے گا اور نہ پائے گا اپنے لئے اللہ کے بغیر کوئی ولی اور نہ

نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

مددگار اور جو عمل کرے گا اچھے مرد ہو یا عورت درحالیکہ

علاج میرے پاس ہے اور وہ یہ کہ میں وعدہ کروں گا اور امیدیں دلاؤں گا اور ایہ پھیر کرکے ان کو گناہ میں مبتلا کر لوں گا اور پھر توبہ کرنا اور استغفار کرنا ان کو بھلا دوں گا پس ابلیس نے اس کو اس کام پر مؤکل کر دیا۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ ۔ مجمع البیان میں ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں نے آپس میں مفاخرت کی کہ اہل کتاب نے اپنے نبی وکتاب کے پہلے ہونے کا فخر کیا اور مسلمانوں نے جناب رسالتمآبؐ کے خاتم النبیین ہونے اور کتاب کے ناسخ ہونے پر اور دین اسلام پر فخر کیا، تب یہ آیت اتری کہ نجات نہ تمہاری خواہشات پر منحصر ہے اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر موقوف ہے بلکہ جو برائی کرے گا اسے سزا ملے گی۔ یہ سن کر اہل کتاب اترانے لگے اور مسلمانوں سے کہنے لگے کہ بس اب ہم اور تم برابر ہو گئے تو پھر بعد والی آیت اتری کہ اعمال صالحہ پر جنت اس وقت ملے گی جب ایمان بھی ہو گا۔ مختصراً۔

یہ آیت مجیدہ صاف بتلاتی ہے کہ ہر شخص کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی ہے اور اس میں کسی کے لئے کوئی معافی نہیں ہے۔ چنانچہ مجمع البیان میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو ہم رو دئیے اور غمگین ہوئے اور بارگاہ رسالتؐ میں عرض کی حضور! اس آیت نے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم

مُؤْمِنٌ فَأُولَٰٓئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ

وہ مومن ہو تو ایسے لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے ذرہ بھر اور کون زیادہ

أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ

اچھا ہے دین میں اس سے جو جھکا دے اپنا منہ اللہ کے لئے اور نیک ہو اور اتباع کرے ملت

إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلَّهِ مَا

ابراہیم کی جو حنیف تھا اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور اللہ کے لئے ہے

فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿١٢٦﴾

جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ ہر شے پہ محیط

جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ آیت ایسے ہی ہے جس طرح اتری ہے یعنی بروں کو برائیوں کی سزا ضرور ملے گی لیکن تمہیں بشارت ہو کہ تم میں سے جس انسان کو دنیا میں جو بھی مصیبت پیش آتی ہے۔ وہ کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہوا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جو کانٹا کسی کے پاؤں میں چبھتا ہے (وہ بھی کفارۂ گناہ ہوتا ہے) اس مضمون کی حدیثیں اہلبیت علیہم السلام سے بھی کافی وارد ہیں۔ چنانچہ صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں بعض صحابہ نے اس آیت مجیدہ کے مضمون کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں جان مال اور بچوں کے بارے میں مصائب پیش آتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے عرض کی۔ جی ہاں! آپ نے فرمایا یہ تمہاری نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور گناہ دُھل جاتے ہیں۔ کافی سے منقول ہے آپ نے فرمایا جب اللہ کو ایک بندہ پیارا ہوتا ہے اور اس پر گناہ کا بوجھ بھی ہوتا ہے تو خدا اسے کسی حاجت میں مبتلا کر دیتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس پر موت کو سخت کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ مجمع البیان میں مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ سے احسان کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس طرح کرو جس طرح گویا تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

خلتِ ابراہیمؑ:۔ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا۔ بعض کہتے ہیں کہ خلیل خلت سے مشتق ہے جس

کا معنی محبت ہے اور حضرت ابراہیم اللہ کے محب اور محبوب تھے اس لئے ان کو خلیل کا لقب خدا نے دیا۔ پس حضرت ابراہیمؑ کی محبت یہ تھی کہ اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دُشمنی رکھتے تھے اور اس کے صحیح معنوں میں عبادت گذار تھے اور اللہ کی محبت یہ ہے کہ اس نے ہر مقام پر نصرت خاصہ سے سرفراز فرمایا اور نار نمرود کو گلزار کیا اور عہدۂ نبوت کے لئے ان کو مصطفےٰ بنایا اور بعض کہتے ہیں کہ خلیل خلّة سے مشتق ہے جس کا معنی ہے احتیاج و فقر اور حضرت ابراہیمؑ چونکہ اپنا احتیاج و فقر صرف اللہ کی طرف ہی رکھتے تھے۔ اور کسی بندے کی طرف اپنی حاجات نہ لے جاتے تھے اس لئے ان کو خلیلؑ کے لقب سے سرفراز کیا گیا اور خُدا نے خصوصیت سے انہیں خلیلؑ کا لقب عنایت فرمایا۔ حالانکہ ہر نبی اللہ کا دوست ہوا کرتا ہے جس طرح کلیم اللہ موسیٰؑ کو اور روح اللہ عیسیٰؑ کو بنایا۔ جناب رسالتمآبؐ نے ایک روایت میں فرمایا کہ تمہارا نبی بھی خلیلؑ ہے یعنی حضورؐ نے اپنی خلّت کا اظہار فرمایا۔ (مجمع البیان)

خلیل کی پہلی وجہ تسمیہ کے ماتحت تفسیر برہان میں ابن بابویہ کی سند سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل بنایا کیونکہ زمین پر سجدہ کیا کرتے تھے اور ایک روایت میں امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر زیادہ درود بھیجنے کی بدولت خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل قرار دیا اور دوسری وجہ تسمیہ کے ماتحت امام رضا علیہ السلام سے بسند آبائے طاہرینؑ منقول ہے کہ حضرت ابراہیم کو خلیلؑ اس لئے بنایا گیا کہ وہ عمر بھر کسی کے پاس نہ گئے اور سوائے خُدا کے کسی سے سوال نہ کیا اور فرمانِ نبوی میں ہے کہ ان کے خلیل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مہمان نواز تھے اور رات کو جب لوگ سوئے ہوتے تھے۔ تو وہ نماز پڑھا کرتے تھے۔

تفسیر برہان و مجمع البیان میں علی بن ابراہیمؒ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرتؑ ابراہیم مہمان نواز تھے اور مساکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ ایک دفعہ قحط سالی کا دَور آیا تو آپ مصر میں ایک دوست سے گندم لینے کے لئے روانہ ہوئے لیکن اس کے پاس موجود نہ تھی اور خالی ہاتھ واپس روانہ ہوئے۔ جب گھر کے قریب پہنچے تو ریگستان سے گذرتے ہوئے اپنی بوریاں ایک صحرا سے پُر کر لیں تاکہ گھر پہنچتے ہی گھر والوں کو خالی ہاتھ واپس آنے کا غم محسوس نہ ہو لیکن خدا نے اس ریگ صحرا کو آٹا بنا دیا حضرت ابراہیمؑ گھر پہنچ کر شرم کے مارے ایک کمرے میں سو گئے گھر والوں نے جب بوریاں کھولیں تو وہ آٹا تھا۔ انہوں نے حسب ضرورت نکال کر روٹی تیار کر لی اور حضرت ابراہیمؑ کے پیش کی آپ نے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے لائے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ اسی آٹے سے تیار کی ہیں جو آپ اپنے مصری خلیل سے لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک یہ آٹا آیا تو خلیل کی طرف سے ہے۔ لیکن خلیل مصری کی طرف سے نہیں پس اس کے بعد خدا نے حضرت ابراہیمؑ کا لقب خلیل مقرر فرمایا حضرت ابراہیمؑ

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور فتوی طلب کرتے ہیں آپ سے عورتوں کے متعلق فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں فتوی دیتا ہے ان کے متعلق اور وہ جو تلاوت کیا جاتا ہے

فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ

تم پر قرآن میں یتیم عورتوں کے متعلق جنہیں نہیں دیتے تم جو فرض ہوا ہے ان کے لئے

نے خدا کا شکر ادا کیا اور کھانا تناول فرمایا۔

تفسیر برہان وصافی میں عیاشی سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو خلت کا عہدہ دیا تو ملک الموت خلت کی بشارت لایا۔ ملک الموت ایک خوبصورت سفید پوش جوان کی شکل میں آیا کہ اس کے سر سے پانی اور تیل کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس سے ملاقات کی اور حضرت ابراہیمؑ بہت غیور تھے جب گھر سے باہر جایا کرتے تھے تو دروازہ بند کر کے اسے قفل لگا کر جاتے اور اس کی کنجی اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے ایک دن جب واپس گھر آئے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان گھر میں کھڑا ہے آپ نے فرمایا اے عبد خدا تجھے اس گھر میں کون لایا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے گھر کا مالک لایا ہے پس حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا واقعی گھر کا مالک مجھ سے زیادہ حقدار ہے۔ بتائیے آپ کون ہیں؟ جواب دیا میں ملک الموت ہوں حضرت ابراہیمؑ نے گھبرا کر دریافت کیا میری جان لینے آئے ہو؟ جواب دیا نہیں بلکہ خدا نے ایک عبد کو اپنا خلیل مقرر فرمایا ہے اور میں اس کی بشارت لے کر آیا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا وہ عبد کون ہے؟ تاکہ میں اس کی خدمت کروں تو ملک الموت نے جواب دیا وہ آپ ہیں۔ پس آپ سارہ کے پاس پہنچے اور اپنی خلت کی خبر ان کو دی۔

تفسیر صافی میں احتجاج سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خلیل خلہ سے مشتق ہے جس کا معنی فقر و فاقہ ہے اور حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے رب کی طرف خلیل تھے یعنی فقیر و محتاج اور غیر سے بے نیاز اور مستغنی تھے چنانچہ جب ان کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا گیا اور منجنیق کے ذریعے سے ان کو ڈالا گیا تو خدا نے حضرت جبرئیل کو بھیجا کہ جا اور میرے بندے کی خبر لے پس حضرت جبرئیل نے آگ میں جاتے ہوئے ابراہیمؑ سے ہوا میں ملاقات کی اور کہا کہ مجھ پر حکم کرو کیوں کہ خدا نے مجھے تیری امداد کیلئے روانہ کیا ہے آپ نے فرمایا بس مجھے وہی کافی ہے وہی میرا بہتر کارساز ہے میں اس کے غیر سے سوال نہیں کرنا چاہتا اور اس کے بغیر اپنی حاجت بیان نہیں کرتا۔ پس خدا نے اس کو اپنے خلیل کا لقب دیا کہ یہ اسی کا فقیر و محتاج ہے اور اس کے غیر سے بالکل بے نیاز ہے۔ (الحدیث)

رکوع نمبر ۱۶ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ :۔ اس آیت مجیدہ کے ربط سے متعلق اسی سورہ کے پہلے رکوع میں وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا الخ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا

اور رغبت رکھتے ہو کہ ان کے ساتھ نکاح کرو اور فتویٰ دیتا ہے تمہیں) کمزور لڑکوں کے متعلق اور یہ کہ قائم رہو

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾

یتیموں کے لئے انصاف پر اور جو بھی کرو اچھائی تو تحقیق اللہ اس کو جاننے والا ہے

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے شوہر کی سرکشی یا روگردانی سے پس کوئی گناہ

وَتَرْغَبُوْنَ الخ ۔ مجمع البیان میں ہے کہ جابر بن عبداللہ انصاری کی ایک چچا زاد تھی جو بدصورت تھی اور اپنے باپ کی طرف سے کافی مال اس کو ورثہ میں ملا تھا پس اس کی بدصورتی کے پیش نظر اس سے خود بھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اور کسی دوسری جگہ بھی اس کی شادی نہ کرتا تھا تاکہ دوسرا شوہر یہ مال نہ لے پس اس نے جناب رسالتمآبؐ سے اس بارے میں دریافت کیا تو یہ آیت اتری اور اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ تم یتیم عورتوں کو اپنا حق بھی نہیں دیتے یعنی ان کو نکاح کی بھی اجازت نہیں دیتے اور خود بھی ان کے نکاح سے اعراض کرتے ہو اور خدا اس طرز عمل سے منع فرماتا ہے۔ اور کہتے ہیں عربوں میں دستور یہی تھا جس سے منع کیا گیا اور اگر آیت کا معنی وہ ہو جو تحت اللفظ موجود ہے تو پھر ایک اور غلط رواج کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ جس کے گھر میں کوئی یتیم لڑکی پرورش پاتی تھی تو یہ لوگ اس کے حسن وجمال کے پیش نظر اس سے شادی کے خواہشمند تو ہوتے تھے لیکن اسے یتیم سمجھ کر اپنے حق مہر وغیرہ کے حقوق سے محروم کر دیتے تھے پس خدا نے ان کو اس بُرے طرز عمل سے بھی منع فرمایا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ ۔ کمزور لوگوں کو حقوق وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا اور یتیموں کے اموال میں کج روی عام دستور تھا پس ان سب باتوں سے منع فرمایا اور عدل وانصاف کا حکم دیا۔

عام عورتوں کے حقوق کے متعلق یتیم خوبصورت یا بدصورت لڑکیوں کے حقوق کے متعلق ۔ کمزوروں اور یتیموں کے حقوق کے متعلق اسی سورہ نساء میں احکام بیان کر دیئے گئے ہیں خواہ وہ حقوق وراثت سے متعلق ہوں یا عام برتاؤ سے اور یہ آیت بیان شدہ احکام کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ ۔ مجمع البیان میں ہے کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک نوجوان عورت تھی اور دوسری سن رسیدہ پس اس نے سن رسیدہ کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت گذرنے کو پہنچی تو کہا کہ اگر میرا اس نوجوان عورت سے

عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ

ان پر نہیں کہ صلح کرلیں آپس میں اور صلح اچھی چیز ہے اور نفوس کے سامنے بخل (بھی)

الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

ہے اور اگر احسان کرو اور تقوٰے اختیار کرو تو تحقیق اللہ ہے تمہارے اعمال سے آگاہ

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا

اور ہرگز نہیں کر سکتے تم عدل درمیان عورتوں کے اگرچہ پوری کوشش کرو پس نہ جھک جاؤ

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

بالکل (یکطرفہ) کہ کردو اس کو (دوسری) کو مثل لٹکی ہوئی چیز کے (نہ ادھر نہ ادھر) اور اگر صلح کرو اور تقوٰی کرو تو تحقیق ہے

محبت کرنا تجھے گوارا ہو اور تو اس پر صبر کر سکتی ہو تو میں طلاق سے رجوع کر کے تجھے اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار ہوں پس اس عورت نے یہ شرط قبول کی اور اس نے رجوع کر لیا۔ پس یہ آیت اتری اور صلح باہمی سے مراد یہی ہے کہ عورت اپنے بعض حقوق کو ترک کر دے اور مرد اپنے دل پر بعض امور کے لئے پتھر رکھے اور آپس میں اچھا نباہ کرتے رہیں۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۔ یعنی عورتوں اور مردوں کے نفوس میں بخل بھرا ہوا ہے۔ عورت اپنے حقوق قربان نہیں کرتی اور نہیں چاہتی کہ شوہر کا اس کی سوکن کے ساتھ زیادہ پیار ہو اور مرد بھی اپنا حق آزادی نہیں کھونا چاہتا اور وہ نہیں گوارا کرتا کہ ایک نوجوان عورت کی موجودگی میں وہ ایک ایسی عورت کے ساتھ گزارہ کرے جو بوڑھی ہو اور پھر بدل ناخواستہ اس کے تمام بوجھ بھی برداشت کرے پس ہر دو حقوق میں سے جب تک کچھ حصہ سے چشم پوشی نہ کریں گے گزارہ مشکل ہوگا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا ۔ مقصد یہ ہے کہ چند عورتوں کے درمیان مرد کی طرف سے محبت میں فرق نہ ہو یہ ناممکن ہے اور فرماتا ہے جتنی بھی کوشش کرو محبت میں یکسانگی نہیں ہو سکتی۔ ہاں ایسا مت کرو کہ بالکل ایک کی طرف جھک جاؤ کہ دوسری کی قطعاً پرواہ تک نہ کرو کہ وہ نہ تو دوسری جگہ شادی کر سکے اور نہ تمہاری زوجیت سے فائدہ اٹھا سکے اور درمیان میں لٹکی رہ جائے بلکہ خواہ محبت یکطرفی ہو لیکن برتاؤ کے حقوق کو پورا کرنا واجب ہے اور اس کے متعلق اعتراض و جواب اس جلد میں تعدد نکاح کے تحت بیان ہو چکا ہے صلا مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ بیماری کے دوران میں بھی عورتوں کے درمیان تقسیم کو پورا کرتے تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ جب ایک عورت کی باری ہوا کرتی تو دوسری کے گھر وضو بھی

كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ ۚ وَ

اللہ بخشنے والا مہربان — اور اگر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ غنی کرے گا ہر ایک کو اپنی وسعت سے اور

كَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ

ہے اللہ صاحب وسعت و حکمت — اور اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے — اور تحقیق

وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَإِن

ہم نے وصیت کی ان کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے — اور تمہیں بھی کہ اللہ سے ڈرو — اور اگر

تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿١٣١﴾

کفر کرو گے تو تحقیق اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے — اور ہے اللہ غنی لائق حمد

نہیں کرتے تھے (مجمع البیان)

كُلًّا مِّن سَعَتِهِ ۔ یعنی اگر عورت و مرد میں سے کوئی بھی اپنے حقوق کی قربانی کرے اور بذریعہ طلاق کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں تو ٹھیک ہے اور اس کے بعد خدا ہر ایک کا کارساز ہے اور خزانۂ رحمت سے ہر ایک کو وہ رزق واسع عطا کر سکتا ہے لیکن حکمت کے تقاضے کے مطابق۔

وَوَصَّيْنَا الَّذِينَ ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سب وصیتوں سے بہتر وصیت ہے کہ خدا کو نہ بھولو۔ دائماً اس کو یاد رکھو اس کی نافرمانی نہ کرو۔ ہر حال میں اس کی عبادت کرو۔ اس کی نعمت سے دھوکا نہ کھاؤ ہمیشہ اس کا شکر ادا کرو اور اس کی رحمت و عظمت اور جلال کے پردوں سے باہر نہ نکلو ورنہ ہلاک و گمراہ ہو گے اگرچہ دُکھ مصیبت اور تکلیف کی آگ تمہیں جلا ہی کیوں نہ دے اور یقین جانو کہ اس کی آزمائشوں کا نتیجہ کرامت ابدیہ ------------ اور مصائب کا نتیجہ اس کی رضا و قرب ہوا کرتا ہے اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی سہی ۔ آہا کیسی قابلِ قدر اس کی نعمتیں ہیں لیکن اس کے لئے جو علم رکھتا ہو اور صاحب توفیق ہو۔ ایک شخص نے جناب رسالتمآبؐ سے نصیحت فرمانے خواہش کی تو آپؐ نے فرمایا غصہ نہ کیا کرو کیونکہ اللہ سے جھگڑنے کے برابر ہے اس نے عرض کی کچھ اور؟ تو فرمایا ایسا کام نہ کرو جس سے معذرت کرنی پڑے کیونکہ اس میں شرک کا شائبہ ہے عرض کی کچھ اور؟ فرمایا نماز اس طرح پڑھو جس طرح کہ یہ وداع کی نماز ہو کیونکہ اس میں قرب و وصال ہوتا ہے عرض کی کچھ اور؟ فرمایا اللہ سے اس طرح حیا کرو جس طرح کسی نیک ہمسایہ سے شرماتے ہو اس میں زیادتی یقین ہوتی ہے اور اولین و آخرین کی تمام وصیتوں کو خدا نے صرف ایک لفظ میں بند کر دیا ہے اور فرمایا ۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ ۔

لِلّٰہِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ ۔ اسی جملہ کو دو آیتوں میں تین دفعہ بار بار دہرایا گیا ہے کیونکہ تاکید بھی مقصود ہے اور اس کی الگ

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

اور اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ وکیل اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم

اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ

کر دے اے لوگو! اور لائے دوسروں کو اور ہے اللہ اس کام پر قدرت والا جو ارادہ رکھتا ہو

يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

بدلہ دنیا کا تو اللہ کے پاس بدلہ دنیا و آخرت کا ہے اور ہے اللہ سننے جاننے والا

الگ چند وجوہ بھی ہیں (۱) پہلے مقام پر چونکہ تقویٰ و اطاعت کی دعوت دینا چاہتا تھا اس لئے پہلے اپنی زمین و آسمان کی ملکیت وحکومت کو بیان فرمایا تاکہ دعوتِ تقویٰ کی قبولیت کیلئے سبب اور محرک بن سکے (۲) دوسرے مقام پر نافرمانی کرنے والوں سے بے نیازی و عدم احتیاج کو بیان فرمایا ہے کہ نافرمان یہ نہ خیال کریں کہ ہم اللہ کا کچھ بگاڑ لیں گے بلکہ وہ اپنا ہی بگاڑ رہے ہیں اور اللہ ان سے غنی و مطلق ہے کیونکہ وہ تو آسمانوں اور زمینوں کی تمام اشیاء کا مالک ہے (۳) اور تیسرے مقام پر اپنی حسن تدبیر اور پختگی نظام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ سب نظام اسی کی تدبیر اتم کا ہی نتیجہ ہے تاکہ تمام دنیا والے اس میں غور و فکر کر کے معرفت کے راستہ پر گامزن ہو سکیں اور از خود ان میں عبادت و تقویٰ کا جوہر پیدا ہو۔

مَنْ كَانَ۔ یہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے یعنی جو شخص صرف دنیاوی بدلہ کا طالب ہے یہ اس کی کم عقلی کا نتیجہ ہے کیونکہ جب اللہ کے پاس دنیاوی بدلہ بھی ہے اور اخروی بھی تو انسان طلب کرنے میں بخل کیوں کرتا ہے اس کو چاہیے کہ دنیا و آخرت دونوں کی خوبی طلب کرے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی و خصال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ بسلسلۂ آبائے طاہرین حضرت امیرؑ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حکماء فقہاء کا دستور رہا ہے کہ جب وہ ایک دوسرے کو وصیت لکھا کرتے تھے تو ان تین باتوں میں سے ایک لکھتے تھے جن کے ساتھ چوتھی نہیں ہے (۱) جس شخص کا مطمح نظر آخرت ہو تو خدا اس کے دنیاوی معاملہ کی خود اصلاح کرتا ہے (۲) جس کی نیت درست ہو خدا اس کے ظاہری امور کو خود درست فرماتا ہے (۳) جو اللہ اور اپنے درمیان کا معاملہ درست رکھے خدا اس کا اور مخلوق کا معاملہ خود درست کر دیا کرتا ہے۔

اور بروایت فقیہہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ دنیا طالب بھی ہے اور مطلوب بھی۔ پس جو شخص دنیا کا طالب ہوگا تو آخر اس کو موت طلب کر کے دنیا سے نکال دے گی اور جو شخص آخرت کا طالب ہوگا دنیا خود بخود اسے طلب کرے گی کہ یہاں سے وہ اپنا مقسوم پورا کرے گا یعنی انسان کو دنیا کا مطلوب بننا چاہیے اور آخرت کا طالب ایسا نہ ہو کہ دنیا کا طالب اور موت کا مطلوب بنے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى

اے ایمان والو ہو جاؤ قائم انصاف پر گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لئے اگرچہ

اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى

اپنے خلاف یا والدین اور قریبیوں کے (خلاف ہو) اگرچہ غنی ہو یا فقیر پس اللہ اولیٰ ہے

بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

ان کے ساتھ پس نہ اتباع کرو خواہش کی انصاف میں اور اگر ٹالو گے یا منہ پھیرو گے تو تحقیق اللہ

رکوع نمبر ۱۷ — حق کی گواہی

حق کی گواہی :- يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ - آیت مجیدہ میں خداوند کریم مومنین کو حق کی گواہی کا حکم دے رہا ہے - فرماتا ہے ، عدل و انصاف کے دستور پر ڈٹ جاؤ اور اللہ کو خوشنود کرنے کے لئے ہی سچی گواہی دو خواہ اپنے اور اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو خواہ غنی کے حق میں ہو یا فقیر کے حق میں ہو کیونکہ بعض لوگ فقراء طبقہ پر رحم کھاتے ہوئے غنی کے حق میں گواہی دینے سے کتراتے تھے تاکہ فقیر پر سختی نہ ہو اور نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خواہ غنی کے خلاف ہو یا فقیر کے خلاف ہو کیونکہ بعض لوگ فقیر کی طرف سے غنی کے خلاف گواہی نہیں دیتے صرف فقیر کی گراوٹ کی خاطر تو خداوند کریم مومنین کو انصاف کی تلقین فرماتا ہے کہ اس معاملہ میں کسی کی رعایت مت کرو اور سب کو برابر سمجھو اللہ خود غنی و فقیر کا کفیل ہے اور وہ ہی ان کو رزق دیتا ہے پس تم اس بارے میں خواہش نفس کی اتباع نہ کرو ، مبادا انصاف کو ہاتھ سے دے بیٹھو اور ممکن ہے تَعْدِلُوْا عدول سے ہو یعنی حق کی گواہی سے عدول کرتے ہوئے خواہش نفس کی اتباع مت کرو اور اگر گواہی کو ٹال دو گے یا اس سے کنارہ کرو گے تو خدا تو جانتا ہی ہے اور مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت کا آخری حصہ شرعی قاضیوں کے لئے ہے کہ جب گواہی سے مقدمہ کی پوزیشن واضح ہو جائے تو مبادا تم کسی کی رعایت کرتے ہوئے دوسرے کے حق کو ٹالو یا حق کے فیصلہ سے روگردانی کرو

علامہ کاشف الغطاء اعلی اللہ مقامہٗ نے دین اسلام میں حقوق کو تین دائروں میں بند کیا ہے انسان پر اپنے نفس کے حقوق - خالق کے حقوق اور مخلوق کے حقوق - پس عدل و انصاف کے اصول کا اجراء اور اس کے قوانین کا استعمال ان کے حقوق کی معرفت پر موقوف ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اس کا کلیہ مختصر لفظوں میں بیان فرمایا ہے جو نہج البلاغۃ کے بعض خطب میں مسطور ہے - فرماتے ہیں ① پہلا عدل کا زینہ یہ ہے کہ نفس سے خواہشات کو دور کرے حق کو بیان کرے اور خود اس پر عمل پیرا ہو خیر کی کسی غایت کو ترک نہ کرے اور اس کی کسی جائے توقع سے غفلت نہ کرے - پس ایسا شخص

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

تمہارے اعمال سے آگاہ ہے اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ

اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اتاری پہلے اس سے اور جو انکار کرے

يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا

گا اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور روز قیامت کا تو تحقیق وہ بھٹک گیا گمراہی

ہی تاریکیوں میں بابصیرت وصند لکے میں بینا امور معضلہ کا فاتح اور طرق مشکلہ میں قائد ہو سکتا ہے پہلے تولے پھر بولے ورنہ خاموشی کو سلامتی سمجھے اور ایسے شخص کے حق میں فرمایا یہ اللہ کے دین کی کان اور زمین پر اس کی ایک مضبوط چٹان کی مثل ہے (الحضا)

منافقوں کا ذکر

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ الخ۔ اس آیت مجیدہ کے معنی میں تین قول نقل کئے گئے ہیں لیکن جس کو صاحب مجمع البیان نے صحیح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو صرف زبانی طور پر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور حقیقت ایمان سے ان کے دل ناآشنا تھے چنانچہ بعد والی آیتوں کا ارتباط بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ اس کا مصداق منافق لوگ ہیں جن کا قول نہ ان کے دل کے مطابق اور نہ عمل کے موافق ہے کیونکہ ملت اسلامیہ کو چھوڑ کر ملت کفر کو اختیار کرنا اور پھر مسلمان ہونا اور پھر کافر ہونا یہ طرز عمل قطعاً ایسے لوگوں سے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا جن کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا ہو نَزَّلَ۔ تنزیل تدریجی نزول اور انزال دفعی نزول کے لئے استعمال ہوا کرتا ہے اسی لئے قرآن کے لئے نَزَّلَ اور کتب سابقہ کے لئے اَنْزَلَ کا لفظ استعمال ہوا اور تفسیر کی تیسری جلد ص۱۱ انوار علمیہ میں دوسرے نمبر پر اس مطلب کو ذکر کیا جا چکا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ۔ بعض لوگوں نے اس سے مراد یہود و نصاریٰ لئے ہیں کہ موسیٰؑ پر ایمان لائے اور پھر کافر ہوئے اور پھر عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور کافر ہوئے اور جناب رسالتمآبؐ پر ایمان نہ لانا ان کی زیادتی کفر ہے لیکن یہ معنی قطعاً بے جوڑ ہے اور اسلوب قرآنی کے خلاف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت مثل سابق کے منافقوں کے حق میں اُتری جو صرف زبان پر دعویٰ ایمان رکھتے تھے اور ان کے دل کفر سے بھرپور تھے۔ تفسیر برہان اور صافی میں اہلبیت عصمت سے مروی ہے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو پہلے ایمان لائے اور جب ولایت امیرؑ کا بروز غدیر بالفاظ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ اعلان ہوا تو انکاری ہوئے پھر ظاہری بیعت کر کے اور بخ بخ کے الفاظ جاری کر کے ایمان کا اظہار کیا لیکن وفات رسولؐ کے بعد انکار پر ڈٹ گئے اور اس میں زیادتی کرتے گئے اور ایمان سے بالکل ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایک روایت میں معصومؑ نے فرمایا اس آیت کے مصداق وہ لوگ ہیں جو شراب کی حرمت پر ایمان لائیں اور پھر پئیں اسی طرح زنا کی حرمت پر ایمان لائیں اور پھر خود زنا کریں اور زکوٰۃ کے وجوب پر ایمان لائیں لیکن ادا نہ کریں۔ بہر کیف تاویل کا دائرہ وسیع ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک

بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا

سخت ہیں — تحقیق جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر زیادہ ہوئے کفر میں تو نہیں

كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ

اللہ بخشے گا ان کو اور نہ توفیق دے گا ان کو راہِ حق کی بشارت دیجئے منافقوں کو

بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ

کہ ان کے لئے عذاب دردناک ہے وہ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست چھوڑ کر مومنوں

الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٣٩﴾ وَقَدْ

کو کیا چاہتے ہیں ان کے پاس عزت؟ پس تحقیق عزت اللہ کے لئے ہے سب اور تحقیق

نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا

اس نے نازل کیا تم پر کتاب میں یہ کہ جب تم سنو آیات خدا کے ساتھ کفر کیا جارہا ہے اور اس سے تمسخر کیا جارہا ہے

اور معصوم نے آیت کے بعض مصداق کی بطور مثال نشاندہی فرمائی ہے۔

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ - مقصد یہ ہے کہ کفر کرتے کرتے ان کے دل اس طرح سیاہ ہوگئے کہ اب وہ ایمان کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے اور گناہوں کا یہ طبعی اثر ہے کہ اگر نفس کو توبہ کی طرف رغبت نہ دلائی جائے تو سرکشی کرتے کرتے وہ اس نوبت تک پہنچ جاتا ہے کہ پھر اس میں ایمان لانے کی توفیق ہی نہیں رہتی اور اسی کیفیت کو بعض مقامات پر ختم اور طبع یعنی مہر لگانے سے تعبیر کیا ہے اور خدا کی طرف نسبت اس لئے ہوتی ہے کہ تمام قوتیں اس کی طرف سے ہی عنایت شدہ ہیں جن کی بدولت نافرمانی صدور میں آتی ہے ورنہ اعمال بد کی ذمہ داری خدا پر عائد نہیں بلکہ انسان کے سوء اختیار کا ہی نتیجہ ہوتا ہے اور تفسیر کی دوسری جلد کے اوائل میں ہم نے خَتَمَ اللّٰہُ کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ مومن کہلا کر کافروں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا منافقوں کی علامت ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ بنی امیہ کے حق میں ہے کہ انہوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ معاملہ خلافت اہلبیت کی طرف نہ جانے دیا جائے گا۔

نہی عن المنکر :- وَقَدْ نَزَّلَ - تفسیر برہان میں کافی سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو حق کا انکار کرے اور اس کی تکذیب کرے اور آئمہ حق کی عیب جوئی کرے پس اس کے پاس سے اُٹھ جاؤ اور اس کے

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ

تو ان کے پاس مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ داخل ہوں کسی اور بات میں ورنہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے تحقیق

اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ

اللہ جمع کرنے والا ہے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں سب کو وہ جو انتظار کرتے ہیں تمہاری

بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ

کہ اگر حاصل ہو تمہیں فتح اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے

لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

لئے حصّہ تو انہیں کہتے ہیں کیا ہم چھا نہیں گئے تم پر اور بچا لیا تم کو مومنوں سے

ساتھ نہ بیٹھو خواہ کوئی بھی ہو۔

نیز آپ نے فرمایا کہ خدا نے کانوں پر واجب کیا ہے کہ ایسی بات سننے سے بچیں جو اللہ نے حرام کی ہے اور اس کی منع کردہ چیزوں کی طرف توجہ کرنے سے گریز کریں چنانچہ آپ نے اسی آیت مجیدہ سے استشہاد پیش فرمایا۔ ہاں بھول چوک کو خدا نے مستثنا فرمایا ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے کہ اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھو اور فرمایا کہ اگر تم اٹھ نہ گئے تو تم بھی ان جیسے شمار ہو گے بنا بریں غیبت کا سننا۔ جھوٹ کا سننا۔ گانا سننا۔ اور دشمنان دین کی مجالس میں بیٹھ کر مذہب حق پر تمسخر اور آئمہ حق کا شکوہ سننا سب حرام ہیں اور اس آیت مجیدہ کی تاویل اس قسم کی تمام باتوں کو شامل ہے۔

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ۔ ورنہ تم ان جیسے ہو جاؤ گے۔ علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ آیت مجیدہ دلالت کرتی ہے کہ نہی عن المنکر واجب ہے جب انسان قدرت رکھتا ہو اور اگر انکار پر قدرت رکھتے ہوئے انکار نہ کرے اور ان کی بات پر رضامندی سے خاموش رہے تو وہ بھی ان جیسا ہو جائے گا کیونکہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے یعنی نہی عن المنکر پر قدرت رکھنے کے باوجود نہی نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے نیز آیت بتلاتی ہے کہ فاسق و فاجر لوگوں سے ہم مجلس ہونا اور اہل بدعت کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے۔ یعنی ہر وہ مجلس جہاں لغو و باطل کی گفتگو ہو اس میں بیٹھنا حرام ہے اور اگر بیٹھے تو ناجائز باتوں سے روکنا واجب ہے اور مروی ہے کہ ایک شخص جو میدان کربلا میں اپنی تجارت اور خرید و فروخت کے سلسلے میں حاضر تھا اس نے خواب میں میدان محشر بپا دیکھا اور اپنے اوپر جناب رسالتمآبؐ کو ناراض دیکھا تو عرض کی حضورؐ! میں نے آپ کے اہلبیت کے ساتھ کوئی بے ادبی نہیں کی نہ تیر چلایا نہ تلوار چلائی۔ بلکہ میں تو صرف اپنے مطلب کے لئے وہاں گیا تھا۔ آپ نے فرمایا میرے اہلبیت کے مخالف فوج میں تو نے ایک فرد کا

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

پس اللہ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان بروز قیامت اور ہرگز نہیں کرتا اللہ کافروں کے لئے مومنوں کے اوپر کوئی

سَبِيْلًا ۱۴۱ ع اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ

راہ غلبہ تحقیق منافق دھوکا کرتے ہیں اللہ سے اور وہ ان کو دھوکے کا بدلہ دیتا ہے اور جب کھڑے ہوں نماز کی

قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۱۴۲ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ

طرف تو کھڑے ہوتے ہیں بوجھل ہو کر دکھاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں یاد کرتے اللہ کو مگر کم مذبذب ہیں درمیان

ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۱۴۳

میں نہ اس طرف اور نہ اس طرف اور جس کو چھوڑ دے گمراہی میں اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کے لئے کوئی راستہ

اضافہ تو کیا تھا گویا تو ان کی ظاہری تعداد میں اضافہ کا موجب ہوا تو معلوم ہوا کہ دشمنانِ دین کی ظاہری تعداد کا بڑھانا اور ان کی شوکت و کثرت کا موجب بننا بھی ناپسندیدہ فعل ہے بعض نادان مومن دشمنانِ اہلبیت کی مجالس میں کھلم کھلا شرکت کرتے ہیں۔ اور اہلبیت عصمت کے خلاف جس قدر کیچڑ اچھالا جائے خاموشی سے سنتے رہتے ہیں۔ انہیں خوفِ خدا کرنا چاہیے اور آیت مجیدہ کے فرمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئندہ اس فعل سے تائب ہو جانا چاہیے۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ - یعنی دلیل و برہان کے لحاظ سے کافروں کو مومنوں پر غلبہ نہیں ہو سکتا ورنہ ظاہری طور پر تو کافر مومنوں کو قتل بھی کر دیا کرتے ہیں جس طرح انبیاء قتل ہوئے اور آئمہ شہید ہوئے پس اس جگہ مراد سبیل سے ہے حجت و دلیل کا غلبہ

رکوع نمبر ۱۸

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ - منافقوں کا دھوکا یہ ہے کہ ظاہر میں کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہیں اور دل میں کفار سے میل ملاپ رکھتے ہیں اور اللہ کی طرف سے دھوکے کا بدلہ یہ ہے کہ ظاہری دنیا میں ان سے مسلمانوں کا سا سلوک کیا جاتا ہے اور آخرت میں ان کے لئے کافروں کا سا عذاب ہے۔ بلکہ ان سے بھی سخت ترین۔

قَامُوْا كُسَالٰى - چونکہ منافق دل سے تو اسلام کو تسلیم نہیں کرتے تھے اس لئے احکام اسلام پر عمل کرنے کو اُن کا جی نہ چاہتا تھا اور بوجھل ہو کر نماز میں شامل ہوتے تھے تاکہ لوگ دیکھیں کہ ہم بھی نماز گزار ہیں تفسیر برہان میں جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ ریاکار کو بروز قیامت چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ اے کافر! اے فاجر! اے خاسر! تیرا عمل باطل اور اجر ضائع ہو چکا ہے آج تیرا کوئی حصہ نہیں پس تو اپنے عمل کی مزدوری اس سے مانگ جس کے لئے تو نے عمل کیا تھا اور آپ نے فرمایا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو دوست چھوڑکر مومنوں کو

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ

کیاتم چاہتے ہو؟ کہ قائم کرو اللہ کی اپنے اوپر حجت ظاہر تحقیق منافق لوگ سب سے نچلے

الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا

طبقہ جہنم میں ہوں گے اور تو ہرگز نہ پائے گا ان کے لئے کوئی مددگار مگر جن لوگوں نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی

وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

اور تمسک پکڑا اللہ سے اور خالص کرلیا اپنا دین اللہ کے لئے تو ایسے لوگ ساتھ مومنوں کے ہوں گے

وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

اور عنقریب دے گا اللہ مومنوں کو اجرِ عظیم

کہ ریاکاری سے بچو کیونکہ ریاکرنا شرک ہے امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ طبیعت پر بوجھ ہو سستی ہو یا اونگھ ہو تو نماز کے لئے بوجھل کھڑا ہونا منافقوں کی علامت میں سے ہے اور مومنوں کو اونگھ کے عالم میں نماز پڑھنے سے بھی اس نے روکا ہے

لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ منافقوں کی مثال مثل اس بکری کے ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان سے گذرے اور حیران ہو کہ ان میں سے کس سے ملحق ہو جاؤں پس ان لوگوں کی بھی یہی حالت ہے ایمان اور کفر کے درمیان حیران ہیں کہ کس کو اختیار کریں لہٰذا نہ اس طرف ہیں اور نہ اُس طرف ہیں۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۔ یعنی منافقوں کا عذاب تمام جہنمیوں کے عذاب سے سخت تر ہوگا اور جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور اصطلاح میں درجات جنت کو طبقات کہا جاتا ہے اور درجات جہنم کو درکات کہا جاتا ہے اور جسطرح جنت کے درجات بعض بعض سے بلند ہیں اسی طرح جہنم کے درکات بعض بعض سے پستی کی طرف جاتے ہیں اور منافقین سب سے نچلے حصہ میں ہوں گے اور عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ کہ منافق لوہے کے صندوق میں بند کرکے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے ۔قرآن مجید کی یہ آیت صاف اعلان کر رہی ہے۔ کہ عام کافر کے عذاب سے منافق کا عذاب سخت تر ہوگا۔ ہاں البتہ جو منافق توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرکے راہ راست پر آجائیں تو وہ مومنوں کے زمرہ میں شامل ہو جائیں گے اور مومنوں کی طرح اجرِ عظیم کے سزاوار ہوں گے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا

کیا کرے گا　اللہ　تم کو　عذاب دے کر　اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ　اور ہے اللہ شکر کی جزا دینے

عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ ع

والا جاننے والا

مَا يَفْعَلُ - کسی کو سزا دینے کے لئے عام طور پر محرک تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) غصہ ٹھنڈا کرنا (۲) ضرر کو رفع کرنا کہ دشمن کو مار کر اطمینان ہوگا اور ضرر یا اس کی جانب سے خطرہ نہ رہے گا (۳) نفع حاصل کرنا اور خداوند کریم ان چیزوں سے پاک و مبرا ہے۔ نہ اسے غصہ ٹھنڈا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ حالت ممکنات کا خاصہ ہے اور ذاتِ باری اس قسم کے انقلابی و تغیّراتی حالات سے پاک و منزہ ہے اور نہ اسے کسی سے ضرر کا خطرہ ہے اور نیز نہ اس کو منفعت کی چاہت ہے بلکہ تمام موجودات اس کی ملک ہیں لہٰذا جب یہ محرک موجود ہی نہیں تو پھر کسی کو عذاب دے کر کیا کرے گا - یعنی اس کو عذاب دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

انسان کے اپنے اعمال اپنے طبعی خواص کی بدولت خود عذاب بن جاتے ہیں - جس طرح ظاہری طور پر اگر کوئی انسان ضرر رساں چیز کھالے تو اس نے طبعی طور پر خواہ مخواہ اسے تکلیف دینی ہے اسی طرح انسانی اعمال میں سے بعض روح انسانی کے لئے ضرر رساں اور بعض زہریلے ہیں - جنہوں نے انسان کو دائمی عذاب میں ڈالنا ہے اور خدا اس قسم کے اعمال کے ارتکاب سے منع فرماتا ہے پس وہ کسی کو عذاب میں ڈالنا نہیں چاہتا - لیکن جو انسان خواہ مخواہ ایسے افعال کا مرتکب ہو جس کا انجام جہنم ہے تو خود کردہ را علاجے نیست -

پارہ ۶

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا

نہیں پسند کرتا اللہ اعلانیہ کرنا بُری بات مگر جو مظلوم ہو اور ہے اللہ سُننے

عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا

جاننے والا اگر تم ظاہر کرو اچھائی یا پوشیدہ کرو یا درگزر کرو کسی برائی سے تو تحقیق اللہ ہے درگذر کرنے والا

قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ

قدرت والا تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں تفرقہ

رکوع نمبر ۱ **غیبت سے ممانعت**:۔ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ ۔ یعنی خداوندکریم نہیں پسند کرتا کہ کوئی انسان کسی انسان کی برائی کرے۔ ہاں جس شخص پر ظلم کیا جائے تو وہ حق رکھتا ہے کہ ظالم کی اس برائی کو بیان کرے کہ فلاں نے مثلاً مجھ پر ظلم کیا ہے یعنی فقط وہی برائی بیان کرے جس کا اس سے تعلق ہے اس کے علاوہ اگر اس میں کوئی اور برائیاں بھی ہوں تو ان کے ظاہر کرنے کا اس کو حق نہیں بشرطیکہ وہ ان برائیوں میں معلن بالفسق نہ ہو چکا ہو۔ بعض روایات میں معصومین سے وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ہاں مہمان ہو اور وہ اس کی مہمان نوازی اچھی نہ کرے تو مہمان کو اس کے بُرے برتاؤ کے اظہار کا حق حاصل ہے گویا مہمان سے بدسلوکی بھی اس پر ایک قسم کا ظلم ہے جس کے اظہار کا وہ حق رکھتا ہے اور اس بارے میں اس کو غیبت کا گناہ نہ ہوگا یہ آیت مجیدہ غیبت یعنی گلہ گوئی سے منع کر رہی ہے اور کسی مومن کا گلہ کرنا ایسا ہے جس طرح کہ اس نے اس کا گوشت کھایا ہو۔ خداوندکریم تمام مومنین کو اس مرض سے محفوظ رکھے۔ مظلوم کے لئے اگرچہ اجازت ہے کہ وہ اپنا ظلم بیان کرکے ظالم کی برائی کا اعلان کر سکتا ہے تاکہ اس کی دادرسی ہو لیکن بعد میں فرماتا ہے کہ اگر تم بجائے برائی ظاہر کرنے کے اچھی بات ظاہر کرو یا بالکل صبر کرکے اسے دبا دو اور پی جاؤ یا اس کی برائی سے درگذر کرلو تو اللہ بھی درگذر کرنے والا ہے یعنی اس قسم کی تمہاری بہت سی کوتاہیوں کو وہ بھی معاف کردے گا یعنی اس موقع پر بھی خدا کو درگذر ہی بھاتا ہے اہل ایمان کی باہمی شیرازہ بندی اور آپس میں اتحاد و یگانگت کے بقاء و استحکام کے لئے پھوٹ اور نفاق کی جڑ کو کاٹ دیا تاکہ باہمی تنکر رنجیوں کا پوری طرح سدباب ہو جائے اور کسی وقت بھی مومن کی مومن سے دست و گریبان ہونے کی نوبت نہ آئے اور اس میں شک نہیں کہ عیب جوئی ہی فتنہ و فساد کی پہلی جڑ ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے بدظنی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور حسن ظن کا راستہ بند ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں باہمی محبت منافقت کا روپ دھار لیتی ہے۔ اس کے برعکس اگر عیب جوئی اور گلہ گوئی ختم ہو جائے تو حسن ظن عام ہوگا اور بدظنی مفقود ہوگی پس باہمی محبت اپنے اصلی رنگ میں ہوگی اور اہل ایمان پر امن اور سلامتی کا پرچم لہرانے لگے گا جو اپنی حقیقی قوت جذب سے

اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا

درمیان اللہ اور اس کے رسولوں کے اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں بعض پر اور کفر کرتے ہیں بعض کا اور چاہتے ہیں کہ پکڑیں

بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا

درمیان اس کے کوئی راستہ ایسے لوگ کافر ہیں سچ مچ اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے

مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ

عذاب رسوا کن اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ تفریق کی درمیان کسی کے ان میں سے تو ایسے

سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۱﴾ ع

لوگ عنقریب دے گا ان کو اجر اور ہے اللہ غفور رحیم

اقوام عالم کے قلوب کو اپنی طرف جھکائے گا اور ایمان و اسلام کو فتح نصیب ہوگی۔

سبحان اللہ یہ مکارم اخلاق کا کیسا بہترین درس ہے کہ خدا مخلوق کے عیوب کا اعلان پسند نہیں فرماتا۔ ہاں جو شخص اپنا پردہ خود فاش کردے اور اعلانیہ فاسق ہو جائے تو اس کی غیبت کرنا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس میں نہ کوئی بدظنی کا مقام ہے اور نہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے چنانچہ احادیث اس بارے میں صریح ہیں کہ فاسق کی کوئی غیبت نہیں ہے۔

اَنْ يُّفَرِّقُوْا۔ تفریق کا مقصد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے جس طرح کیا یہود موسیٰؑ پر ایمان لائے اور عیسیٰؑ کا انکار کیا اور نصاریٰ عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا انکار کیا اور جو بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے کسی ایک کا انکار کرے وہ ایسا ہے گویا اس نے سب نبیوں کا انکار کیا اور گویا وہ اللہ کا بھی منکر ہے اور تمام انبیار کا بھی منکر ہے اور مومن وہ ہوگا جو سب پر ایمان لائے

تفہیم و تلقین

کتاب معانی سے بروایت ابن عباس مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا لوگو! جس نے علیؑ کو چھوڑ کر کسی اور کو امام بنایا گویا اس نے میری نبوت سے اعراض کر کے کسی اور کو نبی مانا گویا اس نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو رب مانا اور عقائد صدوق سے مروی ہے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص میری مسند کے معاملہ میں علیؑ پر ظلم کرے (میرے بعد علیؑ سے میرا منبر غصب کرے) تو اس نے گویا میری اور تمام سابق انبیار کی نبوت کا انکار کیا اور جو ظالم سے دوستی رکھے وہ بھی ظالم ہوا کرتا ہے ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا اے علیؑ تو اور تیری اولاد سے ہونے سے والے آئمہ مخلوق پر اللہ کے خلیفے اور زمین پر اس کے اعلام ہیں جس نے ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا اور جس نے ان میں کسی ایک کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے تمہاری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں بلکہ متواتر ہیں۔ اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں باب مقبولیت اعمال، باب احباط و شفاعت اور باب ولا آل محمدؐ میں بہت کچھ حدیثیں باحوالہ جات نقل کی ہیں اور ان تمام احادیث

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا

سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ تو اتارے ان پر ایک کتاب آسمان سے تو تحقیق انہوں نے

مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ

حضرت موسیٰؑ سے سوال کیا اس سے بھی بڑا کہ اس کو کہا ہمیں دکھا خدا بظاہر تو پکڑ لیا ان کو بجلی نے بوجہ ان کے

بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ

ظلم کے پھر پوجا انہوں نے بچھڑے کو بعد اس کے کہ آگئیں ان کے پاس واضح دلیلیں پھر ہم نے درگذر کیا

ذٰلِكَ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَ

ان سے اور عطا کیا ہم نے غلبہ موسیٰ کو غلبہ ظاہر اور بلند کیا ان پر کوہ طور کو بوجہ ان کے وعدہ کے اور

قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا

ہم نے ان کو کہا کہ داخل ہو دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور کہا ان کو کہ نہ تجاوز کرو بروز سنیچر اور لیا ہم نے

کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور اس کی اولاد امجاد کی امامت کا منکر ایسا ہے جیسا کہ منکر نبوت اور خداوند کریم فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرے وہ سچ مچ کافر ہے اور اس کے لئے عذاب رسواکن ہے اور جب اہلبیت کی ولا کا منکر جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا منکر ہے اور آپ کی نبوت کا انکار گویا تمام انبیاء کے انکار کے برابر ہے اور چونکہ خدا اور نبیوں میں تفریق نہیں ہوسکتی تو گویا وہ خدا کی توحید کا منکر ہے پس اس کے کفر میں شک ہی نہیں۔ ہاں مومن وہ ہے جو اللہ و رسولؐ پر ایمان لائے اور خدا اور اس کے انبیاء میں تفریق نہ کرتا ہو وہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ ولایت آل محمدؐ کا اقرار کرے کیونکہ ان کی ولا کے بغیر اقرار نبوت بے کار ہے جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

رکوع نمبر ۲

یَسْئَلُکَ۔ مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے عرض کی تھی کہ اگر آپ برحق پیغمبر ہیں تو ایک ہی دفعہ آپ کے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آجائے جس طرح کہ حضرت موسیٰ پر تورات آئی تھی۔ تو خداوند کریم ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ حضرت موسیٰؑ سے اس سے بھی زیادہ سوال کرتے تھے چنانچہ انہوں نے خدا کے دیکھنے کی خواہش بھی کی تھی بہرکیف یہ لوگ تسلیم کیلئے نہیں بلکہ صرف اعتراض کیلئے ہی اس قسم کی باتیں بناتے ہیں اس کی پرواہ نہ کیجئے۔

بِمِیْثَاقِھِمْ۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تورات پر ضرور عمل کریں گے لیکن جب وہ تورات لائے تو

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ

ان سے پکا وعدہ پس بوجہ توڑنے ان کے اپنے وعدہ کو اور کفر کرنے کے ساتھ آیات خدا کے اور

قَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

قتل کرنے کے نبیوں کو ناحق اور ان کا کہنا کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان پر بوجہ ان کے کفر کے

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

پس نہیں ایمان لاتے مگر کم اور بوجہ ان کے کفر کے اور بہتان لگانے کے مریم پر بہتان عظیم

انہوں نے انکار کر دیا پس ان کے اوپر کوہ طور بلند کیا گیا اور جب انہوں نے دیکھا کہ اب یہ ہمارے اوپر گرنے والا ہے تو پھر مان لیا اور کہا کہ ہم عمل کریں گے چنانچہ تفسیر کی دوسری جلد ص۱۲۱ پر یہ واقعہ گزر چکا ہے۔

تنبیہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور بدعنوانیوں کی طویل فہرست تفسیر کی دوسری جلد ص۵۵ پر ملاحظہ ہو اس جلد میں ان واقعات کی حسب ضرورت آیات متعلقہ کے ماتحت تفصیل بیان کی جا چکی ہے لہذا یہاں دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں البتہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ پر بہتان اور حضرت عیسیٰؑ کے قتل کی بے سروپا داستان اور سود خوری اور لوگوں کے اموال کو ناحق کھانا وغیرہ ان چیزوں کا وہاں ذکر نہیں ہوا تھا اور چونکہ اس قسم کی سرکشیوں کی ان میں بہتات تھی خداوند کریم جناب رسالتمآبؐ کی تسلی کے لئے ان کے واقعات کو دہراتا ہے تاکہ ان لوگوں کی عادت میں یہ چیزیں داخل ہیں لہذا آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور اپنا کام کئے جائیں۔

ترکیب نحوی از بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ سے لے کر قَلِيْلًا تک جملہ معترضہ ہے اسی طرح وَمَا قَتَلُوْهُ سے لیکر شَهِيْدًا تک بھی جملہ معترضہ ہے اور فَبِمَا نَقْضِهِمْ میں ما زائدہ ہے اور اس کے بعد وَكُفْرِهِمْ وَقَتْلِهِمْ وَقَوْلِهِمْ اس کے معطوف ہیں اور پھر وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ کا عطف بِمَا نَقْضِهِمْ پر ہے اور باحرف جر کا متعلق بقول طبری کے محذوف ہے یعنی لَعَنّٰهُمْ یعنی ان تمام کرتوتوں کے بدلہ میں ہم نے ان پر لعنت کی ہے اور زجاج کے قول کے مطابق با کا متعلق حَرَّمْنَا ہے جو بعد میں مذکور ہے اور بنا بریں فَبِظُلْمٍ بدل ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ سے یعنی ان کے ان تمام ظلموں کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں اور زجاج کا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ حذف ماننے کی اس میں ضرورت نہیں رہتی (ملخص از مجمع البیان)

قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ - تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہودیوں نے یوسف نامی ایک نجار کی طرف حضرت مریمؑ کے حمل کی نسبت دی تھی۔ مجمع البیان میں بروایت کلبی منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گزرے تو بعض لوگوں نے کہا کہ دیکھو جادوگرنی کا بیٹا جادوگر اور زانیہ کا بیٹا زانی آ رہا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے سنا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کی میرے پروردگار تو نے ہی مجھے خلق فرمایا ہے میں خود تو پیدا نہیں ہوا ہوں۔ جن لوگوں نے مجھے اور میری ماں کو سب کیا ہے تو ان پر

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا

اور ان کے کہنے کہ ہم نے قتل کر دیا حضرت مسیح عیسیٰ بن مریمؑ کو جو خدا کا رسولؐ تھا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا

صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ

اور نہ سولی دیا لیکن انہیں شبہ ڈالا گیا اور تحقیق جو لوگ اختلاف کرتے ہیں اس بارے میں وہ شک میں پڑے ہیں

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ

اس کے متعلق ان کو کوئی اس کا علم نہیں سوائے ظن پرستی کے حالانکہ نہیں اس کو قتل کیا یقیناً بلکہ اس کو اٹھا لیا

اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ

ہے اللہ نے اپنی طرف اور اللہ غالب دانا ہے اور کوئی اہل کتاب سے نہ ہو گا مگر یہ کہ ایمان لائے گا

لعنت بھیج ۔ پس وہ خنزیر ہو گئے ۔

حیاتِ مسیح :۔ وَقَوْلِهِمْ ۔ ان آیات میں حضرت مسیحؑ کی حیات کا کھلے لفظوں میں اعلان ہے اور جن لوگوں نے ان کی موت کا پروپیگنڈہ کیا ان کی شدید مذمت ہے ۔ مجمع البیان میں ہے جب حضرت عیسیٰ کی بددعا سے سب کرنے والے خنزیر کی شکل میں مسخ ہوئے ۔ راس الیہود کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میرے حق میں بددعا نہ کر دے تو اس نے یہودیوں کو جمع کیا اور قتل کا پروگرام مرتب کر کے حضرت عیسیٰؑ کے پاس پہنچے خداوندکریم نے جبرئیلؑ کو حفاظت کے لئے مقرر کر دیا جب حضرت عیسیٰؑ نے یہودیوں کے بعض عقائد کی تردید فرمائی تو وہ قتل پر آمادہ ہو گئے ۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو ایک کمرہ میں داخل کر دیا جس کی چھت میں ایک روشن دان تھا اور اس سے اس کو آسمان پر لے جایا گیا ۔ راس الیہود نے اپنے ایک ہمراہی طیطانوس کو اندر بھیجا تو خدا نے اس پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ ڈال دی اور باہر نکلا تو اسے یہودیوں نے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر ڈالا ۔ کہتے ہیں کہ صرف منہ پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ تھی باقی جسم ویسے کا ویسا تھا ، چنانچہ بعد میں یہ راز منکشف ہو گیا لیکن اشتباہ ان کا رفع نہ ہوا اور کہتے تھے اگر یہ طیطانوس ہے تو عیسیٰؑ کہاں ہے اور اگر یہ عیسیٰؑ ہے ۔ تو طیطانوس کہاں گیا ؟

اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے ہمراہ سات حواری تھے ۔ جب یہودیوں نے ان کا احاطہ کیا تو خدا نے ان سب پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ ڈال دی ۔ یہودیوں نے کہا تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے تم میں سے جو عیسیٰؑ ہے سامنے آئے ورنہ ہم سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیں گے ۔ پس حضرت نے فرمایا کہ کوئی ہے جو قربانی دے تو ایک آپ کا حواری جس کا نام

بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ

اس پہ قبل اس کی موت کے اور بروز محشر وہ ان پر گواہ ہوگا پس بوجہ ظلم کے جو یہودی ہیں

هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حرام کریں ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان پر اور بوجہ روکنے ان کے راہ خدا

كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ

سے بہت اور لینے ان کے سود حالانکہ اس سے ان کو روکا گیا تھا اور کھانے اُن کے لوگوں کے مال ناجائز اور تیار کیا

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ

ہم نے کافروں کے لئے عذاب دردناک لیکن وہ لوگ جو پختہ ہیں علم میں ان میں سے

سر جس تھا کے پڑھا اور یہودیوں نے اسے قتل کر دیا اور خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو اٹھا لیا اور بعض کہتے ہیں کہ جب یہودی حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کے لئے آئے تو چونکہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو اٹھا لیا تھا لہٰذا وہ مایوس ہوئے اور خیال کیا کہ اگر یہودی اس معجزہ سے مطلع ہوئے تو وہ سب کے سب ان پر ایمان لائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے ایک عام شخص کو قتل کر کے ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکا دیا اور اس کے قریب کسی کو نہ جانے دیا اور مشہور یہ کر دیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو قتل کر دیا ہے اور مروی ہے کہ جب یہودی لوگ حضرت عیسیٰؑ کی تلاش میں نکلے تھے تو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے ایک شخص یودس نامی جو منافق تھا نے تیس درہم ان سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کے مکان کی نشاندہی کی تھی اور پھر خداؑ نے اس پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی تھی اور جب یہودیوں نے اسے پکڑا تو یہ کہتا رہا کہ میں تو وہ ہوں جس نے تمہیں عیسیٰ کے مکان کی نشاندہی کی تھی میں خود عیسیٰؑ نہیں ہوں لیکن انہوں نے نہ مانا اور اسے قتل کر کے سولی پہ لٹکا دیا۔

ہم نے تفسیر کی تیسری جلد میں ص۲۴۲ تا ص۲۴۶ حیاتِ مسیح پر مفصل بحث کی ہے اور قرآن مجید واضح اور غیر مبہم الفاظ میں حیاتِ مسیحؑ کا اعلان فرما رہا ہے اور جو لوگ ان کی موت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ان کو اتباع ظن اور شک کی طرف نسبت دے کر ان کی مذمت فرما رہا ہے اور چونکہ یہود و نصاریٰ کی خبریں سب وہم و شک پر مبنی ہیں کیونکہ یہودی خود تو حضرت عیسیٰؑ کو پہچانتے نہیں تھے پس جس مشتبہ شخص کو قتل کیا ان کو کہا گیا کہ یہی عیسیٰؑ ہے پس انہوں نے مشہور کر دیا اور عیسائیوں کو بھی اسی مشتبہ شخص کے قتل سے حضرت عیسیٰؑ کے قتل و صلب کا اشتباہ ہوا لہٰذا ان کی متواتر خبریں اعتبار سے ساقط ہیں اور خدا کا غیر مبہم اعلان ثابت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۔ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حجاج بن یوسف نے اسی آیت کے متعلق پوچھا تو راوی حدیث کہتا ہے

وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ

اور ایماندار لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتاری گئی آپ پر اور جو اتاری گئی آپ سے پہلے اور خصوصاً وہ جو قائم کرتے ہیں نماز

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع

اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ اور روز قیامت پر ایسے لوگوں کو دیں گے ہم اجر عظیم

میں نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ علیہما السلام قیامت سے پہلے زمین پر اُتریں گے اور کوئی ملت خواہ یہودی ہوں یا نصرانی باقی نہ رہے گی مگر یہ کہ اُن پر ایمان لائے گی اور وہ خود حضرت مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حجاج نے پوچھا کہ تُو نے یہ کہاں سے سُنا ہے کہتا ہے میں نے کہا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے میں نے ایسا ہی سُنا ہے اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر شخص موت سے پہلے ایمان لاتا ہے لیکن اس وقت کا ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہوتا۔ جیسے کہ فرعون کا ایمان اور اسی مضمون کی روایات آئمہ سے بھی مروی ہیں مثلاً امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ بنی فاطمہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا جو موت سے پہلے اپنے امام کی امامت کا اقرار نہ کرے ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کسی دین کا کوئی آدمی نہیں مرتا مگر یہ کہ وہ آخری وقت جناب رسالتمآبؐ اور حضرت امیرالمومنینؑ کو دیکھتا ہے (صافی و برہان)

اور اسی بنا پر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے حارث ہمدانی کو فرمایا

يَا حَارِ هَمْدَانَ مَنْ يَمُتْ يَرَنِيْ مِنْ مُؤْمِنٍ اَوْ مُنَافِقٍ قُبُلًا

يَعْرِفُنِيْ طَرْفُهٗ وَاَعْرِفُهٗ بِعَيْنِهٖ وَاِسْمِهٖ وَمَا فَعَلَا

فَبِظُلْمٍ۔ یعنی بنی اسرائیل کی سرکشیوں کی بدولت بطور سزا کے خدا نے ان پر بعض چیزیں حرام کی تھیں مثلاً گائیوں اور بکریوں وغیرہ کا گوشت چنانچہ بعد میں آئے گا اور اس آیت مجیدہ سے استشہاد کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک شخص زمین میں گندم کاشت کرے اور پھر اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے اور پھر اس کی گندم میں جو کی آمیزش زیادہ ہو جائے تو اس کے اس ظلم کا نتیجہ ہے (یعنی زکوٰۃ نہ ادا کرنے کا) ملخص

وَاَكْلِهِمُ۔ باطل سے مال کھانے کا مطلب یہ ہے کہ رشوت لیتے تھے اور تورات میں امراء طبقہ کی مرضی کے مطابق اپنی طرف سے عبارتیں بڑھا کر ان کی خوشامدیں کر کے رقم وصول کرتے تھے وعلیٰ ہذا القیاس۔ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ۔ بعض کہتے ہیں کہ حالت جر میں ہے اور اس کا عطف ما پر ہے اور ترجمہ یہ ہو گا کہ ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرنے والوں پر اور نماز قائم کرنے والوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ منصوب علی المدح ہے اور اس صورت میں ترجمہ وہی ہو گا جو تحت اللفظ میں موجود ہے اور بعضوں نے اور ترکیبیں بھی کی ہیں اور ابن مسعود کی قرأت میں اَلْمُقِيْمُوْنَ کہا گیا ہے لیکن یہ قرأت بالکل شاذ ہے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ

ہم نے وحی کی آپ پر جس طرح ہم نے وحی کی نوح اور دوسرے نبیوں پر جو اس کے بعد تھے اور وحی کی ہم نے

إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَ

ابراہیمؑ اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور

يُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ

یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ پر اور عطا کی ہم نے داؤد کو زبور اور کتنے رسول جن کا قصہ تمہیں

عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾

اس سے پہلے سنایا اور کتنے رسول ہم نے ان کا قصہ تمہیں نہیں سنایا اور کلام کیا اللہ نے حضرت موسیٰ سے کلام کرنا

رکوع نمبر ۳

انبیاء کا ذکر - اِنَّآ اَوْحَیْنَآ - ایک طرف تو اہل کتاب کے استعجاب کو رفع فرما رہا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی طرف وحی کا سلسلہ اجنبی چیز نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جس طرح گذشتہ تمام انبیاء کی طرف جاری رہا - اور دوسری طرف اس استعمال میں جناب رسالتمآبؐ کی عظمت شان کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام گذشتہ انبیاء کی طرف جو کچھ وحی ہوئی وہ سب تنہا حضورؐ کی وحی کے مقابلہ میں ہے اور اسی بنا پر بروایت عیاشی صادقین علیہما السلام سے مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے لئے تمام نبیوں کی وحی کو ثابت فرمایا - پس جو کچھ سابق انبیاء کو عطا فرمایا وہ سب کا سب حضورؐ کو عطا فرمایا چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ طوال بدلے تورات کے - مئین بدلے انجیل کے اور مثانی بدلے زبور کے مجھے عطا ہوئیں اور ۶۸ سورتیں مفصلات مجھے ان سے زیادہ عطا ہوئیں -

اِلٰی نُوْحٍ - حضرت نوح کو سب سے پہلے ذکر فرمایا کیونکہ یہ تمام نبیوں سے عمر میں بڑے تھے (اسی لئے ان کا لقب شیخ المرسلین) اور ان کا معجزہ تھا کہ باوجود ایک ہزار پچاس برس کی تبلیغی عمر کے نہ ان کا کوئی دانت گرا اور نہ قوت میں کمزوری لاحق ہوئی اور نہ سفید بال ہوئے اور نہ کسی نبی نے اپنی قوم کے اس قدر مظالم سہے جس قدر انہوں نے سہے اور یہ پہلا نبی ہے کہ جس کی اُمّت اس کی نافرمانی کی وجہ سے مورد عذاب ہوئی (ملخص از مجمع البیان)

وَالنَّبِیّٖنَ - مجملاً تمام نبیوں کا ذکر کرکے پھر تفصیلاً ہر ایک کا نام لینا ان کی عظمت شان کو ظاہر کرنے اور ان کی اہمیت جتلانے کے لئے ہے -

کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی - کلام خداوندی کی حقیقت کے متعلق تفسیر کی تیسری جلد ص۱۳۲ و ص۱۳۳ پر بحث کی گئی ہے جس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں - تفسیر صافی میں خصال سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا - خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ

کتنے رسول خوشخبری اور ڈر سنانے والے تاکہ نہ ہو لوگوں کی اوپر اللہ کے حجت بعد رسولوں کے

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ

اور ہے اللہ غالب حکمت والا لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس کی جو آپ پر اتاری ہے (کیونکہ) اس نے اپنے علم سے

الْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ

اتاری ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور روکا اللہ کے راستے سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ

تحقیق وہ بھٹک گئے لمبی گمراہی میں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا نہیں اللہ

کلموں کی گفتگو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین شب و روز میں کی کہ حضرت موسیٰؑ نے اس دوران میں نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا اور جب بنی اسرائیل کی طرف واپس آئے تو ان کی باتوں سے آپ کو ناراضگی محسوس ہوتی تھی کیونکہ کان لذتِ کلام خدا سے محظوظ ہو چکے تھے اور حضرت موسیٰؑ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے گئے تو ان کو پہاڑ کے دامن میں کھڑا کر کے آپ اُوپر چڑھ گئے اور خدا سے کلام کا سوال کیا۔ تاکہ وہ سُنیں پس خدا نے کلام کیا اور انہوں نے اُوپر نیچے سامنے پیچھے اور دائیں بائیں اور ہر طرف سے سُنا۔ خدا نے اولاً درخت میں کلام کو پیدا کیا اور پھر اس کو پھیلایا کہ انہیں ہر طرف و جہت سے سنائی دیتا تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ سے خدا کا کلام بغیر اعضاو جوارح اور بغیر لب و زبان کے تھا کیونکہ ان چیزوں سے وہ پاک ہے نیز ایک سائل کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اللہ کا کلام ایک طریقہ پر نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ اس کے کئی طریقے ہیں مثلاً بعض رسولوں سے کلام ہوتا ہے بعض کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اور بعض کو بذریعہ خواب کے نیند میں سمجھاتا ہے اور ایک صورت وحی و تنزیل کی ہے جو تلاوت کی جاتی ہے (الحدیث) ایک دفعہ یہودیوں نے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت اقدس میں آکر عرض کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ سے افضل تھے کیونکہ خدا نے ان سے چار ہزار باتیں کیں اور آپ سے ایک بات بھی نہیں ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے حضرت موسیٰؑ سے بھی افضل چیز عطا کی گئی۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا وہ ہے معراج۔

لٰكِنِ اللّٰهُ۔ کہتے ہیں یہودیوں کا گروہ حضورؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا برحق رسولؐ ہوں انہوں نے ازراہِ انکار کہا کہ نہیں ہم نہیں جانتے ہیں اور نہ اس کی شہادت دیتے ہیں پس آپ کی تسلی اور جمع خاطر کیلئے یہ آیت نازل ہوئی

علیؑ اور حق

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا۔ تفسیر برہان وصافی میں کافی و عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ظَلَمُوْا کے بعد آلِ محمدؐ کی لفظ لے کر جبرائیل اترا تھا اور مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

بخشے گا ان کو اور نہ ہدایت کرے گا کسی راہ کی مگر راہ جہنم کی کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں دائمی

وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ

اور ہے یہ بات اللہ پر آسان اے لوگو! تحقیق آیا تمہارے پاس رسول برحق تمہارے

رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ

رب کی جانب سے پس ایمان لاؤ تمہیں اچھا ہے اور اگر کفر کرو گے تو تحقیق اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے

اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ

اللہ جاننے والا حکمت والا اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ پر

کفر کیا اور آل محمدؐ پر ان کے حق کے متعلق ظلم کیا ان کو خدا نہیں بخشے گا۔ (الحدیث)

اَلرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حق سے مراد دین ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد ولایت ہے اس کی جس کی ولایت کا حکم خدا نے دیا۔ بہر کیف حق سے مراد جو کچھ بھی ہو جناب رسالتمآب کی حدیث صحیح موجود ہے جو مسلّم بین الفریقین ہے علی مع الحق والحق مع علی۔ چنانچہ علامہ نے کتب جمہور سے نقل فرمایا ہے کہ حضورؐ نے عمار کو فرمایا اے عمار میری امت میں فتنے ہوں گے اور آپس میں تلوار چلے گی اور تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی جبکہ تو حق کے ساتھ ہو گا اور حق تیرے ہمراہ ہو گا۔ کیونکہ علیؑ تجھے ہلاکت کے قریب اور ہدایت سے دور نہ کرے گا۔ اے عمار جو تلوار سے کر علیؑ کی امداد کرے اس کے دشمن کے خلاف تو بروز قیامت خدا اس کے گلے میں جنت کے موتیوں کے دو ہار ڈالے گا اور جو تلوار سے کر علیؑ کے دشمن کی امداد کرے گا اس کی گردن میں جہنم کے دو طوق ڈالے جائیں گے پس جب یہ دور چلے تو علیؑ کا دامن نہ چھوڑنا اور اگر تمام لوگ ایک طرف اور صرف علیؑ ایک طرف ہو جائے تو اس راہ پر چلنا جس پر علیؑ ہو اور تمام لوگوں کو چھوڑ دینا اے عمار علیؑ ہدایت پر رہے گا اور اس کی اطاعت میری اطاعت اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے پس آیت مجیدہ میں اگر حق سے مراد دین بھی ہو تب بھی وہی دین مراد ہو گا جو علیؑ کا دین تھا کیونکہ حق علیؑ کے ساتھ اور علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حضورؐ نے فرمایا! اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ ۔ اے اللہ حق کو اسی طرف پھیر جس طرف علی پھرے پس معلوم ہوا کہ علیؑ سے تمسک کے بغیر حق نہیں مل سکتا۔

لَا تَغْلُوْا ۔ یہودیوں نے غلو کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ پر بہتان باندھا اور نصرانیوں نے غلو کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کو بڑھا کر خدا کا بیٹا کہہ دیا اور تین خدا مان لئے۔ باپ بیٹا اور روح القدس اسی مقام پر یہود و نصاریٰ ہر دو فریقین کو حکم ہے اور ممکن ہے کہ

اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى

مگر حق بات سوائے اس کے نہیں کہ مسیح عیسیٰ بن مریمؑ اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ تھا جو ڈالا تھا

مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ

مریم کی طرف اور اس کا رُوح تھا پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ بنو تین کے قائل باز آجاؤ اچھا کرو اپنا

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ

سوائے اس کے نہیں کہ اللہ ایک معبود ہے وہ پاک ہے کہ ہو اس کا کوئی بیٹا اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۠ ﴿۱۷۱﴾ لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ

اور کافی ہے اللہ وکیل ہرگز نہ اپنی کسر شان سمجھے گا مسیح کہ وہ اللہ کا عبد ہو اور نہ فرشتے

صرف نصاریٰ کو ہی مختص کر کے فرمایا ہو کہ دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب نہ کرو کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام مریمؑ کا بیٹا تھا نہ بقول یہود یوسف نجار کا اور نہ بقول نصاریٰ خدا کا بیٹا تھا اور اس کا برحق رسولؑ اور اس کا کلمہ تھا۔ مسیح۔ عیسیٰؑ اور کلمہ وغیرہ کی لفظی تحقیق تیسری جلد ص۲۳۵ و ص۲۳۶ پر گذر چکی ہے لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وَرُوْحٌ مِّنْهُ حضرت عیسیٰ کی رُوح کو اس لئے کہا گیا ہے کہ چونکہ زندگی روح سے ہوا کرتی ہے اور حضرت عیسیٰؑ لوگوں کی دینی زندگی کے لئے باعث حیات تھے اس لئے وہ رُوح ہیں اور اللہ نے اپنی طرف بالخصوص اس لئے منسوب کیا ہے کہ ان کی ولادت عام طریق سے نہ تھی۔ اور یہ بلاواسطہ امر تکوینی سے پیدا ہوئے تھے اور ان کی پیدائش اسباب و وسائط سے نہ تھی اور بعض کہتے ہیں کہ رُوح کا عطف اَلْقٰىهَا کے فاعل پر ہے اور مراد روح سے جبرئیل ہے اور معنی یہ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو اللہ نے مریم کی طرف القا کیا اور اللہ کے رُوح یعنی جبریل نے مریمؑ کی طرف بحکم خدا القا کیا ہے۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ۔ نفی ولد کے لئے بطور دلیل ہے کیونکہ فرماتا ہے کہ آسمان و زمین سب اس کی ملکیت ہیں۔ اور بیٹا باپ کا مملوک نہیں ہوا کرتا۔ نیز آسمان و زمین کی چیزیں سب اس کی مخلوق ہیں اور بیٹا باپ کی مخلوق نہیں ہوا کرتا۔ پہلے نصیحت فرمائی اور بعد میں دلیل پیش کی ہے۔ تاکہ ذہن و دماغ آسانی سے قبول کر سکیں۔

رکوع نمبر ۲۴

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ۔ کہتے ہیں کہ نجران کا ایک وفد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ ہمارے نبی کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارا نبی کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ عیسیٰؑ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کون سی عیب جوئی کرتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ وہ خدا کا بندہ تھا اور اس کا رسول تھا۔ تب یہ آیت اتری جس کا مقصد یہ ہے حضرت مسیحؑ اگر آج بھی موجود ہوتے تو اپنے عبد خدا ہونے کو باعث عیب نہ سمجھتے اور نہ اُسے

الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ

جو مقرب ہیں اور جو اپنی گھٹتی سمجھے اس کی بندگی سے اور تکبر کرے تو عنقریب محشور کرے گا ان سب

جَمِیْعًا ۝۱۷۲ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَیَزِیْدُهُمْ

کو اپنی طرف لیکن جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے پس پورا دے گا ان کو ان کا اجر اور زیادہ دے گا

مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّلَا

اپنے فضل سے اور جن لوگوں نے اپنی گھٹتی سمجھی اور تکبر کیا تو ان کو عذاب دے گا عذاب دردناک اور نہ

یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ۝۱۷۳ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ

پائیں گے وہ اپنے لئے اللہ کے بغیر کوئی ولی اور نہ کوئی مددگار اے لوگو! تحقیق آچکی

بُرا مناتے اور اسی طرح ملائکہ مقربین بھی اللہ کی عبدیت کو باعثِ عیب اور بُرا نہیں سمجھتے۔ چونکہ عیسائی باپ بیٹا اور رُوح القدس کے قائل تھے تو خداوندکریم نے پہلے اپنی توحید کو بیان فرمایا اور حضرت عیسیٰؑ کے بیٹے ہونے کی صریح اور کھلے الفاظ میں نفی فرما کر ان کو اپنا مملوک و مخلوق قرار دیا اور اس آیت میں تمام ملائکہ کو اپنا عبد کہہ کر روح القدس کو اس ضمن میں دائرہ عبدیت میں ظاہر کیا مقصد یہ ہے کہ جس طرح عیسیٰؑ عبد ہے اسی طرح ملائکہ بھی عبد ہیں جن میں روح القدس بھی داخل ہے اور نہ عیسیٰؑ کو اس کی عبدیت سے انکار ہے اور نہ روح القدس بلکہ سارے فرشتوں کو اس کی عبدیت سے کچھ انکار ہے اور خداوہ ہے جس کی عبادت کو یہ پاک مخلوق اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور اس کی عبدیت کو باعثِ فخر قرار دیتی ہے۔ مذہب امامیہ کے عقیدہ سے انبیاء تمام ملائکہ کرام سے افضل ہیں اور آیت مجیدہ میں ملائکہ کو مسیحؑ کے بعد ذکر کرنے سے ملائکہ کی افضلیت لازم نہیں آتی جس طرح کہ عام کلام میں ایسے مواقع پر افضل کو بعد میں ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں فلاں میرا غلام ہے بلکہ اس کا باپ بھی میرا غلام ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں مسیحؑ اور ملائکہ کی عبدیت کو خدا نہیں بیان کر رہا بلکہ مسیح اور ملائکہ کے استنکاف کی نفی کر رہا ہے اور اس کا تعلق ہے معرفت کی بلندی و پستی سے اور ظاہر ہے کہ بلند معرفت والے افراد سے استنکاف کی نفی فردِ جلی ہے اور کم معرفت والوں سے اس کی نفی فردِ خفی ہے۔ جیسے عالم کے استنکاف کی نفی کی بہ نسبت ایک جاہل کے استنکاف کی نفی زیادہ وقعت رکھتی ہے اور صاحبِ کمال کے کمال کو زیادہ اجاگر کرتی ہے۔ یہاں بھی خدا اپنی معبودیت کے اجلی و اظہر ہونے کو پیش فرما رہا ہے کہ اس کی معبودیت کا پہلو اس قدر واضح ہے کہ بلند مرتبہ عارفین مثلاً انبیاءؑ اور حضور ما حضرت عیسیٰ جو اولوالعزم پیغمبر ہیں یہ تو بجائے خود جو ان سے کم مرتبہ والے ہیں اس کی عبادت اور الوہیت کے وہ بھی

جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

تمہارے پاس برہان اپنے رب سے اور نازل کیا ہم نے تمہاری طرف نور مبین پس جو لوگ

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ

ایمان لائے اللہ پر اور تمسک پکڑا اس سے تو عنقریب داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل میں اور ان کو توفیق ہدایت

اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا

دے گا اپنی طرف راہِ مستقیم کی فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ سے فرما دیجئے اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے کلالہ کے متعلق اگر کوئی شخص

معترف ہیں اور اس کو عیب نہیں سمجھتے اس توجیہہ کی بناء پر معنی بھی بالکل واضح ہے اور عقائدِ حقہ کے خلاف بھی کوئی بات لازم نہیں آتی پس اشکال مذکور کے رفع کے لئے علامہ طبرسی نے جن تکلفات کو پیش فرمایا ہے۔ ان کی ضرورت نہیں۔

نور اور برہان

يَاَيُّهَا النَّاسُ ... آیتِ مجیدہ میں برہان سے مراد جناب رسالتمآبؐ ہیں کہ ان کے معجزاتِ قاہرہ اور علاماتِ باہرہ دینِ اسلام کی حقانیت کے لئے برہان کی حیثیت سے تھے اور بعض لوگوں نے برہان سے مراد قرآن مجید لیا ہے اور نُوْرًا مُّبِيْنًا کے مصداق میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے تو ان کے نزدیک برہان سے مراد پھر حضور رسالتمآبؐ ہی ہونگے اور اگر برہان سے مراد قرآن ہو تو نورِ مبین سے مراد پھر رسالتمآبؐ کو ماننا پڑے گا اور اکثر مفسرین اسی پر ہیں کہ برہان سے جناب رسالتمآبؐ اور نورِ مبین سے قرآن مراد ہیں تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ برہان سے مراد حضرت محمد اور نور سے مراد حضرت علیؑ ہے اور صراطِ مستقیم سے بھی علیؑ ہی مراد ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ نور سے مراد امامت حضرت امیرؑ ہے اور اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ اس آیتِ مجیدہ کے مصداق وہ لوگ ہیں جو حضرت علیؑ اور باقی آئمہ معصومینؑ کی امامت سے تمسک رکھتے ہیں اور اگر عامہ مفسرین کی تفسیر کو لیا جائے کہ برہان سے مراد جناب رسول خدا اور نور سے مراد قرآن تو چونکہ خطاب تمام لوگوں کے لئے ہے اور قرآن و اسلام قیامت تک کے لئے ہیں تو آیتِ مجیدہ کا خطاب قیامت تک کی آنے والی نسلوں سے بالعموم ہوگا پس جس طرح نورِ مبین سے مراد قرآن ہے اور وہ قیامت تک زندہ ہے تو برہان سے مراد بھی وہ شخصیت ہوگی جو تا قیامت قرآن کے ساتھ ہو تاکہ تاقیامت تمام لوگوں کیلئے خطاب درست ہو اور اس مطلب کو حدیث ثقلین جو متواتر بین الفریقین ہے۔ واضح کر رہی ہے اور مقصد یہ ہوگا کہ برہان سے مراد ہادی ہے جو ہر دور میں قرآن کے مطالب سمجھتا ہو اور لوگوں تک پہنچاتا ہو۔ پس دورِ نبوی میں برہان کا مصداق خود رسالتمآبؐ تھے اور ان کے بعد ان کی عترتِ طاہرہ جسے خود صاف طور پر فرما گئے۔ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ (الحدیث) اور اگر برہان سے مراد قرآن اور نور سے مراد رسول ہو تو نور کے سلسلہ کو

هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا

مر جائے کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے نصف ہے ترکہ کا اور یہ اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہوگی

وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ

پس اگر ہوں دو بہنیں تو ان کے لئے دو تہائی ترکہ ہوگا اور اگر ہوں بھائی مرد اور عورتیں تو مرد کو مثل حصّے دو عورتوں کے

مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۷۶﴾

خدا بیان کرتا ہے تمہارے لئے کہ گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے

قیامت تک لانا پڑے گا اور ماننا پڑے گا کہ ہر زمانہ میں اس نور کا ایک فرد موجود ہوا کرتا ہے تاکہ قیامت تک کے لوگوں کو ان دونوں سے تمسک کا حکم دیا جا سکے اور دورِ حاضر میں اس نور کا مصداق حضرت ولیٔ عصر امام زماں ہے جو پردۂ غیب میں ہے عج اللہ فرجہٗ۔

فِي الْكَلٰلَةِ ۔ کلالہ کا معنی گذر چکا ہے اس مقام پر کلالہ سے مراد مادری و پدری بہنیں ہیں اور انہیں کی وراثت کا بیان ہو رہا ہے اور پہلی جگہ کلالہ سے مراد قرآن مجید میں صرف مادری برادری تھی اور ان کے حقوق کا ذکر تھا ۔ میّت کی صرف ایک مادری پدری بہن ہو تو جائداد کا ½ حصّہ بطور فرض کے اور اگر اس طبقہ میں دوسرا وارث کوئی نہ ہو تو باقی بطور رد بحق قرابت لے گی اور اگر دو یا زیادہ بہنیں ہوں گی تو ان کو ⅔ حصّہ دیا جائے گا بالفرض اور اگر اس طبقہ میں دوسرا کوئی وارث نہ ہو تو باقی رد بحق قرابت ان کو ملے گا اور بھائی بہنیں سب ہوں تو مرد کا حصّہ عورت سے دو گنا ہوگا۔

بھائی بہنوں کے وراثت کے حقوق اور حسبِ ضرورت اس بارہ میں تفصیلی مسائل اسی جلد میں پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

آج بحمد اللہ بروز سوموار پونے پانچ بجے شام ۹ رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۶۶ء سورۂ نساء کی تفسیر سے فارغ ہوا ہوں اے پروردگار! بحق محمد و آلہ الاطہار مجھے اپنی پاک کتاب کی تفسیر پر موفق فرما اور اس سلسلہ میں حائل شدہ جانی و مالی تمام مشکلات کو دور فرما ۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی محمد وآلہ الطاہرین۔

(اس کے بعد پانچویں جلد انشاء اللہ سورۂ مائدہ سے شروع ہوگی)

(محمد شفیق خوش نویس سرگودھا)

حقوق الطبع محفوظہ

قَالَ رَسُولُ اللہ

اِنّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقلَین کِتَابَ اللہِ وَعِترَتِی اَھلبَیتی

شیعیانِ آلِ محمدؐ خصوصاً واعظین و مبلّغین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلمُجلّدُ الخَامِسُ مِن تفسیر (۵)

انوار النجف فی اسرار المصحف

5

مُصنّفہ

حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش جاڑا بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا

ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

پرنسپل درسگاہِ امامیہ ۔ دریا خان ضلع میانوالی

ہدیہ ۶۰/- روپے

تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۸ء ——— رجسٹریشن نمبر ۶۴ ———

حقوق الطبع محفوظۃ

قال رسول اللہ

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اہلبیتی

شیعیان آل محمد خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المجلد الخامس من تفسیر (۵)

انوار النجف
فی
اسرار المصحف

مصنفہ

حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش جاڑا بانی و سرپرست جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا

ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

پرنسپل درسگاہ امامیہ دریا خان ضلع میانوالی

ہدیہ ۶۰/- روپے

تیسرا ایڈیشن ۱۹۸۸ء — رجسٹریشن نمبر ۶۴

معذرت

کافی عرصہ سے تفسیر کی جلد پنجم ختم ہو چکی تھی ۔ اور خریدار حضرات کا مسلسل اصرار تھا کہ اس کو دوبارہ جلد از جلد زیور طباعت سے آراستہ کیا جائے لیکن مالی مشکلات اور دیگر مصروفیات کے حائل ہونے کی وجہ سے تاخیر ہوتی رہی ۔ لیکن دیر آید درست آید کے مضمون کے مطابق اب تفسیر کی جلد ۵ کی کتابت ونڈانگ کرائی گئی اور اعلیٰ کاغذ آفسٹ طباعت کے بعد قارئین کرام کے پیش خدمت کی جا رہی ہے اور کمر توڑ گرانی کے پیش نظر قیمت میں اضافہ ناگزیر تھا جس کی ہم معذرت چاہتے ہیں یہ سال یعنی شمسی ۱۹۷۹ء مطابق قمری ۱۳۹۹ھ قوم شیعہ کے لئے دو تحفے لایا ہے ایک ایران میں ظالم شہنشاہیت کا خاتمہ اور آیۃ اللہ سید روح اللہ الخمینی الموسوی کی حکومت اور دوسرا پاکستان میں قوم شیعہ کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر علماء کی قیادت کے نیچے آ جانا ۔ چنانچہ ۱۲، ۱۳ اپریل کی بھکر کنونشن کے قومی اور مثالی لاکھوں کے اجتماع میں فخر ملت علامہ مفتی جعفر حسین قبلہ مدظلہ کی قیادت پر تمام قوم نے اتفاق کیا اور تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے لئے آپ کو صدر منتخب کیا گیا ۔ خدا کرے قوم شیعہ اتفاق و اتحاد کی کشتی پر سوار ہو کر بہت جلد ساحل مراد تک پہنچے ۔ آمین ۔

(مطبوعہ :۔ الغدیر پریس بلاک ۲ سرگودہا)

فہرست مضامین

نام مضمون	صفحہ	نام مضمون	صفحہ	نام مضمون	صفحہ
سورۂ مائدہ	۵	اصل حلیت	۵۰	رکوع نمبر ۱۰ وسیلہ کی تلاش	۹۷
رکوع نمبر ۵		رکوع نمبر ۶ آیت وضو کا بیان	۵۲	چور کی سزا	۹۹
وفائے عہد اور خلافتِ علی	۶	فروعی احکام میں کفار مکلف ہیں	۵۴	دورِ رسالت میں جرائم کا انسداد	۱۰۰
حلال جانور	۱۴	اذا قمتم کی تشریح	۵۶	ہاتھ کاٹنے کی حد	۱۰۱
حرام جانور	۱۷	اسباب وضو ودیگر احکام	۵۷	نصبِ امام	۱۰۵
حلیت وحرمت کا معیار	۱۹	پاؤں کا مسح	۶۰	غیبتِ امام کا فائدہ	۱۰۷
حلال حیوان کا مُردہ کیوں حرام ہے	۲۰	چند مسائل	۶۴	اکل سحت	۱۱۰
شرائطِ حلیت	۲۱	غسلِ جنابت کا بیان	۶۷	رکوع نمبر ۱۱	۱۱۲
حلال وطاہر اور حرام ونجس میں فرق	۲۲	غسل کا طریقہ ومسائل	۶۹	قوم یہود کو تنبیہہ	۱۱۳
حیوان مذبوح کی طہارت	۲۴	وفائے عہد کی تاکید	۷۱	ربط بیان	۱۱۷
اکمالِ دین	۲۵	عدل وانصاف کا حکم	۷۲	رکوع نمبر ۱۲	۱۱۸
فخر الدین رازی کی منطق	۲۷	رکوع نمبر ۷ بنی اسرائیل کے بارہ نقیب	۷۴	مومن سے محبت	۱۱۹
حدیثِ غدیر	۲۸	درسِ عبرت	۷۷	حضرت علیؑ کی صفات	۱۲۰
خطبۂ غدیر وبیعتِ علیؑ	۳۱	نور وکتاب	۸۰	یُحِبُّھُمْ کی تشریح	″
فضیلت عیدِ غدیر	۳۵	صراطِ مستقیم	۸۱	مرتد کون ہوئے	۱۲۱
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ کی تشریح	۳۹	رکوع نمبر ۸	۸۴	رازی کا تعصب	۱۲۲
تمام اور کمال میں فرق	۴۰	حضرت یوشع کیلئے ردِّ شمس	۸۵	آیتِ ولایت	۱۲۹
سیکھے ہوئے کتے کا شکار	۴۱	زمانِ رسولؐ میں ردِّ شمس	۸۶	رازی کی نکتہ چینی اور اس کا جواب	۱۳۲
کتا رکھنا اور پالنا	۴۴	ردِّ شمس بعد از جنگِ صفین	۸۷	انگوٹھی کی حقیقت	۱۳۴
شکار کے مسائل	۴۵	جنگِ خندق کا ایک نکتہ	۸۹	رکوع نمبر ۱۳	″
ذبح کے احکام	۴۶	رکوع نمبر ۹ ہابیل وقابیل کا واقعہ	۹۰	ذکرِ اذان	۱۳۵
طیبات کا بیان	۴۸	قتل کی اہمیت	۹۳	اہل کتاب کو تنبیہہ	۱۳۷
تفصیل حلال وحرام	۴۹	ڈاکو کی سزا	۹۵	رکوع نمبر ۱۴	۱۳۹

حکم غدیر کا دور	۱۴۱
اہل کتاب سے خطاب	۱۴۶
نصاریٰ کو تنبیہہ	۱۴۸
نہی عن المنکر نہ کرنے کی سزا رکوع نمبر ۱۵	۱۵۲
ہجرت حبشہ	۱۵۴
پارہ نمبر ۷	
رکوع نمبر ۱	۱۶۰
رکوع نمبر ۲	۱۶۱
قسم کا کفارہ	۱۶۲
شراب وجوئے کی حرمت	۱۶۳
درجاتِ ایمان وتقویٰ	۱۶۵
رکوع نمبر ۳	۱۶۶
حالت احرام میں شکار	۱۶۶
امام محمد تقیؑ کا یحییٰ بن اکثم سے مناظرہ	۱۶۹
رکوع نمبر ۴ عمر کا اشکوک القب ہونا	۱۷۳
بے جا سوال سے منع	۱۷۴
بحیرہ وسائبہ کا معنی	״
وصیلہ وحامی کا معنی	۱۷۸
باپ دادا کی تقلید	״
وصیّت کے گواہ	۱۷۶
رکوع نمبر ۵ علمِ غیب	۱۷۹
بروزِ محشر نبیوں سے سوال	״
مسئلہ خلق ورزق پر تنبیہہ	۱۸۱
مائدہ کا بیان	۱۸۲
رکوع نمبر ۶	۱۸۴
ولایت علیؑ کا سوال	۱۸۵
سورۂ انعام کے فضائل	۱۸۷
رکوع نمبر ۷ مسئلہ خلق	۱۸۸

مسئلہ بدا	۱۹۰
توحید	۱۹۱
رکوع نمبر ۸ صفاتِ خدا	۱۹۴
رکوع نمبر ۹	۱۹۸
قیامت کے مواقف	״
ایمان حضرت ابوطالبؑ	۲۰۰
اشعارِ ابوطالبؑ	۲۰۴
حضرت ابوطالبؑ کی تصریحات	۲۰۵
آپ کی وصیتیں	۲۰۷
علماء کی رائے	۲۰۸
آئمہ کے ارشادات	״
حضرت ابوطالب کا جنازہ	۲۰۹
حضرت ابوطالبؑ کا وصی ہونا	۲۱۱
حضرت علیؑ کا معجزہ	۲۱۲
رکوع نمبر ۱۰	۲۱۳
حیوانوں کا حشر	۲۱۶
کفارِ مکہ کو تنبیہہ	״
رکوع نمبر ۱۱	۲۱۷
نعمتوں کی زیادتی کی وجہ	۲۱۹
علمِ غیب	۲۲۰
رکوع نمبر ۱۲ اصحابِ صفہ کا ذکر	۲۲۱
رکوع نمبر ۱۳	۲۲۴
نمازِ غفیلہ	۲۲۵
رکوع نمبر ۱۴ توفّی کا معنی	۲۲۶
رکوع نمبر ۱۵	۲۳۰
آذر کون تھا	۲۳۱
حضرت ابراہیمؑ کی ملکوتِ سما کی سیر	۲۳۳

فَلَمَّا جَنَّ کی تفسیر	۲۳۳
رکوع نمبر ۱۶	۲۳۶
حسنین کا اولادِ رسول ہونا	״
رکوع نمبر ۱۷	۲۳۸
رسولؐ کا لقب امّی کیوں ہے؟	۲۳۹
کافر پر موت کی تلخی	۲۴۰
فرادیٰ کی تفسیر	۲۴۱
رکوع نمبر ۱۸ بارہ بُرج	۲۴۲
ایمان مستقر وایمان مستودع	۲۴۳
رکوع نمبر ۱۹ رویتِ خدا محال ہے	۲۴۴
سب کرنا گناہ ہے	۲۴۶
پارہ نمبر ۸	۲۴۷
رکوع نمبر ۱ ہر امت میں دو گمراہ	۲۴۸
آئمہ کلمۃ اللہ ہیں	۲۴۹
حلال وحرام	۲۵۰
رکوع نمبر ۲	۲۵۱
جبر واختیار	״
رکوع نمبر ۳ قوم جن کے نبی کا نام یوسف تھا	۲۵۴
عربوں کی بدعادات	۲۵۵
لڑکیوں کو قتل کرنے کی ابتداء	۲۵۶
عبرت ونصیحت	۲۵۷
رکوع نمبر ۴ صدقہ کا حکم	۲۶۲
رکوع نمبر ۵ حلال وحرام جانور	۲۶۳
رکوع نمبر ۶ گناہانِ کبیرہ	۲۶۶
رکوع نمبر ۷ برکت کا معنی	۲۶۷
نیکی کا بدلہ دس گنا	۲۷۰

جلد ۵

تفسیر

سُوْرَۃ مَائِدَہ

یہ سورہ مدنیہ ہے سوائے ایک آیت کے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ کہ یہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر اتری۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے علاوہ اس سورہ کی کل آیات ایک سو بیس ہیں۔ بروایت عیاشی حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ سورۂ مجیدہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات سے دو تین ماہ قبل نازل ہوئی۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ قرآنی احکام میں سے بعض بعض کے ناسخ ہیں۔ لیکن اس کا ناسخ کوئی نہیں ہے (الحدیث) بنابریں وضو کی آیت جو اسی سورۂ مبارکہ میں ہے وہ موزوں پر مسح کرنے کے حکم کی ناسخ ہے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص اس سورۂ مجیدہ کی تلاوت کرے گا۔ اس کے نامۂ اعمال میں تمام یہود و نصاریٰ کے عدد سے دس گنا نیکیاں درج ہوں گی اور اسی قدر اس کی برائیاں مٹائی جائیں گی اور اسی قدر اس کے درجات میں بلندی ہوگی۔

۶ر دسمبر ۶۲ء مطابق ۸ر رجب ۸۲ھ بروز جمعرات ½ ۱۲ بجے دوپہر پانچویں جلد تفسیر انوار النجف کو لکھنا شروع کیا۔ وَعَلَی اللّٰہِ اَتَوَکَّلُ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِیۡمَةُ الۡاَنۡعَامِ

اے ایمان والو! پورے کرو عہد اپنے حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے جانور مگر وہ جو تمہیں بتلائے جائیں گے

اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡكُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَاَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحۡكُمُ مَا یُرِیۡدُ ۝۱

درحالیکہ نہ حلال جاننے والے ہو شکار کو حالتِ احرام میں۔ تحقیق اللہ حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے

رکوع نمبر ۵

وفائے عہد اور خلافتِ علیؑ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا :- تاریخ الخلفاء و مسند احمد و دیگر کتب سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا نازل ہوا ہے۔ حضرت علیؑ اس کے امیر و شریف ہیں اور خداوند کریم نے متعدد مرتبہ قرآن مجید میں صحابہ کو سرزنش کی ہے لیکن علیؑ کو ہر جگہ مدح و ثنا اور خیر کے ساتھ ذکر فرمایا۔ پس وہ آیاتِ قرآنیہ جن میں مومنوں کو خطاب کرکے بعد میں ان کو عتاب کیا گیا ہے ان سے حضرت علیؑ یقیناً مراد نہیں ہیں اور جن جن آیاتِ قرآنیہ کے مصداق حضرت علیؑ ہیں۔ ان کے بعد تا حضرت قائم آلِ محمدؐ تمام آئمہ یکے بعد دیگرے ان کے باطنی مصداق ہیں اور باعتبار ظاہر تمام مومنین زمانِ رسالتؐ سے لے کر تاقیامت ان خطابات میں داخل ہیں۔ تفسیر برہان میں صحیفۂ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن میں جس جس مقام پر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وارد ہے وہ ہمارے حق میں ہے اس کا بھی یہی مقصد ہے جو عرض کیا جا چکا ہے۔ واللہ اعلم

اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ :- تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآب نے حضرت علیؑ کی خلافت کا صحابہ سے دس مقامات پر عہد لیا تھا پس خدا اس جگہ فرما رہا ہے۔ اے ایمان والو اپنے عہدوں کی وفا کرو جو حضرت علیؑ کی خلافت کے بارے میں تم سے لئے جا چکے ہیں۔ ظاہری اعتبار سے مومنین کے جس قدر بھی آپس میں یا خدا و رسولؐ کے ساتھ عہد ہوں سب کی وفا کا حکم ہے اور ولایت و خلافت کا عہد بھی ان عہدوں میں داخل ہے۔ لہذا روایت معصوم میں خلافتِ علیؑ کا اس آیت سے مراد ہونا ایک فردِ اہم اور مصداق اتم کی نشان دہی ہے۔

توضیح مزید

جس طرح ایک سلطان وقت اپنی تمام رعایا کو اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی کا حکم دے تو بالعموم یہ حکم سلطانی تمام رعایا کے افراد پر حاوی ہے لیکن افسران و عہدہ داران بالخصوص اس حکم کے مخاطب ہوں گے اور تمام افسروں و عہدہ داروں پر جو انچارج و مختارِ عام ہو گا۔ وہ جس طرح عنایت سلطانی کے ماتحت اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہو

تمام رعایا سے امتیازی شان کا حامل ہے اسی طرح اس حکم کے خطاب میں بھی وُہ سب سے پہلے مراد اور سلطان کا مقصود اعظم قرار دیا جائے گا۔ پس سلطان کی طرف سے فرائض کی انجام دہی کا حکم ساوی تو ہے تمام رعایا پر جس میں افسر و ماتحت اور عہدہ دار و عوام سب داخل ہیں لیکن فرائض کی تعیین ہر فرد رعایا پر اس کے شان و عہدہ کے موافق ہوگی یعنی مملکت کے انچارج و مختار عام کے فرائض میں سے ہے کہ وہ سلطان وقت کی کماحقہٗ اطاعت کرے اور ہر وقت اس کی خوشنودی کو ملحوظ رکھے اور اسی کے ماتحت اپنے ماتحت افسران و عہدہ داران کو اپنے فرائض سے متنبہ کرتا رہے اور سلطان وقت کی طرف سے عائد کردہ قوانین کو رعایا میں نافذ کرکے اُن کے کاروبار کی صحیح نگرانی کرے تاکہ مملکت کا صحیح نظم ونسق بحال رہے اور رعایا بھی خوشحال رہے۔ اس کے بعد افسروں اور عہدہ داروں کے فرائض میں سب سے اہم فریضہ ہے سلطانِ وقت اور اس کی طرف سے متعین انچارج کے ساتھ عہدوفاداری اور ان کے احکام کی اطاعت شعاری بعد ازیں اپنے معیّنہ عہدہ کی ذمّہ داریوں سے ایمان دارانہ عہدہ برآ ہونا وغیرہ اور رعایا کے فرائض میں سب سے پہلے سلطانِ وقت اور اس کی جانب سے متعیّن افسران و عہدہ داران کی اطاعت اور حتی الامکان قانون شاہی کی پاسداری کرنا۔

اس توضیح کے بعد یہ سمجھنا نہایت آسان ہوگیا کہ خداوند کریم کی جانب سے تمام ایمان والوں کو حکم ہے کہ اپنے اپنے عہدوں کی وفا کریں۔ لیکن چونکہ ذاتِ احدیت کی جانب سے تمام دنیا میں منشار خداوندی کے ماتحت نظام مملکت کے قیام و بقار کے لئے انچارج ہیں انبیار و مرسلینؑ اور ان کے بعد ان کے اوصیار طاہرینؑ اور ان کے بعد علمائے عاملین۔ پس خطاب خداوندی میں منظرِ عطوفت ایزدی کا موردِ اوّل ہے ذاتِ رسالت مآبؐ اور اُن کے بعد حضرت شاہِ ولایت اور پھر یکے بعد دیگرے ائمہ طاہرینؑ علیہم السلام اور پھر تمام مومنین از اوّلین و آخرین پس نبیؐ سے جن عہدوں کی وفا کرنی ہے ان سے مُراد وُہ عہد ہیں جو اُن کے عہدۂ جلیلہ کے شایان ہیں اور ان میں سب سے پہلے ہے اطاعت مالک حقیقی اور اس کو آپ نے اس حد تک نبھایا کہ پاؤں پر وَرم پڑگئے اور تازیست زبان سے یہ کلمہ نہ نکلا کہ میں نے کماحقہٗ اطاعت کرلی بلکہ اس معاملہ میں اپنی کوتاہی محسوس فرماتے رہے۔ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اَوْ كَمَا قَالَ۔ اور یہ ہے مرحلۂ اُولیٰ میں اپنے پروردگار کے عہد کی وفاداری اور اس کے بعد اس کی جانب سے معیّن کردہ قوانین کا نفاذ تو انسانی فلاح و بہبود کے لئے کوئی ضابطہ و قانون ایسا نہیں جس کو آپ نے بیان نہ فرمایا ہو۔ خواہ اس کا تعلق اصلاح نفس سے ہو یا تدبیر منزل سے یا سیاست عامہ سے اور خواہ امورِ دنیاویہ سے متعلق ہو یا امورِ آخرت سے اور بایں ہمہ تازیست کسی آدمی کے زیر بار احسان ہونا گوارا نہ کیا اور نہ کسی سے مراعات کی خواہش فرمائی اور فرماتے رہے کہ میں یہ سب کچھ خوشنودی خدا کے لئے کرتا ہوں اور اس کا عوض مجھے میرا پروردگار ہی عنایت فرمائے گا۔ فریضہ رسالتؐ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیا کچھ تکلیفیں برداشت نہیں کیں۔ پیدل سفر کئے۔ قریبیوں و رشتہ داروں سے بائیکاٹ و قطع تعلقی کے بوجھ سہے۔ لوگوں کے طعن و تشنیع برداشت کئے۔ بھوکے رہے پیاسے رہے۔ شعب ابی طالبؑ میں تین سال تک جلاوطن رہے

پھر جسم اطہر پر پتھر کھائے۔ ہجرت کی تکلیفیں اُٹھائیں دندان مبارک شہید ہوئے۔ حتّٰی کہ حضورؐ کی جانب یہ الفاظ بھی منسوب ہیں کہ فرمایا۔ مَآ اُوْذِیَ نَبِیٌّ کَمَآ اُوْذِیْتُ یعنی کسی نبی کو اسقدر اذیتیں نہیں دی گئیں۔ جتنی مجھے دی گئیں اور بایں ہم تبلیغ رسالتؐ میں ذرا بھر بھی کوتاہی نہیں کی اور خلق خدا کی خیر خواہی و اصلاح کو ہر مرحلہ میں ہی مقدم رکھا اور یہ سب کچھ اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لئے ہی کیا اور باوجود تکلیفوں اور اذیتوں کے شکوہ نہ کیا بلکہ اس کے ذکر و شکر اور حمد و ثنا میں ہمیشہ رطب اللسان رہے۔ یہ ہے ان کی اس مرحلہ ثانیہ میں اپنے پروردگار کے عہد کی وفاداری حضرت رسالتمآبؐ کے بعد اُن کے صحیح جانشین حضرت ولائیت مآب امیرالمومنین علیہ السلام ہیں اور وُہ بھی ذات پروردگار کی جانب سے عہد کی وفاداری کے لئے مامور و مخاطب ہیں۔ اور ان کے عہد میں سب سے اوّل ہے۔ اطاعت خالق اور اس کے بعد اطاعت رسولؐ اور ان کے بعد خُدا اور رسولؐ کی جانب سے عائد شدہ قوانین کا تمام امّت میں انفاذ و اجراء اور نگرانی۔ اس مقام پر حضرت علیؑ کے جملہ شعوب زندگی پر اگر تفصیلی نگاہ دوڑائی جائے تو آپ کی مقدس زندگی کا کوئی پہلو ایسا نظر نہیں آتا جس میں ایک چشم زدن کے لئے بھی خوشنودئ خُدا کو پس پُشت ڈالا گیا ہو۔ یہ صرف حضرت امیر کی ہی شان تھی۔ کہ بڑی وسیع و عریض سلطنت کو ٹھوکر ماردی۔ لیکن خوشنودی خُدا سے قدم باہر نہ رکھا۔ تاج و راج چھوڑنا منظور کر لیا۔ لیکن دین خُدا کی لاج نہ چھوڑی۔ نماز میں دیکھئے ایک ہزار رکعت شبانہ روز پڑھتے ہیں اور خوف خدا کا یہ عالم ہے کہ شب تاریک میں ریش مبارک کو پکڑ کر اپنے عجز و انکساری کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ شب ہجرت عین عالم شباب میں بستر موت پر سونا اور پھر ہر جنگ میں سرکار رسالتؐ کے بقاءِ وجود کے لئے ایسے آڑے وقتوں میں سینہ سپر ہونا جبکہ بڑے سے بڑے اطاعت کے دعوٰی کرنے والے بھی روپوش نظر آتے تھے۔ یہ علیؑ کی اطاعت گذاری و وفا شعاری کی ادنیٰ مثالیں ہیں۔ وُہ کون تھا؟ جس نے جنگ بدر میں اپنی بے پناہ جراٴت و قوّت ایمانی سے کفار کے حوصلے پست کر دیئے کون جنگ اُحد میں رسالتمآبؐ کے لئے سینہ سپر رہا؟ کس نے جنگِ خندق میں اسلام کے پرچم کو بلند کرتے ہوئے ثقلین کی عبادت کو تلوار کی ایک جنبش میں سمو کر کلِ ایمان کی سند لی۔ وُہ کون تھا؟ جس نے میدانِ خیبر میں زبان وحی ترجمان سے خُدا و رسولؐ کی پر اخلاص محبّت کے ساتھ ساتھ کرار و غیر فرار کا تمغہ حاصل کیا؟ تو تاریخ متفقہ طور پر یہی کہے گی کہ اس قسم کے حوصلہ شکن مراحل میں خدا و رسولؐ کی اطاعت کے لئے اپنی جان پر کھیلنے والا صرف علی ہی تھا اور اطاعت و فرض شناسی کی حد ہے کہ غلط فہمی سے اپنے عقیدہ میں افراط کرنے والا کہتا ہے کہ تو خُدا ہے اور علیؑ اُسے واجب القتل قرار دے کر اپنی عبدیت پر نازاں ہیں اور توحید پرستی کا یہ عالم ہے کہ مناجات میں عرض کرتے ہیں۔ کَفٰی بِیْ فَخْرًا اَنْ تَکُوْنَ لِیْ رَبًّا وَکَفٰی بِیْ عِزًّا اَنْ اَکُوْنَ لَکَ عَبْدًا۔ یعنی میرے فخر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے اور میری عزت کے لئے یہ کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔ اور ایک مقام پر عرض کرتے ہیں:۔ اِلٰھِیْ وَجَدْتُکَ رَبًّا کَمَا اُرِیْدُ فَاجْعَلْنِیْ عَبْدًا کَمَا تُرِیْدُ۔ اے میرے اللہ! میں نے

تجھے اپنا پروردگار اس طرح پایا ہے جس طرح میں چاہتا ہوں اور تو مجھے اپنا عبد اس طرح بنا جس طرح تو چاہتا ہے۔ اور اطاعتِ رسولؐ کا عالم یہ ہے کہ اگر کسی نے نادانستہ طور پر آپ کو رسول اللہ کہہ دیا تو فوراً اس کی زبان بندی ان الفاظ سے فرمائی۔ اَنَا عَبْدٌ مِّنْ عَبِیْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ میں تو رسولؐ اللہ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔ سامنے بیٹھ کر جی حضوری بنتے ہوئے غلامی کا دعویٰ کرنا اور ہے اور علیحدگی میں کسی کو مبالغہ آمیز تعریف سے روک کر اپنے عہد پر برقراری کا مظاہرہ کرنا اور ہے اور یہ بھی اسی اطاعت خدا و رسولؐ کی شان ہے کہ جہاں حکم ملا کہ آگے بڑھنا ہے تو ہزاروں لاکھوں کے مقابلہ میں جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایسے آگے بڑھے کہ شجاعانِ زمانہ کے دل ہلا دیئے اور جہاں مصلحت وقت کے ماتحت رسولؐ کی وصیت ہوئی۔ یا علیؑ خاموش رہنا تو معاملہ کچھ سے کچھ ہوگیا۔ لیکن جذبات کو کچلتے ہوئے ۲۵ سال کی طویل خاموشی اختیار کرلی اور اطاعت کے دائرے سے قدم باہر نہ نکالا۔ اربابِ تاریخ اور اصحابِ دانش پر واضح ہے کہ حضرت علیؑ کے جملہ شعوبِ زندگی میں سے کوئی شعبہ ایسا نہیں مل سکتا جس میں صرف جذباتِ نفسانیہ کا خیر مقدم کیا گیا ہو۔ بلکہ ہر مرحلہ پر اطاعتِ خدا و رسولؐ ہی آپ کا مطمحِ نظر رہی۔ یہ اُن کے ایفائے عہد کی شق اوّل کے متعلق مختصر سی گذارش کی گئی ہے ورنہ تفصیل مطلب کے لئے تو علمائے اعلام کی ضخیم کتابیں بھی اس کے حق بیان سے قاصر رہی ہیں۔

اب رہا ان کے عہد کے ایفا کا دوسرا پہلو جو خدا و رسولؐ کے احکام کے انفاذ سے متعلق ہے تو آپ نے باوجود انتہائی پُرفتن دَور کے نامساعد حالات میں حقیقت بین نگاہوں اور صحیح الفطرت عقلوں کے لئے زمانِ رسالتؐ کی یاد تازہ کردی۔ اس میں شک نہیں کہ دانستہ طور پر آپ کے مختصر سے زمانِ خلافت کو جنگ و جدال کے اُلجھاؤ میں ڈال کر کوشش کی گئی کہ خدا و رسولؐ کی صحیح تعلیمات کو زیرِ حجاب رہنے دیا جائے تاکہ اسلام بااقتدار طبقہ کی کٹھ پتلی بنا رہے اور بعد کی نسلیں حضرت علیؑ کے دَور سے سابق و لاحق حکومتوں پر صحیح اسلامی نقطہ نگاہ سے حرف زنی نہ کرسکیں لیکن حضرت علیؑ کی ثباتِ قدمی اور اپنے ذمہ لئے ہوئے عہدِ امامت کی پاسداری کے تقاضے نے نفسانیت و شہوانیت یا وقتی سیاست و لادینیت کے راستہ میں سنگ گراں بن کر اور ملکی سطوت و استبداد کی خطرناک اور ہمہ گیر طوفانی موجوں کے سامنے آہنی چٹان بن کر کفر و الحاد کے اُبھرتے ہوئے سیلاب کو اپنی حدود سے متجاوز نہ ہونے دیا اور باطل کا ناطقہ بند کرکے رکھ دیا حتیٰ کہ اس دَور کی دوطرفہ پالیسیوں کی چاشنی لینے والے بھی خوب تاڑ گئے تھے کہ علیؑ کس عہد پر ثابت قدم ہیں اور مقابل والے کیا چاہتے ہیں۔ صحابیٔ رسولؐ حضرت ابوہریرؓہ کی طرف منسوب ہے وہ کہا کرتے تھے کہ کھانا امیرِ شام کے دسترخوان پر خوب پُرلطف ہوتا ہے لیکن نماز حضرت علیؑ کی اقتدا میں دُرست ہوتی ہے۔ گویا دبی زبان میں یہ کلمات اس امر کا اعتراف ہیں کہ اُن کی حکومت صرف شکم پُری اور عیشِ نفسی کا پیش خیمہ ہے اور اس طرف خُدا و رسولؐ کی اطاعت اور عہدہ امامت کی پاسداری حکومت و

خلافت کا مسطح نظر ہے اور اسی عہد کے ہر دو پہلوؤں کی رعایت حضرت امیرؑ کے بعد حضرت امام حسنؑ نے صلح کے رنگ میں اس طرح کی جس طرح کرنے کا حق تھا۔ کیونکہ وقتی تقاضے کے ماتحت بغیر صلح کے عہدۂ امامت کے فرائض کی پاسداری نہایت مشکل تھی جسے امام حسن علیہ السلام خود ہی سمجھ رہے تھے اور ان کے بعد حضرت امام حسینؑ نے حقوق اللہ اور حقوق رعایا کی ادائیگی کا تو وہ منظر پیش فرمایا کہ رہتی دنیا تک اس کے نقوش صحیفۂ عالم کے تاریخی اوراق پر ثبت رہیں گے اور پھر یکے بعد دیگرے ہر امام معصوم نے اس عہدہ کے فرائض کو ہر دو پہلوؤں کے لحاظ سے اس طرح نبھایا جس طرح اس کے نبھانے کا حق تھا۔

نتیجہ بحث مثالِ سابق سے خوب واضح ہو گیا ہے کہ جس طرح مملکت ظاہریہ میں سلطانی احکام و اوامر کا خطاب اگرچہ تمام رعایا کی طرف ہوتا ہے خواہ عہدہ دار ہوں یا ماتحت رعایا لیکن عہدہ دار اور ذمہ دار افراد اسی قسم کے اوامر سے بالخصوص مراد ہوا کرتے ہیں کیونکہ ان کے فرائض اس سلسلہ میں دوہرے ہو جاتے ہیں ایک خود عمل کرنا اور دوسرے رعایا پر ان کو واضح کرنا اور ان کو عمل کی تلقین کرنا اور پھر نگرانی کرنا۔ اسی طرح خدائی اوامر میں جہاں کہیں اصلاحِ امت کے لئے یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے خطاب سے تمام اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے۔ وہاں اگرچہ یہ خطاب تمام امتِ اسلامیہ کے افراد پر بالعموم حاوی ہے لیکن نظام اسلامی کے قیام کے لئے جو خدائی عہدہ دار تھے۔ یہی خطاب ان کے لئے خصوصی حیثیت کا حامل تھا کیونکہ ان کی ذمہ داریاں دوہری تھیں۔ پس یہ حدیث اپنے مقام پر بالکل صحیح اور قرینِ واقع ہے کہ جہاں کہیں قرآن مجید میں یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وارد ہے حضرت علیؑ اس کے امیر و رئیس ہیں۔ اور آپ کے بعد بلا شک و شبہ قائم آلِ محمدؑ تک تمام آئمہ اسی حدیث کے رُو سے ان خطابات میں امیر و رئیس کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ جس طرح تعلیماتِ اسلامیہ تاقیامت ناقابلِ تنسیخ ہونے کی حیثیت سے ہر بعد والے دَور کے لئے مفید اور ضروری ہیں کیونکہ خطاباتِ قرآنیہ تاقیامت زندہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح رسالتمآبؐ کے حقیقی جانشین جو معلّم قرآن و محافظ شریعت ہیں۔ انہی خطابات میں رئیس و امیر کی حیثیت رکھتے ہیں جیسا کہ اسی معنی کی معصوم کی ایک فرمائش نقل کی جا چکی ہے اور جس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس جگہ آیتِ مجیدہ میں عقود سے مراد وہ عہود ہیں جو جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کے متعلق امت سے لئے تھے تو اس کا مطلب بھی صاف ہو گیا کہ رعایا کے لئے اوامر سلطانیہ کی اطاعت کا اس وقت کچھ وقار ہو گا۔ جب وہ سلطان کی جانب سے معینہ عہدہ داروں کی اطاعت کا عہد کریں۔ اور اس کی وفا بھی کریں اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ سلطان کی طرف سے معین کردہ عہدہ داروں و افسروں کی اطاعت سلطان کی اطاعت سمجھی جاتی ہے اور ان کی اطاعت سے گریز کرنا سلطانِ وقت کی نافرمانی متصور ہوتی ہے کوئی شخص قوانینِ مملکت کا ہزار ہی احترام کیوں نہ کرتا ہو۔ جب تک اپنے افسرانِ بالا کا اطاعت گزار و وفادار نہ ہو صرف قوانینِ سلطانی کا احترام

ایسے سلطان کا اطاعت گذار نہیں کہلا سکتا بلکہ ایسا شخص بجائے تعریف کے مذمّت کا اہل ہوتا ہے اور بجائے جزاء و انعام کے سزا و عقاب کا زیادہ مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ اسی بناء پر آیت مجیدہ میں اگرچہ تمام عہود کی ایفاء کا حکم ہے لیکن چونکہ نظامِ قرآنی کو برقرار رکھنے کے لئے خداوند کریم کی جانب سے جن لوگوں کو بطور سربراہ حکومتِ اسلامیہ کے نامزد کیا گیا ہے۔ ان کی اطاعت کا عہد اور اس سے وفاداری تمام اسلامیانِ عالم کا سب سے اہم اور ضروری فریضہ ہے کیونکہ باقی جملہ قوانین شرعیہ اور احکامِ اسلامیہ پر عمل درآمد اس کی فرعی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ ضروری امر ہے کہ جہاں متعدد قوانین وضوابط کی پاسداری کا حکم ہو تو ان میں سے جن قوانین وضوابط کو اصولی حیثیّت حاصل ہوگی وُہ بہ نسبت فروعی امور کے خاص اہمیت کے ساتھ معرضِ توجہ ہوں گے بلکہ حاکم کی نگاہ بالذّات اصولی نکات پر ہی ہوا کرتی ہے۔ اسی بناء پر شریعتِ اسلامیہ کے قواعد وضوابط و جملہ عہود میں سے ولایتِ امیر علیہ السّلام اور اُن کی اطاعت کا عہد چونکہ اصولی حیثیّت رکھتا ہے کیونکہ جناب رسالتمآبؐ کے بعد وُہ نظامِ اسلامی کے لئے سربراہ کی حیثیّت سے ہیں۔ لہٰذا ایفائے عہد کے امر میں ارشادِ خداوندی کا مقصودِ اوّلی حضرت علیؑ کے عہدِ خلافت کی وفاداری کا حکم ہے اور اس کے بعد جملہ قوانینِ اسلامیہ کی پاسداری فروعی طور پر خود بخود اس کے ضمن میں داخل ہے۔ علمائے اہلسنت مثلاً طبرانی و سیوطی و احمد بن حنبل و دیگر علماء کا یہ نقل کرنا کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا نازل ہوا ہے اس کے امیر و شریف یا رئیس و قائد حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔ اُن کا یہ اعتراف اس امر کی نص ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ کے بعد حضرت علیؑ ہی اُن کے صحیح جانشین اور مملکتِ اسلامیہ کے خُدا کی جانب سے سربراہ اور حاکم اعلیٰ ہیں۔ سربراہِ حکومتِ الٰہیّہ کے لئے جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے اس کے متعلق تفسیر کی چوتھی جلد میں ص۱۹۱ تا ص۱۹۲ پر کافی لکھا جا چکا ہے جن کا جامع صرف ایک کلمہ ہے اور وہ یہ کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پاسداری میں تمام اُمّت سے ممتاز ہو اور اس سلسلہ میں علیؑ اور اولادِ علیؑ جو آئمہ ہیں کی سیرت کا مطالعہ کرنے والا خود ہی اپنے مقام پر فیصلہ کر سکتا ہے کہ تمام اکابرِ اُمّت کو فرداً فرداً تو بجائے خود مجموعی طور پر بھی ان کی صفتِ کمالیہ کے مقابلہ کی تاب نہیں کیونکہ جن کی ایک ضربت جن و انس کی تمام عبادتوں سے افضل ہو ان کے تمام جہادوں کی شان کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن کا ایک سجدہ جو انتہائی کرب و بے چینی کے عالم میں اطمینان و سکون اور خشوع وخضوع کا ایسا مرقع ہو کہ ارواحِ انبیاء اور ملائکہ تک اس کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں جس کی نیاز جبین نے تپتی ہوئی ریتی پر کفر و استبداد کے اُبھرتے ہوئے ناز توڑ دیئے اور پوری کائنات میں سجدہ اور ساجدین عبادت اور عابدین بلکہ معرفت و عارفین کے دِل ہلا دیئے اور قیامت تک کیلئے بقائے اسلام کی ضمانت لے لی۔ اس کے شؤونِ زندگی کے دوسرے شعبوں کے متعلق انسان کیا ذکر کر سکتا ہے؟ پس یہی ذواتِ مقدّسہ ہیں جن کی عبادت عبادت کی لاج اور تقوےٰ تقوےٰ کا وقار ہے ان کے علاوہ اور کس کی مجال ہے کہ حکومتِ الٰہیّہ کے فرائض کا بوجھ اُٹھا سکے یا اُن کی

پاسداری سے حتمی طور پر عہدہ برآ ہو سکے؟ یہ اور بات ہے کہ اقتدار کی بھوکی دُنیا نے انہیں اپنے راستہ سے ہٹانے کے لئے اُن کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا اور ان کے قدر و منزلت کو گھٹانے کی کوشش کی اور مہلت نہ دی کہ یہ اپنے عہدہ کے پیش نظر نظامِ خداوندی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے کر عالم کو گہوارۂ امن وسکون بنائیں جو انسانیت کا فرضِ اوّلی ہے پس جس طرح خدا کو خدا نہ تسلیم کرنا اس کی خدائی میں نقص کا موجب نہیں اسی طرح ان کو بھی امام وحجت نہ ماننا ان کی امامت میں مخل نہیں چونکہ دینِ خُدا کی اطاعت میں جبر و اکراہ کو دخل نہیں ہے کہ فرماتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ تاکہ بروز قیامت سزا وجزا کا محل صحیح ہو بلکہ ہر انسان کو اختیار حاصل ہے کہ خواہ اعمالِ صالحہ سے جنت کی راہ لے یا بد اعمالی سے جہنم کو پسند کرے اور جس طرح خدا نے فرعون و نمرود و شداد وغیرہ کے لئے اپنی قدرت کو استعمال نہیں فرمایا اسی طرح خدائی عہدہ داروں نے بھی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ کا نمونہ پیش کرکے صبر وضبط سے کام لیا۔ لہٰذا جس طرح خُدا اپنے مقام پر خدا ہے اسی طرح خدائی عہدہ دار بھی اپنے مقام پر عہدہ دار ہیں اور خلقِ خدا پر حجت ہیں۔ ظاہری حکومتوں میں بعض اوقات حکومت و ملک کے غدّار لوگ اقتدار حاصل کرکے سربراہِ مملکت بن جایا کرتے ہیں اور ان کے خود ساختہ قوانین وضوابط بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ ان کی ترمیم یا تنسیخ ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ یہاں معیارِ حکومت ہے صرف اقتدار کا حصول لیکن حکومتِ الٰہیہ میں اللہ کی جانب سے ایک معیار مقرر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ صرف انہی کو ہی نامزد فرماتا ہے جن کو اس نے اس کی اہلیت تفویض فرمائی ہو اور اسی معیار پر فائز ہوں پس یہ نظریہ قطعاً قابلِ قبول نہیں ہو سکتا کہ جس کے متعلق مل جُل کر فیصلہ کر لیا جائے کہ فلاں شخص معیارِ حکومتِ الٰہیہ کا اہل ہے پس وُہ اللہ کے نزدیک بھی اہل قرار دیا جائے اور یہ محکم اور پکی بات ہے کہ جو شخص کسی وقت بھی حکومتِ الٰہیہ کا غدار رہا ہو وہ بعد میں کتنا ہی صالح اور نیک ہو جائے مسلمان ہو گا۔ مومن ہو گا جنّتی ہو گا لیکن ناممکن ہے کہ وُہ خدا کی جانب سے عہدہ دار حکومت اسلامیہ بھی ہو جائے۔ اسی بنا پر تو جب حضرت خلیل اللہ نے اپنی اولاد کے لئے عہدہ امامت طلب کیا تھا تو جواب ملا تھا کہ ظالموں تک میرا یہ عہد نہیں پہنچ سکتا یعنی جو کسی وقت ظالم رہا ہو وہ میری طرف سے عہدۂ امامت کے ہرگز قابل نہیں ہوا کرتا۔ ہاں ہاں یہ خیال رہے کہ بن جانا اور بات ہے اور ہونا اور بات ہے۔

پس یہ بات صاف ہو گئی کہ آیتِ مجیدہ میں تمام اہلِ ایمان کو جن عہود کی ایفا کا حکم دیا گیا ہے۔ اس خطاب کے راس ورئیس حضرت علی علیہ السلام اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرین ہیں اور باقی اُمّت پر جملہ عہود کی پاسداری سے زیادہ اہم اور ضروری حضرت علیؑ اور ان کی اولاد امجاد کی اطاعت کے عہد کی پاسداری ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے مومنوں کو تنبیہ بھی کی گئی ہے اور سرزنش بھی۔ جس طرح ایک مقام پر فرماتا ہے۔ اے ایمان والو تم نبی کی آواز سے اپنی آواز

بلند نہ کیا کرو۔ جس طرح آپس کے باہمی مکالمات میں کرتے رہتے ہو ورنہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ درحالیکہ تم ملتفت بھی نہ ہو گے۔ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے اے ایمان والو ایسی باتیں کیوں کرتے ہو جن پر تمہارا عمل نہیں ہوتا۔ تو اگر حضرت علیؑ اس قسم کی آیات و خطابات میں راس و رئیس ہیں تو ان تہدیدی پیغامات میں ان کی پوزیشن کیا ہو گی۔ تو اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ سلطانِ وقت کے وہ پیغامات جن میں رعایا کو قانون شکنی یا غلط کاری سے روکا جاتا ہے وُہ حکومت کے فرض شناس عہدہ داروں کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوا کرتے بلکہ عہدہ دارانِ حکومت اس قسم کے تہدیدی پیغامات کو رعایا تک پہنچانے کے لئے سلطانِ وقت کی طرف سے وکالت کا عہدہ انجام دیتے ہیں۔ پس محمدؐ و آلِ محمدؐ اس قسم کے قرآنی تہدیدی پیغامات میں ذاتِ واجب الوجود کی جانب سے وکلاء کی حیثیت سے ہیں اور ان کا عہدہ ہے مسلمانوں کو ان کی خلاف ورزی سے روکنا ہاں وہ خطابات جن میں خالق نے اپنی اطاعت یا دوسرے ایسے امور کی طرف دعوت دی جن کا تعلق عوام و خواص سب سے یکساں ہے تو محمدؐ و آلِ محمدؐ ان کے مقصودِ اصلی اور راس و رئیس ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مَا مِنْ عَامٍ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ علمائے اصول کے مابین ایک قاعدہ مسلمہ ہے کہ کوئی عام ایسا نہیں جس میں تخصیص نہ ہو۔ پس اگرچہ ظاہری طور پر یہاں بھی عموم ہے کہ جہاں کہیں بھی قرآن مجید میں یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وارد ہے حضرت علیؑ اس کے رئیس و امیر و قائد ہیں لیکن یہ کلیہ بھی تخصیص پذیر ہے اور وہ یہ کہ تہدیدی اور سرزنش کے خطابات کے علاوہ جہاں بھی قرآن میں یہ خطاب وارد ہے حضرت علیؑ اس کے رئیس و قائد ہیں۔ چنانچہ انہی منقولہ روایات کے آخری جملے اس امر کی تائید مزید کر رہے ہیں کہ ابن عباس فرماتے ہیں قرآن مجید میں جس جگہ بھی یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اترا ہے حضرت علیؑ اس کے شریف و امیر ہیں اور خداوند کریم نے جناب رسالتمآب کے صحابہ کو کئی دفعہ جھڑکا ہے لیکن حضرت علیؑ کا جہاں بھی ذکر فرمایا ذکر خیر ہی فرمایا یعنی علیؑ کی مدح و ثنا ہی فرمائی۔

تیسرا جواب تہدید و سرزنش کے خطابات انہی کی طرف عائد ہوتے ہیں جو غلط کار ہوں لیکن جن سے غلط کاری کا وجود اصلاً ناپید ہو اور خطاب کرنے والا جانتا ہو کہ فلاں غلط کار نہیں تو عقل و انصاف کے منافی ہے۔ کہ وہ تہدیدی خطاب کی زد میں آئے۔ مثلاً سکول میں ایک ہی کلاس کے لڑکوں میں چند لڑکے ہنس رہے ہوں یا کھیل کود میں وقت ضائع کر رہے ہوں تو استاد پوری جماعت کو خطاب کرکے کہہ دیا کرتا ہے کہ لڑکو! خبردار ہنسو نہیں۔ وقت ضائع مت کرو۔ شرارتیں نہ کرو ورنہ میں سزا دوں گا تو ایک کھلی ہوئی واضح اور غیر مبہم حقیقت ہے کہ اس خطاب تہدیدی میں وُہ لڑکے مخاطب ہیں جو آدابِ تعلیم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں اگر سزا تک نوبت پہنچ جائے تو انہی تک ہی محدود رہے گی۔ لیکن جو لڑکے شریفانہ طور پر اپنے کام میں مشغول ہوں گے، نہ وہ مخاطب ہوں گے اور نہ قابلِ سزا ہوں گے۔ بشرطیکہ استاد عادل اور منصف مزاج ہو اور جن کی شرافت محنت و دیانت کا استاد خود معترف ہو تو ناممکن ہے کہ پھر ایسے خطابات کے ساتھ ان کو تہدید کرے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ وہ شخصیتیں ہیں۔ جن سے خطاکاری ناممکن ہے

بلکہ ہر وہ صفت جو کمال انسانی کے منافی ہو وہ ان سے پاک و منزہ ہیں اور خود خلاقِ عالم نے آیتِ تطہیر بھیج کر ان کی اخلاقی شائستہ وصفاتِ رذیلہ سے پاکیزگی کا غیر مبہم الفاظ میں اعلان فرما دیا ہے پھر کیسے ممکن ہے کہ ان کو غلط کاروں کے زمرہ میں داخل کر کے ان کو تہدیدی خطابات میں شامل کرے۔

حلال جانور بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ :- تفسیر مجمع البیان سے منقول ہے کہ بہیمہ ہر چوپائے کو کہتے ہیں خواہ بری ہو یا بحری ہو۔ اور تفسیر رازی میں ہے کہ ہر وہ جانور جو عقل سے خالی ہو، اُسے بہیمہ کہتے ہیں اور انعام جمع ہے نعم کی اور یہ لفظ اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری کی جنسوں پر بولی جاتی ہے اور اس مقام پر بہیمۃ الانعام سے کیا مراد ہے اس میں علمائے اسلام کے تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تینوں قسموں کے مذکورہ اہلی جانور ہیں۔ ا۔ اونٹ ۲۔ گائے بھینس ۳۔ بھیڑ بکری۔ گویا بہیمہ اور انعام سے مراد ایک ہی چیز ہے اور ایک کی دوسرے کی طرف اضافت صرف تاکید یا بیان کے لئے ہے۔

دوسرا قول یہ کہ اس سے مراد وحشی جانور ہیں۔ یعنی ہرن، بارہ سنگا، بزکوہی، نیل گائے اور گاؤخر وغیرہ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بچے ہیں جو ذبح شدہ حیوان کے شکم میں سے نکلیں اور ماں کی ذبح سے اُن کی موت واقع ہوئی ہو۔ پس وہ حلال ہیں اور اگر ماں کے شکم سے زندہ نکلیں تو پھر بغیر علیحدہ تکبیر و ذبح کے حلال نہ ہوں گے چنانچہ آئمہ اہلبیت علیہم السلام سے اسی تیسرے قول کی تائید میں احادیث بکثرت وارد ہیں، اور آیت مجیدہ کا عام معنی پر حمل کرنا بہتر ہے تاکہ ہر سہ اقوال اس میں داخل ہو جائیں۔ گویا مقصد یہ ہوا کہ اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کی ہر سہ اجناس خواہ اہلی ہوں خواہ جنگلی یہ سب حلال ہیں اور ان میں سے کسی مادہ کے پیٹ میں اسی ذباحت کے اثر سے اس کا بچہ مر جائے تو وہ بھی حلال ہے پس چوپاؤں میں سے جو حیوان ان اصناف میں داخل نہ ہو وہ حلال نہیں چنانچہ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ہاتھی، ریچھ، بندر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ جانور بہیمۃ الانعام میں داخل نہیں جن کا گوشت حلال ہے تو معلوم ہوا کہ جو چوپائے مذکورہ بالا صنفوں میں داخل نہیں وہ تو قطعی طور پر حرام ہیں۔ لیکن جو چوپائے ان میں داخل ہیں۔ ان میں سے بھی بعض افراد حرام ہیں جو بعد میں بیان ہوں گے جن کے متعلق ارشاد فرما رہا ہے کہ :-

إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ :- یعنی سوائے ان کے جو تم پر بیان کئے جائیں گے اور وہ ہیں موقوذہ متردیہ نطیحہ اور درندے کی پھاڑی ہوئی اور بتوں کی نذر ہوئی اور اللہ کے نام لئے بغیر ذبح کی ہوئی وغیرہ۔ پس ان بیان کردہ حرام صورتوں کے علاوہ چوپائے ہر سہ قسم کے تم پر حلال ہیں۔ خواہ اہلی ہوں یا وحشی اس کے بعد ایک قید اور بڑھا دی۔

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ :- یعنی حالتِ احرام خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا اسمیں شکار کرنا حرام ہے پس ہر قسم کے حلال حیوانوں میں سے حالتِ احرام کا شکار شدہ جانور بھی خارج ہے۔ ان مسائل کی تفصیل تفسیر کی تیسری

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ

اے ایمان والو! نہ حد شکنی کرو شعائر اللہ کی اور نہ حرمت والے مہینے کی

وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ

اور نہ قربانی کی اور نہ قلادہ ڈالے ہوئے جانوروں کی اور نہ بیت الحرام کے قاصدین کی جو چاہتے ہوں

جلد میں قدرے بیان کی جا چکی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ :۔ چونکہ بعض کج مزاج ہر بات پر کیوں کرنے کے عادی ہوتے ہیں اس مقام پر وہ کہتے کہ فلاں جانور کیوں حلال اور کیوں حرام، اس کیوں کیوں کا تفصیلی حل اور حقائق و دقائق پر سیر حاصل تبصرہ چونکہ وقت طلب بلکہ متوسط عقول کی سطح سے بلند تھا اس لئے اس چون وچرا کا ناطقہ یہی فقرہ کہہ کر بند کر دیا کہ اللہ جو چاہتا ہے سو حکم دیتا ہے اور چونکہ وُہ وہی کچھ چاہتا ہے جو مطابق مصلحت ہوتا ہے پس اس کا حکم خالی از مصلحت نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ جن جن حیوانوں کو اُس نے حلال بتایا اسمیں مصلحت حلیت کی تھی اور جن کو حرام قرار دیا اسمیں مصلحت حرمت موجود تھی

شَعَآئِرَ اللهِ :۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ شعیرہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے علامتیں۔ مراد یہ ہے کہ خداوند کریم نے اپنے دینِ مبین اور شرعِ متین کے جو نشان و علائم قائم فرمائے ہیں ان کو قائم رکھو۔ بعض علماء نے شعائر اللہ سے اس مقام پر صرف مناسک حج مراد لئے ہیں اور بعض اس کو تمام شؤون اسلامیہ پر مشتمل جانتے ہیں اور شعائر اللہ کے بعد شہر حرام اور ھدی و قلائد وغیرہ کا ذکر تخصیص بعد تعمیم ہے یعنی بعض افراد کو عمومی حکم کے بعد خصوصیت سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ مامور بہ کے باقی افراد میں سے ان کی اہمیت ذہن نشین کرائی جائے۔ پس یہاں بھی ایسا کیا گیا ہے اور شعائر کی اللہ کی طرف نسبت ہی تمام علائم اسلامیہ خواہ از قبیل اوامر ہوں یا از قبیل نواہی ہوں۔ کی عظمت پر دلالت کے لئے کافی ہے کیونکہ حاکم جس چیز کی نسبت اپنی طرف دے دے تو رعایا کے ذہن میں فطرتاً ہی اس چیز کی اہمیت جگہ کر لیا کرتی ہے۔ اس مقام پر لَا تُحِلُّوا سے مراد ہے ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور حد شکنی نہ کرو یعنی اگر وُہ باتیں از قبیل اوامر ہیں تو ان کو ترک نہ کرو اور اگر از قبیل نواہی ہیں تو ان کا ارتکاب نہ کرو۔

وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ :۔ یعنی حرمت والا مہینہ الف و لام کو جنس یا استغراق کا قرار دیا جائے تاکہ چاروں حرمت والے مہینے اس میں داخل ہو جائیں اور وہ یہ ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ محرم اور رجب اور الف و لام کو عہد کا قرار دیا جائے تو مراد ماہ ذوالحجہ ہوگا لیکن عموم پر حمل کرنا زیادہ موزوں ہے واللہ اعلم۔ یعنی حرمت والے مہینوں کی حرمت ضائع نہ کرو۔

وَلَا الْهَدْيَ :۔ ھدی سے مراد وہ قربانی ہے جو حاجی لوگ بیت اللہ کی طرف اپنے ساتھ لے چلیں اور

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ط وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ط

فضل اپنے پروردگار سے اور خوشنودی اور جب احرام کھولو تو شکار کرو

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور نہ آمادہ کرے تم کو دشمنی ایک قوم کی جنہوں نے روکا تمہیں مسجد الحرام سے کہ تم بھی حد سے

أَنْ تَعْتَدُوا م وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ص وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى

تجاوز کرو اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور پرہیزگاری پر اور نہ ایک دوسرے کی مدد کرو

الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

کارِ بد اور سرکشی پر اور اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ سخت سزا دینے والا ہے

قلائد جمع ہے قلادہ کی اس کا معنی ہے وہ چیز جو قربانی کے گلے میں ڈالی جائے تاکہ دیکھنے والا سمجھ لے کہ یہ جانور بیت اللہ کی طرف قربانی کے لئے لے جایا جا رہا ہے لیکن یہاں وہی جانور مراد ہیں جن کے گلے میں قلادہ ڈالا گیا ہو۔ مقصد یہ ہے کہ حج کی ہر قربانی خواہ ان کی گردن میں قلادہ ہو یا نہ ہو ان کو حلال نہ سمجھو یعنی ان کے بارے میں قانونِ خداوندی کی حد شکنی نہ کرو۔

وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الخ أَمَّ يَؤُمُّ ۔ کے باب سے اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی بیت اللہ کا قصد کرنے والے جو مناسکِ حج ادا کرکے اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے جاتے ہیں ان کو حلال نہ سمجھو یعنی ان کو اذیت نہ دو اور ان کا مال ومتاع غصب نہ کرو۔ لوامع التنزیل میں ابن عباس سے مروی ہے کہ مشرکین بھی حج کیا کرتے تھے اور مشاعر کی پوری تعظیم کرتے تھے۔ اب مسلمانوں نے چاہا کہ ان پر حملہ کرکے ان کا مال لوٹ لیں تو خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ کے ذریعہ سے ان کو منع فرمایا۔

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۔ حج کا طواف باندھ لینے کے بعد بہت سی چیزیں حاجی پر حرام ہو جاتی ہیں۔ جو تفسیر کی تیسری جلد میں مفصلاً بیان کی جا چکی ہیں۔ ان میں ایک بری جانور کا شکار بھی ہے۔ اب اسی کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ جب مناسک حج پورے ہو جائیں اور احرام ختم ہو جائے تو بے شک اب تم کو شکار کی اجازت ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ ۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر چونکہ کفار قریش نے مسلمانوں کو بیت الحرام تک پہنچنے سے روک دیا تھا۔ اب جو مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا تو ان کے دل میں سابق کینہ کی بنا پر یہ بات تھی کہ مشرکین سے سال گزشتہ کا انتقام لیا جائے پس خداوند کریم نے ان کو اس فعلِ قبیح سے روک دیا کہ وہ قوم جنہوں نے تم کو حدیبیہ کے سال مسجد الحرام سے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ

تم پر حرام کیا گیا مُردہ اور خون اور سور کا گوشت اور وہ (جانور) کہ نام لیا گیا

لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

اللہ کے غیر کا اس پر اور جس کا گلہ گھونٹا جائے اور جو کسی صدمہ سے مر جائے اور جو اوپر سے گر کر مر جائے۔

روکا تھا ان کی دشمنی تم کو اس امر پر آمادہ نہ کرے کہ تم بھی حد سے تجاوز کرنے لگو۔ مروی ہے کہ فتح مکہ کے سال حاجی مسلمانوں کی ایک جماعت نے ایک مومن کو قتل کر ڈالا۔ جو کہ ابوسفیان کا حلیف تھا اور وجہ یہ بیان کی کہ ابوسفیان نے حضرت رسالتمآبؐ کے حلیفوں کو قتل کیا ہوا ہے۔ جب حضورؐ کو علم ہوا تو فرمایا خدا کی لعنت اُس شخص پر جو زمانِ جاہلیت کے کینہ کے پیشِ نظر اب انتقام لے اور فرمایا کہ زمانِ جاہلیت کا ہر خون و مال میرے قدموں کے نیچے ہے یعنی اس کا بدلہ نہیں لیا جا سکتا اور زمانِ جاہلیت کا معیارِ شرف بھی میرے قدموں کے نیچے ہے سوائے تولیتِ کعبہ اور حاجیوں کی سقایت کے کہ یہ دونوں شرف اب بھی رہیں گے۔

حرام جانور

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ۔ پہلے ارشاد فرمایا کہ تم پر چوپائے حیوان حلال ہیں اور چونکہ انہی حلال جانوروں میں بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں وہ حرام ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے وہاں فرمایا تھا کہ چوپائے تم پر حلال ہیں۔ لیکن بعض صورتوں میں حرام ہو جاتے ہیں جو بعد میں بیان کی جائیں گی۔ پس اس کا مقصد یہ ہوا کہ جس جانور کو بہیمۃ الانعام نہیں کہا جاتا۔ وہ تو سب کے سب حرام ہیں اور اس میں کتا اور سور اور جملہ درندے اور حرام جانور سب داخل ہیں۔ جیسے ایک روایت میں گذرا ہے کہ ہاتھی، ریچھ اور بندر کے متعلق حضرت امیرؑ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ جانور بہیمۃ الانعام میں داخل نہیں ہیں۔ پس حرام ہیں اور جو اس لفظ میں داخل ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔ اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری خواہ اہلی ہوں یا جنگلی پس شتر مرغ، نیل گائے، گورخر، ہرن، بارہ سنگا، پہاڑی مینڈھا بکرا وغیرہ سب داخل ہیں اور یہ سب کے سب حلال ہیں۔ سوائے بعض صورتوں کے ایک تو حالتِ احرام میں ان جنگلی جانوروں کا شکار وقتی طور پر حرام ہوتا ہے اور اس حالت میں مُحرم کے ہاتھ کا ہر شکاری جانور کا ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے نہ وہ اس کے لئے حلال اور نہ کسی اور کے لئے حلال ہوتا ہے۔ اس مقام پر ان صورتوں کی تفصیل ہے۔ جن میں وہی حلال جانور حرام ہو جاتے ہیں۔
(۱) میتہ یعنی جو حیوان از خود مر جائے (۲) دم یعنی خون ہر جانور کا حرام ہے اس کا گوشت حرام ہو یا نہ ہو (۳) سور کا گوشت۔ یہ شق بہیمۃ الانعام میں داخل نہیں۔ لہٰذا اس کی حرمت ہر اس جانور کی طرح ہے جو اس لفظ سے باہر ہیں۔ لیکن چونکہ بعض قوموں میں ان کے کھانے کا عام رواج تھا اور ان کو کھانے کے لئے پالا کرتے تھے پس اس مقام پر

وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى

اور جسے دوسرا جانور سینگ یا ٹکر مارے اور مر جائے اور جسے درندے کھا جائیں ہاں مگر ان میں سے جس کا تزکیہ

النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ

کر لو اور جو بتوں کے لئے ذبح کیا جائے اور یہ کہ جوئے کے تیروں سے تقسیم کرو۔ یہ فسق ہے

اس کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرما دیا تاکہ کوئی اس کی حلیت کا شبہ تک پیدا نہ کر سکے اور یہی وجہ ہے کہ سور کے گوشت کا ذکر فرمایا اور کتے کا ذکر نہ کیا ورنہ بلفظ بہیمۃ الانعام سے دونوں خارج اور باقی درندوں کی طرح دونوں حرام ہیں۔ (۴) وہ جانور جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے بلکہ کسی اور کے نام سے لے ذبح کیا جائے۔ (۵) وہ جانور جس کا گلہ گھونٹنے سے اس کی موت واقع ہو خواہ اس کا سبب کوئی بھی ہو آلۂ شکار کی وجہ سے یا کہیں پھنس جانے سے یا مالک کی بد احتیاطی سے ہو، ہر صورت میں اس کا گوشت کھانا حرام ہو جاتا ہے (۶) جس حیوان کو مارا جائے اور وہ اس کی تاب نہ لا کر جان توڑ دے پس وہ حرام ہو جاتا ہے (۷) متردیہ، جو جانور کسی اونچی جگہ سے گر کر مر جائے (۸) ایک حیوان دوسرے حیوان کو سینگ یا ٹکر بار بار کر یا اپنے پاؤں میں روند کر اسے ختم کر دے وہ بھی حرام ہے اور نطیحہ سے یہی مراد ہے (۹) جس حیوان کو درندے کھا جائیں لیکن اگر حیوان کی موت واقع ہونے سے قبل اسے صحیح طور پر ذبح کیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہوگا (۱۰) وہ حیوان جو نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا جائے لوامع التنزیل میں ابن جریج سے منقول ہے کہ کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ پتھر نصب تھے اور مشرکین مکہ کا دستور تھا کہ ان میں سے ایک پتھر کے سامنے حیوان کو ذبح کر کے اس پتھر پر اس کا خون مل دیتے تھے اور گوشت کو اسی پتھر پر خشک کرتے تھے اور اسے باعث برکت سمجھتے تھے۔ جب اسلام کا دور آیا تو مسلمانوں نے حضرت رسالتمآبؐ سے درخواست کی کہ ہمیں اجازت ہو تو حیوان کو ذبح کر کے کعبہ کی دیواروں پر اس کا خون مل دیں حضورؐ خاموش ہو گئے پس آیت اتری۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ ۔الخ کہ ان قربانیوں کے خون اور گوشت اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ وہاں تک رسائی تمہارے تقویٰ کے لئے ہی ہے (۱۱) تفسیر برہان میں امام رضا علیہ السلام سے ایک طویل روایت کے ذیل میں مروی ہے کہ زمانِ جاہلیت کا دستور ہے کہ دس آدمی مل کر ایک اونٹ خرید لیتے تھے اور ان کے پاس جوئے کے دس تیر تھے جن میں سے سات تیر سعد اور تین تیر نحس شمار کئے جاتے تھے۔ وہ سات تیر جو سعد تھے ان کے نام یہ تھے۔ فذ۔ توام۔ نافس۔ حلس۔ مسبل۔ معلی۔ رقیب اور تین نحس تیروں کے نام یہ تھے۔ سفیح، منیح وغد۔ پس ایک امین کے ذریعہ سے یہ دس تیر ان دس حصہ داروں میں تقسیم ہوتے تھے اور جن تین آدمیوں کے نام تین نحس تیر نکلتے تھے پورے اونٹ کی قیمت انہیں کو ادا کرنی پڑتی تھی اور اونٹ کا گوشت باقی سات حصہ داروں پر تقسیم ہوتا تھا۔ جن کے نام سعد تیر نکلتے تھے اور یہ جوئے کی ایک قسم تھی۔

خداوند کریم اس طریق پر حاصل کردہ گوشت کو حرام فرمارہا ہے۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے کہ مجوسی لوگ ذبح شدہ جانور نہیں کھاتے تھے بلکہ جب گوشت کھانے کو دل چاہتا تھا تو ایک حیوان کو پکڑ کر اس کا گلہ دبا دیتے تھے یا اسے باندھ کر پتھروں اور لاٹھیوں سے مارتے تھے یا اس کی آنکھیں باندھ کر کسی بلند مقام سے اس کو گراتے تھے اور ان طریقوں سے جب حیوان مرجاتا تھا تو اس کا گوشت کھاتے تھے۔ نیز یہ طریقہ بھی تھا کہ دو حیوانوں کو لڑا دیتے تھے جب ان میں سے کمزور حیوان مرجاتا تھا تو اس کا گوشت کھاتے تھے۔ اسی طرح درندوں کا قتل شدہ حیوان بھی کھا لیا کرتے تھے اور ان سب صورتوں کو خدا نے حرام قرار دیا ہے۔

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ :- یعنی مجوسی لوگ اپنے آتش کدوں کے لئے ذبح کرتے تھے اور قریش جو درختوں اور پتھروں کے پجاری تھے وہ ان کے لئے ذبح کرتے تھے پس خدا نے اس قسم کے ذبائح کو حرام قرار دیا۔ الحدیث۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام سے اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اس استثنار سے پہلے جو چیزیں مذکور ہوئی۔ اگر ان میں زندگی موجود ہو مثلاً آنکھ یا پاؤں یا دم حرکت کر رہے ہوں۔ پس تکبیر پڑھ کے صحیح طور پر اسے ذبح کیا جائے تو وہ جانور حلال ہے۔ بشرطیکہ ذبح ہونے سے پہلے مر نہ چکا ہو اور اسی طرح اگر صحیح حیوان کو ذبح کیا جائے پھر کوئی صدمہ اسے پہنچے یا اونچی جگہ سے گرے تو وہ حرام نہ ہوگا۔

حلیت و حرمت کا معیار

چونکہ عام اذہان اشیار کی لم و علت کے متلاشی ہوتے ہیں اس لئے یہاں ایک عقلی معیار بیان کیا جاتا ہے تاکہ کلیہ حرام و حلال کا معلوم ہو جائے لوامع التنزیل میں فخرالدین رازی سے منقول ہے کہ غذا چونکہ غذا کھانے والے کے مزاج و جوہر کی جزو بنتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ کھانے والے کے اخلاق و صفات میں غذا کی جنس کے اخلاق و صفات رونما ہوں ہوں اور خنزیر کے مزاج میں چونکہ شہوات کی طرف حد درجہ کی رغبت و میلان ہوتا ہے اس لئے انسان کے لئے اس کا گوشت کھانا حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ وہ کیفیت اس کے اندر پیدا نہ ہو جائے اور بکری ایک سلیم الطبع حیوان ہے اور بدعادات سے تقریباً مبرا ہے پس اس کا گوشت حلال کیا گیا ہے کیونکہ اس سے مزاج بگڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں اور نہ احوالِ انسانی سے جداگانہ کسی اجنبی کیفیت کے رونما ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بعض صحابہ نے دریافت کیا کہ خدا نے مُردہ خون اور سور کا گوشت کیوں حرام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام اس لئے نہیں کیا کہ حرام چیزیں اس کو محبوب تھیں پس انسانوں کی زد سے انہیں بچا لیا اور حلال چیزیں غیر محبوب تھیں پس ان کو انسانوں کی خوراک بنا دیا۔ بات یہ ہے کہ خدا نے مخلوق کو زیور وجود سے آراستہ کیا تو وہ خود ہی جانتا ہے کہ کون کون سی چیز ان کے ابدان کے لئے ضروری اور فائدہ مند ہے لہذا اپنے فضل و کرم سے ان چیزوں کو ان کیلئے مباح و حلال قرار دے دیا۔ اور وہ خود ہی جانتا ہے کہ کون کونسی چیز ان کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے۔ لہٰذا وہ

چیزیں ان کے لئے حرام قرار دے دیں۔ ہاں بعض اضطراری حالتوں میں اس حرام میں سے صرف اسی قدر اجازت دی کہ جان بچ سکے۔ مردار کو اس لئے حرام کیا ہے کہ مردار کھانے سے جسم کمزور۔ بدن لاغر، قوت ختم اور نسل منقطع ہو جاتی ہے اور مردار کھانے والے کی موت اچانک ہی واقع ہو گی اور خون کو اس لئے حرام کیا ہے کہ یہ سخت دلی اور بے رحمی کا موجب ہوتا ہے۔ خون خوار انسان سے عین متوقع ہے کہ کسی وقت وہ اپنے بچوں یا والدین یا کسی رشتہ دار یا مخلص دوست کو قتل کر دے۔ حرمت خنزیر اس لئے ہے کہ خداوند کریم نے کئی قوموں کو کئی شکلوں میں مسخ کیا مثلاً سور، بندر اور ریچھ یا دوسری مسخ شدہ چیزیں پس اسی قسم کی چیزوں کے کھانے سے منع فرمایا تاکہ ان سے نفع مند ہو کر ان کے عذاب کو حقیر نہ سمجھ لے اور شراب کو حرام کیا کیونکہ یہ عقل کو فاسد کرتا ہے اور فرمایا کہ شراب خوار مثل بت پرست کے ہے اور یہ ارتعاش بے رونقی اور بے مروتی کا موجب ہوتا ہے اور انسان کو خونریزی اور زناکاری کی دعوت دیتا ہے اور شراب خوار سے بعید نہیں کہ وہ حالت نشہ اور عالم بے شعوری میں اپنی ماں بہن سے زنا کا مرتکب ہو جائے اور شراب اپنے پینے والے کو ہر قسم کی برائی کی دعوت دیتا ہے

اقول ۔ معصوم نے بطور مثال کے یہ اسباب بیان فرمائے ہیں۔ بہرکیف خداوند کریم نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کی حرمت میں مصلحت ہے خواہ ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھیں اور جن چیزوں کو اس نے حلال قرار دیا ہے اس کی حلیت میں مصلحت ہے اور ہماری عقول کا بعض چیزوں کے مصالح و مفاسد تک رسائی حاصل نہ کر سکنا اس امر کی دلیل نہیں بن سکتا کہ اس میں مصلحت ہی نہیں ہے۔

حلال حیوان کا مُردہ کیوں حرام ہے

اب رہا یہ سوال کہ یہ حلال جانور خود بخود مر جائیں تو حرام اور انسان خود ان کو ذبح کرے اور مر جائیں تو حلال یعنی خدا مارے تو حرام اور بندہ مارے تو حلال تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ ذبح کرنے میں چند شرطیں ہیں ۱۔ ذبح کرنے والا مسلمان عاقل ہو۔ ۲۔ ذبح کرنے والا اور مذبوح جانور قبلہ رُخ ہوں ۳۔ مقام مخصوص سے ذبح کرے یعنی باقی حیوانوں کی چار رگیں کاٹے اور اونٹ کو مخصوص طریقہ سے نحر کرے ۴۔ بوقت ذبح خدا کا نام لے۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط عمداً ترک ہو گی تو ذبح شدہ جانور پھر بھی حرام ہو گا۔ پس معلوم ہوا کہ جس طرح اپنی موت مرنے سے جانور مردار اور حرام ہو جاتا ہے۔ شرائط مذکورہ کے بغیر انسان کے ہاتھوں مر جانے والا جانور بھی مردار اور حرام ہو جایا کرتا ہے لہذا خدا کی ماری ہوئی اور بندے کی ماری ہوئی کے درمیان فرق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ہر حلال کے استعمال کے لئے بعض شرائط اسی کی اپنی مناسبت سے ہوا کرتی ہیں اور ان شروط کے بغیر وہ حلال اگرچہ حلال کہلاتا ہے لیکن استعمال حرام ہو جاتا ہے۔ مثلاً مرد عورتوں پر حلال لیکن کیا ہر مرد و عورت ایک دوسرے پر حلال ہیں؟ تو ایسا ہرگز نہیں بلکہ بعض شرائط کا وجود ضروری ہے جن کے ماتحت مرد و عورت ایک دوسرے پر حلال ہوتے ہیں اور پھر حلال ہونے کے بعد ایک دوسرے کے استعمال کی اجازت

اس وقت ہوا کرتی ہے جب طریقِ خاص سے صیغہ ایجاب و قبول جاری ہو اور میاں بیوی بن جائیں۔ بلکہ میاں بیوی بننے کے بعد بھی بعض اوقات مرد پر عورت کا مخصوص استعمال ناجائز ہو جاتا ہے جب کہ وہ حالتِ حیض یا نفاس میں ہو۔ نیز عورت کا استعمال عمومی طور پر بھی درست نہیں بلکہ نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ کے مفہوم کے مطابق عورت کی مقاربت اسی مقام سے کی جائے جو کھیتی کا مقام ہے۔ اسی بنا پر دبر سے عورت کی وطی کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ خلاف فطرت ہے اور تفسیر ہذا کی تیسری جلد میں اسی فقرہ کی لفظی تشریح میں بھی ہم نے لکھا ہے کہ مکروہ ہے یعنی ناپسندیدۂ خدا ہے اور جسے خدا پسند نہ کرے وہ خلافِ مصلحت ہی ہوا کرتا ہے جس کا ارتکاب مبغوض و مذموم ہوا کرتا ہے اور ہر وہ فعل جو مبغوضِ خدا ہو مومن کی شان سے بعید ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے اسی طرح گندم کھانا حلال ہے لیکن کیا جہاں اور جس مقام پر گندم دیکھے وہی اس پر حلال ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کے لئے بھی شرائط ہیں اسی طرح کپڑا پہننا جائز ہے اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جہاں بھی کوئی کپڑا دیکھے اٹھا کر پہن لے بلکہ اس کا پہننا بھی شرائط کے بعد صحیح ہوگا پس کوئی دنیا کا حلال ایسا نہیں جس کے استعمال کے لئے شرائط نہ ہوں تو اس مقام پر خداوند کریم نے جن جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کے استعمال کے لئے بھی شرائط ہیں۔

شرطِ اوّل:۔ ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ چونکہ یہ ایک عقلی قاعدہ ہے کہ کسی ظاہری سلطنت میں کوئی عہدہ دار اس وقت تک عہدہ دار رہ سکتا ہے جب تک اپنے سے مافوق یعنی افسر اعلیٰ کا احترام اس کے دل میں ہو یعنی وہ اپنے ماتحت پر اس وقت تک حاکم رہ سکتا ہے ———— جب تک مافوق کی محکومی کو تسلیم کرتا رہے اور کسی کا مافوق کی محکومی تسلیم کئے بغیر اپنے عہدہ پر برقرار رہنا اور ماتحت پر حکومت کرنا ناممکن ہے حکومتِ الٰہیہ میں بعینہٖ یہی عقلی قانون رائج ہے کہ نظامِ حکومتِ خداوندی میں بنی نوع انسان کو تمام باقی مخلوقات پر افسر و حاکم بنایا گیا ہے۔ اور انبیاء و آئمہ کو عام انسانوں پر حقِ حکومت عنایت کیا گیا ہے پس انسان اپنے سے ماتحت مخلوق پر اس وقت حکومت کرنے کا حق رکھتا ہے جب اپنے سے مافوق کی اطاعت کرتا ہو اگر اپنے مافوق یعنی خدا اور اس کے انبیاء کا انکاری ہو تو اسے قانونِ عقل کے لحاظ سے قطعاً اپنی ماتحت مخلوق سے غلامی و نوکری لینے کا حق حاصل نہیں پس اس کا زمین پر چلنا حرام، بیٹھنا حرام، سونا حرام اسی طرح کھانا پینا حرام بلکہ کائناتِ عالم میں اس کے جملہ تصرفات ناجائز اور حرام ہوں گے۔ اگر نظامِ عالم کی باگ ڈور خدائی عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہو تو ایسے لوگوں کو صفحۂ دنیا سے مٹا دیا جائے۔ جیسے قرآن مجید کا صاف ارشاد ہے کہ مشرکین کو جہاں بھی پاؤ قتل کردو۔ پس جب اسلام لائے بغیر ان کا روئے زمین پر چلنا پھرنا خدا کو گوارا نہیں۔ تو ان کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ اس کی مخلوق کی رگِ حیات کاٹ دیں جو اسی کا دیا ہوا رزق کھاتی ہے اور اسی کی خلق کردہ زمین پر بود و باش رکھتی ہے اور خداوند کریم نے قرآن مجید میں ناخدا شناس انسانوں کو چوپاؤں کی مثل یا ان سے بھی بدتر کہا ہے تو جو خود چوپاؤں کی مثل یا ان سے بھی پست مرتبہ رکھتے ہوں وہ اپنے جیسے یا اپنے سے بہتر

یعنی چوپاؤں کی رگِ حیات کاٹنے اور ان کے ذبح کرنے کا کیا حق رکھتے ہیں؟ بلکہ وُہ تو خود مثل چوپاؤں کے انسانوں کے غلام اور مملوک بننے کے قابل ہیں اور ان کے جملہ اموال بھی ان انسانوں کے لئے ہونے چاہئیں جو اپنے سے بالا خدا اور انبیاء کو افسر و حاکم تسلیم کرکے ان کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں ۔ اسی بناء پر جہاد کرنے کا حکم ہوتا ہے ۔ پس خدا کے نزدیک نہ کفار کے قتل کی باز پرس ہوگی نہ ان کے غلامی میں لئے جانے کی باز پرس ہوگی اور ان کے جمیع اموال پر مسلمانوں کو حقِ تصرف حاصل ہے جسے غنیمت سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ پس ذبح ہونے کی پہلی شرط اسلام ہونا واضح ہوگیا۔

دوسری شرط ہے کہ خدا کے نام سے ذبح کرے ۔ وُہ انسان جو خدا و رسولؐ کی اطاعت کے بعد باقی مخلوقاتِ عالم پر حق حکومت رکھتا ہے ۔ اس کے لئے یہ تو جائز ہے کہ خدا کی جانب سے حلال کردہ حیوانات کو ذبح کرکے کھائے کیونکہ اس کو بجا طور پر اپنے ماتحت پر حق حکومت حاصل ہے حتّٰی کہ وُہ اپنے ماتحت ذی روح جانوروں کو حق زندگی سے بھی محروم کرسکتا ہے اگر اس میں اس کو ذاتی فائدہ حاصل ہو سکتا ہو یا کوئی ضرر دفع ہو سکتا ہو اور حلال جانوروں کا ذبح یا موذی جانوروں کا قتل اسی بناء پر ہے ۔ تو جب انسان کھانے کے لئے کسی حلال گوشت جانور کی گردن پر چھری پھیرنا چاہتا ہے تو ممکن تھا کہ دل میں تکبیر اور اپنی برتری کا خیال پیدا ہوا کہ میں چونکہ بڑا ہوں اور یہ جانور کمزور ہے اسی لئے اس کو ذبح کر رہا ہوں ۔ پس اس موقعہ پر خدا کا نام اور اس کی کبریائی وعظمت کا ذکر ضروری کر دیا گیا تاکہ انسان یہ محسوس کرے کہ میں بذاتِ خود ان پر کسی فوقیت کا حقدار نہیں ہوں بلکہ اپنے مافوق کی غلامی نے مجھے اس اہل قرار دیا ہے کہ اپنے ماتحت پر حکومت کروں اور ان ماتحت حیوانات کے رشتہ حیات کا منقطع کرنا بھی اپنی طاقت و تشدد کے بل بوتہ پر نہیں بلکہ اسی بادشاہ کے اذن کی بناء پر ہے جو جسم و جان کا مالک اور بدن و روح کا خالق ہے ۔

تیسری شرط ذابح و مذبوح کا قبلہ رُخ ہونا ۔ یہ بھی اظہار عبدیت کے لئے ہے ۔ چونکہ خداوند کریم نے انسان کی اشرف عبادت نماز کے لئے کعبہ کو قبلہ قرار دیا ہے ۔ پس اس اہم مقام پر جب کہ ایک مخلوق دوسری مخلوق کو حق زندگی سے محروم کر رہی ہے ۔ دونوں کے قبلہ رُخ ہونے کا حکم دیا کہ غالب کے دل میں نقشِ عبدیت ثابت رہے اور اسے اپنا غلبہ و طاقت تکبر و رعونت کی دعوت نہ دے بلکہ ذبح کرنے والا سمجھے کہ اس حیوان کے ذبح کرنے میں میں اپنے مالک اور اس حیوان کے مالک کے عطا کردہ اختیارات کو ہی استعمال کر رہا ہوں اور اسی کو ہی معبود حقیقی مانتا ہوں اور میرا یہ اختیار بھی اس کی ذات کا ایک انعام خاص ہے ۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مذبوح حیوان کے چار رگیں کاٹی جائیں اور اونٹ کو مخصوص طریقہ سے نحر کیا جائے ان سے مقصد یہ ہے کہ ایک طرف تو مذبوح حیوان کو زیادہ تکلیف نہ ہو بلکہ جلدی مرجائے اور دوسرے اس کے جسم سے زیادہ سے زیادہ خون نکل جائے ۔ کیونکہ خون کا کھانا حرام ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اونٹ کو نحر کرنے سے اور حیوان کو مخصوص طریقہ پر ذبح کرنے سے ان کی موت نہایت سہولت سے واقع ہوتی ہے اور پورے سے

جسم کا خون بھی اسی طریقہ سے زیادہ مقدار میں خارج ہو سکتا ہے

حلال وطاہر اور حرام ونجس میں فرق

ہمارے عوام میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جو حلال اور طاہر کو ایک سمجھتے ہیں اگر کسی شے کے متعلق کہا جائے کہ وہ پاک وطاہر ہے تو وُہ اس کا معنی حلال وطیب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح حرام ونجس میں بھی فرق نہیں کرتے اگر کسی شے کے متعلق کہا جائے کہ وہ حرام ہے تو وُہ اسے نجس بھی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز طاہر بھی ہو اور حرام بھی ہو گویا طاہر کے لئے حلال ہونا ضروری نہیں اور حرام کے لئے نجس ہونا لازمی نہیں لیکن دوسری طرف یہ ضروری ہے کہ جو چیز حلال ہوگی وہ طاہر ضرور ہوگی اور جو نجس ہوگی وہ حرام ضرور ہوگی۔ پس طاہر حلال سے عام ہے اور حرام نجس سے عام ہے پس جن چیزوں کو نجس قرار دیا گیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان کے چھونے تک سے گریز کرے اور کسی وقت نہ ان کو قریب آنے دے اور نہ خود ان کے قریب جائے۔ یعنی پُورے طور پر ان سے اظہارِ نفرت کرے لیکن اس کمالِ نفرت کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کے متعلق سب سے بڑی وجہ تو یہ ہی بتلائی جائے گی کہ چونکہ حکم شریعت ہے پس وُہ نجس اور واجب الاجتناب ہیں لیکن اگر غور کیا جائے تو ہر نجس چیز میں بعض مفاسد ایسے ہیں جن کی بدولت وہ انتہائی تنفر کے سزاوار ہیں مثلاً فضلات انسانیہ میں قذارت وکراہت کے علاوہ بعض ایسے مواد رد ّیہ یا جراثیم موذیہ موجود ہونے کا امکان ہوتا ہے جو صحتِ انسانی پر بُرے طریقہ سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی طرح خون نیز مادہ منویہ کی قذارت بھی ظاہر ہے کہ طبیعتِ انسانی خود بخود اس سے متنفر ہوتی ہے۔ کتے میں صفتِ درندگی ہے اور باوجود درندہ ہونے کے چونکہ اس کو انسانوں سے بہت قرب حاصل ہے اس کو حرام کیا گیا تاکہ اس کے گوشت کھانے سے درندگی کی صفت انسانوں میں نہ پیدا ہو جائے اور سُور کو حرام کیا گیا تاکہ اس کی شہوت پرستی کی صفت انسانوں میں نہ آجائے اور چونکہ یہ دونو جانور انسانوں کے زیادہ سے زیادہ قریب تھے اس لئے ان کو نجس بھی قرار دیا گیا تاکہ انسانوں کو ان سے پُوری نفرت ہو جائے اور کبھی ان کے گوشت کھانے کا تصور بھی نہ کر پائیں اور شراب بھی اسی لئے نجس قرار دیا گیا ہے تاکہ انسان اس سے پُوری طرح متنفر ہو کر کبھی اس کے پینے کی جرأت نہ کرے اور عقل جیسی انمول نعمت سے ایک لحظہ تک کے لئے بھی محروم نہ ہو وعلیٰ ہذا القیاس۔ کافر ومشرک کو نجس قرار دیا گیا تاکہ اس سے اجتناب کرکے اس کے عقیدہ فاسدہ کی نجس چھینٹوں سے بچا رہے۔ جسمِ حیوانی جو روح کی وجہ سے ایک اعلیٰ درجہ پر کمال نوعی کا حامل ہوتا ہے اور بذاتِ خود وہ مختلف امزجہ جزئیہ اور مواد و اخلاط متضادہ کا مجموع مرکب ہوتا ہے۔ رُوح کے خروج کی وجہ سے جب اس کے اجزاء مضرہ کو کنٹرول کرنے والے اجزاء مصلحہ کا عمل باطل ہو جاتا ہے بلکہ صلاحیت کا پہلو قطعاً مضمحل ہو جاتا ہے تو فسادی اجزاء بلا مقابلہ معرضِ ظہور میں آنے لگتے ہیں اور اپنی پُوری طاقت اختیار کر لینے کے بعد حدودِ جسم کو پھاند کر فضا میں منتشر ہونے لگتے ہیں۔ جن کے اثراتِ مہلکہ وباءِ ہمہ گیر کا پیش خیمہ بنتے ہیں اسی بناء پر عقلائے زمانہ

نے مُردہ حیوانوں کے اثراتِ فاسدہ کے انتشار سے بچنے کے لئے بعض اوقات ان کے جلا دینے کو ضروری قرار دیا ہے اور بعض اوقات ان کو دریا برد یا زمین میں دفن کرنے کا پہلو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ مُردہ انسانی کے متعلق بھی یہی صورتیں اختیار کی جاتی ہیں اور اسلام نے انسانی وقار کے پیشِ نظر اس کو دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور مردہ کو نجس قرار دینے کی بھی غالباً یہی مصلحت ہے کہ انسان اس سے تنفر کرے اور اس کے بعد اس کے حلال ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عالمِ وجود میں چونکہ انسان کو تاجِ کرامت و وقار عطا ہوا ہے اور انسان کے مُردہ سے تنفر اس کے وقار کے منافی تھا اس لئے موت واقع ہونے کے بعد سدر و کافور و خالص پانی سے اس کو تین غسل دینے کا حکم دیا تاکہ فوری طور پر اس سے ابھرنے والے مواد موذیہ کا سدِّباب ہو جائے اور جراثیم مہلکہ کے معرضِ ظہور میں آنے کا انسداد ہو جائے پس قبل غسل مَس کرنے والے پر غسل کرنا واجب کر دیا گیا تاکہ توہماتِ فاسدہ اور خیالاتِ وہمیہ آگے نہ بڑھیں اور میت کو فوراً دفن کر دینے کا حکم دیا گیا تاکہ جسمِ میت کے فاسد اثرات کو پھیلنے کا زیادہ موقع نہ ملے۔

حیوان مذبوح کی طہارت

چونکہ ذبح کرنے کے لئے ایسے مقامات تجویز کئے گئے ہیں جن کی بدولت حیوان کے پورے جسم سے خون خارج ہو جاتا ہے اور اسی کے ذریعہ سے موادِ فاسدہ کا بھی اخراج ہو جاتا ہے اور یہ صورت خود مرنے والے حیوان میں نہیں آسکتی۔ اور اللہ کا نام لے کر چونکہ خدا کی حاکمیت اور ملکیت کے زیرِ اثر اس کے رشتۂ حیات کو ختم کر دیا جاتا ہے اور قبلہ رُخ ہو کر ہر دو ذابح و مذبوح کی غلامی کا ضمنی اعتراف بھی ہوتا ہے تو گویا اس حیوان کی موت اپنے سے اعلیٰ و برتر کے مفاد و خوشنودی کی خاطر واقع ہوتی ہے۔ گویا وہ اپنے حاکم کی خوشنودی کی خاطر فدیہ بن رہا ہوتا ہے تو اس کو معنوی طور پر یہ شرف عطا ہوا ہے کہ اس کے جسم کو پاک و طاہر اور حلال و طیب قرار دیا گیا اور یہ مقام اپنی موت مرنے والے جانور کو نصیب نہیں ہوتا۔
اور غالباً انسان کی عام موت اور شہادت کی موت میں بھی یہی فرق نمایاں طور پر موجود ہے کہ اپنی موت مرنے والا انسان نجس ہوتا ہے اور طہارت کے لئے محتاجِ غسل ہوا کرتا ہے لیکن شہید ہو کر مرنے والا انسان چونکہ اپنی جان کو اپنے مافوق یعنی خدا کی رضامندی کے لئے قربان کرتا ہے۔ پس اس کو یہ معنوی شرف عطا ہوتا ہے کہ اس کا میت پاک و طاہر ہوتا ہے اور اس کو غسل کا محتاج نہیں قرار دیا جاتا۔ پس معلوم ہوا کہ جو حیوان حلال ہے وہ پاک بھی ہے لیکن اپنی موت چونکہ اس کے جسم کو نجس بنا دیتی ہے۔ لہذا اس کا گوشت حرام ہو جاتا ہے اور اگر ذبح کیا جائے شرائط کے ساتھ تو اس کو موت نجس نہیں کر سکتی بلکہ پاک و طاہر ہی رہتا ہے تو حلال بھی ہے اور طاہر بھی ہے لہذا اس کا کھانا جائز ہے اس بحث کا میں نے کسی کتاب سے استفادہ نہیں کیا بلکہ عین موقعہ پر ذہن پر مطالب کا ورود ہوا۔ پس زبانِ قلم سے نکلتے گئے اور صفحۂ کاغذ پر ثبت ہو گئے۔ واللہ اعلم بالحقائق۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ

آج (بروز غدیر) مایوس ہوگئے وہ جو کافر ہیں تمہارے دین اسلام کے مٹانے (سے پس ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

آج میں نے کامل کردیا تمہارے لئے تمہارا دین (ساتھ اعلان ولایت علی کے) اور تمام کردی تم پر اپنی نعمت

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ

اور راضی ہوا میں تمہارے لئے اسلام پر دین کے لحاظ سے (کہ یہ تمام دینوں سے افضل ہے) پس جو مضطر ہو حالت

غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

سختی (گرسنگی) میں کہ نہ مائل ہو گناہ کے لئے تو تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

آیتِ اکمالِ دین

اَلْيَوْمَ يَئِسَ ۔ آیت مجیدہ میں ربطِ الفاظ اور تسلسل معنی کا تقاضا تو یہ تھا فَمَنِ اضْطُرَّ الخ پہلے مذکور ہوتا اور اَلْيَوْمَ يَئِسَ الخ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کے بعد نئی آیت کا عنوان ہوتا کیونکہ اس سے پہلے یہی بیان ہوا ہے کہ تمہارے اُوپر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اللہ کے نام کے بغیر ذبح شدہ منخنقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ، درندوں کی پھاڑی ہوئی جس کا تزکیہ نہ ہو سکا۔ بتوں کے لئے ذبح کی ہوئی اور جوئے کے ذریعہ حاصل شدہ کُل گیارہ چیزیں حرام ہیں اور ان کا کھانا فسق ہے اب یہاں اس استثنا کا مقام تھا کہ البتہ جو شخص حالتِ گرسنگی اور سختی میں مجبور و مضطر ہو کر بلا رغبت گناہ ان چیزوں میں سے اس قدر کھالے کہ اس کی جان بچ جائے تو خداوند کریم اس کے اس اضطراری فعل کو بخشے گا کیونکہ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور غفورٌ رحیم کی لفظوں کا مطلب یہ ہے کہ مجبوری کی حالت میں جس حرام کو استعمال کیا گیا ہے۔ وُہ حلال نہیں ہو جاتا۔ یعنی مجبوری حرام کو حلال نہیں کر دیا کرتی بلکہ حرام تو حرام ہی رہتا ہے البتہ خُدا کی مغفرت و رحمت کے تقاضے سے اس کی سزا نہ ہوگی۔ اب اس حکم کے بیان ہو جانے کے بعد دوسری بات کا آغاز ہوتا ہے کہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ یعنی کفار لوگ جو تمہارے دین اسلام کے مٹانے کے درپے تھے اور وہ اس کو ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اب وُہ اس سے مایوس ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب ان کی مکاریوں اور فتنہ بازیوں سے خوف نہ کرو بلکہ مجھ سے ہی ڈرو۔ الخ۔ اگر اس طرح ہوتا تو اسلوبِ بیان اور نظم مطالب میں کوئی سکتہ نہ آتا۔ جو دشمنانِ اسلام کی نکتہ چینی کا بڑا حربہ ہے۔ لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینے کے بعد کہ اس قسم کا قرآنی آیات میں تقدم و تاخر حضرت جامع قرآن کی قرآنی

مطالب سے بے بہرگی کا نتیجہ ہے ورنہ خود قرآن اس قسم کی لغزشوں سے پاک و منزہ ہے تو پھر کوئی اشکال نہیں رہتا۔
چونکہ آیۂ مجیدہ کے یہ الفاظ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ۔ حضرت علی کے اعلانِ خلافت اور بیعتِ غدیر کے بعد
نازل ہوئے ۔ جن کا شانِ نزول کے لحاظ سے مقصد یہ ہے کہ آج یعنی ولایتِ علی بن ابی طالب کے بعد ہی تمہارا دین
کامل ہوا ۔ اور تم پر نعمت تمام ہوئی اور میں نے تمہارے لئے اس دین اسلام کو پسند کیا ۔ تو موجودہ برسرِ اقتدار طبقہ کو کیسے
گوارا ہوتا کہ قرآن مجید کے جمع و تالیف کے وقت ان الفاظ کو اپنا اصلی مقام دیا جائے جو آنے والی نسلوں کے لئے
سابقہ خلافتوں کے عدمِ جواز کا بانگِ دہل اعلان کرنے والے ہوں پس ان الفاظ کو ایسے مقام پر گھسیٹر دیا گیا جس سے یہ الفاظ
قطعاً بے ربط اور بے لگاؤ ہیں ۔ معمولی پڑھا لکھا انسان بھی جب آیتِ مجیدہ کے ترجمہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کو حیرت انگیز
تعجب لاحق ہوتا ہے کہ کجا کلامِ خالق اور کجا یہ بے ربطی ؟ ہاں ان کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کے نظم و ضبط پر انگشت نمائی ہو تو
بے شک ہو لیکن ادوارِ سابقہ کی دھاندلی کی قلعی کہیں نہ کھلنے پائے ۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اگر دانستہ طور پر یہ اقدام کیا گیا
ہو ورنہ اگر یہ کہا جائے کہ نادانستہ طور پر ایسا ہوا تو یہ جامع قرآن کی قرآن نافہمی اور لاعلمی کا بدترین مظاہرہ ہے ۔ جو مسندِ
خلافت پر جلوہ گر ہونے کے قطعاً منافی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علی علیہ السّلام نے حسبِ ترتیب قرآن کو جمع
کیا تھا لیکن بارگاہِ خلافت میں اس کو مقبولیت حاصل نہ ہوئی اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اس میں مطالبِ قرآنیہ کا جوڑ توڑ تو تھا نہیں
بلکہ حقائق کی تصویر کشی اپنے محل و موقع کی موافقت سے تھی اور اس کا تمام مسلمانوں میں رواج موجودہ اقتدار کے لئے چیلنج کی
حیثیت رکھتا تھا ۔ اس لئے زید بن ثابت کی خدمات حاصل کر لی گئیں اور حضرت علیؑ سے استفادہ نہ کیا گیا حالانکہ تمام مسلمانوں
کو معلوم تھا اور جناب رسالتمآبؐ بارہا فرما چکے تھے کہ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور ابن عباس کی تصریح
موجود ہے کہ میرا اور تمام صحابۂ رسولؐ کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ سات سمندروں کے مقابلہ میں پانی کا ایک
قطرہ ۔ نیز حدیثِ ثقلین جو متواتر ہے تمام صحابہ اس کو خوب جانتے تھے ۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا ۔ سب نے
اپنے کانوں جناب رسالتمآبؐ سے سُنا تھا ۔ ہم مقدمہ تفسیر میں ان مطالب کو زیادہ وضاحت سے بیان کر چکے ہیں ۔ اب
حیرت ہوتی ہے کہ جب علیؑ جیسی قرآن دان شخصیت موجود ہو تو پھر جمع قرآن کے لئے زید بن ثابت اور چند دیگر آدمیوں
کی کونسل بلانے کی کیا ضرورت تھی اور اگر ایسا ہی کرنا تھا تو کم از کم حضرت علیؑ کو بھی اس میں شریک کر لیا جاتا اور یہ بھی نہیں
تو کم از کم اس بارہ میں حضرت علیؑ سے کچھ استفادہ یا مشورہ بھی لے لیا ہوتا ۔ لیکن باوجود اس یقین کے کہ علیؑ ہی سب صحابہ
سے زیادہ ماہرِ قرآن ہیں ان کو نظر انداز کر کے بعض غیر معروف لوگوں سے یہ خدمت لینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ نیت
بخیر نہ تھی ۔ بلکہ دال میں کالا کالا ضرور تھا ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے دَورِ خلافت میں اپنے جمع شدہ
قرآن کو کیوں نہ رواج دیا تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے مختصر سے دورِ خلافت کو فضاءِ زمانہ کے تکدّر میں
اس طرح اُلجھا دیا گیا کہ ایک پل و لمحہ کے لئے بھی خارجہ مشکلات سے رہائی نہ مل سکی اور یہ سب سابقہ حکومتوں کی جاشنی

لینے والے بعض اقتدار کے پیاسے حضرات کا دانستہ منصوبہ تھا جس سے حضرت علیؑ کو نبرد آزما ہونا پڑا سب سے پہلے جنگِ جمل کی ایک حرمِ رسولؐ نے ابتداء کردی بہانہ تھا خونِ خلیفۂ ثالث کا انتقام۔ اندازہ فرمائیے۔ قتل کرنے والے مصری یا بعض صحابۂ رسولؐ کی اولاد جو مدینہ میں تھی اور انتقامی کاروائی بصرہ والوں سے ہو رہی ہے اور حرمِ رسولؐ کو معلوم تھا کہ خلیفہ کے خون میں حضرت علیؑ کا ہاتھ نہیں اور جن جن لوگوں کا ہاتھ تھا وہ انہیں خوب جانتی تھیں لیکن مقصد تھا صرف حضرت علیؑ کو الجھانا اور لوگوں کو ان سے متنفر کرنا۔ جب ان کو اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو امیرِ شام نے علمِ بغاوت بلند کردیا کہ میں خلیفہ ثالث کے خون کا انتقام لوں گا بہرکیف یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت علیؑ کی ذات اس سے مبرا ہے لیکن مقصد یہ تھا کہ اس قسم کی ہنگامہ آرائیوں سے حضرت علیؑ کو نظامِ اسلام کی ترویج کا موقعہ نہ دیا جائے۔ ورنہ لوگ سابقہ حکومتوں کے متعلق بدگمان ہو جائیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ کا جمع شدہ قرآن بھی ترویج نہ پا سکا۔ لیکن سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ دیکھ چکے تھے کہ جناب رسالتمآبؐ کے بعد سے اقتدار کے ہاتھ اپنی من مانی چیزوں کو تعلیماتِ اسلام میں بلاجھجک داخل کر رہے ہیں اور اپنی طبیعت کی ناپسندیدہ چیزوں کو اسلامی تعلیمات سے خارج کر رہے ہیں اور جب اسلامی تعلیمات تحریف و تصحیف کا شکار ہو چکی ہیں تو اس فضا میں اگر اپنا جمع شدہ قرآن نافذ کر دیا جائے تو یقیناً حزبِ مخالف اس کے مقابلہ میں خلیفہ ثالث کے جمع شدہ قرآن کو ہی اپنائے گا اور آج ہی سے دو قرآن ہو جائیں گے اور پھر صاحبانِ اقتدار کو ایک بہانہ ہاتھ آجائے گا اور وہ اس قرآن میں موقعہ و محل کے لحاظ سے رد و بدل کی کوشش کرتے رہیں گے پھر قرآن کی حیثیت یقیناً کتب سماویہ سابقہ کی سی رہ جائے گی۔ اسی بنا پر آپ نے قرآن کے متعلق صرف اتنا فرما دیا کہ یہی قرآن جو دفتین کے درمیان موجود ہے کتاب خدا ہے اور اپنا جمع شدہ قرآن پیش نہ کیا تا کہ کتاب اللہ کا وقار ختم نہ ہو جائے اور اسلامی تعلیمات کا اصلی ماخذ تحریف و تصحیف کا کھلونا نہ بن جائے

فخر الدین رازی کی منطق

امام اہلسنت فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت رافضیوں کے قول کو باطل کرتی ہے۔ کیوں کہ خدا فرماتا ہے۔ کہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ۔ یعنی کافر لوگ اب دینِ اسلام میں رخنہ اندازی اور فتنہ انگیزی سے مایوس ہو چکے ہیں اور وہ سمجھ چکے ہیں کہ دینِ اسلام اس قدر مضبوط و مستحکم ہو گیا ہے کہ اس کی تخریب اب ہمارے بس کا روگ نہیں اور شیعہ کہتے ہیں حضرت علیؑ کی امامت و خلافت خدا و رسولؐ کی طرف سے منصوص تھی۔ ایک طرف خدا فرماتا ہے کہ کافر لوگ اسلام میں تخریبی کارروائیوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔ ان سے کسی کا خطرہ نہ کرو۔ اور دوسری طرف شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی امامت منصوص تھی اور اسلام میں تخریبی کارروائی کی گئی اور حضرت علیؑ کو پیچھے ہٹایا گیا۔ پس آیت مجیدہ نے فیصلہ کر دیا کہ حضرت علیؑ کی امامت قطعاً منصوص نہیں تھی ورنہ اس میں تخریبی کارروائی نہ کی جا سکتی کیونکہ ان کی مایوسی کی خدا خود شہادت دیتا ہے۔

جواب: حضرت علیؑ کی امامت و خلافت پر لاکھ پردہ ڈالا جائے۔ یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ اسے باطل کی کوششیں اور سازشیں کبھی معرضِ خفا میں نہیں لاسکتیں۔ رازی بیچارے نے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ کے شانِ نزول کو چھپانے کے لئے پیش بندی کے طور پر شیعوں پر ایک اعتراض کر دیا تاکہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ کی روائتی پوزیشن سے چپکے چپکے جان چھڑا کر آگے نکل جاؤں پس قارئین کے سامنے ایک معمہ رکھ دیا اور اپنا علمی مظاہرہ کرتے ہوئے آگے کو سرک گئے بے شک بڑی ہوشیاری کا مظاہرہ فرمایا اور بڑی صفائی کے ساتھ عناداً و عمداً منطقی طرزِ عمل سے ایک تمویہ کا غبار اڑا کر حق و حقیقت کی طرف سے نظریں پھیرنے کی کوشش کی اور غلط بیان کو علمی لبادہ اڑھا کر حق پوشی کا متعصبانہ فریضہ ادا کرتے ہوئے اپنے ہم نواؤں سے خراج داد و تحسین بھی پالیا۔ لیکن سورج پر گرد اڑانے سے سُورج کو کوئی خسارہ نہیں ہوتا۔ وُہ گرد اپنے منہ پر ہی پڑا کرتی ہے۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ حضور! فرمایئے مسئلہ خلافت دین میں داخل ہے یا اس کا دین سے کوئی واسطہ نہیں اگر مسئلہ خلافت دین میں داخل ہے تو حضرت علیؑ کی نہ سہی کیا کسی اور کی خلافت پر نص وارد ہے؟ اگر نہیں تو پھر دین کامل کیسے ہوگیا جب کہ ایک اہم مسئلہ کو بیان ہی نہیں کیا گیا اور اگر کسی کی خلافت پر نص ہے تو پیش کیجئے ورنہ حضرت علیؑ کے متعلق نصوص متواترہ خصوصاً حدیث غدیر جس کے فوراً بعد یہ آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ نازل ہوئی اسے تسلیم کیجئے اور اگر یہ مسئلہ دین میں سرے سے داخل ہی نہیں تو صحابہ کرام نے جنازہ رسولؐ کو مؤخر کر کے اس کی طرف پہل کیوں کی اور بے دینی کی چیز کو کیوں رواج دیا؟ اور پھر کسی کو خلیفہ نہ ماننے والوں کو آپ رافضی کے لفظ سے کیوں تعبیر فرماتے ہیں؟ نیز یہ خطاب مسلمانوں کو ہو رہا ہے کہ تمہارا دین کامل ہوگیا اور تم پر نعمتیں تمام ہوئیں اور کافر لوگ تمہارے دین کے استحکام سے اس قدر مرعوب ہوگئے ہیں کہ اب وہ اُبھر نہیں سکتے بلکہ وُہ اپنے مقام پر مایوس ہیں۔ شیعہ یہ کب کہتے ہیں کہ کافر اور مشرک لوگوں نے دین سے نبرد آزمائی کی بلکہ شیعہ تو کہتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو کامل دین عطا کیا گیا اور جن پر نعماتِ الٰہیہ تمام کی گئیں انہوں نے اپنی ناقدری کا مظاہرہ کیا اور خود انہوں نے ہی دینی عمارت میں رخنہ اندازی کر کے اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا اور ارشادِ خداوندی میں بھی یہی اشارہ ہے کہ اب تمہارا دین اس قدر مضبوط ہے کہ اغیار اس کو کمزور نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان سے نہ ڈرو لیکن خبردار کہیں تم لوگ خود اس دین کی تخریب کے درپے نہ ہو جانا۔ اس لئے فرمایا فَلَا تَخْشَوْهُمْ یعنی کافروں سے خطرہ نہ کرو وَاخْشَوْنِ اور مجھ سے ڈرو یعنی تم خود دین کو بگاڑنے کے درپے نہ ہو جانا۔ اور حضرت کے منصب خلافت و امامت پر کفار و مشرکین نے کب دست درازی کی۔ یہ تو سب کچھ انہی لوگوں نے کیا جن کو ارشاد ہو رہا ہے کہ کافر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لہٰذا تم میرا لحاظ کرتے ہوئے خود نہ بگڑ جانا۔

حدیث غدیر

شانِ نزول آیت مجیدہ: بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بروز جمعہ عرفات پر حجۃ الوداع کے موقعہ پر نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ بمقام جحفہ نازل ہوئی اور بعضوں نے مقام

کراع النعیم اس آیت کا محل نزول بتلایا ہے اور ان سب اقوال سے صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ یہ آیت بمقام غدیر نازل ہوئی جب آیت مجیدہ یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا الخ کے اترنے کے بعد پالانوں کے اونچے منبر پر حضرت رسالتمآبؐ حضرت علیؑ کی ولایت وخلافت کا اعلان فرما چکے پس اس کے فوراً بعد یہ آیت اتری۔ چنانچہ اسی پر اہلبیت اطہارؑ کا اتفاق ہے اور منصف طبع علمائے اسلام نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ معتبر کتب سیر و تاریخ میں اس کی صراحت موجود ہے اور تفسیر لوامع التنزیل میں کتب معتبرہ سے عبارات بھی نقل کی گئی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔

(۱) لَمَّا کَانَ یَوْمُ غَدِیْرِ خُمٍّ وَھُوَ یَوْمُ ثَمَانِیْ عَشْرَۃَ مِنْ ذِی الْحِجَّۃِ قَالَ النَّبِیُّ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ

جب غدیر خم کا دن ہوا اور وہ ماہ ذی الحجہ کی ۱۸ ارسنہ ۱۰ھ تاریخ تھی تو حضرت نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ پس خدا نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ الخ کی آیت نازل فرمائی (تفسیر در منشور)

(۲) نیز تفسیر در منشور میں علامہ سیوطی نے حضرت سعید خدری سے اس طرح نقل کیا ہے۔

لَمَّا نَصَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیًّا یَوْمَ غَدِیْرِ خُمٍّ فَنَادٰی لَہٗ بِالْوِلَایَۃِ ھَبَطَ جِبْرِیْلُ بِھٰذِہِ الْاٰیَۃِ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ الخ

جب حضرت رسول خدا نے حضرت علیؑ کو کھڑا کیا اور ان کی ولایت کا اعلان کیا تو جبریل اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ کی آیت لے کر اترے۔

(۳) تفسیر ثعلبی۔ اسنی المطالب اور مناقب مغازلی شافعی وغیرہ میں سعید خدری سے اس طرح مروی ہے کہ

اِنَّ النَّبِیَّ دَعَا النَّاسَ اِلٰی عَلِیٍّ فِیْ غَدِیْرِ خُمٍّ وَ اَمَرَ بِمَا تَحْتَ الشَّجَرَۃِ مِنَ الشَّوْکِ فَقُمَّ فَدَعَا علیا فاخذ بضبعیہ فرفعھما حتی نظر النّاس الی بیاض ابطی رسول اللّٰہ و علی ثم لم یتفرقوا حتی نزلت ھٰذِہِ الاٰیۃ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ فقال رسول اللّٰہ اللّٰہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمۃ ورضاء الرب برسالتی والولایۃ لعلی بن ابی طالب بعدی ثم قال مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَ انْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ وَ اخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ۔ انتہٰی

تحقیق حضرت رسالتمآبؐ نے غدیر خم میں لوگوں کو حضرت علیؑ کی بیعت کی طرف بلایا اور درختوں کے نیچے سے خار و خس کے دور کرنے کے لئے جھاڑو کا حکم دیا پس علیؑ کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسقدر بلند کیا کہ لوگوں نے حضرت نبیؐ و علیؑ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا۔ پھر لوگ ابھی متفرق نہ ہوئے تھے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ کی آیت اتری تو حضورؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ دین کامل ہوا نعمت تمام ہوئی اور میری رسالتؐ اور علیؑ کی ولایت پر پروردگار راضی ہوا۔ پھر فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ اے پروردگار! تو اس کو دوست رکھ۔ جو اسے دوست رکھے اور تو اسکی مدد کر، جو اسکی مدد کرے اور تو اسکو چھوڑ دے، جو اسکو چھوڑ دے۔

(۴) امام ابوالقاسم حسکانی سے شواہد التنزیل میں بھی اسی معنی کی روایت منقول ہے اور نیز موفق بن احمد مکی خوارزمی نے فضائل میں اور حموینی نے فرائد السمطین میں اور نطنزی نے خصائص میں اور دیگر علماء مثلاً ابونعیم اور سیوطی وغیرہ نے بھی مضمون سابق کی ایک روایت نقل کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ پس حسان بن ثابت نے خدمت نبویؐ میں عرض کی کہ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں کچھ شعر کہوں تو حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ کی برکت سے کہو تو حسان نے کھڑے ہوکر کہا اے بزرگان قریش! میری بات سنو کہ جناب رسالتمآبؐ بھی اس کے شاہد ہیں۔

يُنَادِيهِمْ يَوْمَ الْغَدِيرِ نَبِيُّهُمْ	غدیر کے روز حضرت رسالتمآبؐ بلند آواز سے فرما رہے تھے
بِخُمٍّ وَاسْمِعْ بِالنَّبِيِّ مُنَادِيَا	مقام خم میں اور حضورؐ کی آواز تمام لوگوں کو خوب سنائی دیتی
بِأَنِّي مَوْلَاكُمْ نَعَمْ وَوَلِيُّكُمْ	تھی۔ کہ میں تمہارا مولا اور دین و دنیا میں تمہارے تمام
فَقَالُوا وَلَمْ يُبْدُوا هُنَاكَ التَّعَادِيَا	امور کا مختار ہوں تو سب نے بغیر اظہار کراہت کے یک
إِلٰهُكَ مَوْلَانَا وَأَنْتَ وَلِيُّنَا	زبان جواب دیا کہ تیرا خدا ہمارا مولا ہے اور آپ تمام امور
وَلَنْ تَجِدَنْ مِنَّا لَكَ الْيَوْمَ عَاصِيَا	میں ہمارے ولی و حاکم ہیں اور اس معاملہ میں ہمارا
فَقَالَ لَهُ قُمْ يَا عَلِيُّ فَإِنَّنِي	کوئی فرد آپ کا نافرمان نہ ہوگا۔ پس حضرت علیؑ سے
رَضِيتُكَ مِنْ بَعْدِي إِمَامًا وَهَادِيَا	فرمایا کہ اٹھو۔ کیونکہ میں اپنے بعد تجھے امامت و ہدایت
فَمَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا وَلِيُّهُ	کے لئے نصب کرتا ہوں۔ پس جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ
فَكُونُوا لَهُ أَنْصَارَ صِدْقٍ مُوَالِيَا	ولی ہے۔ پس تم لوگ اس کے دوست اور سچے مددگار بن جاؤ
هُنَاكَ دَعَا اللّٰهُمَّ وَالِ وَلِيَّهُ	پس دعا کی کہ اے خدا تو اس کو دوست رکھ جو اسے دوست
وَكُنْ لِلَّذِي عَادَى عَلِيًّا مُعَادِيَا	رکھے اور تو علیؑ کے دشمن کا دشمن ہو۔

(۵) مناقب فاخرہ میں اس طرح منقول ہے کہ جب آیت بَلِّغْ مَا اتری اور حفاظت کا وعدہ ہوگیا تو حجۃ الوداع سے واپسی پر آپ نے لوگوں کو بلایا پس جب تمام لوگ جمع ہوگئے تو۔

فقال النبیؐ من اولیٰ منکم بانفسکم فضجّوا باجمعهم	حضورؐ نے فرمایا کہ کون ہے جو تمہارے نفسوں سے اولیٰ ہے
وقالوا اللّٰه ورسوله فاخذ بید علی وقال	تو سب نے باآواز بلند کہا کہ خدا اور رسولؐ۔ پس علیؑ کا ہاتھ پکڑا
من کنت مولاه فعلی مولاه اللّٰهم وال من	اور فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ اے اللہ
والاه وعاد من عاداه وانصر من نصره و	اس کے دوست کو دوست اور اس کے دشمن کو دشمن رکھ
اخذل من خذله لانه منی وانا منه	اس کے ناصر کی نصرت کر اور ذلیل کر اس کو جو علیؑ کو ذلیل
وهو منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه	کرے کیوں کہ وہ مجھ سے اور میں اس سے ہوں اور اس

لا نبی بعدی وکانت اٰخر فریضۃ فرضہا اللہ علی محمد ثم انزل اللہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ

کی مجھ سے مثال ہارون و موسیٰ جیسی ہے البتہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا اور یہی آخری فریضہ ہے جو حضورؐ پہ نازل ہوا پھر خدا نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ نازل فرمایا۔

اور تذکرہ خواص الامۃ میں ہے کہ حضور کے ہمراہ صحابہ کرام و دیہاتی عربوں اور مکہ کے گرد و نواح کے لوگوں کا کل مجمع ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد پر مشتمل تھا اور یہ سب وُہ لوگ تھے جنہوں نے حضور کے ہمراہ حجۃ الوداع کے مناسک ادا کئے اور اپنے کانوں حضور سے یہ الفاظ سُنے۔

(۶) اخطب خوارزمی نے مناقب میں حذیفہ یمانی اور ابوذر غفاری سے روایت کی ہے کہ جب پیغمبر نے غدیر خم میں حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان فرمایا تو حکم دیا کہ سلّموا علی علی بامرۃ المومنین یعنی علیؑ کو حکومت و خلافتِ مومنین کا سلام کرو۔ اس کے بعد اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ والی آیت نازل ہوئی۔

بہر کیف شیعہ و سنی کتب میں یہ حدیث تواتر سے منقول ہے علمائے امامیہ نے اس حدیث کی سند اور راویانِ حدیث کے موضوع پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھ ڈالیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں شہر آشوب سے مروی ہے کہ میں نے ابوالمعالی جوینی کو حالتِ تعجب میں دیکھا کہ کہہ رہا تھا۔ میں نے بغداد میں ایک کاتب کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جس میں حدیثِ غدیر کے موضوع کی روایات درج تھیں اور کتاب کے سر ورق پر لکھا تھا کہ یہ اٹھائیسویں جلد ہے حدیث مَنْ کنت مولاہ کے سلسلہ اسناد کے موضوع پہ اور اس کے بعد اسی موضوع پر انتیسویں جلد لکھی جائے گی نیز آج کل اسی موضوع پر ایران کے ایک بزرگ علامہ عبدالحسین امینی مدظلہٗ ایک مبسوط کتاب لکھ رہے ہیں جس کا نام اُنہوں نے الغدیر ہی رکھا ہے۔ اور اس کتاب کی گیارہ جلدیں اس وقت چھپ چکی ہیں۔

خطبۂ غدیر و بیعتِ علیؑ

(۷) تفسیر برہان میں روضۃ الواعظین سے ایک طویل روایت منقول ہے۔ جس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے کہ جب حضرت رسالتمآبؐ اسلام کے تمام احکام سوائے حج اور ولایت کے پہنچا چکے تو جبریل کا نزول ہوا اور عرض کی کہ خداوند کریم بعد تحفہ سلام کے فرماتا ہے کہ میں کسی نبیؑ و رسولؐ کی قبض رُوح نہیں کرتا جب تک تکمیل دین نہ ہو جائے۔ اب آپ پر دو فریضے رہ گئے ہیں ایک حج اور دوسرا ولایت پس آپ ان دونوں فریضوں کی ادائیگی کریں، نماز و روزہ کی طرح حج کے مناسک خود ادا کر کے ان کو سکھائیں۔ چنانچہ تمام لوگوں میں حضور کی حج کا اعلان کر دیا گیا تو ستر ہزار یا اس سے زیادہ لوگ حضورؐ کے ہمراہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے مکہ میں حاضر ہوئے۔ جس طرح کہ حضرت ہارون کی بیعت کے وقت بنی اسرائیل کی بھی یہی تعداد تھی اور جس طرح انہوں نے سامری اور گوسالہ کی اطاعت کر کے حضرت ہارون کو چھوڑ دیا تھا اسی طرح ان لوگوں نے بھی حضرت علیؑ کو چھوڑ کر اوروں کو آگے کر دیا (ترمذی اور بخاری وغیرہ میں حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ تم لوگ

یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلوگے جو باتیں ان لوگوں میں تھیں تم میں انہی جیسی باتوں کا ظہور ہوگا اور ہم تفسیر کی دوسری جلد میں قدرے تفصیل سے اس مسئلہ کو ذکر کر چکے ہیں) حضرت رسالتمآبؐ جب موقف پر کھڑے ہوئے تو جبرئیل نے پیغام پروردگار پہنچایا کہ علوم انبیاء و اسرار خاصہ اپنے وصی و خلیفہ علی بن ابی طالب کے سپرد فرمائیے۔ نیز تبرکاتِ انبیاء بھی ان کے حوالہ کیجئے اور لوگوں میں اعلان کرکے ان کے لئے بیعت و خلافت کا عہد بھی لے لیجئے کیوں کہ اس کا اطاعت گذار میرا اطاعت گذار اور اس کا نافرمان میرا نافرمان ہوگا۔ اس کا عارف مومن اور اس کا منکر کافر ہوگا۔ بروز محشر جس کے پاس اس کی ولایت ہوگی وُہ جنتی ہوگا اور اس کا دشمن جہنمی ہوگا۔ حضرت رسالتمآبؐ منافق لوگوں کے حالات جانتے تھے۔ آپ سوچا کہ اگر حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کیا جائے تو یہ لوگ اعلانیہ دشمن ہوکر درپے ایذا ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس اعلان میں تاخیر کردی۔ چنانچہ دوبارہ مسجد خیف میں وہی حکم لائے پھر سہ بارہ کراع الغمیم پر جبریلؑ وہی حکم لائے حتیٰ کہ جب حضور مقامِ غدیر خم پر پہنچے تو طلوعِ آفتاب سے پانچ گھنٹے بعد یعنی تقریباً ۱۱ بجے کے وقت جبرئیل پھر وہی حکم لائے اور لوگوں کے شر و فساد سے عصمت کا وعدہ بھی خدا کی جانب سے پیش کیا۔ پس حضورؐ نے قیام فرمایا۔ آگے جانے والوں کو واپس بلایا گیا اور پیچھے آنے والوں کی انتظار کی گئی آپ راستہ چھوڑ کر دائیں جانب مسجد غدیر میں ٹھہرے اور نماز کی ادائیگی کا اعلان فرمایا اور درختوں کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ صحابہ نے عمل کیا پھر ایک جگہ پتھروں کو جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ منبر بن جائے۔ پس آپ منبر پر تشریف لائے اور خطبہ شروع فرمایا جس میں توحید و تقدیس ذاتِ پروردگار بیان فرمائی اور اس کے بعد آیۂ مجیدہ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا الخ پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ یہ حکم جبرئیل تین دفعہ لے کر پہنچا ہے کہ میں ہر سیاہ و سفید کو بتادوں کہ حضرت علیؑ بن ابی طالب میرا بھائی وصی اور خلیفہ اور اُمت کا امام ہے۔ اے لوگو! خدا نے اس کو مہاجرین و انصار، شہری و دیہاتی، عجمی و عربی۔ غلام و آزاد خورد و کلاں اور سیاہ و سفید تمام کا ولی و امام واجب الاطاعت مقرر کیا ہے۔ اس کا تابعدار مرحوم اور اس کا مخالف ملعون ہوگا اور پھر امامت میری ذریت میں اسی کی ہی صلب سے ہوگی اور میں نے اپنے علوم علیؑ کو سونپ دیئے ہیں اور وہ امام مبین ہے۔ اس کی ولایت سے جی نہ چرانا کیونکہ یہ حق پر عمل کرتا ہے اور اسی کی طرف ہدایت کرتا ہے اس کی ولایت کے منکر کی توبہ قبول نہ ہوگی اور اس کے حق کے انکار والوں کی مغفرت نہ ہوگی۔

یاد رکھو میں زمینوں اور آسمانوں کی تمام مخلوق پر حجتِ خدا ہوں اور اس میں شک کرنے والا کافر اور مجھے یہ فضیلت خدا نے ہی عطا فرمائی ہے۔

میرے بعد تمام لوگوں سے حضرت علیؑ افضل ہیں۔ ہماری بدولت رزق نازل ہوتا ہے اور ہماری وجہ سے مخلوق باقی ہے اور جو میری اس بات کو ٹھکرائے گا وہ ملعون ہوگا اور اس پر غضب نازل ہوگا اور مجھے جبرئیل نے خبر دی ہے کہ جو علیؑ سے دشمنی رکھے گا اور اس کی ولا سے کنارہ کرے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی۔

اے لوگو! قرآن میں تدبّر کرو اور اس کی آیات کو سمجھنے کی کوشش کرو لیکن اس کی تفسیر کوئی بھی نہ کر سکے گا مگر وُہ جس کو میں اٹھا رہا ہوں۔ یہی جنب اللہ ہے جس کے متعلق ہے۔ یَا حَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ یہ اور اس کی اولاد طاہرینؑ قرآن کے ساتھ دوسرا ثقل ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ ہاں یاد رکھو کہ میرے اس بھائی کے علاوہ دوسرا کوئی بھی امیرالمومنین نہیں ہو سکتا اور میرے بعد سوائے اس کے کسی دوسرے کو امیرالمومنین کہنا جائز نہیں ہے۔ پس علیؑ کے بازو کو پکڑا اور اس قدر بلند کیا کہ حضرت علیؑ کے پیر مبارک جناب رسولِ خُدا کے گھٹنوں کے برابر ہو گئے اور فرمایا۔

اے لوگو! یہ علیؑ میرا بھائی، وصی، میرے علم کا خزانہ اور میری اُمّت پر میرا خلیفہ ہے۔ یہ قرآن کا مفسّر اور اس کا داعی و عامل ہے۔ یہ خلیفۂ رسولؐ امیرالمومنین اور امام ہادی ہے اور اللہ کے حکم سے ناکثین، قاسطین اور مارقین کو قتل کرنے والا ہے۔ خدا نے اپنے دین کو اس کی امامت کے ساتھ کامل کیا ہے پس جو شخص اس کو امام زمانہ نہ مانے اور تا قیامت اس کی اولاد طاہرینؑ کی امامت کا قائل نہ ہو تو اس کے تمام اعمال رائیگاں ہوں گے خُدا نے قرآن مجید میں جہاں بھی ایمان والوں کا ذکر فرمایا ہے تو علیؑ صفِ اوّل میں شمار ہے۔ جہاں بھی قرآن میں مدح کی آیت موجود ہے تو وہ علیؑ کے حق میں ہے اور سورۂ ھَلْ اَتٰی میں جنّت کی شہادت خدا نے علیؑ کے لئے دی ہے اور اس سورہ میں ممدوحِ خُدا علیؑ ہے اور بس۔ ہاں یاد رکھو ہر نبیؐ کی اولاد اپنی صلب سے ہوتی ہے اور میری اولاد علیؑ کی صلب سے ہے اس سے حسد نہ کرنا۔ ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اس سے شقی بغض رکھیں گے اور متقی محبت رکھیں گے اور خدا کی قسم سورۂ والعصر علیؑ کی شان میں ہی نازل ہوئی ہے۔

لوگو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اس نور پر جو اس کے ساتھ اُترا۔ وہ نور محمدؐ میں ہے اور پھر علیؑ میں اور اس کے بعد اس کی نسل میں ہے حضرت قائمؑ تک۔ آگاہ ہو، علیؑ وہ ہی صابر و شاکر ہے جس کی جزا کا خُدا نے وعدہ فرمایا ہے اور اس کے بعد اس کی صلب سے میری اولاد صابر و شاکر ہے۔

اے لوگو! میرے اُوپر اپنے مسلمان ہونے کا احسان نہ جتلاؤ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہو کہ میرے بعد ایسے امام بھی پیدا ہوں گے جو جہنّم کی طرف دعوت دیں گے۔ میں اور میرا خُدا ان سے بری ہیں اور ان کے تابعدار سب دوزخ میں جائیں گے، میں صراطِ مستقیم ہوں اور میرے بعد میرا بھائی اور اس کے بعد میری اولاد جو اس کے صلب سے ہو گی صراطِ مستقیم ہیں۔ وُہ اولیاء اللہ جن پر کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔ وہ ہم لوگ ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں مومنوں کی صفات کا ذکر ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو میرا اور میری اولاد کا دوست ہوگا اور یہی لوگ جنّت میں بلا حساب داخل ہوں گے اور قرآن میں جہاں جہنّمیوں کے تذکرے ہیں۔ ان سے مراد وُہ لوگ ہیں جو ان سے عداوت رکھتے ہوں گے۔ پس ہمارا دشمن اللہ کی لعنت میں ہے اور ہمارا دوست اللہ کا محبوب ہے اور یاد رکھو کہ میں خدا کی طرف سے منذر ہوں اور علیؑ ہر

قوم کا ہادی ہے اور میں نبیؐ ہوں اور علیؑ وصی ہے اور ہمارے آئمہ کا خاتم حضرت مہدی ہوگا۔ جو ظالموں سے انتقام لے گا اور وہ ہر علم کا وارث ہوگا۔

اے لوگو! میں تم کو خوب سمجھا چکا اور خطبہ کے تمام ہونے پر میں تم کو اس کی بیعت کی دعوت دوں گا۔ اس کے بعد آپ نے واجبات کی بجاآوری پر زور دیا اور ایک ایک فریضہ کا نام لے کر اس کی تاکید فرمائی اور پھر حرام سے بچنے کی تاکید کی اور فرمایا کہ کوئی حلال ایسا نہیں مگر یہ کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں اور کوئی حرام نہیں جس سے میں نے تم کو روکا نہ ہو۔ بس موت کو یاد رکھو اور حساب و میزان کا خیال رکھو اور ثواب وعقاب کے ذکر سے غفلت نہ کرو اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تم سے اس امر کی بیعت لوں جو میں تمہارے سامنے پیش کر چکا ہوں (علیؑ اور اس کی اولاد طاہرینؑ کی امامت کے لئے) لیکن چونکہ تمہاری تعداد زیادہ ہے لہذا سب کے لئے ناممکن ہے کہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھیں۔ پس علیؑ کی خلافت اور اس کی اولاد کی امامت کا یوں عہد کرو کہ سب کے سب یک زبان کہہ دو کہ ہم راضی ہیں اور ان کی ہم اطاعت کریں گے اور ہم بدل وجان اور بدست ولسان اس معاملہ میں آپ کی بیعت کرتے ہیں اور ہم وعدہ شکنی نہ کریں گے۔ پس علیؑ کی بیعت کرو اور حسنؑ وحسینؑ اور تمام آئمہ کی جو میری ذریت سے ہوں گے اور علیؑ کی خلافت کا اسلام کرو۔ پھر فرمایا اے لوگو! بولو تو تمام لوگوں نے یک زبان یہ آواز بلند کی کہ ہم سب راضی ہیں اور اپنے مقام سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ کی بیعت کرنے لگے اور اوّل وثانی ثالث نے سب سے پہلے بیعت کی اور سب لوگوں نے بیعت کی یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چھا گیا اور مغرب وعشاء کی نماز اکٹھی ادا کی گئی اور اس کے بعد متواتر تین دن تک بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔

(۸) ابن عباس سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا لوگو، خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ علیؑ کو خلیفہ و امام و وصی مقرر کروں لوگو! علیؑ میرے بعد ہدایت کا دروازہ اور خدا کی طرف دعوت دینے والا ہے اور وہ صالح المومنین ہے۔ لوگو! علیؑ مجھ سے ہے اس کی اولاد میری اولاد ہے وہ میری پیاری بیٹی فاطمہ کا شوہر ہے اس کا حکم میرا حکم اور اس کی نہی میری نہی ہے لوگو۔ اس کی اطاعت کرنا اور اس کی نافرمانی نہ کرنا کیونکہ اس کی اطا[عت] میری اطاعت اور اس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے

معاشر النّاس ان علیا صدیق ھٰذہ الامۃ وفاروقھا ومحدثھا وانہ ھارونھا ویوشعھا واصفھا وشمعونھا وانہ باب حطتھا وسفینۃ نجاتھا انہ طالوتھا وذوقرنینھا معاشر النّاس۔ انہ محنۃ الوریٰ والحجۃ العظمیٰ والآیۃ الکبریٰ وامام اھل الدنیا

لوگو! علیؑ اس امت کا صدیق وفاروق اور محدث ہے اور وہ اس امت کا ہارون و یوشع و آصف و شمعون بھی ہے نیز وہ اس امت کی بخشش کا دروازہ اور کشتی نجات ہے اور نیز اس امت کا طالوت ذوالقرنین ہے لوگو! یہ [و]ہ نعمت حجت عظمیٰ اور اس کی آیت کبریٰ ہے اور وہ دنیا والوں کا امام اور مضبوط جائے تمسک ہے۔ لوگو!

والعروۃ الوثقیٰ۔ معاشرالناس۔ ان علیا مع الحق والحق معہ وعلی لسانہ معاشرالناس ان علیا قسیم النار لایدخلھا ولی لہ ولاینجو منھا عدولہ وانہ قسیم الجنۃ لایدخلھا عدولہ ولایخرج عنھا ولی لہ الخ

علیؑ حق کے ساتھ اور حق اس کے ساتھ اور اس کی زبان پر ہے۔ لوگو! علیؑ قسیم النار ہے کہ جہنم میں اس کا دوست نہ جائے گا اور اس کا دشمن بچ نہ سکے گا اور علیؑ قسیم الجنۃ ہے کہ اس میں اس کا دشمن نہ جا سکے گا اور دوست اس سے رہ نہ سکے گا۔ الخ

(۹) تفسیر برہان میں احتجاج طبرسی سے مروی ہے کہ جب حضور رسالتمآبؐ کا خطبہ ختم ہوا تو لوگوں میں ایک وجیہہ وخوبصورت شخص نمودار ہوا جس سے خوشبو مہک رہی تھی وہ کہہ رہا تھا کہ آج حضرت رسولخداؐ نے اپنے چچازاد کے لئے کس قدر سخت و مضبوط عہد و پیمان لیا جس کو سوائے کافر کے کوئی بھی کھولنے کی جرأت نہ کرے گا اور لمبا عذاب ہوگا اس شخص کیلئے جو اس کو کھولے گا۔ جب حضرت عمر نے اس کا کلام سنا تو اس کی طرف مڑ کر دیکھا اس کی دلربا شکل اس کو خوب پسند آئی۔ پس خدمتِ اقدسِ نبوی میں عرض کی کہ حضور! آپ نہیں سنتے۔ یہ شخص کیسی باتیں کر رہا ہے؟ آپ نے فرمایا اے عمرؓ! تم جانتے ہو یہ شخص کون ہے؟ تو حضرت عمر نے جواب دیا کہ نہیں حضورؐ! تو آپ نے فرمایا یہ رُوح الامین حضرت جبرئیل ہیں۔ پس خبردار! اس گرہ کو کھولنے کی کوشش نہ کرنا اور اگر تم نے ایسا کیا تو خدا اور اس کا رسولؐ اور مومن اور ملائکہ سب تم سے بے زار ہوں گے۔

(۱۰) تفسیر مذکور میں مناقب بن مغازلی شافعی سے بروایت ابی ہریرہ منقول ہے کہ جو شخص ۱۸ ذی الحجہ کا روزہ رکھے اس کے نامۂ اعمال میں ساٹھ ماہ کے روزوں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور یہی وہ غدیر خُم کا روز ہے جس میں جناب رسولخداؐ نے حضرت علیؑ کے لئے بیعت لی تھی اور فرمایا تھا اے اللہ تو اس کو دوست رکھ جو علیؑ کو دوست رکھے اور تو اس کو دشمن رکھ جو علیؑ سے عداوت کرے اور اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے۔ پس حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت علیؑ کو ان لفظوں سے مبارک بادپیش کی۔ بَخٍ بَخٍ لَکَ یَا ابْنَ اَبِیْطَالِبٍ اَصْبَحْتَ مَوْلَایَ وَمَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَۃٍ یعنی مبارک مبارک اے فرزند ابوطالب کہ آپ میرے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کے سردار و مولا ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد خداوند کریم نے یہ آیت بھیجی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ الخ سبط بن جوزی سے مروی ہے کہ قصہ غدیر یقیناً حضرت رسالتمآبؐ کی حجۃ الوداع سے واپسی کے موقعہ پر ۱۸ ذی الحجہ کو تھا اور اسی پر علماء کا اتفاق ہے اور ایک لاکھ بیس ہزار کے مجمع میں حضورؐ نے خلافت و ولایت کا اعلان فرمایا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مقام تاسف و تحسر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگوں کو صرف دو گواہوں کے کہنے سے حقوق دیئے جایا کرتے ہیں لیکن حضرت علیؑ کو دس ہزار لوگوں کی گواہی کے باوجود بھی اپنا حق نہ مل سکا اور حق بین سے کھلی ہوئی گمراہی اور بغاوت اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟

فضیلت عید غدیر اور اس کے اعمال

اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے لئے وہ دن انتہائی طور پر متبرک ہے

جس دن خدا کی طرف سے اس کے کامل ہونے کی سند پہنچی اور نعمت خداوندی تمام ہوئی اور خلاق عالم نے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا اور شیعان آلِ محمدؐ کے لئے تو یہ دن خصوصیت سے برکت وعزت کا حامل ہے کہ اس دن حضرت رسالتمآبؐ کی جانشینی کے لئے حضرت علیؑ کو خداوندِ کریم نے نامزد فرمایا اور خم غدیر کے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے مجمع میں اپنے پیغمبر کی زبانی اس کا اعلانِ عام فرمایا اور بہانگِ دہل یہ اعلان کیا گیا کہ دینِ اسلام اس قابل ہوا کہ ارشادِ قدرت ہوا رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا یعنی میں نے تمہارے لئے دینِ اسلام کو ہی پسندیدہ دین قرار دیا۔

تفسیر لوامع التنزیل میں امالی صدوق وغیرہ سے منقول ہے۔ حضرت صادق علیہ السلام اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا غدیرِ خم کا روز میری امت کے لئے تمام عیدوں سے افضل ہے۔ اور یہ وہی دن ہے جس میں میں نے خدا کے حکم سے اپنے بھائی علی بن ابی طالبؑ کو امت کے سامنے خلیفہ مقرر کیا۔ تاکہ میرے بعد اس سے ہدایت حاصل کرتے رہیں اور یہی وُہ دن ہے جس میں خدا نے اپنے دین کو کامل کیا اور میری امت پر نعمت تمام فرمائی اور دینِ اسلام کو پسندیدہ دین قرار دیا اور کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ جمعہ عیدِ فطر اور عید قربان کے علاوہ مسلمانوں کی کوئی اور عید بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں ایک ایسی عید ہے کہ ان تمام عیدوں سے اس کی عزت زیادہ ہے۔ راوی نے پوچھا حضور وہ کونسی عید ہے؟ تو آپ نے فرمایا وُہ وُہ دن ہے جس میں حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو خلافت کے لئے نصب فرمایا اور فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے اور وہ ۱۸ ذی الحجہ کا دن ہے۔

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عید غدیر کا روزہ تمام دنیا کی زندگی کے روزوں کے برابر ہے۔ یعنی اگر کسی کو ابتدائے دنیا سے انتہا دنیا تک کی عمر ملے اور وہ تمام عمر روزے رکھتا رہے تو صرف عید غدیر کے روزہ کا ثواب ان تمام روزوں کے برابر ہوگا۔ نیز عیدِ غدیر کا روزہ اللہ کے نزدیک ایک سو حج اور ایک سو عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔

(۲) خداوندِ کریم نے جس قدر انبیاء بھیجے وہ سب اس دن کو عید مناتے تھے اور اس کو محترم سمجھتے تھے اور ہر نبیؑ نے اپنے وصی کو اس دن کے عید منانے کی وصیت کی اور حضرت رسولِ خداؐ نے حضرت علیؑ کو وصیت کی کہ اس دن کو عید منائی جائے۔

(۳) جو شخص اس روز کسی مومن کو کھانا کھلائے وہ ایسا ہے جس طرح کہ اس نے دس فئام کو کھانا کھلایا ہو اور ایک فئام ایک لاکھ کا ہوتا ہے اور وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے قحط سالی کے زمانہ میں تعداد مذکور کے برابر انبیاء و اوصیاء و شہدأ وعلما کو کھانا کھلایا۔

(۴) اس دن ایک درہم صدقہ کرنا دوسرے دنوں کے ایک لاکھ کے صدقہ کے برابر ہے۔

(۵) امام نے فرمایا یہ گمان نہ کرو کہ کوئی دن اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ حرمت و عزت والا ہوگا۔ ہرگز نہیں
(۶) شیخ طوسیؒ و علامہ مجلسیؒ سے منقول ہے کہ محمد بن فیاض کہتا ہے کہ میں مرو میں بروزِ غدیر خدمت امام رضا میں حاضر تھا۔ حضرت نے اس دن اپنے مخصوص اصحاب و شیعوں کو جمع کیا ہوا تھا اور رات کو ان کی افطاری کا انتظام فرمایا ہوا تھا اور ان کے گھروں میں کھانا و دیگر خلعت ہائے فاخرہ بھی آپ نے بھجوائی تھیں حتیٰ کہ اپنا نعلین اور انگشتر بھی بھجوا دی تھی اور غلاموں کو اس دن نہایت عمدہ و نفیس لباس عنایت فرمائے تھے اور آپ نے اس دن کے فضائل تمام صحابہ و شیعہ کے سامنے بیان فرمائے۔ من جملہ ان کے یہ فرمایا کہ زمانِ خلافت حضرت امیر علیہ السلام میں ایک دفعہ جمعہ کو اور غدیر کا ایک دن میں اتفاق ہوا تو حضرت نے طلوعِ شمس سے ۵ گھنٹہ بعد خطبہ شروع فرمایا (موسم سرما میں زوالِ آفتاب اتنی دیر میں ہو جایا کرتا ہے) اور اس دن کے بہت سے فضائل بیان کئے اور فرمایا کہ اس دن اپنے برادران ایمانی سے احسان کرو اور ایک دوسرے کو مبارک باد کہو۔
(۷) اس دن ایک دوسرے پر احسان کرنا مال و عمر کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے۔
(۸) ایک دوسرے پر مہربانی کرنا رحمت خداوندی کی زیادتی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔
(۹) اس دن عیال و اطفال و برادران و جملہ امید کنندگان اور غلاماں و کنیزان پر بخشش و احسان کرنا چاہیے۔
(۱۰) جو شخص اس دن مومن کی حاجت پوری کرے۔ قبل اس کے کہ وہ اس کا اظہار کرے اور بخوشی و رضا اس کے ساتھ احسان کرنے تو ایسا ہے جیسا کہ اس نے اس دن کا روزہ رکھا ہو اور اس کی ساری رات عبادتِ خدا میں بسر کی ہو
(۱۱) اور جو شخص بوقت شب ایک مومن کو افطاری دے یعنی اس کو کھانا کھلائے تو گویا اس نے ایک ہزار پیغمبر و شہید و صدیق کو کھانا کھلایا۔ تو کتنا عظیم ثواب ہوگا اس شخص کے لئے جو کئی مومن مردوں اور عورتوں کی خبر گیری کرے اور اگر کوئی شخص ایسا کرنے والا ہو تو میں ضامن ہوں کہ خدا اس کو کفر و فقر کی موت نہ دے گا اور اگر اس دن مر گیا تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔
(۱۲) اگر کوئی شخص اس دن برادران ایمانی کے لئے قرض اٹھائے گا تو میں ضامن ہوں کہ ادائیگی قرضہ تک خدا اس کو زندگی دے گا اور مرے گا تو خدا اس کے قرض کی ادائیگی کا بندوبست فرما دے گا۔
(۱۳) اس دن جب ایک دوسرے سے ملاقات کرو تو مصافحہ کرو اور ایک دوسرے کو مبارکباد کہو (لوامع التنزیل)
(۱۴) مفضل بن عمرو نے حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آیا میں عیدِ غدیر کا روزہ رکھوں تو آپ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم اور تین بار آپ نے قسم کھائی اور فرمایا اسی دن خدا نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کی اور انہوں نے شکریہ میں روزہ رکھا اور اسی دن حضرت ابراہیمؑ نے آتش نمرود سے نجات پائی اور خوشی میں روزہ رکھا۔ اور اسی دن حضرت موسیٰ نے ہارون کو اپنا وصی مقرر کیا تو انہوں نے خوشی میں روزہ رکھا۔ اور اسی روز حضرت عیسیٰؑ نے شمعون کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

اور شکریہ میں روزہ رکھا اور اسی دن حضرت رسالتمآب نے اپنے بھائی حضرت علیؑ کو وصی و جانشین مقرر کیا۔ اور لوگوں میں اس کا اعلان کیا اور اس نعمتِ خداوندی کے شکریہ میں روزہ رکھا۔

(۱۵) یہ دن عبادت کا ہے اور مومن بھائیوں کو کھانا کھلانے اور ان سے نیکی کرنے کا دن ہے اور امام رضاؑ سے منقول ہے کہ اگر لوگ اس دن کی فضیلت کو اس طرح جانتے جس طرح جاننے کا حق ہے تو ہر روز دس مرتبہ ملائکہ کرام ان کا مصافحہ کرتے۔

(۱۶) اس دن خدا مومنوں سے راضی ہوتا ہے اور شیطان کا ناک خاک سے رگڑا جاتا ہے۔

(۱۷) مصباح المتہجد سے جو خطبہ حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیث اور حضرت ادریس اور حضرت یوشع اور حضرت شمعون کا یہی دن ہے یعنی وہ بھی اسی دن میں اپنے عہدۂ جلیلہ پر فائز المرام ہوئے

(۱۸) اس روز حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب کا مذاکرہ کیا جائے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا جائے

(۱۹) اس روز خوشی منانی چاہیے لیکن نہ کہ جوابازی و شراب خوری سے یا لہو و لعب اور شیطانی طریقہ سے بلکہ ایک دوسرے کی حاجت روائی باہمی خوشنودی اور ذکرِ خدا و رسولؐ و ذکرِ اہلبیتؑ سے۔

(۲۰) اس دن کے روزہ کا ثواب بھی زیادہ ہے تو اگر کوئی شخص اس دن روزہ رکھے اور دوسرا مومن بقصدِ ثواب اس کو اپنے ہاں کھانے کے لئے دعوت دے تو روزہ دار مومن کو چاہیے کہ اپنے روزہ کا اظہار نہ کرے اور اس کی دعوت کو قبول کرلے اور اس کے ہاں کھانا کھالے اور اگر ایسا کرے گا تو اس کو ستر سال کے روزوں کا ثواب مزید ملے گا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ عام طور پر جو مروّج ہے کہ روزہ دار اس نیت سے روزہ رکھ لیتے ہیں کہ ابھی کوئی افطار کرائے گا بلکہ روزہ رکھنے سے قبل اس قسم کے منصوبے تیار کر لئے جاتے ہیں پس روزہ کا نام کر لیا اور صبح کو ایک دوسرے کو افطار کرا لیا۔ میرے خیال میں یہ نہایت مذموم رواج ہے اور شرعی حکم سے تمسخر کے مترادف ہے بلکہ اس طرح چاہیے کہ روزہ رکھنے والوں کو افطاری کی توقع نہ ہو اور نہ اس توقع کے ماتحت وہ روزہ رکھے۔ ورنہ درحقیقت اس قسم کا روزہ روزہ کہلانے کا مستحق ہی نہ ہوگا اور اسی طرح افطار کرانے والا یہ علم نہ رکھتا ہو کہ اس کو روزہ ہے اور اگر بالفرض اس کو علم ہے تو پھر دعوت نہ دینی چاہیئے ہاں اگر اس نے چند مومنوں کو دعوت دی اور ان میں سے بعض کو یا سب کو حسنِ اتفاق سے روزہ ہو تو ان کو بلا اظہار کھانا لینا چاہیے۔ دریں صورت ہر دو کو ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم

(۲۱) اس روز غسل کرنا اور حضرت امیر علیہ السلام کی زیارت کرنا سنت ہے اور کتاب مفاتیح الجنان میں اس دن کی زیارت مخصوصہ اور ادعیہ منقولہ موجود ہیں۔

(۲۲) اس دن زوالِ آفتاب سے نصف گھنٹہ پہلے دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ قل شریف اور دس مرتبہ انا انزلنا اور دس مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھے۔ اس کا ثواب ایک لاکھ حج اور ایک لاکھ عمرے

کے برابر ہوگا اور دنیا و آخرت کی حاجات میں سے جو بھی سوال کرے گا خدا قبول فرمائے گا اور اس کی حاجت پوری کرے گا۔

(۲۳) امام رضا علیہ السلام نے ابونصر بزنطی سے فرمایا کہ اے ابونصر تو جہاں بھی ہو غدیر کے روز حضرت علیؑ کی قبر پر پہنچنے کی کوشش کرنا کیونکہ اس دن خدا ہر مومن مرد ہو یا عورت کے ساٹھ سالہ گناہ بخش دیتا ہے اور ماہِ رمضان اور شب قدر اور شب عید الفطر کے برابر گنہگاروں کو آتش دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ الخ۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دینِ اسلام بیعت غدیر کے بعد کامل ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے قبل کامل نہ تھا بلکہ ناقص تھا۔ لہذا رسالتمآب کی تیئس سالہ زندگی میں صحابہ کرام ناقص دین پر رہے اور حضورؐ بھی ناقص دین کے ترجمان رہے اور اس دور میں جن جن صحابہ کبار کا انتقال ہوا یا جو جو صحابہ مختلف جہادوں میں شہید ہوئے وہ سب کے سب ناقص دین پر رہ کر مرگئے یا ناقص دین کے لئے جہاد کرکے دنیا سے کوچ کر گئے۔ لہذا وہ لوگ قابلِ مدح و ثنا نہ رہے اور نہ ان کا ایمان موجب نجات و فلاح ہوا حالانکہ وہ لوگ یقیناً قابل مدح تھے اور ناجی تھے اور قرآن کریم اس کا شاہد ہے۔

جواب :۔ دینِ اسلام ہر زمانہ میں کامل رہا لیکن ہر زمانہ کا کمال اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تھا۔ یعنی گذشتہ زمانہ کے لحاظ سے کامل تھا لیکن مستقبل کے اعتبار سے وہ بعض اوقات ترمیم یا تنسیخ یا اضافہ کا محتاج ہوتا تھا۔ مثلاً ابتدائے اسلام میں حضورؐ نے فرمایا تھا قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤ گے تو اس وقت وقتی تقاضا کے لحاظ سے دینِ اسلام کلمہ توحید کے اقرار کرنے کا نام تھا اور فلاح کا دارومدار اسی پر تھا جب لوگ اس زینہ پر پہنچ گئے تو یکے بعد دیگرے موزونیت و مناسبت کے لحاظ سے احکام شرعیہ کا اضافہ ہوتا گیا اور بعض احکام میں مصلحت کے لحاظ سے ترمیم و تنسیخ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اور اس سلسلہ کی ہر کڑی یا اس منزل کا ہر زینہ اپنے مقام پر ماضی کے اعتبار سے کامل تھا لیکن مستقبل کے لحاظ سے اس میں معمولی ردّ و بدل یا اضافہ کی گنجائش رہی جو خدا کے علم میں تھی۔ پس ہر دَور کا مسلمان اپنے زمانہ کا کامل الایمان تھا اور ان کی موت کمالِ ایمان پر تھی اور جب کہ اسلام کے تمام احکام و فرائض لوگوں تک پہنچا دیئے گئے اور جناب رسالتمآب نے تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دے دیا تو تعلیمات اسلامیہ کی بقاء کے لئے ضروری تھا کہ حضورؐ کے بعد کوئی ایسا شخص نامزد ہو جو حضورؐ کی طرح دینِ اسلام کا ذمہ دار قرار دیا جاسکے اور چونکہ اس دین کا کمال صرف ماضی کی مناسبت سے نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے یہ دین کامل ہے اور اب تاقیامت اس میں نہ کسی ردّ و بدل کی گنجائش ہے اور نہ اضافہ کی ضرورت ہے تو اس کی تعلیمات کا انچارج جب تک معین نہ ہو۔ اس وقت تک اسلام کو دین کامل کہنا لغو اور بے معنی رہ جاتا ہے کیوں کہ حسب ضرورت ادویہ کا وجود کسی دار الشفا کے کامل ہونے کی سند نہیں بن سکتا جب تک ان کے سمجھنے سمجھانے اور برمحل استعمال کرانے والا ماہر ڈاکٹر اس کا انچارج مقرر نہ ہو۔ اسی طرح محکمہ تعلیم کی طرف سے سکولوں کا اچھا نصاب سکولوں کی کامیابی و کمال کا ضامن نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ ذمہ دار اساتذہ اور دیانت دار معلمین کا انتخاب نہ ہو۔ بنابریں

مقامِ خمِ غدیر میں بحکم خدا تعلیماتِ اسلامیہ کی بقا کے لئے جب جناب رسالتمآبؐ نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو بحیثیت اپنے جانشین کے مقرر فرمایا اور ایک لاکھ بیس ہزار کے مجمعِ عام میں اس کا اعلان فرمایا اور عملی طور پر بیعت بھی لے لی تو دینِ اسلام کا آخری فریضہ ادا ہو گیا۔ پس ارشادِ قدرت ہوا کہ آج میں نے دین کو کامل کر دیا اور نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے پسندیدہ دین قرار دیا۔ پس دین کا یہ کمال صرف ماضی کے مقابلہ میں نہیں بلکہ مستقبل میں بھی اس پر کسی نسخ یا اضافہ کی گنجائش نہیں رہی۔ اس لئے اس کو کامل آج کہا گیا۔ یعنی دینِ اسلام ابتدا سے لے کر آج تک ہر لمحہ بلحہ کامل تھا لیکن ہر لمحہ د وقت کا کمال محدود تھا اور آج بروز غدیر ایسا کامل ہوا ہے کہ اس کے کمال کی حد قیامت ہی ہے۔

تمام اور کمال میں فرق

تمامیت کسی چیز کی ذاتی اجزاء کے اعتبار سے ہوتی ہے اور کمال خارجی صفت کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔ مثلاً جسمِ انسانی میں تمام اجزا بدن کا پایا جانا ہے تمامیت اور بدن کی تمامیت کے بعد رُوح کا آنا ہے کمال۔ اسی طرح ہر عضوِ بدن میں اپنے ضروری اجزاء و مواد کا وجود ہے تمامیت اور اس میں جوہرِ روح کا وجود ہے کمال۔

اس تمہید کو سمجھنے کے بعد یہ بات خود بخود سمجھ میں آجائے گی کہ ولایتِ علیؑ کو باقی فرائض و احکامِ اسلامیہ سے کیا نسبت ہے؟ اعلانِ ولایت کے بعد خداوندِ کریم دینِ اسلام کو کمال کی سند دے رہا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اعلانِ رسالت سے اعلانِ ولایت تک کے ۲۳ سالہ دَور میں علمِ خداوندی کے اعتبار سے اسلامی ڈھانچہ میں وقتی مناسبت و مصلحت کے مطابق فرائض و احکام کی بحیثیت اجزاءِ ضروریہ کے آمد ہوتی رہی اور غیر ضروری اور مضر مواد کا قلع قمع کیا جاتا رہا اور ہر دَور میں جناب رسالتمآبؐ کی سرپرستی اسلامی جسم کا روحِ رواں تھی لہذا ہر دَور میں وہ وقتی طور پر کامل تھا۔ لیکن اب جبکہ جسمِ اسلام میں تمام اجزاءِ ضروریہ موجود ہو گئیں اور بڑھاؤ ختم ہو گیا اور عنقریب سایۂ رسالت بھی سر سے اٹھنے والا تھا تو ضروری تھا کہ اس کو جوہرِ رُوح ایسا عطا کیا جائے جو اسلام کو تاقیامت زندہ رکھے اور وہ تھا جوہرِ ولایت۔ کیونکہ نبوّت کی حد ختم ہو گئی لیکن ولایت کی حد قیامت تک ہے جس طرح کہ اسلام کی آخری حد قیامت ہے۔ پس چونکہ ولایت جسمِ اسلام کے لئے رُوح کی حیثیت رکھتی ہے۔ لہذا اس کے اعلان کے بعد اسلام کو کامل کہا گیا ورنہ احکامِ حج کے بیان کے بعد اس کو تمامیت تو حاصل ہو گئی تھی۔ کیونکہ فرائضِ اسلام میں سے یہ آخری فریضہ تھا جس کو حضورؐ نے اپنے عمل سے تمام لوگوں کو سمجھا سکھا دیا تھا۔

خداوندِ کریم نے ولایتِ علیؑ کے بعد جس طرح اسلام کو کمال کی سند دی اس طرح نعمت کو تمامیت کی سند دی گویا تعلیماتِ اسلامیہ تمام ہو چکی تھیں۔ ان کے لئے جوہرِ رُوح کی ضرورت تھی تاکہ اسے کامل کہا جائے اور نعماتِ خداوندی جن کو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہوں وہ ناتمام کی ناتمام تھیں ان میں سے ایک ایسے فردِ فرید کی ضرورت تھی جس کے بعد اس کو تمام کہا جا سکے پس اعلانِ ولایت و خلافت علیؑ جہاں ایک طرف اسلام کا رُوحِ رواں بن کر اس کو

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ

آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز حلال ہے ان کے لئے کہہ دیجئے حلال ہیں تمہیں پاکیزہ اور (شکار) سیکھے ہوئے شکاری کتوں

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ

کا جن کو تم نے سکھایا ہے اپنی خداداد لیاقت سے پس کھاؤ وہ جو پکڑیں تمہارے لئے

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○

اور لو نام اللہ کا اس پر (چھوڑتے وقت) اور اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اس کو کمال کی سند دلوائی اس طرح نعماتِ الٰہیہ کی آخری فرد بن کر اس کو تمامیت کا تمغہ عطا کیا

لہٰذا اہلِ اسلام کے لئے ولایتِ علیؑ کی قدردانی دو پہلوؤں سے واجب و فرض ہے ایک تو اس لئے کہ ولایتِ علیؑ اسلامی ڈھانچہ کے لئے رُوح کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا اسلامی کوئی فریضہ ہو جب تک ولایتِ علیؑ اس کی رُوح نہ ہو وُہ مُردہ کی حیثیت سے ہوگا اور اس کی قیمت کچھ بھی نہ ہوگی اور اس اعتبار سے اسلامی عبادت بے رُوح ہوگی جس طرح اسلام اعلانِ غدیریہ کے بعد بغیر ولاءِ علیؑ کے ناقص و بے رُوح ہے۔ اسی طرح اس کا ہر حکم و فریضہ ولاءِ علیؑ کے بغیر مُردہ ہے لہٰذا ہر مسلمان کو پہلے یہ سوچنا چاہیئے کہ میرے اسلام میں رُوح بھی ہے یا نہیں اور دوسرے ولایتِ علیؑ کی اس لئے بھی قدر ضروری ہے کہ خداوندی نعمات میں سے یہ وہ نعمت ہے کہ باوجود نعماتِ الٰہیہ کے شمار میں نہ آسکنے کے اس کے اعلان نے نعمات کو تمامیت کا تمغہ دلوایا۔ گویا توحید و رسالت کے اقرار کے بعد یہ نعمت تمام نعمات کی رئیس ہے اور یہ نعمت حاصل ہوگئی تو گویا تمام نعماتِ غیر متناہیہ حاصل ہوگئیں اور توحید و رسالتؐ کے بعد تمام نعمتوں سے یہ نعمت زیادہ مستحق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ پس ہر مسلمان کے لئے شکر نعمت کی ادائیگی کے طور پر اور تعلیماتِ اسلامیہ بلکہ نفسِ اسلام میں روح پیدا کرنے کی خاطر ولایتِ علیؑ کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں اور جب ولاءِ علیؑ کو اسلام میں اسقدر ضروری قرار دیا گیا اور مسلمانوں پر اس کی اہمیت کو واضح کر دیا گیا تو کون منصف مزاج انسان ہے جو اس سے روگردانی کرے۔ تو اب خدا نے بھی اسی اسلام کے متعلق فرمایا رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ کہ تمہارے لئے میں نے اسلام کو دینی حیثیت سے پسند کیا کسی نے سچ کہا ہے۔

؎ زاہد تیری نماز کو میرا سلام ہے ۔ بن حُبِّ اہلبیتؑ عبادت حرام ہے۔

سیکھے ہوئے کتّے کا شکار

يَسْـَٔلُوْنَكَ ۔ اس سے پہلے وہ چیزیں بتائی گئی ہیں جن کا کھانا حرام ہے پس اس آیتِ مجیدہ میں سوال و جواب کے رنگ میں حلال اشیاء بیان کی

گئی ہیں گویا جب حرام اشیاء کا ذکر ہوا تو انہوں نے دریافت کیا کہ ہمارے لئے حلال کونسی چیز ہے؟ تو جواب ملا کہ پاک و پاکیزہ اور طیب چیزیں جن سے طبیعت سلیمہ متنفر نہ ہو خواہ حلال ذبح شدہ جانوروں کی قسم سے ہوں یا زمین کی پیداوار سے ہوں سب حلال ہیں۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ :۔ جب طیب چیزوں کی حلیت معلوم ہو گئی تو غیر طیب چیزوں کا حرام ہونا خود بخود واضح ہو گیا لہذا وہ جانور جو شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا جا سکے وہ بھی غیر طیب ہوگا اور حرام ہوگا اور چونکہ شکار کی صورت میں یہ شکل بسا اوقات پیش آیا کرتی ہے خصوصاً جس زمانہ میں بدؤں کا گذارہ ہی بعض اوقات شکار پہ ہوا کرتا تھا تو ان کے لئے بہت مشکل تھی اور بعض لوگوں نے خدمت رسالتمآبؐ میں اپنی اس مشکل کا اظہار بھی کیا چنانچہ عدی بن حاتم نے حاضر ہو کر عرض کی کہ کتوں کے ذریعے سے جب ہرنیوں اور نیل گاؤں کو شکار کیا جاتا ہے تو بعض کو صحیح طریقہ پر ذبح کر لیتے ہیں۔ لیکن بعض دفعہ انہیں ذبح نہیں کیا جا سکتا بلکہ پہنچنے سے پہلے وہ مر جاتی ہیں اور مردار کا کھانا بھی حرام ہے تو ایسی صورت میں ہم کیا کریں؟ پس خدا نے اس آیت مجیدہ کے ذریعے سیکھے ہوئے کتوں کے شکار کو حلال قرار دیا جو ذبح کرنے سے پہلے مر جائے بشرطیکہ اس کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہو۔

مُكَلِّبِينَ :۔ یہ تکلیب سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے سکھانا پس مُکلّب کا معنی کتوں کو شکار سکھانے والا اور مکلبین حال ہے عَلَّمْتُمْ کے فاعل سے اور یہی لفظ پہلی تعمیم کے لئے مخصص ہے یعنی باقی شکاری جانوروں کا شکار ذبح کے بغیر حلال نہیں اور کتے کا شکار اگر ذبح نہ کیا جا سکے بلکہ پہنچنے سے پہلے مر جائے تو حلال ہے یہ آئمہ اہلبیت کا مذہب ہے لیکن باقی مذاہب میں ہر جانور کا شکار خواہ ذبح نہ بھی ہو سکے حلال ہے اور جوارح جارحۃ کی جمع ہے اور یہ جرح یجرح سے ہے اس کا معنی ہے کسب کرنا جس طرح کہ قرآن میں ہے اِجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اور دوسرے مقام پر ہے يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ شکاری جانوروں کو جوارح اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ بھی شکار کسب کر کے مالک کے پیش کرتا ہے۔ تفسیر صافی میں کافی و تہذیب سے منقول ہے کہ یہاں صرف شکاری کتوں کا شکار ہی مراد ہے اور حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر باز، شکرہ یا عقاب کسی جانور کو پکڑیں تو اس جانور کا کھانا جائز نہیں۔ جب تک اس کو صحیح طریقہ پر ذبح نہ کیا جائے نیز آپ سے جب باز اور کتے دونوں کے شکار کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ باز کا شکار نہیں کھایا جا سکتا۔ جب آپ سے باز اور کتے دونوں کے شکار کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ باز کا شکار نہیں کھایا جا سکتا جب تک کہ اس کو صحیح طریقہ پر ذبح نہ کیا جائے لیکن کتے کا شکار کھایا جا سکتا ہے اگر ذبح سے قبل بھی مر جائے خواہ کتا اس کو منہ لگا چکا ہو یا نہ جب کہ کتے کو اس پر اللہ کا نام لے کر چھوڑا گیا ہو۔

مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ :۔ تفسیر لوامع التنزیل اور مجمع البیان میں تفسیر قمی سے مروی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے شکاری پرندوں اور کتوں کے شکار کردہ جانور کی حلیت و حرمت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے جواب

میں ارشاد فرمایا کہ بغیر تذکیہ کے کوئی شکار نہ کھاؤ۔ سوائے کتے کے شکار کے کہ وہ بغیر تذکیہ کے کھایا جاسکتا ہے۔ راوی نے پوچھا کہ اگرچہ کتا اس کو قتل بھی کر دے تو فرمایا ہاں بے شک کھاؤ اور پھر آپ نے اسی آیت مجیدہ کو استشہاد کے طور پر تلاوت کیا اور پھر فرمایا ثُمَّ قال کلّ شئٍ من السباع تمسك الصيد على نفسها الا الكلاب المعلمة فانها تمسك على صاحبها۔ یعنی کہ تمام شکاری جانور شکار کو اپنے لئے پکڑتے ہیں سوائے کتوں کے کہ وہ شکار کو مالک کے لئے پکڑتے ہیں اور فرمایا کہ جب سیکھے ہوئے شکاری کتے کو چھوڑنے لگو تو بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھ کر چھوڑو۔ پس یہی اس کا تذکیہ ہے اگر شکار مر بھی جائے گا تو حلال ہوگا۔ تفسیر مجمع البیان میں عدی بن حاتم سے مروی ہے۔ کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جب کتا شکار میں سے کچھ کھالے تو پھر اس شکار کو تم نہ کھاؤ کیونکہ وہ شکار اس نے اپنے لئے پکڑا ہے۔ اذا اكل الكلب من الصيد فلا تاكل منه فانه امسك على نفسه۔

سیکھے ہوئے کتے کا شکار اگر کتے کے ہاتھوں میں ذبح سے پہلے مرجائے تو کھانا اس کا جائز ہے جب کہ یہ شرطیں پائی جائیں۔ (۱) کتا چھوڑنے والا مسلمان ہو (۲) کتے کو شکار کے لئے چھوڑا ہو اگر کسی اور غرض کے لئے چھوڑا یا خود چھوٹ گیا اور اس نے شکار مار لیا تو وہ حرام ہوگا۔ ہاں اگر زندہ پر پہنچ جائے اور صحیح ذبح کر لے تب حلال ہوگا (۳) کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھے (۴) کتا شکار ے کر مالک کی نظروں سے غائب نہ ہو جائے۔ ورنہ اگر غائب ہونے کے بعد اس پر پہنچے اور وہ مر چکا ہو تو حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کسی اور وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی ہو۔ خواہ اس حالت میں کتا اس کے پاس بھی کھڑا ہو (۵) کتا سیکھا ہوا ہو اور کتے کے سیکھے ہوئے ہونے کی تین شرطیں ہیں (۱) جب مالک بھیجے تو وہ بلا انکار جائے (۲) جب مالک روکے تو فوراً رک جائے خواہ شکار پر پہنچ ہی چکا ہو (۳) شکار کو خود نہ کھاتا ہو اور اگر شاذ طور پر کھا لیا تو اس میں حرج نہیں اور کتے میں یہ شرائط پختگی سے پائی جاتی ہوں اور متعدد بار اسے آزمایا گیا ہو تب اس کا شکار حلال ہوگا۔ کتے کا شکار کو خود کھانا چونکہ اس کے نہ سیکھے ہوئے ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے اس کا شکار حرام ہے جس طرح کہ احادیث سے سمجھا جاتا ہے۔

مِمَّآ اَمْسَكْنَ کا مِنْ یا تو زائد ہے اور یا تبعیض کے لئے ہے اور تبعیض کی صورت میں معنی یہ ہوگا جو شکار اس نے پکڑا ہے اس کا بعض حصہ کھاؤ۔ کیونکہ حلال جانوروں کے بھی بعض اعضاء حرام ہوا کرتے ہیں جن کو کھانا ناجائز ہوتا ہے اور یا یہ مقصد ہوگا کہ اگر کتا اس میں سے کچھ کھا چکا ہو تو باقی تم کھالو تو بعض لوگ اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ کتے کا کھا لیا شکار کی حرمت کا موجب نہیں بنتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب کہ شاذ طور پر ایسا معاملہ ہو جائے ورنہ اگر ہر شکار کو وہ خود کھا لیا کرتا ہو تو وہ کلبِ معلّم نہیں کہلا سکتا اور نہ اس کا کوئی شکار حلال ہو سکتا ہے جب تک کہ صحیح طور پر ذبح نہ کیا جاسکے۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ اس کے معنی میں تین احتمال ہیں (۱) جب کتے کو شکار کی طرف چھوڑو تو اللہ

کا نام لو یعنی بسم اللہ پڑھو ② ضمیر مجرور کا مرجع مَآ اَمۡسَكۡنَ ہو تو معنی یہ ہوگا کہ جس جانور کو پکڑے اور تم اس کے مرنے سے پہلے پہنچ جاؤ تو اس جانور پر اللہ کا نام لو یعنی پورے شرائط کے ساتھ اس کو ذبح کرو اور ان شرائط میں سے بسم اللہ بھی ہے ③ ضمیر مجرور کا مرجع اکل کو قرار دیا جائے جو كُلُوۡا کے صیغۂ امر سے سمجھا جاتا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جب کھانا کھانے لگو تو اللہ کا نام لو اور اسی سے بعض علماء نے کھانے سے قبل بسم اللہ کا پڑھنا واجب قرار دیا ہے اور جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اس کو حرام کہا ہے۔

مسئلہ :- اگر شکاری کتے نے کسی شکار کو پکڑا ہو اور اس کے مرنے سے پہلے انسان پہنچ جائے تو اس کو تکبیر پڑھ کر ذبح کرنا واجب ہے اس صورت میں کتے کے چھوڑتے وقت جو تکبیر پڑھی تھی کافی نہ رہے گی۔ ورنہ اگر ذبح نہ کیا یا اسی پہلی تکبیر کو کافی سمجھ کر ذبح کر لیا تو دونوں صورتوں میں وہ جانور حرام ہو جائے گا۔ ہاں اگر اس کے پہنچنے سے پہلے وہ جانور مر چکا ہو تو بلا ذبح حلال ہے اور وہی پہلی تکبیر اس کے تذکیہ کے لئے کافی ہے۔

لطیفہ :- مرحوم مولانا ملک فیض محمد مکھیالوی قدس سرہ جو اپنے زمانہ میں فن مناظرہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔ یا رو دالا ضلع ملتان کے مناظرہ میں جب بعض صحابہ کے ایمان کے ثبوت میں مخالف مناظر نے جناب شہر بانو کا قید ہو کر آنا اور امام حسین کی زوجیت سے مشرف ہونا پیش کیا تھا تو مرحوم و مغفور نے جواب میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی تھی جس میں خدا نے سکھے ہوئے کتے کا شکار حلال قرار دیا ہے مرحوم فرماتے تھے کہ اس مناظرہ میں شرط یہ تھی کہ قرآن کے علاوہ کسی دوسری کتاب کو پیش نہ کیا جائے۔

بس آیت کو چند بار جب جھوم جھوم کر اپنی خاص طرز میں تلاوت کیا اور ترجمہ کیا تو مخالف مناظر میدان مناظرہ چھوڑ گئے اور اہل شیعہ کی فتح ہو گئی۔

کتا رکھنا اور پالنا

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور کہا ہم ملائکہ اس گھر میں داخل نہیں ہوا کرتے جس گھر میں کتا موجود ہو۔ ابو رافع کہتا ہے کہ مجھے حضورؐ نے حکم دے دیا کہ مدینے میں جس قدر کتے ہیں ان کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں سب کتوں کو مار دیا گیا پھر بعض لوگوں نے دریافت کیا کہ آیا کوئی کتا ہم رکھ بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ تو آپ خاموش ہو گئے اور جب یہ آیت اتری تو آپ نے شکاری کتوں کے رکھنے کی اجازت دی اور بے فائدہ اور موذی کتوں کے مارنے کا حکم دے دیا لیکن شکار سے مراد یہ شکار نہیں جو عام لوگ سیر و تفریح لہو و لعب اور دل بہلا دے کے طور پر کیا کرتے ہیں اور جنگلی سور یا خرگوش وغیرہ کے مارنے کے لئے کتوں کو استعمال کیا کرتے ہیں بلکہ شکار سے مراد وہ شکار ہے جو اپنے یا اپنے بچوں کے پیٹ پالنے کے لئے کیا جائے جس طرح اس زمانہ میں مروج تھا۔ پس اس قسم کے شکار کے لئے کتا رکھنا جائز ہے نیز گھر، کھیتی، باغ اور مال مویشی کی حفاظت کے لئے بھی کتا رکھنا جائز ہے اور اس قسم کے کتوں کی خرید و فروخت بھی جائز

ہے ۔ ان کے علاوہ کوئی کتا رکھنا جائز نہیں اور نہ ان کی خرید و فروخت جائز ہے بلکہ ان کی قیمت لینا دینا حرام ہے اس زمانِ فتنہ میں صرف اہلِ مغرب کی خوشنودی کے لئے لوگوں نے کتے کو پاک ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اور بے باکانہ طور پر کتے پروری کو جائز قرار دیا ہے ۔ شریعت مقدسہ نے کتے کو نجس قرار دیا ہے اور اس کا رکھنا باستثناء مذکور حرام فرمایا ہے اور تمام اہلِ اسلام اس پر متفق ہیں اور رسالتمآب سے اس بارہ میں بہت کچھ احادیث منقول ہیں لیکن فتنہ پرور لوگ بات بات پر یہی رٹ لگاتے ہیں کہ قرآن سے ثابت کرو ۔ خیر یہ سوال تو وہی لوگ کر سکتے ہیں ۔ جو خود بھی حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کے قائل ہوں اور جن سے سوال کیا جا رہا ہو وہ بھی حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کے قائل ہوں ۔ ہم تو ثقلین کے ماننے والے ہیں ۔ ہمارے لئے قرآن اور کلامِ محمدؐ و آلِ محمدؐ دونو برابر طور پر واجب الاتباع ہیں ۔ ہمارا دین اگرچہ قرآن ہے لیکن قرآن کے ترجمان و مفسر سوائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ہم کسی کو نہیں جانتے اور قرآن کے مفاہیم کو جس طرح وہ واضح کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں کر سکتا ۔ اسی لئے حضورؐ نے متعدد بار فرمایا کہ یہ قرآن کے ساتھ اور قرآن ان کے ساتھ ہے علی مع القرآن والقرآن مع علی کی حدیث سابقہ جلدوں میں کئی دفعہ نقل کی جا چکی ہے پس چونکہ کتے کو بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ نے نجس قرار دیا ہے اور اس کا رکھنا ، خریدنا ، بیچنا ناجائز کہا ہے ۔ سوائے مذکورہ بالا اقسام کے تو ہم کو تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں اور اگر مغرب زدہ ذہنیت خواہ مخواہ قرآنی استشہاد طلب کرنے پر مصر ہو جائے تو ہم کہیں گے کہ خداوند کریم نے قرآن مجید میں خبائث کو حرام قرار دیا ہے اور ان سے دُور رہنے کا حکم بھی دیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ کتا ایک درندہ جانور ہے اور درندگی ایک ایسی بدصفت ہے جس کی خباثت اظہر من الشمس ہے ۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ کتا خبیث جانور ہے تو قرآن نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ خبائث سے اجتناب کرو ۔ پس اسی سے اس کی نجاست اور حرمت بھی ثابت ہو گئی اور اس کا رکھنا ، پالنا ، خریدنا ، بیچنا بھی ناجائز ثابت ہو گیا ۔ ہاں باقی درندہ جانوروں میں سے صرف کتے کو نجس کہا کیونکہ یہ باوجود درندہ ہونے کے اہلی جانور ہے جنگلی نہیں ۔ پس چونکہ یہ جانور انسان سے زیادہ مانوس ہے اور تمام گھروں میں بالعموم داخل ہوتا ہے اور پاک ہونے کی صورت میں ڈر تھا کہ مبادا انسان اس کو کھانے کی جرأت نہ کر بیٹھے اور اس میں بھی وہی درندگی کے صفات آ جائیں جن سے انسان کے دامن کو بلند رکھنا مقصود ہے پس اس کو نجس قرار دیا گیا تاکہ باوجود قرب کے انسانی طبائع اس سے متنفر رہیں اور اس کو اپنی غذا بنا کر اپنے مزاج میں درندگی کی صفاتِ بد کو جنم نہ دیں ۔

مسئلہ :۔ کتے کے علاوہ باقی شکاری جانوروں کا مارا ہوا شکار خواہ درندوں میں سے ہوں یا پرندوں میں سے ہوں تب حلال ہو سکتا ہے جب اس کو صحیح طریقہ سے ذبح کیا جائے ۔

مسئلہ :۔ تلوار ، نیزہ ، تیر بلکہ ہر تیز دھار آلہ کے ساتھ شکار کیا جا سکتا ہے بایں معنی کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی جانور کو مارے اور وہ مر جائے تو حلال ہوگا ۔ چنانچہ جواہر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کوئی

شخص کسی جانور کو اللہ کا نام لے کر کسی ہتھیار کے ساتھ زخمی کر ڈالے اور وہ جانور دو تین روز کے اندر اسی آلہ کی ضرب کی وجہ سے مر جائے اور اس اثناء میں اسے کسی درندہ نے کاٹا نہ ہو تو اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے نیز صحیح حلبی میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر انسان تلوار نیزہ یا تیر کے ساتھ بسم اللہ پڑھ کر کسی حیوان کو قتل کر ڈالے تو آپ نے فرمایا اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علی بن جعفر روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر ایک شخص کسی گورخر یا ہرن کو تلوار سے دو ٹکڑے کر ڈالے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اگر بسم اللہ پڑھ کر مارا ہو تو حلال ہے۔

مسئلہ:- اگر ہتھیار سے گرائے ہوئے شکار کو زندہ پکڑا جائے تو اس پر تکبیر پڑھ کر صحیح طریقے سے ذبح کرنا واجب ہے اگر عمداً ذبح نہ کرے گا تو وہ حرام ہوگا۔ ہاں اگر اس کے پہنچنے سے پہلے اسی ضرب سے مر گیا ہو تو وہ پہلی بسم اللہ کافی ہے اور وہ حلال ہوگا۔

مسئلہ:- موجودہ زمانہ میں بندوق کے شکار کو تلوار نیزہ و تیر کے عنوانات میں تو داخل کرنا مشکل ہے۔ البتہ جن روایات میں مطلق سلاح یعنی ہتھیار کا لفظ وارد ہے جیسے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل شدہ روایت مذکور ہو چکی ہے اس کی رو سے کہا جا سکتا ہے کہ بندوق کا شکار بھی اگر بسم اللہ پڑھ کر چلائی جائے تو حلال ہو۔ جیسا کہ صاحب جواہر نے بھی اسے قریب حلال کہا ہے لیکن چونکہ اس زمانہ کے تیز دھار آلات و سلاح کے عنوانات ہیں یہ داخل نہیں اور دراصل بھی عدم تذکیہ ہے۔ لہٰذا اس سے گریز کرتے ہیں۔ لیکن صید کی حلیت اور حدیث سابق میں سلاح کا اطلاق اور قوانین اسلامیہ کی تاقیامت بقا اس امر کی مقتضی ہے کہ بندوق کا شکار بلاریب حلال ہو اور تیر بے پھل ہو جانور کے گوشت کو چیر ڈالے کے شکار کا حلال ہونا اس کی تائید کرتا ہے لیکن بچنے میں احتیاط ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ:- شکار کی حلیت میں یہ شرط ہر جگہ ہے کہ آنکھوں سے اوجھل ہو کر اس کی موت واقع نہ ہو تاکہ کسی دوسرے صدمے سے اس کی موت کے واقع ہونے کا احتمال نہ ہو۔

ذبح کے احکام

چونکہ ذبح کا ذکر آگیا ہے لہٰذا بعض ضروری احکام کا بیان کر دینا خالی از فائدہ نہیں۔ یہ جاننا چاہیے کہ حیوان ذبح کرنے کی چند شرائط ہیں جن کے بغیر مذبوح جانور حلال نہیں ہو سکتا۔

ذبح کرنے والا مسلمان ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔ کتب احادیث میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عورت اور لڑکے کے ذبح شدہ جانور کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر عورت مسلمان ہو اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے اور اسی طرح اگر لڑکا طاقتور ہو اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو ان کی ذبح شدہ چیز حلال ہے۔ لیکن یہ اس وقت جب جانور کے مرنے کا ڈر ہو اور مرد ذبح کرنے والا کوئی نہ ملے۔

مسئلہ:- ہمارے بعض محققین ذبح کرنے والے میں مومن ہونا شرط قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض احادیث آئمہ میں

اس کی تصریح بھی موجود ہے۔

مسئلہ:- جو شخص اعلانیہ اہلِ بیت علیہم السلام سے عداوت رکھتا ہو۔ خواہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا پھرے۔ اس کا ذبح شدہ جانور حلال نہیں ہے۔ ابو بصیر سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا۔ آپ نے فرمایا ناصبی کا ذبح شدہ جانور حلال نہیں۔ نیز ابو بصیر کہتا ہے کہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ ایک شخص بازار سے گوشت خریدتا ہے حالانکہ اس کے نزدیک اپنے برادرانِ ایمانی میں سے ذبح کرنے والے بھی موجود ہیں اور وہ جان بوجھ کر ناصبیوں سے خریدکرتا ہے آپ نے فرمایا تو مجھ سے کیا کہلوانا چاہتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ وہ مردار خون اور خنزیر کا گوشت کھا رہا ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے تعجب کے انداز میں کہا۔ سبحان اللہ! یہ خون مردار اور خنزیر کے گوشت کی طرح ہے تو آپ نے فرمایا بلکہ اللہ کے نزدیک اس کا گناہ اس سے بھی سخت تر ہے۔ الخ (وسائل)

۲۔ لوہے کے آلے سے ذبح کیا جائے۔ بحالتِ مجبوری، پتھر، لکڑی، شیشہ وغیرہ (جس کا کنارہ تیز ہو کہ مذبوح کی رگیں کاٹی جاسکیں) سے بھی ذبح کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ چار رگیں کاٹی جائیں۔ ایک کھانے پینے کی، دوسری سانس لینے کی اور باقی دو جو حلقوم کے پہلو میں ہوتی ہیں۔ اونٹ ذبح کرنے سے حرام ہو جاتا ہے پس اس کو نحر کرنا چاہیئے۔ یعنی گردن میں مخصوص مقام پر نیزہ یا چھرا وغیرہ قبلہ رُخ ہو کر مارا جائے۔

۴۔ حیوان مذبوح یا منحور کو قبلہ رُخ کرے۔

۵۔ خود ذبح یا نحر کرنے والا بھی قبلہ رُخ ہو۔

۶۔ خدا کا نام لے کر ذبح کرے یا نحر کرے مثلاً بسم اللہ، اللہ اکبر وغیرہ۔

۷۔ ذبح یا نحر کرنے کے بعد جانور حرکت بھی کرے تاکہ یقین ہو جائے کہ ذبح سے قبل وہ مر نہ چکا تھا۔

۸۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذبح سے عادت کے مطابق خون بھی نکلے اگر خون نہ نکلے تو حرام ہوگا لیکن احادیثِ معصومینؑ سے اس شرط کی تائید نہیں ملتی۔ پس اگر خون نہیں نکلا۔ لیکن ذبح کے بعد اس نے آنکھ پاؤں یا دم ہلایا تو وہ حلال ہوگا۔

مسئلہ:- جانور کا رات کو بغیر مجبوری کے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے نیز جمعہ کے روز زوال سے قبل بغیر مجبوری کے ذبح کرنا مکروہ ہے اسی طرح ایک حیوان کو دوسرے حیوان کے سامنے ذبح کرنا بھی مکروہ ہے اور مستحب ہے کہ پرندہ کو ذبح کرنے کے بعد چھوڑ دیا جائے۔

مسئلہ:- ذبح کرنے والا تیز دھار آلہ کے ساتھ پے در پے ذبح کرے تاکہ جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔

مسئلہ:- اگر ذبح کرنے کے بعد معلوم ہو کہ صحیح ذبح نہیں ہوا تو اگر حیوان ابھی تک زندہ ہے تو اسے دوبارہ صحیح طریقے سے ذبح کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر بوقتِ ذبح تکبیر بھول جائے یا قبلہ رُخ کرنا بھول جائے تو جانور ذبح شدہ حلال ہوگا۔ لیکن اگر جان بوجھ کر ایسا کیا ہو تو وہ حرام ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر جانور ایسی جگہ پھنسا ہو کہ اس کو قبلہ رُخ نہیں کیا جاسکتا یا صحیح مقام سے ذبح نہیں کیا جاسکتا تو جس طرح ممکن ہو اُس کو ذبح کر لیا جائے پس وہ حلال ہوگا۔

مسئلہ:۔ مچھلی کو ذبح نہیں کیا جاسکتا بلکہ وُہ بغیر ذبح کے حلال ہوا کرتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ مسلمان اس کو زندہ پانی سے نکالے اور اس کی موت پانی سے باہر آکر واقع ہو۔ اگر پانی سے ایک دفعہ نکال کر رسی سے باندھ کر اسے دوبارہ پانی میں داخل کیا گیا اور اس کی موت پانی میں واقع ہوگئی تو وہ حرام ہوگی۔ نیز پانی کے اندر پکڑ کر اگر اس کے گلہ سے لوہے کی کنڈی یا رسی گذاری جائے اور وہ پانی میں مرجائے تو حرام ہوگی۔

مسئلہ:۔ انسان اور کتے اور سور پر تکبیر نہیں ہوسکتی۔ ان کے علاوہ ہر جانور پر تکبیر کہی جاسکتی ہے اور صحیح طریقہ پر ذبح ہونے سے اس کا جسم پاک ہو جائے گا۔ لیکن وہ جانور اگر حرام ہے تو تکبیر سے وہ حلال قطعاً نہیں ہوسکتا۔

طیّبات کا بیان

چونکہ خداوند کریم نے فرمایا ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا کہ اس نے تمہارے لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ زمین کی پیداواروں میں سے کوئی ایسی شے نہیں ہے جو انسان کے منافع کے لئے نہ ہو اس سے یہ مقصد نہیں کہ زمین کی ہر شے حلال ہے اور انسان ہر شے کو کھانے کے لئے بھی استعمال کر سکتا ہے۔ پس کھانے کے لئے اُس نے تخصیص فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا۔ یعنی اے ایمان والو زمین کی پیداوار میں سے حلال وطیّب چیزوں کو کھاؤ یہاں ارشاد فرمایا يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ یعنی وہ پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا چیز حلال ہے تو کہہ دیجئے کہ طیبات تمہارے لئے حلال ہیں اور اس کے مقابلہ میں فرمایا۔ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ نہ قصد کرو خبیث کا۔ تو پس قرآن مجید کے مجموعی احکام سے معلوم ہوا کہ زمین کی تمام پیداوار اگرچہ انسانی منفعت کے لئے خلق ہوئی ہے لیکن کھانے اور پینے میں طیب وخبیث کا فرق رکھا جائے گا۔ طیب کھایا پیا جائے گا اور خبیث سے پرہیز کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ گلاب کا پھول عمدہ خوشبو سونگھنے کے لئے ہے لیکن اس کے لئے ایک پودے کی ضرورت ہے اس میں شاخ بھی ہوتی ہے۔ پتے بھی اور کانٹے بھی ہوتے ہیں اور آخر پھول بھی نمودار ہو جاتا ہے۔ مقصود صرف پھول ہے جو وزن اور حجم میں نہایت کم ہے اور شاخیں کانٹے، پتے سب غیر مقصود ہیں اور وزن اور حجم میں وہ اصلی مقصود سے کہیں زیادہ ہیں۔ لیکن وہ ہیں سب پھول کی خدمت اور فائدہ کے لئے۔ شاخ اس کی سواری، پتے اس کی زینت اور کانٹے اس کی حفاظتی فوج۔ پس اسی طرح گلستانِ عالم میں اکرم وافضل مخلوق ہے انسان اور باقی موجوداتِ عالم کے مقابلہ میں اس کی حیثیت ایک اقل قلیل کی سی ہے لیکن بفرمانِ

قدرت باقی سب چیزیں ہیں۔ اس کی خادم وغلام بعض سواری کے لئے بعض زینت کے طور پر اور بعض حفاظتی حیثیت سے اگر تمام موجودات کی مصالح پر تفصیلی تبصرہ کیا جائے تو موضوع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ پس جن چیزوں کو خبیث کہا گیا ہے وہ اس بنار پر کہ کھانے کے لئے نہیں ہے ورنہ دوسری بعض حیثیتوں سے وہ انسان کے لئے خوب بھی ہیں مثلاً کتا کھانے کے لئے بد ہے لیکن حفاظت کے لئے خوب ہے۔ وعلیٰ ہذالقیاس

اشیار کی حلیت کی مصلحت کے متعلق اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ خدا نے جن جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ درحقیقت انسان کے لئے نقصان دہ ہیں اور جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے وہ انسان کے وجود کے لئے مفید ہیں۔ وہ چونکہ تمام موجودات کے مزاجوں کو خوب جانتا ہے پس جن جن چیزوں کے مزاجوں کو انسانی مزاج کے لئے مضررساں بنایا ہے ان سے انسانوں کو روکا ہے اور جن جن چیزوں کے مزاجوں کو انسانی مزاجوں کے موافق خلق فرمایا۔ ان کو جزو بدن بنانے کی اجازت دی اور مزاج سے مراد صرف ظاہری تندرستی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ مراد ہے۔ انسان کی انسانی حیثیت اور اس کا ان صفات وکمالات کا مظہر ہونا جو اس کے شایان شان ہیں اور جن کے پیش نظر اس کو تمام موجوداتِ عالم سے برتری عطا کی گئی ہے چونکہ شرافت وکمینگی کو مزاج انسانی سے وابستگی ہے اور انسان کو انسانی حیثیت سے شرافت ہی زیبا ہے۔ لہٰذا ایسی خوراک جو انسانی مزاج کو شرافت سے دُور کرنے اور اس میں کمینگی کو جنم دے وہ حرام کر دی گئی۔ چونکہ خنزیر کی طینت میں بے حیائی داخل ہے اور اس کا گوشت کھانے سے چونکہ مزاج انسانی میں بے حیائی کا میلان پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ انسان کی انسانی پوزیشن ہے باحیا ہونا پس خنزیر کو حرام کر دیا گیا۔ اسی طرح کتے میں ہے درندگی۔ پس انسانی مزاج کو اس سے بچانے کے لئے اس کو حرام کیا گیا۔ اسی طرح جن جن چیزوں کو اس نے حرام کیا ہے وہ وہی ہیں جو انسان کو انسانیت سے ہٹا کر حیوانیت کی پستی میں دھکیل دینے کی موجب ہیں۔ ہاں بعض حرام چیزوں کے مضر اثرات سے ہمارا مطلع نہ ہونا یا بعض حلال جانوروں کے مفید پہلوؤں سے ہمارا غافل ہونا یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ حرام بے مضر ہے یا یہ حلال بے فائدہ ہے۔ ہم کسی چیز کی اجزار کے مصالح ومفاسد پر جتنا زیادہ ہی عبور کیوں نہ رکھتے ہوں وہ خالق کے علم کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا اور پھر جبکہ ہمارے علوم میں قدم قدم پر نافہمی اور ناسمجھی کا شائبہ بھی موجود رہتا ہے تو ہم کس طرح جرأت کر سکتے ہیں کہ خدائی فیصلوں میں اپنی رائے کو پیش کریں۔ چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ پس ہمارا فرض ہے کہ جس کو اُس نے یا اس کے رسولؐ نے ہمارے لئے حلال قرار دیا اس کو استعمال کریں اور جس سے اس کی شریعت مقدسہ میں اجتناب کا حکم دیا گیا اس سے بچ کر رہیں اور جس کی مصلحت ومفسدہ ہمیں معلوم نہ ہو سکے۔ اس میں سکوت اختیار کر لیں اور سر تسلیم خم کر لیں

حلال چیزیں

جو طیبات میں داخل ہیں۔

۱۔ سبزیوں میں تمام وہ چیزیں حلال ہیں جن کا نقصان دہ ہونا معلوم نہ ہو۔

۲۔ پھلوں اور میووں میں سے تمام وہ پھل و میوہ جات حلال ہیں جو موذی اور ضرر رساں نہ ہوں۔
۳۔ دریائی مخلوق میں مچھلی وہ حلال ہے جو چھلکا دار ہو۔
۴۔ حیوانات صحرائی میں سے بہیمۃ الانعام حلال ہیں جن کی تفصیل گزر چکی ہے
۵۔ پرندوں میں سے وہ حلال ہیں جن میں چند صفتیں پائی جائیں۔ ① درندہ نہ ہو، یعنی اپنے تیز پنجوں کے ذریعے اپنے سے کمزور پرندوں پر حملہ نہ کرتا ہو ② اڑنے میں پر زیادہ مارتا ہو۔ اس کا پر پھیلا کر اڑنا کم ہو یا بالکل نہ ہو ③ دانہ بھرنے یا ہضم کرنے کی اس کے اندر تھیلی ہو ④ اس کے حرام ہونے پر شرعی نص موجود نہ ہو۔ پس کبوتر، تیتر، بٹیر مرغ، مرغابی اور اس قسم کے پرندے سب حلال ہیں ⑤ ہر قسم کے دودھ، پانی، شربت، عرق حلال ہیں۔ بشرطیکہ نجس نہ ہوں اور مسکر یعنی شراب اور زہر کی قسم سے اور ایذا دہندہ نہ ہوں۔

حرام چیزیں

جو خبائث میں داخل ہیں۔ ان میں سے بعض کا بیان گزر چکا ہے اور یہاں ایک کلیہ بیان کیا جاتا ہے ① درندے اور حشرات الارض سب حرام ہیں ② پرندوں میں سے جن میں صفات سابقہ نہ ہوں وہ حرام ہیں ③ مسخ شدہ جانور سب حرام ہیں۔ ریچھ، بندر، چمگادڑ اور سور وغیرہ اس میں داخل ہیں ④ مردار ⑤ حلال جانوروں کے بعض اجزاء، تلی، خون، فضلہ، آلہ، خصیے، حرام مغز، مثانہ، پتہ حرام ہیں ⑥ ہر نجس چیز حرام ہے ⑦ ہر قسم کی مٹی کا کھانا حرام ہے۔ البتہ خاکِ شفا بطور علاج کھائی جاسکتی ہے لیکن نخود کے اندازہ سے زیادہ نہ کھائے ⑧ ہر قسم کے زہر کا کھانا حرام ہے ⑨ پینے میں شراب، خون، پیشاب اور حرام گوشت جانور کا دودھ حرام ہیں ⑩ حیوانات میں سے جس کی حرمت پر نص موجود ہو وہ بھی حرام ہوگا۔ جیسے خرگوش

اصل حلیت کا قاعدہ

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ صفحہ ۵ آیات کے رابطہ کے متعلق مفسرین نے یہ کہا ہے۔ کہ پچھلی آیات میں جب یہ کہا گیا کہ تمہارا دین کامل ہوا اور نعمات خداوندی تم پر تمام ہوگئیں اور من جملہ نعمات کے پاکیزہ چیزوں کی حلیت بھی تھی تو تکمیل معنی کے طور پر اس کو ذکر کر دیا گیا اور اَلْيَوْمَ کا تکرار اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک ہی دن تھا۔ جس میں خالق نے کافروں کی مایوسی کی اطلاع دی اور ولایت علیؑ کے ساتھ دین کو کامل اور نعمات کو تمام کیا۔ اور تمام پاکیزہ اشیاء کی حلیت کا مسلمانوں کو پیغام دیا اور پاکیزہ چیزوں کی حلیت کو آج کی طرف منسوب کرنے کی غالباً وجہ یہ ہے کہ قبل ازیں نسخ و ترمیم بعض احکام حسب مصلحت ہوا کرتی تھی اور جب کہ دین کو کمال کی سند دے دی گئی تو احکام میں نسخ کا معاملہ ختم ہوگیا۔ لہٰذا ہمیشہ کے لئے حلال چیزوں کا بطور قاعدہ کلیہ کے ایک اصول بتا دیا گیا کہ تمہارے لئے ہر طیب و پاکیزہ چیز حلال ہے مگر جس کی حرمت پر نص آجائے تو وہ حرام ہوگی اور علمائے اصول کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے کہ کل شی لک حلال حتی تعلم انه حرام بعینه۔ یعنی ہر چیز کی اصل حلیت ہے اور حرمت محتاج دلیل ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ

آج حلال کردی گئی تمہارے لئے ہر پاکیزہ چیز اور کھانا ان کا جنہیں کتاب دی گئی حلال ہے تم کو

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ

اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کو اور پاک دامن ایمان والی عورتیں اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جن کو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ

کتاب دی گئی تم سے پہلے جب دو ان کو ان کے حق مہر پاک دامنی کی خاطر

غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ

نہ زنا کے لئے اور نہ پوشیدہ آشنا بنانے کے لئے اور جو کفر کرے ساتھ ایمان کے تو

فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۵

پس ضائع ہو گئے عمل اس کے اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں سے ہوگا

اہل کتاب سے سلوک

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ آیت کے ظاہر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی ہر خشک و تر چیز حلال ہے حالانکہ معصومین علیہم السلام سے روایات بحدِ تواتر موجود ہیں کہ یہود و نصاریٰ کافر ہیں نہ ان کی ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان کے ہاتھ کی کوئی دوسری تر چیز حلال ہے کیونکہ وہ نجس ہیں اور قرآن مجید میں مشرکین کی نجاست کا اعلان موجود ہے لیکن چونکہ یہود و نصاریٰ نے دشمنیٔ اسلام میں مشرکین جیسے ہیں لہذا ان سب کا حکم ایک ہے پس سب کے سب نجس ہیں۔ اب ایک طرف ان کی نجاست کا یہ حکم چاہتا ہے کہ ان کا کھانا حرام ہو کیوں کہ نجس ہے اور اس آیت مجیدہ کا ظاہر بتلاتا ہے کہ ان کا کھانا حلال ہے تو اس اشکال کا حل اس طرح ہوگا کہ اس آیتِ مجیدہ کے عموم کو نجاستِ مشرکین والی آیت کے مفہوم اور آئمہ طاہرین جو ناطق قرآن ہیں کے فرامین کے منطوق کے ساتھ تخصیص دی گئے اور مقصد یہ ہوگا کہ اہل کتاب کا وہ طعام جس پر ان کی نجاست مؤثر نہیں ہوتی مثلاً گندم، جو، چنے، سبزیاں وغیرہ تمہیں حلال ہیں اور تمہاری چیزیں ان کو حلال ہیں۔ یعنی ان چیزوں کی تم اہل کتاب کے ساتھ لین دین کر سکتے ہو خواہ خرید و فروخت کے ذریعے سے ہو یا ہبہ و ہدیہ کے طریقے سے۔ لیکن ان کے ہاتھ کی تر چیزیں یا ان کی ذبح شدہ چیزیں وہ اپنے مقام پر حرام رہیں گی۔

سوال :۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسری خشک اشیاء کی لین دین تو کافر مشرک مجوسی گویا ہندو سکھ اور دہری بلکہ ہر انسان کے ساتھ ہو سکتی ہے پھر اہل کتاب کو خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر کیا گیا؟

جواب :۔ بے شک ان چیزوں کی لین دین تمام انسان ایک دوسرے سے کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کی لین دین چونکہ اہل کتاب سے ہوتی ہے جو ذمی کافر تھے اور حربی کفار سے لین دین شاذ تھی۔ اس لئے اہل کتاب کا نام لیا گیا ورنہ حکم تمام کافروں پر حاوی ہے اور یہ اس لئے کہ جب دین کو کامل کر دیا گیا اور کافروں کی مایوسی کا بھی اعلان ہو گیا۔ تو شاید مسلمان یہ سمجھے کہ اب کفار سے کسی قسم کا ڈر تو رہا نہیں۔ لہٰذا اب ان کے ساتھ ظاہری میل جول اور لین دین بھی شرعاً ممنوع ہو گا تو اس کا ازالہ کر دیا گیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ باہمی لین دین میں کوئی حرج نہیں۔

وَالْمُحْصَنٰتُ :۔ یعنی پاک دامن آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح بھی تمہارے لئے حلال کر دیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اس کی حلیت تمہارے لئے ہمیشہ کے لئے کر دی گئی کہ اب منسوخ نہ ہو گا اور تمامی نعمات میں اس نعمت کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ :۔ آیت کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے لیکن دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ کہ مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جب تک کہ ایمان نہ لائیں اور چونکہ ایمان لانے میں یہود و نصاریٰ بھی مشرکین کے ساتھ شریک ہیں۔ لہٰذا ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کا حکم بھی وہی ہونا چاہیئے جو مشرکوں کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا ہے کیونکہ علت یعنی عدم ایمان سب میں یکساں ہے نیز ایک مقام پر ارشاد ہے وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ۔ پس اس مقام پر آیت مجیدہ کی تاویل دو طریقوں سے کی جائے گی۔

۱۔ پاک دامن کتابی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں نکاح متعہ کے لئے کیونکہ مذہب امامیہ میں کتابی عورت کے ساتھ متعہ ہو سکتا ہے۔

۲۔ کتابی عورتوں سے وہ عورتیں مراد ہیں جو پہلے کتابی تھیں اور اب اس دین سے توبہ کر کے مسلمان ہو چکی ہوں کیونکہ اس قسم کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے بعض مسلمان گھبراتے تھے تو خداوند کریم نے ان کی گھبراہٹ کو رفع فرما دیا کہ تمہارے لئے پاک دامن مومنہ عورتوں کے ساتھ بھی نکاح حلال ہے جو مومن ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوئیں اور پاک دامن کتابی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے جو باطل دین سے توبہ کر کے مومن ہو گئی ہوں۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ ۔ تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ اس کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے عمل کا ترک کرنا جس کا اقرار کیا ہے اور اسی باب سے ہے بغیر بیماری و ضرورت کے نماز کا ترک کرنا۔ نیز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں ایمان سے مراد ولاءِ علیؑ ہے۔ یعنی جو ولائے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ
اے ایمان والو جب تیاری کرو نمازکی تو دھوؤ اپنے منہ اور ہاتھ
وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ
کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے بعض حصۂ سرکا اور پورے پاؤں کا ٹخنوں تک

علیؑ کا منکر ہوگا اس کے اعمال رائیگاں جائیں گے اس کی مزید تشریح معہ استدلال اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ کی تفسیر میں اسی جلد میں گذر چکی ہے اور تفسیر ہذا کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر میں حبط اعمال کی فصل میں مدلّل اور مفصّل بیان موجود ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے اور مروی ہے کہ جب جنگِ اُحد میں نامور صحابہ بھی بھاگ گئے تھے تو حضرت علیؑ کی طرف مخاطب ہوکر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یا علیؑ آپ کیوں نہیں چلے گئے تھے" تو حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ حضورؐ! ایمان کے بعد کفر مجھ سے کس طرح ہوسکتا تھا؟ گویا صرف جہاد سے بھاگنے کو حضورؐ کفر سے تعبیر فرما رہے تھے تو بتائیے تمام فرائض سے بھاگنا، حضرت علیؑ کے نزدیک کتنا شدید و سنگین گناہ ہوگا۔ شیعانِ علیؑ کو حضرت علیؑ کے فرمان کے پیش نظر ترک فرائض سے گریز کرنا چاہیئے۔

رکوع نمبر ۶

آیت وضو کا بیان

وجۂ ربط، چونکہ خدا اور بندہ کے درمیان غلام و مولا یا عبد و معبود اور مالک و مملوک کا رشتہ ہے تو اس لحاظ سے ہر دو پر اپنی اپنی نوعیت سے ذمہ داریاں عائد ہیں کہ خدا اپنی ربوبیت کی ذمہ داریوں کو پورا کرے اور بندہ اپنے عبدیت کے فرائض کو انجام دے تو گویا ہر دو کے مابین ایک عقلی واصولی معاہدہ قائم ہے جس کو اپنی اپنی حیثیت سے ہر ایک نے وفا کا لباس پہنانا ہے۔ اسی بنا پر بنی اسرائیل کو ایک مقام پر خطاب ہے اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ: تم میرے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کرو اور میں تمہارے ساتھ کئے عہد کو پورا کروں گا۔ اس سورۂ مبارکہ میں پہلا عنوان ہی یہی ہے کہ اے ایمان والو اپنے عقود یعنی وعدے پورے کرو۔ گویا مقصد یہ کہ دیکھو میرے اوپر ربوبیت کا عہد تھا کہ تمہاری دین اور دنیا کی تمام ضرورتوں کو پورا کروں تو لو میں نے تمہارے دین کو کامل کردیا کہ اب قیامت تک کے لئے اس دین میں ترمیم یا تنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں رہی یعنی حضرت علیؑ اور اس کی اولاد طاہرینؑ کی ولاء کے وجوب اور ان کی امامت کے اعلان سے قیامت تک کے لئے دین اسلام کے ہادیوں کی نامزدگی ہوگئی اور احکام دین کی تبلیغ میں صرف یہی مرحلہ باقی تھا جس کو انجام دیا گیا اور دین کامل ہوگیا اور کفار اس عمارت اسلامیہ کے

انہدام سے پوری طرح مایوس ہو گئے۔ باقی رہیں تمہاری دنیاوی ضروریات تو اس کی موٹی موٹی دو قسمیں ہیں۔ ایک کھانے پینے کے متعلق حلال و حرام کی تعیین اور دوسرے حصولِ لذت اور بقاءِ نسل کے لئے جنسی تعلقات کی حد بندی۔ پس کھانے پینے کے لئے تمہیں ہر طیب چیز حلال ہے اور ہر خبیث چیز تم پر حرام ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے اور سلسلہ نکاح کے لئے ہر ایمان دار عورت سے تم عقد کر سکتے ہو، سوائے ان چند اقسام کے جو بیان کی جا چکی ہیں۔ اب ربوبیت کا عہد پورا ہو گیا تو تم اپنا عبدیت کا عہد پورا کرو اور ایمان کے بعد عبادات میں سے اہم و اشرف نماز ہے لہذا نماز ادا کرو لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ جب ارادہ نماز کرو تو پہلے وضو کر لو۔ جس کی صورت یہ ہے کہ منہ دھو لو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو، پھر سر کا مسح کرو اور پاؤں کا کعبین تک مسح کرو لیکن اگر حالتِ جنب میں ہو تو غسل کر لو اور اگر محدث ہوتے ہوئے پانی دستیاب نہ ہو سکے تو پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھو۔ بہر کیف تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں۔ پس فریضہ عبدیت کو ہر ممکن طریقہ سے پورا کرنے کی کوشش کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔ خطاب اگرچہ صیغہ مذکر کے ساتھ ہے لیکن مرد و عورت سب اس میں داخل ہیں اور نماز و دیگر عبادات کا وجوب سب پر یکساں ہے کیوں کہ مرد عورت پر حاکم ہے اور عورت مرد کے تابع ہے لہذا مشترکہ خطابات میں مردوں کو غلبہ دے کر خطاب مذکر صیغہ سے کیا جاتا ہے اور ہر قوم و ہر زبان میں ایسا ہی مروج ہے ہاں البتہ بعض خطابات جو صرف مردوں سے مختص ہیں مثلاً ایمان والوں کو جہاد کی دعوت وغیرہ ان سے عورتیں یقیناً خارج ہیں کیوں کہ وہ کام ایسا ہے جو مردوں کے ساتھ اختصاص رکھتا ہے مثلاً یہ اس طرح ہے کہ اگر حکومت وقت اعلان کرے۔ اے ملک میں بسنے والو حکومت کے وفادار شہری بن کر رہو۔ یا اے ملک والو! اپنے ملک و قوم کی بقاء کے لئے جانی قربانی پیش کرو تو معلوم ہے کہ پہلا اعلان مردوں عورتوں دونوں کے لئے ہے اور دوسرا حکم صرف مردوں کے لئے ہوا ہے۔

فروعی احکام میں بھی کفار مکلف ہیں

نیز فریضہ عبدیت کی ادائیگی کے لئے ہر انسان مامور ہے۔ خواہ مسلم ہو یا کافر اسی بناء پر ہمارے مذہب میں کفار پر بھی عبادات واجب ہیں۔ البتہ جب تک وہ کافر ہیں ان سے صحیح نہیں ہو سکتیں اور قیامت کے روز جس طرح ان کو اصول کی مخالفت کی سزا ملے گی اسی طرح وہ ترکِ فروع پر بھی معذب ہوں گے لیکن چونکہ آیاتِ قرآنیہ میں یہ خطابات صرف ایمان والوں کو ہیں۔ اس لئے بعض غیر شیعہ حضرات کے نزدیک کفار پر عبادات کا وجوب نہیں ہے لیکن اس کے کئی جوابات ہیں

۱۔ قرآن مجید میں بالعموم انسانوں کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الخ اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔ اس خطاب میں تمام انسان داخل ہیں خواہ مسلم ہوں یا کافر، تو اس کا یا اس قسم کے تمام خطابات کا صاف مطلب یہ ہے کہ کفار فروعات کے مکلف ہیں۔

۲۔ عبدیت کے فرائض کی ادائیگی کا حکم تو تمام بندوں کو ہے لیکن ایمان والوں کو خصوصیت سے خطاب اس لئے

ہے کہ ماننے صرف وہی ہیں اور عمل کی توقع صرف انہی سے ہوا کرتی ہے جس طرح قرآن مجید خود تمام انسانوں کیلئے ہادی ہے لیکن نفع چونکہ صرف خوفِ خدا رکھنے والے ہی اٹھاتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

۳۔ جب کسی خطاب میں دو طبقوں کے انسان موجود ہوں تو خطاب کی دو صورتیں ہوتی ہیں کہ تمام کو بالعموم خطاب کیا جائے یا صرف اعلیٰ طبقہ کو خطاب کرکے ادنیٰ کو اس میں شامل کر لیا جائے جس طرح لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ یعنی اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا حالانکہ زمینیں بھی پیدا نہ ہوتیں لیکن اعلیٰ فرد کو ذکر کرکے ادنیٰ کو اس کے تابع کر دیا گیا جس طرح مردوں کے حکم میں عورتوں کو شامل کیا جاتا ہے اور سرداروں کے حکم میں غلاموں کو داخل کیا جاتا ہے پس یہاں بھی بنا بر غلبہ کے مومنوں کے حکم میں غیر مومنوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ جس طرح سجدۂ آدم کے وقت ملائکہ کے حکم میں ابلیس بھی داخل تھا۔

۴۔ جن خطابات میں صرف اہل ایمان مخاطب ہیں ان میں کفار بھی مخاطب ہیں فرق یہ ہے کہ اہل ایمان کو خطاب ہے صراحتاً اور کفار مخاطب ہیں۔ ضمناً و کنایتہً۔ بلکہ خطاب میں اہل ایمان کو صراحت سے صرف ایک حکم ہے اور کفار کو اسی خطاب کے ضمن میں دوہرا حکم ہے۔ یعنی اے وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے۔ ایمان بھی لاؤ اور پھر بمقتضائے ایمان عبادت بھی کرو۔ یہ ایسا ہے جیسے ایک باپ اپنے متعدد بیٹوں کو کہے۔ اے میری وفادار اولاد میری اطاعت کرو تو اگر اس کی اولاد میں بعض غیر وفادار موجود ہوں تو خطاب کا یہ مقصد نہیں کہ وہ اس امر سے باہر ہیں بلکہ ضمنی طور پر جس طرح وفاداروں کو وفاداری پر ثابت رہنے کی دعوت ہے اسی طرح غیر وفاداروں کو وفادار بننے کی فرمائش ہو رہی ہے یعنی وفادار رہ کر اطاعت کرو اور وفادار بن کر اطاعت کرو۔ اسی طرح اگر بادشاہ اپنی رعایا کو خطاب کرکے کہے میری وفادار رعایا، یا اے میری وفادار فوج تو اس کا یقیناً یہ مطلب ہرگز نہیں ہوا کرتا کہ بادشاہ اپنی رعایا یا فوج کے ہر فرد کو وفادار سمجھ کر ان سے خطاب کر رہا ہے بلکہ اسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کم وفادار ہیں اور اکثر غدار و بے وفا ہیں۔ بایں ہمہ خطاب سے مقصود بھی صرف وفادار طبقہ نہیں ہوتا بلکہ وفادار کے لفظ سے مراد وفادار و غدار سب ہوتے ہیں پس مقصد یہ ہوتا ہے کہ وفاداروں کی مدح اور غداروں کو تنبیہہ ہو جائے اور کنائے اور ضمنی طور پر غداروں کو وفاداری کی دعوت بھی دی جائے گویا وفاداروں کو وفادار رہنے اور غداروں کو وفادار ہونے کی دعوت ہوتی ہے اور خطاب کے بعد والے حکم میں ہر دو برابر کے شریک ہوا کرتے ہیں اور یہ مطلب بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔

۵۔ خداوند کریم نے ایمان والوں کو جو حکم دیئے ہیں۔ ان سے ایمان نہ رکھنے والوں کی نفی نہیں سمجھی جاتی اور اسی کو مفہوم مخالف کہتے ہیں جس کو علمائے امامیہ حجت نہیں جانتے۔ پس یہاں بھی حکم ہے کہ اے ایمان والو نماز پڑھو، روزہ رکھو وغیرہ۔ تو جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے نہ نفی ہے نہ اثبات تو دوسری آیت میں جہاں بالعموم حکم صادر ہے کہ اے لوگو اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ ان احکام میں بھی تمام انسان داخل ہیں۔ لیکن ایمانداری کے پیش نظر ایمان

والوں کو اپنے خطاب سے نوازا ہے جس سے اس کی محبت وعنایت مترشح ہوتی ہے اور کفار کو بوجہ ان کے عناد و سرکشی کے اپنے خطاب قدس کے اہل نہ قرار دیتے ہوئے اگرچہ حکم میں ان کو شامل کیا لیکن شرف مخاطبت سے محروم رکھا

إِذَا قُمْتُمْ کی تشریح

إِذَا قُمْتُمْ یعنی جب نماز کی تیاری کرو تو وضو کرو شرط کے مفہوم سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ نماز کی ادائیگی کا وجوبی امر نہیں ہے کیونکہ اس آیت مجیدہ میں نماز کے وجوب کے اعلان سے فارغ ہونے کے بعد شرط صحت نماز کا ذکر ہے مقصد یہ ہے کہ نماز کا وجوب تو تم سمجھ چکے ہو اب اس کی شرط صحت بھی سمجھ لو کہ جب نماز کی تیاری کرو تو وضو کر لیا کرو اور اگر پانی نہ دستیاب ہو تو تیمم کیا کرو اور نیز یہ مقصد بھی نہیں کہ نماز کے لئے کھڑے ہو کر پھر وضو کرو بلکہ قُمْتُمْ کا مطلب یہاں ہے۔ ارادہ قیام کرو تو پہلے وضو کرو جس طرح دوسرے مقام پر ہے جب قرآن پڑھا کرو تو استعاذہ کیا کرو۔ یعنی قرآن خوانی کا ارادہ ہو تو اعوذ باللہ پڑھا کرو یا مثلاً حکم ہے روٹی کھاؤ تو بسم اللہ پڑھو یعنی روٹی کھانے کا ارادہ ہو تو پہلے بسم اللہ پڑھو۔

آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے کیونکہ ارشاد اس طرح ہے کہ جب بھی نماز کا ارادہ کرو خواہ باوضو ہو یا بے وضو ہو، پس وضو کر لیا کرو۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ہر نماز کے لئے علیحدہ علیحدہ وضو کیا کرتے تھے اور جو لوگ ہر نماز کے لئے وضو کے وجوب کے قائل ہیں وہ اسی آیت مجیدہ سے استدلال قائم کرتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے جب بھی نماز پڑھو تو وضو کر کے پڑھو خواہ اس سے پہلے تم وضو کر بھی چکے ہو تو اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ عبارت محذوف ہے دراصل تھا۔ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ مِنَ النَّوْمِ۔ یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو نیند سے تو وضو کر لیا کرو۔ اور آئمہ معصومین سے اسی معنی کی متعدد روایات کتب امامیہ میں منقول ہیں جیسا کہ صافی اور لوامع التنزیل میں بروایت تہذیب وعیاشی صادقین علیہما السلام سے منقول ہے۔ پس آیت مجیدہ میں اجمال موجود ہے جس کے بیان کے لئے معصوم کا فرمان ضروری ہے اور قرآن مجید میں مجمل آیات کا وجود جو راسخین فی العلم کے بیان کی محتاج ہیں حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والوں کا ناطقہ بند کرنے کے لئے ہے اسی آیت مجیدہ کے آخر میں پھر ارشاد قدرت ہے أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا الخ یعنی اگر پاخانہ پھر چکے ہو یا عورتوں کے ساتھ مقاربت کر چکے ہو اور پانی نہ پاؤ تو تیمم کر لیا کرو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ پاخانہ کے بعد اور عورتوں کی مقاربت کے بعد اگر نماز پڑھنی ہو اور پانی مل سکتا ہو تو وضو یا غسل واجب ہے تو یہاں پاخانہ پھرنا یا عورتوں سے مقاربت کرنا یہ دو چیزیں بطور مثال کے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ یا اس قسم کے اسباب حدث اگر موجود ہوں تو نماز کے لئے وضو یا غسل ضروری ہے اور پانی کی عدم موجودگی میں ان کے بدلہ میں تیمم کافی ہوگا۔ پس صاف معلوم ہوا کہ آیت مجیدہ میں عمومی ارشاد کہ جب بھی نماز کا ارادہ کرو تو وضو کرو۔ یہ انہی صورتوں سے مختص ہے جب انسان پہ پاخانہ یا اس کی مثل کوئی دوسری حدث طاری ہو چکی ہو اور حضرت امیر علیہ السلام کے متعلق جو منقول ہے

کہ ہر نماز کے لئے جُدا جُدا وضو فرماتے تھے تو اس سے وضو تجدیدی مراد ہے اور وہ بلا ریب مستحب ہے۔ پس وضو ہونے کے باوجود ہر نماز کے لئے وضو کرنا سنّت ہے اور جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ جو شخص وضو کرے اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ نیز لوامع التنزیل میں معصومین سے مروی ہے کہ اَلْوُضُوْءُ عَلَی الْوُضُوْءِ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یعنی وضو پر وضو کرنا نورٌ علی نور ہے۔ ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ جو شخص بغیر حدث کے وضو تجدید کرے تو خدا استغفار کے بغیر اس کی توبہ قبول کرے گا۔

اسبابِ وضوء

① پیشاب ② پاخانہ ③ ریح ④ نیند ⑤ بے ہوشی ⑥ استحاضہ اور اسبابِ غسل بھی چھ ہیں ① جنابت ② حیض ③ نفاس ④ استحاضہ ⑤ موت ⑥ مسِ میّت۔ سببِ وضو کو حدثِ اصغر کہا جاتا ہے اور سببِ غسل کو حدثِ اکبر کہا جاتا ہے۔ حدث کے لاحق ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ حدثِ اصغر لاحق ہو یا حدثِ اکبر لاحق ہو جائے۔ قرآن مجید نے ایک حدثِ اصغر کا ذکر کیا اور ایک حدثِ اکبر کا ذکر کیا ہے۔ حدثِ اصغر کے باقی اسباب اور اسی طرح حدثِ اکبر کے باقی اسباب راسخین فی العلم (جو محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں) نے بیان فرمائے ہیں چونکہ آیتِ مجیدہ میں نماز کی ادائیگی کے لئے وضو کے علاوہ غسلِ جنابت کو کافی قرار دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی تمام احداث موجبِ وضو ہوا کرتی ہیں۔ خواہ حدثِ اکبر ہی کیوں نہ ہو۔ پس غسلِ حیض، نفاس، استحاضہ اور اسی طرح غسلِ مسِ میّت کے بعد اگر نماز پڑھنی ہوگی تو اغسال سے قبل یا بعد وضو کرنا ضروری ہوگا۔ لیکن اگر غسلِ جنابت کے بعد نماز پڑھی جائے گی تو وضو کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ غسلِ جنابت کے ساتھ وضو کرنا حرام ہوگا۔ خداوندکریم نے صاف حکم دیا ہے اگر نماز کی تیاری کرو اور حالتِ جنب ہو تو غسل کرلو تو معلوم ہوا کہ وضو کی طرح یہ بھی خود کافی ہے اور ان کے قائمقام تیمم کا بھی یہی حکم ہوگا۔ یعنی غسلِ جنابت کے بدلہ کا تیمم نماز کے لئے خود کافی ہوگا اور باقی اغسال کے بدلہ تیمم کرنے کے بعد نماز کے لئے وضو کے بدلے تیمم علیحدہ کرنا پڑے گا۔

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ:۔ وجوہ جمع ہے وجہ کی اور اس کا معنی ہے چہرہ اس کی تحدید کے متعلق تفسیر صافی میں کافی وعیاشی سے مروی ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا چہرہ کی وہ حد جس کے دھونے کا خدا نے حکم صادر فرمایا ہے کہ کسی کو اس پر بڑھانے گھٹانے کا حق نہیں۔ یعنی اگر بڑھائے گا تو اس کا ثواب نہ ملے گا اور اگر گھٹائے گا تو گناہ گار ہوگا وہ ہے جو انگوٹھے اور درمیان کی بڑی انگلی کے اندر آجائے۔ سر کے بال اُگنے کی حد سے ٹھوڑی تک لمبائی میں اور جہاں تک دونو مذکور انگلیاں پہنچ جائیں۔ چوڑائی میں پس یہ حد چہرہ کی ہے اور اس کے علاوہ چہرہ سے خارج ہے پس چہرہ کی اس حد کے اندر کے تمام حصّہ کا دھونا واجب ہے۔ اگر بال برابر بھی جگہ خشک رہ جائے گی تو وضو باطل ہوگا لہذا وہ زیور جو ناک کا بعض حصّہ چھپائے رہتے ہیں۔ وضو کے وقت ان کا اتارنا ضروری ہے۔ بعض اوقات آنکھوں سے غلیظ مواد خارج ہو کر کناروں پر جم جاتے ہیں اور صبح سو کے اُٹھ کر خیال نہیں رہتا اور انسان وضو کر لیتا ہے اور وہ مواد ویسے

کے ویسے موجود رہ جاتے ہیں تو دریں صورت وضو صحیح نہ رہے گا۔ پس چاہیئے کہ پہلے منہ صاف ہو اور پھر وضو کرے تاکہ مُنہ کے ہر حصّہ تک پانی ٹھیک پہنچ سکے۔

مسئلہ:۔ آنکھ اور منہ کا وہ حصّہ جو بند کرنے کے بعد سامنے والے کو نظر نہیں آتا وضو میں اس کا دھونا واجب نہیں ہے اور اسی طرح ناک کے اندر کا حصّہ بھی دھونا ضروری نہیں کیونکہ وجہ کا معنی ہے مَا یُوَاجَہُ بِہٖ یعنی منہ کا وہ حصّہ جو سامنے ہو

مسئلہ:۔ کم ازکم پانی جو چلّو میں لے کر منہ پر ڈالا جائے اتنا ہو کہ اوپر جاری ہو جائے اور دھونا صادق آئے اگر جاری نہ ہو سکے اور ویسے منہ کو تر کر لیا جائے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔

مسئلہ:۔ بفرمانِ خداوندی غسل ایک دفعہ پانی ڈالنے سے صادق آجاتا ہے لہذا ایک دفعہ دھونا منہ کا واجب ہے

مسئلہ:۔ منہ دھونے سے قبل مستحب ہے کہ پہلے دونوں ہاتھوں کو کلائیوں تک دھولے اور تین دفعہ منہ میں پانی ڈال کر کلی کرے اور پھر تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالے اور مسواک کرنا بھی سنّتِ موکدہ ہے۔

مسئلہ:۔ جب منہ دھونے کے لئے پانی دائیں ہاتھ کے چلو میں لے تو منہ پر ڈالنے سے قبل نیّت وضو کی قربۃً الی اللہ کرے ورنہ وضو صحیح نہ ہوگا اور یہ نیّت اوّل سے آخر تک موجود رہنی چاہیئے نیز نماز واجب یا دیگر وہ اُمور جن کے لئے وضو کیا جاتا ہے سب کے لئے قربت کی نیّت سے وضو کرنا درست ہے اور اسی وضو سے نماز واجبہ پڑھی جا سکتی ہے

مسئلہ:۔ منہ کا وہ حصّہ جو گھنے بالوں کے نیچے چھپا ہوا ہو جیسے ڈاڑھی یا مونچھوں یا ابروؤں کے نیچے کا حصّہ تو اس تک پانی پہنچانا ضروری نہیں بلکہ اوپر سے پانی کا جاری کر دینا کافی ہے لیکن اگر بال گھنے نہ ہوں اور چہرا نظر آرہا ہو تو اس کا دھونا واجب و ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ منہ پر اوپر سے پانی ڈال کر نیچے کی طرف لانا چاہیئے الٹ کرنے سے وضو باطل ہوگا چنانچہ معصومین سے ایسا ہی مروی ہے فروع کافی میں بروایت زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم کو رسول اللہ کا وضو بتاؤں؟ ہم نے عرض کی جی ہاں! پس آپ نے پانی کا برتن منگوایا اور اس کو اپنے سامنے رکھا پھر اپنے بازوؤں سے آستینوں کو اُلٹا اور دائیں ہاتھ کو پانی میں داخل کیا اور فرمایا۔ اس وقت جبکہ ہاتھ پاک ہو۔ پس چلو بھر کر پیشانی پر ڈالا اور منہ کے دونوں طرف اس کو جاری کیا۔ پھر بائیں ہاتھ کے چلو میں پانی لیا اور دائیں ہاتھ کی کہنی پر ڈالا اور کفِ دست پھیر کر انگلیوں کے سرے تک اسے جاری کر دیا۔ پھر سر کے اگلے حصّے اور پاؤں کی پشت کا ہاتھوں کی بقیہ تری سے مسح فرمایا۔ نیز فرمایا اللہ وتر ہے اور وتر ہی کو محبوب رکھتا ہے۔ پس وضو کے لئے تین چلو کافی ہیں۔ ایک مُنہ کے لئے اور دو ہاتھوں کے لئے۔ پھر دائیں ہاتھ کی تری سے سر کے اگلے حصّے کا مسح اور دائیں پاؤں کی پشت کا مسح اور پھر بائیں ہاتھ کی تری سے بائیں پاؤں کی پشت کا مسح۔ زرارہ کہتا ہے امام نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے جناب رسالتمآبؐ کے وضو کا طریقہ دریافت کیا تھا تو آپ نے اسی طرح وضو کر کے دکھایا تھا۔

وَ اَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ :۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ حکم یہ ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے لہٰذا دھونے کی ابتداء انگلیوں سے کر کے کہنیوں تک ختم کرے جیسے کہ فخرالدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں یہی قول اختیار کیا ہے۔ لیکن آئمہ اہلبیتؑ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ کہنیوں سے ابتداء کی جائے۔ جس طرح امام محمد باقر علیہ السلام سے ابھی ایک روایت گذری ہے۔ جس میں جناب رسالتمآبؐ کے وضو کی حکایت کی گئی ہے اور اس باب کی متعدد احادیث صحیحہ موجود ہیں اور یہاں الیٰ جارہ مع کے معنی میں ہے اور انتہا غایت کے معنی میں نہیں ہے۔ جیسے کہا جائے کہ میں نے قرآن کو اوّل سے آخر تک یاد کیا تو ایسے مقامات پر الیٰ مع کے معنی میں ہوا کرتا ہے یا کہا جائے یہاں سے وہاں تک سب لوگوں کو پانی پلاؤ یا اس جگہ سے اس جگہ تک یہ کپڑا دھولو اور اس قسم کے استعمالات میں تک کی لفظ انتہائے فعل کے لئے نہیں ہوا کرتی بلکہ مامور بہ کی حد کی تعیین کے لئے ہوتی ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ کام کی آخری حد یہ ہے خواہ ابتداء جس طرف سے بھی ہو اب اس مقام پر ابتدا کہنیوں سے ہو یا ہاتھوں سے تو یہ فیصلہ راسخین کریں گے اور ان کا عمل ثابت ہے کہ وہ ابتدا کہنیوں سے کرتے تھے اور قرآن کی صحیح تفسیر کو قرآن والے ہی جان اور سمجھ سکتے ہیں کیوں کہ وہ راسخین فی العلم ہیں۔ پس اگر ہاتھ سے ابتدا کر کے الٹا دھوئے گا تو وضو باطل ہوگا اور پہلے دائیں ہاتھ کو اور پھر بائیں ہاتھ کو دھونا واجب ہے۔

مسئلہ:۔ انگوٹھی یا ہاتھ میں کوئی دوسرا زیور موجود ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا واجب ہے ورنہ اس کو اتارنا ضروری ہوگا۔ تاکہ وہ جگہ خشک نہ رہ جائے۔

مسئلہ:۔ کہنی پر مرد پشت کی طرف سے پانی ڈالیں اور عورتیں اندر کی طرف سے پانی ڈالیں جس طرح کافی میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔

مسئلہ:۔ ناخن پالش کی موجودگی میں وضو عورت کا درست نہیں ہوسکتا کیونکہ پالش کی وجہ سے ناخن تک پانی نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا مومن عورتوں کو چاہیئے کہ ناخن پالش کے استعمال سے بچیں۔

وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِکُمۡ :۔ بیان کا اسلوب صاف بتلاتا ہے کہ مسح کرتے وقت نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں۔ پس منہ ہاتھ دھونے کے بعد جو تری ہاتھوں پر موجود ہو۔ اسی تری سے مسح کرنا چاہیئے اگر نیا پانی استعمال کرے گا تو وضو باطل ہو جائے گا نیز غسل اور مسح کے معنی میں جو فرق ہے عمل میں بھی وہی فرق ملحوظ رہے کہ جن اعضاء کو دھونا ہے ان پر پانی اس طرح ڈالے کہ دھونا صادق آئے اور جن اعضاء کا مسح کرنا ہے ان پہ مسح اس طرح کرے کہ پانی جاری نہ ہو تاکہ دھونا صادق نہ آئے۔ چونکہ پورے سر کا مسح مقصود نہیں تھا اس لئے باءِ جارہ کو لایا گیا جو تبعیض کے لئے ہے یعنی بعض حصہ سر کا مسح کرو اور وہ اگلا حصہ ہے جس طرح کہ معصومینؑ کی تشریح سے واضح ہے اور پاؤں میں چونکہ پورے پاؤں کا مسح کرنا تھا۔ اس لئے باء جارہ کو نہیں لایا گیا۔

مسئلہ: سر پر مسح کرتے وقت یہ خیال رہے کہ چمڑے تک تری کے پہنچنے میں کوئی رکاوٹ کپڑا یا دوائی وغیرہ نہ ہو ورنہ مسح نہ ہوگا۔ سر کے بال اگر چھوٹے ہوں تو ان پر بھی مسح ہوسکتا ہے۔

مسئلہ: معمولی تیل مسح کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اتنا زیادہ ہو کہ چمڑے تک تری کو پہنچنے نہ دے تو اس چکناہٹ کا دور کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ: سر کا مسح اوپر سے نیچے کی طرف کرنا افضل ہے اور اُلٹ کرنے سے بھی وضو باطل نہیں ہوتا۔

مسئلہ: مروی ہے کہ لمبائی میں سر کی چوتھائی یعنی اگلا حصہ اور چوڑائی میں تین ملی ہوئی انگلیوں کے برابر مسح سر کا کم از کم ہو۔

مسئلہ: اگر ہاتھوں پر تری نہ رہے اور خشک ہوجائیں تو آنکھوں کی پلکوں، ابرُوں یا ڈاڑھی سے تری حاصل کر کے مسح کرلے اور اگر یہ بھی خشک ہوچکے ہوں تو وضو از سرِنو کرے۔

مسئلہ: وضو میں موالات شرط ہے یعنی ایک عضو کے بعد دوسرے عضو تک پہنچنے میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ پہلا خشک ہوجائے۔ ورنہ وضو باطل ہوجائے گا۔

پاؤں کا مسح

وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ:۔ اس کی قرأت میں اختلاف ہے بعض قاریوں نے اَرْجُلَكُمْ کی لام کو فتح (زبر) کے ساتھ پڑھا ہے اور بعض قاریوں نے اَرْجُلِكُمْ کی لام کو کسرہ (زیر) کے ساتھ پڑھا ہے فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں قفال سے نقل کیا ہے کہ ابن عباس۔ انس بن مالک، عکرمہ، شعبی اور امام محمد باقر علیہ السلام پاؤں کا مسح واجب جانتے ہیں اور شیعہ امامیہ کا یہی مسلک ہے اور اس کے بعد رازی نے مسح کے وجوب کے قائلین کی دلیل کو ذکر کیا ہے چنانچہ کہتا ہے کہ مسح کے وجوب کے قائل دونوں قرأتوں سے مسح کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱: اگر اَرْجُلِكُمْ کسرۂ لام (لام کی زیر) کے ساتھ پڑھا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اَرْجُلِ کا عطف ہے رُؤُسِ پر چونکہ معطوف اور معطوف علیہ کا حکم ایک ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا جس طرح سر کا مسح واجب ہے۔ اسی طرح پاؤں کا بھی مسح واجب ہوگا۔

سوال: جو لوگ پاؤں کے دھونے کے قائل ہیں وہ اَرْجُلِكُمْ کی قرأت کو جرِ جوار پر محمول کرتے ہیں کرتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ حالانکہ قاعدہ کے مطابق الیم کو عذاب کی صفت ہونے کے اعتبار سے منصوب پڑھنا چاہیئے تھا اسی طرح فِيْ بِجَادٍ مُّزَمَّلِ امرء القیس کے قصیدہ میں مزمل کو قاعدہ کے مطابق مرفوع نہیں پڑھا گیا۔ بلکہ جرِ جوار سے مجرور پڑھا گیا پس اس مقام پر بھی اگرچہ ارجل کو قاعدہ کے اعتبار سے منصوب پڑھنا چاہیئے تھا کیونکہ فَاغْسِلُوْا کا معمول ہے اور اس کا عطف ہے وجوہ اور ایدی پر لیکن اب جرِ جوار کی وجہ سے خلافِ قاعدہ چونکہ روس مجرور تھا لہٰذا ارجل کو بھی مجرور پڑھا گیا اور یہی قول علامہ ابو سعود نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے تو فخر الدین رازی نے یہ اعتراض نقل کر کے اس کے تین جوابات دیئے ہیں۔

جواب نمبر ۱: جر جوار عبارتی غلطی شمار ہوتی ہے اور اسے کلام میں ضرورتِ شعری کے ماتحت برداشت کیا جاتا ہے تو قرآن مجید اس قسم کی اغلاط سے پاک و مبرا ہے (بنا برین عذاب یوم الیم کا جواب یہ ہوگا کہ الیم بنا بر مبالغہ کے یوم کی ہی صفت ہے)

جواب نمبر ۲: جر جوار وہاں جائز ہوا کرتی ہے جہاں التباس کا خطرہ نہ ہو اور التباس کے خطرہ کی صورت میں جر جوار یقیناً ناجائز ہوتی ہے اور ما نحن فیہ میں اگر بطور جر جوار کے ارجل پر کسرہ پڑھا جائے تو التباس پڑتا ہے لہذا یہاں جر جوار کے طور پر کسرہ ناجائز ہے۔

جواب نمبر ۳: کسرہ جوار وہاں ہوتا ہے جہاں حرفِ عطف موجود نہ ہو اور یہاں حرفِ عطف موجود ہے (پس یہ کہنا کہ اَرْجُلِ کا کسرہ جر جوار کے طریقے سے ہے۔ غلط اور بے بنیاد ہے)

دلیل نمبر ۲: اگر اَرْجُلَکُمْ فتحہ لام (لام کی زبر) کے ساتھ پڑھا جائے تو اِمْسَحُوْا کا معمول ہے اور رُؤُس کے محل پر عطف ہے کیوں کہ رُؤُس پر باء جارہ (تبعیضیہ) داخل ہوا تو رُؤُس لفظاً مجرور ہو گیا لیکن محل اس کا نصب ہے کیونکہ اِمْسَحُوْا کا مفعول ہے۔ اب اَرْجُلَ میں دونو احتمال موجود ہیں کہ اِمْسَحُوْا کا معمول ہو یا اِغْسِلُوْا کا معمول ہو اور جب ایک معمول پر دو عامل جمع ہو جائیں تو قریبی عامل کا معمول بنانا اولیٰ اور انسب ہوا کرتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اَرْجُلَ کا عامل نصب اِمْسَحُوْا کو قرار دیا جائے لہذا اس صورت میں بھی پاؤں کا مسح واجب ہوگا۔ رازی نے شیعہ مسلک کی دلیلیں نقل کرنے کے بعد اپنے متعصبانہ و معاندانہ رویّہ کی پیروی کرتے ہوئے عذر یہ پیش کر دیا ہے کہ دھونے کے بارے میں چونکہ احادیث بکثرت وارد ہیں اور دھونے سے مسح بھی ہو ہی جاتا ہے۔ لہذا دھونا احتیاط کے زیادہ قریب ہے حالانکہ تمام فرقِ اسلامیہ نے جناب رسالتمآبؐ سے یہ حدیث بالاتفاق نقل کی ہے کہ قَالَ النَّبِیُّ لَوْ جَآءَکُمْ خَبَرٌ مِّنِّیْ فَاعْرِضُوْہُ عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ فَاِنْ وَافَقَہٗ فَاقْبَلُوْہُ وَاِنْ خَالَفَہٗ فَاتْرُکُوْہُ وَاعْمَلُوْا کِتَابَ اللّٰہِ: یعنی حضورؐ نے فرمایا اگر تمہیں میری طرف سے کوئی حدیث پہنچے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرو۔ اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو تو اس پر عمل کرو اور اگر مخالف ہو تو اس کو چھوڑ دو اور کتاب اللہ پر عمل کرو اور خود رازی نے بھی دوسرے صفحہ پر باختلاف الفاظ اسی حدیث کو نقل کیا ہے۔ نیز رازی کا یہ عذر کہ دھونے میں مسح کرنا آجاتا ہے انتہائی لغو و بے ہودہ ہے کیونکہ دھونا اور مسح کرنا دو الگ الگ مفہوم ہیں۔ غسل تب صادق آتا ہے۔ جب مغسول پر پانی بہہ جائے اور اس پر یقیناً مسح کا اطلاق نہیں ہوتا اور مسح کا صدق اس وقت ہوتا ہے جب ممسوح پر عضو ماسح کی تری پہنچے اور پانی جاری نہ ہو اور اس پر غسل (دھونا) صادق نہیں آتا اور اس فرق کو ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے اور ترتیب وضو کے وجوب کو ثابت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وضو کا وجوب معقول نہیں ہے یعنی اس کی حقیقی علت ہمارے عقول نہیں معلوم کر سکتے تو جب یہ بات ہے تو پس وضو کو اسی طریقہ سے بجالانا واجب ہے جس طریقہ سے نص میں وارد ہے اور وضو کے غیر معقول ہونے کی پانچ وجہیں ذکر کیں۔

① حدث کسی مقام سے خارج ہوتی ہے اور دھویا کسی اور مقام کو جاتا ہے ② وضو کرنے والے کے اعضاء پہلے بھی پاک ہوتے ہیں پھر دوبارہ دھونے کا حکم تحصیل حاصل ہے ③ تیمم وضو کا قائمقام ہے حالانکہ دھونا اور گرد آلود کرنا ایک دوسرے کی ضد ہیں ④ موزوں پر مسح کرنا پاؤں کے دھونے کے قائمقام ہے ⑤ بدبودار پاک پانی سے وضو ہو سکتا ہے حالانکہ عرق گلاب سے نہیں ہو سکتا۔ پس ان پانچ وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو کی مصلحت ہماری عقول سے بالاتر ہے لہذا وضو کے افعال میں نص سے باہر نہ جانا چاہیئے۔ یہ ہے رازی کی اصل عبارت کا ترجمہ تو میں پوچھتا ہوں جب اس بات کا اعتراف ہے کہ وضو کے مصالح ہماری عقل و دانش سے بالاتر ہیں۔ لہذا نص سے آگے قدم نہیں رکھنا چاہیئے تو حضرت! پاؤں کے مسح کے وجوب کے بارے میں آپ اپنی عقل و دانش کو کیوں گھسیڑ رہے ہیں۔ جب نص قرآنی کہتی ہے کہ پاؤں کا مسح واجب ہے خواہ اَرْجُلَكُمْ پڑھا جائے یا اَرْجُلِكُمْ پڑھا جائے اور آپ کی بیان کردہ دلیلیں کہتی ہیں کہ مسح واجب ہے پھر آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ دھونے میں مسح آجاتا ہے لہذا احتیاط دھونے میں ہے کیا یہ ممکن نہیں کہ شاید مصلحت خداوندی صرف مسح کرنے میں ہو۔ اور دھونے میں نہ ہو۔ آپ کی عقلی احتیاط نص قرآنی کے مقابلہ یہاں کیوں نکل آئی؟ پس صریح حکم قرآن کو چھوڑ کر حدیث کا سہارا لینا مذہب اہل بیتؑ سے کنارہ کشی کا ایک بہانہ ہے ورنہ اسے معلوم ہے کہ وہ حدیث حدیث نہیں جو مخالف قرآن مجید ہو اور پھر یہ کہنا کہ دھونے میں مسح آہی جاتا ہے۔ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے جبکہ وہ اس امر کا معترف ہے کہ حکمت وضو ہماری عقول سے بالاتر ہے۔

اقول:- بعض لوگ جو پاؤں کے دھونے کے قائل ہیں وہ پاؤں کا دھونا قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اَرْجُلَكُمْ کا عطف وُجُوْهَكُمْ پر ہے اور یہ اِغْسِلُوْا کا معمول ہے لیکن قرآن کے اسلوب بیان اور نظم مطالب سے بعید ہے کہ اَرْجُلَكُمْ کو اِغْسِلُوْا کا معمول قرار دیا جائے کیونکہ ایک فعل کے معمولات ذکر کرنے کے بعد حرف عطف لا کر دوسرے فعل اور اس کے معمولات کا ذکر کرنا اس وقت درست ہوتا ہے جبکہ پہلے فعل کے معمولات یا متعلقات میں سے کوئی چیز نہ بچ جائے یعنی جملہ معطوف علیہ کی تمامیت کے بعد جملہ معطوفہ لانا چاہیئے ورنہ بیان کا نظم اور سلاست ختم ہو جائے گی اور تعقید پیدا ہو جائے گی جو فصاحت کلام کے منافی ہے نیز یہاں اگر اَرْجُلَكُمْ کو اِغْسِلُوْا کا معمول قرار دیا جائے تو اس کا مقصد یہ ہے اِغْسِلُوْا کے معمولات ابھی پورے ذکر نہیں ہونے پائے تھے کہ حرف عطف کے ذریعے اس کے جملہ معطوفہ اِمْسَحُوْا اور اس کے معمولات کا ذکر چھیڑ دیا گیا اور اس جملہ معطوفہ کی تمامیت کے بعد پھر جملہ معطوف علیہا کے معمول اَرْجُلَكُمْ کو ذکر کیا گیا اور یہ بے ربطی اور بے قاعدگی کسی ذی ہوش کے کلام میں برداشت نہیں کی جا سکتی چہ جائے کہ کلام خالق کو اس ناقابل عفو عیب سے ملوث قرار دیا جائے جو مسلم طور پر فصاحت و بلاغت میں اعجازی حیثیت کا حامل ہے۔

فخر الدین رازی نے ایک عذر یہ بھی پیش کیا ہے کہ پاؤں کے حکم کی حد مقرر ہے یعنی کعبین تک اور اس طرف دھونے میں ہاتھوں کی حد مقرر ہے کہنیوں تک پس محدود چیز کا محدود چیز پر ہی عطف ہونا چاہیئے تو اس کا جواب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ

نے جس طرح کہ علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔ یہ دیا ہے کہ پاؤں کا محدود ہونا اس کے دھونے کی دلیل نہیں بن سکتا کیوں کہ جس طرح دھونا ایک حکم شرعی ہے اسی طرح اس کے مقابلہ میں مسح کرنا بھی ایک حکم شرعی ہے۔ اس میں حدود کا معین ہونا یا نہ ہونا کوئی اثر انداز نہیں ہے۔

نیز ہم ہاتھوں کے دھونے کے اس لئے قائل نہیں ہیں کہ اس کی حدیں مقرر ہیں۔ بلکہ اگر ان کی حدیں مقرر نہ ہوتیں تب بھی ان کا دھونا واجب تھا کیونکہ حکم دھونے کا ہے۔ لہٰذا اس حد بندی کی وجہ سے پیروں کا مسح ثابت کرنا ناجائز ہے۔

اور اگر خواہ مخواہ مناسبت و موافقت کا تلاش کرنا مطلوب ہے یعنی یہ کہ محدود کا عطف محدود پر ہی ہونا چاہیئے اور غیر محدود پر ہونا چاہیئے تو جب وجوہ غیر محدود تھا اس پر ایدی کا عطف کیوں کیا گیا جو کہ محدود ہے پس جس طرح وجوہ غیر محدود پر ایدی محدود کا عطف دھونے کے حکم میں ہو سکتا ہے تو اسی طرح رؤس غیر محدود پر ارجل محدود کا عطف مسح کرنے کے حکم میں بھی ہو سکتا ہے بلکہ ایسا کرنا زیادہ موزوں ہے کیونکہ پہلے جملہ میں دھونے کے اعضاء بتائے۔ جن میں غیر محدود کو مقدم معطوف علیہ قرار دیا اور محدود کو مؤخر اور معطوف قرار دیا اس کے بعد مسح کا حکم شروع کر کے وہاں بھی غیر محدود کو معطوف علیہ اور محدود کو اس کا معطوف بنایا پس اس طریقہ سے دونوں جملے ایک دوسرے کے بالکل مشابہ ہو گئے کہ معطوف علیہ جملہ میں مغسول غیر محدود مغسول محدود کا معطوف علیہ ہے اور جملہ معطوفہ میں بھی ممسوح غیر محدود ممسوح محدود کا معطوف علیہ ہے۔ بہر کیف فخر الدین جیسے صاحب علم کے قلم سے ایسی پوچ باتوں کا ظہور مقام عبرت ہے لیکن تعصب کی شریعت میں سب کچھ جائز ہے۔ اگر طبیعت میں سلامتی ہو اور دل میں قدرے انصاف ہو تو مسئلہ میں ذرہ بھر گنجلک نہیں لیکن اگر نیت ناصاف ہو اور دل میں کدورتوں کے انبار ہوں تو مطلب اگرچہ کس قدر ہی واضح کیوں نہ ہو کوئی نہ کوئی بہانہ بن ہی جائے گا۔ مثل مشہور ہے۔ دروغ گو را بہانہ بسیار اور پھر جس نبیؐ کی شریعت پر ایمان ہے اس نبیؐ کے فیصلہ کو ہی تسلیم کر لیں کیونکہ خدا بھی فرماتا ہے جب تمہیں کسی بات میں نزاع ہو تو خدا اور رسولؐ کی طرف رجوع کر کے فیصلہ کرا لیا کرو اور ان کا صاف فیصلہ ہے کہ قرآنی مطالب کو علیؑ سب سے زیادہ سمجھ سکتا ہے چنانچہ ابھی بعد میں چند ایک احادیث اس مضمون کی نقل کی جا رہی ہیں اور شاعر نے خوب کہا ہے (لوامع التنزیل)

اِذَا شِئْتَ اَنْ تَخْتَارَ لِنَفْسِكَ مَذْهَبًا	جب تو اپنے لئے کوئی مذہب اختیار کرنا چاہے اور
وَتَعْلَمَ اَنَّ النَّاسَ فِیْ نَقْلِ اَخْبَارِ	تو جانتا ہو کہ لوگ حدیثیں نقل کرنے کے درپے ہیں۔ تو
فَدَعْ عَنْكَ قَوْلَ الشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ	شافعی مالک کی باتوں کو چھوڑ۔ نیز احمد بن حنبل اور کعب احبار
وَاَحْمَدَ وَالْمَرْوِيَّ عَنْ كَعْبِ اَحْبَارِ	کی روایات کو بھی چھوڑ۔ پس ان لوگوں سے محبت کر
فَوَالِ اُنَاسًا قَوْلُهُمْ وَحَدِيْثُهُمْ	جن کی حدیث اور روایات یہ ہو کہ ہمارے نانا نے جبرئیلؑ
رَوٰى جَدُّنَا عَنْ جِبْرَئِيْلَ عَنِ الْبَارِیْ	سے اور جبرئیلؑ نے خدا سے یہ حکم پہنچایا۔

لیکن جن لوگوں کے دل کج ہیں ان کو خواہ مخواہ خاندانِ نبوی سے عداوت ہے اور ان کو اعمال کے ضائع ہونے کی

پرواہ نہیں اور ان کا اصول یہ ہے کہ ہر ایک کی مانیں گے لیکن جو بات آئمہ اہلبیتؑ کہیں گے وہ نہ مانیں گے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی ساٹھ ستر برس عمر گذر جاتی ہے اور اس کی ایک نماز بھی قابل قبول نہیں ہوتی راوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وضو میں جس چیز کے مسح کا خدا نے حکم دیا ہے وہ اس کو دھوتا رہا ہے (کافی) یعنی جب وہ عمل میں خدا کی مخالفت کرتا ہے اور اپنی من مانی کرتا ہے تو اسے اس کا ثواب کیا خاک ملے گا بعض لوگ اس اعتراض سے بچنے کے لئے یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اَرْجُلَكُمْ پہلے اِغْسِلُوْا کا معمول نہیں بلکہ اس کا عامل جدا محذوف ہے یعنی اصل میں یوں ہے۔ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاغْسِلُوْا اَرْجُلَكُمْ یعنی مسح کرو سروں کا اور وضو پاؤں کو جیسے کہ ایک عرب کے کلام میں ہے عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّمَاءً بَارِدًا یہاں مَاءً کا عامل محذوف ہے یعنی اصل میں اس طرح تھا عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّ سَقَيْتُهَا مَاءً بَارِدًا یعنی میں نے اس کو کھلایا بھوسہ اور پلایا ٹھنڈا پانی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حذف وتقدیر اس مقام پر جائز ہوا کرتا ہے۔ جہاں التباس کا خطرہ نہ ہو اور حذف پر قرینہ قاطعہ دلالت کرنے والا موجود ہو جس طرح مثال مذکور میں ہے کہ التباس کا خطرہ بھی نہیں اور قرینہ بھی موجود ہے کہ پانی کا تعلق کھانے سے نہیں بلکہ پینے سے ہوا کرتا ہے۔ لیکن مَا نَحْنُ فِيْهِ میں اَرْجُلَكُمْ کا عامل اگر اِغْسِلُوْا محذوف ہے تو اس کا ظاہر کرنا واجب تھا کیونکہ حذف کرنے سے مسح کا التباس بھی موجود ہے اور حذف پر قرینہ قاطعہ بھی موجود نہیں اور اس مقام پر حدیث یا عمل اصحاب کو قرینہ قرار دینا بھی ناجائز ہے کیونکہ ایسے مقامات پر قرینہ متصلہ ضروری ہوا کرتا ہے نہ کہ منفصلہ ورنہ وقت عمل سے بیان کی تاخیر لازم آئے گی اور یہ چیز قطعاً ناجائز ہے جیسا کہ علمائے اصول نے اس کی تحقیق کی ہے۔ بہرکیف پاؤں کے دھونے یا مسح کرنے کے متعلق صحابہ کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت میں بقول رازی ابن عباس حبر الامت اور عکرمہ موجود ہیں اور آئمہ اہلبیتؑ کا مسلک بھی یہی ہے اور دوسری جماعت دیگر صحابہ کی ہے اور نزاع ہے اس بات میں کہ قرآن کیا فیصلہ کرتا ہے تو ایسی نزاعی صورت میں جناب رسالتمآبؐ کا فیصلہ ہی آخری ہونا چاہیئے اور انہوں نے ایک دو نہیں بلکہ بارہا ارشاد فرمایا کہ ایسی صورتوں میں علیؑ اور آل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

۱۔ عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ لَنْ يَّفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ یعنی علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس اکٹھے وارد ہوں گے۔

۲۔ عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ يَدُوْرُ حَيْثُمَا دَارَ۔ علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے حق اس طرف پھرتا ہے جس طرف علیؑ ہو۔

۳۔ قَالَ النَّبِيُّ تَكُوْنُ فِتْنَةٌ فَاِذَا ظَهَرَتْ تِلْكَ الْفِتْنَةُ فَعَلَيْكُمْ بِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فَاِنَّهُ الْفَارِقُ بَيْنَ الْخَلْقِ وَبَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ حضورؐ نے فرمایا فتنہ کا دور آئے گا اور جب وہ زمانہ آئے تو علیؑ ابن ابی طالب کے ساتھ رہنا کیونکہ وہ مخلوق میں اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے (مناقب خوارزمی)

۴۔ قَالَ النَّبِیُّ مَنْ فَارَقَ عَلِیًّا فَقَدْ فَارَقَنِیْ وَ فَارَقَ اللّٰہَ حضورؐ نے فرمایا جو علیؑ سے جدا ہوا وہ مجھ سے اور خدا سے جدا ہوا۔

۵۔ یَا عَمَّارُ اِنْ رَاَیْتَ عَلِیًّا یَمْشِیْ فِیْ وَادٍ وَالنَّاسُ فِیْ وَادٍ آخَرَ اِذْهَبْ مَعَ عَلِیٍّ فَاِنَّهٗ لَا یُدْخِلُكَ فِیْ ضَلَالَةٍ وَلَا یُخْرِجُكَ مِنْ هِدَایَةٍ حضورؐ نے عمارؓ سے ارشاد فرمایا کہ اگر دیکھو کہ علیؑ ایک وادی میں جارہے ہیں اور باقی تمام لوگ دوسری وادی میں جارہے ہیں تو باقی لوگوں کو چھوڑ کر علیؑ کے ساتھ ہو جاؤ کیونکہ وہ تم کو گمراہی میں نہ داخل کرے گا اور ہدایت سے نہ باہر کرے گا۔

۶۔ حدیث ثقلین اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ الخ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن مجید اور دوسری عترت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے

یہ تمام حدیثیں مُسَلَّم بَیْنَ الفریقین ہیں۔

پس ان تصریحات کی موجودگی میں اور علاوہ ازیں تمام صحابہ کے اس اعتراف کے باوجود کہ حضرت علیؑ تمام سے اعلم تر ہیں جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس کو ثابت کیا ہے۔ پس وضو کے معاملہ میں اگر مسح رجلین میں اختلاف ہے تو کیوں نہ صحابہ کی اس جماعت کا قول مانا جائے جو اہلبیتؑ کے مسلک کے موافق ہو۔ اہلبیتؑ کا قول جو قرآن کے ظاہر کے بالکل موافق اور قواعد عربیہ کے عین مطابق ہے۔ اس کی خلاف ورزی کے لئے حدیث کا سہارا لیا جاتا ہے۔ لیکن جب وہی حدیث اور صاحب حدیث بار بار فرمائیں کہ اہلبیتؑ سے تمسک پکڑو تو پھر حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰہِ کی رٹ لگائی جاتی ہے (ایں چہ بوالعجبی است) اب چند حدیثیں بھی ذکر کرنا ضروری ہیں۔ تاکہ استفادہ و افادہ میں کمی نہ رہے۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَبَی النَّاسُ اِلَّا الْغَسْلَ وَلَا اَجِدُ فِیْ كِتَابِ اللّٰہِ اِلَّا الْمَسْحَ ابنِ عباس فرماتے ہیں لوگوں نے پاؤں دھونے پر ہی ضد کر لیا ورنہ میں کتاب خدا سے مسح کا حکم ہی سمجھتا ہوں (ابن ماجہ) درمنثور

۲۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِفْتَرَضَ اللّٰہُ غَسْلَتَیْنِ وَمَسْحَتَیْنِ اَلَا تَرٰی اَنَّهٗ ذَكَرَ التَّیَمُّمَ فَجَعَلَ مَكَانَ الْغَسْلَتَیْنِ مَسْحَتَیْنِ وَتَرَكَ الْمَسْحَتَیْنِ۔ ابنِ عباس نے فرمایا کہ خدا نے وضو میں دو چیزوں کے دھونے کا حکم دیا اور دو چیزوں کے مسح کا حکم دیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تیمم میں پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں جن دو چیزوں کا دھونا فرض تھا۔ اب مسح کرنا ان کا لازم ہے اور جن چیزوں کا وضو میں مسح کرنا لازم تھا۔ وہ تیمم میں متروک ہیں (درِّ منثور)

۳۔ عَنِ الشَّعْبِیِّ نَزَلَ جِبْرَئِیْلُ بِالْمَسْحِ عَلَی الْقَدَمَیْنِ اَلَا تَرٰی اَنَّ التَّیَمُّمَ اَنْ یُّمْسَحَ مَا كَانَ غَسْلًا وَیُلْغٰی مَا كَانَ مَسْحًا شعبی سے منقول ہے کہ جبرئیل قدموں پر مسح کا حکم لایا تھا۔ دیکھتے نہیں ہو کہ تیمم میں دھونے والی چیزوں کا مسح کیا جاتا ہے اور مسح والی چیزوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے (درِّ منثور)

۴۔ تفسیر درِّ منثور سے منقول ہے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام آیت مجیدہ میں اَرْجُلِكُمْ پڑھا کرتے

تھے (جو مسح کو ظاہر کرتی ہے)

۵۔ صواعق محرقہ سے منقول ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اہل بیت علیہا السلام سے وضو میں مسح کرنا ہی نقل ہے تو یہی مسلک درست ہے نہ کہ دھونا کیونکہ حضورؐ نے ان کے شان میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم ان کو نہ سکھانا کیونکہ وہ تم سے اعلم ہیں۔

۶۔ اہلبیتؑ سے تو بتواتر سے منقول ہے البتہ بطور تبرک کے نقل کرنے میں حرج نہیں ہے۔ جب ہارون کے وزیر علی بن یقطین جو شیعہ تھا کو ہارون کی طرف سے ضرر کا خطرہ لاحق تھا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس کو لکھا تھا کہ وضو اس طرح کیا کر جس طرح مخالفین کرتے ہیں۔ پھر کچھ مدت گذر جانے کے بعد علی بن یقطین کو دوسرا خط لکھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اے علیؑ تو وضو اس طرح کیا کر جس طرح اللہ کا حکم ہے۔ یعنی منہ کو ایک مرتبہ دھو فرض طور پر اور پھر دوسری مرتبہ بھی اگر چاہے تو دھو اور اس کے بعد ہاتھوں کو کہنیوں سے دھو اور پھر اپنے سر کے اگلے حصہ کا اور دونوں قدموں کے ظاہر کا وضو کی بچی ہوئی تری سے مسح کر کیوں کہ جس چیز کا خطرہ تھا وہ اب تجھ سے دفع ہو گیا۔ والسلام ارشاد المفید (لوامع التنزیل)

۷۔ وسائل میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت امیر علیہ السلام اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کے ہمراہ سائب شخص کے لئے بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا اے فرزند محمد! پانی لاؤ تاکہ نماز کے لئے وضو کریں۔ پس محمدؐ نے پانی پیش کیا۔ آپ نے ہاتھ پر پانی ڈالا اور دُعا پڑھی بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْمَاءَ طَهُوْرًا وَلَمْ یَجْعَلْهُ نَجِسًا۔ اور طہارت کے وقت یہ دعا پڑھی:۔ اَللّٰهُمَّ حَصِّنْ فَرْجِیْ وَ اَعِفَّهٗ وَاسْتُرْ عَوْرَتِیْ وَحَرِّمْنِیْ عَلَی النَّارِ پھر کلی کے وقت یہ دُعا پڑھی اَللّٰهُمَّ لَقِّنِیْ حُجَّتِیْ یَوْمَ اَلْقَاكَ وَ اَطْلِقْ لِسَانِیْ بِذِكْرِكَ پھر ناک میں پانی ڈالا اور یہ دُعا پڑھی اَللّٰهُمَّ لَا تُحَرِّمْ عَلَیَّ رِیْحَ الْجَنَّةِ وَاجْعَلْنِیْ مِمَّنْ یَشُمُّ رِیْحَهَا وَ رَوْحَهَا وَطِیْبَهَا پھر منہ پر پانی ڈالا اور یہ دُعا پڑھی اَللّٰهُمَّ بَیِّضْ وَجْهِیْ یَوْمَ تَسْوَدُّ فِیْهِ الْوُجُوْهُ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْهِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ فِیْهِ الْوُجُوْهُ پھر دایاں ہاتھ دھویا اور یہ دُعا پڑھی اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَالْخُلْدَ فِی الْجِنَانِ بِیَسَارِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَسِیْرًا پھر بایاں ہاتھ دھویا اور یہ دُعا پڑھی اَللّٰهُمَّ لَا تُعْطِنِیْ كِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا تَجْعَلْهَا مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِیْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُقَطَّعَاتِ النِّیْرَانِ پھر سر کا مسح کیا اور یہ دُعا پڑھی:۔ اَللّٰهُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ وَعَفْوِكَ۔ پھر پاؤں کا مسح کیا اور یہ دُعا پڑھی:۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ فِیْهِ الْاَقْدَامُ وَاجْعَلْ سَعْیِیْ فِیْمَا یُرْضِیْكَ عَنِّیْ۔

پس سر کو اوپر کو بلند کیا اور محمدؐ سے فرمایا اے فرزند جو شخص میرے وضو کی طرح وضو کرے اور یہی دعائیں پڑھے تو خداوند کریم وضو کے ہر قطرہ سے ایک ایک فرشتہ پیدا کرے گا جو قیامت تک اس کی تسبیح و تکبیر میں مشغول ہوگا اور اس کا ثواب تا قیامت اس وضو کرنے والے کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ بہرکیف مسح کرنا پاؤں کا مذہب اہلبیت میں ثابت ہے سر کے مسح کے بعد پاؤں کا مسح کرنا چاہیے

مسئلہ:۔ پاؤں کا مسح کرتے وقت پہلے دائیں پاؤں کا پھر بائیں پاؤں کا مسح کرے اور دونوں پاؤں کا مسح اکٹھا بھی

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ

اور اگر تم بحالتِ جنب ہو تو غسل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا آئے کوئی تم

اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا

سے پیشاب پاخانہ پھر کر یا جماع کر چکے ہو عورتوں سے پس نہ پاؤ پانی تو قصد کرو

صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ

زمین پاکیزہ کا پس مسح کرو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے خدا نہیں چاہتا کہ کرے

عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ

تم پر کوئی تنگی لیکن وہ تو چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تمام کرے اپنی نعمت کو تم پر

کیا جا سکتا ہے لیکن بائیں پاؤں کو دائیں سے پہلے کرنا ٹھیک نہیں ہے ورنہ وضو باطل ہو جائے گا۔

مسئلہ: افضل یہ ہے کہ پاؤں کا مسح پوری کف دست سے کیا جائے۔

مسئلہ: پاؤں کا مسح انگلیوں سے شروع کر کے ٹخنوں تک کرے۔ اگر اُلٹ کرے تو بھی وضو باطل نہ ہوگا۔ چنانچہ صریح لفظوں میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے لَا بَاسَ بِمَسْحِ الْوُضُوْءِ مُقْبِلًا وَّ مُدْبِرًا یعنی وضو میں مسح سیدھا یا اُلٹا دونوں طرح جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ: وضو میں ترتیب واجب ہے کہ پہلے منہ کو دھوئے پھر دایاں ہاتھ پھر بایاں ہاتھ پھر سر کا مسح اور پھر دائیں پاؤں کا مسح اور آخر میں بائیں پاؤں کا مسح اگر ترتیب کو خراب کرے گا تو وضو باطل ہوگا۔ اگر کوئی جزو بھول جائے تو پھر وضو کو وہاں سے دوہرائے جہاں سے ترتیب ٹھیک ہو سکتی ہے۔

مسئلہ: اگر وضو کے دوران میں کسی عضو میں شک پڑ جائے تو اس کو پھر کرے اور اس کے بعد حسبِ ترتیب وضو مکمل کرے۔ لیکن اگر وضو سے فارغ ہونے کے بعد کسی عضو میں شک ہو جائے تو اس کی پرواہ نہ کرے۔

مسئلہ: وضو میں دھونے یا مسح کرنے کے مقام پر اگر کوئی حائل موجود ہو تو جسم تک تری پہنچانے کیلئے اس کو دُور کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر وضو کا یقین ہو اور حدث کا شک ہو تو وہ اپنے آپ کو باوضو سمجھے لیکن اگر حدث کا یقین اور وضو کا شک ہو تو وضو واجب ہے اور اگر دونوں کا یقین اور ان کے مقدم و مؤخر ہونے کا علم نہ ہو تو پھر بھی وضو واجب ہے۔

غسلِ جنابت کا بیان

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا الخ: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیشاب پاخانہ کے لئے تو صرف وضو

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۶﴾

تاکہ تم شکر گذار ہو

کافی ہے لیکن جنابت کے لئے غسل کرنا واجب ہے۔ یہ کیوں؟ چنانچہ آئمہ طاہرینؑ سے بھی اس قسم کے سوالات کئے گئے اور انہوں نے جوابات بھی دیئے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے بعض لوگوں کے مسائل کے جواب میں غسلِ جنابت کی علت کو بھی تحریر فرمایا کہ چونکہ جنابت کا خروج پورے جسم سے ہوتا ہے اس لئے سارے جسم کو پاک کرنا ضروری ہے نیز پیشاب و پاخانہ کا وقوع اکثر ہوتا ہے اور جنابت کا وقوع کم ہوتا ہے اور پیشاب و پاخانہ بلا ارادہ آتا ہے اور جنابت ارادہ و شہوت سے آتی ہے اس لئے پیشاب و پاخانہ میں مشقت کی وجہ سے تخفیف کے طرز پر وضوء کا حکم دیا اور جنابت کے لئے غسل کا حکم صادر فرمایا نیز جناب رسالتمآبؐ نے ایک یہودی کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب انسان اپنی عورت سے ہمبستری کرتا ہے تو منی اس کے جسم کی ہر رگ و بال سے خارج ہوتی ہے لہذا خداوند کریم نے اولادِ آدمؑ پر تا قیامت غسلِ جنابت کو واجب قرار دیا اور اس کے مقابلہ میں پیشاب چونکہ صرف پانی کا فضلہ ہے اور پاخانہ صرف طعام کا فضلہ ہوتا ہے لہذا ان کے لئے صرف وضو کافی ہے۔ نیز امام رضا علیہ السلام سے ایک روایت میں اس طرح مروی ہے کہ پیشاب و پاخانہ باوجودیکہ جنابت سے زیادہ نجس اور موجب کراہت ہیں لیکن جنابت چونکہ نفسِ انسان سے ہے اور پورے جسم سے خارج ہوتی ہے اس لئے اس کے لئے غسل واجب ہے اور فضلات نفسِ انسان سے نہیں ہیں بلکہ یہ تو غذا ہے کہ ایک راستہ سے آتی ہے اور دوسرے راستہ سے نکل جاتی ہے (وسائل) حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے جو سوالات ابو حنیفہ سے کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔

جنابت:۔ کے سبب دو ہیں۔ ایک وطی اور دوسرا خروجِ منی۔

۱۔ وطی مرد سے ہو یا عورت سے۔ انسان سے ہو یا حیوان سے۔ زندہ سے ہو یا مُردہ سے اور وطی سے مراد فاعل کا آلہ مفعول کے مقامِ مخصوص میں داخل ہو، خواہ منی خارج ہو یا نہ ہو پس فاعل و مفعول دونوں پر غسل واجب ہوگا اور مفعول حیوان حلال ہوگا تو حرام ہو جائے گا اور اس کو ذبح کر کے دفن کر دیا جائے گا اور فاعل پر تعزیر اور حیوان کے مالک کو اس کی قیمت کی ادائیگی بھی واجب ہوگی۔

۲۔ منی کا خروج جاگتے میں ہو یا سوتے میں، بوس و کنار کی وجہ سے ہو یا محض تصور کی بنا پر ہر صورت میں غسل واجب ہوگا۔ اگر نیند میں احتلام ہو جائے اور اس کو علم تک نہ رہے۔ پس جب بیدار ہو تو کپڑے میں منی کا اثر دیکھے تو غسل واجب ہوگا لیکن اگر خواب میں عورت کے ساتھ مجامعت کرتے ہوئے دیکھے لیکن جب بیدار ہو تو منی کا اثر جسم یا کپڑے پر کوئی موجود نہ ہو تو غسل واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ :- اگر تندرست انسان ہو تو خروجِ منی کے وقت ہوشیاری کے بعد پانی کا کُود کر آنا اور پھر جسم کا سُست ہو جانا اس کی علامت ہے لیکن بیمار انسان کے لئے اگر ہوشیاری کے بعد میں سستی کی صورت نہ ہو لیکن منی کا خروج شہوت سے ہو جائے تو وہی کافی ہے اور غسل واجب ہو جائے گا۔

غسلِ جنابت کا طریقہ

غسل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ترتیبی دوسرا ارتماسی۔

۱۔ غسلِ ترتیبی کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے ہاتھوں کو دھولے اور مقامِ نجس کو پاک کرے پس غسل کی نیت کرکے سر پہ پانی ڈالے اور سر و گردن کو دھوئے کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے پھر کندھے سے پاؤں کے تلوؤں تک دائیں حصہ جسم پہ پانی ڈال کر دھوئے کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے اور آخر میں کندھے سے لے کر پاؤں کے تلوؤں تک بائیں حصہ جسم کو دھوئے اور غسلِ ارتماسی یہ ہے کہ جسم کو پاک کرکے ایک دفعہ نیت کرکے پانی میں چلا جائے کہ پورا جسم پانی میں چھپ جائے۔

تنبیہہ :- ہر غسل خواہ واجب ہو یا سنت اس کے کرنے کے یہی طریقے ہیں۔ صرف نیت ہر ایک کی الگ الگ ہے

مسئلہ :- چھلا، انگوٹھی، کنگن یا کوئی زیور اگر موجود ہو تو اس کے نیچے چمڑے تک پانی پہنچانا واجب ہے۔ ورنہ غسل درست نہ ہوگا۔

مسئلہ :- ناخن پالش کی موجودگی میں غسل صحیح نہ ہوگا کیونکہ پالش کے نیچے ناخن تک پانی نہیں پہنچ سکتا۔ بہرکیف جسم پر کوئی حائل نہیں ہونا چاہیئے۔

مسئلہ :- اگر تیل یا گھی وغیرہ جسم پر زیادہ مل دیا ہو کہ پانی جسم تک نہ پہنچ سکے تو غسل کرنے سے پہلے چکناہٹ کو دور کرے اور پھر غسل کرے تاکہ پانی پورے جسم پر پہنچے۔

مسئلہ :- غسلِ جنابت سے پہلے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

مسئلہ :- غسلِ ترتیبی میں اعضاء کے درمیان ترتیب معتبر ہے کہ پہلے سر، گردن، پھر دایاں پھر بایاں حصہ اگر اس ترتیب کے خلاف کرے گا تو غسل باطل ہوگا۔ لیکن ہر ہر عضو میں ترتیب واجب نہیں کہ اُوپر سے نیچے کو دھوئے یا نیچے سے اوپر کو دھوئے بلکہ جس طرح دھوئے گا غسل صحیح ہوگا۔

مسئلہ :- غسلِ ترتیبی میں موالات کا اعتبار نہیں۔ اگر ایک وقت میں سر و گردن دھوئے اور پھر کافی وقفہ کے بعد دایاں حصہ اور پھر دیر کے بعد بایاں حصہ دھوئے تو غسلِ ترتیبی ہو جائے گا۔

مسئلہ :- غسلِ جنابت کے پہلے یا بعد میں وضو کرنا حرام ہے اور بعض روایات میں اس کو بدعت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ باقی جسقدر اغسال ہیں ان کے ساتھ پہلے یا پیچھے نماز کیلئے وضو کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ :- خروجِ منی کے بعد غسل سے پہلے پیشاب کر لینا چاہیئے تاکہ نالی میں اگر منی کا کچھ حصہ پیچھے رہ گیا ہو

تو وہ پیشاب کے ذریعے سے باہر نکل آئے گا اور غسل کے بعد منی کے خروج کا احتمال نہ رہے گا اگر ایسا کرے تو بعد میں اگر کوئی رطوبت نکلے گی تو غسل دوبارہ کرنے کی ضرورت نہ ہو گی۔ بلکہ اگر پیشاب کے بعد استبراء کر چکا تھا تو وضو کی بھی ضرورت نہ ہو گی ورنہ وضو کرنا پڑے گا لیکن اگر خروج منی کے بعد پیشاب کئے بغیر غسل کرے اور بعد میں کوئی رطوبت ظاہر ہو تو غسل دوبارہ کرنا پڑے گا۔

مسئلہ:۔ اگر غسل کے متعدد اسباب جمع ہو جائیں تو سب کے لئے ایک ہی غسل کافی ہے اگر ان اسباب میں سے ایک جنابت بھی ہو تو نماز کے لئے اوّل یا آخر میں وضو کی ضرورت نہ رہے گی لیکن اگر جنابت ان میں نہ ہو تو نماز کے لئے اوّل یا آخر وضو کرنا ضروری ہو گا۔

مسئلہ:۔ غسل جنابت یا دیگر اغسال میں مرد و عورت کا طریقۂ غسل ایک ہی ہے خواہ ترتیبی ہو یا ارتماسی۔

مسئلہ:۔ جنبی انسان مرد ہو یا عورت ان کے لئے چند چیزیں حرام ہیں۔

۱۔ کسی مسجد میں ٹھہرنا اور مسجد نبی اور مسجد حرام میں ٹھہرنا تو بجائے خود ان میں گذر کرنا بھی ان کیلئے حرام ہے۔ ہاں! باقی مساجد میں سے گذر جانا حرام نہیں اور انبیاء اور آئمہ کے گھروں کا بھی یہی حکم ہے کہ جنبی انسان ان میں داخل نہ ہو بنابریں معصومینؑ کے حرموں میں جنبی انسان کے لئے داخل ہونا درست نہیں ہے۔

۲۔ مسجد میں کوئی چیز رکھنا بھی جنبی انسان کے لئے حرام ہے۔ البتہ مسجد سے کوئی چیز اٹھانا اس کے لئے حرام نہیں ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی تحریر کو چھونا یا اللہ پاک کے اسماء طاہرہ کو مس کرنا بھی جنبی انسان پر حرام ہے اور انبیائے طاہرینؑ اور آئمہ معصومینؑ کے اسمائے مبارکہ کو مس کرنا بھی جنبی انسان کے لئے درست نہیں ہے۔

۴۔ وہ امور جن میں طہارت شرط ہے جنبی انسان کے لئے درست نہیں ہے۔

۵۔ جن سورتوں میں سجدہ واجب ہے ان کا پڑھنا جنبی پر حرام ہے اور باقی قرآن میں سے سات آیتوں سے تجاوز کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ کھانا پینا، تیل لگانا، خضاب کرنا اور سونا جنبی انسان کے لئے مکروہ ہے۔

مسئلہ:۔ حیض و نفاس والی عورت کے بھی یہی احکام ہیں اور ان کے غسل کا بھی یہی طریقہ ہے اور حیض والی عورت کے احکام جنب کے احکام کے علاوہ بھی ہیں اور ان میں نفاس والی عورت شریک ہے جن کا بیان تفسیر ہذا کی تیسری جلد ص۵۳ تا ۵۵ پر ہو چکا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر جنبی انسان بارش میں کھڑا ہو جائے اور نیت غسل کی کرے پس پانی اس کے تمام جسم پر بہہ جائے تو غسل صحیح ہو گا گویا یہ غسل ارتماسی کے حکم میں ہو گا۔ جیسا کہ متعدد روایات میں موجود ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى الخ آیت مجیدہ کی تفسیر اور تیمم کا طریقہ اور اس کے بعض ضروری احکام تفسیر ہذا کی چوتھی جلد ص۱۶۷ تا ۱۶۸

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا

اور یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کا وہ عہد جو تم سے پکا باندھا اس نے جب تم نے کہا کہ ہم نے

وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑦

سنا اور مانا اور ڈرو خدا سے تحقیق اللہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے

میں بیان ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس جگہ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وفائے عہد کی تاکید

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ : یعنی اللہ کی تمام نعمات کو یاد کرو تاکہ منعم کی یاد آجائے اور اس کے شکر کی رغبت پیدا ہو، نعمت کو واحد لایا گیا ہے اور اس سے مراد معنی جنسی ہے اور اس نعمت کا ہر فرد اس میں داخل ہے۔

وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ : اس عہد و میثاق سے کیا مراد ہے تو اس میں کئی قول ہیں۔ مثلاً یہ کہ بنی اسرائیل کو خطاب ہے کہ اپنا عہد یاد کرو اور اس کی وفا کرو جو جناب رسالتمآب کی اطاعت کے متعلق تم پہلے کر چکے ہو اور یہ قول نہایت کمزور ہے کیونکہ اس سے پہلے ایمان والوں کو نماز کا حکم ہے اور ان کو وضو و تیمم اور غسل جنابت وغیرہ کے احکام بتلائے ہیں اور وَاذْكُرُوا کا عطف ہے اسی پہلے جملے پر۔ لہٰذا بنی اسرائیل کا عہد مراد ہونا بعید ہے اور سب اقوال سے صحیح قول وہ ہے جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں عہد و میثاق سے مراد وہ عہد ہے جو حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت رسالتمآب نے مسلمانوں سے لیا تھا۔ تحریم محرمات۔ اور کیفیت طہارت اور فرض ولایت نیز آیات کلام اللہ کا ربط و نسق مطالب کا مقتضا بھی یہی ہے کہ عہد و میثاق سے یہاں مراد عہد غدیر ہو پس اس مقام پر نماز کے فریضہ کی طرف متوجہ فرما کر اپنے کئے ہوئے عہد پر پکا رہنے کی تلقین فرما رہا ہے کہ خدا کے احسان کو نہ بھولنا اور اپنے وعدہ کو یاد رکھنا جبکہ تم سب اقرار کر چکے ہو کہ ہم اطاعت کریں گے اور اس بارے میں اللہ سے ڈرنا کیونکہ نظام امت کی برقراری و پائیداری اس امر پر موقوف ہے کہ ان کے اوپر ایک حاکم و منتظم موجود ہو جو ان کو اپنے اپنے فرائض کی طرف بھی متوجہ کرتا رہے اور ان کے باہمی حقوق کی نگہداشت بھی کرے اور بحکم خدا مقام غدیر میں حضرت علیؑ کو جناب رسالتمآب نے اپنا جانشین نصب فرمایا اور تمام لوگوں سے ان کی اطاعت کا عہد بھی لیا پس خدا نے اسلام کو تکمیل کی سند دی اب پھر بطور تاکید کے ارشاد فرماتا ہے کہ اس عہد پکا رہنا

إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ : اس فقرہ سے صاف ظاہر ہے کہ عہد کرنے والوں میں سے بعض کے دلوں میں کچھ کدورت تھی یعنی زبان پر اقرار اور باطن میں انکار تو خداوند کریم ان کو متنبہ فرما رہا ہے کہ میں سینوں کے بھیدوں کو جانتا ہوں اور تم مجھ سے کوئی چیز چھپا نہیں سکتے ہو۔ لہٰذا مجھ سے ڈرو اور اپنے عہد سے کنارہ کشی نہ کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اے ایمان والو! ہو جاؤ اُٹھنے والے اللہ کے لئے حق و انصاف کے گواہ اور نہ آمادہ کرے تمہیں

شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ

ایک قوم کی دشمنی اس بات پر کہ عدل کو چھوڑ دو (ہاں) عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے اور ڈرو اللہ سے ۔ تحقیق اللہ

خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

آگاہ ہے جو کچھ تم کرتے ہو وعدہ کیا اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور کام نیک کئے کہ ان

عدل وانصاف کا حکم

كُونُوا قَوَّامِينَ :- قوام قائم سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی ٹھیک کاموں میں اُٹھنے کے عادی بن جاؤ کہ خود بھی کرو اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے طریقہ سے لوگوں تک بھی کلمۂ حق پہنچاؤ اور دینِ حق کی حقیقی تبلیغ میں خوب چستی و ہوشیاری سے کھڑے ہو جاؤ۔

شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ :- یعنی حق و انصاف کی شہادت دو اور کلمۂ حق کا ہی اظہار کرو اور کسی بھی موقعہ پر اپنے اس دستور سے کنارہ کشی نہ کرو اور ایسا نہ ہو کہ اگر کسی سے دشمنی ہو تو اسے ضرر پہنچانے کی خاطر اس کے حق میں حق کی گواہی سے گریز کر جاؤ ایسا کرنا درست نہیں ہے بلکہ کسی وقت بھی حق بیانی کے شیوہ کو نہ چھوڑو اور عدل کو اختیار کرو کہ یہ تقویٰ کے زیادہ نزدیک ہے ۔ ھو ضمیر عدل کی طرف راجع ہے جو اِعْدِلُوا میں ضمناً موجود ہے یہاں دشمن قوم سے مراد کفار ہیں۔ پس جب کفار سے بھی عدل وانصاف برتنے کی تاکید ہے تو اپنے برادرانِ ایمانی کے ساتھ عدل کا وجوب کیوں نہ موکد ہوگا؟ اہل ایمان کے لئے یہ آیت دعوت فکر و عمل ہے اور مومنین کے باہمی حقوق کی رعایت کا بہترین درس ہے اوّل تو مومن کبھی مومن کا دشمن نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض کسی وقت باہمی شکر رنجی ہو بھی جائے تو اس کے حقوق ایمانی کو پھر بھی سبکدوش نہیں کرنا چاہیئے اور جذباتی کارروائی سے بالاتر ہو کر عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرے کیوں کہ مومن کا مومن بھائی کے درپے ایذا ہونا ایمان کی شان سے بعید ہے۔ خداوند کریم جملہ مومنین کو اور مجھ عاصی کو عدل وانصاف کے طریق پر عمل کی توفیق دے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا :- ترمذی اور مشکوٰۃ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا إِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ إِلَى ثَلَاثَةٍ عَلِيٍّ وَعَمَّارٍ وَسَلْمَانَ یعنی جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے اور وہ علی، عمار و سلمان ہیں نیز منقول ہے کہ إِنَّ اللَّهَ أَمَرَنِي بِحُبِّ أَرْبَعَةٍ وَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ قِيلَ سَمِّهِمْ لَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ عَلِيٌّ مِنْهُمْ يَقُولُ ذَالِكَ ثَلَاثًا وَأَبُو ذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ وَسَلْمَانُ أَمَرَنِي بِحُبِّهِمْ وَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ کہ خدا نے مجھے چار کی محبت کا امر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں خود بھی ان چاروں کا محب ہوں، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ان کا نام بتایئے تو فرمایا ان میں ایک تو علی ہے اور یہ فقرہ تین دفعہ دہرایا۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ

ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیات کو

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

تو وہ اصحاب دوزخ ہیں اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اُوپر جب

اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ

ارادہ کیا ایک قوم نے کہ پھیلائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اس نے روک دیئے ان کے ہاتھ تم سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

اور اللہ سے ڈرو اور اللہ پر ایمان والوں کو توکل کرنی چاہیئے

اور ابوذر مقداد اور سلمان ہیں۔ خدا نے مجھے تو ان کی محبت کا حکم دیا ہے اور اس نے خبر دی ہے کہ میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں (لوامع التنزیل)

اِذْ هَمَّ قَوْمٌ :۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ اس قوم سے مراد قریش مکہ ہیں جو دست درازی کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد خدا نے ان کی دست درازیوں سے مسلمانوں کو مکمل نجات دے دی اور مفسرین کے اس میں کئی قول ہیں۔

۱۔ جناب رسالتمآبؐ جب ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے تھے تو یہود کے ساتھ ترک جنگ کا معاہدہ کیا تھا اور ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ صحابہ کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر قوم یہود بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے تاکہ بعض دیتوں کی ادائیگی کے لئے ان سے مالی امداد طلب کریں اور یہی چیز معاہدہ میں شامل تھی۔ انہوں نے آپس میں حضورؐ کے قتل کی سازش بنائی اور کہا کہ آپ تشریف رکھیں تاکہ ہم آپ کی میزبانی بھی کریں اور حسب وعدہ مالی امداد بھی آپ کو دیں تو خداوند کریم نے حضورؐ کو ان کی بد باطنی کی اطلاع دے دی تو حضورؐ وہاں سے چلے گئے۔

۲۔ ایک دفعہ قریش نے ایک شخص کو بھیجا تاکہ جا کر رسالتمآبؐ کو قتل کر دے۔ جب وہ شخص آیا تو حضورؐ کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ اس نے کہا حضورؐ ذرا مجھے دکھائیے۔ پس آپ نے وہ تلوار اس کو دیدی۔ جب وہ تلوار لے چکا تو کہنے لگا کہ اب مجھے آپ کے قتل سے کون روک سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تجھے روک سکتا ہے پس اس نے تلوار پھینک دی اور اسلام قبول کر لیا۔ یہ جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے یہ شخص عمر بن وہب جمحی تھا جس کو صفوان بن امیہ نے بھیجا تھا۔

۳۔ ابوسعود نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ غزوہ ذی انمار جسے غزوہ ذات الرقاع بھی

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ

اور تحقیق لیا اللہ نے عہد بنی اسرائیل کا اور بھیجے ہم نے ان سے بارہ نقیب

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ

اور فرمایا اللہ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز کو قائم کیا اور ادا کی زکوٰۃ اور ایمان لائے ساتھ

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

میرے پیغمبروں کے اور ان کی تم نے مدد کی اور تم نے اللہ کو قرض دیا قرضہ حسنہ تو ضرور دور کروں گا تم سے تمہاری

وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

برائیاں اور ضرور تمہیں داخل کروں گا ایسے باغات میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں پھر جو کفر کرے گا اس کے بعد تم میں سے تو وہ

کہتے ہیں) کے موقعہ پر مقام عسفان پر پہنچے اور حضورؐ کے غزوات میں سے یہ ساتواں غزوہ تھا آپ نے بمعہ صحابہ کے نماز ظہر باجماعت ادا فرمائی تو کفار بڑے پشیمان ہوئے کہ کاش نماز جمعہ میں ان پر ہم حملہ آور ہو جاتے کیوں کہ یہ چیز ان کو باپ بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب تھی۔ پس ہمیں یقیناً کامیابی ہوتی لیکن کسی نے کہہ دیا کہ ابھی ان کی ایک نماز یعنی نماز عصر باقی ہے۔ لہٰذا جب نماز عصر پڑھیں گے تو ہم حملہ کر دیں گے لیکن خدا نے ان کے اس شر کو رد کر دیا۔ کیونکہ نمازِ خوف کا حکم نازل کر دیا۔

رکوع نمبر ۷

بنی اسرائیل کے بارہ نقیب اور عوج بن عنق

اِثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا :۔ حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے بارہ نقیب چن کر انہیں شام اور دوسری اطراف میں بھیجا جائے تاکہ جبّار و سرکش لوگوں کے حالات کی خبر لائیں۔ پس حضرت موسیٰ نے بحکم خدا ہر قبیلہ سے ایک نقیب چنا اور ان کو روانہ کیا لیکن ان نقیبوں نے ان لوگوں کے بڑے بڑے قد دیکھ کر واپس آکر اپنی قوم کو ڈرایا اور جہاد سے بزدل کیا سوائے دو آدمیوں کے کہ ایک کا نام کالب بن یوحنا جو یہودا کی اولاد سے تھا اور دوسرے کا نام یوشع بن نون تھا جو حضرت یوسف کی اولاد سے تھا۔ تفسیر ابو السعود میں ہے کہ جب یہ نقیب کنعانیوں کے علاقہ میں پہنچے تو ان کو راستہ میں عوج بن عنق مل گیا جس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس ذراع تھا اور اس کی عمر تین ہزار برس کی تھی اس کے سر پر ایک لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ پس اس نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور لکڑیوں کے گٹھے میں ان کو باندھ کر گھر لے آیا۔ اپنی عورت کے سامنے جب گٹھا سر سے اُتارا تو ان کو بھی کھول کر رکھ دیا اور عورت

سے کہنے لگا یہ لوگ ہمارے ساتھ لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں اگر تیری مرضی ہو تو ان سب کو پاؤں کے نیچے رکھ کر مسل دوں تو عورت نے جواب دیا کہ ایسا نہ کرو بلکہ ان کو چھوڑ دو تاکہ اپنی قوم کو جاکر اس حقیقت سے آگاہ کریں۔ ان کے ہاں جو انگور پیدا ہوتے تھے ان کے ایک گچھے کو چار پانچ آدمی اٹھا سکتے تھے جب یہ نقیب حالات کا جائزہ لے کر وہاں سے نکلے تو آپس میں مشورہ کیا کہ موسیٰؑ اور ہارونؑ کے علاوہ کسی کو یہ حقیقت نہیں بتانی چاہیئے تاکہ وہ مرتد نہ ہو جائیں اور ایک دانہ انگور کا اپنے ہاتھ میں لائے جس کو ایک آدمی بمشکل اٹھا سکتا تھا پس کالب بن یوحنا اور یوشع کے علاوہ باقی نقیبوں نے اپنے اپنے قبیلہ کو سارا حال بتا دیا (اور کالب بن یوحنا حضرت موسیٰؑ کی بہن مریم بنت عمران کا شوہر تھا۔ لوامع ص۲۱۹) حضرت موسیٰؑ کا فوجی کیمپ تین تین میل لمبا چوڑا تھا۔ پس عوج ان کو دیکھ کر پہاڑ کی طرف چلا گیا اور اس نے وہاں سے ایک بڑا پتھر اٹھایا جو حضرت موسیٰؑ کی ساری فوج کی وسعت کے برابر تھا اور اسے سر پر رکھا تاکہ موسیٰؑ کی فوج کے اوپر ڈال دے پس خدا نے پرندہ ہدہد بھیجا جس نے پتھر کو اس کے سر کے مقام سے کرید کر سوراخ کر دیا اور وہ پتھر عوج کی گردن میں پھنس گیا۔ پس حضرت موسیٰؑ اس کی طرف بڑھے۔ آپ کا قد دس ذراع تھا اور آپ کا عصا بھی دس ذراع کا تھا اور آپ نے دس ذراع کی مقدار بلند چھلانگ لگا کر اس کو عصا مارا کہ وہ اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ گر گیا اور لوگوں نے تلواروں سے اس کا سر کاٹ لیا اور مجمع البیان میں ہے کہ ان کے انار کے نصف حصہ میں پانچ آدمیوں کو ڈالا جا سکتا تھا اور عوج کے تخت کی لمبائی آٹھ سو ذراع تھی ——— لوامع التنزیل میں ہے کہ بنی اسرائیل کی قد و قامت دس ذراع سے چالیس ذراع تک تھی اور قوم عمالقہ کی قد بالعموم چالیس ذراع سے ایک سو ذراع تک تھی لیکن عوج بن عنق تمام سے طویل القامت تھا حتی کہ بادل سے پانی پی لیا کرتا تھا اور مچھلی کو دریا میں سے پکڑ کر سورج کی گرمی میں بھون کر کھاتا تھا اور کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان جب کہ ہر بڑے سے بڑے بلند پہاڑ سے بھی چالیس گز بلند تھا تو عوج کے گھٹنوں تک پہنچا تھا اور اس کی ہر انگلی تین گز لمبی تھی عوج کی ماں کا نام عنق ہے جو حضرت آدم کی لڑکی تھی اور یہی پہلی عورت ہے جس سے بدکاری کی ابتدا ہوئی اور عوج زنا کا نطفہ تھا۔ اس لئے باپ کا نام معلوم نہیں ہو سکا اور کہتے ہیں اس کی پنڈلی کی ہڈی دریائے نیل پر بطور پل کام دیتی رہی۔ واللہ اعلم

اقول بر اس روایت کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اسرائیلیات میں سے ہے اور اصول درایت کے لحاظ سے بالکل بے بنیاد جھوٹ ہے پس عقلاً و نقلاً اس کے مردود ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

وضاحت حضرت یعقوب جو اسرائیل کے نام سے مشہور ہیں کے بارہ فرزند تھے۔ ہر ایک کو سبط کہا جاتا ہے کیوں کہ سبط کلام عرب میں اس درخت کو کہتے ہیں جس کی شاخیں زیادہ ہوں اور چونکہ حضرت یعقوب کا ہر فرزند ایک ایک قبیلے کا باپ بنا اس لئے ان کو اسباط کہا جاتا ہے۔ غالباً اسی بناء پر حضرت امام حسینؑ کو سبط کہا گیا ہے حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ وَالْحُسَیْنُ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ اور تمام اعداد میں سے بارہ کا عدد بھی عجب مبارک و محبوب خدا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ میں سے ہر جملہ بارہ حرفوں سے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّٰهُمْ وَجَعَلْنَا

گمراہ ہوگا سیدھے راستے سے — پس بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے ان کو لعنت کی — اور کردیا ان کے

قُلُوبَهُمْ قَٰسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِۦ ۙ وَنَسُوا۟ حَظًّا مِّمَّا

دلوں کو سخت بدلتے ہیں کلام خدا کو اپنے ٹھکانے سے — اور بھول گئے ایک حصہ اس کا

ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ

جو نصیحت کئے گئے تھے اور ہمیشہ تو خبردار ہوتا ہے ان کی ایک نہ ایک خیانت سے کم ہیں ان سے (جو خائن نہ ہوں) پس ان کو

مرکب ہے۔ پھر نظامِ کائنات میں بروج کی تعداد بارہ مہینوں کی تعداد بارہ اور ہر شب و روز کی تقسیم بارہ سے اور بنی اسرائیل کے اسباط بارہ پھر ان کے نقیب بارہ اور اسی طرح حضورؐ نے بھی فرمایا الْأَئِمَّةُ مِنْ بَعْدِي اِثْنَا عَشَرَ یعنی میرے بعد بھی امام کل بارہ ہوں گے۔

ینابیع المودۃ سے منقول ہے کہ ایک یہودی نے اپنے سوالات میں سے ایک سوال حضورؐ سے یہ بھی کیا تھا کہ ہمارے نبی موسیٰؑ نے تو اپنے بعد حضرت یوشع کو اپنا وصی مقرر کیا تھا۔ فرمائیے آپ کا وصی کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا میرا وصی علیؑ بن ابی طالب ہے اور اس کے بعد میرے دو سبط حسنؑ و حسینؑ اور اس کے بعد نو امام ہوں گے حسینؑ کی اولاد سے (لوامع التنزیل) یہ روایت بہت سی کتابوں میں موجود ہے۔ ہم مقدمہ تفسیر میں بھی نقل کر چکے ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ:۔ یہ خطاب نقیبوں کو ہے یا تمام بنی اسرائیل کو کہ اگر تم نماز و زکوٰۃ کے پابند رہے اور میرے رسولوں پر ایمان بھی لائے اور ان کے معاون و ناصر رہے نیز خدا کو قرضِ حسن بھی دیتے رہے یعنی راہِ خدا میں خرچ کرتے رہے یا اور نیکیاں کرتے رہے تو تمہاری لغزشیں معاف کی جائیں گی اور تمہیں جنت عطا کروں گا۔ اور قرآن مجید میں نیکیوں پر قرضہ کا اطلاق ہوا ہے جس طرح سورۂ مزمل میں ارشاد ہے وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ کو قرضِ حسن دو یعنی نیکیاں کرو۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ:۔ پس انہوں نے اپنے عہد توڑ دیئے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ عمالقہ سے جنگ کرنے کا عہد تھا لیکن بوقتِ حکم انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو یہ جواب دیا تھا کہ ہم ہرگز نہ جائیں گے تو اور تیرا پروردگار جاکر خود لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ رسولوں پر ایمان کا عہد توڑا کہ ان کو قتل کیا اور ان کی تکذیب کی اور بعض کہتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ کی صفت پر پردہ ڈالا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سب کے سب عہد توڑ ڈالے جو بھی کئے تھے۔

لَعَنّٰهُمْ:۔ لعنت کا معنی ہے رحمت خدا سے دوری جب کہا جائے کہ فلاں پر خدا کی لعنت ہو یعنی اس کو خدا اپنی رحمت سے دور کرے یعنی اس پر اپنا عذاب نازل کرے اور جس کے متعلق خدا فرما دے کہ میں اس پر لعنت کرتا ہوں اور دنیا میں یا آخرت میں تو دنیا کی لعنت سے مراد ہے دنیا کا عذاب اور رسوائی و ذلت اور آخرت کی لعنت سے مراد عذاب جہنم اور آخرت کی خواری ہے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳ وَمِنَ الَّذِيْنَ

معاف کر اور درگذر کر تحقیق اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور ان لوگوں سے

قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ

جنہوں نے اپنے آپ کو نصاریٰ کہا ہم نے عہد لیا پس بھول گئے ایک حصّہ اس کا جو نصیحت کئے گئے

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ

پس بھڑکایا ہم نے ان میں دشمنی اور کینہ کو قیامت تک کے لئے اور عنقریب ان کو

یہودیوں پر خداوند کریم کا دنیا میں عذاب یہ نازل ہوا کہ ان کو بندروں اور سوروں کی شکلوں میں مسخ کر دیا گیا اور آخرت میں تو جو عذاب ہوگا وہ خدا خود بہتر جانتا ہے۔

وَنَسُوْا حَظًّا :- اس کا ایک معنی تو وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے اور دوسرا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ضائع کر دیا بعض ان آیاتِ تورات کو جو ان کے کام کی تھیں اور ان کی ہدایت کی تھیں اور ان کی تلاوت کو ترک کر دیا کہ رفتہ رفتہ ان کو بھول گئیں۔

وَلَا تَزَالُ الخ یہاں خَائِنَةٍ خیانت کے معنی میں ہے اور اس سے مراد مطلق گناہ ہے۔ یعنی جھوٹ فریب عہد شکنی اور مشرکین سے میل جول وغیرہ کوئی نہ کوئی ان کی برائی آپ ملاحظہ فرماتے رہیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خَائِنَةٍ صیغہ صفت ہو اور اس کا موصوف محذوف ہو یعنی فِرْقَةٍ خَائِنَةٍ لیکن بعد میں اِلَّا قَلِيْلًا کا استثنار پہلے معنی کے ساتھ زیادہ موزوں ہے یعنی سارے یہودی پھٹکار خداوندی میں ہیں اور بیان کردہ برائیوں میں مبتلا ہیں سوائے چند ایک کے جیسے عبداللہ بن سلام۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ :- یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم جو نصاریٰ کہلاتے ہیں ان سے بھی ہم نے عہد لئے تھے جس طرح کہ حضرت موسیٰ کی قوم سے لئے تھے لیکن انہوں نے یہودیوں کی طرح وہ نصیحتیں بھلا دیں جن پر انہوں نے عمل کرنا تھا تو بطور سزا کے ان کی آپس میں دشمنی پیدا کر دی گئی یا تو اس سے مراد وہ دشمنی ہے جو نصاریٰ اور یہود کی آپس میں ہے اور یا یہ مراد ہے کہ نصرانیوں کی آپس میں دشمنی پیدا کر دی گئی کہ ان کے تین گروہ ہو گئے (۱) نسطوریہ جو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں (۲) یعقوبیہ جو حضرت عیسیٰ بن مریم کو خدا مانتے ہیں۔ (۳) ملکانیہ۔ جو تین خداؤں کو مانتے ہیں۔ اللہ۔ عیسیٰ اور مریم۔

درسِ عبرت

آیت مجیدہ سے معلوم ہوا کہ خدا کے عہد کو بھلا دینا اور اس کی وفا نہ کرنا دنیا و آخرت میں عذاب کا موجب ہے خداوند کریم نے اس سورۂ مبارکہ میں سب سے پہلے ایمان والوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ میرے عہدوں کو پورا کرو اور پھر حلال و حرام کا ذکر کرنے اور تکمیل دین کا مژدہ سنانے اور نماز کے لئے وضو، غسل، تیمم کا حکم بیان کرنے کے بعد فرمایا! کہ میری نعمت اور اپنے عہد کو یاد رکھو جو پختہ کر چکے ہو اور پھر فرمایا حق بیانی کے لئے اپنے میں پختہ ملکہ پیدا کرو اور کبھی حق سے

يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾

خبر دے گا اللہ اس کی جو وہ کرتے ہیں

کنارہ نہ کرو یہ تھی ایک حکم کی تعمیل کے لئے تاکید در تاکید۔ اس کے بعد ان امتوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے گذشتہ نبیوں سے عہد کیا تھا اور عہد شکنی کی سزا کے مستحق ہوئے تاکہ ان کے واقعات سے عبرت حاصل کی جائے۔ یہ ترتیب و تاکیدی فرمائشات اور پھر حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی امت کی عہد شکنیوں کا تذکرہ صاف بتلاتا ہے کہ ان آیات میں خداوند کریم عزّ و جل امتِ اسلامیہ کو ایک بڑے عہد کی پاسداری کی تلقین فرما رہا ہے اور اس عہد کو توڑنے سے باز رہنے کی تنبیہ فرما رہا ہے۔ نیز عہد پر ثابت قدم رہنے والوں کے لئے مغفرت و جنت کا وعدہ بھی فرمایا اور مخالفت کرنے والوں کو عذاب کی خبر بھی سنائی اور ضمنی طور پر موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی امت کے عذابوں کا تذکرہ بھی کیا تاکہ امتِ اسلامیہ اپنے کئے ہوئے عہد کو کسی قیمت پر نہ چھوڑے اور وہ وہی عہد ہے جو بروزِ غدیر سرکارِ رسالتؐ نے جمِ غفیر اور مجمعِ کثیر میں علیؑ کو اپنا خلیفہ و جانشین نصب کر کے مسلمانوں سے لیا تھا کہ میرے بعد اس کو سردار سمجھنا اور اس کی اطاعت کرنا۔ پھر بیعت بھی لی اور مسلمانوں نے بخ بخ کہہ کر مبارکباد بھی دی لیکن جناب رسالتمآبؐ نے اپنی امت کو یہ بھی فرمایا تھا کہ سابقہ امتوں میں جو کچھ ہو چکا ہے میری امت میں بھی وہ سب کچھ ہو کے رہے گا۔ پس آپ کا فرمودہ صحیح اور سچ ثابت ہوا۔ آپ نے ثقلین کی اطاعت کی تلقین کی تاکہ امت گمراہ نہ ہو لیکن انہوں نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہہ کر عترت کو پس پشت ڈال دیا اور خداوند کریم نے یہود و نصاریٰ کے واقعات سے مسلمانوں کو عبرت دلانے کی فہمائش کی لیکن ہوس دنیاوی اور اقتدار ظاہری نے اندھا کر دیا اور حضرت رسالتمآبؐ کے بعد وہی کر کے رہے جس سے منع کیا گیا تھا اور ہم نے تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں ص۱۶۰ تا ص۱۸۰ اس مطلب کو ذرا وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ اہل کتاب نے اپنے عہدِ میثاق توڑ دیئے تو مبتلائے عذاب ہوئے اور مسلمانوں نے عہدِ غدیر کو توڑا تو ان پر بھی ان جیسے عذاب وقتاً فوقتاً نازل ہوتے رہے۔

۱۔ ان پر پہلا عذاب لعنت کا تھا اور وہ یہاں بھی ہے۔

۲۔ ان پر دنیاوی عذاب اترا۔ چنانچہ طاعون و قتل و دیگر وباؤں میں مبتلا ہوئے اور بندر و ریچھ و سؤر کی شکلوں میں مسخ ہوئے اور اس امت میں عہد غدیر کو توڑنے والوں پر بھی اس قسم کے عذاب آئے۔ بعض لوگوں نے شہادتِ غدیر کو چھپایا برص میں مبتلا ہوئے۔ قتل کا عذاب بھی چکھا اور حارث بن نعمان فہری کا واقعہ اظہر من الشمس ہے جو بعد میں ذکر کیا جائے گا۔ دربارِ رسالتؐ میں ولایۂ علیؑ کے انکار کی وجہ سے مبتلا عذاب ہوا۔ اسی طرح ریچھ و سور کی شکلوں میں بعض دشمنانِ علیؑ کے مسخ ہونے کی روایات بھی ملتی ہیں جن کے ذکر سے طول ہو جائے گا لیکن عمومی عذاب نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ خدا کا وعدہ ہے کہ جب تک حضور اس امت میں موجود ہوں یا یہ لوگ استغفار پڑھنے والے ہوں۔ تو میں عذاب نہ بھیجوں گا۔ البتہ آخرت کا عذاب ایسے لوگوں کیلئے ہی ہے۔

۳۔ ان کے دل سخت کئے گئے تو اس امت کو بھی سنگدلی کے عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ جیسا کہ واقعات و تاریخ کے حقائق اس کے شاہد ہیں

يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ

اے اہلِ کتاب تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسولؐ کہ بیان کرتا ہے تمہارے لئے بہت اس سے جس کو تم چھپاتے ہو

۴۔ تحریفِ کلام اللہ جس طرح ان لوگوں نے کی انہوں نے بھی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اگرچہ قرآن مجید کے لفظوں میں تغیر و تبدل کرنے پر قادر نہ ہو سکے لیکن معانی میں وہ ردّ و بدل کیا اور تفسیر بالرائے کا وہ طوفان لا کھڑا کر دیا کہ خدا کی پناہ حتیٰ کہ پرویز جیسوں کو قرآنی مطالب بگاڑنے کی جرأت پیدا ہوئی۔

۵۔ نصیحت کے بہت سے حصص کو جس طرح انہوں نے فراموش کر دیا تھا۔ انہوں نے بھی حضرت پیغمبرِ اسلامؐ کے اکثر نصائح جو اہلِ بیتؑ کے حق میں تھے ان کو ضائع کر دیا۔

۶۔ انہوں نے خیانت کے مظاہرے کئے سو وہ مسلمانوں میں کیا کم ہیں جس طرح انہوں نے حق کو چھپایا کہ حضرت رسالتمآبؐ کی اوصاف کو ظاہر نہ کیا تو ان لوگوں نے حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ جو آئمہ ہیں ان کے حقوق پر پردہ ڈالا اور امت پر بالعموم ظاہر نہ ہونے دیا۔

۷۔ ان کو باہمی عداوتوں اور تفرقہ بازیوں میں مبتلا کیا گیا تو یہاں یہ عذاب کیا کم ہے ۷۱، یا ۷۲ فرقوں میں منقسم ہوئے اور یہ امت ۷۳ فرقوں میں بٹ گئی چنانچہ حضورؐ نے فرمایا تھا سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثَةٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا فِرْقَةً وَّاحِدَةً مِّنْهُمْ نَاجِيَةً یعنی میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے اور سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے وہ ان میں سے نجات پانے والا ہو گا (لوامع التنزیل)

اور شرح جلالی سے نقل کرتے ہیں کہ علامہ حلیؒ نے اسی حدیث کے متعلق اپنے استاد محقق طوسی سے دریافت کیا تھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ناجی فرقہ ان بہتر فرقوں کے مقابلہ میں ایک ہے تو وہ بہتر گویا اس کے مقابلہ میں ایک ہیں۔ پس تتبع و تلاش اور تحقیق و تدقیق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سوائے شیعہ اثنا عشریہ کے کل مذاہب والے اگر اصول و فروع میں بعض جگہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں تو بعض جگہ متحد بھی ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً ثلاثہ کی خلافت پر سب کو اعتقاد ہی ہے اور شیعہ گروہ اصول و فروع میں تمام فرقِ اسلامیہ سے جدا مسلک رکھتا ہے جن کے تمام عقائد و اعمال صرف اہلِ بیتِ نبوت سے ہی ماخوذ ہیں۔ پس صاف معلوم ہوا کہ ناجی فرقہ شیعہ ہے اور باقی سب کے سب غیر ناجی ہیں اور نقلی طور پر حدیثِ ثقلین و حدیثِ سفینہ و حدیثِ غدیر اور اس قسم کی متعدد احادیث بھی اسی امر کی شاہد ہیں اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی تفسیر موضح القرآن میں رقم طراز ہیں کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا حضرت موسیٰ کی آخر عمر میں ہے اور یہ سورت حضرت کے آخر عمر میں نازل ہوئی۔ شائد ہم کو سنایا اس واسطے کہ ہم کو بھی یہی تقلید ہے ایک عہد اس امت سے تھا کہ رسولؐ جو بعد میں پیدا ہوں۔ ان کی مدد کرو۔ اس کی بدل ہم سے یہ ہے کہ خلفاء کی اطاعت کرو اور ذکر بارہ سرداروں کا یہاں فرمایا۔ اسی اشارہ کو کہ حضرتؐ نے بتایا ہے کہ میری امت میں بارہ خلیفے ہوں گے۔ قوم قریش سے اور فرمایا کہ جو خرابی ہوئی پہلی امت میں سو ہو گی تم میں سے جیسے وہ خراب ہوئے پیغمبروں کی مخالفت سے یہ امت خراب ہوئی خلیفہ پر خروج کر کے (انتہیٰ) اور صاف ظاہر ہے کہ پیغمبر کے بعد جس خلیفہ پر خروج ہوا ہے وہ صرف حضرت علیؑ کی ہی ذات ہے اور اس خروج کا جنگِ جمل اور جنگِ صفین اور نہروان گواہ ہے اور خلیفہ ثانی یا ثالث۔ اگرچہ قتل ہوئے ہیں لیکن ان کے خلاف خروج نہیں ہوا اور علمِ بغاوت بلند نہیں ہوا جیسے کہ تاریخ شاہد ہے۔ كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ: اہل کتاب کی چھپائی

مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

کتاب میں سے اور درگذر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے تحقیق آچکا تمہارے پاس اللہ سے نور اور کتاب مبین

ہوئی بعض چیزوں کو ظاہر کرنا اور بعض سے درگذر کرنا اس لئے ہے کہ وہ مقامات جن میں حضور کی نبوت صفات اور بشارت کا تذکرہ تھا یا جن کے اظہار سے مقامی طور پر اثباتِ نبوت میں تائید ہوتی تھی تو وہ ظاہر فرما دیئے اور جن کے اظہار کی ضرورت پیش نہ آئی ان سے درگذر فرما لیا تفصیلی واقعہ صہ تا صہ پر آئے گا۔

نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ :- کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور نور کے متعلق اختلاف کیا گیا ہے لیکن اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت رسالتمآب ہیں اور یہی صورت عقل کے فیصلہ کے بھی مطابق ہے کیونکہ کتاب پڑھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اور خدا کی بھیجی ہوئی کتاب کا پڑھنا عام کتابوں کے پڑھنے کی طرح تو ہے نہیں بلکہ اس کو پڑھنے سے مراد اس کا سمجھنا ہے تو جس روشنی میں ہم نے اس کو سمجھنا ہے وہ دنیاوی ظاہری روشنی نہیں ہے کیونکہ اس ظاہری روشنی میں کتاب پڑھی تو جا سکتی ہے لیکن سمجھی نہیں جا سکتی پس اس جگہ نور سے مراد عام روشنی نہیں بلکہ اس سے مراد حضرت رسالتمآب ہیں اور انہی کی بدولت قرآن فہمی ہو سکتی ہے اور چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے ہے ورنہ کہنے کو عذر باقی رہ جائے گا کہ ہم کتاب کو کیا کرتے جب کہ ہمارے پاس نور ہی موجود نہ تھا۔ پس خداوند کریم نے قیامت تک کے لئے نور کا انتظام فرمایا چنانچہ حضرت علیؑ کے متعلق خود سرور کائنات نے فرمایا اَنَا وَعَلِیٌّ مِّنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ یعنی میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں اور خود حضرت امیر علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں اَنَا مُحَمَّدٌ وَّمُحَمَّدٌ اَنَا وَ اَنَا مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّمُحَمَّدٌ مِّنِّیْ :- یعنی میں اور محمدؐ ایک ہیں۔ میں محمدؐ سے ہوں اور محمدؐ مجھ سے ہیں جس طرح حضورؐ نے فرمایا عَلِیٌّ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْعَلِیِّ :- علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں ایک اور حدیث میں ہے اَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَّاٰخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَّ اَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَّكُلُّنَا مُحَمَّدٌ :- ہمارا اوّل محمدؐ۔ ہمارا آخر محمدؐ۔ ہمارا اوسط محمدؐ اور ہم سب کے سب محمدؐ ہیں۔ اس حدیث کو اور اس قسم کی دیگر احادیث کو ہم نے بالتفصیل تفسیر کی پہلی جلد یعنی مقدمہ تفسیر میں مقبولیتِ اعمال اور ولایت آلِ محمدؐ کے عنوانوں میں بیان کر دیا ہے پس جب حضرت رسالتمآب نور ہیں اور نور کی جگہ نور ہی کام آسکتا ہے تو حضورؐ کی رحلت کے بعد حضرت علیؑ سے لے کر مہدیؑ تک جو سب کے سب نور ہیں اور نورِ محمدی کے ہی اجزا ہیں۔ وہ اس کتاب کے ساتھ ہیں پس قرآن مجید رسالتمآب کی موجودگی میں ان کے بیان کی روشنی کا محتاج تھا اور آپ کے بعد ان کے حقیقی جانشینوں کے بیانات کا محتاج ہے اسی بنا پر تو حضورؐ نے اپنی امت کو متعدد مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ الخ یعنی میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب اللہ اور دوسری عترت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ حوضِ کوثر تک تمہیں میرے پاس پہنچا دیں گی اور نیز فرمایا عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ یعنی علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور ثقلین کے عنوان کے تحت ہم اس بیان کو وضاحت سے مقدمۂ تفسیر میں لکھ چکے ہیں اور صواعق محرقہ سے منقول ہے۔ حضورؐ نے فرمایا لَا تُعَلِّمُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ اَعْلَمُ مِنْكُمْ :- کہ

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ

ہدایت کرتا ہے اس کے ذریعے اللہ اس کو جو تابع ہو اس کی رضا کا سلامتی کے رستوں کی اور نکالتا ہے ان کو تاریکیوں

الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾

سے روشنی کی طرف اس کے اذن سے اور ہدایت کرتا ہے اس کو سیدھے راہ کی

اہل بیت کو تم نہ سکھانا کیونکہ وہ تم سے اعلم ہیں لیکن ان تصریحات کے باوجود کہنے والوں نے کہہ دیا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ - ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ امت اسلامیہ تشتت و افتراق کا شکار بن گئی ورنہ اگر وصیت رسول پر عمل ہوتا اور قرآن کو خدا کے فرستادہ نور کی روشنی میں پڑھا سمجھا جاتا تو اسلام کا شیرازہ منتشر نہ ہوتا۔

خداوند کریم نے اپنی کتاب بھیج کر اس کے معلّم بھی اپنی جانب سے بھیجے اور ان کو نور کے مقدس لقب سے نوازا اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سکولوں کا کورس اور کتابیں جب حکومت تجویز کرتی ہے تو ان کے مدرس بھی حکومت اپنے مقرر کردہ معیار کے ماتحت متعین کرتی ہے ایسا کبھی نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے کہ کورس حکومت بھیجے اور مدرس خود سکول کے لڑکے مل جل کر تجویز کر لیں ورنہ نتیجہ معلوم ہی ہے لیکن عجیب منطق ہے امت رسول کی کتاب بھیجے خدا اور کتاب کے معلّم تجویز کریں ۔ ہم بریں عقل و دانش بباید گریست اور قمی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ یہاں نور سے مراد حضرت امیرالمومنین اور باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں - وَهُوَ الْحَقُّ

يَهْدِي بِهِ : یہاں ضمیر بِهِ کے مرجع میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اس کا مرجع نور ہے اور بعض کے نزدیک اس کا مرجع کتاب ہے اور بعض کہتے ہیں اس کا مرجع دونو ہیں - بتاویل واحد یعنی يَهْدِي بِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا یعنی یہ ہے کہ خدا ہدایت کرتا ہے نور اور کتاب ہر دو کے ذریعے اُن کو جو اس کی رضا کے پیچھے جانے والے ہوتے ہیں لیکن جو اپنی مرضی کے پیچھے چلیں ان کو نہ نور فائدہ دیتا ہے اور نہ کتاب پس اس آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نور اور کتاب ایک دوسرے سے جدا نہیں اور جو بھی خدا کی خوشنودی چاہتا ہو اس کو چاہیئے کہ دونو سے تمسک پکڑے کیونکہ سلامتی کا راستہ ان دونو کی اتباع میں ہے نیز ظلمات جہنم سے نجات اور جنت کی بشارت بھی ان دونو کی اطاعت سے وابستہ ہے صراط مستقیم پر بھی وہی ہو گا جو ان دونو سے تمسک رکھتا ہو۔

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ : مشکوٰۃ سے بروایت احمد بن حنبل منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ علی کو تم ہادی و مہدی پاؤ گے اور وہ تمہیں صراط مستقیم پر چلائے گا۔ عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ يَدُوْرُ حَيْثُمَا دَارَ - علی حق کے ساتھ ہے اور حق علی کے ساتھ ہے حق اسی طرف ہوتا ہے جس طرف علی ہو۔ اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے بھی نقل کیا اور صواعق محرقہ میں بھی موجود ہے بلکہ فضل بن روزبہان جیسے متعصب شخص نے بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے چنانچہ کتب صحاح اہلسنت میں موجود ہے کہ حضرت رسالتمآب نے عمار کو فرمایا تھا میرے بعد اختلافات ہوں گے قتل و غارت کا بازار گرم ہو گا بعض بعض سے بیزاری کریں گے - اے عمار!

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ

تحقیق کافر ہوئے وہ جنہوں نے کہا تحقیق اللہ وہی عیسیٰ بن مریم ہے کہہ دیجئے کہ کس کا بس چلتا

مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

ہے اللہ کے آگے اگر وہ چاہے کہ مار دے عیسیٰ بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو بھی زمین میں

جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ

ہیں سب کو اور اللہ کا ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے

وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى

اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے اور کہا یہود و نصاریٰ نے کہ ہم

تجھے باغی جماعت قتل کرے گی۔ حالانکہ تو اس وقت حق پر ہوگا اور حق تیرے ساتھ ہوگا۔ علیؑ تجھے گمراہی کے قریب نہ لے جائے گا۔ اور نہ تجھے وہ ہدایت سے نکالے گا۔ اے عمار جو تلوار گلے سے لٹکا کر علیؑ کی امداد کرے گا بروز محشر اس کو موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے اور جو تلوار گلے سے حمائل کرکے علیؑ کے دشمن کی امداد کرے گا اس کو جہنم کے دو ہار پہنائے جائیں گے۔ جب ایسا زمانہ آئے تو تو علیؑ کو نہ چھوڑنا اور اگر سب لوگ ایک رُخ کو اور تنہا علیؑ ایک رُخ کو چلے تو تو تمام لوگوں کو چھوڑ کر علیؑ کے رُخ پر چلنا۔ اے عمار علیؑ ہمیشہ ہدایت پر رہے گا اور اس کی اطاعت میری اطاعت ہے اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے (دلائل الصدق)

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِوِلَاءِ عَلِيٍّ وَّ اَوْلَادِهِ الْمَعْصُوْمِيْنَ۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ ۔ اہل کتاب کی گمراہی کے دو طریقے تھے ایک یہ کہ نبی کی تعلیم کو بالکل جھٹلایا اور ان کے عہدوں کو پس پشت ڈال دیا اور اس پاداش میں وہ خدا کے عذابوں کی گرفت میں آگئے اور اس کا بیان ابھی ہو چکا ہے۔ اب دوسری صورت ان کی گمراہی کی بیان فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے بھی کفر کیا جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو حد سے بڑھا کر خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ گویا جس طرح عیسیٰؑ کی فرمائشات کو بھلانے والے اور ان کے عہد کو توڑنے والے کافر تھے اسی طرح جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی حد سے بڑھا دیا وہ بھی کافر ہیں پس مسلمانوں کو گمراہی کے دونوں طریقوں سے بچنے کی کنایہ کے طور پر تلقین فرما دی اور اشارہ کے طور پر فرما دیا کہ جس طرح عہد غدیر اور پیغمبرؐ کی جملہ فرمائشات کو پس پشت ڈالنے والے گمراہ اور مستحق لعنت و عذاب ہیں اسی طرح جو نبی یا نبی کے جانشین کو اپنی حدود سے بڑھا کر خدا کہیں یا اس کی صفات ان کے لئے ثابت کریں وہ بھی ان جیسے گمراہ ہیں اگر خدا چاہے تو عیسیٰؑ اور اس کی ماں بلکہ جمیع زمین پر بسنے والی مخلوق کو ہلاک کر دے کیونکہ جس طرح وہ پیدا کرنے پر قادر ہے ان سب کے فنا پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے اور یہ سب کچھ اس کی ملکیت میں ہے جسے چاہے فنا کرے

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ؕ قُلۡ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمۡ بِذُنُوۡبِکُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ

اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہہ دیجئے پھر کیوں تم کو عذاب کرتا ہے گناہوں کے بدلے بلکہ تم بھی انسان ہو

مِّمَّنۡ خَلَقَ ؕ یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ

اس کی مخلوق میں سے وہ بخشتا ہے جسے چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ کا ہے ملک آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا ۫ وَاِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۸﴾ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَکُمۡ

اور زمینوں کا اور جو ان کے درمیان میں ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے اے اہل کتاب تحقیق آیا تمہارے پاس

کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ اگرچہ یہاں ذکر عیسیٰؑ کو خدا ماننے والوں کا ہے لیکن معنوی طور پر یہ آیتیں تمام ان لوگوں کی تنبیہ کے لئے ہیں جو کسی بندۂ خدا کو خدا کہیں۔ پس حضرت علیؑ کو خدا ماننے والے یا ان کو خالق و رازق کہنے والے ان آیات سے سبق حاصل کریں۔

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ۔ جب نصرانیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہا تو تجاوز کر کے کہنے لگے کہ ہم بھی خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ اسی طرح جب جناب رسالتمآبؐ نے یہودیوں کو خوفِ خدا کی تلقین فرمائی اور اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ان کو ڈرایا تو یہودیوں کے سرغنے کعب بن اشرف اور کعب بن اسید وغیرہ کہنے لگے۔ ہمیں ان باتوں سے نہ ڈراؤ کیونکہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے محبوب ہیں اگر وہ ہم پر ناراض بھی ہوگا تو اس طرح کہ جس طرح باپ اپنے بیٹوں پر بعض اوقات ناراض ہو جایا کرتا ہے اور پھر فوراً معاف کر دیتا ہے۔

قُلۡ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمۡ۔ یعنی ان سے فرما دیجئے کہ اگر یہ بات صحیح ہے کہ تم خدا کے پیارے ہو تو پھر حبیب تو کبھی اپنے محبوب کو عذاب نہیں دیا کرتا بتاؤ تم کیوں عذاب میں گرفتار ہو گئے مثلاً گوسالہ پرستی کے بدلے چالیس دن تک مبتلائے عذاب رہنے کا ان کا اپنا عقیدہ ہے۔ ممکن ہے اس سے ماضی کے عذاب مراد ہوں کہ گوسالہ پرستی کے بعد تمہیں کیوں عذاب ہوا؟ نیز بندر و سور کی شکل میں مسخ کیوں ہوئے۔ بخت نصر کا عذاب تم پر کیوں نازل ہُوا؟ حالانکہ محب و محبوب کی شان یہ نہیں ہے۔ پس اس قسم کی بے ہودہ باتوں سے باز آجاؤ اور یہ اعتقاد رکھو کہ تم بھی باقی انسانوں جیسے ہو نیکی کرو گے تو جزا پاؤ گے اور برائی کرو گے تو سزا پاؤ گے یہ خطاب بظاہر یہود و نصاریٰ کی طرف ہے لیکن مسلمانوں میں سے بھی اگر کوئی آدمی اس جیسا بے ہودہ عقیدہ رکھے گا تو یہ خطاب اس کو بھی شامل ہے کیونکہ یہ کتاب قیامت تک کے لئے ہادی ہے ہمارے بعض جہال یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ بس جنت تو ہمارے ہی لئے ہے اور ہم یقیناً جنت میں جائیں گے خواہ اعمال جس قسم کے بھی ہوں تو یہ بعینہٖ وہی عقیدہ ہے کہ ہم خدا کے پیارے ہیں اور دوزخ میں نہ جائیں گے حضرت علیؑ اور اس کی اولاد امجاد کی ولا کا یہ مقصد نہیں کہ احکامِ شریعت کو پس پشت ڈالا جائے کہ ہمیں علیؑ اور اس کی اولاد جنت میں لے جائے گی بلکہ وہ تو شریعت کے محافظ تھے اور جو لوگ شریعت کی مخالفت کرتے ہیں وہ زبان سے ہزار کہتے رہیں۔ درحقیقت آلِ محمدؐ

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ

تمہارا پیغمبر بیان کرتا ہے تمہارے لئے ایک وقفہ کے بعد پیغمبروں سے مبادا یہ کہو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا

وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور نہ کوئی ڈرانے والا بس آپکا بشیر بھی اور نذیر بھی اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے قوم یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر کہ بنائے اس نے تم میں

اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

نبی اور کیا تم کو بادشاہ اور دی تمہیں وہ جو نہ دی کسی کو عالمین میں

سے وہ دشمنی کر رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے عقیدوں سے توبہ کر کے سیرتِ آلِ محمدؐ پر چلنا چاہیئے اور یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ اگر کوئی غلطی ہو گئی تو بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ خدا معاف کرے گا اور اسی وسیلہ سے دُعا مانگنی چاہیئے۔

فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ :- پہلے بنی اسرائیل میں متواتر نبی مبعوث ہوتے رہے اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اسی انقطاعِ نبوت کے زمانہ کو زمانہ فترت کہا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور حضرت رسالتمآبؐ کی ولادت کے درمیان ۵۶۹ شمسی سال کا فاصلہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت رسالتمآبؐ کے درمیان بھی چار نبی مبعوث ہوئے اور تفسیر مجمع البیان میں ان کا زمانہ ایک سو چونتیس برس ہے اور ان چار نبیوں کے ناموں میں اختلاف ہے ۱۔ یونس ۲۔ یحییٰ ۳۔ شمعون الصفا ۴۔ خالد بن سنان عبسی اور بعضوں نے کچھ اور ذکر کیا ہے (لوامع) اور تفسیر صافی میں اکمال صدوق سے منقول ہے کہ فترت سے مراد یہ ہے کہ کوئی نبی یا وصی اس زمانہ میں ظاہر اور مشہور نہیں تھا ورنہ حضرت عیسیٰ اور حضرت رسالتمآبؐ کے درمیان نبی اور امام گذرے ہیں جو مخفی رہ کر تبلیغ کرتے رہے اور ان میں سے خالد بن سنان عبسی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور اس کی بعثت اور جناب رسالتمآبؐ کی بعثت میں پچاس برس کا فاصلہ ہے اور حضرت امیرؑ کا فرمان بھی واضح ہے کہ زمین حجت خدا سے خالی نہیں ہو سکتی یا حجت ظاہر و مشہور ہو گی۔ یا خائف اور غائب ہو گی اور یہ خالد بنی اسرائیل سے نہ تھا بلکہ عرب تھا)

رکوع نمبر ۸

وَاٰتٰىكُمْ :- یعنی تم کو خدا نے نبوت دی کہ جس قدر نبی بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے اور کسی قوم میں نہیں ہوئے اور من و سلویٰ تم پر نازل ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی بادشاہی سے بھی یہی مراد ہے کہ بغیر کمائے ہوئے اور ہاتھ ہلائے تم تک شاہی غذا پہنچتی رہی

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا

اے قوم داخل ہو زمین پاکیزہ میں وہ جو لکھی ہے اللہ نے تمہارے لئے اور نہ مڑو پیچھے کی طرف

عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ

ورنہ جا پڑو گے نقصان میں کہنے لگے اے موسیٰ تحقیق اس میں ایک سرکش قوم موجود ہے

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور ہم ہرگز نہ داخل ہوں گے یہاں تک کہ وہ نکل جائیں اس سے پس اگر وہ نکل جائیں گے اس سے تو ہم داخل ہونے والے ہونگے

بس تم گویا بادشاہ ہو اور ممکن ہے ظاہری حکومت مراد ہو۔

اَلْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ :- اس سے مراد بیت المقدس یا شام یا فلسطین یا اردن یا زمین طور اور اس کا نواح ہے باختلاف آرائے مفسرین اور حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مراد زمین شام ہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰى :- جب فرعون غرق ہو گیا اور خداوند کریم نے بنی اسرائیل کو ارض مقدسہ میں داخل ہونے کا حکم دیا تو وہ روانہ ہوئے جب نہر اُردن پر پہنچے تو آگے جانے سے ڈر گئے پس ہر قبیلہ سے ایک نقیب کا انتخاب ہوا اور بارہ نقیب پتہ کرنے کے لئے گئے جیسے کہ تفصیل گذر چکی ہے پس دس نقیبوں نے حقیقت سنائی تو بنی اسرائیل نے واپس مصر کو جانے کا ارادہ کیا اور یوشع اور کالب کے قتل پر آمادہ ہوئے تو حضرت موسیٰ کو غصہ آیا اور انہوں نے دعا مانگی۔ پس چالیس برس ان کو سرگرداں زمین پر پھرنا پڑا جس طرح تفسیر ہذا کی دوسری جلد ص۱۱۳ پر ذکر ہو چکا ہے وہ کل ۱۶ یا ۹ یا ۶ فرسخ کا علاقہ تھا جس میں وہ چالیس برس گھومتے رہے اور مروی ہے کہ موسیٰ و ہارون کا انتقال تیہ میں ہوا تھا اور ہارون موسیٰ سے ایک سال پہلے فوت ہوا تھا۔ پس موسیٰؑ کی وفات کے بعد خدا نے یوشع کو نبوت دی اور ان کی معیت میں بنی اسرائیل نے اریحا کو فتح کیا اور حضرت موسیٰؑ کی عمر ایک سو بیس برس تھی اور حضرت یوشع حضرت موسیٰ کے ستائیس برس بعد تک زندہ رہے۔ تفسیر لوامع التنزیل میں ہے کہ حضرت یوشع نے چھ ماہ تک اریحا کا محاصرہ جاری رکھا اور ساتویں مہینہ میں ان کا لشکر شہر میں داخل ہوا اور قوم عمالقہ کو قتل کرنا شروع کیا وہ جمعہ کا دن تھا اور سورج غروب ہو گیا لیکن ابھی تک قوم عمالقہ کے کئی افراد باقی موجود تھے اور کل کو سنیچر کا دن تھا جو قوم موسیٰؑ کے لئے متبرک دیوم عبادت تھا تو حضرت یوشع نے ان الفاظ سے دعا مانگی ترجمہ یہ ہے۔ اے اللہ سورج کو واپس لوٹا میرے لئے پھر سورج سے خطاب کر کے کہا تو بھی اطاعت خدا میں ہے اور میں بھی اطاعت خُدا میں ہوں۔ پس سوال کیا کہ شمس و قمر اپنے مقامات پر رُکے رہیں تاکہ میں دشمنان خدا سے انتقام لے لوں۔ سنیچر سے پہلے پہلے چنانچہ سورج واپس پلٹا اور ایک گھنٹہ دن بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ ان سب کو قتل کر دیا۔ نیز مجمع البیان میں بھی ہے کہ لڑائی کے دوران میں سورج غروب ہو گیا تھا حضرت یوشع نے دعا مانگی تو خدا نے سورج کو دوبارہ پلٹایا اور انہوں نے اریحا کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ابتدائے

عالم سے تا ایں وقت سورج نے کبھی اُفقِ مغرب سے طلوع نہیں کیا مگر چار شخصوں کے لئے حضرت سلمان پیغمبر، دوسرے حضرت یوشع بن نون وصئ موسیٰؑ اور تیسرے خود جناب رسالتمآبؐ اور چوتھے حضرت علی بن ابی طالب۔ حضرت رسالتمآبؐ کے لئے دو دفعہ سورج نے پلٹا کھایا۔ ایک معراج سے واپسی پر جب آپ نے کفار کو ان کے قافلہ کی واپسی کی اطلاع دی تھی کہ صبح کو پہنچ جائے گا تو باذنِ خدا حضور کی دعا سے سورج نے ایک گھنٹہ طلوع میں تاخیر کر دی کہ وہ قافلہ حسب ارشادِ نبوی پہنچ گیا اور دوسرے جنگِ خندق کے موقع پر کہ نمازِ عصر قضا ہو گئی تھی پس آپ کی دعا سے سورج دوبارہ پلٹا اور حضورؐ نے بمعہ صحابہ کے نماز ادا فرمائی اور حضرت علیؑ کے لئے بھی دو مرتبہ سورج واپس پلٹا، ایک دفعہ جناب رسالتمآبؐ کی موجودگی میں اور دوسری مرتبہ جنگِ نہروان سے واپسی پہ اور اسی واقعہ پر اخبارِ متواترہ دلالت کرتی ہیں۔

زمانِ رسولؐ میں ردِّ شمس

ابنِ مغازلی شافعی سے منقول ہے کہ اسماء بنتِ عمیس کہتی ہیں۔ جناب رسالتمآبؐ پر وحی ہو رہی ... اور آپ کا سر علیؑ کی گود میں تھا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو جناب رسالتمآبؐ نے دعا مانگی۔ اے اللہ اگر علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھا تو اس کے لئے سورج کو پلٹا دے۔ پس میں نے دیکھا کہ غروب کے بعد دوبارہ سورج نے طلوع کیا۔ نیز ابن مغازلی نے ابو رافع سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسالتمآبؐ حضرت علیؑ کے زانو پر سو گئے اور نمازِ عصر کا وقت تھا حضرت علیؑ نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی اور جناب رسالتمآبؐ کو جگانا بھی پسند نہ کیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ جب حضور بیدار ہوئے تو دریافت کیا کہ اے ابوالحسن تو نے نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے جواب دیا نہیں حضور! پس سورج واپس پلٹا حالانکہ غروب کر چکا تھا اور مقامِ عصر تک پہنچا اور حضرت علیؑ نے نمازِ عصر پڑھی اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو فوراً غروب ہو گیا اور ستارے موجود ہو گئے نیز اسی حدیث کو خطیب موفق بن احمد بن ابوبکر بن مردویہ نے علمائے حموینی، قسطلانی اور طبرانی سے بھی نقل کیا گیا ہے نیز جامی نے کتاب شواہد النبوۃ میں اور ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ جن لوگوں نے عناد و تعصب کے پیشِ نظر اس حدیث کو موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی اور حضرت علیؑ کی اس فضیلت کا انکار کیا ہے ان کی رد میں سبط بن جوزی نے تذکرہ خواص الامت میں کہا ہے کہ اگر یوشع بن نون کے لئے سورج واپس آسکتا ہے اور وہ بھی حضرت موسیٰؑ کا معجزہ یا حضرت یوشع کی کرامت ہی تھی تو جب موسیٰ کیلئے یہ شرف ثابت ہے تو ہمارے پیغمبر جو حضرت موسیٰؑ سے افضل ہیں ان کے لئے کیوں بعید ہے اگر یوشع کے لئے ہو سکتا ہے تو حضرت علیؑ تو یوشع سے افضل تھے۔ ان کے لئے کیوں نہ ہو؟ اور حضور کی حدیث ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل۔ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ جب عام علماء کی یہ شان ہے تو حضرت علیؑ کی شان کا پھر کیا اندازہ ہوگا اور نیز حضورؐ سے منقول ہے کہ اَلصِّدِّیْقُوْنَ ثَلٰثَةٌ حِزْقِیْلُ مُؤْمِنُ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَحَبِیْبُ النَّجَّارِ وَهُوَ مُؤْمِنُ اٰلِ یٰسِیْنَ وَعَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَهُوَ اَفْضَلُهُمْ۔ یعنی صدیق تین ہیں۔ ایک حضرت حزقیل جو مومن آلِ فرعون ہیں دوسرے حبیب نجار جو مومن آلِ یٰسین ہیں اور تیسرے علیؑ ابن ابی طالب ہیں اور یہ ان سے افضل ہیں لیکن حزقیل حضرت یوشع کی طرح ایک نبی تھا۔ پس یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے افضل تھے یہ جواب دینے کے بعد ذکر کرتا ہے کہ اس مقام پر ایک عجیب حکایت ہے جو یہاں ذکر کی جاتی ہے۔ مجھے عراقی لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابو منصور مظفر واعظ بغداد میں واعظ کر رہا تھا اور عصر کا وقت تھا اس نے حضرت علیؑ کے فضائل میں

سے ردِ شمس کا واقعہ پڑھا اور اپنے دل کش فقرات اور پُرلطف لفاظی اور دل آویز لہجہ میں اسے خوب نبھایا۔ پھر اور فضائل بھی بیان کئے اتنے میں ایک بادل نمودار ہوا اور افق مغرب پر چھا گیا اور سورج کے چھپ جانے پر لوگوں نے یہی سمجھا کہ اب شام ہو گئی ہے تو ابو منصور واعظ منبر پر اٹھ کھڑا ہوا اور سورج کو مخاطب ہو کر اس نے اشعار پڑھے :۔

لَا تَغْرُبِیْ یَا شَمْسُ حَتّٰی یَنْتَہِیْ
مَدْحِیْ لِاٰلِ الْمُصْطَفٰی وَلِنَجْلِہٖ
وَاثْنِیْ عِنَانَكِ اِنْ اَرَدْتِ ثَنَاءَہُمْ
اَنَسِیْتِ اَنْ كَانَ الْوُقُوْفُ لِاَجْلِہٖ
اِنْ كَانَ لِلْمَوْلٰی وُقُوْفُكِ فَلْیَكُنْ
ھٰذَا الْوُقُوْفُ لِخَیْلِہٖ وَلِرَجْلِہٖ
قَالُوْا فَانْجَابَ السَّحَابُ عَنِ الشَّمْسِ فَطَلَعَتْ

اے سورج غروب نہ کرنا تاکہ پوری ہو جائے میری مدح و ثنا جو آلِ نبی و ذرّیتِ پیغمبر کے لئے ہے اور اپنی باگ موڑ لے اگر ان کی تعریف سننا چاہتا ہے۔ کیا تجھے وہ وقت بھول گیا ہے جب کہ ان کے لئے تجھے رکنا پڑا تھا۔ اگر وہاں مولیٰ کے لئے توقف کیا تھا تو اب یہ وقوف اس کے غلاموں اور نوکروں کے لئے بھی ہونا چاہیئے۔ کہتے ہیں جونہی اس نے یہ اشعار پڑھے تو فوراً بادل پھٹ گیا اور سورج ظاہر ہو گیا تو لوگوں نے ابو منصور واعظ کو بڑے مال و عطیئے بلکہ زیورات تک پیش کئے

ردِ شمس بعد از جنگ صفین

ثاقب المناقب سے نقل کیا گیا ہے اور ملا جامی سے شواہد النبوہ میں بھی مروی ہے۔

عن جویریہ بن مسھر قال لمّا رجعنا من قتال اھل النھروان من ارض بابل فقال امیر المومنین ان ھذا ارض معذبۃ قد عذبت مرتین وفی اخری ان ھذہ الارض ملعونۃ عذبت فیھا اھلھا ثلث مرات وقد ھلك فیھا ماۃ الف ومائتان لا یصلی فیھا نبی ولا وصی نبی فمن اراد منکم فلیصل فسرنا الی ان غابت الشمس و اشتبکت النجوم ودخل وقت العشاء الاٰخرہ فلما خرجنا من ارض بابل نزل عن البغلۃ ثم انفض التراب من حوافرھا وقال لی یا جویریہ اذّن للعصر فقلت تکلتك امك یا جویریہ ذھب النھار وھذا اللیل واذنت للعصر

جویریہ سے مروی ہے کہ جب ہم نہروانیوں کی لڑائی سے واپس پلٹے بابل کے علاقہ سے تو حضرت امیر علیہ السّلام نے فرمایا یہ زمین عذاب کردہ ہے تحقیق دو دفعہ اس پہ عذاب نازل ہو چکا ہے (اور ایک روایت میں ہے کہ یہ زمین ملعونہ ہے اس کی اہل تین دفعہ مبتلائے عذاب ہوئی ہے اور اس میں ایک لاکھ دو سو آدمی لقمۂ اجل ہوئے ہیں) لہٰذا اس میں نبی یا وصیٔ نبی نماز نہیں پڑھتے البتہ جو شخص تم میں سے پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ پھر ہم چلے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا ستارے نکل آئے۔ عشاء کا وقت ہو گیا۔ جب آپ بابل کی زمین سے نکلے تو آپ خچر سے اُترے اور مٹی کو اس کے سموں سے جھاڑا۔ اور فرمایا۔ اے جویریہ عصر کی اذان کہو۔ میں نے اپنے آپ کو دل میں کہا۔ اے جویریہ تیری ماں تجھے روئے دن تو گیا یہ تو رات ہے۔ خیر میں نے عصر کی اذان کہی تو سورج واپس

فرجعت الشمس راجعة كالفرس الجواد ثم غربت وصلينا العصر ثم قال اذن العشاء ثم قلت وصی محمد ورب الكعبة ثلث مرات لقد ضل وهلك وكفر من خالفك

پلٹا تیز رو گھوڑے کی طرح (کڑکڑاتا ہوا) اور پھر غروب ہو گیا۔ ہم نے نماز عصر پڑھی۔ پھر فرمایا عشاء کی اذان کہو تو میں نے کہا تو بیشک محمدؐ کا وصی ہے خدا کی قسم اور تین دفعہ کہا اور یہ کہ جو بھی تیری مخالفت کرے وہ گمراہ ہے ہلاک ہے اور کافر ہے۔

اس روایت کو ہمارے علماء اعلام نے معتبر اور صحیح کتب میں درج فرمایا ہے مثلاً کافی من یحضرہ الفقیہ تفسیر ابو الفتوح رازی۔ عیون المعجزات سید مرتضیٰ۔ خصائص علوی سید رضی۔ مناقب شہر آشوب ارشاد مفید اور بحار الانوار وغیرہ (لوامع)

دشمنانِ علیؑ حضرت علیؑ کے اس قسم کے فضائل سن کر سیخ پا ہوتے ہیں اور بدحواس ہو کر قسم قسم کی لایعنی باتیں کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں ایسی قضا نماز پڑھنے سے حضرت علیؑ کی کیا فضیلت ثابت ہوتی ہے کبھی کہتے ہیں حدیث موضوع ہے۔ ورنہ بخاری و مسلم نے ضرور نقل کی ہوتی۔ ہاں! بے شک ان کو ہر وہ حدیث موضوع نظر آتی ہے جس میں آلِ محمدؐ کے فضائل مذکور ہوں اور بخاری و مسلم کیوں ذکر کرتے وہ بھی تو اسی مکتبِ خیال کے انسان تھے کہ جو حدیث فضائل علیؑ پر دال ہو اُسے موضوع یا ضعیف قرار دے کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔ بعض مقامات پر جو تائید حق ان کے قلم سے ہوئی ہے وہ بے ساختہ ہوئی اور علیؑ کو ایک عام صحابی سمجھ کر انہوں نے ان کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ لکھ دیا ہے اور یہ حضرت علیؑ کی فضیلت و کمال کا معجزہ ہے کہ دشمن کی زبان سے بھی نکل ہی آتا ہے معجزہ میں نے اس لئے کہہ دیا کہ جن لوگوں کا اقتدار تھا اور جن کے معتقد اطراف مملکت اسلامیہ میں پھیلے ہوئے تھے اور جن کے فضائل و مناقب نقل کرنے اور بیان کرنے پر کوئی پابندی نہ تھی بلکہ انعامات و اکرامات کے اہل گردانے جاتے تھے باوجود اس کے اسی مکتبِ خیال کے مصنفین کی کتابوں میں ان کے فضائل و مناقب اتنے نہیں مل سکتے جس قدر آلِ محمدؐ کے ملتے ہیں حالانکہ بنی امیہ و بنی عباس کا دور جو سادات و غلامانِ سادات کا انتہائی مظلومیت کا دور تھا۔ حضرت علیؑ اور آلِ علیؑ کو اعلانیہ سب کیا جاتا تھا۔ ان کا نام لینا حرام تھا۔ ان کی منقبت بیان کرنا گناہ تھا۔ ایسے پُرخطر و پُرفتن دور میں جب کہ اپنے پرائے فضائل کو چھپاتے تھے۔ اپنے چھپاتے تھے دشمنوں کے ڈر سے اور دشمن چھپاتے تھے عناد و تعصب کے پیش نظر۔ اور باوجود ان سب باتوں کے پھر انہی دشمنوں کی کتابوں میں علیؑ کے فضائل کا دوسروں کے فضائل سے زیادہ ملنا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ نیز ان لوگوں کے فضائل میں تو احتمال ہو سکتا ہے کہ موضوع ہوں کیونکہ ان کے فضائل بیان کرنے پر انعام ملتا تھا لیکن جن کا نام لینا جرم اور نام لینے والے کو قتل کی سزا کا مستوجب قرار دیا جاتا ہو۔ بھلا اسے کیا ضرورت کہ خواہ مخواہ کی بات بنا کر موت کو خریدے۔ پس اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے فضائل جو دشمن کی زبان سے نکلے بے ساختہ نکلے ہیں اور وہ اس قدر واضح اور متواتر تھے کہ دشمن بھی ان کو چھپا نہ سکے اور ان فضائل کے مقابلہ میں جہاں دوسروں کی تعریفیں درج ہیں ان میں احتمال ہے کہ ممکن ہے انعام کی خاطر ہوں۔ لہٰذا موضوع ہوں۔ چونکہ خداوند کریم نے سورۂ مزمل میں جناب رسالتمآبؐ کو حضرت موسیٰؑ سے تشبیہ دی ہے اور خود حضورؐ نے بھی اپنی امت میں ہونے والے واقعات کو بنی اسرائیل میں ہونے والے واقعات سے تشبیہ دی تھی اور فرمایا تھا کہ اس امت میں سب کچھ وہی ہوگا جو گذشتہ امتوں میں ہو چکا ہے اور اپنے آپ کو حضرت موسیٰؑ اور حضرت علیؑ کو کبھی حضرت ہارونؑ سے اور کبھی یوشع سے مثال دی

قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ

کہا دو شخصوں نے ان سے جو ڈرتے تھے (اللہ سے) انعام تھا اللہ کا ان پر کہ داخل ہو جاؤ ان پہ دروازہ سے

فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾

جب تم داخل ہوگے تو پس غالب ہوگے اور اللہ پہ بھروسہ کرو اگر تم ایمان رکھنے والے ہو۔

قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا ۖ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ

کہنے لگے اے موسیٰؑ ہم ہرگز نہ داخل ہونگے کبھی جب تک وہ وہاں ہیں پس جا تو اور تیرا رب

تو من جملہ تمثیلات وتشبیہات کے جو امتِ اسلامیہ میں بشل بنی اسرائیل کے ظہور پذیر ہوئیں ۔ روشش کا واقعہ بھی ہے۔

قَالَ رَجُلَانِ :- یہ دو شخص یا تو قوم عمالقہ میں سے تھے اور اندرونی مومن تھے اور ظالموں کے ڈر سے ایمان کو ظاہر نہ کرتے تھے ۔ پس جب ان کو موسیٰؑ کے آنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے اگر سارے بنی اسرائیل کو جرأت دلائی اور یا یہ دو شخص کالب بن یوحنا اور یوشع بن نون تھے اور تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ دونوں حضرت موسیٰؑ کے چچازاد تھے اور انہوں نے پیشین گوئی اس لئے دی کہ حضرت موسیٰؑ کی زبانی خدا کی نصرت کا وعدہ سُن چکے تھے اور ان کو یقین تھا کہ ہماری فتح ہوگی یا ممکن ہے کہ قرائن و حالاتِ حاضرہ سے ان کو ان کی بزدلی کا علم ہوگیا ہو اور بعض کے نزدیک یہ خود عہدۂ نبوت پہ فائز تھے اگرچہ تا حیات موسیٰؑ محکوم تھے لہٰذا بذریعہ وحی ان کو معلوم تھا ۔ بعینہٖ حضرت موسیٰؑ کی عمالقہ سے جنگ کی صورت اس طرح ہے جس طرح حضرت رسالتمآبؐ کی کفار عرب کے ساتھ جنگِ خندق ہوئی ۔ معارج النبوۃ میں ہے کہ جب عمرو بن عبدود نے مبارز طلبی کی اور اس کو ایک ہزار کے مقابلہ کا جوان گنا جاتا تھا ۔ تو لشکرِ اسلام میں سے حضرت عمر بولے ۔ ایامِ جاہلیت میں ہم نے شام کا سفر کیا تو یہ شخص ہمارا رفیق سفر تھا ۔ ایک ڈاکوؤں کی ایک بھاری تعداد جو ایک ہزار تھے انہوں نے سب قافلہ والوں کا مال واسباب لوٹ لیا عمرو بن عبدود کو جب معلوم ہوا تو تلوار علم کی اور ایک پنج سالہ اونٹ کو بطور ڈھال کے اٹھا کر ڈاکوؤں پہ حملہ کر دیا پس تمام مال واسباب ڈاکو چھوڑ کر جان بچا کر بمشکل بھاگ گئے اس کلام کے سننے سے تمام صحابہ میں بزدلی کی ایک لہر دوڑ گئی اور لوامع التنزیل میں ہے کہ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُعَوِّقِیْنَ کی آیت اسی وقت نازل ہوئی ۔ اس وقت عمرو کی مبارز طلبی کے مقابلہ میں صرف حضرت علیؑ ہی تھے جو فرماتے تھے اَنَا اُبَارِزُكَ میں ہی تجھ سے لڑوں گا اور ارشادِ نبوی کے ہی منتظر رہے اور جونہی اجازت ملی بَرَزَ الْاِیْمَانُ کا خطاب بھی پایا اور کامیابی کے بعد ضَرْبَةُ عَلِيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ کی سند بھی حاصل کی ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

قَالُوْا :- ان دو شخصوں نے تو یہ کہا تھا کہ دروازہ سے داخل ہو جاؤ بس تمہاری کامیابی ہے تو انہوں نے از روئے جہل وعناد جواب

فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ

پھر دونو لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں — عرض کی اے رب میں نہیں مالک — مگر اپنا اور اپنے بھائی کا فیصلہ کر

بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ج

ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان — فرمایا پس یہ (زمین) حرام ہے — ان پر — چالیس سال کہ سرگرداں رہیں گے

یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ط فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ ع وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ

زمین میں — پس نہ ارمان کر اوپر اس قوم کے جو فاسق ہے — اور پڑھو ان پر خبر دو آدم

ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ

کے بیٹوں کی سچی — جب انہوں نے کوئی قربانی کی — پس قبول ہوئی — ایک کی — اور نہ قبول ہوئی دوسرے

الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْ بَسَطْتَّ

کی — تو اس نے کہا کہ میں ضرور تجھے قتل کرونگا (جس کی قبول ہوئی) اس نے جواب دیا کہ خدا صرف خلوص والوں سے قبول کرتا ہے — اگر تو نے لمبا کیا

دیا۔ اے موسیٰ تو اور تیرا پروردگار دونو چلے جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے پروردگار تو خود ہی فیصلہ فرما تو ارشاد ہوا کہ اب ان پر اس زمین کا داخلہ چالیس برس تک حرام ہے۔ ان لوگوں نے چالیس دن گوسالہ پرستی کی تھی اور ہر دن کے بدلہ میں ایک سال کی سزا ہوئی۔ صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو پھر وہاں ہوتے تھے اور شام کو جہاں سے چلتے تھے صبح کو اپنے آپ کو وہاں ہی پاتے تھے اور مروی ہے کہ حضرت ہارونؑ اور موسیٰؑ کا انتقال اسی تیہ میں ہو گیا تھا اور حضرت موسیٰؑ کے انتقال کے دو ماہ بعد یوشع اور کالب فاتحانہ انداز میں اسی شہر میں داخل ہوئے باقی بیان جلد دوم صفحہ ۱۲۴ پر ملاحظہ ہو اور تفسیر ابو السعود میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کل ایک ہزار پیغمبر مبعوث ہوئے اور درمیان میں فاصلہ ایک ہزار سات سو برس کا تھا

یَتِیْهُوْنَ تَاهَ یَتِیْهُ تَیْهًا :۔ اس کا معنی ہے سرگرداں ہونا۔ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ صرف مرد تھے۔ اسی زمانہ میں ان پر دن میں بادل کا سایہ اور رات کو روشنی کیلئے عمود نور ان کے لئے ہوتا تھا ان کے بال نہ بڑھتے تھے اور بچہ کی پیدائش کے ساتھ اس کے جسم پر ایک جلد سی پیدا ہو جاتی تھی جو کپڑے کا کام دیتی تھی اور وہ بھی ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی تھی نہ وہ میلی ہوتی تھی اور نہ پھٹتی تھی (تفسیر ابو السعود) لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تیہ میں چالیس سال برابر بنی اسرائیل کی پریشانی ان کیلئے بطور سزا و عذاب کے تھی تو حضرت موسیٰؑ و یوشعؑ و ہارونؑ وغیرہ اس سزا میں کیوں ان کے شریک تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آگ ان لوگوں کیلئے آگ تھی لیکن حضرت ابراہیم کیلئے برد و سلام تھی۔ اسی طرح بنی اسرائیل کیلئے یہ سرگردانی تیہ میں عذاب تھی اور حضرت موسیٰؑ پر اس کو برد و سلام کیا گیا تھا۔

ہابیل وقابیل کا واقعہ

رکوع ۹ :۔ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ :۔ مقصد اس بیان سے یہ ہے کہ جو بھی نبی کے فرمان پر عمل نہ کرے۔ وہ

إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ

میری طرف اپنا ہاتھ میرے قتل کے لئے تو میں نہیں لمبا کروں گا ہاتھ اپنا تیری طرف تجھے قتل کرنے کیلئے میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو

رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۸﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ

رب ہے عالمین کا میں چاہتا ہوں کہ تو پلٹے میرے (قتل کے) گناہ اور اپنے باقی گناہ کے ساتھ پس ہو تو دوزخ

النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ

والوں میں اور یہ بدلہ ہے ظلم کرنے والوں کا پس آسان کیا اس کے لئے اس کے نفس نے بھائی کا قتل

فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ

پس اس کو قتل کیا تو ہو گیا خسارہ پانے والوں میں سے پس بھیجا خدا نے ایک کوّا کریدتا تھا وہ زمین کو تاکہ دکھائے اس کو طریقہ

بالآخر خسارہ وندامت اُٹھاتا ہے بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کا کہا نہ مانا تو مصائب وتکالیف اٹھاتے رہے اور یہ سلسلہ ابتداء سے ہے چنانچہ حضرت آدمؑ کے دو فرزندوں میں سے ایک یعنی ہابیل نے اپنے باپ حضرت آدمؑ کی نصیحتوں پر عمل کیا اور وہ متقی ہوا۔ اور دوسرے قابیل نے کوئی خاص اثر نہ لیا پس دونوں نے کوئی قربانی کی یعنی صدقہ خیرات اپنے مال سے نکالا تو چونکہ ہابیل کی قربانی (صدقہ) خلوص دل سے تھا اور پاکیزہ وعمدہ مال سے تھا تو وہ مقبول ہوا اور قابیل نے چونکہ اپنی ردّی اور کھوٹی چیز پیش کی تھی لہذا ردّ ہوا۔ اور نشانی یہ تھی کہ مقبول قربانی کو آسمان سے آگ نازل ہو کر کھا جاتی تھی کیونکہ اس وقت فقیر تو کوئی موجود نہ تھا جس کو وہ صدقہ دیا جاتا پس قبولیت کی یہ ہی علامت قرار دی گئی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ ہابیل کی قربانی جنت میں پلتی رہی اور آخر اسمٰعیل کا فدیہ بنی۔ اس سے قابیل کو حسد پیدا ہوا۔ اور ہابیل کو قتل کر دیا کہتے ہیں ایک پتھر اٹھا کر اس کے سر پر مارا کہ وہ جاں بحق ہو گیا اور ہابیل کی اس وقت عمر بیس برس تھی۔

اَنْ تَبُوْءَ بِاِثْمِیْ ۔ یہاں محذوف ہے یعنی باثم قتلی تفسیر صافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے وجہ سبب قتل ہابیل کے متعلق منقول ہے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو وحی کی کہ ہابیل کو وصی بنائے اور اسے اسم اعظم سپرد کرے تو قابیل نے کہا کہ میں زیادہ سزاوار ہوں پس دونوں کو قربانی کرنے کا حکم ہوا اور حضرت باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ قربانی نامنظور ہونے کے بعد قابیل نے آتشکدہ بنا کر آگ کو پوجنا شروع کیا تاکہ کسی طریقہ سے قربانی مقبول ہو جائے اور بالآخر قتل کا مرتکب ہوا۔

فَبَعَثَ اللّٰہُ ۔ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک فرشتہ کوّے کی صورت میں بھیجا جو مقتول پر مٹی ڈالنے لگا تاکہ قابیل کو مقتول کے دفن کی تعلیم دے اور تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت سجاد علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب قابیل ہابیل کو قتل کر چکا تو حیران تھا کہ اب کیا کیا جائے پس خدا نے دو کوّے بھیجے کہ وہ آپس میں لڑے یہاں تک کہ ایک مر گیا پس دوسرے نے اپنے پنجوں سے گڑھا کھودا اور مقتول کوّے کو اس

كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ۚ قَالَ يَا وَيْلَتَىٰ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا

دفن کرے لاش اپنے بھائی کا کہنے لگا ہائے کیا میں عاجز ہوں کہ ہو جاؤں مثل اس کوے

الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿٣١﴾ مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي

کے پس دفن کروں لاش اپنے بھائی کی پس ہوا پشیمانوں میں سے اسی لئے ہم نے فرض کیا بنی اسرائیل پر

میں دفن کر دیا تو قابیل نے بھی سیکھ لیا اور قبر کو کھود کر ہابیل کو دفن کر دیا جب واپس تنہا آیا تو حضرت آدمؑ نے ہابیل کے متعلق پوچھا۔ قابیل نے جواب دیا میں اس کا محافظ تھوڑا تھا۔ پس آدمؑ اس کو قربانی کے مقام تک ساتھ لائے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہابیل قتل ہو گیا ہے تو اس زمین کو لعنت کی جس نے ہابیل کا خون پیا اور قابیل کو آسمان سے ندا پہنچی کہ بھائی کے قتل کی وجہ سے تیرے اوپر لعنت ہے یہی وجہ ہے کہ اب زمین کسی کا خون نہیں پیتی۔ پس حضرت آدمؑ ہابیل کے غم میں چالیس شب و روز روتے رہے اور خداوند کریم سے اپنے غم و اندوہ کا شکوہ کیا تو اللہ نے وحی کی کہ میں تجھے ہابیل کا قائمقام دوں گا۔ چنانچہ حضرت حوّا کو ایک پاکیزہ و مبارک لڑکا عطا ہوا پھر ساتویں دن وحی ہوئی کہ یہ چونکہ بڑا عطیہ ہے لہذا اس کا نام ہبۃ اللہ رکھو پس اس کا نام حضرت آدمؑ نے ہبۃ اللہ رکھا طاؤس یمانی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ لوگوں کی ایک تہائی پر کب موت آئی تو آپ نے فرمایا ایک تہائی نہیں بلکہ ایک چوتھائی۔ اس نے کہا کیسے تو آپ نے فرمایا ایک آدمؑ دوسرے حوّا، اور تیسرے قابیل اور چوتھا ہابیل جو قتل ہوا۔ اس نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جب سے ہابیل قتل ہوا اور درختوں پہ کانٹے۔ کھانے کی چیزوں میں تغیر، میووں میں تلخی، پانی میں کڑواہٹ اور زمین پر گرد و غبار ظاہر ہوا۔ نیز مروی ہے کہ حضرت آدمؑ برابر ایک سال غمگین رہے اور کبھی نہ ہنسے اور اس وقت حضرت آدمؑ کی عمر ایک سو پچیس برس ہو چکی تھی۔ پس اس کے پانچ برس بعد جبکہ آپ کی عمر ۱۳۰ برس تھی خدا نے ہبۃ اللہ عطا فرمایا اور یہی حضرت آدمؑ کا وصی اور ولی عہد تھا اور قابیل عدن کی طرف چلا گیا تو ابلیس نے اسے یہ سبق پڑھایا کہ ہابیل کی قربانی صرف اس لئے مقبول ہوئی کہ وہ اس کی پرستش کرتا تھا۔ لہذا تو بھی ایسا کر۔ پس اُس نے آتشکدہ بنایا اور آتش پرستی کی بنیاد رکھی اور اس کی اولاد نے آلاتِ لہو و لعب، طبلے، سارنگی اور ساز وغیرہ ایجاد کئے اور شراب نوشی۔ آتش پرستی۔ زناکاری اور بدکاری میں منہمک ہوئے۔ یہاں تک کہ یہ طوفان نوحؑ سے غرق کر دیئے گئے۔ اور ہبۃ شیث کی نسل بچی۔

سَوْءَةَ أَخِيهِ :۔ سوءۃ کا معنی عیب یا ہر وہ چیز جس سے کراہت پیدا ہو اور یہاں لاش مراد ہے۔

كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ :۔ لفظ اگرچہ بنی اسرائیل کے ساتھ خاص ہیں لیکن اس کا معنی و حکم تمام بنی آدمؑ کے لئے ہے۔

إِسْرَآءِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ

کہ جو بھی قتل کرے کسی جان کو بغیر بدلے کسی جان کے یا (بغیر) فساد کرنے کے زمین میں تو گویا اس نے

النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ

قتل کیا تمام لوگوں کو اور جس نے جلایا اس کو گویا اس نے جلا دیا سب لوگوں کو اور تحقیق آئے ان کے پاس

أَوْ فَسَادٍ :- مقصد یہ ہے جو شخص کسی کو قتل کرے تو اس قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جو شخص فسادی ہو یعنی ڈاکو ہو یا مشرک و کافر ہو تو اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے اور واضح رہے کہ شرک و کفر فساد کی سنگین قسمیں ہیں۔ اسی لئے ان کے متعلق فرمایا کہ مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ ان کو۔

فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ :- یعنی اوپر کی دو صورتوں کے علاوہ کسی انسان کو قتل کرنا جائز نہیں اور جو شخص کسی کو قتل کرے تو ایسا ہے جس طرح کہ اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا ہو اور صافی میں مروی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جہنم میں قاتل کے لئے ایک جگہ مقرر ہے کہ تمام روئے زمین کے لوگوں کو قتل کر دینے کے برابر اس جگہ کا عذاب ہوگا اور مروی ہے کہ دنیا میں جو بھی ناحق قتل ہوگا اس کا گناہ قابیل کی گردن میں بھی ہوگا کیونکہ وہ پہلا بنیاد رکھنے والا ہے (لوامع)

وَمَنْ أَحْيَاهَا :- مثلاً کسی پر قصاص واجب ہو اور اس کو معاف کر کے اس کی زندگی کا موجب بنے یا قتل ہونے سے کسی کو بچائے یا بعض اسباب موت سے اس کو نجات دے تو گویا اس کا یہ احسان تمام لوگوں پر احسان کرنے کے برابر ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کسی کو جلنے یا ڈوبنے یا گرنے سے یا درندے سے بچائے یا کسی تنگدست کی کفالت کرے یا کسی فقیر کی دستگیری کر کے اس کو فقر سے نجات دلوائے اور ان سب سے افضل یہ ہے کہ کسی گمراہ کو راہِ راست پر لائے تو ان سب صورتوں میں وہ شخص اس آیت کا مصداق ہوگا اور بروایت عیاشی صادق علیہ السلام سے مروی ہے اگر کسی کو ہدایت کی طرف لے جائے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی بخشی اور اگر کسی کو ہدایت سے گمراہی کی طرف لے جائے تو گویا اس نے تمام لوگوں کے قتل کا وبال اپنے سر لیا۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص ایسے مقام پر پانی پلائے جہاں پانی نہ ملتا ہو تو گویا اس نے ایک آدمی کو زندہ کیا اور جس نے ایک کو زندہ کیا گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ کیا اور تفسیر مجمع البیان میں اس آیت مجیدہ کی کئی توجیہات کی گئی ہیں۔

۱۔ چونکہ ایک آدمی کے بے گناہ قتل ہونے سے تمام انسان غمزدہ ہوتے ہیں۔ جن میں انسانیت ہو۔ لہذا گویا اس نے تمام کو قتل کیا اور ایک آدمی کو زندگی عطا کرنے سے تمام انسانوں میں مسرت اور خوشی کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ تو گویا اس نے تمام کو زندہ کر دیا۔

۲۔ جو شخص نبی یا امام کو قتل کرے گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جو نبی یا امامؑ کی امداد کرے گویا اس نے تمام انسانوں

رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

ہمارے پیغمبر ساتھ دلیلوں کے پھر تحقیق بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد زمین میں زیادتی کرتے ہیں

کو زندہ کیا۔

۳۔ قتل کرنے والا چونکہ قتل کی سنت قائم کرتا ہے لہذا تمام انسانوں کے قتل کا وبال گویا اس کے سر پر ہے اور انسان کو بچانے والا چونکہ نیکی کی سنت قائم کرتا ہے لہذا تمام انسانوں کے زندہ کرنے کا گویا وہ موجب ہے۔

۴۔ جس نے قتل کیا گویا مقتول کے لئے تو سب آدمی ہی قتل ہو گئے اور جس نے کسی کو بچایا تو اس کے لئے ایسا ہے کہ گویا تمام انسانوں کو بچا لیا گیا۔

۵۔ جو ایک انسان کو قتل کرتا ہے گویا اس کے دل میں انسان کی کچھ قدر نہیں ہے پس وہ سب کو بھی قتل کر سکتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا ایک سو برس یا اس سے بھی زیادہ تک حضرت ہابیل کا غم کرتے رہے چنانچہ آدمؑ کی طرف ایک مرثیہ بھی منسوب ہے نیز ایک مرثیہ حضرت حوا کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض مصائب میں حضرت آدمؑ کا سر میں خاک ڈالنا بھی موجود ہے جیسا کہ معارج النبوۃ میں مرقوم ہے اور حضرت آدمؑ کا ہابیل کے لئے گریہ صرف محبتِ پدری کی بنا پر نہیں تھا کیونکہ جس طرح ہابیل فرزند تھا اسی طرح اس کا قاتل قابیل بھی فرزند تھا۔ اگر صرف محبتِ پدری ہوتی تو قابیل کو لعنت نہ کرتے اور اس کو آنکھوں سے دُور نہ کرتے۔ بلکہ ہابیل کے غم میں رُلانے والی سب سے بڑی چیز تو یہ تھی کہ وہ عالم دمتقی تھا اور وارثِ نبوت تھا اور پھر ان صفاتِ حمیدہ کے باوجود اس کی موت مظلومیت اور بے گناہی کی موت تھی۔ اس کے مقابلہ میں قابیل شریر النفس خواہش پرست تھا اور علاوہ بریں ظالم تھا اور حضرت آدمؑ اسی وقت سے جان گئے تھے کہ یہ بدباطن اور شریر مزاج ہے جس وقت بحکمِ خدا حضرت آدمؑ نے ہابیل کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنانا چاہا جیسا کہ اسی بیان میں حضرت صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی جا چکی ہے لیکن اس کو اپنی بارگاہ سے دُور نہ کیا۔ بلکہ قربانیوں کا حکم دیا تاکہ اس کو اپنی نااہلیت معلوم ہو جائے اور آخرکار اس کی نااہلیت نے ظلم و قتل کا رنگ اختیار کر لیا جس سے ابدی لعنت کا مستحق ہوا تکمیل دین کے اعلان کے بعد وفائے عہد کی تاکید در تاکید پھر یہودیوں کے واقعات سے عبرت اور نصرانیوں کے عبرتناک تشتت و افتراق کا تذکرہ یہ سب مسلمانوں کا عہد غدیر کے توڑنے سے باز رکھنے کی تلقین و تفہیم ہے اور چونکہ حسد کا برا ہو یہ بیماری انسان کو کچھ سوچنے نہیں دیتی اور بڑے بڑے عہد اور اہم اہم فرائض کو سبکدوش کرا دیتی ہے بنابریں خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کے فرزندوں کا قصہ بیان فرما دیا تاکہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور حضرت علیؑ کے بارے میں حسد سے متاثر نہ ہوں تاکہ بروز محشر ان کو ندامت کا سامنا نہ ہو واقعہ صرف قصہ خوانی کیلئے نہیں بلکہ عبرت لینے اور سبق حاصل کرنے کیلئے ہے کہ آدمؑ نے ہابیل کو اپنا جانشین مقرر کیا تو اس کے بھائی نے حسد کی بنا پر اسے قتل کر ڈالا اور

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ

پس یہی سزا ہے ان کی جو لڑتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کی کہ ان کو قتل کیا

يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ

جائے یا سولی دی جائے یا ان کے کاٹے جائیں ہاتھ اور پاؤں جانب مخالف سے یا نکال دیئے جائیں ملک سے

بعد میں پشیمان ہُوا۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم ایسی حرکات سے گریز کرنا اور عہدِ غدیر کو نہ بھولنا اور اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نبوت کی خلافت یا جانشینی کسی رشتہ کے قرب کے پیش نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ ایک معیار کے ماتحت ہے جس میں پایا جائے وہ اہل ہوتا ہے اور جس میں وہ معیار نہ ہو وہ نااہل ہوا کرتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ہم نے بنی اسرائیل پر یہ دفعہ لگادیا کہ جو ایک نفس کو قتل کرے گا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔ غور تو کیجیے کتاب مسلمانوں کی ہے اور ارشاد ہے کہ اسرائیل کے بیٹوں پر ہم نے یہ دفعہ عائد کر دیا۔ ہاں ہاں یہ حکم بھی مسلمانوں کیلئے ہے لیکن کنایہ کرنا تصریح سے موثر ہوا کرتا ہے کہ خبردار اپنے میں نااہلیت ہو تو اہل کے قتل کے درپے نہ ہو جانا ورنہ تمام انسانوں کے قتل کا وبال سر پر ہوگا اور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت جناب رسالتمآبؐ کی تسلی کیلئے اتری ہے چنانچہ فخرالدین رازی نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے تو معلوم ہُوا کہ یہ جناب رسالتمآبؐ کے حقیقی جانشینوں کے بے گناہ مقتول و شہید ہونے کی پیشگوئی بھی کر رہی ہے اور یہ کہ قتل کرنے والے صرف حسد کی بناء پر قتل کریں گے اور مقتول و شہید کی حیثیت حضرت ہابیل کی سی ہوگی کہ وہ جوابی کارروائی نہ کریں گے۔ بلکہ صبر و سکون کا منظر پیش کریں گے اور حضرت علیؑ نے جب جنگِ احد کے بعد شہادت کی تمنا کا اظہار کیا تھا تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یا علیؑ تجھے وہ شرف بھی نصیب ہوگا جیسا کہ تفسیر کی چوتھی جلد میں گذر چکا ہے اور حضرت آدمؑ اپنے وارثِ نبوت اور بے گناہ مقتول شہید بیٹے کے غم میں کافی مدت سوگوار رہے تو اس کا مطلب صاف ہے کہ نبوت کے وارثین کی شہادت و مظلومیت کا غم منانا حضرت آدمؑ کی سنت ہے، اور آدمی وہی ہے جو آدمؑ کی سنت پر ہے

ڈاکو کی سزا

اَلَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ :- مجمع البیان میں اہلبیتؑ سے مروی ہے کہ جو بھی ہتھیار اعلانیہ اٹھا کر لوگوں کے خوف و ہراس کا موجب بنے، خواہ شہر میں ہو یا جنگل میں وہ اس حکم میں داخل ہے اور صادقین علیہما السلام سے منقول ہے کہ ڈاکو کی سزا اس کے جرم کی نوعیت کے مطابق ہوگی۔ اگر صرف قتل کرے تو اس کی سزا قتل ہے اور اگر قتل بھی کرے اور مال بھی لوٹے تو اس کی سزا قتل بھی اور بعد میں سولی پر لٹکانا بھی ہے اور اگر صرف مال لوٹے قتل نہ کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کے مقابل کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں اگر قتل نہ کرے اور نہ مال لوٹے بلکہ صرف خوف و ہراس کا موجب بنے تو اس کی سزا ہے ملک بدر کر دینا

يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ :- تفسیر صافی میں امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ ملک بدر ہونے کا کیا معنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا شہر سے نکالا جائے اور جس دوسرے شہر میں جائے تو اس شہر والوں کو پیغام بھیجا جائے کہ یہ شخص شہر بدر ہے لہٰذا اس کے ساتھ

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳۳﴾ إِلَّا الَّذِينَ

یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کا آخرت میں عذاب بڑا ہوگا مگر وہ لوگ

تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۴﴾

جو توبہ کرلیں قبل اس کے کہ تم ان پر قدرت حاصل کرو تو جان لو کہ تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

میل جول، خرید و فروخت، کھانا پینا اور رشتہ ناطہ کوئی نہ کرے اور سال تک یہ سزا ہو اگر وہاں سے کسی اور شہر میں جائے تو وہاں بھی یہی پیغام بھیجا جائے اور حدیث میں ہے کہ وہ سال سے پہلے ہی ذلیل ہو کر توبہ کرے گا۔ **اقول** :۔ اگرچہ توبہ کرے تاہم سزا بھگتنی پڑے گی یعنی سال کی شہر بدری) اگر وہ دارالشرک میں داخل ہو جائے اور دارالشرک والے اس کو گرفتار کرکے واپس بھیج دیں تو اس کی سزا قتل ہوگی اور اگر وہ اس کو اپنے ساتھ ملالیں تو یہ اس کا اعلان جنگ سمجھا جائے گا اور امام محمد تقی علیہ السلام سے ایک روایت میں ہے کہ ملک بدر کا معنی یہ ہے کہ اسے قید کرلیا جائے۔

تنبیہ :۔ مذہب امامیہ میں دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹنے کا حکم ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے القطع من وسط الکف ولا یقطع الابہام واذا قطعت الرجل ترکت العقب ولم یقطع یعنی ہاتھ کو ہتھیلی کے درمیان سے کاٹا جائے گا اور انگوٹھا بچا لیا جائے گا اور پاؤں کو ایسی جگہ سے کاٹا جائے گا کہ ایڑی بچ جائے اور پاؤں کی حد قبتہ القدم ہے یعنی کف پا میں اوپر ابھرے ہوئے مقام سے اس کو قطع کرنا چاہیے کہ ایڑی اس کی بچ جائے اور ہاتھ کی صرف چار انگلیاں کاٹی جائیں گی مسلمانوں کے باقی فرقوں میں ہاتھ کاٹنے کی جگہ میں اختلاف ہے بعض کا مذہب ہے کہ شانے سے جدا کیا جائے کیونکہ عرف لغت میں انگلیوں سے شانے تک سارا ہاتھ ہے اور بعض کے نزدیک صرف کہنیوں تک کاٹا جائے کیونکہ آیت وضو میں ہاتھ کی حد کہنی ہے اور بعض کہتے ہیں کلائی تک کیونکہ تیمم میں ہاتھ کی حد یہی ہے لیکن مذہب شیعہ میں حکم ہے صرف انگلیوں کی جڑوں سے کاٹنے کا اور قرآن مجید میں اس حصہ پر بھی ہاتھ کا اطلاق ہوا ہے جیسے یَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ وہ کتاب کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں۔ پس جب ہاتھ کی حدیں مختلف بیان کی گئی ہیں تو حدود میں احتیاط کو زیادہ ملحوظ رکھا جاتا ہے حتیٰ کہ اَلْحُدُوْدُ تُدْرَءُ بِالشُّبُهَاتِ یعنی حدیں شبہات کی بنا پر ختم کی جایا کرتی ہیں۔ پس یقینی حد جس سے کم کا امکان نہیں وہ یہی ہے کہ انگلیوں کی جڑوں سے کاٹا جائے اور یہی احتیاط کا مقتضے ہے نیز مقصود یہ ہے کہ مجرم کو سزا مل جائے تاکہ دوسروں کے لئے بھی عبرت ہو اور اس کو بھی آئندہ جرأت نہ ہو تو یہ اس حد کے کاٹنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور وہ آئندہ اپنے کاروبار سے بھی معطل نہیں ہوتا اور اسی قسم کا ایک واقعہ چور کی سزا کے متعلق معتصم کے زمانہ میں ہوا اور امام محمد تقی علیہ السلام نے جب دلیل سے سمجھایا تو معتصم کو سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ ہم نے پورا واقعہ مقدمہ تفسیر ص ۶۶ پر ذکر کیا ہے۔ چور کی سزا کا مفصل بیان ص ۹۹ سے شروع ہو رہا ہے۔

مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا :۔ یعنی جب ڈاکو گرفتار ہو جائے اور گواہ بھگت جائیں تب تو سزا کا ملنا حتمی ہوتا ہے۔ اب کوئی لاکھ توبہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں

کرے تو یہ سزا ٹل نہیں سکے گی لیکن اگر گرفتاری سے قبل یا حاکم شرع کے سامنے ثبوت سے قبل توبہ کرلے تو اس کی یہ توبہ مقبول ہوگی اور اس سے سزا دفع کی جائے گی۔ پس قاضی کو اس پر قدرت اس وقت حاصل ہوگی جب ثبوت ہو جائے اور اس سے پہلے وہ آزاد ہے اور اس کیلئے توبہ کی گنجائش ہے۔

رکوع نمبر ۱: وسیلہ تلاش کرنے کا حکم

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ :- وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے مقصود تک پہنچا جائے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ خدا تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ڈھونڈو اور اس میں شک نہیں کہ اللہ کی رضامندی کا ذریعہ دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ جن جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان سے رُکا جائے اور دوسرا یہ کہ جن چیزوں کی بجا آوری کا اس نے حکم دیا ہے ان کو بجا لایا جائے یعنی محرمات سے پرہیز اور واجبات کی ادائیگی کی جائے اور مفسرین عامہ نے یہاں وسیلہ سے یہی معنی مراد لیا ہے لیکن یہ دیکھنا ہے کہ واجبات و محرمات کا ہمیں از خود تو علم ہو نہیں سکتا اور قرآن مجید میں اگرچہ سب کچھ موجود ہے لیکن وہ محتاج تفصیل ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ ہمیں اچھائی اور برائی کی تفصیل بتلانے والا کوئی ہو تاکہ اچھے کام کرکے اور برائیوں سے بچ کر ہم خدا کا قرب حاصل کریں اور یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ نہ ہم خود تمام عبادات کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ تنہا قرآن مجید سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ لہٰذا اس کے بیان کے لئے ایک ایسے ہادی کی ضرورت ہے جو حرام و حلال اور جائز و ناجائز کی ہمارے سامنے وضاحت کرے اور وہ وجود ذیجود جناب رسالتمآبؐ کا ہے تو پس معلوم ہوا کہ خدا تک پہنچنے کے لئے سب سے بڑا وسیلہ حضرت رسالتمآبؐ کا وجود مبارک ہے اور چونکہ شریعت قیامت تک اور قرآن کے احکام بھی قیامت تک ہیں لہٰذا وسیلہ کی ضرورت بھی قیامت تک ہے تو ضروری ہے کہ قیامت تک کیلئے ایسے ہادی متعین ہوں جو ہر دور میں خدا کی اطاعت کے طریقے تعلیم کرتے رہیں تاکہ ہم نیکیوں پر عمل کرکے اور برائیوں سے بچ کر خدا کا قرب حاصل کرسکیں اور اس کا معین کرنا خدا کا کام ہے جس طرح جناب رسالتمآبؐ کو اس نے ہی منتخب فرما کر بھیجا اسی طرح ان کے بعد ان کا ہر قائمقام جو امت کیلئے وسیلہ ہوگا وہ ہی بھیجے گا چنانچہ اس نے نامزد فرمایا اور حضرت رسالتمآبؐ نے غدیر کے بھرے مجمع میں بازو پکڑ کر اعلان فرمادیا یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ میری رضامندی ڈھونڈنے کیلئے وسیلہ بناؤ بلکہ فرمایا ڈھونڈو یعنی تمہارا کام وسیلہ بنانا نہیں بلکہ وسیلہ ڈھونڈھ کر اس سے تمسک پکڑنا ہے اور میرا کام ہے وسیلہ بنانا اور تم تک پہنچانا جس طرح میرا کام ہے نبی بنا کر بھیجنا اور تمہارا کام ہے عمل کرنا۔ اسی بنا پر تفسیر قمی میں ہے کہ اس سے مراد ہے امام اور عیون میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ آئمہ امام حسینؑ کی اولاد سے ہوں گے جو ان کی اطاعت کرے گا گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی گویا اس نے اللہ کی نافرمانی کی وہ عروہ وثقیٰ ہیں اور وہ اللہ کی طرف وسیلہ ہیں۔ (تفسیر صافی)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ

تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سب اور اتنا اور بھی تاکہ فدیہ دیں اس کو

مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيدُونَ

عذابِ یوم قیامت سے تو نہ لیا جائے گا اور ان کا عذاب دردناک ہوگا چاہیں گے

اہلبیتِ عصمت کی جانب سے احادیثِ متواترہ موجود ہیں کہ اس مقام پر وسیلہ سے مراد آلِ محمدؐ ہیں اسی بناء پر اپنی دعا دل میں بھی انسان اس وسیلہ کو مقدم رکھتے کیونکہ ان کے واسطے سے دعا جلد مقبول ہوتی ہے۔ لوامع التنزیل میں دُرِّ منثور اور معجم طبرانی وغیرہ سے منقول ہے کہ حضرت آدمؑ نے اپنی دُعا میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ دیا تھا اور نیز مروی ہے کہ نوحؑ نے بوقتِ طوفان حضرت ابراہیمؑ نے بوقتِ آتشِ نمرود عیسیٰؑ نے بوقتِ گرفتاری یہود یونسؑ نے شکمِ ماہی میں اور حضرت موسیٰؑ نے بوقتِ عصا مارنے کے حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ کے واسطہ و وسیلہ سے دُعا مانگی تھی جو مستجاب ہوئی اور مروی ہے کہ وہ دعا جس کے اوّل و آخر میں درود ہو مستجاب ہوتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۔ یہ آیت اس مطلب کی تائید کرتی ہے کہ پہلی آیت میں وسیلہ کا معنی محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ولا تھی کیونکہ وہاں ایمان والوں کو وسیلہ تلاش کرنے کا حکم تھا اور یہاں فرماتا ہے کہ جو لوگ کافر ہیں۔ ان کے لئے عذاب ہوگا اور ان کا فدیہ بھی قبول نہ کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ اصول کے ترک سے کفر لازم آتا ہے نہ کہ فروع کے ترک سے پس معلوم ہوا کہ وہاں وسیلہ سے مراد اصول تھا جس سے تمسک کے بعد فلاح و کامیابی کی بشارت تھی اور یہاں کفر سے مراد اسی وسیلہ کا انکار ہے تاکہ مقدم و مؤخر کا آپس میں ربط بھی بحال رہے اور اگر تسلسلِ آیات اور ترتیبِ مضامین کو بغور دیکھا جائے تو یہ سب عہدِ غدیر کے ایفاء کے تاکیدی پیغامات ہیں اور عناد رکھنے والوں کے لئے تہدیدی سرزنش ہے چنانچہ صحیح بخاری جلد چہارم باب مناقب حضرت عمر سے منقول ہے کہ جب حضرت عمر کو زخم لگا اور صاحبِ فراش ہوئے تو درد سے گھبرائے ہوئے تھے پس ابنِ عباس نے پوچھا اے امیر المومنین اگر یہ تکلیف ہوگئی ہے تو تسلی کرو۔ آپ تو جنابِ رسالتمآبؐ کی صحبت کا شرف پا چکے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عمر نے فرمایا اے ابنِ عباس یہ میری گھبراہٹ اور جزع فزع جو تو دیکھ رہا ہے صرف تیرے اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے ہے (یعنی حضرت علیؑ وغیرہ) خدا کی قسم اگر تمام روئے زمین میرے لئے سونا بن جاتی تو میں وہ سب فدیہ دیتا۔ اس عذابِ خدا کا جو میں دیکھ رہا ہوں۔ اسی طرح تاریخ الخلفاء سیوطی اور استیعاب سے بھی منقول ہے اب دانشمند انسان خود ہی فیصلہ کر سکتا ہے

لیکن دوسری طرف امام الاولیاء، سید الاوصیاء حضرت علیؑ مرتضیٰ ہر جنگ میں بغیر زرہ کے شامل ہوتے ہیں اور اپنے فرزند محمد اور دیگر موالیان کے سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ لَا يُبَالِي أَبُوكَ أَسَقَطَ عَلَى الْمَوْتِ أَمِ الْمَوْتُ سَقَطَ عَلَيْهِ ۔ تیرے باپ کو پرواہ نہیں کہ موت میں جا پڑے یا موت اس پر آجائے اور اسقدر اطمینانِ نفس کہ بوقتِ شہادت فرماتے ہیں فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ کعبہ کے پروردگار کی قسم میں کامیاب ہوا ہوں اور نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں مجھے موت سے اس طرح محبت ہے جس طرح بچے کو اپنی ماں کے سینے

اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِيۡنَ مِنۡهَا‌ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ

کہ نکل جائیں آگ سے حالانکہ نہ نکل سکیں گے اس سے اور ان کا عذاب دائمی ہوگا جو چوری کرے

وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَـكَالًا مِّنَ اللّٰهِ‌ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۳۸﴾

مرد یا عورت پس کاٹ دو ہاتھ ان کے بدلے ہیں اس کے جو انہوں نے کیا سزا ہے خدا کی جانب سے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

سے ہوا کرتی ہے۔

چور کی سزا

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ : مشہور قرأت رفع کی ہے اور اس لحاظ سے اس کی نحوی ترکیب میں نحویوں کے دو گروہ ہیں۔ مبرد اور اس کی جماعت کہتے ہیں یہ دراصل دو جملے ہیں اَلسَّارِقُ مبتدا معطوف علیہ اور اَلسَّارِقَةُ اس کا معطوف ہے اور ان کی خبر حکمھما فیما یتلی علیکم بعد محذوف ہے اور فَاقۡطَعُوۡۤا الی آخرہ نیا جملہ انشائیہ ہے اور پہلے جملہ میں خبر کے حذف کا بھی یہی جملہ قرینہ ہے لیکن سیبویہ کے نزدیک ایک جملہ ہے وہ فَاقۡطَعُوۡۤا کو ہی اس کی خبر مانتے ہیں کیونکہ جب مبتدا میں شرطیت کا معنی پایا جائے تو خبر پہ فا کا داخل ہونا جائز ہوا کرتا ہے اور یہاں مبتدا میں شرطیت کا معنی یقیناً پایا جاتا ہے

فَاقۡطَعُوۡۤا ۔ بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ¼ دینار کی چوری میں ہاتھ کٹے گا۔ خواہ اس کی قیمت جو بھی ہو اور اس سے کم چوری کرنے والوں کو چور تو کہا جائے گا اور وہ اللہ کے نزدیک بھی تو چور ہے لیکن ہاتھ اس کا نہ کاٹا جائے گا اگر ¼ دینار سے کم کی چوری کرنے والوں کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوتا تو تم دیکھتے کہ اکثر لوگوں کے ہاتھ کٹ گئے ہوتے (کیونکہ اتنی چوری تو عام لوگ کر لیا کرتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے) ایک روایت میں ہے صرف چار انگلیاں کاٹی جائیں گی اور انگوٹھا نہ کاٹا جائیگا تاکہ وضو کر سکے اور نماز کے وقت اس پہ سہارا بھی دے سکے اور نیز فرمایا کہ جب پاؤں کاٹا جائے گا تو ایڑی چھوڑ دی جائے گی حضرت امیر نے ایک چور کا ہاتھ اس طرح کاٹا تو لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے زیادہ حصہ تو چھوڑ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا نے اس کیلئے توبہ کی گنجائش رکھی ہے پس اگر یہ شخص توبہ کرے تو پھر وضو کس طرح کرے گا اگر سارا ہاتھ کٹ جائے اور امام محمد تقی علیہ السلام نے اِنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ سے معتصم کے دربار میں استدلال فرمایا تھا کہ جو اللہ کے لئے ہو اس کو نہ کاٹا جائے اور ہتھیلی مساجد میں داخل ہے اور مساجد اللہ کیلئے ہیں۔ بہرکیف آئمہ اہل بیت کی طرف سے روایات اس مضمون کی بہت زیادہ ہیں۔

مزید وضاحت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَـكَالًا مِّنَ اللّٰهِ‌ؕ یعنی چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو اس سے دو معنی مراد لئے جا سکتے ہیں (۱) ایک یہ کہ آیت کے ظاہری مدلول کے مطابق چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے (۲) دوسرے یہ کہ اس کو کنایہ قرار دیا جائے اور مقصد یہ ہو کہ اسے سخت تنبیہہ کی جائے یا ایسے اسباب و ذرائع کو عمل میں لایا جائے کہ چور کو آئندہ چوری کرنے کی جرأت نہ ہو یا کہ دوبارہ چوری کرنے کی نوبت ہی نہ آئے جس طرح بے جا بولنے والے یا اعتراض کرنے والے کے متعلق کوئی

کہنے والا کہہ دے کہ اس کی زبان کاٹ دو تو اس فقرے کے بھی دو معنی نکل سکتے ہیں ایک یہ کہ اس کا بولنے والا یہ عضو کاٹ دو۔ اور دوسرا یہ کہ اسے اس طرح ڈانٹو یا مسلمئن کر دو کہ اسے دوبارہ لب کشائی یا وہ گوئی یا اعتراض کرنے کی جرأت یا ضرورت نہ رہے۔ آیت مجیدہ متذکرہ بالا میں فقہائے اسلام نے ہاتھ کاٹنے سے عضو مخصوص کا کاٹ دینا مراد لیا ہے کیونکہ بانی شریعت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے بعد اوصیائے طاہرین آئمہ علیہم السلام سے آیت کی تشریح یہی وارد ہے اور سلف صالحین کی سیرت مستمرہ بھی اسی کی مؤید ہے نیز آیت مجیدہ کا اگلا حصہ بھی اسی معنی کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ اس میں ہاتھ کاٹنے کی علت و مصلحت نکال (سزا) بیان کی گئی ہے چنانچہ ارشاد ہے نَکَالًا مِّنَ اللہِ یعنی چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر ہے۔

دوسرے وُہ اسباب و ذرائع جن کو عمل میں لانے سے چوری کا قلع قمع ہو سکتا ہے ان کی چند مؤثر صورتیں ہیں۔

① اسلامی تعلیمات کو حکومتی طور پر اور سرکاری سطح پر عام کیا جائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہو اور احادیث پیغمبر اور سلف صالحین کی عملی زندگی لوگوں کیلئے نیک اعمال اور حلال خوری کے لئے مؤثر محرک بن سکے پس لوگ از خود قناعت کرتے ہوئے فاقہ مستی کو چوری پر ترجیح دے سکیں۔

② زکوٰۃ خیرات و صدقات کی تقسیم کا ایسا مناسب و موزوں نظام قائم ہو کہ ضرورتمند اور حاجتمند لوگ صاحبان ثروت و ارباب دولت کی زائد از ضرورت آمدنی سے استفادہ کر کے اپنے اخراجات سے عہدہ برآ ہو سکیں پس نہ دوسروں کے اموال کی طرف للچائی ہوئی نظر اٹھانے کی نوبت آئے نہ چوری کریں۔

③ حفاظتی تدابیر سے غفلت نہ برتی جائے اور ظاہر ہے کہ ہر صاحب مال اپنے مال کی حتی الامکان حفاظت کیا کرتا ہے اور سابق دَور کی بہ نسبت اب مال و زر (جو زائد از ضرورت ہو) کی حفاظت کے ذرائع وسیع اور آسان ہیں چنانچہ بنکاری نظام اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

دورِ رسالتؐ میں جرائم کا انسداد

دورِ رسالتؐ میں تعلیمات اسلامیہ کی ہمہ گیری محتاج بیان نہیں کیونکہ حکومتی سطح پر اسلامی تعلیم کے علاوہ اور کوئی دوسری صورت مروج نہ تھی حضرت پیغمبر بنفس نفیس اپنے مواعظ حسنہ سے اصلاح معاشرہ کا فریضہ خود انجام دیا کرتے تھے اسلامی معاشرہ میں ہر ایک فرد دوسرے کو خوف خدا کی تلقین کرنے میں پیش پیش نظر آتا تھا۔ پرائیویٹ اور نجی مجالس میں بھی قرآن و حدیث کے مضامین زیب زبان ہوتے تھے نیز نزول قرآن کا زمانہ تھا اور یہ ڈر بھی ہوتا تھا کہ اگر کوئی غلطی ہوئی تو آمد جبریل اور نزول وحی کے ذریعے سے اس غلطی پر غلط کار کو فوراً روک ٹوک دیا جائے گا اور پورے معاشرہ میں خفت و ذلت ہو گی چنانچہ بعض کو اعلانیہ طور پر ٹوکا گیا جس سے دوسروں کے لئے بھی تنبیہ ہو گئی اور بعض مقامات پر قرآن مجید نے ایک عمومی بیان کے ذریعے سے اس طرح غلطی پر ٹوکا کہ کسی کی نشاندہی نہ فرمائی تاکہ وہ سوائے خدا کے اور کسی کے آگے شرمندہ نہ ہُوا اور جب حضورؐ نے نزول وحی کے بعد آیات کی تلاوت فرمائی تو دوسرے لوگوں نے عام وعظ سمجھا اور غلط کار نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ مجھے ہی سرزنش ہو رہی ہے پس وہ ظاہری خفت اُٹھائے بغیر اپنے دل میں شرمندہ ہُوا اور اپنے گناہ سے توبہ کر لی اسی طرح نیکی کرنے والوں کی

قرآن مجید حوصلہ افزائی کرتا تھا چنانچہ جب کسی سے ایک لائق تقلید اچھا عمل سرزد ہوا تو قرآن نے اس کی مدح کر دی پس تمام صحابہ کیلئے اس کی نیکی باعث رشک بن گئی اور بعض اوقات قرآنی آیات میں عمومی طور پر نیک کام انجام دینے والوں کی تعریف کی گئی تو جن لوگوں سے اس قسم کی نیکی سرزد ہوئی ہوتی تو وہ دل ہی دل میں پھولے نہ سماتے کہ قرآن نے میری نیکی کا ذکر کیا ہے پس اس طریقہ سے لوگوں میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لیں اور برائیوں کو چھوڑنے میں ایک دوسرے سے پہل کریں پس یہی تحریکات معاشرہ کے سلجھاؤ کا بہترین ذریعہ تھیں اس کے علاوہ اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ و صدقات کا سلسلہ پیہم جاری تھا اور قرآن مجید کا نزول اس سلسلہ کا مزید محرک و موید رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواعظ حسنہ اس کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کرتے تھے پس ہر شخص عموماً اپنی زائد از ضرورت اشیاء کو پس اندازی اور ذخیرہ اندوزی کے جذبہ کے ماتحت کہیں چھپا کر نہیں رکھتا تھا بلکہ دوسرے حاجتمند لوگوں کی حاجت روائی کے پیش نظر ایسے عام منڈی میں فروخت کے لئے پیش کر دیتا تھا۔ پس جہاں ایک طرف معاشی نظام قابل رشک تھا وہاں معاشرہ انسانی بھی پوری طرح پر سکون تھا۔

لہذا ایسے سلجھے ہوئے معاشرہ میں کسی کا چوری کرنا صرف اس کی بد باطنی اور بے ضمیری کی بدولت ہی ہوا کرتا ہے جس کی سزا ہاتھ کا ٹنا مقرر ہوا فقہ جعفریہ کے مطابق چور کو سزا اس وقت دی جائے گی جب حاکم شرع کی عدالت میں اس کی چوری پہ دو عادل گواہ قائم ہوں یا ملزم خود اعتراف جرم کرے کسی شبہ کی بناء پر ملزم کو سزا نہیں دی جائے گی نیز اگر ملزم اپنے فعل کی کوئی قابل قبول تاویل بیان کرے یعنی کسی شبہ کا دعویٰ کرکے اپنی صفائی پیش کرے تو اُسے صفائی کا موقعہ دیا جائے گا اور اَلْحُدُوْدُ تُدْرَأُ بِالشُّبُهَاتِ کے اصول کے ماتحت شبہ کا فائدہ ملزم کو دیتے ہوئے سزا کو روک دیا جائے گا اور جرم ثابت ہونے کے بعد حاکم شرع کی جانب سے جب سزا کا حکم ہو گا تو ملزم کو سزا فقہ جعفریہ کے ماتحت دی جائے گی۔ یعنی چور کا دایاں ہاتھ چاروں انگلیوں کی جڑ سے کاٹا جائے گا۔

چور کی سزا میں ہاتھ کی حد کے تعین پر دلائل

ہم فقہی مسائل کے استنباط کے اصول قرآن و حدیث و عقل کو قرار دیتے ہیں اور اجماع کی بازگشت چونکہ ہمارے نزدیک قول معصوم کی طرف ہے لہذا اس کو الگ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے پاس ہاتھ کاٹنے میں متذکرہ بالا حد کے تعین میں ناقابل تردید براہین عقلاً و نقلاً موجود ہیں۔ (۱) آئمہ معصومین علیہم السّلام کی جانب سے احادیث وارد ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ جن میں سے بعض کو ذکر کیا جا چکا ہے

(۲) اللہ چاہتا ہے کہ ہر انسان جو اعضاء و جوارح صحیح سالم رکھتا ہو اور کما سکنے پہ قادر ہو خود کما کر کھائے اور اپنے واجب النفقہ افراد کی کفالت بھی کرے پس اگر خود نہ کما سکتا ہو یا کما سکنے اور کمانے کے باوجود خود کفیل نہ ہو تو جن لوگوں کی آمدنی اپنی ضروریات سے وافر ہو ان کے اموال میں سے اُس نے زکوٰۃ و صدقات وغیرہ حقوق مقرر کر دیئے جن سے اپنی کفالت نہ کر سکنے والوں کی دست گیری کی جا سکے۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تندرست انسان خواہ مخواہ معاشرہ پہ بوجھ بن کر رہے یا دوسروں کی کمائی پہ للچائی ہوئی نگاہیں ڈال کر ان کے اموال کو ناجائز طور پر تصرف میں لائے پس اسی مصلحت کی بناء پر چوری کو اس نے قابل سزا جرم قرار دیا تاکہ معاشرہ انسانیہ پر بوجھ بننے والوں اور دوسروں کی کمائی کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرنے والوں کی ہمت شکنی ہو سکے اور تمدن انسانی کو امن و سکون نصیب ہو پس اگر چور کا ہاتھ کلائی یا کہنی سے کاٹا

جائے تو یہ مصلحت فوت ہو جائے گی۔ کیونکہ معاشرہ سے بوجھ ہلکا ہونا تو در کنار ہاتھ کٹا انسان معاشرہ پر مستقل بوجھ بن جائے گا اور نہ کما سکنے کے بہانہ سے وہ مستقل گداگر بنے گا یا جرائم میں مزید اضافہ کر کے معاشرہ کے لئے امن کی تباہی کا موجب ہو گا لیکن انگلیوں سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں اس کے لئے سزا عبرت ناک اور درس آموز ہو گی اور کما سکنے کی صورت میں اس کے مزید بوجھ بننے کے امکان میں یقیناً کمی ہو گی (۳) کلائی سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں وہ دائیں ہاتھ سے کھانا نہیں کھا سکے گا بلکہ ہر شریف کام کے لئے اسے بائیں ہاتھ کا سہارا لینا پڑیگا جس سے خسیس کام انجام دیئے جاتے ہیں لیکن انگلیوں سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں یہ مشکل پیش نہیں آئے گی، حالانکہ اللہ فرماتا ہے:-
يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (پ۲ بقرہ ۱۸۵) یعنی اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے لئے عسر نہیں چاہتا (۴) کلائی سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں اس کے لئے طہارت کرنا ناممکن ہو جائے گا بلکہ وہ دائمی طور پر نجس رہنے کیلئے مجبور ہو گا کیونکہ حاجات ضروریہ کے بعد یا جسم کے نجس ہو جانے کی صورت میں اگر بائیں ہاتھ سے صفائی کرنا چاہے گا تو چونکہ دایاں ہاتھ کوزا یا کوئی برتن پکڑنے سے قاصر ہے لہذا پانی ڈالنا ناممکن ہو گا اور اگر بائیں ہاتھ سے پانی کا برتن پکڑے گا تو صفائی کرنے کیلئے ہاتھ کہاں سے لائیگا کیونکہ دایاں ہاتھ تو مستقل طور پر بے کار کیا جا چکا ہے لیکن انگلیوں سے ہاتھ کاٹنے کی صورت میں یہ مشکل پیش نہیں آئے گی (۵) کلائی سے ہاتھ کٹنے کی صورت میں یہ شخص سجدہ خداوندی میں (جو نماز کا اہم رکن ہے) زمین پر ہاتھ ٹیکنے سے معذور ہو گا۔ اور فقہ جعفریہ کے مطابق سزا کے طور پر ہاتھ کی انگلیوں کے کٹنے سے نہ اس کی طہارت میں فرق آئے گا اور نہ اس کی نماز ناقص ہو گی۔ (۶) ہاتھ کا اطلاق چار طریقوں پر صحیح ہے (۱) پورے بازو پر ہاتھ بولا جاتا ہے جو کندھے سے شروع ہو کر انگلیوں کے کناروں تک ہے جب اطلاق عام میں کہا جائے کہ اللہ نے انسان کو دو ہاتھ اور دو پاؤں عطا فرمائے ہیں تو اس مقام پر پاؤں کے مقابلہ میں ہاتھ کندھوں سے شروع ہو گا (۲) آیت وضو میں ہاتھ کا اطلاق کہنیوں سے انگلیوں تک ہے (۳) آیت تیمم میں ہاتھ کلائی سے شروع ہوتا ہے (۴) اور جب ہاتھ کی طرف لکھنے، پڑھنے یا کھانے وغیرہ کی نسبت دی جائے تو اس سے مراد انگلیاں ہوا کرتی ہیں پس ہاتھ کی حد کا تعین ان چاروں طریقوں سے صحیح اور لسان کے محاوراتی لہجوں کے اعتبار سے مطلقاً واقع ہے۔ اب چور کا سزا کے طور پر ہاتھ کاٹنا ہے تو سوال پیدا ہو گا کہ ان چار معانی میں سے ہاتھ کا کونسا معنی لیا جائے؟ تو چونکہ شرعاً و عقلاً شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا جانا چاہیئے لہذا ہاتھ کے کم از کم اطلاق کے پیش نظر اس کا ہاتھ انگلیوں سے کاٹا جائے گا ورنہ ملزم کی حق تلفی بلکہ اس پر ظلم ہو گا۔ جو عقلاً و شرعاً ناقابل قبول ہے (۷) ہاتھ کی حد چار احتمالات کی صورت میں اگر کم از کم حد کو اختیار نہ کیا جائے تو خلاف احتیاط ہو گا۔ کیونکہ بازو یا کہنی یا کلائی کے کاٹنے کی صورت میں اس کی حق تلفی کا قوی احتمال موجود ہے۔ پس احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا ہاتھ انگلیوں سے ہی کاٹا جائے (۸) بعض احکام ایسے ہوا کرتے ہیں کہ ان کے اثبات کیلئے الگ دلیل ثابت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ دلیل اس دعویٰ کے اندر پنہاں ہوتی ہے مثلاً جب کہا جائے کہ قاتل کو پھانسی دے دو تو سننے والا پھانسی کے حکم کی علت کو خود ہی سمجھ جاتا ہے۔
یعنی اس کا قاتل ہونا اس کی سزا پھانسی کی علت ہے لہذا الگ دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں بعینہٖ اسی طرح ہے جب اس طرح کہا جائے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو تو فوراً سمجھ میں آجاتا ہے کہ چوری کرنا ہی ہاتھ کٹنے کی علت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مشتق پر حکم لگانا حکم مع الدلیل ہوا کرتا ہے۔

پس جب چوری کی سزا میں ہی ہاتھ کاٹنا ہے تو ہاتھ کا وہی حصہ کاٹنا چاہیئے جو بلاواسطہ چوری کے ارتکاب میں ملوث ہے لہذا کندھے یا کہنی یا کلائی کا دخل چوری میں اتنا ہے جتنا پاؤں کا دخل ہے کہ ان سے چوری کے مال کی طرف وہ چل کر گیا یا جتنا آنکھوں کا دخل ہے کہ اس نے ان کے ذریعہ سے چوری کے مال کو دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اٹھایا درحقیقت چوری میں براہ راست ملوث صرف ہاتھ کی انگلیوں کا حصہ ہی ہے لہذا سزا اسی حصہ تک محدود ہونی چاہیئے اور ہاتھ کاٹنے میں چوری کی نسبت کا بیان اس امر کا قرینۂ واضحہ ہے کہ ہاتھ کا وہی حصہ کاٹا جائے جو چوری میں استعمال کیا گیا ہے پس فقہ جعفریہ کے مطابق ہاتھ کی چاروں انگلیوں کا کاٹنا ہی قرآنی حکم سے پوری مطابقت رکھتا ہے ⑨ قرآنی آیات میں بعض آیات کو دوسری بعض پر حق حکومت حاصل ہے پس جب حاکم آیت سامنے آجائے تو محکوم آیت کا حکم خود بخود ساقط ہو جاتا ہے مثلاً آیت وضو میں مطلقاً حکم دیا گیا ہے کہ جب بھی تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو پہلے وضو کر لیا کرو یعنی منہ اور ہاتھوں کو دھو لیا کرو اور سر اور پاؤں کا مسح کر لیا کرو اس حکم میں عموم ہے کہ خواہ تم بیمار ہو یا تندرست ہو خواہ تمہیں پانی ضرر دے یا نہ دے ہر حالت میں نماز کے لئے تم نے وضو کرنا ہے لیکن قرآن مجید میں ایک دوسری آیت موجود ہے مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (پ۱۷ سورۂ حج آیت ۷۸) یعنی اللہ نے دین کے معاملہ میں تم پر حرج نہیں رکھی پس یہ آیت وضو کی آیت پر حاکم ہے کہ جہاں بھی وضو کرنے میں ضرر اور حرج کا خطرہ لاحق ہوگا۔ وضو کی آیت کا حکم خود بخود ختم ہو جائیگا اگر کسی کی آنکھوں کا آپریشن ہو چکا ہو اور ڈاکٹر نے پانی کے استعمال پر پابندی لگا دی ہو تو رفع حرج والی آیت کی حکومت کے پیش نظر وضو کا حکم ساقط ہوگا پس پانی سے وضو کرنے کے بجائے ایسے بدل کا انتظام کیا جائیگا جو بعض اوقات پانی کا قائم مقام بن سکتا ہو اور وہ تیمم ہے چنانچہ وجوب غسل کی صورت میں پانی کی عدم موجودگی کے وقت قرآن نے تیمم کو اس کا بدل قرار دیا ہے پس مقامات حرج میں اسی تیمم کو وضو کا بدل بھی بنایا جائے گا ——— اسی طرح حد جاری کرنے کے لئے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسری آیت میں موجود ہے إِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ یعنی مساجد اللہ کے لئے مخصوص ہیں۔ پس وہ شعائر اللہ کہلاتی ہیں۔ اور شعائر اللہ کی تعظیم کو اللہ نے تقویٰ کی نشانی قرار دیا ہے (سورۂ حج آیت ۳۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ مساجد سے مراد کیا ہے عام اصطلاح میں تو مساجد کی لفظ صرف زمین کے ان ٹکڑوں سے مخصوص ہے جو نماز کیلئے معین ہوتے ہیں لیکن اصطلاح اہلبیت میں انسانی جسم کے وہ اعضاء جو بوقت سجدہ زمین سے مس ہوتے ہیں ان کو بھی مساجد کہا جاتا ہے چنانچہ جسم انسانی میں مقامات سجدہ سات عضو ہیں۔ پیشانی دو ہتھیلیاں دو گھٹنے اور پاؤں کے دو انگوٹھے جن کا سجدہ کے وقت زمین پر ٹیکنا واجب ہے اور انہی کو مساجد سبعہ کہا جاتا ہے اور انسانی جسم کے یہی مساجد سبعہ زمین کے جس حصہ کو مس کرتے ہیں وہ زمین مسجد کہلاتی ہے تو گویا مسجد کا اطلاق جسم انسانی کے اعضاء سبعہ پر اولاً و بالذات ہے اور زمین پر مسجد کا اطلاق انہی کی بدولت ہے کہ زمین سے یہ اعضاء اگر مس نہ ہوتے تو زمین مسجد نہ بنتی۔

پس چونکہ انسان کی ہتھیلی مساجد سبعہ میں سے ایک مسجد ہے یعنی سجدہ کے سات اعضاء میں سے ایک عضو ہے لہذا تعظیم و احترام کی سزاوار ہے اس کے مقابلہ میں چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا حکم موجود ہے تو ہتھیلی کے احترام کے پیش نظر اور چونکہ وہ مسجد

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

پس جو توبہ کرے بعد اپنے ظلم کے اور نیک ہو جائے تو اللہ توبہ قبول کرے گا اس کی ۔ تحقیق اللہ

ہونے کی حیثیت سے واجب الاحترام ہے) اس کو سزا سے مستثنیٰ قرار دینا پڑے گا پس اسی حصہ پر سزا جاری ہوگی جو ہتھیلی سے باہر ہے تاکہ حدود و تعزیرات کے احکام بھی معطل نہ ہوں اور شعائر اللہ کی تعظیم بھی اپنے مقام پر برقرار ہے اور قرآن مجید میں انگلیوں پر ہاتھ کا اطلاق موجود ہے ۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے :۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ : (پ بقرہ ۷۹) پس ویل ہے ان کیلئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر (ازراہ افترار) کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے ۔ اس آیت میں کتابت ہاتھ کی طرف منسوب ہے حالانکہ صرف انگلیوں سے ہی لکھا جاتا ہے اسی طرح چوری ہاتھ سے کی جاتی ہے لیکن مسروقہ اموال کا پکڑنا صرف انگلیوں کا ہی کام ہے پس سزا کے طور پر انگلیوں کا کٹنا ہی قرین انصاف اور قریب عقل ہے اور فقہ جعفریہ کا یہی دعویٰ ہے کیونکہ چوری نہ کندھے سے نہ کہنی سے نہ کلائی سے ہوا کرتی ہے لہذا براہ راست مجرم حصہ سے سزا میں تجاوز کرنا ایک انسانی جسم پر ظلم بے جا ہے جو اسلام میں ناقابل برداشت ہے اور میری اس دلیل کا مقصد یہ ہے کہ مساجد کے احترام و تعظیم کو برقرار رکھنے پر دلالت کرنے والی آیت کو چوری کے جرم میں ہاتھ کاٹنے کے حکم پر دلالت کرنے والی آیت پر حق حکومت حاصل ہے پس ہاتھ کا وہی حصہ کٹے گا جو ہتھیلی سے خارج ہے ⑩ قرآن مجید میں قطع ید کا استعمال بھی وارد ہے اور اَلْقُرْاٰنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا یعنی قرآن کا بعض حصہ دوسرے بعض حصوں کی تفسیر کرتا ہے) چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں جب مصری خواتین نے زلیخا کو حُبِّ یوسف میں مطعون کیا تو زلیخا نے ان کو کھانے پر مدعو کر لیا اور ہر ایک کے سامنے ناشپاتی و چھری رکھدی چنانچہ ادھر انہوں نے ناشپاتیوں کو کاٹنا چاہا اور ادھر حضرت یوسفؑ ایک کمرے سے برآمد ہوئے اور جونہی مصری عورتوں نے حضرت یوسفؑ کے باجمال چہرہ کی طرف نظر اٹھائی تو حُسنِ یوسفؑ کے دیدار میں از خود رفتہ ہو کر انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ (پ ۱۲ یوسف ۳۱) اس جگہ صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے انگلیاں ہی کاٹ ڈالیں کیونکہ ناشپاتی کے پکڑنے کا تعلق کہنی یا کلائی سے تو ہوتا نہیں بلکہ انگلیوں سے ہوتا ہے اگرچہ یہ وضاحت نہیں کہ پوری انگلیاں کاٹ ڈالیں یا ان کا کچھ حصہ کاٹا لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ انگلیوں کے کٹنے پر قرآن مجید نے قطع ید کا استعمال فرمایا ہے تو کیوں نہ اس وضاحت کے ماتحت چور کی سزا میں قطع ید کو اسی معنی پر محمول کیا جائے جس پر قرآن کی تصریح دوسرے مقام پر موجود ہے ۔

یہ دس دلیلیں ہیں جن کے پیش نظر فقہ جعفریہ کے مطابق چور کے جرم ثابت ہونے کے بعد حاکم شرع کے حکم پر چور کے ہاتھ کی صرف چار انگلیاں ہی کاٹی جائیں گی ۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ۔

فَمَنْ تَابَ :۔ اگر امام تک پہنچنے سے پہلے توبہ کر لے تو حد معاف ہو جائے گی لیکن اگر بعد میں تائب ہوا تو ہاتھ ضرور کٹے گا اگرچہ صاحب حق معاف بھی کرے ۔ البتہ آخرت کا عذاب نہ ہوگا ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اگر کوئی شخص چور کو پکڑ کر چھوڑ دے تو کر سکتا ہے لیکن اگر امام تک معاملہ پہنچ جائے تو وہ بغیر ہاتھ کاٹے نہ چھوڑے گا کیونکہ معافی اس وقت تک ہو سکتی ہے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بخشنے والا مہربان ہے کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ کا ملک ہے آسمان و زمین

جب تک معاملہ امام تک نہ پہنچے اور خدا فرماتا ہے۔ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ امام جب حدودِ خدا کا محافظ ہے تو وہ کیسے اس کو چھوڑے فرمایا صفوان بن امیہ کی مسجد الحرام سے چادر چوری ہوگئی تو چور کو گرفتار کرکے خدمتِ نبوی میں پہنچایا گیا تو آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔ صفوان نے عرض کی حضور! میری چادر کی وجہ سے؟ فرمایا ہاں! صفوان نے کہا میں نے اس کو بخش دیا تو آپ نے فرمایا پہلے کیوں نہ بخشا تھا گویا اب بخشش کا وقت گذر گیا ہے۔

مسئلہ:۔ چوری اس وقت صادق آئے گی جب چیز حرز سے نکالی جائے۔ ورنہ آوارہ پڑی ہوئی چیز کو اٹھانے والا چور نہ ہوگا اور نہ اس پر چور کی سزا عائد ہوگی۔ بلکہ اس پر غصب کا حکم آئے گا۔ حرز سے مراد ہے مقامِ محفوظ یعنی ہر وہ مقام جہاں مالک کے علاوہ کسی غیر کا دخول بغیر اذنِ مالک کے ممنوع قرار دیا گیا ہو۔

تنبیہ:۔ چور کا ہاتھ کاٹنا عقل کے عین مطابق ہے کیونکہ یہ سزا مال کے مقابلہ میں نہیں۔ ورنہ مال کا بدلہ تو مال ہی ہوا کرتا ہے جیسے غضب کے احکام میں بلکہ یہ سزا اشرف المخلوقات انسان کو امن و اطمینان کی زندگی سے محروم کرنے کی ہے۔ کما لایخفیٰ۔

نصبِ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ امام کا مقرر کرنا اس امت پر واجب ہے کیونکہ خدا نے امت پر واجب کیا ہے کہ چور پر حد لگائیں اور اس کا ہاتھ کاٹیں۔ اسی طرح زانی کے سنگسار کرنے کا حکم بھی امت کو دیا گیا ہے اور اس پر اجماع قائم ہے کہ ہر ایک فردِ امت کو حد جاری کرنے کا حق نہیں۔ بلکہ حد جاری کرنے کا حق صرف امام کو حاصل ہے تو پس معلوم ہوا کہ امت پر واجب ہے کہ اپنے درمیان ایک امام مقرر کریں۔ ورنہ امت کو حدود کا حکم دینا بغیر امام کے تکلیف غیر مقدور ہے اور وہ محال ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ امت پر واجب ہے حدود کا قائم کرنا اور حدود کا قائم کرنا موقوف ہے تعینِ امام پر لہذا امت پر تعینِ امام واجب ہے گویا امت کو اقامتِ حدود کا امر بعینہٖ تعینِ امام کا امر ہے تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔

۱۔ آیتِ مجیدہ کی دلالت جس سے رازی کو بھی اتفاق ہے اس امر پر یقینی ہے کہ ہر زمانہ میں امام کا موجود ہونا ضروری ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ رازی کہتا ہے وہ ہمیں بنانا چاہیے اور ہم کہتے ہیں یوں نہیں بلکہ یہ خدا کا کام ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو اس نے امام بنایا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میرا عہدِ امامت ظالموں کو نہیں پہنچ سکتا اور اپنے مقام پر ثابت ہو چکا ہے کہ ہر گناہ ظلم ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ گار کو امامت نہیں مل سکتی اور بعض اہلسنت مفسرین نے بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے اور ناممکن ہے کہ ہم ایسے شخص کو امامت کے لئے چن لیں جو گناہ گار واقعی نہ ہو کیونکہ ہم تو اس کو چنیں گے جو ظاہراً ہمیں نیک معلوم ہوتا ہو گا لیکن کیا معلوم وہ واقعاً گناہ گار ہو اور عنداللہ ظالم ہو۔ پس یہ انتخاب اللہ کے ہاتھ

میں ہے اور اس نے ہر زمانہ کے لئے امام نامزد فرما دیئے ہیں جو معصوم ہیں اور وہ آل محمدؐ ہیں۔

۲۔ واجب کا مقدمہ واجب تب ہوتا ہے کہ پہلے موجود نہ ہو۔ مثلاً کوٹھے پر چڑھنے کے لئے سیڑھی کا نصب کرنا واجب تب ہوگا کہ سیڑھی پہلے نصب شدہ نہ ہو جب ثابت ہوگیا کہ امام امت خدا کی جانب سے نامزد ہو چکے ہیں تو پھر امت پر دوبارہ نصب کرنے کا وجوب کیسے عائد ہوگا۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ عناد و تعصب کی پٹی آنکھوں پر اگر کوئی باندھ لے اور کہے کہ امام نصب نہیں ہوا اور یہی رٹ لگاتا رہے تو اس کا کوئی علاج ہی نہیں ورنہ خم غدیر کے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے مجمع میں برسرِعام حضرت رسالتمآبؐ نے امام کا اعلان فرمایا اور تمام کو سنایا اور فخر الدین رازی اس طرف سے آنکھیں بند کرکے کہتا پھرے کہ نہیں انہوں نے نہیں بنایا بلکہ ہم خود بنائیں گے تو بے شک بناتا پھرے کسی کو کوئی روک نہیں سکتا۔

۳۔ ہر واجب کا مقدمہ واجب نہیں ہوتا بلکہ اس واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے جو واجب مطلق ہو جیسے نماز وغیرہ لیکن اگر واجب مشروط ہو جیسے زکوٰۃ حج تو ان کا مقدمہ واجب نہیں کیوں کہ زکوٰۃ موقوف ہے نصاب پر اور نصاب کا حاصل کرنا ہم پر واجب نہیں اسی طرح حج موقوف ہے زادِ راہ کے وجود پر اور وہ ہم پر واجب نہیں اسی طرح اقامت حدود بھی واجب مشروط ہے کہ اگر امام ہو تو حدود واجب ہیں لیکن امام کی تعیین ہم پر واجب نہیں ہے۔

۴۔ کسی شے کا امر اس کے موقوف علیہ کا امر اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ شے کا موقوف علیہ از قبیل اسباب ہو کیونکہ مسبب کا امر درحقیقت سبب کا امر ہوا کرتا ہے جس طرح آگ سبب ہے جلنے کا تو کسی شے کو جلانے کا امر درحقیقت آگ لگانے کا امر ہے اور سبب اسے کہتے ہیں جس کے پائے جانے کے بعد مسبب خواہ مخواہ پایا جائے۔ پس اگر موقوف علیہ شے کا سبب نہ ہو بلکہ عام شرط ہو تو شے کا امر اس کا امر نہ ہوگا بلکہ وہ کسی اور دلیل کا محتاج ہوگا اور یہ بات واضح ہے کہ وجودِ امام اقامتِ حدود کے لئے سبب نہیں ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ امام بھی موجود ہو اور حدود بھی معطل ہوں جبکہ امام ظالمین کے تشدد میں مجبور ہو۔ پس معلوم ہوا کہ امام کا وجود نصبِ حدود کے لئے شرط ہے سبب نہیں۔ پس اقامت حدود کا امر نصب امام کا امر نہیں بن سکتا۔

۵۔ اگر اس آیتِ مجیدہ سے یہ ثابت کیا جائے کہ اقامتِ حدود کا وجوب امام کے نصب کرنے کو واجب کرتا ہے تو پھر اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ نبی کا نصب کرنا بھی امت پر واجب ہے کیوں کہ قرآن کے احکام ابتداء اسلام سے قیامت تک سب مسلمانوں کے لئے یکساں ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کچھ مسلمانوں کے لئے نصبِ امام جو کہ نبی علیہ السلام تھے خود خدا کرے اور باقیوں کو بغیر نصب امام کے چھوڑ دے اور اقامت حدود کا بھی حکم دے دے کہ امام خود بناتے پھرو۔ تو گویا اسلام کے فرائض سابقہ مسلمانوں کے لئے کچھ اور تھے اور ہمارے لئے کچھ اور ہیں۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اور باطل ہے پس ثابت ہوا کہ جس طرح پہلے دور کے مسلمانوں کے لئے نصبِ امام اللہ نے کیا اور نبی بنا کر بھیجا جو اقامت حدود کرے تو اس کے بعد قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے بھی نصبِ امام خدا خود ہی کرے گا اور وہ امام جناب نبی علیہ السلام

کے قائم مقام ہوں گے اور اس سے یہ بھی ثابت ہؤا کہ ہر زمانہ کا امام معصوم ہی ہو گا۔ ورنہ امت کے بعض افراد کی بعض پر ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی کہ دور اوّل کو تو خدا نے معصوم ہادی عطا فرمایا جو اقامت حدود اور باقی فیصلے اپنی عصمت کے پیش نظر صحیح اور برمحل کرتے تھے اور قیامت تک کے مسلمانوں کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا کہ ان کو بلا ہادی چھوڑ دیا تاکہ خود بنالیں یا ایسے ہادی ان کے حصے میں رکھ دیئے جو غیر معصوم تھے اور امت کو اُلٹی چھری کے ساتھ ذبح کرتے تھے۔ پھر تو عجیب وغریب ہو گئی اسلامی مساوات جب کہ اسلام کی بنیاد ہی ترجیح بلا مرجح پہ ہو گئی تو کسی دوسرے حکم میں مساوات کا تلاش کرنا تو فضول محض ہی ہو گا۔ حالانکہ اسلام مساوات کا حامی ہے اور اس کے جملہ اصول وفروع میں مساوات ہے پس معلوم ہؤا کہ ہر دور کا امام خدا کی جانب سے نامزد ہے اور وہ بھی نبی کی طرح معصوم اور پاک ہے جس طرح کہ دور اوّل کے لئے نبی خدا کی جانب سے نامزد تھا اور معصوم تھا۔

۲۔ آیت مجیدہ میں چور مرد یا عورت کے ہاتھ کاٹنے کا خطاب امت کے افراد کو ہے ہی نہیں بلکہ خطاب نبی وامام کی طرف متوجہ ہے پس نہ امت کو بالعموم خطاب ہے اور نہ مقدمہ کے وجوب کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح سلطان وقت حکم نافذ کرتے ہیں کہ مجرموں کو فلاں سزا دو تو اگرچہ خطاب عام ہوتا ہے لیکن درحقیقت سرکاری مجسٹریٹ ہی اس کے مخاطب ہوا کرتے ہیں

غیبت امام

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اقامت حدود نظم امت اور حلال وحرام کی وضاحت نیز جملہ امور دینیہ کی انجام دہی کے لئے امام کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے تو امام کی غیبت کے زمانہ میں وجود امام کا کیا فائدہ ہو گا۔

جواب جس وقت جناب رسالتمآبؐ موجود تھے تو وہ صرف ایک مقام پہ رہتے تھے۔ اطراف مملکت کے مسلمانوں سے تو غائب تھے وہ مسلمان جو مدینہ سے دور تھے اور جناب رسالتمآبؐ تک رسائی نہ کر سکتے تھے ان کو وجود رسالت سے کیا فائدہ تھا؟ نیز جناب رسالتمآبؐ پہ بھی یہ واجب نہ تھا کہ ہر جگہ۔ ہر شہر و دیار میں جا کر اپنے فرائض کی ادائیگی فرمائیں۔ جو جواب وہاں ہو گا غیبت امام میں ہمارا جواب بھی وہی ہو گا۔ اگر وہاں یہ کہا جائے کہ ان کی طرف سے نائبین سب کام کرتے تھے اور ان کی نیابت میں امور شرعیہ کی بجا آوری ہوا کرتی تھی۔ تو زمان غیبت میں امام غائب کے نائب ان کی نیابت میں امور شرعیہ دینیہ کی تکمیل اور بجا آوری کے ذمہ دار ہیں اور صاحب الزمانؑ کا فرمان ہے کہ حوادث واقعہ میں ہماری احادیث کے رواۃ کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ وہ میری طرف سے تم پہ حجت ہیں اور میں حجت خدا ہوں اور حضرت صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص تم میں سے ہماری احادیث کا راوی ہو اور ہمارے حلال وحرام کو پہچانتا ہو تو اس کی حکومت پہ راضی ہو جانا چاہیئے کہ میں نے اس کو تمہارا حاکم بنا دیا ہے (لوامع التنزیل)

يُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُولُ

عذاب دے جسے چاہے اور بخشے جسے چاہے اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے اے رسول

يُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ :- جسے چاہے عذاب دیتا ہے یعنی اس کا عذاب اور اس کی مغفرت اس کی مشیت کے تابع ہے لیکن یہ خیال رہے کہ اس کی مشیت عین مصلحت ہوا کرتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ مطابق مصلحت مستحق جہنم ہوں گے ان کو جہنم بھیجے گا اور جو لوگ بمطابق مصلحت جنت کے حقدار ہوں گے ان کو جنت بھیجے گا اور ان کی لغزشیں معاف کر دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُولُ :- اس آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہود خیبر میں سے کسی بڑے گھر کے شادی شدہ مرد و عورت نے زنا کیا اور وہ ان کو سنگسار کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ پس یہود مدینہ کو انہوں نے پیغام بھیجا کہ جناب رسالتمآبؐ سے ان کی سزا دریافت کی جائے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ شاید اسلام میں کچھ تخفیف مل جائے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر تخفیف سزا کا حکم دیں تو قبول کر لینا ورنہ قبول نہ کرنا چنانچہ آیت مجیدہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ بہرکیف یہود مدینہ کے چند معتبر اشخاص مثلاً کعب بن اشرف کعب بن اسید اور کنانہ بن ابی الحقیق وغیرہ حاضر بارگاہ رسالت ہوئے اور زنا محصن و محصنہ کی سزا دریافت کی اور آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کا عہد کیا۔ پس جبرئیل رجم یعنی سنگساری کا حکم لایا تو انہوں نے انکار کر دیا کیونکہ ان کی پہلے سے سکیم ہی یہی تھی۔ پس جبرئیل نے حضورؐ سے کہا کہ آپ ابن صوریا کو فیصل مقرر کریں اور اس کا حلیہ بھی بیان کیا تو حضورؐ نے ان سے فرمایا کیا تم سفید رنگ کے بے ریش نوجوان پہچانتے ہو جو یک چشم ہے اور فدک میں رہتا ہے جسے ابن صوریا کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا وہ کیسا آدمی ہے تو جواب دیا کہ اس وقت دنیا بھر کے یہودیوں میں وہ مسلم طور پر اعلم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو منگوالو چنانچہ وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا میں تجھے خدائے واحد کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات کو نازل فرمایا موسیٰؑ پر اور تمہارے لئے دریائے نیل کو چیرا اور تمہیں نجات دے کر فرعون کو معہ لشکر کے غرق کیا نیز تمہارے اوپر بادل کا سایہ کیا اور من و سلویٰ نازل کیا۔ سچ بتا کہ تورات میں محصن یعنی شادی شدہ زنا کرنے والے کی سزا سنگساری ہے؟ تو اس نے مان لیا کہ ہاں ایسا ہی ہے لیکن فرمایئے آپ کی کتاب میں کس طرح ہے؟ آپ نے فرمایا جب چار عادل گواہ عینی شہادت دیں تو سنگساری کا حکم واجب ہے اس نے کہا کہ تورات میں بھی ایسا ہی ہے۔ آپ نے دریافت کیا کہ تم لوگوں نے یہ حکم کیسے تبدیل کر لیا تو اس نے جواب دیا کہ پہلے بڑے گھر کو چھوڑ کر غریبوں پر تورات کا قانون نافذ کیا جاتا رہا۔ ایک دفعہ بادشاہ کے چچازاد نے زنا کیا اور اسے چھوڑ دیا گیا اور ایک غریب نے کیا تو اسے سزا دی گئی لیکن اس کی قوم بگڑ گئی اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ پہلے فلاں کو سزا دی جائے یعنی بادشاہ کے چچازاد کو پس مل جل کر مشورہ کر کے ایک نیا دستور بنا لیا جو بڑے چھوٹے سب پر عائد ہو اور وہ یہ کہ چالیس کوڑے مارے جائیں اور منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے ان کا منہ پیچھے کو کیا جائے اور شہر میں تشہیر کیا جائے۔ اس پر موجودہ یہودی ابن صوریا

لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ

نہ محزون ہوں آپ ان پہ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں ان لوگوں میں سے جو آمنا کہتے ہیں اپنے منہ سے

وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۚ سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ

حالانکہ نہیں مومن ہوتے دل ان کے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں سنتے ہیں جھوٹ کے لیے

پرسخت برہم ہوئے لیکن ان نے عذر پیش کیا کہ انہوں نے مجھے تورات کی قسم دی تھی۔ اس لئے میں حق گوئی پہ مجبور ہو گیا پس وہ دونوں کو دروازہ مسجد کے نزدیک سنگسار کر دیا گیا اور اسی پر آیت اتری کہ اے اہل کتاب ہمارا نبی تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور بہت سی چیزوں سے درگذر بھی کر لیتا ہے جیسے رکوع ۵ ص۹ میں گذر چکا ہے پس ابن صوریا نے پوچھا کہ وہ کونسی چیزیں ہیں جن سے آپ نے درگذر فرمایا ہے؟ تو حضورؐ نے اس سے اعراض کر لیا تو اس نے پوچھا آپ کی نیند کیسی ہے؟ فرمایا آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے پھر پوچھا بچہ بعض اوقات ماں کے مشابہ ہوتا ہے اور بعض اوقات بالکل باپ کے مشابہ ہوتا ہے یہ کیوں ہے؟ تو آپ نے فرمایا زن و مرد میں سے جس کا پانی پہلے آجائے بچہ اسی کی مثل ہو جایا کرتا ہے۔ اس نے کہا درست ہے پھر پوچھا بچے کے کون سے اعضاء پر باپ کا اثر ہوتا ہے اور کون سے اعضاء پر ماں کا اثر ہوتا ہے تو فرمایا گوشت چربی، خون اور ناخن پہ ماں کا اور ہڈیوں رگوں، پٹھوں پہ باپ کا اثر ہوتا ہے اس نے کہا یہ بھی بجا ہے اور واقعی آپ نبی ہیں چنانچہ وہ اسلام لایا اور دریافت کیا کہ وحی کون فرشتہ لایا کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا جبرئیل تو اس نے کہا اس کی وصف بیان کیجئے تو آپ نے اس کے اوصاف بیان کئے۔ اس نے کہا واقعی تورات میں ایسا ہی ہے جب ابن صوریا مسلمان ہوا تو یہودیوں نے اس کو گالیاں دیں اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ پس بنو قریظہ نے بنو نضیر کا دامن پکڑ لیا اور عرض کی حضورؐ ہمارے درمیان ایک اور فیصلہ بھی کیجئے کہ ہم دونوں قبیلے ایک ہی باپ کی اولاد سے ہیں اور ایک ہی دین رکھتے ہیں لیکن جب یہ لوگ ہمارا آدمی قتل کریں تو قصاص نہیں دیتے بلکہ ستر وسق کھجور اس کا خونبہا ہمیں دیتے ہیں۔ لیکن جب ہم لوگ ان کا قتل کریں تو یہ قصاص بھی لیتے ہیں اور دوگنی دیت یعنی ایک سو چالیس وسق کھجور بھی لیتے ہیں اور ان کا مقتول عورت ہو تو ہم میں سے مرد کو قتل کرتے ہیں۔ اور مرد ہو تو ہم میں سے دو مردوں کو قتل کرتے ہیں اور عبد کے بدلہ میں ہم میں سے آزاد کو قتل کرتے ہیں پس رجم اور قصاص کی آیتیں نازل ہوئیں۔

قَالُوٓا اٰمَنَّا :۔ یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ کے زمانہ میں آپ کے پاس بیٹھنے والوں میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو منہ سے مومن تھے اور حقیقت میں کافر تھے گویا کہ منافق تھے۔

سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ :۔ یعنی یہ لوگ آپ کی باتیں سنتے ہیں تاکہ جھوٹی باتیں بنا کر آپ کی طرف منسوب کریں۔

سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ

سُنتے ہیں اور لوگوں کے لئے جو آپ کے پاس نہیں آئے تبدیل کرتے ہیں کلام کو اپنے اپنے ٹھکانے سے

يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ

کہتے ہیں اگر دیئے جاؤ یہ تو لے لو اور اگر یہ نہ دیئے جاؤ تو بچو اور جس کو چاہے خدا عذاب

فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ

دینا تو آپ نہیں مالک اس کیلئے اللہ سے کچھ بھی یہ وہ لوگ ہیں کہ نہیں چاہتا خدا کہ ان کے دلوں کو

قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ

پاک کرے ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے سُنتے ہیں جھوٹ کیلئے کھاتے ہیں

سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ :- یعنی یہ مدینہ کے یہودی خیبر کے یہودیوں کے لئے آپ سے بات سُننے آتے ہیں اور ان کو ہدایت کی گئی ہے کہ اگر دیئے جاؤ یہ بات یعنی سنگساری کی بجائے کوڑوں کی سزا تو قبول کر لینا اور اگر یہ بات نہ دیئے جاؤ یعنی وہ بھی سنگساری کا حکم دیں تو نہ قبول کرنا اور چھوڑ دینا اور یہ حضورؐ کے لئے تسلی ہے کہ وہ آپ پر اگر ایمان نہ لائیں تو آپ محزون نہ ہوں کیونکہ وہ تورات کو جب توڑ مروڑ لیتے ہیں تو آپ کی باتوں کو توڑ مروڑ کر نا ان سے کیا بعید ہے۔

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ :- یعنی ان کے کرتوتوں کا خدا ان کو بدلہ دے گا اور وہ سزا ان کے اپنے اختیار بد کا نتیجہ ہی ہو گی پس جس کو سزا دینے کا خدا ارادہ رکھتا ہو تو آپ اس کو روک نہیں سکتے۔

اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ :- تفسیر صافی میں بہ تفسیر اہل بیت علیہم السلام سُحت مندرجہ ذیل چیزوں کو کہا گیا ہے۔ (۱) حکم میں رشوت (۲) مردار کی قیمت (۳) غیر شکاری کتے کی قیمت (۴) شراب کا پیسہ (۵) زنا کی اُجرت (۶) کاہن کی اُجرت یہ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہیں (۷) جو چیز امام سے خیانت کر کے لی جائے (۸) مالِ یتیم اور اس کی مثل ہر مال (۹) سود (۱۰) ہر مسکر کی قیمت یہ حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہیں اور فرمایا کہ رشوت لینا تو کفر ہے (۱۱) حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی کوئی حاجت روائی کرے اور پھر اس کا ہدیہ قبول کرے تو یہ سحت ہے۔ سحت کا اصل معنی ہے تباہ و برباد کرنا کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص مسحوت المعدہ ہے یعنی اس کا معدہ خراب اور تباہ ہے پس وہ مال جو انسان کی مروت کو تباہ و برباد کرنے والا ہو تو اس کو سحت کہا گیا ہے اور لوامع التنزیل میں درِ منثور سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے سحت کی تفسیر میں فرمایا۔ رشوت فی الحکم زنا کی مزدوری۔ کتے کی قیمت۔ بندر کی قیمت۔ سور کی قیمت۔ شراب کی قیمت۔ مردار کی قیمت۔

لِلسُّحۡتِؕ فَاِنۡ جَآءُوۡكَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ‌ۚ وَاِنۡ تُعۡرِضۡ

حرام اگر آپ کے پاس آئیں تو حکم کرو ان کے درمیان یا منہ پھیر لو ان سے اور اگر منہ پھیرو گے

عَنۡهُمۡ فَلَنۡ يَّضُرُّوۡكَ شَيۡـئًا‌ؕ وَاِنۡ حَكَمۡتَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ان سے تو ہرگز نہیں نقصان دے سکتے آپ کو کچھ بھی اور اگر حکم کرو تو حکم کرو ان میں انصاف کا تحقیق اللہ دوست

يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ۝۴۲ وَكَيۡفَ يُحَكِّمُوۡنَكَ وَعِنۡدَهُمُ التَّوۡرٰٮةُ فِيۡهَا حُكۡمُ اللّٰهِ ثُمَّ

رکھتا ہے انصاف والوں کو اور کس طرح آپ کو یہ لوگ حاکم مانیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات اس میں اللہ کا حکم ہے پھر

خون کی قیمت۔ نر حیوان کو مادہ حیوان سے ملانے کی اُجرت رونے والیوں کی اُجرت، گانے والیوں کی اجرت، کاہن جادوگر اور قیافہ شناس کی اُجرت، درندوں اور مردہ جانوروں کے چمڑوں کی قیمت لیکن اگر رنگے جائیں تو کوئی حرج نہیں (مذہب امامیہ میں رنگے نہ رنگے سب برابر ہیں اور ان کی قیمت حرام ہے) بت بنانے کی اُجرت سفارش کرنیکا ہدیہ جہاد میں جانے کیلئے مال مقررہ یہ سب سحت ہیں ان کا کھانا حرام ہے اور تفسیر کبیر میں اس کے معنی کی تین وجہیں مذکور ہیں (۱) بنی اسرائیل کے حاکموں اور افسروں کا یہ دستور تھا کہ ان کے پاس اگر کوئی جھوٹے دعوے والا بھی رشوت لے کر آتا تھا تو وہ اسی کی ہی سنتے تھے اور اس کے مقابل والا اگرچہ حق بجانب ہی ہوتا تھا تاہم اس کی کوئی شنوائی نہ تھی پس آیت کا یہی معنی ہے کہ جھوٹ کی سنتے ہیں اور رشوت کھاتے ہیں (خدا رحم کرے آجکل کے مسلمان افسر تو ان یہودیوں کو بھی مات کر چکے ہیں اور غالباً ان کے مظالم سُن کر تو ان یہودیوں کی رُوح بھی تڑپ جائے گی جن کی قرآن مجید مذمت فرما رہا ہے۔ سُننے میں تو ایسا ہی آیا ہے کہ موجودہ دَور کے افسر دونوں طرف سے لیتے رہتے ہیں اور معاملہ کو طول دیئے جاتے ہیں بالآخر دونوں میں سے جس کے پیسے بڑھ جائیں گے اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا یا کسی کی سفارش چل گئی تو وہ جیت گیا اور اگر دیکھا کہ ترجیح کسی جانب کو نہیں تو تبادلہ کرا کے چل دیئے اور وہ اپنا سر دھنتے رہ گئے)

۲۔ غریب لوگ امراء طبقہ سے وظائف لیا کرتے تھے اور یہودیت پر صرف اسی لالچ کی خاطر باقی رہ رہے تھے پس ان کی جھوٹی باتیں سُنیں اور پیسہ کھایا۔

۳۔ نبی علیہ السلام کے متعلق جھوٹی باتیں جو وہ تورات کی طرف منسوب کرتے تھے، سنتے تھے اور سود کھاتے تھے۔

فَاِنۡ جَآءُوۡكَ :۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے درمیان حکم کرو یا ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دو، آپکے اختیار میں ہے جو مناسب ہو کرو۔

فِيۡهَا حُكۡمُ اللّٰهِ :۔ یہ یہودیوں کی تنبیہ کے لئے ہے کہ یہ لوگ ایمانداری کے لئے آپ کے پاس نہیں آتے۔ ورنہ جب یہ لوگ تورات کو کتاب خدا جانتے ہیں اور اس میں یہ حکم موجود ہے پس اگر ایماندار ہوتے تو اس سے کیوں منہ پھیرتے اور یہ یہودی

يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ

روگردانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں ہم نے اتارا تورات کو

فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا

اس میں ہدایت اور نور تھا اس سے حکم کرتے تھے نبی جو تابع حکم تھے ان پر جو یہودی تھے

وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ

اور خدا پرست علماء ساتھ اس کے کہ امین و محافظ کیا گیا ان کو کتاب خدا کا اور تھے وہ اس پر گواہ

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

پس نہ ڈرو لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور نہ خریدو میری آیات کے بدلے ثمن قلیل اور جو نہ حکم کرے

کے الزام کے لئے ہے لہٰذا اس فقرہ سے یہ نہیں ثابت کیا جا سکتا کہ تورات میں تحریف نہیں ہوئی۔

رکوع نمبر ۱۱

هُدًى وَّنُوْرٌ :- ہدایت سے مراد وہ حکم ہے جو یہودی لوگ دریافت کرنے آئے تھے اور نور سے مراد قرآن مجید کی صداقت ہے قرآن کریم کا یہ خبر دینا کہ تورات میں بھی یہ حکم موجود ہے جناب رسالتمآبؐ کی صداقت و نبوت کا ظاہر و باہر اعجاز تھا جس کو یہودی اپنے اپنے مقام پر تسلیم کر گئے کیونکہ انہیں یہ معلوم تھا کہ حضورؐ نے کسی سے تورات پڑھی نہیں اور باوجود اس کے پھر تورات کا صحیح فیصلہ بتانا ان کی نبوت کی اٹل دلیل ہے۔

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ :- کہتے ہیں اس سے مراد وہ انبیاء ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان کے زمانہ میں تھے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے اور تورات کے مبلغ تھے (مجمع البیان)

وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ :- اس کا نبیوّن پر عطف ہے یعنی نبیوں کے بعد ربانی اور احبار بھی تورات کا حکم کرتے ہیں اور اسی کے مبلغ ہیں۔ ربانی کے معنی میں کئی قول ہیں (۱) عارف (۲) دین خدا سے تمسک رکھنے والا (۳) لوگوں کا مدبر و مصلح (۴) فقیہ مبلغ و واعظ (۵) علم و عمل میں کامل (۶) علم لدنی رکھنے والا۔

وَلَا تَشْتَرُوْا :- یہودی علماء عوضہ لے کر تورات کے احکام میں تغیر و تبدل کیا کرتے تھے تو انہی کو تنبیہ فرماتا ہے کہ ایسا نہ کرو اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ پیسے لیا کرو اور تھوڑے پیسے نہ لو۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمام دنیا و مافیہا حکم خداوندی

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ

ساتھ اس کے جو اللہ نے اتارا تو وہ ہیں کافر اور ہم نے فرض کیا ان پر اس میں تحقیق

النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ

جان بدلے جان کے آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے

کے مقابلہ میں ہیچ ہے پس اس ہیچ و پوچ چیز کو حکم خدا کی قیمت نہ بناؤ اور اپنی عاقبت کو محفوظ رکھو۔ لوامع التنزیل میں قصص الحکماء سے نقل کیا ہے کہ شیخ جعفر اوّل اعلی اللہ مقامہٗ نہایت تنگدستی کے عالم میں تھے تو جب کوئی مسئلہ پوچھنے والا آتا تھا تو فرماتے تھے اگر زبانی پوچھنا ہے تو جواب یہ ہے لیکن اگر لکھوانا ہے تو میں لکھائی کی اُجرت لوں گا ورنہ کسی اور سے لکھوالو

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ :۔ تفسیر صافی میں صادقین علیہما السلام سے بروایت کافی منقول ہے کہ جو شخص دو درہموں کے متعلق بھی خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کرے گا جس کے پاس حکومت کی لاٹھی اور تازیانہ ہو تو گویا شریعت محمدیہ کا اس نے کفر کیا۔

واقعہ :۔ مدینہ میں رہنے والے یہودیوں کے دو گروہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی آپس میں چپقلش رہتی تھی۔ بنو قریظہ کی تعداد سات سو اور بنو نضیر کی تعداد ایک ہزار تھی اور ان کی مالی حالت بھی اچھی تھی اور ہر اعتبار سے بنو قریظہ کے ساتھ ناانصافی برتتے تھے اور بڑی لے دے کے بعد ان کا آپس میں معاہدہ یہ ہوا تھا کہ اگر بنو قریظہ کا کوئی شخص بنو نضیر کے ہاتھوں مارا جائے تو قاتل بدلہ میں قتل نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا منہ کالا کرکے اونٹ پر سوار کیا جائے گا اور اس کا منہ پیچھے کو کرکے شہر میں پھرایا جائے گا اور نصف خون بہا بھی اس سے وصول کیا جائے گا لیکن اگر بنی نضیر کا کوئی آدمی قتل ہوگا تو قاتل سے خون بہا بھی پورا لیا جائے گا اور اس کو بدلہ میں قتل بھی کیا جائے گا۔ جب حضورؐ ہجرت کرکے وہاں پہنچے اور قبیلہ اوس و خزرج مسلمان ہو گئے تو یہودیوں کی طاقت کمزور ہو گئی۔ پس بنو نضیر کا ایک آدمی بنو قریظہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور بنو نضیر نے بنو قریظہ سے خون بہا اور قاتل سے قصاص دونوں چیزوں کا مطالبہ کیا لیکن بنو قریظہ نے انکار کیا اور اس میں جناب رسالتمآبؐ کو فیصل مقرر کر دیا۔ بنو نضیر نے عبداللہ بن ابی کو کہا کہ حضورؐ سے یہ خواہش کی جائے کہ وہ ہمارے باہمی معاہدے کی رعایت کریں۔ اس نے جواب دیا کہ میں سفارش کروں گا اگر وہ مان گئے تو ٹھیک ورنہ تم ان کا فیصلہ نہ ماننا۔ پس عبداللہ بن ابی نے آکر یہودیوں کے باہمی معاہدہ کا تذکرہ کیا کہ اب بنو قریظہ اسے توڑنا چاہتے ہیں لہٰذا آپ کو چاہیے کہ بنو نضیر کی رعایت کریں کیونکہ وہ لوگ تعداد میں زیادہ ہیں اور ان سے ہمیں خطرہ ہے تو آپ خاموش ہوئے اور جبرئیل یہ آیت لے آئے جو لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ سے شروع ہوتی ہیں۔ پس آپ نے صاف صاف حکم سنا دیا اور دُرِّ منثور میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قرظی اور نضیری کا خون برابر ہے

وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ

دانت بدلے دانت کے اور زخموں میں (بدلہ) برابر پس جس نے بخش دیا تو وہ کفارہ ہوا اس کا اور جو

لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ

نہ حکم کرے ساتھ اس کے جو اتارا اللہ نے پس وہ ہیں ظالم اور بھیجا ہم نے ان کے پیچھے

بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ

عیسیٰ بن مریم کو جو تصدیق کرنے والا تھا اس کی جو ان کے پاس ہے یعنی توراۃ اور ہم نے دی

الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اس کو انجیل اس میں ہدایت اور نور ہے اور تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے یعنی توراۃ

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۶ ۭ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور ہدایت و موعظہ متقیوں کے لئے اور حکم کرنا چاہیئے صاحبانِ انجیل کو جو اتارا ہے اللہ نے

ایک کے بدلہ میں ایک ہی ہوگا تو بنو نضیر آپ سے برہم ہو کر چلے گئے۔

فَمَنْ تَصَدَّقَ :۔ صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جسقدر اپنے زخم کا بدلہ معاف کریگا اسی قدر اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ یعنی اگر چوتھائی معاف کرے گا تو چوتھائی گناہ معاف اور اگر نصف معاف کرے گا تو نصف گناہ معاف اور اگر پورا معاف کرے گا تو سارے گناہ معاف۔ بہر کیف ——— جرم معاف کر دینے کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

مُصَدِّقًا :۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصدقاً ایک ہی آیت میں دو دفعہ استعمال ہوا ہے اور تکرار کلام فصحاء میں معیوب ہوا کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تکرار تب لازم آتا اگر معنی ایک ہوتا لیکن یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ پہلے مقام پر اس کا ذوالحال عیسیٰ ہے اور دوسرے مقام پر ذوالحال انجیل ہے۔ معنی یہ ہے کہ ہم نے اور نبیوں کے بعد حضرت عیسیٰؑ کو بھیجا جو کہ توراۃ کی تصدیق کرنے والے تھے اور اس کو کتاب انجیل بھی دی جس میں توراۃ کی تصدیق تھی۔

هُدًى وَّنُوْرٌ :۔ نور سے مراد احکام خداوندی ہیں اور نور اس لئے کہا گیا کہ ان پر عمل کرنے سے انسان کی عاقبت روشن ہوگی۔

هُدًى وَّمَوْعِظَةً :۔ یہاں ہدیٰ سے مراد ہے ہادی یعنی فاعل کے معنی میں استعمال ہے اور پہلے مقام پر مصدر کے معنی میں استعمال تھا اور متقیوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ صرف وہی فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔

فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

اس میں اور جو نہ حکم کرے ساتھ اس کے جو اُتارا اللہ نے تو پس ہیں وہ فاسق اور ہم نے اتاری

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ

تم پر کتاب سچی جو تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی اور امین ہے ان پر

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ

پس حکم کرو ان کے درمیان جو اتارا اللہ نے . اور پیچھے نہ لگو ان کی خواہشوں کے چھوڑ کر اس کو جو آیا تیرے

وَلْيَحْكُمْ :- یہاں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ انجیل منسوخ نہیں کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ انجیل والوں کو انجیل کے حکم بیان کرنے چاہئیں اگر منسوخ ہوتی تو اس کے احکام کو خدا کیوں نافذ فرماتا ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام پر حکایت قول ہے یعنی جب ہم نے ان کو انجیل دی تھی تو ہم نے یہ حکم بھی ساتھ ساتھ دیا تھا کہ اے انجیل والو لوگوں تک انجیل کے صحیح احکام پہنچاؤ اور اس وقت انجیل کے حکم ہی رائج و نافذ تھے۔

ربطِ بیان :- خداوند کریم نے مسلمانوں کو ایفائے عہد کی تلقین اور تاکید کر کے پھر درمیان میں یہود و نصاریٰ کے تذکرے شروع کر دیئے۔ ان میں محض جناب رسالتمآبؐ کو تسلی دینا مقصود ہے کہ اگر منافق لوگ کفر کی طرف جلد بازی کریں یا یہودی اور نصرانی آپ کی بات نہ مانیں تو آپ کو غمزدہ نہ ہونا چاہیئے اور نیز یہ بھی کہ جس طرح یہودی تورات کو ماننے کے باوجود تورات کی اور حضرت موسیٰؑ کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں اور اسی طرح نصرانی انجیل کو ماننے کے باوجود انجیل اور حضرت عیسیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں تو اگر آپ کی امت قرآن کو مان کر آپ کی ہدایات پر عمل نہ کرے تو یہ نئی بات نہیں ہوگی۔ لہذا آپ کو اس بارہ میں تشویش نہیں لاحق ہونی چاہیئے

تنبیہ :- ایک مقام پر جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام کے خلاف حکم کریں۔ ان کو کافر کہا گیا ہے اور دوسری جگہ ظالم اور تیسرے مقام پر فاسق کہا گیا ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں کفر سے بھی مراد فسق ہے اور تینوں لفظیں ایک معنی کیلئے مستعمل ہیں

وَاَنْزَلْنَا :- حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت کا اعلان فرمایا تاکہ یہود و نصاریٰ اپنے مقام پر فکر کریں اور سوچیں کہ ان کی نبوت کا بھی وہی انداز ہے جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا تھا اور ان کی کتاب ان کی کتابوں کی مصدق بھی ہے اور یہ طریقہ تبلیغ مخالف کو منوانے کے لئے زیادہ مناسب و موزوں ہے۔

مِنَ الْكِتٰبِ :- یہاں کتاب پر الف ولام جنس کا ہے اور مراد سابقہ انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں ہیں۔

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ :- ہمزہ کو ہا سے تبدیل کیا گیا ہے جس طرح اَرَاقَ سے ہَرَاقَ یُهَرِيْقُ بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح اٰمَنَ يُؤْمِنُ سے هَيْمَنَ يُهَيْمِنُ فَهُوَ مُهَيْمِنٌ الیٰ آخر بنایا گیا ہے اور اس کا معنی شاہد والی مومن۔ حافظ و نگہبان۔ امین اور

الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً

پاس حق ہر ایک کے لئے تم میں سے ہم نے بنائی شریعت اور راستہ اور اگر چاہتا اللہ تو کرتا تم کو ایک اُمت

وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ

لیکن تم کو آزماتا ہے اس میں جو تمہیں اس نے دیا پس بڑھو نیکیوں کی طرف اللہ کی طرف ہے

حاکم و قاضی باختلاف اقوال مفسرین کیا گیا ہے۔

سوال:۔ جب قرآن پچھلی کتابوں کا مصدق ہے تو پھر وہ منسوخ کیسے ہیں؟ بلکہ قرآن کی تصدیق کے پیش نظر وہ قابل عمل ہیں

جواب:۔ قرآن مجید ان کتابوں کا صرف اس حد تک مصدق ہے کہ وہ اللہ نے نازل کیں اور پھر قرآن مجید یہ بھی کہتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے ان میں ردّ و بدل کر کے اپنی طرف سے بھی کچھ مطالب گھسیڑ دیئے چنانچہ جا بجا قرآن نے ان کی تحریف کی مذمت فرمائی ہے۔ ہاں جب تک تحریف نہ تھی تو وہ واجب العمل تھیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تحریف کے بعد بھی وہ عمل ہوں پس قرآن میں ان کی تصدیق ان کی حقیقی پوزیشن کے ماتحت ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ قرآن مجید نے تورات و انجیل کے تمام احکام منسوخ کر دیئے ہوں، بلکہ مصلحت کے ماتحت جن احکام کے نسخ کی ضرورت ہوئی وہ منسوخ ہوئے اور باقی کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا گیا کیونکہ دین فطرت جو اسلام ہے وہ حضرت آدمؑ سے چلا آرہا ہے اور ہر صاحب شریعت کے دور میں فروعی طور پر مصلحت وقتی کے ماتحت بعض احکام میں تغیر ہوتا آیا ہے چنانچہ اس سے پچھلی آیات میں قصاص کے احکام کے متعلق صاف فرمایا ہے کہ تورات میں ہم نے یہ احکام نازل کئے تھے اور قرآن نے ان کو منسوخ نہیں کیا۔ اسی لئے زنا کے لئے سنگساری کا حکم تورات میں بھی تھا اور اسلام میں بھی ہے اور منسوخ نہیں ہوا۔ پس تورات و انجیل کے وہ احکام جو قرآن نے منسوخ نہیں کئے وہ واجب العمل ہیں لیکن نہ اس لئے کہ وہ تورات و انجیل کے احکام ہیں بلکہ اس لئے کہ قرآن نے ان پر عمل کا حکم صادر فرمایا ہے اور موجودہ دَور میں رائج شدہ تورات و انجیل کے احکام سب مشکوک ہیں کیونکہ قرآن نے ان کی تحریف کی خبر دی ہے پس ہر حکم کے متعلق تحریف کا شبہ ہو سکتا ہے۔ سوائے چند ان احکام کے جن کی قرآن نے تصدیق کی ہو پس ثابت ہوا کہ قرآن کی تصدیق ان کتابوں کے واجب العمل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا:۔ یعنی ہر نبی کے لئے ہم نے جُدا جُدا شریعت مقرر کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اصل دین اسلام اگرچہ ایک ہے لیکن فروعی اختلاف کے ماتحت ہر صاحب شریعت پیغمبر کا منہاج و طریقہ الگ الگ ہے اس میں ایک مصلحت تو یہ ہے کہ وقتی تقاضاؤں کے ماتحت بعض جزوی تغیرات کا داخل کرنا ناگزیر تھا اور دوسری مصلحت خود ذکر فرما رہا ہے اور وہ لِيَبْلُوَكُمْ یعنی تاکہ تمہیں آزمائے۔ پس اس جزوی اختلاف کے باوجود سب کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے اطاعت تو اس فقرہ

مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۴۸﴾ وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ

تمہاری بازگشت سب کی پس وہ خبر دے گا تمہیں ساتھ اس کے جس میں تم کو اختلاف ہے اور یہ کہ حکم کرو ان کے درمیان

بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ

جو اتارا اللہ نے اور نہ پیچھے لگو ان کی خواہشوں کے اور بچو ان سے کہ (مبادا) بہکا دیں تمہیں بعض اُن

بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ

چیزوں سے جو اتاریں اللہ نے آپ پر پس اگر منہ پھیریں تو سمجھ لو کہ یہی چاہا ہے اللہ نے

کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کی ان میں سے شریعت جُدا تھی ۔ حضرت عیسیٰؑ حضرت موسیٰؑ کی شریعت پر عامل نہیں تھے اور اگر بعض احکام میں حضرت موسیٰؑ کے موافق تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وُہ حضرت موسیٰؑ کے تابع تھے بلکہ ان پر اس حیثیت سے عامل تھے کہ وہ انجیل میں موجود تھے ۔ اسی طرح حضرت رسالتمآبؐ کی شریعت ان دونوں سے الگ ہے اور اگر بعض احکام اسلامی تورات و انجیل کے موافق ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام اُن کے تابع ہے بلکہ ہم تو ان کو اس لئے مانتے اور عمل کرنا واجب جانتے ہیں کہ وہ قرآن کی فرمائشات ہیں ۔ پس اس مقام پر پہلے حضرت موسیٰؑ کا ذکر پھر حضرت عیسیٰؑ کا ذکر اور آخر میں حضرت رسالتمآبؐ کا ذکر کرنا اور ہر ایک کو جُدا جُدا کتاب کے عطا کرنے کا احسان جتلانا اور پھر ہر بعد والے کو پہلے کا مصدق کہنا اس وہم کا موجب تھا کہ شاید ان میں سے کسی نبی کی شریعت بھی دوسرے کی شریعت کی ناسخ نہیں بلکہ سب واجب العمل ہیں تو اس آخری فقرے سے اس وہم کو دُور کر دیا کہ مذہب و شریعت جدا جدا ہیں اور یہ اختلاف تمہاری آزمائش کے لئے ہے پس موسیٰؑ کی شریعت حضرت عیسےٰؑ کے وقت تک اور وہ حضرت رسالتمآبؐ کے وقت تک ہی واجب العمل تھی اور بس ۔

وَأَنِ احْكُمْ ۔ اس سے پہلی آیت میں بھی فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو کتاب دی جو پہلی کتابوں کی مصدق و مہیمن ہے تاکہ آپ حکم کریں ۔ ان کے درمیان جو خدا نے نازل فرمایا اور اس آیت میں پھر انہی لفظوں کو دُہرا دیا گیا ہے اس کی وجہ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہودی حضورؐ کے ہاں دو مقدمے لے کر آئے تھے ایک خیبر کے دو زن و مرد کے زنا کا اور دوسرا بنو قریظہ اور بنو نضیر کے باہمی جھگڑے کا جیسا کہ بیان کئے جا چکے ہیں ۔ پس یہاں ایک حکم کا تعلق ایک قصہ سے ہے اور دوسرے حکم کا تعلق دوسرے قصہ سے ہے ۔

وَاحْذَرْهُمْ ۔ خطاب اگرچہ جناب رسالتمآبؐ سے ہے لیکن مراد تمام امت ہے کیونکہ حضورؐ تو ان کی باتوں سے پھسل نہیں سکتے تھے البتہ امت کے پھسلنے کا احتمال تھا اور ان کی چالاکیوں اور مکاریوں کی اہمیت کے پیشِ نظر خطاب کا رُخ حضورؐ کی طرف رکھا تاکہ مسلمان اچھی طرح ہوشیار رہیں اور ان کے دامِ تزویر میں نہ پھنسیں ۔

أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿٤٩﴾

کہ سزا دے ان کو اپنے بعض گناہوں کی اور تحقیق بہت سے لوگ فاسق ہیں

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾ ع

کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور کون ہے زیادہ بہتر اللہ سے فیصلہ کرنے میں واسطے اس قوم کے جو یقین رکھتی ہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ

اے ایمان والو نہ بناؤ یہودیوں اور نصرانیوں کو دوست وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو دوست بنائے گا ان کو

أَنْ يُصِيبَهُمْ :- اس سزا سے شائد مراد بنو نضیر کی جلاوطنی ہو کہ جب ان کے سرداروں نے ازراہِ سرکشی حق سے منہ موڑا اور سچ کو چھپایا تو خدا نے ان کو یہ عذاب چکھایا اور بنو قریظہ کو اپنی سرکشی اور سرتابی کی سزا قتل سے ملی۔

وَإِنَّ كَثِيرًا :- یہ پھر حضورؐ کی تسلی کے لئے ہے کہ باوجود دلائل و براہین کے ان کی سرکشی و سرتابی سے آپ نہ گھبرائیں بلکہ ہمیشہ لوگوں کی اکثریت فاسق ہی رہا کرتی ہے۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ :- حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حکم دو ہیں۔ ایک اللہ کا حکم اور دوسرا جاہلیت کا حکم پس جو حکم خدا سے گریز کرے گویا وہ حکم جاہلیت کا خواہاں ہے اور یہودیوں نے بھی حضورؐ کے حکم کو ٹھکرایا تھا۔ پس یہ خطاب ان کے لئے بھی ہے اور قیامت تک کے تمام ان لوگوں پر جاری ہے جو خدا کے حکم سے اعراض کریں۔

رکوع نمبر ۱۲ :- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا :- بعض مسلمانوں کی یہودیوں کے ساتھ دوستیاں تھیں، چنانچہ جب جنگِ بدر فتح ہوا تو مسلمانوں نے اپنے بعض دوست یہودیوں سے کہا کہ تم مسلمان ہو جاؤ ورنہ کبھی تمہاری بھی باری آجائے گی تو انہوں نے جواب دیا کہ ناتجربہ کاروں سے تمہیں واسطہ پڑا ہے اگر ہمارے ساتھ مقابلہ ہوگا تو تمہارے بھی ہوش ٹھکانے ہو جائیں گے۔ اس پر عبداللہ بن صامت خزرجی نے یہودیوں کی دوستی سے بیزاری کا اعلان کر دیا لیکن عبداللہ بن ابی نے کہا میں تو ان کی دوستی سے بیزار نہیں ہوں۔ مبادا کبھی معاملہ برعکس بھی ہو جائے تو پھر کوئی ٹھکانہ تو ہو۔

اور تفاسیر میں یہ بھی مروی ہے کہ احد کے دن جب مسلمانوں پر معاملہ سخت ہوا تو ایک مسلمان نے کہا اگر معاملہ خراب ہوا تو میں فلاں یہودی کے پاس جا کر امان لوں گا اور دوسرے نے کہا کہ میں فلاں نصرانی کے پاس شام چلا جاؤں گا لیکن یہ دونوں کون تھے تو لوامع التنزیل میں تفسیر سدی سے منقول ہے کہ پہلا شخص حضرت عثمان تھا اور دوسرا حضرت طلحہ تھا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہیں یہود و نصاریٰ سے محبت کے روابط قائم نہیں کرنے چاہئیں بلکہ ان سے نفرت کرو اور آپس میں محبت رکھو۔

بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ :- وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں یعنی اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ کفر سب ایک ہی ملت ہے۔

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ :- یہ حکم بہت سخت ہے کہ جو شخص ان سے محبت کرے گا وہ ان میں ہی شمار ہوگا۔ اسی بنا پر

مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِیْنَ

تم میں سے پس وہ انہی سے ہوگا تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا ظلم کرنے والوں کو پس دیکھو گے ان کو جن کے

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ؕ

دل میں بیماری ہے جلدی گھستے ہیں ان میں کہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ آ جائے ہمیں انقلاب

فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا

تو شاید اللہ بھیج دے فتح یا فیصلہ اپنا پس ہوں گے اس بات پر جو چھپائی ہے

تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو آلِ محمدؐ سے محبت رکھے گا اور ان کو غیروں سے افضل سمجھے گا تو وہ ان میں ہی شمار ہو گا جس طرح حضرت ابراہیم نے کہا تھا فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ :- یعنی جو میرا تابع ہے وہ مجھ سے ہی ہے۔

مومن کی مومن سے محبّت کا ثواب

جامع الاخبار میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے قیامت کے روز نور کے منبر ہوں گے اور ان پر نورانی چہروں اور نورانی لباسوں والے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے لیکن نبیؐ اور شہیدان کے درجہ پر رشک کریں گے تو دریافت کرنے پر آپ نے بتایا کہ وہ وہی لوگ ہوں گے جو اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے میل جول رکھتے ہوں گے اور ایک دوسرے کی زیارت کو جاتے ہوں گے۔ نیز حضرت موسیٰؑ کو وحی ہوئی کہ تو نے کبھی کوئی عمل میرے لئے بھی کیا ہے تو عرض کی اے پروردگار! نماز روزہ صدقہ ذکر سب تیرے لئے ہی ہے ارشاد ہوا نماز تیرے لئے دلیل۔ روزہ تیری ڈھال۔ صدقہ تیرے لئے سایہ اور ذکر تیرے لئے نور ہے پھر میرے لئے کونسا عمل ہے؟ پس لاجواب ہو کر عرض گذار ہوئے کہ تو ہی فرمادے تو ارشاد ہوا۔ اے موسیٰؑ میرے دوست سے دوستی اور میرے دشمن سے دشمنی کرو تو حضرت موسیٰؑ کو معلوم ہوا کہ تمام اعمال سے افضل عمل اللہ کی راہ میں اس کے دوستوں سے تولّا اور اس کے دشمنوں سے تبرّا کرنا ہے۔ اسی لئے خدا دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں پاؤ گے کہ خدا اور روزِ جزا پر ایمان رکھتی ہو اور پھر خدا و رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی بھی رکھتی ہو اور یہ قطعاً ہو ہی نہیں سکتا خواہ وہ دشمنانِ خدا و رسولؐ ان کے سگے باپ بھائی یا قبیلے کے ہی کیوں نہ ہوں۔

فَتَرَى الَّذِیْنَ :- عبداللہ بن صامت خزرجی کے مقابلہ میں عبداللہ ابن ابی نے جو بات کہی تھی اس کو دھرایا جارہا ہے اور اسی کی ہی مذمت ہے۔

بِالْفَتْحِ :- فتح کا معنی فتح مکہ یا عمومی فتح یا قضائے فیصل باختلاف رائے مفسرین ہو سکتا ہے۔

اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ :- اس میں بھی کئی خیالات ہیں۔ ۱۔ مومنوں کا اعزاز اور کافروں کی رسوائی ۲۔ یہودیوں کا قتل یا ان کی جلاوطنی ۳۔ ان کی اپنی موت۔

فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ نٰدِمِیۡنَ ﴿۵۲﴾ وَ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَہٰۤـؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمُوۡا

دلوں میں پشیمان اور کہتے ہیں وہ جو ایمان لائے ہیں کیا یہ وہی ہیں جو قسمیں کھاتے ہیں

بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ ۙ اِنَّہُمۡ لَمَعَکُمۡ ؕ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فَاَصۡبَحُوۡا

اللہ کی پکی قسمیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ضائع ہوئے ان کے اعمال پس وہ ہو گئے

خٰسِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ یَّرۡتَدَّ مِنۡکُمۡ عَنۡ دِیۡنِہٖ فَسَوۡفَ

خسارہ پانے والے اے ایمان والو! جو مرتد ہو جائے تم میں سے اپنے دین سے پس عنقریب

یَاۡتِی اللّٰہُ بِقَوۡمٍ یُّحِبُّہُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗۤ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَعِزَّۃٍ

لائے گا اللہ ایسی قوم کو کہ ان کو محبوب رکھے گا اور وہ اس کو محبوب رکھیں گے نرم ہوں گے مومنوں پر سخت ہونگے

نٰدِمِیۡنَ :- دونوں ندامتیں مراد ہو سکتی ہیں ۔ ایک مسلمان کی ظاہری فتح سے دنیا میں ندامت اور دوسری بروز قیامت اپنا جہنم کا عذاب دائمی اور مومنوں کے لئے درجات جنت دیکھ کر ندامت

یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ :- یعنی منافقوں کا یہ رویہ دیکھ کر تعجب کے مارے مومن کہنے لگے تھے کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو بڑی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں لیکن درحقیقت منافق تھے پس وہ دنیا میں خسارہ میں رہے کہ ان کو منافق سمجھا گیا ۔ نہ ان پر مسلمانوں کو اعتماد رہا اور نہ کافروں کو اور قیامت کا خسارہ تو ظاہر ہے ۔

مَنۡ یَّرۡتَدَّ :- اس شرط کی جزا محذوف ہے یعنی اگر کوئی مرتد ہو گا تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ وہ نقصان اس کو ہی ہوگا تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ یہ خطاب اصحاب پیغمبر کو ہے جنہوں نے آل محمدؐ کے حقوق غصب کئے اور دین سے مرتد ہو گئے ۔

فَسَوۡفَ یَاۡتِی اللّٰہُ :- تفسیر مجمع البیان میں ہے جناب رسالتمآبؐ سے اس کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے سلمان کے کندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا یہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں ۔ پھر فرمایا ۔ لَوۡ کَانَ الدِّیۡنُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَہٗ رِجَالٌ مِّنۡ اَبۡنَآءِ فَارِسَ ۔ کہ اگر دین ثریا پر لٹکا دیا جائے تب بھی اس کو ایران کے لوگ حاصل کر لیں گے اور یہ قول بھی ہے کہ اس سے مراد حضرت امیر علیہ السلام اور ان کے اصحاب ہیں جنہوں نے جمل صفین اور نہروان میں ناکثین ، قاسطین اور مارقین سے جہاد کیا اور صادقین علیہما السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور اس کے قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جنگ خیبر کے موقعہ پر حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو انہی صفات سے یاد فرمایا جب کہ علم اٹھا کر جانے والے پیچھے بعد دیگرے علم چھوڑ کر بھاگ

عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ

کافروں پہ جہاد کریں گے راہِ خدا میں اور نہ خوف کریں گے ملامت کرنے والوں کی ملامت کا

آتے تھے کہ وہ ساتھیوں کو بزدل کہتے تھے اور ساتھی ان کو بزدل کہتے تھے تو حضورؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ كَرَّارًا غَيْرَ فَرَّارٍ لَا يَرْجِعُ حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلٰى يَدِهٖ ثُمَّ اَعْطَاهَا اِيَّاهُ یعنی ضرور دوں گا کل میں علم فوج اس شخص کو جو اللہ و رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے کرار وغیرہ فرار ہوگا اور نہ واپس آئے گا۔ یہانتک کہ اس کے ہاتھ پہ خدا فتح رکھے گا اور اس کے بعد علم حضرت کو ہی عطا فرمایا تھا۔ پھر مومنوں سے نرمی اور کفار پر سختی اور جہاد راہِ خدا حضرت علیؑ کی وہ صفات ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کرسکتا جسے ذرہ بھر بھی تاریخ سے مس ہے اور ایک دفعہ قریشی لوگ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے بعض غلام آپ کے ساتھ ملحق ہوگئے ہیں وہ ہمیں واپس دے دیجئے تو آپ نے فرمایا اے گروہ قریش ان باتوں سے باز آجاؤ ورنہ خدا تم پر ایک ایسا شخص مسلط کرے گا جو تاویل قرآن کے ماتحت تمہارے سر قلم کرے گا۔ جس طرح کہ میں نے تنزیل کے ماتحت تمہارے سر قلم کئے ہیں کسی نے پوچھا کہ حضور وہ ابوبکر ہے تو فرمایا نہیں بلکہ وہ خاصف النعل ہے جو حجرہ کے اندر بیٹھا ہے اور اس وقت حضرت امیر علیہ السلام جناب رسالتمآبؐ کی نعلین مبارک کی اصلاح کر رہے تھے اور بصرہ میں جنگِ جمل کے موقعہ پر حضرت علیؑ نے خود فرمایا تھا کہ اس آیتِ مجیدہ کے مصداق آج تک نہیں آئے تھے گویا ہم ہی اس آیت کے مصداق ہیں (مجمع البیان)

مرتد کون ہوئے؟

تفسیر کبیر میں کشاف سے منقول ہے کہ کل مرتد ہونے والے گیارہ گروہ ہیں۔ تین گروہ جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں تھے اور سات گروہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اور ایک حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھا۔ وہ تین جو حضرت رسالتمآبؐ کے زمانہ میں تھے (۱) ذوالحمار اسود عنسی جو کاہن تھا اور یمن میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور پورے علاقہ پہ چھا گیا تھا اور اس کی قوم بنو مدلج اس کے ساتھ تھی۔ انہوں نے حضرت رسالتمآبؐ کے کارندوں کو وہاں سے نکال دیا تھا۔ حضورؐ نے معاذ بن جبل کو لکھا اور آخر کار فیروز دیلمی کے ہاتھوں قتل ہوگیا اور حضورؐ نے اسی وقت مسلمانوں کو مژدہ سنایا کہ ذوالحمار قتل ہوگیا ہے۔

(۲) بنو حنیفہ یہ مسیلمہ کذاب کی قوم تھی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور حضورؐ کو خط لکھا تھا مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ نِصْفُهَا لِيْ وَنِصْفُهَا لَكَ۔ یعنی یہ خط مسیلمہ رسول اللہ کا محمد رسول اللہ کی طرف ہے اما بعد تحقیق زمین نصف آپ کی ہو اور نصف میری ہو تو حضورؐ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ یعنی محمد رسول اللہ کی طرف

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

یہ فضل ہے اللہ کا دے جسے چاہے اور اللہ وسعت وعلم والا ہے

سے مسیلمہ کذاب کو۔ اما بعد تحقیق یہ زمین اللہ کی ہے۔ اس کا وارث بنائے گا۔ جسے چاہے گا اور انجام خیر متقیوں کے لئے ہے
یہ حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اس وحشی کے ہاتھوں قتل ہوا جس نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ چنانچہ بعد میں وہ وحشی کہا کرتا تھا۔
قَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَشَرَّ النَّاسِ فِي الْإِسْلَامِ ۔یعنی زمانۂ جاہلیت میں میں نے ایسے شخص کو قتل کیا جو لوگوں میں سے بہترین تھا اور مشرف باسلام ہونے کے بعد ایسے شخص کو قتل کیا جو لوگوں میں سے بدترین انسان تھا۔

(۳) قوم بنی اسد جو طلیحہ بن خویلد کے ساتھ تھے۔ اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ رسالتمآبؐ نے اس کی سرکوبی کے لئے خالد کو بھیجا اور یہ شخص شام کی طرف بھاگ گیا اور بعد میں مسلمان بھی ہو گیا۔ اس کے بعد وہ سات گروہ جو حضرت ابوبکر کے زمانہ میں مرتد شمار کئے گئے ۱۔ بنو فزارہ ۲۔ غطفان ۳۔ بنو سلیم ۴۔ بنو یربوع ۵۔ بنو تمیم سجاح بنت منذر تمیمیہ کی قوم جس نے نبوت کا دعویٰ کر لیا تھا اور مسیلمہ کذاب سے شادی کی تھی ۶۔ قوم کندہ ۷۔ بنو بکر اور حضرت ابوبکر نے ان کی سرکوبی کی اور حضرت عمر کے زمانہ میں غسان کی قوم مرتد ہوئی اور جبلہ بن ایہم ان کا سردار تھا۔ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور اس کی چادر زمین پر لٹکی ہوئی تھی۔ پس ایک شخص کا پاؤں اس کی چادر پر آگیا۔ اس نے اپنی سرداری کے گھمنڈ میں غصے سے اس کو ایک طمانچہ مار دیا پھر مقدمہ حضرت عمر کے پیش ہوا۔ تو انہوں نے حکم دیا کہ طمانچہ کے بدلہ میں طمانچہ ہوگا۔ مگر یہ کہ صاحب حق کو راضی کیا جائے تو اس نے ایک ہزار دینا چاہا لیکن وہ شخص نہ مانا پھر وہ رقم بڑھاتا گیا۔ یہاں تک کہ دس ہزار تک پہنچا لیکن اس شخص نے کہا میں تو بدلہ ہی لوں گا تو جبلہ نے مہلت مانگی اور حضرت عمر نے مہلت دے دی۔ پس وہ وہاں سے روم کی طرف بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ فخرالدین رازی نے یہ سب تفصیل نقل کرنے کے بعد حسن کا قول نقل کیا ہے۔ خدا جانتا تھا کہ جناب رسالتمآبؐ کے بعد ایک قوم اسلام سے پھر جائے گی پس خبر دے رہا ہے کہ میں ایسی قوم کو لاؤں گا جو میرے محبوب بھی ہوں گے اور محب بھی پس یہ آیت غیب کی خبروں میں سے ایک خبر ہے جو واقع ہو کے رہی اور اعجاز قرآن کی دلیل ہے۔

حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے اور مطلب میں الجھاؤ پیدا کرنے کی خاطر رازی اور اس کے تمام ہم مشرب مفسرین نے بہت تانا بانا شروع کر دیا اور مرتدوں کو تلاش کرنے کے لئے بہت دور دور تک اپنی باریک بین نگاہوں کو دوڑانے لگ گئے پس کسی کو یمن سے ڈھونڈ ہو لائے اور کسی کا کسی اور جگہ سے کھوج نکال لیا گیا۔ بمثال کے طور پر اگر کسی سفید پوش کی چوروں کے ساتھ سازش ہو تو کبھی پولیس کو چوروں کے گھروں کی تلاشی کا مشورہ نہ دے گا بلکہ اگر پولیس احتیاطاً اس طرف ارادہ کرے بھی تو صاف کہہ دے گا حضور یہ تو بڑے شریف لوگ ہیں اور خود پولیس کے ہمدرد اور خیرخواہ ہیں اور چوروں کو سزائیں دینے والے ہیں۔ ان کے متعلق تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ خود چور ہوں۔ پس وہ پولیس کو حقیقی چوروں کے گھروں سے کوسوں دور پھراتا رہے گا اور بے گناہوں اور

غیر خوشامدیوں کو مروا پٹوا کر دفتر سرکار میں سے اپنا نیک نامی کا سرٹیفکیٹ بھی لے لے گا اور کسی نہ کسی بے گناہ کو فرد جرم کی سزا بھی دلوا دے گا۔

آئیے صحیح بخاری کا مطالعہ فرمائیے تاکہ پتہ چل جائے کہ مرتد کون تھے۔ حضور فرماتے ہیں۔ بروز محشر

۱۔ الا وانہ یجاء برجال من امتی فیوخذ بھم ذات الشمال فاقول یارب اصیحابی فیقال انک لاتدری ما احدثوا بعدک (الی ان قال) فیقال ان ھؤلا لم یزالوا مرتدین (تفسیر سورہ مائدہ)

میرے پاس میری امت کے چند آدمی لائے جائیں گے اور ان کو دوزخ میں لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا میرے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تو کہا جائے گا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا۔ (حتیٰ کہ فرمایا) یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے۔

کتاب الفتن میں ایک حدیث صحیح بخاری میں مروی ہے۔

۲۔ قال النبی انا فرطکم علی الحوض لیرفعن الیٰ رجال منکم حتیٰ اذا ھویت لاناولھم اختلجوا دونی فاقول ای رب اصحابی فیقول لاتدری ما احدثوا بعدک۔

حضورؐ نے فرمایا میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر ہوں گا اور تم میں سے چند آدمی میرے پاس لائے جائیں گے جب میں ان کو جام کوثر دینا چاہوں گا تو وہ ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تو خدا فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا گل کھلائے ہیں

۳۔ حدیث حوض میں ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں کہوں گا کہ یہ میرے اصحاب ہیں۔

فیقال لاعلم لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقریٰ

تو جواب ملے گا کہ آپ کو علم نہیں جو آپ کے بعد یہ لوگ کرتے رہے ہیں یہ تو مرتد ہو گئے تھے اپنے پچھلے پاؤں

بہر کیف اس باب کی احادیث بہت کافی ہیں۔ ہم نے مقدمہ تفسیر میں ص۱۴۵ و ص۱۴۹ پر بھی بعض کا ذکر کیا ہے۔ ان میں کہیں حضورؐ نے نہیں فرمایا کہ ذوالحمار اسود عنسی یا مسلیمہ کذاب یا طلیحہ کو لایا جائے گا اور ان کا ارتداد مجھے سنایا جائے گا۔ آپ تو فرماتے ہیں کہ میرے اصحاب ہوں گے جن کی عیب پوشی کے لئے یہ مفروضہ حدیث پڑھی سنی جاتی ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے اور رِجَالٌ مِّنْكُمْ کے خطابی الفاظ تو یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ خطاب مجلس وعظ میں سامنے بیٹھے ہوئے حضرات کو ہو رہا ہے کہ تم میں سے کئی ایسے ہوں گے اور یقیناً یہاں یمن و طائف کے لوگ مقصود نہیں ہیں یا گردونواح کے دیہاتی مراد نہیں ہیں بلکہ مہاجرین و انصار میں سے پہلو بہ پہلو بیٹھنے والے ہی مخاطب ہو رہے ہیں اور صحاح ستہ کی مسلم حدیث کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ من کان قبلکُم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتی لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ قلنا یارسول اللہ الیھود والنصاریٰ فقال النبی فمن ہو کہ تم اپنے سے پہلی امتوں کے قدم بقدم چلو گے حتیٰ کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں تو تم بھی وہی راہ لو گے تو راوی کہتا ہے کہ ہم نے دریافت کیا کہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا پھر اور کون مراد ہے؟ یعنی میں وہی مراد لے رہا ہوں

کہ تم انہی کے قدم بقدم چلو گے یعنی جس طرح انہوں نے اپنے نبیوں کا طریقہ چھوڑ کر ان کے حقیقی دین کو مسخ کر ڈالا۔ تم بھی ایسا ہی کرو گے اور یہ خطاب بھی اپنوں کو اور بالخصوص انہی لوگوں کو ہے جو ساتھ اور آس پاس بیٹھے ہیں نہ کہ گرد و نواح کے دیہاتی بدوی مراد ہیں اور نہ طائف و یمن کے مدعیان نبوت مقصود ہیں۔ نیز دور والے اور جنگل کے باشندے دین کا بگاڑ ہی کیا سکتے ہیں یہ خطاب انہی کو تو ہے جن کے بگڑنے سے دین کو خطرہ تھا۔ نیز حدیث قرطاس جس کو بخاری میں متعدد جگہ ذکر کیا گیا ہے اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدی میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں تاکہ تم گمراہ نہ ہو اگر طبیعت میں انصاف ہو تو بتائیے اس وقت یعنی شدتِ مرض کے عالم میں آپ کے پاس کون لوگ موجود تھے جن کی گمراہی کا حضورؐ کو خطرہ تھا یہ مجمع عام نہیں تھا تاکہ ہر کہ ومہ کو حضورؐ خطاب فرما رہے ہوں بلکہ یہاں تو وہ لوگ تھے جو رسولؐ کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے تھے جس طرح بیمار کے آخری لمحات میں جو جو مخصوص احباب ہوا کرتے ہیں۔ پس جب بالعموم مدنی بھی مراد نہیں تو بیرونجات کے دیہاتی یا مدعیان نبوت کیسے مراد ہو سکتے ہیں؟ اور اگر کہا جائے کہ حضرت علیؑ بھی تو اس خطرہ سے باہر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؑ یقیناً اس خطرہ سے باہر ہیں۔ جب صحابہ کی بالعموم گمراہی کا خطرہ حضورؐ نے کسی اور موقعہ پر ظاہر کیا تھا تو حضرت عمارؓ سے صاف صاف لفظوں میں فرمایا تھا کہ اگر تمام لوگ ایک وادی میں چلیں اور تنہا علیؑ علیحدہ وادی میں چلے تو تم تمام لوگوں کو چھوڑ دینا اور وہ راستہ اختیار کرنا جو علیؑ اختیار کر رہے ہوں اور اس حدیث کی صحت کو فضل ابن روزبہان جیسا متعصب بھی تسلیم کرتا ہے کہ واقعی صحاح میں حدیث یہی موجود ہے اور حضورؐ نے عمار کو صاف فرمایا تھا علی مع الحق والحق مع علی یعنی علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے حق اسی طرف ہوتا ہے جس طرف علیؑ ہو۔ نیز یہ کہ علیؑ کی اطاعت میری اطاعت اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور یہ حدیث صحیح ببانگ دہل اعلان کر رہی ہے کہ رسولؐ کے بعد ارتداد اور گمراہی سے صرف وہی لوگ بچ سکے جنہوں نے حضرت علیؑ کا دامن تھام لیا اور جو یکسو ہو گئے وہ گمراہ ہو گئے۔ چنانچہ حدیث ثقلین جو متواتر منقول ہے وہ بھی یہی کہتی ہے۔ کہ علیؑ اور آلِ علیؑ سے علیحدگی گمراہی کی موجب ہے۔

فخر الدین رازی اپنے متعصبانہ طرز عمل اور معاندانہ ذہنیت کے پیش نظر حقائق و واقعات کے گلے پر چھری پھیرتے ہوئے اور حق کا خون کرتے ہوئے اپنے نظریئے کی صفائی میں رقمطراز ہے کہ آیت مجیدہ شیعوں رافضیوں کے مذہب کو باطل کرتی ہے کیونکہ شیعہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ابوبکر کی امامت و خلافت کو تسلیم کر لیا وہ کافر و مرتد ہو گئے کیونکہ حضرت علیؑ کی امامت کی نص جلی کا انہوں کا انکار کیا تو ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ابوبکر اور اس کی بیعت کرنے والے مرتد ہوتے تو خدا ایسی قوم کو لاتا جو ان کی سرکوبی کر کے ان کو راہِ راست پر لاتی کیونکہ آیت کا طرز بیان یہی ظاہر کرتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو گا تو میں ایسی قوم کو لاؤں گا جو میرے محبوب و محب ہوں گے یعنی وہ مرتدوں کی سرکوبی کریں گے۔ پس اس سے مراد یقیناً علیؑ اور اس کی جماعت نہیں۔ کیونکہ وہ ابوبکر کو اپنے قہر و غلبہ سے صحیح راستہ پر نہ لا سکے اور نہ ان کے شیعہ مراد ہیں کیونکہ یہ تو ہر دور میں مقہور و مغلوب ہی چلے آتے ہیں۔ انتہیٰ۔

جواب :- (۱) رازی کی ناقرآن فہمی ہے کہ خدا اپنا دین قہر و غلبہ سے منوانا چاہتا ہے کیونکہ اس آیت مجیدہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر تم مرتد ہو گئے تو میں تمہاری سرکوبی کے لئے کسی قاہر و جابر جماعت کو بھیجوں گا بلکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم یہ نہ سمجھو کہ ہمارا اسلام لانا اللہ یا اس کے رسولؐ کو مفید ہے بلکہ یہ فائدہ تمہارے اپنے لئے ہے ورنہ اگر تم مرتد بھی ہو جاؤ گے تو یہ خسارہ تمہیں کو ہوگا۔ دینِ خدا کو کوئی خسارہ نہیں بلکہ تمہارے ارتداد کے بعد خدا ایسی قوم بھیج دے گا جو اس کے دین کو زندہ رکھے گی وہ خدا کے محبوب و محب ہوں گے اور باقی صفات بھی ان میں ہوں گے اور ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ اگر کسی نبی کی امت میں سے کئی لوگ مرتد ہوتے رہے تو بعض ایسے بھی ہوتے رہے جو دین کے محافظ تھے لیکن چونکہ رازی خود اس امر کا قائل ہے کہ صداقت قہر و غلبہ کا نام ہے لہذا وہ اسلام کی خوبی بھی قہر و غلبہ میں سمجھتا ہے اور خلافت مآب کی صداقت کی دلیل بھی قہر و غلبہ کو پیش کرتا ہے۔ صرف رازی نہیں بلکہ تمام اس کے ہم مشرب لوگ اسی نظریے پر آج تک ہیں کہ ہر ممکن ذریعے سے شیعوں کو اپنی لائن پر لانا چاہیئے اور ہر وہ مقام جہاں ان کو غلبہ حاصل ہو تو شیعوں کو ظلم کا نشانہ بناتے ہیں۔ مارتے ہیں۔ پانی بند کرتے ہیں۔ گھر لوٹتے ہیں۔ کافر کہتے ہیں اور قتل کے فتوے دیتے ہیں تاکہ شیعہ اپنے مذہب کو چھوڑ دیں اور انہیں یہ معلوم نہیں کہ عقیدہ اور شے ہے اور قہر و غلبہ اور شے ہے۔ کبھی اعتقاد جبر و تشدد سے نہیں بدل سکتا۔ بلکہ اعتقاد کے لئے دلیل و برہان چاہیئے۔ بنی امیہ کے دور سے آج تک اگرچہ شیعہ مقہور رہے مغلوب رہے۔ بے دردی سے قتل ہوئے اور زندہ دیواروں میں چنے گئے لیکن اعتقاد نہ چھوڑا۔ ہاں رازی وغیرہ کے عقائد و مسالک کی بنیاد ہی چونکہ پہلے دن سے جبر و تشدد پر تھی اور حضرت علیؑ اور جملہ بنی ہاشم کے ساتھ انہوں نے یہ طریقہ ہی برتا تھا۔ چنانچہ امامت و سیاست میں ابن قتیبہ دینوری نے خوب تصریح کے ساتھ حقیقت کی نشاندہی کی ہے پس آج تک وہی بات چلی آرہی ہے پھر کس قدر اپنے قہر و غلبہ کے اسوا پر نازاں ہیں۔ کہ رازی شیعوں کو مقہوریت و مغلوبیت کا طعنہ دے رہا ہے کہ یہ لوگ کس طرح محبوب و محب خدا بن سکتے ہیں جو ہمیشہ سے مغلوب رہے ہیں؟ گویا خدا کا محب و محبوب وہی ہوگا جو قاہر و غالب ہو اور اپنے قہر و غلبہ سے دوسرے کو متاثر کرسکے (بریں عقل و دانش بباید گریست)

جواب (۲) آیت مجیدہ کا ظاہر صاف بتلاتا ہے کہ اس کا مصداق حضرت علیؑ اور اس کے اتباع و اشیاع ہیں اور صحاح ستہ کی روایت کردہ حدیث سابق کہ اے عمار اگر تمام لوگ ایک طرف اور علیؑ دوسری طرف ہو تو علیؑ کی طرف ہی جانا کیونکہ حق اس کی طرف اور وہ حق کی طرف ہوگا اور حدیث ثقلین متواتر بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ نیز جنگ خیبر کے موقع پر حضورؐ نے حضرت علیؑ کی یہی صفات گنوائی تھیں جیسے کہ حدیث کے الفاظ بیان ہو چکے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ابوبکر و عمر و عثمان کی تینوں خلافتوں میں انہوں نے قہر و غلبہ کو کیوں استعمال نہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت قطعاً یہ ظاہر نہیں کرتی کہ خدا جن محافظین اسلام کو بھیجے گا وہ قاہر و غالب ہی ہوں گے تاکہ مرتدین کو اسلام کی طرف لا سکیں۔ ہاں منجملہ ان کی باقی صفات کے ایک صفت ان میں یہ بھی ہوگی کہ بلا لومۃ لائم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور عقلاً جہاد اس وقت واجب ہوتا ہے جب اقتدار

ظاہری بھی حاصل ہو اور ظاہر ہے کہ پہلی تینوں خلافتوں کے زمانہ میں حضرت علیؑ اقتدارِ ظاہری سے محروم تھے ہاں جب اقتدار ملا تو ناکثین کی سرکوبی جنگِ جمل میں کی جو بصرہ میں ہوئی اور قاسطین سے صفین میں جہاد کیا اور مارقین سے نہروان میں نبرد آزما ہوئے

جواب (۳) :- حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ قال ابوبکر وعمر انا ہو قال لا بل ہو خاصف النعل یعنی علی - یعنی تم میں سے ایک ہوگا جو تاویل قرآن کے ماتحت جہاد کرے گا - جس طرح میں نے تنزیلِ قرآن کے ماتحت جہاد کیا ہے پس حضرت ابوبکر وعمر نے پوچھا یکے بعد دیگرے - کیا وہ میں ہوں گا ؟ تو فرمایا نہیں ؛ بلکہ وہ خاصف النعل ہے - یعنی علیؑ - اس حدیث کو دلائل الصدق میں مسند احمد ج ۳ ص ۳۳ و ص ۸۲ اور مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۲۲ کنز العمال ص ۲۹۱ اور خصائص نسائی سے نقل کیا گیا ہے

جواب (۴) تفسیر قمی میں ہے کہ یہ حضرت قائم آلِ محمدؐ عجؐ علیہ السلام کے حق میں ہے اور مَنْ یَرْتَدِدْ کے مصداق وہ لوگ ہیں جنہوں نے آلِ محمد پر ظلم کیا - ان کو قتل کیا اور ان کا حق غصب کیا اور مجمع البیان میں ہے کہ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ خدا فرماتا ہے فَسَوْفَ یعنی آئندہ کے زمانہ میں خدا ان کو لائے گا اور خلفائے ثلثہ تو وقتِ خطاب میں ہی موجود تھے

رازی نے فیصلہ یہ کیا ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت ابوبکر ہیں کیونکہ انہوں نے جنگ کیا مرتد لوگوں کے ساتھ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدعیانِ نبوت کے ساتھ جنگ کرنا وہ کفار کے ساتھ جنگ تھا نہ کہ مرتدین کے ساتھ کیونکہ مسیلمہ کذاب اور اس کی زوجہ دونوں کافر تھے اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے کے جرم میں جن مسلمانوں کو قتل کیا وہ قطعاً مرتد نہیں تھے - مثلاً مالک بن نویرہ اور اس کا خاندان بنو یربوع اسی طرح بنو حنیفہ یہ لوگ بے چارے پکے مومن تھے لیکن چونکہ بیعتِ غدیریہ کو توڑ کر کسی دوسرے کی بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے اور قہر و غلبہ اور ہاؤ ہو سے متاثر ہو کر کسی کو خلیفۂ رسولؐ ماننے کو تیار نہ تھے - پس ان پر ارتداد کا فتویٰ عائد کر کے قتل کر دیا گیا - اگرچہ وہ کلمہ شہادتین پڑھتے رہے لیکن کسی نے نہ سنی تھی نہ سنی اور جو دھاندلی ہوتی رہی - وہ اسلامی تاریخ کے صفحات کو سیاہ کرنے کے لئے کافی ہے -

بحار الانوار جلد چہارم ص ۲۶۰ ایک دفعہ شیخ الطائفہ شیخ ابوجعفر طوسی کا بعض معتزلی علمائے کلام کے ساتھ مکالمہ ہوا - چنانچہ علمائے معتزلہ میں سے ایک شخص ابوبکر بن البصری نے حضرت ابوبکر کی شجاعت پر بہت زور دیا اور کہا کہ وہ شجاعانِ عرب میں بلند مقام کے مالک تھے جب شیخ نے دلیل طلب کی تو اس نے جواب دیا کہ رسولِ خدا کے بعد مرتدین کے ساتھ جہاد کرنے میں صحابہ کی اکثریت پس و پیش کر رہی تھی لیکن انہوں نے پوری جماعت کی مخالفت کے باوجود ارادۂ جہاد کو برقرار رکھا اور ذرہ بھر پیچھے نہ ہٹے اگر وہ غیر معمولی شجاع نہ ہوتے تو باقی صحابہ کی مخالفت اُن کے ارادہ میں لغزش کا باعث ہوتی - شیخ نے نہایت متانت سے جواب میں ارشاد فرمایا کہ کسی کی شجاعت معلوم کرنے کے دو طریقے ہوا کرتے ہیں -

۱- اس کی شجاعت کے کارنامے معرضِ وجود میں آئیں تو معلوم ہوگا کہ شجاع ہے

۲- خداوند کریم کی جانب سے الہامی خبر ہو کہ فلاں شجاع ہے خواہ اس کا کوئی کارنامہ ہو یا نہ ہو لیکن حدس اور قیاس سے کسی

کی شجاعت ثابت نہیں کی جاسکتی اور ہمیں معلوم ہے کہ خدا نے تو حضرت ابوبکر کی شجاعت کی خبر دی نہیں۔ باقی رہی دوسری بات تو اس کا پتہ چلتا ہے جب کہ کوئی شخص میدان حرب وضرب میں اپنے ہمسروں سے نبرد آزما ہو اور لڑائی میں خوب جم کر دشمن کا مقابلہ کرے اور ڈٹ کر لڑے۔ یہاں تک کہ اس کے قدم میدان سے پھسلنے نہ پائیں اور صرف ایک دفعہ کا اس قسم کا مظاہرہ بھی کسی کی شجاعت کی دلیل نہیں بنا کرتا۔ بلکہ ممکن ہے وہ کوئی فوری جذباتی اثر ہو یا اتفاقی صورت ہو بلکہ شجاعت کے ثابت کرنے کے لئے اس طرح کے بار بار کے تجربات حاصل کرنے پڑتے ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ حضرت ابوبکر میں یہ بات نہ تھی پس جب نہ خدا نے خبر دی اور نہ ان کے کارنامے شہادت دیتے ہیں تو پھر آپ کیسے جان گئے کہ وہ چوٹی کے شجاع تھے؟ ہاں البتہ ان کی بزدلی، کمزوری، جزع وفزع اور خوف وہراس کے واقعات اس قدر ظاہر ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ وہ کسی مدمقابل کے ساتھ لڑنے کے لئے تشریف نہیں لے گئے اور نہ کبھی میدان میں مبارز طلبی کی ہے اور نہ کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کافر کا ذرہ بھر خون بہایا ہے اور آپ جناب رسالتمآب کے تمام غزوات میں شریک رہے اور یہ شرف صرف انہی کی ذات کو حاصل ہے کہ سوائے ان کے باقی تمام صحابہ کا جنگ میں تھوڑا بہت حصہ ہوتا رہا ہے۔ علاوہ ازیں جنگ احد میں فرار جنگ خیبر میں پسپائی۔ یہ ایسے واقعات ہیں۔ جن کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ اب فخر الدین رازی بیچارہ وہی چبایا ہوا لقمہ دوبارہ چبا رہا ہے اور اگلی ہوئی تھوک کو دوبارہ نگل رہا ہے۔ جب تک تعصب کی پٹی انسان کی آنکھوں سے نہ اترے لاکھ اس کو سمجھائیے کروڑ دلیلیں دیجئے۔ خاک اثر ہو گا۔

رازی نے شیعہ کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت علیؑ کو نہیں قرار دیا جاسکتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ جن جن لوگوں کے ساتھ لڑے ہیں وہ مرتد نہیں تھے بلکہ مسلمان تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رسالتمآب نے حضرت علیؑ کے متعلق کہا ہے **لا یحبك الا مومن ولا یبغضك الا منافق** اور یہ حدیث مسند احمد اور صحاح ستہ میں موجود ہے اس کو ابن روزبہان نے بھی ذکر کیا ہے اور ابن حجر مکی جیسے متعصب نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور منافق اسی کو کہا جاتا ہے جو زبان سے اقرار اسلام کرتا ہو اور باطن میں کافر ہو جیسے کہ قرآن کریم گواہ ہے پس جب تک کفر اندر رہے تو اس کی تعبیر ہے منافق اور جب کفر باہر نکل آئے تو اس کا نام ہے مرتد اسی طرح جو لوگ حضرت علیؑ سے بغض رکھتے تھے۔ جب تک بغض ان کے دل میں تھا وہ منافق تھے اور جب وہ بغض دل سے نکل کر زبان اور عمل تک پہنچ گیا تو وہ ارتداد وکفر بن گیا۔ لہٰذا جن لوگوں نے حضرت علیؑ سے لڑائی کی وہ پہلے منافق تھے اور بعد میں مرتد وکافر ہو کر سامنے آگئے اور حضرت نے مطابق تاویل قرآن ان سے جہاد کیا جس طرح پیغمبر نے فرمایا تھا۔

جواب نمبر ۲ ۔ حضور نے فرمایا۔ **مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ اَیُّهَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا بُعِثَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یهودیًا اَوْ نصرانیًا** ۔ جس نے علیؑ کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔ اے لوگو! جو علیؑ کو اذیت دے گا وہ بروز محشر یہودی اور نصرانی ہو کر اٹھے گا۔ یہ حدیث مسند احمد سے منقول ہے اور ابن روزبہان نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ نیز حدیث

کا پہلا حصہ مستدرک حاکم سے اور دوسرا حصہ مناقب خوارزمی سے بھی مروی ہے اور ممکن ہے دو حدیثیں جُدا جُدا ہوں۔ بہر کیف ان حدیثوں سے صاف واضح ہے کہ علی کا دشمن صفِ اسلام سے خارج ہے۔

پھر فخر الدین رازی اس بات کو دہراتے ہوئے کہتا ہے کہ حضرت علیؑ سے امامت کے معاملے میں اختلاف کرنا اگر ارتداد ہوتا تو آیت کے مقتضا کے مطابق خدا کسی قہر و غلبہ والے کو بھیجتا جو ابوبکر کو مقہور و مغلوب کرتا۔ لیکن چونکہ خدا نے ایسا نہیں کیا لہٰذا معلوم ہُوا کہ علیؑ کی امامت کا انکار یا اس کے بارے میں ان سے اختلاف کرنے والا مرتد نہیں ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو پہلے دیا جا چکا ہے کہ آیت کا مفہوم رازی نے غلط سمجھا ہے۔ خدا کسی سے اپنا دین قہر و غلبہ کی بناء پر نہیں منوانا چاہتا۔ اور نہ آیت اس بات کو ظاہر کرتی ہے۔ ہاں جب صاحبانِ حق کے پاس اقتدار آجائے اور ایمانداروں کی من جملہ صفات کے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ باطل پرستوں سے جہاد کریں۔ اگر ہمیشہ قہر و غلبہ خدائی اصول ہوتا تو سینکڑوں برس فرعون ردائے ربوبیت نہ پہنتا بلکہ پہلے دن سے اسے قہر و غلبہ کا نشانہ بنا دیا گیا ہوتا کیوں کہ اس کا مقابلہ تو خدا سے تھا اور ربوبیت کا مدعی تھا اور خدا نے اپنے مقام پر باوجودیکہ برحق خدا اور قہار بھی ہے جبار بھی ہے۔ علیٰ کلّ شئیٍ قدیر بھی ہے لیکن اس کو مہلت دے دی تو اس کا کیا یہی مطلب ہے کہ اگر فرعون کا دعویٰ غلط ہوتا تو خدا نے قہر و غلبہ سے کیوں نہ دبایا اور چونکہ خدا نے قہر و غلبہ سے اس کو نہیں دبایا۔ لہٰذا فرعون کا دعویٰ حق تھا۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس نمرود و شدّاد وغیرہ۔ پس ہم کہتے ہیں علیؑ امامِ حق تھے۔ اور ان کی امامت و خلافت میں ان کے ساتھ اختلاف رکھنے والے یقیناً بفرمانِ نبوی مرتد تھے اور حضرت علیؑ نے جن سے جہاد کیا وہ مرتد ہی تھے اور جن سے جہاد نہیں کیا۔ وہ اس لئے کہ ظاہری اقتدار جو جہاد کی شرط ہے۔ موجود نہ تھی۔

رازی کہتا ہے جب یہ ثابت ہوگیا کہ آیت مذکورہ حضرت ابوبکر کے حق میں ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر میں وہ تمام صفات موجود تھیں جو آیت میں گنوائی گئی ہیں۔ پس وہ خدا کا دوست تھا اور خدا اس کا دوست تھا۔ نیز پس وہ رحمدل بھی تھا اور کفار پر سخت بھی تھا اور جہاد کی صفت میں کہتا ہے کہ اس صفت میں حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ دونوں شریک ہیں لیکن ابوبکر میں یہ صفت بہ نسبت علیؑ کے اتم و اکمل ہے۔

جواب:۔ حق کا خون دیکھئے۔ جس کے متعلق صاف نص وارد ہے کہ وہ خدا کا دوست اور خدا اس کا دوست ہے۔ جیسے حدیث رایت جو پہلے گذر چکی ہے وہ ان صفتوں سے خالی اور جس کے متعلق اس باب کی ایک حدیث بھی موجود نہیں وہ ان صفات سے متصف ہے۔ ہاں حضرت علیؑ کو جہاد کی صفت میں ابوبکر کے ساتھ شریک مان لیا اور پھر شائد خیال پیدا ہُوا ہو کہ یہ تو علیؑ کی برابری ابوبکر کے ساتھ لازم آتی ہے تو فوراً کہہ دیا کہ نہیں۔ یہ صفت بھی ابوبکر میں اتم و اکمل ہے تو اس بارے میں میں دریافت کرتا ہوں۔

جنگِ احد میں کس نے لافتیٰ الا علی کی سند لے لی اور کون کوہِ احد کی پہاڑیوں کو قدموں سے ناپتا رہا؟

جنگِ خندق میں کلِ ایمان بن کر کون گیا اور ثقلین کی عبادت سے کس کی ضرب بڑھ گئی اور دوسری طرف خوف سے

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ

صرف تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ ایمان لانے والے جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں

آنکھیں کس کی دھنس گئی تھیں۔

جنگِ خیبر میں کرّار وغیر فرار بن کر مردِ میدان کون ہوا اور یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ کا مصداق کون تھا؟

خدا کہے علیؑ کے علاوہ کوئی مردِ میدان نہیں۔ نبی کہے ایک ضربتِ علیؑ جن و انس کی عبادت سے افضل ہے اور وہ کرّار وغیر فرار ہیں لیکن پھر بھی کوئی کہنے والا کہتا رہے کہ علیؑ سے صرف جہاد میں وہی افضل و اکمل ہے جس نے کسی جنگ میں نہ کوئی زخم کھایا یا نہ کسی کو مارا۔ اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ تاریخ نہیں ثابت کر سکتی کہ حضرت ابوبکر نے اپنی پوری زندگی میں کسی کافر و مشرک کو قتل کیا ہو۔ بہرکیف بلاشک یہ آیتِ مجیدہ حضرت علیؑ اور ان کے اتباع و اشیاع کی شان میں ہے۔ اور زمانِ آخر میں حضرت حجت علیہ السلام عج بھی اسی آیت کے مصداق بن کر ظاہر ہوں گے۔ سورج پہ دھول جھونکنے سے سورج کا کچھ نہیں بگڑتا علیؑ کے فضل و کمال کو دنیا و باقی رہی لیکن دن بدن نکھرتا و ابھرتا رہا۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

رازی کے شکوک دفع کرتے کرتے طول ہوگیا ہے جو فائدہ سے خالی نہیں اور علامہ حلّی نے اس آیتِ مجیدہ کو حضرت کی خلافتِ بلافصل کی دلیل بھی قرار دیا ہے۔

آیتِ ولایت

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس چاہِ زمزم کے کنارے بیٹھ کر لوگوں کو احادیثِ نبویہ سنا رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص عمامہ پوش وارد ہوا اور بیٹھ گیا۔ پس جب ابنِ عباس کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو مقابل میں ایک حدیث وہ بھی سنا دیتا تھا تو آخرکار ابنِ عباس نے اس کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے منہ سے نقاب اٹھایا اور کہا اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے تو ٹھیک اور جو نہیں پہچانتا اسے میں بتاتا ہوں کہ میں جندب بن جنادہ بدری ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے اپنے دونوں کانوں سے سنا ہے اگر نہ سنا ہو تو بہرے ہو جائیں اور ان دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے اگر نہ دیکھا ہو تو اندھی ہو جائیں کہ حضور رسالتمآبؐ نے فرمایا عَلِیٌّ قَائِدُ الْبَرَرَةِ وَقَاتِلُ الْكَفَرَةِ وَمَنْصُوْرٌ مَنْ نَصَرَهٗ وَمَخْذُوْلٌ مَنْ خَذَلَهٗ علیؑ نیکوں کا قائد اور کافروں کا قاتل ہے اس کا ناصر منصور ہوگا اور اس کا خاذل مخذول ہوگا۔ ایک دن نمازِ ظہر میں نے جناب رسالتمآبؐ کی اقتدا میں پڑھی تو مسجد میں ایک سائل نے آکر صدا دی لیکن کسی نے اس کو کچھ نہ دیا پس سائل نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر عرض کی کہ اے اللہ تو گواہ رہ کہ مسجد نبوی میں میں نے سوال کیا ہے لیکن واپس خالی جا رہا ہوں اس وقت حضرت علیؑ حالتِ رکوع میں تھے پس دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا جس میں انگوٹھی تھی تو سائل نے آکر انگوٹھی اتار لی اور یہ واقعہ حضرت رسالتمآبؐ

کی موجودگی کا ہے جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ اے اللہ میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے دعا کی تھی رب اشرح لی صدری ویسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیراً من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کہ اے رب میرا سینہ کھول میرا معاملہ آسان کر میری زبان کی گرہ دور فرما تاکہ میری بات کو سمجھیں اور میرے لئے میری اہل سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر مقرر کر اور اس کو میرا شریک کار بنا تو تو نے قرآن میں صاف خبر دی ہے کہ اس کی دعا مستجاب ہوئی اور تو نے ارشاد فرمایا سنشد عضدک باخیک ونجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما۔ کہ اے موسیٰ ہم تیرا بازو تیرے بھائی کی وجہ سے مضبوط کریں گے اور تمہیں غلبہ عطا کر دیں گے کہ وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے وانا محمد نبیک وصفیک اللھم فاشرح لی صدری ویسرلی امری واجعل لی وزیراً من اھلی علیا اشدد بہ ظھری اور میں محمد تیرا نبی اور برگزیدہ ہوں اے اللہ پس کھول میرا سینہ اور آسان کر میرا معاملہ اور بنا میرے لئے میری اہل سے علیؑ کو میرا وزیر اور اس کی بدولت میری پشت کو مضبوط کر۔ ابوذر کہتا ہے ابھی تک خدا کی قسم دعا تمام نہیں ہوئی تھی کہ اللہ کی جانب سے جبرئیل نازل ہوا اور عرض کی پڑھو اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا۔ یہ روایت تفسیر ثعلبی میں بھی مذکور ہے اور صادقین علیہما السلام سے بھی اسی طرح مروی ہے (مجمع البیان) اور اہلسنت کے منصف مزاج مفسرین نے تسلیم کیا ہے کہ واقعی یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں اتری ہے جب کہ انہوں نے انگوٹھی رکوع کی حالت میں سائل کو دی تھی اور رازی نے تفسیر کبیر میں بھی عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے اور ابوذر کی گذشتہ بیان کردہ روایت کو باختلاف الفاظ ذکر کیا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ شیعہ اس آیت سے حضرت علیؑ کی امامت کو ثابت کرتے ہیں کیونکہ اس آیت میں ولی کا معنی حاکم ہے اور مصداق اس کا حضرت علیؑ ہے۔

ولی کا معنی محب اور ناصر بھی ہوتا ہے اور ولی کا معنی متصرف فی الامور بھی ہوا کرتا ہے جیسے ولی نکاح اور اس مقام پر ولی کا پہلا معنی یعنی دوست و مددگار قطعاً نہیں ہو سکتا کیونکہ دوستی اور نصرت کا حکم تمام مومنوں کو بالعموم ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہاں مومنوں میں سے خاص طور پر وہ مراد ہیں جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والے ہوں پس ولی اگر نصرت کے معنی میں ہوتا تو تخصیص کے لئے کوئی قید نہ لگائی جاتی اور چونکہ یہاں تخصیص ہے لہذا ولی کا معنی ناصر نہ ہوگا بلکہ متصرف ہی ہوگا کیونکہ جب ایک باطل ہو گیا تو دوسرا معنی خود بخود ثابت ہوگا اور تیسرا معنی اس کا کوئی ہے ہی نہیں۔

اور روایات سے ثابت ہے کہ آیت مجیدہ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے تو پس یہ آیت ان کی امامت کی دلیل قاطع ہے اس استدلال کے نقل کرنے کے بعد فخرالدین رازی نے اپنی عادت و فطرت کے مطابق بے ہودہ و لودے اعتراضات شروع کر دیئے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت علیؑ نے اس آیت کو کبھی اپنی خلافت کے استحقاق کے لئے پیش نہیں فرمایا تھا اگر اس سے امامت ثابت ہوتی تو ضرور انہوں نے پیش کی ہوتی تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے احتجاجات میں یہ آیت پیش فرمائی تھی جس کو ٹھکرا دیا گیا تھا۔ حضور والا نہ آپ کو حکومت مل رہی ہے

نہ پیسہ مل رہا ہے صرف کثرت کی ہاؤ ہو اور بڑے نام سُن کر ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اس آیت مجیدہ کے صریح اور واضح استدلال کو ٹھکرا رہے ہیں تو وہ کیسے اس استدلال کو تسلیم کر لیتے۔ جن کے اقتدار کے لئے یہ اقرار و تسلیم موجب موت تھا اور حضرت علیؑ کے احتجاج کو عبدالبر نے استیعاب میں اور اخطب خوارزم نے مناقب میں اور نطنزی نے خصائص میں نقل کیا ہے (لوامع التنزیل) تفسیر صافی میں خصال سے منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے ابوبکر کے سامنے ان الفاظ سے احتجاج فرمایا۔

فَاُنْشِدُكَ بِاللّٰهِ اَلِیَ الْوِلَایَةُ مِنَ اللّٰهِ مَعَ وِلَایَةِ رَسُوْلِهٖ فِیْ آیَةِ زَكٰوةِ الْخَاتَمِ اَمْ لَكَ قَالَ بَلْ لَكَ

میں تجھے خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ رسولؐ کی ولایت کے ساتھ انگوٹھی کی زکوٰۃ والی آیت میں خدا کی جانب سے میری ولایت ثابت ہے یا تیری تو ابوبکر نے جواب دیا کہ آپ کی۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ اس قسم کے احتجاجات اگر حضرت علیؑ نے کئے ہوتے تو بخاری و مسلم نے کیوں نہ نقل کئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بھی آپ کی طرح اکثریت کی ہاؤ ہو کے ماتحت آپ کے ہم پیالہ و ہم نوالہ تھے۔ جب ایک صاحب اقتدار کی کٹھ پتلی کوئی بن جائے تو اسے دوسروں کی خوبیاں بھی برائیاں معلوم ہوا کرتی ہیں۔ ہاں حضرت علیؑ نے احتجاج کیا اور پُر زور احتجاج کیا لیکن جب کرسیٔ اقتدار پر بیٹھنے والوں نے کچھ اثر نہ لیا تو ان کے ہوا خواہ اس کی نقل کیوں کرتے ؟ آپ کہیں گے کہ وہ نیک لوگ تھے اور جناب رسالتمآبؐ کی صحابیت کا شرف انہیں حاصل تھا اگر حضرت علیؑ نے احتجاج کیا ہوتا تو انہوں نے ضرور تسلیم کر لیا ہوتا۔ تو سرکار یہ آپ کی خوش فہمیاں ہیں اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جس کسی نے جس طریقہ سے اقتدار حاصل کر لیا بس اچھا ہی ہے۔ اقتدار کے ساتھ نیکی تو لازم ہے۔ کس کی جرأت ہے کہ صاحب اقتدار کی طرف انگشت اٹھائے۔ ہاں وہی نیک تو تھے جن کو رسولؐ نے وصیت نامہ لکھنے کو کاغذ دوات لانے کا حکم دیا تھا تو چونکہ بات خلاف مزاج لکھی جانے والی تھی۔ بس صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ شرح مواقف طبع نولکشور ۱۲۹۶ھ سے منقول ہے۔ قال ائتی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدی حتی قال عمر ان النبی قد غلبه الوجع حسبنا کتاب اللّٰه وکثر اللغط فی ذالک حتی قال النبی قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع (تعلیقات علی فلک النجاۃ ص۱۲) حضور نے فرمایا میں تمہارے لئے ایک وثیقہ لکھتا ہوں تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ میرے بعد تو حضرت عمر بولے نبی پر درد کا غلبہ ہے۔ ہمیں صرف اللہ کی کتاب کافی ہے۔ پھر شور و غل زیادہ ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ میرے پاس جھگڑا مت کرو اور صحیح بخاری میں یہ حدیث ابن عباس سے منقول ہے۔

ظاہر میں اگرچہ تعصب تسلیم کرنے سے مانع رہے لیکن دل میں خوب جان لیا تھا رازی نے کہ اگر روایت درست ہو اور یہ آیت حضرت کی شان میں مان لی جائے تو اس سے حضرت علیؑ کی امامت و خلافت ضرور ثابت ہوتی ہے لہذا آخر میں کہہ دیا کہ چلو یہ آیت حضرت علیؑ کی خلافت کی دلیل ہی سہی۔ لیکن ہم کب انکار کرتے ہیں۔ ہم بھی تو ان کو خلیفہ و امام مانتے ہیں اور خدا نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ پہلا خلیفہ ہے اور چوتھا ہم بھی مانتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب مومنوں کو خطاب ہے تمہارا

ولی اللہ اور اس کا رسولؐ ہے اور وہ مومن جو نماز پڑھے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دے۔ پس جن مومنوں کا خدا و رسولؐ ولی ہے انہی مومنوں کا حضرت علیؑ ولی ہے اور مولیٰ ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر حضرت عثمان مومن تھے یا نہیں اور اگر وہ مومن تھے تو کیا خدا اور رسولؐ کی ولایت ان پر حاوی تھی یا نہیں اگر خدا و رسولؐ کی ولایت ان پر حاوی تھی تو ماننا پڑے گا کہ حضرت علیؑ کی ولایت بھی ان پر حاوی تھی کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ خدا و رسولؐ کی ولایت سے مراد عموم ہو اور حضرت علیؑ کی ولایت ان تین شخصوں کے علاوہ ہو۔ ورنہ یہ تخصیص کہیں سے ثابت کرنی پڑے گی اور نیز ایک لفظ کا ایک ہی وقت میں متعدد معانی میں استعمال ہونا ناجائز ہے پس اگر روایت مسلم ہے اور ولایت کا معنی بھی تصرف ہے جسے بیان کیا جا چکا ہے تو رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر آیت کو نص قطعی ماننا پڑے گا۔ فخر الدین رازی بیچارے نے ہاتھ پاؤں ادھر ادھر بہت مارے اور اپنے مزعوم کو ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن حق کی گواہی کو چھپانا بھی بہت مشکل ہوا کرتا ہے۔ شاید پھر خیال پیدا ہوا ہو کہ واقعی اگر روایت مان لی جائے تو حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کو تسلیم کرنا پڑتا ہے لہذا سرے سے روایت کو ٹھکرا دیا چنانچہ سب بحث کے آخر میں جاکر یہ کہہ دیا روایت قابل تسلیم نہیں چنانچہ رقمطراز ہیں۔

(۱) زکوٰۃ کا اطلاق صدقۂ واجبہ پر ہوتا ہے مستحب کو زکوٰۃ نہیں کہا جاتا۔

(۲) رکوع میں صدقہ دینا خضوع و خشوع کے منافی ہے جو حضرت علیؑ کے شان سے بعید ہے۔

(۳) نماز میں فقیر کو انگوٹھی دینا فعل کثیر ہے اور اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

(۴) حضرت علیؑ فقیر تھے وہ مالدار نہ تھے۔ لہذا زکوٰۃ کیسے دی؟

جواب ۱:۔ صدقہ مستحبہ کو تمام علماء اسلام زکوٰۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ حقیقت نہ سہی اور مجاز ہی سہی لیکن مجاز کا اطلاق کلام میں غلط نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ہر زبان میں عام مروج ہے اور علامہ ابوالسعود نے اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مستحب صدقہ بھی زکوٰۃ کہلاتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے زکوٰۃ سے مراد مال سے ایک مقررہ حصہ نکالنا یہ بعد والوں کی اصطلاح میں ہیں۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کا اطلاق مطلق خیرات پر ہوا ہے جس طرح کہ گذشتہ قصص میں زکوٰۃ کی لفظ کا اطلاق صاف بتلاتا ہے کہ مراد اس سے خیرات ہے۔

جواب ۲:۔ زکوٰۃ دینا عبادت ہے اور خوشنودی خدا کی موجب ہے لہذا منافی خشوع نہیں بلکہ مؤید خشوع ہے جبھی تو خدا نے اس کو مدحیہ رنگ میں بیان فرمایا ہے اور اگر علیؑ نہ سہی کوئی دوسرا بھی ہوتا تب بھی آیت کا مدحیہ رنگ بتلاتا ہے کہ یہ فعل خضوع و خشوع میں اس حد تک مقبول بارگاہ رب العزت ہے کہ مسجد میں تمام نمازیوں کی نمازوں سے یہ نماز بھی قرآن کی ممدوح ہو گئی جس کے رکوع میں صدقہ دیا گیا۔ لہذا اس کو منافی خشوع کہنا کور چشمی اور بد باطنی اور عناد علیؑ کا بدترین مظاہرہ ہے ہاں نماز میں جو لوگ فوجوں کو ترتیب دیا کرتے تھے ان کی نماز میں تو خشوع بدستور رہتا ہوگا۔

جواب ۳:۔ اس کو فعل کثیر کہنا صرف اعتراض برائے اعتراض ہے۔ ورنہ سلیم العقل انسان اسے فعل کثیر کہنے پر تیار

الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ

زکوٰۃ درحالیکہ وہ رکوع میں ہوتے ہیں جو دوستی رکھتے اللہ اور اس کے رسولؐ سے اور ایمان والوں سے تو اللہ کا گروہ

نہیں ہوسکتا اور لطف یہ کہ یہ اعتراض کرکے اس کے بعد پانچویں سطر پر لکھتا ہے کہ جو لوگ آیت کو مخصوص اس شخص کے حق میں مانتے ہیں جو حالتِ رکوع میں انگوٹھی دے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ فعلِ قلیل نماز کا مبطل نہیں ہوتا اور حالتِ رکوع میں انگوٹھی دینا فعلِ قلیل تھا۔

ہاں ہاں! دوسرے لوگوں نے بھی اس کے بعد انگوٹھی کی خیرات جاری رکھی۔ لیکن آیت کوئی نہ اتری۔ چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ میں نے رکوع میں چالیس روز انگوٹھی دی تاکہ حضرت علیؑ کی طرح میرے حق میں بھی کوئی آیت آجائے لیکن نہ آئی۔

جوابؔ ۴:۔ اسی مقام پر رازی نے خود تسلیم کیا ہے۔ عین فقر و تنگدستی کے عالم میں حضرت علیؑ کی تین صدقہ کردہ روٹیاں سورہ ہل اتٰی کی موجب ہوئیں اور اگر فقر کے عالم میں روٹیاں صدقہ کی جاسکتی ہیں تو انگوٹھی کیوں نہیں دی جاسکتی؟

آیتِ ولایت کے متعلق کافی سے مروی ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کی ولایت کا فرمان نازل ہوا اور یہ آیت اتری اور خدا نے اولوالامر کی اطاعت کا بھی حکم فرمایا لیکن لوگ صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ تو پس ارشادِ قدرت ہوا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی طرح ولایت کی بھی شرح فرمائیں۔ پس حضورؐ نے ارتدادِ اہلِ اسلام کے خطرہ سے توقف فرمایا اور تکذیب کا ڈر بھی تھا تو يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ الخ کی آیت نازل ہوئی اور آپ نے غدیرِ خم میں اعلانیہ طور پر ولایت علیؑ کا حکم سنایا اور آپ نے فرمایا کہ تمام فرائض میں سے ولایت ہی آخری فریضہ تھا اور اس کے بعد اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ کو خدا نے نازل فرمایا۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ الخ صفحہ ۱۳۳:۔ مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب یہودیوں کی ایک جماعت مثلاً عبداللہ بن سلام اور ابنِ صوریا وغیرہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے دریافت کیا کہ حضور! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو حضرت یوشع بن نون کو اپنا وصی مقرر فرمایا تھا۔ آپ فرمائیے کہ آپ کا وصی کون ہے؟ تو یہ آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ الخ اتری۔ پس حضورؐ نے فرمایا اٹھو پس وہ اُٹھے اور مسجد کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ ایک سائل مسجد سے نکل رہا ہے۔ حضورؐ نے سائل سے دریافت کیا کہ تجھے کسی نے کچھ دیا بھی ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ ہاں یہ انگوٹھی۔ تو آپ نے پوچھا کہ کس نے دی ہے؟ تو کہا کہ اس نے جو نماز پڑھ رہا ہے فرمایا کہ کس حالت میں تجھے دی؟ تو جواب دیا کہ حالتِ رکوع میں۔ پس آپ نے تکبیر کی آواز بلند کی اور اہلِ مسجد نے بھی تکبیر کی آواز بلند کی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ علیؑ میرے بعد تمہارا ولی ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَبِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَلِيًّا روایات میں لفظی اختلاف ضرور ہے لیکن اس مقصد میں سب

اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ

ہی غالب ہونے والا ہے اے ایمان والو نہ بناؤ ان کو جو بناتے ہیں تمہارے دین کو مسخری

ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ج

اور کھیل یعنی وہ جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور کافر لوگ (نہ بناؤ ان کو)

متفق ہیں کہ آیتِ مجیدہ حضرت علیؑ کے حق میں اتری ہے بعض لوگوں نے وَلایت اور وِلایت کے معنوں میں فرق کیا ہے کہ فتح کے ساتھ ہو اس کا معنی ہے نصرت اور کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے امامت وحکومت۔

انگوٹھی کی حقیقت

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انگوٹھی کا وزن چار مثقال تھا جو چاندی کی تھی اور نگینہ یاقوت سرخ کا تھا جس کا وزن چار مثقال تھا اور اس کی قیمت ملک شام کا خراج تھا اور یہ انگوٹھی مروان بن طوق کی تھی جس کو حضرت امیر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اور انگوٹھی غنیمت میں آئی تھی اور حضرت رسالتمآبؐ نے وہ انگوٹھی حضرت علیؑ کو دیدی تھی پس حضرت نے حالتِ رکوع میں سائل کو دے دی۔

غزالی سے سر العالمین میں منقول ہے کہ یہ انگوٹھی حضرت سلمان بن داؤد کی انگوٹھی تھی اور شیخ طوسی سے منقول ہے کہ انگوٹھی کا واقعہ چوبیس ذوالحجہ کے دن کا ہے اور مباہلہ بھی ۲۴ ذی الحجہ کو ہوا تھا اور اس آیت کے حضرت علیؑ کے حق میں نازل ہونے کی روایت سنی وشیعہ ہر دو نے نقل کی ہے اور معنوی تواتر اس کو حاصل ہے اور یہ آیت حضرت علیؑ کی خلافتِ بلافصل پر واضح وغیر مبہم دلیل ہے۔ اس کی تردید صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو دیدہ دانستہ حضرت علیؑ سے انحراف رکھتے ہیں۔ اور اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ کے مصداق ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اجعلنا من المتمسکین بولاءِ علی واولادہ المعصومین۔

رکوع نمبر ۱۳

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ ۔ کہتے ہیں کہ رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث نے اسلام قبول کیا تھا لیکن پھر منافقانہ طریقہ اختیار کر لیا اور بعض مسلمان ان سے محبت کرتے تھے تو ان کو منع کیا گیا اور ان کو کافر کے لفظ سے یاد کیا گیا کیونکہ نفاق کفر سے بھی سخت تر ہے

ھُزُوًا وَّلَعِبًا ۔ یعنی وہ لوگ جو دین کو مسخری اور کھیل سمجھتے ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ان کو دوست بنایا جائے کیونکہ اگر وہ تمہارے سچے دوست ہوتے تو تمہارے دین کو محلِّ تمسخر نہ بناتے اور تمہارا مومن ہونا قطعاً اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ دین کے دشمنوں کے ساتھ بھی تم دوستی رکھتے رکھو بلکہ یہ تمہاری ایمانی کمزوری ہوگی اور اس سے مومنوں کو درس حاصل

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا

دوست اور اللہ سے ڈرو اگر تم ہو ایمان دار اور جب بلاؤ تم نماز کے لئے تو بناتے ہیں اس کو

هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ

مسخری اور کھیل یہ اس لئے کہ وہ لوگ نہیں سمجھتے کہہ دیجئے اے اہل کتاب نہیں تم

تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ

نکتہ چینی کرتے ہو ہم سے مگر اس لئے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور اس کے ساتھ جو ہم پر اتری اور جو اتری پہلے

وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً

اور تحقیق اکثر تمہارے فاسق ہیں کہہ دیجئے کیا میں تم کو بتاؤں بُرا اس (نکتہ چینی سے) اللہ کے نزدیک

کرنا چاہیئے کہ جو لوگ مذہب حقہ کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں۔ ان کو دوست بنانا اس آیت مجیدہ کی رُو سے قطعاً ناجائز ہے۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ :۔ اس جگہ ندا سے مراد اذان ہے اور لوامع التنزیل میں منقول ہے کہ اذان کو سُن کر کفار کی ایک جماعت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ نئی چیز کیسی ایجاد کرلی ہے حالانکہ تم سے پہلے نبیوں نے تو یہ کام کبھی نہیں کیا تھا۔ یہ چیخنا اور آواز بلند کرنا درست نہیں ہے تو خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مسئلہ :۔ ہر نماز فریضہ یومیہ سے پہلے اذان مستحب ہے اور حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ جزو اذان ہے۔ نیز اذان میں اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ حضرت عمر کے زمانہ سے رائج ہوئی جیسا کہ کتب احادیث میں مرقوم ہے

مسئلہ :۔ اذان واقامت میں اشہد ان علیًّا ولی اللہ یا اس کے معنی کو ادا کرنے والا جملہ شہادت رسالت کے بعد کہنا مستحب ہے۔ اذان کے ثواب کے متعلق حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جہاں تک اس کا آواز پہنچے گا ہر خشک و تر چیز بروز محشر اس کی گواہی دے گی۔

وَاَكْثَرُكُمْ فٰسِقُوْنَ :۔ یعنی باوجودیکہ سمجھتے ہو کہ ہمارا دین حق ہے لیکن صرف اپنی شکم پُری اور طمع وظائف کی خاطر اور اپنی ریاست کی برقراری کے لئے ہی حسد کرتے ہو لہذا تمہاری تکذیب اور عیب جوئی دیانت کے پیش نظر نہیں بلکہ فاسقانہ عنوان سے ہے۔

بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ :۔ یعنی تم عیب جوئی بھی کرتے ہو اور نکتہ چینی بھی کرتے ہو لیکن انجام کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک بُرا تو وہ شخص ہے جس پر اللہ کی لعنت ہو اور بندر سؤر بنایا گیا ہو اور جب دنیا میں یہ انجام ہے تو آخرت کا

عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ

جزا کے اعتبار سے وہ ہے جس پر لعنت ہو اللہ کی اور اس کا غضب ہو اس پر اور بنائے ہوں ان سے بندر اور

الْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ

سور اور عبادت کی ہو شیطان کی وہ بُرا ہے ٹھکانے میں اور گمراہ ہے سیدھے راستے

السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ

سے اور جب آئیں تمہارے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ آئے تھے کفر کے ساتھ اور وہ

قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ

گئے بھی اس کے ساتھ اور اللہ جانتا ہے اس کو جو وہ چھپاتے ہیں اور دیکھو گے بہت سوں کو ان سے

فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا

کہ جلدی کرتے ہیں گناہ و سرکشی میں اور حرام کھانے میں البتہ بُرا ہے وہ جو عمل کرتے ہیں کیوں نہیں

يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ

روکتے ان کو خدا پرست اور علماء لوگ ناجائز کہنے اور حرام کھانے سے

انجام بھی معلوم ہے کہ عذاب جہنم ہوگا۔

وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ عَبَدَ فعل ماضی ہے اور اس کا عطف لَعَنَهُ پر ہے یعنی بُرا انجام ان کا ہوگا۔ جن پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور جنہوں نے طاغوت کی پوجا کی۔

تفسیر صافی میں منقول ہے کہ جن کو بندر بنایا گیا وہ اصحاب سبت ہیں اور جن کو سور بنایا گیا وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ پر مائدہ نازل ہونے کے بعد کفر کیا اور ایک قول ہے کہ سب سے اہل سبت مراد ہیں کیوں کہ ان میں سے جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو سور بنایا گیا تھا۔ اور طاغوت کی پوجا کرنے والے وہ ہیں جنہوں نے گوسالہ پرستی کی۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمْ۔ آیت مجیدہ میں پر زور سرزنش ان لوگوں کیلئے ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے غافل ہیں اور گناہ کبیرہ کرنے والے سے بھی ان لوگوں کی مذمت سخت الفاظ سے کی گئی ہے کیونکہ گناہ کرنے والوں کو لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کہا یعنی

لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ

البتہ وہ بُرا پیشہ کرتے ہیں اور کہا یہودیوں نے کہ ہاتھ اللہ کے بند ہیں بندھے جائیں

أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ

ہاتھ ان کے اور ان پر لعنت کی گئی بوجہ اس کے جو کہا انہوں نے بلکہ اس کے ہاتھ کھلے ہیں وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے

بُرا عمل کرتے ہیں اور نہی عن المنکر نہ کرنے والوں کو لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ کہا کہ بُرا پیشہ ہے ان کا۔ کیونکہ عمل کو کام کہا جاتا ہے اور صناعت پیشہ یا کام میں مہارت اور کاریگری کو کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کام کرنا اور ہے اور پیشہ ور ہونا اور ہے کیونکہ عمل اور کاریگری کے درمیان فرق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نیکی کو چھوڑنا کسی گناہ کے کرنے سے زیادہ بُرا ہے کیونکہ گناہ کرنے والا لذت کے لئے کرتا ہے لیکن جو نیکی کو چھوڑتا ہے اس میں اس کو کوئی لذت نہیں ہوتی۔ صرف سرکشی اور عناد کے لئے اس کو چھوڑتا ہے (صافی)

بروایت کافی حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ تم سے قبل وہ لوگ ہلاک ہوگئے جو برائیاں کرتے تھے اور ان کو علماء اور خدا پرست منع نہ کرتے تھے پس ان دونوں پہ عذاب نازل ہوئے اور رَبَّانِيُّونَ کا معنی گیارہویں رکوع کی تفسیر میں گذر چکا ہے ص۱۲ اور سحت کی تفسیر دسویں رکوع کے بیان میں مذکور ہو چکی ہے ص۱۱ لہٰذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے

نکتہ :- گناہ کی تین قسمیں ہیں۔ ایک صرف قولی اور اس کو اثم سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرا باہمی حقوق کی عدم رعایت جس کو عدوان کہا گیا ہے اور تیسرا مخصوص اپنی ذات کے لئے جس کو اکل سحت حرام خوری سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن دوسری آیت میں عدوان کو ترک کرنا شائد اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ اثم کا اطلاق عدوان پر بھی ہو سکتا ہے۔

قَالَتِ الْيَهُودُ :- شاہ عبد القادر نے موضح القرآن میں لکھا ہے یہود میں بولنا رواج تھا کہ اللہ کا ہاتھ بند ہوا یعنی ہم پر روزی تنگ ہوئی۔ یہ کفر کا لفظ ہے فرمایا کہ اللہ کا ہاتھ کبھی بند نہیں بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ قہر کا اور مہر کا تم پر اب قہر کا ہاتھ کھلا اور مہر کا ان پر (مسلمانوں پر)

غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ :- اس میں تین قول ہیں (۱) قیامت کے روز ان کے ہاتھ بند کئے جائیں گے اور عذاب خدا میں گرفتار ہوں گے (۲) دنیا میں یہ لوگ بخل اور لعنت کے عذاب میں گرفتار کئے گئے کہ یہودیوں کو روئے زمین پر جہاں دیکھو بخیل اور ذلیل ہوگا (۳) بددعا کا کلمہ ہے گویا مومنوں کی تعلیم کے لئے ہے کہ تم ان کو ایسا کہا کرو جس طرح قرآن مجید میں انشاء اللہ کا استعمال مومنوں کی تعلیم کے لئے ہے (مجمع)

يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ :- چند اقوال ہیں (۱) قہر و مہر (۲) ید کا معنی نعمت۔ یہاں نعمت دنیا و آخرت دونوں مراد

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا

اور زیادہ کرے گی ان کے بہت سوں کو وہ چیز جو تجھ پر اتری ہے تیرے پروردگار سے سرکشی اور کفر میں اور ڈال

بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ

دی ہم نے ان میں دشمنی اور کینہ قیامت تک جب بھی وہ روشن کرتے ہیں آگ (آپ کے ساتھ)

أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

لڑنے کے لئے تو خدا اس کو بجھا دیتا ہے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کی اور اللہ نہیں دوست رکھتا فسادیوں کو

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ

اور اگر تحقیق اہل کتاب ایمان لاتے اور بچتے تو معاف کرتے ہم ان کی برائیوں کو اور داخل کرتے

ہیں (۱۳) نعمت ظاہری و باطنی اور تفسیر صافی میں آیت مجیدہ کی تفسیر کے بارے میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہودی کہتے تھے عذاب فارغ ہو چکا ہے کہ جو کرنا تھا اس نے کر دیا یعنی تقدیر اس کی مقرر ہو چکی ہے اب اس میں وہ پابندہے کم و بیش نہیں کر سکتا تو خدا اس کی تردید فرماتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں اس کے دونو ہاتھ محو و اثبات کے کھلے ہیں۔ جسے چاہے مٹا دے اور جسے چاہے ثابت رکھے۔ وہ پابند نہیں ہے (اور اسی کا نام بدا ہے) اور حضرت امام رضا علیہ السلام نے سلیمان مروزی کے سامنے بدا کے ثابت کرنے کے لئے اس آیت سے استدلال فرمایا تھا۔

كُلَّمَا أَوْقَدُوا :- یعنی جب بھی وہ آپس میں اتفاق کر کے آپ سے لڑنے کی تیاریاں کرتے ہیں تو خدا ان میں پھوٹ ڈال دیتا ہے پس ان کی آگ بجھ جاتی ہے یا یہ کہ جب بھی سرکشی کے لئے سر اٹھاتے ہیں تو ان پر عذاب بھیج دیتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ سرکشی کی تو بخت نصر ان پر مسلط ہوا۔ دوبارہ کی تو فطرس رومی مسلط ہوا۔ تیسری دفعہ مجوسیوں نے ان کو تباہ کیا۔ اب مسلمان ان پر مسلط ہوئے کہ بنو قریظہ کو قتل کیا۔ بنو نضیر جلا وطن ہوئے اور خیبر و فدک والوں کی شوکت توڑ دی گئی (از صافی)

وَلَوْ أَنَّ :- یعنی اگر اہل کتاب یہودی و نصرانی حضرت رسالتمآب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے تو ان کی پہلی غلطیاں معاف کر دی جاتیں اور گناہوں کی مغفرت کے بعد وہ جنت میں داخل کئے جاتے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ :- یعنی اگر یہ لوگ تورات و انجیل پر صحیح معنوں میں ثابت قدم رہتے یعنی ان کی تحریف نہ کرتے اور جو کچھ ان میں احکام خداوندی تھے ان کو بجا لاتے اور ان کو چھپانے کی کوشش نہ کرتے اور من جملہ دیگر احکام کے ان کتابوں

جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ

ان کو باغات نعمت میں اور اگر وہ قائم کرتے تورات و انجیل کو اور جو کچھ اترا ہے

اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ لَاَکَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِہِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِہِمۡ ؕ مِنۡہُمۡ

ان پر اپنے پروردگار سے تو کھاتے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے ان میں سے ایک گروہ

اُمَّۃٌ مُّقۡتَصِدَۃٌ ؕ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ سَآءَ مَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۶﴾ یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ

ہے منصف مزاج اور بہت ان کے بدعمل ہیں اے رسول پہنچا وہ

مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسٰلَتَہٗ ؕ وَاللّٰہُ

جو نازل ہوئی تجھ پر تیرے پروردگار سے اور اگر یہ نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اور اللہ

میں حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت کی نص بھی موجود تھی اور اہل بیت اطہار کی ولایت کی تاکید بھی ان میں تھی۔ گویا بمقتضائے تورات و انجیل محمدؐ و آل محمدؐ کی غلامی اختیار کر لیتے تو ان کو عذاب کے دن نہ دیکھنے پڑتے۔ جس طرح کہ اب قتل اور جلا وطنی کی سزاؤں میں مبتلا کئے گئے ہیں بلکہ گھروں میں امن و چین سے بیٹھ کر اوپر اور نیچے سے خدا کا رزق کھاتے۔ یعنی کھجوروں، انگوروں اور دیگر اشجار میوہ دار جو سر کے اوپر سایہ فگن ہوتے ہیں۔ ان کے پھل کھاتے اور سبزیاں جو زمین سے اُگتی ہیں وہ کھاتے اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ اُوپر سے بارش نازل ہو کر زمین کو آباد کرتی اور آسمان و زمین کی برکات سے مستفیض ہوتے۔

اُمَّۃٌ مُّقۡتَصِدَۃٌ :- اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

رکوع نمبر ۱۴

خم غدیر کا دور

ہجرت کے دسویں سال جب جناب رسالتمآبؐ نے حج بیت اللہ کا قصد فرمایا تو لوگوں میں اعلان کر دیا گیا۔ پس مدینہ میں بہت زیادہ مخلوق جمع ہو گئی اور ہجرت کے بعد حضورؐ نے صرف یہی ایک حج کی تھی اور ذوالقعدہ سنہ ۱۰ھ کی پانچویں یا چھٹی کو بروز سنیچر بمعہ اہل پردہ روانہ ہوئے اور مہاجر و انصار اور دیگر اطراف و نواح کے مسلمانوں میں سے بہت کافی تعداد آپ کے ہمرکاب تھی اور جس زمانہ میں آپ روانہ ہوئے تھے اس وقت مدینہ میں چیچک کی وبا عام تھی جس کی وجہ سے بہت سے لوگ نہ جا سکے تھے۔ لیکن باایں ہمہ ساتھ جانے والوں کی تعداد کم از کم نوّے ہزار اور زیادہ سے زیادہ سوا لاکھ تھی اور یہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو مدینہ سے ہمرکاب ہو کر گئے تھے اور یمن و طائف

يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾

بچائے گا تجھے لوگوں (کے شر) سے تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا کافر لوگوں کو

یا دیگر اطراف سے جو لوگ مکہ میں شریک حج ہوئے تھے۔ وہ ان کے علاوہ تھے۔

اتوار کی صبح یلملم میں پہنچے۔ پھر شام کو شرف السیالہ پہنچ گئے۔ مغرب و عشاء کی نمازیں وہاں ادا فرمائیں اور روانہ ہو گئے۔ چنانچہ سوموار صبح کی نماز عرق الظبیہ میں پڑھی پھر روحا میں پہنچے اور وہاں سے روانہ ہو کر نماز مغرب راستہ میں ادا کی اور منگل کا دن مقام عرج میں ہوا۔ پھر بروز بدھ مقام سقیا پر پھر بروز خمیس مقام الواء پر نماز صبح ادا فرمائی اور روانہ ہوئے پس جمعہ کے دن جحفہ میں پہنچے اور سنیچر مقام قدید اتوار مقام عسفان یہاں سے روانہ ہو کر جب مقام غمیم میں پہنچے تو پیدل چلنے والوں نے صف بستہ ہو کر تھکان کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا دوڑو نہیں بلکہ تیز تیز چلو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس سوموار کے دن مقام مرظہران میں پہنچے اور وہاں سارا دن رہے اور وہاں سے چل کر اگرچہ سورج غروب ہو گیا تھا لیکن نماز مغرب مکہ میں پہنچ کر ادا فرمائی۔ جب مناسک حج ادا کر کے واپس مدینہ کو روانہ ہوئے اور تمام ساتھی بھی ہمراہ تھے یہاں تک کہ مقام غدیر خم پر پہنچے جو جحفہ کی حدود میں ہے اور اسی مقام سے مصر بصرہ۔ کوفہ اور مدینہ کے راستے پھوٹتے ہیں۔ یہ خمیس کا دن تھا اور اٹھارہ ذوالحجہ کی تاریخ تھی۔ پس جبرئیل امین نازل ہوئے اور خداوند کریم کی جانب سے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ (الآیہ) کا پیغام لائے اور حکم سنایا کہ علیؑ کو لوگوں کا امام و ہادی مقرر فرمائیں اور ولایت کے فرض کی اہمیت اور وجوب اطاعت ہر ایک کو سمجھائیں۔ پس آپ نے حکم دیا کہ آگے نکل جانے والوں کو واپس بلایا جائے اور پیچھے آنے والوں کا انتظار کیا جائے اور حکم دیا کہ کیکر کے ان پانچ بڑے درختوں کے نیچے صفائی کر دی جائے۔ چنانچہ جھاڑو دے کر اس جگہ کو صاف کر دیا گیا پس ظہر کی اذان ہوئی تو آپ ان درختوں کے نیچے تشریف لائے اور لوگوں کو نماز ظہر پڑھائی۔ سورج کی تمازت کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ردا کے کچھ حصہ سے سروں کو ڈھانپتے تھے اور کچھ حصہ پاؤں کے نیچے دیتے تھے اور جناب رسالتمآبؐ کے لئے کیکر کی شاخ پر حضورؐ کے سر کے اوپر ایک کپڑا تان دیا گیا تھا۔ جب نماز ختم ہوئی تو پالانوں کے منبر پر خطبہ کے لئے کھڑے ہو گئے جو مجمع کے عین وسط میں تھا اور بلند آواز کے ساتھ پورے مجمع کو اپنا خطبہ سنایا۔

خداوند کریم کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگو! میں عنقریب بلایا جانے والا ہوں اور میں چلا جاؤں گا۔ مجھ سے بھی بازپرس ہوگی اور تم سے بھی بازپرس ہوگی تو تم کیا جواب دو گے! سب نے جواب دیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ اور ہماری خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ خداوند کریم آپ کو جزا دے۔ آپ نے فرمایا کیا تم شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اور محمد اس کا عبد و رسولؐ ہے اور جنت و نار و موت سب حق ہیں۔ نیز قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور خدا قبروں میں سے سب کو اٹھائے گا تو سب نے جواب دیا کہ ہم ان کی شہادت دیتے

ہیں تو آپ نے کہا اے اللہ تو گواہ رہ۔ پھر فرمایا لوگو! ایک بات سنو۔ سب نے کہا حضورؐ فرمائیے۔ تو ارشاد فرمایا۔ میں حوض کوثر پر آپ کا منتظر ہوں گا اور تم لوگ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے اور اس پر ستاروں کی تعداد میں چاندی کے پیالے ہوں گے پس خیال کرنا اور دیکھنا میرے بعد ثقلین سے کیا سلوک کرتے ہو تو کسی نے آواز دے کر پوچھا حضورؐ! ثقلین کا مطلب سمجھائیے کہ وہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ثقل اکبر اللہ کی کتاب ہے جس کا ایک کنارہ اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا تمہارے پاس ہے اس کے ساتھ تمسک رکھنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور ثقل اصغر میری عترت ہے اور مجھے لطیف وخبیر خدا نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے پس ان دونوں سے آگے نہ ہونا ورنہ گمراہ ہو گے اور ان دونوں کے حق میں کوتاہی نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو گے۔

اس کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور اس قدر بلند فرمایا کہ دونوں کی بغلوں کی سفیدی نمودار ہو گئی اور تمام لوگوں نے حضرت علیؑ کو دیکھ لیا اور پہچان لیا۔ پس فرمایا اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ اَوْلَی النَّاسِ بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ؟ یعنی لوگو تمام لوگوں میں سے کون ہے؟ جو مومنوں کا ان کے نفسوں سے بھی زیادہ مالک ہے؟ تو کہنے لگے اللہ اور اس کا رسولؐ اس کو جانتے ہیں۔ پس فرمایا اللہ میرا مولا ہے اور میں مومنوں کا مولا ہوں اور میں ہی ان کے نفسوں سے زیادہ ان پر حق ملکیت رکھتا ہوں۔ فَمَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے اور اس فقرہ کو تین بار دہرایا اور احمد بن حنبل کی روایت میں ہے کہ چار بار دہرایا۔ پھر فرمایا اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ وَاَحِبَّ مَنْ اَحَبَّہٗ وَابْغِضْ مَنْ اَبْغَضَہٗ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ وَاَدِرِالْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ۔ اے اللہ دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن ہو اس کا جو علیؑ کا دشمن ہو محبوب کر اس کو جو اس سے محبت کرے اور مبغوض کر اس کو جو اس سے بغض رکھے اور مدد کر اس کی جو اس کی مدد کرے اور ذلیل کر اس کو جو اس کو ذلیل کرے اور پھیر حق کو اس کے ساتھ کہ جہاں یہ ہو اور فرمایا جو لوگ موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ یہ میرا حکم غیر موجودین کو پہنچا دیں۔ پس ابھی تک لوگ متفرق نہ ہوئے تھے کہ امین جبرئیل پھر نازل ہوا اور یہ آیت لایا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (الآیہ) آج میں نے تمہارا دین کامل کیا اور تمہارے اوپر نعمتوں کو تمام کیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ پس حضورؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ دین کامل ہوا اور نعمت تمام ہوئی اور میری رسالت پر رب رضامند ہوا اور میرے بعد علیؑ کی ولایت کو پروردگار نے واجب کیا۔

پس تمام لوگ حضرت علیؑ کو مبارکباد دینے لگ گئے اور سب سے پہلے شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کہنے والے تھے بَخٍ بَخٍ لَکَ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَصْبَحْتَ وَاَمْسَیْتَ مَوْلَایَ وَمَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَۃٍ مبارک مبارک اے فرزند ابوطالب آپ ہمارے اور ہر مومن مرد وعورت کے مولا ہو گئے اور ابن عباس نے وہیں کہہ دیا تھا کہ خدا کی قسم اب یہ چیز لوگوں کی گردنوں میں پڑ گئی ہے تو حسان بن ثابت نے عرض کی حضورؐ! مجھے اجازت مرحمت فرمائیے تاکہ میں حضرت علیؑ کی

مدح میں کچھ اشعار آپ کے سامنے کہوں تو حضورؐ نے فرمایا اللہ کی برکت سے کہو چنانچہ حسان اٹھا اور کہنے لگا اے بزرگانِ قریش سُن لو کہ رسولؐ کے سامنے میرا قولِ ولایت کے معاملہ میں ناقابلِ تردید ہوگا اور اس کے بعد اس نے اپنا قصیدہ پیش کیا۔

يُنَادِيهِمْ يَوْمَ الْغَدِيرِ نَبِيُّهُمْ
بِخُمٍّ وَاسْمِعْ بِالرَّسُولِ مُنَادِيًا
يَقُولُ فَمَنْ مَوْلَاكُمْ وَ وَلِيُّكُمْ
فَقَالُوا وَلَمْ يُبْدُوا هُنَاكَ التَّعَادِيَا
إِلٰهُكَ مَوْلَانَا وَ أَنْتَ وَلِيُّنَا
وَلَمْ تَرَ مِنَّا فِي الْوِلَايَةِ عَاصِيًا
فَقَالَ لَهُ قُمْ يَا عَلِيُّ فَإِنَّنِي
رَضِيتُكَ مِنْ بَعْدِي إِمَامًا وَهَادِيًا
فَمَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا وَلِيُّهُ
فَكُونُوا لَهُ أَنْصَارَ صِدْقٍ مُوَالِيًا
هُنَاكَ دَعَا اللّٰهُمَّ وَالِ وَلِيَّهُ
وَكُنْ لِلَّذِي عَادَى عَلِيًّا مُعَادِيًا

غدیر کے دن ان سب کو حضرت رسالتمآبؐ بلند آواز سے فرما رہے تھے۔ مقامِ غدیر خم میں اور رسولؐ کی آواز سب لوگ سُن رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے کہ (اے لوگو!) تمہارا مولا اور ولی کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا اور اس میں کوئی کدورت ظاہر نہ کی تھی کہ اللہ ہمارا مولا ہے اور تو ہمارا ولی ہے اور ہم میں سے ولایت کے معاملہ میں آپ کا کوئی نافرمان نہ ہوگا۔ تو حضورؐ نے حضرت علیؑ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے علیؑ کھڑے ہو جاؤ میں تجھے اپنے بعد والوں کا امام و ہادی مقرر کرتا ہوں پس جس کا میں مولا ہوں تو اس کا یہ ولی ہے پس تم لوگ اس کے سچے مددگار اور دوست بن جاؤ۔ وہاں یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ اس کے دوست کو دوست رکھ اور جو اس کے ساتھ دشمنی رکھے اس کو تو اپنا دشمن قرار دے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے اور اسلامی جمیع احکام کے مقابلہ میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ اسی پر تمام نظامِ اسلام کا دار و مدار تھا۔ اور اسی بنا پر اپنے رسولؐ کو خالق نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو نے یہ ایک کام نہ کیا تو گویا رسالت کا کوئی کام بھی نہ کیا۔ پس حضورؐ نے پورے اہتمام کے ساتھ اس کو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم و بیش کے مجمع میں اعلان کے طور پر لوگوں تک پہنچایا اور ان سے زبانی عہد بھی لیا اور عملی طور پر بیعت بھی کرائی۔ پس اس کے نقل و روایت کا اہتمام بھی اللہ سبحانہ کی غیبی نصرت حق سے اس قدر امت میں ظہور پذیر ہوا کہ اسلام کے کسی بڑے سے بڑے رکن کے متعلق اس قدر اہتمام نہیں کیا گیا اور سچ تو یہ ہے کہ ولایت سے بڑا رکن اسلام میں کوئی ہے ہی نہیں اور نقل و روایت کا غیر معمولی اہتمام ہی صاف بتلاتا ہے کہ اسلامی جملہ احکام و فرائض میں جو مقام اس کو حاصل ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں۔ کیوں نہ ہو۔ جب تبلیغِ رسالت میں اس کے مقابلہ کی کوئی تبلیغ نہیں کیوں کہ صاف لفظوں میں کہا گیا، اگر یہ تبلیغ نہیں کی تو کوئی تبلیغ نہیں کی۔ گویا تمام تبلیغات کی مقبولیت کا دار و مدار اسی ایک تبلیغ پر تھا۔ یہی تو وجہ ہے کہ جب بیعت ہو چکی اور مبارکباد کا قصہ ختم ہو گیا تو جبرئیلؑ تکمیلِ دین کا پیغام لایا اور حضورؐ نے خوشی سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا کہ پروردگار نے

مجھے تبلیغ کی کامیابی کی سند دے دی تو جب مقامِ تبلیغ میں اس کے بغیر تبلیغ کامل نہیں تو مقامِ عمل میں اس عمل کے بغیر کوئی عمل کیسے کامل ہوگا اور اگر نبی کی تبلیغات بغیر اس تبلیغ کے نہ ہونے کے برابر تھیں تو امت کے اعمال اس عمل کے بغیر کس طرح عمل کہلانے کے مستحق ہیں؟ اور بالجملہ جب اسلام اسلامِ کامل کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا تو مسلمان مسلمانِ کامل کب بن سکتا ہے ؟

اسی بناء پر تو حسرت و تعجب کے مقام پر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ لوگوں کو دو گواہوں سے حق مل جایا کرتا ہے لیکن حضرت علیؑ کو ایک لاکھ چوبیس ہزار گواہوں کے باوجود حق نہ مل سکا۔ اب ذرا اس روایت کے نقل کا اہتمام دیکھئے۔

(۱) صحابہ کبار میں سے اس کو ایک سو دس صحابہ نے نقل کیا ہے جن میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمن بن عوف، طلحہ اور زبیر وغیرہ بھی ہیں۔

(۲) تابعین میں چوراسی تابعی ہیں۔ جنہوں نے حدیثِ غدیر کو نقل کیا ہے اور تفصیل حوالہ جات ان بزرگواروں کے نام معلوم کرنے کے لئے کتاب الغدیر مصنفہ علامہ عبدالحسین مدظلہ العالی کی جلد اوّل ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) صحابہ اور تابعین کے بعد ہر دور کے اکابر علماء نے اس روایت کو مسلم طور پر نقل کیا ہے۔

پہلی صدی میں تو صحابہ کرام و تابعین سے بڑھ کر اور کون زیادہ عالم ہوگا۔

دوسری صدی میں چھپن۔ تیسری صدی میں ۹۲، چوتھی صدی میں ۴۳، پانچویں صدی میں ۲۴، چھٹی صدی میں ۲۱، ساتویں صدی میں ۲۱، آٹھویں صدی میں ۱۸، نویں صدی میں ۱۶، دسویں صدی میں ۱۴، گیارہویں صدی میں ۱۲، بارہویں صدی میں ۱۴، تیرہویں صدی میں ۱۱، چودھویں صدی میں ۱۱ یعنی صحابہ و تابعین کے بعد تین سو ساٹھ اعلام علماء نے اس حدیث کی تصدیق کی اور اس کو اپنی کتابوں میں نقل کیا

(۴) صرف اسی ایک حدیثِ غدیر پر آج تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ علامہ امینی نے چھبیس مصنفین شمار کئے ہیں جنہوں نے اسی مخصوص عنوان پر کتابیں لکھی ہیں اور سب سے آخر یہ کتاب غدیر ہے جو گذشتہ مطالب کی جامع اور اپنے فن میں بے نظیر کتاب ہے اس کی گیارہ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ باوجود اس کے کہ دشمنانِ علیؑ ہر دور میں حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب کو چھپانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے رہے لیکن پھر بھی یہ حدیث تواتر میں اس حد تک پہنچی ہے کہ کوئی حدیث اس کے مقابلہ میں یہ مقام نہ حاصل کر سکی۔

دیکھئے فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں اسی آیت مجیدہ کے ماتحت لکھتا ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے مکر سے بے خوف ہونے کی تلقین کے لئے آئی ہے یعنی حکم ہے کہ ان لوگوں سے ڈرے بغیر کلمۂ حق کہہ دیا کرو اور باوجود اس کے پھر بھی حدیثِ غدیر نقل کر ہی گیا۔ بیچارہ منہ مروڑنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن دستِ غیب سے چپت رسید ہوئی تو منہ سے نکل ہی گیا اور وہ بھی اِدھر اُدھر کے رطب و یابس اقوال اکٹھے کر کے آخر میں حدیثِ غدیر بھی امام محمد باقر علیہ السلام کا قول کہہ کر ذکر کر دی۔ رازی کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سورہ مائدہ تمام قرآنی سورتوں کے بعد نازل ہوئی۔ جیسا کہ تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔ تو

یہودیوں کا اقتدار تو اس سے پہلے ختم ہو چکا تھا اور مدینہ میں تو ان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ حتیٰ کہ خیبر و فدک کے یہودی بھی جزیہ تسلیم کر چکے تھے اور نصرانی بھی مباہلہ کے بعد جزیہ پر راضی ہو گئے تھے۔ اسلام اب پورے عروج پر تھا۔ لہٰذا رسولؐ کو ان سے غم کھانے کی کیا ضرورت تھی کہ خدا کو جبرئیلؑ بھیج کر ضمانت دینی پڑ گئی۔ ہاں ہاں! حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے۔ جن لوگوں کی تخریبی کارروائیوں کا ڈر تھا۔ وہ درپے آزار تھے لیکن وہ یہود و نصاریٰ نہ تھے بلکہ وہ اپنوں میں سے تھے اور وہ وہی تھے جن کے متعلق حضرت کئی بار فرما چکے تھے کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور حدیث حوض کوثر میں بھی ان کو بار بار متنبہ کر چکے تھے جو کتب صحاح میں موجود ہے۔

کتاب الملل والنحل شہرستانی سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا تھا۔ مجوس کے ستر فرقے ہوئے۔ یہود کے اکہتر فرقے ہوئے۔ نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور ہر امت میں ناجی صرف ایک فرقہ ہی ہوا ہے اور ہو گا۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت علیؑ کی ولایت کے اعلان کا حکم پہنچا تو حضورؐ چونکہ جانتے تھے کہ منافق لوگ باتیں بنائیں گے اور نہ مانیں گے اور ممکن ہے اختلاف کر کے علم بغاوت کھڑا کر دیں تو خداوند کریم نے اس امر کی ضمانت دی کہ ان کے فساد کا میں ضامن ہوں اور آپ کو محفوظ رکھوں گا۔

تفسیر صافی میں ایک لمبی روایت کے ذیل میں جس میں حضورؐ کا خطبۂ غدیر یہ تفصیلاً منقول ہے ذکر کیا ہے کہ حضورؐ نے یہ فرمایا تھا۔

انی قد ترکت فیکم امرین ان اخذتم بهما لَنْ تضلّوا کتاب الله وعترتی اهلبیتی فانه قد نَبَّأَنِی اللطیف الخبیر انهما لن یفترقا حتّی یردا علی الحوض الا فمن اعتصم بهما فقد نجا ومن خالفهما فقد هلك الا هل بلّغت قالوا نعم قال اَللّٰهُمَّ اشهد ثم قال الا و انه سیرد علی الحوض منکم رجال یَعْرِفُوْنَنِیْ فیدفعون عنی فاقول رب اصحابی فیقال یا محمد انهم قد احدثوا بعدك وغیّروا سنتك فاقول سحقاً سحقا

میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر تم نے ان دونوں کو لیا تو ہرگز نہ گمراہ ہو گے۔ کتاب خدا اور میری عترت اہلبیت کیونکہ مجھے خدائے لطیف و خبیر نے خبر دی ہے کہ تحقیق یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے آگاہ ہو جو ان دونوں کے ساتھ تمسک رکھے گا۔ وہ نجات پائیگا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ہلاک ہو گا آگاہ ہو کیا میں پہنچا چکا؟ تو سب نے کہا ہاں! پھر آپ نے کہا اے اللہ تو گواہ رہ اور فرمایا! آگاہ ہو تحقیق تم میں سے کئی آدمی میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے جو مجھے پہچانتے ہوں گے اور وہ دھکیلے جائیں گے تو میں کہوں گا اے پروردگار یہ میرے اصحاب ہیں تو مجھے کہا جائے گا۔ اے محمدؐ ان لوگوں نے آپ کے بعد بدعتیں جاری کیں اور تیری سنت کو بدل ڈالا۔ تو میں کہوں گا دُور دُور۔

اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ بدعتیں کن لوگوں نے جاری کیں اور کون کون سی نئی چیزیں اسلام میں رائج کیں تو علامہ جلال الدین سیوطی نے

تاریخ الخلفاء میں بدعات کو اولیات کا نام دے کر ہر صاحب کی بدعت کو واضح کر کے رکھ دیا ہے تاکہ حق کی تلاش میں آسانی رہے۔

مسجد خیف میں حضورؐ نے حدیث ثقلین کا ذکر فرمایا اور ان سے تمسک کی تاکید فرمائی تو چار آدمیوں نے مکہ میں عہد کیا کہ ہم خلافت کو اہلبیتؑ میں ہرگز نہ جانے دیں گے (ان چار آدمیوں کے نام روایت میں درج نہیں ہیں) پھر جب حضورؐ مکہ سے ارکانِ حج ادا کر کے واپس مدینہ کی طرف پلٹے اور غدیر خم میں حضرت علیؑ کا برسر منبر اعلان فرمایا اور حضرت عمر کے دریافت کرنے پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ انه امیر المومنین وامام المتقین وقائد الغر المحجلین یقعدہ اللّٰہ یوم القیٰمۃ علی صراط فیدخل اولیاءہ الجنۃ واعدائہ النار کہ ہاں یہ مومنوں کا امیر متقیوں کا امام اور جن لوگوں کے اعضائے وضو نورانی ہوں گے یعنی نمازیوں کا قائد و پیشوا ہے اور خدا اس کو بروز محشر پل صراط پر معین فرمائے گا پس وہ اپنے دوستوں کو جنت میں اور اپنے دشمنوں کو جہنم میں بھیجیں گے۔ پس سمجھنے والوں نے سمجھ لیا کہ مسجد خیف میں کیا فرمایا تھا اور آج کیا فرمایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کی بیعت ہم سے لے کر ہی دم لیں گے۔ لہذا باہمی سازش کر کے جحفہ اور ابواء کے درمیان مقام عقبہ میں چودہ آدمی چھپ کر بیٹھ گئے۔ سات راستے کے دائیں طرف اور سات بائیں طرف تاکہ حضورؐ کی ناقہ کو ڈرائیں گے۔ لیکن حضورؐ کی سواری جب عقبہ کے قریب پہنچی تو جبرئیل نے ان چھپے ہوئے آدمیوں کے نام اور ان کا ارادۂ فاسدہ ظاہر کر دیا۔ حضورؐ کے پیچھے حذیفہ آ رہا تھا تو حضورؐ نے فرمایا تو پوشیدہ ہو جا۔ پس آپ نے ان آدمیوں کے نام لے لے کر پکارا۔ جب انہوں نے حضورؐ کی آواز سنی تو باقی لوگوں میں گھس گئے۔

اور لوامع التنزیل میں ہے کہ منافق بارہ آدمی تھے۔ جنہوں نے حضورؐ کے قتل کی سازش کی تھی تاکہ حضرت علیؑ کی بیعت سے گلو خلاصی ہو جائے ان کا ارادہ تھا کہ مقام عقبہ میں حضرت کی ناقہ کو ڈرایا جائے تاکہ آپ اس سے گر کر چور چور ہو جائیں حضورؐ نے حذیفہ کو ناقہ کی مہار پکڑنے کا حکم دیا اور حضرت سلمان اور حضرت ابوذر دائیں بائیں تھے۔ اس مقام پر پہنچ کر خداوند کریم نے دو دفعہ بجلی کی چمک پیدا کر دی تاکہ حضورؐ کی سواری آسانی سے گذر جائے۔ بجلی کی روشنی کی وجہ سے منافقین اپنے منہ چھپاتے رہے۔ اور حضورؐ نے ان بارہ کے نام حذیفہ کو بتا دیئے اور فرمایا کہ ان کو ظاہر نہ کرنا اور ترمذی میں اسی لئے حذیفہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جناب رسالتمآبؐ کا ہمراز تھا اور احیاء العلوم غزالی سے منقول ہے کہ حضرت عمر حذیفہ سے پوچھا کرتے تھے انت صاحب سر رسول اللّٰہ ھل تری اسمی فی اسماء المنافقین تو تو رسولِ خدا کا ہمراز ہے کہ کیا میرا نام بھی منافقین میں ہے؟ امام غزالی نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ کسر نفسی کی وجہ سے پوچھتے تھے (اقول اگر کفر و نفاق میں کسر نفسی کا راز مضمر ہے تو خدا ان کو ہی مبارک کرے) بہرکیف حضورؐ کو مسلمانوں کی چیرہ دستیوں کا خطرہ لاحق تھا لیکن خداوند کریم کے تاکیدی و تہدیدی فرمان کے بعد حضورؐ نے مجمع عام میں حضرت امیرؑ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ مومنوں کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور کفار و منافقین کے سینوں پر حسد و کینہ کے سانپ لوٹنے لگ گئے اور اسی میں مصلحتِ خداوندی تھی تاکہ مسلمانوں کا امتحان ہو جائے جو حق پر رہے وہ بھی سوچ سمجھ کر رہے اور جو باطل کی طرف جائے وہ بھی سوچ سمجھ کر جائے۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ

کہہ دو اے اہلِ کتاب تم نہیں کسی دین پر یہاں تک کہ قائم کرو تورات اور انجیل کو

وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

اور جو اتاری گئی تم پر تمہارے رب سے اور زیادہ کرے گی بہت سوں کو ان میں سے وہ چیز جو اتاری گئی

مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

تجھ پر تیرے رب سے سرکشی اور کفر میں پس نہ ارمان کر کافر لوگوں پر تحقیق جو لوگ ایمان لائے

جامع قرآن نے اس آیت مجیدہ کو یہودیوں کے ساتھ مخاطبات کے ضمن میں درج کر دیا تاکہ حق و صداقت کا یہ نشان کسی طرح چھپ جائے اسی لئے تو رازی نے بھی کہہ دیا کہ یہ آیت یہودیوں اور نصرانیوں کے شر سے مطمئن رہنے کی تلقین ہے لیکن تاڑنے والے بھی قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں۔ جس کے ناک میں حس ہوتی ہے وہ خوشبو و بدبو کا دور سے احساس کر لیتا ہے اور جو حس سے محروم ہو اس کے لئے خوشبو و بدبو یکساں ہے اسی طرح رسولؐ کی فرمائشات اور صحابہ کے طرز عمل سے جو لوگ مطلع ہیں وہ ان باریکیوں کو بھی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں ترتیب نزول کا خیال کیوں نہیں رکھا گیا اور حضرت علیؑ سے اس بارے میں مشورہ کیوں نہیں لیا گیا؟ بشرطیکہ حواس درست ہوں۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ ۔ یعنی جب تک تم دین کی حقیقت پر نہ چلوگے۔ تمہیں دین دار نہیں کہا جا سکتا۔ پس تم دیندار اس وقت ہوگے۔ جب تورات اور انجیل اور جملہ احکام شرعیہ جو تم پر اترے ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہو جاؤ اور من جملہ شرعی احکام کے یہ ایک بھی تھا کہ حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت کی تصدیق کریں اور ان کی اتباع کریں وہ تب صحیح معنوں میں دیندار ہوں گے تورات کو قائم کرنے کا حکم یہودیوں کو اور انجیل کے قائم کرنے کا حکم نصرانیوں کو ہے ایسا نہیں کہ دونوں فرقوں کو دونوں کتابوں سے تمسک کا یکجا حکم دیا گیا ہو کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہ تھا کیونکہ یہودی حضرت عیسیٰ اور انجیل کے قائل نہیں تھے اور نصرانی ان کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

مقصد یہ ہے کہ اب موسیٰؑ اور عیسیٰ کی شریعت پر عمل کرنا اس وقت صادق آسکتا ہے۔ جب قرآنی اصولوں کو تسلیم کریں اور حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت کی تصدیق کر کے ان کی ہدایات پر عمل کریں۔

وَ لَیَزِیْدَنَّ ۔ یعنی جوں ہی تجھ پر آیات قرآنیہ کا نزول ہوتا ہے ان لوگوں کی سرکشی اور کفر بوجہ عناد و جاہ طلبی کے زیادہ ہوتا جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ اس کی ترکیب مناسب یہ ہے کہ اس طرح کی جائے کہ جار و مجرور باللہ اٰمنوا سے متعلق

وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور یہودیوں اور صابیوں اور نصرانیوں (میں سے) جو ایمان لائے اللہ پہ اور یوم آخر پہ

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا

اور کام نیک کرے تو کوئی خوف نہیں ان کو اور نہ ان کو کوئی غم ہوگا ہم نے لیا۔

مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ

عہد بنی اسرائیل کا اور بھیجا ہم نے ان کی طرف رسولوں کو جب بھی لائے ان کے پاس رسول

بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْۤا

وہ جو نہ چاہا ان کے نفسوں نے تو بعض کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا اور وہ سمجھے کہ

اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا

اس کی گرفت نہ ہوگی پس اندھے بہرے ہوگئے پھر معاف کر دیا اللہ نے ان کو پھر اندھے بہرے

متعلق ہو یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الخ اور معنی اس طرح ہوگا تحقیق جو لوگ ایمان لائے اللہ پہ اور یوم آخر پہ اور نیک عمل کئے ان پر خوف و حزن نہ ہوگا اور اسی طرح یہودیوں نصرانیوں اور صابیوں میں سے بھی جو ایمان لائے اللہ پہ اور قیامت پر اور عمل نیک کرے۔ اس پر بھی خوف و حزن نہ ہوگا۔ دریں صورت آیت پر کوئی اشکال وارد نہ ہوگا کہ یہاں یہود و نصاریٰ و صابئین کی نجات کا خدا اعلان کر رہا ہے جبکہ وہ نیک اعمال کرتے ہوں اگرچہ وہ اسلامی اصولوں کو نہ بھی مانیں یعنی تنازع فعلین کے طور پر اٰمَنُوْا اور اٰمَنَ جار و مجرور کی طرف متوجہ ہیں اور آیت مجیدہ کی باقی شرح پارہ اوّل کی تفسیر ص۱۱۸ پر گذر چکی ہے۔

صابی :- بعضوں کے نزدیک یہ لوگ دینِ نوح رکھتے تھے اور بعض کے نزدیک ملائکہ کو پوجتے تھے اور زبور کے قائل تھے گویا اپنے آپ کو حضرت داؤد کے مذہب کے پیرو کہتے تھے اور قبلہ بیت المقدس کو مانتے تھے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا :- تفسیر صافی میں ہے کہ ان سے توحید و نبوت ولایت کا عہد لیا گیا تھا اور چونکہ ان نبیوں نے ان لوگوں سے وہ میثاق لیا تھا جو ان پر مبعوث کئے گئے تھے اس لئے خدا ان کے میثاق کو اپنی طرف منسوب فرما رہا ہے۔

فَرِيْقًا كَذَّبُوْا :- فریق کا معنی ہوتا ہے حصّہ یعنی ایک حصّہ کو جھٹلایا اور ایک حصّہ کو قتل کر دیا موجودہ زمانہ کے بنی اسرائیل چونکہ اپنے گذشتگان کے افعال پر راضی تھے۔ اس لئے ان کو ان کے افعال کی سرزنش کا مستحق قرار دیا گیا۔

وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا

ہو گئے بہت ان میں سے اور خدا جانتا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا

کہ اللہ خود مسیح ابن مریم ہے اور فرمایا مسیح نے اے اولاد یعقوب عبادت کرو

اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے تحقیق جو بھی شرک کرے ساتھ اللہ کے تو حرام کی ہے اللہ نے اس پر جنت

وَحَسِبُوا أَلَّا :- یعنی ان کو یہ خیال تھا کہ ہمارے اس فعل کا عتاب ہمیں نہ ہوگا۔ پس حق و انصاف کے اصولوں سے اندھے بہرے ہو کر انہوں نے یہ جرأتیں کیں۔ جس طرح عموماً بالا دست لوگ زیر دستوں سے برتاؤ کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ دولت و ریاست یا اقتدار و سلطنت کے نشہ میں جو انسان چور ہوتا ہے وہ انجام نہیں دیکھا کرتا اور وہ اپنے سے زیر دستوں کو ہر ممکن کوشش سے روندنے اور پامال کرنے کی کوشش کرتا ہے انہیں یہ خیال تک نہیں رہتا کہ کوئی قوت ہم سے انتقام لینے والی بھی ہے یا نہیں۔ لیکن خدا کا انتقام ایک وقت کی انتظار میں ہوتا ہے اور سرکش کو مہلت دی جاتی ہے کہ فوری انتقامی کارروائی میں وہ قیامت کے روز یہ عذر نہ کرے کہ میں توبہ کر لیتا اگر مہلت ملتی۔ پس جب اس کا دل اس حد تک سیاہ ہو جائے کہ وہ توبہ کی طرف مائل ہونے کی توفیق کھو بیٹھے تو بعض اوقات وہ دنیاوی عقوبت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات اس کی سزا قیامت پر موقوف کی جاتی ہے پس جس طرح خدا چاہتا ہے کر لیتا ہے۔

ثُمَّ تَابَ :- ایک جماعت نے توبہ کر لی اور خدا نے مقبول کی۔ لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد پھر وہی سستی اور اندھیر گردی انہوں نے شروع کر دی اور یہودیوں کا یہ قصہ صرف تعلقہ لسانی کے لئے نہیں بلکہ اہل اسلام اور خصوصاً بالا دستوں کے لئے باعث عبرت و نصیحت ہے۔

نکتہ علمیہ :- افعال تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) جس کا معنی علم و یقین ہو (۲) جو غیر یقینی خبر دیں (۳) جو یقین و غیر یقین میں مشترک ہوں پہلی قسم کے لئے اِنَّ حرف مشبہ بالفعل آتا ہے اور دوسری قسم کے لیے اَنْ ناصبہ فعل مضارع آیا کرتا ہے جیسے اَرْجُوْ اَنْ یَکُوْنَ اور تیسری قسم کے لئے معنی کی مناسبت سے کبھی اَنْ اور کبھی اَنَّ آتا ہے۔

لَقَدْ کَفَرَ :- عیسائیوں کے تین گروہ (۱) یعقوبیہ وہ جو حضرت عیسیٰؑ کو خدا مانتے ہیں (۲) نسطوریہ جو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں (۳) ملکائیہ۔ جو اقانیم ثلثہ کے قائل ہیں۔ یعنی جوہر اور ذات ایک ہے اور اس کا بروز و ظہور تین صفتوں سے ہے جیسے باپ بیٹا اور روح القدس یا مریم سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا ذات ایک ہے جس کے روپ تین ہیں

وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور نہ ہوگا ظالموں کا کوئی مددگار تحقیق کفر کیا جنہوں نے کہا

اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا

کہ اللہ تین میں سے ایک ہے حالانکہ نہیں کوئی معبود مگر صرف ایک اور اگر وہ نہ باز آئیں اس سے

عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ

جو کہتے ہیں تو ضرور مس کرے گا ان کو جو کافر ہیں ان میں سے عذاب دردناک کیا وہ نہیں توبہ کرتے

اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ

اللہ کی طرف اور بخشش چاہتے ؟ اور اللہ تو غفور رحیم ہے نہیں مسیح بن مریم

پہلے ان لوگوں کی تردید ہے جو خدا حضرت عیسیٰؑ کو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ خود یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے نیز وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ مشرک پر جنت حرام ہے اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک ماننا ظلم ہے اور ظالم کی قیامت کے روز کوئی مدد نہ ہوگی۔ ان تصریحات کے باوجود ان کی فرمائش کے خلاف ان کو خدا ماننا کتنا بُرا ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کے عقائد کی تردید فرمائی جو تین کے قائل تھے یا عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہتے تھے کیونکہ تین کے اعتقاد میں عیسیٰؑ کا ابن اللہ ہونا بھی آجاتا ہے کہ خدا صرف ایک ہی ہے اور تین کا اعتقاد رکھنے والے مشرک و کافر تھے اور ان سب کو عذاب کی دھمکی بھی دی اور توبہ کی صورت میں بخشش کا وعدہ بھی فرمایا اور کسی کو منوانے کے لئے یہی طریقے ہی ہوا کرتے ہیں کہ اپنے عندیہ کو دلیل سے ثابت کیا جائے۔ پھر ماننے والے کو انعام کی پیش کش اور انکاری کو نقصان و خسارہ کی تنبیہ کی جائے اور خیر خواہی کے طریق پر ہدایت کا اس سے زیادہ کامیاب طریقہ کوئی ہو نہیں سکتا۔

تنبیہ :- ملکائیہ فرقہ اگر تین کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ ایک ذات کے تین اقنوم یعنی مظہر صفات مانتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کا عقیدہ تین کے اقرار کو مستلزم ہے۔ اس لئے ان کو قائل ثلثہ کہا گیا۔

مَا الْمَسِيْحُ :- خداوند کریم نصرانیوں کو سمجھانے کے لئے پہلے تو حضرت عیسیٰؑ کا اپنا مقام بیان فرماتا ہے کہ وہ اس طرح ایک رسولؑ تھا جس طرح اس سے پہلے دوسرے رسولؑ تھے اور گذر گئے۔ ہاں ان گذشتہ پیغمبروں میں سے ان کی خصوصیت خاصہ یہ تھی کہ ان کی ماں صدیقہ تھی اور ان سے پہلے کسی نبی کو یہ شرف نہیں مل سکا۔ یہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے لفظِ مسیح و مریم کی تشریح تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہے۔

اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ
مگر پیغمبر تحقیق گزرے اس سے پہلے پیغمبر اور اس کی ماں صدیقہ تھی دونوں کھاتے
الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾
تھے کھانا دیکھو کیسے ہم بیان کرتے ہیں دلیلیں پھر دیکھو وہ کیوں الٹے جاتے ہیں
قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا
کہہ دو کیا عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے لئے ضرر و نفع کا؟

پس حضرت عیسیٰؑ کے مقام حقیقی کے واضح ہونے کے بعد ان کے متعلق خدائی کا اعتقاد خود بخود باطل ہوجاتا ہے۔

(۱) اس کی ماں موجود تھی اور ماں سے پیدا ہونا خدا کی شان نہیں ہے اور ماں ہونا بھی خدا کی شان کے خلاف ہے پس نہ ماں خدا اور نہ بیٹا خدا ہوا۔

(۲) ماں اور بیٹا دونوں کھانا کھایا کرتے تھے تو گویا تمام ضروریاتِ زندگی ان میں پائی جاتی تھیں جو مستلزم احتیاج ہیں اور بے نیازی کی شان کے خلاف ہیں۔ پس ماں اور بیٹا دونوں خدا نہیں ہوسکتے بلکہ خدا صرف ایک ہے۔ جس نے صدیقہ ماں کو عیسیٰؑ جیسا فرزند عطا کیا اور جو ان دونوں کا رازق تھا۔

(۳) جب وہ دونوں کھاتے تھے تو معلوم ہوا کہ ان کی زندگی کا دارومدار کھانے پر تھا۔ پس وہ حادث بھی تھے۔ اور محل تغیر و انقلاب بھی تھے۔ لہٰذا وہ فانی تھے اور خدا کی یہ شان نہیں ہے۔

(۴) جب ان کا نفع اور نقصان سب خدا کے ہاتھ میں تھا تو وہ کسی اور کو کیسے نفع یا نقصان پہنچا سکیں گے۔ اور خدا کی شان ہے۔ نفع عطا فرمائے یا بطور سزا یا آزمائش کے کسی کو نقصان دے دے اور یہ چیز بھی اگرچہ ان کے طعام کی طرف محتاج ہونے کو لازم تھی لیکن اس کو خصوصیت کے پیش نظر علیحدہ ذکر فرمایا۔ کیونکہ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰؑ ہی نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس کھلے لفظوں ان کی تردید فرمائی کہ سوائے میرے نفع و نقصان اور کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ کیونکہ نفع و نقصان وہی پہنچا سکتا ہے جو کسی کی سنتا ہو یا خود جانتا ہو اور وہ صرف میں ہی ہوں۔

السمیع :- ہر وقت ہر ایک کی بات سننا صرف اللہ کا ہی خاصہ ہے اور حضرت عیسیٰؑ یا کسی اور میں یہ صفت موجود نہیں۔ لہٰذا وہ خدا نہیں۔

وَاللّٰہُ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۷۶﴾ قُلۡ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ غَیۡرَ

اور اللہ ہی سننے جاننے والا ہے کہہ دو اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں

الۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَھۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا کَثِیۡرًا

ناحق اور نہ پیچھے لگو ایسے لوگوں کی خواہشات کے جو خود پہلے گمراہ ہیں اور انہوں نے گمراہ کیا بہت سوں کو

العلیم :- ہر وقت ہر چیز کا علم صرف ذاتِ خدا کے ساتھ خاص ہے ۔ لہٰذا وہی خدا و معبود حقیقی ہے ۔

تنبیہ :- یہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کرنے والوں کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ جو بھی اللہ کے علاوہ کسی بزرگ نبی یا امام کے بارے میں وہی عقیدہ رکھے جو عیسائیوں کا ہے تو انہی آیاتِ قرآنیہ کی رُو سے وہ مشرک کہلانے کا مستحق ہوگا اور محمدؐ و آلِ محمدؑ اللہ کے خاص بندے اور اس کی افضل مخلوق ہیں ۔ لہٰذا ان کے متعلق خدائی کا عقیدہ رکھنا کفر و شرک ہے ۔ نیز ان کو صفاتِ خداوندی مثلاً خلق رزق ، موت حیات اور نفع و ضرر میں شریک ماننا بھی کفر ہے ۔ نیز حاضر و ناظر کا مسئلہ جو عام چلا ہوا ہے اگر حاضر و ناظر کا معنی سمیع و علیم کا ہے تو سوائے خدا کے کسی کو حاضر و ناظر کہنا خواہ نبی ہو یا امام کفر و شرک ہے لیکن اگر حاضر و ناظر کا معنی یہ ہے کہ خدا کی مشیت کی ماتحت چشم زدن میں دنیا کی ہفت اقلیم تو بجائے خود چودہ طبقوں کی سیر کر سکتے ہیں یا اسی کی مشیت سے رموزِ خفیہ اور امورِ غائبیہ کو جان لیتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا عین ایمان ہے اور اس کو شرک و کفر کہنا خاصانِ خدا کی ناقدر شناسی ہے ۔

لَا تَغۡلُوۡا :- بہرکیف حضرت عیسیٰؑ کو یا دوسرے خاصانِ خدا کو اپنی حد تک ماننا ایمان ہے اور ان کو ان کی حد سے بڑھا کر آگے لے جانا کفر و شرک ہے اور خدا ان کو بطور نصیحت فرماتا ہے کہ اپنے دین میں حدود سے آگے نہ بڑھو ۔

وَلَا تَتَّبِعُوۡا :- موجودہ زمانہ کے یہودیوں اور نصرانیوں کو خطاب ہے کہ تم خود اپنے عقیدہ میں سنبھل جاؤ اور جو لوگ تم میں سے مشرکانہ عقائد پر گذر چکے ہیں ۔ ان کے پیچھے نہ چلو ۔ وہ خود بھی گمراہ تھے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتے تھے ۔

تنبیہ :- بعض جہال آئمہ اہلبیتؑ کے حق میں افراط کر کے غلو کی حدوں تک پہنچ جاتے ہیں ۔ مقدمہ تفسیر مراۃ الانوار میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ۔ آپ نے فرمایا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنہوں نے ہمیں اس ذات کی عبودیت سے ہٹا دیا جس نے ہمیں پیدا کیا اور جس کی طرف ہماری بازگشت ہے اور فرمایا کہ اپنے جوانوں کو غالیوں کی صحبت سے بچاؤ کہ ان کے عقائد کو خراب نہ کر دیں کیونکہ غالی لوگ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں ۔ وہ اللہ کی عظمت کو کم کر کے بندوں کو رب مانتے ہیں پھر فرمایا کہ اگر غالی پلٹ کر واپس آئے تو ہم اس کو قبول نہ کریں گے لیکن اگر کوتاہی کرنے والا ہم تک پہنچ جائے تو ہم اس کو لے لیں گے ۔ ایک مرتبہ امام رضا علیہ السلام نے خداوند کریم کے بعض صفات بیان کئے تو ایک شخص نے کہا کہ حضورؑ

وَضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور بھٹک گئے سیدھے راستہ سے لعنت کئے گئے جو کافر ہوئے بنی اسرائیل میں سے

عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

داؤد کی زبانی اور عیسیٰ بن مریم (کی زبانی) یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور تھے سرکشی کرتے

بعض لوگ آپ کے شیعوں میں سے یہ صفات حضرت علیؑ کے لئے ثابت کرتے ہیں تو آپ کے اعضاء پر غصہ سے لرزہ طاری ہوگیا اور فرمایا ظالموں اور کافروں کے بکواسوں سے خدا کی شانِ اجل ہے۔ پھر فرمایا کیا حضرت علیؑ کھانا نہیں کھاتے تھے کیا وہ شادی نہیں کرتے تھے؟ اور پھر باوجود اس کے اللہ کے دربار میں نہایت عاجزی وزاری سے نماز پڑھتے تھے اور جس کی یہ صفت ہو وہ خدا کیسے بن سکتا ہے؟

رکوع نمبر ۱۵

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ بنی اسرائیل میں سے جن جن لوگوں نے کفر کیا۔ ان کو تمام انبیاء بنی اسرائیل برا سمجھتے تھے لیکن حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰؑ کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد جس قدر پیغمبر آئے یہ دونو ان سب سے اشرف تھے۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایلہ والوں نے جب سنیچر کے روز سرکشی کی تھی تو انہوں نے ان پر لعنت کی تھی اور ان کو بددعا کی تھی تو خداوندکریم نے ان کو بندروں کی شکل میں مسخ کردیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں پر لعنت کی تھی جنہوں نے مائدہ کے نازل ہونے کے بعد کفر کیا تھا اور تفسیر صافی میں جوامع سے منقول ہے کہ وہ سور کی شکل میں مسخ ہوئے تھے اور ان کی تعداد پانچ ہزار تھی۔

وَكَانُوْا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ بنی اسرائیل کی تین جماعتیں ہوگئی تھیں ۱۔ وہ جو برائی کرتے تھے ۲۔ خود برائی نہ کرتے تھے بلکہ برائی کرنے والوں کو منع کرتے تھے لیکن ان سے قطع تعلق نہ کرتے تھے ۳۔ وہ جنہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ برائی سے باز نہیں آتے تو انہوں نے ان سے قطع تعلق کرلی اور علیحدہ ہوگئے۔ پس پہلے دونوں فرقوں پر عذاب آگیا۔ اسی لئے تو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا کہ امر بالمعروف کرو اور نہی عن المنکر کرو اور غلط کار کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھے راستے پر لاؤ ورنہ خدا تم میں سے بعض کو بعض کے قتل پر مسلط کردے گا اور تم پر عذاب نازل کرے گا۔ جس طرح ان پر نازل کیا تھا۔ (روایت ابن عباس سے منقول ہے)

عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ۔ وہ برائیاں جن کی وجہ سے وہ لوگ مورد عذاب ہوئے۔ مجمع البیان میں ہے بعض کے

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧٩﴾ تَرَىٰ

نہ روکتے تھے ایک دوسرے کو کسی برائی سے جو کرتے تھے البتہ برا کرتے تھے تو دیکھے گا

كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن

بہتوں کو ان میں سے دوست رکھتے ہیں ان کو جو کافر ہیں البتہ برا ہے جو بھیجا ان کے لئے ان کے نفسوں نے کہ

سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ

ناراض ہوا اللہ ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور اگر وہ رکھتے ایمان

بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ

اللہ اور نبی پر اور اس پر جو اتری اس پر تو نہ بناتے ان کو دوست لیکن بہت سے ان میں سے

.....نزدیک مچھلی کا شکار بروز سنیچر اور بعض کے نزدیک رشوت لینا، سود کھانا اور حرام کی قیمت وصول کرنا ہے اور تفسیر صافی میں قمی سے مروی ہے کہ وہ لوگ سور کھاتے تھے شراب پیتے تھے اور اپنی عورتوں سے ایام حیض میں ہمبستری کرتے تھے۔

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ :- یہ ان یہودیوں کی مذمت ہے جو کفار مکہ کے ساتھ میل جول رکھتے تھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ وہ لڑیں چنانچہ کعب بن اشرف اسی غرض سے مکہ میں گیا تھا اور مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا بھڑکا کر جنگ خندق کا موجب ہوا تھا اور مذمت صرف انہی یہودیوں کے ساتھ مختص نہیں بلکہ قیامت تک جو لوگ ایسی حرکات کریں۔ وہ اسی آیت کے تحت میں آئیں گے۔ چنانچہ مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو لوگ جبار حکمرانوں کے ساتھ دوستی رکھتے ہیں اور ان کی خواہشات کی مطابقت کرتے ہیں تاکہ ان سے منفعت دنیا حاصل کریں۔ وہ اسی آیت میں داخل ہیں اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ ایک قوم شیعہ ایسی ہے جو حکومت کی ملازمت اختیار کرتے ہیں اور ان سے محبت اور راہ و رسم رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ایسے لوگ شیعہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ انہی میں سے شمار ہوں گے۔

وَلَوْ كَانُوا :- کفار سے میل جول کرنے والے یہودیوں کے بارے میں ہے کہ اگر وہ لوگ اللہ کے ساتھ اور حضرت موسیٰ نبی کی نبوت کے ساتھ اور تورات کے ساتھ ایمان رکھتے ہوتے تو یقیناً کافروں سے دوستانہ تعلقات قائم نہ کرتے اور اگر اسے عام قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ وہ مومن کہلانے والے جو غیر مومنوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا ہے

فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَ

فاسق ہیں — البتہ پاؤ گے لوگوں میں سے سخت ترین دشمنی کے لحاظ سے ان کے حق میں جو ایمان لائے یہودی اور

الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

جو مشرک ہیں — اور البتہ پاؤ گے زیادہ قریب دوستی کے لحاظ ان کے حق میں جو مومن ہیں وہ لوگ جو اپنے آپ کو

کہ اگر ان لوگوں کا خدا اور رسولؐ و قرآن پر ایمان ہوتا تو کافروں سے ان کی محبت کیوں ہوتی مقصد آیت کا یہ ہے کہ غیر مومن سے محبت رکھنا ۔ ایمانداری کا شیوہ نہیں ہے اور قرآن مجید اسے فاسق فرما رہا ہے اور گذشتہ آیت میں ایسے لوگوں کے لئے خدا کا غضب اور دائمی عذاب بیان کیا گیا ہے ۔ لہٰذا صاحبانِ ایمان کو اپنے رویّہ میں احتیاط لازم ہے۔

لَتَجِدَنَّ ۔ آیت مجیدہ کا مقصد یہ ہے کہ یہودی لوگ اور مشرک لوگ ایمان والوں کے سخت ترین دشمن ہیں اور نصرانی لوگ ایمان والوں کے حق میں محبت کے لحاظ سے زیادہ قریب ہیں کیونکہ نصرانیوں میں تین چیزیں موجود ہیں ۱ قسیس یعنی ان کے علماء پادری ۔ جن کو پوپ کہتے ہیں ۲۔ خدا پرست زاہد و عابد ۳۔ ان میں تکبّر نہیں ۔ پس جب علم بھی ہو خوف خدا بھی ہو اور باوجود ان دو چیزوں کے حق کے قبول کرنے سے تکبّر و نخوت بھی مانع نہ ہو تو ایسے لوگ حق کے قبول کرنے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں ۔ صرف فضا کی سازگاری کے وہ منتظر ہوتے ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں یہودیوں میں علماء اور راہب تو موجود تھے لیکن ان میں تکبّر و نخوت اور حسد و بغض کی جو مرض تھی وہ ان کو قبولِ حق سے مانع تھی ۔ لہٰذا وہ مومنوں کے حق میں ہر وقت برائیاں سوچتے رہتے تھے حالانکہ جانتے تھے کہ وہ حق پر ہیں اور مشرکینِ مکہ تو ہر اچھی صفت سے محروم تھے کیوں کہ وہ جاہل بھی تھے اور خدا پرستی کا نام ہی نہ تھا بلکہ بت پرستی ان کا دین تھا اور تکبّر و نخوت میں وہ دنیا بھر میں لاثانی تھے ۔ پھر دریں حالات ان سے انصاف کی کیا توقع ہو سکتی تھی ۔ پس یہود و مشرکین کو انہی وجوہات کی بناء پر مسلمانوں کے لئے شدید ترین اور قبولِ حق سے بعید ترین کہا گیا اور نصرانیوں کو ان کے قریب تر کہا گیا ہے۔

ہجرتِ حبشہ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب اسلام کی دعوت عام ہوئی تو مشرکین نے آپس میں مسلمانوں کی ایذا رسانی کی میٹنگ کی ۔ چنانچہ ہر قبیلہ نے اپنے قریبی مسلمانوں کو ایذا دینے کی تجویز پاس کر لی ۔ پس وہ مسلمانوں کو تکلیفیں دیتے تھے لیکن حضرت رسالتمآبؐ حضرت ابوطالب کی وجہ سے محفوظ رہے ۔ جب حضورؐ نے مسلمانوں کی مظلومیت دیکھی اور جہاد کا حکم ابھی نہ آیا تھا اور نہ ان کے ظلم برداشت کے قابل تھے اور نہ ان سے بچاؤ کی کوئی صورت تھی تو مسلمانوں کو ہجرتِ حبشہ کا حکم دیا کہ وہاں کا بادشاہ نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم کرنے دیتا ہے ۔ اس وقت حبشہ کا بادشاہ نجاشی تھا ۔ جس کا نام عطیہ تھا ۔ پس مسلمانوں کا پہلا قافلہ پندرہ آدمیوں پر مشتمل جن میں گیارہ مرد اور چار عورتیں

اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّيۡسِيۡنَ وَرُهۡبَانًا وَّاَنَّهُمۡ
نصرانی کہلاتے ہیں یہ اس لئے کہ ان میں سے عالم اور خداپرست لوگ ہیں اور تحقیق
لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۸۲﴾
وہ بڑائی نہیں کرتے

تعلیں لعبثت کے پانچویں برس ماہ رجب میں خفیہ طور پر وہاں سے روانہ ہُوا۔ اور ان کے بعد دوسرے مسلمان بھی تدریجاً پہنچتے رہے۔ یہاں تک کہ بیاسی مرد، عورتوں و بچّوں کو لے کر وہاں جا پہنچے۔ ان میں حضرت جعفر طیار، زبیر، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان، عثمان بن مظعون وغیرہ بھی تھے

تفسیر خازن سے منقول ہے کہ جب حضرت جعفر طیار نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تو ان کے ساتھ دیگر صحابہ بھی تھے وہ وہاں رہائش پذیر ہوگئے۔ ادھر جناب رسالتمآبؐ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے پس جب بدر کا واقعہ آیا۔ اور کفار قریش کے چیدہ چیدہ افراد اس میں مارے گئے تو قریشی لوگ دارالندوہ میں جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ نجاشی کے پاس جس قدر مسلمان موجود ہیں ہمیں وہاں پہنچ کر ان سے انتقام لے لینا چاہیئے پس انہوں نے چندہ جمع کرکے نجاشی کو ایک معقول رشوت دے کر مطلب براری کی تجویز منظور کی اور عمرو بن عاص اور عمارہ بن ابی معیط کو اس مہم کے لئے انتخاب کیا۔ چنانچہ یہ دونوں قیمتی تحائف اپنے ساتھ لے کر بحری راستہ عبور کرتے ہوئے حبشہ میں پہنچے جب شاہی دربار میں داخل ہوئے تو انہوں نے نجاشی کے تخت کے سامنے سجدہ کیا اور چاپلوسی اور خوشامد کے طور پر کہنے لگے۔ اے بادشاہ ہماری پوری قوم کے دلوں میں آپ کی خیر خواہی کا جذبہ ہے اور وہ سب آپ کے ملک و قوم سے بدل وجان محبت و خلوص کا جذبہ رکھتے ہیں ہمیں اپنی قوم نے صرف اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کو چند مفسد اور فتنہ پرداز آدمیوں کے شر سے بچنے کا مشورہ دیں۔ کیوں کہ وہ لوگ ایک ایسے دروغ گو شخص کے پیچھے لگے ہوئے ہیں جو اپنے تئیں اللہ کا رسول ظاہر کرتا ہے ہماری پوری قوم میں سے سوائے چند بیوقوف آدمیوں کے اس کی بات کوئی سنتا ہی نہیں۔ ہم نے اُن سے پُوری طرح بائیکاٹ کرکے شہر سے نکال دیا تھا چنانچہ وہ مجبوراً ایک شعب میں رہے جہاں ان کے پاس کسی کی آمد و رفت تک نہ تھی۔ ان کے اکثر ساتھی بھوک و پیاس کی شدت سے مر گئے۔ پس تنگ آکر اس نے اپنے چچازاد بھائی کو آپ کے ملک، دین اور رعیّت میں ابتری پھیلانے کے لئے روانہ کیا ہے۔ آپ ان سے بچیں۔ بلکہ ان کو ہمارے حوالہ کردیں۔ ہم خود ہی ان کا انتظام کرلیں گے اور آپ کی مزید تسلّی کے لئے ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر وہ لوگ آپ کے دربار میں داخل ہوں۔ تو آپ کے سامنے سربسجدہ ہونا تو درکنار آپ کا شاہانہ شایانِ شان سلام تک نہ کریں گے۔

نجاشی نے یہ تقریر سنتے ہی ان کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا تو حضرت جعفر طیار نے پہنچتے ہی آواز بلند کی. بادشاہ اللہ والے تجھ سے دربار کے داخلہ کی اجازت چاہتے ہیں؟ نجاشی نے دربان کو حکم دیا کہ اس ندا کرنے والے کو کہو کہ یہی صدا دوبارہ بلند کرے۔ چنانچہ حضرت جعفر طیار نے دوبارہ وہی کلمات دوہرائے۔ پس نجاشی نے داخلہ کی اجازت دی اور امان کا وعدہ کیا۔ عمرو بن عاص نے شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا دیکھئے یہ لوگ کس طرح اپنے آپ کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حتیٰ کہ نجاشی بھی ان کے دام میں آگیا ہے۔ القصہ انہوں نے داخلے کے بعد نہ سجدہ کرنا تھا اور نہ کیا۔ عمرو بن عاص نے موقع پاکر بادشاہ کے جذبات سے کھیلنا چاہا کہ دیکھئے یہ لوگ آپ کے سامنے سجدہ کرنا اپنی ہتک سمجھ رہے ہیں۔

نجاشی نے دریافت کیا۔ آپ نے میرے تخت کے سامنے سجدہ کیوں نہ کیا اور دربار شاہی کے آداب کی بجا آوری سے کیوں گریز کیا؟ انہوں نے جواب دیا۔ بادشاہ! ہم تو صرف اسی ذات کا سجدہ کرنا جانتے ہیں۔ جس نے تجھے خلق فرمایا اور تجھے تاج شاہی کرامت فرمایا۔ بے شک ہم بھی بت پرستی کے زمانہ میں اس قسم کی غلطیاں کیا کرتے تھے لیکن خدا نے ہم میں ایک سچا نبی مبعوث فرمایا ہے جس نے ہمیں سلام کرنا سکھایا ہے جو اہل جنت کا طریقہ ہے۔ نجاشی سمجھ گیا کہ بات سچی ہے اور تورات وانجیل میں بھی ایسا ہی ہے۔

کہنے لگا تم میں سے دروازہ پر آواز کس نے دی تھی؟ جو اپنے آپ کو خدا والا کہہ رہا تھا تو حضرت جعفر طیار نے جواب دیا کہ وہ میں تھا۔ خدا نے تجھے زمین کی حکومت عطا فرمائی ہے۔ تیرے دربار میں شور وغل مناسب نہیں اور نہ ظلم کرنا تیرے شایانِ شان ہے۔ بحث کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کی طرف سے صرف میں بات کروں گا اور ان دونوں کو حکم دیجئے کہ صرف ایک آدمی میرے ساتھ بات کرے اور دوسرا خاموش رہے تاکہ فریقین کی بات اچھی طرح سمجھ میں آسکے اور تیرے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو۔ پس عمرو بن عاص تیار ہوا۔

جعفر طیار:۔ بادشاہ ان سے دریافت کیجئے کہ ہم غلام ہیں اور اپنے مالکوں سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں تو بے شک آپ ہمیں ان کے حوالے کر دیں۔

بادشاہ نجاشی:۔ عمرو عاص کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے۔ کیا یہ لوگ غلام ہیں یا آزاد؟

عمرو عاص:۔ بے شک یہ لوگ آزاد ہیں اور شرفاء قوم ہیں۔

جعفر طیار:۔ ان سے دریافت کیجئے کہ ہمارے ذمہ کوئی ناحق قتل ہے۔ جس کا یہ قصاص لینا چاہتے ہوں؟

بادشاہ:۔ عمرو عاص سے خطاب کرتے ہوئے۔ بتائیے۔

عمرو عاص:۔ ہرگز نہیں بلکہ ایک قطرۂ خون بھی ان کی گردن پر نہیں۔

جعفر طیار:۔ ان سے پوچھئے۔ کیا ہم نے کسی کا مال چرایا ہے جس کی ادائیگی ہم پر واجب ہے۔

بادشاہ:۔ بتائیے اور اگر ایک قنطار تک بھی ہوگا۔ میں ان کی طرف سے خود ادا کروں گا۔

عمرو عاص :- نہیں حضورؐ قنطار تو بجائے خود ایک رائی بھر کسی کا حق ان کی گردن پر نہیں۔
بادشاہ :- پھر تم لوگ ان سے کس شئے کا مطالبہ کرنے آئے ہو؟
عمرو عاص :- یہ اور ہم سب کے سب ایک دین پر تھے ۔پس یہ لوگ اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر ایک علیٰحدہ دین پر چلے گئے اور کہا ہمیں قوم نے بھیجا ہے کہ آپ ان لوگوں ہی کو ہمارے حوالہ کر دیں۔
نجاشی بادشاہ :- تمہارا دین کیا تھا؟ اور ان لوگوں نے کونسا دین اختیار کر لیا ہے؟ اس کے جواب میں عمرو بن عاص بالکل خاموش ہو گیا اور کچھ نہ کہہ سکا تو حضرت جعفر طیار گویا ہوئے۔
جعفر طیارؑ :- بادشاہ! جس دین پر ہم پہلے تھے وہ دینِ شیطان تھا۔ ہم اللہ سے کفر کر کے پتھروں کی پوجا کیا کرتے تھے اور اب جو دین ہم نے اختیار کیا ہے وہ دینِ خدا اور دینِ اسلام ہے جو خدا کے رسولؐ اور خدا کی کتاب کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے اور ہماری کتاب حضرت عیسیٰؑ بن مریم کی کتاب کی طرح ہے اور اس کی تصدیق کرنے والی ہے۔
نجاشی :- نہایت متحیر انداز سے ۔جعفر تو نے تو ایک بڑی بات کہہ دی ۔پس فوراً ناقوس بجایا گیا اور ہر طرف سے پادری اور راہب فوراً جمع ہوئے تو بادشاہ نے ان سے پوچھا! تمہیں اس خدا کی قسم جس نے حضرت عیسیٰؑ پر انجیل کو نازل فرمایا۔ بتائیے ۔عیسیٰؑ اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی بھی آنے والا ہے؟
پادری :- جی ہاں! ہمیں حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے بشارت دی گئی ہے کہ جو اس نبی پر ایمان لائے گا۔ گویا اس نے میری تصدیق کی اور جس نے اس کا کفر کیا گویا اس نے میرا انکار کیا۔
نجاشی :- حضرت جعفر طیارؑ کی طرف متوجہ ہو کر تم لوگوں کو وہ نبی کیا بتلاتا ہے ۔کس چیز کا امر اور کس چیز سے نہی کرتا ہے
جعفر طیارؑ :- وہ اللہ کی کتاب پڑھتا ہے ۔معروف کا امر ۔برائی سے نہی ۔ہمسایہ سے حسنِ سلوک ،صلہ رحمی اور یتیم پروری سکھاتا ہے اور ہمیں صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتا ہے ۔جس کا کوئی شریک نہیں۔
نجاشی :- اپنی کتاب میں سے کچھ سنائیے۔
جعفر طیارؑ نے سورہ عنکبوت اور سورۂ روم کی تلاوت کی تو نجاشی اور اس کے تمام دربار پر گریہ طاری ہو گیا اور انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اس پاکیزہ کلام کا کچھ اور حصہ بھی سنائیے ۔چنانچہ آپ نے ان کی خواہش پر سورۂ کہف کی تلاوت کی۔
عمرو عاص جو اپنے مقام پر انتہائی شرمساری سے سر جھکائے ہوئے تھا۔ اس نے نجاشی کو غصہ میں لانے کے لئے ایک بہانہ سوچا۔ اور وہ یہ کہ حضورؐ! یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کو سبّ کرتے ہیں۔
نجاشی :- آپ کا حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کے متعلق کیا نظریہ ہے۔
جعفر طیارؑ نے سورہ مریم کی تلاوت شروع کر دی ۔جب حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کا ذکر ہوا تو نجاشی کہنے لگا۔ بخدا حضرت مریم و حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہی عقیدہ ہی درست اور صحیح ہے پس حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھیوں سے

کہا کہ تم میرے ملک میں باامن و امان بسر کرو اور ابراہیمی گروہ پر کوئی تشدد نہ کیا جائے گا۔

عمرو عاص :- اے نجاشی بادشاہ ! ابراہیمی گروہ سے کون لوگ مراد ہیں ؟

نجاشی :- وہ یہی لوگ ہیں اور ان کا نبی جس نے ان کو یہاں بھیجا ہے - یہ سنتے ہی مشرکین نے کہا کہ ملت ابراہیمی پر تو ہم لوگ ہیں - پس نجاشی بادشاہ نے عمرو عاص کو وہ مال واپس کر دیا جو بطور ہدیہ لائے تھے اور کہا کہ یہ ہدیہ تم لوگ مجھے بطور رشوت دے رہے تھے - مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ جس خدا نے مجھے یہ ملک عطا فرمایا ہے اس نے مجھ سے رشوت نہیں لی تھی۔ حضرت جعفر طیار فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے نہایت پرامن زندگی بسر کی اور ادھر خداوند کریم نے مدینہ میں مشرکین کے دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے اپنے رسولؐ پر یہ آیت نازل فرمائی -

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ الخ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ عمارہ بن ولید اور عمرو عاص کے درمیان حبشہ کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں ان بن ہو گئی تھی - وجہ اس کی یہ تھی کہ عمارہ بن ولید خوبصورت نوجوان تھا اور عمرو عاص کی بیوی بھی ہمراہ تھی - جب کشتی میں سوار ہوئے اور عمارہ نے شراب نوشی کی تو حالت نشہ میں اس نے عمرو عاص سے کہا کہ اپنی بیوی سے میرے لئے بوسہ کی سفارش کرو تو عمرو عاص نے انکار کیا۔ جب عمرو عاص نے شراب پیا اور نشہ میں مست ہوا تو عمارہ نے اسے سمندر میں دھکیل دیا۔ لیکن وہ ڈوبنے سے بچ گیا اور کشتی کو پکڑ کر پھر اوپر چڑھ آیا۔

جب حضرت جعفر طیار کے بیان سے نجاشی بادشاہ خوب متاثر ہوا تو پھر عمرو عاص نے اپنا مطالبہ دہرایا۔ پس بادشاہ نجاشی نے غصہ میں آکر عمرو کے منہ پر ایک زور سے تھپڑ مارا اور کہا کہ اگر تو نے پھر جعفر طیار کے متعلق کچھ کہا تو میں برا پیش آؤں گا اور ہدیئے اور تحفے بھی واپس کر دیئے -

بروایت صافی عمارہ پر بادشاہ کی کنیز عاشق ہو گئی - چنانچہ عمرو عاص نے عمارہ کو مشورہ دیا کہ اس کے ساتھ تعلقات بڑھاؤ تاکہ بادشاہ کی خوشبو چرا کر ہمیں لا دے - چنانچہ ایسا ہی ہوا - پھر عمرو عاص نے عمارہ سے سابقہ رنجش کا انتقام لینے کے لئے بادشاہ کو عمارہ و کنیز کا معاشقہ سنا دیا اور چرائی ہوئی خوشبو بطور گواہ کے پیش کر دی - پس بادشاہ نے جادوگر کو بلا کر اس پر جادو کا ایسا اثر ڈالا کہ وہ سخت عذاب میں گرفتار ہو کر واصل جہنم ہوا - پس یہ آیتیں اتریں -

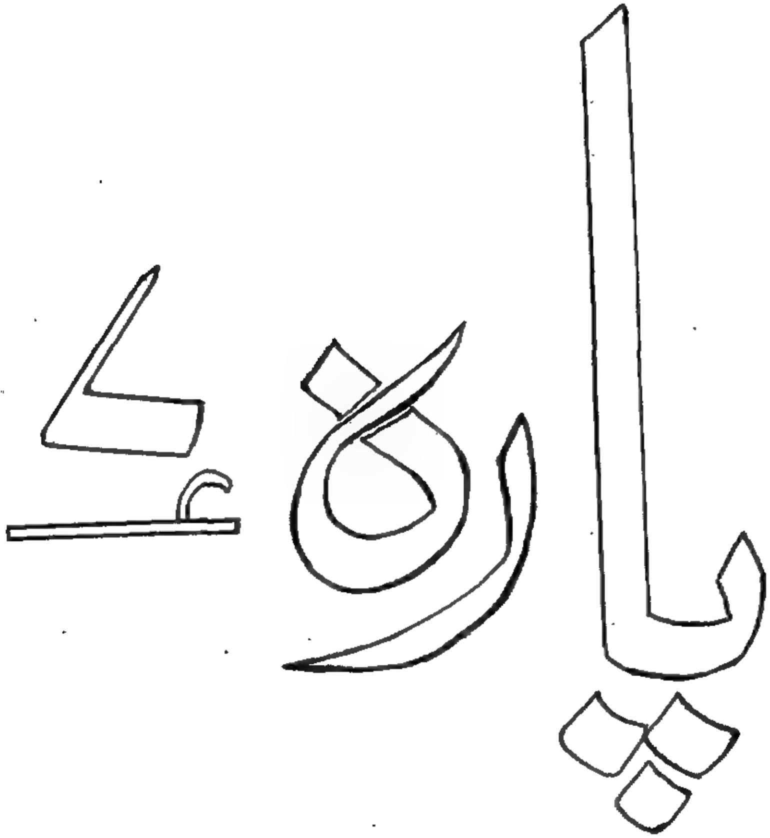
پارہ

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا

اور جب سُنیں وہ جو نازل ہُوا رسول پر تو دیکھے گا کہ ان کی آنکھیں بہتی ہیں آنسوؤں سے بوجہ اس کے کہ جانا

مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ

حق کو کہتے ہیں اے رب ہمارا ہم ایمان لائے پس لکھ ہمیں شہادت دینے والوں کے ساتھ اور یہ کیسے ہو کہ ہم نہ ایمان لائیں

بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾

اللہ پر اور اس پہ جو ہمارے پاس حق اور ہم پُر امید ہیں کہ داخل کرے ہم کو ہمارا رب نیک لوگوں میں

فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَ

پس بدلہ دیا ان کو اللہ نے بوجہ اس کے جو کہا باغات کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ ہوں گے ان میں اور

ذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

یہ بدلہ ہے احسان کرنے والوں کا اور جو لوگ کافر ہوئے اور جھٹلایا ہماری آیات کو تو وہ

رکوع ۱۱ وَإِذَا سَمِعُوا - جب حضرت جعفر طیّار حبشہ میں مقیم تھے تو اسماء بنت عمیس کے شکم سے ان کا فرزند حضرت عبداللہ - حضرت صدیقہ صغریٰ کا شوہر وہیں پیدا ہُوا تھا اور نجاشی بادشاہ کا ایک لڑکا پیدا ہوا تو نجاشی نے اس کا نام محمدؐ رکھا تھا اور جناب رسالتمآبؐ کی طرف اس نے ماریہ قبطیہ کو بھیجا تھا جو حضرت کے فرزند ابراہیمؑ کی والدہ تھیں - اور کافی تحفے اور ہدیئے بھی ساتھ روانہ کئے تھے اور بہت سے قسیس یعنی پوپ پادری بھی بھیجے تھے کہ حضورؐ کا کلام سُنیں اور ان کے عادات و اطوار، کردار و گفتار کا جائزہ لیں - پس جب وہ مدینہ میں آئے تو حضورؐ نے اُن کے سامنے سورہ مریم تلاوت فرمائی پس وہ لوگ روئے اور ایمان لائے اور واپس حبشہ میں پہنچ کر حقیقت بیان کی اور سورہ مریم کی آیتیں سنائیں تو نجاشی اور دیگر علماء بہت روئے - پس نجاشی مسلمان ہوگیا لیکن اہل حبشہ کے سامنے اپنے اسلام کو ظاہر نہ کر سکتا تھا - لہٰذا ہجرت کر کے واپس مدینہ کی طرف آنا چاہا - لیکن راستہ میں انتقال ہوگیا اور یہ آیتیں انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں (تفسیر صافی)

اور مجمع البیان میں ہے کہ حضرت جعفر طیّار حبشہ سے اپنے سارے ساتھیوں کو ساتھ لے کر واپس آئے اور اہل حبشہ اور اہل شام میں سے اسّی یا کم و بیش تعلیم یافتہ و معتبر نصرانیوں کو بھی اسلام کی صداقت آشکار کرنے کے لئے اپنے ہمراہ لائے اور یہ عین اس وقت میں پہنچے جبکہ حضورؐ جنگ خیبر فتح کر چکے تھے پس فرمایا کہ میں اس بات میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ

باقی صفحہ ۱۶۲ پر دیکھیں دو ورق مڑ گئے

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ

پھر ڈریں اور نیکیاں کریں — اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو — اے ایمان والو ضرور آزمائے گا تم کو

اشارہ ہو جس طرح کافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایمان کے درجے ہیں کامل اور بعض ناقص۔

درجاتِ ایمان و تقویٰ

صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ مومنین کے مراتب و منازل ہیں کوئی ایک درجہ پر کوئی دو درجہ پر۔ اسی طرح چھ سات آٹھ دس علیٰ ہذا القیاس مدارج بڑھتے چلے جاتے ہیں تو ایک درجہ والے پر دو کا بوجھ یا دو والے پر تین کا بوجھ اگر رکھا جائے تو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ نیز صافی میں مصباح الشریعۃ سے منقول ہے کہ تقویٰ کی تین قسمیں ہیں ۱۔ خوفِ خدا کے لئے بعض حلال امور کا ترک کر دینا اور یہ تقویٰ خاص الخاص ہے اور یہ ہے تقویٰ فی اللہ ۲۔ حرام سے بچنے کے لئے حرام سے گریز کرنا اور یہ تقویٰ خاص ہے اور اس کو تقویٰ من اللہ کہا جاتا ہے ۳۔ آتشِ جہنم سے بچنے کے لئے حرام سے گریز کرنا اور یہ تقویٰ عام ہے اور اس کی حسی مثال اس طرح ہے کہ تقویٰ بمنزلہ نہر جاری کے ہے اور یہ تین درجے مثل ان درختوں کے ہیں جو کنارۂ نہر پر لگائے گئے ہوں پس ہر رنگ اور ہر جنس کا درخت اپنے جوہر و طبیعت اور لطافت و کثافت کی مناسبت سے اپنی جڑوں کے ذریعے سیرابی حاصل کرتا ہے اور پھر ان درختوں کے میووں اور پھلوں سے ان کی قدر و قیمت کے ماتحت ہی لوگ منتفع ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى الْاُكُلِ۔ پس تقویٰ عبادات کے لئے ایسا ہے جس طرح نہر کا پانی کنارے پر لگائے ہوئے درختوں کے لئے اور رنگ و ذائقہ میں درختوں کے طبائع کا فرق جو ہے وہ ایمان کے منازل کے تفاوت کی مثال ہے پس ایمان میں جس قدر بلندی اور اس کے جوہر روح میں جس قدر صفائی زیادہ ہوگی تو تقویٰ کا پایہ بلند ہوگا اور عبادت زیادہ خالص و طاہر ہوگی اور اللہ سے قرب بھی زیادہ ہوگا اور جس عبادت کی بنیاد تقویٰ کے بغیر ہوگی پس وہ ہبا منثور کی طرح ہوگا الخ اس کی وضاحت میں محدث فیض اعلیٰ اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ:-

ایمان کا پہلا درجہ ایک ناقص سی تصدیق ہوتی ہے جو کم و بیش شکوک و شبہات کی آلائشوں سے منزہ نہیں ہوتی۔ اس لئے اس میں بعض گوشے شرک کے بھی پائے جانے کا امکان ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ اور اس درجہ کو عام اصطلاح میں اسلام کا نام دیا جاتا ہے جیسے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ اور جو تقویٰ اس ایمان سے پہلے ہوتا ہے وہ تقویٰ عام ہے۔

اور ایمان کا دوسرا مرتبہ وہ تصدیق ہے جس میں شک و شبہ نہ ہو۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا

اللّٰهُ بِشَيْءٍ	مِنَ الصَّيْدِ	تَنَالُهٗٓ	اَيْدِيْكُمْ	وَرِمَاحُكُمْ	لِيَعْلَمَ	اللّٰهُ	مَنْ
اللہ ساتھ کچھ شکار کے		جسے لگتے ہیں	تمہارے ہاتھ	اور نیزے	تاکہ پتہ کرے		کہ کون ڈرتا ہے اس

اور اصطلاح میں اسی کو ایمان کہتے ہیں اور انہی کے متعلق ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اور جو تقویٰ اس ایمان کا پیش خیمہ ہوتا ہے وُہ خاص ہے۔

اور ایمان کا آخری درجہ ہے شہود وعیان کا جسے محبت کاملہ کہا جا سکتا ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اس کو احسان سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے جس طرح حدیث نبوی میں ہے کہ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ یعنی احسان کا درجہ یہ ہے کہ خدا کی اس طرح عبادت کر کہ گویا اس کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور اس کو ایقان بھی کہا جاتا ہے وَهُمْ يُوْقِنُوْنَ اور جو تقویٰ اس ایمان سے متقدم ہوتا ہے وُہ تقویٰ خاص الخاص ہے۔

تقویٰ کو ایمان سے مقدم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایمان تقویٰ کی وجہ سے قوت وطاقت حاصل کرتا ہے یعنی جس قدر تقویٰ زیادہ ہوگا ایمان زیادہ ہوگا اگرچہ یہ بھی درست ہے کہ اصل میں ایمان تقویٰ سے متقدم ہوا کرتا ہے اور اس میں منافات اس لئے نہیں ہے کہ ایمان روشنی کی مثل ہے پہلے روشنی ہوگی تب انسان چلے گا پس تاریکی میں جو شخص ہاتھ میں لیمپ لے کر روانہ ہو تو راستہ پر پہلے روشنی پھر قدم اور ہر قدم روشنی کے آگے بڑھنے کا پیش خیمہ ہوگا۔ اصل کے اعتبار سے روشنی پہلے ہے اس کے بعد روشنی کا ہر مرتبہ چلنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اسی طرح اصل میں ایمان مقدم ہے لیکن بعد کا ہر مرتبہ تقویٰ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ نیز پہلے درجہ کو علم الیقین اور دوسرے کو عین الیقین اور تیسرے کو حق الیقین سے عارف لوگ تعبیر کیا کرتے ہیں اور اس کی قدرے وضاحت تفسیر کی تیسری جلد ص۱۵۲ و ص۱۵۳ پر ہو چکی ہے اور اس آیت مجیدہ میں جو تکرار ہے گویا پہلی دفعہ اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا تقویٰ عام اور ایمان کا پہلا درجہ مراد ہے اور اِتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا جب دوبارہ استعمال ہوا تو اس سے مراد تقویٰ خاص اور ایمان کا دوسرا درجہ عین الیقین مراد ہے اور سہ بارہ استعمال میں تقویٰ خاص الخاص اور ایمان سے مراد درجہ حق الیقین ہے اسی لئے اس کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے کہ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا

رکوع ۱۳

حالتِ احرام میں شکار کا حکم

بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ:۔ کچھ شکار اس لئے کہ صرف بری شکار حالتِ احرام میں حرام ہے نہ کہ بحری اور بعضوں نے کہا ہے کہ جس طرح امتِ موسیٰ کا امتحان بحری شکار میں رکھا گیا تھا اسی طرح امتِ اسلامیہ کا امتحان بری شکار میں رکھ دیا گیا ہے۔

تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ:۔ مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس پر ہاتھ پہنچیں اس سے

يَّخَافُهُ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا

سے غائبانہ پس جو سرکشی کرے گا بعد اس کے تو اس کے لئے عذاب دردناک ہوگا اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

ایمان والو نہ مارو شکار در حالتِ احرام اور جو مارے گا اسے تم میں سے جان کر

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ

تو بدلہ اس کا مثل اس کے جو جانور قتل کیا فیصلہ کریں اس کا دو عادل تم میں سے قربانی ہے کعبہ میں پہنچنے والی

مراد ہے پرندوں کے انڈے بچے اور وحشی جانوروں کے چھوٹے بچے اور جس پر نیزہ پہنچے اس سے مراد بڑا شکار ہے اور نیزہ بطور مثال کے ہے ورنہ تیر تلوار، چھرا، چاقو بلکہ ہر تیز دھار آلہ اسی حکم میں داخل ہے اور تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت بطور امتحان صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی کہ تمام جانور جناب رسالتمآبؐ کے لئے وہاں بھیج دیئے گئے۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھ اور نیزے ان تک پہنچ سکتے تھے۔

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ :۔ صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب احرام باندھ لو تو ہر جانور بری کے مارنے سے بچو، سوائے ناگ، بچھو اور چوہے کے چوہا اس کے لئے کہ مشکیزوں کو کتر جاتا ہے اور گھر جلا دیتا ہے بچھو اس لئے کہ خدا کے پیغمبرؐ نے پتھر کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا تو ایک بچھو نے انہیں کاٹا تھا تو انہوں نے اس کو لعنت کی تھی کہ تو نیک و بد کو نہیں چھوڑتا اور سانپ اگر تم پر حملہ کرے تو اس کو مارو ورنہ جانے دو اور لڑاکا کتا اور دوسرا درندہ اگر تمہیں چھیڑیں تو ان کو قتل کرو ورنہ ان کو کچھ نہ کہو۔ لیکن کالے ناگ کو ہر حالت میں مارو اور کوّے اور چیل کو اونٹ پر بیٹھے ہوئے کنکرہ پھینک کر دور کرو۔ ایک روایت میں بھڑ گدھ، مشکی ناگ اور بھیڑیئے کے قتل کی اجازت دی گئی ہے اور ایک روایت میں معصومؑ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ حالتِ احرام میں محرم جن جن جانوروں سے اپنی جان کا خوف محسوس کرے ان کو قتل کرنا جائز ہے خواہ درندہ ہو یا سانپ ہاں اگر نہ چھیڑیں تو خواہ مخواہ ان کو نہ چھیڑو۔

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ :۔ یعنی ہرن، بارہ سنگا وغیرہ کے بدلہ میں بکری اور گورخر، نیل گائے وغیرہ کے بدلہ میں گائے اور شترمرغ کے بدلہ میں اونٹ اور معصومینؑ سے ایسا ہی منقول ہے۔

ذَوَا عَدْلٍ :۔ حضرت باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ عادل سے مراد رسولؐ اور اس کے بعد امامؑ ہے پس وہ جو حکم کریں بلا عذر تسلیم کرلینا ضروری ہے۔

بٰلِغَ الْكَعْبَةِ :۔ کافی سے مروی ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حالتِ احرام میں اگر کسی قربانی کا وجوب

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ط

یا کفارہ کھانا مسکینوں کا یا بدلہ اس کے روزے رکھنا تاکہ چکھے وبال اپنے کئے کا

عائد ہو جائے تو جہاں چاہے ذبح کر سکتا ہے لیکن شکار کا فدیہ کعبہ میں ہی پہنچانا ہو گا۔ نیز آپ سے مروی ہے اگر احرام عمرہ میں ہو تو قربانی کعبہ کے سامنے ذبح یا نحر کرے اور اگر احرام حج میں ہو تو قربانی منیٰ میں ذبح یا نحر کرے۔

اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ :- یعنی شکار کی مثل جانور اگر دستیاب نہ ہو تو اس کی قیمت لگا کر گندم لی جائے گی اور دُو دُو مد ایک مسکین کو دیئے جائیں گے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اس کے برابر پھر روزے واجب ہوں گے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اگر شتر مرغ کو مارا ہو تو ایک اونٹ نحر کرے اور اگر اونٹ سے عاجز ہو تو اس کی قیمت (جو عادل کی مقرر کردہ ہو) کی گندم خریدے اور دُو دُو مد ایک ایک مسکین کو دیا جائے حتیٰ کہ ساٹھ مسکینوں کو دے اگر گندم بچ جائے تو زیادہ کو دینا ضروری نہیں اور اگر گندم کم ہو تو ساٹھ کا پورا کرنا بھی ضروری نہیں اور اگر اس سے عاجز ہو تو ساٹھ روزے رکھے اور یہ بھی نہ کر سکے تو اٹھارہ روزے رکھے۔

۲۔ شتر مرغ کا بچہ مارے تو صحیحہ ابان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا کفارہ وہی ہے جو شتر مرغ کے مارنے کا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ ہر بچہ کے بدلہ میں اونٹ کا بچہ دے۔

۳۔ اگر گورخر یا جنگلی گائے وغیرہ کو قتل کرے تو اس کا کفارہ گائے کی قربانی ہے اگر یہ نہ کر سکے تو اس کی قیمت سے گندم خرید کر تیس مسکینوں کو دُو دُو مد فی مسکین تقسیم کرے اور عجز کی صورت میں تیس روزے رکھے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو صرف نو روزے رکھے

۴۔ اگر ہرن کو قتل کرے تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے اگر عاجز ہو تو اس کی قیمت سے حسب سابق دس مسکینوں پر گندم تقسیم کرے اور عجز کی صورت میں دس روزے رکھے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو تین روزے رکھے۔

۵۔ اگر شتر مرغ کے ایسے انڈے توڑ دے جن میں بچہ حرکت کر چکا ہو تو ہر انڈے کے بدلے میں ایک جوان اونٹ قربان کرے

۶۔ اگر شتر مرغ کے ایسے انڈے توڑے جن میں بچہ ابھی تک حرکت نہ کرنے لگا ہو تو انڈوں کی تعداد کے برابر نر اونٹ مادہ پر جفتی کرائے اور جس قدر ان سے بچے پیدا ہوں وہ قربان کرے۔ چنانچہ تہذیب سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے حالتِ احرام میں شتر مرغ کے انڈے توڑنے کا کفارہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جا کر میرے فرزند حضرت حسنؑ سے پوچھو چنانچہ وہ بھی قریب ہی تشریف فرما تھے پس سائل نے ان سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ٹوٹے ہوئے انڈوں کی مقدار میں نر اونٹ مادہ پر جفتی کراؤ اور جس قدر بچے پیدا ہوں وہ بیت اللہ کی قربانی کے ہوں گے یہ سن کر حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرزند! یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ بعض اوقات نر سے ملنے کے بعد اونٹنی حاملہ نہیں ہوا کرتی تو حضرت امام حسنؑ نے عرض کی اے بابا جان! اگر بعض اوقات اونٹنیاں حاملہ نہیں ہوتیں تو اسی طرح بعض انڈے بھی تو ردی ہوا کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت امیر علیہ السلام ہنس پڑے اور بیٹے کو شاباش دیکر آیتِ قرآن تلاوت فرمائی ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ

الْجَحِيمِ ۞ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا

دوزخی ہیں اے ایمان والو! نہ حرام جانو پاکیزہ چیزیں جو حلال کیں اللہ نے تم پر اور نہ

تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۞ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

حد سے بڑھو تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو اور کھاؤ اس سے جو رزق دیا تم کو اللہ نے

حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۞

حلال طیب اور ڈرو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو

جعفرؓ کی واپسی کی خوشی زیادہ مناؤں یا فتح خیبر کی خوشی زیادہ کروں ۔ پس حضورؐ نے نصرانیوں کے سامنے سورۂ یٰسین کی تلاوت کی تو وہ بہت روئے اور مشرف باسلام ہوئے ۔ پس یہ آیتیں اتریں ۔

رکوع نمبر ۲ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ :- تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک روز جناب رسالتمآبؐ نے لوگوں کے سامنے قیامت کا تذکرہ کیا پس سب لوگوں پر خوفِ خدا سے گریہ طاری ہوا ۔ چنانچہ اس کے بعد اکابر صحابہ میں سے دس آدمی عثمان بن مظعون کے گھر جمع ہوئے اور انہوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ آئندہ دن کو روزہ اور رات کو عبادت سے بسر کریں گے اور سونا گوشت کھانا ۔ عورتوں کے قریب جانا اور خوشبو لگانا ترک کریں گے ۔ نیز ٹاٹ پہن کر ترک دنیا کر کے زمین میں سیاحت کریں گے جب جناب رسالتمآبؐ کو پتہ چلا تو عثمان کے گھر تشریف لائے لیکن وہ موجود نہ تھا تو اس کی عورت ام حکیم جس کا نام خولا تھا اس سے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہوئی ہے تو اس نے جھوٹ بولنا بھی پسند نہ کیا اور اپنے شوہر کی رعایت کو بھی ملحوظ رکھا ۔ عرض کی لے آقا اگر عثمان نے آپ کو کچھ بتایا ہے تو وہ صحیح ہے ۔ پس حضورؐ واپس چلے گئے اور عثمان جب گھر آیا تو اس کو زوجہ نے رسولؐ کی تشریف آوری کی اطلاع دی وہ فوراً اپنے ساتھیوں سمیت خدمت رسالتمآبؐ میں حاضر ہوا ۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے فلاں مشورہ کیا ہے تو سب نے ہاں میں جواب دیا اور عرض کی کہ حضورؐ! ہم نے نیک ارادہ کے ماتحت یہ فیصلہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایسی باتوں کا حکم نہیں ہوا ہے ۔ بلکہ تم لوگ اپنے نفسوں کے حقوق بھی ادا کرو ۔ روزے بھی رکھو اور بے روزہ بھی رہو ۔ عبادت بھی کرو اور سوؤ بھی جس طرح میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور بے روزہ بھی رہتا ہوں ۔ عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں ۔ نیز گوشت ، چربی وغیرہ بھی کھاتا ہوں اور عورتوں سے مقاربت بھی کرتا ہوں اور جو شخص میری سنت سے منہ پھیرے گا وہ میری امت سے نہ ہوگا پھر لوگوں کو جمع کر کے آپ نے ایک خطبہ ادا فرمایا اور عورتوں سے علیحدگی ، عمدہ کھانے ، خوشبو ، نیند اور شہوت کے بالکل ترک

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ

نہیں پکڑتا تم کو اللہ تمہاری لغو قسموں میں ولیکن پکڑے گا تم کو ساتھ اس کے جو پکی

الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

قسم کھاؤ تو اس کا کفارہ (بصورتِ مخالفت) دس مسکینوں کا کھانا درمیانہ وہ جو کھلاتے ہو اپنے

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ

گھر والوں کو یا کپڑا ان کا یا آزاد کرنا غلام کا پس جو نہ پائے (اتنی طاقت) تو روزہ تین دن کا

اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ

رکھنا یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم اٹھاؤ (اور پھر توڑ دو) اور پورا کرو اپنی قسموں کو اسی طرح بیان

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا

کرتا ہے اللہ تم پر اپنی آیات کو تاکہ تم شکر گزار ہو اے ایمان والو! سوائے اس کے

کرنے سے منع فرمایا کہ میں تم کو راہب بنانے نہیں آیا۔ میرے دین میں گوشہ نشینی نہیں ہے بلکہ میری امت کی سیاحت روزہ اور رہبانیت جہاد ہے۔ اللہ کی عبادت کرو، شرک نہ کرو، حج و عمرہ، نماز، زکوٰۃ روزۂ ماہِ رمضان ادا کرو کیوں کہ اپنے نفسوں پر سختیاں اٹھانے والے لوگ تم سے پہلے ہلاک ہو گئے ہیں۔ پس خداوند کریم نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

قسم کا کفارہ

لَا يُؤَاخِذُكُمْ :- یعنی جو قسم باتوں باتوں میں اپنی عادت کے ماتحت کھائی جاتی ہے مثلاً بات کرتے ہوئے کہہ دیا خدا کی قسم یا قسم بخدا میں نے یوں کیا یاں کیا۔ یہ کیا وہ کیا اور بعض لوگوں کو اس قسم کی قسم کھانے کی عادت ہوا کرتی ہے پس فرماتا ہے ایسی قسمیں درحقیقت چونکہ قسمیں نہیں ہوا کرتیں بلکہ کلام میں یہ لغو بھرتی ہوتی ہے لہٰذا اس کی مخالفت کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور نہ اس کا کوئی کفارہ ہے۔

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ :- عقد کا معنی ہے باندھنا اور وہ نیت سے ہی ہوا کرتا ہے پس قسم قسم تب ہوگی جب اس میں یہ شرائط موجود ہوں (۱) قسم اللہ کے نام سے یا اس کی صفات مخصوصہ سے ہو۔ پس اگر کوئی شخص نبی، امام یا قرآن کی قسم کھائے تو وہ قسم شمار نہ ہوگی۔ (۲) قسم کھانے والا عاقل۔ بالغ صاحب اختیار ہو اور اپنے ارادہ و نیت سے کسی امر کی قسم کھائے (۳) فعل ماضی پر نہ ہو بلکہ آئندہ کے متعلق ہو کہ کروں گا یا نہ کروں گا (۴) ترک واجب یا فعل حرام یا ترکِ سنت یا

الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ

نہیں کہ شراب و جوا اور بتوں کے نام پر ذبح شدہ اور جوئے کے تیروں سے تقسیم بری چیزیں ہیں شیطانی کام سے

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ

پس ان سے بچو تاکہ تم نجات پاؤ سوائے اس کے نہیں کہ چاہتا ہے شیطان کہ ڈالے تم میں دشمنی اور کینہ شراب اور

فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ

جوئے کے معاملہ میں اور پھیرے تم کو ذکر خدا سے اور نماز سے تو کیا تم ترک

فعل مکروہ کی قسم نہ ہو بلکہ اس کے برعکس فعل واجب و سنت یا ترک حرام و مکروہ کی قسم ہو (۵) اپنے فعل یا ترک کی قسم ہو اگر کسی دوسرے کے متعلق اس کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے تو یہ بھی لغو ہوگی۔

مسئلہ: قسم کھانا جبکہ جھوٹ پر ہو حرام ہے اور عام جھوٹ سے اس کا گناہ زیادہ ہوگا اور سچی قسم کھانا مکروہ ہے

مسئلہ: قسم کو توڑنے پر کفارہ واجب ہوگا جو قرآن بیان کر رہا ہے کہ اپنی اوسط غذا سے دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑا دے۔ یعنی دو کپڑے فی کس لنگ اور قمیض یا ایک غلام آزاد کرے اور ان تمام چیزوں سے عاجز ہو تو تین دن پے در پے روزے رکھے۔

شراب و جوئے کی حرمت

تفسیر صافی میں ہے حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ شراب پینے والے کو تعزیر دی جائے گی اگر دوبارہ پیئے تو پھر تعزیر اور تیسری دفعہ بھی تعزیر لیکن چوتھی مرتبہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور فرمایا کہ بروز محشر شرابی کے لئے حرام کار عورتوں کی شرمگاہوں سے خارج ہونے والا بدبودار پیپ اور غلیظ خون دوزخ میں غذا ہوگی جس کی حرارت اور بدبو سے تمام اہل جہنم بھی پناہ مانگیں گے اور فرمایا کہ شرابی کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی اور اگر اس دوران میں بغیر توبہ کے مر جائے تو خدا اس کو جہنم میں بدبودار پیپ پلائے گا اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر حضرت رسالتمآبؐ نے لعنت بھیجی ہے ۱۔ کاشت کرنے والا ۲۔ حفاظت کرنے والا ۳۔ نچوڑنے والا ۴۔ پینے والا ۵۔ پلانے والا ۶۔ اٹھانے والا ۷۔ جس کی طرف لایا جائے ۸۔ بیچنے والا ۹۔ خریدنے والا ۱۰۔ اس کی قیمت کھانے والا اور چوپڑ شطرنج گوٹیاں اور اخروٹوں وغیرہ سے بازی کرنا۔ نیز تاش کھیلنا۔ بلکہ ہر وہ کھیل جس میں ہار جیت پر شرط مقرر ہو سب میسر میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔

رِجْسٌ :۔ مذکورہ چیزوں کی حرمت کے لئے چار تعبیریں فرمائی ہیں ۱۔ رجس ہیں یعنی خبیث اور گندی ہیں ۲۔ شیطانی فعل ہیں۔ پس ان دونوں عبارتوں کا مقصد یہ ہے کہ ان سے بچو لیکن صراحت نہیں ۳۔ صریح لفظوں میں

مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

جاؤ گے اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ڈرو پس اگر تم پھر گئے

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تو جانو کہ صرف ہمارے پیغمبر پر تو صاف صاف پہنچا دینا ہے نہیں اُوپر ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کوئی گناہ اس چیز کا

جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا

جو کھا چکے جبکہ اس سے ڈریں اور ایمان لائیں (آئندہ) اور عمل نیک کریں پھر ڈریں اور ایمان لائیں

ارشاد فرمایا کہ ان سے اجتناب کرو۔ نجات و فلاح کو ان سے بچنے پر مرتب فرما دیا کہ اگر ان سے بچو گے تو نجات پاؤ گے ورنہ نہیں اور حضورؐ نے فرمایا کہ شراب پینے والا مثل بت پرست کے ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ ۔ اللہ و رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور ان کے احکام میں سے ایک اقرار ولایت بھی ہے چنانچہ تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی آیت کے ذیل میں فرمایا کہ تم سے پہلے جس قدر لوگ ہلاک ہوئے اور آج تک بلکہ حضرت قائم آل محمدؐ کے ظہور تک جس قدر لوگ گمراہ ہوں گے وہ صرف ہماری ولایت کے ترک کی وجہ سے ہے اور ہمارے حقوق کے انکار کی ہی بدولت ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے رحلت سے پہلے اس امت کی گردن پر یہ چیز لازمی قرار دے دی اور پھر خدا جسے چاہتا ہے راست راستہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔

فِيْمَا طَعِمُوْٓا ۔ مجمع البیان میں تفسیر اہل بیتؑ سے منقول ہے یعنی جو کچھ حلال رزق کھا چکے اور تفسیر صافی میں ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو لوگوں نے عرض کی کہ حضورؐ جو لوگ حرمت شراب کے حکم سے پہلے اس دار فانی سے رخصت ہو گئے ہیں وہ اپنے زمانہ میں شراب بھی پیا کرتے تھے تو خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو کچھ کھا پی چکے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں جبکہ ان کی موت ایمان پر تھی۔ ہاں جو زندہ ہوں ان کے لئے بھی گذشتہ کی معافی ہے لیکن آئندہ بچنا چاہیے آیت مجیدہ میں اٰمَنُوْا تین دفعہ استعمال ہوا ہے پس معنی اس طرح ہو گا۔ وہ ایمان والے جو حرمت شراب کے بعد حرام سے بچے اور صحیح معنوں میں مومن ثابت ہوئے اور حرام سے بچنے پر ثابت قدم رہے۔ پھر ایمان پہ ثابت قدم رہے اور منازل تقویٰ طے کیں کہ فرائض کو ادا کیا اور احسان کی صفت بھی اختیار کی یعنی مستحبات کو بھی بجا لائے۔ اسی طرح پہلے مقام پر ایمان کے بعد نیک عمل اور پھر تقویٰ کے بعد نیک عمل جُدا جُدا معنوں میں استعمال ہوں گے۔ پہلی جگہ مراد ہو گی ظاہری نیکی اور دوسری جگہ مراد ہو گی کہ وہ عمل واقع میں بھی نیک عمل تھے اور تفسیر صافی میں ہے کہ ممکن ہے کہ ایمان و تقویٰ کا تکرار تفاوت مراتب کی طرف

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

معاف کیا اللہ نے جو گزر چکا اور جو پھر کرے گا تو بدلہ لے گا اس سے اللہ (قیامت کو) اور اللہ غالب بدلہ لینے والا ہے

سَبِیْعٌ عَلَیْہِ پس اگر کوئی شخص اس سے عاجز ہو تو ہر انڈے کے بدلہ میں علی الترتیب ایک بکری یا دس مسکینوں کا کھانا یا تین روزے رکھے ان کے علاوہ کفاروں کی پوری تفصیل کتب فقہیہ میں موجود ہے۔

مسئلہ:۔ کفارہ مذکورہ میں اگر روزے رکھے تو کیا ان کو پے درپے رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ تو اس میں اختلاف ہے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک صحیح روایت میں منقول ہے کہ آپ سے قضائے ماہ رمضان کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا ان کو پے درپے رکھنا واجب نہیں ہے اور جو روزے پے درپے رکھنے واجب ہیں وہ صرف ظہار کا کفارہ قتل کا کفارہ اور قسم کا کفارہ ہے اس روایت کے حصر سے پتہ چلتا ہے کہ کفارہ صید احرام کے روزوں میں پے درپے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اکثر علماء مثلاً شیخ مفید و سید مرتضےٰ وغیرہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ کفارہ ہے اور کفارہ میں تتابع کا اعتبار ہوتا ہے۔ بہرصورت احتیاط پے درپے رکھنے میں ہی ہے۔

وَمَنْ عَادَ:۔ تفسیر صافی میں تہذیب سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر محرم غلطی سے شکار کو مارے تو کفارہ دے گا اگر دوبارہ یہی غلطی کرے گا تو دوبارہ کفارہ دے گا اسی طرح جتنی بار اس سے غلطی واقع ہو گی کفارہ دیتا رہے گا لیکن اگر جان بوجھ کر شکار کو مارے تو صرف پہلی دفعہ اس پر کفارہ واجب ہوگا لیکن اگر دوبارہ جان بوجھ کر ایسا کرے گا تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا بلکہ اس کی سزا قیامت پر موقوف ہو گی اور خدا خود ہی اس سے انتقام لے گا۔

امام محمد تقیؑ کا یحییٰ بن اکثم کے ساتھ مناظرہ

امام محمد تقیؑ کے ساتھ مامون نے جب اپنی لڑکی ام الفضل کا عقد کرنا چاہا تو اس کے تمام رشتہ داروں نے اس کو رد کیا اور عذر یہ پیش کیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام ابھی خورد سال بچہ ہے اور فقۂ اسلامی سے بے خبر ہے اور وہ حق و باطل کی تمیز نہیں کر سکتا اور اس وقت آپ کی عمر شریف دس گیارہ برس تھی۔ مامون نے جواب دیا کہ بخدا وہ تم سب سے خدا و رسولؐ کی معرفت اور فرائض و سنن کے علم میں بہتر و برتر ہے نیز احکام خداوندی میں افقہ، قرأت و قرآن میں اقرأ اور محکم و متشابہ خاص و عام، ناسخ و منسوخ اور تنزیل و تاویل میں تم سے اعلم ہے۔ بے شک تم ان کا امتحان لے لو اگر تمہاری بات سچی ہو گی تو میں اس کے ساتھ رشتہ نہ کروں گا ورنہ تمہیں روکنے کا کوئی حق نہ ہوگا چنانچہ انہوں نے اس مرحلہ میں کامیابی حاصل کرنے کیلئے یحییٰ بن اکثم کو منگوایا اور کافی ہدایا و انعامات کا لالچ دیا کہ کسی طرح مامون کے بھرے دربار میں امام محمد تقیؑ کو کسی مسئلہ شرعیہ میں لاجواب کر دے۔

جب رسم نکاح خوانی کیلئے مامون کے پاس لوگ اکٹھے ہوئے تو یحییٰ بن اکثم بھی پہنچ گیا۔ پس عباسیوں نے مامون سے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو یحییٰ بن اکثم امام محمد تقی علیہ السلام سے کوئی مسئلہ دریافت کرے۔ مامون نے اجازت دے دی تو

یحییٰ نے سوال کیا۔ آپ کیا فرماتے ہیں اگر حالتِ احرام میں کوئی شکار کرے (یعنی اس کا کفارہ کیا ہوگا) امام نے فرمایا (تو نے مجمل سوال کیا ہے یہ واضح کرو کہ) (۱) شکار حل میں کیا یا حرم میں؟ (۲) عالم تھا یا جاہل (۳) جان بوجھ کر کیا یا غلطی سے (۴) غلام تھا یا آزاد (۵) نابالغ تھا یا بالغ (۶) پہلی دفعہ کیا یا دوبارہ (۷) پرندوں سے تھا یا زمین پر چلنے والوں میں سے تھا (۸) اپنے فعل پر ڈٹا ہوا ہے یا پشیمان ہے (۹) رات کے وقت اس کی قیام گاہ میں اس کو پکڑا یا دن میں گرفتار کیا (۱۰) احرام حج کا تھا یا عمرہ کا؟

سوال کی شقیں سُن کر یحییٰ بن اکثم اپنے مقام پر سُن ہو گیا اور اہل مجلس بھی یحییٰ کی بے بضاعتی کو جان گئے اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی وسعت سے نہایت متاثر ہوئے۔ ان کے نکاح کی تقریب انجام پذیر ہوئی اور عام لوگوں کے چلے جانے کے بعد مامون نے عرض کی حضور اس مسئلہ کی تمام شقوں کو خود حل فرمائیے تو آپ نے فرمایا۔

۱۔ اگر محرم حل میں پرندے کو شکار کرے تو کفارہ اس کا ایک بکری ہے اور اگر یہی شکار حرم میں کرے تو کفارہ دوگنا ہوگا اور اگر پرندے کے بچے کو حل میں شکار کرے تو کفارہ بکری کا بچہ ہوگا اور اگر یہی شکار حرم میں کرے گا تو بکری کا بچہ بھی اور اس کی قیمت بھی دینی ہوگی۔ یعنی کفارہ دوگنا ہوگا۔

۲۔ اگر محرم وحوش کا شکار حل میں کرے تو حمار وحشی اور شتر مرغ کا کفارہ ہے ایک اونٹ اگر یہ نہ ممکن ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا اور یہ نہ ممکن ہو تو اٹھارہ روزے رکھے اور اگر گائے وحشی کا شکار کیا ہو تو کفارہ ایک گائے اور بصورت عجز تیس مساکین کا کھانا اور بصورت عجز نو روزے رکھے اور اگر ہرن کو شکار کرے تو کفارہ ایک بکری اور بصورت عدم امکان دس مسکینوں کا کھانا اور یہ بھی نہ کر سکے تو تین روزے رکھے اور اگر یہی شکار حرم کے حدود کے اندر کرے گا تو کفارہ دوگنا ہوگا یعنی اگر عمرہ کا احرام ہے تو قربانی مذکور مکہ میں کرے اور اس کی قیمت صدقہ بھی کرے اور اگر حج کا احرام ہو تو قربانی منیٰ میں کرے اور حیوانوں کی قیمت کا صدقہ بھی دے تاکہ کفارہ دگنا ہو جائے اسی طرح خرگوش کا کفارہ بھی ایک بکری ہے اور کبوتر کا کفارہ ایک درہم صدقہ کرے یا اس کی گندم خرید کر کے حرم کے کبوتروں کو ڈال دے اگر کبوتر کا انڈا توڑ دے تو چوتھائی درہم صدقہ دے۔

۳، ۴۔ حالتِ احرام میں محرم شخص جہالت کی وجہ سے کوئی ناجائز کام کر بیٹھے تو اس کی گرفت نہ ہوگی۔ سوائے شکار کے کیونکہ شکار کا کفارہ بہرکیف ادا کرنا پڑے گا خواہ عالم ہو یا جاہل ہو نیز جان بوجھ کر ہو یا غلطی سے آزاد ہو تو کفارہ خود ادا کرے گا اور اگر غلام ہو تو اس کا کفارہ اس کے آقا پر واجب الادا ہوگا اور وہی کفارہ ہوگا جو آزاد کے لئے ہوا کرتا ہے۔

۵۔ اگر محرم نابالغ بچہ ہو تو اس پر کوئی کفارہ نہ ہوگا۔

۶۔ اگر عمداً دوبارہ شکار کرے گا تو اس کا کفارہ نہ ہوگا بلکہ خود خدا بروز قیامت اس سے انتقام لے گا اور اگر شکار کی طرف کسی کی رہبری کرے اور وہ شکار مارا جائے تب بھی اس پر کفارہ ہوگا۔

۷۔ اگر اپنے کئے پر پشیمان ہوگا تو یہ کفارہ اس کا بدلہ ہو جائے گا اور قیامت کے عذاب سے بچ جائے گا لیکن اگر

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

حلال ہے تم کو شکار بحری اور اس کا کھانا واسطے فائدہ تمہارے اور مسافروں کے اور حرام ہے تم پر

صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

شکار خشکی کا جب تک ہو تم حالتِ احرام میں اور ڈرو اللہ سے جس کی طرف محشور ہو گے

پشیمان نہ ہوگا تو کفارہ بھی دے گا اور آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوگا۔

۸۔ رات کے وقت عمدی شکار کا کفارہ ہوگا لیکن غلطی سے کوئی جانور اس کی وجہ سے مرجائے تو کفارہ نہ ہوگا اور دن کو کفارہ ہوگا خواہ غلطی سے ہو یا جان بوجھ کر کرے۔

۹۔ حج کا کفارہ منیٰ میں ادا ہوگا اور عمرہ کا کفارہ مکہ میں ادا ہوگا۔

امام محمد تقی علیہ السلام کے ان جوابات کو سُن کر مجمع پر سکتہ طاری ہوگیا اور تمام لوگ عالیمقام کے فضل وکمال کے معترف ہوگئے پھر امام نے یحییٰ سے بھی ایک مسئلہ دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں تم کیا کہتے ہو کہ ایک عورت ایک شخص پر صبح کو حرام تھی پھر دن چڑھے حلال ہوگئی پھر دوپہر کے وقت حرام ہوئی اور ظہر کو حلال ہوگئی پھر عصر کے وقت حرام اور مغرب کے وقت حلال ہوگئی پھر نصف شب کو حرام اور صبح کو حلال ہوئی پھر دن چڑھے حرام اور دوپہر کو حلال ہوگئی امام کا یہ سوال سُن کر یحییٰ بن اکثم اور تمام درباری فقہاء ششدر رہ گئے۔ کسی کو جواب کی جرأت نہ ہوئی۔ پس مامون نے درخواست کی کہ حضور خود ہی بیان فرمائیں تو آپ نے فرمایا۔

۱۔ ایک شخص نے ایک کنیز غیر کو صبح کے وقت دیکھا وہ اس پر اس وقت حرام تھی بعد میں خرید لیا تو حلال ہوگئی۔

۲۔ پھر دوپہر کے وقت اس کو آزاد کر دیا تو وہ حرام ہوگئی اور ظہر کو نکاح کر لیا پس حلال ہوگئی۔

۳۔ پھر عصر کے وقت سے ظہار کر لیا وہ حرام ہوگئی اور مغرب کو ظہار کا کفارہ ادا کر دیا تو حلال ہوگئی۔

۴۔ نصف شب کو اسے طلاق دے دی تو وہ حرام ہوگئی اور طلاق سے صبح کو رجوع کر لیا تو حلال ہوگئی۔

۵۔ دن چڑھے مرتد ہوگیا تو عورت اس پر پھر حرام ہوگئی اور دوپہر کو تائب ہوگیا تو عورت حلال ہوگئی (بحار الانوار جلد ۴)

أُحِلَّ لَكُمْ:۔ حالتِ احرام میں صرف برّی شکار حرام ہوتا ہے اور وہ وہ جانور ہے جو انڈے یا بچے خشکی میں دیتا ہو اور بحری شکار کا کھانا محرم پر حرام نہیں ہے اور اس سے مراد وہ جانور جو انڈے بچے پانی میں دیتا ہو۔ نیز مروی ہے کہ حالتِ احرام میں آبی پرندوں کا گوشت نہیں کھانا چاہیے۔

وَلِلسَّيَّارَةِ:۔ یعنی چلنے والے۔ مقصد یہ ہے کہ بحری شکار گھر رہنے والوں اور سفر اختیار کرنے والوں دونوں کے

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ

بنایا خدا نے کعبہ کو حرمت والا گھر واسطے روزی لوگوں کے اور حرمت والا مہینہ اور قربانی

وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اور قلادہ ڈالا ہوا جانور یہ تاکہ تم جانو تحقیق اللہ جانتا ہے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ

اور تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے جانو تحقیق اللہ سخت گرفت والا ہے اور تحقیق اللہ

ہے حلال ہے پس مقیم و مسافر اسی طرح محرم و محل یا شہری و دیہاتی سب اس کو کھا سکتے ہیں۔

قِيٰمًا لِّلنَّاسِ :۔ قیام مصدر ہے جس کا معنی ہے کھڑا ہونا یعنی کعبہ لوگوں کو دنیا کے معاملات میں کھڑا کرنے کا ذریعہ ہے۔ گویا اس سے دونوں پہلوؤں انسان کے سدھرتے ہیں کیونکہ کعبہ میں جانے والوں کو دینی فائدہ بھی ہے اور تجارتی دنیاوی نفع بھی ہے اور ممکن ہے مقصد یہ ہو کہ کعبہ لوگوں کیلئے جائے امن ہے پس یہ ان کے بچاؤ کا ذریعہ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو ہلاک ہو جاتے پس قیام کا معنی بچاؤ ہوگا اور یہی وجہ تھی کہ ایام جاہلیت میں اگر کوئی شخص حرم کے اندر اپنے ماں باپ کے قاتل کو بھی دیکھتا تھا تو اسے قتل نہ کرتا تھا اور مجمع البیان میں بروایت علی بن ابراہیم معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ جب تک لوگ کعبہ کی حج کرتے رہیں گے۔ ہلاک نہ ہوں گے پس جب کعبہ کو گرایا گیا۔ اور اس کی حج ترک کی گئی تو ہلاک ہو گئے اور ترکیب نحوی کے لحاظ سے قِيٰمًا جَعَلَ کا دوسرا مفعول ہے اور مفعول اول کعبہ نہیں بلکہ اس کا مضاف ہے جو محذوف ہے یعنی حج کعبہ اور بیت الحرام بدل ہے کعبہ سے اور اس کے بعد اَلشَّهْرَ الْحَرَامَ اور اَلْهَدْيَ اور اَلْقَلَآئِدَ ان تمام کا عطف کعبہ پر ہے اور معنی ہوگا کہ خدا نے کعبہ کو شہر حرام قربانی اور قلائد کو لوگوں کے دینی و دنیاوی فلاح کے لئے مقرر فرمایا ہے۔

اَلشَّهْرَ الْحَرَامَ :۔ جنس ہے اس سے مراد چار حرمت والے مہینے ہیں رجب ذوالقعدہ، ذوالحج اور محرم۔

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ :۔ ھدی سے مراد عام حج کی قربانی کا جانور اور قلائد سے مراد وہ جانور جن کے گلے میں خاص پٹہ ڈالا گیا ہو جو اس کے قربانی ہونے کا نشان ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ :۔ مقصد یہ ہے کہ بیت الحرام میں عجیب و غریب جو خصوصیات خداوند کریم نے تفویض فرمائی ہیں وہ بھی اس کے ہر چیز کے علیم ہونے کی دلیلیں ہیں مثلاً حدودِ حرم میں ہرن کو بھیڑئیے سے خطرہ نہیں ہوتا لیکن جب حدودِ حرم سے باہر چلا جائے تو ہرن بھیڑئیے سے ڈرتا ہے اور بھیڑیا بھی اس کے درپے آزار ہوتا ہے نیز کبوتر و دیگر طیور حدود حرم میں انسانوں سے مانوس ہوتے ہیں لیکن حرم کے باہر وہ ہرگز ہرگز انسانوں کے قریب نہیں آتے۔

۲۔ خدا کو معلوم تھا کہ عربوں میں عداوتیں اور کینہ پروریاں ہونگی۔ لہٰذا اس نے کعبہ کو جائے امن بنا دیا تاکہ اس کے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا

غفورٌ رحیم ہے نہیں ہے رسول پر مگر پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور

تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ

جو چھپاتے ہو کہہ دیجئے نہیں برابر پلید اور پاک اگرچہ تم کو بھلی لگتی ہے زیادتی خبیث کی

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا

پس ڈرو اللہ سے اے صاحبانِ عقل تاکہ تم نجات پاؤ اے ایمان والو نہ پوچھو

عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ

ایسی باتیں کہ اگر ظاہر ہوں تم پر تو تم کو بری لگیں اور اگر پوچھو وہ جب اتر رہا ہو قرآن تو ظاہر

ذریعے سے یہ کسی حد تک امن میں رہیں پس یہ تدبیر اس کے علام الغیوب ہونے کی دلیل ہے۔

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ :۔ تفسیر صافی میں حدیث قدسی کے الفاظ ہیں کہ خدا فرماتا ہے جو شخص چھوٹا یا بڑا کوئی گناہ کرے اور اس کا یہ ایمان ہو کہ مجھے اس کے عذاب کرنے اور معاف کرنے کا اختیار ہے تو میں اس کو معاف کر دیا کرتا ہوں۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِى :۔ آیت بتلاتی ہے کہ دنیا میں طیب کی بہ نسبت خبیث کی کثرت ہے پس کسی مرحلہ میں انسان کثرت کی طرف اس لئے نہ جھکے کہ وہ کثرت ہے بلکہ حق و باطل کو معیارِ انتخاب قرار دے۔ پس حق کو اختیار کرے اور وہی طیب ہے اگرچہ دنیا میں چاہنے والے کم ہی کیوں نہ ہوں اور باطل کو چھوڑ دے کیونکہ وہ خبیث چیز ہے اگرچہ دنیا کی اکثریت اس کی ہم نوا ہی ہو اور قلت و کثرت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حق کے دامن کو تھام لینا اور باطل سے اجتناب کرنا صاحبانِ عقل کا کام ہے اور اسی کو تقویٰ فرما رہا ہے اور اس کو اختیار کرنے والوں کو فلاح کی بشارت دے رہا ہے۔ اسی بناء پر جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ يَا عَلِيُّ اَنْتَ وَشِيْعَتُكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ۔ اے علیؑ تو اور تیرے شیعہ ہی کامیاب ہوں گے۔

رکوع نمبر ۱۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ :۔ تفسیر برہان اور صافی میں بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ صفیہ بنتِ عبدالمطلب کا فرزند فوت ہو گیا (یہ صفیہ زبیر کی والدہ تھی اور اسی وجہ سے وہ حضرت علیؑ اور جناب رسالتمآبؐ کا پھوپھی زاد تھا اور یہ اس کے ماموں زاد تھے) ایک دفعہ صفیہ آ رہی تھیں کہ راستہ میں حضرت عمر نے ان سے کہا اپنی بالیوں کو چھپا لو کہ رسولؐ کی قرابت تم کو ذرہ بھر بھی فائدہ نہ پہنچائیگی تو صفیہ نے جواب لے لخناء عورت کے بیٹے میری بالیاں کہاں ہیں؟ پس حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور رو رو کر شکایات کی تو حضورؐ نے منادی کر کے لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ پس منبر پہ تشریف لائے

تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝١٠١ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ

کی جائیں گی تم پر اللہ نے معاف کیا ان کو اور اللہ بخشنے والا حلیم ہے تحقیق پوچھ چکے یہ باتیں تم سے پہلے لوگ

ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝١٠٢ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ

پھر ہو گئے ان کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ

اور فرمایا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ میری قرابت کچھ فائدہ نہ دے گی۔ بے شک جب میں مقام محمود پر موجود ہوں گا تو میں صاحب احتیاج لوگوں کی شفاعت کروں گا اور آج جو شخص مجھ سے اپنے باپ کے متعلق پوچھے گا تو میں اس کو بتاؤں گا۔ پس ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسولؐ اللہ میرا باپ کون ہے؟ تو فرمایا کہ جس باپ کی طرف تجھے منسوب کیا جاتا ہے وہ تیرا باپ نہیں ہے بلکہ تیرا باپ فلاں بن فلاں ہے پھر دوسرا کھڑا ہوا اور پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ وہی ہے جس کی طرف تو منسوب ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ وہ شخص اپنے باپ کے متعلق کیوں نہیں پوچھتا جو کہتا ہے کہ میری قرابت کوئی فائدہ نہ دے گی؟ پس حضرت عمر کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ! میں خدا اور رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں مجھے معاف فرمائیے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور مجمع البیان میں ہے کہ لوگ حضورؐ کو تنگ کرتے تھے اور بعض اوقات بطور امتحان کے بار بار سوال کرتے تھے تو یہ آیت اتری اور حضورؐ نے کثرت سوال سے منع فرمایا اور فرمایا کہ میں جو کچھ تمہیں بتاؤں حتی الوسع اس کو بجالاؤ اور جس سے میں سکوت کر جاؤں تو تم آگے بڑھنے کی کوشش مت کیا کرو کیونکہ تم سے پہلی امتیں اسی طرح نبیوں سے زیادہ سوال کر کے ہلاک و برباد ہو گئی ہیں (جس طرح گائے کی ذبح کے وقت بنی اسرائیل نے حضرت موسٰی سے بار بار سوال کر کے اپنے لئے ایک مصیبت تیار کر لی تھی)۔

قَدْ سَاَلَهَا:۔ جس طرح حضرت عیسٰیؑ سے دسترخوان کے نزول کا سوال کیا اور پھر کافر ہو کر مسخ ہوئے اسی طرح حضرت صالحؑ سے ناقہ کا سوال کیا اور پھر کافر ہو کر مورد عذاب ہوئے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ:۔ مقصد کو بیان کرنے سے قبل ضروری ہے کہ الفاظ کی تشریح کی جائے۔

بَحِيْرَةٍ:۔ یہ بحر سے ہے اور اس کا معنی ہے چیرنا۔ یہ فعیلہ کے وزن پر ہے لیکن اس کا معنی مفعولہ کے ہیں یعنی مبحورہ اور کہتے ہیں عربوں میں دستور تھا جب ایک اونٹنی یکے بعد دیگرے پانچ بچے دیتی تھی تو پانچواں بچہ اگر نر ہوتا تو اس کو نحر کر کے عورتیں مرد مل کر کھا لیا کرتے تھے اگر مادہ ہوتا تو اس کا کان چیر ڈالتے کیونکہ اس کا گوشت عورتوں کے لئے حرام ہوتا تھا اور اگر وہ مر جاتی تو عورتوں پر بھی حلال ہو جاتی تھی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ پانچواں اگر نر ہوتا تو اس کا کان چیرتے تھے۔ پس نہ وہ نحر کیا جاتا اور نہ اس پر سواری کرتے تھے۔ اسی طرح گھاس و پانی سے اسے کوئی نہ روکتا تھا اور اسے بحیرہ (کن چیرا) کہتے تھے۔

سَآئِبَةٍ:۔ اس اونٹنی کو کہتے تھے جو دس بچے جن چکے۔ پس اس پر سوار ہونا اور اس کو نحر کر کے گوشت کھانا حرام جانتے تھے یہ سَابَ یَسِیْبُ۔ سَیْبًا سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ سیب کا معنی ہے زمین پر جاری ہونا۔ بعض کہتے ہیں عربوں میں دستور تھا کہ

وَّلَا وَصِيلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ
اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ولیکن جو لوگ کافر ہیں افترا کرتے ہیں اللہ پر جھوٹے
وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى
اور اکثر ان کے عقل نہیں رکھتے اور جب ان کو کہا جائے کہ آؤ طرف اس کے جو اُتارا اللہ نے اور طرف

سفر سے واپسی یا بیماری سے صحت یا اس قسم کی حاجات کے لئے منت مانتے تھے کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو میری اونٹنی سائبہ ہوگی۔ پس اس کو نہ گھاس پانی سے روکا جاتا تھا اور نہ اس کا گوشت وہ لوگ حلال سمجھتے تھے۔

وَصِيلَةٍ :- یہ وصل سے ہے اور فعیلہ کا وزن بمعنی مفعولہ استعمال ہوا ہے اس کا معنی ملی ہوئی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اونٹنی جب اکٹھے دو بچے جنتی تھی تو وہ اپنا مال سمجھتے تھے اور جب نر بچہ جنتی تھی تو اپنے خداؤں کے لئے اس کو مخصوص کر دیتے تھے اور اگر ایک ساتھ نر و مادہ جن دیتی تو کہتے تھے یہ مادہ اپنے بھائی کو ساتھ ملا لائی ہے پس اس نر کو خداؤں کے لئے مخصوص نہ کرتے تھے بلکہ خود کھا جایا کرتے تھے۔

حَامٍ :- نر اونٹ عربوں کا دستور تھا کہ نر اونٹ کی نسل سے جب دس بطن پیدا ہو جاتے تو وہ اونٹ ان کا محترم ہو جاتا تھا۔ نہ اس پر سواری کرتے تھے اور نہ اس کا گوشت کھاتے تھے اور نہ اس کو گھاس پانی سے روکتے تھے۔ پس خداوند کریم ان لوگوں کی مذمت کر رہا ہے جنہوں نے یہ باتیں بنا رکھی تھیں اور پھر کہتے تھے کہ ہمیں اللہ کا یہی حکم ہے۔

مجمع البیان میں بروایت ابن عباس جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف مکہ کا بادشاہ گذرا ہے اور وہ پہلا شخص ہے جس نے حضرت اسماعیلؑ کے دین کو بگاڑا اور بت پرستی کی ابتدا کی۔ بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حامی بھی اسی نے مقرر کئے تھے میں نے اس کو جہنم میں مبتلائے عذاب دیکھا ہے کہ اس کی بدبو سے تمام اہل جہنم کو اذیت ہوتی ہے۔

وَاِذَا قِيلَ :- کفار کو جب جناب رسالتمآبؐ اسلام کی دعوت دیتے تھے تو وہ جواب میں کہتے تھے کہ اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ کر ہم نیا دین کیسے قبول کر لیں۔ قرآنی اصول سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حق و باطل میں اگر تمیز کرنی ہو تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جس فرقہ والے اپنے مذہب کی صداقت کی دلیل اپنے باپ دادا کے طرز عمل کو بتلائیں اور اپنے موجودہ طریقہ پر ثابت قدمی کی علت باپ دادا کا دین بیان کریں تو سمجھ لیا جائے کہ وہ لوگ انہی آیات کے مصداق ہیں اور کفار کے راستہ پہ گامزن ہیں اور ان کے مقابلہ میں جو فرقہ اپنے مذہب کی صداقت میں دلیل و برہان پیش کرے اور فرمان خدا و رسولؐ سے تمسک کرے اور مذہب پر ثبات قدمی کی دلیں عقلی و نقلی ادلہ کو بیان کرے تو وہ حق پر ہوگا اور حَسْبُنَا کلمہ رسولؐ کے سامنے پہلے کفار استعمال کر چکے تھے لہذا اگر بعد میں کسی مسلمان کی زبان سے بھی نکلا ہو تو وہ نیا نہیں تھا بلکہ آبائی مذہب کے پرستاروں کی سنت تھی جسے عملی جامہ پہنایا گیا۔

الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

رسولؐ کے تو کہتے ہیں ہمیں کافی ہے جس طریقہ پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو کیا اگر ان کے باپ نہ جانتے ہوں

شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

اور نہ ہدایت پر ہوں اے ایمان والو! بچاؤ اپنے نفسوں کو نہ ضرر دے گا تم کو

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

جو گمراہ ہو جبکہ تم ہدایت پر ہو اللہ کی طرف بازگشت ہے تم سب کی پس تم کو خبر دے گا جو تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ

عمل کرتے ہو اے ایمان والو! گواہ تمہارے جب حاضر ہو تم میں سے

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ :- کتب تفاسیر میں ہے کہ ابو ثعلبہ نے جناب رسالتمآبؐ سے اس آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اور اس سلسلہ میں ہر مصیبت پر صبر کرو جب دیکھو کہ دنیا کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اور بخل کی اطاعت اور خواہشِ نفس کی تابعداری ہو رہی ہے کہ ہر صاحب رائے اپنی بات کو ہی پسند کرتا ہے۔ تو پس اپنے نفس کو سنبھالو اور غیروں کا معاملہ چھوڑ دو۔

اور ایک قول اس میں یہ بھی ہے کہ آیت مجیدہ میں غیبت سے منع کیا گیا ہے چنانچہ صافی و برہان میں قمی سے منقول ہے کہ آیت کا مقصد ہے اپنے نفسوں کی اصلاح کرو۔ دوسرے لوگوں کی عیب جوئی مت کرو اور نہ ان کا نام لو کیوں کہ ان کی گمراہی تمہیں کوئی نقصان نہ دے گی اگر تم نیک ہوگے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت تقیہ کے لئے ہے کہ تم اپنے نفسوں کا بچاؤ کرو اور جب تمہاری اپنی نیت درست ہوگی تو گمراہ لوگوں کی گمراہی تم پر اثر انداز نہ ہوگی اور تقیہ کے ماتحت ان کی موافقت میں کیا ہوا عمل تمہارا ضائع نہ ہوگا۔

شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ :- اس کی ترکیب میں کئی اقوال ہیں ۱۔ مصدر بمعنی فاعل اور اس کا مضاف محذوف یعنی عَدَدُ شُهُوْدِ بَيْنِكُمْ پس یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر اِثْنٰنِ ہے۔

۲۔ شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ :- مبتدا ہے اور خبر میں مضاف محذوف ہے یعنی شَهَادَةُ اِثْنَيْنِ پس مضاف الیہ اِثْنَان مضاف کے مقام سے ہے۔

۳۔ شہادت مصدر بمعنی فعل ہے اور اِثْنَان اس کا فاعل ہے یعنی چاہیئے کہ گواہ ہوں وصیت پر بوقتِ موت دو عادل۔

الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ

کسی پر موت جب وصیت کرے دو ہوں عادل تم میں سے یا دو تمہارے (غیر مومن) اگر

اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا

سفر کر رہے ہو زمین میں پس پہنچے تمہیں مصیبت موت کی روکو ان کو

مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ

بعد نماز کے پس قسم کھائیں اللہ کی اگر تم کو (ان پر) شک ہو کہ نہیں خریدتے ہم بدلے اس

ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى

(وصیت) کے رقم اگرچہ ہو رشتہ دار اور نہیں چھپاتے گواہی جو اللہ کی طرف سے ہم پر فرض ہے ورنہ ہم گنہگار ہوں گے پس اگر پتہ لگ جائے

اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ

کہ وہ دو گواہ جھوٹ بول کر) مستحق گناہ ہوگئے تو دو اور کھڑے ہوں ان کی جگہ ان میں سے کہ واجب ہے جن پر

اِذَا حَضَرَ :۔ شہادت کا مفعول فیہ ہے اور اس کو وصیت کا معمول بنانا جائز نہیں ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ مضاف الیہ کا معمول مضاف سے مقدم نہیں ہو سکتا اور ثانیاً وصیت مصدر ہے اور عمل میں کمزور ہے۔ لہٰذا معمولِ مقدّم میں عمل نہ کرے گا۔

حِيْنَ الْوَصِيَّةِ :۔ یا تو حَضَرَ کا معمول ہے اور یا اِذَا سے بدل ہے۔

مِنْكُمْ :۔ اس کا متعلق محذوف کَائِنَانِ صفت اِثْنَانِ کی ہے۔

اٰخَرَانِ :۔ اس کا عطف اثنان پر ہے اور مِنْ غَيْرِكُمْ اس کی صفت ہے اور تَحْبِسُوْنَهُمَا :۔ اس کی صفتِ ثانیہ ہے اور جملۂ شرطیہ صفت اور موصوف کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور مقصد یہ ہے کہ اگر گھر میں واقع ہو تو دو عادل گواہ انہوں میں سے یعنی اہلِ ایمان قائم کرنے چاہئیں اور اگر سفر میں موت آ جائے تو پھر بصورت مجبوری غیر مومن دو گواہوں کو مقرر کیا جا سکتا ہے۔

مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ :۔ یہاں نماز سے مراد نمازِ عصر ہے کیونکہ حجاز میں اسی وقت قسم کھانے کا دستور تھا۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ جملہ شرطیہ معترضہ ہے یعنی اگر تم کو گواہوں کی صدق بیانی پر شک ہو تو عصر کے بعد ان سے قسم لو اور وہ قسمیہ کہیں

عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا

(وصیت کو مانا یعنی وارث) جو اولیٰ ہیں پس وہ قسم کھائیں اللہ کی ہماری شہادت زیادہ صحیح ہے ان کی شہادت سے اور ہم

اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ

زیادتی نہیں کر رہے۔ ورنہ ہم ظالم ہوں گے یہ زیادہ قریب ہے کہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک

عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

طریقہ سے یا ڈریں کہ پلٹے گی قسم ان کی قسم کے بعد (طرف وارثوں کے) اور اللہ سے ڈرو اور سنو

وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

اور اللہ نہیں ہدایت کرتا فاسق لوگوں کو

کہ ہم اس قسم کے بدلہ میں یا وصیت کے تغیر و تبدل کے عوض میں پیسہ نہیں لے رہے کہ جھوٹ بولیں اگرچہ وہ ہمارا رشتہ دار ہی ہے اور نہ ہم شہادت کو چھپا رہے ہیں اور اگر ایسا کریں تو ہم گنہگار ہوں گے۔

اَلْاَوْلَيٰنِ ؕ۔۔۔ نحویوں کے نزدیک یقومان کے فاعل ضمیر تثنیہ سے بدل ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ثابت ہو جائے کہ وصیت کے متعلق جن دو گواہوں نے پہلے گواہی دی انہوں نے جھوٹ بول کر وارثوں کو نقصان پہنچایا تھا تو وارثوں میں سے دو گواہ کھڑے کئے جائیں گے جو میت کے اولیٰ اور قریب تر ہیں جن پر میت کی وصیت کے مطابق عمل کرنا ضروری تھا پس یہ قسم کھائیں گے کہ پہلے دو گواہوں نے غلط گواہی دی ہے اور ہم سچ کہہ رہے ہیں اور ہم حق سے تجاوز نہیں کر رہے۔

اور واضح رہے کہ پہلے دو گواہوں کی گواہی چونکہ ظاہر کے خلاف تھی کیونکہ وہ مال میں میت کا تصرف ثابت کر کے وارثوں کو اس سے محروم کرنا چاہتے تھے اور یہ یقیناً ظاہر کے خلاف ہے اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ ان دو گواہوں نے شہادت میں خیانت اور جھوٹ سے کام لیا ہے تو ان کی شہادت کالعدم قرار دی جائے گی اور وارثوں سے قسم لی جائے گی۔ پس جب یہ دونوں میت کے عدم تصرف پر قسم کھائیں گے تو چونکہ ان کی قسم ظاہر کے بھی موافق ہے۔ لہٰذا اس کو قبول کیا جائے گا۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى ۔ یعنی وارثوں کی طرف قسم کو پلٹانا شہادت کے صحیح ادا کرنے کا محرک ہے کیوں کہ وارثوں کی طرف سے جب ردِ یمین کا ڈر ہو تو گواہ اپنی رسوائی اور شرمساری کے ڈر سے سچی گواہی دیں گے۔

کہتے ہیں کہ دو نصرانی اور ایک مسلمان مل کر مدینہ سے بغرض تجارت شام کی طرف گئے تو راستہ میں مسلمان پر موت آگئی اس نے ایک وصیت نامہ لکھ کر اپنے سامان میں رکھا اور نصرانیوں کو اپنے وارثوں تک مال پہنچانے کی وصیت کی۔ انہوں

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ
جس دن جمع کرے گا اللہ رسولوں کو پس کہے گا کہ تم کو کیا جواب ملا تھا تو کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں تو
اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ
ہی غیبوں کو جاننے والا ہے جب کہا اللہ نے اے عیسٰی بن مریم یاد کرو میری نعمت

نے میت کے مال میں سے قیمتی چیزیں نکال لیں اور باقی ماندہ واپس آکر وارثوں کو دیا۔ جب انہوں نے سامان سے وصیت نامہ نکال کر پڑھا تو نصرانیوں سے باقی مال کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس جو کچھ تھا ہم نے ادا کر دیا جناب رسالتمآب کے پاس مقدمہ پہنچا تو آپ نے ان کی قسم پر فیصلہ کر دیا۔ چند دنوں کے بعد نصرانیوں کے گھر سے میت کا پیالہ چاندی کا برآمد ہوا تو دوبارہ انہوں نے مقدمہ بارگاہ نبوی میں دائر کر دیا۔ جب نصرانیوں کو طلب کیا گیا تو انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ یہ پیالہ ہم نے میت سے خریدا تھا اور پہلی دفعہ ہمیں بتلانا بھول گیا تھا۔ اس معاملہ میں نصرانی گویا مدعی تھے اور میت کے وارث مدعا علیہ تھے پس ان سے قسم لی گئی تو انہوں نے قسم کھائی پس نصرانیوں کو شرمساری کے علاوہ مالی تاوان بھی ادا کرنا پڑا۔

رکوع نمبر ۵

يَوْمَ يَجْمَعُ ۔ یعنی خدا بروز قیامت نبیوں سے پوچھے گا کہ امتوں نے تمہاری باتوں کا کیا جواب دیا؟ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی تاویل منقول ہے کہ خدا فرمائے گا تم نے اپنی امتوں کے لئے جو وصی مقرر کئے تھے انہوں نے اس پر عمل کیا تھا؟ پس جواب دیں گے کہ تو ہی غیبوں کے جاننے والا ہے۔ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ اپنے علم کی نفی کا مطلب غالباً یہ ہے کہ تو ہم سے بہتر جانتا ہے یا یہ کہ ہمارا علم ظاہری ہے اور تیرا علم واقعی ہے اور ظاہری علم واقعی علم کے مقابلہ میں کوئی شے نہیں۔ یا یہ کہ ہم اپنے سامنے کی بات جانتے ہیں اور تو غیب کو جانتا۔ ہمیں کیا معلوم کہ ہماری وذات کے بعد انہوں نے کیا کیا۔ بس تو ہی جانتا ہے اور فخر الدین رازی نے بیان کیا ہے کہ انسان کے پاس غیر کے متعلق جو معلومات ہوا کرتے ہیں وہ درحقیقت ظنیات ہوتے ہیں اور ہر شے کا علم صرف اللہ ہی کو حاصل ہے دنیا میں تو ظن کو علم کی جگہ دی جاتی ہے کیونکہ نظام دنیاوی کا مدار ظاہری امور پر ہے لیکن قیامت کے دن ظن پر فیصلے نہ ہوں گے بلکہ وہاں واقع کے ماتحت فیصلہ ہو گا۔ لہذا انبیاء اپنے علم کی نفی کریں گے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ شیعہ آئمہ معصومینؑ کو عالم الغیب کہتے ہیں۔ لہذا یہ آیت ان کے مذہب کی تردید کر رہی ہے تو علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں ان کا یہ جواب دیا ہے کہ شیعوں کی طرف یہ قول منسوب کرنا ظلم ہے۔ اہل اسلام میں سے کوئی بھی ایسا

عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ

اپنے اوپر اور اپنی ماں پر کہ جب میں نے تجھے قوت دی روح القدس کے ساتھ کہ بولتا تھا لوگوں کے ساتھ

فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ

جھولے میں اور بڑھاپے میں اور جب میں نے علم دیا تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کا

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ

اور جبکہ تو بناتا تھا مٹی سے پرندے کی شکل جیسی میرے اذن سے پس دم کرتا تھا اس میں تو وہ

طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى

پرندہ بنتا تھا میرے اذن سے اور تندرست کرتا تھا نابینا اور مبروص کو میرے اذن سے اور جبکہ تو زندہ کرتا تھا

بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ

مردوں کو میرے اذن سے اور جبکہ رد کیا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لایا ان کے پاس واضح دلیلیں تو کہاں لوگوں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

نے جو کافر تھے ان میں سے نہیں ہے یہ مگر ظاہر بظاہر جادو

نہیں جو کسی انسان کے متعلق علم غیب کا دعویٰ کرے اور اگر کوئی شخص مخلوق میں سے کسی کے لئے علم غیب کا دعوے کرتا ہو تو دین سے خارج ہے اور شیعہ اس سے بیزار ہیں۔

اقول: اس میں شک نہیں کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو خداوند کریم نے بذریعہ وحی و الہام بہت سی غائب چیزوں کا علم دے دیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ وحی یا الہام کے محتاج نہیں اور ہر غیب کو خود بخود جانتے ہیں ایسا اعتقاد رکھنا کفر و شرک ہے بس یہ عقیدہ صحیح ہے کہ خداوند کریم نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو سب کائنات میں سے زیادہ علم عطا فرمایا اور وہ اس لحاظ سے بہت کچھ جانتے ہیں بلکہ اتنا جانتے ہیں کہ ہم تصور بھی اس کا نہیں کر سکتے اور وہ جس چیز کو جاننا چاہیں خدا بذریعہ وحی والہام بتا دیتا ہے اور علام الغیوب صرف اسی کی ہی ذات ہے۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ: تفسیر برہان میں ہے ابن سکیت کے سوال کے جواب میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا

چونکہ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں جادو کا زور تھا ۔ اس لئے خداوند کریم نے ان کو ایسا معجزہ عطا فرمایا جو ان کے بس سے باہر تھا ۔ پس حضرت عیسیٰؑ کے دور میں علم طب کی ضرورت تھی ۔ پس ان کو یہ معجزات عطا فرمائے اور حضرت رسالتمآبؐ کے زمانہ میں خطابت کا چرچا تھا لہٰذا قرآن مجید ان کو عطا ہوا تاکہ حجت تمام ہو۔

تُكَلِّمُ النَّاسَ :- حضرت عیسیٰؑ پر خداوندی احسانات چونکہ نرالے تھے اس لئے ان کو شمار کیا جارہا ہے ۔ تائید روح القدس کے بعد بچپنے اور بڑھاپے میں کلام کرنے کا ذکر بتلاتا ہے کہ بچپنے اور بڑھاپے میں حضرت عیسیٰؑ کا کلام کرنا روح القدس کی تائید کا نتیجہ تھا بچپنے میں کلام کرے تو اس لئے کہ عام عادی رفتار اس سن میں کلام کرنے کی مقتضی نہیں ہوتی ۔ پس حضرت عیسیٰؑ کا کلام کرنا یقیناً روح القدس کی تائید سے ہی تھا لیکن کہولت کے زمانہ کی حضرت عیسیٰؑ کی کلام روح القدس کی تائید سے اس اعتبار سے ہے کہ وہ نبی تھے اور قوم تک تعلیمات خداوندی کا پہنچانا ان کی ذاتی اختراع نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ الہام یا وحی کے ذریعے سے ہوا کرتا تھا اور روح القدس سے یہی مراد ہے ۔

وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ :- تفسیر برہان میں ہے حضرت عیسیٰؑ ایک مرتبہ حضرت یحییٰ بن زکریا کی قبر پر آئے اور خدا سے دعا مانگی کہ ان کو دوبارہ زندہ کرے ۔ پس حضرت عیسیٰؑ کی دعا مستجاب ہوئی اور خدا نے حضرت یحییٰ کو دوبارہ زندہ کیا ۔ حضرت یحییٰ نے پوچھا کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں ؟ تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو دنیا میں میرا ساتھی بنے تو حضرت یحییٰؑ نے جواب دیا کہ ابھی موت کی تلخی مجھ سے دور نہیں ہوئی آپ چاہتے ہیں کہ دنیا میں آکر دوبارہ موت کی تلخی دیکھوں ؟ پس آپ نے ان کو واپس بھیج دیا اور خود چلے آئے ۔ آیت کی باقی تشریح تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہے ؟

تنبیہ :- بعض ناخدا ترس واعظ قوم کی جیب تراشی کی ہوس میں ان کو مشرکانہ عقائد کی تعلیم دیتے ہوئے اس قسم کی آیات کو پیش کرتے ہیں کہ دیکھو حضرت عیسیٰؑ خالق تھے کہ انہوں نے پرندہ خلق کیا تو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد طاہرین کیونکر خالق نہیں ہوسکتی ۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ مٹی سے پرندہ کی شکل جیسا ایک بوتہ تیار کرتے تھے اور خدا کے اذن سے وہ پرندہ ہو جایا کرتا تھا ۔ قرآن ہرگز نہیں کہتا کہ وہ پرندہ کو خلق کرتے تھے کیونکہ پرندے کی شکل جیسا ایک بوتہ بنانا اور چیز ہے اور پرندہ بنانا اور چیز ہے ۔ پہلا کام حضرت کرتے تھے اور دوسرا کام خدا کرتا تھا ۔ غیبت صغریٰ کے زمانہ میں آئمہ طاہرینؑ کے خلق و رزق کا مسئلہ چلا تھا تو حضرت حجتؑ کے نائب محمد بن عثمان کی وساطت سے یہ مسئلہ امام سے دریافت کیا گیا تھا تو آپ نے یہ جواب تحریر فرمایا تھا کہ جسموں کا خالق صرف اللہ ہے اور رزق کے تقسیم کرنے والا بھی صرف اللہ ہے وہ نہ جسم ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے ۔ وہ بے مثل اور سمیع و بصیر ہے لیکن آئمہ پس وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں تو وہ پیدا کرتا ہے اور وہ سوال کرتے ہیں تو وہ رزق دیتا ہے کیونکہ ان کا سوال مقبول ہے ۔ اور اس کے نزدیک ان کی منزلت بہت عظیم ہے (مقدمہ تفسیر مراۃ الانوار) عقائد شیخ صدوق میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے ۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ

اور جب میں نے وحی کی حواریوں کو کہ ایمان لاؤ میرے پر اور میرے رسولؑ پر انہوں نے کہا ہم ایمان لائے

بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ

اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا کر سکتا ہے

يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ

تیرا پروردگار کہ اتارے ہم پر دسترخوان آسمان سے کہا ڈرو اللہ سے اگر تم

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ

مومن ہو انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں اور مطمئن ہوں ہمارے دل اور جان لیں

آپ نے فرمایا اے اللہ جو لوگ ہم کو خالق و رازق سمجھتے ہیں ہم ان سے بیزار ہیں جس طرح کہ حضرت عیسیٰؑ نصرانیوں سے بیزار ہوئے۔ اے اللہ ہم نے ان لوگوں کو ایسے عقائد کی دعوت نہیں دی۔ لہٰذا ان کے اعتقاد کی گرفت ہم سے نہ کرنا۔ مفصل روایت اور اس کے علاوہ اور روایات بھی مقدمۂ تفسیر باب التفویض میں ملاحظہ فرمایئے۔

معجزہ کہتے ہی اس کام کو ہیں جو بندے کی طاقت سے باہر ہو اور سوائے خدا کے اس کو کوئی نہ کر سکتا ہو۔ پس نبی یا ولی کا کام ہے دُعا مانگنا اور اللہ کا کام ہے مستجاب کرنا اور خدا نبیوں اور ولیوں کی دعاؤں کا پابند بھی نہیں ہے بلکہ قبول یا رد اس کے اختیار میں ہے۔ پس نبی و امام دعا مانگتے ہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے۔ یہ دُعا مانگتے ہیں۔ وہ مارتا ہے اسی طرح خالق رازق محی ممیت وغیرہ صفات اس کی ذات سے مختص ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کی مخلوق میں ان صفات کو ثابت کرے تو وہ کافر و مشرک ہے۔

اَلْحَوَارِيّٖنَ :۔ اس کا معنی اور وجہ تسمیہ تفسیر کی تیسری جلد صہ ۲۴۲ پر ملاحظہ فرمایئے۔

مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ :۔ بعض روایات میں ہے کہ گوشت و روٹی تھی اور بعض میں ہے کہ پختہ مچھلیاں اور نور ٹیاں تھیں۔ واقعہ اس طرح ہے کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰؑ سے دسترخوان کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے ایک دفعہ ان کو منع فرمایا لیکن انہوں نے اصرار کیا تو آپ نے دُعا مانگی جس طرح آیت میں موجود ہے۔ تفسیر صافی میں حضرت سلمان سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کبھی زور سے ہنسے نہ تھے اور کبھی فعل عبث انہوں نے نہ کیا تھا۔ جب حواریوں نے مائدہ کا سوال کیا تو آپ نے صوف کا کھردرا لباس پہن کر روتے ہوئے دُعا مانگی۔ پس دو بادلوں کے درمیان ایک سُرخ رنگ کے رومال میں مائدہ اُترا۔

أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ

کہ تو نے ہمیں سچ کہا ہے اور ہو جائیں ہم اس پر گواہ کہا عیسیٰ بن

مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا

مریم نے اے اللہ ہمارا پروردگار! اتار ہم پر ایک دسترخوان آسمان سے کہ ہو ہمارے لئے عید

لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالَ

پہلوں اور پچھلوں کے لئے اور نشانی تیری طرف سے اور ہم کو رزق دے اور تو ہی ہے بہتر رزق دینے والا فرمایا

اللّٰهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا

اللہ نے میں اس کو اتارنے والا ہوں تم پر پھر اس کے بعد جس نے تم سے کفر کیا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ

یہودی دیکھ رہے تھے اور اس قدر خوشبودار تھا کہ انہوں نے اس سے پہلے ایسی خوشبو نہ سونگھی تھی۔ پس حضرت عیسیٰ روئے اور شکر ادا کیا پھر وضو کر کے بسم اللہ کہہ کر رومال ہٹایا دیکھا پکی ہوئی مچھلی ہے جو گھی میں تر ہے اس کے سر کی طرف نمک موجود اور دُم کی طرف سرکہ رکھا ہوا ہے اور ارد گرد ترکاری بھی موجود ہے اور پانچ روٹیاں ہیں ایک پر زیتون دوسری پر شہد، تیسری پر گھی، چوتھی پر پنیر اور پانچویں پر بھنا ہوا گوشت رکھا ہوا ہے۔ شمعون نے دریافت کیا کہ یہ کھانا دنیا سے ہے یا آخرت سے تو فرمایا کہ باذنِ خدا زندہ ہو جا۔ چنانچہ مچھلی زندہ ہو گئی۔ اس کے چھلکے کانٹے نکل آئے پس وہ ڈر کے مارے اِدھر اُدھر دُور ہو گئے آپ نے فرمایا مانگتے ہو پھر بھاگتے ہو۔ پس مچھلی کو باذنِ خدا اپنی پہلی حالت میں پلٹا دیا تو انہوں نے کہا جب تک آپ نہ کھائیں گے ہم نہ کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا معاذ اللہ میں تو نہیں کھاؤں گا یہ وہی کھائیں گے جنہوں نے مانگا تھا پس وہ لوگ دُور ہو گئے تو آپ نے فقیروں زمین گیروں بیماروں اور مصیبت زدوں کو بلایا اور فرمایا کھاؤ کہ تمہارے لئے یہ فائدہ مند ہو گی چنانچہ ایک ہزار تین سو مرد و عورت نے کھایا اور حضرت عیسیٰؑ نے دیکھا تو مچھلی ویسے کی ویسی پڑی ہے پس وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئی اور جن لوگوں نے کھایا تھا ان کی مصیبتیں دُور ہو گئیں۔ فقیر غنی ہو گئے۔ بیمار تندرست ہو گئے اور مصیبت زدگان کے مصائب رفع ہو گئے پس حواری اور نہ کھانے والے لوگ یہ معجزہ دیکھ کر نادم و پشیمان ہوئے پھر چالیس روز تک اُترتا رہا اور جب اترتا تھا تو تمام امیر و غریب جمع ہو جاتے تھے پس حضرت نے باریاں مقرر فرما دیں تاکہ زیادہ بھیڑ نہ ہو۔ پھر ایک دن مائدہ اترتا تھا اور ایک دن خالی ہوتا تھا۔ پھر حکمِ خداوندی ہوا کہ صرف غرباء طبقہ ہی اس کو کھائے تو امراء طبقہ کو غصہ آیا اور انہوں نے کفر کیا۔ چنانچہ ان پر عذاب نازل ہوا اور بعض روایات میں ہے کہ ان کو ہدایت کی گئی کہ نہ اس میں خیانت

لَآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اس جیسی سزا جہان میں سے کسی کو نہ دوں گا اور جب کہے گا اللہ عیسیٰ بن مریم کو کیا تو نے

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ

کہا تھا لوگوں کو کہ مانو مجھے اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے تو جواب دے گا تو

مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ

پاک ہے نازیبا ہے مجھے کہ میں کہوں ایسی بات جو میرے لئے ناحق ہو اگر میں نے کہا ہوتا تو تو جانتا ہے

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

تُو جانتا ہے جو باتیں میرے پاس ہیں اور میں نہیں جانتا جو تیرے پاس ہے صرف تو ہی غیبوں کے جاننے والا ہے

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ

میں نے ان کو نہیں کہا مگر جو کچھ تو نے فرمایا کہ عبادت کرو اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ

اور میں تھا ان پر گواہ جب تک ان میں تھا پس جب تو نے مجھے لے لیا تو تو خود ہی ان پر

کریں اور نہ دوسرے روز کے لئے ذخیرہ بنائیں لیکن انہوں نے خیانت اور ذخیرہ بنانا شروع کیا تو دسترخوان کا آنا بھی بند ہو گیا اور ان پر عذاب بھی آگیا۔ عذاب یہ تھا کہ سور کی شکل میں مسخ ہو گئے۔ چنانچہ ۳۳۳ مرد راتوں کو اپنی عورتوں کے ساتھ گھروں میں آرام سے سوئے اور صبح کو اُٹھے تو خنزیر تھے گلی کوچوں میں پھرتے تھے اور پاخانہ کھاتے تھے لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کے سامنے عرض کی اور روئے حضرت عیسیٰؑ تو بھی روئے پس وہ تین روز تک زندہ رہے اور پھر مر گئے۔

اور بروایت تہذیب حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ مائدہ کے نزول کے بعد بنی اسرائیل کے لوگ جو کفر کی وجہ سے مسخ ہوئے وہ دو گروہ تھے۔ ایک گروہ بے چھلکا مچھلی جسے ملی کہتے ہیں) کی شکل میں مسخ ہوا اور دریا میں چلا گیا اور دوسرا فرقہ سوسمار کی شکل میں مسخ ہو کر جنگلوں میں پھیل گیا۔

رکوع نمبر ۱۶ — وَاِذْ قَالَ ۔ اگرچہ یہ سوال وجواب قیامت کے روز ہوگا۔ لیکن چونکہ یقینی ہے اس لئے اس کو

عَلَیْهِمْ ۚ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ

نگاہ بان تھا اور تو اُوپر ہر شے کے شہید ہے اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے

عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ

بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کرے تو تُو عزیز و حکیم ہے کہے گا

اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ۗ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ

اللہ اس دن فائدہ دے گی سچوں کو اپنی سچائی ان کے لئے باغات ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ۚ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

کہ جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں دائمی راضی ہوگا خدا ان سے اور وہ راضی

صیغہ ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے یہ ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کو خدا مانتے ہیں کہ بروزِ محشر حضرت عیسیٰؑ سے جب پوچھا جائے گا وہ صاف لفظوں میں اس عقیدہ کی تردید اور اپنی عبودیت کا اقرار کریں گے۔

مَا فِیْ نَفْسِیْ :- (صفحہ ۱۸۴) یہاں مقصد یہ ہے کہ تو میری پوشیدہ باتوں کو اور مخفی رازوں کو جانتا ہے لیکن میں تیری پوشیدہ باتوں اور مخفی رازوں کو نہیں جان سکتا۔

تَوَفَّیْتَنِیْ :- اس کا معنی ہے پورا لے لینا اور موت اس سے مراد نہیں ہے اور اس کی پوری تحقیق تفسیر ہذا کی تیسری جلد ص۲۴۲ صفحہ ۲۴۴ پر ہو چکی ہے۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

هٰذَا یَوْمُ :- تفسیر صافی میں منقول ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تمام خلائق کو محشور کیا جائیگا۔ تو سب سے پہلے حضرت رسالتمآبؐ کے نام ندا آئے گی اور حضورؐ دربارِ الٰہی میں حاضر ہوں گے۔ پس عرش کے دائیں جانب قیام فرمائیں گے پھر حضرت علیؑ تشریف لائیں گے اور وُہ ان کے بائیں طرف کھڑے ہوں گے اس کے بعد تمام امّتِ اسلامیہ حضرت علیؑ کے بائیں جانب کھڑی ہوگی۔ پھر باقی تمام نبیوں کو اپنی امتوں سمیت بلایا جائے گا اور وہ عرش کے بائیں جانب قیام کریں گے۔ سب سے پہلے قلم سے پھر لوح سے پھر اسرافیل سے سوال ہوگا اور وہ جواب دیں گے۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمایا بنی آدم میں سے پہلے پہل جناب رسالتمآبؐ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کو جبریل نے سب کچھ پہنچایا؟ تو آپ جواب دیں گے کہ ہاں پھر سوال ہوگا کہ کیا آپ نے امّت تک پہنچایا؟ تو آپؐ عرض کریں گے کہ ہاں میں نے پہنچایا اور تمام ملائکہ اور اخیارِ امّت اس کی گواہی دیں گے۔

عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِيۡهِنَّ ؕ

ہوں گے اس سے یہ کامیابی بڑی ہے اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان میں ہے

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اور وہ اوپر ہر شئے کے قدرت رکھنے والا ہے

پھر ارشاد ہوگا کیا آپ نے اپنے بعد کے لئے اُمّت کا کوئی امام نصب کیا تھا جو تیرے بعد میری حجّت اور خلق پر میرا خلیفہ ہو تو عرض کریں گے ۔ ہاں اے پروردگار! میں نے اپنے بھائی ۔ اپنے وزیر اور اپنے وصی علیؑ بن ابی طالب علیہ السّلام کو اپنی امّت میں اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کیا تھا اور لوگوں کو اس کی اطاعت کا بھی حکم دیا تھا ۔ پس حضرت علی علیہ السّلام کو ذاتِ پروردگار کا ارشاد ہوگا کہ کیا تجھے خلافت دی گئی تھی اور تو نے اپنے فرائض کو ادا کیا تھا تو حضرت علیؑ عرض کریں گے بے شک! اے پروردگار! مجھے حضرت رسالتمآبؐ نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن امّت نے انکار کیا تھا اور میرے حق کو دبا لیا تھا اور دوسرے لوگوں کو آگے کر دیا تھا اور میں نے جہاد بھی کیا ۔ حتیٰ کہ قتل کر دیا گیا ۔ پھر سوال ہوگا کہ تو نے اپنے بعد کس کو حجّت مقرر کیا تھا تو جواب دیں گے کہ امام حسن کو یکے بعد دیگرے تمام آئمہؑ سے سوال ہوں گے اور وہ جواب دیں گے پس اس کے متعلق ارشاد فرما رہا ہے کہ اس دن سچے لوگوں کو اپنی سچائی فائدہ دے گی اور ہمیشہ جنّت میں رہیں گے ۔

سُورَةُ الْأَنْعَامِ

- یہ سورۃ مکیہ ہے صرف اس کی چھ آیتیں مدنی ہیں اور کل آیات کی تعداد ایک سو پینسٹھ ہے۔ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ سورہ اکٹھا نازل ہوا۔ اور اس کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے پس جو شخص اس کی تلاوت کرے گا تو تمام فرشتے قیامت تک اس کے لئے استغفار کریں گے۔
- ابن عباس سے مروی ہے کہ جو شخص ہر شب سورہ انعام کی تلاوت کرے گا قیامت کے روز آمنین میں سے ہوگا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مسک اور زعفران سے لکھ کر جو شخص اس کو چھ دن متواتر پئے گا وہ خیرِ کثیر پائے گا اور اس کو سوداء نہ ہوگا اور تمام دردوں اور تکلیفوں سے اس کو تندرستی حاصل ہوگی (برہان)
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سورۃ انعام یکجا نازل ہوا اور اس کی تشییع ستر ہزار فرشتوں نے کی بس اس کی تعظیم اور تکریم کرو اور اس سورہ میں ستر مقام پر اللہ کا نام موجود ہے اگر لوگ اس کی قرأت کے ثواب و برکات کو جانتے ہوتے تو قطعاً اس کو ترک نہ کرتے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ ۬ؕ

حمد ہے اللہ کے لئے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا ظلمات اور نور کو

ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ

پھر بھی جو کافر ہیں اپنے پروردگار کے ساتھ شریک بناتے ہیں وہ وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ :۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے دھریہ ثنویہ اور مشرکوں کے اقوال کی تردید فرمائی ہے (برہان)

دھریہ :۔ جو وجودِ خدا کے منکر ہیں زمین و آسمان کی خلقت کو ان کے مذہب کے بطلان کی دلیل قرار دیا کہ جب کوئی معمولی سے معمولی چیز بغیر بنانے والے کے معرض وجود میں نہیں آسکتی تو اتنا بڑا آسمان اور اتنی لمبی چوڑی زمین اپنے تمام لوازم کے ساتھ جو مصلحتوں سے پُر ہیں کیسے بغیر خالق حکیم و علیم کے پیدا ہوسکتی تھی پس وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو تمام خوبیوں اور مصلحتوں کے ساتھ خلق فرمایا۔

ثنویہ :۔ جو نور اور ظلمت کو مدبرِ خلق جانتے ہیں ان کے عقیدہ میں خدا دو ہیں ایک کا نام یزدان جو نیکیوں کا خالق ہے اور دوسرے کا نام اہرمن ہے جو برائیوں کا خالق ہے اور انہی دونوں کو نور و ظلمت سے بھی تعبیر کرتے ہیں کہ نور خیر کا فاعل ہے ——— اور ظلمت شر کی فاعل ہے۔ خداوند کریم نے اس قول کو اس طرح باطل کیا کہ فرمایا اللہ وہ ہے جس نے ظلمت و نور دونوں کو خلق فرمایا ہے پس نہ نور فاعل ہے اور نہ ظلمت بلکہ فاعل وہ ہے جو ان دونوں کا خالق ہے۔ اور وہ چونکہ خود خیر ہے اس لئے وہ خیر کا ہی فاعل اور خالق ہے اور شر اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا

مشرک :۔ وہ جو خدا کی صفات میں اپنے نصب کردہ بتوں کو شامل اور شریک مانتے تھے ان کو آیت کے آخری فقرہ سے رد کر دیا

یَعۡدِلُوۡنَ :۔ کا مفعول حذف کر کے تعمیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس کو خدائی معاملات میں شریک مانا گیا ہے خواہ وہ بُت ہوں یا درخت ہوں اور خواہ وہ جن ہوں یا ملک ہوں نیز خواہ نبی ہوں یا امام ہوں۔ بہر کیف کسی کو اس کا شریک قرار دینا کفر ہے۔

خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ :۔ تفصیلی طور پر دہریہ ثنویہ اور مشرکین کے عقائد کو باطل قرار دیتے ہوئے مسئلہ خلق کو واضح

ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝۲

پھر مقرر کی ایک اجل اور ایک اجل مسمی اس کے پاس ہے پھر تم شک کرتے ہو

فرمایا ہے کہ صرف وہ اللہ ہی ہے جس نے تم سب کو مٹی سے خلق فرمایا کہ حضرت آدمؑ و حوا کے مٹی کے ڈھانچوں میں اپنی قدرت کاملہ سے روح داخل کر کے انسانی خلعت ان کو مرحمت فرمائی اور تم سب لوگ انہی دو کی ہی اولاد سے ہو۔ نیز زمین سے پیدا ہونے والی غذائیں جن کی نشوونما ذراتِ ارضیہ سے ہوتی ہے۔ انسان کے بدنی اجزاء بنتی ہیں اور منی بھی انہی سے تیار ہوتی ہے جو انسان کا مادہ ہے۔ پس تخلیق انسان کا مادہ زمین کے ہی اجزا ہیں جو قدرت کے مختلف کارخانوں سے گذر کر جسم انسانی تک منتہی ہوتے ہیں جو روح انسانی کا قالب ہے اور جسم اور رُوح دونوں کے باہمی ربط سے انسان بنتا ہے۔ ان میں روح بمنزلہ راکب کے اور جسم بمنزلہ مرکوب کے ہے اور ان کی ایک دوسرے سے مکمل جدائی کا نام موت ہے پس کُلُّ شَیْئٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِہٖ کے قاعدہ کے ماتحت موت کے بعد رُوح اپنی منزل کی طرف چلی جاتی ہے اور جسم اپنی حقیقت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

مادہ وطبیعت کے پرستار اجزاء ارضیہ کے ان تطوّرات کو مادہ وطبیعت کا عمومی دستور کہیں گے لیکن اگر ان سے دریافت کیا جائے کہ مادہ وطبیعت کے افعال شعور کے ماتحت ہیں یا بے شعوری سے صادر ہیں؟ تو تمام عقلائے زمانہ اس امر پر متفق ہیں کہ مادہ وطبیعت میں قطعاً کوئی شعور نہیں ہوتا پس ان کے تمام افعال لاشعوری سے ہی ہوتے ہیں اور ناممکن ہے کہ بے شعوری کی حرکات وسکنات میں ہمیشہ توازن واعتدال قائم رہے اور دائمی طور پر مصالح ومفاسد کے ماتحت ہوں۔ پس نظامِ خلق میں توازن واعتدال کی ہمیشگی اور مصالح ومفاسد کی رعایت ببانگِ دہل اپنی زبان بے زبانی سے اعلان کر رہی ہے کہ اس کا مدبر وناظم اور خالق ورازق ایک ایسی ذات ہے جو اپنے ارادہ ومشیت سے مصلحت وحکمت کے ماتحت یہ سب کام کر رہی ہے اور مادہ وطبیعت بھی اسی کی ہی مخلوق ہیں اور اسی کے اختیار وارادہ سے محو عمل ہیں۔ نیز مادہ کے مختلف ادوار میں چکر لگانے کے بعد جب جسم انسانی تک نوبت پہنچتی ہے تو اس میں روحِ انسانی کو لا کر داخل کرنا مادہ وطبیعت کے بس سے باہر ہے کیونکہ ان میں تو شعور ہی نہیں اور اگر مادہ وطبیعت ہی اس کے فاعل ہوتے تو کبھی بے شعوری سے انسانی ڈھانچہ میں حیوانی روح اور کبھی حیوانی ڈھانچہ میں انسانی رُوح بھی داخل کر بیٹھتے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق علیم وحکیم مادہ صورت سے ارفع واجل ہے اور وہ اللہ ہے جو تمام کائنات کا واحد خالق ومدبر ہے اور جو لوگ یہ صفت کسی دوسرے کی طرف منسوب کریں۔ وہ مشرک ہیں بعض جاہل کہہ دیتے ہیں کہ اللہ نے صرف محمدؐ وآلِ محمدؐ کو خلق فرمایا اور باقی سب مخلوق کو انہوں نے خلق کیا۔ وہ خود بھی مشرک ہیں اور دوسروں کو بھی شرک کی تعلیم دیتے ہیں کیا وہ قرآن کی ان آیتوں کو نہیں پڑھتے کہ خدا فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْ

خَلَقَكُمْ :- صرف وہ اللہ ہی ہے جس نے تم سب کو مٹی سے خلق فرمایا۔ اے اللہ ہم تیرے بندے اور تیری مخلوق ہیں اور تجھے تمام کائنات کا خالق و رازق مانتے ہیں اور ایسے لوگوں سے بری و بیزار ہیں۔ جو تیرے علاوہ کسی دوسرے کو خالق یا رازق کہیں۔ تو ہمیں راہِ راست پر ثابت قدمی کی توفیق مرحمت فرما۔

مسئلہ بدا

ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا :- یعنی خداوند کریم نے ہر انسان کے لئے دو طرح کی اجل مقرر فرمائی ہے۔ ایک اجل مقضی اور دوسری اجل مسمّٰی۔ پہلی کو قضائے محتوم و مبرم بھی کہتے ہیں اور دوسری کو قضائے غیر مبرم بھی کہا جاتا ہے یعنی خداوند علیم نے ہر انسان کے لئے ایک معیارِ زندگی مقرر کر دیا ہے کہ فلاں شخص کی مثلاً پچاس برس زندگی ہے پس نہ اس سے وہ کم ہو سکتی ہے۔ اور نہ اس سے زیادہ ہو سکتی ہے اور یہ ہے اجل مقضی اور قضائے محتوم اور اپنی حکمتِ شاملہ سے یہ بات بھی مقدر فرما دی ہے کہ اگر اس نے صدقہ یا دُعا یا کوئی صلہ رحمی وغیرہ کی تو اس کی عمر میں اتنے سال بڑھا دیئے جائیں گے اور اگر اس نے زنا بدکاری یا شراب نوشی وغیرہ کی تو اس کی عمر طبعی سے اس قدر کم کیا جائے گا۔ اس کا نام ہے اجلِ مسمّٰی اور قضائے غیر مبرم اور اس کا علم سوائے اس کی ذات کے اور کسی کو نہیں ہوتا وہ جس قدر کم و بیش کرے اس کے اپنے اختیار میں ہے۔

کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اجلیں دو قسم کی ہیں ایک اجل محتوم اور دوسری اجل موقوف اور بروایت قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اجل مقضی قضائے محتوم کا نام ہے اور اجل مسمّٰی وہ ہے جس میں بدا واقع ہوتی ہے کہ خدا جس قدر چاہے آگے یا پیچھے کر سکتا ہے لیکن محتوم میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

تفسیر ابو السعود میں ابن عباس سے منقول ہے کہ ہر انسان کی دو اجلیں مقرر ہیں۔ ایک ولادت سے موت تک اور دوسری موت سے حشر تک یعنی ایک اجل زندگی کی اور دوسری اجل برزخ کی۔ پس اگر نیک ہوگا تو اس کی برزخ کی اجل کا کچھ حصہ زندگی کی اجل میں شامل کیا جائے گا اور اس کی عمر لمبی ہو گی اور اگر بدکار ہوگا تو اس کی زندگی کی اجل کا کچھ حصہ برزخ کی اجل میں شامل کیا جائے گا اور اس کی عمر کم ہو جائے گی۔

تفسیر کبیر فخر الدین رازی سے منقول ہے کہ حکمائے اسلام نے اجل کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک اجل طبعی اور دوسری اجل اخترامی پس اجل طبعی سے مراد یہ ہے کہ مثلاً فلاں انسان اگر عوارضِ خارجیہ سے محفوظ رہا تو وہ اسقدر عمر پا سکے گا اجلِ اخترامی سے مراد یہ ہے کہ عوارضِ خارجیہ کے اثرات اس پر وارد ہو کر اس کی عمر کو کم کر دیں گے۔ مثلاً ڈوب کر مرنا۔ یا قتل ہونا یا جل جانا وغیرہ۔ انتہٰی

یوں سمجھئے کہ جس طرح ہر صانع اپنے مصنوع کی ایک گارنٹی مقرر کر دیتا ہے تو پس ہو سکتا ہے کہ بیرونی صدمات کی وجہ سے وہ چیز گارنٹی کی میعاد سے قبل ختم ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مزید حفاظت و احتیاط کی بدولت وہ چیز گارنٹی کی میعاد سے بھی بڑھ جائے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ

اور وہی اللہ آسمانوں میں اور زمین میں ہے جانتا ہے تمہارا باطن اور تمہارا ظاہر اور جانتا ہے

پس خداوندکریم نے بھی اپنی مصنوعات کی ایک گارنٹی مقرر کی ہے جس کو وہ خود جانتا ہے اور اس کا نام اجل المقضی یا قضائے محتوم ہے اور اسباب خارجیہ سے اسی میں کمی یا بیشی کا نام اجل مسمّی ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد قدرت ہے وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ یعنی کسی کی عمر نہیں بڑھائی جاتی اور نہ کم کی جاتی ہے مگر یہ کہ وہ کتاب میں موجود ہے اور اجل محتوم کا علم خداوندکریم بعض اوقات انبیاء و اولیاء کو عطا فرما دیا کرتا ہے لیکن اجل مسمّی کا علم صرف اس کی اپنی ذات کے پاس محفوظ ہے بنابریں منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کی موت کی خبر دے دی۔ جب وہ شخص اس تاریخ کو نہ مرا تو لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ سے وجہ دریافت کی۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تُو نے اس دوران میں کوئی نیک کام کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نے صدقہ دیا تھا پس آپ نے فرمایا کہ اس صدقہ کی وجہ سے اس کی عمر میں زیادتی کی گئی۔

بدا کا یہ معنی نہیں کہ خداوندکریم معاذاللہ پہلے نہیں جانتا اور پھر جان لینے کے بعد اپنے سابق فیصلہ میں ترمیم کرتا ہے اگر ایسا ہو تو پھر خدا کیسے رہا؟ عملی طور پر بدا کے قائل سارے مسلمان ہیں بلکہ تمام انسان ہیں کہ ہر معاملہ میں دعائیں مانگ کر خدا سے اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ چاہتے ہیں اگر وہ صرف قضائے محتوم کے قائل ہوتے تو دعاؤں کا سلسلہ سارے کا سارا لغو ہوتا حالانکہ اپنے اکثر امورِ خیر کو اپنی دعاؤں کا یا اپنے پیر و مرشد کی دعاؤں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور یہ بدا کا عملی اعتراف ہے گویا مقصد ان کا یہ ہوتا ہے کہ میں نے فلاں کام نہ کیا ہوتا۔ یا پیر و مرشد نے دعا نہ کی ہوتی تو میرا یہ کام نہ ہو سکتا۔ گویا بغیر دُعا کے قضائے محتوم و مبرم آشکار ہوتی اور اللہ نے اب قضائے مسمّی کے ماتحت میری تقدیر بدل دی ہے۔

پس شیعوں پر بدا کا اعتراض بالکل لغو اور بے ہودہ ہے اور صرف دشمنِ اہلبیت ملاؤں کی طرف سے شیعوں کے خلاف عوام کو برانگیختہ کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ پس وہ اپنی بدضمیری کے ماتحت بدا کے غلط سلط معانی کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور شیعوں کو موردِ دشنام بنا کر زہر اُگلتے رہتے ہیں۔ خداوندکریم حق کا خود محافظ ہے ان ہنگامہ آرائیوں سے حق کی آواز کو نہیں دبایا جا سکتا۔

توحید

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ۔ یعنی وہ اللہ جس کی بعض صفات کا پہلے بیان ہو چکا ہے وہ آسمانوں اور زمینوں میں معبود ہے اور اہلِ آسمان و زمین اس کی الوہیت و توحید کے قائل ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ زمین و آسمان میں اس طرح ہے جس طرح کوئی مکین مکان میں فروکش ہوا کرتا ہے۔

تفسیر برہان میں ارشاد مفید سے مروی ہے ایک مرتبہ ایک یہودی عالم خلیفہ اوّل کی خدمت میں حاضر ہوا اور

مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا

جو تم کسب کرتے ہو اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی نشانیوں میں سے مگر وہ اس سے

مُعْرِضِيْنَ ۝۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا

منہ پھیر لیتے ہیں تحقیق انہوں نے جھٹلایا حق کو جب ان کے پاس پہنچا پس عنقریب کھلے گی ان پر حقیقت

دریافت کیا آپ اس امت کے نبی کے جانشین ہیں؟ تو خلیفہ نے ہاں میں جواب دیا۔ پس یہودی نے کہا کہ ہم نے تورات میں پڑھا ہے کہ ہر نبی کا خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جو تمام امت سے اعلم ہو۔ پس مجھے بتائیے کہ خدا آسمان میں ہے یا زمین میں؟ تو خلیفہ نے جواب دیا کہ وہ آسمان میں عرش پر جلوہ فگن ہے۔ یہ سن کر یہودی کہنے لگا پھر تو زمین اس سے خالی ہوئی؟ نیز وہ مکان کا محتاج ہو گیا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ بارگاہ خلافت سے اسے زندیق و بے دین کہہ کر اور قتل کی دھمکی دے کر نکالا گیا۔ یہودی باندازِ تعجب اسلام پر مسخری کرتا ہوا باہر نکلا تو راستہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام مل گئے۔ آپ نے فرمایا۔ اے یہودی! میں جانتا ہوں جو کچھ تو نے پوچھا اور جو کچھ تجھے جواب ملا۔ اب ذرا اپنے سوال کا جواب مجھ سے سن۔ خدا وہ ہے جس نے مکان کو مکان بنایا اور خود لامکان ہے اور اس سے اجل ہے کہ کوئی مکان اس کا احاطہ کرے وہ ہر جگہ ہے بغیر مس اور مجاورت کے اور جس جگہ جو کچھ بھی ہے وہ سب کو جانتا ہے اور اس کی تدبیر سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ اور تمہاری اپنی کتاب میں میرے مطلب کی تائید موجود ہے اگر میں پیش کر دوں۔ تو ایمان لائے گا؟ یہودی نے کہا ہاں! پس فرمایا تمہاری کتاب میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس مشرق سے ایک فرشتہ آیا اور حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہاں سے آیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ خدا کی طرف سے پھر مغرب کی جانب سے ایک فرشتہ آیا۔ پھر ساتویں آسمان سے ایک فرشتہ آیا اور آخر میں ساتویں زمین سے ایک فرشتہ حاضر خدمت ہوا اور ہر ایک نے حضرت موسیٰؑ کے سوال کے جواب میں کہا کہ خدا کی جانب سے آیا ہوں تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا پاک ہے وہ اللہ جس سے کوئی جگہ خالی نہیں اور وہ کسی مکان سے بہ نسبت دوسرے مکان کے قریب تر نہیں۔ پس یہودی نے یہ سن کر کلمۂ شہادت زبان پر جاری کیا اور کہا کہ واقعی آپ رسول کے جانشین برحق ہیں۔

فَسَوْفَ :۔ یعنی جو لوگ حق کی تکذیب کرتے ہیں یا اس کو محل تمسخر بناتے ہیں وہ مبتلائے عذاب ہوں گے خواہ دنیا میں یا آخرت میں بہرکیف اپنے کئے کا پھل ضرور پائیں گے۔

قَرْنٍ ص۱۹۳ :۔ بعض نے اس کی حد ستر برس بیان کی ہے اور بعض اسی۸۰ برس کے زمانہ کو قرن کہتے ہیں لیکن

مَا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٥ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ

اس کی جس پر وہ ہنسی کرتے تھے کیا وہ دیکھتے نہیں کہ کس قدر ہم نے ہلاک کیں ان سے پہلے

مِنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَ اَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ

قومیں جنہیں قبضہ دیا تھا ہم نے زمین پر کہ اتنا تمہیں نہیں دیا اور بھیجا ہم نے آسمان کو ان پر

مِّدْرَارًا ۖ وَّ جَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ

برستا ہوا اور بنائیں ہم نے نہریں جو بہتی تھیں ان کے نیچے پس ان کو ہم نے ہلاک کیا بوجہ ان کے

وَ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝٦ وَ لَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ

گناہوں کے اور پیدا کیں ان کے بعد دوسری قومیں اور اگر ہم اتاریں آپ پر کتاب

قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا

کاغذ میں پس وہ چھوئیں اس کو ہاتھوں سے تب بھی کہہ دیں گے جو کافر ہیں نہیں ہے

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧ وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۗ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا

یہ مگر جادو صریح اور کہنے لگے کہ کیوں نہ اترا اسی پر فرشتہ؟ اور اگر ہم اتارتے فرشتہ

یہاں قرن سے مراد ہے - اہلِ زمان گویا ہر نبی کے زمانہ کے لوگ ایک قرن ہوئے - یہاں خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سے نبیوں کے زمانہ والوں کو موردِ عذاب قرار دیا جو بوجہ سرکشی کے اپنے زمانہ کے نبیوں کی تکذیب کرتے تھے اور ان سے تمسخر کرتے تھے تو جب گذشتہ امتوں پر عذاب نازل ہوتے رہے تو تم بھی اہلِ مکہ عذابِ خدا سے ڈرو اور نبی کی تکذیب نہ کرو ورنہ اگر خدا چاہے تو تمہیں بھی عذاب میں گرفتار کرلے -

وَلَوْ نَزَّلْنَا :- ان کی سرکشی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ قرآن کو اترتا ہوا دیکھیں اور ہاتھوں پر اٹھا بھی لیں تب بھی نبی علیہ السلام کو جادوگر ہی کہتے رہیں گے - یہ جنابِ رسالتمآبؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان کی باتوں سے خفا نہ ہوں بلکہ آپ اپنا کام کئے جائیں - مروی ہے کہ نضر بن حارث نے حضرت رسالتمآبؐ سے عرض

لَقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ﴿٨﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا

تو معاملہ ختم ہو جاتا پھر مہلت نہ دیئے جاتے اور اگر ہم بناتے رسول فرشتہ تب بھی اس کو ایک مرد بناتے

عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ

اور مشتبہ کر دیتے ان پر وہ بات جس میں اب اشتباہ کرتے ہیں اور تحقیق ہنسی کی گئی رسولوں کے ساتھ جو آپ سے پہلے تھے پس اترا

سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ

ان پر جنہوں نے ہنسی کی تھی وہ عذاب جس کا مذاق کرتے تھے فرما دیجئے کہ سیر کرو زمین میں پھر

انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

دیکھو کیا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا پوچھئے کس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین

قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ

میں ہے فرما دیجئے اللہ کے لئے ہے اس نے فرض کیا اپنی ذات پر رحمت کو ضرور جمع کرے گا تم کو بروز قیامت اس میں کوئی شک نہیں

کی تھی کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ ہمارے سامنے قرآن کی تصدیق کے لئے آسمان سے فرشتے اتریں پس خدا ان کے قول کی تردید فرما رہا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا۔ یعنی اگر ہم فرشتہ کو بھی نبوت دے کر بھیجتے تو وہ بھی انسان بن کر آتا۔ پھر ان کو وہی شبہ لاحق ہو جاتا کہ یہ تو انسان ہے اور نبی کے لئے بشریت اور انسانیت کا انکار کرنا صرف انہی تک محدود نہیں بلکہ پہلے رسولوں کو بھی لوگ ایسا ہی کہا کرتے تھے اور رسولوں سے مسخری کیا کرتے تھے اور آپس میں کہتے تھے کہ دیکھو ہم جیسا بشر ہے اور کہتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ پس ان پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور وہ ہلاک کر دیئے گئے۔ اب بھی انہیں کفار کے ہم عقیدہ لوگ موجود ہیں جو بشریت کو رسالت و نبوت کے منافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید بانگ دہل ان کے فاسد عقیدہ کی تردید فرما رہا ہے اور اس اعتقاد کو کفریہ عقیدہ قرار دے رہا ہے۔

رکوع نمبر ۸

قُلْ سِيْرُوْا :- زمین میں چلنے پھرنے کی دعوت دی تاکہ خدا کی قدرت کی نشانیاں دیکھیں اور سابقہ امتوں کے حالات سے اطلاع حاصل کریں تاکہ ان کے دلوں سے تشکیک و شبہات کے پردے کھل جائیں اور ایمان لے آئیں۔

فِيهِ ۚ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي

جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہیں لاتے اسی کے لئے ہے جو بستا ہے

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ

رات اور دن میں اور وہی سننے جاننے والا ہے کہہ دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی کو ولی بناؤں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ

جو پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا ہے اور وہی رزق دیتا ہے اور خود نہیں دیا جاتا کہہ دیجئے مجھے حکم ہے کہ

اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭ قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ

ہو جاؤں پہلا حکم تسلیم کرنے والا اور تم نہ ہو شرک کرنے والوں سے کہہ دیجئے کہ میں ڈرتا ہوں

كَتَبَ ۱۹۴ :- اگر سوال کیا جائے کہ جب وہ عذاب نازل کرتا ہے یا بروز محشر جب وہ گنہگاروں کو عذاب دے گا تو رحمت کہاں رہی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس کا ہر فیصلہ مصلحت کے ماتحت ہی ہوا کرتا ہے اور اس کی مصلحت کا مقتضا صرف رحمت ہی نہ ہے پس مفسدین کو سزا دینا عین مصلحت اور مقتضائے عدل و رحمت ہوا کرتا ہے البتہ غیر گنہگاروں کو موردِ عذاب کرنا بعید از رحمت ہے اور وہ اس سے اجل و ارفع ہے بلکہ وہ تو توبہ کرنے سے گنہگاروں کو بھی معاف کر دیتا ہے۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ :- اس سے پہلی آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ کے لئے ہے جو آسمان و زمین میں ہے اور یہاں فرمایا ہے کہ اللہ کے لئے ہے جو دن و رات میں ہے وہاں مکان و مکانیات مراد تھے اور یہاں زمان و زمانیات مقصود ہیں اور اللہ ملک وملک و خلق و رزق کے لحاظ سے سب کا مالک ہے اور ممکن ہے پہلی آیت میں جواہر و اجسام مراد ہوں اور دوسری آیت میں اعراض و احوال مراد ہوں اور سکون حلول کے معنی میں ہو۔ پس مقصد یہ ہوگا کہ جواہر و اعراض اور اجسام و احوال سب اللہ کے ہی مملوک ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سکون حرکت کے مقابلہ میں ہو یعنی ہر ساکن چیز اور ہر متحرک چیز کا مالک خدا ہی ہے لیکن سکون کو بالخصوص ذکر فرمایا اس لئے کہ متحرک کا آغاز و انجام سکون ہی ہوا کرتا ہے۔ نیز دو متضاد چیزوں میں سے ایک کے ذکر سے دوسری کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ وہ قرینۂ مقام سے سمجھی جاتی ہے اس لئے جہاں بھی صرف سکون کا ذکر کافی ہے اور مراد حرکت و سکون دونوں ہیں۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ :- اہل مکہ نے جناب رسالتمآب سے عرض کی تھی کہ آپ فقر و تنگدستی کی وجہ سے اپنے آبائی دین کو ترک کرکے نئے دین کی بنیاد رکھ رہے ہیں لہذا ہم چندہ جمع کرکے آپ کو کافی مال و دولت فراہم کر دیتے ہیں۔ پس آپ اپنے

إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ

اگر نافرمانی کروں رب کی بڑے دن کے عذاب سے جس سے ٹالا جائے (عذاب) اس دن تو اس پر

رَحِمَهُ ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ

اس کا رحم ہوا اور یہ کامیابی ہے ظاہر اور اگر پہنچائے تمہیں اللہ کوئی تکلیف تو اس کا کوئی دفع کرنے

لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ

والا نہیں سوائے اس کے اور اگر پہنچائے کوئی خوبی تو وہ ہر شئے پر قدرت والا ہے اور وہ غالب ہے

دین کی تبلیغ چھوڑ دیں تو ان کے جواب میں ارشاد قدرت ہے۔ ان لوگوں سے فرما دیجئے کیا میں زمین و آسمان کے خالق کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا مولا و حاکم بنالوں؟ حالانکہ اللہ ہی ہے جو سب کو رزق دیتا ہے اور وہ خود محتاج رزق نہیں ہے اور میں تو اس بات پر مامور ہوں کہ سب سے پہلے اس کا عبادت گزار بنوں اور شرک نہ کروں۔

مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ :۔ یعنی کوئی اپنی نیکیوں کی بدولت یہ گھمنڈ نہ کرے کہ میں نیک ہوں لہذا ضرور جنت میں جاؤں گا اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں شکر کما حقہٗ اور اس کے احسان کے بدلہ میں حق عبودیت کی وفا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے پس جو بھی بروزِ محشر گرفت سے بچ گیا اور داخل جنت ہوا وہ اللہ کے رحم و کرم کا ہی نتیجہ ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں تفسیر حسن سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کوئی شخص بھی اپنے اعمال کی بدولت جنت میں داخل نہیں ہوگا تو لوگوں نے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ آپ بھی؟ تو فرمایا۔ ہاں :۔ مگر یہ کہ خدا اپنی رحمت و فضل سے ڈھانپ لے، پھر آپ نے ہاتھ مبارک سر پر رکھا اور بلند آواز سے روئے۔

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ :۔ یہ خطاب اگرچہ حضورؐ کی طرف ہے لیکن مراد تمام امت ہے کہ تمہیں کوئی رنج و ضرر یا نفع و خوشی نہیں پہنچتی۔ مگر اللہ کی جانب سے اور اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم اپنے بندوں کو تمام احوال میں اپنی طرف رجوع کی دعوت دے رہا ہے کہ اگر رنج و دکھ کی حالت ہو تو چونکہ میرے سوا اس کا کوئی کاشف نہیں۔ لہذا مجھ سے ہی دعا مانگو اور اگر تمہیں کوئی خوشی پہنچے تو میری ہی ذات کا شکریہ ادا کرو۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ :۔ فرماتا ہے کہ تمام بندوں پر غالب و قاہر صرف میں ہی ہوں اور تمام مخلوق کی ہر حالت و کیفیت سے ہر وقت مطلع میں ہی ہوں اور میرا ہر فیصلہ اور ہر کام حکمت کے ہی ماتحت ہوا کرتا ہے۔

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ ص ۱۹۷ :۔ مروی ہے کہ اہل مکہ خدمت اقدس نبوی میں آئے اور عرض گذار ہوئے کہ کیا خدا

فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ

اپنے تمام بندوں پر اور وہ حکیم و خبیر ہے کہہ دیجئے کون سی چیز بڑی ہے گواہی میں ؟ کہہ دو

اللّٰهُ ۟ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۟ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ

اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان اور وحی ہوا مجھے یہ قرآن کہ تمہیں ڈراؤں اس کے ذریعے

وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ

اور جس تک پہنچے کیا تم گواہی دیتے ہو کہ تحقیق اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہیں اور کہہ دو میں تو یہ نہیں

اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

کہتا کہہ دیجئے صرف وہ ایک ہی معبود ہے اور میں بیزار ہوں اس سے جو تم شریک کرتے ہو

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

وہ جن کو ہم نے دی کتاب پہچانتے ہیں اسے جس طرح پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو وہ جنہوں نے خسارہ دیا

کو آپ کے علاوہ کوئی اور نبوت کے عہدہ کے لئے نہیں ملتا تھا ؟ اور ہمارے خیال میں تو کوئی بھی تمہاری نبوت کو نہ ملنے گا ۔ کیوں کہ ہم نے یہودیوں اور نصرانیوں سے دریافت کیا ہے ؟ وہ کہتے ہیں ہماری کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں لہٰذا آپ ہمیں اپنی نبوت کا کوئی گواہ دکھائیں تو یہ آیت اتری ۔

وَاُوْحِيَ اِلَيَّ :۔ یعنی میری طرف نبوت کی شہادت کے لئے یہ قرآن اترا ہے اور اللہ نے اُتارا ہے پس وہ خود گواہ ہے اور اس کا یہ قرآن گواہ ہے اور اس سے بڑی شہادت اور کوئی ہو نہیں سکتی ۔

وَمَنْۢ بَلَغَ :۔ اس کی ترکیبیں دو طرح کی گئی ہیں (۱) جو عام مفسرین نے کی ہے کہ اس کا عطف اُنْذِرَكُمْ کے مفعول پر ہے اور معنی یہ ہوگا کہ اس قرآن کے ذریعہ میں تمہیں عذاب خدا سے ڈراؤں گا اور ہر اُس شخص کو ڈراؤں گا جس تک یہ قرآن پہنچے ۔ یعنی میں قیامت تک کے لئے نذیر ہوں (۲) جو ائمہ اہلبیتؑ سے منقول ہے کہ اس کا عطف اُنْذِرُ کے فاعل پر ہے اور معنی یہ ہوگا کہ میں تمہیں انذار کروں گا اور میرے بعد وہ انذار کرے گا جس تک قرآن پہنچے اور وہ صرف آل محمدؑ ہیں جو رسالتمآبؐ کے بعد قیامت تک کیلئے امّتِ اسلامیہ کیلئے نذیر ہیں اور تفسیر برہان میں کافی وعیاشی سے متعدد روایات اسی معنی کی منقول ہیں کہ من بلغ سے مراد آل محمدؑ ہیں ۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ :۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ ہجرت کر کے مدینہ

أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

اپنے آپ کو تو وہ ایمان نہیں لاتے اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا

أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا

یا جھٹلائے اس کی آیات کو تحقیق نہ چھٹکارا پائیں گے ظالم اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ان سب کو

ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾

پھر کہیں گے ان کو جو شرک کرتے تھے کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے متعلق تمہارا گمان تھا؟

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾

پھر نہ ہوگا ان کا عذر مگر یہ کہ کہیں گے ہمیں اللہ پروردگار کی قسم ہم مشرک نہ تھے

انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾

دیکھو کیسے جھٹلایا اپنے نفسوں کو اور گم ہو گئے ان سے وہ جس کا افترا کرتے تھے

میں تشریف فرما ہوئے تو ایک روز حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن سلام سے دریافت کیا کہ خداوند کریم اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ اہل کتاب حضرت رسولِ پاک کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں یہ کیسے ہے؟ تو عبداللہ بن سلام نے جواب دیا کہ ہم رسالتمآب کو اس وصف کے ساتھ پہچانتے ہیں جو خداوند کریم نے فرمائی ہے جس طرح کہ کوئی شخص چند لڑکوں کے درمیان اپنے بیٹے کو پہچان لیا کرتا ہے اور خدا کی قسم ہم محمد مصطفےٰؐ کو اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ پہچانتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا یہ کیسے؟ تو اس نے جواب دیا کہ حضورؐ کو تو ہم نے خدا کی بیان کردہ صفات سے صحیح پہچان لیا جو ہماری کتب میں مذکور ہیں۔ پس ہم شہادت دیتے ہیں کہ واقعی وہ وہی ہیں لیکن اپنے بیٹے کے متعلق شک ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اس کی ماں نے خیانت کی ہو۔

رکوع نمبر ۹

وَاللَّهِ رَبِّنَا۔ تفسیر برہان میں صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ وہ قسم اٹھا کر کہیں گے کہ ہم ولاءِ علیؑ میں شرک نہیں کرتے تھے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے قرآن میں شک ہے آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ تو عرض کی کہ ایک جگہ ارشادِ قدرت ہے کہ اس دن رُوح و فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کوئی نہ بول سکے گا مگر وہ جس کو رحمٰن کی اجازت

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ

اور ان میں سے بعض سنتے ہیں تیری اور کر دیئے ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کہ سمجھیں اسے

وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا

اور اگر ان کے کانوں پر پردے اور اگر دیکھیں تمام نشانیاں تب بھی نہ ایمان لائیں ان پر یہاں تک کہ

جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

آئیں آپ سے جھگڑنے کے لئے کہتے ہیں وہ جو کافر ہیں نہیں یہ مگر کہانیاں گذرے

ہوگی اور درست بولے گا اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ جھوٹ بولیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو مشرک نہ تھے۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے کہ بعض بعض کا کفر کریں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ حکم ہوگا کہ میرے پاس جھگڑا مت کرو پھر ایک مقام پر فرماتا ہے۔ ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور پاؤں گواہی دیں گے۔ پس سمجھ میں نہیں آتا کہیں ارشاد ہے کہ بولیں گے کہیں فرماتا ہے نہ بولیں گے کسی جگہ فرماتا ہے ہر کوئی سچ بولے گا اور دوسری جگہ ہے وہ جھوٹ بولیں گے پس آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ وہ پچاس ہزار سال کا دن ہوگا اور اس میں کئی موقف ہوں گے۔ ایک موقف پر مومن ایک دوسرے سے محبت کریں گے اور باہم خوشی سے ملیں گے اور گنہگار جنہوں نے دنیا میں ایک دوسرے کی ظلم و عدوان پر مدد کی تھی وہ ایک دوسرے پر لعنت ملامت کریں گے۔ اس کے بعد دوسرا موقف ہوگا جہاں نفسی نفسی کی پکار ہوگی اور بھائی بھائی سے ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے اور زن و مرد ایک دوسرے سے بے زار ہوں گے۔ جیسے ارشاد قدرت ہے۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ پھر تیسرا موقف ہوگا جہاں لوگوں پر گریہ طاری ہوگا اور خون روئیں گے۔ اگر اہل دنیا وہ آوازیں سنتے تو مدہوش ہو جاتے۔ پھر چوتھا موقف ہوگا جہاں لوگ سامنے کے عذاب کا مشاہدہ کر کے اپنے گناہوں کا انکار کر دیں گے۔ پھر زبانوں پر مہر لگ جائے گی اور ہاتھ پاؤں اور چمڑے ان کے کرتوتوں کے گواہ ہوں گے۔ پھر جب زبانوں سے مہر اٹھے گی تو پوچھیں گے اپنے اعضاء سے کہ تم نے کیوں گواہی دی تو جواب دیں گے کہ ہم کو اللہ نے بولنے کی طاقت دی اور ہم نے سچ سچ کہا۔ پھر پانچواں موقف آئے گا۔ جہاں سوائے اذن پروردگار کے اور کوئی نہ بول سکے گا۔ پھر چھٹا موقف آئے گا۔ جہاں لوگ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے اور اپنے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے اور ان کا فیصلہ ہوگا اور حساب کا موقف ہوگا اور حساب کے بعد

الْأَوَّلِينَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ

لوگوں کی اور وہ روکتے ہیں اس سے اور دُور ہوتے ہیں اُس سے اور نہیں

يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۶﴾

برباد کرتے مگر اپنے نفسوں کو حالانکہ وہ نہیں سمجھتے

ہر ایک اپنے ٹھکانے لگ جائے گا اور ایک حدیث طویل میں آپ نے فرمایا کہ تہتّر فرقوں میں سے ناجی فرقہ صرف وہی ہے جو ہمارے ساتھ محبت کرے گا اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کرے گا۔ ہم قرآن کے ساتھ اور قرآن ہمارے ساتھ ہے اور ایک دوسرے سے قیامت تک جُدا نہ ہوں گے اور باقی بہتر فرقے ابلیس اور اس کے ساتھیوں کے پیرو ہیں۔ اور وہ بروزِ محشر کہنے والے ہوں گے کہ قسم ہے پروردگار کی ہم تو مشرک نہ تھے۔

وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ص۱۹۹:- اس کی تفسیر تفسیر کی دوسری جلد میں وضاحت سے بیان کی جاچکی ہے اور جبر و اختیار کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

أَكِنَّةً ص۱۹۹:- کنان کی جمع ہے اس کا معنی ہوتا ہے پردہ یا غلاف۔

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ص۱۹۹:- اساطیر جمع ہے اس کی واحد اسطورہ اور اسطارہ آتی ہے۔ اس کا معنی ہے۔ ایک لمبی کہانی، اور سطر کو سطر بھی اسی لئے کہا جاتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ قریش کے چند سرداروں نے حضرت رسالتمآبؐ سے قرآن کی آیتیں سُنیں تو اُنہوں نے ایک یہودی سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ گذشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ پس خدا ان کی مذمت کر رہا ہے۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ:- اس آیتِ مجیدہ کے تین معانی بیان کئے گئے ہیں (۱) وہ لوگوں کو جناب رسالتمآبؐ کی اتباع سے روکتے ہیں اور خود بھی ان سے دُور رہتے ہیں (۲) لوگوں کو قرآن کے سننے سے روکتے ہیں اور خود بھی دُور بھاگتے ہیں (۳) لوگوں کو جناب رسالتمآبؐ کی ایذا رسانی سے روکتے ہیں لیکن خود ان پر ایمان نہیں لاتے بلکہ دور رہتے ہیں۔ یہ تیسرے قول والے اس آیت کا مصداق حضرت ابوطالبؑ کو قرار دیتے ہیں۔

ایمان حضرت ابوطالبؑ

جن لوگوں نے تیسرا قول اختیار کیا ہے وہ صرف تعصب ہی کی بنا پر ہے ورنہ حضرت ابوطالبؑ کی جانثاری اور فداکاری کا عالم یہ تھا کہ کبھی اپنی زندگی بھر حضرت رسالتمآبؐ سے دور نہ ہوئے بلکہ پروانہ وار شمع رسالتمآبؐ کے شیدائی رہے۔ حالانکہ آیتِ مجیدہ ان کفارِ مکہ کی مذمت کر رہی ہے جو لوگوں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی دُور بھاگتے ہیں اور حضرت ابوطالبؑ کا عمل

یقیناً اس کے برعکس تھا کیونکہ وہ لوگوں کو بھی ان کی اتباع کی ترغیب دیتے تھے اور خود بھی اطاعت گذار تھے چونکہ حضرت ابوطالب ابوالائمہ کے ایمان کی بات چھڑ گئی تو ضروری ہے کہ اس کے متعلق قدرے وضاحت کی جائے ممکن ہے کوئی منصف طبع انسان ہدایت پالے۔

حضرت ابوطالبؑ کا عمل :- (۱) جب یہ آیت مجیدہ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ اتری تو حضورؐ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ پس لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ پہاڑ کے دامن سے کوئی لشکر آرہا ہے تو مان لوگے؟ کہنے لگے جی ہاں! کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹا نہیں پایا۔ پس آپ نے فرمایا قیامت کے عذاب سے ڈرو فوراً ابولہب نے بات ٹوک دی اور چند باتیں کہہ کر مجمع کو منتشر کر دیا پھر آپ نے دوبارہ دعوت دی اور خطبۂ توحید کے بعد اپنی رسالت کا اظہار فرمایا۔ پس حضرت ابوطالبؑ نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ ہم آپ کے مددگار اور نصیحت قبول کرنے والے اور آپ کی فرمائشات کی تصدیق کرنے والے ہیں یہ تمام آپ کا خاندان موجود ہے۔ جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔ لیکن ان سب میں سے میں آپ کی بات کو جلدی قبول کرنے والا ہوں۔ بے شک آپ کو جو حکم ہوا ہے اسے پورا کیجئے خدا کی قسم میں آپ کا جانثار ہوں گا اور آپ کی پوری حفاظت کروں گا۔ ہاں بے شک میرا نفس حضرت عبدالمطلب کے دین کو چھوڑنا قطعاً گوارا نہیں کرتا (جس طرح وہ خدا پرست اور موحد تھے ہم بھی خدا پرست اور موحد ہیں نہ ہم مشرک ہیں اور نہ مشرکوں کے ساتھی ہیں پس آپ جو کچھ فرماتے ہیں درست اور بجا ہے)

ابن اثیر نے کہا ہے کہ ابولہب یہ باتیں سن کر پسپا ہو گیا لیکن حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا بخدا جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم ان کی ضرور حفاظت کریں گے اور سیرت حلبیہ میں ہے کہ یہ دعوت حضرت ابوطالب ہی کے گھر میں منعقد ہوئی تھی)

(۲) نیز طبری نے ابن الاعرابی سے نقل کیا ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ نے کلام کا ارادہ کیا تو ابولہب نے ابتری پھیلا دی اور مجمع کو منتشر کر دیا۔ دوسرے روز بھی جب حضرت رسالتمآبؐ نے بولنا چاہا تو ابولہب نے شرارت کا ارادہ کیا لیکن حضرت ابوطالبؑ نے جھڑک کر فرمایا او یک چشم خاموش۔ تجھے ان سے کیا واسطہ؟ پھر مجمع سے خطاب کر کے فرمایا کہ خبردار! تم میں سے کوئی نہ اٹھے۔ چنانچہ مرعوب ہو کر سب بیٹھ گئے تو حضرت ابوطالب عرض کرنے لگے۔ اے میرے سردار! اٹھ کر ارشاد فرمائیے جو طبع چاہے اور اپنے پروردگار کی رسالت پہنچائیے کیوں کہ آپ صادق و مصدق ہیں۔

(۳) اسنی المطالب اور سیرت حلبیہ اور دیگر کتب سیر میں برزنجی سے منقول ہے کہ اس باب کی احادیث و روایات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ جناب رسالتمآبؐ کے سچے محب محافظ ناصر اور تبلیغ دین میں معاون نیز

ان کی فرمائشات کے تصدیق کنندہ تھے اور اپنی اولاد مثلاً حضرت جعفر طیار اور حضرت علیؑ کو حضورؐ کی اطاعت و نصرت کا حکم دیا کرتے تھے اور برزنجی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ روایات صاف بتلاتی ہیں کہ ان کا دل ایمان سے پُر تھا۔

(۴) بعض کتب معتبرہ میں ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ جناب رسالتمآبؐ کو دیکھتے تھے تو رو دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب میں ان کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنا بھائی یاد آجاتا ہے اور حضرت عبداللہ ان کے مادری و پدری بھائی تھے اور وہ ان سے بہت محبت کیا کرتے تھے اسی طرح حضرت عبدالمطلب بھی ان سے بہت محبت کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ کا یہ دستور تھا کہ رات کو جناب رسالتمآبؐ کے بستر پر حضرت علیؑ کو لٹا دیا کرتے تھے تاکہ مبادا دشمن جناب رسالتمآبؐ کی خواب گاہ پر اطلاع پاکر ان کو قتل کردیں۔ ایک رات حضرت علیؑ نے دریافت کیا اے ابا جان! کیا آپ مجھے یہاں قتل ہونے کے لئے سُلاتے ہیں؟ تو حضرت ابوطالبؑ نے فرمایا۔

اِصْبِرْ یَا بُنَیَّ فَالصَّبْرُ اَحْجٰی
کُلُّ حَیٍّ مَصِیْرُہٗ لِشُعُوْبٖ
قَدْ بَذَلْنَاكَ وَالْبَلَاءُ شَدِیْدٌ
لِفِدَاءِ الْحَبِیْبِ وَابْنِ الْحَبِیْبِ

بیٹا صبر کرو کہ صبر دانشمندی ہے کیونکہ ہر زندہ کا انجام موت ہے گو آزمائش سخت ہے لیکن ہم تجھے اپنے دوست اور دوست کے فرزند کا فدیہ بناچکے ہیں۔

پس حضرت علیؑ نے اپنے باپ کا نظریہ معلوم کرکے اشعار میں ہی جواب دیا۔

اَتَامُرُنِیْ بِالصَّبْرِ فِیْ نَصْرِ اَحْمَدٍ
وَوَاللّٰہِ مَا قُلْتُ الَّذِیْ قُلْتُ جَازِعًا
وَلٰکِنَّنِیْ اَحْبَبْتُ اَنْ تَرَیٰ نُصْرَتِیْ
وَتَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَزَلْ لَكَ طَائِعًا
سَاَسْعٰی لِوَجْہِ اللّٰہِ فِیْ نَصْرِ اَحْمَدٍ
نَبِیِّ الْھُدٰی الْمَحْمُوْدِ طِفْلًا وَّیَافِعًا

کیا آپ مجھے حضرت احمدؐ کی نصرت کیلئے صبر کی تلقین فرماتے ہیں۔ حالانکہ خدا کی قسم میں نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ جزع و فزع کی بنا پر نہ تھا لیکن میں تو چاہتا ہوں کہ آپ میری نصرت و یاوری کے کارنامے ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ میں ہر دم کس طرح آپ کا اطاعت گذار ہوں۔ ضرور رضائے خدا کیلئے حضرت احمدؐ کی نصرت میں کوشش کروں گا جو پیغمبر ہدایت ہیں اور قابل حمد ہیں۔ بچپنے اور جوانی میں۔

(۵) تفسیر قرطبی میں ہے ایک دن حضرت رسالتمآبؐ کعبہ میں نماز پڑھنے کیلئے گئے جب نماز شروع کی تو ابوجہل نے کہا۔ کوئی ہے جو اس کی نماز کو توڑ دے پس ایک شخص ابن زبعری اٹھا اور ایک جانور کی اوجھڑی اور خون آپ پر گرا دیا جس سے آپ کا چہرۂ انور اور جسم اقدس ملوث ہوگیا۔ پس نماز کو ختم کرکے اپنے چچا بزرگوار حضرت ابوطالب کے پاس فریاد لے کر پہنچے اور فرمایا کہ عبداللہ بن زبعری نے میرا یہ حال کیا ہے تو حضرت ابوطالب تلوار علم کرکے حضورؐ کے ہمراہ روانہ ہوئے جب مشرکین نے ابوطالبؑ کو آتے دیکھا تو اٹھ کر جانے کا ارادہ کیا لیکن حضرت ابوطالبؑ نے جھڑک کر کہا۔ خبردار جو اٹھا اس کا سر قلم کردوں گا۔ چنانچہ سب بیٹھ گئے۔ پھر کہنے لگے بیٹا بتاؤ تمہارے ساتھ کس نے یہ سلوک کیا ہے تو آپ نے عبداللہ بن زبعری

کا پھر نام لیا۔ پھر حضرت ابوطالبؑ نے وہی اوجھڑی اور خون ان کے منہ ڈاڑھی اور کپڑوں پر مل دیئے اور انہیں سخت الفاظ میں ڈانٹا۔

(۶) ایک دفعہ کفار مکہ مل کر حضرت ابوطالبؑ کے پاس آئے اور کہا کہ تیرا بھتیجا ہمارے خداؤں کو سخت و سست الفاظ کہتا ہے آپ اسے روکیں تو جب حضرت ابوطالبؑ نے آپ کی خدمت میں قریش مکہ کا پیغام پہنچایا۔ حضورؐ نے جواب دیا اے عم بزرگوار اگر یہ لوگ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو بائیں ہاتھ پر رکھیں تاکہ میں یہ کام چھوڑ دوں۔ خدا کی قسم میں ایسا نہ کروں گا اور یہ بات کہتے ہوئے حضرت کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو گئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو حضرت ابوطالبؑ نے عرض کی۔ اے فرزند برادر! آپ کا جو جی چاہے کریں میں بخدا آپ کو کسی قیمت پر اکیلا نہ چھوڑوں گا۔

شاید سورج و چاند سے مراد دنیا بھر کا سونا و چاندی ہو کیونکہ انہوں نے چندہ جمع کر کے آپ کو زر کثیر کا لالچ بھی دیا تھا اور ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ اگر مجھے چودہ طبق کی حکومت بھی مل جائے۔ تب بھی اس تبلیغ کو نہ چھوڑوں گا کیوں کہ انہوں نے سلطنت کا لالچ بھی دیا تھا۔

(۷) جب قریش نے دیکھا کہ حضرت ابوطالبؑ جناب رسالتمابؐ کی نصرت سے باز نہیں آتے تو انہوں نے قریش میں سے ایک حسین و جمیل لڑکا عمارہ بن ولید ساتھ لیا اور حضرت ابوطالبؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ یہ قریش کا خوبصورت ترین لڑکا لے لو اور اس کے بدلہ میں اپنا بھتیجا ہمارے حوالے کر دو کہ وہ ہمارے اور ہمارے باپ دادا کے دین کا دشمن ہے اور قومی اتحاد کا مخالف ہے نیز وہ ہم سب کو بے وقوف کہتا ہے پس ہم اس کو قتل کر دیں گے تو حضرت ابوطالبؑ نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ تم لوگ نہایت برا سودا کرنے آئے ہو کیا میں تمہارا لڑکا پالنے کے لئے لے لوں اور تمہیں اپنا لڑکا قتل کے لئے دے دوں؟

(۸) قریش نے ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں عہد کیا کہ بنی ہاشم سے پورا بائیکاٹ کیا جائے جب تک کہ جناب رسالتمابؐ کو ہمارے حوالے نہ کریں۔ چنانچہ عہد نامہ لکھا گیا اور تمام اکابر قریش نے اوپر دستخط کئے اور دیوار کعبہ سے اسے لٹکا دیا یہ ماہ محرم بعثت کے ساتویں سال کا واقعہ ہے پس ابولہب کے علاوہ تمام بنی ہاشم حضرت ابوطالبؑ کے ہمراہ شعب میں آ گئے اور دو یا تین برس وہاں درختوں کے پتے کھا کر گذارے۔ اس دوران میں حضرت ابوطالبؑ کا یہ دستور رہا کہ رات کو جب لوگ سو جاتے تو کسی فرزند یا عزیز کو حضورؐ کے بستر پر سلا دیتے تھے تاکہ حضورؐ کو شب خون کر کے اگر کفار مکہ قتل کرنے کے لئے آئیں تو میرا بیٹا قتل ہو جائے لیکن حضورؐ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

ادھر خداوند کریم نے بذریعہ جبریلؑ حضورؐ کو خبر دی کہ ان کے عہد نامہ کو دیمک کھا گئی ہے۔ سوائے اسم خدا کے کہ وہ باقی ہے۔ حضورؐ نے اپنے چچا بزرگوار کو خبر دی۔ حضرت ابوطالبؑ نے دریافت کیا کہ کیا پروردگار نے یہ خبر بھیجی ہے تو آپ نے فرمایا ہاں! تو حضرت ابوطالبؑ چند ہاشمی افراد کو ساتھ لے کر مسجد میں تشریف لائے

کفار قریش یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ شاید تکلیف سے گھبرا کر ہم سے معافی مانگنے آئے ہیں اور حضرت محمد مصطفٰےؐ کو ہمارے حوالے کرنے پر رضا مند ہو گئے ہیں پس حضرت ابو طالبؑ نے عہد نامہ منگوایا اور فرمایا میں ایسی بات کہتا ہوں جو ہمارے اور تمہارے ہر دو فریق کے لئے قابلِ قبول ہو اور وہ یہ کہ مجھے اپنے برادر زادہ نے خبر دی ہے کہ خدا نے تمہارے عہد نامہ پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے اور سوائے اللہ کے نام کے باقی تمام تحریر کو وہ کھا گئی ہے۔ پس تم عہد نامہ کو کھولو۔ اگر ان کا کہنا درست ہے تو تم مان جاؤ اور اگر غلط ہے تو ہم اس کو تمہارے حوالے کر دیں گے۔ کفار قریش نے کہا یہ بات بالکل درست ہے۔ پس جب عہد نامہ کھولا گیا تو بات وہی نکلی جو آپ نے فرمائی تھی۔ کہنے لگے یہ تو صاف جادو ہے۔

اشعار ابو طالبؑ

حضرت ابو طالبؑ کے وہ اشعار جن سے ان کی پختگی ایمان کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) ایک قصیدہ میں آپ ارشاد فرماتے ہیں جو آپ نے غالباً نجاشی کی طرف بھیجا تھا۔

لیعلم خیار الناس ان محمدا - وزیر لموسی والمسیح بن مریم
اتانا بهدی مثل ما اتیا به - فکل بامر الله یهدی ویعصم

شریف لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت محمدؐ موسیٰؑ وعیسیٰؑ کا قائمقام ہے جس طرح وہ احکام ہدایت لائے تھے یہ بھی لایا ہے بس ہر ایک اللہ کے حکم سے ہدایت کرتا ہے۔

(۲) ایک قصیدہ میں ارشاد فرمایا۔

امین حبیب فی العباد مسوّم - بخاتم رب قاهر فی الخواتم
نبی اتاه الوحی من عند ربه - ومن قال لا یقرع بها سن نادم

امین ہے بندوں میں محبوب ہے اور اللہ غالب کی مہر سے اس کو نشان لگایا گیا ہے۔ نبی ہے اپنے پروردگار کی طرف سے اس کو وحی ہوتی ہے اور جو انکار کرے گا وہ پشیمان ہوگا۔

(۳) ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

الم تعلموا انا وجدنا محمدا - رسولا کموسی خط فی اول الکتب

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے حضرت محمد مصطفٰےؐ کو رسولؐ پایا جیسے حضرت موسیٰؑ رسول تھے۔

(۴) نیز ایک جگہ فرمایا۔

فاصدع بامرک ما علیک غضاضة
وابشر بذاک وقر منک عیونا
ولقد علمت بان دین محمد
من خیر ادیان البریة دینا

آپ بلا جھجک اپنی تبلیغ کو جاری رکھیں۔ آپ کو بشارت ہو اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ حضرت محمدؐ کا دین دنیا کے تمام دینوں سے بہتر دین ہے۔

(۵) سفر شام میں ایک بحیرا نامی راہب کی تصدیق کے بعد آپ نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں ارشاد فرمایا۔

ان ابن آمنة النبی محمدا	تحقیق آمنہ کا فرزند محمد مصطفےٰ جو نبی ہے وہ
عندی یفوق منازل الاولاد ،	میرے نزدیک اولاد سے بڑھ کر ہے۔

(۶) آپ کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو:۔

نَصَرتُ الرَّسُولَ رَسُولَ الْمَلِيك	میں نے اللہ کے رسولؐ کی بجلی کی طرح چمکنے
بِبِيضٍ تَلَأْلَأُ كَلَمعِ الْبُرُوق	والی تلواروں سے نصرت کی۔ میں اللہ کے رسولؐ کی
أذب واحمی رسول الاله	حفاظت و مدد کرتا ہوں۔ جس طرح کوئی مہربان دوست
حماية حام عليه شفيق	مدد کیا کرتا ہے۔

(۷) ایک جگہ فرماتے ہیں۔

فَأَيَّدَهُ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصرِهِ	تمام لوگوں کے رب نے اپنی نصرت سے اس
واظهر دينا حقه غير باطل	کی تائید کی اور دینِ حق کو فروغ دیا۔

(۸) حضرت حمزہ کے ایمان کی خبر سُن کر ان کو ثابت قدمی کی تلقین فرماتے ہیں۔

فقد سرنی اذ قلت انك مومن	جب تُو نے کہا میں مومن ہوں تو مجھے خوشی ہوئی۔
فكن لرسول الله فی الله ناصرًا	پس خوشنودئ خدا کیلئے رسولؐ اللہ کے ناصر رہو۔

(۹) ایک اور مقام پر حضورؐ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

انت النبی محمد - قرد اغر مُسَوَّد	تو نبی محمدؐ ہے اور روشن چہرے والا سیّد و سردار ہے۔

اس کے علاوہ حضرت ابوطالبؑ کے اور بہت سے اشعار ہیں جو ان کے ایمان کے ببانگِ دہل ترجمان ہیں۔ حضرت ابوطالبؑ کے اشعار سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ موحد خدا پرست تھے اور گذشتہ انبیاء کی نبوت اور ان پر نازل شدہ کتب پر وہ ایمان رکھتے تھے۔ اور صرف دل ہی دل میں ان کا ایمان نہیں تھا بلکہ ان کے اشعار صاف بتلاتے ہیں کہ وُہ اعلانیہ مومن تھے اور دوسروں کو ایمان کی تلقین فرماتے تھے۔

جب حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ہوا تو وحی کا نزول ہُوا کہ قوم آپ کی ایذا کے درپے ہے اور اب آپ کا ناصر کوئی نہیں رہا۔ یہاں سے ہجرت کر جایئے اور اربابِ سیر و تواریخ اس امر پر متفق ہیں کہ شیخ الابطح حضرت ابوطالبؑ کی وفات کے بعد حضورؐ کو ہجرت کا حکم دیا گیا۔

حضرت ابوطالبؑ کی تصریحات

ابراہیم بن علی دینوری حنبلی نے اپنی کتاب غایۃ السئول میں ذکر کیا ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ جناب رسالتمآبؐ نے اظہارِ نبوت کے لئے پہلے پہل حضرت عباس کو ذکر کیا تو حضرت عباس نے مشورہ دیا کہ قریش حسد کریں گے اور سخت مصائب کا

سامنا ہوگا لہٰذا حضرت ابوطالبؑ سے کہنا چاہیئے کیونکہ وہ آپ کے چچوں میں سے بزرگ ہیں چنانچہ دونوں چل کر خدمت ابوطالبؑ میں حاضر ہوئے اور اپنا مقصد پیش کیا تو حضرت ابوطالبؑ نے جواب دیا کہ آپ بڑی خوشی سے اپنا کام انجام دیں تمام عرب ایک دن آپ کے قدموں میں جُھک جائیں گے۔ میرے والد بزرگوار کتابیں پڑھا کرتے تھے اور انہوں نے فرمایا تھا کہ میری صلب سے ایک نبی مبعوث ہوگا، کاش کہ میں وہ زمانہ پاتا اور اس پر ایمان لاتا۔ پس میری اولاد میں سے جس کو وُہ زمانہ نصیب ہو اس پر ضروری ہے کہ ان پر ایمان لائیں۔

(۲) ابن حجر نے اصابہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ سے منقول ہے میں نے اپنے برادر زادہ محمدؐ بن عبداللہ سے سُنا ہے کہ خُدا نے مجھے مبعوث کیا ہے۔ صلہ رحمی اور خدائے واحد کی پرستش کے لئے اور واقعی محمدؐ بہت سچا اور امین ہے

(۳) حضرت فاطمہ بنت اسد روایت کرتی ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کا جب انتقال ہوا تو ان کی وصیت کے مطابق نبی علیہ السلام کی تربیت حضرت ابوطالبؑ کے ذمہ تھی اور میں بھی ان کی خدمت کیا کرتی تھی اور ہمارے گھر کے باغیچہ میں کھجوروں کے درخت تھے اور ان کے پکنے کا موسم تھا میں ہر روز تازہ کھجور حضورؐ کے لئے ایک پیالہ میں جمع کرکے رکھتی تھی اور میری کنیز بھی ایسا ہی کرتی تھی۔ ایک دن ہم دونوں بھُول گئیں اور نبی علیہ السلام محوِ خواب تھے۔ بچے باغ میں داخل ہوئے اور انہوں نے پُختہ گرے ہوئے کھجوروں کے دانے چُن لئے اور چلے گئے۔ میں شرم وحیا سے بستر پر لیٹ رہی اور اپنے منہ پر آستین ڈال دی۔ حضرت محمدؐ بیدار ہوکر سیدھے باغ میں گئے تو دیکھا زمین پر کوئی کھجور کا دانہ نہیں۔ پس ایک درختِ خرما کو فرمایا۔ اے درختِ خرما میں بھوکا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ کھجور نے اپنے تازہ خوشے حضورؐ کے آگے بڑھا دیئے اور آپ نے جی بھر کر کھایا پھر وہ اپنے مقام پر بلند ہوگئے میں نہایت متعجب ہوئی۔ جب باہر سے حضرت ابوطالبؑ نے دقّ الباب کیا تو میں پابرہنہ دوڑی اور دروازہ کھول کر ماجرا بیان کیا۔ پس ابوطالبؑ نے جواب دیا کہ اس میں شک نہیں کہ یہ نبی ہیں اور تجھے زمانہ یاس کے بعد خدا اس کا وزیر عطا فرمائے گا (راوندی)

(۴) حضرت ابوطالبؑ سے مروی ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے بیان فرمایا۔ میں نے ایک دفعہ ایک خواب دیکھا جس سے بہت گھبرایا۔ پس ایک کاہنہ قریش کے پاس گیا۔ جب کہ پشمینہ اوڑھے تھا اور سر کے بال کاندھوں پر لٹک رہے تھے اور میں سردار قوم تھا۔ میرے تغیّر و پریشانی کو بھانپ کر اس نے وجہ پُوچھی تو میں نے خواب بیان کیا وہ یہ کہ میں نے اپنی پُشت پر ایک درخت اُگا ہُوا دیکھا جو آسمان تک پہنچا ہے اور اس کی شاخیں مغرب ومشرق تک پھیلی ہوئی ہیں اور ایک نور دیکھا ہے جو سُورج کے نور سے ستر گنا زیادہ ہے اور عرب وعجم اس کے سامنے سجدہ کناں ہیں اور دن بدن اس کی نورانیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ قریش اس درخت کو کاٹنا چاہتے ہیں لیکن ایک خوبرو نوجوان ان کی کمر توڑ دیتا ہے اور آنکھیں نکال لیتا ہے۔ میں نے ایک شاخ کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو اس جوان نے مجھے روک دیا کہ تیرا اس میں حصّہ نہیں ہے پس میں گھبرا گیا اور خواب سے بیدار ہو گیا۔ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ اس کاہنہ کا رنگ فق ہو گیا اور پھر کہنے لگی اگر یہ بات درست ہے

تو تیری صلب سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو مشرق و مغرب کا مالک بنے گا اور عہدۂ نبوت پر فائز ہوگا۔ پس یہ سُن کر میرا غم دُور ہُوا۔ جب جناب رسالتمآبؐ نے دعوائے نبوت فرمایا تو حضرت ابوطالبؑ یہ حدیث بھی بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بخدا وہ حضرت ابوالقاسم امین ہیں (امالی صدوق)

نصائح و وصایائے ابوطالبؑ

(۱) شرح ابن ابی الحدید میں ہے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔ مجھے اپنے باپ نے وصیت فرمائی تھی کہ بیٹا اپنے ابن عم یعنی حضرت محمد کا ساتھ نہ چھوڑنا پس اسی میں ہر آنے والی بلا سے سلامتی ہے پھر فرمایا۔

ان الوثیقة فی لزوم محمد۔ فاشدد بصحبته علی یدیکا تحقیق دانشمندی حضرت محمدؐ کی غلامی میں ہے۔ اے علیؑ اس کی صحبت کو مضبوط ہاتھوں سے تھامے رہنا۔

(۲) ابن اثیر سے منقول ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے جعفر و علیؑ کو نماز پڑھتے دیکھا تو جعفر کو فرمایا۔ بیٹا اپنے چچا زاد کے بازو بن کر رہو۔

(۳) مواہب لدنیہ۔ تاریخ خمیس۔ سیرت حلبیہ اور اسنی المطالب وغیرہ میں کلبی سے منقول ہے۔ حضرت ابوطالبؑ نے بوقتِ وفات تمام اکابر قریش کو جمع کرکے ان کو وصیتیں فرمائیں اور یہ کہا میں تمہیں حضرت محمدؐ کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ صدیق و امین ہے۔ اس سے بھلائی کرنا۔ وہ جو کچھ لائے ہیں میرا اس پر قلبی ایمان ہے۔ اگرچہ مصلحت وقت کے اعتبار سے زبانی اقرار نہ سہی۔ بے شک گردونواح کے عرب اس کی دعوت کو قبول کریں گے اور اس کی تعظیم کریں گے اور ان کی بدولت موت کی سختیوں میں گھُس کر تمام عرب پر چھا جائیں گے۔ اے گروہ قریش تم اس کا ساتھ دینا اور خدا کی قسم جو بھی اس کی راہ پر چلے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا۔ اور جو بھی اس کی ہدایت پر عمل کرے گا وہ نیک بخت ہوگا اگر میری زندگی لمبی ہوتی اور موت دُور ہوتی تو میں ہر قسم کے شور و غوغا کو اس سے دُور کرتا۔

(۴) طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے بوقتِ وفات حضرت عبدالمطلب کی تمام اولاد کو جمع کرکے فرمایا تم بھلائی سے رہو گے۔ جب تک حضرت محمدؐ کی بات مانو گے اور ان کی اطاعت کرو گے۔ پس ان کی اتباع کرو اور مدد کرو فلاح پاؤ گے۔ ایک روایت میں ہے کہ محمدؐ کی تصدیق و اطاعت کرو تو ہدایت و فلاح پاؤ گے۔

(۵) جب قریش نے دیکھا کہ اسلام روز افزوں ترقی پر ہے اور حضورؐ کے حلقۂ اطاعت میں لوگ فوج فوج ہو کر داخل ہو رہے ہیں تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ جادوگر ہے اور جب ابوطالبؑ مر جائیں گے تو ہم اس کو قتل کر دیں گے۔ پس یہ سُن کر حضرت ابوطالب نے بنی ہاشم اور قریش میں سے اپنے حلیفوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ میرا برادر زادہ جو کچھ کہتا ہے اس سے قبل ہمارے آباء علماء ہمیں بتا چکے ہیں اور بلاشک محمدؐ نبی صادق اور امین ہے اور اس کی شان بلند اور اللہ کے نزدیک اس کی منزلت رفیع ہے اس کی دعوت کو قبول کرو اور اس کی نصرت پر کمربستہ

ہو جاؤ۔ اس میں زمانہ بھر تک تمہاری نیک نامی ہو گی

علمائے اعلام کی رائے

اب ان حقائق کے بعد صرف تعصب و عناد کا دلدادہ ہی حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کو چیلنج کر سکتا ہے اسی بنار پر تو علمائے احناف میں سے احمد بن حسین موصلی حنفی نے شرح شہاب الاخبار میں کہا ہے۔ اِنَّ بُغْضَ اَبِیْ طَالِبٍ کُفْرٌ۔ تحقیق ابوطالب سے بغض رکھنا کفر ہے اور مالکی علمار میں علی اجہوری اور تلمسانی نے کہا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کو ناپسندیدہ الفاظ سے یاد کرنا رسالتمآبؐ کو اذیت دینے کے برابر ہے اور رسالتمآبؐ کو اذیت دینے والا کافر ہے اور واجب القتل ہے اور ابوطاہر کا فتویٰ ہے۔ مَنْ اَبْغَضَ اَبَا طَالِبٍ فَهُوَ کَافِرٌ جو بھی حضرت ابوطالب سے بغض رکھے وہ کافر ہے

ابن اثیر نے جامع الاصول میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے چچوں میں سے صرف تین شخص ایمان لائے حضرت حمزہ۔ حضرت عباس اور حضرت ابوطالبؑ۔ بنا بر قول اہلبیت علیہم السلام

بروایت عکرمہ ابن عباس سے منقول ہے کہ مجھے اپنے باپ نے خبر دی۔ اَنَّ اَبَا طَالِب شَهِدَ عِنْدَ الْمَوْتِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یعنی حضرت ابوطالبؑ نے موت کے وقت کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا تھا۔ (ضیاء العالمین)

اقول: یہ روایت عوام کی تسلی کے لئے ذکر کی گئی ہے۔ ورنہ حضرت ابوطالبؑ کے اشعار و تقاریر نصائح و وصایا بلکہ ان کی زندگی کا ہر پہلو ایمان کا آئینہ دار تھا۔ جس کی رگ رگ میں جناب رسالتمآبؐ کی سچی محبت رچ چکی ہو اور اپنے تمام عزیزوں۔ دوستوں حتی کہ بچوں کو حضورؐ کی غلامی کی تلقین فرماتے ہوں اور اپنی سرمایۂ زندگی پیاری اولاد کو ان پر قربان کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہوں تو ان کے متعلق کوئی کافر ہی کفر کا شبہ کر سکتا ہے۔

آئمہ طاہرینؑ کے ارشادات

(۱) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بفرمانِ خُدا کوئی مسلمان عورت کافر کے نکاح میں باقی نہیں رہ سکتی اور حضرت فاطمہ بنتِ اسد جو عورتوں میں سے پہلے اظہار اسلام کرنے والی تھیں۔ ان کا حضرت ابوطالبؑ کے نکاح میں رہنا حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کی دلیل ہے۔ ورنہ جناب رسالتمآبؐ قطعاً برداشت نہ کرتے۔

(۲) امام محمد باقرؑ علیہ السلام سے جب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تمام مخلوق کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور حضرت ابوطالبؑ کا ایمان دوسرے پلڑے میں ہو تو حضرت ابوطالبؑ کا ایمان وزنی ہوگا۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس طرح اصحاب کہف دل سے مومن تھے اور ظاہر میں کفار سے ملے جلے

رہتے تھے۔ پس خُدا نے ان کو دوگنا اجر عطا فرمایا۔ اسی طرح ہمارے جدّ حضرت ابوطالبؑ کا رویّہ رہا اور ان کو خدا دوگنا اجر عطا فرمائے گا۔

(۴) حضرت امام رضا علیہ السلام نے ابان بن محمود سے فرمایا اگر تم ایمانِ ابوطالب کا اقرار نہ کروگے تو تمہاری بازگشت دوزخ میں ہوگی۔

(۵) حضرت امام حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس پروردگار کی جس نے حضرت محمدؐ مصطفےٰ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اگر میرا باپ پوری روئے زمین کے گنہگاروں کی شفاعت کرے تو خدا ان کی شفاعت کو قبول کرے گا۔ کیا وہ باپ بھی جہنم میں جاسکتا ہے جس کا فرزند قسیم الجنۃ والنار ہو اور پھر قسمیہ فرمانے لگے کہ سوائے محمدؐ و آلِ محمدؐ (جو معصوم ہیں) کے انوار کے حضرت ابوطالب کا نور بروزِ قیامت تمام خلائق کے انوار پر غالب ہوگا۔

(۶) نیز حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ میرے باپ ابوطالبؑ، میرے دادا عبدالمطلب اور ہاشم اور عبدمناف نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ بلکہ وہ دینِ ابراہیمؑ پر بیت اللہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے اور دینِ ابراہیمؑ سے تمسک رکھتے تھے۔

(۷) نیز آپ سے منقول ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کی اس وقت موت آئی جبکہ حضورؐ اس سے پوری طرح رضامند تھے

(۸) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابوطالبؑ علیہ السلام مومن و مسلم ہوکر دنیا سے گئے ہیں۔

(۹) امام جعفر صادق علیہ السلام نے یونس سے فرمایا کہ حضرت ابوطالب نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھی ہوں گے۔

(۱۰) امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کی انگوٹھی کے نگینہ کا نقش یہ تھا۔ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِابْنِ اَخِیْ مُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَبِابْنِیْ عَلِیٍّ لَهٗ وَصِیًّا۔ یعنی میں اللہ کی ربوبیت اپنے بھتیجے محمدؐ کی نبوت اور اپنے فرزند علیؑ کی ولایت پر ایمان رکھتا ہوں۔

(۱۱) امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے رسولؐ کو وحی کی تھی کہ میں دو قسم کے مددگاروں سے تیری تائید کروں گا۔ ایک پوشیدہ اور ایک ظاہر۔ پوشیدہ امداد کرنے والوں کا سردار حضرت ابوطالبؑ اور ظاہری نصرت والوں کا سردار حضرت علیؑ بن ابی طالب تھا اور حضرت ابوطالبؑ کی مثال مومن آلِ فرعون کی سی تھی۔

حضرت ابوطالبؑ کا جنازہ

تذکرہ سبط۔ شرح ابن ابی الحدید۔ سیرت حلبیہ اور اسنی المطالب وغیرہ میں ہے حضرت ابوطالبؑ کی وفات کی حضورؐ کو اطلاع پہنچی تو بہت روئے۔ اور حضرت علیؑ کو غسل وکفن و دفن پر مامور فرمایا اور دعائے مغفرت کی اور نمازِ جنازہ اس لئے نہیں پڑھی گئی کہ ابھی تک

نماز جنازہ کا حکم نہیں تھا اور مروی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ کا انتقال نصف شوال کو ہوا تھا اور اس کے ایک مہینہ پانچ دن بعد جناب خدیجہ کا بھی انتقال ہوگیا تو آپ غمزدہ ہوئے اور اس سال کا نام بھی عام الحزن رکھا گیا۔

جناب ابوطالبؑ کے لئے حضرت رسالتمآبؐ نے دعائے مغفرت و رحمت کی تو عباس نے دریافت کیا کہ حضورؐ کیا ابوطالبؑ کے لئے خیر کی اُمید ہے تو آپ نے فرمایا ہاں! اپنے پروردگار سے ابوطالبؑ کے لئے مجھے بالکل نیک جزا کی ہی توقع ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوطالبؑ کے جنازہ کو دیکھ کر لوگوں سے فرمایا کہ میں حضرت ابوطالبؑ کے حق میں ایسی شفاعت کروں گا کہ زمین و آسمان والے حیران ہوں گے۔

شریف نسابہ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا۔ اس وقت نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا پس حضرت رسالتمآبؐ۔ علیؑ۔ جعفر۔ حمزہ علیہم السلام نے تشییع جنازہ کی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔

نتیجہ ان حقائق کی روشنی میں ہر منصف مزاج انسان حضرت ابوطالبؑ کے متعلق اپنا صحیح نظریہ قائم کرسکتا ہے اور علمائے امامیہ کا بلکہ اہل بیتؑ اطہار کا اس امر پہ اتفاق ہے کہ حضرت ابوطالبؑ مومن بلکہ کامل الایمان تھے۔

ہاں بنی عباس نے سیاسی مفاد کی خاطر لوگوں میں حضرت ابوطالبؑ کے ایمان پہ نکتہ چینی کی اور سادات علویہ سے اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے وہ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ ہم لوگ رسولؐ کے مسلمان چچا حضرت عباس کی اولاد ہیں۔ اور علوی سادات رسولؐ کے کافر چچا ابوطالب کی اولاد ہیں۔ اور اس دھوکا سے لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیا کرتے تھے۔ اور اسلامی مذاہب کے آئمہ سب کے سب چونکہ اسی پُرفتن دور کی پیداوار تھے۔ لہٰذا وہ اپنے مفاد کی خاطر سلاطین کے نظریہ کو اپنانا بلکہ فروغ دینا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ پس یہی وجہ ہے کہ مسلمانانِ عالم نے حضرت ابوطالبؑ کی خدمات اور ان کی تصریحات کو پس پشت ڈال دیا اور ان کے کفر کا اعلان گلی گلی کرنا اپنا فرض سمجھ لیا۔ روح رسولؐ ناراض ہو تو بے شک ہو۔ ان کے متعصب نظریہ میں ذرا بھر بھی تبدیلی نہ ہوگی اور خصوصاً معاملہ خلافت میں حضرت علیؑ کو پیچھے ہٹانے والوں نے حضرت علیؑ کی تنقیص کا ایک یہ بہانہ بھی ڈھونڈ لیا۔ پس بغض و عناد کی بھڑاس اس طرح نکال لی کہ معاذاللہ حضرت ابوطالبؑ کافر تھے۔

دیکھئے۔ حضرت علیؑ اور امیر شام کی آپس میں خط و کتابت ہوتی تھی اور حضرت علیؑ نے بعض خطوط میں اس کو سخت و سست الفاظ میں خطاب فرمایا۔ لیکن امیر شام کو کبھی یہ جرأت نہیں ہوسکی کہ حضرت علیؑ کو اپنے باپ کے کفر کا طعنہ دے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دورِ اوّل میں حضرت ابوطالبؑ کا ایمان مسلّم تھا اور یہ شکوک صرف بنی عباس کی پیداوار ہیں اور اس کی اشاعت ان آئمہ کی سازش ہے جو اس زمانہ کے سلاطین کے وظیفہ خوار اور کاسہ لیس تھے ورنہ معاویہ ضرور حضرت علیؑ کو ان کے باپ کے کفر کا طعنہ دیتا اور عوام کے سامنے علیؑ پہ اپنی برتری کی اس امر کو دلیل

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ

اور اگر تو دیکھے ان کو جب ٹھہرایا گیا دوزخ پر تو کہیں گے ہائے افسوس ہمیں پلٹایا جاتا اور نہ جھٹلاتے ہم اپنے پروردگار

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

کی آیات کو اور ہوتے مومنوں میں سے بلکہ ظاہر ہوئی ان کی وہ بات جسے چھپاتے تھے

مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

پہلے اور اگر ان کو پلٹایا جائے تو پھر وہی کریں گے جس سے ان کو روکا گیا اور تحقیق وہ جھوٹے ہیں

قرار دیا۔

وصایتِ حضرت ابوطالبؑ

شیعہ کے نزدیک ان کا مومن کامل ہونا تو الگ بات ہے آثار و روایات سے تو ان کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا وصی ہونا ثابت ہے چنانچہ علامہ مجلسی جلد ۹ بحار الانوار میں تحریر فرماتے ہیں۔ شیعہ کا اجماع ہے کہ حضرت ابوطالبؑ مسلمان تھے اور انہوں نے ابتدائے دعوت میں اسلام کو قبول کر لیا تھا۔ نیز زندگی بھر کبھی بت پرستی نہیں کی تھی بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے اوصیاء میں سے تھے۔ ضیاء العالمین فتونی میں ہے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ حضرت رسالتمآب سے پہلے نبوت کا آخری وصی کون تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا والد بزرگوار۔

کافی میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا حضرت ابوطالبؑ رسول خدا پر حجت خدا تھے؟ تو امام نے جواب دیا کہ ایسا نہیں۔ بلکہ وہ انبیاء کے وصایا کے حامل تھے اور انہوں نے حضورؐ تک وہ پہنچا دیں اور فرمایا کہ حضرت ابوطالبؑ نے جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا اور اس کی تمام شریعت کا اقرار کیا اور وصیتیں پہنچائیں اور دنیا سے کوچ کر گئے۔

پس ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے آخری وصی تھے اور تبرکاتِ انبیاء انہی کے ذریعہ سے رسالتمآبؐ تک پہنچے اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ کے باقی آبائے طاہرین بھی یکے بعد دیگرے اوصیائے حضرت ابراہیمؑ تھے۔ واللہ اعلم۔ یہ پوری بحث الغدیر جلد ۷ سے اختصاراً اخذ کی گئی ہے حوالہ جات کتب الغدیر سے ملاحظہ فرمائیں۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ:- اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) ان کے (جہال کے) لئے بعض وہ حقائق ظاہر ہو جائیں گے جو ان سے علماء ... چھپایا کرتے تھے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى

اور کہتے ہیں نہیں ہے مگر صرف زندگی دنیاوی اور ہمیں اٹھایا نہ جائے گا اور اگر تو

اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ

دیکھے جب ان کو ٹھہرایا گیا پروردگار کے سامنے فرمائے گا کیا یہ بات حق نہیں ہے؟ تو کہیں گے بے شک پروردگار کی

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

قسم (حق ہے) فرمائے گا پس چکھو عذاب بوجہ اس کے کہ تم لوگ کفر کرتے تھے تحقیق خسارہ پایا جنہوں نے جھٹلایا ملاقات

بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي

خدا (قیامت) کو یہاں تک کہ جب آئی ان پر قیامت اچانک تو کہا ہائے افسوس اس پر جو کوتاہی کی ہم نے

(۲) ان کے وہ کرتوت ظاہر ہو جائیں گے۔ جن کو وہ چھپاتے تھے کہ ان کے اعضاء و جوارح ان کے خلاف گواہ ہوں گے
(۳) جو لوگ گمراہ اماموں کے پیچھے چلے جاتے تھے ان کے لئے حقیقت کھل جائے گی اس کی جو ان سے پوشیدہ تھی
(۴) ان کے لئے اس کفر کا وبال سامنے آجائے گا جو دل میں رکھتے تھے۔
(۵) موضح القرآن میں ہے کہ اس تدبیر سے ان کے منہ سے اقرار کروایا کہ ہم نے کفر کیا تھا حالانکہ پہلے منکر ہوئے تھے کہ ہم شریک نہ کرتے تھے۔

تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کوفہ کے باہر تشریف فرما تھے تو میں بھی ان کے پیچھے ہو گیا۔ آپ یہود کے قبرستان میں گئے اور وسط قبرستان میں کھڑے ہو کر آواز دی یا یہود۔ یا یہود۔ پس ہر طرف سے لبیک لبیک کی آوازیں اٹھیں تو آپ نے دریافت فرمایا کہ بتاؤ تمہارا عذاب کیسا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم جنہوں نے حضرت ہارون کی نافرمانی کی تھی اور تیرے نافرمان سب قیامت تک عذاب میں ہیں۔ پھر آپ نے ایک ہیبت ناک آواز دی ——— کہ میں بے ہوش ہو کر گر گیا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ حضرت امیرؑ سرخ یاقوت کے تخت پر جلوہ گر ہیں۔ سر پر موتیوں کا تاج ہے۔ سبز و زرد قسم کے حلے زیب تن ہیں اور چہرہ مثل چودھویں کے چاند کے ہے میں نے عرض کی حضورؑ یہ تو بڑی حکومت ہے؟ فرمایا ہاں میرا ملک سلیمان بن داؤد کے ملک سے بڑا ہے اس کے بعد ہم کوفہ میں داخل ہوئے میں نے دیکھا کہ حضرت چند قدم چلتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ نہیں خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ تو میں نے عرض کی حضور کس سے بات کرتے ہیں۔ حالانکہ نظر کوئی نہیں آتا۔ تو فرمایا اے جابر! میں نے وادیٔ برہوت کو دیکھا اور وہاں

مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ أَلَا سَاءَ

اس میں حالانکہ وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر آگاہ ہو بُرا ہے وہ بوجھ

مَا يَزِرُونَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ

جو اٹھائیں گے اور نہیں ہے زندگانی دنیا مگر کھیل تماشا اور البتہ دارِ آخرت

دو شخصوں کو عذاب میں گرفتار پایا۔ اب وہ مجھے دہائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں ایک دفعہ معاف کر دیجئے اور دنیا میں آنے کی اجازت دلوائیے تو ہم ہرگز آپ کی مخالفت نہ کریں گے اور آپ کی ولا کا اقرار کریں گے تو ان کو جواب دے رہا ہوں۔

رکوع نمبر ۱۰

قَدْ خَسِرَ :- ان آیتوں میں صیغے اگرچہ ماضی کے استعمال کئے گئے ہیں۔ لیکن مراد زمانہ مستقبل ہے۔ قیامت کے یقینی وقوع کے پیشِ نظر صیغہ ماضی استعمال کیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز اسقدر یقینی ہے۔ گویا کہ وہ واقع ہو چکی ہے۔

قَالُوا يَاحَسْرَتَنَا :- تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے آپ نے فرمایا جب اہل نار جنتیوں کے منازل کو دیکھیں گے تو یہ کلمہ کہیں گے۔

وَهُمْ يَحْمِلُونَ :- اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تفسیر مجمع البیان میں قتادہ سدی سے منقول ہے کہ مومن جب قبر سے نکلے گا تو ایک حسین وجمیل پاکیزہ خوشبودار صورت اس کے سامنے آئے گی۔ اور کہے گی کہ میں تیرا عملِ صالح ہوں۔ دنیا میں تجھ پر سوار رہا۔ اب تو مجھ پر سوار ہو جا اور اسی کے متعلق ارشاد خدا ہے۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ۔ وہ دن کہ ہم محشور کریں گے متقین کو کہ وہ سوار ہو کر بارگاہِ پروردگار میں پہنچیں گے۔ لیکن جب گنہگار قبر سے نکلے گا تو ایک قبیح خبیث اور بدبو صورت اس کے سامنے آئے گی اور کہے گی کہ میں تیرا بُرا عمل ہوں۔ دنیا میں تو مجھ پر سوار رہا۔ اب میں تجھ پر سوار رہوں گا۔

لَعِبٌ وَلَهْوٌ :- مقصد یہ ہے کہ دنیا ایک فانی چیز ہے اور آخر گذر جانے والی ہے جس طرح کہ کھیل تماشہ تھوڑے وقت کے بعد ختم ہو جاتا ہے گویا دنیا کی ناپائیداری کو لعب ولہو سے تشبیہ دی گئی ہے۔

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝٣٢ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ

بہتر ہے ان کے لئے جو ڈرتے ہیں کیا پس تم نہیں سمجھتے؟ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو غمزدہ کرتی ہیں

الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ

ان کی باتیں تحقیق وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ ظالم تو آیات

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝٣٣ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى

خدا کا انکار کرتے ہیں اور تحقیق جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا اوپر

مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ

جھٹلائے جانے کے اور ان کو اذیت دی گئی یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچی اور کوئی بدلنے والا نہیں اللہ کے فیصلے کو

جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝٣٤ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ

اور تحقیق آئی ہے تیرے پاس خبر رسولوں کی اور اگر شاق ہے تجھے ان کی روگردانی کرنا تو اگر

لَا يُكَذِّبُوْنَكَ :- اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں۔ لیکن اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ وہ دل سے آپ کو نہیں جھٹلاتے۔ بلکہ از روئے عناد آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل سے حضرت رسالتمآبؐ کی ملاقات ہوئی اور ابوجہل نے حضرت سے مصافحہ کیا۔ جب لوگوں نے ابوجہل پر اعتراض کیا تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ یہ سچا ہے لیکن ہم عبدمناف کی اولاد کے تابع کیوں بنیں؟ اور نیز یہ بھی مروی ہے کہ ابوجہل نے حضورؐ کو کہا تھا کہ ہم تیری تکذیب نہیں کرتے بلکہ ہم تو اس کی تکذیب کرتے ہیں جو تو لایا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ :- یہ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر بالفرض وہ آپ کو بھی جھٹلائیں تو یہ نئی بات نہیں۔ بلکہ آپ سے پہلے رسولوں کو بھی لوگ جھٹلاتے رہے اور وہ صبر کرتے رہے۔ آخر ہماری مدد ان کو پہنچی اور اللہ کا نصرت کا وعدہ ہے اور اسے کوئی تبدیل نہیں کرسکتا۔ پس ضرور نصرتِ خدا آئے گی اور حق کا بول بالا ہوگا۔

وَاِنْ كَانَ :- تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ حارث بن عامر بن نوفل بن عبدمناف کا اسلام لانا محبوب رکھتے تھے لیکن وہ آخر تک اسلام نہ لایا۔ تو حضورؐ کو بہت رنج پہنچا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر ان لوگوں کی روگردانی آپ کو اس قدر شاق گزرتی ہے تو پھر اگر آپ کے بس میں ہے تو زمین میں سرنگ لگاکر یا آسمان پہ سیڑھی نصب کرکے

فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ

کر سکو کہ ڈھونڈو سرنگ زمین میں یا لگاؤ کوئی سیڑھی آسمان پر پس لاؤ ان کے لئے کوئی

بِاٰيَةٍ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝٣٥

نشانی اور اگر اللہ چاہے تو ان کو جمع کر دے ہدایت پر پس تم نہ ہو جاہلوں میں سے

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ط وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ

صرف مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں اور جو مردے ہیں ان کو اٹھائے گا خدا پھر اس کی طرف پلٹائے

يُرْجَعُوْنَ ۝٣٦ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط قُلْ اِنَّ اللّٰهَ

جائیں گے اور انہوں نے کہا کہ کیوں نہ نازل ہوئی اس پر نشانی اپنے رب سے تو کہہ دو کہ تحقیق اللہ

کوئی نشان ان کے منوانے کے لئے لے آؤ۔ یعنی آپ براہ راست کچھ نہیں کر سکتے اگر میں چاہوں تو ان کو منوا سکتا ہوں۔ اور تمام کو ہدایت پر جمع کر سکتا ہوں۔ لیکن دین میں زبردستی نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ آیاتِ قرآنیہ اور دیگر معجزات کو نہیں مانتے اور پھر اور نشانیاں طلب کرتے ہیں تو یہ صرف ان کا عناد ہے۔ وہ ایمان نہ لانے کے بہانے بناتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ :۔ تفسیر برہان میں علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ یہ خطاب ظاہراً اگرچہ جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے لیکن مراد تمام لوگ ہیں۔

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ :۔ یعنی جو لوگ آیاتِ قرآنیہ اور آپ کے استدلالات کو سنتے ہیں۔ وہ تو مان جاتے ہیں لیکن جو سننا گوارا نہیں کرتے وہ کیسے مانیں گے؟ اور آیاتِ خداوندی کو نہ سننے والے اور دلیل و برہان کو نہ ماننے والے یعنی غور و فکر سے کام نہ لینے والے بمثل میت کے ہیں اور مردوں سے ایمان کی توقع بے سود ہے۔ پس ایسے مردہ انسانوں کو قیامت کے دن ہی اپنے عناد کا مزہ چکھایا جائے گا۔

وَقَالُوْا :۔ جب کفار قریش حضرت رسالتمآبؐ کی دلیلوں اور آیاتِ قرآنیہ کی محکم براہین کے جواب سے عاجز ہوئے تو کہنے لگے اگر نبی ہے تو گذشتہ انبیاء کی طرح نشانیاں کیوں نہیں لاتا۔ مثلاً عصا کو سانپ بنانا یا پتھر سے ناقہ کا پیدا کرنا تو خداوند کریم ان کے اس قول کی تردید فرماتا ہے کہ یہ سب بہانے ہیں بے شک اللہ قادر ہے کہ ان کی مطلوبہ نشانیاں ظاہر کر دے لیکن ان کے انکار کے بعد عذاب حتمی ہوا کرتا ہے اور ان لوگوں کو اس کی سمجھ نہیں۔

قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ

قادر ہے کہ نازل کرے کوئی نشانی ولیکن ان کے بہت سے نہیں جانتے اور کوئی زمین

دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا

پر چلنے والا ایسا نہیں اور نہ کوئی اپنے پروں پر اڑنے والا پرندہ ہے مگر یہ کہ وہ تم جیسے گروہ ہیں

فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ

نہیں چھوڑی ہم نے کتاب میں کوئی چیز پھر وہ طرف اپنے پروردگار کے جمع کئے جائیں گے اور جن لوگوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ

جھٹلایا ہماری آیات کو بہرے اور گونگے ہیں تاریکیوں میں جس کو چاہے اللہ اس کو گمراہی میں چھوڑ دے

يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ

اور جسے چاہے تو کرے اس کو اوپر راہ سیدھی کے کہہ دو کیا سمجھتے ہو؟ کہ اگر آئے تم پر عذاب

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ :۔ یعنی ہر جانور و پرندہ تمہاری طرح مخلوق خدا ہیں اور ان کی انواع و اجناس کا اختلاف ہے اور ان کے خلق ورزق کا انتظام واہتمام اور دیگر عجیب وغریب احوال واطوار سب خالق کائنات کی دلیلیں ہیں۔

اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ :۔ یعنی تمام چرند و پرند کو بھی محشور کیا جائے گا اور ان میں بعض کا بعض سے بدلہ لیا جائے گا اور حیوانات پر انسانی مظالم کی بازپرس بھی ہوگی۔ اور حساب وکتاب کے بعد ان کو مار دیا جائے گا اور جنّت ودوزخ کا انجام صرف انسانوں کے لئے ہی ہے۔

صُمٌّ وَّبُكْمٌ :۔ یعنی جو لوگ حق سے کنارہ کرتے ہیں اور آیاتِ الٰہیہ کو نہیں سنتے تو وہ ایسے ہیں جس طرح کہ بہرے ہوتے ہیں اور جو حق کو بیان نہ کریں وہ بمنزلہ گونگوں کے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ :۔ کفار مکہ کو توحید کی طرف دعوت دی گئی ہے جو ہر مقام پر لات ومنات وعزیٰ کو سامنے لاتے تھے کہ ان سے ذرا دریافت تو کیجئے کہ جب تم کو کسی تکلیف کا دریاؤں، جنگلوں، پہاڑوں اور وادیوں میں سامنا ہو جائے تو کیا اس وقت بھی اللہ کے علاوہ کسی اور کو مشکل کشائی کے لئے پکارا کرتے ہو اور اگر تم ان بتوں کو سچ مچ خدا مانتے ہو اور انہیں مشکل کشا سمجھتے ہو تو ایسے اڑے وقتوں میں بھی تو ان ہی کو بلا لیا کرو کہ وہ تمہاری

اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

اللہ کا یا آئے تم پر قیامت کیا سوائے اللہ کے کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو؟

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ

بلکہ صرف اسی کو پکارتے ہو پس وہی مشکل کشائی کرتا ہے جس کے لئے اس کو بلاتے ہو اگر وہ چاہے اور

مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ

بھول جاتے ہو ان کو جن کو شریک بناتے ہو اور ہم نے رسول بھیجے طرف امتوں کے آپ سے پہلے پس ان کو پکڑا ہم نے سختی

بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ

اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑ گڑائیں پس کیوں نہیں جب پہنچے

مشکلات کو حل کریں۔

ہاں! ہاں مصائب و مشکلات کے وقت تو یقیناً اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور اللہ ہی ان کی مصیبتوں کو دُور کرتا ہے اگر چاہے اور اس وقت یہ لوگ اپنے شرکاء کو فراموش کر دیا کرتے ہیں۔

بے شک ہر مشکل و مصیبت میں وہ اللہ ہی ہے جو فریاد سُنتا ہے اور مصائب کو دُور کرتا ہے کیوں کہ ہر نفع ونقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ مذہب شیعہ میں محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ و واسطہ سے بارگاہِ ربّ العزت میں دُعا مانگی جاتی ہے جو مستجاب ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ شرک نہیں ہے البتہ یہ اعتقاد رکھنا کہ سب کچھ محمدؐ و آل محمدؐ ہی کرتے ہیں اور خدا سے مانگنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ نفع و نقصان کے مالک صرف یہی ہیں اور خدا سب کچھ ان کے حوالے کر کے خود الگ ہو گیا ہے اس لحاظ سے ان کو پکارنا اور ان سے کچھ مانگنا یقیناً شرک و کفر ہے اور محمدؐ و آل محمدؐ ایسے لوگوں سے بیزار ہیں اور ایسے لوگوں کو شیعہ کہنا یا سمجھنا غلطی ہے۔ مذہب شیعہ میں محمدؐ و آل محمدؐ خدا کی برگزیدہ مخلوق ہیں اور ہر وقت اس کی طرف محتاج ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نہ ان کا محتاج ہے نہ کسی دوسرے کا۔ ہاں خدا کی ساری خدائی میں یہ افضل ہیں۔ اور اس کی طرف قرب حاصل کرنے کیلئے یہ وسیلہ ہیں۔ اس سے بڑھ کر ان کو خدائی صفات میں شریک ماننا کفر و شرک ہے۔ خداوندکریم تمام اہل ایمان کو ایسی لغزشوں سے محفوظ رکھے۔ شیعہ حضرات کو انہی آیات میں کفارِ قریش کے ساتھ خطاباتِ خداوندی کو سوچنا چاہیئے اور اس سے درس لینا چاہیئے۔

رکوع ۱۱ — لَعَلَّهُمْ — یعنی گزشتہ امتوں پر خوشحالی کے بعد بدحالی بھیجی گئی۔ تاکہ خدا کی طرف جھکیں۔ لیکن وہ اس

بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوا

ان کو سختی گڑگڑاتے لیکن سخت ہیں ان کے دل اور زیب دیا ان کے لئے شیطان نے اس کو جو

يَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ

وہ کرتے ہیں پس جب بھلا دیا انہوں نے جو نصیحت کئے گئے تھے تو کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے

شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ

ہر شئے کے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے اس پر جو ان کو دیا گیا تو پکڑا ہم نے ان کو اچانک تو وہ

قدر سخت دل ہو گئے تھے کہ پھر بھی نہ جھکے۔

لَعَلَّ ترجی کے لئے استعمال ہوتا ہے اور مقام شک اس کا محل استعمال ہوا کرتا ہے لیکن چونکہ اللہ کے علم میں شک نہیں ہے لہٰذا کلام خدا میں لعل کے استعمال کا مقصد یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے جن سے دانشمند طبقہ ان کی توبہ کی توقع اور امید رکھے اور وہ کہنے لگ جائیں کہ شاید یہ لوگ اب نصیحت قبول کر لیں گے۔

فَلَمَّا نَسُوا:۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ جب وہ لوگ آزمائشی دور سے متاثر نہ ہوئے۔ اور نصیحتوں کو ٹھکرا دیا تو خدا نے ان پر اپنی نعمات کے دروازے کھول دیئے تاکہ خوشحالی کو دیکھ کر شائد وہ اپنے گناہوں سے باز آ جائیں لیکن جب یہ طریقہ بھی کارگر نہ ہوا تو پھر ان پر اچانک عذاب بھیج دیا گیا اور ان کی جڑ کاٹ دی گئی۔ نیز اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب خوشحالی اور بدحالی کے ہر دور میں انہوں نے اپنی سرکشی اور کفر کو نہ چھوڑا۔ تو خدا نے ان کو زیادہ ڈھیل دے دی اور ان پر دنیاوی نعمتیں اور زیادہ کر دیں۔ تاکہ پوری طرح مستحق عذاب ہو جائیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ کو خطاب خداوندی ہوا۔ اے موسیٰ جب فقر کو آتا دیکھو تو کہو مرحبا اے نیک لوگوں کا شعار اور جب دولتمندی کو آتا دیکھو تو سمجھو کہ یہ کسی لغزش کی سزا ہے یعنی بعض اوقات کسی سخت لغزش کی سزا میں خدا نعمات دنیاویہ کا رُخ اس کی طرف کر دیتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآب سے مروی ہے جب دیکھو کہ گناہوں کے باوجود بھی خدا اپنی نعمتیں بھیج رہا ہے تو سمجھو کہ یہ استدراج ہے۔ یعنی اس کی طرف سے مہلت اور ڈھیل دی جا رہی ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اے ابن آدمؑ جب خدا کی پے در پے نعمتوں کو اپنی طرف متوجہ دیکھو تو ڈرو۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ص۲۱۹:۔ یہ مومنوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ دشمنانِ خدا کی عذاب میں گرفتاری اور دین خدا کی ترقی

مُبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

ناامید رہ گئے پس کٹ گئی نسل ظالم قوم کی اور حمد ہے اللہ کی

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ

جو عالمین کا رب ہے کہہ دیجئے کیا دیکھتے ہو اگر پکڑے اللہ تمہارے کانوں اور آنکھوں کو اور مہر کردے

عَلٰي قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

تمہارے دلوں پر تو کون سا معبود ہے اللہ کے علاوہ جو تمہیں وہ لا کر دے گا دیکھئے کیسے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں

الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ

ہم آیات کو پھر وہ کنارا کرتے ہیں کہہ دو کیا سمجھتے ہو اگر آئے تم پر عذاب خدا

پر حمدِ خدا بجالائیں کیونکہ یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے۔ تفسیر برہان اور مجمع البیان میں ہے۔ فضیل بن عیاض نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پرہیزگاری کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ پرہیزگاری اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے کا نام ہے اور جو شخص شبہ کے مقام سے گریز نہ کرے گا تو وہ فعلِ حرام کا نادانستہ طور پر ارتکاب کر بیٹھے گا۔ اور انسان جب برائی کو دیکھے اور باوجود طاقت کے انکار نہ کرے یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ نہ بجالائے تو گویا وہ اللہ کی نافرمانی کو دوست رکھتا ہے اور اللہ سے اعلانیہ دشمنی کرتا ہے اور جو شخص ظالم لوگوں کی زندگی کو پسند کرے تو گویا وہ گناہوں کو پسند کرتا ہے۔ حالانکہ خداوند کریم نے ظالموں کو مبتلائے عذاب کرنے کے بعد خود اپنی حمد کی ہے۔

تاویل آیت مجیدہ کی تاویل کے متعلق تفسیر صافی و برہان میں بروایت قمی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ جب بھلادی انہوں نے وہ جس کی نصیحت ان کو کی گئی تھی یعنی انہوں نے ولایتِ علیؑ بن طالب کو ترک کردیا تو خدا نے ان پر دنیاوی جاہ وجلال اور دولت و مال کے دروازے کھول دیئے۔ وہ عیاشی میں مشغول ہوگئے تو اچانک ان کو پکڑ لیا گیا اور اس سے مراد حضرت قائم آل محمدؑ کی سلطنت ظاہری ہے جو اچانک قائم ہوگی اور دشمنانِ دین کو سزائیں ملیں گی اور ان کی نسلیں ختم کردی جائیں گی۔ چونکہ حضرت قائم آل محمدؑ کی تشریف آوری حتمی اور ضروری ہے اس لئے ان کی آمد اور دشمنانِ دین کی گرفتاری کو صیغۂ ماضی سے ادا کیا گیا ہے۔ جس طرح قیامت کے وقوع کو متعدد آیات میں ماضی کے لہجہ میں بیان کیا گیا ہے۔

هَلْ يُهْلَكُ :۔ جب صحابہ ہجرت کرکے مدینہ میں پہنچے تو انہوں نے اپنی تکلیفیں بیان کیں جو اس راہ میں ان کو

بَغْتَةً اَوْجَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ

اچانک یا ظاہر کیا کوئی ہلاک ہوگا سوائے ان کے جو ظالم ہیں اور ہم نہیں بھیجتے

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا

رسولوں کو مگر خوشخبری سناتے یا ڈراتے ہوئے پس جو ایمان لائے اور نیک بنے تو نہ

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ

خوف ہوگا ان کو اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو تو پکڑے گا

الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

ان کو عذاب بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے فرما دیجئے میں نہیں کہتا تمہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

پہنچی تھیں تو یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی اور ان کو تسلی دی گئی کہ یہ دنیاوی درد و الم تو تمہیں وقتاً فوقتاً پہنچ ہی جاتا ہے البتہ دائمی عذاب اور اخروی ہلاکت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے جو ظالم ہیں اور تفسیر صافی میں قمی سے مروی ہے کہ بنی امیہ اچانک عذاب میں گرفتار ہوئے اور بنی عباس ظاہری عذاب میں مبتلا ہوئے یعنی بنی امیہ سے اچانک سلطنت لی گئی اور ان کو سزائیں ملیں اور بنی عباس کے لئے ایسا نہیں تھا۔

عام دنیاوی عقوبات میں بعض اہل ایمان کا اور ان کے بچوں کا مبتلا ہو جانا آزمائش ہوتی ہے۔ جس کا خدا انہیں چند در چند زیادہ بدلہ عطا فرماتا ہے جو نقصان سے مدرجہا زیادہ ہوا کرتا ہے۔

علم غیب

عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے اللہ کی رحمت کے خزانے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے اس کی قدرتوں کے خزانے اور بعض کہتے ہیں رزق کے خزانے یعنی ان لوگوں کو فرما دیجئے کہ میں خدائی خزانوں کا مالک نہیں ہوں تاکہ تمہیں مال تقسیم کروں اور تم ایمان لاؤ (مجمع البیان)

تفسیر صافی میں بعض کتب معتبرہ سے بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام منقول ہے کہ کوہ طور پر ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے پروردگار مجھے اپنے خزانے دکھا تو ارشاد قدرت ہوا۔ اے موسیٰؑ میرا خزانہ یہ ہے کہ میں جس شے کے متعلق ارادہ کرتا ہوں تو اسے حکم دیتا ہوں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ	وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ	اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا
اور نہ جانتا ہوں غیب کو	اور نہ کہتا ہوں تمہیں کہ میں فرشتہ ہوں	(بلکہ) میں نہیں اتباع کرتا مگر
مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ	قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ	اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝٥٠ۧ
اس کی جو مجھے وحی ہوتی ہے	فرما دیجئے کیا برابر ہیں نابینا اور بینا	کیا تم سوچتے نہیں ہو
وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ		
اور ڈرایئے اس قرآن کے ساتھ ان کو جنہیں ڈر ہے کہ جمع ہوں گے اپنے رب کے پاس کہ نہیں ان کا		

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ :۔ یعنی علم غیب جو اللہ کے ساتھ مختص ہے۔ میں اسے نہیں جانتا بلکہ میں تو صرف اسی قدر جانتا ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھے عطا ہوا ہے۔

کافر لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام غیب کی باتیں یعنی بعد میں ہونے والے واقعات جو مشاہدہ سے دور ہوں بتا سکے اور اسی چیز کو وہ نبی کی صداقت کی دلیل سمجھتے تھے تو خداوند کریم نے اس عقیدہ کی تردید فرمائی ہے کہ علم غیب سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ ہاں وہ جس کو جتنا عطا فرمادے وہ جان سکتا ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ :۔ اس میں صاف صاف اعلان ہے کہ میں تو وہی کرتا ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے۔ یعنی میرا علم و عمل خدا کی تعلیم کے تابع ہے۔

وَلَآ اَقُوْلُ :۔ غالباً ان کا یہ خیال ہو کہ وہ نبی ہوتا ہے جو درحقیقت ملک ہو اور صرف ظاہری شکل میں انسان ہو تو ان کی تردید ہے کہ کہہ دیجئے میں تمہاری قوم و قبیلہ کا ایک فرد ہوں اور سچ مچ انسان ہوں ملک (فرشتہ) نہیں ہوں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فرشتہ نبیوں سے افضل ہوتا ہے۔ بلکہ یہ آیت تو کفار کے عقیدۂ فاسدہ کی تردید کر رہی ہے۔

هَلْ يَسْتَوِي :۔ اعمیٰ کا معنی نابینا اور اس سے مراد جاہل ہے اور بصیر کا معنی بینا اور اس سے مراد عالم ہے یعنی میں عالم ہوں اور تم جاہل ہو اور میرا علم خدا کا عطا کردہ ہے۔ لہٰذا تمہیں میرے پیچھے چلنا چاہیئے۔

رکوع نمبر ۱۲

وَاَنْذِرْ بِهِ :۔ یعنی جو لوگ حشر و نشر کے قائل ہیں۔ قرآن مجید کے ذریعے ان کو وعظ کرو تاکہ گناہوں سے

مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ

اس کے سوا کوئی ولی اور نہ شفیع تاکہ وہ بچتے رہیں نہ ہٹا ان کو جو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ

پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کا قرب نہیں تم پر ان کے

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ

حساب سے کچھ اور نہیں تیرے حساب سے ان پر کچھ پس ان کو

فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْا

ہٹائے گا (اپنی بارگاہ سے) تو ہو جائیگا ظلم کرنے والوں میں سے اور اسی طرح ہم نے آزمایا بعض کو بعض کے ذریعے تاکہ کہیں کہ

بچتے رہیں قرآن اگرچہ تمام لوگوں کے لئے باعثِ ہدایت ہے لیکن ان لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جو قیامت کا خوف رکھتے ہیں کیونکہ ان پر قرآنی نصائح زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔ لَيْسَ اپنے اسم و خبر کے ساتھ حال واقع ہوا ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ :۔ تفسیر برہان وصافی میں ہے کہ مدینہ میں ایک فقراء ومساکین کا گروہ تھا جو مومن تھے۔ جنہیں اصحابِ صفہ کہا جاتا ہے۔ وہ جناب رسالتمآبؐ کے حکم سے ایک صفہ میں رہتے تھے اور حضورؐ خود بنفسِ نفیس ان کی خبرگیری کرتے تھے اور بسا اوقات ان کا کھانا خود اٹھاکر ان کے پاس لے جاتے اور وہ جب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ان کو اپنے قریب بٹھلاتے اور ان سے پیار و محبت کی باتیں کرتے تھے لیکن دولت مند و مالدار طبقہ کو یہ بات پسند نہ تھی اور آپ سے اس امر کے خواہشمند تھے کہ ان کو اپنی بارگاہ سے ہٹا دیا جائے۔ ایک دفعہ آپ کے پاس اصحابِ صفہ میں سے ایک مسکین مومن بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مالدار انصاری آگیا تو وہ دُور بیٹھ گیا۔ آپ کے بلانے پر بھی وُہ قریب نہ آیا اور اس نے خواہش کی کہ اس مسکین کو دُور کر دیا جائے۔ تب یہ آیت مجیدہ اتری۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا :۔ تفسیر مجمع البیان میں تفسیر ثعلبی سے منقول ہے کہ قریش کا ایک گروہ جناب رسالتمآب کے پاس سے گذرا۔ اس وقت حضورؐ کے پاس صہیب۔ بلال۔ خباب اور عمار وغیرہ بیٹھے تھے تو قریشی کہنے لگے اے محمدؐ! کیا ان لوگوں کے ساتھ آپ خوش ہیں؟ اور کیا ہم ایمان لاکر ان جیسے لوگوں کے تابع ہو جائیں؟ اور

أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾

کیا یہی لوگ ہیں کہ احسان کیا اللہ نے ان پر ہم میں سے کیا اللہ نہیں جانتا شکرگزاروں کو

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ

اور جب آئیں تیرے پاس جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیات پر تو ان کو سلامٌ علیکم کہو

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ

فرض کی تیرے رب نے اپنی ذات پر رحمت تحقیق جو کام کرے تم میں سے

سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ

بُرے جہالت کی وجہ سے پھر توبہ کرے اس کے بعد اور نیک بن جائے تو وہ بہت بخشنے

رَّحِيمٌ ﴿٥٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ

والا مہربان ہے اور اسی طرح ہم کھول کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں اور تاکہ واضح ہو جائے

الْمُجْرِمِينَ ﴿٥٥﴾ قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن

راستہ مجرمین کا کہہ دیجئے میں منع کیا گیا ہوں کہ عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو

کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ اگر آپ ان لوگوں کو اپنی بارگاہ سے نکال دیں تو ہم آپ کی اطاعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے انہوں نے کہا اگر ان کو آپ نکال دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے اور آپ کی باتیں سنیں گے۔ کیونکہ عرب کے قافلے آپ کے پاس آتے رہتے ہیں۔ ہمیں ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں گے تو ہمیں شرمساری ہوگی۔ پس یہ آیت اتری۔

وَإِذَا جَاءَكَ :۔ اس میں چند اقوال ہیں۔ (۱) انہی لوگوں کے حق میں ہے جن کو بارگاہِ نبوی سے نکالنے کی ممانعت ہوئی تھی۔ پس جب وہ لوگ حضورؐ کے پاس آتے تھے تو حضورؐ پہلے سلام علیکم کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے جن کے متعلق مجھے حکم ہے کہ ان کو پہلے سلام دوں (۲) کہتے ہیں ایک جماعت صحابہ نے اپنے گناہوں کی شکایت کی تو یہ آیت اتری کہ خدا نے اپنی

دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ
سوائے اللہ کے کہہ دیجئے میں نہیں پیچھے چلتا تمہاری خواہشات کے ورنہ بھٹک جاؤں گا اور
مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ
نہ ہوں گا ہدایت پانے والوں میں سے کہہ دیجئے میں ایک یقینی چیز پر ثابت ہوں اپنے رب کی
وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ
طرف سے اور تم اسے جھٹلاتے ہو ۔ نہیں میرے پاس وہ جس کی تم جلدی چاہتے ہو نہیں ہے حکم مگر اللہ کے پاس
یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ
بیان حق کا کرتا ہے اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا ہے کہہ دیجئے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم جلدی
بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾
چاہتے ہو تو بات ختم ہو جاتی میرے اور تمہارے درمیان اور اللہ بہتر جانتا ہے ظالم لوگوں کو

ذات پر رحمت فرض کی ہے جو بھی جہالت کی وجہ سے گناہ کر بیٹھے اور پھر توبہ کرے تو خدا غفور رحیم ہے۔
(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مطلقاً تائبین کے حق میں یہ آیت اُتری ہے (مجمع البیان)

رُکوع نمبر ۱۳

عَلٰی بَیِّنَةٍ :- بَیِّنَة سے مراد باختلاف اقوال دلیل یا برہان یا نبوت یا معجزہ یا یقین یا قرآن ہے۔
مَا عِنْدِیْ :- کفار لوگ حضورؐ کو کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے اوپر عذاب خداوندی لے آؤ تو ان کے جواب میں ارشاد ہے کہ ان سے کہہ دیجئے میں تمہاری خواہشات کے تابع نہیں ہوں اور میں اپنے یقینی مسلک پر ثابت قدم ہوں اگر تم جھٹلاؤ اور عذاب طلب کرو تو یہ چیز مصلحت خداوندی کے تابع ہے ۔ جب وہ مصلحت دیکھے گا تم پر عذاب بھی بھیج دے گا۔

لَقُضِیَ الْاَمْرُ :- تفاسیر اہلبیت میں اسی کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ منافقوں سے خطاب ہے کہ اگر مجھے اس چیز کے اظہار کی اجازت ہوتی جس کی جلدی تم چاہتے ہو تو ہو جاتا اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو جاتا ۔ منافق چاہتے تھے کہ حضورؐ جلدی دنیا سے کوچ کر جائیں تاکہ بعد میں اہلبیت اطہار کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ

اور اس کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا اسے مگر وہ ہی اور جانتا ہے جو کچھ خشکی

وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ

اور تری میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہیں کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں

الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ

میں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک ہے مگر یہ کہ وہ کتاب مبین میں ہے اور وہ

الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ

وہی ہے جو لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو دن میں پھر تمہیں اُٹھاتا ہے

فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

اس میں تاکہ پوری ہو جائے میعاد مقررہ پھر اس کی طرف تمہاری بازگشت ہے پھر تمہیں خبردار کرے گا جو تم

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ص ۲۲۴ :- یعنی ان مصلحتوں کو خدا خود ہی بہتر جانتا ہے کہ کون فوری عذاب کا مستحق ہے اور کون مہلت کے قابل ہے۔

وَعِنْدَهٗ :- آیتِ مجیدہ کا ظاہری معنی واضح ہے اور اس کی تاویل میں تفسیر برہان وصافی میں بروایت عیاشی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ پتہ گرنے سے مراد وہ بچہ ہے جو ناتمام ماں کے شکم سے ساقط ہوتا ہے اور دانہ سے مراد وہ بچہ جو ماں کے شکم میں زندہ ہوتا ہے اور رطب سے مراد مضغہ اور یابس سے مراد ہے کامل بچہ اور کتاب مبین سے مراد ہے امام مبین اور تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ظلمات الارض سے مراد شکم مادر کی تاریکیاں اور رطب و یابس سے مراد زندہ و مردہ ہے۔

بہرکیف ایک ایک آیت میں کئی کئی تاویلات ہو سکتی ہیں۔ لیکن وہی جانتے ہیں جن کے پاس علم کتاب ہے۔ نماز ساعۃ الغفلۃ مستدرک الوسائل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص نماز مغرب وعشاء کے درمیان دو رکعت نماز پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورہ الحمد کے بعد وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ

تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى

عمل کرتے تھے اور وہ غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان (کراماً کاتبین) یہاں تک

اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو پورا لے لیتے ہیں اس کو ہمارے فرستادہ اور وہ نہیں کوتاہی کرتے

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۚ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

پھر پلٹائے گئے طرف اللہ کے جو ان کا مولائے حق ہے بے شک اس کا ہی حکم ہے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے

الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ الحمد کے بعد یہی آیت وَعِنْدَهٗ سے لے کر مبین تک پڑھے اور بعد سلام کے یہ دُعا پڑھے :- اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَسْئَلُكَ بِمَفَاتِحِ الْغَيْبِ الَّتِىْ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّآ اَنْتَ اَنْ تُصَلِّىَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ - پھر اپنی حاجات کا ذکر کرے اور پھر کہے :- اَللّٰهُمَّ اَنْتَ وَلِىُّ نِعْمَتِىْ وَالْقَادِرُ عَلٰى طَلَبَتِىْ تَعْلَمُ حَاجَتِىْ فَاَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ لَمَّا قَضَيْتَهَا لِىْ - پس اپنی حاجات کا اللہ سے سوال کرے تو ضرور دُعا مقبول ہوگی۔

اَجَلٌ مُّسَمًّى :- بدا کے مسئلہ کے تحت رکوع ۱ کی تفسیر میں صفحہ ۱۹ میں اجل مقضی اور اجل مسمیٰ کی وضاحت گذر چکی ہے

رکوع نمبر ۱۴

وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ :- انسانوں کو گناہوں سے بچانے کے لئے یہ بھی لطفِ خداوندی ہے کہ اس کے اعمال کی دیکھ بھال اور ان کی حفاظت کیلئے ملائکہ مقرر کر دیئے کیونکہ جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ میرے اعمال کو باقاعدہ ضبط کیا جاتا ہے تو وہ گناہوں سے بچنے کی خود بخود کوشش کرے گا۔

تَوَفَّتْهُ :- تفسیر برہان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ قرآن میں ایک مقام پر ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ یعنی خدا نفسوں کو لیتا ہے اور دوسرے مقام پر ہے يَتَوَفّٰىكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ :- یعنی ملک الموت تمہیں لے لیتا ہے اور تیسرے مقام پر ہے تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ - فرشتے ان کو لے لیتے ہیں (ان مقامات میں وفات سے مراد موت ہے) اور ظاہر ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر بہت زیادہ مخلوق کی رُوح قبض ہوتی ہے - لہٰذا آپ ان آیات کے معنی کی وضاحت فرمائیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے ملک الموت کو کافی معاون فرشتے عطا فرمائے ہیں جو ارواح کو قبض کرتے ہیں - جس طرح ایک پولیس افسر کے ماتحت بہت سے سپاہی ہوا کرتے ہیں - پس اس بناء پر وفات کی نسبت اللہ ملک الموت اور ملائکہ سب کی طرف دُرست ہے۔

وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ :- تفسیر مجمع البیان ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے حساب خلق کے

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا

کہہ دیجئے کون نجات دیتا ہے تم کو خشکی و تری کی تاریکیوں میں کہ پکارتے ہو اس کو گڑگڑا کر اور پوشیدہ کہ اگر

وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ

ہمیں نجات دے دے اس سے تو ہو جائیں گے شکر گزاروں میں سے کہہ دیجئے اللہ

يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ

نجات دیتا ہے تم کو ان سے اور ہر مصیبت سے پھر تم شرک کرتے ہو کہہ دیجئے وہ

الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ

قادر ہے کہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے اور تمہارے پاؤں کے

اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ

نیچے سے یا تمہیں فرقہ بازی کے اشتباہ میں ڈال دے اور چکھائے بعض کو بعض کی سختی دیکھئے

كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ

کس طرح پھیر پھیر کر ہم بیان کرتے ہیں آیات کو تاکہ وہ سمجھیں اور جھٹلایا اس کو تیری قوم نے

متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ وہ اس طرح ایک وقت میں سب کا حساب لے لے گا۔ جس طرح ایک ہی وقت میں سب کو رزق پہنچا دیتا ہے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ تمام خلائق کا حساب ایک بکری کے دوہنے کی دیر میں ختم ہو جائے گا۔

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً - تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ بہترین دُعا وہ ہے جو یکسوئی میں چپکے سے مانگی جائے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو رہے۔ آپ ایک قوم کے پاس سے گذرے جو بآوازِ بلند دُعا مانگ رہے تھے فرمایا تم کسی بہرے یا دُور بسنے والے کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ تم تو اُسے پکارتے ہو جو سمیعٌ قریب ہے (یعنی آہستگی اور چپکے سے دُعا مانگنا زیادہ بہتر ہے۔

قُلْ هُوَ - تفسیر مجمع البیان میں تفسیر کلبی سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے اس آیت کے نازل -

وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ

حالانکہ وہ حق ہے کہہ دیجئے نہیں ہوں میں تم پر نگران ہر خبر کے لئے ایک واقعہ ہونا ہے اور عنقریب

تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

تم جان لوگے! اور جب دیکھو ایسے لوگوں کو جو گھستے ہوں ہماری آیات میں تو ان سے منہ پھیر لو

حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

یہاں تک کہ وہ گھس جائیں کسی بات دوسری میں اور اگر بھلا دے تمہیں شیطان تو نہ بیٹھو

بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ

بعد یاد آنے کے ظالم لوگوں کے ساتھ اور نہیں ہے اوپر تقویٰ کرنے والوں کے

ہونے کے بعد وضو فرمایا اور نماز پڑھی اور چار دعائیں مانگیں (۱) امت پر آسمانی عذاب نازل نہ ہو (۲) زمین کا عذاب ان پر نہ آئے (۳) فرقہ بندی سے محفوظ رہیں (۴) باہمی قتل و غارت میں گرفتار نہ ہوں تو جبریلؑ کا نزول ہوا اور عرض کی۔ خداوندکریم نے پہلی دونوں دعائیں قبول کی ہیں اور پچھلی دونوں دعائیں قبول نہیں کیں۔ اور امتِ اسلامیہ پچھلے دونوں عذابوں میں گرفتار ہوگی اور یہ آزمائش ہے جس سے کھرے کھوٹے کی تمیز ہوگی۔

وَاِذَا رَاَيْتَ :- یہ خطاب اگرچہ جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے لیکن معنوی طور پر ساری امت مراد ہے اور خدائی پیغامات کی تبلیغ میں جناب رسالتمآبؐ پر نسیان کا ورود ناممکن ہے اور یہی شیعی عقیدہ ہے۔ اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص خدا و رسولؐ پر ایمان رکھتا ہو اسے ایسی مجلس میں نہیں بیٹھنا چاہیئے جس میں امام حق کو سب کیا جارہا ہو یا کسی مسلمان (مومن) کی غیبت ہو رہی ہو۔

تفسیر برہان میں ہے حضورؐ نے فرمایا خدا رحم کرے اس بندے پر جو اچھی بات کرے اور فائدہ اٹھائے ورنہ چپ رہے اور بچ جائے اور تمہیں یہ جائز نہیں کہ جو جی چاہے سنتے پھرو کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ کان، آنکھ اور دل ہر ایک سے قیامت کے روز بازپرس ہوگی۔

وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ :- جب بے دین طبقہ کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت ہوئی تو مسلمانوں نے عرض کی کہ ہم پر واجب ہے جب بھی مشرکین قرآن کے ساتھ تمسخر کریں۔ تو ہم اٹھ جائیں پس اس صورت میں تو ہم مسجد الحرام اور طواف بیت اللہ سے بھی محروم ہو جائیں گے تو یہ آیت اتری کہ جہاں تک ممکن ہو ان کے ساتھ اٹھ بیٹھ چھوڑ دو

حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ

ان کا حساب کچھ بھی ولیکن ایک نصیحت ہے تاکہ وہ ڈریں اور چھوڑ ان کو

اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ

جنہوں نے بنایا ہے اپنا دین کھیل اور تماشہ اور دھوکا دیا ان کو زندگانی دنیا نے اور ان کو نصیحت کر

اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا

مباوا پھنس جائے کوئی نفس اپنے کیے میں کہ نہ ہوگا اس کا سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ

شَفِيْعٌ ۚ وَّاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا

سفارشی اور اگر بدلہ دے ہر قسم کا بدلہ تو نہ لیا جائے گا اس سے وہ وہی لوگ ہیں جو پھنس گئے

بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا

اپنے کیے میں ان کے پینے کے لئے گرم پانی ہوگا اور دردناک عذاب بوجہ اس کے کہ

يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا

کفر کرتے تھے کہہ دیجئے کیا ہم پکاریں سوائے اللہ کے اس کو جو نہ نفع دے اور نہ نقصان

ورنہ جو لوگ مسلمان ہیں اور تقویٰ رکھتے ہیں ان پر کفار کے جرم کا کوئی بوجھ نہ ہوگا۔ یہ تو ایک نصیحت تھی۔ تاکہ وہ لوگ باز آجائیں۔

اَنْ تُبْسَلَ :۔ محلاً منصوب ہے کیونکہ مفعول ہے بطریق مجاز الحذف یعنی دراصل تھا۔ کَرَاهِيَةَ اَنْ تُبْسَلَ اور تحت اللفظ مرادی معنی کر دیا گیا ہے اور لَيْسَ اپنے اسم وخبر کے ساتھ مل کر جملہ نفس کی صفت واقع ہوا ہے

اُولٰٓئِكَ :۔ مبتدا ہے اور اَلَّذِيْنَ اپنے صلہ کے ساتھ مل کر اس کی خبر ہے اور لَهُمْ شَرَابٌ الی آخرہ ممکن ہے کہ اُولٰٓئِكَ کی خبر ثانی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جملہ مستانفہ ہو۔

تنبیہ :۔ آیات بتلاتی ہیں کہ لہو ولعب کا دین حق سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسی بناء پر فرّاد کا قول ہے کہ ہر امت کے لئے ایسی عیدیں مقرر ہوتی ہیں۔ جن میں وہ لہو ولعب میں مشغول ہوتے ہیں۔ لیکن امت محمدیہ کی عیدیں

وَ نُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ

اور پلٹ جائیں اُلٹے قدم بعد اس کے کہ ہمیں خدا نے ہدایت دی مثل اس کے جس کو غلطی پہ لگایا

الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ۪ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى

شیطانوں نے زمین میں کہ وہ حیران پھر رہا ہو اس کے ساتھی اسے بلاتے ہوں طرف سیدھے راستے

الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ

کے کہ ادھر آ کہہ دیجئے تحقیق اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور ہمیں حکم ہے کہ مان لیں

لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَ اَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ

رب العالمین کی اور یہ کہ قائم کرو نماز کو اور اس سے ڈرو اور وہ وہی ہے جس کی طرف

تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَ یَوْمَ یَقُوْلُ

تمہاری بازگشت ہوگی اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کئے آسمان و زمین بجا اور جس دن کہے گا

نماز، دُعا اور عبادت سے ہوا کرتی ہیں اور مذہب امامیہ میں تو خصوصیت سے عیدوں کے لئے مخصوص اعمال ہیں۔ اور نیک بخت ہیں وہ لوگ جو اپنی عیدیں عباداتِ الٰہیہ سے گذارتے ہیں جن لوگوں نے عید اسلامی لہو و لعب کا نام رکھا ہوا ہے وہ انہی آیاتِ مجیدہ کی رُو سے سرزنش کے حقدار ہیں۔

رُکوع نمبر ۱۵

كَالَّذِیْ :۔ یعنی گمراہ شخص کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی راہ گم کردہ شخص جنگل میں مارا مارا پھر رہا ہو اور اسے دوسرے ساتھی صحیح راستہ کی طرف بلائیں اور وہ پھر بھی ان کی بات کو نہ مانتا ہو۔

بِالْحَقِّ :۔ یعنی زمین و آسمان کا پیدا کرنا موافق حکمت ہے باطل اور لغو نہیں ہے۔

وَیَوْمَ یَقُوْلُ :۔ اس کی ترکیب میں چند اقوال ہیں (۱) اِتَّقُوْا کا مفعول ہے اور ضمیر غائب پر اس کا عطف ہے یعنی ڈرو اللہ سے اور ڈرو اس دن سے (۲) فعل محذوف اُذْکُرْ کا مفعول ہے یعنی یاد کرو اس دن کو جب اُٹھایا جائے گا۔ (۳) خَلَقَ کا مفعول ہے یعنی اس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور پیدا کرے گا مخلوق کو دوبارہ جب

كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٧٣﴾ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۚ عٰلِمُ

ہو جاؤ تو وہ ہو جائیں گے اس کا قول حق ہے اور اسی کا ہے ملک جس دن پھونکا جائے گا صور میں جاننے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ

والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کو اور وہ حکیم و خبیر ہے اور جب ابراہیمؑ نے اپنے چچا

اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾

آزر کو کہا کیا بناتا ہے تو بتوں کو معبود تحقیق میں سمجھتا ہوں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں

کہے گا ہو جا تو ہو جائیں گے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ :- اس کی ترکیب میں بھی چند اقوال ہیں۔ (۱) پہلے یوم سے بدل ہے (۲) قَوْلُهُ الْحَقُّ سے متعلق ہے یعنی اس کا فیصلہ حق ہو گا۔ جب نفخ صور ہو گا (۳) وَلَهُ الْمُلْكُ سے متعلق ہے یعنی نفخ صور کے دن اسی کی ہی حکمرانی ہو گی۔

لِاَبِيْهِ اٰزَرَ :- تفسیر مجمع البیان میں زجاج کا قول منقول ہے کہ علم الانساب کے ماہرین کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا اور علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ زجاج کا قول ہمارے علماء کے مسلک کی تائید کرتا ہے کہ آذر یا تو حضرت ابراہیمؑ کا نانا تھا یا چچا تھا کیوں کہ علمائے امامیہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت رسالتمآبؐ کے آباء کا سلسلہ آدمؑ تک موحدین کا تھا اور حضورؐ نبی اکرم سے مروی ہے کہ اللہ مجھے پاک صلبوں سے پاکیزہ ارحام میں منتقل فرماتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے تمہارے دور میں ظاہر کر دیا۔ مجھے کسی دور میں جہالت کی میل آلودہ نہ کر سکی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضورؐ کے آباء میں سے کوئی بھی کافر ہوتا تو حضورؐ اپنے تمام آباء کو پاک نہ فرماتے۔

قرآن مجید کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا باپ تھا اور کتب حدیث و تفسیر میں بعض روایات بھی اسی مطلب کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا باپ آذر بت تراش تھا اور نمرود کا مختار عام اور وزیر مملکت بھی تھا نیز علم نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ تو اس نے اپنے بادشاہ نمرود بن کنعان سے ذکر کیا کہ علمِ نجوم کے حساب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس زمانہ میں ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو ہمارے دین کو ختم کر دے گا اور نئے دین کی دعوت دے گا۔ نمرود نے پوچھا کہ وہ کس ملک میں پیدا

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ

اور اسی طرح ہم نے دکھائی ابراہیمؑ کو ملکوت آسمانوں اور زمین کی اور تاکہ وہ ہوجائے

الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّا

یقین والوں میں سے پس جب چھاگئی اس پر رات تو دیکھا ستارہ کہا یہ میرا رب ہے ؟ پس جب

ہوگا تو کہا کہ ہمارے ہی ملک میں پیدا ہوگا۔ نمرود نے پوچھا کیا وہ پیدا ہو تو نہیں چکا ؟ آذر نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس نمرود نے عورتوں اور مردوں میں جدائی کا حکم دے دیا۔ لیکن اسی دوران میں حضرت ابراہیمؑ کی والدہ حاملہ ہوگئیں اور اپنے حمل کو پوشیدہ کئے رہیں۔ یہاں تک کہ وقتِ ولادت قریب پہنچا تو آذر سے کہا کہ میں بیمار ہوں اور اس زمانہ کا دستور تھا جب عورت بیمار ہوتی تو مرد سے علیحدگی اختیار کرلیا کرتی تھی۔ پس پہاڑ کی ایک غار میں اس نے علیحدگی اختیار کرلی۔ وہاں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے پس ان کی والدہ نے ایک پارچہ میں اس کو لپیٹا اور جگہ ہموار کرکے وہاں لٹا دیا اور خود غار سے باہر آگئیں اور غار کا دروازہ پتھروں سے بند کردیا۔ حضرت ابراہیمؑ اپنا انگوٹھا چوستے تھے اور خداوندکریم کی قدرت سے اس سے دودھ نکلتا تھا جو حضرت ابراہیمؑ کی غذا تھی۔ حضرت کی والدہ بھی موقعہ پاکر اسے دیکھ جایا کرتی تھی۔ اُدھر نمرود نے ہر نوزائیدہ لڑکے کے ذبح کرنے کا حکم دے دیا ادھر حضرت ابراہیمؑ غار کے اندر ایک دن میں ایک ماہ کے برابر بڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ ۱۳ برس غار میں رہے۔ اس کے بعد جو ماں ملنے کو آئی تو حضرت ابراہیمؑ ماں کے دامن سے لپٹ گئے اور غار سے باہر آنے کی خواہش ظاہر کی تو ماں نے ان کو قتل کے خطرہ سے آگاہ کیا۔ جب سورج غروب ہوگیا تو وہ غار سے باہر تشریف لائے اور سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ پس ماں ان کو اپنے ساتھ لائی اور اپنی اولاد میں شامل کردیا اور آذر کو سارا ماجرا بیان کیا چنانچہ آذر کو بھی ان سے محبت ہوگئی اور باقی اولاد کی طرح بت بناکر ان کو بھی بازار میں فروخت کرنے کے لئے دیا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ ان کی گردنوں میں رسی ڈال کر بازار میں گھسیٹتے تھے اور فرماتے تھے کوئی ہے ایسی چیز کو خریدنے والا جو نہ نفع دے اور نہ نقصان دے تو حضرت ابراہیمؑ کے بھائیوں نے آذر کو اس بات کی اطلاع کردی۔ چنانچہ اس نے منع کیا لیکن حضرت ابراہیمؑ نے اس کا کہنا نہ مانا اور اس کو نصیحت کی جس کی قرآن خبر دے رہا ہے۔

تفسیر برہان میں روضۃ الواعظین سے ایک طویل روایت منقول ہے جس میں جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ نمرود چونکہ حاملہ عورتوں کے شکم چاک کرواتا تھا اور بچوں کو مروا ڈالتا تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کی والدہ حاملہ ہوئیں تو ان کا باپ اپنی زوجہ کو ساتھ لے کر نمرود کے ڈر سے بھاگ گیا اور رُا ... گیا۔ صاحبِ تفسیر فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا والد آذر نہیں تھا اور اس کی تائید حضرت امیرؑ کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ آذر حضرت ابراہیمؑ کا تربیت کے

"بَازِغًا"

اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ

وہ ڈوبا تو کہا میں تو ڈوبنے والوں کو نہیں چاہتا — پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا — کہا یہ میرا رب ہے؟ جب

اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾

وہ ڈوبا تو کہا اگر مجھے نہ ہدایت کرے میرا پروردگار تو میں ضرور ہو جاؤں گا گمراہ قوم میں سے

اعتبار سے باپ تھا اور حضرت صادق علیہ السلام سے صراحتاً منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا۔

وَكَذٰلِكَ :۔ اس کا پچھلے واقعہ پر عطف ہے یعنی جس طرح ہم نے حضرت ابراہیمؑ پر بت پرستی کی برائی واضح کر دی تاکہ آذر اور اس کی ساری قوم کو ہدایت کریں اسی طرح ہم نے ان کو ملکوتِ ارض وسما کی بھی سیر کرائی۔ تاکہ وہ اپنی استدلالی قوت سے اپنی قوم کو اپنے مذہب کا گرویدہ بنا سکیں اور تاکہ وہ خود بھی یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ کتاب مستدرک الوسائل جہر بسم اللہ کے باب میں ہے۔ جابر جعفی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے سامنے حجابات اٹھائے گئے تو انہوں نے جانب عرش میں ایک نور دیکھا تو سوال کیا کہ کس کا نور ہے تو جواب ملا کہ یہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کا نور ہے۔ پھر تین نور دیکھے اور ان کے متعلق سوال کیا کہ یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ کے نور ہیں پھر ان کے گرد نو نور دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ اولاد فاطمہؑ سے نو اماموں کے نور ہیں پھر ان کے گرداگرد بہت زیادہ نور دیکھ کر پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ علیؑ بن ابی طالبؑ کے شیعوں کے نور ہیں۔ ابراہیمؑ نے سوال کیا ان کی علامتیں کیا ہوں گی تو جواب ملا (۱) اکاون رکعت نماز (۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جہر سے پڑھنا (۳) رکوع سے پہلے قنوت (۴) دائیں ہاتھ میں انگوٹھی۔ اسی مضمون کی روایت باب تختم بالیمین میں باختلاف الفاظ مذکور ہے۔ اور باب القنوت میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جانب عرش میں ایک نور دیکھا تو سوال کیا کہ یہ کس کا نور ہے تو ارشاد ہوا میرے برگزیدہ محمدؐ کا نور ہے پھر انوار آئمہ کا ذکر ہوا۔ آخر میں دریافت کیا کہ ان کے اردگرد بہت سے نور جن کی تعداد تو ہی جان سکتا ہے کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ شیعان علیؑ بن ابی طالبؑ کے نور ہیں تو حضرت ابراہیمؑ نے ان کی علامتیں دریافت کیں پس جواب ملا (۱) اکاون رکعت نماز (۲) جہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۳) رکوع سے پہلے قنوت (۴) جبین کا زمین پر رگڑنا (غالباً سجدہ شکر مراد ہے) (۵) دائیں ہاتھ میں انگوٹھی۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ شِيْعَةِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔ اے اللہ مجھے علیؑ کے شیعوں میں سے بنا تو ارشاد ہوا کہ میں نے تجھے ان میں سے کر دیا ہے اور قرآن میں نازل فرما دیا۔ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ

اقول :۔ بعض روایات میں زیارت اربعین بھی شیعوں کی علامات سے بیان کی گئی ہے۔ فَلَمَّا جَنَّ ص ۲۴۲ :۔ اس زمانہ

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ

پھر جب دیکھا سورج کو روشن تو کہا (دکھاوا) یہ میرا رب ہے ؟ یہ بڑا ہے جب وہ ڈوبا . تو کہا

یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (۷۸) اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ

اے قوم تحقیق میں بیزار ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو تحقیق میں نے خالص کیا اپنے منہ کو اس ذات کے لئے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (۷۹) وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ

جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا درحالیکہ میں حنیف ہوں اور نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے اور جھگڑی اس سے اس کی قوم

میں جبکہ عقولِ انسانیہ اس قدر ترقی یافتہ نہ تھے کہ ادلۂ عقلیہ سے ان کی اصلاح کی جاتی . پس ان کے ساتھ ساتھ چل کر ان کے عقائد کا بطلان ان پر واضح کرنا اور صحیح راستہ کی نشاندہی کرنا ہی موزوں ترین طریقہ تھا جس کو حضرت ابراہیمؑ نے اختیار فرمایا۔ اور حجت خدا کی یہی شان ہوا کرتی ہے گویا بطور فرض کے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ چلو فرض کر لو یہی خدا ہی لیکن جب وہ ڈوبا تو فرمایا کیا خدا کی یہ شان ہو سکتی ہے کہ وہ ڈوب جائے . میں تو اس جیسوں کو خدا نہیں مانتا . پھر چاند پرستوں سے ہمکلام ہوئے اور ان کو بھی اسی طرز گفتگو سے اپنے عقیدۂ فاسدہ کی برائی سے آگاہ کیا . پھر سورج پرستوں سے بات ہوئی تو بھی وہی طریقہ اختیار فرمایا اور مامون کے سوال کے جواب میں امام رضاؑ کے بیان کا بھی یہی خلاصہ ہے جو تفسیر صافی میں مذکور ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے افول و غروب کو بیان کر کے ان پر یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ اس قسم کے تغیرات حادث کی شان سے ہیں اور خدا وہ ہے جو حادث نہیں بلکہ قدیم ہے اور تغیرات سے بلند و بالا ہے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ ۔ جب ان لوگوں پر ان کے عقیدہ ہائے فاسدہ کا بطلان واضح فرما چکے تو ان سے بیزاری کا اعلان فرمایا اور پھر اپنا عقیدہ ظاہر فرمایا کہ میں تو صرف اس ذات کی عبادت کروں گا جو آسمان و زمین کی خالق ہے اور چاند، سورج ستارے بھی اسی کی مخلوق ہیں کیونکہ جب ثابت فرمایا کہ یہ چیزیں حادث ہیں ۔ تو مقصد یہ ہوا کہ ایک وقت تھا کہ یہ چیزیں نہ تھیں اور بعد میں ہوئیں تو چونکہ واجب الوجود تو ہیں نہیں ورنہ مسبوق بالعدم نہ ہوتیں ۔ پس ممکن ہوئیں اور ہر ممکن منصۂ شہود پہ قدم نہیں رکھ سکتا جب تک کہ جانب وجود کو ترجیح دینے والی اس کی علت نہ ہو اور جس علت نے ان کی جانب وجودی کو ترجیح دے کر منصۂ شہود پہ جلوہ گری کا شرف بخشا وہ قدیم اور واجب الوجود ہونی چاہیئے ۔ ورنہ اس پر بھی حدوث کا شائبہ عائد ہوگا ۔ پس وہ واجب الوجود ذات جو ازلی و ابدی اور جمیع صفات کمالات کی جامع اور آسمانوں و زمینوں اور ان میں بسنے والی جمیع مخلوق کی موجد و مبدع ہے وہ ہے سچا پروردگار اور وہی ہے معبودِ حقیقی ۔

قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰہِ وَقَدْ ھَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ

تو کہا کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو اللہ کے بارے میں درحالیکہ اس نے مجھے ہدایت فرمائی ہے اور میں نہیں ڈرتا اس سے جو تم شریک کرتے

بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا

ہو مگر یہ کہ جو خدا چاہے احاطہ کیا ہے میرے رب نے ہر شے کا علم سے کیا تم

تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ

نہیں نصیحت لیتے اور کیسے ڈروں اس سے جو تم شریک بناتے ہو حالانکہ تم نہیں ڈرتے اس سے کہ تم نے

اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ

شریک بنائے اللہ کے وہ جن پر نہیں اُتاری اس نے تم پر کچھ دلیل پس ہم دونوں فریقوں میں سے

اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا

کون امن کا زیادہ حقدار ہے اگر ہو تم با ذوق ؟ وُہ لوگ جو ایمان لائے اور نہ ملاوٹ کی

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ :- یعنی چاند، سُورج، ستارے جن کو تم خُدا کا شریک بناتے ہو۔ وُہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں۔ لہٰذا میں ان سے کیوں ڈروں ۔ ہاں یہ چیزیں اس وقت نقصان دے سکتی ہیں۔ جب خدا ان کو یہ طاقت دے دے اور اس کی مشیت کا تقاضا ہو۔ لیکن پھر بھی پرستش و عبادت تو اسی کی ذات کے لئے زیبا ہے جو سب کچھ کرسکتا ہے نہ ان کے لئے جو ہر امر میں اس کے محتاج ہیں۔

وَكَیْفَ اَخَافُ :- یعنی ڈرنا تمہیں چاہیئے تھا کہ خدائے حقیقی کے شریک بنا کر ان کی عبادت کرتے ہو۔ تو جب تم غیرِ خُدا کی عبادت کر کے خدائے حقیقی سے نہیں ڈرتے تو میں خدائے حقیقی کی عبادت کرتے ہوئے ان سے کیوں ڈروں۔ جو خدا نہیں تو سوچ کر بتاؤ کہ امن کا دامن میرے ہاتھ میں ہے یا تمہارے ہاتھ میں ہے

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا :- وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان سے ظلم کی ملاوٹ نہیں کی ۔ ان کے لئے امن ہے۔ یہاں ظُلم سے مراد شرک ہے اور سیاق آیات بھی اسی پہ دلالت کرتا ہے ۔ بعض روایات میں ظلم سے یہاں زناکاری چوری اور شراب نوشی مراد لی گئی ہے ۔ تو مقصد یہ ہے کہ مرضیٔ خُدا کے خلاف اپنی خواہش نفسانی کی اطاعت میں جو کام کیا جائے تو گویا اس کام میں شرکِ جلی نہ سہی شرکِ خفی کا شائبہ تو ہوتا ہی ہے ۔ لہٰذا معصوم نے غالبًا یہ افراد بطور تاویل

اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ

اپنے ایمان کی ظلم سے ان کے لئے ہی امن ہے اور وہی ہیں ہدایت پانے والے اور یہ ہماری

حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ

حجت ہم نے دی ابراہیم کو اپنی قوم پر ہم درجے بلند کرتے ہیں جسے چاہیں تحقیق تیرا رب

حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا

حکیم وعلیم ہے اور ہم نے بخشا اس کو اسحٰق ویعقوب ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور نوح کو ہدایت کی

مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى

اس سے پہلے اور اس کی اولاد سے داؤد وسلیمان و ایوب ویوسف و موسٰی

وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى

وہارون اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو اور زکریاؑ و یحییٰؑ و عیسیٰؑ

کے آیت مجیدہ کے مصداق قرار دیئے ہیں۔

رکوع نمبر ۱۶

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ:۔ یعنی چاند۔ سورج ستاروں کے پجاریوں کے مقابلہ میں حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے جو توحید پر استدلال فرمایا وہ ہماری عطا کردہ حجت تھی۔ یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے چاند یا سورج یا ستارہ کی ربوبیت کا اقرار نہیں کیا تھا۔ بلکہ دلیلِ توحید کو بیان کرنے کیلئے خصم کے سامنے بناء بر فرض کے گفتگو کی تھی اور بطور استفہام انکاری کے ان سے خطاب فرمایا تھا۔

دَرَجٰتٍ:۔ بعض لوگوں نے اس کو مضاف پڑھا ہے اور تنوین نہیں پڑھی اور اگر تنوین کے ساتھ پڑھا جائے تو مَنْ نَّشَاۗءُ مفعول ہوگا نَرْفَعُ کا اور دَرَجٰتٍ تمیز ہوگا۔

وَنُوْحًا هَدَيْنَا:۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ابوالجارود سے فرمایا کہ لوگ امام حسن اور امام حسین کے متعلق کیا کہتے ہیں تو اس نے عرض کی۔ حضور! لوگ ان کو اولادِ رسول نہیں تسلیم کرتے۔ آپ نے فرمایا پھر تم ان کے سامنے کون سی دلیل پیش کرتے ہو تو ابوالجارود نے عرض کی۔ مولا! ہم حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کا ذکر پیش کرتے ہیں کہ خداوندکریم نے ان کو حضرت نوحؑ کی ذرّیت سے قرار دیا حالانکہ

وَ اِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ

والیاس سب نیک لوگ تھے اور اسمٰعیل و الیسع و یونس اور لوط

وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ ۚ

اور ہم نے سب کو فضیلت دی اوپر جہان کے اور اُن کے آباء و اولاد و برادری میں سے بعض کو

وَ اجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۸﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ

اور ان کو ہم نے چن لیا اور ہدایت کی سیدھے راستے کی یہ اللہ کی ہدایت ہے

يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

ہدایت کرتا ہے اس کے ذریعے سے جسے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اگر وہ شرک کرتے تو حبط ہو جاتے ان سے وہ

حضرت عیسیٰ ماں کی طرف سے ان کی طرف منسوب تھے تو آپ نے فرمایا پھر وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ ابو الجارود نے عرض کی وہ کہتے ہیں کبھی کبھی لڑکی کی اولاد کو بھی اولاد کہا جاتا ہے لیکن وہ اولاد صلبی نہیں کہلاتی۔ آپ نے فرمایا تم پھر کیا جواب دیتے ہو تو عرض کی آقا! ہم آیت مباہلہ پیش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا پھر وہ کیا کہتے ہیں؟ تو عرض کی حضورؑ! عرب میں عام مروج ہے کہ دوسرے کی اولاد کو بھی لوگ اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں قرآن مجید کی ایک ایسی آیت پیش کرتا ہوں کہ حسنینؑ کا صلبی اولادِ رسولؐ ہونا ثابت ہو جائے اور اس کا سوائے کافر کے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ راوی نے عرض کی مولا فرمائیے تو آپ نے وہ آیت پڑھی جس میں ان عورتوں کی تفصیل ہے جو مردوں پر حرام ہیں اس میں یہ لفظ ہیں وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یعنی تمہارے صلبی بیٹوں کی منکوحہ عورتیں تم پر حرام ہیں تو چونکہ رسولؐ پر حسنینؑ کی بیویاں حرام تھیں۔ لہٰذا ان کا صلبی فرزند ہونا ثابت ہو گیا۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا ذریت نوحؑ یا ذریت ابراہیمؑ سے ہونا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ حسنینؑ اور ان کی اولاد ذریت رسولؐ ہے۔ اسی بناء پر صحابہ حسنینؑ اور ان کی اولاد کو یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ :- تفسیر برہان میں عیاشی سے منقول ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ اور ان سے پہلے نبیوں کی ذریت کا ذکر فرمایا کہ ابراہیمؑ کو اسحٰق و یعقوب عطا فرمائے اور

يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ

جو عمل کرتے تھے وہ وہی ہیں جن کو دی ہم نے کتاب اور شریعت اور نبوت پس اگر یہ

يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ اُولٰٓئِكَ

لوگ انکار کریں اس کا تو تحقیق ہم نے سونپی ہے یہ بات ایسی قوم کو کہ وہ اس کا انکار نہیں کرتے وہ وہی

الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۗ

ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی پس تم ان کے نقش قدم پر چلو کہہ دیجئے میں نہیں مانگتا تم سے اس کا اجر

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

یہ نہیں مگر نصیحت عالمین کے لئے اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جو قدر کا حق تھا جب کہا کہ نہیں اُتاری اللہ نے

رب کو ہدایت کی تاکہ یہ سلسلہ ان کی اہلبیت میں رہے اور نوحؑ کو ہدایت کی کہ یہ سلسلہ ان کی ذریت میں جاری رہے اور یہ اشارہ ہے کہ آپ کا سلسلۂ ہدایت و تبلیغ بھی آپ کی ذریت میں ہی رہے گا اور فرمایا اگر یہ لوگ کفر کریں اور نہ مانیں تو پرواہ نہ کرو ہم نے ایک ایسی قوم معین کر دی ہے جو اس کا انکار نہ کرے گی اور پھر صریح طور پر فرمایا کہ آپ گزشتہ انبیاء کی سنت پر ہی عمل کریں اور یہ خدائی دستور ہے۔ جو ناقابلِ تنسیخ ہے۔

رکوع نمبر ۱۷

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ :- بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا کی وصف نہیں کی جا سکتی کیونکہ جس قدر اس کی وصف کی جائے گی وہ اس سے بھی اجل وارفع ہے۔

قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ :- ایک یہودی فنحاص بن عازورا نامی حضرت رسالتمآبؐ سے مناظرہ کرنے کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے اس کو قسم دے کر پوچھا کہ کیا تورات میں ہے کہ موٹے تازے عالم پر اللہ غضبناک ہوتا ہے۔ وہ تو چونکہ خود کافی موٹا تھا غصہ میں آگیا اور کہنے لگا کہ خدا نے کسی بندہ پر کبھی کوئی چیز نازل ہی نہیں کی تو اس کے اپنے ساتھی اس پر ناراض ہو گئے کہ تو نے تو حضرت موسیٰؑ اور تورات کا بھی انکار کر دیا ہے (غالباً اس سے مراد یہ ہے جو عالم مسائل شرعیہ پر رشوت لے کر حرام کھاتا ہو۔ خدا اس پر غضبناک ہوتا ہے) خداوند کریم آیتِ مجیدہ میں اسی یہودی کے قول کی مذمت فرما رہا ہے اور قیامت تک جو بھی آیاتِ قرآنی اور فرمانِ ربانی کا انکار کرے وہ اسی کا مصداق ہوگا۔

عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا

انسان پر کوئی چیز کہہ دو کس نے اُتاری کتاب جو لائے (حضرت) موسیٰ کہ وہ نور و

وَّهُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ کَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ

ہدایت تھی لوگوں کے لئے جس کو تم نے ورق ورق کر دیا بعض کو ظاہر کیا اور بہت کو چھپایا اور تم

مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُکُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۲﴾

سکھائے گئے جو تم نہ جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دیجئے اللہ نے۔ پھر چھوڑ دان کو اپنی حالت پر کہ وہ کھیلتے

وَهٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ

رہیں اور یہ کتاب اس کو ہم نے اُتارا بابرکت تصدیق کرنے والی ہے اس کو جو اس کے سامنے ہے اور تاکہ ڈرائے

اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

مکہ اور گردو نواح والوں کو اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں قیامت پر اس پر ایمان لاتے ہیں

قَرَاطِیْسَ :۔ یعنی وہ لوگ تورات کو الگ الگ اوراق میں لکھ لیا کرتے تھے۔ جن اوراق پر اپنے مطلب کی بات ہوتی تھی اس کو بوقت ضرورت پیش کرتے تھے اور جو خلاف منشاء ہوتی تھی اس کے اوراق کو چھپا لیا کرتے تھے

اُمُّ الْقُرٰی :۔ مکہ کا نام ہے اور اس کو اُم القریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اسی جگہ کی زمین کو خلق کیا گیا تھا اور پہلا گھر جو زمین پر بنایا گیا وہ کعبہ تھا اور جناب رسالتمآبؐ کو اُمی بھی اسی نسبت سے کہا جاتا ہے تفسیر برہان میں ہے کہ ایک مقام پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے لوگوں کے غلط نظریئے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جو خود ان پڑھ ہو وہ لوگوں کو کیا پڑھائے گا۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے میں نے ایسا پیغمبر بھیجا ہے جو ان پڑھ لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا خدا کی قسم جناب رسالتمآبؐ بہتّر یا تہتّر زبانیں لکھ اور پڑھ سکتے تھے

اقول :۔ غالباً اس زمانہ میں اہل زمانہ کی کل زبانوں کی تعداد اسی قدر ہوگی اس لئے معصوم نے تحدید فرمادی ورنہ عالمی رسولؐ کو عالمی زبانوں پر حاوی ہونا چاہیئے اور چونکہ جناب رسالتمآبؐ عالمین کے رسولؐ تھے لہٰذا عالمین کی زبانوں پر حاوی تھے۔ جن کی تعداد کو سوائے خداوند کریم کے کوئی جان نہیں سکتا اور ممکن ہے مراد مطلق کثرت ہو اور بہتر یا تہتر کا تذکرہ بطور تفہیم کے ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے میرے پاس بیسیوں خطوط آئے یا مجھے بیسیوں آیتیں حفظ ہیں۔ تو

وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

اور وہ اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا

اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ

یا کہے مجھ پر وحی کی گئی حالانکہ نہیں وحی ہوئی اس پر کچھ اور کہے میں نازل کروں گا جس طرح اللہ نے نازل کی

اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ

اور اگر دیکھو گے جبکہ ظالم موت کی سختی میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ کو پھیلاتے ہوئے (ان کو کہیں گے)

اس سے مراد بھی عدد نہیں ہوتا بلکہ مراد سینکڑوں اور ہزاروں ہوا کرتے ہیں اور کثرت مطلقہ کے بیان کے لئے یہ ایک محاورہ ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ:۔ روایات میں ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی السرح کے بارے میں اتری کہ یہ شخص کاتب وحی تھا اور جب حضرت فرماتے تھے لکھو عَلِيْمًا حَكِيْمًا تو یہ لکھتا غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور اگر آپ فرماتے تھے کہ لکھو غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تو یہ لکھتا عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ پھر مرتد ہو گیا اور منافقوں سے کہا کرتا تھا کہ محمد پر وحی ہوتی ہے اور میں بھی قرآن جیسی باتیں کر سکتا ہوں۔ جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا لیکن عثمان کی سفارش سے اس کو چھوڑ دیا اور پھر اسی کو عثمان نے اپنے دورِ خلافت میں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا۔

کافر پر موت کی تلخی

وَلَوْ تَرٰۤى:۔ تفسیر برہان میں بروایت جابر بن یزید جعفی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ کافر کی روح قبض کرنے کے لئے ملک الموت کو خدا بھیجتا ہے کہ میرے فلاں دشمن کے پاس جاؤ جس پر میں نے احسانات کئے اور اس کو جنت کی دعوت دی لیکن اس نے میرا کفر کیا اور مجھے گالیاں دیں پس جا کر اس کا روح قبض کرو تاکہ ہم اس کو جہنم میں اُلٹے منہ ڈالیں پس ملک الموت اس کی طرف جاتا ہے اس حالت میں کہ شکل سیاہ، بجلی کی طرح آنکھیں گرج کی طرح ہولناک آواز شبِ تار کی طرح رنگ اور اس کے ہر سانس سے آگ کے شرارے اٹھتے ہیں۔ سر آسمان میں اور دونوں پاؤں مشرق و مغرب میں ہوتے ہیں۔ اس کے پاس لوہے کے حربے اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں شعلہ ہائے جہنم کے تازیانے ہوتے ہیں اور اس کے ہمراہ خازنانِ جہنم میں سے ایک فرشتہ بھی ہوتا ہے پس جب ملک الموت ایسی اندوہناک اور ہیبت ناک حالت میں آتا ہے تو کافر دیکھتے ہی مدہوش ہو جاتا ہے اور آنکھیں اس کی کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں تو ملک الموت سے التجا کرتا ہے کہ مجھے مہلت دی جائے تو میں اب نیک کام کروں گا۔ لیکن اس کو جواب ملتا ہے کہ اب ہرگز ہرگز اجازت نہیں مل سکتی۔ پھر ملک الموت سے کہتا ہے کہ میرے مال اہل بچے قبیلہ اور باقی ترکہ ان کو کیا کروں تو جواب ملتا ہے کہ ان سب کو اپنے غیر کے لئے چھوڑ دو۔ پس وہ لوہے کے

اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ اَلۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى

نکالو اپنی جانیں آج تم کو بدلہ دیا جائے گا ذلت آمیز عذاب کا بوجہ اس کے کہ کہتے تھے تم

اللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَقِّ وَكُنۡتُمۡ عَنۡ اٰيٰتِهٖ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى

اللہ پہ ناحق اور تھے تم اس کی آیات سے تکبر کرتے اور آؤ گے تم ہمارے پاس تنہا تنہا

كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰكُمۡ وَرَآءَ ظُهُوۡرِكُمۡ وَمَا نَرٰى

جس طرح ہم نے تم کو خلق کیا پہلی مرتبہ اور چھوڑ دو گے وہ جو ہم نے تم کو دیا تھا پیٹھ کے پیچھے اور ہم نہ دیکھیں گے

جب اس کو مارتے ہیں کہ اس کی ہر رگ اور ہر جوڑ میں درد ہوتا ہے پس قدموں سے رُوح کھینچنے کی ابتدا کرتے ہیں اور آتشی تازیانوں سے اس کو مارتے جاتے ہیں اور رُوح قبض کرتے جاتے ہیں اور یہی اس کی سکرات اور تلخی کا وقت ہوتا ہے اور جب اس کی رُوح حلقوم تک پہنچتی ہے تو فرشتے اس کے منہ اور دبر کو مارتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ نکالو اپنی جان آج تم کو ذلت آمیز عذاب کی سزا دی جائے گی کیوں کہ تم اللہ پہ ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔ الخ

فُرَادٰى :- تنہا آؤ گے اپنی مال و اولاد یا تمہارے مصنوعی خُدا تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ تفسیر صافی میں خرائج سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے یہ آیت جناب فاطمہ بنت اسد کے سامنے تلاوت فرمائی تو جناب فاطمہؑ نے فُرَادٰى کا معنی دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ تم عریان محشور ہو گے جس طرح ابتدائے خلقت میں تھے تو بی بی نے یہ سُن کر اظہارِ غم کیا پس آپ نے ان کے حق میں دُعا مانگی کہ وہ اپنے کفن کے ساتھ محشور ہوں گی اور بروایت احتجاج حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا لوگ ننگے محشور ہوں گے فرمایا نہیں بلکہ اپنے کفنوں میں محشور ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ کفن تو بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ فرمایا جو خدا بدن کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے کفن کو بھی نیا تیار کر سکتا ہے۔ پھر سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بلا کفن دفن ہو جائے تو آپ نے فرمایا کہ خدا اس کی شرمگاہ کو مستور کر دے گا۔ جس طرح چاہے گا اس قسم کی اور روایات بھی بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ کفن میت کے متعلق وارد ہے کہ اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو۔ کیونکہ محشر کے دن وہ اپنے اکفان پہ فخر کریں گے۔ لہٰذا جن روایات میں فُرَادٰى کا معنی عریان ہونا بتایا گیا ہے وہ قابلِ تاویل ہے اور لغت بھی اس معنی کی تائید نہیں کرتی۔ پس فُرَادٰى کا معنی اکیلا و تنہا بلا ناصر و مددگار کیا جائے تو زیادہ انسب ہے بلکہ متعین ہے چنانچہ آیت مجیدہ کا ذیل خود اس کا تفصیلی بیان ہے کہ ہر چیز پیچھے چھوڑ آؤ گے تو تمہارے شفعاء و شرکاء بھی تمہارا ساتھ وہاں نہ دے

مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ

تمہارے ساتھ تمہارے سفارشی جن کے متعلق تم گمان رکھتے تھے کہ وہ تمہارے شریک ہیں تحقیق ٹوٹ جائیں گے تمہارے

وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ

تعلقات اور ختم ہو جائیں گے جن کا تم گمان کرتے تھے تحقیق اللہ چیرنے والا ہے دانہ اور گٹھلی کو نکالتا ہے زندہ

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۶﴾

کو مردے سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے یہ ہے اللہ پس تم کہاں روگردانی کرتے ہو؟

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ

پھوڑنے والا ہے صبح کا اور کیا اس نے رات کو سکون اور سورج اور چاند کو حساب سے یہ تقدیر ہے

سکیں گے۔

رکوع نمبر ۱۸

فَالِقُ الْحَبِّ :- تفسیر برہان میں بروایت مفضل امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی تاویل یہ منقول ہے کہ حب سے مراد ہے مومن اور نوی سے مراد ہے کافر اور اسی طرح زندہ سے مراد مومن اور مردہ سے مراد کافر بھی مروی ہے یعنی مومنوں سے کافر پیدا ہو جاتے ہیں اور کافر سے مومن پیدا ہو جاتے ہیں اور ظاہری معنی کے لحاظ سے مقصد یہ ہے کہ خدا دانہ اور گٹھلی کو شگافتہ کرتا ہے پس دانہ اور گٹھلی جو از قسم جمادات ہیں۔ ان سے زندہ پودے اُگاتا ہے جو از قسم نباتات ہیں اور انہی پودوں سے دانے اور گٹھلیاں پھر پیدا کرتا ہے اسی طرح منی سے انسان کو پیدا کرتا ہے اور انسان سے منی پیدا کرتا ہے۔ انڈوں سے پرندے اور پرندوں سے انڈے پیدا کرتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس

جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا :- معصوم سے مروی ہے کہ اپنے کسب معاش کے لئے دن کو اختیار کیا کرو کیونکہ رات سکون کے لئے ہے اور امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ عورت بھی باعث سکون ہے۔ لہذا رات کو شادی کرنا سنت ہے اور صافی میں کافی سے مروی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام اپنے غلاموں کو حکم کرتے تھے کہ طلوع فجر سے پہلے جانور کو ذبح نہ کیا کرو کیوں کہ خدا نے رات کو ہر شے کے لئے سکون قرار دیا ہے۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ :- سورج اور چاند حساب کے لئے ہیں کہ سورج بارہ برجوں کو تین سو پینسٹھ دن اور چھ گھنٹے میں طے کرتا ہے اور چاند بارہ برجوں کو ۲۸ دن میں طے کرتا ہے تقریباً پس سورج کے پورے دور سے سال بنتا ہے اور

الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِىْ ظُلُمٰتِ

عزیز علیم کی اور وہ وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے ستاروں کو کہ ہدایت پاؤ ان کے ساتھ

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِىْ اَنْشَاَكُمْ

خشکی وتری کی تاریکیوں میں تحقیق ہم نے کھول کھول کر بیان کیا آیات کو واسطے اس قوم کے جو جانیں اور وہ

مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک نفس سے پس کہیں ٹھہرنے کی جگہ (اور کہیں) امانت رہنا ہے تحقیق کھول کھول کر بیان کیا آیات کو

يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٩﴾ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ

اس قوم کے لئے جو سمجھیں اور وُہ جس نے اتارا آسمان سے پانی پس ہم نے نکالی اس سے انگوری ہر شے کی

شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ

پس نکالا اس سے سبزی کو کہ نکالتے ہیں اس سے دانے جڑے ہوئے اور کھجوروں کے شگوفوں

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ

میں سے گچھے قریب اور باغات انگور کے اور زیتون اور انار کے

اور چاند کے پورے دور سے مہینہ بنتا ہے اور اسی طرح ان کی گردش دن رات مہینے اور سال کی تعیین کی موجب ہوتی ہے

فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ :- اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) مستقر رحم مادر میں تا ولادت اور مستودع قبر میں تا قیامت

(۲) مستقر شکم مادر میں اور مستودع ۔صلب پدر میں (۳) مستقر روئے زمین پر اور مستودع آخرت میں اللہ کے پاس (۴) مستقر ایام

زندگی میں اور مستودع زمانہ برزخ میں (۵) مستقر قبر میں اور مستودع روئے زمین پر (۶) صافی میں معصومین علیہم السلام سے مروی ہے

کہ مستقر سے مراد ایمان ثابت ہے اور مستودع سے مراد وُہ ایمان ہے جو موت سے پہلے سلب ہو جائے ۔ تفسیر برہان

میں تہذیب سے مروی ہے کہ سلیمان دیلمی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ مجھے ایسی دُعا تعلیم فرمائیے جس کی بدولت

خدا مجھے ایمان مستقر عطا فرمائے اور کامل الایمان ہو کر مروں تو آپ نے فرمایا ہر نماز کے بعد یہ دُعا پڑھا کرو ۔ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ

رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِالْقُرْاٰنِ كِتَابًا وَبِالْكَعْبَةِ قِبْلَةً وَبِعَلِيٍّ وَلِيًّا وَاِمَامًا وَبِالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ

مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ

ملتے جلتے اور جُدا جُدا دیکھو اس کے پھل کو جب پھلدار ہو اور اس کے پکنے کو تحقیق اس میں

ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَ

نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لائیں اور بنائے انہوں نے اللہ کے شریک جنوں کو حالانکہ ان کو اللہ نے خلق فرمایا

خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ ع ۸

اور تجویز کرلئے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بے سمجھے پاک ہے وہ اور بلند ہے اس سے جو یہ نسبت دیتے ہیں

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ

پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا ۔ کہاں ہے اس کی اولاد حالانکہ نہیں اس کی بیوی اور اس

وَالْاَئِمَّةِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ رَضِيْتُ بِهِمْ اَئِمَّةً فَارْضَنِيْ لَهُمْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ :۔ جنوں کو خدا کا شریک مان لیا ۔بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جنوں سے مراد ملائکہ ہیں کیونکہ جن کا معنی ہے پوشیدہ اور چونکہ ملائکہ بھی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں ۔اس لئے ان پر جن کا اطلاق کر دیا گیا اور مشرکین کہتے تھے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور ان کے مقابلہ میں نصاریٰ عیسیٰ کو اور یہود عزیز کو خدا کے بیٹے مانتے تھے آیت میں ان سب کی تردید ہے اور بعضوں نے کہا ہے جن سے مراد شیاطین ہیں اور چونکہ مشرکین بُت پرستی میں شیاطین کے تابع تھے تو گویا انہوں نے شیاطین کو ہی خدا کا شریک بنا لیا ۔بعض کہتے ہیں کہ آیت مجیدہ میں مجوس کے عقیدہ کی تردید ہے جنہوں نے دو خدا مانے تھے یزدان اور اہرمن کہ فائدہ مند اور اچھی چیزوں کا خالق یزدان ہے اور موذی و نقصان دہ چیزوں کا خالق اہرمن یعنی شیطان ہے تو انہوں نے خلق میں اہرمن کو یزدان کا شریک مان لیا ۔جس طرح کہ ثنویہ گروہ نور اور ظلمت دو خدا مانتے ہیں کہ نور خیر کا خالق ہے اور ظلمت شر کی خالق ہے ۔

تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ :۔ یعنی خدا بلند و بالا ہے اس سے کہ اس کیلئے بیٹے یا بیٹیاں ہوں کیونکہ اولاد باپ کے مشابہ ہوتی ہے پس اولاد جب حادث ہو گی تو باپ کو بھی حادث ماننا پڑے گا کیونکہ مشابہت کا تقاضا یہی ہے اور ساحت قدس الٰہی اس عیب سے پاک و منزہ ہے ۔ وہ قدیم ازلی و ابدی اور جمیع صفات کمالات کا جامع ہے ۔

رکوع نمبر ۱۹

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ :۔ یعنی آسمانوں اور زمینوں کا موجد اوّل ہے ایسا نہیں کہ پہلے ان چیزوں کا نمونہ یا مثال موجود ہو اور ان کو دیکھ کر یہ بنائے ہوں ۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠٢﴾ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا

نے پیدا کیا ہر چیز کو اور وہ ہر شے کو جاننے والا ہے یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار نہیں کوئی معبود سوائے

هُوَ ۖ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٠٣﴾ لَا تُدْرِكُهُ

اس کے پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو پس اس کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا محافظ ہے نہیں اس کو پا سکتیں

الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ جَاءَكُمْ

آنکھیں اور وہ پا لیتا ہے آنکھوں کو اور وہ لطیف و خبیر ہے تحقیق آئی تمہارے

بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَا أَنَا

پاس نصیحتیں اپنے رب کی طرف سے پس جو سمجھتے تو اس کو ہی فائدہ ہوگا اور جو نہ سمجھے اس کو ہی نقصان ہوگا اور میں

عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿١٠٥﴾ وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ

نہیں تمہارا ذمہ دار اور اسی طرح بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں اور تاکہ کہیں کہ تو نے درس لیا ہے اور تاکہ اس کو

لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٦﴾ اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَأَعْرِضْ

بیان کریں اس قوم کیلئے جو سمجھتے ہیں اتباع کرو اس کی جو وحی ہوئی تم پر اپنے رب کی جانب سے نہیں کوئی معبود سوائے اس کے

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ :- جو لوگ خدا کی رویت کے قائل ہیں کہ دنیا میں خواص اس کو دیکھ سکتے ہیں اور قیامت کے دن ہر خاص و عام دیکھے گا۔ انہوں نے خدا کو نہیں سمجھا، خدا وہ ہے جس کا احاطہ وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے اور جو کسی وقت یا کسی کو بھی نظر آ سکتا ہے اس کی مثال و شبیہ بن سکتی ہے اور خدا وہ ہے جس کی نہ مثال ہے نہ شبیہ اور قرآن کی یہ آیت کھلے لفظوں اعلان کر رہی ہے کہ رویت خدا ناممکن ہے۔

وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ :- اس لام کو لام صیرورہ کہا جاتا ہے۔ یعنی جب آپ نے ایسی پُر از حکمت باتیں بیان کیں اور مسائل توحید کو واضح فرمایا تو وہ کہنے لگے کہ کہیں سے پڑھا ہے اور ہماری تصریف آیات ہی ان کے اس نظریہ کا باعث ہوئی۔ اس کا معطوف علیہ محذوف ہے۔ یعنی ہم آیات بیان کرتے ہیں کئی فوائد کے لئے اور اس لئے کہ کہیں تو پڑھا ہوا ہے۔

عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَا اَنْتَ

اور منہ پھیرو شرک کرنے والوں سے اور اگر چاہتا اللہ تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے نہیں کیا تم کو ان پہ نگران اور نہیں ہو تم

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ

ان پہ وکیل اور نہ گالی دو ان کو جو پکارتے ہیں اللہ کے سوا پس گالیاں دیں گے اللہ کو از راہِ عناد بغیر سمجھے

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

کے اسی طرح ہم نے زینت دی ہر قوم کیلئے ان کے عمل کو پھر طرف رب کے ان کی بازگشت ہوگی تو آگاہ کرے گا جو وہ

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ ۔ مجمع البیان میں ہے یعنی اگر خدا چاہتا کہ ان کو جبراً و اضطراراً ایمان پر رکھا جائے تو پھر کوئی بھی مشرک نہ ہوتا۔ لیکن وہ مجبور تو کرتا نہیں کیونکہ پھر تکلیف ہی ساقط ہو جاتی ہے پس ان کو اختیار دے دیا تاکہ جنت و نار کا استحقاق باقی رہے تفسیر اہلبیت میں ہے کہ اگر خدا چاہتا تو سب لوگ مومن و معصوم ہوتے اور کوئی گنہگار نہ ہوتا پھر جنت و نار کی احتیاج نہ ہوتی پس اس نے استحقاق ثواب و عتاب کیلئے انسانوں کو کرنے اور نہ کرنے کی طاقت بھی دی، اختیار بھی دیا اور حجت بھی تمام کی اور اپنے اوامر و نواہی سے بھی ان کو آگاہ کر دیا۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ ۔ کتب تفاسیر میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت رسالتمآبؐ کے اس فرمان کا معنی دریافت کیا گیا کہ شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ آہستہ چلتا ہے جو صاف پتھر پر چل رہی ہو تو آپ نے فرمایا صحابہ مشرکین کے خداؤں کو سب کرتے تھے اور اس کے مقابلہ میں مشرک لوگ خدا کو سب کرتے تھے پس رسولؐ نے اسی لئے صحابہ کو منع فرمایا اور اسی کو شرک خفی قرار دیا اور اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ ایسا کام یا ایسی بات کرنا ناجائز ہے جس کی وجہ سے دوسرا شخص خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہو جائے۔ تفسیر صافی میں کافی سے منقول ہے۔ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا دشمنانِ خدا کو سب نہ کرو۔ جبکہ وہ سن رہے ہوں۔ ورنہ وہ اللہ کو سب کریں گے اور بروایت عیاشی آپ نے فرمایا کیا تم نے کسی سے سنا ہے کہ اللہ کو سب کرتا ہو تو راوی نے کہا نہیں حضورؑ! آپ نے فرمایا جو شخص ولی اللہ کو سب کرے گا اس نے گویا اللہ کو سب کیا۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔ ان کو گالیاں نہ دو ورنہ تمہیں گالیاں دیں گے۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے۔ حضرت علیؑ کو فرمایا یا علیؑ جو تجھے سب کرے گا گویا اس نے مجھے سب کیا اس نے گویا اللہ کو سب کیا اور ایسا شخص اُلٹے منہ جہنم میں جائے گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے بیزار ہونا عین ایمان ہے۔ لیکن دشمنانِ خدا اور رسولؐ کے سامنے ایسی بات کرنا جو توہین آئمہ اور ہتکی مذہب حقہ کی موجب ہو جائز نہیں ہے۔

لَئِنْ جَاءَتْهُمْ ۔ تفسیر مجمع البیان میں آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق منقول ہے کہ قریش نے سوال کیا تھا۔ یا محمدؐ! آپ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس ایک عصا تھا۔ جس کو پتھر پر مارتے تھے تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلتے تھے اور آپ فرماتے ہیں

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٩﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ

عمل کرتے ہیں اور انہوں نے قسم کھائی اللہ کی پکی قسم کہ اگر آئی ان پر کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے اس پر کہہ دیجئے

إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١١٠﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ

کہ بس نشانیاں تو اللہ کے پاس ہی ہیں اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ جب آئیں تو یہ لوگ ایمان نہ لائیں اور الٹا کر دیں گے ہم ان

وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١١﴾

کے دلوں اور آنکھوں کو جس طرح کہ وہ ایمان نہیں لائے اس پر پہلی مرتبہ اور چھوڑتے ہیں ان کو اپنی سرکشی میں کہ وہ سرگرداں ہیں

حضرت عیسٰی مردوں کو زندہ کرتے تھے نیز آپ فرماتے ہیں کہ قوم ثمود کے لئے ناقہ پیدا ہوئی تھی۔ آپ ہمارے سامنے بھی تو کوئی ایسی نشانی ظاہر کریں تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ حضورؐ نے فرمایا تم کونسی نشانی مجھ سے طلب کرتے ہو تو کہنے لگے آپ کوہِ صفا کو سونا بنا دیں اور ہمارے بعض مردہ لوگوں کو دوبارہ زندہ کردیں تاکہ ہم ان سے آپ کے متعلق دریافت کرلیں اور ہمیں فرشتے دکھائیں جو آپ کی شہادت دیں تو آپ نے فرمایا اگر میں ایسا کروں تو مان لوگے؟ انہوں نے کہا خدا کی قسم ضرور مان لیں گے اور آپ کے تابعدار ہوجائیں گے اس کے بعد مسلمانوں نے بھی سفارش کی کہ آپ ایسا ضرور کریں تو حضورؐ دُعا کے لئے تیار ہوئے پس جبریل امینؑ کا نزول ہُوا۔ اور عرض کی خدا فرماتا ہے اگر آپ چاہیں تو کوہ صفا سونا ہوجائے گا لیکن اگر وُہ نہ مانے تو ان کو فوراً مبتلائے عذاب کردیا جائے گا۔ اگر چاہو تو ان کو اپنی حالت پر رہنے دو۔ تاکہ سوچ سمجھ کر ان کو توبہ کا موقعہ ملے۔ حضورؐ نے فرمایا بس یہی درست ہے۔ لہٰذا دعا ترک کردی۔

وَنُقَلِّبُ ۔ یعنی ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دل اُلٹ جاتے ہیں پس اگر آیات کو مشاہدہ بھی کرلیں تب بھی ایمان پر موفق نہیں ہوتے یا یہ کہ بروزِ محشر ان کو ایمان نہ لانے کی سزا دی جائے گی اور وُہ عذابِ دائمی میں گرفتار رہیں گے۔

پارہ ۸

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ

اور اگر ہم اُتارتے ان پر فرشتے اور کلام کرتے ان سے مُردے اور زندہ کرلائیں ان پر ہر شئے کو

قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ

رُو برو تب بھی وہ ایمان لانے کے نہیں مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن اکثر ان کے جاہل ہیں اور اسی طرح

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ

کئے ہم نے ہر نبی کے لئے دُشمن شیطان انسان اور جن پہنچاتے ہیں ایک دوسرے کی طرف ملمع کی باتیں

الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ

دھوکا کے لئے اور اگر چاہتا تیرا رب تو وہ ایسا نہ کرتے پس چھوڑ ان کو افتراء بازیوں کے ساتھ اور تاکہ مائل ہوں اس کی طرف

رُکوع نمبر ۱

وَلَوْ اَنَّنَا :- یعنی وہ اس قدر ڈھیٹ اور ضدی ہیں کہ اگر ان کے مطالبات پُورے بھی کر دیئے جائیں، ہم فرشتے بھی اُتار دیں اور مردے بھی ان کے ساتھ کلام کریں اور ہر شے زندہ ہو کر اُن کے رُو برو آ جائے تب بھی وہ اپنی ضد کو نہ چھوڑیں گے مگر یہ کہ اللہ ان کو مجبور کرے لیکن اللہ مجبور تو کرتا نہیں۔ لہذا ان سے ایمان کی توقع فضول ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا :- تفسیر برہان و صافی میں بروایت قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے جو بھی نبی بھیجا ہے اس کی اُمّت میں دو شیطان ایسے ہوئے ہیں جو ان کی موجودگی میں تکلیف دیتے رہے اور ان کے بعد ان کی اُمّت کو گمراہ کرتے رہے مثلاً حضرت نوحؑ کی اُمّت میں قیطقوس اور خرام حضرت ابراہیمؑ کی اُمّت میں مکیل اور رزام حضرت موسیٰؑ کی اُمّت میں سامری اور مرعقیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی اُمّت میں بولس اور مریون اور حضرت رسالتمآبؐ کی اُمّت میں جلتر اور رزیق جلتر کا معنی لومڑی اور رزیق کا لغوی معنی ہے نیلی آنکھوں والا اسی مناسبت سے ان کے نام جلتر اور رزیق تھے اور یہ دنیاوی تکالیف ہر مومن کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ چنانچہ جامع الاخبار میں معصوم سے متعدد روایات منقول ہیں کہ کوئی مومن اگر پہاڑ کی چوٹی پر ہو یا ایک روایت میں ہے دریا کی موجوں میں ہو تو وہاں بھی خدا ایک شیطان کو بھیج دے گا جو اس کو اذیت دیتا رہے گا۔ پس دنیا مومن کے لئے آزمائش گاہ ہے اور صبر کلید نجات ہے۔

وَلِتَصْغٰى :- اس کا عطف غروراً پر ہے یعنی ملمع کی باتیں کرتے ہیں دھوکا دینے کے لئے اور اس لئے کہ آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دلوں کو اپنی طرف جھکالیں تاکہ وہ ان کی بات مان کر ان کے افعال و کردار میں ان کے شریک ہو جائیں۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ :- خطاب حضرت رسالتمآبؐ کو ہے اور مراد اس سے اُمّت ہے۔

اَفۡـِٕدَةُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَلِیَرۡضَوۡهُ وَلِیَقۡتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

دل ان کے جو نہیں ایمان رکھتے قیامت پر اور تاکہ اس کو اپنائیں اور تاکہ کسب کریں جو وہ کسب کرتے ہیں

اَفَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا وَّهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیۡنَ

کیا پھر غیر خدا کو اختیار کروں حاکم حالانکہ اسی نے ہی نازل کی تم پر کتاب مفصل اور جن کو ہم نے

اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ

کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ تحقیق وہ اتاری گئی ہے تیرے رب سے برحق پس نہ ہو تو شک کرنے

الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ ۚ

والوں میں سے اور پوری ہو بات تیرے رب کی سچائی اور درستی میں نہیں کوئی تبدیل کرنے والا

وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ

اس کی باتوں کو اور وہ سننے اور جاننے والا ہے اور اگر تو اطاعت کرے زمین والوں کی اکثریت کی تو تمہیں بھٹکا دیں گے

سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ

اللہ کے راستے سے وہ نہیں پیچھے لگتے مگر گمان کے اور نہیں وہ مگر اندازہ کرتے ہیں تحقیق

رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ یَّضِلُّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ﴿۱۱۷﴾

تیرا رب خوب جانتا ہے جو گمراہ ہیں اس کے راستہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو

تَمَّتۡ کَلِمَتُ :۔ کلمہ سے قرآن یا دین یا حجت خدا باختلاف اقوال مراد لئے گئے ہیں۔ تفسیر ائمہ میں ہے کہ امام شکم مادر میں بھی سن سکتا ہے۔ جب امام کی پیدائش ہوتی ہے تو باختلاف روایات اس کے دونوں کندھوں کے درمیان یا اس کی پیشانی پر یا اس کے دائیں بازو پر یہ آیت نقش ہوتی ہے۔ وَتَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ الخ اور جب اپنے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوتا ہے تو خدا اس کے سامنے ایک عمود نور پیدا کرتا ہے جس سے وہ تمام اہل زمانہ کے اعمال دیکھ سکتا ہے (تفسیر برہان وصافی)

وَاِنۡ تُطِعۡ :۔ آیت مجیدہ صاف بتلا رہی ہے کہ لوگوں کا سواد اعظم عموماً گمراہی پر ہوا کرتا ہے اور تھوڑے ہی لوگ حق

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٩﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا

پس کھاؤ اس سے جس پر اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اس کی آیات پر ایمان رکھنے والے ہو اور کیا ہے تمہیں کہ نہ

تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا

کھاؤ اس سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اس نے مفصل بیان کیں جو تم پر حرام کیں مگر وہ جس

اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ

کے کھانے کے لئے تم مجبور ہو جاؤ اور تحقیق بہت لوگ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشات سے بغیر جاننے کے تحقیق تیرا رب خوب

هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١٢٠﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ

جانتا ہے سرکشوں کو اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور باطنی تحقیق جو لوگ کماتے ہیں گناہ

الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿١٢١﴾ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ

عنقریب بدلہ دیئے جائیں گے اس کا جو کماتے ہیں اور نہ کھاؤ اس سے کہ نہ نام لیا جائے اس پر اللہ کا

پر ہوتے ہیں اسی بناء پر ارشاد ہے کہ اگر آپ اکثریت کے پیچھے جائیں گے تو وہ تمہیں راہِ راست سے بھٹکا دیں گے۔ یعنی قلت یا کثرت صداقت کا معیار نہیں ہے حق والوں کو اپنی قلت سے گھبرانا نہیں چاہیئے اور باطل پرستوں کو اپنی کثرت پر اترانا نہیں چاہیئے

فَكُلُوا :- چونکہ اکثریت کا نظریہ یہ تھا کہ اپنی ظنیات کو ہی وہ دین سمجھتے تھے چنانچہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی ماری ہوئی چیزیں کھاتے ہو اور خدا کی ماری ہوئی چیز سے گریز کرتے ہو تو ارشاد خداوندی ہوا کہ ان لوگوں کی مزعومہ باتوں کی پرواہ نہ کیجئے۔ پس وہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا جائے اور جن جن چیزوں کو تم پر حرام کر دیا گیا ہے ان کی تفصیل بتا دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ سب چیزیں حلال و طیب ہیں۔ پس جو جانور اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو اس کے کھانے میں تم کو کوئی باک نہیں ہونا چاہیئے حرام و حلال کی تفصیل اسی جلد کی ابتداء میں مذکور ہو چکی ہے۔

مَا اضْطُرِرْتُمْ :- یعنی حرام چیزوں کا کھانا تمہیں جائز نہیں ہے البتہ جہاں مجبوری ہو مثلاً بھوک سے مر رہا ہو اور کھانے کو کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکتی ہو تو صرف اتنا کھائے جس سے اس کا نفس محفوظ ہو جائے اور اس قدر اس کیلئے معاف ہو جائیگا۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ :- عربوں کا یہ خیال تھا کہ اگر زنا ظاہر کیا جائے تو اس میں گناہ ہے۔ لیکن اگر پوشیدہ طور پر کیا جائے تو اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ پس خداوند کریم زنا کی ہر دو قسموں سے منع فرما رہا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ظاہری گناہ سے

عَلَيۡهِ وَاِنَّهٗ لَفِسۡقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ لَيُوۡحُوۡنَ اِلٰٓى اَوۡلِيٰٓـئِهِمۡ لِيُجَادِلُوۡكُمۡ ۚ

اور تحقیق یہ گناہ ہے اور تحقیق شیاطین وسواس ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کو تاکہ تم سے جھگڑیں اور

وَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡهُمۡ اِنَّكُمۡ لَمُشۡرِكُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾ ع اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا

اگر ان کی اطاعت کروگے تو تم مشرک ہو جاؤ گے کیا ہو جو مردہ پس ہم اس کو زندہ کریں اور کریں

لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ

اس کیلئے نور کہ چلے ساتھ اس کے لوگوں میں اس کی مثل ہے جو تاریکیوں میں ہو کہ نہ نکلنے پائے ان سے اسی طرح

زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ اَكٰبِرَ

مزین ہے کافروں کیلئے جو کرتے ہیں اور اسی طرح کئے ہم نے ہر بستی میں گناہگاروں کے سرکردہ

مراد اعضاء وجوارح کا فعل اور باطنی گناہ سے مراد عقیدہ قلبی ہے یعنی ظاہری وباطنی ہر دو قسم کی برائیوں سے بچو۔

وَاِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ :۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ فارس کے مجوسیوں نے مشرکین مکہ کو خط لکھا تھا۔ کیونکہ زمانہ قدیم سے ان کی دوستی تھی۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ حضرت محمدؐ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے حکم کی اتباع کرتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ وہ اپنی ماری ہوئی چیز تو کھالیتے ہیں اور خدا کی ماری ہوئی چیزوں کو نہیں کھاتے حالانکہ اللہ کی ماری ہوئی مخلوق کی ماری ہوئی چیز سے بدرجہ اولیٰ حلال ہونی چاہیئے۔ پس اس خط وکتابت کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں۔ بہر کیف اس مطلب کی تفصیل استدلالی طریقہ سے ہم نے کتاب کی اسی جلد کی ابتدا میں بیان کی ہے مزید توضیح وہاں طلب کیجئے

رکوع نمبر ۲

اَوَمَنۡ كَانَ :۔ مردہ کے زندہ ہو کر چلنے کی مثال اس شخص کی ہے جو کفر کے بعد ایمان لائے اور نور ایمان کے ساتھ چلے پھرے اور ہمیشہ تاریکیوں میں رہنے والے کی مثال کافروں کی ہے جو نور ایمان کو قبول نہیں کرتے

تقدیر عبارت یہ ہے :۔ مَثَلُهٗ مِثۡلُ مَنۡ فِى الظُّلُمٰتِ :۔ یعنی کافر کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی تاریکی میں ڈوبا ہو تو فرماتا ہے کیا روشنی میں چلنے والا تاریکی میں رہنے والے کی طرح ہو سکتا ہے۔ بعضوں نے کہا کہ نور ایمان کے ساتھ چلنے والے سے مراد ابوجہل ہے اور تفسیر آئمہ میں نور سے مراد ولایت علیؑ لی گئی ہے۔

جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ :۔ خداوند کریم نے مکاروں اور گنہگاروں کے تقرر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ اس نے ان کو ایمان کی طرف مجبور کیا نہیں۔ بلکہ اپنے اختیار پر چھوڑ دیا اور آیات خداوندی کا نزول چونکہ ان کے عناد کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے نیز ان کی تمام قوائے بدنیہ خواہ ظاہری ہوں خواہ باطنی سب اللہ ہی کی عطا کردہ ہیں۔ اس لئے اس کی جانب

مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَاؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ

تاکہ وہ اس میں مکر کریں حالانکہ وہ اپنی ذات کے ساتھ ہی کر رہے ہوتے ہیں اور سمجھتے نہیں اور جب آئے ان پر

اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ

کوئی آیت تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ ہمیں دیا جائے مثل اس کے جو دیئے گئے خدا کے رسول۔ اللہ خوب جانتا

يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ

ہے جہاں رکھتا ہے اپنی رسالت کو عنقریب پہنچے گی ان کو جنہوں نے جرم کیا ذلت اللہ کی جانب سے اور عذاب سخت بوجہ اس

بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ

کے جو کرتے ہیں پس جس کے متعلق چاہے اللہ کہ اس کو ہدایت کرے تو کھولتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ

اور جس کے متعلق چاہے کہ اس کو گمراہ کرے تو کرتا ہے اس کا سینہ تنگ وتاریک گویا کہ وہ چڑھتا ہے آسمان پر

منسوب ہونا درست ہے اور مسئلہ جبر و تفویض کو کتاب کی دوسری جلد میں لکھا جا چکا ہے۔

لَنْ نُّؤْمِنَ:۔ تفسیر صافی میں ہے ابوجہل کہتا تھا کہ عبد مناف کی اولاد ہم سے سبقت لینا چاہتی ہے اور کہتے ہیں کہ ہم میں نبی ہے جس کو وحی الٰہی ہوتی ہے تو ہم ہرگز نہ مانیں گے۔ جب تک کہ ہم پر وحی نہ ہوگی تو خدا اس کے قول کی تردید فرما رہا ہے

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ:۔ یہ آیت آیاتِ مشکلہ میں سے ہے جس کے ظاہر سے جبر کے قول کی تائید ہوتی ہے لیکن خداوند کریم چونکہ جبر و اکراہ سے منزہ و مبرا ہے۔ نہ وہ جبراً کسی کو ایمان کی طرف لاتا ہے اور نہ جبراً کسی کو کافر بناتا ہے بلکہ اس نے کفر و ایمان کے اختیار کرنے میں انسان کو آزاد کر دیا ہے اور دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔ پھر ایمان کے فوائد اور کفر کے نقصانات بھی واضح کر دیئے پس جو جنت میں جائے تو اپنی مرضی سے اور جو جہنم اختیار کرے وہ بھی اپنی مرضی و اختیار سے تو اس مقام پر آیت مجیدہ کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اپنی مرضی و اختیار سے سوچ سمجھ کر دل سے ایمان لاتے ہیں اور اس کے اصول و فروع پر ثبات قدم سے آگے بڑھتے ہیں۔ تو خدا ان کے متعلق دارِ آخرت میں جنت کو واجب کر دیتا ہے اور بہشت میں جانے کی راہیں اس کے سامنے ہموار ہو جاتی ہیں پس اس کا دل اسلام کے ہر حکم کو قبول کرنے کیلئے آگے بڑھتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کیلئے اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کرنے میں بوجھ تو بجائے خود وہ سرور محسوس کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں انتہائی کٹھن اور مشکل مراحل سے عبور کرنا بھی انہیں دشوار نہیں معلوم ہوتا

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا

اسی طرح کرتا ہے اللہ عذاب ان پر جو ایمان نہیں لاتے اور یہ راستہ ہے میرے رب کا سیدھا

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا

ہم نے کھول کر بیان کیں آیتیں واسطے اس قوم کے جو نصیحت پکڑیں ان کے لئے سلامتی کا گھر اپنے رب کے پاس ہے اور وہ ان

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ

کا ولی ہے بوجہ ان کے عمل کے اور جس دن ان کو جمع کرے گا سب کو (تو کہے گا) اے گروہ جن تم نے بہت سے لئے انسان

مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ

(گمراہ کرکے) اور کہیں گے ان کے دوست انسان اے ہمارا رب فائدہ اٹھایا ہم نے ایک دوسرے سے اور پہنچے اس اجل تک جو تو نے ہماری مقرر کی فرمائے گا (خدا)

مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ

جہنم تمہارا ٹھکانا ہے کہ ہمیشہ ہو گے اس میں مگر جب اللہ چاہے تحقیق تیرا رب دانا و بینا ہے اور اسی طرح ملا دیں گے

جیسا کہ شہدائے کربلا کے متعلق تاریخ شاہد ہے کہ بڑھ بڑھ کر نیزوں اور تیروں کو اپنے سینہ پر لیتے تھے اور سرور محسوس کرتے تھے اور اس کے برخلاف جب کوئی شخص اپنے عناد وضد کی بدولت کفر کو اختیار کرے اور اس پر ڈٹا رہے تو خدا اس پر جہنم کو واجب کر دیتا ہے پس جس قدر اس کے سامنے آیاتِ خداوندی کی تلاوت کی جائے اس کے سینہ میں گھٹن اور تنگی زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے اور لمحہ بہ لمحہ حق سے دُور تر ہوتا جاتا ہے اور حق کا قبول کرنا اسے اس قدر سخت اور گراں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آسمان پر چڑھنا مشکل ہے۔ اسی بناء پر آخر میں فرمایا کہ یہ ایمان نہ قبول کرنے کی ان کو سزا ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا گمراہ نہیں کرتا بلکہ جو گمراہ ہو جاتے ہیں تو ان کا سینہ قبولِ اسلام سے تنگ ہوتا چلا جاتا ہے اور بالآخر ان کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور یہ ایمان نہ لانے کا ان پر عذاب ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ۔ یعنی جب بروزِ محشر تمام خلائق کو اٹھایا جائے گا تو ابلیس اور اس کی ذریت جو قوم جنات سے ہو گی سب کو خطاب ہو گا کہ تم نے انسانوں کی بڑی جماعت اپنے ساتھ ملا لی تھی اور ممکن ہے کہ ابلیس کی فوج کے وہ کرنل جنرل جو انسانوں میں سے ہوئے وہ بھی اس خطاب میں شامل ہوں وہ اگرچہ جن نہیں تھے لیکن ابلیس کی رفاقت ومحبت نے ان کو اپنا بنا لیا جیسا کہ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کُلُّ مَنْ وَالٰی قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْ جِنْسِهِمْ یعنی جو بھی کسی قوم سے محبت کرے وہ انہی سے شمار ہوتا ہے خواہ ان کی جنس سے نہ بھی ہو۔

بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ ع یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ

ہم ظالموں کو ایک دوسرے کے ساتھ بوجہ اس کے کسب کرتے تھے اے گروہ جن و انس کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس تم میں سے رسول

مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ وَ یُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤی

کہ بیان کرتے تم پر ہماری نشانیاں اور تمہیں ڈراتے اس دن کی ملاقات سے کہیں گے ہم مانتے ہیں اپنا قصور اور ان کو

اَنْفُسِنَا وَ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ شَهِدُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِیْنَ ﴿۱۳۱﴾

دھوکہ دیا زندگانی دنیا نے اور مانیں گے اپنا قصور کہ وہ کافر تھے

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ

یہ اس لئے کہ نہیں ہے تیرا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم سے کہ ان کے اہل پردۂ غفلت میں ہوں اور ہر ایک کیلئے درجے ہیں

قَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ :۔ خطاب خداوندی کے جواب میں وہ انسان نما جن جو ابلیس کے ہم پیالہ و ہم نوالہ تھے بول اُٹھیں گے کہ اے پروردگار! ہم موقعہ موقعہ پر ایک دوسرے سے برابر فائدہ اُٹھاتے تھے یعنی ایسا نہیں کہ قوم جن کو اس سلسلہ میں ہم پر سبقت حاصل ہو۔ پس وہ پیش رو ہوں اور ہم ان کے پیرو ہوں بلکہ ہم اس پاٹ کے ادا کرنے میں ابلیس کے برابر کے حصہ دار ہیں کسی وقت وُہ ہم سے امداد لیا کرتا تھا اور کسی وقت ہم اس کی مدد لے کر کام نکال لیتے تھے۔ گویا ابلیس کے مقتدی ہونے میں وُہ اپنی توہین سمجھیں گے پس حکم ہوگا کہ سب جہنم میں جاؤ۔ وہ تمہارا ہمیشہ کا ٹھکانا ہے۔

نُوَلِّیْ :۔ اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ جب لوگوں کے اعمال بد ہو جاتے ہیں تو خدا ان پر ظالم حاکم کو مسلط کر دیتا ہے چنانچہ مجمع البیان میں کافی سے مروی ہے مالک بن دینار کہتا ہے میں نے بعض کتب حکمت میں پڑھا ہے خدا فرماتا ہے میں اللہ بادشاہوں کا بادشاہ ہوں اور بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں۔ اپنے اطاعت گذاروں پر ان کو رحمت بنا کر مسلط کرتا ہوں اور نافرمانوں پر ان کو عذاب بنا کر مسلط کرتا ہوں پس بادشاہوں کو گالیاں نہ دو بلکہ اپنے مہربان ترین پروردگار کی بارگاہ میں توبہ کرو۔

رکوع نمبر ۲

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ :۔ خداوندکریم نے جنوں اور انسانوں پر اپنی حجت تمام کرنے کیلئے رسولؐ بھیجے بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہی رسول جو انسانوں کی طرف آتے تھے جنوں پر بھی اتمام حجت کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں کے لئے علیحدہ نبی و رسول بھیجے گئے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ کیا قوم جنات کی طرف بھی خدا نے کوئی رسول بھیجا تھا تو آپ نے فرمایا ہاں ایک نبی بھیجا تھا جس کا نام یوسف تھا اُس نے ان کو دعوت توحید دی تو انہوں نے اس کو شہید کر ڈالا تھا حضرت سلیمان پیغمبر جنوں اور انسانوں دونوں کے مبلغ تھے اور حضرت رسالتمآبؐ کے متعلق تو سب کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ جنوں

مِمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ

اپنے عمل کے — اور نہیں تیرا رب غافل اس سے جو عمل کرتے ہیں — اور رب تیرا غنی صاحب رحمت ہے — اگر چاہے تو

يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

تمہیں ختم کر دے اور پیچھے لائے تمہارے بعد جو چاہے جس طرح تمہیں پیدا کیا — دوسروں کی — ذریت سے

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ

تحقیق جو تم وعدہ کئے گئے ہو آنے والا ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے — کہہ دیجئے اے قوم عمل کرو — اپنے مقام پر

اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

میں بھی عمل کرتا ہوں پس عنقریب جانو گے کس کے لئے ہے انجام آخرت کا — تحقیق نہ چھٹکارا پائیں گے ظالم

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

اور کیا انہوں نے اللہ کے لئے اس سے جو اس نے پیدا کیا کھیتی اور چوپاؤں سے حصہ تو کہا یہ اللہ کے لئے ہے اپنے گمان کے مطابق اور یہ

اور انسانوں سب کے نبی ہیں۔

وَذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ :۔ یعنی خداوند کریم ظلم کے ساتھ کسی بستی والوں کو عذاب میں گرفتار نہیں کرتا جبتک کہ ان کو غفلت سے جگانے والا کوئی اپنی طرف سے نبی یا حجت نہ بھیجے کیونکہ اتمام حجت کے بغیر عذاب ظلم ہے اور اللہ ظلم سے پاک و منزہ ہے اور وہ عادل ہے

اِنْ يَّشَاْ :۔ یعنی جسطرح تمہیں پیدا کیا اور زمین پر تم کو آباد کیا۔ حالانکہ تم سے پہلے کچھ اور قومیں آباد تھیں اب تم ان کے قائم مقام اور وارث بن گئے ہو اسی طرح اگر خدا چاہے تو ان دونوں قوموں کو ختم کر دے اور ایک ایسی قوم کو زمین کا وارث بنا دے جو ان دونوں سے الگ ہو

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ :۔ یعنی اپنی اپنی منزل یا اپنے اپنے مقدور کے مطابق۔ یا اپنے اپنے طریقہ پر یا اپنی حالت پر کام کئے جاؤ اور میں اپنے طریق سے کام کرتا ہوں آخر تم کو معلوم ہو گا کہ اچھائی کس میں تھی؟ گویا یہ تہدیدی سرزنش ہے جو امر کے لباس میں کی گئی ہے۔

عربوں کی بدعادات

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ :۔ تفسیر صافی میں ہے کہ عربوں کا دستور تھا کہ اپنی کھیتی باڑی میں سے ایک حصہ اللہ کیلئے مقرر کرتے جو مساکین پر خرچ کرتے تھے اور اس سے مہمان نوازی بھی کرتے تھے اور ایک حصہ بتوں کیلئے مقرر کرتے جو بت خانہ کے ملازمین کو دیا کرتے تھے پھر دیکھتے تھے کہ جو چیز اللہ کیلئے مقرر ہے اگر وہ زیادہ اچھی ہے تو اس کا بتوں کیلئے مقرر کردہ چیز سے تبادلہ کر لیتے تھے اور اگر بتوں والی چیز زیادہ اچھی ہوتی تو اپنے مقام پر رہنے دیتے تھے اور کہتے تھے اللہ کو کیا ضرورت ہے وہ تو غنی ہے

لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَآئِهِمْ

ہمارے شریکوں کے لئے پس جو ان کے شریکوں کے لئے ہوتا وہ تو اللہ تک نہ پہنچ سکتا تھا اور جو اللہ کے لئے ہوتا تو وہ ان کے شریکوں کو بھی

سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿١٣٧﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

ملتا تھا بہت برا حکم کرتے ہیں وہ اور اسی طرح مزین کیا بہت سے مشرکوں کے لئے اپنی اولاد کا قتل کرنا ان کے شریکوں نے

لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٨﴾

تاکہ ان کو ہلاک کریں اور تاکہ مشکوک کریں ان پر ان کا دین اور اگر چاہتا اللہ تو ایسا نہ کر سکتے پس چھوڑو ان کو ساتھ ان کے افتراؤں کے

وَقَالُوا هٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ

اور کہا انہوں نے کہ یہ چوپائے اور کھیتی منع ہے نہ کھائے اسکو مگر جسے ہم چاہیں اپنے گمان میں اور کئی چوپائے

حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيهِم

ان پر سواری حرام ہے اور کئی چوپائے نہیں نام لیتے اللہ کا ان پر افتراء کرتے ہوئے اس پر عنقریب ان کو بدلہ دیگا

اور مجمع البیان میں آئمہ سے مروی ہے کہ اللہ کا مقرر کردہ حصہ اگر بتوں کے حصہ میں مل جاتا تو الگ نہ کرتے تھے لیکن اگر بتوں کے حصہ میں سے کچھ اللہ کے حصہ میں مل جاتا تو اُسے واپس الگ کر لیتے اور کہتے تھے کہ اللہ غنی ہے اسی طرح جب اللہ کے لئے مقرر کردہ کھیتی سے پانی بہہ جاتا اور بتوں کی کھیتی میں آتا تو اس کو بند نہ کرتے تھے لیکن اگر بتوں کی کھیتی کے پانی میں شگاف ہوتا اور اللہ کی کھیتی کی طرف آتا تو اُسے فوراً بند کر لیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کو کیا ضرورت ہے۔ خداوندکریم ان کے اس دستور کی حکایت اور مذمت فرما رہا ہے۔

(۲) وَكَذٰلِكَ ۔ عادتِ سابقہ کی طرح بعض عربوں میں دوسری بدعادت یہ تھی کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ فقر وفاقہ کے پیشِ نظر یا عار وشرم کے خطرہ سے اور بت خانہ کے محافظین نے اس اقدام کی طرف انہیں آمادہ کیا تھا۔ اصل وجہ یہ ہوئی کہ حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر نے ایک قوم عرب پر چڑھائی کی تو فتح کے بعد وہ ان کی لڑکیوں کو اسیر کرکے اپنے ساتھ لے گیا۔ جن میں ایک عرب سردار قیس بن عاصم کی لڑکی بھی تھی۔ پھر فریقین کی آپس میں صلح ہوئی تو ہر لڑکی نے واپس آنا قبول کیا لیکن قیس کی لڑکی نے واپس آنے سے انکار کر دیا پس قیس نے قسم اٹھائی کہ ہر پیدا ہونیوالی لڑکی کو آئندہ دفن کروں گا پس رفتہ رفتہ یہ بدعادت عربوں میں سرایت کر گئی اور شرفاء عرب نے اپنا دستور مذہب بنا لیا

(۳) ان کا دستور تھا کہ بعض چوپاؤں اور کھیتوں کے متعلق کہتے تھے کہ ان کا کھانا حرام ہے مگر جن لوگوں کو ہم اجازت دیں اور بعض چوپاؤں کے متعلق کہتے تھے ان پر سواری حرام ہے مگر جن کو ہم اجازت دیں اور بعض حیوانوں پر بوقتِ ذبح بتوں کا نام لیتے تھے اور ان سب باتوں کے

بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٩﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا

ان کے افترائوں کا اور کہا اُنہوں نے کہ جو ان چوپاؤں کے شکم میں ہے خالص ہے ہمارے مردوں کیلئے

وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ

اور حرام ہے ہماری عورتوں پر اور اگر وہ مُردہ ہو تو سب اس میں شریک ہوتے ہیں۔ عنقریب بدلہ دے گا

اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٤٠﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا

ان کو ان کی باتوں کا تحقیق وہ دانا و بینا ہے تحقیق نقصان اُٹھایا جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا بیوقوفی سے بغیر علم کے اور حرام کیا انہے

مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٤١﴾ ع ۴

اُسے وہ جو ان کو رزق دیا اللہ نے افترار کرتے ہوئے اللہ پر تحقیق گمراہ ہوئے اور نہ تھے ہدایت پانے والے

باوجود دعویٰ کرتے تھے کہ ہم کو اللہ نے حکم دیا ہے پس وہ اللہ پر افترار پردازی بھی کرتے اسی جلد کی ابتداء میں سائبہ وسیلہ اور حام کی تفسیر میں اس مقصد کی تفصیل گذر چکی ہے۔ ص۱۶۴ و ص۱۶۵

(۴) وَقَالُوْا :- بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا تھا وہ کہتے تھے کہ اگر بچہ زندہ پیدا ہوگا تو مردوں پر حلال ہوگا اور عورتوں پر حرام ہوگا لیکن اگر اُن کے پیٹ سے بچہ مُردہ پیدا ہو تو اس میں عورت و مرد دونوں شریک ہونگے اور ہر ایک پر اس کا کھانا حلال ہوگا اور اسی شق میں ان کی نافرمانی چار طرح کی تھی (۱) اللہ کا نام لئے بغیر ذبح کرنا (۲) اسے خدا کا حکم کہہ کر حلال جاننا (۳) زندہ پیدا ہونے والے بچے میں مرد و عورت کا تفرقہ (۴) مردہ بچے میں دونوں کی مساوات۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ :- عربوں کی ان جاہلی بدعادات کا مرجع و مآل دو باتیں بنتی ہیں۔ لڑکیوں کو قتل کرنا۔ خدا کے حلال کو حرام اور اس کے حرام کو حلال سمجھنا پس اس آیت مجیدہ میں پرزور الفاظ میں ان کی سرزنش فرمائی۔ پہلے فرمایا کہ وہ خسارہ میں ہیں جو اولاد کو قتل کرتے ہیں اور اللہ کے حلال رزق کو حرام کہتے ہیں پھر فرمایا یہ ان کے کرتوت اللہ پر افترار ہیں۔ پھر آخر میں فرمایا کہ ایسے لوگ راہ راست سے دُور اور گمراہی میں مبتلا ہیں۔

عبرت و نصیحت

قرآن مجید میں اس قسم کے قصص و حکایات صرف کانوں تک محدود رکھنے کے لئے نہیں بلکہ اس قسم کے واقعات درحقیقت قیامت تک کے لئے درس آموز ہیں اور قرآنی تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ جاہلی عرب خدا کے وجود کے منکر نہیں تھے بلکہ بتوں کی پرستش کو ذات احدیت تک رسائی کا اور اس کی بارگاہ تک قرب حاصل کرنے کا وسیلہ قرار دیتے تھے۔ بایں ہمہ ان کو مشرک کہا گیا ہے کیونکہ وہ اپنے اعمال سے

بتوں کو استقلالی حیثیت دے کر فرائض خداوندی کو نظر انداز کرتے تھے اور اپنی اچھی سے اچھی چیز بتوں کی نذر کر کے بُری اور ردّی چیز خدا کے لئے مقرر کر دیتے تھے اور بہانہ یہ کرتے تھے کہ خدا کو کیا ضرورت ہے۔ وہ تو غنی مطلق ہے میری قوم اگر بُرا نہ مانے تو ذرا ہم بھی چشم بصیرت سے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ان جیسی عادات ہم میں تو کہیں نہیں پائی جاتیں ہم نے خدا اور وسیلہ کے درمیان تو اس قسم کی تقسیم نہیں کی ہم خدا کے لئے کتنی قربانی کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وسیلہ کیلئے جس قدر قربانی کی جاتی ہے وہ درحقیقت خدا کی خوشنودی کے لئے ہی ہے تو پھر دیکھنا یہ ہوگا کہ عرب جو قربانیاں وسیلہ کی نذر کرتے تھے۔ کیا وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہم اللہ کی خوشنودی کی خاطر ہی ایسا کرتے ہیں۔ پھر فرق کیا رہا؟ کروڑہا روپیہ ہر سال عزاداری کے نام پر صرف ہوتا ہے لیکن اگر نظر غائر اور فکر صائب سے حالات وحقائق کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اتنی زر کثیر میں سے صرف ہزاروں روپے کا خرچ خوشنودی خدا کیلئے ہوتا ہے اور اس کا اکثر حصہ نام و نمود یا تعیش دماغی یا بے ہودہ رسوم اور فقط ہاؤ ہو کی خاطر ہی برباد ہو جاتا ہے اور اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عزاداری کی اسٹیج شرعی احکام اور قرآنی فرامین سے بالکل بیگانہ ہوتی ہے بحضرت سید الشہداء علیہ السلام کا مقصد شہادت قطعاً نظر انداز کر دیا جاتا ہے خود اسٹیج پر تشریف لانے والے حضرات حسینی کردار سے انتہائی بیگانہ اور کوسوں دُور ہوتے ہیں جن جن خلاف شرع باتوں کے خلاف حسین علیہ السلام نے قربانی دی تھی اس سے کئی گنا زیادہ خرابیاں ان حضرات میں پیدا ہوتی ہیں جو ذکر حسینی کیلئے پیش پیش نظر آتے ہیں رنگ و شباہت میں اسلام سے پہلو تہی۔ لباس غیر اسلامی اخلاق میں بے راہ روی اور عادات میں بے پناہ بے دینی کا ظہور نہ نماز نہ روزہ اور نہ حلال وحرام میں فرق۔ غرضیکہ صرف زبان سے اعلان ہوتا ہے اور پُرزور الفاظ میں ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ حسینؑ نے اسلام کو زندہ کیا اس سے مراد یہی اسلام ہے جو ان لوگوں کے عادات و اطوار اور کردار و گفتار سے عیاں ہے۔ دریں صورت اگر کوئی جویائے حق مجلس میں آجائے تو وہ کیا درس لے کر جائے گا۔ اور کونسی حقیقت سے متاثر ہو کر اٹھے گا وہ صرف اتنا بلکہ یہ کہتا پھرے گا کہ حسینؑ کا رونا ہی نجات کے لئے کافی ہے وہ نہ پوچھے گا کہ حسینؑ نے کس مقصد کو پروان چڑھایا اور کون سے اسلام میں از سر نو روح حیات پھونکی اور حسینؑ کے مقصد اور اس کے پیش کردہ اسلام میں سے تم نے کیا کچھ لیا۔ اگر اپنا کردار یزیدی ہو تو صرف زبان سے حسینؑ کی حقانیت کا نعرہ بلند کرنا چنداں مفید نہیں ہو سکتا اور جب اسٹیج حسینی پر تشریف لانے والے دین حسینؑ سے بیگانہ ہوں تو عوام کا کونسا رونا رویا جائے۔ عوام کو وہی پسند ہوگا جو اسلام کا پیغام سنبھالے بغیر سیدھی جنت کا ٹکٹ دیدے۔ وہ یہ نہ بتائے کہ حسینؑ کا دین کیا تھا اور حسینؑ کا مشن کیا تھا۔ صرف وہ یہ لفظ دہراتا رہے کہ حسینؑ جنت کا سردار ہے وہ یہ نہ کہے کہ علیؑ والوں پر کونسے فرائض عائد ہوتے ہیں اور شیعان علیؑ کی علامات کیا ہیں؟ بلکہ صرف اتنا ہی کہدے کہ علیؑ کا نام لینے والے جاگیر جنت کے مالک ہو جاتے ہیں بس مجالس کا مآل صرف یہی ہو کر رہ گیا۔ آمدند نشستند و برخاستند۔ جیسے گئے ویسے واپس آگئے یہاں سنی سنائی باتیں پھر سن کر آگئے کہ علیؑ امام برحق تھا اور حسینؑ بے گناہ مارے گئے۔ یہ درس نہ کسی نے پڑھا اور نہ سُنا کہ علیؑ نے کیا لائحہ عمل اور دستور زندگی کیا کچھ بتایا اور حسینؑ کن اصول و فروع کو فروغ دینے کے حامی تھے۔ جن کی وجہ سے اس قدر دلسوز و ہوشربا مصائب کا سامنا کرنا پڑا؟

اگر یہ کہا جائے کہ یہ کوتاہی کن کی ہے اور اس کا مجرم کون ہے ؟ تو میں کھلے لفظوں میں بلا جھجک کہنے کو تیار ہوں کہ سب سے بڑا قصور ان لوگوں کا ہے جو اپنے تئیں عالم کہلوا کر کلمۂ حق کے زبان سے جاری کرنے سے گریز کرتے ہیں انہوں نے اسٹیج حسینی کے فرائض کو یکسر پس پشت ڈال دیا اور عوام کی خوشنودی اور اپنی جیب بھری کی خاطر ان کو مقصد شہادت سے بے بہرہ رکھا جس طرح سابق علمائے یہود منافع دنیاویہ کی خاطر تورات کی آیات کو توڑ مروڑ کر اپنا کام نکالتے تھے جن آیات میں بداعمالیوں کی سزا کا بیان ہوتا یا جو آیات نیک اعمال کی دعوت دیتیں ان کو چھپاتے تھے اور جن آیات میں حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والوں کے لئے جنت کی پیش کش تھی ان کو دہرا دہرا کر قوم کو خوش کرتے اور ان کے حلوے مانڈے وصول کر کے پیٹ پوجی کرتے تھے۔ ان لوگوں نے بعینہٖ انہی عادات کا مظاہرہ مطمع نظر رکھ دیا ہے کہ جن جن احادیث و آیات میں عمل کی دعوت ہے۔ اسٹیج پر ان کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور جن جن آیات واحادیث میں ولائے علیؑ پر جنت کی پیش کش ہے وہ زور زور سے بیان کی جاتی ہیں۔ نعرے بھی لگ گئے داد تحسین بھی ہو گئی اور جیب بھی پُر ہو گئی اگر یہ کہا جائے کہ عوام اب اعمال کی بات سنتے نہیں تو یہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ عوام کو جس طرح فضائل کے سننے کا عادی بنا دیا گیا ہے ان کو احکام شرعیہ کے سننے کا عادی بھی بنایا جا سکتا ہے ایران و عراق میں ذاکرین و واعظین مجالس میں مسائل شرعیہ بیان کرتے ہیں اور لوگ سنتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہاں کی عورتیں بھی باریک و دقیق مسائل فقہیہ سے بخوبی واقف ہیں اور یہ ہمارا اسٹیج چونکہ احکام شرعیہ سے بیگانہ ہے۔ یہاں عورتیں تو بجائے خود مردوں کو بھی کسی دینی حکم کا پتہ نہیں اور ایمان کے بڑے بڑے دعوے کرنے والوں کو معمولی سے معمولی مسئلہ فقہیہ سے واقفیت نہیں نماز روزہ کے جزوی مسائل تو درکنار خود نماز نہیں آتی کلمہ پڑھنا نہیں آتا۔ وضو و غسل کے طریقہ کا پتہ نہیں اور صحیح طہارت کی خبر نہیں تو بتائیے۔ ستر یا اسیؔ سال حسینؑ کے ماتم کی صف بچھانے والے کو تا دم مرگ کلمۂ اسلام بھی درست یاد نہ ہو سکے تو اس نے اس طویل عرصہ میں حسینی پیغام کیا سنا اور وہ کیا سمجھا کہ حسینؑ نے کونسا اسلام بچایا تھا اور اس اسلام کی حدود کونسی ہیں؟ علیؑ کی غصب خلافت کو روتے ہیں لیکن یہ کسی نے نہ بتایا کہ علیؑ کون کون سے قوانین و فرامین کا نفاذ چاہتے تھے۔ خدا کی قسم صفحۂ قرطاس پر اپنا درد دل زبان قلم سے اگل رہا ہوں۔ بہت کچھ داستان غم باقی ہے لیکن موضوع اجازت نہیں دیتا کہ آگے بڑھوں غور کیجئے۔ کروڑ ہا روپیہ کا سالانہ خرچ کس جائز مصرف پر کام آیا۔ ہاں عوام کو اس لائن پر لگایا جا سکتا ہے بشرطیکہ بیان کرنے والے اپنے بیان میں حسینی مشن کی پاسداری کا خیال کریں۔ یہ بیان کرنے والوں سے لوگوں نے سنا کہ حسینی مقصد کی اشاعت میں جس قدر روپیہ خرچ ہو۔ وہ باعث خوشنودی خدا و رسولؐ ہے تو کروڑ ہا روپیہ ہر سال عزاداری کے بہانہ سے خرچ ہو جاتا ہے اگر ساتھ ساتھ یہ بھی بیان ہوتا کہ اس روپیہ کا جائز مصرف یہ ہے اور ناجائز یہ ہے تو اس میں کیا قباحت تھی لیکن چونکہ اپنی آمدنی میں کمی کا اندیشہ ہے لہذا خرچ کرنا بتایا اور کس طرح کرنا ہے ؟ نہ بتایا۔ بیان کرنے والوں کے زور بیان کے نتیجہ میں جو لوگ اپنے بدنوں کو چھلنی کر سکتے ہیں تو اگر حسینؑ کی نماز کے صدقہ میں نماز کی اہمیت بیان ہوتی تو وہ کس طرح قبول نہ کرتے جس کے دل میں حسینؑ کا درد ہے اس کے دل میں حسینؑ کی ہر پیاری چیز کا درد ہو گا اگر بتایا جائے کہ حسینؑ کو نماز کس قدر عزیز تھی کہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں بلبلاتے ہوئے بچوں کو دیکھتے چمکتی ہوئی تلواروں کے سائے میں بل کھاتے نیزوں کے سامنے اور طوفان کی طرح برستے ہوئے

تیروں کی بارش میں ہر محبت کو دل سے نکال کر اپنے پروردگار کی محبت میں سربسجود ہو کر نماز اور دینِ خدا کی لاج رکھ لی۔ بھلا نماز کی یہ اہمیت سُن کر کون حسینی ہے جو نماز خدا سے منہ پھیرے اسی طرح تمام احکام شرعیہ کو اگر اہمیت سے بیان کیا جائے تو عوام میں قبول کا مادہ بھی ہے اور وہ ہر ممکن قربانی دینے کو تیار بھی ہیں جو قوم کروڑہا روپیہ سالانہ عزاداری پر خرچ کر سکتی ہے وُہ فرائضِ زکوٰۃ وخمس سے کیوں ناآشنا ہو۔ جو قوم زیارات پر شوق سے روپیہ خرچ کر سکتی ہے وہ حج سے بے بہرہ کیوں ہو؟ ہاں میں وانشگاف الفاظ میں کہنے کو تیار ہوں کہ جو لوگ اپنے مال سے زکوٰۃ وخمس ادا نہیں کرتے تو ان کے مال میں مساکین وغرباء کے حقوق موجود ہیں۔ اگر ایسا روپیہ عزاداری پر خرچ کیا جائے تو فائدہ مند نہ ہوگا۔ ہر عزادار کو سوچنا چاہیئے کہ آیا میرا مال جس سے عزاداری پر خرچ کر رہا ہوں حلال تو ہے اگر حلال نہیں تو پہلے حلال کرنا ضروری ہے۔ پھر خرچ کرے بعض لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ زکوٰۃ یا خمس علیحدہ کر لیتے ہیں اور آہستہ آہستہ سال بھر کی مجالس میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ذاکرین وواعظین کی خدمت بھی اسی پیسہ سے کی جاتی ہے اور یہ سراسر ناجائز اور غلط طریقہ ہے اس سے نہ فریضۂ زکوٰۃ وخمس ادا ہوگا اور نہ عزاداری کا ثواب ملے گا۔ پس خدا کی جانب سے فرض کردہ حقوق اپنے مقام پر رہیں اور آئمہ کی طرف سے عائد شدہ حقوق اپنے مقام پر رہیں۔ جس مال سے خدائی حقوق ادا نہ ہوں گے وہ بارگاہِ آئمہ میں بھی قابلِ قبول نہ ہوگا۔ جاہلی عرب کے دستور کی مذمت سے ہمیں عبرت ونصیحت حاصل کرنی چاہیئے ورنہ ہم بھی اسی مذمت کے حقدار ہوں گے۔ جس طرح وہ تھے۔ کیونکہ قرآنی آیات قیامت تک کیلئے زندہ ہیں۔ حسینی مشن کی تبلیغ کے دو طریقے ہیں۔ ایک عمومی طریقہ جس کے ذریعہ سے حسینی مشن کی صداقت وحقانیت سے عام انسانوں کو روشناس کرا دیا جائے۔ اور دوسرا خصوصی طریقہ جس سے حسینی مشن کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔ پہلی صورت کیلئے انعقادِ مجالس اور اہتمام عزاداری نہایت کامیاب اور مفید ترین طریقہ ہے لیکن دوسری صورت کے لئے جس کا نتیجہ پہلی صورت کی بہ نسبت زیادہ معنی خیز اور مفید تر ہے وہ زیادہ سے زیادہ مدارسِ دینیہ کا قیام ہی ہو سکتا ہے کیونکہ مدارس دینیہ علوم آلِ محمدؐ کی نشرگاہیں ہیں۔ ان کے ذریعہ سے حسینی مشن کے صحیح خدوخال معلوم ہوتے ہیں۔ دشمنانِ دین کے سوالات کے جوابات کا بھی انہی سے پتہ چلتا ہے اور مقصدِ حسینی کی پوری وضاحت کے کفیل بھی یہی ہو سکتے ہیں اگر ہم نظرِ انصاف سے دیکھیں تو دوسری اقوام کے سامنے شرم کے مارے منہ نیچا کرنا پڑتا ہے۔ کہ جہاں دوسری اقوام کے دینی مدارس کی تعداد ہزاروں سے زائد ہے وہاں حسینی مشن کے پاسدار مدارسِ جعفریہ کی تعداد پورے ملک میں انگلیوں پر گننے کے قابل ہے اور پھر وہ بھی کس مپرسی کی حالت میں۔ اگر میری قوم بُرا نہ مانے تو عرض کر دوں۔ جہاں حسینی مشن کی تبلیغ وترویج کے عمومی پہلو کی خاطر کروڑہا روپیہ سالانہ صرف کیا جاتا ہے۔ وہاں اس مقدار سے نصف ہی یا چوتھائی ہی سہی۔ بلکہ اس سے بھی بہت کم۔ بہرحال کچھ نہ کچھ تو پیغامِ حسینی کی خصوصی ترویج وبقا کے لئے بھی خرچ ہو۔ پس جہاں ہمارا عمومی تبلیغی پہلو کامیاب ہے وہاں ہمیں اس پہلو سے بھی پہلو تہی نہیں کرنی چاہیئے۔ ہم نے اپنی قوم کی سخاوت اور دریادلی کے بل بوتہ پر جامعہ علمیہ باب النجف کی بنیاد ایک ایسے علاقہ میں رکھی تھی۔ جہاں حسینی والوں کی تعداد بہت کم تھی لیکن ہمیں یہ یقین تھا کہ قوم کا ہر فرد اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس کو اوجِ رفعت پر پہنچانے میں ہماری آواز پر لبیک کہے گا لیکن تجربہ کے بعد معلوم ہُوا کہ قوم صرف وہاں خرچ کرتی ہے

جہاں نام و نمود ہو ہاؤ ہو ہو اور سمعی و دماغی عیاشی ہو۔ دیکھئے میں خود عزادار ہوں اور عزاداری کو عین ایمان سمجھتا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ امام حسینؑ کی عزاداری میں تصنع اور بناوٹ کا رنگ نہ ہو بلکہ حقیقت ہی حقیقت ہو۔ ہماری عزاداری صحیح معنوں میں ہو، عزادار صحیح معنوں میں ہوں، بیان کرنے والے صحیح طریقہ پر بیان کریں اور اس پر جو خرچ ہو۔ صحیح طریقہ پر ہو۔ تاکہ ہر دیکھنے اور سننے والے کو ہماری عزاداری اپنی طرف جذب کر سکے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارا کردار، ہمارا طریقہ، ہماری عادات خود مفہوم عزاداری کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوں تو اس صورت میں دیکھنے والا بجائے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے تماشائی بن کر آئے گا اور ویسے کا ویسا پلٹے گا اور اس قسم کی غلطیوں کا ازالہ صرف مدارس دینیہ کی کثرت سے ہی ہو سکتا ہے اور علمائے کرام کی حوصلہ افزائی سے ہی اس اہم مقصد میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اگر مدارس دینیہ پر صرف رقوم واجبہ ہی خرچ کی جائیں۔ تب بھی بہت کچھ کام چل سکتا ہے۔ قرآن مجید نے لڑکیوں کے قتل کرنے کی مذمت کی۔ اس قصہ کو صرف اسی حد تک محدود رکھنا ناانصافی ہے کہ صرف جاہل عربوں کا ہی دستور تھا۔ چونکہ قرآن کی ہر آیت قیامت تک زندہ ہے لہٰذا قیامت تک کے لئے آیت مجیدہ کا عمل باقی ہے اس زمانہ میں عار و شرم کی وجہ سے لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا یا قتل کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ ہماری لڑکی کو دوسرا کوئی نہ لے اگر یہ عادت ہم میں بھی موجود ہو تو اس سے بچنا ہمارا فرض ہو گا بمضمون احادیث ہے کہ کنواری نوجوان لڑکی کو بلا وجہ شادی سے محروم رکھنا گناہ ہے اور نیک بخت ہے وہ انسان جس کی لڑکی پہلا خون حیض بھی شوہردار ہو کر دیکھے اور ایک حدیث میں ہے اگر کوئی مومن کسی مومن سے لڑکی کا رشتہ طلب کرے تو اگر وہ طلب کرنے والا حق مہر اور لڑکی کے اخراجات ادا کرنے پر توفیق رکھتا ہے تو لڑکی والے پر اس کی خواہش کو قبول کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ کسی اہم نقصان یا خرابی کا خطرہ نہ ہو۔ احادیث اس باب میں بکثرت موجود ہیں۔ پس جوان لڑکی کو بلا عذر شرعی بغیر شادی کے گھر رکھنا گناہ کبیرہ ہے اور جو لوگ اس بدترین گناہ کے مرتکب ہیں وہ ان عربوں سے بدتر ہیں۔ جو لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے کیونکہ اُن کے ظلم سے لڑکی کا سرے سے خاتمہ ہو جاتا تھا اور ان کے ظلم سے تو جوان لڑکی نہ مرتی ہے اور نہ جیتی ہے۔ بعض جہلا جب اپنی لڑکی کا رشتہ کہیں نہیں کرتے اور عذر کرتے ہیں کہ ہمیں شان مرافق داماد نہیں ملتا۔ بعینہٖ انہی جاہل عربوں والا عذر ہے۔ پھر بعض مقامات پر کہتے ہیں ہماری لڑکی کا قرآن سے عقد ہے کوئی کہتا ہے کہ مصلا سے عقد ہے کوئی کہتا ہے علم حضرت عباس سے عقد ہے اس قسم کے خرافات پنجاب کے بعض خاندانوں میں اب تک موجود ہیں اور اسی کا نام ہے زندہ درگور کرنا۔ ان جہلا سے پوچھنے والا کوئی نہیں۔ کہ اپنے لڑکوں کی تو دو دو بلکہ تین تین اور چار چار تک بیویوں سے شادی کرا دی جاتی ہے ان میں سے کسی ایک کا تو قرآن یا مصلا یا علم سے عقد کر دو لیکن وہ چونکہ مرد ہیں۔ اس لئے آزاد ہیں اور لڑکیاں چونکہ مسکین ہوتی ہیں اور حیا ان کو مانع ہوتی ہے اپنی خواہش کے اظہار کو اپنی عفت و شرافت کے منافی سمجھتی ہیں۔ اس لئے ماں باپ کے سامنے نام نہیں لے سکتیں۔ پس ان کو اُلٹی چھری سے ذبح کیا جاتا ہے اور وہ اندرون پردہ موت سی زندگی گزار کر دنیا سے آخر چل بستی ہیں۔ خدا ایسے لوگوں کو ہدایت کرے جو اپنی اولاد پر اس قسم کے مظالم ڈھاتے ہیں اور ان کو ذرہ بھر بھی رحم نہیں آتا۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ

وہ وہی ہے جس نے پیدا کئے باغات چھتوں پر اور بغیر چھتوں کے اور کھجور اور کھیتی کو

مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ

الگ الگ ہے ان کا ذائقہ اور زیتون اور انار ملتے جلتے اور جدا جدا کھاؤ ان کے پھل

اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤٢﴾

جب پھلدار ہوں اور ادا کرو اس کا حق کٹائی کے دن اور نہ بے جا خرچ کرو تحقیق وہ نہیں دوست رکھتا بے جا خرچ کرنے والوں کو

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

اور چوپاؤں سے سواری کے لئے اور فرش کے لئے کھاؤ جو تمہیں رزق دیا اللہ نے اور نہ پیچھے چلو نقش قدم

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٤٣﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ

شیطان کے تحقیق وہ کھلا تمہارا دشمن ہے آٹھ جوڑے بھیڑ سے دو اور

رکوع نمبر ۴ :- جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ :- یعنی بعض پودے ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے زمین سے بلند چھتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے جیسے انگور اور بعض پودوں کیلئے چھتوں کے اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ :- اس حق سے زکوٰۃ مراد نہیں کیونکہ زکوٰۃ کا حکم مدینہ میں نازل ہوا۔ اور یہ آیت مکی ہے بلکہ یہاں حق سے مراد عام صدقہ ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کھیتی میں دو حق واجب ہوتے ہیں ایک وہ حق جس کا مواخذہ ہوگا اور دوسرا وہ حق جو محض عطا ہے اور اس کے ترک کا مواخذہ نہ ہوگا۔ وہ حق جس کا مواخذہ ہوگا اس سے مراد زکوٰۃ ہے جو دسواں یا بیسواں حصہ نکالا جاتا ہے اور وہ حق جس کا مواخذہ نہ ہوگا وہ یہ کہ فصل کی کٹائی کے دن سائلین اور مساکین کو ایک ایک مٹھی دی جائے اور اس مضمون کی احادیث بکثرت وارد ہیں۔ چنانچہ معصوم نے فرمایا کہ رات کو فصل جمع نہ کرو، نہ کٹائی کرو نہ قربانی کرو اور نہ کھیتی میں بیج ڈالو کیونکہ یہ مواقع ہیں صدقہ کے اور رات کو کوئی سائل مسکین نہ آسکے گا۔ لہذا خیرات نہ نکل سکے گی۔

وَلَا تُسْرِفُوْا :- فرمایا مذکورہ صدقہ دیتے وقت ایک مسکین کو ایک مٹھی سے زیادہ دینا اسراف شمار ہوتا ہے بس ایک کو ایک ہاتھ کی مٹھی کی مقدار دو

وَمِنَ الْاَنْعَامِ :- یعنی وہ اللہ جس نے باغات پیدا کئے اور چوپاؤں میں سواری کے جانور پیدا کئے جن کی اون اور بالوں سے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں جو بچھانے کے کام آتے ہیں یا ان کے چمڑوں کے بچھونے بنتے ہیں۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ :- آٹھ جوڑے دو بھیڑ کے ایک پالتو اور دوسرا جنگلی۔ اسی طرح دو بکری کے ایک پالتو اور دوسرا جنگلی دو اونٹ کے

الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ

بکری سے دو کہہ دو نر حرام کئے اس نے یا دو مادہ یا وہ جو اندر ہیں مادہ کے رحم میں؟

نَبِّــــُٔـوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗ

علم کی بات بتاؤ اگر تم سچے ہو اور اونٹ سے دو اور گائے سے دو کہہ

الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ

کیا دو نر حرام کئے اس نے یا دو مادہ یا جو اندر ہے مادہ کے رحم میں؟ کیا تم حاضر تھے

شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ

جب تم کو حکم دیا اللہ نے اس بات کا؟ تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افتراء باندھے اللہ پر جھوٹ کا تاکہ گمراہ کریں

النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ

لوگوں کو بغیر علم کے تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو کہہ دیجئے نہیں پاتا میں اس میں

ایک عربی اور دوسرا بختاتی اور دو گائے کے ایک پالتو اور دوسرا جنگلی۔ یعنی ان چار قسموں میں سے ہر ایک دو قسموں پر منقسم ہے پس کل آٹھ قسمیں ہیں اور سب کو جوڑا جوڑا پیدا کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ بھیڑ کے جوڑے سے بھیڑ کا نر و مادہ اور بکری کے جوڑے سے بکری کا نر و مادہ اسی طرح اونٹ اور گائے کے جوڑے سے ان کے نر و مادہ مراد ہوں۔

قُلْ الخ۔ عرب کی جاہلی رسوم کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ان سے دریافت کرو۔ کیا خدا نے ان پر نر حرام کئے ہیں یا مادہ یا وہ جو ان کے مادہ کے شکم میں ہوتا ؟ یعنی ان میں سے کوئی بھی حرام نہیں۔

اَمْ كُنْتُمْ ۔ یعنی تم لوگ نبیوں اور رسولوں کو مانتے نہیں اور باوجود اس کے اپنی باطل رسوم کو اور غلط طریقہ کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو تو بتاؤ تو سہی کہ پھر خدا نے بالمشافہ تم سے گفتگو کی تھی۔ پھر فرمایا کس قدر ظالم ہے وہ شخص جو اللہ پر بہتان تراشی کرے اور لوگوں کو اپنی جہالت سے گمراہ کرتا پھرے

لَا يَهْدِي ۔ یعنی وہ لوگ اپنی سرکشی اور ضد کی وجہ سے آیاتِ الٰہیہ کو پس پشت ڈالیں اور پھر بد اعمالیوں میں منہمک رہیں تو ان سے توفیق ہدایت سلب ہو جاتی ہے اور اللہ کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ وہ تمام قوائے انسانیہ کا مبداء اوّل ہے۔

رکوع نمبر ۵ : حلال و حرام جانور ۔ قُلْ لَّآ اَجِدُ ۔ سورۂ مائدہ کے اوائل میں حرام و حلال کی تفصیلات پر روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ خداوند کریم نے حلال و حرام کے لئے ایک کلیہ قاعدہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر پاکیزہ چیز تم پر حلال ہے۔ اور ہر خبیث چیز تم پر حرام ہے

أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا

جو مجھ پہ وحی ہوئی کہ کوئی چیز حرام ہو کھانے والے پہ جو کھائے مگر یہ کہ مردہ ہو یا گرایا ہوا خون ہو

أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

یا سور کا گوشت ہو کہ وہ پلید ہے یا فسق ہو کہ نام لیا جائے غیر خدا کا اس پر پس جو لاچار ہو کہ نہ باغی ہو

وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٦﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ

اور نہ سرکش تو تحقیق تیرا رب معاف کرنے والا مہربان ہے اور ان پر جو یہودی ہیں ہم نے حرام کیا ہر ناخن دار

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا

اور گائے اور بھیڑ سے ہم نے حرام کیا ان پہ ان کی چربی کو مگر وہ جو اوپر پشت کے ہو یا انتڑیوں پہ ہو

أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٧﴾ فَإِن

یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو یہ ہم نے ان کو بدلہ دیا ان کی سرکشی کا اور ہم سچے ہیں پس

كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٨﴾

اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجئے تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور نہیں پھرتا اس کا عذاب مجرم لوگوں سے

اور خبیث وہ جس سے نفس کراہت کرے یا روح و بدن انسانی کیلئے نقصان دہ ثابت ہو تو اس قاعدہ کی بناء پر حرام چیزیں کافی ہیں لیکن یہاں صرف چار چیزوں کا ذکر فرمایا اور اسے قرآن میں کئی بار دھرایا، مردہ، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کی مذبوحہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار ان چیزوں کو حلال سمجھتے تھے اور ان کو عام کھایا کرتے تھے اور اس کے مقابلہ میں بحیرہ سائبہ اور حام جن کا بیان گزر چکا ہے ان کو حرام سمجھتے تھے پس قرآن کریم کا حصر حقیقی نہیں بلکہ حصر اضافی ہے اور چونکہ وہ لوگ بھی مدعی تھے کہ ہم کو اللہ کا حکم ایسا ہوا ہے پس ارشاد فرمایا کہ ان کو کہہ دو مجھے تو جو کچھ وحی ہوئی ہے ان چار چیزوں کے علاوہ کوئی چیز بھی کھانے والے کو حرام نہیں ہے یعنی بحیرہ سائبہ وغیرہ سب حلال ہیں اور یہ چار چیزیں حرام ہیں پھر تم نے اس کا الٹ کیسے نکال لیا۔

غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ ۔ اس کی تفسیر سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ ۔ یعنی یہودیوں پہ یہ چیزیں حرام کر دی گئیں سزا کے طور پر ورنہ درحقیقت وہ حلال تھیں۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ

عنقریب کہیں گے جو مشرک ہیں اگر چاہتا اللہ تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ اور نہ ہم حرام کرتے کسی چیز کو

كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ

اسی طرح جھٹلایا جو ان سے پہلے گزرے یہاں تک کہ چکھا ہمارا عذاب کہہ دو کیا تمہارے پاس اس کا کوئی علم ہے تو ظاہر کرو

لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ

ہم پر نہیں تم پیچھے چلتے مگر گمان کے اور تم صرف تخمینی باتیں کرتے ہو کہہ دیجئے کہ اللہ کی حجت تمام ہے پس اگر

فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۵۰﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ

وہ چاہتا تو تم سب کو (جبر سے) راہ راست پر لاتا کہہ دیجئے لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں کہ تحقیق اللہ نے یہ چیز حرام کی ہے

هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ

پس اگر اقرار کریں تو تم ان کے ساتھ اقرار نہ کرنا اور نہ پیچھے چلو ان کی خواہشوں کے جو جھٹلاتے ہیں ہماری آیتوں کو

لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿۱۵۱﴾ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ

اور جو نہیں مانتے قیامت کو اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں (غیر کو) کہہ دیجئے آؤ میں تلاوت کروں تم پر جو تمہارے

سَيَقُولُ :- تمام لوگ جب کوئی برائی کرتے ہیں جس کو وہ خود اچھا سمجھے ہوئے ہوتے ہیں تو دلیل طلب کرنے پر یہی جواب دیتے ہیں کہ اگر ہمارا کام برا ہوتا اور خدا کو ناپسند ہوتا تو ہم یا ہمارے بزرگ یہ کام کیوں کرتے پس خدا کوئی عذاب بھیج دیتا۔ یا اس کی جانب سے کوئی تنبیہہ ہو جاتی لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ کام خدا کو محبوب ہے پس خداوند کریم ایسا کہنے والوں کی مذمت فرما رہا ہے کہ مشرک لوگ بھی ایسا ہی کہتے تھے اور یہ دستور بہت قدیم سے چلا آرہا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ صرف ظن پرستی اور تخمینی باتوں کے پیچھے چلتے ہیں ان کے پاس کوئی علمی جواب نہیں۔

فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ :- اللہ کی طرف سے حجت تمام ہو گئی وہ دین پر مجبور کسی کو نہیں کرتا ورنہ سب کے سب ہدایت پر ہوتے تفسیر صافی میں کافی سے منقول ہے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ کی جانب سے بندوں پر دو حجتیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری حجت نبی و رسولؐ ہیں اور باطنی حجت عقل ہے۔ ایک حدیث میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے ہم خدا کی

رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ

رب نے تم پر حرام کی ہیں کہ اس کا شریک نہ بناؤ کسی چیز کو اور ماں باپ سے احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو تنگدستی کے خوف سے

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا

ہم تم کو اور اُن کو رزق دیتے ہیں اور نہ قریب جاؤ بدکاری کے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ اور نہ قتل کرو

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥٢﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا

کسی نفس کو جو حرام کیا اللہ نے مگر ساتھ حق کے یہ حکم دیا تم کو اُس نے تاکہ تم سمجھو اور نہ قریب جاؤ

مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ

یتیم کے مال کے مگر اچھی صورت سے یہاں تک کہ پہنچے جوانی کو اور پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا

سے نہیں ہم تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب بات کرو تو عدل سے کرو اگرچہ ہو قریبی اور اللہ کے عہد کے ساتھ وفا کرو

حجت بالغہ ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے قیامت کے دن خدا بندے سے پوچھے گا کہ تو فلاں حکم کو جانتا تھا۔ اگر وہ کہے گا ہاں تو فرمائے گا پھر تو نے اپنے علم پر عمل کیوں نہ کیا اور اگر کہے گا نہیں تو فرمائے گا کہ سیکھا کیوں نہیں۔ پس یہ حجت بالغہ ہے پروردگار کی۔

رکوع نمبر ۶

قُلْ تَعَالَوْا :- یہاں خداوند کریم نے ان چیزوں کی تفصیل بیان کی ہے جو حرام ہیں اور ان میں سے جو زیادہ سخت و سنگین ہیں۔ ان کے نام گنوائے ہیں (۱) شرک (۲) والدین کی نافرمانی (۳) اولاد کا قتل کرنا (۴) بدکاری ظاہری یا خفیہ۔ (۵) قتل نفس (۶) یتیم کا مال کھانا (۷) ناپ میں کم دینا (۸) تولنے میں خیانت کرنا (۹) بیان میں جھوٹ (۱۰) اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑنا۔ یہ کل دس ہیں۔ ان میں بعض کو نہی کے انداز سے ذکر کیا اور بعض کو امر کے رنگ میں بیان فرمایا۔ کیونکہ ہر عنوان کے اہم پہلو کو ہی مدنظر رکھا گیا ہے جہاں نہی کا پہلو اہم تھا وہاں نہی کی موزونیت تھی اور جہاں اثباتی پہلو اہم تھا وہاں امر موزوں ومناسب تھا پس جن کے متعلق نہی وارد ہے ان کی حرمت صراحت سے بیان ہوئی اور جن کے متعلق امر ہے تو ان کی جانب مخالف کی حرمت کنایہ سے بیان ہوئی اور اَتْلُ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ چونکہ وَصّٰكُمْ کی تاویل میں ہو سکتا ہے لہذا مثبت ومنفی سب اسی کے تحت میں ہیں اور نحوی ترکیب میں کوئی سقم پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً اس نے وصیت کی کہ شریک نہ بناؤ۔ والدین سے احسان کرو۔ اولاد کو قتل نہ کرو۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ۔ کیل ووزن کو پورا کیا کرو۔ سچ بولو اور اللہ کے عہد کی وفا کرو۔

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ

یہ تم کو اس نے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور تحقیق یہ میرا راستہ سیدھا ہے اس پر چلو

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور نہ چلو اور راستوں پر ورنہ جدا کر دیں گے تم کو اس کے راستہ سے یہ تم کو اس نے حکم دیا ہے تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ

بچو پھر ہم نے دی موسیٰ کو کتاب واسطے پورا کرنے اس کے جو اس نے احسان کیا اور تفصیل ہر چیز کی

شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ع

اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں

وَبِالْوَالِدَيْنِ:[۲۶۶] تفسیر صافی میں مروی ہے کہ والدین سے مراد حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت امیرالمومنینؑ ہیں۔

اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ:- تفسیر صافی میں ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے برید عجلی کو فرمایا کہ فرمانِ خداوندی اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا کا مطلب جانتے ہو تو راوی کہتا ہے میں نے کہا کہ نہیں۔ تو فرمایا علیؑ اور باقی اوصیاء علیہم السلام کی ولایت مراد ہے۔ پھر پوچھا فَاتَّبِعُوْهُ میں کس کی اطاعت کا حکم ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نہیں جانتا تو فرمایا علیؑ کی اطاعت کا حکم ہے۔ پھر پوچھا۔ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ میں کن کن راستوں پر چلنے سے منع فرمایا ہے تو میں نے عرض کی مولا مجھے معلوم نہیں تو آپ نے فرمایا فلاں فلاں کی ولایت مراد ہے پھر فرمایا عَنْ سَبِيْلِهٖ میں کونسا راستہ مراد ہے تو میں نے عرض کی میں نہیں جانتا تو فرمایا علیؑ علیہ السلام کا راستہ مراد ہے کہ اوروں کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں علیؑ کے راستہ سے الگ کر دیں گے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا:- چونکہ ثُمَّ بعد کے لئے آتا ہے حالانکہ حضرت موسیٰؑ کو تورات پہلے دی گئی تھی نہ کہ بعد میں اس کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں (۱) ثُمَّ قُلْ يَا مُحَمَّدُ اٰتَيْنَا۔ یعنی پھر ان کو یہ کہو کہ ہم نے موسیٰؑ کو بھی کتاب دی تھی (۲) پھر تم پر میں یہ تلاوت کرتا ہوں کہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی (۳) پچھلے قصہ سے متعلق ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ کی ذریت کا ذکر تھا کہ پھر ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی۔

تَمَامًا:- اس کے معنی میں کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں (۱) پھر ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تاکہ نیکیاں کرنے والوں پر نعمت کو تمام اور مکمل کر ڈالیں (۲) موسیٰؑ پر جو ہم نے احسانِ نبوت کیا تھا اب کتاب دے کر اس کو تمام اور مکمل کر دیا۔ وغیرہ

رکوع نمبر ۷

مُبٰرَكٌ:[۲۶۸] برکت سے ہے اور برکت کا معنی ہے اچھی صفت کا پائیدار ہونا اور اس کا اصل ہے ثبوت یعنی جم جانا اور اسی بناء پر تَبٰرَكَ اللّٰهُ کا معنی ہوتا ہے کیونکہ اس میں صفات خیر پائیداری اور

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور یہ کتاب ہم نے اس کو نازل کیا پس اس کی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم رحم کیے جاؤ

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ

مبادا کہو کہ صرف اتری کتاب اوپر دو گروہوں کے ہم سے پہلے اور تحقیق تھے ہم ان کے

دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى

پڑھنے سے بے خبر یا یہ کہو کہ اگر ہم پر نازل کی جاتی کتاب تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت یافتہ

مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

ان سے تو تحقیق آئی تمہارے پاس نشانی اپنے رب سے اور ہدایت اور رحمت تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے

كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

جو جھٹلائے اللہ کی نشانیوں کو اور منہ پھیرے ان سے عنقریب ہم بدلہ دیں گے ان کو جو منہ پھیرتے ہیں ہماری نشانیوں

سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

سے بُرا عذاب بوجہ اس کے کہ منہ پھیرتے ہیں

دیہ میت سے ہیں۔

اَنْ تَقُوْلُوْا یعنی کَرَاهَةَ اَنْ تَقُوْلُوْا مفعول لہٗ ہے کراہت کا لفظ محذوف ہے یعنی ہم نے تم پر کتاب مبارک نازل کی تاکہ بعد میں تم یہ نہ کہہ سکو کہ یہود و نصاریٰ پر کتابیں نازل ہوئیں۔ جن کو ہم نہ پڑھ سکتے تھے۔ اگر ہم پر ہماری زبان میں کوئی کتاب اترتی تو ہم ان کی بہ نسبت زیادہ قبول کرتے۔

تنبیہ صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں یہاں سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ خدا کا قرآن نازل کرنا اس کا لطف ہے۔ ورنہ اگر قرآن نازل نہ فرماتا تب بھی انسانوں پر حجت تمام ہو چکی تھی۔ اور وہ ہے عقل۔ لیکن چونکہ اس لطف خداوندی کے بعد عذر کی گنجائش تھی کہ اگر کتاب بھیجتا تو ہم ایمان لاتے۔ لہٰذا اس نے اپنے لطف و کرم سے کتاب بھی بھیجی۔ تاکہ یہ عذر بھی باقی نہ رہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ

نہیں انتظار کرتے مگر اس کی کہ آئیں ان پر فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی

رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ

جس دن آئے گی کوئی نشانی تیرے رب کی تو نہ فائدہ دے گا کسی نفس کو اس کا ایمان جو نہ ایمان لا چکا ہو

مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنَّ

پہلے یا نہ کما چکا ہو اپنے ایمان میں اچھائی کہہ دو انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں تحقیق جنہوں

الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ

نے ٹکڑے کیا اپنے دین کو اور ہو گئے فرقے آپ کو ان سے کوئی مطلب نہیں بس ان کا معاملہ اللہ کے

اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

سپرد ہے پھر وہ ان کو خبر دے گا اس کی جو وہ کرتے تھے

هَلْ يَنْظُرُوْنَ :- فرشتوں کی آمد کی انتظار سے مراد ملائکہ موت ہیں یا ملائکہ عذاب ہیں یا منکر و نکیر مراد ہیں۔

يَوْمَ يَاْتِيْ :- تفسیر آئمہ میں ہے کہ آیات سے مراد آئمہ ہیں اور آیت منتظرہ سے مراد حضرت قائم آل محمدؐ ہے۔ مروی ہے کہ قائم آل محمدؐ کی تلوار سے پہلے پہلے جو لوگ ایمان نہ لا چکے ہوں گے تو تلوار کے ڈر سے ان کا ایمان لانا مفید نہ ہو گا۔ ابو بصیر سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اے ابو بصیر طوبیٰ ہے ہمارے ان شیعوں کے لئے جو اس کے زمانِ غیبت میں اس کا انتظار کریں گے اور بوقتِ ظہور اس کے فرماں بردار ہوں گے۔ پس وہ اللہ کے اولیاء ہیں جن پر نہ خوف ہو گا نہ حزن۔

بروایت مجمع البیان حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ چھ چیزوں کے ظہور سے پہلے پہلے ایمان لے آؤ (۱) دابۃ الارض (۲) دجال (۳) دخان (۴) موت (۵) سورج کا مغرب سے طلوع (۶) قیامت۔

فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ :- ان لوگوں کی مذمت ہے جنہوں نے اپنی بدعات و خواہشات کو دین میں داخل کر کے دین کا حلیہ بگاڑ دیا اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے خود بھی فرقے فرقے ہو گئے اور بعضوں نے فَارَقُوْا پڑھا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے دین سے علیحدگی اختیار کی اور گروہ گروہ ہو گئے اس کے بعد حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو ان سے کوئی واسطہ نہیں ان لوگوں نے آپ کا کچھ نہیں بگاڑا۔ بلکہ انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور خدا خود ہی ان سے نپٹ لے گا۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى

جو نیکی کرے تو اس کے لئے اس کا دس گنا ہے اور جو کرے برائی تو نہ بدلہ دیا جائے گا

نیکی کا بدلہ دس گنا

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ: تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب شیطان کو خدا نے قوت عطا کی تو حضرت آدمؑ نے عرض کی اے پروردگار تو نے اس کو میری اولاد پر مسلط کر دیا ہے اور ان کی رگ و پے میں اس کو داخل کر دیا ہے تو اس کے مقابلہ میں میری اولاد کیا کرے گی؟ تو ارشاد ہوا کہ تیری اولاد کی برائی ایک کی ایک ہی لکھی جائے گی اور نیکی ایک کی دس شمار ہو گی۔ حضرت آدمؑ نے مزید خواہش کی تو ارشاد ہوا کہ سانس کے حلقوم کو پہنچنے تک ان کیلئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ پھر حضرت آدمؑ نے مزید خواہش کی تو ارشاد ہوا کہ بخشوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ حضرت آدمؑ نے عرض کی کہ بس کافی ہے۔ علامہ فیض ارشاد فرماتے ہیں کہ نیکی کے دس گنا ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ نفسِ انسانی کا تعلق عالم علوی سے ہے اور نیکی کا تعلق بھی عالم علوی سے ہے۔ پس نفس انسانی نیکی کرے تو دس گنا بڑھ جاتی ہے۔ لیکن چونکہ برائی عالم سفلی سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا وہ ایک ہی رہتی ہے۔ جیسے انسان اگر ایک پتھر ایک اندازِ قوت سے اُوپر کی طرف پھینکے تو فرضاً وہ ایک گز اوپر جاتا ہے لیکن اگر اس پتھر کو اسی مقدارِ قوت سے نیچے کی طرف پھینکے تو دس گز یا اس سے بھی زیادہ حرکت کرے گا کیونکہ پہلی حرکت خلافِ طبع تھی اور دوسری موافقِ طبع ہے۔

(۱) امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے اگر کوئی شخص سنت روزہ رکھے اور پھر اپنے کسی برادر ایمانی کو ملنے کے لئے جائے پس وہ اگر اس کو کھانے کی دعوت دے تو اس روزہ دار کو افطار کرنا چاہیئے۔ تاکہ مومن خوش ہو اور اس عمل سے اس کو اس دن کے روزے کا ثواب ملے گا کیونکہ خدا فرماتا ہے جو نیکی کرے گا اس کو دس گنا اجر ملے گا (۲) زرارہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ خدا جو فرماتا ہے جو نیکی کرے گا اس کو اس کا دس گنا ثواب ملے گا۔ کیا یہ ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو ولاءِ آلِ محمدؐ نہیں رکھتے تو آپ نے فرمایا یہ صرف مومنوں کے لئے ہے۔ زرارہ کہتا ہے میں نے پوچھا کہ حضورؑ اگر ایک شخص روزہ دار ہو، نمازی ہو، حرام سے پرہیز کرتا ہو اور صفتِ تقویٰ سے متصف ہو لیکن نہ ولائے اہلِ بیت رکھتا ہو اور نہ ان سے دشمنی رکھتا ہو اُس کا کیا حشر ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا ان کو خدا اپنی رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام زین العابدینؑ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اس شخص کے لئے ویل ہے جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آجائیں۔ تو کسی نے پوچھا حضورؑ یہ کیسے۔ تو آپ نے فرمایا ارشاد خداوندی ہے کہ نیکی ایک کے بدلہ میں دس ہو گی اور برائی ایک کی ایک ہی رہے گی۔ پس جو نیکی کرے گا تو اس نے دس کما لیں اور جو برائی کرے گا۔ اس کی صرف ایک لکھی جائے گی۔ پس خدا پناہ دے ایسے شخص سے جو دن میں دس برائیاں کرے اور ایک نیکی بھی اس سے نہ ہو سکے تو اس صورت میں اس کی برائیاں نیکیوں پر غالب آجائیں گی۔

إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ

مگر اتنا ہی اور نہ ان پر ظلم ہوگا کہہ دیجئے تحقیق مجھے اپنے رب نے ہدایت کی صراط

مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۶۲﴾ قُلْ

مستقیم کی کہ وہ دین صحیح ملت ہے ابراہیمؑ کی جو حنیف تھے اور نہ تھے مشرکوں میں سے کہہ دیجئے

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۳﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ

تحقیق میری نماز اور قربانی اور زندگی اور موت اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں

وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۶۴﴾ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ

اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں پہلا اسلام لانے والا ہوں کہہ دیجئے کیا غیر خدا کو بناؤں رب حالانکہ وہ

(۴) حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن لوگ تین قسم پر ہوتے ہیں۔ (۱) وہ جو جمعہ میں امام سے پہلے پہنچے اور خاموشی اور سکون سے رہے پس ان کا جمعہ میں آنا اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہے اور تین دنوں کا ثواب زائد بھی ہے۔ (۲) وہ جو جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں اور گپ شپ میں وقت گذارتے ہیں پس ایسے لوگوں کا حق صرف گپ شپ ہی ہے (۳) وہ لوگ جو بوقت خطبہ پہنچے اور نماز میں مشغول ہو گئے پس یہ دعا مانگیں تو خدا اگر چاہے تو منظور کرے اگر چاہے تو رد کر دے۔

(۵) معصومؑ سے دریافت کیا گیا کہ سال بھر کے روزے رکھنے کا کیا طریقہ ہے تو فرمایا کہ ہر ماہ میں تین روزے پہلے عشرہ کی خمیس، دوسرے عشرہ کی بدھ اور تیسرے عشرہ کی خمیس۔ خدا فرماتا ہے نیکی ایک ہو تو اس کا بدلہ دس ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ہر ماہ میں تین روزے رکھے تو وہ صائم الدھر ہوگا (برہان)

(۶) ایک روایت میں ہے کہ آیت مجیدہ میں حسنہ سے مراد ولاءِ آلِ محمدؐ اور سیئہ سے مراد عداوتِ آلِ محمدؐ ہے۔

مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے حنیفاً مسلماً کا معنی ہے وہ خالص مخلص جس میں بتوں کی عبادت کا ذرہ بھر شائبہ نہ ہو۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا مونچھوں کا کاٹنا، ناخن ترشوانا اور ختنہ سب حنیفیت میں سے ہیں نیز آپ نے فرمایا کہ اس امت میں سوائے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے دینِ ابراہیمؑ پر کوئی ثابت قدم نہیں ہے اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ خدا نے حضرت خلیلؑ کو حنیفیت کے ساتھ بھیجا اور ان کو ان چیزوں کا حکم دیا۔ مونچھیں کٹوانا۔ ناخن لینا،

رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ

ہر شے کا رب ہے اور نہیں کماتا کوئی نفس مگر اپنے لئے اور نہیں اٹھاتا کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ الَّذِي

پھر تمہارے رب کی طرف تمہاری بازگشت ہے تو تمہیں خبر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے اور اسی نے کیا

جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ

تم کو نائب زمین میں اور بلند کیا بعض کو اوپر بعض کے درجوں میں تاکہ تم کو آزمائے

فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٦٥﴾

اس میں جو تم کو دیا تحقیق تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے اور تحقیق وہ بخشنے والا مہربان ہے

بغلوں کے بال دُور کرنا۔ ناف کے نیچے کے بال مونڈنا اور ختنہ کرنا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ :- تفسیر صافی میں عیون الرضا سے منقول ہے امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جب حضرت قائم آل محمد علیہ السلام ظہور فرمائیں گے تو قاتلین حسین علیہ السلام کی اولاد کو قتل کریں گے کیا یہ حدیث درست ہے؟ تو امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہاں بے شک درست ہے تو پوچھا گیا خدا تو فرماتا ہے کہ ایک کا بھار دوسرا نفس نہیں اٹھائے گا پھر اس کا کیا مطلب ہو گا تو آپ نے فرمایا خدا کی سب باتیں صحیح ہیں۔ لیکن امام حسین علیہ السلام کے قاتلین کی اولاد چونکہ اپنے باپ دادا کے فعل پر راضی ہیں اور ان پر نازاں ہیں اور جو بھی کسی کے فعل پر راضی ہو وہ اس جیسا ہوا کرتا ہے اگر کوئی شخص مشرق میں قتل کرے اور مغرب کا آدمی اس کے قتل پر راضی ہو تو اللہ کے نزدیک وہ بھی قاتل کا شریک قرار دیا جائے گا۔ پس حضرت قائم آل محمد جب ظہور فرمائیں گے۔ تو قاتلین حسین علیہ السلام کی اولاد سے ان کے باپ دادا کے فعل کا بدلہ لیں گے کیونکہ یہ لوگ ان کے فعل پر راضی ہیں۔

آج ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۸۳ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۶۳ء بروز اتوار بوقت پونے چھ بجے شام پانچویں جلد کی تفسیر سے فارغ ہوا اور خدائے متعال سے دست بدعا ہوں کہ مجھے اس کار خیر میں اتمام کی توفیق مرحمت فرمائے اور تمام حائل شدہ رکاوٹوں کو دُور کرے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ علوم قرآنیہ کی شوق عطا فرمائے تاکہ اس کتاب سے استفادہ کریں۔ اور آج ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۷۹ء بروز بدھ بوقت ۵ بجے شام پانچویں جلد کا دوسرا ایڈیشن کتابت ہو گیا۔ (کاتب محمد شفیق سرگودھا)

وَهُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الْوَكِيلُ

چھٹی جلد سورۂ اعراف سے شروع ہو گی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جلد نمبر ٦

انوار النجف
في
اسرار المصحف

6

حضرت ہارون کی موت	۱۰۳
امی کا معنی	۱۰۴
نور سے مراد حضرت علیؑ ہیں	۱۰۵
رکوع ۱۰ حضورؐ کی عالمی نبوت	۱۰۶
افتراق امت	۱۰۷
رکوع ۱۱	۱۰۸
مچھلی کے شکار کی وجہ سے عذاب عام	۱۱۰
کوہ طور کا بنی اسرائیل پر بلند ہونا	۱۱۲
رکوع ۱۲ ۔ روز میثاق	۱۱۳
اجمال و تفصیل	۱۱۸
تکوین و تشریع	۱۱۹
کلمۂ کفر	۱۲۰
درس معرفت	۱۲۴
اقرار نبوت و ولایت	۱۲۶
اقرار ازلی کے متعلق روایات	۱۲۷
بلعم بن باعورا کا واقعہ	۱۳۱
بہشت میں جانے والے حیوانوں کا مسئلہ	۱۳۲
الاسماء الحسنیٰ	۱۳۵
علیؑ و بتولؑ کے نام اللہ کے اسماء حسنیٰ ہیں	〃
تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ	۱۳۶
حضرت علیؑ میں تمام انبیاء کے خصال تھے	۱۳۷
نام علیؑ کی تاثیر	۱۳۸
حضرت علیؑ کا اپنا تصرف ۔ دعا کی تاکید	۱۳۹
رکوع ۱۳ ۔ استدراج کا معنی ۔ تفکر	۱۴۱
علم قیامت اللہ کے پاس ہے	۱۴۴
اعتراض مخالف اور اس کا جواب	۱۴۴
علم غیب	۱۴۵
رکوع ۱۴ ۔ عورت کی غرض خلقت	۱۴۶
غیر خدا کو پکارنے کی مذمت	۱۴۹
تنبیہ برائے اصلاح عقیدہ	۱۵۰
قرآن کا سننا	۱۵۲
سجدۂ قرآنی	۱۵۳
سورۂ انفال	۱۵۵
رکوع ۱۵ ۔ انفال کا بیان	۱۵۶
اصلاح مسلمین	۱۵۸
علامات مومن	۱۶۰
شیعہ کون ہیں	۱۶۵
تذکرہ	۱۷۳
جناب فاطمہ بنت اسد کی وفات و نورانی لطیفہ	۱۷۴
جنگ بدر کا قصہ	۱۷۵
رکوع ۱۶	۱۸۰
آغاز جنگ	۱۸۱
رکوع ۱۷	۱۸۶
علیؑ مع الحق ہے	۱۸۸
رکوع ۱۸ ۔ واقعہ ہجرت	۱۹۰
بیعت عقبہ	۱۹۱
مدارس دینیہ	۱۹۴
رکوع ۱۹	۱۹۵
حضرت قائم آل محمد	۱۹۶
قصہ جزیرہ خضراء	〃
ربط آیات	۲۰۶
پارہ ۱۰	۲۰۷
رکوع ۱ خمس کا بیان	۲۰۸
وجوب خمس احادیث کی رو سے	۲۰۹
بحث لطیف در وجوب خمس	۲۱۰
تحقیق و تدقیق	۲۱۵
خمس ارباح مکاسب	۲۱۶
خمس میں سال کی قید	۲۲۰
موارد خمس	۲۲۳
خمس معدنیات	۲۲۴
تقسیم خمس	۲۲۶
سہم امام علیہ السلام	۲۲۹
شیعوں کے لئے اباحت	۲۳۰
زمان غیبت میں خمس کا تصرف	۲۳۴
جنگ بدر کا ذکر	۲۳۷
رکوع ۲	۲۴۰
کفار قریش کو بہکانا	۲۴۱
رکوع ۳	۲۴۳
علمی نحوی نکتہ	۲۴۵
رکوع ۴ ، سیاہ خضاب	۲۴۷
حضرت علیؑ ناصر پیغمبر ہیں	۲۴۹
رکوع ۵	۲۵۱
رکوع ۶	۲۵۴
ہجرت	۲۵۵

سورۃ الاعراف

- یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی کل آیات بسم اللہ کے علاوہ دو سو چھ ہیں۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سورۂ اعراف کو ہر مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھے گا تو اس کو بروز محشر کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔ اگر جمعہ کو ایک مرتبہ پڑھے تو اس کا حشر ان لوگوں میں ہوگا۔ جن سے حساب نہ لیا جائے گا۔ اس سورہ مجیدہ میں آیاتِ محکمات موجود ہیں۔ پس اس کی تلاوت کو ترک نہ کرو۔ کیونکہ یہ بروز محشر اپنے پڑھنے والے کے حق میں گواہی دیں گی۔
- حدیثِ نبویؐ میں ہے کہ جو شخص یہ سورہ پڑھے گا۔ خداوندکریم بروز قیامت اس کے اور ابلیس کے درمیان پردہ حائل کردے گا اور وہ آدم کا ساتھی ہوگا اور جو شخص گلاب اور زعفران کے پانی سے لکھ کر اپنے پاس رکھے گا تو جب تک یہ سورہ اس کے پاس ہوگی کوئی دشمن یا درندہ اس کے قریب نہ آسکے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓصٓ ۞ ۱ كِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ فَلَا يَكُنۡ فِىۡ صَدۡرِكَ حَرَجٌ مِّنۡهُ لِتُنۡذِرَ بِهٖ

یہ کتاب نازل کی گئی تجھ پر پس نہ ہو تیرے سینہ میں تنگی اس کی وجہ سے تاکہ ڈرائے

وَذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۞ ۲ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ

اس کے ساتھ اور نصیحت واسطے مومنوں کے اتباع کرو اس کی جو اتاری گئی تمہاری طرف تمہارے رب سے اور نہ اتباع کرو اس کے

دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ۞ ۳ وَكَمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا

ماسوا اولیاء کی بہت کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں اور بہت سی بستیاں جن کو ہم نے ہلاک کیا

رکوع ۸: الٓمّٓصٓ حروف مقطعات میں سے ہے ابن عباس سے اس کا معنی منقول ہے انا اللہ اعلم وافضل اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے انا اللہ المقتدر الصادق ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ابو لبید مخزومی سے فرمایا۔ اِنَّ فِی حروف القرآن المقطعة لعلما جمًّا یعنی تحقیق قرآن مجید کے حروف مقطعات میں بہت بڑا علم پوشیدہ ہے۔ ہم نے الٓمٓ کی تفسیر میں اس مسئلہ کی ضروری وضاحت کر دی ہے۔

كِتٰبٌ :- ترکیب نحوی کے لحاظ سے یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی هٰذَا كِتٰبٌ اور پھر ذِكۡرٰى اس کی دوسری خبر ہے۔ انزال کا فاعل شان کبریائی کے اظہار کے لئے نیز معین ہونے کے پیش نظر ترک کیا گیا ہے۔

فَلَا يَكُنۡ :- پہلے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے تم پر نازل ہوئی تو یہاں شرط کا مقام پیدا ہو گیا۔ لہذا جواب میں فاء کا آنا درست ہوا۔ یعنی اِذَا عَلِمۡتَ هٰذَا فَلَا يَكُنۡ الخ حَرَجٌ کا معنی ہے تنگ دلی اور یہ دو طرح سے آتی ہے جبکہ حاکم کی طرف سے امر کے صدور میں مامور کو شک ہو۔ (۲) جبکہ امر کی تعمیل میں خطرہ نظر آ رہا ہو۔ خداوند کریم نے سینہ میں حرج کی پیدائش کے ہر دو اسباب کو رد فرما دیا ہے۔ اس جملہ سے (كِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ) کہ بلاشک جب کتاب میری طرف سے نازل شدہ ہے اور اس کے اوامر و نواہی کی تبلیغ میری ہی جانب سے ہے تو کس کی مجال ہے کہ میری محافظت کے ہوتے ہوئے تمہارا بال بیکا کر سکے۔ لہذا حرج اور تنگدلی کو محسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لِتُنۡذِرَ :- طبائع انسانیہ فطری طور پر دو قسموں پر منقسم ہیں۔ ۱۔ ایک سفلی جن کا مطمح نظر صرف لذت دنیاویہ کے حصول تک ہی محدود رہتا ہے ۲۔ دوسرے شریف جن کا مطمح نظر انسانی کمالات حاصل کر کے ارتقاء نفس ہوتا ہے

فَجَآءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ

پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات کو سوتے ہوئے یا دن کو قیلولہ کرتے ہوئے پس نہ تھی اُن کی کوئی بات جب ان پر آیا ہمارا عذاب

بَأْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ

مگر صرف یہی کہا کہ تحقیق ہم لوگ ظالم تھے پس ضرور ہم پوچھیں گے ان سے جن کی طرف رسول بھیجے

وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦

گئے اور ضرور پوچھیں گے ہم رسولوں سے (بھی) پس ضرور ہم بیان کریں گے (ان کے اعمال) ان پر ساتھ علم کے اور ہم غائب تو نہ تھے

پس خدا کا رسولؐ پہلے گروہ کے لئے صرف منذر بن کر آتا ہے کیونکہ سفلی مزاج اور کمینہ فطرت کے لوگ دلیل و برہان یا کسی دوسری معقول بات کی طرف نہیں توجہ کرتے۔ جیسے مثل مشہور ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے اور دوسری قسم کے لوگ چونکہ عالم علوی سے وابستگی کے پہلے سے خواہاں ہوتے ہیں۔ لیکن خوابِ غفلت سے جگانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ پس رسولؐ ان کو خوابِ غفلت سے جگا کر ان کو اپنے صحیح راستہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ واضح مثال یوں سمجھئے کہ تاریکی میں رہنے اور چلنے والے آدمیوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ جو حرامکاری اور بدمعاشی کی تکمیل چاہتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو کسی منزلِ مقصود پر جانے کے لئے بے چین ہوتے ہیں لیکن تاریکی میں کہیں جا نہیں سکتے۔ روشنی ان کو مل نہیں سکتی۔ لہٰذا منزلِ مقصود پا نہیں سکتے۔ تو اس صورت میں روشنی لانے والا پہلی قسم کے لئے وبال ہوگا اور دوسری قسم کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہوگا۔ پہلی قسم والے ان کے ساتھ نہ چلیں گے۔ جب تک کہ ان کو ڈرایا دھمکایا نہ جائے۔ اور دوسری قسم والے اس کے ساتھ چلنا اپنی خوش نصیبی محسوس کریں گے اور ذکریٰ کی مومنین کے ساتھ تخصیص اس لئے کی ہے کہ بالفعل قرآن مجید کے نصائح سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو مومن ہوں جس طرح اس کو هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کہا گیا ہے۔

فَجَآءَهَا :- جناب رسالتمآبؐ کو مزید تسلی دی گئی ہے کہ آپ اِنذار کرتے میں دل تنگ نہ ہوں یہ کافر و مشرک آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ اگر کفار سرکش ہو کر رسولوں کی توہین پر اتر آئیں تو ہم عذاب میں مبتلا کر دیا کرتے ہیں چنانچہ اُمم سابقہ کی تاریخ شاہد ہے کہ جب نبیوں کو جھٹلایا اور تنگ کیا گیا تو ہم نے رات کو سوتے ہوئے یا دن کو قیلولہ کرتے ہوئے ان پر عذاب بھیج دیا۔ جیسا کہ حضرت لوطؑ کی امت پر رات کو عذاب آیا۔ جبکہ وہ محوِ خواب تھے اور حضرت شعیبؑ کی امت پر دن کو عذاب آیا جبکہ وہ بوقتِ دوپہر سوئے ہوئے تھے۔ پس اس مثال سے رسالتمآبؐ کو تسلی دی گئی ہے اور امت کو تکذیب و تردید کے خطرناک انجام سے متنبہ کیا گیا ہے۔

فَلَنَسْئَلَنَّ :- آیتِ مجیدہ کا مقصد یہ ہے کہ روزِ محشر ہر ایک سے سوال و جواب ہوگا۔ رسولوں سے تبلیغِ رسالت کا

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾ وَمَنْ

اور تول اس دن پورا ہوگا پس جس کا تول بھارا ہوگا تو وہ چھٹکارا پانے والے ہوں گے اور جس کا

خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾

تول ہلکا ہوگا تو انہوں نے خسارے میں ڈالا اپنے آپ کو کیونکہ وہ ہماری آیات سے بے انصافی کرتے تھے

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾ ع۸

اور تحقیق ہم نے ٹھہرایا تم کو زمین میں اور بنائی تمہاری اس میں گذران تھوڑا ہی تم شکر کرتے ہو

سوال ہوگا اور امت سے تبلیغ رسالت پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہوگا۔ اس کے بعد فرماتا ہے فَلَنَقُصَّنَّ یعنی ہم ان کے کرتوت ان کے سامنے خود بیان کریں گے کیونکہ ہم غائب تو نہ تھے نیز ان کے تمام اعمال ہمارے ہاں محفوظ ہیں۔ پس اس صورت میں پوچھنا واقعہ کی تفتیش کے لئے نہیں بلکہ ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ہے۔

وَالْوَزْنُ :- مفسرین کے اس میں چند اقوال ہیں لیکن علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اس قول کو ترجیح دی ہے کہ یہاں وزن سے مراد عدل ہے اور ابن عباس کا قول ہے کہ ایک ترازو نصب ہوگا جس کے دو پلڑے ہوں گے اور اسی کے ذریعہ سے انسانوں کی نیکیاں اور برائیاں تلیں گی۔ ممکن ہے ابن عباس کے قول سے بھی وہی معنی عدل مراد ہو اور سادہ لوح انسانوں کو سمجھانے کے لئے مقصود کی تعبیر ان لفظوں سے کی ہو کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ (لوگوں سے انکی سمجھ کے مطابق بات کیا کرو)

ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ۔ موزون کی جمع ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ثقل موازین سے مراد نیکیاں ہیں اور خفت سے مراد برائیاں ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ جس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں ہوں گی تو وہ فلاح پائیں گے اور جس کے نامۂ اعمال میں برائیاں ہوں گی تو وہ خسارہ پانے والے ہوں گے۔ تفسیر کبیر میں بروایت ابن عمر حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ بروز محشر ایک شخص کے ۹۹ دفتر برائیوں کے میزان کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے کہ ایک ایک دفتر حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا ہوگا پھر اس کے دوسرے پلڑے میں ایک چھوٹا سا پرزہ رکھا جائے گا جس میں اس شخص کی شہادت توحید و رسالت ہوگی پس یہ پلڑہ جھک جائے گا اور ممکن ہے کہ موازین جمع ہو میزان کی تو اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ نیکی کا ہر ہر قسم کا میزان جدا جدا ہوگا اور اس کے مقابلہ میں اسی قسم کی برائی ہوگی اور صاحب صافی فرماتے ہیں کہ میزان کا مطلب ہے ایسا معیار جو انسان کی قدر و قیمت پر دلالت کرے اور وہ ہے عقیدہ، اگر عقیدہ درست ہو تو انسان کی قدر و قیمت بلند اور اگر عقیدہ فاسد ہو تو اس کی قدر و قیمت ختم۔ پس اس اصول کے ماتحت ہر امت کا میزان ہے۔ اس امت کا نبیؐ و امامؑ کیونکہ نبوت و امامت پر صحیح عقیدہ ہی انسان کی نیکیوں کا

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا

اور تحقیق ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تمہیں صورت دی پھر حکم دیا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کا تو سب نے سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ

مگر ابلیس نہ ہوا سجدہ کرنے والوں میں سے پوچھا (اللہ نے) کس چیز نے تجھے روکا کہ سجدہ نہیں کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ

تو کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے فرمایا اتر جا

مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

اس جگہ سے تیرا کوئی حق نہیں کہ فخر کرے اس جگہ پس نکل جا کہ تو کمینہ ہے

اصلی سبب ہوا کرتا ہے اور نبوت و امامت کے متعلق غلط عقیدہ ہی برائیوں کی جڑ ہوتا ہے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب موازین کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد انبیاء اوصیاء ہیں اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ وہ موازین ہم ہیں۔ پس عقیدہ کی درستی ہی نجات کی ضامن ہے چنانچہ تفسیر کبیر کی سابقہ روایات بھی اسی امر کی تائید کرتی ہیں۔

رکوع نمبر ۹ حضرت آدمؑ کی خلقت اور حکم سجدہ

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ :- اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) ابتدائے خلقتِ آدمؑ کا ذکر ہے اور کُمْ کا مضاف محذوف ہے یعنی ہم نے تمہارے باپ آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور پھر صورت انسان کی اس کو مرحمت کی، پھر فرشتوں کو اس کے سجدہ کا حکم دیا۔ اس طرح ہے جس طرح بنی اسرائیل کو خطاب ہے کہ ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا۔ حالانکہ مقصد یہ ہے کہ تمہارے اسلاف سے وعدہ لیا اور ان پر کوہ طور کو بلند کیا (۲) ہم نے تمہارے باپ آدمؑ کو پیدا کیا۔ پھر اس کی پشت میں تمہاری تصویر کشی کی۔ پھر فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا۔ (۳) مضاف محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔ معنی یہ ہے کہ ہم نے تم کو پیدا کیا اور پھر تم کو صورت و شکل دی پھر اس بات کی تم کو خبر دیتا ہوں کہ فرشتوں کو آدمؑ کے سجدہ کا حکم میں نے دیا تھا۔ گویا ثُمَّ کے بعد اُخْبِرُكُمْ محذوف ہے پھر بعض کہتے ہیں کہ خلق سے مراد ہے باپ کی پشت میں رہائش اور تصویر سے مراد شکم مادر میں منازلِ ارتقاء کی سیر اور بعض کہتے ہیں کہ خلق سے مراد ہے انعقاد نطفہ اور تصویر سے مراد ہے اعضاء و جوارح کی موجودہ ترتیب و کیفیت نیز حسن و قبح اور

دیگر کیفیاتِ بدنیہ و خلقیہ سے آراستگی۔

قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ ؕ۔ جب پروردگار نے ازروئے سرزنش فرمایا کہ تو نے آدمؑ کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کیا، جبکہ میرا حکم تھا تو اس بدباطن نے نہایت نڈر ہو کر تکبّر کے انداز سے اپنی انانیت کا راگ الاپنا شروع کر دیا کہ میں اس سے بہتر و افضل ہوں اور جو بہتر ہو وُہ اپنے سے ناقص کا سجدہ کیوں کرے؟ محض اپنے بے محل قیاس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے تئیں حکم عمومی سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور پھر اپنے مزعوم باطل کو خدا سے منوانے کے لئے دلیل و برہان کے میدان میں اتر آیا اور اس سلسلہ میں قیاس کو پیش کیا۔

فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا ؕ۔ چونکہ ابلیس کا انکار سجدہ محض تکبّر کی بنا پر تھا اور اس کی قیاسی دلیل ازقبیل بدرا بہانہ بسیار کے ماتحت تھی اور نیز مقدماتِ قیاس اس قدر بودے اور ناقص تھے کہ ان کی تردید کی ضرورت نہ تھی۔ لہذا پروردگار نے اس کی بدضمیری کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ صرف تیرے تکبّر کی شامت ہے پس اس منزلۂ رفیعہ سے اُتر جا۔ کیونکہ میری بارگاہ میں منزلِ رفیعہ پر عجز و انکساری اور اطاعت شعاری سے ٹھہرا جا سکتا ہے۔ پس جو مرتبہ پہلے حاصل کر چکا تھا۔ اس سے معزول کر دیا گیا اور بارگاہِ قرب سے نکالا گیا گویا اس صورت میں فَاهۡبِطۡ اور فَاخۡرُجۡ کا امر تکوینی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ یہ امر آسمان پر ہُوا۔ پس انکار کے بعد اس کو حکم ہوا کہ اب آسمان سے اتر جا اور زمین پر رہ اور جنت سے نکل جا۔ لہذا یہ دونوں امر تشریعی ہیں۔ لیکن پہلا معنیٰ زیادہ موزوں و مناسب ہے واقعہ کی تفصیل تفسیر انوار النجف کی دوسری جلد میں مرقوم ہو چکی ہے۔ لہذا اس جگہ دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

قیاس ابلیس

ابلیس نے سجدہ نہ کرنے کے جواز کو اپنے زعم میں دو مسلّمہ مقدموں کا رہینِ منت قرار دیا (۱) میں آدم سے اشرف و افضل ہوں چنانچہ صاف و اشگاف لفظوں میں کہہ دیا اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ ۔ ابلیس اگرچہ حضرت آدم کے سامنے نہیں جُھکا لیکن تمرد کے جواز کے لئے ایک قیاسی نکتہ اس کے پیشِ نظر تھا وہ یہ کہ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡهُ یعنی میں اس سے بہتر و افضل ہوں۔ پس ابلیس سے بھی بدترین انسان ہے جو اپنے اندر احساسِ کمتری پاتے ہوئے زبان سے لَسۡتُ بِخَیۡرِ کُمۡ کا اعلان کرے اور اپنے سے افضل کا اعتراف کر کے اس کے سامنے جھکنے سے گریز کرے اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ افضل کو اپنے سامنے جھکانے کی سعی نامسعود میں اسے تشدد کا نشانہ بنائے حالانکہ ابلیس نے باوجود دعوائے افضلیت کے حضرت آدمؑ کو اپنے سامنے جھکانے کی خواہش تو بجائے خود اس ظلم کا دل میں خیال تک نہ کیا تھا۔ (۲) جو افضل و اشرف ہو تو جائز نہیں کہ اس کو پست کے سامنے جُھکنے کا حکم دیا جائے لہذا مجھے آدم کے سجدہ کا حکم دینا غلط اور ناجائز ہے۔ دوسرا مقدمہ چونکہ وہ اپنے نزدیک واضح اور بدیہی سمجھتا تھا۔ اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی اور سوال پروردگار کے جواب میں صرف پہلے مقدمہ کو ثابت کرنے کی سعی نامسعود میں گویا ہُوا کہ میرا مادہ خلقت آگ ہے اور آدمؑ کا مادہ خلقت مٹی ہے۔ لہذا میں آدمؑ سے افضل ہوں۔

یہاں دو اور مقدمے موجود ہیں جن کو مسلمات سے فرض کر کے ان کے اثبات کے درپے نہیں ہوا۔ اور وہ یہ کہ (۱) آگ مٹی سے افضل ہے (۲) جس کا مادۂ تخلیق افضل ہو وہ افضل ہی ہوا کرتا ہے۔
آگ کے مٹی سے افضل ہونے کے چند وجوہ ہیں (۱) آگ میں چمک اور روشنی ہے اور زمین میں تاریکی اور ظلمت ہے ۲۔ آگ میں بلندی ہے چنانچہ کرۂ نار تمام کروں سے اوپر ہے اور زمین میں پستی ہے۔ چنانچہ کرۂ ارض تمام کروں سے پست ہے۔ ۳۔ کرۂ نار عالم علوی کا مجاور ہے اور کرۂ ارض عالم علوی سے بہت دور ہے ۴۔ آگ لطیف ہے اور مٹی کثیف ہے۔ ۵۔ آگ میں تاثیر کرنے کا جوہر ہے اور زمین میں قبول کرنے کا مادہ ہے پس آگ فاعل ہے اور زمین منفعل ہے۔ ۶۔ آگ میں حرارت ہے جو زندگی سے مناسبت رکھتی ہے اور زمین میں برودت ہے جو موت سے موزوں ہے یہ وہ ظاہری وجوہ ہیں جن سے آگ کی برتری ثابت ہوتی ہے لیکن اگر آگ اور مٹی کے ذاتی خواص و اوصاف کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آگ زمین کے مقابلہ میں فضائل و کمالات سے تہی دامن ہے اور آگ کے پاس صرف حسن ظاہر کے علاوہ اور کچھ نہیں۔
(۱) زمین میں خشوع و خضوع اس کی فطری و جبلی صفت ہے جو شایانِ شان مخلوق ہے اور آگ اس صفت سے خالی ہے بلکہ اس میں سربلندی اور تکبر کی صفتِ بد پائی جاتی ہے جو مخلوق کے لئے انتہائی طور پر ناپسندیدہ ہے۔ اور زمین اس صفت بد سے منزہ ہے چنانچہ آگ پر اور آگ کا اضافہ ہو تو اوپر کی طرف بڑھتی ہے اور مٹی کے اوپر مٹی ڈالو تو وہ نیچے کی طرف لڑھک جاتی ہے (۲) آگ میں بلندی کی صفت ہے اور ہر بلندی کی انتہا تنزل کا پیش خیمہ ہوا کرتا ہے اور زمین اس خطرہ سے بے نیاز ہے (۳) آگ میں جو چیز ڈالی جائے وہ اُسے جلا دیتی ہے اور زمین میں جو چیز رکھی جائے وہ اُسے محفوظ رکھتی ہے۔ ہاں زمین میں بعض چیزوں کا گل سڑ جانا اس لئے نہیں ہوا کرتا کہ زمین انہیں نقصان پہنچاتی ہے بلکہ چیزوں کے کافی عرصہ تک زمین میں رہنے سے ان کو زمین سے مانوسیت پیدا ہو جاتی ہے پس وہ اپنی موجودہ صورت کو زمین کی صورت سے بدلنے لگ جاتی ہیں رفتہ رفتہ وہ شکل ارضی اختیار کر لیتی ہیں۔ یعنی زمین کی طویل صحبت انہیں اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے نہ کہ ان کو فنا کرتی ہے بخلاف اس کے آگ میں یہ قابلیت نہیں کہ کسی چیز کو اپنے رنگ میں رنگ کر اسے آگ بنا دے بلکہ جو بھی اس کے قریب جائے اس کا کام ہے اس کو جلا کر خاکستر بنا دے۔ ۴۔ زمین میں قوت تولید اور مادۂ نمو ہے چنانچہ تمام نباتات اس کی ان دونوں قوتوں کے شاہد بین ہیں اور اسی پر تمام ذوی الارواح و غیر ذوی الارواح مخلوق کی زندگی کا دارومدار ہے اور آگ میں بخلاف اس کے قوتِ احراق ہے جو ذوی الارواح و غیر ذوی الارواح تمام مخلوق کے لئے پیغامِ موت ہے اور زمین میں امانت کا مادہ ہے اور آگ میں اس کے برخلاف خیانت کا مادہ ہے۔ ۶۔ زمین اللہ کی مخلوق کے لئے محل سکون ہے اور آگ نافرمانوں کے لئے جیل خانہ اور محل عذاب ہے ۷۔ زمین کو اپنی فروتنی کے باعث یہ شرف نصیب ہے

کہ اللہ نے اس کو محل سجدہ قرار دیا نیز مدفن انبیاء و اولیاء بھی اسی کو قرار دیا اور آگ صرف اس کے دشمنوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔ ۸۔ زمین ظاہری صورت میں عالم علوی سے اگرچہ دُور ہے لیکن ان عاداتِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے عالم علوی کے قریب تر ہے اور برخلاف اس کے آگ ظاہری طور پر جس قدر عالمِ علوی کے قریب ہے اوصاف غیر محمودہ کی بنا پر اسی قدر عالمِ علوی سے دُور تر ہے۔ ۹۔ آگ کی شکل لطیف ہے لیکن عمل کثیف ہے اور برخلاف اس کے زمین کی شکل کثیف اور عمل لطیف ہے۔ ۱۰۔ آگ میں اثر کرنے کی قوت ہے اور اس میں اثر لینے کی قوت نہیں ہے اور بخلاف اس کے زمین میں اثر کرنے کی قوت ہے جس طرح قوتِ تولید و نمو وغیرہ اور اس میں اثر لینے کی بھی قوت ہے اور جس میں دونوں قوتیں ہوں وہ ایک قوت والی چیز سے افضل ہے۔ ۱۱۔ زمین کا اثر کرنا ایک اندازۂ خاص کے ماتحت ہوتا ہے جو قابل و منفعل کے لئے باعث نمو و زیادتی ہوتا ہے۔ اور فائدہ مند ہوتا ہے لیکن آگ میں جو اثر کرنے کا جوہر ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں حتیٰ کہ قابل و منفعل کو موت سے ہم آغوش کر دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزیں جن میں آگ اثر کرتی ہے ہمیں آگ کے اثر کو کنٹرول کرنے کے لئے وسائط تلاش کرنے پڑتے ہیں اور ذرائع و تدابیر پر عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ آگ کی تاثیر کسی حد تک پہنچ کر ختم کر دی جائے اور قابل و منفعل کو موت سے بچا لیا جائے پس ان باطنی خوبیوں کو اگر نظر انداز کیا جائے اور صرف ظاہر ہی کو دیکھا جائے تو ابلیس کی طرح دھوکا میں پڑنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے کیونکہ وہ مٹی کی حقیقی اور باطنی اوصاف کو نظر انداز کر کے آگ کی ظاہری چمک دمک پر ناز کرتے ہوئے اپنی ناری پیدائش کو آدمؑ کی خاکی پیدائش پر ترجیح دے رہا تھا اور اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کا نعرہ بلند کر رہا تھا جب ثابت ہو گیا کہ مٹی کو ہی فضیلت حاصل ہے تو قیاس کا پہلا مقدمہ باطل ہو گیا لہذا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ خدا کو بھی معلوم تھا کہ یہ آگ سے پیدا ہے اور آدمؑ مٹی سے ہے اور فرشتے نور سے ہیں اور وہی ان سب کا خالق ہے اگر بالفرض مٹی کا درجہ پست بھی ہو تاہم ہو سکتا ہے کہ پست مادہ سے پیدا ہونے والی مخلوق میں ایسا جوہر رکھ دیا جائے جو بلند مادہ سے پیدا ہونے والی مخلوق میں نہ ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ حکم دینے سے پہلے اس جوہر کی نشاندہی کر دی جائے جو اس خاص مخلوق کو تفویض کیا گیا ہے اسی لئے تو جب ابلیس نے انکار کیا تو معرضِ عتاب میں ذاتِ پروردگار نے ارشاد فرمایا۔ جب میرا حکم تھا تو پھر اور کون سی چیز تجھے سجدہ سے مانع ہوئی؟

اس تہدیدی سرزنش کے بعد تو ابلیس کو یقین ہی تھا کہ میں حکم سجدہ سے مستثنیٰ نہیں تھا اور خالق کا مجھے مستثنیٰ نہ قرار دینا اسی امر کی دلیل ہے کہ آدمؑ میں ایسا جوہر موجود ہے جو آگ سے پیدا ہونے والی مخلوق میں نہیں ہو سکتا۔ لہذا اپنے مقام پر اس کو اپنے قیاس کے بے محل ہونے کا یقین تھا لیکن مقامِ انانیت میں اکڑ کر پوری جسارت اور بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی وجہ افضلیت بیان کی اور انکارِ سجدہ پر ڈٹا رہا۔ اس مقام پر ابلیس نے دو غلطیاں کیں۔ ایک اظہار تکبر اور

دوسری حکم شرعی خداوندی میں اپنے قیاس کا ڈھونگ اور چونکہ دوسری غلطی پہلی غلطی کا اثر و نتیجہ تھی۔ اس لئے خداوند کریم نے اس کی پہلی غلطی کی مذمت فرمائی اور عتاب کا رُخ بھی اسی پہلی غلطی کی طرف کیا۔ اور ابلیس کو مرتبہ سے گرانا اور اپنے دربار سے نکال دینا اور اسے رجیم مردود ملعون اور کمینہ وغیرہ خطابات سے مخاطب کرنا اسی تکبر ہی کے نتیجہ میں تھا۔

تکبر

انسان مدنی الطبع ہونے کے لحاظ سے باہمی میل جول کا محتاج ہے اور باہمی انس و محبت ہی میل جول کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہے اور کردار و اخلاق کی صحت ہی انسان کی اس اہم پوزیشن کی کفالت کر سکتی ہے اور اخلاق کی کمزوری اور کردار کی پستی باہمی انس و محبت کی دشمن اور میل جول کی قاطع ہے۔ تمام انبیاء انسانوں کو اخلاق کی تعلیم و تربیت دینے کے لئے تشریف لائے تاکہ انسانی تمدن صحیح معنی میں برقرار رہے اور اخلاق انسانیت سے دست بردار ہو کر یہ انسان درندگی اور بہیمیت کی نازیبا صفات کا مظہر نہ بنے اور تمام صفات بد میں سے تکبر ایسی بدصفت ہے جو تنہا انسانی زندگی کی بربادی یا خرمن امن و اتحاد بشری کے خاکستر ہونے کے لئے کافی ہے حضرت رسالتمآب سے مروی ہے کہ میں مکارم الاخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ حضورؐ اور حضورؐ کی آل اطہار علیہم السلام سے تکبر کی مذمت میں بہت کچھ احادیث وارد ہیں چنانچہ اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے

اُصُولُ الْکُفْرِ ثَلَاثَۃٌ اَلْحِرْصُ وَالْاِسْتِکْبَارُ وَالْحَسَدُ۔ کفر کی جڑیں تین چیزیں ہیں (۱) حرص (۲) تکبر (۳) حسد

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے الحاد کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا تکبر الحاد کا پہلا زینہ ہے۔

۳۔ آپ نے فرمایا ہر قوم کے بدترین انسانوں میں تکبر ہوا کرتا ہے۔ کبر اللہ کی ردا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے وہ اللہ کی ردا میں ہاتھ ڈالتا ہے اور خدا اس کو ذلیل کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ خدا الٹے منہ ایسے شخص کو جہنم میں ڈالے گا۔

۴۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک مثقال برابر بھی تکبر ہو گا۔ وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جہنم میں ایک وادی ہے جس کا نام سقر ہے اور وہ صرف متکبرین کیلئے ہے

۶۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا تکبر اور فخر کرنے والے انسان پر تعجب ہے کہ کل تو وہ نطفہ تھا اور آئندہ مردہ ہو جائے گا یعنی جس کی ابتداء اور انتہا اس قدر ذلیل ہو وہ تکبر کرنے کا کیا حق رکھتا ہے بلکہ درمیانی منزل میں تاج کرامت سے سرفراز ہو کر اپنے اس پروردگار کا کیوں نہ شکر ادا کرے جس نے اس کو اس قسم کی ردی اور ناقص منزل سے بلند کر کے انسان اور اشرف المخلوقات بنایا پس بعد کی منزل یعنی موت کو یاد کر کے اس سے خوف کھاتا رہے اور نافرمانی کی جرأت نہ کرے۔

۷۔ تفسیر صافی میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جو تواضع کرتا ہے۔ خدا اس کو بلند کرتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے خدا اس کو پست کرتا ہے

اگر اس سلسلہ میں اہل بیتؑ کی سیرت کا جائزہ لیا جائے تو انسان محو حیرت ہو کر رہ جاتا ہے اور ان کے اخلاق کو دیکھ کر جب اپنے گریبان میں انسان نظر دوڑاتا ہے تو اسلام کی بجائے خود انسان کے لئے انسان کہلانا بھی مشکل نظر آتا ہے اسی تکبّر کی نفی کے لئے حکم دیا کہ انسان اکیلا کھانا نہ کھائے۔ کیونکہ یہ تکبّر کی علامت ہے۔ اکیلا کمرے میں نہ سوئے۔ بلند سٹیج پر اکیلا نہ بیٹھے۔ چند ساتھیوں کے ہمراہ کہیں جاتے ہوئے آگے چلنے میں خوشی محسوس نہ کرے کیونکہ یہ سب تکبّر کی علامات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معصوم زمین پر بیٹھنے میں خوشی محسوس کرتے تھے اور اپنی خدمت آپ کرنا ان کا شیوہ تھا۔ غلاموں کے ساتھ مل کر ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے تھے کسی کو توہین آمیز خطابات سے مخاطب نہ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ کتاب اربعین علامہ مجلسی میں ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے پہلی حدیث میں حضرت علیؑ سے یہ بھی فرمایا کہ کسی چھوٹی قد والے کو چھوٹی قد والا کہہ کر نہ بلاؤ کیونکہ اس میں بھی اس کی توہین ہے اور اپنے تکبّر کی نشانی ہے۔

قیاس کی مذمت

تمام فرق اسلامیہ میں سے مذہب حقّہ شیعہ خیر البریہ کو بجا فخر حاصل ہے کہ اس مذہب میں بالکل قیاس کو دخل نہیں ہے بلکہ آئمہ اہل بیتؑ سے قیاس کی مذمت میں احادیث تواتر سے مروی ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قیاس والوں نے علم کو قیاس سے حاصل کرنا چاہا۔ لہٰذا وہ حق سے دور تر ہوتے گئے کیونکہ اللہ کا دین قیاس سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلا گناہ جو صفحۂ عالم پر سرزد ہوا وہ ابلیس کی انانیت تھی۔ جب خدا نے آدمؑ کے سجدہ کا فرشتوں کو حکم دیا۔ پس سب نے سجدہ کیا سوائے اس لعین کے تو خدا نے فرمایا تو نے کیوں سجدہ نہیں کیا جبکہ میں نے حکم دیا تھا تو اس نے اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ کا نعرہ لگایا اور اپنی سرکشی پر ڈٹا رہا تو خدا نے اس کو ملعون ٹھہرایا۔ اس کا نام رجیم رکھا اور بارگاہِ قرب سے اس کو نکال دیا اور خدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی کہ جو دین میں قیاس کرے گا اس کو اپنے دشمن ابلیس کے ساتھ ملا کر جہنم کے نچلے طبقے میں داخل کروں گا۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ابو حنیفہ حاضر ہوا تو آپ نے اس کو فرمایا۔ اے ابو حنیفہ میں نے سنا ہے کہ تو قیاس کرتا ہے تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے بطور نصیحت فرمایا۔ قیاس مت کیا کرو۔ کیونکہ پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے جبکہ اس نے خدائی حکم کے سامنے قیاس کرتے ہوئے کہا تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا ہے لہٰذا میں اس سے بہتر ہوں۔ اگر آدمؑ کی نوریت کا اپنی ناریت سے مقابلہ کرتا۔ تو اسے پتہ چلتا کہ ان میں سے افضل کون ہے؟ اس مکالمہ کو ہم نے مقدمہ تفسیر ہٰذا میں وضاحت سے نقل کیا ہے۔

باوجود اس کے کہ ابلیس پر اپنے قیاس کی مار پڑی اور قرآن نے اس واقعہ کو متعدد بار دہرایا تاکہ امت اسلامیہ اس سے درس عبرت حاصل کرے لیکن آل محمدؐ کے دروازہ پر نہ جھکنے اور علم کو اپنے اہل سے نہ حاصل کرنے کی بدولت مسلمانوں نے جہاں اور ہزاروں ٹھوکریں کھائیں وہاں یہ مصیبت بھی ان کے لئے طوق گردن ہو گئی کہ قیاس کو دین سمجھ

قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَاۤ

کہنے لگا مجھے مہلت دے یوم حشر تک فرمایا تحقیق تو مہلت دیا گیا ہے کہنے لگا پس بوجہ

اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ

اس کے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے ضرور بیٹھوں گا (اُن آدمیوں) کیلئے تیرے سیدھے راستہ پر پھر آؤں گا اُن پر سامنے سے

اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ﴿۱۷﴾

اور پیچھے سے اور دائیں جانب سے اور بائیں جانب سے اور نہ پائے گا تو ان کے اکثر کو شکر گزار

بیٹھے چنانچہ فقہا اسلام نے قرآن وحدیث کے بعد حکم فقہی کا ماخذ قیاس کو قرار دیا بلکہ قیاس کو حدیث پر ترجیح دی۔ چنانچہ فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے۔ اِنَّ مَذْهَبَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ اِذَا وَرَدَ عَلٰی خِلَافِ الْقِیَاسِ لَمْ یُقْبَلْ یعنی ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جب اکیلی حدیث قیاس کے خلاف ہو تو قبول نہ کی جائے گی۔ بلکہ قیاس پر عمل کیا جائے گا۔ تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۱۰۹ چاپ مصر اور دوسرے مقام پر رازی نے قیاس کے متعلق ابن عباس سے روایت نقل ہے کہ ابلیس کے لئے فرمانبرداری قیاس سے بہتر تھی لیکن اس نے نافرمانی کر کے قیاس کر لیا اور پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہی ہے پس جو شخص بھی اپنی رائے سے دین میں قیاس کرے گا خدا اس کو ابلیس کے ساتھ مقرون کرے گا۔ تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۸۵۔ چاپ مصر۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں کتاب و اہلبیتؑ سے تمسک کی توفیق مرحمت فرمائی اور ایسے آئمہ کی پیروی سے ہمیں نجات دی جو حدیث رسولؐ سے اپنے قیاس کو بہتر سمجھتے ہیں۔ خدا بُرا کرے تعصب کا کہ رازی جیسے انسان بھی اس مرض کا جب شکار ہوئے تو حق و باطل میں فرق کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا۔ چنانچہ خود معترف ہے کہ ہمارے آئمہ قیاس کو حدیث رسولؐ پر ترجیح دیا کرتے تھے اور یہ بھی جانتا ہے کہ قیاس کرنے والے شیطان کے ساتھی ہوں گے اور باوجود اس کے چپ ہے۔ انہی کے نقش قدم پر اگر آلِ محمدؐ سے مفت کی عداوت نہ ہوتی تو کیوں دیدہ دانستہ قعرِ ہلاکت میں کرنے کو گوارا کرتا۔

قَالَ اَنْظِرْنِیْ :۔ شیطان نے بارگاہِ ربوبیت سے مردود ہونے کے بعد قیامت تک کی مہلت طلب کی۔ تو خداوند کریم نے وقت معلوم تک اس کو مہلت دے دی اور بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا وقت معلوم سے مراد حضرت قائم آلِ محمدؐ کا زمانہ ہے۔

فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ :۔ شیطان اپنی غوایت و گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کر رہا ہے گویا اس کے عقیدہ میں یہ بات تھی کہ گمراہی کا فاعل بھی اللہ ہی ہوا کرتا ہے معلوم ہوا فعل شر کی اللہ کی جانب نسبت دینے والا پہلا شخص شیطان ہے

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ

فرمایا نکل جا اس جگہ سے ذلیل مردود جو بھی تیرے تابع ہوگا۔ اُن میں سے البتہ پر کروں گا۔

لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾

جہنم کو تم سب سے

جس طرح کہ دینِ خدا میں قیاس کو دخل دینے والا پہلا وہی ہے تو جن لوگوں کے عقائد میں یہ بات داخل ہو کہ ہر اچھے اور بُرے کام کا فاعل خدا ہوا کرتا ہے تو وہ اصول میں شیطان کے تابع ہوئے اور جن کے فروع میں قیاس داخل ہو وہ فروع میں شیطان کے مقلد ہوئے۔

لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ ؕ۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے زرارہ سے فرمایا کہ اس سے مراد تم لوگ ہو کیونکہ وہ دوسروں کے گمراہ کرنے سے تو فارغ ہو چکا ہے یعنی وہ تو اس کے اپنے ہی ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابوبصیر نے روایت کی ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد حضرت علیؑ ہیں پس شیطان اسی راستہ پر بیٹھ کر اسی راہ پر بیٹھنے والوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ معصوم کا یہ فرمان حضرت علیؑ کے شیعہ کہلانے والوں کے لئے تازیانۂ عبرت اور مہمیز نصیحت ہے۔

ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم ؕ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے آیتِ مجیدہ کی تفسیر اس طرح ہے۔ کہ سامنے سے گمراہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ ان پر آسان کر دوں گا اور پیچھے سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو جمع اموال اور بخل عن الحقوق کی دعوت دوں گا اور دائیں طرف سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر دین کا معاملہ فاسد کروں گا اور ان کے سامنے گمراہی اور شبہات کو مزین کر کے پیش کروں گا اور بائیں طرف سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو لذتوں سے مانوس کروں گا۔ اور ان کے دلوں پر شہوات کو غالب کروں گا۔

اب اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو بات حرف بحرف صحیح ہے۔ شیطان نے آخرت کا معاملہ اس طرح آسان کیا ہے کہ جس قدر گناہ سرزد ہوں ذرہ بھر بھی جہنم کا خوف دل میں خطور نہیں کرتا اور اگر کسی وقت دل میں خیال آ بھی جائے تو فوراً شیطان کسی زبان پر یہ کلمات جاری کرا دیتا ہے۔ علی علی کرو اور جنت تمہاری۔ بس اس ایک جملہ کو سنتے ہی حساب وکتاب کے خطرہ سے طبیعت مطمئن ہو گئی۔ پھر جو جی چاہا کرگزرے نہ قرآن کی پرواہ نہ محمدؐ و آل محمدؐ کے احکام کی پرواہ صرف زبان پر علیؑ علیؑ اور باقی تمام عادات، اطوار، گفتار، کردار وغیرہ میں ابلیس کی تعلیم کا پرتو۔ واجباتِ شرعیہ کی کوئی پرواہ نہیں اور مناہی شرعیہ کا کوئی لحاظ نہیں۔ صرف علیؑ کا نام آتا ہے۔ علیؑ کے کام کا پتہ نہیں یا یہ کہہ دوں کہ نام سے محبت ہے اور کام سے عداوت ہے اس طرح دوسری شق کو دیکھئے مال کو جمع کرنے کا حرص اور حقوق

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا

اور اے آدمؑ رہ تو اور تیری بیوی جنت میں پس کھاؤ جہاں سے چاہو اور نہ پاس جانا اس درخت

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲

کے ورنہ ہو جاؤ گے خسارہ پانے والوں میں سے

خداوندی کی ادائیگی سے پہلو تہی اسی قوم کا شعار بن چکا ہے۔ نہ زکوٰۃ، نہ خمس اور نہ خیرات بے شک شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ خرچ کرنے سے مال برباد ہوتا ہے اور انسان بھوکا ہو جاتا ہے اگر زمین کو کسی کار خیر کے لئے وقف کیا تو اولاد بھوکی مرے گی لیکن اگر شیطان کی راہ میں ہزاروں لاکھوں روپیہ برباد کرنا ہو تو نہ بھوک کا ڈر اور نہ اولاد کی پرواہ ہوتی ہے پس شیطانی تسویلات نے فکر آخرت سے بالکل بیگانہ کر دیا ہے اسی طرح تیسرے اور چوتھے پہلوؤں کو دیکھا جائے تو دین کے مسائل میں شبہات اور غلط رواج و رسوم کی تحسین و تزئین جو اس قوم میں موجود ہے مجال نہیں کہ کوئی ان کی غلط رسم کو غلط کہہ دے یا ان کی مروجہ عادت کو باطل کہہ دے۔ پس جو رسم رواج پا گئی اسی کو ہی دین کہنا ہے اور جو واقعی دین ہے اس پر ہزاروں اعتراضات و شبہات وارد کریں گے۔ مجالس سید الشہداء میں حقیقی پہلو کا جائزہ لیجئے اور موجودہ رسم و رواج سے تطابق دیجئے۔ آسمان و زمین کا فرق نظر آئے گا اور جو بھی غلط کو غلط کہے گا۔ اسی پر دشمنی حسین کا فتویٰ عائد کیا جائے گا۔ کون کہے کہ غلط روایت پڑھنا گناہ ہے۔ ڈاڑھی منڈوانا حرام ہے۔ عورتوں اور مردوں کا مخلوط ہونا ناجائز ہے۔ گانے کی طرز سے مجلس خوانی ٹھیک نہیں اور ذکر حسینؑ میں مقصد حسینؑ کو بیان کرنا ضروری ہے، حلال و حرام کے مسائل کو جگہ دینا لازمی ہے وغیرہ تو بلا دریغ کہنے والے کہہ دیں گے۔ ایسی اصلاحات کی تحریک کرنے والا امام حسینؑ کی مجلس کا دشمن ہے۔ الامان۔ شیطان نے ظاہری لذات اور شہوات کو ایسا محبوب بنا دیا ہے کہ لذت اور شہوت کے سائے میں رہ کر دین کا ٹھیکہ حاصل کرنا عادت بن چکی ہے اسی بناء پر امام معصوم آنے والی نسلوں کے ایمانی کردار سے نقاب کشائی فرما رہے ہیں جبھی تو فرمایا کہ شیطان کا ہر چہار طرف سے گمراہ کرنا تم لوگوں کیلئے ہے ورنہ دوسروں سے تو وہ فارغ ہو چکا ہے۔

وَسْوَسَ لَهُمَا ا؎:۔ وسواس کا معنی ہے دل میں ایک خطور سا پیدا ہو جانا۔ اگر مطلق خطور ہو تو اس کا استعمال اِلٰی کے ساتھ ہوتا ہے جیسے وَسْوَسَ اِلَيْهِ اور اگر ایسا خطور ہو جس میں خیر خواہی اور خوبی کا پہلو بھی ہو تو اس کا استعمال ل کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ یہاں کیا گیا۔ شیطان کا وسوسہ اور حضرت آدمؑ کا اس کے دام تزویر میں آنا پوری تفصیل کے ساتھ ہم نے تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں بیان کیا ہے لیکن مطلب کی وضاحت کے لئے اس کا خلاصہ یہاں پھر بیان کرتے ہیں تاکہ آیات کے معنی سمجھنے میں آسانی ہو۔ سب سے پہلے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا

پس وسوسہ ڈالا ان کو شیطان نے تاکہ ظاہر کرے ان کے لئے وہ جو چھپی ہے ان سے اُن کی عورتیں سے

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا

اور کہا کہ نہیں روکا تم کو تمہارے رب نے اس درخت سے مگر یہ کہ ہو تم دونو فرشتے یا ہو جاؤ

مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

ہمیشہ زندگی پانے والے اور قسم کھائی ان کے لئے کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں

۱۔ حضرت آدمؑ وحوا کی جنت جنت الخلد نہیں تھی ورنہ وہاں سے نکالے نہ جاتے نیز جنت الخلد دار الجزاء کا نام ہے اور دار العمل سے پہلے دار الجزاء میں پہنچ جانا معقول نہیں پس وہ جنت باغاتِ دنیا میں سے ایک باغ تھا جس میں حضرت آدمؑ کو عارضی طور پر رہائش دی گئی تھی۔ ۲۔ حضرت آدمؑ کی پیدائش زمین کی خلافت کے لئے تھی اور زمین کا آباد کرنا ان کی غرض خلقت تھا نہ کہ بنی بنائی جنت میں قیام پذیر ہونا اور آدمؑ کو یہ چیز معلوم تھی۔ نیز ابلیس کو بھی اس کا علم تھا۔ ۳۔ ابتداً حضرت آدمؑ کو عارضی طور پر وہاں ٹھہرایا گیا تاکہ ترتیب وار فطرت انسانی کے ماتحت آگے بڑھیں چونکہ یک لخت زمین غیر آباد پر بھیجنا فطرت انسانیہ کے پیش نظر آدم پر بار خاطر ہوتا اس لئے کچھ وقت تک مانوسیت کے لئے ان کو ملائکہ کی صحبت دی گئی (۴) زمین پر جا کر عہدۂ جلیلہ نبوت کے پیش نظر اپنی اولاد کو ابلیس کے مکر و فریب سے بچنے کی انہوں نے تلقین کرنی تھی۔ پس ان امور کے جاننے کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو گیا کہ حضرت آدمؑ کا خروج بطور سزا کے نہیں بلکہ ڈیوٹی کے تقاجس کے لئے ان کی خلقت ہوئی تھی کیونکہ جس طرح وہ جنت ان کی دار الجزاء نہیں تھی اسی طرح اس سے نکلنا سزا نہیں قرار پا سکتا کیونکہ جب آدمؑ دار العمل میں پہنچے بعد میں ہیں تو پہلے سزا یا جزا کا کوئی معنی ہی نہیں۔ خدا کے علم میں تھا کہ آدمؑ نے اس عارضی گھر جنت میں کتنی مدت تک قیام کرنا ہے اور اس مدت کا آدمؑ کو علم نہ دیا گیا تھا۔ اس لئے وساوس شیطانی کے عملی تجربہ کے لئے آدم کی جنت سے روانگی کو ایک مقررہ درخت کے قریب جانے پر معلق کر دیا اور آدمؑ کو صرف اتنا کہا کہ اس درخت کے قریب جانے سے تمہیں خسارہ ہو گا اور خسارہ کی نوعیت نہ بیان کی گئی۔ اب شیطان کا وسوسہ ڈال کر آدم کو درخت کے قریب لے جانا اور آدم کا اس سے کچھ کھانا جنت سے خروج کا موجب ہو گیا۔ جیسا کہ علم خداوندی میں پہلے سے تھا اور آدمؑ کو اب بتا دیا گیا کہ یہ لو اس درخت کے قریب جانے کا بدلہ پس یہاں سے روانہ ہو کر اپنے مقام خلافت پر جاؤ۔ جانا تو بہرکیف تھا ہی اب خسارہ یہ ہوا کہ اگر اس درخت کے قریب نہ جاتے تو کچھ دیر زیادہ ملائکہ کی صحبت میں سرسبز و شاداب باغات میں آرام کی

زندگی گزارتے لیکن اب فوراً آنا پڑ گیا اور چونکہ علم خداوندی میں ایسا ہی تھا۔ لہذا وہی ہو کے رہا اس میں نہ حضرت آدمؑ کی توہین ہے اور نہ عصمت کے منافی کوئی بات ہے اور ابلیس نے وسوسہ اس لئے ڈالا کہ جب سجدہ کے انکار سے اس کو مردود ٹھہرایا گیا تو اس کے دل میں آتشِ انتقام بھڑک اٹھی اور اس کو معلوم تھا کہ دارالعمل میں پہنچ جانے کے بعد تو آدمؑ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا اور نہ میرے داؤ میں آئیں گے کیونکہ نبیؑ ہیں۔ لہذا دارالعمل میں پہنچنے سے پہلے اسی عارضی آرام گاہ میں ان پر مکر کا جال ڈال کر انتقام لیا جائے۔ چنانچہ وہ اپنے حیلہ میں کامیاب ہوا۔

لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا: اگر لام کو نتیجہ کے لئے قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو مقام عیب ان سے پوشیدہ رکھا گیا تھا وہ اب ان پر ظاہر ہو گیا اور اپنی لغزش کا خوب احساس ہوا جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت دی گئی اور مقررہ درخت سے منع کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر اس کے قریب گئے تو تم کو ہی خسارہ ہوگا۔ یعنی نہی ارشاد کے طور پر تھی نہ کہ مولوی تھی جس کی مخالفت موجب گناہ ہوتی ہے اب فطرتِ انسانیہ کے ماتحت آدمؑ نے سوچا کہ وہ خسارہ کیا ہوگا تو دو قسم کے خطور پیدا ہوئے جو وسوسہ تھے کیونکہ اس جگہ کے ماحول میں ہی تو سوچنا تھا۔ اب خیال کیا کہ یا تو اس درخت کے کھانے سے فرشتہ ہو جائے گا۔ کیونکہ وہاں فرشتوں کی رہائش ہی دیکھی تھی یا یہ صورت ہوگی کہ اسی باغ کی عارضی سکونت کو میرے لئے دائمی قرارگاہ بنا دیا جائے گا۔ پس شیطان نے اس وسوسہ کو اور تقویت دی اور قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں اور سچ سچ کہتا ہوں کہ تمہیں جو منع ہوئی ہے وہ اس لئے ہے کہ اس درخت کے کھانے سے یا ملک ہو گے یا یہاں کی رہائش دائمی ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ اور کیا خسارہ متصور ہو سکتا ہے۔ بس یہ خسارہ کوئی بڑی بات نہیں۔ اس ان دیکھی چیز کو دیکھو ضرور اور نہ چکھے ہوئے پھل کا ذائقہ چکھو ضرور پس حضرت آدمؑ اس قسم کے دھوکے میں آگئے اور وہ پھل کھا لیا جس کے نتیجے میں انہیں باغ جنت چھوڑنا پڑا۔ کیونکہ اس کو کھانے والا وہاں رہ نہیں سکتا اور یہ چیز آدمؑ و حواؑ سے پوشیدہ رکھی گئی تھی جو اب ظاہر ہو گئی اور جس خسارہ کا وسوسہ حضرت آدمؑ کے دل میں ڈالا گیا وہ تو ہو سکتا ہی نہیں تھا کیونکہ ان کی پیدائش خلافت ارضیہ کے لئے تھی۔ اب حضرت آدمؑ پر شیطان کے دام تزویر کی قلعی کھل گئی اور ابلیس کی دشمنی کا مشاہدہ ہو گیا اور مقام تبلیغ میں اپنی اولاد پر ابلیس کی عداوت کی وضاحت کا مقام خوب ہاتھ آیا اور اگر لام کو تعلیل کے لئے قرار دیا جائے تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا ہی اس لئے تھا کہ اس درخت کے قریب جا کر جنت میں رہنے کے قابل نہ رہیں گویا اس کو اس بات کا پہلے سے علم تھا۔ کہ اس درخت کے قریب جانے کا خاصہ یہی ہے لیکن یہ بعید ہے اور صافی و برہان میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے ان کو جو لباسِ جنت پہنایا تھا وہ فوراً ان سے علیحدہ ہو گیا اور گر گیا اور تفسیر مجمع البیان میں ایک قول ہے کہ نور کا لباس تھا اور ممکن ہے اس سے مراد وقار و ہیبت ہو۔ واللہ اعلم

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

پس پھسلا دیا اُن کو دھوکے سے تو جب انہوں نے چکھا درخت ظاہر ہو گئی اُن پر اُن کی عورتیں اور شروع ہوئے۔

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا

سیتے تھے اپنے اوپر جنت کے پتے اور اُن کو ندا دی اپنے رب نے کیا میں نے تمہیں

عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

روکا نہیں تھا اس درخت سے اور تم کو کہا تھا کہ تحقیق شیطان تمہارا واضح دشمن ہے؟

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

کہنے لگے اے پروردگار ہم نے اپنے آپ پر زیادتی کی اور اگر تو معاف نہ کرے اور رحم نہ کرے تو ہم ہو جائیں گے۔

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ

خاسرین میں سے فرمایا اترو بعض تمہارا بعض کا دشمن ہو گا اور زمین میں تمہارا ٹھکانا

وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور جینا ایک وقت تک ہو گا فرمایا اس میں تم جیو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اس سے نکالے جاؤ گے

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ :- جب انہوں نے پھل کھایا تو مقام عیب کھل گیا اور ان پر ان کی عورتیں ظاہر ہو گئیں۔ شائد اس کا مطلب یہ ہو کہ پہلے تو ملائکہ کے ہمراہ مصروف تسبیح تھے۔ کسی دوسری جہت کا خیال تک نہ تھا۔ بس صرف ایک ہی کام تھا اور ایک ہی خیال تھا۔ اب جو درخت کا پھل کھایا۔ تو اس کے لوازم سامنے آگئے کہ حاجات ضروریہ بھی محسوس ہوئیں اور قوائے شہوانیہ بھی کام کرنے لگ گئیں فوراً ان جہات کی طرف توجہ دینی پڑی اور قوت عاقلہ الٰہیہ نے جتلا دیا کہ مقام عیب یعنی عورتین کو کھلا نہیں ہونا چاہیئے اس سے پہلے انہوں نے نہ صرف اپنی طرف دھیان کیا تھا اور نہ ایک دوسرے کی طرف دھیان کیا تھا بلکہ تسبیح و تقدیس پروردگار کی دھن میں ہی مصروف تھے۔ جیسا کہ حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ کانت سواتھما لاتبد و الھما فبدت یعنی ان کی عورتین ان پر ظاہر نہ تھیں اب ظاہر ہو گئیں گویا حاجات ضروریہ کا احساس ہوا اور قوائے شہوانیہ میں گرمی پیدا ہوئی بلکہ غذا کے اندر جانے سے بدنی مشینری چالو ہو گئی تو بدن کے پوشیدہ معرض توجہ میں نہ تھے۔ اب مرکز التفات بن گئے فطرت انسانیہ کے ماتحت حیا و شرم لازمی تھا۔ پس مقام شرم کو ڈھانپنے کی سوچی۔ چنانچہ اور تو کوئی چیز تھی نہیں۔ جنت کے بعض درختوں

کے پتوں کو اپنے اوپر سی دیا شاید وہ انجیر کے پتے تھے یا کیلے کے پتے تھے۔

اِهْبِطُوْا :- تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے بروز جمعہ زوال شمس کے وقت حضرت آدمؑ میں نفخ روح ہوئی اور پھر فرشتوں نے اس کے سامنے سجدہ کیا اور جنت میں سکونت ملی اور کلیہ چھ گھنٹے وہاں رہ کر شام کو باہر نکل آئے۔ حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ

حضرت آدمؑ جنت سے باہر تشریف لائے تو جبرئیل نے پوچھا۔ اے آدمؑ! خدا نے تجھے اپنے ید قدرت سے خلق فرمایا اور تجھ میں رُوح پھونکی پھر فرشتوں سے سجدہ کرایا پھر تجھے حواؑ زوجہ عطا کی اور جنت میں سکونت بخشی پھر صرف ایک درخت سے اس نے منع کیا۔ لیکن تو رُک نہ سکا تو حضرت آدمؑ نے جواب دیا۔ اے جبرئیل ابلیس نے اللہ کی قسم کھا کر مجھے بتایا کہ میں تیرا خیرخواہ ہوں مجھے یہ خیال نہیں تھا کہ مخلوق میں سے کوئی خدا کی جھوٹی قسمیں بھی کھایا کرتا ہے (برہان)

نیز آپ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ شب معراج حضرت موسیٰ و حضرت آدمؑ کی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ نے حضرت آدمؑ پر یہی سوال کیا اور حضرت آدمؑ نے اس کا جواب دیا۔ من جملہ اس جواب کے فرمایا۔ شیطان نے خیرخواہی کی قسم کھائی کہ کہا میں تیری حالت پر غمگین ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ تو شیطان نے کہا میں تیرے ساتھ مانوس ہو چکا ہوں لیکن تو عنقریب یہاں سے چلا جائے گا۔ ایسی جگہ جو مجھے ناپسند ہے تو میں نے کہا اس کا پھر علاج کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا اس درخت کا پھل کھالو اور ہمیشہ جنت میں رہو اور قسم کھائی کہ میں خواہی کر رہا ہوں اور مجھے نہ معلوم تھا کہ خدا کی جھوٹی قسم بھی کوئی کھا سکتا ہے۔ پس میں نے اعتبار کر لیا۔ (برہان)

وسوسہ کی حقیقت

احیاء العلوم غزالی سے منقول ہے کہ دل مثل ایسے گنبد کے ہے کہ متعدد دروازوں سے اس میں حالات کا ورود ہو یا مثل ایسے نشانے کے ہے جس پر ہر جانب سے تیر پڑ رہے ہوں یا مثل ایسے شیشے کے ہے جس پر یکے بعد دیگرے مختلف صورتوں کا نقش ہوتا ہو یا مثل ایسے حوض کے ہے کہ ہر جانب سے نالیوں کے ذریعے اس میں پانی جمع ہوتا ہو۔ پس دل میں حالاتِ مختلفہ کا ورود یا تو ظاہری راستوں سے ہوگا۔ جو حواس خمسہ کہلاتے ہیں اور یا باطنی راستوں سے ہوگا۔ جیسے قوتِ خیالیہ، قوتِ شہویہ، قوتِ غضبیہ وغیرہ۔ پس دل پر انہی متعینہ راستوں کے ذریعے یکے بعد دیگرے جو حالات وارد ہوتے ہیں۔ ان کا دل پر اثر ہوتا ہے اور اس لحاظ سے دل کے تاثرات بدلتے رہتے ہیں اور دل آثارِ مختلفہ کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ ان میں بعض دیرپا ہوتے ہیں اور بعض فوری ہوتے ہیں جو ادھر سے آئے اور ادھر گئے پس یہی خیالات انسان کی عملی قوتوں کی تحریک کرتے ہیں اور ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی دعوت دیتے ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک وہ جو برائی کی تحریک کرتے ہیں یا جن کا نتیجہ دنیاوی یا اخروی خسارہ ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرے وہ جو اچھائی کی طرف اقدام کے محرک ہوتے ہیں یا جن کا نتیجہ دنیاوی یا اُخروی فائدہ ہوتا ہے۔ پہلی

قسم کے خیال کا نام **وسوسہ** ہے اور دوسری قسم کے خیال کا نام **الہام** ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان خیالات کو کون لاتا ہے؟ یقیناً انسان خود تو لاتا نہیں ہے کیونکہ ہر انسان جانتا ہے کہ دل پر وارد ہونے والے خیالات غائبانہ آجاتے ہیں اور پھر ہزار کوشش کرے تو دل سے دُور نہیں ہوتے اگر اپنے لائے ہوئے ہوتے تو ہٹانے سے ہٹ سکتے اور بعض اوقات انسان کوشش کرتا ہے کہ ان سے گلو خلاصی ہو جائے ساری کی ساری رات بیداری میں کٹ جاتی ہے لیکن وہ خیالات جان نہیں چھوڑتے۔ معلوم ہُوا ان کا فاعل خود انسان نہیں ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ان خیالات کا فاعل دوسرا کوئی انسان بھی نہیں ہے۔ اب یا تو اس کا فاعل خُدا ہے یا شیطان۔ پس اگر وہ خیالات اچھائی اور نیکی کے ہیں تو یقیناً ان کا فاعل اللہ ہے کیونکہ شیطان سے نیکی کی کوئی توقع نہیں ہے اور اگر وہ خیالات برائی کے ہیں تو وہ اللہ کی جانب سے تو ہو نہیں سکتے کیونکہ خدا برائی کی دعوت نہیں دیتا لہذا ماننا پڑے گا کہ وہ خیالات شیطان کی جانب سے ہیں پس ثابت ہُوا کہ الہام خدا کی طرف سے اور وسوسہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے۔

انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں

معتزلہ چونکہ ملائکہ کو انبیاء سے افضل مانتے ہیں۔ ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ کہ شیطان نے آدمؑ کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کا پھل کھانے سے تم ملک بن جاؤ گے یا ہمیشہ کی زندگی پاؤ گے تو اگر ملائکہ انبیاء سے افضل نہ ہوتے تو ابلیس یہ وسوسہ کیوں ڈالتا اور حضرت آدمؑ اس کی طرف اقدام کیوں کرتے لیکن آیت مجیدہ سے ملائکہ کی افضلیت ثابت کرنا غلط ہے کیونکہ حضرت آدمؑ خطاب خداوندی سُن چکے تھے کہ اس درخت کے قریب جانا باعث نقصان ہے اور معمولی سے معمولی دماغ کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ حاکم بالا کی مخالفت ہرگز ترقی مراتب و مدارج کا موجب نہیں بنتی بلکہ تنزّلی کی موجب ہوا کرتی ہے۔ لہذا مخالفت کی طرف اقدام کرنا اور اس اُمید سے کہ مجھے ترقی ملے گی۔ عام صاحب عقل سے ناممکن ہے چہ جائیکہ پیغمبرؑ اس قسم کی توقع رکھے۔ ہاں ایسی صورت میں خسارہ کی امید ہوتی ہے اور یہ وسوسہ خسارہ کی دو طرفوں کا اظہار تھا اور اس ماحول میں طبعی طور پر وسوسہ کی شقیں یہی ہونی چاہئیں تھیں۔ لہذا آیت مجیدہ نبوت کی افضلیت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ فرشتے کی افضلیت پر اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ وسوسے کی دو شقیں ترقی درجات کے دو پہلو تھے جو شیطان نے بطور وسوسہ پیش کئے تو ہم کہیں گے کہ یہاں اَوْ اعراض کے لئے ہے کہ شیطان نے آدمؑ کو دھوکہ دینے کے لئے پہلے یہ حربہ استعمال کیا کہ اگر تو اس پھل کو کھائے گا تو ملک بن جائے گا اور چونکہ ابلیس جانتا تھا کہ آدمؑ ملائکہ سے افضل ہے اور ملائکہ کے حکم سجود میں بھی شامل تھا پس فوراً ابلیس سمجھا کہ دھوکا کا یہ پہلو کمزور ہے جس کے سامنے ملائکہ سربسجود ہو چکے ہوں وہ فرشتہ بننے کی خواہش کیونکر کرے گا۔ لہذا اَوْ کے کلمہ کے ذریعے پہلے مطلب سے اعراض کیا اور ہمیشگی کا طمع دلایا۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اَوْ کی تخییر کے لئے مانیں جو موجب شبہ ہے۔ بہر کیف انبیاء کے ملائکہ سے افضل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے جس کے کئی وجوہات ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ

اے اولاد آدم تحقیق ہم نے نازل کیا تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہارے مقام شرم کو اور زینت ہے اور لباس تقویٰ

ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۲۶ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ

یہ بہتر ہے یہ اللہ کی آیات میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اے اولاد آدمؑ نہ فتنہ میں ڈالے تم کو شیطان

كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ

جسطرح کہ نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے کہ اتارا ان سے ان کا لباس تاکہ دکھائے ان کو ان کے مقام شرم تحقیق وہ تم

وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۷

کو دیکھتا ہے اور اس کی نسل بھی کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے تحقیق ہم نے بنایا شیطانوں کو دلی ان لوگوں کا جو ایمان نہیں رکھتے۔

۱۔ نبی کے سامنے ملائکہ سربسجود ہوئے ۲۔ نبی خدا کی جانب سے عہدۂ خلافت پر مامور ہیں اور فرشتوں کی حیثیت پیغام رساں کی ہے ۳۔ خداوند کریم نے آدمؑ، نوحؑ، آل ابراہیمؑ اور آل عمران کے عالمین پر مصطفےٰ ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ اور عالمین میں ملائکہ بھی داخل ہیں ۴۔ فرشتے چونکہ مادہ سے بالاتر ہیں لہٰذا مقام اطاعت وعبادت میں اُن کو رکاوٹ کوئی نہیں اور انبیاء مادہ سے مقرون ہونے کے باوجود مطیع وفرمانبردار پروردگار تھے لہٰذا یہ ملائکہ سے افضل ہیں۔

۵۔ شب معراج سید الملائکہ جبرئیل نے سید الانبیاء کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ایک مقام پر رُک کر کہا۔ لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ اگر میں ایک انگلی کے بند کی مقدار آگے آؤں تو جل جاؤں پس جبرئیل رُک گیا اور حضورؐ آگے بڑھتے گئے۔

رکوع نمبر ۱۰

قَدْ اَنْزَلْنَا: تفسیر برہان میں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لباس تقویٰ سے مراد سفید لباس ہے اور ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ لباس سے عام لباس مراد ہے اور ریش سے مال ومتاع مراد ہے اور لباس تقویٰ سے عفیف ہونا مراد ہے کیونکہ عفیف یعنی پاکدامن انسان اگر ننگا ہو تب بھی اس کی شرمگاہ پر پردہ ہوتا ہے اور بدکار اگرچہ لباس میں ہو تب بھی اس کی شرمگاہ ظاہر ہوتی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ریش کا معنی اثاثۂ بیت۔ مال جمال گذران اور خیر مفسرین سے منقول ہے اور لباس تقویٰ کا معنی عمل صالح، حیا، لباس، زہد وتواضع، لباس حرب وضرب خوف خدا ستر عورت اور ایمان باختلاف اقوال مفسرین منقول ہے۔

يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ: مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ خدا نے ابلیس اور اس کے لشکر کو یہ

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ
اور جب کریں برائی تو کہتے ہیں ہم نے پایا اسی طریقہ پر اپنے آباء کو اور اللہ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہہ دیجئے
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾
تحقیق اللہ نہیں حکم دیتا برائی کا کیا کہتے ہو اللہ پر وہ بات جو تم نہیں جانتے

طاقت دی ہے کہ انسان کے جسم میں خون کی طرح پھیل جائیں۔ پس بنی آدمؑ کے سینوں میں اُن کے ٹھکانے ہیں۔ وہ تو بنی آدم کو دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا :۔ اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں کہ وہ مرد عورتیں بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور کہتے تھے ہم ایسے طواف کرتے ہیں جس طرح پیدا ہوئے تھے اور ایسے کپڑوں میں طواف نہیں کرتے جن میں ہم گناہ کر چکے ہیں اور اپنی کمر کے ساتھ چمڑے کی ایک طریزسی باندھ لیتے تھے جس کو نوف کہتے تھے اور عورت اپنے آگے شرمگاہ کے مقام پر کوئی مختصر سا کپڑا رکھ لیا کرتی تھی اور تفسیر صافی و برہان میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کیا تو نے کسی کو دیکھا ہے جو کہتا ہو کہ خدا نے مجھے زنا شراب یا کسی فعل حرام کا حکم دیا ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا اس فاحشہ سے کیا چیز مراد ہے جس کے متعلق کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم کو خدا نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو لوگوں نے کہا خدا ہی بہتر جانتا ہے اور اس کا ولی اس کو جانتا ہے تو آپ نے فرمایا یہ آئمہ جور کے حق میں ہے اور جو لوگ دعوےٰ کرتے ہیں کہ خدا نے ہم کو ان کی اقتداء کا حکم دیا ہے پس اللہ ان کی تردید کر رہا ہے کہ وہ غلط کہتے ہیں اور سراسر جھوٹ بولتے ہیں پس اسی کو فاحشہ کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ مٓ۲۹ :۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے کئی معانی منقول ہیں (۱) نماز کے لئے ہر مسجد میں قبلہ کی طرف رُخ کرو (۲) اپنے منہ کو اس جانب سیدھا رکھو، جس جانب نماز میں منہ کرنے کا حکم ہے (۳) جب نماز کے وقت کسی مسجد میں پہنچو تو وہاں ادا کر لو اور یہ نہ کہو کہ میں فلاں مسجد میں جا کر پڑھوں گا (۴) ہر نماز کے لئے مسجد کا قصد کیا کرو گویا نماز با جماعت کا حکم دیا گیا ہے (۵) اطاعت خداوندی میں اپنے وجوہ کو خالص کرو اور شرک کی ملاوٹ نہ کرو۔

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ مٓ۲۹ :۔ اس میں کئی اقوال ہیں (۱) یعنی جس طرح وہ تمہاری ابتداء پر قادر ہے اسی طرح تمہاری دوبارہ بازگشت پر بھی قادر ہے لہٰذا تم نے اس کے پیش ہونا ہے تو پھر اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کرو۔ ۲۔ مٹی سے تم کو پیدا کیا ہے اور پھر تمہاری بازگشت وہی مٹی ہے ۳۔ جب تم کو پیدا کیا تو تم کسی چیز کے مالک نہ تھے اسی طرح جب دوبارہ تمہیں اٹھایا جائے گا تو کسی چیز کے مالک نہ ہو گے اور حضرت

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ

کہہ دیجئے امر کیا ہے میرے رب نے انصاف کا اور سیدھا رکھو اپنے منہ کو نزدیک ہر نماز کے اور

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾

پکارو اس کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو جس طرح اس نے تم کو پیدا کیا اسی طرح پلٹو گے

رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز ننگے محشور ہوں گے۔ چنانچہ پارہ نمبر ۹ کے رکوع نمبر ۵ کی تفسیر میں ایک روایت ہم نے اصولِ کافی سے نقل کی ہے۔ جس میں جناب رسولِ پاکؐ کا حضرت فاطمہؑ بنت اسد کو اپنی قمیص سے کفن دینے کا تذکرہ ہے تاکہ وہ میدان محشر میں ملبوس محشور ہوں۔ ہم نے اس حدیث کو نورانی لطیفہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ قبر میں بھی ولائے علیؑ کے سوا کسی کی نہ گزر سکے گی۔ اسی جلد کے صفحہ ۱۷۷ پہ ملاحظہ ہو اور تفسیر کی جلد نمبر ۴ میں اس مطلب کی طرف اشارہ گزر چکا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں آئمہ طاہرینؑ سے یہ روایت بھی ہے کہ میت کو کفن پہنایا کرو کیوں کہ بروزِ محشر لوگ اپنے اپنے اکفان پہ فخر کریں گے۔ (۴) جس عقیدہ پہ انسان مرے گا بروزِ محشر اسی عقیدہ پہ اٹھے گا۔

آداب و اطوار

خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ (۱) تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ یہ جمعہ اور عیدین میں غسل کرنے اور سفید لباس پہننے کا حکم ہے۔

۲۔ تفسیر برہان میں بروایت فقیہہ امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ ہر نماز کے وقت ڈاڑھی میں کنگھی کرنے کا حکم ہے۔

۳۔ مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جمعہ اور عید کے دن زینت کا لباس پہن کر جایا کرو۔

۴۔ حضرت امام حسن علیہ السلام جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو عمدہ لباس پہن لیتے تھے تو ایک شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ فَاَتَجَمَّلُ لِرَبِّیْ تحقیق اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے لہٰذا میں بھی اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر جمال اختیار کرتا ہوں۔

۵۔ بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کنگھی کیا کرو کیونکہ اس سے رزق بڑھتا ہے۔ بال اچھے رہتے ہیں، حاجتیں پوری ہوتی ہیں، قوتِ باہ زیادہ ہوتی ہے اور بلغم ختم ہوتی ہے اور حضرت رسالتمآبؐ ڈاڑھی پر نیچے سے چالیس مرتبہ اور اوپر سے سات مرتبہ کنگھی پھیرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے رزق بڑھتا ہے اور یہ چیز بلغم کی قاطع ہے۔

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ ۗ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ

ایک گروہ کو ہدایت کی اور ایک فریق پر واجب کیا گمراہی کو تحقیق انہوں نے بنایا شیاطین کو اپنا ولی

مِن دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٣٠﴾ يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ

سوائے خدا کے اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں اے اولاد آدمؑ پکڑو اپنی زینت

عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾

نزدیک ہر مسجد کے اور کھاؤ پیو اور نہ اسراف کرو تحقیق وہ دوست نہیں رکھتا اسراف کرنیوالوں کو

۶۔ اس آیت مجیدہ کی تاویل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی زیارت سے قبل غسل کر لیا کرو۔

۷۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ہر نماز فریضہ یا نافلہ کے لئے کنگھی کرو اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کنگھی کرنا وبا کو دور کرتا ہے اور حضرت صادق علیہ السلام ہر نماز کے بعد کنگھی کیا کرتے تھے۔

۸۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس جگہ زینت سے مراد ہے کہ جمعہ، عید کے دن چادر اوڑھ کر نکلے۔

وَلَا تُسْرِفُوا :۔ تفسیر کبیر میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جاہلی قبائل عرب زن و مرد بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے کہ ہم گناہ والے کپڑوں میں طواف کیوں کریں اور بعضوں کا گمان تھا کہ جس طرح ہم اپنے جسم سے کپڑے دور کرتے ہیں۔ خدا اس فعل سے ہمارے جسم سے گناہ کو دور کرے گا۔ گویا نیک فالی کے لئے ایسا کرتے تھے اسی طرح مسجد نبوی میں پہنچتے تھے تو کپڑے اتار لیتے تھے اور ننگے اندر جاتے تھے لیکن صرف یہ نہ کرتے تھے بلکہ وہ کھانے پینے میں کمی کر دیتے تھے اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے ان تمام رسوم کو غلط کہہ کر صحیح طریقہ کی تعلیم دی کہ عبادت کے لئے زینت اختیار کرو یعنی لباس پہنو اور کھاؤ پیو جو چاہو۔ ہاں فضول خرچی نہ کرو۔

لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ :۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نے یہ سمجھا ہے کہ خدا نے جو کچھ کسی کو دیا ہے وہ اس لئے کہ وہ اللہ کو زیادہ پیارا تھا اور جس کو نہیں دیا وہ اس لئے کہ اس کے نزدیک وہ ذلیل تھا۔ یہ بات نہیں بلکہ مال سب اللہ کا ہے اور انسان کو بطور امانت عطا فرماتا ہے اور ان کو حکم دیا ہے۔ کہ کھانے، پینے، پہننے، نکاح کرنے اور سواری کرنے میں میانہ روی کو اختیار کریں اور بقایا مال سے فقراء مومنین کی خبرگیری کریں۔ ان کی حاجات پوری کریں۔ پس جو ایسا کرے گا تو گویا اس نے حلال کھایا۔ حلال پیا، حلال سواری

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ

کہہ دو کس نے حرام کی اللہ کی زینت وہ جو ظاہر کی اس نے اپنے بندوں کے لئے اور پاکیزہ رزق

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

کہہ دو جو لوگ ایمان لائے زندگی دنیا میں یہ چیزیں خالص ان کی ہوں گی بروز قیامت

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

اسی طرح ہم تفصیل کرتے ہیں اپنی نشانیوں کی اس قوم کے لئے جو جانیں

کی اور حلال سے نکاح کیا اور جو اس سے تجاوز کرے گا تو حرام کرے گا۔ پھر فرمایا خدا اسراف والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو مال کا امین بنا کر اسے ہزار دینار کا گھوڑا خریدنے کی اجازت دے جبکہ اسے بیس دینار کا گھوڑا بھی کافی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ضروریات زندگی جس طرح خوش اسلوبی سے پورے ہو سکتے ہوں پس اس سے آگے بڑھانا فضول خرچی ہے ایک حدیث میں معصوم سے منقول ہے کہ جب رات دن کی قوت گھر میں موجود ہو تو ایسی صورت میں سوال کرنا بھی اسراف میں شمار ہوتا ہے

لطیفہ تفسیر مجمع البیان میں حکایت ہے کہ ہارون رشید کے پاس ایک انگریز ڈاکٹر تھا جو فن طب میں ماہر تھا۔ اس نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔ علم تو صرف دو ہیں ایک علم دین اور دوسرا علم طب لیکن تمہاری کتاب قرآن میں علم طب کا کوئی ذکر نہیں تو علی بن حسین بن واقد نے اس کا جواب دیا کہ خداوند کریم نے ساری طب کو ایک نصف آیت میں بند کر کے رکھ دیا ہے اور وہ ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی کھانے پینے میں اعتدال ہی کا نام تو ہے طب اور نبی علیہ السلام نے ایک ہی فقرہ میں ساری طب کو بند کر دیا ہے۔ اور وہ ہے المعدۃ بیت الداء والحمیۃ راس کل دواء واعط کل بدن ما عودتہ یعنی معدہ بیماری کا گھر ہے اور پرہیز ہر دوا کا سر ہے اور بدن کو وہ غذا دو جو اس کی عادت میں داخل ہو تو ڈاکٹر یہ سن کر کہنے لگا تمہاری کتاب اور نبی نے تو جالینوس کو طب میں مات کر دیا۔

رکوع ۱۱ ترک لذات قُلْ مَنْ حَرَّمَ ۔ زینت کی چیزیں جو زمین سے نکلتی ہیں اور پاکیزہ اور لذیذ چیزیں جو زمین اگاتی ہے انسان پر حرام نہیں ہیں اور دنیا میں طیبات اور زینتوں میں مسلمان کافر سب شریک ہیں لیکن آخرت میں یہ چیزیں صرف ان لوگوں کے لئے ہوں گی جو دنیا میں مومن ہوں گے یا یہ معنی ہو گا کہ دنیا میں یہ لذات مصائب و آلام کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔ لیکن آخرت میں مومنوں کے لئے یہ لذات خالص ہوں گی یعنی غم و دکھ کی ملاوٹ نہ ہو گی۔

تفسیر صافی میں عیاشی اور کافی سے منقول ہے کہ سفیان ثوری نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت نے قیمتی لباس پہنا ہوا تھا۔ پس وہ امام کے پاس آیا اور بے ادبانہ زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے کہنے لگا کہ حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت علیؑ نے تو اس قسم کا لباس کبھی نہیں پہنا تھا۔ آپ نے نہایت متانت اور اور حوصلے سے ارشاد فرمایا کہ حضورؐ رسالتمآبؐ جس زمانہ میں تھے وہ زمانہ تنگدستی کا تھا اور اب زمانہ خوش حالی کا ہے اور نیک لوگ اس خوشحالی سے فائدہ اٹھانے کے زیادہ سزاوار ہیں پھر آپ نے یہ آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا کہ ہم دوسروں کی نسبت اس کو استعمال کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں (یہ اس کے سوال کا جلی جواب تھا۔ پھر اس کے نقص کی طرف مائل ہوئے اور فرمایا) اے سفیان میرا ظاہری لباس جو تو دیکھ رہا ہے یہ میں نے صرف لوگوں کیلئے پہن رکھا ہے۔ پھر سفیان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا اور اوپر کا کپڑا اٹھایا جس کے نیچے ایک کھردرا کپڑا تھا پس فرمایا یہ میں نے اپنے لئے پہنا ہے اور جو تو ظاہر میں دیکھ رہا ہے وہ لوگوں کے لئے پہنا ہوا ہے پھر آپ نے سفیان کا کپڑا اٹھایا تو اوپر کھردرا تھا اور اندر نرم لباس پہنے ہوئے تھا۔ فرمایا تو نے لوگوں کے دکھاوے کیلئے اوپر کھردرا لباس پہنا ہے اور اپنی ذات کے لئے نرم لباس پہن رکھا ہے۔

نیز مروی ہے کہ آپ ایک مرتبہ مرو کے عمدہ خوبصورت کپڑے پہن کر اپنے کسی صحابی پر تکیہ لگا کر جا رہے تھے کہ راستہ میں عباد بن صامت سے ملاقات ہوئی۔ وہ کہنے لگا حضورؐ آپ تو خاندان نبوت میں سے ہیں۔ کیا کہنا تیرے باپ کا وہ کس قسم کے بلند انسان تھے (یعنی حضرت علی علیہ السلام تو تارک دنیا تھے اور آپ قیمتی لباس پہنتے ہیں) اس کا مقصد صرف اعتراض کرنا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اے عباد۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ : الآیہ یعنی آپ نے قرآن کی یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا جب خدا کسی انسان پر نعمت نازل فرماتا ہے تو وہ چاہتا ہے۔ کہ اس انسان پر اس نعمت کا اثر دیکھے اس کے بعد فرمایا۔ اے عباد میں جگر گوشۂ رسول ہوں مجھے اذیت نہ دو۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ پر اعتراض کیا گیا کہ حضرت علیؑ تو کھردری قمیص پہنتے تھے جس کی قیمت چار درہم کے لگ بھگ ہوا کرتی تھی اور آپ قیمتی لباس زیب تن فرماتے ہیں تو فرمایا حضرت علیؑ جس زمانہ میں تھے وہ زمانہ تنگ حالی کا تھا اس زمانہ میں اس قسم کا لباس، لباس شہرت کہلاتا تھا لیکن آج خوشحالی کا زمانہ ہے اور یہ کپڑے عام معمول ہو گئے ہیں لہٰذا ان کو لباس شہرت نہیں کہا جاتا اور ہر زمانہ میں بہترین لباس وہ ہے جو اس زمانہ میں مروج ہو ہاں جب ہمارا قائم ظہور کرے گا تو وہ علیؑ کا لباس پہنے گا اور انہی کی سیرت کو اپنائے گا۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی منقول ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سردیوں کے لئے پشمینہ خرید فرماتے تھے جس کی لاگت پچاس دینار ہوتی تھی اور سردیاں گزر جانے کے بعد وہ صدقہ کر دیتے تھے اور اس کی آپ نے کبھی پرواہ نہ کی تھی اور یہی آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ نیز امام جعفر صادق علیہ السلام بھی پشم

کا جبّہ اور طلیسان پہنا کرتے تھے اور نیز آپ نے فرمایا کہ جب امام حسین شہید ہوئے تو ان کے جسم پر ریشم کا جبّہ تھا۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی و عیاشی منقول ہے ایک مرتبہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے غلام عباس بن ہلال شامی نے عرض کی۔ حضور! خشک روٹی کھانا اور کھردرا موٹا لباس پہننا اور خشوع کرنا لوگوں کو زیادہ پسند ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت یوسف بن یعقوب پیغمبرؑ نبی اور نبی زادے تھے اور ریشم کے زرباف کپڑے کی قبا زیب تن فرمایا کرتے تھے اور آل فرعون کے سٹیج پر بیٹھ کر حکم صادر فرماتے تھے۔ لوگوں کو اس کے لباس سے غرض نہ تھی بلکہ ان کے عدل کی ان کو ضرورت تھی۔ اسی طرح امام وقت کی شان ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا (امام کا حق ہے) بولے تو سچ ہو وعدہ کرے تو پورا کرے اور حکم کرے تو عدالت کے ماتحت ہو۔ خداوند کریم نے حلال کا کھانا پینا حرام نہیں کیا۔ البتہ اس نے حرام کو حرام کہا ہے۔ خواہ کم ہو یا زیادہ۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ جو صحابی رسولؐ۔ باخلاص مومن اور کامل انسان تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام سے انتہائی محبت رکھتا تھا چنانچہ حضرت علیؑ نے اسی عثمان کی محبت میں اپنے فرزند کا نام بھی عثمان رکھا تھا یہ شخص بڑا عابد و زاہد تھا۔ تفسیر کبیر میں ہے ایک مرتبہ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ حضور دل میں وسواس بہت پیدا ہوتا ہے اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو خصی کر دوں۔ حضورؐ نے فرمایا ایسا مت کرو بلکہ قوت مردمی کے کم کرنے کے لئے میری امت کے لئے روزہ ہے یعنی روزہ رکھا کرو۔ پھر عثمان نے عرض کی میرا گوشہ نشینی کو جی چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا میری امت کے لئے گوشہ نشینی یہ ہے کہ نماز باجماعت کی انتظار کے لئے مسجد میں بیٹھے رہا کرو۔ اس نے کہا میرا سیاحت کو دل چاہتا ہے تو فرمایا میری امت کی سیاحت حج و عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس نے عرض کی میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی تمام ملکیت کو ختم کر دوں آپ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ اپنا اور بال بچوں کا خرچ پورا کرو اور جو بچے اس سے یتیموں، مسکینوں کی خبر گیری کرو اس نے عرض کی میرا دل کہتا ہے کہ اپنی عورت خولہ کو طلاق دے دوں تو آپ نے فرمایا میری امت پر اس چیز کا چھوڑنا واجب ہے جو حرام ہو۔ اس نے عرض کی میرا دل کہتا ہے کہ مجامعت نہ کروں۔ آپ نے فرمایا مسلمان جب اپنی عورت یا کنیز کے ساتھ مجامعت کرے اگر بچہ پیدا نہ ہو تو خدا اس کے بدلہ میں اس کو جنت الخلد میں وصیف عطا کرے گا اور اگر بچہ پیدا ہو خواہ اس سے پہلے مرے یا بعد میں مرے۔ دونوں صورتوں میں اس کی آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا اور قیامت میں باعث سرور ہوگا اور اگر زمانہ بچپن میں مرے گا تو بروز محشر اس کا شفیع اور باعث رحمت ہوگا۔ اس نے عرض کی کیا گوشت کھانا چھوڑ دوں تو آپ نے فرمایا نہ بلکہ مجھے جب گوشت ملتا ہے تو کھاتا ہوں اور اللہ سے اس کے ملنے کی دعا کرتا ہوں۔ اس نے کہا کیا خوشبو کو چھوڑ دوں تو آپ نے فرمایا مجھے جبریل نے اطلاع دی ہے کہ خوشبو لگایا کرو اور خصوصاً بروز جمعہ اس کا ترک نہ کرو۔ پھر فرمایا اے

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ

کہہ دو کہ صرف حرام کیں میرے رب نے برائیاں جو ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں اور شراب اور ظلم

وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

ناحق اور شرک کرنا اللہ کے ساتھ ایسی چیز کا کہ نہیں اتاری اس پر اس نے کوئی دلیل

وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور کہنا اللہ پر ایسی بات کا جو نہ جانتے ہو

عثمان میری سنت سے منہ نہ پھیر دکیونکہ جو میری سنت سے منہ پھیرے گا اور توبہ سے پہلے مرجائے گا۔ بروز قیامت فرشتے میرے حوض کوثر سے اس کا منہ پھیر دیں گے۔ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اسلام صرف ترک لذت کا نام نہیں بلکہ لذات کو حلال طریقہ سے استعمال کرنے کا نام ہے اسلام اور نیز معلوم ہُوا کہ تمام چیزوں کی اصل ہے مباح ہونا۔ پس حرام وہی ہوں گی جن کی حرمت پر نص ہوگی۔

قُلْ اِنَّمَا :۔ اس سے پہلے حلال کا حکم مطلق بیان فرمایا۔ اب محرمات کی تفصیل بیان فرما رہا ہے۔

۱۔ فاحش ظاہری یعنی بدکاری و زناکاری جیسا کہ زمانہ جاہلی میں رواج تھا کہ میلوں اور عرسوں کے موقع پر بدکار عورتیں اپنے خیام کے اوپر جھنڈا لگا دیتی تھیں تاکہ حرام کار مرد یہ نشانی دیکھ کر وہاں پہنچیں۔

۲۔ فاحش پوشیدہ یعنی خفیہ زناکاری اور گزشتہ آیت کی تطبیق سے یہ بھی ممکن ہے کہ عورتوں و مردوں کے ننگے طواف مراد ہوں چونکہ مرد دن کو کرتے تھے لہٰذا وہ فاحش ظاہری ہوا اور عورتیں رات کو کرتی تھیں۔ لہٰذا وہ فاحش پوشیدہ ہوئی۔

۳۔ شراب نوشی۔

۴۔ ظلم و تکبر اور بغیر الحق کا لفظ تاکید کے لئے ہے۔

۵۔ شرک اور مَا لَمْ یُنَزِّلْ کا جملہ تحکم اور استہزاء کے طور پر ہے کیوں کہ ایسا شرک کوئی بھی نہیں۔ جس کی خدا اجازت دے یا اس پر برہان نازل فرمائے۔

۶۔ اللہ پر ایسی بات کرنا جس کا علم نہ ہو یعنی علم کے بغیر دین میں مفتی بننا۔ چنانچہ بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ دو خصلتوں سے بچو کیوں کہ انہی کی بدولت ہلاک ہوئے جو ہوئے۔

۱۔ قیاس سے فتویٰ دینا۔

۲۔ ایسی چیز کو دین بتانا جس کا علم نہ ہو۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا لوگوں پر خدا کی

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا

اور ہر امت کے لئے مدت مقرر ہے پس جب آئے گی مدت ان کی تو نہ پیچھے ہٹیں گے اس سے ایک گھنٹہ اور نہ

يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ

آگے ہوں گے ۔ اے اولاد آدمؑ اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں تم پر ہماری آیات کو

آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٥﴾

پس جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اصلاح کی تو نہ خوف ہوگا ان کو اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔ اور جن لوگوں نے

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٣٦﴾

جھٹلایا ہماری آیات کو اور تکبر کیا ان سے وہی دوزخ جانے والے ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

حجت کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ جو جانتے ہوں کہیں اور جو نہ جانتے ہوں وہاں ٹھہر جائیں ۔

ایک روایت میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دیتا ہے ۔ اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں ۔ (صافی)

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس اجل سے مراد وہ اجل ہے جو شب قدر میں ملک الموت کو بتائی جاتی ہے ۔

فَمَنْ أَظْلَمُ صـ۳۱ ۔ یہاں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں ۔ ایک افتراء کذب اور دوسری تکذیب آیات اور ان کے ارتکاب کو ظلم سے تعبیر فرمایا ہے ۔ پہلی چیز کا مطلب ہے کہ جو چیز خدا نے نہیں کہی وہ کہنا اور دوسری چیز کا مقصد ہے جو کچھ خدا نے کہا ہے اس کو نہ ماننا پس تمام کے تمام گناہ ان دو کلیوں میں بند ہو جاتے ہیں ۔ پہلی چیز کہ جس کی نفی کرنی ہے اس کا اثبات کرنا ۔ اس میں شرک کرنا ۔ بُت پوجنا اور باقی محرمات شرعیہ کو بجا لانا سب کے سب داخل ہیں اور دوسری چیز کہ جس کو خدا نے مثبت کیا ہے ۔ اس کی نفی کرنا ۔ نبوت کا انکار ، ولایت کا انکار آیات کلام اللہ کا انکار اور جملہ اصول دین اور فروعات اسلامیہ جن کے بجا لانے کا حکم ہے ۔ ان کا انکار اس کلیہ میں داخل ہے ۔ کیونکہ تکذیب سے مراد عام ہے ۔ خواہ تکذیب دل سے ہو یا زبان سے ہو یا عمل سے ہو ۔

نَصِيبُهُمْ مِنَ الْكِتَابِ : کتاب سے مراد عذاب ہے اور کتاب سے تعبیر اس لئے ہوا کہ کتاب میں اس کا وعدہ ہو چکا ہے ۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ جو لوگ ظالم ہیں ان کو بھی اپنے رزق اور عمر کا حصہ تو ملے گا ۔ یعنی ظلم

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ

پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا یا جھٹلائے اس کی آیات کو

اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

ایسے لوگوں کو پہنچے گا حصہ عذاب کا جو (کتاب میں ہے) یہاں تک کہ جب آئیں گے ان پر ہمارے بھیجے

يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا

ہوئے پیغام موت لے کر تو کہیں گے کہ کہاں ہے وہ جس کو تم پکارتے تھے اللہ کے سوا تو یہ جواب دیں گے گم ہوگئے

عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ہم سے اور شہادت دیں گے اپنے خلاف کہ ہم کافر تھے

کی وجہ سے ان کا رزق یا عمر کٹ نہ جائے گی پس جب اپنا عمر و رزق کا حصہ ختم کرلیں گے تو ملائکہ موت پیغام موت لے کر اُن کے سر پہ آجائیں گے

ابن عباس نے کہا ہے کہ کافر کے لئے موت قیامت ہے اور فرشتے زجر و توبیخ کے طور پہ بوقت موت اُن کو کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے؟

قَالَ ادْخُلُوْا ۳۲ :- جب بیان لئے جاچکیں گے اور وہ لوگ اپنے کفر کا اقرار کرلیں گے تو حکم ہوگا، کہ جاؤ جہنم میں۔ یعنی ان کو جہنم میں بھیجا جائے گا۔ اور ان سے پہلے بھی جنوں اور انسانوں میں سے کچھ لوگ جہنم میں پہنچ چکے ہوں گے تو ہر بعد والی جماعت پہلوں کو لعنت کرے گی یعنی دنیا میں یہ لوگ جن کی اتباع کرکے جہنم کے سزاوار ہوئے تھے۔ یعنی ان کے پیر و مرشد جو پہلے جہنم میں ٹھکانا بنائے ہوئے ہوں گے۔ یہ مریدوں کی ٹولیاں جب یکے بعد دیگرے جہنم کا پرمٹ لے کر وہاں پہنچیں گی تو اپنے راہنماؤں، اماموں، پیروں اور بزرگوں کو لعن طعن کریں گی اور جب سب وہاں اکٹھے ہو جائیں گے تو یہ لوگ اپنے پیروں کو کہیں گے کہ اس عذاب میں ہم کو تم نے ڈالا ہے۔ خدا تم پر لعنت کرے اور معصوم نے فرمایا کہ ان سے ظالم امام مراد ہیں اور خدا سے عرض کریں گے۔ اے پروردگار! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ ان کو دوگنا عذاب دے تو خدا فرمائے گا۔ اب پیر و مرید دونوں کے لئے عذاب یکساں ہے اور سب کے لئے دوگنا ہے۔ خوب آرام سے رہو یہ سن کر پیر غصہ ہوں گے اور کہیں گے واہ تم ہمارے خلاف کیوں شور کر رہے ہو تم ہم سے کوئی اچھے ہو تم کیوں ہمارا اتباع کرتے تھے وہاں گناہ میں ہم دونوں برابر کے شریک تھے اب عذاب میں دونوں کا برابر کا حصہ ہے۔ گھبراتے کیوں ہو؟

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي

(تو خدا) فرمائے گا داخل ہو ان جماعتوں میں جو گذریں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے

النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ

دوزخ میں تو جب داخل ہوگی ایک جماعت لعنت کرے گی دوسری کو یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گے اس میں

أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ

سب تو کہے گی پچھلی جماعت پہلی کے متعلق اے پروردگار انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا پس دے ان کو عذاب دوگنا

النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ

دوزخ کا فرمائے گا ہر ایک کے لئے دوگنا ہے لیکن تم جانتے نہیں ہو اور کہے گی پہلی جماعت پچھلی کو کہ

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ

تم کو ہمارے اوپر کوئی فضیلت نہیں ہے پس تم بھی چکھو عذاب کو بوجہ اس کے جو کرتے

تَكْسِبُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ

تھے تحقیق جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور تکبر کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے اُن پر دروازے

رکوع نمبر ۱۲

لَا تُفَتَّحُ :۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومنوں کے ارواح و اعمال جب بلند ہوتے ہیں تو ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں لیکن جب کافر کا رُوح و عمل بلند ہوتا ہے تو اُوپر سے نِدا آتی ہے اس کو سجین میں گرا دو اور وہ حضر موت میں ایک وادی ہے جس کو وادیٔ برہوت بھی کہتے ہیں۔

مِنْ غِلٍّ صـ۳۳ :۔ جو لوگ جنت میں جائیں گے اُن کے دلوں سے کینہ حسد اور بغض و عداوت وغیرہ اندرونی آلائشات کا خاتمہ کر دیا جائے گا پس وہ بھائی بھائی بن کر جنت میں عیش کریں گے۔

اُورِثْتُمُوهَا صـ۳۳ :۔ خدا کی جانب سے اُن کو نِدا پہنچے گی کہ اپنے اعمال کی بدولت ہی تم لوگ اس جنت کے وارث بنے ہو اور جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ہر شخص کے لئے دو گھر ہیں۔ ایک جنت میں دوسرا جہنم میں پس کافر شخص مومن کے دوزخ کے گھر کا وارث ہوگا اور مومن مرد کافر کے جنت کے گھر کا وارث ہوگا۔

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌ صـ۳۴ :۔ جنت والے جب جہنم والوں سے پوچھیں گے کہ ہمیں تو وعدۂ خداوندی کے مطابق جنت

السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ

آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ داخل ہو اونٹ سوراخ سوزن میں اور اس طرح بدلہ دیں گے ۔ ہم

نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ

مجرموں کو ان کا جہنم سے بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر لحاف ہوگا (جہنم کا) اور اسی

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا

طرح بدلہ دیں گے ہم ظالموں کو اور جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے ہم نہیں تکلیف دیتے کسی

نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲

نفس کو مگر اس کی طاقت پر وہ لوگ اصحاب جنت ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَنَزَعْنَا مَا فِىْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ

اور کھینچ لیں گے وہ جو اُن کے سینوں میں ہوگا کینہ بہیں گی ان کے نیچے نہریں اور کہیں گے حمد

لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ

ہے اللہ کی جس نے رہبری کی ہماری طرف اس کے اور ہم نہ تھے کہ راہ پاتے اگر نہ رہبری فرماتا ہماری خدا تحقیق آئے

رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳

رسول ہمارے رب کے ساتھ حق کے ان کو ندا ملے گی کہ اس جنت کے تم وارث ہوئے ہو بوجہ اس کے جو تم عمل کرتے تھے ۔

کا گھر مل چکا ہے تم بتاؤ کہ تمہیں بھی کچھ ملا ہے تو جہنم والے کہیں گے ہاں تو اس وقت مؤذن اذان دے گا کہ ظالموں پہ خدا کی لعنت ۔ تفاسیر امامیہ میں ہے کہ یہ مؤذن حضرت علیؑ ہوگا ۔ مجمع البیان میں محمد بن حنفیہ سے روایت ہے حضرت علیؑ نے فرمایا ۔ میں وہ اذان دینے والا ہوں گا ۔ نیز ابن عباس سے منقول ہے کہ علیؑ کے قرآن مجید میں ایسے نام ہیں ۔ جن کو لوگ نہیں جانتے ۔ چنانچہ مؤذن سے مراد بھی یہی ہے کہ کہے گا اللہ کی لعنت اُن لوگوں پہ جنہوں نے میری ولایت کی تکذیب کی اور میرے حق کو ظلم سے دبالیا ۔

اعراف کا ذکر

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۔ یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان ایک حجاب ہوگا ۔ جس طرح ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ ان کے درمیان ایک حد فاصل ہو گی ۔ جس کا ایک دروازہ بھی ہوگا ۔ جس کے اندر کی طرف خدا کی رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب خداوندی ہوگا ۔

رازی نے کہا ہے کہ الاعراف جمع ہے عرف کی اور اس کا معنی ہے بلند جگہ اور بعض نے کہا ہے کہ جنت اور

وَنَادَىٰٓ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ أَصْحَٰبَ ٱلنَّارِ أَن قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

اور ندا دیں گے جنت والے دوزخ والوں کو کہ ہم نے پالیا ہے جو ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا ہمارے رب نے

فَهَلْ وَجَدتُّم مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا۟ نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ أَن لَّعْنَةُ ٱللَّهِ عَلَى

سچ سچ تو کیا تم نے پایا ہے جو تمہارے ساتھ وعدہ کیا رب نے سچ سچ تو کہیں گے ہاں پس آواز دے گا آواز دینے والا ان کے درمیان کہ

ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٤﴾ ٱلَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِٱلْءَاخِرَةِ

خدا کی لعنت اوپر ظالموں کے جو روکتے تھے اللہ کے راستے سے اور چاہتے تھے اس کی کجی اور آخرت کا انکار کرتے تھے۔

كَٰفِرُونَ ﴿٤٥﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى ٱلْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّۢا بِسِيمَىٰهُمْ ۚ وَ

اور ان کے درمیان پردہ ہوگا اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے سب کو علامتوں سے اور

نَادَوْا۟ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ أَن سَلَٰمٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا

پکاریں گے جنت والوں کو کہ سلام ہو تم پر اور نہ داخل ہوں گے اس میں حالانکہ پُر امید ہوں گے اور جب

صُرِفَتْ أَبْصَٰرُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحَٰبِ ٱلنَّارِ قَالُوا۟ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٤٧﴾

پھیری جائیں گی ان کی آنکھیں طرف دوزخ والوں کے تو کہیں گے اے پروردگار نہ کر ہمیں ساتھ قوم ظالم کے

دوزخ کے درمیان جو سور حائل ہو گی اس کی بلندی کا نام ہے اعراف اور بعض نے صراط کو اعراف کہا ہے۔

اس میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ اعراف پر کون لوگ ہوں گے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی۔ جہنم اور ان کے درمیان ان کی نیکیوں کا پردہ ہو گا اور جنت اور اُن کے درمیان برائیوں کا پردہ ہو گا۔ پس وہاں ٹھہرائے جائیں گے۔ پھر جب خدا چاہے گا۔ ان کو اپنی رحمت سے جنت میں بھیج دے گا۔ یہ قول ابنِ عباس اور ابنِ مسعودؓ سے منقول ہے۔

تفسیر ثعلبی سے منقول ہے کہ اعراف صراط کے اوپر ایک بلند جگہ کا نام ہے جس پر حضرت حمزہ حضرت عباس حضرت علی اور حضرت جعفر طیار تشریف فرما ہوں گے اور چہروں کی سفیدی اور سیاہی سے اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانیں گے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ آلِ محمدؐ ہوں گے۔ پس جنت میں نہیں جائے گا مگر اُن کا دوست اور جہنم میں نہیں جائے گا۔ مگر ان کا دشمن چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ بروزِ قیامت ہم جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑے ہوں گے اپنے دوستوں کو پہچانیں گے اور جنت میں داخل کریں گے اور اپنے دشمنوں کو بھی پہچانیں گے اور ان کو جہنم داخل کریں گے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ اگر خدا چاہتا تو لوگوں کو خود اپنی

معرفت عطا فرما دیتا لیکن اس نے ہمیں اپنا باب صراط اور سبیل قرار دیا ہے اور ہم وہ دروازہ ہیں جس سے اللہ کی طرف جایا جا سکتا ہے۔ حضرت سلمان سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے دس سے زیادہ مرتبہ سنا کہ انہوں نے فرمایا علیؑ۔ تو اور تیرے اوصیاء جنت اور دوزخ کے درمیان اعراف پر ہوں گے۔ پس جنت میں نہیں جائے گا مگر وہ جو تمہیں جانتا ہوگا اور تم ان کو جانتے ہو گے اور جہنم میں نہیں جائے گا مگر وہ جو تمہارا انکاری ہوگا اور تم اس کا انکار کرو گے۔ بہرکیف اس مطلب کی احادیث حدّ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں کہ اعراف پر آلِ محمدؐ موجود ہوں گے اور اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچان کر جنت اور جہنم میں داخل کریں گے۔ بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ كُلُّ اُمَّةٍ يُحَاسِبُهَا اِمَامُ زَمَانِهَا یعنی بروز قیامت ہر امّت کا حساب اس امّت کے امام زمانہ کے ہاتھ میں ہوگا اور وہی حساب لے گا اور امام زمانہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانے گا۔ جس طرح کہ خدا فرماتا ہے يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ کہ وہ سب کو پہچانتے ہوں گے علامات سے۔ پس اپنے دوستوں کو کتاب دائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ بلاحساب جنت میں چلے جائیں گے اور دشمنوں کو کتاب بائیں ہاتھ میں دیں گے تو وہ بلاحساب جہنم میں چلے جائیں گے۔

ان روایات کے مقابلہ میں دوسری وہ روایات بھی موجود ہیں۔ جن میں ہے کہ اعراف پر وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر برابر ہوں گی اگرچہ يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ کا جملہ تو ان سے تطبیق نہیں کرتا کیوں کہ وہ بیچارے سب مومنوں اور سب کافروں کا سُراغ کس طرح لگا سکیں گے لیکن آیتِ مجیدہ کا بعد والا جملہ کہ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ یعنی خود جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ البتہ جنت کا طمع ان کو ہوگا۔ اس کی تائید کرتا ہے کہ اعراف پر ایسے لوگ ہی ہوں گے چنانچہ اس بارے میں کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایک روایت میں منقول ہے۔ جب آپ سے راوی نے اعراف والوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ قوم ہوگی جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ پس اگر خدا ان کو جہنم میں بھیجے تو ان کے گناہوں کی شامت سے اور اگر ان کو جنت میں بھیجے تو اپنی رحمت سے تو ان ہر دو قسم کی روایات میں کوئی تنافر نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے ایک گناہگار طبقہ اعراف پر اپنے آئمہ کے ساتھ موجود ہو اور جنت کا امیدوار ہو اور امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے اعراف جنت اور جہنم کے درمیان ایک بلند مقام ہے کہ اس پر ہر زمانہ کا نبی اور اس کا صحیح جانشین اپنے گناہگار امتیوں اور دوستوں کے ساتھ کھڑے ہوں گے جس طرح کہ لشکر کا مالک وسالار اپنے کمزور سپاہیوں کو اپنے پاس کھڑا کر لیا کرتا ہے۔ نیک لوگ جنت میں جائیں گے تو خلیفۂ نبی اپنے پاس ٹھہرے ہوئے گنہگاروں سے کہے گا کہ اپنے نیک بھائیوں کو دیکھو کہ وہ کیسے جنت میں جا رہے ہیں تو یہ گنہگار لوگ ان کو سلام دیں گے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ اصحابِ جنت کو سلام دیں گے اور خود جنت میں نہ جائیں گے البتہ جنت کے امیدوار ہوں گے کہ شائد

خدا ان کو نبی اور امام کی سفارش سے جنت میں داخل کر دے۔ پھر جب اہل دوزخ کو دیکھیں گے تو کہیں گے۔ اے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں میں سے نہ کر اس کے بعد اصحاب اعراف یعنی انبیاء کے جانشین جہنمیوں اور کافروں کے سرداروں سے خطاب کریں گے کہ آج تم کو اپنی جمعیت وکثرت اور تکبر نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ پھر جنت والوں کی طرف اشارہ کرکے ان کو کہیں گے کہ کیا تم لوگ انہی لوگوں کے متعلق قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ یہ لوگ رحمتِ خدا سے دور ہیں کہ اُن کو تم ذلیل سمجھتے تھے اور فقر کی وجہ سے ان کو حقیر جانتے تھے اور اپنی دنیا پر نازاں ہوتے تھے۔ پھر وہ اصحابِ اعراف اپنے پاس ٹھہرے ہوئے گنہگار امیدواروں سے خطاب فرمائیں گے کہ اب تم بھی بلامضائقہ جنت میں چلے جاؤ۔ تفسیر قمی سے بھی اس قسم کی ایک حدیث منقول ہے وہاں یہ ہے۔ کہ آئمہ طاہرینؑ اپنے گنہگار شیعوں کے ہمراہ اعراف پر موجود ہوں گے اور آخر میں لفظ یہ ہیں کہ اصحاب اعراف یعنی آئمہ طاہرینؑ جہنم میں جلنے والے اپنے دشمنوں سے کہیں گے کہ یہ ہمارے وہ شیعہ اور بھائی ہیں۔ جن کے متعلق تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اِن کو خدا کی رحمت نہ پہنچے گی۔ پھر شیعہ گنہگاروں کو فرمائیں گے۔ اب جنت میں جاؤ اور خوف و غم کا کوئی فکر نہ کرو اور حضرت علیؑ کے قسیم الجنۃ والنار ہونے کی احادیث بکثرت موجود ہیں جو ان احادیث کی تائید کرتی ہیں (ملخص از تفاسیر)

رازی نے ذکر کیا ہے کہ اصحابِ اعراف وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں مومنوں اور کافروں کے اعمال سے مطلع ہوں گے اور ان کی نشانیاں جانتے ہوں گے پس بروز محشر انہی علامات سے ان کو پہچان کر ایک دوسرے سے الگ کر دیں گے اور مومنوں کو جنت کی طرف اور کافروں کو جہنم کی طرف بھیجیں گے۔ خداوند کریم تمام اہلِ محشر کو ان لوگوں کے شان کی عظمت دکھائے گا۔ جو اعراف پر متمکن ہوں گے۔ درمیان میں بیٹھ کر اپنے دوستوں کو جنت میں جاتا ہوا دیکھیں گے اور مسرور ہوں گے گویا شاہانہ شان سے اس بلند سٹیج پر تماشائی کی حیثیت سے لطف اندوز ہوں گے اور یہ لذت اپنے جنت میں پہنچنے سے بہت زیادہ ہے پھر جب اہلِ دوزخ اور اہل جنت اپنے اپنے ٹھکانے لگ جائیں گے تو اصحاب اعراف اپنے جنت کے بلند ترین درجات کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اور رازی کے نزدیک جنت کا طمع رکھنے والے یہی ہوں گے۔ وہ کہتا ہے کہ اعراف پر بیٹھ کر نظارہ کرنا جنت کی لذات سے زیادہ ہے اور یہاں اُن کی شاہانہ شان کا مظاہرہ ہے اور اس نظارہ کی موجودگی میں وہ خود جنت میں نہ جائیں گے۔ ہاں اُن کو اُمید ہوگی کہ ابھی نظارہ کے خاتمہ کے بعد ہم اپنے درجات میں جائیں گے اور اُمید یقین کے معنی میں ہے جس طرح قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے۔ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ۔ یعنی وہ اللہ کہ میں اُمید اور طمع رکھتا ہوں کہ مجھے بخش دے حالانکہ حضرت ابراہیمؑ کو یقین تھا پس یہاں بھی طمع یقین کے معنی میں ہے۔

وَنَادٰٓى اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰى

اور آوازیں دیں گے اعراف والے ان آدمیوں کو جن کو پہچانیں گے علامتوں سے کہیں گے نہیں نفع دیا

عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَۤاءِ الَّذِيۡنَ

تم کو تمہاری کثرت نے اور جو تم تکبر کرتے تھے کیا انہی لوگوں کے متعلق تم

اَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ

قسم کھاتے تھے کہ نہ دے گا اللہ ان کو اپنی رحمت (کہا جائے گا) داخل ہو جنت میں نہ کوئی غم تم کو اور نہ کوئی

رکوع نمبر ۱۳

وَنَادٰٓى اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ :- یعنی اعراف والے جہنمیوں سے خطاب کریں گے۔ مومنوں کی طرف اشارہ کر کے کہ یہ وہی ہیں جن کے متعلق تمہارا نظریہ کچھ اور تھا اب تمہارا تکبر اور جمعیت پر نازاں ہونا کہاں گیا۔ مفصل روایت ابھی گذر چکی ہے۔

وَنَادٰٓى اَصۡحٰبُ النَّارِ :- تفسیر صافی میں مروی ہے کہ جہنمی پیاسے مرتے ہیں اور پیاسے قبر میں جاتے ہیں۔ اور پیاسے محشور ہوں گے۔ تفسیر برہان میں ایک روایت ہے کہ جہنم والے عذاب سے تنگ ہوں گے تو جنت والوں سے پانی اور طعام کا سوال کریں گے۔ تاکہ اُن پر تخفیف عذاب ہو لیکن جنت والے چالیس برس تک اُن کو جواب تک نہ دیں گے پھر ازرہِ تحقیر و تذلیل ان کو کہیں گے (ہٹ جاؤ) یہ چیزیں کافروں پر حرام ہیں پھر خازنین جہنم سے درخواست کریں گے جس طرح ایک اور مقام پر قرآن میں ان کی حکایت موجود ہے کہ اللہ سے دعا مانگو کہ ایک دن تو ہم سے عذاب کو اٹھا لے پھر وہ بھی چالیس سال تک خاموش رہیں گے۔ پھر جواب دیں گے کہ کافر کی اب کوئی دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ پھر مالک داروغہ جہنم سے آخری درخواست کریں گے۔ جس طرح قرآن مجید میں حکایت موجود ہے۔ اے مالک تو سفارش کر تو وہ بھی چالیس برس کے بعد جواب دے گا۔ اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ۔ تم نے ہمیشہ یہیں ٹھہرنا ہے۔

نَنۡسٰهُمۡ :- خدا کو بھول نہیں لگتی۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں خدا و قیامت کو بھلا دیا ہوگا بروز محشر خدا ان کو اس کی سزا دے گا کہ ان کی طرف کوئی نظرِ رحمت نہ ہوگی۔ یعنی ہم ان کے ساتھ معاملہ اس طرح کریں گے جس طرح بھول جانے والا انسان کیا کرتا ہے کہ ان کی آواز کا بہت دیر کے بعد جواب دیں گے۔ اور پھر ان کی کوئی دعا قبول نہ کریں گے اور ان کی چیخ و پکار پر رحم نہ کریں گے۔ جس طرح دنیا میں اُنہوں نے کیا تھا

تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا

حزن ہوگا۔ اور آوازیں دیں گے دوزخ والے جنت والوں کو کہ عنایت کرو ہمیں

مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى

کچھ پانی یا کچھ وہ جو تم کو رزق دیا اللہ نے۔ وہ کہیں گے تحقیق اللہ نے یہ دونوں حرام کی ہیں

الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ

کافروں پر جنہوں نے بنایا اپنا دین لہو و لعب اور دھوکا دیا ان کو زندگی دنیا نے تو ہم آج

فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

ان سے لاپرواہی کریں گے۔ جس طرح انہوں نے لاپرواہی کی اس دن کی ملاقات سے اور تھے ہماری آیات کا انکار کرتے

تنبیہ وتذکرہ

اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ اور اس کی اولادِ طاہرین کی ولا کلید جنت ہے اور ان کی محبت بالآخر انسان کو جنت میں پہنچا دے گی۔ لیکن سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ کیا عام محبت یا ولا کا دعوےٰ رکھنے والے محب و موالی ہیں بھی سہی یا نہ؟ اہلبیتؑ کے نام سے والہانہ عقیدت کا نام تو محبت و موالات نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ ان کی تعلیمات سے وابستگی نہ ہو۔ چنانچہ کتاب اصول کافی باب زیارۃ الاخوان میں خثیمہ روایت کرتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں وداع کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اے خثیمہ اپنے موالیوں کو ہمارا سلام پہنچانا اور اُن کو تقوےٰ کی وصیت کرنا اور اس بات کی کہ دولتمند پر ضروری ہے کہ فقیر کی امداد کرے۔ طاقتور پر واجب ہے۔ کہ ناتواں کی دستگیری کرے اور ان کے زندوں پر لازم ہے کہ مرنے والوں کے جنازوں میں شرکت کریں۔ اور گھروں میں جاکر ایک دوسرے سے ملاقات کریں کیوں کہ ان کی گھروں میں ایک دوسرے سے ملاقات ہمارے مشن کی زندگی کی موجب ہے اور خداوندکریم اس شخص پر رحم کرے جو ہمارے مشن کو زندہ کرے۔ اے خثیمہ ہمارے موالیوں کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اللہ کی طرف سے تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں اُٹھا سکتے۔ مگر ساتھ عمل کے اور ہماری ولایت کو نہیں پا سکتے مگر ساتھ پرہیزگاری کے ابلغ موالینا انا لا نغنی عنهم من الله شیئًا الّا بعمل وانهم لن ینالوا ولایتنا الّا بالورع الخ۔ اب ہم اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم میں محبت کی کونسی علامت پائی جاتی ہے۔ خداوندکریم ہم کو آلِ محمدؐ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

هَلْ یَنْظُرُوْنَ :۔ ان کی طرف انتظار کی نسبت مجازاً دی گئی ہے۔ ورنہ وہ لوگ تو قیامت کے

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور ہم نے دی ان کو کتاب جس کی ہم نے تفصیل کی علم سے درحالیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کیلئے جو ایمان لائے

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ

نہیں انتظار کرتے مگر اس کے انجام کی جس دن ہوگا انجام (ان کے اعمال کا) تو کہیں گے جنہوں نے لاپرواہی برتی تھی پہلے

قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ

تحقیق آئے تھے رسول ہمارے رب کے ساتھ حق کے کیا ہمارا کوئی ہے۔ شفیع جو ہمارے حق میں شفاعت کرے یا ہمیں لوٹایا جائے تاکہ

فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۱۳

عمل کریں غیر اس عمل کا جو کرتے تھے تحقیق انہوں نے اپنے آپکو خسارہ دیا ہے اور گم ہوگیا ان سے وہ جو افتراء باندھتے تھے

سرے سے قائل ہی نہ تھے۔ ہاں البتہ مومنین کو ان کے ایمان کی انتظار تھی اور بصورت دیگر ان کے عذاب میں گرفتار ہونے کی اُمید تھی۔ اب کفار کی طرف انتظار کی نسبت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے بس جس دن عذاب کو دیکھیں تو ان کو پتہ لگے گا کہ رسول سچ فرمایا کرتے تھے۔ اب کاش کوئی ہماری سفارش کرتا یا ایک مرتبہ ہمیں دنیا کی طرف واپس پلٹنے کا موقع دیا جاتا۔ تاکہ ہم مومنوں کی طرح اعمال کرتے لیکن اس وقت ان کی کوئی شنید نہ ہو گی۔

رُکوع نمبر ۱۴

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ صفحہ :- یعنی اس نے چھ دنوں میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش کو مکمل کیا۔ اگر وہ چاہتا۔ تو ایک لمحہ میں ہو سکتا تھا لیکن اس کی مصلحت کا تقاضا ہی یہی تھا۔ جیسا کہ ایک انسان مقام نطفہ سے لے کر مقام تولد تک چھ یا دس ماہ میں تیار ہوتا ہے اگر اللہ چاہتا تو ایک لمحہ میں پیدا کرتا۔ لیکن اس کی مصلحت نے ایسا ہی چاہا ہے اسی طرح تمام مخلوق کی پیدائش اور تربیت و تکمیل کو اس نے تدریجی قرار دیا ہے پس اسی طرح آسمانوں اور زمین کی خلقت کا حال ہے اور چھ دن سے مراد یہ ہے کہ اتنے وقت میں ان کی خلقت تمام ہوئی کہ اگر گردشِ شمس کا حساب لگایا جائے تو چھ دن بنتے ہیں۔ ورنہ اس وقت نہ سورج تھا نہ چاند، پھر چھ دن کس طرح تھے کیونکہ آسمان پیدا ہوں تو اس میں سورج و چاند رکھے جائیں اور گردش کے بعد زمانہ پیدا ہو اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایام کی ابتداء اتوار سے رکھی گئی اور خلقتِ آسمان و زمین کی تکمیل بروز جمعہ ہوئی پس اس لئے اس روز کو جمعہ کہتے ہیں۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

تحقیق تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ متمکن ہوا عرش

الْعَرْشِ قف يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا لا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ

پر پہنا دیتا ہے رات کو دن پر کہ اس کو پالیتی ہے جلدی اور سورج اور چاند کو اور ستاروں کو

مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهِ ط أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ط تَبٰرَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۵۴﴾

کہ مطیع ہیں اس کے حکم کے سامنے بے شک ایجاد اور امر اسی کا ہی ہے بابرکت ہے اللہ جو رب ہے عالمین کا

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ط إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۵﴾

پکارو اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور پوشیدہ تحقیق وہ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو

ثُمَّ اسْتَوٰى: یعنی خلقت آسمان و زمین کے بعد سریر مملکت الوہیت عرش مجید کو قرار دیا۔ جس طرح حکومت کے لئے ایک پایۂ تخت ہوا کرتا ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا عرش مجید پر بیٹھا ہے اور باقی مکانات اس سے خالی ہیں بلکہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے اور ہر چیز پہ حاوی ہے اور عرش مجید کو اس کی طرف نسبت ہے جو مقام عرش کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے۔

اَلْخَلْقُ وَالْاَمْرُ: خلق اور امر کے جُدا جُدا معانی ہیں۔ خلق کا معنی ایجاد کرنا اور امر کا معنی ہے کہ کہ وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے یعنی جس طرح حق خلق اسی کا ہے اسی طرح مخلوق پر حق حکومت و تصرف بھی اسی کو ہی حاصل ہے۔

برائے دفع اثر جادو وجنات

خاصیت مروی ہے کہ جس شخص کو جادو یا جنات کا خطرہ ہو اس آیت مجیدہ کی تلاوت کرے۔ تو کوئی نقصان نہ اٹھائے گا۔ اِنَّ رَبَّكُمُ سے آخر تک ایک دفعہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص جنگل میں رات گزارے اور یہ آیت پڑھ لے تو اس سے شیاطین دور ہوتے ہیں۔ اور ملائکہ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص کو جنگل میں رات آگئی تو اس نے جان بوجھ کر یہ آیت نہ پڑھی تو جنوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ جب مجبور ہوا تو یہ آیت پڑھی۔ پس جنوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ اب ہم نے صبح تک اس کی حفاظت کرنی ہے اور اس کی ایذا رسانی سے باز آ گئے اور اس نے صبح سویرے امیرؑ کو بتایا کہ واقعی آپ کا کلام شافی و وافی تھا۔ (کافی)

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً: یعنی دعا میں آہستہ سے اور عاجزی و زاری سے خدا سے مناجات کی جائے

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ

اور نہ فساد کرو زمین میں بعد اصلاح کے اور پکارو اس کو خوف اور طمع سے تحقیق

رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا ۢ

اللہ کی رحمت قریب ہے احسان کرنے والوں سے اور وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ

دینے کے لئے اپنی رحمت سے پہلے یہاں تک کہ جب اٹھائیں وہ بھارے بادلوں کو تو چلاتے ہیں ہم اس کو

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى

زمین غیر آباد کی طرف پس نازل کرتے ہیں اس پر بارش تو پھر نکالتے ہیں اس سے ہر قسم کے پھل اس طرح ہم نکالتے ہیں

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ

مردے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور زمین پاکیزہ (زرخیز) اگتی ہے اس کی انگوری اپنے رب کے اذن سے اور جو خبیث ہے

خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾

(اس سے) نہیں اگتی مگر تھوڑی اسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیات واسطے اس قوم کے جو شکر کرے

ایک جنگ میں حضورؐ مصروف تھے کہ ایک وادی میں دیکھا کہ لوگ تہلیل و تکبیر باواز بلند پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا لوگو! کچھ سوچو، سمجھو، تم کسی دُور والے کو یا کسی بہرے کو تو نہیں بلا رہے ہو۔ بلکہ تم سمیع قریب کو پکار رہے ہو جو تمہارے ساتھ موجود ہے اس کے بعد خدا ارشاد فرماتا ہے کہ تحقیق وہ حد سے بڑھنے والوں کو نہیں دوست رکھتا اور آج کل تو لوگوں نے دستور بنا لیا ہے۔ شور مچا مچا کر قرآن پڑھنا اور دعائیں مانگنا۔ خدا جانے یہ بدعادت ان میں کیوں سرایت کر گئی ہے غالباً تصنع اور ریا ہی اس کا محرکِ اعظم ہے۔ خدا ہمیں اس وبا سے نجات دے۔

لَا تُفْسِدُوْا: یعنی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے زمین کو خراب نہ کرو اور فسادات کی بنیاد قائم نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔ صافی سے حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ بعثت سے پہلے زمین فاسد تھی اور حضورؐ کی تشریف آوری سے اس کی اصلاح کر دی گئی ہے اب مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ دوبارہ اسے فساد کی طرف نہ لے جانا۔ لیکن حضرت امیر علیہ السلام کو اپنے حقوق سے پیچھے ہٹا کر جب امت نے نظامِ اسلام اپنے ہاتھ میں لیا تو زمینِ خدا رفتہ رفتہ فساد کی طرف پلٹ گئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور تحقیق ہم نے بھیجا نوح کو طرف اپنی قوم کے فرمایا اے قوم عبادت کرو اللہ کی

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾

تمہارا کوئی معبود نہیں سوائے اس کے تحقیق میں خوف کرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کا

خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ :- یعنی ایک طرف اس کی گرفت اور جہنم کا ڈر ہو اور دوسری طرف اس کی رحمت و بخشش کی اُمید ہو۔ چنانچہ معصوم کا ارشاد ہے کہ اگر مومن کے خوف کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور اس کی اُمید کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کیا جائے تو دونوں پلڑے برابر ثابت ہوں گے۔ نیز فرمایا کہ مومن کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ جو شخص صرف اُمید ہی اُمید رکھتا ہو۔ وہ بھی غلطی پر ہے۔ اور جو صرف خوف ہی خوف رکھتا ہو اور جنت سے مایوس ہو جائے۔ وہ بھی غلط راستہ پر ہے۔ مومن ان دونوں راستوں کے درمیان چلتا ہے۔

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى :- یعنی جس طرح ہم زمین کے شکم سے بیجوں کو جمادیت سے نباتیت کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا مُردے کو زندہ کرنا ہے۔ اسی طرح نطفۂ انسانی جماد کی قسم ہے جس کو انسانیت کی طرف علی التدریج خدا منتقل کرتا ہے۔ پس خدا فرماتا ہے۔ جس طرح میں یہ کام کر سکتا ہوں۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ بھی اسی قدرت سے کر سکتا ہوں۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ :- مروی ہے کہ ایک مرتبہ امیر شام نے امام حسن علیہ السلام سے دریافت کیا کہ قرآن میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے تو آپ نے فرمایا۔ ہاں تو اس نے پوچھا بتاؤ میری داڑھی خفیف اور آپ کی گھنی ہے ان کا قرآن میں کہاں ذکر ہے تو آپ نے یہی آیت مجیدہ تلاوت فرمائی نیز عمرو عاص اور امام حسین علیہ السلام کا واقعہ بھی اسی طرح منقول ہے۔

رکوع نمبر ۱۵

حضرت نوحؑ کا ذکر

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا :- حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ کی دسویں پُشت تھے۔ نوح بن ملک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریس بن بارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدمؑ اور یکے بعد دیگرے یہ سب کے سب نبی تھے لیکن سرکشوں اور ظالموں کے ڈر سے چھپ کر انہوں نے زندگی گزاری اس لئے اِن کا ذکر مشہور نہیں ہے اور نہ

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ

کہا اس کے سرداران قوم نے تحقیق ہم سمجھتے ہیں تجھے گمراہی میں فرمایا اے قوم میں

بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ

گمراہ نہیں ہوں لیکن میں تو بھیجا ہوا ہوں عالمین کے پروردگار کی طرف سے پہنچاتا ہوں تم کو پیغامات

رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ

اپنے رب کے اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں اللہ کی جانب سے جو تم نہیں جانتے کیا اور برا لگا ہے تم کو کہ آیا

جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ

تمہارے پاس ذکر تمہارے رب سے اوپر ایک بندے کے جو تم میں سے ہے تاکہ تم کو ڈرائے اور تم ڈرو تاکہ تم

تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَ

رحم کئے جاؤ تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے اس کو نجات دی اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے اور

اَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴿۶۴﴾

ہم نے غرق کیا ان کو جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تحقیق وہ (دل کے) اندھے لوگ تھے

قرآن مجید نے وضاحت سے ان کا ذکر کیا ہے۔ حضرت نوحؑ کا اصلی نام باختلاف احادیث عبدالغفار یا عبدالمالک یا عبدالاعلیٰ تھا اور کثرت گریہ کی وجہ سے ان کو نوحؑ کہا جاتا ہے جب خدا نے حضرت نوحؑ کو مبعوث فرمایا تو ہبۃ اللہ کی اولاد نے فوراً مان لیا اور اس کے ساتھ ہو گئے لیکن قابیل کی اولاد نے انکار کیا اور کہنے لگے ہم سے پہلے قوم جن کا زمین پر تسلط تھا تو خدا نے اُن کی طرف فرشتہ بھیجا تھا اگر ہماری طرف بھی کسی کو بھیجنا تھا تو فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گویا بشر اور رسولؑ کے درمیان کافر لوگ پہلے دن سے منافات سمجھتے تھے۔ جب بھی نبیؐ کہتا تھا کہ میں رسول ہو کر آیا ہوں تو فوراً تردید کرتے ہوئے کہہ دیتے تھے کہ بشریت اور رسالت کا تو کوئی جوڑ ہی نہیں اور ہر دور میں ایسے لوگوں کی بہتات ہوا کرتی ہے۔ حضرت نوحؑ کا رنگ گندمی، چہرہ پتلا، سر لمبا، آنکھیں موٹی اور پنڈلیاں ہلکی قد طولانی اور جسم موٹا تھا ان کی تبلیغ میں تین تین سو برس کے تین دور گزرے اور جتنی ہی تبلیغ کرتے گئے اتنی ہی قوم کی سرکشی بڑھتی گئی اور ہر بعد کا دور پہلے دور سے سخت رہا ہے اور ایک شخص چھوٹے بچے کو اٹھالاتا تھا اور نوحؑ کی طرف اشارہ کر کے کہتا تھا کہ اگر میرے بعد تو زندہ ہو تو دیکھو اس کی بات نہ ماننا اور پھر ان کو پتھر مارنے کی طرف اکساتے تھے۔

چنانچہ حضرت نوحؑ پتھر کھا کھا کر زخمی ہو جاتے تھے اور لوگ عالم غشی میں اُن کو اٹھا کر گھر کے دروازہ پر چھوڑ جاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت نوحؑ کی عمر ۲۵۰۰ برس تھی۔ ۸۵۰ برس بعثت سے پہلے اور ۹۵۰ برس تبلیغ کے اور ۲۰۰ برس کشتی کے بنانے میں اور ۵۰۰ برس طوفان کے بعد ایک دن اتنی عمر طویل کے بعد دھوپ میں سوئے ہوئے تھے کہ ملک الموت وارد ہُوا حضرت نوحؑ نے دریافت کیا کہ کیسے آئے ہو؟ ملک الموت نے سلام دیا۔ حضرت نوحؑ نے جواب دیا تو ملک الموت نے کہا۔ میں تیرا رُوح قبض کرنے آیا ہوں۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا مجھے اس قدر مہلت دے دو کہ دھوپ سے منتقل ہو کر سایہ میں پہنچ جاؤں چنانچہ ملک الموت نے اجازت دے دی اور آپ سایہ میں آگئے اور فرمانے لگے۔ اے ملک الموت! اس قدر عمر طویل پانے کے بعد مجھے اس طرح معلوم ہو رہا ہے کہ میری زندگی صرف اسی قدر ہی تھی جو دھوپ سے سائے تک آنے کی مقدار ہے حضرت نوحؑ کے کشتی سے اترنے کے بعد جب دوبارہ لوگوں میں بت پرستی پھیلی تو بتوں کے نام وہی رکھے جو حضرت نوحؑ سے پہلے مشرکوں نے رکھے ہوئے تھے۔ یمن والوں کے بتوں کے نام یغوث و یعوق تھا۔ دومۃ الجندل والوں کے بت کا نام وُد تھا۔ حمیر کے بت کا نسر اور ہذیل کے بُت کا نام سواع تھا۔ (مجمع البیان)

اور معارج النبوۃ میں ہے کہ اتنی طویل عمر کے باوجود حضرت کا نہ دانت گرا تھا اور نہ آپ کے بال سفید ہوئے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے کیونکہ طوفان سے غرق ہونے کے بعد تمام مخلوق اُن کی نسل سے ہے اور لمبی عمر کی وجہ سے اُن کا لقب شیخ المرسلین ہے۔ بنا بر مشہور کے نجف اشرف میں حضرت امیر علیہ السلام کے سرہانے حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ مدفون ہیں۔ حضرت نوحؑ کی نسل۔ آپ کے تین فرزندوں سے چلی حام یافث سام اور ان کا چوتھا لڑکا کنعان طوفان میں غرق ہو گیا تھا۔ مروی ہے ایک دن حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوئے ہوئے تھے کہ ہوا نے آپ کے لباس کو اِدھر اُدھر کر دیا تو حام اور یافث باپ کو ننگا دیکھ کر ہنسنے لگے اور کپڑا درست نہ کیا بلکہ سام جب ان کو منع کرتا تھا۔ اور کپڑا ٹھیک کرتا تھا۔ تو وہ دونوں کپڑے کو الگ کر کے ہنستے تھے۔ جب حضرت نوحؑ بیدار ہوئے تو اُن کے ہنسنے کی وجہ پوچھی۔ سام نے صاف صاف بتا دیا۔ پس آپ ان دونوں پر ناراض ہوئے اور ان کو بد دُعا دی اور سام کے حق میں دُعا کی پس تمام حبشی حام کی اولاد ہیں اور ترک اور یاجوج ماجوج یافث کی اولاد سے ہیں اور باقی سفید گورے رنگ کے لوگ سام کی اولاد سے ہیں۔ (مجمع البیان)

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ

اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود سوائے اس کے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۶۵ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ

کیا تم نہیں ڈرتے کہا سرداروں نے جو کافر تھے اس کی قوم سے تحقیق ہم دیکھتے ہیں تجھے بیوقوفی میں اور

وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۶۶ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ

ہم تجھے خیال کرتے ہیں جھوٹوں میں سے فرمایا اے قوم میں بیوقوف نہیں ہوں بلکہ میں رسول ہوں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۷ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝۶۸

عالمین کے پروردگار کی طرف سے پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ امانت دار ہوں

اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا تم اوپری سمجھے ہو یہ بات کہ آئے تمہارے پاس ذکر تمہارے رب سے اوپر ایک بندے کے جو تم میں سے ہے تاکہ

لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ

تم کو ڈرائے اور یاد کرو جبکہ تم کو اس نے خلیفہ بنایا قوم نوح کے بعد اور زیادہ دی تم کو جسمانی قوت پس یاد کرو

فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۶۹

اللہ کی نعمتیں تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

حضرت نوحؑ کے باقی واقعات کشتی بنانا، طوفان کا آنا، کنعان کا غرق ہونا وغیرہ بعد میں مفصل آئیں گے۔

رکوع نمبر ۱۶

حضرت ہود کا ذکر

وَاِلٰی عَادٍ :۔ حضرت نوح کے قصہ پر عطف ہے کہ ہم نے قوم عاد کی طرف حضرت ہود کو بھیجا۔ ہود کے باپ کا نام شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح تھا منقول ہے کہ قوم عاد یمن میں سکونت پذیر تھی اور عمان سے حضر موت تک پھیلی ہوئی تھی زمینیں سرسبز و زرخیز تھیں۔ فصل زیادہ ہوتے تھے اور باغات بھی عمدہ عمدہ ان کے پاس تھے اور اس کے ساتھ اُن کی عمریں طویل تھیں۔ قد و قامت میں طویل جسیم تھے جیسے کہ بَصْطَةً کا لفظ شاہد ہے کہتے ہیں ان کا بڑی قد والا سو ذراع کا ہوتا تھا اور پست قد ساٹھ ذراع کا ہوا کرتا تھا۔ یہ لوگ بت پرست تھے۔ امام محمد باقر

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا

کہنے لگے کیا تو آیا ہے تاکہ ہم عبادت کریں اللہ اکیلے کی اور چھوڑ دیں جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے

بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ قَالَ

بزرگ پس لے آ جس کا تو وعدہ کرتا ہے اگر تو ہے سچا فرمایا

قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ

تحقیق واجب ہو چکا ہے تم پر تمہارے رب سے عذاب اور غضب

علیہ السلام سے مروی ہے کہ کھجوروں کی طرح ان کی قدیں تھیں۔ حضرت ہود نے ان کو بت چھوڑنے اور خدا واحد کی پوجا کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے نہ مانا بلکہ حضرت ہود کو اذیتیں پہنچائیں۔ پس تین سال یا باختلاف روایت سات سال اُن پر بارش نہ ہوئی اور اس زمانہ کا دستور تھا کہ جب کوئی مصیبت سر پر آتی تو مسلمان یا کافر سب مکہ کا قصد کرتے تھے اس وقت مکہ میں عمالقہ کی سکونت تھی جو عملیق بن لاوذ بن سام کی اولاد تھے اور ان کا سردار معاویہ بن بکر تھا۔ جس کی ماں قوم عاد میں سے تھی۔ پس انہوں نے ایک وفد مکہ کی طرف روانہ کیا۔ حدود حرم مکہ سے باہر معاویہ کا قیام تھا۔ اس نے وفد کی بہت عزت کی۔ چنانچہ یہ لوگ پورا ایک مہینہ اس کے ہاں شراب نوشی میں خوش حال رہے۔ معاویہ نے سوچا کہ یہ لوگ طلب بارش کے لئے مکہ جا رہے تھے ادھر میرے ننھال قحط کا شکار ہو رہے ہیں اور مہمانوں کو گھر سے نکالنا بھی نادرست ہے اسی سوچ میں تھا کہ آخر اپنی دو کنیزوں کے سامنے راز ظاہر کر دیا اور پوچھا کہ کیا علاج کیا جائے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہمیں ایک نظم بنا کر دی جائے۔ جس میں ان کے یہاں ٹھہرنے کی مذمت ہو اور قوم عاد کے لئے بارش کی دعا ہو۔ ہم مجلسِ شراب میں وہ نظم گائیں گی تو خود بخود آمادۂ مکہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ جب کنیزوں نے نظم گائی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہمیں جا کر مکہ میں اپنی قوم کے لئے طلبِ بارش کی دعا کرنی چاہیئے تو ان میں ایک شخص موجود تھا جو اندرونی طور پر حضرت ہود پر ایمان لا چکا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ تمہاری دعا کا انہیں کوئی فائدہ نہ ملے گا۔ ہاں اگر تم لوگ اپنے نبی کے اطاعت گذار ہو جاؤ تو خدا بارانِ رحمت نازل فرمائے گا۔ انہوں نے اس کو نہایت ڈانٹ ڈپٹ کی اور مکہ میں استسقاء کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وفد کا سردار و رئیس قیل بن عنزہ تھا۔ اس نے مکہ میں پہنچ کر ان لفظوں سے دُعا مانگی۔

اے ہمارا پروردگار اگر ہود سچا ہے تو ہمیں بارانِ رحمت نازل فرما۔ تو خداوند کریم نے تین بادل بھیجے سفید، سُرخ اور سیاہ۔ پھر آسمان سے ندا پہنچی کہ ان بادلوں میں سے قوم کے لئے ایک چن لو تو اس نے سیاہ کو چُنا

أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَآبَآؤُكُم مَّا نَزَّلَ

کیا تم میرے ساتھ جھگڑتے ہو ان ناموں کے بارے میں جو تم نے خود رکھ لئے ہیں اور تمہارے بڑوں نے کہ نہیں

اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ فَانتَظِرُوٓا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ

اتاری اللہ نے ان پر کوئی دلیل پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار

الْمُنتَظِرِينَ ﴿٧١﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا

کرنے والوں میں سے ہوں پس ہم نے اس کو نجات دی اور جو اس کے ہمراہ تھے ساتھ اپنی رحمت کے

دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾ ع ۱۶

اور توڑ دی جڑ ان کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور نہ تھے مومن

جس میں عذاب خدا پنہاں تھا۔ قوم عاد نے بادل کو دیکھا تو خوش ہوئے کہ هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا یعنی یہ بادل ہم پر برسنے والا ہے۔ پس سات راتیں اور آٹھ دن ان پر موسلا دھار بارش رہی کہ وہ سب کے سب تباہ ہو گئے۔

حضرت ہود اپنے مخصوص مومنین کے ہمراہ علیحدہ ہو گئے تھے اور ان پر اس بادل کی معمولی بوندا باندی تھی اور قوم عاد پر بارش کے علاوہ آسمان سے پتھر برستے رہے اور اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم نے اُن کی جڑ کاٹ ڈالی۔

أَتُجَادِلُونَنِي :- انہوں نے اپنے بتوں کے جدا جدا نام رکھے ہوئے تھے کہ فلاں بارش برساتا ہے فلاں رزق کا کفیل ہے۔ فلاں بیماری سے تندرستی عطا کرتا ہے وغیرہ گویا ہر خدا کے ذمہ انہوں نے ڈیوٹیاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ حضرت ہود کا واقعہ مفصل سورۂ ہود میں بھی انشاء اللہ آئے گا۔

رکوع نمبر ۱۷

حضرت صالح کا ذکر

وَإِلَىٰ ثَمُودَ :- ثمود اور عاد ایک دوسرے کے چچا زاد تھے۔ کیونکہ ارم بن سام بن نوح کے بیٹے۔ ایک نام کا عوص تھا۔ دوسرے کا نام عابر تھا۔ عاد عوص کا بیٹا تھا اور ثمود عابر کا لڑکا تھا۔ پس عاد کی اولاد کی طرف حضرت ہود پیغمبر مبعوث ہوئے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد ثمود کی اولاد اُن کی وارث ہوئی اور اُن کی جگہ متمکن ہوئی۔ تو خدا

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ

اور طرف قوم ثمود کے ان کے بھائی صالح کو بھیجا اس نے فرمایا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود

غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ

سوائے اس کے تحقیق آئی تمہارے پاس دلیل تمہارے رب سے یہ اللہ کی ناقہ ہے تمہارے لئے نشانی پس چھوڑو اس کو

فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ

چرے اللہ کی زمین میں اور نہ چھوؤ اس کو برائی سے ورنہ پکڑے گا تم کو دردناک عذاب

أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ

اور یاد کرو جب کہ کیا تم کو اس نے خلیفہ بعد قوم عاد کے اور ٹھکانہ دیا تم کو زمین میں

تَتَّخِذُونَ مِن سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۖ فَاذْكُرُوا

کہ بناتے ہو نرم زمین میں محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں گھر پس یاد کرو اللہ

آلَاءَ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٧٤﴾ قَالَ

کی نعمتیں اور نہ ہو زمین میں فساد کرنے والے تو کہا

الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا

سرداروں نے جو متکبر تھے اس کی قوم کے کمزوروں کو

نے اُن کی طرف حضرت صالح کو مبعوث فرمایا ان کی عمریں بھی لمبی ہوا کرتی تھیں۔ گرمیوں سردیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ گھر بنایا کرتے تھے۔ نرم اور سہل زمینوں میں گرمیوں کے لئے گھر بناتے تھے اور پہاڑ کے دامن میں سردیوں کے گھر پہاڑوں کو کرید کر بنایا کرتے تھے جس طرح قرآن مجید اس کی حکایت کر رہا ہے اور کل پانچ نبی ہیں جن کی زبان عربی تھی۔

۱۔ حضرت ہودؑ ۲۔ حضرت صالحؑ ۳۔ حضرت شعیبؑ ۴۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور پانچویں حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مجمع)

مروی ہے کہ ۱۶ برس کی عمر میں حضرت صالح مبعوث برسالت ہوئے اور ۱۲۰ برس کی عمر تک تبلیغ فرماتے رہے لیکن وہ لوگ ذرہ بھر اثر قبول نہ کرتے تھے اور اُن کے پاس ستر بت تھے۔ جن کی پوجا

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ

جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے کیا تم جانتے ہو کہ صالح رسول ہے اپنے رب سے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم

اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

تو اس کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں کہا تکبر کرنے والوں نے تحقیق ہم اس چیز سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو

كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ

کافر ہیں تو نحر کر دیا ناقہ کو اور سرکشی کی اپنے رب کے امر سے اور کہنے لگے اے صالح

ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

لا وہ جس کا تو وعدہ کرتا ہے اگر ہے تو رسول پس پکڑا اُن کو زلزلہ نے تو

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ

ہو گئے اپنے گھروں میں پچھاڑے ہوئے پس (صالح نے) روگردانی کی ان سے اور فرمایا اے قوم تحقیق

اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

میں نے پہنچائی تم پر رسالت اپنے رب کی اور خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے

کرتے تھے آخر تنگ آکر حضرت صالح نے فرمایا کہ مجھے تمہارے ساتھ دماغ سوزی کرتے ہوئے لمبی مدت ہوئی ہے اب فیصلہ کن بات یہ ہے کہ میں تمہارے خداؤں کو بلاتا ہوں اور اپنے خدا کو بھی بُلاتا ہوں جس نے ہماری دُعا سُنی اور قبول کی وہ ٹھیک ہوگا[1] وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے چنانچہ اپنے مخصوص عید کے دن بتوں کو لائے اور اُن کے سامنے بہت زاری کی کہ صالح کے سامنے ضرور جواب دینا۔ لیکن جب حضرت صالح نے ان کو بلایا۔ تو وہ گونگے کے گونگے رہے۔ چنانچہ چند بار اُن کی طرف سے کوشش کی گئی اور ناکام ہوئی تو قوم کے ستر آدمیوں نے استدعا کی کہ اب آپ اپنے خدا کو بلائیں آپ نے فرمایا تم بتاؤ کیا کچھ مانگنا ہے تو انہوں نے ایک پہاڑ کے قریب جا کر کہا کہ اس پتھر سے دس ماہ کی حاملہ سُرخ رنگ کی اونٹنی پیدا کرے کیونکہ وہ اس پتھر کی بڑی عزت کرتے تھے بلکہ اس کی پوجا کیا کرتے تھے چنانچہ جب حضرت صالح نے دُعا کی تو پتھر میں جنبش ہوئی اور اس سے اونٹنی پیدا ہوئی پھر انہوں نے کہا ہم دیکھیں اس کا بچہ پیدا ہو تو آپ کی دُعا سے فوراً اس کا بچہ پیدا ہُوا۔ وہ ناقہ بڑا طول و عرض رکھتی تھی اور جب اس کا بچہ پیدا ہوا۔ تو وہ اپنی ماں کی طرح بڑے جسم کا تھا۔ وہ دیکھ کر حیران و ششدر ہو گئے پس غریبوں میں سے ایک طبقہ مومن ہو گیا لیکن منکرین کا طبقہ ویسے اپنی سرکشی پر ڈٹا رہا

[1] حضرت صالح علیہ السلام کی اس پیش کش کا مقصد صرف اتمام خصم تھا اور ان جاہلوں کے لئے اس سے بڑھ کر ہدایت کا کوئی دوسرا کارگر طریقہ تھا ہی نہیں۔ جس کو اختیار کیا جاتا۔ کیونکہ وہ براہین کو ٹھکرا چکے تھے۔)

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ صٓ :- یہ لِلَّذِیْنَ سے بدل البعض ہے یعنی تکبر کرنے والوں نے غریب اور کمزور لوگوں میں سے ان سے پوچھا جو حضرت صالح پر ایمان لا چکے تھے کہ کیا تم اس کو رسول مانتے ہو تو انہوں نے کہا۔ ہاں! تو وہ کہنے لگے ہم تو اس کی رسالت کو نہیں مانتے۔ بات اسی طرح ہوئی کہ جب وہ ستر آدمی واپس اپنی قوم کو بتانے کے لئے روانہ ہوئے تو ان میں سے ۶۴ آدمی مرتد ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ جادو ہے اور چھ مومن رہے۔ واپس آنے پر ان میں سے ایک مرتد ہو گیا اور باقی پانچ بچ گئے اور انہوں نے باقی قوم کو بتایا لیکن انہوں نے کہا کہ ہم تو ہرگز ماننے کو تیار نہیں۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ :- عقر کے معنے ہے پے کرنا یعنی اس کا پیر کاٹ ڈالنا اور چونکہ عقر کرنے والے پے کرنے کے بعد نحر بھی کر لیا کرتے تھے۔ اس لئے عقر کا معنی نحر بھی کیا جاتا ہے اور عقر کا لغوی معنی ہے ایسا زخم جو جانبر نہ ہونے دے۔

قصہ خداوند کریم نے حضرت صالح پر وحی کی کہ تیری قوم اس ناقہ کو قتل کرے گی۔ یہ ناقہ قوم ثمود کے لئے باعث برکت تھی۔ اور وہ اس لئے بھی خوش تھے کہ ان کو اس سے تکلیف کوئی نہ تھی اُن کا حوض ایک دن ناقہ کے لئے تھا اور ایک دن ان کے لئے تھا جس دن حوض کا پانی ناقہ پیتی تھی۔ اس دن وہ سارے لوگ اس ناقہ کا دودھ پیتے رہتے تھے۔ جب حضرت صالح نے اپنی قوم کو وحی ربانی سنائی کہ تم میں ایک شخص پیدا ہو گا جو اس ناقہ کو قتل کرے گا اور وہ ساری قوم کی تباہی و بربادی کا سبب ہو گا تو انہوں نے کہا ہم بچہ پیدا نہ ہونے دیں گے۔ چنانچہ اسی شہر میں اسی دوران میں نو آدمیوں کے بچے پیدا ہوئے اور اُنہوں نے ان کو قتل کر دیا پھر دسویں آدمی کا لڑکا پیدا ہوا تو اس نے قتل کرنے سے انکار کر دیا کیوں کہ اس سے پہلے اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ سرخ رنگ، نیلگوں آنکھ اور کوتاہ قد تھا۔ بہت جلدی اُس نے تربیت پائی اور جوان ہوا۔ جب یہ لڑکا ان نو آدمیوں کے پاس سے گذرتا تھا تو اس کو دیکھ کر وہ طیش میں آتے تھے کہ حضرت صالح نے ہمارے بچے مروا ڈالے اگر ہمارے بچے زندہ ہوتے تو وہ بھی آج اس بچے کی طرح چلتے پھرتے پس دل میں انتقام کا جوش اٹھا اور حضرت صالح کے قتل کے درپے ہوئے آپس میں مشورہ کیا کہ سفر کے بہانے سے یہاں سے نکل جائیں اور رات کو اچانک صالح پر حملہ کریں گے۔ اور قتل کر دیں گے کسی کو ہمارے مجرم کا پتہ نہ لگ سکے گا اور ہم خود انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم مسافری پر گئے ہوئے تھے ہمیں کیا خبر؟

حضرت صالح کا یہ دستور تھا کہ شہر میں نہ سوتے تھے بلکہ سارا دن قوم کو وعظ کر کے رات کو شہر کے باہر ایک مسجد میں جا کر آرام کرتے تھے۔ اس مسجد کو مسجدِ صالح کہتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے ارادۂ فاسدہ سے روانہ

ہوئے اور رات کو پہاڑ کی غار میں پنہاں ہو گئے۔ خداوندِ کریم نے پہاڑ کو اُن کے اُوپر گرا دیا اور وہ وہیں کے وہیں رہ گئے۔ صبح سویرے بعض آدمی جو ان کے راز دان تھے پتہ کرنے کے لئے باہر نکلے تو پہاڑ کو اُن کے اُوپر گرا دیکھا۔ شہر میں آکر واویلا مچا دیا کہ دیکھو صالح نے کیا غضب کیا ہے کہ پہلے ان بے چاروں کے بچے قتل کروا دیئے اب ان پر پہاڑ گرا کر سب کو مروا دیا پس شہر والوں نے اس ناقہ کو قتل کرنے کی ٹھان لی۔

اس میں اختلاف ہے کہ ناقہ کے قتل کا بہانہ کیا ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ دسواں لڑکا قدار نامی جب بڑا ہوا تو مجلس شراب میں جاتا تھا ایک دن جب شراب کی مجلس گرم تھی تو انہوں نے شراب میں پانی کی ملاوٹ کا ارادہ کیا اتفاق سے وہ دن ناقہ کا تھا جب حوض پر پہنچے تو پانی موجود نہ تھا کیونکہ جس دن ناقہ نے پانی پینا ہوتا تو وہ سارے حوض کا پانی پی جاتی تھی۔ جب دوسرے دن یہ لوگ جاتے تھے تو حوض پُر ہوتا تھا اور یہ لوگ پیا کرتے تھے۔ جب ان شرابیوں کو پانی نہ ملا تو بہت برہم ہوئے اور قدار نے کہا اگر کہو تو میں اس ناقہ کو قتل کرتا ہوں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ناقہ کے دن یہ لوگ ناقہ کا دودھ بھی پیتے تھے اور اگر پانی کی ضرورت ہوتی تھی۔ تو پہاڑوں اور غاروں سے تلاش کر کے پیتے تھے اور ناقہ کی قد و قامت سے ان کے حیوان بھی ڈرتے تھے ان سب باتوں سے تنگ آکر انہوں نے ناقہ کو پے کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔

صدوف نامی ایک عورت جو خوبصورت بھی تھی اور بڑی مالدار تھی۔ اونٹ، گائے، بکریاں وغیرہ اس کے پاس بہت تھیں تو وہ اپنے مال یا حسد کی وجہ سے حضرت صالح کو بہت دشمن سمجھتی تھی تو اس نے مصدع نامی ایک شخص کو کہا کہ اگر تو اس ناقہ کو قتل کرے گا تو میں تیرے ساتھ شادی کروں گی اور دوسری ایک عورت عنیزہ نامی تھی جس کی لڑکیاں خوبصورت تھیں اس نے قدار بن سالف کو کہا کہ اگر تو اس ناقہ کو قتل کرے گا تو میری لڑکیوں میں سے جسے چاہے گا تیری شادی کروں گی اور مروی ہے کہ قدار حرامزادہ تھا اگرچہ سالف کے گھر پیدا ہوا تھا لیکن سالف کا نطفہ نہیں تھا اور بایں ہمہ اپنی قوم میں مقبول شخصیت کا مالک تھا۔ تو مصدع اور قدار نے اپنی قوم کے چند اوباش بدمعاش بھی اپنے ساتھ ملا لئے جن کی تعداد سات تھی۔

بعضوں نے وجہ یہ لکھی ہے کہ ملکاء نامی ایک عورت قوم ثمود پر حکمران تھی۔ جب حضرت صالح کی دعوت اور معجزہ سے متاثر ہو کر لوگ ایمان کی طرف راغب ہوئے اور رفتہ رفتہ ایمان والے بڑھتے گئے یہاں تک کہ حضرت صالح قوم ثمود کے اقتدار کے مالک ہو گئے اور دشمن لوگ دب کر خاموش ہو گئے تو ملکاء کے دل میں اپنے اقتدار کے چلے جانے کا درد پیدا ہوا اور دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے دو عورتیں طلب کیں۔ قطام اور قبال۔ قطام قدار کی معشوقہ تھی اور قبال مصدع کی محبوبہ تھی۔ پس ملکاء نے لالچ کے جال میں ان دو عورتوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور کہا کہ رات کو تمہارے عاشق تمہارے پاس آئیں تو ان کو اپنے جسم پر تصرّف نہ کرنے دینا۔ جب تک کہ ناقہ کے قتل کا وعدہ نہ کریں۔ پس ایسا ہی ہُوا اور یہ دونوں بدمعاش ہر رات اپنی معشوقاؤں سے ملتے تھے تو اب

ہو گئے تو ملاقات مشروط تھی۔ چنانچہ انہوں نے ناقہ کے قتل کا بھی حتمی وعدہ کر لیا اور اس سکیم کے تحت دوسرے غنڈوں کو بھی دعوت دی۔ چنانچہ سات آدمی اور بھی ساتھ ہو گئے۔

بہر کیف جس راستہ سے ناقہ پانی پی کر واپس جاتی تھی۔ اس راستہ پر انہوں نے مورچے جمالئے ایک پتھر کے پاس چھپ کر مصدع بیٹھ گیا اور دوسرے پتھر کے ساتھ قدار پوشیدہ ہو گیا یونہی ناقہ پانی پی کر چلی تو پہلے پہل مصدع نے تیر کس کر مارا کہ اس کی پنڈلی زخمی ہو گئی اب جو ناقہ قدار کے قریب سے گذری تو عنیزہ خود بھی نکلی اور اپنی لڑکی کو آگے بڑھایا جو بہت ہی خوبصورت تھی۔ غالباً اسی کا نام قطام تھا اور اس نے اپنے چہرہ سے نقاب ہٹا کر قدار کو شاباش شاباش کہا اور قتل کی ہمت دلائی چنانچہ اس نے عشق کی مستی میں تلوار نیام سے نکالی اور حملہ کر دیا اور اس کا پیر کاٹ ڈالا۔ ناقہ چیختی چلاتی ہوئی دوڑی تو اس بدبخت نے اس کے سینے میں تیر اس زور سے مارا کہ وہ زمین پر گر گئی۔ اب تو تمام شہر والے ٹوٹ پڑے اور اس کا گوشت تقسیم کر کے گھروں میں لے گئے اور خوب کھایا گویا سارے ہی قتل میں شریک ہو گئے۔ ناقہ کے بچے نے جب یہ دیکھا تو دوڑا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور تین دفعہ آسمان کی طرف منہ کر کے چیخا اور اس زور سے چیخا کہ لوگوں کے دل ہلا دیئے وہ لوگ گھبرا کر حضرت صالح کے پاس معذرت کے لئے آئے اور کہا فلاں نے ظلم کیا ہے ہمارا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا۔ اس ناقہ کا بچہ تلاش کرو اگر مل جائے تو ممکن ہے عذاب ٹل جائے۔ انہوں نے ہر چند کوشش کی لیکن وہ بچہ نہ مل سکا۔ پس آپ نے فرمایا کہ تین دن تک جو چاہو کھاؤ پیو کیونکہ تمہارے اوپر عذاب حتمی ہو چکا ہے وہ نازل ہو کر رہے گا۔

تفسیر صافی میں ہے۔ خدا کی جانب سے حضرت صالح پر وحی نازل ہوئی کہ تیری قوم نے سرکشی کی ہے اور اس ناقہ کو قتل کیا ہے جو میری طرف سے ان پر حجت تھی۔ نیز اس کا ان کو کوئی نقصان بھی نہیں تھا بلکہ فائدہ تھا اب ان کو کہہ دو کہ تین دن تک میرا عذاب آنے والا ہے اگر توبہ کریں اور اپنے کئے پر پشیمان ہو جائیں تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا۔ اگر توبہ نہ کریں تو تیسرے دن عذاب آئے گا جب حضرت صالح نے اپنی قوم سے یہ فرمایا تو وہ پہلے سے بھی سرکش ہوئے اور کہنے لگے اِئْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ الخ یعنی لاوہ جس کا تو وعدہ کرتا ہے اگر تو رسول ہے۔ دیکھو ہر کہا

آپ نے فرمایا۔ اے قوم! کل تمہارے منہ زرد ہوں گے۔ پرسوں سرخ ہوں گے اور تیسرے دن منہ سیاہ ہو جائیں گے اور بدھ کی رات انہوں نے ناقہ کو قتل کیا تھا۔ پس ان کے چہرے پہلے دن زرد اور دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ ہوئے اور ان لوگوں نے عذاب کے یقین کے بعد کفن پہن لئے تھے۔ اور حنوط کر لیا تھا۔ پس آدھی رات کے وقت جبرائیل نے صیحہ یعنی آواز پیدا کی جس سے ان کے کان، جگر

اور دل سب پھٹ گئے اور سب کے سب گر گئے اور کوئی ذی روح نہ بچ سکا اور صبح کو آسمان سے آگ نازل ہوئی۔ جس نے ان کی لاشوں کو جلا دیا تھا اور بعض روایات میں ہے صیحہ بھی تھا اور زلزلہ بھی تھا۔

جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک میں جب حضرت رسالتمآبؐ اس پتھر کے پاس سے گذرے تو فرمایا اے اصحاب اس بستی میں کوئی نہ جائے اور یہاں سے پانی پیو اور ان عذاب کردہ لوگوں پر سے نہ گزرو مگر یہ کہ روتے ہوئے اور پناہ مانگتے ہوئے گذر جاؤ اور یاد رکھو آئندہ تم لوگ اپنے رسولؐ سے معجزہ نہ طلب کیا کرو۔ دیکھو یہ صالحؑ پیغمبر کی قوم تھی جنہوں نے معجزہ طلب کیا تھا اور خدا نے ناقہ پیدا کی تھی۔ اس راستہ سے آتی تھی اور اس راستہ سے پانی پی کر واپس جاتی تھی۔ آپ نے ناقہ کے بچے کا پہاڑ پر چڑھنے کی جگہ کا نشان بتایا اور فرمایا جب انہوں نے سرکشی کی تھی تو خدا نے سب کو عذاب سے فنا کر دیا تھا اور ان میں سے ایک شخص حرمِ خدا کے اندر تھا تو وہ عذاب سے بچ گیا لیکن جب حرم سے نکلا تو فوراً گرفتارِ عذاب ہوا۔ اور مر گیا اس کے پاس سونے کی ایک سلاخ بھی تھی جو اس کے ساتھ دفن کی گئی تھی۔ اس کا نام ابو رغال تھا اور وُہ قوم ثقیف کا جدِ اعلیٰ تھا۔ پھر حضورؐ نے ان کو ابو رغال کی قبر کا نشان بھی بتایا تو چونکہ انہوں نے سُنا کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک سلاخ بھی تھی تو تلواروں سے اس جگہ کو کھودا گیا اور اس سلاخ کو نکال لیا۔

ثعلبی سے منقول ہے کہ رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ تم جانتے ہو کہ اولین میں سے شقی ترین کون تھا؟ تو علیؑ نے عرض کی۔ اللہ اور اس کا رسولؐ اس کو بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ نے فرمایا یہ وہ شخص تھا جس نے حضرت صالحؑ کی ناقہ کو قتل کیا۔ پھر فرمایا آخرین میں سے شقی ترین انسان کون ہے؟ تو علیؑ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ پس آپ نے فرمایا وُہ تیرا شہید کرنے والا ہے اور ایک روایت میں ہے حضورؐ نے حضرت علیؑ کے سر اور ڈاڑھی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا من یخضب ھٰذہٖ من ھٰذہٖ۔ جو اس کو (یعنی ڈاڑھی کو) اس سے (یعنی سر کے خون سے) خضاب کرے گا۔

یاد رہے کہ یہ ناقہ حضرت صالحؑ قوم ثمود کے لئے حجتِ خدا تھی اور اس کے بے گناہ قتل سے ساری قوم عذابِ خداوندی میں گرفتار ہوئی۔ مروی ہے جب مسلمان حضرت علیؑ کو مجبور کر کے دربارِ خلافت میں بیعت کے مطالبہ کے لئے لے چلے تو جنابِ خاتونِ جنت بتول معظمہ سلام اللہ علیہا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا۔ خَلُّوْا عَنِ ابْنِ عَمِّیْ میرے چچازاد کو چھوڑ دو۔ وَاِلَّا لَاَنْشُرَنَّ شَعْرِیْ وَلَاَضَعَنَّ قَمِیْصَ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلٰی رَاْسِیْ۔ ورنہ میں اپنے بال پریشان کروں گی اور حضرت رسالتمآبؐ کی قمیص کو اپنے سر پہ رکھ کر بددُعا کروں گی اس کے بعد فرمایا تھا کہ حضرت صالحؑ پیغمبر کی ناقہ کی قدر مجھ سے زیادہ تو نہ تھی اور اس ناقہ کے بچے کی قدر اللہ کے نزدیک میرے حسنین سے زیادہ نہ تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اگر اس کی بے گناہی اور بچے کی معصومانہ اور مظلومانہ فریاد

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ

اور لوطؑ کو (بھیجا) جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بدکاری کہ نہیں کی تم

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ

سے پہلے کسی نے جہان میں تحقیق تم کرتے ہو مردوں سے

شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾

کارِ شہوت سوائے عورتوں کے بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو

موجب عذاب ہوگئی تھی تو میں تو حبیب خدا کی شہزادی ہوں اگر فریاد کروں گی تو تم پہ عذاب آئے گا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا۔ ابھی تک آپ نے بددعا نہیں کی تھی لیکن مسجد نبوی کی دیواریں زمین سے بلند ہونا شروع ہو گئی تھیں فوراً جناب امیر نے عذاب کے آثار دیکھ کر سلمانؓ سے فرمایا کہ بنتِ رسولؐ سے جاکر سفارش کرو کہ بددعا نہ کریں۔ چنانچہ سلمانؓ نے پہنچ کر عرض کی۔ اے بی بی تیرا باپ عالمین کے لئے رحمت تھا۔ آپ بددعا نہ فرمادیں تو بی بی نے روتے ہوئے دردناک لہجہ میں ارشاد فرمایا۔ اے سلمانؓ میرا حق غصب ہوا تو میں نے صبر کیا۔ میرے گھر کی ہتک کی گئی تو میں نے صبر کیا مجھے طمانچہ مارا گیا حتیٰ کہ میری بالیاں کانوں سے ٹوٹ گئیں تو میں نے صبر کیا۔ دروازہ گرایا گیا تو میں نے صبر کیا۔ صبر کی کوئی حد بھی ہے۔ اب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ حسنینؑ کو یتیم کردیں۔ میں اس پہ صبر نہیں کرسکتی۔ پس فوراً سلمانؓ نے رو کر عرض کی۔ اے دخترِ رسولؐ میری کیا مجال ہے کہ کچھ عرض کروں۔ میرے آقا حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ میں تو ان کا پیغام پہنچا رہا ہوں جب مخدومہ نے سُنا کہ آقا یہ فرما رہے ہیں تو فوراً ہاتھ نیچے کرلئے اور یہی کہا کہ میرے سردار اگر آپ اسی پر راضی ہیں تو میں راضی ہوں۔

مسلمانوں نے انبیاء کے واقعات کو صرف ایک قصہ سمجھ لیا۔ ورنہ اگر ان حقائق کو عبرت آموز درس سمجھتے تو اولادِ پیغمبرؐ کے نہ گھر لٹتے، نہ عصمت مآب شہزادیوں کی درباروں، بازاروں میں سر برہنہ پھرائے جانے کی نوبت آتی نہ سیدزادے دیواروں میں چُنے جاتے اور نہ زمین سادات کے خون سے رنگین ہوتی۔ ہائے کس قدر سخت دل تھے وہ مسلمان جنہوں نے سُننے، جاننے، سمجھنے کے بعد سب کچھ گوارا کیا۔ سب سے پہلے دخترِ رسولؐ پر ظلم کے پہاڑ ڈھائے اور پھر نسلاً بعد نسلٍ آلِ رسول کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا۔

حضرت لوط کا واقعہ حضرت لوطؑ کے والد کا نام ہاران بن تارخ تھا گویا حضرت ابراہیمؑ کے برادر زادہ تھے

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ

اور نہیں تھا اس کی قوم کا جواب مگر یہ کہا کہ نکال دو ان کو اپنی بستی سے کیوں کہ

إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿۸۲﴾ فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ

یہ لوگ پاک رہنا چاہتے ہیں پس ہم نے اس کو بچالیا اور اس کی اہل کو سوائے اس کی عورت کے کہ

الْغَابِرِينَ ﴿۸۳﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۸۴﴾ ع

وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی اور برسایا ہم نے ان پر مینہ (پتھروں کا) پس دیکھو کیسا تھا انجام جرم کرنے والوں کا

اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد تھے اور حضرت سارہ کے برادر تھے۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت لوط اور حضرت ابراہیمؑ کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں اور ان کے والد کا نام لاحج تھا اور وہ بھی نبی تھا۔ نیز مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب نمرود کے ملک سے ہجرت فرمائی تھی تو حضرت لوط ان کے ہمراہ تھے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت لوط جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے خود اس قوم میں سے نہ تھے۔ پس تیس برس ان میں رہ کر ان کو تبلیغ فرمائی۔ وہ لوگ غسل جنابت نہ کرتے تھے۔ اور حد سے زیادہ بخیل تھے اور اسی بخل ہی کی بدولت اس غیر فطری عادت میں مبتلا ہوئے جو ان کے لئے موجب عذاب ہوئی۔ یہ لوگ اس راستہ کے اوپر آباد تھے جو شام اور مصر کو جاتا تھا۔ لہٰذا مہمانوں کی آمد و رفت یقینی تھی تو انہوں نے اپنے بخل کے پیش نظر مردوں سے غیر فطری فعل شروع کر دیا۔ تاکہ ہماری یہ بات جب شہرت پکڑے گی تو مہمان کنارہ کر جائیں گے لیکن پھر ان کو اس کی عادت ہو گئی۔ یہاں تک کہ مردوں کو معاوضہ دیکر یہ کام کرتے تھے اس طرف حضرت لوط مہمان نواز تھے تو ان کو بھی یہ لوگ منع فرماتے تھے اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر آئندہ آپ کا کوئی مہمان آیا تو ہم اس کے ساتھ بھی یہی فعل کریں گے پس حضرت لوط کا یہ دستور تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی مہمان آتا تھا تو اس کو چھپائے رکھتے تھے۔ جب ان کے عذاب کا موسم آیا تو حضرت لوط اپنی کھیتی کو پانی لگا رہے تھے کہ جبرئیل بمعہ چند ملائکہ کے پہنچ گئے۔ حضرت لوط نے پوچھا کون ہو؟ جواب دیا کہ ہم مسافر لوگ ہیں اور یہاں رات کو رہنا چاہتے ہیں۔ حضرت لوط نے فرمایا۔ میری قوم کے لوگ مردوں کے ساتھ لواط کرنے کے عادی ہیں اور لٹیرے بھی ہیں مناسب ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ اب دیر ہو گئی ہے ہم کہیں نہیں جا سکتے۔ پس حضرت لوط علیہ السلام گھر تشریف لائے اور

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اور قوم مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو (بھیجا) فرمایا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود

غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ

سوائے اس کے تحقیق آئی تمہارے پاس واضح دلیل اپنے رب سے پس پُورا کرو ناپ اور وزن

وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ

اور نہ خسارہ دو لوگوں کو اُن کی چیزوں میں اور نہ فساد کرو زمین میں اس کی اصلاح

اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ ج وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ

کے بعد یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو اور نہ بیٹھو ہر راستہ پر

صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا

کہ ڈراتے ہو (لوگوں کو) اور روکتے ہو اللہ کے راستے سے اس کو جو ایمان لائے اس پر اور چاہتے ہو

اپنی عورت سے فرمایا کہ میرے ہاں مہمان ہیں ان کے متعلق کسی کو نہ بتانا لیکن وہ کافروں کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔ اور نشانی یہ مقرر تھی۔ جب آپ کے ہاں مہمان دن کو آتے تھے تو وہ چھت کے اوپر دھواں لگا دیتی تھی اور اگر رات کو آتے تھے تو صحن خانہ میں آگ روشن کرتی تھی۔ تاکہ کفار کو حضرت لوطؑ کے پاس آئے ہوئے مہمانوں کا سراغ لگ جائے۔ چنانچہ اب بھی اس نے ایسا کیا فوراً لوگ جمع ہو گئے اور حضرت لوط کی منت سماجت کو انہوں نے نہ مانا۔ پس جبرئیل نے پَر مارا کہ ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اس کے بعد حضرت لوطؑ سے کہا کہ آپ بمعہ اپنی عیال کے نکل جائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ کفار گھر کو احاطہ میں لئے ہوئے ہیں کیسے جاؤں تو جبرئیل نے ان کے سامنے ایک نورانی عمود نصب کر دیا جس کی روشنی میں وہ چلے گئے۔

طلوع صبح کے وقت جبرئیل نے پَر مار کر اس بستی کی زمین کو ساتویں زمین سے اکھیڑ لیا اور اس قدر بلند کیا کہ اہلِ آسمان ان کے کتوں کی آوازیں سنتے تھے پس وہاں سے زمین کو الٹا دیا۔

وَ اَمْطَرْنَا:۔ یعنی ان پر پتھروں کی بارش ہوئی ایک اور مقام پر بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان پر ہم نے پتھر برسائے یعنی جو لوگ بستی میں موجود تھے ان پر زمین کو الٹایا گیا اور جو لوگ باہر تھے ان پہ پتھر نازل کئے گئے یہاں تک کہ کوئی بھی اس قوم کا آدمی نہ بچ سکا اور حضرت لوط کی عورت پر بھی پتھر نازل کیا گیا۔ ابلیس نے ان کو

عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

کج راستہ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے پس اس نے تم کو زیادہ کیا اور دیکھو کیسا ہے انجام

الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ

فسادیوں کا اور تحقیق ایک گروہ تم سے ایمان لایا ہے اس پر جو میں لایا ہوں اور ایک گروہ

لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

نہیں ایمان لایا پس صبر کرو یہاں تک کہ خدا فیصلہ کرے ہمارے درمیان اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

اس عادتِ بد کی طرف راہنمائی کی تھی کہ جب وہ لوگ مہمانوں سے تنگ ہوئے اور ان سے گلو خلاصی کی تدبیر نہ سوجھی تو وہ حیران و پریشان تھے کہ ابلیس نے ایک خوبصورت لڑکے کی شکل میں اُن کے سامنے آکر ان کو اپنے ساتھ بدفعلی پر آمادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے پھر یہی حربہ مہمانوں پر استعمال کرنا شروع کر لیا۔

رکوع نمبر ۱۸۔ حضرت شعیبؑ کا ذکر

وَاِلٰى مَدْيَنَ ۔۔۔ :۔ یہ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تیسرے شہزادے تھے اور ان کی اولاد انہی کے نام سے مشہور ہے بعض کہتے ہیں کہ قوم مدین اور اصحاب ایکہ سے مراد ایک ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ قومیں ہیں اور ان کی طرف حضرت شعیبؑ کو الگ الگ بھیجا گیا تھا اور زیادہ قوی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ سے مراد ایک ہی قوم ہو۔ واللہ اعلم۔

منقول ہے کہ مدین کے لڑکے یشجب کے گھر حضرت لوط کی لڑکی تھی اور ان سے میکیل پیدا ہوئے جو حضرت شعیبؑ کے والد تھے تو گویا حضرت شعیب مدین کے پڑپوتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ اُن کے پوتے تھے لہٰذا وہ شعیبؑ ابن توبہ بن مدین بن ابراہیم کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ :۔ یہ آیت بتلا رہی ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم تجارتی معاملات میں غدار تھی اور آپ اُن کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے کہ وہ ناپ اور تول میں دھوکا کرتے تھے یعنی لینے کے لئے ناپ تول زیادہ اور دینے کے لئے کم۔ پس خداوندکریم ان کے اس فعل کی مذمت فرما رہا ہے اور ان کو بزبان حضرت شعیبؑ اس عادتِ بد سے منع فرما رہا ہے

وَلَا تَقْعُدُوْا ۔۔۔ :۔ اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) یہ لوگ راستہ پر بیٹھ جایا کرتے پس جو آدمی شعیب کو ملنے کے لئے آتے تھے تو وہ ان کو ڈراتے دھمکاتے تھے (۲) ابوہریرہ سے مروی ہے کہ وہ لوگ رہزن اور ڈاکو تھے اور ان کو اس فعل بد سے روکا گیا ہے (۳) دین کے راستوں پر مورچے بنا کر دین کے طلبگاروں پر ڈاکے ڈالا کرتے تھے یعنی جو لوگ حضرت شعیب کے

پاس دین سیکھنے جاتے یا دین کی باتیں سیکھ کر واپس آتے تھے تو یہ لوگ ان کے دلوں میں شیطان کی طرح وسوسے ڈالا کرتے اور حضرت شعیبؑ کے متعلق ہزاروں قسم کے غلط سلط پروپیگنڈے کرتے تاکہ لوگوں کے دلوں سے اُن کا وقار اٹھ جائے اور اُن کی دین داری ختم ہو جائے۔

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا :- اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) ھاء ضمیر کا مرجع سبیل ہے یعنی تم وہ راستہ چاہتے ہو جو راہِ مستقیم سے کج ہو اور دوسری طرف جانے والا ہو۔ (۲) یعنی تم صراطِ حق اور سبیل خداوندی میں عیب تلاش کرتے ہو تاکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کو گمراہ کیا جائے (۳) اس کا معنی یہ ہے کہ تم سیدھے راستہ سے منہ پھیرنا چاہتے ہو۔

فَكَثَّرَكُمْ :- ایک روایت میں ہے کہ مدین کے گھر حضرت لوطؑ کی لڑکی تھی اور ان سے اولادِ کثیر پیدا ہوئی چونکہ عذاب شدہ قومیں ان سے بہت پہلے گذری تھیں مثلاً قوم لوطؑ، قوم ہودؑ، قوم صالحؑ اور قوم نوحؑ۔ پس خدا ان کی ہلاکت و بربادی کو بیان فرما کر ان کو اپنے بدکردار سے منع فرما رہا ہے تاکہ عذاب سے ڈریں اور گزشتہ اقوام کی بربادی سے سبق لیں اور مروی ہے کہ تمام انبیاء میں سے حضرت شعیب علیہ السلام نہایت قادر الکلام مقرر تھے۔ اس لئے اُن کا لقب بھی خطیب الانبیاء ہے۔

دربارِ ہشام بن عبدالملک میں باقرِ آلِ محمدؐ کا داخلہ

اصول کافی باب مولد ابی جعفرؑ میں ہے کہ جب امام محمد باقر علیہ السلام کو ہشام بن عبدالملک نے بلایا اور حضرت وہاں پہنچے تو دربار کے دروازہ پر رُک گئے۔ ادھر ہشام نے حاضرین مجلس کو سمجھایا کہ جب میں امام عالی مقام کو جھڑکوں اور پھر خاموش ہو جاؤں تو تم سب کا فرض ہے کہ اس کو جھڑکو۔ اس کے بعد حضرت کو اندر آنے کی اجازت دی گئی چنانچہ جب آپ اندر تشریف لائے تو تمام حاضرین مجلس پر ایک ہی سلام کہا اور بادشاہ کے لئے بالخصوص سلام نہ کہا اور پھر بیٹھ گئے ہشام کے دل پر آپ کا یہ رویّہ جلتی پر تیل کا کام کر گیا وہ پہلے بھی برافروختہ تھا لیکن مخصوص سلام کے نہ ہونے اور بلا اجازت دربار میں بیٹھ جانے سے جل بھن گیا تو امام عالی مقام کو تیز و تند لہجہ میں یوں خطاب کیا کہ میں نے سنا ہے کہ تم میں سے ایک شخص امامت کا مدعی ہے اور دو مسلمانوں میں افتراق و اختلاف کا بیج بو رہا ہے اور اپنی اطاعت کی لوگوں کو دعوت دیتا ہے اس کے بعد جو چاہا بکتا رہا۔ پھر خاموش ہوا تو حاضرین مجلس میں سے ہر شخص نے یکے بعد دیگرے سوچی سمجھی سکیم کے تحت آپ سے تلخ کلامی کی لیکن امام پاک اپنے انتہائی وقار و اطمینان کے ساتھ سب کی باتیں سنتے رہے۔ جب وہ لوگ بھی بک بک کر چپ ہو گئے تو امام عالی مقام کی زبان حق ترجمان یوں گویا ہوئی۔ لوگو کہاں جا رہے ہو۔ ہماری وجہ سے تمہارے اوّل و آخر نے ہدایت پائی اگر تمہارے پاس ظاہری اقتدار ہے تو ہمارے حصہ میں اُخروی اقتدار ہے اور ہمارے اقتدار کے بعد کسی کا اقتدار نہ ہو گا چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ حق کے تلخ کلمات کو سُن کر دشمن دین کے سینہ پُر از کینہ پر عداوت و بغض آلِ محمدؐ کے سانپ لوٹنے شروع ہوئے۔ پس امام کی حبس کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جب آپ قید میں پہنچے تو آپ کے اخلاقِ حسنہ سے تمام قیدی آپ کے ہمنوا ہو گئے۔ مجبوراً داروغہ قید نے ہشام کو رپورٹ دی کہ اگر امام چند

دن مزید قید میں رہے تو صرف قیدی ہی نہیں بلکہ تمام اہل شام اس کے گرویدہ ہو کر تیری جان کے دشمن ہو جائیں گے اور تیرے لئے مسندِ اقتدار کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ پس ہشام نے حکم دیا کہ آپ کو واپس مدینہ بھیج دیا جائے اور راستہ کے شہروں میں حکم بھیج دیا کہ کوئی بھی ان سے ملاقات کرنے نہ آئے اور نہ ان کے لئے روٹی پانی کا انتظام کرے چنانچہ تین دن کے متواتر سفر کے بعد آپ مدین کے دروازہ پر پہنچے۔ اس دوران میں روٹی پانی کہیں سے دستیاب نہ ہوا۔ جب ان لوگوں نے حضورؑ کی آمد سنی تو دروازے شہر کے بند کر لئے۔ حضرتؑ کے ساتھیوں نے بھوک و پیاس کی شدت کی شکایت کی تو آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے شہر والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے شہر کے باشندو! جس کے بسنے والے ظالم ہیں۔ اَنَا بَقِیَّۃُ اللہِ۔ میں حجت خدا ہوں اور خدا ارشاد فرماتا ہے۔ بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ اس شہر میں ایک سن رسیدہ بزرگ تھا اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا۔ اے قوم خدا کی قسم یہ وہ دعوت ہے جو حضرت شعیب پیغمبرؑ نے مدین والوں کو دی تھی خدا کی قسم اگر اس شخص کی طرف دروازے نہ کھولے گئے اور ضروریات زندگی اس کے لئے مہیا نہ کرو گے تو اوپر اور نیچے سے عذابِ خداوندی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس دفعہ میری یہ بات ضرور مان لو۔ اگر بعد میں کوئی بات کروں تو اس کو مانو یا نہ مانو تمہاری مرضی۔ میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ چنانچہ شہر والوں نے جلدی سے دروازے کھول دیئے۔ اس کے بعد جب ہشام کو اطلاع پہنچی تو اس بوڑھے مرد کو اپنے پاس بلایا اور اس کو سزا دی۔

جلاء العیون اور دیگر کتب تاریخ میں حضرت صادق آل محمد سے ایک لمبی روایت اسی واقعہ سے ملتی جلتی ہے کہ ہشام سے رخصت ہونے پر ایک جگہ عیسائیوں کے ایک پادری سے تبادلۂ خیالات فرمایا اور ہشام نے آپ کے متعلق عیسائیت کی افواہ اڑائی۔ چنانچہ واپسی پر جس شہر میں گئے لوگوں نے آپ سے بے توجہی کی۔ حتیٰ کہ مدین والوں نے بھی بے توجہی کا سلوک کیا۔ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اس سفر میں بابا کے ہمراہ تھا۔ آپ بھی دروازہ پہ چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہی آیات پڑھیں جو حضرت شعیبؑ نے پڑھی تھیں چنانچہ عذابِ خداوندی کے آثار نمودار ہوئے تو ایک بوڑھے شخص نے لوگوں سے کہا۔ مجھے پتہ ہے کہ حضرت شعیبؑ نے بھی اسی جگہ کھڑے ہو کر یہی دعوت دی تھی۔ پس ضرور ان کے سامنے دروازے کھول دو۔ ورنہ وہی عذاب آ جائے گا جو قوم شعیبؑ پر آیا تھا چنانچہ لوگوں نے دروازہ کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے۔

پارہ نمبر ۹

نشے کی اقسام

نشہ کی برائی میں کسی ذی ہوش انسان کے لئے مجال انکار نہیں اور اس سے مراد وہ نشہ ہے جو متاع انسانیت یعنی عقل کی بربادی کا زینہ ہو اور یہ بھنگ، چرس، چنڈو اور شراب تک محدود نہیں بلکہ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو یہ چیزیں اسبابِ نشہ میں سے کمزور ترین سبب ہیں اور اس میں شک نہیں کہ عقل کی بربادی ہی ہر قسم کی برائی کے جنم کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اب ذرا اقسامِ نشہ ملاحظہ ہوں۔

(۱) اقتدار کا نشہ اور یہ نشہ تمام نشہ کی اقسام سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے۔ (۲) حُسن کا نشہ خواہ حُسن ذاتی ہو یا صفاتی ہو بلکہ بعض اوقات خارجی حُسن بھی موجبِ نشہ ہو جاتا ہے مثلاً بیٹے یا زوجہ یا محبوبہ کا حُسن یا لباس، سواری اور مکان کا حسن وغیرہ (۳) قوت و طاقت کا نشہ۔ اس میں جسمانی طاقت قوم و قبیلہ کی طاقت، عقیدت مندوں کی طاقت اور اطاعت گزاروں کی طاقت سب شامل ہیں (۴) دولت کا نشہ (۵) مال و اولاد کا نشہ (۶) تندرستی کا نشہ (۷) جائداد کی فراوانی کا نشہ (۸) شہوت کا نشہ، کیوں کہ جب شہوت کا بھوت سر پہ سوار ہو تو عقل کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ (۹) محبت کا نشہ۔ چنانچہ مقولہ مشہور ہے۔ حب الشیءِ یُعمی و یُصمّ کسی شے کی محبت انسان کو اندھا و بہرہ کر دیا کرتی ہے کہ محبوب کے عیب عیب نہیں معلوم ہوتے اور اس سلسلہ میں ناصح کی آواز سے کان بہرے ہو جاتے ہیں اور عقل پہ پردے پڑ جاتے ہیں۔ (۱۰) لالچ کا نشہ۔ اس میں شک نہیں کہ لالچی انسان عقل سے باغی ہوا کرتا ہے۔ (۱۱) جب انسان کے پاس اطاعت گزار موجود ہوں خواہ عقیدت سے جیسے مرید لوگ پیروں کی اطاعت کرتے ہیں یا شاگرد استاد قدر کرتے ہیں یا عزادار مومن ذاکر و واعظ کی عزت کرتے ہیں اور خواہ اطاعت ڈر سے ہو جیسے حکامِ وقت کی اطاعت یا کسی سردار کی اطاعت۔ پس جس کی اطاعت کی جائے اس میں ایک قسم کا نشہ پیدا ہو جاتا ہے جو بعض اوقات حق و باطل کی تمیز سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ (۱۲) ریاست کا نشہ۔ خواہ ریاست دینی ہو یا دنیاوی۔ (۱۳) کمال کا نشہ (۱۴) تکبّر کا نشہ۔ (۱۵) وجاہت کا نشہ جس کو یہ ہو کہ مجھے کچھ لوگ جانتے ہیں۔ اس کے دماغ میں نشہ آجاتا ہے خواہ وہ وجاہت حسنِ صورت کی وجہ سے ہو یا حسن کردار کی بدولت ہو یا تقریر و تحریر کی خوبی سے ہو یا آواز کی شیرینی سے ہو۔ (۱۶) کارکردگی (۱۷) فتح و کامیابی کا نشہ خواہ امتحان میں کامیابی ہو یا میدان میں فتح ہو۔ بہر کیف جیت ایک نشہ ہے۔ (۱۸) کسی نشہ آور چیز کا استعمال مثلاً بھنگ، چرس، چنڈو، شراب وغیرہ اور اکثر نشے انسان کے لئے تکبّر کا زینہ ہیں۔ نیز تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام نشوں میں کمزور ترین نشہ آخری قسم کا نشہ ہے اور سب نشوں میں سے بدترین اور سخت ترین پہلی قسم کا نشہ ہے یوں تو ہر نشہ انسانی دماغ کو معطل کر دیتا ہے لیکن باقی تمام نشے کسی نہ کسی وقت اتر جایا کرتے ہیں لیکن حکومت و اقتدار کا نشہ کسی وقت نہیں اترتا لہٰذا صاحبِ اقتدار کا ہوش سنبھال لینا اللہ کی نعمتِ عظمیٰ ہے۔ خداوندِ کریم نے جس قدر انبیاء بھیجے ان کی کامیابی کے راستہ میں یہی نشے حائل رہے اور لوگ ان ہی اقسام کے نشوں میں چور ہو کر انبیاء کی دعوت کو ٹھکراتے رہے۔ اسی طرح آئمہ طاہرین علیہم السّلام کو جن لوگوں نے ظلم کا نشانہ بنایا وہ اسی قسم کے نشوں کی بدولت تھا۔ جن میں سب سے زیادہ خطرناک نشہ اقتدار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کی دعوت کو ٹھکرانے میں با اقتدار طبقہ ہر جگہ پیش پیش رہا ہے اور یہ واضح رہے کہ آخری قسم کے علاوہ نشہ کے جس قدر اسباب ہیں اگر شرعی اقتدار کے ماتحت ہوں اور

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ

کہا ان سرداروں نے جنہوں نے تکبر کیا اپنی قوم میں سے ہم تجھے ضرور نکالیں گے ۔ اے شعیب اور ان کو جو ایمان لائے

آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ﴿٨٨﴾

تیرے ساتھ اپنی بستی سے یا یہ کہ پلٹ آؤ ہمارے دین میں کہا کیا اگرچہ ہم ناپسند بھی کریں؟

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ

ہم اللہ پر افتراء جھوٹ باندھیں اگر پلٹیں تمہارے دین میں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں بچایا اس سے

وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ

اور ہمیں جائز نہیں کہ اس میں پلٹیں مگر یہ کہ چاہے اللہ جو ہمارا رب ہے احاطہ کیا ہے ہمارے رب نے کل شے پر علم کا

عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿٨٩﴾

اللہ پر ہم نے توکل کی اے رب ہمارا فیصلہ کر ہمارے اور قوم کے درمیان حق کا اور تو ہی اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

شکر خداوندی کا زینہ ہوں تو انتہائی ممدوح ہیں ورنہ بے حد مذموم بلکہ انسانیت سوز ہیں اور ہر قسم کی برائی کی جڑ ہیں ۔

رکوع نمبر ۱

قَالَ الْمَلَأُ :۔ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ متکبر اور خود سر تھے انہوں نے حضرت شعیبؑ کو کہا کہ یا تو آپ یہاں سے نکل جائیں اور یا ہمارے دین میں داخل ہو جائیں اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی ۔

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ :۔ اس کا معنی ہے پلٹ آؤ ۔ پلٹنا تب صادق آتا ہے کہ پہلے ان کے دین پر ہوں پھر اسلام پر آگئے ہوں لیکن حضرت شعیبؑ تو نبی تھے ۔ لہٰذا ان کے متعلق یہ ناممکن ہے کہ پہلے ان کے دین پر ہوں ۔ پس اس صورت میں کفار کا کہنا کہ پلٹ آؤ ہمارے دین پر غلط ہوگا تو اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں ۔ ۱۔ چونکہ قبل از بعثت حضرت شعیب اگرچہ دین الٰہی اور ملّتِ ابراہیمی پر تھے لیکن چونکہ کفار سے ان کا طریقہ مخفی تھا لہٰذا وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی ہماری طرح ہیں ۔ اس لئے جب آپ مامور بہ تبلیغ نبوت ہوئے تو وہ اپنے زعم فاسد کی بنا پر کہتے تھے کہ آپ ہمارے دین پر پلٹ آئیں ۔ (۲) چونکہ حضرت شعیبؑ کے ساتھی تو حقیقتاً کفر پر تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے تھے ۔ اب متکبرین ان کو کہتے تھے کہ پلٹ آؤ ۔ بنا بر اہتمام کے خطاب کا رُخ حضرت شعیبؑ کی طرف ہے لیکن مراد وہ لوگ ہیں ۔ ۳۔ ممکن ہے یہاں عود کا معنی ہو صرف داخل ہونا یعنی آجاؤ اور یہ معنی بھی بعض مفسرین نے کیا ہے پس جہاں جہاں کسی نبی کے لئے عود کا لفظ استعمال ہو اس کی توجیہ اس طریق سے کی جائے گی ۔

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿۹۰﴾

اور کہا انہوں نے جو کفر کرتے تھے اس کی قوم میں سے اگر تم لوگ پیچھے چلو گے شعیب کے تو تم البتہ خسارہ میں رہو گے

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿۹۱﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَن

پس ان کو پکڑا زلزلے نے تو ہو گئے گھروں میں پچھاڑے ہوئے جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کبھی آباد ہی نہیں

لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۛ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ

تھے اس میں جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب کو وہ خسارہ میں تھے پس روگردانی کی ان سے

وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۹۳﴾

اور فرمایا اے قوم تحقیق میں پہنچا چکا اپنے رب کے پیغام اور خیر خواہی کر چکا تمہاری پس کیسے افسوس کروں اس قوم پر جو کافر تھی

إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ :۔ یہ اس طرح ہے جس طرح پہلے ایک جگہ فرمایا ہے کہ کافر لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے مگر یہ کہ اونٹ سوراخ سوزن میں داخل ہو جائے یعنی جس طرح اونٹ کا سوراخ سوزن میں داخل ہو جانا ناممکن ہے۔ اسی طرح ان کا جنت میں جانا ناممکن ہے۔ پس یہاں بھی وہی مقصد ہے کہ ہمارا تمہارے دین پر آنا تب ہو گا جب خدا چاہے گا۔ یعنی ہمارا کفر میں داخلہ اس طرح ناممکن ہے جس طرح خدا کا کفر و شرک کو چاہنا ناممکن ہے۔

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ :۔ مروی ہے کہ خداوند کریم نے ان پر پہلے زلزلہ بھیجا اور سخت گرمی ان پر نازل فرمائی کہ سانس لینا بھی ان کیلئے مشکل ہو گیا۔ جب گھر کے اندر داخل ہوئے تو گرمی نے وہاں بھی نہ چھوڑا۔ پس نہ ان کو سایہ بچاتا تھا اور نہ پانی اور گرمی اس قدر تیز سے تیز تر ہوتی گئی کہ ان کے چمڑے جل گئے تو خداوند کریم نے ایک بادل بھیجا جس میں نہایت پاکیزہ ہوا تھی جب انہوں نے ہوا کی ٹھنڈک اور پاکیزگی محسوس کی تو ایک دوسرے کو خوشی سے بلانے لگ گئے کہ اس بادل کو نہ چھوڑو لہٰذا وہ سب گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور بادل کے نیچے جمع ہوئے جب سب کے سب وہاں اکٹھے ہو گئے تو خداوند کریم نے اس کو آگ کی طرف منتقل کر دیا پس نیچے سے زمین لرزنے لگی اور اوپر سے آگ برسنے لگی اور وہ جل بھن کر خاکستر کا ڈھیر ہو گئے اور اسی کو دوسرے مقام پر عذاب یوم الظلّہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت شعیبؑ دو قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ایک اہل مدین دوسرے اصحاب ایکہ۔ وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک قوم پر صرف رجفہ کا عذاب آیا اور دوسری قوم پر عذاب یوم الظلّہ نازل ہوا۔ واللہ اعلم۔

لَّمْ يَغْنَوْا :۔ یعنی عذاب کے بعد اس طرح نیست و نابود ہوئے کہ ان کی آبادی کا نام و نشان تک نہ رہا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ لوگ کبھی یہاں آباد ہی نہیں تھے۔

وَكَيْفَ آسَىٰ :۔ بعضوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مومن کے لئے ناجائز ہے کہ کافر کے لئے دعائے خیر کرے۔ نیز

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ ہم نے اس کے باشندوں کو تکلیف اور دکھ کے ساتھ پکڑا تاکہ وہ

یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا

عاجزی کریں پھر ہم نے بدل دی سختی کی بجائے نرمی یہاں تک کہ بڑھ گئے اور کہنے لگے تحقیق چھوا تھا ہمارے بڑوں

الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى

کو سختی اور نرمی نے تو پکڑا ہم نے ان کو اچانک اور وہ غافل تھے اور اگر بستی والے

کافر کی موت یا تباہی و بربادی پر افسوس کرنا بھی درست نہیں ہے۔

رکوع نمبر ۲

بِالْبَاْسَآءِ :۔ یہاں چند اقوال ہیں۔ باسار کا معنی (۱) جانی تکلیف اور ضرا کا معنی مالی تکلیف (۲) باسار کا معنی بھوک اور ضرا کا معنی دکھ بیماری (۳) باسار کا معنی بھوک اور ضرا کا معنی فقر۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو تنبیہ کے لئے دکھ تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔

قَالُوْا قَدْ مَسَّ :۔ یعنی جب خدا ان سے مصیبت کو ٹال دیتا ہے اور اولاد بڑھ جاتی ہے تو معمولی سرزنش اور تنبیہ کو تو وہ سمجھتے ہی کچھ نہیں بلکہ فوراً جواب دیتے ہیں۔ یہ گرمی اور سردی دنیا والوں پر ہمیشہ آیا کرتی ہے۔ لہٰذا اپنی بداعمالیوں سے باز نہیں آتے اور نہ توبہ کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ پس خدا سختیوں سے بھی آزماتا ہے اور نعمتوں سے بھی آزماتا ہے۔ اگر دونوں حالتوں میں انسان غرہ ہو کر خدا کی طرف نہ جھکے اور نہ گناہوں سے توبہ کرے تو پھر اچانک اس پر عذاب نازل فرماتا ہے جو اس کے لئے باعث نقمت اور دوسروں کے لئے باعث عبرت ہوتا ہے۔ خداوند کریم تمام اہل ایمان کو گناہ سے بچنے اور توبہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

واعوذ باللہ من سخطہ

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ

ایمان لاتے اور ڈرتے تو کھولتے ہم ان پر برکتیں آسمان وزمین سے لیکن انہوں نے جھٹلایا پس ہم نے ان کو پکڑا

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

بوجہ اس کے جو وہ کسب کرتے تھے کیا بے خبر ہیں بستیوں والے کہ آئے ان پر ہمارا عذاب رات کو کہ وہ سوئے ہوئے ہوں

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ

یا بے خطر ہیں بستیوں والے کہ آئے ان پر ہمارا عذاب دن کو اور وہ کھیل رہے ہوں۔ کیا وہ بے خطر ہیں اللہ کی

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ

گرفت سے تو نہیں بے خطر ہوتے اللہ کی گرفت سے مگر وہ لوگ جو خسارہ پانیوالے ہیں کیا نہیں ہدایت کرتی ان کو جو وارث بنتے ہیں زمین کے

مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

بعد اس کی اہل کے یہ بات کہ اگر ہم چاہیں تو پکڑلیں ان کو بسبب ان کے گناہوں کے اور مہر لگا دیں گے ان کے دلوں پر

رکوع نمبر ۳

وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ :۔ انسان جب گناہ کرتا ہے اور توبہ کی طرف مائل نہیں ہوتا تو رفتہ رفتہ اس کا دل پورا سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس پر نہ کوئی وعظ اثر کرتا ہے اور نہ کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے اور اس کے کان کلمات حق سننے سے گریز کرتے ہیں اور اسی کو طبع سے تعبیر فرمارہا ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت مجاز کے طور پر ہے کیونکہ خدا نے مجبور تو کیا نہیں اور اپنے اختیار پر چھوڑ دیا ہے لیکن انسان اپنے سوء اختیار سے گناہ کو اختیار کر بیٹھتا ہے اور گناہ کرنے کی بھی طاقت اللہ کی عطا کردہ ہے اس لئے مجازاً نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے اور ختم اور طبع کی مزید وضاحت تفسیر کی دوسری جلد میں مذکور ہے اور جبر و اختیار کے مسئلہ پر مفصل بحث بھی وہاں موجود ہے۔ اصول کافی باب الذنوب میں بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے اگر توبہ کرے تو وہ ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر زیادہ گناہ کرے اور ایک گناہ سے دوسرے گناہ کی طرف بڑھتا جائے تو وہ نقطہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ پھر وہ انسان نیکی کی طرف نہیں رجوع کرتا۔

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ﴿۱۰۱﴾ :۔ یعنی جو لوگ اَلَسْتُ کے دن کا انکار کر چکے وہ اب اقرار نہیں کرتے چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی منقول ہے کہ خداوند عالم نے عالم ذر میں تمام ارواح کو اپنی توحید و رسالت و ولایت کے اقرار کی دعوت دی تھی تو

فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ

پس وہ نہ سُنیں گے — یہ بستیاں کہ ہم نے قصہ سنایا ہے تم کو ان کی باتوں کا — اور تحقیق آئے تھے ان کے پاس

رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ

ہمارے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ پس وہ نہ بنے ایمان لانے والے اس بات پر جس کو وہ جھٹلا چکے تھے پہلے اسی طرح مُہر کرتا ہے کافروں

الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

کے دلوں پر — اور ہم نے نہیں پایا ان کے اکثر کا کوئی عہد — اور تحقیق ہم نے اکثر کو فاسق ہی پایا ہے

ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانظُرْ

پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰ کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کی جماعت کے پاس تو انہوں نے ظلم کیا پس دیکھ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾

کیسا تھا انجام فسادیوں کا؟ — اور فرمایا موسیٰ نے اے فرعون تحقیق میں رسول ہوں جہانوں کے پروردگار کی طرف سے

جن ارواح نے وہاں قبول کیا تھا وہ یہاں بھی قبول کرتے ہیں اور جنہوں نے وہاں انکار کیا تھا وہ یہاں بھی انکار کرتے ہیں۔

وَمَا وَجَدْنَا :- ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے میثاق کے اقرار سے دغا نہیں کی جیسا کہ تفسیر صافی میں مروی ہے۔

حضرت موسیٰ کا ذکر

اِلٰى فِرْعَوْنَ :- تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ بقول وہب فرعون کا نام ولید بن مصعب تھا اور حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں بھی یہی فرعون تخت مصر پر قابض تھا۔ جس دن حضرت یوسفؑ مصر میں داخل ہوئے اس دن سے حضرت موسیٰؑ کے داخلۂ مصر کے دن تک چار سو سال کا فاصلہ تھا۔ تفسیر صافی میں بروایت اکمال حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت یوسفؑ کے بعد ۱۲ اسباط بھیجے اور ان کے بعد حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ تشریف لائے۔

تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے بچنے کیلئے اپنے حفاظتی سات مضبوط قلعے بنوائے تھے اور ان کے درمیان جنگلات اور بیشے بنوا دیئے تھے اور ان میں شیر چیتے وغیرہ چھوڑ دیئے اور ساتویں میں اپنا محل بنوایا۔ تاکہ ان چھ قلعوں اور بیشوں سے موسیٰؑ بچ کر ادھر نہ پہنچ سکے لیکن جب حضرت موسیٰؑ کو خدا نے بھیجا تو جس قلعہ کے دروازہ پر پہنچتے تھے۔ وہ خود بخود کھل جاتا تھا اور جب شیر چیتے آپ کو دیکھتے تھے۔ نہایت انکساری کے ساتھ آپ کے سامنے سر خم کر لیتے اور دُم ہلانے لگتے تھے اور بغیر تکلیف دیئے واپس پلٹ جاتے تھے، یہاں تک کہ آپ آخری قلعہ تک پہنچ گئے۔ جس میں فرعون کا شاہی محل و تخت تھا۔ پس آپ دروازہ پر بیٹھ گئے۔ ایک اونی قمیص زیب تن تھی اور عصا ہاتھ میں تھا۔ حضرت موسیٰ نے

حَقِیۡقٌ عَلٰۤی اَنۡ لَّاۤ اَقُوۡلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الۡحَقَّ ؕ قَدۡ جِئۡتُکُمۡ بِبَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ فَاَرۡسِلۡ

سزاوار ہے کہ نہ کہوں اللہ پر کوئی بات مگر سچ تحقیق میں آیا ہوں ساتھ دلیل واضح کے تمہارے رب سے پس

مَعِیَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنۡ کُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰیَۃٍ فَاۡتِ بِہَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾

بھیج میرے ساتھ بنی اسرائیل کو کہا اس نے اگر تو لایا ہے کوئی نشانی تو لا وہ اگر تو سچا ہے

فَاَلۡقٰی عَصَاہُ فَاِذَا ہِیَ ثُعۡبَانٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۰۷﴾ۚۖ وَّ نَزَعَ یَدَہٗ فَاِذَا ہِیَ بَیۡضَآءُ لِلنّٰظِرِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

پس انہوں نے ڈالا اپنا عصا تو وہ اژدہا تھا ظاہر اور نکالا اپنا ہاتھ تو وہ روشن تھا دیکھنے والوں کے لئے

دربان سے اندر داخل ہونے کیلئے اذن طلب کرنے کو کہا تو دربان نے توجہ تک نہ کی۔ آپ بڑی دیر تک دربان کو کہتے رہے لیکن وہ ایک نہ سنتا تھا۔ جب آپ نے بہت اصرار کیا اور اپنی رسالت کا اظہار فرمایا تو دربان نے جواب دیا کہ خدا کو تیرے علاوہ کوئی آدمی دوسرا نہیں ملتا تھا جس کو عہدۂ رسالت عطا فرماتا؟ یہ بات سُن کر حضرت موسیٰؑ کو غصہ آیا اور دروازہ پہ عصا زور سے مارا جس کی دھمک سے موسیٰؑ اور فرعون کے درمیان جس قدر دروازے باقی تھے سب کے سب کھل گئے۔ اور حضرت موسیٰؑ فرعون کے سامنے تھے۔ فرعون نے دیکھتے ہی حکم دیا کہ ان کو اندر آنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ اندر تشریف لے گئے۔ فرعون ایک نہایت بلند گنبد نما چبوترے میں جس کی اونچائی اسّی ۸۰ ذراع لکھی ہے، بیٹھا تھا حضرت موسیٰؑ نے جاتے ہی فرمایا۔ اِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ میں جہانوں کے پروردگار کی جانب سے رسول ہو کر آیا ہوں تو فرعون نے جواب میں کہا۔ فَاۡتِ بِاٰیَۃٍ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ۔ آپ کوئی نشانی پیش کریں اگر آپ سچ کہتے ہیں۔ پس آپ نے عصا کو زمین پر پھینکا جس کی ایک طرف دو شاخیں تھیں۔ وہ اژدہا بن گیا۔ اس کی ایک شاخ زمین پر تھی اور دوسری فرعونی چبوترے کے بالائی حصہ تک جا پہنچی اور یہ گویا اس اژدھا کا منہ تھا۔ فرعون نے اژدہا کے منہ کے اندر جو نگاہ کی تو اس کو جلتی بھڑکتی ہوئی آگ نظر آئی۔ اژدھا نے فرعون کا ارادہ کیا اور آگے بڑھا تو ڈر کے مارے فرعون کا پاخانہ نکل گیا اور حضرت موسیٰؑ کو دُہائی دی اور جان بچائی۔

عصائے موسیٰؑ

مجمع البیان کی ایک روایت کے مطابق یہ عصا حضرت موسیٰؑ کو مدین کی طرف آتے ہوئے راستہ میں ایک بادشاہ نے پیش کیا تھا اور دوسری روایت کے ماتحت یہ عصا جنّت کے درخت سے تھا جو حضرت آدمؑ اپنے ہمراہ لائے تھے اور حضرت آدمؑ کی اولاد میں پُشت بہ پُشت منتقل ہوتا ہوا حضرت شعیبؑ تک پہنچا اور حضرت شعیبؑ کے پاس اپنے بزرگوں کی وراثت سے اس کے علاوہ چالیس عصا اور بھی تھے جب حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ کو ۸ برس کیلئے اپنا اجیر بنایا تو حکم دیا کہ کمرہ سے عصا اٹھائیے چنانچہ حضرت موسیٰؑ کا ہاتھ اسی عصا پر پڑا۔ حضرت شعیبؑ نے عصا

ان سے لیا اور واپس رکھ دیا پھر حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ عصا لے آؤ۔ دوبارہ بھی حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں وہی عصا آگیا اور پھر حضرت شعیبؑ نے اُسے واپس کرایا تو آخرکار چوتھی دفعہ انہوں نے پھر حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں رہنے دیا اور واپس نہ کیا جب حضرت شعیبؑ کے پاس اجارے کی مدت ختم ہوگئی اور واپس مصر کی طرف رُخ کیا تو راستہ میں آگ دیکھی۔ وہاں پہنچے تو ارشاد پروردگار ہوا میں تیرا رب ہوں۔ پھر اس عصا کے زمین پر ڈالنے کا حکم ہُوا چنانچہ وہ زمین پر پہنچتے ہی اژدھا بن گیا۔ تو حضرت موسیٰؑ اسے دیکھ کر ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پس ندا پروردگار پہنچی کہ اس کو بغیر خوف وہراس کے پکڑ لو تو حضرت موسیٰؑ نے اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہاتھ ڈالا تو وہ ویسے کا ویسا عصا بن گیا۔ جب آپ فرعون کے پاس آئے تو وہی عصا پھینکا جو اژدھا بن گیا اور بروایت ابن عباس اس نے منہ کھولا تو نیچے کا جبڑا زمین پر تھا اور اوپر کا جبڑا فرعون کے چبوترے کے اُوپر پہنچ گیا۔ گویا اس نے اس کو منہ میں ڈال لیا۔ فرعون تخت سے اتر کر بھاگا اور اس کا پاخانہ بھی نکل گیا۔ دوسرے لوگ حاشیہ نشین سب حواس باختہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ آخر فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اس کو پکڑ لیجئے تو ایمان لاؤں گا۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اس کو پکڑا تو وہ عصا بن گیا لیکن فرعون ایمان نہ لایا۔

سوال:- اس مقام پر ارشاد ہے کہ وہ عصا اژدھا بن گیا کیونکہ ثعبان کا معنی ہے اژدھا اور دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی ہے۔ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ۔ یعنی کہ جب اس کو دیکھا کہ چھوٹے چھوٹے سانپوں کی طرح حرکت کر رہا ہے۔ جَآنٌّ۔ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیات میں تفاوت یا تضاد نہیں ہے تو اس مقام پر تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب:- (۱) ممکن ہے دو دفعہ مختلف صورتیں پیش آئی ہوں۔ ایک مرتبہ اژدھا بنا ہو اور دوسری مرتبہ معمولی سانپ بنا ہو۔

(۲) دوسری آیت میں جسامت کی تشبیہ نہیں کہ وہ مثل سانپ کے جسم کا تھا بلکہ اس میں اژدھا کی حرکت کی تشبیہ ہے کہ وہ اژدھا چھوٹے سانپوں کی طرح حرکت کرتا تھا۔ گویا یہ معجزہ در معجزہ ہے کیونکہ بڑے بڑے اژدہا عموماً ساکن رہتے ہیں اور حرکت کی صورت میں نہایت معمولی سی حرکت کرتے ہیں لیکن یہاں ایسا نہیں ہُوا۔ بلکہ اتنے لمبے چوڑے جسم کے باوجود وہ اژدھا چھوٹے سانپوں کی طرح نہایت پھرتی سے حرکت کرتا تھا اور یہی جواب زیادہ موزوں اور صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال:- حضرت موسیٰؑ نبی و رسول تھے بلکہ اولوالعزم پیغمبر تھے تو اس قدر بلند مرتبہ نبی ہونے کے باوجود اپنے ہاتھ کے عصا سے یا یوں سمجھئے کہ اپنے معجزہ سے کیوں ڈر گئے۔ صرف خوف قلبی بھی نہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ خود بھی دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور خداوند کریم نے تسلی کے لئے فرمایا کہ ڈرو نہیں یہ تمہارا وہی عصا ہے۔ ہم اس کو پہلی شکل کی طرف منتقل کر دیں گے لیکن باوجود اس یقین دہانی کے بھی حضرت موسیٰؑ کے دل سے سانپ یا اژدہا کا خوف نہ گیا اور بمطابق حکم ڈرتے ڈرتے اس کو ہاتھ لگایا چنانچہ وہ عصا بن گیا۔ پس اتنا خوف وہراس اپنے ہاتھ کے عصا سے موسیٰؑ جیسے اُولوالعزم

پیغمبر کو زیب نہیں دیتا۔

جواب :- ۱۔ یہ ضروری نہیں کہ خداوند کریم اپنے اولیاء وانبیاء کو معجزات وکرامات کی حقیقت سے بھی روشناس کرائے۔ تو ممکن ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے اس حقیقت کو پہلے پوشیدہ رکھا گیا ہو کہ آپ کے ہاتھ لگانے سے وہ دوبارہ عصا ہی بن جائے گا چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے خوف کھانے کے بعد قدرت کی طرف سے یقین دہانی انہی الفاظ میں ہوئی کہ ہم اس کو پہلی شکل پر پلٹا دیں گے۔ آپ بالکل خوف زدہ نہ ہوں۔

(۲) خداوند کریم نے حضرت موسیٰؑ کے دل میں خوف وہراس پیدا کر دیا۔ کیونکہ اگر حضرت موسیٰؑ نہ خوف کرتے تو معجزہ کا فائدہ کوئی نہ ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں ظاہر بین نگاہیں معجزہ اور جادو کے درمیان فرق نہ کر سکتیں اور بات اظہر من الشمس ہے کہ جادوگر جب جادو کرتے ہیں تو وہ چیز دیکھنے والوں کی نظروں میں اگرچہ اور کی اور بن کر پیش ہوتی ہے لیکن خود جادوگر کی نگاہوں میں وہ چیز اپنی حقیقت پر باقی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خود اپنی جادو کردہ اشیاء سے مرعوب نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً اس زمانہ کے جادوگر رسیوں کو سانپ بنا لیا کرتے تھے تو دیکھنے والوں کی نظروں میں اگرچہ چلتے پھرتے سانپ تھے لیکن جادوگروں کی نگاہوں میں وہ رسیاں ہی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ خود ان سے مرعوب نہ تھے پس اگر حضرت موسیٰؑ اژدہا سے خوف نہ کھاتے تو وہ جادوگر یہ خیال کرتے کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا بھی جادو کے ماتحت سانپ ہوا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بڑا ہے اور ہمارے رسیوں کے سانپ چھوٹے ہیں ورنہ جادو ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اگر جادو نہ ہوتا بلکہ حقیقت ہوتی تو حضرت موسیٰؑ خود کیوں خوفزدہ ہوتے۔ یہی تو وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب ڈرے اور وحی خدائی کے پیش نظر دوبارہ اس کو پکڑا تو جادوگر حقیقت پر پہنچ گئے اور فوراً ایمان لے آئے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر جادو ہوتا تو حضرت موسیٰؑ خوفزدہ نہ ہوتے۔ پس اپنے پھینکے ہوئے عصا کے اژدھا سے موسیٰؑ کا ڈرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اژدہا جادو کا نہیں تھا بلکہ امر پروردگار تھا جو بصورتِ اعجاز ظہور پذیر ہوا۔ پھر اس کا ان کے سانپوں کو ہڑپ کر جانا تائید مزید تھی جو جادوگروں کے جادہ حق پر گامزن ہونے کا سبب بنی۔

۳۔ فرعون لوگوں سے چھپ کر پاخانہ کو جاتا تھا اور ایسے وقت میں جاتا تھا کہ لوگوں کو معلوم نہ ہو سکے پس لوگوں کو دھوکا میں ڈالنے کے لئے اپنی خدائی کے لئے یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ دیکھو اگر میں خدا نہ ہوتا تو مجھے بھی لوازم بشریہ سے دوچار ہونا پڑتا حالانکہ میں ایسے لوازم سے پاک صاف ہوں اور سادہ لوح انسانوں کو دھوکا دینے کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔ اب جو اژدہا نے بڑھ کر اپنا لمبا چوڑا منہ کھولا اور فرعون کے محل کو اپنے جبڑوں میں لے لیا تو فرعون کا پاخانہ نکل گیا۔ پس عوام الناس پر فرعون کی مکاری کا راز فاش ہوا اور ان کو یقین ہوا کہ یہ صرف ہمیں دھوکا دیا گیا تھا۔ ورنہ یہ تو وہ بھی ہم جیسا انسان اور لوازم بشریہ کا اس سے بھی تعلق ہے۔ چنانچہ موذی جانوروں سے بھی ڈرتا ہے اور پاخانہ جیسی ضروریات سے بھی پاک نہیں۔ لہذا یہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اب اس مقام پر اگر حضرت موسیٰؑ کے دل میں خوف وہراس پیدا نہ ہوتا اور اپنے مقام پر ثابت قدم

رہتے تو وہ سادہ لوح انسان جو اس سے پہلے فرعون کی خدائی کو تسلیم کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کو خدا کہہ بیٹھتے کہ یہ انسان جو عصا کو سانپ بناتا ہے اور غیر ذی روح کو حیات بخش سکتا ہے۔ پس باقی کائنات کا خالق بھی یہی ہے۔ بنا بریں خداوندکریم نے حضرت موسیٰؑ کے دل میں خوف ڈال دیا تاکہ لوگ فرعون کے مغالطہ کو سمجھ لیں اور موسیٰؑ کے متعلق بھی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ بلکہ حقیقی خالق کو پہچانیں اور حضرت موسیٰؑ کو اس کا نمائندہ تسلیم کرلیں چنانچہ ایسا کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ جادوگر سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

عصا کی فضیلت

مجمع البیان میں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام لازمی طور پر اپنے ہاتھ میں عصا رکھتے تھے کیونکہ اس میں تکبر سے بچاؤ ہوتا ہے یعنی ہاتھ میں عصا رکھنا فروتنی و انکساری کی علامت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہنٹر تازیانہ اور ہاکی وغیرہ کا پاس رکھنا چونکہ تکبر مزاجی اور اوباشی کی نشانی ہے لہذا شعار انبیاء کے خلاف ہے اور ناپسندیدہ خدا ہے۔ لہذا اگر اس کی حرمت پر نص نہ ہو تو بھی مکروہ ہونا یقینی ہے۔

نیز جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا عصا ہاتھ میں رکھا کرو کیونکہ اس کا پاس رکھنا میرے مرسل بھائیوں کی سنتوں میں سے ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص سفر میں جائے اور تلخ بادام کا عصا اس کے پاس ہو اور یہ آیت مجیدہ تلاوت کرے وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ سے لے کر وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ تک تو خداوندکریم اس کو ہر پھاڑنے والے جانور ہر ظالم چور اور ہر ڈسنے والی چیز سے محفوظ رکھے گا۔ یہاں تک کہ بخیر و عافیت اپنے گھر اور بال بچوں تک پہنچ جائے گا اور خداوندکریم اس کے لئے ستر فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کی واپسی تک اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خطبہ کے وقت پہلا عرب شخص جس نے عصا ہاتھ میں لیا۔ وہ قس بن ساعدہ تھا (مجمع البیان) اور عام حالات میں عموماً اور سفر میں خصوصاً عصا کا ہاتھ میں رکھنا بالخصوص تلخ بادام کے عصا کا رکھنا مستحب ہے اور بوقت خطبہ عیدین یا خطبہ جمعہ بھی ہاتھ میں عصا کا رکھنا اور اس پر اعتماد کرنا مستحب ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس وقت وہ عصا ہمارے پاس موجود ہے اور وہ پہلے دن کی طرح سرسبز ہے جیسا کہ تازہ درخت سے کاٹا گیا ہو۔ جب اس کو بلایا جائے تو وہ بولتا ہے اور حضرت قائمؑ کے پاس محفوظ ہے اور وہ اس سے وہی کام لیں گے جو حضرت موسیٰ کیا کرتے تھے۔ الخ (برہان)

تنبیہ

جو لوگ معجزہ کا انکار کرتے ہیں۔ وہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر خارق عادت بغیر مادۂ مناسبہ کے کسی وقت منصۂ شہود میں آجائے تو علم ضروری باطل ہو جائے گا اور کسی شے کے متعلق اعتماد نہ رہے گا کیونکہ اگر لکڑی سے سانپ پیدا ہو جائے یا پتھر سے اونٹنی نکل آئے تو پھر جائز ہے کہ انسان بھی اسی طرح یک لخت پیدا ہوا ہو اور آدم و حوا کے تسلیم کرنے کی پھر کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خداوندکریم نے مخلوقات کی ترقی کی رفتار ایک خاص اہتمام کے ماتحت رکھی ہے اور اس کی ترتیب کی تدریجی منازل معین و مقرر کی ہیں اور کوئی چیز بھی اس عادی رفتار سے مقدم یا مؤخر نہیں ہو سکتی لیکن خداوندکریم اپنی حقانیت یا اپنے نبی و ولی کی صداقت کی خاطر دفعتہً ایک ایسی چیز کو ظاہر کرنے پر قادر ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾

کہا سرداروں نے قوم فرعون سے تحقیق یہ البتہ ماہر جادوگر ہے

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہاری زمین سے پس کیا رائے دیتے ہو

اور کرتا بھی ہے جو ظاہرا اپنے موزوں مواد کی بھی مرہون منت نہیں ہوا کرتی اور اسی کا نام تو ہے معجزہ اور بغیر کسی اہم ضرورت کے خدا بھی عمومی نظام کے خلاف نہیں کرتا تاکہ علوم ضروریہ کے بطلان کا باعث نہ ہو اور معجزہ کی مزید وضاحت مقدمہ تفسیر میں ہے

رکوع نمبر ۴

قَالَ الْمَلَاُ :- جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے سامنے عصا ڈال کر اژدھا کا معجزہ دکھایا اور ید بیضا کی تجلی سے اس کی آنکھوں کو چکا چوند کیا تو قوم فرعون کے سردار لوگ آپس میں کہنے لگے تو جادوگر ہے اور یہاں تسلط حاصل کر کے ہمیں نکالنا چاہتا ہے۔ پس آپس میں مشورہ کر کے فرعون کے پاس گئے اور کہا کہ سردست اس کو اور اس کے بھائی کو ٹھہرالو تاکہ شہروں سے دوسرے جادوگر جمع کئے جائیں، پھر حق و باطل کا پتہ چلے گا۔

قَالُوْۤا اَرْجِهْ الخ :- اس میں چار قرائتیں ہیں: ۱- اَرْجِئْهُ ۲- اَرْجِهِ ۳- اَرْجِهْ ۴- اَرْجِهْ اور آخری قرأت عاصم اور حمزہ کی ہے اور ہمارے ہاں کے موجودہ قرآنوں میں یہی قرأت مروج ہے۔ اِرْجَاء سے امر کا صیغہ اَرْجِئْ آتا ہے اس کا معنی ہے تاخیر میں ڈالنا اور اَرْجِهْ کے بعد ہا ضمیر کی ہے اور اصل قیاس اَرْجِئْهُ ہونا چاہیے لیکن موجودہ قرأت اَرْجِهْ میں ہمزہ کو بلا وجہ حذف کیا گیا ہے اور ہا ضمیر کو ساکن کیا گیا ہے۔ اس کے قیاسی طور پر جواز میں نحوی متردد ہیں لیکن اس مقام پر سماع کی بنا پر سکوت اختیار کیا گیا ہے۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ :- عبارت میں حذف زیادہ ہے لیکن مطلب واضح ہے یعنی جادوگروں نے آکر پہلے جادو کیا اور رسیوں کے سانپ بنا کر دکھائے تو ہم نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنا عصا ڈالو چنانچہ عصا سے اژدہا بنا جو ان سانپوں کو کھا گیا۔

نکتہ جادوگروں کی رسیاں حقیقت میں سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ وہ ویسے کی ویسی رسیاں تھیں اور انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کا اثر ڈال کر انہیں ایسا دکھایا کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ سانپ ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت موسیٰؑ کا عصا زمین پر ڈالنے کے بعد حقیقتاً سانپ یا اژدھا بن جاتا تھا۔ جس طرح خود فرمایا۔ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ کہ وہ سچ سچ اژدھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جادو کے سانپوں کو ایک نوالہ کر کے ہضم کر گیا اور دوبارہ عصا ہونے کے بعد ان کو نہ اگلا۔ پس جادوگر مان گئے کہ یہ خدائی قوت کا ہی کرشمہ ہے لہٰذا موسیٰؑ پیغمبر برحق ہیں اور لطف بالائے لطف یہ کہ اس قدر رسیوں کو

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ

کہنے لگے ٹال دو اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں اپنے کارندے جو ڈھونڈ لائیں تمام ماہر جادوگروں

عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ

کو اور آگئے جادوگر فرعون کے پاس کہنے لگے تحقیق ہمارا انعام ہوگا اگر ہم

الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ

غالب ہوئے کہا (فرعون نے) ہاں اور تحقیق تم لوگ البتہ مقرب ہو جاؤ گے کہنے لگے اے موسٰی یا آپ ڈالیں

اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا

اور یا ہم ڈالتے ہیں فرمایا تم ڈالو۔ پس جب انہوں نے ڈالا تو

سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ وَاَوْحَيْنَآ

جادو کر لیا لوگوں کی آنکھوں پر اور مرعوب کر لیا ان کو اور لائے جادو زبردست اور ہم

اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ

نے وحی کی طرف موسٰی کے کہ ڈالو اپنا عصا، چنانچہ وہ کھا گیا اس کو جو فریب کیا تھا (انہوں نے) پس

الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ثابت ہوا حق اور غلط ہوا وہ جو کر رہے تھے پس وہ ہار گئے وہاں اور ہوئے ذلیل

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور گرائے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے کہنے لگے ہم ایمان لائے جہان کے پروردگار پر جو رب ہے موسٰی اور ہارون کا

نگل جانے کے بعد عصا کی مقدار میں ذرہ بھر بھی اضافہ نہ ہوا اور یہ چیز ان کے لئے مزید تسکین کا باعث ہوئی۔ پس وہ مسلمان ہوگئے۔

لَاُقَطِّعَنَّ ۱۲۴۔ یعنی جانب مخالف سے ہاتھ اور پاؤں کاٹوں گا۔ یعنی دایاں ہاتھ بائیں پاؤں کے ساتھ یا بایاں ہاتھ دائیں پاؤں کے ساتھ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور فرعون پہلا شخص ہے۔ جس نے ہاتھ پیر کاٹنے اور سولی پر لٹکانے کی سزا

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي

کہا فرعون نے تم اس پر ایمان لائے میری اجازت سے پہلے تحقیق یہ چال چلی ہے تم لوگوں نے شہر میں تاکہ نکالو اس سے

الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

اس کے اہل کو تو عنقریب جان لو گے (بدلہ اس کا) ضرور میں کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹی جانب

مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنْقِمُ

سے پھر تم کو سولی پر لٹکاؤں گا سب کو کہنے لگے تحقیق ہم طرف اپنے رب کے پلٹنے والے ہیں اور تو صرف اس لئے

مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۚ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿١٢٦﴾ ع

ناراض ہے ہم پر کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی نشانیوں پر جب ہم پر واضح ہوئیں۔ اے ہمارا رب نازل کر ہم پر صبر کو اور ہمیں موت دے اسلام کی

ایجاد کی اور مومن جادوگروں کو کھجور کے درختوں پر سُولی دی گئی جو دریائے نیل کے کنارے پر تھے۔

فرعون نے ہزار ڈرایا دھمکایا لیکن انہوں نے کہا کہ تو صرف اس لئے ہم کو سزا دے رہا ہے کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ لہٰذا اس معاملہ میں ہمیں موت آئے تو ہمیں بسر وچشم منظور ہے اور اس سلسلہ میں ہم ہر قسم کا ظلم برداشت کرنے کے لئے حاضر ہیں پھر خُدا سے ثابت قدمی اور صبر کی دعا مانگی اور عجیب ہی نیک نصیب تھے کہ دن کے اوّل میں کافر تھے اور دن کے آخری حصہ میں دین خدا پر جان دے کر شہادت کے درجہ پر فائز ہو کر راہی جنت ہوئے۔

تنبیہ ہر نبی کا معجزہ اس زمانہ کے کمال کے پیش نظر ہوتا ہے چنانچہ اس زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰ کا معجزہ ان کے اس کمال کو زیر کرنے کے لئے تھا اور مقدمہ تفسیر میں ہم نے اس امر کی خوب وضاحت کی ہے چنانچہ جب حضرت صاحب الامر قائم آل محمد علیہ السلام تشریف لائیں گے تو ان کا معجزہ دَورِ حاضر کے سائنس کے کمالات سے مافوق ہوگا۔ موجودہ کمال یہ ہے کہ مشینری کے ذریعہ سے ایک جگہ کی آواز پورے روئے زمین کے باشندے سُن سکتے ہیں۔ وہ بغیر مشینری کے اپنی آواز روئے زمین کے بسنے والوں کے کانوں تک پہنچائیں گے۔ حتیٰ کہ ہر ایک شخص اسے اپنی زبان میں سمجھ سکے گا۔ نیز اب ہوائی سروس اور تیز رو گاڑیوں کے ذریعے دور دراز کے سفر طے ہوتے ہیں اور ان کے دَور میں ان چیزوں کے بغیر طولانی سفر معمولی وقت میں طے ہوں گے۔ گویا اس دَور کی سائنسی ترقیاں جس منزل پر جا کر رُکیں گی۔ امام عالی مقام کا قدم اس سے آگے ہوگا۔ حتیٰ کہ اس دَور کے سائنسدان ان کے کمال کے سامنے جھک جائیں گے اور آپ کے معجز نما اور ہادی من اللہ ہونے کا اقرار کریں گے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قف
اور کہا سرداروں نے قوم فرعون سے کیا تو چھوڑتا ہے موسٰی اور اس کی قوم کو تاکہ فساد کرتے پھریں زمین میں
وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
اور تجھے اور تیرے خداؤں کو چھوڑ دیں۔ کہا اس نے ہم قتل کریں گے۔ ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھیں گے ان کی لڑکیوں کو اور ہم ان کے اوپر غالب ہیں
قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ قف يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
فرمایا موسٰی نے اپنی قوم سے کہ مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو تحقیق زمین اللہ کی ہے اس کا وارث بناتا ہے جسے چاہے اپنے
عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ
بندوں سے اور انجام خیر متقیوں کے لئے ہے کہنے لگے ہیں ستایا گیا قبل آپ کی تشریف آوری کے اور بعد آپ کے آنے کے بھی
قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۵
فرمایا عنقریب تمہارا رب ہلاک کرے گا تمہارے دشمن کو اور تمہیں خلیفہ بنائے گا زمین کا۔ پس دیکھے گا کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو

رکوع نمبر ۵

وَقَالَ الْمَلَاُ :- تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد بنی اسرائیل کے چھ لاکھ آدمی مسلمان ہو گئے اور جادوگروں کو سزا مل گئی۔ لیکن قوم فرعون کے سرداروں نے یہ سوال اٹھایا کہ موسٰی کی قوم کو اگر چھوڑ دیا گیا تو یہ لوگ اور فساد برپا کریں گے۔ لہٰذا انہیں بھی سزا دینی چاہیئے۔

وَاٰلِهَتَكَ :- اس میں کئی اقوال ہیں :- ۱۔ فرعون خود بت پرستی کرتا تھا اور باقی لوگ اس کی پوجا کرتے تھے اور اگر وہ بت پرستی کرتے تو صرف ان کی خوشنودی کے لئے۔ ۲۔ خود بھی گائے پرست تھا اور لوگوں کو بھی گائے پرستی کی دعوت دیتا تھا یہی تو وجہ تھی کہ سامری نے بنی اسرائیل کو بھی گوسالہ پرستی میں مبتلا کر ڈالا ہو لوگ بت پرستی کرتے تھے۔ فرعون کی خوشنودی کے لئے لیکن وہ خود کسی کی پوجا نہ کرتا تھا۔

سَنُقَتِّلُ :- فرعون نے جب حضرت موسٰیؑ کے معجزات دیکھے تو اس کو حضرت موسٰیؑ کے قتل پر جرأت نہ ہو سکی۔ اور مرعوب ہو گیا۔ اس لئے اکابر قوم کی سفارش پر بھی اس نے یہ نہیں کہا کہ میں موسٰی کو قتل کروں گا۔ بلکہ کہا موسٰیؑ کی قوم کے بچے قتل کروں گا کیونکہ ہم ان پر غالب ہیں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور ہم نے پکڑا فرعونیوں کو ساتھ قحط سالیوں کے اور پھلوں کی کمی کے تاکہ نصیحت پکڑیں

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا

پس جب آئی ان پر خوش حالی تو کہا یہ ہمارا حق ہے اور اگر پہنچتی ان کو کوئی سختی تو بد فالی حاصل کرتے تھے ساتھ

بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کے آگاہ ہو بے شک انکی فال اللہ کے پاس ہے لیکن وہ اکثر نہیں جانتے

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور کہنے لگے جب بھی تو لائے ہمارے پاس کوئی نشانی تاکہ تو ہمیں مسحور کرے تو ہم تیری بات ماننے والے نہیں

تذکرہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اقتدار کا نشہ تمام نشوں سے بدترین ہوا کرتا ہے۔ فرعون ایک انسان نما درندہ تھا۔ جس نے نسلِ انسانی کو بلا دریغ تہ تیغ کیا۔ لیکن جس طرح رفتارِ زمانہ کے لحاظ سے انسان نے مادی ترقی میں سائنس کے ذریعہ سے انتہائی کمال حاصل کر لیا ہے۔ اسی طرح فرعونیت نے بھی اقتدار کے لباس میں بہت کچھ آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ پس آج کے فرعونوں کو بچوں کے قتل کرانے کی یا حاملہ عورتوں کے شکم چاک کرانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسی دوائیاں اور ایسے ٹیکے ایجاد کر دیئے گئے جو سلسلۂ تولید کو سرے سے ختم کر دیتے ہیں۔

رکوع نمبر ۶

آل کی تحقیق آل کی تعریف۔ اٰلُ الرَّجُلِ خَاصَّتُهُ الَّذِیْنَ یَؤُوْلُ اَمْرُہٗ اِلَیْھِمْ وَاَمْرُھُمْ اِلَیْہِ۔ آلِ انسان کے ان خاص متعلقین کو کہا جاتا ہے۔ جن پر اس کو اعتماد کلی ہو کہ اس کے ہر پیچیدہ امر کا حل ان کے ذریعے سے ہو اور وہ بھی اس پر اعتماد کلی رکھتے ہوں کہ اپنے ہر مسئلہ پیچیدہ کو اس کے بغیر حل نہ کر سکتے ہوں۔ فرعون چونکہ اقتدارِ دنیاوی کا مالک تھا اس لئے اس کی آل میں ہر وہ شخص داخل ہو سکتا ہے جو دنیاوی اقتدار کی بحالی میں فرعون کا معتمد ہو اور اپنی دنیاوی ضرورت کی تکمیل کے لئے فرعون پر اعتماد رکھتا ہو۔ اسی طرح گھریلو معاملات کے نبیڑنے کیلئے انسان کی آل میں وہ افراد داخل ہوں گے جو گھریلو معاملات کے سلجھاؤ میں اس کا محل اعتماد ہوں اور یہ ان کا معتمد ہو۔ پس بیوی بچے، بھائی بھتیجے وغیرہ اس دائرہ میں داخل ہوں گے۔

آل اور اہل۔ دونوں کا مفہوم ایک ہے کیونکہ ماہرینِ فن کا کہنا ہے کہ آل بھی اصل میں اہل تھا اور ہاء کو الف سے تبدیل

کرنے کے بعد آل ہوگیا۔ اگرچہ ان کا یہ قول صرف ایک خیالی منصوبہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کیونکہ اس کے مقابلہ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اہل کو آل سے لیا گیا ہو اور اس کے شواہد بھی کلام عرب سے کافی مل سکتے ہیں۔ جیسے مہما کی اصل کہتے ہیں۔ ماما۔ پہلے ما کے الف کو ھا سے تبدیل کیا گیا اور یہ ما حرفِ شرط تھا۔ اس کے بعد دوسرا ما بڑھایا گیا۔ جس طرح دوسرے حروف کے ساتھ بڑھایا جاتا ہے۔ بہرکیف استعمال کے لحاظ سے اب ان میں نمایاں فرق یہ ہے کہ آل کا استعمال صرف اشراف کیلئے مخصوص ہے خواہ شرف دنیاوی کا مالک ہو جیسے آلِ فرعون اور خواہ شرفِ دینی و دنیاوی دونوں کا یا صرف شرفِ دینی کا مالک ہو جیسے آلِ محمدؐ اور اس کے مقابلہ میں اہل کا لفظ کسی طبقہ سے خصوصیت نہیں رکھتا۔ شرفاء و غیر شرفاء سب کے لئے یکساں طور پر استعمال ہوا کرتا ہے۔ اہل بیت محمدؐ بھی کہہ سکتے ہیں اور اہل حجام بھی کہنا جائز ہے لیکن چونکہ آل اور اہل کا مفہوم ایک ہے اس لئے اہل کا استعمال اگرچہ شرفاء و غیر شرفاء سب کے لئے عام ہے لیکن مفہوم میں عموم نہیں آئے گا بلکہ مفہوم وہی رہے گا جو آل کا ہے۔ یعنی وہ لوگ جن پر اس کو اعتماد کلی ہو اور جنہیں اس پر اعتماد کلی ہو۔ بنابریں آلِ محمدؐ اور اہلِ بیتِ محمدؐ میں کوئی فرق نہیں جو لوگ آلِ محمدؐ ہیں۔ وہی اہل بیت محمدؐ ہیں۔

پس آل یا اہل کی تشخیص میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کی پوزیشن کا جائزہ لینا ہوگا اور جو پوزیشن حضور رسالتمآبؐ کے لئے متعین ہوگی۔ اسی پوزیشن کے لحاظ سے معتمدین کی تلاش کی جائے گی۔ اب اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی حیثیت صرف عام گھریلو معاملات کے سلجھانے تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ عالمی رسول اور کلی نبوت کے حامل ہونے کی حیثیت سے اولین و آخرین کے سرتاج روحانی تھے اور ظاہری اقتدار کے اعتبار سے وہ شہنشاہ جن وانس تھے۔ بزم قدس کی رونق آپ کی مرہون منت۔ بزم لاہوت کا زیب آپ کے قدم کا صدقہ۔ مجلس انبیاء کی صدارت آپ کے قدموں پر نثار محفل ملائکہ کی سیادت آپ کے نوری جلوہ کی مرہون، بالاختصار کون و مکان میں عرشی و فرشی ذی روح اور غیر ذی روح سب کی سب مخلوق کے لئے ظاہری و باطنی یعنی جسمانی و روحانی پیشوا کی حیثیت آپ کو حاصل تھی۔

بنابریں دنیاوی اقتدار کے پیش نظر ایسے لوگ قطعاً خصوصی اعتماد کے حامل نہیں ہو سکتے جو صرف ہاؤ ہو سے متاثر ہوکر یا ظاہری اقتدار میں جذب ہوکر یا کسی طمع کی کشش میں آکر یا اپنے اور اپنے اقرباء کی تن بخشی کا بہانہ سمجھ کر یا اسی قسم کے اور اغراض کے ماتحت ہم آہنگ ہوگئے ہوں۔ کیونکہ صاحب غرض پر اعتماد صرف غرض تک ہی رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد ختم۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ آڑے وقتوں میں قطعاً جان کی بازی نہیں لگا سکتے بلکہ جان بچانے کی سوچتے ہیں اور غزواتِ نبویہ کی طولانی فہرست ارباب تاریخ کی حق بین نگاہوں کے سامنے حقیقت کی ترجمانی کے لئے کافی و وافی ہے۔ احد کا میدان معتمد نبوی کا کردار بتائے گا اور احد کی پہاڑیاں اپنے کندھوں پر بلند کرکے ظاہری اقتدار یا لوٹ مار کے متوالوں کی نشاندہی کریں گی۔ خندق میں بَرَزَ الْاِیْمَانُ کا نعرہ اور ضَرْبَةُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ کی سنہری سند معتمد نبوی کی نشاندہی کے لئے کافی ہیں اور کَاَنَّ عَلٰی رُؤُسِہِمُ الطَّیْرُ کا تاریخی جملہ اور بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ کا

قرآنی نقرہ طراع اور وقتی جی حضوری یارانِ مسلک کی سرد مہری کو بیان کرنے میں منصف طبائع اور نفوسِ سلیمہ کی تسلی و اطمینان کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح خیبر میں لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ یعنی کل میں علم فوج اس شخص جوانمرد کے حوالہ کروں گا جو کرّار وغیر فرار ہو گا اور خدا و رسول کا محب و محبوب ہو گا۔ حضور کا فرمانِ حق ترجمانِ انتہائی صراحت وضاحت کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے کہ آڑے وقتوں میں جان کی بازی لگانے والا کون ہے اور اس سلسلہ میں خدا و رسول کا معتمد خصوصی اور محب و محبوب واقعی کون ہے؟ اور تجربہ نے ثابت کر دیا اور فرق نمایاں کر کے رکھ دیا کہ خیبر کے قلعہ کا آہنی دروازہ کس کے حق میں گواہ تھا اور دوڑتے ہوئے قدموں کی خاک سے اُٹھے ہوئے بھریرۂ علم کی گرد کس کی آنکھوں کا کاجل تھی۔ اس سلسلہ میں واقعات کے گنوانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ دورِ رسالت کا ہر لمحہ و دقیقہ دورِ نبوی کی مخصوص شخصیتوں کو بیان کرنے میں غیر مبہم الفاظ کو متضمن ہے۔

اب اگر حضورؐ کے دینی اقتدار اور روحانی عہدہ کے لحاظ سے حضورؐ کے معتمدین معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو اس بارہ میں احادیث نبویہ تواتر سے منقول ہیں کہ اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ اَنَا دَارُ الْحِکْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ اور ان کے علاوہ بیسیوں حدیثیں جو اس بات کی متکفل ہیں کہ روحانی تمام کمالات میں حضرت علیؑ اس مرتبہ پر فائز تھے کہ حضور رسالتمآبؐ کو صرف علیؑ پر اعتماد ہی نہیں تھا۔ بلکہ ہر منزل و مقام پر صحابہ کے سامنے علیؑ کے کمالات کو واضح فرمانے میں خوشی محسوس فرماتے تھے چنانچہ واشگاف الفاظ میں ببانگ دہل فرما دیا تھا کہ عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ نیز عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ۔ یعنی قرآن علیؑ کا اور علیؑ قرآن کا۔ نیز حق علیؑ کا اور علیؑ حق کا اور عمار سے فرمایا اگر ساری دنیا ایک وادی میں ہو اور علیؑ دوسری وادی میں تو تم علیؑ کا ساتھ نہ چھوڑنا کیونکہ حق اسی طرف ہو گا جس طرف علیؑ ہو گا۔ حدیثِ ثقلین اس سلسلہ میں مشہور بین الفریقین ہے اور حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کتاب اللّٰہ وعترتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی ان احادیث کے حوالہ جات مقدمہ تفسیر انوار النجف میں مذکور ہیں۔

اب اگر نقل کو دیکھا جائے تو آیتِ تطہیر کا شانِ نزول اور اصحابِ کسا کی تعیین کتب فریقین میں ببانگ دہل بتلاتی ہے کہ رسولؐ کے اہلبیتؑ کون ہیں۔ بہرکیف محمد مصطفیٰؐ کی رسالتی اور شاہی ہر دو پوزیشن کے لحاظ سے اگر عقل و نقل اور تاریخ و حدیث سے دیکھا جائے کہ حضورؐ کے معتمد خصوصی کون کون تھے؟ تو عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔ یہ بات کہ وہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ ہی تھے اور بس۔ مفصل بحث جلد ۱۱ میں صہ ۱۸۸ تا صہ ۱۹۹ ملاحظہ ہو۔

اور آیتِ تطہیر نے نہایت پیارے انداز میں رسولؐ پر واضح کر دیا کہ یہی وہ پاک و پاکیزہ افراد ہیں۔ جن پر آپ کو اعتماد کلی ہونا چاہیے اور یہی ہیں آپ کے اہل بیت اور تمام قرآن کی سیر کرنے والے اور لطائف رموزِ قرآنیہ سے بہرہ ور ہونے والے اس مطلب کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ پس آلِ محمدؐ کے دائرہ میں غیر کو داخل کرنے کے لئے آلِ فرعون کی مثال پیش کرنا یا حضرت ابراہیمؑ کے اہل بیتؑ کی نظیر لانا فضول ہے کیونکہ ہر شخص کی آل کا تعین اس کے عہدہ و پوزیشن کے ماتحت ہے اگر ایک

شخص کی آل یا اہل میں اس کی بیوی داخل ہے تو ضروری نہیں کہ دوسرے کی آل میں بھی وہ داخل ہو۔ اسی طرح ایک شخص اپنے بھائی بہنوں کو افراد خانہ قرار دیتا ہے لیکن دوسرا ایسا نہیں کرتا یا ایک شخص اپنے والدین کے بچوں کو بلکہ بعض بہن بھائی کی اولاد کو اہل خانہ قرار دیتا ہے لیکن دوسرا ایسا نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ آل یا اہل کے لفظ میں تعیین نہیں۔ پس ہر شخص کی آل کی تعیین اس کی پوزیشن کے ماتحت اس کے خصوصی اعتماد کے حاملین سے ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام سے خداوند کریم کا وعدہ تھا کہ میں عذاب بھیجوں گا اور تجھے اور تیری اہلبیت کو نجات دوں گا۔ چنانچہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی تیار کی اور اہل ایمان کو اس میں سوار کیا تو حضرت نوحؑ کا فرزند کنعان اس میں سوار نہ ہوا۔ پس طوفان آیا اور حضرت نوحؑ کا فرزند باپ کے اصرار کے باوجود کشتی سے کنارہ کش ہو کر آخر کار عذاب خداوندی کی لپیٹ میں آگیا۔ اگر اہل سے مراد افرادِ خانہ ہوتے تو فرزند نوحؑ غرقاب نہ ہوتا نیز حضرت نوحؑ کی بیوی بھی اس عہد خداوندی سے مستثنیٰ قرار دی گئی۔

اب بیٹے کی محبت نے جو حضرت نوحؑ کے دل میں جوش مارا تو پانی کی موجوں میں ڈوبتے فرزند کو دیکھ کر شفقتِ پدرانہ کے ماتحت عرض گذار ہوئے۔ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔ یعنی تحقیق میرا بیٹا میری اہل سے ہے اور تیرا وعدہ بھی سچا ہے کہ تیری اہل کو غرق نہ کروں گا۔ یہ یاد رہے کہ غیر وفادار بیوی کا اہل سے کٹ جانا تو چونکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس سے حضرت نوحؑ نے اپنی بیوی کا اہل ہونا نہ جتلایا لیکن کیا نافرمان اولاد بھی اہل سے کٹ جاتی ہے یا نہ؟ ظاہری اعتبار سے ایک مشتبہ امر تھا۔ جس کے متعلق حضرت نوحؑ کو کہنا پڑا کہ میرا بیٹا تو میری اہل سے ہے اور تیرا وعدہ ہے کہ تیری اہل کو نجات دوں گا تو اس کے جواب میں لسانِ قدرت گویا ہوئی کہ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ۔ یعنی وہ تیری اہل سے نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال صالح نہیں ہیں۔ دنیاوی معاملات میں جو بیٹا باپ کا نافرمان ہو وہ قطعاً باپ کی محبت کا محل نہیں بن سکتا۔ بلکہ اس کو باپ اپنے سامنے سے ہٹا دیا کرتا ہے۔ نیز اگر کوئی شخص اعلانیہ کافر ہو تو کوئی مومن بھی اس کے ساتھ محبت نہیں کر سکتا چہ جائیکہ نبی بھی ہو اور کافر سے محبت بھی رکھتا ہو پس حضرت نوحؑ کا اپنے بیٹے کے حق میں سفارش کرنا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ دنیاوی طور پر فرمانبردار بھی تھا اور ظاہری طور پر مومن بھی تھا اگرچہ اندرونی طور پر اس کی کافروں سے ساز باز تھی گویا منافق تھا پس حضرت نوحؑ کی اس کے ساتھ محبت پدری کا سلسلہ قائم تھا اور اسی بنا پر انہوں نے حتمی طور پر بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ میرا بیٹا میری اہل سے ہے پس خداوند کریم نے فیصلہ فرما دیا کہ وہ تیری اہل سے نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری طور پر اہل ہونا اور بات ہے اور کسی نبی کا نبی ہونے کی حیثیت سے اس کی اہل بننا اور بات ہے کیونکہ ظاہری طور پر اہل خانہ میں ہر وہ شخص داخل ہے جو امور ظاہریہ دنیاویہ میں محل اعتماد ہو لیکن نبوتی حیثیت سے نبی کا اہل بیت وہ ہو گا جو نبیؑ کا اس خصوصی منصب کے لحاظ سے محلِ اعتماد یعنی نبی پر ایمان لانے والا ہو اور اس کی تعلیمات و ہدایات پر عمل کرنے والا ہو اور کنعان میں یہ بات نہ تھی اور عذابِ خداوندی حضرت نوحؑ کی امور دنیاویہ میں مخالفت کرنے والوں کے لئے نہیں تھا تاکہ بیٹے کو اس کی زد سے بچایا جا سکتا بلکہ یہ عذاب تبلیغ نبوت کو ٹھکرانے والوں کے لئے مخصوص تھا۔ لہٰذا نجات وہی پا سکتے تھے جو اس حیثیت سے حضرت

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ

پس بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون نشانیاں الگ الگ

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ

پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے اور جب آیا ان پر عذاب تو کہنے لگے اے موسیٰ دُعا کر

لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ

ہمارے لئے اپنے رب سے بوجہ اس عہد کے کہ تیرے پاس ہے اگر دُور کرے گا تو ہم سے عذاب کو تو ہم ایمان لائیں گے

وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ

اور بھیج دیں گے تیرے ہمراہ بنی اسرائیل کو پس جب دُور کیا ہم نے ان سے عذاب ایک وقت تک کہ وہ

نوح کے اہل قرار پائیں اور عمل غیر صالح کی لفظ سے ذات پروردگار نے صاف فرمادیا کہ وہ اس حیثیت سے تمہارا اہل نہیں ہے لہٰذا اس کو عذاب سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

پس یہ واقعہ تو صاف ظاہر کرتا ہے کہ کسی نبی کا اہل تو وہی ہو سکتا ہے جو اس کے مشن میں محل اعتماد ہو اور حضرت رسالتمآبؐ جو سلطان الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ ان کے اہل بیتؑ میں وہی داخل ہوگا جو ان کے منصب خصوصی میں ان کا محل اعتماد ہو اور شریک کار ہو اور آیہ تطہیر میں اہل بیت محمدؐ بھی وہی لوگ ہیں جو منصب سعادت ایزدی میں آپ کے ساتھ مکمل طور پہ ہم آہنگ و ہم آواز بلکہ ہمدم و ہمنوا و ہمراز تھے اور شان نزول آیت تطہیر نے واضح کر دیا کہ وہ اصحاب کساء پنجتن پاک تھے۔ جس پر کتب فریقین شاہد ہیں۔

آل فرعون پر متعدد عذاب

اَلطُّوْفَانَ :۔ اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) پانی جو طغیانی کی شکل میں آ کر تباہی کا باعث ہو (۲) اچانک موت (۳) طاعون (۴) چیچک (۵) امر خداوندی کہ طاف سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جیسے ارشاد ہے۔ طَافَ عَلَيْهِمْ طَآئِفٌ۔

قصہ جب جادوگروں کو سزا دی جا چکی تو ہامان نے فرعون کو مشورہ دیا کہ جو بھی موسیٰؑ کے دین میں جائے۔ اس کو قید کر لیا جائے چنانچہ حکم سرکاری صادر ہوا۔ پس بنی اسرائیل دھڑا دھڑ قید ہونے لگ گئے پس خدا نے اُن پر متعدد عذاب بھیجے۔

۱۔ سنین قحط سالی ۲۔ نقص ثمرات یعنی پیداوار میں کمی ۳۔ طوفان طغیانی کے قول کے ماتحت جب پانی آیا تو ان کے گھر خراب ہو گئے اور جنگلوں میں خیمہ زن ہو گئے اور یہ پانی صرف قبطیوں کے گھروں میں تھا اور ان کے لئے تباہی کا موجب تھا لیکن بنی اسرائیل کے گھروں میں ایک قطرہ تک نہ آیا۔ ان کی زمینیں برباد و بنجر ہو گئیں تو حضرت موسیٰؑ سے دعا کی خواہش

بَالِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا

پہنچے اسے تو اسے کو توڑ دیا پس بدلہ لیا ہم نے ان سے کہ ان کو غرق کردیا دریا میں کیوں کہ انہوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ

ہماری نشانیوں کو اور تھے ان سے غافل اور ہم نے وارث کیا ان لوگوں کو جو کمزور تھے زمین کے

الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ

طول وعرض کا جسے ہم نے بابرکت کیا تھا اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی خوب بنی

اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اسرائیل پر بوجہ ان کے صبر کے اور ہلاک کردیا ہم نے جو بناتے تھے فرعون اور اس کی قوم اور وہ جسے بلند کرتے تھے

کی گئی۔ جب آپ کی دُعا سے طوفان کا عذاب ٹل گیا تو فرعون کو ہامان نے مشورہ دیا کہ اگر تُو نے بنی اسرائیل کو آزاد کیا تو وہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ مل کر تیری سلطنت کو تباہ کردیں گے چنانچہ اس نے بنی اسرائیل کو چھوڑنے سے انکار کردیا پھر طغیانی کے بعد جو ان کے فصل اچھے ہوئے تو کہنے لگے یہ پانی تو ہمارے لئے باعثِ رحمت و نعمت تھا۔ ۴۔ تو خدا نے ان کی سرکشی کی بدولت اور دوسرے سال یا دوسرے مہینے بناء پر اختلاف روایت مکڑی بھیج دی جو ان کے جڑے ہوئے فصلوں کو کھا گئی حتیٰ کہ درختوں کے چھلکے گھروں کے دروازے کپڑے اور سامان تک کو صاف کر گئی اور یہ مکڑی بنی اسرائیل کے گھروں میں قطعاً داخل نہ ہوتی تھی۔ پس وہ لوگ گھبرا کر چیخ اُٹھے اور فرعون خود تلملا گیا اور حضرت موسیٰ سے التجا کی کہ اگر یہ عذاب ہم سے دفع ہو گیا تو ایمان بھی لاؤں گا اور بنی اسرائیل کو بھی اپنی قید سے آزاد کرکے تیرے ہمراہ روانہ کروں گا۔ چنانچہ خداوندکریم ان کے قول کی حکایت فرما رہا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام سے دعا مانگی تو ساتویں دن مکڑی دُور ہوگئی یعنی ایک سنیچر سے دوسرے سنیچر تک رہی اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ باہر تشریف لے گئے اور اپنے عصا سے مشرق کی طرف اشارہ کیا تو مکڑی چلی گئی پھر ہامان نے فرعون کو بنی اسرائیل کی رہائی سے روکا تو پھر تیسرے سال یا تیسرے مہینے بنا بر اختلاف کے خُدا نے قمل یعنی جوئیں بھیج دیں۔ بعض نے قمل کا معنی مچھر کیا ہے اور بعضوں نے بے پَروں کے ٹڈی قمل کا معنی لکھا ہے بہرکیف یہ ان پر پانچواں عذاب تھا۔ کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام باہر گئے اور ایک بستی جس کا نام عین الشمس تھا۔ اس میں گئے اور وہاں زمین پر عصا کو مارا کہ قمل یعنی مچھروں یا جوؤں کا سیلاب نکل پڑا۔ پس وہ کپڑوں میں داخل ہوتے اور جب روٹی کھاتے تو اس میں داخل ہو جاتے اور زمین پر ان کا ایک فرش بچھا ہُوا معلوم ہوتا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ قمل اس کیڑے کو کہتے ہیں جو گندم کے دانوں کو خراب کرتا ہے چنانچہ وہ لوگ جب گندم کی دس بوریاں پسانے کے لئے چکی پر لے جاتے تھے

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا

اور گذارا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو آئے ایک قوم پر جو جھکتے تھے اوپر بتوں کے تو کہنے لگے اے

يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ

موسیٰ مقرر کر ہمارے لئے بھی ایسے خدا جس طرح ان کے ہیں۔ فرمایا کہ تم لوگ جاہل ہو تحقیق یہ ہلاک ہونے

مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ

والا ہے جس میں وہ ہیں اور باطل ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں فرمایا کیا غیر خدا کو بناؤں تمہارا خدا حالانکہ اس نے تمہیں فضیلت

فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ

دی جہانوں پر اور جب ہم نے تم کو بچالیا فرعونیوں سے کہ دیتے تھے تم کو سخت عذاب

يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع

مارتے تھے تمہارے لڑکوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری لڑکیوں کو اور اس میں خدا کی طرف سے تمہاری سخت آزمائش تھی

تو اس قدر کرم خوردہ ہوا کرتی تھی کہ تین بوریاں بھی واپس نہ آتی تھیں اور جسم پر اس کا یہ اثر تھا کہ ان کے بال، ابرو، پلکیں بلکہ چمڑا بھی انہوں نے نوچ لیا اور اُن کا نیند و آرام تباہ ہوگیا۔ پھر وہ چیخے اور چلائے تو فرعون نے پھر حضرت موسٰیؑ سے التجا کی کہ آپ دعا مانگیں۔ اس دفعہ میں ضرور بنی اسرائیل کو چھوڑ دوں گا۔ یہ بھی ایک ہفتہ رہا۔ سنیچر سے سنیچر تک اور حضرت موسٰیؑ کی دُعا سے دُور ہوگیا لیکن فرعون نے وعدہ پُورا نہ کیا۔ پھر چھٹا عذاب اس کے چوتھے سال یا چوتھے مہینے مینڈک کا عذاب آگیا۔ کہ گھروں میں برتنوں میں روٹی، پانی میں کپڑوں اور دیگر سامان میں ہر جگہ مینڈک ہی مینڈک تھے۔ دیگوں میں اُچھل کر جا پڑتے تھے آٹے میں مل جاتے بلکہ جب آدمی بیٹھتا تو اردگرد جمع ہو کر تھوڑی دیر تک انسان کو غرق کر دیتے تھے اور اُچھل کر اس کے منہ میں چلے جاتے تھے۔ نوالہ ڈالنے کے لئے منہ کھولتا تو نوالے سے پہلے مینڈک منہ میں پہنچ جاتا۔ جس کی وجہ سے وہ تھوک دیتا اور اس قدر تنگ آئے کہ حضرت موسٰیؑ سے التجا کی۔ حضورؑ یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم ضرور مسلمان ہوں گے اور توبہ کریں گے اور بنی اسرائیل کو بھی رہا کریں گے۔ یہ عذاب بھی سات دن سنیچر سے سنیچر تک رہا اور حضرت موسٰیؑ کی دُعا سے دُور ہوا لیکن انہوں نے پھر عہد شکنی کی تو خدا نے ان پر ساتواں عذاب خون کے رنگ میں بھیجا کہ دریائے نیل بھی اُن کے لئے خون بن کر بہتا تھا۔ بنی اسرائیل کے لئے پانی تھا اور ان کے لئے خون تھا تو پھر قبطی یہ کرتے تھے کہ اسرائیلیوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے منہ میں پانی لے کر ہمارے منہ میں ڈالو لیکن اس سے ان کو کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ پانی اسرائیلی کے منہ سے نکل کر جب

قبطی کے منہ میں آتا تو خون ہو جاتا تھا۔ فرعون بھی پیاس سے تنگ ہوا تو اس نے درختوں کے پتے چوسنے شروع کر دیئے لیکن جب یہ چباتا تھا تو ان پتوں کا پانی خون بن جاتا تھا۔ سات دن تک کھاتے پیتے رہے اور بعض کہتے ہیں کہ خون کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ ان کو نکسیر کا عذاب دیا گیا یعنی ان کے ناک سے خون جاری تھا۔ بہرکیف سات دنوں کے بعد گھبرا کر حسب سابق موسیٰؑ سے التجا کی تو حضرت موسیٰؑ کی دعا سے عذاب دور ہو گیا لیکن انہوں نے پھر بھی وفا نہ کی۔

اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے۔ لَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ۔ یعنی جب ہم عذاب کو ان سے دور کرتے تھے تو وہ اپنے عہد کو توڑ ڈالتے تھے۔ صرف ایک طاعون کے عذاب سے فرعونیوں کے ستر ہزار آدمی لقمۂ اجل ہو گئے تھے اور ان پر آخری عذاب آخر کار آہی گیا اور وہ یہ کہ ان کو دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا اور خدا نے بنی اسرائیل کو نجات دے دی (مجمع البیان)

جَاوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ جب دریائے نیل سے بنی اسرائیل گذرے قبیلہ لخم کی قوم کو دیکھا جو گائے کی مورتی کو پوج رہے تھے تو انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے التجا کی کہ ہمیں ایسے خدا بنا دو۔

اس کا یہ مقصد نہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی ساری قوم ایسی تھی۔ ہرگز مقصد یہ نہیں۔ بلکہ ہر امت میں لائق و نالائق ہوا کرتے ہیں۔ یہاں بھی صرف ان ہی لوگوں نے کہا جو ظاہری مسلمان تھے اور واقعاً منافق تھے گویا یہ خواہش حضرت موسیٰؑ کے منافق صحابہ نے کی تھی جن کو موسیٰؑ نے ڈانٹ کر جاہل کے لقب سے یاد فرمایا اور حضرت رسالتمآبؐ کے صحابہ نے بھی شجرۂ ذات انواط کو دیکھ کر یہی خواہش کی تھی جیسا کہ کتب صحاح گواہ ہیں۔

معجزاتِ رسالتمآبؐ

خداوند کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا کہ ہم نے تمہاری طرف اس طرح رسول بھیجا جس طرح فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ یعنی خدا نے حضورؐ کو حضرت موسیٰؑ سے تشبیہ دی ہے اور حضورؐ نے متعدد مقامات پر حضرت علیؑ کو ہارون سے تشبیہ دی اور نیز اپنی امت کو کئی دفعہ فرمایا کہ تم لوگ ہو بہو بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلو گے تو ان تصریحات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور ان کی امت میں جو کچھ واقعات رونما ہوئے تھے۔ وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ان کی امت میں بھی رونما ہوئے ورنہ تشبیہ قرآنی اور فرمان مصطفوی کی صداقت پر حرف آئے گا۔ چنانچہ کتب تاریخ کی سیر سے خوب انکشاف ہوتا ہے کہ واقعی تشبیہ قرآنی اور فرمان نبوی میں سرمو فرق نہیں آیا اور جو معجزات حضرت موسیٰؑ سے ظہور پذیر ہوئے تھے وہ حضرت رسالتمآبؐ سے بھی ظاہر ہوئے۔

(۱) ایک مرتبہ یہودی لوگ حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ حضرت موسیٰؑ کے لئے عصا اژدہا بنتا تھا۔ تو آپ کون سا معجزہ لائے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ میں موسیٰؑ سے بھی بڑا معجزہ لایا ہوں وہ یہ کہ موسیٰؑ کے معجزے پر قبطی لوگ اعتراض کر سکتے تھے کہ ممکن ہے اس میں موسیٰؑ نے کوئی جادو کا اثر بھرا ہو اور میں ایسی لکڑیوں کو سانپ بناؤں گا۔ جن کو محمدؐ کا ہاتھ بھی مس بھی نہ کرے گا چنانچہ تم گھروں کو جاؤ گے اور رات کو جب تم اکٹھے ایک مخصوص مکان میں بیٹھے ہو گے تو اس

مکان کی چھت کی ہر لکڑی اژدھا بن جائے گی اور ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی تو تم میں سے چار آدمیوں کے پتے پھٹ جائیں گے اور وہ وہیں مر یں گے اور باقی دوسرے روز تک بے ہوش رہیں گے ۔ جب تم لوگ باقی یہودیوں کے سامنے بیان کرو گے تو وہ بھی نہ مانیں گے تو ان کی آنکھوں کے سامنے سب اژدھا ہو جائیں گے چنانچہ ڈر کے مارے ان کی ایک جماعت مر جائے گی اور ایک جماعت دیوانہ ہوگی اور اکثر بے ہوش ہو جائیں گے ۔ خیر لوگ ہنسنے لگے ۔ آپ نے فرمایا ۔ بے شک ہنس لو لیکن محمدؐ نے جو کچھ کہا ہے ہو کے رہے گا اور تم کو علاج بتاتا ہوں کہ جو شخص محمدؐ و علیؑ کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا مانگے گا وہ محفوظ رہے گا ۔ چنانچہ یہودی واپس گھروں میں گئے اور رات کو جب گھروں میں اکٹھے ہوئے تو حضورؐ کے فرمان کو حرف بحرف درست پایا تو بچ گئے وہ جو دولت ایمان سے سرفراز ہوئے اور جب باقی یہودی احوال پرسی کیلئے آئے تو ان کے ساتھ وہی حشر ہوا جو حضورؐ نے فرمایا تھا ۔

(۲) ید بیضا ۔ شہزادہ حسن اور شہزادہ حسین علیہما السلام اپنے گھر ہوتے تھے اور جناب رسالتمآبؐ اپنے گھر میں بیٹھ کر دونوں شہزادوں کو اپنے پاس بلاتے تھے تو دونوں شہزادے اپنے نانا جان کی طرف چل پڑتے تھے ۔ حضورؐ تاریک رات میں اپنی انگشت شہادت کو دروازہ سے نکال کر اشارہ کرتے کہ اس سے سورج و قمر کی روشنی ظاہر ہوتی اور جب شہزادے پہنچ جاتے تو انگلی پہلی حالت کی طرح ہو جایا کرتی تھی ۔ جب شہزادے واپس آتے تو حسب سابق انگشت شہادت قندیل نور بن جاتی اور شہزادوں کے گھر پہنچ جانے کے بعد اپنی اصلی حالت پر پلٹ آتی ۔

(۳) ایک دفعہ شام کے سفر سے حضورؐ واپس آرہے تھے کہ دو سو یہودیوں نے آپ کی علامات دیکھ کر حسد کیا کہ کہیں اس کے ذریعے یہودیوں کی دولت ختم نہ ہو جائے ۔ لہٰذا انہوں نے پیچھا کیا ۔ ایک مقام پر حضورؐ حاجت ضروری کیلئے جنگل میں گئے تو یہودی تلواریں کھینچ کر سر پر آگئے ۔ خداوند کریم نے وہاں سے مکڑی پیدا کر کے ان پر مسلط کر دی جو اُن کو آہستہ آہستہ نوچ کر کھا گئی ۔ قافلہ والوں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ اس جگہ ایک جماعت موجود تھی ۔ وہ کہاں گئی ۔ آپ نے فرمایا ۔ وہ اپنے ارادۂ فاسدہ سے مجھے قتل کرنے گئے تھے اور خدا نے اُن پر مکڑی مسلط کر دی ہے چنانچہ وہ وہاں ڈھیر پڑے ہیں ۔

(۴) ایک دفعہ مدینہ کے یہودیوں نے سازش کی ۔ جب آپ باہر تشریف لے گئے تو انہوں نے پیچھا کیا ۔ پس خدا نے ایک کے کپڑوں میں جوئیں پیدا کر دیں تو شرم کے مارے وہ جوئیں مارتا ہوا ۔ ساتھیوں سے علیٰحدہ ہو گیا ۔ پھر دوسرے نے اپنے کپڑوں میں دیکھا تو وہ بھی چپکے چپکے جوئیں مارتا ہوا الگ ہو گیا اور اسی طرح سب کے سب گھروں میں واپس آئے اور جوؤں کے عذاب سے دو ماہ کے اندر اندر سب ختم ہو گئے ۔

(۵) مشرکین و یہود اور دیگر قبائل عرب کے مشترکہ گروہ نے ایک مرتبہ حضورؐ کے قتل کی سکیم بنائی اور مکہ میں بیٹھ کر آپس میں عہد کیا اور اسی نیت فاسدہ سے مدینہ کا رُخ کیا ۔ چنانچہ وہ ایک حوض کے کنارے پر پہنچے اور اس کے پانی سے اپنے مشکیزے پُر کر لئے اور آگے چل پڑے ۔ ایک جگہ جا کر مقام کیا ۔ خداوند کریم نے وہاں پر مینڈک اور چوہے مسلط کر دیئے جو ان کے مشکیزوں کو پھاڑ گئے اور پانی ہضم کر گئے جب یہ لوگ پیاسے ہوئے تو واپس اسی تالاب کا رُخ کیا لیکن چوہے اور مینڈک وہاں پہلے پہنچ کر پانی کا صفایا

کر چکے تھے ۔ پس وہ سب کے سب موت کی لپیٹ میں آگئے ۔

(۶) ایک دفعہ منافقوں نے حضورؐ پر اعتراض کیا تھا تو آپ نے ان کو بد دعا دی تھی کہ خدا تم کو خون کا عذاب دے ۔ چنانچہ اُن پر نکسیر طاری ہوئی اور دانتوں سے خون بہنا شروع ہُوا حتیٰ کہ ان کے کھانے اور پینے میں خون کی آمیزش ہو جاتی تھی اور چالیس آدمی چالیس روز تک اس عذاب میں گرفتار ہو کر مر گئے ۔

(۷) ثابت انصاری نے ایک جنگ میں ایک مشرک کو قتل کیا تھا تو اس کی عورت نے منت مانی تھی کہ اگر ثابت مرے گا تو میں اس کے سر کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی چنانچہ جنگِ احد میں ثابت شہید ہو گیا اور مشرکین کی عورت بھی مشرکین کے ہمراہ اُحد میں آئی تھی چنانچہ اس کو اپنے غلام نے خبر دی کہ تیرے شوہر کا قاتل ثابت شہید ہو گیا ہے اس نے ابوسفیان سے درخواست کی کہ میرے غلام کے ساتھ اپنے کچھ آدمی بھیج دے تاکہ ثابت کا سر قلم کرلائیں اور میں اپنی منت پوری کروں ۔ ابوسفیان نے کافی آدمی بھیجے جب یہ لوگ قریب پہنچے تو ہُوا نے بحکمِ خدا ثابت کی لاش کو آگے کر دیا جب وہ وہاں پہنچے تو لاش اور آگے ہو گئی ۔ جب یہ باز نہ آئے تو خدا نے طوفان کی شکل میں بارش نازل کر دی کہ وہ سب کے سب غرق ہو کر رہ گئے اور مشرکہ عورت نے خوش خبری دینے والے غلام کو خوشی میں آزاد کر دیا تھا اور اپنی کنیز بھی اس کو انعام میں دے دی تھی ۔

(۸، ۹) قحط سالی اور پیداوار کی کمی کے متعلق ہے ۔ حضورؐ نے قوم مُضر کے لئے بد دعا کی تھی کہ اے اللہ ان کو قحط میں گرفتار کر چنانچہ ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں جب ان کے ہاں پہنچتی تھیں تو یہ لوگ خرید کر کے گھر لے جانا چاہتے تھے لیکن بقدرتِ خدا وہ راستہ میں بدبودار اور خراب ہو جایا کرتی تھیں ۔ ان کے تمام اموال ختم ہو گئے اور اس قدر تنگ ہوئے کہ مُردہ کتوں کو اور قبروں سے مُردوں کو نکال کر کھانے پر مجبور ہوئے بلکہ بعض اوقات مائیں اپنے بچوں کو کھا جایا کرتی تھیں ۔ پس قریش کی ایک جماعت حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ آپ کی مردوں سے دشمنی ہے لیکن عورتوں ، بچوں اور حیوانوں کا کیا قصور ہے؟ تو آپ نے فرمایا ۔ تم لوگوں پر عذاب خداوندی ہے اور بچوں حیوانوں پر سزا نہیں ہے ۔ خدا ان کو اس کا بدلہ دے گا ۔ پھر آپ نے ان کو معاف فرما دیا تو دوبارہ وہ خوش حال ہو گئے (ملخص از تفسیر برہان) یہ تھی حضورؐ کے معجزات اور قوم کے عذاب کی حضرت موسیٰؑ کے معجزات اور اس کی قوم کے عذاب سے مشابہت باقی رہا حضورؐ کے بعد کے واقعات کی حضرت موسیٰؑ کے بعد واقعات سے مشابہت تو وہ تاریخ جاننے والوں کے لئے اظہر من الشمس ہے ۔

حضرت موسیٰؑ کی قوم نے بعد میں اپنے مذاہب بنا لئے جن میں سے حضرت پیغمبرِ اسلامؐ کی فرمائش کے ماتحت صرف ایک ناجی اور باقی سب ناری تھے اور اُمتِ اسلامیہ کے متعلق حضورؐ نے فرمایا ۔ اس کے تہتر فرقے ہوں گے جن میں سے صرف ایک ناجی ہو گا اور باقی سب کے سب ناری ہوں گے ۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی اُمت کا ناجی فرقہ کون تھا اور معیارِ فرقۂ حقہ کیا تھا ۔ تو یہ بات واضح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد اس کی اُمت میں نجات صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو حضرت موسیٰؑ کی شریعت کی پیروی حضرت موسیٰؑ کی طرف سے متعین جانشین حضرت یوشع بن نون کی ہدایت کے ماتحت کرے ورنہ تمام موسیٰؑ کے ماننے والے

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ

اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس راتوں کا اور ان کو تمام کیا ساتھ دس کے تو پورا ہوا وعدہ اس کے رب کا چالیس راتیں اور

قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو کہ تو میرا خلیفہ بن میری قوم میں اور اصلاح کر اور نہ پیچھے چل فسادیوں کے راستہ کے

یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حضرت موسیٰؑ کی امت ہیں۔ پس ناجی وہی ہوئے جو یوشع کے ساتھ رہ کر تورات پر عمل کرتے رہے اور یہی دو چیزیں نجات امت کے لئے حضرت موسیٰؑ چھوڑ چلے تھے اور اسلام والوں کو ان سے تشبیہ دینے سے مقصد بھی یہی ہے کہ اس امت میں سے بھی وہی نجات پائے گا جو حضرت رسالتمآبؐ کی پیروی حضرت کی طرف سے نامزد جانشین حضرت علیؑ مرتضیٰ کی ہدایت کے ماتحت کرے جس طرح حضرت یوشع کو چھوڑنے والے یہودیوں کے ستر گروہ جہنمی ہوئے۔ اس طرح حضرت علیؑ کو چھوڑنے والے بہتر گروہ اسلامی بھی جہنمی ہوں گے کیوں کہ حضورؐ نے اپنے بعد امت کی نجات کے لئے دو چیزیں چھوڑی تھیں۔ ایک قرآن اور دوسرے اہلبیتؑ جن کے سردار حضرت علیؑ تھے اور حضرت موسیٰؑ کے ساتھ تشبیہ کا مقصد ہی یہی ہے کہ جس طرح اُن کا جانشین نامزد تھا اور اجماعی نہیں تھا۔ اسی طرح امت اسلامیہ کا جانشینِ رسول نامزد ہونا چاہیئے۔ ورنہ تشبیہ ناقص رہے گی تفسیر کی دوسری جلد میں ہم اس بحث کو مفصل ذکر کر چکے ہیں۔

رکوع نمبر ۷

حضرت موسیٰؑ کا وعدۂ طور۔ وَوٰعَدْنَا۔ پہلے خداوند کریم کا موسےٰ سے وعدہ چالیس دن کا تھا لیکن تعبیر اس طرح فرمائی کہ تیس کا وعدہ کیا اور دس ساتھ ملائے کیونکہ فوراً بعد میں فرماتا ہے کہ پس وعدۂ چالیس کا پُورا ہو گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وعدہ ہی چالیس کا تھا نہ کہ تیس کا۔ گویا عبارت کا مطلب یوں ہُوا کہ ہم نے موسیٰؑ سے (۳۰+۱۰) تیس جمع دس کا وعدہ کیا تو چالیس پُورے ہو گئے اور اس طرح کی تعبیر کا مقصد یہ ہے کہ اگر شروع سے فرماتا۔ ہم نے چالیس کا وعدہ کیا تھا تو یہ نہ معلوم ہو سکتا کہ شروع اول ماہ سے ہے یا وسط سے یا آخر سے یا کسی اور درمیانی تاریخ سے۔ نیز یہ بھی پتہ نہ چل سکتا کہ پے درپے راتوں کا وعدہ ہے یا متفرق طور پر لیکن ۳۰+۱۰ کہہ کر اس امر کو واضح کر دیا کہ پہلے تیس سے مراد ایک مہینہ مکمل ہے یعنی یکم سے آخر تک اور دس دن دوسرے مہینے سے ہیں اور اس طرح کل چالیس دن ہوئے اور وہ ماہ ذی القعدہ سالم اور ماہ ذی الحجہ کے پہلے دس دن مراد ہیں اگر شروع سے چالیس راتیں فرماتا تو یہ مفہوم ادا نہیں ہو سکتا تھا۔

فَتَمَّ مِيْقَاتُ۔ یہ جملہ پہلے جملہ کے لئے نتیجے کے طور پر ذکر فرمایا۔ ورنہ اگر یہ جملہ نہ فرماتا تو اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ۔ یہ معنی ادا

کرنے میں ناکافی تھا کیونکہ معنی یہ ہوتا کہ ہم نے ان تیس راتوں کو پورا کیا ساتھ دس کے یعنی ماہ کی دسویں تاریخ سے شروع ہوا۔ اس کے بیس دن گذرے تو ہم نے تیس کی تعداد کو پورا کرنے کے لئے دس اور بڑھا دیئے اور یہ معنی خلافِ مقصود تھا۔ پس اس وہم کو دُور کرنے کیلئے بطور وضاحت کے ارشاد فرمایا کہ کل وعدہ چالیس کا پُورا ہو گیا اور دس دن کا اضافہ تیس کا تتمہ نہیں بلکہ چالیس کا تتمہ تھا اور سورہ بقرہ میں صاف طور پر فرمایا۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً یعنی ہم نے موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔

نکاتِ علمیہ ۱۔ تمام اور کمال میں فرق یہ ہے کہ تمامیت کسی چیز کے اجزاء ضروریہ کے اکٹھا ہونے کا نام ہے اور کمال تمامیت اجزاء کے بعد ایسے جوہر خاص کے اضافہ کا نام ہے جس کے بغیر وہ چیز اپنے مقصدِ خاص میں زیادہ مفید نہیں ہو سکتی مثلاً انسان کے اعضاء کا جمع ہونا ہے تمام اور اس میں علم طاقت وغیرہ کا وجود ہے کمال۔ پہلی صورت میں انسان صرف تام کہلاتا ہے یعنی ناقص نہیں ہوتا اور دوسری صورت میں انسان کامل کہلاتا ہے۔ پھر اس خاص جوہر کی زیادتی کمال کی منازل میں اضافہ کی موجب ہوتی ہے۔

۲۔ اس مقام پر اگر وعدہ پہلے صرف تیس راتوں کا ہوتا تو بعد میں اَتْمَمْنٰهَا نہ ہوتا (کہ ہم نے اس کو دس سے تمام کیا) کیونکہ اُوپر کے دس دن تیس کے اجزاء میں داخل نہیں ہیں تاکہ کہا جائے کہ ہم نے تیس کو دس سے پُورا کیا بلکہ وہ دس دن چالیس کا تمام ہیں اور تیس کے لئے کمال ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں یوں ہوتا اَكْمَلْنٰهَا بِعَشْرٍ یعنی ہم نے تیس کو کامل کیا۔ ساتھ دس کے پس وہ چالیس دن یوں ہو گئے تو یہ تعبیر صاف بتلاتی ہے کہ وعدہ شروع سے چالیس راتوں کا تھا اور تعبیر اس طرح کی گئی کہ ہم نے وعدہ کیا تیس رات کا بضمیمہ دس راتوں کے کہ کل چالیس تھیں اور اس کی تعبیر کی وجہ بیان کی جا چکی ہے۔

۳۔ وقت اور میقات میں فرق یہ ہے کہ وقت مطلق زمانہ کو کہا جاتا ہے۔ خواہ اس کی حد بندی کسی امر کے لئے کی گئی ہو یا حد بندی نہ کی گئی ہو اور میقات سے مراد وہ زمانہ ہے جس کی کسی امر کے لئے حد بندی ہو چکی ہو۔ پس وقت کا مفہوم میقات کے مفہوم سے عموم کی نسبت رکھتا ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام میقات کے لئے کوہ طور کی طرف جانے لگے تو حضرت ہارون اپنے بھائی کو اپنی اُمت کا نظام سونپ کر گئے اور فرمایا کہ تم میری خلافت کرنا اور قوم میں اصلاح کرنا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ہارون عہدۂ جلیلۂ نبوت پر فائز تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شریک کار تھے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ان کو خلیفہ کیسے بنایا۔ حالانکہ شریک کار خلیفہ نہیں ہوا کرتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حضرت موسیٰؑ و ہارون دونوں نبی تھے لیکن حق ریاست صرف حضرت موسیٰؑ کو حاصل تھا اور امت کے قائد صرف حضرت موسیٰؑ ہی تھے لہٰذا اپنے بعد نظام امت کے برقرار رکھنے کیلئے ان کو اپنا جانشین بنا گئے۔

انوارِ لطیفہ (۱) نبی کا معنی خبر دینے والا اور امام کا معنی ہے آگے چلنے والا گویا نبوت خبر سنانے کا نام ہے اور امامت مقام عمل میں پیشرو بننے کا نام ہے۔ نبی کا کام ہے کہ خُدا سے حکم حاصل کر کے اپنی امت تک پہنچا دے اور امام کا

کا کام ہے مقام عمل میں قیادت کی باگ ڈور سنبھالے۔

(۲) نبوت و امامت میں عام و خاص من وجہ کی نسبت ہے۔ نبی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ امام بھی ہو۔ جیسے ہارونؑ صرف نبی تھے لیکن امت کے قائد و امام حضرت موسیٰؑ ہی تھے۔ اسی لئے طور پر جاتے ہوئے ہارونؑ کو خلافت دے کر گئے اور ان کو عہدۂ امامت و قیادت تفویض کر کے گئے اگر ہارونؑ پہلے سے امام بھی ہوتے تو خلافت کا معنی ہی فضول ہوتا۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ پہلے عہدۂ جلیلۂ نبوت پر فائز تھے لیکن حق امامت امتحان خصوصی کے بعد عطا ہوا۔ اسی طرح امام کے لئے ضروری نہیں کہ وہ نبی بھی ہو اور نبوت و امامت ایک جگہ جمع بھی ہو سکتی ہے اور تھوڑے نبی ہیں جن کو نبوت کے ساتھ عہدۂ امامت بھی عطا کیا گیا۔

(۳) ایک وقت میں صرف امام ایک ہی ہو سکتا ہے لیکن ایک وقت میں انبیاء متعدد ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر امام ایک سے زیادہ ہوں تو نظام امت میں ابتری پھیلنے کا خطرہ ہوتا ہے لیکن انبیاء بیک وقت زیادہ ہونے میں کوئی خطرہ نہیں۔

(۴) حضرت موسیٰؑ کا ہارون کو کہنا وَاَصْلِحْ یعنی اصلاح کرنا صاف بتلاتا ہے کہ حضرت ہارون صرف نبی تھے اور امام نہیں تھے کیونکہ امام کا کام ہے نظام امت کو سنبھالنا اور اصلاح امت اس کی اہم کڑی ہے، جاتے ہوئے ان کو اصلاح کا عہدہ عطا کرنا بتلاتا ہے کہ اس سے قبل ان کو نظام امت میں کوئی دخل نہیں تھا اور وہ صرف تبلیغ دین میں موسیٰ کے شریک کار تھے اور بس۔

(۵) نبیوں میں سے جو صرف نبی یا رسولؑ تھے ان سے وہ نبی افضل ہیں جو عہدۂ نبوت کے ساتھ نظام امت کے علمبردار بھی قرار دیئے گئے اور دائرہ نظام امت میں جس قدر وسعت ہوتی ہے۔ نبی کے فضل و کمال اور قیمت میں اتنی ہی رفعت و عظمت ہوتی ہے چنانچہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا کا جملہ انبیاء میں سے بعض کی بعض پر فضیلت پر نص صریح ہے اور یہ ظاہر ہے کہ فضیلت کے لئے کوئی معیار ہونا ضروری ہے کیونکہ مثلاً ایک باپ کے دس بیٹے ہوں اور وہ کہے کہ میرے بیٹوں میں فلاں افضل ہے تو اگر افضلیت کا معیار کوئی نہ ہو تو یہ دعویٰ صرف جہل سا رہ جاتا ہے کیونکہ بیٹے ہونے میں تو وہ یکساں طور پر اسی باپ کی طرف منسوب ہیں پھر افضلیت کیسی؟ تو بہرصورت کوئی معیار تلاش کرنا پڑے گا کہ جو بھی اس معیار پر فائز ہو وہ افضل ہو۔ اور وہ ہے اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا۔ پس عہدہ برآ ہونے والا نہ ہونے والوں سے افضل ہوگا اور بدرجۂ اتم و اکمل اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونے والا باقیوں سے افضل ہوگا اور اس کو ہر صاحب عقل تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس مقام پر اب خوب سمجھ میں آسکے گا کہ نبی سب کے سب خدا کی طرف سے منصب نبوت پر فائز ہونے میں تو یکساں ہیں لیکن اگر بعض بعض سے افضل ہیں تو اس کا کوئی معیار ہونا ضروری ہے اور معیار ہے اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا۔ پس جو نبی صرف اللہ سے احکام حاصل کرنے والے ہوں اور ان پر خود عمل کرتے ہوں، ان سے وہ افضل ہیں جو ادھر سے احکام لاتے ہوں اور دوسروں تک پہنچاتے بھی ہوں اور ان میں سے پھر وہ افضل ہیں جو صرف دوسروں کو سنانے پر اقتصار نہ کریں بلکہ ان کے امام و قائد بن کر ہر ممکن طریق سے ان کو جادۂ حق پر گامزن کریں۔ دشمنان حق کو اپنی قوت اجتماعی کے ذریعہ سے اپنی راہ میں حائل نہ ہونے دیں اور اپنے پیچھے چلنے والوں میں نظام تمدن اور اصلاح معاشرت کو برقرار رکھیں اور درمیان میں گڑبڑ پیدا کرنے والوں اور اس

سلسلہ میں روڑہ اٹکانے والوں کا بلا لومۃ لائم قلع قمع کرنے میں دریغ نہ کریں اور عدل کے اصولوں کو مخلوق میں مروّج کریں اور اس صورت میں دائرہ نظام میں جس قدر وسعت ہو گی۔ فضیلت میں اتنی ہی بلندی ہو گی۔

پس اس بیان سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ نبوّت و رسالت کے عہدہ سے امامت کا عہدہ بلند ہے اور نبیوں میں یہی معیار فضیلت ہے۔ اہلِ اسلام میں ایک مسلمہ امر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے۔ رسول تھے اور خلیل تھے۔ لیکن عہدۂ امامت ان کے پاس نہ تھا پس مخصوص امتحان سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد عہدۂ جلیلہ امامت عطا کیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہوا۔ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا پس کسی نبی کی افضلیت کی حد اس کے دائرۂ امامت کی وسعت کے ماتحت متعین ہو گی اور حضرت رسالتمآبؐ کی تمام نبیوں سے افضلیت اسی بناء پر ہے کہ اولاً تو اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ جس طرح آپ عہدہ برآ ہوئے۔ اس طرح کوئی دوسرا نبی نہ ہو سکا کیونکہ نظامِ تمدنِ امت اور اصلاحِ معاشرۂ رعیت کے لئے جو عدالتی اصول آپ نے تعلیم فرمائے وہ کسی دوسرے نبی نے نہیں فرمائے اور دینِ خداوندی کی ہمہ گیر مقبولیت کی خاطر جو قربانیاں انہوں نے پیش کیں اور کسی دوسرے سے نہ ہو سکیں اور اس راہ میں جو مصائب انہوں نے برداشت کئے اور جس پامردی سے آپ نے کوہِ گراں بن کر باطل کے طوفانی سیلابوں کا منہ موڑا۔ وہ تمام نبیوں میں سے آپ ہی کا حصّہ ہے۔ یہ تو ہے ان کا اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونا۔ اور پھر دائرہ اصلاح و نظام کی وسعت، وہ تو صرف خدا ہی جان سکتا ہے۔ گذشتہ نبی قوموں، خاندانوں اور علاقوں کے لئے مخصوص ذمہ داریوں کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے اور اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے ان میں سے بھی بعض کو بعض پر جاہ و مرتبہ کے لحاظ سے فوقیت حاصل تھی لیکن حضرت خاتم الانبیاء جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بلا استثناء قوم و ملک ہر سیاہ و سفید کی طرف مبعوث ہوئے بلکہ تمام جنّوں اور انسانوں کے لئے دنیا و آخرت کا جامع منصوبہ لائے اور جس طرح ان کا ذاتی کردار اس قدر بلند اور وسیع تھا کہ ان کا لایا ہوا، اسلامی منصوبہ ان کے وسعت کردار کے سامنے قطرہ بمقابلہ بحرِ ذخار معلوم ہوا یا ذرہ بمقابلہ ریگزار دکھائی دیا۔ حتّٰی کہ زبانِ احدیت سے نہایت دقیع الفاظ میں بلند حوصلگی کی ایسی داد ملی کہ تمام انبیاء کی نبوتیں اس کے ایک گوشہ میں سمٹتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ ارشاد ہوا۔ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ ادھر اپنے کلیم کو مامورِ تعلیم فرماتے ہوئے خصوصی طور پر ہدایت فرمائی کہ قُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا کہ بوقت تبلیغ نرم لہجہ استعمال کرنا تاکہ وہ نصیحت قبول کرنے کے زیادہ قریب ہو سکے۔ اب ذرا اربابِ دانش ان ہر دو خطابات کا موازنہ فرمائیں اور وقت طلب افکار سے ان نبوتوں میں تفاوت مرتبہ کا اندازہ کریں۔

(۹) چونکہ اصلاح کی تین منزلیں ہیں۔ (۱) اصلاحِ نفس (۲) اصلاحِ معاشرہ (۳) اصلاحِ تمدن۔ جن کو تدبیرِ نفس تدبیرِ منزل اور تدبیرِ ملک یعنی سیاست مدنیہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور انبیاء حسبِ اختلافِ مدارج بعض صرف اصلاحِ نفس کے علاوہ اصلاحِ معاشرہ کے لئے بھی مبعوث ہوئے اور بعض کو اصلاحِ تمدن یعنی سیاست مدنیہ کا عہدہ بھی عطا کیا گیا اور یہ درجہ پہلے درجوں سے بلند ہے اور خداوند کریم ہر نبی کو اس کے عہدہ کی مناسبت سے قوانین و فرامین بصورتِ وحی یا الہام عطا فرماتا ہے۔ پس حضرت رسالتمآبؐ چونکہ عالمی نبوّت اور کلی امامت کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے لہٰذا اصلاحِ نفس، اصلاحِ معاشرہ اور سیاستِ عامہ ملکیہ کے جامع اصول و

قوانین کا مجموعہ قرآن مجید اُن کو عطا ہوا جو تا قیام قیامت ناقابلِ تنسیخ و ترمیم ہے۔ پس تمام نبی یکے بعد دیگرے ادھر سے احکام و قوانین حاصل کرتے رہے اور بالآخر حضور خاتم الانبیاء جب کلی امامت خلق کے متعلق جامع قوانین لاچکے تو عہدۂ نبوت کی آخری ضرورت پوری ہوگئی اور اس میں مزید کی گنجائش نہ رہی لہذا ان کے بعد کسی دوسرے نبی کے بھیجنے کی حاجت ہی نہ رہی۔ بنابریں حضور نے اس کا اپنی زبان وحی ترجمان سے اعلان فرمایا کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ یعنی میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور قرآن نے بھی غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دیا کہ آپ خاتم النبیین ہیں لیکن چونکہ نظام امت کی برقراری اور سیاست مدنیہ وملکیہ کی نگاہداری کی ضرورت تا قیام قیامت باقی تھی۔ اس لئے امام کا ہر زمان کے لئے تعین ضروری ہے چنانچہ حضور رسالتمآب نے بارہا اپنی امت کے سامنے اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں ظاہر فرما دیا کہ میرے بعد میری امت کے بارہ امام ہوں گے۔ اور حضرت علیؑ سے لے کر حضرت مہدی تک تمام کے نام بھی آپ نے گنوا دیئے۔

(۷) چونکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ انبیاء کی ایک دوسرے سے فضیلت اور برتری کسی معیار کی ممنون ہے اور امامت سلسلۂ معیار فضیلت نبوت کی اہم اور آخری کڑی ہے۔ پس جو نبی کسی نبی سے افضل ہے تو مخصوص ذمہ داری کے نبھانے کے لحاظ سے ہے اور جو نبی عہدۂ امامت رکھتا ہو اگر اس سے کوئی دوسرا افضل نبی موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ افضل نبی کے عہدۂ امامت میں اتنی وسعت ہے جو مفضول نبی کے دائرۂ امامت میں نہیں تھی اور حضرت خاتم الانبیاء جو تمام انبیاء سلف کے سرتاج وسلطان ہیں تو وہ اس لئے کہ ان کی امامت وحکومت کا دائرہ حاوی ہے اور ان کے مقابلہ میں کلی حیثیت کا حامل ہے اب یہاں اگر نبوت تو اس لئے رُک گئی کہ اس طرف سے جو کچھ آنا تھا وہ آچکا ضروریات انسانیہ (خواہ) انفرادی رنگ میں ہوں خواہ اجتماع کی صورت میں ہوں کے لئے مناسب وموزوں قوانین وضوابط پر مشتمل جامع منصوبہ نازل ہوچکا لیکن مخلوق خدا کو قیامت تک کے لئے قائد وامام کی ضرورت ہے۔ لہذا حضرت خاتم الانبیاء کے بعد جو ان کا قائم مقام ہوگا۔ وہ نبی تو نہیں ہوگا۔ کیونکہ نئے احکام لانے کی ضرورت نہیں۔ پس وہ امام ہوگا اور یہ واضح ہوگیا۔ کہ عالمی نبوت کے عہدہ دار کے بعد نبوت کی ضرورت تو بالکل ختم ہو جاتی ہے کیونکہ نبوت لانے کا نام ہے اور جب سب کچھ لایا جاچکا ہے تو مزید لانے والے کی کیا ضرورت؟ لہذا عالمی نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاتم الانبیاء ہو اور کلی رسول کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاتم المرسلین ہو، لیکن ہر امام کے بعد امام کی ضرورت باقی رہتی ہے بلکہ بڑھ جاتی ہے اور حضور چونکہ عالمی نبی تھے اور عالمی امام بھی تھے۔ لہذا ان کے بعد ان کے قائم مقام امام کی ضرورت ہے جو نظام کلی امت کا کفیل ہوسکتا ہو اور ہر سیاہ وسفید پر کنٹرول کر سکتا ہو اور جن وانس پر یکساں حکومت کا اہل ہو۔ عالمی مسائل کو جانتا ہو اور عالمی حل طلب امور میں عاجز آنے والا نہ ہو اور ایسی صفات کا حامل اور جامع صفاتِ امامت کلیہ امتِ محمدیہ میں سرکار رسالت کے بعد سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی ہے ہی نہیں چنانچہ تعصب کی عینک آنکھوں سے اتار کر جنہوں نے حقیقت کا جائزہ لیا۔ ان کو ماننا پڑا کہ واقعی عالمی امامت کی اہلیت سوائے علیؑ کے اور کسی میں نہیں ہے اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس مسئلہ کو مختلف عناوین کے تحت میں خوب واضح کیا ہے۔

(۸) یہ بھی واضح ہوگیا کہ عالمی امامت کا عہدہ دار سوائے عالمی نبی کے باقی تمام انبیاء سے افضل ہے کیونکہ جس معیار کے ماتحت عالمی نبی باقی انبیاء سے افضل ہے۔ وہ معیار عالمی امام میں بھی موجود ہے پس امّتِ اسلامیہ کی امامت اس شخص کے لیئے مخصوص ہے جو ماسلف انبیاء سے افضل ہو اور چونکہ انبیاء سب کے سب معصوم ہوا کرتے ہیں۔ لہذا حضرت محمد مصطفےٰ کے جانشین کے لئے ضروری ہے کہ معصوم ہو کیونکہ غیر معصوم معصوم سے افضل ہو نہیں سکتا۔

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون سے فرمایا اُخْلُفْنِیْ کہ تم میرے خلیفہ ہو اور چونکہ حضرت رسالتمآبؐ کو قرآن میں حضرت موسیٰ سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا اور حضرت رسالتمآبؐ نے اپنی امّت کو بنی اسرائیل سے تشبیہہ دی ہے اور فرمایا کہ تم میں وہی باتیں ظہور پذیر ہوں گی جو سابقہ امتوں میں تھیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت موسیٰؑ نے اپنے قائمقام کو نامزد فرمایا تھا تو اسی طرح حضورؐ بھی اپنی امّت کا نظام اپنی طرف سے کسی نامزد انسان کے حوالہ کریں گے۔ اگر موسیٰؑ کی امّت نے اجماع سے امام نصب کیا ہوتا تو امّتِ اسلامیہ کے لئے بھی اجماعِ اُمّت حجت ہوتا ورنہ قرآن میں مشابہت کا فیصلہ اور حضورؐ کا دونوں امتوں کے درمیان مشابہت بیان کرنا۔ خلافِ واقع ہو جائے گا اور دامن توحید و رسالت اس سے اجل وارفع ہے چنانچہ حضورؐ نے یہ بھی صاف صاف فرمایا تھا۔ یَاعَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ اے علیؑ تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔ تشبیہہ کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ ہارون نبی بھی تھا اور حضرت موسیٰؑ کی امامت کا ان کے بعد قائم مقام بھی تھا اور میرے بعد چونکہ نبوت تو ہے نہیں لیکن میرے بعد امام قیامت تک ہوں گے لہذا تو میرے بعد میری امّت کا امام ہے جس طرح ہارونؑ موسیٰؑ کے چلے جانے کے بعد اس کا قائم مقام اور امّت کا امام تھا۔ دونوں امّتوں کی تشبیہہ کے حوالہ جات تفسیر کی دوسری جلد میں دیکھئے۔ ص۱۶۵ تا ص۱۷۱

(۱۰) حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تھا اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (اصلاح کرنا اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا) یہ نہیں فرمایا کہ فسادیوں سے جنگ کرنا بلکہ یہی کچھ فرمایا کہ اپنی حد امکان تک درستی کی کوشش کرنا۔ اگر وہ اصلاح کو قبول نہ کریں۔ اور فساد پر آمادہ ہو جائیں تو تمہارا فریضہ جنگ کرنا نہیں بلکہ تمہارا فرض ہے، ان سے کنارہ کش ہو جانا اور ان کی اتباع نہ کرنا اور بس تو تاریخ شاہد ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے چلے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری کے گوسالہ کو پوجنا شروع کیا لیکن حضرت موسیٰؑ کے جانشین حقیقی اور امام وقت حضرت ہارونؑ نے صرف ان کو زبان سے منع فرمایا اور ان کے نہ ماننے کے بعد ان سے کنارہ کشی کر لی اور حضرت موسیٰؑ کی ناراضگی کے بعد یہی جواب دیا ہے اے ماں جائے مجھے قوم نے ذلیل کیا اور میری بات کو ماننا تو بجائے خود، قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں۔ آئیے اُمّتِ اسلامیہ کی تاریخ ذرہ چشم انصاف سے دیکھئے۔ قرآن کی تشبیہہ حرف بحرف صادق آئی اور فرمان نبوی سب کچھ ویسے ہوا جیسا بنی اسرائیل میں ہوا تھا۔ وہاں سامری نے گوسالہ پیش کیا اور سب اس کی پوجا پاٹ میں لگ گئے اور وصی پیغمبرؐ کی نہ کسی نے سننی تھی نہ سنی

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ

اور جب آئے موسیٰ ہمارے وعدے کے لئے اور اس سے کلام کیا اس کے رب نے تو عرض کی اے رب مجھے دکھا کہ نظر کروں تیری طرف فرمایا تو ہرگز مجھے نہ

وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ

دیکھے گا لیکن دیکھ طرف پہاڑ کے اگر وہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ تو تو مجھے دیکھ لے گا پس جب تجلی کی اس کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا

دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اس کو ریزہ ریزہ اور گرے موسیٰؑ بے ہوش ہو کر جب افاقہ ہوا تو عرض کی پاک ہے تو میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں۔

یہاں بھی بعینہٖ وہی حالت ہے کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد امت نے جس کو آگے کھڑا کر دیا، حضرت علیؑ نے اوّل حجت تمام فرمائی جیسا کہ ابنِ قتیبہ دینوری نے الامامۃ والسیاستہ میں اس روح فرسا منظر سے خوب نقاب کشائی کی ہے اور جب دیکھا کہ میری نہیں مانتے تو گوشہ تنہائی میں یکسوئی کی زندگی گذاری اور بوقتِ طلب بیعت جب آپ نے انکار کیا تو اُمّت سے پُرزور اصرار ہوا۔ آپ نے پوچھا اگر میں بیعت نہ کروں تو پھر کیا ہوگا؟ کہنے والے نے تلوار کھینچ کر بلا دریغ کہہ دیا کہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ ہم نے واقعہ کی قدرے تفصیل الامامۃ والسیاستہ کے حوالہ سے مقدمہ تفسیر میں درج کی ہے اور حضرت امیرالمومنینؑ اس واقعہ کو یاد کر کے یہی آیت پڑھتے تھے جو حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کے جواب میں پڑھی تھی۔ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ الخ انعقادِ خلافت کا مسئلہ ہماری کتاب "امامت وملوکیت" میں تفصیل سے پڑھیئے۔

اب یہ کہنا کہ حضرت علیؑ مشکل کشا تھے وہ لڑے کیوں نہیں تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارونؑ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کے وقت کیوں نہ لڑے؟ چونکہ ان کو بھی حضرت موسیٰؑ کی وصیت تھی کہ صرف اصلاح کرنا اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا۔ یہ نہیں فرمایا تھا کہ اصلاح نہ مانیں تو ان سے جنگ کرنا۔ یہاں حضرت علیؑ کو بھی اسی قسم کی وصیت تھی۔ جس پر آپ کو عمل کرنا تھا۔ نیز امتِ اسلامیہ کی امتِ موسویہ کے ساتھ تشبیہ کا مقصد بھی یہی تھا کہ ان میں وہی کچھ ہوگا جو ان میں ہوا تھا۔

پس علیؑ جو لطائف ورموزِ قرآنیہ کو سب سے بڑھ کر جاننے والے تھے۔ وہ کیسے ایسا اقدام کرتے جو مقصدِ قرآنی کے خلاف ہو۔

لِمِيْقَاتِنَا :- میقات اور وقت کا فرق ہم بیان کر چکے ہیں ص۸۵۔ یہاں یہ کہنا ہے کہ میقات وقت سے اس اعتبار سے عام ہے کہ وقت کا استعمال صرف زمان کے لئے مخصوص ہے لیکن میقات زمان پر بھی بولا جاتا ہے اور مکان پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جس طرح احرام کے مواقیت ان مقامات کا نام ہے۔ جن سے حاجی بغیر احرام باندھے آگے نہیں گذر سکتا۔ پچھلی آیت

میں میقات کا معنی وقت مقرر تھا اور یہاں میقات سے مراد مکان مقرر ہے۔

كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ :- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تمام انبیاء سے یہ خصوصی لقب ہے۔ جس سے صرف ان کو نوازا گیا ان کے ساتھ جو کلام ہوا وہ وحی و الہام کی قسم سے نہ تھا بلکہ حقیقی معنوں میں تھا۔ جبھی تو ان کو ہی خاص طور پر کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ اب وہ کلام درخت سے پیدا کیا گیا یا بادل سے آواز پیدا ہوئی۔ اس کا طے ہونا مشکل ہے اور کلام کے معنی کی مزید وضاحت تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہے۔

رَبِّ اَرِنِیْ صفحہ ۹۰ :- یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ جانتے تھے کہ خدا کی رویت ناممکن ہے؟ پھر اس بلند مرتبہ پیغمبرؑ نے رویتِ خدا کا سوال کیوں کیا؟

اس کا ایک جواب تو یہ دیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے لئے یہ سوال نہیں کیا تھا بلکہ آپ کی اکھڑ امت نے سوال کرنے پر آپ کو مجبور کیا تھا چنانچہ پہلے پارہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک خدا کو ظاہر بظاہر نہ دیکھیں پس حضرت موسیٰؑ کو یہ سوال کرنا پڑا۔ تفصیل تفسیر کی دوسری جلد میں ہے اور دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مجھے اپنی ذات کی علامات میں سے کوئی ایسی نشانی دکھا جس کی وجہ سے مجھے اطمینانِ نفس حاصل ہو۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے باوجود یقین کامل کے خدا سے مُردہ کو زندہ کرنے کا سوال کیا تھا۔

خَرَّ مُوْسٰی :- ابن عباس سے مروی ہے کہ عرفہ کے دن بروز خمیس شام کو آپ پر غشی طاری ہوئی اور جمعہ کی شام کو افاقہ ہوا گویا چوبیس گھنٹے اسی حالت میں رہے اور اسی دوران میں ان پر تورات نازل ہوئی اور حضرت موسیٰؑ کے ہمراہ جو ستر آدمی گئے تھے وہ سب کے سب جل کے خاکستر ہو گئے۔

دیدارِ خدا

خداوند کریم نے قرآن مجید میں کھلے الفاظ میں فیصلہ فرمایا ہے۔ لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ یعنی اس کو کوئی آنکھ نہیں پا سکتی اور وہ تمام آنکھوں کا احاطہ کر سکتا ہے۔

آنکھ اس چیز کو دیکھ سکتی ہے جو شکل و شباہت رکھتی ہو اور رنگ و لون کا محل ہو اور خدا وہ ہے کہ شکل نہ تھی اور وہ تھا اور وہ شکل کا خالق ہے۔ اسی طرح شباہت نہ تھی اور وہ تھا اور وہ شباہت کا خالق ہے نیز رنگ و لون نہ تھا اور وہ رنگ و لون کا خالق ہے اگر کسی کی شکل اور صورت میں یا کسی مثال میں اگر دکھائی دے تو وہ ان چیزوں سے پاک و منزہ ہے۔ یہ سب حادث ہیں اور وہ قدیم ہے فرماتا ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ نیز دیکھنے کی صورت میں محدود ہو کر دکھائی دے گا اور اگر محدود ہو گا تو محتاج مکان بھی ہو گا اور یہ سب صفتیں مخلوق کی شایان شان ہیں۔ نیز کسی وقت غیر محدود ہو جانا تغیّر کا دوسرا نام ہے اور شانِ الوہیت اس سے اجل و ارفع ہے۔

ایک دفعہ حضرت امیر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ مولا! فرمایئے آپ نے کبھی اپنے رب کو بھی دیکھا ہے؟ تو آپ نے فوراً جواب دیا کہ میں ایسے پروردگار کی عبادت نہیں کرتا جس کو دیکھا نہ ہو۔ ہاں ہاں۔ اس کو یہ آنکھیں مشاہدہ سے نہیں دیکھ

سکتیں لیکن دل اس کو ایمان کی حقیقت سے دیکھ سکتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے آنکھوں سے دیکھنا تو بجائے خود خدا وہ ہے جو کسی تصور میں نہیں آسکتا کیونکہ جو چیز تصور میں آئے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے نہ تھی پھر آگئی اور شانِ توحید اس سے بلند وبالا ہے۔ نیز جو بھی ذہن میں آئے گا وہ محدود ہوگا تو جس پر یہ ناقص ذہن حاوی ہو جائے اور وہ اس ناقص ذہن میں سما جائے وہ اتنی لمبی چوڑی مملکت کائنات پر حاوی کس طرح ہو سکتا ہے؟ پس شیعہ اعتقاد یہ ہے کہ خدا نہ آنکھ میں سما سکتا ہے اور نہ ذہن میں آسکتا ہے اور نہ عقل و وہم اس کا احاطہ کر سکتے ہیں اور نیز نہ عام اشخاص کو نہ علماء کو نہ اولیاء کو نہ آئمہ کو اور نہ انبیاء کو وہ کسی وقت بھی نظر آسکتا ہے نیز نہ وہ کسی کو دنیا میں نظر آسکتا ہے اور نہ قیامت میں کسی کو نظر آسکے گا اور کسی حدیث یا آیتِ قرآنی میں رویتِ خدا کے معنی کا اشتباہ پڑتا ہو تو واجب التاویل ہے۔ شیعہ مذہب میں خدا کی روئت قطعاً ناممکن ہے اور یہی مذہب حق ہے۔

روئت کے لئے جہاں مرئی میں چند شرائط کا ہونا ضروری ہے وہاں رائی میں اور روئت میں بھی کچھ شرائط ضروری ہوا کرتی ہیں جن کی وجہ سے دیکھنے والا کچھ دیکھ سکتا ہے اور مرئی چیز دکھائی دے سکتی ہے۔ ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ خدا میں وہ اوصاف نہیں جو مرئی میں ہونے چاہئیں اور رویت میں ان کے علاوہ چند باتیں اور بھی ضروری ہیں۔ مثلاً

۱۔ مرئی صرف اس کے جانب مقابل میں ہو اور بس ۲۔ مرئی لطیف نہ ہو ۳۔ مرئی دُور نہ ہو ۴۔ مرئی نزدیک تر نہ ہو۔

رویت کی ان شرائط میں سے اگر خدا کو مرئی ٹھہرایا جائے۔ تو رویت کی کوئی شرط بھی موجود نہیں۔ یہ شرائط اس لئے ضروری ہیں کہ اگر چیز صرف سامنے کی جانب نہ ہوگی تو آنکھ اس کا صحیح احاطہ نہ کر سکے گی اور اگر لطیف ہوگی تو آنکھ کی بصارت میں اتنی طاقت کہاں کہ لطیف اشیاء کا ادراک کر سکے اسی طرح طاقت بینائی صرف ایک مقدار معین کے فاصلہ تک صحیح کام کر سکتی ہے لہٰذا دور تر اشیاء بھی اس کے ادراک سے باہر ہیں اور نزدیک تر چیزوں کو بھی وہ نہیں پا سکتی۔ دیکھئے باوجود قریب ہونے کے آنکھ پلکوں کو نہیں دیکھ سکتی ہے۔ خداوندِ عالم ایک جہت مخصوصہ میں نہیں۔ نیز لطیفوں میں لطیف تر نزدیکیوں میں نزدیک تر اور بعیدوں میں بعید تر ہے۔ پھر یہ آنکھ اس کو کس طرح ادراک کر سکتی ہے۔

اور نظر کا دُور رس ہونا یا نہ ہونا طاقتِ بینائی پر منحصر ہوا کرتا ہے۔ ہماری طاقت بینائی خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو ہر ہر مقام پر اکثر ٹھوکریں کھا جاتی ہے اور معمولی سے معمولی بات میں لغزش کر جاتی ہے۔ چنانچہ طبائع انسانی پر آنے والے افکار و احزان جس طرح باقی حواس کو کسی حد تک معطل کر دیا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی فکر طویل میں کھویا ہوا انسان نزدیک کے ڈھول باجوں کی آوازیں نہیں سُن سکتا۔ قریب میں پڑے ہوئے نرگس و گلاب کی تیز تر خوشبو کو اس کے مشام جذب نہیں کر سکتے۔ اسی طرح کھاتے ہوئے عمدہ ولذیذ قسم کے کھانوں کی لذت کا زبان وحلقوم کو احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب باہر کے روح فرسا و ہوش رُبا حالات انسان کو باقی حواس سے بیگانہ کر دیتے ہیں تو آنکھیں بھی باقی حواس کی طرح متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں بلکہ معمولی تبدیلیٔ خیالات سے انسان بعض اوقات سامنے کھڑے ہوئے شخص کو آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود نہیں دیکھ سکتا اور یہ بات روزمرہ کے مشاہدات

سے تعلق رکھتی ہے اور ہر ذی شعور اس کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہے تو جب ہماری آنکھوں کو دنیاوی تغیرات و انقلابات کے معمولی سے معمولی ہوتے ہوئے باوجود شرائط رویت کی موجودگی کے ایک جسم مرئی کے ادراک سے روک دیتے ہیں تو یہ انقلاب و تغیر کی کٹھ پتلی آنکھ اس پروردگار کو کیسے دیکھ سکتی ہے جو شرائط رویت سے اجل و اعلیٰ ہے۔

نیز قرب و بعد کے بعد کے فرق سے چیز کا حجم و جسم آنکھ کے سامنے کم و بیش دکھائی دیتا ہے حالانکہ فی الواقع اس کی جسامت و حجم میں کوئی فرق نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً نزدیک میں چیز کا حجم بڑا معلوم ہوتا ہے اور وہی چیز دور چلی جائے تو چھوٹی معلوم ہوتی ہے ہوائی جہاز زمین پر ایک بڑا مکان دکھائی دیتا ہے۔ جس میں کافی انسانوں کے لئے، اٹھنے بیٹھنے بلکہ چلنے پھرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن فضا آسمانی میں دور چلے جانے کے بعد وہی جہاز نہایت معمولی جسم و حجم کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ اسی طرح گاڑی موٹر بس پر بیٹھے ہوئے انسان کو زمین پیچھے کی طرف سرکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے حالانکہ فی الحقیقت زمین کی بجائے گاڑی یا موٹر ہی آگے کو متحرک ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک شعلہ ہاتھ میں لے کر گھمانے سے دائرہ معلوم ہوتا ہے اور یہ سب آنکھ کی بینائی کا شاخسانہ ہے اور قوت وہم سے مرعوب ہونے کا نتیجہ ہے کہ شرائط رویت کے باوجود مرئی کے حجم کے حدبندی نہیں ہو سکتی اور ساکن و متحرک میں تمیز ختم ہو جاتی ہے اور نقطہ اور دائرہ کی شناخت ختم ہو جاتی ہے۔ نیز مصائب سے گھبرانے یا کسی خطرہ کے مقام سے گذرتے ہوئے جب ذہن انسانی خطرات کا تصور کرتا ہے تو سامنے آیا ہوا ایک دشمن اس کو دو دکھائی دیتا ہے۔ دس آدمیوں کے اس کو سو نظر آتے ہیں۔ شب تاریک میں صرف تصور کے پیش نظر اس کو جن و دیو ایک ڈراؤنی شکل میں نظر آتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت کچھ نہیں ہوا کرتی تو اب اندازہ کیجئے کہ جو آنکھ حالات خارجیہ اور خیالات داخلیہ کی بناء پر وہم سے اس قدر مرعوب ہو جائے کہ معدوم چیز اس کو موجود حقیقت دکھائی دے اور موجود حقیقت اس کو معدوم معلوم ہو۔ بتائیے اس آنکھ سے کیا توقع ہے کہ وہ خالق کائنات لیس کمثلہٖ شئی کا ادراک کر سکے گی۔

حاشا و کلا۔ بہرکیف خداوند متعال کی رویت کا عقیدہ رکھنا بالکل باطل اور خلاف حق ہے۔ ہاں جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم خدا کو دیکھ سکتے ہیں۔ صرف اہل بیت نبوت کی دشمنی نے ان کو اس ضد کے محاذ پر لا کھڑا کر دیا ہے ورنہ عقل سلیم قطعاً اس کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ چنانچہ عام مسلمانوں نے عقیدہ جما لیا ہے کہ خداوند کریم قیامت کے روز ہر شخص کو نظر آئے گا اور کرسی عدالت پر بیٹھ کر فیصلہ فرمائے گا اور دنیا میں ہر شخص کو نظر نہیں آسکتا بلکہ خواص کو مثلاً اولیاء اللہ کو نظر آسکتا ہے اور یہ سب باتیں بیہودہ فضول گپیں ہیں۔ ان کا ذکر کرنا فضول کی خامہ فرسائی ہے اور ایسوں کو سمجھانا بھی تضییع وقت کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (الآیہ)

بنابریں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال رویت اگر امت کے لئے ہے جیسا کہ پارہ اول میں مذکور ہوا ہے تو خیر لیکن اگر اپنے لئے ہے تو اس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ آپ نے قرب خداوندی کے منازل میں سے اس منزل پر رسائی کا سوال کیا جو ان کے لئے نہیں تھا اور عشق خداوندی نے ان کو اس سوال کی ہمت دی کہ میں معرفت کی اس حد تک رسائی کر جاؤں کہ ایسا معلوم ہو

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ

فرمایا اے موسیٰ تحقیق میں نے تم کو چن لیا ہے لوگوں پر ساتھ اپنی رسالت اور اپنے کلام کے

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ

پس لے جو میں نے عطا کی اور ہو جا شکر کرنے والا اور لکھا ہم نے اس کے لئے تختیوں میں

جس طرح کوئی آدمی کسی کو سامنے دیکھ رہا ہو۔ پس میرے اور تیرے درمیان سے بعد اور دوری کے حجابات سارے ختم کر دیئے جائیں۔ تو ارشاد ہوا۔ میرے قرب کی وہ منزل حاصل کرنا تیرے بس سے باہر ہے اور تیری طاقت برداشت سے بالاتر ہے۔

الواحِ موسیٰ

قَالَ يٰمُوْسٰى :- تفسیر صافی میں عیاشی سے جفر کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ خدا نے حضرت موسیٰ پر الواح تورات نازل فرمائی ہیں جن میں تمام علوم درج تھے۔ جب حضرت موسیٰ کا زمانہ انتہا کو پہنچا تو حکم پروردگار ہوا کہ الواح کو واپس کر دیجئے۔ چنانچہ وہ تختیاں زبرجد کی تھیں اور بہشت کے پہاڑ زینت سے لی گئی تھیں پس حکم ملنے کے بعد حضرت موسیٰ نے تختیاں اٹھالیں اور پہاڑ کے دامن میں آئے۔ بحکم خدا پہاڑ شگافتہ ہوا۔ اور حضرت موسیٰ نے وہ تختیاں لپیٹ کر اس میں رکھ دیں تو وہ شگاف بحکم خدا مل گیا اور تختیاں اس میں چھپ گئیں۔ جب حضرت رسالتمآبؐ مبعوث ہوئے تو ایک یمن کا قافلہ خدمت نبوی میں شرف یاب ہونے کے لئے آرہا تھا کہ اس پہاڑ سے ان کا گزر ہوا پس وہ پہاڑ پھٹا اور تختیاں ظاہر ہوگئیں۔ ان لوگوں نے اٹھالیں اور حضرت رسالتمآب کی خدمت میں ویسے کی ویسے لپٹی ہوئی لے آئے ادھر بذریعہ وحی کے حضورؐ کو اطلاع مل گئی۔ جب وہ پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ تم کو جو چیز ملی ہے وہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا آپ کو کیسے معلوم ہوا تو فرمایا مجھے جبرائیل نے خبر دی ہے۔ انہوں نے فوراً کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہوگئے۔ انہوں نے وہ الواح سامنے رکھیں۔ آپ نے ان کو پڑھا۔ پھر حضرت علیؑ کو بلا کر ان کے حوالے کر دیں اور حکم دیا کہ رات کو اپنے سر کے نیچے رکھ کر سو جائیں۔ جب علیؑ رات کو سر کے نیچے رکھ کر سوئے اور صبح کو اٹھے تو ان کے تمام علوم کے آپ حافظ تھے حضورؐ نے ان کے لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے ان کو اپنی قلم سے لکھ لیا۔ اور اسی کا نام جفر ہے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جفر ہمارے پاس موجود ہے اور عصائے موسیٰ بھی ہمارے پاس موجود ہے اور ہم ہی تمام انبیاء کے وارث ہیں۔

اقول :- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الواح تورات کے علاوہ ہیں جو حضرت موسیٰ کو تورات کے علاوہ عطا ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ ص۹۵ :- آیت مجیدہ کے معنی میں کئی تاویلیں کی گئی ہیں۔

۱۔ آیات سے مراد معجزات انبیاء اور باقی ادلہ حقہ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہماری آیات کی تصدیق کی وجہ سے جو مومنوں

مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡعِظَةً وَّتَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ ۚ فَخُذۡهَا بِقُوَّةٍ وَّاۡمُرۡ

ہر قسم کی چیز از روئے نصیحت کے اور تفصیل ہر شے کی پس پکڑ اس کو قوت سے اور حکم دے اپنی قوم کو پکڑیں اس کی

قَوۡمَكَ يَاۡخُذُوۡا بِاَحۡسَنِهَا ؕ سَاُورِيۡكُمۡ دَارَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝۱۴۵ سَاَصۡرِفُ

اچھی باتیں عنقریب دکھاؤں گا تم کو گھر فاسقوں کا عنقریب پھیر دوں گا

عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا

میں اپنی آیات سے ان کو جو تکبر کرتے تھے زمین میں ناحق اور اگر دیکھیں ہر قسم کی آیت تو نہ ایمان لائیں

کے لئے کرامات و انعامات مقرر ہیں۔ ان سے متکبرین کو محروم کیا جائے گا جو ہدایت کے راستہ پر گامزن نہیں ہوتے اور گمراہی کے راستہ پر چلتے ہیں اور ہر قسم کی براہین و معجزات پر ایمان نہیں رکھتے پس انعاماتِ الٰہیہ سے ان کی محرومی کی وجہ تکذیب آیاتِ الٰہیہ ہے۔ اس صورت میں ذالک بانھم الخ ساصرف کی تعلیل ہے۔

۲۔ اپنی آیات کی تکذیب سے متکبر لوگوں کے رُخ پھیر دوں گا کہ وہ میری نشانیوں اور براہین حقہ میں جرح و قدح کا راستہ نہ پاسکیں گے کیونکہ اپنی آیات کو خوب محکم اور مضبوط کروں گا۔ یہ اس طرح ہے جس طرح کہا جائے کہ فلاں شخص نے اپنے اخلاق کریمانہ کی بدولت اپنے دشمن کے مُنہ میں لگام دے دی یعنی متکبرین کے مُنہ میں لگام دے دوں گا۔ اس صورت میں ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ اپنے قریبی جملوں کی تعلیل ہے یعنی اِنۡ يَّرَوۡا۔

۳۔ میری آیات کی تبلیغ کے سامنے جو لوگ از راہِ تکبر روڑے اٹکاتے پھرتے ہیں، میں ایسے اسباب پیدا کروں گا کہ ان کا ناطقہ بند ہوگا اور خلل اندازی پر قدرت نہ پائیں گے۔ اس صورت میں بھی ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ کا تعلق اپنے قریبی جملوں کے ساتھ ہے

حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ ص۹۶ ۔ یعنی جو لوگ آیات کی تکذیب اور روزِ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے اعمال ناقابلِ جزا ہوں گے کیوں کہ اعمال کی صحت عقائد کی درستی پر موقوف ہے۔ جب ان کے عقائد غلط اور خلافِ واقع ہیں تو ان کے اعمال بھی باطل اور رائیگاں ہیں۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہم نے مقدمۂ تفسیر میں ایک مستقل عنوان میں کردی ہے۔

بِهَا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَإِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ

ساتھ اس کے اور اگر دیکھیں ہدایت کا راستہ تو نہ بنائیں اس کو راستہ اور اگر دیکھیں گمراہی کا راستہ تو بنالیں اس کو

سَبِيْلًا ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

راستہ یہ اس لئے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور تھے ان سے غافل اور جنہوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

ہماری آیات کو اور قیامت کی پیشی کو حبط ہو گئے ان کے اعمال ان کو نہ بدلا دیا جائیگا مگر اس کا جو وہ کرتے تھے

رکوع نمبر ۸

سامری اور گوسالہ

وَاتَّخَذَ ص۹۷:- قصہ یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل فرعونیوں میں جزیہ دے کر زندگی بسر کیا کرتے تھے اور جب عید کا دن ہوتا تو انہی سے زیورات عاریۃً لے لیا کرتے تھے۔ جس دن حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر نکل جاؤ۔ وہ عید کا دن تھا اور فرعونیوں کے زیورات اُن کے پاس موجود تھے۔ جب دریائے نیل عبور کر کے پار ہوئے اور فرعون بمعہ لشکر کے غرق ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام وعدۂ خداوندی کے ماتحت اپنے بھائی حضرت ہارون کو جانشین بنا کر کوہِ طور کی طرف چلے گئے۔ جب تیس دن گذر گئے تو سامری نے بنی اسرائیل سے فرعونیوں کے زیورات اکٹھے کر کے سونے کو پگھلا کر ایک گوسالہ کا نمونہ بنا دیا کیونکہ یہ شخص کاریگر تھا۔

مِنْ حُلِيِّهِمْ ص۹۷:- محلاً منصوب ہے کیوں کہ وَاتَّخَذَ کا مفعول اوّل ہے اور دوسرا مفعول عجلاً ہے۔ یعنی اِتَّخَذَ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا اور جَسَدًا بدل ہے عِجْلًا سے۔

لَهٗ خُوَارٌ - یعنی وہ گائے کے بچے کی طرح آواز کرتا تھا۔ اس کے آواز کی وجہ میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جبرائیل کے گھوڑے کے سموں کی مٹی سامری نے اپنے پاس محفوظ رکھ لی تھی پس جب سونے سے بچھڑا بنایا تو اس کے منہ میں وہ مٹی ڈال دی۔ پس وہ آواز کرنے لگ گیا۔ سامری غالباً حضرت موسیٰؑ کی زبانی اس مٹی کی تاثیر سن چکا تھا۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس جسم کے اندر ایسے پرزے اس نے فٹ کئے تھے کہ وہ ہوا کو جذب کرتے تھے۔ یعنی نالی کی قسم کے کھو کھلے تھے پس جب اس کو ہوا کے رُخ پر رکھا جاتا تھا تو ہوا کی وجہ سے اس میں مخصوص آواز پیدا ہوتی تھی۔

۳۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک مخصوص جگہ پر اس کو نصب کر دیا جاتا تھا اور اس کے پیچھے ایک آدمی کو چھپا کر بٹھا دیا جاتا جو بچھڑے کی طرح اس میں منہ رکھ کر آواز کرتا تھا اور بنی اسرائیل سمجھتے تھے کہ بچھڑا بول رہا ہے۔ بہر کیف جو صورت تھی قرآن

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ

اور بنایا قوم موسیٰ نے اس کے بعد ان کے زیوروں سے بچھڑا ایک جسم جس کے لئے آواز تھی کیا

يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کے ساتھ نہ بات کرتا ہے اور نہ ان کو ہدایت کرتا ہے راستہ کی بنایا اس کو اور وہ تھے ظالم

شہادت دے رہا ہے کہ اس بچھڑے سے آواز آتی تھی۔ لہٰذا آواز کا آنا یقینی ہے خواہ وجہ کچھ بھی ہو۔

چونکہ بنی اسرائیل نے دریا پار ہونے کے بعد جب ایک بُت پرست قوم کو دیکھا تھا تو حضرت موسیٰ سے التجا کی تھی کہ ہمارے لئے بھی اسی طرح کا ایک خدا بنائیے جس طرح ان لوگوں کا ہے تو آپ نے ان کو جاہل کہہ کر ڈانٹ دیا تھا لیکن ان کی خواہش دیرینہ ختم نہ ہوئی تھی صرف مرعوب ہو کر چُپ تھے۔ ادھر سامری کو موقعہ ہاتھ آیا اور ان کے سابقہ احساسات کا اس کو خوب پتہ تھا۔ پس ایک جسم بنا ڈالا اور اس سے آواز پیدا کر کے ان کو اس کا متوالا بنا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ سونے کا جسم رہا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ گوشت و خون بن گیا تھا۔ خدا معلوم جو بھی ہو سادہ لوح بنی اسرائیل کی فریب دہی کے لئے وہ بہت کافی تھا۔ پس انہوں نے فریب خوردہ ہو کر اس کی پوجا شروع کر دی۔

سامری ایک ہوشیار و چالاک آدمی تھا۔ بات کرنے کا اس کو خوب ڈھنگ تھا اور پوری قوم پر اپنی ہوشیاری کی وجہ سے اس نے سکہ جمایا ہوا تھا اور لوگ اس کی مانتے تھے۔ جب حضرت موسیٰؑ کو تیس دن کوہ طور پر گئے ہوئے گذر گئے تو اس نے اپنی تحریک کو مضبوط بنانے کے لئے اور اس کا راستہ ہموار کرنے کے لئے پہلے تو یہ مشہور کر دیا کہ حضرت موسیٰ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں ان کی واپسی کی انتظار فضول ہے۔ جب بنی اسرائیل کی طبائع میں یہ انتشار ڈالا تو فوراً بچھڑا بنا کر ان کو اس کی عبادت کی دعوت دے دی اور انہوں نے بے سوچے سمجھے اس کی اطاعت شروع کر دی

حضرت ہارون ان کو لاکھ سمجھاتے بجھاتے رہے اور بُت پرستی کے نتائج بد سے ان کو آگاہ کرتے رہے۔ بہر کیف عہدہ تبلیغ جو کچھ اور جس حد تک ان پر عائد تھا۔ اس کے ماتحت اُنہوں نے کمی نہ کی لیکن نتیجہ یہ ہُوا کہ اکثریت نے ذرہ بھر اثر نہ لیا۔ البتہ کچھ آدمی غیر جانبدار ہو گئے اور نہایت ہی کم مقدار تھی جو حضرت ہارونؑ کی بات مان گئے اور گوسالہ پرستوں سے کٹ کر علیحدہ ہو گئے۔

ادھر کوہ طور پر خداوند کریم نے سامری کا کرتوت اور قوم کی گوسالہ پرستی کا ڈھونگ حضرت موسیٰؑ پر واضح کر دیا۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ مثلہ :- یہ ایک محاورہ ہے جو انتہائی قلق و اضطراب کو ظاہر کرتا ہے۔ جب ان کے ہاتھ سے نکل گئی یعنی انتہائی مضطرب ہوئے اور یہ اس وقت جب حضرت موسیٰؑ نے واپس آکر سرزنش کی اور گوسالہ کو آگ میں جلا دیا۔ (برہان)

وَلَمَّا سُقِطَ فِيٓ اَيۡدِيۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ

اور جب ان کے ہاتھوں سے نکل گئی اور سمجھا کہ ہم گمراہ ہو چکے ہیں تو کہنے لگے اگر

لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا رَبُّنَا وَيَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ (۱۴۹)

نہ رحم کرے ہمارا رب اور نہ بخشے ہمیں تو ہم ہو جائیں گے خسارہ پانے والوں میں

امتِ اسلامیہ کی امتِ موسویہ سے تشبیہ جس کا لسانِ قرآن اور زبانِ پیغمبرؐ نے اپنی امت پر واضح الفاظ میں اعلان فرمایا ہے۔ غالباً تاریخی حقائق پر نظر رکھنے والے اس لحاظ سے ہر دو امتوں میں سرِمو فرق نہیں نکال سکتے اور حضورؐ نے غیر مبہم الفاظ میں فرمایا تھا کہ جو کچھ وہاں ہوا تھا وہ سب کچھ تم میں ہوگا اور دونوں امتوں کے درمیان مکمل تشبیہ کی مثال دے دی کہ فرمایا۔

حذو النعل بالنعل :۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید صرف سابقہ انبیاء کے قصوں کو ہی دہراتا ہے اور قرآن حکیم کو صرف قصہ خوانی کی حیثیت دے رکھی ہے لیکن اگر دوررس نگاہوں سے اس حکیمانہ طرزِ بیان پر طائرانہ نگاہ بھی ڈالی جائے۔ تو سلیم الطبع انسان صحیح نتیجہ تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے اور وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ یہ صرف قصہ ہی قصہ نہیں بلکہ موجودہ امت کے لئے درس آموز اور نصیحت آمیز بیان ہے تاکہ یہ لوگ اس قسم کی غلط کاریوں میں مبتلا نہ ہوں جن کا خمیازہ سابقہ امتوں کو بھگتنا پڑا تھا اور قرآن مجید نے رسالتمآبؐ کی آمد کو حضرت موسیٰؑ کی آمد کے ساتھ تشبیہ دے دی تاکہ امتِ اسلامیہ کے کان کھلیں اور پھر پیغمبر کی زبان وحی ترجمان نے اس کی پوری وضاحت فرما دی تاکہ کند سے کند ترین افرادِ امت بھی منشاءِ خداوندی کے سمجھنے میں پیچھے نہ رہیں لیکن جاہ طلبی اور اقتدار کی پیاس نے ان سب باتوں سے چشم پوشی کرنے پر مجبور کیا نہ اثر لینا تھا اور نہ لیا اور سب کچھ ویسا ہی کر دکھایا جو حضرت موسیٰؑ کی امت نے کیا تھا۔ لہٰذا قرآن مجید کی آیات کا ظاہر اگرچہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو ان کے مصداقِ ظاہری تھے لیکن انہی آیات کا باطن اور تاویل تا قیامت ان لوگوں کے حق میں ہے جو ان جیسے اعمال و کردار کا مظہر بنیں گے اور حضور کا واضح فرمان یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الخ اگر سوچا سمجھا جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور کی حیثیت موسیٰ کی تھی اور علیؑ کی حیثیت ہارونؑ کی تھی۔ وہاں حضرت موسیٰ کی وصیت تھی کہ میرا بھائی ہارونؑ میرا خلیفہ ہے۔ اس کی اطاعت کرنا۔ یہاں بارہا حضورؐ نے ببانگِ دہل ارشاد فرمایا کہ علیؑ میرے بعد خلیفہ ہے اس کی اطاعت کرنا وہاں ہارونؑ کے خلاف ہنگامہ آرائی ہوئی اور اکثریت نے ہارونؑ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہاں حضرت علیؑ کے خلاف ہنگامہ آرائی ہوئی اور اکثریت نے حضرت علیؑ کا ساتھ چھوڑ دیا وہاں ہارونؑ کو شکایت تھی کہ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ کہ تحقیق قوم نے مجھے کمزور سمجھا تھا اور میرے قتل کے درپے تھی[۱] وہاں حضرت موسیٰؑ کے چلے جانے کے بعد لوگوں کی اکثریت دین چھوڑ کر مرتد ہو گئی تھی اور

[۱] یہاں حضرت علیؑ کو شکایت ہے کہ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ یعنی تحقیق قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور میرے قتل کے درپے تھی۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰٓ إِلَىٰ قَوْمِهِۦ غَضْبَٰنَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِى مِنۢ

اور جب پلٹے (حضرت) موسیٰ طرف اپنی قوم کے غصہ میں افسوس کرتے ہوئے فرمایا بُرا کیا ہے تم نے میرے

بَعْدِىٓ ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى ٱلْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ

بعد کیا سبقت کی تم نے اپنے رب کے امر سے اور پھینکا تختیوں کو اور پکڑا سر اپنے بھائی کا کہ

يَجُرُّهُۥٓ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ٱبْنَ أُمَّ إِنَّ ٱلْقَوْمَ ٱسْتَضْعَفُونِى وَكَادُوا۟ يَقْتُلُونَنِى

اسے کھینچا اپنی طرف اس نے کہا ماں جائے تحقیق قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالیں

فَلَا تُشْمِتْ بِىَ ٱلْأَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِى مَعَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ

پس نہ خوش کر میرے ساتھ دشمنوں کو اور نہ قرار دے مجھے ساتھ ظالم لوگوں کے کہا اے رب

ٱغْفِرْ لِى وَلِأَخِى وَأَدْخِلْنَا فِى رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنتَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ ﴿۱۵۱﴾

بخش مجھے اور میرے بھائی کو اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما کہ تو ارحم الرّاحمین ہے

یہاں بھی ارتداد کی کوئی کمی نہیں تھی تھوڑے تھے جو دینِ خدا پر ثابت قدم رہے ورنہ اکثریت کا دین صرف اقتدار ہی اقتدار تھا چنانچہ حدیثِ حوض جو صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں حوضِ کوثر پر تمہارا منتظر ہوں گا۔ بہت سے لوگ جن کو میں جانتا ہوں گا میرے سامنے حوض سے ہٹائے جائیں گے تو میں کہوں گا یہ تو میرے صحابی ہیں۔ پس ندا آئے گی آپ کو پتہ نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کون سے کرتوت کئے ہیں یہ لوگ آپ کے بعد مُرتد ہو گئے تھے اور پچھلے قدم دین سے پھر گئے تھے۔ ہم نے مقدمہ تفسیر میں حدیثیں من وعن باحوالہ نقل کر دی ہیں۔ اگر طبیعت میں انصاف ہو تو حق سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں لیکن اگر تعصب و عناد طبیعت ثانیہ بن چکی ہو تو دلائل تو بجائے خود چشم دید معجزات بھی کارگر نہیں ہو سکتے۔

أَعَجِلْتُمْ ؛ یعنی حضرت موسیٰؑ نے واپس آکر فرمایا کہ تم لوگوں نے وعدۂ خداوندی کے پُورا ہونے کی انتظار بھی نہ کی۔ اور میرے چلے جانے کے بعد فوراً گوسالہ پرستی کا نیا دین کھڑا کیا اور غم و غصہ طبیعت میں اس قدر آیا کہ آتے ہی الواح کو الگ پھینک دیا اور حضرت ہارون کی ڈاڑھی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ علمائے اعلام نے حضرت موسیٰؑ کے اس فعل کی چند توجیہات کی ہیں۔

۱۔ جس طرح انسان فرطِ غم میں آکر حیرت و عجب میں گرفتار ہو کر اپنی ڈاڑھی پکڑ لیا کرتا ہے اسی طرح ان کی بت پرستی سے اس قدر سخت متاثر ہوئے کہ اپنے فرطِ غم اور شدتِ حزن و ملال کا اظہار متفکرانہ انداز سے اس صورت میں کیا کہ حضرت ہارونؑ کی ڈاڑھی پکڑی اور حضرت ہارونؑ یہ سمجھے کہ مجھ پر ناراض ہو رہے ہیں فوراً عرض کی حضورؑ اس میں میرا قصور کوئی نہیں ہے یہ

لوگ مجھے کمزور سمجھ کر مجھے مارنے پر تلے ہوئے تھے تب حضرت موسیٰؑ نے فوراً دعا کی کہ اے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور اپنی رحمت میں ہم کو جگہ دے۔

(۲) حضرت ہارونؑ کو اپنی طرف بوجہ ناراضگی کے نہیں بلکہ حقیقتِ حال کے معلوم کرنے کے لئے کھینچا تھا۔

(۳) حضرت موسیٰؑ واپس آئے تو جو تکلیف ان کے دل میں ہوئی تھی اور جو اضطراب وقلق ان کو تھا دیکھا کہ حضرت ہارونؑ بھی اپنے مقام پر اسی درد دل اور پریشانی میں مبتلا ہیں اور ان کو بھی قوم کے ارتداد اور بے دینی کا ویسا ہی احساس ہے لہذا آکر ہارونؑ کو گلے لگانے کے لئے اور درد وغم کم کرنے کی خاطر ان کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور حضرت ہارونؑ نے سمجھا کہ شاید جہال یہ جانیں گے کہ حضرت موسیٰؑ ان کی توہین کر رہے ہیں۔ لہذا فوراً عرض کر دی کہ میں اس معاملہ میں اپنی حجت تمام کر چکا ہوں اور خود بے قصور ہوں تو حضرت موسیٰؑ نے اپنے اور اپنے بھائی ہارون دونوں کے لئے دست بدعا ہو کر اپنے عمل سے واضح فرما دیا کہ ہارونؑ کو میرا اپنی جانب کھینچنا توہین کے لئے نہیں تھا بلکہ پیار ومحبت کے لئے تھا۔

فَلَا تُشْمِتْ: شماتت سے ہے اور اس کا معنی ہے کسی کی مصیبت یا تکلیف پر خوش ہونا اور ایک حدیث میں حضرت جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اپنے برادر ایمانی پر شماتت نہ کرو یعنی اس کی مصیبت پر خوش نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ خدا اس پر رحم کرکے اس کو معاف کر دے اور تجھے گرفتار کرے اور فرمایا کہ جو شخص بھی اپنے برادر ایمانی کی مصیبت کو دیکھ کر خوش ہو تو دنیا سے نہیں جائے گا جب تک کہ اس مصیبت میں گرفتار نہ ہو گا۔ (اصول کافی صـ۳۶۱ باب الشماتۃ)

رکوع نمبر ۹

اِنَّ الَّذِيْنَ صـ۱۰۱: تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو عبد بھی اپنے ایمان کو چالیس دن تک اللہ کے لئے خالص رکھے یا جو عبد بھی چالیس دن تک اللہ کے ذکر کی مدت مقرر کرے۔ خدا اس کو دنیا سے بے نیاز کر دے گا اور اس پر اس کے نفس کی بیماری اور علاج واضح فرما دے گا اور اس کے دل میں حکمت کو جگہ دے گا اور زبان پر حکمت کو جاری کرے گا۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھ کر فرمایا کوئی صاحب بدعت نہ دیکھو گے مگر یہ کہ وہ ذلیل ہوگا اور اللہ ورسولؐ واہلبیتؑ پر کوئی افترا باندھنے والا نہ پاؤ گے مگر رسوا وخوار۔

سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ: حضرت موسیٰؑ کی قوم جنہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی، ان کو قتل کی سزا دی گئی۔ جس طرح کہ تفسیر کی جلد دوسری میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے لیکن اس مقام پر فعل مستقبل کا استعمال ان لوگوں کی تنبیہہ اور تہدید کے لئے معلوم ہوتا ہے جو امت موسیٰؑ کی غلط کاریوں کو اپنانے والی تھی تاکہ قبل از وقت ان کو خواب غفلت سے جگا کر حجت تمام کر دی جائے اور قرآن مجید میں اس واقعہ پر پرزور سرزنش اور متعدد بار اس کا نہایت اہمیت کے ساتھ تذکرہ قرآن

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ

تحقیق جنہوں نے بنایا بچھڑے کو (خدا) پہنچے گا ان کو غضب اپنے رب کا اور خواری

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا

زندگی دنیا میں اور اسی طرح ہم بدلہ دیں گے افتراء کرنے والوں کو اور جنہوں نے عمل

السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا

بُرے کئے پھر توبہ کی بعد اس کے اور ایمان لائے تحقیق تیرا رب اس کے بعد البتہ

لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٥٣﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَن مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ

بخشنے والا مہربان ہے اور جب ختم ہوا موسیٰ کا غصہ پکڑا تختیوں کو

وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿١٥٤﴾

اور اس کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں

کے ماننے والوں یعنی اہل اسلام کو متوقع خرابیوں سے بچانے کے لئے تازیانہ عبرت کی حیثیت ہے ورنہ اگر صرف قصہ بیان کرنا مقصود ہوتا۔ اولاً شان حکیمانہ کے خلاف ہے ثانیاً ایک ہی مرتبہ سنا دینا کافی تھا۔ یہ بار بار کی دھرائی صرف مسلمانوں کو ہوشیار و بیدار کرنے کے لئے ہے کہ مبادا یہ لوگ مبتلا ہو جائیں لیکن مسلمانوں نے ہوس اقتدار میں آکر خدا اور رسولؐ کی ایک نہ سُنی اور اپنی من مانی کرکے رہے۔

وَالَّذِينَ عَمِلُوا ۔ گنہگار اُمت کی تسلی کے لئے ہے کہ اگر غلطی ہو جائے لیکن بعد میں انسان توبہ کرلے تو خداوند کریم اس کو بخش دیتا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت رسالتمآبؐ کے خصوصی اصحاب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے سلیمان، مقداد اور ابوذر کا نام لیا۔ راوی نے عمار کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ بھی اچھا تھا۔ لیکن ابتداءً یہ بھی پھسلنے والوں میں سے تھا اور بعد میں سنبھلا تھا۔ بہرصورت معصومؑ کا ارشاد ہے۔ گناہ سے توبہ کرنے والا انجام کے لحاظ سے نہ گناہ کرنے والا ہے (کافی)

حقِ انتخاب

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ ص۱۰۲ ۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ مروی ہے۔ معصومؑ سے دریافت کیا گیا۔ حضور فرمائیے لوگوں کو اپنے امام کے انتخاب کا اختیار کیوں نہیں دیا گیا؟ آپ نے فرمایا تیرا سوال سمجھنے کیلئے ہے یا بحث کے لئے؟ تو اس نے عرض کی حضورؐ میرا سوال سمجھنے کے لئے ہے۔ پس آپ نے فرمایا۔ جب ایک

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور چنے موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ گاہ کے لئے تو جب پکڑا ان کو زلزلہ نے

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

کہا موسیٰ نے اے رب اگر تو چاہتا تو ان کو مار دیتا پہلے اور مجھے بھی کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے بوجہ فعل بیوقوفوں

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ

کے ہم سے نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہے اور ہدایت کرتا ہے جسے

تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

چاہے تو ہی ہمارا ولی ہے پس بخش ہمیں اور ہم پر رحم کر اور تو بہتر بخشنے والا ہے

مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان دوسرے کے دل کی بات نہیں جان سکتا کہ اس میں اچھائی ہے یا برائی تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ لوگ مل کر ایک فسادی اور برے آدمی کو چن بیٹھیں ؟ راوی نے عرض کی۔ جی ہاں ! آپ نے فرمایا۔ اسی وجہ سے خدا نے امام کے انتخاب کا حق ان کو نہیں دیا۔ دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ میں ایک ایسی دلیل پیش کرتا ہوں کہ تیرا عقل مان جائے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ خدا نے جو رسول بھیجے ہیں اور ان پر کتابیں اُتاریں اور ان کو زیورِ عصمت سے آراستہ بھی کیا جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تو باوجود کمالِ عقل و فہم کے کیا ہوسکتا ہے کہ یہ اولوالعزم پیغمبر ایک شخص کو مومن سمجھ کر انتخاب کر بیٹھیں اور وہ درحقیقت منافق ہو ؟ راوی نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سوچ کر بتاؤ حضرت موسیٰؑ نے باوجود کمال عقل و فہم کے اپنی قوم میں چیدہ ستر آدمی انتخاب کئے جن کے ایمان میں ذرہ بھر شک نہیں تھا لیکن درحقیقت وہ منافق تھے چنانچہ قرآن مجید حکایت کرتا ہے حضرت موسیٰؑ نے ستر آدمیوں کو چنا اور یہی وہ تھے کہ ان کے ظلم و انکار کی وجہ سے ان پر صاعقہ نازل ہوا اور مر گئے۔ آپ نے فرمایا۔ جب ہم نے دیکھا کہ ایک نبی مصطفےٰ کا انتخاب غلط ہوسکتا ہے اور مومن کے خیال سے فسادی کا انتخاب کر بیٹھتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ انتخاب کا حق صرف اسی ذات کے لئے ہے جو دلوں اور سینوں کے رازوں کو جاننے والی ہے۔ اس وضاحت کے بعد جب نبی کا انتخاب نیک سمجھتے ہوئے بد پر ہوسکتا ہے تو پھر مہاجرین و انصار کے انتخاب کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

اِنْ هِيَ اِلَّا : جب خداوند کریم نے حضرت موسیٰؑ کو قوم کی گوسالہ پرستی کی خبر دی اور موسیٰؑ نے پوچھا کہ گوسالہ تو سامری نے بنایا لیکن بولنے کی طاقت کس نے دی تو ارشاد ہوا وہ میں نے دی ہے پس موسیٰؑ نے عرض کی۔ میرے پروردگار بس تیری یہ آزمائش ہے اسی کے ذریعے سے پاس ہونے والے کو راہِ راست ملے گا اور فیل ہونے والا گمراہی کی پُرخطر وادی میں جا

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ

اور لکھ ہمارے لئے اس دنیا میں نیکی اور آخرت میں تحقیق ہم جھک گئے تیری طرف فرمایا

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا

اپنا عذاب دیتا ہوں جسے چاہوں اور میری رحمت وسیع ہے ہر شے سے پس اس کو لکھوں گا

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

ان کے لئے جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں

گرے گا چونکہ اسباب اللہ کی جانب سے ہوتے ہیں۔ ورنہ انسان کا ہدایت یا گمراہی کو اختیار کرنا اس کے اپنے اختیار کی بات ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے ضلالت وہدایت دونوں کو ذات اقدس الٰہی کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ اگر خدا کی طرف سے آزمائش کا قصہ نہ ہوتا مثلاً گوسالہ میں بولنے کی طاقت نہ پیدا کرتا تو کیوں کوئی اس کو پوجتا اور وہ بھی چاہتا ہے کہ سوچ سمجھ کر جو ایمان لائے وہ مقبول ہے اندھا دھند ایمان لانا۔ اس کو بھی پسند نہیں اسی لئے ایسے اسباب وحالات پیدا کرتا ہے کہ کوئی ایمان لائے تو سوچ سمجھ کر اور کوئی گمراہ ہو تو بھی سوچ سمجھ کر جس طرح فرمایا۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا۔ یعنی ہم نے انسان کو راہ دکھا دی خواہ وہ شکر گزار ہو یا کافر ہو اور مسئلہ جبر و اختیار پر سیر حاصل تبصرہ ہم تفسیر کی دوسری جلد میں خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ: تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل زلزلہ کے عذاب میں اس لئے مبتلا ہوئے کہ انہوں نے حضرت موسیٰؑ پر حضرت ہارونؑ کے قتل کا الزام لگایا تھا۔ واقعہ اس طرح تھا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ اور حضرت ہارونؑ کے دونوں فرزند شبر اور شبیر پہاڑ کی طرف گئے اور دامن کوہ میں حضرت ہارونؑ سو گئے اور خدا نے ان پر موت نازل کر دی۔ پس حضرت موسیٰؑ ان کو دفن کر کے واپس آ گئے تو بنی اسرائیل نے پوچھا۔ ہارونؑ کہاں گئے؟ تو آپ نے جواب دیا۔ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کہا ایسا نہیں بلکہ چونکہ حضرت ہارونؑ نہایت خلیق اور ملنسار انسان تھے اور ہمیں ان کے ساتھ کافی وابستگی تھی۔ اس لئے آپ نے حسد کیا ہے اور ان کو قتل کر دیا ہے چنانچہ حضرت ہارونؑ کی قبر پر موسیٰؑ ان کو ساتھ لائے اور حضرت ہارونؑ سے خطاب کر کے فرمایا۔ بتائیے تجھے قتل کیا گیا ہے یا اپنی موت سے مرا ہے۔ حضرت ہارونؑ نے قبر کے اندر سے جواب دیا۔ میں اپنی موت مرا ہوں مجھے کسی نے قتل نہیں کیا۔ پس موسیٰؑ پر اس الزام لگانے کی وجہ سے مورد عذاب خداوندی ہوئے اور صاعقہ یا رجفہ سے جل کر خاکستر ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ لوگ چونکہ حضرت موسیٰؑ کے وزراء تھے اور ظاہر میں اطاعت گذار اور

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَ

جو لوگ اتباع کرتے ہیں رسول کی جو نبی امّی ہے جس کو وہ پاتے ہیں مکتوب اپنے ہاں

هُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ

تورات اور انجیل میں ان کو حکم دیتا ہے نیکی کا اور روکتا ہے برائی سے

وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ

اور حلال کرتا ہے ان کے لئے پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر خبیث چیزیں اور دور کرتا ہے ان سے ان کے

اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ١ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ

بوجھ اور طوق جو ان پر ہیں پس جو لوگ ایمان لائے اس پر اور اس کی تعظیم کی

وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ١ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ ﴿۱۵۷﴾ ع

اور نصرت کی اور اتباع کی اس نور کی جو اتارا گیا ساتھ اس کے وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے

فرمانبردار اور نیکی کی طرف بڑھنے والے تھے۔ اس لئے دعا کی اور ان کے لئے روئے تو خدا نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا کیونکہ اس کی رحمت ہر شے سے وسیع ہے۔ مسلم و کافر ہر ایک پر دنیا میں رحمت کرتا ہے لیکن بروز قیامت اس کی رحمت مومنوں کے ساتھ مختص ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کافر و مومن دونوں نے آباد ہو کر رہنا ہے اور خدا کی نعمات مومنوں کی وجہ سے کافروں پر نازل ہوتی ہیں گویا دنیا میں کفار مومنین کی وجہ سے نعمات پاتے ہیں لیکن بروز قیامت مومن تو چلے جائیں گے جنت میں لہذا کافر اس کی رحمت سے یکسر محروم ہو جائیں گے۔ یہ اس طرح ہے کہ جیسے ایک شخص کے ہاتھ میں چراغ ہو اور دوسرا شخص بھی اس کی روشنی میں چل رہا ہو تو جب تک ان کا سفر مشترک ہوگا۔ دونوں روشنی میں رہیں گے لیکن جہاں سے سفر الگ ہوگا۔ چراغ والا چراغ لے کر چلا جائے گا اور دوسرا اندھیرے ہی میں رہے گا۔ پس خدا کی رحمت بروز محشر مومنوں سے مختص ہونے کا یہی مطلب ہے (واللہ اعلم)

اَلْاُمِّی: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے چونکہ آپ اُمُّ الْقُریٰ یعنی مکہ میں پیدا ہوئے۔ اس لئے ان کو امّی کہا گیا ہے اور تفسیر صافی میں امام محمد تقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ ۷۲ یا ۷۳ زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے اور یہ عدد صرف کثرت مطلقہ کے بیان کے لئے ہے ورنہ چونکہ آپ عالمی رسول تھے اس لئے وہ عالمی زبانوں پر حاوی تھے اور اسی طرح اُن کے جانشین بھی عالمی زبانیں جانتے تھے کیوں کہ وہ عالمین کے ہادی تھے۔

یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا الخ :- گویا ان اہل کتاب کی تعریف ہو رہی ہے جنہوں نے اپنی کتاب میں حضورؐ کے اوصاف پڑھ کر آپ کی اتباع کی چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی حضور کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی۔ میں نے آپ کی تمام اوصاف تورات میں دیکھی ہیں کہ مکہ میں ولادت ہوگی۔ مدینہ میں ہجرت ہوگی۔ نہ بدگو نہ سخت مزاج نہ اونچا بولنے والا اور نہ بیہودہ کلام کرنے والا ہوگا پس اس نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہوگیا اور تمام کتب سماویہ سالبقہ میں حضرت رسالتمآبؐ کی بشارت درج تھی اور انبیاء کو حضورؐ کے متعلق بالخصوص وصیت کی گئی تھی۔

چنانچہ مجمع البیان سے مروی ہے تورات کے سفر خامس میں اس طرح ارشاد ہے۔ ان کی برادری میں سے ان میں ایک نبی بھیجوں گا اور میں اپنی کلام اس کی زبان میں رکھوں گا پس وہ وہی کچھ کہے گا جو میں اس کو وصیت کروں گا۔

اور نیز اسی میں مکتوب ہے کہ کنیز کے فرزند (اسمٰعیل) پر میں نے برکت نازل کی اور اس کی پشت سے بارہ عظیم الشان شخصیتیں پیدا ہوں گی جو بڑی امت کے لئے آخر میں رہبری کریں گے۔

انجیل میں حضورؐ کی بشارت درج ہے اور اس میں آپ کو فارقلیط کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے چنانچہ ایک مقام پر حضرت مسیحؑ کا کہنا ہے کہ میں جا رہا ہوں اور تمہارے پاس فارقلیط آئے گا اور وہ روح حق ہوگا جو اپنی مرضی سے بات نہ کرے گا اور وہ تمہارا نذیر ہوگا۔ الخ فارقلیط یونانی زبان ہے اس کا معنی ہے ایسا شخص جس کی لوگ تعریف کریں اور اس کی حمد بیان کریں یعنی یونانی فارقلیط کا وہی مفہوم ہے جو عربی میں لفظ محمدؐ کا ہے۔

اَلطَّیِّبٰتُ :- طیبات کا معنی ہے پاکیزہ چیزیں اور خبائث کا معنی ناپاک اور مکروہ الطبع چیزیں اور ان کا مفصل بیان پانچویں جلد تفسیر میں ہو چکا ہے۔

اِصْرَھُمْ :- اصر کا معنی ہے بوجھ جس طرح بنی اسرائیل اگر گناہ کرتے تھے تو ان کو ان کی مناسب سزا دی جاتی تھی اور اسلام والوں پر اللہ کا احسان یہ ہے کہ اگر گناہ کریں تو ان کے لئے توبہ کی گنجائش ہے اور توبہ سے اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ بوجھ ساقط ہوگیا جو بنی اسرائیل پر تھا۔

وَالْاَغْلٰلَ :- جمع غل کی ہے جس کا معنی ہے طوق گردن یعنی جو عہود و مواثیق ان کی گردنوں میں پہلے سے پڑے ہوئے تھے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے ان سے وہ اٹھا دیئے مثلاً سابقہ شرائع میں نجس جگہ کو کتر دیا جاتا تھا اور اب دھونا کافی ہے یوم سنیچر کا شکار حرام تھا۔ اب حلال ہے ان پر چربی حلال جانوروں کی بھی حرام تھی لیکن اب حلال ہے قتل کے بدلہ میں وہاں صرف قصاص تھا دیت نہ تھی لیکن اب دیت بھی بدلا ہو سکتی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس یعنی دین اسلام سابقہ ادیان کے مقابلہ میں آسان اور سہل دین ہے۔

وَالنُّوْرَ الَّذِیْ :- صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس جگہ نور سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہے اور بروایت کافی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نور سے مراد اس جگہ حضرت علیؑ اور باقی آئمہ میں اور

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

کہہ دیجئے اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف وہ اللہ جس کے لئے ہے ملک آسمان و

وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ

زمین کا نہیں کوئی معبود مگر وہی جو جلاتا اور مارتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول نبی اُمّی پر

الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ

جو ایمان رکھتا ہے اس کے کلمات پر اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ اور

قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ

موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ ہے جو دعوت حق دیتا ہے اور اسی کے ماتحت فیصلے کرتا ہے اور ہم نے ان کو الگ الگ کر دیا

اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ

بارہ گروہ اور ہم نے وحی کی طرف موسیٰ کے جب پانی مانگا اس سے اس کی قوم نے کہ مار

مجمع البیان میں مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ایک مرتبہ اپنے صحابہ سے فرمایا تھا۔ مخلوق میں سے بہترین ایمان کس کا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ملائکہ کا تو آپ نے فرمایا۔ ملائکہ اپنے پروردگار کے جوار قدس میں موجود ہیں وہ کیسے ایمان نہ لائیں یعنی ان کا ایمان لانا کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے تو صحابہ نے عرض کہ پھر انبیاء علیہم السلام کا ایمان بہترین ایمان ہے تو آپ نے فرمایا کہ انبیاء کو جب خداوند کریم کی جانب سے وحی کا شرف حاصل ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ خدا سے وحی ہونے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں۔ پس صحابہ نے عرض کی کہ پھر ہمارا ایمان افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب مجھ جیسا رسولؐ تم میں موجود ہے تو تمہارے ایمان لانے میں کیا کمال ہے بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے جو کتابوں میں لکھا ہوا پائیں گے اور دیکھے بغیر ایمان لائیں گے اور اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ واتبعوا النور الذی انزل معہٗ۔

رکوع نمبر ۱۰

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ :۔ تفسیر برہان میں امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے عرض کی کہ آپ رسالتمآبؐ کا دعوےٰ کرتے ہیں اور یہ کہ آپ پر بھی حضرت موسےٰ کی طرح وحی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں! اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ میں اولاد آدم کا سید و سردار

ہوں اور یہ فخر نہیں ہے اور میں خاتم النبیین اور امام المتقین اور عالمین کے پروردگار کا رسول ہوں۔ وہ کہنے لگے یہ بتائیے آپ عربوں پر مبعوث ہوئے یا عجموں کی طرف بھیجے گئے ہیں یا ہم لوگوں کی طرف رسول بن کر آئے ہیں پس یہ آیت نازل ہوئی کہ فرما دیجئے میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔

وَكَلِمَاتِهِ :- کلمات سے مراد ہے سابقہ کتابیں اور وحی اور قرآن وغیرہ

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ :- تفسیر برہان میں ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے راس الجالوت سے قسمیہ دریافت کیا کہ بتاؤ حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کی امت کتنے فرقوں میں تقسیم ہوئی تو اس نے کہہ دیا صرف ایک فرقہ تو آپؑ نے فرمایا۔ جھوٹ بولتا ہے۔ خدائے واحد کی قسم حضرت موسیٰؑ کی امت اکہتر جماعتوں پر تقسیم ہوئی باقی سب جہنم میں جائیں گے صرف ایک جنت میں جائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت قائم آلِ محمدؐ ظہور فرمائیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے اس آیت کے مصداق آپ کے ہمراہ ہوں گے نیز اصحابِ کہف اور یوشع بن نون وصی موسیٰؑ مومن آلِ فرعون سلمان پاک، ابو دجانہ انصاری اور مالک اشتر بھی آپ کے ہمراہ ہوں گے۔

اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ :- حضرت یعقوب کے بارہ فرزند تھے اور ہر ایک کی نسل بڑھی پس ہر ایک کی نسل کو سبط و امت کہا جاتا ہے اور مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ قائم آلِ محمد علیہ السلام جب ظہور فرمائیں گے اور مکہ سے کوفہ کی طرف کوچ فرمائیں گے تو اعلانِ عام ہوگا کہ کوئی شخص اپنے ساتھ زادِ راہ نہ اٹھائے چنانچہ وہی پتھر اپنے پاس رکھیں گے۔ اور ہر منزل پر اس سے چشمہ پھوٹے گا کہ اس سے بھوکا شکم بھر لے گا اور پیاسا سیراب ہو جائے گا اور حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ الواحِ موسیٰؑ ہمارے پاس ہیں اور عصائے موسیٰؑ بھی ہمارے پاس موجود ہے (برہان)

تفسیر مجمع البیان میں ایک طویل روایت کے ضمن میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب امتِ پیغمبر آخر الزمان کے ذاتِ احدیت سے فضائل سنے تو آخر میں دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے بھی حضرت خاتم الانبیاء کی امت سے کر۔

باقی آیاتِ مجیدہ کی تفسیر اسی کتاب کی دوسری جلد میں مفصلاً گزر چکی ہے لہٰذا اعادہ ضرورت نہیں ہے۔

بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۗ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ

اپنا عصا پتھر پر بس پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے تحقیق جان لیا ہر بندے نے

مَّشْرَبَهُمْ ۗ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۗ

اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر بادل کا اور اتارا ان پر من اور سلویٰ کھاؤ

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۗ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

پاکیزہ رزق جو دیا ہم نے تم کو اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیے وہ تو اپنے اُوپر

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

ظلم کرتے تھے اور جب کہا گیا ان کو کہ ٹھہرو اس بستی میں اور کھاؤ اس سے جہاں سے چاہو

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۗ سَنَزِيْدُ

اور کہو حِطَّةٌ اور داخل ہو دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے تو بخش دیں گے ہم تمہارے گناہ عنقریب زیادہ دیں گے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ

احسان کرنے والوں کو تو تبدیل کیا جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے بات کو علاوہ اس کے جو بتایا گیا ان

قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

کو تو بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے بوجہ اس کے جو ظلم کرتے تھے

رکوع نمبر ۱۱

وَسْـَٔلْهُمْ صفحہ ۱۰۹ :۔ یہ سوال توبیخ کے لئے ہے نہ کہ طلبِ حقیقت کے لئے وہ بستی باختلاف ایلہ یا مدین یا طبریہ تھی۔ جو دریا کے کنارہ پر واقع تھی ان کا تجاوز یہ تھا کہ سنیچر کے دن ان پر مچھلی کا شکار ممنوع تھا اور اس دن مچھلی یوم امن سمجھ کر سروں کو باہر نکال کر سامنے آجایا کرتی ۔ہفتہ کے باقی ایام میں پانی کے اندر غوطہ زن رہتی تھی تو وہ سنیچر کے دن جال لگا رکھتے تھے تاکہ مچھلیاں اس میں پھنس جائیں پھر اتوار کے دن پھنسی ہوئی مچھلیوں کو نکال کر کھاتے اور بیچتے تھے یا یہ کہ انہوں نے علیحدہ حوض بنا لئے تھے۔ سنیچر کے دن جو مچھلیاں اندر آجاتی تھیں تو ان کے واپس ہونے کا راستہ بند کر دیتے تھے، پھر اتوار کے دن

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ
اور ان سے پوچھ اس بستی کے متعلق جو دریا کے کنارہ پر واقع تھی جب تجاوز کرتے تھے سنیچر کے دن جب

تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَۙ لَا تَاْتِيْهِمْۚ
آتی تھیں ان کی مچھلیاں سنیچر کے دن ظاہر اور سنیچر کا دن نہ ہوتا تو وہ نہ آتیں ان کے

كَذٰلِكَۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ
پاس اسی طرح ہم آزماتے رہے ان کو بوجہ اس کے کہ فسق کرتے تھے اور جب کہا ایک جماعت نے ان سے کہ

تَعِظُوْنَ قَوْمَاۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًاؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً
کیوں وعظ کرتے ہو ایسی قوم کو جن کو خدا ہلاک کرنے والا ہے یا عذاب کرنیوالا ہے عذاب سخت تو وہ کہنے لگے کہ یہ عذرخواہی

اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ
کیلئے ہے طرف تمہارے رب کے اور شاید وہ ڈر جائیں پس جب انہوں نے بھلا دیا جو یاد دلائے گئے تو ہم نے نجات دی ان کو جو منع

عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾
کرتے تھے برائی سے اور پکڑا ہم نے ان کو جنہوں نے ظلم کیا ساتھ عذاب سخت کے بوجہ اس کے کہ وہ فسق کرتے تھے

بآسانی ان کو پکڑ لیا کرتے تھے اور یہ امتناعی حکم ان کی بعض سرکشیوں کے ماتحت آزمائشی تھا۔

وَاِذْ قَالَتْ :۔ بنی اسرائیل کے تین گروہ ہو گئے (۱) شکار کرنے والے (۲) خاموش (۳) شکاریوں کو روکنے والے تو جو گروہ خاموش تھا وہ ان وعظ کرنے والوں کو کہتا تھا کہ ان شکاریوں کو امر بالمعروف نہ کرو کیونکہ یہ مانتے تو ہیں نہیں لہٰذا ان کو کہنا فضول ہے اور اس صورت میں امر بالمعروف ساقط ہے یہ لوگ خدائی عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں تو ان کے جواب میں وعظ کرنے والا گروہ کہتا تھا کہ ہم تو اپنا فرض ادا کرتے ہیں تاکہ اللہ کے سامنے ہم اپنا عذر پیش کر سکیں اور ممکن ہے کہ وہ بھی نصیحت قبول کر لیں لیکن جب انہوں نے نہ مانا اور نصیحت کو ٹھکرا دیا تو خدا نے واعظ گروہ کو بچا لیا اور باقیوں کو ان کے فسق کے بدلے میں سخت عذاب دے دیا۔

فَلَمَّا عَتَوْا (الخ) :۔ یعنی جب وہ لوگ نہی عن المنکر کرنے والوں کی نصیحت سے سرکش ہو گئے تو ہم نے ان کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا۔

فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ قُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـئِيۡنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكَ

پس جب وہ سرکش ہوئے اس سے کہ ان کو منع کیا گیا تو ہم نے کہا ان کو ہو جاؤ بندر رسوا اور یاد کرو جب اعلان کیا تیرے رب

لَيَبۡعَثَنَّ عَلَيۡهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ يَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

نے کہ بھیجوں گا ان پر قیامت کے دن تک ایسی قوم کو جو چکھائے ان کو بُرا عذاب تحقیق تیرا رب

لَسَرِيۡعُ الۡعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعۡنٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اُمَمًا ۚ

جلدی سزا دینے والا ہے اور وہ تحقیق بخشنے والا مہربان ہے اور ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہم نے ان کو زمین میں گروہوں میں

مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنۡهُمۡ دُوۡنَ ذٰلِكَ وَبَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾

تو ان میں سے بعض صالح ہیں اور بعض غیر صالح اور ہم نے ان کو آزمایا ساتھ خوشحالیوں اور بدحالیوں کے تاکہ باز آجائیں

كُوۡنُوۡا قِرَدَةً :۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بندر بنا دیا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کو کہا گیا تم خود بندر بن جاؤ کیونکہ یہ امر محال ہے۔

قصّہ مجمع البیان میں ابنِ عباس سے منقول ہے کہ سنیچر کا دن ہمارے جمعہ کی طرح ان کے لئے مقرر تھا کہ اس کی عظمت کو بحال رکھیں اور اس دن شکار نہ کریں۔ مچھلیاں اس دن بلاحساب سامنے آجایا کرتیں حتی کہ پانی ان کی کثرت سے چھپ جاتا تھا۔ کچھ عرصہ تک تو وہ اپنے عہد پر کاربند رہے آخر شیطان نے ان کو سبق پڑھایا کہ سنیچر کے دن حوضوں میں پانی جمع کر لیا کرو یا جال لگا لیا کرو اور اتوار کے دن پکڑ لیا کرو۔ پس وہ ایسا کرنے لگے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے ایک شخص نے سنیچر کے دن تاگے سے ایک مچھلی کو باندھ لیا اور اتوار کے دن پکڑ کر اس کو پکا کر کھا لیا۔ دوسروں نے اس کو بُرا بھلا کہا لیکن جب دیکھا کہ اس پر کوئی عذاب نہیں آیا تو ان کے دلوں سے بھی خوف جاتا رہا اور وہ بھی آئندہ اسی طرح کرنے لگ گئے پس تین گروہ ہو گئے۔ اور آخر کار واعظ گروہ نے ان سے اپنی سکونت علیحدہ کر لی اور مجرمین کی تعداد تقریباً بارہ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ ایک رات جو سوئے تو صبح کو مسخ ہو چکے تھے۔ عورتیں مرد بندر بن کر دُم ہلاتے نظر آئے۔ واعظ گروہ نے دیکھا کہ آج یہ لوگ گھروں سے کیوں نہیں نکلے انہوں نے شہر کا دروازہ کھولا اور دیکھا تو وہ مسخ ہو چکے تھے اب وہ روتے تھے لیکن عذابِ خدا ٹل نہ سکتا تھا۔ واعظ گروہ کہتا تھا کہ ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا ؟ تو وہ سر ہلاتے تھے اور پشیمانی کا اظہار کرتے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ جوان بندر ہوئے تھے اور بوڑھے سور ہوئے تھے اور کہتے ہیں ۳ دن یا ۷ دن تک رہ کر لقمۂ اجل ہو گئے اور اُن کی نسل آگے نہیں بڑھی اور رسالت مآب سے منقول ہے کہ مسخ شدہ کی خدا نے نسل نہیں بڑھائی اور تفسیر صافی میں امام علی زین العابدینؑ سے ان کی تعداد اسی ہزار منقول ہے جن میں صرف دس ہزار کے قریب واعظ گروہ تھا جو بچ گئے

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَأْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى

پس پیچھے رہے ان کے بعد ایسے لوگ جو وارث ہوئے کتاب کے لیتے تھے نفع اس دنیا کا

وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ

اور کہتے تھے عنقریب بخشا جائے گا ہمیں اور اگر آتا ان کے پاس نفع ان جیسا (دوبارہ) تو لے لیتے تھے کیا نہیں

عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا

لیا تھا ہم نے ان پر میثاق کتاب کا کہ نہ کہنا اللہ پر (کوئی بات) مگر حق اور پڑھا انہوں نے

مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

جو اس میں تھا اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان کے لئے جو ڈرتے ہیں کیا تم عقل نہیں رکھتے ؟

اور ان کے علاوہ سب کے سب عذاب میں گرفتار ہوئے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ صنا ۔ یعنی خدا نے فیصلہ سنایا کہ یہودی قیامت تک مغلوب اور ذلیل و خوار رہیں گے۔ چنانچہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے اور یہ لوگ ہمیشہ ہر حکومت میں ذلیل رہے ہیں۔ پہلے حضرت سلیمان کو تسلط ہوا پھر ان پر بخت نصر کا عذاب آیا اور پھر اہل اسلام کے ہاتھوں عذاب خداوندی میں گرفتار ہوئے وعلی ہذا القیاس۔

اور اگر اس زمانہ میں ان کو ایک علاقہ کا اقتدار حاصل ہوا ہے۔ تاہم وہ دوسری حکومتوں کے مقابلہ میں برائے نام ہے بلکہ درحقیقت ان کا اقتدار غیر کے اقتدار کا مرہون منت ہے اور ممکن ہے اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کی تحدید صرف طول مدت کے بیان کے لئے ہو نہ کہ واقعاً قیامت کا دن از روئے حقیقت ان کی ذلت و خواری کی حد ہو پس مقصد یہ ہوگا کہ ایک لمبی مدت تک یہ لوگ ذلیل و خوار رہیں گے اور اس قسم کا استعمال عرفِ عام میں شائع ہے واللہ اعلم۔

مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ صنا ۔ یعنی جب تک شریعتِ موسویہ کا دَور دورہ تھا تو ان میں نیک بھی تھے اور بد بھی تھے اور حضرت عیسیٰ کی بعثت کے بعد تو نیک وہی کہلائے جا سکتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لائیں اور پھر ان میں بھی کئی نیک اور کئی بد ہوں گے اور جب رسالتمآبؐ کی بعثت ہوئی تو اب نیک صرف وہی ہوں گے جو حضورؐ کی رسالت کو تسلیم کر لیں گے اور دینِ اسلام کے ہمنوا ہو جائیں گے اور تعلیماتِ محمدیہ کو اپنا کر اصولاً و فروعاً اتباع کرنے والے ہوں گے ورنہ پرچم اسلامی کے نیچے جمع ہو جانے کے بعد بھی نیک و بد کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔

فَخَلَفَ ۔ یعنی یہود کا ایک دَور گزرا اور پھر دوسرا ان کا قائم مقام ہوا تو انہوں نے پیسہ اپنا دین بنا لیا۔ خوب رشوتیں لیتے اور خلاف حکم خدا فیصلے کرتے اور یہ کہہ دیا کرتے کہ خدا بخش دے گا پھر دوسرے دن حکم خدائی کے خلاف فیصلہ کر

وَالَّذِیۡنَ یُمَسِّکُوۡنَ بِالۡکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ

اور جو لوگ تمسک رکھتے ہیں کتاب سے اور قائم کرتے ہیں نماز کو بتحقیق ہم نہیں ضائع کرتے بدلہ

الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ فَوۡقَہُمۡ کَاَنَّہٗ ظُلَّۃٌ وَّظَنُّوۡۤا

نیکی کرنے والوں کا اور جب اکھیڑا ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر مثل چھتری کے اور انہوں نے گمان

کے رقم بٹور لیا کرتے حالانکہ ان کا عہد تھا کہ خلاف حکم خدا کہیں نہ جائیں گے اور کتاب اللہ کو بھی انہوں نے خوب پڑھا اور سمجھا ہوا تھا۔

اب مسلمان بھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے کردار کا جائزہ لیں۔ یہ نہ سمجھ لیں کہ آیاتِ قرآنیہ صرف یہودیوں کی مذمت کر رہی ہیں بلکہ قیامت تک کی ہادی کتاب گذشتہ امتوں کی بدعنوانیاں اور ان کی عذابِ خدا میں گرفتاریاں بیان کر کے امتِ اسلامیہ کو درس دے رہی ہے اور ان کو عذابِ خداوندی سے بچنے کی تلقین کر رہی ہے۔

وَالَّذِیۡنَ :- اب کتاب سے تمسک کا مقصد یہ ہے کہ کتبِ سابقہ سماویہ پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ حضرت رسالتمآب کی نبوت پر بھی ایمان لائیں اور قرآن مجید کے بتائے ہوئے لائحہ عمل کو اپنا دستورِ زندگی قرار دیں اور کتاب سے تمسک پکڑنے والوں کا دوسرا عمل نماز کو قائم رکھنا بیان فرمایا اور نماز کا بالخصوص تذکرہ تمام فرائضِ اسلامیہ سے نماز کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے ہے۔ اسی لئے حدیثِ نبوی میں وارد ہے کہ اِنۡ قُبِلَتۡ قُبِلَ مَاسِوَاھَا وَاِنۡ رُدَّتۡ رُدَّ مَاسِوَاھَا اگر نماز قبول تو باقی اعمال قبول ہوں گے اور اگر نماز ردّ تو باقی اعمال بھی ردی کی ٹوکری میں پھینک دیئے جائیں گے۔

وَاِذۡ نَتَقۡنَا :- حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب خداوندکریم نے بنی اسرائیل کو تورات عطا فرمائی۔ تو انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس جبل طور کو خدا نے اُن کے سروں پر بلند کیا اور حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اگر قبول نہ کرو گے تو یہ پہاڑ تمہارے اُوپر گر پڑے گا۔ تب اُنہوں نے ڈر کے مارے قبول کیا۔ احتجاج طبرسی سے منقول ہے ایک مرتبہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے صحابہ اردگرد موجود تھے۔ اتنے میں طاؤس یمانی اپنی مخصوص جماعت کے ساتھ مجلس میں آ داخل ہوا اور آتے ہی آپ سے سوال کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دی تو اس نے سوالات کئے اور امام نے سب کے تسلی بخش جواب دیئے۔ اس کے سوالوں میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ وہ کونسا پرندہ ہے جو ایک دفعہ اڑا ہے۔ نہ اس سے پہلے اڑا ہے نہ بعد میں اڑے گا اور خدا نے قرآن مجید میں اس کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ طور سینا پہاڑ ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر سایہ فگن ہوا تھا جس میں قسم قسم کے عذابوں کے مناظر تھے۔ پس بنی اسرائیل نے اس کے ڈر سے تورات کو قبول کر لیا تھا اور اسی کا قرآن مجید میں تذکرہ موجود ہے۔ وَاِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ الخ

أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ

کیا وہ گرنے والا ہے ان پر۔ پکڑو جو دیا ہم نے تم کو طاقت کے ساتھ اور یاد کرو جو اس میں ہے

تَتَّقُونَ ﴿۱۷۱﴾ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

تاکہ تم بچ جاؤ اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدمؑ کی پشتوں سے اُن کی ذریت کو

وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا

اور گواہ کیا اپنے نفسوں پر کہ کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب تو کہا انہوں نے ہاں (ہے تو ہمارا رب)

رکوع نمبر ۱۲

عہدِ روزِ میثاق کی حقیقت

وَإِذْ أَخَذَ :۔ اس جگہ اَخذ کا معنی اَخرج ہے یعنی نکالا۔

مِنْ ظُهُورِهِمْ :۔ یہ مِنْ بنی آدم سے بدل ہے یعنی مِنْ ظُهُورِ بَنِي آدَمَ

ذُرِّيَّتَهُمْ :۔ یہ اخذ کا مفعول ہے ذریت کا معنی جمع بھی ہوتا ہے اور واحد بھی ہوتا ہے۔ جمع کی مثال اسی آیت اور اس کے بعد والی آیت میں ہر دو مقام پر ذریت جمع کے معنی میں ہے اور واحد کی مثال جیسے حضرت ذکریا علیہ السلام کی دعا میں ارشادِ خداوندی ہے۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۔ یعنی اے پروردگار عطا کر مجھے ذریتِ پاکیزہ اور یہاں واحد مراد ہے۔ کیوں کہ دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہے۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي ۔ یعنی اے رب عطا کر مجھے اپنی جانب سے ولی جو میرا وارث ہو۔

وَأَشْهَدَهُمْ :۔ اس مقام پر مفسرین میں زبردست اختلاف ہے کہ اس میثاق اور سوال وجواب کی حقیقت کیا ہے؟ چنانچہ اس بارے میں علمائے کرام کے دو مذہب مشہور ہیں۔

۱۔ مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت آدمؑ کی صلب سے بیک وقت اس کی تمام ذریت کو ذرات کی مانند نکال کر حضرت آدمؑ کے پیش کیا اور فرمایا کہ میں تیری ذریت سے عہد وپیمان لے رہا ہوں کہ میری عبادت کریں گے اور شرک نہ کریں گے اور میں ان کو رزق دوں گا۔ اس کے بعد تمام کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ قَالُوا بَلَىٰ ۔ تو سب نے جواب دیا ہاں تو ہمارا پروردگار ہے (یہ یاد رہے کہ بلیٰ سوال منفی کے بعد آیا کرتا ہے اور جواب کو مثبت بنا دیا کرتا ہے) ان کے اقرار کے بعد فرشتوں کو فرمایا کہ تم ان پر گواہ رہنا تو فرشتوں نے جواب دیا۔ شَهِدْنَا یعنی ہم گواہ ہیں اور یہ اس لئے کیا گیا کہ بعد میں عذر اور بہانے نہ بنائیں کہ ہمیں پتہ نہیں تھا یا ہم باپ دادا

أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِينَ ﴿١٧٢﴾ أَوْ تَقُولُوٓا

اور ہم گواہ ہیں یہ اس لئے کیا کہ مبادا کہو بروز قیامت تحقیق ہم اس سے غافل تھے یا کہو کہ

إِنَّمَآ أَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا

تحقیق شرک کیا ہمارے باپ دادا نے پہلے اور ہم تھے ان کے بعد ان کی ذریت کیا تو ہمیں ہلاکت کرتا ہے

بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾

ساتھ اس کے جو کیا غلط کاروں نے ؟ اور اسی طرح ہم کھولتے ہیں نشانیاں اور تاکہ وہ باز آجائیں

کے مذہب پر بھول گئے تھے اور کہتے ہیں کہ ان کو عقل وفہم بھی عطا کیا گیا تھا اور اقرار کے بعد دوبارہ ان کو صلب آدمؑ میں پلٹایا گیا۔ اس کے بعد دنیا میں ظاہر ہونے کے لئے ہر ایک کے لئے اپنا اپنا وقت مقرر کیا گیا پس دنیا میں آکر جو اسلام میں رہے تو گویا اس نے اپنے میثاق کی وفا کی اور فطرتِ اولی پر ثابت قدم رہا اور جس نے کفر وانکار کیا تو وہ اپنی فطرتِ اولیہ سے گریز کر گیا اور اس نے اپنے میثاق کو توڑ ڈالا چنانچہ اس قول کی تائید میں انہوں نے احادیث بھی پیش کی ہیں۔ تفسیر کبیر میں فخر الدین رازی نے ابو ہریرہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ خدا نے اپنے یدِ قدرت سے آدمؑ کی پشت کو مس کیا تو قیامت تک کی ہونے والی سب نسل بیک وقت ظاہر ہو گئی اور اسی سلسلہ میں ابنِ عباس سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں سے بعض کو نورانی شکل میں دیکھا۔ تو سوال کیا۔ اے پروردگار! یہ کون لوگ ہیں ؟ تو ارشاد ہوا کہ یہ لوگ میرے انبیاء ہیں اس جماعت میں حضرت آدمؑ نے ایک شخص کو بہت نورانی پایا۔ تو پوچھا یہ کون ہے ؟ جواب ملا کہ یہ داؤد ہے حضرت آدم نے پوچھا۔ اس کی عمر کتنی ہوگی تو جواب ملا کہ ستر برس۔ پس حضرت آدمؑ نے عرض کی کہ یہ تو بہت تھوڑی ہے لہٰذا میں اپنی عمر میں سے اس کو چالیس برس دیتا ہوں اور حضرت آدم کی اپنی عمر ایک ہزار برس مقرر تھی جب عالمِ ذر کے سوال وجواب ختم ہوئے اور حضرت آدمؑ زمین پر مصروفِ کار ہوئے۔ آپ کی عمر کا ۹۶۰ سال جب گذر چکا تو ملک الموت آن پہنچا کہ رُوح قبض کرے۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا۔ ابھی تو میری عمر میں سے چالیس برس باقی ہیں تو ملک الموت نے کہا۔ وہ تو آپ حضرت داؤد کو بخش چکے ہیں۔ حضرت آدمؑ نے جواب دیا۔ میں کسی کو اپنی عمر نہیں بخشتا۔ پس ہر نفس کے لئے اپنی اپنی اجل جُدا جُدا مقرر کی گئی۔

۲۔ دوسرا قول جس کو رازی نے اصحابِ نظر اور اربابِ معقولات کا قول بتایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خداوند کریم علی الترتیب اولادِ آدمؑ کو اپنے باپ کی پُشت اور ماں کے رحم سے متعدد ادوار کے بعد ظاہر فرماتا ہے اور جب اس کی جسمانی حالت مضبوط ہو جاتی ہے اور عقل کامل ہوتا ہے تو اس کے سامنے اپنی توحید ومعرفت کے واضح اور روشن نشانات قائم فرماتا ہے اور انفس و

آفاق میں بیّن اور مدلل ایسی آیات ظاہر کرتا ہے جو عقلِ فطری انسانی کو معرفتِ خالق اور اس کے وجود واجب اور توحید ذات کے اقرار پر مجبور کر دیتے ہیں گویا آثار قدرت وصنعت اور نشاناتِ عظمت وحکمت عقولِ انسانیہ کو پکار پکار کر معرفتِ خدا اور اقرارِ توحید کی طرف اپنی زبان بے زبانی سے دعوت دے رہے ہیں پس ان کی ہیئت کذائیہ بمنزلۂ سوال ہے اور ان کا ناقابلِ تردید صورت میں وقوع پذیر ہونا فطرتِ انسانی اور جبلّتِ بشری کیلئے بمنزلۂ اقرار ہے پس یہ سوال وجواب ایسا ہے جیسے زمین و آسمان کی اطاعت کے متعلق ارشاد ہے۔ قَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ۔ یعنی اس کو اور زمین کو فرمایا۔ میری اطاعت کرتے ہوئے آؤ تو ان دونوں نے عرض کی کہ ہم اطاعت کرتے ہوئے آئے یعنی زمین و آسمان کا پیدا کرنا اور انہیں اپنی عجائب صنعت وغرائب حکمت سپرد کرنا اور ان دونوں کو اطاعت پر مجبول کرنا ہی اس سوال و جواب کا حقیقی پس منظر ہے اور عرفِ عام میں ایک اہم اور غیر معمولی اندازِ اطاعت کو آمر و مامور یعنی حاکم و محکوم کی جانب سے سوال جواب کے رنگ میں اگر بیان کیا جائے تو کلام میں وہ زور اور توانائی پائی جاتی ہے جو اس کی سرسری ترجمانی میں قطعاً نہیں پائی جا سکتی اور اربابِ ذوق واصحابِ دانش ہی اس حقیقت کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں مثلاً ایک شخص اپنی تیز روانی کی ترجمانی میں کہتا ہے کہ میں فلاں مقام پر تیز دوڑا تو اس میں کوئی وزن نہیں اور اگر یوں کہے کہ فلاں مقام پر میں نے اپنے قدموں سے کہا۔ شاباش تیز دوڑو تو قدموں نے جواب دیا۔ ہم حاضر ہیں تو کلام میں وزن آجاتا ہے۔ اسی طرح اپنی تیز بیانی کے متعلق کہے۔ میں نے فر فر بیان کیا یا کہے۔ میں نے زبان سے کہا۔ شاباش تیز چل تو اس نے کہا۔ میں تابع ہوں تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ سوال وجواب کی صورت میں بیان کی اہمیت سادہ بیانی سے کہیں بڑھ جاتی ہے حالانکہ درحقیقت سوال وجواب نہیں ہوا کرتا بلکہ واقعہ کی ترجمانی کا یہ ایک پرکشش اور دلربا انداز ہے جو کلام کو وقیع اور زور دار بنا دیتا ہے پس اس مقام پر خالقِ کائنات نے اس اشرف المخلوقات انسان کو زیورِ عقل و دانش سے خوب آراستہ کیا اور اس کے وجود کے اندر قوتِ فہم وفکر کی روشن قندیلیں آویزاں کیں تو اس کی بینا آنکھوں کے سامنے صنائع قدرت وبدائع حکمت کے جلی آثار اپنے خالق کی بولتی ہوئی زبان بن کر آ گئے۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو ادھر فطرتِ سلیمہ اور طبیعتِ مستقیمہ کے گوشِ ہوش میں صدائے حق پہنچی ہے تو تقاضائے انسانیت اور مقتضائے شرافت وکرامت اس پتلائے خاک کی جانب سے زبانِ حال بن کر گویا ہو گئے ہیں۔ بَلٰی اور محققین علمائے امامیہ اسی قول پر ہیں اور یہی قولِ حق اور قابلِ قبول ہے اور پہلا قول چند وجوہ سے قابلِ قبول نہیں ہے۔

۱۔ قرآن مجید کی آیت مجیدہ کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی صحت کے خلاف ہیں کیونکہ فرماتا ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ یعنی پروردگار نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ذریّت کو نکال کر ان سے عہد و پیمان لیا۔ یہ نہیں فرمایا کہ حضرت آدمؑ کی پشت سے تمام اولادِ آدمؑ کو نکال کر ان سے عہد و پیمان لیا۔

۲۔ جب اولادِ آدمؑ سے عہد لیا گیا تھا تو اس وقت وہ بے عقل تھے یا عقلمند تھے اگر عقلمند نہیں تھے تو عہد لینا فضول کیونکہ

بے عقل جب خالق کا کلام سمجھتا نہ ہو اس کا عہد و پیمان کس کام کا۔ لہٰذا اس سے باز پرس کیوں؟ اگر وہ عقلمند تھے تو چاہیئے تھا کہ وہ کیا ہوا عہد یاد رہتا اور وعدہ کی خلاف ورزی کرنے میں سرزنش اس وقت معقول ہوتی ہے۔ جب وہ وعدہ یاد ہو اور پورا نہ کیا جائے لیکن جب سرے سے وعدہ یاد ہی نہ رہے تو اس کی وفا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دریں صورت اگر عدم وفا کا عذر نسیان کو پیش کیا جائے تو وہ عقلاء کے نزدیک یقیناً قابل قبول ہوا کرتا ہے اور یہ عام دستور ہے کہ جب بہت سے آدمی کسی سے مل کر ایک عہد کریں تو خلافِ عادت ہے کہ سب کے سب اس عہد کو بھول جائیں بہر کیف کسی نہ کسی کو یاد ہوگا اور ضرور یاد ہوگا۔ چہ جائے کہ تمام آدمؑ کی اولاد سے باہوش و حواس و با تمامی عقل و کمال فہم ایک عہد لیا جائے اور وہ اقرار بھی کرلیں لیکن مقام عمل میں سب کے سب فراموش کر جائیں اور لطف در لطف یہ ہے کہ بار بار کی یاد دہانی کے باوجود بھی کسی کو یاد نہ آئے حالانکہ قیامت کے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ بہشتی اور دوزخی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور دنیا کے گذشتہ واقعات کا تذکرہ کریں گے چنانچہ اسی سورۃ مجیدہ میں گذر چکا ہے کہ بہشتی کہیں گے اللہ نے ہمارے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو پورا کیا ہے۔ کیا تمہارے ساتھ بھی اس نے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کیا ہے۔ تو وہ ان کو جواب دیں گے کہ ہاں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ ان کو اپنی دنیا میں گذری ہوئی سرگذشت یاد ہوگی اور پرانے یار دوست وہاں ایک دوسرے سے خوب گپیں اڑائیں گے اگر قیامت کے دن خدا کا بلسانِ قرآن و رسول کیا ہوا وعدہ یاد رہے گا تو دنیا میں روزِ ازل اور یوم میثاق کا وعدہ یاد کیوں نہ رہا اور قیامت کے دن بہشتیوں اور دوزخیوں کو اپنے دنیاوی دھندے یاد ہوں گے لیکن دنیا میں کسی ایک کو بھی یومِ میثاق اور اس کا وعدہ یاد نہ رہا اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ یاد دہانی کے بعد بھی یاد تو بجائے خود اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ خیال تک دماغ میں نہیں آتا۔

۲۔ اگر یہ کہا جائے کہ طول زمانہ اور تبدیلی حالات کی وجہ سے بھول سکتا ہے تو پھر تناسخ والوں کا قول بھی صحیح بن جائے گا اور ہم ان کے قول کو اسی دلیل سے ہی تو باطل کرتے ہیں کہ اگر انسان مرنے کے بعد کسی دوسرے بدن میں چلا جاتا ہے تو اس کو پہلے دور کے حالات سب نہ سہی تو کچھ نہ کچھ یاد ہونے چاہئیں اور جب اس کو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا تو اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ تناسخ کا قول ہی سرے سے باطل ہے۔ ان کے علاوہ کافی وجوہ قولِ اوّل کی تردید میں ذکر کی گئی ہیں لیکن اسی قدر ذکر کر دینا کافی ہے۔

دوسرے قول پر اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ آیت مجیدہ کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اولادِ آدمؑ سے عہد لیا گیا اور صیغۂ ماضی کی دلالت اس امر پر ہے کہ وہ عہد و پیمان ہو چکا ہے اور قیامت تک کی ہونے والی اولادِ آدمؑ وہ عہد کر چکی ہے اور دوسرے قول کی رُو سے آنے والی نسلیں اس عہد سے مستثنیٰ بنتی ہیں حالانکہ تمام اولادِ آدم ہیں۔

اس کا جواب اولاً تو یہ ہے کہ یقینی واقع ہونے والی چیز کو صیغۂ ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں قیامت کے وقوع کی خبریں متعدد آیات میں صیغۂ ماضی سے مذکور ہوئی ہیں اور آیتِ مجیدہ میں یہ دلالت قطعاً نہیں کہ تمام بنی آدمؑ سے

ایک ہی وقت میں عہد لیا گیا۔

اور ثانیاً اگر ایک ہی وقت میں عہد لیا جانا مراد ہو تو اس سے مراد عہدِ ظاہری نہیں بلکہ عہدِ معنوی تمثیل کے طور پر اس سے مراد ہے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ قیامت تک کے ہونے والے واقعات اگرچہ بمقام ظاہر میں مرتب اور مسلسل ہیں لیکن علمِ واقعی الٰہی کے سامنے یہ سب کائنات اوّل آنِ وجود سے لے کر آخر دم بقا تک مرتب و مسلسل ہونے کے باوجود بیک وقت موجود و حاضر ہیں لہٰذا برنگِ تمثیل اس ہیئت کذائیہ کو جو مخلوق کی خالق کے مقابلہ میں یا مصنوع کی صانع کے مقابلہ میں ہوتی ہے ۔ سوال و جواب کے طور پر پیش کر دیا تاکہ عقولِ انسانیہ کے قبول کرنے میں آسانی ہو گویا عالم تمثیل میں تمام بنی آدم کے بیک وقت موجود مثالی جسم جو اپنے خالقِ یکتا کے آگے عالم واقعی کے حضور میں صف بہ صف قرن با قرن محو تسبیح ہیں ۔ ان کو خطاب کر کے زبانِ قدرت و صنعت گویا ہوئی ۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو بنی آدم کی ہیئت اجتماعیہ نے اپنی زبانِ بے زبانی سے اعتراف عجز و تواضع کے ساتھ فوراً کہہ دیا ۔ بلیٰ ۔

وضاحت عالم واقع و ظاہر میں قیامت تک کی ہونے والی اشیاء مکان و مکانیات زمان و زمانیات اگرچہ ظاہر میں مرتب ہیں لیکن عالم دہر و ازل میں بیک وقت اپنے خالق کے سامنے موجود و حاضر ہیں ۔ یہ اس طرح سمجھئے جیسے دو منزلہ مکان کی چھت کے اُوپر ایک طولانی زنجیر اکٹھا کر کے رکھ دیا جائے تو وہاں اس کی کل کڑیاں ایک دوسرے کے عرض میں واقع ہو کر ایک ہی وقت میں ایک جگہ موجود ہیں لیکن چھت سے سوراخ کر کے اس سے ایک سرے کو لٹکایا جائے اور مسلسل طور پر لٹکایا جاتا ہے اور اس چھت کے نیچے اوپر کی چھت کے سوراخ کی سیدھ میں نچلے مکان کی چھت میں سوراخ ہو اور وہ زنجیر بالترتیب اُوپر کی چھت سے لٹک کر نچلے مکان کی چھت سے گزر کر زمین پر بالترتیب جاتا رہے گا تو وہ دونوں چھتوں کے درمیان بیٹھا ہوا انسان نہ یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ زنجیر کی کتنی کڑیاں نچلے مکان کی چھت سے گزر کر نیچے زمین پر پہنچ چکی ہیں اور نہ وہ یہ جان سکتا ہے کہ زنجیر کی کتنی کڑیاں اوپر کی چھت پر باقی ہیں ۔ وہ صرف اپنے سامنے کی کڑیاں ہی دیکھ سکتا ہے اور انہی کے حالات واقعات و تعداد وغیرہ سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے ۔ اس کی نگاہوں میں گزشتہ کڑیاں بھی لاتعداد اور آئندہ کڑیاں بھی لاتعداد معلوم ہوتی ہیں اور ہر کڑی دوسری کڑی کے ساتھ یکجا نہیں گزر کر سکتی ۔ ایک پہلے گزرتی ہے ، پھر دوسری ، پھر تیسری و علیٰ ہذا القیاس لیکن جو چھت کے اُوپر ہے اور جس کے قبضہ میں پُورا زنجیر ہے وہ بیک وقت کل زنجیر کی کڑیاں جانتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ کس قدر کڑیاں اس کی نیچے زمین پر پہنچ چکی ہیں اور کس قدر اس وقت درمیانی منزل میں ہیں اور کس قدر باقی معرضِ ظہور میں آنے والی ہیں یہ محض سمجھانے کے لئے ایک مثال ہے ورنہ تمام موجودات و کائنات کا خالق کے سامنے بیک وقت ہونا اس مثال سے بھی زیادہ واضح و روشن ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اُوپر سے زنجیر لٹکانے والا لٹکائی گئی ہوئی کڑیوں سے غافل ہو کر ان کا اندازہ بھول جائے یا زیادہ دُور تک جانے کی وجہ سے یا اندھیرے کی صورت میں درمیان میں چھتوں کے حائل ہو جانے سے گزشتہ کڑیوں پر نگاہ نہ ڈال سکے لیکن یہاں خالقِ کائنات جو سلسلۂ کائنات کو عالم ازل سے جاری کر کے وجود کی درمیانی منزل سے گزار کر عالم فنا تک

بھیج رہا ہے وہ اپنے حاوی وکلی علم کے ساتھ اس سلسلہ کی کسی کڑی سے غافل نہ ہے اور نہ گذشتہ و موجودہ و آئندہ کی کوئی کڑی اس کی نگاہِ قدرت سے اوجھل ہو سکتی ہے کیونکہ نہ تو وہ کسی سے دُور ہے اور نہ کوئی حائل اس کے آگے حائل بن سکتا ہے اور نہ کوئی ظلمت اس کو کسی معلوم سے بیگانہ کر سکتی ہے وہ ہر شے پر حاوی اور ہر چیز کے قریب ہے پس اگرچہ ہم اس عالم وجود میں دیکھتے ہیں کہ سلسلۂ موجودات کی کڑیاں مسلسل اور مرتب ہو کر ظاہر اکتم عدم سے یا عالم ازل سے اس درمیانی عالم وجود میں ہمارے سامنے آتی ہیں اور پھر تیسرے عالم فنا میں داخل ہو جاتی ہیں درمیانی عالم والے نہ تو جانے والوں کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ آنے والوں کے متعلق کوئی نظریہ قائم کر سکتے ہیں کیوں کہ یہاں کی ترتیب وار آمد و رفت بیک وقت کل کے اجتماع کے منافی ہے لیکن خداوندکریم موجوداتِ عالم کے تینوں ادوار کے ہر جزئی حالات کو جانتا ہے پس اس کے سامنے سب کی سب بیک وقت موجود اور اس کا علم محیط اور قدرتِ کاملہ کے سامنے تمام موجودات سرنگوں ہیں اور تکوینی طور پر سب کی سب اس کی اطاعت گذار ہیں۔ پس تمام اولادِ آدم سے خداوندکریم کا سوال اور ان کا جواب اس تکوینی اطاعت واقرار کی فہمائش ہے۔

اجمال وتفصیل ذہن میں بہت سے معانی بیک وقت موجود ہوتے ہیں اور متعدد مضامین بکثرت حاضر ہوتے ہیں لیکن ان کی زبان سے ادائیگی یا کسی طریقہ سے ان کی منصۂ شہود پر جلوہ گری ترتیب کی خواہاں ہوا کرتی ہے دماغ میں مطالب حاضرہ خواہ کس قدر کثیر کیوں نہ ہوں اگرچہ اجمالی رنگ میں وہ بھی اپنے مقام پر تقدم وتاخر رکھتے ہیں لیکن بالفعل سب کے سب باوجود رتبی تقدم وتاخر کے یک جا موجود ہوتے ہیں اور زبانِ بیان یا لسانِ قلم ان کو الفاظ ونقوش کا لباس اڑھا کر اپنے اپنے مقام پر ترتیب وار ظاہر کرتی ہیں پس وجود ملفوظی یا وجود مکتوبی میں اس کو بالفعل ترتیب حاصل ہوتی ہے اور متقدم ومتاخر آپس میں نمایاں طور پر متمیز ہوتے ہیں۔ سننے یا مطالعہ کرنے والا اس بیان کے جس حصہ سے روشناس ہوگا۔ وہ نہ تو گزرے ہوئے مضمون کے متعلق اندازہ کر سکتا ہے کہ کس قدر تھا اور کیسا تھا اور نہ یہ جان سکتا ہے کہ باقی کس قدر اس فضا میں ظاہر ہوگا یا صفحۂ قرطاس پر نقش ہوگا بلکہ وہ صرف حال حاضر میں اپنے سامنے آنے والے الفاظ ونقوش میں اپنے ذہن و دماغ کو وابستہ رکھ سکے گا لیکن جس کے پاس وہ ذخیرہ موجود ہے اور جو اس کا موجد ہے وہ قبل از بیان، بعد از بیان اور حالِ بیان کی ہر سہ صورتوں میں پورے مطالب کی تفصیل سے آگاہ ہوتا ہے اور اس سے کوئی گوشہ اوجھل نہیں ہوتا۔

اسی طرح ایک صاحبِ فن کے دماغ میں ایک لمبا چوڑا منصوبہ ہوتا ہے جس کو وجود ظاہری کا لباس اڑھانے میں لمبے وقت کی ضرورت ہوتی ہے اور ترتیب درکار ہوتی ہے لیکن اس کا ذہن میں وجود نہ ترتیب کا خواہاں ہے نہ زمانہ کا محتاج ہے بلکہ تمام ازمنہ متفرقہ میں بکھرنے والے اور مرتب ہو کر پیش ہونے والے جملہ مطالب بیک وقت بلاتمیز مقدم ومؤخر یکجا جمع ہوتے ہیں پس صرف اجمال وتفصیل کا فرق رہتا ہے کہ قبل از وجود اجمال کے رنگ میں ہوتے ہیں اور بعد از وجود تفصیل کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ بہر حال اس کی مثالیں ہزارہا موجود ہیں جن کو گنوانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ پس صفحۂ کائنات پر مخلوق کے نقش سے قبل صانع ازل کے علمِ ذاتی کے سامنے تمام موجودات بلاکم وکاست وبلاتقدم وتاخر اور بلا ترتیب وتدریج بیک وقت

موجود وحاضر تھے اور سلسلہ موجودات کی عالم وجود میں جلوہ گری کے ہر دور میں بھی وہ اس کے سامنے حاضر ہیں اور کتاب وجود کی انتہا کے بعد بھی وہ اس کے سامنے موجود رہیں گے۔ اس کے سامنے کسی وقت بھی کوئی فرد غائب نہیں رہا اور نہ رہے گا۔ پس اس کی قدرت کاملہ کے سامنے افرادِ انسانیہ کا عجزِ کامل اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا کی تعبیر ہے یا یوں سمجھئے حافظِ قرآن کے پاس پورا قرآن بیک وقت بلا تقدم و تاخر اول سے آخر تک موجود ہوتا ہے۔ وہاں سب سورتیں وآیتیں ترتیبِ اجمالی کی صورت میں بیک وقت ایک دوسرے کے عرض میں واقع ہوتی ہے لیکن جب قرأت جاری کرے گا اور ان کو الفاظ کا لباس دے گا تو مقدم مقدم ہوگا اور موخر موخر ہوگا۔ وہ ذہنی اجمالی ترتیب اب بالفعل تفصیلی ترتیب کا رنگ لے گی اور سورتیں وآیتیں باقاعدہ تدریجی طور پر ایک دوسرے کے طول میں واقع ہوں گی لیکن جو حافظ ہے اس کے ذہنی خزانہ میں قبل از قرأت یا بعد از قرأت یا بوقت قرأت کے ہر سہ ادوار کا کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ وہ ذخیرہ ہر آن میں اس کے پاس پورے کا پورا موجود ہی موجود ہے پس خالق کائنات کے سامنے ایجاد سے قبل اور بعداز ایجاد اور بوقتِ ایجاد اس سلسلۂ موجودات کی تمام کڑیاں باوجود مرتب و تدریجی ہونے کے اور باوجود مقدم و مؤخر ہونے کے بیک وقت یکجا حاضر ہیں اور اپنی زبانِ بے زبانی سے اپنے خالق کی ثناگری اور مدح گستری میں محو ہیں اور غالباً اسی کی تعبیر اُمّ الکتاب سے بھی کی گئی ہے۔ پس اس کے علم محیط کے وسیع دامن کے اندر تفصیلات وجود انسان کا ذرہ بے مقدار کی طرح سمٹ کر آجانا اور اس کے ارادہ کے ماتحت عالمِ وجود میں بے چون وچرا قدم رکھنا اور اسی کی مشیت و مصلحت کے تابع ہو کر عالم فنا میں جا کودنا یہ سب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی کا اعلان ہے۔

تکوین و تشریع

قادر کا مقدور پر تسلط و حکومت اور مقدور و محکوم کا اس کے سامنے جھک جانا، سر تسلیم خم کرنا اور اس کے ارادہ و امر کے سامنے سرتابی نہ کرنا دو طریقوں سے ہوا کرتا ہے ایک یہ کہ مقدور و محکوم میں نہ اطاعت و نافرمانی کا شعور ہو اور نہ ارادہ واختیار اس کے دامنِ وجود کے اندر ہو اور دوسرا یہ کہ مقدور و محکوم اطاعت کا شعور بھی رکھتا ہو اور ارادہ و اختیار کا حامل بھی ہو تو پہلی صورت میں قادر و حاکم کے تسلط و حکومت کا نام ہے تکوین پس اس صورت میں اس کا ارادہ تکوینیہ ہوگا۔ اس کا امر تکوینی ہوگا اور محکوم کی اطاعت اطاعتِ تکوینیہ ہوگی اور دوسری صورت میں حاکم کی حکومت تشریع ہے اور اس بارے میں اس کا ارادہ وامر ارادۂ تشریعیہ و امر تشریعی ہوں گے اور محکوم کی اطاعت بھی اطاعتِ تشریعیہ ہوگی۔

مثال کے طور پر انسان کی اپنے اعضاء پر حکومت تکوین ہے۔ پاؤں پر چلنے کا حکم، ہاتھوں پر پکڑنے کا حکم آنکھوں پر دیکھنے کا حکم وغیرہ یہ سب اس کے ارادۂ تکوینیہ کے ماتحت اوامر تکوینیہ ہیں اور اعضاء کا بے چون وچرا اس کے ارادہ کے تابع ہونا ان کی اطاعت تکوینیہ کہلاتی ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے غلام کو چلنے، پکڑنے، بولنے، دیکھنے، سونگھنے یا سُننے یا کھانے پینے کا حکم دینا تشریع ہے اس سلسلہ میں اس کا ارادہ تشریعی امر تشریعی اور اس کے غلام کا اطاعت کرنا، اطاعتِ تشریعیہ ہے۔ پہلی صورت میں ارادہ کی تکمیل اور مراد کی برآوری آمر کے قدرت و عمل پر موقوف ہے اور دوسری صورت میں مامور

کے عمل پر موقوف ہے اگر پیاسا ہے سامنے پانی موجود ہے پس اپنے پاؤں کے چلنے کا حکم دے اور اپنے ہاتھوں کو پکڑنے کا حکم دے۔ گلاس بھر کر خود پی لے تو پیاس ختم اور مطلب پورا ہو جائے گا۔ لیکن اگر غلام پر حکم کرے کہ میں پیاسا ہوں اور پانی لادو تو اب اس کے ارادہ کی تکمیل اور مطلب براری غلام کے عمل پر موقوف ہے اگر وہ اطاعت کرے گا تو اس کا ارادہ پورا ہوگا اور اگر وہ اطاعت نہ کرے گا تو اس کا ارادہ کبھی پورا نہیں ہوگا۔

نیز امرِ تکوینی میں آمر کو منہ بول کر امر کرنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کا ارادہ ہی امر تکوینی ہوا کرتا ہے اور عمل کرنا اور ارادہ کو اپنی قدرت سے مطلب سے ہمکنار کرنا۔ مراد و مطلوب کی اطاعتِ تکوینیہ کا نام ہے لیکن امر تشریعی میں ایسا نہیں بلکہ وہاں آمر کو زبان یا خط یا اشارہ وغیرہ کے ذریعہ سے مامور تک اپنے مطلوب کو واضح کر دینے کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور مطلوب کا پورا ہونا پھر مامور کی اطاعت اور اس کے عملی اقدام کا ہی مرہون منت ہوتا ہے اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اطاعتِ تکوینیہ یا عدم اطاعت میں سزا اور جزا کا استحقاق پیدا نہیں ہوتا بلکہ اطاعت تشریعیہ اور اس کے عدم میں سزا و جزا کا استحقاق ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت کے بعد یہ بات خوب سمجھ میں آسکے گی کہ خداوند متعال کا آسمان و زمین، عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت و نار سورج چاند ستارے ملک جن و انس، دریا پہاڑ آگ، ہوا، پانی مٹی، جمادات، نباتات، حیوانات وغیرہ تمام چھوٹی بڑی مخلوق اور سب عاقل و بے عقل موجودات کا پیدا کرنا اور کتم عدم سے نکال کر ان کو خلعتِ وجود سے آراستہ کرنا سب کچھ اس کے ارادۂ تکوینیہ اور امر تکوینی کے ماتحت ہے اور تمام کائنات کا اس کے حسب ارادہ تکمیل پذیر ہونا اور زیور ہستی سے آراستہ ہونا ان کی اطاعتِ تکوینیہ ہے اور ابھی واضح کیا جا چکا ہے کہ امر تکوینی میں بولنے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی بلکہ آمر کا ارادہ ہی کافی ہوا کرتا ہے۔ لہذا ذاتِ پروردگار کا تمام مخلوقات کے متعلق ارادۂ کن۔ کائنات کو منزل فیکون تک پہنچانے کے لئے کافی ہے اس کا ارادۂ کن امر تکوینی ہے اور مخلوق کا منزل فیکون تک پہنچنا یعنی زیور ہستی سے آراستہ ہو جانا ان کی اطاعت تکوینیہ ہے۔

کلمۂ کفر

اب اس بیان سے اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔ یعنی اس کا امر یہ ہے کہ وہ جب کسی شے کے متعلق ارادہ کرے تو فرماتا ہے کن یعنی ہو جا تو پس وہ شے ہو جایا کرتی ہے۔ اس مقام پر بعض بہلا کہہ دیا کرتے ہیں کہ ایجاد مخلوق کے لئے کلمہ کن محمدؐ و آل محمدؐ نے کہا تھا۔ لہذا یہ ہی موجودات کے خالق ہیں کیونکہ خدا زبان و جسم سے پاک و منزہ ہے وہ کلمہ کن جاری نہیں کر سکتا۔ پس اس کلمہ کے کہنے والے یہی ہیں۔ ان جاہلوں کے نقض کیلئے تو یہ بھی کافی ہے کہ جب محمدؐ و آل محمدؐ کو خدا نے پیدا کیا تو اس وقت ان کی تخلیق میں کن کا کلمہ کس نے کہا تھا۔ پس وہ جس طرح ان کی خلقت کے وقت بغیر زبان و جسم کے کن کی فرمائش کر سکتا ہے تو باقی مخلوقات کے لئے بھی اسی طرح کر سکتا ہے اور ان کو یہ پتہ نہیں کہ تخلیق و تکوین میں امر سے مراد امر تکوینی ہے جس کے اظہار کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی تکمیل کا تعلق خود آمر کی ذات سے ہی ہوا کرتا ہے بذریعہ الفاظ وغیرہ کے اس کا اظہار تو تب کرے کہ اس کی تکمیل کسی دوسرے مامور کے بس میں ہو بس یہاں تو یہ ہے کہ اس نے ارادہ کیا اور اپنی قدرت کاملہ و حکمت شاملہ سے مطلوب و مراد کو نیست سے ہست میں تبدیل کر دیا

لہذا کن کی تعبیر صرف انسانی ناقص عقول کی تفہیم کے لئے ہی ہے جس طرح انسان اپنے متعلق بیان کرتا ہے مثلاً مجھے سیر کی شوق ہوئی تو میں نے اپنے پاؤں کو حکم دیا چلو تو انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں پس چلے گئے۔ تقریر کا اشتیاق پیدا ہوا تو میں نے اپنی زبان کو حکم دیا کہ بول۔ اس نے جواب دیا میں حاضر تو پس وہ بولنے لگ گئی۔ اس قسم کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں اور کوئی بے عقل سے بے عقل بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ ایسے مقامات پر انسان اپنے اعضاء کو زبان سے نہیں کہا کرتا کہ یہ کرو۔ وہ کرو اور نہ ان اعضاء کے پاس زبان گویائی ہے کہ وہ کچھ جواب دے سکیں بلکہ انسان کے اس ارادۂ تکوین کو نہایت سرعت سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی یہ تعبیریں ہیں یا مقصود کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے یہ طریقے ہیں ورنہ سوال و جواب کی نہ ضرورت ہے اور نہ حقیقت ہے۔

خداوندِ متعال تمام موجودات کے ایجاد پر قدرتِ کاملہ رکھتا ہے وہ ایجادِ خلق میں کسی کا محتاج نہیں اور نہ اس کی بقاء میں اس کو کسی کی احتیاج ہے جس طرح باقی تمام موجودات اس کی محتاج ہے۔ اسی طرح حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اس کے محتاج و نیازمند ہیں۔ وہ جس طرح ان کا خالق ہے باقی تمام مخلوق کا خالق بھی وہی ہے اور جس طرح ان کا رازق ہے باقی مخلوقات کا رازق بھی وہ خود ہی ہے۔ وہ نہ خلق و رزق میں کسی کا محتاج ہے اور نہ باقی نظام کائنات کی برقراری میں کسی کا ممنونِ احسان ہے۔ خداوندِ کریم ایسے لوگوں کو ہدایت فرمائے جو خدا کو ایجادِ مخلوق میں عاجز مانتے اور اس کی صفاتِ خاصہ کو اس کی مخلوق کی طرف منسوب کرتے ہیں ذرہ بھر باک و بیم محسوس نہیں کرتے۔ معصومین علیہ السلام نے ایسے عقیدہ والے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان کے عقیدہ سے اپنی برأت کا اعلان کیا ہے جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں بابِ تفویض میں کسی حد تک وضاحت سے بیان کیا ہے اور بلاشک و شبہ خدا کو عاجز کہنا یا محمدؐ و آلِ محمدؐ کو خالق و رازق ماننا کفر و شرک ہے خدا و رسولؐ اور آلِ رسولؐ ایسے لوگوں سے بری و بیزار ہیں۔

فرق واضح

جس طرح ہمارے اوامر تکوین و تشریع میں منقسم ہیں اسی طرح خالقِ کائنات کے اوامر بھی تکوین و تشریع میں منقسم ہیں اور اس کا ضابطہ یوں سمجھئے کہ جہاں مامور کی اطاعت میں اس کے ارادہ و اختیار کو دخل نہ ہو وہ ہیں تکوینیات اور جہاں اطاعت میں مامور کے اختیار و ارادہ دخیل ہوں۔ وہ ہیں تشریعیات۔ پس خلق موجودات کے متعلق جس قدر اوامر ہیں۔ وہ سب تکوینی ہیں اور انسانوں سے طلبِ اطاعت کے جس قدر اوامر ہیں اور ان کی انسانی زندگی کے دنیوی و اخروی پہلوؤں کی بہبودی و بہتری کے لئے جو ضابطہ و دستورِ شریعتِ مقدسہ اسلامیہ نے پیش کیا ہے۔ یہ خداوندِ کریم کی جانب سے اوامر تشریعیہ ہیں۔ ان کی اطاعت یا عدم اطاعت جزا و سزا کے استحقاق کی موجب ہے۔ انسان چونکہ اپنے مقام پر خود عاجز ہے لہذا ممکن ہے کہ بسا اوقات اس کے امورِ تکوینیہ کی تکمیل نہ ہو سکے اور اس کا ارادہ مغلوب ہو کر رہ جائے مثلاً ارادہ ہے کہ آنکھ دیکھے لیکن اس پر نیند کا غلبہ ہے پس اس کا ارادہ مغلوب ہو کر رہ جاتا ہے اور مطلوب پورا نہیں ہو سکتا اسی طرح چلنے کا ارادہ ہے لیکن پاؤں خستگی کے احساس سے مغلوب ہیں۔ پس ارادہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا اور اگر خارجی اشیاء کی طرف جائیں تو انسان کی قدرت و ارادہ اکثر مغلوب و مرعوب نظر آئیں گے اور کہیں اقل قلیل حصہ میں اس کی اطاعت

نظر آئے گی۔
مثلاً ایک صانع جو صنعت جانتا ہے اس کی صنعت کی رسائی باوجود مہارت کاملہ کے ایک حد محدود تک ہوگی اور اس کی بڑی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کی مہارتِ تامہ کے باوجود مصنوع میں اس کی اطاعت ایک اقل قلیل حد تک ہے اور اس کے کمال کی آخری حد کا نام عجز ہے ایک لوہار لوہے کے کام میں ماہر ہے لوہے سے بہت کچھ کام لے سکتا ہے لیکن ایک حد کے اندر اور اس حد سے آگے لوہا اس ماہر فن کے آگے سر تسلیم جھکانے کو تیار نہیں اور یہ اس کی تکوینی نافرمانی ہے۔ جس طرح کہ اس حد معین کے اندر اس کی اطاعتِ تکوینی تھی۔ ممکن ہے کہ دوسرا ماہر اس سے کچھ آگے بڑھ جائے پھر تیسرا اور آگے بڑھ جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور ہر ماہر کی حد کمال وہی سمجھی جائے گی۔ جس سے آگے وہ عاجز ہے یعنی ہر کامل کی آخری حد عاجزی ہے۔ اسی طرح سُنار کو دیکھو ایک حد کے بعد وُہ عاجز نظر آتا ہے۔ آج سائنس دانوں نے موجودات عالم میں اپنی انتھک کوششوں اور محنتوں سے اپنے افکارِ رسا کی جدوجہد کی بدولت اپنی حاکمیت کا سکہ بٹھایا ہُوا ہے اور صفحۂ ہستی پر رہتے ہوئے قوائے مادیہ کی تسخیر میں وہ حیرت انگیز کرشمے دکھائے ہیں کہ ادوارِ ماضیہ کی سادہ زندگیوں میں بسر اوقات کر گذرنے والا انسان اگر اب دوبارہ پلٹ کر حالات کا جائزہ لے تو اسے معجزہ کہتے ہوئے ذرہ بھر توقف نہ کرے گا اور ہر دَور کا انسان اپنی علمی و عملی وسعتوں کے ماتحت تسخیرِ موجودات کا گرویدہ رہا ہے اور خداوند کریم نے عناصرِ اربعہ میں پنہاں لاتعداد قویٰ کو تکویناً انسان کے سامنے سر تسلیم جھکانے کی فطرت تفویض فرمائی ہے اور انسان کو زیورِ علم و عمل سے آراستہ ہونے کے لئے عقل و دماغ اور فہم و فکر کی استعدادات کا ایک بے پایاں خزانہ عنایت کیا ہے جس کے ماتحت اس کو اشرف المخلوقات کا تاجِ کرامت عطا فرمایا اور موجوداتِ عالم پر حقِ حکومت عطا کیا۔ پس عقل فطری کی آواز ہے کہ انسان باقی موجودات پر حاکم و متصرف ہے اور خداوند کریم عالمیان کی جانب سے خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (یعنی زمین کی تمام اشیاء تمہارے ہی لئے ہیں) کا جملہ اسی فیصلہ کی طرف ارشادی حیثیت رکھتا ہے۔ پس انسان نے ہر دَور میں تسخیرِ عالم کی طرف قدم بڑھایا اور اس کی حدِ عجز ہی اس کے کمال کا آخری زینہ رہی اور ہر دور کا ماہر طے شدہ زینوں سے اُوپر کے زینوں پر قدم رکھنے کی جگہ بناتا رہا اور کامیابی حاصل کرتا رہا۔ آج کے سائنسدان تسخیر موجودات میں ترقی کے جس زینہ پر پہنچے ہیں۔ ممکن ہے۔ بعد والے اپنی منزل اگلے زینہ کو بنائیں جس کا سر کرنا دورِ حاضر کے لئے ناممکن شکل میں نظر آرہا ہے جس طرح کہ موجودہ منزل گزشتہ ادوار کے لئے ایک ناممکن سا امر تھا۔ بہر حال انسان کے سامنے موجوداتِ عالم کا مسخر و مطیع ہو کر سر تسلیم خم کرنا ان کی اطاعتِ تکوینیہ ہے۔ پس انسان نے قوائے مادیہ کو حکم دیا کہ فلاں مشینری ہمیں تیار چاہیئے۔ ہمیں سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے موٹر چاہیئے۔ ہمیں دو سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے انجن چاہیئے۔ ہمیں ہوا میں سیر کرنے کے لئے ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جہاز چاہئیں۔ ہمیں کاروبار کی ہر سہولت کے لئے بجلی چاہیئے۔ آوازیں دُور دُور سے جذب کرنے کے لئے اور دُور دُور تک پہنچانے کے لئے آلات چاہئیں وغیرہ وغیرہ۔ انسان حکم کرتا گیا اور قوائے مادیہ سر تسلیم خم کرکے جی ہاں جی ہاں کرتی گئیں اور انسان آگے بڑھتا گیا۔ پس جہاں اس جی ہاں کے بعد

قوائے مادیہ کی طرف سے نہیں جی کا جواب ملتا ہے تو انسان کی ترقی کی آخری منزل وہیں تک قرار پاتی ہے یعنی کائنات عالم میں قوائے مادیہ کی اطاعت تکوینیہ کی منازل کے بعد جب نافرمانی کی حد آتی ہے تو قدم رُک جاتے ہیں اور وہی مقام بعد والوں کے تسخیر مادیات کے جذبات کے ماتحت افکار کی آماجگاہ بن جاتا ہے کہ اس کو سر کیا جائے بہرکیف حدود عجز تک رسائی اور علم وفکر میں نارسائی کا نام ہے انسان کا آخری کمال - بہرکیف یہ مطلب واضح ہوگیا کہ انسان کو جن جن اشیاء پر حق حکومت حاصل ہے وہ تکوینی طور پر انسان کی محکوم ہیں - ان چیزوں کے متعلق بھی بسا اوقات انسان کا ارادہ مرعوب و مغلوب نظر آتا ہے - بس ایک حد تک اس کا ارادہ تکوینی غالب رہتا ہے اس کے بعد ارادہ تو ہوتا ہے لیکن مرعوب و مغلوب اور وہی ہوتی ہے اس کی آخری منزل ارتقاء -

لیکن خداوند کریم اس بات سے اجل وارفع ہے کہ کائنات اس کی تکوین میں پس و پیش کر سکیں وہ علی کل شئی قدیر ہے اور جو چاہے کر سکتا ہے اس نے اپنا کلیہ بیان فرمایا ہے کہ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ - جب بھی کسی شے سے اس کا ارادہ ایجاد تعلق پکڑے تو وہ شے فوراً ہو جاتی ہے یعنی اس کا ارادہ تکوینی کہیں مغلوب و مرعوب ہو سکتا ہی نہیں اور اس کے کمال کی کوئی حد ہے ہی نہیں اور انسان کا منازل ترقی طے کرنے کے بعد رُک جانا اور حد عجز تک پہنچ جانا ہی تو باذوق اور ارباب فکر و دانش کے لئے معرفت خداوندی اور اس کی توحید کے اقرار کی طرف لے جانے کا سیدھا راستہ ہے اور اس سے نہیں بھٹک سکتے مگر کور بخت اور بد باطن -

پس اس امر تکوینی کے ماتحت خداوند کریم جس چیز کو امر کرے وہ جی ہاں اور لبیک کہتی نظر آئے گی اور ناممکن ہے کہ کوئی چیز کسی امر کے جواب میں جی نہیں کہہ دے - پس آسمان وزمین ، دریا و پہاڑ ، شمس وقمر بلکہ علوی وسفلی نظام اسی تکوینی اطاعت پروردگار میں عابد وساجد ہیں جس طرح قرآن میں بھی ان تمام چیزوں کی اطاعت وسجدہ کا ذکر ہے اور یہاں سجدہ تکوینی مراد ہے یعنی یہ تمام چیزیں اس کی اطاعت گذار ہیں -

سوال :- قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (پ ۲۲ سورۂ احزاب رکوع ۹) یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں ، زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا - تحقیق یہ بڑا ظالم اور بڑا جاہل ہے - اس مقام پر ان موجودات نے خداوند کریم کی کیوں نافرمانی کی ؟

جواب :- اس مقام پر انسان کی قساوت قلبی اور جرأت وجسارت کی مذمت ہے کہ انسان معصیت خداوندی پر اس قدر تجسر کرتا ہے کہ جس چیز کی آسمان وزمین و پہاڑ تاب برداشت لانے سے قاصر ہوں - یہ انسان اپنے ظلم وجہالت کے ماتحت اس بوجھ کے اٹھانے کی بھی جرأت کر بیٹھتا ہے - یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ان موجودات کو ایک حکم دیا گیا اور انہوں نے تکوینی طور پر نافرمانی کی اور آیت کے آخری لفظ خود بتلا رہے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ جس ظلم وجہالت کا ارتکاب انسان

دیدہ دلیری سے کرتا ہے اگر زمینوں، آسمانوں اور پہاڑوں پر پیش کیا جائے تو وہ بھی خوف و ہراس سے لرز جائیں اور اس کے ارتکاب کی جرأت نہ کریں لیکن انسان کے ظلم وجہالت کا تو یہ عالم ہے کہ وہ بلا خوف و ہراس کر گزرتا ہے۔ جس طرح شہید بے گناہ کا خون زمین نہیں پیتی اور انسان پی جاتا ہے۔ یتیم کو تھپڑ مارنے سے عرش خدا کو لرزہ آتا ہے۔ لیکن انسان کا دل نہیں کانپتا۔

درسِ معرفت

غیر ذی روح موجودات سے خداوندِ متعال کے جس قدر خطابات یا ان کے جوابات ہیں وہ صرف امورِ تکوینیہ کی ترجمانی ہیں اور موجوداتِ عالم میں جس چیز کو جس مطلب یا ڈیوٹی کے لئے بنایا ہے اس کا اسی ڈیوٹی پر قائم رہنا اس کی اطاعت ہے مثلاً سورج کو چرخ چہارم پر ایک متعین رفتار سے ایک خاص جہت پر متحرک رہنے کے لئے بنایا ہے تو وہ اس پر بالکل قائم اور برقرار ہے اسی طرح چاند اپنی معین رفتار پر قائم ہے۔ زمین پیداوار اُگانے کیلئے ہے تو وہ اسی پر قائم ہے گویا موجوداتِ عالم کا ذرہ ذرہ اپنی معین ڈیوٹی سے سر مو ادھر اُدھر نہیں ہو سکتا۔ پس اگر یوں کہا جائے کہ اس نے سورج کو گردش کا حکم دیا تو سورج نے لبیک کہی۔ اس نے چاند کو معین رفتار کے ماتحت آسمان اول پر سیر کا حکم دیا تو اس نے جی ہاں میں جواب دیا اور اس نے زمین کو پیداوار اگانے کی فرمائش کی تو اس نے لبیک کہی۔ وعلیٰ ہذا القیاس تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی سوال وجواب ہوئے بلکہ یہ تو مقصد کو واضح کرنے کے لئے ان کی اطاعت تکوینیہ کی زبانِ حال سے ترجمانی ہے اور بس اور اس حیثیت سے تمام غیر ذی روح موجودات کا اس کی اطاعت میں تکوینًا جھک جانا اور تابع فرمان ہونا ان کی عبادت ہے اور یہی ان کی معرفت ہے اور اسی کو ان کی زبانِ حال کی تسبیح و تقدیس سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جیسے فرمایا۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی زمین و آسمان کی ہر شے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور جو ذی رُوح موجودات ہیں۔ ان میں سے جن کو زیورِ عقل وفہم کی دولت سے محروم کیا گیا ہے یعنی حیوانات وغیرہ ان کی اطاعت بھی اطاعت تکوینیہ ہے اور سجدہ ان کا سجدۂ تکوینی ہے۔ اسی طرح ان کی تسبیح و تقدیس سب تکوینی حیثیت سے ہیں جس طرح ایک کرسی اپنی زبانِ بے زبانی سے اپنے بنانے والے کا اقرار کر رہی ہوتی ہے۔ اور اپنی صفائی و خوبی کے پیشِ نظر اپنے بنانے والے کے ثناخواں ہوتی ہے۔

اب رہا ذی رُوح موجودات کا قصہ جو عقل وفہم کی نعمت سے آراستہ ہیں جیسے جن وانس و ملک وغیرہ تو ان کا خلقی پہلو تو اس کا اطاعت گزار ہے تکوینًا۔ مثلاً اس نے دو ہاتھ دیئے۔ دو پیر دیئے۔ دو آنکھیں۔ دو کان۔ ایک ناک اور ایک زبان وغیرہ بہر کیف جس رنگ و ہیئت اور جس انداز و کیفیت سے اس نے چاہا بنایا۔ عقل وفہم عطا کیا۔ دل و دماغ مرحمت فرمایا اور حواس ظاہرہ اور حواس باطنہ عطا فرمائے بہر حال ان چیزیں وجودِ انسانی میں نہیں چوں چرا کرنے کی کوئی جرأت نہیں اس نے جیسا بنایا یہ ویسا بنا اور اس کی یہ ہیئت کذائیہ۔ اس کی شکل و شباہت اس کی وضع قطع اور اس کی صحت و توانائی بلکہ جملہ حالاتِ زندگی اور ادوارِ بچپن وجوانی وضعیفی اپنے خالق کی اپنی زبانِ بے زبانی سے ثناخوان ہیں۔ اپنے مالک قادر وحکیم کے سامنے عابد و ساجد ہیں۔ پس جسم انسانی کے خون کا ہر قطرہ گوشت و پوست کا ہر ذرہ رگ رگ پٹھہ پٹھہ بال بال اور

پورے ڈھانچے کا ہر ہر حصہ اپنے اپنے مقام پر اپنے خالق یکتا کی قدرت و صنعت اور حکمت و خلقت کا حامد و مداح ہے اور معترف عجز و نیاز ہے اور اسی اعتبار سے دشمنانِ خدا بلکہ مدعیانِ خدائی بھی اس کے معترف و ثناخوان تھے اور اس کے سامنے اپنی تکوینی حیثیت سے عجز و انکساری کے حامل تھے اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھے پس قرآن مجید کا یہ دعویٰ کہ ہر شے اس کے سامنے سجدہ کناں ہے یا زمین و آسمان میں بسنے والی تمام مخلوق اس کی تسبیح گزار ہے ۔ درست ہے اس پر اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ فرعون و شداد و نمرود اور دیگر خدائی کے مدعیان کب اس کے تسبیح گزار تھے کیونکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ تکوینی طور پر اس کی تمام مخلوق اس کے سامنے ساجد اور اس کے خوف سے لرزاں ہے اور اپنی زبان بے زبانی یا ہئیت کذائیہ سے اس کی تسبیح و حمد گزار ہے خواہ کافر ہی ہو لیکن ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ تکوینی اطاعت موجب جزا نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ قہری و اضطراری ہوا کرتی ہے پس اس نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ سے تمام انسانوں کو عقل و فہم عطا کر کے اپنے ارادہ و اختیار سے اطاعت و عبادت کی دعوت دی ہے پس اس کے یہ اوامر تشریعیہ ہیں اور اس بارہ میں اس کا ارادہ تشریعیہ ہے اور انسان کی اس کے ماتحت اطاعت بھی اطاعتِ تشریعیہ ہو گی اور یہی اطاعت جزا کا استحقاق رکھتی ہے اور اس مقام پر نافرمانی سزا کا استحقاق رکھتی ہے ۔

ارواح سے اقرارِ اطاعت

ہم نے ثابت کیا ہے کہ تمام سلسلہ موجودات خالق کائنات کے سامنے ماضی و حال و استقبال کے تمام ادوار کے ساتھ ساتھ بیک وقت اس کے سامنے موجود و حاضر تھے اور اس سے کسی وقت بھی کوئی فرد موجود غائب و دور نہیں ہے ۔ پس تمام عقول بشریہ اور نفوس انسانیہ بیک وقت اس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے اپنے انتہائی عجز کے ساتھ اس کے وجود کے معترف بھی ہیں اور اس کے ثناخوان بھی ۔ خواہ کفار کے ارواح ہوں یا مومنوں کے لیکن انسان کو عقل و ارادہ اور فہم و اختیار دینے کے بعد اس کو خصوصی مکلف کیا گیا ہے کہ تکوینی اطاعت سے قدم آگے بڑھائے اور تمام تکوینیات میں پورے غور و خوض کے بعد اپنے اختیار و ارادہ سے بھی اس کی ثناخوانی کا فریضہ ادا کرے اور اس کے سامنے اپنے کمالِ عجز کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو اور انسان کو عقل و فکر کی طرف سے یہ فطری دعوت بھی خداوند کریم کی جانب سے صدائے بازگشت ہے اور قرآن مجید کی یہ آیت اسی عہد و پیمان کی تجدید ہے جو انسان نے فضائے عقلی میں حالات پس و پیش کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا تھا ۔ پس گویا اس نے تمام عقولِ انسانیہ اور نفوس بشریہ سے دریافت کیا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے زبانِ عجز و انکساری سے اعتراف کرتے ہوئے کہا ہاں بے شک تو ہمارا خدا ہے ۔

ہم نے پہلے مفصل بیان کیا ہے کہ سلسلہ موجودات کی ہر کڑی خالق موجودات کے سامنے ازل سے ابد تک ہر وقت یکجا موجود ہے اور وہ ان کے تمام جزوی حالات کو جانتا ہے ۔ گذشتہ آئندہ اور موجودہ تمام افراد ممکنات اس کے علم ذاتی کے سامنے حاضر ہیں کہ اس سے کوئی بھی غائب نہیں ۔ پس تمام نفوس بشریہ بمعیت عقل جو بارگاہ قدس ایزدی میں بیک وقت موجود

ہیں۔ ان سے قدرت اپنے خاص انداز میں گویا ہوئی کہ کیا میں تمہارا سب کا رب نہیں ہوں تو یہ انسان سوچ سمجھ کر عقل و فکر سے کام لے کر پکار اٹھا۔ واقعی تو ہمارا رب ہے یعنی ظاہری جسموں اور جسمانیات سے الگ ہو کر صرف نفوسِ انسانیہ سے ہی میثاق لیا گیا اور مادیات کی دنیا سے الگ تھلگ ہو کر بات چیت ہوئی گویا نفسِ انسانی نے گوشِ عقل سے ندائے پروردگار کو سنا اور زبانِ عقل سے اس کا اعتراف کیا اور وجودِ ظاہری جسمانی کا لباس اوڑھنے کے بعد خواہشات و شہوات کے شکنجوں میں پھنس کر انسان ضد و معاندت کو اپناتے ہوئے انکار پر تل گیا ورنہ عقلِ انسانی تو کسی وقت بھی اس کئے ہوئے عہد سے پشیمان نہیں ہوتی اگر شہوت و خواہش کے بھوت اتر جائیں تو عقلِ انسانی فوراً حقیقت کی طرف عود کرنے میں ذرہ بھر پس و پیش نہ کرے گی۔

اور علامہ محسن فیض تفسیر صافی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ممکن ہے عالمِ مثال میں مثالی اجسام نے اپنی ملکوتی زبانوں سے جواب دیا ہو کیونکہ مخلوقِ عالم کے ہر ذرہ ذرہ میں لسانِ ملکوتی موجود ہے جو اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید اور تمجید و توحید بیان کرتی ہے اور یہی لسانِ ملکوتی تھی جس کے ذریعے سے حضرت رسالتمآبؐ کے دستِ حق پرست پر سنگریزے بولتے تھے اور اسی ملکوتی زبان سے بروزِ حشر زمین گویا ہو گی جیسا کہ فرماتا ہے۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا۔ اور اسی ملکوتی زبان سے انسانی اعضاء کو بیان دینا ہوگا۔

نتیجہ:۔ اس قدر تفصیل کرنے کے بعد یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ پہلے اور دوسرے قول میں منافات نہیں ہے بلکہ پہلے قول کو دوسرے قول پر ڈھالا جا سکتا ہے اور حضرت آدمؑ کی پشت سے تمام اولادِ آدمؑ کو ظاہر کر کے ان سے اقرار لینا اسی تاویل کے ماتحت مراد لیا جا سکتا ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

اقرارِ نبوت و امامت

تکوین و تشریع کے معانی سمجھ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ مخلوقات میں سے جو نعمتِ عقل سے خالی ہیں۔ خواہ ذی رُوح ہوں ان سب کا اقرارِ ربوبیت تکوینی تھا ہی بلکہ خود عقل بھی تکوینی طور پر اس کا معترف ہے لیکن اب جسم و مادہ کا روپ دھار لینے کے بعد روحِ انسانی سے اس کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے کا مطالبہ ہو رہا ہے جو علیحدہ علیحدہ قوائے بدنیہ اور عقل کر چکے ہیں کہ اب اجتماعی صورت میں بھی شہوت و خواہش سے الگ ہو کر غفلت کا پردہ اٹھا کر یا باپ دادا کی تقلید سے بے نیاز ہو کر اسی عہد پر کاربند ہوں جو کر چکے تھے۔

اس مقام پر سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ جہاں تک تکوین کا تعلق تھا وہاں تو صرف مکوّن یعنی خالق کا اعترافِ ربوبیت و وحدانیت کافی تھا لیکن عقل کی دولت عطا ہونے کے بعد جب اطاعتِ تکوینی کے علاوہ انسان سے اطاعتِ اختیاریہ و ارادیہ کا مطالبہ ہوا تو اب صرف اس کے اقرار کی حیثیت اس کے صانع ہونے تک محدود نہ رہی اور اس کی اطاعت صرف تکوینی اطاعت تک بند نہ رہی بلکہ اپنے ارادہ و اختیار سے اپنے اعمال و کردار کو اس کی ہدایات کے ماتحت کرنا ہی اطاعت ہو گی کیونکہ تکوینی اطاعت بے عقلی اور قہری و جبری ہونے کی حیثیت سے قابلِ مدح نہیں اور نہ موجبِ جزا ہے اور نہ شایانِ شان نعمتِ عقل

ہے اور اس کے برعکس اختیاری اطاعت قابلِ تعریف بھی ہے اور موجب جزا بھی نیز انسان کی عقلی حیثیت کے مناسب بھی ہے اور اشرف المخلوقات کی پوزیشن کے شایانِ شان بھی۔

پس جب ارواحِ انسانیہ نے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی آواز کو گوشِ عقل سے یا سماعِ ملکوتی سے یا اندازِ حالی یا طریقِ فطرت سے سُنا تو فوراً زبانِ عقل یا لسانِ ملکوتی یا زبانِ حال یا لہجۂ فطرت سے جواب دیا بلیٰ کہ واقعی بلاشک تو ہمارا پروردگار ہے اب اقرارِ اطاعت کے بعد عقل یا ملکوت یا حال یا فطرت کے کان نے دوسری آواز فوراً سنی اَلَيْسَ مُحَمَّدٌ نَبِيُّكُمْ۔ کیا محمد تمہارے نبی نہیں ہیں تو چونکہ مخلوق اور خالق کے درمیان کوئی ایسا رابطہ موجود نہیں جس کی بدولت یہ ظلمانی مخلوق ذاتِ اقدسِ الٰہیہ کے فیوض سے مستفیض ہو سکے اور اس کے اوامر و نواہی سے اطلاع پا کر اس کی خوشنودی کی حد تک پہنچ سکے اور اپنے کئے ہوئے عہد کو وفا کر سکے پس عقولِ انسانیہ اور نفوسِ بشریہ گویا اقرارِ ربوبیت کے بعد اس کش مکش میں مبتلا تھے کہ اطاعت کا طریقہ کیا ہوگا اور وعدہ کی ایفا کس طرح ہوگی تو فوراً نبوت کا طریقہ سوجھا کہ خدا اور ہمارے درمیان ایسی ذات ہو جو وہاں سے لائے اور ہم تک پہنچائے تاکہ ہم اس کی اطاعت کر کے اپنے عہد سے وفاداری کریں پس نبوت کی تجویز پر زبانِ ملکوتی زبانِ حال و زبانِ فطرت یا زبانِ عقل فوراً بول اٹھی بے شک ٹھیک ہے اور ہمیں منظور ہے کہ اطاعتِ پروردگار کا طریقہ ان سے حاصل کر کے خوشنودیٔ خدا تک پہنچ سکیں گے۔ اب فوراً یہ سوال بھی پیدا ہونا تھا کہ نبی اگر رحلت کر جائے تو ان کے بعد نظامِ شریعت کی باگ ڈور بھی تو کسی کے ہاتھ میں ہونی ضروری ہے۔ پس فطرت و عقل اس کش مکش میں تھے کہ خالقِ کائنات کی آواز سنائی دی کہ اَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی تحقیق علی مومنوں کا امیر ہے تو فطرت و عقل کی زبانیں کھلیں یا لسانِ ملکوتی بشری نے فوراً لبیک کہی پس اس طرح سے میثاقِ ازلی میں اقرارِ توحید و رسالت و امامت کا عہد نامہ ہوا۔ اور ملائکہ نے شہادت دی اور یہی دینِ فطرت قرار دیا گیا اور اسی کے ماتحت احادیث میں بکثرت وارد ہے کہ خداوندِ کریم نے روزِ ازل سے یہ اقرار لئے تھے۔

پہلے پہل جب اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی صدا آئی تو تمام مخلوق سے سبقت کرتے ہوئے روحِ محمدی نے جواب دیا۔ بلیٰ تو ان کو تمام کائنات کا سرتاج و شہنشاہ قرار دیا گیا۔ لہٰذا دوسرے نمبر پر آئمہ اثنا عشریہ نے (یعنی علیؑ سے مہدیؑ تک کہا بلیٰ تو ان کو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ کے اوصیاء اور تمام مخلوقاتِ عالم سے افضل قرار دیا گیا پھر تیسرے نمبر پر انبیاء نے علی حسب المراتب بالترتیب اقرار کیا تو ان کو اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے عہدۂ نبوت تفویض کیا گیا اور باقی تمام انبیاء سے سید الانبیاء کی نبوت اور ان کے اوصیاء کی ولایت کا عہد بھی لیا گیا جو دلیلِ عقل کے عین مطابق اور نقل کے بھی عین موافق ہے اور باقی عام مخلوق سے انبیاء کی اطاعت کا عہد بھی لیا گیا۔

اقرارِ ازلی کے متعلق روایات

۱۔ تفسیر برہان میں بروایت زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسی آیتِ مجیدہ کی تفسیر میں آپ نے فرمایا۔ خداوندِ کریم نے

پشت آدمؑ سے ہونے والی مخلوق کو نکال کر اپنی ربوبیت کے مظاہر و مناظر دکھائے تو انہوں نے اقرار کیا اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ قطعاً اقرار نہ کرتے اور فرمایا کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا ۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ یعنی ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یعنی فطرتِ معرفت پر کہ اللہ ہی میرا خالق ہے اسی بنا پر تو فرماتا ہے کہ اگر مشرکین سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو کہیں گے ۔ اللہ ۔

۲ ۔ بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت رسالتمآبؐ سے دریافت کیا گیا ۔ آپ کو تمام انبیاء سے کیوں فوقیت حاصل ہے تو فرمایا روزِ میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی ندا آئی تو تمام انبیاء سے سبقت کر کے پہلے پہل میں نے کہا تھا بلیٰ ۔

۳ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے فطرت کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ۔ فطرت سے مراد اسلام ہے اور اسی فطرت پر لوگ پیدا ہوئے ہیں ۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا اور میثاق اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی کا بھی یہی مطلب ہے ۔

۴ ۔ بروایت حمران حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے پہلے خطاب عام ہوا ۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو سب نے کہا بلیٰ ۔ پھر تمام انبیاء سے میثاق لیا گیا ۔ الست بربکم وان ھٰذا محمد رسولی وان ھٰذا علی امیر المؤمنین ؟ یعنی اپنی ربوبیت حضرت محمد مصطفیٰؐ کی رسالت اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولایت کے متعلق پوچھا ۔ تو سب نے ہاں میں جواب دیا ۔ پس ان کو عہدۂ نبوت سے سرفراز کیا گیا ۔ الخ

۵ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کو امیر المومنینؑ کیوں کہا گیا ہے تو فرمایا روزِ میثاق خدا نے اقرار بنی آدمؑ سے اس طرح لیا تھا ۔ الست بربکم وانّ محمداً رسولی وانّ علیاً امیر المومنین ۔

۶ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سب سے پہلے بلیٰ حضرت رسالتمآبؐ نے کہا تھا ۔ اس لئے کہ ان کی روحانی منزل خداوند کریم کے بہت زیادہ قریب تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ شبِ معراج اس مقام قرب پر پہنچے کہ جبرئیل نے کہہ دیا تھا ۔ یا محمد قَدْ وَطَأْتَ مَوْطِئًا لَمْ یَطَأْهُ اَحَدٌ قَبْلَكَ لَا مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ ۔ اے نبی محمد آپ اس جگہ پہنچے ہیں کہ آپ سے قبل یہاں نہ کوئی ملک مقرب پہنچ سکا اور نہ کسی نبی مرسل کی رسائی ہوئی ۔ آپ نے فرمایا یہی وجہ تھی ورنہ اگر نفسؐ روح کو اس قدر قرب منزل نہ ہوتا تو اس قدر منزل رفیع پر کیسے پہنچ پاتے ۔ پس اب قرب منزلت اس حد کو پہنچ گیا ۔ جس طرح قرب مکان میں کہا جائے کہ فلاں فلاں سے دو کمان کے فاصلہ پر ہے یا اس سے بھی قریب ہے یعنی منزل توحید کے اس قدر قریب تھے کہ اس کے بعد کوئی قرب کی منزل باقی نہ تھی بلکہ اس سے آگے وحدت ہی وحدت تھی اور بس ۔ آپ نے فرمایا روزِ میثاق کے اقرار میں اللہ کی ربوبیت اور تمام انبیاء کی نبوت اور حضرت امیر المومنینؑ اور باقی آئمہؑ کی امامت کا عہد لیا گیا تھا ۔ چنانچہ ارشاد ہوا تھا ۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ وَمُحَمَّدٌ نَبِیُّكُمْ وَعَلِیٌّ اِمَامُكُمْ وَالْاَئِمَّةُ الْهَادِیْنَ اَئِمَّتُكُمْ قَالُوْا بَلٰی ۔ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں اور محمد مصطفیٰ تمہارا نبی نہیں اور علیؑ تمہارا امام نہیں اور آئمہ ہدیٰ تمہارے امام نہیں ؟ تو سب نے کہا ہاں بے شک ایسا ہی ہے کہ تو رب ہے محمد نبی ہے علیؑ اور باقی آئمہ ہدیٰ ہمارے امام ہیں ۔ پہلے پہل خداوند کریم نے انبیاء سے اپنی ربوبیت

کا اقرار لیا چنانچہ فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ پھر افضل انبیاء کے نام بھی لئے اور فرمایا۔ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور حضور رسالتمآبؐ چونکہ سب سے افضل تھے اس لئے ان کا ذکر مقدم کیا۔ الخ

۷۔ امالی شیخ سے منقول ہے وہ اپنی سند کے ساتھ ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے اپنے زمانۂ حکومت میں حج کا طواف شروع کرتے ہوئے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں تجھے بوسہ دے رہا ہوں حالانکہ مجھے پتہ ہے کہ تو نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے لیکن چونکہ حضرت رسالتمآبؐ تیرے اوپر مہربان تھے۔ اگر میں نے ان کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے بوسہ نہ دیتا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام حج کرنے والوں میں موجود تھے تو فرمایا ہاں۔ خدا کی قسم یہ نفع و نقصان دے سکتا ہے۔ عمر نے پوچھا یہ کیسے اے ابوالحسنؑ۔ آپ نے فرمایا۔ کتابِ خدا کا فیصلہ اسی طرح ہے۔ عمر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کتابِ خدا کے عالم ہیں لیکن فرمائیے کتابِ خدا میں یہ بات کہاں ہے۔ پس آپ نے یہی آیتِ مجیدہ پڑھی۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ (الآیہ) آپ نے فرمایا کہ جب خداوندِ کریم نے حضرت آدمؑ کو خلق فرمایا تو اولادِ آدمؑ کو اس کی پشت سے نکال کر ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور تمام اقرار کرنے والے بندوں کے عہد ایک ورق میں درج کر کے حجرِ اسود کو بطور امانت سپرد کئے گئے اور اس کو حکم ہوا کہ جو اس عہد کی وفا کرتے ہوئے تیرے پاس آئے تو اس کی بروزِ قیامت گواہی دینا۔ پس یہ پتھر حضرت آدمؑ کے ساتھ اترا اور اس کو اپنے مقام پر رکھ دیا گیا۔ خلقتِ آدمؑ سے قبل ملائکہ اس گھر کا طواف کرتے تھے۔ پھر حضرت آدمؑ نے حج کی، پھر حضرت نوحؑ نے حج کی پھر یہ گھر گر گیا اور پتھر کو کوہِ ابوقبیس میں محفوظ کر دیا گیا اور حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے دوبارہ تعمیر کی تو وحیٔ خداوندی کی ہدایت کے ماتحت پتھر کو ابوقبیس سے نکال کر اسی مقام پر نصب کیا گیا اور یہ جنت سے لایا گیا تھا۔ حضرت نے اپنے بیان کو ختم کیا تو عمر کہنے لگا۔ لَا عِشْتُ فِيْ اُمَّةٍ لَسْتَ فِيْهَا اَبَا الْحَسَنِ۔ یعنی خدا اس قوم میں بسنا مجھے نہ دے۔ جس قوم میں تو اے علیؑ موجود نہ ہو۔ (**اقول**) روایاتِ کی سابقہ بیان کردہ تاویل کے ماتحت میثاقِ بنی آدمؑ کا حجرِ اسود کو بطورِ امانت سونپے جانے کا مقصد یہ ہو گا کہ حج پر انہی لوگوں نے ہی تو جانا ہوتا ہے جو اپنے میثاق پر ثابت قدم رہے ہوں اور خدا اور رسول و اہلبیتؑ کے بیان کردہ طریق پر گامزن ہو کر مناسک ادا کریں۔ لہذا حجرِ اسود بروزِ قیامت ان کے وفائے عہد کی گواہی دے گا۔ چنانچہ حجرِ اسود کی گواہی کی صراحت اسی مطلب پر ببانگِ دہل اعلان کر رہی ہے۔

بروایت جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ حضرت علیؑ کا لقب کب سے امیرالمومنین ہوا تو اس کے حق کا انکار نہ کرتے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ آپ خود ہی فرما دیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ لقب اس دن سے ہے جب روزِ میثاق کا عہد لیا گیا فرمایا۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ وَاَنَّ مُحَمَّدًا نَبِيُّكُمْ وَاَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اس کے بعد فرمایا هٰكَذَا وَاللّٰهِ جَاءَ بِهَا مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔ یعنی حضرت رسالتمآبؐ نے اس کی تفسیر و تاویل اس

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ

اور پڑھ ان پر قصہ اس کا جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دیں پس نکل گیا ان سے پس پیچھا کیا اس کا

طرح بیان فرمائی تھی۔

۹۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا کہ بروز میثاق تمام امت میرے اوپر پیش ہوئی۔ پس میری نبوت کا پہلا اقرار کرنے والا شخص علیؑ ہے اور وہی پہلے پہل میری تصدیق کرنے والا ہے۔ جب میں مبعوث ہوا ہوں اور وہی صدیق اکبر ہے اور وہی فاروق ہے جو حق و باطل میں فرق کرے گا۔

۱۰۔ اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں ابن کوا حاضر ہوا اور عرض کی فرمائیے کہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے بھی خداوند کریم نے اولاد آدمؑ میں سے کسی سے کلام کیا ہے تو آپ نے فرمایا۔ ہاں اس نے تمام بندوں کے ساتھ بلا امتیاز نیک و بد سے کلام کیا ہے اور انہوں نے جواب دیا ہے تو یہ سن کر ابن کوا حیران ہوا اور اس کو حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔ پس عرض کرنے لگا۔ یہ کیسے؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی پھر آپ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ بندوں نے اس کی ربوبیت کا اور اطاعت کا اقرار کیا اور پھر رسولوں، نبیوں اور وصیوں کو علیحدہ کر کے لوگوں سے ان کی اطاعت کا عہد لیا۔ چنانچہ سب نے اقرار کیا۔ پس فرشتوں نے اس پر شہادت دی تاکہ مبادا عذر نہ کریں کہ ہم غافل تھے یا ہمارے باپ دادا مشرک تھے لہٰذا ہم ان کے پیچھے چلے گئے۔ (برہان)

بہر کیف تمام روایات کی تاویل سابق کے ساتھ کوئی منافات نہیں ہے اور اس بارے میں روایات بکثرت وارد ہیں۔

۱۱۔ تفسیر برہان میں بطریق اہل سنت کتاب الفردوس ابن شیرویہ سے بروایت حذیفہ یمانی مروی ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا اگر لوگ جانتے کہ حضرت علیؑ کا نام کب سے امیر المومنینؑ ہوا تو اس کی فضیلت کا انکار نہ کرتے۔ فرمایا اُن کا امیر المومنینؑ تو نام اس وقت سے ہے جب حضرت آدمؑ روح و جسد کے درمیان تھے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے پھر آپ نے یہی آیتِ مجیدہ تلاوت فرمائی۔ پس سب نے اس کی ربوبیت کا اقرار کیا اور فرشتوں نے بھی اقرار کیا تو فرمایا۔ انا ربکم و محمد نبیکم و علی ولیکم و امیرکم۔

۱۲۔ اصول کافی باب نکت فی الولایہ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ولایتنا ولایة الله التی لم یبعث نبی قط الا بھا۔ یعنی ہماری ولایت اللہ کی ولایت ہے کہ کوئی نبی اس کے بغیر مبعوث نہیں ہوا۔

۱۳۔ آپ نے فرمایا۔ ما من نبی جاء قط الا بمعرفة حقنا و تفضیلنا علی من سوانا۔ یعنی کوئی نبی نہیں آیا مگر یہ کہ وہ ہمارے حق کی معرفت رکھتا تھا اور ہمیں اپنے تمام ماسوا پر فضیلت دیتا تھا۔

۱۴۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا۔ ولایة علی مکتوبة فی جمیع صحف الانبیاء و لن یبعث الله رسولا

الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا

شیطان نے تو ہو گیا گمراہوں میں اور اگر ہم چاہتے تو اس

وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ

بلند کرتے بوجہ (ان آیات) کے لیکن وہ جھک گیا طرف زمین کے اور پیچھے چلا اپنی خواہش کے تو اس کی مثال کتے کی سی ہے

اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۗ ذٰلِكَ مَثَلُ

اگر ان پر حملہ کرو تو ہانپتا ہے یا اس کو چھوڑ دو تو ہانپتا ہے یہ مثال ہے۔

الا بنبوة محمد و وصيه علیؑ۔ یعنی حضرت علیؑ کی ولایت تمام صحفِ انبیاء میں فرض کی گئی ہے اور خدا نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر حضرت محمد مصطفٰےؐ کی نبوت اور حضرت علیؑ کی وصایت کے ساتھ۔

۱۵۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ خداوند کریم نے حضرت علیؑ کو اپنے اور تمام مخلوق کے درمیان ایک علامت مقرر فرمایا کہ جو اس کی معرفت رکھے وہ مومن اور جو اس کا انکار کرے وہ کافر اور جو اس سے جاہل ہو وہ گمراہ اور جو اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کرے وہ مشرک ہوگا اور جو اس کی ولایت کے ساتھ پیش ہوگا وہ جنتی ہوگا۔

۱۶۔ اہلسنت کی کتاب ینابیع المودۃ ملا سلیمان حنفی نقشبندی سے روایت کی جاتی ہے لم یبعث نبیٌّ قطّ إلا بولاءِ علی بن ابی طالب یعنی کبھی کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا مگر ولایت علی ابن ابی طالب کے ساتھ۔

بہرکیف اس مضمون کی روایات کتبِ معتبرہ میں بکثرت موجود ہیں لیکن راہ گم گشتگان کی ہدایت اور اہلِ ولاء کے نورِ ایمان کی جلاء کے لئے اس قدر کافی ہیں۔

بلعم بن باعورا وَاتْلُ عَلَيْهِمْ حسنۃ ۱۳:۔ تفسیر برہان میں امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ بلعم بن باعورا کو اسم اعظم دیا گیا تھا اور وہ جو دعا مانگتا تھا مستجاب ہوتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور آخر کار فرعون کی طرف مائل ہو گیا اور دین سے خارج ہو گیا۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ اور قوم بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو فرعون نے بلعم بن باعورا سے استدعا کی کہ موسیٰؑ اور اس کے اصحاب پر بددعا کرو تاکہ وہ ہم سے بھاگ نہ سکیں اور ہم ان کو پکڑ لیں پس یہ اپنی گدھی پر سوار ہوا اور آگے جانے کا ارادہ کیا لیکن اس کی گدھی نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ تو اس نے اس کو مارنا شروع کیا حتیٰ کہ وہ مرگئی لیکن آگے کو قدم نہ بڑھایا اور مار کھاتے ہوئے اس نے آگے نہ چلنے کا عذر بھی پیش کیا تھا اور وہ یہ کہ خداوند کریم نے اس کو طاقتِ گویائی عطا کی اور اس نے کہا مجھے کیوں مارتا ہے کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ چل کر خدا کے نبی اور مومن بندوں پر بددعا میں شرکت کروں لہٰذا میں آگے قدم نہیں بڑھاؤں گی پس جب وہ مرگئی تو خداوند کریم نے اس کی زبان سے

اسم اعظم کا اثر اٹھالیا۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ حیوانوں میں سے تین جانور جنت میں جائیں گے۔

۱۔ بلعم بن باعورا کی گدھی (۲) اصحاب کہف کا کتا (۳) ایک بھیڑیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنا سپاہی بھیجا تھا تاکہ وہ ایک مومن قوم پر جبر و تشدد کرے اور ان کو عذاب میں مبتلا کرے۔ جب سپاہی اس طرف گیا تو پیچھے اس کا لڑکا موجود تھا۔ بھیڑیئے نے آکر اس سپاہی کے لڑکے کو پھاڑ لیا۔ پس اس ظالم سپاہی کے درد و غم میں مبتلا کرنے کی وجہ سے وہ جنت میں جائے گا۔

اقول:۔ چونکہ اپنے مقام پر مسلّم ہے کہ جنت ارادہ و اختیار سے اعمال صالح کرنے والے کیلئے ہے اور جہنم ارادہ و اختیار سے اعمال بد کے ارتکاب کرنے والوں کے لئے ہے اور حیوانات سے کسی اچھے یا بُرے کام کا ظہور پذیر ہونا۔ ان کے حُسنِ اختیار یا سوئے اختیار کا نتیجہ نہیں ہوا کرتا۔ اس لئے وہ دائمی جزا و سزا سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ احادیث اسی مطلب پر بکثرت موجود ہیں تو اس مقام پر کتے، بھیڑیئے یا گدھی کے جنت میں جانے کی روایت اگر صحیح ہے تو لازماً اس کی تاویل کرنی پڑے گی۔ پس اس مقام پر ممکن ہے کہ ان حیوانات کی صفات خاصہ مراد ہوں اور مطلب اس طرح ہو۔ Imp

۱۔ کتے میں درندگی ہے بھونکنے کی عادت اور خست کا شیوہ ہے وغیرہ اور اصحاب کہف کی حفاظت کے پیش نظر اس نے درندگی کو چھوڑا کہ تعاقب کرنے والوں کو نہ کاٹا اور نہ ان کے کاٹنے کا ارادہ کیا اور بھونکنے کی صفت کو ترک کیا تاکہ تعاقب کرنے والے اصحاب کہف کا پتہ نہ لگالیں اور اصحاب کہف کا راز فاش نہ ہو تاکہ وہ مبتلائے تکلیف نہ ہوں پس وفا کی خاطر اور خاصانِ خدا کی حفاظت کے پیش نظر اس نے بد عادات کو چھوڑا جو اس کی فطرت میں داخل تھیں لہذا خدا کو پسند آیا تو کتے کے جنت میں جانے کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ انسان جو کتے کی سی عادت رکھتا ہو۔ کاٹنا بھونکنا اس کی عادت ہو لیکن خاصانِ خدا کی حفاظت اور اہل ایمان سے وفاداری کے پیش نظر وہ اپنی عادات کو خیر باد کہہ کر شیوۂ اہلِ وفا اہلِ ایمان کے ساتھ ہو جائے تو خدا اس سے سابقہ کرتوتوں کا مواخذہ نہ کرے گا اور وہ داخلِ جنت ہوگا۔

۲۔ گدھے میں ہٹ دھرمی ہے ہینگنا ہے اور کور باطنی ہے۔ ان ناپسندیدہ اوصاف کے باوجود اس نے نبی خدا اور مومنین کی حفاظت کے پیش نظر اپنے سوار کی اطاعت سے انکار کیا اور یہ صفت خدا کو محبوب ہے۔ پس اگر کوئی انسان گدھے کی سی صفات کا حامل ہی کیوں نہ ہو لیکن خاصانِ خدا کی حفاظت کے لئے اپنی جان تک قربان کر دے تو اس کی سابقہ صفاتِ بد کا مواخذہ نہ ہوگا اور آئندہ جنت میں داخل ہوگا۔

۳۔ بھیڑیئے میں درندگی اور جسارت ہے پس اس نے اپنی صفت درندگی و جسارت کو ایسے طریقے سے استعمال کیا کہ مومنوں کا انتقام سپاہی سے ہو گیا اگر کوئی انسان بھی اسی طرح بھیڑیئے کی سی درندگی و جسارت طبیعت میں رکھتا ہو لیکن اس درندگی و جسارت پر کنٹرول کر کے اس کو صرف دشمنانِ دین کے لئے عمل میں لائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا گویا کتے بھیڑیئے اور گدھے کے جنتی ہونے کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان جو ان حیوانی صفاتِ بد کا عادی اگر اپنی ذاتی فطری عادات کو ترک کرے یا ان کو ایسی جگہ استعمال Imp

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

اس قوم کی جس نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو پس بیان کرو قصہ تاکہ وہ فکر کریں۔

سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ

برے ہیں از روئے مثال وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے جس کو

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

ہدایت دے اللہ تو وہ ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور جسے گمراہی میں چھوڑ دے تو وہ ہی خسارہ پانے والے ہیں۔

کرے۔ جہاں دین وایمان کی ترقی وترویج کا راز مضمر ہو اور دین والوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہو یا دشمنانِ خدا کو نقصان ہو تو باوجود ان صفاتِ حیوانیہ کے بھی وہ داخلِ جنت ہوگا اور ممکن ہے کہ کفار کی حسرت کو بڑھانے کیلئے مذکورہ حیوانوں کو جنت میں بھیجا جائے

وَلَوْ شِئْنَا صا۱۳ :- یعنی وہ معرفت کے بلند زینہ پر فائز تھا اور اس کو خدا نے دلائلِ معرفت و براہینِ توحید بہت کچھ عطا فرمائی تھیں اگر وہ ایمان پر ثابت قدم رہتا تو اللہ کے نزدیک اس کا درجہ بہت بلند ہوتا لیکن وہ پستی کی طرف مائل ہوا اور خواہشات کی اتباع کی پس گر گیا اور وَلَوْ شِئْنَا کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ہم مجبور کرتے تو وہ گمراہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن ہم تو دین پر برقرار رہنے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کرتے بلکہ اختیار دے دیتے ہیں لیکن وہ اپنی مرضی واختیار سے دین کو چھوڑ کر گمراہ ہو گیا اور منزلہ رفیعہ سے محروم ہو گیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیتِ مجیدہ کا مصداق اصلی تو بلعم ہے لیکن اب اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ہدایت یافتہ ہونے کے بعد خواہشاتِ نفس کو ترجیح دے پس دین کو چھوڑ کر خواہش کے پیچھے چلے۔

يَلْهَثْ صا۱۳ :- زبان باہر نکالنا اور ہانپنا۔ یہ صفت کتے کے لئے اس لئے ذکر کی ہے کہ باقی ہر حیوان بھی ہانپتا ہے لیکن تھکان کے وقت۔ لیکن کتا خواہ تھکا ہو یا نہ ہو۔ حالتِ آرام میں ہو چاہے بے آرامی میں یہ ہر وقت ہانپتا ہے اس جگہ مثال دینے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کریں اور وہ دیدہ دانستہ دینِ خدا کو چھوڑ کر خواہش کی اتباع کریں۔ ان کے لئے وعظ کرنے اور وعظ نہ کرنے کی دونوں صورتیں برابر ہیں۔ جس طرح کتے کے ہانپنے میں تھکان کا ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتیں یکساں ہوا کرتی ہیں۔

اَلْقَصَصَ :- مصدر ہے اور مفعول مطلق واقع ہوا ہے۔

تنبیہ اگر آیتِ مجیدہ بلعم بن باعورا کے متعلق ہے تو پس اگر اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بد دعا کرنے جانا ہی موردِ عذابِ خداوندی ہوا ہو مشکل سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ دعا کرتا یا اس نے دعا کی تو خداوند کریم کسی کی دعا کا پابند

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ

اور تحقیق ہم نے پیدا کیا جہنم کے لئے بہت سوں کو انسانوں اور جنوں میں سے کہ ان کے دل ہیں لیکن

لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا

سمجھتے نہیں ان کے ذریعے اور ان کی آنکھیں ہیں پر دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں لیکن

يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ

سُنتے نہیں ان سے ایسے لوگ مثل چوپاؤں کے ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں ایسے لوگ

تو نہیں ہے وہ تو نبیوں کی دعا کو بھی رد کر سکتا ہے۔ فرشتوں کی دعا کو بھی ٹھکرا سکتا ہے صرف بلعم کے پاس اسم اعظم کا ہونا خدا کو استجابت دُعا میں مجبور تو نہیں کر سکتا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے بد دعا کی اور خدا نے اس کی دُعا منظور کر لی اور حضرت موسیٰ کو بمعہ قوم کے تیہ (صحرائے سینا) میں سرگرداں کیا جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے اور غضب خدا جوش میں آیا تو بلعم سے اسم اعظم چھین لیا اور اس پر جہنم کو واجب کر دیا۔ کیوں نہ اس کی دعا کو ٹھکرا دیا اور اگر اسم اعظم کی موجودگی میں دعا نہیں ٹھکرائی جاتی تھی تو اس کے دعا مانگنے سے پہلے ہی اسم اعظم اس سے لے لیا ہوتا جبکہ اس کی نیت خراب ہو چکی تھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی گمراہی کا سبب کوئی دوسری بات ہے اور وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول سمجھنے اور جاننے کے باوجود وہ فرعون کا ساتھی ہو گیا اور حضرت موسیٰ اور تمام اہل ایمان کا اعلانیہ دشمن بن گیا۔ پس جو بھی اس صنعت بد کا ارتکاب کرے۔ وہ انہی آیات کا مصداق قرار دیا جائے گا۔ بعض کا قول ہے کہ آیت مجیدہ امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے متعلق ہے جو شاعر بھی تھا اور کتب کے مطالعہ سے اس کو پتہ تھا کہ خدا رسول بھیجے گا تو وہ اس طمع میں ہو گیا کہ میں ہی وہ رسول ہوں گا۔ جب حضورؐ نے اعلانِ رسالت کیا تو وہ حسد کی آگ میں جل بھن کر کافر ہو مرا۔

بعض کہتے ہیں کہ ابو عامر بن نعمان راہب کے متعلق ہے جس کو حضورؐ نے فاسق کہا تھا۔ واللہ اعلم۔ بہر کیف جو بھی دلائل و براہین کے بعد خواہش نفس کی پیروی کرے اور صراطِ حق کو چھوڑ دے خواہ کوئی بھی ہو وہ انہی آیات کا مصداق ہے

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا :۔ مقصد یہ ہے کہ جو مخلوق ہم نے پیدا کی ہے ان میں بہت سے ایسے ہیں خواہ قوم جن سے ہوں یا قوم انسان سے جو اپنی بداعمالیوں کی بدولت اور سوءِ اختیار سے جہنم کا راستہ لیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خُدا نے ان کو ابتداً پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ جہنم میں جائیں لِجَهَنَّمَ کی لام عاقبت کے لئے ہے۔ یعنی ان کا انجام و عاقبت جہنم ہو گی بوجہ ان کے سوءِ اختیار کے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ :۔ ان کے سوءِ اختیار کی وضاحت ہے یعنی ہم نے تو جنت کی طرف لے جانے کیلئے دل دیئے تاکہ

هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۷۹ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ

ہی غافل ہیں　　اللہ کے لئے اسمائے حسنیٰ ہیں پس پکارو اس کو ان سے　　اور چھوڑدو ان کو جو کجروی کرتے

يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۸۰ وَمِمَّنْ

ہیں اس کے اسماء میں　　ان کو بدلہ دیا جائے گا جو عمل کرتے ہیں　　اور جو ہم نے

خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝۱۸۱ ع۱۲

پیدا کئے۔ ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی طرف بلاتے ہیں اور حق کا فیصلہ کرتے ہیں

سمجھیں، آنکھیں دیں تاکہ دیکھیں اور کان دیئے تاکہ سُنیں لیکن وہ خواہشاتِ نفسانیہ کے چکّر میں آکر دل آنکھوں اور کانوں سے وہ کام نہیں لیتے جن کے لئے ان کو یہ عطا ہوئے ہیں پس اس سوءِ اختیار کے نتیجے میں وہ ظاہرًا گو انسان ہیں لیکن درحقیقت حیوانات سے بھی بدتر ہیں اور غفلت نے ان کو اس حد تک پہنچا دیا ہے ورنہ اگر خدا نے ان کو جہنّم کے لئے پیدا کیا ہوتا۔ تو ان کے سوءِ اختیار پر ان کی مذمّت کیوں کرتا اور ان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کیوں عطا فرماتا اور ان کو غافل کیوں کہتا۔

معلوم ہوا کہ ان کو جہنّم میں وارد کرنے کا سبب ان کی اپنی ہی غفلت ہے۔

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ یہ فقرہ قرآن مجید میں چار جگہ پر ہے۔ ایک یہی دوسرے سورہ بنی اسرائیل کے آخر میں (۳) سورہ طٰہٰ کے شروع میں۔ (۴) سورہ حشر کے آخر میں۔ اس کے نام کثیر ہیں۔ مثلاً اللہ رحمٰن رحیم عالم وقادر۔ قدیم۔ حی۔ خالق۔ رازق۔ سمیع بصیر وغیرہ اور حدیث نبوی میں ہے کہ خدا کے ۹۹ نام ہیں جو ان کو یاد کرے تو وہ جنّت میں داخل ہوگا۔ مجمع البیان میں یہ روایت صحیح مسلم سے منقول ہے

تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرمایا جب تم پر کوئی مصیبت اترے تو ہماری بدولت اللہ سے مدد طلب کیا کرو کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا کی قسم وہ اسماءِ حسنیٰ ہم ہیں جن کی معرفت کے بغیر کسی کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جاتی۔

تفسیر برہان میں اختصاص مفید سے مروی ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ جابر بن عبداللہ انصاری کہتا ہے۔ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے حضرت علی بن ابی طالب کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ وہ تو میرا نفس ہے۔ پھر میں نے حسنؑ وحسینؑ کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ وہ میری روح ہیں۔ پھر میں نے جناب فاطمہؑ کے متعلق پوچھا تو فرمایا وہ میری شہزادی ہے جو چیز اس کو تکلیف دے وہ مجھے رنج دیتی ہے اور جو چیز اس کو خوش کرتی ہے مجھے خوش کرتی ہے۔ پس ان لوگوں کا دشمن میرا دشمن ہے اور ان کا دوست میرا دوست ہے۔ اے جابر اگر تو چاہتا ہے کہ اللہ سے دعا مانگے اور تیری دُعا

قبول ہو تو ان کے ناموں کے وسیلہ سے دعا کیا کرو کیونکہ یہ خدا کے محبوب ترین نام ہیں۔

فَادْعُوْهُ بِهَا ؕ خداوند کریم کے اسماء حسنیٰ اپنے اپنے مقام پر سب اسماء ہیں اور ہر نام اسم اعظم ہے۔ جس کے ذریعے سے عبد کی دعا مستجاب ہوا کرتی ہے لیکن دعا کا معنی صرف لقلقہ لسانی نہیں کہ رٹ لگاتا رہے۔ خواہ دل و زبان میں موافقت ہو یا نہ ہو اور خواہ عمل اپنی زبان کی مطابقت کرتا ہو یا نہ۔

جو انسان چاہے کہ میرے ہاتھ میں اسم اعظم آجائے اور میری دعائیں مقبول ہوں۔ اس کے لئے بہت زیادہ جہاد نفس کی ضرورت ہے اور اس مرحلہ عظیمہ و منزلۂ رفیعہ پر قدم رکھنا اس وقت ہی نصیب ہو سکتا ہے جب جہاد نفس میں کسی حد تک فتح یابی سے ہمکنار ہو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ اللہ کے اخلاق اپنے میں پیدا کرو اور اسی کے اخلاق سے خود کو آراستہ کرو اور کُنْ لِیْ اَکُنْ لَکَ (تو میرا ہو جا تو میں تیرا ہو جاؤں) یہ تو دل ہر ایک کا چاہتا ہے کہ وہ میرا ہو جائے اور جو چاہوں اس سے منوا لوں لیکن یہ کبھی نہیں سوچا کہ پہلے میں بھی تو اس کا ہو جاؤں کہ وہ جو چاہے مجھ سے منوا لے کسی شخص نے پوچھا کہ خدا کی ہمارے ساتھ کس قدر محبت ہے۔ آپ نے جواب دیا جتنی تیرے دل میں اس کی محبت ہے اگر چاہے کہ میں مرتبۂ کمال حاصل کروں تو خدا کی صفات میں سے کسی ایک صفت کو لے لے اور اپنی ذات کو اس میں جذب کر لے جب اس کی ذات پورے طور پر اس صفت میں جذب ہو جائے گی تو وہ صفت اس میں جذب ہو جائیگی اور وہی اس کے لئے اسم اعظم ہو گا۔ مثلاً خدا کی صفت ہے صادق۔ اب صرف یا صادق یا صادق کا زبانی ورد۔ اس میں اسم اعظم کے اثرات نہیں پیدا کرے گا جب تک اس میں جذب نہ ہو گا اور اس صفت میں جذب ہونے کا مقصد یہ ہے کہ سر تا پا اپنے وجود میں اس صفت کے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ آنکھ میں صداقت ہو جھوٹ نہ آئے۔ کان میں سچائی بھر جائے۔ جھوٹ اس کے قریب نہ بھٹکے۔ زبان میں صدق۔ دل میں صدق۔ ہاتھوں میں صدق۔ پیٹ میں صدق۔ رفتار و گفتار میں صدق۔ حتیٰ کہ اپنے پاس کذب و جھوٹ کا شائبہ تک نہ آنے دے اور اس سلسلہ میں انسان کو جہاد اکبر کرنا پڑتا ہے اور وہ ہے جہاد نفس اور جب یہ دشمن یعنی اپنا نفس مغلوب ہو جائے تو پھر اس کے اوپر صرف اللہ کی حاکمیت ہی ہو گی اور عبد و معبود کے درمیان کوئی فاصلہ نہ رہے گا اور دعا کی مقبولیت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔ بس اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ تقدیر ہوں گے۔

اسی طرح اگر لفظ رحمٰن و رحیم کو اپنے لئے اسم اعظم بنانا چاہے تو صفت رحمت میں جذب ہونا پڑے گا اور من وعن سارے وجود کو اسی صفت کے رنگ میں رنگنے کی ضرورت ہو گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اللہ سبحانہٗ کی ہر صفت اور اس کا ہر نام اسم اعظم ہے اگر اس کا صحیح ورد کیا جائے اور صحیح ورد سے مراد لقلقۂ لسانی نہیں بلکہ اس کے وجود کی رگ رگ پٹھہ پٹھہ، ہڈی ہڈی اور اس کے خون کا قطرہ قطرہ اور جسم کا بال بال بلکہ حرکت حرکت اور سکون سکون سے اسی نام کی صدا بلند ہو تو وہ نام کیوں نہ اسم اعظم ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ سابقہ انبیاء میں سے کسی نبی کے پاس ایک اسم اعظم تھا کسی کے پاس دو اور کسی کے پاس اس سے زیادہ اور آلِ محمدؐ کے پاس سب کے سب ہیں سوائے ایک کے کہ وہ ذاتِ پروردگار کے ساتھ ہی مختص ہے۔

گویا انبیاء طاہرینؑ علیہم السلام صفاتِ خداوندی میں سے ایک یا دو صفتوں میں جذب کامل رکھتے تھے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سابق نبیوں کے پاس ہونے والی متفرق صفات کے جامع تھے یعنی جو جو صفات ان کے پاس فرداً فرداً تھیں وہ ان کے پاس جمع تھیں اور غالباً فرمانِ نبوی کو جو شخص آدم کو بعد علم کے نوح کو اس کی نشست میں ابراہیمؑ کو اس کی خلت کے رنگ میں موسیٰؑ کی ہیبت میں، عیسیٰؑ کو زہد میں، ایوب کو صبر میں اور یوسف کو جمال میں دیکھنا چاہے تو فَلْيَنْظُرْ اِلٰى وَجْهِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ تو وہ علیؑ کے منہ کو دیکھے فَاِنَّ فِيْهِ تِسْعِيْنَ خَصْلَةً مِنْ خِصَالِ الْاَنْبِيَآءِ کیوں کہ انبیاء کے خصائل میں سے اس کے پاس نوّے خصلتیں ہیں جو کسی فرد بشر میں جمع نہیں ہوئیں۔ سوائے اس کے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ خصالِ انبیاء کا مجموعہ حضرت علیؑ میں تھا اور خصالِ انبیاء سے مراد صفاتِ انبیاء ہی ہیں اور نبی میں جو صفت ہے وہ لازماً صفاتِ خداوندی میں سے ہی ہوگی۔ ورنہ مستحق مدح کیوں ہوتی نیز کسی نبی میں۔ کسی صفت کا پایا جانا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ صفت اس میں پوری راسخ ہے اور اس میں کما حقہٗ جذب ہے ورنہ اگر صفت پائیداری کی صورت میں نہ ہو تو وہ اس کی صفت نہیں کہی جاسکتی اور حضرت علیؑ میں سے نوّے صفات کا پائیداری کے ساتھ ہونے کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا مکمل آئینہ تھے اور خدائی صفات میں سے جو صفت ان کی دست رس سے باہر اور خدا کے ساتھ مختص ہے۔ وہ ہے الوہیت بمع صفاتِ ثبوتیہ کے۔ یہ یاد رہے کہ جب ایک صفت وجودِ انسانی میں صفاتِ کمال میں سے رچ جائے تو وہ دوسری صفاتِ حسنہ کو خود بخود اپنی طرف جذب کرتی ہے چنانچہ مروی ہے۔ ایک شخص حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی حضورؐ! میں گنہگار ہوں اور گناہوں سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو آپ نے فرمایا میرے ساتھ وعدہ کرو کہ ایک برائی چھوڑ دو باقیوں سے میں نہیں روکتا۔ تو اس نے عرض کی۔ یہ بالکل آسان ہے اور ایک برائی میں چھوڑ دوں گا آپ جو بھی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا بس جھوٹ نہ بولا کرو اور ہر روز ایک مرتبہ مجھے ملنے کے لئے آیا کرو۔ اس نے وعدہ کرلیا۔ جب وہ گھر گیا تو شراب نوشی کی عادت نے مجبور کر دیا جب جام شراب سامنے آیا، پینے کا ارادہ کیا تو اُسے خیال آیا اگر پیغمبرِ خدا کے سامنے جاؤں گا تو ممکن ہے آپ پوچھیں۔ شراب پیا تھا۔ تو جھوٹ ترک کرنے کا وعدہ کر چکا ہوں سچ کہنا پڑے گا اور شرمساری ہوگی۔ لہذا جام کو توڑ دیا۔ پھر دوسری بدکاری کے وقت یہی خیال سدِ راہ بن گیا چنانچہ اس طریقہ سے وہ اپنی تمام برائیوں سے رُک گیا۔

پس جو شخص صادق ہوگا وہ رحیم بھی ہوگا وغیرہ۔ پس انبیاء سابقین علیہم السلام ایک ایک یا دو دو صفاتِ قدسیہ میں مظہرِ خداوندی تھے اور حضرت علی علیہ السلام ۹۰ صفاتِ خداوندی میں یا بمطابق دوسری حدیث کے ستر صفاتِ خداوندی میں کے مظہر تھے اور یہ صفاتِ خداوندی ان کیلئے اسم اعظم تھیں پس ان کی نظر اکسیر تھی۔ ان کا کلام اکسیر تھا اور ان کا ارادہ تقدیر

تھا اور وہ تو وہ ان کا اپنا نام بھی اس قدر اثر رکھتا ہے کہ اگر ان کے نام کے ساتھ پوری مانوسیت پیدا ہو جائے تو اسم اعظم ہے اور ہر مشکل و مصیبت میں کامیابی و کامرانی کا زینہ ہے۔ چنانچہ کتب مناقب میں آپ کے نام نامی کے اثرات و کرامات بہت کافی درج ہیں لیکن یہ خیال رہے کہ حضرت علیؑ کا نام بھی صرف زبان تک محدود نہ رکھے بلکہ ان کی سیرت حسنہ کے سانچے میں اپنے وجود کو ڈھالنے کی کوشش کرے۔ بہرکیف اللہ کے اسمائے حسنہ میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقام پر اسم اعظم ہے۔ پس جو دعا محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے مانگی جائے بشرطیکہ ان کی ولایت کا قائل ہو اور ان سے سچی محبت رکھتا ہو مقبول ہو گی۔

اور معصوم نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ دعا کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے خدا کی حمد و ثنا کی جائے پھر محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجا جائے اور پھر اپنی حاجات کا تذکرہ کیا جائے اور آخر میں بھی درود پڑھا جائے تو دعا ضرور مقبول ہو گی۔ ہاں بعض اوقات دعا کا تاخیر میں پڑ جانا رد دعا کی علامت نہیں بلکہ اس میں مصلحت خداوندی کارفرما ہوتی ہے۔ نیز بعض اوقات مطلوبہ چیز واقع میں نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس لئے بھی ظاہراً دعا مقبول نہیں ہوتی اور خداوند کریم آخرت میں اس کے بدلہ میں اس کو زیادہ سے زیادہ نعمات کرامت عطا فرمائے گا۔

نام علیؑ کی تاثیر

کتاب مجمع النورین ص۲۰۱ بروایت برسی عیون اخبار الرضا سے منقول ہے ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کسی طرف جا رہے تھے کہ خیبر کا ایک یہودی ہمسفر ہو گیا۔ پس سامنے ایک وادی تھی جس میں پانی گہرا تھا تو وہ یہودی پانی کے اوپر عبور کر کے چلا گیا جب پار ہوا تو حضرت علی علیہ السلام کو اس نے صدا دی کہ اگر آپ کو وہ علم ہوتا جو میں جانتا ہوں تو آپ بھی میری طرح عبور کر لیتے۔ آپ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پس آپ نے اپنے ہاتھ سے پانی کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ جم گیا اور آپ اوپر سے گزر کر پار ہو گئے۔ جب خیبری یہودی نے دیکھا تو قدموں پر گر کر عرض کی۔ اے جوان تو نے کیا پڑھا ہے کہ پانی خشک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا پہلے تو بتا کہ تو نے کیا پڑھا تھا کہ پانی کے اوپر سے گذر آیا ہے؟ خیبری یہودی نے جواب دیا۔ میں نے حضرت محمدؐ کے وصی کے نام کے ذریعے دعا کی تھی۔ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا تو نے جس کا نام لیا تھا میں خود ہی وصی محمدؐ ہوں۔ پس خیبری فوراً مسلمان ہو گیا۔

۲۔ بروایت برسی عمار بن یاسر سے منقول ہے میں نے آپ سے اپنے مدیون ہونے کی شکایت کی جبکہ آپ نے مجھ سے غمناک چہرہ دیکھ کر وجہ پوچھی تھی۔ آپ نے سامنے پڑے ہوئے ایک پتھر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ جاؤ یہ اٹھا لو اور اپنا قرضہ چکا دو میں نے عرض کی۔ آقا وہ تو پتھر ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا واسطہ دیکر خدا سے دعا مانگو تو وہ اس کو سونا بنا دے گا۔ عمار کہتا ہے میں نے ویسے ہی کیا تو واقعی وہ پتھر سونا بن گیا۔ پس آپ نے فرمایا اپنی ضرورت کے مطابق اس سے لے لو تو میں نے عرض کی۔ آقا یہ کس طرح نرم ہو گا کہ میں اس سے توڑ لوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے ضعیف الیقین اللہ سے میرے نام کا واسطہ دے کر دعا تو کرو۔ وہ نرم ہو جائے گا۔ کیونکہ میرے ہی نام کی بدولت تو خداوند کریم نے داؤد پر لوہے کو موم کیا تھا۔ عمار کہتا ہے میں نے آپ کے نام سے دعا مانگی تو وہ موم ہو گیا اور میں نے اپنی ضرورت کے مطابق توڑ لیا۔ اور

باقی ویسا پتھر ہو گیا۔

حضرت علیؑ کا اپنا تصرف

مجمع النورین میں بروایت سید مرتضیٰ بالاسناد امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ صعصعہ بن صوحان بیمار ہوا اور حضرت علیؑ چند صحابہ کے ہمراہ اس کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے۔ جب بیٹھ گئے صعصعہ اپنے مقام پر خوش ہوا تو آپ نے دیکھا وسطِ صحن میں ایک پتھر کا ٹکڑا پڑا تھا۔ آپ نے ایک صحابی کو فرمایا کہ مجھے اٹھا کر لا دو۔ چنانچہ آپ نے اس کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر دبایا۔ ہاتھ کھولا تو وہ ناشپاتی تھی پس ایک صحابی کو حکم دیا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سب میں تقسیم کرو اور ایک ٹکڑا صعصعہ کو دو اور مجھے بھی دو چنانچہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے سب میں تقسیم کیا گیا۔ آپ نے اپنے ٹکڑے کو ہاتھ میں دبایا تو وہ سیب بن گیا پھر اس کے بھی حسبِ سابق ٹکڑے کر کے تقسیم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا ایک ٹکڑا صعصعہ کو بھی دو اور ایک ٹکڑا مجھے بھی دو۔ چنانچہ تقسیم کیا گیا اور حضرت نے اپنے ہاتھ کے ٹکڑے کو ہاتھ میں رکھ کر دبایا تو وہ پہلے کی طرح پتھر بن گیا اور آپ نے اس کو صحن میں پھینک دیا۔ صعصعہ نے ناشپاتی اور سیب کا اپنے حصہ کا ٹکڑا کھایا تو بخار ٹوٹ گیا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس قسم کی روایات بہت کافی ہیں صرف تبرک کے لئے دو تین لکھ دی ہیں تاکہ مومنین کا ایمان تازہ ہو۔

دُعا کی تاکید

بہرصورت انسان کو محمدؐ و آل محمدؐ کے واسطہ سے دعا میں بخل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ دعا سے کنارہ کشی خالق کو مبغوض ہے چنانچہ اصول کافی باب الدعا میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ عبادتوں میں سے دعا بہترین عبادت ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہ کہا کرو کہ وہی ہو گا جو لکھا جا چکا ہے لہٰذا دعا مانگنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تحقیق اللہ کے نزدیک ایک درجہ و منزل ہے جو دعا سے ہی حاصل ہوتا ہے اور منہ بند کر کے نہ مانگنے والا محروم رہا کرتا ہے اور فرمایا جو دروازہ بھی کھٹکھٹایا جاتا رہے وہ آخر کھل ہی جایا کرتا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا دعا مومن کی ڈھال ہے اور جو دروازہ بار بار کھٹکھٹایا جائے وہ کھل ہی جایا کرتا ہے

ایک روایت میں امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے کہ دعا تقدیر کو بدل دیا کرتی ہے۔

امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ چپکے سے دُعا مانگنا بآواز بلند دعا مانگنے سے بہتر ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور آنکھوں میں آنسو آ جائیں تو سمجھ لو دعا مقبول ہے۔ آپ نے فرمایا۔ دعا کے وقت ہاتھوں کی ہتھیلیوں کا رُخ آسمان کی طرف کرنا چاہیئے۔

ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ خوفِ خدا سے رونا جہنم کے سمندروں کو خشک کر دیتا ہے (یعنی رو کر دُعا کرنی چاہیئے) ایک روایت میں آپ نے فرمایا۔ جو اپنی حاجت سے پہلے چالیس مومنوں کی حاجات کے لئے دعا کرے گا تو اس کی دُعا مقبول ہو گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس کی کوئی حاجت ہو تو پہلے درود پڑھے پھر اپنی حاجات کا ذکر کرے اور آخر میں پھر درود پڑھے کیونکہ خدا اس سے اجل وارفع ہے کہ دعا کی دو طرفوں کو قبول کرے اور درمیان کو قبول نہ کرے۔ کیوں کہ درود شریف نے ضرور ہی مقبول ہونا ہے۔ بس دعا کے متعلق اتنا ہی لکھنا کافی ہے۔ اللہ دعاؤں کو قبول فرماتا ہے لہٰذا انسان کو دعا سے غفلت نہ کرنی چاہیئے۔

یُلْحِدُوْنَ ص ۱۳۵ :- الحاد کا معنی ہے راہ راست سے انحراف کرنا اور اسی بناء پر قبر کی لحد کو لحد کہا جاتا ہے اور اس مقام پر اللہ کے نام سے الحاد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کافر لوگ اللہ کے اسمائے حسنہ میں تغیر و تبدل کر کے اپنے بتوں کے وہی نام تجویز کرتے تھے جیسے اللہ سے لات و منان سے منات اور عزیز سے عزیٰ انہوں نے بنالیا (بقول ابن عباس) اور کلام معصوم سے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی صفات ایسی بیان کرتے ہیں جو اس کے شایان شان نہیں ہیں۔ پس ایسے لوگوں سے کنارہ کشی کرنے کا حکم ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ خالق کی وصف نہیں کی جا سکتی مگر وہ جو اس نے خود اپنی وصف بیان کی ہے اور ایسی ذات کی وصف کیسے بیان ہو سکے جس کے ادراک سے حواس قاصر جس تک پہنچنے سے اوہام عاجز جس کی حد مقرر کرنے سے اندازِ فکر نارسا اور جس کے احاطہ سے آنکھوں کی بصارت کوتاہ ہے اور وصف کرنے والوں کی وصف سے اجل ہے اور تعریف کرنے والوں کی تعریف سے بلند و بالا ہے۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا ص ۱۳۵ :- تفسیر مجمع البیان اور صافی میں عیاشی سے منقول ہے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور سب جہنم میں داخل ہوں گے سوائے ایک کے اور اس کے بعد یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ یہ گا اور کتب تفاسیر امامیہ سے منقول ہے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ہم ہیں اور افتراقِ امت والی حدیث تفسیر برہان میں بطریق اہلسنت موفق بن احمد سے مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے ۷۲ جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور افتراقِ امت والی حدیث تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں بمعہ ضروری تشریح کے گذر چکی ہے ملاحظہ ہو ص ۱۶۵ تا ص ۱۶۷۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو ان کو ہم درجہ بدرجہ ہلاکت کے قریب کرتے ہیں کہ وہ نہیں جان سکتے

وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ

اور ان کو ڈھیل دیتے ہیں۔ تحقیق میری تجویز مضبوط ہے کیا وہ نہیں فکر کرتے کہ نہیں ان کے ساتھی (رسالتمآبؐ) کو

مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا

کوئی جنون وہ تو صرف صاف طور پر ڈرانے والا ہے کیا انہوں نے نہیں نظر کی

رکوع نمبر ۱۳

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ :- استدراج کے کئی معنی کئے گئے ہیں۔ ۱۔ جب وہ سرکشی کرتے ہیں تو خداوند کریم ان پر اور نعمات نازل فرماتا ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنے گناہوں پر عذاب نہیں ہوتا بلکہ اور نعمات زیادہ ہوتی ہیں۔ پس وہ اپنی سرکشی میں زیادہ ہوتے ہیں اور اس مرحلہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ ان پر عذاب واجب ہو جاتا ہے اور ان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے یعنی گناہوں کے باوجود نعمات کی زیادتی کا نام استدراج ہے۔

۲۔ گناہوں کے بعد آہستہ آہستہ خدا ان کو ہلاکت کے قریب کرتا ہے جب وہاں پہنچتے ہیں تو اچانک اس میں گر پڑتے ہیں۔

۳۔ استدراج کا معنی ہے جلدی چلنا اور یہاں مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو فوراً گرفتار کر لیتے ہیں کہ ان کو خبر تک نہیں ہوتی اور معصومینؑ سے پہلا معنی منقول ہے (برہان)

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا :- تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ابتدائی دعوت میں حضرت رسول خداؐ کوہ صفا پر چڑھ گئے اور قریش کو دعوتِ توحید دی تو مشرکین نے کہا کہ وہ دیوانے ہو گئے ہیں۔ خداوند کریم ان کے قول کی تردید میں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ خود آسمانوں اور زمین اور باقی کائنات کی موجودہ اشیاء میں خود غور کیوں نہیں کرتے تاکہ ان کو پتہ چلے کہ ان کی عجیب و غریب خلقت و صنعت بغیر خالق حکیم و علیم کے نہیں ہو سکتی۔ پس وہ خود اس فکر کے بعد توحید کی معرفت تک پہنچ جائیں اور پھر موت سے بھی ان کو ڈرایا کہ ممکن ہے۔ موت سے خوفزدہ ہو کر معرفتِ خدا کی طرف مائل ہوں تو چونکہ خدا مجبور نہیں کرتا۔ اس لئے ان کا گمراہی میں رہنا اس کی طرف مجازاً منسوب ہے۔

تفکر قرآن مجید میں مومنین کو بلکہ تمام صاحبانِ عقول اولوالالباب کو دعوتِ تفکر و تدبر دی گئی ہے۔ کیونکہ

فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤی

آسمانوں اور زمین کی صنعت میں اور جو کچھ اللہ نے پیدا کیا اور یہ ممکن ہے ہو چکی ہو ان کی

اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

موت قریب پس کس بات پر اس کے بعد ایمان رکھیں گے ؟

مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جس کو گمراہی میں چھوڑ دے اللہ تو اس کو کوئی ہدایت نہیں کر سکتا اور ان کو چھوڑتا ہے کہ سرکشی میں وہ سرگرداں پھرتے ہیں

معرفت کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ اس مقام پر بھی کفار قریش بلکہ تمام کفار کی طرف خطاب عام فرمایا ہے کہ میرے رسول کو دیوانہ مجنون کہنے والے آسمان و زمین کی ملکوت اور باقی موجودات میں خود کیوں نہیں نظر و فکر کرتے تاکہ بصیرت سے کفر کا غبار ہٹ جائے اور دل سے عناد کا حجاب دور ہو کیونکہ صنائع قدرت بدائع حکمت عجائب خلقت اور غرائب صنعت کے رموز و اسرار اور حقائق و دقائق فکر و امعان سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں جس کے بعد قادر مطلق، صانع حکیم، خلاق عالم کے وجود ازلی اور اس کی یکتائی و بے ہمتائی کے اقرار کے بغیر کوئی ذی ہوش چین نہیں لے سکتا۔ ظاہری اقتدار کے پیاسے یا حرص و ہوس کے بھوکے اور عیش و عشرت کے متوالے خواہشات نفسانیہ اور شہوات بدنیہ کی تکمیل کی خاطر تسویلات شیطانیہ کے پھندے میں اس قدر پھنسے ہوئے ہوتے ہیں کہ کلمات حقہ جو ان کی آزادیٔ ظاہری پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے طبائع پر گراں گذرتے ہیں۔ لہذا وہ کہنے والے کو دیوانہ و پاگل کہہ کر اپنے عقول و افہام کو دھوکہ دے کر انہیں معطل رکھتے ہیں اور راہ حق کی طرف ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے گویا حجاب غفلت جو تلبیس ابلیس کا بدترین مہلک اور نفوس انسانیہ کی گمراہی کا کارگر حربہ ہے نہ ان کے دلوں سے پھٹتا ہے اور نہ وہ دلائل و براہین کے وسیع و عریض میدان میں قدم رکھتے ہیں۔ بس کفر و عناد کا تاریک گڑھا ہی وہ اپنے لئے غنیمت سمجھتے ہیں۔ سچ ہے اندھے کو اندھیرے جیسے کیا نفرت، آنکھوں والا ہی نور کی قدر کر سکتا ہے اسی بناء پر موجودات عالم اور ملکوت سماء و ارض کی سیر کے لئے چشم بصیرت کھولنے کی خدا دعوت دیتا ہے تاکہ ان کے تاریک باطن نور معرفت توحید سے روشن ہوں اور ان کے ظلمانی دلوں میں شمع حق اور قندیل صدق فروزاں ہو اور وہ حضیض کفر سے نکل کر اوج ایمان کی طرف قدم بڑھائیں اور بربریت و بہیمیت کے تاریک ماحول سے ہجرت کر کے انسانیت کی دلکش و پر لطف وادی میں چین و اطمینان کا سانس لیں تاکہ دنیا و عقبیٰ کی خیر و عافیت پر ان کی جاگیر داری کا سکہ ہو۔ اصول کافی سے چند احادیث اس مقام پر سنیئے تاکہ ایمان تازہ ہو۔

۱۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ نبه بالتفکر قلبك وجاف من الّلیل جنبك واتق الله ربك یعنی اپنے دل کو فکر سے جگاؤ رات سے اپنا پہلو الگ کرو (یعنی سو کر نہ گزارو بلکہ اس کے پُرسکون ماحول میں دل کو شمع معرفت سے نورانی کرنے کی کوشش کرو) اور اللہ سے ڈرو۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔ تفکر ساعة خیر من قیام لیلة (یعنی ایک گھنٹہ کا فکر کرنا اور سوچنا پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے) اور فکر کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا انسان کسی اجڑی ہوئی بستی یا برباد مکان سے گزرے تو فکر کرے کہ اس کے ساکن کہاں گئے۔ بنانے والے کہاں گئے الخ (اسی بناء پر قبرستان میں جانا مستحب ہے تاکہ اہل قبور سے عبرت حاصل ہو۔)

۳۔ آپ نے فرمایا۔ افضل العبادة ادمان التفکر فی الله وقدرته یعنی اللہ اور اس کی قدرت میں ہمیشہ غور و فکر کرنا بہترین عبادت ہے۔

۴۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ لَیْسَ العبادة کثرة الصّلوٰة والصوم انما العبادة التفکر فی امر الله عزّ وجلّ۔ یعنی عبادت زیادہ نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا ہی نہیں بلکہ عبادت تو اللہ کی قدرت میں فکر کرنے کا نام ہے

۵۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ فکر کرنا ہی نیکی اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فکر معرفت کا ذریعہ ہے اور معرفت ہی عمل کا پیش خیمہ ہے۔ علّامہ مجلسی نے جلاء العیون میں جامع الاخبار سے نقل کیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی حضرت امام حسین ؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ اے فرزند رسول میں ایک شخص کا ضامن ہوا ہوں اور رقم ضمانت ادا کرنے سے قاصر ہوں اس لئے سوچا ہے کہ کسی کریم سے سوال کروں اور خاندانِ رسول ؐ سے زیادہ کریم تو کوئی ہے نہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا۔ اے اعرابی میں تم سے تین سوال کرتا ہوں۔ اگر تو ایک سوال کا جواب دے گا تو میں ایک تہائی تجھے دوں گا اگر دو سوال حل کئے تو دو تہائی دوں گا اور تینوں کا جواب دے گا تو پورا مال دوں گا۔ اعرابی نے عرض کی آقا۔ میری کیا بساط کہ آپ کے سوالات کا حل بیان کروں آپ علم و شرف کے مالک ہیں آپ نے فرمایا میں نے اپنے جدّ بزرگوار سے سنا ہے المعروف بقدر المعرفة یعنی کسی پر احسان اس کی معرفت کے اندازے پر کرنا چاہیئے۔ اعرابی نے عرض کی۔ حضور آپ پوچھیں اگر جانتا ہوں گا تو عرض کر دوں گا۔ ورنہ آپ سے سیکھ لوں گا اور یاد کروں گا۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا تمام اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ اعرابی نے جواب دیا معرفتِ خدا۔ امام نے فرمایا۔ ہلاکت و مصیبت کے وقت بچاؤ کا طریقہ کیا ہے۔ تو اعرابی نے جواب دیا۔ اللہ پر توکل و بھروسہ۔ پھر آپ نے فرمایا۔ انسان کی زینت کیا چیز ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔ علم ساتھ تواضع کے۔ آپ نے فرمایا اگر یہ نہ ہو تو پھر کیا۔ اس نے عرض کی۔ مال مروّت کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نہ ہو تو اس نے جواب دیا۔ پھر فقر صبر کے ساتھ۔ آپ نے فرمایا۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو اعرابی نے کہا پھر بجلی آسمان سے گرے اور اس کو جلا دے کہ ایسا انسان اسی کے ہی قابل ہے۔ امام ہنس پڑے اور ایک ہزار دینار کی

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ

آپ سے پوچھتے ہیں قیامت کے متعلق کہ کب قائم ہوگی؟ فرما دیجئے اس کا علم میرے رب کے پاس ہے

لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ

نہیں ظاہر کر سکتا اس کے وقت کو مگر وہی وہ ثقیل ہے آسمانوں اور زمین پر نہ آئے گی تم پر

تھیلی اس کو عطا فرمائی اور انگوٹھی دی جس کا نگینہ دو سو کی قیمت کا تھا اور فرمایا۔ وہ سونا اپنے قرض میں دینا اور انگوٹھی کی قیمت سے اپنے بال بچوں کا خرچ کرنا وہ اعرابی سب مال لے کر یہ کہتا ہوا روانہ ہوا۔ اللّٰہ یعلم حیث یجعل رسالتہ

علم قیامت يَسْـَٔلُوْنَكَ۔ یہودیوں کی ایک جماعت نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر آپ نبی ہیں تو بتائیں کہ قیامت کب ہوگی، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ ان کو فرما دیجئے۔ اس کا علم صرف میرے پروردگار کے پاس ہے اور کسی کو کچھ معلوم نہیں (مجمع البیان)

مُرْسٰهَا:۔ یہ ارساء باب افعال سے اسم ظرف ہے اس کا مجرد رسا یرسو ہے۔ جس کا معنی ہے ثابت ہونا۔ پس یہاں مرسیٰ کا معنی ہوگا وقت ثبوت یا وقت وقوع۔

ثَقُلَتْ:۔ اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) اہل آسمان و زمین پر اس کا مخفی ہونا ثقیل ہے کیونکہ جس چیز کا علم نہ ہو وہ طبیعت پر بھار ہوتی ہے (۲) اہل آسمان و زمین پر اس کی صفات بہت سخت ہیں و گراں ہیں مثلاً سورج کا بے نور ہونا۔ پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور ستاروں کا ٹوٹنا وغیرہ (۳) اہل آسمان و زمین پر اس کا آنا سخت ہے بوجہ اس کی عظمت و ہیبت و حساب خلق کے۔

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً۔ یعنی انسان محو غفلت ہوں گے اور بے خبر قیامت آجائے گی۔ تفسیر صافی میں جوامع سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ کوئی آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہوگا۔ کوئی اپنے مال کو پانی پر لے جا رہا ہوگا۔ کوئی بازار میں خرید و فروخت کر رہا ہوگا اور کوئی ترازو ہاتھ میں لے کر اوپر نیچے کر رہا ہوگا کہ اچانک قیامت آجائے گی۔

كَاَنَّكَ حَفِيٌّ:۔ اس کا لغوی معنی ہے بار بار سوال کرنے والا اور لپٹ کر پوچھنے والا تو چونکہ بار بار پوچھنے والا شئے کا عالم بن جاتا ہے اور اس کو یاد ہو جایا کرتا ہے اس لئے اس مقام پر اس کا مرادی معنی عالم کیا گیا ہے۔

اعتراض مخالف تفسیر مجمع البیان میں جبائی کا اعتراض نقل کیا ہے کہ یہ آیت رافضیوں کے مذہب کو باطل کرتی ہے کیونکہ ان کے مذہب میں امام کا منصوص ہونا ضروری ہے پس امام اپنے بعد میں آنے والے امام پر نص کرتا ہے تو آخری امام کے بعد تو کوئی امام آئے گا نہیں لہذا وہ تو کسی پر نص نہیں کرے گا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آخری امامؑ کو یہ پتہ ہوگا کہ اب میرے بعد قیامت ہی ہوگی کیونکہ امامت کے اختتام کے بعد قیامت ہی تو ہے اور آخری امامؑ کو قیامت

إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا
مگر اچانک وہ آپ سے پوچھتے ہیں اس طرح کہ گویا آپ اس کے عالم ہیں۔ فرما دیجئے علم اس
عِنْدَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٧﴾
کا صرف اللہ کے پاس ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

کا پتہ ہونا حکم قرآن کے مخالف ہے کہ خدا فرماتا ہے اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو بھی نہیں ہے۔

علامہ طبرسی نے سوال نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کی ہے جس کا ماحصل اور مطلب یہ ہے کہ قیامت سے تم کیا مراد لیتے ہو وقتِ فناءِ خلق یا یوم حشر۔

اگر قیامت سے مراد وقتِ فناءِ خلق ہو (جیسا کہ اچانک اس کے واقع ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اچانک تو موت ہی آئے گی کہ تمام لوگ غافل ہوں گے اور وہ بے خبر آ جائے گی) پس اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ امام یہ جانتا ہو کہ میرے بعد کوئی امام نہیں ہوگا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ وقوع قیامت کو یعنی فناءِ خلق کے وقت کو بھی جانتا ہو اس لئے کہ امام کو اپنی موت کے وقت کا بھی معین طور پر پتہ نہیں ہوتا تو پھر فناءِ خلق کے معین وقت کا علم کیسے ہوگا؟

اور اگر قیامت سے مراد یوم حشر ہو تو امام کو یہ خبر ہوگی کہ میرے بعد قیامت ہی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو وقتِ وقوع کا بھی پتہ ہو اور روایت میں ہے کہ آخری امام کی موت کے بعد تکلیف امور شرعیہ ختم ہو جائے گی کیونکہ قیامت کے علامات قائم ہو جائیں گے مثلاً سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ

علم غیب

قُلْ لَا أَمْلِكُ صـ۱۴۶ ۔ اہل مکہ نے حضورؐ کی خدمت میں آکر پوچھا تھا کہ آپ پروردگار کی خبر کے مطابق ہمیں سستے نرخوں کے متعلق بتا دیں تاکہ گرانی سے قبل ہم چیزیں خرید کر لیں گے اور پھر نرخ چڑھنے کے بعد فروخت کر کے منافع کمائیں گے یا ہمیں قحط سے پہلے آگاہ کر دیا کریں تاکہ ہم قبل از وقت آباد علاقوں کا قصد اور ان کی طرف کوچ کا بندوبست کر لیا کریں تو یہ آیت اتری کہ ان سے فرما دیجئے میں تو اپنے نفس کے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں بلکہ سب کچھ پروردگار کے ہاتھ میں ہے۔ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ سے استثنا کر دیا کہ مجھے صرف اتنا ہی علم ہوا کرتا ہے۔ جتنا خدا چاہتا ہے اور بس ورنہ اگر میں علم غیب کو جانتا ہوتا تو اپنے فائدہ کی چیزیں اپنے لئے جمع کر لیتا اور خود تکلیف میں مبتلا نہ ہوتا حالانکہ دکھ سکھ میں اور نرمی و سختی میں میں بھی سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوں۔ ہاں میرا عہدہ ہے معصیت خدا سے روکنا اور عذاب خدا سے ڈرانا نیز اطاعتِ خدا کی تلقین کرنا اور جنت کی بشارت دینا یعنی جس کے پاس یہ عہدہ ہو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ غیب کو جانتا ہو۔ یعنی رسالت و نبوت کا علم غیب کے ساتھ کوئی تلازم نہیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ اپنے آئمہ کو عالم الغیب کہتے ہیں وہ محض بہتان اور کذب صریح ہے۔ شیعہ قطعاً آئمہ کے

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَا

فرما دیجئے میں نہیں مالک اپنے نفع نقصان کا مگر جو چاہے اللہ اور اگر میں جانتا غیب کو تو زیادہ

سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع۱۳

جمع کر لیتا اچھی چیز اور نہ مس کرتی مجھے تکلیف میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں اس قوم کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں

عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے آئمہ کو جس قدر علم عطا فرمایا ہے وہ صرف اسی قدر ہی جان سکتے ہیں اور پوری کائنات میں حضرت محمد مصطفیٰ کے بعد علم و دیگر فضائل میں ان کا ہم پلہ کوئی بھی نہیں۔ پس خدا کے عطیہ سے آئمہ بہت کچھ جانتے ہیں جس کی ہم تحدید نہیں کر سکتے کہ کتنا جانتے ہیں اور ہم سے بہت سی چیزیں غائب ہیں اور ہمارے ذہن و دماغ سے اوجھل ہیں۔ جن کو آئمہ جانتے ہیں بلکہ ان کے علوم کی حد تک تو ہمارے ناقص عقول وافہام کی رسائی تک نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ جو بعض چیزیں ہمارے عقول سے ماوراء ہوتی ہیں اور آئمہ ان کی اطلاع دیتے ہیں۔ جس سے عوام یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ وہ عالم الغیب ہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کے ساتھ اس کی مخلوق کو کسی صفت خداوندی میں شریک ماننا کفر ہے پس کلی غیب اور تمام کائنات کا کلی علم اسی طرح علم وقوع قیامت اور اس کے تمام جزوی حالات اور علم موت وغیرہ اسی کی ذات کے ساتھ مختص ہیں اور اس کا اس میں کوئی شریک نہیں۔ انبیاء و آئمہ ان میں سے صرف اتنا ہی جانتے ہیں جس قدر اس نے ان کو عطا فرمایا۔

رکوع نمبر ۱۴

نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ مٹ ۱۴۷: اس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں۔

وَجَعَلَ مِنْهَا مٹ ۱۴۷: یہاں مضاف محذوف ہے یعنی مِنْ فَضْلِ طِیْنَتِهَا یعنی حضرت آدمؑ کے پتلائے خاکی کی بچی ہوئی مٹی سے حضرت حوا کا پتلا تیار کیا گیا اور تفسیر کی چوتھی جلد میں اس مسئلہ کی زیادہ وضاحت کی جا چکی ہے۔

عورت کی غرض خلقت

لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا مٹ ۱۴۷: اس لفظ سے صاف واضح ہے کہ عورت مرد کی تسکین کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ لہذا موجودہ دور کے مغرب پرست طبقہ کا یہ کہنا کہ تمام امور میں عورت کو مرد کے دوش بدوش میدان میں کودنا چاہیئے۔ یہ قانون قدرت اور دین فطرت سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ لِیَسْکُنَ کا لفظ بتاتا ہے کہ عورت کسب معاش میں مرد کے دوش بدوش چلنے کے لئے نہیں بلکہ یہ فریضہ مرد کا ہے کہ اپنے قوائے بدنیہ کو جو اسی مناسبت سے اس کو قدرت کی جانب سے تفویض ہوئے ہیں۔ اکتساب میں لگائے اور عورت کو اس فریضہ سے سبکدوش رکھے جس طرح اس کے اعضائے جسمانیہ کی نزاکت اور قوائے بدنیہ کی کمزوری اس امر کی متقاضی ہے کہ وہ کمانے

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

وہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک نفس سے اور بنایا اس (کی باقی مٹی) سے اس کی زوجہ کو تاکہ سکون

إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا

حاصل کرے طرف اس کے تو جب اس سے مجامعت کی تو اس نے اٹھالیا بوجھ ہلکا۔ پس اٹھائے رہی اس کو تو جب

اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّا آتَاهُمَا

بھاری ہوگئی دونوں (زن و مرد) نے اللہ سے دعا کی جوان کا رب ہے اگر تو نے ہم کو دیا تندرست تو ہم تیرے شکرگزار بنیں گے پس جب دیا ان کو

صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٩٠﴾

تندرست کیا ان دونوں نے اس اللہ کے لئے شریک اس میں جو دیا ان دونوں کو پس بلند ہے اللہ اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں

أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾

کیا شریک کرتے ہیں اس کو جو کچھ پیدا نہیں کرسکتا بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں

کے لئے نہیں بلکہ کمائی کو محفوظ رکھنے کے لئے ہے اور عورت کا فطری رجحان خود تقسیم کار پر دلیل قطعی ہے پس مرد اگر تھکا ماندہ گھر پہنچے تو اس کو کھانا تیار ملے اور اس کی ہر قسم کی دلجوئی کرکے اس سے تھکان کے بار کو ہلکا کرنا عورت کا فریضۂ فطری ہے بچوں کی تربیت کرے گھر کے کاروبار کو خوش اسلوبی سے انجام دے تاکہ مرد گھریلو تفکرات سے پورے طور پر مطمئن ہو اور وہ اپنے گھر کو جائے سکون سمجھے۔ پس گھر اگر سکونِ بدنی اور سکونِ روحانی کیلئے ہو تب تو وہ گھر ہے مسکن یعنی جائے سکون اور جسمانی طور پر اس کو جائے سکون بنانا مرد کی قوائے بدنیہ کے بل بوتہ پر ہوگا لیکن روحانی طور اس کو جائے سکون بنانا عورت کی سلجھی ہوئی طبیعت ہی سے ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ مرد میں بہیمیت و حیوانیت کار فرما نہ ہو اور وہ اس کے لئے اس بارے میں پوری سہولتیں بہم پہنچائے وہ عورت کو عام پالتو جانور کی حیثیت نہ دے بلکہ اس کو اپنا شریکِ زندگی اور مسکنِ روح سمجھے اور عورت کا مرد کے ساتھ شریکِ زندگی ہونے کا یہی مقصد ہے کہ عورت اپنا فریضہ ادا کرے اور مرد اپنا فریضہ ادا کرے اور ہر دو اپنی سپرد کردہ ذمہ داریوں میں کوتاہی نہ کریں اور قطعاً اس شرکتِ زندگی کا یہ مفہوم نہیں کہ عورت مرد کے فرائض میں ہاتھ ڈالے اور مرد عورت کو مسکن کی بجائے کاسب بنادے بلکہ یہ تصور دشمنانِ اسلام کی کاشت ہے۔ نیز بے غیرتی اور خستِ نفس کا بدترین حربہ ہے اور نسوانی آزادی کا تصور جو آجکل بالکل عام ہے۔ یہ صرف عورتوں کو آزادانہ طور پر اپنی شہوت عشرت اور جنسی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے ہے اور جو عورتیں حدود شرم و حیا کو پھاند کر اس نعرہ میں مردوں کی شریک ہوتی ہیں۔ وہ بھی صرف آزادانہ لذتِ جسمانی حاصل

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۹۲﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ

اور وہ ان کے لئے نہیں طاقت رکھتے مدد کی اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور اگر ان کو بلاؤ طرف

إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ﴿۱۹۳﴾

ہدایت کے تو تمہارے پیچھے نہ چلیں گے لہذا ان کے لئے برابر ہے کہ تم ان کو بلاؤ یا چپ رہو

کرنے کے لئے اپنی آبروریزی اور عصمت دری کے بہانے تلاش کرتی ہیں اور مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ اس کو اسلامی آزادی کا نام دیا جاتا ہے العیاذ باللہ ہم اس مطلب کی وضاحت تفسیر کی تیسری جلد میں کر چکے ہیں۔ تعداد ازواج پر پابندی لگانے کا یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ عورت عیاشی کے لئے نہیں ہے اور جواز متعہ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ عورت تسکین خواہش کے لئے نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید میں لِيَسْكُنَ کا لفظ صاف اسی کی وضاحت کرتا ہے کہ عورت مرد کی تسکین کا ذریعہ ہے ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا یعنی تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے ازواج کو پیدا کیا ہے تاکہ تم ان کی طرف سکون حاصل کرو لیکن سنیماؤں، کلبوں، ریڈیائی گانوں اور ناچ وسرود کی محفلوں پر کوئی پابندی نہیں کہ عورت کو حق آزادی حاصل ہے۔ شریف مردوں کو جائز آزادی کے حق سے محروم کیا گیا اور عورتوں کو ناجائز آزادی کی وادی میں دھکیل دیا گیا اور مردوں کے ساتھ شریف کی قید کا مطلب یہ ہے کہ زناکاروں پر زنا کی کوئی پابندی نہیں خواہ ہزار عورتوں سے منہ کالا کرتے رہیں۔ اس پر صرف نکاح حلال کی پابندی ہے کہ ایک سے آگے نہ بڑھے پس اسلام سے بغاوت کا نام رکھ دیا گیا ہے آزادی۔

حَمْلًا خَفِيفًا:۔ اس سے مراد وہ مادہ منویہ ہے جو مجامعت سے عورت کے رحم میں قرار پکڑتا ہے اور وہ خفیف اور ہلکا سا ہوتا ہے۔

مَرَّتْ بِهِ:۔ یعنی اِسْتَمَرَّتْ بِهِ یعنی وہ قطرۂ منی رحم میں جا کر اس کو تکلیف نہیں دیتا بلکہ وہ اسی کے ساتھ چلتی پھرتی اور کام کاج کرتی رہتی ہے۔

فَلَمَّا أَثْقَلَتْ:۔ یعنی جب وہ نطفہ تدریجاً ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے خون بستہ پھر لوتھڑا ہو کر آخر روح انسانی کا محل بن جاتا ہے تو وہ بوجھ بن جاتا ہے اور عورت صاحب ثقل ہو جاتی ہے أَثْقَلَتْ یعنی صَارَتْ ذَاتَ ثِقْلٍ۔

دَعَوَا اللّٰهَ:۔ یعنی دونوں زن و مرد نے دعا مانگی کہ اگر خدا نے ہمیں صالح اولاد عطا کی تو ہم اس کا شکر کریں گے صالح کا معنی یہاں تندرست ہے کیوں کہ صرف دو ہی تو تھے ایک آدمؑ ایک حوا تو جب ایک دوسرے سے ذرا بھر جدا ہوتے تو وحشت محسوس ہوتی تھی پس دعا مانگی کہ اولاد صالح ملے۔

غیر خدا کو پکارنے کی مذمت

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ :۔ اس میں کئی اقوال ہیں (۱) یعنی حضرت آدمؑ اور حواؑ کو اولاد صالح نصیب ہوئی۔ لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی۔ پس انہوں نے کئے اللہ کے شریک اس میں جو خدا نے ان کو نعمتیں عطا فرمائیں۔ جَعَلَا کا فاعل اولادِ آدمؑ و حوا ہے نہ کہ وہ دونوں خود اور تثنیہ کا صیغہ اس لئے ہے کہ اولادِ آدم دو قسموں پر ہے یعنی مذکر و مونث یعنی اولاد آدمؑ کے مردوں اور عورتوں کے ہر دو صنف خدا کی نافرمانی کرنے اور شرک کے ظلم سے آلودہ ہونے میں برابر ہیں اور امام رضا علیہ السّلام نے مامون کو اسی قسم کا جواب دیا تھا۔

۲۔ جَعَلَا کا فاعل نفس اور زوج ہیں نہ کہ حضرت آدمؑ و حوا کیونکہ ہر آدمی ایک نفس سے پیدا ہوا ہے جو اس کا باپ ہے اور خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا کا معنی ہے خَلَقَ مِنْ جِنْسِهَا زَوْجَهَا ۔ یعنی مضاف جنس محذوف ہے اور معنی یہ ہو گا کہ خدا نے ہر نفس کیلئے اسی کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا یعنی ہر مرد و عورت ایک دوسرے کی جنس ہیں اور یہ اس طرح ہے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا پ۲۱ ۔ ع۶ یعنی اس کی آیات میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے تمہاری ازواج کو پیدا کیا کہ تم ان کی طرف سکون حاصل کرو۔ اب آیتِ مجیدہ کا مطلب اس طرح ہو گا فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا یعنی جب ہر انسان نے اپنی زوجہ سے ہمبستری کی اور زوجہ نے حمل کا بوجھ پہلے ہلکا سا اٹھایا اور اسی طرح رہی۔ پھر جب بھاری ہو گئی یعنی پیٹ میں بچہ تیار ہو گیا تو دونوں زن و مرد نے مل جل کر دعا مانگی کہ اگر صحیح سالم بچہ عطا فرمائے گا تو تیرا شکر کریں گے۔ صالحاً سے مراد لڑکا لیا گیا ہے کیونکہ لڑکیوں کے لئے منتیں نہیں مانی جاتیں بلکہ عموماً لڑکی کی پیدائش کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ پس جب ماں باپ کو صحیح و سالم بچہ اللہ نے عطا کیا تو اس عطا کردہ بچہ میں بھی انہوں نے اللہ کے شریک بنا لئے۔ عطا کرتا ہے اللہ اور وہ اس کا نام[1] رکھ لیتے ہیں۔ عبد العزیٰ، عبد اللات اور عبد المنات وغیرہ اسی لئے تو بعد میں فرمایا۔ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ ورنہ اگر جَعَلَا کی ضمیر حضرت آدمؑ و حوا کی طرف پلٹتی تو يُشْرِكَانِ تثنیہ کا لفظ ہوتا۔ چونکہ اکثر جوڑے اسی شرک کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

۳۔ نفس سے مراد حضرت آدمؑ اور زوج سے مراد حضرت حوا ہے اور لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا تک ان کی بات ختم ہو گئی اس کے بعد حضرت آدمؑ کی اس اولاد کی طرف کلام کا رخ ہے جو شرک کی وبا میں مبتلا ہوئی ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے عام کا ذکر کیا جائے پھر بعض چیزوں میں عام کے خاص افراد مراد لئے جائیں جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا۔ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ یہاں تک کہ فرمایا حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ یعنی وہ وہ ہے جس نے تمہیں خشکی و تری کی سیر کرائی آگے چل کر فرمایا یہاں تک کہ تم جب دریا میں ہوتے ہو پہلے عام مسافروں کا ذکر کر کے پھر بحری مسافروں کو خصوصیت سے خطاب فرمایا۔ اس جگہ بھی پہلے تمام اولادِ آدمؑ کا ذکر کیا کہ وہ وہ ہے جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور پھر مشرکین کو خاص کر دیا۔

۴۔ جَعَلَا ۔ یعنی جَعَلَ اَوْلَادُهُمَا یعنی ضمیر فاعل کا مضاف محذوف ہے اور ضمیر تثنیہ جو درحقیقت مضاف الیہ

[1] اب مسلمانوں میں بھی یہ مشرکانہ رویہ موجود ہے کہ کہتے ہیں مجھے فلاں پیر و مرشد نے دیا ہے لہٰذا یہ آیت اس قسم کے عقیدہ والوں کو متنبہ کر رہی ہے

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا

تحقیق جن کو تم مانتے ہو سوائے اللہ کے وہ بندے ہیں تم جیسے اچھا پکارو ان کو پس وہ مانیں تمہاری

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٩٤﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ

اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں کہ ان سے چل سکیں کیا ان کے ہاتھ ہیں کہ

يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا

ان سے پکڑ سکیں کیا ان کی آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھیں کیا ان کے کان ہیں جن سے سنیں

ہے اپنے مضاف کی قائم مقام ہے یعنی اولاد آدمؑ نے خدا کی عطا کردہ نعمتوں میں شریک بنالئے۔

بہرکیف حضرت آدمؑ و حوا کی طرف ضمیر کو پلٹانا ناجائز ہے کیوں کہ حضرت آدمؑ نبی معصوم تھے اور وہ قطعاً شرک نہیں کرسکتے تھے اور اگر اس قسم کی روایت مل بھی جائے تب بھی چونکہ اصول مذہب امامیہ کے خلاف ہے اس لئے قابل تاویل ہوگی ورنہ رد کردی جائے گی۔

يُخْلَقُوْنَ ۱۹۱: یعنی ایسوں کو خدا کا شریک کرتے ہیں جو پیدا نہیں کرتے بلکہ پیدا کئے جاتے ہیں یعنی بت اور وہ غیر ذوی العقول ہیں لہذا جمع واؤ و نون سے ہونا خلاف قاعدہ ہے پس یہاں مقصد یہ ہوگا کہ یہاں بت اور ان کے سب پجاری مراد ہیں۔

تنبیہ یہاں مشرکین کے سامنے بتوں کے دو عیب بیان کئے ہیں: ایک یہ کہ وہ خالق نہیں بلکہ وہ مخلوق ہیں دوسرے یہ کہ وہ تمہاری مدد نہیں کرسکتے اور اس کا مقصد صاف یہ ہے کہ خلق اور نصرت صرف اللہ ہی کا خاصہ ہے وہ ہی تمام مخلوق کا خالق ہے اور وہی تمام مخلوق کی ہر وقت ہر جگہ فریاد سن سکتا ہے اور ان کی مدد بھی کرتا ہے۔ لہذا ان وصفوں میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک ماننا کفر و شرک ہوگا لہذا اجمالاً محمدؐ و آل محمدؐ کے متعلق اعتقاد خلق سراسر کفر و شرک ہے اہل بیتؑ محمدؐ مخلوق خدا ہیں اور افضل مخلوق ہیں لیکن ہرگز ہرگز وہ خالق نہیں اسی طرح مدد بھی محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے سے خدا ہی سے مانگی جائے یعنی اس طرح کہا جائے۔ اے اللہ بحق محمدؐ و آل محمدؐ میری مدد فرما، میری حاجت کو پورا فرما وغیرہ ہاں یا علیؑ مدد کہنا نہ کفر ہے نہ شرک ہے اس لئے کہ تمام شیعہ حضرت علیؑ کو وسیلہ ہی مانتے ہیں اور اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ان کو قرار دیتے ہیں اور تفسیر کی دوسری جلد میں ہم اس کی وضاحت کرچکے ہیں۔

عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ: یعنی جن کو تم مانتے ہو خدا وہ بھی تم جیسے عاجز ہیں اور ذلیل کیونکہ عبد کا معنی ذلیل و عاجز ہوتا ہے۔

فَادْعُوهُمْ: پہلی جگہ تَدْعُوْنَ کا معنی پکارنا ماننے کے معنی میں تھا اور یہاں فَادْعُوْا میں پکارنا امداد و نصرت

قُلِ ادْعُوا شُرَكَاۤءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ

کہہ دیجئے پکارو اپنے شریکوں کو پھر مجھے ستاؤ اور نہ مہلت دو تحقیق میرا ولی اللہ ہے

الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ ولی ہے نیک لوگوں کا اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے

دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ

سوا وہ نہیں طاقت رکھتے تمہاری مدد کی اور نہ وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور اگر ان کو تم بلاؤ

اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

ہدایت کی طرف تو سنتے نہیں اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ آنکھیں ترٹے ہوئے ہیں آپ کی طرف حالانکہ دیکھتے نہیں)

کے لئے ہے

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ :۔ پہلے تو فرمایا وہ بھی تم جیسے ہیں۔ اب ان کے نقائص بیان فرما رہا ہے کہ وہ تم سے بھی بدتر اور کمتر ہیں کیونکہ نہ ان کے چلنے کے لئے پیر نہ پکڑنے کے لئے ہاتھ نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور نہ سننے کے لئے کان ہیں حالانکہ تمہارے پاس تو ہیں اور تم میں رُوح ہے ان میں تو رُوح بھی نہیں ہے۔

ثُمَّ كِيْدُوْنِ :۔ یعنی اگر وہ تمہاری کچھ امداد کر سکتے ہیں تو سب کو جمع کر لو اور مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرو تو میرا ولی اللہ ہے اور وہ میری امداد کرے گا اور تمہارے شر سے بچالے گا۔ پھر فرمایا وہ بیچارے تو اپنے فائدہ کے نہیں ہیں تمہارا کیا فائدہ کریں گے ؟ اور چونکہ ان کو بنانے والوں نے ان کی آنکھیں بھی بنائی تو تھیں لیکن ان میں نور نہیں تھا۔ جس کے متعلق فرمایا کہ ان کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے آنکھیں ترٹے ہوئے ہیں تمہاری طرف لیکن دیکھتے کچھ نہیں۔

پھر ایسے عاجز کو خدا ماننے کا کیا فائدہ ؟

خُذِ الْعَفْوَ ص ۱۵۲ :۔ پہلے یہ حکم تھا کہ لوگوں کے مال میں ان کے ذاتی اخراجات سے جو کچھ بچے وہ حضور کی خدمت میں پیش کر دے اور بعد میں زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا اور عفو کا معنی نرمی اور اخلاق کیا گیا ہے کہ لین دین میں انسان سخت گیر نہ ہو اور عفو کا معنی وسط یعنی ایسے اخلاق اختیار کرو جو انسان کے لئے اوسط ہیں یعنی مناسب ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ظلم کرنے والے کو معاف کرنا، محروم کرنے والے کو دینا اور قطع کرنے والے سے صلہ کرنا اچھے اخلاق ہیں)

وَاَعْرِضْ ص ۱۵۲ :۔ جب جاہلوں سے چشم پوشی کا حکم ہوا تو حضورؐ نے عرض کی اگر غصہ آ جائے تو پھر کیا کیا جائے۔ تب ارشاد ہوا، اگر وسوسہ پیدا ہو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ نزغ کا معنی ہے وسوسہ کی ابتداء اور مس کا معنی ہے تمکن یعنی پورا

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝۱۹۹ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ

لو بخشش اور حکم دو نیکی کا اور کنارا کرو جاہلوں سے اور اگر وسوسہ ڈالے

مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۰۰ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

تمہیں شیطان کوئی وسوسہ تو پناہ مانگو اللہ کی تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے تحقیق جو لوگ ڈرتے ہیں

اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝۲۰۱

جب چھو لے ان کو وسوسہ شیطانی تو سوچتے ہیں پس وہ سیدھا راستہ پا لیتے ہیں

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝۲۰۲ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ

اور ان کے بھائی ان کو گھسیٹتے ہیں گمراہی میں پھر وہ نہیں کوتاہی کرتے اور جب نہ لاؤ ان پر کوئی

بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا

آیت تو کہتے ہیں کیوں نہ لائے اس کو کہہ دیجئے میں تو اتباع کرتا ہوں جو وحی ہو مجھے میرے رب سے یہ

بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۰۳

(قرآن) دلائل ہیں تمہارے رب سے اور رحمت وہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں

قابو پالینا اس لئے حضورؐ کی طرف نزغ کی نسبت دی اور باقیوں کی طرف مس کو منسوب کیا۔

تَذَكَّرُوْا :- یعنی وسوسہ کے بعد وہ سوچتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا تو پس گناہ کرنے سے رک جاتے ہیں۔

وَاِذَا لَمْ :- یعنی اگر ان کے پاس آیت لے جاؤ تو وہ تکذیب کرتے ہیں اور اگر نہ لے جاؤ تو کہتے ہیں ازراہِ عناد کیوں نہیں اب کوئی آیت گھڑ لائے باوجود وہ سمجھتے تھے کہ آپ گھڑ کر ہی لایا کرتے ہیں لیکن یہ محض ان کا عناد تھا۔

بَصَآئِرُ :- یعنی قرآن مجید ایسے دلائل و براہین کا مجموعہ ہے کہ اس سے انسان آخرت کا صحیح راستہ دیکھ سکتا ہے اور دین میں بصیرت حاصل کر سکتا ہے۔

قرآن کا سننا

وَاِذَا قُرِئَ :- مقصد یہ ہے کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموشی سے اس کو سننا چاہیے اور ظاہر امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ علامہ طبرسی نے لکھا ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا سماعت کے وجوب کا حکم قرأۃ نماز کیلئے ہے یا خطبہ جمعہ کیلئے ہے یا مطلقاً سننا واجب ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قرآن کو چپ کر کے سننا واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں یعنی پیش نماز کی قرأت کو خاموشی سے سننا

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب پڑھا جائے قرآن تو اس کو کان دھر کر سنو اور چپ رہو تاکہ رحم کئے جاؤ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ

اور یاد کر دل اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑا کر اور خوفزدہ ہوکر اور نہ بہت بلند آواز سے صبح کو

مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور شام کو اور نہ ہو غفلت کرنے والوں میں سے تحقیق جو لوگ پاس تیرے

عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ

رب کے ہیں نہیں تکبر کرتے اس کی بندگی سے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کے لئے سجدہ کرتے ہیں

بھی واجب ہے اور نماز کے علاوہ اگر کہیں کوئی قرآن پڑھ رہا ہو تو اس کا سننا بھی واجب ہے خواہ خطبہ جمعہ ہو یا کوئی اور مقام مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے پیچھے نماز میں لوگ باتیں کیا کرتے تھے پس اس آیت مجیدہ سے ان کو روک دیا گیا۔ بہرکیف نماز جہریہ میں پیش نماز کے پیچھے پہلی دو رکعت میں خاموشی سے سننا واجب ہے اگر آواز پیش نماز کی سن رہا ہو ورنہ خود پڑھ سکتا ہے اس کے علاوہ کہیں بھی واجب نہیں اور امر استحباب پر محمول ہے ورنہ اگر مطلقاً قرآن کی قرأت کا سننا واجب ہو تو اکثر لوگوں کے کاروبار معطل ہو جائیں گے اور حضرت صادق علیہ السلام سے نقل شدہ روایت میں وجوب تاکید استحباب کے معنی میں ہے۔ واللہ اعلم!

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ :- بروایت عیاشی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے اگر اخفاتی نماز میں پیش نماز کے پیچھے ہو تو قرأت نہ پڑھے بلکہ ذکر خدا آہستہ زبان پر جاری کرے یعنی تسبیح پڑھتا رہے اور مجمع البیان میں بھی ایسا ہی مروی ہے۔

وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ :- قرآن کے ۱۵ سجدوں میں سے یہ پہلا مقام ہے اور اس جگہ سجدہ مستحب ہے۔ تفسیر صافی میں مروی ہے کہ جب آدمی سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہے اور کہتا ہے ہائے میں نے کیا کیا۔ یہ سجدہ کرکے تو جنت میں جائے گا اور میں نے انکار کرکے جہنم لے لیا۔

سجدۂ قرآنی

قرآن مجید میں پندرہ سجدے ہیں جن میں سے چار واجب اور گیارہ مستحب ہیں۔ واجب سجدے (۱) الم سجدہ (۲) حم سجدہ (۳) النجم (۴) اقرا میں ہیں اور باقی مستحب ہیں۔ تفصیل یہ ہے (۱) سورۂ اعراف کے آخر میں (۲) سورہ الرعد میں وَظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ پر (۳) سورہ نحل میں يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ پہ (۴) سورۂ بنی اسرائیل میں وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا کے مقام پر (۵) سورہ کھیعص میں خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا پر (۶) سورۂ حج میں

اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ پ۱۷ اسی سورہ میں وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ پ۱۷ سورۂ فرقان میں وَزَادَھُمْ نُفُوْرًا پ۱۹
سورۂ نمل میں رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ پ۱۹ الم تنزیل میں وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ پ۲۱ سورۂ صٓ میں خَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ پ۲۳ سورۂ حٰم
سجدہ میں اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ پ۲۴ سورۂ النجم کے خاتمے پر پ۲۷ سورۂ انشقاق میں وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْھِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ پ۳۰ سورۂ اقراء میں خاتمے پر

مسئلہ :۔ آیت سجدہ کو ختم کرنے پر فوراً سجدہ بجالانا چاہیئے۔

مسئلہ :۔ جس طرح قرآن پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہے اسی طرح سننے والے پر بھی سجدہ واجب ہوا کرتا ہے یعنی اگر سجدہ واجب ہو تو جس طرح پڑھنے والے پر واجب ہوگا اسی طرح سننے والے پر بھی واجب ہوگا اور اگر سنت ہو تو دونوں پر مستحب ہوگا

مسئلہ :۔ جن سورتوں میں سجدہ واجب ہے ان کو عزائم کہا جاتا ہے اور ان کا نماز فریضہ میں پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن نافلہ میں پڑھ سکتا ہے اور جب آیت سجدہ پڑھے گا تو سجدہ کرے گا۔

مسئلہ :۔ اگر نافلہ پڑھ رہا ہو اور کوئی دوسرا آدمی عزائم میں سے آیت سجدہ کو پڑھے اور یہ سن رہا ہو تو اس پر سجدہ واجب ہوگا پس فوراً سجدہ کرکے بعد میں اپنی نماز کو پورا کرے گا لیکن اگر واجب نماز میں ہو تو آیت سجدہ سن کر سجدہ کا اشارہ کرے اور نماز کو پورا کرے

مسئلہ :۔ عزائم کے علاوہ باقی سجدے جسطرح پڑھنے والے کیلئے مستحب ہیں اسی طرح سننے والے کیلئے بھی مستحب ہیں۔

مسئلہ :۔ سجدۂ قرآن کیلئے نہ تکبیر کہنا ضروری ہے اور نہ اس کے بعد تشہد و سلام ہے البتہ سجدہ سے سر اٹھا کر تکبیر کہنی چاہیئے

مسئلہ :۔ اس سجدہ کیلئے حدث و خبث سے ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے خواہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر ہو۔ لہذا سننے والا جس حالت میں سنے گا اگر سجدہ واجب ہوگا تو اس کو بجالانا ہوگا۔

مسئلہ :۔ سننے سے مراد کان دھر کر سننا ہے اتفاقی طور پر آواز کا کان میں پہنچ جانا موجب سجدہ نہ ہوگا۔

مسئلہ :۔ سجدۂ قرآن میں قبلہ رُخ ہونا واجب نہیں لیکن بہتر ہے کہ حتی الامکان قبلہ رُخ ہو۔

مسئلہ :۔ طہارت لباس اور ساتوں اعضاء کا زمین پر رکھنا نیز ایسی چیز پر پیشانی کا رکھنا جو نماز کے سجدہ کیلئے ضروری ہے۔ اس سجدہ میں کوئی شرط نہیں ہے البتہ بہتر ہے کہ ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے

مسئلہ :۔ سجدۂ قرآن میں کوئی خاص ذکر معین نہیں ہے بلکہ جو ذکر یا دعا پڑھ دے کافی ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں ہے کہ سجدۂ تلاوت میں یہ پڑھے سَجَدْتُ لَکَ یَا رَبِّ تَعَبُّدًا وَّرِقًّا لَا مُسْتَکْبِرًا عَنْ عِبَادَتِکَ وَلَا مُسْتَنْکِفًا بَلْ اَنَا عَبْدٌ ذَلِیْلٌ خَائِفٌ مُّسْتَجِیْرٌ اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ پڑھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حَقًّا حَقًّا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِیْمَانًا وَّتَصْدِیْقًا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عُبُوْدِیَّۃً وَّرِقًّا لَا مُسْتَنْکِفًا وَّلَا مُسْتَکْبِرًا بَلْ اَنَا عَبْدٌ ذَلِیْلٌ خَائِفٌ مُّسْتَجِیْرٌ اور بعض روایات میں ہے کہ جو ذکر نماز کے سجدہ میں پڑھا جاتا ہے وہی پڑھے۔

مسئلہ :۔ اگر سجدۂ قرآن بھول جائے تو جس وقت یاد آجائے کرے۔

سورۃ الانفال

یہ سورۃ مدنیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد ستتر ہے اور بسم اللہ کو ملا کر اٹھتر ہے
تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہر ماہ میں سورۃ الانفال اور براۃ کی تلاوت کرے وہ نفاق سے محفوظ رہے گا اور شیعان امیر المومنینؑ سے شمار ہوگا اور بروز محشر شیعوں کے ہمراہ جنت کے دسترخوان سے کھانا کھائے گا۔ یہاں تک کہ لوگ حساب سے فارغ ہو لیں گے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا۔ سورۃ انفال میں وہ بات موجود ہے جس سے مخالفین کی ناک کٹتی ہے یعنی اس سورہ میں خمس کے وجوب کا حکم اور فئے و انفال وغیرہ کا تذکرہ ہے جو ذوی القربیٰ کے حقوق ہیں اور کتاب خواص القرآن سے برہان میں منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو اس سورہ کو پڑھے گا قیامت کے روز میں اس کا شفیع ہوں گا اور گواہ ہوں گا کہ یہ نفاق سے بری ہے اور اس کے نامۂ اعمال میں اس قدر نیکیاں لکھی جائیں گی جس قدر دنیا میں منافق ہیں۔

جو شخص اس سورہ کو لکھ کر اپنے پاس لٹکائے تو کسی حاکم کے پاس نہ جائے گا مگر یہ کہ اپنا حق لے کر پلٹے گا اور اس کی حاجت پوری ہوگی اور اس سے کوئی دور نہ ہوگا اور اس کے ساتھ کوئی بھی جھگڑا نہ کرے گا مگر یہ کامیاب ہوگا اور خوشی خوشی باہر نکلے گا اور یہ سورۂ مجیدہ اس کے لئے بمنزلۂ قلعہ ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں

يَسۡـئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ‌ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ‌ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ

پوچھتے ہیں آپ سے انفال کے متعلق تو فرما دیجئے کہ انفال اللہ و رسول کے لئے ہے ڈرو اللہ سے اور

اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ‌ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ‏ ①

اصلاح کرو اپنے درمیان اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اگر تم مؤمن ہو

رکوع نمبر ۱۵

انفال کا بیان

انفال۔ نفل سے ہے اور اس کا لغوی معنی ہے عطیہ زیادتی اور نماز کے نوافل چونکہ واجبات سے زائد اور عطیہ ہیں اس لئے ان کو نوافل کہا جاتا ہے۔ انفال کے مصداق کے تعین میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے لہذا اس میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) ابن عباس سے منقول ہے کہ جنگ بدر کی غنیمتیں مراد ہیں اور قتادہ کا یہی مذہب ہے۔

(۲) چھوٹے چھوٹے سریئے جا کر جو مال لاتے تھے ان کو انفال کہا گیا ہے۔

(۳) جو مال مشرکین بغیر لڑائی کے چھوڑ جائیں، غلام، کنیز یا کوئی اور چیز۔

(۴) تقسیم غنیمت کے بعد جو مال وہاں گر جائے وہ انفال ہے اور ابن عباس سے ایک دوسری روایت میں یہی منقول ہے

(۵) مطلق خمس یہ تمام اقوال تفسیر مجمع البیان میں مذکور ہیں اور بروایت صحیحہ امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انفال ہر وہ مال ہے جو دار الحرب سے بغیر لڑائی کے حاصل کیا جائے۔ اسی طرح ہر وہ زمین جس کے بسنے والے اس کو بغیر لڑائی کے چھوڑ کر چلے جائیں۔ اور اس کو فئی بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح وہ وراثت جس کا وارث کوئی نہ ہو۔ اور بادشاہوں کی مخصوص اشیاء جو ان کے پاس کسی مسلمان سے غصب نہ ہوں۔ جنگلات وادیاں اور بنجر زمینیں جن پر کسی کا تصرف نہ ہوا ہو وغیرہ۔ یہ سب اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے مختص ہیں اور رسولؐ کے بعد اس کے قائمقام کیلئے ہیں وہ اپنے ذاتی مصالح میں جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے اور فرمایا بدر کی غنیمتیں بھی حضرت رسالتمآبؐ کے لئے مخصوص تھیں اور لوگوں نے مطالبہ کیا تھا تو یہ آیت اتری۔ بعض لوگ آیت خمس کو اس کا ناسخ قرار دیتے ہیں لیکن جب ان دونوں آیتوں میں منافات نہیں ہے پس صحیح یہ ہے کہ آیت مجیدہ منسوخ نہیں ہے۔

Imp

۳۔ بروایت تہذیب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس زمین پر خون نہ بہایا گیا ہو یا صلح کے طور پر وہ مسلمانوں کے حوالے کر کے چلے گئے ہوں یا بنجر زمینیں اور وادیاں۔ پس یہ سب فئی اور انفال ہیں اور اللہ و رسول کے لئے مختص ہیں اور جو کچھ رسولؐ کے لئے ہے وہ ان کے بعد ان کے قائمقام کے لئے ہے۔

۴۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے انفال وہ ہے جس پر اونٹ گھوڑے نہ دوڑائے گئے ہوں۔ خواہ بطور صلح کے انہوں نے دی ہو یا خود بخود چھوڑ کر چلے گئے ہوں اسی طرح ہر بنجر غیر مملوک زمین اور وادیاں خدا اور رسول کے لئے ہیں اور ان کے بعد امام کے لئے ہیں جہاں چاہے خرچ کرے۔

۵۔ آپ نے فرمایا۔ ہماری اطاعت لوگوں پر فرض ہے اور انفال کے مالک ہم ہیں اور غنیمت کا خاص اور چیدہ مال ہمارے لئے ہے۔

۶۔ بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ انفال ہمارا ہے۔ کسی نے پوچھا، انفال کسے کہتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کانیں، جنگلات نیز وہ زمین جس کا مالک کوئی نہ ہو اور وہ زمین جس کے مالک برباد ہو گئے ہوں اور بادشاہوں کی مختص چیزیں یہ سب انفال میں داخل ہیں۔

بروایت قمی حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے انفال سے مراد وہ بستیاں ہیں جو برباد ہو گئی ہوں اور ان کے بسنے والے جلا وطن ہو چکے ہوں وہ اللہ اور رسولؐ کے لئے ہیں اسی طرح بادشاہوں کی مختصات بھی امام کے لئے ہیں اور جو بنجر زمین جس پر گھوڑے اونٹ نہ دوڑائے گئے ہوں اور جس زمین کا مالک کوئی نہ ہو اور کانیں یہ سب اسی سے ہیں اور اگر کوئی مر جائے اور اس کا وارث کوئی نہ ہو تو اس کا مال بھی انفال سے ہے فرمایا یہ آیت بدر کے دن اتری۔ جب کفار کو شکست ہوئی تو صحابۂ رسول تین حصوں میں بٹ گئے تھے۔

۱۔ کئی حضرت رسالتمآب کے خیمے کے پاس موجود رہے۔

۲۔ کئی دشمن کا تعاقب کر رہے تھے۔

۳۔ کئی لوٹ رہے تھے جب مال غنیمت جمع ہو چکا تو انصار نے امیروں کے متعلق سوال کیا پس آیت اتری۔ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ (الآیہ) تو اسیر اور غنیمتیں ان لوگوں کے لئے مباح کر دی گئیں۔ پس سعد بن معاذ جو خیمہ رسول کے پاس تھا۔ عرض کی حضورؐ! ہم جہاد سے کنارہ کشی کر کے تو دشمن کے مقابلہ سے نہیں رکے اور نہ ہم بزدلی کی وجہ سے یہاں رکے رہے ہیں بلکہ ہم تو صرف اس لئے یہاں ٹھہرے رہے کہ آپ تنہا نہ رہ جائیں مبادا دشمن آپ کو اکیلا سمجھ کر ٹوٹ پڑیں نیز آپ کے خیمے کے اردگرد مہاجرین و انصار کے سرکردہ افراد موجود ہیں نیز غنیمتیں تھوڑی ہیں۔ اور لوگ زیادہ ہیں اگر آپ ان میں تقسیم کریں گے تو۔ صحابیوں کے لئے کچھ نہ بچے گا۔ اس کو یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ غنائم کو صرف لڑنے والوں پر ہی تقسیم کر دیں اور ہم خیمہ کے پاس کھڑے ہوئے محروم رہ جائیں اور ان کا آپس میں اختلاف

بھی ہوگیا تھا یہاں تک کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ یہ غنیمتیں کن لوگوں کے لئے ہیں؟ پس آیت مجیدہ نازل ہوئی یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ یہ لوگ آپ سے انفال کے متعلق سوال کرتے ہیں تو ان کو بتا دیجئے کہ اَلْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کہ انفال صرف اللہ اور رسول کے لئے ہے پس سب لوگ واپس چلے گئے اور کسی کو بھی غنیمت سے کچھ نہ ملا پھر وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ (الآیہ) نازل ہوئی تو آپ نے غنیمت کو تقسیم فرمایا۔ سعد بن ابی وقاص نے کہا حضورؐ آپ سوار اور کمزور کو برابر دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کمزوروں کی وجہ سے تو خدا کی نصرت نازل ہوتی ہے پس غنائم بدر کو بغیر خمس کے آپ نے تقسیم کر دیا اور بعد میں خمس نکالتے رہے (صافی) (برہان)

۱۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت ہے کہ انفال ہر وہ بنجر زمین ہے جس کے آباد کار برباد ہو چکے ہوں اور جس پر اونٹ گھوڑے نہ دوڑائے گئے ہوں بلکہ صلح سے حاصل ہوئی ہو اور اپنے ہاتھوں دے کر گئے ہوں بغیر لڑائی کے اور فرمایا نیز پہاڑوں کی چوٹیاں، وادیوں کے پیٹ، جنگلات، بنجر زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو اور بادشاہوں کی برگزیدہ چیزیں جو بغیر غصب کے ان کے ہاتھ میں ہوں کیونکہ غصبی اشیاء تو مالکوں کی طرف پلٹائی جایا کرتی ہیں اور نیز امام وارث ہے اس کا جس کا کوئی وارث نہ ہو اور امام پر کفالت ہے ان کی جن کا کوئی حیلہ نہ ہو۔

مسئلہ:۔ مال امام زمان غیبت میں نائب امام کی خدمت میں پیش کرنا ضروری ہے اور وہ جہاں امام کی خوشنودی سمجھے گا خرچ کرے گا اس پر اعتراض کرنے کا کسی حق نہیں ہے اور نائب امام سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ملکہ استنباط اور قوت اجتہاد رکھتا ہو اور اس میں دیگر شرائط بھی پائی جاتی ہوں۔ مثلاً عدالت ذکوریت حلال زادہ ہونا وغیرہ۔ پس ہر مجتہد جامع الشرائط کی خدمت میں مال امام پیش کیا جا سکتا ہے خواہ اعلم ہو یا غیر اعلم خواہ مال امام پیش کرنے والا اس کی تقلید میں ہو یا نہ ہو۔ جن لوگوں نے یہ قید لگا دی ہے کہ مال امام اپنے مقلد کو پیش کرنا چاہیئے یا مقلد کے لئے اعلم ہونا ضروری ہے ان کے پاس کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے۔

اصلاح مسلمین

وَاَصْلِحُوْا :۔ جب جنگ بدر فتح ہوئی تو خیمہ رسولؐ کے پاس بیٹھنے والوں اور لڑنے والوں میں تلخ کلامی ہوگئی۔ یعنی غنیمت کی تقسیم کے بارے میں کیونکہ لڑنے والے چاہتے تھے کہ ہم کو ملنی چاہیئے اور خیمہ رسول کے پاس بیٹھنے والوں کو یہ گوارا نہ تھا بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہمیں بھی حصہ دیا جائے پس تُو تُو میں میں تک نوبت پہنچ گئی۔ بعض لوگوں نے اس مقام پر بد اخلاقی کا مظاہرہ بھی کیا جس کے نتیجہ میں نزاع کو ختم کرنے کے لئے غنائم بدر کو انفال قرار دے کر رسولؐ کی ملکیت بنا دیا گیا جس کو حضورؐ نے اپنی مرضی سے برابر تقسیم کر دیا اور مسلمانوں کو باہمی اصلاح کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ دلوں میں شکر رنجیاں باقی نہ رہیں۔ خدا اور رسولؐ و اہلبیتؑ اطہار کے نزدیک مومنوں میں اصلاح کرنا بہت بڑی نیکی ہے چنانچہ اس بارے میں کافی احادیث مروی ہیں۔

۱۔ اصول کافی میں ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خدا کا محبوب صدقہ ہے اصلاح بین الناس اور

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا

بے شک مومن وہ ہیں جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل کانپ جائیں اور پڑھی جائیں

تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲﴾

ان کے سامنے اس کی آیات تو ان کا ایمان زیادہ ہو اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوں

ایک دوسرے سے دوری کے وقت ان کو قریب کرنا۔

۲۔ اصول کافی میں ہے نیز آپ نے فرمایا اگر ہمارے شیعوں میں سے دو کے درمیان کوئی جھگڑا دیکھو تو ہمارا مال دے کر ان میں صلح کرا دیا کرو۔

۳۔ اصول کافی میں ہے آپ نے فرمایا۔ دو کے درمیان صلح کرانے والا جھوٹا نہیں کہا جاسکتا (یعنی خلاف واقع بات کہہ کر بھی صلح کرا دے تو اس کو جھوٹ کا گناہ نہ ہوگا۔

۴۔ باب کذب میں آپ نے فرمایا کلام کی تین قسمیں ہیں (۱) صدق (۲) کذب (۳) اصلاح بین الناس۔ پس کسی نے سوال کیا کہ حضورؑ اصلاح کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا۔ وہ اس طرح ہے کہ تم کسی شخص سے دوسرے کے متعلق کوئی ایسی بات سنو کہ اگر وہ سنتا تو اس کو غصہ آجاتا۔ پس تم اس سے جا کر اس شخص کی جانب سے اچھی بات نقل کرو جو اس نے نہ کہی ہو۔ تاکہ وہ اس سے بدظن نہ ہو اور غصہ کی بجائے اس کے دل میں محبت پیدا ہو۔

۵۔ آپ نے فرمایا۔ ایک دن ہر جھوٹ کے متعلق باز پرس ہوگی۔ لیکن تین قسم کے جھوٹ کے متعلق کوئی باز پرس نہ ہوگی (۱) دشمن دین کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے اس کو مغلوب کرنے کی خاطر (۲) دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے کی خاطر (۳) اپنی اہل کے ساتھ وعدہ کرنا جس کو پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جھوٹ بولنا طبعی گراوٹ اور خست ہے لیکن لوگوں کے درمیان اصلاح اس قدر اہم ہے کہ اگر اس بارہ میں انسان کو یہ خست برداشت کرنی پڑے تو برداشت کرے لیکن صلح کی نیکی کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور دشمن دین کو مغلوب کرنا بھی چونکہ زمین میں اصلاح کے لئے ہی ہوا کرتا ہے اس لئے وہاں بھی اس گراوٹ کو اپنا لینا معاف کیا گیا ہے اور گھریلو معاملات کا سلجھاؤ اور اس کی اصلاح بھی اسی سے ہے کہ انسان اپنی رواداری کو برقرار رکھے اور گھر سے روانگی کے وقت ہر قسم کی فرمائش پر ہاں کرتا جائے اور پھر عمل کے وقت اتنا ہی کرے جس قدر گنجائش اور وسعت میں ہو اور اس مقام پر شروع سے ہاں کرتے وقت اگرچہ دل میں اس پر عمل کا ارادہ نہ تھا کیونکہ اپنے ذاتی حالات اس کو اجازت نہ دیتے تھے لیکن انکار میں خانگی بگاڑ کا خطرہ تھا۔ پس اس جھوٹ کی گرفت سے خداوند کریم اس کو معافی دے گا۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ اُولٰٓئِكَ هُمُ

جو نماز قائم کرتے ہوں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہوں وہ ہی مومن ہیں

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

سچے سچے ان کے لئے درجات ہیں اپنے رب کے پاس اور مغفرت اور پاکیزہ رزق ہے

علامات مومن

اس مقام پر خداوندکریم نے مومنوں کی علامتیں بیان فرمائی ہیں (۱) خوف خدا۔ جب اللہ کا نام آئے تو ان کے دل اس کی عظمت وجلالت کا تصور کرکے لرز جائیں اور اس کی قدرت عدالت نیز گناہوں پر گرفت وسزا اور اپنی کوتاہیوں کے انبار کا خیال کرکے کانپ جائیں۔

کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص اللہ کا خوف رکھے گا۔ خدا ہر شے کے دل میں اس کا خوف ڈال دے گا اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا۔ خدا اس کے دل میں ہر شے کا ڈر پیدا کر دیتا ہے یعنی اللہ سے ڈرنے والا کسی سے نہیں ڈرتا اور اللہ سے نہ ڈرنے والا ہر شے سے ڈرتا ہے۔

نیز کافی میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک شخص بمعہ اپنی اہلیہ کے سفر کو روانہ ہوا۔ سفر دریا میں ان کی کشتی ٹوٹ گئی اور کشتی والوں سے سوائے اس کی عورت کے کوئی بھی نہ بچ سکا۔ پس وہ عورت ایک تختے پر محفوظ ایک جزیرہ میں پہنچی۔ وہاں ایک ڈاکو تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی۔ یہ عورت اس کے پاس پہنچی تو اس نے دریافت کیا کہ تو انسان ہے یا جن ہے تو عورت نے جواب دیا کہ قوم انسان سے ہوں۔ فوراً وہ شخص اس عورت پر بقصد زنا سوار ہوگیا تو عورت کا جسم لرز گیا۔ ڈاکو نے پوچھا۔ کانپنے کا کیا سبب ہے تو جواب دیا آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ اس سے ڈرتی ہوں۔ اس نے کہا کس بات سے تو عورت نے جواب دیا۔ اس کی عزت وعظمت سے پس فوراً اس ڈاکو کے دل میں خوف خدا پیدا ہوا اور عورت سے علیحدہ ہوکر کہنے لگا۔ اگر تو عورت ہوکر اس کی عظمت سے اس قدر ڈر رہی ہے تو میں مرد ہوکر کیوں نہ خوف کروں پس سیدھا گھر پہنچا اور اپنے سابق گناہوں سے تائب اور پشیمان ہوا۔ ایک دن وہ کہیں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک راہب اس کا ہمسفر ہوگیا۔ سورج کی تمازت تیز تھی۔ راہب نے کہا اے جوان دعا کرتا کہ خدا کوئی بادل بھیج دے ورنہ ہم گرمی سے کباب ہوجائیں گے۔ جوان نے جواب دیا۔ مجھے تو اپنی کوئی ایسی نیکی معلوم نہیں جس کی بنا پر میں اللہ سے کچھ مانگنے کی جرأت کرسکوں۔ راہب نے کہا اچھا میں دعا مانگتا ہوں تو آمین کہنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس فوراً ایک بادل نے ان پر سایہ کردیا۔ دونوں کافی دیر تک اس کے نیچے آرام سے سفر کرتے رہے۔ پس ایک دوراہے پر پہنچے جہاں سے ان کے راستے الگ الگ پھوٹتے تھے تو جب جوان اپنے راستے کی طرف مڑا تو بادل بھی اسی طرف روانہ ہوا۔ راہب کہنے لگا۔ اے جوان تو مجھ سے نیک ہے کیونکہ بادل کا تیرے ساتھ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ دعا تیری وجہ سے ہی

مستجاب ہوتی تھی اور یہ بادل تیری بدولت آیا تھا لہٰذا بیان کرو کہ تو نے کیا نیکی کی ہے۔ پس اس نے اس عورت کے ساتھ گزرا ہوا ماجرا بیان کیا تو راہب نے جواب دیا کہ خوف خدا پیدا ہوتے ہی تیرے سابق گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں لہٰذا آئندہ کا خیال کرنا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں فرمایا۔ لوگو! تمہارے لئے علامات ہیں ان کی طرف توجہ کرو اور تمہارے لئے ایک حد مقرر ہے اس کی طرف پہنچو۔ دیکھو مومن دو خوفوں کے درمیان مصروفِ کار ہے۔ ایک گزشتہ عمر کا خوف کہ خبر نہیں خدا کے سامنے اس کے متعلق کیا جواب دوں گا اور دوسرے آئندہ کا خوف کہ خدا جانے میرے ساتھ کیا ہوگا۔ پس اس درمیانی حصہ میں اپنی ذات کے لئے اپنی طرف سے کچھ ذخیرہ بنانے کی کوشش کرو اور اس دنیا میں آخرت کے لئے جوانی میں بڑھاپے سے پہلے اور زندگی میں مرنے سے قبل (کچھ زادِ راہ تیار کرو) مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد معافی مانگنے کا کوئی مقام نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ جو شخص یہ سمجھ لے کہ خدا مجھے دیکھتا ہے اور وہ میری باتیں سنتا ہے اور میرے اعمال کو جانتا ہے خواہ نیک کروں یا بد کروں۔ پس اس یقین کے بعد اگر وہ بُرے کاموں سے رُک جائے تو یہ ہے خوفِ خدا اور اس کے لئے دو جنتیں ہیں وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ۔

نیز آپ نے فرمایا۔ کوئی مومن نہیں مگر یہ کہ اس کے دل میں دو قسم کے نور ہوتے ہیں ایک نور خوف اور دوسرا نور رجاء دونوں کو اگر وزن کیا جائے تو ایک دوسرے کے برابر نکلیں گے۔

اور روایت میں ہے کہ خوفِ خدا کی ایک آنسو آتش جہنم کے سمندروں کو خشک کرنے کے لئے کافی ہے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ قیامت کے روز ہر آنکھ رونے والی ہوگی مگر تین آنکھیں نہ روئیں گی۔

(۱) وہ آنکھ جو دنیا کی حرام کردہ چیزوں پر نظر کرنے سے بچی رہی۔
(۲) وہ آنکھ جو اطاعتِ خدا میں رات کو بیدار رہی۔
(۳) وہ آنکھ جو اثنائے شب میں خوفِ خدا سے روئی۔

آپ نے فرمایا۔ ہر شے کے لئے ناپ یا وزن ہو سکتا ہے سوائے آنسو کے۔ پس آنسو کا ایک قطرہ آتش جہنم کے سمندروں کو بجھانے کے لئے کافی ہے۔ اگر آنکھ آنسو سے ڈبڈبا جائے تو ایسے شخص پر کسی قسم کی رسوائی طاری نہ ہوگی اور اگر آنسو بہہ نکلے تو اس کا چہرہ آتش جہنم پر حرام ہوگا اور فرمایا۔ اگر امت میں ایک شخص رونے والا ہو تو اس کے ذریعے سے پوری امت پر خدا کا رحم عام ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر وہ مستحق عذاب بھی ہو تو اس کی وجہ سے ان سے عذاب ٹل جاتا ہے۔

(۲) مومن کی دوسری علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ آیاتِ خداوندی کی تلاوت ہو تو ان کا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی قرآن مجید کی آیات میں غور و تدبر اس کے ایمان کی جلا بنتا ہے اور روایات میں ہے۔ بروزِ محشر قرآن مجید ان کی سفارش کرے گا جو دنیا میں اس کی حرمت کو سمجھتے تھے اور بارگاہ رب العزت میں عرض کرے گا۔ اے اللہ! فلاں شخص نے میری خاطر شب بیداری کی ہے تو ارشاد ہو گا۔ تجھے اختیار ہے کہ اس کو جنت میں لے جا۔ چنانچہ مراتب جنت کے قریب پہنچے گا تو ارشاد ہو گا قرآن پڑھتا جا اور آگے بڑھتا جا۔

اور مروی ہے کہ جس نے قرآن ختم کر لیا گویا کہ نبوت اس کے پہلوؤں میں داخل کی گئی۔ بہرکیف اس باب کی احادیث بکثرت ہیں اور مقدمہ تفسیر میں بھی بہت کچھ درج کی جا چکی ہیں۔

(۳) مومن کی تیسری علامت قرآن مجید نے توکّل بتلائی ہے کہ مومن وہ ہے جو اللہ پر بھروسہ رکھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اصولِ کافی باب توکّل میں منقول ہے کہ خداوند کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ جو بندہ بھی میری ذات پر اعتماد رکھے اور مجھ سے تمسک کرے اور تمام میرے ماسوا کو ٹھکرا دے بشرطیکہ اس کی نیت خالص ہو تو اگر تمام آسمان و زمین اور ان میں بسنے والے اس کو فریب دینا چاہیں اور اس کو مغلوب کرنا چاہیں تو میں اس کی حفاظت اور بچاؤ کے اسباب پیدا کر دوں گا لیکن اس کے برخلاف اگر کوئی شخص مجھے چھوڑ کر میرے غیر پر بھروسہ رکھے تو میں آسمانوں اور زمینوں سے اس کے کامیابی کے وسائل قطع کر دوں گا۔

امام پاکؑ نے فرمایا کہ دولتمندی اور عزت چکر لگاتی پھرتی ہے اور جہاں توکّل کو دیکھتی ہے تو ڈیرہ ڈال دیتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر توکّل کرنے والا ہی صحیح معنوں میں غنی ہوتا ہے اور وہ ہی درحقیقت باعزت ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جو شخص توجہ کرے۔ اس طرف جس طرف کو اللہ محبوب رکھتا ہے تو اللہ بھی توجہ کرتا ہے اس طرف جس کو وہ پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے تمسک پکڑے اللہ اس کو پناہ دیتا ہے اور جس کی طرف اللہ متوجہ ہوا اور اس کو پناہ دے تو اس کو کیا پرواہ۔ اگر آسمان زمین پر آ جائے یا اگر مصیبت نازل ہو اور تمام زمین والوں کو گھیر لے تو یہ شخص ہر مصیبت سے اللہ کی امان میں ہو گا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ توکّل کا ایک درجہ یہ ہے کہ تُو اپنے تمام معاملات میں اس پر بھروسہ رکھے وہ اللہ تیرے ساتھ جو بھی کرے تو اس پر راضی رہے تو یقین جان کہ وہ تجھے خیر سے محروم نہ کرے گا اور جان لے کہ حکم اس کا ہی ہے پس معاملہ کو اس کے سپرد کرنے میں توکّل کر اور تمام معاملات میں اس پر وثوق رکھ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جس کے پاس تین چیزیں ہیں۔ وہ تین چیزوں سے محروم نہ رہے گا۔

(۱) جس کے پاس دعا ہو وہ قبولیت سے محروم نہ ہو گا۔

(۲) جس کے پاس شکر ہو وہ زیادتی نعمت سے محروم نہ رہے گا۔ اور
(۳) جس کے پاس توکل ہو وہ کفایت سے محروم نہ رہے گا۔ یعنی اللہ اس کو کافی ہوگا۔ الخبر
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ بعض کتب متقدمہ میں ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ مجھے اپنی عزت و جلال اور مجد و ارتفاع کی قسم کہ میں لوگوں میں سے ہر اس امید کرنے والے کی امید کو ساتھ مایوسی کے توڑ دوں گا۔ جس نے میرے غیر سے امید کی۔ اس کو لوگوں میں ذلت کا لباس پہناؤں گا۔ اس کو اپنے قرب سے ہٹاؤں گا اور اپنے فضل سے دُور کروں گا۔ کیا وہ سختیوں میں میرے غیر سے امیدیں وابستہ کرتا ہے جبکہ وہ میرے قبضۂ قدرت میں ہیں تو وہ توقع غیر سے کیونکہ رکھتا ہے فکر کے ساتھ غیر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ حالانکہ کنجیاں میرے پاس ہیں اوروں کے دروازے بند ہیں اور دعا مانگنے والوں کے لئے میرا دروازہ کھلا ہے۔ وہ کون ہے جس نے مصائب میں میری امید کی ہو اور میں نے اس کو محروم کیا ہو؟ وہ کون ہے جس نے میری مشکل میں میرے اوپر توقع کی ہو اور میں نے اس کو ناامید کیا ہو؟ میں نے لوگوں کی امیدیں اپنے پاس محفوظ رکھی ہیں۔ کیا وہ میری حفاظت پر راضی نہیں؟ اور میں نے آسمانوں کو پُر کیا ہے۔ ایسی مخلوق سے جو میری تسبیح سے تھکان نہیں محسوس کرتی اور میں نے اس کو حکم دیا ہے کہ میرے اور بندوں کے درمیان دروازہ بند نہ کریں۔ تو کیا ان کو میری بات پر بھروسہ نہیں ہے؟ جس پر مصیبت نازل ہو۔ کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ میرے سوا میری اجازت کے بغیر کوئی دوسرا اسے دُور نہیں کر سکتا تو اس کو کیا ہو گیا ہے کہ مجھ سے غافل ہے؟ میں نے اپنے جود و کرم سے اس کو وہ کچھ دیا ہے جو اس نے مانگا بھی نہ تھا تو پھر ردِ مصیبت کیلئے مجھ سے نہیں سوال کرتا۔ اور میرے غیر سے سوال کرتا ہے۔ کیا میں مانگنے سے پہلے نہیں دے دیا کرتا۔ تو کیا سوال کرنے کے بعد سائل کو نہ دوں گا؟ کیا میں بخیل ہوں کہ بندہ مجھے بخیل سمجھتا ہے۔ کیا جود و کرم میرے ہاتھ میں نہیں ہے؟ کیا معافی اور رحمت میرے قبضے میں نہیں ہے؟ کیا میں امید کا محل نہیں ہوں؟ تو جو شخص امید کو مجھ سے قطع کرتا ہے کیا میرے غیر سے امید کو وابستہ کرنے میں مجھ سے ڈرتا نہیں؟ اگر تمام اہل آسمان و زمین میرے اوپر امید رکھیں اور ہر ایک کو اس کی امید کے مطابق عطا کر دوں تو میرے ملک میں ایک چیونٹی کے برابر بھی کمی نہ واقع ہو گی اور اس ملک میں کمی ہی کیا واقع ہو جس کا میں سربراہ ہوں۔ پس کس قدر بدبخت ہیں جو میری رحمت سے مایوس ہیں اور کس قدر بدبخت ہیں جو میری نافرمانی کرتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔

(۴) خداوند کریم نے مومن کی چوتھی علامت نماز بیان فرمائی ہے اور نماز کے وجوب اور اس کے ترک کے عذاب کے متعلق حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خانوادۂ عصمت سے بہت کچھ احادیث مروی ہیں۔ خداوند کریم نے قرآن مجید میں دوسرے مقام پر تارک صلوٰۃ کو مشرک قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ نماز قائم کرو اور مشرک نہ ہو اور حضورؐ نے فرمایا۔ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ متعمدًا فقد کفر۔ یعنی جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا وہ کافر ہوا۔ فرمایا۔ الصّلٰوۃ عمود الدین فمن اقامھا اقام الدین ومن

ترکھا فقد ھدم الدین ۔ یعنی نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے پڑھی اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نہ پڑھی گویا اس نے دین کو گرا دیا۔ ایک حدیث میں فرمایا مسلمان اور کافر کے درمیان حدِ فاصل صرف نماز ہی ہے۔

اصول کافی میں ہے جہاں امام جعفر صادق علیہ السلام نے گناہانِ کبیرہ کی فہرست گنوائی کہ وہ سات ہیں۔

۱۔ کفر ۲۔ قتلِ نفس

۳۔ والدین کی نافرمانی ۴۔ سود خوری

۵۔ مالِ یتیم کا کھانا ۶۔ جہاد سے بھاگ جانا۔

۷۔ ہجرت کے بعد بدویت کی طرف جانا۔

اس کے بعد راوی نے پوچھا کہ حضور یتیم کے مال سے ایک درہم کھالینا زیادہ گناہ ہے یا ترکِ نماز؟ تو آپ نے فرمایا۔ ترکِ نماز کا گناہ زیادہ ہے۔ راوی نے عرض کیا۔ حضور! پھر ترکِ نماز کو آپ نے گناہِ کبیرہ میں تو شمار نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ بتاؤ میں نے سب سے پہلے کس چیز کا نام لیا تھا۔ اس نے عرض کی۔ حضور! کفر کا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ترکِ نماز بھی تو کفر ہے۔ Imp.

(۵) مومن کی پانچویں علامت راہِ خدا میں خرچ کرنا ہے۔ خرچ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واجب، دوسرا مستحب۔ اگر واجب نہ ادا کرے تو مستحب میں کتنا ہی سخی بنا رہے کوئی فائدہ نہیں۔ واجب سے مراد زکوٰۃ اور خمس ہیں۔ اگر کسی شخص کے مال میں زکوٰۃ کا وجوب آچکا ہو اور پھر اس کو ادا نہ کرے تو اس مال کا استعمال کرنا حرام ہوگا اور اس مال سے کسی قسم کا صدقہ و خیرات قابلِ قبول نہ ہوگا۔ نہ اس مال سے زیارت کو جا سکتا ہے اور نہ حج کو اور اس مال سے عزاداری سید الشہداء پر خرچ کرنا، مدارس دینیہ تعمیر کرانا اور مساجد بنوانا وغیرہ قطعاً غیر مفید ہے۔ کارِ خیر میں وہ مال ہی لگایا جا سکتا ہے جو حلال ہو اور جس مال میں مساکین کا حصہ مخلوط ہو تو وہ مالک پر کسی صورت میں حلال نہیں ہو سکتا اور جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اور بغیر ادا کئے کے مر جائے تو بروزِ محشر تمام دنیا کے مساکین و فقراء اس کے دامن کو پکڑیں گے اور بارگاہِ خداوندی میں اس سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ المال مالی والفقراء عیالی فمن بخل بمالی علی عیالی ادخلہ النار ولا ابالی۔ یعنی حدیث قدسی سے نقل کیا جاتا ہے کہ خدا فرماتا ہے۔ تمام مال میرا ہے اور فقیر و غریب لوگ میرے عیال ہیں تو جو شخص میرے مال سے میرے عیال پر بخل کرے گا۔ اس کو جہنم میں داخل کروں گا اور مجھے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اصولِ کافی باب فضل فقراء مومنین میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے۔ فرمایا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں نے غنی کو اس لئے غنی نہیں کیا کہ وہ مجھے فقیر کی بہ نسبت زیادہ پیارا ہے اور فقیر کو فقیر اس لئے نہیں کیا کہ وہ میرے نزدیک ذلیل ہے بلکہ اس تقسیم کو اغنیاء کی آزمائش کے لئے مقرر کیا ہے اور اگر فقراء طبقہ نہ ہوتا تو اغنیاء طبقہ جنت کا حقدار نہ بنتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہمارے خوش حال شیعہ امین قرار دیئے گئے ہیں غریب شیعوں کے لئے۔ لہٰذا ان کے بارے میں ہماری لاج رکھو۔ خدا تمہاری لاج رکھے گا۔ اسی طرح سے خمس کا وجوب انہی شرائط کے ماتحت مذہب شیعہ میں تمام علماء کے نزدیک مسلّم ہے جس کا بیان آگے آجائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

پس اگر کسی شخص پر خمس واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو حقوق سادات کا غاصب ہوگا۔ لہٰذا شیعانِ علی جو حضرت علیؑ و بتول علیہا السلام کے غصب کو روتے اور غاصبین کو لعن وطعن کرتے ہیں۔ ذرا اپنے گریبان میں بھی نگاہ ڈال لیا کریں کہ کہیں وہ بھی آل محمدؐ کے حقوق کے غاصب ہو کر غصب کرنے والے ٹولے میں نہ ملحق ہو جائیں۔ ان حقوق واجبہ کے علاوہ دیگر حقوق بعض واجب مثلاً فطرہ، کفارہ، نذر، عہد و یمین اور بعض مستحب جن کی کوئی حد نہیں ہے خداوند کریم نے مالدار اور دولت مند طبقہ پر عائد کر دیئے ہیں تاکہ منافع دنیا یہ صرف ایک طبقہ کی جاگیرداری بن کر نہ رہ جائیں بلکہ تمام بنی نوع انسان ان سے حسب منشاء فائدہ اٹھا سکیں اور دنیا ہرج مرج سے محفوظ رہے۔ ظلم و تعدی کا خاتمہ ہو جائے اور امن و اطمینان اور انصاف و اعتدال کا دور دورہ رہے اور اس میں شک نہیں کہ پیسہ کی بے جا ہوس اور متمول طبقہ کا بخل ہی دنیا کے تمام فسادات کی جڑ ہے۔ بنکوں میں اور خزانوں میں پیسہ جمع کر کے مرنے والوں کو قبر میں پتہ چلے گا کہ ہائے ہم نے اپنے نفسوں پر کیسا ظلم کیا اور بروز محشر یہی ذخیرہ شدہ پیسہ جمع کر کے جانے والوں کے پہلوؤں اور پیشانیوں پر داغ دینے کے لئے استعمال ہوگا۔ تُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ۔ اور جب انسان چلائے گا۔ اور چیخے گا تو آواز آئے گی۔ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ یہ تو وہی چیز ہے جس کو تم خود اپنے لئے جمع کر گئے تھے۔ اب گھبراتے کیوں ہو اور بروزِ محشر ایسے لوگ انتہائی حسرت و ندامت میں ہوں گے اگر پس ماندگان نے کار خیر میں صرف کر کے جنت کما لی تو ان کو اس لئے حسرت ہو گی کہ کاش ہم نے اگر خود خرچ کیا ہوتا تو ہم بھی جنت کے حقدار ہوتے۔ پیسہ ہمارا اور اس سے جنت دوسرے لے گئے اور اگر پس ماندگان نے اس کو کار شیطان میں صرف کر کے جہنم خریدا تو پیسہ چھوڑ کر آنے والے پر بھی تو وہ وبال ہوگا۔ پس وہ ارمان کرے گا کہ اگر میں اس کو نہ چھوڑ آتا تو کیوں برے کاموں پر خرچ ہوتا اور میرے لئے وبال بنتا، بہرکیف شیعانِ آل محمد کو اہل بیتؑ کی سیرت پر عمل کرنا چاہیئے۔ صرف زبانی مومن کہلانا کافی نہیں جب تک عمل سے اس کی تصدیق نہ ہو۔

شیعہ کون ہیں؟

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ ان اوصاف مذکورہ کے بعد مالک ارشاد فرماتا ہے۔ جن لوگوں میں یہ صفات پائی جائیں تو وہ ہیں سچ مچ مومن ہیں اور اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اگر یہ صفات موجود نہ ہوں اور مومن کہلائے تو وہ زبانی مومن ہو گا۔ سچ مچ مومن نہ ہو گا۔ اسی طرح شیعہ کہلانا کافی نہیں جبتک کہ اس میں شیعہ کے علائم نہ پائے جائیں۔

۱۔ اصولِ کافی، باب علاماتِ مومن۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے

فرمایا۔ یا علیؑ! جس میں بیس علامتیں پوری نہ ہوں وہ مومن کامل نہیں بن سکتا۔

۱۔ نماز میں حاضر ہونا ۲۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔
۳۔ مسکین کو کھانا کھلانا ۴۔ یتیم کے سر پر مہر و محبت کا ہاتھ پھیرنا۔
۵۔ لباس کو پاک رکھنا ۶۔ دامن کو اونچا رکھنا۔
۷۔ جھوٹ نہ بولنا ۸۔ خلافِ وعدہ نہ کرنا۔
۹۔ امانت میں خیانت نہ کرنا ۱۰۔ سچ بولنا
۱۱۔ راتوں کو راہب بن کر گھروں میں ٹھہر جانا یعنی ڈاکو بن کر راہ زنی نہ کرنا۔
۱۲۔ دن کو شیروں کی طرح نکل آنا۔ یعنی کام کاج کرکے حلال روزی کمانا۔
۱۳۔ دن کو روزہ رکھنا ۱۴۔ رات کو عبادت میں بسر کرنا۔
۱۵۔ ہمسایہ کا خیال رکھنا کہ اس کو ان کی وجہ سے اذیت نہ ہو۔
۱۶۔ نہ خود اس کو اذیت دینا ۱۷۔ زمین پر تواضع سے چلنا
۱۸۔ بیواؤں کی خبر گیری کرنا ۱۹۔ تشییع جنازہ کرنا۔
۲۰۔ تقویٰ، خدا ہمیں اور تمہیں متقین کے زمرہ سے قرار دے۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ نیکی سے خوشی آئے اور برائی سے نفرت آئے تو وہ مومن ہے۔

۳۔ آپ نے فرمایا۔ ہمارے شیعہ اہلِ ہدیٰ ہیں اہل تقویٰ ہیں اہل خیر ہیں اہل ایمان اور اہل فتح و ظفر ہیں۔

۴۔ آپ نے فرمایا۔ کمینہ پن سے بچو۔ سوائے اس کے نہیں علیؑ کے شیعہ تو وہی ہیں جن کا پیٹ اور شرمگاہ عفیف و پاکیزہ ہو۔ جہاد میں مضبوط ہو۔ خالق کے لئے عمل کرے۔ اس کے ثواب کی امید اور اس کی گرفت سے خوفزدہ ہو۔ اگر ایسی صفات والے لوگ دیکھو تو سمجھ لو کہ علیؑ کے شیعہ ہیں۔

۵۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے سلیمان نامی ایک شخص کو خطاب کرکے فرمایا۔ تجھے معلوم ہے کہ مومن کسے کہتے ہیں عرض کی۔ میں فدا ہو جاؤں آپ ہی فرمائیں تو آپ نے فرمایا۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان بچے رہیں۔ پھر فرمایا۔ تجھے پتہ ہے مومن کسے کہتے ہیں تو میں نے حسب سابق جواب دیا تو آپ نے فرمایا۔ المؤمن من ائتمنہ المسلمون علی اموالہم و انفسہم مومن وہ ہے کہ مسلمان اس کو اپنی جانوں اور مالوں پر امین سمجھیں...... الخ

ایک روایت میں حضرت رسالتمآبؐ سے آپ نے نقل کرتے ہوئے اسی قسم کی حدیث فرمائی اور آخر میں فرمایا مومن پر حرام ہے کہ دوسرے مومن پر ظلم کرنے یا اس کو ذلیل کرے یا اس کی غیبت کرے یا اس کو کہیں دھکا دے دے۔

۶۔ بابِ الطافِ مومن میں آپ نے فرمایا۔ مومن پر واجب ہے کہ مومن بھائی کے ستر گناہوں پر پردہ ڈالے۔
۷۔ باب نصیحہ مومن میں حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن پر واجب ہے کہ مومن کی خیر خواہی کرے خواہ وہ حاضر ہو یا غائب۔
۸۔ علاماتِ مومن میں آپ نے فرمایا۔ جس کی پرہیزگاری زیادہ ہو۔ خالق کا ڈر ہو اور اس کے ثواب کی اُمید اس کے دل میں ہو تو سمجھ لو کہ وہ میرے ہیں۔
۹۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ ہمارے شیعہ وہ ہیں جو ہماری ولایت کی بدولت ایک دوسرے سے مل جل کر رہیں۔ ہماری مؤدّت سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کریں اور ہمارے دین کی زندگی کے لئے ایک دوسرے سے ملاقات کریں اگر ان کو ناراض کیا جائے تو ظالم نہ بنیں اور اگر راضی کیا جائے تو حدود سے نہ بڑھیں اپنے ہمسایہ کے لئے باعثِ برکت ہوں اور اپنے دوست کے لئے باعثِ سلامتی ہوں۔
۱۰۔ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ہمارا شیعہ وہ ہے جس کی آواز اپنے کان سے نہ بڑھے اور اس کا غصّہ اس کے ہاتھ سے تجاوز نہ کرے۔ یہاں تک کہ فرمایا۔ ہمارے شیعہ وہ ہیں جو کتّوں کی طرح بھونکیں نہیں۔ کوّے کی طرح لالچی نہ ہوں اور ہمارے دشمن سے سوال نہ کریں خواہ بھوک سے مر ہی جائیں۔ الخبر
۱۱۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ جس میں تین خصلتیں ہوں وہ کامل الایمان ہے۔
(۱) رضامندی اس کو باطل میں داخل نہ کرے۔
(۲) غصّہ اس کو حق سے نکال نہ دے۔
(۳) قدرت وطاقت اس کو ایسے کاموں کی طرف نہ لے جائے جو اس کے شایان نہ ہوں۔
۱۲۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ دین داروں کے لئے کچھ علامتیں ہیں۔ جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔

(۱) سچ بولنا	(۲) امانت ادا کرنا
(۳) اپنے عہد کی وفا کرنا	(۴) صلہ رحمی کرنا
(۵) کمزوروں پر رحم کرنا	(۶) عورتوں سے میل جول کم کرنا
(۷) احسان عام کرنا	(۸) حُسنِ خلق
(۹) عام خلق	(۱۰) علم کی اتباع

(۱۱) ہر وہ کام کرنا جو اللہ کے قرب کا موجب ہو۔ طُوبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰب۔ ایسے لوگوں کے لئے طوبیٰ ہے اور اچھی بازگشت ہے فرمایا۔ طوبیٰ جنّت میں ایک درخت ہے جس کی اصل حضرت رسالتمآبؐ کے گھر میں ہو گی۔ اور اس کی شاخ ہر مومن کے گھر میں پہنچے گی اور مومن کے دل میں جو بھی خواہش پیدا ہو گی۔ اس شاخ سے

وہی چیز پیدا ہو کر اس کے پیش ہوگی۔ اگر کوئی سوار اس کے سایہ میں ایک سو برس تیزی سے چلتا رہے تو اس کے سایہ کو عبور نہ کر سکے گا اور اگر کوئی پرندہ نیچے سے اوپر کی طرف اس کی بلندی کے احاطہ کے لئے پرواز کرے تو وہ تھک کر گر جائے گا۔ آگاہ ہو ایسے انعام کی طرف رجوع کرو۔ الخبر

۱۳۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ عقل والوں کی چند نشانیاں ہیں:۔

(۱) اخلاقِ حسنہ (۲) دانشمندی

(۳) صلہ رحمی (۴) والدین کے ساتھ نیکی۔

(۵) فقراء ہمسایوں اور یتیموں کی خبر گیری (۶) روٹی کھلانا یعنی مہمان نوازی

(۷) سلام ہر چھوٹے بڑے کو کہنا (۸) لوگوں کی غفلت کے وقت نماز پڑھنا

۱۴۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا۔ کسی مسلمان کے دین کے کامل ہونے کی علامتیں یہ ہیں۔

(۱) بے ہودہ گوئی سے بچتا ہو (۲) جھگڑا نہ کرتا ہو

(۳) حلم و صبر رکھتا ہو اور خلیق ہو۔

۱۵۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن وہ ہے جو دوسرے مومن کی اعانت کرے۔ دوسرے پر اپنا بوجھ کم ڈالے۔ اپنے معاش کی خود اچھی تدبیر کرے اور ایک سوراخ سے دوبارہ نہ کاٹا جائے (یعنی جس کام میں اس کو نقصان ہے اسے بار بار نہ آزمائے)

۱۶۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ ہماری ولایت کا ہر دعویدار مومن نہیں ہوا کرتا بلکہ ایسے لوگ حقیقی مومنوں کے لئے باعثِ انس بنائے گئے ہیں۔

۱۷۔ باب ابتلاء مومن میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ دین کی مقدار کے مطابق مومن دنیا میں مبتلائے مصیبت ہوا کرتا ہے۔

۱۸۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ مومن ترازو کے پلڑے کی طرح ہے جس قدر اس کے ایمان میں زیادتی ہوگی اسی قدر دوسری طرف اس کی آزمائش میں زیادتی ہوگی۔

۱۹۔ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اپنے دردوں کی تکلیف کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا۔ اگر مومن کو ان تکالیف کے اجر کا پتہ ہوتا۔ (تو شکایت نہ کرتا) بلکہ وہ خواہش کرتا کہ میرا جسم قینچی سے ریزہ ریزہ کیا جائے۔

۲۰۔ باب کبائر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جس نے زنا کیا وہ ایمان سے خارج، جس نے شراب پیا ایمان سے خارج اور جس نے ماہِ رمضان کے ایک دن کا روزہ بھی چھوڑا، ایمان سے خارج ہوا۔

۲۱۔ ابن قیس حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ ہم اپنے اہل مذہب کو اگرچہ وہ گناہ کریں۔ ایمان سے خارج نہیں کرتے تو امامؑ نے فرمایا۔ اے ابن قیس! جناب رسالتمآبؐ نے تو فرمایا۔ ایمان کے ہوتے ہوئے انسان زنا نہیں کرسکتا۔ مومن ہوتے ہوئے چوری نہیں کرسکتا۔ تو اور تیرے ساتھیوں کی جدھر مرضی ہو پھرتے رہیں۔

۲۲۔ باب الحیا میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں۔

۲۳۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ حیا دو قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ ایک حیا دانائی کا۔ دوسرا حیا بے وقوفی کا۔ پس پہلا حیا علم ہے اور دوسرا جہالت ہے۔

۲۴۔ باب الورع میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ کثیرا ما کنت اسمع ابی یقول لیس من شیعتنا من لا یتحدث المخدرات بورعه فی خدورهن ولیس من اولیائنا من هو فی قریة فیها عشرة الاف رجل وفیهم من خلق الله اورع منه۔ میں اپنے والد بزرگوار سے بسا اوقات سنتا تھا کہ آپ فرماتے تھے۔ وہ ہمارا شیعہ نہیں جس کے متعلق پردہ دار عورتیں گھروں میں بیٹھ کر اس کی پاک دامنی کی گواہی نہ دیں۔ اور ہمارے موالیوں میں سے وہ نہیں کہ جس بستی میں وہ رہتا ہو۔ اس میں دس ہزار کی آبادی ہو اور ان میں کوئی آدمی اس سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

Imp.

۲۵۔ آپ نے فرمایا۔ لوگوں کو زبانی اپنی طرف دعوت نہ دو بلکہ پرہیزگاری کی کوشش نماز اور نیکی کر کے ان کو اپنی طرف جذب کرو۔

۲۶۔ آپ نے فرمایا۔ ہم اس کو مومن اور اپنا مرید نہیں سمجھتے جو تمام امور میں ہماری اتباع نہ کرے۔

→ ۲۷ آپ نے فرمایا۔ وہ ہم میں سے نہیں کہ جس شہر میں اس کی لکھو کھا کی آبادی میں اس سے کوئی دوسرا زیادہ پرہیزگار ہو۔

Imp →

۲۸۔ فرمایا۔ لوگوں کو اپنی طرف صرف زبانی دعوت نہ دو، بلکہ کونوا زینا ولا تکونوا شینا۔ ہماری زینت بنو اور ہمارے لئے داغ نہ بنو۔

۲۹۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے گروہ شیعہ! اے شیعانِ آل محمدؐ تم ایسی درمیانی جماعت بنو کہ غالی تمہاری طرف پلٹ آئے اور کوتاہی کرنے والا اور پیچھے رہا ہوا تمہیں تیز ہو کر مل جائے۔ سعد انصاری نے پوچھا۔ حضور غالی کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔ قوم یقولون فینا مالا نقوله فی انفسنا فلیس اولئک منا ولسنا منهم وہ لوگ جو ہمارے متعلق ایسے عقائد رکھتے ہیں جو ہم اپنے متعلق نہیں کہتے پس ایسے لوگ ہم میں سے نہیں ہیں اور نہ ہم ان سے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ پیچھے رہنے والے کون ہیں؟ تو فرمایا۔ وہ ہیں جو اچھائی کے امیدوار ہیں۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمانے

لگے واللہ ما معنا من اللہ براءۃ ولا بیننا وبین اللہ قرابۃ ولا لنا علی اللہ حجۃ ولا نتقرب الی اللہ الا بالطاعۃ فمن کان منکم مطیعا للہ تنفعہ ولایتنا ومن کان منکم عاصیا للہ لم تنفعہ ولایتنا ویحکم لاتفتروا ویحکم لاتفتروا۔ خدا کی قسم ہمارے پاس اللہ کی جانب سے کوئی برات نامہ نہیں ہے اور نہ ہماری اللہ سے کوئی رشتہ داری ہے اور نہ ہماری اللہ پر کوئی حجت ہے اور ہم نہیں قرب چاہتے اللہ سے مگر اطاعت کے ساتھ۔ بس تم میں سے جو اللہ کا اطاعت گزار ہوگا اس کو ہماری ولایت نفع دے گی اور تم میں سے جو اللہ کا نافرمان ہوگا۔ اس کو ہماری ولایت نفع نہ دے گی۔ تم پر وائے ہو۔ دھوکا نہ کھاؤ۔ تم پر وائے ہو دھوکا نہ کھاؤ۔

۲۰۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے جابر! کیا یہ کافی ہے کہ کوئی شخص تشیع کی طرف منسوب ہو کر ہم اہلبیتؑ کی محبت کا دعویٰ کرتا رہے۔ خدا کی قسم ہمارا شیعہ نہیں جو اللہ سے نہ ڈرتا ہو اور اس کی اطاعت نہ کرتا ہو۔ اور شیعہ نہیں پہچانے جاتے۔ اے جابر! مگر ان باتوں سے۔ تواضع، فروتنی، امانت، ذکرِ خدا، روزہ، نماز، والدین کے ساتھ نیکی، فقیر، مسکین، مقروض اور یتیم ہمسایوں کی خبر گیری، سچائی، تلاوتِ قرآن، زبان پر کنٹرول ..... الخ

جابر نے عرض کی۔ اے فرزند رسولؐ! پھر آج کل ان صفتوں والا ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا۔ اے جابر! تمہارا کس طرف خیال ہے؟ کیا یہ کافی ہے کہ ایک آدمی کہے۔ میں علیؑ سے محبت رکھتا ہوں اور اس کی ولاء کا قائل ہوں پھر عمل کوئی نہ کرے اگر اس کی بجائے یہ کہتا پھرے کہ جناب رسولِ خدا سے محبت رکھتا ہوں۔ وہ تو علیؑ سے بھی افضل تھے۔ پھر نہ ان کی سیرت پر چلے اور نہ ان کی سنت پر عمل کرے تو ان کی محبت ان کو کچھ نفع دیگی؟ خدا سے ڈرو اور اللہ کے لئے عمل کرو۔ خدا کی قسم! خدا کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا، مگر اطاعت کے ساتھ اور ہمارے پاس آتش جہنم کا کوئی برات نامہ نہیں ہے اور نہ کسی کی اللہ پر کوئی حجت ہے۔ پس جو اللہ کا فرمان بردار ہوگا تو وہ ہمارا دوست ہے اور جو اللہ کا نافرمان ہوگا وہ ہمارا دشمن ہے اور ہماری ولایت حاصل نہیں ہو سکتی مگر نیک اعمال کے ساتھ۔

۲۱۔ باب الصمت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ ان شیعتنا الخرس۔ ہمارے شیعہ گونگے ہوا کرتے ہیں۔ (بد زبان نہیں ہوتے)

۲۲۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت ابوذر کا مقولہ تھا۔ اے طالب علم! زبان نیکی اور بدی کی کنجی ہے۔ لہٰذا سونے و چاندی کی طرح اس پر مہر لگاؤ۔

۲۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جب تک مومن خاموش ہو تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ جب بولے گا تو پھر نیکی یا بدی لکھی جائے گی۔

۲۴۔ باب زیارۃ الاخوان میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے خثیمہ! میرے تمام شیعوں کو میرا

سلام پہنچا دینا اور ان کو یہ وصیت کرنا کہ اللہ سے ڈرو، دولت مند پر ضروری ہے کہ فقیر کی امداد کرے، طاقتور کمزور کی مدد کرے۔ زندہ لوگ مردوں کے جنازے پر حاضر ہوں اور ایک دوسرے کے گھروں میں جاکر زیارت کریں کیونکہ ایک دوسرے کو ملنا ہمارے دین کی زندگی کا باعث ہے اور خدا اس شخص پر رحم کرے، جو ہمارے طریقہ کو زندہ کرے۔ اے خثیمہ! ہمارے موالیوں کو کہہ دینا۔ ہم تمہارے اللہ سے کوئی ذمہ وار نہیں ہوں گے مگر نیک اعمال کے ساتھ اور ہماری ولایت کو نہیں پاؤ گے مگر پرہیزگاری کے ساتھ اور بروزِ محشر زیادہ حسرت ان لوگوں کو ہوگی جو عدل کی تعریف کو جانتے ہوں اور خود اس کے خلاف عمل پیرا ہوں۔

۲۵۔ باب المعاشرۃ:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں زید شحام سے فرمایا کہ جو بھی میری اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور میری بات مانتے ہیں ان کو سلام کہنا اور یہ پیغام پہنچا دینا کہ میں تمہیں تقویٰ پرہیزگاری، کوشش صدق، امانت، طول سجدہ، حقوقِ ہمسایہ کی پاسداری کی وصیت کرتا ہوں کہ رسولؐ خدا کا یہ دین ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ امانت ادا کرو۔ خواہ نیک کی ہو یا فاجر کی ہو اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ سوئی یا تاگا کی امانت ہو تو وہ بھی واپس کرو۔ نیز صلہ رحمی، تشییع جنازہ، بیمار پرسی اور حقوق الناس کی ادائیگی کیا کرو کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی اگر دین میں پرہیزگار، بات میں سچا، امانت کا ادا کرنے والا اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کرنے والا ہوگا اور ایسے شخص کے متعلق جب کہا جائے گا۔ ھٰذَا جَعْفَرِیٌّ۔ یہ جعفری ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے اور میں مسرور ہوتا ہوں کہ لوگ کہیں یہ جعفرؑ کی تعلیم و تربیت کا اثر ہے اور جب یہ صفتیں نہ ہوں تو اس کی مصیبت میرے اوپر آجاتی ہے اور میں شرمسار ہوتا ہوں۔ جب لوگ کہیں کہ یہ جعفرؑ کی تعلیم کا اثر ہے۔ خدا کی قسم مجھے اپنے والد بزرگوار نے بیان فرمایا کہ پورے قبیلے میں اگر ایک ہی علیؑ کا شیعہ ہو تو وہ اس قبیلے کی زینت ہو۔ امانت کے ادا کرنے والا، حقوق کو پورا کرنے والا، بات کا سچا اور ان کی وصیتوں اور امانتوں کا معتمد ہو کہ اگر اس قبیلے سے اس کے متعلق پوچھا جائے تو وہ (یک زبان) بول اٹھیں کہ باتوں کی سچائی اور ادائے امانت میں وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۲۶۔ ابوالربیع شامی سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ ہم میں سے نہیں جو غصہ کے وقت طبیعت پر قابو نہ پا سکے۔ الخبر

۲۷۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اپنوں کی عزت و توقیر کرو۔ ایک دوسرے سے مت لڑو۔ ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور بخل سے بچو اور اللہ کے مخلص بندے بن جاؤ۔

۲۸۔ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص والدین کی طرف ناراضگی کی نگاہ اٹھائے خواہ انہوں نے اس پر ظلم بھی کیا ہو تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

۲۹۔ آپ نے فرمایا۔ دینی بھائی کی لغزشیں اور عیوب ڈھونڈنا تاکہ اس کو ان کا طعنہ دیا جائے۔ یہ انسان کو کفر

کے قریب کر دیتا ہے۔

۴۰۔ آپ نے فرمایا۔ جو شخص کسی مومن کی دوسروں کے سامنے ایسی بات کرے جس سے اس کا وقار ختم ہو جائے اور اس کی نیت بھی یہی ہو تو وہ خدا کی ولایت (محبّت) سے خارج ہوگا اور شیطان کی ولایت میں داخل ہوگا۔

۴۱۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی مومن اپنے برادر ایمانی کی طرف اپنی کوئی حاجت لے جائے اور وہ اس کی خیر خواہی نہ کرے تو اس نے خدا اور رسولؐ کی خیانت کی۔

۴۲۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی مومن دوسرے مومن کی طرف اپنی حاجت لے جائے اور وہ اس کے لئے اس میں اپنی پوری کوشش نہ کرے تو اس نے خدا اور رسولؐ و مومنوں کے ساتھ خیانت کی۔

۴۳۔ فرمایا۔ ہمارے شیعوں میں سے کوئی اگر اپنے شیعہ بھائی کی طرف حاجت لے جائے اور باوجود کر سکنے کے نہ کرے تو خدا اس کو حوائج میں مبتلا کرے گا۔

۴۴۔ آپ نے فرمایا۔ اگر کوئی مومن کسی چیز کی حاجت رکھتا ہو اور دوسرا مومن باوجود پورا کر سکنے یا کرا سکنے کے اس کو اس سے محروم کرے تو بروز قیامت اس کا چہرہ سیاہ ہوگا۔ آنکھیں ترچھی ہوں گی اور ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے اور اسی حالت میں میدانِ محشر میں پیش ہوگا اور اعلان کیا جائے گا یہ وہ شخص ہے جس نے خدا اور رسولؐ کی خیانت کی پھر جہنّم میں اس کو بھیجا جائے گا۔

۴۵۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ جس شخص کے پاس مومن کوئی حاجت لے کر آئے تو وہ سمجھے خدا کی رحمت آئی ہے جو خدا نے بھیجی ہے۔ اگر وہ اس کو قبول کرلے تو ہماری ولایت سے وہ مل گیا اور ہماری ولایت اللہ کی ولایت سے ملی ہوئی ہے اور اگر اس کو اپنی حاجت سے محروم کرے۔ حالانکہ پوری کر سکتا ہو تو خدا اس پر اس کی قبر میں ایک اژدہا مسلّط کرے گا جو تا روز قیامت اس کو نوچتا رہے گا۔ خواہ آئندہ کے لئے وہ شخص مغفور ہو یا معذب ہو۔

۴۶۔ روی السید المرضی (رضی الله عنه) فی الغرر والدرر عن علی (علیه السلام) انه رای قوما علی بابه فقال یا قنبر! من هؤلاء؟ فقال قنبر هؤلاء شیعتك۔ فقال مالی لا اری فیهم من سیما الشیعة قال وما سیما الشیعة۔ قال خمص البطون من الطوی ذبل الشفاه من الظماء عمش العیون من البکاء۔

(مرآۃ العقول، باب علامات مومن، جلد ۳، صفحہ ۲۰۹)

سیّد رضی (رضی اللہ عنہ) نے الغرر والدرر میں حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے اپنے دروازہ پر کچھ لوگ دیکھے۔ قنبر سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کے شیعہ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے تعجب ہے کہ ان میں شیعہ کی کوئی نشانی نظر نہیں آتی۔ اس نے پوچھا کہ حضور! شیعہ کی نشانیاں کیا ہیں؟

تو آپ نے فرمایا۔

۱۔ بھوک سے پیٹ کا پشت سے ملا ہوا ہونا یعنی پیٹ بھرنے کے بعد چونکہ انسان کی طبیعت سُست اور بوجھل ہو جاتی ہے۔ پس وہ عبادت سے جی چرانے لگتا ہے۔ پس اتنا کھائے جو تدبیر بدن کے لئے کافی ہو اور خدا کا شکر ادا کرے اور یہ بھی مقصد ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ رزقِ حلال پر اکتفا کرتے ہیں اور حرام کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے۔

۲۔ پیاس سے ہونٹ خشک ہونا اس سے مراد روزہ دار ہونا ہے۔

۳۔ خوفِ خدا میں رو رو کر بینائی کا کمزور ہو جانا۔

اگرچہ اس مطلب سے طول کافی ہو گیا ہے لیکن افادہ کے لئے مومنین کی صفات بیان کی ہیں جو آئمہ کے فرامین میں سے مشتے نمونہ از خروارے اور یک دانہ از انبار بلکہ یک ذرّہ از ریگ زار اور یک قطرۂ از بحرِ ذخار کی حیثیت سے ہے۔ خداوندکریم ہمیں ان صفات سے متصف ہونے کی توفیق مرحمت فرمادے۔

تذکرہ

عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ قوموں کی طرح شیعہ یا مومن بھی ایک قوم ہے۔ جس طرح سیدؔ، پٹھان، بلوچ وغیرہ قومیں ہیں۔ سید کے گھر پیدا ہونے والا سید ہی ہے۔ اسی طرح بلوچ، پٹھان کے گھر پیدا ہونے والا بلوچ پٹھان ہی بنتا ہے۔ وَعَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس۔ یہاں بھی یہ سمجھ لیا گیا کہ شیعہ یا مومن ماں باپ کے گھر میں پیدا ہونے والا ہر بچّہ شیعہ یا مومن ہوا کرتا ہے خواہ اس کے کردار کفر کے آئینہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ صرف علی علی کرنا شیعہ بننے کا معیار ہے اور بس۔ اس غلط فہمی کی اصل بنیاد تو ہے جہالت۔ لیکن جبّہ و عبا و قبا و عمامہ پہننے والے بعض مدعیانِ علم اس بے ہودہ خیال کو مسلّمہ حقیقت ثابت کرتے سنائی دیتے ہیں اس لئے اس غلطی کے ازالے کو ضروری سمجھ کر احادیث آئمہ کی نقل کی ہیں تاکہ یہ بات خوب ذہن نشین ہو جائے کہ خاندانوں کی طرح شیعہ ایک خاندان کا نام نہیں کہ اس میں پیدا ہونے والا شیعہ ہو گا صرف علیؑ کا نام جپنا شیعہ ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ شیعہ مذہب عقائد اور اعمال و کردار کے مجموعہ کا نام ہے۔ جس میں یہ پائے جائیں گے وہی شیعہ کہلانے کا حقدار ہو گا اس میں شک نہیں کہ صرف اعمال و کردار کی اصلاح ہی نجات اخروی کے لئے کافی نہیں۔ جس طرح کہ صرف نام سے محبت اور کام سے نفرت ناکافی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ کوشش جاری رکھے اور حتی الامکان حرام سے بچے اور واجبات کو ترک نہ کرے۔ نیکی کو نیکی سمجھے اور برائی کو برائی سمجھے۔ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کی طرف مائل ہو۔ پھر اگر کچھ لغزشیں نامۂ اعمال میں رہ جائیں گی۔ تو محبت علیؑ وہ کمی پوری کر دے گی اور ولاءِ علیؑ کی بدولت انسان جہنم سے نجات پا کر جنّت خلد میں جا پہنچے گا۔

قبر میں ولاءِ علیؑ، پل صراط پر ولاءِ علیؑ، محشر میں ولاءِ علیؑ اور ہر مشکل مقام پہ ولاءِ علیؑ حقیقت میں نجات کا باعث ہو سکتی

ہے لیکن یاد رہے کہ انسان کی زبان صرف ولاءِ علیؑ کا دم بھرے اور جسم کے باقی اعضاء یزیدیت کی ترجمانی کریں تو اس کا نام شیعہ ہونا نہیں بلکہ شیعہ علیؑ وہ ہے جس کا سر تا پا بدن کا جوڑ جوڑ، عضو عضو، رگ رگ، پٹھہ پٹھہ، ہڈی ہڈی، بال بال اور اس کے خون کا قطرہ قطرہ علیؑ علیؑ پکارے۔ یعنی اس کا کردار سیرتِ علیؑ کا آئینہ دار ہو۔

نورانی لطیفہ

اصول کافی، باب مولد امیر المومنین میں منقول ہے کہ والدہ ماجدہ جناب امیر علیہ السلام حضرت فاطمہ بنت اسد جس نے مکہ سے مدینہ تک پاپیادہ ہجرت فرمائی اور جناب ابوطالبؑ کے بعد تمام لوگوں سے حضرت رسالتمآبؐ کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دی۔ حضورؐ نے ایک وعظ میں فرمایا کہ بروزِ محشر لوگ برہنہ محشور ہوں گے تو بی بی غمناک ہوئی۔ واسوأتاہ حضورؐ نے وعدہ فرمایا کہ تیرے پاس لباس ہوگا اور میں اللہ سے سفارش کروں گا۔ پھر آپ نے ایک دن فشارِ قبر کا ذکر کیا تو بی بی نے فریاد کی۔ واضعفاہ آپ نے اس کی بھی ضمانت دی۔ اچھا وقت گزرتا رہا۔ ایک دن حضورؐ تشریف فرما تھے کہ حضرت علیؑ روتے ہوئے آئے۔ آپ کے دریافت کرنے پر بتایا کہ میری والدہ ماجدہ کا دنیا سے انتقال ہوگیا ہے۔ حضورؐ بہ نفس نفیس فوراً تشریف لے گئے۔ اور عورتوں کو غسل پر مامور کیا اور فرمایا جب غسل سے فارغ ہو تو مجھے اطلاع دینا چنانچہ عورتوں نے غسل کی تمامیت کی اطلاع دی۔ آپ نے اپنی قمیص اتار کر ان کے حوالہ فرمائی کہ یہ ان کو بطور کفن پہنائی جائے۔ پھر مسلمانوں کو حکم دیا کہ آج مجھ سے جو نیا کام صادر ہوا اس کی وجہ پوچھ لینا۔ پس جب کفن پہنایا جا چکا تو حضورؐ نے بہ نفس نفیس جنازہ کو کندھا دیا اور قبر تک جنازہ کے نیچے رہے۔ قبر کے کنارے اتار کر پہلے خود قبر میں اترے اور باہر آکر خود میت کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر قبر میں اتارا۔ میت کے کانوں سے اپنے منہ مبارک کو قریب کر کے بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور آخر میں کہا۔ اِبْنُكِ۔ اِبْنُكِ۔ یعنی تیرا فرزند۔ تیرا فرزند۔ پس باہر تشریف لائے اور قبر کو بند کیا گیا۔ پھر قبر پر بہت دیر تک روتے رہے اور یہ کہا۔ لا الٰہ الا اللہ۔ اللّٰھم انی استودعھا ایاک اور قبر کو وداع کیا۔ واپسی پر مسلمانوں نے پوچھا کہ آج آپ نے وہ کام کئے جو آج سے پہلے کبھی نہ کئے تھے تو آپ نے فرمایا۔ آج ابوطالبؑ کے احسانات سے میں بالکل محروم ہوگیا ہوں۔ یہ مجھے ہر چیز میں اپنے اور اپنے بچوں کے اوپر ترجیح دیا کرتی تھی۔ میں نے ایک روز قیامت کا ذکر کیا تھا تو اس نے اضطراب ظاہر کیا تھا اور میں نے اس کی ضمانت دی تھی کہ تم ملبوس ہوگی اور میں نے فشار قبر کا ذکر کیا تو گھبرا گئی تھی تو میں نے ضمانت دی تھی کہ خدا کفایت فرمائے گا۔ انہی دو باتوں کے لئے میں نے کفن کے طور پر قمیص دی اور فشار قبر کے لئے قبر میں خود لیٹا اور جب سوال و جواب کا وقت آیا تو میں نے اور قریب جا کر اس کو تلقین کی چنانچہ رب اور رسولؐ کے متعلق اس نے جوابات دیئے جب ولی اور امام کا سوال ہوا تو گھبرا گئی۔ اس لئے میں نے کہا۔ اِبْنُكِ۔ اِبْنُكِ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا سے جانے کے بعد پہلی منزل ولائے علیؑ کے بغیر نہایت مشکل ہے اور جب ولائے علیؑ کے بغیر علیؑ کی اپنی اماں کا گزارا نہیں ہو سکتا تو مومنوں کی اماں کا گزارا کیسے ہوگا۔ حالانکہ علیؑ تو مومنوں کے امیر ہیں۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ

جس طرح تجھے نکالا تیرے رب نے تیرے گھر سے ساتھ حق کے اور تحقیق ایک گروہ

الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝٥ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا

مومنوں کا ناپسند کرنے والا تھا جھگڑتے ہیں تجھ سے حق میں بعد اس کے کہ واضح ہو چکی بات گویا کہ

يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝٦ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ

وہ چلائے جاتے ہیں طرف موت کے کہ اسے دیکھ رہے ہیں اور جب وعدہ کرتا تھا تم سے اللہ ایک گروہ کا

كَمَآ اَخْرَجَكَ ۔ اس کاف حرف جار کے متعلق اختلاف ہے (۱) بعض کہتے ہیں قُلِ الْاَنْفَالُ الایہ کے مدلول پر عطف ہے۔ یعنی نزعها مِنْ اَيْدِيْهِمْ بِالْحَقِّ كَمَآ اَخْرَجَكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ یا اس طرح اَلْاَنْفَالُ ثَابِتٌ لِلّٰهِ مِثْلَ مَا اَخْرَجَكَ (۲) يُجَادِلُوْنَ کے ساتھ متعلق ہے یعنی يُجَادِلُوْنَكَ بِالْحَقِّ كَمَا كرهو اخراجك اور ہر صورت میں معنی خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا۔ انفال کو ان کے ہاتھوں سے لے لیا ساتھ حق کے۔ جس طرح تمہیں گھر سے یعنی مدینہ سے جنگ بدر کے لئے نکالا ساتھ حق کے یعنی اس کو بھی وہ ناپسند کرتے تھے اور اس کو بھی لیکن خدا ان کا پابند نہیں ہے۔ وہ وہی کرتا ہے جو زیادہ مناسب اور اچھا ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ سے جھگڑتے ہیں حق بات میں جس طرح کہ مدینے سے نکلتے وقت جھگڑا کرتے تھے۔

بِالْحَقِّ ۔ یعنی وحی کے ماتحت ہی خروج تھا جس کو وہ ناپسند کرتے تھے۔

يُجَادِلُوْنَكَ ۔ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ آپ اپنی مرضی سے کام نہیں کرتے بلکہ وحی خدا ہوتی ہے۔ نیز معجزات کو دیکھ کر بھی وہ آپ کی صداقت پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ سختیوں سے گھبرا کر گھر میں بیٹھنے کے بہانے بناتے ہیں اور آگے جانا اس طرح سمجھتے ہیں گویا موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔

جنگ بدر کا قصّہ

واقعہ یہ ہوا کہ ابوسفیان چالیس اونٹ کا قافلہ لے کر شام سے واپس پلٹ رہا تھا اور اونٹوں پر قریش کا کافی مال بار تھا۔ حضورؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ابوسفیان سے جا کر وہ مال زبردستی لے لو۔ بعضوں نے تو کھلے دل سے لبیک کہی اور بعض نے بوجھ محسوس کیا۔ پس وہ چار و ناچار نکلے ان کا ارادہ صرف ابوسفیان کے قافلے کا مال لینا ہی تھا۔ اُدھر ابوسفیان کو خبر ہو گئی تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ روانہ کیا۔ تاکہ قریش کو حقیقتِ حال کی خبر دے۔

اِدھر عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ضمضم کے پہنچنے سے تین دن پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی شتر سوار آلِ غالب کو پکارتا

اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ

کہ وہ تمہارے لئے ہوگا اور تم چاہتے تھے کہ غیر صاحب مشقت ہو، تمہارے لئے اور اللہ

اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ

چاہتا تھا کہ حق کو حق ثابت کرے ساتھ اپنے کلمات کے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی تاکہ ثابت کرے حق

الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ

کو اور مٹا دے باطل کو اگرچہ ناپسند کریں مجرم جب تم فریاد کرتے تھے

ہے کہ موت کی طرف تیاری کرو۔ پھر وہ کوہ ابوقبیس پر پہنچا اور وہاں سے ایک پتھر کو اٹھا کر توڑا کہ وہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور تمام مکے کے گھروں میں اس کا ایک نہ ایک کنکرہ پہنچا اور وادی مکہ خون سے پُر ہوگئی۔ پس وہ گھبرا کر بیدار ہوئی اور عباسؓ کو خبر دی۔ عباسؓ نے عتبہ بن ربیعہ سے تعبیر دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ شاید قریش پر کوئی مصیبت نازل ہونے والی ہے اور یہ خواب تمام قریشیوں میں عام شائع ہوا۔ ابوجہل نے ازراہِ عناد کہا کہ بنی ہاشم میں یہ ایک دوسری نبیہ پیدا ہوئی ہے۔ لات وعُزّیٰ کی قسم اگر تین دن تک اس کے خواب کی صداقت نہ معلوم ہوئی تو ہم ایک عہد نامہ لکھیں گے کہ بنی ہاشم کے مردوں اور عورتوں سے عرب بھر میں کوئی زیادہ جھوٹا نہیں ہے۔

جب تیسرا دن ہوا تو ضمضم آن پہنچا اور اس نے بآوازِ بلند صدا دی۔ اے آلِ غالب! اپنے قافلے کی خبر لو! کہ محمدؐ اور یثرب کے لوگ جو تمہارے دین کے دشمن ہیں مل کر ان سے مال و زر لوٹنا چاہتے ہیں۔ پس تمام اکابر قریش تیار ہوئے اور اعلان کر دیا کہ جو نہ جائے گا اس کا گھر گرا دیا جائے گا چنانچہ بنی ہاشم میں سے حضرت عباس بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابی طالب بھی ان کے ہمراہ تھے پس قریش پوری تیاری کر کے گانے والی عورتوں کو ہمراہ لے کر شراب پیتے اور دفیں بجاتے ہوئے مکہ سے روانہ ہوئے۔

ادھر جناب رسالتمآبؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ہمراہ کل تین سو تیرہ آدمی تھے۔ جبریل نے آکر قریش مکہ کی روانگی کی اطلاع بھی دے دی تو حضورؐ نے اپنے صحابہ سے دو میں سے ایک کے اختیار کرنے کا مشورہ طلب کیا جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ۔ ترکیب کے لحاظ سے اَنَّهَا لَكُمْ۔ محلاً منصوب ہے کیونکہ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ سے بدل ہے یعنی اِنَّ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ لَكُمْ کہ خدا کا وعدہ ہے کہ ان دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لئے ہے۔ ایک گروہ ابوسفیان والا جن کے پاس قیمتی مال و متاع تھا اور دوسرا گروہ مکہ سے آنے والوں کا تاریخوں میں پہلے گروہ کو عیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسرے گروہ کو نفیر یعنی کوچ کرنے والا کہا گیا ہے۔

رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

اپنے رب سے تو قبول کی ۔ اس نے تمہاری دعا کہ میں مدد کروں گا تمہاری ساتھ ایک ہزار

مُرْدِفِیْنَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ

فرشتوں کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے اور انہیں کیا اس کو مگر خوش خبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس پر تمہارے دل

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۰﴾

حالانکہ نہیں ہوتی مدد مگر جانب خدا سے تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے

وَتَوَدُّوْنَ ۔ مسلمان پہلے گروہ کو چاہتے تھے یعنی عیر کو کہ وہ آسان تھا اور اس میں غنیمت کی کافی توقع تھی۔ گویا فائدہ ہی فائدہ تھا کیونکہ وہ تھوڑے سے تھے اگر لڑنے کی ضرورت ہوتی تو بھی وہ آسان تھا اور دوسرا گروہ تکلیف دہ تھا اور وہ صاحبِ شوکت تھا اس لئے باعثِ مشقت تھا۔ اب مسلمانوں کی مرضی عیر کی طرف تھی اور حضورؐ کی خواہش نفیر کی طرف تھی کیونکہ یہ ذرا مشکل تھا اور حضور دو کاموں میں سے مشکل کو ہی اختیار فرماتے تھے۔

وَیُرِیْدُ اللّٰهُ ۔ یعنی، خدا وہ چاہتا ہے جس میں تمہاری بہتری ہو اور وہ چاہتا ہے کہ اسلام کا بول بالا اور اہلِ اسلام کے پاس شوکت و حشمت ہو۔ پس حق حق ہو اور باطل باطل ہو۔

چنانچہ آپ نے جب صحابہ سے مشورہ طلب کیا تو حضرت ابوبکر اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی حضور! قریش متکبر لوگ ہیں۔ یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں اور یہ کسی کے سامنے مطیع ہونا پسند نہیں کرتے۔ آپ لڑائی کے لئے تیار ہو کر تو نکلے نہیں ہیں۔ (تاکہ کفار مکہ کا مقابلہ کر سکیں) میں ابوسفیان کے قافلہ والوں کا راستہ خوب جانتا ہوں۔ یعنی انہی کا تعاقب کیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ وہ بیٹھے تو حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بھی اسی پہلے کی طرح مشورہ پیش کیا کہ عیر کی طرف ہی جایا جائے اور نفیر یعنی قریش مکہ سے لڑنے کا خیال ترک کر دیں کیونکہ ہماری تیاری نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ چنانچہ وہ بھی بیٹھ گئے۔ پس مقداد بن اسود کھڑا ہوا اور عرض کی۔ حضور! ہم سچے دل سے ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور ہمیں پتہ ہے کہ آپ کی ہر بات حق ہے۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں غضا کے انگاروں میں اور ببول کے خاروں میں پا برہنہ گھسنے کا حکم دیں تو آپ کے ساتھ گھسنے کو تیار ہیں۔ ہم آپ کو وہ الفاظ ہرگز کہنے کو تیار نہیں جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہے تھے۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۔ تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو۔ ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں۔ اِمْضِ لِاَمْرِ رَبِّكَ اِنَّا مَعَكَ مُقَاتِلُوْنَ ۔ آپ اپنے رب کے حکم کی اطاعت کریں اور ہم آپ کے ہمراہ جان توڑ کر لڑنے کیلئے تیار ہیں۔ حضورؐ نے مقداد

کی ایمان افروز تقریر سن کر اس کو جزائے خیر کی دعا دی۔ پھر انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم بھی کچھ کہو کیونکہ انصار نے بیعت عقبہ کے وقت پہلے سے کہہ دیا تھا کہ آپ ہمارے گھر آئیں گے تو آپ کے ذمہ دار ہم ہوں گے اور اپنے بچے عورتیں دے کر بھی آپ کی حفاظت کریں گے۔ آپ کی منشا یہ تھی کہ مبادا یہ نہ کہہ دیں کہ ہمارا تو مدینہ شہر کے اندر اندر آپ کی نصرت کا وعدہ تھا۔ اس لئے ان سے مشورہ طلب کیا تو سعد بن معاذ کھڑا ہوا۔ اور اس نے عرض کی۔ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کی تصدیق کر چکے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ حق ہوتا ہے۔ آپ کا پہلے ارادہ کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہے اگر پہلے سے پتہ ہوتا تو مدینہ میں ہم ایسے لوگ چھوڑ آئے ہیں جو ہم سے زیادہ جنگجو تھے ہم اس سے پہلے کبھی لڑائی کے لئے میدان میں نہیں اترے اور نہ اس کا طریقہ جانتے ہیں لیکن اب آپ جو حکم دیں ہم اس کے لئے حاضر ہیں۔ مالی امداد چاہیں تو ہمیں عذر نہیں اور اگر حکم دیں کہ سمندر کی موجوں میں اترنا ہے تو انکار نہ کریں گے اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے وہ کام سرزد ہو جس سے حضورؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اللہ کی برکت سے چلئے ہم آپ کے ہمرکاب ہیں۔ پس آپ روانہ ہوئے اور فرمایا۔ کہ خدا نے ان دو گروہوں میں سے ایک کا ہمیں وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمارا ہوگا۔ یعنی تم اس پر غالب ہو گے۔ اور خدا اپنے کئے ہوئے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور فلاں فلاں آدمی مارے جائیں گے۔ پس کوچ کا حکم دیا اور بدر کا رخ کیا اور ابوحمزہ ثمالی کی روایت میں ہے بدر ایک شخص کا نام تھا اور اس کا وہاں ایک کنواں تھا جو اسی کے نام کے ساتھ مشہور تھا۔

اس طرف قریش بھی قریب آن پہنچے۔ انہوں نے اپنے غلام پانی بھرنے کے لئے بھیجے۔ صحابہ نے ان کو پکڑ لیا اور پوچھا تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہم قریشیوں کے غلام ہیں۔ انہوں نے پوچھا۔ ابوسفیان کا قافلہ کہاں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں کیا پتہ؟ پھر صحابہ نے ان کو مارنا شروع کیا حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا چونکہ یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ اس لئے ان کو مارتے ہو اور اگر جھوٹ کہہ دیں تو ان کو چھوڑ دو گے۔ پس وہ ان کو حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ ان کی تعداد کس قدر ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہمیں صحیح معلوم نہیں۔ آپ نے پوچھا ہر روز کتنے اونٹ نحر کئے جاتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا نو یا دس تو آپ نے فرمایا کہ نو سو سے ایک ہزار تک ان کی تعداد ہے۔ پس آپ کے حکم سے ان کو قید کر لیا گیا۔ قریشیوں کو یہ اطلاع پہنچی تو گھبرا گئے اور بہت خوفزدہ ہوئے۔

بدر سے ابھی ایک شب کا سفر باقی تھا کہ حضورؐ نے دو آدمی بھیجے تاکہ ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لائیں تو وہ دونوں بدر کے پانی پر پہنچے۔ پانی خوب شیریں تھا۔ وہاں دو عورتوں کو دیکھا کہ ایک دوسری کے دامن کو پکڑ کر اس سے ایک درہم کا مطالبہ کرتی تھی۔ جو اس نے دینا تھا تو اس نے جواب دیا کہ کل قریش کا قافلہ فلاں مقام پر

فروکش تھا اور کل تک یہاں پہنچ جائے گا۔ میں ان کی مزدوری کر کے تجھے اپنا قرضہ چکا دوں گی۔ پس ان دونوں نے یہ بات سن کر واپس حضورؐ کو بیان کی۔

ادھر ابوسفیان جب بدر کے قریب پہنچا تو قافلہ کو روک کر اکیلا خود بدر پر آیا اور وہاں کے مقیم ایک قبیلہ جہینہ کے آدمی کسب نامی سے محمد مصطفیٰ کی خبر پوچھی۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی۔ ابوسفیان نے لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر تو نے سچ نہ بتایا تو قریشیوں کی تیرے ساتھ ہمیشہ کی دشمنی ہو جائے گی۔ کیونکہ اس قافلہ میں تمام قریش کا تھوڑا بہت حصہ موجود ہے تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے محمدؐ کی کوئی خبر نہیں البتہ آج یہاں دو شتر سوار میں نے دیکھے ہیں جو کچھ دیر ٹھہر کر واپس چلے گئے ہیں۔ ابوسفیان نے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ سے مینگنیاں اٹھائیں اور ہاتھ میں ملا تو کھجور کی گٹھلی نکلی کہنے لگا کہ یثرب کے گھاس کی نشانی ہے۔ یہ لوگ محمدؐ کے جاسوس ہی ہوں گے۔ واپس آکر قافلہ کو ساحل سمندر کا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا اور یہ راستہ چھوڑ کر تیزی سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر جبرئیلؑ نے خبر دے دی کہ قافلہ تو ہاتھوں سے نکل گیا ہے اور قریش ابھی پہنچنے والے ہیں۔ آپ جہاد کریں اور خدا کا وعدۂ نصرت ہے۔ پس صحابہ کی آزمائش کے لئے ان کو واقع کی خبر دی۔ اس وقت ماء الصفراء پر آپ کا نزول تھا۔

ادھر قریش میں خوف وہراس طاری ہو گیا تھا۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ ابوالبختری کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ ہم نے بڑی زبردست غلطی کی ہم صرف اپنے قافلے کی حفاظت کے لئے آئے تھے۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ نکل گیا ہے اور ہم ازراہ بغاوت وسرکشی یہاں کود پڑے ہیں اور خدا کی قسم بغاوت کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ قافلہ میں اولاد عبدالمناف کا جس قدر مال ہے۔ سب کا چلا جانا منظور ہے لیکن یہ اقدام نامنظور ہے۔ ابوالبختری نے جواب دیا۔ تو قریش کے سرداروں میں سے ہے۔ قافلہ کے مال کی ضمانت دے دو۔ عتبہ نے کہا۔ ابوجہل سے جا کر اس کا ذکر کرو چنانچہ ابوالبختری ابوجہل کے پاس آیا اور کہا مجھے عتبہ نے بھیجا ہے۔ ابوجہل نے غصہ سے کہا کہ اس کو تیرے علاوہ کوئی آدمی نہیں ملتا تھا۔ ابوالبختری نے جواب دیا اگر کوئی دوسرا آدمی مجھے بھیجتا تو میں نہ آتا لیکن عتبہ قریش کا سردار ہے۔ اس کا کہنا کس طرح ٹھکراتا؟ ابوجہل کو دوبارہ غصہ آیا۔ کہ ہائیں! وہ قریش کا سردار ہے؟ ابوالبختری نے کہا۔ صرف میں تو نہیں کہتا۔ سارے قریشی اسی کو سردار جانتے ہیں اور وہ قافلے کے مال کی ضمانت دیتا ہے۔ ابوجہل نے جواب دیا۔ عتبہ زبان دراز آدمی ہے اور وہ عبدالمناف کی اولاد سے ہے۔ یہ محمدؐ کی خیرخواہی چاہتا ہے کیونکہ اس کا بیٹا اس کے ہمراہ ہے۔ لات وعزیٰ کی قسم! ہم یثرب میں جا کر ان پر حملہ کریں گے اور ان کو قید کر کے مکہ لے جائیں گے۔ تاکہ تمام عرب میں اس بات کا چرچا ہو۔ عتبہ کا بیٹا ابوحذیفہ جناب رسالتمآب کے ہمراہ تھا اور ابوجہل نے کہا میں اس کے خلاف کوئی دوسرا مشورہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

مسلمانوں کو جب یہ اطلاع پہنچی تو نہایت گھبرائے اور روئے۔ چنانچہ یہ آیت اتری۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ[لہ] یعنی تم خدا

لہ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ یہ آیت صفحات ۱۶۷/۱۶۹ پر لکھی گئی اور یہاں اس کی تفسیر بیان ہوئی ہے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً
جب غالب کرتا تھا تم پر اونگھ کو آرام کے لئے اور اتارتا تھا تم پر آسمان سے بارش
لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ
تاکہ تم کو پاک کرے ساتھ اس کے اور دور کرے تم سے شیطانی وسوسہ اور مضبوط کرے تمہارے
قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ
دلوں کو اور ثابت کرے قدموں کو جب کہ وحی کی تھی تیرے رب نے فرشتوں کو

سے فریاد کرتے تھے اور طلب نصرت کرتے تھے تو خدا نے تمہاری دعا کو مستجاب فرمایا کہ میں ایک ہزار فرشتے سے تمہاری مدد کروں گا کہ ان کے پیچھے ایک ہزار دوسرا ہوگا اور مُرْدِفِیْنَ کا یہی مطلب بتایا گیا ہے اور فرمایا: وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ اور فرشتوں کی امداد صرف تمہاری خوشنودی کے لئے تھی اور تمہاری تسکین قلب کی خاطر ہی تھی ورنہ کافروں کی تباہی کے لئے تو صرف ایک فرشتہ ہی کافی تھا۔ جس طرح پوری قوم لوط کو فرشتہ کا ایک پر ہی الٹنے کے لئے کافی ہوا تھا اور سورۂ آل عمران میں جو تین ہزار یا پانچ ہزار کی تعداد کا بیان ہے۔ اس کی اس جگہ سے کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ یہاں بھی مُرْدِفِیْنَ کا معنی ہے۔ ہزار کے پیچھے ہزار خواہ جتنے ہزار بھی ہوں، تو یہ الفاظ ان پر صادق آسکتے ہیں، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ہزار کا لفظ کثرت مطلقہ کے بیان کے لئے ہو جس طرح کہا جاتا ہے۔ میں نے ہزار بار تمہیں یہ کہا۔ یعنی بہت دفعہ کہا۔

رکوع نمبر ۱۶

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ :۔ اس کی وضاحت چوتھی جلد میں ہو چکی ہے۔ یہ نیند صرف امن و اطمینان حاصل کرنے کے لئے تھی، کیونکہ خوفزدہ آدمی کو تو نیند آہی نہیں سکتی اور نیند نہ آنے سے طبیعت پر بوجھ پڑ جاتا ہے خدا نے نیند کو غالب کر دیا تاکہ پچھلی سفر کی تکان ختم ہو جائے اور لڑنے کے لئے طبیعتوں پر بوجھ نہ رہے اور دشمنوں پر ایک قسم کا رعب طاری ہو جائے۔

یُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ :۔ چونکہ کفار لوگ پانی پر پہنچ کر قبضہ جما چکے تھے۔ مسلمان بعد میں پہنچے تو ان کو پانی سے دور ریگ کے ٹیلوں پر ٹھیرنا پڑا۔ ان کو دو تکلیفیں درپیش ہوگئیں۔ ایک پانی کی کمی اور دوسری ریگ میں ان کے پاؤں دھنس جاتے تھے اور لڑائی کے لئے یہ چیز ان کے لئے بزدلی کا باعث تھی۔ پس خداوند کریم نے بارش نازل فرمائی۔

اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا			
کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس ثابت کرد ان کو جو ایمان لائے۔ عنقریب ہم ڈالیں گے ان کے دلوں میں جو کافر			
الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ			
ہیں۔ رعب کو پس مارو گردنوں پر اور مارو ان کے ہاتھوں اور			
بَنَانٍ ؕ ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ			
پاؤں پر کیونکہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرے اللہ اور رسول کی			

جہاں ایک طرف پانی کی کمی کی شکایت رفع ہوگئی۔ دوسری طرف زمین پیر جمانے کے قابل ہوگئی اور کفار کی طرف دلدل ہو جانے سے ان کی کمزوری میں بارش اضافہ کا باعث ہوگئی۔

لِیُطَهِّرَكُمْ منہا:۔ بعض صحابہ کو احتلام ہوگیا تو شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسے ڈالنے شروع کر دیئے پس بارش نے جہاں ان کو غسل کرنے کا موقع دے کر پاک و صاف کر دیا۔ وہاں وساوس شیطانیہ سے بھی نجات دلوادی اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ بارش کا پانی پیا کرو۔ بدن کو پاک کرتا ہے اور بیماری کو دور کرتا ہے۔

اِذْ یُوْحِیْ منہا:۔ یعنی فرشتوں کو حکم خدا ہوا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اب تم مومنوں کو ثابت کرو۔ یعنی ان کو امداد و نصرت کی خوشخبری دو۔ تاکہ وہ ثابت قدم رہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں فرشتہ صف کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا تھا اور بآواز بلند مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

فَاضْرِبُوْا:۔ یہ خطاب ممکن ہے فرشتوں سے ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومنوں کو حکم ہو۔ یعنی تم کو ان پر پورا غلبہ حاصل ہوگا۔ چاہے سروں پر مارو ان کو یا ان کے ہاتھ پیر کاٹتے جاؤ۔ بنان انگلیوں کے پوروں کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں ہاتھوں اور پاؤں سے کنایا کیا گیا ہے۔

آغاز جنگ

صبح سویرے حضورؐ نے صحابہ کو لڑائی کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔ کل تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جن میں صرف دو گھوڑے تھے ایک زبیرؓ کے پاس یا بہ اختلاف روایت مرثد بن ابی مرثد کے پاس دوسرا مقداد کے پاس اور لشکر میں کلیہ ستر اونٹ تھے کہ دو دو یا تین تین آدمی باری باری ان پر سوار ہوتے تھے۔ ان قریشیوں کے پاس چار سو گھوڑے تھے یا باختلاف روایت ایک سو گھوڑے تھے۔ جب انہوں نے صحابہ رسولؐ کی قلت دیکھی تو ابوجہل کہنے لگا۔ یہ تو ایک لقمہ ہے اگر ہم اپنے غلاموں کو حکم دیں تو وہ بھی ان کو زندہ گرفتار کر کے لے آئیں گے۔ عتبہ نے کہا ممکن ہے انہوں نے کچھ فوج کمین گاہ میں بٹھا رکھی ہو۔ چنانچہ عمرو بن وہب

جمحی جو بڑا بہادر اور شہ سوار تھا۔ اس نے گھوڑا دوڑا کر فوج اسلام کا جائزہ لیا اور قریش کو آ کر اطلاع دی۔ کہ ان کی کمین گاہ میں تو کوئی فوج ووج نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یثرب کے اونٹ ہماری طرف موت تلخ کو اٹھا کر لائے ہیں۔ دیکھو تو سہی کس طرح گونگوں کی طرح خاموش ہونٹوں پر اژدہاؤں کی طرح زبان پھیر رہے ہیں اور تلواروں پر تکیہ جمائے ہوئے ہیں اور یہ بھاگنے والے معلوم نہیں ہوتے۔ اب تم خود ہی سوچ لو۔ ابوجہل نے ڈانٹ کر کہا جھوٹ کہتا ہے اور بزدل ہے۔ ادھر صحابۂ رسولؐ کی دلجوئی کی خاطر خداوند کریم نے آیت بھیجی۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ یعنی اگر صلح کی طرف جھکیں تو تم جھک جاؤ۔ پس حضورؐ نے قریش کی طرف پیغام بھیجا کہ میں نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ جنگ کی ابتدا کروں۔ مجھے باقی عربوں کے حصے میں چھوڑو اور واپس چلے جاؤ۔ جس پر عتبہ نے کہا کہ جس قوم نے اس تجویز کو ٹھکرایا۔ وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ چنانچہ وہ اپنے سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار ہوا۔ [صلح]
ادھر حضورؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ یہ سرخ رنگ کے اونٹ کا سوار اپنی قوم سے اچھی بات ہی کہے گا۔ اگر انہوں نے اس کی بات مان لی تو نفع میں رہیں گے۔ پس عتبہ نے بآواز بلند خطبہ دیا۔ اے گروہ قریش آج میری بات ضرور مان لو چاہے اس کے بعد ہمیشہ میری مخالفت کرتے رہو۔ مکہ واپس چلے جاؤ اور عورتوں سے لذت اٹھاؤ۔ محمد تمہارا اپنا ہی ہے میری رائے کو نہ ٹھکراؤ اور محمدؐ سے جو تم قافلے والوں کے نقصان کا مطالبہ کر رہے ہو اس کا بدلہ میں دوں گا۔ ابوجہل کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ کہنے لگا عتبہ بنی عبدالمطلب کی تلواروں سے ڈرتا ہے۔ عتبہ نے جب سنا تو برداشت نہ کر سکا۔ اونٹ سے چھلانگ لگا کر اترا اور ابوجہل کی ڈاڑھی سے پکڑ کر اس کو گھوڑے سے نیچے گرا دیا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ لوگوں نے سمجھا کہ اب ابوجہل کی خیر نہیں۔ عتبہ نے للکار کر کہا کہ ابھی قریش کو پتہ چل جائے گا کہ بزدل کون ہے اور فسادی کون ہے؟ اور پھر خوب اس کی ڈاڑھی کو جھنجھوڑا آخر لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا لیا۔

پس عتبہ نے اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو ساتھ لیا اور خود زرہ پہن کر آگے بڑھا۔ اس کا سر بہت بڑا تھا۔ اس لئے کوئی خود اس کے سر پر فٹ نہ آ سکا۔ پس دو عمامے سر پر باندھ لئے اور میدان میں آ کر پکارا۔ اے محمدؐ! ہمارے ہمسر ہمارے مقابلے پر بھیجئے۔ پس ادھر سے عوذ، معوذ اور عون تین انصاری جوان نکلے لیکن عتبہ نے ان کو واپس پلٹا دیا اور کہا ہم اپنے ہم سروں یعنی قریشیوں سے ہی لڑیں گے۔ چنانچہ وہ واپس بلا لئے گئے۔ اور ان کی بجائے آپ نے حضرت عبیدہؓ بن حارث بن عبدالمطلب جس کی عمر ستر سال تھی اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو بلایا اور فرمایا تم جاؤ۔ کفار نورِ خدا کو بجھانے کے درپے ہیں لیکن خدا اس نور کو پورا کر کے رہے گا اور فرمایا۔ اے عبیدہؓ تو عتبہ سے لڑنا اور حمزہؓ سے فرمایا کہ تو شیبہ سے لڑنا اور حضرت علیؑ کو ولید سے لڑنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ یہ تینوں میدان میں آئے۔ عتبہ نے عبیدہ سے دریافت کیا۔ آپ کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب۔ اس نے کہا تو کفو کریم ہے۔ وہ دو کون

ہیں ؟ تو کہا ۔ ایک حمزہ بن عبدالمطلب اور دوسرا علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب ہے ۔ تو کہنے لگا وہ بھی دونو کفو کریم ہیں ۔

پس لڑائی شروع ہوئی ۔ عبیدہ نے عتبہ کے سر پر تلوار ماری کہ وہ شگافتہ ہوگیا اور اس نے عبیدہ کی پنڈلی پر تلوار ماری کہ وہ کٹ گئی اور دونوں خون میں لت پت ہوکر زمین پر گر پڑے ۔ ادھر حمزہ کے اور شیبہ کے درمیان دوطرفہ تلواریں چلنے لگیں حتیٰ کہ کند ہوگئیں اور دونوں ڈھالوں کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے حملے کو روکتے رہے اور حضرت علیؑ نے ولید کے شانے پر تلوار ماری کہ اس کا دایاں بازو کٹ گیا ۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اس نے بائیں ہاتھ سے دائیں بازو کو اٹھا کر میرے سر پر اس زور سے مارا کہ معلوم ہوا ۔ آسمان زمین پر گر رہا ہے حمزہؓ اور شیبہ ہاتھا پائی پر اتر آئے اور ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوگئے اور مسلمانوں نے شور مچایا یا علی ! اپنے چچا حمزہؓ کی خبر لو کہ کتا اس پر حملہ آور ہے ۔ چنانچہ علیؑ نے تلوار تول کر فرمایا ۔ چچاجان ! اپنا سر ذرا نیچے کیجئے تو چونکہ حضرت حمزہ کی قد بڑی تھی ۔ آپ نے شیبہ کے سینے کے ساتھ اپنا سر ملا لیا ۔ پس علیؑ نے شیبہ کا سر تلوار سے قلم کر دیا ۔ پھر عتبہ کی طرف پلٹے کہ اس میں رمقِ جان باقی تھی ۔ پس جنبشِ تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا ۔ اور حضرت علیؑ و حمزہؓ عبیدہ کو اٹھا کر خدمتِ نبوی میں لائے ۔ عبیدہ کو دیکھ کر حضورؐ رو دئیے ۔ عبیدہ نے عرض کی حضورؐ میں شہید ہوا ہوں یا نہ ؟ آپ نے فرمایا تو پہلا شہید ہے ۔

ابوجہل نے قریشیوں سے کہا کہ تم جلدبازی سے کام نہ لو جس طرح عتبہ و شیبہ نے کیا حوصلہ سے لڑو ۔ اہلِ یثرب کو مارو اور قریش کو زندہ گرفتار کرو ۔ اسی اثنا میں ابلیس سراقہ بن مالک کی شکل میں نمودار ہوا ۔ اور قریش سے کہا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں اور علم فوج مجھے دے دو ۔ چنانچہ علم دے کر قریشی آگے بڑھے ۔ ادھر جناب رسالتمآبؐ نے دعا مانگی تو خداوندکریم نے فرشتوں کی جماعت نازل کی ۔ کہتے ہیں کہ ایک سیاہ رنگ کا بادل تھا ۔ جس میں بجلی کی چمک تھی ۔ اس میں ہتھیاروں کے جھنکار کی آواز سنائی دیتی تھی ۔ ابلیس نے جب جبرئیل کو دیکھا تو علم ڈال کر دوڑ گیا ۔ پس علم فوج منبہ بن حجاج نے اٹھا لیا ۔ اور کہا اے سراقہ تیرے اوپر وائے ہو تو بزدلی کا سبق دے رہا ہے تو اس نے اس کے سینہ پر دھکا دیا اور کہا میں تم لوگوں سے بیزار ہوں ۔ کیونکہ مجھے وہ چیز نظر آرہی ہے جس کو تم لوگ نہیں دیکھتے ۔

ابوامامہ بن سہل روایت کرتا ہے بروز بدر ہم تلوار مارتے تھے تو تلوار پہنچنے سے قبل مشرک کا سر بدن سے جدا ہوکر زمین پر جا پہنچتا تھا ۔ جناب رسالتمآبؐ نے سنگریزوں کی مٹھی اٹھائی اور قریش کی طرف پھینک کر فرمایا ۔ شَاهَتِ الْوُجُوْہ ۔ خداوندکریم نے ہوا بھیجی کہ وہ کنکر سے ہر کافر کی آنکھ میں لگے کہ ان کی آنکھیں چندھیا گئیں ۔ پس کفار کے ستر آدمی قتل ہوئے اور ستر آدمی گرفتار ہوئے ۔ عمرو بن جموح اور ابوجہل کا مقابلہ ہوا ۔ عمرو نے ابوجہل کی ران

فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ

تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے چکھو اس کو اور تحقیق کافروں کے لئے ہے۔

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا

دوزخ کا عذاب (اس کے علاوہ) اے ایمان والو جب ملو کافروں سے نزدیک (بحالت لڑائی) تو نہ بھاگو پیچھے

زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ○ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا

اور جو بھاگے گا اس دن پیچھے سوائے لڑائی کے موقعہ تلاش کرنے والے کے یا اپنے

مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ

گروہ سے ملنے والے کے تو تحقیق وہ پلٹا غضب خدا میں اور اس کا

پر تلوار ماری کہ وہ کٹ گئی اور ابوجہل نے عمرو کے بازو پر تلوار ماری کہ وہ کٹ گیا لیکن تھوڑا سا چمڑا بچ گیا۔ جس سے وہ لٹک رہا تھا تو اس نے لٹکتے ہوئے ہاتھ کی انگلیاں زمین پر رکھ کر اور پاؤں دبایا اور جسم کے اوپر انگڑائی لی۔ پس وہ چمڑا ٹوٹ گیا اور بازو جدا ہو کر زمین پر گر گیا۔ مقتولین میں سے تقریباً نصف آدمیوں کو صرف حضرت علیؑ نے قتل کیا اور باقی کو مسلمانوں نے قتل کیا۔

عبداللہ بن مسعود کہتا ہے کہ میں ابوجہل کے پاس پہنچا وہ خون میں لت پت تھا۔ پس میں نے اس کی گردن پر پیر رکھ کر کہا کہ میں تجھے قتل کرتا ہوں تو اس نے دیکھ کر کہا۔ اے بکریوں کے چرواہے تم نے بڑی بلند جگہ پر قدم رکھا ہے تیرا قتل کرنا میرے اوپر دشوار تر ہے۔ کاش اولاد مطلب میں سے میرا کوئی قاتل ہوتا۔ پس میں نے اس کے سر سے خود کو اتار پھینکا اور سر کو کاٹ کر خدمت نبوی میں لایا۔ آپ نے اس بشارت کو سنتے ہی سجدۂ شکر ادا کیا اور بعض روایات میں ہے۔ ابوجہل نے کہا۔ میں قوم کا سردار ہوں۔ اس لئے میرا سر بلند کاٹنا تاکہ میرا سر دوسرے سروں سے بلند رہے۔ عباس بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب من جملہ اسیروں کے گرفتار ہو کر پیش ہوئے۔ حضور نے عباس سے فرمایا کہ اپنا اور اپنے بھتیجے کا فدیہ دو۔ اس نے عرض کی حضور میں تو پہلے سے مسلمان تھا۔ لیکن کفار کے خوف میں مجبور تھا۔

آپ نے فرمایا۔ خدا ہی خود بہتر جانتا ہے۔ اگر سچ کہتا ہے تو خدا تجھے اس کا اجر دے گا اب ظاہر کے لحاظ سے تو اسلام کا دشمن بن کر آیا ہے اس لئے فدیہ دینا پڑے گا۔ عباس کے مال میں چالیس اوقیہ سونا تھا۔ جو مال غنیمت میں مسلمانوں نے لے لیا تھا۔ کہنے لگا وہی میرا مال فدیہ میں شمار کر لیجیے۔ آپ نے

اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری بازگشت ہے تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے

قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ

ان کو قتل کیا ہے اور تو نے نہیں سنگریزے مارے جب مارے تھے بلکہ اللہ نے مارے تھے تاکہ احسان کرے

بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ

مومنوں پر اس کی وجہ سے احسان بڑا تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے یہ اور تحقیق اللہ کمزور کرنے والا ہے کافروں کی

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ

تجویز کو اگر تم نے فتح طلب کی تو آ چکی تمہارے پاس فتح اور اگر باز آ جاؤ تو اچھا ہے

فرمایا۔ وہ تو غنیمت ہے جو خدا نے ہمیں مرحمت فرمائی ہے۔ فدیہ اس کے علاوہ دینا پڑے گا۔ وہ عرض کرنے لگا حضور! میرے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس نے عرض کی۔ حضور! اگر حکم دیں تو گداگری کر کے اپنا فدیہ پورا کروں۔ پس ان کو معاف کر دیا گیا۔ قریش میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی اسیر تھے حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ان کا سر قلم کر لو۔ چنانچہ ان کو بدر سے واپسی پر راستہ میں قتل کر دیا گیا۔ باقی اسیروں کے متعلق انصار نے سفارش کی کہ ان کو قتل نہ کیا جائے بلکہ فدیہ لیا جائے۔ آپ نے فرمایا جتنے لوگوں کا فدیہ لو گے۔ اتنے آدمی تمہارے اگلے سال قتل ہوں گے۔ اب خود چن لو کہ اپنا قتل ہونا منظور ہے یا ان کا قتل کرنا منظور ہے تو انہوں نے کہا۔ حضور ان کو قتل نہ کرو۔ فدیہ لے لو اور ہمیں اپنا قتل منظور ہے۔ چنانچہ فدیہ لیا گیا اور انصار کو جنگ احد میں بدلہ دینا پڑ گیا۔ چنانچہ دسویں پارہ کے پانچویں رکوع میں اس کا ذکر ہوگا۔ ص ۲۵۳ ملاحظہ ہو۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ: مسلمانوں سے قتل کی نفی کر کے اپنی طرف نسبت اس لئے دی کہ درحقیقت فتح کے اسباب بنانے والا تو وہی ہے اور اسی کی مہربانی سے مسلمان باوجود کم تعداد ہونے کے مشرکین کی کافی تعداد پر غالب آ گئے تھے۔

وَمَا رَمَيْتَ: حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ایک مٹھی مٹی اٹھا کر دو۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ایک مٹھی اٹھا کر دی جس میں مٹی اور سنگریزے ملے جلے تھے پس شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہہ کر کفار کی طرف پھینکی تو کوئی مشرک نہ بچا جس کی آنکھ ناک یا منہ میں وہ نہ پڑی ہو۔

لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ

تمہیں اور اگر عود کرو گے اور ہم بھی عود کریں گے اور ہرگز نہ کافی ہو گی تم کو تمہاری جماعت کچھ بھی اگرچہ کتنی زیادہ

وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ

ہو اور تحقیق ساتھ مومنوں کے اللہ ہے اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور

رَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

اس کے رسول کی اور نہ منہ پھیرو اس سے حالانکہ تم سنتے ہو اور نہ ہو جاؤ مثل ان کے جنہوں

قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ

نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ انہوں نے نہیں سنا تحقیق برے حیوان اللہ کے نزدیک وہ بہرے اور

لِيُبْلِيَ ص۱۸۵ ۔ بلا سے ہے اس کا معنی مصیبت بھی ہوتا ہے اور احسان بھی اور یہاں اس کا معنے احسان ہے۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا ص۱۸۵ ۔ کہتے ہیں یہ اہل مکہ کو خطاب ہے کیونکہ ابوجہل نے دعا مانگی تھی۔ اے اللہ ہمارا دین پرانا اور محمدؐ کا دین نیا ہے۔ پس جو دین ان دونوں میں سے اچھا ہے تو اس کو فتح دے۔ پس ارشاد فرما رہا ہے کہ تم نے اچھے دین کی نصرت مانگی تھی تو خدا نے فتح بھیج دی۔ اب اگر باز آجاؤ تو ٹھیک ورنہ اگر پھر تم شرارت کرو گے تو ہم پھر تمہیں ذلیل کریں گے اور یہاں تمہاری جمعیت کام نہ آئے گی۔

رکوع نمبر ۱۷

وَلَا تَكُونُوا :۔ سماع سے مراد صرف سننا نہیں بلکہ مراد قبول کرنا ہے یعنی وہ ظاہر تو اس بات کو کرتے ہیں کہ ہم نے سنا یعنی قبول کیا اور درحقیقت ان کا سماع ظاہری ہوتا ہے اور قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کا عمل اس کے موافق نہیں ہوتا تو تنبیہ فرما رہا ہے کہ اے ایمان والو! تم ایسا نہ کرنا بلکہ تم رسول کی جو بات سنو اس کو واجب العمل سمجھو اور اس کی پوری پوری اطاعت کرو۔

الدَّوَابِّ :۔ دابہ کی جمع ہے اس کا معنی ہوتا ہے زمین پر چلنے والا جانور اور اس جگہ کفار قریش کو سرزنش کی گئی ہے کہ یہ وہ بدترین جانور ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں یعنی حق کی بات سنتے نہیں اور حق کا کلمہ بولتے

الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ

گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور اگر جانتا اللہ اُن میں کوئی بھلائی تو اُن کو سُناتا۔

وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اگر ان کو سُنواتا تاہم وہ پھر جاتے اور اعراض کر لیتے اے ایمان والو!

اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

قبول کرو اللہ اور اس کے رسول (کی دعوت کو) جب وہ تمہیں بلائیں ایسی چیز کے لئے جو تمہیں زندہ کر دے

نہیں ہیں۔ تفسیر "مجمع البیان" میں حضرت باقر العلوم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت کا مصداق نضر بن حارث بن کلدہ ہے اور بارہا اس امر کو دہرایا جا چکا ہے کہ آیت مجیدہ کا ظاہری مصداق اگرچہ کوئی خاص بھی ہو تاہم آیت کا مفہوم اس تک محدود نہیں ہوا کرتا بلکہ آیات قیامت تک زندہ ہیں اور ان کے مصداق قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے لہٰذا جو لوگ بھی کفار قریش کی صفات رکھتے ہوں گے تاقیامت انہی آیات کے مصداق ہوں گے۔ فرق یہ ہوگا کہ وہ تنزیلی مصداق تھے اور بعد والے تاویلی مصداق ہوں گے گویا وہ مصداق ظاہری تھے اور بعد والے مصداق باطنی ہوں گے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ: کہتے ہیں کفار نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ اگر قصی بن کلاب کو آپ زندہ کر دیں اور وہ زندہ ہو کر آپ کی نبوت کی گواہی دے اور ہم سُنیں تو ہم آپ کی اتباع کریں گے۔ خداوند کریم ان کی تردید میں ارشاد فرماتا ہے کہ اگر ان کی نیت بخیر ہوتی تو میں ان کو اس کی تصدیق سنوا دیتا لیکن یہ لوگ تو ضدی ہیں۔ ویسے کے ویسے ہی رہیں گے۔

لِمَا يُحْيِيْكُمْ: یعنی وہ چیز جو تمہاری زندگی کا باعث ہو اگر خدا و رسول تم کو اس کی دعوت دیں تو فوراً قبول کرو۔ وہ خواہ جہاد ہو، خواہ قرآن مجید ہو اور خواہ دعوتِ ایمان ہو۔ باختلاف اقوال مفسرین کیونکہ ان سب میں زندگی روحانی ہے اور وہی حقیقی زندگی ہے۔

بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ صـ۱۸۸: تہدید ہے کہ رسول کی بات کو تسلیم کرنے میں دیر نہ کیا کرو۔ مبادا موت آ جائے اور بعد میں افسوس کرو۔ چونکہ دل تمام اعضائے بدن میں رئیس ہے اگر وہ رُک جائے تو موت ہے۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ جب تک دل کام کر رہا ہے، وقت کو غنیمت سمجھو۔

وَاتَّقُوْا صـ۱۸۸: یعنی ڈرو، فتنہ سے ورنہ یہ فتنہ انہی لوگوں کو پہنچے گا۔ جو ظالم ہوں گے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے کہ لَا تَقْرَبُوْا فِتْنَةً فَتُصِيْبَنَّكُمْ۔

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيۡهِ

اور جانو تحقیق اللہ حائل ہو جاتا ہے انسان اور اس کے دل کے درمیان اور اسی کی طرف ہی تم جمع

تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ

کیے جاؤ گے اور ڈرو فتنہ سے مبادا لپیٹ میں لے لے ان کو جو ظلم کریں تم

خَآصَّةً‌ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِيۡلٌ

میں سے خاص طور پر اور جانو تحقیق اللہ سخت گرفت والا ہے اور یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے

علیؑ صراط حق ہے

تفسیر مجمع البیان میں ابوایوب انصاری سے مروی ہے کہ حضور نے عمارؓ سے فرمایا میرے بعد فتنے ہوں گے خون ریزیاں ہوں گی۔ اور تلوار چلے گی۔ پس ایسے حالات میں علیؑ کا دامن تھام لینا۔ اگر تمام لوگ ایک وادی میں جا رہے ہوں اور علیؑ دوسری وادی میں ہو تو تمام لوگوں کو چھوڑ کر اس وادی میں جاؤ جس میں علیؑ ہو۔ اے عمار! علیؑ تجھے ہدایت سے نہ ہٹائے گا اور گمراہی میں نہ ڈالے گا۔ اے عمار! علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

اور حاکم ابوالقاسم حسکانی کی کتاب "شواہد التنزیل" میں ہے۔ اسی آیت کے نزول کے بعد آپ نے فرمایا۔ مَنْ ظَلَمَ عَلِيًّا مَقْعَدِيْ هٰذَا بَعْدَ وَفَاتِيْ فَكَاَنَّمَا جَحَدَ بِنُبُوَّتِيْ وَنُبُوَّةِ الْاَنْبِيَاءِ قَبْلِيْ۔ جس نے میری اس مسند کے متعلق میری وفات کے بعد علی پر ظلم کیا تو گویا اس نے میری نبوت اور مجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کیا۔

تفسیر صافی اور برہان میں آئمہ طاہرین سے بھی اس فتنہ سے مراد حضرت علیؑ کی خلافت کا غصب ہے اور غاصبین کو ہی ظالم کہا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بطریق مخالفین ابن مسعود سے بھی اسی مضمون کی ایک روایت حضرت رسالتمآبؐ سے نقل کی گئی ہے کہ آپ نے ابن مسعود کو فرمایا۔ جس نے میری مسند کے بارے میں علیؑ پر ظلم کیا گویا وہ میری اور تمام انبیاء کی نبوت کا انکاری ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ صـ۱۸۹۔ تفسیر مجمع البیان" میں اس کا شانِ نزول یہ مذکور ہے کہ ابولبابہ انصاری کے بارے میں اتری۔ جب جناب رسالتمآبؐ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا۔ اکیس دن گذر گئے تو انہوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے ساتھ اسی طرح صلح کریں جس طرح بنو نضیر کے ساتھ کی ہے اور ہم یہاں سے کوچ کر کے علاقہ شام میں اذرعات یا اریحا کی طرف اپنے قومی بھائیوں میں جا آباد ہوں گے۔ حضور نے یہ بات نامنظور فرمائی اور ان کو سعد بن

مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِی الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ

کمزور سمجھے جاتے تھے زمین میں ڈرتے تھے کہ کہیں اچک لیں تم کو لوگ پس اس نے تم کو ٹھکانا دیا

بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور تائید کی اپنی نصرت سے اور رزق دیا پاکیزہ چیزوں سے تاکہ تم شکر کرو اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

نہ خیانت کرو اللہ اور نہ اس کے رسول کی اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں کی حالانکہ تم جانتے ہو

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

اور جانو کہ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہیں اور بتحقیق اللہ کے پاس بڑا اجر ہے

معاذ کے فیصلے کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے کہا ابولبابہ انصاری کو بھیجیے کہ ہم ان سے پوچھیں۔ یہ چونکہ ان کا خیر خواہ تھا اور اس کے بال بچے اور مال و متاع انہی کے ہاں تھا۔ حضور کی اجازت سے جب ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس سے مشورہ چاہا کہ کیا سعد بن معاذ کا فیصلہ ہم کو منظور کرنا چاہیے۔ تو اس نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کر کے ان کو بتلایا کہ قتل کا ہی فیصلہ ہونا ہے لہذا منظور نہ کرو۔ پس جبرائیلؑ نے جناب رسالتمآبؐ کو اطلاع دے دی ابولبابہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی کہ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور میں سمجھ گیا کہ خدا اور رسول کی میں نے خیانت کی ہے۔ ادھر آیت بھی نازل ہو گئی تو ابولبابہ نے مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا اور کہا کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا۔ یا تو مر جاؤں گا اور یا توبہ قبول ہو گی چنانچہ اس کے اوپر بغیر کھائے پیئے سات دن گزرے تو وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ پس خدا نے اس کی توبہ منظور کی۔ لوگوں نے اس کو اطلاع دی تو کہنے لگا میں خود اپنے آپ کو نہ کھولوں گا۔ جب تک خود جناب رسولِ خداؐ نہ کھولیں۔ چنانچہ آپ بنفسِ نفیس تشریف لائے اور اس کو کھول دیا۔ پھر اس نے اپنا تمام مال خرچ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا۔ پس ایک تہائی صدقہ کافی ہے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ

اے ایمان والو اگر تم ڈرو گے اللہ سے تو بنائے گا تمہارے لئے معیار فرق اور

يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

دور کرے گا تم سے تمہارے گناہ اور بخشے گا تم کو اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ

اور جب تجویز کرتے تھے تیرے متعلق کافر لوگ کہ قید کرلیں تم کو یا قتل کرڈالیں تم کو یا نکال دیں تم کو

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور وہ تجویزیں کرتے ہیں اور اللہ بھی تجویز کرتا ہے اور خدا بہترین تجویز کرنے والا ہے

رکوع نمبر ۱۸

فُرْقَانًا: یعنی اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں خدا ایسی روحانی طاقت اور ایمانی قوت دے گا کہ حق و باطل کے درمیان خود بخود فرق معلوم ہوگا۔ ممکن ہے فرقان کے معنی فتح یا نجات یا تسلی و ثواب ہو جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔

واقعۂ ہجرت

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ: تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قریش دار الندوۃ میں جمع ہوئے اور حضرت رسالتمآبؐ کے معاملہ میں سوچنے لگے۔ کسی نے کہا جلاوطن کردو۔ کسی نے کہا اس کو ایک مکان میں قید کرلو اور وہاں کھانا دے جاتے رہو۔ ابوجہل نے مشورہ دیا کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک آدمی مل کر اس کو قتل کریں پس بنو ہاشم کو خون بہا پہ راضی ہونا پڑے گا ابلیس جو اہل نجد کے بزرگ کی شکل میں حاضر تھا اس نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور تائید کی ادھر جبرئیل نے اطلاع دے دی اور حضور غار کی طرف ہجرت کرکے چلے گئے اور حضرت علیؑ کو بستر پر سُلا گئے جب کفار پہنچے تو علیؑ کو پایا۔ تعاقب کرکے غار کے قریب گئے تو دیکھا عنکبوت نے جالا تنا ہوا ہے پس مایوس ہو کر واپس گئے اور حضور تین روز ٹھہر کر مدینے کی طرف چلے گئے۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ جب حضورؐ نے مکہ میں اعلان رسالت فرمایا تو مدینے سے آکر قبیلہ اوس اور خزرج نے اسلام کو قبول کیا۔ آپ نے فرمایا۔ تشریق کی راتوں میں سے درمیانی شب ہمارا اور تمہارا مقام عقبہ پر اجتماع

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ

اور جب ان پر پڑھی جائیں ہماری آیات تو کہتے ہیں تحقیق ہم نے سُنی ہیں اگر چاہیں تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں اس جیسی

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ

نہیں یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی اور جب کہا انہوں نے اے اللہ اگر یہ ہے

هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ

حق تیری طرف سے تو برسا ہمارے اوپر پتھر آسمان سے یا دے

السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

ہم کو عذاب دردناک اور نہیں اللہ ان کو عذاب دیتا

ہوگا۔ چنانچہ لوگوں نے مناسک حج ادا کئے۔ آپ نے تشریق کے دوسرے روز ان سے فرمایا۔ آج رات کو عقبہ کے اوپر عبدالمطلب کے گھر میں تم پہنچ جانا۔ لیکن چپکے چپکے آنا کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ اور کوئی سویا ہوا جاگ نہ جائے۔ چنانچہ رات کو وہ ایک ایک ہو کر ستر تک وہاں جمع ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تم سے اللہ کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ اس کے غیر کی عبادت نہ کرنا اور شرک نہ کرنا اور اپنے لئے یہ چاہتا ہوں کہ میری جان مال اور عزت کی اس طرح حفاظت کرنا جس طرح اپنی کرتے ہو۔ انہوں نے پوچھا ہمیں کیا ملے گا تو آپ نے فرمایا۔ آخرت میں جنت اور دنیا میں حکومت۔ انہوں نے کہا ہم راضی ہیں۔ پس بارہ آدمی انہی میں سے اس امر کے گواہ ٹھہرائے گئے۔ نو آدمی قبیلہ خزرج سے اور تین آدمی قبیلہ اوس سے۔ سب نے حضورؐ کی بیعت کر لی اور یہی بیعت عقبہ کہلاتی ہے بالاختصار کسی نے قریش تک ڈائری پہنچادی۔ چنانچہ انہوں نے دارالندوہ میں اجتماع کیا۔ تو ابلیس ایک بزرگ کی شکل میں آن پہنچا۔ دروازہ پر دربان نے پوچھا تو کون ہے؟ تو جواب دیا۔ میں نجد کے شیوخ میں سے ہوں چنانچہ یہ بھی صلاح و مشورہ میں داخل ہو گیا۔ پہلے پہل ابوجہل نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور دین محمدؐ کی خوب باچھیں کھول کھول کر مذمت کی۔ اور ان کو ختم کرنے کی تجاویز پیش ہوئیں۔ ابوجہل نے سب سے پہلے یہ تجویز بتائی کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور بنی ہاشم کو خون بہا دیا جائے۔ ابلیس شیخ نجدی نے کہا کہ یہ تجویز نامعقول ہے کیونکہ محمدؐ کا قاتل بنی ہاشم زندہ نہ چھوڑیں گے۔ لہذا کون ہے؟ جو موت کو منظور کرے۔ کسی نے تجویز پیش کی کہ اس کو کسی مکان میں قید کر لیا جائے اور وہیں اس کا خاتمہ ہو جائے تو ابلیس نے کہا۔ یہ پہلی رائے سے بھی کمزور

ہے کیونکہ بنو ہاشم قید نہ کرنے دیں گے پھر آپس میں لڑائی فساد تک نوبت پہنچے گی۔ ایک نے کہا۔ جلاوطن کر دو۔ ابلیس نے کہا۔ پہلی دونوں تجویزوں سے یہ زیادہ خراب ہے کیونکہ ایک خوبصورت، قادر الکلام فصیح و بلیغ انسان کو جلاوطن کرتے ہو جو قبائل عرب میں تھوڑے عرصہ کے اندر اپنا سکہ جمالے۔ اور تمام عرب قبائل کو جمع کر کے یہیں گھر میں آکر ختم کر دے۔ اب اس نے دریافت کرنے پر بتایا کہ بہتر یہ ہے کہ تمام قبائل میں سے ایک ایک آدمی لے لو۔ تاکہ وہ ایک تیز دھار ہتھیار لے کر ایک ہی مرتبہ اس پر حملہ کریں اور مار ڈالیں تاکہ تمام قبیلے اس کے خون میں شریک ہوں۔ اور بنو ہاشم کو خون بہا پر مجبور ہونا پڑے۔ انہوں نے یہ تجویز پاس کی۔ پس ہجرت کا حکم ہوا اور حضرت علیؑ کو بستر پر سلا کر کوہ ثور کی طرف راتوں رات روانہ ہو گئے۔ کفار رات کو جمع ہو چکے تھے لیکن ابولہب نے حملہ نہ کرنے دیا کہ رات کا وقت ہے۔ عورتیں اور بچے بے آرام نہ ہوں۔ جب صبح ہوئی تو آپ موجود نہ تھے۔ پس سب نے اس کو علامت کی۔ قدم کا نشان لے کر غار تک گئے۔ ابوکرز نامی ایک شخص جو نشان قدم کا ماہر تھا۔ اس نے کہا۔ اس مقام سے آگے نہیں گئے یا زمین میں چلے گئے ہیں یا آسمان پر چڑھ گئے ہیں کیونکہ وہاں عنکبوت نے جالا تن دیا تھا۔ پس وہ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

وَاِذَا تُتْلٰی: یہ نضر بن حارث بن کلدہ کے حق میں اتری کہ کہتا تھا میں بھی اس جیسی کلام کہہ سکتا ہوں۔ جنگ بدر میں اسیر ہوا تھا اور خوبصورت نوجوان تھا حضرت رسالتمآبؐ کے حکم سے حضرت علیؑ نے اس کو قتل کر دیا تھا۔

وَاِذْ قَالُوا: نضر بن حارث یا ابوجہل نے کہا تھا کہ اگر دین اسلام دین حق ہے تو ہم پر اے اللہ پتھر نازل کر یا عذاب دردناک بھیج دے تو یوم بدر ان پر عذاب آگیا اور پھر فتح مکہ کے بعد قریش کا اقتدار سارا ختم ہو گیا۔

تفسیر "برہان" میں ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کے فضائل بیان کئے تو بدوی سیخ پا ہوئے اور آپس میں چہ میگوئیاں کرتے رہے۔ حارث بن عمرو فہری کہنے لگے اگر محمدؐ کی بات درست ہے۔ تو اے اللہ! مجھ پر پتھر نازل کر یا عذاب بھیج۔ پس آیت نازل ہوئی کہ کافر اس کو کہتے ہیں لیکن میرا قانون ہے۔ جب تک آپ ان میں موجود ہوں یا استغفار کرنے والے موجود ہوں تو میں عذاب نہیں بھیجتا۔ حضورؐ نے حارث کو فرمایا کہ یا توبہ کرو یا چلے جاؤ تو اس نے کہا توبہ تو نہیں کرتا۔ البتہ چلا جاتا ہوں۔ پس سواری پر سوار ہوا۔ شہر سے باہر پہنچا تو ایک پتھر آسمان سے نازل ہوا اور علیؑ کے دشمن کو اس نے جہنم میں پہنچا دیا۔ پس خداوند کریم نے آیت بھیجی۔ سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ۔ الآیۃ

اصول کافی سے بھی منقول ہے کہ اپنے حق میں یہ دعا حارث بن عمرو فہری نے کی تھی اور "مجمع البیان" سے منقول ہے کہ نعمان بن حارث اس کا نام تھا۔

وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ

درحالیکہ تو ان کے درمیان موجود ہے اور نہیں اللہ ان کو عذاب دینے والا جبکہ وہ استغفار کرنے والے ہوں اور کیا

اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا

ہے ان کو کہ نہ عذاب دے ان کو اللہ حالانکہ روکتے ہیں مسجد حرام سے اور نہیں

كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

وہ اس کے ولی ، اس کے ولی تو صرف متقی ہی ہیں لیکن ان کے اکثر اس بات کو نہیں جانتے

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا

اور نہیں تھی نماز ان کی بیت اللہ کے نزدیک مگر سیٹی بجانا اور تالی بجانا پس چکھو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ

عذاب کو بوجہ اس کے کہ تم کفر کرتے تھے تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ خرچ کرتے

"مجمع البیان" میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ عذابِ خدا سے بچاؤ کے لئے دو امانیں تھیں۔ ایک رسولِ خدا اور دوسرے استغفار۔

اے لوگو! ایک امان چلی گئی ہے۔ اب دوسری کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ :- یعنی بیت اللہ کے پاس ان کی عبادت سیٹی اور تالی بجانا ہی تھی۔ وہ بیت اللہ کا ننگے ہو کر سیٹیاں تالیاں بجاتے، طواف کرتے تھے اور مروی ہے کہ جب جناب رسالتمآب مسجد الحرام میں نماز پڑھتے تھے تو دو مشرک ایک طرف سیٹی بجاتے تھے اور دو مشرک دوسری طرف تالیاں بجاتے تھے تاکہ آپ نماز سے بھول جائیں اور بدر میں وہ سب کے سب عذابِ خدا میں مبتلا ہو گئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا :- اس کے شانِ نزول کے متعلق تین قول ہیں۔

(۱) ابوسفیان کے متعلق ہے کہ یہ جنگ احد میں دو ہزار آدمی کرایہ پر لایا تھا۔

(۲) سردارانِ قریش کے متعلق ہے جو جنگِ بدر میں باری باری خرچ کرتے تھے اور وہ بارہ تھے۔ جن میں ایک عباس بھی تھے۔

(۳) جنگِ بدر میں قریش کی شکست خوردہ جماعت مکہ میں پہنچی تو جن جن کے رشتہ دار یا اکابر وہاں مارے

أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ

ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کے راستہ سے پس اس کو خرچ کریں گے پھر یہ ہوگا ان پر

حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿۳۶﴾

حسرت پھر مغلوب ہوں گے اور جو لوگ کافر ہیں جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ

تاکہ نکھیڑے خدا پلید کو پاک سے اور کرے بعض پلید کو پلید پر پس اکٹھا کرے اس کو سب

فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۳۷﴾

کو اور بھیجے اس کو جہنم میں یہ لوگ ہی خسارہ پانے والے ہیں

گئے تھے۔ ابوسفیان کے پاس آئے اور جن جن لوگوں کا مال شام سے ابوسفیان لایا تھا ان کو بھی جمع کیا گیا تو بدر کے مقتولین کے وارثوں نے کہا کہ اسی مال کی حفاظت کی خاطر جنگ بدر ہوا ہے اور ہمارے اکابر مارے گئے ہیں۔ لہذا یہ مال ہمیں دے دیا جائے تاکہ ہم اس کے ذریعے سے اپنے بدر کے مقتولین کا انتقام لیں۔ چنانچہ وہ سارا مال اس مطلب کے لئے دے دیا گیا اور خدا ان کے اس فعل کی مذمت فرما رہا ہے اور پیش گوئی ہے کہ یہ خرچ اُن کے لئے باعث حسرت ہی بنے گا اور قیامت تک... جو لوگ دین حق کے خلاف روپیہ پیسہ خرچ کرتے رہیں گے یہ آیت سب کو تنبیہ کر رہی ہے۔ اور غلط کاموں پر خرچ ہونے والا روپیہ مثلاً زنا کے لئے، شراب کے لئے، سینماؤں، کلبوں، ناچ گانوں اور اس قسم کی بے ہودہ مجلسوں پر جس قدر روپیہ اڑایا جاتا ہے وہ سب دین حق پر بغاوت کے لئے ہے۔ اسی طرح نکاح و شادیوں کے مواقع پر جو غلط رسوم اور خلاف شرع رواجات کے لئے رقم خرچ کی جاتی ہے۔ سب اسی عنوان میں داخل ہے اور خداوند کریم انہی کی بازگشت جہنم کو قرار دے رہا ہے خداوند کریم مومنوں کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

مدارس دینیہ اگر انسان چاہے کہ میں اپنا مال راہ حق میں خرچ کروں تو دور حاضر میں سب سے اہم اور ضروری مصرف ہے۔ علوم آل محمد کی ترویج کے لئے قائم کردہ مدارس دینیہ کی امداد۔

کیوں کہ ہر زمانہ میں اگر جاہلی رسوم نے کسی وقت سر اٹھایا تو انہی مدارس کے وجود کی برکت سے ان کا قلع قمع ہوا پس صدقات واجبہ از قبیل خمس و زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ، ہدیہ اور نذر نیاز کی جمیع رقوم مدارس دینیہ پر

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ

کہہ دیجئے ان کو جو کافر ہیں اگر باز آجائیں تو بخشے جائیں گے ان کے (گناہ) جو ہو چکے ہیں اور اگر

يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا

پھر کریں گے تو طریقہ پہلے لوگوں کا گزر چکا ہے اور ان سے لڑو یہاں تک کہ

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا

نہ رہے فتنہ اور ہو جائے دین تمام اللہ کے لئے پس اگر باز آجائیں

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

تو تحقیق اللہ ساتھ اس کے جو وہ عمل کرتے ہیں آگاہ ہے اور اگر پلٹ جائیں تو جان لو تحقیق

اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

اللہ تمہارا مولیٰ ہے وہ بہتر مولیٰ اور بہتر مددگار ہے

خرچ کی جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ علوم آل محمدؐ کی ترویج ہو سکے۔ نیز مدارس دینیہ ہی کی بدولت آپ کو اپنے مذہبی معلومات فراہم ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ زیر نظر تفسیر انوار النجف بھی ایک مدرسہ دینیہ کی قابل قدر پیش کش ہے جو صرف قوم کی اعانت سے ہی چل رہا ہے اور جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے نام سے موسوم ہے پس ایسے مدارس کی امداد آپ کی رقوم کا جائز بلکہ ضروری مصرف ہے۔")

رکوع نمبر ۱۹

قُلْ لِّلَّذِيْنَ: کفار کو تنبیہ ہے کہ اگر کفر سے باز آجائیں تو سابقہ گناہ ان کے معاف ہوں گے اور اگر دوبارہ جنگ و جدال کی طرف آئیں گے تو یہ طریقہ پہلے سے جاری ہے کہ خدا مومنوں کی امداد فرماتا ہے اور کافروں کو ذلیل کرتا ہے۔ پس یہ قید و غلامی اور قتل و غارت کی سزاؤں میں مبتلا رہیں گے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ: تفسیر "مجمع البیان" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابھی اس آیت مجیدہ کی تاویل کا زمانہ نہیں آیا جب ہمارے قائم کا ظہور ہو گا تو ان کو پانے والے دیکھیں گے کہ آیت کی تاویل کس طرح ہے اور دین محمدؐ کہاں تک پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی مشرک باقی نہ رہے گا۔

حضرت قائم آلِ محمدؐ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت قائم آل محمدؐ سے متعلق تھوڑا سا بیان ہو جائے تاکہ قارئین کرام کے دلوں میں شمع ایمان فروزاں رہے۔

تفسیر "برہان" میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ حضرت قائم آل محمدؐ جب تشریف لائیں گے تو حجر اسود سے تکیہ لگا کر بیٹھیں گے اور لوگوں پر اپنی حجت تمام کریں گے پھر مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز ادا کر کے اپنی حجیت کو دہرائیں گے۔ آپ نے قسمیہ بیان فرمایا کہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ...... الخ میں لفظ مضطر کے مصداق حضرت قائم علیہ السلام ہی ہیں۔ اس اثنا میں حضرت جبریل میزاب بیت اللہ پر ہوں گے۔ اور پہلے پہل وہ ہی ان کی بیعت کریں گے پھر تین سو تیرہ آدمی آپ کی بیعت کریں گے۔

پس جو شخص چل رہا ہوگا فوراً وہیں جا موجود ہوگا اور جو سویا ہوا ہوگا وہ بھی اپنے مولا کی بارگاہ میں اپنے آپ کو حاضر پائے گا اور اس کا بستر خالی پڑا رہے گا۔ حضور قائم آل محمدؐ لوگوں کو توحید نبوت اور ولایت کی دعوتِ عام دیں گے اور دشمنانِ دین سے بیزاری کی طرف بلائیں گے۔ پس تین سو تیرہ افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوں گے تو جبریل دائیں طرف، میکائیل بائیں طرف اور رعب و ہیبت سامنے اور پیچھے۔ نیز پانچ ہزار ملائکہ ارد گرد احاطہ کئے ہوں گے۔

زمینِ خدا نور ایمان سے منور ہوگی اور خلقِ خدا چین و اطمینان کا سانس لے گی۔ حتیٰ کہ روئے زمین پر کوئی بستی نہ ہوگی جس میں توحید و رسالت کی شہادت کی آوازیں بلند نہ ہوں اور امن عالم کی یہ شان ہوگی کہ اگر مشرق سے تا مغرب کوئی عورت تنہا سفر کرنا چاہے گی تو اس کو کوئی ڈر محسوس نہ ہوگا۔ سرسبزی اور شادابی کی یہ حالت ہوگی کہ زمین اپنی پوری قوائے نامیہ کو بروئے کار لا کر انگوریاں اگائے گی۔ پس ہر طرف لہلہاتے ہوئے سبزے قسم قسم کے پودے، رنگ برنگے پھول نظر آئیں گے گویا کہ زمین خدا پر ہر موسم میں بہار کا سماں ہوگا پس آسمان سے بارانِ رحمت نازل ہوگی۔ لوگوں میں یکساں طور پر خوش حالی ہوگی اور لوگ اپنے خراج اپنی گردنوں پر اٹھا کر حضرت قائم علیہ السلام کی بارگاہ تک لے جائیں گے۔

قصہ جزیرۂ خضراء اس قصہ کو علامہ مجلسی اعلی اللہ مقامہٗ نے کتاب "بحار الانوار" جلد ۱۳ میں بعنوان باب نادر نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو علیحدہ باب کر کے اس لئے ذکر کیا ہے کہ اصولِ معتبرہ میں مجھے اس کا ذکر کہیں نہیں ملا اور چونکہ عجیب و غریب معلومات پر مشتمل ہے اس لئے اس کو بیان کرنا ضروری سمجھا۔ فرماتے ہیں۔ مجھے ایک رسالہ ہاتھ لگا جس کا نام تھا "قصۃ الجزیرۃ الخضراء فی البحر الابیض" یعنی بحر ابیض میں واقع ہونے والے جزیرۂ خضراء کا قصہ۔ یہ رسالہ مجھے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خزانہ میں ملا جو جناب عالم و فاضل فضل بن یحییٰ کوفی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا چنانچہ وہ اس رسالہ میں مختصر خطبہ کے بعد لکھتے ہیں

کہ میں نے دو عالم وفاضل بزرگوں سے بروز ۱۵ ماہ شعبان ۶۹۹ھ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے روضہ مقدسہ کے اندر شیخ علی بن فاضل مازندرانی کی حکایت سُنی تھی جو ایک نہایت فاضل اور متقی انسان تھے اور مجاورِ نجف تھے۔ وہ دو عالم۔ ایک شمس الدین علی اور دوسرے جلال الدین علی تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے شیخ علی بن فاضل سے یہ حکایت سرمن رای میں سنی تھی۔ جبکہ زیارت کے لئے وہ اتفاق سے وہاں اکٹھے ہوگئے تھے۔ وہاں اس نے ان دونوں عالموں کے سامنے اپنا بحر ابیض میں جاکر جزیرہ خضراء کی سیر کرنا تفصیل کے ساتھ بیان کیا تھا۔

فضل بن یحییٰ بیان کرتا ہے کہ جزیرۂ خضراء کا قصہ دو بزرگ عالموں سے سننے کے بعد مجھے شوق پیدا ہوا کہ خود علی بن فاضل مازندرانی کی زبان سے ہی سُن لوں تاکہ درمیان میں روایت غیر کا واسطہ نہ رہے۔ چنانچہ اسی ارادے سے میں نے رختِ سفر باندھا اور چل کھڑا ہوا۔ حسن اتفاق سے مجھے معلوم ہوا کہ شیخ مذکور اوائل ماہِ شوال سامرا سے حلّہ کی طرف روانہ ہوچکے ہیں اور وہ عازم نجف ہیں۔ پس جس وقت وہ حلّہ میں پہنچے تو میں پہلے سے وہیں مقیم تھا اور انتظار کی گھڑیاں گن رہا تھا۔ پس وہ اپنی سواری پر حلّہ میں داخل ہوئے اور سید فخر الدین حسن بن علی موسوی مازندرانی کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ جو ان دنوں حلّہ میں قیام پذیر تھے۔ میں اگرچہ اس سے قبل شیخ مذکور کو پہچانتا نہ تھا لیکن میں نے دیکھتے ہی اندازہ کرلیا کہ آپ ہی ہوں گے چنانچہ جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہوگئے تو میں ان کے پیچھے روانہ ہوا۔ دیکھا تو سید فخر الدین اپنے گھر کے دروازہ پر بڑے خوش خوش نظر آئے۔ مجھے آتے دیکھا تو ہنس کر فرمایا کہ شیخ مذکور تشریف لاچکے ہیں۔ بس اب تو میری خوشی کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ چنانچہ سید کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔ شیخ کو سلام کہا اور دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ شیخ نے سید فخر الدین سے میرے متعلق دریافت کیا تو سید نے جواب دیا کہ آپ کے دوست شیخ یحییٰ کے لڑکے ہیں ان کا نام فضل ہے پس شیخ اٹھ کھڑا ہوا اور دوبارہ مجھے ملا۔ پھر اپنے قریب بٹھایا اور مجھ سے میرے والد اور میرے بھائی شیخ صلاح الدین کے متعلق حالات پوچھے کیونکہ وہ ان دونوں کو خوب جانتا تھا اور میری واقفیت نہ تھی کیونکہ میں اس زمانہ میں شیخ ابراہیم بن محمد واسطی کے ہاں شہر واسط میں مشغول تعلیم تھا۔

اب شیخ سے باتیں ہونے لگیں تو میں نے شیخ کو علوم عربیہ میں اور فقہ حدیث میں صاحب فضل و کمال پایا جس سے مجھے یقین پیدا ہوا کہ انہوں نے جزیرہ خضراء کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہوگا وہ سچا ہوگا۔ پس میں نے اپنی غرض ظاہر کی کہ شیخ شمس الدین اور جلال الدین سے تو سُن چکا ہوں۔ لیکن شوق کا تقاضا ہے کہ آپ کی زبانی آپ کا چشم دید واقعہ جزیرہ خضراء سن لوں تو شیخ نے سید فخر الدین اور دیگر علمائے حلّہ جو ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تھے سب کے سامنے قصہ دہرایا اور یہ ۱۱ر شوال ۶۹۹ھ کا دن تھا۔

شیخ صاحب رسالہ لکھتے ہیں۔ یہ میرے اپنے کانوں کا سُنا واقعہ ہے کہ شیخ علی بن فاضل مازندرانی نے فرمایا میں زمانہ طالب علمی میں دمشق میں مقیم تھا۔ شیخ عبدالرحیم حنفی کے ہاں علوم عربیہ اور شیخ علی مغربی اندلسی مالکی کے ہاں علم قرأت پڑھتا تھا۔ شیخ علی مغربی اگرچہ باقی علوم میں بھی کافی دسترس رکھتا تھا۔ لیکن علم قرأت میں وہ بڑا ماہر تھا۔ ان کی طبیعت نہایت نرم تھی اور خوش بخت تھے۔ مذہبی عناد بھی ان میں بہت کم تھا۔ چنانچہ جب شیعہ کا ذکر آجاتا تھا تو اتنا کہہ دیتے تھے کہ علمائے شیعہ کا یہ مسلک ہے۔ ورنہ بعض باقی مدرسین تو ذکر شیعہ آجانے پر علمائے رافضہ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ بس میں نے باقی مدرسین کو چھوڑ کر مالکی استاد کے ساتھ رابطہ قائم کر لیا اور اس سے ہی باقی علوم حاصل کرتا رہا۔ ان کو جب دمشق سے مصر کا سفر درپیش آیا تو باہمی محبت کی وجہ سے مجھے استاد کی جدائی شاق معلوم ہوئی اور ان کو بھی میرا فراق گوارا نہ تھا۔ آخرکار مجھے انہوں نے لے کر چلنے کا عزم کر لیا اور دیگر چند مساکین مسافر طلبہ نے بھی مصر جانے کا پروگرام بنایا۔ جب ہم طے منازل کے بعد قاہرہ میں پہنچے تو استاد نے وہاں قیام کیا اور مسجد ازہر میں مشغول درس و تدریس ہو گئے۔ علماء و فضلاء مصر ان کا نام سن کر ملاقات کے لئے آتے اور مختلف علوم و فنون کا ان سے استفادہ کرتے رہتے ہم نو مہینے وہاں نہایت خیر و خوبی سے رہے کہ اچانک اندلس سے ایک قافلہ پہنچا ان میں سے ایک شخص کے پاس ایک چٹھی تھی۔ جس میں استاد کے والد نے اپنی بیماری کی اطلاع دی تھی اور ملاقات کے لئے جلد پہنچنے کی فرمائش کی تھی۔ استاد اپنے باپ کا خط پڑھ کر بہت روئے اور اندلس کی طرف عازم ہوئے۔ چنانچہ بعض طلبہ بھی ہمراہ تیار ہوئے۔ جن میں ایک میں بھی تھا۔ جب جزیرۂ اندلس کی پہلی بستی میں پہنچے تو مجھے بخار آگیا۔ استاد غم زدہ ہوا۔ مجھے چھوڑنا بھی نہ چاہتا تھا لیکن باپ کی نازک حالت کے تحت ٹھہرنا بھی ان کے لئے دشوار تھا۔ آخر اس بستی کے خطیب مسجد کو میرے اخراجات کے لئے انہوں نے دس درہم دیئے اور مجھے ان کے سپرد کیا۔ اور اس کو میری خدمت کی تاکید کی اور یہ بھی کہا کہ اگر یہ تندرست ہو جائے تو اس کو میرے پاس پہنچا دینا اور ساحل بحر سے ان کا گھر پانچ دن کی مسافت پر تھا۔ مجھے تین دن تک تو بخار کی شدت رہی پھر بخار ہلکا ہو گیا اور رفتہ رفتہ چلا گیا۔ میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو شہر کے گلی کوچوں کا چکر لگایا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ کئی قافلے بحر عربی کے ساحلی پہاڑوں سے آئے ہوئے تھے جو اُون، گھی اور دیگر سامان کی خرید کر رہے تھے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ بربر کے قریب سے آئے ہیں اور رافضیوں کا علاقہ ان سے ملتا جلتا ہے۔ میں یہ لفظ سنتے ہی ان کی طرف مائل ہو گیا اور دل میں ان کے علاقہ کے دیکھنے کی امنگ پیدا ہوئی اور مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے وہاں تک کل پچیس ۲۵ دن کی مسافت ہے۔ جن میں دو دن کا سفر نہایت مشکل ہے کیونکہ نہ کوئی آبادی ہے اور نہ کھانے پینے کی کوئی چیز ملنے کا امکان ہے۔ اس کے بعد آبادیاں متصل ہیں، پھر سفر میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بہرکیف میں اس قافلہ کے ہمراہ تیار ہوا اور انہی لوگوں میں

سے ایک شخص کو تین درہم دے کر اس سے گدھا کرایہ پر لیا تاکہ وہ غیر آباد مسافت آسانی سے کر سکوں۔

خدا خدا کر کے دشتِ ویران کا سفر ختم ہوا تو میں نے پیدل چلنا شروع کیا اور اپنی مرضی سے تھوڑا تھوڑا سفر کرتے ہوئے ان کے ملک میں جا داخل ہوا۔ وہاں سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ رافضیوں کا شہر یہاں سے تین روز کی مسافت ہے تو میں نے بلا تاخیر اپنا سفر جاری رکھا اور آخر ایک شہر تک پہنچا جس کے چاروں طرف فصیل محکم تھی اور اس میں بلند قلعے موجود تھے اور ساحلِ سمندر پہ واقع تھا۔ میں ایک بڑے دروازے سے داخل ہوا جس کو باب البربر کہتے تھے میں نے گلی کوچوں میں پھرتے پھراتے مسجد کا پتہ کیا۔ جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ بڑی عظیم الشان مسجد تھی اور بالکل لبِ بحر شہر کے مغرب میں واقع تھی۔ میں تکان وکوفت کو دُور کرنے کے لئے ایک جانب بیٹھ گیا۔ اتنے میں ظہر کی اذان ہوئی اور مؤذن نے حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلْ کی صدا بلند کی اور اس کے بعد ظہورِ امام کی دعا مانگی۔ میرے اوپر گریہ طاری ہوا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ جوق در جوق مسجد میں آنے شروع ہو گئے اور مسجد کے مشرقی حصہ میں ایک درخت کے نیچے پانی کا حوض تھا جس سے وہ وضو کرتے تھے۔ میں نے ان کو امامیہ طریقے سے وضو کرتے دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ان لوگوں میں سے ایک شخص جو نہایت نورانی اور باوجاہت چہرے والا تھا۔ وہ آگے کھڑا ہوا اور اس کے پیچھے باقی نمازی صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ نماز باجماعت شیعہ طریق پر ادا ہوئی۔ نوافل بھی پڑھے گئے۔ میں چونکہ زیادہ تھکا ہوا تھا اس لئے شرکتِ جماعت کی سعادت سے محروم رہا۔ وہ لوگ جماعت سے فارغ ہوئے تو مجھے دیکھ کر دل میں خفا ہوئے۔ آخر مجھ سے پوچھا کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اور آخر میں پوچھا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ میں نے اپنے حالات بتائے کہ عراقی ہوں اور مسلمان ہوں۔ توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ یہ دو شہادتیں تو صرف دنیا میں تیرے خون کی حفاظت کے لئے ہیں ورنہ آخرت میں جب تک تیسری شہادت نہ دو گے تم کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میں نے پوچھا۔ وہ کون سی؟ تو انہوں نے شہادتِ ولایتِ آئمہ بیان کی۔ میں یہ سن کر نہایت خوش ہوا۔ حتیٰ کہ تکانِ سفر بھی ختم ہو گئی اور میں نے ان کو بتایا کہ میں آئمہ کے دین پہ ہوں اور یہی میرا مذہب ہے۔ وہ لوگ بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور مسجد کے ایک گوشہ میں انہوں نے میرے لئے جگہ تجویز کی۔ پس امامِ مسجد صبح و شام میرے پاس آیا کرتا تھا اور خبر گیری کیا کرتا تھا۔

میں نے ایک دن اس سے دریافت کیا کہ تم لوگوں کے اخراجات کہاں سے آتے ہیں۔ حالانکہ اس علاقہ میں قابل کاشت زمین تو کوئی موجود نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بحر ابیض کے جزیرۂ خضراء سے سب کچھ آتا ہے جہاں امام صاحب الامر کی اولاد آباد ہے۔ میں نے پوچھا کہ سال میں کتنی مرتبہ؟ تو جواب دیا کہ دو مرتبہ۔ چنانچہ اس سال ایک مرتبہ آچکا ہے اور دوسری مرتبہ بعد میں آئے گا۔ میں نے پوچھا کہ اس کے آنے سے کتنی مدت باقی ہے؟ جواب دیا کہ چار ماہ۔ مجھے یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی کہ یہ تو بہت لمبی مدت ہے۔ آخر میں نے چالیس دن تو گذار سے

دل بہت خفا تھا۔ تنگدل ہو کر عصر کے وقت باہر نکلا۔ ساحل سمندر پر پہنچ کر جانب مغرب دیکھنا شروع کیا۔ میں وہاں عزت و آبرو سے وقت گزار رہا تھا وہ لوگ بڑی تواضع کرتے تھے اور میں شب و روز اللہ سے دعا کرتا تھا کہ چار ماہ کی بجائے اس دفعہ جلدی آجائے۔ پھر چالیسویں روز گھبرا کر جب میں لب بحر پہنچا اور مغرب کی طرف دیکھنا شروع کیا تو دور سے دھندلکے میں ایک نشان سا معلوم ہوا۔ میں نے پوچھا کہ یہ نشان کیا ہے؟ کیا کوئی سفید قسم کے پرندے تو اس جانب نہیں رہتے؟ انہوں نے جواب میں پوچھا کہ کیا کوئی چیز تم کو نظر آ رہی ہے؟ تو میں نے کہا۔ ہاں! پس وہ خوش ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ وہی جہاز ہیں جو امام کے جزائر سے ہمارے اخراجات لایا کرتے تھے تھوڑی ہی دیر گزری کہ جہاز پہنچ گئے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اس دفعہ وقت سے پہلے پہنچے ہیں۔ ان میں بڑا جہاز پہلے کنارے پر لگا۔ پھر یکے بعد دیگرے حتیٰ کہ کل سات جہاز تھے۔ بڑے جہاز سے ایک تنومند خوبرو جوان باہر آیا اور مسجد میں داخل ہو کر وضو کیا اور نماز ظہرین ادا کی۔ پھر میری طرف دیکھ کر سلام کیا۔ میں نے جواب سلام کہا تو کہنے لگا۔ تیرا نام کیا ہے؟ میرے خیال میں تیرا نام علی ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں! پھر اس نے میرے ساتھ باتیں کیں۔ جس طرح پرانی جان پہچان والے ایک دوسرے سے کیا کرتے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا۔ تیرے باپ کا نام کیا ہے؟ اور میرے خیال میں ان کا نام فاضل ہے۔ میں نے کہا اب مجھے شک ہی نہیں رہا کہ یہ شخص میرے ساتھ کہیں شریک سفر رہا ہے اور وہ دمشق کا سفر ہو گا۔ تو اس نے کہا۔ نہیں۔ پھر میں نے کہا۔ شاید مصر سے اندلس کا سفر ہو گا تو اس نے حضرت صاحب الامر کی قسم کھا کر کہا کہ نہیں۔ تو میں نے کہا کہ میرا اور میرے باپ کا نام تم کو کیسے معلوم ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ تیری وصف تیری اصل، تیرا نام، تیری ذات، تیری شکل اور تیرے باپ کا نام مجھے بتایا جا چکا تھا اور اب میں جزیرۂ خضرا میں تجھے اپنے ہمراہ لے چلوں گا۔ جب میں نے سنا کہ وہاں میرا نام بھی ہے تو نہایت خوش ہوا۔

اس کی عادت تھی کہ وہاں ہمیشہ تین دن ٹھیرتا تھا۔ لیکن اب کی مرتبہ اس نے ہفتہ قیام کیا۔ تمام لوگوں کا راشن تقسیم کیا اور ان سے وصولی کی رسیدیں حاصل کیں اور واپس روانہ ہوا اور مجھے بھی اپنے ساتھ لیا۔ سمندر میں سولہ دن کے سفر کے بعد میں نے سفید رنگ کا پانی دیکھا اور نگاہ تعجب سے اسے دیکھا۔ مجھے شیخ نے کہا جس کا نام محمد تھا کہ کیوں بار بار پانی کو دیکھتا ہے۔ میں نے کہا۔ اس لئے کہ اس پانی کا رنگ عام پانی کے رنگ سے جدا ہے۔ اس نے کہا کہ یہی تو بحر ابیض ہے اور وہ سامنے جزیرۂ خضرا ہے۔ یہ بحر اس جزیرہ کے اردگرد قلعہ کی حیثیت سے ہے اور اللہ کی حکمت ہے کہ ہمارے کسی بھی دشمن کا جہاز جب یہاں پہنچتا ہے تو غرق ہو جاتا ہے خواہ کتنا ہی مضبوط و محکم کیوں نہ ہو اور یہ حضرت صاحب الامر کی برکت ہے۔

پس میں نے اس کو استعمال کیا اور پیا تو دریائے فرات کی طرح میٹھا تھا۔ پس تھوڑے وقت میں ہم وہ پانی

عبور کر کے ساحل جزیرہ پر پہنچے اور جہاز سے اُتر کر ایک شہر میں داخل ہوئے جس کے بلند بلند قلعے ، مضبوط فصیلیں تھیں اور اس کے اردگرد سات کوٹ تھے ۔ بالکل وہ شہر ساحل سمندر پر تھا ۔ نہریں جاری تھیں ۔ جن کے کناروں پر میوہ دار درخت موجود تھے اور قسم قسم کے پھل اور میوہ جات فراواں تھے ۔ شہر میں بارونق بازار بکثرت اور حمام متعدد موجود تھے ۔ اکثر عمارتیں صاف وشفاف سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھیں ۔ لوگ نہایت خوبرو اور خوش منظر تھے ۔ یہ دیکھ کر تو میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی ۔

پس وہ ساتھی محمد مجھے اپنے گھر میں تھوڑا آرام کرنے کے بعد مسجد جامع میں لے گیا ۔ وہاں لوگوں کا انبوہ تھا ۔ میں نے دیکھا ان کے درمیان ایک شخص نہایت باوقار اور وجیہہ تشریف فرما ہے ۔ لوگ اس کو سید شمس الدین کے نام سے پکارتے تھے اور اس سے قرآن و فقہ و اصول کا علم حاصل کرتے تھے ۔ جس کو وہ تفصیل وار صاحب الامر سے حاصل کیا کرتا تھا ۔ جب میں حاضر خدمت ہوا تو انہوں نے نہایت مہربانی سے میرے ساتھ بات چیت کی ۔ احوال سفر پوچھے اور مجھے بتایا کہ تیرے تمام کوائف وحالات مجھے معلوم ہیں اور شیخ محمد میرے کہنے پر تم کو اپنے ہمراہ یہاں لایا ہے ۔ پھر مسجد کے ایک گوشہ میں مجھے ایک جگہ دی گئی تاکہ خلوت و راحت کے وقت وہاں آرام کروں ۔ چنانچہ میں عصر تک وہاں سویا رہا ۔ جب اٹھا تو ایک قاصد نے اطلاع دی کہ آپ کہیں نہ جائیں کیونکہ سید مع مخصوص دوستوں کے رات کے کھانے کے لئے یہاں تشریف لا رہے ہیں ۔ چنانچہ وہ تھوڑی دیر میں تشریف لائے ۔ دستر خوان بچھایا گیا اور کھانا کھا کر نماز مغربین کے لئے ہم سب کھڑے ہوئے ۔ پھر نماز کے بعد ہر ایک اپنی قیام گاہ کی طرف چلا گیا ۔

اسی حالت میں اٹھارہ روز گزرے جب پہلا جمعہ میں نے پڑھا تو دیکھا سید نے دو رکعت نماز جمعہ وجوب کی نیت سے پڑھا ۔ میرے سوال پر سید نے جواب دیا کہ چونکہ وجوب جمعہ کی شرائط موجود ہیں ۔ پھر بوقت خلوت میں نے دریافت کیا کہ امام حاضر ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں ان کی جانب سے نائب خاص ہوں ۔ میں نے عرض کی ۔ کیا آپ ان کی زیارت کر چکے ہیں ؟ تو فرمایا نہیں ۔ بلکہ میرے والد فرماتے تھے ۔ میں نے ان کے فرامین کانوں سے سُنے ہیں لیکن زیارت نہیں کی اور میرے دادا نے ان کی احادیث بھی سُنی تھیں اور دیکھا بھی تھا ۔ میں نے عرض کی حضور ! یہ تخصیص کیوں ہے کہ بعض فیض حاصل کریں اور بعض محروم رہیں ؟ تو انہوں نے فرمایا ۔ خدا جسے چاہتا ہے اپنا فضل عنایت فرماتا ہے اور یہ اس کی اپنی حکمت ہے ۔ اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہے اور ہر حجت خدا کے لئے ایک سفیر ہوتا ہے جو ان کی جانب سے لوگوں تک احکام پہنچاتا ہے ۔

سید نے میرا ہاتھ پکڑا اور شہر سے باہر سیر و تفریح کیلئے مجھے لے گیا ۔ میں نے نہریں ، باغات اور قسم قسم کے میوہ جات سے لدے ہوئے درخت دیکھے جو نہایت خوش شکل اور خوش ذائقہ تھے ۔ انگور ، انار ، ناشپاتی وغیرہ

جو میں نے عراق میں نہ دیکھے تھے اور نہ شام میں ان کا وجود تھا وہاں بکثرت موجود تھے۔ ہم ایک باغ سے دوسرے باغ کی طرف سیر کرتے جا رہے تھے کہ ہمارے پاس سے ایک نہایت وجیہہ انسان گزرا جس نے ایک سفید ادنیٰ چادر کندھے پر ڈالی ہوئی تھی۔ ہمارے قریب آکر سلام دیا اور چلا گیا۔ میں نے اس کی ہیئت سے متاثر ہو کر سید سے دریافت کیا کہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں یہ پہاڑ کی چوٹی نظر آرہی ہے۔ میں نے کہا جی ہاں پس فرمایا اس کے وسط میں ایک عالیشان مکان ہے اور وہاں ایک سرسبز و شاداب درخت کے نیچے ایک آب جاری کا چشمہ ہے اور اینٹوں سے بنا ہوا ایک گنبد ہے یہ شخص اور ایک دوسرا ساتھی اس گنبد کے دربان ہیں اور میں جمعہ کی صبح کو وہاں جاتا ہوں، زیارتِ امام پڑھتا ہوں اور دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں۔ پس مجھے وہاں ایک رقعہ ملتا ہے جس میں میرے ضروری مسائل کا حل ہوتا ہے اور مجھے ان پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے تم بھی وہاں جاؤ اور قبۂ امام کی زیارت کرو۔

میں وہاں گیا سب کچھ ویسا پایا جیسا کہ سید نے بیان کیا تھا۔ دو خادم دیکھے جس نے مجھے سید کے ہمراہ دیکھا تھا۔ وہ میرے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آیا اور دوسرے نے ناپسندیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تو پہلے خادم نے کہا ایسا مت کرو کیونکہ میں نے اس کو سید شمس الدین کے ہمراہ دیکھا تھا۔ چنانچہ پھر وہ بھی میرے ساتھ اچھا پیش آیا۔ دونوں کے ساتھ باتیں ہوتی رہیں۔ وہ کھانا لائے انگور پیش کئے۔ میں نے جی بھر کے کھایا اور اس چشمۂ شیریں سے پانی بھی پیا اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی۔ ان دونوں خادموں سے زیارتِ امام کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ ناممکن ہے اور ہمیں اجازت نہیں کہ اس بارے میں کسی کو کچھ بتائیں۔ پس میں نے ان سے التماس دعا کی اور انہوں نے میرے حق میں دعا کی پھر میں رخصت ہو کر واپس آیا اور سید کے مکان پر پہنچا تو جواب ملا کہ وہ باہر کسی کام کے لئے تشریف لے گئے ہیں چنانچہ میں شیخ محمد کے گھر چلا گیا جس کے ہمراہ آیا تھا اور اس کو سب ماجرا سنا دیا۔ اس نے کہا کہ وہاں جانے کے لئے سوائے سید شمس الدین کے یا ان جیسے لوگوں کے اور کسی کو اجازت نہیں ہے۔ اسی لئے تو دوسرا خادم تمہارے جانے کو ناپسند کر رہا تھا۔ پھر میں نے اس سے سید شمس الدین کے حالات پوچھے تو اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت صاحب الامر کی پانچویں پشت میں ان کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی جانب سے نائب خاص ہیں۔

علی بن فاضل مازندرانی کہتا ہے کہ میں نے سید سے قرأت قرآن، علوم دینیہ کے مشکل مقامات اور دیگر مسائل ضروریہ کے دریافت کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا سب سے پہلے قرأت قرآن ضروری ہے چنانچہ جب میں ایسی جگہ پر پہنچا جہاں قاریوں میں اختلاف تھا اور اختلافِ قرأت بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ ہجرت سے سات قرائتیں تھیں لیکن جب حضور آخری حج پر تشریف لے گئے تو حضرت علی، حسنین ابی بن کعب عبداللہ بن مسعود

حذیفہ یمانی، جابر بن عبداللہ انصاری، ابو سعید خدری، حسان بن ثابت اور دیگر مخصوص صحابہ کی موجودگی میں حضورؐ نے پورا قرآن سنایا اور اختلافِ قرأت کے مقام پر جبریل نے صرف ایک قرأت کی نشاندہی کر دی جس کو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے تحریر کر لیا۔ پس اس کے بعد ایک ہی قرأت ہے۔ جو حضرت امیر علیہ السلام کی ہے پھر میں نے ترتیب آیات کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا وفاتِ پیغمبر کے بعد دو شخصوں نے جب غصب خلافت کیا تو حضرت امیر علیہ السلام قرآن کو اٹھا کر ان کے پاس لے گئے جب کہ وہ مسجد میں جمع تھے اور فرمایا کہ بفرمانِ پیغمبرؐ میں اللہ کی کتاب کو تمہارے پاس لایا ہوں تاکہ حجت قائم ہو جائے تو امت کے فرعون و نمرود نے جواب دیا کہ ہمیں تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے حبیب خدا نے بھی تمہارے متعلق یہ خبر سنائی تھی لیکن میں نے اتمام حجت کرنی تھی۔ پس واپس تشریف لائے اور اللہ کو اس امر پر گواہ بنایا۔

ابن ابی قحافہ نے لوگوں میں منادی کرائی کہ جس کے پاس کوئی سورہ یا آیت ہو وہ لے آئے چنانچہ ابو عبیدہ عثمان سعد بن ابی وقاص، معاویہ، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، ابو سعید خدری، حسان بن ثابت اور دیگر مسلمانوں نے جمع قرآن کی ایک کمیٹی بنائی اور یہ قرآن جمع کیا اور آیاتِ قرآن کے غیر مرتبط ہونے کی بھی یہی وجہ ہے اور حضرت امیر علیہ السلام نے جو قرآن جمع فرمایا تھا وہ حضرت صاحب الامر کے پاس محفوظ ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے حتیٰ کہ خراش کے تاوان کا بھی اس میں ذکر ہے اور یہ موجودہ قرآن اس کی صحت اور کلام خدا ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور حضرت صاحب الامر علیہ السلام سے یہی فیصلہ صادر ہوا ہے۔

شیخ کہتا ہے۔ میں نے سید شمس الدین سے کافی مسائل دریافت کئے جو نوّے سے زیادہ ہیں اور وہ میں نے ایک رسالہ میں جمع کئے ہیں جس کا نام میں نے "فوائد شمسیہ" رکھا ہے۔ صرف مخلص مومنین کو ان سے مطلع کیا کرتا ہوں۔

جب دوسرا جمعہ آیا تو نماز کے بعد سید نے مومنین کے سامنے مسائل بیان کئے۔ اچانک میں نے مسجد کے باہر شور و غل سنا تو دریافت پر معلوم ہوا کہ ہماری فوج کے افسر ہر ماہ کے درمیانی جمعہ میں ظہور حجت کی انتظار کرتے ہیں۔ میں اجازت لے کر ان کو دیکھنے کے لئے گیا تو ایک بڑی جماعت دیکھی جو تسبیح و تحمید و تہلیل پروردگار میں مشغول تھے اور ظہور امام کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ میں واپس مسجد میں آیا تو سید نے پوچھا۔ فوج دیکھی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں! آپ نے فرمایا فوجی افسر شمار کئے تھے۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ تو فرمانے لگے۔ ان کی تعداد (۳۰۰) تین سو ہے۔ تیرہ کم ہیں۔

میں نے پوچھا۔ ظہور کب ہو گا؟ تو فرمایا۔ یہ اللہ کو معلوم ہے اور اس کا تعلق اللہ کی مشیت پر ہے اور بعض اوقات خود امام کو بھی اس کی اطلاع نہیں دی جاتی۔ ہاں اس کی علامات ہیں اور ان میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ ذوالفقار بول اٹھے گی اور اپنے نیام سے نکل کر عربی فصیح میں کہے گی۔ قُمْ یَا وَلِیَّ اللّٰہِ عَلٰی اسْمِ اللّٰہِ فَاقْتُلْ بِیْ اَعْدَاءَ

اللہ۔ (اے اللہ کے ولی! اُٹھو، باذن خدا اور میرے ساتھ دشمنانِ خدا کو قتل کرو) اور ان علامات میں سے یہ بھی ہے کہ تین آواز بلند ہوں گے جن کو ہر شخص سُنے گا۔

پہلی آواز ——— اَزِفَتِ الْاٰزِفَۃُ۔

دوسری آواز ——— اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ

تیسری آواز ——— قرن شمس میں ایک بدن ظاہر ہوگا جو حضرت قائم کے ظہور کا اعلان کرے گا۔

میں نے عرض کی ہم نے اپنے مشائخ سے بعض روایات سنی ہیں جو حضرت صاحب الامر کی طرف منسوب ہیں کہ جب غیبت کبریٰ ہوئی تو آپ نے فرمایا تھا میری غیبت کے بعد جو شخص میرے دیکھنے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے آپ نے فرمایا۔ یہ درست ہے اور یہ اس زمانہ کے لئے آپ نے فرمایا تھا۔ جب کہ دشمنانِ اہل بیت، کی کثرت تھی اور فراعنہ بنی عباس کا زور تھا۔ اسی لئے شیعہ ایک دوسرے کو آپ کے ذکر سے روکا کرتے تھے۔ لیکن اب زمانہ کافی گزر چکا ہے۔ دشمن مایوس ہوگئے ہیں اور ہمارا ملک ان کے مظالم بلکہ اُن کی دسترس سے بعید ہے حضور کی برکت سے یہاں کوئی دشمن پہنچنے کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔

میں نے دریافت کیا کہ علمائے شیعہ نے حضرت صاحب الامر سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ انہوں نے خمس اپنے شیعوں پر مباح کیا ہے کیا آپ نے بھی حضور سے یہ روایت حاصل کی ہے۔ تو فرمایا۔ ہاں انہوں نے رخصت دی ہے اور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد میں سے اپنے شیعوں کے لئے اس کو مباح قرار دیا ہے پھر میں نے دریافت کیا کہ عامۃ المسلمین کے قید کردہ غلام و کنیزوں کی خرید کے لئے حضور نے شیعوں کو اجازت دی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! اور یہ مسائل ان کے علاوہ ہیں۔ جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور سیّد نے فرمایا کہ سال وتر میں رکن اور مقام کے درمیان حضور کا ظہور ہوگا۔

میں نے عرض کی تا وقتِ ظہور میں اسی جگہ پر رہنے کا خواہش مند ہوں تو سیّد نے جواب دیا کہ تیری واپسی کا حکم پہنچ چکا ہے۔ جس کی میں یا تو مخالفت نہیں کر سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ تم عیال دار ہو اور کافی عرصہ سے ان سے دُور ہو۔ اب اس سے زیادہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے اور تمہیں ضرور وہاں پہنچ جانا چاہیئے۔ یہ سن کر میرے دل پر بڑا اثر ہُوا اور بہت رویا اور عرض کی۔ آقا کیا میرے معاملہ میں نظرِ ثانی نہیں ہو سکتی؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں پھر میں نے پوچھا کہ میں نے جو کچھ دیکھا یا سُنا ہے کیا یہ لوگوں کے سامنے بیان کر سکتا ہوں؟ تو فرمایا۔ بے شک بیان کرو تاکہ مومنوں کے دل مطمئن ہوں مگر فلاں فلاں بات بیان نہ کرنا۔ (یعنی بعض باتوں کو بیان کرنے سے روک دیا)

میں نے پوچھا کیا ان کے جمال کی زیارت نہیں ہو سکتی؟ تو جواب دیا نہیں۔ لیکن اے برادر! یہ یقین جانو کہ ہر مخلص مومن امام کو دیکھ سکتا ہے لیکن پہچانتا نہیں۔ میں نے عرض کی۔ مخلص تو میں بھی ہوں۔ لیکن ابھی تک

زیارت سے محروم ہوں ۔ سید نے جواب دیا کہ تم دو دفعہ زیارت کر چکے ہو ۔ ایک دفعہ جب کہ تم پہلی بار سر من رای کی طرف آئے اور تمہارے ساتھی تم سے آگے نکل گئے پھر تنہا تم ایک نہر کے کنارے پہنچے جس میں پانی موجود نہ تھا پس تمہارے پاس ایک گھوڑے سوار پہنچا جس کے ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ تھا ۔ جس پر دمشقی سنان جڑی ہوئی تھی تم دیکھ کر خوف زدہ ہوئے لیکن انہوں نے فرمایا ۔ خوف نہ کرو اور ساتھیوں سے مل جاؤ کہ وہ فلاں درخت کے نیچے تمہاری انتظار میں ہیں ۔ فوراً وہ واقعہ ذہن میں آگیا اور میں نے کہا ۔ آپ سچ فرماتے ہیں ۔ دوسری مرتبہ جب دمشق سے تم اپنے اندلسی استاد کے ہمراہ عازم سفر مصر تھے اور قافلے سے رہ گئے تھے اور تمہیں سخت خطرہ لاحق ہوا تھا ۔ پس ایک گھوڑے سوار پہنچا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور فرمایا ۔ بلا خوف اس بستی میں چلے جاؤ جو دائیں طرف واقع ہے وہاں رات گذارو اور ان کو اپنے مذہب سے بھی مطلع کرو اور ان سے تقیہ نہ کرو کیونکہ وہ لوگ مع اردگرد کی بستیوں کے سب مخلص مومن ہیں ۔ علی اور اولاد علی کی امامت کے قائل ہیں ۔ اے ابن فاضل! کیا یہ بات درست ہے ؟ میں نے کہا ۔ ہاں میں ان کے پاس گیا تھا ۔ رات گذاری تھی انہوں نے میری بڑی عزت کی تھی ۔ میں نے ان سے اپنا مذہب پوچھا تو انہوں نے مجھ سے تقیہ کئے بغیر صاف صاف کہہ دیا کہ امیر المومنین (علیہ السلام) اور ان کی ذریت طاہرہ کے مذہب پر ہیں ۔ میں نے پوچھا تھا کہ مذہب تم کو کیسے ملا ہے ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ابوذر غفاری کو جب عثمان نے شام بھیجا تھا اور معاویہ نے ان کو ہمارے علاقہ کی طرف نکال دیا تھا تو یہ سب ان کے وجود مسعود کی برکت سے ہے کہ ہم لوگ شیعہ ہیں ۔

جب صبح ہوئی تو میں نے اپنے قافلہ سے ملنے کی خواہش کی تو انہوں نے میرے ساتھ دو آدمی روانہ کئے جنہوں نے مجھے قافلے سے ملا دیا ۔ میں نے بھی ان کو اپنا مذہب بتایا تھا ۔ پھر میں نے پوچھا ۔ اے سید! کیا امام حج کو بھی جایا کرتے ہیں ؟ تو فرمایا ۔ اے ابن فاضل! تمام دنیا مومن کے لئے ایک قدم ہے ۔ تو جس کے وجود کے ساتھ پوری دنیا قائم ہے اس کے لئے کیا مشکل ہے ؟ ہاں وہ ہر سال حج کو بھی جاتے ہیں ۔

نیز مدینہ ، عراق اور طوس میں اپنے آباء طاہرین کی زیارت بھی کرتے ہیں اور پھر واپس تشریف لے آتے ہیں ۔

پھر سید شمس الدین نے تاکیداً کہا کہ عراق واپس جاؤ اور بلاد مغرب میں نہ ٹھیرو اور انہوں نے فرمایا کہ ہمارے درہموں پر توحید و رسالت و ولایت کے علاوہ حضرت قائم علیہ السلام کی مہر ہوتی ہے ۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اسی سکہ کے پانچ درہم عنایت کئے ۔ جو برکت کے لئے میرے پاس محفوظ ہیں ۔ پھر مجھے انہی جہازوں کے ساتھ روانہ کیا ۔ جن کے ساتھ میں یہاں پہنچا تھا ۔ پس میں اسی شہر میں پہنچا ۔ جہاں زمین بربر کے شہر

میں پہلی مرتبہ آیا تھا۔ انہوں نے مجھے گندم اور جو بھی دیئے کہ جو وہاں ایک سو چالیس دینار طلائی پر میں نے فروخت کر دیئے اور سید شمس الدین کی فرمائش کے ماتحت میں نے اندلس جانا ملتوی کر دیا اور وہاں سے قافلہ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے قصد سے مکہ پہنچا اور حج سے فارغ ہو کر عراق آیا اور یہاں تازیست مجاورت کا قصد کر لیا۔

شیخ زین الدین علی بن فاضل مازندرانی فرماتے ہیں کہ وہاں (جزیرہ خضراء میں) سوائے پانچ علماء امامیہ کے اور کسی کا ذکر میں نے نہیں سنا۔

۱۔ سید مرتضیٰ موسوی۔
۲۔ شیخ ابو جعفر طوسی۔
۳۔ محمد بن یعقوب کلینی۔
۴۔ ابن بابویہ
۵۔ شیخ ابوالقاسم جعفر بن سعید حلی۔

نوٹ:۔ یہ روایت سند کے لحاظ سے انتہائی کمزور ہے اس کا مقطوع و مرسل ہونا اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کو استنباط احکام کا مأخذ قرار دیا جائے۔ بنابریں اباحت خمس کیلئے اس روایت کو سہارا بنانا جائز نہیں ہے۔ نیز ممکن ہے اباحت خمس سے مراد یہ ہو کہ غیبت کے زمانہ میں مستحقین خمس کا کھانا ہم نے مباح کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن لوگوں پر حسب شرائط خمس عائد ہوتا ہے۔ ان پہ مباح ہے یعنی وجوب خمس ساقط ہے۔ حاشا وکلا۔

(مترجم)

ربطِ آیات

چونکہ قرآن مجید کی آیات میں ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا اس لئے جنگ بدر کی کوئی آیت کہیں اور کوئی کہیں ہے اور ہجرت کے متعلق کچھ آیات گزر چکی ہیں اور کچھ آئندہ مذکور ہوں گی اور تمام واقعات بلکہ احکام کی یہی صورت ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری جمع کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے ایسی صورت میں آیاتِ مجیدہ کا آپس میں ربط تلاش کرنا محض بے سود و بے معنی تکلف ہے۔

پارہ نمبر ۱۰

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جانو تحقیق جو فائدہ حاصل کرو شے کا تو تحقیق اللہ کے لئے اس کا خمس اور رسول

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ

اور ذوالقربیٰ اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم ایمان

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ

رکھتے ہو اللہ پر اور جو اتارا ہم نے اوپر اپنے بندے کے فیصلے

یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

کے دن جس دن فریقین لڑے اور اللہ ہر شے کے اوپر قادر ہے

رکوع نمبر ۱

خمس کا بیان

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ ۔ سب سے پہلے غنیمت کا مفہوم سمجھنا ضروری ہے تاکہ مطلب کی پوری وضاحت ہو سکے۔ لغت کے اعتبار سے غنیمت کا اطلاق ہر اس فائدہ پر ہوتا ہے جو انسان کو حاصل ہو جیسا کہ "مجمع البحرین" سے منقول ہے۔ الغنیمة فی الاصل هی الفائدة المکتسبة یعنی غنیمت لغت میں ہر اس فائدہ کو کہتے ہیں جو کمایا جائے۔ مقنعہ میں شیخ مفید سے منقول ہے۔ الغنائم کلما استفید بالحرب من الاموال وما استفید من المعادن والغوص والکنوز والعنبر وکلما فضل عن ارباح التجارات والزّراعات والصّناعات من المؤنة والکفایة طول السنة علی الاقتصاد۔ یعنی غنائم ہر وہ مال جو لڑائی سے حاصل ہو اور ہر وہ چیز جو کانوں، خزانوں اور غوطہ زنی سے حاصل ہو اور عنبر اور ہر وہ چیز جو تجارت، کھیتی باڑی اور کاریگری کے منافع سے سال بھر کے متوسط طور پر اخراجاتِ خانگی سے بچ جائے۔ علامہ طبرسی نے "مجمع البیان" میں فرمایا ہے کہ علمائے امامیہ کے نزدیک خمس ہر فائدہ پر واجب ہے جو کسی کاریگری کے ذریعے سے حاصل ہو یا تجارت سے اور خزانوں، کانوں اور غوص یعنی غوطہ سے حاصل شدہ اشیاء پر بھی خمس واجب ہے اور اسی آیت مجیدہ سے اس مطلب پر استدلال کیا جاسکتا ہے کیونکہ عرف لغت میں ان تمام چیزوں کو غنیمت کہا جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی آیت مجیدہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ هی واللّٰه الافادة یوم بیوم یعنی

غنیمت غذا کی قسم روزمرہ کے کسب کا نام ہے۔ بروایت سماعہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا لوگ جو کچھ بھی کمائیں خواہ کم ہو یا زیادہ سب پر خمس واجب ہے۔
چونکہ بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو انسان کو حاصل ہوتی ہیں اور ان پر غنیمت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مثلاً وراثت لہٰذا وہ اطلاق آیت اور عموم روایت سے خارج ہیں۔

وجوب خمس احادیث کی رُو سے

(۱) بروایت شیخ ایک شخص نے امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا کہ کیا خمس انسان کی تمام کمائی پر واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ اور جائیداد پر بھی واجب ہے؟ تو آپ نے اپنی تحریر مبارک سے جواب دیا کہ خمس اخراجات کے بعد واجب ہے۔

(۲) بروایت شیخ ایک شخص نے امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ایک شخص کو اپنی جائیداد سے ایک سو کر گندم وصول ہوئی۔ پس اس کا دسواں حصہ دس کُر تو زکوٰۃ میں چلے گئے اور زمین کی آبادی اور کاشت کے اخراجات میں تیس کُر خرچ ہوئے باقی ساٹھ کُر اس کے پاس موجود ہیں تو اب اس پر کیا واجب ہے؟ تو فرمایا۔ اس کے اخراجات ضروریہ سے جو زائد ہو اس میں سے ہمارا خمس (پانچواں حصہ) ہے۔

(۳) علی بن مہریار سے روایت ہے کہ مجھے ابو علی بن ارشد نے بیان کیا کہ میں نے بیان کیا کہ میں نے امام کی خدمت میں عرض کی۔ حضور آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کے حکم کی ترویج کروں اور آپ کے حقوق وکالتاً وصول کروں۔ جب میں نے آپ کے شیعوں کو بتایا تو ان میں سے بعض نے دریافت کیا کہ امام کا حق کیا ہے؟ تو مجھے اس کا جواب معلوم نہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ ان پر خمس واجب ہے تو میں نے پوچھا کس چیز میں؟ تو آپ نے فرمایا۔ ان کے سامان میں اور ان کے منافع میں۔ میں نے عرض کی۔ کیا تاجر پر بھی ہے؟ اور اپنے ہاتھ سے کمانے والے پر بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ ان کے اخراجات سے زائد ہو تو واجب ہے۔

(۴) ایران کے ایک تاجر نے امام رضا علیہ السلام سے خمس کی معافی چاہی تو آپ نے اس کو جواب لکھا۔
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۰ خدا واسع کریم ہے۔ عمل کی جزا دیتا ہے اور مخالفت پر سزا دیتا ہے۔ مال اسی طریقہ سے حلال ہوتا ہے جس طرح اللہ حلال کرے۔ تحقیق خمس کا ادا کرنا دینی، خانگی اور جملہ ضروریات خرید و فروخت کے لئے ہماری اعانت ہے۔ اس سے جی نہ چراؤ اور تاحدِ امکان اپنے نفسوں کو ہماری دعاؤں سے محروم نہ کرو کیونکہ خمس کا ادا کرنا تمہارے رزق کی کنجی ہے۔ گناہوں سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے اور تمہارا وہ عمل صالح ہے جو ضرورت کے دن (بروزِ قیامت) تمہیں کام آئے گا۔ مسلمان وہی ہے جو اپنے عہد کی وفا کرے اور وہ مسلمان نہیں جو زبان سے جی ہاں کہے اور دل سے اس کے خلاف ہو۔ والسلام

(۵) خراسان کی ایک جماعت نے امام رضا علیہ السلام سے خمس کی معافی کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا یہ کس قدر حیلہ سازی اور مکاری ہے کہ زبان سے تو تم لوگ خالص محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور ہمارے اس حق سے جی چراتے ہو جو مخصوص ہمارا ہے اور ہم اس کے لئے ہیں اور وہ خمس ہی ہے ہم یہ معاف نہ کریں گے

(۶) عبداللہ بن سنان سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کوئی فائدہ حاصل کرے یا کمائے تو حاصل شدہ چیز پر جناب فاطمہ اور ان کی ذریت ائمہ کا حق خمس واجب ہے۔ پس خمس انہی کا حق ہے وہ جہاں چاہیں اس کو خرچ کریں اور خدا نے ان پر صدقہ حرام کیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر درزی کپڑے کی سلائی پانچ دانق وصول کرے تو اس میں سے ایک دانق ہمارا حق ہے مگر سوائے اس کے جو ہم اپنے شیعوں کو معاف کردیں تاکہ ان کی نسلیں حلال سے ہوں۔ (شاید اسی استثنا سے مراد اخراجات ضروریہ ہوں کہ ان سے زائد پر خمس واجب ہوتا ہے ورنہ آیت کے عموم کی رو سے تمام حاصل کردہ منافع پر خمس آنا چاہیے تھا) کیونکہ قیامت کے دن زنا کی بازپرس سب گناہوں سے سخت تر ہوگی اور صاحب خمس کھڑے ہوکر دعوے دائر کرے گا کہ اے پروردگار ان لوگوں سے پوچھ کہ انہوں نے کس مال سے نکاح کیا تھا۔

اب ان احادیث کے مطالعہ کے بعد خمس کے وجوب میں شک وشبہ کی ذرا بھر گنجائش نہیں اور یہ خمس ہر حاصل شدہ منفعت میں اخراجات ضروریہ کے نکال لینے کے بعد واجب ہے خواہ تھوڑا بچے یا زیادہ۔

بحث لطیف

جو لوگ دورِ حاضر میں خمس کے وجوب سے انکار کرتے ہیں ان کا سہارا چند احادیث ہیں جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں۔ ان احادیث کے نقل سے پہلے ایک تمہیدی وضاحت ضروری ہے تاکہ فرمان معصوم کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ وہ یہ کہ آیت مجیدہ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ...... الخ میں اصطلاح لغت اور فرمان معصوم سے واضح کیا جاچکا ہے کہ غنیمت سے مراد یہاں ہر فائدہ ہے اور اس کا مفہوم اور حکم تاقیامت زندہ ہے اگر اس کو غنائم دارالحرب تک ہی محدود کردیا جائے تو آیت مجیدہ کی زندگی جہاد کے زمانہ تک ہی محدود ہو جائے گی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

چونکہ آیت منسوخ نہیں لہذا خمس کا وجوب ہر زمانہ کے لئے یکساں ہے اور آئمہ طاہرینؑ احکام شرعیہ کے مروج ہیں وہ کسی حکم شرعی کو منسوخ نہیں کرسکتے یعنی جس چیز کو جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واجب فرمایا ہے آئمہ اس کا وجود ختم نہیں کرسکتے بلکہ اس کی ترویج کرتے ہیں۔ اسی طرح جس کو زبان رسالت نے حرام کہا ہے۔ آئمہؑ اس کی حرمت کے ناشر ہیں۔ اس کو جائز نہیں بنا سکتے کیونکہ حدیث مشہور ہے۔ محمدؐ کا حلال قیامت تک حلال ہوگا اور محمدؐ کا حرام قیامت تک حرام ہوگا۔ البتہ کسی خارجی رکاوٹ کی بنا پر کسی واجب پر عمل نہ کرسکنا اس کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔ جس طرح نماز جمعہ کا وجوب ثابت ہے اور آیت مجیدہ اس پر نص صریح ہے لیکن آئمہ اس سے

معذور تھے۔ اس لئے آئمہ نے کبھی جمعہ کے وجوب کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ معذوری کی بنا پر خود قائم نہ کر سکے۔ اس لئے کہ جمعہ کا قائم کرنا خلافت کا عہدہ تھا اور آئمہ کا جمعہ کو قائم کرنا ادعائے خلافت یا حکومت وقت سے بغاوت کے مترادف تھا اور آئمہ کے پاس چونکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے ظاہری اسباب موجود نہ تھے اس لئے گوشہ تنہائی میں صبر و سکون سے تبلیغ مذہب حقہ کرنا ان کا شعار رہا اور یہی ان کا فرض منصبی تھا۔

اسی طرح خمس کی وصولی کا حق بھی چونکہ حکومت الٰہیہ کے عہدہ داروں کو ہی پہنچتا ہے اور دور تقیہ میں اپنے شیعوں کو ادائیگی خمس پر مامور کرنا یا خمس کے وجوب پر زور دینا حکومت وقت کی آواز کے بالمقابل آواز بلند کرنے کے مترادف تھا کیونکہ یہ بھی ایک خراج ہے جس کی ادائیگی لازم ہے اور حکومت وقت خراج کی وصولی کا ٹھیکیدار اپنے آپ کو سمجھا کرتی ہے پس اس وضاحت سے چند امور منکشف ہوئے۔

(۱) آیت کا فرمان تا قیامت زندہ ہے اور غنیمت سے مراد ہر حاصل شدہ فائدہ ہے۔
(۲) آیت مجیدہ کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔
(۳) آئمہ طاہرین علیہم السلام قرآنی احکام کو بدلا نہیں کرتے بلکہ وہ ان کے مروج و مبلغ ہوتے ہیں۔
(۴) آئمہ طاہرین علیہم السلام کا کسی حکم سے تسامح وقتی معذوری کے پیش نظر ہوتا ہے اس کا مطلب حکم کی نوعیت کو بدلنا نہیں ہوتا۔

اب ذرا احادیث کا جائزہ لیجئے تو حقیقت صاف آشکار ہو جائے گی۔

۱۔ صحیحہ حارث بن مغیرہ کہتا ہے۔ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ہمارے پاس از قسم غلات و تجارت وغیرہ کچھ مال ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ اس میں آپ کا حق ہے تو آپ نے فرمایا ہم نے اپنے شیعوں کو حلال نہیں کیا مگر اس لئے کہ ان کی نسلیں پاکیزہ ہوں اور جو شخص بھی میرے آباء طاہرینؑ کی ولا رکھتا ہے تو اس کے پاس جو ہمارا حق ہے۔ ہم نے اسے حلال کیا ہے پس جو حاضر ہیں وہ یہ بات غائب تک پہنچا دیں۔ اس حدیث میں چند باتوں کی پوری وضاحت موجود ہے۔

اس زمانہ کے شیعوں کو پوری طرح یقین تھا کہ تمام فوائد میں خمس واجب ہوا کرتا ہے اور یہ چیز ان کے مسلمات میں سے تھی۔ اسی لئے تو اس نے حکم دریافت نہیں کیا۔ بلکہ اپنے اوپر وجوب خمس کا عائد ہونا بیان کیا اور دبی زبان میں اپنی معذرت بیان کی۔

چونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور تقیہ کا دور تھا حکومتی نمائندے ایسی باتوں پر کڑی نظر رکھتے تھے اور معمولی شکوک و شبہات سے انسانوں کی زندگیاں ختم کر دی جاتی تھیں۔ ایسی صورت میں ان کا مال خمس خدمت امام میں پیش کرنا جہاں ان کی جان و مال و عزت کے لئے باعث خطرہ تھا۔ وہ امام عالی مقام کے وجود

ذی جود کے لئے بھی منافی امن تھا۔ پس سائل دبی زبان میں وجوب کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنے عملی اقدام کی معذرت کو پیش کر رہا ہے جس کو معصوم سمجھتے ہیں۔

- معصوم نے اپنے جواب میں وجوب خمس کا انکار نہیں فرمایا۔
- چونکہ خمس کی عدم ادائیگی کی صورت میں مال میں حرام کی ملاوٹ ہو جائے گی اور خون گوشت پوست میں حرام مل جائے گا۔ لہٰذا نطفہ کا انعقاد بھی حرام ہو جائے گا۔ عورتوں کے حق مہر بھی مال حرام سے ہوں گے۔ پس معصوم نے ان کو اپنا حق مہر معاف کر دیا اور یہی وجہ بتلائی کہ تم لوگوں کی نسلیں خراب نہ ہوں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا اپنے دور میں مقتضائے تقیہ یا کسی دوسری مصلحت کے ماتحت اپنا حق معاف کر دینے سے ضروری نہیں کہ اب ان کا حق نہیں رہا بلکہ ایک امام کا اپنے دور والوں کو معاف کر دینے سے ضروری نہیں کہ ان کے بعد والے آئمہ بھی معاف کر دیں۔ اسی لئے تو سابقہ روایات میں امام محمد تقی علیہ السلام اور امام علی نقی علیہ السلام نے لوگوں کو خمس کی ادائیگی کی تاکید فرمائی اور امام رضا علیہ السلام نے خمس کی معافی چاہنے والوں کو سخت الفاظ سے خطاب فرمایا اور ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ان کے زمانے والے شیعوں کو بھی خمس کے وجوب کا یقین تھا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی اپنے زمانے کے شیعوں کو معافی دینے سے ان لوگوں نے یہ نتیجہ نہیں نکالا تھا کہ بس خمس معاف ہو گیا ہے بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ معافی خاص مصلحت کے ماتحت تھی اور اب چونکہ وہ مصلحت موجود نہیں۔ اس لئے امام سے معافی کی درخواست کی جو مسترد کر دی گئی اور معصوم کا معاف کر دینا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ لیکن امام سمجھتے تھے کہ اس معافی سے لوگ ایک اہم فریضہ شرعیہ سے رفتہ رفتہ گریز کرتے کرتے انکار پر آجائیں گے لہٰذا امام نے پہلے سے ڈانٹ دیا۔ تاکہ انکار وجوب تک نوبت ہی نہ آئے اور لوگوں کے دلوں میں فریضہ شرعیہ کی اہمیت باقی رہے۔

۲۔ خبر یونس بن یعقوب کہتا ہے میری موجودگی میں ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہمارے پاس تجارت کے یا دوسری قسم کے اموال و منافع موجود ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ کا اس میں حق ہے اور ہم ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ما انصفناکم ان کلفناکم ذلک الیوم (ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا اگر اس زمانے میں بھی تمہیں تکلیف دیں۔

اس روایت میں بھی سائل کو وجوب کا اعتراف ہے لیکن اس کی ادائیگی سے اپنی تقصیر کو ظاہر کرتا ہے اور امام کے جواب سے صاف ظاہر ہے کہ زمانہ کی روش نہایت خطرناک تھی اور یہ معافی صرف اسی زمانہ کی موجودہ پالیسی کے ماتحت تھی۔

۳۔ صحیحہ فضلاء حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

ھَلَكَ النّاس فی بطونھم و فروجھم لانھم لم یؤدّوا الینا حقنا۔ (لوگ اپنے شکموں اور فروج کے بارے میں ہلاک ہو گئے ہیں کیونکہ انہوں نے ہمیں اپنا حق نہیں دیا) اس کے بعد روایت کے لفظ ہیں الّا وان شیعتنا من ذالك وآباءھم فی حل۔ (لیکن ہمارے شیعہ اور ان کے آباء کو ہم نے معاف کر دیا ہے) ظاہراً یہ آخری جملہ حضرت امیر علیہ السلام کے کلام سے نہیں ہے کیونکہ اس دور کے شیعہ لوگوں کے آباء کا زمانہ حضرت رسالتمآب کا زمانہ تھا جس میں حقوق کے غصب کا سوال ہی نہیں تھا بلکہ یہ جملہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا کلام معلوم ہوتا ہے اور ظاہراً ایسا ہی ہونا چاہیئے کہ ہم نے اپنے شیعوں اور ان کے آباء کو معاف کر دیا ہے اور وجہ یہی ہے جس طرح کہ مضمون روایت خود شاہد ہے تاکہ ان کے نطفے حلال ہوں اور یہ معافی بھی پرآشوب دور کے تقاضوں کے ماتحت ہی ہے۔

اسی مضمون کی اور روایات بھی صادقین علیہما السلام سے منقول ہیں اور ان سے صاف ظاہر ہے کہ وجوب خمس شیعیانِ آلِ محمد کے نزدیک مسلّم تھا اور آئمہ کی معافی ایک خاص وقت کے تقاضے کے ماتحت تھی اور نیز یہ بات بھی اظہر من الشمس ہو گئی کہ خمس کا حق دار صرف امام معصوم ہی ہے اور اس کو اختیار حاصل ہے کہ کسی کو کسی وقت معاف کر دے یا معاف نہ کرے۔

البتہ اس مقام پر ایک روایت حضرت حجۃ العصر عجل اللہ فرجہ علیہ السلام سے بروایت اکمال الدین منقول ہے کہ خمس ہمارے شیعوں پر مباح ہے اور وہ ان کو معاف کیا گیا ہے۔ تاوقتیکہ ہمارا امر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہ اس لئے کہ ان کی ولادتیں پاکیزہ رہیں۔

روایت کا ظاہر بھی صاف بتلاتا ہے کہ یہ معافی معذوری کے ماتحت واقع ہوئی ہے کیونکہ ابتدائی زمانہ غیبت میں دشمنانِ آلِ محمد خاندانِ عصمت کے آخری تاجدارِ امامت کو قتل کرنے کے درپے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ کسی طریقے سے اس فانوسِ امامت کو گل کر دیا جائے۔ کیونکہ فرمانِ قدرت اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں انہیں معلوم تھا کہ بارہواں تاجدارِ امامت غلبہ لے کر آئے گا اور دنیا والوں کا اقتدار ان کے ہاتھوں بالکل نیست و نابود ہو جائے گا۔ پس اپنے اقتدار کے بچاؤ اور سلطنت ملک کی بحالی کی خاطر امام غائب کی تلاش میں ہمہ تن کوشاں تھے جس طرح کہ ہر زمانے کے فرعون کا دستور ہے کہ جس کے متعلق اس کو اپنے اقتدار کے زوال کا خطرہ ہو اس کو ملیا میٹ کرنے پر تل جایا کرتے ہیں خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو تو حالاتِ حاضرہ کی بنا پر غیبت کی اس قدر اہمیت تھی کہ ان کے نام لینے کو بھی غیبت کے حکم میں رکھ دیا تھا کہ ان کا نام کھلے لفظوں سے نہ لیا جائے اور ان کی رویت کے متعلق بھی صاف حکم صادر ہوا کہ جو بھی رویت امام کا دعویٰ کرے۔ اس کو جھوٹا سمجھو۔ مقصد یہ تھا کہ دشمنانِ دین امام غائب کا سراغ نہ پا سکیں۔ لہٰذا بعید نہیں بلکہ قرینِ عقل ہے کہ معصوم نے خمس کی ادائیگی کا حکم بھی اسی وقتی تقاضے کے ماتحت برطرف

کردیا ہو اور اپنا حق معاف کردیا ہو تاکہ خمس ادا کرنے والوں کی آمدورفت کہیں حکومت وقت کے جاسوسوں کے لئے باعث شبہ نہ بن جائے اسی بناء پر تو ارشاد فرمایا کہ شیعوں کو معاف کیا گیا ہے تاوقتیکہ ہمارا امر ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ لفظ صاف بتلاتے ہیں کہ معافی معذوری کے ماتحت تھی اور اس لئے کہ ان کی ولادتیں پاکیزہ رہیں۔

اور جب کسی حد تک لوگ وجود امام سے مایوس ہو گئے اور انہیں کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو ادائیگی خمس کا حکم بھی سرکار حجۃ العصر علیہ السلام نے صادر فرمایا۔ چنانچہ ہبۃ اللہ راوندی سے "خرائج" میں منقول ہے کہ حسین نامی ایک شخص نے حضورؑ کی زیارت کی جبکہ آپ خچر پر سوار تھے۔ سبز عمامہ باندھا ہوا تھا اور پاؤں میں سرخ رنگ کے موزے تھے۔ فرمایا۔ اے حسین! تم کیوں میرے اصحاب کو اپنے مال کا خمس نہیں دیتے؟ اچھا تم فلاں مقام پر پرامن پہنچو گے اور وہاں کچھ کماؤ گے تو خمس اپنے مستحق کو بھیج دینا۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کی حضور سمعاً وطاعتاً اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ عمری آیا اور وہ خمس وصول کر کے لے گیا ——— الخبر

اب اس روایت سے صاف معلوم ہے کہ خمس کا وجوب کسی زمانہ میں برطرف نہیں ہوا۔ پس یہ حکم شرعی تاقیامت باقی ہے۔

البتہ اس مقام پر بعض روایات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ خمس تمام مال سے نکالنا واجب ہے حتیٰ کہ وراثت ہبہ، عطیہ اور حق مہر وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔

(۱) بروایت "تحف العقول" امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کو ایک خط لکھا کہ خمس تمام مال سے ایک دفعہ ادا کرنا واجب ہے۔

(۲) بروایت بصائر الدرجات امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا۔ جو حق اللہ کے لئے ہے وہ اس کے رسولؐ کے لئے ہے اور جو رسول کے لئے ہے وہ ہمارے لئے ہے اور مومنوں پر خدا کی جانب سے یہ آسانی ہے کہ اپنے رزق کے پانچ درہموں میں سے ایک خدا کیلئے مقرر کریں اور چار خود استعمال کریں اور پھر فرمایا کہ یہ ہماری حدیث میں سے صعب مستصعب ہے اس پر عمل نہ کرے گا اور نہ صبر کرے گا مگر وہ مومن جو امتحان سے پاس ہو۔

(۳) ابن طاؤس سے منقول ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے باپ سے نقل فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے ابوذر، سلمان اور مقداد سے شہادت توحید و رسالت و وصایت علیؑ کا اقرار لیا اور یہ کہ اللہ و رسول و آئمہ کی اطاعت اور اہل بیت کی مودت فریضہ واجبہ ہے۔ ہر مومن مرد و عورت پر اور یہ کہ نماز بروقت قائم کریں۔ اپنے مال حلال سے زکوٰۃ دیں اور مستحقین پر خرچ کریں اور اپنی تمام ملکیت سے خمس نکال کر مومنوں کے ولی و امیر کو دیں اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے آئمہ کو دیں۔ پس جو شخص عاجز ہو اور تھوڑا سا مال ہی دے سکتا ہو تو اولاد آئمہ میں سے ان کو دے جن کی حالت کمزور ہو اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو کمزور شیعوں کی امداد کرے اور اس میں

تقرب خدا کی نیت کرے۔

(۴) امام علی نقی علیہ السلام سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا خمس ہر اس چیز پر واجب ہے جو انسان کو حاصل ہو خواہ کم ہو زیادہ اور ہر قسم کی آمدنی پر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ اپنے ضروری اخراجات کے بعد خمس واجب ہے اور یہ روایت پہلے بھی نقل کی جا چکی ہے۔

(۵) بروایت کافی سماعہ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے خمس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ خمس ہر اس چیز میں واجب ہے جو حاصل ہو خواہ کم ہو یا زیادہ۔

تحقیق و تدقیق

لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت مجیدہ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ (اس بنا پر کہ غنیمت کا معنی مطلق استفادہ قرار دیا جائے) اس کا معنی یہ ہے کہ انسان کی جو بھی آمدنی ہو خواہ وہ کسی طریق حلال سے ہو اس سے خمس واجب ہے جب کہ اس آمدنی کو اس کی کمائی کہا جا سکے خواہ کاشت کاری سے ہو، باغات کے ذریعے سے ہو، تجارت ہو، صنعت و حرفت ہو، ٹھیکہ و اجارہ ہو یا وصولی کرایہ ہو یا مثلاً موجودہ زمانہ کی ڈاکٹری ہو یا بذریعہ ملازمت ہو، بہر کیف یہ صادق آسکے کہ اس نے مثلاً اتنا کمایا، تھوڑا کمایا، بہت کمایا اور جب آیت مجیدہ کا معنی صریح یہی ہے اور بعض سابق روایات بھی اس معنی کی تائید کرتی ہیں تو جن روایات میں تمام ملکیت سے خمس نکالنے کا حکم ہے ان کے اطلاقات کو مفہوم آیت اور مضمون سابقہ روایات سے تقیید دی جائے گی بلکہ بعید نہیں کہ کہا جائے کہ قرائن حالیہ، داخلیہ و خارجیہ کی بنا پر احادیث مطلقہ کا منصرف ہی وہی معنی مقید ہے پس روایات میں تمام مال اور تمام ملکیت سے مراد تمام کمائی ہے اور اکثر علمائے اعلام رضوان اللہ علیہم اللہ کا مسلک یہی ہے اور تمام ملکیت سے خمس کے وجوب کا قول بالکل شاذ ہے۔ بنا بریں وراثت، ہبہ، عطیہ، ہدیہ اور حق مہر وغیرہ پر خمس کا وجوب عائد نہ ہو گا اور جس آمدنی پر خمس کا وجوب عائد ہو گا۔ اس سے اس کے ضروری اخراجات مستثنیٰ ہیں جیسا کہ اکثر روایات میں اس کی صراحت موجود ہے پس مطلقات کو مقیدات پر حمل کیا جائے گا۔

صاحب "مصباح الفقیہ" فرماتے ہیں کہ اگر ان روایات کی رُو سے تمام مال میں سے خمس کا وجوب ثابت کیا جائے تو یہ اشکال وارد ہو گا کہ زمانۂ رسالت کے مسلمان اس معنی سے متعارف نہ تھے اور نہ زمانہ آئمہ کے شیعوں کو یہ بات معلوم تھی ورنہ تمام مال و ترکہ حتیٰ کہ میراث و ہبہ و حق مہر وغیرہ سے خمس کا وجوب ایک مسلمہ مسئلہ ہوتا اور ہر کہ ومہ کے کانوں تک پہنچ جاتا اور عورتیں اور بچے بھی اس کو جانتے ہوتے۔ پھر اس میں تو عوام الناس کے لئے بھی چوں و چرا یا اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی، چہ جائیکہ فحول علماء اور اجلہ فضلا کے درمیان یہ مسئلہ معرکۃ الآرا قرار پائے اور مجمع علیہ ہونا تو درکنار یہ تو قول بھی شاذ ہے اور اس کے مقابلہ کا قول مشہور بین الفقہاء ہے اور یہ قرینہ قطعیہ ہے کہ زمان آئمہ میں یہ مسئلہ معروف نہ تھا اور نہ زمانِ غیبت صغریٰ میں اس کا ذکر تھا کیونکہ زمانِ رسالت میں

اگر ہوتا تو یہ ضروریاتِ دین میں سے ہوتا اور اگر دَورِ ائمہ میں اس کا وجود ہوتا تو ضروریاتِ مذہب سے یہ مسئلہ قرار پاتا۔

بے شک یہی وجہ ہے کہ آئمہ طاہرینؑ سے خمس کے مسائل دریافت کرنے والوں نے اپنی تجارت وصنعت اور حرفت اور دیگر ذرائع آمدنی کا تذکرہ کیا اور خمس کے متعلق دریافت کیا کیونکہ ان آمدنیوں سے خمس کا تعلق ان کے نزدیک مسلّمات میں سے تھا اور کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ میرے پاس اتنی جائیداد ہے اتنے باغات ہیں یا اتنی دکانیں ہیں یا مجھے اتنی وراثت پہنچی ہے یا ہدیہ ملا ہے یا جاگیر ملی ہے یا فلاں عورت کو اتنا مہر ملا ہے وغیرہ وغیرہ لہٰذا ان کے خمس کے متعلق فرمائیے اور یہ ظاہراً اسی لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ یہ چیزیں خمس کا متعلق نہیں ہیں اور نہ آئمہ نے ان کو اس شق کی طرف متوجہ فرمایا اور اگر آمدنیوں کا تذکرہ بھی ہوا تو معصوم نے پوری آمدنی سے خمس کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا اس سے اپنے اخراجات متوسط نکال کر باقی سے خمس ادا کر دیا جائے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ خمس ہر کمائی سے واجب ہے خواہ کاشتکاری یا زمینداری یا صنعت کاری یا دکانداری یا بہرکیف کوئی ذریعہ آمدنی بھی ہو اس میں سے اپنے اور بال بچوں مہمانوں وغیرہ کے اخراجات پورا کرنے کے بعد خمس کا ادا کرنا واجب ہے۔

خمس ارباح مکاسب

مسئلہ:۔ اصل جائیداد پر خمس نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی آمدنی پہ ہوگا۔ جو اس کے ضروری اخراجات سے زائد ہو۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی شخص اپنی آمدنی میں سے ضروری مصارف کے علاوہ کوئی ایسی چیز خرید کرے جو اس کی ضروریات سے زائد ہو تو اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایسے اخراجات پر پیسہ خرچ کرے جو شرعاً ناجائز ہوں تو ان ناجائز اخراجات کا خمس بھی اس کے ذمہ واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اولاد کی کفالت والد کے ذمہ ہے لہٰذا اولاد کے جائز تعلیمی اخراجات خمس سے مستثنیٰ ہوں گے لیکن ایسے اخراجات جو غیر ضروری ہوں یا ایسی تعلیم جو شرعاً ناجائز ہے۔ مثلاً برطانیہ یا امریکہ یا دیگر ممالک میں اپنی اولاد کو تعلیم غیر شرعی کے لئے بھیجے تو اس کے اخراجاتِ سفر پر بھی خمس واجب ہوگا اور وہاں قیام کی صورت میں خانگی متوسط اخراجات سے جس قدر زائد مقدار اس کو دی جائے گی۔ اس پر بھی خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ بعض ایسی چیزیں جو آجکل ضروریاتِ زندگی میں سمجھی گئی ہیں اور جو شرعاً محلِ اشکال ہیں۔ مثلاً ریڈیو وغیرہ تو اس کو مصارف ضروریہ میں قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ اس پر خمس واجب ہوگا (ان کی قیمت پر) اسی طرح ہر ناجائز خرچ پر خمس عائد ہوگا۔ Imp

مسئلہ:۔ اگر موجودہ آمدنی بڑھانے کے لئے زمین خریدی جائے یا تجارت میں پیسہ لگا لیا جائے یا کرایہ کے وصول کرنے کے لئے مکانات یا کوارٹر یا دکانیں بنوائی جائیں یا ٹیوب ویل لگائیں یا کسی صنعت وحرفت کے کارخانہ

میں شمولیت کی جائے یا کوئی بس یا ٹرک خریدا جائے یا باغ لگوایا جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس تو ایسی چیزوں کو مصارف ضروریہ میں نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ اس رقم پر خمس واجب ہو گا جو اس قسم کے کاموں پر خرچ کی جائے گی۔

مسئلہ:۔ اگر خانگی و ذاتی طور پر اخراجات میں اضافہ ہو جائے۔ مثلاً پہلے ایک مکان تھا لیکن اب افراد خانہ کی کثرت کے پیش نظر دوسرے مکان کی ضرورت لاحق ہو گئی۔ یا پہلے کچا مکان تھا اور اب اپنی پوزیشن کے مطابق پختہ مکان کی ضرورت ہو گئی۔ اسی طرح مہمان خانہ تعمیر کرنے کی ضرورت یا ایک نوکر کی بجائے دو تین کی ضرورت یا گھوڑے کی سواری کی بجائے رفتارِ زمانہ کے پیش نظر کار کی ضرورت اسی طرح لیمپ کی بجائے بجلی وغیرہ کی ضرورت لاحق ہو گئی تو اس قسم کے اخراجات ضروریاتِ زندگی سمجھے جائیں گے اور خمس سے مستثنےٰ ہوں گے۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص دیہات کا باشندہ ہے اور یہاں کی اس کی ضرورت کے مطابق مکان موجود ہیں لیکن اکثر اوقات کاروبار یا لین دین کی خاطر اس کو بڑے شہر میں جانا پڑتا ہے اور یہاں اپنے ذاتی مکان کے بغیر اسے دقت پیش آتی ہے تو آمدنی سے رقم بچا کر اگر شہر میں حسب ضرورت مکان تعمیر کرے تو وہ خمس سے مستثنےٰ ہو گا۔

مسئلہ:۔ اگر ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک مکان موجود ہو اور خواہ مخواہ اپنی امیری شان دکھانے کے لئے دوسرا بنائے تو زائد پر خمس واجب ہو گا۔

مسئلہ:۔ اگر اپنی شان کے لئے اچھا خاصا مکان پاس موجود ہو لیکن نئے نمونہ کا مکان بنانے کا شوق دامن گیر ہو جائے تو زائد خرچ پر خمس واجب ہو گا۔

مسئلہ:۔ گھر میں ضروریاتِ زندگی کے لئے جو سامان خرید کر رکھا ہے۔ اس میں خمس نہیں ہو گا لیکن جو سامان زائد از ضرورت صرف کمروں کی زینت کے لئے ہو گا اس سب پر خمس واجب ہو گا۔ صندوقیں، برتن، بستر، چارپائیاں زیورات، غرضیکہ گھر کے چھوٹے بڑے سامان پر خمس کے وجوب کا یہی دستور ہو گا۔ بس جو بھی زائد از ضرورت خرید کر رکھے گا اس پر خمس واجب ہو گا۔

Imp

مسئلہ:۔ ہر طبقہ کی ضرورت اپنی حیثیت کے مطابق ہو گی۔ اگر اپنی حیثیت کے مطابق اس کے پاس سامان اپنے متوسط گذارہ کے لئے کافی ہے جو اس کے شایان شان بھی ہے تو قیمتی سامان گھر میں لا رکھنا جو اونچے طبقے کے لوگوں سے مناسبت رکھتا ہو۔ مثلاً عام بستروں میں وہ زندگی بسر کر سکتا ہے اور وہ اس کے خلاف شان بھی نہیں تو دریں صورت ریشمی لحاف بنوا کر رکھنا اس کے مصرف سے زائد ہو گا۔ لہٰذا اس پر خمس واجب ہو گا۔ اسی طرح تمام خانگی اخراجات میں اپنی حیثیت کے ماتحت متوسط رفتار سے زائد مقدار پر خمس واجب ہو گا۔

مسئلہ:۔ خمس صرف ایک دفعہ ہی نکالنا واجب ہے۔ جس چیز کا ایک دفعہ خمس ادا ہو جائے۔ اس پر دوبارہ خمس واجب نہ ہو گا۔

Imp

مسئلہ ۱:- عام طور پر مشہور ہے کہ جو شخص پہلی دفعہ خمس نکالنا چاہے وہ اپنے تمام مال و اسباب کا خمس ادا کرے اور آئندہ کے لئے سالانہ بچت کا حساب لگائے حالانکہ اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے بلکہ خمس نکالنے والا اپنی ضروریات کی تمام اشیاء کا خود جائزہ لے لے کہ اپنی آمدنی میں سے کون کون سی چیزیں ضرورت کے ماتحت خریدی ہوئی ہیں اور کون کون سی زائد از ضرورت ہیں۔ بس زائد از ضرورت کا خمس نکال دے۔ خواہ وہ زائد از ضرورت چیز از قسم سامان خانگی ہو۔

مسئلہ ۱:- اگر سمجھتا ہو کہ میں کئی سالوں سے زیر بار خمس ہوں لیکن صحیح مقدار معلوم نہ ہو سکے تو اندازہ کر کے خمس گزشتہ نکال دے اور کچھ زیادہ مقدار دینے کی کوشش کرے تاکہ یقینی طور پر بری الذمہ ہو سکے۔

مسئلہ ۱:- زائد از ضرورت اشیاء اپنی خرید کردہ ہوں تو اپنی طرف سے خمس ادا کرے گا۔ اگر باپ کے متروکات میں سے ہوں تو ان کی طرف سے خمس ادا کرے گا۔ بشرطیکہ وہ ادا نہ کر گئے ہوں اگر وہ مذہب شیعہ نہ رکھتے ہوں تو ان کی خرید کردہ اشیاء کا خمس ان پر واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ ۱:- اگر آمدنی سے پیسہ بچا کر زمین خریدی ہو تو اس کا خمس خود ادا کرے گا اور اگر باپ کی خرید کردہ ہو اور وہ خمس ادا نہ کر گئے ہوں تو ان کا خمس اس کی طرف سے یہ ادا کرے گا لیکن وہ اگر شیعہ نہ ہوں تو اس پر اُن کا خمس عائد نہ ہوگا۔

مسئلہ ۱:- خانگی حیوانات کے متعلق بھی یہی دستور ہے کہ جن کے بغیر گزارہ اپنی متوسط حیثیت کے ماتحت نہیں ہو سکتا ان پر خمس نہ ہوگا لیکن جن کو زائد از ضرورت گھر میں رکھا ہوا ہے ان پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ ۱:- گھر میں اگر ایک دودھ دینے والی گائے یا بھینس یا بکری مثلاً کافی ہوتی ہے لیکن بیک وقت دو گائے رکھے ایک دودھ دینے والی اور دوسری خشک تاکہ جب دودھ والی کی دودھ کی مدت ختم ہو تو دوسری دودھ دینے کے قابل ہو جائے تو اس صورت میں وہ خشک گائے زائد از ضرورت نہ ہوگی۔ بس اس پر خمس واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر دو گائے کی ضرورت ہو لیکن حسب سابق دو دودھ والی اور دو خشک رکھے تو وہ چار گائیں خمس سے مستثنیٰ ہوں گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

مسئلہ ۱:- گائے، بھینس، بکری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سال کے بعد ان پر خمس واجب ہے لیکن مجھے اس پر کوئی دلیل نہیں مل سکی۔ غالباً ان بچوں کو زائد از ضرورت یا بچت تصور کیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بچے عام مالدار لوگوں کے نزدیک آمدنی شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی قیمت کو جب بھی وہ فروخت ہوں آمدنی میں شمار کیا جائے گا اور پھر خمس کا تعلق حسب قاعدہ ہوگا اور تمام حیوانات کے بچوں کی یہی صورت ہے۔

مسئلہ ۱:- اگر دو چار بیل ہل جوتنے یا کنواں چلانے یا دیگر ضروریات کے پیش نظر رکھے جائیں تو ان پر

خمس نہیں ہوگا۔ لیکن اگر زائد از ضرورت صرف مال بڑھانے کے لئے خرید کر لئے جائیں یا یہ کہ ان کو موٹا کر کے بیچا جائے گا تو اصل زرِ خرید پر خمس ہوگا اور زائد منفعت آمدنی میں شمار ہوگی۔ اونٹ، گھوڑا، گدھا اور خچر وغیرہ پر خمس کا وجوب اسی طریقہ پر ہوگا (بہرکیف بچت مال پر خمس کا وجوب ہوگا۔)

مسئلہ :- زمینوں میں زائد از ضرورت درخت ذریعہ آمدنی ہوا کرتے ہیں۔ ان کی فروخت زرِ آمدنی شمار ہوگی اور پھر حسبِ قاعدہ اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ :- اسی طرح درختوں کے پودے جات جو بطور ذخیرہ لگوائے جائیں۔ ان کو بچت نہیں کہا جا سکتا بلکہ ذریعہ آمدنی ہوتے ہیں۔

مسئلہ :- ہر قسم کی آمدنی میں سے اخراجاتِ ضروریہ متوسط طور پر حسبِ حیثیت نکال لینے کے بعد خمس واجب ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ :- عورت کو جو چیز حق مہر میں حاصل ہو یا اپنے میکے کی طرف سے بطور عطیہ کے پہنچے اس پر خمس واجب نہ ہوگا لیکن اس کی منفعت پر خمس واجب ہوگا اور عورت کے مصارف چونکہ مرد کے ذمہ ہوتے ہیں لہٰذا عورت کی تمام منفعت پر خمس ہوگا۔

مسئلہ :- اگر مرد کی آمدنی خانگی اخراجات کی کفالت کے لئے ناکافی ہو تو عورت کے منافع سے اس کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ عورت رضامند ہو لہٰذا مصرف سے جو کچھ زائد ہوگا اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ :- عورت کی گھریلو صنعت اگر مرد کی امداد کے لئے خانگی اخراجات کے پورا کرنے کے لئے ہو تو اس پر خمس نہ ہوگا اور زائد پر خمس کا وجوب ہوگا۔

مسئلہ :- عورت کو اگر جائیداد وغیرہ وراثت میں پہنچے تو اس کی پوری آمدنی پر خمس واجب ہوگا اگر مرد کی آمدنی ضروریاتِ خانگی کی کفیل ہو سکتی ہو ورنہ بچت پر خمس واجب ہوگا اسی طرح اگر عورت اپنی کفیل خود ہو تو خمس بچت اور زائد از ضرورت اشیاء پر ہوگا۔

مسئلہ :- عورت کو جو چیزیں جہیز میں دی جاتی ہیں خواہ از قسم پارچات و زیورات ہوں یا دیگر اشیاء ہوں اگرچہ زائد از ضرورت ہوں ان پر خمس واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ :- اسی طرح مرد کو بموقعہ شادی دی جانے والی چیزوں پر خمس واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ :- جو کپڑے گھر میں صرف عید و شادی کی تقریبات کے لئے مخصوص طور پر بنائے جاتے ہیں۔ وہ بھی ظاہراً داخل مصرف ہیں۔ لہٰذا ان پر بھی خمس واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ :- لوگ گھروں میں لڑکیوں کیلئے جو رفتہ رفتہ جہیز تیار کرتے ہیں۔ اس تمام پر خمس واجب ہوگا۔

صرف وہ سامان خمس سے مستثنیٰ ہوگا جو شادی کے موقعہ پر حسب حیثیت متوسط طریقے سے لڑکی کو دیا جائے۔

مسئلہ :- اگر رہائشی مکان کے لئے تھوڑا تھوڑا سامان چند سالوں میں پورا کرے جب کہ اکٹھا خرید کرنے کی استطاعت نہ ہو اور مکان کا ضرورت مند بھی ہو تو دریں صورت اس کے علی الترتیب حسب حیثیت خرید کردہ سامان پر خمس واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ :- ضروریاتِ زندگی حسب حیثیت مصارف میں داخل ہیں۔ بنابریں مستحبات ومباحات کے لئے تھوڑی تھوڑی بچت پر خمس ہوگا۔ پس اگر زیارت کے قصد سے تھوڑا تھوڑا پیسہ جمع کرتا رہے تو آمدنی کی جملہ بچتوں پر خمس واجب ہوگا سوائے اس بچت کے جس کے بعد وہ فوراً عازم سفر زیارت ہو جائے۔

مسئلہ :- اپنے مصارف کے علاوہ جو مال نقد یا غیر نقد کسی کے پاس امانت رکھے خواہ کسی فرد کے پاس رکھے یا بنک میں رکھے دونوں میں اس پر خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ :- بینک سے جو منافع حاصل ہوں گے اصل زر کے علاوہ ان پر بھی خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ :- وراثت، عطیہ، ہبہ، ہدیہ اور حق مہر وغیرہ پر خمس واجب نہیں ہوا کرتا۔

مسئلہ :- ہبہ، ہدیہ وغیرہ سے اگر خانگی ضروری اخراجات پورے ہو جائیں تو پھر باقی آمدنی سے مقدار اخراجات نہ نکالی جائے بلکہ سب پر خمس واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر اس سے نصف یا چوتھائی وغیرہ مصارف کا بوجھ ہلکا ہو جائے تو باقی آمدنی سے اس کے علاوہ صرف باقی ماندہ مصارف نکال کر خمس نکالا جائے گا۔ پس قاعدہ یہ ہے کہ جس مال پر خمس واجب نہیں یا واجب تھا اور اس سے خمس ادا کیا جا چکا ہے تو مصارف ضروریہ کی جو مقدار اس سے پوری ہوگی وہ واجب الخمس مال سے محسوب نہ ہوگی۔

مسئلہ :- غیر مخمس رقم سے خرید کردہ ہر چیز سے خمس ادا کرنا واجب ہوگا۔ خواہ زائد از ضرورت ہو یا نہ ہو۔

خمس میں سال کی قید

روایات کا جہاں تک تعلق ہے کسی روایت میں یہ نہیں کہ سال کے اخراجات نکالے جائیں یا چھ ماہ کے یا ایک ماہ دو ماہ کے بلکہ صرف یہ ہے کہ بعد مؤنت کے خمس ادا کرے اور مؤنت سے مراد ہے۔ اپنے حسب حیثیت اور موافق شان ضروریاتِ زندگی کا متوسط طریقہ سے پورا کرنا اور چونکہ عرف عام میں کسی شخص کی گزران کی خوش حالی یا بدحالی کو سال کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ مثلاً فلاں شخص کا سال اچھا گزر جاتا ہے یا فلاں کا سال تکلیف سے گزرتا ہے۔ فلاں کا کاروبار اس کی سالانہ گزر اوقات کے لئے کافی ہے۔ اور فلاں کا کافی نہیں ہے۔ اسی بناء پر علمائے کرام نے احادیث سے مؤنت کی لفظ کو سالانہ خانگی و ضروری اخراجات پر محمول کیا ہے لیکن وجوب خمس کے لئے سال کے گزرنے کی کوئی پابندی نہیں بلکہ اس صورت میں بھی آمدنی سے سالانہ اخراجات کو علیحدہ کرنے کے بعد خمس ادا کیا جا

سکتا ہے جیسا کہ ابتدا بیان میں امام علی نقی علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہو چکی ہے کہ ایک شخص کو سو ۱۰۰ کُر آمدنی ہوئی جس میں سے چالیس کُر آبادئ زمین اور زکوٰۃ میں چلے گئے اور ۶۰ کُر باقی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اخراجات نکال کر باقی سے خمس ادا کرے۔

غالباً عرف میں سال کی قید اس لئے ہے کہ پہلے زمانہ میں زمینوں کی آبادی کے ذرائع بالکل محدود تھے۔ اور آباد زمینیں بھی زیادہ بارش یا سیلاب سے فصل دیا کرتی تھیں اور سال میں صرف ایک دفعہ ہی ان سے فصل کی برداشت کی جا سکتی تھی اور پھر سال تک اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ آمد زمیندار طبقہ کے پاس نہ تھا۔ پس عرف نے آمد و خرچ کی حد بندی سال سے کر دی کہ فلاں کی آمدنی سال بھر کے لئے کافی ہے اور فلاں کی ناکافی ہے۔

اور چونکہ انسانی معیشت و بود و باش کی اصل زمین ہی ہے۔ لہٰذا زمیندارہ آمد و خرچ کی تحدید کو اصل قرار دیا گیا اور باقی صنعت و حرفت و تجارت و ملازمت و مزدوری وغیرہ جملہ ذرائع آمدنی کو اس کا تابع قرار دے کر مقولۂ عرفی کو ملحوظ رکھا گیا کہ فلاں کاروبار مثلاً اس کی سالانہ گذران کے لئے کافی ہے یا ناکافی ہے۔

پس یہ عرف عام کی حد بندی تحدید مؤنت میں حکم شرعی کی حیثیت نہیں رکھتی اور خصوصاً آج کل جبکہ زمینوں کی آباد کاری اور آمدنی کے بڑھانے کے اسباب و ذرائع میں کافی سہولتیں بہم پہنچائی جا چکی ہے۔ اور انسان بھی دورِ سابق کے انسانوں سے بہت آگے نکل چکا ہے۔ نہروں کے جال بچھ چکے ہیں۔ ٹیوب ویل عام سے عام تر ہوتے جا رہے ہیں۔ زمینیں سونا اگل رہی ہیں۔ ایک ایک سال میں محنت کرنے والے کئی کئی فصلیں برداشت کر رہے ہیں اور پھر صنعت کاری حد سے زیادہ فروغ حاصل کر چکی ہے اور ابھی دن دگنی رات چوگنی ترقی کے منازل میں ہے۔ پیسہ کمانے کے ذرائع میں کافی وسعت آ چکی ہے۔ بنا بریں رفتہ رفتہ وہ سابق مقولہ عرفی مدھم پڑ رہا ہے اور یہ آواز بہت کم سنائی دیتی ہے کہ فلاں کا سال اچھا گزرتا ہے بلکہ اب تو جس سے پوچھا جائے کہ گزران کیسی ہے تو جواب عموماً یہی ہے کہ وقت اچھا گزرتا ہے گویا مقولہ مشہور میں سال کی جگہ وقت نے لی ہے۔

مزدور جو کام سالوں میں کرتے تھے آج مشینری کے ذریعے سے وہ کام گھنٹوں میں انجام پا رہے ہیں۔ بنا بریں جو رقم ایک مزدور یا صنعت کار سالوں میں وصول کر سکتا تھا۔ آج وہ گھنٹوں کی آمدنی شمار ہوتی ہے۔ پس آمد و خرچ میں سال کی تحدید نہ روایات میں ہے اور نہ آجکل کے عرف میں ہے اور چونکہ شریعت غراء کی بقاء قیامت تک کے لئے ہے لہٰذا معصومین علیہم السلام نے بلا تحدید سال یا مہینہ کلی طور پر ارشاد فرمایا کہ آمدنی سے اخراجات ضروریہ نکال لینے کے بعد خمس واجب ہے پس ہر زمانہ کے عرف کے ماتحت اس کا اندازہ صحیح ہو سکتا ہے۔

مسئلہ: جن بارانی ملکوں میں زمین کی آبادی کا دارو مدار موسم مناسب کی بارشوں پر ہوتا ہے۔ وہاں بعض اوقات چند سال متواتر زمینیں فصل دیتی ہیں اور بعض اوقات ایک سال فصل دینے کے بعد دو دو سال تین تین سال بھی فصل نہیں ہوتے تو ایسے مقامات پر سال کی تحدید بالکل بے معنی ہے پس وہاں مؤنت اور اخراجاتِ ضروریہ کی تحدید ایک آمدنی سے دوسری آمدنی تک ہوگی۔ خواہ دوسری آمدنی دوسرے سال ہو یا تیسرے یا چوتھے سال۔

مسئلہ: اگر ایک شخص زمیندارہ بھی کرتا ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے تو اگر زمیندارہ اس کے ضروری اخراجات کا کفیل ہو سکتا ہے تو کاروبار کی جملہ آمدنی سے اس پر خمس واجب ہوگا اور اگر کاروبار کی آمدنی سے اس کے اخراجات پورے ہو سکتے ہوں تو زمیندارہ کی تمام آمدنی پر خمس واجب ہوگا لیکن اگر دونوں آمدنیاں تنہا تنہا کافی نہ ہوں تو ان دونوں سے اخراجات نکال کر مشترکہ بچت سے خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: اگر ایک شخص کے ذرائع آمد متعدد ہوں۔ مثلاً زمیندار بھی ہو، ملازم بھی ہو، تاجر بھی ہو تو اگر ایک ذریعہ آمدنی اس کے اخراجات کا کفیل ہے تو باقی تمام آمدنیوں سے خمس اس پر واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر زمیندار کے پاس فصلات متعدد ہوں تو اگر ایک فصل اس کے اخراجاتِ ضروریہ کا کفیل ہو سکتا ہو تو باقی تمام فصلات سے خمس اس پر واجب ہوگا۔

مسئلہ: چونکہ ہم نے بیان کیا ہے کہ آمدنی یا مصرف کے لئے سال بھر کی کوئی قید نہیں ہے لہذا اگر ایک شخص کی آمدنی سال میں ایک دفعہ ہوتی ہے تو اس کو اس آمدنی سے سال بھر کے اخراجات نکال کر خمس دینا ہوگا۔ اگر آمدنی چھٹے مہینے ہو تو ایک آمدنی سے چھ ماہ کا خرچ نکالنے کے بعد خمس ہوگا اگر آمدنی ماہ بماہ ہو تو ہر آمدنی سے ماہواری خرچ نکال کر خمس دے گا اور اگر آمدنی ہفتہ وار یا یومیہ ہو تو ہفتہ یا روزمرہ کے مصارف کے بعد خمس ادا کرے گا۔

مسئلہ: اگر کسی شخص پر قرضہ واجب الادا ہے تو آمدنی سے مصارف ضروریہ کے علاوہ قرضہ کی مقدار نکال کر اگر بچے تو خمس واجب ہوگا۔ ورنہ نہیں۔

مسئلہ: اولاد کی شادی کا جائز خرچ، حج و زیارات کے اخراجات اسی طرح قربانی و عقیقہ و عزاداری کے جائز اخراجات وغیرہ سب مؤنت میں داخل ہیں لہذا آمدنی سے ان کو نکال کر باقی کا خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: مؤنت کی کوئی تحدید نہیں بلکہ اپنا اپنی زوجہ کا بال بچوں کا اور غلاموں، کنیزوں کا کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے کا اپنی حیثیت کے مطابق متوسط خرچ، اسی طرح شادی کا خرچ، اثاثہ بیت، اور کتب دینیہ اور بقدرِ ضرورت حیوانات کے اخراجات اور مہمان نوازی کے مصارف یا ہبہ کرنا، صلہ رحمی کرنا صدقہ دینا، نذر و نیاز دینا یا کوئی دیگر خیراتی کام کرنا، نیز حج و زیارت کو جانا بلکہ حسب ضرورت کچھ ظالم کو دفع ظلم کے لئے دینا وغیرہ۔ یہ تمام اخراجات مؤنت میں داخل ہیں جن کے ساتھ دینی و دنیاوی جائز اغراض وابستہ ہوں۔

مسئلہ: اگر حج کے لئے پیسہ جمع کرے جو اس کی مؤنتہ سے زائد ہو لیکن قرعہ اندازی میں اس کا نام نہ نکلے یا ویسے کوئی دوسری رکاوٹ پیدا ہو جائے۔ تو اس پیسے پر خمس واجب ہو جائے گا۔ پھر دوسرے سال اگر اخراجات کے لئے رقم پوری ہوگی تو حج کو جائے گا۔ ورنہ استطاعت کی انتظار کرے گا۔

مسئلہ: غیر مخمس پیسہ کا حج وزیارت پر صرف کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ: غیر مخمس پیسہ سے اگر لباس بنایا جائے گا۔ تو اس میں نماز صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں پانچواں حصہ صاحب خمس کا ہے جس کا یہ غاصب ہے۔

مسئلہ: غیر مخمس مال سے خیرات وصدقات دینا باعث ثواب تو درکنار ناجائز ہے۔ نیز عزاداریٔ سید الشہداء میں بھی اس کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: جو لوگ خمس ادا نہیں کرتے ان کے ہاں کھانا جب کہ معلوم ہو کہ اسی عین کے ساتھ بھی خمس متعلق ہے ناجائز ہے اور اگر کھالے تو اسی مقدار کا خمس کھانے والے پر واجب ہوگا۔ لیکن اس مقدار کے خمس سے میزبان کا بری الذمہ ہونا بھی مشکل ہے۔

مسئلہ: جن لوگوں کے متعلق معلوم ہو کہ خمس ادا نہیں کرتے ان کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ جائز ہے لیکن اگر ایسی شے خرید کرے جس کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے عین سے خمس متعلق ہے تو اس پر اس کا خمس واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ مقدار خمس درحقیقت اس کی ملکیت میں داخل ہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ وہ مقدار بائع کے پاس غصبی تھی اور بائع کا ذمہ بھی بری نہ ہوگا۔ کیونکہ پانچویں حصے کی قیمت اس نے غیر کے مال کی قیمت وصول کی ہے۔

مسئلہ: غیر شیعہ حضرات جو خمس کے قائل ہی نہیں ان سے خرید وفروخت کے معاملات جائز ہیں

مسئلہ: جن شیعہ حضرات کے متعلق خمس ادا کرنے یا نہ کرنے کا علم نہ ہو۔ ان کے ہاں کھانے پینے میں حرج نہیں اور کسی کے متعلق یہ تحقیق کرنا بھی ضروری نہیں بلکہ حسن ظن پر محمول کرنا چاہیئے۔

مواردِ خمس

خمس کل سات قسموں سے واجب ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) **غنائم دار الحرب:** آیت مجیدہ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ میں غنیمت کا یہ فرد تمام مسلمانوں میں مسلم طور پر مورد خمس ہے۔ یعنی کفار ومشرکین سے اسلامی لشکر جہاد کر کے جو مال حاصل کرے خواہ نقدی ہو یا دیگر سامان یا جائیداد منقول وغیر منقول ہو سب پر خمس واجب ہے۔

مسئلہ: غنیمت کے جمع کرنے اور اسی طرح نقل وحمل وحفاظت وغیرہ پر جو خرچ ہوگا۔ وہ مجموعہ سے

نکال کر بعد میں خمس واجب ہوگا۔

مسئلہ: مالِ غنیمت میں سے بعض اشیاء جن کو احادیث میں بعض مخصوص اشخاص کی ملکیت کہا گیا ہے۔ وہ خمس سے مستثنیٰ ہوں گی۔ مثلاً سامان شاہی یا مختصاتِ سلطان صرف امام کے لئے ہوں گی۔ اسی طرح مقتول سے چھینی ہوئی اشیاء صرف قاتل کی ہوں گی اور اسی طرح جنگ چھڑنے سے قبل جو انعام مخصوص کسی خاص شخص کے لئے امام معین کرے گا، وہ غنیمت سے نکال کر اس کو دیا جائے گا پھر خمس نکالا جائے گا۔

مسئلہ: کافر حربی کا جو مال بھی کسی طریقہ سے مسلمان کے ہاتھ میں آجائے۔ اس پر خمس واجب ہوگا۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیلات کا ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ محل ابتلا نہیں ہے۔

(۲) معدن (کان) ظرفِ مکان کا صیغہ ہے جوہری سے منقول ہے عدنت البلد (میں نے شہر میں قیام کیا) عدنت الابل بمکانٍ کذا۔ اونٹ فلاں مکان پر بیٹھے۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ۔ ٹھیرنے کے باغات پس اس لحاظ سے معدن کا معنی ہے قرارگاہ۔ معدن ذھب یعنی سونے کی قرارگاہ۔ معدن ملح۔ یعنی نمک کی قرارگاہ وعلیٰ ھذا القیاس۔ لیکن بعض اوقات محل کی بجائے حال کو معدن کا نام دے دیا جاتا ہے۔ مثلاً سونا، چاندی، نمک وغیرہ کو بھی معدن کہہ دیتے ہیں۔

معدنیات پر خمس کا وجوب: اَنَّمَا غَنِمْتُمْ کے عموم سے بھی ثابت ہے جبکہ اس کا معنی مطلق استفادہ کیا جائے اور احادیث صریحہ بھی اس پر بکثرت دال ہیں۔ چنانچہ بروایت کافی صحیح محمد بن مسلم میں ہے میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے معدنیات سونا، چاندی، پیتل، لوہا اور سکّہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ان سب پر خمس واجب ہے اور صحیح حلبی میں ہے۔ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ خزانہ میں کس قدر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا خمس ہے۔ پھر میں نے معدن کے متعلق پوچھا تو فرمایا خمس واجب ہے اور سکّہ، پیتل، لوہا اور جملہ معدنیات کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ ان میں سے بھی اتنی مقدار واجب ہے جو سونے اور چاندی میں واجب ہے نیز صحیح محمد بن مسلم میں ہے۔ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نمکین زمین کے متعلق پوچھا کہ جس میں پانی اکٹھا ہو جائے اور پھر نمک بن جائے تو آپ نے فرمایا۔ یہ معدن ہے۔ اس میں خمس واجب ہے۔ پھر میں نے گندھک اور مٹی کے تیل کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ یہ اور اس قسم کی جملہ اشیاء پر خمس واجب ہے۔ بہرکیف اس بارے میں احادیث بکثرت موجود ہیں۔ لہٰذا معدنیات میں وجوب خمس کے متعلق کوئی اشکال نہیں ہے۔ پس کان سے برآمد شدہ اشیاء سونا، چاندی، سکہ، پیتل، لوہا، نمک، یاقوت، زبرجد، سُرما، عقیق، فیروزہ، ہڑتال، تارکول، مٹی کا تیل، پٹرول، اور گندھک وغیرہ اس قسم کی تمام چیزوں پر خمس واجب ہوگا۔ پس ان اشیاء کے حاصل کرنے کے اور صاف کرنے کے اخراجات خمس سے پہلے نکال لئے جائیں

گے اور بعد میں اگر نصاب زکوٰۃ کی مقدار ہو گی تو خمس واجب ورنہ کم پر واجب نہ ہوگا۔ چنانچہ بروایت تہذیب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ کیا معدنیات تھوڑے یا بہت سب پر خمس واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ کچھ واجب نہ ہوگا۔ جبتک کہ نصاب زکوٰۃ کی مقدار یعنی بیس دینار کی قیمت کو نہ پہنچ جائے۔

مسئلہ:۔ اگر معدنیات نصاب سے کم حاصل ہوں تو ارباح مکاسب میں یعنی مطلق آمدنی میں داخل ہوں گے لہذا اخراجات ضروریہ سے بچت کے بعد ان پر خمس واجب ہوگا۔

(۳) **خزانہ**:۔ یعنی ہر وہ مال جو زمین کے نیچے بطور ذخیرہ کے دفن کیا گیا ہو۔ عموم آیۃ اَنَّمَا غَنِمْتُمْ کے علاوہ احادیث اس سے وجوب خمس پر دلالت کرتی ہیں۔

مسئلہ:۔ خزانہ کا نصاب بھی وہی ہے جو معدن کا ہے یعنی اگر نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جائے تو خمس واجب ہے پس اگر خزانہ میں چاندی ہے تو چاندی کا نصاب دوسو درہم ملحوظ ہوگا اور اگر سونا ہے تو سونے کا نصاب بیس دینار ملحوظ ہوگا۔ لیکن اگر ان دونوں کے ماسوا ہو تو نقدین میں سے ایک نصاب کی قیمت نصاب ہو گی۔

مسئلہ:۔ اگر خزانہ دارالحرب یعنی کفار کے علاقہ سے دستیاب ہو تو جس کو ملے اس کا ہوگا اور اس پر خمس کا اخراج واجب ہوگا لیکن اگر دارالاسلام سے ملے اور کسی مسلمان کی ملکیت معلوم ہو جائے تو اس کو یا اس کے ورثا کو رد کرنا واجب ہوگا اور اگر زمین مباح میں سے ملے اور اس پر کوئی نشان موجود نہ ہو تو جس کو ملے گا اسی کا ہوگا لیکن خمس کی ادائیگی واجب ہو گی۔

مسئلہ:۔ اگر خزانہ اپنی زمین سے دستیاب ہو تو جس سے زمین خریدی تھی۔ ان سے دریافت کرے اگر ان کا نہ ہو تو جس سے انہوں نے خریدی تھی ان سے پوچھا جائے۔ وعلیٰ ھٰذا القیاس اگر مالک مل جائے تو ان کو دے دے ورنہ خمس کی ادائیگی کے بعد اس پر حلال ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر انسان کوئی حیوان وغیرہ خرید کرے اور اس کے اندر سے کوئی قیمتی چیز نکل آئے تو بیچنے والے سے دریافت کرے اگر کسی کی ملکیت معلوم ہو جائے تو اس کو لوٹا دے۔ ورنہ خمس کے بعد اس پر حلال ہو گی اور اگر مچھلی کے پیٹ سے کوئی چیز نکل آئے تو بیچنے والے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خمس کے بعد اس کے لئے حلال ہو گی۔

مسئلہ:۔ اگر خزانہ کی مقدار نصاب سے کم ہو تو اس کا شمار عام آمدنیوں میں ہوگا اور ارباح مکاسب کی شرائط کے ماتحت اخراجات کے بعد اس پر خمس واجب ہوگا۔

(۴) **غوص**:۔ یعنی دریا، سمندر میں غوطہ لگانے سے جو قیمتی چیز موتی وغیرہ نکالے، اخراجات غوص کے بعد اگر اس کی قیمت ایک دینار تک پہنچ جائے تو اس میں خمس واجب ہوگا اور اگر دینار سے کم ہو تو ارباح مکاسب میں

داخل ہو گا۔

مسئلہ:- عنبر پر بھی خمس واجب ہے پس اگر غوطہ سے حاصل ہو تو ایک دینار نصاب ہو گا اور اگر ساحل سے حاصل ہو تو چونکہ اس کے لئے روایت میں نصاب کا تعین نہیں لہذا مطلقاً اس پر خمس واجب ہو گا خواہ کم ہو یا زیادہ۔

(۵) کافر ذمی:- اگر مسلمان سے زمین خرید کرے تو اس پر زمین کا خمس واجب ہو گا یعنی فروخت کنندہ کو پوری زمین کی قیمت ادا کرنے کے بعد اس پر خمس بھی واجب ہو گا جیسا کہ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے چنانچہ صحیحہ ابو عبیدہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو ذمی مسلمان سے کوئی زمین خریدے اس پر اس کا خمس واجب ہے یعنی خواہ وہ کاشت کے لئے ہو یا مکانات وغیرہ کے لئے ہو اور صاحب خمس کی مرضی خواہ زمین سے پانچواں حصہ لے لے یا اس کی قیمت سے پانچواں حصہ وصول کرے۔

(۶) حلال جو حرام سے مل جائے:- اس کا خمس ادا کرنا واجب ہے یعنی اگر ایک شخص کے مال میں کسی دوسرے کا مال مل گیا ہو اور مالک بھی معلوم نہ ہو نیز حرام کے متعلق یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کس قدر ہے تو اس صورت میں اس سے خمس کی ادائیگی اس مال کو حلال کر دے گی۔

اگر غیر شخص جس کا مال اس کے مال میں مل گیا ہے معلوم ہو جائے یا اس کے ورثہ کا سراغ مل جائے تو پس اگر ان کے مال کی مقدار معلوم ہے تو وہ واپس کر دے اور اگر معلوم نہ ہو تو ان سے مصالحت کر لے اس صورت میں خمس کا ادا کرنا کافی نہ ہو گا۔

جس شخص کا مال اس کے مال میں مل چکا ہے اگر وہ نہ معلوم ہو اور نہ اس کے ورثہ کا پتہ ہو تو دریں صورت اگر مال کی مقدار معلوم ہو تو اسی قدر اصل مالک کی طرف سے تصدق کر دے لیکن بعد میں اگر مالک مل گیا اور اس تصدق پر راضی ہوا تو ٹھیک ورنہ اس کو راضی کرنا ضروری ہو گا اور اگر مال کی مقدار معلوم نہ ہو یا اس قدر معلوم ہو کہ وہ پانچویں حصہ سے کم ہو گی یا پانچواں حصہ ہو گی تو ان صورتوں میں خمس کا ادا کرنا کافی ہے لیکن اگر جانتا ہو کہ پانچویں حصہ سے بہر صورت مال مخلوط کی مقدار زیادہ تھی اگرچہ صحیح نسبت معلوم نہیں تو اس صورت میں پانچواں حصہ خمس نکالے اور باقی زائد مقدار کا اصل مالک کی طرف سے صدقہ دے۔

(۷) ارباح مکاسب:- یعنی ذرائع کسب کے منافع جن کی تفصیل گذر چکی ہے یعنی زمینداری یا تجارت، کاشت، صنعت و حرفت، اجارہ، ملازمت اور مزدوری وغیرہ جو بھی ذرائع آمدنی ہو سکتے ہیں۔ حسب تفصیل مذکورہ پر خمس واجب ہے۔

تقسیم خمس موثقہ ابن بکیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام یا امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت مجیدہ:- وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ۔ الخ کی تفسیر میں منقول ہے کہ خمس میں اللہ کا حق بھی امام کے

لئے ہے اور رسولؐ کا حق بھی امام کے لئے ہے اور ذوالقربیٰ سے مراد قرابت رسول ہے اور وہ بھی امام ہے اس کے بعد یتیم و مسکین اور مسافر بھی آل رسولؐ سے مراد ہیں۔

مرفوعہ احمد بن محمد میں معصوم نے فرمایا کہ خمس چھ حصوں میں تقسیم ہوگا۔

(۱) ایک سہم اللہ کا

(۲) ایک سہم رسولؐ کا

(۳) ایک سہم ذوالقربیٰ کا

(۴) ایک سہم یتیموں کا

(۵) ایک سہم مسکینوں کا

(۶) ایک سہم مسافروں کا۔

پس جو سہم اللہ کا ہے اس کا حقدار رسول ہے اور جو رسول کے لئے ہے وہ ذوی القربیٰ اور حجت زمانہ کے لئے ہے پس آدھا خمس تو حجت زمانہ کے لئے ہے اور باقی آدھا آل محمد کے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے جن کے لئے صدقہ، زکوٰۃ حلال نہیں ان کو خدا نے ان کے بدلے میں خمس دیا ہے پس خود امام ہی ان کو بقدر کفایت عطا کرے گا اگر ان سے بچ جائے گا تو وہ امام کا ہوگا اور اگر کم ہوگا تو امام اس کو اپنی گرہ سے پورا کرے گا۔ اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں۔

خمس ارباح مکاسب کی اکثر روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے اور بعضوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ خمس صرف امام کا حق ہے اور بعض مقامات پر امام کا اپنے شیعوں کو مقتضائے حالات زمانہ کے پیش نظر معاف کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ خمس صرف امام کا حق ہی تھا۔ ورنہ وہ تنہا معاف کیوں کرتے؟ علمائے اعلام نے اس کی توجیہہ یہ بیان کی ہے کہ امام ولی امر ہے۔ اس لئے روایات میں خمس کی نسبت ان کی طرف ہے اور اس اعتبار سے وہ معاف بھی کر سکتے ہیں کیونکہ باقی مستحقین خمس کی کمی کو پورا کرنے والے بھی آپ ہیں

بہرکیف مقتضائے احتیاط یہی ہے کہ خمس کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ صرف امام کے لئے اور دوسرا حصہ سادات کے لئے۔ کیونکہ اگر امام زمانہ ظاہر ہوتے۔ تب بھی نصف حصہ بلکہ بعض اوقات نصف سے زیادہ بھی سادات مستحقین پر تقسیم فرماتے اور یہاں سادات سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جن کا سلسلۂ نصب حضرت عبدالمطلب تک پہنچے اور اس زمانہ میں چونکہ سادات علویین کے علاوہ کسی کے متعلق صحیح یقین پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس کا نسب حضرت عبدالمطلب تک پہنچتا ہے۔ اس لئے خمس سادات علویین تک ہی محدود رکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ان کے شجرۂ نسب کی نقل میں ہر دور میں اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔ پس ہر وہ شخص

جو اپنے مقام پر سید کہلاتا ہو اور اس کا کذب معلوم نہ ہو اور علاقہ بھر میں ان کا خاندان سید ہی مشہور ہو تو اس کو خمس دیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ دورِ حاضر میں جھوٹے مدعی سیادت بھی بکثرت پیدا ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی غیر معروف آدمی اپنے تئیں سید کہلائے اور خمس کی خواہش کرے تو دینے والے کو احتیاط سے کام لینا چاہیئے ورنہ اگر وہ جھوٹا ثابت ہو گیا تو خمس دوبارہ دینا ہی لازم ہوگا۔

مسئلہ:- تقسیم خمس میں تمام سادات کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں بلکہ ان میں سے بعض مستحقین تک پہنچا دینا کافی ہے اور نصف حصہ مال سادات کو تین حصوں پر تقسیم کرکے ایک حصہ یتیموں کا اور ایک حصہ مسکینوں کا اور ایک حصہ مسافروں کا مقرر کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ بلکہ مال سادات کو خواہ سادات یتیموں پر تقسیم کرے خواہ مسکینوں پر تقسیم کرے خواہ مسافروں پر تقسیم کرے اور اگر ممکن ہو تو ہر صنف تک پہنچا دے لیکن یہ ملحوظ رہے کہ وہ مستحق ہو۔ یعنی وہ اپنے اخراجات کا خود کفیل نہ ہو سکتا ہو اور اگر مسافر ہے تو ادائے خمس کے موقع پر وہ صاحب احتیاج ہو۔

مسئلہ:- عام گداگر لوگ جو چل پھر کر بھیک مانگتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہم سید ہیں جب تک ان کے سید ہونے کی پوری تصدیق نہ ہو جائے۔ ان کو خمس نہیں دیا جا سکتا اور سید ہونے کے علاوہ اس کا مستحق ہونا بھی معلوم کرے۔

مسئلہ:- اچھے خاصے لوگ جو گداگری کو پیشہ بنالیں ان کو سائل کی حیثیت سے کچھ دے دینا چاہیئے لیکن خمس سے صرف اس سید کی امداد کی جائے جو بغیر مجبوری کے دست سوال دراز نہ کرتا ہو (یعنی اس کا مستحق خمس ہونا معلوم ہو۔

مسئلہ:- مستحق خمس میں اوصاف حسنہ و خصال حمیدہ کا خیال بھی رکھنا چاہیئے۔ نمازی و روزہ دار اور خوفِ خدا رکھنے والا اور شریعت کا پابند ہو۔ پس جو شخص اعلانیہ شریعت سے باغی اور حدود اسلامی کے توڑنے والا ہو ایسے شخص کو خمس دینے سے گریز کیا جائے کیونکہ ایسوں کو خمس دینا دشمنی دین میں اس کی ہمت افزائی کے مترادف ہے لہٰذا وہ سادات طلبہ جو علوم دینیہ میں اپنی عمر عزیز خرچ کرتے ہیں۔ خمس سادات سے ان کی امداد کرنا زیادہ موزوں و مناسب ہے۔

مسئلہ:- مستحق خمس میں شرط ایمان کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے لہٰذا غیر شیعہ سید کو خمس نہیں دیا جا سکتا۔

مسئلہ:- اگر امام ظاہر موجود ہو تو سارا خمس ان کے حوالے کر دینا ضروری ہے۔ پس وہ جس طرح مناسب سمجھیں گے تقسیم فرمائیں گے اور زمانِ رسالت سے لے کر آخر زمان آئمہ تک یہی دستور رہا ہے کہ خمس ادا کرنے والے نبیؐ تک پہنچایا کرتے تھے اور وہ حسب مصلحت و ضرورت اولاد عبدالمطلب میں تقسیم فرماتے

رہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خمس ادا کرنے والوں نے نصف کو نبی یا امام تک پہنچایا ہو اور باقی نصف کو خود تقسیم کیا ہو اور آئمہ نے بھی کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تم نصف کو ہم تک پہنچا دو اور باقی نصف کو قریبی سادات تک پہنچا دو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا دور چونکہ سخت تقیہ کا زمانہ تھا تو انہوں نے شیعوں کی معذوری کے پیش نظر اور اپنی جانی و مالی حفاظت کی خاطر خمس کی ادائیگی سے شیعوں کو بری کر دیا اور یہ نہیں کہا کہ ہم تک نہیں پہنچا سکتے تو باقی سادات کو سارا یا کم از کم آدھا دے دیا کرو۔

اسی طرح ان کے بعد جب امام علی رضا علیہ السلام اور امام محمد تقی علیہ السلام اور بعد کے آئمہ علیہم السلام نے خمس کا پر زور مطالبہ فرمایا تو یہی حکم دیا کہ ہم تک پہنچاؤ۔ حالانکہ اس زمانے میں سادات اطراف عالم میں پھیل چکے تھے۔ یہ کبھی نہیں فرمایا کہ نصف ہم تک پہنچایا کرو اور باقی نصف اپنے قریبی سادات کو دے دیا کرو۔ امام رضا علیہ السلام خراسان میں تھے اور اکثر سادات عراق و حجاز میں تھے۔ تاہم امامؑ نے خمس سارے کا سارا اپنی طرف ہی طلب فرمایا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خمس سارے کا سارا امام کی خدمت میں پیش کیا جانا ضروری ہے۔ اور پھر اس کی تقسیم ان کی اپنی صواب دید پر موقوف ہے۔

سہم امام علیہ السلام

مسئلہ:۔ انفال کے بیان میں گزر چکا ہے کہ مال انفال سب کا سب امام کے لئے ہوا کرتا ہے اور وہ گیارہ چیزیں ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) وہ زمین جس کو دشمنانِ اسلام چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں۔
(۲) بغیر لڑائی کے جو زمین کفار نے صلح کے طور پر اہل اسلام کے سپرد کر دی ہو۔
(۳) بنجر زمین
(۴) شاہی مختصات بشرطیکہ کسی مسلمان سے غصب شدہ نہ ہوں۔
(۵) غنیمت دارالحرب میں سے جو کچھ امامؑ اپنی ذات کے لئے پسند کرے۔
(۶) بغیر اذن امامؑ کے جو لڑنے والے غنیمت حاصل کریں۔
(۷) وہ میراث جس کا کوئی وارث نہ ہو۔
(۸) پہاڑوں کی چوٹیاں۔
(۹) وادیاں
(۱۰) جنگلات

(۱۱) معدنیات

مسئلہ: اس مطلب پر احادیث بکثرت موجود ہیں کہ معدنیات مال انفال میں سے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات انفال کے بیان میں گزر بھی چکی ہیں اور بعض احادیث میں یہ مذکور ہے کہ اگر کسی کو معدن مل جائے تو بعد از نصاب اس سے خمس نکالے۔ پھر باقی اس پر حلال ہوگی۔ یہ اجازت آئمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف سے احسان ہے جو صرف ان کے موالیوں پر ہے ورنہ ان کے دشمن اس سلسلہ میں ان کے حقوق کے غاصب ہیں۔

مسئلہ: خمس کا نصف حصّہ اور مال انفال سارا جس کو فئے بھی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کو سہم امام یا مال امام کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: جو زمینیں کفار سے بصورت فتح کے زبردستی لی جائیں وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں بلکہ اوّل سے آخر تک مسلمان اس میں برابر کے شریک ہیں۔

شیعوں کے لئے اباحت

۱۔ صحیحہ عمر بن یزید۔ ابو سیار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ میں غوص پر تعینات تھا جس سے مجھے چار لاکھ درہم کی آمدنی ہوئی۔ پس میں اس میں سے اسّی ہزار خمس لایا ہوں اور میں نے اس کا رکھنا مناسب نہیں سمجھا کہ یہ آپ کا وہ حق ہے جس کو خدا نے ہمارے اموال میں فرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ زمین اور زمین سے جو چیز برآمد ہو۔ بس اس میں سے ہمارا صرف خمس ہے۔ اے ابو سیار! زمین صرف ہماری ہے اور جو کچھ زمین سے نکلتا ہے سب ہمارا ہے ابو سیار کہتا ہے میں نے عرض کی تو میں سارا مال اٹھا لاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابو سیار! وہ ہم نے تیرے لئے طیب و حلال کیا ہے۔ پس اپنا مال اپنے پاس رکھ اور ہمارے شیعوں کے پاس جو کچھ زمینیں ہیں وہ ان میں بری ہیں اور ان پر حلال ہیں۔ تا وقتیکہ حضرت قائم تشریف نہیں لاتے اور جب وہ آئیں گے تو زمین ان کے پاس رہنے دیں گے لیکن اس کا ٹیکس وصول فرمائیں گے لیکن جو زمینیں غیروں کے پاس ہیں۔ ان کا زمین سے کھانا حرام ہے حتیٰ کہ جب حضرت قائم تشریف لائیں گے تو زمینیں ان سے چھین لیں گے اور ان کو ذلیل کر کے نکال دیں گے۔

۲۔ خبر یونس بن ظبیان یا معلی بن خنیس۔ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے پوچھا۔ زمین میں سے آپ کا کس قدر حق ہے؟ تو ہنس کر فرمایا۔ جبرئیل نے بحکم پروردگار زمین پر آٹھ بڑے دریا بنائے پس وہ جہاں تک سیراب کریں ہمارا ہے اور جو ہمارا ہے وہ ہمارے شیعوں کا ہے اور اس میں سے ہمارے دشمن کے لئے کچھ بھی نہیں ہے مگر بطور غصب اور ہمارا موالی زمین و آسمان سے زیادہ وسعت

میں ہے

۲۔ نجبر حارث بن مغیرہ کہتا ہے۔ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں موجود تھا کہ نجیہ نے اذن چاہا۔ آپ نے اذن دیا اور وہ داخل ہوا گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا اور عرض کی میں آپ پر فدا ہوں۔ ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں اور اس سے میری غرض صرف آتش جہنم سے اپنی گردن آزاد کرنا ہے بس آپ درست بیٹھ گئے اور فرمایا پوچھو۔ اے نجیہ! اور تم جو بھی پوچھو گے۔ آج میں بتاؤں گا۔ اس نے عرض کی میں آپ پہ فدا ہوں۔ آپ فلاں و فلاں کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ تو فرمایا اے نجیہ! تحقیق خمس کتاب خدا میں ہمارا ہے۔ انفال ہمارا ہے۔ صفوالمال یعنی شاہی مخصوص مال ہمارا ہے۔ خدا کی قسم! ان دونوں نے پہلے پہل ہم اہل بیت کے حق پہ زیادتی کی اور پہلے پہل لوگوں کو ہماری گردنوں پہ سوار کیا اور ہم اہل بیت پر ظلم کی وجہ سے قیامت تک کے ہمارے خون ان دونوں کی گردنوں پر ہیں اور ہم اہل بیت پر ظلم کی وجہ سے لوگ قیامت تک حرام میں زندگی بسر کر رہے ہیں یہ سن کر نجیہ نے تین مرتبہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور کہا رب کعبہ کی قسم! ہم لوگ تو ہلاک ہو گئے۔ پس آپ نے اپنے جسد مبارک کو تکیہ سے الگ کر کے منہ مبارک قبلہ رُخ پھیر لیا اور ایک دُعا پڑھی۔ جس کو میں نہ سمجھ سکا۔ البتہ آخر دعا میں اتنا ہی سُنا کہ فرما رہے تھے۔ اے اللہ! ہم نے اپنے شیعوں پر حلال کیا ہے پھر ہماری طرف منہ کر کے فرمایا۔ اے نجیہ! ملت ابراہیم پر سوائے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے اور کوئی بھی نہیں ہے۔

اقول:۔ ان روایات سے اور اس قسم کی دیگر روایات کثیرہ سے جہاں ایک طرف یہ استفادہ ہوتا ہے کہ وقتی مصلحت اور خوفِ دشمنانِ دین کے پیش نظر صادقین علیہما السلام نے اپنے شیعوں کو معذور سمجھتے ہوئے اپنے حقوق معاف فرما دیئے تھے وہاں ساتھ ساتھ اس کا بھی کھلے لفظوں میں اعلان ہے کہ زمین کی ہر چیز پہ دشمنانِ اہل بیتؑ کا تصرف غاصبانہ ہے اور ان کی جانب سے بصورت لین دین جو کچھ شیعوں کی طرف وقتاً فوقتاً منتقل ہوتا ہے ہم نے ان کو معاف کر دیا ہے۔

پس مالِ انفال زمین اور اس کے تابع جملہ معدنیات میں تصرف انہوں نے اپنے شیعوں کے لئے حلال و مباح کیا ہے اسی طرح جو غنیمتیں وہ لوگ حاصل کرتے تھے وہ بھی چونکہ بغیر اذن امام ہونے کی حیثیت سے سب کی سب مالِ امام تھیں۔ ان کو بھی شیعوں پہ حلال کیا ہے۔ اسی طرح کنیزوں پر تصرفات اور سلطانی جوائز وغیرہ سب اسی قبیل میں داخل ہیں۔

چنانچہ بروایت غوالی اللئالی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا۔ اے فرزندِ رسولؐ! وہ چیزیں جو آپ کے ساتھ خدا نے مختص فرمائی ہیں۔ جب امام غائب پوشیدہ ہو گا تو شیعہ لوگ کیسے تصرفات

کریں گے ؟ فرمایا ۔ ہمارا انصاف تو نہ ہوا اگر ہم ان سے مؤاخذہ کریں اور ہماری محبت نہ ہوئی اگر ہم ان کو گرفت کریں ۔ ہم نے ان کے لئے مساکن کو مباح کیا ہے تاکہ ان کی عبادتیں درست ہوں اور ان کے نکاح مباح کئے ۔ تاکہ اُن کی ولادتیں ٹھیک ہوں اور خرید و فروخت کو ان پر حلال کیا ۔ تاکہ ان کے مال پاکیزہ ہوں ۔

اسی طرح حدیث فضیل میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ جو شخص اپنے جگر میں ہماری محبت کی ٹھنڈک محسوس کرے ۔ اس کو پہلی نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے ۔ راوی نے پوچھا کہ پہلی نعمت سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا ۔ ولادت کی پاکیزگی ۔

آئمہ طاہرین علیہم السلام نے مناکح ، متاجر اور مساکین کو شیعوں کے لئے مطلقاً مباح قرار دیا ہے اور یہ چیزیں ان کے لئے خمس سے مستثنیٰ ہیں ۔

مناکح سے مراد وہ کنیزیں جو بلا اذن امام جہاد کے ذریعہ حاصل کی جائیں ۔ وہ چونکہ ملک امام ہیں اور عام لوگوں کا تصرف ان میں ناجائز ہے پس زمان غیبت میں شیعوں کے لئے ان کو حلال کیا گیا ہے ۔ تاکہ ان کی ولادت پاکیزہ رہے ۔

متاجر سے مراد عام خرید و فروخت چونکہ لوگوں نے آئمہ کے حقوق پر زبردستی قبضہ کیا اور ان کے حقوق غصب کئے لہٰذا ان کا تصرف خمس کی نہ ادائیگی کی وجہ سے غاصبانہ ہے ۔ پس ان سے خرید و فروخت ولین دین کی صورت میں ان سے حاصل ہونے والی اشیار کو شیعوں پر مباح قرار دیا گیا ہے اور چونکہ متاجر کا استثنار عام ہے لہٰذا ہر خمس نہ ادا کرنے والے سے کوئی چیز خرید کرنے والے پر وہ چیز حلال و مباح ہوگی ۔

مساکن سے مراد یہ ہے کہ چونکہ ایسی زمین کے تصرفات کا حق صرف امام کو تھا اور مال انفال میں داخل تھی اور وہ منتقل ہو کر شیعوں تک پہنچے یا پہاڑ وغیرہ تو وہ شیعوں کے لئے مباح کر دیئے گئے اور زمین سے خارج ہونے والی جملہ معدنیات بھی جو اسباب لین دین سے شیعوں کی طرف منتقل ہوتی ہیں ان پر مباح ہیں ۔

زمانِ غیبت میں خمس

بعید نہیں کہ آئمہ نے جن جن مقامات پر شیعوں پر خمس کو معاف کیا ہے ان کے فرامین کا مصرف یہی تین چیزیں ہوں کیونکہ اکثر معافی کی احادیث میں یہ ذکر ساتھ موجود ہے کہ ہم نے معاف اس لئے کیا ہے تاکہ ان کی ولادت پاکیزہ ہو اور وہ معافی بھی اس بنار پر کہ پر آشوب دور میں شیعوں کا آئمہ تک پہنچنا آسان نہیں تھا کہ بالمشافہ فرداً فرداً اجازت حاصل کر لیں کیونکہ آئمہ سے اعلانیہ ملاقات تقیہ کے منافی تھی اور حضرت قائم آل محمد کی غیبت صغریٰ کے دور میں تقیہ کی اہمیت اور زیادہ سخت تھی جس کی بنار پر آپ نے اپنے حقوق سے دست برداری کا اعلان فرمایا تھا ۔ ورنہ آپ سے ایک دوسری توقیع مروی ہے جس میں خمس کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ نقل کی جا چکی ہے ۔

بہر کیف مال انفال زمانِ غیبت میں شیعوں پر معاف اور مباح ہے۔ جیسے کہ احادیث اس امر پر ناطق ہیں اور بنابریں مناکح، مساکن اور متاجر بھی حلال و مباح ہیں۔ باقی رہا ارباح مکاسب یعنی عمومی آمدنیوں کا معاملہ خواہ اس کا ذریعہ کوئی بھی ہو تو اس کا خمس اصل شریعت میں ثابت ہے اور اس کی معافی کا کوئی یقین نہیں جس کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) زمانِ صادقین علیہما السلام میں لوگ خمس کا وجوب مسلم طور پر سمجھتے تھے چنانچہ گزشتہ احادیث اس امر پر شاہد ہیں۔

(۲) آئمہ نے وجوب خمس کا بھی انکار نہیں فرمایا بلکہ بعض اوقات مصلحتوں کے ماتحت معافی ان کی تطہیر مالی اور تزکیہ نسل کے پیش نظر تھی کیونکہ وہ زمانہ کی نزاکت کے ماتحت ادائیگی خمس سے قاصر تھے۔

(۳) حضرت امام رضا علیہ السلام اور بعد کے آئمہ کے دور کے مومنین کے سامنے صادقین علیہما السلام کی معافی والی حدیثیں موجود تھیں لیکن پھر ان کا اپنے آئمہ وقت سے معافی چاہنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ سابقہ معافی کو وقتی مصلحت سمجھتے تھے اور خمس کی ادائیگی کا وجوب ان کے نزدیک مسلم تھا۔

(۴) امام رضا علیہ السلام اور بعد کے آئمہ نے شیعوں کو سختی سے حکم دیا کہ وہ خمس کو پوری پابندی کے ساتھ ادا کریں اور ان کی جانب سے وکلاء بھی معین تھے۔

(۵) غیبتِ صغریٰ و کبریٰ کے زمانہ میں حضرت قائم علیہ السلام کے نواب خمس کی وصولی کیا کرتے تھے چنانچہ اس سے قبل ایک روایت میں ان امر کا اشارہ ہو چکا ہے۔

(۶) خمس کی معافی والی حدیثیں حضرت امیر علیہ السلام بلکہ جناب رسالتمآب سے لے کر حضرت قائم علیہ السلام تک معصومین سے مروی ہیں لیکن بایں ہمہ کسی زمانہ کے شیعوں نے اس کو معاف نہیں سمجھا بلکہ ہر زمانہ کے شیعہ اپنے دور کے امام سے بطور تشفی یا بالغرض گلو خلاصی پوچھتے رہے اور مناسب جوابات حاصل کرتے رہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس معافی کو معافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ معذوری سمجھتے تھے یا یہ کہ اس معافی کو صرف مالِ انفال کی حلیت و اباحت تک محدود سمجھتے تھے یا مناکح و مساکن و متاجر وغیرہ پر محمول کرتے تھے پس دورِ اوّل سے لے کر تا دورِ غیبت اور دورِ غیبتِ صغریٰ سے لے کر اس زمانہ تک کے تمام شیعہ وجوب خمس پر نسلاً بعد نسلٍ قائم ہیں اور تمام مسلمانوں سے یہ مسئلہ شیعہ قوم میں امتیازی اہمیت کا حامل ہے اگر ان کو یقین ہوتا کہ ادائیگی خمس کا وجوب برطرف کیا گیا تو اس مالی معافی کو کون نہیں قبول کرتا۔ لوگ تو بہانہ تلاش کرتے ہیں کہ راہ خدا میں ایک پیسہ دینے سے بھی گلو خلاصی کی صورت نکل آئے۔ پس اگر معاف ہوتا تو اوّل سے لے کر آج تک مسئلہ تمام شیعوں میں عام ہوتا اور

مسلمات میں سے ہوتا۔ اس میں ذرہ بھر کسی کو اختلاف کی گنجائش تک نہ مل سکتی بلکہ خمس کا نام تک کوئی نہ لیتا۔ جس طرح عام مسلمانوں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا کرتا۔ فروع دین میں خمس کا نام گنوا کر دورِ اوّل سے شیعہ بچوں کے اذہان میں یہ امر راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس مسئلہ میں کسی وقت شک کرنے کی گنجائش نہ رہے۔

زمانِ غیبت میں خمس کا تصرّف

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر امام تک رسائی کا امکان ہوتا تو سارا خمس ان کے حوالہ کیا جاتا اور وہ اس کو اپنی صوابدید پر خرچ فرماتے لیکن اب جبکہ وہ پردۂ غیبت میں ہے تو چونکہ امام زمانہ نصف حصہ کو سادات پر خرچ فرمایا کرتے تھے لہٰذا ان کی نیابت میں نصف حصّہ کو سادات، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا۔ جن میں ایسے صفات موجود ہوں کہ امام علیہم السلام ان کی امداد سے خورسند ہوں۔ پس مستحقین سادات میں افضل فالافضل افراد کی تلاش ضروری ہے اور سب سے بہتر اس دَور میں وہ سادات ہیں جو اپنے آبا طاہرین علیہم السلام کی شریعت کے احیاء کی خاطر علوم دینیہ میں مشغول تحصیل ہیں۔ وہ مسافروں میں سے افضل مسافر ہوں۔ مسکینوں میں افضل مسکین ہیں اور اگر یتیم ہوں تو یتامیٰ میں سے افضل یتیم ہیں۔ لہٰذا ان کو خمس سادات میں سے حصّہ دینا سب سے زیادہ باعث ثواب اور ذریعہ خوشنودیٔ امام ہوگا۔ باقی رہا نصف حصہ جو مخصوص امام کے ساتھ ہے تو غائب کے مال کے متعلق جو احکام موجود ہیں۔ وہ یہاں بھی جاری کیے جا سکتے ہیں اور ان کا حصہ ایسے امور پر صرف کیا جائیگا جہاں امام کی رضا حتمی ہو اور دورِ حاضر میں چونکہ خوشنودی امام کے لئے نشر و اشاعت دین اور خدمت علوم شرعیہ سے بڑھ کر اور دوسری کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور حجت خدا کا مطمح نظر ہی ترویج دین اور اشاعت مذہب ہوتا ہے۔ پس دورِ حاضر میں لادینی کے ہمہ گیر اور بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلہ کے لئے جس قدر طاقت نشر و اشاعت دین پر صرف کی جائے کم ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ ہر چہار سو شیطان کے جال بچھے ہوئے ہیں اور ان میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اس طرف دین و مذہب سے بغاوت عام سے عام تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ پس دشمن اسلام کے مقابلے کے لئے مدارس دینیہ کی کثرت اور علوم دینیہ کی اشاعت کے مراکز کی بہتات ایک ایسا پکا مورچہ ہے جو کبھی دشمنان دین سے مفتوح نہیں ہو سکتا۔ پس اس زمانہ میں سہم امام علیہ السلام کا مصرف اہم مدارس دینیہ کی امداد اور علماء و طلباء کی اعانت ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ سہم امام کے مصرف کی اہمیت کے پیش نظر اس کا تصرف بھی امر اہم ہے۔ لہٰذا ہر شخص اس کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کی اہمیت کو برقرار رکھ سکتا ہے۔ پس سہم امام علیہ السلام ایسے شخص کے حوالہ کرنا ضروری ہے جو آئمہ کی طرف سے دین میں امین ہو اور جس کے متعلق یقین ہو کہ سہم امام کو اپنی اغراض کا

نشانہ نہ بنائے گا۔ بلکہ اہم فالاہم امور پر اس کو خرچ کرنے کی کوشش کرے گا اور امام علیہ السلام کی رضامندی کا احراز اس کا مطمح منظر ہوگا۔

بنابریں اکثر مجتہدین عظام کا مسلک یہی ہے کہ زمانِ غیبت میں سہم امام علیہ السلام مجتہد جامع الشرائط کے حوالہ کر دیا جائے اور وہ اس کو اپنی صوابدید سے ایسے مقام پر خرچ کرے جہاں رضامندی امام کا یقین ہو۔ پس مجتہد جامع الشرائط تک پہنچا دینے سے خمس دینے والے کا ذمہ بری ہو جائے گا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس تک خمس پہنچایا جائے وہ اعلم دوران ہو، بلکہ جس مجتہد جامع الشرائط تک پہنچائے گا۔ اس کا ذمہ بری ہوگا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کو دے جس کی تقلید کرتا ہے اور نیز جس کی تقلید کر رہا ہے اس سے اذن حاصل کرنا سب بلا دلیل ہیں اس بارے میں حضرت حجت علیہ السلام سے جو روایت منقول ہے وہ یہ ہے کہ بروایت وسائل اکمال الدین سے مروی ہے۔ اسحٰق بن یعقوب کہتا ہے۔ میں نے محمد بن عثمان عمری سے خواہش کی کہ سرکار کی بارگاہ میں میرا عریضہ پہنچا دے جس میں میں نے چند مشکل مسائل دریافت کئے تھے پس حضرت صاحب الزمان عجل اللہ فرجہ علیہ السلام کی جانب سے حضور کے اپنے خط شریف سے توقیع وارد ہوئی جس میں یہ تھا۔ اما الحوادث الواقعہ فارجعوا فیھا الی رواۃ احادیثنا فانھم حجتی علیکم و انا حجۃ اللہ واما محمد بن عثمان العمری فرضی اللہ عنہ وعن ابیہ فانہ ثقتی وکتابہ کتابی۔ یعنی واقع ہونے والے امور میں ہمارے احادیث کے روایت کرنے والوں کی طرف رجوع کیا کرو، کیونکہ وہ میری طرف سے تم لوگوں پر حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں، لیکن محمد بن عثمان عمری پس خدا اس سے اور اس کے باپ سے راضی ہو وہ میرا موثق آدمی ہے اور اس کا مکتوب میرا مکتوب ہے۔

اس روایت میں اگرچہ یہ مناقشہ کیا جاتا ہے کہ یہاں حضورؑ نے نقل روایت و فتویٰ اور دیگر شرعی فیصلوں میں رواتِ حدیث کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے نہ کہ ان کے اموال میں تصرف کی بھی اجازت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فانھم حجتی علیکم کے الفاظ صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ زمانہ غیبت کے لوگوں پر حضورؑ نے حجت تمام کی کہ کسی معاملہ میں وہ عذر خواہی نہ کر سکیں اور مقصد یہ ہے کہ بالعموم جن جن چیزوں میں تم میری جانب رجوع کرتے ہو۔ میں نے تم پر اپنی جانب سے اپنے رواۃ حدیث کو حجت مقرر کیا ہے۔ گویا وہ مقام رجوع پر میرے قائم مقام ہیں۔ پس اس کا عموم صاف دلالت کرتا ہے کہ امام غائب کے اموال کا تصرف بھی انہی کے سپرد کیا گیا ہے اور رواۃ حدیث سے مراد فقہاء و مجتہدین ہیں۔ جو فرمانِ معصوم کو سمجھ سکتے ہیں۔ پس جس طرح وہ مقام فتوے اور دیگر مسائل و معاملاتِ شرعیہ میں معصوم کے نائب ہیں۔ اسی طرح اموال امام میں بھی ان کے زمانِ غیبت میں ان کی نیابت کا فریضہ انجام دیں گے اور عقلاً بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ موارد رضائے معصوم

کا احتزاز انہی کی شان ہے پس وہ وہاں خرچ کریں گے جہاں خوشنودی امام حتمی ہوگی اور آج کل کے پُرفتن دَور میں مال امام کا مصرف مدارس دینیہ کی امداد سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ پس وہ علوم دینیہ کے طلبہ کی امداد کرسکتے ہیں۔ خواہ سیّد ہوں خواہ غیر سیّد نیز حسب ضرورت و مصلحت دیگر امور خیر میں بھی پیسہ صرف کیا جاسکتا ہے۔ مساجد و امام بارگاہوں کی تعمیر بھی کی جاسکتی ہے۔ فقراء و مساکین مومنین کی دستگیری بھی کی جاسکتی ہے۔ بہرکیف فقیہہ و مجتہد اپنی صواب دید سے جہاں رضائے معصوم حتمی سمجھے گا۔ وہاں خرچ کرے گا اور اس کے تصرف پر اعتراض کرنا ایسا ہوگا۔ جیسا کہ معصوم کے تصرف پر کوئی اعتراض کرے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ وہ میری جانب سے تم پر حجت ہیں۔

پس اس روایت کے الفاظ میں اعلم یا غیر اعلم کا کوئی فرق نہیں۔ مقلد یا غیر مقلد کا کوئی نام نہیں بلکہ جو بھی جامع الشرائط فقیہہ ہو وہ اس مال میں تصرف کرنے کا اہل ہے اور عقلی طور پر ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

آیت مجیدہ خمس میں ذی القربیٰ کا لفظ عام ہے لیکن بمنطوق روایات اس سے مراد امام زمانہ ہے پس روایاتِ متواترہ ہی مصداق آیت میں تخصیص کی موجب ہیں۔ اسی طرح والیتامی والمساکین اور ابن السبیل کے مفاہیم اگرچہ عام ہیں لیکن بمنطوق روایات آل محمد کے افراد مراد ہیں۔ جن میں یہ اوصاف ہوں اور حق تصرف رسول و امام کو حاصل ہے جیسا کہ ان کے عمل سے واضح ہے اور وہی عموم آیت کا مخصص ہے اور زمانِ غیبت میں فقیہہ جامع الشرائط ہی نیابت کے فرائض انجام دے گا۔

وَمَآ اَنۡزَلۡنَا :۔ لفظ اللہ پر عطف ہے یعنی اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے اور اس نصرت خداوندی پر ایمان ہے جو جنگِ بدر کے دن تم پر اتری کہ خداوندکریم نے اس دن اپنی نصرت سے حق و باطل کے درمیان ایک امتیازی نشان قائم کردیا کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور کفار نو سو سے ایک ہزار کے درمیان تھے نیز مسلمان نہتے تھے اور کفار کے پاس کافی اسلحہ موجود تھا اور باوجود اس کے کفار کو بدترین شکست ہوئی۔ اسی لئے اس دن کو خدا نے یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا کہ یہ دن حق و باطل کے درمیان فرق کا دن تھا۔ ۱۷ یا ۱۹ ماہ رمضان ۲ھ جمعہ کا روز تھا۔

تنبیہ!

اس میں شک نہیں کہ آیت مجیدہ غنائم بدر کی تقسیم کے متعلق اتری۔ لیکن آیت مجیدہ کا حکم تاقیامت باقی ہے اس لئے اس کے عموم میں تمام مکاسب داخل ہیں خواہ از قسم غنائم اہل حرب ہوں یا فوائد اکتساب ہوں چنانچہ اس کی تفصیل حسب ضرورت بیان کی جاچکی ہے۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ

جب کہ تم ارلی طرف اور وہ پرلی طرف (وادی کے) تھے اور قافلہ نچلی طرف

أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ

تھا تم سے اور اگر تم ایک دوسرے سے وعدہ کرتے تو وعدہ کا خلاف کر ڈالتے

وَلَٰكِنْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ

لیکن پوری کرنی ہے اللہ نے وہ بات جو ہونی والی ہے تاکہ جو ہلاک ہو تو حجت کے بعد ہو

عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

اور جو زندہ ہو تو بھی حجت کے بعد ہو اور تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے

جنگِ بدر

اسی جلد میں نویں پارہ کے رکوع ۱۵، ۱۶ کی تفسیر میں جنگ بدر سے متعلق آیات کی تفسیر گزر چکی ہے۔

بِالْعُدْوَةِ :۔ عدوہ کا معنی ہے کنارہ۔ اور دنیا ادنیٰ کی مؤنث ہے۔ جس کا معنی ہے نزدیک یعنی مسلمان مدینہ کی جانب جو وادی کا کنارا تھا اس پر تھے اور کفار پرلے کنارے پر تھے۔

قُصْوٰی :۔ اقصیٰ کی مؤنث ہے جس کا معنی ہے دور اور یہ وہ تھے جو ابوسفیان کی امداد و حفاظت کے لئے بصورت لشکر مکہ سے آئے تھے جن کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی اور انہی کو نفیر سے تعبیر کیا گیا ہے

وَالرَّكْبُ :۔ اس کا معنی قافلہ ہے اور یہ ابوسفیان کا قافلہ تھا جو مال تجارت کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا اور اس کو عیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسفل سے مراد نیچے کی طرف کیونکہ وہ یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے جا رہے تھے۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ :۔ مسلمان قافلۂ ابوسفیان کے تعاقب کے خیال سے نکلے تھے اور حضور نے مسلمانوں کو وعدۂ پروردگار سے آگاہ فرمایا تھا کہ ان دو جماعتوں میں سے ایک پر تمہارا غلبہ ہوگا یا عیر یا نفیر یعنی ان دو میں سے ہمارا جس کے ساتھ بھی مقابلہ ہوگا۔ ہمارے مقابلہ میں وہی مفتوح و مغلوب ہوگا۔ پس ظاہری سہولت و فائدہ کے پیش نظر مسلمان عیر کو چاہتے تھے اور حقیقی کامیابی اور دائمی فائدے کے لئے حضور نفیر کے خواہش مند تھے اور مصلحت خداوندی بھی یہی تھی تاکہ قریش مکہ پر رعب قائم ہو جائے اور مسلمانوں کو اس کا علم نہ تھا۔ ورنہ

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ

جب کہ دکھائے تم کو اللہ نے خواب میں وہ تھوڑے اور اگر دکھاتا وہ تم کو بہت تو تم کم در پڑ جاتے

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ

اور جھگڑا کرتے بات میں لیکن اللہ نے بچایا تحقیق وہ جاننے والا ہے

بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۳﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ

دلوں کی باتوں کو اور جب دکھایا ان کو جب تمہاری ملاقات ہوئی تمہاری نظروں

قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ

میں تھوڑا اور تم کو تھوڑا دکھایا ان کی نظروں میں تاکہ پوری کرے اللہ وہ

پہلے سے بہانے بنا لیتے اور مدینہ سے روانگی میں پس و پیش کرتے جس کی خدا خبر دے رہا ہے کہ اگر تم پہلے ایک دوسرے سے یہ وعدہ کرتے کہ نفیر سے لڑنا ہے۔ یعنی قریش مکہ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے تو تم میں اختلاف پڑ جاتا اور مرعوب ہو کر رہ جاتے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ :- یعنی عالم خواب میں حضور کو ان کی تعداد تھوڑی دکھلائی تاکہ مومنین کے سامنے بیان کریں تو وہ گھبرا نہ جائیں۔ اسی بنا پر ارشاد فرمایا کہ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھلائی ہوتی تو تم لوگ گھبرا جاتے۔ اور آپس میں جھگڑا کرتے۔

تفسیر "مجمع البیان" میں خواب کی چار قسمیں لکھی ہیں۔

۱۔ وہ خواب جو اللہ کی جانب سے ہو یہ خواب سچا ہوتا ہے اور اس کی تاویل کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

۲۔ وسوسۂ شیطانی کا خواب

۳۔ مزاج انسانی میں اخلاط کے ایک دوسرے پر غلبہ کی وجہ سے خواب۔

۴۔ تسلط فکر کی وجہ خواب۔

آخری تینوں قسموں کو اضغاث احلام بھی کہا جاتا ہے اور پہلی قسم کا خواب الہام ہوا کرتا ہے۔ اور سرور کائنات کا یہ خواب بطور خوش خبری کے تھا۔

وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ :- یعنی خداوند کریم نے خواب میں ان کی تعداد کم دکھا کر مومنوں کو بزدلی اور باہمی

خلفشار سے بچا لیا۔

وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ :۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئے تو خداوند کریم نے کفار قریش کا لشکر مومنوں کی نظروں میں تھوڑا دکھایا۔ چنانچہ ابن مسعود سے منقول ہے کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ کیا یہ لوگ ستر ہوں گے تو اس نے جواب دیا نہیں۔ بلکہ ایک سو کے لگ بھگ ہوں گے۔

وَیُقَلِّلُكُمْ :۔ جس طرح مسلمانوں کو کافر تھوڑے دکھائی دیتے تھے اسی طرح کفار کو مومن بھی کم دکھائی دیتے تھے اور ویسے حقیقتاً بھی کفار کی کثرت کے مقابلہ میں مومنوں کی تعداد مٹھی بھر تھی اور اس میں اللہ سبحانہٗ کی یہ مصلحت کارفرما تھی کہ مومن کفار کی کثرت سے مرعوب نہ ہوں لہٰذا جان توڑ کر لڑیں اور غلبہ حاصل کریں اور کفار کی بھی ہمت پست نہ ہو اور بھاگ نہ جائیں بلکہ لڑ کر ذلت و خواری کا مزہ چکھیں اور اسلام کا رعب اُن کے دلوں میں جاگزیں ہو اور یہ فطری اصول ہے کہ جس طرح سہمے ہوئے اور ڈرپوک انسان کو ایک دشمن دو دکھائی دیتا ہے اور دس کا سو اس کو نظر آتا ہے۔ اسی طرح عادی اور دلیر انسان کو دشمن سو کا دس اور دو کا ایک نظر آیا کرتا ہے۔ یہاں خداوند کریم نے مومنوں کے دلوں میں جرأت و دلیری بھر دی تاکہ دشمن باوجود کثرت کے ان کو کم معلوم ہوں اور کفار تو تھے ہی زیادہ اور ان کی نگاہوں میں مسلمانوں نے تھوڑا نظر آنا ہی تھا اور فرشتوں کی امداد کو خدا نے ان سے پوشیدہ رکھ لیا۔ تاکہ جم کر لڑیں اور خوب مار کھا کر جائیں۔ ان کی بے جرأت کی حالت یہ تھی کہ ابوجہل آواز دے کر کہتا تھا کہ مسلمانوں سے لڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ جا کر ان کو ہاتھوں سے پکڑ لو اور گرفتار کر لو۔

لِیَقْضِیَ اللّٰهُ :۔ اس فقرہ کو دہرایا گیا ہے کیونکہ دونوں جگہ مطلب جدا جدا ہے۔ پہلے مقام پر عیر یا نفیر میں سے ایک پر غلبہ کی خبر سنا کر مسلمانوں کو آمادہ کیا اور حقیقت کو ان سے پوشیدہ رکھا تاکہ بزدل نہ پڑیں اور ہونے والا امر ہو کر رہے یعنی خدا کی نصرت دیکھیں اور اسلام کی شوکت دیکھیں۔

پس گمراہ ہونے والا جان بوجھ کر گمراہ ہو اور ہدایت پانے والا دیکھ بھال کر راہ ہدایت کو قبول کرے چنانچہ ظاہراً لِیَهْلِكَ بدل ہے لِیَقْضِیَ سے اور دوسری جگہ دونوں فریق ایک دوسرے کو تھوڑے دکھائے گئے۔ تاکہ خدا کا فیصلہ ہو کے رہے اور وہ ہے اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کی شوکت کا مظاہرہ۔

مَفْعُوْلًا ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٤٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا

بات جو ہونے والی ہے اور اللہ کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے اے وہ جو ایمان لائے جب

لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾

ملاقات کرو لشکر سے تو ثابت رہو اور یاد کرو خدا کو زیادہ تاکہ تم کامیاب ہو

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ

اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور نہ آپس میں جھگڑو ورنہ کمزور ہو گے اور

رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا

تمہاری شان چلی جائے گی اور صبر کرو تحقیق اللہ صابروں کے ساتھ ہے اور نہ ہو مثل ان

كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ وَ

کے جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاتے ہوئے حالانکہ

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾

وہ روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور اللہ ساتھ اس کے جو وہ عمل کرتے ہیں آگاہ ہے

رکوع نمبر ۲

فِئَةً :۔ اس کا معنی ہے جماعت، لشکر، گروہ اور اس سے مراد کافر گروہ ہے کیونکہ مومنوں کو جس گروہ و لشکر کے مقابلے میں ثابت قدمی کا حکم دیا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ کافر ہی ہوگا۔ اسی قرینہ کی بنا پر فئۃ کی صفت کافرۃ کو حذف کر دیا گیا ہے۔

فَتَفْشَلُوْا :۔ فشل سے ہے اور اس کا معنی ہے خوف کی وجہ سے بزدلی کا پیدا ہو جانا۔

رِيْحُكُمْ :۔ ریح کا معنی ہے عزت، دولت، شان اور شوکت وغیرہ

وَلَا تَكُوْنُوْا :۔ یعنی تمہاری حالت کفار مکہ کی طرح نہ ہونی چاہیئے جو اتراتے ہوئے گاتے بجاتے ہوئے اور شراب نوشی و عیاشی کرتے ہوئے لوگوں کو اپنی شان دکھانے کے لئے نکلے یہ مروی ہے کہ ابوسفیان

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ

اور جب زینت دی ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو اور کہا کہ کوئی غالب نہ ہوگا۔ تم پر

الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ

آج لوگوں میں سے اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پس جب دونوں لشکر ایک دوسرے

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى

سے ملے تو پلٹ گیا اپنی ایڑیوں پر اور کہنے لگا میں تم سے بیزار ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں

مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع ۲

جو تم نہیں دیکھتے تحقیق میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور خدا سخت سزا دینے والا ہے

جب اپنا قافلہ بمعہ سامان تجارت صحیح وسالم بچا کر نکل گیا تو اس نے قریش کو پیغام بھیجا کہ اب واپس آجاؤ تو ابوجہل نے جواب دیا کہ بدر میں ضرور جائیں گے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ مقام بدر عربوں میں ایک مشہور میلہ گاہ تھا۔ جس میں سالانہ بڑا میلہ لگتا تھا اور اطراف وجوانب سے لوگ وہاں جمع ہوا کرتے تھے۔ ابوجہل کا خیال تھا کہ وہاں بدر میں تین روز قیام کریں گے۔ اونٹ نحر کریں گے لوگوں کے لئے عام لنگر جاری کریں گے شراب کی محفلیں گرم ہوں گی اور رقص وسرود میں عیش وعشرت کا وقت گزاریں گے۔ پس تمام عربوں میں ہماری عظمت وشان کا ڈنکہ بج جائے گا اور ان کے دلوں میں ہمارے رعب کا سکہ بیٹھ جائے گا چنانچہ وہ وہاں پہنچے اور فوج اسلام کے ہاتھوں ان کی سب کرّ وفر ختم ہوئی اور موت کے پیالے پی کر خازن جہنم کے مہمان جا ہوئے۔

کفارِ قریش کو شیطان کا بہکانا

وَاِذْ زَيَّنَ۔ کہتے ہیں جب قریش مکہ نے بدر کی طرف تیاری کی تو ان کو بنی کنانہ کے ساتھ سابقہ دشمنی اور لڑائی کا خیال آیا تو ارادے چھوڑ بیٹھے پس ابلیس سراقہ بن مالک کنانی کی شکل میں آنمودار ہوا اور یہ سراقہ بنی کنانہ میں شریف قوم تھا تو اس نے وعدہ کیا کہ آج تم پر کوئی غالب نہ ہوگا اور بنی کنانہ سے کسی قسم کا خطرہ نہ کرو۔ میں خود تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ پس بدر میں پہنچے تو مسلمانوں پر خدا کی نصرت نازل ہوئی اور ملائکہ کی صفیں اتریں جن کو ابلیس سمجھتا تھا اور وہ لوگ اس سے بے خبر تھے۔ پس جب دونوں فوجوں کی ٹکر ہونے لگی

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ

جبکہ کہتے تھے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری تھی کہ فریب دیا ان کو

هٰۤؤُلَاۤءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ

اپنے دین نے اور جو توکل کرے اللہ پر تحقیق اللہ غالب

حَكِيْمٌ (۴۹) وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰۤئِكَةُ

حکمت والا ہے اور اگر دیکھے تو جب کہ لیتے ہیں کافروں کو فرشتے (بوقت موت)

يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (۵۰)

مارتے ہیں ان کے منہ کو اور پشت کو اور یہ کہ چکھو جلنے کا عذاب

وقت ابلیس کے ہاتھ میں حارث بن ہشام کا ہاتھ تھا۔ فرشتوں کو دیکھ کر فوراً بھاگا۔ حارث نے پوچھا یہ کیا ہے اے سراقہ؟ کیا اس حالت میں ہمیں چھوڑ کر تو جا رہا ہے؟ تو ابلیس نے جواب دیا۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ حارث نے کہا تو کیا دیکھتا ہے؟ یہ یثرب کے کمزور لوگ ہی تو ہیں؟ بس ابلیس نے حارث کے سینے میں ایک مکا مارا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ جس سے باقی لوگوں پر بھی بزدلی چھاگئی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس نے فرشتوں کو نہیں دیکھا تھا بلکہ اس دشمن خدا کی ہمیشہ سے یہی عادت ہے کہ باطل کو حق کی ٹکر پر اکساتا ہے اور جب مشکل پڑ جائے تو کھسک جایا کرتا ہے پس اری مالا ترون کا معنی ہے کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ جب شکست خوردہ قریش واپس مکہ پہنچے تو انہوں نے سراقہ سے کہا کہ تم نے خوب ہمیں مصیبت میں پھنسایا اور خود بزدل ہو کر بھاگ آئے تو سراقہ نے جواب دیا کہ میں تو بدر میں گیا ہی نہیں تھا اور نہ مجھے تمہارے جانے کا علم تھا بلکہ مجھے تو تمہاری شکست کے بعد واپسی کا پتہ چلا ہے اور بس۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تب انہیں معلوم ہوا کہ وہ شیطان ہی تھا۔

اہل معقول نے جن اور فرشتہ میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ جن وہ ناری جسم ہے جو ہر شکل اختیار کر سکے حتیٰ کہ کتا اور سور بھی بن سکے اور فرشتہ وہ نوری جسم ہے جو ہر شکل میں ظاہر ہو سکے سوائے کتے اور سور کے۔

پس ابلیس کا دار الندوہ میں قتل پیغمبر کے مشورہ کے لئے۔ شیخ نجدی کی شکل میں آنا۔ بدر کے موقعہ پر سراقہ

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ	
یہ اس لئے جو بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور تحقیق اللہ نہیں ظلم کرنے والا	
لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا	
بندوں پر مثل طریقے آل فرعون کے اور ان کے جو ان سے پہلے کافر تھے	
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ	
ساتھ آیات خداوندی کے پس ان کو پکڑا اللہ نے بوجہ ان کے گناہوں کے تحقیق اللہ قوی ہے سخت	

کی شکل میں آنا متفقہ تاریخی مسئلہ ہے اور اسی طرح جبرئیل کا دحیہ کلبی کی صورت میں حاضر بارگاہ نبوی ہونا بھی مسلمہ تاریخی حقیقت ہے

رکوع نمبر ۳

اِذْ يَقُوْلُ صہ ۲۴۲ - جب جنگ بدر کے لئے تھوڑی تعداد میں مسلمان بے ہتھیار نکلے تو کفار کی ظاہری کرّ و فر کو دیکھ کر منافق آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ ان مسلمانوں کو اپنے دین نے دھوکہ دیا ہے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ مارے جائیں گے لیکن خدا کا فیصلہ اپنی جگہ محفوظ تھا وہ اسلام کی شوکت بڑھانا چاہتا تھا کہ نہتے کمزور اور کم تعداد مسلمانوں کا مسلح طاقتور اور کثیر التعداد کفار کو بری طرح شکست دیکر پسپا کرنا اسلام کی صداقت کی دلیل بن جائے اور جہاں ایک طرف لوگوں کے دلوں میں اسلام کا سکہ بیٹھ جائے۔ وہاں کمزور اور تھوڑے مسلمانوں کے دلوں سے احساس کمتری ختم ہو جائے۔

بروایت عیاشی تفسیر "برہان" و "صافی" میں منقول ہے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کو پیاس کا شکوہ ہوا تو حضرت امیر علیہ السلام مشکیزہ لے کر کنویں پر گئے پس ایک تند و تیز ہوا کا جھونکا آیا۔ پھر دوسری مرتبہ پھر تیسری مرتبہ ایسا ہوا تو واپس آکر حضرت رسالتمآبؐ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا۔ پہلی مرتبہ جبرئیل ایک ہزار فرشتوں کے ہمراہ آرہا تھا۔ دوسری مرتبہ میکائیل اور تیسری مرتبہ اسرافیل ایک ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ وارد ہوئے۔ انہوں نے آپ کو سلام بھی کہا ہے اور وہ ہماری نصرت کے لئے پہنچے ہیں۔

ایک شخص کہتا ہے میں نے حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں عرض کی کہ میں نے ابوجہل کی پشت پر ایک نشان دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا وہ فرشتے کی مار کا نشان تھا۔ نیز ایک شخص نے عرض کی کہ میں ایک مشرک کو مارنے کیلئے

الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى

سزا دینے والا ہے یہ اس لئے کہ خدا نہیں بدلتا کسی نعمت کو جو کسی قوم پر انعام

قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ ۙ

کرے یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہ اپنے نفسوں کی حالت اور تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

مثل طریقے آلِ فرعون کے اور ان کے جو ان سے پہلے تھے کہ جھٹلایا

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ

اپنے رب کی آیات کو پس ہم نے ان کو ہلاک کیا بوجہ ان کے گناہوں کے اور غرق کیا آلِ

فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ

فرعون کو اور وہ سب ظالم تھے تحقیق بدترین زمین پر چلنے والے

آگے بڑھا تو دیکھا کہ اس کا سر تن سے پرواز کر گیا۔ آپ نے فرمایا۔ تجھ سے فرشتے نے اس کو پہلے قتل کر دیا۔ اور کہتے ہیں فرشتوں کے پاس لوہے کے گرز تھے کہ جب کافروں کو مارتے تھے تو ان کے زخموں سے آگ کے شعلے بلند ہوتے تھے۔ (مجمع البیان)

اِذْ يَتَوَفَّى :۔ ظاہراً اگرچہ جنگِ بدر کے ساتھ متعلق ہے لیکن اس کا معنی عام ہے اور تمام کفار پر موت اسی طرح سخت ہوتی ہے۔ اسی بنا پر تو وارد ہے کہ مومن کے لئے موت جنت کا دروازہ ہے کہ موت کی راحت دنیا کی گزشتہ تمام تکلیفات اس کو بھلا دے گی اور موت کافر کے لئے دوزخ کا دروازہ ہے کہ موت کی سختی سے دنیا کے تمام عیش و آرام اس کو بھول جائیں گے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ :۔ کداب محلاً مرفوع ہے خبر ہے مبتدائے محذوف کی یعنی دَاْبُهُمْ كَدَاْبِ اور اس کا معنی ہے طریقہ اور لفظ آل کی تحقیق اسی جلد میں گزر چکی ہے۔ مراد یہ ہے کہ کفار کو اتمام حجت کے بعد ہم عذاب کا مستحق قرار دیتے ہیں جیسا کہ فرعونیوں یا ان کے قبل کافروں کو ہم نے ان کے گناہوں کے بدلے میں گرفتار کیا تھا

لَمْ يَكُ :۔ اصل میں يَكُوْنُ تھا۔ لم جازمہ کی وجہ سے نون کا ضمہ سکون سے بدلا تو واؤ اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہو گئی اور نون کو بنا بر کثرت استعمال کے لئے حذف کر دیا گیا۔

اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِیْنَ عَاھَدْتَّ مِنْھُمْ

اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کافر ہوئے پس وہ ایمان نہیں لاتے جن سے تم نے عہد لیا پس

ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

وہ توڑتے ہیں اپنے عہد کو ہر دفعہ اور وہ نہیں ڈرتے

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ لَعَلَّھُمْ

پس اگر ان کو قابو کرلو لڑائی میں تو عبرت دلاؤ ان کے ذریعے بعد والوں کو تاکہ وہ

یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْۢبِذْ

نصیحت حاصل کریں اور اگر ڈرو کسی قوم سے تو ان کو

علمی نکتہ

کَانَ یَکُوْنُ :- کو اُم الافعال کہا جاتا ہے یعنی تمام فعلوں کی ماں کیونکہ کَانَ کا معنی ہے یا تھا اور یَکُوْنُ کا معنی ہوتا ہے یا ہوگا اور تمام فعلوں میں یہ معنی پایا جاتا ہے۔ اپنے مادہ کے مفہوم کے علاوہ جیسے ضَرَبَ اس کا مادہ کے لحاظ سے معنی ہے مارا۔ لیکن اس میں ہے یا تھا کا معنی خود بخود پایا جاتا ہے یعنی مارا ہے یا مارا تھا اسی طرح یَضْرِبُ کا معنی مارتا ہے یا مارتا تھا یا مارتا ہوگا یا مارا ہوگا یا مارے گا وغیرہ تو بہر کیف کان یکون کا معنی ہر فعل میں پایا جاتا ہے۔ بنا بریں یہ باب ام الافعال ہے پس جزم کی حالت میں بطور تخفیف اس کا نون حذف ہو جانے سے اس کے معنی میں کوئی خرابی نہیں پڑتی اور لَمْ یَكُ لَمْ اَكُ کا معنی لَمْ یکن اور لم اکن کا رہتا ہے لیکن باقی افعال میں یہ چیز نہیں ہے۔

مُغَیِّرًا ص۲۴۴ :- یعنی خدا کسی قوم کی نعمت کو نہیں بدلتا جبکہ وہ خود نہ بدل جائیں۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خداوند کریم نے ایک نبی کو وحی کی کہ اپنی امت کو سنا دے۔ کوئی بستی اور کوئی قوم جو میری اطاعت پر ہوں اور خوشحال ہوں۔ پس میری خوشنودی کو چھوڑ کر میری ناراضگی کے کاموں میں لگ جائیں تو میں بھی ان کی خوشحالی کو ایسی حالت میں بدل دیا کرتا ہوں جو ان کو ناپسند ہو اور اسی طرح اگر کوئی بستی یا کوئی قوم میری نافرمانی پر ہو اور وہ سختی میں مبتلا ہوں۔ پس وہ میری معصیت سے میری خوشنودی کی طرف بدل جائیں تو میں بھی ان کی بدحالی کو خوش حالی کے ساتھ بدل دیتا ہوں۔ نیز آپ نے فرمایا میرے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ یہ خدا کی قضائے محتوم و مبرم ہے کہ کسی پر وہ نعمت

اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ

پہلے آگاہ کر دو برابر تحقیق اللہ نہیں پسند کرتا خیانت والوں کو اور نہ گمان کریں وہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ

جو کافر ہیں کہ ہم نکل گئے تحقیق وہ ہم کو عاجز نہیں کر سکتے اور تیار کرو ان کے لئے

مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

جس قدر حاصل کرو قوت اور گھوڑے بندھے ہونے کے رعب قائم کرو

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا

ان کے ذریعہ سے اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر اور دوسروں پر جو ان کے

بھیج کر اس سے چھینتا نہیں جبتک کہ اس سے کوئی ایسا گناہ سرزد نہ ہو جس کی وجہ سے وہ سزا کا مستحق ہو گیا ہو اور یہی وجہ ہے کہ شکر نعمت نعمت کی زیادتی کا باعث ہوتا ہے اور کفرانِ نعمت، نعمت کے سلب کا موجب ہو جاتا ہے۔

كَدَاْبِ: کی لفظ کو دو دفعہ دہرانے کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ پہلے مقام پر کفار قریش کے کفر کی فرعونیوں کے کفر سے تشبیہ دے کر اخروی عذاب کے لئے دونوں کا یکساں طور پر مستحق ہونا بیان فرمایا اور دوسری جگہ تکذیب آیات میں دونوں کا ایک جیسا ہونا بیان کر کے دنیاوی عذاب میں دونوں کی یکساں گرفتاری بیان فرمائی۔

الدَّوَابِّ: دابہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے زمین پر چلنے والا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ عہد شکنی کرنے والوں سے مراد یہود بنی قریظہ ہیں۔ جنہوں نے عہد کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کے درپے آزار نہ ہوں گے اور نہ ان کے خلاف دشمنوں کی امداد کریں گے لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا اور کفار کی جنگ خندق کے موقع پر کافی امداد کی اور یکے بعد دیگرے عہد شکنی کا کردار پیش کیا۔ پس ان کے متعلق حکم ہے کہ اگر تم کو ان پر کامیابی حاصل ہو جائے تو ان کو ایسی عبرتناک سزا دو کہ بعد والوں کو ایسی حرکات کی جرأت نہ ہو سکے اور پھر ایک قانون بتلایا کہ جب بھی کسی قوم کی عہد شکنی کا اندیشہ ہو اور ان سے ایسے افعال معرض ظہور میں آئیں جو عہد و پیمان کے خلاف ہوں تو پہلے ان کو آگاہ کرو اور اتمام حجت کرو تاکہ تم دونوں کو برابر اطلاع رہے کہ اب عہد کی پاسداری ضروری نہیں رہی اور بغیر حجت تمام کئے ان سے نہ لڑو تاکہ وہ تم کو خائن نہ سمجھیں کیونکہ اللہ خائن کو دوست نہیں رکھتا۔

تَعۡلَمُوۡنَهُمۡ ۚ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ

علاوہ ہیں کہ تم ان کو نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے اور جو بھی کوئی چیز تم خرچ کرو گے راہ خدا میں

يُوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ۝ وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ

تو تم کو پوری دی جائے گی اور تم کو خسارہ نہیں دیا جائے گا اور اگر وہ مائل ہوں واسطے صلح کے تو تم

فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝ وَاِنۡ

مائل ہو جاؤ اس کی طرف اور اللہ پر توکل کرو۔ تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے اور اگر

يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ

وہ تمہیں دھوکہ دینا چاہیں تو تحقیق اللہ کافی ہے وہ وہی ہے جس نے تیری مدد کی

اور تفسیر برہان وصافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیتیں بنی اُمیّہ کے حق میں اتریں اور وہی خلق خدا میں سے بدترین زمین پر چلنے والے تھے جنہوں نے باطن قرآن میں کفر کیا (بہرکیف جو شخص بھی عہد خداوندی کو توڑ ڈالے وہ تا قیامت ان آیات کا باطنی مصداق ہے)

رکوع نمبر ۴

سَبَقُوۡا ص ۲۴۶ :- یعنی جو کفار جنگ سے بچ کر بھاگ نکلے ہیں تو وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم نکل گئے بلکہ وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے۔ بلکہ پھر کبھی ان کی باری آجائے گی یا یہ کہ جو کفار دنیاوی عذاب سے بچ کر مر جاتے ہیں ان کے متعلق وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ گئے بلکہ وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتے۔ آخر قیامت کا دن باقی ہے اور ہم ان کو دوبارہ زندہ کر کے پوچھ لیں گے۔

وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ ص ۲۴۶ :- قوت سے مراد باختلاف آرائے مفسرین، تیراندازی یا اتفاق یا توکل یا مضبوط مورچے یا دیگر آلات حرب تلوار ڈھال وغیرہ اور رباط الخیل سے مراد دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے گھوڑے سرحد پر تیار رکھنا ہے۔

سیاہ خضاب دشمن دین کے مقابلے میں جہاں ظاہری فتح کے لئے اسباب جنگ اور آلات حرب و ضرب کی فراہمی کی ضرورت ہے وہاں جسم وضع ولباس کی سج دھج دشمنان خدا کو

بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ

بلا واسطہ بھی اور بذریعہ مومنوں کے بھی اور جمع کیا ان کے دلوں کو اگر تم

اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ

خرچ کرتے زمین میں جو کچھ ہے سب تو نہ جمع کر سکتے ان کے دلوں کو

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

لیکن اللہ نے جمع کیا ان کو تحقیق وہ غالب و دانا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾

اے نبی تجھے اللہ کافی ہے اور وہ جنہوں نے تیری اتباع کی مومنوں سے

مرعوب کرنے کا ایک بہترین اور کارگر حربہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے جنگِ خندق کی فتح کے موقعہ پر حضرت علی علیہ السلام کو نازو انداز سے چلتے ہوئے دیکھا۔ جبکہ آپ عمرو بن عبدود کا سر قلم کر کے واپس خراماں خراماں آرہے تھے اور کسی کہنے والے نے زبانِ طعن دراز کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس چال کو خدا ناپسند فرماتا ہے لیکن اس وقت جبکہ دشمنِ دین کے مقابلہ میں جہاد کے لئے انسان نکلے تو یہ چال خدا کو نہایت پسند ہے یعنی میدانِ جہاد و کارزار میں متکبرانہ چال بھی محبوبِ خدا ہے کیونکہ وہ دشمنانِ دین پر رعب کا ہتھیار ہے۔

اسی طرح لباس میں شان نظر آئے اور وضع میں بھی خوب جوانمردی کا مظاہرہ ہو۔ اسی بناء پر فرمایا ہے کہ بالوں پر سیاہ خضاب کرنا بھی دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیار لگانے کے مترادف ہے۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے ایک قوم حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس آئی جبکہ آپ نے سیاہ خضاب لگایا ہوا تھا تو انہوں نے اس کے متعلق پوچھا۔ پس آپ نے اپنی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھایا اور فرمایا لڑائی کے موقعہ پر جناب رسالتمآبؐ نے اپنی فوج کو فرمایا تھا کہ بالوں پر سیاہ خضاب کرلو تاکہ دشمن کے مقابلے میں تمہاری قوت ظاہر ہو۔ یعنی یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے مقابلے میں بوڑھوں کی فوج ہے گویا جوان بن کر جاؤ۔

بروایت فقیہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سیاہ خضاب عورتوں کے لئے باعث انس و محبت اور دشمنوں کے لئے باعث رعب و مصیبت ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اسی آیۃ مجیدہ کے متعلق فرمایا کہ دشمن کے مقابلہ میں تیاری کرنے میں سیاہ خضاب بھی داخل ہے۔

عَدُوَّ اللہِ وَعَدُوَّکُمْ صـ۲۴۳: ان سے مراد مشرکین مکہ اور کفار عرب ہیں اور آخَرِیْنَ سے مراد یہودی لوگ یا اہل فارس یا منافق ہیں جو بوجہ خفیہ رہنے کے مومنوں پر اپنی دشمنی ظاہر نہ کرتے تھے۔

وَاِنْ یُّرِیْدُوْا صـ۲۴۳: پہلے حکم دیا کہ اگر وہ صلح کی خواہش کریں تو صلح کر لو اور اس آیۂ مجیدہ میں فرماتا ہے اگر وہ صلح کے بہانہ سے تمہارے ساتھ دھوکہ کرنا چاہیں تو تم اللہ پر توکل کرو۔ وہی تمہیں کافی ہے جس نے اپنے مخصوص ذرائع سے اور مومنین کے واسطے سے پہلے بھی تمہاری امداد فرمائی۔

حضرت علیؑ ناصر پیغمبر ہیں

تفسیر برہانؒ میں بروایت ابن بابویہ ابوہریرہ سے منقول ہے کہ عرش پر لکھا ہوا ہے انا اللہ لا الہ الا انا وحدی لا شریک لی محمد عبدی ورسولی ایدتہ بعلی۔ یعنی میں اللہ ہوں کوئی لائق عبادت نہیں سوائے میرے میرا کوئی شریک نہیں۔ محمد میرا عبد ہے اور اس کی مدد کی ہے میں نے ساتھ علیؑ کے اور ھُوَالَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِہٖ وہ وہی ہے جس نے تمہاری تائید کی اپنی نصرت سے اور خدا کی نصرت سے مراد علیؑ ہے اور بِالْمُؤْمِنِیْنَ میں بھی علیؑ داخل ہے پس خدا کی بلاواسطہ نصرت بھی علیؑ اور بالواسطہ نصرت بھی علیؑ ہے اور حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیہ حضرت علیؑ کے حق میں اتری ہے اور ابن شہر آشوب نے تاریخ بغداد سے بروایت انس بھی یہی نقل کیا ہے کہ اس کا مصداق حضرت علیؑ ہے۔ اس مضمون کی دوسری احادیث بھی مروی ہیں۔

اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ صـ۲۴۳: قبل از اسلام قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان سخت دشمنی تھی جو بعد از اسلام دوستی سے مبدل ہو گئی اور یہ لوگ انصار تھے۔

وَمَنِ اتَّبَعَكَ صـ۲۴۳: بروایت "حلیۃ الاولیاء" ابوہریرہ سے منقول ہے کہ اس کا مصداق بھی حضرت علی علیہ السلام ہے۔

علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ نے ان دونوں آیتوں کو حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی نصوص میں شمار کیا ہے پہلی آیت ھُوَالَّذِیْ اَیَّدَكَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ اور دوسری آیت یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللہُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ابن روزبہان ناصب متعصب نے پہلی آیت کے متعلق یہ تسلیم کیا ہے کہ واقعی اہل سنت کی روایات میں یہ روایت موجود ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے ساتھ بدرجہ اولیٰ تعلق رکھتی ہے لیکن بایں ہمہ یہ آیت نص خلافت نہیں ہے۔

صاحبؒ دلائل الصدق نے فرمایا ہے کہ "درمنثور" سیوطی اور کنزالعمال ج ۶، صـ۱۵۸ میں نیز "ینابیع المودۃ" میں منقول ہے کہ عرش پر تحریر موجود تھی جو پہلے گزر چکی ہے اور ابوہریرہ، ابن عباس اور انس بن مالک

راویانِ حدیث نے اعتراف کیا ہے کہ آیتِ مجیدہ میں مومنین سے مراد حضرت علیؑ ہی ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا ایمان تمام مومنین کے برابر ہے۔ اسی لئے تو صیغہ جمع سے تعبیر کیا گیا ہے اور جب ایسا ہے تو حضرت علی علیہ السلام کی تمام مومنوں سے افضلیت ثابت ہوگئی اور امامت بھی منصوص ہوگئی خصوصاً جبکہ حضرت علیؑ کی تائید رسولؐ کی تصدیق عرش پر بھی تحریر ہے۔ پس ابن روزبہان کا یہ کہنا کہ علی افاضل مومنین میں سے ہیں حضرت علیؑ پر ظلم ہے اور ان کی حق تلفی ہے۔ آیت اور روایت تو صاف بتلاتی ہیں کہ علیؑ افضل المومنین ہیں نہ کہ افاضل مومنین میں داخل ہیں اور خداوند کریم نے علیؑ کی تائید کو اپنی تائید کے ساتھ مقرون کرکے ان کی اہمیت کو اور اجاگر فرما دیا ہے۔

دوسری آیت کے متعلق ابن روزبہان نے کہا ہے کہ اگر ثابت ہو بھی کہ یہ حضرت علیؑ کے حق میں ہے تو من جملہ فضائل علیؑ یہ بھی ایک فضیلت ہے اس میں نص خلافت کی کوئی بات نہیں ہے اور نیز اس نے کہا ہے ظہور آیت عام مومنوں کے لئے ہے۔

تو صاحب "دلائل الصدق" نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ظہور آیت عام نہیں ہے بلکہ خاص ہے کیوں کہ یہاں مومنوں میں سے وہ شخص مراد ہے جو رسول کا متبع ہو اور اتباع میں قیود کا نہ ہونا بتلاتا ہے کہ اتباع علی الاطلاق رکھتا ہو یعنی جملہ امور و فرامین رسالت میں ان کا تابع فرمان ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کبھی اطاعت کرے اور کبھی جی چرا لے کسی وقت جی ہاں! اور کبھی کبھی نہیں جی! کرنے والا نہ ہو بلکہ اطاعت رسولؐ میں تن من دھن کی ہر قسم کی قربانی سے دریغ کرنے والا نہ ہو اور کسی وقت بھی اس کا فعل خلافِ مرضی رسولؐ نہ ہو۔ پس اس اتباع کا دوسرا نام عصمت ہی ہے اور جو معصوم ہے بلاشک غیر معصوم پر وہ حاکم و امام ہے اور تمام امت کا اجماع ہے کہ سوائے علیؑ کے دوسرے صحابہ رسولؐ میں سے کوئی بھی معصوم نہیں۔

نیز رسولؐ کی کفایت میں خدا کا اپنی ذاتِ مقدسہ کے ساتھ حضرت علیؑ کا ذکر کرنا حضرت علیؑ کی تمام مسلمانوں سے افضلیت میں نص قطعی ہے پس ان کی امامت ثابت ہے۔

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ
اے نبی ابھارو مومنوں کو لڑائی پر اگر ہوں گے تم سے بیس
صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا
جم کر لڑنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں تم سے ایک سو تو غالب ہوں گے ایک ہزار
مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾
پر ان میں سے جو کافر ہیں کیونکہ وہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں
اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ
اب تخفیف کر دی اللہ نے تم سے اور جانا کہ تم میں کمزوری ہے پس اگر ہوں گے تم سے

رکوع نمبر ۵

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ :- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے دور میں اگر کفار کی تعداد مومنوں سے دس گنا زیادہ ہوتی تھی تب بھی جہاد واجب تھا اور اس سے کنارہ کشی گناہ تھی کیونکہ بعد میں فرماتا ہے کہ اب خدا کی جانب سے تم پر تخفیف ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار دُگنے ہوں تو جہاد واجب ہے اور اس سے کنارہ کشی حرام ہے اگر دگنی تعداد سے زیادہ ہوں تو جہاد ساقط ہے بنابریں بعد از وفاتِ پیغمبر حضرت علیؑ پر ہر دو اصولوں کی رُو سے باعتبار ظاہر قرآن جہاد ساقط تھا لہٰذا ان کے سکوت پر اعتراض کرنا قرآن سے ناواقفیت کی کھلی دلیل ہے۔

لَا يَفْقَهُوْنَ :- یعنی تمہارے غلبہ کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہو پس اس کی نصرت تمہارے شامل حال ہے اور وہ لوگ چونکہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس لئے وہ نصرتِ خداوندی سے محروم ہیں اور مغلوب رہتے ہیں۔

تفسیر" برہان" میں عیاشی سے مروی ہے کہ جب وفاتِ پیغمبر کے بعد سقیفہ میں اجتماع ہوا اور عمر کے کہنے پر قنفذ کو علیؑ کو بلانے کے لئے بھیجا گیا تو اس نے کہا تم کو خلیفہ بلا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ پیغمبرؐ نے سوائے میرے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا وہ واپس گیا اور دوبارہ آ کر کہا کہ آپ کو مسلمانوں کے فیصلہ پر چلنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا مجھے رسول کی وصیت ہے کہ دفن کے بعد گھر سے باہر قدم نہ رکھوں۔ جب تک کہ قرآن کو جمع نہ کر لوں۔ وہ واپس

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ

ایک سو جم کر لڑنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں گے تم سے ایک ہزار تو غالب ہوں گے

بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ

دو ہزار پر بحکم خدا اور اللہ ساتھ صابرین کے ہے نہیں ہے نبی کے لئے کہ اس

يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ

کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ سختی کرے زمین میں تم چاہتے ہو

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

فائدہ دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو اور اللہ غالب دانا ہے

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ

اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کا پہلے سے تو البتہ پہنچتا تمہیں اس کے بارے میں جو تم نے لیا ہے

آیا اور پھر عمر مع چند آدمیوں کے گیا۔ بی بی پاک نے دروازہ بند کر لیا اور ان کو خیال تھا کہ بغیر اذن اندر کوئی نہ قدم رکھے گا لیکن عمر نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ توڑ دیا اور اندر داخل ہو کر حضرت علیؑ کو مجبور کر کے لائے۔ بی بی پاک نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ کو علیؑ کے سایہ سے محروم کرنا چاہتے ہو۔ اگر باز نہ آؤ گے تو میں بال پریشان چاک گریبان اپنے بابا کی قبر پہ جا کر فریاد کروں گی چنانچہ حسنینؑ کو ساتھ لے کر قبر پیغمبرؐ کا رُخ کیا تو حضرت علیؑ نے سلمان سے فرمایا۔ اگر بی بی نے گریبان چاک کر کے بال پریشان کر کے پیغمبرؐ کی قبر پہ فریاد کی تو مدینہ پر عذابِ خداوندی آجائے گا۔ پس سلمان نے اگر عرض کی تو بی بی نے فرمایا کہ علیؑ کے قتل پر مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔ سلمان نے عرض کی۔ مجھے بھی علیؑ نے بھیجا ہے تو بی بی نے فرمایا۔ پس میں صبر کرتی ہوں۔ پس جب حضرت کو لے چلے اور قبر پیغمبر کے پاس سے گزرے تو حضرت علیؑ نے قبر پیغمبر کی دیکھ کر یہ آیت پڑھی یابن ام ان القوم اسْتَضْعَفُوْنِىْ ..... الخ عمر نے کہا بیعت کرو۔ حضرت نے فرمایا۔ اگر نہ کروں تو پھر؟ پس عمر نے جواب دیا۔ ہم قتل کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا تم اللہ کے بندے اور رسولؐ کے بھائی کو قتل کرو گے تو عمر نے جواب دیا۔ اللہ کا بندہ تو ٹھیک لیکن ہم رسولؐ کا بھائی تسلیم نہیں کرتے اور تین دفعہ اس فقرہ کو دُہرایا اسی کے آخر میں ہے حضرت علیؑ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے پیغمبرؐ نے فرمایا تھا اگر تیرے پاس بیس آدمی بھی جمع ہو جائیں تو جہاد کرنا اور تو نے بھی اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ اگر بیس صابر

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ

بڑا عذاب پس کھاؤ اس سے جو لیا تم نے درحالیکہ حلال وطیب ہے اور ڈرو اللہ سے تحقیق

اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيٓ أَيْدِيكُمْ مِّنَ

اللہ بخشنے والا مہربان ہے اے نبی کہہ دیجئے ان کو جو تمہارے ہاتھ میں قیدی

الْأَسْرٰىٓ ۙ إِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ أُخِذَ

ہیں اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں اچھائی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم

مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٠﴾ وَإِنْ يُّرِيدُوا خِيَانَتَكَ

سے لیا گیا ہے اور بخشے گا تم کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر ارادہ کریں تمہاری خیانت کا

فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾

تو تحقیق خیانت کر چکے ہیں اللہ کی اس سے پہلے پس تم کو غلبہ دیا ان پر اور اللہ جاننے والا دانا ہے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَّنَصَرُوٓا أُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ

اللہ کی راہ میں (مہاجر) اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی (انصار) وہ بعض دوست ہیں

ہوں گے تو وہ سو پر غالب ہوں گے۔ اے اللہ! میرے پاس بیس بھی موجود نہیں ہیں۔ تین دفعہ یہ فقرہ آپ نے دہرایا۔

حَتّٰى يُثْخِنَ صـ۲۵۲: جنگ بدر میں مسلمانوں کے نو آدمی یا گیارہ آدمی شہید ہوئے جن میں چار قریشی تھے اور باقی انصار تھے اور سعد بن خثیمہ انصاری اسی جنگ میں شہید ہوا اور مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے جن میں سے اکثر حضرت علیؑ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے اور باقی سب مسلمانوں نے مارے تھے اور ستر آدمی ان کے قیدی ہوئے جن میں حضرت عباسؓ رسولؐ کے چچا بھی تھے۔ ان قیدیوں کو رسیوں سے جکڑ کر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ قیدیوں میں حضرت عباسؓ کے کراہنے کی آواز سن کر حضرت پیغمبرؐ کو نیند نہ آئی۔ جب آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا۔ میرا چچا عباسؓ کراہ رہا ہے۔ اس لئے نیند نہیں آرہی۔ پس اس کو چھوڑا گیا تب آپ سوئے۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اگر چاہو تو ان قیدیوں کو قتل کر دو اور اگر

چاہو تو ان کو چھوڑ دو اور ان کا فدیہ لے لو لیکن ان کے بدلے میں تمہارے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے۔ مسلمانوں نے کہا۔ ہمیں فدیہ لینے دیجئے اور اگر بعد میں ہمارے اسی قدر آدمی شہید ہو بھی گئے تو ہم راضی ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور دوسرے سال جنگ احد میں مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہو گئے۔ آیت مجیدہ میں اسی بات کا حوالہ ہے کہ نبی کے لئے درست نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں تاکہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دے یا ان پر احسان کر کے چھوڑ دے بلکہ اس کا فرض ہے کہ سختی کرے اور کفار کو قتل کرے تاکہ دوسروں پر اسلام کا رعب قائم ہو کیونکہ یہ پہلا جہاد تھا اور اس میں سختی کی ضرورت تھی نہ کہ نرم دلی کی۔

لَوْلَا كِتٰبٌ ص ۲۵۲: یعنی اگر اللہ کا فیصلہ نہ ہوتا کہ بغیر اتمام حجت کے وہ عذاب نہیں بھیجتا اور چونکہ تم لوگوں نے فدیہ لے لیا ہے اور اس سے قبل خدا کا امتناعی حکم موجود نہ تھا ورنہ اگر پہلے تم پر حجت تمام ہو چکی ہوتی تو اب ایسا کرنے سے تم پر عذاب نازل ہو جاتا۔

رکوع نمبر ۹

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ ص ۲۵۳: بدر کے وہ قیدی جو مسلمان ہو گئے اور وہ عباس، عقیل اور نوفل بن حارث تھے ان کے لئے خطاب ہے کہ اے پیغمبرؐ ان کو کہہ دو اگر تمہاری نیت میں خلوص ہے تو جو فدیہ تم لوگوں سے لیا گیا ہے۔ خدا تم کو اس کا اچھا بدلہ دے گا اور جناب رسالتمآبؐ کے چچا حضرت عباسؓ فرماتے تھے کہ یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے حق میں اتری ہے کہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا لیا گیا تھا (ہر اوقیہ بیس مثقال ہوتا ہے اور مثقال تقریباً نصف تولہ کے برابر ہوتا ہے) اور اس کے بدلے میں مجھے بیس غلام ملے کہ ان میں کم سے کم کی قیمت بھی بیس ہزار درہم تھی اور مجھے زمزم عطا ہوا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ جمیع اموال مکہ سے یہ بہتر ہے اور اللہ سے مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔ بروایت قتادہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ظہر کیلئے وضو کر چکے تھے کہ بحرین کا مال اسی ہزار پہنچ گیا اور آپ نے نماز سے پہلے اس کو تقسیم کر دیا اور عباس کو حکم دیا کہ تم اسے اٹھا لو تو عباس کہتے تھے کہ یہ میرے لئے اس سے بہتر ہے جو مجھ سے لیا گیا تھا اور اللہ سے بخشش کی امید کرتا ہوں فَاَمْكَنَ یعنی اَمْكَنَكَ ان کی پہلی خیانت کفر و شرک تھی پس خدا نے ان پر حضورؐ کو تسلط دے دیا اور فرماتا ہے اگر پھر خیانت کریں گے تب بھی خدا کو ان پر قدرت حاصل ہے وہ پھر انتقام لے گا۔

وِلَايَتِهِمْ ص ۲۵۵: بعضوں نے ولایت کا معنی وراثت کیا ہے کہ جو مسلمان ہجرت کر چکے تھے وہ ہجرت نہ کرنے والوں کی وراثت کے حقدار نہیں تھے کیونکہ اس وقت مہاجر و غیر مہاجر میں ایک دوسرے کی وراثت کا حق نہ تھا اور بعضوں نے اس کا معنی مدد و نصرت کیا ہے یعنی ہجرت نہ کرنے والوں کی دنیاوی امور میں تمہارے اوپر مدد واجب نہیں۔ ہاں اگر دین کے بارے میں ان کو تمہاری مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کرو بشرطیکہ تمہاری امداد ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جس سے تمہارا عہد و پیمان قائم ہے پس اگر تمہارے ساتھ عہد و پیمان رکھنے والوں کے خلاف غیر مہاجر مسلمان تم سے مدد کی

بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ

بعض کے اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی تو نہیں تمہارے لئے ان کی مدد

مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ

کرنا کچھ بھی یہاں تک کہ ہجرت کریں ۔ اور اگر تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم پر ان

فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ

کی مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے خلاف کہ تم میں اور ان میں عہد ہو اور اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا

اس کو جو تم کرتے ہو جانتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں بعض دوست ہیں بعض کے اگر ایسا

تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

نہ کروگے تو زمین پر بڑا فتنہ اور فساد ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور

هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جن لوگوں نے پناہ دی اور مدد کی

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

وہ ہی سچ مچ مومن ہیں ان کے لئے بخشش اور پاکیزہ رزق ہے

خواہش کریں تو اس صورت میں ان کی مدد نہ کرو۔ کیونکہ عہد شکنی لازم آئے گی۔ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ۔ یعنی جو تم کو حکم دیا گیا ہے کہ مومن ایک دوسرے کے دوست بن کر رہیں اور ایک دوسرے کے آڑے وقت میں امداد کریں اور کفار سے دست بردار رہیں اگر اس ہدایت پر تم عمل نہ کروگے تو فتنۂ عظیم بپا ہوگا کیونکہ مہاجر مسلمان اگر تم سے دینی امداد کی توقع بھی نہ رکھیں تو وہ بالآخر کفا کے دام تزویر میں پھنس جائیں گے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ پھر مہاجرین و انصار کی مدح سرائی فرما رہا ہے کہ وہ لوگ سچ مچ مومن ہیں اور مدح ان لوگوں کی ہے جو ایمان پر ثابت قدم رہے ورنہ جو لوگ بعد از پیغمبر یا زمان پیغمبر میں ایمان سے مرتد ہو گئے اس قسم کی مدحیہ آیات کے مصداق سے خارج ہیں

ہجرت | دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا بڑی فضیلت ہے۔ اسی بناء پر تو ہے بدوی شخص مہاجر

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ تو وہ تم

مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ

میں سے ہیں اور صاحبان رحم بعض قریب ہیں بعض سے کتاب خدا

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۷۵

میں تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے

کا پیشماز نہ ہو یا پیشماز ... کثیر ہوں تو اس کو ترجیح دی جائے جو ہجرت میں سابق ہو لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب ہجرت کا معنی کیا ہوگا ؟ تو بعض علمائے اعلام نے ذکر کیا ہے کہ مومن جس جگہ اپنے شعائر مذہب کو دشمنان دین کے غلبہ کی وجہ سے قائم نہ کر سکتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسی جگہ سے ہجرت کرے اور وہاں جائے جہاں مذہبی امور کی ادائیگی کر سکے۔ اسی طرح جہاں کوئی عالم دین موجود نہ ہو جو واجبات شرعیہ کی تعلیم دے تو وہاں سے ہجرت کر کے ایسے مقام کو جائے سکونت بنائے جہاں دین کا سیکھنا ممکن ہو نیز طلب علم کے لئے وطن چھوڑ کر عالم مسافرت میں وقت گزارنا اگرچہ اصطلاحی طور پر اس کو ہجرت نہیں کہا جا سکتا لیکن ثواب اور فضیلت میں اس سے کم بھی نہیں ہے۔

تنبیہ :- اس رکوع میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا تین مرتبہ دہرایا گیا ہے لیکن ہر ایک مقام پر غرض بیان جداجدا ہے پہلے جس مقام پر ذکر ہوا ہے وہاں مہاجرین وانصار کی باہمی برادری اُنس ومحبت کے متعلق ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور چونکہ قدیمی دستور کے ماتحت وراثت بھی عقد مؤاخات ومحبت کی بناء پر تقسیم ہوا کرتی تھی پس آیت مجیدہ میں ہر مہاجر اور غیر مہاجر کے درمیان سے ولایت کی نفی کی گئی کہ ان کا آپس میں سلسلۂ وراثت بھی منقطع ہے اور دوسرے مقام پر جہاں اس فقرہ کا اعادہ کیا گیا ہے وہاں ہجرت کی فضیلت ذکر کی ہے کہ ہجرت کرنے والے مسلمان بغیر عذر کے ہجرت نہ کرنے والوں سے افضل ہیں بلکہ ان کا ایمان حق اور وہ مومن حق ہیں پھر تیسرے مقام پر اس شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے کہ مبادا لوگ یہ سمجھیں کہ اب سے پہلے جو لوگ ہجرت کر چکے ہیں صرف وہی اس فضیلت کے حقدار ہیں اور بعد کے ہجرت کرنے والے اس فضیلت سے محروم ہوں گے۔ پس ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ جو لوگ بعد میں ہجرت کریں وہ بھی اس فضیلت کے مالک ہوں گے۔ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ۔ یہ آیت پہلے حکم کے لئے ناسخ ہے کہ اب وراثت عقد مؤاخات ومحبت کے ماتحت نہ ہوگی بلکہ بلحاظ رشتہ ہوگی اور اس سلسلہ میں بھی بعض بعض سے اولیٰ ہیں چنانچہ بنابر نسب کے وراثت کیلئے تین طبقے مقرر ہیں پہلے کی موجودگی میں دوسرا محروم اور دوسرے کی موجودگی میں تیسرا محروم ہوگا اور قاعدہ کلیہ یہ کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوگا۔ چنانچہ مسئلہ کی تفصیل تفسیر کی چوتھی جلد میں گزر چکی ہے۔ والحمد للہ

تمت بالخیر ۲۰ ؍ ۶ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

جلد نمبر ۷

7

فہرست

نام مضمون	صفحہ	نام مضمون	صفحہ	نام مضمون	صفحہ
سورہ براۃ کے فضائل	۵	جنگ حنین	۳۲	منافقوں کا کردار	۶۹
بسم اللہ کا جزو سورہ نہ ہونا	۶	نجاست مشرکین	۳۶	رکوع نمبر ۱۴	۷۳
موضوع سورہ براۃ	۶	رازی کی تحقیق	۳۷	زکوٰۃ کا بیان	″
شان نزول	۸	نجاسات	۳۸	زکوٰۃ کے متعلق احادیث	۷۶
نتائج	۱۰	اہل کتاب کا حکم	″	شرائط وجوب زکوٰۃ	۷۷
دلیل خلافت	۱۰	رکوع نمبر ۱۱	۴۰	اونٹ کی زکوٰۃ	۷۸
فضل بن روزبہان کا تعصب	۱۲	رسالتمآب کا چار قوموں کے علمائے مناظرہ	″	گائے بھینس کی زکوٰۃ	۷۹
روایات بطریق اہل بیت	۱۴	حضرت قائم آل محمد	۴۳	بھیڑ بکری کی زکوٰۃ	۸۰
نظر و فکر	۱۵	مال جمع کرنے والے	″	سونے چاندی کی زکوٰۃ	۸۱
اذان میں علی کا نام ہے	۱۶	بارہ مہینے	۴۴	غلہ کی زکوٰۃ	″
رکوع ع۸	۱۸	تاویل آیت	۴۴	نصاب زکوٰۃ غلہ	۸۲
ناکثین	۲۰	نسئی کا معنی	″	مستحقین زکوٰۃ	۸۳
قاسطین	۲۲	رکوع نمبر ۱۲ غزوہ تبوک	۴۸	مستحقین کے اوصاف	۸۵
رکوع ۹ تعمیر مساجد	۲۳	قوموں کی ترقی کا راز	۴۹	زکوٰۃ کا بہترین مصرف	۸۶
احکام مساجد	″	ہجرت کا بیان	۵۰	اسرار و رموز	″
مساجد میں مراتب کا فرق	۲۴	غار ثور کا محل وقوع	۵۲	ایذائے رسول	۸۷
مسجد کوفہ	″	نکات علمیہ	۵۴	خاتون کی ناراضگی کی تاویل کا جواب	۸۹
مسجد سہلہ، مسجد خیف، مسجد براثا	۲۵	آیت غار سے فضائل کا استنباط	″	منافقوں کی چالیں	۹۱
بیت المقدس، مسجد نبوی	۲۶	نتیجہ	۶۲	رکوع نمبر ۱۵	۹۳
مسجد کو جانا	″	تائید ملائکہ	۶۳	منافقوں کی نشانیاں	″
مسجد سے کنارہ کشی	۲۷	کلمۃ اللہ کی بلندی	۶۴	علامات مومن	۹۵
آداب مسجد	۲۸	دوران جنگ میں پاکستان	۶۵	رکوع نمبر ۱۶	۹۶
حضرت علی کی فضیلت	۳۰	عوامی تاثرات	۶۶	منافقوں سے جہاد کا حکم	″
دلیل خلافت	۳۱	رکوع نمبر ۱۳	۶۷	ثعلبہ کا واقعہ	۹۸
				رکوع ۱۷	۱۰۱
رکوع نمبر ۱۰	۳۲	مصلحت جہاد	۶۸	مومن و منافق کا جنازہ	۱۰۲

رکوع نمبر ۱۸	۱۰۴
پارہ ۱۱	
رکوع نمبر ۱	۱۰۶
قصہ تبوک	۱۰۷
علیؑ مثل ہارون ہے	۱۰۸
حضرت ابوذر کا قصہ	۱۰۹
رکوع ۲ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا	۱۱۱
اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ	۱۱۳
سابق کون لوگ ہیں	۱۱۴
رازی کی منطق	۱۱۶
ابوطالب اور خدیجہ کی قربانی	۱۱۷
ساتھ جانے اور بستر پر سونے والے میں فرق	۱۱۸
علی سابق الایمان ہے	//
ایمان والوں کے تین گروہ	۱۲۱
آلِ رسولؐ پر ظلم	//
منافقین و مذبذبین	۱۲۵
وجوب زکوٰۃ	//
ائمہ شاہد اعمال ہیں	۱۲۶
مسجد ضرار	۱۲۸
رکوع نمبر ۳	۱۳۰
مومن کے لئے جنت	//
مشرک کے لئے دعا کرنا	۱۳۲
رکوع نمبر ۴	۱۳۳
صادقین کے ساتھ ہونا	//
رازی کے قول کا ردّ	۱۳۶
آیت نفر	۱۳۸
اجتہاد و تقلید	۱۳۹
رکوع نمبر ۵	۱۴۱
سلامتی کا درد	۱۴۲

سورہ یونس	۱۴۳
رکوع نمبر ۶	۱۴۴
ضرورت نبی	//
دلائل بر وجود خدا	۱۴۵
مفتی جعفر حسین قبلہ کی تحقیق	۱۴۷
مہینوں اور سالوں کا تعین	۱۴۹
رکوع نمبر ۷	۱۵۳
رکوع نمبر ۸	۱۵۷
رکوع نمبر ۹ توحید	۱۶۰
رکوع نمبر ۱۰	۱۶۵
نفع و نقصان کا مالک اللہ ہے	۱۶۷
رکوع نمبر ۱۱	۱۶۸
قرآن روحانی جسمانی بیماریوں کا علاج ہے	//
درد سینہ کے لئے	۱۶۹
رکوع نمبر ۱۲	۱۷۰
مرنے والے کے سرہانے علیؑ	۱۷۱
رکوع نمبر ۱۳	۱۷۳
حضرت نوح کا ذکر	//
حضرت موسےٰ کا ذکر	۱۷۵
رکوع نمبر ۱۴	۱۷۷
حقوق والدین	۱۷۹
فرعون کی غرقابی	۱۸۰
رکوع نمبر ۱۵	۱۸۱
حضرت یونس کا ذکر	۱۸۲
رکوع نمبر ۱۶ - اتمام حجت	۱۸۵
سورہ یونس کا نچوڑ	۱۸۶
سورہ ہود کے فضائل	۱۸۸
رکوع نمبر ۱ محکم و مفصل	۱۸۹
پارہ نمبر ۱۲	۱۹۰

رکوع نمبر ۱ - اللہ رازق ہے	۱۹۱
آسمان و زمین کی خلقت	۱۹۲
اُمت کے معانی	۱۹۴
رکوع نمبر ۲ - صبر و شکر	//
پیغام ولایت	۱۹۶
مومن کا انجام	۱۹۷
بینہ اور شاہد	۱۹۹
شاہد سے مراد علیؑ ہے	//
اشہاد سے مراد	۲۰۰
رکوع نمبر ۳ - حضرت نوح کا ذکر	۲۰۳
نور و بشر	۲۰۴
افکار و رموز	۲۰۷
نصرت اور شفاعت میں فرق	۲۰۸
رکوع نمبر ۴	۲۱۰
کشتی نوح	۲۱۱
اہل کی تحقیق	۲۱۲
مسجد کوفہ کے فضائل	۲۱۴
تنور کی تحقیق	//
بیٹے کے لئے دعا کی وجہ	۲۱۷
نبی کی عصمت	۲۱۸
علم غیب	۲۱۹
رکوع نمبر ۵ حضرت ہود کا ذکر	۲۲۰
رکوع نمبر ۶ حضرت صالح کا ذکر	۲۲۲
رکوع نمبر ۷ حضرت ابراہیم کا ذکر	۲۲۵
بشارت	۲۲۶
انوار لطیفہ	۲۲۷
حضرت لوط کا ذکر	۲۲۸
بنات کا معنی	۲۲۹
رکوع نمبر ۸	۲۳۲
حضرت شعیب کا ذکر	//
رکوع نمبر ۹ - حضرت موسیٰ کا ذکر	۲۳۴
سعید و شقی	۲۳۶
رکوع نمبر ۱۰	۲۳۸
نماز کے اوقات	۲۴۰
نماز کے فضائل	۲۴۱
انسانی اختلاف کی وجوہ	۲۴۳
مسئلہ علم غیب	۲۴۷

سُوْرَۃُ البرائۃ

یہ سورہ مدنیہ ہے اور اس کی کل آیات ایک سو انتیس ہیں۔ یہ سورہ ۹ھ میں نازل ہوا۔ اس کے خواص وفضائل یہ ہیں۔

۱۔ جو شخص اس سورۃ کی تلاوت کرے گا۔ بروز قیامت نفاق سے بری ہو کر اُٹھے گا۔

۲۔ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے عمامہ یا ٹوپی میں رکھے تو جہاں بھی ہو گا چوروں سے محفوظ رہے گا۔ اور اس کو جہاں بھی دیکھیں گے چور اس سے کنارہ کر جائیں گے۔

۳۔ اگر آگ پورے محلے کو گھیرے تب بھی اس کے مکان کے قریب نہ جائے گی۔

۴۔ کوئی دشمن اس پر کارگر نہ ہو گا۔ جب تک یہ اس کے پاس لکھی ہوئی رہے گی۔ (برہان عن خواص القرآن)

۵۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سورہ الانفال اور سورۃ البرأۃ ایک ہیں۔ (برہان)

۶۔ ثعلبی سے بروایت عائشہ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ قرآن آیت آیت اور حرف حرف نازل ہوا ہے سوائے سورہ برأت اور توحید کے کہ یک جا نازل ہوئے۔ اور ان کے ہمراہ ستّر ہزار فرشتے اُترے۔

بسم اللہ کا جزوِ سورہ نہ ہونا

تفسیر مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السلام سے اس کی وجہ یہ منقول ہے کہ سورہ برأۃ کے اول میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں اُتری کیونکہ بسم اللہ امان اور رحمت کے لئے ہے۔ اور برأۃ رفعِ امان کے لئے ہے۔

حضرت امیرؑ کا یہ فرمانا کہ بسم اللہ اس سورہ کے اول میں نہیں اُتری یہ جواب ہے ایک سوال کا کہ اس سورہ کے اول میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی پڑھی جاتی۔ یعنی قرآن مجید کی باقی سورتوں کے اوائل میں بسم اللہ کا ہونا تبرک یا ذاتی تصرف کے ماتحت نہیں۔ بلکہ مصلحت وحکمت پروردگار کے ماتحت جن سوروں کے اوائل میں نازل ہوئی وہاں لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ جزوِ سورہ ہے۔ اور جہاں نہیں نازل ہوئی وہاں نہ لکھی جاتی ہے نہ پڑھی جاتی ہے۔ اور چونکہ اس سورہ کے اول میں نہیں اُتری لہٰذا ترک کی گئی ہے اور یہی دلیل قاطع ہے اس امر کی کہ بسم اللہ ہر سورہ کی جزو ہے سوائے سورہ برأۃ کے۔

اس کے بعد حضرت امیر علیہ السلام نے اس کی علت و وجہ بیان فرمائی کہ چونکہ بسم اللہ امان و رحمت کے لئے ہوا کرتی ہے اور اس سورہ کا مضمون رفعِ امان ہے۔ لہٰذا شروع میں بسم اللہ نہیں اُتاری گئی تو اس پر سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی اور سورتیں بھی ایسی ہیں جن میں عذابِ خداوندی کا تذکرہ ہے۔ اور کافروں سے بیزاری کا تذکرہ ہے۔ مثلاً سورہ معارج۔ سورہ غاشیہ اور سورہ کافرون وغیرہ پھر ان سورتوں کے اول میں بسم اللہ کیوں نازل کی گئی تو اس کا جواب ہے کہ یہ مصلحت وحکمت پروردگار ہے اور حضرت امیر علیہ السلام نے من جملہ دیگر مصالح وحکم کے ایک مصلحت کا نام لے لیا اور اس مصلحت کے لئے ضروری نہیں کہ حکم کے لئے علتِ تامہ کی حیثیت رکھتی ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور وجوہ بھی ہوں جن کی بنا پر یہ سورہ خصوصی امتیاز کا حامل قرار دیا گیا ہو۔ اور من جملہ وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو یہ یقین ہو جائے کہ بسم اللہ کا باقی سوروں کے اوائل میں ہونا صرف تبرک نہیں بلکہ حکمت تنزیل کے ماتحت ہے جس کو خود اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس کی مزید تحقیق تفسیر ہذا کی دوسری جلدیں گذر چکی ہے۔ اس سورہ مجیدہ کا نام برأت بھی ہے اور توبہ بھی۔ اور ان کے علاوہ اس سورہ کے آٹھ نام اور بھی ہیں۔

موضوعِ سورہ

قرآن مجید کی تمام سورتوں میں سے اس سورہ کا نام بھی نرالا ہے اور اس کا موضوع بھی نرالا ہے اور وہ ہے برأت یعنی بیزاری اور دوسرے لفظوں میں اس کو تبری کہتے ہیں جو غلط عام تبرا استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے اس سورہ کے نام اور موضوع نے یہ ثابت کر دیا کہ برأت یا تبرا کوئی گالی گلوچ نہیں۔ ورنہ قرآن مجید جو بالعموم سب اور گالی سے منع فرماتا ہے۔ اس میں تبری یا برأت کا ذکر تک نہ ہوتا چہ جائیکہ ایک سورہ کا عنوان بیان ہی تبری ہو حتیٰ کہ اس کا نام بھی برأت رکھ دیا جائے اور خداوند حکیم نے اس سورہ کے اندر جو تفصیلات بیان فرمائیں ان سے توصاف ہوگیا کہ برأت کا معنی گالی نہیں ہے بلکہ جو قوم عقائدِ حقہ اور اعمالِ صحیحہ سے دُور ہو۔ ان سے اہلِ ایمان کو برأت یعنی بیزاری کرنی چاہیئے۔ اور لُطف یہ کہ قرآن مجید کے تمام سوروں میں سے کسی سورہ کا نام مودت یا محبت یا ولا یا تولا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ برأت اور ولایت یا تبری و تولی جسے غلط عام استعمال میں تبرا و تولا کہتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ایک کے ذکر سے دوسرا خود بخود سمجھا جاتا ہے جس سے برأت ہوگی۔ اس کی ضد

یا نقیض سے محبت ہو گی۔ اور جس سے محبت ہو گی اس کے مخالف پہلو سے برأت اور نفرت ہو گی۔ اِس سُورہ مبارکہ میں مشرکوں اور کافروں سے برأت کا اعلان کیا گیا ہے۔ جس کا مفہوم صحیح یہ ہے کہ خدا اور رسول اور ان کے ماننے والوں یعنی مومنوں سے محبت واجب ہے اسی بنا پر جب ایک سُورہ کا نام برأت ہو گیا تو ولایت نامی دوسرا سُورہ تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہی سورہ برأت مفہوم مخالف کے اعتبار سے سُورہ ولایت بھی ہو سکتی ہے۔ اب سمجھنے کے قابل یہ بات ہے کہ برأت منفی پہلو ہے۔ اور ولایت مثبت پہلو ہے۔ اِس سورہ میں منفی پہلو کو عنوان بیان قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی منفی پہلو کی مناسبت سے سورہ کا نام بھی رکھا گیا حالانکہ مثبت پہلو کو پیش پیش ہونا چاہیئے تھا۔

اس کا جواب اور حل یہ ہے کہ یہاں دو مقام ہیں، ایک مقامِ اعتقاد اور دوسرا مقامِ عمل۔ پس جہاں تک مقامِ عمل کا تعلّق ہے وہاں صرف مثبت پہلو کو ہی معرضِ ظہور اور منصّہ شہود پر لانے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ جس سے منفی پہلو خود بخود مضمحل اور نیست و نابود رہتا ہے۔ لیکن جہاں تک اظہارِ عقیدہ کا تعلّق ہے وہاں منفی پہلو کے اعلان کو زیادہ وقعت و اہمیّت دی جایا کرتی ہے۔ اگرچہ دل و دماغ میں وجُود صرف مثبت کا ہی ہوتا ہے لیکن اقرار لسانی میں پیش پیش ذکر منفی ہوا کرتا ہے۔ اور کلمہ توحید اس کا بیّن گواہ موجُود ہے یہی وجہ ہے کہ برأت کے ذکر کو ولایت کے ذکر سے مقامِ اعلان میں اہمیّت دی گئی ہے۔

ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے لوگ جو منافقانہ رویّہ کے ماتحت بظاہری رواداری اور ملنساری کے روابط کے پیش نظر ادھر خدا اور رسول کی محبّت کا دم بھرتے ہوں اور اُدھر کفار و مشرکین سے بھی میل جول رکھتے ہوں تو کھرے کو کھرا اور کھوٹے کو کھوٹا ظاہر کرنے کے لئے اعلانِ برأت کی ضرورت ہُوئی تاکہ اپنے اپنے ہو جائیں اور بیگانے، بیگانے رہیں۔ پس جو لوگ ادھر بھی محبّت رکھتے ہیں۔ اور اُدھر بھی محبّت رکھتے ہیں۔ اب ایک طرف ہو جائیں گے۔ یا خالص اِدھر آجائیں گے یا صاف اُدھر ہو جائیں گے۔ نیز جو لوگ نہ اِدھر تھے نہ اُدھر تھے اب ان کو بھی ادھر یا اُدھر ہو جانا پڑے گا۔ اور یہ مطلب صرف اقرار ولایت سے نہیں ہو سکتا تھا بلکہ اعلانِ برأت سے ہی ہو سکتا تھا تاکہ دونوں فریقین سے ایک جیسا تعلّق رکھنے والے درمیان میں لٹکے نہ رہیں بلکہ اعلانیہ طور پر ایک کنارے لگ جائیں۔

لطیفہ میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ معصوم ایک دفعہ بیت اللہ میں داخل ہُوئے۔ ایک شخص وہاں بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا آپ نے اُس کو سلام کہا۔ اور اس نے جواب سلام دیا پھر دوبارہ تشریف لے گئے تو ایک شخص کچھ پڑھ رہا تھا۔ آپ اس کے پاس سے گذر گئے اور اُس کو سلام نہ دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ حضور اس کی وجہ کیا ہے کہ پہلے شخص کو سلام دیا اور دوسرے کو سلام نہیں دیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلا شخص محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درُود پڑھ رہا تھا۔ اِس لئے میں نے اس کو سلام دیا لیکن دوسرا محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دشمنوں سے برأت کا ورد کر رہا تھا۔ اس لئے میں نے اس کو سلام نہیں دیا تاکہ اس کے ذکر خیر میں رکاوٹ نہ ہو۔

بہر کیف سورۂ برأۃ میں خدا اور رسُولؐ کے دشمنوں سے بیزاری کا اعلان ہے۔ اگرچہ کفّار قریش اور مشرکین مکّہ ہی وقت نزول اس کے مصداق تنزیلی تھے۔ لیکن چونکہ آیات کلام اللہ تاقیامت باقی اور زندہ ہیں۔ لہٰذا ان کے تاویلی مصداق باقی ہیں۔ اور تاقیامت باقی رہیں گے۔ اور تاقیامت اہلِ ایمان کو ان سے برأت کرنی واجب ہے۔ پس جن لوگوں کا عقیدہ خدا اور رسول کے تبلائے ہوئے مطالب

کے خلاف ہو یا جن کے اعمال وکردار اسلامی ہدایات کے منافی یا مخالف ہوں۔ ان سے برائت کرنا اور نفرت کرنا ہر مومن کا فرض ہے اور وہ لوگ انہی آیات کے تاویلی مصداق ہو سکتے ہیں۔

شانِ نزول مفسّرین اور محدثین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جب سورہ برائت نازل ہوئی تو حضرت رسالت مآبؐ نے اہلِ مکّہ کو حکمِ خداوندی سنانے کے لئے حضرت ابو بکر کو مامور فرمایا اور پھر ان کو اس عہدہ جلیلہ سے معزول کر کے حضرت علیؑ کو متعین فرمایا۔ اس کی تفصیل میں الفاظ روایات میں قدرے اختلاف ہے لیکن مقصد سب کا ایک ہے کہ حضورؐ نے ابوبکر کو روانہ فرمایا کہ سورہ برائت کی دس آیتیں ان کے سامنے جا کر پڑھے اور اُن کے ساتھ کئے ہوئے عہد پیمان کو منسوخ کر دے۔ اور پھر حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر سے عہدہ لے کر خود جائے۔ چنانچہ حضرت علیؑ جناب رسالت مآبؐ کی مخصوص سواری ناقہ عضباء پہ سوار ہو کر تیزی سے روانہ ہوئے اور مقام ذوالحلیفہ یا عرج یا ضجنان یا جحفہ پر اُن کو جا ملے اور ان کو اپنی معزولی کا مژدہ سنا کر اپنے عہدہ کا چارج سنبھالا اور آگے روانہ ہوئے۔ کہتے ہیں حضرت ابوبکر واپس آئے اور خدمتِ نبوی میں پہنچ کر عرض کی کہ حضورؐ کیا میرے حق میں کوئی سرزنش کی قسم کی آیت تو نہیں اُتری۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ لیکن یہ اعلان چونکہ میری طرف سے ہے لہذا اس کو میں نے ہی پہنچانا ہے یا میری جانب سے صرف وہی پہنچا سکتا ہے جو مجھ سے ہو۔ روایت کے لفظ یہ ہیں۔ لَا یُؤَدِّیْ عَنِّیْ اِلَّا اَنَا اَوْ رَجُلٌ مِّنِّیْ ۔ اور یہ روایت اکابر صحابہ سے مروی ہے۔

۱۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السّلام جب جناب رسالتمآبؐ پر سورہ برائت کی دس آیتیں اتریں تو آپ نے ابوبکر کو بلایا تاکہ اہل مکہ کے سامنے پڑھے۔ پھر مجھے بلایا اور فرمایا جلدی سے جاؤ۔ ابوبکر کو جس مقام پر ملو اس سے کتاب لے لو۔ اور خود جا کر اہلِ مکہ کو سناؤ۔ پس میں مقام جحفہ پر جا ملا۔ اور ان سے کتاب لے لی۔ ابوبکر واپس آئے اور عرض کی یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کچھ اُترا ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ جبریل پہنچا ہے۔ اور اس نے اطلاع دی ہے کہ آپ خود پہنچائیں یا وہ شخص پہنچائے جو تجھ سے ہو۔

درمنثور ج ۳ ص۲۰۹ کنز العمال ج ۱ ص۲۴۷ مسند احمد ج ۱ ص۱۵۱ تفسیر شوکانی ج ۲ ص۳۱۹ تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص۳۸ و ج ۷ ص۳۵۷، عینی شرح بخاری ج ۸ ص۶۳۷ خصائص نسائی ص۲۰ میں ہے کہ ابوبکر غمگین واپس آئے اور پوچھا کہ کیا میرے بارے میں کچھ اُترا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ یا خود پہنچاؤں یا وہ شخص پہنچائے جو میری اہل بیت سے ہو۔

۲۔ حضرت ابوبکر۔ جناب رسالت مآبؐ نے برائت دے کر ان کو اہل مکہ کی طرف روانہ کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے گا۔ اور جنت میں صرف مسلمان ہی جائے گا۔ اور جس جس کا جناب رسولِ خدا کے ساتھ عہد وپیمان ہے تو وہ اپنی مدت تک رہے گا۔ اور اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔ پھر تین روز کے بعد حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا کہ ابوبکر کو واپس بھیج دو اور خود برائت کا اعلان پہنچاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تو ابوبکر نے خدمتِ نبویؐ میں پہنچ کر رو دیا اور عرض کی حضورؐ کیا مجھ سے کچھ صادر ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں تم سے کچھ صادر نہیں ہوا۔ لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ خود پہنچاؤں یا وہ پہنچائے جو مجھ سے ہو۔ مسند احمد ج ۱ ص۳ کنز العمال ج ۱ ص۲۴۶ کفایہ گنجی ص۱۲۵ تاریخ ابن کثیر ج ۷ ص۳۵۷

۳۔ ابن عباس :۔ کہ جناب رسالتمآبؐ نے ابوبکر کو بھیجا کہ اہل مکہ میں مندرجہ بالا اعلان کرے پھر علی کو پیچھے روانہ کیا۔ ابوبکر نے راستہ میں ایک مقام پر پیچھے سے جناب رسالتمآبؐ کی ناقہ قصواء کی آواز سنی تو گھبرا گیا کہ شاید حضور خود ہی تشریف لا رہے ہیں۔ پس حضرت علی پہنچے اور ابوبکر سے جناب رسولِ خدا کا نوشتہ لے لیا۔ اور جاکر اہلِ مکہ کو سنایا۔ الحدیث جامع ترمذی ج ۲ ص۱۳۵ سنن بیہقی ج۹ ص۲۲۴ مناقب خوارزمی ص۹۹ مطالب السئول ابن طلحہ ص۱۷ تفسیر شوکانی ج ۲ ص۳۱۹۔

۴۔ انس بن مالک :۔ کہ جناب رسالتمآبؐ نے ابوبکر کو برأت دی کہ اہلِ مکہ کو پہنچائے لیکن پھر اُن کو واپس بلا لیا اور فرمایا کہ یہ اور کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ مگر وہ جو میری اہل سے ہو۔ پس علی کو بلایا اور ان کو یہ عہدہ تفویض کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب ابوبکر ذوالحلیفہ پر پہنچ گئے تو حضرت علیؑ کو مامور فرمایا کہ اس کو نہ پہنچائے مگر میں خود یا وہ جو میری اہل بیت سے ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص۲۱۲ و ص۲۸۳ ترمذی ج ۲ ص۱۳۵ خصائص نسائی ص۲۰ تاریخ ابن کثیر ج ۵ ص۳۸ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۳۳۳ قسطلانی شرح صحیح بخاری ج۷ ص۱۲۶ فتح الباری ج۸ ص۲۵۶ عینی ج ۸ ص۶۳۷ درمنثور ج ۳ ص۲۰۹ وغیرھا۔

۵۔ ابوسعید خدری :۔ حضورؐ نے برأت دے کر ابوبکر کو روانہ کیا پھر علی کو بلا کر فرمایا کہ اس کو یا میں پہنچاؤں یا تم پہنچاؤ۔ پس اپنی ناقہ عضباء پر سوار کرکے روانہ کیا اور راستہ میں انہوں نے ابوبکر سے وہ عہدہ سنبھال لیا۔ پس ابوبکر کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں میرے بارے میں کچھ اُترا نہ ہو تو خدمتِ نبوی میں آکر عرض کی کہ حضورؐ! کیا بات ہے۔ الحدیث درمنثور ج ۳ ص۲۰۹ روح المعانی ج ص۱۰۶۸ وغیر ذلک

۶۔ ابورافع :۔ حضرت نے ابوبکر کو بھیجا تو بعد میں جبریل نازل ہوا کہ یا خود پہنچاؤ یا وہ پہنچائے جو تجھ سے ہو۔ پس حضرت نے علیؑ کو روانہ فرمایا۔ جنہوں نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ابوبکر سے اپنا عہدہ سنبھال لیا۔ (فتح الباری ج۸ ص۲۵۶ درمنثور ج۳ ص۲۱۰)

۷۔ سعد بن ابی وقاص ۔ حضورؐ نے ابوبکر کو بھیجا اور بعد میں علیؑ نے بحکم رسول ابوبکر سے عہدہ لے لیا تو ابوبکر غمگین ہوئے۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا اس کو ادا نہیں کر سکتا مگر میں یا وہ جو مجھ سے ہو۔ (خصائص نسائی ص۲۰ درمنثور ج ۳ ص۲۰۹ وغیر ذالک

اور ابن عباس نے حارث بن مالک سے روایت کی ہے کہ میں نے مکہ میں سعد بن ابی وقاص سے ملاقات کی اور پوچھا کہ تو نے علی کی کوئی فضیلت سُنی ہے۔ تو سعد نے جواب دیا کہ میں حضرت علیؑ کی چار فضیلتوں کا شاہد ہوں کہ اگر ان میں سے میرے لئے ایک بھی ہوتی تو میں پُوری دنیا کی حکومت سے افضل سمجھتا۔ جب کہ حضرت نوح کے برابر عمر بھی دی جاتی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضورؐ نے ابوبکر کو برأت دے کر مشرکین مکہ کی طرف روانہ کیا۔ وہ ایک دن رات کا سفر کر چکا تو علیؑ کو فرمایا کہ ابوبکر کو جاکر ملو اور ان سے وہ لے لو اور خود جاکر پہنچاؤ۔ اور ابوبکر کو واپس میری طرف بھیج دو۔ پس ابوبکر روتا ہوا واپس آیا اور عرض کی یا رسول اللہ، کیا میرے بارے میں کچھ اُترا ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ اچھائی ہے۔ ہاں میری طرف سے نہیں پہنچا سکتا۔ مگر میں خود یا وہ جو مجھ سے ہو۔ یا وہ جو میری اہل بیت سے ہو۔

۸۔ ابوہریرہ (۹) عبداللہ بن عمر (۱۰) حبشی بن جنادہ (۱۱) عمران بن حصین (۱۲) ابوذر غفاری (۱۳) جابر بن عبداللہ۔ ان سے بھی کتب صحاح میں اسی مضمون کی احادیث باختلاف الفاظ مروی ہیں۔ تفصیلی بحث الغدیر ج ۶ ص۳۳۸ تا ص۳۵۰۔ بہرکیف

اگر کسی حدیث کو متواتر کہا جا سکتا ہے تو حدیث برائت یقیناً متواترات میں سے ہے۔ تبہتر اہل سنت کے علمائے اعلام نے اپنی معتبر تصانیف میں اس حدیث کو تیرہ اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے۔ اگرچہ جزوی طور پر اختلاف ہے کہ حضرت علی مقام ضخبان میں یا عرج میں یا ذوالحلیفہ میں یا جحفہ میں جا کر ابوبکر سے ملے اور عہدہ ان سے واپس لیا۔ بہرکیف اس میں شک نہیں کہ حضرت نے پہلے ابوبکر کو بھیجا تھا اور وحی کے اترنے کے بعد حضرت علی کو بھیج کر ابوبکر کو اس عہدہ سے معزول کیا گیا۔

اس حدیث سے چند نتائج نکلتے ہیں جو ارباب بصیرت کے لئے غور و فکر کا محل ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر سے اس عہدہ کا چارج لیا گیا اور ان کو معزول کر کے واپس بلا لیا گیا۔

۲۔ عہدہ کی اہمیت اس امر سے خوب واضح ہے کہ یا اس کو رسول خود پہنچائے یا وہ پہنچائے جو رسول سے ہو یا رسول کی اہلبیت سے ہو۔

۳۔ عہدہ تبلیغ برائت کی معزولی سے حضرت ابوبکر کے دل پر صدمہ ہوا۔ اور غمزدہ واپس آئے۔ حتی کہ فرط غم سے رو دیا۔

۴۔ رسول کا کسی کو اپنے عہدہ سے معزول کرنا وحی کی آمد اور اللہ کے حکم کے ماتحت ہوتا ہے۔

۵۔ اگر حضرت ابوبکر تبلیغ برات کے لئے اللہ کے نزدیک موزوں ہوتے تو ان کی بلاوجہ معزولی خلاف عدل قرار پاتی۔

۶۔ حضرت ابوبکر کا پوچھنا کہ کیا میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوئی ہے یا مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی ہے (باختلاف روایت) اور حضور کا نہیں، میں جواب دے کر فرمانا کہ یہ میرا یا میری اہل بیت کا فریضہ ہے۔ یعنی ہم خود ہی اس کے اہل ہیں۔ اس کا صاف مطلب ہے کہ تم کو اس لئے معزول کیا گیا ہے کہ تم اس کے اہل نہیں ہو۔

۷۔ جو شخص دس آیتوں کی تبلیغ کے لئے صرف اہل مکہ کا مبلغ نہیں ہو سکتا تو کل قرآن کی تبلیغ کے لئے کل عالم کا مبلغ کیسے بن سکتا ہے؟

۸۔ روایات سے صاف واضح ہے کہ حضرت علی کی تبلیغ میں وہی شان و حیثیت تھی جو خود جناب رسالت مآبؐ کی ہے۔

۹۔ حضرت کا اپنی مخصوص سواری پر روانہ کرنا اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ جو مقام رسول کے لئے ہے ان کے بعد وہ مقام صرف علی کو ہی زیب دے سکتا ہے۔ چنانچہ یہاں اپنی سواری عطا فرمائی اور شب ہجرت اپنا بستر عنایت فرمایا۔

۱۰۔ سعد بن ابی وقاص کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت علیؑ کی فضیلت پر پردہ ڈالنے کے عادی تھے اور اس امر کی کوشش کی جاتی تھی کہ حضرت علی کی منقبت لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچ سکے اور ڈھونڈنے والے صحابۂ رسول سے علیحدگی اور خلوت میں کچھ نہ کچھ پوچھ ہی لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت حارث بن مالک نے ایک ڈھنگ سے سعد بن ابی وقاص سے پوچھ لیا۔ اور یہ فضیلت اتنی واضح تھی کہ سعد بن ابی وقاص کو کہنا پڑا کہ پوری روئے زمین کی حکومت سے یہ فضیلت بہتر ہے۔

حدیث برائت دلیل خلافت

حدیث کے الفاظ پر غور کرنے اور مطلب کی تہ تک پہنچنے کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت علی تبلیغ آیات قرآنیہ کے لئے خداوند کریم کی جانب سے نامزد تھے۔ اور ان کی حیثیت خود رسول کی حیثیت تھی تو جب قرآن کے ایک مختصر حصہ کی تبلیغ کے لئے ایک محدود قوم تک و محدود

علاقہ میں کوئی شخص اَن فِٹ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ عقلِ سلیم کیسے تسلیم کرے کہ وہ کل قرآن کا مبلغ ہو۔ اور تمام قوموں اور تمام ملکوں کا خدا کی جانب سے پیشرو ہو۔ پس حضرت علی کی پوزیشن کو واضح کرکے گویا رسولِ خدا عملی اعلان فرما رہے تھے کہ میری جگہ پر تبلیغ قرآن کے لئے حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی بھی موزوں نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر اس کے اہل نہ تھے تو جناب رسالت مآبؐ نے پہلے ان کا انتخاب کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف تصویر کا ایک رُخ پیش کرنے سے کبھی حقیقت نہیں کھلتی۔ اگر آپ پہلے سے ہی حضرت علی کو بھیج دیتے تو کہنے کو بات رہ جاتی کہ آپ اپنی مرضی سے ہر عہدہ جلیلہ کے لئے حضرت علی کو ہی نامزد فرما لیتے ہیں ورنہ ہم کسی سے کیا کم ہیں ؟ جنگِ اُحد میں جب علیؑ نے لافتیٰ الاّ علی کا تمغہ پایا تو شاید کسی دل میں اس تمغہ کا لالچ بھی پیدا ہوا ہو۔ پس اس قسم کے شکوک رفع کرنے کی خاطر حضور نے بعض غزوات میں پہلی دفعہ حضرت علی کو نامزد نہ فرمایا جیسا کہ غزوۂ ذات السلاسل کا قصہ تاریخوں میں محفوظ ہے۔ ایک صحابی کو فوج کی کافی جمعیت دے کر روانہ فرمایا جب وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کر واپس آئے تو دوسرے کو علم عطا فرمایا تاکہ دل میں اس کی بھی حسرت نہ رہے۔ جب وہ بھی ناکام واپس پلٹے۔ تو حضرت علی کو روانہ فرمایا۔ اور حضرت علی فتح و کامرانی سے واپس پلٹے تو سورۂ والعادیات کی آیتیں اُتریں جن میں پروردگار نے علیؑ کے گھوڑوں کی قسمیں کھائیں۔ ینابیع المودۃ سے بھی اس واقعہ کو نقل کیا گیا ہے پھر جنگِ خندق میں عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لیے صحابہ کو مخاطب فرمایا لیکن کَاَنَّ علیٰ رُؤسِھم الطّیر۔ (گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے تھے) اور بحکایت قرآن بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (سانس حلقوم تک پہنچ گئے تھے) اور آنکھیں خوف سے دھنس گئی تھیں۔ پس حضرت علیؑ نے مردانہ وار اس سے مقابلہ کیا۔ اور سر قلم کرکے خدمت نبوی میں لائے۔ جاتے ہوئے کل ایمان کا لقب لیا برز الایمان کلّہٗ۔ الخ اور پلٹ کر ضربۃ علیّ یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین کا تمغہ پایا۔ ایسے گرانقدر خطابات اور تمغے طبیعتوں کی للچاہٹ کے لئے مہمیز تھے۔ ضرور طبیعتیں اُبھرتی ہوں گی۔ تو حضرت رسالت مآبؐ نے حاصل کرنے والوں کے لئے راستہ کھول دیا۔ اب خیبر کا معرکہ سامنے تھا تو علم فوج ایک صحابی کو دیا تاکہ اس کا دلی ارمان مٹ جائے۔ جب وہ ویسے کے ویسے پلٹے تو دوسرے کو آگے بڑھایا وہ بھی زرد رُو ہو کر واپس پلٹے اور کہتے تھے کہ ساتھیوں نے بزدلی کی۔ ساتھی کہتے تھے علمبردار پہلے بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم بعد میں میدان سے بھاگے۔ خیر سب کی حقیقت کھل گئی۔ آخری دن حضرت علیؑ نے میدان جیت کر فوج اسلام کا بھرم رکھ لیا اور بفرمانِ رسالت محبّ و محبُوبِ خدا کرار و غیر فرار کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ پوری تفصیل تفسیر کی جلد ۱۱ میں آئے گی

حضرت رسالت مآبؐ جانتے تھے کہ ان مقامات میں علیؑ کے سوا کوئی بھی اہل نہیں ہے لیکن یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ وقت گذر جانے کے بعد کوئی دوسرا اپنی اہلیت کا ڈھنڈورا پیٹتا رہے۔ یہاں تبلیغ آیات برأت کے موقعہ پر بھی حضور کو معلوم تھا کہ حضرت علیؑ ہی اس عہدۂ جلیلہ کے اہل ہیں لیکن بعد کی چہ میگوئیوں کا سدباب کرنے کے لئے پہلی دفعہ حضرت علیؑ کا انتخاب نہ فرمایا بلکہ پہلے حضرت ابوبکر کو نامزد کیا اور پھر بحکم پروردگار اُن کو معزول کرکے حضرت علی کو متعین فرمایا۔

ان دونوں مقاموں میں فرق یہ ہے کہ مقامِ جنگ میں جب دوسروں کو علم عنایت فرماتے رہے تو اُن کو راستہ سے واپس نہیں

پوری تفصیل تفسیر ہذا کی جلد ۱۱ سورہ احزاب کی تفسیر میں ملاحظہ ہو۔

بلوایا بلکہ وہ ناکام پلٹے تو دوسرے کو دیا اور آخر میں حضرت علی کو مامور فرمایا۔ اور اس مقام پر راستے سے بلوالیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقام جنگ میں بعض مجاہدین کی کمزوری یا پسپائی کا فوراً مردمیدان مجاہد اور جانباز بہادر سے تدارک کیا جاسکتا تھا لیکن مقام تبلیغ میں ایک مبلغ کی ناکامی اس نازک دور میں پورے اسلامی مشن کی توہین و تذلیل کے مترادف تھی جس کا تدارک صرف زور بازو سے نہیں ہوسکتا تھا۔ بنابریں خالق کو گوارا نہ ہوا اور جو اہل نہ سمجھا گیا اس کو فوراً واپس بلوالیا گیا۔ اور اہل کو مامور کرکے بھیج دیا گیا۔

بہرکیف سمجھنے والوں کے لئے یہ مقام تاریخ اسلام میں ایک اہم حقیقت کا حامل ہے۔ اور اس موقع پر فرمان نبوی حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کا غیر مبہم بیان ہے۔ ایک کی برطرفی اور دوسرے کا تعین دونوں کے مراتب و منازل میں زمین و آسمان کے فرق کا ببانگ دہل اعلان ہے۔ جس کو حقیقت آشنا کان سن رہے ہیں۔ اور دُور رس دماغ قبول کررہے ہیں۔

علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ نے اس حدیث کو دلیل خلافت قرار دیا تو فضل بن روزبہان متعصب سیخ پا ہوکر اس کے جواب میں لکھتا ہے۔ ۹ھ میں حضورؐ نے حضرت ابوبکر کو امیر الحاج بنا کر مکہ روانہ فرمایا۔ اور یہ ہدایت کی کہ موسم حج میں سورہ برأۃ کی پہلی آیتیں مشرکین کو سنائیں۔ اور چونکہ حضرت رسالتمآبؐ کا قبائل عرب کے ساتھ عہدو پیمان تھا۔ اس لئے ان کو حکم دیا کہ ان کے عہدو پیمان کی چار ماہ حد مقرر کردیں۔ جیسے خود ارشاد خداوندی ہے۔ سورہ کی دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ تم زمین میں چار مہینے چل پھر لو۔ اور ابوبکر کو یہ بھی حکم دیا کہ کوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے گا۔ اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ جب حضرت ابوبکر روانہ ہوچکے تو حضرت رسالتمآبؐ کی سورہ برأۃ کی تبلیغ کے بارے میں رائے تبدیل ہوگئی کیونکہ اس میں عہد ختم کرنے کا اعلان تھا۔ یا اُن کی ۴ ماہ تک حدبندی کا حکم تھا اور عرب کسی عہد کو ختم کرنے کے لئے سوائے صاحب عہد یا اس کی قوم کے آدمی کے دوسرے کسی کی بات کو باور نہیں کرتے تھے۔ ابوبکر چونکہ بنی تیم سے تھا۔ پس حضرت علی کو بھیجا۔ اب ابوبکر امیر حج بھی رہا اور دوسرے اعلانات بھی اس کے ذمے تھے۔ جب پیچھے سے حضرت علیؑ پہنچے تو ابوبکر نے پوچھا کیا آپ امیر حج بن کر آئے ہیں تو حضرت علیؑ نے جواب دیا نہیں بلکہ میں تو عہدو پیمان ختم کرنے کی ڈیوٹی پر مامور ہیں۔ پس دونوں اکٹھے روانہ ہوئے۔ حج سے فارغ ہوکر واپس آئے تو ابوبکر نے پوچھا حضورؐ کیا میرے بارے میں کوئی آیت اُتری تھی۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہ چیز یا میں نے پہنچانی تھی یا وہ پہنچاتا جو میری اہلبیت سے ہو۔ اس کے بعد کہتا ہے یہ ہے حقیقت خبر نہ اس میں نص خلافت ہے۔ اور نہ اس میں حضرت ابوبکر کی کوئی تنقیص ہے۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا مجھے جبریل نے بتایا ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ اصل حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ دیکھئے اس ناصبی نے حضرت علی کی دشمنی میں اندھے ہوکر کس قدر حق پر پردہ ڈالنے کی ناپاک سعی لاحاصل کی ہے۔ تمام کتب احادیث سے نقل شدہ روایات کو قطع و برید کرکے ایک نئے سانچے میں ڈھال کر نئی روایت تیار کرلی اور نہایت نڈر ہوکر آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ یہ ہے حقیقت خبر۔ حالانکہ اگر اس حقیقت خبر میں نظر تحقیق ڈالی جائے تو کئی وجوہ سے یہ خبر بے حقیقت ثابت ہوتی ہے۔

ا۔ کتب صحاح اور مسانید معتبرہ میں اس طرز بیان سے قطعاً یہ روایت کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ ہم نے متعدد کتابوں سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور الغدیر میں دیگر متعدد کتب سے اس روایت کے الفاظ منقول ہیں۔ لیکن یہ بیان کسی کتاب میں نہیں ہے۔

۲۔ حضرت رسالت مآبؐ کی عمر اس وقت تقریباً ساٹھ برس تھی تو کیا اس لمبی عمر میں حضورؐ کو عربوں کے عادات و اطوار اور طرز و تمدن سے واقفیت حاصل نہ ہو سکی تھی کہ عرب لوگ کسی عہد کی ترمیم یا تنسیخ کے لئے صاحب عہد یا اس کے کسی قریبی کے علاوہ کسی دوسرے کی بات پر باور نہیں کیا کرتے ؟ اور پاس بیٹھنے والے بھی سارے عرب تھے۔ کیا عربوں کے اس دستور کا مہاجرین و انصار کو بھی پتہ نہیں تھا ؟ اور حضرت ابوبکر جس کو پہلے یہ عہدہ دیا جا رہا تھا۔ وہ بھی عربوں کی خصوصاً مکہ والوں کی اس عادت کو نہیں جانتے تھے ؟ اگر جواب نفی میں ہے تو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ حضور عربوں کے عمومی دستور کو خوب جانتے تھے۔ لیکن جاننے کی صورت میں پہلی دفعہ معاذ اللہ غلط قدم کیوں رکھا ؟ کیا خدا نے اس غلطی پر آمادہ کیا۔ یا خود لاپرواہی سے کام لیا۔ ؟ اور یہ دونوں صورتیں قابل قبول نہیں۔ علاوہ ازیں مہاجرین و انصار نے جو خود خالص عرب تھے۔ کیوں نہ روکا۔ اور خود حضرت ابوبکر نے یہ عہدہ دیدہ دانستہ کیوں قبول کر لیا ؟

۳۔ حضرت علیؑ کی تقرری اگر دستور عرب کے مطابق تھی تو حضرت ابوبکر کو اپنی معزولی پر غم کیوں ہوا۔ اور وہ رونے کیوں لگ گئے اور اُن کو واپس آکر یہ دریافت کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ کہ کیا میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوئی ہے ؟ بلکہ حق تو یہ ہے کہ وہ دستور عرب کے خلاف ایک عہدہ پر مامور تھے جو ان کے لئے معرض خطر تھا۔ پس ان کی معزولی اُن کے لئے باعث خوشی تھی۔ نہ کہ مقام گریہ۔

۴۔ عربوں کا جو قاعدہ بیان کیا ہے۔ قطعاً بے بنیاد ہے۔ صاحب عہد کی طرف سے جو بھی بحیثیت سفیر یا قاصد جائے اُسی کا ہی قول معتبر ہوا کرتا ہے خصوصاً جب کہ حضورؐ کی طرف سے تحریر بھی اُس کے پاس موجود ہو۔

۵۔ ان کے کہنے کے مطابق اگر وہ بدستور امیر الحاج رہے تو صرف نسخ عہد کی ڈیوٹی سے سبکدوش کئے جانے پر تشویش ان کو کیوں لاحق ہوئی ؟

۶۔ اگر عام عرب دستور کی مطابقت مقصود تھی تو اس کو صاحبان مسانید و صحاح نے حضرت کے فضائل و مناقب میں بلکہ خصوصیات میں کیوں درج کر لیا۔ حتیٰ کہ سعد بن ابی وقاص کو کہنا پڑا کہ حضرت نوح کی عمر کے برابر کی روئے زمین پر حکومت سے بھی افضل اور محبوب تر ہے

۷۔ روایات منقولہ میں صاف ہے کہ حضرت ابوبکر کو وہاں سے ہی واپس پلٹایا گیا۔ جہاں حضرت علیؑ نے اپنے عہدہ کا چارج لیا اور بعض روایات میں صراحت سے مذکور ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ہدایت کی تھی کہ ابوبکر سے لے کر خود جاؤ اور ان کو واپس بھیج دو۔ چنانچہ وہ روتے ہوئے غمگین واپس آئے۔

۸۔ روایات میں ہے کہ تنسیخ عہد کے علاوہ باقی اعلانات بھی حضرت علی علیہ السلام نے خود ہی کئے تھے۔

(۱) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔

(۲) بیت اللہ کا طواف کوئی برہنہ نہ کرے گا۔

(۳) جن لوگوں کے عہد کی جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ مدت مقرر ہے وہ اپنی مقررہ مدت تک رہیں گے۔ اور جن کی مدت مقرر نہیں ہے تو اب اس کی مدت چار ماہ تک ہے۔

۴۔ جنّت میں صرف مومن ہی جائیں گے۔ کنز العمال ج ۱ صفحہ ۲۴۵ ترمذی شریف ۔ سورہ توبہ

بہر کیف ہزار کوشش کر کے حضرت علی کی فضیلت پر پردہ ڈالا جائے لیکن بالآخر حقیقت بے نقاب ہو کر رہتی ہے ۔ خدا و رسول کو علم تھا کہ اس عہدہ جلیلہ کے لئے سوائے علیؑ کے کوئی دوسرا موزوں نہیں ہے ۔ پس پہلے حضرت ابوبکر کو متعیّن کیا گیا ۔ اور جب یہ خبر چاہ عام ہو گیا ۔ اور لوگوں میں خبر پھیل گئی تو اس کو معزول کر کے واپس بلا لیا گیا ۔ اور حضرت علیؑ کو اس کی جگہ مقرر کیا گیا تاکہ ہر خاص و عام کے ذہن نشین ہو جائے کہ نیابتِ رسول کے عہدہ کے لئے حضرت ابوبکر موزوں نہیں تھے ۔ اور حضرت علیؑ ہی موزوں تھے ۔ اور جب جزوی تبلیغ میں حضرت علی کے سوا کوئی دوسرا رسول کی قائم مقامی کا اہل نہیں ہو سکا ۔ تو کلی و عمومی تبلیغ کے لئے خدا و رسول اس کو کیسے نامزد کر سکتے ہیں ؟ اور ظاہر ہے کہ اگر پہلی مرتبہ ہی حضرت علیؑ کو بھیجا جاتا تو یہ تنبیہ حاصل نہیں ہو سکتی تھی ۔

روایت بطریق اہل بیت

تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ۹ھ کو جب جناب رسالت مآبؐ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو یہ آیتیں اتریں اور حضورؐ نے جب مکہ فتح کیا تو مشرکین کو اس سال حج کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا ۔ اور عربوں کا دستور تھا کہ جو مکہ میں داخل ہو کر اپنے لباس میں طواف کرتا تھا پھر اس لباس کو صدقہ کر دیتا تھا ۔ اور طواف کے بعد اس لباس کا پہننا وہ اچھا نہ سمجھتے تھے ۔ لہٰذا باہر سے آنے والے عاریتہً یا کرایہ پر بھی لباس لے لیا کرتے تھے ۔ اور اس میں طواف کر کے مالک کو واپس لوٹا دیا کرتے تھے ۔ اور جس کو عاریتہً یا کرایہ پر لباس نہ مل سکتا تھا وہ برہنہ طواف کیا کرتے تھے ۔ چنانچہ ایک حسین و جمیل نوجوان عورت مکہ میں بغرض طواف پہنچی تو اس کو عاریتہً اور کرایہ پر لباس نہ مل سکا اور اس کو کہا گیا کہ اگر تو نے اپنے لباس میں طواف کیا تو یہ لباس تجھے صدقہ کرنا پڑے گا ۔ کہنے لگی میرے پاس کوئی دوسرا لباس تو ہے نہیں اس کو کیسے صدقہ کر سکتی ہوں ؟ پس اس نے لباس اتار کر برہنہ طواف کیا ۔ اور لوگ گردنیں اٹھا کر اس کو دیکھنے لگے ۔ تو اس نے اپنے آگے اور پیچھے پر ہاتھ رکھ لئے ۔ اور اس مضمون کا اس نے شعر بھی پڑھا جب طواف سے فارغ ہوئی تو لوگوں نے اس سے شادی کی خواہش کی لیکن اس نے صرف ایک بات کہہ کر سب کی امنگوں پر پانی پھیر دیا کہ میں شوہر دار ہوں ۔

سورہ براۃ کے نزول سے پیشتر حضور کا یہ دستور تھا کہ خود لڑائی کی ابتدا نہ کرتے تھے بلکہ صرف ان سے جہاد کرتے تھے جو پہل کریں اور سورہ براۃ میں قتل مشرکین کا عام حکم تھا لیکن حضورؐ نے بعض لوگوں کے ساتھ فتح مکہ کے موقعہ پر معاہدہ کیا تھا اب ان کو چار ماہ کی مدت دی گئی جو دسویں ذوالحجہ سے لے کر دسویں ربیع الثانی تک تھی ۔ پس آپ نے سورہ براۃ کی آیتیں ابوبکر کو دے کر روانہ فرمایا ۔ چنانچہ مقام روحاء پر حضرت علیؑ نے ابوبکر سے وہ آیات لے لیں اور ابوبکر واپس آ گیا ۔ اور عرض کی کہ حضورؐ ! کیا میرے بارے میں کوئی چیز اتری ہے تو آپ نے فرمایا نہیں ۔ بلکہ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں خود پہنچاؤں یا وہ شخص جو مجھ سے ہو ۔ پہنچائے ۔

بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ فتح مکہ ۸ھ میں برأت ۹ھ میں اور حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ہوئی اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے تلوار نیام سے نکال کر اعلان فرمایا کہ آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی برہنہ طواف نہ کرے ۔ اور جن کے عہد کی مدت مقرر ہے وہ اپنی مدت تک ہو گا ۔ اور جن کی مدت مقرر نہیں اب اس کی مدت چار ماہ

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱

بیزاری اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے طرف ان کے جن سے تم نے عہد کیا تھا مشرکین میں سے (دیکھو کر)

ہو گی (اس کے بعد اس کا قتل حلال ہوگا) ۔ (صافی)

تفسیر مجمع البیان میں ہے ۔ حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ کس لئے بھیجے گئے تھے ۔ تو فرمایا چار چیزوں کے پہنچانے کے لئے (۱) کعبہ میں سوائے مومن کے کوئی داخل نہ ہو (۲) بیت اللہ کا طواف عریاں ہو کر کوئی نہ کرے (۳) اس سال کے بعد مومن و کافر مسجد الحرام میں جمع نہ ہوں گے (۴) جس کے عہد کی مدّت مقرر ہے وہی مدّت رہے گی ۔ اور جس کی مدت مقرر نہیں اُس کی چار ماہ مدت ہو گی اور تفسیر برہان میں ہے کہ مشرکین نے جواب دیا کہ ہم تیرے اور تیرے چچا زاد کے عہد سے بیزار ہیں ۔ اور اب ہمارے درمیان تلوار و نیزہ چلے گا ۔ اور اگر آپ چاہیں تو ہم خود ہی اس کی ابتدا کریں گے ۔ تب حضرت علی نے فرمایا کہ اَنْتُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ۔ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ہو ، الخ ۔

نظر و فکر آلِ محمدؐ کی تنقیص اُن کے دشمنوں کا محبوب ترین مشغلہ رہا ہے ۔ حتیٰ کہ کسی شخص کی عوامی مقبولیت کا معیار بھی عداوتِ آلِ محمدؐ قرار پا گئی ۔ پس جس کسی نے آلِ محمدؐ کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا ۔ وہ علامہ بھی کہلایا ۔ پیر و مرشد بھی بنا ۔ اور امام کے لقب سے بھی نوازا گیا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جس جس مقام پر آلِ محمدؐ کی مدح موجود ہے وہاں سستی شہرت کے خواہشمند اور بڑے بڑے القاب کے دلدادہ حضرات نے آلِ محمدؐ پر زیادہ سے زیادہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ۔ اور جہاں بھی آلِ محمدؐ کے اعداء کی تنقیص قرآن مجید میں صراحتہً یا کنایۃً موجود ہے وہاں ان ضمیر فروش ملاؤں نے ان کی تاویلات کر کے کسی نہ کسی طریقہ سے اُن کو فضائل کا لباس اڑھانے کی سعی نامسعود کی ۔ لیکن بقول شاعر ؎

نُورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

فضائلِ آلِ محمدؐ کو چھپانا ان لوگوں کے بس کا روگ نہیں ہے بلکہ خود ہی ان لوگوں کے قلم لبا اوقات حق اُگلنے پہ مجبور ہو جایا کرتے ہیں ۔ اور حق بین نگاہیں باطل کے تہ بہ تہ گہرے پردوں کے باوجود حقیقت کا سراغ لگا لیا کرتی ہیں ۔ جیسا کہ سورہ برائت کے متعلق واردشدہ روایات ببانگ دہل اس امر کی شاہد ہیں ۔ اور آلِ محمدؐ کی صداقت کی اس سے زیادہ واضح دلیل اور کیا ہو گی کہ دشمن کا قلم بھی بے بس ہو کر بے طریقہ سے ان کی فضیلت کا اعلان کر جاتا ہے ع والفضل ما شهدت به الاعداء ۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ ۔ یعنی خدا اور رسول کا ذمہ مشرکین سے بری ہے ۔ ان سے جن سے عہد کیا جا چکا ہے ۔ تو یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عہد شکنی کو اس مقام پر کیوں روا رکھا گیا ہے ۔ حالانکہ عہد کی وفا واجب ہوا کرتی ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تین صورتوں میں عہد کا توڑنا جائز ہوا کرتا ہے ۔ (۱) جب کہ عہد مشروط ہو ۔ مثلاً یہ کہا جائے کہ ہمارے درمیان عہد اس وقت تک ہے جب تک کہ خدا بذریعہ وحی اس کو اُٹھا نہ دے (۲) مشرکین کی جانب سے خیانت اور عہد شکنی کی ابتدا ہو چکی ہو (۳) عہد کی مدت مقرر ہو اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ روایت میں ہے حضورؐ نے مشرکین کے ساتھ عہد مشروط کیا تھا ۔ اور نیز یہ بھی مروی ہے کہ مشرکین نے

فَسِيحُوا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ

پس چل پھر لو زمین میں چار مہینے اور جانو کہ تحقیق تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ کو

وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲﴾ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ

اور تحقیق اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو اور اطلاع ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو

عہد شکنی کی ابتدا کی تھی یا یہ کہ وہ عہد شکنی کا ارادہ رکھتے تھے۔ پس خداوند کریم نے سورہ برأت نازل فرمادی۔

فَسِيحُوا فِي الْاَرْضِ۔ یعنی چار ماہ تک کی مدت یعنی ۱۰ ذوالحجہ سے ۱۰ ربیع الثانی تک تم زمین میں باامن وامان چلو پھرو۔ اس میعاد کے گذرنے کے بعد مسلمانوں پر تمہارا خون مباح ہوگا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سال حج ۱۰ ذوالقعدہ کو تھی۔ اور یہی قربانی کا دن تھا لہٰذا چار ماہ کی مدت ۱۰ ربیع الاوّل تک تھی۔ اور دوسرے سال حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ ذی الحجہ قربانی کا دن مقرر ہوا۔ (مجمع البیان)

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ کا مصداق علیؑ ہے

(۱) حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہاں اذان کا مصداق علیؑ ہے (۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے آسمان پر حضرت کا ایک نام اذان بھی مقرر کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جناب رسالت مآبؐ کی جانب سے مشرکین مکہ کو برأت پہنچائی تھی کہ پہلے حضورؐ نے ابوبکر کو بھیجا تھا تو جبریل نازل ہوا کہ اس کو نہ پہنچائے مگر تو خود یا وہ شخص جو تجھ سے ہو۔ پس حضورؐ نے حضرت علیؑ کو روانہ فرمایا۔ پس حضرت علیؑ نے راستہ میں ابوبکر سے صحیفہ لے لیا اور مکہ میں گئے تو خدا نے ان کا نام اذان مقرر کیا۔ اور یہ پروردگار کا حضرت علیؑ کو عطیہ ہے۔

(۳) نہروان سے واپسی پر حضرت امیر علیہ السّلام نے کوفہ میں خطبہ پڑھا جبکہ آپ کو اطلاع ملی کہ معاویہ آپ کو سب کرتا ہے اور عیب جوئی کرتا ہے۔ نیز آپ کے طرفداروں کو قتل کرتا ہے۔ تو آپ نے حمد وثنا ودرود وسلام کے بعد اپنے بیان میں ارشاد فرمایا انا الموذّن فی الدنیا والاخرۃ۔ میں دنیا وآخرت میں خدا کی جانب سے موذن ہوں۔ ایک مقام پر خدا فرماتا ہے وَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی اس دن موذن اذان دے گا کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر انا ذلک المؤذن۔ وہ موذن میں ہوں گا۔ اور دوسرا ارشاد ہے۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ اور یہاں اذان سے مراد میں ہوں۔

علامہ حلّی قدس سرہ۔ نے اس آیت مجیدہ کو بھی حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کی دلیل قرار دیا ہے اور مسند احمد سے نقل کیا گیا ہے کہ اس اذان سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ اور دلائل الصدق میں درمنثور سے منقول ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں حضرت علی کا نام موجود ہے لیکن لوگ جانتے نہیں ہیں۔

حکیم بن حمید راوی حدیث کہتا ہے میں نے دریافت کیا کہ کہاں ہے تو آپ نے فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا فرماتا ہے۔ وَاَذَانٌ من اللہ الخ۔ خدا کی قسم اس کے مصداق آپ ہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کی جانب سے یہ لقب حضرت امیر علیہ السّلام

يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ

بروز حج اکبر کہ تحقیق اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول پس اگر توبہ کرو تو

خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِينَ

بہتر ہے تمہیں اور اگر منہ پھیرو تو جانو کہ تحقیق تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ کو اور خوش خبری دو

كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ③ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ

کافروں کو عذاب دردناک کی مگر جن مشرکین کے ساتھ تم نے عہد کیا اور پھر

کی عظمت شان اور رفعت مقام کا واضح معیار ہے۔ پس خدا کی احکام کی تبلیغ اور رسول کی نیابت انہی کی ذات والا صفات کے لئے ہی زیبا ہے۔

يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد قربانی کا دن ہے اور اس کے مقابلہ میں حج اصغر سے مراد عمرہ ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس سال چونکہ مسلمانوں اور مشرکوں نے مل کر حج کیا تھا۔ اس لئے وہ دن حج اکبر کا دن کہلایا اور اس کے بعد پھر مشرکین کا بیت الحرام میں داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

إِنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ پہلی برائت سے مراد نقض عہد ہے۔ اور یہاں برأۃ سے مراد دوستانہ تعلقات کا اختتام ہے۔ لہذا تکرار لازم نہیں آتا۔

فَإِن تُبْتُمْ۔ یعنی مشرکوں کو بتادو کہ اگر توبہ کرلیں اور شرک سے باز آجائیں تو فائدہ میں رہیں گے۔ لیکن اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئیں اور شرک پر ڈٹے رہیں تو وہ اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے۔ گویا یہ بھی دبے لفظوں میں ان کی تہدید تھی۔ پھر اس کے بعد صاف طور پر فرما دیا کہ ان کو دردناک عذاب کی بشارت دیدو۔

إِلَّا الَّذِينَ۔ یہ استثنا ہے۔ یعنی ایسے مشرک جن کے ساتھ تمہارا عہد و پیمان ہے۔ اور انہوں نے عہد شکنی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور نہ تمہارے دشمنوں کے ساتھ مل کر تمہاری ایذا کے درپے ہوئے تو ان کے عہد کو اپنی مدت تک پورا کرو اس سے صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے عہد و پیمان ختم کردئے گئے یا چار ماہ کی مدت مقرر کردی گئی ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو پہلے عہد شکنی کی طرف اقدام کرچکے تھے۔ اور مروی ہے کہ بنی کنانہ اور بنی ضمرہ کی قوم کے آدمیوں کے عہد کی مدت ابھی نو ماہ باقی تھی۔ انہوں نے نہ عہد شکنی کی تھی اور نہ مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کی امداد میں حصہ لیا تھا۔ پس حکم ہوا کہ ان کا عہد ان کی مدت تک رہنے دیا جائے۔

الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ:۔ یہاں حرمت والے مہینوں سے مراد وہ مدت ہے جو کفار کے عہد و پیمان کی مقرر کی گئی تھی۔ یعنی چار ماہ۔ یعنی اس مدت کے گذر جانے کے بعد کفار کا خون مباح ہے۔ ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو۔ اور ان کو پکڑو۔ اور قید کرو۔ اور مسجد الحرام میں آنے سے روکو۔

يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ

انہوں نے نہیں نقصان دیا تم کو کچھ اور نہ مدد کی تمہارے خلاف کسی کی تو پورا کرو ان کا عہد اپنی مدت

مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ④ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا

تک تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے ڈرنے والوں کو پس جب گذر جائیں مہینے حرمت والے تو قتل کرو

الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ

مشرکوں کو جہاں ان کو پاؤ اور پکڑو ان کو اور بند کرو ان کو اور بیٹھو ان کے لئے ہر گھات پر پس اگر

كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ

توبہ کریں اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکوٰۃ کو تو چھوڑ دو ان کا راستہ تحقیق

اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑤ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ

اللہ غفور رحیم ہے اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ لے تو اس کو پناہ دو

وَاقْعُدُوا لَهُمْ ۔ یعنی ہر حیلہ اور ہر طریقہ سے ان کو ذلیل کرو۔ اور اُن پر زندگی کا میدان تنگ کر دو۔ یہ اس لئے کہ اسلام تمدن انسانی کی راہوں کو ہموار کرنے کے لئے آیا ہے۔ اور انسانوں میں سے جو بھی اس راہ میں رکاوٹ کا باعث بنے۔ وہ ازراہِ عقل واجب القتل ہے۔ جس طرح انسانی اعضا میں سے اگر ایک عضو خراب ہو جائے تو باقی اعضا کی حفاظت کے پیش نظر تقاضائے عقل وہ خراب اور موذی عضو کاٹ دینے کے قابل ہوتا ہے۔ اور یہ ظلم نہیں بلکہ دفع ظلم ہے۔ جس پر انسانیت کی بقا کا دار و مدار ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا بلکہ اسلام اپنے مبنی برصداقت اصولوں کی بنا پر مقبول عام ہوا۔ اور انسانیت کی ناؤ کو ڈبونے کے درپے ہونے والوں کو اس راستہ سے بقوتِ بازو ہٹا دیا گیا۔

وَإِنْ أَحَدٌ ۔ حضرت امیر علیہ السلام سے ایک مشرک نے سوال کیا تھا کہ یہ بتائیے اگر مدت گذر جائے اور ہم میں سے کسی نے جناب رسولِ خدا سے ملنا ہو تو اس کے لئے بھی عہد ختم ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ خدا نے فرمایا ہے اگر کوئی مشرک تم سے پناہ لے تو اس کو پناہ دو۔ قرآن مجید سُننے کا اس کو موقع دو۔ پھر با امن اس کو اپنے گھر پہنچاؤ۔ اور یہ امان اس لئے ہے کہ وہ ایمان اور قرآن مجید کو جانتے نہیں ہیں۔ پس اس ایمان کے ذریعے سے ان کو موقع دیا گیا ہے کہ سُنیں اور سمجھیں اور راہِ راست پر آئیں۔

رکوع نمبر ۸

كَيْفَ يَكُونُ ۔[19] تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قبائل بکر میں سے بنو خزیمہ بنو مدلج۔ بنو ضمرہ اور بنو دئل نے قریش کے ساتھ مل کر حدیبیہ کے دن جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ عہد و پیمان کئے تھے۔ پس ان

حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ ع

تاکہ سنے کلام خدا کو پھر پہنچاؤ اس کو اس کے امن کی جگہ پر یہ اس لئے کہ وہ نادان قوم ہیں

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

کیسے رہ سکتا ہے مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک سوائے ان کے جن کے ساتھ تم نے عہد کیا

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

مسجد الحرام کے پاس پس جب تک وہ ثابت رہیں تو تم بھی ثابت رہو ان کے لئے تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے

الْمُتَّقِيْنَ ⑦ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً

ڈرنے والوں کو یہ کیسے ہو؟ حالانکہ وہ اگر غالب آجائیں تم پر تو نہ لحاظ رکھیں گے تمہاری قرابت کا اور نہ عہد کا وہ تم کو

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑧ اِشْتَرَوْا

راضی کرتے ہیں منہ سے اور نہیں مانتے ان کے دل اور وہ اکثر فاسق ہیں جو خریدتے ہیں اللہ کی

عہدوں کو قریش اور بنو دئل نے توڑ دیا تو ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ اللہ و رسول کے نزدیک ان مشرکوں کے عہد کی کیا وقعت ہے جو عہد شکنی میں خود پہل کریں۔ ہاں وہ لوگ جو اپنے عہد پر ثابت ہیں تو تم بھی ان کے لئے ثابت رہو اور عہد شکنی نہ کرو۔

كَيْفَ وَاِنْ ۔ یعنی ایسے لوگوں کا کیا عہد جو موقعہ کی تاڑ میں ہوں۔ اگر ان کا بس لگے تو تم کو ہر ممکن ایذا دیں گے۔ پھر نہ تمہاری رشتہ داری کا لحاظ کریں گے اور نہ عہد کی پاس کریں گے۔

اِلًّا ۔ اس کا لغوی معنی قرابت بھی ہے اور اس کا معنی عہد بھی ہوا کرتا ہے چنانچہ یہ ال سے ماخوذ ہے اور ال کا معنی ہے چمک۔ اَلَّ يَؤُلُّ اَلًّا (چمکنا)، اُذُنٌ مُؤَلَّلَةٌ (تیز کان) اس مقام پر ال کا معنی قرابت ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ذِمَّةً مذکور ہے۔ جس کا معنی عہد ہے۔ اور بعضوں نے ال کا معنی ہمسائگی بھی کیا ہے۔ نیز بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ خداوند کریم کے ناموں سے ایک نام ہے۔

اَكْثَرُهُمْ فَاسِقُوْنَ ۔ کافر سب کے سب فاسق ہوا کرتے ہیں۔ اس جگہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جو عہد و پیمان کی کوئی قدر نہیں کرتے بلکہ بے وفا اور غدار ہوتے ہیں۔

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۔ کہتے ہیں ابوسفیان نے عرب کی ایک قوم کو کھانے کی دعوت دی تھی تاکہ ان کے دلوں میں نبی علیہ السلام کی عداوت راسخ ہو۔ پس اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ آیات الٰہیہ کے بدلہ میں وہ معمولی منافع دنیاویہ خرید کر لیتے ہیں۔

لَا يَرْقُبُوْنَ ۔ اس کا مادہ رقبہ ہے۔

اور مجمع البیان میں ہے کہ رقبہ۔ انتظار، مراقبہ۔ مراعات اور محافظہ سب کا معنی ایک ہے۔

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹﴾

آیات کے بدلے میں قیمت تھوڑی پس روکتے ہیں اس کے راستہ سے　تحقیق　وہ بُرا　کرتے ہیں

لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰﴾ فَاِنۡ

نہیں لحاظ کرتے مومن کے بارے میں رشتہ کی اور نہ عہد کی　اور وہ ظالم ہیں　پس　اگر

تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ ؕ وَنُفَصِّلُ

توبہ کریں اور قائم کریں نماز　اور دیں زکوٰۃ　تو تمہارے بھائی ہیں دین میں　اور ہم کھول لیتے ہیں

الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَ

آیات کو اس قوم کے لئے جو جانیں　اور اگر توڑ دیں اپنی قسموں کو بعد عہد کرنے کے اور اعتراض کریں　تمہارے

طَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡـنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡـكُفۡرِ ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ﴿۱۲﴾

دین میں تو جنگ کرو کفر کے سرغنوں سے تحقیق ان کی کوئی قسم نہیں تاکہ وہ باز آئیں

ناکثین

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا ۔ حنان بن سدیر سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ بصرہ کے کئی آدمی میرے پاس آئے اور انہوں نے طلحہ اور زبیر کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں نے جواب دیا وہ ائمۃ الکفر تھے (یعنی کفر کے سرغنے اور امام تھے) کیونکہ بصرہ میں جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئیں تو حضرت علی علیہ السّلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا جلدی مت کرو۔ پہلے میں اپنا عذر تمام کر دوں جو میرے۔ ان کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ پس کھڑے ہو کر فرمایا۔ اے اہل بصرہ ! کیا میں نے حکم میں کوئی ظلم کیا ہے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ میں نے کسی قسم کی خلاف ورزی کی ہے ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ کیا میں نے اپنے اور اپنی عیال کے لئے مالِ دنیا جمع کیا ہے اور تم کو محروم کیا ہے ؟ تو کہنے لگے نہیں۔ پھر فرمایا کیا میں نے تم میں حدود کو جاری کیا اور غیروں کو معافی دی ہے ؟ کہنے لگے کہ نہیں۔ پس فرمایا کیا وجہ ہے کہ میری بیعت کو تم توڑ رہے ہو۔ اور غیر کی بیعت کو تم نے نہیں توڑا۔ میں نے معاملات کو پرکھا ہے۔ پس سوائے کفر اور تلوار کے مجھے کوئی بات نظر نہیں آتی۔ یہ کہہ کر اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ آیت پڑھی۔ وان نکثوا ۔ الآیۃ پھر قسم کھا کر فرمایا کہ اس آیت کے مصداق یہی لوگ ہیں۔ اور آج تک اس آیت کے مصداق لوگوں سے لڑائی نہیں ہوئی تھی۔ یعنی اس آیت پر پہلے پہل میں ہی عمل کر رہا ہوں اور جب سے اُتری ہے آج تک تشنۂ تعمیل تھی (برہان وصافی)

اور تفسیر مجمع البیان اور برہان میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام جنگ جمل سے فارغ ہوئے تو ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ذکر فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ اے علی لَتُقَاتِلَنَّ الۡفِئَةَ النَّاكِثَةَ وَالۡفِئَةَ الۡبَاغِيَةَ وَالۡفِئَةَ

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ

تم کیوں نہیں لڑتے ایسی قوم سے جنہوں نے تمہارے سے عہد کو توڑ ڈالا اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا اور وہ ابتدا کر چکے ہیں

أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

پہلی دفعہ کیا اُن سے ڈرتے ہو؟ تو اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس سے ڈرو اگر مومن ہو

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

ان سے لڑو خدا ان کو عذاب دیگا تمہارے ہاتھوں اور ان کو رسوا کرے گا اور تمہاری مدد کرے گا اور شفا دے گا

صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ

مومن قوم کے دلوں کو اور ختم کرے گا ان کے دلوں کے غصہ کو اور توبہ قبول کرے گا جس کی

مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ

چاہے اور اللہ جاننے والا دانا ہے کیا تم نے خیال کیا کہ چھوڑ دیے جاؤ گے اور نہ جانے گا اللہ

الْمَارِقَةَ ۔ یعنی تم بیعت توڑنے والوں ، بغاوت کرنے والوں اور دین سے خارج ہونے والوں سے ضرور لڑو گے (پس پہلی جماعت سے مراد جنگ جمل والے ہیں جن کے سرغنے طلحہ و زبیر تھے ۔ اور ان کو ناکثین کہا جاتا ہے ۔ اور دوسری جماعت سے مراد جنگ صفین والے ہیں جن کا سرغنہ معاویہ تھا ۔ اور اُن کو قاسطین کہا جاتا ہے ۔ اور تیسری جماعت نہروان کے خارجیوں کی ہے جن کو مارقین کہا جاتا ہے) بہرکیف یہ لوگ اس آیۂ مجیدہ کے تاویل میں مصداق ہیں ۔ اور تنزیل کے لحاظ سے اس کے مصداق رؤسا قریش اور اکابر مشرکین تھے جنہوں نے عہد شکنی کی ابتدا کی تھی ۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قوم یہود ہے ۔ جنہوں نے عہد کو پہلے پہل توڑا ۔ اور مسلمانوں کے خلاف کفار کی امداد کی ۔ اور مدینہ سے رسولِ خدا اور مسلمانوں کے نکالنے کی تدبیریں کیں ۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد بھی کفارِ مکہ ہیں ۔ انہوں نے مسلمانوں پر جور و ستم کی ابتدا بھی کی تھی ۔ اور مکہ سے نکال بھی دیا تھا ۔ اور پھر عہد کے توڑنے کی ابتدا بھی اُنہوں نے ہی کی تھی ۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۔ یعنی جو مومن مدت سے کفار کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے تھے ۔ اب اُن کے دل ٹھنڈے ہوں گے ۔ اور کافر لوگ ذلیل و خوار ہوں گے پس ان سے لڑو اور خوب لڑو ۔

وَيَتُوبُ اللَّهُ ۔ یعنی اب بھی اگر ان میں سے کوئی توبہ کرنا چاہے تو توبہ کا دروازہ بند نہیں بلکہ خدا توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے ۔ بشرطیکہ دل سے توبہ کرے ۔ مشیت کی قید لگانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ چونکہ دلوں کے حالات کا دانا بینا ہے ۔ پس جس کی توبہ صدق نیت سے ہو گی اس کو قبول کرے گا ۔ اور جو زبان سے توبہ کرے گا اور دل صاف نہ ہو گا تو خدا اس کی توبہ

الَّذِيْنَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ

ان کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور نہ بنائے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے علاوہ کوئی

قبول نہ کرے گا۔

قاسطین

بروایت عیاشی ابوالاغرمینی یاتیمی سے منقول ہے کہ جنگ صفین کا میں تماشا دیکھ رہا تھا کہ عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب ہتھیار لگائے ہوئے سر پر خود رکھے ہوئے شکی گھوڑے پر سوار تھے۔ اور اُدھر فوج شام کی طرف سے ایک بہادر عرار بن ادھم نامی میدان میں نکلا۔ اور اس نے عباس کو للکارا۔ پس حضرت عباس بن ربیعہ اس کے مقابلے میں نکلے۔ گھوڑوں سے اُتر کر دونوں نے پا پیادہ تلوار سے لڑائی کی۔ کافی دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ اور زرہوں کی مضبوطی کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے پر غالب نہ آیا۔ آخر کار عباس نے اُس شامی کو مار گرایا۔ پس لوگوں میں نعرۂ تکبیر کی گونج پیدا ہوئی کہ زمین بھی لرزتی نظر آئی۔ میں نے سنا کہ ایک شخص نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ - الاٰیۃ۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو حضرت علیؑ تھے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ ہماری طرف سے کون لڑ رہا تھا۔ تو میں نے جواب دیا آپ کی قوم کے بزرگ زادے عباس بن ربیعہ تھے۔ پس حضرت نے عباس کو بلایا اور فرمایا کیا میں نے تم کو اور حسنؑ و حسینؑ و عبداللہ بن جعفر کو ایک جگہ ٹھہرے رہنے کو نہیں کہا تھا۔ پھر کیوں تم میدان میں گئے۔ اس نے عرض کی۔ اے آقا! اس شامی نے مجھے للکارا تھا۔ اس لئے میں چلا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم کی نسل ختم ہو جائے۔ تم ہرگز میدان میں نہ جاؤ۔ اور اپنے امام کی اطاعت کو لازم پکڑو۔ ادھر معاویہ نے اپنی فوج میں آواز دی کہ کوئی ہے جو عرار کا بدلہ لے۔ چنانچہ دو نجدی جوان میدان میں کودے اور عباس کو للکارا۔ عباس نے کہا میں اپنے سردار سے اجازت لے لوں۔ چنانچہ خدمتِ امام میں پہنچ کر حقیقت بیان کی۔ آپ نے فرمایا اپنے ہتھیار اور گھوڑا مجھے دے دو۔ چنانچہ عباس کے ہتھیار لگا کر اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر خود میدان میں پہنچے۔ انہوں نے پوچھا سردار سے اجازت لے لی ہے؟ تو آپ نے آیت قرآن پڑھی۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ (الاٰیۃ) یعنی جو لوگ جہاد کرتے ہیں اُن کو اجازت دی گئی ہے۔ کیوں کہ وہ مظلوم ہیں۔ پس یداللّٰہی جنبش سے ایک کا سر قلم کیا۔ اس کے بعد فوراً دوسرا آیا تو اُس کو بھی دربانِ جہنم کے حوالہ کیا اور واپس آ کر گھوڑا اور ہتھیار عباس کو واپس کر دیئے۔ معاویہ یہ خبر سُن کر بہت شرمندہ ہوا۔ (مختصراز برہان)

اَمْ حَسِبْتُمْ - یعنی خداوند کریم مومنوں کو آزماتا ہے۔ اِس بناء پر ارشاد ہے کیا انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ ہمیں ایسا ہی چھوڑ دیا جائے گا بلکہ خدا تو پرکھنا چاہتا ہے کہ مجاہد کون ہیں اور میدانِ جنگ سے کنارہ کرنے والے کون ہیں؟۔ اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ اللہ و رسول و مومنین کے ساتھ دل و جان اور قلب و لسان سے کون کون ہیں۔ اور ظاہری محبت رکھ کر اندرونی طور پر اغیار سے محبت رکھنے والے کون ہیں؟۔ اور اس کے باطنی مصادیق کے لحاظ سے معصومین علیہم السلام سے متعدد روایات منقول ہیں کہ آیت مجیدہ میں مومنین سے مراد ائمہ ہدیٰ علیہم السلام ہیں۔ اور ولیجہ سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اولوالامر کے علاوہ ہو۔ اور لوگوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دے۔

وَلِيجَةً ۭ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ ع مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا

اندرونی دوست اور خدا جانتا ہے جو تم کرتے ہو نہیں جائز مشرکوں کے لئے کہ تعمیر کریں اللہ کی مساجد کی درحالیکہ

مَسَاجِدَ اللّٰهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي

شاہد ہیں اپنے نفسوں پر کفر کے ان لوگوں کے ضائع ہو گئے عمل اور وہ دوزخ

النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۶﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ

میں ہمیشہ رہیں گے صرف تعمیرِ مساجد خدا ان کا حق ہے جو ایمان لائیں اللہ پر اور قیامت پر اور

رکوع نمبر ۹ تعمیر مساجد

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِين۔ یعنی مشرکوں کا کوئی حق نہیں کہ وہ مساجد کی تعمیر کریں یا اس کی تولیت سنبھالیں بلکہ یہ حق صرف مسلمانوں کو ہی حاصل ہے اور تعمیر سے مراد عام ہے خواہ وہ تعمیر از قسم بنا و مرمت ہو یا از قسم عبادت و اطاعت ہو کیونکہ مسجد میں اطاعت کے لئے داخلہ مسجد کی آبادی و تعمیر کہلاتی ہے اور مشرکین کا اپنے نفس پر کفر کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ ان کے افعال و اعمال ان کے کفر کے شاہد ہیں پس مساجد میں آنا جانا ان کی مرمت اور دیکھ بھال کرنا صفائی کرنا روشنی کا انتظام کرنا اور اس میں عبادت کرنا صرف مسلمانوں کے لئے ہی مخصوص ہے۔

مَسَاجِدَ اللّٰه۔ بعض لوگوں نے اس لفظ کو واحد کے صیغے سے مسجد اللہ پڑھا ہے کیونکہ اس۔ کے نزدیک یہ حکم صرف مسجد الحرام کے لئے مختص ہے لیکن مشہور قرأت کی بنا پر اس کو مساجد پڑھنا چاہیئے تاکہ تمام مساجد کے لئے حکم عام ہو جائے۔ لغت میں مسجد اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سجدہ کیا جائے لیکن اصطلاح میں اس مکان کو مسجد کہتے ہیں جو نماز کے لئے تیار کیا جائے نیز نمازی کے وہ سات اعضا جو بوقت سجدہ زمین پر ہوتے ہیں ان کو اصطلاح فقہ میں مساجد کہا جاتا ہے۔

احکامِ مساجد

بناءِ مسجد۔ ابوعبیدہ حذّاء سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سنا فرما رہے تھے کہ جو شخص مسجد بنائے تو خدا اُس کے بدلہ میں اس کا گھر جنّت میں تیار کرتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام راہِ مکّہ میں میرے پاس سے گذرے جب کہ میں نے ایک مقام پر پتھروں کو درست کر کے مسجد کی جگہ بنا رکھی تھی تو میں نے پوچھ لیا کہ حضور کیا یہ مسجد بھی اسی کا فرد ہے (جو آپ نے فرمایا تھا) آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو شخص ایک پرندہ کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر بھی مسجد بنائے خدا اس کا گھر جنّت میں بنائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹی مسجد بنانا بھی جنّت میں گھر بنانے کے مترادف ہے۔

مسئلہ۔ مسجد کے وقف کرنے کے لئے بالخصوص عربی میں صیغہ جاری کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ نیّت کافی ہے جیسا کہ محققین کا قول ہے اور اس میں ایک نماز پڑھنے سے وقف پختہ ہو جاتا ہے۔ خواہ وقف کرنے والا خود ہی پڑھ لے۔ اور اکثر مساجد اسی طریقہ سے بنائی جاتی ہیں۔ اور سابق روایت بھی ظاہراً اسی کی تائید کرتی ہے۔

اَقَامَ الصَّلٰوةَ	وَاٰتَى الزَّكٰوةَ	وَلَمْ يَخْشَ	اِلَّا اللّٰهَ	فَعَسٰٓى	اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا
قائم کریں نماز کو	اور دیں زکوٰۃ	اور نہ ڈریں	مگر اللہ سے	تو یقین ہے	کہ ایسے لوگ

مسئلہ۔ اپنے گھر میں جو مقام نماز کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوسکتے۔ اور اس کی تبدیلی بھی جائز ہے۔ اگرچہ اس پر گھر والے مسجد کا اطلاق بھی کرتے ہوں۔

مسئلہ۔ جس طرح اصل مسجد میں یہ جائز نہیں کہ اس کو ایک جگہ سے نقل کرکے دوسری جگہ بنایا جائے۔ اس طرح جو اشیاء مسجد کے لئے وقف کی جائیں وہ بھی مسجد سے باہر استعمال نہیں کی جاسکتیں۔

مسئلہ۔ مسجد گر جائے تو اس کو از سر نو بنانے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح مسجد کی توسیع یا گرا کر پختہ بنانا بھی جائز ہے۔

مسئلہ۔ اگر ایک مسجد سے کوئی سامان وافر ہو تو دوسری مساجد میں اُسے صرف کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ۔ اگر مسجد سے متعلق کسی چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو اور اس مسجد میں یا دوسری مسجد میں وہ صرف بھی نہ کی جاسکتی ہو تو ایسی صورت میں اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت مسجد کی ضروریات میں صرف کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ۔ مسجد کو ملکیت میں داخل کرنا حرام ہے اور اسی طرح مسجد کو راستہ بنانا یا راستے میں اس کا کچھ حصہ داخل کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ۔ اگر مسجد گر جائے اور مسجد کے آثار بھی ختم ہو جائیں تاہم اس جگہ کو کسی دوسرے تصرف میں لانا جائز نہیں۔ اور اس جگہ کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ اور اس میں پڑی ہوئی نجاسات کو دُور کرنا واجب ہے کیونکہ مسجد کو پاک رکھنا واجب ہے اور اس کو نجس کرنا حرام ہے۔ اسی بنا پر مسجد میں سونا مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

مسئلہ۔ اگر نماز کا وقت ہو اور مسجد میں نجاست موجود ہو تو نمازی پر واجب ہے کہ پہلے نجاست کو دُور کرے اور پھر نماز پڑھے۔ بشرطیکہ نماز کا وقت تنگ نہ ہو۔ ورنہ پہلے نماز پڑھ کر پھر تطہیر مسجد کرے۔

مساجد میں مراتب کا فرق گھر میں نماز پڑھنا صرف فرض کی ادائیگی ہے۔ اور گلی کی مسجد میں ایک نماز بارہ نمازوں کے برابر ہے اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ اور جامع مسجد میں ایک نماز ایک سو نماز کے برابر ہے۔

مسجد کوفہ۔ حدیث میں وارد ہے کہ جنّت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ اس میں ایک ہزار ستّر پیغمبروں نے نماز ادا فرمائی۔ الخ ۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ اس میں ایک ہزار نبی اور ایک ہزار وصی نے نماز پڑھی۔ بلکہ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ کوئی عبد صالح نہیں گذرا، بلکہ کوئی نبی نہیں گذرا جس نے اس مسجد میں نماز نہ ادا کی ہو۔ اور اس میں نافلہ پانچسو نماز کے برابر ہے۔ اور اس مسجد میں بغیر تلاوت و عبادت بیٹھ رہنا بھی عبادت ہے۔ الخ ۔ اور ایک حدیث میں آپ نے فرمایا کہ پہلے پہل اس کا نشان حضرت آدمؑ نے قائم کیا تھا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ خدا و رسول کے حرم کے بعد زمین کا

مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

ہدایت یافتہ ہوں گے کیا بنایا ہے تم نے حاجیوں کی سیرابی اور مسجد الحرام کی آبادی کو برابر اس کے جو

کونسا قطعہ افضل ہے۔ تو آپ نے فرمایا کوفہ۔ یہ پاک و پاکیزہ ہے۔ اس میں نبیوں اور وصیوں کی قبریں ہیں۔ اس میں مسجد سہل ہے جس میں ہر نبی نے نماز ادا کی ہے۔ اسی میں اللہ تعالےٰ کا عدل قائم ہوگا۔ الخ۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا مکہ اللہ کا حرم ہے اور نبیؐ و علیؑ کا حرم ہے۔ اس میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ اور ایک درہم خرچ کرنا ایک لاکھ درہم کے برابر ہے۔ اور مدینہ اللہ و رسولؐ و علیؑ کا حرم ہے۔ اس میں ایک نماز دس ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور ایک درہم دس ہزار درہم کے برابر ہے اور کوفہ خدا و رسولؐ و علیؑ کا حرم ہے۔ اس میں ایک نماز ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے ایک دن فرمایا اے اہلِ کوفہ تم کو خدا نے وہ چیز عطا کی ہے۔ جو اور کسی کو نہیں عطا کی گئی تمہاری جائے عبادت حضرت آدمؑ کا گھر ہے۔ حضرت نوحؑ کا گھر ہے۔ اور حضرت ادریسؑ کا گھر ہے اور حضرت ابراہیمؑ حضرت خضرؑ اور میرا مصلا ہے۔ اور تمہاری مسجد ان چار مسجدوں میں سے ہے۔ جن کو خدا نے چن لیا ہے۔ اور یہ مسجد بروز محشر اپنے اہل کے لئے اور ان لوگوں کے لئے شفاعت کرے گی جس نے اس میں نماز پڑھی ہوگی اور اس کی شفاعت قبول ہوگی۔ اور زمانہ نہ گذرے گا کہ اس میں حجر اسود نصب کیا جائے گا۔ اور ایک زمانہ ہوگا کہ یہ مسجد حضرت مہدی علیہ السلام کا مصلےٰ ہوگا جو میری اولاد سے ہوگا۔ اور ہر مومن کا مصلےٰ ہوگا۔ اور مومن جہاں بھی ہوں گے اس میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ پس اس کو نہ چھوڑو۔ اور اللہ کے قرب کے لئے اس میں نماز پڑھا کرو۔ اور اپنی حاجات طلب کیا کرو۔ اگر لوگ اس کی برکات جانتے ہوتے تو اطراف زمین سے اس کی طرف کھنچ کر آتے اگرچہ برف پر ہی ان کو چلنا پڑتا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس میں ایک نماز حج کا ثواب رکھتی ہے۔ اور مروی ہے کہ حضرت نوحؑ نے کشتی اسی جگہ تیار کی تھی۔ اور کشتی یہیں سے چلی تھی۔ اسی جلد کے صفحہ ۲۲ پر مزید وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

مسجد سہلہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اس میں حضرت ادریسؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا گھر ہے۔ اور حضرت خضرؑ کا مقام ہے۔ اور اسی میں نفخ صور ہوگا۔ پس اس مسجد کے پہلو سے ستر ہزار آدمی اٹھیں گے جو بلا حساب جنّت میں جائیں گے۔ اس مسجد میں مغرب و عشا کے درمیان دو رکعت نماز حاجت کا پڑھنا دفع مصیبت کا باعث ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ بدھ کی رات یہ عمل کیا جائے۔ جیسا کہ صاحب جواہر نے ذکر کیا ہے۔ اور مروی ہے کہ یہ مسجد بھی تمام انبیاء کا مصلےٰ ہے اور ہم نے نجف کے قیام کے دوران میں دیکھا ہے کہ اکثر صلحاء بدھ کی شب کو وہاں جا کر ہمیشہ نماز مغربین ادا کرتے ہیں۔

مسجد خیف ۔ مروی ہے کہ اس میں ایک ہزار نبی نے نماز پڑھی ہے۔ یہ مسجد منیٰ میں ہے۔ اور روایت میں ہے کہ اس مسجد میں ایک سو رکعت نماز ادا کرنا ستر سال کی عبادت کے برابر ہے۔

مسجد الحرام ۔ یہ مسجد بیت اللہ کے ارد گرد ہے۔ مروی ہے کہ جو شخص اس میں ایک نماز ادا کرے گا اس کی عمر بھر کی تمام نمازیں مقبول ہو جاتی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میری مسجد میں نماز باقی مسجدوں کی ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور مسجد الحرام کی ایک نماز میری

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ

ایمان لائے اللہ پر | اور روز قیامت پر | اور جہاد کرے اللہ کے راستہ میں یہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں | اور اللہ

مسجد کی ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اور مروی ہے کہ رکن اور مقام کے درمیان کی جگہ انبیاء کی قبروں سے پُر ہے۔

مسجد براثا۔ اس میں حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰؑ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت علی علیہ السّلام نے نماز پڑھی۔

حضرت امیر علیہ السّلام جب واقعہ نہروان سے واپس تشریف لائے تو مسجد براثا کے مقام پر آکے رُکے اور ہر ایک راہب نے اپنے عبادت خانہ سے سر نکال کر کہا کہ اس جگہ مت اُترو۔ کیونکہ یہاں نبی یا وصی نبی کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں اُتر سکتا۔ آپ نے فرمایا میں آخر الزمان پیغمبر کا وصی ہوں۔ راہب جلدی سے اُترا اور مشرف باسلام ہوا۔ کہنے لگا میں نے انجیل میں تیرے اوصاف پڑھے ہیں کہ تو نے زمین براثا میں اُترنا ہے جو حضرت مریم و عیسیٰ کا گھر تھا۔ پس حضرت نے ایک مقام پر پاؤں سے ٹھوکر لگائی تو ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت نے فرمایا یہ وہ چشمہ ہے جو حضرت مریم کے لئے ظاہر ہوا تھا۔ پھر اس سے سترہ ذراع کے فاصلے سے زمین کو کھود کر ایک سفید پتھر نکالا۔ اور فرمایا کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر حضرت مریمؑ نے عیسیٰؑ کو سلا کر نماز ادا کی تھی۔ پس آپ نے وہاں نماز پڑھی اور چار دن قیام فرمایا۔ اور فرمایا یہاں نبیوں نے نماز ادا کی تھی۔

مسجد بیت المقدس۔ یہ ان چاروں مسجدوں میں سے ہے جو دنیا میں جنت کے محل ہیں۔ اور وہ چار یہ ہیں۔ مسجد الحرام۔ مسجد نبی۔ مسجد بیت المقدس اور مسجد کوفہ جیسا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔

مسجد نبویؐ:۔ معاویہ بن وہب سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا۔ مابین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔ یعنی میرے گھر اور منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں! اس مسجد میں نماز کا ثواب مختصراً بیان ہو چکا ہے۔ اور نماز حاجت کا پڑھنا بھی اس میں مستحب ہے۔ اس مسجد کے فضائل بہت ہیں جن کا ذکر طول کا باعث ہے۔

مسجد کو جانا

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام فرماتے تھے جو شخص مسجد کو جائے گا وہ آٹھ فائدوں میں سے کوئی ایک تو ضرور ہی حاصل کرے گا (۱) خالص اللہ کی رضامندی کے لئے کسی مومن بھائی سے ملاقات (۲) علم کی کوئی بات۔ (۳) آیت محکم (۴) ہدایت کا کلمہ (۵) رحمتِ پروردگار (۶) ہلاکت سے بچانے کا کلمہ (۷) ترکِ گناہ خوف سے (۸) ترکِ گناہ شرم سے (وسائل)

(۲) آپ نے فرمایا خداوند کریم زمین والوں کو اُن کے گناہوں کی وجہ سے عذاب عام میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جب سفید ریش نماز کے لئے مسجد کا رُخ کرتے ہیں اور بچے قرآن پڑھنے کو چلتے ہیں تو وہ اپنے عذاب کو ٹال دیتا ہے (مستدرک)

(۳) حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا۔ سات قسم کے لوگوں کو خدا اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا (۱) امام عادل (۲) نوجوان عابد (۳) مسجد کا محب (۴) دو شخص جو اللہ کی اطاعت میں اکٹھا وقت گزاریں اور اسی حالت

لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو جو لوگ ایمان لائیں اور ہجرت کریں اور جہاد کریں اللہ کی راہ میں

پر ایک دوسرے سے جدا ہوں (۵) وہ شخص جو عالم تنہائی میں اللہ کی عظمت کو یاد کرکے گریہ کرے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آجائیں (۶) وہ شخص جس کو تنہائی میں خوبصورت عورت زنا کی دعوت دے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۷) جو شخص خفیہ صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے دیئے کا علم نہ ہو (وسائل)

(۶) حدیث قدسی میں خدا ارشاد فرماتا ہے۔ زمین پر مساجد میرے گھر ہیں طوبیٰ ہے اس شخص کے لئے جو اپنے گھر میں طہارت کرکے میرے گھر میں میری ملاقات کو آئے۔ اور میزبان پر واجب ہے کہ وہ آنے والے مہمان کی عزت کرے۔ (وسائل)

(۷) حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا جنت میں بیٹھنے سے مسجد میں بیٹھنا افضل ہے۔ کیونکہ جنت میں بیٹھنا نفس کے لئے ہے۔ اور مسجد میں بیٹھنا اللہ کے لئے ہے۔

(۸) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مسجد کی طرف روانہ ہو۔ زمین کے خشک و تر پر جہاں بھی قدم رکھتا ہے ساتوں زمینیں اس کے لئے تسبیح کرتی ہیں۔

(۹) جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص مسجد کی طرف چلتا ہے اس کے ہر قدم کے بدلہ میں اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ دس گناہ محو کئے جاتے ہیں اور اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ (وسائل)

(۱۰) آپ نے فرمایا مسجد میں نماز کی انتظار میں بیٹھنا عبادت ہے۔ (مستدرک)

(۱۱) آپ نے فرمایا کہ خدا فرماتا ہے زمین میں میرے گھر مساجد ہیں جو اہلِ آسمان کے لئے ایسے چمکتے ہیں جس طرح ستارے اہلِ زمین کو چمکتے نظر آتے ہیں۔ طوبیٰ ہے اس عبد کے لئے جو گھر میں وضو کرکے میرے گھر میں میری زیارت کو آئے اور جس کی زیارت کی جائے اس پر اپنے زائر کی عزت واجب ہے۔ جو لوگ تاریکیوں میں مساجد کی طرف جاتے ہیں ان کے لئے بشارت ہو کہ قیامت کے دن ان کے چہروں سے نور ساطع ہوگا۔

(۱۲) آپ نے فرمایا بہتر انسان وہ ہے جو سب سے پہلے مسجد میں جائے اور سب کے آخر میں باہر نکلے۔ (مستدرک)

(۱۳) آپ نے فرمایا جب دیکھو کسی انسان کو کہ وہ مسجد کا عادی ہے۔ تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ الآیۃ۔ یعنی مساجد کی آبادی وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز و زکوٰۃ کے پابند ہوں۔ الخ

(۱۴) آپ نے فرمایا جب لوگ مسجد میں قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو سناتے ہیں تو اس وقت وہ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں اور فرشتے ان پر اپنے پروں سے سایہ کرتے ہیں۔ جب تک وہ اس عبادت میں مشغول رہیں۔ الخبر (مستدرک)

مسجد سے کنارہ کشی حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا جو ہمسایہ مسجد ہو کر فراغت رکھتے ہوئے بھی نماز فریضہ مسجد میں نہ ادا کرے تو اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

اپنے مالوں اور نفسوں کے ساتھ بڑے درجہ والے ہیں اللہ کے نزدیک اور وہی ہیں کامیاب

(۲) حضرت امیر علیہ السّلام کو ایک مرتبہ اطلاع پہنچی کہ ایک قوم مسجد میں نماز کے لئے حاضر نہیں ہوتی تو آپ نے خطبہ پڑھا۔ اور فرمایا جو لوگ مسجد میں نماز کے لئے حاضر نہیں ہوتے تو ان کا کھانا پینا مشورہ نکاح اور باقی لین دین ہمارے ساتھ بند ہے۔ جب تک کہ ہماری جماعت میں شریک نہ ہوں۔ اور اگر وہ باز نہ آئے تو قریب ہے کہ میں ان کے گھروں کو جلا کر خاکستر کر دوں۔ پس لوگوں نے اُن سے قطع تعلق کر لی کھانا پینا وغیرہ سب بند کر دیا تو وہ مسجد میں آنے لگ گئے۔

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تین چیزیں قیامت کے روز شکوہ کریں گی۔

(۱) مسجد خراب جس میں نماز کوئی نہ پڑھے (۲) جہال کے درمیان عالم (۳) قرآن لٹکا ہوا جس پر گرد و غبار جمع ہو چکا ہو۔ اور دوسری حدیث نبوی میں عالم کی جگہ عترت کا ذکر ہے۔ قرآن کہے گا۔ اے اللہ! انہوں نے مجھے جلایا تھا اور پھاڑا تھا۔ مسجد کہے گی۔ انہوں نے مجھے معطل کیا تھا اور ضائع کیا تھا۔ اور عترت کہے گی انہوں نے ہمیں قتل کیا تھا۔ جلاوطن کیا تھا اور گھروں سے نکال دیا تھا۔ پس میں زانوؤں کے بل خصومت کے لئے بیٹھوں گا تو خدا فرمائے گا اس خصومت کے لئے میں خود سزاوار تر ہوں۔

(۴) مروی ہے کہ غیر مسجد میں باجماعت نماز سے مسجد کی فرادیٰ نماز افضل ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جماعت افضل ہے بہرکیف مسجد بھی ہو اور جماعت بھی ہو تو اس کے افضل ہونے میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔

(۵) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص پہلے مسجد میں موجود ہو اور اذان سن کر باہر نکل جائے تو وہ منافق ہے مگر یہ کہ پلٹنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

آدابِ مسجد

(۱) مسجد میں باطہارت داخل ہونا چاہیئے۔ جیسے بعض احادیث کے مضمون سے معلوم ہو چکا ہے (۲) خوشبو لگانا۔ (۳) اچھا لباس پہن کر مسجد میں جانا مستحب ہے۔ چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام ٹھنڈی راتوں میں بھی حالتِ بیماری سے مسجد نبوی میں جاتے تھے (۴) مسجد میں جھاڑو دینا مستحب ہے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا جو جمعرات کو مسجد میں جھاڑو دے اور آنکھ میں ڈالنے کے برابر بھی خس و خاشاک نکالے تو خدا اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا جو مسجد میں جھاڑو دے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ نیز ایک روایت میں آپ نے فرمایا جو شخص مسجد سے اس قدر خس و خاشاک نکالے جو آنکھ کو چندھا دینے میں کافی ہوتا ہے تو خدا اس کے لئے اپنی رحمت کے دو کفل معین فرما دیتا ہے۔

(۵) مسجد میں چراغ جلانا۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں چراغ روشن کرے تو فرشتے اور حاملینِ عرش اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے جب تک کہ اس چراغ کی روشنی مسجد میں رہے گی۔

(۶) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں داخل کرے اور باہر نکلتے ہوئے پہلے بائیں پاؤں سے ابتدا کرے۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾

ان کو خوشخبری دیتا ہے ان کا رب اپنی رحمت کی اور رضامندی اور باغات کی کہ ان کے لئے وہاں دائمی نعمتیں ہیں ہمیشہ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا

رہیں گے وہاں تحقیق اللہ کے نزدیک بڑا بدلہ ہے اے ایمان والو نہ بناؤ

تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ

اپنے آباء اور بھائیوں کو دوست اگر وہ دوست رکھیں کفر کو بدلے ایمان کے

(۷) مسجد میں درود شریف پڑھ کر داخل ہو اور قبلہ رخ بیٹھ کر حمد وثنا بجالائے۔

(۸) ہر مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز تحیۂ مسجد پڑھنا مستحب ہے۔

(۹) حضورؐ نے فرمایا مسجد قرآن کے لئے ہے، شعر خوانی کے لئے نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص شعر پڑھتے ہوئے مسجد میں سنو تو اس کو ٹوک دو۔

(۱۰) آپؐ نے فرمایا آخر زمانہ میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مساجد میں حلقہ باندھ کر دنیاوی باتیں کریں گے۔ پس ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا چھوڑ دو کیونکہ خدا کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۱) مسجد کے کنگرے مینار اور نقش نگار ممنوع ہیں، اور حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے ایک حدیث طویل میں فرمایا، جب حضرت قائم آل محمدؐ تشریف لائیں گے تو کنگرے مینار گرا دیں گے۔

(۱۲) مسجد کے قبلہ میں آیات قرآنی و ذکر سبحانی کی کتابت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱۳) مسجد میں دنیاوی کاروبار کرنا مکروہ ہے۔

(۱۴) مسجد میں منہ ناک وغیرہ کی غلاظت ڈالنا مکروہ ہے۔

(۱۵) پیاز و تھوم وغیرہ کی بد بو منہ میں لے کر مسجد میں جانا مکروہ ہے۔

(۱۶) مسجد میں خرید و فروخت کرنا۔ فیصلے کرنا۔ آواز بلند کرنا۔ لغو و باطل کی گفتگو اور گم شدہ چیز کا اعلان مکروہ ہیں۔

(۱۷) وہ بچے جن کو طہارت کا پتہ نہ ہو اور اسی طرح دیوانوں کو مسجد میں ٹھہرانا مکروہ ہے۔

(۱۸) ناف سے زانوں تک کا حصہ مسجد میں داخل ہونے والے کا مستور ہونا چاہیئے۔

(۱۹) جنبی حائض اور نفاس والی عورت کا مسجد میں ٹھہرنا ممنوع ہے۔ البتہ مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے علاوہ باقی مساجد سے گذر جانا ان کے لئے جائز ہے۔

(۲۰) جنبی انسان مسجد میں کوئی چیز رکھ نہیں سکتا لیکن وہاں سے حسب ضرورت چیز اٹھا سکتا ہے۔

وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۳﴾ قُلۡ اِنۡ كَانَ اٰبَآؤُكُمۡ وَ

اور جو ان سے دوستی رکھے گا تو وہ ظالم ہوں گے کہہ دو اگر تمہارے آبا اور اولاد اور

اَبۡنَآؤُكُمۡ وَاِخۡوَانُكُمۡ وَاَزۡوَاجُكُمۡ وَعَشِيۡرَتُكُمۡ وَاَمۡوَالُ اِۨقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ

بھائی اور بیویاں اور قبیلہ اور وہ مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کے

(۲۱) نوافل گھر میں پڑھنا مستحب ہے۔ اور فرائض مسجد میں ادا کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔

(۲۲) عورت کے لئے اپنا گھر مسجد ہے پس اس کے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کا وہی ثواب ہے جو مرد کے لئے مسجد میں مقرر ہے۔

اَجَعَلۡتُمۡ[۲۵] شانِ نزول۔ بروایت مجمع البیان ایک دن حضرت عباس بن عبدالمطلب اور شیبہ ایک دوسرے پر اپنی اپنی بڑائی بیان کر رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام پہنچ گئے اور فرمایا کس چیز پر فخر کر رہے ہو تو عباس نے جواب دیا مجھے وہ فضیلت دی گئی ہے جو کسی کو نہیں ملی اور وہ ہے حاجیوں کا پانی پلانا۔ پھر شیبہ نے کہا مجھے مسجد الحرام کی عمارت کی فضیلت عطا ہوئی ہے۔ یہ سن کر حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے ورنہ میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ باوجود چھوٹی عمر کے جو فضیلت مجھے عطا ہوئی ہے تم دونوں اس سے محروم ہو۔ پس دونوں نے پوچھا یا علی وہ کونسی فضیلت ہے جو تو نے پائی ہے۔ تو آپ نے فرمایا میں نے تمہارے منہ منہ پر تلوار مار کر تمہیں خدا و رسول پر ایمان لانے کے اہل بنایا۔ عباس یہ سن کر طیش میں آیا اور چادر کا دامن زمین پر گھسیٹتے ہوئے خدمتِ نبویؐ میں آیا اور عرض کی آپ دیکھتے ہیں حضرت علیؑ ہمیں کیسی باتیں کہتا ہے؟ پس آپ نے علی کو بلایا اور پوچھا کیا بات ہے؟ تو علی نے عرض کی یا رسولؐ اللہ! میں نے حق بات کہی ہے۔ خواہ کوئی ناراض ہو یا راضی ہو۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام نازل ہوا کہ پروردگار بعد سلام کے فرماتا ہے۔ اَجَعَلۡتُمۡ سِقَايَةَ الۡحَآجِّ۔ الآیۃ۔ حضرت عباس نے جونہی خطابِ خداوندی سنا تو تین مرتبہ کہا۔ ہم راضی ہیں۔ نیز یہ بھی مروی ہے کہ جنگ بدر کے موقعہ پر جب عباس اسیر ہوئے تو لوگوں نے اُن کو قطع رحمی اور کفر کا طعنہ دیا تو عباس نے جواب دیا تم لوگ ہماری برائیاں ذکر کرتے ہو۔ اور ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے۔ لوگوں نے پوچھا وہ خوبیاں تم میں کونسی تھیں تو جواب دیا مسجد الحرام کی عمارت و خدمت۔ کعبہ کی دربانی۔ حاجیوں کی سقائی اور اسیروں کا چھڑانا۔ ہم یہ سب کام کرتے تھے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی جس کا یہ مقصد ہے کہ ایمان کے بغیر کوئی نیکی ہی قابلِ فخر نہیں ہو سکتی بلکہ انسان کا پہلا فخر ہے ایمان۔

بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ ایک دفعہ حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ اپنی کوئی فضیلت بیان کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں اور عباس اور عثمان بن ابی شیبہ بیٹھے ہوئے تھے۔ عثمان نے کہا کہ مجھے جناب رسولؐ خدا نے خزانہ دیا ہے۔ یعنی بیت اللہ کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔ عباس نے کہا کہ مجھے حضورؐ نے حاجیوں کی سقائی عنایت کی ہے کہ زمزم میرے ہاتھ میں ہے۔ اور یا علیؑ تجھے تو کچھ نہیں ملا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

نقصان کا تم کو اندیشہ ہے اور رہائشی مکان جو تم کو پسند ہیں (یہ سب) تم کو پیارے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے

بعض روایات میں طلحہ بن شیبہ دارمی کا نام مذکور ہے۔

اور علامہ حلی نے اس آیت مجیدہ کو بھی حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کی دلیل قرار دیا ہے۔ چونکہ مذکورہ روایت مسلمات فریقین میں سے ہے۔ حتیٰ کہ اس کو فضل بن روزبہان نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اہل سنّت کی کتب صحاح میں موجود ہے۔ لہٰذا تقریب دلیل اس طرح ہوگی کہ مقام مفاخرت میں حضرت علیؑ نے ان دونوں سے اپنی افضلیت کا دعویٰ کیا۔ اور وہ دونوں اپنے اپنے مقام پر تمام اُمت سے بیان کردہ مضمون میں افضلیت کا دعویٰ رکھتے تھے۔ پس خداوندکریم کا علیؑ کے حق میں فیصلہ یہ ثابت کرتا ہے کہ علی ایمان ہجرت اور جہاد میں تمام اُمت سے افضل ہیں۔ اور اس کا درجہ اعظم ہے۔ خود اندازہ کیجئے جس کو خدا اعظم کہے اس کی عظمت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ پس جب تمام اُمت سے افضلیت ثابت ہوئی تو خلافت کا استحقاق خودبخود ثابت ہو گیا۔ اور اس کے بعد فائز ہونے کی سند اور پھر رحمت رضوان اور جنّت کی بشارت حضرت علیؑ کے بلند کردار کی مقبولیت و محبوبیّت کی دلیلیں ہیں۔ اور جو شخص واقعات کو پارٹی بازی اور جنبہ داری کی سطح سے بلند ہو کر دیکھے تو اس کے لئے حق کی راہیں بالکل روشن اور واضح ہیں لیکن جس کے دل و دماغ پر ایک طرف کی محبت اور دوسری طرف کا عناد سوار ہو وہ بے چارہ تعصب کے شکنجے سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ وہ انصاف و عدل اسی فیصلہ میں سمجھتا ہے جو اس کی طرف داری کے رجحان سے موزونیت رکھتا ہو۔ اور جو بات اُس کی منشاء طبع کے خلاف ہو۔ اُس کی تردید یا تاویل پر کربستہ ہو جاتا ہے۔ فضل بن روزبہان اگرچہ اس فضیلت کو حضرت علی کے لئے مانتا ہے۔ لیکن چونکہ خلافت کے نظریہ میں وہ علی کا طرفدار نہیں ہے۔ لہٰذا وہ کہتا ہے یہ بات نص خلافت نہیں ہو سکتی اسی لئے ان لوگوں کے نزدیک خلافت کا معیار ہی کوئی نہیں۔ پس جس کو لوگ کہہ دیں کہ تو خلیفہ ہے تو وہ خلیفہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ افضل بھی ہو جاتا ہے۔ ہم چونکہ ایک معیار کے قائل ہیں کہ جو افضل ہو وہ خلیفہ ہو۔ لہٰذا یہ آیت نص خلافت ہے کیونکہ اس میں اعلانِ افضلیت ہے۔ اور وہ کہتے ہیں جو خلیفہ بن جائے وہی افضل ہے۔ چونکہ علی کو خلیفہ نہ مانا گیا۔ لہٰذا وہ افضل نہ ہو سکے۔ گویا فرق صرف اتنا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ جس کو حق سمجھا جائے اُس کی طرف جھکا جائے۔ اور وہ کہتے ہیں جس کی طرف جھکا جائے اس کو ہی حق سمجھا جائے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ جب ہجرت کا حکم ہوا۔ اور لوگوں نے تیاری کی تو کسی کے سامنے زوجہ رونے لگی۔ کسی کو ماں باپ نے منع کیا۔ کسی سے بچوں کی جدائی گوارا نہ ہو سکی۔ پس اس طرح کئی لوگ ہجرت کی سعادت سے محروم ہو گئے۔ تو خداوندکریم نے یہاں ہجرت کی اہمیّت کو بیان فرمایا کہ تمام دنیاوی تعلقات سے خدا و رسولؐ کا رشتہ زیادہ محبوب ہونا چاہیئے۔ اور مومن کو چاہیئے کہ ایمان کے راستہ میں حائل ہونے والے سے قطع تعلقی کرے خواہ وہ اس کے والدین ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جو شخص ان رشتہ داریوں کو اور دنیاوی فوائد کو ملحوظ رکھے گا۔ اور خدا و رسول کے حکم سے کنارہ کرے گا وہ ظالم ہوگا۔ اور یہ ایک تنبیہ ہے کہ ایمان

وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۴﴾ ع

اور راہِ خدا میں جہاد کرنے سے تو ٹھہرو تاکہ لائے اللہ اپنا فیصلہ اور اللہ نہیں ہدایت کرتا فاسق لوگوں کو

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ

تحقیق تمہاری مدد کی اللہ نے بہت مقامات پر اور حنین کے دن جب کہ ناز تھا تم کو اپنی کثرت

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

کا تو اس نے نہ فائدہ دیا تم کو کچھ اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود کشادگی کے

کی محبّت انسان میں اگر راسخ ہے تو وہ ہر قسم کی قربانی دے سکتا ہے۔ اور جو شخص یہ قربانیاں نہیں پیش کر سکتا اس کا دعوئ ایمان جھوٹا ہے۔ اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ہجرت کا معنی صرف وطن چھوڑنا نہیں بلکہ ایمان کے منافی ہر محبت کو خیر باد کہنے کا نام ہجرت ہے۔ تفسیر باطنی کے طور پر معصوم نے ایمان سے مراد ولایت علی بیان کی ہے۔ اور اس سے منہ پھیرنے کا نام کفر ہے۔ اور ایسوں سے محبت کرنے والے ظالم ہیں تو جو لوگ دعوئ ایمان کرتے ہیں اور غیر مومن لوگوں سے محبت و انس بھی رکھتے ہیں حتیٰ کہ ان سے رشتے ناطے بھی کرتے ہیں۔ تو وہ اپنے ایمانوں کا گہری نظر سے مطالعہ کریں اور ایمان کی پختگی کا علاج کریں۔ جب اس سلسلہ میں ماں باپ کو چھوڑا جا سکتا ہے تو پھر دوسری رشتہ داری اور محبّت کا جوڑ کیسا؟ ہاں والدین کی دنیاوی معاملات میں اطاعت کرنا بہر حال فرضِ عین ہوا کرتا ہے۔

رکوع نمبر ا۔ جنگِ حنین کا بیان

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ۔ چونکہ اس سے پہلے مومنوں پر ہجرت کے وجوب کی تاکید فرمائی کہ تمام محبتیں چھوڑ کر اللہ و رسول کی محبّت کی طرف آ جاؤ۔ اور اس آیت میں اپنی نصرت کا تذکرہ فرما رہا ہے کہ باوجود تمہاری ظاہری کمزوریوں کے خداوند کریم نے تم کو کیسی کامیابی اور کامرانی عطا فرمائی ہے۔ اور ایک دو نہیں بلکہ بہت سے مقامات پر رحمتِ خدا نے تمہاری دستگیری کی۔ پس اللہ کا رشتہ تمام رشتوں سے مفید تر اور پائدار ہے لہٰذا اس رشتہ کی خاطر تمام رشتوں سے بائیکاٹ قرینِ عقل اور ضروری ہے۔

مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ:۔ صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ ان کی تعداد اسّی تھی۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ متوکل عباسی سخت بیمار ہوا تو اس نے منّت مانی۔ اگر خدا نے شفا دی تو مالِ کثیر خیرات کروں گا۔ چنانچہ وہ شفا یاب ہوا تو علماء کو بلا کر مالِ کثیر کی حد پوچھی۔ انہوں نے اس کا جدا جدا معنی بتایا جس سے متوکل مطمئن نہ ہو سکا تو کسی نے امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کرنے کا مشورہ دیا۔ اور آپ اس زمانہ میں متوکل کے ہاں قید تھے۔ پس بذریعہ خط سوال کیا گیا جس کے جواب میں امام علیہ السلام نے تحریر فرمایا کہ اسّی درہم صدقہ کیا جائے۔ جب اس کی دلیل طلب کی گئی تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا تاریخ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ مقامات اسّی ہیں جن میں مسلمانوں کی خداوند کریم نے غائبی نصرت کی ہے۔ (یاد رکھنا چاہیے کہ کثیر کا شرعی اصطلاح

ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى

پھر تم بھاگ گئے پشت دکھاتے ہوئے پھر نازل کیا اللہ نے اپنا سکون اوپر اپنے رسول کے اور اوپر مومنوں

الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ

کے اور اتاری فوج جو تم نے نہ دیکھی اور عذاب دیا ان کو جو کافر تھے اور یہ بدلہ ہے

الْكَافِرِينَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٧﴾

کافروں کو پھر توبہ قبول کرتا ہے اس کے بعد جس کی چاہے (جو صاف نیت رکھتا ہو) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

ہیں معنی صرف اسی نہیں ہے۔ مثلاً کثیر الشک یا کثیر السفر کا معنی یہ نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایسے مقامات پر کثیر کا ایک معنی اسی بھی ہو سکتا ہے۔ پس آپ نے آیت قرآنی سے ایک مثال پیش کر دی۔ اور اگر اسی سے زیادہ مراد لئے جائیں تو وہ بدرجہ اولیٰ کثیر کا فرد بن سکتے ہیں۔ پس یوں سمجھئے کہ یہ معنی کثیر کے معنی عمومی کا ایک فرد ہے)

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد آٹھ ہزار سے بارہ ہزار تک منقول ہے۔ اور حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔

وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ - ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت رسالت مآبؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ایک ان میں حضرت علیؑ اور چند آدمی بنی ہاشم سے تھے۔

واقعہ کی تفصیل :- ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد ماہ رمضان کے آخر یا شوال کی ابتداء میں حضورؐ نے معہ صحابہ کے حنین کا رُخ کیا قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف سے جہاد کرنے کے لئے۔ جب اُن لوگوں کو معلوم ہوا تو قبیلہ ہوازن کے سردار لوگ مالک بن عوف نضری کے پاس جمع ہوئے۔ اور اس کو اپنا سردار مقرر کیا اور مسلح ہو کر اپنی پوری جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مال و متاع بچے اور عورتیں سب کو ساتھ لے لیا۔ یہاں تک کہ مقام اوطاس میں نازل ہوئے۔ قوم جشم کا سردار درید بن صمہ بھی ان میں تھا۔ اور وہ کافی سن رسیدہ ہونے کے علاوہ نابینا بھی تھا۔ اُس نے پوچھا کہ اب ہم کہاں پہنچے ہیں تو اس کو جواب دیا گیا کہ مقام وادی اوطاس ہے اُس نے کہا خوب جگہ ہے نہ زیادہ سخت ہے اور نہ بہت نرم ہے۔ اس میں گھوڑے خوب دوڑ سکتے ہیں لیکن میں اونٹوں۔ گدھوں بیلوں۔ بکریوں اور بچوں کی آوازیں سُن رہا ہوں یہ کیا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مالک بن عوف کے حکم سے بال بچے عورتیں اور مال مویشی سب ہمراہ ہیں تاکہ لوگ اپنے مال و ناموس کی غیرت سے خوب جم کر لڑیں۔ درید نے کہا رب کعبہ کی قسم یہ شخص صرف گڈریا ہی ثابت ہوا ہے اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ جب وہ آیا تو اس کو درید نے کہا تو کیسا قوم کا رئیس ہے؟ فالتو ترم کو کہیں محفوظ مقام پر بھیج دو۔ اور صرف جنگی مردوں کو گھوڑوں کی پشت پر ڈال کر بلا خوف جنگ کرو۔ یہاں صرف مرد میدان تلوار اور گھوڑے کی ضرورت ہے۔ اگر تمہاری فتح ہوئی تو باقی قوم خود بخود مل جائے گی۔ اور اگر کوئی دوسری بات ہو تو بچوں اور ناموس

کی ذلت تو نہ ہوگی۔ مالک نے درید کا مشورہ سن کر جواب دیا کہ تو بوڑھا ہوگیا ہے اور تیرا دماغ خراب ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔

ادھر جناب رسالت مآبؐ کو قبیلہ ہوازن کا وادی اوطاس میں پہنچنا معلوم ہوگیا تو آپ نے قبائل کو جمع کر کے ان کو جہاد کی ترغیب دی اور نصرت کا وعدہ دیا کہ اللہ کا وعدہ ہے۔ ان کی عورتیں بچے اور اموال سب غنیمت ہوں گے۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے جھنڈے بلند کر کے نکلے۔ حضورؐ نے فوج کا علم حضرت علی علیہ السلام کے حوالہ کیا اور مکہ میں پندرہ دن کے قیام کے بعد آپ روانہ ہوئے تھے۔ صفوان بن امیہ سے ایک سو زرہ عاریۃً لی تھی۔ اور صفوان خود بھی ہمراہ تھا۔ فتح مکہ کے نتیجے میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں سے بھی دو ہزار مجاہد ہمراہ تھے اور دس ہزار مسلمان پہلے سے حضور کے ہمرکاب تھے۔ پس کل بارہ ہزار کی تعداد میں روانہ ہوئے۔ بروایت امام محمد باقر علیہ السلام تازہ ملنے والوں میں سے ایک ہزار آدمی بنی سلیم کا تھا جن کا سردار عباس بن مرداس تھا۔ اور ایک ہزار آدمی بنی مزینہ کا تھا۔ ادھر مالک بن عوف نے اپنی فوج میں اعلان کیا کہ ہر سپاہی اپنے بیوی بچوں اور مال کو اپنی پیٹھ کے پیچھے رکھے اور تلواروں کے نیام توڑ ڈالو۔ اور اس وادی میں مورچے خوب جما کر بیٹھ جاؤ۔ اور صبح کی تاریکی میں یکبارگی حملہ کر دو۔ کیونکہ محمدؐ نے ابھی جنگ جو بہادروں کا منہ نہیں دیکھا۔

جناب رسالت مآبؐ نے صبح کی نماز ادا کی اور وادی میں اُترے ہی تھے کہ ہر طرف سے قبیلہ ہوازن کی فوج نے احاطہ میں لے لیا۔ اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ پس مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ سب سے آگے بنی سلیم تھے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو پھر سارا لشکر تتر بتر ہوگیا۔ اس موقعہ پر چونکہ مسلمانوں کو اپنی کثرت کا ناز تھا جس کو خدا نے توڑ دیا۔ صرف حضرت علیؑ بچ گئے جو برابر دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ عباس بن عبد المطلب نے حضور کی سواری کی لگام تھامی ہوئی تھی۔ فضل بن عباس اور ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب آپ کے دائیں بائیں تھے۔ غرضیکہ نو تن بنی ہاشم تھے۔ اور دسواں ام ایمن کا لڑکا ایمن تھا جو شہید ہوگیا۔

ادھر جناب رسالت مآبؐ خود آوازیں دے رہے تھے کہ اے انصار! تم کہاں جا رہے ہو۔ میں رسولِ خدا یہ موجود ہوں۔ لیکن اب کون سنتا تھا۔ کہتے ہیں قبیلہ مازن کی ایک عورت جس کا نام نسیبہ بنت کعب تھا وہ بھاگنے والوں کے منہ پر مٹی ڈالتی اور کہتی تھی کہ خدا اور رسول کو چھوڑ کر کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اتنے میں اس کے قریب سے حضرت عمرؓ کا گذر ہوا تو کہنے لگی تم پر وائے ہو کیا کر رہے ہو تو انہوں نے جواب دیا تقدیر ایسی تھی۔ جب رسولِ خدا نے لوگوں کی پسپائی دیکھی تو اپنی سواری کو حضرت علیؑ کے قریب لے گئے اور عباس کو حکم دیا کہ اس چھوٹے سے ٹیلے پر بلند ہو کر آواز دو۔ کیوں کہ عباس کی آواز بلند تھا۔ پس انہوں نے باوازِ بلند صدا دی۔ اے اصحابِ شجرہ کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ یہ رسولِ خدا موجود ہیں۔ پھر حضور نے ابوسفیان بن حارث کو فرمایا مجھے سنگریزوں کی مٹھی اٹھا کر دو۔ پس شَاهَتِ الْوُجُوْہ کہہ کر مشرکین کی طرف پھینکی۔

انصار نے جب عباس کی آواز سنی تو واپس آنا شروع ہوگئے۔ اور علم کے اردگرد جمع ہوتے گئے لیکن شرم کے مارے حضورؐ کے

سامنے نہیں آتے تھے۔ حضورؐ نے عباس سے پوچھا یہ کون ہیں تو جواب دیا کہ حضور یہ لوگ انصار ہی تو ہیں۔ آپ نے فرمایا آج کا دن بہت سخت ہے اور فرمایا اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ پس خداوند کریم کی جانب سے نصرت نازل ہوئی اور قبیلہ ہوازن کو شکست ہوئی۔ مالک بن عوف بھاگ کر طائف کے قلعہ میں گھس گیا۔ ایک سو کے قریب مارے گئے۔ ان کے اموال۔ بچے اور عورتیں سب مسلمانوں کے قبضے میں آگئیں۔

بنی نضر کا ایک شخص شجرہ بن ربیعہ جب مسلمانوں کے ہاتھ میں قیدی ہوا تو پوچھنے لگا کہ وہ ابلق گھوڑے کہاں ہیں۔ اور سفید پوش سوار کہاں ہیں جنہوں نے ہمارے ساتھ لڑائی کی ہے۔ اس وقت تم لوگ تو ان میں نظر بھی نہیں آتے تھے۔ تو اس کو جواب دیا گیا۔ کہ وہ فرشتے تھے۔ اُس دن حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں چالیس مشرک واصل جہنم ہوئے تھے۔

سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جو حنین کے دن فوج کفار میں تھا کہ جب دونوں لشکر آپس میں ملے تو ہم نے بکری کے دوہنے کی دیر تک بھی مسلمانوں کو اپنے سامنے نہ ٹھہرنے دیا اور سب کو پسپا کر دیا۔ لیکن جب حضورؐ کی سواری کے قریب گئے تو نورانی چہروں والے جوان دیکھے۔ جنہوں نے کہا شاہت الوجوہ۔ پس انہوں نے ہمیں شکست دی اور قید کیا اور وہ فرشتے ہی تھے۔

حضور مال غنیمت لے کر مقام جعرانہ پر آئے اور یہاں بدیل بن ورقاء خزاعی کو محافظ مقرر کر کے خود معہ فوج مالک بن عوف کے تعاقب میں طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ شوال کا باقی مہینہ طائف کا محاصرہ رہا۔ اور ذوالقعدہ کے اوائل میں واپس پلٹ کر اوطاس حنین کی غنیمتوں کو تقسیم فرمایا۔ اس جنگ میں چھ ہزار غلام و کنیزیں غنیمت میں تقسیم ہوئیں۔ اور مال کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ تقسیم صرف مہاجروں اور دیگر عرب قبائل پر تھی۔ انصار کو کچھ نہ دیا گیا۔ جس سے وہ ناراض ہو گئے۔ اور حضرت رسالتمآبؐ کے سمجھانے پر وہ رضامند ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارے لئے یہ کم ہے کہ لوگ مال لے کر گھروں کو جائیں گے۔ اور تم لوگ اللہ کا رسول اپنے ہمراہ لے جاؤ گے۔ کیا یہ تمہاری شان ہے کہ چند دنیا کے سکوں سے میں نے نئے اسلام لانے والوں کے دلوں کو مضبوط کیا ہے تو تم ناراض ہو جاؤ۔ پس سب انصار راضی ہو گئے۔

اس کے بعد قبیلہ ہوازن کے وفد مسلمان ہو کر مقام جعرانہ پر حاضر خدمت نبوی ہوئے۔ اور ان کے خطیب نے کھڑے ہو کر عرض کی ان قیدیوں میں حضور کی خالائیں اور دائیاں بھی موجود ہیں جنہوں نے آپ کی کفالت کی تھی۔ اگر ہم نعمان بن منذر کے ساتھ لڑتے اور ہم کو شکست ہوتی اور پھر اس سے التجا کرتے تو ہمیں توقع ہے کہ وہ بھی ہم کو واپس کر دیتا۔ اور آپ کی شان تو بہت اجل ہے۔ پھر اس نے کچھ اشعار بھی اسی مطلب کے پڑھے۔ پس آپ نے فرمایا دو چیزوں میں سے ایک اختیار کر لو۔ قیدیوں کی واپسی یا مال کی واپسی۔ تو اس نے جواب دیا ہمیں مال سے ناموس عزیز تر ہے۔ ہم اونٹوں بکریوں کے خواہشمند نہیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا جو کچھ بنی ہاشم کے حصہ میں آیا ہے وہ تو میں واپس کرتا ہوں اور باقی مسلمانوں سے بھی تمہاری سفارش کرتا ہوں۔ لہذا تم خود بھی اپنے اسلام کا اعلان کرو۔ اور خواہش بیان کرو۔ پس جب نماز ظہر ادا ہوئی تو انہوں نے اپنا مطلب بیان کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

اے ایمان والو   تحقیق مشرک پلید ہیں   پس نہ نزدیک جائیں مسجد حرام کے

بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ

بعد اس سال کے   اور اگر ڈرو فقر سے تو عنقریب غنی کر دے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے تحقیق اللہ

جو کچھ بنی ہاشم کے حصہ میں ہے میں واپس کرتا ہوں۔ اور جو کچھ تم میں سے کسی کے حصہ میں آیا ہے۔ اگر تم میں سے کوئی بغیر زبردستی کے اپنی رضی سے واپس کرنا چاہے تو فبہا ورنہ اگر مفت نہ واپس کرنا چاہے تو فدیہ لے لے۔ اور فدیہ میں ہی ادا کروں گا پس سوائے چند کے سب نے مُفت واپس کر دیا۔ اور تھوڑے لوگوں نے فدیہ لے کر واپس کیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے مالک بن عوف کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر تو مسلمان ہو کر آجائے تو میں تیرا سب کچھ تجھے واپس کردوں گا۔ اور انعام میں ایک سو ناقہ بھی دوں گا تو وہ شخص طائف سے واپس آکر مشرف باسلام ہوا۔ اور حضورؐ نے ایفاء عہد میں اسے اپنا سب کچھ واپس کرنے کے علاوہ ایک سو اونٹنی بھی عطا فرمائی اور اس کو اپنی جانب سے اپنی مسلمان قوم کا عامل بھی مقرر کیا۔

نجاست مشرکین

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ۔ نجس کا معنی ناپاک۔ یہ لفظ جب رجس کے ساتھ مستعمل ہو تو نون پر کسرہ آجایا کرتا ہے۔ مثلاً رِجْسٌ نِجْسٌ کہتے ہیں۔ آیت مجیدہ کے ظاہر سے کفار کا نجس العین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور مذہب امامیہ میں بلا استثنار کافر و مشرک سب نجس ہیں۔ اگر یہ کسی چیز کو تر ہاتھ لگائیں یا کسی تر چیز کو چھوئیں تو وہ نجس ہو جائے گی۔ اور ان کو نجس قرار دیا گیا تاکہ مسلمانوں کو ان سے پوری نفرت ہو جائے اور میل جول باہمی ختم ہو جائے۔ اور ان کے اعتقادات فاسدہ کے جراثیم مسلمانوں کے اذہان پر اثر انداز نہ ہو سکیں کیونکہ باہمی دوستی اور میل ملاپ اعتقادات میں تعدی کا باعث بن جایا کرتے ہیں۔ مذہب امامیہ میں ناصبی۔ خارجی اور غالی بھی کفار و مشرکین کی طرح نجس ہیں۔ لہٰذا اہل ایمان کو ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا ضروری ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً۔ جب کفار کو حرم کعبہ میں داخلہ کی مخالفت ہوئی تو مسلمانوں کو ڈر پیدا ہوا کہ ہماری تجارت میں کمی واقع ہو جائے گی تو خداوند کریم ان کی تسلی و تشفی فرما رہا ہے کہ اس کا تدارک وہ خود اپنے فضل سے فرما دے گا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد یمن و جدہ کے لوگ مشرف باسلام ہوئے تو انہوں نے اونٹوں۔ گھوڑوں اور خچروں پر غلہ لاد کر اہل مکہ کے گھروں میں پہنچا دیا۔ اور ان کی کسر پوری ہو گئی پھر خداوند کریم نے مسلمانوں کو فتوحات دیں جن کی غنیمتوں سے وہ مالا مال ہو گئے۔

إِنْ شَاءَ۔ مشیت کا ذکر اس لئے ہے کہ انسان اپنے رزق کی وسعت کو صرف اسباب خارجیہ کا مرہون منت قرار نہ دے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھے۔ اگر وہ چاہے تو بلا اسباب ظاہریہ رزق فراوانی سے بھیج دیتا ہے۔ اور اگر وہ نہ چاہے تو اسباب ظاہریہ کی کثرت بھی مفید ثابت نہیں ہوتی۔

مشرکین و کفار کی نجاست کے بارے میں رازی کی تحقیق

اہل سنت کا امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر ج ۴ مطبوعہ مصر ص۲۱۸ پر آیت مجیدہ کی تفسیر میں رقمطراز ہے کہ صاحب کشاف نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اِنَّ اَعْیَانَھُمْ نَجِسَۃٌ کَالْکِلَابِ وَالْخَنَازِیْرِ۔ یعنی وہ کتے اور سور کی طرح نجس العین ہیں۔ اور آگے چل کر کہتا ہے و اما الفقہاء فقد اتفقوا علی طھارۃ ابدانھم ترجمہ لیکن تمام فقہا، ابوحنیفہ، شافعی۔ احمد بن حنبل اور مالک وغیرہ) نے ان کی جسمانی طہارت پر اتفاق کیا ہے۔ اور اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔ واعلم ان ظاھر القرآن یدل علی کونھم انجاسا فلا یرجع عنہ الا بدلیل منفصل۔ ترجمہ۔ یہ جانو کہ ظاہر قرآن ان کے نجس ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا اس ظاہر سے عدول نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ کوئی الگ دلیل موجود نہ ہو۔ نیز یہاں اجماع کا دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اس کے بعد فقہاء کی دلیلوں کو ذکر کیا ہے جو کافر مشرک کی جسمانی طہارت پر انہوں نے قائم کی ہیں۔ پھر ان سب کا جواب مختصر لفظوں میں اس طرح دیا ہے۔ واعلم ان کل ھذہ الوجوہ عدول عن الظاھر بغیر دلیل۔ یعنی جو کچھ فقہاء نے اپنے مسلک کی تصحیح کے لئے ذکر کیا ہے وہ سب قرآن مجید کے ظاہر سے بلا دلیل منہ پھیرنے کے مترادف ہے۔ بہرکیف رازی کے نزدیک کفار و مشرک نجس العین ہیں۔ اور اس کے نزدیک فقہاء اہل سنّت کے اقوال بلا دلیل ہیں۔ اس کے بعد اس نے ایک عجیب پتے کی بات کہی ہے کہ ابوحنیفہ اور اس کے شاگردوں کے نزدیک محدث (خواہ حدث اصغر رکھتا ہو یا حدث اکبر) کے اعضا نجس ہیں۔ چنانچہ اس بنا پر انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ وہ پانی جو وضو اور غسل جنابت میں استعمال ہو (بدنی ظاہری طہارت کے بعد) وہ نجس ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ابو یوسف کے نزدیک وہ نجاست خفیفہ ہے۔ اور حسن کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے۔ بہرکیف اس بات پر متفق ہیں کہ محدث کے اعضاء نجس ہیں۔ اور ان کو چھونے والا پانی بھی نجس ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآن مجید ان کے اس قول کو باطل قرار دیتا ہے کیونکہ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ اور اِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں صرف مشرک ہی نجس ہیں اور بس۔ پس محدث کے اعضا کی نجاست کا قول مفہوم قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن کا مفہوم کہتا ہے کہ صرف مشرک نجس ہے۔ اور مومن نجس نہیں ہے لیکن ان لوگوں نے بالکل اس کا الٹ کیا ہے کہ مومن بعض حالات میں جب کہ محدث ہو نجس ہے اور مشرک کسی بھی حالت میں خواہ وہ محدث بھی ہو نجس نہیں ہے۔ اور اسی بنا پر وہ اس کے قائل ہیں کہ مشرک کے اعضا سے مس شدہ پانی نجس نہیں ہے خواہ وہ کسی حالت میں ہی ہو۔ اور مومن کے اعضا سے مس شدہ پانی نجس ہے۔ حتیٰ کہ ان کے نزدیک اکابر انبیاء علیہم السلام کا حدث میں استعمال شدہ پانی بھی نجس ہے۔ اور اس پر جس قدر تعجب کیا جائے کم ہے۔ اس کے بعد رازی نے قرآن و حدیث و اجماع سے ثابت کیا ہے کہ مومن کسی وقت بھی نجس نہیں ہوا کرتا۔

تعجّب بالائے تعجّب

بے شک اس منطقی نتیجہ سے فخر الدین رازی کو بہت زیادہ روحانی کوفت ہوئی ہے۔ اور ان کا تعجب آخر عمر تک ختم نہیں ہو سکا کہ آخر فقہاء نے متفقہ طور پر ظاہر قرآن کے خلاف اکٹھ کیوں کر لیا۔ لیکن ہمیں تو خود رازی کے استعجاب پر تعجب ہوتا ہے کہ جن کو امام تسلیم کرتا ہے خواہ قرآن کی مخالفت کریں یا موافقت تو پھر ان کو تنقید

کا نشانہ بنانے کی کیا ضرورت ہے بلکہ اُن کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر تحقیق کا مادہ طبیعت میں ہے۔ اور حق کی تلاش میں قدم آگے بڑھانا ہے تو ذرا تعصّب کی عینک اُتار کر اپنے نظریے کا جائزہ لے لے کہ رسول نے کیا فرمایا تھا کہ قرآن کی تفسیر ایسے لوگوں سے دریافت کرو جو خُود قرآن فہمی سے قاصر ہوں۔ اُنہوں نے تو بار بار ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن دوسرے اہل بیت۔ اگر قرآن فہمی کے لئے اہل بیت اطہار کے دروازے پر جھکا ہوتا تو اس ذہنی کوفت میں مبتلا کیوں ہوتا۔ خدا اس تعصّب کا بیڑا غرق کرے کہ باوجود جاننے کے کہ یہ امام قرآن کو نہیں سمجھ سکتے۔ تاہم امام انہی کو ہی کہتا ہے اور اہل بیت کو اہل سمجھنے کے باوجُود ان سے دُور ہے۔

نجاست کے لیے دو اہم سبب ہیں۔

(١) یہ کہ اس چیز کے اثراتِ بد کی تعدی سے بچنا مطلوب ہو۔

(٢) وہ چیز بنفسہ ایسی ہو کہ طبیعت انسانی اس سے متنفر ہو یعنی وہ چیز خبائث میں سے ہو۔ پس ہر نجس چیز ان دو باتوں میں سے خالی نہ ہو گی۔

وہ چیزیں جو نجس العین ہیں۔

(١) پیشاب (٢) پاخانہ۔ ارشادِ قرآنی ہے۔ ترجمہ۔ جب تم سے کوئی شخص حاجات ضروریہ سے فارغ ہو کر آئے۔ اور پانی میسّر نہ ہو تو تیمم کرے زمین سے۔ اس حکم قرآنی کے مفہوم سے پیشاب و پاخانہ کا نجس ہونا صاف ظاہر ہے۔ عقلی طور پر اگر دیکھا جائے تو تمام عقلائے زمانہ خواہ مسلمان ہوں یا کافر پیشاب و پاخانہ کو نجس اور واجب الاجتناب جانتے ہیں (٣) منی خواہ انسانی ہو یا غیر انسانی اس کی نجاست بھی حسب سابق معلوم ہے (٤) خمر (شراب) خواہ کسی قسم کی ہو۔ قرآن میں اس کو رجس کہا گیا ہے (٥) میتہ (مردار) خواہ آدمی کا ہو یا کسی حیوان کا نجس ہے۔ البتہ آدمی کے مردہ کو غسل پاک کر دیتا ہے۔ اور حیوان پاک اگر تکبیر کے ساتھ صحیح ذبح کیا جائے تو اس کا مردہ پاک ہو گا ورنہ مردہ نجس ہو گا۔ (٦) خون ہر قسم کا نجس ہے۔ بشرطیکہ خون جہندہ رکھنے والے جانور کا ہو البتہ ذبح شدہ جانور سے حسبِ معمول خون نکل جانے کے بعد جو اندر بچ جاتا ہے وہ پاک ہے۔ اسی طرح جس جانور کا خون جہندہ نہ ہو مثلاً مچھر پسّو وغیرہ تو اس کا خون بھی پاک ہے۔ اور نجس العین جانور کے خون اور عورت کے مخصوص ہر سہ خون کے علاوہ کا خون درہم بغلی سے کم نمازی کے لئے لباس یا بدن سے معاف ہے۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ درہم بغلی سے کم خون پاک ہو گا بلکہ وہ ہو گا تو نجس اور دوسری تر چیز سے لگے گا تو اس کو بھی نجس کرے گا۔ لیکن نماز میں خون کی اتنی مقدار معاف کر دی گئی ہے۔ (٧) خنزیر (٨) کتا (٩) کافر و مشرک، چنانچہ فرق اسلامیہ میں سے ناصبی، خارجی اور غالی بھی انہی کے حکم میں ہیں اور ان کی وجہ نجاست پانچویں جلد میں ملاحظہ ہو۔ ص ٢٤ ر ص ٢٥

اہل کتاب کا حکم

کافر کا وجُود خدا کی پاک و پاکیزہ زمین پر ایک ناپاک دھبہ ہے جو اہلِ حق کی پُرامن زندگی کے لئے ہر وقت باعثِ خطرہ ہے۔ پس اس ناپاک دھبہ کو مٹانا ضروری قرار دیا گیا۔ اس سے پہلے مشرکین کے متعلق

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ لَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ

دانا بینا ہے لڑو ان سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ روزِ آخرت پر

وَ لَا یُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَ لَا یَدِیۡنُوۡنَ دِیۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِیۡنَ

اور نہیں حرام کرتے وہ جو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور نہیں قبول کرتے دین حق کو ان لوگوں میں سے جو

یہی خطاب تھا اور اب اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے متعلق فرما رہا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ۔ کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ دین حق کو قبول نہیں کرتے ان کو قتل کرو۔ یہاں تک کہ ذلیل ہو کر جزیہ پیش کریں۔ اور جزیہ کی صورت میں اُن سے قتل کو اُٹھا لیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی جزیہ کی زندگی قابلِ رشک زندگی نہیں تاکہ ان کے خیالات کی تعدی کا خطرہ ہو۔ پس ایسی صورت میں ان کی بقا اسلامی تعلیمات میں مخل ثابت نہیں ہوتی۔ اور ان کی آیندہ نسلیں خود بخود اپنی پست زندگی سے ترقی کر کے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اوج اسلام کی طرف قدم رکھنے کا شوق پیدا کریں گی۔ اور اس طریقہ سے زمین خدا دینِ حق والوں کی پُرامن قرارگاہ بن جائے گی۔ مذہبِ امامیہ میں کفار و مشرکین کی طرح یہود و نصاریٰ و مجوس وغیرہ سب نجس العین ہیں۔

آیت مجیدہ کے مضمون سے واضح ہے کہ اہلِ کتاب کے لئے تین چیزوں میں سے ایک ہے۔ اسلام یا قتل یا جزیہ۔ پس اگر اسلام لائیں تو قتل و جزیہ ختم۔ لیکن اگر اسلام قبول نہ کریں تو پھر اگر جزیہ مان لیں تو قتل سے بچ جائیں گے ورنہ قتل کئے جائیں گے۔ اور ان کا مال غنیمت ہوگا اور عورتیں بچے قید ہو کر غلامی و کنیزی میں آجائیں گے۔

کفار و مشرکین کے لئے جزیہ نہیں ہے بلکہ یا قتل یا اسلام اور ان کا حکم یہ ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں ان کے مردوں کو قتل کیا جائے گا۔ اور ان کا مال غنیمت ہوگا۔ اور اُن کی عورتیں۔ بچے اسیری میں آجائیں گے۔

معصوم سے سوال کیا گیا کہ عورتوں سے جزیہ کیوں ساقط ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ دار الحرب میں عورتوں اور بچوں کے قتل کی خدا نے نہی فرمائی۔ سوائے اس کے کہ وہ لڑیں بلکہ ان کے لڑنے کی صورت میں بھی حتی الوسع ان کے قتل سے گریز کیا جائے بشرطیکہ کسی اہم نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو جب دار الحرب میں رہتے ہوئے ان کا قتل جائز نہیں تو دار الاسلام میں ان کا قتل کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اب اگر عورت جزیہ سے انکار کر دے تو اس کو قتل تو کیا نہیں جاسکتا پھر اس کی وصولی کی دوسری کیا صورت ہوسکتی ہے؟ بخلاف اس کے کہ اگر مرد جزیہ سے انکار کرے گا تو یہ اس کی عہد شکنی متصور ہوگی۔ پس اس کا قتل مباح ہو جائے گا۔ جیسا کہ دار الحرب میں بھی اس کا قتل مباح تھا۔ لہٰذا عورت سے جزیہ معاف ہے۔ اور اپاہج اندھے اور بہت بوڑھے اور بچے بھی اسی حکم میں ہیں کہ ان کا قتل ناجائز ہے مگر بصورتِ مجبوری اور ان سے جزیہ بھی معاف ہے۔ نیز پاگل اور دیوانے لوگوں سے بھی جزیہ معاف ہے۔

أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (۲۹) وَقَالَتِ

کتاب دیئے گئے حتیٰ کہ دیں جزیہ دست بدست درحالیکہ وہ ذلیل ہوں کہا

الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم

یہودیوں نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصرانیوں نے مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں

بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ

ہیں نقل اتارتے ہیں۔ ان کافروں کی بات کی جو پہلے گذرے لعنت ہو ان پر اللہ کی کیسے جھوٹ ہیں

معصوم سے سوال کیا گیا کہ اہل کتاب ذمی سے جزیہ کی کوئی حد بھی مقرر ہے تو آپ نے فرمایا اس کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ امامِ وقت کو اس میں اختیار حاصل ہے جس انسان سے جو چاہے وصول کر سکتا ہے وہ جزیہ دینے والے کی حیثیت کو دیکھے گا۔ اس لئے کہ جزیہ ان کے سر کا فدیہ ہے۔ اُنہوں نے قتل و غلامی کے بدلہ میں یہ چیز اپنے اُوپر قبول کی ہے۔ لہٰذا جب تک مسلمان نہ ہوں گے وہ امام کی مرضی کے مطابق جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ پس امام اگر چاہے تو جزیہ ان کے سروں پر رکھ دے اور چاہے تو ان کے مالوں اور دیگر آمدنیوں پر رکھ دے۔

ایک روایت میں ہے کفارِ مکہ نے خواہش کی تھی کہ ہم سے جزیہ وصول کیا جائے تو حضور نے جواب دیا تھا کہ ہم جزیہ صرف اہلِ کتاب سے لے سکتے ہیں۔ تم لوگوں کے لئے صرف دو چیزیں ہیں۔ یا اسلام یا قتل۔ تو انہوں نے کہا تھا کہ مجوسی بھی تو ہم جیسے ہیں پھر ان سے آپ جزیہ کیوں قبول کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا تھا کہ نہیں بلکہ وہ ایک نبی کی اُمت تھے اور انہوں نے اس کو قتل کر کے اس کی کتاب کو جلا دیا تھا۔ یعنی وہ صاحب کتاب ہیں۔ جزیہ قبول کر لینے کے بعد اہل کتاب ذمی کافر کہلائیں گے۔ اب ان کی جان و مال و عزت سب محفوظ ہو گی۔ اور حدود و تعزیرات میں یہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ اور شرائط ذمہ کی مخالفت سے وہ ذمہ سے خارج ہوں گے پھر حربیوں کی طرح ان سے برتاؤ کیا جائے گا۔

رکوع ۱۱

يُضَاهِئُونَ۔ مضاہاۃ باب مفاعلہ سے ہے۔ اس کا معنی ہوتا ہے مشابہت۔ ہم نے مرادی معنی نقل اتارنا کیا ہے۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ پانچ گروہوں کے لوگ حضرت رسالتمآبؐ کی بارگاہِ فیض میں حاضر ہوئے۔ یہود۔ نصاریٰ۔ دہری۔ ثنوی اور مشرک یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ نصرانیوں نے کہا حضرت عیسےٰ اللہ کے فرزند ہیں۔ دہریوں نے عالم کو قدیم کہا۔ ثنویوں نے نور و ظلمت دو خداؤں کا دعویٰ کیا۔ اور مشرکوں نے اپنے بتوں کی عبادت کو پیش کیا۔ اور ہر ایک نے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ اتفاق کریں تو پھر ہم آپ سے افضل ثابت ہوں گے۔ اور اگر آپ انکار کریں گے تو ہم مناظرہ کے لئے حاضر ہیں۔ حضور نے ان سب لوگوں کی باتوں کو سن کر اپنے ایمان کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے سب سے پہلے یہودیوں سے اپنے نظریہ کی دلیل طلب فرمائی تو انہوں نے کہا حضرت عزیر نے تورات کے چلے

يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ

پڑھے جاتے ہیں — بنایا اپنے عالموں اور عبادت گزاروں کو رب بجائے اللہ کے — اور عیسیٰ

جانے کے بعد اس کو دوبارہ زندہ کیا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عزیر توالد وتناسل کے طریقہ پر خدا کا بیٹا ہے یا اکرام کی وجہ سے بمنزلہ فرزند کے ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ توالد وتناسل کے لحاظ سے خدا کا بیٹا کہنا تو کفر ہے بلکہ چونکہ خدا نے عزیر کو خاص عزت وکرامت بخشی تھی لہٰذا وہ بمنزلہ بیٹے کے ہے۔ جس طرح کوئی عالم اپنے پیارے شاگرد کو بیٹا کہہ دیا کرتا ہے حالانکہ وہ اس کا نسبی بیٹا نہیں ہوتا۔ حضورؐ نے فرمایا پھر اس لحاظ سے تو حضرت موسیٰ حضرت عزیر سے بلند تر ہیں کیوں کہ ان کی عزت ومنزلت خدا کے نزدیک زیادہ تھی اور اس پر اصل تورات نازل ہوئی تھی تو جس طرح پیار واکرام کی وجہ سے چھوٹے کو بیٹے سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اکرام کی بنا پر بڑے کو بھائی یا چچا یا بابا کہا جاتا ہے۔ بنابریں اگر عزیر اکرام کی وجہ سے خدا کا بیٹا ہے تو حضرت موسیٰ کو خدا کا بھائی یا چچا یا بابا ماننا چاہیئے۔ حضور کا فرمان واستدلال سن کر یہودی خاموش ہو گئے۔ پھر آپ نصاریٰ سے مخاطب ہوئے۔ اور فرمایا کیا خدائے قدیم نے حادث ہو کر عیسیٰ کو بیٹا بنایا یا عیسیٰ قدیم ہو کر خدائے قدیم کا بیٹا بنا۔ حالانکہ عقلاً قدیم کا حادث یا حادث کا قدیم ہونا محال ہے۔ اور اگر ازراہِ کرم خدا کا بیٹا ہے تو تمہارا جواب وہی ہے جو یہودیوں کا سن چکے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا جس طرح تم ابراہیمؑ کو خلیل اللہ کہتے ہو ہم عیسیٰ کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ اگر وہ درست ہے تو یہ بھی درست ہے۔ آپ نے فرمایا خلیل مشتق ہے خلّۃ سے۔ جس کا معنی ہے فقر واحتیاج۔ چنانچہ جب آتش نمرود میں ڈالے گئے اور حضرت جبریل نے آکر پوچھا کہ اگر مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا۔ حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ پس خدا نے اس کا لقب خلیل اللہ رکھا۔ یعنی وہ اللہ کے علاوہ کسی کی طرف حاجت مند نہیں ہوتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلّۃ تخلّل کے معنی میں ہو۔ یعنی وہ خداوند کریم کے اسرار وصفات میں دسترس رکھتے تھے۔ پس خلیل اللہ کا معنی ہے عارف باللہ، لہٰذا خلیل اللہ پر ابن اللہ کا قیاس کرنا ناجائز ہے۔ پس اگر اکرام کی وجہ سے عیسیٰ کو ابن اللہ کہنا جائز ہے تو حضرت موسیٰ کے لئے پھر کیا خطاب تجویز کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ نے خود کہا تھا کہ میں اپنے باپ کی طرف جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا انہوں نے تو کہا تھا کہ میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جاتا ہوں۔ لہٰذا صرف حضرت عیسیٰ نہیں بلکہ وہ تمام لوگ بھی ابناء اللہ ہوں گے جن کے متعلق حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ باپ سے مراد آدمؑ یا نوحؑ ہوں جو سب کے باپ ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ کا مطلب یہ ہو کہ میں حضرت آدم یا حضرت نوح کے پاس جاتا ہوں۔ یعنی اٹھائے جانے کے بعد میں ان کی صحبت میں ہوں گا۔ پس وہ لاجواب ہو گئے۔

پھر دہریوں سے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر لیل ونہار سب قدیم ہیں۔ یعنی ابتداء میں ان کی حد نہیں تو یہ بتاؤ زمانہ کا یہ حصہ آج کل والا تم تک کیسے پہنچ گیا جب کہ اس کی پہلے کوئی حد وانتہا نہیں ہے۔ نیز موجوداتِ عالم سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں یا نہیں؟ تو انہوں نے کہا واقعی موجودات کو ایک دوسرے کی احتیاج ہے۔ آپ نے فرمایا اگر ایک دوسرے کی

ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ

بن مریم کو حالانکہ نہیں حکم دئے گئے مگر یہ کہ عبادت کریں معبود ایک کی کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے

سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ

پاک ہے وہ اس سے جس کو وہ شریک کرتے ہیں چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے

طرف محتاج ہونے والے تمام عالمی موجودات قدیم ہیں تو مجھے حادث کا معنی سمجھائیے یہ سن کر ان کو جواب نہ آسکا اور خاموش ہو گئے۔
پھر ثنویوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہاری دلیل کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا چونکہ دنیا میں دو چیزیں ہیں۔ خیر یا شر۔ یعنی اچھی چیزیں ہیں یا بُری۔ اور دونوں کا خالق ایک تو ہو نہیں سکتا لہذا ہم سمجھتے ہیں کہ خالق دو ہیں۔ ایک خالق خیر اور دوسرا خالق شر۔ خالق خیر کو نور کہتے ہیں اور خالق شر کو ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر ضدیں صرف دو ہوں تو خالق دو ہوں گے لیکن اگر ضدیں زیادہ ہوں مثلاً رنگ کی قسمیں سفید۔ سیاہ۔ سرخ۔ زرد۔ سبز وغیرہ اور ہر رنگ دوسرے کی ضد ہے۔ لہذا چاہیے کہ ہر رنگ کے لئے خدا الگ الگ ہو۔ اور نیز یہ بتاؤ کہ جب دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں تو دونوں کے اجتماع سے یہ عالم کیسے خلق ہوا۔ تمہارے قاعدے سے اس کی تخلیق محال ہونی چاہیئے۔ تو وہ بھی سن کر مبہوت اور لاجواب ہو گئے۔
آخر میں مشرکین سے خطاب فرمایا۔ انہوں نے بُت پرستی کی وجہ بتائی کہ ہم قربِ خدا کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ان کو تم لوگ اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو پس تم ان کے صانع ہو۔ حق تو یہ تھا کہ اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ تمہاری عبادت کرتے نہ کہ تم کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے۔ اور خدا اجلّ ہے کہ اپنی قربت کے لئے کسی صانع کو مصنوع کی عبادت کی دعوت دے۔ اس کے بعد کافی بحث ہوئی اور آخر میں وہ لاجواب ہو گئے۔
امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور کو برحق نبی مبعوث فرمایا۔ تین روز نہیں گذرنے پائے تھے کہ پچیس آدمی یعنی ہر گروہ سے پانچ پانچ آدمی خدمت اقدس میں پہنچ کر مشرف باسلام ہوئے۔
اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ۔ تفسیر برہان کی متعدد روایات میں ہے کہ ان لوگوں نے احبار و رہبان کی پرستش نہیں کی تھی اور نہ ان کو احبار و رہبان نے اپنی عبادت کی دعوت دی تھی بلکہ معصیتِ خدا میں یہ لوگ ان کی اطاعت کرتے تھے۔ لہذا ان کو کہا گیا کہ انہوں نے احبار و رہبان کو اپنا رب بنایا ہے۔ یعنی اگر وہ حرام کو حلال بناتے یا حلال کو حرام بناتے تو یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے تھے۔ اس لئے ان کی مذمت کی گئی ہے۔ کاش جن لوگوں نے آلِ محمدؐ کے علاوہ غیروں کی اقتدا کو دین سمجھا وہ ان آیات سے عبرت حاصل کرتے۔
يُرِيدُونَ۔ اس کا ترجمہ شاعر نے اُردو میں خوب کیا ہے ع

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۳۲) هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ

اور نہیں چاہتا اللہ مگر یہ کہ پورا کرے گا اپنے نور کو اگرچہ ناپسند کریں کافر وہ وہ ہے جس نے بھیجا اپنا

رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (۳۳)

رسول ساتھ ہدایت کے اور دین حق کے تاکہ غالب کرے اس کو اوپر سب دینوں کے اگرچہ ناپسند کریں مشرک

هُوَ الَّذِي - بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس آیت مجیدہ کی تاویل ابھی تک نہیں کھلی۔ اور وہ اُس وقت کھلے گی جب حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ پس جب آپ کا خروج ہوگا تو اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا اور امامت کے ساتھ شریک کرنے والا کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو امام کے خروج کو پسند کرتا ہو۔ پس اس وقت اگر کوئی کافر پتھر کے اندر بھی چھپ کر پوشیدہ ہوگا تو پتھر پکار کر کہے گا۔ اے مومن! میرے اندر ایک کافر پوشیدہ ہے اس کو نکال کر قتل کر۔

لِيُظْهِرَهُ - اس غلبہ سے مراد اگر غلبۂ دلیل و برہان لیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ اسلام اس لحاظ سے تمام دینوں پر غالب ہے۔ اور اگر غلبہ سے مراد اقتدار ظاہری ہو تو وہ حقیقتاً اس وقت ہی ہوگا جب کہ حضرت صاحب العصرؑ کا ظہور ہوگا جیسا کہ روایت میں ہے کہ اس وقت دینِ اسلام ہر دین پر غالب ہوگا۔ اور اس وقت کے آنے سے قبل قیامت آہی نہیں سکتی۔ پس خدا کا فرمان پورا ہو کر ہی رہے گا۔ اور مقداد سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسالت مآبؐ سے سنا کہ پشتِ زمین پر کوئی کچا یا پکا گھر ایسا نہ بچ سکے گا جس میں اسلام داخل نہ ہو۔ خواہ اس کو باعزت قبول کریں یا ذلیل و رسوا ہو کر اس کے حلقہ میں داخل ہوں۔

تفسیر صافی میں بروایت اکمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس طرح فرعون نے موسیٰ کو ختم کرنے کے لئے بنی اسرائیل کی عورتوں کے پیٹ چاک کروا دیے تھے۔ اسی طرح بنی عباس اور بنی اُمیہ کو جب معلوم ہوا کہ جابروں اور ظالموں کا اقتدار حضرت قائم آلِ محمدؐ کے ہاتھوں ختم ہوگا تو انہوں نے آلِ محمدؐ کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور نسلِ رسولؐ کی تباہی کے درپے ہوئے۔ لیکن خدا کا نور پھیل کر ہی رہے گا۔

بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہمارے قائم کی رعب سے تائید ہوگی۔ زمین کی اطراف سمٹ جائیں گی۔ خزانے ظاہر ہوں گے۔ مشرق سے مغرب تک ان کی حکومت ہوگی۔ خدا ان کے ذریعے اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کرے گا۔ زمین آباد ہوگی اور حضرت عیسےٰؑ اُتر کر ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

مال جمع کرجانے والوں کو تنبیہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ - یہودی علما و راہب لوگ عوام سے کئی ناجائز طریقوں سے پیسے بٹورتے تھے۔ حکم میں رشوت لے کر بڑے بڑوں کی خوشامد کر کے اور امیروں و رئیسوں کی مرضی کے مطابق فتویٰ دے کر وغیر ذالک۔ پس خداوند کریم ان کی برائی بیان فرما کر اہل اسلام کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ اس طرح کما کر پیٹ بھرنا حرام ہے۔ اور یہودیوں کا صریح ذکر کر کے مسلمانوں کو کنایہ کے رنگ میں منع فرما رہا ہے۔ اور یہ طریقۂ تبلیغ نہایت احسن و ابلغ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ

اے ایمان والو تحقیق بہت سے (یہودیوں کے) عالم و عابد کھاتے ہیں مال لوگوں کا غلط طریق

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ

سے اور روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے اور جو لوگ خزانہ کرتے ہیں سونا اور

وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۴)

چاندی اور ان کو نہیں خرچ کرتے راہ خدا میں تو ان کو خوشخبری دو دردناک عذاب کی

سمجھا جاتا ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ ۔ مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے وہ خزانہ ہے خواہ زمین کے اوپر ہی ہو۔ اور جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے وہ خزانہ نہیں خواہ زمین کے نیچے دفن کر دیا جائے۔

الذَّهَبَ ۔ اس کو ذہب اس لئے کہا جاتا ہے کہ چلے جانے والی چیز ہے۔ کیونکہ ذہاب کا معنی جانا ہوتا ہے اور فضہ کو فضہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تقسیم ہو جانے اور بٹ جانے والی چیز ہے۔ پس ان دونوں کے نام ان کے فنا ہو جانے پر دلالت کرتے ہیں پس ان دونوں سے دل لگانا اور محبت کرنا فضول ہے۔ پس اسی قدر اپنے پاس رکھے جس قدر اپنا گذارا ہو سکے۔

وَلَا يُنفِقُونَهَا ۔ یہ لفظ بتلاتا ہے کہ عذاب کی پیش کش ان جمع کرنے والوں کے لئے ہے جو اپنے اموال سے حقوق مالیہ کی ادائیگی سے گریز کرتے ہیں ورنہ جو لوگ اپنے حقوق ادا کرنے والے ہوں۔ زکوٰۃ ادا کریں خمس دے دیں اور حج میں پیسہ لگالیں اسی طرح دوسرے امور خیر مثلاً خیرات صدقات صلہ رحمی، عزاداری وغیرہ میں بھی خرچ کریں۔ اور پھر ان کے پاس پیسہ بچ رہے اور اپنے پاس کچھ چھوڑ کر مر جائیں تو وہ اس سرزنش سے یقیناً بری ہوں گے۔ پس یہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو اپنے مال سے حقوق ادا نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے لوگ اگر اپنا تمام پیسہ حرام کاریوں۔ بدمعاشیوں میں فنا کر کے جائیں تب بھی بروز محشر ان خزانہ کرنے والوں کے ساتھ شریک عذاب ہوں گے جو بچا کر گئے تھے۔ دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کنچنوں، کنجروں اور اوباشوں پہ پانی کی طرح پیسہ بہا دیتے ہیں لیکن دین خدا کی ایک پیسہ سے بھی امداد نہیں کرتے۔ بدمعاش ان کے ہاں زردے گوشت پلاؤ وغیرہ صبح شام کھاتے ہیں اور فقیر و مسکین کو ان کے دسترخوان سے ایک خشک روٹی بھی بمشکل نصیب ہوتی ہے۔ سینماؤں، کلبوں ناچ گانوں اور سیر و تماشا کے لئے ہزاروں روپے خرچ کئے جاتے ہیں لیکن زکوٰۃ و خمس میں ایک دمڑی کا خرچ کرنا بار خاطر ہوتا ہے۔ ایسے لوگ بروز قیامت سخت ترین عذاب کے حق دار ہوں گے۔ انہی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

فَتُكْوَىٰ بِهَا یعنی ان کے منہ پہلو اور پشتوں پر ان کی جمع شدہ رقوم کو آتش جہنم میں گرم کر کے داغ دئے جائیں گے پس جب وہ لوگ درد و عذاب سے چیخیں گے اور چلائیں گے تو ان کو جواب ملے گا گھبراتے کیوں ہو یہ تمہارا اپنا جمع کردہ مال ہے

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ

جس دن گرم کیا جائے گا ان کو دوزخ کی آگ میں پس داغ دیا جائے گا ان کے منہ اور پہلوؤں اور پشتوں کو

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ

کہ یہ وہ ہے جو تم نے خزانہ کر رکھا تھا اپنے لئے پس چکھو وہ جو تم جمع کرتے تھے تحقیق

عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

تعداد مہینوں کی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں کتاب خدا میں جس دن پیدا کیا آسمانوں

جو دنیا میں چھوڑ کر آئے تھے۔ اب وہ وصول کر لو اور اس کو چکھو۔ مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور نے تین مرتبہ فرمایا۔ تَبًّا لِلذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ تو اصحاب پر یہ چیز شاق گذری۔ حضرت عمر نے پوچھا یا رسول اللہ پھر ہم کون سا مال جمع کریں۔ تو آپ نے فرمایا زبان ذاکر دل شاکر اور عورت مومنہ جو دین میں تمہاری ممد و معاون ہو۔

اور بعض نے کہا ہے منہ سے مراد بدن کا اگلا حصہ اور جنب سے مراد دونوں طرفین اور پیٹھ سے مراد بدن کا پچھلا حصہ ہے مراد یہ ہے کہ ان کے جسموں کے تمام اعضاء داغ دیئے جائیں گے۔ اور ان کا تمام جسم مبتلائے عذاب کیا جائے گا۔ اس وقت اس پیسہ جمع کرنے یا خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے کا وبال معلوم ہوگا لیکن وہاں اس کا کوئی علاج نہ ہوسکے گا۔ پس نیک بخت ہے وہ انسان جو دنیا میں سنبھل جائے اور اپنی عاقبت کی فکر کرے۔

بارہ مہینے

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ۔ کہتے ہیں یہودی لوگ اور ان کے علاوہ کئی قومیں دو سال ۱۲ مہینے قمری شمار کرتے تھے اور تیسرے سال کے مہینے تیرہ بنا دیتے تھے تا کہ شمسی حساب سے موسم میں تبدیلی واقع نہ ہو تو خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں مسلمانوں کو ہمیشہ بارہ مہینوں کے شمار کا حساب بتایا ہے۔ اور دین کا معنی حساب بھی ہوتا ہے۔ پس اس جگہ فرمایا کہ یہ حساب سیدھا ہے وہ بارہ مہینے یہ ہیں۔ (۱) محرم وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ عرب اس مہینے کی عظمت و حرمت کے قائل تھے حتیٰ کہ اس ماہ میں اگر کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل کو کہیں تنہا بھی پا لیتا تھا تو اس سے انتقام نہ لیتا تھا لیکن کس قدر نا اہل اور نا قدر شناس تھے۔ وہ لوگ جنہوں نے اس حرمت والے مہینے میں اپنے رسول کی عترت کو ظلم کا نشانہ بنایا اور ان کو بے گناہ قتل کر ڈالا (۲) صفر اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ یہاں حرمت والے مہینے ختم ہو جاتے تھے اور لوگوں کے ہیے وقت کی حرمت کی پابندی باقی نہ رہتی تھی۔ پس گھروں سے نکل کھڑے ہوتے حتیٰ کہ مکہ مردوں سے خالی ہو جاتا تھا اور صفر کا معنی بھی یہی ہے (۳) ربیع الاول (۴) ربیع الثانی، ان دو مہینوں میں زمین کی سرسبزی و شادابی کی بنا پر نام تجویز کئے گئے۔ (۵) جمادی الاولیٰ (۶) جمادی الثانیہ پانیوں کی خشکی اور جمود کی وجہ سے ان کے یہ نام تجویز ہوئے (۷) رجب کیوں کہ یہ مہینہ بھی حرمت والا ہے اور اس میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے تھے اور رجب کا معنی بے کار ہونے سے ملتا جلتا ہے

وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا

اور زمین کو ان میں سے چار حرمت والے ہیں یہ دین سیدھا ہے پس نہ ظلم کرو اپنے نفسوں پر اور لڑو

الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (۳۶)

تمام مشرکوں سے ۔ جس طرح وہ لڑتے ہیں تم سب سے اور جانو تحقیق اللہ ساتھ ڈرنے والوں کے ہے

حضرت رسالت مآبؐ سے ایک روایت منقول ہے کہ جنت میں ایک نہر ہے جس کا پانی برف سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ شیریں ہے ۔ جو شخص ماہِ رجب میں کم از کم ایک دن بھی روزہ رکھے گا اس کے لئے اس نہر پر تصرف کی اجازت ہوگی (۸) شعبان ۔ شعب کا معنی ہے شاخ اور حضورؐ نے فرمایا اس کو شعبان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں نیکی کی شاخیں پھوٹتی ہیں ۔ یعنی ایک نیکی چند در چند نیکیوں کے برابر ہوتی ہے (۹) رمضان کہتے ہیں یہ اللہ کے ناموں میں سے ہے ۔ اور یہ مہینہ بالخصوص اللہ کی طرف منسوب ہے ۔ نیز اس کا معنی ہے گرمی ۔ اور روزہ دار کو بوجہ روزہ کے گرمی وخشکی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ خواہ سردیوں کا موسم ہی کیوں نہ ہو (۱۰) شوال ۔ یہ شول سے ہے جس کا معنی ہے چھوڑ دینا ۔ چونکہ عرب اس ماہ میں اپنے مکانوں کو چھوڑ دیتے تھے اس لئے اس کو شوال کہا جاتا ہے (۱۱) ذوالقعدہ ۔ قعدہ کا معنی ہے بیٹھ جانا اور چونکہ یہ حرمت والا مہینہ ہے اس میں بھی عرب جنگ وجدال سے رُک کر بیٹھ جاتے تھے پس اس کو ذوالقعدہ کہا گیا (۱۲) ذوالحجہ ۔ اس کی وجہ تسمیہ واضح ہے ۔ مقصد یہ ہے کہ جب ان مہینوں کے نام تجویز ہوئے اس وقت یہ مناسبات موجود تھیں پس یہ نام رکھ دیئے گئے ۔ لہٰذا بعد میں ان مناسبات کا باقی رہنا ان کی وجہ تسمیہ کا منافی نہیں ہو سکتا

مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۔ چار حرمت والے مہینے یہ ہیں ۔ رجب ۔ ذوالقعدہ ۔ ذوالحجہ اور محرم ۔

فَلَا تَظْلِمُوْا ۔ ان حرمت والے مہینوں میں خصوصیت کے ساتھ ظلم نفس سے منع فرمایا ۔ ورنہ ہر وقت ظلم نفس ناجائز اور حرام ہوتا ہے ۔ ظلم نفس سے مراد ہے ہر وہ کام جو فرمودۂ خدا کے خلاف ہو ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ زمان ومکان کی سعادت وشرافت افعال وکردار کی جزا وسزا میں کمی یا زیادتی کی موجب ہوجایا کرتی ہے ۔ مثلاً نیک وقت میں نیک کام کی جزا زیادہ اور بدفعل کی سزا زیادہ ہوتی ہے ۔ مثلاً جمعہ کے دن کی عبادت اور ایام کی عبادت سے زیادہ ثواب رکھتی ہے ۔ ماہ رمضان کی عبادت خصوصاً لیلۃ القدر کی عبادت دوسرے مہینوں اور باقی راتوں سے بدرجہا بلند وبیش قیمت شمار ہوتی ہے ۔ وعلیٰ ہذا القیاس ۔ اسی طرح نیک مکان میں نیکی کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ گھر مسجد ۔ جامع مسجد ۔ مسجد کوفہ اور مسجد الحرام میں نمازوں کے ثواب میں زمین وآسمان کا فرق ہے ۔ پس جس طرح زمان ومکان کی شرافت سے نیکی کی قیمت بڑھتی ہے ۔ اسی طرح برائی کی سزا میں بھی اضافہ ہوتا ہے ۔ عام دن کی بُرائی اور روزِ جمعہ کی بُرائی اور ماہ رمضان کے دن میں بُرائی کے عذاب میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ان ایام کے مراتب میں فرق ہے ۔ نیز عام مکان ۔ مسجد اور بیت اللہ میں بُرائی کی سزاؤں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ان مکانات کے مدارج میں تفاوت ہے پس اسی بنا پر حرمت والے مہینوں میں تاکید سے حکم دیا گیا کہ ان مہینوں میں بالخصوص ظلم نفس سے یعنی پروردگار کی نافرمانیوں سے بچو ۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ

سوائے اس کے نہیں کہ تبدیلی زیادتی کفر ہے اس کے ذریعے گمراہ کئے جاتے ہیں وہ جو کافر ہیں حلال کرتے ہیں ایک سال اور حرام کرتے ہیں

تاویل آیت ۔ تفسیر برہان میں ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ ایک دن میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا جب اور لوگ چلے گئے۔ فرمانے لگے۔ اے ابوحمزہ ہمارے قائم کی تشریف آوری محتوم ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اور جو میری بات میں شک کرے وہ کافر اور منکر ہے۔ پھر فرمایا میرا ماں باپ قربان ہو اس پر جس کا نام و کنیت میرے جیسا ہوگا۔ اور وہ میرے بعد ساتواں ہوگا۔ میرا ماں باپ قربان ہو اس پر جو زمین کو عدل و انصاف سے پُر کرے گا۔ جس طرح وہ ظلم و جور سے پُر ہوگی اے ابوحمزہ! جو شخص اس کا زمانہ پائے اور اس کے لئے وہ چیز نہ تسلیم کرے جو حضرت محمد مصطفےٰؐ و علی مرتضیٰ کے لئے تسلیم کرتا ہے تو اس پر جنّت حرام ہوگی۔ اور اس کا ٹھکانہ آتش جہنّم ہوگا۔ اور اس مطلب پر واضح ترین اور روشن ترین خدا کا یہ فرمان ہے ۔ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ الخ۔ فرمایا مہینوں کا پہچاننا کہ محرم ۔ صفر الخ یہ دین قیم نہیں۔ کیوں کہ یہودی ۔ نصرانی ۔ مجوسی اور باقی مذاہب بلکہ تمام لوگ خواہ مخالف ہوں خواہ موافق ان سب مہینوں کو تو سب جانتے ہیں بلکہ اس جگہ مراد ہیں وہ امام جو اللہ کے دین کے محافظ ہیں اور حرم ان میں سے علیؑ اور ان کے تین فرزند ہیں جو اسی نام سے موسوم ہیں ۔ علی زین العابدین ۔ علی رضا ۔ اور علی نقی ۔ کیونکہ یہ نام خداوند کریم نے اپنے نام سے مشتق فرمایا ۔ جس طرح نام محمد اپنے نام محمود سے مشتق کیا ہے ۔

داؤد بن کثیر سے ایک روایت ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھا ۔ آپ نے سماعہ سے فرمایا مجھے کھجور کا دانہ اٹھا دو ۔ پس آپ نے وہ کھا کر اس کی گٹھلی کو زمین میں دفن کیا ۔ فوراً خرما کا درخت تیار ہوا ۔ اس میں پھل لگ گیا ۔ اور خوشے تیار ہوگئے ۔ آپ نے ایک دانہ توڑا اور اُس کو چیرا ۔ اس سے ایک کاغذ نکلا ۔ اس کو کھول کر فرمایا ۔ پڑھو میں نے پڑھا تو ایک سطر پر کلمۂ توحید اور دوسری سطر پر یہی آیت انّ عدۃ الشھود الخ ۔ لکھی ہوئی تھی ۔ اور پھر حضرت علی سے لے کر حضرت مہدی علیہ السّلام تک تمام ائمہ کے نام مندرج تھے ۔ آپ نے مجھے فرمایا اے داؤد تم جانتے ہو کہ یہ کب سے لکھّا ہوا ہے میں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے ۔ آپ نے مجھے فرمایا حضرت آدم کی خلقت سے دو ہزار سال قبل کی تحریر ہے ۔

بروایت جابر جعفی امام محمد باقر علیہ السّلام سے مثل سابقہ روایت کے ایک حدیث مروی ہے جس میں اس بات کا اضافہ ہے کہ سال کی تاویل ہمارا نانا حضرت محمد مصطفےٰؐ ہے ۔ اور بارہ مہینوں کی تاویل بارہ امام ہیں جو مخلوق خدا پہ حجّت خدا اور اس کی وحی و علم کے امین ہیں ۔ چار حرمت والے ہیں ۔ جن کا نام علی ہے ۔ ان کا اقرار کرنا دینِ قیم ہے ۔ پس ان کے بارے میں خدا نے ظلم و تعدی سے منع فرمایا ہے اور ان تمام کا اقرار راہِ ہدایت ہے ۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ ۔ نسائ سے ہے (مھموز اللّام) اور امام جعفر صادق علیہ السّلام کی قرأت اَلنَّسِيُّ منقول ہے ۔ گویا ہمزہ کو یاء سے تبدیل کیا گیا ہے ۔ عام مشہور قرأت اَلنَّسِيءُ ہے ۔ بروزن فعیل ۔ اور یہ کہ النذیر اور النکیر کی طرح یہ بھی مصدر ہے کہ صیغہ اسم مفعول اور اس کا معنی ہے موخر کرنا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اسم کا صیغہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ موخر کیا ہوا مہینہ گناہ و کفر

عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْءُ اَعْمَالِهِمْ

دوسرے سال تاکہ پوری کریں تعداد اس کی جو حرام کیا اللہ نے پس حلال کرتے ہیں جس کو اللہ نے حرام کیا زینت پائی ان کے لئے ان کے

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ

بداعمالوں نے اور اللہ نہیں ہدایت کرتا کافر لوگوں کو اے ایمان والو تم کو کیا ہے کہ جب کہا جائے

لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

تمہیں نکل پڑو اللہ کی راہ میں تو لگ جاتے ہو زمین سے کیا تم راضی ہو دنیا کی زندگی پر

ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ موخر کرنا گناہ و کفر ہے۔ پس اس کا مصدر ہونا درست ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ عرب لوگ حرمت والے تین مہینوں کے پے در پے آنے سے تنگ آجاتے تھے۔ پس وہ بعض اوقات اس میں تبادلہ کر لیتے تھے۔ پس محرم کی جگہ صفر کو حرمت والا بناتے تھے۔ اور محرم میں جنگ چھیڑ لیا کرتے تھے۔ پھر حسب ضرورت محرم کو ہی حرمت والا قرار دے لیتے تھے۔ کہتے ہیں اس فیصلہ کا ٹھیکیدار بنی کنانہ کا ایک شخص تھا۔ جس کا نام نعیم بن ثعلبہ تھا۔ پس وہ حکم سنا دیتا تھا کہ اس سال مثلاً محرم کی بجائے صفر حرمت والا ہوگا۔ اور اس کے بعد جنادہ بن عوف اس کا فیصلہ سناتا تھا۔ اور اس کو نسی کہتے تھے۔ اور کہتے ہیں نسی کی ابتداء عمر بن لحی نے کی تھی۔ نیز اس طرح بھی کر لیا کرتے تھے کہ ایک سال محرم کو صفر بنا لیا کہ صفر اول اور صفر ثانی نام رکھ دیا۔ پھر دوسرے سال دونوں مہینوں کو محرم بنا لیتے تھے۔ یعنی محرم اول اور محرم ثانی۔ یعنی حسب ضرورت حرمت والے مہینوں کی ایر پھیر کیا کرتے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حج کو ہر مہینے چکر دیتے تھے۔ اور ہر ماہ کا نمبر دو سال رہتا تھا۔ مثلاً دو سال ذوالحجہ میں پھر دو سال محرم میں وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور فتح مکہ کے بعد جب سورہ برأت لائی گئی تو اس سال حج ذوالقعدہ میں تھی۔ اور دوسرے سال حجۃ الوداع ذوالحجہ میں ہوئی۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے اسی ماہ میں رہ گئی اور نسی کا قصہ ختم کر دیا گیا۔

رکوع ۱۲

اِثَّاقَلْتُمْ۔ یعنی عمداً بھارے ہو کر زمین سے چمٹ جاتے ہو۔ ثقل سے باب تفاعل تثاقل ہوتا ہے اس لحاظ سے تَثَاقَلْتُمْ ہونا چاہیئے تھا لیکن علم صرف کا قانون ہے کہ جب باب تفاعل میں فاء کے مقابلہ میں تاء آجائے تو تاکو ثاء سے تبدیل کر لیتے ہیں۔ اور دونوں حرفوں کو ایک دوسرے میں ادغام کر کے شروع میں ہمزہ وصلی کو بڑھا دیتے ہیں۔ پس تفاعل سے یہ باب افاعل بن جاتا ہے۔ یہاں تثاقل میں تاء کو ثاء سے بدلا اور ادغام کر کے شروع میں ہمزہ بڑھایا تو اثاقل بن گیا۔ اور اثاقلتم اسی باب سے جمع مخاطب فعل ماضی ہے۔ تحت اللفظی معنی واضح ہے۔

آیت مجیدہ کا شانِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضورؐ طائف سے واپس آئے تو رومیوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ اور یہ زمانہ میوہ جات کے پکنے کا تھا۔ تو لوگوں کو گھروں سے نکلنا دشوار معلوم ہوا۔ حضورؐ نے جب ان کو جہاد کی دعوت دی

مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۳۸

آخرت کے بدلہ میں پس نہیں فائدہ زندگیٔ دنیا کا بمقابلۂ آخرت مگر معمولی

تو بعض لوگوں نے عذرداری کی۔ اور چونکہ یہ جنگ سخت تھا۔ سفر لمبا تھا۔ اور دشمنوں کی جمعیت زیادہ تھی۔ اس لئے زیادہ تعداد میں مجاہدین کو سربکف ہو کر جانے کی ضرورت تھی۔ لیکن بہت سے لوگ دُور دراز کے سفر سے گھبرا گئے۔ اور ادھر میوہ جات کو چھوڑنا پسند نہ کیا۔ پس خداوند کریم نے ان کی سرزنش کے لئے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ اور یہ غزوہ تبوک کہلاتا ہے۔ جس کے لئے مومنوں کو تہدیدی طور پر تیاری کی دعوت دی گئی ہے ؟

قوموں کی ترقی کا راز تاریخ ماضی کے مطالعہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کوئی قوم اُس وقت تک برسر اقتدار رہ سکتی ہے جب تک وہ جفاکش اور محنت شعار رہے۔ اور اقوام عالم میں کسی قوم کی سربلندی کا معیار اس کی بیداری ہی ہوا کرتی ہے۔ بخلاف اس کے جو قوم آرام طلب، عیش پرست اور سکون پسند ہو جائے وہ باوجود زندگی کے مردہ کہلاتی ہے۔ اور باوجود بیداری کے خفتہ سمجھی جاتی ہے۔ پس ایسی قوم ترقی کرنا تو بجائے خود اپنا مقام کھو بیٹھتی ہے۔ اور تنزلی و پستی کے عمیق ترین گڑھے میں دھکیل دی جایا کرتی ہے۔ آیہ مجیدہ میں خداوند کریم مسلمانوں کو اسی نکتہ کی طرف متوجہ فرما رہا ہے کہ آرام طلبی و عیش پرستی چھوڑ دو۔ اور میدان جہاد میں قدم آگے بڑھاؤ۔ ورنہ اگر تم سست ہو گئے اور میدان عمل میں آگے بڑھنے سے گریز کرنے لگ گئے تو اس جمود کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم لوگ ذلت و خواری بلکہ عذاب شدید میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور دنیا کی بیدار و متحرک قومیں تمہاری جگہ سنبھال لیں گی۔ چنانچہ فرمایا اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔ یعنی اگر تم جہاد کرنے کے لئے گھروں کو نہ چھوڑو گے تو تمہیں وہ سخت عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلہ میں دوسری قوم کو لے آئے گا جو برسر اقتدار ہو گی۔ الخ۔

کہتے ہیں ارسطو نے جو سکندر کو خط لکھا تھا اس میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ ممالک فارسیہ کے لوگوں کو آرام سے بیٹھنے دو۔ ورنہ زوال حکومت کا خطرہ رکھو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ محنت و سختی کو زیادہ دیر تک برداشت کر سکتے ہیں۔ اور سکون و آرام کو زیادہ دیر تک نہیں برداشت کر سکتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ لڑائی کے زمانہ میں جوش و حرکت شعور و بیداری اور جو چہل پہل لوگوں میں ہوا کرتی ہے وہ آرام و سکون کی گھڑیوں میں ناپید ہو جایا کرتی ہے۔ اس کے بعد اس نے امم ماضیہ اور اقوام سابقہ کی مثالیں دے کر اپنے مقصد کی وضاحت کی کہ اقوام کی ترقی و اقتدار کا راز حس و حرکت میں ہی مضمر ہے۔ اور سکون و جمود زوالِ اقتدار کا پیش خیمہ ہے۔

یا یوں سمجھ لیجئے کہ پورا عالم مقام صعود و ارتقاء میں ہے پس جو قوم صعودی و ارتقائی کوششوں میں معروف رہے۔ وہ آگے بڑھتی جاتی ہے۔ اور جو آرام کرنے کے لئے ایک جگہ جم کر بیٹھ جائے یا تھک کر پیچھے سرکنے لگ جائے تو دوسری ہوشیار و تازہ قوم ان کی جگہ لے لیا کرتی ہے۔ اور اسی طرح انسان درجہ بدرجہ ارتقائی منازل کو طے کرتا ہے۔ اور یہی خدائے علام کی

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا

اگر تم نہ نکلوگے تو تم کو عذاب دے گا دردناک اور تمہارے بدلہ میں لائیگا دوسری قوم اور تم نہ ضرر دوگے اس کو کچھ

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ

اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے۔ اگر تم اس کی مدد نہ کروگے (تو کیا ہوا) اللہ نے تو اس کی اس وقت مدد کی جب

حکمت و تدبیر ہے۔ جو بقائے عالم اور اس کے تدریجی ارتقا کی کفیل ہے۔ اور اسلامیانِ پاکستان پر تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ ان کے سترہ روزہ بھارت کے دفاع نے جس قدر ان کو تعلیماتِ اسلامیہ کے قریب کیا ہے اتنے قرب کا تصور بھی قبل کے آزادی کے سترہ سال میں ان کے دماغ میں نہ آسکا۔

ہجرت کا بیان

اِلَّا تَنْصُرُوْہُ۔ سرزنش اور تہدید کے طور پر فرما رہا ہے کہ اگر تم جہاد میں میرے رسول کی نصرت نہ کروگے تو خدا تمہارا محتاج نہیں وہ مختلف طریقوں سے اپنے نبی کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ اور مقامات کے علاوہ خدا نے اپنے حبیب کی اُس وقت مدد کی جب کہ تمام لوگ اس کو چھوڑ چکے تھے۔ اور کفارِ قریش قتل کے درپے تھے نہ اور وہ صرف دو ہی دو تھے کہ ان میں دوسرا رسول تھا۔ اور اس جگہ نصرتِ خداوندی کی صورت یہ تھی کہ جب رسالت مآبؐ اپنے ساتھی یعنی ابوبکر کے ہمراہ غار میں داخل ہوئے اور کفار نے ان کا تعاقب کیا تو خدا نے غار کے دروازہ پر فوراً ایک درخت لگا دیا۔ اور عنکبوت کو حکم دیا کہ اس نے جالا تن دیا اور کبوتر کے ایک جوڑے نے وہاں اپنا گھونسلا بنا لیا (تفسیر مظہری) پس اس مقام پر نصرتِ خداوندی کے کئی وجوہ ہیں۔

۱۔ درخت کا اُگانا عنکبوت کو جالا تننے کا حکم دینا اور کبوتروں کے جوڑے کا بھیجنا تاکہ کفار کا تصور اس جانب سے ہٹ جائے۔ ۲۔ اپنی جانب سے سکینہ کا نازل فرمانا۔ ۳۔ کفار پر رعب طاری کرنا۔ ۴۔ ملائکہ کو بھیجنا۔

پس آیتِ مجیدہ میں مومنین کو نصرتِ پیغمبر میں سستی کرنے سے سرزنش کی گئی ہے کہ اگر تم مدد نہ کروگے تو کیا ہوا خدا کسی اور مخصوص ذریعہ سے اُس کی مدد کرے گا جیسا کہ شبِ ہجرت اس نے مدد کی۔

تفسیر مجمع البیان میں زہری سے مروی ہے کہ جب حضرت رسالت مآبؐ غار میں داخل ہوئے تو باذنِ پروردگار غار کے دروازہ پر کبوتروں نے انڈے دے دیئے۔ اور عنکبوت نے جالا تن دیا۔ جب سراقہ بن مالک تعاقب میں پہنچا تو کبوتروں کے انڈے اور عنکبوت کا جال دیکھ کر کہنے لگا اگر اس غار میں کوئی داخل ہوا ہوتا تو انڈے ٹوٹ جاتے اور جالا ختم ہو جاتا پس مایوس ہو کر واپس پلٹ گئے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ ابوکرز خزاعی نے نشانِ قدم پہچان لیا۔ اور کہا غار کے دروازہ پر جو قدم کا نشان ہے یہ بعینہٖ اُسی قدم کا نشان ہے جو محمدؐ کے گھر سے نکلتے وقت تھا۔ اور ساتھ دوسرا نشانِ قدم ابو قحافہ کا ہے یا اس کے بیٹے کا ہے

الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ

اس کو کافروں نے نکال دیا تھا درحالیکہ وہ صرف دو میں سے دوسرے تھے جب کہ وہ غار میں تھے جب کہ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے

إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ

غم نہ کرو تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے اس پر اپنا سکینہ نازل فرمایا اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی کہ تم نے نہ دیکھے اور ان کے

بہر کیف وہ دونو اس مقام پر ضرور پہنچے ہیں۔ اس سے آگے یا تو وہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے ہیں یا زمین میں روپوش ہو گئے ہیں نیز خداوند کریم نے ایک حفاظتی انتظام یہ بھی فرما دیا تھا کہ ایک فرشتہ کو غار کے دروازہ پر بصورت انسان بھیج دیا۔ جب کفار وہاں پہنچے تو اس نے ان سے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ اور اِدھر اُدھر پہاڑی گھاٹیوں میں ڈھونڈو کیونکہ وہ یہاں نہیں ہے

تفسیر برہان میں بروایت جابر منقول ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ اپنی ناقہ عضباء پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو جبریل نے حاضر ہو کر عرض کی کہ میں بحکم پروردگار آپ کے ہمراہ ہوں گا۔ پس راستہ میں حضرت ابوبکر ملے۔ اور ساتھ جانے کی درخواست کی لیکن حضورؐ نے انکار کر دیا۔ پس اس نے کہا کہ اب اگر مجھ سے کفار حلفیہ آپ کے متعلق پوچھیں گے تو مجھے سچ بتانا ہو گا لہٰذا آپ کا راز فاش ہو جائے گا۔ لہٰذا مجھے اپنے ساتھ لے جائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تو ایسا ہی کرے گا تو اس نے کہا ہاں بخدا اگر وہ مجھ سے حلفیہ دریافت کریں گے تو قتل کے خوف سے ان کو سچ ہی بتانا ہو گا۔ پس آپ نے اس کو ہمراہ لے لیا

اسی طرح بروایت ابن طاؤس ابن صباغ کی کتاب نور و برہان سے منقول ہے کہ حضورؐ نے علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور حضرت ابوبکر کو ہمراہ لے گئے کہ مبادا کفار کو اطلاع دے دیں۔

تفسیر برہان میں مروی ہے کہ واقعہ ہجرت جناب خدیجہ اور حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد ہوا۔ کیونکہ ان دونوں کی وفات کے بعد مکہ میں آپ کی زندگی خطرہ میں تھی۔ اور آپ ہر وقت رنجیدہ خاطر رہتے تھے۔ پس وحی خداوندی ہوئی۔ اُخْرُجْ مِنَ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا۔ یعنی اس ظالم لوگوں کی بستی سے نکل جائیے کیونکہ اب یہاں کوئی ناصر نہیں رہا۔ تفسیر منار میں محمدؐ بن عبدہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوطالب جناب رسالت مآبؐ کی حفاظت کرتے تھے اور حضرت خدیجہ چونکہ قریش میں بلند مقام و عظمت کی مالکہ تھیں اور لوگوں کو ان کا بہت حیا تھا پس ان کا وجود بھی ایذاءِ رسول میں کمی کا باعث تھا پس جب یہ دونو بزرگوار ایک ہی ہفتہ میں رحلت فرما گئے تو قریش نے حضورؐ کو زیادہ ایذائیں دینا شروع کر دیں پس انہوں نے مل جل کر قتل کرنے کا پروگرام بنایا۔ تاکہ کوئی ایک قبیلہ آپ کے خون میں ملوث نہ ہو۔ اور تمام قبیلے جب شریک ہوں گے تو خون بہا تقسیم کیا جائے گا۔ اور ہر قبیلہ اپنے حصہ کے مطابق ادا کرے گا۔ اور اس صورت میں بنی ہاشم کو مجبوراً خون بہا پر رضامند ہونا پڑے گا کیونکہ تمام قبائل سے لڑنا ان کے لئے ناممکن ہو گا۔ پس اللہ نے آپ کو ہجرت کا حکم دیا اور ہجرت کے بعد شہر کا نام مدینہ منورہ ہو گیا۔ حالانکہ پہلے اس کو یثرب کہا جاتا تھا اور اس جگہ کے بعض لوگ پہلے موسم حج میں آپ پر ایمان

كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾

قول کو پست کر دیا　جو کافر تھے　اور اللہ کا قول ہی بلند ہے　اور اللہ غالب حکمت والا ہے

لاچکے تھے جن کو ایمان میں تقدم کا شرف حاصل ہے۔

اسی تفسیر میں ہے کہ حضور نے لوگوں کو حکم خداوندی سنا دیا تھا کہ مجھے ایسے شہر میں ہجرت کر کے جانے کا حکم ہوا ہے جہاں کھجوریں زیادہ ہیں۔ اور اس کے دونو طرف سیاہ سنگریزے زار زمین ہے۔ پس لوگوں نے خفیہ خفیہ مدینہ کی طرف جانا شروع کر دیا تھا۔

محمد عبدہ کی تحقیق کے مطابق آپ جمعرات کو مکہ سے نکلے اور تین روز غار ثور میں قیام کر کے سوموار کے دن وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور بعد از طے منازل دو ربیع الاول بروز سوموار مدینہ منورہ میں پہنچے۔ جب مدینہ والوں کو حضور کی مکہ سے روانگی کا علم ہوا تو انہوں نے انتظار کی گھڑیاں مشکل سے گذاریں۔ چنانچہ صبح کو شہر سے باہر آ کر انتظار میں کھڑے ہو جاتے۔ اور ظہر تک انتظار کرنے کے بعد واپس گھروں کو چلے جاتے۔ پس حضور کے قدوم میمنت لزوم کے روز انتظار کر کے واپس جا ہی چکے تھے کہ ایک یہودی نے جو اپنے قلعہ پر بیٹھا تھا دیکھ لیا۔ اور مسلمانوں کو آپ کی آمد کی بشارت سنائی۔ پس تمام لوگ استقبال کے لئے دوڑے پس آپ نے پہلے پہل بنی عمرو بن عوف میں نزول اجلال فرمایا اور کچھ دن وہاں رہے۔ اور وہاں ایک مسجد بنائی۔ اور اس میں نماز بھی ادا کی۔

وہاں سے روانہ ہو کر چلے اور آپ کی سواری اس جگہ آ کر بیٹھی۔ جہاں اب مسجد نبوی موجود ہے۔ یہ زمین سہل اور سہیل نامی دو لڑکوں کی تھی۔ اور انہوں نے نذرانہ کے طور پر پیش کی جو آپ نے قبول فرمائی۔ اور اس پر مسجد کی تعمیر ہوئی۔

غار ثور کا محل وقوع

شیخ محمد عبدہ جو اپنے دور میں مصر کے مفتی اعظم اور جامعہ ازہر کے پرنسپل تھے۔ انہوں نے اپنی تفسیر منار کے دسویں جلد میں ابراہیم رفعت پاشا کی زبانی نقل کیا ہے۔ جنہوں نے ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۱۸ھ میں غار ثور کو دیکھا تھا۔

وہ کہتا ہے مکہ سے جبل ثور کا راستہ دو پہاڑیوں کے درمیان جاتا ہے۔ پہلے چڑھائی آتی ہے اور پھر اترائی کے بعد جبل ثور تک انسان پہنچتا ہے۔ اور یہ راستہ چند منٹوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ راستہ پر سات پتھر نصب ہیں جو جانے والے کے بائیں طرف آتے ہیں۔ ہر دو کا درمیانی فاصلہ دو سو میٹر سے لے کر ہزار میٹر تک ہے (ایک میٹر تقریباً نصف فٹ کا ہوتا ہے) یہ پتھر راستہ کے ہر موڑ کے اوپر بلند مقام پر نصب ہیں جن کو چونے سے سفید کر دیا گیا ہے ہر پتھر کی بلندی تین میٹر ہے۔

پس پہاڑ تک پہنچ کر ہم نے اوپر چڑھنا شروع کیا۔ اور ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جا پہنچے کیونکہ چڑھائی اس قدر مشکل تھی کہ ہر پانچ فٹ کے بعد دو منٹ وقفہ کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات پانچ منٹ کا وقفہ آرام کیا جاتا تھا۔ رستہ نہایت خطرناک اور پرپیچ تھا۔ یہاں تک کہ نصف پہاڑ تک میں نے ۴۰ موڑ شمار کئے اور یہ بھی تھا کہ کبھی چڑھائی آجاتی تو بعض دفعہ اترائی آجاتی۔

حتیٰ کہ بمشکل ہم غار تک پہنچ سکے یہ باوجود ان سہولتوں کے تھا جو عثمان پاشا اور اسماعیل پاشا نے راستہ کے طے کرنے کے لئے بہم پہنچائی تھیں۔ جو علے الترتیب ۱۲۹۹ھ اور ۱۳۰۰ھ میں حجاز کے حکمران ہوئے تھے۔ ورنہ یہ راستہ اس سے بھی نہایت مشکل ہوتا اور چلنے والا راستہ ہی میں بھٹک جاتا اور غار تک کبھی نہ پہنچ پاتا۔ اور ان کی اصلاحات میں سے ہے کہ انہوں نے راستہ کی چڑھائی اور اترائی کو سیڑھی نما بنا دیا ہے اور با ایں ہمہ چڑھائی بہت سخت ہے۔ چنانچہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا رنگ زرد ہو گیا اور طاقت بدن ختم ہو گئی۔ حتیٰ کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اگر ہم اس کے منہ اور سینہ پر پانی نہ چھڑکتے اور اس کے منہ میں چلو بھر پانی نہ ڈالتے تو وہ یقیناً مر جاتا اور ہم ہر جانے والے کو نصیحت کرتے ہیں کہ غار ثور کی طرف جاتے ہوئے اپنے ساتھ پانی کا انتظام ضرور کریں

ہم نے دیکھا کہ وہ غار پہاڑی کی چوٹی پر ایک بڑے پتھر کا خول ہے جو بالکل کشتی نما ہے۔ اور اس میں جانے کے "دو" راستے ہیں۔ ایک شرقی۔ دوسرا غربی۔ چنانچہ میں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا کر پیٹ کے بل رینگتا ہوا غار میں غربی راستہ سے داخل ہوا۔ اور مشرقی سے باہر نکل آیا۔ اور یہ پہلے کی نسبت ذرا زیادہ کھلا تھا۔ غربی سوراخ تین بالشت تقریباً چوڑا اور دو بالشت اونچا ہو گا۔ اور یہی وہ اصلی راستہ تھا جس سے حضورؐ داخل ہوئے تھے۔ اور شرقی راستہ بعد میں بنایا گیا تاکہ لوگ آسانی سے اندر آجا سکیں۔ اسی تفسیر میں مذکور ہے کہ حضورؐ اپنے بستر پر حضرت علی کو سلا کر گئے تھے۔ اور کفار یہی سمجھتے رہے کہ حضورؐ خود محو خواب ہیں

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ مکہ سے غارِ ثور تک پہنچنے کے لئے ایک گھنٹہ کا راستہ ہے۔ یعنی تقریباً تین میل کا فاصلہ ہے اور اسی تفسیر میں بیہقی اور ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ اثنا راہ میں حضرت ابوبکر کسی وقت آگے چلتے تھے اور کسی وقت پیچھے۔ نیز کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں جانب۔ یہ دیکھ کر حضورؐ نے وجہ دریافت کی۔ تو عرض کی کہ آپ کی حفاظت کے خیال سے ایسا کرتا ہوں تاکہ کسی جانب سے دشمن آپ پر اچانک حملہ نہ کر دے۔ حضورؐ پاؤں کے کنارے پر چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان پر آبلے پڑ گئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا تو حضورؐ کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور تیز دوڑنے لگا۔ یہاں تک کہ درِ غار پر پہنچ کر آپ کو اتار دیا اور عرض کی حضور! آپ اس میں داخل نہ ہوں بلکہ پہلے میں اندر جاتا ہوں۔ مبادا کوئی موذی جانور موجود ہو۔ اور آپ کو گزند پہنچ جائے۔ چنانچہ وہ اندر داخل ہوئے اور پھر باہر نکلے۔ اور حضورؐ کو اٹھا کر غار کے اندر داخل کیا۔ اندر پہنچ کر معلوم ہوا کہ غار میں چند ایسے شگاف موجود ہیں جن میں چھوٹے بڑے سانپ رہتے ہیں تو اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر ان کو بند کیا۔ پھر بھی ایک سوراخ بچ گیا جس کو اپنی ایڑی سے بند کیا۔ اور ایک روایت میں صرف ایک سوراخ مذکور ہے جس کو انہوں نے اپنے قدم سے بند کر دیا۔ اور سانپ جب کاٹتے تھے تو درد سے آنسو جاری ہوتے تھے۔ لیکن قدم سوراخ سے نہ ہٹاتے تھے۔ تفسیر خازن میں ہے کہ اپنی شلوار کو پھاڑ پھاڑ کر سوراخوں کو بند کیا اور صرف دو سوراخ بچ گئے جن کو اپنے دونوں پاؤں سے بند کیا۔ پس جناب رسالت مآبؐ اندر آکر اس کے زانو پر سر رکھ کے سو گئے۔ جب سانپ نے ڈسنا شروع کیا تو وہ پاؤں کو حرکت تک نہ دیتے تھے تاکہ حضورؐ بیدار نہ ہو جائیں۔ پس رونا شروع کر دیا۔ جب رسالت مآبؐ کے چہرہ پر آنسو ٹپکے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی۔ تو اس نے بتایا کہ سانپ نے کاٹا ہے۔ پس آپ نے لعابِ دہن ملا اور اس کا درد جاتا رہا پس خاموش ہو گئے۔ اس بیان کا تجزیہ صفحہ ۶۲ پر دیکھیں۔

نکاتِ علمیہ (۱) اِنْ لَّا تَنْصُرُوْہُ - شرط ہے جس کا جواب محذوف ہے - یعنی فَسَیَنْصُرُہُ اللّٰہُ (ترجمہ) اگر تم ان کی مدد نہ کرو گے تو اللہ خود اس کی مدد کرے گا - کیونکہ وہ مختلف طرق و متفرق ذرائع سے مدد کرسکتا ہے - چنانچہ دیکھئے نہیں ہوکہ جب تمام دنیا ساتھ چھوڑ چکی تھی اور کفار در پے قتل تھے تو خدا نے ہجرت کا حکم دے کر ان کی کیسے مدد کی؟ پس فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ - الآیۃ کا جملہ خدائی نصرت کی ایک مثال کا ذکر ہے - لہٰذا اس کو جواب شرط نہیں کہا جاسکتا - کیونکہ جواب شرط میں استقبال کا معنی چاہیئے - اور یہ لفظاً و معنیً ماضی ہے -

۲ - اِذْ کا کلمہ ظرف زمان ہے اور اس کا عامل نصر ہے اور اس کے بعد اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ میں اِذْ پہلے اِذْ سے بدل بعض ہے - اور اِذْ یَقُوْلُ دوسرا بدل بعض ہے - اور اِذْ کا یہ تکرار کلام مجید میں حسن و بلاغت کا آئینہ دار ہے - نیز نصرت خداوندی اور تائید ایزدی کا ایسا اچھوتا اور پُرلطف انداز ہے جس کو صرف صاحبان ذوق ہی پاسکتے ہیں -

۳ - اِذْ اَخْرَجَہٗ - یعنی جب کہ کافروں نے ان کو وطن سے نکال دیا تھا - مقصد یہ ہے کہ کفار نے حالات اس قسم کے پیدا کر دیئے تھے - جن کی وجہ سے حضورؐ کو مکہ چھوڑنا پڑا - اور مومنین کو بھی ہجرت کرنا پڑی - گویا فعل کی نسبت سبب کی طرف دی گئی ہے -

آیت غار سے فضائل کا استنباط اس آیۂ مجیدہ سے لوگوں نے حضرت یار غار کے بہت سے فضائل اخذ کئے ہیں

(۱) پہلی فضیلت - آیۂ مجیدہ کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکر جناب رسالت مآبؐ کے محبوب اور محرم راز تھے - اس لئے ان کو ساتھ لے گئے اور علی کو بستر پر سلا گئے - کیونکہ ان کے قتل سے اسلام کو کوئی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہ تھا - بخلاف اس کے اگر ابوبکر قتل ہوجاتے تو اسلام کے کمزور ہوجانے کا اندیشہ تھا - پس یہ آنحضورؐ کی حفاظتی تدبیر تھی جس کے پیش نظر ان کو اپنے ساتھ لے گئے - (لوامع)

علامہ سید علی حائری مرحوم نے تفسیر لوامع التنزیل میں اس کے چار جواب دئے ہیں -

۱ - حضرت رسالت مآبؐ خود ان کو ساتھ نہ لے گئے تھے بلکہ یہ از خود پیچھے سے ان کو جا ملے تھے اور راز فاش ہونے کے خطرے سے آپ نے اس کو واپس کرنا مناسب نہ سمجھا تھا - چنانچہ تفسیر لوامع جلد ۱ صفحہ ۲۷۵ قلمی نسخہ میں بروایت امام ابونعیم ابن مردویہ اور سیوطی حضرت ابن عباس سے مروی ہے - جس کی عبارت یہ ہے -

لمّا خرج النبیّ من اللیل لحق بغار ثور و تبعه ابوبکر فلمّا سمع رسول اللّٰه حسّهٗ خلفه خاف ان یکون الطلب فلمّا رای ذالك ابوبکر تنحنح فلما سمع النّبیّ عرفه فقام له حتیٰ تبعه -

ترجمہ: - جب حضرت نبی علیہ السلام بوقت شب گھر سے غار ثور کی طرف متوجہ ہوئے تو ابوبکر پیچھے چل پڑا - جب حضور نے پیچھے سے پاؤں کی آہٹ سنی تو ڈر گئے کہ کہیں دشمن نہ ہو - پس ابوبکر اس بات کو سمجھ گیا تو اس نے کھانسنا شروع کیا - پس حضورؐ اس کو پہچان گئے اور انتظار میں رک گئے - پس وہ حضور کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا -

نیز تفسیر درمنثور میں حبتہ بن جعفص کی روایت کے الفاظ سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے۔

دوسرا جواب۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضورؐ بنفسِ نفیس اس کو اپنے ہمراہ لے گئے تھے تو اس میں کوئی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ سفر میں مومن، کافر اور نیک و بد بھی ایک دوسرے کے رفیق ہوا کرتے ہیں۔

تیسرا جواب۔ اگر وہ محرم رازِ نبوی ہوتے تو ان کو یقین ہونا چاہیئے تھا کہ خدا اپنے رسول کا محافظ و ناصر ہے۔ لہذا بر مقام پر جزع و فزع کا اظہار نہ ہوتا۔ اور لاتحزن سے خاموش کرانے کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ اس کا جزع و فزع تو ظاہر کرتا ہے۔ کہ خدا و رسول کے وعدوں پر اس کو وثوق نہ تھا۔ پس فضیلت تو بجائے خود یہ چیز ان کے اصل ایمان کے منافی ہے۔

چوتھا جواب۔ اگر حضرت علی بستر رسول پر نہ سوتے تو ہجرت کا سارا قصہ ختم ہو جاتا۔ کیونکہ کفار بستر رسول کو خالی دیکھتے تو فوراً تعاقب کرتے اور غار تک پہنچنے کا معاملہ سرے سے صاف ہو جاتا۔ امن و سکون کے متلاشی جان کے پیارے تو ہزاروں مل سکتے ہیں لیکن ایسے مشکل وقت میں تن من دھن کی بازی لگانے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ اور یہ علی کا کام تھا کہ نہایت اطمینان و سکون سے بستر رسولؐ پر سو گئے۔ اُدھر حضورؐ غار میں پہنچے تو درِ غار پر خدا نے اسی وقت خار مغیلان کو پیدا کر دیا۔ اور ایک جوڑا کبوتر کو حکم دیا کہ فوراً وہاں گھونسلا بنا کر انڈے دے دیں۔ اور عنکبوت کو حکم ہوا کہ جالا تن دے۔ حضرت ابوبکر خدا کی جانب سے ان حفاظتی تدابیر کو دیکھ رہے تھے۔ اور باوجود اس سب کچھ کے جزع و فزع سے باز نہ آنا صاف اس امر کی دلیل ہے کہ وہ یقین کامل نہ رکھتے تھے۔ اگر ان کا قلب صاف ہوتا اور ایمان میں پختگی ہوتی تو ایسے علائم و قرائن بلکہ خوارق عادات اُمور کو دیکھ کر ان کے دل و دماغ میں ایک خوشی و سرور کی لہر دوڑ جاتی اور دل باغ باغ ہو جاتا۔ بلکہ اس مقام پر کوئی اجنبی انسان بھی اگر حضورؐ کے ہمراہ ہوتا تو ان چیزوں کو دیکھنے کے بعد وہ کامل الایمان بن جاتا۔ اور جزع و فزع سے دست بردار ہو کر شکرِ خداوندی میں رطب اللسان ہوتا اس کے برعکس بستر رسولؐ کے ارد گرد ننگی تلواریں لے کر کفار آوازے کس رہے ہیں۔ اور سونے والا نہایت سکون سے محوِ استراحت ہے۔ اور تفسیر لوامع میں ابو حامد غزالی کی احیاء العلوم سے منقول ہے کہ جب حضرت علی بستر رسول پر سو رہے تھے تو خدا نے جبریل و میکائیل کو وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں میں بھائی چارہ قائم کیا ہے۔ نیز ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ مقرر کی ہے تو تم میں سے کون ہے۔ جو اپنے بھائی کو اپنی عمر کا کچھ حصہ دے دے۔ یہ سن کر دونو فرشتے گھبرا گئے۔ پس خدا نے وحی کی کہ تم علی جیسے کب ہو سکتے ہو۔ دیکھو میں نے علیؑ اور محمدؐ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا ہے۔ اور علی بستر رسول پر سو کر اپنی جان کی قربانی پیش کر رہا ہے۔ پس اب دونو کا فریضہ ہے کہ زمین پر جا کر اس کی نگہبانی کرو۔ چنانچہ جبریل حضرت علیؑ کے سرہانے بیٹھا۔ اور میکائیل پائنتی کی طرف بیٹھ گیا۔ اور جبریل نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا بخ بخ من مثلك یا ابن ابی طالب یباھی اللہ تعالیٰ بك الملائكة۔ مبارک مبارک اے ابو طالب کے لختِ جگر آج تیری وجہ سے خدا فرشتوں پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔ پس یہ آیت مجیدہ اُتری وَمِنَ النَّاسِ الخ۔ اور مروی ہے کہ خدا کا حکم یہی تھا کہ علی کو بستر پر سلا کر ہجرت کریں۔ چنانچہ آپ نے اہلِ مکہ کی امانتیں علیؑ کے حوالہ کیں اور روانہ ہوئے۔ نیز مروی ہے کہ خاک ایک مٹھی میں اٹھائی اور

دائیں بائیں کفار کے سروں پر پھینکی۔ پس وہ آپ کو دیکھ نہ سکے اور آپ چلے گئے۔

اس پوری تفصیل کے بعد صاحبانِ عقلِ سلیم وارباب فہم ودانش خود ہی فیصلہ کرلیں کہ:۔

(۱) فداکار وہ سمجھا جائے گا جس کو حضورؐ ہمراہ لے گئے یا فداکار وہ ہے جس کو اپنے بستر پر سلا گئے۔

(۲) یقین کامل وہ رکھتا تھا جو باوجود خدا اور رسول کے وعدوں کے اور باوجود خارق عادت معجزات اور حفاظتی اقدامات دیکھنے کے جزع وفزع سے باز نہ آیا۔ حتیٰ کہ خدا کو لاتحزن کے کلمہ سے روکنا پڑا۔ یا یقین کامل بلکہ حق الیقین کی منزل پر وہ فائز تھا جو رسول کے بستر پر اپنی جان سے لاتعلق ہو کر اطمینان سے سو گیا اور اٹھا تو مَن یَّشرِی کے قرآنی قصائد اپنے حق میں سن کر رضائے پروردگار کا تمغہ حاصل کر کے اُٹھا۔؟

(۳) کیا رازداری کا وثوق اسی پر ہوا کرتا ہے جس کو انسان ایک لمحہ اپنی ذات سے الگ نہ ہونے دے۔ یا رازداری کا وثوق اس پر ہوتا ہے جس کو ہزاروں جان لیوا دشمنوں میں گھرا ہوا چھوڑ کر اپنے مشن کی تبلیغ اور ادائیگی امانات کا ذمہ دار قرار دیا جائے بہرکیف اصحاب فکر وارباب ذوق کے لئے جوہر اور کنکر یا سونا اور پیتل میں فرق کرنا بہت آسان ہے لیکن کور باطن سے انصاف کی توقع رکھنا اندھے کے سامنے شیشہ رکھنے کے مترادف ہے۔

(۴) پختگی اعتقاد تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول کو بار بار حزن وملال سے روکنا پڑا۔ کیونکہ آیت مجیدہ میں اِذْ قَالَ نہیں ہے۔ جس کا ترجمہ ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے ساتھی کو (لَا تَحْزَنْ) بلکہ اِذْ یَقُوْلُ فرمایا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ بار بار اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے۔ جب ایک دفعہ اس میں اضطراب دیکھا تو فرمایا لَا تَحْزَنْ پھر تھوڑی دیر بعد جزع فزع دیکھی تو پھر فرمایا لَا تَحْزَنْ۔ چنانچہ ابن عبدہٗ اپنی تفسیر منار جلد ۱ صفحہ ۴۹۷ پر لکھتے ہیں۔

ای اذ کان یقول لصاحبه الّذی هو ثانیه وهو ابو بکر الصدیق حین رای منه امارة الحزن والجزع اوکلما سمع منه کلمة تدل علی الخوف والفزع (لاتحزن)

یعنی اپنے ساتھی حضرت ابوبکر سے جب بھی اس سے حزن وغم کی علامت دیکھتے یا جب بھی اس سے کوئی ایسی بات سنتے جو خوف وگھبراہٹ پر دلالت کرے تو فرماتے تھے (لاتحزن) غم نہ کھاؤ خدا ہمارا ساتھی ہے۔

آگے چل کر لکھتا ہے۔

وقد عبر عن الماضی بصیغة الاستقبال (یقول) للدلالة علی التکرار المستفاد من بعض الروایات۔

یعنی ماضی کہنے کی بجائے یعنی قال کی بجائے مطلب کو یقول سے ادا کیا جو مستقبل کے لئے ہے حالانکہ واقعہ زمان ماضی میں تھا صرف معنی میں تکرار کو ظاہر کرنے کیلئے جیسا کہ بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔

صاحب تفسیر نے اپنے مقام پر اس مطلب کو دبانے کی کوشش کی ہے کہ وہ بار بار جزع وفزع کرتے تھے، اور

حضورؐ کو بار بار روکنا پڑتا تھا۔ اسی بنا پر کہہ دیا کہ بعض روایات سے تکرار مستفاد ہوتا ہے۔ گویا اس معنے کے انکار کی جگہ ہموار کر لی۔ لیکن اُسے یہ معلوم نہیں کہ قرآن مجید کے صریح خطاب میں اذ یقول کا لفظ قیامت تک کے لئے اس قسم کے اعذار باردہ اور اوہام کاسدہ کے سدِّباب کے لئے کافی ہے۔ روایات کہیں یا نہ کہیں خود قرآنی الفاظ کہتے ہیں کہ حضورؐ اپنے ساتھی کو لاتحزن کہتے جا رہے تھے۔ اور یہ صیغہ تکرار پر دلالت کرنے کے لئے خود کافی ہے۔ اب اگر ضعیف سے ضعیف روایت بھی اس مضمون کی مل جائے تو وہ اس مطلب کی تائید بن جائے گی۔ نیز ص۹۵ پر بروایت بخاری انس سے منقول ہے کہ مجھے حضرت ابوبکر نے خود بیان کیا کہ میں غار میں حضور کے ہمراہ تھا اور میں نے مشرکین کے نشان دیکھے تو عرض کی کہ اگر ان میں کوئی بھی قدم اٹھا کر نیچے کو جھانکے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا یا ابا بکر ما ظنك باثنين الله ثالثهما۔ یعنی اے ابوبکر ان دو آدمیوں کو تشویش کی کیا ضرورت ہے جب اللہ ان کا تیسرا ہو۔ اب ملاحظہ فرمایئے اس قدر تسلیوں اور وعدوں کے باوجود خوف وہراس اور حزن وملال میں کمی کا نہ ہونا کونسی پختگی اعتقاد کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اس سے کونسی خوبی کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ یہ واقعات تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا ساتھ جانا حضورؐ کے لئے باعثِ آزردگی خاطر بن چکا تھا۔ اب ذرا اس کے مقابلہ میں بسترِ رسولؐ پر سونے والے کا اطمینان دیکھئے جو ہر طرف سے دشمنانِ اسلام کی ننگی تلواروں کے سایہ میں بالکل بے خطر سو رہے تھے اور خدا کو یہ فعل اس قدر پسند آیا کہ آیت مرضات بھیج دی۔ اب کیا موازنہ ہو اس شخص کا جس نے رسول کی صحبت میں پوری رات جاگ کر اور رو کر گذاری۔ اور آخر میں لاتحزن کا خطاب پایا۔ ایسے شخص کے ساتھ جس نے ساری رات بسترِ رسول پر تنہا سو کر گذار دی۔ اور اپنے حق میں اپنے خالق سے من یشتری کا قصیدہ پڑھوا لیا۔

دوسری فضیلت۔ تفسیر منار ص۵ میں آیت مجیدہ سے دوسری فضیلت کا استنباط اس طرح کیا گیا ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے یہ پسند فرمایا کہ واقعہ ہجرت جو اسلام میں بڑا اہم واقعہ ہے اس کے جملہ مصارف حضرت ابوبکر کے مال سے ہوں جنہوں نے اپنا تمام مال خدمت نبوی میں خرچ کر دیا تھا۔ اگرچہ حضورؐ نے سواری قیمت سے لی تھی جس کا بعد میں ادا کرنا طے پایا۔

آیئے! ذرا اس کا پس منظر بھی دیکھیں کہ یہ خرچ کس طرح ہوا۔ المجالس المرضیہ مؤلفہ مولانا سیّد محمد باقر مدظلہ مجلس ۳ میں مدارج النبوت سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس دو اونٹ تھے جو انہوں نے باختلاف روایات چار سو یا آٹھ سو درہم پر خریدے تھے اور ان کو گھاس چارہ کھلا کر خوب موٹا کیا ہوا تھا۔ پس وہ دونوں ہنگام ہجرت آپ کی خدمت میں حاضر کئے کہ ان میں سے ایک کا انتخاب کر لیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں قیمت سے لوں گا۔ چنانچہ ایک اونٹ حضورؐ نے نوسو درہم پر خرید فرمایا اندازہ کیجئے کہ کس طرح ہجرت کے مصارف حضرت ابوبکر نے برداشت کئے کہ سواری کا اونٹ بھی حاضر کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ سات سو درہم یا کم از کم پانچ سو درہم بطور منافع کے وصول کر لئے۔ اور بقول صاحب تفسیر منار کے بعد میں لینے کئے اور اس کے برخلاف تفسیر روح المعانی پ۱۰ کی تفسیر ص۹۷ پر صاف طور پر مذکور ہے کہ سفرِ ہجرت کے لئے حضرت علیؑ نے تین اونٹ بحرین کے اونٹوں سے خرید کر خدمت نبویؐ میں حاضر کئے تھے۔ پس حضور بمع اپنے ساتھی اور ایک تیسرے واقف راہ

کے انہی پر سوار ہو کر مدینہ میں پہنچے۔ مدینہ میں آپ کے پہنچنے کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول بروز سوموار ہے۔ جیسا کہ تفسیر جواہر طنطاوی ج ۵ صفحہ ۱۰۹ پر مذکور ہے کہ آپ تاریخ مذکور کو بنی عمرو بن عوف کے ہاں پہنچے۔ اور آپ کا شایانِ شان استقبال کیا گیا۔ چند دن وہاں قیام بھی فرمایا۔ اور ایک مسجد تعمیر کی جس کو مسجد تقویٰ کہتے ہیں۔ اور پھر وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور پہلے پہل جہاں ان کی سواری کی۔ اُسی جگہ مسجد نبوی کی بنا رکھی گئی۔

تیسری فضیلت۔ چونکہ رسول کا فعل خدا کے حکم کے بغیر نہیں ہوا کرتا تو گویا حضرت ابوبکر کا انتخاب بحکم خدا تھا۔ اس کا مکمل جواب پہلی فضیلت کے ذیل میں مفصل گذر چکا ہے۔

چوتھی فضیلت۔ ایسے مقام پر جہاں خداوند کریم رسول کے تمام صحابیوں کو جنگ سے گریز کرنے اور بہانے تلاش کرنے پر تنبیہ و توبیخ فرما رہا ہے وہاں حضرت ابوبکر کو ثناء عظیم کے ساتھ یاد کرنا موصوف کی ایسی فضیلت ہے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ واقعی کسی کو بار بار ایک کام سے روکنا کہ ایسا مت کرو۔ مت کرو مت کرو۔ ایک ایسی تعریف ہے کہ اس میں شاید اس کا کوئی شریک ہوگا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان لوگوں کی مت ماری گئی جنہوں نے کسی کے حق میں کہے ہوئے فقرہ "مت کرو" کو بھی اس کی وصف و ثنا سمجھا۔ اگر دامن عقل و انصاف سے وابستہ ہو کر طالب تحقیق غور و فکر کرے تو یہ آیت مجیدہ حضرت رسالتمآب کی عظمت پر دال ہے۔ اور ان کی ہمت و استقلال نیز اطمینان و استقامت کی مظہر ہے کہ عالم وحشت میں جب کہ ایک طرف کفار تعاقب میں تھے۔ اور پوری خاموشی اور سکون سے جان چھپانا اور بچانا مقصود تھا۔ اُس وقت بھی ساتھی ان کو ایسا ملا جو پُر سکون وقت گذارنے کی مہلت ہی نہ دیتا تھا۔ خاموشی اختیار کرنے کی بجائے بار بار اس کو دہائی دینی پڑتی تھی کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ لیکن بایں ہمہ خدا نے حفاظتی تدبیریں ایسی اختیار فرمائیں کہ ایسے دل گداز اور ہوش ربا حال میں بھی دشمن اس کا بال بیکا نہ کر سکے۔ اگر کوئی شخص انصاف کی دوربین آنکھوں کے سامنے رکھ کر اور تعصب کی پٹی اتار کر حقیقت کا جائزہ لینے والا ہو تو وہ اس نظریہ تک ضرور پہنچے گا کہ اس خطاب کو ثناء عظیم کہنے والے کو چلو بھر پانی میں ڈوب کر مر جانا چاہیئے۔

پانچویں فضیلت۔ جناب رسالتمآب نے حضرت علیؑ کو سورہ براءۃ کی تبلیغ کا حکم دیا تھا اور آیت غار بھی اسی میں ہے۔ گویا حضرت علی بنفس نفیس مکہ میں حضرت ابوبکر کی ثناخوانی کرتے رہے اور یہ ایسی فضیلت ہے کہ رافضیوں کو اس سے مجال انکار نہیں ہے۔ ہاں بے شک حضرت علی ہی سورہ برائت کے مبلّغ تھے اور انہوں نے آیت غار بھی پڑھی ہوگی کہ خدا نے رسول کی اُس وقت بھی نصرت کی جب کہ مکہ سے ہجرت کر کے غار ثور میں پہنچے تھے اور ایسے عالم وحشت میں جب کہ کوئی تسلی دینے والا نہ تھا بلکہ ایک ساتھی تھا تو وہ بھی ایسا کہ بجائے اس کے کہ وہ رسول کے لئے باعث تسکین و تسلی ہوتا۔ الٹا رسول کو اس کی دلجوئی کرنا پڑ گئی۔ اور رسول کو بار بار اُسے چپ کرانا پڑا۔ ایسے حال میں بھی خدا نے رسول کی نصرت فرمائی۔ اس پر سکینہ نازل کیا اور ملائکہ اس کی تائید کے لئے بھیجے۔ اگر یہ ان کی شان کا قصیدہ ہے تو حضرت علی کی اتباع میں تمام رافضی یہ قصیدہ پڑھتے ہیں۔ اور قیامت تک پڑھتے رہیں گے۔ شیعہ حضرت ابوبکر کی اس خصوصیت کا قطعاً انکار نہیں کرتے۔ لیکن علامہ طنطاوی جو اپنے دور

کے جامعہ مصر کے پرنسپل اور اہل سنت کے علماء میں سے بلند پایہ مصنف ہیں۔ اپنی تفسیر جواہر ج ۵ صفحہ میں صاف لکھتے ہیں کہ سورہ توبہ کے چار حصّے ہیں۔

پہلا حصہ کفار و مشرکین سے بیزاری کا اعلان اور ان کی تنبیہ و توبیخ اور یہ مَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ تک ہے۔

دوسرا حصّہ۔ جہاد اور فی سبیل اللہ خرچ کا حکم۔ یہود و نصاریٰ کا تذکرہ اور اشہر حرم کا بیان یہ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ تک ہے۔

تیسرا حصّہ۔ منافقین کا ذکر جو اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ تک ہے۔

چوتھا حصّہ۔ مومنین کا ذکر اور یہ آخر سورہ تک ہے۔

اور حضرت علیؑ کو جس حصّہ کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا وہ سورہ برأة پورا نہیں بلکہ صرف پہلا حصہ تھا جس کی آپ نے نہایت جرأت سے تبلیغ فرمائی۔ لہٰذا مفتی محمد عبدہ کا یہ چیلنج بھی ختم ہو گیا کہ یارِ غار کے فضائل حضرت علی نے مکّہ والوں کو سنائے۔ بہتر تھا کہ اس سے پہلے تفسیر جواہر طنطاوی کا مطالعہ فرما لیتے تو یہ پتہ چل جاتا کہ یارِ غار کا ذکر تو دوسرے حصّہ میں ہے۔ اور حضرت علیؑ اس کی تبلیغ پر مامور ہی نہ تھے۔

چھٹی فضیلت :۔ خدا نے اس کو ثانی اثنین فرمایا کہ وہ دو میں سے دوسرے تھے۔

ساتویں فضیلت :۔ یہ دو ایسے تھے جن کا تیسرا خدا تھا۔

آٹھویں فضیلت :۔ رسول کا کہنا ہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ باذنِ خداوندی تھا تو گویا خدا نے ہی فرمایا۔ پس اس سے محبّتِ خداوندی بالخصوص ثابت ہوئی۔

اقول :۔ کسی شے کی محبّت انسان کو اندھا و بہرہ کر دیا کرتی ہے۔ حب الشیٔ یعمی ویصم نیز مثل مشہور ہے الغریق یتشبث بکل حشیش۔ یعنی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا چونکہ کسی نہ کسی طرح فضائل کی ایک لمبی فہرست تیار کرنی ہے۔ لہٰذا گنواتے چلے جا رہے ہیں تاکہ عوام کالانعام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا مقصد پورا ہو جائے ورنہ ہر صاحب فہم و ادراک سمجھتا ہے کہ کسی کا کسی کے ساتھ ہونا نیز دوسرا یا تیسرا یا چوتھا ہونا خواہ گنتی کسی بڑے سے شروع ہو یا چھوٹے سے۔ یہ کوئی معیارِ فضیلت نہیں اسی طرح یہ کہنا کہ یہ دو ایسے تھے کہ ان کا تیسرا خدا تھا تو دنیا میں کہاں کوئی ایسے دو ہو سکتے ہیں جہاں تیسرا خدا نہ ہو بلکہ ہر تنہا کے ساتھ دوسرا خدا ہوتا ہے۔ اور ہر دو کے ہمراہ تیسرا خدا ہوا کرتا ہے۔ اور ہر تین کے ساتھ چوتھا خدا ہوتا ہے۔ خواہ مومن ہوں یا کافر۔ بہرکیف خدا سے تو کسی وقت کوئی بھی دور نہیں۔ پس معیت خداوندی اس طرح ہر ایک کو حاصل ہے۔ لہٰذا ایسی باتوں کو فضائل کے شمار میں لانا صرف اپنے نفس کو دھوکہ دینے کے لئے ہی ہے۔ اس کی مزید تفصیل اگلے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

نویں فضیلت۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ۔ کہتے ہیں کہ یہاں ضمیر غائب کا مرجع صاحب ہے۔ یعنی خدا

نے نبی کے ساتھی پر سکینہ نازل فرمایا۔ اور ضمیر کا مرجع خود جناب رسالت مآبؐ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ سکینہ اور تسلّی کی ضرورت تو اس کو ہے جو اضطراب و پریشانی میں مبتلا ہو۔ اور وہ حضرت ابوبکر تھے۔ لہٰذا سکینہ ان کے لئے ہے۔ اور رسالت مآبؐ تو مطمئن تھے۔ انہیں سکینہ کی کیا ضرورت تھی۔ اپنی طبیعت کو خوش کرنے کے لئے خوب سوچا ہے۔ رسول کی تنقیص اور اسلوب قرآنی کی مخالفت کی قطعاً پرواہ نہیں۔ قرآن مجید میں ہر قسم کی تحریف برداشت کی جا رہی ہے۔ تفسیر بالرای کو آنکھوں پر رکھا جا رہا ہے صرف اس لئے کہ برائے نام کوئی مفروضہ فضیلت نکل آئے اور ہمیں یہ ڈھنڈورا پیٹنے کا موقعہ ملے کہ دیکھو قرآن مجید میں فلاں بزرگوار کے اس قدر فضائل مذکور ہیں۔

اسلوبِ قرآنی کے مزاج شناس منصف طبع اربابِ دانش ذرا غور فرمائیں کہ قرآن کیا کہنا چاہتا ہے۔ اور لوگ اس کو کدھر لے جا رہے ہیں۔ قرآن مجید اس آیہ مجیدہ سے قبل لوگوں کو جنگ سے گریز کرنے اور نصرتِ رسول سے دست بردار ہونے پر توبیخ فرما رہا ہے۔ چنانچہ اس آیہ مجیدہ میں کھلے لفظوں اعلان فرمایا کہ اگر تم اس کی نصرت نہ کرو گے تو کوئی بڑی بات نہیں خدا خود ہی اس کی نصرت کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ اس نے اس کی ایسے آڑے وقتوں میں نصرت کی جب کہ تم میں سے کوئی بھی اس کی نصرت کے لیے حاضر نہ تھا۔ کیا وہ وقت یاد نہیں جب کفار نے آپ کو وطن چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور آپ صرف دو میں دوسرے ہی تھے۔ یعنی قلتِ عدد کا یہ عالم تھا کہ آپ کے ہمراہ دوسرا صرف ایک ہی آدمی تھا اور بس۔ جب دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے۔ اور دشمن تعاقب کرکے غار کے دروازے پر پہنچ چکے تھے۔ یہ ڈر تھا کہ کہیں دشمن دیکھ نہ لیں۔ اور آواز نہ سن لیں۔ خدا نے اُن کی حفاظت کے پیش نظر فوراً غار کے دروازہ پر درخت خار مغیلاں پیدا کر دیا (بروایت تفسیر منہج ولوامع) اور جنگلی کبوتروں کے ایک جوڑے کو حکم دیا کہ گھونسلہ بنالیں۔ چنانچہ انہوں نے گھونسلہ تیار کیا۔ اور انڈے بھی دے دیے۔ اور عنکبوت نے بحکم پروردگار جالا تن دیا۔ یہ ایسے اُمور و اسباب تھے کہ بزدل سے بزدل انسان بھی اگر ملاحظہ کرتا تو اس کا دل بڑھ جاتا۔ اور اُسے تسلی ہو جاتی کہ اب دنیا والے میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نصرتِ خداوندی میرے ساتھ ہے۔ اور اگر کوئی کافر بھی آپ کے ساتھ ہوتا تو یہ معجزات دیکھ کر فوراً مسلمان ہو جاتا لیکن آپ کا ساتھی غار میں داخلے کے بعد غار کے اردگرد جب کفار کو دیکھا تو خدائی حفاظتی اُمور کو نظر انداز کرکے اس قدر گھبرایا کہ بقول تفسیر مظہری ج چہارم ص۲۱۲ رونے لگ گئے۔ اور بروایت بیہقی نقل کیا ہے۔ فاشفق ابوبکر و بکی واقبل علیه الهم والحزن والخوف۔ یعنی پس ابوبکر ڈر گئے۔ اور غم و اندوہ سے رونے لگ گئے۔ پس حضورؐ نے تسلّی دی کہ گھبراؤ نہیں۔ غم نہ کرو۔ خدا کی نصرت و تائید ہمارے ساتھ ہے۔ لیکن انہیں تسلّی نہیں ہوتی تھی۔ پس حضور بار بار ان کو لاتحزن کی تلقین فرماتے تھے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ساتھی کا وجود انسان کے لئے سہارا بنے۔ لیکن خدا تعالےٰ اپنے حبیب کی تنہائی اس طرح بیان فرماتا ہے کہ آپ کے ساتھ صرف ایک ساتھی تھا وہ بھی ایسا کہ وہ بجائے اس کے کہ موجب سکون ہوتا اُلٹا سلبِ سکون کا موجب بن گیا۔ اور خطرے کے مقام پر بار بار چپ کرانا پڑا۔ پس ایسے روح فرسا بلکہ جان لیوا حالات میں خدا نے اپنے رسول پر سکینہ نازل فرمایا اور ملائکہ کے ذریعے اس کی تائید فرمائی۔ اور قرآنی اسلوب و نظم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ضمیر کا

مرجع حضورؐ کو قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس سے قبل کی ضمیریں سب آپ کی طرف راجع ہیں۔ پس اس بیان سے چھٹی، ساتویں اور آٹھویں فضیلت کی قلعی بھی کھل گئی۔

دسویں فضیلت۔ ایدہ کی ضمیر کا مرجع بھی وہی ہے کہ خدا نے ملائکہ سے اس کی تائید فرمائی۔ دیکھیے محبت کی رَو میں بہ جانا اور تعصب کی سیل میں کود پڑنا اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ حالانکہ اکثر اہل سنت کے مفسرین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ تائید ملائکہ حضرت رسالت مآبؐ کے لئے ہے۔ بلکہ منصف مزاج مفسرین سب اس کے قائل ہیں کہ تمام ضمیریں غائب کی حضرت رسالت مآبؐ کی طرف راجع ہیں جس طرح کہ اسلوب کا تقاضا ہے۔

گیارھویں فضیلت۔ خدا نے حضرت ابوبکر کے صحابی ہونے کا اعلان فرمایا۔ اندازہ کیجئے کس قدر افراط فی الحب ہے کہ ہر بات کو فضیلت کے رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ بھلا کسی کا ساتھی یا صحابی ہونا بھی کوئی فضیلت ہے۔ نبی کے ساتھ ہونا اور اس کا صحابی ہونا اس وقت فائدہ مند ہے جب نبی پر ایمان رکھتا ہو۔ اور زندگی بھر نبی کا وفادار رہے۔ وہ کون شیعہ ہے جو ایسے صحابیوں کو نہیں مانتا بلکہ شیعہ فرقہ وفادار صحابۂ رسول کو سردار سمجھتا ہے۔ اور ان کی غلامی کو فخر خیال کرتا ہے۔ دیکھیے یہاں صرف صاحب کا لفظ وارد ہے۔ اور اس کو فضیلت پر محمول کیا جا رہا ہے لیکن انّما ولیکم اللہ الخ۔ میں باتفاق مفسرین علی کو ولی کہا گیا ہے لیکن اس کی تاویلیں کی جاتی ہیں۔ اور اس کے علاوہ بیسیوں اس قسم کی آیات ہیں۔ جن میں اہل بیت عصمت کا تذکرہ آتا ہے۔ تو ان کو قابل اعتناء نہیں سمجھا جاتا۔ ویسے اگر تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر حقائق کا جائزہ لیا جائے تو خود ساتھی ہونا اپنے مقام پر معیار فضیلت نہیں ہے۔ نبیوں کے ساتھ کفار و منافقین بھی رہتے رہے ہیں۔ حضرت یوسف کے قید کے دو ساتھیوں کو قرآن میں ان کا صاحب کہا گیا ہے۔ حتیٰ کہ عربی زبان میں جانور ساتھی پر بھی صاحب کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہاں اگر معیار فضیلت ہے تو وہ ہے ایمان اور عمل۔ اور یہ چیز بلندی کا وہ زینہ ہے۔ جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

بارھویں فضیلت۔ خدا نے فرمایا لا تحزن۔ یعنی جس کو اللہ تسلی دے۔ اس کا کون مقابلہ کر سکتا ہے (بریں عقل و دانش بباید گریست۔ اصل بات یہ ہے کہ جو بھائے اس کی ہر بات بھائے۔ اور جو نہ بھائے اس کی کوئی بات بھی نہ بھائے والا معاملہ ہے۔

تیرھویں فضیلت۔ خداوند کریم نے مخصوص کر کے قرآن مجید میں سوائے ابوبکر کے کسی کی تعریف نہیں کی۔ لہٰذا وہ اس فضیلت میں یکتا ہیں۔

جواب۔ اگر آیت مجیدہ میں ان کی تعریف و فضیلت ہے تو یہ ان کو نصیب رہے۔ ہاں باقی کسی کی فضیلت قرآن میں عقل کے اندھوں کو کب نظر آسکتی ہے جو چشم بصیرت رکھتے ہیں۔ وہ آیت ولایت آیت شہادت آیت مرضات آیۂ تبلیغ آیت اکمال دین۔ آیت تطہیر اور آیت مباہلہ اور اس کی بیسیوں آیتیں قرآن میں پاتے ہیں جو بالخصوص حضرت علیؑ کی فضیلت میں نص ہیں جن کو متعصب ترین لوگ بھی تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکے۔

نتیجہ۔ یہ تیرہ فضیلتیں ہیں جو اپنے عہد کے مصر کے مفتی اعظم محمد بن عبدہ نے اپنی تفسیر منار میں آیت غار سے استنباط کی ہیں۔ انہوں نے صاحب غار کے فضائل تلاش کرنے میں بہت بڑی محنت وکاوش سے کام لیا۔ اور بہت تگ و دو کی لیکن سب کی سب سعی لاحاصل کے سوا اور کچھ نہیں جس طرح کہ واضح کیا جا چکا ہے۔

بہرکیف انہوں نے جہاں غار کی حقیقت بیان کی اور غار کی طرف پہنچنے کا راستہ کسی کی زبانی نقل کیا تو اس فضیلت کو ذکر کرنے کی جرأت تک نہ رہی کہ حضرت ابوبکر حضرت رسالت مآبؐ کو غار تک کندھوں پر اٹھا کر لے گئے تھے۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی میں ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ وہ اس امر کو بھانپ گئے کہ غار تک پہنچنے میں اس قدر صعوبت کے باوجود کسی دوسرے کو کندھے پر اٹھا کر لے جانا ایک فرضی افسانہ ہی بن کر رہ جائے گا۔ جو باقی مفروضہ فضیلتوں کی ناؤ کو بھی ڈبو کر رہے گا۔ لطف یہ ہے کہ صاحب روح المعانی نے بعد کی گرفت سے بالکل بے نیاز ہو کر بڑے طمطراق سے لکھ دیا کہ حضرت ابوبکر نے حضرت رسالت مآبؐ کو غار کے باہر اتارا اور عرض کی کہ پہلے میں اندر جا کر غار کو صاف کرتا ہوں تاکہ کوئی موذی جانور آپ کو گزند نہ پہنچائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا پھر غار کے باہر آ کر حضورؐ کو اٹھا کر غار کے اندر لے گئے۔ جس طرح کہ کوئی بڑا آدمی کسی بچے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی سے اٹھا کر سُلا دیا کرتا ہے۔ یا جس طرح کوئی تندرست کسی مریض کو یا طاقتور جوان کسی بڑے بوڑھے ناتواں ضعیف کی خدمت کیا کرتا ہے۔ گویا صاحب کتاب نے رسول کو گوشت کا ایک لوتھڑا بنا دیا کہ حضرت ابوبکر کے رحم و کرم پر ہی ان کا انحصار تھا۔ اب بھلا ایسی بے تکی بات کو مفتی مصر کیسے اپنی تفسیر میں درج کر سکتا تھا جب کہ وہ غار کی تحقیق میں یہ بھی لکھ چکا تھا کہ داخلے کے لئے غربی راستہ تھا جو ۲-۳ بالشت کے اندازہ سے تھا کہ داخل ہونے والا پیٹ کے بھر لیٹ کر مشکل سے اندر جا سکتا تھا۔ اب یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ایک پورا آدمی اپنے ہم عمر کو اٹھا کر بغیر کسی کلفت کے اندر لے گیا۔ ہاں یہ باتیں صرف وہی لکھ سکتا ہے جو اس کی پرواہ نہ کرے کہ کیا لکھا ہے۔ اور جو لکھا ہے اُس کو عقل و فکر تسلیم بھی کرتا ہے یا نہیں؟ البتہ وہ عوام جو ایسے نایاب فضائل کے لئے ترستے ہیں ان کے کانوں کی لذت کا سامان خوب مہیا ہو گیا۔ وہ بے شک اندھا دھند واہ واہ بھی کریں گے اور خوشی سے سر بھی ماریں گے۔ اور ساتھ یہ بھی تحریر ہے کہ غار کے اندر پہنچ کر حضرت ابوبکر کے زانو پر سر رکھ کر رسول پاکؐ سو گئے تھے۔ اور جن سوراخوں میں حضرت ابوبکر نے اپنے پاؤں رکھ لئے تھے اُن سے سانپوں نے ڈسنا شروع کر دیا تھا تو پاؤں کو حرکت تک نہ دیتے تھے کہ مبادا رسول کی نیند خراب ہو۔ حالانکہ رسول کی شان یہ ہے کہ وہ ہماری طرح بے ہوش ہو کر نہ سوتے تھے۔ اور نہ غافل ہوتے تھے۔ اور آرام کے وقت بھی غافل نہ سونے والا نبی بھلا ایسے پُرخطر ماحول میں کیوں کر اتنا غافل سویا کہ ساتھی کی تکلیف کا احساس جاتا رہا۔ اور پھر ساتھی کے زانو پر سر رکھ کر سونا اور مضحکہ خیز ہے۔ گویا رسول پاکؐ کو اپنی تھکاوٹ کا احساس تھا۔ اور ساتھی کی تھکاوٹ کا قطعاً خیال بھی نہ فرمایا۔ غالباً انہی چیزوں کو ملحوظ رکھ کر ابن عبدہ مفتی مصر کو ان فضائل کے شمار کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

نیز بوقت روانگی جب زادِ راہ حضورؐ کو دیا جانے لگا تو اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی اسماء نے اپنے نطاق یعنی کمربند کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑے کے ساتھ زادِ راہ کو باندھا جس کی وجہ سے اس کا لقب ذات النطاقین پڑ

عہ روح المعانی کی روایت صد ۵۳ پر گزر چکی ہے

گیا - یہ بات بھی فضیلت کی تھی - بہر کیف اس قسم کی گئی فضیلتیں تلاش کر کے اگر ذکر کرتے جاتے تو فضائل کی ایک طولانی فہرست بن جاتی - لیکن انہوں نے صرف انہی مذکورہ فضیلتوں پر اکتفا کیا - اور آگے قدم نہ بڑھایا -

کاش: اہل بیت عصمت سے مسلمانوں کو مفت کا عناد نہ ہوتا - اور وہ چشم بصیرت سے حقائق کا جائزہ لیتے تو یقیناً اس نظریہ پر پہنچتے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہر خطرہ کے مقام پر حضرت رسالت مآبؐ کے سینہ سپر رہے اور حضرت علیؑ کی ادنیٰ سے ادنیٰ فضیلت کا بھی اگر تمام دنیا سے مقابلہ کیا جائے تو وزنی ثابت ہوگی - اسی شبِ ہجرت کو لے لیجئے - (۱) تفسیر مظہری صفحہ ۲۰۹ پر ہے - رسولِ پاک خود حضرت علیؑ کو امانتیں ادا کرنے کے لئے مدینہ میں ٹھہرا گئے تھے - اب اگر حضورؐ کی نظر میں علی سے بڑھ کر کوئی دوسرا صحابی ہوتا تو کیوں نہ اُس کو مقرر فرماتے (۲) حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا کر جانا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ پوری اُمت میں سے حضرت علی ہی اس لائق تھے کہ وہ بسترِ رسولؐ پر سوئیں - گویا رسولؐ نے اہل مکہ کی آنکھیں کھول دیں کہ میرے بعد اگر کوئی شخص میرے فرائض ادا کر سکتا ہے - یا میری جگہ لے سکتا ہے تو وہ میرا بھائی علی بن ابی طالب ہے میری مسند کا وارث بھی یہی ہے - اور میری امانتوں کی ادائیگی کا ذمہ دار بھی یہی ہے - کافروں کی امانت سے مومن کی بلکہ خدا کی امانت زیادہ اہمیت رکھتی ہے - تو جن کو کفار کی امانت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دینا گوارا نہیں کیا جاتا اس کو خدائی امانت یعنی عہدۂ حفاظتِ اسلام کیسے سپرد کیا جا سکتا ہے - پس رسول عملاً اعلان کر گئے کہ صرف علی ہی میری جگہ پر کر سکتا ہے - اور یہی میرا حقیقی جانشین ہے - (۳) حضرت علی بسترِ رسول پر اس طرح معلوم ہوتے تھے کہ خود بنفسِ نفیس رسولِ پاک استراحت فرما ہیں - اور مشرکین مکہ کو بھی ساری رات یہی گمان رہا کہ حضورؐ آرام فرما ہیں - اور خدا کو حضرت علی کی فداکاری اور وفاداری ایسی پسند آئی کہ آیت من لیشتری اتار دی - اندازہ کیجئے - کہاں وہ افشاء راز کہ بار بار خاموشی کی تلقین کرنے کی ضرورت ہو - اور کہاں یہ رازداری کہ صبح تک مشرکین رسول و علی میں فرق ہی نہ کر سکے - کہاں کسی کو ایک فعل سے روکنا اور کہاں مدح و ستائش میں لب کشا ہونا - بہر کیف انصاف و تدبّر کے ساتھ ذوقِ سلیم کے لئے راستہ صاف ہے - حق اور باطل کے درمیان اور تصنّع و حقیقت کے درمیان امتیاز کرنے کے لئے دُور رس اور حقیقت جو بصیرت کی ضرورت ہے -

تائید ملائکہ - وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ - الخ - تفسیر منہج میں ہے کہ دروازہ غار پر بھی خداوند کریم کی جانب سے ملائکہ مقربین کا پہرہ تھا - جن کو لوگوں کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں - خداوند کریم کے پاس ملائکہ کی فوج اس قدر ہے کہ انسان اس کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا - چنانچہ تفسیر لوامع التنزیل میں کتاب جواہر القرآن سے منقول ہے کہ آدمی جنّوں کا دسواں حصہ ہیں - اور یہ سب مل کر بحری مخلوق کا دسواں حصہ ہیں - اور ان سب سے صرف زمین کے ملائکہ دس گنا ہیں - اور ان سب کو ملایا جائے تو پہلے آسمان کے فرشتے ان سے دس گنا ہیں - ان سب سے دوسرے آسمان کے فرشتے دس گنا - وعلیٰ ہذا القیاس ساتوں آسمانوں اور زمینوں کے فرشتوں سے کرسی کے فرشتے دس گنا زیادہ ہیں - اور ان سب سے عرش کے ایک سرادق کے فرشتے دس گنا ہیں - حالانکہ سرادقات کی تعداد چھ لاکھ ہے - اور یہ سب مل کر عرش کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہیں - آسمانوں میں کوئی قدم رکھنے کی

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

چلو بخوشی یا بغیر خوشی اور جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں سے راہ خدا میں یہ بہتری ہے تمہاری

جگہ ایسی نہیں جہاں رکوع۔ سجود یا قیام میں کوئی ملک موجود نہ ہو وہ سب کے سب تسبیح و تقدیس پروردگار میں مشغول ہیں۔ اور یہ سب مل کر عرش کے طواف کرنے والوں کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے قطرہ سمندر کے مقابلہ میں۔ اور پھر لوح کے فرشتے جن کا سردار اسرافیل ہے۔ اور پھر جبریل کے ماتحت کام کرنے والے۔ پس اللہ کے لشکروں کو سوائے اس کی ذات کے اور کوئی نہیں جان سکتا وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔

کلمہ اللہ کی بلندی

آیت مجیدہ میں بطور نتیجہ کے اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ نے کفار کے کلمہ کو سرنگوں کیا۔ اور کلمہ توحید ہی سربلند رہا۔ اس مقام پر کلمہ کا معنی دو طرح سے کیا جا سکتا ہے۔

(۱) کلمہ اللہ سے مراد دینِ اسلام ہو۔ اور کلمہ کافرین سے مراد شرک و کفر و جہالت ہو یعنی خدا نے کفر و شرک کو زیر کیا۔ اور اسلام کو حضور کی ہر جگہ امداد و نصرت فرما کر سربلند فرمایا۔ گویا یہ اعلان بطور پیشین گوئی کے ہے جو حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔

(۲) کلمہ کافرین سے مراد ان کا وہ مشورہ و منصوبہ ہے جو حضور کے قتل کے متعلق تیار کیا گیا تھا کہ رات کو شب خون مار کر حضور کو اپنے بستر پر قتل کر دیا جائے۔ اور ہر قبیلہ کے ایک آدمی کو شریک کیا جائے تاکہ بنو ہاشم کے لئے قصاص لینا مشکل ہو جائے۔ اور ناچار وہ خون بہا پر رضامند ہوں۔ پس خدا نے حضور کو بذریعہ وحی خبر دے دی۔ اور آپ نے ہجرت کر کے کفار کے سارے منصوبے کو ناکام ثابت کر دیا۔ پس آیت کا معنی یہ ہو گا کہ کافروں کا منصوبہ فیل ہوا۔ اور اللہ کا منصوبہ کامیاب ہوا یعنی رسول پاک بچ گئے اور تبلیغ اسلامی میں کفار کوئی رخنہ نہ ڈال سکے۔

خِفَافًا وَّثِقَالًا۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔

۱۔ جوان اور بوڑھے۔ ۲۔ بخوشی و ناخوشی۔ ۳۔ بے کار و مشغول۔ ۴۔ غنی و فقیر۔ ۵۔ تنگ دست و مالدار۔ ۶۔ تنہا و عیال دار۔ ۷۔ سوار و پیادے۔ ۸۔ کاریگر و بے ہنر۔ ۹۔ تندرست و مریض۔ ۱۰۔ بے ہتھیار و با ہتھیار ۱۱۔ کمزور و طاقتور۔

لہذا اگر معنی عام لیا جائے جو ان تمام کو شامل ہو تو خوب ہے۔

جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ مال و نفس سے جہاد کے وجوب کا حکم ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ دنیا میں اپنے طور پر کوئی انسان باوقار و پرسکون زندگی گذارنے کا اہل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ جہاد کا اپنے آپ کو عادی نہ بنائے۔ سست اور کاہل انسان صرف اپنی ذات اور قبیلہ کے لئے نہیں بلکہ وہ انسانیت کے لئے بھی بدنما داغ ہوتے ہیں۔ ان کا وجود صحیفۂ انسانیت پر ناقابلِ برداشت داغ ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اجتماعی طور پر کوئی قوم من حیث القوم باوقار اس وقت تک زندہ رہ سکتی ہے جب تک مشغول جہاد ہو۔ اور اپنے ترقیاتی منصوبوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے آگے بڑھتی چلی جائے۔ ورنہ جہاں بھی اس

سکے قدم رک جائیں گے اور اس کی دفاعی کمزوری رونما ہوگی۔ وہاں دوسری دنیا کی ہوشیار قومیں اُسے اپنے مقام سے دھکیل دیں گی اور خود اس کی جگہ سنبھال لیں گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

دورانِ جنگ میں پاکستان

ہمارے وطنِ عزیز پاکستان کا یہ دَور نہایت پُرآشوب تھا جب کہ بھارت نے اس ملک کے غیور جوانوں کو للکارا۔ اور پُوری قوم دفاعِ ملک کی خاطر جانی و مالی ہر قسم کی قربانی کے لئے تُل گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ملک و قوم کے دفاع کی خاطر جو انبساط و سرور اس دَور میں دیکھنے میں آیا تھا وہ اس سے قبل مفقود تھا لوگوں کی چہل پہل بتلاتی تھی کہ ہماری قوم ایک زندہ قوم ہے۔ اور باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ اکثر دنیا کے ممالک آج تک یہ نہیں باور کر سکے تھے کہ پاکستان بھی کوئی دنیا میں الگ اور خود مختار آزاد ملک ہے۔ حتیٰ کہ انگلستان کے عوام بھی اب تک پاکستان کو بھارت کا ایک صوبہ سمجھے ہوئے تھے۔ لیکن چھ ستمبر ۱۹۶۵ء سے ۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء تک کی سترہ یوم کی تاریخی جنگ اور افواجِ پاکستان کا انتہائی بے جگری سے بھارتی ٹینکوں کے بھرپور حملے کو روکنا اور آگے سے پسپا کرنا نیز نہتے مجاہدین کا ٹینکوں اور توپوں کے منہ میں کود کر ان کو تہس نہس و زیر و زبر کرتے ہوئے جان پر کھیل جانا ایسا اہم کردار تھا جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا اور تاریخ پاکستان میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا پس جہاں اٹھارہ سال متواتر پاکستان کے سفارت خانے شب و روز کی محنت و کاوش اور کروڑوں روپے کے صرف کے باوجود صرف پاکستان کا مستقل وجود اقوامِ عالم سے تسلیم کرانے میں قاصر رہے تھے۔ وہاں پاک بھارت کی سترہ دن کی تاریخی جنگ میں مجاہدین پاکستان کا بے پناہ عزم و شعور جذبہ فرض شناسی اور جرأت و ایثار اور باوجود انتہائی قلت و بے مائیگی کے طاقتور سرمایہ دار اپنے سے پانچ گنا دشمن کا منہ توڑ دینا بلکہ ان کے کبر و غرور کو توڑ دینا اس قدر نتیجہ خیز ثابت ہوا کہ اب اقوامِ دنیا کو صرف پاکستان کا استقلال ہی نہیں تسلیم کرنا پڑا بلکہ انہیں ماننا پڑا ہے کہ پاکستانی قوم دنیا کی زندہ قوموں میں سے ہے۔ پس جو کام اٹھارہ برسوں میں سفارت خانے نہ کر سکے تھے وہ سترہ دنوں میں باحسن وجوہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

نیز اس لڑائی نے قوم کی خفتہ صلاحیتوں کو جگایا بلکہ پوری قوم کی کایا پلٹ گئی۔ بزدل کو جذبۂ شجاعت ملا۔ مالداروں میں جذبۂ سخاوت پیدا ہوا۔ عوام میں جوشِ ایثار رونما ہوا۔ مختلف جماعتوں میں جذبۂ اتحاد و اتفاق کارفرما ہوا۔ جوانوں میں فرض شناسی کا احساس آگیا۔ فوجیوں میں شوقِ شہادت پیدا ہوا۔ بچوں میں ذہنی انقلاب نے تربیت کی جگہ پائی۔ بوڑھوں کے حوصلے بڑھ گئے اہلِ قلم میں تحریری سلجھاؤ نے ترقی کی۔ مقررین و خطباء و واعظین کے بیانات سے جذبۂ حب الوطنی کا پرچار شروع ہوا۔ حکام و رعایا نے کسی حد تک اپنے رویوں میں اعتدال پسندی کی طرف رُخ کیا۔ بہر کیف اس سترہ دن کی مختصر لڑائی نے قوم کے دلوں میں ایسے اَن مٹ نقوش چھوڑے جو صدیوں تک محو نہ ہو سکیں گے۔ اور ایسے مؤثر درس دیئے جو کتابوں سے صدیوں تک حاصل نہ ہو سکے۔ اور یہ اس سترہ روزہ جنگ کی اعجاز نمائی تھی کہ شہری عورتوں میں فیشن پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان یکبارگی رک گیا تھا۔ اور اس کی جگہ اسلامی اقدار کی طرف توجہ ہونے لگی تھی۔ آوارہ چہل پہل اور خوش گپیوں کی بجائے اُمور خانہ داری کا احساس دلوں میں کارفرما ہو گیا۔

غرضیکہ مغربیت کے جمے ہوئے قدم ایک دم اکھڑ گئے۔ اور بھولا ہوا اسلام یاد آیا۔ لیکن جونہی جنگ بندی کا اعلان ہوا تو رفتہ رفتہ قدم پیچھے کو سرکنے لگ گئے۔ اور اعلان تاشقند کے بعد تو نہ صرف جنگ سے قبل کی یاد تازہ ہوئی بلکہ لادینیت کا سیلاب پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک صورت میں ظاہر ہوا۔

آیئے اس جنگ سے قبل سوادِ اعظم کے نزدیک علی کا نام لینا اور اس کی شجاعت کا منبروں پر بیان کرنا بارِ خاطر تھا۔ اور واقعات کربلا کا بیان کرنا بدعات میں سے سمجھا جاتا تھا۔ لیکن وقت آنے پر وہ سب یکسر منسوخ ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اخبارات میں علیؑ علیؑ کے نعرے بلند ہونے لگے۔ فوجیوں میں یا علی یا علی کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ریڈیائی گانوں کی جگہ قومی ترانوں نے لے لی جن میں علیؑ علیؑ کا ورد اکثر ہونے لگا۔ اور شعراء نے اپنے کلام منظوم کو شجاعتِ حیدری کے بیان پر وقف کر دیا۔ جہاں شجاعت کا جوش دلانے کی ضرورت ہوئی تو کہا گیا علی علی کرو۔ اور آگے بڑھو۔ اور جہاں مرنے والوں کے وارثوں کو صبر کی تلقین کی گئی تو واقعات کربلا کو دہرایا گیا۔ اب واعظین وذاکرین نیز علماء ومجتہدین جو کام صدیوں نہ انجام دے سکے تھے وہ جوش جنگ اور شوق جہاد نے سترہ دنوں میں انجام دے دیا۔ اب تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ کہے علی علی کہنا گناہ ہے۔ فوجیوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ "جب نام علی منہ سے نکل جاتا ہے۔ گرتا ہوا انسان بھی سنبھل جاتا ہے۔" اور مدت سے ایک شعر پڑھا سنا لکھا جاتا تھا کہ "اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں۔ اک ضرب ید اللٰہی اک سجدہ شبیری"۔ اس سترہ روزہ جنگ نے اہلِ پاکستان پر روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے کہ ایسے آڑے وقتوں میں شجاعت کے لئے علی کے کارنامے اور صبر آزما حالات میں حسینی مصائب کے سوا مسلمان کے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ پس علیؑ وحسینؑ کی اطاعت ہی حقیقی اسلام ہے اور بس۔

عوامی تاثرات۔ اس مقام پر مناسبت کے لحاظ سے روزنامہ نوائے وقت ۲۶؍ اکتوبر ۱۹۶۵ء کے تیسرے صفحے کے کالم ۲ سے ایک جملہ ملاحظہ فرمایئے۔ جنگ کے سترہ دنوں میں بڑے انقلاب آئے ہیں۔ انقلاباتِ زمانہ میں سے ایک انقلاب یہ بھی ہے کہ جو ادیب، شاعر اور دانشور "بسم اللہ" پڑھتے ہوئے شرماتے تھے۔ اب اعلانیہ کلمہ پڑھنے لگے ہیں۔ وہ ایسے مشرف باسلام ہوئے ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ یہ وہی ترقی پسندوں کی نسل ہے جو اسلامی شعار کو رجعت پسندی کی نشانیاں قرار دیا کرتی تھی اب وہ اس طرح علی علی کے نعرے لگا رہے ہیں کہ اس طرح کبھی کسی صنم نے بھی ہری ہری نہیں پکارا ہوگا۔

نیز اسی اخبار کے ۱۰؍ نومبر ۱۹۶۵ء کے تیسرے صفحے پر جنگ کے عنوان سے جو مضمون درج ہے اس میں یہ فقرات مذکور ہیں۔

سنتِ الٰہیہ یہ ہے کہ کبھی کبھی اس کا فضل وکرم، قہر وغضب کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کو مصائب ومشکلات میں مبتلا کر کے ان کی سربلندی وسرفرازی کا سامان پیدا کیا جاتا ہے۔ اور کبھی اس کا قہر وغضب، لطف وکرم کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ کہ انسان کو رزق کی فراوانی اور مال کی فراوانی دے کر عیش وعشرت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ مقصد زندگی سے غافل ہو جاتا ہے۔ اب کے اس کا فضل وکرم ہندوؤں کے عیارانہ حملہ کی صورت میں نمودار ہوا۔ مسلم خوابیدہ توپوں کی گھن گرج سے بیدار ہوا اس کے منتشر عناصر بجلی کی سرعت اور مقناطیس کی کشش کی طرح آناً فاناً ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔ اُن کی باہمی عداوتیں،

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ

اگر تم جانو اور اگر ہوتا نفع فوری اور سفر آسان تو اتباع کرتے

وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ

ولیکن لمبا سوجھا ان کو فاصلہ اور ابھی اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہماری طاقت ہوتی تو تمہارے ساتھ چلتے

يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ

وہ اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اللہ کی عفو میں رہو انہیں کیوں اذن دیدیا

رقابتیں، کدورتیں اور رنجشیں سب کافور ہوگئیں۔ اختلافات مٹ گئے۔ دشمن۔ دوست اور مخالف موافق بن کر ایک ہی صف میں دشمن کے سامنے صف آرا ہوگئے۔ ناجائز منافع خوری، ذخیرہ اندوزی، چوربازاری اور فسق و فجور کے دروازے یکایک اور خود بخود بند ہوگئے۔ ڈاکوؤں۔ لٹیروں، راہزنوں، قاتلوں اور چوروں نے جرائم سے ہاتھ روک لئے جو دین سے بیزار تھے وہ دیندار بن گئے۔ جو شراب کے رسیا تھے وہ غازی بن گئے۔ جو اسلام کا نام آتے ہی بغلیں جھانکنے لگتے یا اس کا مضحکہ اڑانے لگتے تھے۔ وہ اب اسلام کے گیت گانے لگے۔ جو ترقی پسند تھے رجعت پسند بن گئے۔ اور لینن لینن کی بجائے علی علی کرنے لگے۔ ریڈیو پاکستان جو قوم کو راگ ورنگ، رقص وسرود کی تعلیم و تربیت دیتے۔ عریاں اور فحش فلمی گیت سنانے کے لئے وقف تھا مومن بن گیا۔

عَرَضًا قَرِيْبًا:- یعنی وہ جو انسان کو پیش آئے (منفعت میں سے) اور قریب ہو۔ یعنی ایسی منفعت جو بلا تکلیف حاصل ہو۔

فَاصِدًا:- یہ تامر اور لابن کی طرح ہے یعنی جسطرح تامر کا معنی صاحب تمر اور لابن کا معنی صاحب لبن ہے۔ اسی طرح قاصد کا معنی صاحب قصد ہے۔ یعنی جس کا قصد کرنا آسان ہو۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ مادہ پرست ہیں۔ ان کو مذہب کی حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ پس اگر ان کو مادی فائدہ ہوتا۔ اور بغیر تکلیف کے مال و دولت کے حصول کا لالچ ہوتا تو بلا تردد آپ کے پیچھے چل پڑتے لیکن یہاں تو وہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ سفر لمبا بھی ہے، اور باعثِ تکلیف بھی۔ اور علاوہ ازیں موت بھی سامنے ہے۔ اسی لئے قسم قسم کے بہانے تراش کر معذرت پیش کرتے ہیں۔

وَسَيَحْلِفُوْنَ - یعنی جب آپ جنگ سے واپس آئیں گے تو یہ لوگ اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے اور خیر خواہی کو جتلانے کی خاطر قسمیں کھا کھا کر اپنی معذرت کا اظہار کریں گے۔ حالانکہ وہ بالکل غلط بیانی ہوگی۔ جس کا ایمان و صداقت سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔

رکوع ۱۳۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ - بعض لوگوں نے حیلہ سازی اور چاپلوسی کر کے آپ سے گھر بیٹھ رہنے کی اجازت حاصل کر لی تھی تو خداوند کریم تنبیہ فرما رہا ہے۔ اس طرح کہ سرزنش سے قبل عفو کا اظہار فرمایا۔ یعنی آپ کا ان کو اجازت دینا۔ اور ان کی معذرت کو قبول کرنا اگرچہ قابلِ مواخذہ نہیں۔ کیونکہ اس بارہ میں آپ مختار کل ہیں۔ لیکن آیندہ ایسے بہانہ کرنے والوں

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَ تَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۴۳﴾ لَا یَسۡتَاۡذِنُکَ

یہاں تک کہ تم کو معلوم ہو جائیں وہ جو سچ کہتے ہیں اور جان لو جھوٹوں کو نہیں پوچھتے آپ سے وہ

الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ اَنۡ یُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ

لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت پر یہ کہ آیا جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں سے اور اللہ

عَلِیۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا یَسۡتَاۡذِنُکَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ

جانتا ہے تقوی کرنے والوں کو پس پوچھتے وہی ہیں جو نہیں ایمان رکھتے اللہ اور قیامت پر اور

وَ ارۡتَابَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ فَهُمۡ فِیۡ رَیۡبِهِمۡ یَتَرَدَّدُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَوۡ اَرَادُوا الۡخُرُوۡجَ لَاَعَدُّوۡا

شکی ہیں ان کے دل اور وہ حالت شک میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور اگر وہ جانا چاہتے تو اس کے لئے

کو فوراً اجازت نہ دیا کرو۔ بلکہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرکے عمل کیا کرو تاکہ ان میں سے سچے اور جھوٹے کا پتہ چل سکے۔ یہ آیتیں غزوۂ تبوک سے مسلمانوں کی سستی کی مذمت کے لئے اُتری تھیں۔

لَا یَسۡتَاۡذِنُکَ۔ یعنی جن لوگوں کے دلوں میں ایمان راسخ ہے وہ تن من دھن سے جہاد کے لئے حاضر ہیں لہٰذا بار بار آپ سے پُوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن جو لوگ منافق ہیں اُن کے دل تو پہلے سے ہی شک میں ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس طرح سے ان کی گلو خلاصی بھی ہو جائے گی۔ اور موردِ عتاب بھی نہ بنیں گے۔ لہٰذا بار بار آپ سے ان کا سوال کرنا اسی بدباطنی ہی کی پیداوار ہے۔

مصلحت جہاد۔ پروردگار کی مصلحت یہ ہے کہ انسان اپنی اس مختصر تمدنی زندگی میں جیتی جاگتی شخصیت بن کر رہے ایسا نہ ہو کہ دنیا والے اُسے باوجود زندہ ہونے کے مُردوں کے برابر سمجھیں۔ نیز ایسا نہ ہو کہ خود غافل رہے۔ اور گذشتہ مجاہدین کے کارناموں پر فخر و مباہات کو مآل زندگی قرار دیتا رہے بلکہ ایسی مجاہدانہ زندگی بسر کرے کہ گذشتہ ارواح اس کو خراج تحسین پیش کریں۔ اور آیندہ نسلیں اس کے کردار کو مشعلِ راہ بنائیں۔ پس اگر کوئی زندہ گذشتہ اکابر کے کارناموں پر فخر کرے تو یوں سمجھیئے کہ وہ زندہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہے۔ جو مردہ لوگوں کے کارناموں پر فخر کو مآل زندگی سمجھے۔ اور وہ مُردہ مُردہ نہیں بلکہ زندہ ہے۔ جو اپنی چند روزہ زندگی میں ایسے آثار چھوڑ کر جائے کہ زندہ قومیں اس پر فخر و مباہات کرتی رہیں۔ پس ہر دور میں مجاہدانہ زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ لہٰذا اپنے مال و جان کو جہاد کے لئے ہر وقت تیار رکھنا فریضۂ انسانیت ہے۔ اور قوموں کی مجموعی زندگی کی کامیابی اسی نقطہ نظر سے ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ وہ قومیں زندہ ہیں جو حرکت و شعور میں ہوں۔ اور وہ قومیں مردہ ہیں جو دوسروں کے دستِ نگر رہیں۔ قرآن مجید نے مالی و جانی ہر دو قسم کے جہادوں کا حکم دیا ہے تاکہ ہر شخص اپنی حیثیت و موزونیت سے قومی

لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

تیاری کرتے لیکن اللہ نے ناپسند کیا ان کا جانا پس ان کو روک دیا اور کہا گیا کہ بیٹھ رہو بیٹھ رہنے والوں میں (کیونکہ)

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ

اگر وہ جاتے تو نہ زیادہ کرتے مگر فساد اور تم میں رہ کر سازشیں کرتے تمہارے درمیان کہ تم میں پھوٹ ڈال دیتے

الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ

اور تم میں ایسے ہیں جو ان کی سنتے ہیں اور خدا جانتا ہے ظالموں کو البتہ ایک مرتبہ پہلے بھی انہوں

مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ

نے پھوٹ ڈالی اور تمہاری تدبیر کو الٹا یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا امر غالب ہوا حالانکہ

لسانی جہاد میں حصہ لے سکے۔ یعنی مرد اپنی حیثیت سے عورت اپنے انداز سے جوان اپنی مرزونیت سے اور بوڑھے اپنی لساط سے علماء اپنی پوزیشن کے ماتحت اور عوام اپنی صلاحیت سے۔ فقراء اپنی حیثیت سے۔ اور تونگر اپنی طاقت سے۔ گویا ہر شخص کو اپنی اپنی حیثیت کا سپاہی بن کر گذارنا چاہیئے۔

— لَوْ خَرَجُوْا۔ پچھلی آیت کی تفسیر ہے۔ اور منافقین کی قلبی کیفیت کا بھانڈا پھوڑا جا رہا ہے کہ یہ لوگ جو آپ سے جنگ کی اجازت چاہتے ہیں، درحقیقت یہ جنگ پر آمادہ نہیں ورنہ کم از کم کچھ نہ کچھ تیاری تو کر لیتے۔ اور اچھا ہوا کہ نہیں گئے ورنہ ان کی نیتیں خراب تھیں۔ اور خدا کو ان کا جانا گوارا نہیں تھا۔ پس اس نے ان کی رکاوٹ کے اسباب پیدا کر دیئے۔ اور وہ بیٹھے ہی رہے۔ کیونکہ اگر جاتے تو کفار کی طرف سے جاسوس بن جاتے۔ اور مسلمانوں کے رازوں کا افشاء کر کے مسلمانوں میں کمزوری کا باعث بنتے۔ یا مسلمانوں میں چغلی و غیبت کو ہوا دے کر ان کی آپس میں پھوٹ کا باعث ہوتے۔ اور یہ جو ارشاد فرمایا ہے کہ قِيْلَ اقْعُدُوْا۔ الخ۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ ان کو اس طرح کہا گیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ ان کو بیٹھ جانے کا بہانہ دستیاب ہو گیا۔ پس یہ تعبیر سمجھانے کے ہے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ۔ یعنی منافق گروہ نے اس جنگ یعنی غزوہ تبوک سے پہلے بھی اپنی بدباطنی اور انتشار پسندی کا ثبوت دیا۔ یعنی سب سے پہلے جنگ احد میں اُنہوں نے شر پسندی کا بدترین مظاہرہ کیا تھا جب کہ عبداللہ بن ابی نے بمعہ جماعت کے عین موقعہ پر ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ تاکہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگا جائیں۔ لیکن خدا نے فتح و نصرت دے کر ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور اسلام کا بول بالا کر کے ان کو شرمسار اور رسوا کیا۔

وَلَا تَفْتِنِّيْ۔ یعنی بعض کہتے ہیں کہ ہمیں آپ معاف فرمائیں۔ اور آزمائش میں نہ ڈالیں کہ آپ کی اطاعت نہ کر کے ہم

كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ

ناپسند کرتے تھے اور ان (منافقوں) میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالئے آگاہ ہو وہ آزمائش میں تو آگئے

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ

اور تحقیق جہنم اپنی لپیٹ میں لینے والا ہے کافروں کو اور اگر پہنچے تمہیں فائدہ تو انہیں برا لگتا ہے اور اگر پہنچے تمہیں

مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ

مصیبت تو کہتے ہیں ہم نے تو اپنا بچاؤ کر لیا پہلے سے اور خوشی خوشی واپس جاتے ہیں کہہ دیجئے

لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

ہمیں نہیں پہنچتا مگر وہ جو مقرر کیا اللہ نے ہمارے لئے وہ ہمارا مولا ہے اور اللہ پر ہی بھروسا کرنا چاہیئے مومنوں کو

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ

کہہ دیجئے کہ تم نہیں انتظار کرتے ہمارے متعلق مگر دو میں سے ایک کی جو ہمارے فائدہ کی ہیں (غنیمت یا شہادت) اور ہم تمہارے متعلق

آزمائش میں پڑ جائیں گے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ ۔ چونکہ جس جنگ میں مومنوں کو کافی مال غنیمت ہاتھ لگتا تھا اور فتح و نصرت سے واپس آتے تھے تو منافقین کو دل میں کافی دکھ پہنچتا تھا۔ اور اگر ظاہری طور پر مومنوں کو جسمانی یا مالی کوئی نقصان پہنچتا تو وہ خوشی سے بغلیں بجاتے تھے۔ پس خداوند کریم ان کی سرزنش میں فرماتا ہے کہ ان جاہلوں کو حقیقت کی خبر نہیں کیونکہ یہ اگر فاتح ہوں تو اسلام کی سربلندی کے ساتھ ان کو مالی فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اور وقار و عظمت میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور مارے جانے کی صورت میں وہ درجہ شہادت پر فائز ہوتے ہیں۔ جس سے ان کی اُخروی زندگی سدھر جاتی ہے۔ بہر حال مسلمانوں کو ہر طرح سے فائدہ ہی ہے۔ پس منافق لوگ ان کے متعلق جو پہلو بھی سوچیں گے وہ ان کے فائدہ کا ہی ہوگا۔ خواہ دنیاوی فائدہ ہو یا اُخروی۔ لیکن بخلاف اس کے چونکہ منافقوں کا فائدہ منحصر ہے دنیاوی منافع میں۔ اور وہ اس سے محروم ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کا ہی بول بالا رہے گا۔ اور اُخروی وقار اس لئے نہیں کہ نعمتِ ایمان سے محروم ہیں۔ پس ظاہری ایمان کی وجہ سے ان کی جان و مال ایک مصلحت کے ماتحت محفوظ ہے۔ لہٰذا وہ ہر طرح عذاب کا ہی لقمہ بنیں گے۔ یا تو ان کے متعلق حکم بھیجے گا۔ پس ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں دُنیاوی عذاب چکھنا پڑے گا۔ اور یا وہ خود عذاب بھیج دے گا۔ ورنہ عذاب آخرت تو ان کے لئے ہے ہی۔ پس ان کا خسارے میں ہونا حتمی ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا ۔ منافقین کے لئے سرزنش ہے کہ وہ اپنے اموال اگر خرچ کریں خواہ اپنی مرضی سے کریں یا مجبور ہو کر

قُلْ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ (۵۲)

(صرف ایک) سوچتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیجے گا اپنی جانب سے یا ہمارے ہاتھوں سے پس تم بھی منتظر رہو اور ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں کہہ دیجئے

اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (۵۳)

کہ خرچ کرو خواہ خوشی سے یا بددلی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے کیونکہ تم فاسق لوگ ہو

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ

اور کوئی رکاوٹ نہیں اس سے کہ ان کا دیا ہوا قبول ہو مگر یہ کہ وہ انکاری ہیں اللہ اور اس کے رسول سے

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ (۵۴)

اور نہیں پڑھتے نماز مگر بددلی سے اور نہیں خرچ کرتے مگر ناپسندیدگی سے

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي

پس نہ تعجب میں ڈالیں تمہیں ان کے اموال و اولادیں بجز اس کے نہیں کہ اللہ ان کو معذب رکھنا چاہتا ہے ان کی بدولت

کریں۔ ان کا یہ خرچ عنداللہ مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ دولتِ ایمان سے بہرہ ور نہیں ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرنے والوں کی نیکیاں ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔ اور اُن کے عدمِ ایمان کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو سستی اور بددلی سے۔ ورنہ اگر ان کا خدا پر ایمان ہوتا تو نماز کی یہ حالت نہ ہوتی۔ اسی طرح جو صدقات و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں وہ بھی بدل ناخواستہ اور تاوان سمجھ کر۔ ورنہ اگر ان کا ایمان درست ہوتا تو اُسے عبادت سمجھ کر کرتے اور مستحق ثواب ہوتے۔

اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار پر فروعاتِ دین کی بجاآوری واجب ہے۔ اگرچہ ایمان کے بغیر وہ حدِ مقبولیت کو نہ پہنچیں گے۔

نیز یہ آیات ان لوگوں کو بھی سرزنش کر رہی ہیں جو اسلام و ایمان کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے قریب تک نہیں جاتے۔ خداوند کریم سستی سے نماز پڑھنے اور بدل ناخواستہ زکوٰۃ ادا کرنے کو ان کے کفر کی دلیل قرار دے رہا ہے۔ تو بالکل نہ پڑھنے والے اور زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کیسے مسلمان یا مومن کہلانے کے حقدار قرار دئے جاسکتے ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ۔ یعنی کفار و منافقین کے پاس مال و اولاد کی کثرت سے یہ اندازہ نہ کیا جائے کہ خدا ان پر راضی ہے کیونکہ وہ بڑے خوش حال ہیں۔ بلکہ یہی مال و اولاد دنیا میں بھی ان کے لئے وبال ہے کہ وہ ہر وقت ان کی وجہ سے عذابِ خداوندی میں گرفتار رہتے ہیں۔ اور جب مریں گے تو ان کا مال و اولاد سب کا سب ان کے لئے باعثِ حسرت و ارمان ہوگا۔ اور

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

دنیاوی زندگی ہیں اور ان کے روح نکلتے ہیں درحالیکہ وہ کافر ہوتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی

اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً

کہ وہ تم ہی سے ہیں حالانکہ وہ تم ہی سے نہیں بلکہ وہ لوگ ڈر کے مارے (تمہارے ساتھ) ہیں اگر وہ پاتے کوئی جائے پناہ یا

اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ

غار یا داخل ہونے کی جگہ تو اس کی طرف جلدی سے چلے جاتے اور بعض ان میں سے تم پر صدقات

فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

(کی تقسیم) کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں پس اگر ان کو دیا جائے تو راضی ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہوتے ہیں

اسی عذاب سے معذب ہو کر رخصت ہوں گے تو پھر قیامت میں اس سے بھی زیادہ عذاب ان کے لئے تیار ہوگا۔ نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ محذوف سے متعلق ہو کر اَوْلَادُھُمْ کی صفت بن جائے۔ اور معنی یہ ہو کہ ان کے اموال و اولاد جو ان کو زندگانی دنیا میں عطا ہوئے ہیں۔ وہ تمہیں تعجب میں نہ ڈالیں۔ کیونکہ یہ خدا کی طرف سے ان کا استدراج ہے۔ اور درحقیقت یہ چیزیں ناشکری کی وجہ سے ان کے اخروی عذاب کا پیش خیمہ ہیں۔ اور پہلے معنی کی رو سے اگرچہ مومن بھی مال و اولاد کی وجہ سے دنیا میں گرفتار مصائب تو ہوتا ہے لیکن چونکہ ایمان کی بدولت وہ دل میں یہ تسلی رکھتا ہے کہ اس محنت و کاوش کے نتیجہ میں مجھے اخروی درجات نصیب ہوں گے تو وہ دنیاوی تکالیف میں بھی ایک قسم کی راحت قلبی محسوس کرتا ہے بخلاف کافر کے کہ وہ چونکہ آخرت پر تو ایمان نہیں رکھتا۔ لہذا دنیا میں مال و اولاد کی وجہ سے ہر تکلیف اس کے لئے صرف عذاب ہی عذاب ہوتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ۔ یعنی ان منافقوں میں سے ایسے ہیں کہ صدقات کی تقسیم میں آپ کی عدالت کو چیلنج کرتے ہیں کہ آپ نے عادلانہ تقسیم نہیں کی۔ اصل ان کے نزدیک معیار یہ ہے کہ اگر ان کو حصہ دیا جائے تو وہ راضی ہیں لیکن اگر صحیح مستحقین میں صدقات کی تقسیم ہو۔ اور ان کو حصہ نہ دیا جائے تو پھر وہ ناراض ہوتے ہیں۔ اور یہ صرف اس زمانہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ آج کل بھی یہی حالت ہے کہ اگر کہیں کوئی شخص زکوٰۃ یا خمس کی رقوم کو مستحقین میں تقسیم کرے تو جن لوگوں کو حصہ مل جائے وہ تو کسی حد تک راضی ہو جاتے ہیں لیکن جو محروم رہ جائیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ دینے والے نے جن مستحقین میں تقسیم کیا ہے وہ مجھ سے زیادہ مستحق تھے یا کم از کم وہ بھی مستحق تھے۔ بلکہ ہر قسم کی لعن وطعن اس پر کرتے ہیں اور ہر گند کیچڑ اس پر اچھالتے ہیں بلکہ میں نے بعض ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ مستحقین کی ان بے اعتدالیوں کی وجہ سے انہوں نے آئندہ کے لئے عہد کر لیا ہے کہ پھر کبھی اعلانیہ تقسیم نہ

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا

اور اگر وہ خدا اور رسول کے دیئے پر راضی ہو جاتے اور کہتے ہیں ہمیں خدا کافی ہے عنقریب اللہ اپنے

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿٥٩﴾ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ

فضل سے ہمیں دے گا اور اس کا رسول تحقیق ہم طرف اللہ کے رغبت کرنیوالے ہیں (تو یہ اُن کے لئے بہتر ہوتا) بس صدقے فقیروں کے لئے

کریں گے۔ بلکہ جو واجب الادا ہو گا وہ کسی دوسرے طریقہ سے مستحق تک پہنچا دیں گے۔ خدا ایسے لوگوں کو خود سمجھے۔ بہرکیف آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے ایسا کرنے والوں کو منافقوں کے زمرے میں ذکر فرمایا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے لئے درست راہ یہ تجویز فرمائی ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کریں کہ اگر اس دفعہ تقسیم میں اس کو نہیں ملا تو خدا کسی دوسرے راستہ سے ان کی امداد کر دے گا۔ کیونکہ اُس نے رزق تو دینا ہی ہے۔ اگر وہ یہ طریقہ اختیار کرتے تو ان کے لئے زیادہ موزوں و مناسب تھا۔

لَوْ أَنَّهُمْ ۔ یہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے۔ یعنی لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔ یعنی اگر ایسا کرتے تو اچھا ہوتا۔

رکوع ۱۴۔ زکوٰۃ کا بیان

مقام کی موزونیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے۔ مختصر اور جامع طور پر اس کی مصلحت و افادیت شرائط وجوب اور جنس زکوٰۃ وغیرہ اہم پہلوؤں کے ذکر کے بعد مستحقین زکوٰۃ کا بیان چونکہ زیادہ قریب فہم ہو گا۔ لہٰذا پہلے ان کا بیان کرنا ضروری ہے

زکوٰۃ کی مصلحت و افادیت

انسان چونکہ مدنی الطبع ہے۔ یعنی اجتماعی اور باہمی تعاون کے بغیر اس کی زندگی نہایت مشکل ہے۔ لہٰذا اسی تمدن کی ضرورت کے پیش نظر خالق نے انسانی افراد کو ایک دوسرے کا محتاج قرار دیدیا۔ تاکہ ایک دوسرے کے قریب رہ کر ملے جلے۔ زندگی کی ناؤ کو آگے بڑھاتے چلے جائیں۔ اور اسی بنا پر نقدی کے ایجاد کی ضرورت محسوس کی گئی۔ کیونکہ اگر ایک کے پاس غلہ ضرورت سے وافر موجود ہے۔ اور دوسرے کے ہاں کپڑا زائد از ضرورت ہے تو ہر شخص اپنے پاس کی زائد چیز دے کر دوسرے سے حسب ضرورت اُس کی زائد از ضرورت شے کے لینے کا محتاج ہوتا ہے۔ اور یہ اندازہ کرنا کہ کتنی شے اس کو دے کر اس کی کتنی مقدار کی چیز وصول کرنی چاہیئے۔ مشکل تھا بس سوچ بچار کے بعد ایک تیسری چیز ایجاد کی گئی جس کا نام نقدی ہے اور اس کو اشیا کے باہمی تبادلہ کا معیار قرار دے دیا گیا تاکہ ہر شئے کے افادی اور ضروری پہلوؤں کے پیش نظر نقدی کے ذریعے سے اس کی قیمت کا اندازہ مقرر کر لیا جائے۔ اور بعد میں اسی مناسبت سے اشیاء کا باہمی لین دین عمل میں لایا جائے۔ (ہم نے اس مطلب کو تفسیر کی تیسری جلد ص۲۵ میں وضاحت سے بیان کیا ہے) بہرکیف تقاضائے فطرت اور فیصلۂ عقل کے ماتحت تمدن جبھی برقرار رہ سکتا ہے کہ دنیا کی ضروری اشیاء اور خدائے قدوس کی نعمات متکاثرہ ادل بدل ہو کر تمام انسانی نفوس کے لئے حسب ضرورت محل انتفاع و استفادہ بنتی رہیں۔ اور کوئی فرد بشر اپنی بقا اور ارتقا میں اسباب کی بندش اور صعوبت کا شکوہ نہ کر سکے۔

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ

اور مسکینوں اور اس پر کام کرنے والوں اور وہ جن کے دلوں کو مائل باسلام کرنا مطلوب ہو اور غلاموں کی آزادی اور قرضداروں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور خوشنودیٔ خدا کے راستوں اور مسافروں کے لئے ہیں یہ فریضہ ہے اللہ سے اور اللہ علیم و دانا ہے

چونکہ خداوند حکیم نے اپنی حکمت کاملہ اور تدبیر تامہ کے ماتحت انسان میں جذبۂ خواہش اور شہوت بھی پیدا کر دیا ہے۔ جس کے ماتحت ہر انسان اپنی ہر محبوب اور فائدہ مند چیز کو اپنی طرف کھینچنے کے درپے ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے زیادہ سے زیادہ اسباب کی تلاش میں رہتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اپنے مقصد کے آگے حائل شدہ ہر رکاوٹ کو ہر ممکن کوشش سے دُور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ دنیا کی ہر نعمت سے مجھے زیادہ سے زیادہ انتفاع کا موقعہ دستیاب ہو۔ بنا بریں نفس پرستی کا یہ جذبہ اُسے دُوسروں کے کچلنے اور روندنے پر بھی آمادہ کر دیتا ہے۔ پس اپنی برتری اور فوقیت کی برقراری کی خاطر ہر جائز اور ناجائز حیلہ سے دُوسروں کو زیر کرنا اور اُن کو کمزور کرنا اور اپنا دستِ نگر بنانا اسی جذبہ کا ہی شاخسانہ ہے۔ اور یہی جذبہ بعض اوقات جہاں دوسروں کے لئے قتل و غارت۔ لوٹ کھسوٹ اور ظلم و تعدی کا موجب بنتا ہے۔ وہاں اپنی ذات میں حسد۔ بغض۔ کینہ۔ عداوت اور بخل بلکہ ہر انصاف سوز اور عدل کش خیالات کے جنم کا باعث ہوتا ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ ہر شخص کی اس سلسلہ میں جدوجہد کا بارآور ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ ہر کوشش منتہا کو پہنچتی ہے۔ علاوہ بریں طبعی و جبلی اور مزاجی و فطری تفاوت بھی تمام کوششوں کے نتیجہ خیز ہونے کے منافی ہے۔ بنا بریں افراد انسانی میں غریب و امیر اور متمول و نادار کا فرق ضروری ہے۔ اور اسی سے احساس کمتری اور احساس برتری کے جذبات نمودار ہوتے اور شریف و رذیل نیز نیک و بد بلکہ دوست و دشمن وغیرہ جیسے الگ الگ خصوصیات و عادات افراد انسانی میں جگہ لیتے چلے گئے۔

اس مقام پر اگر بحث کو آگے بڑھایا جائے تو موضوع ہاتھ سے نکل جائے گا۔ لہذا اسے ایک تمہید قرار دے کر ہم اصل مقصد کو واضح کرتے ہیں کہ خدا نے جب زمین کی پیداوار سے انتفاع حاصل کرنا تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر جائز اور حلال قرار دیا ہے۔ اور تمدنی زندگی میں فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان نعماتِ خداوندی سے حسبِ ضرورت فائدہ اٹھائے پس جن لوگوں کی مساعیٔ پیہم ناکارہ رہیں۔ اور وہ حسبِ ضرورت نعماتِ خداوندی سے انتفاع کے لئے خود اپنے کفیل نہ بن سکے۔ یا کمزوریٔ اعضا نے انہیں تحصیل ضروریات سے عاجز بنا دیا۔ یا کسی وجہ سے ان کے اسبابِ جدوجہد مفلوج ہو کر رہ گئے۔ تو ان کے حق زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے خدائے بزرگ و برتر نے اپنے خوانِ نعمت پر حاضر ہونے والے دوسرے اربابِ طاقت و قوت کو دعوت دی کہ میری نعمات کا شکر تم پر واجب ہے۔ اور اس شکر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ

تم نادار اور غریب طبقہ پر رحم کرو۔ اور زندگی کی راہ میں اُن کے سامنے حائل شدہ رکاوٹوں کو دُور کرنے کی طرف قدم بڑھاؤ اور ساتھ ساتھ اُن کو زیادتی نعمت کی پیش کش بھی کر دی۔ اور فرمایا لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ۔ (یعنی اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ نعمات عطا کروں گا) تاکہ زیادتی کی توقع کا حرص اس بخل کو ختم کر دے جو سخاوت کی وجہ سے مالی کمزوری کے احساس کی پیداوار ہے۔

نیز اسی جذبۂ غرباء نوازی کو اور بڑھانے کے لئے صدقہ کے فوائد و اثراتِ حسنہ اس قدر بیان فرمائے کہ انسان ان پر یقین رکھنے کے بعد ناممکن ہے کہ بخل کا تصوّر بھی کر سکے۔ مثلاً جب میدانِ محشر میں بے سروسامان پیش ہوگا۔ اور خدا کے بھرے دربار میں حساب و کتاب کی نوبت آئے گی۔ اُس وقت غضب پروردگار سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ صرف صدقہ ہی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ معصوم میں وارد ہے۔ دُوسرے مقام پر صدقہ کی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے حدیثِ قدسی میں ہے۔ اَلۡمَالُ مَالِيۡ وَالۡفُقَرَآءُ عِيَالِيۡ فَمَنۡ بَخِلَ بِمَالِيۡ عَلٰى عِيَالِيۡ اُدۡخِلُهُ النَّارَ وَلَا اُبَالِيۡ (خدا فرماتا ہے مال سب میرا ہے۔ اور فقراء میری عیال ہیں۔ تو جو شخص میرے مال کا میری عیال پر خرچ کرنے سے بخل کرے گا اُس کو جہنم میں داخل کروں گا۔ اور اُس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ بہر کیف صدقہ کی ترویج اور غرباء پروری کے رجحان کو بڑھانے کے لئے کہیں صدقہ کو زیادتی نعمت کا موجب قرار دیا گیا۔ کہیں تخفیفِ غضب پروردگار کا سبب بتلایا گیا۔ کسی جگہ نہ دینے والے کو جہنم کی دھمکی دی۔ کسی مقام پر حفاظت جان و مال کا ضامن قرار دیا۔ کہیں استجابت دعا کا سبب ٹھہرایا۔ کہیں مشکل و مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا زینہ مقرر کیا۔ کسی مقام پر اپنی رضامندی اور جنّت کی پیش کش کی۔ اور کئی مقامات پر ایک کا بدلہ دس یا ستر یا ہزار یا لاکھ یا اَن گنت دینے کا وعدہ فرمایا۔ تاکہ نعماتِ پروردگار اور ضروریاتِ زندگانی انسان کسی ایک فرد یا ایک طبقہ تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ ہر فرد بشر بحدِ ضرورت فائدہ حاصل کر سکے۔

پھر واجب صدقہ کے علاوہ مستحب صدقات جگہ جگہ دینے کا حکم دیا۔ مثلاً تعمیر مکان کے لئے شادی کے بعد سفر سے پہلے بلکہ ہر اچھے کام کی ابتداء کے لئے تاکہ وہ بابرکت ثابت ہو۔ علاوہ ازیں نذر، نیاز، ہدیے۔ کفارے اور قربانیاں وغیرہ ایک لمبی فہرست ہے۔ جس سے شریعتِ اسلامیہ کے نقطۂ نظر کی خوب وضاحت ملتی ہے کہ خدا نے منافع دنیاویہ میں تمام انسانی افراد کو حق دے رکھا ہے اور اپنے مال سے حقوقِ واجبہ مثلاً خمس۔ زکوٰۃ۔ فطرہ یا نذر فدیہ و کفارہ وغیرہ اس مقصد کی بولتی ہوئی زبان ہے کہ خداوند کریم نہیں چاہتا کہ مال و دولت ایک جگہ محبوس و مقید ہو کر رہ جائے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ چلتی پھرتی رہے اور ہر آدمی اُس سے منتفع ہونے کا موقعہ حاصل کر سکے۔ اسی بنا پر خزانہ کرنا مذموم قرار دیا گیا ہے۔ اور سخاوت کو ایک خصلتِ حمیدہ کا درجہ قرار دیا گیا ہے۔

دَفعِ اشتباہ۔ میرے اس بیان سے وجوب زکوٰۃ کی مصلحت و افادیت پر جامع طور پر روشنی ڈالی جا چکی ہے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ مالدار اور صاحبانِ زر سے ان کے اموال و دولت چھین کر برابر فقراء پر تقسیم کر دی جائے تاکہ امیر و

غریب کا دنیا میں فرق ہی نہ رہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اُمراء اور مالدار طبقہ جو نعمات خداوندی سے بدرجہ اتم اور بحد کمال انتفاع حاصل کرتے ہیں۔ اور اپنے پُورے اور کھلے اخراجات کے بعد بھی ان کے پاس دولت کی فراوانی رہتی ہے تو اس صورت میں وہ خدا کا شکر کریں۔ بایں طور کہ جو لوگ دنیا میں بے بس اور مفلوک الحال زندگی بسر کر رہے ہیں اُن کی خبرگیری کریں۔ اور اپنے برابر نہیں بلکہ اس قدر کہ وہ اپنی زندگی باعزت گذار سکیں۔ اور فاقوں مرنے والے کم از کم پیٹ بھر کر کھانے کو ترسیں۔ اسی وجہ سے چالیسواں یا بعض مقامات پر سو میں سے ۵ یا دس کا ایک حصہ ان کے لئے مقرر فرمایا۔ تاکہ امیر اپنی حیثیت سے زندگی بسر کر سکے۔ اور غریب اپنی حیثیت سے زندہ رہ سکے۔ اس میں نہ ظلم لازم آتا ہے۔ اور نہ کمیونزم کا جواز پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ یہ ایک بین بین اور سیدھا راستہ ہے جس کو عقل سلیم آسانی سے قبول کر سکتی ہے۔

چند احادیث۔ مناسب ہے کہ اس ذیل میں معصومینؑ کے چند فرمان پیش کئے جائیں تاکہ ایمان میں تازگی پیدا ہو جائے

(۱) امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ میرے نزدیک ایک حج کرنا محبوب تر ہے ایک غلام آزاد کرنے دو غلام آزاد کرنے بلکہ دس غلام اور اتنے اور پھر اور۔ اور حتیٰ کہ فرمایا ستر غلام آزاد کرنے سے۔ لیکن اگر ایک مومن بھوکے گھرانے کو پیٹ بھر کھانا کھلاؤں۔ اور اُن کے برہنہ کو لباس دے دوں۔ اور اُن کے چہروں کو گداگری کی ذلت سے بچالوں تو مجھے ایک حج سے دو حجوں سے حتیٰ کہ ستر حجوں سے محبوب تر ہے۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ اپنے بیماروں کا صدقہ سے علاج کرو۔ مصائب کو دعاؤں سے دفع کرو۔ اور رزق کو صدقہ کے ذریعے سے طلب کرو کہ وہ (صدقہ) اس (رزق) کو سات سو شیطانوں کے پنجہ سے چھڑا لاتا ہے۔ اور مومن کو صدقہ دینا جس طرح شیطان پر گراں ہے اسی طرح اور کوئی چیز اس پر گراں نہیں ہے۔ اور صدقہ بندہ (مستحق) سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتا ہے۔

(۳) جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ صدقہ بُری موت کو دُور کرتا ہے (یہ روایات کافی سے منقول ہیں)

(۴) بروایت شیخ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے سوائے صدقہ کے ہر چیز کے الگ خازن مقرر فرمائے ہیں لیکن صدقہ کو وہ خود لیتا ہے۔ اور میرے والد ماجد کا دستور تھا کہ صدقہ سائل کے ہاتھ پر رکھ کر ایک دفعہ واپس لیتے تھے اور اس کو بوسہ دے کر دوبارہ سائل کے ہاتھ میں پلٹا دیتے تھے۔ نیز رات کو (خفیہ) صدقہ دینا غضب پروردگار کو بجھاتا ہے۔ اور بہت بڑے گناہ کو مٹاتا ہے۔ اور حساب کی آسانی کا موجب ہے۔ اور دن کو صدقہ دینا یعنی اعلانیہ صدقہ مال کو بڑھاتا اور عمر کو زیادہ کرتا ہے۔

(۵) بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جو زکوٰۃ کا ایک قیراط (کم از کم مقدار) نہ ادا کرے وہ نہ مومن ہے نہ مسلم۔

(۶) ایک روایت میں آپ نے فرمایا جو ایک قیراط بھی زکوٰۃ نہ دے وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر مرے۔

(۷) فقیہ کی ایک روایت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ اس

اُمّت کے دس قسم کے لوگ کفر کے مرتکب ہوں گے۔ اور ان میں سے ایک وہ ہے جو زکوٰۃ نہ ادا کرے۔ نیز آٹھ قسم کے لوگ ہیں۔ جن کی دعا مقبول نہیں ہوتی۔ اور ان میں سے ایک تارک الزکوٰۃ ہے۔ الحدیث

(۸) بروایت فقیہ وکافی امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے منقول ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب فقراء کا پیٹ بھرنے اور امراء کا رزق بڑھانے کے لئے ہے۔

(۹) کافی سے بروایت امام رضا علیہ السّلام امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے ایک ہزار سے پچیس (چالیسواں حصّہ) زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے کہ اتنی مقدار فقراء کے گذارہ کے لئے کافی ہے۔ اگر لوگ اتنا ہی حصہ زکوٰۃ ادا کرتے تو کوئی محتاج نہ رہتا۔

(۱۰) بروایت فقیہ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ زکوٰۃ کا وجوب امیر و غنی طبقہ کے امتحان اور فقراء طبقہ کی اعانت کے لئے ہے۔ اگر لوگ اپنے مالوں سے زکوٰۃ ادا کرتے تو کوئی فقیر و محتاج نہ رہتا۔ اور زکوٰۃ کی مفروضہ مقدار سے ہی سب لوگ غنی ہو جاتے۔ اور لوگوں کا فقر و احتیاج اور بھوک و ننگ صرف اُمراء و مالدار طبقہ کے گناہ کا نتیجہ ہے۔ (یعنی وہ اپنا فرض ادا کرتے تو ایسا نہ ہوتا) اور اللہ کے لئے سزاوار ہے کہ اس کا حق ادا نہ کرنے والے پر رحمت بند کر دے۔ اور مجھے خدا کی قسم جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور رزق کو عام کیا کہ خشکی یا تری میں جہاں بھی کوئی مال تلف ہوتا ہے وہ صرف زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے ہی ہوتا ہے اور ایسا ہی کہیں بھی کوئی شکار دامِ صیاد میں نہیں آتا جب تک کہ اپنی تسبیح کو ترک نہ کر دے۔ خواہ خشکی میں ہو خواہ تری میں ہو۔ اور خدا کا محبوب ترین انسان وہی ہے جو سخی ہو۔ اور سخی ترین انسان وہ ہے جو زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔ اور اپنے فرض کی ادائیگی میں مومنین پر بخل نہ کرتا ہو۔

شرائط وجوب زکوٰۃ - پانچ شرطوں سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

پہلی شرط۔ بالغ ہونا۔ پس نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ جیسا کہ اکثر احادیث میں صراحت سے وارد ہے کہ یتیم کے مال میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور مقتضائے اصل بھی یہی ہے کیونکہ وہ مکلّف نہیں۔

مسئلہ:۔ لڑکا جب بالغ ہوگا تو اس کے مال کا سال شروع ہوگا۔ اور اختتام سال پر بشرط نصاب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ اگر گیارہ ماہ مال پر گذرے اور بارھویں مہینہ میں وہ بالغ ہوگیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ نابالغ کے مال سے اگر اس کا ولی تجارت کرے تو نفع نابالغ کا ہوگا۔ اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی مستحب ہوگی۔

مسئلہ:۔ اگر بچے کا ولی مالدار ہو۔ اور بچے کا مال بطور قرض اپنے ذمہ لے کر اس سے تجارت کرے تو نفع بھی اس کا ہوگا۔ اور زکوٰۃ بھی استحباباً اُسی پر عائد ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر ولی مالدار نہ ہو تو بچّے کے مال کو بطور قرض لے کر تجارت نہیں کر سکتا۔ اور اگر ایسا کرے تو بصورتِ خسارہ ضامن ہوگا۔ اور بصورت نفع اس کو کچھ نہ ملے گا بلکہ نفع بھی بچے کا ہوگا۔ اور بچے کے مال کو قرض لینے کے لئے ولی کے مالدار

ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ بصورت تلف بچے کے مال کی اپنے ذاتی مال سے تلافی کر سکے۔

مسئلہ۔ بچے کا باپ اور دادا اگر ولی ہوں تو بلا شرط بچے کے مال کو اپنے ذمہ کرکے اس سے تجارت کر سکتے ہیں۔

دوسری شرط۔ عاقل ہونا۔ پس دیوانے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

اگر جنون دائمی ہو تو زکوٰۃ کے واجب نہ ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ لیکن اگر جنون کا دورہ پڑتا ہو تو ظاہر یہی ہے۔ کہ جن چیزوں میں زکوٰۃ کے لئے سال کی شرط ہے۔ اُن چیزوں کی زکوٰۃ اُس پر واجب نہ ہوگی۔ اگر دوران سال میں جنون کا دورہ پڑ جائے لیکن زکوٰۃ غلّات میں اگر بوقتِ وجوب مجنون نہ ہو بلکہ عاقل ہو تو اُس پر زکوٰۃ کا وجوب عائد ہوگا۔

تیسری شرط۔ آزاد ہونا۔ پس غلام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوا کرتی۔

چوتھی شرط۔ مالک نصاب ہونا۔ اگر دو شخص مل کر مالک نصاب بنیں تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

پانچویں شرط۔ تصرف کر سکنا۔ پس اگر نصاب کا مالک ہو لیکن غاصب یا ظالم یا چور وڈاکو کی وجہ سے اپنے مال میں تصرف نہ کر سکتا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی کو قرضہ دیا ہو۔ اور واپس نہ مل رہا ہو تو تا واپسی قرض اُس پر زکوٰۃ کا وجوب نہ ہوگا لیکن جب واپس ہوگا تو زکوٰۃ فوراً واجب نہ ہوگی بلکہ سال گذرنے کے بعد تک نصاب کی بحالی کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر قرضدار قرضہ واپس کرنے پر تیار ہو لیکن قرض خواہ وصول کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہو تو باقی شرائط کے ساتھ اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ۔ مال وقف پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ کیونکہ وجوب زکوٰۃ میں ملک شرط ہے اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔

مسئلہ۔ مستحق تک سردست پہنچا سکنا وجوب زکوٰۃ کی شرط نہیں ہے۔ پس اگر سردست مستحق نہ بھی مل سکتا ہو۔ تب بھی زکوٰۃ اُس پر واجب ہوگی۔ ہاں اگر مستحق موجود ہو۔ اور عمداً اُس کو دینے میں تاخیر کرے گا تو بصورت تلف دوبارہ اپنی گرہ سے ادا کرنے کا ضامن ہوگا۔ لیکن مستحق کی عدم موجودگی کی صورت میں اس کی تاخیر موجب ضمان نہ ہوگی۔ بشرطیکہ اس کی اپنی کوتاہی نہ ہو۔

زکوٰۃ کون کون سی چیزوں پر واجب ہوتی ہے؟

زکوٰۃ کل نو چیزوں پر واجب ہوتی ہے (۱) اونٹ (۲) گائے بھینس (۳) بھیڑ بکری (۴) گندم (۵) جو (۶) خرما (۷) انگور (۸) سونا (۹) چاندی۔ ان کے علاوہ اور کسی چیز پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

اونٹ کی زکوٰۃ کا نصاب

اونٹ کی زکوٰۃ کے بارہ نصاب ہیں۔ اور ان کی تفصیل کے لئے ایک روایت بیان کردی جاتی ہے۔ بروایت من لا یحضرہ الفقیہ۔ صحیحہ زرارہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پانچ سے کم اونٹوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں لیکن جب پانچ ہو جائیں تو اس کی زکوٰۃ ایک بکری ہوگی۔ پھر جب دس ہو جائیں تو دو بکریاں۔ اور اسی طرح ۱۴ تک۔ پھر پندرہ سے ۱۹ تک ۳ بکریاں۔ پھر بیس سے چوبیس تک ۴ بکریاں اور پچیس پر پانچ بکریاں۔ پھر ۲۶ سے ۳۵ تک ایک بنت مخاض۔ اگر بنت مخاض نہ ہو تو ابن لبون دے۔ پھر ۳۶ سے ۴۵ تک ایک

بنتِ لبون اس کے بعد ۴۶[ششم] سے ۶۰ تک ایک حقہ پھر[ہفتم] ۶۱ سے ۷۵ تک ایک جذعہ۔ پھر[ہشتم] ۷۶ سے ۹۰ تک دو بنت لبون۔ پھر[نہم] ۹۱ سے ۱۲۰ تک دو حقے اور[دہم] اس سے اگر بڑھ جائے تو ہر پچاس پر ایک حقہ اور ہر چالیس پر ایک بنت لبون زکوٰۃ ہوگی۔ مثلاً ۱۲۱ پر چالیس کے حساب سے ۳ بنت لبون ہوں گی۔ اور ۱۲۹ تک یہی صورت رہے گی۔ جب ۱۳۰ ہونگے تو[یازدہم] دو بنت لبون چالیس چالیس کے حساب سے اور ایک حقہ پچاس کے حساب سے زکوٰۃ بنے گی اور ۱۳۹ تک یہی صورت رہے گی پھر ۱۴۰ پر دو حقے پچاس پچاس کے حساب سے اور ایک بنت لبون چالیس کے حساب سے ہوگی اور ۱۴۹ تک یہی صورت ہوگی پھر ۱۵۰ پر تین حقے اور ۱۶۰ پر چار بنت لبون وعلیٰ ہذا القیاس اور وہ عدد جو پچاس اور چالیس دونوں پر صحیح تقسیم ہوتا ہو مثلاً دو سو تو ایسی صورت میں مالک کو اختیار ہے کہ پچاس کی تقسیم کا لحاظ کرکے چار حقے دیدے یا چالیس کی تقسیم کے حساب سے پانچ بنت لبون دیدے

توضیحات

(۱) اونٹ کا بچہ جب دوسرے سال میں داخل ہو تو نر کو ابن مخاض اور مادہ کو بنت مخاض کہا جاتا ہے۔ اور جب وہ دو سال پورے کرکے تیسرے سال میں داخل ہو تو نر کو ابن لبون اور مادہ کو بنت لبون کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب چوتھے سال میں داخل ہو تو اس کو حقہ کہتے ہیں۔ اور پانچویں سال میں داخل ہونے والے کو جذعہ کہتے ہیں۔

۲۔ بارہ نصاب یعنی ۵-۱۰-۱۵-۲۰-۲۵-۲۶-۳۶-۴۶-۶۱-۷۶-۹۱-۱۲۱ ہیں۔ پس پہلے نصاب سے پہلے اور ہر دو نصابوں کے درمیان معافی ہے۔

۳۔ بروایت کافی حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے زکوٰۃ وصول کرنے والے اپنے کارندے کو ایک حکم نامہ میں لکھا کہ جب مالدار پر زکوٰۃ میں جذعہ (چھ سالہ) واجب ہو لیکن مال میں جذعہ کوئی موجود نہ ہو بلکہ حقہ (پنجسالہ) موجود ہو تو اس سے حقہ لے لو۔ اور علاوہ دو بکریاں یا بیس درہم بھی لو۔ لیکن اگر اس پر حقہ واجب ہو۔ اور حقہ کی بجائے اس کے پاس جذعہ موجود ہو تو جذعہ لے کر اس کو دو بکریاں یا بیس درہم واپس کرو۔ اسی طرح حقے کی بجائے بنت لبون لو تو دو بکریاں یا بیس درہم بھی زائد لو۔ اور بنت مخاض کی جگہ اگر بنت لبون لو تو دو بکریاں یا بیس درہم واپس کرو۔ یعنی ایک سال کا تفاوت شرعی نقطہ نظر سے دو بکریوں یا بیس درہم کے برابر ہے۔

(۴) نر اور مادہ میں عمر کا فرق اسی سابق حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بنتِ مخاض کی جگہ ابن لبون لیا جا سکتا ہے یعنی ایک سال کی مادہ ایک سال زیادہ کے نر کے ساتھ قیمت میں برابر قرار دی گئی ہے۔

(۵) تفاوت کی صورت میں بیس درہم یا دو بکریوں میں سے مالک جو چاہے چن لے۔ یہ چناؤ زکوٰۃ لینے والا نہیں کر سکتا۔ خواہ بازاری قیمت اس کے برابر ہو یا کم و بیش ہو۔

(۶) زکوٰۃ میں ادا ہونے والے جانور کے اگر متعدد افراد ہوں مثلاً اس پر بنت لبون واجب ہے۔ اور اس کے پاس بنت لبون متعدد ہوں تو مالک کو اختیار ہے جو چاہے دے دے۔ امام کے نمائندے یا فقیر کو جھگڑا کرنے کا کوئی حق نہیں اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے اس کا طریقہ یہ وارد ہے کہ اگر زیادہ ہیں تو دو حصے کرکے مالک کو کہے۔ اپنا حق چن لو۔ پھر باقی کے دو حصے کرکے چناؤ مالک پر چھوڑ دے اور اس طرح کرتا رہے حتیٰ کہ آخر میں حق زکوٰۃ بچ جائے۔ پس وہ لے لے۔

گائے بھینس کی زکوٰۃ کا نصاب — تمام علمائے امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ گائے بھینس کی زکوٰۃ کے دو نصاب ہیں۔

پہلا نصاب تیس ہے۔ اور اس پر ایک تبیع یا تبیعہ دینا واجب ہے۔ اور دوسرا نصاب چالیس ہے۔ اور اس پر ایک مسنّہ واجب ہے۔ تبیع وہ گائے کا بچّہ جو دوسرے سال میں داخل ہو۔ نر کو تبیع اور مادہ کو تبیعہ کہا جاتا ہے۔ اور مسنّہ وہ جو تیسرے سال میں داخل ہو۔

مسئلہ۔ تیس سے پہلے کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اور نہ تیس اور چالیس کے درمیان زکوٰۃ ہے۔

مسئلہ۔ گائے بھینسوں کی زکوٰۃ ہمیشہ اسی طریقہ سے چلے گی کہ ہر عدد میں تیس یا چالیس کی تقسیم کا حساب کیا جائے گا۔ اور اسی اعتبار سے زکوٰۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ مثلاً چالیس سے ساٹھ تک معاف ہے۔ اور ساٹھ پر دو تبیع واجب ہوں گے۔ اور ستر پر ایک تبیع اور ایک مسنّہ واجب ہوگا۔ کیونکہ چالیس کے حساب سے ایک مُسنّہ اور تیس کے حساب سے ایک تبیع بنتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کا نصاب

بھیڑ بکری کی زکوٰۃ کے پانچ نصاب مشہور ہیں۔ جس طرح کہ ایک روایت صحیحہ میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السّلام سے منقول ہے کہ چالیس سے کم پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔ جب چالیس ہو جائیں تو ایک زکوٰۃ میں دے دے۔ اس کے بعد ۱۲۰ تک یہی صورت رہے گی جب ۱۲۱ ہو جائیں تو دو زکوٰۃ میں دیگا پھر دو سو تک یہی فریضہ رہیگا اور جب ۲۰۱ ہونگی تو تین زکوٰۃ میں دیگا اور تین سو تک یہی صورت رہے گی۔ اور جب ۳۰۱ ہو جائیں تو چار دینی پڑیں گی۔ اور چار سو تک اسی نصاب کے ماتحت زکوٰۃ ہوگی۔ پس جب ۴۰۰ ہو جائیں تو وہ سابق حساب ختم ہوگا اور اب ہر سو پر ایک بکری واجب ہوگی۔

توضیحات

۱۔ پانچ نصاب اس طرح ہوئے۔ (۱) ۴۰ (۲) ۱۲۱ (۳) ۲۰۱ (۴) ۳۰۱ (۵) ۴۰۰۔ پس پہلے نصاب سے پہلے اور ہر دو نصابوں کے درمیان کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

۲۔ بھیڑ یا بکری جو اونٹوں کی زکوٰۃ میں دی جائے۔ یا اپنی جنس سے ادا کی جائے۔ اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ اگر بھیڑ دے تو سات مہینہ کی یا اس سے زیادہ کی ہو۔ اور اگر بکری دے تو کم از کم ایک برس سے زیادہ ہو۔

۳۔ تندرست مال میں سے بیمار یا جوانوں میں سے بوڑھی۔ یا موٹی تازیوں میں سے کمزور۔ یا بے عیبوں میں سے عیب دار کو زکوٰۃ میں نہ لیا جائے گا۔ ہاں اگر سب مال ایک جیسا بیمار یا کمزور یا عیب دار ہو تو ان میں سے ان جیسی زکوٰۃ میں قبول کی جائے گی۔ اور اگر مال میں بیمار و تندرست اور عیب دار و بے عیب وغیرہ ملے جلے ہوں تو نسبت سے زکوٰۃ لگائی جائے۔

۴۔ حیوانوں کی زکوٰۃ میں فحل (جو مادہ کو حاملہ کرتا ہے) کھانے کے لئے پالتو اور شیر دار زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

۵۔ اونٹ کی ہر نسل ایک ہی جنس شمار ہوتی ہے۔ لہٰذا وجوب زکوٰۃ کی صورت میں جس نسل سے ادا کیا جائے گا ٹھیک ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اعلیٰ اور ادنیٰ نسل میں سے اپنی اپنی نسبت کا لحاظ رکھنا بہتر ہے۔ اور بھیڑ اور بکری میں بھی قیمت کے اختلاف کی صورت میں ہر ایک جنس کی الگ نسبت سے زکوٰۃ کا ادا کرنا بہتر ہے۔

۶۔ غلہ کی زکوٰۃ میں تو عین کی بجائے قیمت کا ادا کرنا بھی جائز ہے لیکن حیوانوں کی زکوٰۃ میں بھی آیا قیمت کا دینا

جائز ہے جب کہ عین سے زکوٰۃ کا ادا کرنا ممکن ہو تو اس بارے میں علماء امامیہ کے دو قول ہیں۔ شیخ طوسی اعلی اللہ مقامہ نے جواز کا قول اختیار فرمایا ہے۔ اور یہی قول قوی معلوم ہوتا ہے۔

حیوانات میں وجوبِ زکوٰۃ کے شرائط

حیوانوں میں وجوبِ زکوٰۃ کی چار شرطیں ہیں۔

۱۔ نصاب۔ اس کا بیان ابھی ابھی مفصل گذر چکا ہے۔

۲۔ سال۔ یعنی سال برابر نصاب مالک کے پاس موجود ہے۔ اور دورانِ سال میں کسی وقت کم نہ ہو۔ پس جب گیارہ ماہ گذریں گے۔ اور بارہواں مہینہ شروع ہوگا تو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

۳۔ سوم۔ چرنا۔ یعنی سارا سال باہر چر کر پیٹ بھریں۔ ورنہ اگر سال کا کچھ حصہ چریں۔ اور کچھ حصہ مالک کے ہاں سے گھاس پیان کا گذارا ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ البتہ دورانِ سال میں کسی ایک یا دو دن بوجہ بارش کے اگر چرائی نہ ہو سکے۔ اور مجبوراً ان کو گھر میں چارہ ڈالنا پڑے تو اس صورت میں زکوٰۃ معاف نہ ہوگی۔

۴۔ یہ کہ عوامل نہ ہوں۔ یعنی ان سے سال بھر کام کوئی نہ لیا جاتا ہو۔ اگر اونٹ سواری یا باربرداری کے ہوں یا بیل ہل جوتنے یا کنواں چلانے کے لئے رکھے ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ۔ حیوانات میں اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کے وجوب کی تین شرطیں ہیں۔

۱۔ **نصاب**۔ سونے کا نصاب بیس دینار ہے۔ اس میں نصف دینار زکوٰۃ ہوگی۔ اور اس کے بعد ہر چار دینار کے اضافہ سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور چاندی کا پہلا نصاب دو سو درہم ہے۔ اس میں پانچ درہم زکوٰۃ ہوگی۔ اور اس کے بعد ہر چالیس درہم پر ایک درہم زکوٰۃ ہوتی جائے گی۔ پس اگر سونا اور چاندی اس مقدار سے کم ہوں تو زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

۲۔ **سال**۔ یعنی یہ نصاب سال برابر مالک کے پاس موجود رہے۔ اگر دورانِ سال میں کم ہو جائے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

۳۔ **سکہ دار ہونا**۔ یعنی سونے اور چاندی پر زکوٰۃ تب واجب ہوگی۔ جب اس پر شاہی سکہ کی مہر ہو۔ پس زیورات پر یا مطلق اس سونا چاندی پر جو سکہ دار نہ ہو۔ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ خواہ کتنے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

مسئلہ۔ اگر تین شرطوں میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہوئی تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مسئلہ۔ موجودہ دور میں جو نوٹ مروج ہیں ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ جس طرح کہ دوسری دھاتوں پر باوجود سکہ دار ہونے کے زکوٰۃ نہیں ہے۔ لہٰذا نوٹوں کا سونے یا چاندی سکہ دار پر قیاس کرنا باطل ہے۔

غلات یعنی گندم۔ جو۔ خرما اور انگوروں کی زکوٰۃ

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کو مال میں واجب

کیا۔ اور جناب رسالت مآبؐ نے نو چیزوں میں اس کا وجوب بیان کیا۔ اور باقی چیزوں سے معاف فرمایا۔ اور وہ نو چیزیں یہ ہیں۔
سونا۔ چاندی۔ اونٹ۔ گائے۔ بکری۔ گندم۔ جو کھجور اور انگور ان کے علاوہ معاف ہے۔

نصاب زکوٰۃ غلّہ

پس گندم یا جو یا انگور یا خرما ہیں سے ہر ایک جنس پر زکوٰۃ تب واجب ہوگی۔ جب الگ الگ نصاب کو پہنچ جائیں ورنہ اگر مل جُل کر نصاب بنیں تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اور غلہ کی ان چاروں جنسوں کا نصاب پانچ وسق ہے۔ جب کہ ہر وسق ساٹھ صاع کا ہوا کرتا ہے۔ اور ایک صاع کا وزن چھ رطل مدنی اور ایک رطل کا وزن ۱۹۵ درہم اور ایک درہم اڑتالیس جو کے متوسط دانوں کے ہم وزن ہوا کرتا ہے۔ اور ہم نے اس کا صحیح وزن اس طرح معلوم کیا ہے۔ ۴۸ جو پاکستانی اوزان کی مقدار کے لحاظ سے ۲ ماشہ ۲ رتی بنتے ہیں۔ گویا ایک درہم بوزن پاکستان ۲ ماشہ ۲ رتی ہوا۔ پس ۱۹۵ کے ساتھ ضرب دینے سے رطل کا وزن سات چھٹانک ایک تولہ چھ ماشہ اور چھ رتی نکلا۔ پھر ۶ سے ضرب دے کر صاع کا وزن معلوم کیا جو ۲ سیر ۱۱ چھٹانک ۴ تولہ ۴ ماشہ ۴ رتی نکلا۔ اور اس کو ۶۰ کے ساتھ ضرب دی تو وسق کا وزن ۴ من ۴ سیر ۸ چھٹانک ۲ تولہ ۲ ماشہ نکلا۔ پس پانچ وسق جو نصاب زکوٰۃ ہے۔ بیس من بائیس سیر دس چھٹانک ۲ تولہ اور ۶ ماشہ ہوئے۔ گویا احتیاطاً ساڑھے بیس من کو نصاب زکوٰۃ سمجھنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ ۔ جب گندم اور جو کا دانہ قائم ہو جائے۔ اور انگور و خرما کے خوشوں پر عرفِ عام میں انگور اور خرما کا اطلاق کیا جا سکے۔ تو زکوٰۃ اس سے متعلق ہو جائے گی۔ بشرطیکہ نصاب کی حد کو پہنچ جائے۔ اگرچہ ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب ان کو صاف اور اکٹھا کیا جائے گا۔

مسئلہ ۔ جو شخص وقتِ وجوب سے قبل ان جنسوں کو فروخت یا ہبہ کر دے تو اس سے زکوٰۃ ساقط ہوگی۔ اور اُس پر واجب ہو جائے گی جو وقتِ وجوب سے پہلے مالک ہو جائے گا۔

مسئلہ ۔ بارش سیلاب اور دریا وغیرہ سے جن کی سیرابی ہو تو اس میں سے زکوٰۃ دسواں حصہ ہوگی۔ لیکن اگر کنواں نلکا اور ڈول وغیرہ سے سیرابی ہو تو زکوٰۃ بیسواں حصہ ہوگی۔

مسئلہ ۔ اگر بعض فصل بارانی اور بعض چاہی ہو تو مجموعہ کے نصاب تک پہنچ جانے کے بعد دسواں حصہ یا بیسواں حصّہ زکوٰۃ۔ بارانی یا چاہی فصل کی الگ الگ نسبت سے ہوگی۔ یعنی بارانی کا دسواں اور چاہی کا بیسواں حصہ زکوٰۃ ہوگی۔

مسئلہ ۔ اگر ایک ہی فصل چاہی اور بارانی یا نہری ہو تو نسبت کے لحاظ سے زکوٰۃ ادا کرے۔ لیکن اگر دونوں کا دخل برابر برابر ہو تو فصل کے برابر دو حصّے کر کے ایک نصف سے دسواں حصّہ اور دوسرے نصف سے بیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرے۔ مثلاً اگر چالیس من گندم ہوئی ہو تو تین من زکوٰۃ ہوگی۔ کیونکہ ایک نصف سے ایک من ہوگی۔ اور دوسرے نصف سے دو من نکلے گی۔

مسئلہ ۔ آج کل ٹیوب ویل کا زمانہ ہے۔ لہٰذا اگر ٹیوب ویل سے فصل ہوئی ہو تو اُسے چاہی فصل کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

مسئلہ۔ اکثر علمائے محققین کا یہ مسلک ہے کہ جنس زکوٰۃ پر زمانِ کاشت سے زمانِ برداشت تک جس قدر خرچہ ہوا ہے وہ سب زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوگا۔ حتیٰ کہ مالیانہ و آبیانہ و دیگر سرکاری مطالبات جن کا تعلق اسی فصل سے ہو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہوں گے۔

مسئلہ۔ آیا نصاب کا اعتبار مذکورہ بالا خرچہ نکالنے کے بعد ہوگا یا پہلے؟ اس میں تین قول ہیں۔

۱۔ یہ کہ نصاب کا اعتبار پہلے ہوگا۔ پھر خرچہ نکال لینے کے بعد دسواں یا بیسواں حصہ زکوٰۃ دی جائے گی۔ خواہ خرچہ نکالنے کے بعد نصاب سے کم مقدار ہی بچ جائے۔

۲۔ یہ کہ خرچہ نکال لینے کے بعد نصاب کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر نصاب بچے گا تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

۳۔ زکوٰۃ کے تعلق اور وجوب سے پہلے کا خرچ نکال کر نصاب کا اعتبار ہوگا۔ یعنی گندم یا جو کا دانہ بننے سے پہلے جو خرچ ہوا مثلاً مالیہ۔ آبیانہ یا کاشت وغیرہ۔ ان کو نکالنے کے بعد اگر نصاب ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ پھر کٹائی وصفائی کے اخراجات نکال کر ادا کر دی جائے گی۔ پہلا قول احتیاط کے قریب تر ہے۔ لہٰذا اسی پر ہی عمل کرنا مناسب و موزوں ہے۔

مسئلہ۔ زکوٰۃ جس طرح زمیندار پر واجب ہے۔ اسی طرح مزارع پر بھی واجب ہے جب کہ اس کا حصہ نصاب تک پہنچ جائے

مسئلہ۔ مزدور پیشہ لوگ جن کو اجرت میں گندم دی جاتی ہے۔ مثلاً لوہار، ترکھان اور حجام وغیرہ تو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اگرچہ نصاب کو پہنچ بھی جائے۔

مسئلہ۔ ٹھیکہ پر زمین کو حاصل کرنے والا مالک زمین سمجھا جائے گا۔ اور بعد از نصاب اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر جنس کچھ عمدہ اور کچھ ناقص یا کچھ بلند قیمت اور کچھ کم قیمت ہو تو زکوٰۃ نسبت سے ادا کی جائے گی۔

مسئلہ۔ زکوٰۃ ادا کرنے والا عین ادا کرنے کی بجائے موجودہ وقتی نرخ سے قیمت بھی ادا کر سکتا ہے۔

مسئلہ۔ مال تجارت اور چار مذکورہ جنسوں کے علاوہ زمین کی باقی پیداوار جو کیل و وزن رکھتی ہو۔ ان سب پر زکوٰۃ مستحب ہے

مستحقین زکوٰۃ

اس مقام تک زکوٰۃ کے متعلق نہایت ضروری مسائل کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب آیت مجیدہ کی شرح کی جاتی ہے جس میں زکوٰۃ کے مستحقین کا بیان ہے۔ آیت مجیدہ میں مستحقین کی آٹھ قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ فقراء ۲۔ مساکین ۳۔ عاملین ۴۔ مولفۃ القلوب ۵۔ غلام ۶۔ قرضدار ۷۔ خوشنودیٔ خدا کے طریقے ۸۔ مسافر۔

مسئلہ۔ فقیر اور مسکین کے درمیان فرق کرنا بہت مشکل ہے۔ اور ان سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اپنی اور اپنے واجب النفقہ افراد کی کفالت سے عاجز ہو۔ اور غنی کا مفہوم اس کے مقابلہ میں ہے کہ جو اپنی اور اپنے واجب النفقہ افراد کی کفالت خود کر سکتا ہو۔ خواہ بیک وقت سال کے مصارف اپنے پاس جمع رکھتا ہو۔ یا دورانِ سال میں اپنی کد و کد سے محنت کر کے عہدہ برا ہونے پر قادر ہو۔

مسئلہ۔ ہر شخص کی احتیاج کا اس کے شایانِ شان اندازہ کیا جائے گا۔ لہٰذا صاحبانِ مروّت و عزت کے پاس گھوڑے یا غلام کا ہونا استحقاق زکوٰۃ سے ان کو خارج نہیں کرتا جب کہ وہ اپنی شان کے مطابق خرچ نہ رکھتے ہوں۔ اسی طرح ذخیرۂ کتب و

مہمان خانہ یا اپنی وضع کے مطابق لباس پہننا منافیٔ استحقاق نہ ہوں گے۔

مسئلہ ۔ دورِ حاضر میں ترویجِ علومِ دینیہ کے پیشِ نظر مدارسِ دینیہ میں پڑھنے والے طلبہ اس سلسلہ میں زیادہ مستحق ہیں بلکہ مستحقین کی باقی اصناف سے ان کو سبقت حاصل ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت طالبانِ علومِ دینیہ کو ہی ترجیح دینا زیادہ مناسب ہے۔

مسئلہ ۔ اگر ایک شخص مستحق زکوٰۃ ہو۔ لیکن وہ زکوٰۃ لینے سے اپنی خفت محسوس کرتا ہو تو اس کو زکوٰۃ بعنوانِ ہدیہ یا اعانت دی جائے تو جائز ہے۔

مسئلہ ۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت خیال کرنا چاہیئے کہ ہر مستحق زکوٰۃ کو شایانِ شان حصہ دیا جائے مثلاً صاحبان مروت، اور اربابِ علم کو ان کے شایانِ شان حصہ دے اور مستحق غیر سائل کو پیشہ ور گداگر پر ترجیح دے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

مسئلہ ۔ عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی وصولی پر حاکمِ شرع کی جانب سے متعین ہوتے ہیں۔ پس ان کو حاکمِ شرع اسی زکوٰۃ کی مد سے گذر اوقات عطا فرماتا ہے۔

مسئلہ ۔ مؤلفۃ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اسلام کی طرف راغب کرنے یا اسلام پر ان کو ثابت قدم کرنے کے لئے بیت المال سے کچھ دیا جاتا ہے۔

مسئلہ ۔ وہ کنیز و غلام جو سختی و شدت میں ہوں۔ ان کو آزاد کرانے کے لئے بھی ایک حصہ زکوٰۃ سے معین تھا جس کی اب ضرورت ہی نہیں ہے۔

مسئلہ ۔ مستحق زکوٰۃ کی چھٹی قسم مقروض لوگ ہیں۔ یعنی جنہوں نے اپنے جائز ضروری اخراجات کے لئے قرضہ اٹھایا ہو اور اس کی ادائیگی سے قاصر ہوں تو ایسے لوگوں کی زکوٰۃ کے فنڈ سے مدد کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ ۔ اگر ایک شخص کا کسی پر قرض ہو۔ اور جانتا ہو کہ مقروض قرضہ کے ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا اور وہ مستحق زکوٰۃ بھی ہے۔ تو قرض خواہ اپنی زکوٰۃ مقروض کے قرضہ میں حساب کر سکتا ہے بلکہ اگر مقروض مر بھی جائے تب بھی قرض خواہ وہ قرضہ زکوٰۃ سے حساب کر سکتا ہے۔

مسئلہ ۔ زکوٰۃ کے مستحقین کی ساتویں قسم سبیل اللہ ہے۔ یعنی ہر وہ کام جو خوشنودیٔ خدا کا باعث ہو تو اس میں زکوٰۃ لگ سکتی ہے۔ پس مساجد، امام باڑے و مسافر خانے بلکہ رفاہِ عامہ کے لئے جملہ امور اس ضمن میں آسکتے ہیں۔ لیکن ان سب میں زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اس دورِ پُر آشوب میں مدارسِ دینیہ کی ترقی و توسیع۔ اور یہ وہ بنیادی ادارے ہیں جن کی بدولت دین اور دین والے دنیا میں سانس لے رہے ہیں۔ اور انہی کی بدولت زمین خدا کلمۂ حق سے معمور ہے۔ اور یہ وہ مراکز ہیں جن کا وجود ہر دشمن دین کی آنکھوں کا خار ہے۔ پس خیرات و صدقات کی جملہ رقوم زیادہ سے زیادہ انہی اداروں کے حوالہ کی جائے۔ تاکہ حفاظتِ مذہب کی یہ حصاریں زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو کر ہر قسم کے مخالف و شدید طوفان و تلاطم کا منہ موڑ سکنے میں کامیاب ہوں۔

مسئلہ - مستحقین زکوٰۃ کی آٹھویں قسم ابن سبیل (مسافر) ہے۔ اور بعضوں نے اسے مہمان سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس سے مُراد وہ شخص ہے جو سفر میں اپنا زادِ راہ ختم کر چکا ہو۔ اور اعانت کا محتاج ہو۔ پس اس کو زکوٰۃ کے فنڈ سے دیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ اپنے وطن میں غنی ہی کیوں نہ ہو۔

مسئلہ - زکوٰۃ کو مستحقین کی ان مذکورہ آٹھوں قسموں پر برابر تقسیم کرنا ضروری نہیں بلکہ حسب مصلحت کم و بیش دیا جا سکتا ہے نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ زکوٰۃ پُوری آٹھ قسموں کو دی جائے بلکہ بعض قسموں کو بھی دی جا سکتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک قسم اور اس میں سے ایک فرد کو بھی دی جا سکتی ہے۔

مستحقین زکوٰۃ کے اوصاف

آیت مجیدہ میں اگرچہ یہ پابندی نہیں کہ مستحقین کی شمار کردہ آٹھ صفتوں کے علاوہ کسی اور قید یا صفت کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے۔ لیکن چونکہ یہ خداوندی عطیہ ہے۔ لہٰذا اس کی حدود کا تعین ضروری ہے۔ مخلوق خدا ہونے میں تو سب انسان یکساں ہیں۔ لیکن بعض کے اموال میں سے دوسرے بعض کا حق مقرر کرنا اگر کسی استحقاق معنوی کی بنا پر نہ ہو بلکہ صرف ظاہری فقر و فاقہ کو ہی معیار قرار دیا جائے تو ایک ناقابلِ فہم مسئلہ بن جاتا ہے۔ اور وہ استحقاق معنوی ہے ایمان۔ جیسا کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین بھی اسی بات پر شاہد ہیں۔

۱۔ صحیحہ برید عجلی۔ کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا کہ اس نے ولاء آل محمدؐ میں داخل ہونے سے پہلے حج کیا تھا۔ کیا وہ درست ہے تو آپ نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اس کے سنّی زمانہ کے باقی تمام اعمال ٹھیک ہوں گے سوائے زکوٰۃ کے۔ پس زکوٰۃ اس کو دوبارہ ادا کرنی پڑے گی جو اُس نے اصل مستحقین کو نہیں دی تھی۔ کیونکہ وہ صرف ولاء آلِ محمدؐ رکھنے والوں کے لئے ہی ہے۔

۲۔ روایت ابو بصیر۔ کہ اُس نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا اگر ایک شخص کے رشتہ دار محتاج ہوں لیکن شیعہ نہ ہوں تو کیا ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ اگر ان کو دینا ہے تو زکوٰۃ کے مال کے علاوہ اپنی گرہ سے دے۔ زکوٰۃ کو اپنے مال کی آڑ نہ بنائے۔

۳۔ ایک روایت میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے سُنا۔ جب کہ میں بیٹھا تھا اور ایک شخص حاضرِ خدمت ہُوا۔ پس اُس نے عرض کی کہ حضور میں اہل رَے سے ہوں۔ اور میرے پاس زکوٰۃ ہے۔ فرمائیے کس کو دوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہمیں دے دیجئے۔ اُس نے عرض کی کہ حضور صدقہ تو آپ پر حرام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جب تو ہمارے شیعوں کو دے گا تو گویا تو نے ہمیں دی۔ اُس نے عرض کی۔ مجھے وہ نہیں مل سکتے تو آپ نے فرمایا۔ ایک سال تک انتظار کر۔ اس نے عرض کی۔ اگر پھر بھی نہ ملیں۔ آپ نے فرمایا۔ دو سال تک انتظار کر۔ حتیٰ کہ چار سال تک انتظار کا حکم دیا اور اگر پھر بھی نہ مل سکے تو ان کو تھیلیوں میں بند کر کے دریا میں پھینک دو۔ کیونکہ خداوند کریم نے ہمارے اور ہمارے شیعوں کے مال ہمارے دشمنوں پر حرام کئے ہیں (حدائق)

دوسری شرط:۔ بعض علما نے فرمایا ہے کہ مستحق زکوٰۃ وہ ہے جس میں عدالت پائی جائے اور بعض نے صرف گناہانِ کبیرہ کے ترک کو شرط قرار دیا ہے۔ اور روایت میں صرف شرابی کو زکوٰۃ نہ دینا وارد ہے۔ بہرکیف زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنی جانب سے کوشش کرے کہ ایسی جگہ اس کا پیسہ جائے جہاں زیادہ سے زیادہ بہتر و موزوں جگہ پر صرف کیا جاسکے۔

تیسری شرط۔ زکوٰۃ اس کو دی جاسکتی ہے جو زکوٰۃ دینے والے کے واجب النفقہ افراد میں سے نہ ہو۔ پس زوجہ و اولاد پر زکوٰۃ نہیں صرف کی جاسکتی۔ اور اسی طرح اولاد کی زکوٰۃ ماں باپ پر بھی نہیں صرف ہوسکتی۔

مسئلہ۔ متعہ والی عورت کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ کیونکہ وہ واجب النفقہ نہیں ہوتی۔

مسئلہ۔ زوجہ پر اگر زکوٰۃ واجب ہو۔ اور شوہر مستحق ہو تو وہ اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

مسئلہ۔ جن رشتہ داروں کی واجب النفقہ ہونے کے علاوہ کفالت و تربیت کرتا ہو۔ ان کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

چوتھی شرط:۔ غیر سید کی زکوٰۃ سید نہیں لے سکتا۔ اور سید کی زکوٰۃ سید و غیر سید سب لے سکتے ہیں۔

دورِ حاضر میں زکوٰۃ بہترین مصرف

اس زمانہ میں جب کہ مغربیت اور لادینی کے رجحان کے ہمہ گیر سیلاب نے تمام دنیا والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اور اسلام کے شیدائی کہلانے والے افراد بھی اس تاثر کے نتیجہ میں اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہونا گوارا نہیں کرتے۔ اور دین صرف ان لوگوں کی جاگیر بن کر رہ گیا ہے۔ جو غربت وافلاس کی بدولت مغربیت کی رنگ رلیوں میں دلچسپی نہیں لے سکتے۔ تو ایسے پُر آشوب زمانہ میں مدارس دینیہ کی اہمیت کا اندازہ کرنا نہایت آسان ہے۔ اور یہی وہ مراکز ہیں جو دین و اسلام پر ہر قسم کے حملہ کا منہ توڑ جواب مہیا کرسکتے ہیں۔ پس ان کی ہر ممکن امداد کرنا چونکہ سب قوم کا فرض ہے۔ لیکن مغربیت کی رَو میں بہنے والے افراد ایسے اداروں کا وجود ہی اپنے لئے بارگراں سمجھتے ہیں۔ لہٰذا وہ ان میں پیسہ دینا ہی فضول خرچی سمجھتے ہیں۔ پس اکثر فقراء اور شاذ و نادر امراء جو دینی امور سے قدرے دلچسپی لیتے ہیں۔ وہی ہیں ان اداروں کا سرمایہ حیات۔ اسی لئے اگر اپنی گرہ سے نہیں بلکہ رقوم واجبہ زکوٰۃ و فطرہ وغیرہ سے ہی ان مدارس کی اعانت کی جائے تو وہ خاطر خواہ کام کرسکتے ہیں۔ بنابریں زکوٰۃ کا دورِ حاضر میں مدارسِ دینیہ کی امداد سے بہترین مصرف اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ پس اربابِ خیر کو چاہیے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اپنے قریب ترین یا مستحق ترین مدرسۂ دینیہ کو ضرور حصہ دے تاکہ اس کا پیسہ علومِ آلِ محمدؐ کی نشر گاہوں میں صرف ہوکر اس کے لئے زیادتی ثواب کا باعث بنے

اسرار و رموز

آیت مجیدہ میں زکوٰۃ کے مستحقین کی آٹھ قسمیں بیان کرتے ہوئے یہ فرق ملحوظ رکھا گیا ہے کہ پہلی چار قسموں کے لئے لام تملیک کا استعمال کیا ہے۔ اور آخری چار قسموں کے لئے فی کا استعمال ہے جو ظرفیت کے معنی میں ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے بنیادی مصرف دو ہیں۔ ایک مصالح شخصیہ جہاں لام تملیک کے ذریعہ سے ان کو اپنے حصص کا مالک ظاہر کیا گیا ہے۔ اور دوسرے مصالح عامہ جہاں فی کا استعمال بتاتا ہے کہ یہاں شخصی تملیک نہیں بلکہ ان کاموں میں بنی نوع انسان کی عمومی خیرخواہی کے لئے زکوٰۃ کا خرچ کیا جاتا ہے۔ گویا اسلام نے شخصی بقاء و ارتقا کے

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ

اور بعض ان میں وہ ہیں جو نبی کو اذیت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ کن رسیا ہے کہدیجئے اچھا کن رسیا ہے تمہارے

بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ

لئے اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مومنوں کی مان لیتا ہے اور رحمت ہے ان کے لئے جو تم میں سے ایمان لائے

ساتھ ساتھ نوعی بقاء وارتقا کو برابر ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً سختی میں بسر کرنے والے غلاموں کو اسی فنڈ سے آزاد کرایا جائے۔ مقروضین کی خبرگیری کی جائے۔ مہمان نوازی کو اپنا شعار بنایا جائے۔ اور دیگر رفاہِ عامہ کے کاموں کو (مثلاً پلیں بنانا سڑکیں تعمیر کرنا مساجد و مدارس کی بنا وغیرہ) انجام دیا جائے۔

مصالح عامہ میں جہاں فی کا استعمال ہے۔ ان میں سے پھر سبیل اللہ پر فی کا تکرار کرکے اس نوع کی اہمیت کو زیادہ واضح کیا گیا ہے۔ یعنی شخصی مصالح میں سے اہم ترین مصلحت ہے۔ نوع انسان کی فلاح و بہبودی کے ذرائع پر خرچ کرنا اور اسی کو سبیل اللہ کہتے ہیں یعنی اللہ کی خوشنودی کے طریقے اور ان سب میں سے دین اسلام اور شریعتِ محمدیہ کی بقا و ارتقا کے مراکز اور ترویج علوم آلِ محمد ؐ کی نشرگاہوں کا قیام آج کل کی اہم ترین قومی اجتماعی مصلحت ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ توجہ اسی طرف دینے کی ضرورت ہے۔

۲۔ بعض مفسرین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اہم فالاہم کے لحاظ سے اقسام مستحقین کو ترتیب دی گئی ہے۔ اگرچہ اس ترتیب پر عمل کرنا واجب نہیں۔ جیسا کہ واو کا استعمال بتاتا ہے۔ یعنی فقیر اہم ہے مسکین سے۔ اور وہ مقدم ہے عامل سے۔ اور وہ مقدم ہے مولفۃ القلوب سے۔ اسی طرح رفاہِ عامہ کے کاموں میں غلام آزاد کرنا سب سے بڑی انسانی خدمت ہے۔ پھر مقروضین کی خبرگیری اور یہ عمومی اداروں کی تشکیل اور عمومی نفع مند سکیموں کی تاسیس سے بہتر ہے۔ اور مسافر کی امداد سب سے اخیر کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن سبیل اللہ پر فی کا تکرار ظاہر کرتا ہے کہ عمومی مصالح سب سے اہم ہیں۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ ۔ شانِ نزول ۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ چند منافق ایک جگہ جمع تھے۔ جن میں جلاس بن سوید نامی بھی تھا۔ تو انہوں نے مسلمانوں کے متعلق نازیبا باتیں کہیں۔ پس ان میں سے کسی نے ایسا کرنے سے روکا کہ آنحضورؐ کو خبر ہوگئی تو ہماری گت بنے گی۔ جلاس نے کہا اس بات کو چھوڑیئے ہم اپنی صفائی پیش کردیں گے کیونکہ وہ تو ہر ایک کی بات آسانی سے مان لیتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک منافق نے قابل گرفت کلمات کہے۔ اور حضورؐ کو اللہ کی جانب سے اطلاع مل گئی۔ پس آپ نے اس کو بلایا۔ اور پوچھا تو اس نے اپنی بے گناہی کے لئے قسمیں کھائیں۔ پس آپ نے درگذر فرمالیا تو وہ حضور کی معافی کو اس غلط انداز میں بیان کرتا تھا کہ وہ تو کن رسیا ہیں۔ یعنی ہر ایک کی سنتے ہیں اور باور کرلیتے ہیں۔ چنانچہ میرے متعلق اس کو شکایت پہنچی تو اس کو سن لیا۔ اور مان لیا۔ اور میں نے جاکر قسمیں کھاکر اپنی صفائی پیش کردی تو میری بات بھی مان لی۔

قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ ۔ اس کی ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ اُذُنُ خَيْرٍ مضاف و مضاف الیہ ہیں اور خبر ہیں۔ مبتدا محذوف کی یعنی

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ

اور جو اذیت دیتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے لئے تاکہ تم کو راضی کریں

ٹھہر کی اور معنی یہ ہوگا کہ وہ اچھا کن رسیا ہے تمہارے لئے۔ اور یہ موصوف کی اپنی صفت کی طرف اضافت ہے۔ چنانچہ بعضوں نے اضافت کے بغیر بھی پڑھا ہے۔

اُذُن کا معنے ہے کان اور مبالغہ کے طور پر انہوں نے آپ کو اُذُن کہا کہ وہ ہر کی سنتے ہیں۔ جس طرح عَین کا معنیٰ آنکھ ہوتا ہے اور جاسوس کو مبالغہ کی بنا پر عین کہا جاتا ہے۔ پس یہ اطلاق مجاز مرسل کے طریقہ پر ہے۔

مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ حضورؐ پر کن رسیا ہونے کا عیب لگاتے تھے کہ جس طرح بڑے آدمی یا بادشاہ ہر معتبر و غیر معتبر کی بات پر جلدی سے باور کر لیتے ہیں۔ اور اس پر اثر مرتب کرنے میں دیر نہیں لگاتے۔ حضورؐ بھی اسی طرح کانوں کے کچے ہیں۔ بس جس نے جو بات کہہ دی فوراً مان لی تو خداوند کریم ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ بے شک رسول ہر کی بات کو سنتا ہے جو اچھی ہو۔ اور بُری بات نہیں سُنتا۔ اور جو بات سُنتا ہے یا مانتا ہے وہ تمہارے فائدہ کے پیش نظر الیا کرتا ہے۔

فائدہ۔ علمائے اُصول نے اس آیت مجیدہ کو خبر واحد کی حجیت کی دلیل قرار دیا ہے کہ خداوند کریم اپنے حبیب کی مدح فرما رہا ہے کہ وہ مومنوں کی بات سنتے ہیں۔ اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ پس مومن کی بات کی تصدیق خبر واحد کے قبول کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اور آیت مجیدہ میں ہے کہ اللہ اور مومنوں کی بات کی تصدیق کرتا ہے۔ یعنی اللہ کی تصدیق اوّلی و ذاتی حیثیت سے ہے اور مومنوں کی تصدیق ثانوی و عرضی حیثیت سے ہے کہ ان کی بات اس لئے مانتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور غالباً اسی پر یؤمن کے لفظ کو مکرر بیان فرمایا۔ نیز اللہ کے ساتھ حرف با اور مومنوں کے لئے حرف لام استعمال کرنے کی بھی یہی مصلحت ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنا ذاتی و اوّلی حیثیت رکھتا ہے اور دلیل و برہان کے ماتحت ہے لیکن مومنوں کی بات ماننا ان کی رعایت کے لئے ہے۔ اور ان کی دلجوئی کی خاطر ہے اور یہی وجہ ہے کہ مومن کی ہر بات سُنی جاتی ہے۔ لیکن اس پر اثر مرتب کرنے کے شرائط اس کے علاوہ ہیں۔ مثلاً گواہی میں ایک مومن کی بات پر عمل نہیں کیا جاتا نیز کچھ مومن اگر کسی کی شکایت کریں۔ اور وہ خود اپنی عذر داری پیش کر دے تو باقی مومنوں کی بات کو رد کر کے اُس کی عذر خواہی کو پذیرائی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ بہر کیف مومنوں کے لئے اس کا وجود رحمت ہے اور وہ ان کی باتوں کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اور منافقوں کو کہا گیا ہے کہ تمہارے لئے اذن خیر ہے بایں معنی کہ باوجود ان کی قلبی امراض پر مطلع ہونے کے ان سے اچھا برتاؤ اور مسلمانوں کا سا سلوک کرتا ہے اور اکثر اوقات ان سے درگذر فرماتا ہے۔ اور ان کے عذر کو بھی قبول فرما لیا کرتا ہے۔

ایذاء رسُول گناہ ہے

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ ۔ مفتی محمد عبدہٗ نے اپنی تفسیر منار میں ذکر کیا ہے کہ ایذاء رسول کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو انکارِ رسالت کی وجہ سے ہو۔ اور یہ کفر ہے۔ اور دوسری وہ جو اقرار رسالت کے بعد بعض ناروا حرکات و سکنات و اقوال و کردار کی وجہ سے ہو۔ اور یہ حرام ہے اگرچہ کفر نہیں پھر آگے چل کر کہتا ہے کہ

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ

حالانکہ خدا اور رسول زیادہ حقدار ہیں کہ یہ ان کو راضی کرتے اگر وہ مومن ہوتے کیا نہیں جانتے کہ جو تجاوز کرے اللہ

یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۳﴾

اور اس کے رسول کی حدود سے تحقیق اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی رسوائی ہے

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد ان کو ایذا دینا مثل اسی ایذا کے ہے جو زمان زندگی میں آپ کو دی جائے۔ مثلاً اس کی ازواج سے شادی کرنا یا حضورؐ کے والدین یا اہل بیت کے متعلق ایسی باتیں کرنا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو یقیناً ناراض ہوتے اور یہ باتیں گناہ ہیں کفر نہیں۔ اور بے شک ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن کوئی ایسی بات نہ کرے جس کے متعلق اُسے علم باطن ہو کہ حضورؐ ہوتے تو ناراض ہوتے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذاتی اور مالی تنازعات میں بھی آل و عترت پیغمبرؐ کی ایذا حرام ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جو آل کی طرف نسبت کا مدعی ہے۔ وہی درحقیقت غلطی پر ہو۔ اور گنہگار ہو (اور اس ساری تمہید کو ایک مطلب کی طرف کھینچ لایا ہے۔ چنانچہ تھوڑا سا آگے چل کر لکھتا ہے) کہ جناب فاطمہؑ اہل بیت کی عورتوں کی سردار بلکہ عالمین کی عورتوں کی سردار (مثل مریم) کو صدیق اکبر سے ایذا پہنچی (جو کہ ان کے باپ کو تمام مردوں میں سے محبوب تر تھا۔ جیسے کہ وہ خود تمام عورتوں میں سے محبوب تر تھیں) اور ایذا کی وجہ یہ تھی کہ جو حضورؐ کی طرف سے بطور میراث ملنے کا اُن کو ظن تھا وہ اس نے نہ دیا یہ عذر کر کے کہ میں اُن کے حکم کو نافذ کرنے والا ہوں اور اُن کی شریعت کی پاسداری کرنے والا ہوں۔ اور میں نے اپنے کانوں آپؐ سے سنا تھا کہ نبی کا وارث کوئی نہیں ہوتا۔ اور جو وہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ پس اس (ابوبکر) کا حضورؐ کی وصیت پر عمل کرنا ایذا نہیں ہو سکتا۔ لہذا بی بی کو جو ایذا پہنچی ان کی طرف سے نہیں تھی۔ الخ۔ تفسیر منار ج ۱۰ ص۶۲۵۔

فخر الدین رازی اور اہل سنّت کے اکثر اکابر علماء نے کوشش کی ہے کہ خاتون جنّت اور ابوبکر کے درمیان باہمی نزاع کو صلح و صفائی سے ختم کرا دیا جائے اور ناراضگی و رنجش کا ذکر ہی درمیان میں نہ آئے۔ چنانچہ غضبت اور ہجرت کی تاویلیں کی گئیں اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ خاتونِ جنّت بعد میں راضی ہو گئی تھیں۔ جیسا کہ ہم نے تفسیر انوار النجف کی چوتھی جلد ص۱۴۱ پر ذکر کیا ہے مرور زمانہ سے ہر بعد میں آنے والا گذشتگان کی باتوں میں جدّت پیدا کرتا ہی رہتا ہے۔ اور سابقہ اعتراضات چونکہ اس کی نگاہوں میں ہوتے ہیں۔ لہذا ہر ایراد و اعتراض سے بچنے کی نت نئی راہیں پیدا کرنا علمی تفوّق کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ مفتی محمد عبدہٗ نے دیکھا کہ فریقین میں صُلح و صفائی کا ڈھنڈورا سنجیدہ طبائع کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ نیز بخاری شریف کی تصریح موجود ہے کہ مرتے دم تک بوجہ ناراضگی کے بی بی نے ابوبکر سے کلام تک نہ کیا۔ اور یہ کہ بی بی کے جنازہ اور دفن میں بھی ان کو شریک نہ کیا گیا تو ان حقائق کے پیش نظر صُلح و صفائی کا اعلان تو صرف مضحکہ خیز ہی ہے۔ لہذا معاملہ کو رفع دفع کرنے کی خاطر یہ ایک نئی چال ہے کہ قرآن کے تہدیدی فرمان سے بھی گلو خلاصی ہو جائے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ جو بھی رسولؐ کو اذیت دیتا

کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ الفاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد اذانی اور حدیث پیغمبرؐ ہے۔ اس کے لئے دردناک عذاب ہے) جس نے اس کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے ایذا پہنچائی۔ اور عوام کی آنکھوں میں بھی دھول ڈالی جا سکے۔ حالانکہ یہ بے چارہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ بی بی کو ناراض کرنے والا یقیناً رسول کا موذی ہے۔ اور اسی آیت مجیدہ کی رو سے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لیکن اس کو چونکہ اکابر کی دیکھا دیکھی پر اپنا پیش رو مان لیا ہے۔ لہٰذا اُسے اور اپنی جان کو دوزخ سے بچانے کا اپنے نفس کو اور عوام کو دھوکا دیتے ہوئے یہ بہانہ تلاش کیا ہے کہ بی بی کی ناراضگی غلط فہمی پر مبنی تھی۔ لہٰذا اس ایذا کا ابوبکر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ بی بی کی پاکدامنی پر دھبہ لگتا ہے۔ کیونکہ ان کو حقیقت معلوم نہ تھی۔ اور وجہ یہ بتلائی ہے کہ ابوبکر نے رسول اللہ سے سنا تھا کہ ہم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

امام فخر الدین رازی کے اعتراف کے مطابق بی بی نے اس حدیث کے جواب میں یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ کی آیت پڑھی تھی کہ خداوند کریم نے ہر اولاد کو اپنے والدین کا وارث قرار دیا ہے۔ اور قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں جو اس عام حکم کی تخصیص کرتی ہو کہ نبیوں کے علاوہ باقی لوگوں کے لئے یہ حکم ہے بلکہ قرآن مجید میں تو اس کی تائیدیں ملتی ہیں کہ مثلاً سلیمان داؤد کا وارث ہوا۔ اور ذکریا نے اپنے لئے وارث کی دعا مانگی تھی وغیرہ۔ پس جب آیت میں وراثت کا حکم عام ہے تو خبر واحد اس حکم کو کیسے توڑ سکتی ہے۔ حالانکہ علماء کے نزدیک یہ مسلّمہ ہے کہ خبر واحد قرآن کی مخصص نہیں ہو سکتی۔

نیز وراثت کا تعلق اولاد سے ہوا کرتا ہے یا اقربا سے۔ پس اگر رسول نے یہ حکم جاری کرنا تھا کہ ہماری جائداد ورثہ میں نہیں جایا کرتی تو بطور وصیت کے اپنے جائز وارثوں کو بلا کر فرماتے اور سمجھاتے کہ دیکھو ہمارا کوئی وارث نہیں ہوا کرتا بلکہ نبیوں کا ترکہ صدقہ ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ وراثت کا سوال نہ اٹھانا۔ اور کوئی عام سے عام انسان بھی ایسی غلطی نہیں کرتا کہ وصیت کا جن لوگوں سے تعلق ہو اُن سے اشارۃً بھی ذکر نہ کرے۔ اور غیر متعلق لوگوں کو ساری باتیں سمجھا دے۔ پس رسول کریم پر ضروری تھا کہ اُمت کے اختلافات کا سدباب کرتے ہوئے اپنی اکلوتی بیٹی کو فرما کر جاتے کہ دیکھو میراث میں جھگڑا نہ کرنا۔ اور یقیناً اگر آپ فرما کر گئے ہوتے تو فدک کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اور بی بی یہ اقدام ہرگز نہ کرتی۔ اور اُمت کا شیرازہ نہ بکھرتا۔ اور اگر صاف صاف نہیں تو کم از کم اتنا تو کہہ جاتے کہ میں وراثت کے متعلق فلاں صاحب کو تفصیل بتا چکا ہوں لہٰذا ان کی بات پر باور کر لینا۔ پس حیرت درحیرت ہے کہ اس قدر ضروری مسئلہ کو اپنے متعلقین پر واضح نہ فرمایا اور ابوبکر کو بتلا گئے۔ اور بطور وصیت فرما گئے۔ بقول محمد عبدہ کے۔ حالانکہ تاریخ وفات رسالت مآبؐ کا مطالعہ رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ آخری ایام میں اور بالخصوص آخری اوقات میں آلِ بیت کسی وقت بھی حضورؐ سے الگ نہیں ہوئے۔ البتہ صحابہ کے کسی نہ کسی وقت دُور رہنے کا امکان قرینِ قیاس ہے۔ اور واقع بھی۔ پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنے بعد کا ایک زبردست متنازعہ فیہ فیصلہ اپنی پوری اُمت میں سے ایک شخص کو بتا گئے جب کہ اہل وعترت بھی موجود تھی۔ اور دوسرے اکابر صحابہ بھی موجود تھے۔ اور کسی نے بھی حضورؐ کا یہ فرمان نوٹ نہ کیا۔ اور تاریخ میں یہ بھی کہیں نہیں ملتا کہ آپ نے آخری اوقات میں سے کسی وقت ان سے خلوت میں باتیں

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

ڈرتے ہیں منافق کہ اترے ان پر کوئی سورہ جو بتا دے ان کو وہ چیز جو ان کے دلوں میں ہے

کی ہوں تاکہ یہ احتمال دیا جاسکے کہ ان میں سے ایک یہ بھی ہوگی۔ بہرکیف یہ اور اس قسم کے مفروضہ افسانوں اور اعذار باردہ کی خدا کے سامنے کوئی وقعت نہیں۔ اور مفتی محمد عبدہ کے دل میں یہ بات کھٹک رہی ہے کہ بی بی کی ایذاء رسول کی ایذا بنتی ہے۔ اور آیت مجیدہ کی رُو سے وہ عذاب الیم کے حقدار ہیں۔ اور اسی خلش کے پیش نظر تو انہوں نے ایذاء فاطمہ کا مسئلہ یہاں خواہ مخواہ چھیڑا ہے ورنہ اس مسئلہ کو یہاں چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ سچ ہے (چور کی ڈاڑھی میں تنکا) اس کے بعد اس نے شیعوں پر برسنے کی کوشش کی۔ اور ان کو خوب کوسا۔ اور ان کا کوئی جرم نہیں سوائے اس کے کہ ان کو آلِ رسولؐ سے محبت ہے اور وہ آلِ رسولؐ پر تشدد کرنے والوں کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ اُسے پتہ نہیں کہ محبت محمدؐ و آلِ محمدؐ میں وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہیں کہ اس جیسے بلکہ اس سے بڑھ کر شیعوں کو نشانہ ظلم و تشدد بنانے والے اپنی انتھک کوششوں کے باوجود شیعوں کے اس جائز احتجاج کو نہیں دبا سکے۔ ہاں ایک دن ضرور آئے گا کہ شیعہ قوم کا وارث آئے گا۔ اور ان کے اس احتجاج کی قیمت پڑے گی۔ اللّٰھم عجل فی فرج آل محمدؐ۔

منافقوں کی چالیں

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ۔ شانِ نزول ان آیات کا یہ ہے جیسا کہ تفاسیر علمائے شیعہ میں مذکور ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر چند منافقوں نے حضورؐ کے قتل کی تجویز بنائی تھی۔ اور وادی عقبہ میں آکر وہ چھپ گئے تھے کہ اگر حضورؐ کو پتہ چل گیا تو ہم کہیں گے کہ ہم لہو و لعب اور گپ وشپ اڑا رہے تھے اور اگر ان کو پتہ نہ چلا تو اچانک حملہ کرکے ان کو قتل کر دیں گے۔ عمار نے آپ کی سواری کی باگ پکڑی ہوئی تھی۔ اور حذیفہ پیچھے سے ہانک رہا تھا کہ اُسے پاؤں کی آہٹ اور تلواروں کا جھنکار معلوم ہوا تو اس نے ان کو دھتکارا۔ چنانچہ وہ دم دبا کر بھاگ کھڑے ہوئے چونکہ تاریکی تھی اور انہوں نے بھی سر منہ لپیٹ رکھا تھا۔ اس لئے جب حضورؐ نے پوچھا کہ تم نے پہچانا کہ ان کون تھے؟ تو اس نے عرض کی کہ نہیں حضورؐ البتہ آپ نے بارہ آدمیوں کے نام گن دیئے۔ پس حذیفہ نے عرض کی کہ حضورؐ ان کو بلا کر قتل کر دیا جائے۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ عرب جن کو حقیقت کا پتہ نہیں کہیں گے کہ محمدؐ نے اپنے اصحاب کو دھوکے سے قتل کر دیا ہے۔ لہٰذا ان کو جانے دیجئے۔ بہرکیف اس سے قبل کی آیتوں میں گذرا ہے کہ وہ مومنوں سے عذر خواہی کرتے ہیں تاکہ وہ ان سے راضی ہوں۔ اور خدا فرماتا ہے کہ ان کے لئے مناسب تھا کہ سچا ایمان لاکر خدا کو راضی کرتے۔ اور اس کے رسول کو راضی کرتے یعنی وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ۔ اور قرینہ کی وجہ سے واللہ کی خبر کو محذوف کر دیا گیا۔ اور خدا و رسول کو رضامند نہ کرنے پر ان کو حدود خداوندی کے توڑنے والا ظاہر کرکے آخرت کی عظیم رسوائی سے ڈرایا بھی گیا۔ اور یہ سارا قصہ تسلسل آیات کے لحاظ سے غزوہ تبوک سے تعلق رکھتا ہے۔ پس اس جگہ فرماتا ہے کہ منافقوں کے دلوں میں یہ خدشہ بدستور تھا کہ ہمارے متعلق کوئی سورہ نازل ہوگا اور ہمارے قلبی حالات کا مسلمانوں کو پتہ چل جائے گا۔ اور ہم رسوا ہوں گے۔ لہٰذا اپنی ظاہری خیر خواہی جتلانے کے

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا

کہدیجئے کہ مسخری کرلو تحقیق اللہ ظاہر کرے گا اس کو جس سے تم ڈرتے ہو اور اگر ان سے پوچھو تو کہتے ہیں کہ بجز اس کے نہیں ہم

كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾

تو گپ شپ مار رہے تھے کہدیجئے کیا اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے تم مسخری کرتے ہو

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۚ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ

عذر نہ کرو تحقیق تم کافر ہو چکے بعد ایمان لانے کے اگر ہم معاف کریں ایک گروہ کو تم سے

باوجود بھی وہ مطمئن نہ تھے۔ اور وادی عقبہ میں جو انہوں نے کھیل کھیلا۔ یا وقتاً فوقتاً جو کرتوت کرتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ بذریعہ وحی ان سب باتوں کی قلعی کھل جائے گی۔ اور ہم رسوا ہوں گے۔ اور عَلَيْهِمْ میں علیٰ ضرر کے لئے ہے جس طرح اس کے برعکس لام نفع کے لئے آیا کرتا ہے۔

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا۔ یعنی ان منافقوں سے کہہ دو کہ بے شک تم مسخری کرلو۔ خدا تمہارے سارے حالات کو جانتا ہے اور جس سے تم کو ڈر ہے وہ ہو کے رہے گا کہ تمہارے نفاق کا پردہ چاک ہوگا اور تم رسوا ہو گے۔

لَا تَعْتَذِرُوْا۔ جب رسالت مآب نے اُن کو بلا کر پوچھا تو قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ ہم بے گناہ ہیں۔ اور ہمارا ارادہ بُرا نہیں تھا تو خدائے علام کی طرف سے ارشاد ہوا کہ ان سے کہدیجئے۔ اب عذر خواہی نہ کرو۔ تم ظاہری ایمان لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہو چکے ہو۔ اور عذاب خداوندی سے بچ نہیں سکتے۔ ہاں اگر کسی نے صدق دل سے توبہ کرلی تو اس کو ہم معاف کر دینگے لیکن توبہ نہ کرنے والوں کو ضرور عذاب ہوگا۔

تفسیر صافی میں بروایت قمی امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو لوگ مومن تھے۔ اور بعد میں شک و نفاق کی وجہ سے مُرتد ہو گئے تھے۔ وہ چار آدمی تھے۔ پس ان میں سے ایک نے واقعی طور پر توبہ کرلی۔ اور حضورؐ نے اس کا پہلا نام تبدیل کرکے عبداللہ رکھا۔ پس اُس نے دُعا کی کہ اے پروردگار مجھے شہادت کی موت نصیب فرما کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔ پس اس کی دُعا مستجاب ہُوئی اور یمامہ کے دن شہید ہُوا۔ اور کسی کو اس کا پتہ بھی نہ چلا۔

اور بعض مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور سیاق آیات بھی اسی کا متقاضی ہے کہ منافق لوگ غزوۂ تبوک پر جاتے ہُوئے آیاتِ قرآنیہ اور اسلام و مسلمانوں پر پھبتیاں کستے ہُوئے جا رہے تھے۔ اور ایسی باتیں کرتے ہُوئے جا رہے تھے جو اسلام دشمنی کی آواز سمجھی جا سکتی تھی۔ پس حضورؐ نے عمار کو بھیجا کہ کیا کہہ رہے تھے تو انہوں نے کہا حضور ہم تو آپس میں گپ شپ مار رہے تھے تب یہ آیتیں اُتریں۔

بہرکیف یہ آیات صرف انہی لوگوں کے لئے نہیں بلکہ تا قیامت تمام لوگوں کے لئے اور بالخصوص مسلمانوں کے لئے مہمیز عبرت ہیں کہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کہیں ہم تو خدا و رسول کے احکام اور آیاتِ قرآنیہ سے مسخری کے مرتکب

نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ

تو عذاب دیں گے ایک گروہ کو اس لئے کہ مجرم ہیں منافق مرد و عورتیں

بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ

بعض ان کا دوسرے بعض میں سے ہے کہ امر کرتے ہیں برائی کا اور روکتے ہیں نیکی سے اور ہاتھ بند رکھتے

اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ

ہیں انہوں نے خدا کو بھلایا پس اس نے ان کو بھلا دیا تحقیق منافق ہی فاسق ہیں وعدہ کیا اللہ نے

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ

منافق مردوں اور عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہی ان کو کافی ہے

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْا اَشَدَّ

اور اللہ نے اُن پر لعنت کی اور اُن کے لئے عذاب دائمی ہوگا (تمہاری حالت) مثل اُن کے ہے جو تم سے پہلے تھے کہ وہ تم

نہیں ہوتے۔ اگر نہیں تو خدا کا شکر بجا لائیں۔ لیکن اگر یہ مرض دل میں ہے تو اس کا توبہ سے علاج کریں اور عذاب نفاق سے بچنے کی کوشش کریں۔

رکوع نمبر ۱۵۔ منافقوں کی نشانیاں

اَلْمُنٰفِقُوْنَ۔ اس آیت میں منافقوں کی پانچ علامتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) یہ کہ وہ بعض بعض سے ہیں۔ یعنی ان کی سیرت و خصلت ایک دوسرے کے بالکل مشابہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ ایک دوسرے سے یک جان دو قالب کی حیثیت سے ہیں۔

(۲) یہ کہ وہ برائی کا امر کرتے ہیں (۳) یہ کہ وہ نیکی سے روکتے ہیں (۴) اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں۔ یعنی راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے (۵) اور یہ سب برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہے کہ وہ اللہ کو بھلا چکے ہیں۔ پس کسی بد اعمالی سے رکنے کا ان میں احساس ہی نہیں رہا۔ اسی لئے بعد میں تعمیم کر دی کہ منافق ہی ہیں فاسق۔ یعنی اللہ کو بھلا دینے کے بعد وہ اپنے آپ کو مطلق العنان سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ہر قسم کا فسق ان سے متوقع ہے۔

حدیث نبوی میں وارد ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ بات کا جھوٹا۔ وعدے کا کچا اور امانت کا خائن۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس میں چار علامتیں ہوں وہ پکا منافق ہے۔ اور جس میں ان سے ایک پائی جائے تو اس میں نفاق کا حصہ ہوگا۔ بات کا جھوٹا۔ وعدہ کا کچا۔ عہد میں غدر کرنے والا اور جھگڑے کے وقت گالی دینے والا۔

وَعَدَ اللّٰهُ۔ یہاں منافق مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہ بھی مردوں کے دوش بدوش نفاق و کفر

مِنكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ

سے زیادہ قوی اور زیادہ مالدار، صاحب اولاد تھے پس انہوں نے فائدہ اٹھایا اپنے حصے کا پس تم نے بھی فائدہ اٹھایا

بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ

اپنے حصہ کا جس طرح فائدہ اٹھایا تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ (دنیاوی) کا اور تم بھی اسی میں گھس گئے جس میں وہ

خَاضُوْا اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

گھسے تھے اُن کے عمل برباد ہوئے دنیا و آخرت میں اور وہی ہیں خسارہ

الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ

پانے والے کیا نہیں پہنچی اُن کو خبر اپنے سے پہلے لوگوں کی قوم نوح اور عاد اور ثمود

وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

اور قوم ابراہیم اور اصحاب مدین اور وہ بستیاں جن کو الٹایا گیا جن کے پاس رسول واضح دلیلیں لے کر

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

آئے تھے پس اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے اور مومن مرد

ہیں حصہ لیا کرتی ہیں۔ جس طرح کہ ایمان میں ان کا حصہ ہوا کرتا ہے۔ اور منافقوں کے بعد کفار کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ عذاب خداوندی میں خالص کفار سے منافقوں کا حصہ زیادہ ہے۔ اور وہ اللہ کے نزدیک کافروں سے بدتر ہیں۔ اس لئے استحقاقِ عذاب میں بھی ان کو مقدم کیا۔ اور لعنت میں بھی ان کا مقام پہلے قرار دیا۔

اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۔ اس آیت مجیدہ میں صیغہ غائب سے اعراض کر کے صیغہ مخاطب استعمال فرمایا کہ اے منافقو! تمہاری حالت ایذاءِ رسول میں ایسی ہے جس طرح تم سے پہلے کے کفار و منافقین کی تھی بلکہ وہ تم سے مال و اولاد و قوت میں زیادہ تھے۔ پس انہوں نے نعماتِ خداوندی کو لذاتِ دنیاویہ اور خواہشاتِ نفسانیہ میں ہی خرچ کیا۔ پس انہوں نے اپنا حصہ یہاں دنیا میں پورا کر لیا۔ اور تم بھی انہی کی طرح لذّاتِ دنیاویہ میں منہمک ہو کر اپنا حصہ وصول کر رہے ہو۔ جس طرح انہوں نے کیا تھا اور کفر میں ڈوب گئے ہو۔ جس طرح وہ ڈوبے تھے۔ پس اُن کے اچھے اعمال کا نہ کوئی دنیا میں صلہ ہے کہ وہ قابل مدح ہوں اور نہ اُن کا آخرت میں کوئی حصہ ہے کہ وہ کافر تھے۔ اور تمہاری بھی وہی حالت ہے۔ پس یہاں ظاہری لذات ہی ان کے اعمال کا بدلہ ہو گئیں۔

اَلَّذِیْ خَاضُوْا ۔ میں فرّاء کے نزدیک الّذی مصدریہ ہے جیسے ما مصدریہ ہوا کرتا ہے یعنی خَاضُوْا کَخَوْضِهِمْ

وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

و عورتیں بعض بعض کے اولیاء ہیں نیکی کا امر کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور

الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط

نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ و رسول کا حکم مانتے ہیں

اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

ان لوگوں پر اللہ عنقریب رحم کریگا تحقیق اللہ غالب و دانا ہے وعدہ کیا اللہ نے مومن مردوں

وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ

اور عورتوں سے باغات کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں کہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانات۔

طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع۱۵

کا جو جنات عدن میں ہوں گے اور اللہ کی رضا بہت بڑی چیز ہے اور یہ ہی بڑی کامیابی ہے

اَلَمْ يَاْتِهِمْ ۹۳ پھر خطاب سے غائب کی طرف رجوع کرتے ہوئے منافقوں کو تنبیہ فرماتا ہے کہ کیا یہ لوگ گذشتہ اقوام کی تباہی سے بھی عبرت و نصیحت نہیں پکڑتے کہ ان کا کیا حشر ہوا تھا۔ اصحاب مدین حضرت شعیب کی قوم تھی۔ جن کا ذکر تفسیر کی چھٹی جلد میں گذر چکا ہے۔ اور مؤتفکات سے حضرت لوط کی اُمت کی تین بستیاں مراد ہیں۔ جن کو عذاب میں گرفتار کیا گیا۔ اور راتوں رات جبریل نے ان کو الٹا دیا تھا۔

علاماتِ مومن بَعْضُهُمْ۔ آیت مجیدہ میں مومنین کی چھ علامتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ اور یہ اُن کے کمال خلوص کی نشانی ہے کہ ایک دوسرے پر جان دیتے ہیں اور یہ بات منافقین میں نہیں پائی جاتی (۲) امر بالمعروف کرنا (۳) نہی عن المنکر (۴) نماز کا قائم کرنا (۵) زکوٰۃ ادا کرنا (۶) یہ خصلت تمام خصائل حمیدہ اور اوصاف فاضلہ کی جڑ ہے کہ وہ اللہ و رسول کی اطاعت کو فرض سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ہر قسم کی نیکی ہی ان سے متوقع ہو سکتی ہے۔ پس ان پر خدا رحم فرمائے گا۔ اور یہ منافقوں کی علامت کے مقابلہ میں ہے کہ وہ خدا کو بھلا چکے ہوتے ہیں۔ اور پھر خدا بھی ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ یا یہ کہ جہنم میں ڈال کر ان کی پرواہ نہ کرے گا۔ اور خدا کے ان کو بھلا دینے کا یہی مطلب ہے۔ اور بخلاف اس کے مومن خدا و رسول کی اطاعت سے گریز نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کو ہر وقت خدا یاد رہتا ہے۔ پس اس کے بدلہ میں خدا بھی ان کو یاد رکھتا ہے۔ یعنی ہر وقت ان پر نگاہِ رحم و کرم فرماتا رہتا ہے۔ جس طرح دوسری جگہ فرماتا ہے فاذکرونی اذکرکم تم مجھے یاد کرو۔ تو میں تمہیں یاد کروں گا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ

اے نبی جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (۷۳) يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ

ہے اور بری بازگشت ہے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا حالانکہ وہ کلمۂ کفر کہہ چکے ہیں اور بعد

كَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ

اسلام لانے کے اور انہوں نے ارادہ کیا وہ جو نہ پا سکے اور انہوں نے نہیں انتقام لیا مگر اس بات کا کہ ان کو خدا

وَعَدَ اللّٰهُ ۔ منافقوں کے لئے جہنم کا وعدہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں مومنوں کے لئے جنّت کا وعدہ ہے اور آخر میں منافقوں پر لعنت بھیجی اور مومنوں کو اپنی جانب سے رضوان کی پیش کش فرمائی۔ اُن کے لئے عذاب مقیم تھا۔ اور ان کے لئے فوز عظیم ہے۔

عَدْنٍ ۔ اس کا لغوی معنی ہے ٹھہرنا قیام کرنا باب ضَرَبَ یَضْرِبُ ہے۔ اور معدن کا لفظ اسی سے مشتق ہے معدن جوہر یعنی جوہر کے ٹھہرنے کی جگہ۔ پس یہاں بھی اسی مناسبت سے جنات کو عدن کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی ایسے باغات جن میں ہمیشہ ٹھہرنا ہوگا۔

رکوع ۱۶ ۔ کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے کفار اور منافقین دونوں گروہوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا لیکن جناب رسالت مآبؐ نے اپنی زندگی میں صرف کفار سے ہی جہاد جاری رکھا۔ اور کبھی منافقین سے جہاد نہ کیا۔ گویا حکم کے ایک حصہ پر عمل کیا اور دوسرے حصہ پر عمل نہ کیا اس کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کے تین جواب ہیں۔

پہلا جواب ۔ جہاد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جہاد بالسیف اور دوسرا جہاد باللسان۔ پس حضورؐ نے کفار سے جہاد فرمایا۔ پہلے زبان سے اور اس کے بعد تلوار سے۔ لیکن منافقوں سے ساری عمر زبان سے ہی جہاد فرماتے رہے۔ اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ منافقوں سے کیوں نہ تلوار سے جہاد کیا۔ جب کہ زبانی جہاد کارگر ثابت نہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ منافق لوگ ظاہری طور پر توحید و رسالت کا اقرار کر چکے تھے۔ اور صف اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ اور کافروں کے ساتھ جہاد کرتے وقت خواہ دل سے یا بددلی سے مومنوں کے دوش بدوش میدانِ جنگ میں بھی حصہ لیتے تھے جس سے مومنوں کی جمعیت میں اضافہ کرکے کفار پر رعب کا باعث بنتے تھے۔ پس اگر حضور ان سے بھی جہاد کرتے تو جہاں ایک طرف کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی جمعیت پر اثر پڑتا۔ وہاں دوسری طرف کفار کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی کہ حضور صرف اقتدار

وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ

اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ پس اگر توبہ کریں تو اُن کے لئے خوب ہوگا اور اگر انکار کریں تو عذاب دے گا خدا

عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾

ان کو دردناک عذاب دنیا و آخرت میں اور نہ ہوگا ان کا زمین میں کوئی ولی و مددگار

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اور ان میں سے بعضوں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے عطا کرے تو ضرور صدقہ دینگے اور نیک

الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧٦﴾

بندوں میں سے ہو جائیں گے پس جب اس نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا تو بخل کرنے لگے اور پھر گئے وعدے سے اعراض کرتے ہوئے

دنیاوی کے لئے لوگوں کو اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ اور جب ان کا اقتدار تسلیم کر لیا جاتا ہے تو اپنوں کو بھی تہ تیغ کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ پس وہ لوگ اس قسم کی باتوں سے اسلام کو بدنام کرتے۔ نیز حضور کی تلوار سے بچ نکلنے والے منافق بھی اسی قسم کا پروپیگنڈا کرتے جو اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی میں رخنہ کا موجب ہو جاتا۔ پس اسی مصلحت کی بنا پر ان سے درگذر ہی مناسب سمجھا اور زبانی جہاد پر اکتفا فرمائی۔

دوسرا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ جاھد باب مفاعلہ سے ہے جو طرفین کے اقدام پر دلالت کرتا ہے۔ چونکہ کافروں نے اقدام کیا لہذا حضورؐ نے جوابی کاروائی کی۔ لیکن منافقوں نے نہ اقدام کیا اور نہ حضورؐ نے ان کی سرکوبی ضروری سمجھی۔ اگر یہ بھی ایسا کرتے تو یقیناً ان سے بھی تلوار سے جہاد کیا جاتا جس طرح کہ حضورؐ کے قائم مقام حضرت علیؑ سے جو لوگ نہ اُلجھے ان سے جہاد نہ کیا اور جو اُلجھے اُن کو دندان شکن جواب دیا گیا جیسا کہ جنگ جمل وصفین ونہروان کی تاریخیں گواہ ہیں۔

تیسرا جواب۔ جو تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آیت کے دونوں حصّوں پر اس طرح عمل ہوا کہ حضورؐ بنفس نفیس کفار سے لڑے۔ اور آپ کے وصی منافقین سے لڑے۔ اور علیؑ کا جہاد بھی چونکہ جہادِ رسول تھا لہذا علی کے جہاد کو ساتھ ملا کر نبی کی جانب سے آیت مجیدہ کے دونوں حکموں پر عمل ہو گیا۔ جلد ۱۴ سورہ تحریم کی تفسیر میں مزید ملاحظہ فرمائیں۔

يَحْلِفُوْنَ سطر ۹۵ ۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر یا اسی موقعہ پر بعض منافقین نے رسالت مآبؐ کے حق میں ناسزا الفاظ کہے جب حضورؐ نے اس کو بلا کر پوچھا تو وہ قسمیں کھانے لگا کہ میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا تھا۔ آیت مجیدہ میں خدا اس کی مذمت فرما رہا ہے۔

لَمْ يَنَالُوْا سطر ۹۶ ۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر چند منافقوں نے حضورؐ کے قتل کی تجویز مرتب کی تھی۔ اور ان کی تعداد

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا

پس نتیجہ میں دیا ان کو نفاق دلوں میں ملاقات کے دن تک بوجہ اس کے کہ خلاف کیا انہوں نے اللہ سے اپنے وعدہ کا اور بوجہ

كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَ

جھوٹ بولنے کے — کیا وہ نہیں جانتے کہ تحقیق اللہ جانتا ہے ان کی پوشیدہ و ظاہر باتوں کو اور

بارہ یا پندرہ تھی۔ حضرت عمار اور حذیفہ حضورؐ کے ہمراہ تھے۔ خداوند کریم نے حضورؐ کو کافروں کی نیت بد سے مطلع کر دیا تھا چنانچہ وہ منافق ناکام ہوئے۔ اور حضورؐ بال بال بچ گئے۔ اور آپ نے حذیفہ کو وہ نام بھی بتا دیے۔ اس مقام پر ملا محمد عبدہ نے تفسیر منار میں وادیٔ عقبہ میں منافقین کا درپے قتل رسول ہونا مختلف تاریخوں سے نقل کیا ہے۔ اور آخر میں بروایت طبرانی ان بارہ منافقوں کے نام بھی گنوا دیے۔ اور آخر میں عذر یہ پیش کیا ہے کہ میں نے یہ بارہ نام اس لئے ذکر کر دیے ہیں تاکہ شیعہ لوگوں کو دوسرے اچھے صحابہ پر طعن کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ وہی چور کی ڈاڑھی میں تنکا والی بات ہے۔ جب رسول کے نیک صحابہ کا کسی نے نام ہی نہیں لیا اور نہ کسی کی جرأت ہے کہ رسول کے صحابہ پر زبانِ طعن دراز کرے تو ایسے حالات میں خواہ مخواہ کسی کے متعلق ڈھنڈورا پیٹنا کہ دیکھو فلاں پر بدگمانی نہ کرنا کیونکہ وہ بڑا نیک ہے تو درحقیقت اس قسم کے اعلانات لوگوں کو اس شخص پر بدگمان ہونے کی دعوت ہوا کرتے ہیں۔ خدا ایسے عقلمند طبقے سے پناہ دے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ان بارہ میں سے آٹھ قریشی تھے۔ اور چار دوسرے قبائل عرب میں سے تھے۔

۹۶
وَمَا نَقَمُوْۤا۔ یعنی جو لوگ رسول کے قتل کے درپے ہوئے یا جنہوں نے حضورؐ کے حق میں نازیبا الفاظ کہے۔ انہوں نے اپنی ضمیر فروشی اور محسن کشی کا ثبوت فراہم کیا تھا کیونکہ یہ لوگ قبل از اسلام فاقوں مرتے تھے کبھی پیٹ بھر کر ان کو کھانا نصیب ہی نہ ہوا تھا۔ پس جب اسلام کا بول بالا ہوا تو اسلامی حروب میں حضور کے قدم جگہ بہ جگہ فتح و نصرت نے چوم لئے تو کفار سے اس قدر مالِ غنیمت ان لوگوں کو دست یاب ہوا کہ غنی ہو گئے اور فاقہ مستی کے بعد یک دم دولتمند اور غنی ہو جانا اللہ کا فضل و کرم اور اس کے رسول کا فیض تھا۔ پس ان کو چاہیئے تھا کہ خدا کی اس نعمت پر اس کا شکر ادا کرتے۔ اور اس کے رسول کی غلامی کو اپنا سرمایہ زندگی تصور کرتے۔ لیکن انہوں نے اپنی نااہلیت کا ثبوت دیا۔ اور یکبار غنی ہونے میں وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ اور اُلٹا اپنے محسن کے درپے ایذا و قتل ہو گئے۔ پس گویا انہوں نے اپنے اُوپر خدا و رسول کے انعامات و احسانات کا شکر ادا کرنے کی بجائے انتقام لیا جو انتہائی خست اور کمینگی ہے۔

ثعلبہ کا واقعہ

وَمِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ ۹۷ تفسیر مجمع البیان میں آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق مذکور ہے کہ ایک شخص ثعلبہ نامی جو انصار سے تھا۔ اُس نے خدمتِ نبوی میں درخواست کی کہ خدا مجھے اپنے فضل و کرم سے مالدار کرے آپ میرے لئے دعا مانگیں۔ حضور نے جواب میں فرمایا۔ اے ثعلبہ تھوڑے مال پر شکر ادا کرنا اس زیادہ مال سے اچھا

اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

تحقیق اللہ غیبوں کے جاننے والا ہے ؟ وہ جو طعنہ زنی کرتے ہیں مومنین میں سے خیراتی صدقہ دینے والوں پر اور

فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ

ان پر جو نہیں پاتے مگر اپنی حیثیت مطابق پس یہ مسخری کرتے ہیں ان سے تو خدا ان کو

ہے۔جس کا شکر ادا نہ کیا جائے تو میری اتباع کر۔ مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر چاہوں تو سونے چاندی کے پہاڑ میرے ہمرکاب ہو کر چلیں۔ پس وہ خاموش ہو کر چلا گیا۔ پھر ایک دن حاضر ہو کر کہنے لگا۔ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے مالدار کر دے۔ اور مجھے اُس پروردگار کی قسم جس نے آپ کو نبوت عطا فرمائی ہے۔ میں حقوق مالیہ ضرور ادا کروں گا۔ پس آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی جو مستجاب ہوئی۔ پس اُس نے بکریاں خریدیں جو کیڑوں مکوڑوں کی طرح بڑھنے لگیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا مال اس قدر بڑھ گیا کہ مدینہ میں نہ سما سکتا تھا۔ پس مجبوراً وادی میں چلا گیا۔ اور پھر اس قدر بڑھا کہ اُسے مدینہ سے دُور جانا پڑا حتیٰ کہ جمعہ وجماعت کی سعادت سے محروم ہو گیا۔ پس جب حضورؐ نے زکوٰۃ کی طلب کے لئے قاصد بھیجے تو اس نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ پس حضورؐ نے افسوس ظاہر فرمایا اور آیت مجیدہ میں اسی قصہّ کی طرف اشارہ ہے۔ اور انجام کار اس کا یہ ہوا کہ وہ منافقوں کی فہرست میں درج ہو گیا۔ اور بخل وعہد شکنی نے نتیجۃً اس کو نفاق دے دیا اور بمقتضائے فرمانِ خداوندی وہ توبہ پر موفق نہ ہو سکا۔ اور یہ سب کچھ اس کی عہد شکنی کی ہی سزا تھی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ثعلبہ نے وعدہ کیا تھا کہ اگر مالدار ہو جاؤں تو اس سے صدقہ کروں گا اور ہر صاحبِ حق کو حق دوں گا۔ چنانچہ اس کا ایک چچازاد جو بڑا مالدار تھا۔ فوت ہو گیا۔ اور سوائے اس کے اس کا کوئی دوسرا وارث نہیں تھا۔ پس اس کا سب مال بطورِ وراثت کے اس کی طرف منتقل ہو گیا۔ اور یہ مالدار بن گیا۔ لیکن اپنے کئے وعدوں سے منحرف ہو کر منافق بن گیا۔ اور ممکن ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہوں۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضورؐ کے پاس عبدالرحمٰن بن عوف صدقہ کے لئے ایک تھیلی روپوں کی بھر لایا۔ اور عتبہ بن زید حارثی ایک صاع کھجور لے آیا۔ اور عرض کی کہ حضورؐ! میں نے باغ میں مزدوری کی ہے۔ اور مجھے دو صاع ملے ہیں۔ پس ایک صاع بچوں کے لئے گھر میں رکھا ہے۔ اور دوسرا صاع حضورؐ کے پیشِ خدمت ہے۔ یہ سُن کر منافقوں نے کہنا شروع کر دیا کہ عبدالرحمٰن بن عوف نام و نمود چاہتا ہے۔ لہذا ریا کی خاطر اُس نے تھیلی پیش کی ہے۔ اور خدا کھجور کے ایک صاع سے بے نیاز ہے۔ پس زیادہ دینے والے کو ریا کا طعنہ دیا۔ اور تھوڑا دینے والے کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ اور خدا اسی کا ذکر فرما رہا ہے کہ مومنین میں سے جو مخیر ہیں ان پر بھی طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اور جو اپنی محنت کے اندازے سے تھوڑا دینے پر قادر ہیں ان کو حقارت آمیز لہجہ سے خطاب کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ جو اپنی کمائی میں سے بچا کر

اللّٰہُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ

اس کا بدلہ دے گا اور انکے لئے عذاب دردناک ہوگا ان کے لئے بخشش طلب کرو یا نہ کرو (برابر ہے) اگر ان

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا

کے لئے بخشش ستر مرتبہ بھی طلب کرو تو ہرگز نہ بخشے گا خدا ان کو کیونکہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول کیساتھ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾

کفر کیا اللہ ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا

غربت وافلاس کے باوجود دیا جائے۔

وعظ و عبرت۔ صرف ان منافقوں کا ذکر پڑھ سُن کر خود عبرت حاصل نہ کرنا انتہائی ناعاقبت اندیشی ہے۔ کیا دورِ حاضر میں اربابِ خیر پر اس قسم کے الزامات نہیں عائد کئے جاتے۔ نیز غربا کے عطیوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اگر ایسا ہے تو اپنی اس باطنی مرض کی طرف توجہ دینی ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات تا قیام قیامت ہر آنے والے مسلمان کو صحیح راستہ کی نشان دہی کرتی ہیں۔ پس نیک نصیب ہے وہ انسان جو ان تعلیمات کو دل میں جگہ دے اور عمل کی سعادت حاصل کرے۔

سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ خدا ان کو سخری کی سزا دے گا۔ ورنہ خدا تو کسی سے سخری نہیں کرتا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ تفسیر منہج الصادقین میں ہے کہ عبداللہ بن ابی کا لڑکا جس کا نام عبداللہ تھا۔ مخلص مومنوں میں سے تھا۔ جب اُس کا باپ بیمار ہوا تو خدمت پیغمبر میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضورؐ! میرے باپ کے لئے دعا کیجئے تو یہ آیت اُتری کہ آپ اُن کے لئے دعا کریں یا نہ کریں دونو صورتیں برابر ہیں بلکہ اگر ستر بار بھی دعا کریں تو خدا ان کو نہیں بخشے گا۔ اور ستر مرتبہ کا لفظ کثرت ظاہر کرنے کی ایک تعبیر ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ میں نے ہزار مرتبہ یہ بات کہی یا بیسیوں بار یہ کہا تو اس قسم کی تعبیروں سے وہ عدد خاص طور پر مقصود نہیں ہوا کرتا۔ پس یہاں بھی مقصد یہ ہے کہ آپ خواہ کتنی بار ان کے لئے دعا مغفرت کریں۔ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ کافر تھے۔ اور خدا ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

نتیجہ۔ آیت مجیدہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ منافق ہوں ان کے لئے رسول کی منہ مانگی دعا بھی قابل قبول نہیں۔ لہٰذا ان کا رسول کے ساتھ رہن سہن اور اُٹھ بیٹھ ان کو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ پس اگر مومن ہوگا تو رسول مخصوص نام لے کر اس کے لئے دُعا نہ فرمائیں۔ تب بھی وہ مومنوں کے ساتھ خدا کے کئے وعدہ میں شریک ہوگا۔ اور جنت عدن میں بطابق مضمون سابقہ آیات کے اس کو ٹھکانا ملے گا۔ خواہ وہ مومن عربی ہو یا عجمی صحابی ہو یا غیر صحابی۔ اور اپنا قریبی ہو یا بیگانہ۔ نیز رسول کے پاس کبھی بیٹھا ہو یا اسے کبھی یہ اتفاق نہ ہوا ہو۔ لیکن بخلاف اس کے اگر منافق ہوگا تو خواہ عربی ہو صحابی ہو قریبی ہو۔ پاس بیٹھنے والا ہو حتیٰ کہ رسول منہ بول کر بھی اس کے لئے خدا سے رضا طلب کرے تو کارآمد نہ ہوگی۔ چہ جائیکہ دوسرے لوگ خدا کی رضامندی کا اس کے لئے پروانہ لئے پھریں۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا
خوش ہوئے پیچھے چھوڑے ہوئے اپنے بیٹھ رہنے پر پیچھے رسول اللہ کے اور ناپسند کیا جہاد کرنا

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ
اپنے مالوں اور جانوں سے راہِ خدا میں اور کہنے لگے کہ نہ کوچ کرو گرمی میں کہہ دیجئے دوزخ کی آگ

اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ
بہت سخت گرم ہے کاش وہ سمجھتے ہوتے پس ہنس لیں تھوڑی مدت اور روئیں بہت مدت

رکوع نمبر ۱۷۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ۔ غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے جن منافقوں نے چھٹی مانگ لی تھی اور حضورؐ نے ان کو پیچھے چھوڑا تھا۔ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہیں۔ یہاں خِلَافَ کے دو معانی جائز ہیں۔ ایک تو خلاف خَلف سے یعنی جن کو پیچھے چھوڑا گیا تھا۔ اور دُوسرے خِلَاف مخالفت کے معنی میں یعنی جن کو پیچھے چھوڑا گیا۔ وہ جناب رسالت مآبؐ کی مرضی کے خلاف گھر بیٹھ رہنے پر خوش ہیں۔

وَقَالُوْا۔ یہ قول ان کا اپنا باہمی مکالمہ ہے۔ کہ ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ گرمی میں نہ نکلو یا یہ کہ مومنوں کو جنگ سے باز رکھنے کے لئے کہتے تھے۔

فَلْيَضْحَكُوْا۔ تعبیر صیغۂ امر سے کی گئی ہے۔ اور اس کا معنی خبر کا ہے۔ یعنی ان کو ہنسا تھوڑا نصیب ہوگا۔ اور رونا ان کا طویل و پائدار ہوگا۔ اور اس کی تین وجوہ ہیں۔

۱۔ یعنی اگر یہ لوگ حقیقت کو سمجھیں کہ جہاد کو ترک کرنے میں ان کو ملا کیا ہے۔ اور ان سے فوت کیا کچھ ہوا ہے کہ دنیا میں ذلّت وخواری ملی۔ اور آخرت میں عذاب دائمی حاصل ہوا۔ اور جنّت کی نعمات کھو بیٹھے۔ پس یہ سمجھنے کے بعد ان کا ہنسنا تھوڑا رہ جائے گا۔ اور رونا طویل ہوگا۔

۲۔ یا یہ کہ بذریعہ وحی ان کی منافقت کا پردہ چاک ہونے کے بعد مسلمانوں کے دلوں سے ان کا وقار ختم ہو گیا۔ لہٰذا ان کی دنیاوی زندگی بھی مکدر اور گندلی ہوگئی کہ تکالیف زیادہ بڑھ گئیں۔ اور خوشی کے مواقع بہت کم رہ گئے۔

۳۔ یہ کہ اس موقع سے قبل مسلمانوں کے ساتھ مل کر جو ان کو خوشی کے مواقع دستیاب تھے۔ اب رسوائی کے بعد بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ اور نعماتِ اُخرویہ سے محرومی کا رونا تو بہرکیف دائمی ہے ہی۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ۔ ارشاد ہے کہ اگر آپ غزوہ تبوک سے باخیر و عافیت واپس جائیں اور ان منافقوں سے پھر ملنا جلنا ہو تو اب ان سے سابقہ برتاؤ ترک کر دیں۔ اور اگر دوبارہ جہاد کیلئے دشمنوں کے مقابلہ میں خروج کی نوبت آئے اور یہ منافق اپنی نصرت کی پیش کش بھی کریں تو قبول نہ فرمائیں۔ اور ان کو وا شگاف الفاظ میں دو ٹوک کہہ دیں کہ تم ہمارے ساتھ

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ

بدلہ اس کا ہے جو وہ کماتے ہیں پس اگر تمہیں خدا پلٹائے طرف ان کی جماعت کے پس

فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ

وہ آپ سے کوچ کی اجازت چاہیں تو کہدیجئے کہ ہرگز نہ نکلو میرے ہمراہ بالکل اور ہرگز نہ لڑو میرے ساتھ

عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

دشمنوں سے کیونکہ تم خوش ہوئے بیٹھ رہنے پر پہلی مرتبہ پس بیٹھے رہو ساتھ پیچھے رہنے والوں کے

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا

اور نہ نماز جنازہ پڑھیے ان پر جو مرجائے بالکل اور نہ ٹھہرئیے اس کی قبر پر تحقیق وہ کافر ہیں

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ

اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اور مرتے ہیں درحالیکہ فاسق ہیں اور نہ تم کو تعجب میں ڈالیں ان کے مال اور

اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ

اولادیں سوائے اس کے نہیں کہ خدا چاہتا ہے کہ ان کو عذاب دے انہی کی بدولت دنیا میں اور نکلیں ان کی روحیں

ہرگز نہ نکلو کیونکہ ہمیں تمہارے ساتھ لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس تم گھر بیٹھے ہی بھلے ہو۔

مومن اور منافق کا جنازہ

وَلَا تُصَلِّ ۔ اس سے قبل دستور تھا کہ منافقوں پر مسلمانوں کے احکام جاری کئے جاتے تھے۔ اور ان پر نماز جنازہ بھی پڑھی جاتی تھی۔ لیکن غزوہ تبوک کے بعد یہ حکم امتناعی نازل ہوا کہ ان میں سے مرنے والے کی نماز جنازہ نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لئے دعا کرو۔

صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ بعض لوگوں کا جنازہ پانچ تکبیریں پڑھتے تھے۔ اور بعض لوگوں کا جنازہ چار تکبیریں پڑھتے تھے۔ پس جب کسی پر چار تکبیریں پڑھتے تھے تو پتہ چلتا تھا کہ یہ منافق تھا۔

دوسری روایت میں آپ سے ہی منقول ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نماز جنازہ پڑھتے تھے تو پہلی تکبیر کے بعد شہادتین۔ دوسری تکبیر کے بعد صلوات انبیاء پر۔ تیسری تکبیر کے بعد مومنوں کے لئے دعا۔ چوتھی تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا۔ اور پانچویں تکبیر پڑھ کر ختم کر دیتے تھے لیکن جب منافقوں پر جنازہ پڑھنے سے ممانعت ہوئی تو پہلی تکبیر کے بعد

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ

در حالیکہ وہ کافر ہوں اور جب اُترے کوئی سورہ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو ساتھ رسول

رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾

کے تو چھٹی مانگتے ہیں جو ان میں سے مالدار ہیں اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دیجئے تاکہ پیچھے بیٹھنے والوں میں ہو جائیں

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾

وہ راضی ہیں کہ ہوں ساتھ پیچھے بیٹھنے والیوں کے اور مہر لگائی گئی ان کے دلوں پر پس وہ نہیں سوچتے

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰۗىِٕكَ

لیکن رسول اور وہ جو اس کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور جانوں سے اور انہی

لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

کے لئے ہی خوبیاں ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں ان کے لئے تیار کئے ہیں اللہ نے باغات

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾ ع

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں کہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے

شہادتین دوسری کے بعد صلوات انبیاء پر اور تیسری کے بعد دعا مومنین کے لئے اور چوتھی تکبیر پر ختم کر دیتے تھے اور میت کے لئے دعا نہیں مانگتے تھے۔ یعنی مومن کا جنازہ پانچ تکبیریں اور منافق کا چار تکبیروں سے پڑھا کرتے تھے۔ اور اسی مضمون کی روائتیں اہل سنت کی کتب صحاح ستہ میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ صحیح ترمذی میں صاف طور پر ہے کہ حضور مومن کا جنازہ پانچ تکبیروں سے پڑھا کرتے تھے۔ پس جنہوں نے حضور کو پانچ تکبیریں پڑھاتے دیکھا وہ پانچ پڑھتے ہیں۔ اور جنہوں نے حضور کو چار تکبیریں پڑھاتے دیکھا وہ اب بھی چار پڑھا لیتے ہیں۔

وَاِذَا ۔ یعنی منافقوں کا وتیرہ ہو گیا تھا کہ جب کبھی ان کو دعوتِ جہاد دی جاتی تو ان میں سے مالدار عذر خواہی کرتے تھے کہ ہمیں گھر میں رہنے دیا جائے گویا ان کا خدا اور رسول کی فرمائشات پر ایمان ہی نہیں تھا۔

اَلْخَوَالِفِ ۔ خالفہ کی جمع ہے یعنی وہ عورتیں جو گھر میں رہیں اور مردوں کے لئے بھی یہ استعمال ہوا ہے جیسے خَالِفٌ وخَالِفَۃٌ اور مذکر کے لئے فاعل کا صیغہ صرف دو مقام پر فواعل کے وزن پر آیا ہے۔ ایک فارس کی جمع فوارس اور دوسرے حالک کی جمع حوالک۔ بہرکیف اس جگہ خوالف سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اسلام نے معذور قرار دے کر گھر میں بیٹھے رہنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ مثلاً بچے۔ بوڑھے۔ عورتیں اور بیمار لوگ۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ

اور آگئے عذر کرنے والے بدوؤں میں سے کہ ان کو بیٹھنے کی اجازت ملے اور (بلا عذر) بیٹھ گئے وہ جنہوں نے جھٹلایا اللہ

وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ

اور اس کے رسول کو تو پہنچے گا ان کو جو کافر ہیں۔ان میں سے عذاب دردناک نہیں نہیں اوپر کمزوروں کے

عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ

اور اوپر بیماروں کے اور نہ اوپر ان کے جو نہیں رکھتے خرچ

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ

کوئی حرج جب کہ وہ خیر خواہی کریں اللہ اور اس کے رسول کی نہیں ہے اوپر احسان کرنے والوں کے گرفت اور خدا

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ

بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور نہ (حرج) ہے اوپر ان کے جو تیرے پاس آکر سواری طلب کرتے ہیں اور تو فرماتا ہے کہ

مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا

نہیں میرے پاس کہ تمہیں سوار کروں اور وہ واپس جاتے ہیں درحالیکہ ان کی آنکھیں روتی ہیں آنسو غم کے کہ وہ نہیں رکھتے

مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ

خرچ بس گرفت ان لوگوں پر ہے جو تجھ سے اجازت مانگتے ہیں حالانکہ وہ دولت مند ہیں

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

وہ خوش ہیں کہ پیچھے رہنے والیوں میں رہ جائیں اور مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر بس وہ نہیں جانتے

اَلْخَيْرٰتُ - ان منافع کو کہا جاتا ہے۔جو انسان کے لئے سکون کا فائدہ دیں۔مثلاً حسین وجمیل عورتیں۔اور دیگر نعماتِ خداوندی۔پس دنیا میں بھی خدا کی طرف سے مومنوں پر احسانات وکرامات کا نزول ہوتا ہے۔اور آخرت میں نعماتِ جنت بھی انہی لوگوں کے لئے ہیں۔پس دنیا وآخرت کی دونوں زندگیوں میں ان کو کامیابی حاصل ہوگئی۔اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔

رکوع نمبر ۱۸۔ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ ۔گویا تخلف کرنے والوں کے دو گروہ تھے جن کی اس آیت میں نشاندہی ہے۔ایک گروہ وہ تھا جنہوں نے جنگ میں نہ جانے کے لئے معذرت کرتے ہوئے اجازت مانگ لی تھی۔اور دوسرا

گروہ جو بغیر اجازت کے جنگ میں شرکت کرنے سے پیچھے رہا تھا۔

لَیْسَ ۔ مروی ہے کہ عبداللہ بن ام مکتوم خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی میں نابینا ہوں ۔ اور میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں جو مجھے لے جائے تو آپ خاموش ہوئے ۔ اور یہ آیت اُتری۔

وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ ۔ مروی ہے کہ سات آدمی حاضر ہوئے اور عرض کی حضور! ہم مجبور ہیں۔ جی چاہتا ہے لیکن خرچ نہیں اور سواری نہیں کہ جا سکیں تو حضور نے فرمایا کہ سواری تو میرے پاس بھی نہیں کہ تمہیں دے سکوں۔ پس وہ مایوس ہو کر روتے ہوئے واپس گئے اور یہ آیت اُن کے حق میں اُتری۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ غزوہ تبوک میں آپ کے ہمرکاب تیس ہزار مجاہد گئے تھے جن میں سے صرف دس ہزار سوار تھے۔

پارہ ۱۱

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ

عذر پیش کرتے ہیں تمہارے سامنے جب تم پلٹے ان کی طرف کہدیجئے عذر پیش نہ کرو ہم نہ مانیں گے تمہاری (کوئی بات) ہمیں بتا دی

نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ

ہیں خدا نے تمہاری باتیں اور عنقریب دیکھے گا خدا تمہارا عمل اور اس کا رسول پھر پلٹائے جاؤ گے طرف

اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ

غیب وشہادت کے جاننے والے کے پھر تمہیں بتائے گا جو تم عمل کرتے ہو وہ خدا کی

بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ

قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے جب پلٹو گے ان کی طرف تاکہ درگذر کرو ان سے پس ان سے منہ پھیر لو تحقیق وہ

رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا

نجس ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ اس کا جو وہ کسب کرتے ہیں قسمیں کھاتے ہیں تمہارے سامنے تاکہ

عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

راضی ہو جاؤ ان سے پس اگر تم راضی بھی ہو جاؤ ان سے تو اللہ تو راضی نہ ہوگا فاسق لوگوں سے

رکوع نمبر ۱ ۔ يَعْتَذِرُوْنَ ۔ منقول ہے کہ وہ اسی شخص تھے جو باوجود مالدار ہونے کے عذر کرکے بیٹھ گئے ۔ اور خدا انہی کے متعلق فرماتا ہے کہ جب تم واپس جاؤ گے تو وہ عذر داریاں پیش کریں گے لیکن ان کو کورا جواب دے دینا کہ ہم تمہارا عذر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ خدا نے ہمیں تمہاری حقیقت حال سے خبر دے دی ہے ۔

فَسَيَرَى اللّٰهُ ۔ یعنی اگر تم صحیح معنوں میں معذرت پیش کر رہے ہو تو عنقریب اس کی قلعی بھی کھل جائے گی کہ آیا تم سچ مچ تائب ہو اور اپنی سابقہ چالوں سے باز آچکے ہو یا صرف زبانی ہی زبانی باتیں بناتے ہو ۔ یعنی تمہارے آیندہ کے اعمال و کردار تمہاری عذر داریوں کی حقیقت کو واضح کر دیں گے ۔

سَيَحْلِفُوْنَ ۔ یعنی وہ قسمیں کھا کر تمہیں کہیں گے کہ ہم سے درگذر کرو یعنی ہمیں رسوا نہ کرو ۔ تو اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ ان کی باتوں میں سے ایک نہ سنو ۔ اور ان کو اپنے سے دور رکھو اور کسی قسم کی رعایت ان کے ساتھ نہ کرو ۔ اور ان سے بچو ۔ جس طرح نجس چیز سے بچا جاتا ہے ۔

لِتَرْضَوْا ۔ یعنی وہ تم کو قسم دیں گے کہ راضی ہو جاؤ لیکن میرا یہ فیصلہ ہے کہ تم راضی ہو یا نہ ہو میں تو ان لوگوں پر ہرگز راضی

نہ ہوں گا۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی راضی نہ ہونا۔ چنانچہ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے برداشت کرے تو خدا خود بھی اس سے راضی ہوگا اور لوگوں کو بھی اس سے راضی رکھے گا لیکن جو شخص اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس پر اللہ بھی ناراض ہوگا۔ اور لوگوں کے دلوں میں بھی اس کی ناراضگی ڈالدیگا۔

مختصر قصۂ تبوک تفسیر جامع جلد ۳ میں اس طرح مذکور ہے کہ جب جنگ حنین کے بعد ملک عرب بُت پرستی کی آلائش سے پاک ہوگیا تو حضورؐ کی خواہش ہوئی کہ ملک شام کو یونان و روم کو حکومت سے آزاد کرا کے ان کو اسلامی تعلیمات سے نوازا جائے۔ اور اسی اثناء میں ایک گشتی خبر مدینہ میں عام ہوگئی کہ رومی لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکرِ جرار لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ اُن کی فوجیں حمص میں داخل ہو چکی ہیں۔ پس حضور اکرمؐ نے اپنے صحابہ کو جہاد کی ترغیب دی۔ اور لوگوں کو جانی و مالی قربانی کا حکم دیا۔ اور اسی مضمون پر مشتمل ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حمد و ثنا پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! سب سے اچھا اور سچا کلام قرآن ہے۔ انسان کا بلند ترین کردار تقویٰ ہے۔ سب سے بہترین ملت۔ ملتِ ابراہیم ہے۔ اور عمدہ ترین سنّت میری سنّت ہے۔ ثابت قدمی اور پائداری اچھا عمل ہے۔ اور تزلزل و سُستی بدترین کردار ہے۔ پیغمبر کی راہنمائی بہترین ہدایت ہے۔ اور دین خدا کے لئے شہادت بہترین موت ہے۔ نابینا وہ ہے جو ہدایت کے بعد گمراہی کو اختیار کرے۔ اچھا عمل وہ ہے جو سود مند ہو۔ اچھا راستہ وہ ہے جو پیروی کے قابل ہو۔ بدترین اندھا وہ ہے جس کے دل کی آنکھیں بند ہوں۔ کریم و سخی ہاتھ لئیم و بخیل ہاتھ سے بلند تر ہے۔ وہ تھوڑا مال جو کفایت کر سکے۔ اس زیادہ مال سے بہتر ہے جو سرکش بنا دے۔ بدترین عذر وہ ہے جو موت کے وقت یاد آئے۔ سخت ترین پریشانی قیامت کی پریشانی ہے۔ یقین جانیے کہ جھوٹ بڑا گناہ ہے۔ اور اچھی بے نیازی وہ ہے جو نفس کو قوت بخشے۔ عمدہ ترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ بلند ترین حکمت و دانائی خوفِ خدا ہے۔ دل کا بہترین نظریہ یقین پروردگار ہے اور زمانِ جاہلیت کے افعالِ زشت اور کردار بد سے توبہ کرنا ہے۔ شعر کہنا اور خیالات کو مرتب کرنا وسوسۂ شیطانی ہے۔ نشہ آور اشیاء کا استعمال گناہوں کی اصل ہے۔ عورتیں شیطان کا جال ہیں۔ جوانی جنون و دیوانگی کا ایک شعبہ ہے۔ بدترین کسب سود خوری اور کثیف ترین غذا مالِ یتیم کا کھانا ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو نصیحت کو قبول کرے۔ بدبخت وہ ہے جو شکمِ مادر سے بدبختی لے کر آئے۔ اے لوگو! تم میں سے کسی کو بھی چار ذراع زمین سے زیادہ نصیب نہ ہوگی۔ انجام تمہارا قیامت ہے۔ عمل کا دارو مدار انجام پر ہے۔ جو چیز یقیناً آنے والی ہے۔ اُسے نزدیک تر سمجھو۔ مومن کو گالی دینا فسق ہے۔ مومن کو قتل کرنا کفر ہے مومن کا گوشت کھانا (گلہ کرنا) گناہ ہے۔ مومن کے مال کی حرمت اُس کے خون کی حرمت کی مثل ہے۔ جو خدا پہ توکل کرتا ہے خدا اس کی کفایت کرتا ہے۔ جو صبر کرتا ہے وہ کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ جو شخص درگذر کرے وہ لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرتا ہے جو شخص اپنے غصّہ کو پی لے وہ خدا کے نزدیک اجر کا مستحق ہے۔ چپ رہنے والے کو خدا دس گنا اجر دیتا ہے اور نافرمان کو عذاب کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے لئے اور حاضرین کے لئے دُعا بخشش فرمائی۔

لوگوں نے جب یہ خطبہ سُنا تو آمادہ جہاد ہوئے۔ چنانچہ عرب کے اکثر قبائل جنگ تبوک کے لئے اعلان سنتے ہی پہنچنا شروع

ہو گئے۔ حر بن قیس کو آپ نے دعوت دی تو اس نے معذرت طلب کی اور اسی کے متعلق آیت[1] اتری جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں اجازت دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالئے الخ" پھر اس نے کہنا شروع کر دیا کہ رومیوں کے ساتھ لڑنا آسان نہیں یہ لوگ جائیں گے تو انہیں پتہ چلے گا۔ اور منافقوں نے آپس میں مشورہ کر لیا کہ جب حضورؐ مدینہ سے باہر جائیں گے تو ہم اعلانیہ بغاوت کریں گے اور ان کی اہل و عیال کو مدینہ سے نکال دیں گے۔ چنانچہ بذریعہ وحی حضورؐ کو اطلاع ہو گئی اور جبریل نے یہ پیغام پہنچایا کہ اس سفر کا انجام جنگ نہیں ہوگا لہذا علی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جائیے تاکہ منافقین اپنے مقصد پر کامیاب نہ ہو سکیں۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا قائم مقام بنا کر سفر اختیار فرمایا۔

جب منافقوں نے دیکھا کہ ہماری تجویز ناکام ثابت ہوئی ہے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضورؐ کے لئے علیؑ کا ہمرکاب ہونا بارِ خاطر تھا لہذا اس کو ساتھ لے جانا گوارا نہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے کانوں میں جب یہ خبر پہنچی تو آپ بھی روانہ ہو گئے اور لشکر اسلام کو پیچھے جا کر لے۔ حضورؐ نے فرمایا یا علیؑ میں نے تمہیں اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑا تھا پھر کیوں آگئے۔ تو عرض کی حضورؐ منافقین کی طعنہ زنی سے تنگ آکر آمادہ سفر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تو راضی نہیں کہ تیری منزلت مجھ سے وہ ہو جو ہارون کی موسیٰ سے تھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد نبی اور کوئی نہیں ہوگا۔ اگر ہوتا تو وہ تو ہی ہوتا۔ تو ہی میرا خلیفہ وزیر اور دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے۔ پس حضرت علیؑ نے واپس مراجعت فرمائی۔

منافقین کو جب حضرت علیؑ کی واپسی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے آپ کے قتل کی تجویز کی اور راستہ میں کنواں کھود کر اوپر خس و خاشاک ڈال دیئے تاکہ جب آپ اس میں گر جائیں گے تو اوپر سے سنگ باری کر کے ان کو قتل کر دیا جائے گا آپ کا گھوڑا جب اس مقام پر پہنچا تو فوراً واپس ہو گیا اور کنوئیں کی اطلاع اپنی زبان بے زبانی سے دے دی۔ آپ نے گھوڑے کو دعا دی اور حکم فرمایا کہ بے فکر ہو کر چلے جاؤ خدا ہمارا محافظ ہے۔ چنانچہ خدا نے اس جگہ کو مضبوط کر دیا۔ اور حضرت علی کا گھوڑا اوپر سے گذر گیا اور آپ کے ساتھی بھی گذر گئے۔ لیکن ان خس و خاشاک میں ذرہ بھر لچک پیدا نہ ہوئی۔

اس کے بعد آپ نے کنوئیں کے منہ سے خس و خاشاک ہٹانے کا حکم دیا تاکہ منافقین کا مکر ظاہر ہو جائے۔ صحابہ دیکھ کر حیران تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح منافقوں نے میرے قتل کی تجویز کی تھی اسی طرح حضورؐ کے ہمراہ جانے والے بعض منافقین واپسی پر حضورؐ کے قتل کی بھی تجویز کریں گے لیکن خدا ان کو منافقوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ بذریعہ خط حضورؐ کو منافقوں کے ارادہ فاسدہ کی اطلاع دے دی جائے تو اچھا ہوگا۔ آپ نے فرمایا خداوند کریم کی جانب سے آپ کو پہلے اطلاع ہو جائے گی۔ چنانچہ ادھر جبریل نے اطلاع دے دی اور یہ آیت اتری[3] فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ الآیۃ۔ پس حضورؐ نے اپنے صحابہ کو منافقوں کے اس کرتوت سے اطلاع دی اور آیت پڑھ کر سنائی۔ اسی طرح منافقین کا بسا اوقات رسول خدا اور مومنین

[1] یہ آیت ص۸۳ پر گذر چکی ہے۔ [2] وادی عقبہ کا قصہ ص۹۱/۹۸ پر گذر چکا ہے [3] ص۱۰۱ پر ملاحظہ ہو۔

کے بارے میں قسم قسم کی لغو و بے ہودہ باتیں کرنا اور اُن کے جواب میں خدا کی جانب سے سرزنش کے مضمون پر مشتمل اکثر و بیشتر آیات کا ذکر ہو چکا ہے صحابہ کرام میں سے بعض نیک دل اور خالص مومن افراد بھی ایسے تھے جو ابتداءً بعض وجوہ کی بنا پر حضورؐ کے ہم رکاب نہ ہو سکے تھے اور بعد میں پیچھے سے جا ملے تھے۔

ایک ابو خثیمہ جو نہایت بہادر قوی ہیکل اور وجیہ نوجوان تھا اس کے پاس عالی شان محل اور دو نوجوان خوبصورت عورتیں تھیں جن سے لطف اندوز ہونے اور دادِ عیش دینے کے خیالِ خام نے اُسے سعادتِ سفر سے محروم کر رکھا تھا۔ ایک دن اُسی پُرشکوہ محل میں اپنی ہر دو حسیناؤں کے ساتھ محوِ لذت و سرور تھا کہ یکایک طبیعت میں انقلاب آیا۔ محبوبِ پروردگار کا تپتی دھوپ میں اپنے جسم نازنین کو مصائب و آلام اور صعوبت سے ہمکنار کرنا خیال نشین ہوا۔ فوراً دل میں سوچا کہ واہ تو نعمت و عیش کوشی میں منہمک اور خدا کا حبیب اپنے خالق کی رضا کی خاطر باوجود شدت گرما کے مصروفِ جہاد: یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے۔ پس اِس خیال نے لذت و عیش کے تمام صنم بیک جنبش توڑ کر رکھ دیئے۔ ایمان نے یاوری کی۔ اور محبتِ رسُول نے بڑھ کر استقبال کیا پس اٹھا۔ آلاتِ حرب و ضرب سے لیس ہوا۔ اپنی دونو محبوب نوجوان بیویوں سے وداع کیا اور مختصر سا زادِ راہ لے کر محل کا دروازہ کھولا۔ اور برق رفتار شتر پر سوار ہو کر انجام سے بے نیاز ہو کر اور دُنیاوی لذت و عیش بلکہ ہر محبت سے الگ تھلگ محبتِ خدا و رسُول کے جذبہ میں سرشار ہو کر عازمِ سفر ہوا۔ اِدھر گرد راہ دیکھ کر صحابہ عرض گذار ہوئے کہ حضورؐ کوئی آتا دکھائی دے رہا ہے آپ نے فرمایا یہ ابُو خثیمہ ہے بڑھ کر اس کا استقبال کرو۔ چنانچہ وہ جونہی بارگاہِ نبویؐ میں مشرف ہوا تو حضورؐ نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

حضرت ابُوذرؓ کا واقعہ

دوسرے حضرت ابُوذر غفاری تھے جو تین دن کی تاخیر سے کاروانِ رسالت سے جا ملے۔ وجہ یہ تھی کہ اُن کی سواری کا اُونٹ بیمار تھا۔ اور طے مسافت سے قاصر تھا۔ پس انہوں نے اونٹ کو آزاد کر دیا۔ اور رختِ سفر کندھے پر اٹھا کر دراہ فوج اسلام کے تابع ہو لیا۔ تیسرے دن مسلمانوں نے ظہر کے وقت اِدھر سے آتے ہوئے ایک پیادہ کی خبر حضرت رسالت مآبؐ کے گوش گذار کی تو آپؐ نے فرمایا وہ ابُوذر ہو گا۔ پس اُس کی پیش قدمی میں جلدی کیجئے کہ وہ پیاسا بھی ہے۔ چنانچہ جب ابُوذر حاضر ہوا تو اُس کے پاس پُر از آب مشک دیکھ کر فرمایا۔ اے ابُوذر! پانی کے باوجود پیاسا کیوں چلا آیا؟ عرض کی حضور! اثنائے راہ میں ایک چشمہ کے قریب سے گذرا جس کا پانی نہایت صاف و شفاف و شیریں تھا۔ پس دل میں خیال کیا کہ پہلے حبیبِ کبریا اس پانی کو پئیں گے پھر میں پیوں گا۔ چنانچہ مشک کو اسی پانی سے بھر کر آپ کی خاطر لایا ہوں۔ آپ نے ابُوذر کے حق میں دُعائے خیر کی۔ اور فرمایا۔ تیرے اُوپر خدا کی رحمت ہو۔ اے ابوذر! تیری زندگی تنہائی کی ہو گی۔ اور تیری موت بھی تنہائی کی ہو گی۔ اور تو اسی حالت میں مبعوث ہو گا اور داخلِ بہشت ہو گا جب تو حالتِ غربت و تنہائی میں مرے گا تو عراق سے کچھ لوگ آئیں گے اور تیری تجہیز و تکفین و دفن کا انتظام کریں گے۔

حضرت ابوذر جناب رسالت مآبؐ کے ان صحابہ میں سے تھے جو زہد و تقویٰ اور ایمان کی منازلِ رفیعہ پر فائز تھے۔

قبل از اسلام بھی لوٹ گھسوٹ اور مار دھاڑ کی وارداتوں سے الگ تھلگ اپنی ذہنیوں سے گذر اوقات کرتے تھے اور جناب رسالتمآب کی وفات کے بعد ان پر ظاہری اقتدار کی جانب سے مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹے۔ لیکن اس حق گو مردِ مجاہد کا مضبوط قدم جادۂ حق سے سر مو نہ ہٹایا جا سکا۔ ان کو شام بھیجا گیا تو خوشامدیوں کے زمرہ میں شریک ہونے کی بجائے صاف گوئی کو اُنہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا پھر واپس مدینہ میں آئے تو کلمۂ حق کہنے میں کبھی کرسیٔ اقتدار سے مرعوب نہ ہوئے۔ بالآخر انہیں ربذہ کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ آخری عمر میں ان کے پاس صرف اپنی ایک لڑکی تھی جو صحرائے ربذہ میں نہایت پریشانی سے رہ کر اپنے باپ کی خدمت بجالاتی تھی توکل کا یہ عالم تھا کہ جب آخری وقت بیمار ہوئے تو ربذہ میں رہنے والے چند آدمی حاضرِ خدمت ہوئے۔ اور عرض کی کہ آپ کو کسی شئے کی شکایت تو نہیں ہے۔؟ آپ نے فرمایا مجھے اپنے گناہوں سے شکایت ہے۔ اُنہوں نے پوچھا اب کسی شئے کی خواہش ہے؟ تو فرمایا۔ ہاں۔ رحمتِ پروردگار کی۔ اُنہوں نے پوچھا طبیب کی ضرورت ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کر رکھا ہے۔

بہر کیف لڑکی نے جب باپ کو بسترِ بیماری پر دیکھا تو اپنا سر اور مُنہ پیٹ لیا۔ اور عرض کی اے پدر بزرگوار! اگر اس حالتِ غربت میں آپ پر موت آجائے تو میں کیا کروں گی۔ ابوذر نے لڑکی کی یہ پریشانی دیکھ کر نہایت اطمینان و سکون سے اس کی دلداری کی۔ اور فرمایا کہ مجھے اپنے آقا حضرت رسالت مآبؐ نے عالمِ غربت میں مرنے کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا کہ عراق کا ایک قافلہ مجھے دفن کرے گا۔ پس جب میرا وقتِ موت قریب ہو تو مجھے قبلہ رُخ لٹا کر میرے اُوپر عبا ڈال دینا اور راستہ پر بیٹھ جانا جب قافلہ گذرے تو کہنا کہ اس لق و دق صحرا میں میرا باپ حضرت ابوذرؓ مر گیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابوذر کی روح قفسِ عنصری سے نکل کر جنت آشیاں ہوئی تو اس کی لڑکی باپ کی وصیت کے مطابق میت پر عبا پھیلا کر راستہ پر قافلہ کی انتظار میں جا بیٹھی۔ جب قافلہ کا گذر ہوا تو لڑکی آگے جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس قافلہ میں مالک اشتر موجود تھے۔ جونہی اس لڑکی پر ان کی نظر پڑی تو پوچھا تو کس کی لڑکی ہے اور یہاں کیوں کھڑی ہے۔؟ اُس نے جواب دیا میں حضرت ابوذر غفاری کی لڑکی ہوں۔ میرے باپ کا اس عالمِ غربت میں انتقال ہو چکا ہے اس کی تجہیز و جنازہ کے لئے انتظار کر رہی ہوں۔ پس مالک اشتر سواری سے پیدل ہوئے اور اُس کے ساتھ دیگر صحابہ رسولؐ بھی اُترے اور غسل و کفن کا انتظام کیا پھر جنازہ پڑھ کر نہایت عزت و احترام سے ان کو دفن کیا

بہر کیف جنگِ تبوک کے لئے غلاموں کے علاوہ پچیس ہزار مجاہدین کی جمعیت ہو گئی تھی۔ جب مسلمانوں کا یہ لشکر حدودِ شام میں داخل ہوا تو ادھر شام کے تمام اُمراء و سلاطین جن میں مملکت منقسم تھی جمع ہو کر مسلمانوں کے پاس پہنچے۔ اور حضورؐ کے قدموں میں گر گئے۔ بعض مسلمان ہو گئے اور بعض نے جزیہ قبول کر لیا۔ پس اسلام کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا اور سلاطین دہر کے دلوں پر رُعب قائم ہو گیا۔ جب بادشاہِ روم ہرقل کو اطلاع پہنچی کہ ملکِ شام کے جملہ حکام پیغمبر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال کر اسلام یا جزیہ قبول کر چکے ہیں تو اُس نے اپنی جانب سے نمایندے بھیجے جو پیغمبر اسلام کے کردار و سیرت اور دستورِ تعلیم کے متعلق معلومات فراہم کر کے اطلاع دیں۔ چنانچہ وہ مقامِ تبوک میں پہنچ کر مشرف بہ زیارت ہوئے۔ اور آپ کا صدقہ کو رد کرنا اور ہدیہ کا قبول کرنا

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ

بدوی لوگ زیادہ سخت ہیں کفر و نفاق میں اور لائق ہیں کہ نہ جانیں وہ حدود جو نازل کیں

اور دیگر آپ کے خصالِ حمیدہ کی اطلاع بادشاہ کو بھیجی۔ بادشاہ نے سن کر دل سے اسلام کو قبول کر لیا اور اعیان مملکت و ارکان سلطنت کے علاوہ ملک کے عوام و خواص کو دعوتِ نبوی سے خبردار کیا۔ اور اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کی پیش کش کی، لیکن اُنہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو زوالِ سلطنت کے خطرہ سے چارو ناچار بادشاہ کو خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

حضور اکرمؐ نے تبوک میں دو ماہ قیام کرنے کے بعد مراجعت فرمائی اور واپسی پر راستہ میں منافقین کی ناپاک کوششوں کا انکشاف ہوا جس کا مختصراً تذکرہ ہو چکا ہے۔ وادی عقبہ میں حضور کے قتل کی ناپاک سازش کا تذکرہ ص۹ پر ملاحظہ ہو۔

مومنین مخلصین کی ایک جماعت جو بعض مجبوریوں کی وجہ سے غزوہ تبوک میں حضورؐ کے ہمرکاب نہ جا سکی تھی اور تیاری کرتے ہوئے آج اور کل کے تردّد میں اُنہوں نے وقت گذار دیا تھا چنانچہ ان میں سے کعب بن مالک شاعر۔ مرارہ بن ربیع اور ہلال مرافقی بھی تھے اور یہ کہتے تھے کہ حضورؐ کی روانگی کے بعد ہم کہتے تھے۔ آج جائیں گے، کل جائیں گے اور اسی آج اور کل میں وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ اور دوسرے بھی کئی لوگوں نے اسی قسم کی سستائی سے وقت ضائع کیا۔

جب حضور اکرمؐ واپس پہنچے تو ہم خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کی نیز تہنیت پیش کی کہ آپ بحمد اللہ بخیر و عافیت واپس پہنچے ہیں تو آپ نے منہ پھیر لیا اور جواب سلام تک نہ دیا اور تمام مسلمانوں نے ہم سے یہی سلوک کیا حتیٰ کہ مسجد میں ہم پہنچے تو ہم سے کسی نے بات تک کرنا بھی گوارا نہ کیا جب ان کی عورتوں نے یہ خبر سُنی تو وہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ اگر ہمارے شوہر عذابِ خداوندی کے مستحق قرار پائے ہیں تو کیا ہمیں بھی ان سے قطع تعلقی کر لینی چاہیے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ان سے دُور ہو جاؤ اور قطع تعلقی کر لو حتیٰ کہ بچوں نے بھی ان سے بولنا چھوڑ دیا تھا۔

کعب کہتا ہے کہ میں نے ہلال اور مرارہ سے کہا کہ آؤ شہر سے نکل جائیں اور کہیں دامن کوہ میں پناہ لے کر دن کو روزے رکھیں اور راتوں کو عبادتِ پروردگار میں بسر کر کے نہایت زاری و انکساری سے توبہ کریں۔ ممکن ہے ہماری توبہ کو خدا منظور کر لے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور تین دن متواتر شب و روز گڑگڑا کر تضرع و زاری سے توبہ کی اور اللہ سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگی۔ اور اس عرصہ میں یہ تینوں ایک دوسرے سے الگ الگ عالم تنہائی میں گریہ و زاری کرتے رہے۔ چنانچہ بالآخر ان کی توبہ بارگاہِ پروردگار میں قبول ہوئی۔ اور ایک رات حضور اکرمؐ ام سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ جبرئیل ان کی قبولیتِ توبہ کا مژدہ لائے۔ اور اسی سورہ مجیدہ کی آیت ع۱۱۸ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ ۱۳ اہنی تین تائبین کے حق میں اُتری ہے۔

اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ پہاڑ کے دامن میں گریہ زاری میں مشغول رہے اور پچاس دن متواتر اسی حال میں لگاتار روتے رہے۔ پس خداوند کریم نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور یہ آیت ان کے حق میں بھیجی۔

اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا

اللہ نے اپنے رسول پر اور اللہ جاننے والا دانا ہے اور بدوؤں میں سے ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں

يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۗ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللّٰهُ

اپنے خرچ کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تمہارے لئے مصائب کی ان پر بدترین مصیبت آئے گی اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

سننے جاننے والا ہے اور بدوؤں میں سے ایسے بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر اور

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۗ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ

سمجھتے ہیں وہ جو خرچ کرتے ہیں باعث قربت اللہ کے نزدیک اور باعث خوشنودی رسول آگاہ ہو تحقیق یہ چیز باعث

لَّهُمْ ۗ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع

قرب ہے ان کے لئے داخل کریگا اللہ ان کو اپنی رحمت میں تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اَلْاَعْرَابُ ۔ خداوند کریم ایک دستور عمومی کی طرف اشارہ فرما رہا ہے کہ شہری اور دیہاتی زندگیوں میں یہ معتدبہ فرق ہوا کرتا ہے کہ دیہاتی لوگ تہذیب و تمدن کے مخصوص پہلوؤں سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اور اسباب علم سے دُور رہنے کی وجہ سے اپنے نظریہ پر زیادہ مضبوط ہوا کرتے ہیں۔ وہ جلدی سے کسی دوسرے کی بات کو قبول نہیں کرتے اور ان کو ان کے قدیم نظریہ کے خلاف کسی جدید نظریہ کا قائل کرنا نہایت مشکل ہوا کرتا ہے۔ اسی بنا پر اگر وہ کافر ہوں گے تو کفر کو چھوڑنا ان کے لئے مشکل ہوگا اور اگر وہ مومن ہوں گے تو ایمان کے تقاضوں سے حتی الامکان عہدہ برا ہونے کی کوشش کرینگے بخلاف شہری طبقہ کے کہ ان کے مزاج میں پختگی اور دوام ایک حد تک سلب ہو جاتا ہے۔ اور نئے تہذیب و تمدن اور ہر جدید طرز عمل کو بہت جلد اپنا لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات سمجھنے میں نہایت آسان ہے۔ اور دورِ حاضر کی شہری اور دیہاتی زندگیوں میں اسلامی اصول کی پذیرائی میں نمایاں فرق اس امر کا شاہد ہے۔ پس اس جگہ خدا بھی اسی نظریہ کو دُہرا رہا ہے کہ بدوی لوگ کفر و نفاق میں سخت تر ہیں۔ اور حدودِ خداوندی کو نہ جاننے میں وہ پیش پیش ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مدینہ کے آس پاس کے بدوؤں میں خصوصی ہٹ دھرمی موجود ہو۔

بہرکیف اسلام کو جن بدوؤں نے صرف ڈر اور خوف سے یا دیکھا دیکھی سے قبول کیا تھا وہ ظاہر مسلمان تھے لیکن اندر اندر سے پکے کافر تھے۔ وہ راہِ خدا میں خرچ کرنا تاوان سمجھتے تھے۔ اور مسلمانوں پر دورِ حوادث اور

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ

اور پہلے سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ لوگ جو ان کے پیچھے چلے خوبی سے

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ

راضی ہوا خدا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کیں ان کے لئے بہشتیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

مصائب کے منتظر رہتے تھے۔ اُن کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ خود ہی مصائب وحوادث کا شکار ہوں گے۔ لیکن ان میں سے ایسے بدوی لوگ بھی موجود ہیں جو اسلام کو دل وجان سے قبول کر چکے ہیں وہ خوشنودیٔ خدا اور پیغمبرؐ کی دعا کی خاطر خرچ کرتے ہیں۔

رکوع ۲

وَالسَّابِقُوْنَ خداوندکریم آیت کریمہ میں ایمان کی طرف سبقت کرنے والوں کی مدح فرما رہا ہے۔ اور یہ بات مخفی نہیں کہ جس طرح کسی بُرائی کی طرف پہلا قدم اٹھانے والا اپنے جرم کے علاوہ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا بھی ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جو اُس کے پیچھے چل کر اس بُرائی کا ارتکاب کریں۔ چنانچہ حدیث میں یہ مضمون بکثرت وارد ہے کہ مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ لَهٗ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا کہ جو کسی بُرائی کی رسم قائم کرے تو اُس کی گردن پر تمام ان لوگوں کے گناہوں کے برابر بوجھ ہوگا جو اس بُری رسم پر عامل ہوں گے۔ اسی طرح کسی نیکی کی طرف پہل کرنے والا اپنے ذاتی عمل کے ثواب کے علاوہ ان لوگوں کے کارِ خیر میں بھی حصہ دار ہوگا جنہوں نے اُس کے نقشِ قدم پر چل کر وہ نیکی کی۔ چنانچہ حدیث میں یہ مضمون بھی بکثرت موجود ہے کہ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ یعنی جو شخص کسی نیکی کی سنت قائم کرے تو اس کے لئے ان تمام لوگوں کے برابر ثواب ہوگا جنہوں نے اس پر عمل کیا ہوگا۔ آیت مجیدہ میں اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں اور ان کے نقش قدم پر چل کر اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والوں کا ذکر خیر ہے۔ اور یہ آیت ان کے لئے رضائے پروردگار کا پروانہ بھی ہے۔ اور وعدۂ جنت اور اس میں ہمیشہ بسنے کی رسید بھی۔

لیکن فکر وتدبر کے بعد اس مقام پر جو سوالات ذہن میں آتے ہیں۔ ان کا تجزیہ اور تحقیق کسی حد تک ضروری ہے تاکہ مقصد صحیح طور پر ذہن نشین ہو سکے۔

۱۔ اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے مصداق کون لوگ ہیں؟ ۲۔ تمام مسلمانوں میں سے سابق الایمان کون شخص ہے؟ ۳۔ آیا کسی کا صرف سابق الایمان ہونا رضائے پروردگار کے لئے کافی ہے یا اس پر ثابت قدم رہنا بھی ضروری ہے؟ ۴۔ اسی طرح نیک نیتی سے ایمان لانا کافی ہے یا اس پر تازیست برقرار رہنا بھی ضروری ہے؟ ۵۔ رضائے پروردگار کے حاصل کرنے کے لئے تو ایمان ضروری ہے لیکن آیا ایمان کے تقاضوں کو بھلا دینے کے بعد رضائے پروردگار کا وعدہ ختم ہو جائے گا یا باقی رہے گا؟ ۶۔ اسی طرح جنت کی پیش کش اور اس میں ہمیشگی کا عہد ایمان کی بقا کے ساتھ وابستہ ہے۔ یا ایمان کے رخصت ہونے کے بعد بھی وہ عہد باقی رہے گا؟

سابقون سے کون لوگ مُراد ہیں

آیت مجیدہ میں ظاہراً سابقون کو تین طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ ۱۔ مہاجرین ۔ ۲۔ انصار ۳۔ تابعین ۔ اور یہ ترتیب بھی بظاہر مراتب کے اعتبار سے ہے ۔ گویا سابقون میں سب سے افضل وہ ہیں جو مہاجرین بھی ہوں ۔ اور دُوسرا درجہ انصار سابقین کا ہے ۔ اور تیسرا درجہ تابعین کا ہے اور تابعین سے مُراد یہاں وہ لوگ ہیں جو سابق مہاجرین و انصار کے بعد اسلام کے حلقہ بگوش زمانِ حیاتِ پیغمبرؐ میں ہو گئے ۔ گویا یہ تین قسمیں صحابہ میں سے ہی ہیں ۔ پس صحابہ کے دَور کے بعد والے دَور کو تابعین سے تعبیر کرنا اصطلاح جدید ہے ۔

یہ قابلِ ذکر امر ہے کہ ہجرت اور نصرت سابقون کے مفہوم میں داخل نہیں ہے ۔ جیسا کہ من بیانیہ کے معنی سے صاف ظاہر ہے ۔ پس یہ معنی درست نہ ہو گا کہ کہا جائے وہ لوگ جو ہجرت میں سابق ہیں یا وہ لوگ جو نصرت میں سابق ہیں اور اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں ۔

۱۔ اگر ہجرت یا نصرت میں سبقت مُراد ہو تو مہاجرین سابقین کی انصار سابقین پر کوئی فوقیت ثابت نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ ہجرت بغیر نصرت کے بے معنی ہے ۔ اور چونکہ ظاہری ترتیب سے ترتیب مراتب و مدارج کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے اس امر کا اعتراف کیا ہے لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ سبقت کا معیار کوئی دوسری چیز ہے اور وہ ہے ایمان ۔ اور یہ مومنین کے مدارج کی طرف اشارہ ہے کہ مومنین جو سابقون و اوّلون ہیں ان میں سے مہاجر انصار سے افضل ہیں اور انصار بعد والوں سے افضل ہیں

۲۔ مقصد یہ ہے کہ ایمان ہی ان کی ہجرت کا داعی ہوا ہے ۔ اور ایمان ہی کی بدولت انہوں نے نصرت پیغمبرؐ کی طرف اقدام کیا ہے ان صفتوں میں بنیادی اور مرکزی حیثیت ایمان کو حاصل ہے پس اس کے بعد ہجرت کرنا یعنی اپنی جائداد املاک گھر وطن بلکہ بعض اوقات اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو چھوڑنا نہایت کٹھن مرحلہ ہے لہٰذا جن لوگوں نے ایمان کی خاطر ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے ہجرت قبول کی ان کا درجہ صرف نصرت کرنے والوں سے بلند تر ہے کیونکہ مہاجرین کی ہجرت خود اپنے مقام پہ ایک نصرت ہے ۔ اور علاوہ ازیں انصار کے دوش بدوش بھی نصرت میں ان کا حصہ ہے ۔ پس ان کی نصرت انصار کی نصرت سے دوگنی ہے ۔ اور ترکِ وطن اور عزیزوں اور قریبیوں کا فراق نیز جائدادوں اور املاک سے دستبرداری ان کی ایسی قربانی ہے کہ اس میں ان کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے ۔

۳۔ اگر ہجرت و نصرت میں سبقت مُراد لی جائے تو وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ کا معنی درست نہیں بن سکتا ۔ کیونکہ اس سے قبل صحابہ کے دو گروہوں کا بیان ہے ۔ ایک سابق فی الہجرت اور دُوسرے سابق فی النصرت ۔ اب تیسرا گروہ وہ ہو گا جو پہلے دونوں گروہوں کے نقشِ قدم پر چلے ۔ یعنی مہاجر بھی ہو اور ناصر پیغمبرؐ بھی ۔ لہٰذا مدینہ میں پہنچ جانے کے بعد جن مدنی لوگوں نے اسلام کو قبول کیا وہ صرف انصارِ اولین کے تابع ہوئے مہاجرینِ اوّلین کے تابع نہ ہوئے ۔ اسی طرح فتح مکہ کے بعد جن مکی لوگوں نے اسلام قبول کیا ۔ اور ہجرت نہ کی وہ بھی انصار سابقین کے تابع ہوئے ۔ مہاجرین سابقین کے تابع نہ ہو سکے ۔ پس تیسرے گروہ کا وجود مشکل ہو جائے گا ۔ لیکن اگر سابقون میں سبقت سے مراد سبقتِ ایمانی ہو تو بلا تردّد تیسرے گروہ کا معنی سمجھ آسکتا ہے کہ

پہلا صفتِ ایمان میں سابق مہاجر گروہ۔ دوسرا صفتِ ایمان میں سابق انصار کا گروہ اور تیسرا وہ گروہ جو مہاجرین سابقین اور انصار سابقین کے بعد اسلام و ایمان کی صفت سے متصف ہو۔

۴۔ مہاجرین میں سے جو مومنین سابق الایمان ہیں وہ ان سے افضل ہیں جو انصار میں سے سابق الایمان ہیں۔ اور چونکہ ان کی افضلیت ان کی قربانیوں کی عظمت کے پیش نظر ہے۔ لہٰذا صلح حدیبیہ سے قبل ہجرت کرنے والے مومنین ہی مُراد لئے جاسکتے ہیں۔ جیسا کہ مفسّرین کا نظریہ ہے کیونکہ صُلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنا اس قدر مشکل امر نہیں تھا جتنا پہلے تھا اور جو قربانی قبل از صُلح حدیبیہ ہجرت کرنے والوں نے کی تھی۔ بعد از صلح اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ پس ہجرت میں سبقت کا مفہوم اس لحاظ سے پایا جاتا ہے لیکن سابقون کی لفظ کی دلالت سے نہیں بلکہ خارجی امور اور اہم خالاہم کے اعتبار سے ہے۔ اور اسی طرح انصار میں سے بھی جو سابق فی النصرہ ہوں گے وہ افضل ہوں گے۔ پیچھے ملحق ہونے والوں سے کیونکہ سابق نصرت جبکہ اسلام نہایت کمزور تھا۔ اسلام کے اطراف عالم میں پھیل جانے کے بعد کی نصرت سے کہیں زیادہ وزنی اور اہم ہے۔

۵۔ وہ شخص جو کسی نیکی کے میدان میں پہلا قدم رکھے وہ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً الخبر کے مصداق ہونے کے لحاظ سے تمام ان لوگوں سے افضل ہوگا جو بعد میں اس نیکی کی طرف اقدام کریں پس جو شخص سابق الایمان ہونے کے ساتھ سابق الہجرۃ بھی ہو وہ باقی تمام سابق افراد سے افضل ہوگا۔ خواہ وہ صرف سابق الایمان ہوں اور سابق الہجرت نہ ہوں یا سابق الہجرۃ ہوں لیکن سابق الایمان نہ ہوں۔ کیونکہ سابق الایمان اور سابق الہجرۃ کی دونوں صفتوں میں باہمی تلازم نہیں ہے۔ پس پہلا ہجرت کرنے والا گروہ بعد میں ہجرت کرنے والوں سے افضل ہوگا۔ اسی طرح پہلا نصرت کرنے والا بعد میں نصرت کرنے والوں سے افضل ہوگا۔

مزید وضاحت یہ واضح رہے کہ جمع کا صیغہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سابقین سے مہاجرین کی ایک جماعت مُراد ہے۔ چنانچہ مہاجرین سابقین سے بعض مفسّرین نے وہ صحابہ مُراد لئے ہیں۔ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نمازیں ادا کیں اور بعض نے صُلح حدیبیہ سے پہلے کے مہاجرین بتائے ہیں۔ اور انصار سابقین سے مُراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعثتِ نبوی کے گیارہویں سال منیٰ میں جاکر آپؐ کی بیعت کی تھی۔ اور ان کی تعداد سات تھی۔ اور پھر دوسری مرتبہ مقام عقبہ پر بیعت کی جن کی تعداد ستّر مرد اور دو عورتیں تھیں۔

مہاجرین انصار سے اس لئے افضل ہیں کہ ان میں دو وصفیں ہیں۔ ایک ہجرت اور دوسری نصرت۔ کیونکہ جہاں ان کا ہجرت کرنا بھی اسلام کا موجب تھا۔ وہاں اس نصرت کے علاوہ ظاہری جنگوں میں بھی دوسرے انصار کے دوش بدوش تھے۔ پھر مہاجرین کے دو حصے ہوگئے۔ ایک سابق اور دوسرے تابع اور ان میں سے سابق افضل ہیں کیونکہ یہ لوگ بعد والوں کے لئے تحریک کے باعث ہوئے ہیں۔ اور پھر مہاجرین سابقین میں سے وہ افضل ہیں جو سابق الایمان ہیں کیونکہ تمام فضائل میں سے بنیادی حیثیت ایمان ہی کو حاصل ہے اور اس کے بغیر کوئی دوسری صفت فضیلت نہیں بن سکتی۔ لہٰذا جو ایمان میں سابق

ہو گا وہ تمام مومنین سے افضل ہو گا خواہ مہاجر ہوں خواہ انصار ہوں۔ اور اگر سابق الایمان شخص ہجرت اور نصرت میں بھی سابق ہو تو اس کی فضیلت کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

فخر الدین رازی کی منطق تفسیر کبیر ج ۴ ص ۶۹۰ پر کہتا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سابقون سے مُراد وہ لوگ ہیں جو ہجرت اور نصرت میں سابق ہوں اور اس کی دو وجہیں ہیں (۱) چونکہ خدا نے سابقون فرمایا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ کس میں سابق ہوں تو لفظ مجمل ہو گئے۔ لیکن بعد میں جب مہاجرین و انصار سے ان کا ہونا ذکر کیا تو یہ دونوں لفظیں اس سابق اجمال کے دُور کرنے کا قرینہ بن گئیں۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ سابقون سے مُراد وہ لوگ ہوں جو ہجرت یا نصرت میں سابق ہوں تاکہ اجمال دُور ہو جائے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ہجرت ایک زبردست قربانی ہے جو رسول کے دل کی تقویت کا باعث ہے۔ اور اسی طرح نصرت بھی ایک بڑا اہم کام ہے۔ لہٰذا سابقون کے مفہوم میں ہجرت اور نصرت کو ہی دخل ہونا چاہیئے

اَقُوْلُ۔ ہم متعدد دلیلوں سے اس مطلب کو باطل کر چکے ہیں۔ اور یہ ثابت کر چکے ہیں کہ سابقون سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان میں سبقت رکھتے ہوں۔ فخر الدین نے اپنی منطقی استعداد سے جو سابقون کا اجمال دُور کیا وہ صرف اس لئے کہ وہ اس کھوکھلی بنیاد پر اپنے زعم میں ایک نہایت عالی شان محل تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب ثابت ہو گیا کہ سابقون سے مُراد وہ لوگ ہیں جو ہجرت میں سابق ہوں تو ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر ہجرت کرنے میں تمام سے سابق تھے۔ کیونکہ وہ حضورؐ کے ہمرکاب اور ساتھی تھے اور حضرت علیؑ اگرچہ مہاجرین اوّلین میں سے تھے لیکن ان کی ہجرت حضورؐ کی ہجرت کے بعد ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت علی بھی حضرت رسالت مآبؐ کے اہم اُمور کی انجام دہی کی خاطر مکّہ میں رہ گئے تھے تاہم ہجرت میں حضرت ابوبکر کو ہی سبقت حاصل ہوئی۔ پس اس فضیلت میں حضرت ابوبکر کا حصہ سب سے زیادہ ہوا"

اور ملا محمد عبدہ صاحب تفسیر منار نے اگرچہ اس بات پر تقریباً اتفاق ظاہر کیا ہے کہ سبقت سے مراد سبقت ایمانی ہے لیکن انہوں نے ایک نیا راستہ اپنی مطلب براری کے لئے نکال لیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں وَلَا كُلُّ سَابِقٍ اَفْضَلُ مِنْ كُلِّ مَسْبُوْقٍ یعنی ضروری نہیں کہ ہر سابق مسبوق سے افضل ہو وَمِنَ السَّابِقِيْنَ بِالْاِيْمَانِ مَنْ سَبَقَهٗ غَيْرُهٗ بِالْهِجْرَةِ کیونکہ سابق الایمان لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ ہجرت میں دُوسرے لوگ اس سے سبقت لے گئے اور یہ سب کچھ حضرت علی کے سابق الایمان ہونے کی فضیلت کو چھپانے کی سعی بے سُود ہے۔ بہرکیف ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ایمان کے بغیر کسی صفت کو کوئی درجۂ فضیلت حاصل نہیں ہے اور صفت ایمان ہی مدار و محور ہے۔ تمام باقی صفات کے لئے۔ پس سبقت الایمان ہی علی الاطلاق افضل ہونے کا معیار بن سکتی ہے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کا سابق الایمان ہونا چونکہ فریقین میں مسلم ہے لہٰذا تمام اُمت سے ان کا افضل ہونا آیت مجیدہ کی رُو سے ثابت ہو گیا۔

ہجرت کا حُسن یہ جاننا ضروری ہے کہ ہجرت کا حسن ذاتی نہیں یعنی ضروری نہیں کہ جب بھی ہجرت پائی جائے وہ اچھی بھی ہو بلکہ ہجرت کا حسن یا قبح غرض و غایت یا نتیجہ کی اچھائی یا برائی کے تابع ہو گا اگر اچھائی کے لئے

ہجرت ہو گی تو ہجرت اچھی ہو گی ورنہ نہیں۔ آیت مجیدہ میں مہاجرین کو جو مدحیہ رنگ میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ صرف ہجرت کے حسن کی بنا پر نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ ہجرتِ رسول کے مشن (یعنی اسلام کی بقاء و ارتقاء) کے لئے ازحد ضروری ہے۔ اس میں رسالتمآبؐ کی حفاظت اور تقویت کا راز مضمر تھا گویا یہ ہجرتِ رسول اور اسلام کی بہت بڑی نصرت تھی۔ اور اس نصرت کا درجہ دوسری ظاہری نصرت سے کہیں زیادہ تھا۔ پس مہاجرین کو انصار پر فوقیت اسی بنا پر دی گئی تو معلوم ہوا کہ معیارِ فضیلت ہے۔ نصرتِ رسولؐ اور تقویت اسلام۔ ہجرت سے قبل یہ ذمہ داری حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ نے اپنے ذمہ لی ہوئی تھی کہ اگر حضرت ابوطالب کی نصرت و تائید شامل حال نہ ہوتی تو مکہ میں اسلام کی توسیع و اشاعت کا سلسلہ ہی قائم نہ ہوتا پس حضور کو کھل کر سر میدان حقانیتِ اسلام پر تقریر کرنے کی جرأت حضرت ابوطالب کی سرپرستی سے حاصل تھی۔ اور لوگوں کو ذہنی طور پر اسلام کی تعلیمات سے متاثر کرنا شرک و بُت پرستی کے عیوب کی وضاحت اور اسلام کے نظام کی ہر دلعزیزی اور لوگوں کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ وغیرہ حضورِ اکرمؐ کے بیانات کلا مرہونِ منت تھا جس کو آپ نے خوب نبھایا۔ اور تھوڑے عرصہ میں لوگوں کے دلوں کو جیت لیا پھر اسلام کے حلقہ بگوش ہونے میں جو مالی نقصانات کا اندیشہ تھا اور قریش سے قطع تعلقی کے بعد اقتصادیات کی کمزوری کا جو خطرہ تھا۔ اس کو حضرت خدیجہ کی مالی قربانی و ایثار نے بہت حد تک رفع کر دیا۔ پس حضور نے نہایت اطمینان و سکون سے تبلیغ اسلام کا سلسلہ بلادریغ شروع کر دیا کیونکہ مزاحمت کرنے والوں کے آگے حضرتِ ابوطالب کا رعب و اقتدار حائل تھا اور مالی کمزوری کا شکوہ کرنے والوں کے لئے خدیجہ کا دسترخوان بچھا تھا اور وہی لوگ جو ایمان و اسلام کے حلقہ بگوش ہونے میں حضرت ابوطالب و جناب خدیجہ کے ممنون احسان تھے۔ ان ہر دو محسنِ اسلام شخصیتوں کی وفات کے بعد ہجرت مکہ پر مجبور کر دیے گئے اور تمام تاریخیں شاہد ہیں کہ ابوطالب کی وفات کے بعد خداوند کریم کی جانب سے ہجرت کا حکم ہوا۔ کیونکہ اب مکہ میں ان کا کوئی سہارا باقی نہ رہا تھا۔ پس حضرت رسالتمآبؐ حضرت ابوطالب کی نصرت اور حضرت خدیجہ کی تائید کے ختم ہو جانے کے بعد نصرت و تائید کے طالب تھے۔ اور ہجرت کے بعد کی تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حضرت علی نے جس طرح حضور کی نصرت و تائید کی کوئی دوسرا اس کے عُشرِ عشیر تک بھی نہ پہنچ سکا۔ اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ صحابہ کی ہجرت و نصرت حضرت ابوطالب اور خدیجہ کی نصرت کے قائم مقام ہے۔ لہذا جن مہاجرین کے تفاوتِ درجات کا آیتِ مجیدہ میں ذکر ہے وہ وہی ہیں جو ان دونوں کے علاوہ ناصرینِ پیغمبرؐ کے زمرہ میں داخل ہوئے

جب ہجرت کا حکم ہوا تو قابلِ غور امر یہ ہے کہ اس وقت جب کہ کفار قتل رسولؐ کے درپے تھے تو سب سے اہم معاملہ رسول کی حفاظت کا تھا۔ اب ایک طرف ہے۔ رسول کے بستر پر آرام کرنا تاکہ کفار یہ سمجھتے رہیں کہ حضور محوِ خواب ہیں لہٰذا تعاقب نہ کر سکیں اور دوسری طرف ہے رسول کی معیت میں سفر کرنا تاکہ آپ تنہا نہ رہیں۔ ہر صاحب عقل و دانش جان سکتا ہے کہ موقع و محل کی نزاکت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی حفاظت کی خاطر ان کے بستر کو خالی نہ چھوڑا جائے تاکہ حضور مقامِ محفوظ تک پہنچ جائیں اور ان کی جان پر کوئی آنچ نہ آئے ورنہ اگر بستر خالی ہوتا تو کفار فوراً تعاقب کر کے غارِ ثور تک پہنچنے سے قبل ہی آپ کا کام تمام کر دیتے۔ اور اسلام کا جگمگاتا ہوا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جاتا اور وہاں ایک یا دو ساتھی کفار کے حملہ کو ہرگز نہ روک سکتے۔ پس حفاظت کے لئے

سب سے بڑی قربانی بسترِ رسول پر سونا تھا جس میں جان جانے کا خطرہ بھی تھا۔ بخلاف اس کے ساتھ جانے میں ایک طرف اگر ہجرتِ ظاہری سے تقویتِ رسول مقصود ہو بھی تاہم اس میں ایک غرض ذاتی بھی ہے اور وہ ہے حفاظتِ جانِ خود۔ پس حضرت علیؑ نے اپنی جان کی قربانی دے کر جانِ رسول کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ اور حضرت ابوبکر نے اپنی جان کو بچا کر رسول کا ساتھ اختیار کیا تو چونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ہجرت میں ذاتی حسن نہیں ہے بلکہ ہجرت کا حسن غرض و غایت اور مقصد کے حسن کے تابع ہے اور فعل کی بلندی اور اہمیت مقصد کی بلندی اور اہمیت کے تابع ہوتی ہے تو اب صاحبانِ عقلِ سلیم کے لئے فیصلہ نہایت آسان ہے کہ ابوبکر کی ہجرت کا مقصد رسول کی صحبت ہو سکتا تھا اور ساتھ ساتھ اپنی جان کی حفاظت بھی اس کا لازمہ تھی۔ اور حضرت علیؑ کے بسترِ رسول پر سونے کا مقصد ایک اور صرف ایک تھا یعنی حفاظت پیغمبر خواہ اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی جان بھی چلی جائے چنانچہ نتیجہ یہی ہوا کہ کفار حضرت علی کو سوتا دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ حضورؐ بنفس نفیس سوئے ہوئے ہیں لہذا تعاقب نہ کر سکے اور اتنے میں حضور مقام محفوظ تک پہنچ گئے تو معلوم ہوا کہ نصرتِ پیغمبرؐ میں اہم کردار وہی تھا جو علیؑ نے ادا کیا۔ پس ان کی بسترِ رسولؐ پر شب خوابی ابوبکر کی معیت رسولؐ میں شب بیداری اور ہجرت سے افضل تھی۔ لہذا رازی کا یہ کہنا کہ ہجرت میں سبقت صرف حضرت ابوبکر کو ہی حاصل ہے۔ درست ہے لیکن اس میں فضیلت کا کوئی خام سے خام پہلو بھی نظر نہیں آتا جس پر فخر کیا جا سکے۔ اور یہ کہنا کہ ان کی ہجرت تقویّت رسول کی موجب تھی۔ صرف کوتاہ نظری اور خوش فہمی ہی خوش فہمی ہے۔ ورنہ اگر یہ صحبت رسول کی تقویت یا تسکین کی موجب ہوتی تو جناب رسالت مآبؐ لَا تَحْزَنْ نہ فرماتے جو شخص خود غم و حزن کا اس قدر شکار ہو کہ خدا اور رسول کو بار بار چپ کرانے کی ضرورت محسوس ہو۔ وہ کسی دوسرے کے لئے اطمینان و سکون کیسے اور کہاں سے میسر کریگا اور اس کی تفصیل اسی جلد میں گذر چکی ہے۔ اور ثانیاً رازی کا اپنا اعتراف ہے کہ حضرت علیؑ جناب رسالت مآبؐ کی جانب سے بعض امور کی انجام دہی کے لئے ٹھہرے تھے۔ اور اگر یہ بات ہے تو پھر بھی حضرت علی کا ان امور خاصہ کی انجام دہی میں رسول کا معتمد خصوصی ہونے کو ثابت کرتا ہے بلکہ رسول کے قائم مقام ہونے کی صلاحیّت کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ سفر میں ساتھ تو ایک غلام کو بھی لے جایا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنے مقام پر کسی کو اپنی مخصوص ذمہ داریوں سے عہدا برا ہونے کے لئے ٹھہرانا ایسی بڑی عظمت کو ظاہر کرتا ہے جو ساتھ جانے والے میں اس کی ادنیٰ مقدار بھی مبالغہ آمیز متصور ہوتی ہے۔ پس یہ کہنا کہ علی الاطلاق ہجرت کرنے میں سبقت کرنے والے دوسروں سے افضل ہیں۔ ایک دعویٰ بلا دلیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ البتہ عمومی طور پر یہ کہنا درست ہے کہ مہاجرین کا درجہ انصار سے بلند ہے اور اولین کا درجہ متاخرین سے بڑا ہے۔

علیؑ سابق الایمان ہے

اور ہمارے سابق بیان سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت علیؑ تمام اُمّت سے افضل ہیں۔ کیونکہ تمام مؤرخین کا مسلّمہ امر ہے کہ حضرت علی سابق الایمان ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی اہمیّت کو کم کرنے کے لئے کہا جائے کہ بچّوں میں سابق الایمان حضرت علیؑ تھے ورنہ اگر تعصب سے بالاتر ہو کر عین انصاف سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ علیؑ سابق الایمان ہیں اور اس اعتبار سے وہ تمام ایمان والوں کے پیش رو ہیں۔ چنانچہ مسند احمد اور دیگر

کتب عامہ وخاصہ میں منقول ہے کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وارد ہے ۔حضرت علیؑ اس کے امیر و شریف ہیں (مسند احمد، تفسیر مجمع البیان میں تفسیر ثعلبی سے مروی ہے ۔عفیف کندی کہتا ہے ۔میں سفرِ تجارت میں ایکدفعہ ایام حج میں مکہ پہنچا اور چونکہ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے دوستانہ تھا لہٰذا اس کے ہاں ٹھہرا ۔ اور یہ شخص یمن سے عطر خرید کر ایام حج میں مکہ میں بیچا کرتا تھا وہ کہتا ہے میں اور عباس منیٰ میں بگئے تو دیکھا ایک جوان آیا ۔ اور قبلہ رو کھڑا ہوگیا ۔ پھر ایک لڑکا آیا اور اس کے پہلو میں کھڑا ہوگیا پھر ایک پردہ دار آئی اور پیچھے کھڑی ہوگئی پس انہوں نے نماز پڑھی ۔ رکوع وسجود کیا ۔میں نے عباس سے کہا یہ تو امرِ عظیم ہے ۔اس نے بھی کہا کہ ہاں امرِ عظیم ہے تو میں نے پوچھا یہ کون ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور کہتا ہے کہ کسریٰ اور قیصر کو میں فتح دوں گا ۔ اور یہ لڑکا علی بن ابیطالب ہے ۔ اور عورت جناب خدیجہ بنت خویلد اس کی زوجہ ہے ۔ یہ دونوں اس دین پر اس کے تابع ہیں (حضرت علیؑ کی عمر اس وقت کم وبیش دس برس تھی) خدا کی قسم روئے زمین میں اس دین پر سوائے ان تینوں کے اور کوئی نہیں تھا (عفیف کندی اسلام لانے کے بعد کہا کرتا تھا ۔ کاش اس وقت میں بھی مسلمان ہوجاتا تا کہ چوتھا شمار ہوتا)

نیز مروی ہے کہ حضرت ابوطالب نے ایک دفعہ حضرت علیؑ سے پوچھا اے بیٹے یہ کون سا دین ہے جس کو تو نے اختیار کیا ہے تو آپ نے فرمایا اے اباجان ! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاچکا ہوں اور وہ جو کچھ فرمائیں میں اس کو مانتا ہوں اور اللہ کی خوشنودی کے لئے ان کی اقتداء میں نماز ادا کرتا ہوں تو ابوطالب نے کہا کہ بے شک حضرت محمدؐ نیکی کی دعوت دیتے ہیں ۔ لہٰذا ان کے طریقہ کو ہرگز نہ چھوڑو ۔ ایک اور روایت میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے ۔آپ نے فرمایا انا عبداللّٰہ واخو رسولہ وانا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کذاب مفتر صلیت قبل الناس بسبع سنین ترجمہ ۔ میں عبد خدا اور اس کے رسول کا بھائی ہوں ۔ اور میں ہی صدیق اکبر ہوں ۔ میرے علاوہ یہ دعویٰ کوئی کذاب ہی کرے گا میں نے تمام لوگوں سے پیشتر سات برس نماز پڑھی ہے (یعنی لوگ سات سال مجھ سے بعد ایمان لائے ہیں)

مسند سید ابوطالب ہروی سے بروایت منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میرے اور علیؑ کے اوپر فرشتوں نے سات سال درود بھیجا کیونکہ اس عرصہ میں میرے اور علی کے علاوہ اور کوئی نمازی نہیں تھا (مجمع البیان)

تفسیر منہج الصادقین جلد ۲ ص۳۵۶ پر ابو نخلہ سے مروی ہے کہ میں نے موسم حج میں حضرت ابوذر سے دریافت کیا کہ لوگوں میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے ۔ اب ہمیں کس کی پیروی کرنی چاہیئے ۔ تو ابوذر نے جواب دیا ۔ کتاب خدا اور علیؑ ان دونوں کو لازم پکڑو ۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا ۔ علی پہلا شخص ہے جس نے میری تصدیق کی ۔ اور یہ پہلا شخص ہے جو بروز قیامت میرے ساتھ مصافحہ کرے گا اور یہی صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہے کہ حق وباطل کے درمیان فرق کرے گا ۔ اور یہی دین اور مومنین کا یعسوب ہے جس طرح کہ مال ظالموں کا یعسوب ہے ۔

رازی اپنے مقام پر سمجھتا ہے کہ علیؑ سابق الایمان ہے ۔اسی بنا پر تو اس نے اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ سے مراد ہجرت

میں سبقت کرنے والے لئے ہیں تاکہ دستارِ فضیلت حضرت ابوبکر کے سر پر باندھی جائے۔ ورنہ اگر اَلسّٰبِقُوْن سے مراد ایمان میں سبقت کرنے والے لئے جائیں تو حضرت علیؑ آگے بڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں جو رازی کی قوتِ برداشت سے باہر ہے اور دعوت عشیرہ کے موقعہ پر تمام مؤرخین کے اتفاق سے حضرت علیؑ ہی ہیں۔ جنہوں نے آوازِ پیغمبر پر صدائے لبیک بلند کی تھی اور دعوت میں آپؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو میری تصدیق کرے گا وہ میرا خلیفہ ہوگا۔ اور جنّت میں میرا ساتھی ہوگا (مسند احمد بن حنبل) لیکن اس کی اہمیت کو کم کرنے کی خاطر رازی نے دبے لفظوں میں اقرار کر لیا۔ لیکن فوراً اس کی تادیل کے پیچھے پڑ گیا چنانچہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ لوگوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ کے سابق الایمان ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ لیکن اس قدر اتفاق ہے کہ مردوں میں سے ابوبکر عورتوں میں سے خدیجہ بچّوں میں سے علی، اور غلاموں میں سے زید سابق الایمان ہیں صرف ابوبکر کو اس صف میں کھڑا کرنے کے لئے چار گروہ بنا دیے ورنہ اگر علی الاطلاق بتانا پڑتا کہ سب میں سے سابق الایمان کون ہے۔ تو سوائے علیؑ و خدیجہ کے اور کس کا نام لیتا؟ پس چار حصوں میں تقسیم کرکے اپنے حسد و بغض کی پیاس بجھالی اور عوام کالانعام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا کھیل بھی کھیل لیا۔ اور اس پر بھی اکتفا نہیں کی۔ آگے بڑھ کر کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ایمان لانے کے بعد تبلیغی فریضہ انجام دیا اور بہت سوں کو اسلام سے مشرف کرنے کی سعادت حاصل کی۔ لیکن اس کے مقابلہ میں علیؑ چونکہ بچہ تھا لہٰذا وہ اس سعادت سے محروم تھا۔ پس ابوبکر کا سابق الایمان ہونا اسلام کے لئے مفید تھا۔ اور علی کا سابق الایمان ہونا صرف رسمی تھا۔ لہٰذا سابقون کا راس و رئیس صرف ابوبکر ہی ہے۔ خدا خود ہی حق پوشی کا ایسے حاسدین سے انتقام لے گا۔ اگر حضرت علیؑ کا ایمان بچپنے کی وجہ سے رسمی تھا۔ اور قابلِ قدر نہ تھا تو دعوتِ عشیرہ میں علیؑ کے لبیک کہنے پر حضرت رسولِ کریم نے ان کو تمغۂ اخوت و وصایت کیوں دیا۔ اور عہدِ خلافت کیوں کیا؟ تاریخ طبری ج ۲ ص۲۱۷ کامل ابن اثیر ج۲ ص۲۸ اور کنز العمال ج ۲ ص۳۹۲ دلائل الصدق) بلکہ اگر بنظرِ انصاف و امعان غور کیا جائے تو بچپنے کا ایمان بڑھاپے کے ایمان سے بدرجہا افضل و بہتر ہے کیونکہ علی کا بچپنے کا ایمان یہ ثابت کرتا ہے کہ صحابہ میں سے صرف علیؑ ہی وہ شخصیت تھے جنہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی شرک اور بت پرستی کی آلائش سے اپنی ذات کو آلودہ نہ کیا۔ لہٰذا صحابہ میں سے صرف یہی ذات ہے جو زیورِ عصمت سے آراستہ ہے اور مردوں میں سے حضرت ابوبکر کا ایمان گو باقی لوگوں سے پہلے ہو لیکن یہ تو کم از کم ثابت کرتا ہے کہ اکثر زندگی ان کی شرک اور بُت پرستی میں گذری تھی لہٰذا وہ صرف مسلمان ہی ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے جس نے اوّل عمر سے آخر تک کبھی بُت پرستی نہ کی ہو وہ اس سے بدرجہا بہتر ہے جو ایک مدت تک کفر و شرک کی آلائشوں میں ملوّث رہا ہو۔ اور اگر اس کے ساتھ سورہ ھود کی آیت نمبر ۱۱۳ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ الخ۔ یعنی ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جو کسی زمانہ میں ظلم کا ارتکاب کر چکے ہوں ورنہ جہنّم میں جاؤ گے۔ اور ساتھ یہ بھی لحاظ رکھا جائے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو شخص شرک کے جُرم کا ارتکاب کر چکا ہو وہ اس قابل نہیں کہ اس کی طرف جھکا جائے۔ لہٰذا مفہوم کے لحاظ سے یہ آیت ببانگِ دہل پکار رہی ہے کہ ان کی طرف جھکو۔ جنہوں نے اپنی پوری عمر کے کسی لمحہ میں بھی شرک کا ارتکاب نہیں کیا۔ پس اس سے

توحضرت علی کی خلافت بلافصل بطریق اولیٰ ثابت ہوجائے گی۔ اور حضرت علیؑ کا بچپنے کا ایمان کہہ کر جس بنا پر ان کی سبقت ایمانی کو گھٹا رہے تھے وہ اُلٹا اُن کے بنے بنائے سابق الایمان کے لئے مصیبت کا باعث بن گئی اور ان کی خلافت کے لئے بھی ایک چیلنج ہوگئی۔ جس کا تا قیامت ان کے پاس جواب نہیں ہوسکتا۔ بہرکیف علیؑ کا سابق الایمان ہونا ان کی خلافت بلافصل کی دلیل ہے۔ خواہ اس کو بچپنے کا ایمان کہتے پھریں یا کوئی اور تاویل کرتے رہیں۔ علی کی اس فضیلت پر پردہ ڈالنا سورج پر گرد پھینکنے کے مترادف ہے۔

ایمان لانے والوں کے تین گروہ

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ آیت مجیدہ میں تین گروہوں کی خداوندکریم نے مدح فرمائی۔
۱۔ سابقین اولین مہاجرین (۲) سابقین اولین انصار (۳) وہ جو ان سابقین کے پیچھے خیر وخوبی سے چلے۔

خداوندکریم نے سابقین کے پیچھے چلنے والوں کے تین گروہ بیان کئے۔

۱۔ وہ جو سابقین کے پیچھے نیکی وخوبی سے چلے۔ یعنی ایمان لانے کے بعد نیک عمل کئے (محسنین)، ۲۔ وہ گروہ جو ایمان لائے صرف زبان سے اور دل میں مومنین کی مخالفت پر ڈٹے رہے (منافقین) ۳۔ وہ گروہ جو دل سے ایمان لائے۔ لیکن عمل میں نیکی اور بدی کو مخلوط کر بیٹھے۔ یعنی نیکی بھی کرتے رہے اور برائی سے بھی باز نہ آئے۔ ان کو مذبذبین کہا گیا۔ منافقین اور مذبذبین کا ذکر اگلی آیتوں میں آجائے گا۔ اس مقام پر محسنین کا ذکر ہے۔ اور خداوندکریم نے مہاجرین انصار اور محسنین ان ہر سہ گروہوں کو ذکر خیر سے یاد فرمایا ہے اور انہی کے لئے اپنی رضامندی کی پیش کش فرمائی۔ اور انہی کے ساتھ جنت کا وعدہ فرمایا۔ تفسیر منار میں مفتی محمد عبدہ نے بڑے طمطراق سے لکھا ہے کہ صحابہ رسول کے ہر سہ طبقات کے لئے خدا کی جانب سے رضامندی اور وعدۂ جنت روافض کی تردید کے لئے کافی ہے۔ آگے چل کر ایک روایت نقل کی ہے کہ حمید بن زیاد کہتا ہے۔ میں نے محمد بن کعب قرظی سے صحابۂ رسول کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ رسول کے تمام صحابہ خواہ نیک ہوں یا بد جنت میں جائیں گے۔ میں نے پوچھا یہ کیسے؟ تو اس نے یہی السّٰبِقُوْنَ والی آیت پڑھی۔ اور کہا خدا نے تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک مہاجرین دوسرے انصار اور تیسرے تابعین اور پہلی دونو قسموں کے ساتھ نیکی یا بدی کی کوئی قید نہیں لگائی۔ لیکن تابعین کے ساتھ یہ قید لگا دی ہے کہ جو ان میں سے نیکی اور احسان کا راستہ اختیار کرے گا۔ پس مہاجرین وانصار کے ساتھ یہ قید نہ لگانا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خواہ نیک ہوں یا بد۔ خدا ان سے راضی ہے اور وہ جنت میں ضرور جائیں گے۔ لیکن تابعین یعنی بعد میں ایمان لانے والے صرف وہی جنت میں جاسکیں گے جو نیک ہوں گے اور اس روایت کو رازی نے تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۹۲ پر نقل کیا ہے۔

آلِ رسولؐ پر ظلم

دیکھیے یہ سب کچھ اہل بیت عصمت پر ظلم کرنے والوں اور ان کو تشدد کا تختہ مشق بنانے والوں کے اعمالِ بد پر پردہ ڈالنے اور آلِ رسولؐ کی عظمت کو گھٹانے کے لئے ہی کیا جا رہا ہے۔ ورنہ کوئی صاحب عقل سلیم اس قسم کی خرافات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دورِ اول کے لوگ بلاتمیز نیک وبد داخل جنت ہوں۔ اور بعد والوں کے لئے

جنت میں داخلہ کے لئے نیک ہونے کی پابندی عائد کردی جائے۔ اس کا مطلب تو صاف یہ ہوگا کہ جنت کا انعام ایک کھیل ہے اور دوزخ کا عذاب سکھوں والی پھانسی ہے کہ جس کے گلے میں فٹ آجائے۔ اسی کو لٹکا دیا جائے اگر اس اسلام کو اس حلیے سمیت اقوام عالم کے سامنے پیش کیا جائے تو اسلام اور اس کی تعلیمات محل تمسخر بن کر رہ جائیں۔ خداوند کریم اور اس کا پاک رسول اس قسم کے خیالات فاسدہ اور عقائد کاسدہ سے بیزار ہیں۔ اور اسلام میں اس قسم کے خرافات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ خداوند کریم کا دین عقل و انصاف کے اصولوں پر مبنی ہے۔ اور اس کے قوانین بلافرق امیر و غریب اور بلاتمیز خورد و کلاں تمام اہل عالم پر یکساں نافذ ہیں۔ اور جنت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے جو خدا اور رسول پر ایمان لانے کے بعد اسلامی قوانین پر کاربند ہوں۔ اور مرتے دم تک کاربند رہیں۔ خواہ عرب ہوں یا عجم۔ خواہ اپنے ہوں یا بیگانے۔ نیز خواہ صحابہ ہوں یا غیر۔ لیکن اگر زبان سے دعویٰ ایمان کرتے رہیں اور اسلامی قوانین کی مخالفت کرتے ہوں۔ اور نیکی و بدی میں فرق نہ سمجھتے ہوں تو ایسے لوگ یقیناً خدا کی رضا کے مستوجب نہیں ہو سکتے۔ اور نہ خدا ان سے راضی ہوتا ہے ورنہ اگر خدا بُرے لوگوں سے راضی ہو۔ اور اچھے لوگوں سے بھی راضی ہو تو اچھائی و برائی کا کوئی فرق نہ رہے گا۔ العیاذ باللہ" اور پھر یہ کہ صحابہ کے لئے اچھائی و برائی کا فرق نہ ہو۔ اور باقیوں کے لئے ہو تو معاذ اللہ، خدا ظالم ٹھہرے گا۔ حالانکہ وہ خود عادل ہے اور عدل کی دعوت دیتا ہے۔ نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کے ظلم پر رضامند ہوتا ہے۔ نیز رضائے پروردگار اور وعدۂ جنت کے لئے یہ ضروری ہے کہ جن کے ساتھ وعدہ ہے وہ تازیست صفت ایمان اور عمل صالح پر رہیں۔ ورنہ اگر ابتداء میں مومن ہوں اور بعد میں مرتد ہو جائیں تو قطعاً رضائے خدا کے وہ حقدار نہ ہوں گے۔ اور نہ ان کے لئے وعدۂ جنت ہوگا۔ لہٰذا جن لوگوں نے حضور رسالت مآبؐ کے بعد آل رسولؐ کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا اور حضرت علیؑ کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کیا۔ اُن کا انجام اچھا نہ رہا۔ اور جب خاتمہ درست نہ ہوا تو خواہ مہاجر ہوں یا انصار۔ آیت مجیدہ کے اس وعدہ سے وہ باہر ہوں گے۔

نیز پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ تیسرے گروہ سے رسالت مآبؐ کے بعد والے تابعین مُراد لینا بعد والوں کی اصطلاح جدید ہے۔ ورنہ اس آیت مجیدہ میں ان سے وہ لوگ مُراد ہیں جو سابقین کے بعد صفت ایمان سے متصف ہوئے اور احسان کی صفت تینوں گروہوں میں سے ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ اور آخری گروہ کے ساتھ ذکر کر کے پہلے دونوں سے حذف کر دی گئی ہے جس طرح وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ کو دو دفعہ ذکر کرنے کی بجائے صرف ایک دفعہ ذکر کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے حذف پر قرینہ قائم کیا ہے ورنہ چاہیئے تھا وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اور اس قسم کا حذف کلام عرب میں عام شائع ہے جیسے اَنْتَ بِمَا عِنْدَكَ وَنَحْنُ بِمَا عِنْدَنَا رَاضُوْنَ۔ پس اس آیت میں بھی ایک دفعہ لفظ احسان کو ذکر کر دینے کے قرینہ سے مہاجرین و انصار میں احسان کی قید خود بخود سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا وہاں اس کو بڑھانے کی ضرورت نہیں رہی۔ پس معلوم ہوا کہ مصداق آیت کے لحاظ سے وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ سے مُراد مہاجرین و انصار سابقین کے بعد ایمان لانے والے صحابی ہیں۔ لیکن "اول و باطن کے لحاظ سے تاقیامت بعد میں آنے والے کل مومنین کو آیت شامل ہے۔ ورنہ آیت کا

مضمون ایک عرصہ محدود تک کے لئے محصور ہو جائے گا حالانکہ اس کی جملہ ہدایات تا قیامت جاری ہیں۔

رازی نے روایت متقدم الذکر میں ایک جملہ کا آخر میں اضافہ کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اِتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہ مہاجرین و انصار تمام کے لئے خواہ نیک ہوں یا بد چونکہ رضوانِ خدا اور جنت کا وعدہ ہے۔ لہٰذا خدا کے اس وعدہ میں بعد میں آنے والے وہی مومن داخل ہوں گے جو صحابہ مہاجرین و انصار کے نقش قدم پر چل کر ایمان قبول کریں گے۔ لیکن ان کی غلط کاریوں اور برائیوں پر نکتہ چینی نہ کریں گے۔ اور پھر آگے چل کر لکھتا ہے کہ بعد میں آنے والے اور اسلام کے حلقہ بگوش ہونے والے مومنین بھی اس آیت کی رُو سے رضوانِ خدا اور وعدہ جنت میں داخل ہیں لیکن ان کے لئے یہ شرط ہے کہ احسان اور نیکی سے ان کے پیچھے چلیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کے بارے میں اچھائی بیان کریں ورنہ اگر نکتہ چینی کریں گے تو اس انعام سے محروم رہیں گے۔

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ آیت مجیدہ کی آڑ صرف صحابہ کی اس روش پر پردہ ڈالنے کے لئے ہے جو آلِ رسولؐ کے ساتھ انہوں نے اختیار کی۔ اور شیعہ حضرات کو کوسنے کی خاطر ہی یہ سطح لڑائی جاتی ہے۔ لیکن بخاری شریف اور دیگر کتب معتبرہ کی ان احادیث کو کہاں چھپائیں گے جن میں صاف طور پر ہے اَلْفَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِیْ۔ یعنی فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ اور غَضِبَتْ فَاطِمَةُ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ کے بخاری کے غیر مبہم الفاظ کی کیا تاویل ہوگی۔ اور اس کے بعد اسی سورہ میں فرمانِ خداوندی کا کیا جواب ہوگا کہ جو خدا و رسول کو ایذا دے گا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اگر بقول بخاری فاطمہؑ کی ایذاء رسول کی ایذاء ہے۔ اور حضرت ابوبکر نے فاطمہ کو ایذاء بھی دی تو قرآن کی رُو سے ایذاء رسول دوزخ میں داخلہ کی نا قابلِ تردید سند ہے۔ اور صرف باتوں سے یا تاویلات سے یہ معاملہ ٹل نہیں سکتا۔ رضوانِ خدا اور جنت صرف اُن لوگوں کے لئے ہے جو مومن رہے اور آخر دم تک صفت ایمان کے ساتھ ساتھ آلِ رسولؐ کے اطاعت گذار بھی رہے۔

اور رازی کے دل میں کھٹک ضرور ہے اور ان تمام باتوں کو سمجھتا ہے۔ لیکن باپ دادا اور گذشتگان کی اندھی تقلید نے اس کے دل و دماغ کو معطل کر رکھا ہے۔ چنانچہ آخر میں کہتا ہے کہ مہاجرین و انصار کے حق میں بہ لہجہ طعن لب کشائی کرنے والا رضائے خدا اور جنت کی پیش کش سے اس لئے محروم ہے کہ وہ ان کے نقش قدم پر احسان و نیکی سے نہیں چلا کیونکہ دیندار مومنین اصحاب رسول کی تعظیم میں مبالغہ کے قائل ہیں۔ اور وہ ان کی غیبت و شکوہ میں زبان نہیں کھولتے اور نہ ان کو ایسے انداز سے ذکر کرتے ہیں جو ان کے خلافِ شان ہو۔

یہ سب کچھ عقل و دانش کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت بلکہ اعلانِ جنگ ہے۔ بس عقل کا صریح فیصلہ ہے کہ خواہ کتنا بڑا ہو۔ اگر خدا اور رسول کا مخالف ہو تو وہ جنت کی بُو نہ سونگھے گا۔ کیونکہ جب حضرت نوح کا سگا بیٹا عذابِ خداوندی سے نہ بچ سکا تو کوئی اور کیوں کر کسی ناجائز رعایت کا مستحق قرار دیا جا سکے گا۔ اور خداوند کریم کسی کی ناجائز رعایت کر سکتا ہی نہیں اور اگر کسی کی آلِ رسول کے حق میں گستاخی قابلِ عفو ہو سکتی ہے تو صحابہ کے حق میں گستاخی بھی قابلِ عفو ہو سکتی ہے۔ پھر ہر شخص کے لئے آزادی ہے جو چاہے کہتا پھرے۔

رازی نے ایک اور منطقی استدلال کا اضافہ یوں کیا ہے کہ چونکہ مہاجرین و انصار کے متعلق خدا نے فرمایا ہے رضی اللہ عنہم۔ یعنی خدا ان سے راضی ہوگیا۔ اور یہ رضامندی زمانۂ ماضی اور حال اور استقبال تینوں زمانوں کو شامل ہے۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ آلِ رسول سے جھگڑا کرنے کے بعد وہ خدا کے غضب کے مستحق ہوگئے تو خدا کا رَضِیَ کا وعدہ واقع کے مطابق نہ رہے گا کیونکہ خدا نے اپنی رضا کے وعدہ میں یہ نہیں فرمایا کہ خلافت سے پہلے تک راضی ہوں۔ اور اُن کے خلافت کے دعویٰ کرنے کے بعد راضی نہ ہوں گا۔ پس خدا کا رضا کے ساتھ زمانہ کی قید نہ لگانا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ان مہاجرین و انصار سے ہر زمانہ میں راضی ہے۔

صاحبانِ عقل و فکر کے سامنے رازی کا یہ بیان بھی تارِ عنکبوت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس عقل کے اندھے کو یہ خیال نہیں رہا کہ رَضِیَ فعل ماضی کا صیغہ ہے جس کی دلالت صرف زمانِ ماضی تک محدود رہے۔ اور یہ فعل استمرار کے لئے استعمال نہیں ہوتا تو گویا صاف معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے ہجرت اور رسول کی نصرت میں سبقت کی۔ خدا ان سے راضی ہوگیا۔ یعنی ہجرت اور نصرت خدا کے نزدیک اس قدر مستحسن فعل ہیں کہ ان کی وجہ سے خدا نے ان کی سابقہ تمام لغزشیں معاف کردیں اور ان کے لئے جنّت کا وعدہ کردیا کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اب اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کے بعد اگر ایمان و اسلام کے تقاضوں کو چھوڑ کر مریں تب بھی وہ اس پیش کش کے سزاوار رہیں گے۔ کیا بخاری شریف کی ارتداد والی حدیثیں اور حدیث حوض یاد نہیں رہی کہ حضور فرماتے ہیں میں حوض پر ہوں گا۔ اور میرے سامنے چند لوگ بلائے جائیں گے اور ان کو جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا تو میں کہوں گا۔ اُصَیْحَابِیْ اُصَیْحَابِیْ۔ یعنی یہ تو میرے صحابی ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے تو جواب ملے گا۔ آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے بعد میں کیا کیا کرتوت کئے۔ تو میں کہوں گا۔ دُور کرو۔ ان کو دُور کرو۔ اور یہ حدیثیں من و عن حوالہ جات سے مقدمہ تفسیر میں درج کی جاچکی ہیں۔ ص۱۵۳ و ص۱۵۴۔

رازی نے توجیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ رضائے خدا اور وعدۂ جنّت ایک موصوف پر مترتب ہیں تو جب تک اس موصوف میں وہ صفت باقی رہے گی۔ وعدۂ رضا و جنّت کا باقی رہنا بھی ضروری ہے۔ اور وہ صفت ہے ہجرت میں سابق ہونا اور نصرتِ رسول میں سبقت کرنا تو چونکہ یہ صفتیں مہاجرین و انصار کے لئے دائمی ہیں۔ لہٰذا جنّت و رضا کا ثبوت بھی دائمی ہوگا۔ اس کے بعد ان سے جس قسم کی لغزشیں سرزد ہوں وہ رضائے خدا اور وعدۂ جنّت کے آگے حائل نہیں ہوسکتیں۔

اس کا جواب ہمارے گذشتہ بیان میں واضح ہوچکا ہے کہ سبقت سے مُراد سبقتِ ایمانی ہے اور ایمان ہی محور و مدار ہے تمام باقی صفات کا اور اساسی صفت ایمان کو ہی اُصولی اور بنیادی مقام حاصل ہے۔ ورنہ اس صفت کے بغیر ہجرت و نصرت قطعاً قابلِ مدح ہوسکتی ہی نہیں۔ پس سابقون سے مراد ہیں۔ ایمان میں سبقت کرنے والے اور سب میں سے سابق اول حضرت علیؑ ہیں۔ اور باقی مہاجرین و انصار جو بعد میں اس صفت سے متصف ہوئے۔ بالفرض اگر ان

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ

ہمیشہ رہیں گے ان میں یہ بڑی کامیابی ہے اور تمہارے گردونواح میں سے جو بدوی

مُنٰفِقُوْنَ ڔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ

منافق ہیں اور اہلِ مدینہ میں سے جو قائم ہیں نفاق پر تمہیں پتہ نہیں اور ہمیں پتہ ہے

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا

ہم ان کو عذاب دیں گے دو دفعہ پھر پلٹائے جائیں گے طرف بڑے عذاب کے اور دوسرے جنہوں نے اقرار

بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّـــًٔا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ

کیا اپنے گناہوں کا ملا بیٹھے عمل نیک کو اور عمل بد کو اُمید ہے کہ خدا ان کی توبہ قبول کرے گا

کو سابقین کی صفت سے ملقب کیا گیا تو رضا و جنّت کے وعدہ کا مدار ہے۔ صفت ایمان اگر خاتمہ ایمان پر رہا تو وعدہ برقرار رہا۔ لیکن اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہوا تو سابق ہجرت اور نصرت کو حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ۔ کے تہ خانے میں ڈال دیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اور رسالت مآبؐ کی متواتر احادیث سے یہ مضمون ثابت ہے۔ علّامہ حلّی نے اس آیت مجیدہ کو حضرت علیؑ کے خلیفہ بلافصل ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ اور فضل بن روزبہان جیسے متعصّب نے بھی علیؑ کا سابق الایمان ہونا تسلیم کیا ہے۔ اللّٰھمّ اجعلنا من انصار محمّد وآل محمّد واتباعھم۔

منافقین و مذنبین

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ۔ مہاجرین اور انصار سابقین کے بعد اظہار ایمان کرنے والوں کے تین گروہ تھے۔ جن کا پہلے بھی اشارہ ہو چکا ہے۔ ایک وہ جو مہاجرین و انصار کے نقشِ قدم پر خیر و خوبی سے چلے۔ ان کو محسنین کا درجہ دیا گیا۔ جن کا پہلی آیت میں بیان گذر چکا ہے۔ دُوسرے وہ لوگ جو زبان سے مومن اور دل سے کافر تھے۔ ان کو منافقین کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس آیت مجیدہ میں انہی لوگوں کا تذکرہ ہے۔ اس قسم کے لوگ دیہاتوں میں بھی تھے۔ اور خود شہر مدینہ میں بھی تھے۔ جیسے کہ آیت میں ہے۔ ان کو دو دفعہ کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ ایک دنیا میں رسوائی و ذلت کا اور دُوسرا قبر میں اور پھر تیسرا عذاب دائمی ہوگا جو بڑا عذاب ہوگا۔

وَاٰخَرُوْنَ۔ یہ تیسرے گروہ کا بیان ہے جو ایمان دل سے لائے۔ لیکن عمل میں نیک و بد کو ملا بیٹھے یعنی نیکیاں بھی کرتے رہے اور بُرائیاں بھی ان سے سرزد ہوئیں اور ان کو مذنبین کہا گیا ہے۔ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ ان کی توبہ قبول ہوگی۔

وجوب زکوٰۃ کا حکم

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۔ [۱۲۶] تفسیر مجمع البیان میں ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ انصار میں تین آدمی جو

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ

تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے لے تو ان کے مال سے صدقہ کہ تو ان کو پاک و پاکیزہ کردے اس کے ذریعہ سے

بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

اور دعا کر ان کو کہ تحقیق تیری دعا ان کے لئے باعثِ تسکین ہے اور اللہ سننے جاننے والا ہے

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات کو اور

غزوہ تبوک میں ہمرکاب رسالت مآبؐ نہ ہوئے تھے۔ جب اُن کو پتہ چلا کہ ان کے حق میں سخت ترین آیتیں اُتری ہیں تو انہوں نے سزا کے طور پر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ جب حضور اکرمؐ واپس آئے اور ان کے متعلق دریافت کیا تو جواب ملا کہ ان لوگوں نے بطور سزا کے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے۔ اور سوائے حضورؐ کے ان کو کوئی نہیں کھول سکتا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں ان کو کھولنے کی جرأت نہیں کرتا جب تک کہ حکم خدا نہ ہو۔ پس جب آیت ۱۰۲ اُتری جس میں مذنبین کی توبہ کے قبول کرنے کا ذکر ہے تو آپ نے ان کو کھول دیا۔ پس وہ اپنے مال اٹھا لائے اور کہنے لگے کہ انہی مالوں نے ہمیں آپ کے پیچھے رہنے پر مجبور کیا تھا۔ لہٰذا ان کو صدقہ کر دیجئے۔ پس آپ وحی کے منتظر ہوئے اور آیت اُتری کہ سارا مال نہ لیجئے بلکہ ان کے اموال میں سے کچھ لے لیجئے۔ اور مِن یہاں تبعیض کے لئے ہے اور یہ صدقہ اُن کے لئے کفارہ گناہ کے طور پر تھا۔ اور ممکن ہے کہ یہ آیت عام وجوب زکوٰۃ کے حکم کے لئے ہو کہ مومنوں سے زکوٰۃ وصول کرو جو اُن کی روحانی طہارت کے لئے ہے کہ صفت بخل سے ان کے قلوب پاک ہوں گے۔ اور اُن کے مالوں کے تذکیہ کے لئے ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی برکت سے اُن کا مال بڑھے گا۔ اور رزق میں وسعت ہوگی۔ اور آیت مجیدہ میں ابہام تھا۔ جس کو حضورؐ نے اپنے فعل سے رفع فرما دیا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں جنس و نقدی میں واجب ہے۔ اور اس کا نصاب اس قدر ہے۔ اور وجوب و ادا کا وقت فلاں ہے۔ اور یہ تمام مسائل تفصیل کے ساتھ حسبِ ضرورت اسی جلد میں مذکور ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ۔ مقصد یہ ہے زکوٰۃ و صدقہ وصول کرنے کے بعد ان کے حق میں دُعا کیا کرو۔ اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے حق میں وصول کرنے والے کو دعا کرنی چاہیئے۔

يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ۔ یعنی خدا خود لیتا ہے صدقات کو۔ جیسا کہ روایت میں وارد ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ صدقہ مستحق کے ہاتھ میں پہنچنے سے قبل خدا کے یدِ قدرت پر جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ مستحق تک پہنچنے سے قبل وہ سندِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ اور صدقہ کی فضیلت کے متعلق قبل ازیں احادیث حسبِ ضرورت نقل کی جا چکی ہیں۔ حث۔

آئمہ ہمارے اعمال سے مطلع ہوتے ہیں۔ فَسَيَرَى اللّٰهُ۔ اعمال کو خدا کا دیکھنا تو واضح ہے۔ اور صافی میں بروایت کافی

أَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (۱۰۴) وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ

اللہ ہی قبول کرنے والا مہربان ہے اور کہدو کہ تم عمل کرو۔ عنقریب دیکھے گا اللہ تمہارا عمل اور

رَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ط وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

اس کا رسول اور ایمان والے اور عنقریب تم پلٹائے جاؤگے طرف جاننے والے غیب و شہادت کے پس تمہیں خبر دے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۱۰۵) وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللّٰهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ

جو تم عمل کرتے ہو اور دوسرے منتظر ہیں امر خدا کے یا ان کو عذاب دے گا

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ فرمایا تم لوگ کیوں حضرت رسالتمآبؐ کو ناراض کرتے ہو؟ تو پوچھا گیا کہ حضور وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے اعمال ان کے پیش کئے جاتے ہیں۔ پس وہ تمہاری برائیاں دیکھتے ہیں تو ناراض ہوتے ہیں۔ لہذا تم ان کو ناراض نہ کیا کرو بلکہ خوش کیا کرو۔ اور امام رضا علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کی کہ مولا! میرے لئے اور میرے گھر والوں کے لئے دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا پہلے میں نہیں کرتا ہوں؟ خدا کی قسم تمہارے اعمال ہر شب و روز میرے پیش کئے جاتے ہیں راوی کہتا ہے کہ میں نے تعجب کیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی۔ اور فرمایا کہ یہاں مومنوں سے مراد حضرت علی بن ابی طالبؑ ہیں اور مقصد یہ ہے کہ مومنوں سے مراد آئمہ معصومینؑ ہیں۔ چنانچہ دوسری روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی صراحت موجود ہے۔ اور عیاشی سے بروایت امام محمد باقر علیہ السلام منقول ہے کہ کوئی مومن یا کافر جہاں بھی مرے تو اس کے قبر میں داخل کرنے سے قبل اس کے جملہ اعمال حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت امیرالمومنینؑ اور یکے بعد دیگرے تمام آئمہ طاہرینؑ کے پیش کئے جاتے ہیں بہر کیف اس مضمون کی روایات کتب شیعہ میں بکثرت وارد ہیں کہ جملہ اعمال آئمہ طاہرینؑ کے پیش ہوتے ہیں اور ہمارے نیک اعمال کو دیکھ کر وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور بداعمالیاں دیکھ کر وہ ناراض ہوتے ہیں۔ اس لئے جملہ محبان محمدؐ و آل محمدؐ کو چاہیئے کہ اپنے اعمال کا ہر وقت جائزہ لیں کہ کہیں ان سے ایسے افعال سرزد نہ ہوں جن سے وہ ناراض ہوں۔ اور ایسے اعمال بجالانے کی کوشش کریں جن سے وہ خوش ہوں۔

اور ظاہر کے لحاظ سے آیت مجیدہ کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان اپنے اعمال کو خواہ کتنا ہی پوشیدہ کرنے کی کوشش کرے آخر اس کی ہوا باہر نکل ہی آیا کرتی ہے۔ چنانچہ تفسیر منار میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ایک پتھر کے سوراخ میں گھس کر کوئی کام کرے۔ جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ کھڑکی تب بھی خدا اس کے عمل کو ظاہر کر دے گا۔ خواہ وہ جس نوعیت کا ہی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ تمہاری بداعمالیاں خدا و رسول و مومنین سے مخفی نہیں رہتیں۔ لہذا تم ایسے کام سے گریز کرو جس کا ظاہر ہونا ایک دن تمہارے لئے باعث ندامت ہو۔

وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ ۔ غزوہ تبوک سے تخلف کرنے والوں کی قسمیں متعدد بار گذر چکی ہیں۔ بعض وہ تھے جو اجازت لیکر

وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۱۰۶) وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا

اور یا توبہ قبول کرے گا ان کی اور خدا جاننے والا حکمت والا ہے اور جنہوں نے بنائی مسجد ضرر اور

وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

کفر اور مومنین میں پھوٹ ڈالنے کے لئے اور رصدگاہ اُس شخص کے لئے جس نے جنگ کی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ

بیٹھ گئے تھے اور بعض بلا اجازت بیٹھ گئے تھے۔ بعض پشیمان ہوئے اور انہوں نے صدقہ بھی دیا اور بعض اپنے کفر و عناد پر ڈٹے رہے۔ بعض کی توبہ فوراً قبول ہوئی۔ اور بعض مومنوں سے مسخری کرنے کے درپے ہوگئے۔ بہرکیف یہ بھی انہی لوگوں میں سے ایک قسم ہے جو خداوند کریم کے فیصلہ کے منتظر ہیں۔ نہ ان کا کفر ظاہر ہے کہ حتمی عذاب ہو۔ اور نہ انہوں نے توبہ کی کہ حتمی معافی ہو۔

اور تفسیر صافی میں امام محمدؑ باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد حضرت حمزہ و جعفر طیار کے قاتل ہیں جنہوں نے قبل از اسلام ان کو شہید کیا اور بعد میں خود مسلمان ہوگئے۔ اور شرک و کفر کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور یہ تردید اس اعتبار سے ہے کہ مومنوں کو ان کے انجام کا پتہ نہیں ہے ورنہ خالق کو تو معلوم ہے کہ ان کو عذاب دے گا یا معاف کرے گا۔ پس جو اُس کی مشیت کا تقاضا ہوگا وہی ہوگا۔

مسجد قبا اور مسجد ضرار

ضِرَارًا وَّكُفْرًا۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق مجمع البیان میں مروی ہے کہ بنی عمرو بن عوف نے مسجد قبا تعمیر کی۔ اور حضورؐ کو دعوت دی۔ پس آپ نے جاکر وہاں ان کو نماز پڑھائی۔ پس یہ دیکھ کر منافقین کی ایک جماعت جو بنی غنم بن عوف تھے۔ اُن کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم ایک الگ مسجد بنائیں گے جس میں نماز الگ پڑھیں گے اور یہ ۱۲ یا ۱۵ آدمی تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسجد قبا کے پہلو میں ایک مسجد بنا ڈالی اور حضور کو اطلاع دی جب کہ آپ تبوک کی طرف تیاری کر رہے تھے۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم نے بیماروں اور محتاجوں کے لئے نیز بارش اور سخت سردی کے ایام کے لئے اپنے ہاں ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ بنفسِ نفیس وہاں نماز پڑھیں اور ہمارے حق میں دعا بھی فرمائیں تو آپ نے فرمایا ابھی میں سفر کو جا رہا ہوں۔ جب واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری مسجد کو دیکھیں گے۔ پس آپ تبوک سے واپس آئے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ضرارًا۔ اور اس کے بعد منصوبات مفعول لہ ہیں۔ یعنی انہوں نے مسجد بنائی خالص مومنوں کو ضرر دینے کے لئے اور کفر بکنے کے لئے کہ وہاں بیٹھ کر وہ مسلمانوں اور پیغمبر اسلام کا گلہ و شکوہ کریں۔ اور مومنین میں اختلاف ڈالنے کے لئے اور دشمنِ خدا اور رسول کے لئے کہ وہ اپنا اڈہ وہاں جمالے۔

لِمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ۔ ایک شخص ابوعامر نامی جو زمانِ جاہلیت میں راہب بنا ہوا تھا۔ مدینہ میں حضورؐ کی تشریف آوری سے کبیدہ خاطر ہوا۔ اور اس نے حضور کو ناکام بنانے کی کئی سازشیں کیں۔ لیکن خود ناکام ہوا۔ اور فتح مکہ کے بعد یہ شخص طائف چلا گیا۔ اور جب وہ لوگ مسلمان ہوئے تو وہ نصرانیت کو قبول کر کے شام گیا۔ اور وہاں سے روم چلا گیا۔ اس نے منافقوں کو پیغام

مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

پہلے سے اور وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں ارادہ کیا مگر نیک اور اللہ گواہ ہے کہ تحقیق وہ جھوٹے ہیں

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ

اس میں نہ نماز پڑھو بالکل البتہ وہ مسجد جو بنائی گئی تقویٰ پر پہلے دن سے وہ اس لائق ہے کہ اس میں

فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ

نماز پڑھو اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں پاک ہونا اور اللہ بھی چاہتا ہے پاکبازوں کو کیا وہ

اُسِّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اُسِّسَ بُنْيَانَهٗ

جس نے بنایا مکان اوپر تقویٰ خدا کے اور رضامندی اس کے بہتر ہے یا وہ جس نے بنایا مکان اوپر

عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

کنارے وادی کے جو گرنے والا ہو پس اس کو لے گرے آگ دوزخ میں اور اللہ نہیں ہدایت کرتا

بھیجا تھا کہ میں قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں اور وہاں سے فوجیں ساتھ لاؤں گا۔ اور اہل اسلام کو مدینہ سے نکال دوں گا۔ لہٰذا تم میرے لئے ایک مسجد بنالو۔ پس ان لوگوں نے وہ مسجد اس کے لئے ایک اڈہ قائم کرنے کی خاطر بنائی تھی اور حضور اس کو ابوعامر فاسق کے نام سے پکارتے تھے اور یہی عامر اس حنظلہ کا باپ تھا جو حضرت رسالتمآبؐ کی معیت میں جنگِ احد میں درجۂ شہادت پر فائز ہوا تھا اور ملائکہ نے اس کو غسل دیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ غسیل الملائکہ کے لقب سے ملقب ہوا تھا۔

جب حضورؐ تبوک سے واپس آئے تو وہ منافقین قسمیں کھانے لگے کہ ہم نے یہ مسجد محض خلوصِ نیت سے بنائی تھی۔ لیکن خداوند کریم نے اُن کی بدباطنی کی اطلاع دے دی تھی اور فرمایا کہ یہ بالکل جھوٹ کہتے ہیں۔ لہٰذا ان کی بنائی ہوئی نام نہاد مسجد میں بالکل نماز نہ پڑھیے۔ پس حضورؐ نے اپنی جانب سے دو آدمی بھیجے کہ اس مسجد کو گرا کر اس کے سامان کو نذرِ آتش کر دیں۔ اور اُسے مزبلہ بنا دیں۔

شَفَا جُرُفٍ۔ شفا کا معنی کنارہ ہوا کرتا ہے اور اس کا تثنیہ شفوان ہوتا ہے۔ لغوی طور پر پیمائش کا آخری سرا شفا کہلاتا ہے اور جُرُف وادی یا نہر یا دریا کا کنارہ جس کو نیچے سے پانی نے کھود ڈالا ہو۔ ھار یہ ھار یہار کے باب سے ہے اور اجوف وادی سے ہے اس کا فاعل ھائر ہونا چاہیئے تھا۔ پس ھارٍ مقلوب ھائرٌ کا ہے۔ جس طرح شاک مقلوب ہوا کرتا ہے۔ شائک کا یعنی سلاح پوش۔ اور اِنْھَار یَنْھَار باب انفعال اسی مادہ سے ہے۔ اور اس کا معنی گرنا ہوا کرتا ہے۔ تو اس

؎۔ تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۱۹۷ پر حنظلہ کا واقعہ گزر چکا ہے

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ

ظالم لوگوں کو ہمیشہ رہے گا وہ مکان جو انہوں نے بنایا باعث ارمان ان کے دلوں میں مگر یہ کہ

اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ

اُن کے دل پھٹ جائیں (وہ مرجائیں) اور اللہ علیم وحکیم ہے تحقیق اللہ نے خرید لیا ہے مومنوں

الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

سے اُن کے نفس اور مال اس بدلہ میں کہ ان کو جنت دے گا جو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ

پس مارتے ہیں۔ اور مارے جاتے ہیں یہ اُس کا پکا وعدہ ہے توراۃ اور انجیل

وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ

اور قرآن میں اور کون اللہ سے زیادہ وعدہ کی وفا کرنے والا ہے پس تمہیں مبارک ہو یہ سودا جو تم نے اس سے

بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١١﴾

کیا ہے اور یہ ہی بڑی کامیابی ہے

آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے اس بنائے مسجد کو تشبیہ دی۔ ایسے مکان کی بنا سے جس کی بنیاد کسی نہر کے گرتے ہوئے کھوکھلے کنارہ پر رکھی جائے جو فوراً پانی میں گر جانے والا ہو۔ پس گویا ان کی یہ مسجد جہنم کے کنارہ پر بنائی گئی ہے جو اپنے اہل سمیت جہنم میں جا گرے گی۔

لَا يَزَالُ ۔ اب چونکہ حضورؐ نے ان کی سازشوں کی قلعی کھول دی اور اُن کے کفر و الحاد کے اڈہ کو مسمار کر دیا۔ تو فرماتا ہے کہ یہ حسرت تادمِ مرگ ان کے دلوں میں رہے گی۔ اور جب مریں گے تو انجام کا انہیں پتہ چلے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ کا معنی یہ ہو کہ وہ توبہ کر لیں۔ یعنی توبہ سے اُن کے دل پھٹیں اور افسوس کریں کہ ہائے ہم نے کیا کیا۔

رکوع نمبر ۳ مومن کے لئے جنت کی پیش کش

اِنَّ اللّٰهَ چونکہ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جانی اور دوسری مالی۔ پس جو شخص ایمان لائے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں جانی و مالی ہر دو اعتبار سے احکامِ خداوندی کی رعایت رکھے تو اس کے لئے جنت ضروری ہے۔ پس اس مقام پر خرید و فروخت کے عنوان سے ذکر کرنا اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ جانی و مالی ہر دونوں طریقوں سے خدا کے اطاعت گذار

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ
توبہ کرنے والے عبادت گذار حمد کرنے والے روزہ دار رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے
الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ
نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے اور حفاظت کرنے والے اللہ کی حدود کی
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا
اور مومنوں کو خوشخبری ومبارک دو نہیں روا نبی اور مومنوں کے لئے کہ دعائے بخشش کریں
لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ
مشرکوں کے لئے اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار قریبی ہوں بعد اس کے کہ ان کو پتہ ہو

ہوں اُن پر جنّت واجب ہوتی ہے۔ جس طرح خرید و فروخت میں سودا کرنے کے بعد چیزوں کا تبادلہ ضروری ہوا کرتا ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ۔ مومنوں کے اوصاف بیان فرمائے۔ غلطی کے بعد پشیمان ہونا اور توبہ کرنا۔ عبادت کرنا۔ حمد پروردگار بجا لانا۔ خوشنودیٔ خدا کی خاطر روزہ رکھنا یا بعضوں نے سائحون کا معنی طلبِ علم کے لئے سفر کرنا مراد لیا ہے اور یہ بھی درست ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد رکوع سجدہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ سب مومنوں کی نشانیاں ہیں جن سے خدا نے جنّت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور یہ پچھلی کلام سے الگ کر کے جملہ مستانفہ بنایا گیا ہے۔ گویا اگر سوال کرے کہ وہ مومن کس قسم کے ہیں جن سے مال وجان کے عوض میں خدا نے جنّت کا سودا کیا ہے؟ تو یہ اس سوال کا جواب ہوگا۔ اور آخر میں اَلْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ سے ایک کلیہ بیان فرما دیا کہ وہ وہ ہیں جو حدود خداوندی کی حفاظت کریں۔ اس کے واجبات کو ترک نہ کریں اور محرمات کے قریب نہ جائیں۔ اور انسان کے جملہ شؤن زندگی میں ذاتی اور تمدنی لحاظ سے اوامر و نواہی کے جو قواعد شریعت نے پیش کئے ہیں وہی اللہ کی حدود ہیں۔ اور ان کو توڑنا ایمان کے منافی ہے۔ اور اس میں تمام ابواب فقہ اجمالاً آ جاتے ہیں۔ پس اس مختصر لفظ میں پورے اسلامیات کو اپنانے کی باندازِ بلیغ دعوت دی ہے جو اسی کلام کا طرۂ امتیاز ہی ہو سکتا ہے۔ خداوند کریم تمام مومنین کو حدود خداوندی کے قائم کرنے کی توفیق دے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے اور نہج البلاغہ میں حضرت امیر علیہ السّلام کا بھی فرمان ہے کہ تمہارے نفوس کی قیمت جنّت ہے۔ لہذا ان کو کسی اور چیز کے بدلہ میں فروخت مت کرو۔ ایک مرتبہ زہری امام زین العابدین علیہ السّلام سے راہِ حج میں ملا تو کہنے لگا کہ آپ نے جہاد کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ مشکل ہے۔ اور حج پر آسان سمجھ کر روانہ ہو گئے۔ تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اگر ان صفات کے مومنین ہمیں مل جائیں تو ہم جہاد کو حج سے ترجیح دیں گے۔

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ
کہ وہ دوزخی ہیں اور نہیں تھا طلب بخشش کرنا ابراہیم کا اپنے چچا آذر کے لئے مگر ایک وعدہ کی
مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ
وجہ سے جو انہوں نے کیا تھا تو جب پتہ چلا کہ وہ دشمن خدا ہے تو اس سے بیزار ہو گئے تحقیق
اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ
ابراہیم بہت رونیوالے اور صابر تھے اور خدا کی شان نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو ہدایت کے بعد
حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ
یہاں تک کہ واضح کرتا ہے ان کے لئے وہ احکام جو موجب تقویٰ ہیں تحقیق اللہ ہر شے کو جانتا ہے تحقیق اللہ کے لئے

مشرک کے لئے دُعا کرنا

مَا كَانَ ۔ آیت مجیدہ میں نبی اور مومنین کو مشرکوں کے حق میں دُعائے بخشش سے روکا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ حتمی طور پر جہنّم میں داخل ہوں گے ۔ تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ جن لوگوں کے متعلّق یہ یقین ہو کہ اس کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا ۔ اور وہ یقیناً دوزخی ہوگا ۔ تو اس آیت مجیدہ کے باطن کی رو سے اس کے حق میں بخشش کی دُعا کرنا ممنوع ہوگا ۔ خواہ وہ اپنا کس قدر عزیز اور قریبی ہی کیوں نہ ہو ۔ پس مومن اولاد کا غیر مومن والدین کے لئے دُعا کرنا بھی اس آیت کے مضمون کے خلاف ہو جائے گا ۔ البتہ اگر والدین اعلانیہ دشمن اہل بیت نہ ہوں بلکہ محبّت آلِ محمدؐ بھی رکھتے ہوں ۔ اور دوسروں کی ہاں میں بھی ہاں ملا دیتے ہوں ۔ جس طرح کمزور عقیدہ والے لوگوں کا دستور ہوا کرتا ہے تو اولاد کے لئے ایسے والدین کے حق میں دُعائے بخشش کی ممانعت نہیں ہوگی ۔ واللہ اعلم ۔

عَنْ مَّوْعِدَةٍ ۔ بروایت صافی عیاشی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ سے ان کے (چچا آذر نے) وعدہ کیا تھا کہ میں اسلام لاؤں گا ۔ تب حضرت ابراہیم نے اُس کے حق میں دُعا کی ۔ اور جب پتہ چلا کہ یہ دشمنِ خدا ہے تو اس سے بیزاری اختیار کر لی ۔ اور چچا کو مجازاً اَبٌ کہا جاتا ہے ۔ اسی بنا پر آیت مجیدہ میں چچا پر اَبٌ کا اطلاق ہوا ہے ۔

مَا يَتَّقُوْنَ ۔ یعنی خدا ان کو اپنے اوامر و نواہی سے مطلع فرما دیتا ہے تاکہ اس کی مخالفت سے بچ سکیں ۔ پس حجّت کا تمام کرنا اس پر ضروری ہے

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ ۔ یہ اُن لوگوں کے متعلّق ہے جو غزوۂ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے اور بعد میں جا کر ملحق ہوئے ۔ جیسے ابوخیثمہ وغیرہ جن کا ذکر ۹ پر گذر چکا ہے ۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

ہی ہے ملک آسمانوں اور زمین کا جلاتا ہے اور مارتا ہے اور نہیں تمہارا اس کے سوا کوئی

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

ولی و مددگار تحقیق توبہ قبول کی اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ

لوگوں کی جنہوں نے اسکی پیروی کی تنگی کے زمانہ میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ کج ہو جائیں دل کچھ لوگوں کے

مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ

ان میں سے پھر ان پر رجوع رحمت فرمایا تحقیق وہ رؤف و رحیم ہے اور ان تین آدمیوں پر جو

الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ

پیچھے رہ گئے یہاں تک کہ جب ان پر زمین تنگ ہوگئی باوجود کشادگی کے اور ان کے دل

عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

تنگ ہوگئے اور گمان کیا کہ کوئی نہیں جائے پناہ اللہ سے مگر اسی کی ہی طرف پھر اللہ نے ان کی توبہ

لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

قبول کی تاکہ نیکی کی طرف پلٹیں تحقیق اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا ہے اے ایمان والو

عَلَى الثَّلٰثَةِ ۔ یہ ان لوگوں کا قصہ ہے جو سفر تبوک میں آج کل کرتے ہوئے وقت گذار بیٹھے تھے اور قصہ تبوک میں ان کی توبہ کا واقعہ گذر چکا ہے (ص ۱۱۱)۔

تنبیہ ۔ جہاں یہ فرمایا کہ خدا نے نبی اور مہاجرین و انصار کی توبہ قبول کی وہاں نبی کا ذکر صرف تحسین کلام کے لئے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت نبی علیہ السلام کی برکت اور ان کے وسیلہ سے خدا نے مہاجرین و انصار کی توبہ کو قبول فرمالیا چنانچہ امام علی رضا علیہ السلام سے جو قرائت منقول ہے وہ بِالنَّبِيِّ عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ ہے یعنی حضورؐ کے وسیلہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔

رکوع نمبر ۴ ۔ صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ آیت مجیدہ میں ایمان والوں سے خطاب ہے یعنی بعد والے دونوں حکم صرف ایمان والوں کے لئے

اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ ﴿۱۱۹﴾

ڈرو اللہ سے اور ہو جاؤ ساتھ سچوں کے

ہی ہیں۔ پس اگر ایمان صحیح نہیں ہوگا تو تقوے اختیار کرنا بے معنی ہوگا۔ آیت نمبر ۱۱۵ میں خدا نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم سے بندوں پر ان تمام احکام کو بیان فرماتا ہے جن کی مخالفت ناجائز اور منافی ایمان ہو۔ اور جن کی موافقت تقویٰ ہو۔ اب اس آیت میں فرماتا ہے کہ ایمان والو تقوے اختیار کرو۔ تو چونکہ تقویٰ کا اختیار کرنا تقوے کے معنی کو سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور ہر شخص میں صلاحیت نہیں کہ تقویٰ کا معنی سمجھے اور خود اپنے لئے تقوے کا راستہ معین کرکے اس پر گامزن ہو جائے۔ پس خدا نے تقویٰ کا مقصد اور اس کے قوانین کی تفہیم کا بیڑا خود اٹھایا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی جانب سے ایسے افراد قدسیہ کو منتخب کرکے بھیجا جو ہمیں زبان سے بھی سمجھائیں۔ اور اپنے عمل سے کرکے بھی دکھائیں۔ اور ان کو صادقین کے لقب سے ملقب فرمایا۔ لہٰذا اس آیت مجیدہ میں تمام اہل ایمان کو تقوے کی دعوت دینے کے بعد صادقین کے ساتھ ہو جانے کا حکم دے دیا۔ اور یہاں ساتھ ہونے سے مراد اطاعت و پیروی ہے۔ پس ان کی پیروی کرکے ہی ہم تقویٰ اختیار کرسکتے ہیں۔ اور تقوے کے ساتھ اپنے دعویٰ ایمان میں صداقت پیدا کرسکتے ہیں۔

علامہ حلی نے آیت مجیدہ کو حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل کی دلیل قرار دیا ہے اور کتب عامہ سے ثابت کیا ہے کہ اس جگہ صادقین کے مصداق حضرت علیؑ ہیں۔ اور جب آپ ثابت ہوگئے۔ تو ان کے بعد ان کی پشت سے آئمہ اثنا عشر یکے بعد دیگر صادقین کا مصداق بنتے جائیں گے۔ اور چونکہ آیت تاقیامت زندہ ہے۔ اور اس کا حکم تاقیامت تمام مسلمانوں کے لئے باقی ہے۔ لہٰذا دور رسالت مآبؐ میں حضورؐ خود ہی اس کے مصداق تھے۔ اور لوگوں کے لئے معانی تقویٰ کے قولاً و فعلاً سمجھانے والے تھے۔ اور ان کے بعد حضرت علیؑ اور اس کی اولاد امجاد معصومینؑ ہر دور میں یہ فریضہ ادا کرتے رہے پس اس کا مصداق محمدؐ و آل محمدؐ ہی ہیں۔

فخر الدین رازی نے اس آیت مجیدہ کے حکم سے اتنا ضرور سمجھا ہے کہ صادقین سے مراد معصوم ہوں گے۔ کیونکہ جن کی پیروی کا خدا حکم دیتا ہے اگر وہ معصوم نہ ہوں تو ممکن ہے کہ کہیں غلطی کا حکم دے دیں تو ایسی صورت میں خدا کی طرف سے ان کی اطاعت کا حکم نازیبا بلکہ خلاف شان الوہیت ہوگا۔ رازی کی اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے تاکہ مطلب سمجھنا آسان ہو۔

انه تعالیٰ امر المومنین بالکون مع الصّادقین ومتی وجب الکون مع الصّادقین فلا بد من وجود الصّادقین فی کل وقت۔	خدا نے مومنین کو صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم دیا ہے تو جب صادقین کے ساتھ ہونا واجب ہے تو ہر زمانہ میں صادقین کا پایا جانا ضروری ہے۔

پھر آگے چل کر اس مطلب کو یوں واضح کرتا ہے

هذا الامر انما یتناول من یصح منه ان	یہ حکم یعنی تقویٰ کا اختیار کرنا ان لوگوں کو شامل ہے۔ جو خود

لا یکون متقیا وانما یکون کذلک لو کان جائز الخطاء فکانت الایة دالة علی ان من کان جائز الخطاء وجب کونه مقتدیا بمن کان واجب العصمة وهم الذین حکم الله تعالیٰ بکونهم صدقین فهذا یدل علی انه واجب علی جائز الخطاء کونه مع المعصوم عن الخطاء حتی یکون المعصوم عن الخطاء مانعا لجائز الخطاء وهذا المعنی قائم فی جمیع الازمان فوجب حصوله فی کل الازمان۔

متقی نہ ہوں۔ اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ جائز الخطا ہوں تو پس آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو جائز الخطا ہو اس پر واجب ہے ایسے شخص کی اقتدا کرنا جو واجب العصمۃ ہو اور وہ وہی لوگ ہیں جن کو خدا نے صادقین کہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جائز الخطا پر معصوم عن الخطاء کی پیروی واجب ہے۔ تاکہ معصوم عن الخطاء جائز الخطاء کو غلطیوں سے روکے۔ اور یہ بات چونکہ ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ لہٰذا معصوم کا ہونا ہر زمانہ میں واجب ہے۔

یہاں تک پہنچنے کے بعد اُس نے دیکھا کہ جن لوگوں کو اکثریت نے مذہبی پیشوا بنا رکھا ہے۔ وہ زیورِ عصمت سے بیگانہ ہیں۔ اور جو لوگ زیورِ عصمت سے آراستہ ہیں ان کو گوشہ تنہائی میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ تو اپنی مفلوج ذہنیت کا یوں مظاہرہ کیا۔

قوله لم لا یجوز ان یکون المراد هو کون المومن مع المعصوم الموجود فی کل زمان قلنا نعترف بانه لا بد من معصوم فی کل زمان الّا انا نقول ذلک المعصوم هو مجموع الامة وانتم تقولون ذلک المعصوم واحد منهم فنقول هذا الثانی باطل لانه تعالیٰ اوجب علی کل واحد من المومنین ان یکون مع الصادقین وانما یمکنه ذلک لو کان عالما بان ذلک الصادق من هو لا الجاهل بانه من هو فلو کان مامورا بالکون معه کان ذلک تکلیف ما لا یطاق وانه لا یجوز لکنا لا نعلم انسانا معینا موصوفا بوصف العصمة۔ الخ

اگر کوئی پوچھے کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ ہر زمانہ میں مومن کو معصوم کے ساتھ ہونے کا حکم ہو۔ تو ہم کہیں گے یہ تو ہم مانتے ہیں کہ ہر زمانہ میں معصوم کا ہونا ضروری ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ معصوم مجموع اُمّت ہے۔ اور تم کہتے ہو کہ معصوم ایک شخص ہے۔ اور یہ غلط ہے کیونکہ خدا نے تمام مومنین پر واجب قرار دیا ہے کہ صادقین کے ساتھ ہوں۔ اور یہ تب ہو سکتا ہے کہ وہ جانتے ہوں کہ وہ صادق کون ہے؟ نہ کہ وہ اس سے جاہل ہوں۔ ورنہ اس کے ساتھ ہونے کا حکم ناقابل عمل ہو جائے گا۔ اور یہ ناجائز ہے۔ اور ہم کسی انسان کو معین طور پر وصف عصمت سے متصف نہیں جانتے۔

چونکہ صادقین کے مفہوم سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں معصوم ہونا چاہیے کیونکہ صدق سے مراد عام ہے۔ خواہ قول میں خواہ فعل میں اور خواہ اعتقاد میں ہو تو علی الاطلاق صادق وہی ہوگا جو معصوم ہوگا۔ اور استدلال سے بھی رازی نے صادق کی اطاعت کے حکم سے اس کی عصمت کو ثابت کیا ہے اب اہل بیت عصمت سے منہ پھیرنے اور اکثریت کی ہاں میں ہاں ملانے کی خاطر ہی یہ بہانہ تلاش کرنا پڑا کہ ہم ان کو پہچانتے نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی اطاعت کا حکم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا صادقین سے مراد اجماع ہے۔ رازی کا یہ مزعومہ چند وجوہ سے باطل و عاطل ہے۔ صاحبانِ عقل غور فرمائیں۔

(۱) دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ شروع میں کہتا ہے کہ جن کو صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم ہے اور تقوٰی کا امر ہے وہ وہی ہیں جو جائز الخطا ہوں تو اس منطقی سے کوئی پوچھے کہ فرداً فرداً اُمت کے تمام افراد جن کو تقوٰی کا حکم ہے جائز الخطا ہیں۔ تو ان تمام خطاکاروں کا مجموعہ معصوم کیسے بن جائے گا۔ اور تمام دنیا کے گنہگاروں کے مجموعہ کا بے گناہ بن جانا ایک ناقابلِ فہم بات ہے۔ اور دنیا کا کوئی جاہل انسان بھی اس فلسفہ کا قائل نہیں ہو سکتا۔

(۲) اجماع جب انہی لوگوں کا مجموعی فیصلہ ہے۔ تو معلوم ہوا صادقین مجموع الاُمّت ہے اور جن کو پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ بھی تو مجموع الاُمت ہے۔ گویا تمام اُمت کو خود اپنے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ قطعاً باطل ہے۔

(۳) اگر رازی کو یہ اعتراض ہے کہ معصوم کو ہم نے نہیں پہچانا اس لئے ان کی اطاعت کا حکم نہیں ہو سکتا تو کیا وہ اُمّت کے اجماعی فیصلہ کو پہچان سکتا ہے؟ مثال کے لئے کوئی ایک زمانہ ایسا ثابت کرے جس میں اُمت کے تمام افراد نے متفقہ طور پر ایک بات کا فیصلہ کیا ہو۔ چار پانچ یا دس بیس آدمیوں کی بات کو اجماع کہنا آسان ہے لیکن تمام اُمّت کا اتفاق حاصل کرنا ناممکن ہے لہٰذا اس کا عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے۔

(۴) مجموع الاُمّت بقول رازی کے ہے۔ صادق کا مصداق تو چونکہ ہر دور میں صادق اور معصوم ضروری ہے۔ تو گویا ہر دور میں مجموع الاُمّت کا اتفاق و اجماع ہی صادق کا مصداق ہوگا اور چونکہ آیت مجیدہ میں صرف ایک صادق نہیں بلکہ صادقین کے ساتھ ہونے کا حکم ہے تو معنی یہ ہوگا کہ ہو جاؤ مجموع الامت کے مجموعوں کے ساتھ اور یہ ترجمہ ہر صاحبِ عقل سلیم کے نزدیک بالکل لغو اور بے معنی ہے۔ رازی بیچارہ جہاں بھی اہل عصمت کے حق میں کوئی آیت پاتا ہے تو خود بخود سیخ پا ہو کر اِدھر اُدھر جان چھڑانے کی فکر میں لگ جاتا ہے۔ چنانچہ آیت اولوالامر میں بھی اس نے یہی کھیل کھیلا تھا۔ اگر تعصّب کی پٹی آنکھوں پر نہ ہوتی اور اندھی تقلید نے عقل و دماغ پر پردے نہ ڈالے ہوتے تو خود جستجو کرتا اور جوئندہ یابندہ کے مقولہ کے مطابق اس کو معصوم بھی مل جاتے اور صادقین کے مصداق کا مسئلہ بھی آسانی سے حل ہو جاتا۔ آیت مباہلہ میں خود رازی معترف ہے کہ نصارٰی کے مقابلہ میں جانے والے محمدؐ علیؑ فاطمہؑ حسنؑ حسینؑ تھے اور آیت مجیدہ کا ذیل فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ببانگ دہل پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ پانچ نصارٰی کے مقابلہ میں جانے والے کاذب نہیں اور ان کے مقابلہ میں آنے والے کاذب ہیں۔ اور نصارٰی نے جزیہ قبول کر کے ان کی صداقت کو تسلیم کرنے میں ذرا بھر پس و پیش نہیں

مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا عَنۡ

نہیں جائز مدینہ والوں کے لئے اور نہ اطراف کے بدؤں کے لئے کہ پیچھے رہیں

رَّسُوۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَرۡغَبُوۡا بِاَنۡفُسِهِمۡ عَنۡ نَّفۡسِهٖ‌ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ لَا يُصِيۡبُهُمۡ

رسول اللہ سے اور نہ یہ کہ پیارا کریں اپنے نفسوں کو ان کے نفس سے یہ اس لئے کہ نہیں پہنچتی ان کو پیاس

ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخۡمَصَةٌ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوۡنَ

نہ تکلیف اور نہ بھوک راہ خدا میں اور نہیں طے کرتے

کیا بس جب خدا کی کتاب ان کو صادق کہہ چکی۔ اور تمام مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تو یہ عذر فضول ہے کہ تعیین نہیں ہوسکی کہ صادق کون ہے جس کی پیروی کی جائے۔ نیز آیت تطہیر کے نزول کے متعلق تمام مفسّرین کو اعتراف ہے کہ حضورؐ نے علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ کو چادر میں داخل کر کے دعا کی اور آیت مجیدہ نازل ہوئی۔ احادیث میں علی مع القرآن اور علی مع الحق والحق معہ کا مضمون متواتر ہے۔ حدیث ثقلین کتب فریقین میں تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر رازی کو صادق کی اور معصوم کی تعیین نہ ہو سکے تو اس کا علاج ہی کیا ہے؟

ہاں اصل بات یہ ہے کہ جن کو اکثریت کی اندھی تقلید میں پھنس کر وہ صدیق اکبر کہہ بیٹھے ان کی عصمت کو تلاش کرنے سے جب مایوس ہوئے تو صرف صادقین کی عصمت پر کیسے ایمان رکھیں کیونکہ اس سمعہ کا اس کے پاس کوئی حل نہیں ہے کہ خدا نے جن کو اطاعت کا حکم دیا ہے وہ ہیں گنہگار۔ لہذا صادقین وہی ہوں گے جو معصوم ہوں۔ لیکن ادھر کرسیٔ اقتدار کا جائزہ لیا جائے تو صادق بجائے خود جس کو صدّیق اور صدیق اکبر مانا گیا ہے۔ عصمت تو بجائے خود عصمت کی بو بھی وہاں نہیں ملتی۔ تو اہل بیت کو معصوم ماننے کے بعد چونکہ صدیق اکبر کی صداقت سے دست برداری کرنا پڑتی ہے لہذا سرے سے معصوم کی تشخیص کا انکار کر دیا تاکہ دین رہے یا نہ رہے کرسیٔ اقتدار پر ضرب نہ پڑے۔

مَا كَانَ ۔ تبوک کا قصہ ختم ہونے اور پیغمبر کی مراجعت کے بعد جب عذر خواہی بھی ہو چکی اور توبہ کرنے والوں کی توبہ بھی قبول ہوگئی تو اب بطور سرزنش کے آئندہ کے لئے محتاط رکھنے کے لئے ان کو تنبیہ فرماتا ہے کہ مدینہ والوں یا گرد و نواح کے دیہاتی مومنین کے لئے قطعاً ناجائز ہے کہ رسول کی جان سے اپنی جانوں کو پیارا سمجھیں کہ وہ جنگ کی طرف سفروں کی صعوبتیں برداشت کریں اور یہ آرام سے گھر میں بیٹھے رہیں۔ وہ تو ان کے محسن ہیں جنہوں نے کفر کی تاریکی سے نکال کر انہیں اسلام کی اوج رفعت تک پہنچایا ہے۔ لہذا ان کی احسان شناسی اس طرح ہونی چاہیئے کہ اپنا سب کچھ ان کی خاطر قربان کر دیں اور پھر بھی ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی بلکہ ان کی معمولی سے معمولی تکلیف کا بھی جو راہِ خدا میں ان کو پہنچے گی۔ ان کو بہت اچھا بدلہ دیا جائے گا۔

لَا يَطَئُوۡنَ ۔ یعنی دشمن کی زمین میں جہاں بھی قدم رکھیں گے تو کفار کو تو غصہ آئے گا پس اس صورت میں جو بھی ان کو تکلیف

مَوْطِئًا يَّغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم

ایسے مقام کو جس سے کفار کو غصہ آتا ہو اور نہیں دکھ سہتے دشمن سے مگر لکھی جاتی ہے ان کے لئے اس کے

بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يُنفِقُونَ

بدلہ میں نیکی تحقیق اللہ نہیں ضائع کرتا بدلہ نیکی کرنے والوں کا اور نہیں خرچ کرتے

نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ

کوئی خرچ چھوٹا اور بڑا اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو مگر لکھا جاتا ہے "تاکہ ان کو بدلہ

اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا

دے خدا بہترین اس کا جو وہ عمل کرتے ہیں اور نہیں مناسب مومنوں کے لئے کہ کوچ کریں سب

كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

کے سب پس ایسا کیوں نہیں کہ کوچ کرے ہر قوم سے ایک ایک گروہ کہ تعلیم حاصل کریں دین کی

وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾ ع

تاکہ ڈرائیں اپنی اپنی قوم کو جب واپس آئیں ان کی طرف تاکہ وہ لوگ ڈریں

پہنچے گی خدا اسکا انکو بدلہ دے گا۔

لَا یَنَالُوْنَ ۔ نیل سے ہے جس کا معنی ہوتا ہے پانا۔ اور مراد یہاں جانی یا مالی یا زبانی یا کسی قسم کی تکلیف کا پہنچنا ہے

آیت نفر۔ آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ لیکن آیت کے ظاہری معنی کے لحاظ سے سب سے موزوں ترین یہ ہے کہ یہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو سب کے سب گھروں کو تنہا چھوڑ کر مسائل دین سیکھنے کے لئے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوتے تھے اور تکالیف شاقہ اپنے اُوپر برداشت کرتے تھے تو ان کی سہولت کی خاطر ارشاد ہوا کہ تم سب کے سب یہ تکالیف برداشت نہ کرو۔ بلکہ تمہارے ہر قبیلہ میں سے چند آدمی خدمتِ نبوی میں آجایا کریں اور مسائل دین سیکھ کر واپس جائیں اور اپنی اپنی قوم وقبیلہ میں آکر بیان کریں اور غلطی کرنے والوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرائیں تاکہ وہ خوف کریں تو آیتِ مجیدہ ہر قوم کے لئے طلب علم دین کے وجوب کو ثابت کرتی ہے۔

علمائے اصول نے اس آیت کو خبر واحد کی حجیّت کی دلیل قرار دیا ہے کیونکہ شروع میں لولا کلمہ تحضیض ہے۔ جو علمِ دین سیکھنے کے وجوب کو ثابت کرتا ہے۔ چنانچہ روایات اہل بیتؑ میں آئمہؑ نے وجوبِ تحصیل علم کے اثبات میں اسی

آیۂ مجیدہ کو پیش کیا ہے۔ جب تحصیل علم اور تفقہ فی الدین واجب ثابت ہوا تو اس کی غرض وغایت جو آیت میں ہے وہ ہے انداز و تبلیغ قوم جس طرح کہ لینذروا کے صیغہ سے ظاہر ہے۔ پس جب تحصیلِ علم واجب ہے تو اس کی غرض وغایت انداز و تبلیغ بھی یقیناً واجب ہوگی۔ کیونکہ غرض وغایت واجب نہ ہونے کی صورت میں تحصیل علم کا وجوب بے معنی ہوجائے گا۔ اور انداز و تبلیغ کی غایت و انجام ہے۔ قوم و قبیلہ کا دل میں خوفِ خدا محسوس کرنا اور ان کے وعظ و نصیحت کا قبول کرنا کیونکہ اگر ان پر ان کا وعظ و ذکر واجب القبول نہ ہو تو ان کے انداز و تبلیغ کا واجب ہونا بے معنی ہوگا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ جب خبر دینے والا عادل ہو تو اس کی بات کا قبول کرنا واجب ہے۔ کیونکہ ہر ہر قبیلہ میں وہ انذار کرنے والا تو ایک ایک فرد ہی ہوگا۔ جن کی بات کو قبیلہ والے قبول کریں گے۔ پس خبر واحد کی حجیت ثابت ہوگئی۔

بعضوں نے کہا ہے کہ آیت غزوہ تبوک کے بعد اُتری ہے۔ اور مومنین جب تخلف کرنے والوں کا حشر دیکھ چکے تھے اور پیچھے رہنے والوں کے حق میں قرآن کی متعدد آیات سن چکے تھے تو بعد میں جو غزوہ پیش آتا تھا سب کے سب چل پڑتے تھے۔ اور رسول خدا بعد میں تنہا رہ جاتے تھے تو خداوند کریم نے ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا کہ مومنین کے لئے یہ درست نہیں کہ سب کے سب چلے جائیں بلکہ انہیں اس طرح کرنا چاہیئے کہ ہر ہر قوم سے ایک ایک گروہ جائے۔ اور وہ دشمنوں پر فتح و نصرت اور تائید خداوندی کے مظاہر اور دین مبین کی سربلندی کے اسباب میں فقہ و بصیرت حاصل کرے اور واپس آکر اپنی اپنی قوم و قبیلہ کو چشم دید واقعات سنا کر انہیں مخالفتِ اسلام سے روکے اور زیادہ سے زیادہ ان کو دین کا ہمنوا بنائے۔ پس اس صورت میں نہ انذار کا وجوب ہے اور نہ حذر کا وجوب بلکہ صرف بطور ارشاد کے ہے کہ جب وہ چشم دید قصہ بیان کریں گے تو فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ جلد اور زیادہ متاثر ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش ہوں گے۔ پس اس صورت میں یہ آیت حجیت خبر واحد کی دلیل نہ بن سکے گی تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً تو یہ آیت جنگ سے متعلق نہیں ہے کیونکہ جنگ کی آیتوں کے درمیان اس کا آجانا اس کی دلیل نہیں بن سکتا اور ثانیاً اگر جنگ کے متعلق ہو بھی تو ہر ہر قبیلہ سے تھوڑے تھوڑے آدمی جانے کا کیا مقصد ہے بلکہ رسول کی تنہائی تو اس سے بھی دُور ہو سکتی ہے کہ صرف ایک قبیلہ کے چند آدمی پیچھے رہ جائیں۔ اور باقی قبیلے سب کے سب چلے جائیں۔ پس اگر جنگ کے لئے ہے تو مقصد یہ ہے کہ سب کے سب ادھر کیوں چلے جاتے ہیں بلکہ کم از کم ہر قبیلے سے ایک ایک گروہ تو دینی مسائل حاصل کرنے کے لئے بھی کوچ کرے تاکہ باقیوں کو واپس آنے پر مسائل دین سے روشناس کرائے۔ پس اس صورت میں خبر واحد کی حجیت سابق تقریب سے ثابت ہو جائے گی۔

اجتہاد و تقلید

اگر اس آیت میں غور کیا جائے تو وجوب اجتہاد و تقلید پر دلالت صاف ظاہر ہے کیونکہ آیت مجیدہ کا صاف اور صریح مقصد دین میں فقہ و بصیرت حاصل کرنا ہے اور پھر جا کر لوگوں کو مسائل دین سے آگاہ کرنے کا حکم ہے اور جب مجتہدین پر احکام دین کا بیان کرنا اور مسائل شرعیہ کا بتانا واجب ہوا تو

لوگوں پر ان کا قبول کرنا بھی واجب ہو جائے گا کیونکہ ان پر اگر قبول واجب نہ ہو تو اُن پر بیان کرنیکا وجوب بے معنی ہو گا۔ لہذا حجیت خبر واحد کی اس آیت کو دلیل قرار دینا خود بخود کمزور ہو جائے گا۔ کیونکہ حجیت خبر واحد کا مقصد یہ ہے کہ مجتہد اور فقیہ کے لئے کسی راوی کی نقل یا نسبت قابل قبول ہے۔ اور آیت اس کے برعکس اس مطلب کو ثابت کرتی ہے کہ عوام کے لئے مجتہد اور فقیہ کی بات قابلِ قبول ہے۔ یعنی آیت کہتی ہے کہ جب خبر دینے والا فقیہ و مجتہد ہو اور سُننے والا ایسا نہ ہو تو اُس پر واجب ہے کہ اس کی بات کو قبول کرے۔ اور حجیت خبر واحد کہتی ہے کہ خبر دینے والا غیر مجتہد و غیر فقیہ ہو۔ اور مجتہد اور فقیہ استنباط مسائل شرعیہ میں اس کی خبر کو قبول کریں۔

آیت مجیدہ کا وجوب تحصیل علومِ شرعیہ پر دلالت کرنا احادیث اہلِ بیت سے بالتواتر ثابت ہے۔ اور ظاہر آیت ممکن ہے کسی ایک حادثہ یا مخصوص واقعہ سے تعلق رکھتا ہو۔ لیکن قیامت تک کے لئے اس کا باقی رہنا اور اس کی تاویل و باطن کا جاری رہنا لامحالہ وجوب تحصیل علم پر دلالت کرتا ہے جس کی تائید معصومین کی فرمائشات اور عمل علماء سے صاف ظاہر ہے۔

پس اگر ہر جماعت و قوم میں سے ایک ایک گروہ کے لئے دین میں بصیرت و تفقہ اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد حاصل کرنے کا حکم ہے تو اس کا صاف و صریح مطلب یہ ہے کہ تقلید اعلم کا وجوب ساقط ہے کیونکہ اس صورت میں انذار کا حکم صرف اعلم کی طرف ہی متوجہ ہو گا۔ اور عوام کے لئے اسی کا ہی قول واجب القبول ہو گا۔ نہ غیر اعلم فقہاء پر انذار عائد ہو گا اور نہ عوام پر ان کی بات کا قبول کرنا ضروری ہو گا۔ پس اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہر ہر قوم سے ایک ایک جماعت کے لئے تفقہ اور اجتہاد کا وجوب بھی ساقط ہو جائے گا بلکہ ہر دور میں صرف ایک ہی فقیہ کا ہونا ضروری ہو گا جس پر انذار واجب ہو۔ اور عوام پر اس کے حکم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو۔ ورنہ یہ بات بعید از فہم بلکہ سراسر ناانصافی ہے کہ سیکھنا ہر قوم و قبیلہ کی ایک ایک جماعت پر واجب ہو۔ اور تبلیغ بھی ہر فقیہ پر ضروری ہو۔ لیکن عوام کے لئے ان میں سے ایک کا قول ہی قابل قبول ہو۔ آیت مجیدہ میں حکم عمومی اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دعوتِ اجتہاد اس لئے دی گئی ہے کہ عوام الناس کو دین کے سیکھنے اور سمجھنے میں سہولت رہے۔ اور مجتہد کے لئے بھی اپنی آواز کا پہنچانا آسان ہو۔ ورنہ اگر دنیا بھر میں صرف ایک شخص ہی دنیا بھر کے مومنین کے لئے واجب التقلید ٹھہرے تو نت نئے پیش آمدہ مسائل سے اس کا عہدہ برا ہونا مشکل بلکہ ناممکن ہو گا۔ اور لوگوں کے لئے عمل میں جو دشواریاں پیش آئیں گی ان کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ پس جو مجتہد جس قوم میں ہو اُس قوم پر اس کا فتویٰ حجت ہو گا۔ ہاں البتہ اگر ایک جگہ متعدد مجتہد اور صاحبانِ فتویٰ موجود ہوں تو ان میں سے اعلم فالاعلم کی رعایت کرنا قابلِ فہم بھی ہے اور قرین عقل بھی۔ لیکن ایسا نہ ہونے کی صورت میں خواہ مخواہ ایک کی طرف رجوع کا حکم تقریباً امر بالایطاق کے مترادف ہے۔ اور آئمہ کے زمانہ میں دُور دُور کے لوگوں کو اپنے اپنے قریب ترین علماء کی طرف رجوع کرنے اور مسائل سیکھنے کا حکم ہمارے قول کی تائید کے لئے کافی ہے اور اس کے شواہد بہت کافی ہیں۔ مقدمہ تفسیر میں مسئلہ تقلید اعلم کے بیان میں مفصل بیان کیا گیا ہے جس میں ہم نے

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا

اے ایمان والو لڑو ان سے جو تمہارے قریب ہیں کفّار ہیں سے اور چاہیئے کہ

فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَآ

وہ تم میں شجاعت محسوس کریں اور جانو کہ تحقیق اللہ متقین کے ساتھ ہے اور جب کہ کوئی

اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا

سورہ اُترے تو بعض ان (منافقین) سے کہتے ہیں اس نے کس کا ایمان زیادہ کر دیا؟ بہرحال

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

جو مومن ہیں تو ان کے ایمان کو تو زیادہ کرتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور لیکن جن کے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ

دلوں میں مرض ہے تو ان کا کفر اور کفر کے ساتھ بڑھاتی ہے اور ایسے لوگ

ثابت کیا ہے کہ ہر جامع الشرائط مجتہد کی تقلید جائز ہے اور تقلید اعلم کا وجوب بالکل بلا دلیل اور ناقابلِ فہم ہونے کے علاوہ ناقابلِ عمل بھی ہے۔

رکوع نمبر ۵

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ ۔ اس آیت مجیدہ میں تمام اہل ایمان کو اپنی اپنی سرحدوں کے قریب ترین کفار سے جہاد کا حکم ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں جُرأت و شجاعت اور سختی و تلخی کے مظاہرے کا فرمان ہے تاکہ اُن پر رعب طاری ہو جائے۔

وَاِذَا مَآ چونکہ ایک مقام پر خدا کا فرمان ہے کہ جب قرآن کی آیتیں اُترتی ہیں تو مومنوں کے ایمان زیادہ ہوتے ہیں تو منافقین نے اس سے استہزا کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ جب بھی کوئی آیت اُترتی تھی تو ایک دُوسرے سے یا مومنین سے مسخری کے طور پر پُوچھا کرتے تھے کہ تم میں سے اس آیت کے اُترنے سے کس کا ایمان بڑھا ہے۔ پس خدا ان کے قول کی تردید فرما رہا ہے کہ بے شک مومنوں کے ایمان میں یقینِ قلب اور سکونِ نفس کا اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن جن لوگوں کے دل نفاق کی مرض کا شکار ہیں اُن کے سابق کُفر کے ساتھ اور کفر کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ پہلے بھی نجس ہوتے ہیں پھر بار بار کے انکار سے اُن کے دل زیادہ سے زیادہ نجس ہوتے جاتے ہیں اور وہ کافر ہو کر ہی مرتے ہیں۔

اَوَلَا يَرَوْنَ ۔ مقصد یہ ہے کہ وہ ہر سال ایک یا دو دفعہ امتحان لئے جاتے ہیں یعنی کفار کے ساتھ جہاد میں ان کو ظاہراً اپنے مال و جان کی حفاظت کی خاطر شریک ہونا پڑتا ہے۔ پس مومنین کی قوت و شوکت کو دیکھتے ہیں اور کفار کی

كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِىْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ

مرے تو بھی کافر ہو کر کیا تم دیکھتے نہیں کہ تحقیق وہ آزمائے جاتے ہیں ہر سال ایک یا دو دفعہ پھر

ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ

بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں اور جب اُترے کوئی سورہ تو بعض ان کے

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْاؕ صَرَفَ اللّٰهُ

دوسرے کی طرف گھورتے ہیں کہ کوئی دیکھتا تو نہیں پھر چلے جاتے ہیں پھیر لیا خدا نے ان کے

قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

دلوں کو وہ ایسی قوم ہیں جو نہیں سمجھتے تحقیق تمہارے پاس رسول تم میں سے آیا

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ

ناگوار ہے اس کو تمہاری تکلیف حرص کرتا ہے تمہارے اُوپر کہ مسلمان ہو جاؤ اور مومنین پر رؤف رحیم ہے پس اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِىَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

وہ پھر جائیں تو کہہ دے کہ مجھے کافی ہے اللہ نہیں کوئی لائق عبادت سوائے اس کے اُس پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

ذلت کا ملاحظہ بھی کرتے ہیں یا یہ کہ اُن کی بدباطنی اور منافقت کا پردہ چاک بھی کیا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں میں لبا اوقات رسوائے عام بھی ہوتے ہیں لیکن بایں ہمہ وہ توبہ نہیں کر لیتے۔ اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں۔

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ ۔ یعنی جب قرآن مجید کی کوئی تازہ سورت اُترے تو منافقین جو ایک دوسرے کے قریب یا دُور بیٹھے ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے ساتھ آنکھوں کے اشاروں اشاروں میں باتیں کر لیتے ہیں کہ آیا کوئی ہمیں دیکھنے والا تو نہیں ہے۔ پس اگر جانیں کہ کوئی نہیں دیکھتا تو اسی مشغلہ میں لگے رہتے ہیں کہ آنکھوں کے اشاروں سے آیات پر تمسخر کرتے ہیں۔ اور جب معلوم کرلیں کہ کوئی دیکھ رہا ہے تو پہلو بدلا لیتے ہیں۔ اور چپ ہو جاتے ہیں۔ یا یہ کہ جب جانتے ہیں کہ ہماری طرف کسی کا خیال نہیں ہے تو درمیان میں سے آہستہ آہستہ کھسک کر چلے جاتے ہیں تاکہ کوئی آیت ایسی نہ ہو جس میں ہماری تذلیل ہو۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ ۔ عربوں کو غیرت دلائی گئی ہے کہ یہ رسول تمہاری قوم میں سے یا تمہاری جنس میں سے یا تمہارے ملک میں سے تم میں مبعوث ہوا ہے تم نے اس کے بچپنے جوانی بلکہ پوری زندگی کا پورا پورا مطالعہ کیا ہے اگر اس میں کوئی نقص ہوتا تو تم سے اوجھل نہ ہوتا پس جب کوئی عیب اس میں نہیں ہے تو سمجھو کہ وہ تمہاری خیر خواہی کرتا ہے اور تمہارے فائدہ کے لئے

ہی تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہے اور تمہارے ساتھ انتہائی مہربانی کا برتاؤ کرتا ہے۔ پس تم پر واجب ہے کہ اس کی بات مانو اور اس کے حکم کی حتی الامکان اطاعت کرو۔

سلامتی کے لئے ورد۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس سورہ کی آخری آیت قرآن کی سب سے آخری آیت ہے جو آسمان سے آخر میں اتری ہے اور قرآن کی سورت کاملہ جو سب سے آخر اتری وہ یہی سورہ برائت ہے۔ تفسیر جامع میں بروایت اصبغ بن نباتہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ گھر سے روانگی کے وقت سورۂ برائت کی آخری دو آیتیں پڑھ کر انسان روانہ ہو تو حیوانات درندوں کے خطرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

سُورہ براۃ کی تفسیر ختم ہُوئی۔ والحمد للہ رب العالمین

سُوْرَۂ یُوْنُس

اس سُورہ مبارکہ میں ایک سو نو آیتیں ہیں۔ اور بقول صاحب تفسیر جامع کے ۱۸۳۲ کلمات اور ۷۵۳۲ حرف ہیں۔ یہ سُورہ مکّہ میں نازل ہُوا۔ اور بسم اللہ کو ملا کر اس کی آیات کی تعداد ۱۱۰ بنتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس سورہ کو دو ماہ یا تین ماہ میں پڑھے تو وہ جاہلوں سے نہ ہوگا اور قیامت کے روز مقربین میں سے ہوگا۔

تفسیر جامع میں کتاب خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سُورہ کی تلاوت کرے گا اس کے نامہ اعمال میں حضرت یونسؑ کی تصدیق و تکذیب کرنے والوں کی تعداد کے برابر نیکیاں درج ہوں گی۔ اگر اس سورہ کو لکھ کر نیچے ان افراد خانہ کے نام لکھے جو اس گھر میں ہوں اور اس نوشتہ کو گھر کے اندر رکھے تو ان ناموں والے اشخاص میں سے جس کے ذمہ کوئی قصور ہوگا وہ ظاہر ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر اس سُورہ کو طشت میں لکھ کر دھویا جائے اور اس پانی سے آٹا خمیر کرکے روٹی پکائی جائے (بشرطیکہ مشتبہ لوگوں کے نام بھی سُورہ کے نیچے لکھے جائیں) پس وہ پکی ہُوئی روٹی ان لوگوں کو کھلائی جائے تو جو بھی ان میں سے چور ہوگا وہ لقمہ اس کے حلق میں پھنس جائیگا اور اس کو نہ کھا سکے گا۔ اور اگر کھا لیا تو چوری کا اقرار ضرور کرے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ

الرا یہ محکم کتاب کی آیتیں ہیں کیا لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی کی

اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ

ایک بندے کی طرف ان میں سے کہ ڈرا لوگوں کو اور خوشخبری دے ان کو جو ایمان لائے تحقیق ان کے لئے اچھا اجر

صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ②

ہے نزدیک ان کے رب کے تو کہنے لگے کافر تحقیق یہ جادوگر ہے صاف

رکوع نمبر ۶

الرٰ - یہ حروف مقطعات قرآنیہ میں سے ہے۔

اَلْحَكِیْمِ - یعنی محکم۔ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات سب محکم ہیں۔ اور دوسری جگہ اس کی بعض آیات کو متشابہ بھی فرمایا۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق ہم تفسیر انوار النجف کی تیسری جلد صفحہ ۱۹۱ تا صفحہ ۱۹۵ بیان کر چکے ہیں۔ (پہلا ایڈیشن)

ضرورت نبی

اَكَانَ لِلنَّاسِ - چونکہ انسان تدبیر نفس اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ میں عقل کی رو سے ایک خاص نظام پر چلنے کا محتاج ہے۔ اور اپنے معبود حقیقی کے سامنے فریضہ عبدیت کے نبھانے کا طریق کار بھی اس کو مہیا کرتا ہے اور یہ سب کچھ براہ راست نہ تو اپنی عقل سے طے کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ اوہام و شہوات و خواہشات و اغراض و حرص و ہوس وغیرہ قوائے کثیرہ پر ہمہ گیر غلبہ پانے سے قاصر ہے لہٰذا اس کے طے کردہ اصول و قوانین ان قوائے مذکورہ کے یا ان میں سے بعض کے اشارے سے وضع شدہ ہونے کی حیثیت سے مبنی بر انصاف نہ ہوں گے۔ اور نہ اس میں اس قدر صفائے باطن اور قوت قدسیہ ہے کہ براہ راست اپنے خالق سے رابطہ قائم کر سکے۔ پس خدائے علیم و حکیم نے اس بندۂ عاجز پر اپنا لطف و کرم عام کرتے ہوئے اپنی جانب سے نمائندے بھیج کر ان کو انسانوں کے لئے ایک ضابطہ حیات عطا فرمایا جس کا نام اسلام رکھا۔ اور انہیں ضروریات زندگی انسانی میں جملہ شعبہ جات پر حاوی مفصل احکام کے رواج دینے کی ہدایت کی اور تمام انسانوں کو اس کی دعوت عام دی اور حضرت رسالت مآبؐ ان تمام خدائی نمائندوں کے سردار و حاکم اور سب سے افضل ہیں اور ان کا لایا ہوا پیغام کامل اور ان کے بیان کردہ اصول احکام اور فروع و مسائل لازوال مصالح پر مبنی ہیں۔ جن پر عمل کر کے انسان دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کر سکتا ہے اور جونہی حضورؐ نے نجات انسانی کا

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ

تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر

اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ

متمکن ہوا عرش پر وہ تدبیر کرتا ہے انتظام کی کوئی نہیں شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت سے یہ اللہ

اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ

ہی تمہارا رب ہے پس اس کی عبادت کرو کیا تم نہیں سوچتے اس کی جانب تمہاری سب کی بازگشت ہے

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اللہ کا وعدہ حق ہے تحقیق اس نے ایجاد کی مخلوق پھر اس کو پلٹائے گا تاکہ جزا دے ان کو جنہوں نے ایمان لایا اور

مژدہ سنایا تو کفار قریش نے اپنی اہلیت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ واہ خدا نے ان کو کیسے بھیجا حالانکہ یہ تو ہم جیسا ہے پس آیت مجیدہ میں ان کے اس قول کی تردید ہے۔

قَدَمَ صِدْقٍ کہتے ہیں کہ آقا کا اچھا فعل ید سے تعبیر کیا جاتا ہے اور غلام کا اچھا فعل قدم سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ غلام و آقا کے مراتب کا فرق ذہن نشین رہے اور اس جگہ قدم صدق سے مراد ان کا وہ اجر ہے جو ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے ان کو ملے گا۔ روایات اہل بیت میں قدم صدق سے محمدؐ و آل محمدؐ کی شفاعت بھی مراد لی گئی ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ۔ آیت مجیدہ کی ضروری تفسیر اسی کتاب کی چھٹی جلد ص۱۱ و ص۴۲ پر گذر چکی ہے۔ اور اسی جلد میں پارہ ع۱۲ کے رکوع نمبر ا میں بھی بیان ہوگا۔ ص۱۹۲ پر ملاحظہ ہو۔

دلائل بر وجودِ خدا

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ یعنی تمام نظام عالم کی تدبیر اُسی کے علم و حکمت کا ہی نتیجہ ہے۔ اگر چاہتا تو کائنات کی ہر چیز کو بتعبیر کن فیکون ایک لحہ میں خلق فرما دیتا لیکن کہنے والے کہہ دیتے کہ یہ تخلیق اتفاقی ہے پس اُس نے ایک نظام اور تدبیر محکم کے ماتحت ہی آسمانوں زمینوں کی خلقت کو چھ دنوں میں اور مثلاً انسان کی خلقت کو دس ماہ میں اور کسی کو کم مدّت میں اور کسی کو زیادہ مدت میں مکمل کیا تاکہ عقل سلیم کے لئے اُس کے مصالح و مفاسد پر مبنی نظام کا سمجھنا آسان ہو جائے جس سے وجود و توحید خالق کے اقرار تک راستہ ہموار بن جائے۔

مَا مِنْ شَفِیْعٍ۔ یہاں شفاعت کا تذکرہ درمیان میں جملہ معترضہ کی حیثیت سے ہے کہ کفار کا یہ خیال تھا کہ اللہ کے سامنے ہمارے بت ہماری شفاعت کریں گے تو اس کی تردید ہے کہ وہاں تو نبی بھی بغیر اذن کے شفاعت کا حق نہیں رکھتے چہ جائیکہ یہ بت شفاعت کریں۔

الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

عمل نیک کئے ساتھ عدل کے اور جو کافر ہیں ان کے لئے کھولتا ہوا پانی اور عذاب

اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۴ ھُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ

دردناک ہوگا بوجہ کفر کے وہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو

نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ

چاندنی دی اور مقرر کیا اس کو منزلوں میں تاکہ تم سالوں کا عدد اور حساب جان لو نہیں پیدا کیا اللہ نے یہ مگر برحق

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے اس قوم کے لئے جو سمجھیں تحقیق شب و روز کے اختلاف میں

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶

اور وہ جو پیدا کیا اللہ نے آسمان و زمین میں البتہ آیات ہیں تقویٰ رکھنے والے لوگوں کے لئے

۱۴۹

فَاعْبُدُوْهُ ۔ اپنی خالقیت ، حکمت ، تدبیر اور علم و قدرت کو مختصر اور جامع الفاظ میں سمجھانے کے بعد فرماتا ہے کہ تمہارا خدا یہ ہے جس کی شان یہ ہے ۔ پس اسی کی ہی عبادت کرو ۔ اور پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ فاعل موجب نہیں تاکہ تم یہ سمجھو کہ اُس نے پیدا کر دیا ہے ۔ بس اب ہم خود مختار ہیں اور ہماری بازپرس کوئی نہ ہوگی بلکہ وہ فاعل مختار ہے جس طرح اس نے اپنے اختیار سے پیدا کیا ہے وہ تمہیں فنا بھی کر سکتا ہے اور پھر تمہاری اس کی طرف بازگشت ہوگی ۔ اور تمہارے اعمال کا جائزہ لے کر نیکیوں کی جزا اور برائیوں کی سزا بھی دے گا ۔ لہٰذا اس کے سوا کسی اور کی عبادت و اطاعت نہ کرو یعنی کسی کی اطاعت کے لئے جو داعی ہونے چاہئیں وہ اس میں بدرجہ اتم موجود ہیں ۔ اگر محسن کی اطاعت ضروری ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی محسن نہیں ہے اور اگر طمع سے اطاعت کی جاتی ہے تو اس سے بڑھ کر کسی کے پاس انعام و اکرام نہیں ۔ اور اگر ڈر موجب اطاعت ہے تو اس کی سزا اور گرفت کے مقابلہ میں کسی کی سزا نہیں ہو سکتی پس جب اس میں ہر حیثیت سے معبودیت کا داعی موجود ہے تو اسی کی ہی اطاعت کرنی چاہیئے ۔

ھُوَ الَّذِيْ ۔ تفسیر جامع میں اس کا نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ کفار نے حضرت پیغمبرؐ سے یہ درخواست کی تھی کہ اگر آپ خداوند کریم کے وجود اور اس کی توحید پر واضح علامتیں اور نشانیاں ہمیں بتائیں تو ہم آپ پر ایمان لانے میں کوئی تامل نہ کریں گے پس یہ آیات نازل ہوئیں یعنی خدا وہ ہے جس نے سورج کو روشنی اور چاند کو تابانی عطا فرمائی اور اس کے لئے منزلیں

مقدر فرمائیں۔ الخ۔

علامہ مفتی جعفر حسین صاحب مرحوم کی دلچسپ اور پُر از معنی تحقیق

تحفۂ جنتری ۱۹۶۶ء دعائے رؤیت ہلال کے عنوان سے اپنے بیان میں فرماتے ہیں۔" اس سلسلہ میں ہیئت والوں نے جو معلومات بہم پہنچائے ہیں۔ اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین سے چاند کا فاصلہ مستقل نہیں ہوتا بلکہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے چنانچہ اس کا اوسط فاصلہ ۲ لاکھ ۳۸ ہزار ۸ سو ۶۰ میل ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ ۲ لاکھ ۵۲ ہزار ۷ سو ۱۰ میل اور کم سے کم ۲ لاکھ ۱۲ ہزار ۴ سو ۲۶ میل ہے اور قطر ۲ ہزار ایک سو ۶۳ میل ہے۔ جو دو ہزار ۲ سو ۸۷ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہے۔ اور ایک ایسے زاویے پر واقع ہے کہ اس کا ۲/۵ حصہ ہمیشہ اہلِ زمین کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اس میں گہرے کھڈ چھلیے ہوئے چٹیل میدان اور سنگلاخ پہاڑ ہیں۔ جن کی چوٹیاں ۵ ہزار فٹ سے ۱۸ ہزار فٹ تک بلند ہیں۔ اور بعض ہیئت دانوں کا اندازہ ۳۰ ہزار فٹ تک کا بھی ہے۔ اس کی کشش زمین کی بہ نسبت ۱/۶ حصہ ہے۔ اس طرح کہ اگر زمین پر ایک انسان کا وزن ۱۷۵ پونڈ ہوگا تو چاند پر اس کا وزن ۲۹ ۱/۶ پونڈ رہ جائے گا۔ اور اس کے جس حصہ پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں۔ وہاں کا درجہ حرارت ۱۳۰ سنٹی گریڈ ہوتا ہے اور جس حصہ پر شعاعیں نہیں پڑتیں وہاں صفر سے ۱۲۰ درجہ سنٹی گریڈ کم ہوجاتا ہے۔ اس میں نہ سبزہ و روئیدگی کے نشان ہیں نہ پانی کا وجود اور نہ ہوا کا گذر ہے۔ یہ تیرہ و تاریک سورج سے روشنی مستعار لیتا ہے۔ اور یہی روشنی منعکس ہوکر ہماری راتوں کو روشن اور کرۂ زمین کو حسن و رعنائی کے جلووں سے معمور کردیتی ہے۔ بعض علماء نے ارشادِ الٰہی هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا (یعنی اس نے سورج کو ضیا بار اور قمر کو روشن قرار دیا ہے) سے سورج کی روشنی کے اصلی اور چاند کی روشنی کے اکتسابی ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اس طرح کہ قدرت نے سورج کے لئے ضیا اور چاند کے لئے نور کی لفظ استعمال کی ہے۔ اور ضیا و نور میں اصلی و اکتسابی ہی کا فرق ہے۔ چنانچہ صاحب ریاض السالکین تحریر فرماتے ہیں قال المتکلمون القائم بالمعنی لذاته هو الضوء كما فی الشمس و بالمعنی لغیره هو النور كما فی القمر (متکلمین کا قول ہے کہ جو چیز خود سے روشن ہو وہ ضو ہے جیسے سورج اور جو دوسرے سے روشن ہو وہ نور ہے جیسے قمر"

قَدَّرَهُ مَنَازِلَ۔ ممکن ہے ہ ضمیر کا مرجع کُلٌّ وَاحِدٍ ہو یعنی سورج اور چاند دونوں میں سے ہر ایک کے لئے منازل مقرر فرمائیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے ضمیر کا مرجع صرف قمر ہو۔ اور منازل قمر ۲۸ ہیں۔ شرطین۔ بطین۔ ثریا۔ دبران۔ ہقعہ۔ ہنعہ۔ ذراع نثرہ، طرفہ۔ جبہہ۔ زبرہ۔ صرفہ۔ عوا۔ سماک۔ غفر۔ زبانا۔ اکلیل۔ قلب۔ شولہ۔ نعایم۔ بلدہ۔ ذابح۔ بلع۔ سعود۔ سعد الاخبیہ فرع۔ دلو مقدم۔ فرع دلو موخر۔ بطن الحوت۔ انتہی۔

تفسیر جامع میں ہے کہ چاند کی تین قسم کی گردشیں ہیں۔ تبعی۔ انتقالی اور وضعی پہلی گردش یہ ہے کہ زمین جب سورج کے گرد گھومتی ہے اور چاند بھی اس کے تابع ہو کر سورج کے گرد چکر لگاتا ہے۔ پس چاند کی یہ گردش چونکہ زمین کے تابع ہے۔ لہٰذا اس کو تبعی کہتے ہیں۔ دوسری گردش وہ ہے جو زمین کے گرد ۲۷ دن ۷ گھنٹے ۴۳ منٹ میں ایک چکر پورا کرتا ہے اور اس کی یہ

گردش انتقالی ہے اور تیسری وہ جو اپنے محور پر گردش کرتا ہے اور وہ اس کی وضعی گردش ہے اور زمین وچاند کے درمیان اسی طرح کشش موجود ہے جس طرح کہ زمین اور سورج کے درمیان موجود ہے۔ علم ہیئت قدیم والے زمین کے سورج کے گرد گھومنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ زمین کو ساکن مانتے ہیں۔ اور چاند وسورج کی اس کے گرد گردش کے قائل ہیں۔ اس لحاظ سے چاند کی تبعی گردش وہ ہوگی جو سورج کے تابع ہو کر وہ زمین کے گرد کرتا ہے۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ چاند وسورج کی تخلیق وتقدیر میں خدا کی توحید پر بہت زبردست دلائل وبراہین موجود ہیں۔ مثلاً دن کی تخلیق دن میں ضیا ونور کی تفویض، ان کی گردشیں، باہمی کشش، فاصلہ قرب وبعد، ان کی مشارق، مغارب کسوف، خسوف، ضیا باری، گرمی وسردی میں الگ الگ تاثیرات، نشوونما۔ نباتات۔ پھلوں کا پکنا۔ پھر قمر میں ہلال۔ بدر محاق وغیرہ ان میں سے ہر ایک غور وفکر کے لئے ایک وسیع وعریض میدان رکھتا ہے اور ان کے حالات میں جس قدر تعمق ہوگا۔ اسی قدر خالق کی معرفت اور اس کی عجیب صنعت اور کمال حکمت کے لازوال ذخائر دستیاب ہوتے جائیں گے۔ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ۔ یعنی سورج اور چاند کی منازل کی تعیین فرمائی تاکہ تم حساب اور سالوں کے عدد کو جان سکو۔ اس سلسلہ میں علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ مدظلہ کے سابقہ تحقیقی مقالہ کا آخری حصہ ملاحظہ ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اوقات کی حدبندی کا تصور انسان کے دل میں سورج کے طلوع وغروب سے پیدا ہوا۔ اس طرح کہ اس نے سورج کو نکلتے اور پھر آہستہ ڈوبتے دیکھا اور طلوع سے لے کر غروب تک کا وقت تاریک پایا تو اس نے ایک طلوع سے لے کر دوسرے طلوع تک کا وقت دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ روشن حصہ کا نام دن ہوا اور تاریک حصہ کا نام رات۔ اب اگر وقت کا حساب اسی شب وروز سے چلتا تو ایک پچاس سالہ شخص کو اپنی عمر کا حساب لگانے کے لئے اٹھارہ ہزار دو سو پچاس راتوں اور اٹھارہ ہزار دو سو پچاس دنوں کا حساب رکھنا پڑتا اور اگر شب وروز کے مجموعہ سے حساب کرتا جب بھی اٹھارہ ہزار دو سو پچاس کے شمار کی ضرورت پڑتی۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح حساب وشمار نہایت دشوار ہوتا۔ اس دشواری کو اس نے چاند کے ذریعہ دور کیا۔ اس طرح اس نے دیکھا کہ وہ ایک معین وقت پر نکلتا ہے اور تغیر وتبدل کے مختلف حالات سے گذرتا ہوا کچھ مدت کے لئے آنکھوں سے روپوش ہوتا ہے۔ اور پھر اسی پہلی وضع وصورت کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا سلسلہ ہے۔ جس میں کبھی خلل رونما نہیں ہوتا تو چاند کے دو طلوعوں کے درمیانی عرصہ سے ایک اور وقت کی حدبندی کر لی۔ اور اس کا نام مہینہ تجویز کیا۔ اب پچاس سال کی مدت کے لئے اٹھارہ ہزار دو پچاس دنوں کو یاد رکھنے کے بجائے چھ سو مہینے ہی یاد رکھنا پڑے۔ پھر موسموں کے دورہ کرنے سے ایک اور مدت کی طرف توجہ پیدا ہوئی اور اس نے دیکھا کہ ایک موسم کے شروع ہونے کے بعد دوبارہ اسی موسم کے شروع ہونے تک بارہ مرتبہ چاند طالع ہوتا ہے تو اس نے بارہ مہینوں کی ایک مدت تجویز کر لی اور اس کا نام سال ہوا۔ جب سالوں کے ذریعہ اوقات کی حدبندی ہونے لگی تو اوقات شماری کی تمام دشواریاں دور ہو گئیں۔ جن لوگوں نے سب سے پہلے تشکیل اوقات کی طرف توجہ کی۔ وہ اہل مصر تھے۔ چنانچہ آثار مصر کو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں وہ ایک مہینہ ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ وہاں ہلال کی شکل بنا دیتے تھے۔ اور ۶۰۰ ق م انہوں

نے اپنے تہواروں کے ناموں پر بارہ مہینوں کے نام رکھ کر سال کی حدبندی کرلی تھی۔ اور یونان۔ روم۔ ہند اور عرب میں بھی قمری مہینوں کا حساب رائج تھا۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس نے بھی قمری مہینوں کو برقرار رکھا اور قمری مہینوں ہی کے لحاظ سے سال کی تحدید کی اور مہینوں کو گھٹانے بڑھانے اور آگے پیچھے کرنے سے روک دیا۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب اپنی مقصد براری کے لئے امن و آشتی کے مہینہ کو مؤخر کر دیتے یا جنگ کے مہینہ کو پیچھے ڈال دیتے تھے۔ یہ سال سنہ ہجری کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس کی ابتدا امیر المومنین علی بن ابی طالب کے مشورہ سے پیغمبر اکرمؐ کی ہجرت پر رکھی گئی تھی۔ اگرچہ ہجرت کا واقعہ ۲۷ صفر کو پیش آیا اور ۱۲ ربیع الاوّل کو آں حضرتؐ کا مدینہ میں ورود ہوا۔ مگر محرم کی اہمیت و شہرت اور اشہر حرم میں نمایاں ہونے کی وجہ سے اور بایں ہمہ چونکہ ہجرت کا ارادہ محرم ہی سے تھا۔ اسے سال کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔ اگرچہ قمری حساب سیدھا سادہ اور ہر قسم کے پیچ وخم سے پاک ہے مگر اس میں یہ دشواری نظر آئی کہ اس کے ذریعہ فصلوں کی حدبندی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ جو مہینہ آج سردی میں آرہا ہے پھر گرمی میں آنا شروع ہو جائے گا۔ اور جو خزاں میں آرہا ہے وہ بہار میں آنے لگے گا۔ لہٰذا یہ نہ بتایا جا سکے گا۔ کہ گرمی کے مہینے کون سے ہیں اور سردی کے کون سے۔ کس مہینے میں کاشت ہوگی اور کس مہینے میں کاٹی جائے گی۔ اور مصریوں کو بھی یہی دقت پیش آئی۔ کیونکہ ان کی زندگی کا انحصار کھیتی باڑی پر تھا۔ اور ایک برسات سے لے کر دوسری برسات تک انہوں نے بارہ مہینوں کا حساب لگایا تھا مگر برسات تیرہ مہینوں کے بعد آنے لگی۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی صورت ہونا چاہیئے کہ گرما سرما اور بہار خزاں کے موسم کی حدبندی ہو جائے۔ چنانچہ فلکی مطالعہ نے انسان کی رہنمائی کی۔ اور اس نے دیکھا کہ چاند ہر رات کسی نہ کسی ستارے کے پاس نظر آتا ہے۔ اور چونکہ چاند کے نظر آنے کی راتیں اٹھائیس ہوتی ہیں۔ اس لئے اس نے ان ستاروں کو علامت قرار دینے کر چاند کی اٹھائیس منزلیں قرار دے لیں۔ ان منزلوں کو ہندی میں نچھتر کہا جاتا ہے جو اسونی، بھرنی، کرتکا روہنی وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ اور عربی میں ان کے نام ص۱۴۱ پر مذکور ہو چکے ہیں۔

پھر اس نے دیکھا کہ منطقۃ البروج پر کئی ستاروں کے جھرمٹ ہیں۔ جنہیں قاعدہ سے ملایا جائے تو بارہ مختلف شکلیں بن جاتی ہیں۔ اور انہیں شکلوں کے لحاظ سے ان کے نام رکھ لئے گئے۔ ہندی میں انہیں راس اور عربی میں برج کہا جاتا ہے۔ ہندی نام یہ ہیں۔ میکھ۔ برکھ۔ متھن۔ کرک۔ سنگھ۔ کنیا۔ تلا۔ برچھک۔ دھن۔ مکر۔ کنبھ۔ مین۔ اور اسی ترتیب سے عربی نام یہ ہیں۔ حمل۔ ثور۔ جوزا۔ سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

پھر ان منزلوں کو ۳۶۰ درجوں پر تقسیم کیا۔ اور ہر منزل میں چاند کا قیام ۱۲ درجہ اور تقریباً ۵۱ دقیقہ اور ہر برج میں اس کا ٹھہراؤ دو دن آٹھ گھنٹہ قرار دیا۔ پھر یہ دیکھا کہ جس منزل کو چاند شبانہ روز میں طے کرتا ہے۔ سورج اسے تقریباً ۱۳ دنوں میں تمام کرتا ہے۔ جس سے منزلوں کے دن ۳۶۴ بنتے ہیں لیکن سورج اس مقام پر جہاں سے چلا تھا ۳۶۵ دن میں پہنچتا ہے۔ اس طرح کہ حمل۔ ثور۔ سرطان۔ اسد اور سنبلہ میں ۳۱-۳۱ دن جوزا میں ۳۲ دن میزان۔ عقرب۔ دلو اور حوت میں ۳۰، ۳۰ دن۔ اور قوس و جدی میں ۲۹-۲۹ دن صرف کرتا ہے تو انہوں نے ایام منازل کو دورہ شمسی کے دنوں سے مطابق کرنے کے لئے منزل عقر

ص اس کی وضاحت ص۱۴۱ پر اسی جلد میں ملاحظہ ہو۔

میں ایک دن کا اضافہ کر کے ۳۶۵ دن کا سال مقرر کر لیا۔ اور موسموں کو ان منزلوں پر تقسیم کر کے فصول اربعہ کی حد بندی کر لی۔ اور اُسے شمسی سال سے تعبیر کیا جانے لگا۔ اور بعض ملکوں میں شمسی سال کے باوجود مہینوں کا حساب قمری ہی رہا۔ حالانکہ قمری حساب سے سال کی مدت ۳۵۴ دن ۸ گھنٹے ۴۸ منٹ ۳۲ سیکنڈ ہوتی ہے کیونکہ قمری مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ اگرچہ چاند ۲۷ دن ۷ گھنٹہ ۴۳ منٹ کی مدت میں سمت متقابل کی طرف حرکت کرتا ہوا زمین کے گرد اپنا دورہ مکمل کر لیتا ہے لیکن حرکت ارضی کی وجہ سے چاند کے سفر میں ۲ دن ۱۲۱ اعشاریہ کا اضافہ ہو جاتا ہے اور اسے اپنا سفر تمام کرنے کے لئے ۲۹ دن ۱۲ گھنٹہ ۴۴ منٹ ۱۷ سیکنڈ کی مدت درکار ہوتی ہے۔ اس بنا پر وہ کبھی ۲۹ دن کے بعد نظر آتا ہے اور کبھی ۳۰ دن کے بعد۔ اس رویت پر مہینوں کی مدت کا انحصار ہے اور شمسی سال کی مدت ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ ہوتی ہے۔ اس لئے قمری سال ۱۰ دن ۲۱ گھنٹے ۱۴ سیکنڈ شمسی سال سے چھوٹا ہوگا اور ہر سو سال کے بعد شمسی سال سے تین سال آگے بڑھ جائے گا۔

چنانچہ اہل کتاب میں سے ایک شخص نے امیر المومنین علیہ السلام سے کہا کہ قرآن مجید میں اصحاب کہف کے متعلق ہے کہ ولبثوا فی کھفھم ثلث مائۃ سنین وازدادوا تسعا (وہ غار میں تین سو برس ٹھہرے اور لوگوں نے نو برس اور بڑھا دیئے) اور ہمارے ہاں کی کتاب میں صرف تین سو برس کا ذکر ہے۔ یہ اختلاف کیوں ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ یونانیوں کے تین سو برس عربوں کے تین سو نو سالوں کے برابر ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ جب ہر سو سال میں تین سال کا اضافہ ہوگا۔ تو تین سو سالوں کے بعد نو سو سالوں کا اضافہ ہونا ہی چاہیئے۔

روم میں مہینوں کا حساب چاند سے اور سال کا حساب سورج سے لگایا جاتا تھا۔ جب روم میں جولیس سیزر حکمران ہوا تو اُس نے ۴۵ ق م دو ہیئت والوں کی مدد سے سال کی مدت ۳۶۵ دن ۶ گھنٹہ مقرر کی اس طرح کہ فروری کے ۲۹ دن اور باقی مہینوں میں ایک مہینہ ۳۰ دن کا اور دُوسرا ۳۱ دن کا قرار دیا۔ اور ۶ گھنٹوں کی کھپت کے لئے ہر چوتھے سال فروری میں ایک دن کا اضافہ کر دیا ہے۔ اور اپنے نام پر جون کے بعد آنے والے مہینے کا نام جولائی رکھا۔ اس کے بعد آگسٹس نے جولائی کے بعد والے مہینے کا نام اپنے نام سے اگست رکھا۔ اور فروری سے ایک دن نکال کر اس میں بڑھا دیا۔ یہ حساب صدیوں سے چلتا رہا۔ لیکن سال کی مدت چونکہ ۳۶۵ دن ۶ گھنٹہ تھی اس لئے ۴۰۰ سو سال کے عرصہ میں تحویل آفتاب میں ۳ دن کا فرق پڑ گیا چنانچہ ۴۵ ق م جب یہ سال رائج ہوا تھا تو تحویل آفتاب ۲۵ مارچ کو تھی۔ انہوں نے بتایا کہ شمسی سال کی صحیح مدت چونکہ ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ ہے اور ملکی سال کا شمار ۳۶۵ دن ۶ گھنٹہ کے حساب سے ہوتا رہا ہے۔ اور ملکی سال شمسی سال سے ۱۱ منٹ ۱۴ سیکنڈ آگے بڑھتا رہا ہے اس لئے یہ فرق پڑ گیا ہے مگر اس کی تصحیح کی کوئی تدبیر نہ کر سکے۔ آخر ۱۵۸۲ء میں پاپائے اعظم گریگری نے اس کی طرف توجہ کی۔ اور گذشتہ سالوں میں جو ۱۰ دن زیادہ شمار ہوئے تھے کم کر دئے۔ اور آئندہ کے لئے ہر تین سال کے دن ۳۶۵ اور چوتھے سال کے دن ۳۶۶ قرار دیئے تاکہ ان چار سالوں میں ہر سال جو ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ زائد ہوتے ہیں۔ ان کی کھپت ہو جائے۔ مگر جب یہ دیکھا گیا کہ اس سے بھی کچھ فرق پڑتا ہے اس طرح کہ کمی تو چار سالوں میں

۲۳ گھنٹے ۱۵ منٹ ۴ سیکنڈ کی ہوئی ہے اور اضافہ ایک دن کی صورت میں ۲۴ گھنٹے کا کیا گیا ہے جس سے ۴۰۰ سال میں ۳ دن دن کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لئے پوری صدی والے سالوں میں صرف اس سال میں اضافہ باقی رکھا گیا جو ۴۰۰ پر تقسیم ہو جائے تاکہ یہ بڑھنے والے تین دن کم ہو جائیں لیکن اس صورت میں بھی ۲۶ سیکنڈ ہر سال میں بڑھ جاتے ہیں جو ۳۳۲۳ سال میں ایک دن کے مساوی ہو جائیں گے۔ اس کے تدارک کی یہ صورت نکالی گئی کہ جو سال ۴۰۰۰ پر پورا تقسیم ہو جائے۔ اس میں ایک دن کا اضافہ نہیں کیا جائے گا لیکن یہ ایک دن تو ۳۳۲۳ سالوں میں بڑھتا تھا اور کئی چار ہزار سال میں ایک دن کی تجویز ہوئی تو اس کے نتیجہ میں ۲۰ ہزار سالوں میں ایک دن پھر بڑھ جائے گا مگر اس کے حل کی ابھی تک کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے۔

جس سال میں ایک دن کا اضافہ کیا جاتا ہے اس کے پہچاننے کا حسابی طریقہ یہ ہے کہ سنہ عیسوی کو چار پر تقسیم کر دیا جائے اگر ایک باقی رہے تو ۳۶۵ دن والا پہلا سال، دو باقی رہیں تو دوسرا، تین باقی رہیں تو تیسرا اور پورا تقسیم ہو جائے تو وہ ۳۶۶ دنوں کا سال ہوگا۔ ایسے سال کو لیپ کا سال کہا جاتا ہے۔

بہرحال اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ ملکی سال کبھی شمسی سال سے گھٹ جاتا ہے اور کبھی بڑھ جاتا ہے۔ ادھر چوتھے سال ایک دن کے اضافہ کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اور پھر بھی تفاوت رہ جاتا ہے اور پھر اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو علم فلکیات میں مہارت رکھتا ہو۔ بخلاف قمری حساب کے کہ وہ گھٹائے بڑھائے بغیر بالکل قدرتی حالت میں ہے۔ اور ہر شخص بآسانی معلوم کر لیتا ہے کیونکہ اس کا تعلق عام مشاہدہ سے ہے۔ اس لئے اسلام نے اعمال و عبادات کی بنیاد زیادہ تر قمری حساب پر رکھی ہے تاکہ تعین اوقات میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اور جو سورج سے متعلق ہیں جیسے افطار صوم یا اوقات نماز یا نماز آیات تو ان کا تعلق صرف سورج کے مشاہدہ یعنی طلوع و غروب و زوال اور کسوف سے ہے۔ جس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ البتہ کچھ امور ایسے ہیں جو شمسی حساب سے متعلق ہیں مگر وہ اعمال واجبہ پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ جیسے نوروز، کیونکہ جس دن غدیر خم میں اعلانِ خلافت علوی ہوا۔ اور جس دن امیر المومنین علیہ السلام زینت افزائے سریر خلافت ہوئے۔ آفتاب برج حمل میں تھا۔ اسی لئے اس دن کی مسرت کو دوچند کرنے کے لئے قمری و شمسی دونوں تاریخوں کو یوم مسرت قرار دیا گیا۔ اسی طرح نوروز کے ۲۳ دن بعد نیسان کا مہینہ شروع ہوتا ہے۔ جس میں برسنے والے پانی پر مختلف سورتیں اور دعائیں پڑھ کر پینے سے مختلف فوائد و خواص کا تذکرہ روایات میں ہوا ہے۔ یونہی امام جعفر صادق علیہ السلام نے ماہ حزیراں کی ساتویں تاریخ کو پچھنے لگوانے سے منع کیا ہے۔ اور امام رضا علیہ السلام سے شمسی مہینوں کے لحاظ سے ہر مہینہ کے کچھ اصول صحت وارد ہوئے ہیں۔

اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ ۔ یعنی دن اور رات کے اختلاف میں بھی وجود و حکمت اور قدرت و صنعت پروردگار کی ایسی نشانیاں موجود ہیں جو اس کی توحید کی بولتی زبان ہیں۔ مثلاً ان میں روشنی و تاریکی کا فرق، محنت و آرام کا فرق اور گرمی و ٹھنڈک کا فرق اور ممکن ہے کہ اس اختلاف سے مراد ان کی کمی و بیشی ہو کہ کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی اور کبھی اس کا الٹ اور سال میں صرف دو دفعہ برابری اور اس کی تفصیل تفسیر ہذا کی تیسری جلد صفحہ ۲۱۳ پر ملاحظہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا

تحقیق جو لوگ نہیں امید کرتے ہماری ملاقات کی اور راضی ہیں زندگانی دنیا پر اور مطمئن ہیں اس سے

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا

اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے بوجہ اس کے جو کسب

يَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ

کرتے ہیں تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کمائے بھیجے گا ان کو رب اپنا بوجہ ایمان کے (دائمی جگہ)

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا

کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں نعمتوں کے باغات میں ان کا تکیہ کلام ہوگا

اِنَّ الَّذِيْنَ ۔ یعنی دلائل وجود خدا و علائم و آیات توحید باری بیان کرنے کے بعد ان لوگوں کو از سرِ نو تہدید فرماتا ہے جو اس قسم کی واضح و غیر مبہم آیات میں غور نہیں کرتے۔ اور یہ مالک حقیقی کا انتہائی لطف و کرم ہے کہ بار بار دعوتِ فکر دے کر غافل مخلوق کو اپنی جانب توجہ کی دعوت دیتا ہے۔ اب اس اتمام حجت کے بعد اگر کوئی عارضی دنیاوی منافع کو ترجیح دے کر خدائی فرمائشات کو نظر انداز کرے تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

يَهْدِيْهِمْ ۔ اور تفسیر منہج الصادقین میں اس کا مقصد یہ مذکور ہے کہ خدا نورِ ایمان کی بدولت ان کو صراط سے گذارے گا۔ چنانچہ جبریل نے حضور کو یہ مژدہ سنایا کہ خدا بعد سلام کے فرماتا ہے تو میرے نور سے اور علی تیرے نور سے اور اُمّت علی کے نور سے گذرے گی۔ کیونکہ اُمّت کا نور علی سے ہے۔ اور علی کا نور تجھ سے ہے۔ اور تیرا نور میرے نور سے ہے۔ یہاں اُمّت سے مراد شیعان علی ہیں۔

دَعْوٰىهُمْ ۔ یعنی جنّت میں ان کا تکیہ کلام یہی ہوگا کہ ہر وقت زبان سے تسبیح پروردگار جاری رکھیں گے۔ اور اس سے وہ لذّت اندوز ہوں گے۔ چنانچہ مجمع البیان میں مروی ہے کہ جب کوئی پرندہ ان کے سروں سے گذر کرے گا تو اس کو دیکھ کر وہ یہی تسبیح کا کلمہ پڑھیں گے۔ پس وہ بھونے ہوئے گوشت کی صورت میں ان کے سامنے فوراً آموجود ہوگا۔ اور جب یہ لوگ جی بھر کر کھا چکیں گے تو وہ دوبارہ باذنِ پروردگار زندہ ہو کر پرواز کر جائے گا۔ یعنی ان کی ابتداء کلام تسبیح خدا اور انتہائے کلام حمدِ خدا ہوگی۔

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا ۔ یعنی خدا کی جانب سے جو ان کو تحیہ پہنچے گا وہ سلام ہوگا یا یہ کہ فرشتوں کا تحیّہ ان کے لئے سلام ہوگا یا یہ کہ ان کا آپس میں یہ تحیہ ہوگا کہ ایک دوسرے کو سلام کہیں گے اور ان کا اختتام کلام حمدِ خدا ہوگی۔ واخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

تسبیح خدا . اور ان کا تحیہ ہوگا سلام اور آخری تکیہ کلام ان کا حمد پروردگار ہوگی جو عالمین

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ

کا رب ہے اور اگر جلدی کرتا اللہ لوگوں کے لئے شر کی مثل عجلت خیر کے تو پوری کر دی جاتی ان

اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا

کی اجل پس ہم چھوڑتے ہیں انکو جو نہیں اُمید کرتے ہماری ملاقات کی کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران ہوتے ہیں اور جب

مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ

چھوئے انسان کو تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے پہلو کے بل یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر پس جب دُور کرتے ہیں ہم اسکی تکلیف

مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

کو تو ایسا لگتا ہے کہ گویا کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا کسی تکلیف کے لئے جو اسے پہنچی اسی طرح زیب کا باعث بنے غلط کاروں کے لئے اپنے اعمال

رکوع نمبر ۲ - وَلَوْ يُعَجِّلُ - یعنی لوگ جب تنگ دل سے یا غصہ اور جذبات کے اُبھار میں اپنے یا اپنے اقرباء کے لئے بددُعا کرتے ہیں۔ مثلاً اپنے لئے کہتے ہیں، ہم مرجائیں یا کسی دوسرے کے لئے کہتے ہیں کہ تم مرجاؤ۔ پس اگر خدا ان کی ایسی دُعائیں قبول کرنے میں جلدی کرتا جس طرح کہ خیر کی دعاؤں میں کرتا ہے تو وہ ختم ہو چکے ہوتے۔ اِسْتِعْجَالَهُمْ میں ضمیر جمع غائب هم مصدر کا مفعول ہے اور مصدر کا فاعل اللہ ہے یعنی اِسْتِعْجَالَهٗ اِيَّاهُمْ یعنی خدا جلد بازی نہیں کرتا اور وہ جانتا ہے کہ جذبات اور غصہ کی رَو میں بہہ کر اپنی خاطر بددُعا کر رہے ہیں۔ جب یہ حالت دُور ہوگی تو وہ پشیمان ہوں گے۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ اگر لوگوں کے لئے خداوندِ کریم گرفت کی تعجیل کرتا جیسا کہ ان کے گناہوں کا تقاضا ہوتا ہے جس طرح کہ وہ دنیا میں اچھائی اور اپنے نفسوں کی بہتری کے لئے تعجیل کرتے ہیں تو معاملہ کبھی کا صاف ہو جاتا اور یہ لوگ ختم کر دیئے جاتے لیکن وہ تو ڈھیل دے دیتا ہے تاکہ ان کو توبہ کا کھلا وقت مل سکے۔

مَرَّ كَاَنْ لَّمْ - یہاں مَرَّ استمرّ کے معنی میں ہے یعنی تکلیف کے وقت تو اس کو خدا یاد آتا ہے لیکن جب وہ اس کی سختی کو ختم کر دے تو وہ شکریہ ادا کرنے کی بجائے حسبِ سابق اکڑ جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کبھی ہمیں پکارا ہی نہیں تھا۔ اور ایسا ہی کفار اپنے کرتوتوں میں مست نظر آتے ہیں اور اُن کی نظروں میں ان کی بداعمالیاں بھلی لگتی ہیں خداوندِ کریم نے آیتِ مجیدہ میں سختی اور نرمی کی حالتوں کی تبدیلی کو اپنی معرفت وعبادت کا داعی ظاہر کیا ہے کاش کہ انسان درسِ عبرت

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

اور ہم نے ہلاک کیا قوموں کو تم سے پہلے جب انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس رسول آئے واضح دلیلوں کے ساتھ

وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

اور نہیں امید تھی کہ وہ ایمان لائیں ایسی ہی جزا دیتے ہیں ہم مجرم لوگوں کو پھر ہم نے تم کو کیا

خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى

قائم مقام زمین میں ان کے بعد تاکہ دیکھیں کہ کس طرح عمل کرتے ہو اور ان پر پڑھی

عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ

گئیں ہماری آیات واضح تو کہنے لگے وہ جو نہیں امید کرتے ہماری ملاقات کی لاؤ قرآن اس کے علاوہ یا

اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِىْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِىْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا

اسے تبدیل کرو کہہ دو نہیں جائز مجھے کہ اس کو تبدیل کروں اپنی جانب سے میں تو نہیں پیروی کرتا مگر اسکی

يُوْحٰۤى اِلَىَّ ۚ اِنِّىْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّىْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

جو وحی ہو میری طرف تحقیق میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب سے بڑے دن کے عذاب سے

حاصل کرے۔

لِيُؤْمِنُوْا۔ یعنی اُن کو مہلت دی گئی اور جب اُن کے ایمان لانے کی اُمید منقطع ہوگئی تو ان کو عذاب دیا گیا۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ۔ یعنی تمہارے لئے ان سابقہ اقوام کے اعمال کے نتائج باعثِ نصیحت ہیں اور تم انہیں کے جانشین ہو اور خدا اپنے عدل و انصاف کے ماتحت اتمامِ حجت کے بغیر کسی کو سزا و عقاب نہیں کرتا۔ پس تم بھی اگر اسی سابقہ لوگوں کے طریق کار پہ گامزن ہوئے تو مستحق عذاب بنو گے۔ ورنہ اگر سنبھل جاؤ اور راہِ راست کو اپنا لو۔ تو خدا کی رحمت اس کے غضب سے وسیع تر ہے وہ تمہیں اپنے اکرام و انعام سے نوازے گا۔

وَاِذَا تُتْلٰى۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق ہے کہ عبداللہ بن اُمیہ مخزومی دیگر چار مشرکین قریش کے ہمراہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ آپ کوئی ایسا قرآن لے آئیں۔ جس میں ہمارے خداؤں کے خلاف کوئی بات نہ پائی جائے یا یہ کہ اسی قرآن سے قابلِ اعتراض مواد نکال کر ایسی صورت میں اسے پیش کریں جو ہمارے مزاجوں کے موافق ہو۔ پس یہ آیت اتری۔ مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں۔ گویا انہوں نے میرے پیش ہونا ہی نہیں ہے۔ پس ان کو

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا

کہہ دو اگر چاہتا اللہ تو میں اس کی تم پر تلاوت نہ کرتا اور نہ بتاتا وہ تمہیں پس تحقیق میں ٹھہر رہا ہوں تم میں عمر کا ایک

مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

اس سے پہلے بھی کیا تم سمجھتے نہیں ہو پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا کرے اوپر اللہ کے یا جھٹلائے اس

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

کی آیات کو تحقیق نہیں چھٹکارا پائیں گے مجرم لوگ اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا اس کی جو نہ

صاف جواب دیجئے کہ میں تمہارے پاس قرآن کے احکام پہنچانے کے لئے آیا ہوں۔ مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کروں اور میں تو صرف وحی پروردگار کے ہی تابع ہوں۔ گویا مطلب یہ ہے کہ کتاب میں ترمیم کرنے کا کسی انسان کو حق نہیں پہنچتا۔ حتیٰ کہ کتاب اللہ کے لانے والا بھی اس میں ترمیم نہیں کر سکتا۔ پس یہ اعلان قرآن مجید کے کامل و مکمل ہونے کا صراحتی بیان ہے۔

قُلْ ۔ گویا کفار قریش یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضورؐ اس میں ایر پھیر کرنے کا خود اختیار رکھتے ہیں تو اس خدشہ کے ازالہ کے لئے فرمایا کہ اگر اللہ نہ چاہتا ہوتا تو مجھے از خود تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ وہ نہ میرے اوپر نازل کرتا۔ اور نہ میں تم تک پہنچاتا وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ وہ تمہیں نہ جتلاتا یعنی میرے اوپر نازل کر کے تم تک پہنچانے کا حکم نہ دیتا۔ ورنہ تم دیکھتے نہیں ہو۔ اس سے قبل بھی تو میں تم میں رہا ہوں اور کبھی تمہیں یہ باتیں نہیں کہی تھیں۔ اب حکم ملا ہے تو کہتا ہوں۔

فَمَنْ اَظْلَمُ ۔ مزید وضاحت کے لئے ارشاد ہے کہ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ اللہ کے حکم کے بغیر اس کی طرف کوئی چیز منسوب کرنا اور اس پر افترا باندھنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور میری سیرت کا تم مطالعہ کر چکے ہو۔ اور میں تم میں سے ایک ہی فرد ہوں۔ سچائی۔ امانت۔ دیانت میں تمہیں میری پوزیشن کا صاف پتہ ہے۔ جب میں عام جھوٹ بولنے سے گریز کرتا ہوں تو اپنے خالق کی طرف جھوٹی نسبت کیسے دے سکتا ہوں؟ اسی طرح جب تم مجھے امین جانتے ہو۔ اور میں کسی آپ جیسے انسان کی امانت میں خیانت نہیں کرتا تو خدا کے دین اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں۔ پس اس کے بعد یقین جانو کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ خدا کی جانب سے ہے۔ تو جس طرح میرا اس کے متعلق جھوٹ کہنا ناجائز ہے تمہارا یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے بعد اس کی واضح نشانیوں کو جھٹلانا اور اس کی اور اس کے رسول کی تکذیب کرنا بھی ظلم عظیم ہے۔ پس اس سے باز آجاؤ۔

يَعْبُدُوْنَ ۔ اپنی جانب سے ان کو مطمئن کرنے کے بعد ان کو اپنے بنائے ہوئے معبودوں کی عبادت کی خامیوں سے آگاہ فرماتا ہے کہ تم ایسوں کی عبادت کرتے ہو جو نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ نہ ان کے پاس قدرت ہے نہ اختیار۔

يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ

ان کو نقصان دے اور نہ نفع دے اور کہتے ہیں یہ لوگ ہمارے شفیع ہوں گے اللہ کے پاس کہہ دو کیا بتاتے ہو

اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا

اللہ کو ایسی باتیں جنہیں وہ نہیں جانتا آسمانوں اور زمین میں وہ پاک ہے اور بلند تر ہے اس سے جس

يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا

کا وہ شرک کرتے ہیں اور نہیں تھے لوگ مگر ایک اُمّت پس انہوں نے اختلاف کیا اور اگر

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾

نہ ہوتا کلمہ سابق تیرے رب سے تو فیصلہ کیا جاتا ان میں اس کا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں

پس اس کی عبادت کرو۔ جو سب کا خالق اور رازق اور قادر و مختار ہے۔ اور نفع و نقصان کا مالک بھی ہے۔

هٰٓؤُلَآءِ۔ آپ کی پُر از حکمت مدلّل و مبرہن تقریر سُننے کے بعد اُنہیں یقین ہو جاتا تھا کہ آپ درست فرماتے ہیں۔ لیکن اپنے باپ دادا کے مذہب کی لاج رکھنے کے لئے یہ بہانا پیش کرتے تھے کہ ہم ان کی عبادت مقصود بنا کر نہیں کرتے بلکہ عبادت تو اللہ کی کرتے ہیں اور ان کو اس کی بارگاہ میں اپنا شفیع سمجھتے ہیں تو خداوند کریم ان کے اس جواب میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ اس قدر فریب خوردہ ہیں کہ اللہ کے سامنے بھی چالاکی کرتے ہیں۔ کیا وہ اللہ کو ایسی بات بتا رہے ہیں جس کو وہ نہیں جانتا؟ استفہام انکاری ہے۔ یعنی اس قسم کی دروغگوئی اور حیلہ سازی تو اُس کے سامنے کرتے جو حقیقت کو نہ جانتا ہو۔ لیکن وہ خدا جو سب کو جانتا ہے اُس کے سامنے اس قسم کی مکاریوں کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟

أُمَّةً وَّاحِدَةً۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔

۱۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت نوحؑ تک ایک دین حق (اسلام) پر تھے پھر اختلاف پڑ گیا۔ ۲۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ایک ملّت پر تھے۔ بعد میں بُت پرستی کی وجہ سے اختلاف پڑ گیا۔ (۳) ایک ہی فطرت پر خلق کئے گئے لیکن جذبات و خواہشات میں آ کر الگ الگ ادیان و مذاہب بنا لئے۔ ان کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں۔ اور ہم نے اس کے متعلّق پوری وضاحت تفسیر کی تیسری جلد میں ص۲۵ سے ص۲۳ تک کر دی ہے۔

يَقُولُونَ۔ کفار کا یہ اعتراض بھی تھا کہ اگر یہ خدا کے سچے رسول ہوتے تو خدا کی جانب سے ایک خاص علامت ان کے ساتھ ہوتی کہ جو انکار کرتا اُس کو فوراً سزا ملتی تاکہ ڈر کے مارے سب کے سب اُس کے سامنے جھک جاتے تو اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ دین اسلام جبری دین نہیں ہے بلکہ اختیاری دین ہے اور اس کی مصالح کو وہ خود ہی بہتر جانتا ہے کہ اُس

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا

اور وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اپنے رب سے پس کہہ دو کہ بس غیب اللہ کے لئے ہے پھر تم انتظار کرو

اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ

اور تحقیق میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالوں میں سے ہوں اور جب ہم چکھائیں لوگوں کو رحمت کا مزا بعد دکھ کے جو

مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ

انہیں پہنچے تو وہ مکر کرنے لگیں ہماری آیات میں کہہ دو کہ اللہ جلد ہی گرفت کرے گا اس مکر کی تحقیق ہمارے فرشتے نوٹ

مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي

کر لیتے ہیں جو وہ مکر کرتے ہیں وہ جس نے تمہیں چلایا خشکی و تری میں حتی کہ جب تم ہو کشتی

الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ

میں اور چلائیں ہم پاکیزہ ہوا اور وہ خوش ہو جائیں تو اچانک آ جائے آندھی

وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا

اور آئے موج ہر طرف سے اور ان کو گمان ہو جائے کہ ابھی ہلاک ہوئے تو پکارا اللہ

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

کو خلوص اعتقاد سے کہ اگر تو ہمیں نجات دے دے اس سے تو ہم تیرے شکر گذار ہوں گے

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ

تو جب اس نے نجات دیدی پھر وہ سرکشی کرنے لگے زمین میں ناجائز اے لوگو تمہاری سرکشی کا وبال تمہارے

نے ایسا کیوں کیا ہے۔

رکوع نمبر ۸۔ وَاِذَا۔ خداوند کریم آیت کریمہ میں بے شکرے اور بالخصوص کفار کی بدباطنی کی خبر دے رہا ہے کہ جب تکلیف کے بعد ہم اُن سے درگذر کرتے ہوئے اُنہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں۔ اور مصیبت سے ان کو نجات دیدیں تو بجائے شکر کے ہماری آیات کی تردید میں لگ جاتے ہیں۔ گویا وہ حوادث زمانہ کو خدا کے اختیار کے تابع نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں تو ایک فطرت مادہ کا دائمی دستور ہے۔ کبھی دکھ اور کبھی سکھ۔ چنانچہ مثال کے طور پر انسان اگر کشتی میں بیٹھا

عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

نفسوں پر ہوگا (چند روزہ) زندگانیٔ دنیا کا (لطف اٹھالو) پھر تمہاری بازگشت ہماری طرف ہوگی تو ہم بتائیں گے کہ تم کیا عمل

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ

کرتے تھے بجز اس کے نہیں کہ زندگانی دنیا کی مثال اس پانی جیسی ہے جو اتارا ہم نے آسمان سے پس مل گئی

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ

اس کے ساتھ انگوری زمین کی اس سے جو آدمی کھاتے ہیں اور حیوان یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی نمائش بنا

زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا

لی اور بارونق ہوگئی اور سمجھے مالک اس کے کہ ہم اس سے پورا نفع اٹھائیں گے تو پہنچا ہمارا حکم رات کو

اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

یا دن کو پس کر دیا ہم نے اس کو خاکستر گویا یہاں کل کچھ تھا ہی نہیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ہم (اپنی

لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى

نشانیاں فکر کرنیوالے لوگوں کے لئے اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہے سیدھے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ

راستہ کی ان کے لئے جو نیکی کریں بدلہ اور زیادتی بھی ہے اور نہ پہنچے گی

ہو۔ اور دھیمی دھیمی ہوا چل رہی ہو۔ اور خوشی خوشی میں اچانک تیز ہوا کا جھونکا آجائے موج پر موج اور لہر پہ لہر اٹھنے لگے جس سے کشتی کے الٹنے کا خطرہ اور پانی میں ڈوب جانے کا ڈراسے تمام ظاہری اسباب وذرائع سے مایوس کردے تو فوراً اس کے دماغ میں جو ذات سماتی ہے وہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے پس فوراً اس کی طرف نہایت خلوص سے گڑگڑا کر اپنی نجات کی درخواست کرتے ہوئے شکر کا عہد کرتا ہے لیکن نجات پانے کے بعد وہ بے کہ دلیا ہوتا ہے اور ازراہِ سرکشی احسانِ خداوندی کو جھٹلاتا ہے۔ اور اپنی نجات کو کسی اور سبب کا مرہونِ منت قرار دے دیتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

مِنَ السَّمَآءِ۔ اس آیت میں نصیحت کے لئے خداوند کریم نے اپنی قدرت اور دنیا کے فنا و تغیر کی ایک مثال دی ہے جس طرح بارش کے بعد زمین کی سرسبزی سے مالکانِ زمین توقعات

وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۶﴾

ان کے چہروں کو سیاہی اور خواری وہی جنت والے ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ مَا لَهُمْ

اور جن لوگوں نے کمائی برائیاں تو بدلہ برائی کا اس جیسا ہوگا اور پہنچے گی ان کو خواری نہیں ہوگا

مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ

ان کا اللہ سے کوئی بچانے والا ایسا معلوم ہوگا کہ ڈھانپے گئے ہیں ان کے چہرے رات کے سیاہ ٹکڑوں سے

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا

وہی دوزخ والے ہوں گے کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے

ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ

پھر کہیں گے ان کو جو مشرک ہیں رہو اپنی جگہ پر ساتھ اپنے شریکوں کے پھر ان کو آپس میں جدا کرکے پوچھیں گے تو

وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿۲۸﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا

ان سے شریک بت کہیں گے کہ تم تو ہماری عبادت نہیں کرتے تھے پس کافی ہے اللہ گواہ ہم

وابستہ کرتے ہیں کہ اب اس سے خوب نفع اندوز ہوں گے لیکن خداوند کریم کسی آفت سماویہ یا ارضیہ کے ذریعے سے اس کی تمام آبادی و سبزی کو خشک اور برباد کر دیتا ہے۔ پس پوری زندگانی دنیا کا یہی انجام ہے۔ پس اس دنیا میں رہ کر دار آخرت کے لئے ہی ذخیرہ بنانا چاہیئے۔ جہاں فنا نہ ہو۔ اور یہ تغیرات قریب نہ آئیں اور اسی کو دار السلام سے تعبیر فرمایا۔ اور اسی کی طرف تمام انسانوں کو دعوتِ عامہ دی۔ اور یہ پیش کش بھی ساتھ ساتھ کر دی کہ نیکی کا بدلہ جزا سے زیادتی ملے گی خواہ دس گنا خواہ ہزار و لاکھ گنا اور خواہ بے حساب اور جنتیوں کے چہرے نورانی ہوں گے نہ ان پر کوئی میل ہوگی [illegible] خوش خوش شگفتے چہرے ہوں گے۔ اور جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جس کی آنکھ سے ایک قطرہ [illegible] خوفِ خدا کی وجہ سے گرے [illegible]۔ وہ شخص بروز محشر ذلت اور چہرہ کی سیاہی سے بچ جائے گا۔ اور اس کے برعکس بدکار کو اگرچہ سزا برائی کے برابر ملے گی۔ لیکن اس [illegible] چہرہ سیاہ اور بدنما ہوگا۔ جیسے کہ رات کا ٹکڑا۔ اور اسی ظاہری حلیے سے تمام اہل محشر جان لیں گے کہ کون جنتی ہے۔ اور کون جہنمی ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ۔ جب تمام اہل محشر اکٹھے ہوں گے تو مشرکین کو اپنے شرکاء کے ہمراہ ایک جگہ کھڑا کیا جائے گا۔ اور

رَبِّكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ

اور تم ہیں کہ تحقیق ہم تمہاری عبادت سے بے خبر تھے ۔ وہاں جانے گا ہر

نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

نفس جو اس نے بھیجا اور پلٹائے جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا مولائے حق ہے اور باطل ہوگا ان سے جو وہ

يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ

افترا کرتے تھے ۔ کہہ دو کون تم کو رزق دیتا ہے آسمان و زمین سے ۔ یا کون مالک ہے کان

وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے

پھر ان کو الگ الگ کر کے سوال کیا جائے گا تو وہ وہی وقت ہوگا جب پیر و مرید ایک دوسرے سے تبرا کریں گے عبادت کرنے والے اور ان کے وہ بت جن کی وہ عبادت کرتے تھے ایک دوسرے سے بیزار نظر آئیں گے اور جب ان بتوں سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمہاری پرستش کی گئی تھی تو وہ ان کو شرمسار اور لاجواب کرنے کے لئے کہیں گے کہ ہم نے تم کو اپنی عبادت کے لئے کب کہا تھا۔ تم نے تو اپنی اغراض کی خاطر اور اپنی خواہش نفس کی اطاعت کے لئے ہماری پرستش کی تھی۔ پس وہ ہماری نہیں بلکہ درحقیقت تم نے ازراہِ سرکشی اپنے نفسوں کی اطاعت کی تھی اور بت وغیرہ اس وقت بقدرتِ خدا بول کر جواب دیں گے اور ان کو شرمسار کریں گے اور پھر آخر میں فیصلہ کے طور پر کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا شاہد ہے کہ ہمیں تمہاری عبادت کا علم ہی نہیں تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ جواب زبان حال سے ہو کہ جب ان کے پاس نہ قوت سامعہ تھی نہ باصرہ بلکہ وہ بے حس و حرکت پتھر یا درخت یا کچھ اور تھے تو بھرے میدان میں ان کی حالت کذائیہ خود بخود زبان حال ہوگی۔ اور جب دیکھیں گے کہ خدا کی عبادت کرنے والے اور توحید سے تمسک رکھنے والے نعیم جنت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو ان کی حسرت میں اور اضافہ ہوگا کہ کاش ان بے حس و حرکت پتھروں یا قبروں کی بجائے خدائے واحد کی عبادت کی ہوتی۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ اس وقت ہر شخص کو پتہ چلے گا کہ میں آخرت کے لئے کیا کچھ بھیج چکا تھا اور کیا کچھ بھیجنا چاہیے تھا وہاں دنیا کی افترا پردازیاں اور حیلہ سازیاں کام نہ آئیں گی۔

رکوع نمبر ۹ توحید کا بیان

اس سے قبل وجودِ خدا پر دلائل قائم ہوئے اور پھر دعوت عبادت دی گئی - اس رکوع میں شرک سے روکنے کے لئے توحید کو ثابت کیا گیا ہے اور سب سوالیہ فقرے اس واسطے استعمال کئے ہیں تاکہ مطلب عام فہم ہو۔ اور اچھی طرح ذہن نشین ہو سکے۔

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ

اور کون تدبیر کرتا ہے امر کی تو کہتے ہیں کہ اللہ پس کہہ دو پھر کیا تم اُس سے ڈرتے نہیں ہو؟ پس یہ ہے اللہ تمہارا

رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ

سچا پروردگار پس نہیں بعد حق کے مگر گمراہی پھر کہاں جاتے ہو؟ اسی طرح

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

سچی ہے بات تیرے رب کی ان لوگوں کے متعلق جو فاسق ہیں تحقیق وہ ایمان نہیں لاتے

(۱) تمہیں آسمان سے مینہ برسا کر اور زمین سے پیداوار اُگا کر رزق کون دیتا ہے؟

(۲) کان اور آنکھیں تمہیں کس نے دی ہیں اور ان کا مالک کون ہے؟ یہ سوال اگرچہ معمولی سا ہوتا ہے لیکن درحقیقت بہت بڑا سوال ہے۔ اور اس میں غور و فکر کے لئے بڑی راہیں کھلتی ہیں۔ اول تو تمام اعضائے بدن میں سے صرف کان اور آنکھوں کو مخصوص فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حیوانی زندگی اور کمال بشری کا دار و مدار انہی دونوں پر ہے کہ آنکھوں سے دیکھ کر اور کانوں سے سن کر ہی انسان کسی میدان میں قدم رکھ سکتا ہے۔ گویا کسبِ علوم بلکہ تحصیل جملہ مطالب کا ذریعہ یہی دونوں ہیں۔ جب کوئی بات کرنے والا بات کرتا ہے تو حکمتِ خداوندی اور تدبیر ایزدی یہ ہے کہ آواز کی رسائی کی حدود تک کی جملہ ہوا ان الفاظ کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔ پس وہاں جس قدر بھی کان ہوں وہ الفاظ اپنے صحیح اندازے سے ان میں سپرد کردہ قوتِ سامعہ میں نقش ہو جائیں گے۔ پھر قوتِ سامعہ اس کو حس مشترک تک پہنچا کر اپنا فریضہ ادا کرے گی۔ پس ہوا اس پر مسخر ہے کہ ہر زبان میں ہونے والی بات کے سانچے میں فوراً ڈھلتی جائے۔ تاکہ قوتِ سامعہ اسے بعینہٖ جذب کرتی چلی جائے۔ اسی کے متعلق پوچھتا ہے کہ وہ کون ہے جس نے ہوا میں یہ تدبیر اور نظام محکم پیدا کیا۔ اور قوتِ سامعہ کو آوازوں کی شناخت اور ان کو اپنے اصلی رنگ و وضع میں حاصل کرنے اور حس مشترک تک بھیجنے کی صلاحیت بخشی؟ اور اسی طرح آنکھوں کو تمام دیکھنے کے قابل اشیاء کا عکس لینے کے قابل کس نے بنایا کہ اس کے رنگ حجم مقدار اور باقی ظاہری صفات کو جذب کر کے حس مشترک تک پہنچائے؟ سمع کو واحد اور ابصار کو جمع کے صیغوں میں لانے کی وجہ یہ ہے کہ سماعت کا ادراک صرف ایک چیز سے تعلق رکھتا ہے یعنی آوازیں۔ لیکن بصر کا ادراک مختلف رنگوں، شکلوں، جسموں، حجموں اور مقداروں سے ہوا کرتا ہے۔ نیز سمع مصدر ہے اور اس قوت کو باسم مصدر ہی موسوم کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں کسی خاص جانب کی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ جہات ستہ میں جہاں سے آواز آئے کان اسے بلا کلفت حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن بخلاف اس کے آنکھ صرف ایک سمت یعنی سامنے کی چیز کا ہی ادراک کر سکتی ہے۔ اور بس۔ پس انہی مناسبات سے کان کے لئے سمع کا واحد صیغہ کافی ہے۔ اگرچہ مراد کثرت ہو۔ کیونکہ مصدر کا اطلاق واحد و کثیر پر یکساں ہوا کرتا ہے۔ اور بصر میں چونکہ یہ بات نہیں ہے لہٰذا اس کی تعمیم و استغراق کے لئے جمع کا صیغہ

لانا پڑتا ہے۔

(۳) مردہ سے زندہ جیسے نطفہ سے حیوان، زمین میں بیج ڈالنے سے سبزیاں اور زندہ سے مردہ جیسے ذی روح حیوان کہ روح کے جانے کے بعد وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دانا اور لائق سے نالائق اور نالائق سے لائق یا نیک سے بد اور بد سے نیک وعلیٰ ہذا القیاس یہ سب کچھ کون کرتا ہے؟

(۴) تدبیر امر کون کرتا ہے؟ یعنی ارضی دستور، دریا، پہاڑ، زمینوں، وادیوں اور احجار و اشجار اور حیوان ونبات میں باہمی انس یا نفرت یا میل ملاپ اور انسانوں میں کلی نظام تمدن اور گٹھ جوڑ اور آسمانی نظام میں افلاک کی حرکت۔ سورج کی ضیا پاشی چاند کی تابانی اور سیارگان کی دستوری گردش۔ محاق، تربیع، کسوف اور خسوف کے حالات اور ہر ایک کی محوری حرکات اور پھر آسمان وزمین کے درمیان فضائی حالات ہوا کی تیزی تندی گرمی وسردی موسموں کی تبدیلی خزاں و بہار کے جداگانہ اثرات، بادلوں کی صف آرائی، بارشوں کا سماں اور لاتعداد جزوی کرشمہ ہائے قدرت جو منظر عام پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اور پھر کبھی کسی کا اپنی سپرد کردہ ڈیوٹی میں سرِ مو فرق نہ کرنا۔ اور ہر ایک کا ایک خاص نظام کے ماتحت مطیع و مسخر ہونا اور ایسی پُر از حکمت صورت میں ہونا کہ کسی ذی ہوش کے لئے جائے دم زدن باقی نہ رہے۔ یہ سب کچھ کس کی حسن تدبیر کا نتیجہ ہے؟ تو بلا تامل کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے۔ پس فوراً ارشاد فرماتا ہے کہ جب تمہیں یہ اعتراف ہے اور تمہاری ضمیر یہ بات تسلیم کرتی ہے تو پھر نافرمانی کرتے ہیں اس سے ڈرتے کیوں نہیں؟ پس جو ذات یہ سب کچھ کرتی ہے وہی تمہارا سچا پروردگار ہے اور اس اعتقاد کے علاوہ دوسرا اعتقاد رکھنا صاف گمراہی ہے۔ اور جس طرح یہ اعتقاد حق اور صحیح ہے۔ اسی طرح ان دلائل کو ٹھکرا کر اس کی حدود اطاعت سے خارج ہونے والوں کے لئے خدا کا کلمۂ عذاب بھی حق اور صحیح ہے۔

توضیح جس شخص کے پاس عقل سلیم اور فہم مستقیم ہے وہ اپنے خالق علیم وحکیم کا انکار نہیں کر سکتا۔ البتہ بعض سرپھرے لوگ صرف اپنی خواہشات نفسیہ سے مغلوب ہو کر اس عقل کے بدیہی فیصلہ سے باغی ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ عالم خود بخود پیدا ہو گیا ہے۔ اور یہ صرف دین سے بغاوت کی خاطر ہی انہوں نے اقدام کیا ہے۔ کیونکہ دین کسی کو شرافت وتہذیب کے دائرہ سے نکل کر آوارہ زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دیتا تو دنیا کے بندوں نے جب اپنے جذبات کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب دین کو دیکھا اور سمجھا کہ عیش کوشی، شہوت رانی اور نفس پرستی کے آزادانہ مشغلہ کے رستہ میں صرف دین کا تصور ہی سنگ گراں ہے تو وہ اس تصور کے دشمن بن گئے اور چونکہ اس کی بنیاد وجود خدا کے ثبوت پر تھی تو انہوں نے اس کے انکار کے لئے بہانے تلاش کرنے شروع کئے۔ کسی وقت مادہ کو قدیم کہا اور کسی وقت طبیعت کو خالق قرار دیا اور کبھی اتفاق کی پیداوار تمام کائنات کو ظاہر کیا۔ بہر کیف دشمنان خدا عقل سلیم کو قید نہیں کر سکتے اور نظام عالم کا اس پُر از حکمت صورت میں ظہور پذیر ہونا اور باقی و برقرار رہنا اپنے صانع حکیم کے وجود بلکہ اس کی توحید کی بولتی ہوئی زبان ہے جس سے ہر سلیم العقل اور صحیح الفطرت انسان بہرہ ور ہو کر اس کی یکتائی و بے ہمتائی کا قائل ہوتا ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ

کہہ دو کیا تمہارے شرکاء میں سے کوئی ہے جو ایجاد کرے مخلوق کی پھر پلٹا بھی سکے کہہ دو کہ وہ اللہ ہی ہے جو ایجاد

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي

کرتا ہے مخلوق کی پھر پلٹاتا بھی ہے پس تم کدھر جاتے ہو کہہ دو کیا ہے تمہارے شرکاء میں سے جو ہدایت کرے حق

إِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۗ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ

کی طرف تو کہہ دو کہ اللہ ہی ہدایت کرتا ہے حق کی تو جو ہدایت حق کی کرے زیادہ سزاوار ہے کہ اس کی پیروی کی

يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ ۖ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۵﴾

جائے یا وہ جو نہیں ہدایت کرتا بلکہ ہدایت کیا جاتا ہے تم کو کیا ہو گیا ہے کیسی باتیں کرتے ہو؟

وجودِ باری تسلیم کرنے کے بعد مشرکین میں متعدد خیالات پائے جاتے تھے اور اب بھی ہیں۔ کسی نے خیر و شر کے لئے نور و ظلمت کو الگ الگ خالق مانا۔ کسی نے عبادت میں اس کا شریک قرار دے دیا۔ پھر کسی نے فرشتوں کو کسی نے نبیوں کو کسی نے پیر و مرشد کو کسی نے چاند سورج اور ستاروں کو معبود بنایا۔ کسی نے درخت پانی یا پتھر کے بت تراش کر ان کے سامنے سجدہ کیا۔ کسی نے کچھ کیا اور کسی نے کچھ۔ بہرکیف ہر ایک نے من مانے جتن کئے۔ خداوندِ کریم آیت مذکورہ بالا میں ان مختلف اشیاء کی عبادت کرنے والوں سے بلا استثناء سوال فرماتا ہے کہ رزق کون دیتا ہے؟ آنکھ اور کان یعنی جملہ اعضائے بدن کا خالق کون ہے؟ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو کون پیدا کرتا ہے؟ اور تمام کائنات میں تدبیر کون کرتا ہے؟ اور یہی چار سوالات ایسے ہیں۔ جن کے اندر باقی اس قسم کے فروعی عقائد سب آجاتے ہیں۔ پس اگر ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ وہ صرف اللہ ہے تو بس وہی لائق عبادت ہے۔

مشرکین سے جب سوال کیا جاتا تھا کہ اللہ کو تسلیم کر کے پھر ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہو تو وہ کہتے تھے۔ کہ یہ قربِ خدا کا وسیلہ ہیں تو آیت نمبر ۱۸ میں اس عقیدہ کی تردید گذر چکی ہے لہٰذا شیعوں پر یہ اعتراض کرنا کہ وہ محمدؐ و آل محمدؐ کو خالق و رازق یا مدبر الامور مانتے ہیں۔ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے بلکہ شیعہ اور شیعہ کے آئمہ ایسے عقیدہ والوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ شیعہ کی کتب عقائد میں یہ مسئلہ مبرہن موجود ہے۔

قُلْ هَلْ۔ اسی سابق دلیل توحید کا تتمہ ہے فرماتا ہے جن کو تم لوگ میرا شریک بناتے ہو۔ ان میں سے کوئی ہے جو مخلوق کو پیدا کرے اور پھر ان کی موت کے بعد دوبارہ ان کو جلا سکے۔ اس کے بعد جواب میں خود فرماتا ہے کہ ایسا کوئی بھی نہیں ہے سوائے اللہ کے وہ ہی مارتا ہے اور مارنے کے بعد زندہ بھی کر سکتا ہے۔ لہٰذا بعض مقامات پر انبیاء کا بطورِ اعجاز کے

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْــــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور نہیں پیروی کرتے ان کے اکثر مگر گمان کی حالانکہ تحقیق گمان نہیں کفایت کرتا حق سے کچھ ۔ تحقیق اللہ

عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ

جاننے والا ہے جو وہ کرتے ہیں اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ افترا باندھا گیا ہو اللہ پر غیر کی

دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

جانب سے بلکہ اس میں تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے تھیں اور تفصیلی بیان ہے اس میں شک نہیں کہ

یا آئمہ طاہرین کا معجزہ کے طور پر مردہ کو زندہ کرنا اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ درحقیقت معجزہ خدا کا فعل ہوا کرتا ہے۔ آئمہ طاہرین یا انبیاء معصومین صرف دعا کرتے ہیں۔ اور خدا قبول فرما کر مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں شرک نہیں لازم آتا۔ پھر بُت پرست طبقہ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ تمہارے شرکاء یعنی جن کی تم عبادت کرتے ہو کیا وہ تمہیں حق کی طرف بلاتے ہیں تو ان کا جواب نہیں میں ہو گا کہ وہ بُت بے حس و حرکت کسی کو کیسے ہدایت کر سکتے ہیں۔ پس فرماتا ہے پھر ان کے سامنے جھکنے میں کونسی عقلمندی ہے بلکہ اطاعت اور پیروی کا سزاوار وہ ہے جو حق کا راستہ بتائے نہ وہ جس کو راستہ بتایا جائے۔

وَمَا يَتَّبِعُ ۔ جب دلیل و برہان سے ثابت ہو گیا کہ اللہ ہی عبادت کے لائق ہے اور مشرکین کے پاس اپنے باطل مذہب کی کوئی علمی وجہ توجیہ نہیں کہ وہ بیان کرتے تو خدا اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ اس کا علمی جواب نہیں دے سکتے۔ بس ظنّ و گمان ہی کی باتیں کرتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد ایسا کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس قسم کی باتوں میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ اور یہ کہ ان کے اکثر ظن و گمان کے پیچھے جاتے ہیں۔ گویا ان میں بعض مسئلہ کو سمجھنے والے بھی تھے لیکن وہ صرف عناد اور تکبر کی وجہ سے راہِ حق پر آنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

وَمَا كَانَ ۔ مشرکوں نے اعتراض کیا تھا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ ان کا اپنا بنایا ہوا ہے اور انہوں نے اس کے مضامین کے فسخ کی یا تبدیلی کی خواہش ظاہر کی تھی تو خدا ان کے مزعوم کی تردید فرماتا ہے کہ یہ ایسا کلام ہے کہ افترا ہو ہی نہیں سکتا بلکہ یہ تو کتب سابقہ کی تصدیق ہے یا یہ کہ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد آئندہ واقعات ہوں کہ قیامت کے حالات کی تصدیق ہے۔

تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ ۔ یعنی مسائل ضروریہ حلال و حرام کی تفصیل ہے۔ یا یہ کہ عقائدِ حقہ کی مفصل دلیلیں اس میں موجود ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ ۔ فرماتا ہے اگر خواہ مخواہ اصرار کریں کہ یہ خدا کا کلام نہیں تو ان کو کہو پھر تم کم از کم اس جیسا ایک سورہ تو بنا کر پیش کر دو پس تمہارا اس کے مقابلہ سے عاجز ہونا اس کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے اور تنہا نہیں بلکہ تمام دنیا کے فصحاء و بلغاء کی مدد حاصل کرنے کی بھی تمہیں اجازت ہے۔

مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ

جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے افترا کیا ہے تو کہہ دو لاؤ تو اس جیسا ایک سورہ

وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ

اور بلالو جتنے بلاسکتے ہو سوائے اللہ کے اگر سچے ہو بلکہ

كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

انہوں نے جھٹلایا اس کو جس کے علم کا احاطہ نہ کر سکے اور نہ آئی ان کے پاس اس کی تاویل ایسا ہی جھٹلایا انہوں نے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ

جو پہلے تھے پس دیکھو کیا انجام ہے ظالموں کا بعض ان میں

مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

سے اس پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض ایمان نہیں رکھتے اس پر اور تیرا رب جانتا ہے فسادیوں کو

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّا

اور اگر تجھے جھٹلائیں تو کہہ دو کہ میرے لئے اپنا عمل اور تمہارے لئے اپنا عمل ہے تم اس سے بیزار ہو جو میں

اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ اَفَاَنْتَ

کرتا ہوں اور میں اس سے بیزار ہوں جو تم کرتے ہو اور بعض ان میں سے کان دھرتے ہیں تیری طرف کیا تو

بَلْ كَذَّبُوْا - فرماتا ہے ان کی تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مطالب کا وہ صحیح احاطہ علمی نہیں رکھتے اور بفرمان علیؑ انسان جس کا جاہل ہو اُس کا دشمن ہوتا ہے الناس اعداء ما جھلو۔ اس لئے معصوم سے وارد ہے کہ جس کا تمہیں علم نہ ہو اس کی تردید نہ کرو اور جو بات تم نہ جانتے ہو وہ بیان نہ کرو۔ جیسا کہ مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے

رکوع نمبر ۱

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ - جب دلائلِ توحید اور دعوتِ عبادت اور بُت پرستی سے ممانعت کا بیان پُورا ہوا تو چونکہ جھٹلانے والوں کی زبان تو بند نہیں ہوتی تھی۔ پس خدا ارشاد فرماتا ہے کہ ایسے بیہودہ لوگوں سے دماغ سوزی کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس ان کو کہہ دیجئے کہ تم اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہو۔ اور میں اس سے بری ہوں جو کچھ تم کرتے ہو۔

وَمِنْهُمْ - یعنی ان میں سے بعض ایسے ہیں جو بنظرِ غائر آپ کی طرف توجہ سے دیکھتے ہیں لیکن طلب ہدایت کے لئے

تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ‌ؕ اَفَاَنۡتَ

تو تو کیا سنائے گا بہرے کو؟ اگر وہ عقل نہ رکھتے ہوں؟ اور بعض ان میں سے دیکھتے ہیں تیری طرف تو تو کیا

تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـًٔا

ہدایت کرے گا اندھوں کو اگر وہ نہ دیکھ سکتے ہوں؟ تحقیق اللہ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر کچھ

وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ يَلۡبَثُوۡۤا

لیکن لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور جس دن ہم اُن کو اکٹھا کریں گے ایسا لگے گا کہ نہیں رہے

اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ‌ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ

دنیا میں، مگر ایک گھڑی دن کی پہچانیں گے آپس کو تحقیق نقصان پایا جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو

وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعۡضَ الَّذِىۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ

اور نہیں تھے ہدایت پانے والے یا تو ہم تم کو دکھائیں گے بعض وہ جو ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے وفات دیدیں گے

نہیں بلکہ ازراہِ سرکشی تو چونکہ وہ عبرت و نصیحت کے لئے نہیں دیکھتے تھے لہذا باوجود دیکھنے کے ان کو اندھا کہا ہے اور فرمایا ان عقل کے اندھوں کو تم کیا نصیحت کرو گے؟

اِنَّ اللّٰهَ ۔ یعنی جب تک لوگوں پر اتمامِ حجت نہ ہوجائے خدا عذاب نہیں کرتا تو حجت پوری ہوجانے کے بعد اگر کوئی ازراہِ عناد و تکبر راہِ حق کو قبول نہ کرے تو گویا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور خود ہی جہنم کی بھٹی میں کود گیا۔ لہذا خدا نے اس پر ظلم نہیں کیا۔

وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ ۔ یہ ظرف یا تو يَتَعَارَفُوۡنَ سے متعلق ہے اور یا كَاَنۡ لَّمۡ يَلۡبَثُوۡۤا کے معنی سے متعلق ہے یعنی ان لوگوں کے احوال متشابہ ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے احوال سے جو دنیا میں صرف ایک گھنٹہ رہے ہوں۔ أي تشابه احوالهم يَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ ۔ گویا بروزِ حشر ایسا لگے گا کہ ہمیں دنیا میں صرف ایک گھنٹہ ہی رہنا نصیب ہوا تھا اور يَتَعَارَفُوۡنَ کا معنی یہ ہے کہ بروزِ حشر لوگ ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہوں گے۔

وَاِمَّا ۔ یعنی کفار و منافقین کے متعلق جو عذاب کا وعدہ ہم کرچکے ہیں یا تو تمہاری عین حیات میں ہوگا اور یا یہ کہ آپ وفات پاجائیں گے اور وہ بعد میں ہوگا۔ بہرکیف وہ عذاب سے نجات نہیں پاسکتے۔ آخر ان کی ہماری جانب ہی تو بازگشت ہے اور ہمیں پتہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ ۔ یعنی ہر اُمت کے لئے اتمامِ حجت اور دعوتِ حق کے لئے رسول آیا کرتا ہے پس خدا کسی اُمت کو

فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ

تو ہماری طرف ان کا رجوع ہوگا پھر اللہ گواہ ہے وہ جو عمل کرتے ہیں اور ہر گروہ کے لئے رسول

فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَ

آتا ہے پس جب آئے رسول ان کے پاس (اور اتمام حجت ہو جائے) تو فیصلہ ہوتا ہے ان کے درمیان عدل کا اور وہ نہیں ظلم کئے جاتے

يَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُل لَّا أَمْلِكُ

اور کہتے ہیں کب ہوگا وعدہ اگر تم سچے ہو کہہ دو میں نہیں مالک اپنے نفس کا

لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ

ضرر اور نفع ہیں مگر وہ جو چاہے خدا ہر امت کے لئے ایک مدت ہے جب ان کی مدت

أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ

آجائے تو نہ موخر ہو سکتے ہیں ایک گھنٹہ اور نہ مقدم ہو سکتے ہیں کہدو کہ کیا تمہیں خبر ہے

بغیر دعوتِ حق کے نہیں چھوڑتا۔ اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ہر زمانہ میں حجتِ خدا کا وجود ضروری ہے اور مذہب شیعہ کا یہی عقیدہ ہے۔ اور اتمامِ حجت کے بغیر کسی سے باز پرس یا عذاب خلافِ عدل ہے۔

فَإِذَا جَاءَ۔ پس جب رسول آجائے اور حق و باطل سمجھا کر ان کو حق کی دعوت دے پھر وہ لوگ ازراہِ عناد و سرکشی اس کی دعوت کو ٹھکرادیں تو وہ مستحقِ عذاب ہوں گے۔ ورنہ اتمامِ حجت کے بغیر ان کو گرفت کرنا ظلم ہے اور خدا ظلم نہیں کرتا۔

وَيَقُولُونَ۔ یعنی وہ لوگ (کفار) عذاب کے وقت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کب ہوگا تو ان کے جواب میں کہہ دو کہ میں تو اپنے نفس کے نفع و نقصان کا بھی مالک نہیں ہوں مگر اتنا کہ خدا چاہے اور یہ کہ ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے تو ایک لمحہ نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ لہٰذا میرے پاس تمہارے عذاب یا موت کی تاریخ معین موجود نہیں ہے۔ اور جناب رسالت مآبؐ سے خدا کا کہلوانا کہ میں تو اپنے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں جُہلاء کو تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ وہ بھی خدا کو ہی اپنے نفع و نقصان کا مالک جانیں۔ اور نفع حاصل کرنے یا تکلیف کے دور کرنے کی دعا محمدؐ و آلِ محمدؐ کے وسیلہ سے خدا سے ہی مانگیں اور یہ اعتقاد رکھیں کہ کسی کو تکلیف اللہ کی جانب سے پہنچتی ہے اور تکلیف کو دُور کرنے اور نفع پہنچانے پر بھی وہی قادر ہے۔

قُلْ۔ یعنی ان سے کہہ دو کہ عذاب تو اپنے وقت پر ہی آئے گا۔ خواہ دن ہو گا یا رات۔ لیکن تم کیسے عذاب کی جلدی

إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۰﴾

اگر آئے تم پر اس کا عذاب رات کو یا دن کو تو کونسے عذاب کی جلدی چاہتے ہیں مجرم لوگ ؟

أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۵۱﴾

کیا جب واقع ہوگا تو ایمان لائیں گے اس پر اب ؟ (ایمان لاتے ہو) حالانکہ تم اس کی جلدی چاہتے تھے

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا

پھر کہا جائے گا ظالموں کو کہ چکھو دائمی عذاب تمہیں نہیں جزا دی جاتی مگر وہ جو

كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ

کماتے تھے اور تجھ سے خبر چاہتے ہیں کہ کیا سچ ہے وہ ؟ کہہ دو ہاں خدا کی قسم تحقیق وہ

لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي

سچ ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے اور اگر ہر وہ نفس جو ظالم ہے زمین کی تمام چیزوں کا مالک

الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۖ وَ

ہو تو اس (عذاب) کے فدیہ میں دیدے اور چھپائیں گے ندامت کو جب دیکھیں گے عذاب اور

قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۴﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي

فیصلہ ہوگا ان میں عدل کا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا تحقیق اللہ کے لئے ہے جو کچھ

چاہتے ہو کیونکہ عذاب تو ایسی شئ نہیں کہ اس کی خواہش کی جائے۔ ہاں جب وہ واقع ہوگا تو تمہیں مجبوراً ماننا پڑے گا۔ اور خدا کی طرف جھکنا پڑے گا۔ لیکن اس وقت کا ایمان اور جھکنا کس کام کا ؟

آحَقٌّ هِيَ۔ تفسیر جامع میں بروایت صادقین علیہما السلام منقول ہے کہ اہل مکہ نے پوچھا تھا کہ علی کی امامت حق ہے۔ تو اس کا جواب ہے اور حدیث مشہور و معروف بلکہ متواتر علی مع الحق والحق مع علی بھی اسی سے موافقت رکھتی ہے۔

رکوع نمبر ۱۱ - قرآن روحانی وجسمانی امراض کا علاج ہے

وَلَوْ اَنَّ ۔ یعنی قیامت کی ہولناکی اور عذاب خدا کی شدت کا یہ عالم ہوگا کہ ظالم لوگ اگر پوری زمین اور اس کے اندر کی تمام موجودات کی ملکیت رکھتے تو اپنے پیش آنے والے عذاب کا فدیہ دینے میں تامل نہ کرتے۔

اَسَرُّوا النَّدَامَةَ وہ پیر لوگ اور لیڈر و قائد طبقہ جنہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا تھا بروز محشر جب عذاب خداوندی کا معائنہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

آسمانوں اور زمین میں ہے تحقیق اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ

جانتے وہی جلاتا اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پلٹوگے اے لوگو

قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَ

تحقیق آئی تمہارے پاس نصیحت اپنے رب سے اور شفا اس کی جو سینوں میں ہے اور

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ

ہدایت اور رحمت مومنوں کے لئے کہدو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پس اس کے ساتھ

کریں گے تو شرمسار ہوں گے۔ اور اپنے مریدوں اور مقتدیوں سے اس شرمساری کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن وہاں کیسے چھپ سکیں گے بلکہ وہاں تو صرف رسوائی ہی رسوائی ہوگی۔

یَآ اَیُّھَا النَّاسُ۔ آیت مجیدہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید روحانی اور جسمانی دونوں بیماریوں کا علاج ہے لہذا تمام نوع انسان کو اس آیت میں دعوت عام دی گئی ہے کہ اگر تم روحانی امراض کی شفا چاہتے ہو تو قرآن مجید تمہارے پروردگار کی طرف سے موعظہ حسنہ اور نصیحت کی کتاب ہے اس پر عمل پیرا ہو کر ہر قسم کی شفایابی حاصل کر سکتے ہو۔ اور اگر تم جسمانی طور پر درد و الم کی شکایت رکھتے ہو تو قرآن سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہے۔ اس کی آیات یا اس کے اجزا کی تلاوت بدنی تکالیف کو بھی رفع کر سکتی ہیں۔ چنانچہ تفسیر جامع میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت پیغمبر اکرمؐ سے اپنے درد سینہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا اس کا علاج قرآن سے کر لو۔ اور آپ نے یہی آیت پڑھی۔ گویا سینہ کے درد کے دفع کرنے کے لئے یہ آیت پڑھی جائے تو درد رفع ہو جائے گا۔ تو چونکہ قرآن کو روحانی اور جسمانی امراض کا علاج قرار دیا ہے اس لئے اس کو ھدًی و رحمۃ سے تعبیر فرمایا کہ روحانی امراض کے علاج کے لحاظ سے یہ ھدًی (ہدایت ہے) اور جسمانی امراض کے علاج کے لئے رحمت ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ۔ اس کی تاویل میں متعدد اقوال ہیں مثلاً فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد جناب رسالتمآبؐ یا فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد اسلام یا اس کا اُلٹ اور ایک روایت میں حضورؐ نے فرمایا کہ جس کو خدا اسلام عنایت کرے اور قرآن کا علم بھی دے پھر وہ فقر و فاقہ کی شکایت کرے تو روز محشر تک اس کی پیشانی پر خدا فقر و فاقہ لکھ دے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت امام محمد باقرؑ سے اس آیت کی تاویل یہ منقول ہے کہ فضل سے مراد جناب

فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

خوش رہو یہ اچھا ہے اُس سے جو جمع کرتے ہو کہہ دو کیا تم نے دیکھا ہے کہ جو اتارا اللہ نے

لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ

تمہارے لئے رزق پس بنا لیا تم نے اس سے کچھ حرام اور کچھ حلال کہہ دو کیا اللہ نے اجازت دی تمہیں

اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

یا خود اللہ پر بہتان باندھتے ہو اور کیا خیال ہے ان کا جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹا

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

قیامت کے دن ؟ تحقیق اللہ تو صاحب فضل ہے لوگوں پر لیکن ان کے اکثر شکر

يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا

نہیں کرتے تم کہیں کسی حالت میں ہو اور کچھ بھی قرآن پڑھو

رسولؐ خدا ہیں اور رحمت سے مراد حضرت علی ابن ابی طالب ہیں (مجمع البیان)

فَبِذٰلِكَ - نحوی قواعد کے لحاظ سے بذالک بدل ہے بفضل اللہ سے یعنی اللہ کے فضل و رحمت کو ہی خوشی کا باعث سمجھنا چاہیئے نہ کہ مال و دولت کو اور یہ چیزیں تمہارے جمع کردہ مال سے بہتر ہیں اور بروایت تفسیر جامع کافی میں ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے آل محمدؐ کی ولا دنیاوی جمع کردہ مال سے خوب تر ہے۔ اور حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ رسالتمآبؐ کی نبوت کا اقرار اور علی و اولاد علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار دنیاوی مال خزانوں سے بہتر ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ - یہ اہل کتاب یہود کے لئے سرزنش ہے جنہوں نے حیوانوں میں اپنی خواہشات کی بنا پر کچھ حلال اور کچھ حرام بنا رکھے تھے کہ کوئی مردوں پر حلال اور عورتوں پر حرام اور کسی کا بعض حصہ حلال اور بعض حصہ حرام وغیرہ۔ اور یہ سب کچھ اپنی خواہش نفس سے تھا۔ انہی کے متعلق فرماتا ہے کہ حلال و حرام کی اس تقسیم کی تمہیں کس نے اجازت دی۔ کیا خدا کا کوئی حکم اس نوعیت کا تمہارے پاس پہنچا ہے؟ اور اگر نہیں تو پھر اس قسم کے بہتان کیوں باندھتے ہو۔ اور اس کی تفصیل تفسیر کی پانچویں جلد سورہ مائدہ کی تفسیر میں مذکور ہو چکی ہے۔

رکوع نمبر ۱۲

وَمَا تَكُوْنُ - آیت مجیدہ میں خداوند کریم اپنے علم کلی کی وضاحت فرماتا ہے تاکہ مومنین جس مقام پر ہوں اور جس حالت میں ہوں وہ یہ سمجھیں کہ خدا ہمارے ساتھ ہے پس کسی وقت بھی خدا کے بھروسہ سے باہر نہ جائیں۔ اور تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب جناب رسالتمآبؐ

تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ

اور جو بھی عمل کرو ہمیں اس کی پوری خبر ہے جب تم اس میں گھستے ہو اور نہیں غائب

عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ

تیرے رب سے کوئی چیونٹی کی مقدار نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں اس سے کوئی چھوٹی چیز

ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ

اور نہ بڑی مگر یہ کہ وہ لوح محفوظ میں موجود ہے تحقیق اللہ کے اولیاء پر نہ کوئی خوف ہوگا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ

اور نہ وہ محزون ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے

الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ

خوشخبری ہے زندگانی دنیا میں اور آخرت میں بھی نہیں تبدیلی اللہ کے وعدہ میں

اس آیت مجیدہ کی تلاوت فرماتے تھے تو بہت گریہ کرتے تھے۔

اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ۔ مجمع البیان امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ وہ ہیں جو فرائض خداوندی کو ادا کریں۔ اور سنّتِ رسول پر عمل پیرا ہوں۔ خدا کی حرام کردہ اشیاء سے بچیں۔ دنیا میں زہد کریں اور آخرت میں رغبت کریں۔ اپنے گذارا کے لئے حلال رزق کمائیں نہ کہ فخر و تکبر کی خاطر اور پھر اس سے حقوق واجبہ ادا کریں۔ پس ان لوگوں کے کسب میں خدا برکت دے گا اور آخرت میں اس کی ان کو جزائے خیر دے گا۔

خداوند کریم نے اولیاء اللہ کی جامع تعریف یہ کی ہے کہ جو ایمان لائیں اور تقوےٰ اختیار کریں۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى۔ تفسیر مجمع البیان اور جامع میں عقبہ بن خالد سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا اے عقبہ بروز قیامت خداوند کریم بندوں سے کوئی دین قبول نہیں کرے گا سوائے اس دین کے جو تمہارا (شیعوں کا) ہے اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک میں صرف یہی دیر ہے کہ جب روح کے نکلنے کا وقت ہوگا تو سرہانے حضرت پیغمبرؐ اور حضرت علی پہنچیں گے۔ حضرت رسولِ اکرمؐ فرمائیں گے کہ میں تیرا رسول ہوں اور دنیا میں تیرے پیچھے چھوڑے ہوئے ترکہ سے میں بہتر ہوں پھر حضرت علیؑ فرمائیں گے۔ میں علی بن ابی طالب ہوں جس کی تو ولا د محبّت رکھتا تھا۔ آج تجھے میری دوستی فائدہ دیگی پس آپ نے فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے قرآن مجید میں موجود ہے۔ عقبہ کے پوچھنے پر آپ نے یہی آیت تلاوت کہ اولیاء اللہ کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی جائے گی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مومن جب قبر میں جائے گا تو اس کی قبر

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ

یہ ہی بڑی کامیابی ہے اور تجھے نہ غمزدہ کریں ان کی باتیں کیونکہ عزت اللہ کے پاس ہے

جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ

سب وہ سننے جاننے والا ہے تحقیق اللہ کے لئے ہے جو بھی آسمانوں اور زمین

فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ

میں ہے اور وہ جو اتباع کرتے ہیں ان کی جنہیں پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ نہیں اتباع کرتے

اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ

مگر گمان کی اور وہ صرف تخمیناً ہی ایسا کرتے ہیں وہ وہ ہے جس نے بنایا رات کو کہ تم اس میں

لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾

آرام کرو اور دن کو دیکھنے کے لئے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں

سے ایک دروازہ جنت کی طرف کھل جائے گا۔ (مجمع البیان)

وَفِی الآخرۃ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ قبروں سے نکلتے ہی فرشتے ان کو جنت کی بشارت دیں گے اور قیامت کے میدان میں بھی ان کو جنت کی بشارت دیں گے۔ یعنی وقتاً فوقتاً جنت میں داخل ہونے تک ان کو بشارتیں اور مبارکبادیوں کے پیغامات ملتے رہیں گے۔

وَلَا یَحْزُنْکَ۔ کفار و مشرک خواہ مخواہ اپنی بدباطنی اور حسد و بغض کے اظہار کے لئے حضورؐ کے متعلق زبان طعن کھولتے تھے کہ یہ شاعر ہے کبھی دیوانہ کہتے تھے کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ بہر کیف حضور کو تکلیف پہنچانے میں وہ کمی نہ کرتے تھے تو خداوند کریم اپنے حبیب کی ان لفظوں میں تسلی فرما رہا ہے کہ آپ مطمئن رہیئے آپ کا وہ بگاڑ کچھ بھی نہیں سکتے کیونکہ عزت اور غلبہ میرے ہاتھ میں ہے میں ان کی مکاریوں کا خود ہی علاج کروں گا۔

مَا یَتَّبِعُ۔ اگر اس ما کو نافیہ بنایا جائے تو بعد میں اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اس سے بدل ہوگا۔ یعنی یہ لوگ ماسوا اللہ کی اطاعت صرف ظن اور تخمین کی بنا پر کرتے ہیں کہ چونکہ ہمارے آبا و اجداد ایسا کرتے تھے ورنہ ان کے پاس دلیل کوئی نہیں ہے۔ اور اگر اس کو موصولہ بنایا جائے تو معنی وہی ہوگا جو تحت اللفظ موجود ہے۔ اور محل اعراب نصب ہوگا کیونکہ اِنَّ کا اسم ہوگا اور اس کا عطف مَن پر ہوگا یعنی یہ لوگ بھی اللہ کی ملکیت کے اندر ہی ہیں جو غیر پرستی کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ما کو استفہامیہ ای شی کے معنی میں قرار دیا گیا ہے۔ یعنی یہ کیا کر رہے ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسرے شرکاء کو پکارتے ہیں تو یہ استفہام انکاری ہوگا۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

کہنے لگے بنا لیا اللہ نے بیٹا پاک ہے وہ وہ تو بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

نہیں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل کیا تم کہتے ہو اللہ پر ایسی بات جو تم نہیں جانتے

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ ؕ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا

کہدو تحقیق وہ لوگ جو افترا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹا نہ چھٹکارا پائیں گے معمولی فائدہ ہے دنیا میں

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

پھر تو ہماری جانب پلٹنا ہوگا پھر ان کو چکھائیں گے عذاب سخت بوجہ اس کے جو کفر کرتے تھے

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ ۔ اب رُخ کلام ان لوگوں کی طرف ہے جو خدا کے لئے اولاد ثابت کرتے تھے ان کی دو قسمیں تھیں ۔ (۱) کفار قریش جو یہ خیال کرتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں (۲) نصاریٰ جو حضرت عیسٰی کو خدا کا بیٹا کہتے تھے ۔ ان دونوں گروہوں کی تردید ہے کہ وہ غلط بکواس کرتے ہیں ۔ اور اس کا جواب تین طرح سے دیا ہے (۱) سُبْحٰنَهٗ اپنی تنزیہ بیان فرمائی ۔ اولاد اپنے والد کے مشابہ ہوا کرتی ہے اور خدا مشابہت سے پاک و منزہ ہے ۔ نیز اولاد کا ہونا حدوث کو چاہتا ہے اور خدا حدوث سے منزہ ہے ۔ نیز اولاد کا ہونا تغیر کو چاہتا ہے اور خدا اس سے بلند و بالا ہے ۔

(۲) هُوَ الْغَنِيُّ ۔ یعنی اولاد کا وجود احتیاج کو ثابت کرتا ہے اور وہ خدا جو تمام کائنات کا واحد مالک ہے اس کو کسی کی احتیاج کیا ہے تاکہ اولاد کی اس کو ضرورت ہو ؟

(۳) لَهٗ جن اشیاء کو خواہ فرشتے ہوں یا انبیاء وہ خدا کی اولاد سے تعبیر کرتے تھے ۔ وہ سب ملکیتِ خدا میں داخل ہیں اور مملوک اور اولاد الگ الگ ہوا کرتے ہیں جو چیز مملوک ہو وہ اولاد نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد باپ کی جنس سے ہوتی ہے نہ کہ غیر تاکہ مملوک بنے اور تمام کائنات اس کی مملوک ہے خواہ آسمان میں ہو ۔ جیسے فرشتے ۔ یا زمین میں ہو جیسے انبیا و اولیاء پس ان کو خدا کا ولد کہنا غلط اور بے دلیل ہے ۔ اور پیار و محبت میں مبالغہ کے لئے بمنزلہ اولاد کہنا بھی ناجائز ہے ۔ انہی وجوہ کی بنا پر جن کی بنا پر اس کے لئے اولاد کا تجویز کرنا باطل ہے ۔ پس ایسی باتیں صرف افترا پردازی اور بہتان طرازی ہیں ۔ جن کا انجام عذاب شدید ہوگا ۔

رکوع نمبر ۱۳ حضرت نوحؑ کا ذکر

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ ۔ پیغام توحید اور تبلیغ رسالت پر جب مشرکین مکہ نے جناب رسالت مآبؐ پر طعن و تشنیع شروع کی تو خداوند کریم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ

اور پڑھ ان پر خبر نوح کی جب اُس نے کہا اپنی قوم سے اے قوم اگر شاق ہے تم پر میرا ہونا

مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَ

اور نصیحت کرنا ساتھ آیات خدا کے تو اللہ پر میں نے بھروسہ کیا ہے پس اکٹھا کرو اپنی قوت کو اور

شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا

ساتھیوں کو اور نہ ہو تمہارا معاملہ تم پر پوشیدہ پھر بڑھو میرے (قتل کی) طرف اور نہ مہلت

تُنْظِرُونِ ﴿۷۱﴾ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا

دو پس اگر تم نہ مانو تو میں نے تم سے کوئی مزدوری تو نہیں لی۔ میری مزدوری تو میرے اللہ

عَلَى اللَّهِ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ

کے ذمہ ہے اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ ہوں تسلیم کرنے والوں میں سے پس انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ہم نے

وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اس کو نجات دی اور اس کے ساتھیوں کو کشتی میں اور کیا ہم نے ان کو قائم مقام (غرق ہونیوالوں کا) اور غرق کر دیا ان کو جو جھٹلاتے تھے ہماری آیات کو

نے جناب رسالت مآبؐ کے لئے تسلّی کے طور پر اور لوگوں کے لئے عبرت و نصیحت کے طور پر سابق انبیاء کی مثالیں پیش فرمانا شروع کر دیں اور تمام انبیاء میں حضرت نوح، حضرت موسیٰ اور حضرت یونس کی ہی مثالوں کا انتخاب فرمایا کیونکہ ان کے واقعات نہایت نتیجہ خیز اور بالکل صاف اور واضح طور پر منصف طبائع کے لئے مؤثر ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ وہ اس قسم کے جرأت مند دلیر اور نڈر مبلغ تھے کہ قوم کے انکار کے بعد ان کو صاف اور واشگاف الفاظ میں بیانگ دہل کہہ دیا کہ تم میرے وعظ سے کبیدہ خاطر ہوتے ہو اور میرا وجود تم نہیں برداشت کر سکتے تو میں اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے تم سے مرعوب ہو کر اپنا کلمہ حق چھوڑنے پر ہرگز تیار نہیں ہوں۔ تم بے شک سوچ سمجھ کر مشورہ کر کے میرے اوپر جو پہاڑ گرانا چاہتے ہو گرا دو۔ اور ذرّہ بھر بھی دیر نہ کرو۔ اور فرمایا تمہارا میں نے نقصان ہی کیا کیا ہے؟ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ اگر نہ مانو تو نہ سہی۔ کوئی تم سے فیس تو وصول نہیں کرتا تاکہ تمہیں اس کا رنج ہو۔ تم اپنا باطل نہیں چھوڑتے تو ہم اپنا حق کیوں چھوڑیں ہمیں اس کا اجر اللہ ہی دے گا۔ آخر نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے تکذیب کی اور غرق ہوئے اور ہم نے بذریعہ کشتی نوح کو اور اس پر ایمان لانے والی جماعت کو نجات دے کر ان کا قائم مقام بنایا۔ پس یہی انجام ہوتا ہے نہ ماننے والوں کا۔ اور

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَىٰ

پس دیکھ کیا انجام گذرا ان کا جنہیں ڈرایا گیا (لیکن نہ مانے) پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد رسولوں کو اپنی قوموں کی

قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ

طرف پس وہ آئے دلیلیں لے کر پس نہ ایمان لانے والے بنے ساتھ اس کے جسے جھٹلا چکے تھے پہلے اسی

قَبْلُ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ

طرح ہم مہر لگاتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد

مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا

موسیٰ و ہارون کو فرعون اور اس کے سرداران قوم کی طرف اپنی آیات دیکر تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم

مُجْرِمِينَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ

لوگ تھے پس جب آیا ان کے پاس حق ہماری جانب سے تو کہنے لگے تحقیق یہ ظاہر

مُبِينٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَٰذَا

جادو ہے فرمایا موسیٰ نے کیا تم کہتے ہو حق کو جب تمہارے پاس آیا کیا یہ جادو ہے حالانکہ

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ﴿۷۷﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

نہیں چھٹکارا پاتے جادوگر کہنے لگے کیا تو آیا ہے تاکہ پھیر دے ہمیں اس دین سے جس پر

حضرت نوح کا ذکر تفسیر کی چھٹی جلد ص۱۴۴ تا ص۱۶۰ میں بھی مذکور ہو چکا ہے اور مفصل ذکر اسی جلد میں سورہ ہود کی تفسیر میں آئے گا۔ ص۲۰۳ تا ص۲۱۹ ملاحظہ ہو۔

حضرت موسیٰؑ کا ذکر رُسُلًا۔ یعنی حضرت نوح کے بعد یکے بعد دیگرے متعدد پیغمبر آتے رہے اور جھٹلانے والے جھٹلاتے رہے۔ اور بار بار کی نافرمانیوں سے دل اس قدر تاریک ہو جاتا ہے کہ پھر نصیحت کو قبول ہی نہیں کرتا گویا کہ اس پر گمراہی کی مہر لگ جاتی ہے اور اس کو طبع یا ختم کے لفظ سے قرآن میں تعبیر کیا گیا ہے۔ اور خدا نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ وہ مجبور نہیں کرتا اور اس کی مزید وضاحت تفسیر کی دوسری جلد میں ص۶۵ سے ص۶۷ تک مسئلہ قضا و قدر اور جبر و تفویض میں پوری تفصیل سے موجود ہے

اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

ہم نے اپنے آبا کو پایا تھا اور ہو تمہارے لئے بڑائی زمین میں اور ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

اور کہا فرعون نے لاؤ میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو پس جب آئے جادوگر

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ

تو کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو پس جب وہ ڈال چکے تو فرمایا

مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ

موسےٰ نے وہ جو لائے ہو تم جادو تحقیق خدا اسے باطل کرے گا تحقیق اللہ نہیں کامیاب کرتا

جَآءَهُمُ الْحَقُّ ۔ حضرت موسےٰ علیہ السّلام کے معجزات کو حق کا نام دے کر خدا نے اپنی جانب منسوب فرمایا اور اس سے یہ تنبیہ کر دی کہ معجزات کا فاعل نبی نہیں ہوا کرتا بلکہ میں ہوا کرتا ہوں۔

لَا يُفْلِحُ ۔ یعنی جادوگروں کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ تو صرف نہ جاننے والے لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دیا کرتے ہیں اور میرے معجزات دلائل کے ساتھ ہیں۔ لہذا ان کو جادو کہنا صرف حسد اور کور باطنی ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا ۔ جب موسیٰ کے جواب سے عاجز ہوئے تو کہنے لگے تو ہمیں اپنے باپ دادا کے مذہب سے ہٹانا چاہتا ہے اور زمین میں حکومت کرنا چاہتا ہے لہٰذا ہم تیری بات ہرگز نہ مانیں گے۔

فِرْعَوْنَ ۔ ہر دور میں باطل حق سے نبرد آزما رہا ہے لیکن حق والوں نے حوصلہ شکن حالات میں بھی حق کا ساتھ دیا اور آخر کار حق کی فتح ہوئی اور باطل کے بلند و مضبوط پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر حق کے قدموں میں گر گئے یا حق کے ہمہ گیر سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ موسیٰ نے جب اژدہا کا معجزہ دکھایا تو فرعون اپنے دور کے عام چرچے کے ماتحت یا اپنے اقتدار کو بچانے کی خاطر اسے جادو کہنے پر مصر ہوا۔ اور موسیٰ کے مقابلہ کیلئے اس نے جادوگروں کو جمع کرا لیا۔ چنانچہ جب جادوگروں نے اپنی رسیوں پر منتر پڑھا یا جادو کیا تو بہر کیف لوگوں کی نظروں میں وہ چلتے پھرتے سانپ بن گئے۔ ادھر حضرت موسےٰ نے بہ حکم خداوندی عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ اژدھا بن گیا اور ان سب جادو کے سانپوں کو کھا گیا اور حضرت موسیٰ کے پکڑنے سے حسب سابق عصا بن گیا۔ یہ وہ حقیقت تھی جس کو اقتدار کی ہوس کے اندھے نے آخر تک نہ مانا اور منصف طبع جادوگروں نے تسلیم کر لیا کہ موسیٰ کی طاقت مافوق البشر ہے۔ اور وہ خدائی نمایندہ ہے لہذا انہوں نے صرف ہار ہی نہیں مانی بلکہ کفر کا جوا گردن سے اتار پھینکا اور حضرت موسےٰ کے ہاتھ پر بیعت کر کے مسلمان ہو گئے اور اس قدر پختہ یقین سے اسلام لائے کہ ان کے حق

عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع۱۳

مفسدوں کے عمل کو اور ثابت کرتا ہے اللہ حق کو ساتھ اپنے حکم کے اگرچہ ناپسند کریں مجرم

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ

پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر مگر بچے اس کی قوم کے ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے سرداروں سے

اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

کہ کہیں فتنہ میں نہ ڈالیں اور تحقیق فرعون ایک متکبر تھا زمین میں اور تحقیق بے راہ رو تھا

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ

اور فرمایا موسیٰ نے اے قوم اگر تم ہو ایمان لائے اللہ پر تو اس پر بھروسہ کرو اگر

میں پھانسی کی سزا تجویز ہوئی تو موت کو گلے سے لگا لیا لیکن حق کو گلے سے الگ نہ کیا۔ مفصل بیان تفسیر کی چھٹی جلد ص۶۸ تا ص۷۷ میں دیکھیے۔

مَاجِئْتُمْ ۔ ما موصولہ مبتدا ہے اور فعل اس کا صلہ ہے اور السحر خبر ہے اس کی۔ حضرت موسےٰ کا تذکرہ ابھی اسی جلد میں سورۂ ہود میں بھی ہوگا ص۲۳۵

بِكَلِمٰتِهٖ ۔ یا تو اس سے مُراد وہ وعدہ ہے جو خدا نے موسےٰ سے کیا تھا یا اس سے مراد نوشتہ لوح محفوظ ہے کہ حق کو کامیاب کروں گا اور یا اس سے مُراد اُس کے کلام کی آیات ہیں جو بیان حق کے لئے اُترتی ہیں۔

رکوع نمبر ۱۴

مِنْ قَوْمِهٖ ۔ ھا ضمیر غائب کا مرجع فرعون بھی بن سکتا ہے اگر فرعون ضمیر کا مرجع بنے تو معنی یہ ہوگا کہ فرعون کی قوم کے چند بچے مومن ہوگئے ان کو ذرّیت یعنی بچے اس لئے کہا گیا کہ ایک سرکش اور ظالم مطلق العنان حکمران کے مقابلہ میں انتہائی کمزور تھے جس طرح بچہ کمزور ہوتا ہے۔ پس اس بارے میں چند اقوال ہیں۔ ۱۔ یہ کہ ان کی مائیں بنی اسرائیل سے تھیں اور باپ قبطی تھے۔ ۲۔ یہ کہ ان سے مراد آسیہ زنِ فرعون، مومن آل فرعون اور فرعون کی زوجہ کی مشاطہ ہو۔ ۳۔ یہ کہ بعض قبطی تھے جن کے والدین مسلمان نہ ہوئے اور اگر ضمیر غائب کا مرجع موسیٰ کو قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ موسیٰ کی قوم کی اولاد ایمان لائی لہٰذا اس میں بھی چند اقوال ہیں (۱) بنی اسرائیل کی ایک جماعت تھی جن کو فرعون نے جادو کی تعلیم دلوا کر اپنے خواص میں شامل کیا ہوا تھا (۲) یہ بنی اسرائیل تھے اور حضرت یعقوب جب مصر میں داخل ہوئے تھے تو ان کی اولاد ۷۲ نفوس پر مشتمل تھی لیکن اب وہ چھ لاکھ تک پہنچ چکے تھے (۳) موسےٰ جن لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے وہ سب کے سب مر چکے تھے کیونکہ زمانہ زیادہ گزر چکا تھا اور یہ لوگ ان کی اولاد تھے۔

مُسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ

مسلمان ہو تو کہنے لگے ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا اے رب نہ کر ہمیں آزمائش ظالم لوگوں کے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَا

لیے اور ہمیں نجات دے اپنی رحمت سے کافر لوگوں سے اور ہم نے وحی کی طرف

اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ

موسٰی کے اور اس کے بھائی کے کہ بناؤ اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر اور اپنے گھروں کو

قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ

قبلہ اور قائم کرو نماز کو اور خوشخبری دو مومنوں کو اور کہا موسٰی نے اے رب تو نے دی

اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِيُضِلُّوْا عَنْ

فرعون اور اس کے لشکر کو خوشحالی اور مال زندگانی دنیا میں اے رب تاکہ گمراہ کریں تیری

اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۔ یعنی ان کو ڈر تھا کہ کہیں ظالم فرعون ظلم و تشدد کر کے ہمیں فتنہ و مصیبت میں نہ ڈالے تاکہ دوبارہ ہمیں مرتد نہ ہونا پڑے۔

لَا تَجْعَلْنَا ۔ حضرت موسٰی کے جرأت دلانے سے وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم تو ہو گئے لیکن دعائیں مانگتے تھے۔ کہ پروردگارا! ہمیں ظالم لوگوں کی آزمائش گاہ نہ بنانا۔ یعنی ان کو ہم پر کامیابی نہ دینا۔ کیونکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ اگر موسٰی پر ایمان لانے والے حق پر ہوتے تو خدا ان کی مدد کرتا۔ لہٰذا تو ہماری نصرت فرما اور ان کافر لوگوں سے ہمیں نجات دے۔

اَنْ تَبَوَّاٰ ۔ یعنی ہم نے موسٰی و ہارون کو حکم دیا کہ مصر میں اپنی رہائش رکھ لو اور گھر بنالو۔

وَاجْعَلُوْا ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کی مساجد کو مسمار کر دیا تھا۔ پس خدا کا حکم ہوا کہ اپنے گھروں کو ہی قبلہ بنالو یعنی مساجد سمجھ لو اور وہیں نماز ادا کر لیا کرو۔ اور بعض مفسرین نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ اپنے گھروں کو ایک دوسرے کے مقابل بنالو۔

زِيْنَةً ۔ یعنی حضرت موسٰی علیہ السّلام نے قوم فرعون کے حق میں بددعا کی تھی جو مقبول ہوئی۔ کہ اے پروردگار تو نے ان کو زینت اور مال دے رکھے ہیں۔ زینت سے مراد سامان آرائش زیورات لباس اور عمدہ عمدہ بنگلے محل وغیرہ۔ پس وہ اسباب عیش کی فراوانی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں کو راہ راست سے گمراہ کرتے ہیں تو ان کے اموال کو تباہ کر دے تاکہ گمراہی کا یہ اہم سبب ان سے سلب ہو جائے اور ان کو ہلاک و برباد کر دے اُشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کا یہ

سَبِیْلِکَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا

راہ سے اے رب عذاب کر دے ان کے مالوں کو اور بند کر دے ان کے دلوں کی حرکت کو پس وہ ایمان نہیں لاتے

حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا فَاسْتَقِیْمَا

یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دردناک فرمایا تحقیق قبول کی گئی تمہاری دعا پس تم ڈٹے رہو

وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

اور نہ اتباع کرو ان لوگوں کے راستہ کی جو بے علم ہیں اور گذارا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا

الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَکَهُ

سے تو پیچھے لگا ان کے فرعون اور اس کا لشکر از راہ ظلم و سرکشی یہاں تک کہ جب غرق

معنی کیا گیا ہے کہ ان کے دلوں کی حرکت بند کر دے یعنی ہلاک کر دے کیونکہ یہ ایمان لانے والے نہیں جب تک کہ عذاب نہ دیکھیں پس وحی ہوئی کہ تمہاری دُعا مقبول ہے۔ پس تم اپنا کام کئے جاؤ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ موسےٰ و ہارون کی دُعا اور فرعون کے غرق ہونے میں چالیس سال کا فاصلہ تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے مستجاب کے لئے ضروری نہیں کہ فوراً ہی اس کا نتیجہ نکل آئے بلکہ یہ خدا کی مصلحت کے تابع ہے۔ مروی ہے کہ دعا مانگنے والا حضرت موسیٰ تھا اور ہارون آمین کہنے والے تھے۔ پس آخر کار فرعون غرق ہوا اور ان کے مال و خزائن خراب ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ان کا سونا ٹھیکریاں اور کنکر بن گئے تھے۔

تفسیر جامع میں ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں بھی طمس اموال کا واقعہ ہوا کہ ایک شخص نے حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں درخواست دی کہ میں نے کمال محنت سے اپنے لڑکے کی پرورش کی ہے۔ اب وہ جوان ہے اور میں بوڑھا ہوں اور مجھے خرچہ نہیں دیتا تو آپ نے لڑکے کو سمجھایا لیکن اُس نے کہا کہ میں غریب ہوں حضورؐ نے ایک ماہ کا خرچہ اپنی طرف سے دیا اور دوسرے ماہ میں بوڑھے کی شکایت پر لڑکے کو بلا کر تنبیہ فرمائی تو اُس نے وہی پہلا جواب دیا تو آپ نے فرمایا جاؤ۔ خدا تیرے مال کو ضائع کرے گا۔ چنانچہ اس کے تمام ذخائر گندم وغیرہ میں کیڑا پڑ گیا اور بدبودار ہو گئے اور مزدوروں کو بلا کر باہر پھینک دئے۔ جب مزدوری ادا کرنے کے لئے خزانہ کو دیکھا تو سب ٹھیکریاں اور سنگریزے تھے۔ خداوند کریم مومنین کی اولاد کو حقوق والدین ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

وَجٰوَزْنَا۔ یعنی ہم نے گذارا بایں طور کہ دریا کو خشک کر کے اُس میں بارہ راستے پیدا کر دئے۔

تفسیر جامع و مجمع البیان میں ہے کہ جب بنی اسرائیل نے موسےٰ سے درخواست کی کہ دعا مانگو کہ خدا فرعون کو تباہ

الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ

ہونے لگا تو کہا کہ میں مانتا ہوں کہ کوئی لائق عبادت نہیں مگر وہ جس کو مان چکے بنی اسرائیل

وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾

اور میں ہوں مسلمانوں میں سے (تو کہا گیا) اب جب کہ نافرمانی کر چکا پہلے اور تھا تو فساد کرنیوالوں میں سے؟

کردے کیونکہ وہ اس کے مظالم سے تنگ آچکے تھے پس موسیٰ نے دعا کی تو حکم ہوا کہ ان کو ساتھ لے کر نکل جاؤ۔ چنانچہ رات کو روانہ ہوئے۔ جب دن ہوا تو فرعون نے ان کا تعاقب کیا۔ دریائے نیل کے کنارہ پر پہنچے تو باذن خدا موسے نے عصا مارا۔ پانی شگافتہ ہوا۔ اور بارہ راستے پیدا ہوگئے۔ نیز ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے پانی کی دیواروں میں روشندان نما شگاف بھی بن گئے۔ پس ایمان والے گذر گئے اور جب لشکر فرعون پہنچا تو پانی میں عبور کرنے سے ڈر گئے تو جبریل بشکل انسانی ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور فرعون مشکی رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا۔ یہ گھوڑی کے پیچھے پانی میں اترا اور پھر لشکر بھی داخل ہوا۔ یہ واقعہ مفصلاً تفسیر کی دوسری جلد صہ پر مذکور ہے۔

قَالَ اٰمَنْتُ۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کسی واعظ سے سنا تھا ورنہ خود کسی کتاب میں نہیں دیکھا اور وہ یہ کہ جب موسےٰ کی دعا مستجاب ہوئی اور فرعون پر غرقابی کا عذاب حتمی قرار دیا گیا تو مزید اتمام حجت کے لئے ایک دن جبریل بصورت بشر ایک مقدمہ لے کر فرعون کے دربار میں داخل ہوا اور کہا کہ اگر کوئی غلام ایسا ہو جس پر اپنے آقا کا بڑا لطف و کرم ہو پس وہ غلام موقع پا کر اپنے آقا کے سب احسانات بھلا کر اس کے تخت و تاج پر قبضہ کرے۔ پھر ایسا غلام کسی وقت مغلوب ہو جائے اور وہی آقا جو پہلے بادشاہ تھا دوبارہ اپنا تخت سنبھالے اور سابق احسان فراموش غلام گرفتار ہو کر اس کے پیش کیا جائے تو بتائیے کہ وہ غلام کس پاداش کا مستحق ہے۔ فرعون نے فوراً جواب دیا کہ ایسا نمک حرام غلام کسی رحم و معافی کے قابل نہیں۔ پس اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو دریا میں غرق کر دیا جائے۔ چنانچہ جبریل نے کاغذ پیش کر کے یہی فیصلہ لکھوا لیا۔ اور اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ پس جب فرعون غرق کا وقت آیا تو موسےٰ اپنی قوم سمیت دریا سے پار ہو گئے اور فرعون کا پورا لشکر دریا میں اُتر آیا پس دریا کی موجیں مل گئیں اور وہ غرق ہوا۔ اثنائے غرق میں فرعون نے خدا سے معافی کی درخواست دی کہ میں اب مسلمان ہوتا ہوں۔ اور اس خدا کو مانتا ہوں جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے تو اُس وقت جبریل نے وہی اُس کے ہاتھوں کا لکھا ہوا فیصلہ اس کے سامنے کیا کہ ایسے غلام کی توبہ قبول نہیں۔ بلکہ وہ غرق ہونے کا مستحق ہے۔

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ۔ جب فرعون نے ایمان کا اظہار کرنا چاہا تو جبریل نے یہ لفظ کہہ کر اس کی بات کو ٹھکرا دیا کہ اب معافی مانگتا ہے جب گناہوں میں وقت گذار کر عذاب خدا میں گرفتار ہو چکا ہے۔ مروی ہے کہ اس کے بعد جبریل

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا

پس آج ہم نجات دیں گے بدن تیرے کو تاکہ ہو بعد والوں کے لئے نشانی اور تحقیق بہت

مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۹۲ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں اور تحقیق ہم نے ٹھکانہ دیا بنی اسرائیل

مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ

کو اچھا ٹھکانا اور ان کو رزق دیا پاکیزہ پس نہ اختلاف کیا انہوں نے یہاں تک کہ آیا

الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۹۳

ان کے پاس علم تحقیق تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان بروز قیامت جس میں وہ اختلاف کرتے تھے

کبھی خوش نہیں نظر آیا تھا کیونکہ اُسے خیال تھا کہ ممکن ہے خدا نے اس کی توبہ قبول کر لی ہو۔ اور میرا فرعون کو جواب دینا منظورِ پروردگار نہ ہو۔ جب جبریل یہ آیت لایا تو اُس دن اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار تھے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ اب خوش کیوں ہے حالانکہ اس سے قبل تجھے ہمیشہ میں نے غمناک دیکھا ہے تو اس نے عرض کی کہ فرعون نے جب کلمۂ توبہ کا اظہار کرنا چاہا تھا تو میں نے ایک گولہ اس کے منہ میں ڈال کر خاموش کر دیا تھا لیکن اُس وقت سے اب تک ڈرتا ہوں کہ یہ فقرہ میں نے بغیر اذنِ پروردگار کے کیوں کہا تھا۔ لیکن اب اُسی قول کو بصورتِ قرآن پہنچانے آیا ہوں تو مجھے تسلّی ہوئی ہے کہ خدا میرے اس قول پر راضی تھا۔

نُنَجِّيْكَ۔ یہ نجوہ سے ہے جس کا معنی ہے زمین میں بلند جگہ، پس اس کا معنی یہ ہے کہ ہم تجھے بلند جگہ رکھیں گے تاکہ دوسری اقوام کو تیرے انجام کا بخوبی پتہ چل سکے پس باقی لشکر پانی میں بہہ گیا اور فرعون کا بدن پانی کے اُوپر نکل آیا اور بعض نے کہا ہے کہ بدن کا معنی زرہ ہوتا ہے اور فرعون کی زرہ سونے کی تھی۔ اور معنی یہ ہے کہ ہم تجھے تیری زرہ سمیت بچائیں گے۔ پس وہ زرہ سمیت پانی کے اُوپر نکل آیا تو لوگوں نے پہچان لیا کہ فرعون مر چکا ہے اور اس وقت تک بنی اسرائیل فرعون کی موت کو نہیں مانتے تھے۔ اب دیکھا تو مان گئے۔ اور مصر جانے والوں سے سُنا ہے کہ اب تک فرعون کی لاش اہرام مصر میں محفوظ ہے جو دیکھنے والوں کے لئے باعث عبرت ہے۔

پس خدا کا وعدہ سچا ہوا کہ تیرے بدن کو یعنی صرف ڈھانچہ کو روح کے بغیر بچا لیں گے تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے عبرت و نصیحت اور خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی باقی رہے۔

رکوع نمبر ۱۵ ۔ وَلَقَدْ بَوَّاْنَا ۔ یعنی فرعون کے غرق ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانہ دیا۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ

پس اگر ہے تو شک میں اس سے جو ہم نے اتارا تجھ پر تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب

مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۹۴﴾

تجھ سے پہلے تحقیق آیا تیرے پاس حق تیرے رب سے پس نہ ہو شک کرنے والوں میں

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۹۵﴾

اور نہ ہو ان میں سے جنہوں نے جھٹلایا خدا کی آیات کو ورنہ ہو گا نقصان پانے والوں میں سے

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ

تحقیق جن پر ثابت ہوا تیرے رب کا کلمہ (عذاب) نہ ایمان لائیں گے اگرچہ

جَاءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۹۷﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ

آئیں ان کے پاس تمام نشانیاں یہاں تک کہ دیکھیں دردناک عذاب پس کیوں نہیں

فَمَا اخْتَلَفُوا۔ یعنی حضرت رسالتمآبؐ کی آمد تک انہیں کوئی اختلاف نہ تھا لیکن جب حضور تشریف لائے تو انہوں نے اختلاف کر دیا یہ یہود کی مذمت ہے۔

فَإِنْ كُنْتَ۔ یہ خطاب حضور کی جانب ہے۔ اور مراد اُمت ہے یا خطاب حضور سے ہے لیکن نہ اس لئے کہ آپ کو شک تھا بلکہ صرف تقریر کے لئے مثلاً کوئی اپنے بیٹے کو کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو فلاں کام کر و حالانکہ اس کے بیٹے ہونے میں شک نہیں ہوتا بلکہ کلام کی پختگی میں اضافہ کے لئے ایسا کیا جاتا ہے یا ہر مخاطب سے خطاب ہے۔ گویا زبانِ پیغمبر پر جاری کر کے فرمایا اے مخاطب اگر تجھے ان باتوں میں شک ہے تو سابق اہلِ کتاب سے دریافت کرو۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم کیوں دیا۔ حالانکہ وہ تو الٹا دشمن تھے تو جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو حکم ان اہل کتاب سے پوچھنے کا ہے جو مسلمان ہو چکے تھے۔ اور ثانیاً یہ سورہ مکیہ ہے اور مکہ والوں کو خطاب ہے کہ پیغمبر کے متعلق اگر اس کی باتوں یا قرآن کی آیتوں میں شک ہے تو اہلِ کتاب سے اس کی تصدیق کرا لو یا یہ کہ آیت مذکورہ شبِ معراج آسمانوں پر اُتری تھی اور وہاں سابق اہل کتاب مومنین کے ارواح سے پوچھنا ممکن تھا۔ اور یہ روایت تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔

حضرت یونسؑ کا ذکر

فَلَوْلَا۔ چونکہ اس سے قبل فرعون کے غرق ہونے کا تذکرہ تھا کہ اس نے اس وقت ایمان لانے کی خواہش ظاہر کی جب کہ عذاب میں گرفتار ہو چکا تھا تو اسی مناسبت سے

قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا

کوئی بستی ایمان لاتی ایسے وقت میں کہ نفع دے اس کو ایمان اس کا مگر قوم یونس کہ جب ایمان لائے تو دُور کر دیا ہم نے

عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

ان سے عذاب رسوائی کا زندگانی دنیا میں اور ان کو نفع دیا ایک وقت تک

فرماتا ہے کہ عذاب آجانے کے بعد کسی قوم کا ایمان قابلِ قبول نہیں ہوا۔ سوائے قوم یونس کے۔ پس آیت مجیدہ کا ترجمہ یوں ہوگا کہ کیوں نہیں ایمان لاتیں تو بیں درحالیکہ ان کو ایمان نفع دے۔ یعنی عذاب نازل ہونے سے پہلے۔ پس یہاں عبارت محذوف ہوگی۔ کہ عذاب نازل ہونے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں ہوتا۔ اور نہ عذابِ خدا ٹل سکتا ہے مگر حضرت یونس کی قوم کہ انہوں نے ایمان قبول کیا تو ان سے عذاب ٹل گیا۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یونس کی قوم میں ایک شخص عابد تھا جس کا نام ملیخا تھا اور ایک مردِ عالم تھا جس کا نام روبیل تھا جو عابد تھا وہ قوم کی سرکشی سے تنگ آکر حضرت یونس کو بددعا کا مشورہ دیتا تھا اور روبیل روکتا تھا۔ آخر کار۔ عابد کے مشورہ سے حضرت یونس نے بددعا کی جو قبول ہوئی۔ اور خدا نے عذاب کی تاریخ مقرر فرمادی۔ جب وقت قریب آیا تو حضرت یونس اس عابد کو ہمراہ لے کر ہجرت کر کے چلے گئے۔ لیکن وہ عالم ٹھہرا رہا۔ جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو عالم نے ان کو توبہ کا مشورہ دیا کہ جنگل میں چلے جاؤ۔ اور بچوں کو ماؤں سے مردوں کو عورتوں سے اور تمام حیوانات کو اپنی اولاد سے جدا کر کے نہایت گڑگڑا کر نہایت عاجزی وزاری سے توبہ کرو اور گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ شاید خداوند کریم معاف فرمادے۔ چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور عذابِ خدا دفع ہوگیا۔

موصل کے قریب ایک جگہ تھی جس کا نام نینوئی تھا۔ یہ وہاں کے باشندے تھے اور عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق ان کی توبہ کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے اپنے مظالم اور حقوق ایک دوسرے کو سب واپس کر دیئے حتیٰ کہ اگر کسی کے مکان میں دوسرے کا ایک پتھر لگا ہوا تھا تو اس نے اپنے مکان کو گرا کر اصل مالک کو اپنا پتھر واپس کر دیا۔ پس جب اس طرح خلوصِ نیت سے توبہ کی تو معافی مل گئی۔ روایت سابقہ کے مطابق حضرت یونس نے اپنا سفر جاری رکھا۔ دریا کے کنارہ پر پہنچے تو کشتی تیار تھی۔ سوار ہوئے تو وسط دریا میں ایک بڑی مچھلی نے سر نکالا اور کشتی کو روک دیا۔ ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام ہے لہٰذا قرعہ اندازی کی گئی تو سات دفعہ قرعہ حضرت یونس کے نام نکلا۔ پس اٹھ کھڑے ہوگئے اور اپنے آپ کو دے گئے۔ چنانچہ مچھلی نے اسے پیٹ میں رکھ لیا۔ ادھر مچھلی کو خدا کا حکم ہوا کہ یہ تیری خوراک نہیں لہٰذا اس کو ہضم نہیں کرنا بلکہ یہ امانت ہے اور تیرے شکم کو اس کا قید خانہ بنایا گیا ہے۔ بہرکیف تین دن یا سات دن

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ

اور اگر چاہتا تیرا رب تو ایمان لاتے جو زمین میں ہیں سب کے سب کیا تو مجبور کرتا ہے لوگوں کو

حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

کہ مومن ہو جائیں اور نہیں ممکن کسی نفس کو کہ ایمان لائے مگر خدائی توفیق سے

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور وہ کرتا ہے عذاب ان لوگوں پر جو نہیں سوچتے کہہ دو کہ دیکھو کیا کچھ ہے آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

زمین میں؟ اور نہیں فائدہ دیتی نشانیاں اور ڈرانا اس قوم کو جو ایمان نہ رکھتی ہو

یا چالیس دن باختلاف اقوال مچھلی کے شکم میں رہے۔ آبی مخلوق کی تسبیحات سنتے رہے۔ اور خود بھی زبان پر لَا اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کی تسبیح مسلسل جاری رکھی۔ حتیٰ کہ مچھلی نے دریا کے کنارہ پر اگل دیا۔ اسی کے متعلق ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت امیر علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ وہ کونسا قیدخانہ ہے جس نے اپنے قیدی کو سیر کرائی تھی تو آپ نے جواب دیا کہ وہ مچھلی ہے جس نے حضرت یونسؑ کو دریاؤں کی سیر کرائی۔ جب مچھلی نے اُگلا تو ان کا بدن بالکل ملائم ہو گیا تھا۔ پس خدا نے ایک کدو اگایا جس کے سایہ میں وہ رہے اور ایک ہرنی کو حکم دیا جو ان کو روزانہ دودھ پلا جایا کرتی تھی۔ ایک دن دیکھا کہ درخت کدو خشک ہو چکا تھا تو رونے لگے۔ پس وحی خداوندی ہوئی کہ ایک کدو کی شاخ کے لئے رو رہا ہے اور ایک لاکھ یا اس سے زیادہ انسانی نفوس کے ہلاک ہونے اور معذّب ہونے کے لئے دُعا مانگتا تھا۔ پس حضرت یونسؑ روانہ ہوئے۔ ایک نوجوان سے ملے جو بکریاں چرا رہا تھا۔ اس سے پُوچھا کہ تو کون ہے تو اُس نے جواب دیا کہ میں حضرت یونسؑ کی قوم کا ایک فرد ہوں تو آپ نے اس کو پیغام دیا کہ گھر جا کر اپنی قوم کو میری اطلاع دے دینا۔ چنانچہ اس طرح سے وہ واپس دوبارہ اپنی قوم میں پلٹے اور قوم والے خوش ہوئے اور ایمان لائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ بعد میں وہ کسی دوسری قوم کی طرف بھیجے گئے۔

وَلَوْ شَآءَ ۔ خدا ان واقعات کے بعد حضورؐ کو تسلّی دے رہا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو جبر کے ذریعے سے سب کو مومن بنا دیتا لیکن ایسا کرنا میری مصلحت کے خلاف ہے لہٰذا آپ بھی کسی کو مجبُور نہ کریں۔ اور فرماتا ہے کہ جو بھی ایمان کو قبول کرتا ہے وہ میری عطا کردہ توفیق سے کرتا ہے یہاں اذن سے مراد توفیق ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا ۔ اقوام گذشتہ مثلاً نوح و موسیٰ و یونس کی قوموں کے ذکر کے بعد دوبارہ آثار قدرت اور مظاہر حکمت میں غور کرنے کی دعوت ہے کہ آسمانوں اور زمین میں غور سے دیکھو تو سہی یہ نظام پُر از حکمت اور اس کی رنگینیاں خود بخود ایک صانع حکیم کی

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا

پس وہ نہیں انتظار کرتے مگر مثل ان لوگوں کے دنوں کے جو ان سے پہلے گذر چکے کہہ دو پس انتظار کرو

اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ

میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں پھر ہم بچالیں گے اپنے رسولوں کو اور ان کو جو ایمان لائیں اسی طرح

حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ

حق ہے ہم پر کہ نجات دیں مومنوں کو کہہ دے کہ اے لوگو اگر تمہیں شک ہے میرے دین

شَكٍّ مِّنْ دِيْنِىْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ

کے متعلق تو میں تو نہیں عبادت کرتا ان کی جن کی تم کرتے ہو اللہ کے علاوہ لیکن میں تو

ازلیت وابدیت کی طرف متوجہ کر کے اس کی عبادت کی طرف دعوت دینے کے لئے کافی ہیں۔

وَمَا تُغْنِىْ ۔ پھر خود فرماتا ہے کہ ہٹ دھرمی اور ضد کے عادی دشمنانِ ایمان کو یہ نشانیاں بلکہ رسولوں اور نبیوں کا عذاب اخروی سے ڈرانا بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا۔

فَهَلْ ؛۔ گویا یہ لوگ انہی ایام کا انتظار رکھتے ہیں جو پہلی تکذیب کرنے والی اقوام پر آئے تھے یعنی عذاب ہی کے منتظر ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضورؐ معراج سے واپس آئے اور صحابہ کو بتایا کہ میں بیت المقدس گیا۔ اور نبیوں سے ملاقاتیں کیں۔ اور براق پر سوار ہوا۔ اور اگر کوئی نہ مانے تو میں ایک نشانی بتلاتا ہوں اس کو نوٹ کر لو۔ اور وہ یہ کہ میں ابوسفیان کے قافلہ کے پاس سے گذرا تھا کہ فلاں مقام پر ان کا سرخ رنگ کا اونٹ وہاں گم ہو گیا اور وہ اس کو ڈھونڈھ رہے تھے قریشی یہ سن کر کہنے لگے کہ کسی تیز رو پیک نے اس کو بتا دیا ہو گا تو انہوں نے شام کے بازاروں اور دروازوں کے متعلق پوچھنا شروع کر دیا، آپ خاموش ہوئے تو فوراً جبریل نے وہ منظر پیش کیا۔ پس وہ جو کچھ پوچھتے گئے آپ بتلاتے گئے۔ اور باوجود اس سب کچھ کے بہت تھوڑوں نے اسلام قبول کیا۔ انہی کے متعلق خدا تسلی دے رہا ہے کہ آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ یہ لوگ بھی عذاب کا ہی انتظار کرتے ہیں۔

حَقًّا عَلَيْنَا ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ تم اپنے مرجانے والے کے متعلق جو ولائے اہلبیت پر مرا ہو جنّت کا یقین کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے ہم پر حق ہے مومنوں کو نجات دینا۔

رکوع نمبر ۱۶ ۔ اتمام حجّت ۔ قُلْ ۔ کفار کے لئے پھر دعوتِ فکر ہے کہ اگر تمہیں میرے دین کا مسئلہ سمجھ میں نہیں آ رہا تو یہ بات اس قدر گنجلک دار نہیں بلکہ سیدھی سادی بات ہے کہ میں ان کی عبادت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں جو

اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىكُمۡ ۚۖ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ

عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو تمہیں مارتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہو جاؤں مومنوں سے (اور مجھے کہا گیا ہے)

اَنۡ اَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا ۚ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا

کہ قائم کر اپنے منہ کو دین کے لئے جو سیدھا ہے اور نہ ہو مشرکوں میں سے اور نہ

تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنۡفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّكَ

پکار اللہ کے سوا ان کو جو نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اگر ایسا کرو گے تو ہو جاؤ گے

اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنۡ یَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ

ظالموں سے اور اگر تم کو پہنچائے اللہ کوئی تکلیف تو نہیں دُور کرتا اس کو مگر وہ

وَاِنۡ یُّرِدۡكَ بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ ؕ یُصِیۡبُ بِهٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ

اور اگر چاہے تیرے ساتھ اچھائی تو کوئی اس کے فضل کو نہیں روک سکتا دے جسے چاہے اپنے بندوں میں سے

اللہ کے سوا تم نے بنا رکھے ہیں بلکہ صرف اسی کی عبادت کروں گا جو موت پر قادر ہے۔ یہاں حیات کا ذکر نہ کیا اور موت کا ذکر کیا اس لئے کہ نفع کے مقابلہ میں انسان فطری طور پر نقصان کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے اور یہاں ان کو توجہ ہی دلانی تھی۔ وَاَنۡ اَقِمۡ۔ یہ اُمِرۡتُ کے ماتحت ہے یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مومن ہو جاؤں اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ دین پر ثابت قدم رہوں اور مشرک نہ ہوں۔ اور ایسوں کو نہ پکاروں جو اطاعت گذاروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور نافرمانوں کو سزا نہیں دے سکتے۔ اگر ایسا کرے گا تو ظالم ہو جائے گا۔

اس سے بہتر تبلیغ اور اتمام حجت کا اور کون سا طریقہ ہو سکتا ہے کہ صرف اپنا مذہب ہی بیان کیا اور مشرکین کے مذہب کے نقائص خود بخود سامنے آگئے اور تبلیغ کا طریقہ بھی یہی ہے کہ انسان اپنے مذہب کی صفائی بیان کرے اور اپنے عمل سے اس کی تصدیق کرے۔ غلط اور باطل مذہب والا خود بخود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر پشیمان ہو گا۔ اور آخر کار اپنا مذہب چھوڑ کر حق والوں کا ساتھ دینا ہو گا اور یہی احسن طریقہ ہے کسی کو راہ راست پر لانے کا۔

سورہ کا ملخص

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ۔ یہ سورہ یونس کی آخری آیتیں ہیں اور پوری دعوت کا آخری فیصلہ ہے۔ یعنی سورہ مجیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع میں اثباتِ خالق اور اس کے احسانات کا تذکرہ کر کے دعوت عبادت دی۔ اور پھر بت پرستی اور غیروں کی طرف جھکاؤ کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے توحید کے دلائل بیان کئے یعنی حق سے محبت اور باطل سے نفرت یا یوں کہا جائے کہ تولا اور تبرا کے دونوں پہلوؤں کو نہایت حسن اسلوبی سے بیان فرمایا

وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِن

اور وہ غفور رحیم ہے کہدے اے لوگ تحقیق آیا تمہارے پاس حق تمہارے

رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ

رب سے تو جو ہدایت پائے گا وہ ہدایت پائے گا اپنے فائدہ کے لئے اور جو گمراہ ہوگا تو وہ گمراہ ہوگا اپنے نقصان کے لئے

وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ﴿١٠٨﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ

اور میں نہیں تم پر چوکیدار اور تو اتباع کر اس کی جو وحی ہو تجھ پر اور صبر کر یہاں تک کہ

يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٠٩﴾ ع

فیصلہ کرے اللہ اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے

اس کے بعد جو لوگ جناب رسالت مآبؐ کو ایذا دیتے اور ان کے مشن کو خراب کرنے کی کوشش کرتے تھے تو آپ کو حلم کی تلقین کے لئے سابق اُمتوں کے حالات دُہرائے کہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ بس گذشتہ نبیوں کے قصے بلکہ ان میں سے خصوصاً حضرت نوح، موسٰے اور حضرت یونس کا ذکر کرکے حضورؐ کو تسلّی دی اور کافروں کو سابق غرق و تباہ ہونے والوں کے انجام بد سے متنبہ کیا۔ اور توبہ کی طرف راغب فرمایا۔ اور آخر میں پھر اسی دعوت کو ایک مرتبہ دہرا کر اتمام حجت فرمائی اور اب ان دو آیتوں میں یہ دو ٹوک فیصلہ سُنا دیا ہے کہ پروردگار کی طرف سے حق تم تک آچکا لہٰذا تم بروز محشر عذر نہیں کر سکو گے اور جو ہدایت قبول کرے گا وہ خود ہی اس سے نفع اٹھائے گا اور جو گمراہ ہوگا اس کا وبال وہ خود ہی برداشت کریگا۔ میں ان باتوں میں تمہارا پاسبان نہیں ہوں۔ اور آخر میں خدا کی طرف سے یہ تفہیم ہے کہ اے میرے حبیب تو وحی کے مطابق عمل کرتا جا۔ اور صبر و سکون سے کام چلائے جا۔ بعد کا فیصلہ اور انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ ہی اس کا اچھا فیصلہ کریگا۔ سورہ یونس کی تفسیر ختم ہوئی۔

والحمد للہ رب العالمین

سُورَہ ھُود

یہ سُورۂ مکیّہ ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ایک سوتیئس ہے۔ اس میں ۱۵،۱ لفظ اور ۷۵۶۷ حروف ہیں (تفسیر جامع) اور بسم اللہ کو ملا کر آیات کی تعداد ۱۲۴ ہو جائے گی۔

حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو سُورہ ہود پڑھیگا قیامت کے دن اس کا حشر پیغمبروں کے ساتھ ہوگا اور کوئی گناہ اس کے ذمہ باقی نہ رہے گا۔

حضورؐ اکرم سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ ہود کو پڑھے گا تو اس کے ساتھ جملہ تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کے برابر نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوں گی۔ اور اس کا رتبہ و مقام شہداء کے برابر ہوگا اور اس کا حساب آسان ہوگا۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جو شخص ہرن کی کھال پر لکھ کر اپنے پاس رکھے خدا اس کو ایسی ہیبت عطا کرے گا جو اس سے لڑے گا مغلوب ہوگا۔ اور جو اس کو دیکھے گا۔ خوف کھائے گا (جامع)

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو اسے پڑھے گا حضرت نوح۔ ھود۔ صالح۔ شعیب۔ لوط اور ابراہیم علیہم السلام کے تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔ اور مروی ہے کہ حضورؐ سے بڑھاپے کے جلدی آنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا

شَیَّبَتْنِیْ هُوْدٌ وَاَخَوَاتُهَا الْحَاقَّةُ وَالْوَاقِعَه ، الخ

یعنی مجھے سورہ ہود اور واقعہ وغیرہ نے بوڑھا کر دیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ (۱)

الرا یہ کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں اور مفصل ہیں اس ذات کی طرف سے جو حکیم و خبیر ہے

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ (۲) وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا

نہ عبادت کرو مگر اللہ کی تحقیق میں تمہارے لیے اس سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں بخشش طلب

رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ

کرو اپنے رب سے پھر توبہ کرو اس کی طرف تم کو نفع دے گا نفع خوب ایک مقررہ وقت تک اور دے گا

كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

ہر صاحب فضل کو زیادتی اور اگر اعراض کرو تو میں ڈرتا ہوں تمہارے متعلق بڑے دن کے عذاب

كَبِيْرٍ (۳) اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۴)

سے اللہ کی طرف تمہاری بازگشت ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے

رکوع نمبر ۱۷ محکم و مفصل اُحْكِمَتْ۔ یعنی آیاتِ قرآنیہ کا نظم محکم ہے کہ اس کی تمام آیتیں فصاحت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور ان کی حق بیانی میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی مزید وضاحت تفسیر کی تیسری جلد ص۱۹۴ پر گذر چکی ہے۔ اور فُصِّلَتْ سے مُراد یہ ہے کہ اس میں فرائض شرعی حلال و حرام کی تفصیل ہے یا یہ کہ امر و نہی کے لحاظ سے محکم اور وعدہ و عید اور ثواب و عقاب کے لحاظ سے مفصل ہیں یا یہ کہ اجمال کے لحاظ سے مجموعی طور پر محکم ہیں اور موقع و محل کے اعتبار سے ایک ایک یا دو دو آیتیں تفصیل وار بھیجی گئیں۔ یا یہ کہ فصاحت و بلاغت و صدق بیانی میں محکم اور مقام نزول میں تفصیل وار ہیں۔ اور یہی آخری معنی سب معانی سے انسب ہے۔

يُمَتِّعْكُمْ۔ یعنی اگر توبہ کرو اور اچھے طریقہ سے رہو تو وہ تم پر عذاب نہ بھیجے گا اور دنیا میں ایک وقت مقرر تک تمہیں اپنی نعمات عطا کرے گا اور صاحبِ فضل کو زیادتی بھی دے گا۔ یعنی عمومی متاع دنیاوی میں سب برابر کے شریک ہوں گے اور اپنی محنت و کاوش کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فوقیت بھی ہوگی۔ اور ممکن ہے اعمالِ خیر کے لحاظ سے جنت میں زیادتیٔ نعمات کی بشارت ہو۔ اور علاّمہ نے اس جگہ ذوفضل حضرت علی کو ثابت کیا ہے اور اس فقرہ کو حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل

أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ

آگاہ ہو تحقیق وہ سمیٹتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ چھپے رہیں اس سے خبردار جب ڈھانپ لیتے ہیں اپنے اوپر کپڑے تو اس وقت

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٥﴾

بھی جانتا ہے وہ جو پوشیدہ کرتے ہیں اور وہ جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ دلوں کی باتوں کے جاننے والا ہے

کی دلیل قرار دیا ہے۔

تَوَلَّوْ۔ غائب کا صیغہ بھی ہو سکتا ہے اور ممکن ہے مخاطب کا صیغہ ہو۔ اور ایک تاء کو حذف کیا گیا ہو۔ جیسے تَنَزَّلُ میں ہے تو پھر فعل مضارع بنے گا۔

أَلَآ إِنَّهُمْ۔ یعنی اپنے سینوں کو لپیٹتے ہیں۔ یعنی اپنی سازشوں کو سینہ میں بند رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ خدا سے چھپے رہیں یا مومنوں کو پتہ نہ چل جائے تو اس کے متعلق فرماتا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے اوپر چادریں اور لحاف وغیرہ تان کر چھپ کر باتیں کریں تو خدا تو ان کو بھی جانتا ہے وہ تو سب ظاہر و پوشیدہ امور سے مطلع ہے کیونکہ وہ تو سینہ کی باتوں کو بھی جانتا ہے خواہ زبان پر بھی آئیں لہذا ان کی سازشیں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

پارہ ۱۲

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ
اور نہیں کوئی چلنے والا زمین پر مگر یہ کہ اللہ پر ہے اس کا رزق اور وہ جانتا ہے اس کی رہائش اور
مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ۝۶ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
قرارگاہ سب کچھ لوح محفوظ میں موجود ہے اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور
وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ
زمین کو چھ دن میں اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ تم کو آزمائے کون تم میں
أَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ
سے اچھے عمل کرتا ہے اور اگر تو (ان کو) کہے کہ تم اٹھائے جاؤ گے موت کے بعد تو کہیں گے وہ
الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝۷ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ
جو کافر ہیں نہیں ہے یہ مگر صاف جادو اور اگر ہم مؤخر کر دیں ان سے

رکوع نمبر ۱ - اللہ رازق ہے

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ - دابہ کا لغوی معنی ہے۔ ہر زمین پر چلنے والا اور اس مقام پر تمام زمین کی ذی روح مخلوق مراد ہے خواہ جن ہوں یا انسان پرندے ہوں یا چوپائے، درندے ہوں یا حشرات الارض اور خشکی میں رہنے والے ہوں یا دریاؤں کی موجوں اور سمندروں کی تہوں میں رہنے والے پس یہ سب مخلوق اپنے خالق کے دسترخوان پر ہر وقت مہمان ہے۔ اور وہ اس تمام کائنات کے رزق کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ وہ خود رزق دیتا ہے اور خود ہی تقسیم فرماتا ہے۔ امیر و غریب شاہ و گدا، عالم و جاہل، مومن کافر، خورد و کلاں، عابد و عاصی، اولیاء و انبیاء سب کے سب بلا استثناء اسی کا ہی رزق کھاتے ہیں۔ لہذا جو شخص کسی غیر کی طرف رزق کو منسوب کرے تو اگر مجاز یا تاویل مقصود نہ ہو تو اس آیت مجیدہ کی رو سے وہ شرک کا مرتکب ہوگا لہذا تشیع کی طرف منسوب ہوتے ہوئے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں علیؑ یا آئمہؑ یا محمدؐ و آل محمدؐ رزق دیتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ رازق خدا ہے اور یہ وسیلہ ہیں جیسے کہ بہت سی احادیث میں اس قسم کا مضمون موجود ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا پس اگر آل محمدؐ کی خلقت نہ ہوتی تو نہ کوئی مخلوق ہوتا اور نہ کوئی مرزوق ہوتا۔ یعنی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ کا مفہوم مراد لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہ کہا جائے کہ خدا بالکل الگ تھلگ ہے اور خلق یا رزق یا دیگر صفات مخصوصہ الٰہیہ بلکہ نظام کائنات کے تمام تر محرک و ذمہ دار یہی ہیں۔ حتیٰ کہ بقول بعض جہال خدا ان کا محتاج ہے تو یہ کلمہ شرک و کفر و الحاد ہے۔ بنابریں حاجت مند انسان کو اپنی حاجت صرف اللہ کے سامنے ہی پیش کرنی چاہیئے اور اسی سے ہی اپنی حاجت روائی

کی دعا کرے۔ زندگی وہی بڑھاتا ہے۔ موت اسی کے یدِ قدرت میں ہے۔ رزق کی کمی و بیشی اسی کے اختیار میں ہے۔ اولاد وہی دے سکتا ہے۔ بیماری یا تندرستی اسی کی جانب سے ہیں۔ کسی معاملہ میں فتح و نصرت کے اسباب اسی کی مہربانی سے مہیا ہو سکتے ہیں۔ بہرکیف سب نفع و نقصان کا مالک وہی ہے۔ اور چونکہ محمدؐ و آل محمدؐ اس کی تمام مخلوق میں سے بہتر و برتر اور سیّد و سردار ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں ان کی اس قدر قدر و منزلت ہے کہ انسان اس کا ادنیٰ سا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انہی کے واسطہ اور وسیلہ سے دُعا جلد مستجاب ہوا کرتی ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے تھے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کی بھی مجھے ضرورت ہو تو میں خدا سے مانگتا ہوں یہ اور اس قسم کی فرمائشات تا قیامت تمام انسانوں کے لئے ایک مینارِ ہدایت اور چراغِ راہ ہیں کہ ان کو مدِنظر رکھنے کے بعد کوئی انسان راہِ توحید سے بھٹک نہیں سکتا۔ آیت مجیدہ میں مستقر سے مراد باپ کی صلب اور مستودع سے مُراد ماں کا رحم ہے یا مستقر سے مراد جائے رہائش و سکونت اور مستودع سے مراد قبر اور جائے دفن ہے۔

آسمان و زمین کی خلقت

وَهُوَ الَّذِي۔ رزق کے بعد فوراً خلق کا مسئلہ بھی واضح فرما دیا کہ جو اللہ تمام کائنات کو رزق دے رہا ہے اس ساری کائنات کا خالق بھی وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا۔ یعنی اس کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ چیزوں کی پیدائش اسباب و ذرائع سے ہو تاکہ لوگ اس کو امرِ اتفاقی نہ قرار دیں ورنہ وہ چشم زدن میں بھی پیدا کرنے پر قادر تھا۔ اس مسئلہ کے متعلق تفسیر مذکور کی چھٹی جلد ص۱۱ و ص۴۲ میں اور اسی جلد کے سورہ یونس کے پہلے رکوع میں بھی بیان ہو چکا ہے ص۱۴۵۔ اور تفسیر جامع میں اس کی تاویل یہ بھی مذکور ہے کہ خداوندِ کریم نے جنات کو بروز ہفتہ (سنیچر) زمین کو بروز یکشنبہ (اتوار) زمین پر بسنے والی ذی روح مخلوق کو بروز دوشنبہ (سوموار) نباتات کو بروز سہ شنبہ (منگلوار) پرندوں کو بروز چہار شنبہ (بدھوار) اور آسمانوں اور دیگر علوی مخلوق کو بروز پنجشنبہ (خمیس یا جمعرات) خلق فرمایا اور اس طرح چھ دنوں میں ان کی خلقت تمام ہوئی۔ اور پھر جمعہ کے روز حضرت آدم کو خلق فرمایا۔ گویا شمسی دور کی ابتدا بھی جمعہ کو ہوئی۔ کیونکہ عالم علوی کی خلقت جمعرات کو مکمل ہوئی۔ پس دَورِ فلک کی ابتداء اور سورج کی گردش جمعہ سے مشروع ہوئی۔ اور اسی سے قبل ایام کی تعیین صرف سمجھانے کے لئے ہی ہے کہ اگر شمسی نظام ہوتا تو یوں کہا جا سکتا تھا۔ اب یہ کہنا کہ اس طرح سے ایجادِ خلق کیوں ہوئی۔ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ بہرکیف اس پر ایمان لانا ہمارا فرض ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق فرمایا۔ اب کیوں یا کس طرح یا کیسے؟ تو اس کا علم وہ خود جانتا ہے جس نے ایسا کیا۔ اور یا وہ جانیں جن کو اس نے اس کا علم دیا۔

عرش خدا

وَكَانَ عَرْشُهُ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے پانی اور عرش پہلے تھے اور نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے جہاں ابتدائے خلق عالم کا واقعہ بیان فرمایا ہے اس میں بھی یہی ہے کہ خدا نے ہوا کو پیدا کیا جس نے پانی میں تلاطم پیدا کر کے ہوا بنائی اور وہ منجمد ہو کر زمین بنی۔ اور

اس کے بخارات اُڑکر آسمان بنے۔ آج کل کے محققین آسمان کو ایک ٹھوس جسم نہیں مانتے بلکہ جہت علو کا نام آسمان رکھتے ہیں۔ اور اس کی تائید قرآن مجید کی متعدد آیات میں بھی ہے۔ جیسے فرماتا ہے کہ ہم نے آسمان سے بارش برسائی۔ اور سورج اور چاند یا سیاروں کا آسمان میں چکر لگانا جہاں مذکور ہے۔ اس سے مُراد ان کے جہت علو میں وہ مدارات ہیں جن پر اپنے خالق کی تدبیر محکم کے ماتحت ہمیشہ گردش کرتے نظر آتے ہیں کہ اس اپنے مدار سے ذرّہ بھر ادھر اُدھر نہیں ہو سکتے بلکہ آج کل کے انکشافات و تجربات بلکہ مشاہدات نے اس نظریہ کو ایک حقیقت ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ ترقی یافتہ ممالک سے چاند تک راکٹ بھیجے جا رہے ہیں اور پچھلے دنوں کے اخبارات میں یہ خبر عام شائع ہوئی کہ امریکی راکٹ بھیجے جا رہے ہیں۔ بلکہ امریکی سائنسدان چاند پر اترے اور وہاں کچھ مٹی اٹھا بھی لائے اور ٹیلیویژن میں بعض لوگوں نے انکو چاند پر چلتے پھرتے بھی دیکھا پھر زہرہ پر راکٹ کا اُترنا بھی اخبارات نے بتایا۔ اور ساتھ ساتھ یہ پیشین گوئی بھی ہوئی کہ مستقبل قریب میں انسان بردار جہاز بھی وہاں پہنچے گا۔ لہٰذا ان تحقیقات کی بنا پر افلاک کے خرق و التیام کے محال ہونے کا مسئلہ ایک فرسودہ خیال سے زیادہ کوئی وقعت و اہمیت نہیں رکھتا۔ اور جناب رسالتمآبؐ کے معراج کے متعلق شکوک و شبہات کی سب سے بڑی حصار بھی (مسئلہ خرق و التیام) خود بخود منہدم ہو گئی۔ اور انسان نے اپنی حدودِ امکان تک بلندیوں کو سر کر کے جناب رسالتمآبؐ کے معراج پر ایمان لانے کی راہیں ہموار کر دیں کہ اگر ایک عام انسان کوشش و محنت سے آسمانوں کی بلندیوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اور چاند و زہرہ پر ڈیرہ ڈال سکتا ہے تو چرخ چہارم تک عیسٰے کا جانا یا قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام تک حبیبِ خدا کا جانا جب کہ لے جانے والا خود وہی تھا، کیسے بعید از عقل قرار دیا جا سکتا ہے۔

چونکہ باقی سب کائنات کی خلقت کی ابتدا پانی سے ہوئی تو عرش کا پانی کے اُوپر ہونے کا مقصد شاید یہ ہو کہ خدا کی سلطنت و حکومت اس پر محیط و غالب ہے اور انسان جتنا ترقی کر کے عروج کرے وہ اس پانی سے اُٹھنے والے غبارات تک ہی پہنچے گا۔ اور ان تمام حدود کو طے کر کے عرشِ خداوندی تک پہنچنا اس کے بس سے باہر ہے۔ ہاں وہاں تک وہی جا سکتا ہے جسے وہ خود لے جائے۔

لِیَبْلُوَکُمْ۔ یعنی اس تمام مخلوق کو پیدا کر کے تمہیں پیدا کیا اور عقل و شعور عطا کیا تاکہ تم میں سے احسان شناسوں اور احسان فراموشوں کا فرق ہو اور تمہاری آزمائش کی خاطر تمہیں نیک و بد کے اختیار میں مجبور نہیں کیا۔

لَئِنْ قُلْتَ۔ یعنی یہ لوگ اس قدر غافل اور سرکش ہیں کہ ان سے اگر کہا جائے کہ تمہیں موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو باور ہی نہیں کرتے حالانکہ اگر ذرّہ بھر تامل کرتے تو انہیں آسانی سے پتہ چل سکتا تھا کہ جو خدا اس قدر بڑے نظام کے پیدا کرنے پر قادر ہے تو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا تو اس قدر مشکل نہیں ہے۔ اور اس ساری تفہیم کے بعد بھی وہ عقل کے اندھے کہہ دیتے ہیں کہ حضور جادو کی سی بات کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح اس میں حقیقت نہیں ہوتی بلکہ صرف آنکھوں کا دھوکا ہوتا ہے حشر و نشر کی باتوں کو وہ اسی طرح ایک بے حقیقت امر ٹھہراتے ہوئے اپنے نفسوں کو دھوکا دیتے ہیں

الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ

عذاب کو ایک وقتِ معین تک تو کہیں گے کس نے اس کو روکا ہے ؟ خبردار جس دن آئے گا تو

لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸﴾

نہ روکا جائے گا ان سے اور اترے گا ان پر وہ جس کے ساتھ مسخری کرتے ہیں

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾

اور اگر ہم چکھائیں انسان کو اپنی رحمت (کا مزا) پھر چھین لیں اس سے تو وہ مایوس و منکر ہوتا ہے

اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ - قرآن مجید میں اُمّت کا اطلاق، معانی میں وارد ہوا ہے (۱) مذہب جیسے فرماتا ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی لوگ ایک مذہب پر تھے (۲) جماعت جیسے فرماتا ہے وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ - یعنی وہاں دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت پانی لے رہی تھی (۳) ایک فرد جیسے اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً - تحقیق ابراہیم ایک اُمّت تھا - (۴) قوم جیسے اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ - یعنی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو - (۵) اُمّتِ محمدیؐ جیسے اَرْسَلْنٰكَ اِلٰۤى اُمَّةٍ ہم نے تجھے ایک اُمّت کی طرف بھیجا (۶) وقت جیسے وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ - یعنی اس نے ایک عرصہ اور وقت کے بعد یاد کیا (۷) خلق جیسے تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً تمام خلق کو وہاں پڑا دیکھو گے -

اس مقام پر اُمّت کا معنی وقت بھی لیا گیا ہے - اور مقصد یہ ہے کہ اگر ہم نے ان لوگوں کو ایک وقت معین تک مہلت دے دی تو کہنے لگتے ہیں کہ تمہارا عذاب کہاں گیا - اس کو کس نے روک رکھا ہے ؟ یعنی عجلت عذاب کے خواہاں ہوتے ہیں - اور استہزاء کرتے ہیں - اور اُمّت کا معنی یہاں جماعت بھی کیا گیا ہے - اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مُراد حضرت مہدی علیہ السّلام کے وہ اصحاب ہیں جن کی تعداد اصحاب بدر کے برابر یعنی ۳۱۳ ہوگی - اور موسم خریف کے بادلوں کی طرح فوراً ایک جا ہو جائیں گے - اور تفسیر جامع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کا معنی یہ منقول ہے کہ اگر ان منافقوں اور کافروں کے عذاب کو ہم تا ظہور قائم آل محمدؐ مؤخر کرتے ہیں تو یہ لوگ ازراہِ تمسخر و استہزاء کہتے ہیں - کس چیز نے اس کو روک رکھا ہے اور وہ کیوں ظہور نہیں کرتا - بے شک آئے اور ہمیں سزا دے اور ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ کسی قائم کا وجود نہیں ہے - لہٰذا انتظار کی کوئی ضرورت نہیں ہے - پس خدا ایسے لوگوں کو متنبہ فرماتا ہے کہ جب وہ آئے گا تو پھر عذابِ خدا سے بچنے کا کوئی سہارا نہ ہوگا - اور جس چیز کا تمسخر و استہزاء کرتے ہیں اس کا وبال ان کو اپنے احاطہ میں لے لے گا -

رکوع نمبر ۲ - صبر و شکر

وَلَئِنْ - انسان کا عام دستور ہے کہ جب خوش حالی کے بعد خدا اس سے کوئی نعمت لے لے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے - یعنی صبر نہیں کرتا اور جب دکھ کے بعد خدا اس کو آرام عطا

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ

اور اگر چکھائیں اس کو سکھ (کا مزا) بعد دکھ پہنچنے کے تو کہتا ہے گئی سختیاں مجھ سے تحقیق

اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

وہ خوش خوش اکڑتا ہے سوائے ان کے جنہوں نے صبر کیا اور عمل نیک کیئے ایسوں کے لئے

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ

مغفرت اور بڑا اجر ہے پس شاید تو چھوڑنے والا ہے بعض اس کو جو وحی کی گئی تیرے لئے اور

بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ

تیرا دل تنگ ہوا ہے اس سے کہ کہتے ہیں کیوں نہیں اُتارا گیا اس پر خزانہ یا یہ کہ (کیوں نہیں) آیا ساتھ اس کے فرشتہ؟

زیادہ تو شکر نہیں کرتا بلکہ زیادہ اکڑتا اور لوگوں کے سامنے فخر کرتا پھرتا ہے۔ ہاں ایسے خدا کے بندے بھی موجود ہیں جو مصیبت کے وقت بجائے مایوسی کے صبر کرتے ہیں۔ اور راحت کے وقت بجائے اکڑنے کے شکر کرتے ہیں۔ پس انہی کے لئے اجر کبیر ہے۔ میں نے مواعظ کی ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السّلام کسی عابد کی تلاش میں نکلے۔ ایک عابد کے ہاں پہنچے پھر دوسرے عابد کے پاس گئے اور اُس نے بڑے عابد کا پتہ دیا۔ جب اس کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ ایک لوہار ہے جو اپنی حلال کمائی میں مشغول ہے اور زبان پر شکرِ پروردگار جاری ہے۔ موسٰے نے پوچھا۔ تیری زیادتی عبادت کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا حلال رزق کماتا ہوں اور واجبات ادا کرتا ہوں۔ دوکان کی آمدنی میں سے ایک حصہ مالک کو دوسرا حصہ بچوّں کے لئے اور تیسرا حصہ فی سبیل اللہ مساکین کو دیا کرتا ہوں۔ پس اللہ کے فیصلہ پر راضی ہوں سختی پر صبر کرتا ہوں اور نعمت پر شکر کرتا ہوں۔ آمدنی کم ہو جائے تو گھبراہٹ و مایوسی کا اظہار نہیں کرتا اور زیادہ ہو جائے تو اتراتا اور اکڑتا نہیں ہوں۔ اُس نے پُوچھا آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ تو جواب دیا کہ موسٰی بن عمران کے وطن سے تو اُس نے کہا کہ گھر جانے کا کیا خیال ہے۔ حضرت موسٰے نے جواب دیا۔ جانا چاہتا ہوں تو اُس نے ایک بادل کو حکم کیا وہ فوراً حاضر ہوا۔ اور پوچھا کہاں برسے گا۔ تو اُس نے جواب دیا کہ فلاں جگہ پر۔ پھر اس کو روانہ کر کے دوسرے کو بُلایا۔ پھر تیسرے کو آخر ایک نے کہا کہ میں موسٰے کے ملک پر جاؤں گا تو عابد نے حضرت موسٰی کو سوار کر کے روانہ کیا۔ جب آپ کوہ طور پر پہنچے تو عرض کی۔ اے پروردگار! تجھے اس لوہار کی کونسی عادت پسند آئی۔ ارشاد ہوا کہ وہ میری قضا پر راضی۔ میری آزمائش پر صابر اور نعمتوں پر شاکر ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی کا مضمون وارد ہے کہ مَنْ لَمْ يَصْبِرْ عَلٰى بَلَائِىْ وَلَمْ يَشْكُرْ عَلٰى نَعْمَائِىْ وَلَمْ يَرْضَ بِقَضَائِىْ فَلْيَخْرُجْ مِنْ اَرْضِىْ وَسَمَائِىْ وَلْيَعْبُدْ رَبًّا سِوَاىْ۔ یعنی جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو۔ میری آزمائش پر صبر نہ کرے اور میری نعمتوں کا شکر نہ کرے تو میری زمین سے نکل جائے اور کوئی دوسرا خدا تلاش کرے۔

إِنَّمَآ أَنتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿۱۲﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ

تحقیق تو صرف ڈرانیوالا ہے اور اللہ ہر شے کا نگہبان ہے کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے افترا باندھا ہے

قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ

تو کہدو کہ لے آؤ تم بھی دس ایسی سورتیں افترا باندھ کر اور بلا لو ان کو جن کو بلا سکتے ہو سوائے اللہ کے

اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۳﴾ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا

اگر سچے ہو پس اگر قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ اُتارا گیا ہے

أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿۱۴﴾

اللہ کے علم سے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کیا تم مانتے ہو؟

آم یقولون اس کے شانِ نزول کے متعلق ایک روایت میں ہے کہ بعض قریش حاضر بارگاہ نبوی ہوئے اور عرض کی کہ اگر آپ سچ مچ اللہ کے رسول ہیں تو دعا کریں کہ مکہ کے پہاڑ سونا بن جائیں اور فرشتے اُتر کر آپکی نبوت کی گواہی دیں۔ پس آپ کی تسکینِ خاطر کے لئے یہ آیت اُتری۔

پیغام ولایت اور دعائے پیغمبر تفسیر جامع اور مجمع البیان میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ تجھے میرا بھائی قرار دے اور یہ کہ تجھے میرا وصی و خلیفہ بنائے تو خدا نے میری دعا کو مستجاب فرمایا اور تجھے میرا وصی و خلیفہ اور بھائی قرار دیا تو بعض جہلاء کہنے لگے کھجور کا ایک صاع اس سے بہتر ہے جو محمدؐ نے خدا سے طلب کیا ہے۔ خدا سے ملک اور خزانہ مانگنا چاہیئے تھا نہ کہ یہ جو مانگا ہے۔ پس یہ آیت اُتری کہ آپ دل تنگ نہ ہوں۔

تفسیر جامع میں بروایت کافی ابن ارقم سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مکہ میں جبریل ولایت علی کا حکم لایا تو حضور نے خوف ظاہر کیا کہ لوگ تکذیب کریں گے۔ پس جبریل دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ آپ کیوں تاخیر فرماتے ہیں تو حضور نے جواب دیا کہ لوگوں کی ذہنیت اس قدر پست ہے کہ مجھے ان سے تکذیب کا خطرہ ہے۔ پس کچھ دیر کے بعد جبریل سورہ ہود کی دس آیتیں لایا فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ سے لے کر اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ تک۔ اور یہ حدیث امالی بن بابویہ میں بھی منقول ہے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ ۔ تفسیر جامع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ ولایت کا حکم حضور نے اپنی مرضی سے دیا ہے تو یہ آیت مجیدہ ان کی تردید کے لئے اُتری۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ قرآن کو کلام پیغمبرؐ کہنے والوں اور رسول

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ

جو چاہتا ہو زندگانی دنیا اور اس کی زینت تو پورا (بدلہ) دیں گے ان کو ان کے اعمال کا اس میں اور وہ اس

فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ⑮ أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَ

میں نہ خسارہ دیے جائیں گے ایسوں کا نہیں آخرت میں مگر جہنم اور

پر افترا کا الزام تراشنے والوں کو چیلنج ہے کہ اگر رسول نے اپنی طرف سے یہ کلام پیش کیا ہے تو تم بھی اہل لسان ہو۔ اس جیسا پورا قرآن نہ سہی۔ اس جیسی دس سورتیں تو لے آؤ۔ اور اپنے تمام فصحاء و بلغاء کو اور اپنے نام نہاد خداؤں کو بھی بلا لو۔ پس اس سب کاوش و کوشش کے باوجود بھی اگر قرآن جیسی دس سورتیں (بلکہ تحدی بالائے تحدی کی بنا پر ایک سورہ کا چیلنج بھی کیا جیسا کہ سورہ یونس کی آیت نمبر ۳۸ میں گذرا ہے) بھی نہ لا سکو تو سمجھ جاؤ کہ بشر کا کلام نہیں ورنہ تم اس کے مقابلہ سے عاجز نہ ہوتے۔ پس تمہارا مقابلہ سے عاجز آ جانا اس کے کلام خدا ہونے کی اٹل دلیل ہے۔

مومن کا انجام

مَنْ كَانَ۔ اس آیت کے مصداق تمام وہ لوگ ہو سکتے ہیں جن کے اعمال اس قابل نہ ہوں کہ وہ جنت میں جا سکیں اس لئے کہ ان کا اعتقاد درست نہ تھا۔ پس کافر مشرک منافق وغیرہ اگر صدقہ خیرات یا صلہ رحمی یا غریب پروری یا رفاہِ عامہ کے کاموں میں دلچسپی لیں۔ اور انسانی خدمات کو خلوص سے بجا لائیں تو چونکہ ان کا ایمان درست نہیں ہے لہٰذا خدا اپنی عدالت کے پیش نظر ان کو دنیا میں بدلہ دے گا۔ مثلاً وسعتِ رزق، کثرت اولاد جاہ و عزت، مال و دولت صحت و تندرستی، عیش و آرام اور طول عمر وغیرہ اور اگر کسی کی نیکیاں زیادہ ہوں گی تو قیامت میں ان کے دائمی عذاب میں یک گونہ کمی کر دی جائے گی۔ بہرکیف جنت میں نہیں جا سکے گا۔ اور ریاکاری والے اعمال کا بھی یہی حال ہے۔ اور حدیث نبوی میں بھی ہے کہ جو دنیا میں ریا کے لئے عمل کرے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور حبطِ اعمال کا یہی مقصد ہے کہ ان کے اعمال کی جزا جنت نہیں قرار دی جائے گی جب کہ ایمان کی صورت میں وہ اعمال جنت کی کلید ہوتے اور ہم نے حبط اور ضبط کے درمیان فرق تفسیر کے مقدمہ میں ص۲۳۵ پر ایک عنوان مستقل کے ماتحت مفصل بیان کیا ہے جو کافی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ لہٰذا اس کا مطالعہ کر کے مقصد کو خوب سمجھئے اور خلاصہ یہ کہ ضبط کا معنی یہ ہوتا ہے کہ عمل عمل ہو اور اس کی جزا کو ضبط کیا جائے اور یہ صفت خدا میں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ عدل کے منافی ہے۔ اور حبط کا معنی یہ ہے کہ عمل وہ عمل ہی نہیں جو جزا کے قابل تھا۔ کیونکہ عمل کے ساتھ شرائط تھیں۔ مثلاً ایمان اور خاتمہ بالخیر ہونا اور ریاکار نہ ہونا اور خلوص وغیرہ۔ پس ان شرائط کی عدم موجودگی میں وہ عمل گویا عمل ہی نہ رہا۔ جو آخرت میں جزا کے قابل ہوتا۔ پس دنیا میں اس کو اس کی محنت و کاوش کا بدلہ پورا ملے گا۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک صحابی نے ایک عورت کی طرف دست درازی کی اور نیتِ بد سے اس کا تعاقب کیا تو راستہ میں اس کی پیشانی پر دیوار کے ٹکرانے سے چوٹ لگی۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خدا نے تجھے تیرے گناہ کی سزا دنیا میں دے دی۔ کیونکہ جب

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى

برباد ہوگا وہ جو کیا دنیا میں اور باطل ہوئے وہ جو عمل کرتے تھے کیا جو شخص ایک برہان پر ہو

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً

اپنے رب سے اور اس کے پیچھے اسی سے شاہد بھی موجود ہو حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ بھی گذری جو امام و رحمت تھے

خدا انسان کو آخرت میں مبتلائے عذاب کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے دنیا کی سزا کو روک لیتا ہے اور جب آخرت میں اس کو جنت دینا چاہتا ہے تو گناہوں کی سزا اس کو دنیا میں دے دیتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کافر کو اپنے اچھے اعمال کی جزا دنیا میں مل جاتی ہے۔ اور آخرت میں کورا ہو کر صرف استحقاق جہنم لے کر جاتا ہے اور خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ کا یہی مطلب ہے۔ اور مومن کو بداعمالیوں کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے حتیٰ کہ روایات میں ہے مومن کو اگر کانٹا چبھے یا چوٹ لگے یا جسمانی و روحانی کوئی تکلیف پہنچے یا مال و اولاد کا کوئی صدمہ ملے تو یہ اس کے بعض گناہوں کا کفارہ ہوا کرتا ہے اور بعض ایسے گناہ ہوا کرتے ہیں جن کا کفارہ بے گناہ قتل ہو جانے سے ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر اس کے ذمہ کچھ گناہ رہ جائیں تو موت کی سختی اس کا کفارہ بن جاتی ہے اور اس سے بھی بچیں گے تو قبر میں ان کی سزا مل جائے گی۔ بہرکیف خدا چاہتا ہے کہ مومن جب قیامت کو میدان حشر میں آئے تو اس کے اعمال میں نیکیوں کی کثرت ہو۔ اور بے حساب جنت میں جائے اور اگر برائیوں کی زیادتی کی وجہ سے کچھ باقی ہوں گے تو حساب و کتاب تک ان کا قصہ پاک ہو جائے گا اور خالص نیکیاں لے کر جنت میں جائے گا اور اَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ کا یہی مطلب ہے جیسا کہ ایک سابق حدیث نبوی بھی اسی مضمون کی شاہد ہے۔

بہرکیف مومنین کو اپنے گناہوں کی کثرت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ خداوند کریم کے فضل و کرم سے بعید ہے کہ مومن کو جہنم میں ڈالے وہ شخص جس نے دنیا میں لادینیت کے ہمہ گیر طوفان کا سینہ تن کر مقابلہ کرتے ہوئے دین کا پرچم بلند رکھا ہو۔ وہ شخص جس نے دہریت اور الحاد کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہو کر توحید پرستی کی دعوت دی ہو۔ وہ شخص جس نے اس کی کتاب قرآن اور اس کے انبیاء و اولیا سے اپنا معبود حقیقی سمجھ کر کلمہ توحید زبان پر جاری کیا ہو۔ وہ شخص جس نے اس کی کتاب قرآن اور اس کے انبیاء و اولیاء کے نام و نشان کی بقا کی خاطر دنیاوی ہر قسم کے مصائب کو برداشت کرتے ہوئے زندگی کے لمحات کو خوشیوں، عیاشیوں اور رنگ رلیوں سے الگ رکھا ہو۔ اگر ایسے شخص سے کسی وقت یا بسا اوقات لغزشیں بھی سرزد ہوتی رہی ہوں جو اس کے دین سے بغاوت کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی کوتاہیوں کا احساس کرتے ہوئے تو وہ عالم الغیب عادل و حکیم کیسے اس کے خلوص کو نظر انداز فرما کر فروعی لغزشوں کی خاطر اس کو جہنم کے دائمی جیل خانہ میں بھیجے گا۔ ہاں اس کے رحم و کرم اور فضل و عطا سے توقع یہ ہے کہ وہ مومن کی دنیاوی تکالیف کو اس کے گناہوں کا عوضہ قرار دے گا۔ اور آخرت میں اُسے جنت الفردوس میں جگہ دے گا۔ پس تمام اہل ایمان ایسے رحیم و کریم خدا کے سامنے نعمت ایمان کا شکر ادا کرتے ہوئے

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ

وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر اور جو انکار کرے گا اس کا لوگوں میں سے تو جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا پس نہ ہو شک

فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ (۱۷)

میں اس سے تحقیق وہ حق ہے تیرے رب سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے

اپنے گناہوں سے توبہ کی کوشش کریں اور مجھ گنہگار کے لئے بھی دعا خیر فرماویں۔

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ ۔ وہ دلیل و برہان جو حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرے وہ بیّنہ ہے ہمزۂ استفہام سوال کے لئے نہیں بلکہ تقریر کے لئے اور بات کو پکّا کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ مَن موصولہ ہے اور کان اس کا صلہ ہے۔ اور یتلو کا عطف کان پر ہوگا اگر اس کو کان تامہ قرار دیا جائے ورنہ علی بیّنۃ کے متعلق پر ہوگا۔ اور اس کے بعد کتاب کا عطف شاہد پر ہوگا یعنی یَتْلُوْہُ کِتٰبُ مُوْسٰی۔ اور اِمَامًا وَّ رَحْمَۃً دونوں حال ہیں اور ان کا ذوالحال کتاب موسیٰ ہوگا۔ پس موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتدا ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَعَلَی الْاَوْصَافِ الْمَذْکُوْرَۃِ کَمَنْ لَیْسَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ۔ یعنی جو شخص ایک واضح برہان پر ہو۔ یعنی قرآن مجید جیسی کتاب اس کے پاس ہو۔ اور اس کے پیچھے خود اسی سے اس کا شاہد بھی موجود ہو۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تورات بھی شہادت دے چکی ہو جو لائق اقتدا اور باعث رحمت تھی اور یہ اس پر ایمان رکھتے ہوں تو یہ ان کی مثل قرار دئے جا سکتے ہیں۔ جن کے پاس کوئی برہان و دلیل نہ ہو اور نہ کوئی ان کا شاہد ہو۔

یَتْلُوْہُ۔ میں اگر ضمیر غائب کا مرجع مَن ہو تو معنی یہ ہوگا کہ صاحب برہان کے پیچھے اس کا شاہد اُسی سے موجود ہے۔ برہان و بینہ سے مراد قرآن مجید اور صاحب بیّنہ حضرت محمد مصطفےٰ ہوں گے اور اگر ضمیر غائب کا مرجع بینہ کو قرار دیا جائے۔ اس لحاظ سے کہ بیّنہ کو برہان کی تاویل میں لیا جائے تاکہ ضمیر و مرجع میں مطابقت پیدا ہو جائے تو معنی یہ ہوگا کہ محمد مصطفےٰ بینہ و برہان پر ہیں جو قرآن ہے اور اس کی تلاوت کرتا ہے جو اس کا شاہد اُسی سے ہے۔

حضرت علیؑ رسول کا شاہد ہے

شَاهِدٌ مِّنْهُ۔ یعنی وہ شاہد جو صاحب بیّنہ میں سے ہو۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السّلام اور امام علی رضا علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں شاہد سے مراد حضرت علیؑ ہیں اور علامہ حلّی نے ذکر کیا ہے کہ جمہور نے یعنی اہل سنّت نے بھی اس مقام پر شاہد سے مراد حضرت علی کو لیا ہے۔ لہٰذا یہ آیت مجیدہ حضرت علی علیہ السّلام کی خلافت پر نص ہے اور فضل بن رُوزبہان نے اہل سنّت کی تفسیروں میں اس حوالہ کا موجود ہونا تسلیم نہیں کیا لیکن دلائل الصدق ج ۲ میں اسے تفاسیر اہل سنّت سے ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں شاہد کے معنی کے متعلق چند وجوہ ذکر کئے ہیں۔ اور تیسری وجہ یہ بیان کی کہ اس سے مراد حضرت علیؑ

ہیں۔ اور ضمیر غائب کا مرجع بَیِّنَہ بتاویل برہان ہے) اور وہ اس بَیِّنَہ کی تلاوت کرتے ہیں (اور منہ میں ضمیر غائب کا مرجع مَن ہے (یعنی وہ شاہد محمد سے ہے اور اس کی جزء ہے اور اس میں شاہد کی عظمت بیان کی گئی ہے کہ وہ محمد کی جزو ہے۔ اور سیوطی نے درمنثور میں حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کوئی قریشی ایسا نہیں جس کے حق میں قرآن کا کچھ حصہ نہ اُترا ہو تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ حضور آپ کے حق میں بھی کچھ اُترا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تو نے سورہ ہود کی یہ آیت نہیں پڑھی۔ اَفَمَنْ كَانَ الآیۃ۔ جناب رسالت مآب بَیِّنَہ پر تھے۔ اور میں اس کا شاہد ہوں۔ اور اسی طرح طبری سے بھی منقول ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ آیت چار وجوہ کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام کی خلافت پر دلالت کرتی ہے۔

(۱) آیت مجیدہ میں حضرت علی کو شاہد کہا گیا ہے اور شاہد سے مراد ہے اُمت پر شاہد ہونا اس قرینہ سے کہ آپ رسول کے تالی ہیں جس طرح حضورؐ کو ایک مقام پر شاہد کہا گیا ہے (اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا) اور باقی انبیاء کے متعلق کہا گیا ہے (وَجَعَلْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰؤُلَآءِ) یعنی ہم نے ہر اُمت کا شہید ان کے نفسوں سے بنایا اور تجھے ان لوگوں پر شہید بنایا۔ اور اس سے لوگوں کے اُمور میں ولایت و حکومت شرعی ثابت ہوتی ہے لہٰذا حضرت علی کو شاہد کہنا لوگوں کے اُمور پر اس کی ولایت کو ثابت کرتا ہے اور یہی خلافت کا مفہوم ہے (۲) آیت مجیدہ میں علی کو رسول کا بعض کہا گیا کہ وہ شاہد اُس سے ہے جیسے خود پیغمبر نے بھی اس کی تائید اپنے الفاظ میں یوں فرمائی (عَلِيٌّ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْهُ) اور یہ چیز عصمت فضل اور تمام صفات حمیدہ میں رسول کے ساتھ علی کی مشارکت کو ثابت کرتی ہے۔ پس علی ہی رسول کی خلافت کے حقدار ثابت ہوتے ہیں۔ (۳) آیت مجیدہ میں علی کو رسول کا تالی کہا گیا ہے جیسے کہ ضمیر مذکر کا مرجع کے ساتھ تطابق کا تقاضا ہے اور تالی ہونے سے مراد بلا فصل پیچھے چلنا ہے اور اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ۱۔ یہ کہ ان کے قائم مقام ہوں (۲) یہ کہ اس کی طرح یہ بھی بیّنہ پر ہوں ۳۔ یہ کہ اس کی دعوت میں یہ ان کے معاون و مددگار ہوں۔ جیسے حضورؐ نے خود فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ وہ میری کمر کو مضبوط کرے علی کی مدد سے اور علی کو میرا شریک کار بنائے اور خدا نے ان کی دعا کو مستجاب فرمایا۔ پس علی کی مثال نبی سے ایسی ہے جیسی ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ پس پہلی صورت میں خلافت ثابت ہو گئی۔ اور دوسری صورت میں جب علی رسول کی طرح بیّنہ پر ہیں تو اس کا لازمی مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ ان کے بعد ان کے قائم مقام بھی یہی ہوں گے۔ اور تیسری صورت میں جب نص قرآن سے علی ہی رسول کے مشن میں ان کے ناصر و معاون ہیں جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے تو دوسروں سے صفت میں اولیٰ ثابت ہو گئے (۴) اگر یہ کہا جائے کہ ضمیر کا مرجع بَیِّنَہ ہے جیسے گذر چکا ہے تو مقصد یہ ہو گا کہ علی ہی وہ ذات ہے جو حضرت محمد مصطفیٰؐ کی شہادت قرآن مجید کی تلاوت سے فرماتے تھے تو ان کو جناب رسالت مآب کا دوسرا معجزہ قرار دیا گیا کہ ان کا پہلا معجزہ ہے بَیِّنَہ اور دوسرا معجزہ ہے وہ شاہد جو بَیِّنَہ کی تلاوت کرتا ہے۔ پس حضرت علی علیہ السلام کی تمام صحابہ سے افضل ہونے کی یہ دلیل ہے لہٰذا وہی خلافت کے اہل و سزاوار ہو سکتے ہیں (دلائل الصدق)

اِمَامًا وَّرَحْمَةً ان کو کتاب موسیٰ سے حال قرار دیا گیا ہے اور معنی یہ کہ کتاب موسیٰ امام و رحمت تھی اور ممکن ہے کہ موسیٰ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا ایسے لوگ پیش کئے جائیں گے اپنے

رَبِّهِمْ وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ

رب پر اور کہیں گے گواہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جھٹلایا اپنے رب کو خبردار اللہ کی

اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ

لعنت ہے ظالموں پر جو روکتے ہیں راہِ خدا سے اور کج بحثی کرتے ہیں اس میں

سے حال ہوں اور معنی یہ ہو کہ حضرت موسٰے اپنی اُمت کے لئے امام اور باعثِ رحمت تھے۔ اور حضرت علی کی شہادت کے بعد تورات کی شہادت کو تائید کے لئے پیش کیا گیا۔ یعنی رسول کے شاہد ہونے میں حضرت علیؑ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور حضرت موسٰے کی کتاب کی شہادت کو تائید کے لئے پیش کیا گیا۔ یعنی رسولؐ اللہ کے صادق و برحق ہونیکے شاہد تورات کے وہ بیانات ہیں جن میں حضرت موسٰی کو حضورؐ کی آمد کی خبر دی گئی تھی اور موسٰی نے اُمت کو پیشین گوئی کی تھی۔ چنانچہ جن یہودیوں نے اسلام کو قبول کیا تھا اس کی زیادہ تر وجہ تورات کی پیشین گوئیاں تھیں جن میں حضرت رسالت مآبؐ کے اوصاف تک درج تھے۔

اَلْاَحْزَابُ (۱۹۱) ۔ اس جگہ احزاب سے مراد مشرکین مکہ اور یہود و نصاریٰ ہیں۔ چنانچہ حضور نے فرمایا تھا کہ لوگوں میں سے جس کے کانوں میں میری دعوت پہنچے گی۔ اور وہ ایمان نہ لائے گا خواہ یہودی ہو یا نصرانی تو وہ اصحاب نار سے ہوگا۔ احزاب جمع ہے حزب کی۔

فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ (۱۹) ۔ یہ بھی خطاب حضورؐ کی طرف ہے اور مراد ساری اُمت ہے۔

تفسیر جامع میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے لوگوں پر پانچ چیزیں واجب کی تھیں۔ انہوں نے چار کو لے لیا اور پانچویں کو چھوڑ دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا وہ کونسی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ لیکن وہ پانچویں جس کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے وہ ہے ولایت علی بن ابی طالب۔ صحابہ نے عرض کی حضور علی کی ولایت خداوند کریم کی جانب سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! اور پھر اس سے اگلی آیت آپ نے تلاوت فرمائی۔ بہرکیف روایات خاصہ و عامہ سے ثابت ہے کہ یہاں شاہد سے مراد حضرت علی ہے پس آیت مجیدہ آپ کی خلافت پر نص ہے۔

یُعْرَضُوْنَ ۔ یعنی اللہ پر افترا باندھنے والوں کو جب پیش کیا جائے گا تو اشہاد کہیں گے الخ۔ یا تو شاہد کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع اصحاب اور یا شہید کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف اکہ انہوں نے جھٹلایا تھا اپنے رب کو یعنی اپنے رب کے رسول کو، اشہاد سے مراد کراماً کاتبین یا انبیاء لئے گئے ہیں لیکن تفسیر جامع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد آئمہ طاہرین ہیں جو اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر شاہد ہوں گے

یَبْغُوْنَهَا ۔ یعنی دین حق پر جرح کرکے اور اس میں خواہ مخواہ کے اعتراضات کرکے اس کو لوگوں کی نظروں میں ٹیڑھا اور غلط

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي

اور وہ آخرت سے انکاری ہیں ایسے لوگ نہیں ہمیں عاجز کرنے والے زمین

الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ

میں اور نہیں ہوگا ان کا کوئی اللہ کے سوا مددگار چند در چند کیا جائے گا ان کا عذاب

مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

کیونکہ سن سکتے تھے (لیکن نہ سنتے تھے) اور دیکھ سکتے تھے لیکن) نہیں دیکھتے تھے ان لوگوں نے

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ

خسارہ میں ڈالا اپنے آپ کو اور ضائع ہوا ان سے وہ جو افترا باندھتے تھے لاریب وہی

اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

آخرت میں خسارہ پانے والے ہوں گے تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل نیک

الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾

کئے اور جھکے اپنے رب کی طرف وہ لوگ جنتی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔

مُعْجِزِيْنَ۔ یعنی یہ لوگ ہمیں عاجز نہیں کرسکتے وہ زمین کے جس گوشے میں ہوں گے ہم آخر ان کو گرفتار کریں گے۔

يُضٰعَفُ۔ یعنی ایک عذاب کفر کا ہوگا اور اس کے اوپر فروعات میں نافرمانی کا عذاب بھی ان کو ہوگا۔ یا یہ مقصد ہے کہ قسم قسم کا عذاب ان کو دیا جائے گا۔

مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ اس کا ایک معنی تو وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے گویا باء جارہ تعلیلیہ محذوف ہے۔ اصل میں تھا بِمَا كَانُوْا الاٰیۃ۔ یا یہ کہ ما کو نافیہ قرار دیا جائے کہ چونکہ وہ ان قوتوں کو استعمال نہیں کرتے تھے۔ گویا وہ بہرے اور اندھے ہیں یا یہ کہ مَادَام کے معنے میں ہو اور مقصد یہ کہ وہ معذب رہیں گے ہمیشہ۔ یعنی جب تک سنتے اور دیکھتے رہیں گے۔ یعنی جیتے رہیں گے اور تفسیر جامع میں ان کی تاویل دشمنان آلِ محمدؐ کے حق میں ہے۔

وَاَخْبَتُوْا۔ یہ خبت سے ہے جس کا معنی ہے برابر ہونا۔ اور اخبات کا معنی اطمینان کا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی بات سے مطمئن ہوں۔ تفسیر جامع میں زید شحام سے مروی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ

مثال ان دونوں فریقوں کی مثل اندھے بہرے اور بصیر و سمیع کی سی ہے کیا دونوں برابر ہیں مثال میں

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾

کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے ؟ اور ہم نے بھیجا نوح کو اپنی قوم کی طرف (اس نے کہا) میں تمہیں (عذاب سے) ٹھیک ڈرانیوالا ہوں

أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ

یہ کہ نہ عبادت کرو مگر اللہ کی مجھے تم پر ڈر ہے دردناک دن کے عذاب کا تو کہا

الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ

ان سرداروں نے جو کافر تھے اس کی قوم سے ہم تمہیں نہیں دیکھتے مگر بشر اپنے جیسا اور نہیں تجھے دیکھتے

اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا

کہ تیری اتباع کی ہو مگر ان لوگوں نے جو گھٹیا ہیں ظاہر میں اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے لئے اپنے اوپر کوئی

ہمارے پاس ایک شخص ہے کلیب نامی کہ آپ کی جانب سے جو حدیث بھی وہ سنتا ہے اس کو فوراً تسلیم کر لیتا ہے حتیٰ کہ ہم نے اس کا نام کلیب تسلیم رکھا ہے۔ پس آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی اور پھر پوچھا کہ جانتے ہو تسلیم کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ یہی تراخبات ہے جس کے متعلق خدا قرآن میں فرماتا ہے وَأَخْبَتُوا ۔ الایۃ۔

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ ۔ یعنی کافر چونکہ مظاہر قدرت دیکھ کر اور براہین توحید سن کر اثر نہیں قبول کرتے تو ان کو اندھا اور بہرہ کہا گیا ہے لیکن اس کے مقابلہ میں مومن دیکھ سن کر عقل کی کسوٹی پر رکھتا ہے۔ اور جو چیز واجب القبول ہو اسے قبول کرتا ہے لہذا اس کو بصیر اور سمیع کہا گیا ہے۔

رکوع نمبر ۳ ۔ حضرت نوح کا ذکر اور معیار نبوت

اس سے قبل سورہ یونس کے تیرھویں رکوع ص۳۱۱ میں اور تفسیر کی چھٹی جلد ص۱۱۲ تا ص۱۲۶ میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب اس سورہ میں بھی دعوتِ عبادت و معرفت کے بعد گزشتہ انبیاء کے قصے بیان کرتے ہوئے پہلے حضرت نوح کا ذکر کیا ہے تاکہ نافرمانوں کے لئے باعثِ عبرت اور پیغمبر کے لئے باعثِ تسکین ہو۔

مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا ۔ قرآن مجید میں گزشتہ امتوں کے حالات و خیالات سے اس امر کا خوب اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نبی کی دعوت کو کن وجوہ کی بنا پر ٹھکراتے تھے ۔ یہاں تین وجوہ کا ذکر ہے جن کی بنا پر حضرت نوح کی دعوت کو رد کیا گیا۔

(۱) اُنہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ آپ ہماری طرح بشر ہیں اور دلیل کا کبریٰ ان کے نزدیک مسلم تھا جس کو ذکر کرنیکی ضرورت

مِنۡ فَضۡلٍۭ بَلۡ نَظُنُّكُمۡ كٰذِبِيۡنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ

زیادتی بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں کہا اس نے اے قوم کیا جانو ؟ اگر میں ایک برہان

كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَاٰتٰٮنِىۡ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِهٖ

پر ہوں اپنے رب سے اور آئی ہو میرے پاس رحمت اس کی کہ تم پر

فَعُمِّيَتۡ عَلَيۡكُمۡ ؕ اَنُلۡزِمُكُمُوۡهَا وَاَنۡتُمۡ لَهَا كٰرِهُوۡنَ ﴿۲۸﴾

مخفی ہو کیا ہم ٹھونس دیں زبردستی تم پر جب کہ تم اسے ناپسند کرتے ہو

ہی انہوں نے محسوس نہ کی کہ جو ہماری طرح بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن مجید نے کسی مقام پر بھی ان کی دلیل کے صغریٰ کو چیلنج نہیں کیا۔ یعنی یہ کہ وہ رسول یا نبی کو بشر کہنے میں حق بجانب تھے۔ بلکہ قرآن نے ان کے صغریٰ کو متعدد مقامات پر تسلیم کرتے ہوئے جگہ بجگہ ان کی دلیل کے کبریٰ کو رد فرمایا کہ بشر اور رسول میں کوئی منافات نہیں۔ چنانچہ یہاں بھی یہی فرمایا کہ میرے پاس اپنے رب کی جانب سے دلیل موجود ہے اور اس کی رحمت کا میرے اوپر سایہ ہے۔ پس اگر یہ چیزیں تم نہیں دیکھ سکتے تو اس کا کیا علاج ہے۔ یعنی جس کو تم دیکھتے ہو کہ میں بشر ہوں وہ درست ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرے پاس خدا کی جانب سے دلیل و برہان اور علم و ایقان بھی ہے جو نبوت کا لازمہ ہے۔ تمہیں اس کی معرفت حاصل کرنی چاہیئے۔ اور اگر تم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تو دین میں جبراً کسی کو داخل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ہم اس کو زبردستی تم پر ٹھونسنا نہیں چاہتے۔ اور تمہیں پھر بھی سوچنے کا موقعہ دیتے ہیں۔ غالباً ہر دور میں یہ موضوع محل نظر بنا رہا ہے کہ آیا نبی بشر ہو سکتا ہے یا نہیں بلکہ عموماً بشریت اور نبوت کو ایک دوسرے کا منافی سمجھا جاتا رہا ہے اور تقریباً بلکہ یقیناً نور و بشر کا معرکۃ الآرا مسئلہ بھی اسی ذہنی اضطراب کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ نور کو نبوت کا لازمہ اور بشر کو نور کا ضد جانتے ہوئے نبی کے لئے بشر ہونا ان کی توہین اور تنقیص سمجھی گئی ہے۔ اور یہ بالکل غلط اور بے بنیاد عقیدہ ہے بلکہ انتہائی جہالت ہے جو سابقہ اقوام نے نبوت کے انکار کی آڑ میں اختیار کر رکھی تھی۔ نور کی ضد ظلمت ہے نہ کہ بشریت۔ پس بشر نورانی بھی ہوتا ہے۔ جیسے کہ انبیاء و اولیا اور بشر ظلماتی بھی ہوا کرتے ہیں جیسے کفار و مشرکین و منافقین انسانی صفات میں سے جس جس صفت کو دیکھئے اس میں یہ دونو پہلو کار فرما رہیں گے اور جو پہلو غالب ہوگا۔ انسان اسی کی جانب منسوب ہوگا۔ مثلاً انسان میں علم کے نورانی پہلو کے مقابلہ میں جہالت کا ظلماتی پہلو ہوتا ہے۔ اور کامل عالم وہ ہے جس میں جہل کی ظلمت کا شائبہ تک نہ رہے۔ اسی طرح تمام صفات نیک و بد میں نیکی نورانی پہلو ہے اور اس کے مقابلہ میں برائی ظلمانی و تاریک پہلو ہے اور بے عیب ہونا نورانی پہلو ہے۔ اور عیب دار ہونا ظلماتی پہلو ہے۔ پس صحیح معنوں میں کامل وہی ہوگا جو نقائص عیوب اور برائیوں کے جملہ تاریک پہلوؤں سے پاک ہو۔ اور فضائل و کمالات اور نیکیوں سے آراستہ ہو کر نورانیت اپنے اندر رکھتا ہو اور تمام انسان ان متضاد صفات سے واسطہ رکھتے ہیں اور شاید کوئی انسان ایسا ہو جس میں کوئی نیکی کا پہلو

موجود نہ ہو۔ اسی طرح عام انسانوں میں سے شاید کوئی انسان ایسا ہو جس میں کوئی برائی یا عیب کی تاریکی نہ ہو۔ اسی بنا پر خداوند کریم کا ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ۔ الآیۃ (خدا ولی ہے ایمان والوں کا کہ ان کو تاریکی (ظلمت) سے نور کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اولیا شیاطین ہیں جو ان کو نور سے نکال کر ظلمت (تاریکی) کی طرف لے جاتے ہیں) پس کفر و نفاق و شرک سب ظلمات اور تاریکیاں ہیں اور ان کے مقابلہ میں اسلام و ایمان و ایقان کی منازل نور کی منزلیں ہیں پھر ایمان لانے کے بعد ہر گناہ ظلمت ہے اور ہر ایک نیکی نورانی بلندی کی ایک منزل ہوتی ہے اور جس کو نیک کہا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کا نورانی پہلو ظلمانی پر غالب ہے اور جسے بد کہا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہوا کرتا ہے کہ اس کا ظلمانی پہلو نورانی پر غالب ہے۔

پس خدا کی جانب سے نمائندہ نبی یا امام وہی ہو سکتا ہے جس میں اعمال و کردار و افعال و اطوار کے لحاظ سے دیگر صفات بشریہ میں سے ظلمانی پہلو موجود نہ ہوں اور اسی کا دوسرا نام عصمت ہے۔ پس نبی کے نور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان ظلمات سے پاکیزہ و منزّہ ہے جن سے دوسروں کو نکالنے کے لئے دعوتِ اسلام لے کر آیا ہے ورنہ اگر خود ظلمات میں ڈوبا ہوا ہو تو وہ دوسروں کو نکالنے سے پہلے خود اپنی نجات کے لئے کسی دوسرے کا محتاج ہوگا۔ پس نبی کے لئے ضروری ہے کہ خود نور ہو۔ اور دوسروں کو نور کی طرف بلائے اور اس لحاظ سے نور کی بشر سے کوئی منافات نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا بہانہ جو کفار کی جانب سے کسی نبی کی دعوت کو ٹھکرانے کے لئے پیش کیا جاتا تھا وہ یہ کہ اپنی چوہدراہٹ اور برتری کو برقرار رکھنے کے لئے غربا و مساکین کے پاس بیٹھنے سے نفرت کا اظہار کرتے تھے چونکہ اسلام مساوات کی دعوت دیتا ہے اور یہاں عزّت و ذلّت کا معیار ہے تقویٰ و عملِ صالح پس جو متقی ہوگا وہ عزت دار ہوگا خواہ قوم میں پست اور دولت کے لحاظ سے ذلیل ہی کیوں نہ سمجھا جاتا ہو۔ اور جو تقویٰ نہ رکھتا ہو وہ اللہ کے نزدیک ذلیل ہوگا خواہ قومیت بلند اور دولت وافر رکھتا ہو۔ لیکن چونکہ دنیا کے غرور میں مبتلا ریاست و امارت اور مال و دولت کے بل بوتے پر نخوت و تکبر کے خوگر عزت و ذلت کے اس معیار کو اپنی ظاہری وجاہت و جاہ و جلال پر ضرب کاری خیال کرتے تھے لہذا دعوتِ نبوی کو ٹھکرانے کے لئے وہ یہ بہانہ ساتھ پیش کرتے تھے کہ آپ کی اتباع تو غریب و کمزور لوگ ہی کرتے ہیں۔ اگر اس جماعت میں امرا ہوتے تو ہم بھی آجاتے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السّلام کو بھی یہ جواب دیا گیا۔ گویا مال و دولت، کبر و غرور اور جاہ و اقتدار کے نشے میں وہ لوگ عقل کے تقاضوں کو یکسر نظرانداز کر دیتے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ بس دولت اور عیش و عشرت ہی حق ہے اور جو بھی نظریہ اس سے ٹکرائے وہ باطل ہے اور نوح علیہ السّلام نے اس کا جواب بھی وہی دیا کہ ہمارے پاس دلیل و برہان اور رحمتِ پروردگار ہے۔ اور تم لوگوں کے لئے بھی حق و باطل کا معیار دلیل و برہان ہونا چاہیئے نہ کہ ظاہری اقتدار گویا دلیل کا صغریٰ مسلّم ہے اور کبریٰ کو ردّ کیا ہے۔

۳۔ مانولی۔ یعنی تم میں ہمارے اوپر کوئی برتری یا فضیلت نہیں ہے جس کی بنا پر ہم آپ کو نبی مان لیں اور آپ کی اتباع کریں گویا دلیل کا صغریٰ یہ ہوا کہ تمہاری ہمارے اوپر کوئی برتری یا فضیلت ثابت نہیں اور کبریٰ جو مسلّمات میں سے تھا۔ جس

کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی کہ جس کی فضیلت ثابت نہ ہو۔ اس کی اتباع نہیں کرنی چاہیئے۔ اس مقام پر بھی جواب وہی ایک ہے جو پہلے دونوں بہانوں کے لئے دیا گیا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے دو نو مقامات پر یہ جواب ان کی دلیلوں کے کبریٰ کو باطل کرتا تھا اور یہاں یہی جواب ان کی دلیل کے صغریٰ کو باطل کرتا ہے اور وہ اس طرح کہ کبریٰ ان کا مسلمہ ہے۔ یعنی جو افضل نہیں ہے واجب الاتباع نہیں ہوگا لیکن صغریٰ دلیل کا درست نہیں کہ آپ ہم سے افضل نہیں ہیں۔ کیونکہ اس نظریہ کے داعی ان کے پاس دو چیزیں تھیں۔ اور وہ اُوپر والے دو عذر۔ ایک یہ کہ آپ بشر ہیں اور ہم جیسے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ آپ کے اتباع غربا طبقہ میں سے ہیں۔ یعنی ظاہری بشریت اور غربت، سے اُنہوں نے نبی کو اپنے جیسا سمجھ لیا اور آپ کی افضلیت کا انکار کرنے لگے تو حضرت نوح نے وہی جواب دیا کہ میں اپنے پروردگار کی جانب سے دلیل و برہان اور اس کی رحمت کا سایہ رکھتا ہوں۔ یعنی فضیلت کا معیار مال و دولت یا ملک ہونا نہیں بلکہ اس کا معیار دلیل و برہان اور علم و یقین ہے۔

حضرت نوح علیہ السّلام یا دیگر انبیاء کے واقعات نیز گذشتہ اقوام کی انبیاء سابقین سے آویزش کے تذکرے صرف قصہ خوانی سے لطف اندوزی کے لئے نہیں بلکہ سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے اور غور و فکر کی راہیں ہموار کرنے کے اساسی دستور ہیں۔ اسی لئے تو ایک مقام پر فرمانا ہے کہ جو ایمان کو قبول کرے تو دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر کرے اور جو کفر کی طرف جائے تو وہ بھی سوچ سمجھ کر ایسا کرے تو یہاں ذرا قوم نوح کے ہر سہ نظریوں کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھئے۔

- صغریٰ۔ آپ بشر ہیں ـــــ کبریٰ۔ جو بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا ـــــ نتیجہ۔ آپ نبی نہیں ہو سکتے۔
- صغریٰ۔ آپ کے اتباع غریب لوگ ہیں۔ کبریٰ۔ جس کے اتباع غریب لوگ ہوں وہ قابل اتباع نہیں۔ نتیجہ آپ قابل اتباع نہیں
- صغریٰ۔ آپ ہم سے افضل نہیں ـــــ کبریٰ۔ جو افضل نہ ہو اس کی اطاعت ناجائز ہے۔ نتیجہ آپ کی اطاعت ناجائز ہے۔

پس تین اعتراضوں کے بعد انہوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ آپ کی دعوت جھوٹی ہے۔ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِيْنَ (یعنی ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں)۔

حضرت نوح نے فرمایا میں رب کی طرف سے اپنی حقانیت پر دلیل و برہان رکھتا ہوں۔ اور اللہ کی رحمت میرے سر پر ہے پس پہلی اور دوسری دلیل کا کبریٰ باطل اور جواب اس طرح ہوا۔

- میں بیشک بشر ہوں۔ اور جو بشر نبوت کے لئے بیّنہ و برہان رکھتا ہو وہ نبی ہو سکتا ہے۔ نتیجہ۔ لہٰذا میں برحق نبی ہوں۔
- میری اتباع غریب کرتے ہیں ـــــ نبی برحق کی اطاعت کرنے والے حق پر ہیں خواہ امیر ہوں خواہ غریب۔ نتیجہ۔ پس میری اطاعت کرنے والے غریب حق پر ہیں۔

اور تیسری ان کی دلیل کا کبریٰ درست ہے لیکن صغریٰ غلط اور جواب اس طرح ہوگا۔

- میں صاحب برہان نبی ہوں اور تم سے افضل ہوں۔ افضل کی اطاعت واجب ہے نتیجہ۔ پس میری اطاعت واجب ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ افضل کی اطاعت کرنے کا نظریہ عقلی و فطری نظریہ ہے جس کو کافر بھی تسلیم کرتے ہیں تو جیف صدیف

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ

اور اے قوم میں نہیں مانگتا تم سے بدلہ میں مال مجھے اللہ ہی اجر دے گا اور نہیں ہوں میں بھگانے وال

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

ان کو جو ایمان لائے کیونکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کرنے والے ہیں لیکن میں تو تمہیں جاہل قوم سمجھتا ہوں

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور اے قوم کون میری مدد کرے گا اللہ سے اگر میں نے ان کو بھگا دیا کیا تم نہیں سوچتے

ہے ان عقل و دانش کے اندھے انسانوں پر جو مسلمان کہلاتے ہوئے افضل کو مفضول کی اطاعت پر مجبور کرنا دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ اور حضرت علی کو افضل جاننے کے بعد ان کی خلافت بلافصل سے روگردانی اسی کور باطنی کا نتیجہ ہے۔

وَيٰقَوْمِ - حضرت نوح کی قوم نے تین اعتراض کرکے آخر میں کہہ دیا کہ تم جھوٹے ہو۔ لہٰذا ہم تمہاری کوئی بات نہیں مانتے تو آپ نہایت حوصلہ اور متانت سے پھر ان کو سمجھاتے ہیں کہ تم نے میری بشریت کے پیش نظر میری نبوت کا انکار کیا۔ پھر اسی بنا پر غربت و افلاس کو ساتھ ملحوظ رکھتے ہوئے میری فضیلت کا انکار کیا تو چلو ایک معقول بات سن لینے میں تمہیں حرج کیا ہے کہ طیش میں آتے ہو۔ اور میں تم سے کوئی فیس تو وصول نہیں کرتا کہ تم گھبرا جاؤ میں تو تمہیں جو کچھ سناتا ہوں، مفت سناتا ہوں۔ کم از کم سن تو لو مجھے اس کا اجر خدا خود ہی دے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ میری بات ماننے والے تمہاری نظروں میں حقیر اور ذلیل لوگ ہیں تو ہوا کریں۔ مجھے بے ایمان دولت مند سے ایمان دار غریب اچھا ہے۔ لہٰذا تمہارے کہنے سے ان کو الگ کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہوں۔

افکار و رموز

(۱) انہوں نے شریف و رذیل کا معیار مال و زر کو بنا رکھا تھا اور آیت کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے یہ کہا ہوگا کہ ان کو اپنے پاس سے ہٹا دیں تو ہم ایمان لائیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس بیٹھنا ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں تو اس کا جواب دیا گیا ہے کہ تم نے شریف و رذیل کا جو معیار بنا رکھا ہے وہ غلط ہے بلکہ یہ لوگ تو اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں یعنی عزت اور شرافت کا معیار ہے۔ خوشنودئ خدا اور رذالت کا معیار ہے دشمنئ خدا۔ پس وہ لوگ اگرچہ غریب ہیں لیکن ایمان کی وجہ سے اللہ کے نزدیک عزت دار ہیں۔

(۲) یہ اندازِ بیان اور طریق تبلیغ اسی کی ذات کے ہی شایانِ شان ہے۔ ان کے ہر سہ اعتراضات کا پہلا جواب یہ تھا۔ کہ میرے پاس نبوت کی دلیل و برہان ہے اور پھر فرمایا کہ اگر تم نہیں مانتے تو ایک معقول بات کے سننے میں غصہ کیوں کرتے ہو میں تم سے کچھ مانگتا تو نہیں ہوں۔

اب ذرا تیز لہجہ میں تیسرا جواب یہ ہے کہ تمہارے ہر سہ اعتراضات جہالت پر مبنی تھے۔ کیونکہ بشر اور نبی میں کوئی منافات نہیں بلکہ وہ نبی ہے جو اللہ کی جانب سے نبوت کی سند و برہان رکھتا ہو۔ اسی طرح مال و دولت نہ رکھنے والا رذیل نہیں ہوتا۔ بلکہ

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ

اور میں نہیں کہتا تمہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ

مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ

ہوں اور نہ کہتا ہوں ان کے متعلق جن کو تمہاری آنکھیں ذلیل سمجھتی ہیں کہ نہ دیگا ان کو خدا اچھا بدلہ اللہ

اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا

جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے (اگر میں ایسا کہوں) تو ظالموں سے ہو جاؤں گا کہنے لگے اے نوح تو نے ہمارے ساتھ جھگڑا کیا

ایمان کی دولت سے جو محروم ہو وہ رذیل ہوتا ہے اور فضیلت کا معیار دولت نہیں بلکہ علم و عرفان اور دلیل و برہان ہے۔ پس اپنے غلط نظریوں کی بنا پر ہمیں جھوٹا کہنا تمہاری جہالت کی دلیل ہے۔

(۳) نصرت اور شفاعت میں فرق جاننا ضروری ہے۔ حضرت نوح فرما رہے ہیں کہ اگر ان ایمان صفت غریب طبقہ کو میں اپنے پاس سے دور کر دوں تو میری اللہ سے نصرت کون کرے گا۔ تو جو لوگ شفاعت کے منکر ہیں وہ اس آیت سے سہارا لیتے ہیں کہ حضرت نوح صاف کہہ رہے ہیں کہ میری اللہ سے نصرت کرکے چھڑانے والا کوئی نہ ہوگا اور شفاعت بھی ایک قسم کی نصرت ہے جب نوح کی غلطی پر اس کی شفاعت نہیں ہو سکتی تو کسی دوسرے کی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور اس کا جواب یہ ہے۔ نصرت اور شفاعت دو مفہوم ہیں۔ جن کے معنی میں تضاد ہے۔ نصرت کہتے ہیں۔ کسی کو اس کے مدمقابل پر غلبہ دلانے کے لئے اس کی امداد کرنا اور حضرت نوح اسی معنی کی نفی کر رہے ہیں کہ غریب طبقہ کو بھگا دینا اللہ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے اور ایسی صورت میں پھر کون ہوگا جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرکے مجھے غالب کر سکے گا اور شفاعت کا معنی یہ ہے کہ منت و سماجت سے کسی کی جان چھڑا لینا، اور حضرت نوح اس معنی کا انکار نہیں کر رہے تھے۔

(۴) تفکر اور تذکر میں بعضوں نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ تذکر اس بات کو سوچنا جو پہلے ذہن میں موجود ہو۔ اور تفکر ایسے مطالب کا سوچنا جو پہلے ذہن میں نہ ہوں۔

خَزَآئِنُ اللّٰهِ۔ پھر ان کے انہی سوالوں کی مزید تردید کے لئے جداگانہ رنگ اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ تم جو مجھے بشر ہونے کا طعنہ دیتے ہو۔ میں نے کب کہا ہے کہ میں خدا کی خدائی اور اس کے خزانوں کا مالک ہوں کہ جو کچھ مانگو گے دیتا جاؤں گا۔ میں نے تمہیں اللہ کے سامنے جھکنے کو کہا ہے جو انسانیت کا مقتضا ہے۔ اور بشر کی شان ہے یعنی تم مجھے بشر ہونا تو تب بتلاؤ جب اس سے بڑھکر مذکورہ بالا دعویٰ کروں۔ نیز تم میری اتباع کرنے والوں کو جو رذیل کہتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی عزت دار ہوں۔ لہذا ایسی بے تکی باتیں کرنے کا مجھے حق نہیں اور نہ تمہیں اس کا کوئی حق پہنچتا ہے یا یہ کہ اگر تم ان کو اس لئے رذیل کہتے ہو کہ یہ لوگ صرف زبانی زبانی میرے ساتھ ہیں اور دل سے مومن نہیں ہیں لہذا انکو بھگا دو۔ تو یہ کہنا درست نہیں کیونکہ میں تو ظاہر کا مکلف ہوں۔ اور وہ ظاہر میں

فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲

اور بڑا جھگڑا کیا تم نے پس وہ لاؤ جو وعدہ کرتے ہو اگر ہو تم سچے

قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۳ وَلَا

فرمایا ضرور وہ بھی لائے گا تم پر اللہ اگر چاہے گا اور تم اس کو عاجز نہیں کر سکو گے اور نہ

يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ إِنْ أَرَدْتُّ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ أَنْ

نفع دے گی تمہیں میری نصیحت اگر میں چاہوں کہ تمہیں نصیحت کروں اگر اللہ چاہتا ہو تمہیں عذاب دینا

يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۳۴ أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ

وہ تمہارا رب ہے اور اس کی طرف تمہاری بازگشت ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ افترا باندھا ہے کہہ دو اگر میں

إِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ إِجْرَامِيْ وَأَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝۳۵ ع

نے افترا باندھا ہے تو اس کا جرم مجھ پر ہے اور میں بری ہوں اس سے جو تم جرم کرو

ایمان لا چکے ہیں ان کی دل کی باتیں اللہ ہی جانتا ہے۔ اور میں غیب نہیں جانتا کہ اس معاملہ میں تمہاری تصدیق کروں۔ اسی طرح تم نے کہا ہے کہ تجھے ہم پر کوئی فوقیت نہیں ہے تو میں نے کب ملک (فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے)

لِلَّذِيْنَ۔ یعنی جن لوگوں کو تم حقیر سمجھتے ہو اور کہتے ہو کہ ان کا کوئی اچھا صلہ نہیں ملے گا۔ میں ایسا نہیں کہہ سکتا۔ خدا خود ہی ان کے دلوں کو جانتا ہے اگر وہ خالص مومن ہوں گے تو دنیا میں جس طرح ان کو دولتِ ایمان سے مالا مال کیا ہے۔ آخرت میں بھی ان کو جنت کا انعام دے گا۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ۔ ہمیشہ جھوٹے اور ہٹ دھرم لوگوں کا یہ دستور ہے کہ دلیل و برہان میں مغلوب ہو جائیں تو یہ بات کہہ کر اپنی جان چھڑاتے ہیں کہ تم جھگڑالو اور باتونی قسم کے آدمی ہو۔ چنانچہ حضرت نوح ؑ نے جب چار معقول جوابوں سے ان کے منہ میں لگام دے دی کہ پہلے اپنی پوزیشن کی وضاحت کی کہ میں کیا ہوں۔

ثانیاً ان کے خدشات کو دور کیا اور معقول کی طرف توجہ دینے کی دعوت دی۔

ثالثاً۔ ان کو ان کی جہالت پر متنبہ کر کے دعوتِ فکر دی۔ اور رابعاً ان کو غلط فہمی کے وجوہ بتلائے۔ اور نہایت سکون و اطمینان سے ان کو راہِ حق کی طرف قدم اٹھانے کا شوق دلایا۔ پس جب ان کا ناطقہ بند ہوا تو اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر کہنے لگے کہ تیرے جھگڑے کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے پس وہ عذاب لے آؤ جس کا وعدہ کرتے ہو۔

يَأْتِيْكُمْ۔ اس میں بھی حضرت نوح نے اپنے مامور من اللہ ہونے کا ثبوت دیا جب کہ انہوں نے کہا کہ عذاب لے آؤ۔ آپ

وَاُوْحِيَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا

اور وحی کی گئی نوح کو کہ تحقیق نہیں مومن ہوگا تیری قوم سے مگر وہی جو ایمان لا چکے ہیں پس رنجیدہ

تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا

نہ ہو اس سے جو وہ کرتے ہیں اور تیار کر کشتی ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ

اور نہ خطاب کرنا مجھ سے ان کے متعلق جو ظالم ہیں (کیونکہ) وہ ضرور غرق ہوں گے وہ کشتی بنا رہے تھے

نے فرمایا عذاب لانا میرا کام نہیں بلکہ میرا کام تبلیغ کرنا ہے مانو نہ مانو تمہاری مرضی اور عذاب لائے یا نہ لائے وہ اللہ کا کام ہے اگر چاہے گا تو لے آئے گا اور پھر اُس کو نہ عاجز کر سکو گے اور نہ اس کے عذاب کو اپنے سروں سے ٹال سکو گے۔

خدا کی مشیت کا حوالہ دے کر حضرت نوح نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ خدا اپنے نبیوں کا محتاج نہیں ہے وہ عذاب کے لانے یا نہ لانے میں اپنی مشیت پر عمل کرتا ہے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ یعنی اگر تم پر بوجہ اپنی سرکشیوں کے عذاب محتوم ہو چکا ہے تو میں جتنی نصیحت کروں گا تم نہ مانو گے۔

رکوع نمبر ۴

تفسیر جامع میں ابوصلت ہروی سے منقول ہے میں نے امام رضا علیہ السّلام سے پوچھا کہ زمانہ نوح میں خداوند کریم نے ساری دنیا کو کیوں غرق کر دیا حالانکہ ان میں بچے معصوم بھی ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ جب ان پر عذاب حتمی ہو گیا تو وقتِ عذاب سے چالیس برس قبل خدا نے ان کی عورتوں کو عقیم بنا دیا۔ پس کوئی بچہ اس دوران میں ان کے ہاں پیدا نہ ہوا۔ پس وہ جو حضرت نوح کی تکذیب نہ کرتے بلکہ انہوں نے حضرت نوح کو دیکھا بھی نہ تھا لیکن وہ ان کافروں کے افعالِ بد سے خوش اور راضی تھے پس ان دونو جماعتوں کو غرق کر دیا گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ پہلے تین سو برس تبلیغ کی اور جب ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ تو ان پر بد دعا کرنے لگے لیکن زمین کے ملائکہ میں سے بارہ ہزار فرشتوں نے درخواست کی کہ آپ فی الحال درگذر فرمائیں اور مزید ایک دفعہ موقعہ دیں۔ چنانچہ پھر تین سو برس گذار دیئے پھر نفرین کا ارادہ کیا تو پھر فرشتوں کی دوبارہ استدعا سے مہلت بڑھا دی گئی اور جب پورے نو سو برس گذرے تو عرض کی اے پروردگار میں نے شب و روز محنت کر کے ان کو تیرا پیغام پہنچایا لیکن وہ بالکل مانتے ہی نہیں تو خدا کی طرف سے ان کو اطلاع ملی کہ تیری قوم سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ بس وہی مومن ہوں گے جو پہلے سے ایمان لا چکے ہیں پس آپ نے بد دعا کی تو ارشادِ خداوندی ہوا کہ غم نہ کرو اور کشتی بناؤ۔

بِاَعْيُنِنَا۔ اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ میرے سامنے بناؤ۔ مقصد یہ ہے کہ ہماری حفاظت اور امان میں بناؤ کہ اس سلسلہ میں کوئی تمہیں گزند نہیں پہنچا سکے گا یا یہ کہ اعین سے مراد ملائکہ ہوں۔ یعنی ہمارے فرشتوں کے سامنے بناؤ۔ یعنی وہ تمہاری ہر طرح

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا

تو جب بھی اس کی قوم کے سرداروں کی کوئی ٹولی وہاں سے گذرتی تھی تو اس سے مسخری کرتے تھے فرمایا اگر تم ہم سے مسخری کرتے ہو تو ہم بھی

نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ

تم سے مسخری کرلیں گے جس طرح تم کرتے ہو عنقریب جانوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب رسوا کرنے والا

وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ

اور آتا ہے عذاب دائمی یہاں تک کہ جب پہنچا ہمارا حکم اور جوش مارا تنور نے تو ہم نے کہا کہ سوار کرلے

نگہبانی کریں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کشتی کھلے میدان میں بناؤ تاکہ آنے جانے والے سب دیکھیں جو عبرت حاصل کرنا چاہیں انہیں مزید سوچنے کا موقعہ مل جائے اور جو عنادی ہیں ان پر مزید حجت تمام ہوجائے پس اس مقصد کو مجازاً باعیننا سے تعبیر کیا گیا۔
بِوَحْيِنَا - اس سے قبل کشتی بنانے کے متعلق تو وحی ہوچکی تھی - اب یہ کہ ہماری وحی سے بناؤ یعنی اس کا طول وعرض و بلندی اور کیفیت یہ سب کچھ بھی ہماری ہدایت کے ماتحت ہوگا یعنی اس کے معاملہ میں تمہیں اختیار نہیں بلکہ ہم جو بتائیں گے تمہیں ویسا ہی کرنا ہوگا۔
وَكُلَّمَا مَرَّ - آیت مجیدہ میں ہے کہ جب بھی کشتی بنانے کے دوران میں سردارانِ قوم پاس سے گذرتے تھے تو حضرت نوح پر مسخری کرتے تھے - کوئی ازراہ مزاح کہتا تھا کہ کیا آپ کو نبوت کے بعد درکھان ہونے کا عہدہ ملا ہے؟ کوئی کہتا تھا کہ یہ لمبی چوڑی کشتی پانی کی بجائے خشکی پر چلاؤ گے؟ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں تو حضرت نوحؑ ان کو جواب میں ارشاد فرماتے تھے کہ اب تم مسخری کرلو پھر جب ہمارا موقعہ آیا تو ہم بھی تمہیں دیکھ لیں گے - اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہم بھی تم سے مسخری کریں گے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس مسخری کا انہیں مزا چکھائیں گے۔

کشتی نوحؑ کا حلیہ

کشتی کے طول وعرض کے متعلق بعض نے کہا ہے کہ ۱۲ سو ذراع لمبی اور ۳ سو ذراع چوڑی تھی اور بعض نے تین سو ذراع لمبی اور پچاس ذراع چوڑی اور تیس ذراع اونچی کا ذکر کیا ہے - اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس میں تین منزلیں تھیں - نچلی منزل وحوش وحشرات الارض کے لئے درمیانی منزل چوپاؤں کے لئے اور تیسری آخری منزل انسانوں کے لئے تھی اور یہ ساگوان کی لکڑی سے بنائی گئی تھی (مجمع البیان) اور تفسیر جامع کی روایت میں کشتی کا طول ۱۲ سو ذراع عرض آٹھ سو ذراع اور بلندی اسی ذراع منقول ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ کشتی کے تیار ہوجانے کے بعد حضرت نوح نے سریانی زبان میں آواز دی اور آپ کی آواز پر تمام حیوانات اکٹھے ہوگئے - پس آپ نے ہرجنس کا جوڑا جوڑا کشتی پر سوار کرلیا - ایک روایت میں ہے کہ جب گندگی پاخانہ کی شکایت پیدا ہوئی تو بامر خدا ہاتھی کی چھینک سے سور پیدا ہوا - اور دوسری روایت میں ہے کہ جب گھوڑوں کی لید وغیرہ اور گندگی زیادہ بڑھی تو خنزیر کی چھینک سے خدا نے چوہے کو پیدا کیا اور جب چوہے کثرت سے

فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ

اس پر ہر جنس سے جوڑا جوڑا اور اپنی اہل کو سوائے ان کے جن پر حتمی ہو چکا ہے وعدہ (عذاب) اور

مَنْ آمَنَ ط وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ (۴۰) وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ

مومنوں کو اور نہ ایمان لائے تھے اس کے ساتھ مگر تھوڑے اور کہا کہ سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کا نام لے کر

مَجْرِيهَا وَمُرْسَاهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (۴۱) وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ

بوقت روانگی اور بوقت ٹھہراؤ تحقیق میرا رب بخشنے والا مہربان ہے اور وہ چلتی تھی ان کے ساتھ موجوں میں

ہو گئے تو بامرِ خدا شیر کی چھینک سے بلی پیدا ہو گئی۔

تفسیر جامع کی روایت کے مطابق جب نوحؑ کی قوم پر عذاب محتوم ہوا تو حضرت نوح کو درخت لگانے کا حکم ہوا۔ چنانچہ جب آپ نے درخت بویا تو قوم کے لوگوں نے مسخری کرتے ہوئے کہا کہ نو سو برس کی عمر پا کر اب درخت لگانے کا حرص پیدا ہو گیا ہے۔ جب بحکم خدا پچاس برس کے بعد درخت کو کاٹا تو پھر طعنہ دیا کہ جب درخت سے فائدہ حاصل کرنے کا وقت آیا تو اسے کاٹ رہا ہے۔ جب کشتی کے تختے بنانے اور تراشنے کا وقت آیا تو نوحؑ نے ناصر کی خواہش کی تو خدا کا حکم ہوا۔ لوگوں کو کہو۔ مدد کریں اور اس کے بدلہ میں ان کے لئے لکڑی کے ریزوں کو سونا بنا دوں گا۔ پس وہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنے عذاب کا سامان تیار کرنے لگے۔ مسخری بھی کرتے تھے اور سونے کے طمع میں کشتی بنانے میں مدد بھی دیتے تھے۔ اور کشتی اسی جگہ بنائی گئی تھی جہاں اب مسجد کوفہ موجود ہے۔ مروی ہے کہ حضرت نوحؑ کی ایک بیوی روٹی پکا رہی تھی کہ تنور سے پانی کا فوارہ نکلا تو وہ چیخنے لگی پس حضرت نوحؑ نے مٹی لے کر اس سوراخ کو بند کیا اور حیوانوں کو مع ان کے گھاس کے انتظام کے کشتی میں سوار کیا۔ جب سب کام مکمل کر لیا تو جا کر تنور کے اس سوراخ سے مٹی کو ہٹا دیا۔ پس سوراخ کا کھلنا تھا کہ پانی زور سے نکلنا شروع ہوا اور آسمان سے پانی بغیر بادل کے برسنا شروع ہوا۔ نیز زمین پھوٹ پھوٹ کر اپنے پانی کو اوپر نکالنے لگی۔ بس آن کی آن میں زمین کے اوپر سب پانی ہی پانی ہو گیا حتیٰ کہ بلند ترین پہاڑوں سے بھی اُس کی سطح ۱۵ یا ۳۰ یا ۴۰ ذراع باختلاف روایات بلند تھی۔

وَأَهْلَكَ۔ حضرت نوح کو حکم ہوا کہ کشتی میں اپنے اہل کو سوار کر لو۔ اور ہم نے تفسیر کی چھٹی جلد ص۲۶ تا ص۳۸ میں آل کی تحقیق کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ اہل میں انسان کے وہ معتمدین داخل ہوتے ہیں جو اس کے مشن میں اس کے ساتھ برابر کے شریک ہوں۔ خواہ وہ مشن دنیاوی ہو یا دینی اور حضرت نوح کے دنیاوی مشن او گھریلو معاملات میں چونکہ بیوی بچے سب داخل تھے اور البتہ دینی معاملہ میں جو حضرت نوحؑ کا نبوتی و رسالتی مشن تھا اس میں ایک لڑکا اور ایک بیوی ان کے مخالف تھے اور چونکہ عذاب خداوندی کفار اور دشمنان دین کے لئے تھا تو ارشادِ باری ہوا کہ عذاب سے بچانے کے لئے کشتی میں اپنے اہل کو سوار کر لو۔ اور پھر ان افراد کے استثناء کا حکم دیا جو دینی معاملہ میں آپ کے ہمنوا نہ تھے۔ یعنی گھریلو معاملات میں ان کا شمار اہل میں تھا لیکن دینی لحاظ سے وہ آپ

كَالۡجِبَالِ وَنَادٰى نُوۡحُ ابۡنَهٗ وَكَانَ فِىۡ مَعۡزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارۡكَبْ مَّعَنَا وَلَا

جو پہاڑوں کی مانند تھیں اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو کہ وہ الگ تھا اے بیٹا سوار ہو جا ہمارے ساتھ اور نہ ہو

تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِىۡۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعۡصِمُنِىۡ مِنَ الۡمَآءِ‌ ؕ قَالَ لَا

ساتھ کافروں کے تو کہنے لگا میں پناہ لوں گا طرف پہاڑ کے بچالے گا مجھے پانی سے تو کہا کہ نہیں

عَاصِمَ الۡيَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ‌ ۚ وَحَالَ بَيۡنَهُمَا

بچانے والا آج کوئی عذاب خدا سے مگر جس پر رحم کرے اور حائل ہوگئی ان کے درمیان

الۡمَوۡجُ فَكَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِيۡنَ ﴿۴۳﴾

موج اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہو گیا

کے دشمن تھے تو جب مطلق اہل کے سوار کرنے کا حکم ہوا تو اس کے عموم میں تمام اہل داخل تھے۔ خواہ دینی لحاظ سے ہوں یا دنیاوی سے تو استثناء کے ذریعہ سے ان کو نکال دیا جو دینی معاملہ میں ہمنوا نہ تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب اہل کے سوار کرنے کے ساتھ یہ حکم ہوا کہ مَنۡ اٰمَنَ ایمان والوں کو سوار کیجئے تو وہاں استثناء کی ضرورت نہ ہوئی۔

تمام تفسیروں میں ہے کہ جب بیٹے کو غرق ہونے دیکھا تو اُسے اپنی کشتی پر سوار ہو جانے کے لئے بلایا۔ لیکن اُس نے کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور آخر کار غرق ہو گیا۔ حضرت نوحؑ کو معلوم تھا کہ کافر ضرور غرق ہوں گے اور خدا نے بھی فرمایا تھا کہ اب ظالم لوگوں پر عذاب حتمی طور پر نازل ہوگا۔ لہٰذا ظالموں کے متعلق سفارش نہ کرنا۔ پھر ان تمام تصریحات کے باوجود حضرت نوحؑ نے خدا سے بھی دعا مانگ لی کہ میرے بیٹے کو بچالے حالانکہ خدا کی نہی کے بعد بیٹے کے لئے یا کسی کے لئے سفارش کا کوئی محل ہی نہ تھا تو یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہر ذہن میں پیدا ہوتا ہے تو اس کا حل اس طرح ہے کہ خداوند کریم نے حضرت نوح کی اہل کو بچانے کا وعدہ فرمایا تھا اور اہل کا معنی چونکہ مخلصین و معتمدین ہوا کرتے ہیں اور حضرت نوح کا یہ لڑکا کنعان نامی بھی ظاہراً باپ کا فرماں بردار تھا۔ اور باپ کے سامنے اپنا مخلص مومن ہونا بھی ظاہر کرتا تھا۔ جس طرح کہ حضرت رسالت مآبؐ کے زمانہ میں بہت سے منافقین اپنے تئیں مومن ظاہر کرکے جناب رسالت مآبؐ سے رعایات حاصل کرتے تھے اور ان کی جان و مال محفوظ تھے۔ پس اسی بنا پر حضرت نوح نے اس کو مومن سمجھتے ہوئے اظہار محبت کیا اور خدا سے اس کی نجات کی دعا مانگی اور اس کے منافق ہونے کی قلعی اس وقت کھلی جب اُس نے باپ کی اعلانیہ نافرمانی کرتے ہوئے کشتی پر سوار ہونے سے انکار کر لیا اور دُعا کے جواب میں جب زبانِ قدرت سے جواب ملا کہ انه ليس من اهلك۔ تو مزید تسلی ہوگئی کہ وہ منافق تھا لہٰذا بعد میں کوئی جزع و فزع یا غم و اندوہ ان کو لاحق نہ ہوا۔

تفسیر جواہر طنطاوی میں صاف مذکور ہے کہ وہ منافق تھا اور اس کے ظاہری ایمان کی وجہ سے نوح نے اس کے لئے دُعا

کی تھی۔ اور نوح کے بیٹے کو اہل سے نکالنے کا مقصد یہ ہے کہ نبی کے اہل سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جو ظاہر و باطن میں ایمان کے زیور سے آراستہ ہوں اور ایسوں ہی کے ساتھ نجات کا وعدہ تھا اور حضرت نوح کا صرف بیٹے کے لئے نجات کا سوال کرنا اور بیوی کو نظر انداز کرنا اسی امر کا کاشف ہے کہ بیوی اعلانیہ کافر تھی لہذا اس کے لئے دعا کرنے کا جواز ہی نہ تھا اور بیٹا چونکہ ظاہراً مومن تھا اور دل میں منافق تھا۔ پس اس کے لئے ظاہری ایمان کی وجہ سے دعا مانگی۔ حضرت نوح کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کافرہ جس کا نام واعلہ تھا اور اس کا بیٹا کنعان جو منافق تھا ظاہراً باپ کی خوشامد کے طور پر مسلمان تھا اور اندرونی طور پر اپنی ماں کے ساتھ ہم خیال تھا۔ ان دونوں کا انجام ہلاکت ہوا۔ اور دوسری بیوی مومنہ تھی جس کے تین بیٹے تھے۔ سام۔ حام۔ یافث۔ اس مقام پر حضرت نوح کے غرق ہونے والے بیٹے کنعان کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ ان کا صلبی بیٹا تھا لیکن کفر و نفاق کی وجہ سے اہل سے خارج ہو گیا۔ جس طرح کہ اس کے برعکس ایمان کی بدولت حضرت سلمان کو حضورؐ نے اپنی اہل میں داخل فرما لیا۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خدا نے نوح کو اس لئے فرمایا کہ وہ تیری اہل سے نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے مخالف تھا اور جنہوں نے اس کی اطاعت کی ان کو اہل قرار دے دیا۔ اور بعد والے لفظ بتلاتے ہیں کہ وہ اہل سے کیوں کٹ گیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت نوح کا صلبی بیٹا نہ تھا بلکہ اس کی زوجہ کا پچھلے گھر سے لڑکا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ حرام زادہ تھا لیکن مذہب شیعہ کے اصول کے مطابق یہ غلط ہے کیونکہ نبی کی بیویاں بدچلن نہیں ہوا کرتیں۔ اور قرآن مجید میں جہاں حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں کے متعلق یہ ہے کہ انہوں نے خیانت کی تھی اس کا مقصد صرف اُمور دینیہ میں مخالفت کرنا ہے۔ پس حضرت نوح کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ حضرت نوح کو مجنون و دیوانہ کہا کرتی تھی۔ اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی خیانت یہ تھی، کہ وہ حضرت لوطؑ کے ہاں آنے والے مہمانوں کی اطلاع قوم کو دیتی تھی اور رازداری میں خیانت کرتی تھی۔ پس کسی بھی نبی کی زوجات کے متعلق بدچلنی کا الزام انبیاء کی ناقدر شناسی ہے اور خداوند کریم نبیوں کی ناموس کا خود محافظ ہوا کرتا ہے۔ ہم ایسا عقیدہ رکھنے والوں سے بیزار ہیں جو انبیاء کی بیویوں کے متعلق بہتان و الزام عائد کریں۔ ہاں ہم حضرت نوح و حضرت لوط کی بیویوں کو مومن نہیں سمجھتے اور اس کے قائل ہیں کہ نبی کی نبوت اس کی بیوی کی نجات کی ضمانت نہیں بن سکتی۔ پس عذاب خداوندی سے کسی نبی کی عورت کو شوہر کی نبوت نہیں بچا سکتی۔ پس عذاب سے بچانے والی چیز ہے نبی کی اطاعت و فرمانبرداری ساتھ ایمان کے۔ بہر حال ان تین اقوال میں سے پہلا قول صحیح ہے اور قرآن کا ظاہر بھی اس سے موافقت رکھتا ہے۔

مسجد کوفہ کے فضائل

نکاتِ علمیّہ (۱) فارَ [۲۱] فار یفور سے ہے جس کا معنی ہوتا ہے۔ اُبلنا۔ کھولنا۔ جوش مارنا اور فار التنور کا معنی ہوا کہ جوش مارا تنور نے لیکن تنور کے معنی میں اختلاف ہے بعض مفسرین نے روٹیاں پکانے والا تنور مراد لیا ہے۔ چنانچہ اس معنی کی مؤید ایک روایت بھی گذر چکی ہے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ تنور حضرت آدم علیہ السّلام کا تھا اور اس سے پانی کا اُبلنا حضرت نوح کے لئے علامت مقرر تھا کہ جب مقام غیر معروف سے پانی اُبلنے لگے تو جان لینا کہ عذاب کا وقت آگیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مقام عین الوردۃ علاقہ شام میں

ؒ تفسیر کی جلد ۱۴ سورہ تحریم میں بھی خیانت سے یہی معنی مراد ہے۔

حضرت نوح علیہ السّلام کے گھر میں تھا اور بروایت مفضل بن عمرو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مسجد کوفہ کے پاس ایک بڑھیا کے گھر میں تھا جو مومنہ تھی۔ اور اس سے پانی کا نکلنا حضرت نوح کی قوم کے لئے ایک نشانی تھی پھر اس کے بعد اُوپر سے موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور دریائے فرات میں یکبار طغیانی آگئی اور زمین کے چشمے پھوٹ پڑے پس روئے زمین پر پانی ہی پانی ہوگیا۔ پس نوح اور اس کے ہمراہ کشتی میں سوار ہونے والوں کے علاوہ سب غرق ہوگئے اور ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ حضرت نوح سات شبانہ روز کشتی میں ٹھہرے تھے۔ جب مسجد کوفہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ مسجد کوفہ بہت پرانی ہے۔ اور یہ انبیاء کی عبادت گاہ ہے۔ شب معراج حضرت رسالتمآبؐ بھی یہاں نماز پڑھی تھی۔ اور جبریل نے بتایا تھا کہ یہ آدم اور دیگر انبیاء کی عبادت گاہ ہے۔ اس کے بعد پھر آسمان کی طرف عروج فرمایا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پورے پانچ ماہ کشتی پانی کی سطح پہ رہی۔ ابوعبیدہ حذاءؒ نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ مسجد کوفہ کا وسط جنّت کے باغات میں سے ایک باغیچہ ہے۔ اس میں ایک نماز ستر نمازوں کے برابر ہوتی ہے اور اس میں ایک ہزار ستر نبیوں نے نماز ادا کی ہے۔ یہیں سے تنور اُبلا تھا۔ اور اسی جگہ سے کشتی روانہ ہوئی تھی۔ اور یہی انبیاء کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ تنور کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ مطلق زمین کی سطح کو تنور کہتے ہیں اور معنی یہ ہوگا کہ زمین سے پانی اُبلنے لگا۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ تنور کا معنی صبح ہے یعنی ادھر صبح نمودار ہوئی اور ادھر عذاب خداوندی نازل ہوا۔ اور یہ حضرت علی علیہ السّلام سے روایت کی گئی ہے۔ اور چوتھا قول اس میں ہے کہ تنور کا معنی بلند مقام یعنی زمین کی بلندیوں سے پانی پھوٹ پڑا۔

تنبیہ۔ بعض روایات میں مسجد کوفہ میں ایک نماز ایک ہزار نمازوں کے برابر بھی منقول ہے۔ اور یہاں ایک نماز ستّر کے برابر بتلائی گئی ہے تو ان روایات میں تنافی نہیں ہے کیونکہ یہ کثرت اور مبالغہ کی الگ الگ تعبیریں ہیں۔ جس طرح کسی کو مبالغہ آمیز لہجہ میں تنبیہ کرنا ہو تو کہا جاتا ہے میں نے تمہیں ہزار بار سمجھایا۔ لاکھ مرتبہ بتایا۔ سو دفعہ کہا پچاس دفعہ کہا۔ بیسیوں بار سمجھایا وغیرہ تو ایک ہی مقصد کے لئے اتنے جملے متضاد نہیں سمجھے جاتے بلکہ ان کا اور ان جیسے دیگر جملوں کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ میں نے تم کو اس قدر سمجھایا اور بتایا کہ تجھے بعد میں عذر کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ پس یہاں ثواب کے متعلق بعض بعض مقامات پہ اس قسم کی مختلف تعبیریں صرف کثرت ثواب کو ظاہر کرنے کے لئے ہیں اور مقام کی اہمیّت کو واضح کرنے کی غرض سے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس میں اس قدر ثواب اور رضا مندئ پروردگار ہے جس کا تم اندازہ ہی نہیں کرسکتے۔ مسجد کوفہ کی فضیلت اسی جلد کے ص۲۴ و ص۲۵ پہ گذر چکی ہے۔

ثانیاً۔ تنور کے متعلق جس قدر معانی بیان کئے گئے ہیں وہ بھی سب کے سب مُراد ہوسکتے ہیں۔ لہذا ان میں ظاہراً کوئی منافات نہیں ہے۔

(۲) کشتی پر سوار ہونے والوں کی تعداد میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ۸ - ۱۰ - ۷۲ - ۷۸ - ۸۰ کے اقوال ہیں۔ بہرصورت ان میں حضرت نوح کے تین بیٹے۔ سام، حام اور یافث اور ان کی تین بیویاں بھی تھیں۔ اور مجمع البیان میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السّلام نے حضرت آدم علیہ السّلام کی میّت کو بھی کشتی میں رکھ لیا تھا۔ اور حضرت نوح کے اپنے کنبہ کے علاوہ دوسرے مومن بھی کشتی پر سوار

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ

اور کہا گیا اے زمین نگل جا اپنے پانی کو اور اے آسمان رُک لے اور خشک ہوا پانی اور معاملہ ختم ہوا

تھے۔ جن کی غربت کا کافر لوگ طعنہ دیتے تھے۔ اگرچہ ان کی تعداد کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا اور قرآن میں من اٰمَنَ کا جملہ اس پر شاہد ہے۔

(۳) بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا۔ یہ فیہا میں ضمیر غائب مجرورہا سے حال واقع ہے اور کلام میں حذف کافی ہے یعنی جب تنور اُبلا اور حضرت نوح علیہ السّلام کو عذاب کی آمد کی خبر ہوئی تو اُنہوں نے کشتی میں ہر ایک کو سوار کیا اور فرمایا اِرْكَبُوْا فِيهَا۔ الخ۔ کہ سوار ہو جاؤ اس میں درحالیکہ خدا کے نام کے ساتھ اس کی روانگی اور قیام ہوگا۔ یعنی مجری و مرسا دونو مصدر میمی ہوں گے اس صورت میں بسم اللہ ظرف ہے جو ایک فعل کے معنی کو متضمن ہے اور مجری اس ظرف کا فاعل اور محلاً مرفوع ہے یعنی ثبت بسم اللہ مجریہا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بسم اللہ خبر مقدم ہو۔ اور مجریہا مبتدا موخر ہو۔ بہرکیف ان ہر دو ترکیب کے لحاظ سے معنی وہی ہوگا جو ابھی گذر چکا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب کشتی کو چلانا چاہتے تھے تو بسم اللہ مجریہا پڑھتے تھے۔ اور وہ چل پڑتی تھی۔ اور جب روکنا اور ٹھہرانا چاہتے تھے تو بسم اللہ مرساہا پڑھتے تھے اور وہ رک جاتی تھی۔

اس جملہ کی دوسری ترکیب یوں بھی ہو سکتی ہے کہ بسم اللہ الخ حال ہو۔ اِرکبُوا کے فاعل سے جو ضمیر جمع مخاطب ہے۔ یعنی اِرْكَبُوْا فِيهَا مُتَبَرِّكِينَ بِسْمِ اللّٰهِ۔ اور اس صورت میں مجریہا و مرساہا دونو مصدر میمی نہ ہوں گے بلکہ ظرف کے صیغے ہوں گے اور اِرکبوا ان کا عامل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ معنی نہیں ہے کہ سوار ہو جاؤ بوقت روانگی اور بوقتِ قیام بلکہ ان دونو کا عامل اور متعلق وہی فعل ہوگا جس کو بسم اللہ متضمن ہے یعنی تبرک۔ پس اس صورت میں پورے جملے کا معنی یہ ہوگا کہ حضرت نوح نے فرمایا۔ سوار ہو جاؤ اس میں تبرک حاصل کرتے ہوئے اللہ کے نام سے بوقت روانگی اور بوقتِ قیام جیسا کہ تحت اللفظ مذکور ہے۔

(۴) لَا عَاصِمَ۔ مبنی علی الفتح ہے۔ کیونکہ معنی حرفی کو متضمن ہے گویا سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا کوئی ہے بچانے والا عذابِ خدا سے تو جواب دیا گیا کہ لَا عَاصِمَ یعنی لیس من عاصم پس لاعاصم کو ایک اسم بنا کر معنی من کا اس کو متضمن کر دیا گیا اور اس کے بعد استثنا واقع ہے۔ اِلَّا من رحم اور اس میں تین قول ہیں (۱) مستثنا منقطع ہے۔ یعنی کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر وہ جس پر اللہ رحم کرے گا تو وہ تو بچ جائے گا۔ پس مستثنیٰ منہ تھا بچانے والا اور مستثنیٰ ہوا بچنے والا۔ اور مستثنیٰ منقطع اسی کو کہتے ہیں کہ مستثنیٰ منہ میں داخل نہ ہو (۲) مستثنیٰ متصل ہے اور من رحم کا معنی راحم (خدا) ہے (۳) عاصم کا معنی معصوم ہو سکا اور من رحم کا معنی پہلی صورت کی طرح مَنْ رَحِمَہٗ ہو۔ یعنی کوئی نہ بچے گا مگر وہ جس کو اللہ بچالے۔

(۵) تفسیر مجمع البیان میں ہے عرب روم اور ایران سام کی اولاد سے ہیں۔ اور حبشی حام کی اولاد ہیں اور ترک و چین وغیرہ یافث کی اولاد ہیں۔ واللہ الاعلم۔

یا اَرض۔ یعنی عذاب خدا آیا اور کفار غرق ہو گئے اور زمین نے پانی کو چوس لیا جس طرح کسی کو کہا جائے کہ چوس لے۔ پس

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ

اور ٹھہر گئی جودی پر اور کہا گیا کہ ہلاکت ہے ظالم لوگوں کے لئے اور پکارا نوح نے اپنے رب کو

فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اے رب تحقیق میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ حق ہے تحقیق تو محکم حکم کرنے والا ہے

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ

(اللہ نے) فرمایا اے نوح تحقیق وہ نہیں تھا تیرے اہل سے تحقیق اس کا عمل نادرست تھا پس نہ مانگ مجھ سے وہ جو نہیں

اس نے چوس لیا ہو گویا یہ امر تکوینی ہے جو زمین کی فوری اطاعت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح آسمان سے بارش بند ہو گئی جس طرح کہ اس کو کہا گیا ہو کہ بارش کو روک لے پس اُس نے روک دی ہو۔ اور یہ بھی امر تکوینی ہے کیونکہ آسمان کی اطاعت بھی اطاعت تکوینی ہے کہ وہ جب کسی شے کے متعلق ارادہ کرے کہ ہو جا، تو وہ ہو جایا کرتی ہے۔ اس مقام پر زمین و آسمان کا تقابل اور اقلعی اور ابلعی کے معانی کا تقابل اور لفظی حسن ایسے اُمور ہیں جو غیر اللہ سے قطعاً نہیں صادر ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریشیوں نے قرآن کے مقابلہ کے لئے تیاری کی تھی۔ اور چالیس دن تک دماغ کے لئے طاقتور غذاؤں کا استعمال جاری رکھا تھا۔ پس جب مقابلہ کا ارادہ کیا تو یہ آیت اُتری۔ پس قریش کے حوصلے پست ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کلام انسانی طاقت سے بلند ہے۔

اَلْجُوْدِيِّ۔ مروی ہے کہ خدا نے پہاڑوں پر وحی کی کہ نوح کی کشتی کو میں کسی پہاڑ پر ٹھہراؤں گا تو سب پہاڑوں نے سر بلند کئے اور کوہ جودی نے تواضع اختیار کیا۔ پس نوح کی کشتی نے کوہ جودی پر قرار پکڑا۔ غالباً یہ بھی امر تکوینی ملحوظ ہے۔ اور کبر کی بُرائی اور تواضع کی محبوبیت کے اظہار کا انداز ہے کوہ جودی کے متعلق مروی ہے کہ وہ موصل کے علاقہ میں ایک پہاڑی ہے۔ اور ہم نے اگرچہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا لیکن نجف اشرف کے قیام کے دوران میں عموماً یہی سُنا کرتے تھے کہ کوہ جودی یہی پہاڑی ہے جس کے دامن میں نجف کا شہر واقع ہے۔ اور وہ بارگاہِ شاہ ولایت کے جانب قبلہ میں واقع ہے۔ واللہ اعلم۔

فَقَالَ۔ حضرت نوح علیہ السّلام کی یہ درخواست اس بنا پر تھی کہ ان کا بیٹا منافق تھا۔ اور ظاہراً مومنوں میں داخل تھا اور خدا کا وعدہ بھی تھا کہ مومنوں کو نجات دوں گا۔ اسی بنا پر تو حضرت نوحؑ نے خدا کو اپنا وعدہ بھی جتلایا کہ تیرا وعدہ سچا ہے۔ پس جب خدائے عالم الغیب نے یہ خبر دی کہ اس کے عمل غیر صالح تھے جن کی بنا پر وہ باوجود تیرے بیٹے ہونے کے تیری اہل سے کٹ چکا ہے لہذا ایسی بات کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو اس کے بعد حضرت نوح نے خاموشی اختیار کر لی اور بیٹے کے غرق ہونے کی پرواہ نہ کی بلکہ اپنی طرف سے معذرت پیش کی جیسا کہ اگلی آیت میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اِنَّهٗ عَمَلٌ۔ یہ انَّ پہلے انَّ سے بدل ہے اور مقولہ قول ہے۔ اور ھا ضمیر غائب کے مرجع کے متعلق اختلاف ہے۔ جو لوگ انبیاء میں عصمت کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک ھا ضمیر غائب کا مرجع وہ سوال ہے جو پچھلی آیت میں حضرت نوح کی بیٹے

لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ

مجھے اس کا علم تحقیق میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ مت ہو ظالموں میں سے کہا اے رب تحقیق پناہ لیتا

اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ

ہوں تیری کہ مانگوں تجھ سے وہ جس کا مجھے علم نہیں اور اگر نہ بخشے تو مجھے اور نہ رحم کرے مجھ پر تو

مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۴۷﴾ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ

ہونگا میں خسارہ پانیوالوں میں سے کہا گیا اے نوح اتر جا ساتھ سلامتی کے ہم سے اور برکتوں کے جو تم پر ہیں اور

کے حق میں دعا کو متضمن ہے۔ اب اس فقرہ کا معنی یہ ہوگا کہ تحقیق وہ تیرے اہل سے نہیں ہے اور تحقیق تیرا اس کے حق میں نجات کا سوال کرنا عمل غیر صالح ہے۔ پس حضرت نوح کو دھمکی دی گئی کہ ایسے سوال مت کیا کرو۔ پس حضرت نوح نے معذرت پیش کی اور معافی بھی مانگ لی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عقلی ونقلی دلیلوں سے ثابت ہے کہ خدا کے فرستادہ نبی و رسول معصوم ہوتے ہیں اور ہم نے اس موضوع پر تفسیر کے مقدمہ میں مفصل بحث کی ہے۔ لہٰذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ پس جب عصمت انبیاء مسلمات میں سے ہے تو ہر وہ مقام جہاں ظاہر میں عصمتِ انبیاء سے ٹکراؤ لازم آئے وہاں روایت ہو یا آیت ہو۔ اس کی تاویل ضروری ہوا کرتی ہے لیکن وہ مقام جہاں آیت کے دو یا کئی معانی نکل سکیں اور ان میں سے کوئی عصمت انبیاء سے متصادم ہو تو ایسی صورت میں عصمتِ انبیاء سے ٹکرانے والے معنی کو رد کیا جائے گا۔ اور اس معنی کا اختیار کرنا واجب ہوگا جو عصمتِ انبیاء سے تصادم یا منافات نہ رکھتا ہو۔ پس اس مقام پر ضمیر غائب کا مرجع سوال نوح بھی بن سکتا ہے اور فرزند نوح بھی بن سکتا ہے لیکن پہلی صورت میں عصمتِ نوح سے منافات لاتی ہے۔ لہٰذا دوسری صورت کا اختیار کرنا واجب ہے۔ پس معنی اس طرح ہوگا کہ تحقیق وہ تیری اہل سے نہیں ہے اور تحقیق اس کے عمل ناشائستہ ہیں۔ باقی رہا یہ کہ بعد میں دھمکی کیوں دی گئی اور نوح نے معافی کیوں مانگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بُرے فعل سے روکنے کا موثر طریقہ یہ ہے کہ کسی بڑے کی طرف کلام کا رُخ کر دیا جاتا ہے اور چھوٹوں کو تنبیہ کی جاتی ہے۔ حقیقۃً مقصود بڑے نہیں ہوا کرتے بلکہ چھوٹے ہی مقصود ہوا کرتے ہیں جس طرح نبی علیہ السّلام کی طرف خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال باطل ہو جائیں گے۔ یہ خطاب اگرچہ نبی کو ہے لیکن مُراد اس سے مشرکین مکہ ہیں۔ اور خطاب کو زیادہ سے زیادہ موثر کرنے کے لئے یہ طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے۔ پس اس مقام پر نوح کی معذرت و معافی اسی مقصد کو اور زیادہ واضح اور مضبوط کرنے کا ایک محکم دستور ہے اور عملؑ کا مضاف محذوف ہے اور یہ اس کے قائم مقام ہے۔

قِیْلَ۔ طوفان کے ختم ہونے اور پانی کے خشک ہونے کے بعد حکم ہوا کہ اب برکت و سلامتی سے اُتر جاؤ اور ممکن ہے کہ حالات

عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ

ان لوگوں پر جو تیرے ہمراہ ہیں اور کئی جماعتیں جن کو ہم دنیاوی نفع دیں گے پھر پہنچے گا ان کو ہم سے دردناک

اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ

عذاب یہ غیب کی خبروں میں سے جو وحی کرتے ہیں ہم تیری طرف ان کو تو نہ جانتا تھا اور نہ

وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ؕۛ فَاصْبِرْ ؕۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ ع

تیری قوم اس سے پہلے پس صبر کر تحقیق انجام خیر متقی لوگوں کے لئے ہے

حاضرہ کے اعتبار سے زبانِ حال کی ترجمانی ہو۔ اور مقصد یہ ہو کہ طوفان کے بعد وہ امن و سلامتی سے اُتر گئے۔

وَاُمَمٌ۔ یعنی ان نجات پانے والوں کی نسل سے ہونے والی اُمتوں کو ہم ایک وقت تک دنیاوی منافع سے بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ دیں گے۔ اور وہ جب بے شکری اور نافرمانی کو اپنا شیوہ بنائیں گے تو ان کو بھی دردناک عذاب میں گرفتار کر لیا جائے گا اور اسی طرح زمانہ گذرتا رہے گا۔

علم غیب

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ۔ تمام انبیاء کے قرآنی واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انبیاء کے لئے علم غیب ضروری نہیں۔ اور خدا پر واجب نہیں کہ جس کو نبی بنائے اُسے علم غیب بھی عطا کر دے تاکہ یہ نتیجہ نکالا جائے کہ جو غیب کو نہ جانتا ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اسی بنا پر خود جناب رسالتمآبؐ نے اپنے متعلق متعدد بار ارشاد فرمایا کہ میں غیب نہیں جانتا اور قرآن مجید میں اس کی حکایت موجود ہے اور اس آیت مجیدہ میں بھی خداوند کریم صاف ارشاد فرماتا ہے کہ یہ غیب کی باتیں ہیں ہم بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دے رہے ہیں ورنہ اس سے قبل نہ آپ ان کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو ان کا پتہ تھا۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ اپنے ائمہ کو عالم الغیب کہتے ہیں وہ محض مذہب شیعہ کو بدنام کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں ورنہ مذہب شیعہ کا اس عقیدہ فاسدہ سے کوئی رابطہ نہیں ہے اور شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ ہے اور انبیاء و ائمہ صرف اتنا جانتے ہیں جتنا خدا ان کو علم دے۔ البتہ تمام انبیاء سے حضرت رسالتمآبؐ علم میں زیادہ تھے اور خدا نے ان کو اس قدر دیا کہ اور کسی کو نہ دیا اور باوجود علم کثیر ہونے کے یہ بفرمانِ خدا دعا مانگتے تھے رَبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا۔ یعنی اے پروردگار مجھے زیادہ علم عطا فرما اور حضورؐ کے بعد آپ کے اوصیاء طاہرین ائمہ معصومین علیؑ سے لے کر مہدی علیہ السلام تک ان کے علم کے صحیح وارث ہیں اور کوئی نبی یا وصی ان کے پایہ علمی تک نہیں پہنچ سکتا۔

الحاصل:۔ وہ مسائل جن کا اصلاح معاشرۂ انسانی سے تعلق ہو۔ خواہ وہ تدبیر نفس سے مرتبط ہوں یا تدبیر منزل و سیاست ملکیہ سے وابستہ ہوں ان میں وہ علم کلی کے مالک تھے اور علاوہ ازیں تاریخی مسائل یا ماکان و مایکون کے حوادث و واقعات ضروری حد تک جانتے تھے حتیٰ کہ کسی سائل کے جواب میں وہ عاجز نہیں آ سکتے تھے اور خداوند کریم حسب مصلحت ان کے

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ

اور بھیجا قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود سوائے اس کے

إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا

نہیں ہو تم مگر افترا کرنے والے اے قوم میں نہیں مانگتا تم سے اس کی اُجرت مجھے اُجرت وہ دے گا

عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا

جس نے مجھے پیدا کیا کیا تم نہیں سمجھتے اور اے قوم معافی مانگو اپنے رب سے پھر اس کی طرف رجوع

إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا

کرو وہ بھیجے گا بارش تم پر متواتر اور بڑھائے گا تمہاری طاقت پر اور طاقت اور نہ

تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي

منہ پھیرو مجرم بن کر کہنے لگے اے ہود تو کوئی معجزہ نہیں لایا اور ہم نہیں چھوڑیں گے اپنے

آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾ إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ

خداؤں کو تیری باتوں سے اور نہ ہم تجھ پر ایمان لاتے ہیں ہم اور کچھ نہیں کہتے مگر صرف یہ کہ

علم میں اضافہ فرماتا رہتا ہے اور بعض مقامات پر وقتی طور پر کسی امر کی طرف ان کا متوجہ نہ ہونا ان کے نقص کی دلیل نہیں بن سکتا بلکہ یہ ان کا تقاضائے بشری ہے اور اس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا علم اللہ کا عطیہ ہے کہ وہ جب چاہے جس قدر چاہے ان کو امورِ غیر معلومہ کا حسبِ ضرورت علم عطا فرماتا ہے اور یہ اپنے علم بلکہ جملہ صفاتِ کمالیہ میں اپنے پروردگار کے فیوض کے محتاج ہیں اور اس کی عنایات پر شاکر ہیں

رکوع نمبر ۵ ، حضرت ہود کا ذکر

اَخَاھُمْ ۔ نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے ان کو ان کا بھائی کہا گیا اور کہتے ہیں کہ یہ قبیلہ یمن میں آباد تھا۔ آپ نے ان کو توحید کی دعوت دی اور اغیار کی خدائی کو باطل اور ان کا افترا قرار دیا اور پھر معاوضہ لینے کے احتمال کی نفی کی۔ اور خوشنودیٔ خدا کا طریقہ یہ بتایا کہ پہلے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرو اور پھر تعلیماتِ اسلامیہ پر ثابت قدم ہو جاؤ اور استغفار اور توبہ کا یہی مطلب ہے اور ممکن ہے کہ یہاں ثُمَّ صرف عطف کے لئے ہو۔ اور دونو کا مقصد ایک ہی ہو۔ پس استغفار کے بعد توبہ کا ذکر صرف تاکید کے لئے ہو۔

اَلسَّمَآء ۔ یہاں سماء سے مراد بارش ہے کیونکہ وہ اسی جانب سے آتی ہے پس مجازاً اس پر سماء کا اطلاق کیا گیا کہتے ہیں۔ کہ

بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا

پکڑ لیا ہے بجھے ہمارے کسی خدا نے بُری طرح تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اس سے بیزار ہوں جس

تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

کا تم شرک کرتے ہو اس کے علاوہ پس مکر کرو میرے ساتھ سب پھر مجھے مہلت نہ دو

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ

تحقیق میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار نہیں مگر یہ کہ وہ اس کا مالک ہے

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ

تحقیق میرا پروردگار صراط مستقیم پر ہے پس اگر تم نہ مانو تو میں پہنچا چکا وہ جس کے ساتھ میں

بِهٖۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَ یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ

بھیجا گیا اور پیچھے لائے گا میرا رب تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو اور تم اس کو نقصان نہ دے سکو گے تحقیق

رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾ وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِیْنَ

میرا رب ہر شے کا نگہبان ہے اور جب آیا ہمارا عذاب تو ہم نے نجات دی ہود کو اور ان کو

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَ نَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾ وَ

جو ایمان لائے اس پر ساتھ اپنی رحمت کے اور ان کو ہم نے نجات دی زبردست عذاب سے اور

وہ قحط میں مبتلا تھے۔ پس حضرت ہود نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ایمان لائیں اور تائب ہو جائیں تو خدا بارش بھیج کر ان کو رزق فراوانی سے عطا فرمائے گا۔

مَا جِئْتَنَا۔ آیات و معجزات کو دیکھ کر انکار کر دیا کہ تو کوئی دلیل و معجزہ نہیں لایا کیونکہ جو چیز حضرت ہود پیش کرتے تھے وہ اس میں شبہ و شک پیدا کر کے انکار کر دیتے تھے۔

اِعْتَرٰىكَ۔ یعنی تو چونکہ ہمارے خداؤں کا انکار کرتا ہے لہذا ہمارے کسی خدا کی گرفت میں آ گیا ہے پس بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔

فَكِیْدُوْنِیْ۔ یعنی تم اپنی ہر تجویز و فریب کو استعمال کرو۔ میں کلمۂ حق کو تمہارے پھندے میں آ کر ہرگز ترک نہ کروں گا۔ اور انبیاء کے معجزوں میں سے یہ معجزہ سب سے اہم اور واضح ہے کہ باوجود یکا و تنہا ہونے کے اعلانیہ کہتے تھے کہ تم سب مل کر مجھے تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھو اور وہ باوجود کمال دشمنی و عناد کے اور کثرت و اجتماع کے انبیاء کو ضرر دینے پر قادر نہ ہو سکتے تھے

تِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ

اس قوم عاد نے انکار کیا اپنے رب کی نشانیوں کا اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی اور اتباع کی ہر سرکش ظالم کے

عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ

حکم کی اور پیچھے لگا دی گئی ان کے اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن بھی آگاہ ہو تحقیق قوم

عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ

عاد نے کفر کیا اپنے رب کا آگاہ ہو ہلاکت ہے ہود کی قوم عاد کے لئے اور بھیجا، ثمود کی طرف ان کے بھائی

صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ

صالح کو تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارا کوئی معبود سوائے اس کے اس نے پیدا کیا تمہیں

مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ

زمین سے اور آباد کیا تمہیں اس میں پس معافی مانگو پھر رجوع کرو طرف اس کے تحقیق میرا

رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ

رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے کہنے لگے اے صالح تحقیق تو تھا ہم میں اُمید گاہ اس سے پہلے

اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۔ (ص ۲۲۱) یہ ملکیت سے کنایہ ہے۔

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ (ص ۲۲۱) یعنی وہ عادل ہے اور اس کی ہر پُر از حکمت تدبیر ایک سیدھا راستہ ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا ۔ (ص ۲۲۱) یہ اتمام حجت کے طور پر عذاب کی دھمکی ہے۔

حَفِيْظٌ ۔ (ص ۲۲۱) یعنی بندوں کے اعمال کا نگہبان ہے تاکہ ان کو ان کے مطابق جزا یا سزا دے۔

نَجَّيْنَا ۔ تکرار اس لئے ہے کہ پہلے مقام پر ظاہری دنیاوی عذاب سے نجات دینا مقصود ہے۔ اور دوسری جگہ قیامت کے سخت عذاب سے نجات کا وعدہ ہے۔

رُسُلَهٗ ۔ جمع مضاف استغراق کا فائدہ دیتی ہے گویا وہ تمام رسولوں کی نافرمانی کرنے والے تھے اور اس سے معلوم ہوا کہ ایک نبی کی مخالفت کرنے والے کو تمام انبیاء کا مخالف سمجھا جاتا ہے۔

رکوع نمبر ۶ حضرت صالح کا ذکر

وَاِلٰى ثَمُوْدَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قوم ثمود کی رہائش وادی قریٰ میں تھی جو مدینہ اور شام کے درمیان ہے اور حضرت صالحؑ ان کی برادری

أَتَنْهٰنَآ أَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ إِلَيْهِ

کیا تو اب روکتا ہے کہ ہم عبادت کریں ان کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا تو ہم تیری اس دعوت سے گہرے شک میں

مُرِيْبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يٰقَوْمِ أَرَءَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ

پڑ گئے ہیں فرمایا اے قوم دیکھو اگر میرے پاس اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل ہو اور

اٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ إِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ

میرے پاس اس کی رحمت آئے تو کون میری مدد کرے گا اللہ سے اگر اس کی نافرمانی کروں تو تم لوگ نہیں زیادہ کر رہے ہو

غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿٦٣﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَأْكُلْ

سوائے خسارے کے اور اے قوم یہ اللہ کی ناقہ تمہارے لئے نشانی ہے پس اس کو چھوڑ دو کہ کھائے

فِيْٓ أَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾

زمین خدا میں اور نہ مس کرو اس کو برائی سے ورنہ پکڑے گا تمہیں عذاب جلدی

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ أَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ

پس انہوں نے اس کو زخمی کر ڈالا تو کہا (صالح نے) جی لو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ جھوٹا نہیں

میں سے تھے۔ آپ نے اپنی دعوت میں پہلے غیر اللہ کی نفی کر کے توحید کو ثابت کیا پھر اس کے احسانات میں سے احسانِ عظیم یعنی خلعتِ وجود کا عطا کرنا یاد دلایا اور اسلام کا بنیادی اصول یہی ہے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء نے اپنی اُمتوں کو سب سے پہلے اسی طرف توجہ دلائی اور آخر میں پیدا کرنے کے بعد دیگر سہولیاتِ زندگی جو اس نے میسر فرمائی ہیں، کا تذکرہ فرمایا جس کو واستعمرکم کی جامعیت شامل ہے کیونکہ یہ لفظ عمارت سے یا عمر سے مشتق ہے۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ اس نے تمہارے لئے زمین کی عمارت اور آبادکاری کی سہولتیں بہم پہنچائیں جو تمہاری بود و باش کے لئے ضروری ہیں اور دوسری صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ اس نے تمہیں لمبی لمبی عمریں عطا کی ہیں تاکہ زندگانی دنیاوی کی لذتوں سے جی بھر کر فائدہ اٹھاؤ اور کہتے ہیں کہ تین سو سے لے کر ایک ہزار سال تک ان کی عمریں تھیں۔

مَرْجُوًّا۔ یہ رَجَا یَرْجُوْا کے باب سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے یعنی وہ کہنے لگے کہ ہمیں آپ سے اچھائی کی توقع اور اُمید تھی لیکن آپ تو خلافِ توقع ہمیں اپنے خداؤں کی عبادت سے روک کر ایک نیا مذہب ایجاد کرنے لگے ہیں جس کی وجہ سے ہم آپ کے متعلق شک میں پڑ گئے ہیں اور مریب آیت میں شک کی صفت ہے۔

مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

ہے پس جب آیا ہمارا عذاب تو ہم نے نجات دی صالح کو اور ان کو جو ایمان لائے اس پر اپنی

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾

رحمت سے (عذاب سے) اور اس دن کی رسوائی سے تحقیق تیرا رب قوی غالب ہے

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾

اور پکڑ لیا ان کو جو ظالم تھے ایک دھماکے نے تو ہو گئے وہ اپنے گھروں میں چمٹے ہوئے

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ ع

گویا وہ کبھی آباد ہی نہ تھے اس میں آگاہ ہو تحقیق قوم ثمود نے کفر کیا اپنے رب کا آگاہ ہو ہلاکت ہے قوم ثمود کے لئے

وَلَا تَمَسُّوْهَا[۲۲۳] - یعنی ناقہ کو بُرائی سے مس نہ کرو۔ یہ ناقہ بطور معجزہ حضرت صالح کی دُعا سے پتھر سے پیدا ہوئی تھی اور اس کا مفصّل واقعہ سورہ اعراف پارہ ۸ میں تفسیر کی چھٹی جلد ص۴۹ تا ص۵۶ میں مذکور ہو چکا ہے۔

فَعَقَرُوْهَا[۲۲۴] - صیغہ جمع کا ہے۔ اگرچہ حضرت صالح کی ناقہ کو قتل کرنے والا ایک ہی شخص تھا۔ لیکن باقی قوم چونکہ اس کے فعلِ شنیع پر راضی تھی لہٰذا سب کو موردِ الزام قرار دے کر ان کی طرف اس فعل کی نسبت دی گئی اور عذاب میں سب کے سب ہی گرفتار کر لئے گئے۔ پس مجرموں کو پناہ دینے والے یا غلط کاروں کے افعالِ قبیحہ پر خوش ہونے والے اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور احادیث کا مسلّم ہے کہ مَنْ رَضِيَ بِفِعْلِ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ - یعنی جو شخص کسی قوم کے فعل سے راضی ہو تو گویا وہ خود کرنے والوں میں سے ہی شمار ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت قائم آلِ محمدؐ تشریف لائیں گے تو دشمنانِ آلِ محمدؐ سے انتقام لیں گے کیونکہ یہ لوگ آلِ محمدؐ پر ظلم کرنے والوں کے افعال پر راضی تھے۔

اِنَّ ثَمُوْدَاۡ - بعض نے یہاں ثمود کو منصرف قرار دے کر تنوین دی ہے اور آخر میں غیر منصرف قرار دیا گیا ہے۔

تحقیق انیق

جو نام قبیلہ یا حی کے لئے استعمال ہوتے ہیں ان کی چند قسمیں ہیں (۱) وہ جو صرف حی کے لئے استعمال ہوں۔ اور وہ وہ ہیں جن کے ساتھ بنو یا بنی نہ لگ سکے جیسے قریش کیونکہ بنو قریش نہیں کہا جاتا (۲) وہ جو صرف قبیلہ کے لئے استعمال ہوں جیسے تمیم، قیس اور تغلب وغیرہ اور اسم قبیلہ ہونے کی وجہ سے تمیم بنت مر قیس ابنۃ غیلان اور تغلب ابنۃ وائل کہا جاتا ہے (۳) وہ جو کبھی باپ اور حی کے لئے مستعمل ہوں اور کبھی قبیلہ کے لئے بولے جائیں جیسے ثمود۔ پس قبیلہ کے اطلاق کے لحاظ سے نکرہ اور منصرف ہوں گے اور باپ یا حی کا علم ہونے کی حیثیت سے غیر منصرف ہوں گے۔ لہٰذا اس قسم کے ناموں کا منصرف یا غیر منصرف پڑھنا دونوں جائز ہیں اور قرآن میں جس طرح منقول ہے اسی طرح ہی پڑھنا چاہیئے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ

اور تحقیق پہنچے ہمارے فرستادے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر انہوں نے سلام کیا تو آپ نے جواب سلام کہا اور بلا توقف

اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ (۶۹) فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ

گائے کے بچے کا بھونا ہوا گوشت ان کے سامنے رکھا لیکن جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے اس کی طرف تو گھبرا گئے اور ان سے

وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ (۷۰)

ڈر محسوس کرنے لگے انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم بھیجے گئے ہیں طرف قوم لوط کے

وَامْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ

اور اس کی عورت کھڑی تھی پس وہ ہنسی تو ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد

یَعْقُوْبَ (۷۱) قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا

یعقوب کی کہنے لگی ہائے میں جنوں گی حالانکہ بوڑھی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہے تحقیق یہ

رکوع نمبر ۷ حضرت ابراہیم کا ذکر

رُسُلُنَا۔ حضرت ابراہیم کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ کسی نے تین بیان کئے ہیں۔ یعنی جبریل۔ میکائیل اور اسرافیل، اور کسی نے چار ذکر کئے ہیں اور چوتھے کا نام کردیل لکھا ہے۔ نیز نو اور گیارہ کے اقوال بھی ہیں اور مروی ہے کہ یہ فرشتے لڑکوں کی شکل میں تھے۔

بِالْبُشْرٰی۔ یہ فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔ اور اس میں تین قول ہیں (۱) حضرت اسحٰق کی ولادت اور اس کی نبوت اور اس کی صلب سے حضرت یعقوب کے تولد کی بشارت تھی (۲) بروایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ہاجرہ کے شکم سے حضرت اسمٰعیل کے تولد کی بشارت تھی (۳) بعض نے کہا ہے حضرت لوط کے لئے عذاب کی خوشخبری تھی۔ مجمع البیان

عِجْلٍ حَنِیْذٍ۔ عجل گائے کے بچے کو کہا جاتا ہے اور حنیذ کا معنی ہے بھونا ہوا اور آیت مجیدہ سے مہمان کی ضیافت میں عجلت کرنے کا درس ملتا ہے۔

اَوْجَسَ۔ جب حضرت ابراہیم نے کھانا ان کے سامنے رکھا اور انہوں نے تناول کرنے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم نے سمجھا کہ یہ کوئی خطرناک آدمی ہیں کیونکہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق اگر کوئی کسی کے ہاں جاتا اور اس کے ہاں ضیافت کو قبول نہ کرتا تو اس سے اس نووارد کا ڈاکو۔ چور یا راہزن ہونا سمجھا جاتا تھا لہذا اشراف طبقہ اگر ان کی مقاومت سے عاجز ہوتا تو ان کا خوفزدہ ہونا ایک فطری امر ہوتا تھا بنابریں حضرت ابراہیم ان سے خوفزدہ ہوئے اور ان کی وضاحت کے بعد مطمئن ہو گئے۔

لَشَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوۡۤا اَتَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ رَحۡمَتُ اللّٰہِ وَ

عجیب بات ہے انہوں نے کہا کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے کام پر اللہ کی رحمت اور

بَرَکٰتُہٗ عَلَیۡکُمۡ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ ؕ اِنَّہٗ حَمِیۡدٌ مَّجِیۡدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَہَبَ

اس کی برکتیں تم پر ہیں اسے گھر والے تحقیق وہ حمید و مجید ہے پس جب ختم ہوا ابراہیم

عَنۡ اِبۡرٰہِیۡمَ الرَّوۡعُ وَ جَآءَتۡہُ الۡبُشۡرٰی یُجَادِلُنَا فِیۡ قَوۡمِ لُوۡطٍ ﴿۷۴﴾

کا ڈر اور اسے خوشخبری بھی مل گئی تو جھگڑنے لگے ہم سے قوم لوط کے متعلق

اِنَّ اِبۡرٰہِیۡمَ لَحَلِیۡمٌ اَوَّاہٌ مُّنِیۡبٌ ﴿۷۵﴾ یٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ

تحقیق ابراہیم حلیم آہ کرنے والے اور توکل کرنے والے تھے اے ابراہیم چھوڑو اس بات کو

ہٰذَا ۚ اِنَّہٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ رَبِّکَ ۚ وَ اِنَّہُمۡ اٰتِیۡہِمۡ عَذَابٌ غَیۡرُ مَرۡدُوۡدٍ ﴿۷۶﴾

تحقیق تیرے رب کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ان پر نہ ٹلنے والا عذاب آنے والا ہے

وَامۡرَاَتُہٗ۔ ان کی عورت یعنی سارہ بنت ہاران تھی جو نسبت میں آپ کی چچا زاد تھی اور بعض نے خالہ زاد لکھی ہے - یہ وہاں پس پردہ مہمان نوازی کے فریضہ کو انجام دینے کے لئے کھڑی تھی جب خلافِ توقع اُمور کو دیکھا تو ازراہ تعجب ہنس پڑیں خواہ اس کی وجہ ملائکہ کا کھانے سے رکنا ہو یا حضرت لوط کی قوم کے عذاب کی خبر ہو یا تولد اسحٰق کی پیشین گوئی ہو، اور آخری بات زیادہ واضح معلوم ہے کیونکہ اس وقت اس کی عمر ۹۸ یا ۹۹ برس تقریباً تھی اور حضرت ابراہیم بھی سو برس کے لگ بھگ عمر رکھتے تھے اور ایک قول کے مطابق ایک سو بیس برس کے تھے - بنابریں تعجب اور ضحک کا صدور خلافِ توقع نہیں تھا۔

اَہۡلَ الۡبَیۡتِ۔ لفظ اہل کی وضاحت اس سے قبل اسی جلد ص۱۱ میں اور جلد ششم ص۳ میں ہو چکی ہے - مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے اور اس تحقیق کے پیش نظر حضرت سارہ کو اہل بیت کے خطاب سے یاد کرنا مطلق زوجہ کے اہل بیت ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی - اس مقام پر رحمۃ اللہ الخ کا جملہ انکار تعجب کی علت ہے - یعنی تعجب تو اس فعل پر کیا جاتا ہے جس کا سبب معلوم نہ ہو لیکن جس کا سبب معلوم ہو - اس پر تعجب نہیں ہوا کرتا یہاں سبب معلوم ہے اور وہ یہ کہ خدا ہر شئی پر قادر ہے اور اس کی رحمتیں اور برکتیں ہر وقت تم پر نازل ہوتی رہتی ہیں - لہذا تعجب کرنے کا مقام نہیں ہے اور ممکن ہے یہ جملہ دُعائیہ ہو کہ اے ابراہیم کے گھر والے تم پر خدا کی رحمت و برکت نازل ہو تعجب نہ کرو - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس استعجاب کو رفع کرنے اور مزید تسکین قلب حاصل کرنے کی غرض سے سارہ نے حضرت جبریل سے نشانی طلب کی تو اس نے ایک خشک لکڑی کو ہاتھ میں لے کر دبایا پس وہ ہری ہو گئی اور اس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح بقدرتِ خدا ایک خشک لکڑی ہری ہو سکتی ہے

اسی طرح بوڑھا انسان بھی قدرتِ خداوندی سے حالتِ شباب کی طرف پلٹ کر قابلِ اولاد ہو سکتا ہے۔
یُجَادِلُنَا - یعنی جب ابراہیمؑ سے خوف ٹل گیا اور لڑکے کی خوشخبری بھی مل گئی تو ہم سے یعنی ہمارے ملائکہ سے قومِ لوط کے عذاب کے متعلق جھگڑنے لگ گئے۔ بات یہ تھی کہ جب اُنہوں نے قومِ لوط کے عذاب کی خبر سنائی تو حضرت ابراہیم نے دریافت کیا کہ اگر ان میں پچاس مومن ہوں تو وہ بھی مبتلائے عذاب ہو جائیں گے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس حضرت ابراہیمؑ تعداد کو کم کرتے گئے کہ اگر ان میں چالیس تیس بیس حتیٰ کہ ایک مومن ہو تو وہ مبتلائے عذاب ہوگا تو فرشتے ہر سوال کے جواب میں نہیں کہتے رہے۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوط کے متعلق پوچھا تو فرشتوں نے جواب دیا کہ ہمیں اس بات کا پتہ ہے اور ہم اس کو بچالیں گے۔

یہ خیال رہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف جھگڑے کی نسبت دینا ان کے بار بار سوال کرنے کی بنا پر ہے۔ اگر فیصلہ خداوندی کے انکار و ردّ کی بنا پر ہوتا تو ان کو حلیم اور منیب کے گرانقدر خطابات سے نوازا نہ جاتا۔ آیت مجیدہ کا طرزِ بیان یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا ملائکہ سے سوال محبوبِ پروردگار تھا۔ چنانچہ حلم خوفِ خدا اور انابت کا ثمرہ اسے قرار دے کر مدحیہ رنگ میں بیان کیا۔ پس بنا بریں جدال کی نسبت بھی لُطفِ خداوندی اور عنایاتِ الٰہیہ کے اظہار کی ایک تعبیر ہے جبھی تو بعد میں ارشاد ہوا۔ **یَا اِبْرَاهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** - اے ابراہیم اس بات کو چھوڑ دیجئے عذاب تو ان پر ضرور آئے گا۔ اور وہ کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا۔ اور اربابِ ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں کہ اس لہجہ میں پیار و محبت کی کس قدر چاشنی ہے۔

انوارِ لطیفہ

(۱) سلام کا استعمال چار معانی کے لئے ہوا کرتا ہے (۱) **سَلِمَ یَسْلَمُ** کا مصدر جس طرح کہا جاتا ہے۔ **سَلِمْتُ سَلَامًا** (۲) ایک درخت کا نام ہے۔ چنانچہ ایک عرب شاعر نے سلام کو حرمل پر معطوف استعمال کیا ہے (۳) سلامت کی جمع سلام ہوتا ہے (۴) اللہ کا نام ہے۔ پس جنت کو دار السّلام کہنا اس لئے ہے کہ وہ ہر رنج و غم سے سلامتی کا گھر ہے اور یا اللہ کی طرف نسبت ہے جو اس کی عظمت کی دلیل ہے۔

(۲) آیت مجیدہ میں **قَالُوْا سَلٰمًا** فرشتوں کے قول کی حکایت نہیں ہے کہ اُنہوں نے سلامًا کہا۔ کیونکہ یہ سلام کے مروّج استعمال کے خلاف ہے بلکہ یہاں فرشتوں کے مقولہ کی نقل بالمعنیٰ ہے۔ جس طرح کوئی شخص مروج سلام کرتے ہوئے کہے السّلام علیکم تو کہا جاتا ہے کہ اُس نے سلام کہا۔ پس اسی بنا پر فرشتوں کے مقولہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہوں نے سلام کہا۔ اور سلامًا کی نصب قالوا کے مفعول ہونے کی بنا پر ہے۔ **وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا** میں بھی یہی توجیہ انسب ہے۔

(۳) **قَالَ سَلٰمٌ** - میں سلام پر نصب نہیں ہے کیونکہ اس کا اعراب حکائی ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کے جواب کی حکایت ہے اور اس کے مرفوع ہونے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو مبتدا ہے اور اس کی خبر علیکم محذوف ہے اور یا خبر ہے۔ اور اس کا مبتدا امری یا شانی محذوف ہے۔

(۴) سلام کی تین تعبیریں ہیں (۱) نکرہ تنوین کے ساتھ یعنی سلامٌ علیکم اور قرآن مجید میں اس کا استعمال بکثرت موجود ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسَلَامٍ۔ سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ۔ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہٖ وغیرہ (۲) الف ولام کے ساتھ معرفہ کرکے السلام علیکم اور قرآن مجید میں اس کا استعمال بھی موجود ہے۔ جیسے السَّلَامُ عَلَيَّ (۳) سلامُ علیکم۔ یعنی نکرہ بغیر تنوین کے گویا کثرت استعمال کی وجہ سے تنوین کو حذف کر دیا گیا ہے پس ان میں سے افضل پہلی صورت ہے پھر دوسری۔

(۵) اکثر نحویوں کا نظریہ یہ ہے کہ نکرہ بغیر تخصیص کے مبتدا واقع نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سلام کو مبتدا بنانے کی صورت میں اس کی تخصیص کا بہانہ یہ تلاش کیا جاتا ہے کہ اس کی متکلم کی طرف نسبت ہے۔ لہٰذا اس میں جہت اختصاص موجود ہے لیکن محققین کے نزدیک اس قسم کے بہانے فضول ہیں۔ اور ان کے نزدیک ہر وہ اسم خواہ نکرہ ہو یا معرفہ مبتدا بن سکتا ہے جس کے مبتدا ہونے میں افادیت کا پہلو ہو۔ پس اگر نکرہ کے مبتدا ہونے میں افادیت موجود ہے تو اس کا مبتدا ہونا درست ہے اور بخلاف اس کے اگر معرفہ کے مبتدا ہونے میں افادیت نہیں تو اس کا مبتدا قرار دینا ناجائز ہے۔ سلام علیکم میں متکلم کی طرف نسبت کا بہانہ اس لئے بھی غلط ہے کہ یہ جملہ دعائیہ ہوا کرتا ہے اور اس میں مخاطب کے لئے سلامتی کی دعا ملحوظ ہوتی ہے۔ پس افادیت کے پیش نظر اس کا مبتدا ہونا درست ہے اور یہی موقف بلا شک وشبہ قابل قبول ہے۔

(۶) ضحک اگر ضاد کا کسرہ ہو تو اس کا معنی ہے ہنسنا اور اگر ضحک ضاد کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے حیض۔ اور آیت مجیدہ میں ضَحِکَتْ کے معنی میں دونوں تاویلیں کی گئی ہیں۔ اور دوسری تاویل کی رو سے معنی یہ ہوگا کہ فوراً ان کا بڑھاپا جوانی سے بدل گیا

(۷) یعقوب پر بعضوں نے ضمہ اور اکثر نے فتحہ پڑھا ہے۔ ضمہ پڑھنے والے اس کو مرفوع قرار دیتے ہیں کہ یہ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یا ظرف من وراء اسحٰق کا فاعل ہے اور جو لوگ فتحہ پڑھتے ہیں وہ اس کی تین توجیہات کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسحٰق پر عطف ہے اور غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اس کی جر فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ توجیہ اس لئے ناقابل قبول ہے کہ باحرف جر عامل اور یعقوب مجرور معمول کے درمیان من وراء اسحٰق کا ناقابل برداشت فاصلہ ہے اور سیبویہ نے اس قسم کے عطف کو قبیح قرار دیا ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ عطف علی المحل ہو یعنی یعقوب کا اسحٰق کے محل پر عطف ہو۔ اور اسحٰق چونکہ محلاً منصوب ہے لہٰذا یعقوب بھی منصوب ہے۔ اور یہ توجیہ بھی سابق بیان کی روشنی میں ضعیف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی فاصلہ ناقابل برداشت اور قبیح ہے اور اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ یعقوب منصوب ہے اور اس کا عامل فعل محذوف ہے یعنی وَهَبْنَا لَهٗ يَعْقُوْبَ اور یہی توجیہ بہتر ہے۔

حضرت لوطؑ کا ذکر

قصہ یہ ہے کہ وہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ سے رخصت ہو کر حضرت لوطؑ کے پاس حسین وجمیل لڑکوں کی شکلوں میں پہنچے جب کہ وہ شہر کے باہر اپنی کھیتی میں موجود تھے اور انہوں نے آتے ہی ان کے ہاں مہمان رہنے کی خواہش ظاہر کی اور حضرت لوطؑ اپنی قوم کے کردار سے واقف تھے اور انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ یہ فرشتے ہیں۔ پس گھبرا گئے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا

اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے لوطؑ کے پاس تو اس کو برا لگا اور ان کی وجہ سے وہ تنگدل ہوا اور کہنے لگا کہ یہ

يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿۷۷﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُونَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا

دن سخت ہے اور اس کی قوم اس کے پاس دوڑتی ہوئی آگئی اور پہلے سے ہی وہ

يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

عادی تھے برائی کے تو فرمایا کہ اے قوم یہ میری بیٹیاں زیادہ موزوں ہیں تمہارے لئے پس اللہ سے ڈرو

وَلَا تُخْزُونِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ

اور مجھے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی شریف آدمی نہیں ہے؟ کہنے لگے تو جانتا ہے کہ

مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ

ہمیں لڑکیوں کی خواہش نہیں ہے اور تجھے پتہ ہے جو ہم چاہتے ہیں فرمایا کاش! میرے پاس تمہارے مقابلہ

سِيٓءَ بِهِمْ۔ سوءٌ مصدر سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی ان کی وجہ سے کوفت میں مبتلا ہوا۔

يُهْرَعُونَ۔ اس کا مصدر اہراع باب افعال ہے۔ اس کا معنی ہے دوڑانا۔ یعنی دوڑائے جا رہے تھے مقصد یہ ہے کہ ان کے اندر بے حیائی اور غلط کاری کا جذبہ اس قدر تیز تھا کہ وہ ان کو فوراً دوڑائے ہوئے آ رہا تھا اور ہم نے اس کا مرادی ترجمہ کر دیا ہے کہ وہ دوڑتے ہوئے آئے۔

وَمِنْ قَبْلُ۔ آیت مجیدہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوطؑ کی بعثت سے پہلے وہ اس فعل بد کے عادی ہو چکے تھے۔

بَنَاتِيْ۔ اس جگہ قوم کی لڑکیاں مراد ہیں کیونکہ نبی اپنی اُمت کا باپ ہوا کرتا ہے۔ پس جس طرح اُمت کے لئے نبی کی ازواج مائیں ہوا کرتی ہیں اسی طرح اُمت کی لڑکیاں نبی کی لڑکیاں کہی جا سکتی ہیں۔ اور اس جگہ مقصد یہ ہے کہ حضرت لوطؑ نے بطور نصیحت کے اپنی قوم کی صحیح فعل کی طرف رہنمائی کی۔ اور لواطہ سے باز رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے اس کا نعم البدل عورتوں سے شادی کر کے ان سے مجامعت کرنے کی رغبت دلائی۔ پس بَنَاتِيْ سے حضرت لوطؑ کی صلبی بیٹیاں مراد لینا اور یہ کہنا کہ اس زمانہ میں مسلمان لڑکی کا کافر سے رشتہ جائز تھا یا یہ کہ نبی زادی کافر سے شادی کر سکتی تھی۔ سراسر غلط بلکہ انبیاء کی توہین کے مترادف ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت لوطؑ کی صرف دو بیٹیاں تھیں۔ زعوراء اور ریثاء اور یہ ناممکن ہے کہ اپنی پوری اُمت کے مردوں کو صرف اپنی دو لڑکیوں سے شادی کرنے کی پیش کش کر رہے ہوں معاذ اللہ۔ پس معلوم ہوا کہ اُمت کے مردوں کو اُمت کی لڑکیوں سے جائز طور پر نکاح کرنے کی دعوت تھی۔

قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ

کی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا (فرشتے) بولے اے لوط ہم تیرے رب کے فرستادہ ہیں یہ ہرگز تیرے قریب

یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ لَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ

نہ آسکیں گے پس چلے جاؤ اپنے اہل کو لے کر رات کے حصہ میں اور تم میں کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے سوائے تیری

اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ

بیوی کے کہ اس کو پہنچے گا وہ عذاب جو ان کو پہنچے گا تحقیق عذاب کا مقررہ وقت صبح ہے کیا صبح

الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا

قریب نہیں ہے ؟ تو جب آیا ہمارا امر ہم نے کر دیا ان کے اوپر کو نیچے (یعنی ان کی زمین کو الٹ دیا) ۔ اور ان پر

مِنْ حَقٍّ ۔ چونکہ انسان کی یہ عادت ہے کہ جس چیز کو اپنا حق سمجھتا ہے اس کی طرف رغبت کرتا ہے ۔ اور اس کا عکس یہ ہے کہ جس شے کی طرف رغبت کرتا ہے وہ اس کا حق ہوتا ہے ۔ اور عکس نقیض اس طرح ہوگا کہ جس میں اس کی رغبت نہیں وہ اس کا حق ہی نہیں اور چونکہ وہ لڑکیوں کی طرف رغبت نہیں رکھتے تھے ۔ اسی بنا پر انہوں نے کہہ دیا کہ ہمارا ان میں کوئی حق نہیں ہے اور مقصد یہ ہے کہ ہماری رغبت چونکہ لڑکوں میں ہے ۔ اور تو بھی اس بات کو جانتا ہے لہٰذا لڑکوں کا مطالبہ ہمارا حق ہے اور اس کو ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے تو جب حضرت لوطؑ نے ان کے اس چیلنج کا جائزہ لیا تو بے بس انسانوں کی طرح یہ نقرے زبان سے جاری کئے کہ کاش آج میرے پاس تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی تو میں تمہیں اس جرأت کا مزہ چکھاتا اتنے میں فرشتے بول اٹھے کہ اے لوط تمہیں غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہم فرشتے ہیں ۔ اور ان لوگوں کے عذاب کا حکم لے کر آئے ہیں ۔ یہ لوگ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے ۔ پس راتوں رات اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر یہاں سے نکل جاؤ ۔ اس طرف جبریل نے انگلی کا اشارہ کیا کہ وہ سب اندھے ہو گئے ۔

لَا یَلْتَفِتْ ۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں ۔ یہ کہ پیچھے مڑ کر کوئی نہ دیکھے یا یہ کہ اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے مال و متاع کا خیال دل میں کوئی نہ لائے یا یہ کہ پیچھے کوئی نہ رہ جائے یا یہ کہ دھماکہ سننے سے پیچھے کی کوئی پرواہ نہ کرے ۔

اِلَّا امْرَاَتَكَ ۔ یعنی تمہاری بیوی اس حکم کی خلاف ورزی کرے گی ۔ اور اپنی قوم کے ساتھ شریک عذاب ہوگی ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اہل سے استثنا ہو یعنی یہ کہ سب گھر والوں کو ساتھ لے کر نکل جاؤ ۔ سوائے اپنی بیوی کے اور اہل کے معنی کی تحقیق گذر چکی ہے ص۲۱

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ ۔ جب حضرت لوط نے اپنی بدکار قوم کے معذب ہونے کی خبر سنی تو دریافت کیا کہ کب عذاب آئے گا تو جبریل نے جواب دیا کہ ان کے عذاب کا مقررہ وقت صبح ہے تو مروی ہے کہ حضرت لوطؑ نے جلدی کی خواہش کی تو فرشتوں نے جواب

عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنْضُودٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ

برسائے پتھر اُوپر سے پے در پے جو اللہ کے نزدیک معین تھے اور یہ عذاب

الظّٰلِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿۸۳﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا

ظالموں سے دور نہیں ہے اور بھیجا قوم مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو انہوں نے کہا اے قوم عبادت کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ

اللہ کی کہ نہیں تمہارا کوئی معبود اس کے سوا اور نہ کم کرو ناپ اور تول کو تحقیق میں تم کو اچھی حالت پر دیکھ رہا ہوں

دیا کہ صبح بھی تو قریب ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ عذاب خداوندی اپنے مقرر کردہ وقت پر ہی آتا ہے۔ خواہ کوئی اس کی تاخیر سے دل تنگ ہی کیوں نہ ہو۔

جَعَلْنَا عَالِيَهَا ۔ مروی ہے کہ جبریل نے اپنے پَر سے اُن کی زمین کے طبقہ کو اس قدر بلند کیا کہ اُن کے مرغوں اور کتوں کی آوازیں اہل آسمان سُنتے تھے۔ پس وہاں سے اُس کو الٹا کر کے پھینک دیا اور اُن پر پتھر بھی برسائے گئے۔ اور یہ چار بستیاں تھیں جن کو موتفکات بھی کہا گیا ہے۔ سدوم۔ عامورا۔ دوما اور صبوائیم۔ اور ان کا بڑا شہر سدوم تھا۔ اور حضرت لوط کی رہائش اسی میں تھی۔

سِجِّيلٍ ۔ بعض نے کہا ہے یہ لفظ فارسی سے عربی میں منتقل ہوا ہے۔ پس سنگ سے سجیل بنا لیا گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سجیل سے مراد آسمان اول ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خدا نے ان کے سروں پر ایک بادل بھیج دیا جس سے اولوں کی طرح ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ اور منضود پے در پے کے معنی میں ہے۔ یعنی پتھروں کی موسلا دھار بارش ان پر برسائی گئی اور مُسَوَّمَہ کا معنی ہے علامت دار۔ اور اس کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر ایک پتھر پر اس آدمی کا نام لکھا ہوا تھا جس کے لئے وہ معین تھا۔

وَمَا هِيَ ۔ اس لفظ سے تمام اُمتِ اسلامیہ کو بھی سرزنش اور تنبیہ کر دی گئی ہے کہ ہر ظلم کرنے والے کو اگر خدا چاہے تو اس عذاب سے معذب کر سکتا ہے۔ لہذا ظالموں کو خدا کی ڈھیل سے مغرور نہ ہونا چاہیئے۔

مروی ہے۔ کہ قوم لوط کا ایک آدمی ان دنوں حرم کی حدود میں داخل تھا۔ لہذا اس کے نام کا پتھر آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہا جب وہ حرم سے باہر آیا تو پتھر گرا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اور مروی ہے کہ عذاب میں گرفتار ہونے والوں کی کل تعداد چالیس لاکھ تھی (مجمع البیان) اور مروی ہے کہ حضرت لوط پر ایمان لانے والی صرف اس کی دو بیٹیاں ہی تھیں (مجمع)

چونکہ قوم لوط پر دو قسم کے عذاب آئے ایک یہ کہ ان کے طبقہ زمین کو اُلٹا یا گیا۔ اور دوسرا یہ کہ پتھر برسائے گئے۔ پس ممکن ہے کہ پہلے ان پر سنگباری ہوئی ہو اور پھر زمین کو اُلٹایا گیا ہو۔ یا یہ کہ ان کے دو گروہ کر دئے گئے ہوں۔ ایک گروہ کو ایک عذاب

وَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾ وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ

اور مجھے تم پر کسی سخت دن کے عذاب کا ڈر ہے اور اے قوم پورا کرو ناپ اور تول کو

بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۸۵﴾

انصاف سے اور نہ کم دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فسادی بن کر

بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۸۶﴾

اللہ کی عنایت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور میں تمہارا پاسبان نہیں ہوں

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

کہنے لگے اے شعیب کیا تیری نماز تجھے کہتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں اس کو جس کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے یا چھوڑ دیں

فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ

وہ جو اپنے مالوں میں ہم اپنی مرضی سے کرتے ہیں بس تو ہی دانا اور سمجھدار ہے فرمایا اے قوم کیا

اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

دیکھتے ہو کہ اگر میں اپنے رب سے دلیل پر قائم ہوں اور عطا کرے وہ اپنی جانب سے مجھے اچھی عطا تو اسے چھوڑ دوں؟

دیا گیا ہو۔ اور دوسرے کو دوسرا عذاب دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ خداوند کریم تمام مومنین کو ایسے جرائم سے محفوظ و مصئون رکھے۔

رکوع نمبر ۸ حضرت شعیبؑ کا ذکر

وَاِلٰی مَدْیَنَ۔ کہتے ہیں کہ مدین حضرت ابراہیم کا فرزند تھا اور یہ لوگ اس کی اولاد سے تھے۔ اور حضرت شعیب ان کی برادری میں سے تھے۔ لہذا ان کو ان کا بھائی کہا گیا ہے۔ یہ لوگ تول اور ناپ میں دھوکہ کرتے تھے کہ دینے میں کم اور لینے میں زیادہ کر لیتے تھے پس حضرت شعیبؑ نے ان کو اس فعل بد سے روکا۔ اور فرمایا کہ خدا کی طرف سے تم پر نعمتوں کی فراوانی ہے۔ اور تم اچھی حالت میں ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا یہ کردار موجب عذاب ہو کر زوالِ نعمت کا باعث بن جائے۔ پس اللہ کی عبادت کرو اور تول ناپ پورا رکھو۔ اور لوگوں کے ساتھ دھوکا نہ کرو۔ پس تول و ناپ کے منصفانہ فعل سے جو جائز نفع تمہیں ملے گا اُسی میں برکت زیادہ ہوگی۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو ایسا کرو۔ ورنہ میں تمہارا چوکیدار نہیں ہوں۔

اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ۔ تاویل مصدر میں ہو کر اس کا عطف ما پر ہے۔ یعنی کیا تجھے نماز کہتی ہے کہ ہم ماں باپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ اور اپنے اموال میں جو اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں اس کو ترک کر دیں۔

۱؎ حضرت شعیب حضرت ابراہیم کے فرزند مدین کی اولاد میں سے تھے۔ طبری جلد ۱ حصہ ۲ ص ۱۴۶ مروج الذہب ج ۲ ص ۹۴

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ

اور میں خود بھی اس چیز کی مخالفت نہیں کرنا جس سے تم کو روکتا ہوں میں تو صرف اصلاح ہی چاہتا ہوں جس قدر

مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

کر سکتا ہوں اور نہیں میری توفیق مگر اللہ سے اسی پر میری توکل ہے اور اسی کی طرف ہی بازگشت ہے

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ

اور اے قوم نہ حقدار بنائے تمہیں میری مخالفت کہ پہنچے تمہیں (عذاب) جس طرح قوم نوح

اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا

اور قوم ہود اور قوم صالح کو پہنچا اور لوط کی قوم بھی تم سے دور نہیں اپنے رب سے بخشش

رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ

طلب کرو پھر اس کی طرف رجوع کرو تحقیق میرا رب رحیم اور ودود ہے کہنے لگے اے شعیب

اِنَّكَ مدّ۲۳۳ یہ جملہ تہکم اور استہزاء کے طور پر ہے۔ یعنی کیا تو ہی ہم میں ایک دانا ہے اور باقی سب پاگل ہیں ؟ یعنی ایسا نہیں ہے اور مروی ہے کہ حضرت شعیبؑ نماز زیادہ پڑھتے تھے۔ اسی لئے اس کی قوم نے اس کو نماز کا طعنہ دیا۔ اور آج کل بھی لوگ نمازیوں کو بالعموم نماز کا ہی طعنہ دیا کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو گذشتہ اقوام کے انجام سے باخبر ہو کر عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

اِنْ كُنْتُ ۔ یعنی اللہ کی جانب سے میرے پاس برہان بھی ہو۔ اور اس کی نعمت نبوّت بھی مجھ کو ملی ہو تو کیا ان کی پرواہ نہ کروں اور تمہارے جذبات کے تابع ہو کر ہدایت سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ یہاں جزائے شرط محذوف ہے۔

وَمَا اُرِيْدُ ۔ یعنی میں ایسا نہیں ہوں کہ تم کو ایک بُری چیز سے روکوں اور خود اُس کو بجا لاؤں۔ یعنی میں تمہارے لئے وہ چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور اسی کا نام خیر خواہی اور اصلاح ہے۔

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ ۔ مقصد یہ ہے کہ تمہارا میری مخالفت کرنا میرے لئے نقصان دہ نہیں بلکہ تمہارے اپنے لئے مضر ہے پس سوچ لو کہ کہیں میری عداوت تمہیں عذاب خداوندی کی طرف نہ کھینچ لے جائے۔ جیساکہ سابقہ اقوام کی تاریخ تم جانتے ہو۔

اِسْتَغْفِرُوْا ۔ یعنی پہلے سابقہ گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ اور پھر ساتھ ہی آیندہ کے لئے اس کی اطاعت کا عزم کرو۔ اور اُسی ذات کی طرف رجوع کرو۔ وہ اب بھی تم پر رحم کرنے کو تیار ہے کیونکہ وہ رحیم ہے اور اپنے بندوں سے محبّت کرتا ہے۔

مَا نَفْقَهُ مدّ۲۳۴ ۔ فِقہ لغت کے لحاظ سے سمجھ لینے کو کہتے ہیں اگرچہ اصطلاح فقہاء میں مسائل شرعیہ فرعیہ کو ادلہ تفصیلیہ سے جاننے کا نام ہے۔ اس مقام پر قوم شعیب کا مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ لوگ آپ کی مدلّل و مبرہن گفتگو کے جواب سے

مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

ہم نہیں سمجھتے بہت کچھ جو تم کہتے ہو اور ہم تم کو اپنے میں کمزور سمجھتے ہیں اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو

لَرَجَمْنَاكَ ۖ وَمَا أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ

ہم تم کو مار ڈالتے ورنہ تمہاری ہمیں کوئی پاس نہیں ہے فرمایا اے قوم کیا میرا قبیلہ زیادہ عزت دار ہے

عَلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ إِنَّ رَبِّي بِمَا

تمہارے نزدیک اللہ سے اور اس کو تم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا ہے تحقیق میرا رب احاطہ کرنے

تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۹۲﴾ وَيَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ

والا ہے اس کا جو تم عمل کرتے ہو اے قوم تم اپنی جگہ کام کرو اور میں اپنا کام کرتا ہوں ۔ عنقریب

سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا

جان لوگے کہ کس پر آتا ہے رسوا کن عذاب اور کون جھوٹا ہے اور انتظار کرو

إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ

میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور جب ہمارا امر آیا تو ہم نے شعیب کو نجات دی اور ان کو جو

عاجز ہوئے تو کہنے لگے ہمیں آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں اور ہر جھوٹے اور ضدی کا جواب ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے اور خدا اس کو عبرت کے لئے ذکر فرما رہا ہے ۔

لَنَرٰکَ ۔ ان کے اس جواب میں دھمکی بھی ہے اور تکبر کا اظہار بھی ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ کا دستور رہا ہے کہ جھوٹا طبقہ چونکہ معقول بات سے عاجز ہوتا ہے ۔ لہذا اپنی ہٹ دھرمی پر برقرار رہنے کے لئے یا تو مخاطب سے کہتا ہے کہ مجھے تیری بات سمجھ میں نہیں آتی اور یا قوت بازو پر سہارا لے کر اس کو دبانے کی کوشش کرتا ہے ۔

ظِهْرِیًّا ۔ کسی شے کو پیٹھ کے پیچھے ڈالنے اور اس سے لاپرواہی برتنے کو انہی الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا مفصل قصہ تفسیر ہذا کی چھٹی جلد ص۵۵ میں مذکور ہو چکا ہے ۔ لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے ۔ صبر کے ساتھ ۔ فرج کا انتظار کرنا بہتر ہے ۔ جیسا کہ حضرت شعیبؑ کا قول ہے ۔ وَارْتَقِبُوا اِنِّی مَعَکُمْ رَقِیْبٌ ۔

رکوع نمبر ۹ ۔ حضرت موسےٰؑ کا ذکر | اٰیٰتِنَا ۲۳۵ یہ آیت کی جمع ہے ۔ یہاں مراد ہیں وہ نشانیاں جو غلبہ

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا

ایمان لائے اس پر اپنی رحمت سے اور پکڑ لیا ظالموں کو سخت آواز نے پس ہو گئے

فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا

گھروں میں چپٹے ہوئے گویا کہ کبھی آباد ہی نہیں تھے آگاہ ہو ہلاک ہوئے مدین جیسے

بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾

ہلاک ہوئے ثمود اور تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور غلبہ ظاہری دے کر

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

فرعون اور اس کی قوم کی طرف تو وہ پیچھے چلے حکم فرعون کے اور فرعون کا حکم ہدایت نہیں تھا

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۗ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

وہ آگے چلے گا اپنی قوم کے بروز قیامت، اور ان کو وارد کرے گا دوزخ میں اور وہ وارد ہونیکا برا گھاٹ ہے

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

اور ان کے پیچھے لگائی گئی اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن بھی اور یہ بری مہمانی ہے

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾

یہ گذشتہ بستیوں کی باتیں ہم تجھ پر بیان کرتے ہیں ان میں سے کچھ باقی ہیں اور کچھ ختم ہو چکی ہیں

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو نہ فائدہ دیا ان کو ان کے خداؤں نے جن کو وہ

کی موجب نہیں۔ اور سلطان سے مراد ظاہری قوت وطاقت ہے جو غلبہ کی موجب ہے اور اسی خصوصیت کی بنا پر اس کو الگ ذکر کیا گیا ہے۔ گویا یہ عطف خاص علی العام ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا ذکر اسی جلد میں ص۱۷۵ تا ص۱۸۲ مفصل بیان ہو چکا ہے۔

فَاَوْرَدَهُمْ۔ چونکہ فرعون کا بمعہ اتباع کے جہنم میں جانا یقینی ہے اسی لئے صیغہ ماضی سے اس کی تعبیر کی گئی ہے کہ گویا یہ واقعہ بھی ہو چکا ہے۔

قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ۔ یعنی کچھ آباد اور کچھ برباد ہیں یا بعض کے نشان موجود اور بعض بالکل معدوم ہیں یا بعض کی مکانیت موجود اور۔

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ

پکارا کرتے تھے خدا کے علاوہ کچھ بھی جب آیا تیرے رب کا عذاب اور نہ ان کو کچھ انہوں نے

غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ

دیا سوائے ہلاکت کے اور اسی طرح گرفت ہے تیرے رب کی جب گرفت کرے بستیوں کو کہ وہ ظالم

ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ

ظالم ہوں تحقیق اس کی گرفت سخت دردناک ہے تحقیق اس میں نشانی ہے اس کے لئے جو

عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ

عذاب آخرت سے ڈرے وہ دن جس میں جمع کیا جائے گا سب لوگوں کو اور وہ دن حاضری کا ہوگا

﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ

اور ہم اس کو نہیں ٹال رہے مگر ایک مقررہ وقت تک جب آئے گا تو نہ بات کرے گا کوئی نفس

اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ

سوائے اسکی اجازت کے کچھ لوگ شقی اور سعید ہوں گے جو شقی ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۙ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

کہ ان کی وہاں ہوگی چیخ و پکار ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک آسمان و

ساکن ہلاک ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ نہ مکان باقی رہے اور نہ مکین باقی رہے۔

اَخَذَ الْقُرٰى ۔ مضاف محذوف ہے یعنی اہل قرای۔ مقصد یہ ہے کہ اہل قریہ جب ظالم ہوتے ہیں تو خدا ان کو پکڑ لیتا ہے اور جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ خدا ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو سخت پکڑتا ہے۔

لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۔ یعنی قیامت ایک معین وقت تک مؤخر کی گئی ہے۔ اور اس کے وقوع کی تاریخ کا سوائے پروردگار کے کسی کو علم نہیں ہے۔

اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذن پروردگار سے بات کرنے والے بات کرسکیں گے۔ لیکن ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۔ یعنی وہ ایسا دن ہوگا کہ لوگ بول نہ سکیں گے اور ان کو اذن بھی نہ دیا جائے گا کہ عذر خواہی کرسکیں۔ پس ان دونوں آیتوں میں تناقض لازم آتا ہے لیکن اس کا جواب

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۸﴾ وَ

اور زمین باقی ہیں مگر جب خدا چاہے تحقیق تیرا خدا کرتا ہے جو چاہتا ہے

اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

جو سعید ہوں گے وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۹﴾ فَلَا تَكُ فِيْ

باقی ہیں مگر جو خدا چاہے ان کے انعام و اکرام کی کوئی حد نہ ہوگی پس نہ شک میں پڑو

یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کی حاضری کے مواقف بہت ہوں گے۔ پس بعض موقف وہ ہوں گے۔ جن میں بولنے کی قطعاً کسی کو اجازت نہ ہوگی۔ اور بعض موقف ایسے بھی ہوں گے کہ باذن پروردگار بولا جاسکے گا۔ اسی طرح ایک اور جگہ بھی دو آیتوں میں ظاہراً تناقص بتیا ہے کہ ایک میں فرماتا ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ کہ کسی جن و انسان سے اس کے گناہ کے متعلق نہ پوچھا جائے گا کیونکہ اللہ کو سب کچھ معلوم ہے۔ اور اُسے مزید تحقیق کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اور دُوسری میں فرماتا ہے۔ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ۔ ان کو روکو کہ ان سے پُوچھا جانا ہے۔ ان دونو آیتوں میں اگرچہ ظاہراً تناقص ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ جاننے کے لئے نہ پُوچھا جائے گا۔ بلکہ سرزنش کے طور پر پوچھا جائے گا۔ پس دونو باتیں پُوچھنا اور نہ پُوچھنا درست ہیں۔

مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ۔ عرب لوگ چونکہ کسی شے کا دوام اسی انداز سے بیان کرتے تھے۔ اسی لئے ان کے محاورہ کے پیش نظر یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے ورنہ آسمان و زمین کی بقا کا زمانہ بطور تحدید کے نہیں ہے تاکہ سمجھا جائے کہ جب تک آسمان و زمین باقی رہیں گے۔ دوزخی دوزخ میں رہیں گے۔ اور جب آسمان و زمین فنا ہوں گے۔ تو دوزخی بھی دوزخ سے نکل جائیں گے۔ بہر کیف عرب محاورہ کے مطابق دوام کے معنی کو اس تعبیر سے ادا کیا گیا ہے نہ کہ تحدید ہے کیونکہ تحدید اور خلود میں منافرت ہے۔

اِلَّا مَا شَآءَ۔ جنتیوں اور دوزخیوں کے دوام سے استثناء ہے۔ یعنی جنّت یا دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے مگر جب خدا چاہے۔ تو علماء نے اس مقام کو مشکلاتِ قرآن سے قرار دیا ہے کیونکہ اپنے مقام پر مسلّم ہے کہ کافر ہمیشہ بلا استثناء جہنم میں رہے گا اور مومن ہمیشہ بلا استثناء جنّت میں رہے گا۔ پس اس جگہ مشیت پروردگار کا استثناء اس عقیدہ سے متصادم ہے تو علمائے اعلام نے اس مقام کو حل کرنے کے لئے کافی توجیہات بیان کی ہیں لیکن میں ان میں سے انسب توجیہ یہ سمجھتا ہوں کہ آیت مجیدہ میں سعادت و شقاوت اُصولی نہیں بلکہ فرعی ہے۔ یعنی جن لوگوں کے اصول و عقائد درست ہوں گے اور اعمال میں کمزوری ہوگی تو اپنے اعمال بد کی سزا کے طور پر وہ جہنم میں جائیں گے۔ پس شقی ہوں گے۔ اور اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد داخلِ جنّت ہوں گے۔ پس سعید بن جائیں گے۔ پس ایسے شقی شقاوتِ عملی کی بنا پر جہنم میں جائیں گے۔ اور انہیں

مِّرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ

اس سے جو پوجتے ہیں یہ لوگ یہ نہیں پوجا کرتے مگر جس طرح پوجا کرتے تھے ان کے باپ دادا پہلے سے

وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

اور تحقیق ان کو ہم پورا حق دیں گے بلا کم و کاست اور تحقیق ہم نے موسٰی کو کتاب دی

چونکہ اس سزا کے میعادی ہونے کا علم نہ ہوگا لہٰذا وہ اپنے مقام پر دائمی سزا سمجھیں گے۔ اس بنا پر اس کو دوام و خلود سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور جب مشیّتِ پروردگار سے ان کو معافی دے کر جہنم سے نکالا جائے گا تو وہ نیک بخت و سعید ہو جائیں گے پس دوزخیوں کے لئے مشیت کا استثناء اس بنا پر ہے کہ دوزخ میں اپنے زعم کے لحاظ سے ہمیشہ رہیں گے مگر جب خدا چاہے گا تو نکل آئیں گے۔ اور جنّتیوں کے لئے اس طرح درست ہوگا کہ وہ جنّت میں ہمیشہ رہیں گے مگر وہ عرصہ جو جنّت میں پہنچنے سے قبل بطور سزا کے جہنّم میں گذاریں گے۔ اور بعض روایات سے اسی توجیہ کے شواہد بھی موجود ہیں جن کے ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اور ظاہراً یہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو عقائدِ صحیحہ رکھتے ہوں لیکن گنہ گار ہوں اور مرنے سے قبل توبہ نہ کر سکے ہوں ورنہ توبہ سے تو گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ پس یہاں سعید و شقی دو گروہ نہیں بلکہ ایک ہی گروہ ہے، جو ایک زمانہ میں شقی اور دُوسرے زمانہ میں سعید ہوگا۔ اور مِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ کا یہی مطلب ہے کہ اہلِ محشر میں ایک گروہ ہوگا جو دو وقتوں کے لحاظ سے شقی و سعید ہوگا۔ واللہ اعلم

رکوع نمبر ۱

اَلْكِتٰبَ ۔ یہاں کتاب سے مُراد تورات ہے اور اس میں اختلاف کا مقصد یہ ہے کہ یہودیوں کے پاس جب حضرت مُوسٰے کتاب لائے تھے تو اُن میں سے بعض مان گئے تھے۔ اور بعضوں نے انکار کر دیا تھا اور حضرت مُوسٰے سے ان کا اختلاف کرنا قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے۔ اور ممکن ہے کہ حضرت موسٰے کے بعد اس کی صداقت اور صحت کے متعلّق اتفاق نہ رہا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی تحریف کے متعلّق اشارہ ہو یا اس پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختلاف مُراد ہو کہ بعضوں نے عمل کیا۔ اور بعضوں نے نہ کیا۔ پس اس اختلاف کو معرضِ ذکر میں لا کر حضرت رسالتمآبؐ کو تسلّی دی جا رہی ہے کہ آپ کی قوم کا آپ سے اختلاف کرنا اور قرآن کو تسلیم نہ کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس سے قبل انبیاء سے ان کی قوموں کا یہی سلوک رہا ہے۔ چنانچہ حضرت موسٰے جب کتاب لائے تھے تو ان کی قوم بھی بگڑ گئی تھی۔

وَلَوْلَا ۔ یعنی علمِ پروردگار میں قیامت کے ایک مقررہ وقت پر وقوع کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور مصلحت اسی میں ہے کہ جزا اور سزا کا وہی ایک دن ہو۔ ورنہ اگر اس تاخیر میں مصلحت نہ ہوتی تو مومنوں کو فوراً جزا دی جاتی اور کافروں کو فوراً سزا دی جاتی جیسے کہ انسانی جذبات کا تقاضا ہے۔

اِنْ كُلًّا لَّمَّا[۲۳] اس فقرہ کو چار طرح پڑھا گیا ہے۔ (۱) اِنَّ كُلًّا لَّمَا (۲) اِنْ كُلًّا لَّمَا (۳) اِنَّ كُلًّا لَّمَّا (۴) اِنْ كُلًّا لَّمَّا

فَاخْتُلِفَ فِيهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ

تو اس میں اختلاف پڑ گیا اور اگر پہلے بات نہ ہو چکی ہوتی تیرے رب سے تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور تحقیق یہ لوگ

لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ

بڑے گہرے شک میں پڑے ہیں اور تحقیق ہر ایک کو پوری دے گا تیرا رب جزا اعمال کی

إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ

تحقیق وہ ساتھ اس کے جو کرتے ہیں آگاہ ہے پس ثابت رہو جس طرح تم کو حکم دیا گیا اور وہ جو تائب ہو کر آپ کے ہمراہ ہیں

پہلی قرأت کی رو سے ترکیب صاف ہے کہ کُلًّا اسم منصوب ہے اور خبر پر لام تاکید داخل ہے۔ یعنی لَمَا لیکن اس کے بعد فعل پر بھی لام داخل کیا گیا۔ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ تو چونکہ ایک جگہ دو لام تاکید اکٹھے ہو گئے لہذا فاصلہ کے لئے درمیان میں ما زائدہ کو داخل لَمَا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ۔

دوسری قرأت میں اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے اور اس کو عمل دیا گیا ہے باقی ترکیب وہی ہے۔

تیسری قرأت میں اِنَّ کے اسم اور خبر کے درمیان لَمَّا کو داخل کرنا جو اِلَّا کے معنی میں اشکال کا موجب ہے۔ اور

چوتھی قرأت میں اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے اور اس کے اسم و خبر کے درمیان لَمَّا کا داخلہ بھی اشکال سے خالی نہیں ہے۔

فَاسْتَقِمْ۔ استقامت سے امر کا صیغہ ہے۔ اور اس کا معنی ہے مامور بہ کا ادا کرنا اور منہی عنہ سے رکنا۔ اس مقام پر پروردگار عالم کی طرف سے حضور کو خطاب ہونا بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اپنی ڈیوٹی پر ثابت رہو کہ خود بھی عمل کرو اور لوگوں کو بھی عمل کی تبلیغ کرتے رہو۔ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بھی اس خطاب میں شریک قرار دیا گیا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ رہنے والے سب استقامت پر رہیں یعنی آپ ادائے رسالت کریں اور وہ قبول کرنے کا فریضہ ادا کریں اور استقامت کے حکم کے بعد فوراً فرمایا کہ سرکشی نہ کرو اور میری فرمائشات سے ذرّہ بھر بھی ادھر اُدھر نہ ہونا اور پھر سرزنش کے طور پر یہ بھی فرما دیا کہ میں غافل نہیں ہوں بلکہ تمہاری ہر بات سے آگاہ و خبردار ہوں۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ قرآن کی تمام فرمائشات میں سے یہ فرمائش حضور پر نہایت سخت تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے بال کیوں جلد سفید ہو گئے تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ شَيَّبَتْنِي الْهُودُ وَالْوَاقِعَةُ۔ یعنی مجھے سورہ ہود اور واقعہ نے بوڑھا کر دیا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوا صٓ۲۳۔ یعنی ظالموں کی طرف میلان نہ کرو۔ اور چونکہ بارشاد قرآن شرک ایک بڑا ظلم ہے تو مقصد یہ ہوا کہ مشرکوں سے محبت کا رشتہ نہ رکھو۔ اور عام ظالموں سے محبت رکھنے کی ممانعت اس آیت کا صریحی فیصلہ ہے۔ اسی بنا پر ظالم و جابر حکومت کی ملازمت میں اشکال کیا جاتا ہے۔ جب تک کہ مصلحت مفسدہ پر غالب نہ ہو۔ کیونکہ ظالم حکومت کا ہر ظالمانہ فیصلہ

وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا

اور نہ سرکشی کرو تحقیق وہ جو تم کرتے ہو جاننے والا ہے اور نہ جھکو طرف ان کے جنہوں نے ظلم کیا ورنہ

فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ﴿١١٣﴾

چھوے گی تم کو آگ اور نہیں تمہارا اللہ کے علاوہ کوئی مددگار پھر تم مدد نہ کئے جاؤ گے

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ

اور قائم کرو نماز کو دن کے دونوں کناروں میں اور رات کی ابتدا میں تحقیق نیکیاں ختم کرتی ہیں

السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ﴿١١٤﴾ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ

گناہوں کو یہ نصیحت ہے قبول کرنے والوں کے لئے اور صبر کر کہ تحقیق اللہ نہیں ضائع کرتا

ملازمین کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ پس وہ ان کے ظلم میں شریک ہو جائیں گے۔ اور جس طرح ظلم میں شریک ہونا ظلم ہے۔ اسی طرح ظلم پر راضی ہونا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اور رکون کا معنی ہے محبت خیر خواہی اور اطاعت۔ اور اسی آیت کی رُو سے جن لوگوں نے آلِ محمدؐ پر مظالم کا دروازہ کھولا ان کی طرف رکون و میلان بھی ظلم ہے۔ پس ان سے محبت رکھنا اور ان کی اطاعت کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ پس یہ آیت قیامت تک کے لئے ظالموں اور ظالموں کے ساتھیوں سے بچنے کا حکم دے رہی ہے۔

نماز کے اوقات

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے نماز کے صرف تین وقت تبلائے ہیں کہ قائم کرو نماز کو دن کے دونوں کناروں میں (اور اس سے مراد صبح اور زوال کے بعد کے دو وقت ہیں) اور رات کے پہلے حصہ میں۔ پس دن کے پہلے کنارہ میں نماز صبح اور دوسرے کنارہ میں دو نمازیں ظہر و عصر اور رات کے پہلے حصہ میں دو نمازیں مغرب و عشا ہیں۔ گویا ان تین وقتوں میں پانچ نمازوں کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ یہاں بھی تین وقت ہیں۔ دلوکِ الشمس سے مراد ہے زوال کے بعد۔ اور اس وقت میں دو نمازیں ہیں۔ ظہر و عصر اور غسق اللیل میں دو نمازیں ہیں مغرب اور عشاء اور قرآن فجر سے مراد صبح کی نماز ہے۔ بعض لوگوں نے دن کے دو کنارے صبح اور مغرب قرار دئے ہیں لیکن یہ اس لئے درست نہیں ہے کہ کنارہ شے کا وہ ہوتا ہے جو اس کا آخری حصہ ہو۔ اور مغرب دن کا حصہ نہیں ہے۔ پس دو کنارے صبح اور بعد زوال کے دو وقت مراد ہیں۔ اور زلف جمع ہے زلفۃ کی جس کا معنی ہے منزلت اور ابن عباس سے منقول ہے کہ یہاں زلف سے رات کا ابتدائی حصہ مراد ہے۔

پس قرآن مجید کی ان آیتوں کی رُو سے جب نمازوں کے اوقات تین ثابت ہوئے تو جمع بین الصلواتین کا مسئلہ

خود بخود صاف ہو گیا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ظہر و عصر کے لئے الگ الگ وقت نہیں بلکہ صرف ترتیب کا فرق ہے کہ پہلے ظہر ہو اور بعد میں عصر ہو۔ اسی طرح مغرب اور عشاء کے درمیان حد نہیں مقرر کی گئی۔ پس ایک وقت میں دو نمازیں رکھی گئی ہیں صرف ترتیب کا فرق ہے کہ پہلے مغرب ہو گی اور بعد میں عشاء ہو گی۔ اور جو لوگ قرآن پر عامل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں ان آیات کی روشنی میں جمع بین الصلواتین کے جواز کو قبول کر لینا چاہیئے۔ اور احادیثِ نبویہ میں اس مطلب کی تائید مزید بھی موجود ہے۔ چنانچہ صحاح ستہ میں صاف اور صریح روایات موجود ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ نے بغیر کسی عذر بیماری یا بارش وغیرہ کے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو اکٹھا پڑھا۔

نماز کے فضائل

اِنَّ الْحَسَنٰتِ ۔ یہاں حسنات سے مراد نمازیں ہیں۔ یعنی نمازیں درمیان میں واقع ہونے والے گناہوں کو ختم کرتی ہیں۔ اس کا یہ مقصد نہیں کہ نمازیں بھی پڑھتا رہے اور درمیان میں گناہ بھی کرتا رہے۔ پس نمازیں اس کے درمیانی گناہوں کو کھاتی رہیں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس کے دل میں نماز کی اہمیت موجود ہو گی۔ اس کے سامنے خدا کی عظمت کا تصور رہو گا۔ پس درمیانی عرصہ میں گناہ کرنے سے اس کو شرم محسوس ہو گی کہ ابھی خدا کی بارگاہ میں کس منہ سے پیش ہوں گا۔ پس یہ تصور آہستہ آہستہ اس کو گناہوں سے نجات دلا دے گا اور نماز کے فحشا اور منکر سے روکنے کا بھی یہی مقصد ہے۔ اور اسی طرح ایک حدیث ذاکرین وواعظین میں مشہور ہے کہ حُبُّ عَلِیٍّ یاکُلُ الذنوب کما تاکل النار الحطب کہ علیؑ کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح خشک لکڑی کو آگ کھا جایا کرتی ہے۔ اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ علی کی محبت رکھنے کے بعد جس قدر چاہے گناہ کرتا پھرے کیونکہ علی کی محبت ان سب کو کھا جائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ علی کی محبت سے پہلے جو گناہ موجود تھے وہ ولائے علی کی بدولت ختم ہو جائیں گے اور بعد میں علیؑ کی محبت کے ہوتے ہوئے نئے گناہ آنہ سکیں گے۔ جس طرح آگ سے پہلے کی لکڑیوں کو آگ جلا دیتی ہے اور بعد میں جب تک آگ رہے وہاں نئی لکڑی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور اس قسم کی تمام احادیث و روایات کو اسی معنی پر محمول کرنا چاہیئے۔ کیونکہ نیکی اور بدی کی محبت یک جا نہیں ہو سکتی۔ اور علی کی محبت اور گناہوں کی محبت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی جس طرح لکڑی اور آگ ایک جگہ نہیں رہ سکتیں۔

(۱) بروایت واحدی ابو عثمان سے منقول ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ کے ہمراہ ایک درخت کے نیچے تھا کہ سلمانؓ نے ایک خشک ٹہنی کو پکڑ کر ہلایا یہاں تک کہ اُس کے پتے گر پڑے۔ پھر فرمایا اے عثمان تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ پس میں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو سلمان نے جواب دیا کہ میں ایک مرتبہ حضرت رسالتمآبؐ کے ہمراہ تھا اور ایک درخت کے نیچے اُنہوں نے بھی ایک خشک ٹہنی کو حرکت دی تھی کہ اس کے پتے گر پڑے تھے اور مجھے فرمایا تھا کہ اے سلمان! کیا تم مجھ سے پوچھتے نہیں ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو میں نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ پس آپ نے فرمایا تھا کہ مسلمان جب صحیح وضو کر کے پانچ نمازوں کو ادا کرتا ہے تو اس کے وجود سے گناہ اس طرح گرتے ہیں۔ جس طرح پتے درخت سے گرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت فرمائی تھی۔

(۲) ابوامامہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسالتمآبؐ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ہم بھی بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر عرض کی حضورؐ! میں نے ایسا گناہ کیا ہے جس سے میرے اُوپر حد واجب ہے۔ لہٰذا میں حد کی سزا برداشت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو ہمارے ساتھ نماز میں شریک تھا تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ پس آپ نے فرمایا کہ خدا نے تیرا گناہ معاف کر دیا ہے۔

(۳) حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہم جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ مسجد میں نماز کی انتظار میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی حضورؐ! مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوا ہے تو آپ نے اس کی بات کو ٹال دیا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو پھر اُس شخص نے اپنی بات دُہرائی تو آپ نے فرمایا کیا تو نے صحیح وضو کر کے ہمارے ساتھ نماز ادا نہیں کی۔ تو اُس نے کہا۔ ہاں میں نماز میں آپ کے ساتھ شریک تھا تو آپ نے فرمایا۔ بس تیرے گناہ کا کفارہ ہو گیا۔

(۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جب کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا تو آپ نے پُوچھا کہاں سے آیا ہے؟ پھر فرمایا کہ ہاں تو یہی جواب دے گا کہ میں فلاں فلاں جگہ سے آیا ہوں نہ طلبِ معاش کے لئے اور نہ عمل آخرت کے لئے۔ تم اس بات کو ملحوظ رکھا کرو کہ تمہارے شب و روز کس شغل میں بسر ہوتے ہیں۔ اور یقین جانو کہ ایک فرشتہ تم پر موکل ہے جو تمہارے ہر کام کو نوٹ کرتا ہے۔ اور جو جو باتیں تم لوگوں سے چھپاتے ہو وہ ان پر بھی مطلع ہے۔ پس شرم کیا کرو۔ کسی بُرائی کو چھوٹا نہ سمجھو۔ کیونکہ ایک دن اُس کا بُرا نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ اور کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ تمہاری نظروں میں وہ معمولی اور کم اہمیت کی ہو کیونکہ ایک دن وہ تمہیں سرور بخشے گی۔ اور یقین کرو کہ انجام کے لحاظ سے نقصان دہ اور زود پشیمانی کی موجب گناہ سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور کسی گناہ کے تدارک کے لئے نیکی سے بڑھ کر اور کوئی علاج نہیں ہے۔ اور بے شک نیکی بڑے سے بڑے اور پرانے سے پرانے بھولے بھلائے ہوئے گناہوں کا بھی تدارک کر لیا کرتی ہے اور اس کو ختم کر دیتی ہے پھر آپ نے قرآن مجید کی یہی آیت پڑھی کہ نیکیاں گناہوں کو بھگا دیتی ہیں۔

(۵) ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہما السّلام نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت علی علیہ السّلام نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ قرآن مجید میں وہ کونسی آیت ہے جس میں سب سے زیادہ گنہ گاروں کو بخشش کی اُمید دلائی گئی ہے پس ایک شخص نے کہا وہ آیت یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ الآیۃ یعنی خدا شرک کو نہیں بخشتا۔ اور اس کے علاوہ تمام گناہ بخش دیتا ہے جس کے چاہے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن یہ وہ آیت نہیں جو میں پُوچھتا ہوں۔ پس ایک شخص نے کہا وہ یہ ہے۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ۔ الآیۃ۔ یعنی جو بُرا کام کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر توبہ کرے تو خدا اُس کو بخش دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن میری مُراد یہ نہیں ہے۔ پھر تیسرے آدمی نے یہ آیت پڑھی۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔ یعنی کہہ دیجئے کہ اے وہ لوگ جو اپنے نفسوں پر اسراف کر چکے ہو۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ آپ نے فرمایا خوب ہے۔ لیکن

یہ آیت وہ نہیں ہے۔ پھر چوتھا بولا۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ۔ الاية۔ یعنی وہ لوگ جو غلط کاری کے بعد پشیمان ہو جائیں تو ان کی لغزش معاف کی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بھی خوب ہے لیکن وہ نہیں جو میں پوچھتا ہوں۔ اس کے بعد کسی میں بولنے کی ہمت نہ رہی تو آپ نے فرمایا اے گروہ مسلمین کیوں خاموش ہوگئے ہو؟ تو عرض کرنے لگے کہ اب ہمیں کچھ معلوم نہیں پس آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے حبیب جناب رسالت مآبؐ سے سنا ہے کہ سب سے زیادہ بخشش کے لئے پُرامید کرنے والی آیت قرآن مجید میں یہ ہے۔ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ۔ الاية۔ اور آپ نے پُوری آیت پڑھی اور فرمایا۔ اے علیؑ مجھے اُس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق بشیر و نذیر کر کے مبعوث فرمایا تم میں سے کوئی آدمی جب وضو کر کے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے اعضا سے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور جب اللہ کی بارگاہ میں شرف یاب ہو کر واپس ہوتا ہے تو اُس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا جیسا کہ شکمِ مادر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر دو نمازوں کے درمیان اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ بھی بخشی جاتی ہے اور پھر پانچوں نمازوں کا ذکر فرمایا پھر فرمایا۔ اے علی! میری اُمت کے لئے پانچ نمازیں اس طرح ہیں جس طرح کسی کے گھر کے دروازہ پر نہر جاری ہو تو جب اُس کے بدن پر کچھ میل موجود ہو۔ اور روزمرّہ اس نہر میں وہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر پھر بھی میل رہ سکتی ہے؟ پس بخدا پانچ نمازیں میری اُمت کے لئے ایسی ہی ہیں۔

بہرکیف اس سے بڑھ کر نماز کی اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے کہ بفرمانِ رسالت یہ مومن کی معراج ہے۔ اس میں انسان اپنے پروردگار سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے اور یہی انبیاء و اولیاء کی آخری وصیّت ہے۔ خداوندِ کریم تمام مومنین کو نمازی بننے کی توفیق دے۔

خلاصۃ الکلام

فَلَوْلَا ۔ اس سُورۂ مبارکہ میں خدا نے لوگوں کو عبادت کی دعوت دی اور پھر گذشتہ اُمّتوں کی سرکشی اور ان کے گرفتار عذاب ہونے کا ذکر فرمایا۔ اور جناب رسالت مآبؐ کو تسلّی دے کر ان کو اپنے طریق کار پر ڈٹے رہنے کی فرمائش کی۔ اس کے بعد پھر لوگوں کو بطور تذکرہ کے ارشاد فرماتا ہے کہ موردِ عذاب ہونے کے بعد قوموں سے جو افراد بچ جاتے ہیں وہ ہلاک ہونے والوں کے انجام سے عبرت پکڑ کر لوگوں کو بُرائی سے روکتے کیوں نہیں اور اُولُوْا بَقِيَّةٍ کا معنی صاحبانِ دین، صاحبانِ برکت اور صاحبانِ تمیز بھی کیا گیا ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب بُرائیوں سے روکنے والا کوئی نہیں ہوتا تو اکثریت اس میں ملوث ہو جاتی ہے اور پھر وہ گرفتارِ عذاب ہو جاتے ہیں۔ البتہ ان میں سے تھوڑے لوگ (انبیاء یا صالحین) نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں لیکن ان کی مانتا کوئی نہیں کیونکہ ہمیشہ اکثریتی رجحان اقلیتی آواز کو دبائے رکھتا ہے پس اگر اکثریت بُرائی سے متنفر ہوتی تو تھوڑے خود بخود رُک جاتے یا اُن کو روکنا آسان ہوتا لیکن جب اکثریت بُرائی کو پسند کرتی ہو تو اقلیت کی آواز پر کان ہی کوئی نہیں دھرتا۔ اور آج کل جو کچھ ہو رہا ہے وہ عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے کہ علمائے حق کو ہر طرح بدنام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والا ہی کوئی نہ ہو۔ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ یعنی ان باقی رہنے والوں میں سے تھوڑے نہی عن المنکر بھی کرتے ہیں پس وہ عمومی عذاب سے بچ جاتے

أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٥﴾ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ

نیکی کرنیوالوں کی جزا کو پس کیوں نہیں گذشتہ امتوں میں سے باقی ماندہ لوگ منع کرتے

يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ

زمین میں فساد کرنے سے سوائے قلیل کے جن کو ہم نے بچا لیا اُن میں سے اور اتباع کی

الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

ظالموں نے اس کی جس میں وہ خوشحال تھے اور تھے وہ جرم کرنے والے اور نہیں تیرا رب

لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ

ہلاک کرتا بستیوں کو ظلم سے جب کہ اُن کے بسنے والے اچھے ہوں اور اگر چاہتا تیرا رب تو کر دیتا

النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ

لوگوں کو ایک گروہ اور ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تیرا رب رحم کرے

ہیں۔ اور اکثریت مجرمین کی ہوتی ہے اور وہ اس چیز کی اتباع کرتے ہیں جس میں وہ خوش حال ہیں۔ یعنی وہ اسباب تعیش کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور ایسے علماء سوء بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو گناہوں پر ان کو جرأت دلاتے ہیں اور اپنے لقمہ تر کی خاطر ان کی عاقبت کو خراب کرتے ہیں۔

وَمَا كَانَ۔ اس کے معنی میں تین احتمال ہیں (۱) بِظُلْمٍ جار و مجرور کا متعلق لِيُهْلِكَ ہو۔ یعنی خدا ظلم کرتے ہوئے کسی بستی والوں کو ہلاک نہیں کرتا جب کہ بستی والے اچھے ہوں (۲) جار و مجرور محذوف کے متعلق ہو کہ ظرف مستقر بنے اور قری کی صفت ہو۔ یعنی خدا نہیں ہلاک کرتا کسی بستی کو جو ظالم ہو۔ یعنی مشرک ہو جب کہ اس کے بسنے والے معاشرہ کے لحاظ سے اصلاح پسند ہوں (۳) بائے جارہ تعلیل کے لئے ہو۔ یعنی خدا بعض افراد کے ظلم کی وجہ سے بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب کہ ان کی اکثریت نیکی پسند ہو۔

وجہ اختلاف

وَلَوْ شَاءَ۔ یعنی اگر خدا چاہتا تو لوگ سب کے سب ایک دین پر ہوتے اور ان میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا یعنی خدا مجبور کر کے سب لوگوں کو دیندار کر سکتا ہے لیکن یہ بات اس کی مصلحت سے خارج ہے وہ چاہتا ہے کہ انسان کو عقل کامل عطا کرنے کے بعد اس کو دوزخ اور بہشت کے دونوں راستے دکھا دئے جائیں۔ پس جس طرف جائے اپنے اختیار سے جائے تاکہ بہشت میں جائے تو استحقاق پیدا کر کے اور دوزخ میں جائے تو بھی استحقاق پیدا کر کے جائے۔

وَلَا يَزَالُونَ۔ یعنی انسانوں کو فطرت ہی اس قسم کی عطا کی گئی ہے کہ ان میں اختلاف رہے گا اور عناصر اربعہ جو ایک دوسرے

کی ضد ہیں۔ ان کے مجموعہ سے پیدا ہونے والا انسان لازمی طور پر اختلاف کا شکار رہے گا۔ کیونکہ عناصر کے اختلاط و امتزاج سے ہی مزاج بنتا ہے۔ اس کے بعد عناصر کی اپنے مقام پر انفرادی کیفیت اور اس کے مراتب اور درجہ اختلاط اور باہمی توازن و تناسب کے الگ الگ مدارج وغیرہ کا جائزہ لینے سے مزاجوں کے باہمی اختلاف و تضاد کا سلسلہ ایک لامتناہی حد تک پہنچتا ہے۔ اور اسی سے جذبات و خواہشات و رجحانات میں اختلاف و افتراق کا ایک غیر متناہی سلسلہ رونما ہوتا ہے۔ کسی میں کسی خلط کی زیادتی تو دوسرے میں کمی اور کسی میں اس کے برعکس۔ پس خواص و اثرات کے لحاظ سے انسانی مزاج فطری طور پر ہی اختلاف کا شکار ہو گئے اور نفسانی رجحانات مزاجوں کے دباؤ کے تحت ہوتے ہیں اور ان کا باہمی تضاد نفسانی متضاد صفات کی جڑ ہے۔ پس شرافت رذالت حیا بے حیائی خیر پسندی۔ شر پسندی اخلاص ریا کاری متانت جدل دیانت سرکشی امانت خیانت۔ صبر۔ بے صبری۔ حوصلہ۔ جلد بازی۔ تسلیم۔ انکار۔ عدل ظلم۔ انصاف پسندی۔ ہٹ دھرمی۔ انتقام۔ درگذر اور اچھائی و برائی کے رجحاناتِ فطریہ اسی اختلافِ امزجہ کی ہی کاشت ہیں اور دنیا میں امن و اطمینان کے سلب ہونے اور جور و ظلم کے عام ہونے کی ذمہ داری اسی اختلاف پر ہی عائد ہوتی ہے۔ پس خداوند کریم نے اپنے فضل و کرم سے انبیاء بھیجے جو انسانوں کو ایسی قابلِ قبول اور مبنی بر انصاف اُصول زندگی کی تعلیم دیں کہ اگر تمام انسان انہی اُصول کے سانچہ میں اپنے جذبات و رجحانات کو ڈھالنے پر موفق ہو جائیں تو دنیا و آخرت کی فلاح کی راہیں ان کے لئے ہموار ہو جائیں۔ اور اس کے نتیجہ میں صفحۂ ہستی۔ امن و اطمینان کا گہوارہ بن جائے۔ اور دنیا خود اپنے مقام پر خطۂ جنت ہو جائے۔ پس اس نے آخرت کے لئے دو منزلیں بنائیں۔ ایک سرور و انعام جس کو جنت کا نام دیا۔ اور دوسری منزل عذاب اور رنج و غم جس کو جہنم کا نام دیا تاکہ انبیاء کی تعلیم کو اپنا کر اپنے جذبات کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے والے جنت میں جائیں۔ اور اپنے جذبات میں آوارگی کو پسند کرتے ہوئے انبیاء کی تعلیم کو ٹھکرانے والے جہنم کا ایندھن بنیں۔ پس اسی بنا پر ارشاد فرماتا ہے کہ اگر چاہتا تو سب کے سب ایک دین پر ہوتے لیکن مصلحت خداوندی کا تقاضا یہ نہیں تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی انعام اگر بغیر محنت و کاوش کے اور بغیر کوشش و استحقاق کے کسی کو مل جائے تو اس کی قدر و منزلت نہیں رہتی۔ اور نہ انعام پانے والا اپنے اندر کوئی سرور بالخصوص محسوس کرتا ہے۔ لیکن بخلاف اس کے اگر محنتِ شاقہ اور کد و کد کے بعد اس کا حصول ہو تو وہ انعام پیارا بھی لگتا ہے۔ اور اس کے حصول کے بعد دل ایک طرح کا سرور بھی محسوس کرتا ہے۔ اور پھر محنت جس قدر زیادہ ہو گی اس انعام کی قدر و منزلت میں اور دل کے سرور میں اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور جنت چونکہ انتہائی سرور کا گھر ہے۔ اگر ہر ایک کو مفت تقسیم کی جاتی اور استحقاق کا کوئی دخل نہ ہوتا تو اس جنت کا حصول قطعاً موجب سرور نہ ہوتا۔ پس مصلحتِ ایزدی اسی میں ہے کہ اپنے اختیار سے انسان استحقاق پیدا کر کے جنت کی نعمت کو حاصل کرے۔ اور اسی لئے مجبور کر کے تمام انسانوں کو دین کا پابند کرنا گوارا نہ فرمایا۔

پس اسی بنا پر فرماتا ہے کہ لوگوں میں اختلاف کا باقی رہنا ضروری ہے کیونکہ یہ چیز اختلاطِ عناصرِ متضادہ کی

وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

اور اسی لیئے ان کو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا تیرے رب کا کلمہ کہ پُر کروں گا دوزخ کو جنوں اور

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الرُّسُلِ

انسانوں سے سب سے اور سب بیان کرتے ہیں ہم تجھ پر رسولوں کی خبریں کہ

فطری پیداوار ہے۔ مگر جن لوگوں پر اللہ کا رحم و کرم ہو اور خدا کی توفیق ان کے شامل حال ہو تو وہ اپنے جذبات و رجحانات پر قابو پالیں گے۔ اور اپنے کردار و عمل کو انبیاء کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھال کر دنیوی و اُخروی فلاح حاصل کر کے رہیں گے۔ چنانچہ اسی بنا پر فرمایا اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ۔ یعنی جس پر پروردگار کا رحم ہوگا وہ اس اختلافِ فطری کے نتائج بد سے محفوظ رہ سکے گا۔ یہاں پر ایک اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ جب رجحانات و میلانات کا اختلاف فطری ہے اور اس کے نتیجۂ بد سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ رحم و کرم کرے تو گویا جو نہ بچ سکے وہ وہی ہوئے جن پر اللہ نے رحم و کرم نہ کیا۔ پس بات وہیں کی وہیں رہی۔ اختیار اور عدم اختیار کا فرق ہی ختم ہو گیا تو اس شبہ کو خداوند کریم نے خود ہی رد فرما دیا۔ چنانچہ فرمایا وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ کہ میں نے تو تمام انسانوں کو پیدا ہی رحم و کرم کے لئے کیا ہے۔ اسی لئے تو اختلافِ فطری کے بعد ان کو بے مہار اور بے لگام نہیں چھوڑا۔ بلکہ انبیاء و رسل بھیجے۔ کتب و صحائف نازل کئے۔ براہین و معجزات سے رہنمائی کی۔ اور یہ سب رحم و کرم کے ہی نتائج ہیں۔ پس جن لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھا کر اپنی طبائع پر کنٹرول کر لیا تو کامیاب ہو گئے۔ اور جن لوگوں نے اپنی تعیش مزاجی اور آوارگی کو انبیاء کی تعلیمات کتب و صحائف کے نصائح اور معجزات و دلائل کی توضیحات کے بعد بھی کنٹرول کرنے کی بجائے بدلگام اور بے مہار رکھنا پسند کیا وہ مستحق عذابِ ابدی و لعنت دائمی ہوئے۔ گویا اُنہوں نے اللہ کے رحم اور اس کے فضل کو خود ٹھکرایا۔ جس طرح ایک دوا بیماروں کے لئے موجب شفا ہے لیکن بالفعل شفا وہی حاصل کرے گا جو اُس کو استعمال کرے گا۔ لیکن جو بیمار اپنی طبیعت پر کنٹرول نہ کرتے ہوئے دوا کو ضائع کر دے اور شفا حاصل ہونے کی بجائے وہ موت کا شکار ہو جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دوا اُس کے لئے رحمت نہ تھی بلکہ یہ کہا جائے گا کہ دوا رحمت تھی لیکن اس نے اُس کو ٹھکرایا۔ پس موت کا مستحق ہوا۔

سوال۔ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔ کا معنی اگر یہ ہو کہ ان کو رحمت کے لئے پیدا کیا ہے تو لذالک کی بجائے لتلک ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ رحمت مونث ہے اور ذالک اشارہ مذکر کے لئے ہوتا ہے۔

جواب۔ رحمت مونث غیر حقیقی ہے اور مذکر ہونے کی صورت میں اس کا معنی تفضل و اکرام کا ہوا کرتا ہے اور قرآن میں اس کے مذکر قرار دیئے جانے کے شواہد موجود ہیں۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ۔ یعنی انبیاء کے قصے قرآن مجید میں صرف وقت گذارنے اور تاریخی بیان دہرانے کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ

مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰی

مضبوط کریں اس سے تیرے دل کو اور آیا ہے تیرے پاس اس میں حق اور وعظ و نصیحت

لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ ؕ

مومنوں کے لئے کہہ دو ان کو جو نہیں ایمان لاتے تم اپنی جگہ کام کرو اور ہم اپنا

اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ

کام کرتے ہیں اور انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں اور اللہ کے لئے ہے غیب آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ

اور زمین کا اور اسی کی طرف بازگشت ہے ہر شے کی پس اس کی عبادت کر اور اس پر توکل کر

عَلَیْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور تیرا رب تمہارے عمل سے غافل نہیں

حضور کے لئے ان کا فائدہ یہ ہے کہ اُمورِ تبلیغ میں بلاجھجک اور بلاخوف. تردید آگے بڑھتے جائیں اور ان کا حوصلہ بلند رہے اور اُمّت کے لئے فائدہ یہ ہے کہ ان کو نصیحت اور عبرت حاصل ہو۔ اور گذشتہ اُمتوں پہ انعامات ان کی نیک اعمالی کے جذبہ کو تیز کر دیں اور اُن کے عذاب کے تذکرے ان کو اعمالِ زشت سے روکنے میں ممد و معاون ثابت ہوں۔

مسئلہ علم غیب

لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ۔ آیت مجیدہ کے معنی میں تین احتمال ہیں۔ (۱) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ غائب ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے (۲) آسمانوں اور زمین کے کل خزانے اللہ کی ملکیت ہیں (۳) علم غیب صرف اللہ کے لئے مختص ہے خواہ آسمانوں سے متعلّق ہو یا زمین سے۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) علم مستفاد۔ (۲) علم ذاتی۔ پس دوسری قسم خدا کے لئے مخصوص ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور جو اس صفت میں اللہ کا کسی کو شریک قرار دے وہ مشرک و کافر ہے لیکن پہلی قسم یعنی علم غیب مستفاد وہ انبیاء آئمہ کے پاس ہوتا ہے۔ جتنا کہ خدا ان کو عطا فرمائے اور عوام بھی اس کو جان سکتے ہیں۔ جتنا کہ نبی و امام ان کو بتائیں۔ جیسے جنت دوزخ اور برزخ وغیرہ کے حالات علّامہ طبرسی اعلی اللہ مقامہ نے اس مقام پر ذکر فرمایا ہے کہ بعض متعصّب مزاج جس کا شیعہ امامیہ پر طعن و تشنیع شیوہ بن چکا ہے۔ اس نے اس مقام پر شیعہ امامیہ کے پاکدامن پر اپنے بغض و عناد کا کیچڑ اچھالتے ہوئے اسے داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے وہ کہتا ہے آیت سے صاف ظاہر ہے کہ علم غیب اللہ کا خاصہ ہے اور رافضی لوگ جو آئمہ

کی طرف علم غیب منسوب کرتے ہیں وہ اس آیت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس قول کے نقل کے بعد علامہ موصوف نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ علم غیب سے مراد یہ ہے کہ ذاتی طور پر جمیع معلومات کا علم رکھے بغیر علم مستفاد کے اور یہ صرف اللہ کا خاصہ ہے اور مخلوق میں سے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور جو اس صفت میں اللہ کا کسی کو شریک جانے وہ ملت اسلام سے خارج ہے لیکن جو غیب کی خبریں آئمہ سے منقول ہیں وہ سب علم مستفاد ہیں کہ انہوں نے رسالتمآبؐ سے حاصل کیا اور ان کو اللہ نے اطلاع دی۔ اور اس کو علم غیب کہنا درست نہیں ہے۔ پھر انہوں نے آئمہ طاہرینؑ کی بعض پیشین گوئیاں نقل فرمائیں جن کو علم غیب سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ علم مستفاد ہیں۔

(۱) حضرت امیر المومنینؑ نے مروان کے متعلق فرمایا کہ اس کو حکومت ملے گی۔ جس طرح کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے۔ یعنی اُس کی حکومت کی مدت بہت کم ہوگی۔ اور اُس کے چار بیٹے بھی بادشاہ ہوں گے اور اُمت کو اس کی اور اس کی اولاد کی بدولت سرخ موت دیکھنی نصیب ہوگی۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السلام نے عبداللہ بن حسن سے فرمایا تھا کہ حکومت تیرے لئے نہیں اور نہ تیری اولاد اسے پا سکے گی۔ اور فرمایا کہ تیرے دونو فرزند منصور کے ہاتھوں قتل کئے جائیں گے اور اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔

(۳) امام رضا علیہ السلام نے اپنی دونو انگلیاں کو ملا کر فرمایا تھا کہ میری اور ہارون کی قبریں اس طرح اکٹھی ہوں گی۔

(۴) ابوحبیب نباحی کو جب آپ نے ایک مٹھی خرما کی دی تھی اور اس نے زیادہ کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ اگر میرے نانا جناب رسالتمآبؐ نے زیادہ دی ہوتی تو میں بھی زیادہ دیتا اور اُس شخص کو خواب میں جناب رسالتمآبؐ کی زیارت ہوئی تھی اور آپ نے اُسے ایک مٹھی خرما عطا فرمائی تھی۔ اور امام عالی مقام اُسی طرف اشارہ فرما رہے تھے)

اس قسم کی بہت سی خبریں آئمہ اطہارؑ سے منقول ہیں۔ اور ان کو علم غیب اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ علم جناب رسالتمآبؐ سے مستفاد تھا اور آپ کا علم خداوند کریم کی طرف سے بذریعہ وحی مستفاد تھا۔ پس خدا جس کو جس قدر علم عطا فرمائے وہ عالم الغیب نہیں بن جایا کرتا۔ اور جناب رسالتمآبؐ کو اور اس کے بعد آئمہ طاہرینؑ کو خدا نے تمام مخلوق میں سے زیادہ علم عطا فرمایا اور باوجود اس کے یہ بھی تعلیم ساتھ ساتھ دی کہ دعا مانگا کرو۔ رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا۔ پس محمدؐ و آل محمدؐ علم کی زیادتی کی پروردگار سے دُعا مانگتے ہیں تو عالم الغیب کیسے ہوگئے اور ذاتی طور پر عالم الغیب ہونا صرف خدا کا خاصہ ہے۔ اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور یہی شیعہ کا ایمان ہے اور خدا کا عطا کردہ علم محمدؐ و آل محمدؐ سے زیادہ کسی کے پاس نہیں ہے اور اس کے جاننے سے ان کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔

پس سورہ ہود کی تفسیر ختم ہوئی۔ اور یہیں ساتویں جلد کا اختتام ہے اور آٹھویں جلد سُورۂ یوسف سے شروع ہوگی امام بارگاہ ایبٹ آباد میں بروز ہفتہ پونے پانچ بجے شام ۲۸ صفر ۸۴ھ مطابق ۱۵ جون ۶۶ء

دورِ حاضر میں علماء اعلام کے خلاف ہنگامہ

اس گئے گذرے زمانہ میں جب کہ جہالت علم کے لباس میں ظاہر ہو کر دولتِ دانش و خرد پر اپنی گرفت کو مضبوط کر رہی ہے۔ لادینیت دین بلکہ تقدس کا لباس پہن کر قرآن و حدیث کے مضامین کو اپنے تصرف میں لانے کے لئے بے تاب ہے رذالت نے شرافت کا لبادہ اوڑھ کر ہر شریف کی پگڑی اچھالنا اپنا کمال بلکہ فتح و کامیابی تصور کیا ہوا ہے۔ اور فرعونیت موسوی رنگ میں سادہ لوح انسانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی معصومیت کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے۔ غرضیکہ دین و مذہب سے آزادی کا تصور ہمہ گیر طوفان بن کر صفحۂ عالم پر چھایا جا رہا ہے۔ اُدھر مغربیت سے اُٹھتی ہوئی بے غیرتی اور بے حیائی کا منحوس عقاب اپنے پر و بال پھیلائے ہوئے دین و مذہب کے پرستاروں کے سروں پر پھڑپھڑا کر اس کو مرعوب کرنے میں ہمہ تن کوشاں ہے۔

بالخصوص مذہب شیعہ پر یہ دور اس لئے بھی سخت ہے کہ آئے دن کی علماء پر پابندیاں عزاداری کی آزادی میں رخنہ اندازیاں تقریروں اور تحریروں پر بے جا نکتہ چینیاں اور شیعہ مذہب کی مذہبی خصوصیات کو دل آزار کہہ کر تحریروں کی ضبطیاں اور تقریروں پر زبان بندیاں ایسا عام دستور بن گیا ہے کہ اب ان پر آواز اٹھانے کی جرأتیں بھی مسلوب ہو چکی ہیں۔ ادھر مدارس میں شیعہ جداگانہ نصاب دینیات کو معرض التوا میں دیکھ کر شیعہ بچوں کی ذہنیت کی تباہی اور ان کے مستقبل کی تاریکی کا فکر ہر حساس ذہن کے لئے مسئلہ مشکلہ بلکہ عقدۂ لاینحل بنا ہوا ہے۔

پس ایسے روح فرسا اور ہوش ربا حالات میں ان چند مدارس دینیہ کا وجود غنیمت تھا جو انگلیوں پر گنے جاتے ہیں۔ اور ان علماء اعلام کا قوم کے سروں پر سایہ پروردگار کی جانب سے ظلِّ رحمت تھا (خدا اسے قائم و دائم رکھے) جو ظاہری عیش و عشرت اور رنگ رلیوں سے بے نیاز ہو کر قوم کے بچوں کو معالم دینیہ اور مطالب فقہیہ مسائل کلامیہ اور حقائق اصولیہ و فروعیہ کی تعلیم دے کر ان کو قعر ضلالت اور نشیبِ جہالت سے نکال کر اوجِ ہدایت اور رفعتِ معرفت سے ہمکنار کرنے کے لئے اپنی زندگانیاں وقف کئے ہوئے ہیں۔ صرف قوت لایموت پر بسر اوقات کر کے صبر و رضا اور شکرِ پروردگار ان کا دستورِ زندگی ہے۔ حتیٰ کہ جہاں جاہل ذاکر اور بے علم واعظ منبر پر ادھر اُدھر کی چند بے تکیاں اڑاتے ہوئے سامنے بیٹھے ہوئے عوام کی اکثریت کے جذبات سے کھیل کر صرف ایک گھنٹہ یا اس سے کم و بیش مختصر وقت کا اچھا خاصہ معاوضہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا وہاں علوم آلِ محمدؐ اور اس کے مقدمات کی تدریس پر گھٹنے ٹیکے ہوئے اپنے دماغ اور ذہن کا عرق نچوڑ کر قوم کے نونہالوں کو زیور علم و معرفت سے آراستہ کر کے قوم کی بنیادی اور ٹھوس خدمت کے باوجود یہ علماء ایک پورے مہینے کی خدمت کے بعد اس سے کم معاوضہ پر راضی ہو کر گذر اوقات کرنا فخر محسوس کرتے ہیں۔

لیکن اس سے زیادہ احسان فراموشی اور محسن کشی اور کیا ہو گی کہ قوم کی اکثریت ایسے علماء کے وجود کو بارگراں سمجھنے لگی ہے

اور درحقیقت علم کے لباس میں جہالت کے تاجداروں اور دین کے لباس میں لادینیت کے پرستاروں کی ہنگامہ آرائی کا یہ تلخ نتیجہ ہے جو جاہل مدتوں سے علم کا لباس پہن کر عوام کو جہالت کی تاریکی میں رکھتے ہوئے صرف زبانی ہاؤ ہو سے ان کو خوش کرکے اور ان کی بداعمالیوں کے باوجود بخششِ خداوندی کا ٹھیکہ دار بن کر ان کو جنت کی سستی ٹکٹیں دے کر پیسے بٹورنے کے عادی تھے اُن کے لئے اس تاریک خطے میں علم کی روشن قندیلیں خیرہ کن تھیں وہ اس تاریکی کو روشنی کا نام دے کر اور ظلمت کو نور کہہ کر بابے دینی کو دین کا لبادہ اوڑھا کر جیب تراشی کو تاں زندگی سمجھتے تھے۔ اس لئے مدارسِ دینیہ کا وجود اور حق گو علماء کی آمد ان کے لئے جاء الحق وزھق الباطل کی پیشین گوئی کا اعلان تھی۔ لہٰذا انہوں نے حرکت مذبوحی کے طور پر ہاتھ پیر مارنے شروع کئے اور اپنے وقار و اقتدار کی حفاظت کی خاطر دین و مذہب اور قرآن و شریعت کی مضبوط حصاروں کو پھاند کر آپے سے باہر ہوگئے۔ پس علماءِ اعلام کے ساتھ انہوں نے علومِ آل محمدؐ کے خلاف بھی علمِ بغاوت بلند کردیا۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ قوم ہمارے کرتوتوں سے واقف ہے وہ کسی طرح حق کے مقابلہ میں باطل کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔ ہزاروں کھیل کھیلے۔ لاکھوں جتن کئے۔ کبھی کسی مسئلہ پر اشکال کیا۔ کسی وقت کوئی من گھڑت مقولہ ان کی جانب منسوب کیا۔ کسی وقت ان کے کسی قول یا فعل کو غلط رنگ میں پیش کیا۔ بہرکیف عوام کو علماء کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے بہت حیلے بہانے بنائے لیکن سب کے سب ناکام ثابت ہوئے اب انہوں نے ایک اور مہلک حربہ تلاش کیا جس کی ان کے نزدیک بڑی اہمیت ہے لیکن میں اسے بلبلۂ آبی سے زیادہ وقعت نہیں دیتا اور وہ یہ کہ علمائے اعلام کو وہابی کہا جائے اور عوام کو یہ باور کرا دیا جائے کہ مدارس دینیہ گمراہی کی تربیت گاہیں ہیں۔ اور تدریس کرنے والے علماء شیعیت کے لباس میں وہابیت کے مروج ہیں۔ اور اس سلسلے میں ایسے کافی عوام منسلک ہوگئے ہیں جو پہلے سے ہی تقلید کو ایک ناقابلِ برداشت بوجھ خیال کرتے تھے اور علماء کی توہین و تذلیل ان کا محبوب مشغلہ تھا اور ذاکرین میں سے جن کے دل ایمان و دین کے نقوش سے خالی تھے ان میں اس تحریک نے کافی حد تک مقبولیت حاصل کرلی کیوں کہ وہ پہلے سے ہی عزاداری میں اصلاح کے علمبرداروں کے دل سے مخالف تھے وہ چاہتے تھے کہ حسینی منبر پر ہر قسم کی دھاندلی برداشت کی جائے۔ ریش تراشی۔ بھنگ اور شراب نوشی، غنا شعاری اور زناکاری بلکہ شریعتِ مصطفوی کی ہر لحاظ سے حدود شکنی کے باوجود انہیں کوئی فاسق کہنے والا نہ ہو بلکہ ذاکرِ حسین سمجھتے ہوئے ان کی ہر حرکت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے۔ یہ لوگ مومنین کے لئے ان کی عزت و مال بلکہ دین و ایمان کے ڈاکو بنے ہوئے تھے اور ہمیشہ چور اور ڈاکو کو تاریک فضا محبوب ہوا کرتی ہے وہ روشنی کا دل سے دشمن ہوا کرتا ہے۔ ویسے بھی فطرتاً جی ہاں کرنے والے پیارے لگتے ہیں اور ٹوکنے والوں کو کوئی نہیں چاہتا۔ انبیاء معصومین انتہائی مخلص و خیرخواہ ہونے کے باوجود عوام کی نظروں میں بدنام صرف اس لئے ہوا کرتے تھے کہ وہ غلطیوں پر ٹوکتے تھے اور ہمیشہ انبیاء و آئمہ کے دشمن وہی لوگ ہوا کرتے تھے جن کو اپنا ظاہری وقار معرضِ خطر میں نظر آتا تھا اور جن کے حلوے مانڈے انبیاء کی دعوت کی مقبولیت کے بعد ختم ہوا چاہتے تھے۔ پس وہ لوگ عوام کو آلۂ کار بنا کر اپنی مطلب براری کے لئے انبیاء و ائمہ کے خلاف کیچڑ اچھال کر ان کو ہر ممکن طریق سے بدنام کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ عوام کے جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہدایت کے ستونوں کو گرا کر اپنا راستہ ہموار کیا جائے۔ دورِ حاضر بعینہٖ وہی منظر پیش کر رہا ہے کہ

جہالت کی تاریکی میں قوم کی جیب تراشی کے عادی انوار علمیہ کی روز افزوں پھیلتی ہوئی اُمید افزا شعاؤں سے گھبرا کر اس قسم کے رذیل ہتھکنڈوں پر اُتر آئے ہیں لیکن انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ حق کی آواز اہل باطل کی ہنگامہ آرائیوں سے دبائی نہیں جاسکتی۔ آخر جہالت کا پردہ چاک ہوگا اور علم کا بول بالا ہوگا۔ قوم میں منصف مزاج افراد کی کمی نہیں۔ ایسے لوگ ابھی تک موجود ہیں جو صرف جبہ و دستار سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ حق کی دوربینوں سے حقائق کا جائزہ لینا جانتے ہیں۔

علماء کو وہابی کہہ کر منبر حسینی کو کھلونا بنانے کا طریقہ زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا جائے گا اور علماء کو بدنام کرکے سیرت آئمہ سے بیگانگی اور مسائل شرعیہ سے سرکشی کا کھیل اب نہیں کھیلا جاسکے گا۔ ہمارے عوام کے دلوں میں ولائے علی کا فانوس روشن ہے وہ تاریک ذہن نہیں رکھتے بلکہ ان میں غور و فکر کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ علمائے اعلام پر کیچڑ اچھالنے والوں نے اب لوگوں کو جگا دیا ہے تاکہ وہ حق و باطل کا جائزہ لینے کے لئے تیار ہوکر غداروں اور مکاروں سے ہوشیار رہ سکیں۔ علماء کا کردار بھی ان کے سامنے ہے۔ اور منبر پر عوام کی ہاں میں ہاں ملانے والے اور ان کو گناہوں پر جرأت دلانے والے بہشت کے ٹھیکہ داروں کے کرتوت بھی قوم کے سامنے ہیں۔ انشاء اللہ حق کی آواز صفحۂ ہستی پر گونج کر رہے گی۔

عقائد علمائے شیعہ علماء کو وہابی کہنے والی جماعت جن جن مسائل کو ہوا دے کر عوام کے جذبات سے کھیل رہی ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) حاضر و ناظر ہونا:۔ یہ لوگ عوام کو علماء سے بدظن کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ دیکھو علماء معصومین ائمہ طاہرین کو حاضر و ناظر نہیں مانتے لہٰذا وہ وہابی ہیں۔

اس کا حل یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہونا اللہ سبحانہ کا خاصہ ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کی شان ہے **ھو بکل شیٔ علیم۔ ھو بکل شی محیط۔ لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ۔** وہ ہر شئے کو جاننے والا، ہر شی پر احاطہ رکھنے والا اور اس سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز اوجھل نہیں خواہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں وغیرہ۔

محمدؐ و آل محمدؐ کو جتنے وقت میں جتنے مقامات پر حاضر ہونے کی اللہ طاقت دے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے لیکن اگر ان کو اللہ کی طرح ہر وقت ہر جگہ حاضر و موجود مانا جائے تو تمام اسلامی تاریخ بلکہ مذہب سے بھی دست برداری لازم آئے گی کیونکہ حضرت محمد مصطفےٰؐ کو حاضر و ناظر کے عقیدہ کی رُو سے مکی یا مدنی یا عربی کہنا بے جا ہوگا۔ کیونکہ اس اعتبار سے ہندی، پاکستانی، ایرانی، عراقی، روسی چینی، امریکی، افریقی و برطانوی وغیرہ سب کچھ ہوں گے کیونکہ حاضر و ناظر کا اختصاص کسی خاص مکان سے نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر جا ہوا کرتا ہے اسی طرح ائمہ معصومین کے جملہ حالات زندگی جو کسی خاص مکان سے اختصاص کا پہلو رکھتے ہیں غلط ہو جائیں گے پس ہجرت معراج غدیر۔ خیبر۔ حج۔ ترک وطن۔ قید۔ مسافرت بلکہ ولادت و شہادت کے تمام واقعات سے ہاتھ دھونا پڑے گا لہٰذا صحیح عقیدہ یہی ہے کہ یہ صفت صرف اللہ کی ہے اور وہ اپنے خاصان کو جتنی جگہوں پر ایک وقت میں حاضر کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

(۲) **خلق و رزق** ۔ علماء کو بدنام کرنے کے لئے اس مسئلہ کو بھی کافی حد تک اچھالا جاتا ہے حالانکہ شیعہ عقیدہ اس مسئلہ میں صاف ہے کہ خالق و رازق صرف اللہ ہے اور محمدؐ و آل محمدؐ واسطہ ہیں۔ بایں معنی کہ لولاک لما خلقت الافلاک کے مفہوم کے مطابق اگر یہ نہ

ہوتے تو نہ کوئی مخلوق ہوتا نہ مرزوق اور آئمہ کو خالق و رازق کہنے والوں پر خود ائمہ نے لعنت بھیجی ہے نیز سوچنے کے قابل بات یہ ہے کہ اگر یہ خالق ہوں تو ان کی شہادت سے انکار لازم آئے گا کیونکہ مخلوق اپنے خالق کو کیسے ذبح کر سکتی ہے۔ مرزوق اپنے رازق کا پانی کیسے بند کر سکتے ہیں؟ ہم نے مقدمہ تفسیر کے باب تفویض میں اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

(۳) **مسئلہ علم غیب**۔ علماء کو عوام کی نظروں میں وہابی ثابت کرنے کا یہ بھی ایک حربہ ہے حالانکہ بعض علمائے اعلام کو بدنام کرنے والوں کا اپنا عقیدہ بھی وہی ہے جو علماء کا ہے کہ علم غیب صرف اللہ کا ہی خاصہ ہے اور جن باتوں کو عوام تک پہنچانے کی ضرورت ہے ان کو آئمہ طاہرینؑ خدا کے ذریعہ سے جانتے ہیں چنانچہ اخبار شہید جولائی ۶۶ء میں علمائے مدرسین پر کیچڑ اچھالنے کے بعد علماء کی توہین کے علمبردار نے آخر میں اپنا عقیدہ بھی اسی قسم کا ظاہر کیا ہے اور عوام کو دھوکا دینے کے لئے ائمہ کے متعلق علم غیب کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنے ایک کتابچے میں جہاں تمام امہات ائمہ کو بتول ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے وہاں حضرت شہربانو کے بیان میں ایک روایت درج کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا میرے حسن و حسین میں سے جس کے گھر ایسی عورت آئے گی جو ہر رات باکرہ ہوگی اُس کی نسل سے امامت تا قیامت رہے گی اور امام حسن علیہ السلام کی کثرت ازواج کی یہی وجہ ہے کہ آپ کو ایسی عورت کی تلاش تھی جو ہر رات باکرہ ہو پس ایک سے شادی کرکے جب اس کو باکرہ نہ پاتے تھے تو اس کو طلاق دے کر دوسری عورت نکاح میں لاتے تھے وعلیٰ ہذا القیاس۔ حتیٰ کہ جب امام حسین کے گھر میں شہربانو آئیں تو انہوں نے اپنے بھائی حسنؑ کو بتایا کہ آپ کوشش ترک کر دیں کیونکہ وہ عورت میرے گھر میں آچکی ہے تب امام حسن کو تسلی ہوئی کہ امامت امام حسین کی اولاد میں منتقل ہوگی۔

اگر اس قسم کی روایت علمائے اعلام میں سے کسی نے ذکر کی ہوتی تو جہلا کی جانب سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی ان کو گردن زدنی قرار دیا جاتا اور ان کے وہابی ہونے کے لئے ایک بڑا ثبوت سمجھا جاتا لیکن علماء اعلام کو بدنام کرنے والے جو کچھ کہہ دیں قابل گرفت نہیں۔

ذرہ گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ • امام حسنؑ کا علم غیب کہاں گیا تھا؟ کہ باکرہ عورت کی تلاش میں ہر رات نئی شادی کی خواہش میں رہتے تھے • رسالتمآبؐ نے اپنے صحابہ کے سامنے جب اپنے بارہ جانشین نام لے کر گنوائے تھے اور صحابہ نے ان کو نام بنام یاد بھی کر لیا تھا حتیٰ کہ جابر نے امام محمد باقر کو حضرت رسالتمآبؐ کا پیغام وسلام بھی دیا تھا کہ امام حسن کو علم غیب تو بجائے خود فرمان رسالت بھی یاد نہ تھا کہ نو امام کس کی اولاد سے ہوں گے۔ حالانکہ جابر جیسے عام آدمیوں کو یاد تھا • کہ امام حسن کو یہ گوارا نہیں تھا کہ امامت حسینؑ کی اولاد میں جائے • کیا کثرت طلاق کے لئے یہ روایت باعث جواز بن سکتی ہے؟

عقیدہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس قسم کی روایت کو جس کسی کتاب میں ہے اُسی کی زینت رہنے دیا جائے۔ ایسی باتوں کو قبول کرنے کی عقیدۂ مذہب ہرگز اجازت نہیں دیتا اور بارہ اماموں کی امامت کا اعتقاد رکھنا جب ایمان کی شرط ہے تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس واضح امر کو خود امام نہ جانتا ہو اور روایت ذکر کرکے خاموشی اختیار کرنا اس روایت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہوا کرتا ہے خصوصاً جب کہ روایت بھی تائید مطلب کے لئے ذکر کی جا رہی ہو۔ جناب شہربانو کو بتول ثابت کرنے کے شوق میں امام حسن کو امامت کی معرفت سے بیگانہ ثابت کر دیا حالانکہ اس سے اس کے مقصد کو ذرہ بھر بھی تقویت نہیں پہنچی جس کے لئے اس

کو ذکر کیا ہے کیونکہ ہر رات عورت۔ کا باکرہ ہونا اور بتول ہونا نہ ایک دوسرے کے مترادف ہیں نہ لازم و ملزوم اور نہ لزوم میں ایک دوسرے کے شریک بہرکیف برتن سے وہی نکلتا ہے جو اس میں ہوا کرتا ہے

میرا مقصد یہ نہیں کہ کسی پر طعن کروں مجھے تو ایسے لوگوں کی افسوسناک روش پر رونا آتا ہے جو حقائق کو سمجھ کر خواہ مخواہ ایک سیدھی سادی بات کو عوام کی نظروں میں اُلجھا کر علمائے اعلام کے خلاف محاذ تیار کرنے میں وقت ضائع کرتے ہیں اور غالباً یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اہل علم کی مخالف جماعت کو اکثریتی جذبات سے کھیل کر منبر کی اجارہ داری کو برقرار رکھا جائے اور طرہ یہ کہ مشافہانہ گفتگو کے موقعہ پر صاف صاف اعتراف ہوتا ہے کہ یہ بحث صرف لفظی ایر پھیر ہے ورنہ درحقیقت ہمارا وہی عقیدہ ہے جو علماء کا ہے لیکن ایمانی جرأت اتنی نہیں ہے کہ اس بات کا اعلان کیا جائے کیونکہ ڈر ہے کہ کہیں وہابی نہ کہہ دیا جائے ورنہ منبر کی مقبولیت سلب ہو جائے گی لیکن یاد رہے کہ یہ دورُخی چال انشاء اللہ زیادہ دیر تک نہ چلے گی۔ آخر اس کا بھانڈا پھوٹ کر رہے گا۔ اور دنیا سمجھ لے گی کہ علمائے اعلام کی آواز صدائے حق تھی اور ان کے خلاف ہنگامہ آرائی صرف اپنی جہالت دھاندلی اور بے راہروی پر پردہ ڈالنے کا ناپاک بہانہ تھا جن ذاکرین حضرات کے لئے علماء کا وجود پہلے سے ہی خارِ چشم تھا۔ مدعیانِ علم کی یہ چال ان کو خوب بھائی اور من ترا حاجی بگویم کے مقولہ کے پیش نظر بعض تقدس صفت النسان جو گانے والے ذاکرین کا وجود تک نہ برداشت کر سکتے تھے اب وہی علماء کی دشمنی میں اندھے ہو کر انہی کے حق میں قصیدہ خواں نظر آتے ہیں۔

بہرکیف مذہب شیعہ کا عقیدہ یہی ہے کہ علمِ غیب صرف اللہ کے پاس ہے جیسے کہ قرآن مجید کا متعدد آیات میں اعلان موجود ہے اور ائمہ اس قدر جانتے ہیں جس قدر خدا نے ان کو علم عطا فرمایا اور خدا نے ان کو تمام عالمین میں سے علم و فضل میں ممتاز فرمایا ہے ان کے برابر مخلوق میں کوئی عالم نہیں خواہ کوئی نبی ہو یا غیر اور ہم اسی تفسیر کی مختلف جلدوں میں متعدد مقامات پر اس مسئلے کو پہلے بھی واضح کر چکے ہیں اور آئندہ بھی آیات متعلقہ کے ضمن میں بیان ہوتا رہے گا سایک ظاہری اور عام قابلِ قبول عقلی انداز سے ہم اس کی وضاحت تفسیر کی چوتھی جلد ص۸۷ تا ص۸۹ میں کر چکے ہیں جس پر غور کرنے سے بہت حد تک ذہنی الجھن دور ہو سکتی ہے۔

(۴) **مسئلہ موت و حیات**۔ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ خدا مارتا اور جلاتا ہے اور قرآنی فرامین اس پر صریح دلالت کرتے ہیں خواہ ان فرائض کی انجام دہی ملائکہ کے ذریعے سے ہو یا کسی اور طریقہ سے اور بصورتِ اعجاز ائمہ سے کسی بات کا صدور اُن کے فعل ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ ان کے مقبول بارگاہ کردگار ہونے کی علامت ہے۔

ائمہ کا مقام۔ بعض جہلا بات بات پر یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ فرشتے کر سکتے ہیں تو امام کیوں نہیں کر سکتے۔ ہوا فرشتہ چلاتا ہے۔ بادل فرشتہ چلاتا ہے۔ مینہ پر وہی متعین ہیں وغیرہ تو ائمہ کیوں نہیں کر سکتے؟ یہ ایک بیہودہ خیال ہے جس کا جواب خاموشی بہتر تھی لیکن عوام کو گمراہ کرنے کا چونکہ یہ بھی ایک حربہ ہے لہٰذا اس کی وضاحت ضروری ہے۔ فرائض و خدمات ہر انسان کے اپنی اپنی حیثیت سے ہوا کرتے ہیں اور اختیارات کی وسعت فرائض و خدمات کی اہمیت کے پیش نظر ہوا کرتی ہے۔ ایک سپاہی کا فریضہ جتنا ہے اس کا اختیار بھی اتنا ہے اور تھانیدار کا فریضہ جس قدر ہے اس کا اختیار بھی اس اندازہ سے ہے۔ اب ایس۔ پی۔ آئی جی وغیرہ کے فرائض و اختیارات کا جائزہ لیجئے۔ چپڑاسی۔ کلرک اور افسر کے

فرائض واختیارات میں فرق دیکھئے پھر حکومت کے ہر محکمہ میں ملازمین کی حیثیت مراتب، فرائض واختیارات پر نظر دوڑائیے تو اس مطالعہ سے یہ اندازہ خوب ہوگا کہ علمی عہدہ غیر علمی ڈیوٹی سے بدرجہا افضل ہے اور صاحب کمال کے فرائض واختیارات ناقص کے مقابلہ میں اہم واتم ہوا کرتے ہیں۔ حکومتوں کے اندر ہزارہا کارخانے الگ الگ قسم کے ہوا کرتے ہیں لیکن حکومت کا سربراہ ہر کارخانہ کے سربراہ یا دیگر عہدہ داروں سے بدرجہا افضل ہوتا ہے اور وہ اقتدار اعلیٰ کی حیثیت سے اختیار اعلیٰ کا حامل ہوا کرتا ہے۔ چونکہ کائنات میں دو نظام رائج ہیں۔ ایک نظام تکوین (سلسلۂ موت وحیات اور خلق ورزق وغیرہ) دوسرا نظام تشریع۔ سرکار محمدؐ وآل محمدؐ نظام تشریع کے سربراہ ہیں۔ اور نظام تکوین میں ہمارے وسیلۂ وشفیع اور سبب فیض وجود ہیں۔ پس نظام عالم میں حکومت الٰہیہ کی جانب سے ہزارہا بلکہ کروڑہا قائم کردہ محکمے اور کارخانے مثلاً محکمہ آبپاشی۔ دریا۔ چشمے۔ بادل۔ بارش وغیرہ۔ محکمہ زراعت۔ سبزی۔ پھل پھول اگانا وغیرہ محکمہ بارانی اور محکمہ ضیا باری وغیرہ اپنے اپنے فرائض کی بجا آوری میں مشغول ہیں۔ بادل۔ بارش ہوا روشنی وغیرہ محکمہ جات خداوند عالم کی سربراہی اور محمدؐ وآل محمدؐ کی شفاعت سے برابر جاری ہیں۔ اب یہ کہنا کہ فرشتہ ہوا چلاتا ہے۔ بارش برساتا ہے۔ بادل لاتا ہے اور سبزیاں اگاتا ہے تو ائمہ یہ کام کیوں نہیں انجام دے سکتے" انتہائی حماقت ہے اور ائمہ کی ناقدر شناسی ہے کیونکہ جس طرح فرشتے باذن پروردگار یہ امور سرانجام دیتے ہیں ائمہ بھی باذن پروردگار یہ کام کر سکتے ہیں لیکن ایسا کرنے میں اُن کی عظمت ووقعت نہیں باقی رہتی۔ غلام کی ڈیوٹی آقا انجام دے سکتا ہے لیکن اس میں اس کا کمال نہیں بلکہ گراوٹ سمجھی جاتی ہے۔ پس ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ محمدؐ وآل محمدؐ سب کائنات میں اللہ کی سب مخلوق سے افضل وبرتر ہیں۔ اور قدرتی نظام چلانے والے ملائکہ سب ان کے غلام ہیں۔ محمدؐ وآل محمدؐ کی نبوت یا ولایت کا رتبہ اجل ہے اس سے کہ وہ علمی عہدہ کے حامل ہو کر جزوی نچی فرائض کو بھی خود انجام دیں

(۵) **معجزہ**۔ عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا یہ بھی ایک بہانہ تراشا گیا ہے کہ معجزہ فعل خدا ہے **یا فعل معصوم** اس قسم کی بحثیں بالکل لغو اور فضول ہیں صرف عوام کو آلۂ کار بنانے اور ان کو علماء سے منحرف کر کے اپنا الّو سیدھا کرنے کے لئے منبر کے ٹھیکہ دار گندم نما جو فروش تاجران اسلام نے اپنی ذاتی اغراض کی خاطر اس کو اچھالا ہے ورنہ اگر سوچا جائے تو ہر دو پہلو معصوم کی عظمت کا نشان ہیں کیونکہ اگر اسے فعل خدا مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ائمہ طاہرین خدا کی بارگاہ میں اس عظمت کے مالک ہیں کہ جب یہ چاہتے ہیں خدا کر دیتا ہے یعنی مشیت ایزدی انکی خواہش سے مختلف نہیں اور ان کی خواہش مشیت خداوندی سے الگ نہیں اور اگر ان کا فعل کہا جائے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ خدا نے ان کو وہ رتبہ عطا کیا ہے اور اتنی طاقت دی ہے کہ جب یہ چاہتے ہیں تو خارق عادت چیز منصۂ شہود پر رونما ہو جاتی ہے **وضاحت** نظام کائنات میں ادنیٰ سے اعلیٰ تک مراتب ومدارج ہیں اور ہر درجہ ورتبہ اپنے مخصوص افعال وخواص کا حامل ہے اور پروردگار عالم نے ادنیٰ واعلیٰ کی سرشت میں افعال ودیعت کر رکھے ہیں جو ان کے ذاتی جوہر کے تابع ہیں مثلاً جماد۔ نبات حیوان اور انسان کے الگ الگ مراتب ہیں۔ نبات کی خوبی جماد میں نہیں اور حیوان کی خصوصیت سے نبات محروم ہے اسی طرح انسانی جوہر سے وہ ہر سہ تہی دست ہیں۔ نبات کا بڑھنا پھلنا اور پھولنا اسکی سرشت میں داخل ہے لیکن یہ معجزہ نہیں ہے بلکہ اس کا چلنا معجزہ ہوگا جو اس کی ذاتی مقتضا سے باہر ہے اور حیوان کا چلنا پھرنا اس کی ذاتی اقتضا ہے لیکن معجزہ نہیں اور انسان کا بولنا اور معقولات کو جاننا ان کی سرشت ہے نہ کہ معجزہ پس معجزہ وہی ہوگا جو کہ ان کی ذاتی اور عادی رفتار سے باہر ہے پرندہ کیلئے اڑنا معجزہ نہیں لیکن انسان کا پرواز کرنا معجزہ ہوگا اسی طرح حاملین روح نبوت وولایت اسے

ترتیب کے ماتحت ایک ایسا جوہر اپنے اندر رکھتے ہیں جو عام انسانی سرشت سے بالاتر خصوصیات و مقتضیات کا حامل ہوتا ہے پس جس طرح عام انسان کا بولنا چلنا پھرنا وغیرہ ان کی عادی رفتار ہے کہ اگر حیوان کو شعور دیا جاتا تو وہ انسان کے اس کمال کو معجزہ سے ہی تعبیر کرتا بلکہ بہت سے انسانی کارنامے ایسے ہیں جن کو انسان اپنی عادی رفتار سمجھ کر ملتفت نہیں ہوتا لیکن جو مخلوق اس کمال سے محروم ہے اُنکے لئے یہ معجزہ کی حیثیت رکھتے ہیں پس اسی طرح نبی یا ولی سے بعید نہیں کہ وہ ایک ایسی قوت قدسیہ کے مالک ہوں جس کے ماتحت ان کے بعض افعال عام انسانی روش کے لحاظ سے معجزہ ہوں لیکن ولی یا نبی کے لئے وہ ذاتی و عادی ہوں اسی بنا پر جناب پیغمبرؐ کا پشت کے پیچھے دیکھنا معجزہ نہیں بلکہ ان کا عادی فعل ہے سوتے ہوئے غافل نہ ہونا ان کا معجزہ نہیں بلکہ انکی عادی رفتار ہے پسینہ کا خوشبودار ہونا فضلات کو زمین کا نگل جانا جسم پر مکھی کا نہ بیٹھنا اور بادل کا سایہ وغیرہ یہ سب ان کے عادی افعال ہیں جو ان کے ذاتی مختصات میں سے ہیں۔ ایسے افعال خود ان کے لئے معجزہ نہیں ہیں لیکن عام انسانی عقول کے لئے چونکہ خارق عادت ہیں لہٰذا معجزہ ہیں اور اس کے برخلاف وہ افعال جو نبی یا ولی کی عادی رفتار سے باہر ہیں اور عوام پر ان کے نبی یا ولی ہونے کے ثبوت میں پروردگار نے خارقِ عادت امور کو معرض ظہور میں پیش فرمایا ہے وہ معجزہ ہے اور فعل خدا جو نبی یا ولی کیلئے بھی معجزہ اور عوام کیلئے بھی معجزہ کہلاتا ہے مثلاً قرآن مجید یہ کلام مقدس جناب رسالتمآبؐ کا عادی کلام نہیں ہے بلکہ بطور معجزہ پروردگار عالم نے فصحا و بلغا عرب سے ان کی نبوت تسلیم کرانے کے لئے ان کو عطا فرمایا ہے پس وہ فعل نبی نہیں بلکہ فعل خدا ہے لہٰذا اس کو کلام نبی کہنا ناجائز ہے اور کلام اللہ کہنا واجب ہے اسی طرح معراج حضرت رسالتمآبؐ کا عادی سفر نہیں بلکہ عالم بالا کی قدسی مخلوق پر ان کی شان واضح کرنے کے لئے خدا نے ان کو بلایا پس وہ خود نہیں گئے بلکہ خدا ان کو لے گیا جیسے ارشاد فرماتا ہے اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ الآیۃ اور ناقہ صالح اور عصائے موسیٰ اسی قسم سے ہیں کہ حضرت صالح کی نبوت کی تصدیق کے لئے خدا نے پتھر سے ناقہ پیدا کی جو ان کا معجزہ کہلایا اور حضرت موسےٰ کی تصدیق کے لئے خدا نے ان کے عصا کو سانپ بنا دیا جو معجزہ کہلایا اور یہی وجہ تھی کہ خود حضرت موسیٰ کے دل میں خدا نے خوف ڈال دیا کیونکہ اگر وہ خود خوفزدہ نہ ہوتے تو دنیا والے اس کو فعل موسےٰ کہتے اور معجزہ کی حیثیت ختم ہو جاتی[1]

بہرکیف قوم کے جیب تراش اور دین و دنیا کے لٹیرے ملاؤں نے عوام کو علمائے اعلام کے خلاف ابھارنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں اٹھا رکھی لیکن انشاء اللہ علمائے اعلام سیرت انبیاء و آئمہ کے پیش نظر صبر و ضبط سے کام لے کر اپنے کام کو جاری رکھیں گے اور مدارس دینیہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب ہوگی حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوگا۔ یہ طوفان بدتمیزی حق کی مضبوط چٹانوں سے ٹکرا کر خود ہی ختم ہو جائیگا اور اس کی فضا میں اٹھتی ہوئی لہریں خود بخود نیست و نابود ہو جائیں گی۔

حق کے دوست اور باطل کے دشمن ابھی تک موجود ہیں اللہ کی رحمت حق والوں کے سر پر ہے وہابیت کے نام سے علماء کو خطاب کرنے والے اور ان کو بدنام کر کے اپنی ہوس کا الّو سیدھا کرنے والے بےشک عوام کے جذبات سے کھیلیں اور علماء کو کوسنے میں ان پر کوئی رحم نہ کریں خدا خود ہی انکا محاسبہ کرے گا اور حق پرست طبقہ علماء اعلام اور ان جیب تراش ایمان فروش ملاؤں کے درمیان نمایاں فرق محسوس کرنے کے بعد خود ہی حق کا ساتھ دیکر ان کے منہ میں لگام دینے میں کامیاب ہوگا جس طرح عام مسلمان شیعہ گروہ کو ایک انتہائی غیر مہذب اور اخلاق سے بیگانہ قوم سمجھے ہوئے تھے کیونکہ ملاؤں نے ان کے سامنے شیعہ عقائد و اعمال ایسے بھدے رنگ میں پیش کئے تھے جس سے حیا و شرم سر بگریباں نظر آتا تھا لیکن جوں جوں شیعہ کردار منظر عام پر آنے لگا اور شیعہ معتقدات آل محمدؐ کے وکلا کے ذریعے سے منصۂ شہود پر ظاہر ہونے لگے تو اکثر لوگوں کے اذہان ان غلط فہمیوں سے نکل

[1] مذکورہ بالا بیان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نبی یا امام کی کوئی علیحدہ نوع ہے نہیں بلکہ وہ نوع انسانی کے ہی اکمل افراد ہیں جو تفاوت ہم نے ذکر کیا ہے وہ ہر نوع کے افراد میں بھی موجود ہے جیسے عالم کے بعض افعال جاہل کو بظاہر معجزہ معلوم ہوتے ہیں اور بالغ آدمی کے افعال ایک طفل غیر ممیز کو۔ وھکذا

گئے جو ملاؤں کے ذریعہ سے پھیلائی جا چکی تھیں اور وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کے مضمون کے مطابق لوگ جوق در جوق مذہب شیعہ میں داخل ہوتے چلے گئے۔ اس طرح منبر حسینی پر مسلط گروہ نے عوام مومنین کو چونکہ مدت سے اپنی ہوس کا شکار بنایا ہوا تھا اور ہر جائز و ناجائز طریق سے ان کی دولت و ایمان پر ان کا پہرہ تھا اور وہ جانتے تھے کہ عوام کو دین و مذہب سے جس قدر دُور رکھا جائیگا وہ اسی قدر زیادہ سے زیادہ خدمت کریں گے اسی لئے انہوں نے گناہوں سے بخشش کے لئے ذہن نشین کر رکھا تھا کہ نماز و روزہ و دیگر اعمال شرعیہ کی کوئی ضرورت نہیں بس علی علی کرو اور سیدھے جنت میں جاؤ یہ نعرہ اس وقت برمحل تھا جب کہ بالعموم لوگ علیؑ سے بیگانہ تھے پس فروع کی تعلیم سے اصول کا درس ان کے لئے اہم اور ضروری تھا جس طرح کہ ابتدائے اسلام میں شرک سے نجات دلانے کے لئے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہ توحید کا اقرار کرو اور سیدھے جنت میں جاؤ لیکن جب لوگ شرک سے بچ گئے تو ان کی نجات کا ذمہ دار اعمال کو قرار دیا گیا اسی طرح اب جب کہ لوگ ولائے علیؑ کے علم کے نیچے جمع ہو چکے ہیں تو ان کو اعمال کے بنانے کی ضرورت ہے اور وہ شریعت جس کے علیؑ اور اولاد علیؑ پاسبان تھے شیعوں کو اب اس سے روشناس کرانے کا وقت ہے اور شیعیت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی خدمت نہیں ہے۔ بفضل خدا اب علماء کی کثرت ہے جو آل محمدؐ کی تعلیمات کو پھیلانے میں شب و روز محو عمل ہیں اگرچہ چمگادڑ کبھی سورج کے وجود کو پسند نہیں کرتا تاہم سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ افق عالم پر طلوع کر کے روشنی پھیلاتا رہتا ہے۔ اور چمگادڑ کے لئے سوائے جان چھپانے کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ پس علوم آل محمدؐ کی نشر گاہیں سورج بن کر چمکتی رہیں گی اور حاسدین اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دم بخود ہو گئے۔ خداوند کریم علماء کا سایہ برقرار رکھے اور عوام کو ان سے مستفید ہونے کی ہمت دے اور ناخدا ترس ملاؤں کی گیدڑ بھبکیوں زہریلے پروپیگنڈوں اور اخلاق سوز ہتھکنڈوں کے سمجھنے کی قوم کو توفیق دے۔

آخر میں مَیں پوری قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ دین فروش علماء سے اجتناب کریں اور علماء اعلام سے پورا پورا تعاون کریں تاکہ آل محمدؐ کے علوم منظر عام پر آئیں اور جہالت کی تاریکیاں بہت جلد ختم ہوں۔ لہذا مدارس دینیہ کی دل کھول کر امداد فرمائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ قوم کے نونہال فیض یاب ہو کر قوم کو مذہب و شعائر مذہب کا صحیح درس دیکر خوشنودیٔ پروردگار اور رضامندیٔ محمدؐ و آل محمدؐ کا پروانہ حاصل کریں۔

جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے جو گیارہ برس سے علمی خدمات انجام دے رہا ہے اور انتہائی پسماندہ علاقہ میں واقع ہونے کے باوجود نہایت خوش اسلوبی سے مدارج ترقی طے کرتا جا رہا ہے کسی رئیس یا نواب کی دولت کا سایہ اس کے سر پر نہیں لہذا تمام افراد ملت خصوصاً دینی درد اور مذہبی جوش رکھنے والے مخیر حضرات کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس درس گاہ کی دامے درمے قدمے سخنے امداد فرما کر اس کی پریشانیوں کو دُور فرما دیں اور اس کی بنیادوں کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کریں تاکہ موجودہ حالت سے بڑھ کر علمی خدمات انجام دے سکے۔ یہ یاد رہے کہ زیر نظر تفسیر انوار النجف اس مدرسہ کی خدمات میں سے ایک اہم اور قابل قدر پیش کش ہے جس کی یہ ساتویں جلد آپ کے سامنے ہے۔ جو چودہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

والسلام حسین بخش بقلمہ

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

جلد نمبر ۸

8

فہرست

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱	دفضائل سورہ یوسف	۵
۲	شانِ نزول رکوع ۱۱	۶
۳	اسرار دانوار	۷
۴	مقامِ نبوت	۹
۵	خواب کی حقیقت	״
۶	رکوع ۱۲	۱۱
۶	تصہ یوسف	۱۲
۷	جبریل کی تیز رفتاری	۱۶
۸	یوسفؑ کی دعا	۱۷
۹	کنوئیں سے نجات	۲۰
	رکوع ۱۳	۲۲
۱۰	یوسف بازار مصر میں	״
۱۱	عصمت یوسفؑ	۲۴
۱۲	بچے کی گواہی	۳۰
۱۳	زنانِ مصر کا مکر رکوع ۱۴	״
	رکوع ۱۵	۳۴
۱۴	زندانِ مصر میں	״
۱۵	طریق تبلیغ	۳۵
۱۶	یوسفؑ کا گریہ	۳۹
	رکوع ۱۶	۴۰
۱۷	بادشاہ کا خواب	״
	رکوع ۱۷	۴۲
۱۸	حضرت یوسف کی رہائی	״
	پارہ ۱۳	۴۵
	رکوع ۱	۴۶
۱۹	بادشاہ کے خواب کی تعبیر	۴۷
۲۰	شباب زلیخا	۴۸

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۲۱	حکومتِ یوسفؑ	۴۹
۲۲	حکومت وسلطنت	۵۰
۲۳	حکومت عدل	۵۲
۲۴	کلام الامام	۵۳
۲۵	حکومتِ جور	۵۵
	رکوع ۲	۵۶
۲۶	بھائیوں سے ملاقات	״
۲۷	نظر بد	۶۰
۲۸	بھائیوں کا دوبارہ مصر میں آنا	۶۲
	رکوع ۳	۶۳
۲۹	جواز تقیہ	۶۴
	رکوع ۴	۶۹
۳۰	کیا رونا بے صبری ہے	۷۱
۳۱	غمِ حسینؑ	۷۴
۳۲	حضرت یعقوبؑ کا خط	۷۷
۳۳	قمیص یوسف	۷۸
	رکوع ۵	۸۱
۳۴	بشیر کی آمد	״
۳۵	حضرت یعقوبؑ کا مصر میں ورود	۸۳
۳۶	سجدۂ تعظیم	۸۶
۳۷	تعبیر خواب	۸۷
۳۸	حق اور صدق میں فرق	۹۰
۳۹	زلیخا سے شادی	۹۱
۴۰	دعائے فرج	۹۴
	رکوع ۶	۹۴
۴۱	مومنوں کا شرک	۹۵
۴۲	دعوتِ توحید	۹۶

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۴۳	سورہ رعد کے فضائل	۱۰۰
	رکوع ۷	۱۰۱
۴۴	بیانِ توحید	״
۴۵	اللہ خالق ہے	״
۴۶	دلیلِ خلافت	۱۰۹
۴۷	زمانہ حجتِ خدا سے خالی نہیں	۱۱۰
	رکوع ۸	۱۱۲
۴۸	بیانِ توحید	״
۴۹	قدریہ کی رد	۱۱۴
	دعا کرنا اور پکارنا	۱۱۸
۵۰	سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے	״
۵۱	اللہ ہر شئی کا خالق ہے	۱۲۱
۵۲	غالی ومفوضہ کی رد	۱۲۲
۵۳	حق کی مثال	۱۲۳
	رکوع ۹	۱۲۵
۵۴	وفائے عہد اور صلہ رحمی	۱۲۶
۵۵	سوء الحساب کی تفسیر	۱۲۷
۵۶	صبر کی تفسیر	۱۲۸
۵۷	مسلمانوں کی عہد شکنی	۱۳۰
	رکوع ۱۰	۱۳۱
۵۸	طوبیٰ کی تفسیر	۱۳۳
۵۹	کفار کی معجزہ طلبی	۱۳۵
	رکوع ۱۱	۱۳۷
	رکوع ۱۲	۱۳۹
۶۰	محو و اثبات	۱۴۰
۶۱	علم کتاب علی کے پاس ہے	۱۴۳
۶۲	سورہ ابراہیم کے فضائل	۱۴۴
	رکوع ۱۳	۱۴۵

نمبر	عنوان	صفحہ
	رکوع ع۱۴	۱۴۷
	رکوع ع۱۵	۱۴۹
۶۳	دردِ دل	۱۵۱
	رکوع ع۱۶	۱۵۳
۶۴	شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ	//
۶۵	عالم برزخ کا حال	۱۵۵
	رکوع ع۱۷	۱۵۶
	رکوع ع۱۸	۱۵۸
۶۶	ابراہیمؑ کی دعا	//
	رکوع ع۱۹	۱۶۲
۶۷	ہول محشر	//
۶۸	نمرود کی سرکشی	۱۶۳
۶۹	سورہ حجر کے فضائل	۱۶۵
	پارہ ع۱۴ بیثی فرۃ	۱۶۶
	رکوع ع۱	۱۶۷
۷۰	تحریف قرآن کا مسئلہ	۱۶۹
	رکوع ع۲	۱۷۲
۷۱	معجزاتِ ولادتِ رسول	۱۷۲
۷۲	مسئلہ خلق و رزق	۱۷۵
	رکوع ع۳	۱۷۷
۷۳	خلقت انسان	//
۷۴	قوم جنّ کی پیدائش	//
۷۵	خلقتِ آدم	۱۷۸
۷۶	سجدۂ ملائکہ	۱۷۹
۷۷	اسرار روحانیہ	۱۸۳
	رکوع ع۴	۱۸۴
۷۸	متقی جنّت میں جائیں گے	//
	رکوع ع۵	۱۸۶
۷۹	قوم لوط کا ذکر	//
۸۰	امر کی وضاحت	۱۸۷

نمبر	عنوان	صفحہ
۸۱	غلاۃ کی رد	۱۸۸
	رکوع ع۶	۱۸۹
۸۲	قوم صالح کا ذکر	//
۸۳	سبع مثانی	۱۹۰
۸۴	دشمنانِ پیغمبر کو سزا	۱۹۲
۸۵	ایمانِ ابوطالب	۱۹۴
۸۶	سورہ نحل کے فضائل	۱۹۶
	رکوع ع۷	۱۹۷
۸۷	حضرت قائمؑ کی آمد	//
۸۸	بیان توحید	//
	رکوع ع۸	۱۹۹
۸۹	نعمات خداوندی	//
۹۰	درس معرفت ذکر توحید	۲۰۰ ۲۰۲
	رکوع ع۹	۲۰۳
	رکوع ع۱۰	۲۰۵
	رکوع ع۱۱	۲۰۷
	رکوع ع۱۲	۲۱۰
۹۱	اہل ذکر کون ہیں تعلیم اعلم	//
	رکوع ع۱۳	۲۱۵
۹۲	دعوتِ توحید	//
۹۳	عربوں کی بد رسوم	۲۱۷
۹۴	ہماری رسوم	۲۱۸
۹۵	المثل الاعلیٰ	۲۲۱
	رکوع ع۱۴	//
۹۶	مسائل مشکلہ	۲۲۳
	رکوع ع۱۵	۲۲۴
۹۷	تذکرۂ نعمات وعبرت	//
۹۸	وحی کا معنی	۲۲۶
۹۹	شہد کی مکھی	//
	رکوع ع۱۶	۲۲۸

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۰۰	دعوتِ توحید	۲۲۸
	رکوع ع۱۷	۲۳۰
۱۰۱	مسئلہ علم غیب	//
	رکوع ع۱۸	۲۳۲
۱۰۲	بروز قیامت آئمہ کی گواہی	//
۱۰۳	علم ائمہ کی وسعت	۲۳۵
۱۰۴	حضرت موسیٰ و خضر	۲۳۶
	رکوع ع۱۹	//
۱۰۵	درس اخلاق	//
۱۰۶	عہد غدیری	۲۳۹
۱۰۷	حکم استعاذہ	۲۴۲
	رکوع ع۲۰	۲۴۴
۱۰۸	بیان تقیہ اور عمار کا واقعہ	۲۴۵
	رکوع ع۲۱	۲۴۷
۱۰۹	روٹی کی بے قدری کا انجام	//
	رکوع ع۲۲	۲۵۰
۱۱۰	طریقہ تبلیغ	۲۵۱
	پارہ ع۱۵	۲۵۳
۱۱۱	سورہ بنی اسرائیل کے فضائل	//
۱۱۲	امکان معراج	۲۵۵
۱۱۳	معراج جسمانی	۲۵۶
۱۱۴	براق کا حلیہ	۲۵۷
۱۱۵	اہل مکہ کا ردِ عمل	۲۵۸
۱۱۶	معراج کا سفر نامہ	۲۵۹
۱۱۷	جہنم میں جلنے والے	۲۶۳
۱۱۸	مقصدِ معراج	۲۶۴
۱۱۹	حضرت علی کی مثال	۲۶۶
۱۲۰	کیا حضرت علی شریک معراج تھے	۲۶۸

سُورَۂ یُوسُفؑ

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات ایک سو گیارہ ہیں۔ آیت بسم اللہ کو ملا کر تعداد ۱۱۲ ہوگی۔

بروایت ابی بن کعب جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے اور اپنے گھر والوں اور غلاموں کو اس کی تعلیم دے۔ خداوند کریم اس پر سکرات الموت آسان کرے گا اور اس کو توفیق دے گا کہ کسی مسلمان سے حسد نہ کرے (مجمع)

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص ہر دن یا ہر رات سورہ یوسف کی تلاوت کرے تو بروز محشر خدا اس کو جمال یوسف کے ساتھ محشور کرے گا اور قیامت کی گھبراہٹ سے وہ محفوظ رہے گا۔ نیز اس کا شمار خدا کے برگزیدہ بندوں سے ہوگا (مجمع) بروایت عیاشی زانی اور بدکار ہونے سے محفوظ رہے گا (برہان)

بروایت اسماعیل بن ابی زیاد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سلسلۂ آبائے طاہرین علیہم السلام بیان فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا عورتوں کو بالاخانوں پر جگہ نہ دو اور لکھنا نہ سکھاؤ نیز سورہ یوسف کی تعلیم بھی ان کو نہ دو بلکہ انہیں چرخہ کاتنا سکھاؤ۔ اور سورۂ نور کی تعلیم دو۔ (مجمع البیان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر تین دن گھر میں رکھے پھر گھر کے باہر کی دیوار کے نیچے اس کو دفن کر دے تو اچانک سلطانِ وقت کی جانب سے اس کو دعوت پہنچے گی اور وہ اپنے حوائج کی برآوری کے لئے اس کو معین کرے گا۔ باذنِ پروردگار

اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس مبارکہ کو لکھ کر اگر پی لے تو خدا اس کا رزق آسان کر دیگا۔ اور باذنِ خداوہ صاحب بخت ہوگا۔ (برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ○ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا

الرا یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں تحقیق ہم نے اس کو اُتارا قرآن عربی

لَّعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ○ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ

تاکہ تم سوچو ہم تم کو ایک بہترین قصہ سُناتے ہیں ساتھ اس وحی

اِلَیۡکَ ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ وَاِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ○

قرآن کے جو تم پر ہوئی اگرچہ تم قبل ازیں اس سے غافل تھے

رکوع نمبر ۱

الٓرٰ۔ حروف مقطعات قرآنیہ میں سے ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے آیت شمار نہ ہونے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ رؤس آیات کے ساتھ اس کی مشاکلت نہیں ہے۔ بخلاف اس کے طٰہٰ کو آیت شمار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں مشاکلت موجود ہے

تِلۡکَ - صرف سورہ یوسف کی آیات کی طرف اشارہ ہے یا پورے قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے یعنی ھٰذِهٖ الاٰیَاتُ تِلۡکَ الۡاٰیَاتُ الَّتِیۡ وُعِدۡ تُمۡ بِهَا (ترجمہ) یہ وہی آیتیں ہیں جن کا تورات میں تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔

شانِ نزول

تفسیر مجمع البیان میں ہے علمائے یہود نے سردارانِ قریش سے کہا تم محمدؐ سے پوچھو کہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد شام سے مصر کی طرف منتقل کیوں ہوئی اور حضرت یوسفؑ کا قصہ کیا ہے ؟ چنانچہ یہ سورہ مبارکہ نازل ہوا۔

قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا۔ ضمیر مفعول سے بدل ہے۔ بروایت ابن عباس حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے۔ میں عربوں کے ساتھ تین وجوہ سے محبت کرتا ہوں (۱) میں خود عربی ہوں (۲) قرآن مجید عربی ہے (۳) اہلِ جنت کی زبان عربی ہوگی۔

تفسیر صافی میں بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عربی زبان سیکھو کیونکہ یہ وہ زبان ہے جس کے ذریعے سے اللہ نے اپنے بندوں سے خطاب فرمایا۔

لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ :۔ یعنی جب یہ کلام عربی ہے اور تم بھی عرب ہو پھر اسلوبِ بیان، سلاست فصاحت اور بلاغت میں اس کے مقابلہ سے تمہارا عاجز آجانا تمہارے لئے دعوتِ فکر ہے جس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ یہ واقعاً اللہ ہی کا کلام ہے۔

اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ ۔ یہ مصدر ہے اور احسن کی نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ معنی میں دو احتمال ہیں۔

(۱) پورا قرآن احسن القصص ہے کیونکہ فصاحت حسنِ معنی خوبی مطلب، سلاستِ لفظ، تسلسلِ بیان اور تشاکل و تناسب

اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ
جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا بابا جان! میں نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ○ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ
سورج اور چاند میرے لئے سجدہ کر رہے ہیں فرمایا اے فرزند تو اپنے بھائیوں کے سامنے اپنا خواب

ظاہری کے لحاظ سے یہ اپنی مثال خود آپ ہے۔

(۲) صرف سورہ یوسف اس سے مراد ہے کیونکہ اس میں جو عجائب وغرائب اور فوائد موجود ہیں وہ اور کہیں نہیں۔ نیز اس قصہ میں جو تفصیل ہے وہ کسی دوسرے قرآنی قصہ میں موجود نہیں ہے۔

اسرار و رموز

(۱) خداوندکریم کے اسمائے طاہرہ توقیفیہ ہیں۔ یعنی اس پر صرف ان ناموں کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جو زبانِ وحی سے صادر ہو چکے ہیں (۲) اگرچہ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ میں عَلَّمَ کا فاعل اللہ ہے لیکن توقیف کے لحاظ سے اُس کو معلم یا مدرس کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا۔ اسی طرح یُفْتِيْكُمْ فِي النِّسَآءِ میں یُفْتِیْ کا فاعل اللہ ہے لیکن اسے مفتی کے نام سے یاد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اس کا نام کریم ہے۔ سخی نہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ بنا بریں آیت مجیدہ میں نَحْنُ نَقُصُّ (ہم قصہ سناتے ہیں) لیکن خدا کو قصہ خوان کا نام نہیں دیا جا سکتا (۳) توقیف کا مقصد یہ ہے کہ اس کے نام صرف وہی ہیں جو صاحب شرع کی لسان وحی ترجمان سے ہم تک پہنچے ہیں۔ اور وہی اس کے اسمائے حسنہ ہیں جن سے اس کو پکارا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے ناموں کا اس پر اطلاق ہی ناجائز ہے۔ پس اگرچہ دعا و ندا میں نہ ہی عام استعمال میں اس پر دوسرے نام بولے جا سکتے ہیں جن کے معانی اُس کی ذات میں موجود ہوں۔ مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ حضرت یوسف کا قصہ خوان خدا ہے۔ یا خدا نیک لوگوں کا مدّاح ہے یا فلاں مسئلہ میں مفتی خود خدا ہے یا یہ کہ نبیوں کا معلم و مدرس وہی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہاں دُعا و ندا کے مقام پر صرف انہی ناموں سے اُس کو پکارا جائے گا جو اس کے اسماء حسنہ ہیں اور توقیف کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں۔ (۴) خداوندکریم کے وہ نام جو غیر عربی ہیں ان سے پکارنا یقیناً جائز اور صحیح ہے اور یہ منافی توقیف نہیں ہیں۔ مثلاً خدا کا لفظ فارسی زبان کا ہے۔ اسی طرح پروردگار۔ پالنہار وغیرہ ناموں سے پکارنا درست ہے۔

اِذْ قَالَ :۔ اس کا فاعل اُذْکُرْ محذوف ہے اور نَقُصُّ کا معمول اس کو نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ یوسف ویعقوب کے باہمی مکالمہ کے وقت یہ قصہ نہیں بیان کیا گیا۔

رَاَيْتُ ۔ رؤیا سے ہے یعنی میں نے خواب میں دیکھا ہے اس کے بعد دوبارہ رَاَيْتُهُمْ کا تکرار تاکید کے لئے ہے۔

اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا :۔ تفسیر صافی میں بروایت خصال جابر بن عبداللہ سے مروی ہے ایک دفعہ ایک یہودی جس کا نام بستان تھا خدمت میں حاضر تھا۔ اور اُس نے یوسف کے سامنے خواب میں سجدہ کرنے والے ستاروں کے نام پوچھے آپ خاموش ہوئے تو

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ

بیان نہ کرنا شاید وہ تیرے درپے ایذا ہو جائیں کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ

دشمن ہے اور اسی طرح خدا تجھے برگزیدہ کرے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا

الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا

کرے گا اور تجھ پر اپنی نعمت تمام کرے گا اور اولادِ یعقوب پر جس طرح اس نے نعمتیں تمام کیں

عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

اس سے پہلے تیرے باپ دادا ابراہیم و اسحٰق پر تحقیق تیرا رب علیم و حکیم ہے

جبریل وہ نام لے کر نازل ہوا۔ آپ نے بشان کو بلا کر نام بتا دئیے پس وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔ وہ نام یہ تھے۔

(۱) جربان (۲) طارق (۳) ذوالکتفین۔ (۴) قابس (۵) وثاب (۶) عمودان (۷) فیلق (۸) مصبح (۹) صدوح (۱۰) ذیال (۱۱) ذوالفروغ (۱۲) ضیأ (سورج) (۱۳) نور (چاند)

بروایت قمی حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السّلام نے فرمایا۔ اس کی تاویل یہی تھی کہ آپ مصر کے بادشاہ ہوں گے۔ گیارہ ستاروں کی تاویل ان کے گیارہ بھائی، سورج کی تاویل ماں اور چاند کی تاویل ان کا باپ ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے یعقوب کو اسرائیل اللہ کہا جاتا تھا۔ یعنی اللہ کا خالص بندہ، بعض کہتے ہیں حضرت یوسف نے سات برس کی عمر میں خواب میں دیکھا تھا کہ زمین میں گڑی ہوئی گیارہ لمبی لکڑیوں کو ایک چھوٹی لکڑی نے اکھاڑ پھینکا۔ جب یہ خواب انہوں نے اپنے باپ یعقوب کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ پھر بارہ برس کی عمر میں گیارہ ستاروں اور سورج و چاند کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے آپ کی عمر نو برس منقول ہے۔ (صافی) اور بروایت ابن عباس جس رات کو خواب دیکھا تھا وہ شب جمعہ اور لیلۃ القدر تھی۔

عَلٰٓى اِخْوَتِكَ۔ علامہ فیض کاشانی قدہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف کے بھائیوں کے نام ہم نے کسی معصوم کی روایت میں نہیں دیکھے البتہ جو بیان کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) یہودا (۲) روبیل (۳) شمعون (۴) لاوی (۵) زبالون (۶) یشجر۔ ان چھ کی ماں کا نام لیّا تھا جو حضرت یوسفؑ کی خالہ تھی۔ اس کے بعد حضرت یعقوب نے اس کی بہن راحیل سے شادی کی تھی اور اس سے (۷) بنیامین اور (۸) حضرت یوسف پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت یعقوب کی دو کنیزیں تھیں زلفہ اور بلہہ اور ان سے چار بیٹے پیدا ہوئے تھے

(۹) وان (۱۰) نفتالی (۱۱) حاد (۱۲) آشر

فَيَكِيْدُوْا ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ نبی کا خواب وحی خداوندی ہوا کرتا ہے اور حضرت یوسف کا خواب چونکہ ان کی علوِ مرتبت کا غماز تھا۔ لہذا بھائیوں کا حسد غیر متوقع نہ تھا۔ بنا بریں فرمایا کہ بھائیوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا مبادا وہ اس کی تاویل کو ملحوظ رکھ کر حسد کی آگ میں جلیں اور درپے ایذا ہو جائیں۔

مقامِ نبوّت

يَجْتَبِيْكَ ۔ اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ آیت مجیدہ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ نبی پہلے سے بن کر نہیں آتے بلکہ یہاں آنے کے بعد ان کو خدا کی جانب سے عہدۂ نبوّت عطا ہوتا ہے جیساکہ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے حضرت یوسف کو فرمایا کہ خدا تجھے چُنے گا۔ جیساکہ مضارع کے صیغے سے صاف ظاہر ہے۔ اگر نبی پیدائشی ہوتے تو صیغہ ماضی کا ہوتا مثلاً اِجْتَبَاكَ یعنی خدا نے تجھے چن لیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف میں ابتدا سے ہی سے وہ خواص و آثار موجود تھے جو نبی کے لئے ہونے چاہئیں اور اسی معیارِ نبوّت کے ماتحت ہی حضرت یعقوب نے پیشین گوئی فرمائی۔ اور یہ بات قرینِ انصاف و عدل نہیں کہ کوئی شخص کسی عہدے کا معیار اپنے اندر رکھتا ہو پھر اسے طویل عرصہ تک بلاوجہ اُس عہدہ سے محروم رکھا جائے جب کسی کو یہ کہا جاتا ہے کہ میں تجھے انتخاب کروں گا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوا کرتا کہ معیارِ انتخاب بھی تجھ میں بعد میں پیدا ہوگا بلکہ حتمی انتخاب کی پیش کش وجودِ معیار کی خود غماز ہے۔ پس اس جملہ کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ اپنے مقام پر تو میری نظروں میں تو منتخب ہو چکا ہے لیکن چونکہ ابھی اعلان و اظہار کا موقعہ نہیں لہذا وقت آنے پر تیرا ہی اعلان کیا جائے گا۔ پس اس مقام پر بھی یہی مقصد ہے کہ اے یوسف تو برگزیدہ خدا ہے لیکن تیری برتری و برگزیدگی کے اظہار کے لئے ایک وقت معیّن ہے جب وہ وقت آئے گا تو خدا تیرے بھائیوں پر اور تمام لوگوں پر تیری برتری کو ظاہر کرے گا۔ اسی طرح علمِ تعبیر کا ملکہ و ملاک تجھ میں موجود ہے لیکن وقت اظہار بعد میں ہوگا۔ اور اسی بنا پر حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا اعلانِ نبوّت آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا (مجھے اللہ نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے) حالانکہ عہدِ طفولیت اور گہوارہ کی زندگی کا مقامِ تبلیغ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ پس مقصد یہ ہے کہ وہ معیار و ملاک جس کے ماتحت نبوت عطا ہوتی ہے وہ مجھ میں موجود ہے۔ جس کی بنا پر میں کتاب و نبوت کا دعوٰے کر رہا ہوں اگرچہ تبلیغ کا مقام بعد میں ہوگا۔

خواب کی حقیقت

انسان کے دماغ میں ایک قوت ہے جس کا نام حِس مشترک ہے۔ اور یہ ایک ایسا خزانہ ہے۔ جس میں جمع کرنے کے مختلف راستے ہیں یا ایسا تالاب ہیں جس میں مختلف اطراف سے نالیاں پہنچتی ہیں یا ایک ایسا دربار ہے جس میں داخلہ مختلف طرق سے ہوا کرتا ہے۔ گویا مملکت انسانیہ میں حِس مشترک وزارتِ داخلہ کی نوعیت رکھتی ہے کہ ملک کے داخلی حالات کی رپورٹ مختلف ذرائع سے وہاں پہنچتی ہے اور بیرون از ملک کی خبریں بھی وہاں جمع ہوتی ہیں۔ پھر نیک و بد میں امتیاز اور مفید و مضر میں فرق اور آخری فیصلہ صادر کرنے کے لئے قوائے عاقلہ کو

میدانِ عمل میں آنا پڑتا ہے۔

حسِ مشترک میں بیرونی رپورٹر پانچ ہیں جنہیں حواسِ خمسہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قوتِ باصرہ قوتِ شامہ قوتِ سامعہ قوتِ ذائقہ اور قوتِ لامسہ اور اندرونی حالات قوتِ خیالیہ و واہمہ کے ذریعے سے اس تک پہنچتے ہیں۔ علاوہ ازیں قوتِ خیالیہ ہر آنے والے تصوّر کا خیر مقدم کرتی ہے خواہ اس تصوّر کا تعلق حواس خمسہ میں سے کسی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ پس وہ دیکھنے کے قابل چیزوں کا تصوّر کرتی ہے، خوشبو و بدبو کا تصوّر کرتی ہے۔ اسی طرح آوازوں اور ذائقوں کا تصوّر بھی وہ کر لیتی ہے اور ملموسات میں سرد گرم یا زم و سخت کا تصوّر بھی اس میں آسکتا ہے۔

حسِ مشترک کی توجہ جس طرح حواسِ ظاہرہ کی طرف رہتی ہے اسی طرح وہ خیال کی طرف بھی متوجہ رہتی ہے۔ پس بعض اوقات جب کسی حسِ ظاہری میں جذب و دل کشی موجود ہو تو جس طرح حسِ مشترک اس کے علاوہ باقی حواس ظاہرہ سے عنانِ توجہ پھیر لیتی ہے اسی طرح وہ خیال سے بھی غضِ بصر کر لیا کرتی ہے۔ پس کوئی خیالی تصوّر اس کے اندر راہ نہیں پاسکتا مثلاً آنکھوں کا منظر اگر دل کش اور روح پرور ہو تو حسِ مشترک ہمہ تن اسی منظر کی تصویر کشی میں منہمک رہتی ہے۔ نہ اُس کی توجہ کسی آواز کی طرف نہ کسی بُو و ذائقہ کی طرف اور نہ کسی ملائم و منافر کی جانب ہوتی ہے۔ اور نہ کوئی دوسرا خیال اُس کو اپنی طرف منعطف کر سکتا ہے۔ اسی طرح آوازوں و نغموں کی پُرکشش گونج اُسے دوسرے تمام مدرکات سے غافل بنا دیتی ہے خواہ وہ حواسِ ظاہریہ کی وساطت سے ہوں یا قوائے باطنہ خیال و وہم وغیرہ کے ذریعے سے ہوں۔ وعلیٰ ہذا القیاس تمام قوائے ظاہریہ کا یہی حال ہے۔ اسی طرح یہی حسِ مشترک اگر قوتِ خیالیہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو تو حواسِ ظاہریہ کے مدرکات کے جذب سے وہ یکسر غافل ہوا کرتی ہے۔ مثلاً کسی محبوب کے تصوّر میں ڈوبے ہوئے انسان کے سامنے سے کوئی گذر جائے بلکہ اُس کے سامنے کھڑا رہے۔ اُس کی آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود اس کا ادراک نہ کر سکیں گی۔ اُس کے کان صحیح و سالم ہونے کے باوجود قریب کی آواز بھی اُس تک نہ پہنچا سکیں گے۔ اسی طرح وہ اس حالت میں کسی بو و مزہ کا ادراک نہ کر سکے گا۔ پس اس کی نظر صرف ایک ہی جانب مرکوز ہوتی ہے اس کے علاوہ اس کی آنکھیں ہر جانب سے بند ہوا کرتی ہیں۔

خیال میں باطنی طور پر حواس ظاہرہ کی سی سب قوتیں موجود ہیں۔ پس خیال باطنی طور پر جب محبوب کی آواز پیش کر رہا ہو، تو حسِ مشترک قوتِ سامعہ ظاہریہ سے توجہ پھیر کر اسی طرف ہی متوجہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ کان ظاہری آوازوں کو نہیں سُن سکتے جب تک خیالی سماعت، خیالی آواز کی دل کشی کی طرف حسِ مشترک کو محو رکھے۔ یہ آنکھیں ظاہری شکلوں سے غضِ بصر کر لیتی ہیں۔ جب تک خیالی بصارت خیالی نقوش کی گردیدہ رہے وعلیٰ ہذا القیاس سب حواس ظاہرہ کی یہی کیفیت ہے۔

پس جب تک انسان بیدار رہتا ہے تو حسِ مشترک حواسِ ظاہرہ کی طرف اچھی خاصی توجہ دیا کرتی ہے بلکہ بالعموم انہی کو اپنے ادراکات کا ذریعہ سمجھتی ہے۔ اور اس سے ثابت ہوا کہ دیکھنا آنکھ کا فعل نہیں بلکہ حسِ مشترک کا فعل ہے اور آنکھ اس کا راستہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنکھ کھلی ہونے کے باوجود پاس اور سامنے کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی جب کہ حسِ مشترک صورتِ خیالیہ

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ﴿٧﴾ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ

البتہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں ڈھونڈنے والوں کے لئے کئی سبق ہیں جب انہوں نے تجویز کی کہ

وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ط إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ

یوسف اور اس کا بھائی ہماری بہ نسبت باپ کو زیادہ عزیز ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں تحقیق ہمارا باپ صاف غلطی

کے تعاقب میں ہو۔ اسی طرح سُننا کان کا فعل نہیں بلکہ راستہ ہے۔ نیز ناک زبان اور ہاتھ بو ذائقہ وغیرہ کا ادراک نہیں کرتیں بلکہ یہ راستے ہیں اور مدرک حِس مشترک ہوا کرتی ہے جب وہ ان کی طرف متوجہ ہو۔

جب انسان سوجاتا ہے تو حِس مشترک کے ادراک کے خارجی راستے مسدود ہوجاتے ہیں۔ پس اس کی توجہ صرف خیال ہی کی طرف ہوتی ہے۔ جاگتے ہوئے بھی بعض اوقات خیالی صورتیں اس قدر قوت پکڑ لیتی ہیں کہ انسان انکو سچ مچ محسوس مبصر سمجھنے لگتا ہے تو سوتے ہوئے جب کہ ادراکات کے ظاہری راستے سب بند ہوتے ہیں۔ خیالی صورتوں کا وہم کے نزدیک حقیقت کے رنگ میں ڈھل جانا بالکل قرین قیاس اور واقع امر ہے۔ پس صورتِ خیالیہ کا نیند میں محسوس ہو کر سامنے آنے کا نام خواب ہے۔ پس باتیں بھی ہوتی ہیں شنوائی بھی ہوتی ہے۔ دید و بازدید کے مناظر آوازوں کی فریب کاری اور سوز و گداز وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے غرضیکہ جو خیال پیدا ہوا وہ حقیقت کا جامہ پہنتے ہوئے سامنے آتا جاتا ہے۔

بعض اوقات یہ خیالات شکم پُری کے بعد بالکل لغو و بیہودہ ہوا کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ان میں مستقبل کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہے۔ گویا وہ آنے والے واقعات اور رُونما ہونے والے حادثات کی قبل از وقت غمازی کرتے ہیں لیکن ان سے واقعات کا صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل امر ہے کیونکہ وہ آنے والے واقعات کا بہت دھندلا سا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ اور سوائے علم مخصوص کے جس کو اللہ نے عطا فرمایا ہو۔ کوئی دُوسرا صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی علم کا نام علمِ تعبیر خواب ہے جس کے متعلق حضرت یعقوب نے اپنے فرزند حضرت یوسف سے فرمایا کہ خداوند کریم تجھے تاویلِ احادیث پر مطلع فرمائے گا۔ اس کو تاویل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مآل اور بازگشت کا غماز ہوتا ہے۔ اور روایاتِ عامہ میں ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا ایک حصہ ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر کی دوسری جلد یا علی مدد کے عنوان میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔ بُرے خواب جو بالکل بے حقیقت ہوتے ہیں ان کو اضغاث احلام بھی کہا جاتا ہے اور رُویائے صادقہ کو الہام یا وحی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السّلام پر وحی کی ایک قسم رُویائے صادقہ بھی تھی۔

رکوع ۱۲

آیاتٌ۔ آیت کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے نشانیاں اور ہم نے مرادی ترجمہ کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت یوسف اور اس کے بھائیوں کے عجیب و غریب واقعات کا مطالعہ کرنے سے انسان کو جہاں عبرت حاصل ہوتی ہے وہاں کئی سبق بھی ملتے ہیں (۱) بھائیوں کی ایذا رسانی (۲) ان کے قتل کی تجویز (۳) از راہ حسد اس کو کنوئیں میں ڈالنا (۴)

مُّبِیْنٌ ⑧ اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ

پر ہے یوسف کو قتل کر دیا اس کو کہیں دور چھوڑ آؤ تاکہ خالص ہو جائے تمہارے لئے باپ کی محبت اور

وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ⑨ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا

اس کے بعد (توبہ کرکے) نیک لوگ بن جاؤ ان میں سے ایک نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ

متمکن ہونے کے بعد حضرت یوسف کا اُن کو معاف کر دینا، احسان کرنا اور نہ جتلانا (۵) بحیثیت غلام کے فروخت ہونا۔ (۶) زلیخا کی گرفت سے نجات پانا (۷) قید و بند کی صعوبتیں دیکھنا (۸) دکھ کے بعد سکھ اور غلامی کے بعد تخت حکومت پر متمکن ہونا (۹) خواب کی عملی تصدیق (۱۰) حضرت رسالتمآبؐ کا تفصیل سے اس قصہ کو پیش کرنا حالانکہ ظاہری طور پر کسی سے پڑھا نہ تھا وغیرہ زیرک طبائع کے لئے عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔ نیز دنیا و دین کی فلاح و بہبود کے لئے اس میں ناقابل فراموش قیمتی سبق بھی ہیں۔

حضرت یوسف کے قصہ کی ابتدا

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت یوسف حسن میں یکتائے روزگار تھے۔ اور حضرت یعقوب کی ان سے بہت محبت تھی۔ نیز یوسف اور اس کا بھائی چونکہ دوسرے بھائیوں سے سن میں چھوٹے تھے بایں لئے بھی حضرت یعقوب ان دونوں کی ناز برداری زیادہ کرتے تھے۔ پس باقی بھائیوں کے دل میں ان کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ اور جب حضرت یوسف نے اپنا خواب بیان کیا۔ اور بھائیوں تک وہ کسی ذریعہ سے پہنچا تو ان کے حسد کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اُٹھی۔ پس اُنہوں نے باپ کی محبوبیت حاصل کرنے کے لئے یوسف کو راستے سے ہٹانے کی تجویز پر غور کرنا شروع کر دیا۔

ادھر زوال نعمت کا ظاہری سبب یہ ہوا۔ جیسا کہ ابوحمزہ ثمالی نے امام زین العابدین علیہ السّلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوب کا دستور تھا ہر روز ایک دُنبہ ذبح کرکے اس کے گوشت میں سے صدقہ کرتے تھے۔ اور خود مع عیال بھی اس سے تناول فرمایا کرتے تھے۔ اتفاق سے شب جمعہ ان کے دروازہ پر ایک مومن سائل پہنچا جو رہگذر مسافر اور روزہ دار بھی تھا۔ اُس نے دستک دے کر افطاری کے لئے سوال کیا۔ حضرت یعقوب اور اُن کے افراد کنبہ نے سنا تو اس کی بات پر باور نہ کیا۔ چنانچہ اسے کچھ بھی نہ دیا اور وہ مایوس ہو کر روتا ہوا خالی پلٹا اور خالی شکم اُس نے دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیا۔ اُدھر حضرت یعقوبؑ اور اس کے خاندان نے شکم پری سے رات بسر کی۔ جب کہ اُن کے ہاں کھانا بچا ہوا بھی موجود تھا۔ خدا کی جانب سے وحی ہوئی کہ امتحان کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور میری قضا پر راضی ہو کر مصائب کا مقابلہ صبر سے کرو۔ اور اسی رات حضرت یوسف نے خواب دیکھا جو بیان ہو چکا ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس کے بعد ہر صبح کو آواز دیا کرتے تھے کہ روزہ دار ہر سویرے کی روٹی یعقوب کے ہاں کھائیں اور شام کو اعلان کرتے تھے کہ جس نے دن بھر روزہ رکھا ہو وہ یعقوب کے دستر خوان پر آکر کھانا کھائے۔

يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ

کرو اور اس کو کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو کوئی قافلہ اس کو اٹھا کر لے جائے گا اگر تم نے یہ کام

وضاحت:۔ (۱) یوسف کے ساتھ یوسف کا سگا بھائی بن یامین بھی باقی بھائیوں کے حسد کا شکار تھا۔ چنانچہ لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ کی صراحت بتاتی ہے (۲) آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت یُوسف کے بھائی خود اپنے باپ یعقوب کا محبُوب بننا چاہتے تھے جس سے باپ کی نبوّت پر ان کے ایمان اور عقیدت کا پتہ چلتا ہے (۳) حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السّلام سے حنان بن سدیر نے سوال کیا کہ اولاد حضرت یعقوب انبیاء تھے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ اسباط تھے اور دنیا سے توبہ کے بعد سعید ہو کر گئے (۴) محبّت اور شہوت میں عام خاص من وجہ کا فرق ہے مثلاً بیٹے سے محبّت ہوتی ہے شہوت نہیں ہوتی اور بیوی کی محبّت میں شہوت بھی شریک ہوتی ہے اور بعض مقامات پر صرف شہوت ہی شہوت ہوتی ہے۔ اور محبّت موجُود نہیں ہوتی اور محبُوب و مرغوب میں بھی یہی فرق ہے۔ (۵) عُصبہ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو ایک دوسرے سے خصوصی ارتباط رکھتے ہوں اور اس کا واحد کوئی نہیں۔ جیسے قوم قبیلہ وغیرہ کی لفظیں ہیں۔ اور اس کا اطلاق دس سے پندرہ تک ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک چالیس تک بھی جائز ہے (۶) حضرت یعقوب کے بیٹوں کا باپ کو ضلال کی طرف نسبت دینے کا مقصد دینی گمراہی نہیں ورنہ وہ اسلام سے خارج ہو جاتے حالانکہ ان کے مومن ہونے پر اتفاق ہے بلکہ یہاں حضرت یُوسف علیہ السّلام کے ساتھ فرطِ محبّت کو انہوں نے ضلال سے تعبیر کیا ہے جس کا ترجمہ ان کی حاسدانہ روش کے ماتحت بے راہ روی یا غلطی سے کیا جا سکتا ہے (۷) پہلا مشورہ (کہ یُوسف کو قتل کر دیا جائے یا کہیں دُور کنوئیں میں ڈال دیا جائے جہاں سے باپ کی طرف واپس نہ آ سکے) پیش کرنے والا شمعون اور بعض کے نزدیک روبیل تھا۔ اور دوسرا مشورہ (کہ قتل نہ کرو بلکہ کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو۔ کوئی قافلہ آئے گا تو اس کو وہاں سے نکال کر اپنے ہمراہ لے جائے گا جس سے اس کا واپس پلٹنا مشکل ہو جائے گا) پیش کرنے والا روبیل یا یہودا یا لاوی تھا۔ باختلافِ اقوالِ مفسّرین (۸) اس کنوئیں کے محلِّ وقوع کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں بیت المقدس کا کنواں مراد ہے۔ بعض کے نزدیک وہ اُردن کے علاقہ میں تھا۔ بعض کا قول ہے کہ مدین و مصر کے درمیان تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کی جائے رہائش سے اس کا فاصلہ تین فرسخ تھا۔

لَا تَامَنَّا۔ دراصل لَا تَامَنُنَا ہے۔ چونکہ دو حرف ایک جنس کے جمع ہو گئے ہیں۔ لہذا صرفی قاعدہ کے مطابق پہلے کو ساکن کر کے دُوسرے میں ادغام کر دیا گیا۔ اور بعض قاریوں نے اس کو بغیر ادغام کے اپنے اصلی تلفظ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور معنی یہ ہے کہ کیا آپ کو یُوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد و وُثوق نہیں ہے؟ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب پہلی مرتبہ حضرت یُوسف کو اُن کے ہمراہ بھیجنے پر رضامند نہیں ہوئے تھے۔

يَرْتَعْ۔ مجمع البیان میں اس کی دو وجُوہ لکھی ہیں۔ (۱) باب افتعال ارتعاء سے ہے اور اس کا فاعل ابل محذوف ہے۔ اس بنا پر اس کی جزم حذفِ آخر کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ امر کے جواب میں واقع ہے۔ لیکن عین کا سکون شاید یلعب کی مشاکلت

فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ

کرنا ہے کہنے لگے بابا جان! کیا بات ہے یوسف کے بارے میں آپ ہم پہ اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے

لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَ یَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

خیرخواہ ہیں اس کو بھیجئے کل ہمارے ساتھ تاکہ سیر و تفریح کرلے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ

فرمایا میں غمزدہ ہوتا ہوں کہ تم اس کو ساتھ لے جاؤ اور ڈرتا ہوں مبادا اس کو بھیڑیا کھا جائے اور

کی وجہ سے ہے (۲) یَرْتَعْ یَرْتَعُ سے ہے اور مَرْتَعْ کا معنی ہے فائدہ حاصل کرنا اور پالینا۔ اور تفسیر صافی میں مَرْتَعَۃٌ کا معنی سرسبزی و شادابی لکھا ہے۔ اور مُرادی ترجمہ یہ کیا ہے کہ اس کو ہمارے ساتھ بھیجئے۔ تاکہ پھل و میوہ جات کھائے اور یَلْعَبْ کا معنی ہے تفریح طبع جو چلنے پھرنے سے یا تیر اندازی سے حاصل ہو۔ چونکہ حضرت یُوسف نبی تھے۔ لہٰذا لہو و لعب جو عامیانہ طریق کار ہے ان کی شان سے بعید ہے۔ اور حضرت یُوسف کے بھائی اگرچہ ہمارے اعتقاد کی رُو سے نبی نہ تھے (اگرچہ بعض لوگ ان کو بھی نبی مانتے ہیں) تاہم وہ مومن تھے اور حضرت یعقوبؑ کے فرمانبردار تھے۔ لہٰذا بعید ہے کہ حضرت یُوسف کو ساتھ لیجانے کے لئے یعقوب کے سامنے درخواست میں ایسا کلمہ پیش کریں جو منافیٔ شانِ نبوت ہو۔ لہٰذا لعب سے مُراد ایسی تفریح ہے جو حُدودِ شریعت کے اندر ہو۔ حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے ہر لعب حرام ہے۔ سوائے تین چیزوں کے (۱) تیر اندازی (۲) گھوڑ دوڑ (۳) اپنی منکوحہ کے ساتھ۔ بعض قاریوں نے غائب کی بجائے نون متکلم کے ساتھ پڑھا ہے۔ نَرْتَعْ وَ نَلْعَبْ۔

بعض کہتے ہیں کہ اُس وقت حضرت یُوسف کی عمر سترہ برس تھی۔ اور اسّی برس کے بعد والد سے ملاقات ہُوئی پھر تیئس برس کے بعد کل ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ نیز ۷ یا ۹ یا ۱۰ یا ۱۲ برس کی عمر میں باپ سے جدائی اور ۴۰ برس کے بعد ملاقات کی روایات بھی موجُود ہیں۔

وَ اَخَافُ: تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس علاقہ میں بھیڑیئے بکثرت تھے اور کہتے ہیں حضرت یعقوبؑ نے خواب میں دیکھا تھا کہ دس بھیڑیوں نے یُوسف پر حملہ کیا اور دیکھا کہ ایک بھیڑیا ان میں سے حضرت یُوسف کی طرفداری کرتا تھا۔ پس اچانک زمین پھٹی اور حضرت یُوسف اس میں داخل ہوگئے۔ اور تین روز کے بعد وہاں سے نکلے۔ حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ کسی کو جھوٹا بہانہ نہ سکھاؤ۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے اس سے پہلے یہ نہیں جانتے تھے کہ بھیڑیا انسان کو کھایا کرتا ہے پس باپ نے ان کو اس نکتے کی طرف متوجہ کیا (اور وقتِ ضرورت انہوں نے وہی بہانہ پیش کر دیا)

الذِّئْبُ۔ اس کا معنی ہے بھیڑیا۔ اس کی جمع اَذْؤُب۔ ذِئَاب اور ذُؤْبان ہوتی ہے۔ اور اس کے بیشہ کو مَذْاَبَہ کہا

أَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

تم اس سے غافل ہو کہنے لگے اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں تو

إِنَّآ إِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَأَجْمَعُوْٓا أَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ

تحقیق ایسی صورت میں ہم زیاں کار ہوں گے پس جب اس کو لے گئے اور ارادہ کر لیا کہ اس کو کنوئیں کی گہرائی میں

غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا

پھینک دیں اور ہم نے اس کو وحی کی کہ تو (وقت آنے پر) ان کو ان کے اس کرتوت سے ضرور آگاہ کریگا جب کہ

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ أَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا

وہ نہ جانتے ہونگے اور آئے باپ کے پاس رات کو روتے ہوئے کہنے لگے

جاتا ہے۔

اَجْمَعُوْا:۔ یعنی اتفاق آراء کے بعد پختہ ارادہ کر لیا۔ اجماع سے ہے۔

اَلْجُبِّ:۔ الف ولام عہد خارجی کا ہے۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ کنواں ان کے نزدیک مشہور و معروف تھا۔ جہاں قافلے وارد ہوا کرتے تھے۔ اور بعض نے یہ الف ولام عہد ذہنی کا بتایا ہے کہ وہ کسی کنوئیں کی تلاش میں تھے جس کا پانی یوسف کو غرق نہ کر دے۔

قصہ:۔ بیٹوں کے اصرار سے مجبور ہو کر آخر کار حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسف کو اُن کے ہمراہ روانہ کر دیا اور بھائی اس کو نہایت اکرام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے چلے۔ جب جنگل میں جا پہنچے تو ان کے حسد کی قلعی کھل گئی۔ اور پوشیدہ عداوت ہاتھ اور زبان سے ظاہر ہونے لگ گئی پس وہ مارتے جاتے تھے اور یوسف ہر ایک کو دُہائی دیتا اور فریاد کرتا تھا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوتی تھی۔ پس وہ بابا۔ بابا کر کے روتا تھا چنانچہ انہوں نے جب قتل کا ارادہ کیا تو لاوی نے روک دیا۔ جیسا کہ بروایت مجمع البیان آئمہ طاہرین علیہم السّلام سے منقول ہے۔

مروی ہے کہ بھائی آخر کار اس کو ایک کنوئیں کے کنارے پر لے آئے اور جب وہ اس کو اس میں لٹکاتے تھے تو وہ کنوئیں کے کنارے سے چمٹ جاتے تھے۔ بھائیوں نے یوسف کی قمیص اتار لی۔ اور وہ بار بار التجا کرتا تھا کہ مجھے برہنہ نہ چھوڑو اور مجھے اپنی قمیص واپس کر دو۔ اس کے جواب میں وہ کہتے تھے کہ چاند، سورج اور گیارہ ستاروں کو بلاؤ تاکہ تیرے ساتھ ہمدردی کریں پس انہوں نے کنوئیں میں لٹکا دیا جب نصف تک پہنچا تو انہوں نے چھوڑ دیا تاکہ چوٹ لگنے سے اس کا کام تمام ہو جائے لیکن چونکہ کنوئیں میں پانی تھا اس لئے چوٹ نہ لگی۔ پس وہ اُٹھ کر ایک بلند پتھر پر آبیٹھے جو اس میں تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہودا اس کو وہیں کھانا پہنچا جایا

کرتا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت یوسف کی برکت سے کنوئیں میں روشنی پیدا ہوگئی اور اس کا پانی میٹھا ہوگیا اور اس میں غذائیت پیدا ہوگئی۔ جس کی بدولت وہ دنیاوی اشیائے خوردنی و نوشیدنی سے بے نیاز ہوگئے۔ اس سے قبل وہ پانی گندہ اور ناقابلِ استعمال تھا۔ اب صاف و شفاف اور شیریں و خوش ذائقہ بن گیا۔ خداوندکریم نے ان کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ موکل کردیا۔ بعض کہتے ہیں وہ جبریل تھا۔ اور پتھر بھی اسی وقت پانی کی تہ سے اُوپر اُبھر آیا جس پر حضرت یوسف آبیٹھے۔ جب کہ بدن پر قمیص نہ تھی۔

مجمع البیان میں بروایت مفضل بن عمر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا۔ تو ان کے بدن سے لباس اُتار لیا گیا تھا تو فوراً جبریل نے حریرِ جنّت سے ایک قمیص لاکر ان کو پہنادی تھی اور بعد میں یہی قمیص آپ کے پاس موجود رہی۔ اور آپ کے بعد حضرت اسحٰق اس کے وارث ہوئے اور پھر حضرت یعقوب کے ورثہ میں پہنچی۔ جب حضرت یوسف بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب نے وہی قمیص ایک تعویذ میں بند کرکے یوسف کے گلے میں لٹکادی جو ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اب جو بھائیوں نے برہنہ کرکے کنوئیں میں ڈال دیا تو جبریل نے آکر گلے کا تعویذ کھولا۔ اور وہی قمیص حضرت یوسف کو پہنادی۔ اور یہی قمیص ہے جس کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السّلام نے محسوس کی تھی جب کہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تھا اور آپ فلسطین میں تھے۔ فرمایا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ ۔ الآیۃ۔ اسی کتاب میں بروایت سمیع بن سیار حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جب بھائیوں نے یوسف کو کنوئیں میں ڈالا تو جبریل نے آکر پوچھا تجھے کس نے یہاں پھینکا ہے؟ تو جواب دیا کہ باپ کی محبت کی وجہ سے بھائیوں نے حسد کرکے مجھے یہاں پھینکا ہے۔ جبریل نے کہا کیا تو کنوئیں سے نکلنا چاہتا ہے؟ فرمایا یہ بات ابراہیم واسحٰق و یعقوب کے پروردگار کی مشیّت کے تابع ہے تو جبریل نے کہا ابراہیم اسحٰق و یعقوب کا پروردگار فرماتا ہے کہ تم دعا سے مجھے پکارو۔

جبریل کی تیز رفتاری

تفسیر برہان میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے آپ نے جبریل سے دریافت کیا کہ کبھی تجھے تھکان بھی ہوئی ہے تو عرض کی حضورؐ! تین مرتبہ ایسا ہوا ہے (۱) جب حضرت ابراہیم کو آتشِ نمرود میں پھینکا گیا تو خدا نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور میرے خلیل کی جلد خبر لو۔ مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم اگر وہ تیرے پہنچنے سے پہلے آگ میں چلا گیا تو فرشتوں کے دفتر سے تیرا نام کاٹ دوں گا۔ پس میں نے تعمیل کی اور ابھی تک آگ میں نہ پہنچنے پائے تھے کہ میں نے حاضر ہوکر عرض کی اے ابراہیم! کیا تیری کوئی حاجت ہے؟ تو کہنے لگے۔ اِلَی اللّٰہِ فَنَعَمْ وَ اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا ۔ یعنی بے شک اللہ کی طرف تو مجھے حاجت ہے لیکن تجھ سے نہیں (۲) جب ابراہیمؑ کو اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل کے ذبح کا حکم ہوا اور انہوں نے چھری اُٹھائی تو مجھے حکمِ خداوندی ہوا کہ فوراً پہنچو۔ اور مجھے اپنی عزّت و جلال کی قسم اگر تیرے پہنچنے سے پہلے چھری اسمٰعیل کے حلق تک پہنچ گئی تو تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے کاٹ دوں گا۔ پس میں فوراً پہنچا اور چھری کو الٹا کردیا اور فدیہ لاکر چھری کے نیچے لٹادیا (۳) جب یوسف کو کنوئیں میں پھینکا گیا تو خدا نے مجھے وحی فرمائی کہ اے جبریل یوسف کی خبر لو۔ اور مجھے اپنی

عزت وجلال کی قسم اگر وہ تجھ سے پہلے کنوئیں کی تہ میں پہنچا تو تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے کاٹ دوں گا۔ چنانچہ ابھی تک وہ تہ تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ میں پہنچ گیا۔ اور صحیح وسالم اس کو کنوئیں میں پڑے ہوئے ایک پتھر پر بٹھا دیا۔ پس مجھے تھکان محسوس ہوئی۔ اس کنوئیں میں سانپ واژدہا رہتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا تو ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرو۔ کیونکہ آج ایک نبی کریم ہمارا مہمان ہے۔ پس وہ اپنی جگہ پر پابند رہے لیکن اژدہا ایذا رسانی کے لئے آگے بڑھے۔ پس ایک ایسا دھماکہ آیا کہ اُن کے کان بند ہو گئے اور قیامت تک وہ ایسے رہیں گے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے جب حضرت یوسف کنوئیں میں موذی جانوروں سے مطمئن ہو کر آرام فرما ہوئے تو اپنے بھائیوں کو آواز دے کر کہا کہ ہر مرنے والے کو وصیت کرنے کا حق ہے پس میری چند وصیتیں سن لو (۱) جب گھر پہنچنا تو میری تنہائی کو یاد کرنا (۲) جب اُن کی زندگی گذارنا تو میری وحشت کو نہ بھولنا (۳) جب طعام کھانا تو میری بھوک کو یاد میں لانا۔ (۴) جب پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کرنا (۵) جب کوئی جوان دیکھنا تو میری جوانی کو یاد کرنا۔ پس جبریل نے آکر کہا ان وصیتوں کو چھوڑیئے اور پروردگار سے مناجات کیجئے۔ الخ۔ نیز مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے یوسف کو بھائیوں کے ہمراہ روانہ کرنے سے قبل ان سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ کے کلمہ طاہرہ کی دہائی دے کر یوسف کی سلامتی کا عہد لیا تھا۔ حضرت یوسف کو جو امر پروردگار سے دعا تعلیم کی گئی وہ یہ ہے۔

یوسف کی کنوئیں کے اندر دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَنْ تَجْعَلَ لِیْ فِیْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَّتَرْزُقَنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَیْثُ لَا اَحْتَسِبُ۔

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تو ہی حمد کا سزاوار ہے اور تیرے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں تو ہی آسمانوں و زمین کا خالق ہے اے جلال واکرام کے مالک محمدؐ وآل محمدؐ پر رحمت نازل فرما اور میرے لئے تنگی سے کشادگی اور اس قید و بند سے آزادی کی راہ پیدا کر اور مجھے رزق عطا کر جہاں سے مجھے توقع ہو اور جہاں سے توقع نہ ہو۔

مسمع بن سیار کی روایت میں ہے کہ:

آپ نے فرمایا پس حضرت یوسف کی دعا مقبول ہوئی خدا نے اس کو کنوئیں کی تنگی اور قید سے فوراً نجات بخشی اور اسی دعا کے صدقہ میں وہ عورت کی فریب کاری سے بچے اور اسی کی بدولت خدا نے ان کو مصر کی حکومت عطا فرمائی۔ جو ان کی توقعات سے بعید تھی۔ اور بروایت علی بن ابراہیم حضرت یوسف قید چاہ میں عرض کرتے تھے۔ اے ابراہیم اسحٰق و یعقوب کے پروردگار! میری کمزوری، بے چارگی اور کم سنی پر رحم فرما۔

تفسیر صافی میں بروایت علل وعیاشی حضرت سجاد علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بھائی جب حضرت یوسف کو لے چلے ابھی کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ حضرت یعقوب تیزی سے پیچھے سے آملے اور یُوسف کو ان سے لے کر ایک بار پھر سینے سے لگا لیا اور فرط محبّت سے بہت روئے پھر اُن کے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ اس دفعہ انہوں نے تیز رفتاری سے منزل کو طے کرنا شروع کر دیا مبادا پھر حضرت یعقوب پیچھے سے پہنچ کر ہم سے یُوسف کو لے لیں۔ پس وہ درختوں کے ایک گھنے جنگل میں پہنچے اور وہاں اس کے ذبح کی تجویز کی تاکہ بھیڑیئے اس کے گوشت کو کھا جائیں۔ ان میں سے جو بزرگ تر تھا۔ اُس نے کہا۔ نہیں اس کو قتل نہ کرو۔ بلکہ اگر تم نے کرنا ہے تو اس کو کنوئیں میں پھینک دو۔ کوئی قافلہ اس کو وہاں سے نکال کر کہیں دُور لے جائے گا۔ پس اُنہوں نے ایسا ہی کیا اور روانہ ہونے لگے تو حضرت یُوسف نے کنوئیں کے اندر سے آواز دی میرے بابا کو میرا سلام کہہ دینا۔ جب انہوں نے آواز سُنی تو آپس میں کہنے لگے کہ ہمیں یہاں سے نہیں جانا چاہیئے جب تک کہ اس کی موت کا یقین نہ ہو جائے۔ چنانچہ کافی دیر تک بیٹھے رہے اور آخر کار مایوس ہو کر واپس پلٹے۔ اور بروایت قمی جب اُنہوں نے کنوئیں میں پھینکنے کا ارادہ کیا تھا تو یوسف سے کہا تھا کہ قمیص اُتارو۔ حضرت یُوسف نے معذرت چاہی تو ایک بھائی نے چھُرا نکال کر قتل کی دھمکی دی اور زبردستی قمیص اُتار لی۔ پھر کنوئیں میں پھینک دیا۔ واپسی پر اُنہوں نے یہ طے کر لیا کہ یُوسف کی قمیص کو کسی خون سے آلودہ کر لیا جائے تاکہ باپ کے سامنے ہمارے اس عُذر کی شنوائی ہو سکے کہ یُوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ لاوی نے کہا بھائیو! ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند اسحٰق نبی اللہ تھے اور اس کے فرزند یعقوب اسرائیل اللہ ہیں۔ اور اس کی ہم اولاد ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ خدا نبیوں سے یہ بات چھُپائے گا؟ حیرت میں آکر کہنے لگے پھر کونسا حیلہ تلاش کیا جائے؟ آخر سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اٹھو غسل کر لو۔ اور نماز با جماعت ادا کرکے گڑگڑا کر اللہ سے دعا مانگو وہ جواد وکریم ہے۔ شاید منظور کرلے اور ہمارا راز فاش نہ ہو۔ حضرت ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کی شریعت کا فیصلہ یہ تھا کہ گیارہ آدمیوں سے کم نماز با جماعت نہیں ہو سکتی تھی اور یہ دُس تھے۔ جب غسل کر چکے اور صف باندھ کر کھڑے ہو گئے تو گیارہواں آدمی نہیں تھا جو فرائض امامت انجام دے۔ پس حیران تھے کہ لاوی نے کہا چلو اللہ ہی کو اپنا امام قرار دے لو۔ چنانچہ انہوں نے نماز ادا کی۔ اور نہایت گریہ وزاری سے اپنی رازداری کی خدا سے درخواست کی۔

وَ اَوْحَیْنَا۔ تفسیر صافی میں ہے کہ خدا نے بچپنے میں حضرت یوسف کی طرف وحی کی جس طرح حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف ہوئی تھی۔ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نبوّت وہبی عہدہ ہے نہ کہ کسبی۔ کیونکہ بچپنے میں کسب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آیت مجیدہ کے لفظ بتلاتے ہیں کہ حضرت یوسف اس وقت نبی تھے۔ اور اَوْحَیْنَا کی عہدہ نبوّت پر دلالت التزامی ہے۔

لَتُنَبِّئَنَّھُمْ: مضارع کا صیغہ ہے۔ اور نون تاکید اس پر داخل ہے۔ یعنی تمہارا بھائیوں کو ان افعال کے متعلّق جتلانے کا وقت آئے گا جب کہ ان کو پتہ نہ ہو گا کہ تم ہی یوسف ہو۔ اس لفظ میں دو طرح کی پیشین گوئیاں موجود

يَٰٓأَبَانَآ إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَٰعِنَا فَأَكَلَهُ

بابا جان ہم (تیر اندازی کے) مقابلہ کے لئے گئے اور یوسف کو سامان کے پاس چھوڑا پس اس کو بھیڑئیے نے

ٱلذِّئْبُ ۖ وَمَآ أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَٰدِقِينَ ﴿١٧﴾

کھا لیا اور آپ ہماری بات پر باور نہ کریں گے اگرچہ ہم سچ کہتے ہوں

ہیں۔ ایک یہ کہ تم گھبراؤ نہیں کہ عنقریب تم کو اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ اور دوسری یہ کہ مصائب کا دور گذرنے کے بعد تمہیں اقتدار حاصل ہوگا۔ اور یہی بھائی تمہارے در پر حاضر ہوں گے۔ اور تم ان کو گذشتہ امور کی خبر دوگے۔ چنانچہ زمانِ اقتدار یوسف میں وہ مصر پہنچے تو حضرت یوسف ان کو پہچان گئے لیکن وہ نہ جانتے تھے کہ آپ یوسف ہیں۔ پس حضرت یوسفؑ نے ایک کٹورے پر چٹکی ماری تو اس سے جھنکار کی آواز پیدا ہوئی۔ پس آپ نے فرمایا یہ کٹورا مجھے خبر دے رہا ہے کہ تمہارا ایک پدری بھائی تھا جس کو تم نے کنوئیں میں پھینکا تھا اور کھوٹے پیسوں میں بیچ ڈالا تھا۔

وَجَآءُوٓا:۔ رات کے وقت تاریکی میں پلٹنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ آنکھوں کو شرم نہ آئے۔ بہانہ بنانے میں جھجک نہ رہے اور بناوٹی گریہ کی قلعی نہ کھلے۔ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر رو کر بات کرنے والا ضروری نہیں کہ سچا ہو۔ بلکہ صداقت کا معیار اس سے جدا ہے۔

وَمَآ أَنتَ:۔ چور کی داڑھی میں تنکا کا مقولہ یہاں خوب منطبق ہو رہا ہے کہ اگرچہ ہم سچ کہیں تب بھی آپ ہماری باتوں پر باور تو کرتے نہیں ہیں۔ یہ الفاظ اپنے مقام پر خود ہی ان کی کذب بیانی کو ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہا کہ پہلے سے حضرت یعقوب حضرت یوسف کو ان کے ہمراہ بھیجنے پر راضی نہ تھے۔ اور یوسف کے بارے میں ان پر اعتماد نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا حاسدانہ رویّہ آپ پر آشکار تھا۔

بِدَمٍ كَذِبٍ:۔ کہتے ہیں ایک بکرا ذبح کرکے اس کا خون یوسف کی قمیص پر مل دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ ایک ہرن کے خون سے اس کو رنگین کر لائے۔ اور ان کو یہ خیال تک نہ تھا کہ بھیڑیا انسان کو پھاڑتا ہے تو اس کے لباس کو بھی وہ پھاڑ ڈالتا ہے۔ ورنہ حضرت یوسف کی قمیص کو بھی وہ پھاڑ ڈالتے۔ پس حضرت یعقوب نے ان سے قمیص طلب کی دیکھا کہ وہ تو بالکل صحیح وسالم ہے۔ فرمایا بیٹے! میں نے آج تک ایسا باحوصلہ درندہ نہیں دیکھا کہ اس نے میرے بیٹے کو تو کھا لیا لیکن اس کی قمیص کو ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یوسف کی قمیص کو آنکھوں پر لگا کر کہا۔ اے یوسف تجھے کسی رحم دل بھیڑیے نے کھایا ہے جس نے تیرا گوشت کھا لیا اور تیری قمیص کو گزند نہ پہنچایا۔ جب حضرت یوسف کے بھائیوں نے دیکھا کہ ہمارا یہ بہانا صحیح ثابت نہیں ہوا تو کہنے لگے نہیں بلکہ اس کو ڈاکوؤں نے قتل کر ڈالا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا ہوتا تو یوسف کی قمیص لے جاتے کیونکہ چور و ڈاکو مال کی خاطر ہی چوری یا ڈاکہ کیا کرتے ہیں۔ لہٰذا یوسف کے قتل سے ان کے لئے

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ

اور اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے فرمایا (یہ بات نہیں) بلکہ زینت دی تمہارے لئے تمہارے نفسوں نے

اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ⑱ وَ

ایک بات پس صبر جمیل خوب ہے اور اللہ سے طلب مدد کرتا ہوں اس بات پر جو تم بیان کرتے ہو اور

جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى

ایک قافلہ آیا انہوں نے پانی لانے کے لئے ایک آدمی بھیجا اس نے ڈول لٹکایا تو حیرت سے کہنے لگے اے بشری یہ تو

هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ⑲

لڑکا ہے اور انہوں نے اس کو چپکے سے اپنی پونجی بنا لیا اور خدا جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں

یوسف کی قمیص زیادہ بہتر و مناسب تھی۔ پس تمہارے نفسوں نے تمہیں دھوکہ میں ڈال کر ایک بات پر تمہیں آمادہ کر لیا ہے لہذا میرے لئے صبر کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔

سَوَّلَتْ :۔ تسویل سے ہے اس کے دو معنے کئے گئے ہیں (۱) نفس کا ایسی شئی کو مزین کر کے پیش کرنا جو درحقیقت اچھی نہ ہو۔ (۲) نفس کا ایک مطلب کو تصوّر کر کے اس کی تکمیل کا طمع کرنا۔

سَيَّارَةٌ :۔ کہتے ہیں یہ قافلہ مدین سے مصر کو جا رہا تھا کہ راستہ بھول کر اس طرف آ گئے۔ اور یہ کنواں آبادیوں سے کافی دور تھا اور اس کا پانی نمکین تھا۔ چرواہے لوگ اس کو استعمال کیا کرتے تھے۔ اور بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لب سڑک تھا۔ بہرکیف قافلہ والوں نے پانی لانے کے لئے ایک آدمی بھیجا جس کا نام مالک بن زعر لکھا ہے۔

فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ :۔ اِدلا کا معنی ڈول لٹکانا ہے پس جب پانی کے لئے اس نے ڈول لٹکایا تو حضرت یوسف نے وہ رسّی پکڑ لی جب اس نے ڈول کھینچا تو ایک نہایت خوبصورت لڑکا اس میں بیٹھا ہوا پایا۔

يٰبُشْرٰى :۔ ایسے مقامات میں جب کہ منادی غیر ذوی العقول میں سے ہو۔ ندا مخاطبین کی تنبیہ اور قصہ کی عظمت کے لئے لائی جاتی ہے۔ پس یہاں بُشریٰ کو ندا حاضرین کو ملتفت کرنے اور واقعہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ کنوئیں سے ایک خوبصورت لڑکے کا نکل آنا ایک خوشخبری بلکہ انتہائی نیک بختی کی علامت ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ ڈول میں بیٹھے اور وہ بھارا معلوم ہوا۔ پس کھینچنے والے نے دیکھا تو لڑکے کو بیٹھا ہوا پایا۔ پس اپنے ایک ساتھی بشریٰ نامی کو پکار کر کہا یہ تو لڑکا بیٹھا ہے۔ لیکن پہلا قول قرین صحت ہے۔

اَسَرُّوْهُ :۔ یہ اسرار سے ہے جس کا معنی ہے پوشیدہ رکھنا۔ اس مقام پر اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿٢٠﴾

اور بیچ دیا اس کو کھوٹے پیسوں میں جو چند درہم تھے اور اس معاملہ میں وہ پرہیز کرنے والے تھے

حضرت یوسف جن کے ہاتھ لگے تھے انہوں نے اس کو اپنے باقی رفقاء سے پوشیدہ کر لیا۔ پونجی کی حیثیت سے تاکہ وہ اس میں حصہ دار نہ بن سکیں۔ اور یہ ظاہر کیا کہ یہ لڑکا کنوئیں کے مالکوں کی ملکیت ہے اور انہوں نے ہمیں فروخت کرنے کے لئے دیا ہے۔ پس اس کے فروخت کرنے میں ہم ان کی طرف سے وکیل ہیں۔ اور دوسری یہ کہ اَسَرُّوْہُ کی فاعل کی ضمیر کا مرجع حضرت یوسف کے بھائی ہوں کہ انہوں نے دل میں حضرت یوسف کو اپنی پونجی قرار دے دیا۔ پس اس کا بھائی ہونا ظاہر نہ کیا بلکہ کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو ہم سے بھاگ کر یہاں آچھپا ہے اور عبرانی زبان میں یوسف سے کہا خبردار اگر تو نے ہمارا بھائی ہونا ظاہر کیا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے اور یہی دوسری توجیہ درست معلوم ہوتی ہے۔

بِثَمَنٍ بَخْسٍ۔ بخس کا معنی کھوٹا کم قیمت یا حرام کیونکہ آزاد کو بیچنا حرام ہے لہذا اس سے حاصل شدہ قیمت بھی حرام ہے۔

دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ۔ مروی ہے کہ بیس درہم تھے جو انہوں نے آپس میں دو دو کر کے بانٹ لئے۔ بعض روایات میں ۲۲۔ ۴۰ اور ۱۸ بھی منقول ہیں۔

وَشَرَوْهُ۔ بعض کہتے ہیں اس کا فاعل وہی لوگ ہیں جنہوں نے کنوئیں سے نکالا تھا۔ پس انہوں نے ہی بیچ دیا لیکن صحیح یہ ہے کہ جب کنوئیں سے حضرت یوسف کو مالک بن زُعر نے نکالا تو یہودا دیکھ رہا تھا۔ پس اس نے بھائیوں کو اطلاع کر دی پس وہ آئے اور انہوں نے یوسف کو مالک بن زُعر پر فروخت کر دیا۔ اور ابو حمزہ ثمالی کی تفسیر سے منقول ہے کہ مالک اور اس کے ساتھیوں نے اس سفر میں بہت خیر و برکت دیکھی۔ اور جب حضرت یوسف ان سے جدا ہوئے تو وہ برکات بھی ساتھ ساتھ رخصت ہو گئیں جو ان کے وجود سے معرض وجود میں آئی تھیں۔ پس مالک کے دل میں کشش پیدا ہوئی۔ اور حضرت یوسف کے پاس پہنچ کر نسب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میں یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم کا فرزند یوسف ہوں۔ پس مالک نے ان کو گلے سے لگا لیا۔ اور بہت رویا چونکہ بے اولاد تھا۔ اس نے حضرت یوسف سے دعا کی خواہش کی۔ اور حضرت یوسف نے اس کے لئے اولاد نرینہ کی دعا کی۔ پس خدا نے قبول فرمائی۔ اور وہ صاحب اولاد ہوا۔

تفسیر صافی میں بروایت علل و عیاشی حضرت سجاد علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی یوسف کو کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے۔ اور دوسرے دن واپس آئے تاکہ معلوم کریں کہ یوسف مر چکا ہے یا زندہ ہے۔ پس یہاں پہنچے تو قافلہ کو فروکش دیکھا جب یوسف کنوئیں سے نکلے تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو کنوئیں میں کل گر گیا تھا اب ہم اس کو نکالنے کے لئے آئے ہیں۔ پس اُن سے لے لیا اور بعد میں بیچ دیا۔

مِنَ الزَّاهِدِينَ:۔ اس کے معنی میں تین وجوہ ہیں۔ پہلی یہ کہ جن لوگوں نے خریدا تھا وہ دل سے نہ چاہتے تھے کیونکہ وہ حضرت یوسف میں آزادوں، شریفوں اور بلند خصلت لوگوں کی سی عادات و اطوار ملاحظہ کر چکے تھے۔ لہذا ڈرتے تھے کہ کہیں آزاد کو

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ

اور اہل مصر میں سے جس نے اس کو خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کی ضیافت اچھی کرو کہ شاید یہ

اپنا غلام بنا کر سرزنش کے حقدار نہ بن جائیں۔ دوسری یہ کہ خریدنے والے حضرت یوسف کے معاملہ میں پرہیزگار تھے کہ نیت بد سے خرید نہ کیا تھا بلکہ نفع خوری کی خواہش ان کے دل میں تھی۔ تیسری یہ کہ بیچنے والے یعنی حضرت یوسف کے بھائی دل سے اس کو بیچنا نہیں چاہتے تھے۔ اور نہ ان کو اس قیمت میں کوئی طمع تھا صرف وہ اس کی باپ سے جدائی کے ہی خواہش مند تھے۔

قصہ۔ پس مالک بن ذعر حضرت یوسف کو خرید کر روانہ ہوا۔ اور طے مسافت کے بعد مصر میں وارد ہوا۔ بروایت

رکوع ۱۳

علل حضرت سجاد علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت یعقوب کے گھر سے مصر بارہ دن کا راستہ تھا۔ اور بروایت کافی امام صادق علیہ السلام سے اٹھارہ دن کی مسافت منقول ہے۔ اور مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے خوشخبری سننے کے بعد یہ مسافت نو دن میں طے کی تھی۔

اس زمانہ میں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید تھا جو قوم عمالقہ سے تھا۔ یہ شخص حضرت یوسف پر ایمان لا کر فوت ہوا۔ اس کے بعد عنانِ حکومت قابوس بن مصعب نے سنبھالی جو کافر تھا اور حضرت یوسف کی دعوتِ اسلام کو اس نے قبول نہ کیا۔ اس زمانہ میں مصر کے شہنشاہ کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا اور وزیر اعظم خزانچی اور سالارِ فوج کا عہدہ ایک شخص کے سپرد ہوا کرتا تھا جس کو عزیز کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور یہ لقب دوسروں کے لئے ممنوع تھا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی دوسرا آدمی اپنا نام عزیز رکھتا تو اس کی بطور سزا کے زبان کاٹ دی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں عزیز مصر قطفیر یا اطفیر نامی ایک شخص تھا جو نامرد تھا اور اس کی عورت کا نام راعیل تھا جو زلیخا کے لقب سے مشہور تھی۔

مصر میں پہنچتے ہی حضرت یوسف کے حسن کا چرچا ہو گیا۔ بازار میں خریداری کے لئے لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ لوگ حسنِ یوسف کے دیدار کے لئے جوق در جوق جمع ہوئے تھے۔ اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قیمت میں اضافہ کرتے جاتے تھے۔ اور ہر خریدار اپنی موجودہ پونجی کو یوسف کی قیمت میں ادا کرنے کے لئے بے قرار تھا۔ پس قیمت بڑھتے بڑھتے عام خریداروں کی استطاعت سے اوپر چلی گئی۔ اور طے پایا کہ حضرت یوسف کی قیمت اس کے وزن کے برابر سونا اور مسک ہو گا۔ عزیز مصر کے ہاتھ میں چونکہ شاہی خزانہ کی کنجیاں تھیں۔ پس اس نے مالک بن ذعر سے اسی متعینہ قیمت پر خرید لیا۔ اور اپنی عورت سے سفارش کی کہ اس کے طعام و قیام کا خاص خیال رکھے۔ چونکہ حضرت یوسف کے چہرہ کا جمال اور اس کی عقل و فراست کا جلال عزیز مصر کو مسحور کر چکا تھا۔ اس لئے وہ حضرت یوسف کی خریداری کو گھاٹے کا سودا نہ سمجھتا تھا بلکہ فروخت کی صورت میں ظاہری نفع کا امیدوار تھا۔ اور بصورتِ دیگر اس کو اپنا متبنّٰی بنا کر اپنا وارث بنانے کے لئے بھی تیار تھا اس لئے اپنی عورت کو واشگاف الفاظ میں ہدایت کی کہ اس کی خدمت میں کوئی فروگذاشت نہ ہو کیونکہ یا تو ہم اس سے فائدہ اٹھائینگے

اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوۡسُفَ فِى الۡاَرۡضِ

ہمیں نفع دے یا اس کو ہم اپنا بیٹا بنا لیں اور اسی طرح ہم نے اقتدار دیا یوسف کو زمین میں

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمۡرِهٖ وَلٰـكِنَّ

اور تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر کا علم دیں اور خدا غالب ہے اُس (یوسف) کے معاملہ میں لیکن

اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيۡنٰهُ حُكۡمًا وَّعِلۡمًا

اکثر لوگ نہیں جانتے اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے اس کو نبوت و علم عطا کیا

اور یا اس کو اپنا بیٹا بنالیں گے۔ لیکن عورت نے عزیزِ مصر کی ساری اُمنگوں پر پانی پھیر دیا۔ جب حضرت یوسف جوان ہوئے تو وہ اس پر عاشق ہوگئی جس کا نتیجہ حضرت یوسف کی قید کے رنگ میں ظاہر ہوا۔ اور مروی ہے کہ حضرت یوسف کے حسن کا یہ عالم تھا کہ مرد یا عورت جو بھی ایک دفعہ دیکھ لیتا اس کے دل میں ان کی محبت گھر کر لیتی تھی۔

كَذٰلِكَ:۔ یعنی جس طرح ہم نے یوسف پر کنوئیں کی قید سے آزادی کی نعمت بھیجی۔ اسی طرح ہم نے یوسف کو کرسی اقتدار بھی عطا کی۔

لِنُعَلِّمَهٗ:۔ عبارت کی تقدیر یہ ہے دَبَّرۡنَا ذٰلِكَ لِنُمَكِّنَهٗ وَلِنُعَلِّمَهٗ۔ یعنی ہم نے یہ تدبیر کی تاکہ ہم اس کو اقتدار بخشیں اور خوابوں کی تعبیر کا اس کو علم عطا کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت یوسف قبل ازیں علم سے کورے تھے۔ کیونکہ نبی کو کسی زمانہ میں بھی جاہل نہیں کہا جا سکتا بلکہ خداوند کریم استعداد پہلے عطا فرما دیتا ہے۔ اور حسب موقعہ اظہار کی توفیق تدریجاً عطا کرتا رہتا ہے۔ اور اسی بنا پر اپنے حبیب کو فرمایا۔ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا۔ اے پروردگار میرے علم میں زیادتی عطا کر۔

غَالِبٌ عَلٰۤى اَمۡرِهٖ:۔ ضمیر غائب کا مرجع یوسف ہے۔ یعنی خدا حضرت یوسف کے معاملہ میں غالب ہے کہ بھائیوں نے اس کے گرانے اور ذلیل کرنے کی ہر ممکن تجویز کی لیکن خدا نے ان کی تمام تجاویز کو فیل کر دیا۔ اور اس کی ہر طرح سے حفاظت و صیانت کر کے اُس کے لئے اقتدار کی راہیں ہموار کر دیں۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ خدا اپنے معاملات پر غالب ہے۔ اس کی تدبیر و تجویز کو کوئی بھی رد نہیں کر سکتا۔

اَشُدَّهٗ:۔ جمع کا وزن ہے اور اس کا واحد کوئی نہیں۔ اور بعض نے شَدٌّ کو اس کا واحد لکھا ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب حضرت یوسف اپنی طاقتوں اور توانائیوں کی حد پر پہنچے۔ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے مراد ۱۸ برس کی عمر سے لے کر تیس برس کی عمر تک کا زمانہ ہے۔ اور بعض نے چالیس برس تک اور بعض نے ساٹھ برس تک کہا ہے۔

حُكۡمًا وَّعِلۡمًا:۔ حکم سے مراد نبوت اور علم سے مراد شریعت ہے (یعنی ہم نے اس کو اعلانِ نبوت و اظہارِ شریعت پر مامور کیا)۔ بعضوں نے حکم سے مراد دعوتِ اسلام اور علم سے مراد اُمورِ شریعت کی وضاحت لی ہے۔ اسی بنا پر اہلِ علم کی مخصوص

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ

اور اسی طرح ہم محسن لوگوں کو بدلہ دیتے ہیں اور خواہش کا مطالبہ کیا اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا

نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْٓ

اسکے نفس کے متعلق اور دروازے بند کردیئے اور کہنے لگی آجاؤ اس کام کے لئے جو تیرے لئے ہے فرمایا اللہ کی پناہ تحقیق وہ میرا مالک ہے

اصطلاح میں حقیقتِ دینیہ کا اطلاق اُصولِ دین کے مطالب پر ہوتا ہے اور حقیقتِ شرعیہ کا اطلاق علمِ فقہ کے مقاصد پر ہوتا ہے۔

آیت مجیدہ میں بھی حکم سے مُراد دین کی دعوت ہے جس کا تعلق اصُول سے ہے اور علم سے مُراد اُمورِ شرعیہ فرعیہ کی وضاحت ہے جس کا تعلق فقہ سے ہے۔ اور کہتے ہیں کہ عزیزِ مصر کے پاس جس قدر مقدمات سماعت کے لئے پیش ہوتے تھے اُن کے فیصلے حضرت یُوسف ہی کیا کرتے تھے۔

رَاوَدَتْهُ :۔ اس کا مجرد رَادَ يَرُوْدُ ہے جس کا معنی ہے طلب کرنا اس مقام پر باب مفاعلہ شدّت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی اس عورت نے حضرت یُوسف سے خواہش نفسی کا پُر زور مطالبہ کیا۔

هَيْتَ :۔ اسمائے افعال میں سے امر کے معنی میں ہے یعنی آ۔ اور فصیح یہ ہے کہ ھاء کا فتحہ یاء ساکن اور بعد میں تاء مفتوحہ سے پڑھا جائے اور اس کو هِيْتَ هَيْتَ اور هَيْتِ کے تلفظ سے بھی پڑھا گیا ہے اور بعضوں نے هِئْتُ لَكَ اجوف یائی اور مہموز اللام کے باب سے پڑھا ہے بمعنی تَهَيَّاْتُ لَكَ یعنی میں تیرے لئے تیار ہوں۔

اِنَّهٗ رَبِّىْ ۔ضمیرِ غائب کا مرجع قطفیر یعنی عزیزِ مصر ہے۔ مقصد یہ کہ وہ میرا ظاہری لحاظ سے مالک ہے کیونکہ اُس نے مجھے خریدا ہے۔ نیز اُس نے میری تربیت اور حسنِ سلوک میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لہذا میں اس کے حق میں خیانت ہرگز نہیں کرونگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیرِ غائب کا مرجع اللہ سبحانہ کو قرار دیا جائے۔ مقصد یہ کہ وہ میرا پروردگار ہے جس نے میرے اُوپر احسانات کی بارش کی۔ بھائیوں کے تشدد سے نجات دی۔ اور عہدۂ نبوت پر بھی فائز کیا۔ اور پھر طعام و قیام کے لئے اچھے اسباب مہیا فرمائے۔ لہذا اس کی نافرمانی کرکے میں اس ظلم کا ارتکاب ہرگز نہ کروں گا۔ اور یہ آیت صاف طور پر حضرت یوسف کی عصمت کا اعلان کر رہی ہے۔ اور یہ کہ حضرت یُوسف کے نزدیک یہ فعل ناقابل بخشش ظلم تھا۔ جبھی تو فرمایا کہ ظلم کرنے والوں کو چھٹکارا نہیں ملے گا۔ اور اَفْلَحَ يُفْلِحُ اگرچہ باب افعال ہے لیکن اس کے معنی میں تعدیہ نہیں۔

عصمت یُوسفؑ

شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین معصوم ہوا کرتے ہیں۔ اور ابتدائے عمر سے لے کر آخر عمر تک ان سے گناہِ کبیرہ و صغیرہ سرزد نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ عہدہ ہمارے نزدیک کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ اور ناممکن ہے کہ خدا کسی غلط کار و گنہگار کو باقی اُمّت کی اصلاح کے لئے عہدہ نبوّت عطا کرکے بھیجے۔ ہم نبوّت کے عہدہ وہبی ہونے

أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ

جس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا ہے تحقیق ظالم لوگ چھٹکارا نہیں پائیں گے اور تحقیق اس عورت نے بدارادہ کیا اور وہ بھی

بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ

بدارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کی جانب سے انہوں نے برہان نہ دیکھی ہوتی اور اسی طرح تاکہ دور کریں ہم اس سے خیانت اور بدکاری کو

ہونے پر اور عصمتِ انبیاء پر مدلل و مبرہن طریقے سے اچھوتے انداز میں اپنی تازہ تصنیف " لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار" میں واضح بیان سپرد قرطاس کر چکے ہیں جو صرف شیعی عقائد کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ قارئین کرام عقائد کی صحت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔ نیز اسی تفسیر کے مختلف مقامات پر خصوصاً مقدمہ تفسیر میں ایک خاص عنوان کے ماتحت عصمتِ انبیاء پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور حضرت یوسف چونکہ عہدۂ نبوت پر فائز تھے لہذا عقلی و نقلی دلیلوں سے ان کا معصوم ہونا ثابت ہے۔ اور آیت مجیدہ کے آخر میں اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ کا جملہ اس مطلب پر نصِ صریح ہے پس اگر کسی مقام پر کوئی لفظ ظاہری طور پر اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہو تو عقلاً اس کی تاویل واجب ہے اور ہم چونکہ گناہان کبائر و صغائر سے ان کی پاکدامنی کے قائل ہیں۔ لہذا آیت مجیدہ کے الفاظ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا کی توجیہ دو طریقوں سے کرتے ہیں۔

۱۔ وہی جو تحت اللفظی ترجمہ سے ظاہر ہے کہ زلیخا نے یوسف کے ساتھ بدارادہ کیا۔ اور اگر اللہ کی جانب سے یوسف نبی نہ ہوتے۔ اس کا فضل خاص اور احسان اُن پر نہ ہوتا اور پروردگار کی جانب سے برہان نہ مل چکی ہوتی تو ان کے قدم بھی ڈگمگا جاتے۔ اور وہی ارادہ کر بیٹھتے جو زلیخا چاہتی تھی۔ لیکن چونکہ ان پر اللہ کا احسان عمیم و فضل جسیم تھا۔ کیونکہ عہدۂ نبوت پر فائز المرام تھے پس فعل بد کا ارادہ اُن سے نہ ہوا۔

(۲) پہلے فقرہ کا معنی اپنے ظاہر پر ہے کہ اس عورت نے یوسف کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کیا اور اس کے قرائن بہت سے ہیں۔

۱۔ وہ غیر معصومہ تھی لہذا اس سے بُرائی کا ارادہ غیر متوقع نہیں تھا۔

۲۔ آیت ۲۳ کی دلالت واضح ہے کہ اس نے یوسف سے خواہشِ نفسی کی تکمیل کے لئے پُر زور مطالبہ کیا اور دروازے بند کر ڈالے۔

۳۔ آیت آئندہ ۳۰ میں شہر کی عورتوں کی تصریح موجود ہے کہ انہوں نے زلیخا کے بدارادہ پر اسکی ملامت کی۔

۴۔ آیت ۵۱ میں زلیخا کا اعتراف اَلْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ الخ کہ حق ظاہر ہو گیا ہے۔ اور میں نے ہی اس کو خواہشِ نفسی کی دعوت دی تھی۔

۵۔ تمام مفسّرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اُس نے بُرا ارادہ کیا تھا۔

۶۔ بچے کی شہادت سے بھی ظاہر ہے کہ وہ خطا کار تھی۔

یہ چھ قرینے اس امر پر ہیں کہ عورت نے خواہش بد کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اب رہا دوسرا فقرہ ھَمَّ بِھَا دیوسف نے ارادہ کیا) تو دلائل عصمتِ نبوت بالعموم اور مقامی قرائن بالخصوص اس امر پر شاہد ہیں کہ یہاں ظاہری معنی مراد نہیں ہے بلکہ مضاف محذوف ہے یعنی ھَمَّ بِضَرْبِھَا کہ عورت نے برائی کا ارادہ کیا اور یوسف نے اس کو مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ کیا۔ لَوْ لَا اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّہٖ یعنی اگر وہ پروردگار کی جانب سے برہان نہ دیکھتے تو اس کو مارنے پیٹنے لگ جاتے جس کا نتیجہ دو میں سے ایک ضرور ہوتا یا تو جذبۂ انتقام میں اُٹھ کر زلیخا کے رشتہ دار اس کی ہتک عزت کرتے یا مار ڈالتے اور یا یہ کہ زلیخا کو اپنی پاک دامنی کی سند مل جاتی چنانچہ وہ یہ دعوےٰ دائر کر دیتی کہ مجھے یوسف نے غلط کاری کی دعوت دی ہے اور میں نے چونکہ انکار کیا ہے لہذا اس نے مجھے زد و کوب کیا ہے۔ پس ایسی صورت میں یوسف کو اپنی پاکدامنی کا ثابت کرنا مشکل ہو جاتا۔ پس تائید ایزدی کی بدولت ان ہر دو نتائج سے محفوظ رہے۔ یعنی قتل یا ہتک عزت سے بھی بچ گئے اور اتہام و بہتان سے بھی گلو خلاصی ہو گئی اور اسی بنا پر لِنَصْرِفَ عَنْہُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ میں سوء سے مراد قتل اور فحشا سے مراد تہمت ہو سکتی ہے۔ اور وہ قرائن ظاہر یہ جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت یوسف نے بُرائی کا ارادہ نہیں کیا تھا وہ یہ ہیں۔

(۱) گذشتہ آیت ۲۳ میں ان کا معاذ اللہ کہنا اور یہ کہ مالک کے حق میں خیانت ظلم ہے۔ اور ظالم کی فلاح نہیں ہے ان کے ارادۂ صالحہ کی دلیل ہے۔

۲۔ آیت ۳۲ میں زلیخا کا اپنا اعتراف ہے کہ رَاوَدْتُّہٗ عَنْ نَّفْسِہٖ فَاسْتَعْصَمَ۔ یعنی میں نے اس کو اپنی طرف دعوت دی اور وہ محفوظ رہا۔

۳۔ بچے کا گواہی دے کر حضرت یوسف کو اپنے دعویٰ میں صادق کہنا۔

۴۔ عزیز مصر کا خود اپنی عورت کو ڈانٹ کر کہنا اِنَّہٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ تحقیق یہ تمہارا مکر ہے۔ آیت نمبر ۲۸ اور پھر آیت نمبر ۲۹ میں یوسف سے معذرت کرنا کہ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا۔ یعنی اس بات کا تذکرہ چھوڑ دیجئے۔ اور عورت کو کہنا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِکِ اور اپنی غلطی کی معافی مانگ اِنَّکِ کُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِیْنَ۔ تحقیق تو ہی غلط کار ہے۔

۵۔ آیت نمبر ۵۱ میں عورتوں کا کہنا مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم نے اس پر بُرائی کا داغ نہیں دیکھا اور زلیخا کا کہنا کہ اب حق ظاہر ہو گیا ہے۔ میں نے ہی اس کو اپنی طرف بلایا تھا۔ اور وہ یقیناً سچا تھا۔

۶۔ خداوند کریم کا تصدیق کرنا اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ۔ کہ تحقیق وہ ہمارے برگزیدہ بندوں سے تھا۔

یہ سب قرائن وجوب عصمتِ انبیاء کے علاوہ ہیں جو اس معاملہ میں حضرت یوسف کی پاکدامنی کی شہادت دے رہے ہیں۔ بنا بریں جن لوگوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ حضرت یوسف نے بھی ارادہ بد کیا تھا انہوں نے نبوت کے وقار پر ضرب کاری

لگائی ہے۔ اور نبی پر اتہام تراشی کرکے عہدۂ نبوت کو بچوں کا ایک کھیل سمجھا ہے۔ اور یہ سب قرآن کو نہ سمجھنے بلکہ نہ سمجھ سکنے کے نتائج ہیں سے ہے۔ پس ہمارے بیان سے صاف واضح ہوا کہ حضرت یوسف اس اور اس قسم کی جملہ آلائشوں سے پاک و منزّہ تھے۔ ہاں اگر اس مبرہن اور مدلل فیصلے کے بعد اگر کوئی روایت اس کے خلاف پائی جائے تو اس کی تاویل کر لی جائے گی ورنہ اُسے منافی عقل ونقل قرار دے کر ردّ کیا جائے گا کیونکہ عقائد حقہ اور اُصولِ ضروریہ کے مقابلہ میں روایات احاد کا کوئی مقام نہیں ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت مجالس امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جب کہ آپ نے ایک شخص کو تسلّی وتسکین کے لئے فرمایا کہ لوگوں کی رضا حاصل نہیں کی جاسکتی اور لوگوں کی زبان پر پہرہ بھی نہیں بٹھایا جاسکتا۔ پس ایسے لوگوں کی نیش زنی سے تم کیسے بچو گے جن کی زبان درازیوں اور بہتان تراشیوں سے اللہ کے نبی و رسول نہیں بچ سکے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ لوگوں نے حضرت یوسفؑ کے دامن کو بھی تہمت زنا کے کیچڑ سے ملوث کیا؟

بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السلام سے مامون نے عصمت انبیاء کے بارے میں سوال کیا اور اس آیت مجیدہ کی تفسیر پوچھی لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ آپ نے فرمایا کہ وہ معصوم تھے اور معصوم نہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور نہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور مجھے اپنے باپ نے خبر دی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام اس کی تفسیر اس طرح کرتے تھے۔ زلیخا نے فعل بد کا ارادہ کیا اور یوسف نے اس کے نہ کرنے کا عزم کیا۔ هَمَّ بِهَا کا معنی ہے هَمَّ بِاَنْ لَّا يَفْعَلَهَا اور دوسری روایت میں ہے عورت نے معصیت کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف نے اس کے قتل کا ارادہ کیا اگرچہ وہ بار نہ آئی۔ پس خدا نے حضرت یوسفؑ سے اس کے قتل اور زنا کو پھیر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف کو برائی کی طرف دعوت دی تو گھر میں رکھے ہوئے بتوں پر اس نے چادر ڈال دی۔ حضرت یوسف نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ مجھے اس بت سے حیا آتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ تجھے ایسے بت سے حیا مانع ہے جو نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے اور نہ کسی کے نفع ونقصان کا مالک ہے تو مجھے بھی اس مالک سے حیا آتی ہے جو دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور ہر نفع ونقصان کا مالک ہے۔

علاّمہ محسن فیض کاشانی اعلی اللہ مقامہ نے تفسیر صافی میں عصمت حضرت یوسف پر جو ایک مختصر نوٹ لکھا ہے نہایت جامع اور متین ہے۔ اُسے افادہ کے لئے نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں۔ عامّہ کو خدا رسوا کرے انہوں نے حضرت یوسفؑ کی طرف اس مقام پر ایسی باتیں منسوب کی ہیں اور ایسی روایات بنا کر پیش کی ہیں جن کو نقل کرنا مومن کی شان سے بعید ہے چہ جائیکہ ان کو عقیدہ کی اساس قرار دیا جائے۔ اور اس بارے میں جو بہترین اور فیصلہ کن قول ہے وہ یہ ہے کہ یوسف کے واقعہ کا جن جن افراد سے تعلّق ہے وہ یہ ہیں (۱) خود یوسف (۲) زلیخا (۳) زلیخا کا شوہر عزیز مصر (۴) شہر کی عورتیں جن کو زلیخا نے دعوت دیکر بلایا (۵) گواہ (۶) خود ذات پروردگار (۷) ابلیس۔

اوران سات افراد میں سے ہر ایک یوسفؑ کی عصمت برأت اور پاکدامنی کا قائل ہے۔
(۱) حضرت یوسفؑ کا صاف اعلان ہے ھِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ (اُس عورت نے ہی میری طرف بُرا اقدام کیا ہے) رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ۔ اے پروردگار مجھے قید محبوب ہے اس سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں (نیز اس سے قبل یوسف کا قول گذر چکا ہے۔ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ یعنی پناہ بخدا تحقیق وہ میرا رب ہے جس نے مجھے اچھا ٹھکانا عطا فرمایا تحقیق ظالم لوگوں کے لئے فلاح و رستگاری نہیں ہے) یہ اعلانات حضرت یوسف کی برأت کا اپنی طرف سے بانگ دہل اعلان کی حیثیت رکھتے ہیں (۲) آیت نمبر ۳۲ اور ۵۱ میں زلیخا کا اعتراف ہے کہ میں نے ہی یوسف کو فعل بد کی دعوت دی لیکن وہ محفوظ رہے (۳) آیت نمبر ۲۸ میں عزیز مصر کا صاف اعتراف ہے کہ عورتوں سے مخاطب ہو کر اس نے کہا اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ تحقیق یہ تمہارا مکر و فریب ہے اور تمہارا مکر بہت بڑا ہے۔ اور عورت سے کہا کہ اپنے گناہ کی معافی مانگ تحقیق تو ہی خطا کار ہے (۴) شہر کی مدعوہ عورتوں نے بھی صاف لفظوں میں کہا مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ (ہم نے یوسف کے دامن پر برائی کا داغ نہیں دیکھا) اور زلیخا کے متعلق ان کے الفاظ یہ ہیں اِنَّا لَنَرٰهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (ہم اس کو صاف اور واضح گمراہی میں دیکھتے ہیں (۵) گواہ نے صاف طور پر کہا کہ اگر حضرت یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہے تو عورت سچی اور یوسف جھوٹا ہے لیکن اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت جھوٹی اور حضرت یوسف سچے ہیں اور نام لے کر حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی سے اس انداز میں گواہی دینا زیادہ موثر ہے کیونکہ اس میں دعویٰ دلیل کے ساتھ موجود ہے جو نفوس کے لئے زیادہ قابل قبول ہے (۶) اللہ کا صاف اعلان ہے لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ (تاکہ ہم اس سے خیانت اور بدکاری کو دور رکھیں تحقیق وہ ہمارے مخلص بندوں سے تھا (۷) ابلیس کا ایک مقام پر صاف اعلان ہے لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (یعنی میں اولاد آدم کو ضرور گمراہ کروں گا لیکن تیرے مخلص بندے (میرے دام سے بچ جائیں گے) گویا اس نے اعتراف کیا کہ اللہ کے مخلص بندوں کو میں گمراہ نہیں کر سکتا اور خدا نے اعلان فرمایا ہے اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ۔ تحقیق یوسف ہمارا مخلص بندہ ہے تو صغریٰ و کبریٰ کو ملا کر نتیجہ یہی نکلا کہ ابلیس یوسف کی پاکدامنی اور پاکبازی کا معترف ہے۔ جیسا کہ دلالت التزامی سے صاف واضح ہے۔ یہاں پہنچ کر یوسف کے دامن عصمت پر برائی کا کیچڑ اچھالنے والوں سے ہم دو ٹوک بات کرتے ہیں کہ اولاً تو واقعہ سے متعلق افراد سب کے سب جب یوسف کی عصمت کے موید و معترف و معلن ہیں تو عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسی پر اکتفا کر کے مزید ثبوت طلب کرنے سے گریزاں ہو کر عصمت یوسف پر ایمان کو استوار کر لو۔ اور ثانیاً یہ کہ اگر اللہ کو خوش کرنا ہے تو اللہ کی بات مان لو کہ وہ مخلص تھے۔ اور اگر شیطان کی اتباع کرنی ہے تو شیطان کی بات مان لو کہ وہ پاکدامن تھے۔ انتہیٰ۔

تعجب کی بات ہے کہ جس کو اللہ بھی مخلص کہے اور ابلیس بھی پاکدامن سمجھے لیکن باایں ہمہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے ایک

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ

تحقیق وہ ہمارے برگزیدہ بندوں سے تھا اور دروازے کی طرف بڑھے اور پھاڑ دی (زلیخا) نے اسکی قمیص پیچھے

دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ

سے اور دونوں نے اُس (زلیخا) کے شوہر کو دروازہ پر موجود پایا کہنے لگی جو شخص تیری اہل کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کرے اُس کی سزا

سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ

سوائے اس کے نہیں کہ قید کر دیا جائے یا اس کو جسمانی دردناک سزا دی جائے (یوسف) نے کہا خود اسی عورت نے مجھے اپنی

نَفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا ۚ إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ

خواہش کے لئے بلانے کی کوشش کی ہے اور اُسی عورت کے خاندان کے بچے نے گواہی دی کہ اگر اس (یوسف) کی قمیص آگے سے پھٹی ہو

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۲۶﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ

تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہو تو یہ

تیسری راہ نکالنے پر مصر ہوں اور عصمت انبیاء کے دامن کو بُرائی کے چھینٹوں سے ملوث دیکھنے پر رضامند ہوں۔ اعاذنا اللہ

وَاسْتَبَقَا۔ یعنی دونوں یوسف اور زلیخا دروازہ کی طرف بھاگے۔ یوسف گلوخلاصی کے لئے اور زلیخا اس کو پھنسانے اور دروازہ بند کرنے کے لئے۔

قَدَّتْ۔ قد اور قط میں یہ فرق ہے کہ طول میں پھاڑنے اور چیرنے کو قد کہا جاتا ہے اور عرض سے پھاڑنے کو قط سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ شجاعت حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق مجمع البیان میں مروی ہے کَانَتْ ضَرَبَاتُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَبْكَارًا كَانَ إِذَا اعْتَلَى قَدَّ وَإِذَا اعْتَرَضَ قَطَّ۔ یعنی علی کی ضربیں نئی نرولی ہوا کرتی تھیں جب اُوپر سے وار کرتے تھے تو سر سے قدموں تک چیر دیتے تھے اور جب ایک جانب سے وار کرتے تھے تو اپنے حریف کو دو حصوں میں کاٹ دیتے تھے۔ اس مقام پر معنی یہ ہے کہ زلیخا نے یوسف کی قمیص کو پیچھے سے پکڑ کر چیر دیا تھا۔ کہتے ہیں سامنے سے دروازے کھلے تھے اور بعض کہتے ہیں بند تھے اور ہر دروازہ پر پہنچ کر انہیں کھولنا پڑتا تھا اسی لئے وہ پیچھے سے آکر پکڑنے اور قمیص پھاڑنے میں کامیاب ہوئی۔

قَالَتْ مَا جَزَآءُ۔ جب دروازہ پر اپنے شوہر کو دیکھا تو اپنے زنانہ مکر و فریب کا جال بچھاتے ہوئے اپنی پاکدامنی پر آنسو بہاتے ہوئے کہنے لگی دیکھو یوسف نے میری ہتک حرمت کی ہے اور سبقت اس لئے کی تاکہ اس کی فریب کاری کا پردہ قائم رہے پس مظلومانہ حیثیت سے پیش آئی اور یوسف کو مدعا علیہ قرار دے دیا۔ اور ہوشیار ظالم اسی طرح اپنے تئیں مظلوم ظاہر کر کے مطلب نکالا کرتے ہیں۔ اسی مقام سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ زلیخا کی محبت یوسف سے شہوانی و وقتی محبت

فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ

جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔ جب دیکھا کہ اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو (عزیز مصر)

اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا

کہنے لگا یہ تمہارا فریب ہے اور تحقیق تمہارا فریب بڑا ہے۔ اے یوسف اس سے درگذر کر (پھر عورت کو

وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ

خطاب کرکے کہا) اپنی غلطی کی معافی مانگ تحقیق تو خطاکاروں میں سے ہے۔ اور شہر کی عورتوں نے

تھی سچی محبت نہ تھی ورنہ اپنے محبوب کے لئے قید یا سزا کی تجویز نہ پیش کرتی کیونکہ جو سچے محب ہوتے ہیں وہ اپنے محبوب کو ہر مصیبت سے بچانے کی کوشش میں اپنے نفس کو ڈھال بنا کر مصائب کا نشانہ بنا دیا کرتے ہیں۔ جب عورت نے رپورٹ کر لی تو حضرت یوسف نے اپنے دامن کی پاکیزگی کے لئے یہ بیان دیا کہ جس غلطی کی نسبت یہ عورت میری طرف دے رہی ہے غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ۔ اس نے خود مجھے چھیڑا ہے اور میں اپنی جان بچا کر بھاگ آیا ہوں۔

شَهِدَ شَاهِدٌ۔ یوسف و زلیخا کے متذکرہ مقدمہ میں ایک بچے نے یوسف کی عصمت کی گواہی دی، اور وہ بچہ کہتے ہیں زلیخا کا بھانجا تھا جس کی عمر تین ماہ تھی۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف نے عزیز مصر سے کہا کہ جھولے میں جو بچہ ہے وہ خود میری صداقت کی گواہی دے گا۔ چنانچہ جب عزیز مصر اس بچے کی جانب متوجہ ہوا تو وہ بچہ باذنِ پروردگار بول اٹھا اور گواہی کے الفاظ وہی ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں جو صرف شہادت نہیں بلکہ دلیل و برہان ہے کہ اگر یوسف قصوروار ہوتا تو زلیخا سامنے سے اس کا دفاع کرتی پس یوسف کی قمیص سامنے سے پھٹی ہوئی ہوتی لیکن قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یوسف جان چھڑانے کے لئے بھاگنا چاہتے تھے۔ اور زلیخا نے پیچھے سے اس کو کھینچنا چاہا جس کی وجہ سے اس کی قمیص پھٹ گئی لہذا غلطی زلیخا سے ہے نہ کہ یوسف سے۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ :۔ یا تو یہ عزیز مصر کا مقولہ ہے کہ یوسف کو صبر و ضبط کی تلقین کی کہ اس بات کو آگے نہ بڑھائیے۔ اور اس سے درگذر کیجئے اور یا اس بچہ کا قول ہے جس نے گواہی دی کہ اے یوسف آپ کی پاکدامنی ظاہر ہو چکی ہے بس اس قصہ کو یہیں رہنے دیجئے اور آگے نہ بڑھائیے۔ اور پھر عورت کی طرف پلٹ کر کہا تو اپنے گناہ کی اپنے شوہر سے یا پروردگار سے معافی مانگ کیونکہ تو ہی خطاکار ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ گواہی دینے والا بچہ نہیں تھا بلکہ زلیخا کا چچازاد تھا جو دروازہ پر عزیز مصر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا پس اس نے مذکورہ دلائل سے یوسف کی برأت ثابت کی۔ اور حضرت یوسف سے التجا کی گئی کہ اس بات کو ہوا نہ دیجئے بلکہ ختم کر دیجئے تاہم یہ خبر اسی وقت روئی کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی۔

فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ

کہا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو اپنے ساتھ بدکاری کی دعوت دیتی ہے تحقیق اس کے دل پر اس کی محبت چھا گئی ہے

إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ

ہم اس کو صاف طور پر گمراہ سمجھتی ہیں تو اس نے ان کی یہ چال سنی تو ان کو دعوت دے کر بلا لیا اور ان

إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا

کے لئے کھانے کا انتظام کیا اور دے دی ہر ایک کو ان میں سے ایک ایک چھری

وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ

اور یوسف سے، کہا نکل آؤ ان کے سامنے پس جب انہوں نے اسے کو دیکھا تو اسکی عظمت کو دیکھکر مان گئیں اور

مِنَ الْخَاطِئِينَ ۔ خَطَأَ اور اَخْطَأَ میں یہ فرق ہے کہ عمدی غلطی کے لئے خَطَأَ ثلاثی مجرد استعمال ہوتا ہے اور سہوی غلطی کے لئے اخطأ باب افعال استعمال ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مجتہد کو مجتہد خاطی نہیں کہا جاتا بلکہ مجتہد مخطی کہا جاتا ہے جب کہ اس کا فتویٰ خلاف واقع ہو۔ (رکوع ۱۴)

قَدْ شَغَفَهَا۔ شغاف سے ہے جس کا معنی ہے دل کا پردہ اور حبًّا تمیز واقع ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف کی محبت نے اس کے دل کے پردوں کو چیر کر اس پر پوری طرح تسلّط کر لیا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں اہل بیت علیہم السّلام کی قرأت شَعَفَهَا منقول ہے اور اس کا معنی محبّت میں مبالغہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ یوسف کی محبت میں دُور تک پہنچ گئی یا یہ کہ اس کی محبّت نے اس کے دل کو جلا دیا۔

بِمَكْرِهِنَّ۔ مکر ایسی بات کو کہتے ہیں جس کا ظاہر کچھ اور ہو اور باطن میں کچھ اور مراد ہو۔ شہر کی عورتوں کے طعنہ کو مکر اس لئے کہا کہ اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے زلیخا کو طعنہ دے کر اپنی خودداری کو جتلا رہی تھیں لیکن اندرونی طور پر مقصد یہ تھا کہ زلیخا غصہ میں آ کر کوئی ایسا اقدام کرے جس کی بدولت ہمیں بھی کسی طرح یوسف کا دیدار ہو جائے۔

مُتَّكَأً:۔ لفیف مفروق وکی سے باب افتعال کا ظرف کا صیغہ ہے اور یہاں تکیہ مُراد ہے اور کھانے سے کنایہ کیا گیا ہے کیونکہ جن کو کھانے پر مدعو کیا جاتا ہے آرام سے بیٹھنے کے لئے ان کو تکیہ دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ کھانے میں میوہ جات اور پھل شامل تھے جن کو کاٹنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے پس ہر ایک مہمان عورت کے سامنے اس نے ایک ایک چھُری رکھ دی تھی۔

قَالَتِ اخْرُجْ۔ خلاصہ یہ کہ شہر کی عورتوں نے یوسف و زلیخا کی داستان سُن کر واویلا کیا اور زلیخا پر زبان طعن کھولی تو زلیخا نے شہر کی تمام امیرزادیوں کو کھانے پر اپنے ہاں مدعو کر لیا۔ جن کی تعداد بروایت مجمع البیان چالیس تھی۔ پس کھانا دسترخوان پر رکھا اور میوہ جات

اَیْدِیَھُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا ط اِنْ ھٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ

اپنے ہاتھ محوِ حیرت ہو کر کاٹ ڈالے اور کہا معاذ اللہ یہ بشر نہیں بلکہ یہ تو کوئی باکرامت فرشتہ

کَرِیْمٌ (۳۱) قَالَتْ فَذٰلِکُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْہِ ط وَلَقَدْ رَاوَدْتُّہٗ

ہے (زلیخا نے) کہا بس یہی تو وہ ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنہ دیا اور واقعی میں نے ہی اس کو اپنی

عَنْ نَّفْسِہٖ فَاسْتَعْصَمَ ط وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَآ اٰمُرُہٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَکُوْنًا

طرف دعوت دی جو اُس نے ٹھکرا دی اور اگر میری خواہش کے لئے میرا حکم نہ مانے گا تو ضرور قید کیا جائے گا اور

بھی لاکر آگے رکھ دیئے پھر ایک ایک چھری بھی ہر ایک کے سامنے رکھ دی ۔ ادھر ان کو کھانے کا حکم دیا اور ادھر یوسف کو جو الگ کمرہ میں بیٹھے تھے اُن کے سامنے آنے کے لئے بلایا ۔ چونکہ ظاہری صورت میں وہ زرخرید غلام تھے لہٰذا تعمیل حکم میں مجبور تھے ۔

اَکْبَرْنَہٗ :۔ جب آپ عورتوں کے سامنے تشریف لائے اور اُن کی نگاہ پڑی تو ان کے چہرۂ نورانی جو مظہر جمال خداوندی تھا کے دیدار کی تاب نہ لاکر دریائے حیرت میں ڈوب گئیں حتّٰے کہ اپنے آپ سے غافل ہوگئیں چھری جو اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھیں اس قدر کھو گئیں کہ اس سے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور متوجہ نہ ہوئیں کہ ہاتھ کٹتا ہے یا پھل ۔

اَکْبَرْنَ کا معنی ہے کہ ان کی نظروں میں یوسف کا حسن اس قدر عظیم تھا کہ وہ آپے سے باہر ہوگئیں اور بعض نے کہا ہے اس کا ترجمہ ہے کہ اُن کو اسی وقت حیض جاری ہوگیا ۔

حَاشَ لِلّٰہِ ۔ بعضوں نے اس کو استثنا کا کلمہ قرار دیا ہے ۔ یعنی حضرت یوسفؑ کی بشریّت کا انکار کر دیا اور انہیں صنفِ بشر سے مستثنٰے قرار دے کر کہنے لگیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے ۔ اور بعضوں نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ لام حرف جر ہے اور حرف حرف پر داخل نہیں ہو سکتا لہٰذا حاشَ فعل ماضی کا صیغہ ہے حَاشٰی یُحَاشِیْ مُحَاشَاۃً سے اور اس کا معنی دوری ہے مقصد یہ کہ حضرت یوسفؑ اس اتہام و الزام سے دُور اور بری الذمّہ ہیں ۔ جس کی اُن کی طرف نسبت دی گئی ہے ۔ لِلّٰہ یعنی رضا پروردگار کے لئے ہی یوسف سے ناشائستہ افعال کا صدور غلط اور بے بنیاد الزام ہے ۔ کیونکہ ان کا چہرہ جس پر جمال الٰہی کا پرتو ہے اور اُن کا وقار جو مظہر جلال ایزدی ہے وہ مانع ہے کہ ان سے عام انسانی و بشری شہوانی و نفسی اور جذباتی و حیوانی افعال کا صدور ہو بلکہ وہ تو سیرت و صورت میں ایک معزز و مقتدر فرشتہ معلوم ہوتا ہے ۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابوسعید خدری حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ میں نے دوسرے آسمان پر ایک شخص کو دیکھا جو حسن و جمال میں چودھویں کے چاند کی مانند تھا ۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا تو اُس نے بتایا کہ یہ یوسف ہے ۔ عورتوں کا حضرت یوسف سے بشریت کی نفی کر کے ملک کریم کہنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ فرشتے انبیاء سے افضل ہوا کرتے ہیں ۔ جیسا کہ بعض نا اہل لوگوں کو اشتباہ ہوا ہے ۔ کیونکہ عورتوں نے الزامات و اتہامات سے حضرت یوسف کی

مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ

ذلیل ہوگا کہا (یوسف نے) اے رب مجھے قید محبوب ہے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں اور

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾

اگر تو نہ پھیرے مجھ سے ان کا مکر تو میں ان کی طرف جھک جاؤں گا اور جاہلوں سے ہو جاؤں گا

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ

پس اس کی دعا قبول کی اس کے رب نے پس پھیر دیا اس سے عورتوں کے مکر کو تحقیق وہ سننے جاننے والا

الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى

ہے پھر ان کو خیال آیا بعد اس کے کہ دیکھ چکے نشانیاں (یوسف کی پاکدامنی کی) کہ اس کو ایک وقت تک ضرور

پاک دامنی بیان کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے ہیں کہ وہ ان آلائشات سے منزّہ ہیں۔ جن میں عام انسان و بشر ملوث ہوا کرتے ہیں بلکہ یہ تو فرشتہ سیرت انسان ہیں بلکہ اگر دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو اس میں انسان کی ملک سے افضلیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ فرشتے آلائشاتِ مادیہ سے الگ ہوکر برائی کا ارتکاب نہیں کرتے اور انسان باوجود جسمانی عوائق اور مادی علائق کے اگر برائی سے دور رہے تو وہ یقیناً فرشتوں سے افضل ہے اور اسی بنا پر عورتوں کے تعجب کی حد نہ رہی کہ ظاہری صورت میں بشر ہونے کے باوجود سیرت کے لحاظ سے یہ بشر نہیں بلکہ فرشتہ خصلت ہے۔ اور ہم نے لمعۃ الانوار میں اس مطلب کو زیادہ واضح کیا ہے۔

قَالَتْ :۔ جب شہر کی مخدرات یوسف کے حسن و عظمت کی قائل ہوگئیں۔ اور انہوں نے اتہام و بہتان کو بھی بے سروپا قرار دیدیا تو زلیخا کہنے لگی یہی وہ نوجوان ہے جس کے متعلق تم نے مجھے طعنہ دیا ہے۔ اور واقعی اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے اس کو بدکاری کے لئے دعوت دی تھی لیکن اس نے قبول نہیں کی تم جب ایک دیدار میں اپنا آپ کھو چکی ہو۔ حتیٰ کہ اپنے ہاتھ کاٹنے کے بعد بھی اس کے حسن و جمال نے تمہیں تکلیف و درد سے بے خبر رکھا ہے تو اندازہ کرو میں تو صبح و شام اس کے حسن و جمال کا دیدار کرتی ہوں۔ پھر اس اقدام میں مجھے ملامت کیوں کرتی ہو؟ جب حضرت یوسف نے زلیخا کا یہ ارادہ دیکھا تو دعا مانگی

قَالَ رَبِّ ۔ اے پروردگار مجھے اس آزادی سے جس میں مجھے زنا کی دعوت دی جائے قید بہتر ہے۔

یَدْعُوْنَنِیْ :۔ یہ لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ زلیخا کے دستر خوان پر حاضر ہونے والی مخدرات بھی یوسف کے عشق میں کھو گئیں اور انہوں نے بھی یوسف سے وہی مطالبہ کیا جو زلیخا نے کیا تھا۔

اَصْبُ صَبَا یَصْبُوْ مائل ہونا اصل میں اصبو تھا۔ شرط کی جزا واقع ہونے سے مجزوم ہے اور اس کی جزم حذفِ لام

حِيْنٍ ﴿۳۵﴾	وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ	قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ
قید کر دیا جائے	اور داخل ہوئے اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان	ایک نے کہا میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ شراب

اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ	وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ	اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا
کشید کر رہا ہوں	اور دوسرے نے کہا میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ اپنے	سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں کہ

سے ہے۔

اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۔ یہ لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ جو عالم اپنے مقتضائے علم پر عمل نہ کرے اُسے جاہل کہنا درست ہے۔ مروی ہے کہ شام ہوئی تو تمام مدعوہ عورتوں کی جانب سے حضرت یوسف کو پیغامات پہنچے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر عورت نے زلیخا کی سفارش کی۔ بہرکیف حضرت یوسف نے عصمت کا وقار اسی میں سمجھا۔ اور اپنے لئے قید کی دُعا مانگی جو مقبول ہوئی۔

بَدَا لَهُمْ ۔ اگرچہ ظاہری لحاظ سے حضرت یوسف بری الذمہ ثابت ہوگئے۔ بچہ کی گواہی اور قمیص کا پیچھے سے پھٹنا۔ یہ ایسے قرائن تھے جن کی عقل سلیم کے نزدیک تردید ناممکن تھی لیکن بدنامی کو رفع کرنے کے لئے زلیخا نے یوسف کو قید کرا ہی دیا۔ مدت قید ۷ برس یا ۵ برس ہے۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ۱۸ برس مدتِ قید منقول ہے۔

رکوع نمبر ۱۵۔ زندان مصر میں

وَدَخَلَ مَعَهُ ۔ خلاصۃ الکلام حضرت یوسف کے لئے قید کا فیصلہ ہوا اور قید خانہ میں ان کو بھیج دیا گیا۔ اور ان کے ساتھ قید خانہ میں دو اور جوان بھی بھیجے گئے۔ کہتے ہیں یہ دونو بادشاہ وقت یعنی فرعون مصر ولید بن ریان کے مخصوص نوکر تھے۔ ایک بیرا تھا اور دوسرا شراب کشید کرنے اور پلانے پر مامور (ساقی تھا) خفیہ نے بادشاہ کو رپورٹ کی کہ بیرا کھانے میں زہر ملا کر تمہیں قتل کرنے کے درپے ہے۔ اور دوسرے کے متعلق اس سازش میں شریک ہونے کا شبہ تھا۔ پس مقدمہ زیر سماعت تھا اور ان کو تاحکم ثانی جیل میں بھیجا گیا تھا۔

حضرت یوسف نے زندان میں پہنچتے ہی اعلان کر دیا کہ میں خوابوں کی تعبیروں کا علم رکھتا ہوں۔ ابن سعود کی تفسیر کے مطابق دوسرے دونوں قیدیوں نے باہمی مشورہ کیا کہ یُوسف کے دعوے کو آزمانا چاہیئے۔ پس انہوں نے اپنے خواب گھڑے اور حضرت یوسف سے جاکر تعبیر طلب کرنے لگے۔ لیکن تفسیر قمی کی روایت کے مطابق معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ بیرے کا خواب من گھڑت تھا اور دوسرے کا خواب سچا تھا۔

ساقی نے یہ بیان کیا کہ میں نے خواب میں ایک بیل پر تین خوشے انگوروں کے دیکھے ہیں۔ پس میں نے ان کو توڑا۔ اور ان کا شربت کشید کرکے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ پس آیت میں اَعْصِرُ خَمْرًا کا معنی شراب کو نچوڑنا نہیں بلکہ اَعْصِرُ عِنَبَ خَمْرٍ ہے۔ یعنی مضاف محذوف ہے اور معنی ہے کہ میں خواب میں شراب کشید کرنے کے لئے

نَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

اس سے پرندے کھاتے ہیں اس کی تعبیر سے آگاہ کیجئے تحقیق ہم آپ کو احسان شعار سمجھتے ہیں

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ

فرمایا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں بھیجا جائے مگر یہ کہ میں اس کی صفت تم کو بتا دوں گا اس کے پہنچنے سے

يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا

پہلے یہ چیز اُس علم سے ہے جو مجھے اپنے رب نے عطا کی ہے تحقیق میں نے اس قوم کا دین ترک کیا ہے

انگوروں کو نچوڑ رہا ہوں۔ بیرے نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے سر پر تین طبق ہیں جن میں قسم قسم کے کھانے موجود ہیں اور گوشت خور پرندے اس سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔

مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے۔ محسن کی تین نشانیاں ہیں (۱) اگر ساتھی کی جگہ تنگ ہو تو اُس کے لئے جگہ کھلی کر دے (۲) اگر محتاج ہو تو اُس کی اعانت کرے (۳) اگر بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کرے اور بعضوں نے کہا ہے مظلوم کی مدد کرنا کمزور کی دستگیری کرنا اور بیمار کی عیادت کرنا محسن کی نشانیاں ہیں۔ ہم خواب کی حقیقت پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور انبیاء کی وحی کے اقسام میں سے ایک قسم خواب بھی ہے۔ اس مقام پر ان کا کہنا کہ ہم آپ کو محسنین میں سے سمجھتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ افعال حسنہ واوصاف حمیدہ کے مالک ہیں۔ اس لئے ہمیں توقع ہے کہ تعبیر خواب میں غلط بیانی نہیں کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ آپ ہمیں خواب کی تعبیر بتا دیں۔ یہ آپ کا ہم پر احسان ہوگا۔

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا۔ اس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں (۱) تمہیں عالمِ خواب میں اگر کوئی کھانا کھلایا جائے تو میں تم کو اس کی تعبیر بھی بتا سکتا ہوں۔ قبل اس کے کہ وہ تعبیر ظاہر میں کھلے (۲) تعبیر خواب تو بجائے خود اگر تمہارے پاس کہیں سے کھانا بھیجا جائے تو میں اُس کی جملہ اوصاف وکیفیات تم پر واضح کر سکتا ہوں قبل اس کے کہ وہ تم تک پہنچے اور یہ سب کچھ میرے اُوپر اللہ کا عطیہ ہے۔

طریق تبلیغ

بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ تعبیر دریافت کرنے والے دو شخصوں میں سے ایک کی تعبیر موت کی پیشنگوئی تھی لہٰذا اس کی دل شکنی سے گریز کرتے ہوئے کلام کا رُخ حضرت یوسف نے دوسری طرف پھیر دیا اور فوری طور پر اُن کے خواب کی تعبیر کو بیان نہ کیا لیکن ربط آیات وسلاست بیان کا جہاں تک تعلق ہے۔ اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے جب ان دو شخصوں کو اپنی جانب متوجہ پایا تو ان پر اتمام حجت کرنا ضروری سمجھا اور حجت خدا کا یہی کام ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے موقع ومحل کی تاڑ رکھیں۔ کیونکہ نامناسب اوقات میں

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور کافر ہیں اور میں نے اتباع کی ہے اس دین

اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ

کی جو میرے باپ دادا ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کا ہے ہمیں روا نہیں کہ اللہ کا شریک کریں کسی

مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

شئے کو یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ

تبلیغ بے معنی و بے سُود ہونے کے علاوہ بعض دفعہ دردِ سر بلکہ جان لیوا بن جایا کرتی ہے۔ اب چونکہ وہ دونوں خواب کی تعبیر سننے کے لئے منتظر تھے۔ لہٰذا اب ان کی ہر بات کو وہ توجہ سے ہی سُنتے۔ پس موقع موزوں سمجھ کر پہلے اپنی حیثیت ان پر واضح کی کہ میں کون ہوں اور تعبیرِ خواب کا علم مجھے کس نے دیا ہے اور یہ عہدہ مجھے کیونکر ملا ہے؟ پس فرمایا یہ عطیۂ پروردگار ہے۔ اس کلمہ سے ان کے اذہان کو ربوبیت و الوہیت کے اعتقاد سے آشنا کیا۔ اور اللہ پر ایمان نہ رکھنے والوں کو کافر کہا۔ اور یہ ساتھ ساتھ واضح ہو گیا کہ خدائی عطیہ کا سزاوار صرف مومن اور خدا پرست ہی ہو سکتا ہے۔ پھر اپنے سلسلہ آباء کا تذکرہ کر کے شرک سے نفرت دلائی اور اپنے عہدۂ نبوت کو فضلِ پروردگار قرار دیا اور یہ بھی ساتھ ساتھ واضح کیا کہ بعثت نبوّت جس طرح انبیاء پر نعمتِ پروردگار ہے۔ اسی طرح لوگوں پر بھی یہ اس کا لُطف بے پایاں و فضل بے کراں ہے۔ اور چونکہ احسان کا بدلہ احسان عقلی فریضہ ہے۔ لہٰذا پروردگار کے اس احسانِ عظیم و فیضِ عمیم کا شکر ادا کرنا ہی اس کے احسان کا صحیح بدلہ ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کے انبیاء پر ایمان لایا جائے اور ان کی ہدایات کو مشعلِ راہ قرار دے کر زندگی کے ہر شعبہ میں پیش قدمی کی جائے اور اس کے بعد فرمایا کہ اکثر لوگ خداوندِ عظیم کے عظیم احسانات کا شکر ادا نہیں کرتے۔ پس اس مختصر سی تقریر میں حضرت یوسف نے توحید و نبوّت کی باحسن طریق وضاحت فرمائی۔ اور ان کی اتباع کو نہایت خوش اسلوبی سے باعثِ نجات ہونا بلکہ فطری ہونا ثابت کیا اور یہ وہ اندازِ تبلیغ ہے جو صرف حجتِ خدا ہی اختیار کر سکتا ہے پس اس اتمامِ حجت کے بعد ان کے خوابوں کی تعبیر کی طرف متوجہ ہوئے۔

یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ۔ سابق بیان کو بطور تمہید پیش کرنے اور ان کے اذہان کو اپنی پُر مغز و مؤثر تقریر سے اپنی جانب پوری طرح متوجہ کرنے کے بعد انہیں اس لب و لہجہ میں سمجھایا کہ دیکھو تم لوگوں نے جو خدا بنا رکھے ہیں کوئی پتھر کا کوئی لکڑی کا، کوئی تانبے کا اور کوئی مٹی کا یہ متفرق بناوٹی خدا نہ نفع و نقصان کے مالک ہیں اور نہ خیر و شر ان کے ہاتھ میں ہے بلکہ وہ خود بنانے والے کے محتاج ہیں۔ ان کے نقائص و عیوب ایسے انداز میں بیان کئے کہ سننے والے پر بوجھ نہ ہو اور لطف یہ کہ بعد میں یہ نہ

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٨﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ

شکر نہیں ادا کرتے اے میرے دونوں زندانی ساتھیو! کیا متفرق خدا بہتر ہیں یا

خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ

وہ اللہ جو ایک ہے اور غالب ہے نہیں تم عبادت کرتے اس کے سوا مگر ان کی جو صرف

اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ

نام ہی نام ہیں جو تجویز کئے تم نے اور تمہارے باپ دادانے کہ ان کے متعلق خدا حقیقی کی جانب سے کوئی دلیل

سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ

نہیں حکم تو صرف اللہ کے لئے ہی ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو یہ

الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ

صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اے میرے دونو زندانی ساتھیو!

فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو بلکہ احسن طریق سے ان کو عقلی بیان سے متوجہ کیا کہ دیکھو یہ متفرق خدا جو کچھ نہیں کرسکتے بلکہ محتاج ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اس خدا کو دیکھو جو ایک ہے اور تمہارے بس خود ہی موازنہ کر لو کہ ان میں سے کون سا راستہ درست ہے۔ اور کون سا خدا سچا ہے؟ پھر باطل سے مزید نفرت دلانے کے لئے فرمایا یہ متفرق خدا جو تم نے تجویز کئے ہیں وہ تو صرف نام کی حد تک محدود ہیں یعنی ان کا نام خدا ہے۔ ان میں کام کی برکت نہیں بلکہ کھوکھلے اور بے معنی ہیں۔ اور یہ نام بھی صرف تم نے تجویز کئے ہیں جن پر کوئی دلیل ناطق نہیں ہے۔ پس حق اور باطل دونو پہلوؤں کی وضاحت کے بعد حق سے محبت اور باطل سے نفرت کی دعوت دی کہ کسی باطل کی عبادت نہ کرو بلکہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اور یہی لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ہے اور فرمایا کہ بس یہی صحیح دین اور محکم طریق نجات ہے۔

اَمَّآ اَحَدُكُمَا:۔ اتمامِ حجت اور دعوتِ دین کے بعد ان کے سوالوں کے جواب کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے ساقی کے خواب کی تعبیر بیان کی کہ انگوروں کے تین خوشوں کی تعبیر یہ ہے کہ تو تین دن زندان میں رہے گا۔ چوتھے دن تیرے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور تجھے بری الذمہ قرار دیکر سابقہ عہدہ پر بحال کیا جائے گا۔ ان آیات میں رب سے مراد مالک یعنی بادشاہ ہے۔ اور دوسرے یعنی خانسامے کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے تین طبقوں سے مراد تین دن قید خانے کے ہیں۔ اور چوتھے دن اس کے جرم کے ثبوت کے بعد اس کے لئے سزائے موت پھانسی کا حکم ہوگا پھر اس کی لاش کو پھینک دیا جائے گا۔ اور طیور وحشی اس کے دماغ کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ یہ سن کر وہ سٹپٹایا اور کہنے لگا میں نے

أَمَّآ أَحَدُكُمَا فَيَسْقِى رَبَّهُۥ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا ٱلْءَاخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ

لیکن تم میں سے ایک تو پلائیگا اپنے مالک کو شراب اور لیکن دوسرا پس سولی دیا جائیگا پس کھائیں گے

ٱلطَّيْرُ مِن رَّأْسِهِۦ ۚ قُضِىَ ٱلْأَمْرُ ٱلَّذِى فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ﴿٤١﴾ وَقَالَ

پرندے اس کے دماغ کو فیصلہ ہوگیا اس امر کا جس کے متعلق تم دریافت کر رہے ہو اور اس سے

لِلَّذِى ظَنَّ أَنَّهُۥ نَاجٍ مِّنْهُمَا ٱذْكُرْنِى عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَىٰهُ ٱلشَّيْطَـٰنُ

کہا جس کے متعلق گمان تھا کہ وہ رہائی پانے والا ہے میرا ذکر کرنا اپنے مالک کے نزدیک پس بھلا دیا اس کو شیطان نے اپنے

ذِكْرَ رَبِّهِۦ فَلَبِثَ فِى ٱلسِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿٤٢﴾ ع ۱۵

مالک کے پاس ذکر کرنا تو ٹھہرا (یوسف) زندان میں چند سال

توجھوٹ بولا تھا اور حقیقت میں کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا تونے خواب دیکھا ہو یا نہ۔ اور تونے سچ کہا ہو یا غلط قُضِیَ الْاَمر جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ہو کے رہے گا۔

ظَنَّ :۔ وہ علم جس کی جانب مخالف کا احتمال بھی ہو اُسے ظن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور حضرت یوسف کو علم اور ملکہ جس کی بدولت وہ تعبیر خواب بیان فرماتے تھے اللہ کا عطیہ تھا لیکن خواب سن کر اس کی تعبیر کا معیّن کرنا اگرچہ اسی ملکہ کے ماتحت تھا تاہم اُسے ظنّی ہی کہا جاسکتا ہے۔ اسی بنا پر خدا نے یوسف کے فیصلہ کو ظن سے تعبیر فرمایا۔ آپ نے رہائی پانے والے سے فرمایا کہ اپنے مالک سے کہنا کہ یوسف بے گناہ قید ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ چونکہ حضرت یوسف نے اپنی قید سے رہائی پانے کے معاملہ میں بندوں کا سہارا لیا اور مخلوق سے اپیل کی حالانکہ خدا پر توکل کر کے اُس سے دعا مانگنی چاہیئے تھی۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے رہائی پانے والے کے دل سے وہ بات بھلا دی اور یوسف کو چند سال مزید قید میں گذارنے پڑے۔

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت یوسف نے قید میں جاکر عرض کی اے پروردگار! مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا ہے؟ تو ارشاد ہوا تونے خود ہی دعا کی ہے کہ عورتوں کے مکر و فریب سے مجھے زندان محبوب ہے۔ اُس وقت اگر کہتا کہ عورتوں کے پھندے سے مجھے عافیت محبوب ہے تو میں عافیت سے تجھے رکھتا۔ عورتوں کے مکر سے بھی بچ جاتا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی نہ جھیلنی پڑتیں۔

بروایت مجمع البیان زندان کے دونوں ساتھیوں نے (اور بروایت صافی زندان بان نے) یوسف سے کہا ہماری آپ سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے محبت نہ کرو کیونکہ جس نے میرے ساتھ محبت کی ہے اُس نے مجھے ایک نہ

ایک مُصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ میرے ساتھ اپنی سگی پھوپھی نے (بروایت صافی خالا نے) محبّت کی تو مجھے چوری کی طرف منسوب کیا۔ اس کے متعلق مفصل روایت بعد میں آجائے گی۔ اور باپ نے محبّت کی تو کنوئیں میں ڈالا گیا اور زلیخا نے محبت کی تو زندان کی زندگی نصیب ہُوئی۔

بروایت مجمع البیان حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ زندان میں حضرت یوسف کے پاس جبریل نے آکر دریافت کیا کہ تجھے حُسن کس نے دیا ہے؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پُوچھا تجھے تمام بھائیوں کی بہ نسبت باپ کا محبوب کس نے بنایا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا کہ رہگذر قافلہ کو تیری طرف کس نے بھیجا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا تجھ سے پتھروں کا رُخ کس نے پھیرا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا کہ عورتوں کے مکر و فریب سے کس نے تجھے نجات دی؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا کہ کنوئیں سے کس نے نکالا ہے؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پس کہا اب تجھے وہی پروردگار فرماتا ہے کہ کس بنا پر مجھے فراموش کر کے زندان سے رہائی کی اپیل تو نے میری مخلوق سے کی ہے؟ اب اس کے بدلہ میں کئی سال زندان میں رہنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مروی ہے کہ یہ سُن کر حضرت یوسف زندان میں سخت روئے حتیٰ کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے گریہ سے در و دیوار میں گریہ طاری ہے۔ اور تمام اہلِ زندان ان کے رونے سے تنگ آگئے اور ترک گریہ کی درخواست دی گئی۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ ایک دن روئے اور ایک دن نہ روئے۔ پس جس دن نہ روتے تھے اُس دن ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو جایا کرتی تھی۔

تفسیر برہان میں ہے جب حضرت یُوسف نے رہا ہونے والے سے کہا کہ اپنے مالک کے پاس میری بے گناہی کا ذکر کرنا تو اُس وقت جبریل کا نزول ہوا۔ اُس نے پاؤں کی ٹھوکر ماری تو ساتویں زمین تک پردے کھل گئے۔ اور کہا اے یوسف دیکھو کیا نظر آتا ہے؟ کہا مجھے ایک چھوٹا سا پتھر نظر آ رہا ہے۔ پس جبریل نے پتھر کو دو حصے کر دیا اور کہا اب کیا دیکھتے ہو؟ کہنے لگے ایک چھوٹا سا کیڑا دیکھ رہا ہوں۔ جبریل نے پوچھا کہ اس کا رازق کون ہے؟ یُوسف نے جواب دیا کہ اللہ سبحانہ ہے تو جبریل نے کہا کہ مجھے اپنا پروردگار فرماتا ہے کہ میں ساتویں زمین کی گہرائیوں میں پتھر کے اندر اس چھوٹے سے کیڑے کو بھی نہیں فراموش کرتا تو تجھے کیسے بھُول سکتا ہوں کہ تو نے مجھے چھوڑ کر اپنی رہائی کی درخواست اپنے جیسی ایک مخلوق سے کی ہے۔ پس اس بات کے بدلہ میں چند برس قید میں اور بھی گذارو۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مصائب اور شدائد میں مخلوق سے مدد طلب کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ بنا بر صحت روایات یہ تنبیہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مخصوص امتحان سے تعلق ہے۔ اور اس کی مصلحت کو سمجھنے اور بال کی کھال اُتارنے سے تسلیم بہتر ہے۔ خدا جو کرے اُس سے باز پُرس نہیں ہو سکتی۔

بروایت صافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ پوری کائنات میں سب سے زیادہ رونے والے پانچ ہیں۔ اُن میں سے ایک حضرت یوسف ہیں۔ اور روایات میں پانچ زیادہ رونے والے یہ ہیں (۱) حضرت آدمؑ فراقِ حواؑ

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

اور بادشاہ نے کہا میں نے (خواب میں) سات موٹی گائیں دیکھیں جن کو کھا رہی تھیں سات دبلی (گائیں) اور سات خوشے سبز دیکھے

وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ط یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ

اور دوسرے (سات) خشک (جوان پر غالب آئے) اے سرداران قوم مجھے تعبیر دو میرے خواب کی

میں اس قدر روئے کہ ان کی آنسو کے پانی سے پرندے سیراب ہوتے تھے (۲) حضرت یعقوب فراق یوسف میں اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے (۳) حضرت یوسف زندانِ مصر میں اس قدر روئے کہ اہل زندان تنگ آگئے (۴) جناب بتول معظّمہ خاتونِ جنّت جناب رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد اُمّت کے مظالم سے تنگ آکر اس قدر روئیں کہ اہل مدینہ ان کے رونے سے تنگ آگئے اور حضرت امیر علیہ السّلام سے درخواست کی کہ مادرِ حسنین کے گریہ سے ہم تنگ ہیں یا دن کو روئیں یا رات کو روئیں۔ پس جنّت البقیع میں حضرت علی نے بیت الحزن بنا دیا۔ وہاں جاکر سارا دن رویا کرتی تھیں اور رات کو واپس آجایا کرتی تھیں (۵) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جو واقعہ ہائلہ کربلا کے بعد ۳۵ برس متواتر روئے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آدم یوسف اور داؤد کے برابر کوئی نہیں رویا حضرت آدم فراقِ جنّت میں روئے کہ اہلِ آسمان کو ان کی کثرتِ بکا سے شکایت پیدا ہوئی۔ حضرت داؤد اس قدر روئے کہ ان کی آنسو کے پانی سے گھاس اُگ آیا۔ اور ان کی سرد آہ سبزیوں کو جلا دیا کرتی تھی۔ اور حضرت یوسف اس قدر روئے کہ زندان والے تنگ آگئے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جبریل نے حضرت یوسف کو دُعائے فرج تعلیم کی کہ ہر نماز کے بعد پڑھا کریں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَّارْزُقْنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَیْثُ لَآ اَحْتَسِبُ اور زمین پر رخسارہ رکھ کر یہ پڑھتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ كَانَتْ ذُنُوْبِیْ قَدْ اَخْلَقَتْ وَجْهِیْ عِنْدَكَ فَاِنِّیْٓ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِوُجُوْهِ اٰبَآئِیَ الصّٰلِحِیْنَ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ (علیہم السلام) اور آپ نے فرمایا اس طرح پڑھا کرو۔ اِنْ كَانَتْ ذُنُوْبِیْ قَدْ اَخْلَقَتْ وَجْهِیْ عِنْدَكَ فَاِنِّیْٓ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِوَجْهِ نَبِیِّكَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ وَعَلِیٍّ وَفَاطِمَةَ والحسن والحسین والائمۃ علیہم السّلام

رکوع ۱۶۔ بادشاہ کا خواب اور اُس کی تعبیر

وَقَالَ الْمَلِكُ۔ خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ جب حضرت یوسف کی رہائی کا وقت آیا تو بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ سخت گھبرایا اور اُس کو کوئی تسلّی بخش تعبیر حاصل نہ ہوسکی کہ سات موٹی گائیوں کو سات دبلی گائیوں نے کھا لیا اور سات

رُءْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾ قَالُوٓا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ج

اگر تم خواب کی تعبیریں بتا سکتے ہو کہنے لگے جھوٹے خواب ہیں اور ہم (اس قسم کے)

وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَا

خوابوں کی تعبیر کے عالم نہیں ہیں اور کہا اس نے جس نے دو میں سے رہائی

مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾

پائی تھی اور اس کو یاد ایک عرصہ کے بعد آیا میں اس کی تعبیر بتاتا ہوں پس مجھے (یوسف کی طرف) بھیجو

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ

(وہاں پہنچ کر اس نے کہا) اے یوسف اے صدیق ہمیں تعبیر دیجئے کہ سات موٹی گائیوں کو کھاتی ہیں

سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى

سات دبلی اور سات سبز خوشے اور دوسرے خشک (جو ان پر غالب ہیں) تاکہ میں لوگوں کی طرف جاؤں

النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا ج

تاکہ وہ (تیرے فضل وکمال کو) جان لیں فرمایا کاشت کرو سات سال عادت کے مطابق

سبز خوشوں کو دیکھا کہ سات سوکھے اور جلے سڑے ہوئے خوشے ان کی طرف بڑھے اور آخر کار غالب آگئے۔ سِمَانٍ جمع ہے سمین کی یعنی موٹی تازی عِجَافٌ اعجف کی جمع ہے۔ اور افعل کی جمع فعال صرف اسی صیغہ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی۔ مذکر کو اعجف اور مونث کو عَجْفَاء کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی ہے دُبلا پتلا۔

قَالُوٓا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدا کی جانب سے ہو۔ اس کی تاویل وتعبیر ہوا کرتی ہے۔ دوسرا وہ جو شیطان کی جانب سے ہو۔ اس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ اور تیسرا وہ جو خواب دیکھنے والے کے اپنے عقائد ورجحانات کے ماتحت ہو۔ پس جب بادشاہِ مصر نے خواب بیان کیا تو اس کے درباری تعبیر کے عالم کہنے لگے یہ اضغاثِ احلام ہیں اس کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔ یعنی انہوں نے اس کو خواب کی دوسری قسم سے قرار دیا۔ اضغاث جمع ہے ضغث کی اور اس کا معنی ہوتا ہے متفرق اشیاء کی گٹھڑی اور بعض نے کہا ہے کہ گھاس کی مٹھی بھر مقدار کا نام ضغث ہے۔ جیسے ایک مقام پر ارشاد ہے۔ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا اور اس مقام پر مراد ہے کہ یہ ملے جلے خواب ہیں ان کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔ اَحْلَام جمع ہے حُلم کی اور اس کا معنی خواب میں کوئی چیز دیکھنا ہے۔

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

پس جو کٹائی کرو اسے اپنے خوشوں میں رکھ دو سوائے تھوڑی مقدار کے جو کھانے کے لئے ضرورت ہو

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ

پھر آئیں گے اس کے بعد سات سال (قحط کے)، سخت کر کھائیں گے وہ جو تم نے ان کے لئے بچا رکھا ہوگا

وَادَّكَرَ۔ باب افتعال ہے اصل میں اِذْتَكَرَ تھا قاعدہ کے مطابق تا کو دال سے تبدیل کیا گیا اور ذال کو دال بنا کر ادغام کر دیا گیا۔ اِدَّكَرَ بن گیا۔ اور ہمزہ وصلیہ کے گرنے سے وَادَّكَرَ ہو گیا۔ بادشاہ کا خواب دیکھنا۔ اور درباری لوگوں کا اس کی تعبیر سے عاجز آنا سبب بن گیا کہ حضرت یوسف کے قید کے ساتھی کو حضرت یوسف کا بھولا ہوا پیغام یاد آگیا۔ پس موقعہ پاکر بادشاہ سے عرض کی کہ جب ہم دونو کو جیل میں بھیجا گیا تھا تو ہم نے اپنے اپنے خواب حضرت یوسف کے سامنے بیان کئے تھے۔ اور انہوں نے جو تعبیریں دیں وہ من وعن صحیح ثابت ہوئیں۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں۔ تو میں ان کے پاس حاضر ہو کر آپ کے خواب کی تعبیر لاتا ہوں۔ چنانچہ اس کو بھیجا گیا اور اس نے حضرت یوسف سے بادشاہ کا خواب نقل کیا اور ان سے تعبیر حاصل کر کے واپس آیا۔

تعبیر اس طرح تھی کہ سات موٹی گایوں اور سات سبز خوشوں سے مراد خوش حالی و سرسبزی کے سات سال ہیں۔ اور سات دبلی گایوں اور سات خشک خوشوں سے مراد بعد والے سات سال قحط کے ہیں جو پہلے سالوں کی حاصل شدہ پیداوار کو کھا جائیں گے۔ یعنی لوگ ان سالوں میں سابقہ سالوں کی بچت پر اپنا پیٹ پالیں گے۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے سات سال اپنی حسب عادت خوب فصل کاشت کرو۔ دأبًا کا مطلب عادت ہوا کرتا ہے) اور ہر سال کی پیداوار کو اپنے خوشوں میں محفوظ رکھ لو۔ صرف اسی قدر صاف کر کے رکھو جو اس سال کی ضرورت ہو کیونکہ صاف شدہ گندم کو کیڑا یا دوسری بیماری کا خطرہ ہوتا ہے اور اس کے خراب ہونے کا امکان رہتا ہے۔ لیکن خوشے کے اندر دانہ بالکل محفوظ رہتا ہے۔ خواہ کتنا عرصہ ہی اس پر گذر جائے۔ پھر آٹھواں سال بارش کا ہوگا اور اس میں لوگ خوشحال ہو جائیں گے۔

يُغَاثُ غیث سے ہے یعنی لوگوں پر بارش کا سال ہوگا اور يَعْصِرُوْنَ عصر سے ہے جس کا معنی ہے نچوڑنا۔ لیکن وہ حسب سابق انگور وغیرہ نچوڑیں گے۔ اور یہ خوش حالی سے کنایہ ہے۔

ذَرُوْهُ۔ ذر اور دع کا ایک معنی ہے۔ یعنی چھوڑ اور یہ کہ امر کے صیغے ہیں ان کی ماضی اس مادہ سے نہیں ہوتی۔

شِدَادٌ۔ شدید کی جمع ہے شدت۔ صلابت اور صعوبت مترادف الفاظ ہیں۔

رکوع ۷

قَالَ الْمَلِكُ جب حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیر بیان کی اور ساقی نے بادشاہ کو سنائی تو بادشاہ کے دل میں حضرت یوسفؑ کے علم کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور یوسف کی محبت دل میں گھر کر گئی۔ فورًا

اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تُحۡصِنُوۡنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ عَامٌ فِیۡہِ

سوائے اس کے جو تم بچاؤ گے پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال جس میں لوگوں پر باران رحمت

یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیۡہِ یَعۡصِرُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَ قَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖ ۚ

ہوگی اور وہ قحط سے نجات پائیں گے اور حکم دیا بادشاہ نے کہ اُسے میرے پاس لاؤ تو جب

فَلَمَّا جَآءَہُ الرَّسُوۡلُ قَالَ ارۡجِعۡ اِلٰی رَبِّکَ فَسۡـَٔلۡہُ مَا بَالُ النِّسۡوَۃِ

آپ کے پاس قاصد آیا آپ نے فرمایا جاؤ اپنے مالک کے پاس اور اس سے پُوچھو کہ کیا معاملہ تھا عورتوں کا جنہوں نے

الّٰتِیۡ قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَہُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ بِکَیۡدِہِنَّ عَلِیۡمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا

اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے ؟ تحقیق میرا رب ان کے مکر کو جاننے والا ہے (بادشاہ نے، پُوچھا تمہارا کیا

خَطۡبُکُنَّ اِذۡ رَاوَدۡتُّنَّ یُوۡسُفَ عَنۡ نَّفۡسِہٖ ؕ قُلۡنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا

واقعہ ہے جب کہ تم نے بُلایا یوسف کو اپنی طرف ؟ کہنے لگیں معاذ اللہ ہم نے نہیں دیکھی اس پر

عَلِمۡنَا عَلَیۡہِ مِنۡ سُوۡٓءٍ ؕ قَالَتِ امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ الۡـٰٔنَ حَصۡحَصَ الۡحَقُّ ۫

کوئی بُرائی عزیز کی عورت کہنے لگی اب ظاہر ہو گیا ہے حق

حکم دیا کہ یُوسف کو میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔ چنانچہ غلام نے آکر آپ کو یہ مژدہ سنایا تو حضرت یُوسف نے نہایت متانت اور حوصلہ سے جواب دیا کہ میں اُس وقت تک قید خانہ سے باہر آنے کو تیار نہیں ہُوں جب تک کہ میرے مقدمہ کے متعلق میری پوزیشن صاف نہ ہوجائے۔ اور میرا بری الذمہ ہونا بادشاہ و رعایا پر واضح نہ ہوجائے۔ یعنی میں صرف شاہی رحم وکرم کی بنا پر آزادی کا متمنّی نہیں ہوں بلکہ اپنی بے گناہی کے پیش نظر میں آزادی کا حق رکھتا ہوں لہٰذا جاکر اپنے ہاتھوں کو کاٹنے والی جملہ عورتوں سے دریافت کیا جائے کہ واقعہ کی حقیقت کیا ہے۔ اس مقام پر حضرت یوسف کا کس قدر محتاط رویہ ہے یہ نہیں فرمایا کہ زلیخا سے پُوچھا جائے کیونکہ وہ عزیز مصر کی زوجہ تھی۔ اور سوء ادب کا احتمال تھا لیکن کنایہ کے لحاظ سے ضمنی طور پر وہ بھی اس گروہ میں شامل تھیں۔ پس بادشاہ نے عورتوں کو بلا کر دریافت کیا تو سب نے حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی اور خود زلیخا نے صریح طور پر اعتراف کیا کہ یہ سراسر میری غلطی تھی اور وہ بالکل حق بجانب ہیں۔

ذٰلِکَ لِیَعۡلَمَ: یہ حضرت یوسف کے کلام کا جملہ ہے کہ میں نے رہائی سے قبل اپنے مقدمہ کی تفتیش کا مطالبہ اس لئے کیا تھا تاکہ بادشاہ کو پتہ چل جائے کہ میں نے پس پُشت اس کی خیانت نہیں کی تھی کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو رہائی کے بعد بھی

اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ

میں نے ہی اس کو اپنی طرف بلایا تھا اور تحقیق وہ سچا تھا یہ اس لئے کہ اسے پتہ

اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

چل جائے کہ میں نے پس پشت بھی اسکی خیانت نہیں کی اور تحقیق اللہ نہیں انجام بخیر کرتا خیانت کرنیوالوں کے مکر و فریب کا

اس کے دل میں یہ احساس رہتا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے میری خیانت کی ہے بے شک حضرت یوسف علیہ السلام کا حلم و حوصلہ اور عزم و استقلال قابل داد و ستائش ہے کہ باوجودیکہ بے جرم قید تھے اور مظلوم تھے لیکن جب بھی تعبیر خواب کے لئے بادشاہ سائل بن کر پیش ہوا تو انہوں نے بخل سے کام نہیں لیا۔ اور نہ اس مشکل کشائی کے بدلہ میں اپنی رہائی کا مطالبہ کیا ورنہ اگر کوئی جلد باز اور جذباتی قسم کا انسان ہوتا تو مسئلہ بیان کرنے میں بخل کرتا اور جواب مسئلہ کو اپنی رہائی سے مشروط کر دیتا۔ نہ انہوں نے پہلے شرط لگائی کہ قید سے آزاد کرو تب بتاؤں گا اور نہ مسئلہ بتانے کے بعد جب کہ وہ ممنونِ احسان ہو چکے تھے اپنی آزادی کا مطالبہ کیا اور لطف یہ کہ جب اُنہوں نے اپنی جانب سے پیش کش کی تو نہایت فراخدلی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن کے رحم و کرم کی پیش کش کو پائے تحقیر سے ٹھکرا دیا اور مقدمہ کی تفتیش اور فیصلہ پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا تاکہ رہائی کا حکم رحم و کرم کی بنا پر نہ سمجھا جائے بلکہ استحقاق کے پیش نظر ہو۔ اور سابق کی قید استحقاق کی بنا پر نہ سمجھی جائے بلکہ ظلم قرار دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ورنہ اگر کوئی جذباتی قسم کا بندہ ہوتا تو اپنی قید سے رہائی کی پیش کش کو نعمتِ غیر مترقبہ بلکہ سلطانِ وقت کا احسانِ عظیم سمجھتا اور اپنے دامن کی آلودگیوں کو نظر انداز کر کے مخدوش زندگی کو ہی غنیمت سمجھتا۔ جیسا کہ کم ہمت لوگوں کا شیوہ ہے۔ اور اسی مطلب کی ایک حدیث بھی جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جس میں حضورؐ نے حضرت یوسفؑ کے اس بلند کردار کو سراہتے ہوئے اپنی جانب منسوب کیا کہ اگر میں ہوتا تو جواب مسئلہ کو رہائی پر مشروط کرتا یا رہائی کی پیش کش کو فوراً قبول کر لیتا۔ حالانکہ حضورؐ اخلاق و کردار میں یوسف بلکہ جملہ انبیاء کے لئے پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں تو اس مقام پر آپ کا یہ فرمانا کہ میں ہوتا تو ایسا کرتا تمثال کے لئے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی عام جلد باز و جذباتی و ناعاقبت اندیش آدمی ہوتا تو ایسا کرتا اور حضورؐ کی یہ عادت تھی کہ اپنے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر ایسی باتوں کو بجائے مخاطبین کے اپنی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔

اور بعض مفسرین نے ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ کو زلیخا کے کلام کا تتمہ قرار دیا ہے۔ یعنی میں یوسف کی عدم موجودگی میں حق و صداقت کی گواہی پیش کر رہی ہوں تاکہ اُسے پتہ چل جائے کہ میں نے پس پُشت اس کی خیانت نہیں کی اور میں اپنے نفس کو بالکل بری بھی نہیں قرار دیتی کیونکہ میں نے ہی اس پر الزام لگا کر قید و بند کی صعوبتوں میں اس کو مبتلا کیا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت کا مضمون ہے۔

پارہ ۱۳

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ ؕ

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا تحقیق نفس برائی کا حکم کرتا ہے مگر وہ جس پر میرا رب رحم کرے

اِنَّ رَبِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِىْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ

تحقیق میرا رب غفور رحیم ہے اور بادشاہ نے کہا اس کو لے آؤ کہ میں اس کو اپنا مخصوص

رکوع ۱

وَمَآ اُبَرِّئُ ۔ اکثر مفسّرین کے نزدیک یہ یوسف کا قول ہے۔ اور بعضوں نے اسے زلیخا کا قول قرار دیا ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور حضرت یوسف نے کسر نفسی اور تواضع کے طور پر فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ فطرتاً نفس شہوانیات کی طرف مائل ہوتا ہے۔ سوائے ان کے جن کو خدا محفوظ رکھے۔ پس اپنی عصمت کو احسانِ پروردگار بتایا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ :۔ جب بادشاہ پر حضرت یوسف کی پاکدامنی کا راز کھل گیا تو چونکہ وہ آپ کے فضل وکمال کا دلدادہ بھی ہو گیا تھا۔ پس اُس نے حضرت یوسف کو تدبیر مملکت میں شریک کرنے کا اپنے دل میں فیصلہ کر لیا۔ اور آپ کو زندان سے رہا کر کے اپنے ہاں مہمان بنا لیا۔ پس خلوت میں کافی دیر تک باہمی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ بادشاہ کا دل ہر حیثیت سے حضرت یوسف نے موہ لیا۔ اور وہ ان کا بالکل گرویدہ بن گیا۔

بعض مفسّرین نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف کو حکومت کی طرف سے مقدمہ سے برات کا مژدہ پہنچا۔ تو آپ نے غسل کیا قید خانہ کی میل جسم سے دور کی۔ اور فاخرہ لباس زیب تن فرما کر دربار شاہی میں تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی عمر تیس برس تھی۔ اور مروی ہے کہ قید سے نکلتے ہوئے آپ نے قیدیوں کے لئے یہ دعا کی۔ اے پروردگار اس قوم کی طرف نیک لوگوں کے دلوں کو مائل کر۔ اور ان لوگوں کو دنیاوی حالات سے بے خبر نہ رکھ۔ اور کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر ملک میں ظاہری حالات اور سیاسی واقعات کا علم آزاد لوگوں کی بہ نسبت قیدیوں کو زیادہ ہوا کرتا ہے۔ آپ نے بوقت وداع دروازۂ زندان پر چند کلمات لکھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) یہ زندہ لوگوں کا قبرستان ہے (۲) یہ غم کا گھر ہے (۳) یہ دوستوں کے پرکھنے کا مقام ہے (۴) یہ دشمنوں کی شماتت کی جگہ ہے۔ جب بادشاہ کے دروازہ پر پہنچے تو یہ کلمات زبان سے جاری فرمائے ۔ حَسْبِیْ رَبِّیْ مِنْ دُنْیَایَ وَحَسْبِیْ رَبِّیْ مِنْ خَلْقِهٖ عَزَّ جَارُهٗ وَجَلَّ ثَنَاؤُهٗ وَلَا اِلٰهَ غَیْرُهٗ اور جب بادشاہ پر نظر پڑی تو یہ کلمات پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِخَیْرِكَ مِنْ خَیْرِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَمِنْ شَرِّ غَیْرِهٖ ۔ جب بادشاہ نے اس کی جانب نظر اٹھائی تو یوسف نے زبان عربی میں اس پر سلام کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کونسی زبان ہے تو آپ نے فرمایا یہ میرے چچا حضرت اسمٰعیل کی بولی ہے۔ پھر عبرانی زبان میں بادشاہ کو دعا کی۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کونسی

لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ ﴿۵۴﴾

رازدار بنالوں جب اس سے بات کی تو (یوسف سے) کہا کہ تو اب ہمارے نزدیک ذی وقار امین ہے

قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ

(یوسف نے کہا) کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مامور کر دیجئے کہ میں اس کا باخبر محافظ ہوں اور اسی طرح

زبان ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ میرے باپ دادا کی بولی ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ بادشاہ ستر زبانوں کا ماہر تھا اور وہ جس زبان میں کلام کرتا تھا حضرت اسمٰعیل اس کو اسی زبان میں جواب دیتے تھے۔ بادشاہ کو آپ کی زبان دانی اور حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔ پس بادشاہ نے کہا کہ میں اپنا خواب آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ حضرت یوسف نے بادشاہ کا خواب بیان کرنا شروع کیا۔ اے بادشاہ تو نے سات رنگ برنگی سفید پیشانی والی خوبصورت اور موٹی تازی گائیں دیکھیں جو دریائے نیل سے نکل کر اس کے کنارہ پر آئیں۔ ان کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا تھا تو ان کے حسن میں محوِ حیرت تھا کہ اچانک دریائے نیل خشک ہو گیا۔ اور اس کے بقیہ گرم پانی اور کیچڑ میں سے سات دبلی پتلی بدشکل گائیں برآمد ہوئیں جن کے پیٹ پشت سے ملے ہوئے تھے نہ ان کے تھن تھے نہ دودھ۔ البتہ ان کے دانت بڑے تھے۔ ان کے اگلے پیر کتوں کی طرح اور سونڈ درندوں کی طرح تھی ان کو پھاڑ ڈالا۔ ان کے چمڑوں کو ٹکڑے کیا۔ ان کی ہڈیوں کو توڑ دیا۔ ان کا گوشت نوچ نوچ کر کھا لیا۔ اور ان کی چربی کو چاٹ اور چوس لیا ابھی تو یہ ماجرا دیکھ کر دریائے تعجب و حیرت میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک سات سرسبز خوشے ظاہر ہوئے اور ان کے ساتھ سات خشک و سیاہ خوشے بھی نمودار ہوئے جو ایک ہی جگہ کی پیداوار تھے۔ ابھی تو یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سبز کیوں ہیں اور وہ خشک و سیاہ کیوں ہیں؟ حالانکہ دونوں کی جڑیں پانی میں ہیں اور ایک جگہ کی پیداوار ہیں کہ اچانک ہوا چلی اور اس نے سیاہ خوشوں میں سے ایک مادہ کو اڑایا جو سرسبز خوشوں پر پڑا۔ پس ان میں آگ بھڑک اٹھی۔ اور ان کو جلا کر کوئلہ کر دیا۔ اور یہ تیرے خواب کا آخری حصہ ہے جس کے بعد تو گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ بادشاہ نے سن کر کہا کہ میرا خواب اس قدر تعجب ناک نہیں جتنا کہ آپ کا اس کی تفصیل سے باخبر ہونا تعجب خیز ہے۔ پس اب اس کا حل بتائیے تو آپ نے فرمایا کہ انبار تعمیر کرا دیجئے اور آباد سالوں کی پیداوار جو وقتی ضرورت سے زائد ہو خوشوں سمیت ان میں جمع کراتے جائیے تاکہ خراب نہ ہوں۔ پس ہر قحط کے سال میں حسبِ ضرورت گندم کا دانہ انسانوں کے کام آتا رہے گا۔ اور بھوسہ حیوانوں کے کام آئے گا اور گرد و نواح کے لوگ آپ سے جنس خرید لیں گے۔ پس تمام اطراف کا سونا کھچ کر تمہارے خزانہ میں آ جمع ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت لمبا اور بڑا اہم ہے۔ اس کو انجام دینے کے لئے کوئی مدبّر نیک نیّت اور امین آدمی چاہیئے۔ تو اس کے جواب میں حضرت یوسف نے فرمایا اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ یعنی زمین کے خزانوں کا امین اور مدبر مجھے بنا دیجئے میں اس عہدہ کو اچھی طرح سنبھال سکتا ہوں۔ کیونکہ مختلف ضرورتمند

لوگ جب اطراف و نواح سے آئیں گے تو ان کی زبانیں جدا جدا ہوں گی۔ لہٰذا یہاں وہ شخص کام کر سکتا ہے جو مختلف زبانوں کا عالم و ماہر ہو۔ پس حضرت یوسف ہی اس عہدہ کے لئے موزوں تر تھے۔ اور انہی کو نامزد کر لیا گیا۔ اس مقام سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جہاں لوگ نہ پہچانتے ہوں۔ انسان اپنا فضل و کمال بیان کر کے اپنا تعارف کرا سکتا ہے تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچ سکے۔ اور یہ چیز خود ستائی کے عیب بد سے مستثنیٰ ہے (جیسا کہ فرماتا ہے۔ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو یعنی خود ستائی نہ کرو۔ اور حضرت یوسف نے لوگوں کے افادہ کے لئے اپنی تعریف کی کہ میں حفیظ اور علیم ہوں۔ اور منقول ہے کہ بادشاہ نے سابق عزیز مصر قطفیر (شوہر زلیخا) کو معزول کر کے اس کی جگہ حضرت یوسف کو مقرر کیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قطفیر اس سال فوت ہوا اور اس کی جگہ حضرت یوسف نے لی۔ اور اس کے بعد حضرت یوسف کو عزیز مصر کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

بروایت عیاشی امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف نے ولایت و حکومت اس لئے طلب کی تھی کہ اللہ کے احکام کی ترویج کرے اور حق کی توسیع کرے۔ اور مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے خدا میرے بھائی یوسف پر رحم کرے کہ اگر وہ یہ نہ کہتے کہ مجھے اس کے خزانوں پر مقرر کیا جائے تو اس کو اسی وقت سے حکومت سپرد کر دی جاتی لیکن اس وجہ سے دو سال کی تعویق میں پڑ گئے۔ اور دوسرے سال ان کو عنانِ حکومت سپرد ہوئی

شباب زلیخا

تفسیر مجمع البیان میں تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ جب عزیز مصر مر گیا اور یہ زمانہ قحط کا تھا پس زلیخا کی کفالت کرنے والا کوئی نہ رہا۔ اور وہ فقر و فاقہ کا شکار ہو گئی۔ حتیٰ کہ دست سوال دراز کرنے تک اس کی نوبت پہنچی۔ لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اپنی حالت زار عزیز مصر (یوسف) سے بیان کرو۔ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ لیکن جب لوگوں نے اصرار کیا تو وہ بھی آمادہ ہو گئی اور ایک دن حضرت یوسف کے راستہ میں بیٹھ گئی جب حضرت یوسف اپنی شاہانہ شکوہ کے ساتھ وہاں سے گذرے تو زلیخا نے کھڑے ہو کر نیازمندانہ طریق سے یہ کلمات کہے سُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ الْمُلُوْكَ بِالْمَعْصِيَةِ عَبِيْدًا وَجَعَلَ الْعَبِيْدَ بِالطَّاعَةِ مُلُوْكًا (پاک ہے وہ اللہ جس نے بادشاہوں کو گناہوں کی سزا میں غلام بنا دیا اور غلاموں کو اطاعت کی جزا میں بادشاہ بنا دیا) حضرت یوسف رک گئے اور فرمایا تو وہی (زلیخا) ہے؟ کہنے لگی۔ ہاں! تو آپ نے فرمایا کیا تجھے میری ضرورت ہے؟ کہنے لگی اس بات کو رہنے دیجئے۔ اب میں بوڑھی یائسہ ہو چکی ہوں کیا آپ میرے ساتھ مسخری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں تو سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ مسخری نہیں ہے تو کہنے لگی کہ ہاں (یعنی مجھے اب بھی آپ کی ضرورت ہے) پس حضرت یوسف نے اس کو اپنی دولتسرا میں بھجوا دیا۔ اس وقت وہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ حضرت یوسف نے فرمایا تو نے میرے ساتھ فلاں فلاں برتاؤ کیا تھا کہنے لگی۔ اے خدا کے نبی: مجھے سرزنش نہ کیجئے میں ایک ایسی مصیبت زدہ ہوں کہ میری طرح شاید کوئی بھی مصیبت میں گرفتار نہ ہو گا۔ آپ نے پوچھا کہ کیسے؟ تو اس نے عرض کی اولاً تو میں آپ کی محبت میں گرفتار ہوں کہ خدا نے تجھے

بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

کوئی غلّہ نہ ہوگا تمہارے لئے میرے پاس اور نہ تم میرے پاس آنا کہنے لگے پرزور مطالبہ کریں گے ہم اس کا

اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ

اپنے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے اور اپنے غلاموں سے فرمایا کہ رکھ دو ان کا مال بھی ان کی بوریوں میں تاکہ

رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ

گھر جا کر اسے پہچان سکیں تاکہ وہ واپس

يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا

لوٹیں تو جب باپ کے پاس پلٹے کہنے لگے بابا جان! (آئندہ کے لئے) ہم سے

ہیں۔ فرمایا کیا بات ہے کہ باپ نے تم سب کو بھیج دیا اور ایک کو اپنے پاس مانوسیت کے لئے روک لیا۔ کہنے لگے وہ اس لئے کہ اوّلاً تو ہم سے کم سن ہے۔ اور ثانیاً وہ اس کا بھائی ہے جس کو بھیڑیے کھا گئے تھے۔ پس ہمارے باپ کو اس سے تسلّی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے اس بیان کی صداقت پر کیا دلیل ہے۔ کہنے لگے۔ اے بادشاہ ہم لوگ یہاں مسافر ہیں۔ لہٰذا نہ کوئی ہمیں پہچانتا ہے۔ اور نہ ہم اپنی صداقت کا بیان کوئی گواہ پیش کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم اپنے بیان کی صداقت کے لئے اپنے اس پدری بھائی کو لے آؤ جس کو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ کہنے لگے کہ اگرچہ ہمارے باپ کو اس کا فراق گوارا نہیں ہے تاہم کسی بہانہ سے اس کو اپنے ہمراہ لانے کی کوشش کریں گے۔ آپ نے فرمایا ایک ضامن مجھے دے دو جو تمہارے بھائی کے لانے تک میرے ہاں رہے گا۔ پس انہوں نے قرعہ اندازی کی تو شمعون کا نام نکلا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت یوسف نے خود اس کو انتخاب کر لیا۔ کیونکہ وہ باقی برادری سے دانا تھا۔ چنانچہ وہ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ ۵۶: حضرت یوسف نے سخت تاکید کے طور پر فرمایا کہ اگر تم اپنے پدری بھائی یعنی بن یامین کو اپنے ہمراہ نہ لاؤ گے تو تمہارا میرے پاس کوئی مقام نہ ہوگا اور نہ تمہیں دوبارہ غلّہ دیا جائے گا۔

فَلَا كَيْلَ: یہاں مراد غلّہ ہے جو کیل سے دیا جاتا ہے گویا کیل سے مکیل مراد ہے۔ پہلی آیت میں اپنے بھائی کے لئے آنے پر ان کو انعام و اکرام کا لالچ دیا۔ اور احسان کی پیش کش کی۔ جیسا کہ کنایہ کی زبان سمجھنے والوں پر واضح ہے۔ اور دوسری آیت میں بھائی کے نہ لانے کی صورت میں ان کو سخت تنبیہ کی اور اپنے ملک میں داخلہ سے بھی روک دیا کہ نہ تمہارے لئے کیل ہوگا۔ اور نہ تمہیں میرے پاس آنے کی اجازت ہوگی۔ اور حضرت یوسف بذریعہ ترجمان کے عبرانی زبان میں ان سے باتیں کرتے تھے۔ خود عبرانی زبان میں اس لئے نہ بولتے تھے کہ وہ پہچان نہ لیں کیونکہ اگر ان کو علم ہو جاتا کہ یہ یوسف ہے تو وہ شرم کے مارے باپ کو منہ دکھانے کے

الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ

کیل روک دیا گیا ہے پس بھیجئے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو کہ کیل حاصل کریں اور ہم اس کی حفاظت کریں گے فرمایا نہیں

هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ط

میرا تم کو امین سمجھنا اس پر مگر اسی طرح جیسے کہ تم کو امین سمجھا اس کے بھائی پر

نہ رہتے پس ترک وطن کر کے جنگلوں میں بسر اوقات کرتے اور باپ کی خدمت سے محروم ہو جاتے۔ پس اسی مصلحت کی بنا پر حضرت یوسف نے ان کو سپنوانا مناسب نہ سمجھا۔

قَالَ لِفِتْيَانِهِ۔ حضرت یوسف نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ان کے غلّہ کی بوریوں میں اُن کا اپنا لایا ہوا سامان بھی رکھ دو۔ جو بطور قیمت کے انہوں نے ادا کیا ہے۔ اور مروی ہے کہ وہ اپنے ملک سے چمڑے کا سامان لائے تھے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ:۔ ان کا سامان ان کی بوریوں میں بند کرنے میں یہ مصلحت تھی کہ وہ اس بہانہ سے ضرور واپس آئیں گے (۱) وہ سمجھیں گے کہ غلّہ دے کر ہمارا سامان واپس کرنے والا محسن ہے۔ اور اس کے احسان واکرام کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بطور ایفائے عہد وجزائے احسان واپس جائیں (۲) یا وہ سمجھیں گے کہ غلہ کے ساتھ ہمارے سامان کا واپس آنا ممکن ہے ملازمین کی بے احتیاطی سے ہو۔ لہٰذا وہ اپنی دیانت وامانت کے پیش نظر اُسے واپس کرنے کے لئے پلٹیں گے۔

بروایت ابوبصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت یعقوب کو سال میں دو دفعہ مصر سے غلہ منگوانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ پس جب پہلی دفعہ قافلہ کے ساتھ اپنے بیٹوں کو بھیجا تو حضرت یوسف نے ان کو فوراً پہچان لیا۔ اور باقی تمام قافلوں سے پہلے ان کو غلّہ دے کر فارغ کیا اور نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے حتیٰ کہ ان کا اپنا سامان بھی واپس کر دیا

فَلَمَّا رَجَعُوا۔ پس حضرت یوسف کے بھائی غلّہ لے کر مصر سے روانہ ہوئے اور بعافیت اپنے وطن کنعان پہنچے دھیمے لہجہ میں شرماتے ہوئے باپ کا سلام کہا تو انہوں نے دریافت فرمایا اے میرے فرزندو! کیوں دھیمی آواز سے سلام کر رہے ہو اور تم میں شمعون کی آواز نہیں ہے وہ کہاں گیا؟ کہنے لگے اے پدر نامدار! ہم ایک بہت بڑے شہنشاہ کی جانب سے آئے ہیں کہ حکمت وحلم خشوع وفروتنی اور ہیبت ووقار میں کوئی اُس کا ہم پلہ ہم نے نہیں دیکھا۔ اگر آپ کے ساتھ کسی کو تشبیہ دی جاسکتی تو وہ بلاکم وکاست آپ کی نظیر ہے۔ اور یہاں ہمہ ہمارا خاندان تو مصائب وآلام کا نشانہ بن چکا ہے۔ بادشاہ موصوف کو ہمارے اُوپر اعتماد نہیں اور وہ ہماری بیان کردہ سرگذشت پر باور نہیں کرتا۔ آپ ازراہ کرم ایک خط لکھ کر ابن یامین کو ہمارے ہمراہ بھیجیں جس میں اپنی مصیبت کی روداد بڑھاپے کی سرعت اور بینائی کے کھو جانے کا سبب درج فرمائیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو وہ بادشاہ ہم سے بائیکاٹ کرے گا اور دوبارہ ہمارے ساتھ لین دین نہ کرے گا۔

قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ:۔ حضرت یعقوبؑ سے جب بیٹوں نے بن یامین کے ہمراہ لے جانے کا مطالبہ کیا تو فرمایا کہ اس معاملہ میں

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ

پس اللہ بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے اور جب انہوں نے سامان کھولا تو اپنی

وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ

پونجی کو دیکھا کہ وہ واپس کی گئی ہے تو کہنے لگے اے بابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ

ہماری پونجی بھی واپس کی گئی ہے ہم اہل خانہ کے لئے خوراک لائیں گے اور بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک

كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ

اونٹ کا بھار بھی زیادہ لائیں گے کیونکہ یہ کیل (ہماری ضرورت سے) تھوڑا ہے فرمایا میں اس کو ہرگز تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا

تمہارا امین سمجھنا ایسا ہے جس طرح قبل ازیں یوسف کے بارے میں تم کو امین سمجھا گیا۔ اس مرتبہ حضرت یعقوب اگرچہ جانتے تھے کہ سابقہ خیانت کا اعادہ نہیں ہوگا تاہم سرزنش کے طور پر بیٹوں کو حضرت یوسف کا معاملہ جتلایا اور یہ باتیں اونٹوں سے سامان اتارنے سے پہلے ہو رہی تھیں۔ اس مجمل گفت و شنید کے بعد مفصّل بات چیت تک معاملہ پہنچا۔ جب سامان اتارا گیا اور قیمت کو واپس پلٹا ہوا دیکھا گیا۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا۔ جب انہوں نے اپنا سامان کھولا۔ اور اپنی پونجی کو واپس پلٹا دیکھا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ دوڑے ہوئے خوش خوش حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یَا اَبَانَا مَا نَبْغِیْ؟ بابا جان ہمیں اور کیا چاہیئے؟ دیکھیے وہ بادشاہ کس قدر نیک رحم دل اور احسان شعار ہے کہ ہمیں اپنی ادا کردہ قیمت بھی اس نے واپس کر دی ہے۔ پس اب ہم اپنے بھائی ابن یامین کو ساتھ لے جائیں گے جس سے ہمیں کئی فائدے ہوں گے۔

(۱) ہمارے ساتھ بادشاہ مصر کا معاملہ باقی رہے گا اور وہ ہمیں غلہ دینے سے انکار نہ کرے گا (۲) اس کے احسان و حسن سلوک کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہمیں ایفائے عہد کے طور پر دوبارہ اس کے پاس جانا چاہیئے (۳) چونکہ شاہ مصر کا دستور ہے کہ ہر آدمی کو غلّہ ایک اونٹ کا بھار دیتا ہے اور اس سے زیادہ نہیں دیتا۔ اس دفعہ ہم دس بھار لائے ہیں جو ہماری ضروریات کے لئے ناکافی ہیں اب بن یامین کے ساتھ جانے میں ایک اونٹ کا بھار بھی زیادہ ہو جائے گا۔ اور بادشاہ بھی خوش ہو جائے گا۔

لَنْ اُرْسِلَهٗ۔ حضرت یعقوب نے بیٹوں کی تفصیلی درخواست سماعت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں بن یامین کو ہرگز تمہارے ساتھ بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہوں جب تک کہ تم میرے ساتھ پختہ عہد نہ کرو کہ اس کو ضرور واپس لاؤ گے یا یہ کہ اس کی حفاظت کی خاطر تم سب کے سب اپنی جان تک قربان کر دو گے۔ اور اس تاکید کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا تنہا واپس آکر کوئی عذر پیش کرنا میرے

حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ

جب تک کہ تم میرے ساتھ اللہ کی جانب سے پکا عہد نہ کرو کہ اس کو ضرور لاؤ گے مگر یہ کہ تم سب مارے جاؤ تو جب انہوں نے

مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا

پختہ عہد کیا (حضرت یعقوب نے) فرمایا کہ ہماری گفتگو پر اللہ وکیل ہے اور فرمایا اے بیٹو! ایک دروازہ سے

مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ

داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں تمہیں اللہ سے نہیں بچا

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

سکتا کچھ بھی نہیں حکم مگر اللہ کا اسی پر توکل کرتا ہوں اور اسی پر ہی توکل کرنیوالوں کو

لئے قابلِ قبول نہ ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ انہوں نے حضرت خاتم الانبیاء کے حق کی قسم کھائی اور عہد کیا کہ ہم اس کو بخیریت واپس لائیں گے تب حضرت یعقوب نے بن یامین کو ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

وَقَالَ يَا بَنِيَّ ۔ جب حضرت یعقوب کے بیٹے مصر جانے کے لئے تیار ہوئے اور بن یامین بھی ان کے ہمراہ آمادۂ سفر ہوا تو حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو ہدایت کی کہ تم اکٹھے ایک دروازہ سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے شہر مصر میں داخل ہونا۔ اُس وقت شہر کے چار دروازے تھے، پس باپ کی ہدایت کے ماتحت وہ الگ الگ ان چار دروازوں کے ذریعے شہر میں داخل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب کے سارے فرزند حُسن وجمال اور خوبی وکمال میں یکتائے روزگار تھے اور نہایت تنومند اور قدآور اور جاذبِ نظر صباحت وشجاعت کے مالک تھے۔ اگر وہ مل کر ایک دروازہ سے گذرتے اور پوچھنے والا پوچھتا کہ یہ کون ہیں۔ اور پھر جواب ملتا کہ یہ سب ایک ہی گھرانے کے چشم وچراغ اور ایک ہی باپ کا سرمایۂ زندگی ہیں تو ممکن ہے کسی کی نظر بد ان کا تعاقب کرتی یا کوئی حاسد ان کے درپے آزار ہوتا۔ انہی وجوہ کی بنا پر آپ نے اپنے بیٹوں کو الگ الگ دروازوں سے داخلے کا حکم صادر فرمایا۔

نظر بد اکثر محققین نظر بد کے بداثرات کے قائل ہیں۔ ہمارے ملک وطن میں نظر بد کی وبا اس قدر عام ہے کہ اس کے اثبات کے لئے دلیل وبرہان کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی امر کا وقوع اس کے عقلی امکان کی دلیل سے بے نیاز کر دیا کرتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے۔ اِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ وَالْعَيْنُ تُنْزِلُ الْحَالِقَ تحقیق نظرِ بد کا ہونا صحیح ہے اور یہ نظر پہاڑ کی چوٹی کو بھی گرا دیا کرتی ہے اور حدیث شریف میں جناب رسالتمآبؐ کا حسنین شریفین

کو تعویذ کرنا منقول ہے اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ اور مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے دونوں بیٹوں کو یہی تعویذ دیا تھا۔ اور اگر کسی شخص کو نظر بد کا تعویذ دیا جائے تو پہلے لفظ اُعِیْذُکُمَا کی بجائے اُعِیْذُ لکھا جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل جو تعویذ نظر بد کے لئے حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں لایا تھا وہ یہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ حَاسِدٍ اللّٰہُ یَشْفِیْکَ اور حضورؐ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر سکتی ہوتی تو نظر بد تقدیر سے سبقت کرتی۔

علامہ طبرسی قدس سرّہ نے اس کے متعلق سیّد رضی اعلی اللہ مقامہ کی جو تحقیق انیق پیش فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ خداوند کریم اپنی مصلحت کے پیش نظر بندوں کی خیر و صلاح کا انتظام فرماتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک کی نعمت کا زوال دوسرے کی مصلحت کے لئے ہو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس سے نعمت سلب نہ کی جائے تو وہ دنیادی منافع میں مغرور ہو کر آخرت سے پہلو تہی کرے گا۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سے ایک نعمت اچانک سلب کر لینے کے بعد اس کو اُسی قسم کی دوسری نعمت عطا فرما دیتا ہے۔ تاکہ نا اُمیدی و یاس سے بھی بچ جائے اور دنیاوی اشیاء کی محبّت میں گرفتار بھی نہ ہو۔ پس خوف و رجاء کے درمیان زندگی کے لمحات بسر کرتا رہے۔ اسی بنا پر بعض اوقات اس کو نعمت رفتہ کا بدلہ فوری طور پر دنیا میں نہیں دیا جاتا بلکہ اس کے صبر و حوصلہ اور رضا و ضبط نفس کا امتحان ہوتا ہے۔ اور اس کا بدلہ آخرت پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پس جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ نظرِ بد کا ہونا حق ہے۔ اس کی یہی تاویل درست ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ نیز مروی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جس شئے کی عظمت آجائے خدا اس کو پست کر دیتا ہے۔ بنابریں جب کوئی دیکھنے والا کسی شئے کو بنظر استحسان دیکھے اور وہ چیز اُس کو خوب بھا جائے اور اس کی عظمت اس کے دل میں گھر کر جائے تو خدا فوراً اس کی حالت کو تبدیل کر دیتا ہے اور "ہر کمالے را زوال" کا مقولہ "آوازِ خلق نقارۂ خدا" کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خداوند عظیم نے اس علل و اسباب کی دنیا میں ہر شئے کی بلندی و عظمت کی ایک حد مقرر کی ہے جس سے آگے بڑھنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ پس جب چیز بلندی و عظمت کو پہنچ جائے تو پھر اس کا زوال ہی متوقع ہو سکتا ہے۔ اور اس کا اچانک منصۂ شہود پر ظاہر ہونا اگرچہ باعث استعجاب و حیرت کن ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ فطرت کی عادی رفتار سے ہوا کرتا ہے۔ اور جس طرح ظاہر میں کمال کے آخری زینہ پر پہنچنے کے بعد پستی کی طرف رجوع فطریات میں سے ہے۔ اسی طرح شخصی انظار و افکار کے نتائج کا بھی یہی عالم ہے کہ جو چیز کسی فرد کی نظروں میں یا اس کے دل و دماغ میں کافی عظمت حاصل کر لیتی ہے۔ خدا اس کے سامنے اس کی عظمت کو ختم کر دیتا ہے۔ اور یہ اس کی قدرت غیر فانیہ کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اور نظرِ بد کے اثرات اسی دستورِ خداوندی کی واضح مثالیں ہیں۔ اسی بنا پر وارد ہے کہ جب کوئی دیکھنے والا کسی شئے کے حسن و خوبی پر فریفتہ ہو اور کوئی شئے اس کو بھا لے تو فوراً عظمت پروردگار کو دل میں لائے۔ اور اس شئے کو اللہ کی پناہ میں دے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجے تاکہ اس کی نظرِ بد نظرِ خیر سے بدل جائے کیونکہ خدا کی عظمت کو بھلا کر کسی شئے کی عظمت کو دل میں لانا ہی نتائج بد کا موجب ہوتا ہے ہم نے سید رضی اعلی اللہ مقامہ

الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا

توکل کرنا چاہیئے اور داخل ہوئے (مصر میں) جہاں سے ان کو باپ نے حکم دیا تھا (یہ صورت حال) ان

كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ

کو نہیں بچاسکتی تھی اللہ (کی گرفت) سے (اگر وہ چاہتا) لیکن یہ حضرت یعقوب کے دل میں خواہش تھی جو اس نے

قَضَاهَا ۚ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

پوری کی اور تحقیق وہ خود بھی اس بات کو جانتے تھے کیونکہ ہم نے اس کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں

کی عبارت کا تحت اللفظ ترجمہ نہیں کیا بلکہ اپنے انداز سے اُسے وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور نظرِ بد کی تحقیق میں فلاسفہ یونان اور حکماء کی آراء میں کوئی اتفاق نہیں ہے۔ اجمالی طور پر شیخ ابو علی سینا نے کتاب الاشارات میں صرف یہ لکھا ہے کہ جس طرح بدن میں نفس کے اثرات موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض نفوس کی اپنے بدن سے باہر بھی روحانی تعلق کی بنا پر تاثیر ہوا کرتی ہے۔

مَا کَانَ :۔ یعنی حضرت یعقوب کے فرزندوں کا مختلف دروازوں میں داخل ہونا اُن کو نظرِ بد یا حسد سے نہیں بچا سکتا تھا۔ پس اگر خدا چاہتا تو باوجود مختلف دروازوں سے داخل ہونے کے اُن کو نظرِ بد یا حسد کی تاثیرِ بد کا گرفتار بنا دیتا اور حضرت یعقوب نے جیسا کہ گذشتہ آیت میں ہے انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں تم کو اللہ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتا۔ پس اپنے بیٹوں کو مختلف دروازوں سے داخلے کا حکم صرف اطمینانِ قلب کے لئے دیا تھا۔

قصہ :۔ اب دوسری دفعہ حضرت یعقوب کے دس فرزند شہر مصر میں داخل ہوئے۔ بن یامین ان میں شامل تھا۔ اور شمعون کو پہلے سے حضرت یوسف نے اپنے پاس ٹھہرا لیا تھا۔ حضرت یوسف نے ان سب کو اپنے ہاں مہمان کیا۔ جب یہ سب شاہی دسترخوان پہ پہنچے تو حضرت یوسف نے حکم دیا کہ دو بھائی ایک ایک برتن سے کھائیں۔ چنانچہ مادری دو، دو بھائی دسترخوان پر اکٹھے بیٹھتے گئے اور آخر میں بن یامین بچ گئے۔ آپ نے فرمایا تو اپنے بھائیوں کے ہمراہ دسترخوان پر نہیں بیٹھتا؟ تو اُس نے جواب دیا ان میں سے میرا مادری بھائی کوئی بھی نہیں ہے۔ حضرت یوسف نے دریافت کیا کہ تیرا مادری بھائی کوئی نہیں ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ ایک تھا جس کے متعلق میرے بھائی کہتے ہیں کہ اس کو بھیڑیے نے کھا لیا تھا۔ حضرت یوسف نے پوچھا کہ تیرے دل میں اس بھائی کی جدائی کا کتنا درد ہے تو اس نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے گیارہ لڑکے عطا کئے ہیں۔ اور ہر ایک کا نام میں نے اس کے نام سے مشتق کیا ہے تاکہ اس کی یاد تازہ رہے۔ آپ نے فرمایا اگر تیرے دل میں بھائی کی جدائی کا غم ہوتا تو شادیاں نہ رچاتا۔ اور اولاد کی محبت کو خیر باد کہہ دیتا تو اُس نے جواب دیا کہ واقعی مجھے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن میرے والد بزرگوار نیک اور خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں شادیاں

يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ ع وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ

جانتے اور جب یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھایا کہنے لگا کہ

اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

میں تیرا بھائی ہوں پس اس پر غم نہ کھاؤ جو وہ کرتے ہیں پس ان کو مطلوبہ جنس دے کر

بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

رخصت کیا تو گلاس اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ

کرو تاکہ تمہاری نسل سے خدا کا نام لینے والے پیدا ہوں۔ پس حضرت یوسف نے کہا کہ تم میرے ہمراہ کھانا کھاؤ۔ جب باقی بھائیوں نے دیکھا تو کہنے لگے کہ یوسف اور یوسف کے بھائی پر خدا کا فضل ہے۔ دیکھو بادشاہ نے اس کو دسترخوان پر اپنے پاس بٹھالیا ہے۔

بروایت قمی منقول ہے کہ کنعان سے روانہ ہوئے تو بن یامین نے کھانا پینا بیٹھنا اور بولنا ان سے ترک کیا ہوا تھا جب مصر میں حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو پہچان لیا اور دریافت کیا کہ کیا تو انکا بھائی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ تو یوسف نے پوچھا کہ آپ بھائیوں کے ہمراہ کیوں نہیں بیٹھتے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ میرے مادری بھائی کو ایک دفعہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اور واپس اپنے ساتھ نہ لائے تھے یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ میں نے اس روز سے قسم کھائی ہے کہ تا زندگی ان سے الگ رہوں گا۔ الخبر

رکوع ۳

لَمَّا دَخَلُوْا :- جب حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور انہوں نے ہر دو مادری بھائیوں کو الگ الگ کھانا پیش کیا تو بن یامین کو اپنے ساتھ بٹھالیا کہ اگر ان میں سے تیرا مادری بھائی کوئی نہیں تو چلو میں تیرا بھائی ہوں۔ اور ایسے انداز سے فرمایا کہ وہ اس فقرہ کو حقیقی تعارف پر محمول نہ کر سکے بلکہ دعویٰ برادری کو دلجوئی پر ہی محمول کرتا رہے اور راز فاش نہ ہو۔

اَلسِّقَايَةَ :- پانی پینے کا گلاس مراد ہے جو ایام قحط میں خرید و فروخت کے لئے وقتی طور پر پیمانہ استعمال ہوتا تھا۔ اس لئے اس کو صواع سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کے اشارے سے ملازمین نے وہ پیمانہ بن یامین کے سامان میں رکھ دیا تھا جب وہ سامان لے کر وداع کر کے روانہ ہوئے تو اس پیمانہ کی گم شدگی کا راز کھلا اور ادھر ادھر تلاش شروع ہوئی چنانچہ اسی سلسلہ میں جاتے ہوئے قافلہ کو بھی روک لیا گیا۔ قافلہ والوں نے وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ شاہی پیمانہ گم ہے۔ اور جو شخص وہ تلاش

أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا

اے قافلہ والو! تحقیق تم چور ہو انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تمہاری کیا چیز

تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ

گم ہے؟ تو کہنے لگے کہ بادشاہ کا گلاس، اور جو ڈھونڈ لائے گا اس کو اونٹ کا

حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ

ایک بھار دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں کہنے لگے بخدا

کر کے لائے گا اس کو ایک بھار غلہ مزید بطور انعام کے دیا جائے گا۔ اور اعلان کرنے والے نے اپنی ضمانت دے دی۔

أَيَّتُهَا الْعِيرُ:۔ عیر اصل میں تو اس قافلہ کو کہتے ہیں جس میں بار برداری کا انتظام گدھوں کے ذریعہ سے ہو۔ لیکن ہر قافلہ پر مجازاً یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اس مقام پر منادیٰ محذوف ہے اصل میں اہل العیر تھا یعنی اے قافلہ والو!۔

إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ:۔ بروایت ہشام بن حکم حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ قافلہ والوں نے چوری نہیں کی تھی۔ اور حضرت یوسف کی جانب سے ان کو چور کہنے والے بھی دروغ گو نہیں تھے اس لئے کہ گلاس کی وجہ سے نہیں بلکہ باپ سے حضرت یوسف کو چرانے کے سبب سے ان کو چور کہا جا رہا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف کے ملازمین نے جواب دیا تھا کہ شاہی پیمانہ گم ہے یہ نہیں کہا تھا کہ تم شاہی پیمانہ کے چور ہو۔ اور یہ فعل اگرچہ بظاہر حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم و ہم میں اضافہ کا موجب تھا لیکن درحقیقت وصل و وصال کا بہانہ اور دوائی سرور کا پیش خیمہ تھا۔ اس لئے اس کے جواز بلکہ استحباب میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ پیمانہ سونے کا تھا اور جب اس کے ساتھ غلہ کا ماپ ہوتا تھا تو اس سے نہایت شیریں لہجہ میں یہ کلمہ صادر ہوتا تھا۔ لَعَنَ اللّٰہُ الخوان لا تخونوا بہ۔ (خیانت کرنے والے پر خدا کی لعنت ہے خیانت نہ کرنا)

جوازِ تقیہ:۔ تفسیر برہان میں بروایت ابو بصیر امام جعفر علیہ السلام سے منقول ہے التقیہ من دین اللہ یعنی تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے۔ راوی نے پوچھا کیا تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے؟ تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم اللہ کا دین ہے دیکھو حضرت یوسف نے کہا اے قافلہ والو! تم چور ہو حالانکہ وہ چور نہ تھے۔

تقیہ اور توریہ دو لفظیں ہیں۔ اور ہر ایک کا مطلب بھی جدا جدا ہے۔ دینی مصلحت کی بنا پر خلاف واقع بات کو ظاہر کرنا یا یہ کہ دل میں ایمان کی شمع فروزاں ہوتے ہوئے جان و مال و ناموس کی حفاظت کی خاطر کلمہ کفر کہہ دینا جیسا کہ حضرت عمار کے متعلق تمام تاریخوں میں موجود ہے۔ اور جناب رسالت مآبؐ نے عمار کے اس فعل پر رضامندی کا اظہار فرمایا تھا بلکہ ایسے مواقع پر آئندہ کے لئے بھی اس عمل کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ کتب صحاح اہل سنت میں موجود ہے اور

دنیا میں حسن کے لحاظ سے بے نظیر پیدا کیا ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ شہر مصر میں مجھ جیسی کوئی حسین وجمیل عورت نہیں تھی اور نہ مجھ سے کوئی زیادہ مالدار تھی۔ بایں ہمہ مجھے جو شوہر ملا وہ نامرد تھا۔ حضرت یوسف نے فرمایا اب تیرے دل میں کوئی خواہش ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔ ہاں۔ اور وہ یہ کہ آپ خدا سے دُعا کریں کہ وہ مجھے جوانی پلٹا دے۔ چنانچہ حضرت یوسف کی دعا سے خدا نے اس کو دوبارہ جوانی پلٹا دی۔ اور حضرت یوسف نے اس سے شادی کرلی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت یوسف کے زلیخا کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام افرائیم اور دوسرے کا نام بلیشا تھا۔

حضرت یوسف کی حکومت

وَكَذٰلِكَ۔ حضرت یوسف کا پہلا سال تو عزیز مصر کے عہد میں گذرا۔ جب اپنی حسن کارکردگی اور دیانت سے بادشاہ کے دل ودماغ پر ان کا تسلّط ہو گیا تو بروایت ابن عباس سوالِ ولایت کے پورے ایک سال بعد بادشاہ نے ان کو خود اپنے پاس بلایا اور اپنی ردا تلوار اور تاج ان کے سپرد کر دیا اور حکم دیا کہ دُرّ و یاقوت سے مرصّع سونے کا تخت نصب کیا جائے جس پر ریشم و مخمل کا فرش بچھایا جائے اور یوسف سے کہا کہ تاج سر پر رکھ کر تختِ شاہی کو رونق دیجئے چنانچہ حضرت یوسف شاہانہ تاج سر پر رکھ کر تشریف لائے آپ کا چہرہ اس قدر صاف وشفاف و نورانی تھا کہ زیارت کرنے والے کو یوسف کے منہ سے اپنا منہ نظر آتا تھا۔ جس طرح شیشے سے اپنی شکل نظر آتی ہے پس تختِ مصر پر جلوہ فگن ہوئے تو اطراف و نواح کے تمام چھوٹے چھوٹے حکمران خود بخود ان کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور حکومت عدل وانصاف کو اس طرح قائم کیا کہ رعایا کے تمام زن و مرد اُن کے گرویدہ ہو گئے پس بادشاہِ سابق خود بھی مسلمان ہو گیا اور رعایا میں بھی اسلام پھیل گیا۔

کتب تفاسیر میں ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے حسن تدبیر سے سرسبزی و شادابی کے سالوں میں بچت کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ انبار اور خزانے تعمیر کرائے جن میں غلّہ اور نقدی پس انداز کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ سات سال کے عرصہ میں انبار پُر ہو گئے۔ اب جو قحط کا زمانہ آیا تو حضرت یوسف نے ہر سال کی بچت کو علی الترتیب بیچنا شروع کر دیا۔ پہلے سال لوگوں نے غلّہ خرید کر کے درہم ودینار شاہی خزانہ کے حوالہ کئے٭ حتیٰ کہ مصر کے تمام زیورات وجواہر شاہی خزانہ میں پہنچ گئے۔ پھر تیسرے سال حیوان ومویشی غلّہ کے بدلہ میں حضرت یوسف کے قبضہ میں آگئے۔ اور چوتھے سال غلاموں اور لونڈیوں کے بدلہ میں آپ نے غلہ فروخت کیا حتیٰ کہ کسی کے پاس کوئی غلام و لونڈی نہ بچی۔ پھر پانچویں سال گھروں اور جائدادوں کو آپ نے غلّہ کے بدلہ میں خرید لیا۔ اور چھٹے سال نہریں اور کھیتیاں غلے کے بدلہ میں خرید لیں۔ اور ساتویں سال خود لوگوں نے اپنی گردنیں اور جانیں حضرت یوسف پر غلّہ کے عوض میں بیچ دیں۔ اب مصر اور اُس کے گرد و نواح میں تمام آزاد و غلام حضرت یوسف کے غلام بن چکے تھے اور لوگوں میں یہ چرچا تھا کہ ہم نے نہ کوئی بادشاہ دیکھا نہ سُنا ہے جو ہمارے بادشاہ کی طرح حکمت و تدبیر اور علم وکمال میں وسعت رکھتا ہو۔ پس حضرت یوسف نے بادشاہِ سابق کو اپنے پاس طلب کیا اور فرمایا تم دیکھتے ہو جو خدا نے مجھے ملک مصر اور اس کی اہل پر حکومت بخشی ہے۔ اب تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ میں نے ان کی اصلاح اس لئے نہیں کی کہ ان کو نقصان دُوں اور ان کو

٭ حتیٰ کہ مصر میں کسی کے پاس درہم رہا نہ دینار تو دوسرے سال لوگوں نے زیورات وجواہر کے بدلہ میں گندم خرید کی۔

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ

ہم نے حکومت دی یوسف کو زمین میں تاکہ تصرف کریں اس میں جس طرح چاہیں پہنچاتے ہیں

بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَ

اپنی رحمت جسے چاہیں اور ہم نہیں ضائع کرتے احسان کرنے والوں کا اجر اور

لَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾ ع

آخرت کا اجر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں اور تقویٰ رکھیں

قحط کی مصیبت سے اس لئے نہیں چھڑایا کہ خود ان کے لئے وبال بن جاؤں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اس کے بارے میں آپ خود مختار ہیں جو چاہیں کریں۔ میرا اس میں کوئی دخل نہیں ہے تو آپ نے فرمایا میں اپنے اللہ کو اور تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں نے تمام مصر والوں کو آزاد کیا ہے اور ان کے مال و غلام سب ان کو واپس کئے ہیں۔ اور تجھے بھی اپنی مہر تخت و تاج واپس کرتا ہوں اس شرط پر کہ تو میری سیرت پر چلے اور میرے ہی حکم سے فیصلہ کرے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرے لئے باعث صد افتخار اور خوشی بخش ہے کہ آپ کی سیرت کو اپناؤں اور آپ کے حکم کو مشعل راہ قرار دوں اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نہ ہوتے تو میں ان قحط سالیوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہوتا اور مجھے اس مسئلہ کا حل یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا تھا جو آپ نے کیا ہے۔ میں نے آپ کو ہی اپنا حاکم و پیشرو تسلیم کر لیا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور تو اس کا رسول ہے پس آپ اپنے عہدہ پر قائم رہیں میں آپ کو حاکم و امین سمجھتا ہوں۔ اور منقول ہے کہ حضرت یوسف خود قحط کے ایام میں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ جب آپ سے سوال کیا جاتا تھا کہ آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں حالانکہ آپ کے ہاتھ میں زمین کے خزانے ہیں؟ تو آپ جواب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ خود شکم سیر ہو کر بھوکوں کی خبر گیری سے غافل ہو جاؤں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام پر جب مامون کی جانب سے ولی عہدی کو قبول کر لینے پر اعتراضات کئے گئے تو آپ نے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ولایت مصر کو قبول کرنا بلکہ خود خواہش کرنا آیت قرآنی کی رو سے پیش کر کے ان کو خاموش کیا کہ ضرورت وقت کے ماتحت رعایا میں عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لئے اور مظلوموں کی فریاد رسی اور احکام شرعیہ کے نفاذ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہو جایا کرتا ہے جب کہ اس کے بغیر جانی و مالی نقصان کا خطرہ ہو۔ بلکہ ایک روایت میں آپ سے منقول ہے کہ مجھے ولی عہدی کے قبول کرنے اور قتل ہونے میں اختیار دیا گیا تھا پس میں نے قتل سے بچنے کے لئے ولی عہدی کو بدل ناخواستہ قبول کر لیا۔

حکومت و سلطنت ۔ موقعہ کی مناسبت اور محل کی موزونیت کے پیش نظر حکومت و ولایت عامہ کے متعلق مختصر اور

جامع بیان پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ تمدن کی بقاء و ارتقاء کا راز اسی میں مضمر ہے کہ انسان مجموعی طور پر سلطان و رعایا کی حیثیت سے نظامِ حیات کو قائم کریں۔ پس جس طرح اس سلسلہ میں سلطان و حاکم پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اسی طرح رعایا پر بھی اپنی نوعیت سے کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ اور جب تک سلطان و رعایا یکساں طور پر اپنے اُوپر عائد شدہ ذمہ داریوں کا احساس نہ کریں۔ اور ان سے عہدہ برا ہونے کی کوشش نہ کریں تمدّنی ارتقاء تو بجائے خود اس کی بقاء بھی معرضِ خطر میں پڑ جاتی ہے۔ اگر رعایا بادشاہ سے متنفّر اور بادشاہ رعایا سے غیر مطمئن ہو تو ایسی سلطنت و حکومت کی کشتی ہمیشہ گرداب و بھنور میں ہچکولے کھاتی رہتی ہے۔ اور سکون و چین کی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اور ان دونو میں سے اہم ذمّہ داری بادشاہ پر عائد ہوتی ہے۔ اور رعایا کی تمام تر ذمّہ داریاں سلطانِ وقت کی اہم ذمہ داری کے نتائج و اثرات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ یعنی لوگ بادشاہوں کے دین کے تابع ہوا کرتے ہیں پس اگر بادشاہ اپنے اُوپر عائد شدہ ذمّہ داریوں سے کما حقّہ عہدہ برا ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ رعایا کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہ ہو۔

دیکھیئے اس مقام پر سلطان اور حکمران کے سامنے دو نظریئے ہوتے ہیں جو سلطان و رعایا کے درمیان اعتماد قائم رکھنے یا بداعتمادی کو جنم دینے کے مُوجب ہیں۔

(۱) قانون کی حکومت کو قائم کرنا اور اُس کی بدل و جان پاسداری کرنا (۲) قانون پر حکومت قائم کرنا اور قانون کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل کر رکھنا۔ پہلی صورت میں قانون کی بالادستی کی حفاظت و نگرانی سلطان کا فریضہ ہے۔ اور دوسری صورت میں قانون پر اپنی بالادستی کو قائم رکھنا سلطان کا نظریہ ہے۔ پس اگر سلطان پہلے نظریہ کا حامی ہو تو اس کے ماتحت جملہ آفیسران اور جملہ شعبہ جاتِ حکومت کے عہدہ داران لازمی طور پر اُسی نظریہ کے حامی ہوں گے کیونکہ انہیں سلطانِ وقت کی گرفت کا خطرہ ہوگا۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ رعایا کے دلوں سے سلطان و حاکم کی جانب سے خوف و ہراس اٹھ جائے گا۔ وہ از خود قانون کو قانون سمجھنے لگیں گے اور قانون کا احترام اُن کے دلوں کی گہرائیوں میں خود بخود اُترتا چلا جائے گا۔ اور قانون کا مخالف اُن کے نزدیک معاشرہ کا دشمن قرار پائے گا۔ پس امن و سکون کی لہر دلوں کو اطمینان کا مژدہ دے گی۔ اور ملک و قوم کے لئے ارتقائی منازل کی طرف قدم بڑھانا نہایت سہل ہوگا۔ ایسی صورت میں حکمران طبقہ رعایا سے پوری طرح مطمئن ہوگا اور حکومتی منصوبے نہایت تیزی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچ سکیں گے جس کے نتیجے میں دوسری اقوام پر اس کے وقار کا سکّہ قائم ہوگا اور کوئی قوم اُس کی آنکھ میں آنکھ ملانے کی جُرأت نہ کر سکے گی لیکن اگر خدانخواستہ بادشاہِ وقت اور کرسی اقتدار سنبھالنے والا دوسرے نظریہ کا علمبردار ہو یعنی یہ کہ اقتدار کو قانون پر بالادستی قائم کرنے کا ذریعہ سمجھے تو اطراف و اکناف مملکت میں جملہ آفیسران و عہدہ داران میں یہی رُوح پرورش پائے گی۔ اور ہر شخص جب کسی عہدہ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا تو اسی نظریہ کے ماتحت کہ مجھے کسی حد تک قانون پر بالادستی حاصل ہو۔ اور میں قانون کی دھجیاں اڑانے پر قادر ہو جاؤں تاکہ عوام کو قانون کے بہانہ سے اپنے استبداد کے شکنجے میں جکڑنے پر متمکن ہو کر اپنی عیاشیوں کو فروغ دے سکوں۔ اور ملک و قوم کی دولت

پر ہاتھ صاف کر کے اپنی آیندہ نسلوں کے لئے بھی عیاشی کی راہیں ہموار کر لوں۔ تو یقین سمجھئے کہ جب سلطان کا یہ نظریہ ہو اور آفیسران وعہدہ داران کا یہ مطمح نظر ہو تو ناممکن ہے کہ رعایا کے دل ان کی طرف سے صاف ہوں بلکہ وہ حاکم وقت کو ایک خونخوار درندہ سمجھیں گے۔ اور ہر وقت اُس کے ہاتھ سے اقتدار کے چھن جانے کے منتظر رہیں گے۔ ایسی صورت میں نہ حکمران کو چین کی زندگی نصیب ہوگی۔ اور نہ رعایا میں اطمینان وسکون ہوگا نہ کوئی حکومتی منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔ نہ ملک وقوم کا وقار بلند ہوگا نہ شاہراہ ترقی پر قدم رکھنے کی کسی کو جرأت ہوگی اور نہ کسی ملک وقوم میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا بلکہ بیرونی طاقتیں ان پر اپنی للچائی ہوئی نظریں ڈالیں گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اقتدار کا تختہ اُلٹ جائے اور انقلاب کا زبردست سیلاب سب خشک و تر کو اپنے دھارے میں بہا کر لے جائے۔

حکومتِ عدل اس میں شک وشبہ نہیں کہ عدل کمزور حکومتوں کی قوت ضعیف قوموں کی طاقت۔ گمنام ممالک کی شہرت متفرق جماعتوں کی باہمی اُلفت۔ خوف زدہ فرقوں کی ہیبت۔ نادار اقوام کی ثروت و دولت۔ ذلیل لوگوں کی عزت۔ پس ماندہ قوموں کی علمی غلطت اور وحشی اقوام کی تمدن سے مانوسیت کا واحد ذریعہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت داؤد علیہ السّلام کو حکومت وخلافت عطا ہوئی تو ارشاد ہوا لوگوں کے درمیان عدل کے فیصلے کرنا۔ اور جملہ سلاطین پر تمام فرائض سے اہم فریضہ عدل ہے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ نوشیروان بادشاہ پر پیاس کا غلبہ ہوا۔ تو ایک باغ میں پہنچا۔ باغبان نے ایک انار کے دانہ کو اس کے لئے نچوڑا جس سے پیالہ پُر ہو گیا۔ بادشاہ نے سیر ہو کر پیا۔ پس دل میں خیال آیا کہ اس باغ کی آمدنی زیادہ ہے لہٰذا اس کے خراج کو بڑھایا جائے تو رخصت ہوتے وقت ایک دوسرے انار کو نچوڑنے کا حکم دیا لیکن اس مرتبہ رس بہت تھوڑا نکلا بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا چونکہ باغبان کو معلوم نہ تھا کہ یہ بادشاہ ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ شاید بادشاہ نے عدل وانصاف کو ترک کرنے اور ظلم کا رویّہ اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا ہے جس کی وجہ سے برکت چلی گئی ہے۔

کہتے ہیں ایک دفعہ سلطان سبکتگین نے چین یا ہند کے بادشاہ کو خط لکھا تھا کہ تم لوگ کافر ہو اور ہم مسلمان ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ تمہاری عمریں طویل ہیں اور ہماری زندگیاں کوتاہ ہیں تو کافر بادشاہ نے سلطان کے چٹھی رسان کو قید کر لیا اور کہا کہ میں تجھے اس وقت خط کا جواب دُوں گا جب سامنے والا پھل دار درخت خود بخود اپنی جڑوں سے اکھڑ کر گر جائے۔ وہ شخص سخت پریشان ہوا۔ اور شب و روز اسی فکر میں قید کی زندگی بسر کرتا رہا۔ آخر ایک رات سخت دھماکے کی آواز سُنی لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہوئے معلوم ہوا کہ وہی درخت خود بخود جڑوں سے اکھڑ کر زمین پر آگرا ہے۔ وہ خوش ہوا۔ اور بادشاہ نے اُسے رہا کر کے سلطان سبکتگین کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ دیکھو جب ایک مظلوم کی درد بھری فریاد ایک بڑے تناور درخت کو جڑوں سے اکھیڑ سکتی ہے تو کثیر التعداد مظلوم رعایا کی سرد آہیں اور ان کی مظلومانہ فریادیں کیوں نہ ظالم حکمرانوں کی عمروں کو کاٹ دیں۔

اِس میں شک نہیں کہ جب ایک زمانہ تک عدل کو ترک کیا جائے تو طبیعتوں میں ظلم رچ جاتا ہے اور لوگ ایکدوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں طاقتور لوگ درندے بن جاتے ہیں اور صاحبانِ اقتدار خونخوار بھیڑیوں کا لباس پہن لیتے ہیں۔ پس کمزور رعایا کی حیثیت لاغر بھیڑوں یا کمزور اونٹوں کی سی رہ جاتی ہے۔ جس کے ہاتھ میں ڈنڈا ہو۔ ان کو اپنے آگے لگالے۔ ان میں مجالِ انکار نہیں رہتی۔ پس ہر شخص اقتدار کی تمنا صرف درندہ بننے کے لئے ہی کرتا ہے۔ اور ایسی حالت میں لوگ انسانوں کی سی شکل میں چلتے پھرتے درندے ہی ہوا کرتے ہیں اور ہر کمزور ہر طاقتور سے ہراساں و ترساں ہوا کرتا ہے۔ اور شریف ترین وہی سمجھا جاتا ہے جس میں درندگی کی صفات دوسروں سے زیادہ ہوں۔

اگر بادیہ نشین سے لے کر سریرآرائے مملکت تک سب کے سب یکساں طور پر اس مرض کی لپیٹ میں آجائیں تو وہ دن دُور نہیں کہ درندہ شیر ان کی حدود کے آس پاس آکر گونجیں اور طاقت ور عقاب دور سے آکر ان کے سروں پر منڈلانے لگیں پس نہ فصیلیں کام آئیں گی۔ اور نہ حفاظتی دستے ساتھ دیں گے۔ کسی کی چاپلوسی اور بشاشت سے دھوکہ نہ کھائیے۔ ممکن ہے وہ موقع کی تاڑ میں ہو۔ قدم میں لغزش آتے ہی وہ گردن پر سوار ہو جائے گا۔

ہر مملکت کے ارباب حل وعقد کو عدل و انصاف کا علم بلند کرنا چاہیئے۔ انہیں اقتدار کو قانون کا نگران ومحافظ سمجھنا چاہیئے نہ کہ قانون پر بالادستی قائم کرنے کا ذریعہ پس اپنے آپ کو بھی قانون کی حدود کا پابند سمجھیں۔ اور تمام عملے کو اس کا پابند کرنا اپنے فرائض میں سے اہم فریضہ سمجھیں۔ اور عدل و انصاف کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے والے ظالم اور درندہ صفت افسروں کو برطرف کر کے انہیں عبرت ناک سزائیں دیں کیونکہ زمین میں ظالم کا وجُود اس طرح ہے جس طرح بدن میں عضوِ فاسد۔ اور بہتر یہی ہے کہ وہ عضوِ فاسد جو ناقابلِ علاج ہو اُسے کاٹ دیا جائے تاکہ دوسرے تندرست اعضاء تک اس کی بیماری سرایت نہ کرنے پائے۔

کلام الامام

تمسک کے لئے اس مقام پر حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے کلام سے کوئی دوسرا کلام موزوں تر نہیں ہے۔ آپ نے حقوق الناس کو پُوری تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا (ان تمام حقوق میں سے نہایت اہم بادشاہ ورعایا کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں جن کو دینی وقار اور باہمی انس کے کل نظام کو برقرار رکھنے کے لئے خدا نے بندوں پر واجب کیا ہے کیونکہ رعایا کی اصلاح حکام کی اصلاح کے بغیر ناممکن ہے۔ اور حکام کی بہتری رعایا کے تعاون اور اُن کی وفاداری کے بغیر ایک ناشدنی امر ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ رعایا کے دلوں میں حکام کے حقوق کا احساس ہو۔ اور حکام رعایا کے حقوق کے پاسبان ہوں تو عدل و انصاف کا علم بلند ہوگا۔ قوم وملک میں چین وسکون اور امن واطمینان کی پُربہار اور رُوح آفرین زندگی کا سماں ہوگا۔ ایسا دَور قابلِ رشک دَور ہوگا۔ اور ایسی حکومت بہترین حکومت ہوگی۔ اور ایسی صورت میں حکومت کے بدخواہوں کی اوچھی نظریں قعرِ یاس میں خود بخود دب جائیں گی۔ اور بخلاف اس کے اگر رعایا حکام سے دل برداشتہ ہوں۔ اور حکام رعایا کو زیر پا رکھ کر چلنا اپنا کمال سمجھیں تو نتیجہ باہم آویزی ہوگی ظلم وجور کے راستے کشادہ ہو جائیں گے۔ خود غرضی کا دور ہوگا۔ احکام معطل ہوں گے۔ دل میلے ہوں گے۔ اور بڑی سے بڑی حق تلفی کا ذرہ بھر احساس نہ رہے گا۔ پس شریف،

ذلیل اور کمینے باوقار ہوں گے۔ آپ نے فرمایا حکمرانوں کی فخر شعاری اور تکبر مزاجی عدل و انصاف کے آئینہ میں ایک انتہائی گھٹیا پن کردار ہے۔

اور مجھے قطعاً خوشامد پسند اور اپنی تعریف کا دلدادہ خیال نہ کرو۔ بالفرض اگر مجھے اپنی ثنا پسند بھی ہوتی تب بھی میں اس کو اللہ کے لئے تواضع کرتے ہوئے چھوڑ دیتا۔ کیونکہ عظمت و کبریائی صرف ذات اقدس الٰہیہ کے لئے ہی زیبا ہے۔ بعض لوگ اپنی تعریف سن کر لذت محسوس کرتے ہیں لیکن میں ایسا نہیں ہوں۔ تم لوگ میری تعریفیں نہ کیا کرو۔ تاکہ میں اللہ کی جانب سے اور تمہاری طرف سے اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہو سکوں۔ مجھے جابر حکمران نہ سمجھو اور مجھ سے جلد باز و جذباتی قسم کے حکمرانوں کے طرز عمل کی توقع نہ رکھو۔ لہٰذا نہ میری خوشامد کرو۔ اور نہ مجھ سے خوف و ہراس کرو۔ اور نہ میری طبیعت پر حق بات کا بوجھ ہوتا ہے اور نہ میں بڑائی کا خواہش مند ہوں۔ جو شخص کلمۂ حق سن نہیں سکتا وہ اس پر عمل کیسے کر سکتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ مجھے سچی بات کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرو۔ اور نہ مجھے اپنا مشورہ دینے سے گھبراؤ۔ کیونکہ میں بذات خود قولی یا فعلی طور پر خطا سے اپنی ذات کو مستثنا نہیں کرتا۔ جب تک کہ اللہ کی جانب سے کفایت نہ ہو (میری عصمت اللہ کا ہی عطیہ اور وہبی ہے نہ کہ کسبی) میں اور تم اس ایک رب کے عبد و مملوک ہیں جس کے علاوہ کوئی دوسرا رب نہیں۔ ہمارے نفوس کا جس طرح وہ مالک ہے ہم نہیں۔ اس نے ہمیں ناموزوں حالت سے موزوں و مناسب حالت پر پہنچایا ہے۔ انتہی بقدر الحاجۃ ملخصاً۔

آپ کے بلند پایہ کلمات پر غور کیجئے کس طرح اچھوتے انداز اور نرالے طرز بیان سے آپ نے حکمرانوں کو ایک بہترین دستور العمل عطا فرمایا۔ تاکہ فخر و تکبر خواہش و حب نفس اور خود غرضی و نفس پرستی کے پیش نظر وہ اپنے تئیں بھول چوک سے بلند نہ سمجھیں۔ وہ اپنے ہر حکم کو درست، ہر رائے کو صائب اور ہر من مانے تصرف کو جائز اور برمحل قرار نہ دیں۔ کیونکہ طبع بشری کا مقتضا ہے غلطی کا سرزد ہونا۔ پس مملکت کی خیر خواہی کے لئے ہر جوڑ توڑ میں ایسی مجلس مشاورت کی ضرورت ہے۔ جس کے ممبر ارباب عقل و دانش بلند حوصلہ عالی ہمت اور اغراض صحیحہ کے حامل ہوں۔

غرضیکہ جملہ سلاطین و ملوک بلکہ ہر صاحب اقتدار و با اختیار افسر و عہدہ دار پر لازم ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی فرمائش کو گوش ہوش سے سنے۔ اور چشم بصیرت سے اس کا مطالعہ کرے۔ اور اسی کے مضمون کو اپنا لائحہ عمل قرار دے۔ اسی گھاٹ پہ اپنی جہانبانی و حکمرانی کی پیاس بجھائے۔ اور اسی طرز پر ملک رانی کے دستوروں کی تشکیل کرے۔

خدا کی قسم اگر زمین پر اس قسم کی حکومت قائم ہو جائے تو زمین خدا امن کا گہوارہ بن جائے۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب صاحبان اقتدار اقتدار کو خدمت قوم و ملک کی خاطر قانون کی پاسبانی و نگہداری کا وسیلہ قرار دیں۔ اور رعایا سے پہلے خود اپنے نفسوں کا جائزہ لے کر انہیں قانون کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کریں تاکہ رعایا کے دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہو۔ اور باہمی انس و محبت ملک و قوم کی فلاح بقاء اور ارتقاء کا پیش خیمہ ہو۔ لیکن کیا کیا جائے جب قانون بھی خود ساختہ ہو۔ قانون دان بھی خود ساختہ ہو۔ اور حکمران بھی خود ساختہ ہو تو عدل و انصاف اور خیر خواہی و بھلائی کا تصور خواب پریشان کے سوا اور کیا وقعت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

نہ قانون دان کے دل میں قانون کا احترام ہے۔ اور نہ حکمران کے قلب میں قانون کی وقعت ہے۔ پس قانون صرف تکمیل خواہشات اور عیاشی کی بحالی کے لئے صاحبانِ اقتدار کے پاس کمزور عوام کے سروں کو کچلنے کا ہتھوڑا ہے۔ ایسی صورت میں امن کہاں سے آسکتا ہے؟ ہاں اگر قانون انسانی دسترس سے بالاتر ہو۔ حکام و رعایا سب کے دلوں میں اس کا احترام ہو۔ حکام اپنے آپ کو اس کا پاسبان سمجھیں۔ اور عوام اس کی رعایت کرنا اپنا ایمان سمجھیں تو باہمی انس و محبت کی راہیں بھی ہموار ہو سکتی ہیں۔ اور عدل و انصاف کا علم بھی لہرایا جا سکتا ہے۔ آہ خدا اس دور کو جلد لائے جب عدل کی بساط بچھے اور حاکم عادل مسندِ حکومت پر جلوہ گر ہو۔ ہائے کس قدر پر کیف ہوگا وہ دور جو کان سنتے ہیں اور کس قدر پُر آشوب ہے یہ دور جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔

حکومتِ جور مذہبی اصطلاح میں حکومتِ جور سے ہر وہ حکومت مُراد ہے جس میں قانونِ اسلام یعنی قرآنی احکام نافذ نہ ہوں اور اس کا سربراہ امام عادل یا اس کا قائم مقام نہ ہو۔ اور ایسی حکومتوں میں حصہ لینا اور ان کی اس سلسلہ میں اعانت کرنا درست نہیں ہے۔ اسی بنا پر تو جب لوگوں نے امام رضا علیہ السلام پر ولی عہدی کے قبول کرنے پر اعتراض کیا تو امام نے جواب میں ایک طرف حضرت یوسف کی حکومت میں شمولیت کو پیش فرمایا کہ لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنے، خدائی احکام نافذ کرنے اور لوگوں کے حقوق کو محفوظ کرنے کے لئے حکومتِ جور کی جانب سے پیش کردہ عہدہ قبول کرنا جائز ہے بلکہ از خود کوشش کر کے طلب کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسف نے خود ہی طلب فرمایا تھا۔ اور دوسری طرف ضرورتِ وقت کو دلیل جواز قرار دیا کہ اگر میں قبول نہ کرتا تو مجھے قتل کر دیا جاتا۔ اسی طرح اگر حکومتی ملازمتوں اور سرکاری عہدوں میں اپنی قوم و ملک کی خیر خواہی و خدمت کا جذبہ لے کر داخل ہو تو بہتر ہے۔ اور اس طرح جواز کی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر قوم کی خدمت نہ کر سکے بلکہ صرف شکم پرستی کی خاطر قوم کا خون چوسنا مقصود ہو۔ یا آوارگی و عیاشی کا زینہ سمجھ کر ایسا کرے تو یقیناً ناجائز ہے۔ نیز قومی بقا مجموعی طور پر اگر اسی صورت میں منحصر ہو تو یقیناً حکومت میں حصّہ لینا مستحسن بلکہ ضروری ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آگے جا کر مذہب و ملت کی خدمت کو فراموش نہ کر بیٹھے۔ اقتدار، کرسی کی ہوس اور حکومت اور فرمانروائی کے نشے میں خصوصیاتِ مذہب سے بیگانہ نہ ہونے پائے۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے جب علی بن یقطین نے حکومتی عہدہ قبول کرنے کا جواز حاصل کیا تھا تو آپ نے یہ شرط عائد کی تھی کہ اپنے بھائیوں کی خدمت کرنے کے لئے عہدہ کو قبول کرو۔ اور یہ شرط اُس نے قبول کر لی تھی، پھر جب ایک شتربان اپنی کوئی درخواست لے کر حاضر ہوا تو علی بن یقطین نے اُس پر غور نہ کیا۔ اور اسی سال حج کے ارادہ سے مکہ گیا اور پھر مدینہ میں زیارتِ نبوی کے بعد امام عالی مقام کی بارگاہ میں شرف یاب ہوا تو امام نے اپنا رُخ پھیر لیا۔ اُس نے وجہ پُوچھی تو آپ نے وہی شرط جتلائی اور شتربان کی درخواست سے بے اعتنائی یاد دلائی اور فرمایا جب تک وہ راضی نہ ہوگا میں راضی نہ ہوں گا۔ چنانچہ وہ باعجازِ امام مدینہ سے بغداد پہنچا اور رات کے وقت شتربان کا گھر تلاش کر کے اُس کو دروازہ پر بلایا وہ خوف زدہ تھا کہ شاید مجھے کوئی سزا دینا چاہتا ہے لیکن دیکھا کہ علی بن یقطین نہایت عجز و انکساری سے معافی مانگتا ہے اور زمین پر لیٹ کر عرض کرتا ہے کہ اپنا خاک آلود قدم میرے اس منہ پر ملو جس کے غرور نے مجھے امام کی بارگاہ میں شرمسار کیا ہے چنانچہ اُس نے اپنا قدم اس کے منہ پر رکھا اور علی بن یقطین کو معافی دی۔ پس وہ اسی رات باعجازِ امام واپس مدینہ میں پہنچا اور امام کی زیارت

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿۵۸﴾

اور آئے یوسف کے بھائی اور اس کے پاس پہنچے تو اس نے ان کو پہچان لیا حالانکہ انہوں نے نہ پہچانا

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُمْ مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا

اور جب ان کو مطلوبہ جنس دے کر رخصت کیا تو کہا کہ دوسری دفعہ اپنے پدری بھائی کو ہمراہ لانا کیا تم

تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۵۹﴾ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي

دیکھتے نہیں کہ میں ماپ کو پورا کرتا ہوں اور بہترین مہمان نوازی کرتا ہوں پس اگر تم اس کو نہ لاؤ گے تو

کا شرف حاصل کیا اور امام اس پر رضامند ہوئے۔ یہ روایت مذہب آئمہ کا دعوٰے کرنے والوں کے لئے باعثِ عبرت ونصیحت ہے

خداوند کریم صاحبانِ اقتدار کو قانونِ اسلام کی نگہبانی اور ملتِ بیضا کی پاسبانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

رکوع ۲ حضرت یوسف کی اپنے بھائیوں سے ملاقات

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ :۔ جب ملک میں قحط کی وبا عام پھیلی تو حضرت یعقوب کا شہر کنعان بھی اس کی لپیٹ میں آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا کہ مصر میں مَیں نے سُنا ہے غلّہ فروخت ہوتا ہے۔ اور اُس جگہ کا بادشاہ ایک نیک دل اور صالح مرد ہے پس تم وہاں جاؤ۔ انشاء اللہ وہ تمہارے ساتھ احسان کرے گا۔ چنانچہ بن یامین جو یوسف کا مادری بھائی تھا وہ وہاں رہا اور باقی دس بھائی طعام خریدنے کے لئے روانہ ہو کر مصر پہنچے۔ یوسف کے کنوئیں میں پھینکنے کے بقولے چالیس برس بعد کا یہ واقعہ ہے۔ اب وہ یوسفؑ کو کیسے پہچانتے۔ وہ بچپنہ تھا۔ اب بھرپور جوان ہیں۔ وہ غریبی کی حالت تھی۔ اب وہ ملک کے شہنشاہ ہیں۔ اُس وقت پھٹا پرانا یا سادہ لباس تھا۔ اب شاہی لباس میں ملبوس سُنہری تخت پر مسند آرا ہیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ لیکن حضرت یوسف قحط پڑتے ہی منتظر تھے کہ کنعان والے بھی اناج خریدنے کے لئے آئیں گے۔

پس جب وہ دربار شاہی میں پہنچے اور عبرانی زبان میں گویا ہوئے تو یوسفؑ نے عبرانی زبان میں پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگے ہم ملک شام سے غلّہ خریدنے کے لئے آئے ہیں کیونکہ قحط بہت زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہیں تم لوگ جاسوس تو نہیں۔ مجھے تمہاری شکلیں اوپری لگتی ہیں۔ کہنے لگے نہیں۔ خدا کی قسم۔ ہم ایک باپ یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم کی اولاد ہیں۔ اگر ہمارے باپ کو پہچانتے ہوتے تو ضرور ہماری تعظیم کرتے کیونکہ وہ نبی اور نبی زادہ ہے۔ اور ایک غم میں مبتلا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا غم ہے۔ جس میں وہ مبتلا ہے۔ کہیں اس کا غم تمہاری بیوقوفی وغلطی کے باعث تو نہیں؟ کہنے لگے اے بادشاہ ہم نہ بیوقوف ہیں اور نہ جاہل وغلط کار اور نہ اس کا غم واندوہ ہماری وجہ سے ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اس کا ایک فرزند تھا جو ہم سے سن وسال میں چھوٹا تھا وہ ایک دن شکار کے لئے ہمارے ساتھ نکلا۔ پس اُس کو جنگل کے بھیڑیوں نے کھا لیا۔ اُسی دن سے ہمارا باپ غمزدہ رہتا ہے اور ہمیشہ رونے کے سوا اس کا کوئی کام نہیں۔ آپ نے فرمایا تم سب بھائیوں کی ماں بھی ایک ہے۔ کہنے لگے نہیں بلکہ باپ ایک اور مائیں الگ الگ

قرآن مجید میں بھی اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً کا استثنا کھلے لفظوں میں موجود ہے اس کا نام ہے تقیہ اور عملی طور پر کوئی مسلمان اس کے جواز کو چیلنج نہیں کرتا بلکہ مذہبی قیود سے قطع نظر عقلی و فطری فیصلہ بھی یہی ہے کہ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔ اور اس کا انکار وہی کرتا ہے جو عقل کا اندھا اور فطری تقاضوں سے بے بہرہ ہو۔ تقیہ کا بیان اور حضرت عمار کا واقعہ تفسیر کی اسی جلد میں سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ ص ۳۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا دو چیزوں کو محبوب رکھتا ہے اور دو چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ وہ دو چیزیں جن کو پسند کرتا ہے یہ ہیں۔ (۱) میدان جنگ میں صف آرائی کے بعد صفوں کے درمیان ناز و ادا سے چلنا (۲) اصلاح کی خاطر جھوٹ بولنا۔ اور وہ دو چیزیں جن کو خدا ناپسند کرتا ہے (۱) گلیوں اور راستوں میں ناز و ادا سے چلنا پھرنا (۲) بغیر اصلاح کے جھوٹ بولنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا بَلۡ فَعَلَهٗ كَبِيۡرُهُمۡ یعنی بتوں کو اس بڑے بت نے توڑا ہے یہ محض اصلاح کی خاطر تھا کہ وہ اپنے عقول و افکار کی طرف دھیان کریں اور سوچیں کہ جب یہ بت اتنا معمولی کام کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو کسی دوسرے نفع و نقصان کی ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے پس وہ لائق عبادت و پرستش کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا کہنا کہ تم چور ہو ایک مصلحت کی بنا پر تھا کہ اس بہانہ سے بن یامین کو روک لیا جائے اور انجام کار یہ فعل حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات کا بہانہ بن جائے۔

اگر ایک لفظ کے دو معنی ہوں اُن میں سے ایک ذہن کے زیادہ قریب اور دوسرا بعید ہو پس اس لفظ کو استعمال کر کے مخاطب کے ذہن میں معنی قریب بٹھا دینا اور اپنے دل میں معنی بعید کا ارادہ رکھنا اس کو توریہ کہتے ہیں۔ مثلاً مجھ سے کوئی شخص ایک سو روپیہ طلب کرے اور میرے پاس روپیہ موجود بھی ہو لیکن دینے کا ارادہ نہ ہو پس کہہ دوں کہ میرے پاس نہیں ہے۔ اور اس کی کئی تاویلیں ہو سکتی ہیں جن کی بنا پر میرے اُوپر جھوٹ کا الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ مثلاً میرے پاس نوکر نہیں جو گھر سے لائے یا میرے پاس گنجائش نہیں کہ تم کو دے دوں یا یہ کہ میری جیب میں اس وقت نہیں ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور توریہ پر مجازاً تقیہ کا اطلاق بھی ہوا کرتا ہے بنا بریں حضرت یوسف یا اُن کے ملازمین کا کہنا کہ تم چور ہو گلاس اور پیالہ کے متعلق نہیں تھا جیسا کہ قافلہ والے سمجھ رہے تھے بلکہ ان کا مقصد باپ سے حضرت یوسف کو چرا لینا مقصود تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے متعلق اہل سنّت کی کتب صحاح میں تین جھوٹوں کی نسبت موجود ہے (العیاذ باللہ) (۱) اپنی زوجہ کے متعلق فرمایا (یہ میری بہن ہے) (۲) عید کے دن اپنے متعلق فرمایا اِنِّىۡ سَقِيۡمٌ۔ میں بیمار ہوں۔ اور فرمایا (۳) بَلۡ فَعَلَهٗ كَبِيۡرُهُمۡ بُت توڑنے کا کام بڑے نے کیا ہے۔ یہ تینوں فقرے یا تو تقیہ کی بنا پر ہیں جو عقل و فطرت کا تقاضا ہے۔ اور یا توریہ کی بنا پر ہیں۔ پس بہن سے مراد دینی بہن ہے نہ کہ نسبتی یا رضاعی۔ اور اپنی بیماری کے اعتراف کا مقصد یہ ہے کہ اگر تمہارے ساتھ بتوں کی پوجا میں شریک ہو جاؤں تو روحانی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ اور بُت شکنی کی نسبت بڑے بت کی طرف مشروط تھی کہ اُن سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں۔ تو یہ کام بڑے کا ہے ورنہ نہیں۔ بہرکیف تقیہ کے موقعہ پر تقیہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ بلکہ تقیہ احکام خمسہ سے متصف ہوتا ہے۔

لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا جِئۡنَا لِنُفۡسِدَ فِي الۡاَرۡضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيۡنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوۡا

تم جانتے ہو کہ ہم زمین میں فساد کرنے کے لئے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں انہوں نے کہا

فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ كٰذِبِيۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوۡا جَزَآؤُهٗ مَنۡ وُّجِدَ

کیا بدلہ ہوگا اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے؟ کہنے لگے بدلہ یہ ہے کہ جس کے سامان میں مل جائے

واجب مستحب مباح مکروہ اور حرام اور تقیہ کے وجوب استحباب اباحت کراہت اور حرمت کے مواقع الگ الگ ہیں۔ جو صاحبانِ عقول سے مخفی نہیں۔ البتہ تقیہ سے پہلے اگر توریہ سے کام نکل سکتا ہو تو اس کا استعمال بہرصورت بہتر ہے۔

حِمۡلُ بَعِیۡرٍ۔ حمل اور حمل میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ اگر اونٹ پر لادا جا چکا ہو تو وہ حمل ہے اور اگر اونٹ کے بھار کے برابر چیز موجود ہے جو لدی نہیں جا چکی لیکن لدی جا سکتی ہے تو اس کو حمل کہا جائے گا۔

لَقَدۡ عَلِمۡتُمۡ۔ کہتے ہیں کہ پہلی دفعہ جب غلہ لے کر گھروں کو پلٹے تھے اور وہاں جا کر دیکھا کہ اپنا مال بھی ان کا واپس آگیا ہے تو اس کو انہوں نے اپنے ہاں بطور امانت رکھ لیا تھا۔ اور دوبارہ جب آئے تو آتے ہی اس کو شاہی خزانہ میں جمع کرا دیا کہ شاید یہ مصر کے ملازمین کی غلطی کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ اب جو گلاس یا پیمانہ کی تفتیش شروع ہوئی تو انہوں نے جرأت سے کہا کہ تم ہماری سیرت و کردار کو جانتے ہو کہ ہم فسادی نہیں اور حرام خور نہیں ہیں کیونکہ جب قبضہ میں آیا ہوا مال جس کے حلال ہونے پر ہمیں شک تھا ہم نے واپس کر دیا ہے تو چوری جو یقیناً حرام ہے ہم سے کیسے متوقع ہو سکتی ہے۔؟ نیز کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب مصر کے علاقہ کی آبادیوں میں داخل ہوئے تو اپنے حیوانوں کے منہ باندھ لئے تھے تاکہ کسی کھیتی کا نقصان نہ ہو۔ بنابریں اپنی دیانت داری کی دہائی دی کہ جب ہمارا کردار تمہیں معلوم ہے کہ ہم فسادی نہیں تو یہ چوری کا الزام کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے؟

اِنۡ كُنۡتُمۡ كٰذِبِيۡنَ۔ اگرچہ وہ لوگ اس موجودہ الزام سے بری الذمہ تھے اور ان کا دعویٰ بالکل سچا تھا لیکن بلحاظ توریہ جس بنا پر ان کو چور کہا گیا تھا۔ اسی لحاظ سے جھوٹ کی نسبت بھی ان کی جانب دی گئی یا یہ کہ ان کے سابق انکار کا لازمہ یہ تھا کہ گلاس یا پیمانہ ہمارے سامان میں نہیں ہے پس اس دعویٰ میں ان کی طرف جھوٹ کو منسوب کیا گیا۔

قَالُوۡا جَزَآؤُهٗ۔ چور کی سزا حکومت مصر میں یہ تھی کہ چور کو بدنی سزا کے ساتھ ساتھ اس سے تاوان وصول کیا جاتا تھا۔ اور بنی اسرائیل میں چور کی سزا یہ تھی کہ جس کی چوری کرتا بطور سزا وہ اس کا غلام و عبد بن جایا کرتا تھا۔ اس مقام حضرت یوسف نے ان سے دریافت کیا کہ اگر پیمانہ تمہارے سامان سے مل جائے تو اس کی سزا کیا ہونی چاہیئے۔ یعنی حکومت مصر کے دستور کے مطابق ہو یا تمہارے دستور کے موافق ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے دستور کے مطابق سزا اس کی یہی ہوگی کہ جس کے سامان سے مال مسروقہ برآمد ہو اس کو غلامی میں روک لیا جائے پس اونٹوں پر لدے ہوئے مال اتارے گئے اور پہلے باقی قافلہ کی تلاشی ہوتی رہی۔ آخر میں جب بن یامین کے سامان کو کھولا گیا تو وہ پیمانہ مل گیا۔ پس سزا کے طور پر اس کو عزیز مصر کا غلام بننا پڑا۔

فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَاَ

وہی خود اس کا بدلہ ہے ہم ظلم کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں پس ان کے

بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ

سامان کی تفتیش شروع کی اپنے بھائی کے سامان سے پہلے پھر وہ پیمانہ نکال لیا اپنے بھائی کے سامان سے

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ

اسی طرح ہم نے تجویز سکھائی یوسف کو کہ وہ نہیں روک سکتے تھے اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون میں

الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ

مگر یہ کہ خدا چاہے ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں اور ہر صاحب علم کے اوپر

ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ

جاننے والا ہے کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے

(اس وقت عزیز مصر خود حضرت یوسف ہی تھے)

جب بھائیوں نے دیکھا تو ان کی حیرت کی حد نہ رہی۔ برافروختہ ہو کر بن یامین کے پاس آئے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے کہ تو نے ہم سب کا وقار خاک میں ملا دیا۔ ہماری دیانت کی ناؤ کو ڈبو کر رکھ دیا۔ اور ہمیں اس قدر ذلیل کیا ہے کہ اب ہم مصریوں کے سامنے سر اونچا نہیں کر سکتے۔ ذرا سوچو تو سہی کہ شاہی پیمانہ چرا کر کس قدر سبکی کا تم نے مظاہرہ کیا ہے؟ جب بھائی غصہ کی بھڑاس نکال چکے تو بن یامین نے صرف اتنا کہا کہ پہلی مرتبہ جب تم غلہ لے کر واپس گئے تھے تو تمہاری بوریوں میں تمہارا ذاتی مال کس نے ڈال دیا تھا پس جس نے تمہارا مال تمہاری بوریوں میں ڈالا تھا اسی نے یہ سامان میرے سامان میں ڈالا ہے۔ اس کا نہ مجھے کوئی علم ہے اور نہ میں قصوروار ہوں۔

كِدْنَا:۔ کید سے ہے یعنی ہم نے بذریعہ الہام حضرت یوسف کو یہ تجویز بتلائی۔ کیونکہ شاہی قانون کے لحاظ سے بن یامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ اب حضرت یوسف کو بن یامین کے اپنے پاس ٹھہرانے کا بہانہ مل گیا۔ اور حضرت یعقوب کی طرف پیغام اور مژدہ مسرت بھیجنے کا ذریعہ دستیاب ہو گیا۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ:۔ ظاہری لحاظ سے اپنے آبائی دستور کو وہ ٹھکرا نہ سکتے تھے۔ لہٰذا بن یامین کی سفارش کی جرأت نہ کر سکے۔ اور چونکہ اہل مصر کے نزدیک ان کی سبکی ظاہر ہو چکی تھی۔ پس عزیز مصر (حضرت یوسف) کے سامنے اپنی خفت کو مٹانے کے لئے بگمان معذرت گویا ہوئے کہ اے بادشاہ! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ۔ تحقیق اس کا بھائی بھی

فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ج قَالَ أَنتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ج

پس یوسف نے یہ بات اپنے دل میں رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی (دل میں) کہا تم نے بُرا کیا ہے

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا

اور اللہ جانتا ہے جو تم کہتے ہو کہنے لگے اے عزیز تحقیق اس کا باپ بڈھا

كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ج إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٨﴾ قَالَ

بزرگ ہے پس ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ لے لو تحقیق ہم تم کو محسن سمجھتے ہیں فرمایا

مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ إِنَّا إِذًا

معاذ اللہ ہم نہیں لیں گے مگر اُسے جس سے ہمارا برتن برآمد ہوا ہے ورنہ ہم ظالم

اس سے قبل چوری کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اور حضرت یوسف کی طرف چوری کی نسبت کا واقعہ یوں مرقوم ہے کہ حضرت یوسف کی ماں کا انتقال ہوا تو حضرت یوسف کی تربیت ان کی پھوپھی کے سپرد تھی۔ اور حضرت یُوسف اپنی پھوپھی کو بہت پیارے تھے۔ حتیٰ کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی یوسف کا فراق گوارا نہ کر سکتی تھی۔ جب حضرت یوسف بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب نے اپنی بہن سے اس کو لینا چاہا اور وہ حضرت اسحٰق کی ساری اولاد میں سے بزرگ ترین تھیں۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت اسحٰق کا کمر بند بھی انہی کے پاس تھا جو دستور کے مطابق اولاد میں سے بڑے کے حصہ میں آتا تھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یوسف کو مجھ سے لیا جا رہا ہے تو یہ حیلہ کیا کہ کمر بند کو یوسف کی کمر سے باندھ کر اُوپر لباس پہنا دیا۔ اور باپ کے پاس بھیج دیا اور کچھ دیر بعد خود تعاقب کرتی ہوئی پیچھے سے آپہنچی۔ حضرت یعقوب نے وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ میرا کمر بند چوری ہو گیا ہے اور تلاشی لینے پر وہ حضرت یوسف کی کمر پہ بندھا ہوا پایا گیا۔ پس اولادِ اسرائیل میں چوری کے قانون کے مطابق حضرت یوسف کو دوبارہ اپنی پھوپھی کے حوالہ کیا گیا۔ اب بن یامین سے گلاس برآمد ہوا تو بھائیوں نے فوراً کہا کہ اس کا بھائی قبل ازیں اس جرم کا مرتکب ہو چکا ہے۔ انہیں یہ تو معلوم نہیں تھا کہ جس سے ہماری بات ہو رہی ہے یہی حضرت یوسف ہیں۔ پس حضرت یوسف نے یہ بات دل میں رکھ لی کہ تم بدترین انسان ہو۔ کیونکہ تمہارا جرم یوسف کے بارے میں اس سے سنگین تر ہے قَالُوْا۔ جب بن یامین کو حضرت یوسف نے اپنے پاس پابند کر لیا تو باقی بھائیوں نے منت سماجت شروع کی۔ جب کسی کی نہ چلی تو کہنے لگے کہ ہمارا باپ سن رسیدہ بزرگ ہے اور وہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذار سکتا۔ اتنی مہربانی ضرور کرو کہ ہم میں سے ایک کو اس کے عوض میں رکھ لو۔ اور اس کو جانے دو یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہوگا۔ اور اس منت سماجت اور لے دے میں کافی وقت لگا۔

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع۳ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ

ہوں گے   پس جب مایوس ہوئے اس سے تو آپس میں الگ مشورہ کیا ان میں سے بڑے نے کہا

اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ

تم کو خبر نہیں کہ تحقیق تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد و پیمان لیا ہے   اور اس سے پہلے بھی

مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ

تم یوسف کے بارے میں کوتاہی کر چکے ہو پس میں تو اس زمین کو نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ والد اجازت دے یا

اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ

اللہ میرے حق میں فیصلہ کرے اور وہ اچھا فیصلہ کرنے والا ہے ۔   تم واپس جاؤ اپنے باپ کے پاس

قمی کی روایت کے مطابق سارے بھائی حضرت یوسف کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اور غصہ کے مارے ان کے بدن سے زرد رنگ کا خون ٹپکتا تھا کیونکہ اولادِ یعقوب کی یہ علامت تھی کہ جب ان کو غصہ آتا تھا تو ان کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے سرے کپڑوں سے باہر نکل آتے تھے اور ان سے خون زرد رنگ کا ٹپکنے لگ جاتا تھا حضرت یوسف نے ان کی طبیعتوں کے اتار چڑھاؤ سے ذرہ بھر بھی اثر نہ لیا اور اپنی بات پر پکے رہے کہ بن یامین کو میرے پاس ہی رہنا ہوگا۔

رکوع ۴

خَلَصُوْا نَجِيًّا :۔ خَلَصَ یعنی الگ ہو گیا۔ نَجِيًّا حال واقع ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ باہمی مشورہ کے لئے الگ ہو گئے اور مجلسِ مشاورت میں یہ طے پایا کہ جو ان میں سے سن و سال کے لحاظ سے یا علم و عقل کے اعتبار سے بزرگ تھا اُس نے باقی بھائیوں کو واپس چلے جانے کا مشورہ دیا۔ اور خود زمین مصر میں رہنے کا عہد کر لیا۔ اس کے نام میں اختلاف ہے۔ اکثر روایات میں یہودا کا ذکر ہے۔ پس جب باقی بھائی روانہ ہو گئے تو یہودا نے حضرت یوسف کے پاس آکر کافی منت سماجت کی لیکن حضرت یوسف نے ایک نہ مانی۔ پس یہودا کو غصہ آیا اور کندھے کے بال کھڑے ہو گئے۔ اور اُن سے زرد رنگ کا خون ٹپکنے لگا۔ نیز اولادِ یعقوب کی یہ عادت بھی تھی کہ غصہ کی حالت میں اگر اولادِ یعقوب کا کوئی دوسرا فرد اس کو چھو لیتا تھا تو اس کا غصہ فرو ہو جاتا تھا۔ حضرت یوسف کا ایک شہزادہ وہاں موجود تھا جس کے پاس انار کے برابر سونے کی ایک گیند تھی جس کو زمین پر لڑھکاتا تھا۔ پس جب یہودا کو غصہ آیا تو حضرت یوسف نے اپنے فرزند سے گیند لی اور یہودا کی طرف لڑھکائی پس بچہ گیند کے پیچھے دوڑا اور اس کا ہاتھ یہودا کے جسم سے مس ہوا۔ پس فوراً یہودا کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور ششدر و پیچ ہو کر دریائے حیرت میں ڈوب گیا بچہ گیند اٹھا کر

فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا

اور کہو اے بابا جان ! تحقیق تیرے فرزند نے چوری کی اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر جو کچھ ہمیں معلوم ہے اور نہیں

كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا

تھے ہم غیب کے حافظ اور اس بستی والوں سے پوچھئے جس میں ہم تھے

وَالْعِیْرَ الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور قافلہ والوں سے پوچھئے جس میں ہم واپس آئے اور ہم یقیناً سچے ہیں فرمایا بلکہ زینت دی تمہارے لئے تمہارے

واپس آگیا۔

پھر باہمی گفتگو میں یہودا کو غصہ آیا تو حضرت یوسف نے گیند کو لڑھکایا اور بچہ کا ہاتھ لگتے ہی یہودا کا غصہ فرو ہو گیا پھر تیسری بار بھی ایسا ہوا تو یہودا بھانپ گیا کہ یہاں حضرت یعقوب کے خون کا اثر ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت قمی منقول ہے کہ تمام بھائیوں کی دعوت کے بعد جب وہ سب کھانا کھا چکے تو حضرت یوسف نے باقی بھائیوں کو رخصت کر کے بن یامین سے فرمایا کہ میں تجھے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں بنیامین نے جواب دیا کہ میرے باپ نے میرے بھائیوں سے سخت عہد و پیمان لیا ہے لہذا وہ مجھے کسی قیمت پر چھوڑ کر نہ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی حیلہ تلاش کروں تو تو خاموش رہنا۔ چنانچہ حیلہ مذکورہ کو اختیار کیا گیا۔ بعض لوگ حضرت یعقوب کے تمام فرزندوں کو نبی مانتے ہیں لیکن شیعہ اصول کی رو سے ان کو نبی نہیں مانا جا سکتا۔ کیونکہ ہمارے نزدیک نبی وہ ہے جس سے زندگی کے کسی دور میں فعل قبیح کا صدور نہ ہو۔ پس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نبی نہیں تھے البتہ اپنی غلطی سے انہوں نے توبہ کر لی تھی اور حضرت یوسف نے بھی ان کو معاف کر دیا تھا لہذا وہ اللہ کے نیک بندے ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

قُوْلُوْا یٰۤاَبَانَا :۔ یہودا نے باقی بھائیوں کو پیغام دے کر روانہ کیا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائیوں کو بھی بنیامین کی چوری کا یقین نہیں تھا۔ اسی لئے تو کہا کہ ہم ظاہری علم کی بنا پر گواہی دے رہے ہیں۔ غیب کا ہمیں کوئی پتہ نہیں۔ اور ممکن ہے حضرت یعقوب نے اعتراض کیا ہو کہ شاہ مصر کو کیسے معلوم ہوا کہ چوری کے بدلہ میں چور کو غلام بنا لیا جاتا ہے تو انہوں نے جواب میں کہا ہو کہ ہم نے وہی بات بتائی جس کا ہمیں علم تھا کہ اولاد اسرائیل کا دستور ہے چور کو چوری کے بدلہ میں صاحب مال کا غلام بنا دیا جائے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ حالات اس طرح پلٹا کھائیں گے اور بنیامین چوری کے الزام میں گرفتار ہو گا۔ پس بن یامین کے واپس بخیریت لانے کا عہد و پیمان علم غیب نہ رکھنے کی بنا پر تھا۔

وَاسْئَلِ الْقَرْیَةَ :۔ اس مقام پر عبارت کافی محذوف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ پس وہ واپس کنعان میں باپ کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ اور کہا کہ اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہ آئے تو اس بستی والوں سے دریافت کر لو۔ جہاں ہم تھے کہتے

أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ

نفسوں نے ایک بات پس صبر جمیل (خوب ہے) اُمید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لائے گا

إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ

تحقیق وہ علیم و حکیم ہے اور ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا ہائے ارمان یوسف

يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ

پر اور سفید ہوگئیں ان کی آنکھیں غم سے پس وہ غم کو ضبط کرنے والے تھے کہنے لگے خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے ہیں۔

ہیں کہ مصر کے کچھ لوگ اس علاقہ میں آئے ہوئے تھے جن سے بطور شہادت پوچھنے کا انہوں نے کہا کہ قافلہ کے دوسرے لوگوں سے دریافت کر لو جو ہمارے ہمراہ تھے اور اب آپ کے ہمسایہ میں ہیں تاکہ آپ کو ہماری سچائی کا یقین ہو جائے۔

کیا رونا بے صبری ہے

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ :۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں رونا اور آہ و فغاں کرنا عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے۔ بایں ہمہ حضرت یعقوب کا اپنے آپ کو صبر جمیل کی صفت سے متصف کرنا اربابِ فکر و صاحبانِ دانش کے لئے غور طلب ہے۔ قرآن حکیم کا یہ انداز و اسلوب اور خاصانِ خدا کا طرزِ عمل صرف سرسری سیر نظر کے لئے نہیں بلکہ اسے تازیانۂ فطرت اور مہمیز عقل تصور کرنا چاہیئے تاکہ طبیعت میں اُلجھے ہوئے مسائل کا ان کی روشنی میں صحیح حل تلاش کیا جا سکے۔ پس گریہ و بکا کو خلافِ صبر کہنے والے قرآن کے ان ارشادات و انبیاء کے اس جیسے واقعات سے سبق حاصل کریں۔ خدا کا برگزیدہ نبی انتہائی غم و اندوہ اور آہ و بکا کے باوجود اپنے تئیں صبر جمیل سے متصف کر رہا ہے۔ اور خدا بھی اس کو صابر کہہ رہا ہے تو معلوم ہوا کہ کسی مصیبت میں صرف رونا اور غم زدہ ہونا منافی صبر نہیں بلکہ عین فطرت اور محبوبِ پروردگار ہے۔ ہاں اللہ کے فیصلہ کو رد کرنا۔ اور اس کا شکوہ کرنا خواہ گریہ نہ بھی ہو بے صبری اور منافی فطرت ہے اور مبغوضِ پروردگار بھی ہے۔

قومِ شیعہ کا حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر بلکہ جملہ خاندانِ رسول کے بے گناہ اُجڑ جانے پر ماتم کرنا رونا پیٹنا کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ محبتِ خدا و رسول کا تقاضا یہی ہے کہ خاصانِ خدا اور اقربائے پیغمبر پر اُمتِ ناہنجار کے مظالم کی داستان دہرائی جائے اور ان کے حلم و حوصلہ اور صبر و ضبط کی یاد تازہ کی جاتی رہے تاکہ مظلوم کے غم میں بہتے ہوئے آنسو رونے والے کے دل و دماغ سے ظلم و جور و استبداد بلکہ تمام گناہوں کے اُبھرتے ہوئے نقوش کو دھو دیں۔ اور اسوۂ حسنہ مظلوم سے صحیفۂ قلب پر جنم لینے والے اچھے اثرات کے لئے یہی آنسو آبِ بقا کا کام دیں کیونکہ ظالم اور اس کی جملہ بدعادات سے نفرت نیز مظلوم اور اسکی جملہ خوبیوں سے محبت قصۂ پارینہ کی صورت میں صد البصرا سے زیادہ

وقعت نہیں رکھتی لیکن جب اُسے بار بار دہرایا جائے اور خلوص بھی کارفرما ہو تو ظالم کی برائیوں سے نفرت اور مظلوم کی اچھائیوں سے محبت جہاد نفس میں فتح و کامرانی کا علم بن کر اُبھرتی ہے جس کی بدولت انسان نما انسان حقیقی انسانیت کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے ۔ اور اپنے مثالی کردار سے قوم و ملک و ملت کی صحیح خدمت کرنے کے اہل ہوتا ہے اور دین و دنیا کی بھلائی اس کے لئے فرشِ راہ ہوتی ہے ۔

عَسَی اللّٰہُ :- صافی و برہان و مجمع البیان میں معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ وہ ملک الموت کو بھیجے چنانچہ دعا مقبول ہوئی اور ملک الموت حضرت یعقوب کے پاس پہنچے تو آپ نے دریافت کیا کہ یوسف کی روح بھی تیرے پاس پہنچی ہے ؟ تو اُس نے جواب دیا کہ نہیں ۔ پس آپ کو یوسف کی زندگی کا علم ہو گیا ۔ نیز تفسیر برھان و صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی عرب نے حضرت یوسفؑ سے غلّہ خریدا جب وہ روانہ ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ جب فلاں وادی کے قریب پہنچنا تو ٹھہر جانا اور یعقوب کے نام آواز دینا پس ایک خوبصورت عظیم الشّان آدمی باہر آئے گا ۔ اس سے کہنا کہ مصر میں ایک آدمی تجھے سلام کہتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ میں تیری امانت ہوں اور اللہ تیری امانت کو ضائع نہیں کرتا پس وہ عرب پیغام لے کر روانہ ہوا ۔ جب اُس مقام پر پہنچا تو اپنے ملازمین سے کہا تم اس جگہ ٹھہر جاؤ میں پیغام پہنچا کر ابھی واپس آتا ہوں ۔ چنانچہ اُس نے گھروں کے قریب پہنچ کر یعقوب کے نام آواز دی تو خوب رُو قد آور نورانی چہرے والا ایک آدمی نکلا جو آنکھوں سے معذور تھا اور دیوار کا سہارا لے کر ادھر آ رہا تھا اُس نے پوچھا کیا یعقوب آپ ہیں ؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں ! پس اُس نے یوسف کا پیغام پہنچایا ۔ جس کے سنتے ہی حضرت یعقوب پر غشی طاری ہو گئی ۔ جب افاقہ ہوا تو اعرابی سے فرمایا کیا تیرے دل میں کوئی خواہش ہے ؟ اُس نے جواب دیا ۔ ہاں ! میری عورت میری چچا زاد ہے ۔ اور میری کوئی اولاد نہیں ہے ۔ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اولاد عطا فرمائے ۔ پس حضرت یعقوب نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور خدا سے اس کے لئے دعا کی جو مقبول ہوئی ۔ اس کی عورت کو چار و فعہ یا چھ دفعہ حمل ہوا ۔ اور ہر حمل میں دو دو لڑکے پیدا ہوئے ۔ بہر کیف حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی زندگی کا علم تھا اور خداوند کریم نے بھی بذریعہ وحی کے جتلا دیا تھا کہ ایک طولانی غیبت کے بعد تجھے ملاؤں گا ۔ اسی بنا پر بیٹوں کو فرماتے تھے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور اس آیت مجیدہ میں جو توقع آپ نے ظاہر فرمائی ہے کہ اُمید ہے شاید خدا ان سب کو میرے پاس لے آئے اسی علم کی بنا پر ہی ہے ۔

نیز تفسیر برہان میں ہے عزیز مصر نے حضرت یعقوب کو ایک خط لکھا تھا کہ تیرے لڑکے یوسف کو میں نے خرید لیا ہے اور تیرے بیٹے بنیامین کو چوری کے جرم میں اپنا غلام بنا لیا ہے ۔ جب حضرت یعقوب نے یہ خط پڑھا تو آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی اور فوراً جواب لکھا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ خط یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ کی جانب سے ہے ۔ امابعد ! میں نے

تیرے خط کا مطلب سمجھا ہے کہ تو نے میرے فرزند کو خرید کر غلام بنالیا ہے۔ تحقیق انسان پر مصائب آیا کرتے ہیں۔ دنیا کے بادشاہ نے میرے جد ابراہیم کو آگ میں ڈالا تھا تو خدا نے اس کو بردو سلام کر دیا۔ اور میرے باپ اسحٰق کے ذبح کا حکم ہوا تو خدا نے اس کے بدلہ میں دنبہ بھیج کر اسے بچالیا۔ (روایات میں ذبیح اللہ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ اسمٰعیل تھے یا اسحٰق۔ اس روایت میں حضرت اسحٰق کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم) اور میرا فرزند جو مجھے نہایت عزیز تھا بلکہ میری آنکھ کی ٹھنڈک اور دل کا سہارا تھا۔ بھائی اس کو لے گئے اور بہانہ بنا کر پلٹے کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اس کے غم میں میری پشت ٹیڑھی اور بینائی ختم ہو گئی ہے۔ پھر اس کا ایک بھائی تھا جس کے ساتھ میں اپنا دل بہلا لیا کرتا تھا۔ بھائی اس کو تیرے شہر میں غلہ خریدنے کے لئے لے گئے اور واپس آکر انہوں نے بیان کیا کہ اس نے بادشاہ کا پیمانہ یا گلاس چرایا ہے۔ جس کی پاداش میں غلام بنا لیا گیا ہے۔ حالانکہ چوری اور گناہ کی واردات ہماری خاندانی روایات کے منافی ہیں۔ بس ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کے معبود کا واسطہ دے کر تجھ سے خواہش کرتا ہوں کہ میرے اُوپر احسان کر اور بیٹے کو مجھے واپس کر دے۔ جب یہ خط حضرت یوسف کے پاس پہنچا تو انہوں نے اُس کو آنکھوں پر رکھا اور اس کو بوسہ دیا اور سخت روئے اور چونکہ خط لے جانے والے بھائی تھے لہٰذا اُن سے فرمایا هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ۔ الآیۃ۔ جو بعد میں آئے گا۔

اس تفصیل سے روزِ روشن کی طرح چند باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

۱۔ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی زندگی کا علم تھا صرف فراقِ یوسف میں گریہ فرماتے تھے۔

۲۔ حضرت یعقوب کی یوسف سے پدری محبت تھی جو حضرت یعقوب کے گریہ کی محرک تھی۔

۳۔ حضرت یوسف پر ظلم و تشدد بھائیوں کی جانب سے تھا اسی لئے تو بعض مظالم بعض بھائیوں کو گوارا نہیں ہوتے تھے اور برادرانہ محبت آڑے آجاتی تھی جیسا کہ کنوئیں میں یہودا کا خوراک پہنچانا بھی منقول ہے۔

۴۔ حضرت یعقوب اس قدر روئے کہ ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یعنی بینائی ختم ہو گئی۔

۵۔ حضرت یعقوب نے کثرتِ گریہ کے باوجود اپنے آپ کو صبرِ جمیل کی صفت سے متصف کیا۔

۶۔ حضرت یعقوب کا گریہ خداوند کریم کو محبوب تھا۔ اسی لئے تو آزمائش کو طول دیدیا اور قرآن میں اس کو سراہا۔

۷۔ حضرت یعقوب کا گریہ حلم و حوصلہ کے منافی نہیں تھا کیونکہ باوجود گریہ کے خدا نے اس کو حلیم کی صفت سے یاد فرمایا ہے۔

۸۔ خدا کے فیصلہ کو ٹھکرانا اور اس کا شکوہ کرنا ہی بے صبری ہے۔

ان نتائج کی روشنی میں آلِ محمد کے مصائب پر قوم شیعہ کا رونا اور ماتم کرنا عین سنّتِ انبیاء اور اسوۂ صلحاء ہے بلکہ قوم شیعہ کا ماتم کسی پدری و مادری یا خونی رشتہ کی بنا پر نہیں۔ یہاں تو صرف خدا و رسول کی محبت کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے اور خوشنودیٔ خدا و رسول ہی مطلوب ہوا کرتی ہے۔

یَا اَسَفٰی :۔ تفسیر مجمع البیان میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ مصیبت کے وقت اُمّتِ اسلامیہ کو جو فقرہ عطا کیا گیا ہے وہ اس سے قبل انبیاء کو نہیں دیا گیا۔ اور وہ ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اگر یہ فقرہ پہلے نبیوں کو عطا ہوتا۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام یَا اَسَفٰی کی بجائے یہی فقرہ پڑھتے۔

وَابْیَضَّتْ :۔ آنکھ کا سفید ہونا کنایہ ہے۔ بصارت کے ختم ہو جانے سے۔ اور مروی ہے کہ چھ سال حضرت یعقوب بصارت سے محروم رہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نابینا نہیں ہوئے تھے بلکہ اس قدر ان کی بصارت کمزور ہو گئی تھی کہ نابینا ہونے کے قریب تھے۔ حُزن اور بث میں عام وخاص مطلق کی نسبت ہے۔ چنانچہ بث اس غم کو کہتے ہیں جو چھپایا نہ جا سکے اور غم زدہ آدمی اس کے اظہار پر مجبور ہو۔ بنا بریں اگلی آیت میں حُزن کا بث پر عطف کرنا عطفِ عام علی الخاص ہے حضرت یعقوب فراقِ یوسف میں اس قدر روئے کہ عالم میں سب سے زیادہ گریہ کرنے والے پانچ میں سے ایک یہ ہیں۔ جیسے کہ احادیث میں وارد ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا گیا کہ حضرت یعقوب کا یوسف کے فراق میں گریہ کس قدر تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ ماں جس کا اکلوتا بیٹا مر جائے۔ ایسی ستر ماؤں کے غم کے برابر صرف ایک یعقوب کا غم تھا۔

تنبیہ :۔ قوم شیعہ کے غمِ حسینؑ میں رونے کو بدعت اور حرام کہنے والے حضرت یعقوب کے غم واندوہ اور گریہ و بکا پر قرآن کی روشنی میں غور کریں۔ شہید ہونے والے کے غم میں گریہ کرنا دیکھنا ہو تو حضرت آدمؑ کا ہابیل کے غم میں گریہ کرنا بلکہ سر میں خاک ڈالنا معارج النبوّۃ میں دیکھیں۔ اور زندہ جدا ہونے والے کی جدائی میں رونے کے جواز کا فتویٰ قرآن مجید کی سورہ یوسف سے دریافت کر کے تسلّی کر لیں۔

آلِ محمدؐ کے مصائب پر رونا اس لئے بدعت قرار دیا جاتا ہے کہ اس سے بعض صحابہ کے حق میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں بعض علمائے اسلام کا قول نقل کیا ہے (علی ما یرد علی عنہ) چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ گویا یہ لوگ دبی زبان سے اعتراف کر رہے ہیں کہ آلِ محمدؐ کے ستانے رُلانے اور ذبح کرنے میں ان لوگوں کا ہاتھ تھا جن کے متعلق نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ حق وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے اور غمِ حسین کی کرامات کا سلسلہ آج تک جاری وساری رہ کر دنیا والوں کے لئے دعوتِ فکر کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۔ ہر غم دل کو کمزور کرتا ہے اور غمِ حسین دل کو طاقتور بناتا ہے۔

۲۔ ہر غم واندوہ بزدلی کا باعث بنتا ہے اور غمِ حسین جرأت کا درس دیتا ہے۔

۳۔ غمِ حسین میں رونے والا آشوبِ چشم سے محفوظ رہتا ہے۔

۴۔ ہر غم تھکان بڑھاتا ہے اور غمِ حسین تھکے ماندے انسان کو تازہ دم کر دیتا ہے۔

۵۔ ہر غم سے دل اکتا جاتا ہے اور غمِ حسین سے دل کبھی نہیں اکتاتا بلکہ عزیزوں کی موت ایک وقت کے بعد قصّہ پارینہ

یُوسُفَ حَتّٰی تَکُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡہٰلِکِیۡنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ

یہاں تک کہ بہت لاغر ہو جائیں یا مرنے والوں سے ہو جائیں فرمایا

اِنَّمَاۤ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾

سوائے اس کے نہیں کہ میں اپنے غم و اندوہ کی شکایت اللہ کو کرونگا اور اللہ کی طرف سے میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

بن جاتی ہے۔ لیکن بچپنے سے لے کر بڑھاپے کی آخر منزل تک غم حسین میں رونے والا اس غم کو سرور قلب بلکہ رگِ حیات خیال کرتا ہے۔ اے اللہ ہمیں آلِ محمدؐ کے عزاداروں میں محشور فرمانا۔

بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡ:۔ تفسیر برہان میں بروایت جابر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ ایک مرتبہ حضرت یعقوب اپنے کسی کام میں بادشاہِ وقت کے پاس گئے تو بادشاہ نے دریافت کیا کیا آپ ابراہیم ہیں۔؟ تو جواب دیا کہ نہیں۔ پھر اُس نے پوچھا کیا آپ اسحٰق ہیں؟ تو آپ نے نفی میں جواب دیا۔ پھر اُس نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو فرمایا میں یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم ہوں۔ بادشاہ نے ازراہِ استعجاب پوچھا۔ آپ تو نوجوان ہیں پھر یہ آثارِ ضعیفی کیسے؟ تو جواب دیا کہ یہ یوسف بیٹے کے فراق کے غم کے نتیجے میں ہے۔ بہرکیف جس کام کے لئے گئے تھے وہ ہوگیا۔ واپسی پر ابھی تک دہلیز میں ہی تھے کہ جبریل نے کہا خدا تجھے سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندوں کے سامنے میرا شکوہ کیا ہے۔ پس حضرت یعقوب نے وہاں سر سجدہ میں رکھ کر عاجزی و زاری کی اور معافی مانگی۔ پس جبریل نے مژدہ سنایا کہ خدا نے تجھے معاف کر دیا ہے اور وہ سلام کے بعد فرماتا ہے آئندہ میرا شکوہ میری مخلوق کے سامنے نہ کرنا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب بیٹوں نے باپ سے کہا کہ آپ رو رو کر نڈھال ہو رہے ہیں۔ اور قریب ہے کہ یہ گریہ آپ کے لئے موجب ہلاکت بن جائے۔ تو ان کے جواب میں فرمایا اِنَّمَاۤ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَ حُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ۔ کہ میں اپنے غم و اندوہ کا شکوہ اپنے اللہ کی طرف ہی کرتا ہوں۔ اور خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

بروایت مجمع البیان حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جبریل نے حضرت یعقوب کو یہ بشارت سنائی تھی کہ خدا بعد سلام کے فرماتا ہے۔ اپنے دل میں اطمینان رکھو مجھے اپنی عزت کی قسم اگر تیرے دونوں بیٹے مر بھی گئے تب بھی میں ان دونوں کو زندہ کر کے تجھے ملاؤں گا۔ پس تم مساکین کو کھانا کھلاتے رہو کیونکہ مجھے سب بندوں میں سے مساکین زیادہ عزیز تر ہیں۔ اور تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ میں نے تیری بینائی سلب کر لی اور پیٹھ کو کبڑا کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے بکرا ذبح کیا اور روزہ دار مسکین نے تمہارے دروازہ پر صدا دی لیکن تم نے اس کو کچھ نہ دیا۔ پس اس کے بعد جب بھی حضرت یعقوبؑ صبح کا کھانا کھاتے تھے ایک منادی ان کی طرف سے ندا کرتا تھا کہ جس مسکین نے صبح کا کھانا کھانا ہو تو یعقوب کے دستر خوان پر آجائے اور جو کوئی روزہ دار ہو آکر یعقوب کے دستر خوان پر روزہ افطار کرے۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ
بیٹو! جاؤ پس یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے
اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا
تحقیق اللہ کی رحمت سے نہیں مایوس ہوتے مگر کافر لوگ پس جب وہاں پہنچے
عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ
تو کہنے لگے اے عزیز! ہم اور ہمارا خاندان تکلیف میں ہیں اور ہم تھوڑی سی پونجی لائے ہیں

تفسیر برہان میں بروایت عیاشی حضرت یعقوب کا بادشاہِ وقت کے پاس جانا حضرت ابراہیم کے کہنے سے ہے یعنی حضرت ابراہیم نے حضرت یعقوب کو بادشاہ کے پاس کسی مطلب کے لئے بھیجا تھا۔ باقی روایت مثل سابق ہے باختلاف بعض الفاظ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ تک حضرت ابراہیم زندہ تھے (واللہ اعلم)

فَتَحَسَّسُوْا۔ تجسس اور تحسس مرادف لفظ ہیں ان کا معنی ہے تلاش کرنا۔ چنانچہ حدیث میں تجسس اور تحسس دونوں سے منع کیا گیا ہے۔ اور بعض لوگوں نے ان دونوں میں فرق بھی بیان کیا ہے۔ (۱) تجسس کا معنی ہے لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگانا اور تحسس کا معنی ہے چھپ کر لوگوں کی باتیں سننا (۲) تجسس کا معنی ہے بُری باتوں کی جستجو کرنا اور تحسس کا معنی اچھی خبروں کا تلاش کرنا ہے۔

قصّہ:۔ بہرکیف حضرت یعقوب نے اپنے باقی فرزندوں کو حکم دیا کہ یوسف اور بنیامین کی تلاش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا کہ جاؤ اور مصر کے بادشاہِ وقت کا نام دریافت کرو۔ اور اس کے دین و مذہب کا سراغ لگاؤ۔ کیونکہ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ جس نے بنیامین کو روک لیا ہے وہ شاید یوسف ہی ہے اور اس نے بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کے لئے گلاس کے گم ہونے کا بہانہ بنایا ہے۔

وَلَا تَايْئَسُوْا۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔ اور روایات میں معصومین سے منقول ہے کہ مومن کا ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ پس محض خوف ہی خوف کفر کی نشانی ہے۔ اور اسی طرح محض اُمید ہی اُمید بھی ایمان سے دُوری کی نشانی ہے۔ بلکہ مومن وہ ہے کہ اللہ کے عذاب اور اس کی سخت گرفت سے خوف زدہ ہو۔ اور اس کی بخشش کا اُمیدوار رہو۔ اگر وزن کیا جائے تو اس کا خوف اور اُمید برابر برابر ہوں۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ مومن سختی اور شدت میں اللہ سے خیر کی اُمید رکھتا ہے اور خوش حالی میں اس کا شکر گذار رہتا ہے۔ اور کافر کی یہ شان نہیں ہے آیت مجیدہ میں ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کافروں کا فعل ہے۔

مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى

ہمیں غلہ پورا دے اور ہم پر تصدق کر تحقیق اللہ تصدق کرنے والوں کو

الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ

اچھا بدلہ دیتا ہے کہا کیا تم کو خبر ہے جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا جبکہ

اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ

تم جاہل تھے کہنے لگے کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ فرمایا ہاں میں یوسف ہوں

قِصّہ:۔ بہر کیف حضرت یعقوب نے اپنے باقی بیٹوں کو تیار کر کے پھر مصر کی طرف روانہ فرمایا۔ اور تفسیر برہان میں ہے کہ اس دفعہ اُن کو ایک خط بھی لکھ دیا۔ جس میں اپنے مصائب خصوصاً یوسف کا فراق اور اس کے بعد بنیامین کی جدائی کا تذکرہ بھی کیا۔ اور غلہ کے لین دین میں حُسنِ سلوک کی سفارش بھی فرمائی۔ چنانچہ یہ لوگ کنعان سے روانہ ہو کر مصر میں پہنچے اور باپ کا خط پیش کیا حضرت یوسف نے باپ کے خط کو آنکھوں پر رکھا اور اس کو بوسہ دیا پھر اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے گریبان تر ہو گیا۔ یہ اولادِ یعقوب کا تیسرا سفر ہے۔

مُزْجَاةٍ۔ اَزْجٰى۔ يُزْجِي۔ اِزْجَاءً۔ باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے آہستہ آہستہ چلانا۔ قرآن مجید میں ہوا کے متعلق ہے۔ يُزْجِي سَحَابًا۔ یعنی وہ ہوا بادل کو آہستہ آہستہ چلاتی ہے۔ فُلَانٌ يُزْجِي الْعَيْشَ۔ یعنی فلاں آدمی زندگی کو تھوڑی آمدنی سے چلا رہا ہے۔ اس مقام پر بِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ سے مراد وہ تھوڑی رقوم یا مختصر سامان ہے جس کو نہایت محتاط اندازے سے تھوڑا تھوڑا خرچ کر کے قحط سالی کے ایّام میں گذر اوقات کا ذریعہ بنایا جائے۔ پس اولادِ یعقوب نے اپنی بسر اوقات اور معمولی گذران کا تذکرہ کر کے غلہ طلب کیا۔ اور درخواست کی کہ ہماری تھوڑی پونجی کو قبول کیجئے اور اس کے بدلہ میں ہمیں جو غلہ عنایت ہو وہ پچھلے سالوں کی طرح فی آدمی ایک بھار شتر پورا ہو۔ ہماری پونجی کی کمی کو مدنظر رکھ کر اس میں کمی نہ کی جائے۔ اور اس رواداری کو صدقہ سے تعبیر کیا۔ اور مقصد یہ ہے کہ آپ کی کرم گستری اور احسان شعاری ہو گی۔ جس کی جزا اللہ ہی دے گا۔ اور بعض مفسرین نے تصدق سے مراد بنیامین کی واپسی لکھی ہے۔ اور حضرت یعقوب کی سفارش کا مقصد بھی یہی تھا۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ:۔ حضرت یوسف نے بھائیوں کی درخواست کی سماعت کی اور باپ کے خط کا بار بار مطالعہ کیا دل بھر آیا اور آخر کار ضبط نہ کر سکے۔ پس اندر گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھ کر منہ دھو کر باہر تشریف لائے۔ اور طبیعت پر قابو پا کر فرمایا کیا تمہیں خبر ہے جو تم نے یوسف سے سلوک کیا اُسے باپ سے جدا کیا۔ اُس کے قتل کا ارادہ کیا اور کھوٹے پیسوں میں اس کو بیچ ڈالا اور اس کے مادری بھائی کو ذلیل سمجھتے رہے وغیرہ۔

وَهٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

اور یہ میرا بھائی ہے تحقیق اللہ نے ہم پر احسان فرمایا تحقیق جو تقوےٰ کرے اور صبر کرے پس تحقیق اللہ نیک لوگوں کا اجر

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا

ضائع نہیں کرتا کہنے لگے خدا کی قسم یقیناً آپ کو اللہ نے ہم پر فضیلت دی اور تحقیق ہم غلطی

لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ

پر تھے فرمایا میں تمہیں آج سرزنش نہیں کرتا خدا تمہیں بخش دے اور وہ

جَاهِلُوْنَ : ۔حضرت یوسفؑ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھئے کہ جن بھائیوں نے آپ کو انتہائی مصائب کے منہ میں دھکیل دیا تھا وقت آنے پر برسر اقتدار ہوتے ہوئے انتقام سے درگذر کرنا تو درکنار بھائیوں سے سخت کلامی کو گوارا نہ فرمایا حتیٰ کہ ان کی طرف جہالت کی نسبت دینا بھی پسند نہ کیا۔چنانچہ فرمایا کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جو سلوک روا رکھا ۔وہ تمہاری اُس وقت کی نادانی کا نتیجہ تھا نہ کہ اب جاہل ہو۔گویا ان کو معذرت کرنے کا راستہ بھی معافی کے ساتھ ساتھ بتا دیا اور کہتے ہیں یہ بات کہتے ہوئے حضرت یوسف نے مسکرا دیا اور آپ کے چمکیلے خوبصورت دانت جو تابناک موتیوں کی طرح دمک رہے تھے جب ظاہر ہوئے تو بھائیوں کو یوسف کا شبہ ہوا بعض کہتے ہیں سر سے آپ نے تاج علیحدہ کیا تو ان کو شک ہوا پس فوراً شک کے لہجہ میں گویا ہوئے ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ استفہاماً پوچھا کیا آپ ہی یوسف ہیں فرمایا ہاں میں ہی یوسف ہوں اس مقام پر اَنَا هُوَ نہیں فرمایا بلکہ اپنے نام کو دُہرایا۔جس کا مقصد یہ ہے کہ میں وہی یوسف ہوں جس کے ساتھ تم بھائیوں نے زمانِ جہالت میں ظلم و تشدد کیا تھا۔

وَاِنْ كُنَّا :۔ یہ اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے۔اس مقام پر حضرت یوسف کے بھائیوں کا اعتراف موجود ہے کہ ہم خطاکار تھے۔اور آپ ہی ہم سے افضل واشرف ہیں۔پس حضرت یوسف نے کھلے لفظوں میں ان کی معافی کا اظہار فرمایا کہ ۔لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔یعنی آج کرسیٔ اقتدار سنبھالنے کے باوجود میں تم سے انتقام نہیں لینا چاہتا بلکہ تمہارے لئے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔آئمہ طاہرین علیہم السّلام نے اپنے شیعوں کو انہی اخلاقِ کریمانہ کا قولی و عملی درس دیا ہے چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام کو جب ایک شخص نے ناسزا الفاظ کہے تو آپ چل کر اس کے گھر پہنچے وہ شرمسار ہوا آپ نے فرمایا میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ جن الفاظ سے تو نے مجھے خطاب کیا تھا اگر میں واقعی ان کا مستحق ہوں تو اپنے لئے اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔اور اگر تجھے غلط فہمی تھی تو میں تیرے لئے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔پس وہ شخص آپ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر فوراً تائب ہو گیا۔

اِذْهَبُوْا :۔ تفسیر برہان میں بروایت مفضل بن عمر و امام جعفر صادق علیہ السّلام نے پوچھا کہ تم یوسف کی قمیص کی حقیقت کو

اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٩٢﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ	
وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے منہ پر ڈال دو وہ بینا	
يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا	
ہو جائے گا پھر سارا خاندان لے کر واپس میرے پاس آجاؤ اور جب	

جانتے ہو؟ راوی نے عرض کی کہ نہیں مولا۔ آپ نے فرمایا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو آتش نمرودی میں ڈالا گیا تھا تو جبریل نے جنت سے لاکر یہ قمیص ان کو پہنائی تھی۔ اس کی خاصیت یہ تھی کہ گرمی وسردی کا اس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے بوقت آخر بطور تعویذ یہی قمیص حضرت اسحٰقؑ کے گلے میں ڈال دی تھی۔ پھر حضرت اسحٰقؑ نے حضرت یعقوب کے گلے میں ڈالی اور جب یوسف پیدا ہوئے تو حضرت یعقوب نے بطور تعویذ چاندی کی تختی میں بند کر کے اس کو یوسف کے بازو سے باندھ دیا تھا الغرض جب یوسف نے وہی قمیص تعویذ سے نکالی تو فوراً اس کی خوشبو حضرت یعقوب کے مشام میں پہنچی اور فرمایا مجھے خوشبو آرہی ہے (چونکہ یہ قمیص جنت کی تھی اور جنتی لباس کی خوشبو مومن کو ایک ہزار سال کی مسافت سے محسوس ہو سکتی ہے) راوی نے پوچھا پھر وہ قمیص کہاں گئی؟ آپ نے فرمایا اپنے اہل کے پاس رہی حتیٰ کہ یکے بعد دیگرے انبیاء سے منتقل ہو کر حضرت محمد مصطفےٰ تک پہنچی۔ یہ روایت کافی اور بصائر الدرجات سے منقول ہے۔ بروایت علی بن ابراہیم آپ نے فرمایا وہ قمیص اب ہمارے پاس محفوظ ہے۔ جب قمیص لے کر قافلہ مصر سے روانہ ہوا تھا اُس وقت حضرت یعقوب فلسطین میں تھے۔

میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ جب حضرت یوسف کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا اور قمیص اتاری تھی تو حضرت جبریل نے یہی قمیص جنت جو بطور تعویذ ان کے گلے میں لٹکی ہوئی تھی کھول کر ان کو پہنا دی تھی اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت قائم آلِ محمدؐ جب خروج کریں گے تو ان کے پاس وہ قمیص ہوگی۔

تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت صاحب الامر کو حضرت یوسفؑ کے واقعات سے مشابہت حاصل ہے۔ راوی کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی اسباط اور اولادِ انبیاء تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں یوسفؑ کو بیچا لیکن بوقتِ ملاقات نہ پہچان سکے جب تک یوسفؑ نے اپنے منہ سے نہ کہا کہ میں ہی یوسف ہوں۔ اُس وقت حضرت یوسفؑ مصر کے بادشاہ تھے۔ ان کے اور ان کے والد کے درمیان اٹھارہ روز کا سفر تھا جس کو خوشخبری ملنے پر حضرت یعقوبؑ نے نو دن میں طے کیا۔ اگر ظاہری اسباب کو استعمال کرتے تو اتنی دیر تک فراق کی مصیبتیں نہ جھیلتے تو کیا عجب ہے کہ خداوند کریم حضرت صاحب الامر کے لئے بھی ویسی ہی صورت پیدا کر دے کہ وہ بازاروں میں سڑکوں پر چلتے پھرتے رہیں اور لوگ ان کو پہچان نہ سکیں۔ پس جس طرح مشیّت ایزدی کے ماتحت ایک طویل عرصہ کے بعد یوسف ویعقوب کے درمیان سے جدائی کے پردے ہٹے۔ اسی طرح اسی کی مشیّت کے ماتحت اس کی

غیبت کا پردہ ہٹے گا۔

علامہ طبرسی قدس سرہ مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا کہ یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے منہ پر رکھ دو وہ بینا ہو جائے گا۔ معجزہ ہے۔ کیونکہ حضرت یوسفؑ کو کیا خبر تھی کہ اس قمیص کے ڈالنے سے وہ بینا ہو جائیں گے (تاکہ اس کو پیشین گوئی کہا جا سکے۔ پس اس اعتبار سے معجزہ ہے کہ انہوں نے چاہا اور خدا نے اس میں یہ اثر ڈال دیا کہ حضرت یعقوب کی جملہ تکالیف و مصائب کا مداوا ہو گیا۔ کمر سیدھی ہو گئی۔ بینائی پلٹ کر آ گئی۔ اور ضعف و ناتوانی کی جگہ تندرستی و توانائی نے لے لی)۔ لیکن میرے خیال میں معجزہ کی بہ نسبت اس کو پیشین گوئی کہنا زیادہ انسب ہے۔ کیونکہ یہ قمیص جب قمیص جنت تھی تو جس طرح اس کی خاصیت ہے کہ اس کی خوشبو مومن کا فی دور سے محسوس کر سکتا ہے۔ اسی طرح شاید یہ بھی اس کے خواص میں سے ہو کہ جس بدن سے مس ہو جائے اس کی جملہ بیماریوں، مصیبتوں اور کمزوریوں کو ختم کر دے۔ ضعیف کو جوان کر دے کمزور کو توانا کر دے۔ نابینا کو بینا ختم کر دے۔ مغموم کو مسرور کر دے۔ اور بے دم کو تازہ کر دے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ البتہ اس قسم کی اخبار غیبیہ بھی چونکہ عام بشری طاقت سے باہر ہیں۔ لہٰذا اس کو معجزہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے بلکہ پیشین گوئی بھی معجزہ کی ایک قسم ہے۔ اور مروی ہے کہ جبریل نے کہا تھا کہ باپ کی طرف جنت کی قمیص روانہ کر دو۔ کیونکہ اس میں جنت کی خوشبو ہے۔ جس کا خاصہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرے۔ اور بیمار کو شفایاب کرے۔

کہتے ہیں حضرت یوسف نے قمیص دیتے وقت یہ فرمایا تھا کہ میری قمیص کو وہی لے جائے جو پہلی دفعہ خون میں ملطخ کر کے لے گیا تھا۔ پس یہودا نے کہا کہ وہ میں ہی تھا۔ آپ نے فرمایا بس اب یہ قمیص بھی تم ہی لے جاؤ۔ کیونکہ جس طرح تم پہلی دفعہ ان کے غمزدہ کرنے کے سبب بنے تھے۔ اب ان کے خوش کرنے کے بھی تم ہی موجب بنو۔ چنانچہ اس خوشی میں یہودا نے سر و پا برہنہ مسافت کو بڑی تیزی سے طے کیا۔ اسی فرسخ کا راستہ تھا اور اپنے دامن میں سات روٹیاں باندھ کر روانہ ہوا۔ ابھی تک روٹیاں ختم نہیں ہوئی تھیں اور وہ منزلِ مقصود پر جا پہنچا۔

تفسیر برہان وصافی میں منقول ہے کہ جب عزیزِ مصر نے آپ کو خط لکھا تھا کہ تیرے ایک بیٹے کو میں نے خرید لیا ہے اور دوسرے بیٹے کو چوری کے الزام میں اپنے پاس قید کر لیا ہے تو آپ کو یہ تحریر بڑی شاق گذری اور اس کا مناسب جواب لکھا جس کا مضمون گذر چکا ہے۔ جب خط روانہ کر چکے تو حضرت جبریل کا نزول ہوا۔ اور انہوں نے یہ دعا تعلیم کی۔ یَا مَنْ لَا یَعْلَمُ اَحَدٌ کَیْفَ هُوَ وَحَیْثُ هُوَ وَقُدْرَتَهٗ اِلَّا هُوَ یَا مَنْ سَدَّ الْهَوَاءَ بِالسَّمَاءِ وَکَبَسَ الْاَرْضَ عَلَی الْمَاءِ وَاخْتَارَ لِنَفْسِهٖ اَحْسَنَ الْاَسْمَاءِ اِیْتِنِیْ بِرُوْحٍ مِّنْكَ وَفَرَجٍ مِّنْ عِنْدِكَ۔

چنانچہ آپ نے اس دعا کو ورد زبان کیا اور ابھی تک سفیدی صبح نمودار نہیں ہوئی تھی کہ یوسف کی قمیص پہنچ گئی (حضرت یعقوب کے خط روانہ کرنے اور پھر مصر سے قافلہ کے خوشخبری لے کر آنے میں کافی دن خرچ ہوئے۔ پس روایت کا مقصد غالباً یہ ہے کہ جس شام کو جبریل نے دعا تعلیم کی۔ اسی رات طلوع صبح سے قبل بشارت پہنچ گئی (واللہ اعلم)

فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تُفَنِّدُونِ

قافلہ (مصر سے) نکلا باپ نے (اولاد سے) کہا تحقیق میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں اگر تم مجھے دیوانہ نہ سمجھو

٩٤ قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ٩٥ فَلَمَّا أَن جَاءَ

کہنے لگے بخدا آپ اپنی پرانی غلطی پر قائم ہیں پس جب بشیر آیا اور

الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي

اس (قمیص) کو اس کے منہ پر ڈالا تو وہ بینا ہو گئے فرمایا میں کہتا نہیں تھا تمہیں کہ میں اللہ کی

أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ٩٦ قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

جانب سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟ کہنے لگے اے اباجان! ہمارے لئے بخشش کی دعا کرو

إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ٩٧ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ

گناہوں کی کہ ہم خطاکار ہیں فرمایا عنقریب تمہاری بخشش کی اللہ سے دعا کروں گا کہ تحقیق

رکوع ۵

قصہ:۔ حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو قمیص دے کر روانہ فرمایا۔ اور جونہی حضرت یوسف نے چاندی کی تختی سے تعویذ کو باہر نکالا تو اس کی خوشبو حضرت یعقوب کے مشام میں پہنچ گئی کیونکہ جنت کی خوشبو دنیا میں وہی پا سکتے تھے۔ اور ان کو ہی معلوم تھا کہ قمیص جنت یوسف کے پاس ہے پس فوراً فرمایا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ اس وقت حضرت یعقوب کے پاس پوتے۔ پڑپوتے اور نواسے وغیرہ موجود تھے جن سے آپ کلام فرما رہے تھے۔ اور چونکہ ان کو ابتدا ہی سے یہی بات ذہن نشین کرا دی گئی تھی کہ حضرت یوسف کو دوران شکار میں بھیڑیا کھا گیا تھا۔ لہٰذا وہ حضرت یوسف کی زندگی کا تصور تک بند کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یعقوب نے فرمایا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے تو فوراً انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپؑ کا غلط خیال ہے۔ اور منقول ہے کہ بادِ صبا نے پروردگار سے اذن طلب کیا تھا کہ بشیر کے پہنچنے سے پہلے میں یوسف کی خوشبو کو یعقوب تک پہنچا دوں۔ چنانچہ اس کو اجازت مل گئی اور یہی وجہ ہے کہ بادِ صبا ہر غمزدہ و مریض کے لئے پیغام سرور و شفا ہوا کرتی ہے۔

اَلْبَشِیْرُ:۔ اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہودا تھا۔ اور بعض نے مالک بن ذعر لکھا ہے۔ قصہ خوان لوگوں میں ایک بات مشہور ہے اور وہ یہ کہ حضرت یوسف کی ماں کا انتقال ہو گیا تو بشیر کی ماں نے یوسف کی رضاعت اپنے ذمہ لی تھی چنانچہ یہ دونو ہم سن اور رضاعی بھائی تھے۔ پھر بشیر ماں سے جدا ہو گیا اور اس کے بعد حضرت یوسف بھی باپ سے جدا ہو گئے۔ تو جس طرح حضرت یعقوب فراق یوسف میں نالہ کرتے تھے اسی طرح وہ بھی فراق بشیر میں پریشان حال تھی اور پھر بزبان

نبی یا بذریعہ الہام خدا کا اس سے وعدہ تھا کہ یوسف باپ سے بعد میں ملے گا۔ اور تجھے بشیر پہلے ملے گا۔ چنانچہ جب بشیر خوش خبری لے کر کنعان سے باہر پہنچا تو دیکھا ایک ضعیفہ تالاب پر کپڑے صاف کر رہی ہے۔ اُس نے حضرت یعقوب کے گھر کا پتہ دریافت کیا۔ بڑھیا نے پوچھا کہ تو کون ہے تو اُس نے جواب دیا میں حضرت یعقوب کے لئے اس کے بیٹے یوسف کی بشارت لایا ہوں۔ پس فوراً اُس ضعیفہ نے سرد آہ کھینچی اور کہا اے پروردگار! تیرا وعدہ سچا ہے۔ یعقوب کو تو یوسف مل گیا لیکن مجھے بشیر نہ ملا۔ یہ سُن کر فوراً بشیر نے پہچان لیا اور قدموں پر گر کر عرض کی کہ تیرا بشیر میں ہوں۔ اور خدا نے یعقوب کے فراق کو دُور کرنے سے پہلے تیرا فراق دُور کر دیا ہے۔ ہمارے ذاکرین کی زبانوں پر بھی یہ قصّہ عام ہے۔ لیکن اس وقت جو تفاسیر میرے پاس موجود ہیں ان میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر صافی میں ہے کہ جب بشیر نے وہ قمیص حضرت یعقوبؑ کے منہ پر رکھی تو وہ فوراً بینا ہو گئے۔ آپ نے دریافت کیا ابن یامین کہاں ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ وہ صحیح و سالم اپنے بھائی یوسف کے پاس موجود ہے۔ پس حضرت یعقوبؑ نے شُکرِ پروردگار ادا کیا اور سجدۂ شُکر بجا لائے۔ چنانچہ بصارت ٹھیک ہو گئی۔ کبڑا پن ختم ہوا۔ اور کمر سیدھی ہو گئی بچّے اور پوتے جو اس سے پہلے آپ کو غلطی کی طرف منسوب کر رہے تھے۔ انہوں نے فوراً معافی مانگ لی اور توبہ کر لی۔

حضرت یعقوب نے بیٹے کی خوش خبری سُنتے ہی حکم دیا کہ آج ہی مصر کی طرف روانگی کا بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ پورا خاندان فوراً تیار ہو گیا۔ مستورات میں حضرت یوسف کی خالہ بھی موجود تھی۔ جو حضرت یوسف کی والدہ کے انتقال کے بعد حضرت یعقوب کے نکاح میں تھی۔ خوشی و شادمانی سے یہ سفر انتہائی تیزی سے طے کیا گیا۔ حتیٰ کہ مصر پہنچنے میں نو دن صرف ہوئے۔ تفاسیر میں حضرت یوسف کی بہنوں کا تذکرہ میں نے نہیں دیکھا۔ ہاں اس قدر ہے کہ مصر میں داخل ہونیوالا حضرت یعقوب کا خاندان ۷۳ نفوس پر مشتمل تھا جن کی تعداد حضرت موسیٰؑ کے زمانہ تک ۶ لاکھ سے بھی کچھ زائد ہو گئی۔ اور یعقوب کا نام ہی اسرائیل تھا لہٰذا ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا: ۔ حضرت یعقوب کے بیٹوں نے باپ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے اللہ سے بخشش طلب کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ میں دُعا مانگوں گا۔ اس سے مُراد وقتِ سحر یا شبِ جمعہ کا وعدہ تھا۔ چنانچہ آپ نے دعا کی۔ اے پروردگار! ان کا گناہ ان کے اور میرے درمیان محدود ہے تو ان کو بخش دے تو خدا کی وحی ہُوئی کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔ (اور حضرت یوسف اس سے پہلے معاف کر چکے تھے)

اور تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ بیس برس سے زیادہ عرصہ تک حضرت یعقوبؑ ہر شبِ جمعہ اولاد کی بخشش کی دعا مانگتے رہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آپ قیام فرماتے تھے۔ اور سب فرزند صف بستہ پیچھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پس آپ دعا کرتے تھے اور ساری صف آمین کہتی تھی۔ اور بیس سال تک یہ استغفار و دعا کا سلسلہ جاری رہا تب ان کی توبہ کی مقبولیت کی اطلاع آئی۔

هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ

وہ بخشنے والا مہربان ہے پس جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے

مصر میں داخلہ

فَلَمَّا دَخَلُوْا ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت یوسف نے جب بشیر کو روانہ کیا تھا تو دو سو اونٹ اور سفر کے لئے دیگر ہر قسم کا ضروری سامان بھی ساتھ بھیجا تھا تاکہ آتے ہوئے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور یہ عرض کیا تھا کہ آپ خاندان کے جمیع افراد کے ساتھ تشریف لائیں ۔ چنانچہ جس دن بشیر پہنچا اُسی دن واپسی ہوئی ۔ اور حضرت یعقوب بمعہ خاندان روانہ ہوئے ۔ طے منازل کے بعد نویں دن جب قریب مصر پہنچے اور حضرت یوسف کو اطلاع ملی تو لاؤ لشکر سمیت حضرت یوسف استقبال کے لئے باہر تشریف لائے ۔ اُس وقت آپ شاہانہ لباس میں ملبوس شاہانہ تاج سر پر رکھے ہوئے شاہانہ سواریوں پہ سوار شاہانہ سج دھج شاہانہ شان و شوکت سے شاہی فوج کے ہمراہ برآمد ہوئے ۔ حسنِ واقعی کے ساتھ حسنِ ظاہری بھی ہمرکاب تھا یعنی حسنِ بخت و راج اور حسنِ تخت و تاج بھی حسنِ یوسف کے مصاحبین میں سے تھے ۔ گویا جمالِ یوسف اپنی بھرپور جوانی کے ساتھ جلالِ حکومت کے سنگار میں خوب نکھرا ہوا تھا یا یُوں سمجھئے کہ حسنِ یوسف کو حسنِ ظاہری کے چار چاند لگے ہوئے تھے ۔ باپ کی نظر اُٹھی ۔ پر شکوہ پر کیف اور پر حسن منظر دیکھ کر ہشاش بشاش چہرہ کے ساتھ بیٹوں کی طرف دیکھا اور پوچھا اے یہودا کیا یہ فرعونِ مصر ہے ؟ (مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا) یہودا نے جواب دیا یہ آپ کا نورِ نظر لختِ جگر یوسف ہے جو آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوا ہے ۔ (اندازہ کیجئے فراق کتنا پُر درد تھا اور وصال کتنا پُر کیف ہے) پس حضرت یعقوب کے مصائب کا وسیع و عریض سمندر انتہائی ڈراؤنی پر خطر اور پُر پیچ طوفانی لہروں کے ساتھ ختم ہوا ۔ اور پُر لطف و پُر کیف ساحلِ وصال پہ حضرت یعقوب نے نہایت سرور و انبساط کے ساتھ قدم رکھا ۔ خدا جانے گردابِ مصائب میں آیا ہوا آلِ محمدؐ کا سفینہ ظلم و تشدد کی طوفانی موجوں اور ظلماتی تھپیڑوں سے کب نکلے ۔ یقیناً جب آلِ محمدؐ کا قائم آئے گا ۔ اور حجت اللہ ظہور فرمائے گا تو جور و استبداد کا دور ختم ہوگا اور ظلماتی تلاطم کے بعد نورانی ساحل پہ آلِ محمدؐ کی کشتی پہنچے گی پس مومن خوشی کی سانس لیں گے اور دشمنانِ دین دم بخود ہو کر بے دم ہوں گے ۔

جب حضرت یوسف قریب پہنچے سواری سے اُترنے کا ارادہ کیا لیکن شاہانہ آن بان کو برقرار رکھتے ہوئے نہ اُترے ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت یعقوب سواری سے اُتر پڑے تھے ۔ اور بوقتِ ملاقات سلام کی ابتداء بھی حضرت یعقوب نے فرمائی تھی ۔

تفسیر صافی میں بروایت علل منقول ہے باپ بیٹا ایک دوسرے کے گلے ملے اور ابھی تک حضرت یوسف الگ نہیں ہوئے کہ جبریل نے پہنچ کر کہا تیرے لئے صدیق باپ سواری سے پیدل ہوا ہے اور تم اس کی عزت افزائی کے لئے پیدل نہیں ہوئے ہاتھ نکالو ۔ چنانچہ جب انہوں نے ہاتھ باہر کیا تو ایک نور ساطع ہوا جو آسمان کی طرف چلا گیا ۔ حضرت

اٰوٰۤی اِلَیْہِ اَبَوَیْہِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾

اپنے پاس ٹھہرایا اپنے ماں باپ کو اور کہا (شہر میں داخل ہونے سے پہلے) کہ داخل ہو مصر میں اگر اللہ چاہے با امن ہو کر

یوسف نے پوچھا اے جبرئیل یہ نور کیا تھا؟ تو جواب دیا کہ یہ نورِ نبوّت تھا جو تجھ سے لے لیا گیا ہے۔ اب تیری نسل میں قیامت تک کوئی نبی نہیں ہوگا کیونکہ تم باپ کی تعظیم کے لئے سواری سے نہیں اُترے۔ اور مروی ہے کہ اسی وجہ سے نبوت کا نور لاوی کی پشت میں رکھا گیا۔ جس نے بھائیوں کو حضرت یوسف کے قتل سے منع کیا تھا۔ پس خدا کو اس کا یہ فعل پسند آیا چنانچہ بنی اسرائیل کے سب انبیاء اسی لاوی کی نسل سے ہیں۔ اور حضرت موسٰی بھی اسی لاوی کی اولاد سے ہیں۔ موسٰی بن عمران بن یصہر بن واہث بن لاوی اور حضرت یوسف کے پیدل نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ آپ نے دل میں خیال کیا کہ لمبے فراق اور طویل جُدائی کے صدمات جھیلنے کے بعد جب مجھے وہ شاہانہ شکوہ کے ساتھ دیکھیں گے تو ان کا دل زیادہ خوش ہوگا۔ اور زخم الم بہت جلد مندمل ہوگا اور بعض روایات میں اس امر کی جانب اشارہ بھی موجود ہے۔ ورنہ ناممکن ہے کہ ازراہِ غرور و تکبر سواری سے نہ اُترے ہوں کیونکہ یہ چیز عام لوگوں کے لئے ناقابلِ برداشت غلطی ہے چہ جائیکہ نبی معصوم ایسی گری ہوئی باتوں کا مظاہرہ کریں۔ حاشا و کلاّ۔ اور اگر یہ بات ازراہِ تکبر ہوتی تو صرف نورِ نبوّت پشت سے سلب نہ ہوتا بلکہ خود بھی نبی نہ بنتے اور ایسے حالات میں حضرت یعقوب بھی ان کو پسندیدہ نگاہوں سے نہ دیکھتے پس یہ ترکِ اولیٰ تھا۔

کتب تفاسیر میں مجمع البیان و برہان وغیرہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے حضرت یعقوب علیہ السّلام نے فرمایا بیٹا! مجھے سناؤ کہ بھائیوں نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حضرت یوسفؑ نے عرض کی ابا جان! مجھے اس بات سے معاف کیجئے تو حضرت یعقوب نے قسم دے کر کہا کہ تم کو سنانا پڑے گا۔ پس حضرت یوسفؑ نے اپنا ماجرا دُہرایا جب کنوئیں کے ذکر تک پہنچے اور کہا کہ مجھے بھائیوں نے کنوئیں کے کنارہ پر بٹھا کر قمیص اتارنے کو کہا تھا اور میں نے معذرت چاہی تھی اور باپ یعقوب کی ذات کا واسطہ دیا تھا کہ مجھے ننگا نہ کرو تو فلاں بھائی نے چھرا بلند کر کے دھمکی دے کر قمیص اُتارنے کو کہا تھا پس ان الفاظ کا سننا تھا کہ حضرت یعقوبؑ کی چیخ نکلی اور غش کھا کر گر گئے۔ پھر افاقہ ہوا تو فرمایا ہاں بیٹے سناؤ پھر کیا ہوا؟ آخر کار حضرت یوسفؑ نے اسمٰعیل و اسحٰق و ابراہیم کے پروردگار کا واسطہ دے کر معافی چاہی اور حضرت یعقوبؑ نے اصرار ترک کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف نے عرض کی کہ بابا جان مجھ سے بھائیوں کا سلوک نہ پوچھئے بلکہ رحمتِ پروردگار کا سلوک دریافت کیجئے۔

اٰوٰی اِلَیْہِ اَبَوَیْہِ:۔ یعنی جب حضرت یعقوب پہنچے تو حضرت یوسف نے اپنے والدین کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ حضرت یوسف کی والدہ کا چونکہ انتقال ہو چکا تھا لہٰذا تثنیہ کے استعمال کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ خالہ پر ماں کا اطلاق کیا گیا جس طرح اس کی نظیر چچا پر باپ کا اطلاق ہوا کرتا تھا۔

۲۔ چونکہ حضرت یعقوب کے نکاح میں تھی اس لئے وہ سوتیلی ماں تھی لہٰذا مجازاً اس پر ماں کا اطلاق درست ہے۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا

اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بلند کیا اور وہ اس کی تعظیم کے لئے جھکے اور کہا اے باباجان! یہ تعبیر ہے

تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ

میرے پہلے خواب کی تحقیق اُس کو پروردگار نے سچا کیا اور مجھ پر احسان فرمایا جب اس نے مجھے قیدخانہ سے

اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ

نکالا اور آپ کو دیہات سے یہاں لایا بعد اس کے کہ کود پڑا

نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ

شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان تحقیق میرا پروردگار لطف کرتا ہے جیسا چاہے اور تحقیق

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ حقیقی ماں زندہ تھی لہذا والدین کا اطلاق صحیح ہے۔

۴۔ حضرت یوسف کے خواب کی صحیح تعبیر کے لئے اس کی ماں کو دوبارہ زندہ کر دیا گیا تھا (مجمع البیان)

اُدْخُلُوْا مِصْرَ:۔ یہ لفظ حضرت یوسف نے داخلۂ مصر سے پہلے کہے تھے۔ لہذا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اور امن کی قید اس لئے زیادہ کی گئی ہے کہ اس زمانہ میں فراعنۂ مصر کا گرد و نواح کی حکومتوں پر رُعب چھایا ہوا تھا۔ لہذا مصری حکومت ہی کسی فرد یا خاندان کے امن کو چیلنج کر سکتی تھی۔ اور جو مصری حکومت کی طرف سے امن حاصل کر لیتا تھا اُس کو کسی دوسری حکومت کا خطرہ نہ رہتا تھا۔

منقول ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی کل عمر ۱۴۷ برس تھی۔ مصر میں جب آئے تو اُس وقت ۱۳۰ برس عمر تھی۔ پس ۱۷ برس حضرت یوسف کے پاس رہ کر دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی جانب رحلت فرمائی۔ بعض کہتے ہیں کہ ۲۴ برس مصر میں رہ کر فوت ہوئے۔ اور زمینِ شام میں دفن کئے گئے۔ ساگوان کے صندوق میں رکھ کر ان کو بیت المقدس کی طرف نقل کیا گیا۔ ان کے بھائی عیصو کا بھی اُسی دن انتقال ہوا۔ یہ دونو ایک ہی دن جوڑے پیدا ہوئے تھے اور ایک ہی روز فوت ہوئے اور ایک جگہ دفن کئے گئے۔ اور اسی لئے یہودی لوگ کوشش کر کے اپنے مُردوں کو بیت المقدس کی طرف لے جا کر وہاں دفن کرتے ہیں۔ حضرت یوسف باپ کی وصیّت کے ماتحت حضرت یعقوبؑ کو بیت المقدس میں دفن کر کے واپس مصر تشریف لائے اور ۲۳ برس بعد زندہ رہ کر فوت ہوئے۔ اور یہ بنی اسرائیل کے پہلے نبی ہیں۔ اور انہوں نے بھی وصیت کی تھی کہ مجھے اپنے آباء طاہرین علیہم السّلام کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہاں دفن ہوئے۔ اور بعض لوگ ان کے مصر میں دفن ہونے کے قائل ہیں کہ حضرت موسےٰ علیہ السّلام نے بحکم پروردگار ان کی میّت کو نکال کر بیت المقدس میں حضرت یعقوبؑ کے پہلو میں دفن کیا (مجمع البیان)

ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ ۱۲ برس کی عمر میں قید ہوئے۔ ۱۸ برس کے بعد ۳۰ برس کی عمر میں رہا ہوئے۔ پھر ۸۰ برس زندہ رہ کر ۱۱۰ برس کی عمر میں فوت ہوئے (مجمع)

سجدہ تعظیمی

وَخَرُّوْا لَهٗ: تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کا باہمی سلام سجدہ کرنا یا جھکنا، یا سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جانا تھا۔ چنانچہ قتادہ سے یہی مروی ہے۔ اور ان کی شریعت میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی ممنوع نہیں تھا۔ لیکن خداوند کریم نے اُمّتِ اسلامیہ کو سجدۂ تعظیمی کرنے جھکنے اور ہاتھ باندھنے کے عوض میں سلام عطا فرمایا۔ اور یہی اہلِ جنت کا طریقہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس زمانہ کا سجدہ رکوع کی شکل ہوا کرتا تھا جیسا کہ ایرانیوں کا بادشاہوں کے لئے جھکنے کا دستور چلا آرہا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے ان کے فراق کو نعمتِ وصال سے بدل دیا۔ پس اس نعمتِ عظمٰے کے ملنے پر یعقوب و اولادِ یعقوب سب نے مل کر سجدۂ شکر پروردگار ادا کیا۔ اور لَہٗ میں ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے (مجمع البیان)

نیز اسی تفسیر میں مروی ہے۔ ایک دفعہ یحیٰی بن اکثم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے شہزادے حضرت موسٰے بن محمد سے چند مسائل پوچھے جن کو انہوں نے اپنے بھائی امام علی نقی علیہ السلام سے دریافت کیا اور آپ نے جوابات عنایت فرمائے ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ یعقوب اور اولادِ یعقوب کا سجدہ کیسا تھا؟ حالانکہ وہ انبیاء تھے؟ آپ نے فرمایا یہ یوسف کا سجدہ نہیں تھا بلکہ اللہ کا سجدہ تھا اور یوسف کا وقار ظاہر کرنا مقصود تھا۔ جیسا کہ فرشتوں کا سجدہ اللہ کے لئے تھا۔ اور حضرت آدم کا وقار ظاہر کرنا مقصود تھا۔ پس حضرت یعقوب اور اس کی جملہ اولاد حتّٰی کہ حضرت یوسفؑ نے بھی وصال کی نعمتِ عظمٰے پر پروردگار کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ادا کیا۔

بعض جاہل لوگ نادانستہ طور پر اپنے غلط سلط عقائد کو عوام پر مسلّط کرنے کے لئے آیات متشابہات کا سہارا لیتے ہیں چنانچہ اہل بیت طاہرین علیہم السلام کے لئے سجدہ تعظیمی کو جائز کہہ کر یعقوبؑ و اولادِ یعقوبؑ کا سجدہ یوسف کے لئے اور ملائکہ کا سجدہ آدم کے لئے بطور استشہاد پیش کرتے ہیں۔ پس اس طریقہ سے لوگوں کو شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور خداوند کریم قرآن مجید میں ہی کسی مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ شرک کے علاوہ جملہ گناہ بخشے جاسکتے ہیں لیکن اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ تحقیق خدا شرک کے گناہ کو ہرگز نہیں بخشتا۔ دوسرے مقام پر فرمایا اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ تحقیق شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ میرے بیان سے اس شبہ کا صحیح حل معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتوں اور یعقوبؑ و اولادِ یعقوب کا سجدہ اللہ کے لئے ہی تھا۔ جس طرح تمام مسلمانوں کو کعبہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنے کا حکم ہے حالانکہ سجدہ کعبہ کا نہیں ہوتا بلکہ سجدہ اللہ کا ہوتا ہے اور کعبہ بحیثیت قبلہ کے تصور کیا جاتا ہے ورنہ اگر کوئی شخص کعبہ کی طرف منہ کر کے کعبہ کا ہی سجدہ کرے تو وہ مشرک ہوگا۔

اور مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا اگر کسی کے لئے سجدہ تعظیمی جائز ہوتا تو سب سے پہلے میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

اسی بنا پر عتبات عالیات کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے بعد دو رکعت نماز ہدیہ یا کوئی دوسری نماز دائیں یا بائیں ہو کر پڑھنی مستحب ہے تاکہ قبور کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنے سے غیر اللہ کے سجدہ کا شبہ تک پیدا نہ ہو۔ اب اندازہ کیجئے کس قدر دریدہ دہن ہیں وہ لوگ جو آئمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیمات سے کنارہ کشی کر کے عوام الناس کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ابلیس کی نیابت کرتے ہوئے لوگوں کو شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور پھر اس قسم کی آیات کا سہارا لیتے ہیں جن کی آئمہ نے تشریح و وضاحت فرمائی ہے کہ یہاں غیر اللہ کا سجدہ مراد نہیں ہے اور ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں بھی اس موضوع پر حسب ضرورت روشنی ڈالی ہے۔

یہ لوگ اہل بیت عظام علیہم السلام کو خوشامد پسند خیال کرتے ہیں حالانکہ ایسی فضول اور بیہودہ باتوں سے آئمہ قطعاً خوش نہیں ہوتے۔ ان کی خوشی و رضامندی اس میں ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ اور ان کے احکام کی صحیح طور پر پاسداری کی جائے۔ مشرکانہ عقائد کی ترویج نہ دین کی خدمت ہے اور نہ آئمہ دین کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ پس اللہ کے علاوہ کسی کا سجدہ جائز نہیں ہے نہ عبادتی نہ تعظیمی اور یقیناً غیر اللہ کا سجدہ خواہ نبی کے لئے ہو خواہ ولی کے لئے ہو۔ شرک ہے۔ خداوند کریم تمام مومنین کرام کو اس سے محفوظ رکھے۔

تعبیر خواب

هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ ۔ ملحد و بے دین لوگ جو وجود باری کے قائل نہیں اور کائنات ظاہری کو صرف مادہ و طبیعت کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ پھر اس عالم کے علاوہ کسی دوسرے عالم کو وہ تسلیم نہیں کرتے حقیقت خواب اور تعبیر خواب پر نظر غائر ڈالنے سے ان کے دجل و فریب اور مکر و غدر کی قلعی خوب کھلتی ہے۔ پس عالم کے مدبر حکیم اور خالق عظیم پروردگار عالمین کے وجود اور اس کی قدرت و حکمت و صنعت کا اعتراف کئے بغیر کوئی ذی ہوش نہیں رہ سکتا دیکھیئے خواب کا وجود اور اس کی تعبیر کا اس کے مطابق ہونا اس بات کا غماز ہے کہ اس عالم ظاہری و مادی کے پس پشت ایک عالم باطنی و روحانی موجود ہے۔ اور جس طرح اس عالم ظاہری میں اشیاء کے حقائق موجود ہیں اُس عالم باطنی و روحانی میں بھی انہی حقائق کی تصاویر موجود ہیں۔

عالم خواب میں جب رُوح انسانی قفس عنصری کی قیود سے تھوڑا سا آزاد ہوتا ہے تو عام بیہودہ تخیلاتی شہواتی جذباتی و خواہشاتی اچھے یا بُرے بے حقیقت مناظر کی سیر کرتے کرتے بعض اوقات مذکورہ بالا عالم باطنی و روحانی کی سیر پر بھی موفق ہو جاتا ہے۔ پس بے ہودہ و لاابالی قسم کے لوگ بالعموم بیہودہ تخیلات و بے حقیقت مناظر میں اُلجھے رہتے ہیں اور کبھا کبھی ان کو عالم روحانی کی سیر کا اتفاق ہوتا ہے لیکن سلجھے ہوئے نیک و صالح لوگوں کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے وہ بالعموم عالم روحانی کے مناظر کی تصاویر دیکھتے ہیں۔ اور شاذ و نادر قسم اول کے بے ہودہ خیالات کا منظر بھی ان کے سامنے آتا ہے جن کو اضغاث احلام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے بُرے خیالات لے کر اور پیٹ بھر کر نیز جنب و گندے جسم غلیظ بستر و لباس اور ناپاک جگہ میں سونا بالعموم خواب میں بیہودہ خیالات کے مناظر کا باعث ہوتا ہے اور اس کے برخلاف کم کھانا پاک صاف

جسم اچھا بستر ستھرا لباس پاکیزہ مکان وماحول اور اچھے خیالات وجذبات عالم باطنی وروحانی کی سیر کے موجبات میں سے ہیں۔ اسی بنا پر حدیث نبوی میں بھی وارد ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا ۱/۴۶ حصّہ ہے۔ اس سلسلہ کی متعدد احادیث ہم نے تفسیر کی دوسری جلد میں یا علی مدد کے تحت باحوالہ درج کی ہیں۔

میں نے عرض کیا ہے کہ عالم باطنی اسی عالم ظاہری کا عکس ہے اور اس کے حقائق اس عالم ظاہری کے حقائق کی تصاویر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پس نفوس قدسیہ کے سامنے وہ تصاویر بالکل صاف وشفاف ہوتی ہیں جن کی بدولت خواب دیکھنے والا خود بڑی آسانی سے اُس مطلب ومقصد کو سمجھ سکتا ہے اور جو نفوس علائق شہویہ ونفسیہ میں کسی قدر مبتلا ہوں۔ ان کے سامنے حقائق ظاہریہ کی تصاویر دھندلی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں جس کا مقصد وہ خود نہیں سمجھ سکتا پس مقصد جاننے سمجھنے کے لئے کسی باخبر سے دریافت کیا جاتا ہے مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا خواب اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ یعنی اے بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ یہ عالم واقعی کی بالکل صاف تصویر تھی اور اس کی تعبیر یہی تھی کہ بیٹے کو ذبح کرنا ہے اور ایسا خواب وحی الٰہی سے تعبیر ہوتا ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف کا خواب کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے میرے سامنے سجدہ ریز ہیں یہ بھی تقریباً واقع کی صاف تصویر ہے جس کی تعبیر ہر ذی فہم معلوم کر سکتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت یعقوب نے فرمایا بیٹا یہ خواب بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ۔ یعنی خواب کی تصویر اس قدر صاف ہے کہ بھائی سُنتے ہی اس کی تعبیر جانتے ہوئے تجھ سے حسد کرنے لگیں گے۔ اب ان خوابوں کے مقابلہ میں زندان کے دو قیدیوں کا خواب دیکھئے۔ ایک نے کہا میں خواب میں انگور کا شراب کشید کر رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں سر پر روٹی کا طبق اٹھائے ہوئے ہوں کہ اس سے پرندے بھی کھا رہے ہیں۔ یہ واقع کی دھندلی تصویریں ہیں جن کا صحیح مقصد حضرت یوسف کے علاوہ کوئی نہ جان سکتا تھا۔ اسی طرح بادشاہ کا خواب کہ سات موٹی گائیوں کو دبلی گائیوں نے کھا لیا۔ اور سات سر سبز خوشوں پر خشک خوشے غالب آگئے۔ یہ بھی واقع کی دھندلی تصویر تھی جس کو صرف حضرت یوسف ہی حل کر سکتے تھے۔

چونکہ خواب کے مناظر عالم ظاہری کی تصاویر ہیں لہٰذا بعض اوقات گذشتہ واقعات کا فوٹو سامنے آتا ہے جس کی تعبیر کا انتظار بے کار ہے۔ اور بعض اوقات زمان حال کی تصویر کشی ہوتی ہے۔ جس کی تعبیر فوری ظاہر ہوا کرتی ہے اور تعبیر ظاہر ہونے کے بعد انسان خود ملتفت ہوتا ہے کہ یہ وہی ہے جو میں خواب میں دیکھ چکا ہوں۔ چنانچہ میری والدہ ماجدہ سلمہا اللہ نے خواب میں دیکھا کہ میرے بھتیجے اپنے باپ کی قبر کو کھودتے ہیں۔ پس قلق واضطراب سے بیدار ہوئیں دن ہوا تو معلوم ہوا کہ باپ نے بڑی محنتِ شاقہ اور کدوکاوش سے جو مکان بنایا تھا بیٹے اُس مکان کی چھت اُکھیڑنے کے لئے آگئے اور ملبہ مسمار کر گئے۔ انہوں نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ میرے رات والے خواب کی تعبیر ہے۔ اور بعض اوقات خواب میں زمانِ مستقبل کے حقائق کی تصویریں سامنے آتی ہیں خواہ مستقبل قریب ہو یا بعید۔ نیز بعض خوابوں میں مستقبل زمانہ کی حدود

کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔ جیسے سات موٹی گائیوں میں سات کا عدد سات سال بتاتا ہے۔ وعلیٰ ہذاالقیاس۔ لیکن بعض اوقات زمانہ مستقبل کی تحدید کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہوتا۔ جس طرح حضرت یوسف کا خواب کہ شمس و قمر اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس کی تاویل ۸۰ یا ۷۰ یا ۴۰ برس کے بعد ظاہر ہوئی۔ باختلافِ روایات (مجمع البیان)

بہرکیف اس میں شک نہیں کہ خواب میں عالمِ باطنی کے مناظر سے دوچار ہونا صرف مومن سے مخصوص نہیں بلکہ ہر فرد کم و بیش اس سے بہرہ ور ہوا کرتا ہے اور اس کی تعبیر بھی عالمِ ظہور میں منظرِ عام پر آجایا کرتی ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس عالمِ ظاہری کے علاوہ ایک عالمِ باطنی موجود ہے جس میں عالمِ ظاہری کے گذشتہ و حالیہ و استقبالیہ حقائق کی تصاویر موجود ہیں جو من وعن ان سے تطبیق رکھتی ہیں۔ کیونکہ آنے والے واقعات کا قبل از وقت دیکھ لینا ان کے وجودِ مثالی کو ثابت کرتا ہے۔

پس جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ عالمِ ظاہری خود بخود اسباب و علل کی پیداوار ہے۔ اور مادہ و طبیعت کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے۔ اُن سے یہ دریافت کیا جائے کہ عالمِ باطنی کی تصاویر مجردہ جن کو روحِ انسانی قیودِ عناصر سے مجرد ہو کر دیکھتی ہے اور اُن کی تعبیر و تاویل ایک وقت کے بعد منظرِ عام اور منصۂ شہود پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا سبب و علت کون ہے اور اس کی ایجاد و تخلیق میں کس قوت کا ہاتھ ہے تو ماننا پڑے گا کہ ایک قوت قاہرہ موجود ہے جو مادہ و طبیعت سے مافوق اور علل و اسباب سے بے نیاز ہے۔ اور جس طرح عالمِ باطنی روحانی اس کی تخلیق کا کرشمہ ہے۔ اسی طرح عالمِ ظاہری بھی اُسی کی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ سے معرضِ وجود میں آیا ہے۔ اگر ملحد و بے دین لوگ خوابوں کو خرافات سے تعبیر کریں تو یہ اُن کی حماقت کی دلیل ہے۔ اور اس کو جھٹلانا ایسا ہے جیسے رابعۃ النہار پر سورج کے وجود کا انکار کیا جائے۔

اور یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ عالمِ ظاہری و واقعی عالمِ آخرت (قیامت) کے مقابلہ میں خواب کی دنیا ہے جیسے کہ حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے۔ اَلنَّاسُ نِیَامٌ اِذَا مَاتُوْا انْتَبَھُوْا یعنی لوگ خوابِ غفلت میں سوئے پڑے ہیں جب مریں گے تو جاگیں گے۔ اور یقیناً میدانِ محشر میں اس دنیاوی زندگی کا تصور ایک خواب معلوم ہوگا۔ اور آخرت میں جنت یا دوزخ اس ظاہری و دنیاوی زندگانی کے اعمال کی تعبیریں ہیں۔ پس نیک اعمال کی تعبیر جنت ہے۔ اور بداعمالیوں کی تعبیر جہنم ہے۔ البتہ خواب میں انسان بے اختیار رہتا ہے۔ اور جن مناظر کو وہ دیکھتا ہے۔ اُس کی تعبیر قہراً اس کے سامنے آتی ہے۔ اگر تعبیر ناپسندیدہ ہو تو اپنے خواب کو ملامت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خواب دیکھنے میں بے اختیار تھا۔ پس یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش میں نے وہ خواب نہ دیکھا ہوتا۔ لیکن یہ عالمِ ظاہری جو عالمِ واقعی کے مقابلہ میں خواب کی حیثیت رکھتا ہے اس میں انسان بے اختیار نہیں لہٰذا اچھی تعبیر یعنی نیک جزا حاصل کرنے میں اس کو پورا اختیار حاصل ہے اور بُری تعبیر یعنی دوزخ سے بچنے کے لئے بداعمالیوں سے کنارہ کشی پر اس کو قدرت و اختیار حاصل ہے۔ پس جس طرح بروزِ محشر اچھی جزا ملنے پر دنیا میں اپنی نیک اعمالیوں پر خوش ہوگا اسی طرح بُری جزا جہنم دیکھنے پر وہ دنیاوی بداعمالیوں پر پچھتائے گا۔ اور

اپنے آپ کو ملامت کرے گا۔ کہ کاش دنیاوی چند روزہ زندگی میں ایسے کام نہ کئے ہوتے جن کی سزا جہنم ہے خداوند کریم مجھے میرے والدین وافراد خاندان وجملہ مومنین کو بداعمالیوں سے بچائے اور نیک اعمال پر موفق فرمائے تاکہ بروز محشر پچھتانے کی بجائے خوش وخرم محمدؐ وآل محمدؐ کے زیرسایہ جنت الفردوس میں دائمی پرسرور پرکیف و پرلطف زندگی سے ہمکنار ہو کر شکر پروردگار ادا کریں۔ آمین۔

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ :۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے باپ سے اپنے حالات بیان کئے اور کہا کہ یہ میرے اُس خواب کی تعبیر ہے جو بچپن میں دیکھا اور خدا نے اس کو سچا کیا اور اس کے بعد احسانات پروردگار بیان کئے کہ اُس نے مجھے زندان سے نکالا۔ اور آپ لوگوں کو دیہاتی تکلیف دہ زندگی سے نکال کر مصر میں آباد کیا۔ اب حضرت یوسف نے زندان سے آزادی کو نعمت پروردگار بیان کیا لیکن کنوئیں سے نکلنے کو نہ شمار کیا تاکہ بھائیوں کی دل آزاری نہ ہو اور باپ کے سرور و انبساط میں فرق نہ آئے۔ یہ حضرت یوسف کا انداز بیان انتہائی اخلاق کریمانہ کا غماز ہے۔

حق اور صداقت میں فرق

وہ بات جو واقع کے مطابق ہو اس کو صدق کہا جاتا ہے اور وہ بات جس کی واقع مطابقت کرے اس کو حق کہا جاتا ہے۔ پس صدق (سچ) میں ضروری ہے کہ واقعہ پہلے موجود ہو تاکہ کہی ہوئی بات اس کے مطابق ہو کر سچ کہلائے لیکن حق میں ضروری نہیں ہے کہ واقعہ پہلے موجود ہو۔ پس واقعہ پہلے موجود ہو اور بات کی مطابقت کرتا ہو تو وہ بات صدق بھی ہوگی اور حق بھی ہوگی۔ لیکن بات سے پہلے واقعہ موجود نہ ہو تو بعد میں ہونے والا واقعہ جو بات کے مطابق ہو۔ اُس کے لحاظ سے بات کو حق سے تعبیر کیا جائے گا۔ پس حق اور صدق میں تساوی کی نسبت نہیں بلکہ عام وخاص مطلق کی نسبت ہے۔ یعنی جو صدق ہوگا وہ حق ضرور ہوگا لیکن جہاں حق کا اطلاق ہوگا ضروری نہیں کہ وہاں صدق بھی استعمال ہو سکے۔ غالباً اسی نکتہ کے پیش نظر جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کے حق میں فرمایا تھا علی مع الحق والحق معہ یدور الحق حیثما دار۔ یعنی علی حق کے ساتھ ہے اور حق اس کے ساتھ ہے۔ حق اسی طرف ہوتا ہے جس طرف علی ہو۔ کیونکہ صدق کا تعلق واقعہ ماضیہ سے ہوتا ہے اور حق کا تعلق ماضی وحال و مستقبل ہر زمانہ سے ہوا کرتا ہے لہٰذا حق کا درجہ صدق سے بلند تر ہے اسی بنا پر صدیقہ کبریٰ کا بچوں کو کہنا کہ لباس درزی کے پاس ہے حق تھا جس کی تصدیق رضوان نے در دولت پر پہنچ کر دی۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ ۔۔۔ :۔ حضرت یوسف کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی۔ زخم فراق مندمل ہوئے اور زندگی کے پرکیف دور سے ہمکنار ہوئے۔ اپنے والدین کو اپنے پاس تخت حکومت پر جگہ دی۔ اور باپ سے گلے مل کر خوشی سے رو دئے۔ اس کے بعد دولت سرا میں جاکر سرمہ کیا۔ تیل لگایا۔ بدن ولباس کو خوشبو کیا۔ بالوں کو کنگھی سے آراستہ کیا اور شاہانہ پوشاک زیب تن کر کے سریر آرائے مملکت ہوئے۔ والدین اور بھائیوں نے یوسف کے بخت واقبال کے سامنے گردنیں جھکا دیں اور شکر پروردگار میں سجدہ ریز ہوئے۔ جس کا تذکرہ گذر چکا ہے۔ اور منقول ہے کہ جدائی کے لمبے چوڑے عرصہ میں

هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿١٠٠﴾ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي

وہ جاننے والا حکمت والا ہے اے پروردگار تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور تو نے مجھے خوابوں کی

مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّي فِي

تعبیر کا علم دیا اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو میرا ولی ہے دنیا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٠١﴾ ذَٰلِكَ مِنْ

اور آخرت میں مجھے موت دے بحالت اسلام اور مجھے ملا دے ساتھ نیکوں کے یہ غیب کی خبروں

أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ

میں سے ہے جو ہم تجھے وحی کرتے ہیں اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب انہوں نے اجماع کیا تھا۔

حضرت یوسف نے کبھی تیل سرمہ اور خوشبو سے اپنے آپ کو آراستہ نہیں کیا تھا۔ اور اگرچہ شادی کر چکے تھے۔ اور صاحب اولاد بھی ہو چکے تھے۔ لیکن لذائذ دنیاویہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دل ہر وقت مغموم اور طبیعت اداس رہا کرتی تھی۔ اب جو میل و ملاقات کا دور آیا غم کی گھڑیاں گئیں۔ خزاں کا موسم ختم ہوا۔ اور بہار شروع ہوئی۔ تو دل و دماغ پر اس دل آفریں روح پرور انقلاب نے اپنا اثر دکھایا۔ پس اپنے جلال شاہی اور جمال ذاتی کو دبدبۂ ظاہر اور حسن باہر سے خوب نکھارا۔ عدل و انصاف۔ امانت و دیانت۔ علم و حوصلہ اور علم و خلق وغیرہ اوصاف حمیدہ کی پہلے سے کوئی کمی نہ تھی۔ پس حضرت یوسف کی شاہنشاہیت کی دھاک بندھ گئی۔ اور تمام خاندان کے مجموعی و انفرادی مصائب دم توڑ کر ختم ہو گئے۔ حضرت یوسف شکر خداوندی میں رطب اللسان ہوئے۔ اور یہ ان کی مناجات کے الفاظ ہیں جو قرآن حکیم بیان فرما رہا ہے۔

زلیخا سے شادی

تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ زلیخا کا شوہر سابق عزیز مصر قحط سالی کے زمانہ میں فوت ہو گیا تھا اور زلیخا گداب زمانہ میں مبتلا فقر و فاقہ کے ایام گذارنے پر مضطر ہو چکی تھی۔ لوگوں نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ موجودہ عزیز مصر (حضرت یوسف) کے سامنے اپنی حالت زار بیان کر کے ان سے رحم و کرم کی درخواست کرے۔ تو اس نے جواب دیا میں کس منہ سے اس کے سامنے جاؤں جب کہ میں اس کے ساتھ انتہائی بدسلوکی سے پیش آ چکی ہوں۔ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا۔ اور یوسفؑ کے اخلاق کریمانہ و اطوار شریفانہ کا تذکرہ کیا تو زلیخا کو جرأت ہوئی۔ اور ایک دن حضرت یوسف کے راستہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ ادھر حضرت یوسف کا اپنی پوری آن بان اور شاہی شان و شوکت کے ساتھ اپنے مخصوص فوجی عملے سمیت گذر ہوا۔ ادب کا

سر جھکا کر کھڑی ہوگئی - ان کے شایانِ شان سلام کر کے عرض گزار ہوئی ۔ سُبحَانَ الَّذِیْ جَعَلَ الْمُلُوْكَ بِالْمَعْصِیَةِ عَبِیْدًا وَّجَعَلَ الْعَبِیْدَ بِالطَّاعَةِ مُلُوْكًا ۔ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے حکمرانوں کو اپنے گناہوں کی پاداش میں غلام بنا دیا اور غلاموں کو اپنی نیکیوں کے صلہ میں شہنشاہ بنا دیا ۔ یہ کلمہ سنتے ہی حضرت یوسف کے دل پر گہرا اثر ہوا ۔ قدم رُک گئے اور عنانِ توجہ اس کی طرف منعطف کر کے فرمایا اَنْتِ هَاتِیْكَ ۔ یعنی کیا تو وہی (زلیخا) ہے ؟ کہنے لگی ۔ جی ہاں ۔ فرمایا کیا اب بھی تیرا دل مجھے چاہتا ہے ؟ کہنے لگی میرے ساتھ ایسی باتیں نہ کیجئے ۔ میں بوڑھی ہو چکی ہوں کیا آپ مسخری کے انداز سے پوچھ رہے ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں ۔ تو کہنے لگی ۔ جی ہاں (یعنی ابھی تک آپ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہے) پس آپ نے اُسے حرم سرا میں جانے کا حکم دے دیا ۔ چنانچہ اُس نے عمل کیا اور اس وقت وہ جوانی کی بہاریں ختم کر چکی تھی ۔ اُس کا حسین چہرہ بڑھاپے کی جھریوں سے اپنی خوشنمائی اور دلربائی کھو چکا تھا ۔ آپ نے فرمایا تو نے میرے ساتھ فلاں سلوک کیا تھا ؟ (آپ نے گذشتہ واقعات کی یاد دہانی کرائی تو سرد آہ کھینچ کر کہنے لگی ۔ اے نبی خدا ۔ مجھے شرمسار نہ کیجئے ۔ میں تین ایسے امتحانات میں مبتلا تھی کہ میں سمجھتی ہوں مجھ جیسا امتحان کسی دوسری عورت پر نہ آیا ہوگا ۔ ایک یہ کہ میں تیری محبت میں گرفتار ہوگئی کیونکہ تیرا حسن میں کوئی ہم پلہ نہیں ہے ۔ دوسرے یہ کہ میں خود مصر میں زمانہ کی خوبصورت عورت تھی حتٰی کہ حسینۂ مصر میں ہی تھی ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گھر میں مال و دولت کی بھی فراوانی تھی ۔ اور تیسرے یہ کہ ان تمام باتوں کے باوجود میرا اپنا شوہر نامرد تھا ۔ حضرت یوسف نے اس کی دردبھری داستان سُنی تو فرمایا اب تیری منشا کیا ہے ۔ اُس نے عرض کی ۔ حضور! اللہ سے سوال کیجئے کہ وہ مجھے دوبارہ جوانی عطا فرمائے ۔ چنانچہ حضرت یوسف نے دعا مانگی اور پروردگار نے اس کو دوبارہ جوانی عطا فرمائی ۔ اور حضرت یوسف نے اس سے شادی کی درحالیکہ وہ باکرہ تھی ۔

اسی تفسیر میں بروایت علل حضرت صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کی بارگاہ میں پہنچنے کی خواہش کی تو دربانوں نے اُسے دروازہ پر روک دیا یہ کہہ کر کہ تیری بدسلوکی جو یوسف سے ہو چکی ہے اُس کی بنا پر ہم جرأت نہیں کر سکتے کہ تجھے اندر جانے کی اجازت دیں ۔ زلیخا نے جب اصرار کیا اور کہا کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے مجھے اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے ؟ پس اجازت ملی ۔ دربارِ شاہی میں پہنچی ۔ اور آدابِ حکومت بجالائی ۔ حضرت یوسف نے پوچھا کہ تیری شکل و صورت میں تغیر و تبدیلی کیوں رونما ہو چکی ہے ؟ کہنے لگی حمد ہے اُس اللہ کے لئے جس نے بادشاہوں کو گناہوں کی بدولت غلام بنایا ۔ اور غلاموں کو اطاعت کی جزا میں حکمران کر دیا ۔ پس آپ نے فرمایا جو میرے ساتھ تو نے سلوک کیا اس کا داعی و محرک کیا چیز تھی ۔ تو کہنے لگی اس کا موجب و سبب صرف آپ کے چہرہ کا حُسن و جمال ہی تھا ۔ آپ نے فرمایا اگر تو اُس نبی کا دیدار کرتی جو آخری زمانہ میں ہوگا جس کا نامِ نامی حضرت محمدؐ ہوگا تو تیری کیا حالت ہوتی جس کے چہرہ انور و رُخ زیبا کا حُسن و جمال مجھ سے بدرجہا اتم و اکمل جس کے اخلاق کریمانہ و اطوار شریفانہ کا دائرہ مجھ سے کہیں اوسع و اشمل اور جس کا جود و سخا اور کرم و عطا

میری بہ نسبت کہیں اعلیٰ و افضل ہوگا؟ یہ سنتے ہی فوراً بولی کہ واقعاً آپ سچ فرما رہے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا۔ تو نے کیسے جان لیا کہ وہ ان صفاتِ حمیدہ و خصالِ جمیلہ کے مالک ہوں گے تو کہنے لگی جب آپ نے ان کے نام نامی کا ذکر زبانِ فیض ترجمان سے کیا تو اُن کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہوگئی۔ پس میرے دل نے یقین کر لیا ہے کہ وہ واقعی آپ سے ہر لحاظ سے اعلیٰ و اشرف اور اکمل و افضل ہوں گے۔ پس نورِ ایمان کی قندیل سے دل و دماغ کا منور ہونا تھا کہ دریائے رحمتِ پروردگار موجزن ہوا۔ اور بحرِ عطائے پروردگار سے لہرا اٹھی۔ زلیخا کے خوابیدہ بخت جاگ گئے۔ قسمت نے پلٹا کھایا۔ کنارہ کش سہاگ نے کروٹ لی۔ اور روٹھے ہوئے بھاگ نے انگڑائی لی۔ وحی کی وائرلیس کے ذریعہ خالقِ تقدیر و مالک تدبیر نے یوسف سے خطاب کیا۔ کہ میری کنیز جو کچھ منہ سے کہہ رہی ہے یہ اُس کے دل کی آواز ہے۔ اور اس کی بدولت اس نے میری محبت جیت لی ہے۔ کیونکہ میرے حبیب محمدؐ سے جو محبت کرے وہ میرا محبوب ہوا کرتا ہے۔ پس بلا تاخیر اس سے شادی کرو اور اس کو اپنے حرم سرا میں داخل کرلو۔ چنانچہ حضرت یوسف نے بحکم پروردگار کے مطابق عمل کیا۔

تفسیر برہان میں امالی شیخ سے منقول ہے کہ جب حضرت یعقوب مصر کے قریب پہنچے اور حضرت یوسفؑ اپنے لاؤ لشکر کے ہمراہ استقبال کے لئے نکلے تو اس بالاخانہ کے قریب سے ان کا گذر ہوا۔ جہاں زلیخا مصروفِ عبادت تھی۔ جب زلیخا نے دیکھا تو نہایت غمزدہ نحیف آواز میں کہا۔ اے جانے والے تو نے مجھے حزن میں مبتلا کیا۔ بے شک تقویٰ کس قدر اچھی چیز ہے جس نے غلاموں کو آزاد بنایا۔ اور گناہ کس قدر بُری چیز ہے جس نے آزادوں کو غلام بنا دیا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ زلیخا سے حضرت یوسف کے تین بچے ہوئے۔ افرائیم۔ میشا اور تیسری رحمہ جو حضرت ایوبؑ کی زوجہ تھی۔ اور حضرت یوسف کے پڑپوتے چار سو برس بعد حضرت موسیٰ مصر میں آئے (اس عرصہ میں حضرت یعقوب کی اولاد چھ لاکھ سے بھی زیادہ ہوگئی تھی)

میں نے کسی موعظہ کی کتاب میں دیکھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت یوسف تختِ مصر پر جلوہ گر تھے۔ حضرت جبریل پاس موجود تھا۔ ایک پھٹے پرانے لباس میں ملبوس نوجوان گلی میں گذرا۔ جبریل نے بتایا یہ وہی ہے جس نے گہوارہ میں تیری عصمت کی گواہی دی تھی۔ پس حضرت یوسف نے اُس کو بلوایا۔ اس کو فاخرہ لباس بھی عطا کیا۔ اور نقدی بھی عطا کی اور معذرت کے ساتھ اُس کو رخصت کیا۔ تو جبریل مسکرایا۔ حضرت یوسفؑ نے مسکرانے کا سبب پوچھا تو جبریل نے جواب دیا۔ جس شخص نے بچپنے میں غیر ارادی طور پر تیری شہادت دی تو مخلوق ہو کر کافی انعام دینے کے بعد بھی معذرت کر رہا ہے۔ تو جو شخص اپنے پورے اختیار کے ساتھ اپنے اللہ کی کبریائی اور اس کی توحید کی گواہی دے تو دنیا و محشر میں خدا جس قدر انعام و اکرام سے اُس کو نوازے گا۔ اُس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا ؕ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ کسی نبی نے جلدی مرنے کی دعا نہیں کی سوائے حضرت یوسف کے کیونکہ جب خدا نے طویل جدائی کے بعد سارے خاندان کو یکجا جمع کر دیا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔ خواب کی تعبیر

وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور مکر کر رہے تھے (یوسف کے ساتھ) اور نہیں اکثر لوگ اگرچہ آپ حرص بھی کریں ایمان لانے والے

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع۵

حالانکہ آپ ان سے مزدوری بھی نہیں مانگتے نہیں ہے یہ مگر ذکر جہانوں کے لئے

پوری ہو چکی۔ اور ملک دنیا اور اس کی نعمات کے ساتھ لذّت اندوز ہو چکے تو یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ فانی ہے پس اللہ سے دائمی نعمات کی خواہش کی۔ اور جنّت کی التجا کی۔ موت کی تمنا ظاہر کی جو آج تک کسی نبی نے نہ کی تھی اور نہ ان کے بعد کسی نے کی۔ کہا اے اللہ! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا۔ اور خوابوں کی تعبیر کا علم دیا۔ اے آسمانوں اور زمین کے خالق تو میرا دنیا و عقبیٰ میں بڑا ناصر و مددگار ہے۔ مجھے اسلام کی موت دے دے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ یعنی جنّت کے ساکنین انبیاء و صالحین کی صحبت مجھے عطا کر۔

دُعائے فرج

ایک روایت میں ہے کہ کنوئیں میں یوسف کو یہ دعا جبریل نے بتائی تھی۔

اَللّٰهُمَّ فَاِنَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ اَمْرِيْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَّارْزُقْنِيْ مِنْ حَيْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَيْثُ لَا اَحْتَسِبُ۔ پس آپ نے اس ورد کو جاری رکھا تو ہر مصیبت دفع ہوتی گئی۔ کنوئیں سے نجات ملی۔ زلیخا کے مکر سے رہائی پائی۔ زندانِ مصر سے چھٹکارا حاصل ہوا۔ اور پھر آخر کار تختِ حکومت پر متمکن ہوئے۔ اور دوسری روایت میں زندانِ مصر میں آپ کی یہ دعا منقول ہے۔

يَا كَبِيْرَ كُلِّ كَبِيْرٍ يَا مَنْ لَّا شَرِيْكَ لَهٗ وَلَا وَزِيْرَ يَا خَالِقَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ الْمُنِيْرِ يَا عِصْمَةَ الْمُضْطَرِّ الضَّرِيْرِ يَا قَاصِمَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ يَا مُغْنِيَ الْبَائِسِ الْفَقِيْرِ يَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْكَسِيْرِ يَا مُطْلِقَ الْمُكَبَّلِ الْاَسِيْرِ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ اَنْ تَجْعَلَ لِيْ مِنْ اَمْرِيْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَّتَرْزُقَنِيْ مِنْ حَيْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَيْثُ لَا اَحْتَسِبُ۔

رکوع ۶

كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ[۹۵] مقصد یہ ہے کہ اگر وجودِ باری اور اس کی توحید پر دلالت کرنے والی دلیلوں کا جائزہ لیا جائے تو آسمانوں اور زمین کے اندر اُس کی نشانیاں بے حد و شمار ہیں بلکہ کائنات کی ہر شئی اپنے خالق مدبّر اور حکیم صانع کے وجود اور اُس کی توحید کا پتہ دیتی ہے۔ اسی بنا پر تو کہا جاتا ہے کہ اللہ کے وجود پر دلیلیں اتنی ہیں جس قدر نفوسِ بشریہ ہیں پس اس قدر دلیلوں کے بعد حقیقت وجودِ باری بدیہیات میں سے روشن تر اور جملہ حقائق سے واضح تر ہے پس پروردگار از راہِ تعجّب و استنکار فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کس قدر دلائل موجود ہیں جن سے کتابِ آفاق بھری پڑی ہے۔ اور یہ لوگ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا

اور کتنی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن کو یہ دیکھتے ہیں درحالیکہ ان سے

مُعْرِضُوْنَ (۱۰۵) وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ

چشم پوشی کر لیتے ہیں اور نہیں ایمان لاتے ان کے اکثر اللہ پر مگر درحالیکہ وہ مشرک ہوتے ہیں

(۱۰۶) اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ

کیا وہ مطمئن ہیں اس بات سے کہ آئے اُن پر چھا جانے والا اللہ کا عذاب یا آئے ان پر قیامت

السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (۱۰۷) قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا

اچانک درحالیکہ وہ شعور نہ رکھتے ہوں کہ دو یہ میرا طریقہ ہے کہ اللہ کی طرف بلاتا ہوں

ہر وقت ان کا مطالعہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن پھر چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔

مومنوں کا شرک

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ ۔ اس آیت میں خدا اُن لوگوں کو تنبیہ فرما رہا ہے جو ظاہر میں دعوٰی ایمان کا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی اکثریت بھی مشرک ہے۔ اس کی تاویل میں چند اقوال ہیں۔

۱۔ مشرکین قریش جو اللہ کو خالق مالک محی و ممیت و رب سمجھنے کے باوجود بتوں کی پوجا کرتے تھے۔

۲۔ عام مشرکین عرب جو زمین و آسمان کا خالق مینہ برسانے والا اور سبزیاں اگانے والا اللہ کو جانتے تھے۔ اور پھر بت پرستی کے مرتکب تھے۔

۳۔ اہل کتاب جو تورات و انجیل و سابق انبیاء اللہ اور ملائکہ سب پر ایمان رکھتے تھے لیکن آخر الزمان پیغمبر کی نبوت کے منکر تھے۔ یہ تین قول امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہیں۔

۴۔ یہ منافقوں کے حق میں ہے جو ظاہر میں ایماندار اور باطن میں مشرک تھے۔

۵۔ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو عقیدہ میں موحد ہیں اور اعمال میں مشرک ہیں۔ یعنی عقیدہ درست ہے اور عمل شیطان کے تابع ہے۔

بہرکیف ایمان کا دعوٰے کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ انسان سچ مچ مومن بن جائے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعوی کرے اور حقیقت میں وہ شرک کی آلائشوں میں مبتلا ہو۔ حتیٰ کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ اگر انسان یہ کہے فلاں نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا یا فلاں نہ ہوتا تو میرے بچے مرجاتے تو اُس کو اللہ کا شریک بنایا۔ پس عرض کی گئی کہ مولا! اگر اس طرح کہا جائے کہ فلاں شخص کے ذریعے اللہ نے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا تو میں یا میرے بچے ہلاک ہو جاتے تو آپ

إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ

درحالیکہ ہیں اور میری اتباع کرنے والے یقین پر رہیں اور اللہ پاک ہے اور ہیں شرک کرنے والوں میں

الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم

سے نہیں ہوں اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول مگر بندے جن کی طرف ہم نے وحی کی

مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ۗ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ

شہر کے بسنے والوں میں سے کیا یہ زمین میں سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں کیا انجام ہوا

نے فرمایا یہ درست ہے۔

عوام النّاس کی زبان سے عموماً نکلتا ہے۔ اللہ و اہل بیت نے فلاں کام کیا۔ یا اللہ و پنجتن پاک کو فلاں کام کی لاج ہے۔ یا اللہ و علی نے میرا کام کر دیا وغیرہ اس قسم کے فقرات سے شرک کی بو آتی ہے اور معصوم نے اس سے منع فرمایا ہے پس اگر یہ مقصود ہو کہ خدا نے بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ یا بطفیل پنج تن پاک یا بتصدق اہل بیت یہ کام کیا ہے یا فلاں حاجت پوری کی تو ٹھیک ہے ورنہ شرک صریح اور ظلم عظیم ہے اس قسم کے فقرات کے استعمال سے مومنین کو گریز کرنا چاہیئے۔ اہل بیت کا اللہ پر عطف کرنا درست نہیں ہے بلکہ اس طرح کہنا چاہیئے۔ خدا نے بوسیلۂ اہل بیت ایسا کیا یا خدا بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ایسا کرے وغیرہ اسی طرح منّت ماننے اور نذر و نیاز ادا کرنے میں بھی اسی نکتہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي : یعنی میں اللہ کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہوں۔ اور میں اور میری اتباع کرنے والے بصیرت اور اطمینان کی صفات رکھتے ہوئے اس دعوت کے علمبردار ہیں۔ اور روایات اہل بیت سے بالتواتر ثابت ہے کہ اس آیت میں اتباع کرنے والوں سے مراد علی اور اس کی اولاد طاہرین ہیں کیونکہ آیت مجیدہ میں اتباع مطلقہ مراد ہے۔ اور جو شخص رسول کا ہر قول و فعل میں تبع ہو اسے معصوم ہونا چاہیئے۔ لہذا آئمہ معصومین ہی اس کے مصداق ہیں اور علامہ حلّی نے اس آیت مجیدہ کو حضرت علی کی خلافت بلافصل کی دلیل شمار کیا ہے۔ وَهُوَ الْحَقُّ سُبْحَانَ اللَّهِ ۔ اللہ کی تنزیہہ کا کلمہ ہے۔ یعنی مشرک لوگ توحید کے متعلق جو غلط سلط عقائد رکھتے ہیں۔ خدا ان سے پاک و منزّہ ہے۔ تفسیر برہان میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ تنزیہہ پروردگار کا کلمہ ہے۔ پس جب انسان یہ کلمہ زبان پر جاری کرے تو خدا کے نام فرشتے اُس پر درود بھیجتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

دعوتِ توحید

آیت مجیدہ میں توحید کی دعوت کی افضلیت بیان کی گئی ہے اور نیز اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ توحید کی دعوت وہ دے جو خود اپنے مقام پر بصیرت تامہ رکھتا ہو اور اس کے دامن میں ادلۂ قاطعہ اور براہین ساطعہ موجود ہوں۔ اور آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اور اس کے قائم مقام ہمیشہ لوگوں کو دعوت دیا کرتے

تھے۔ اور آپ نے فرمایا اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ عَلٰی عِبَادِہٖ ۔ یعنی اللہ کے بندوں پر علماء رسولوں کے امین ہیں اور امانت و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ علماء دعوت توحید میں کسی بھی وقت سستی اور اغماض چشم سے کام نہ لیں دورِ حاضر میں علمائے اعلام کے خلاف ہنگامہ آرائی کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیشہ اور ہر دور میں جہال کی جانب سے اس قسم کا شور و غوغا ہوا کرتا ہے۔ اور انبیاء نے جب بھی توحید کی دعوت پر زور دیا۔ جہال نے آڑے آنے کی کوشش کی اِس پُر آشوب زمانہ میں یہود کی طرح ہماری قوم میں منبر کے ٹھیکہ دار بعض صاحبانِ جبہ و دستار عوام میں مشرکانہ تعلیمات کا پرچار اپنی کامیابی کا معیار قرار دئیے ہوئے ہیں۔ وہ جب تک حضرت علیؑ کو مسند الوہیت پر قابض نہ کرائیں ان کے ہاں ولایت پختہ ہی نہیں ہوتی۔ اور جو بندۂ خدا اس قسم کے دریدہ دہن ملاؤں کے منہ میں لگام دینا چاہے وہ ان کے نزدیک وہابی قرار دیا جاتا ہے اور جو علی کو بندۂ خدا سمجھے اور بعد از پیغمبر پوری کائنات کا پیشوا جانے ان کے نزدیک یہ حضرت علی کی گراوٹ سمجھی جاتی ہے۔ بس توحید کی حدود کو توڑ کر حضرت علی کو خدائی صفات میں شریک ماننا ہی ان کے نزدیک ولایت کا صحیح مفہوم ہے۔ جہاں تک نقل کا تعلق ہے۔ ممکن ہے کہ صحیح ہو سکتے ہیں۔ ملک العلماء مرحوم گڑگڑا کر اور مصلّے عبادت پر رو رو کر دعا مانگتے تھے۔ اے پروردگار! ہماری بھولی بھالی قوم کو ان احمقوں کی قیادت سے نجات دے۔ اور سچ ہے کہ اچھی قوم کا فرد قوم کی بھلائی کی فکر میں ہوتا ہے اور کمین طبع لوگوں سے کمینہ پن کا دور ہونا غیر متوقع ہے۔ بعض سر پھرے ہر جگہ منبر پر اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ نجف سے فارغ ہونے والوں کی بات نہ سننا وہ ولائے علی کے دشمن ہیں۔ ایسے عقل کے اندھوں سے پوچھتا کوئی نہیں کہ علمائے اعلام جو اپنی زندگی کا قیمتی اور بارونق حصہ علوم دینیہ کی تحصیل میں خرچ کرتے ہیں۔ اور نجف میں ابوہریرہ کی روایات نہیں بلکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فرامین و کلمات کا درس لے کر آتے ہیں وہ ولائے علیؑ کا معنی نہیں سمجھتے تو کیا جن کو صرف منبر پہ ناچنا، کودنا اور اچھلنا اچھالنا آتا ہے وہی ولائے علیؑ کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح علمی نسل کے اکثر یتیم و لاوارث لوگ علمائے اعلام پر وہابیت کا الزام عائد کر کے لوگوں پہ اپنے علمی تفوق کا سکہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنی تاریک زندگی کو عوام کی نظروں سے چھپانے کی خاطر علماء کو بدنام کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اور بعض گانے والے پیشہ ور لوگ ایسوں کی آڑ میں علماء کو گالی دینا دین سمجھنے لگے ہیں یہ لوگ جہلا کو اپنی ہاں میں ہاں ملاتا دیکھ کر بغلیں بجاتے اور خوش ہوتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کامیابی نہیں بلکہ ان کے دین و ایمان کا جنازہ اور بے حسی اور بے شعوری کے لئے سند ہے۔ حضرت علیؑ کی ولاء کا یہ طریقہ نہیں کہ فرائض خداوندی سے غفلت برتی جائے۔ اور لوگوں کو معصیت پر جرات دلائی جائے۔ حضرت رسالت مآبؐ سے صحیح حدیث میں مروی ہے جس شخص پر حج بیت اللہ واجب ہو اور استطاعت کے باوجود ادا نہ کرے وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرتا ہے۔ ان ٹھیکہ دارانِ جنّت سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ کارخانے لگائے جا سکتے ہیں۔ زمینیں خریدی جا سکتی ہیں۔ اور قوم کی رقوم اور عزائے حسین کی ہزاروں کی آمدنی کو رنگ رلیوں اور فضول خرچیوں کی نذر کیا جا سکتا ہے تو حج بیت اللہ کی ادائیگی کیوں نہیں کی جاتی کیا ولائے

علی کا تقاضا یہ معلوم نہیں کہ حج واجب کو عمداً بلا عذر ترک کر کے حضرت علی کی زیارت کو جانے والا علی سے لعنت لے کر پلٹتا ہے نہ کہ خوشنودی۔ حضورؐ نے سچ فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے منبر پر بندر ناچیں گے۔ خداوندِ کریم اُمّتِ اسلامیہ کو ایسے مکار و غدار ملاؤں کے دامِ تزویر سے بچائے۔ یاد رکھیئے اللہ کا مقام اپنا ہے نبی کا مقام اپنا ہے اور علیؑ و اولادِ علیؑ کا مقام اپنا ہے۔ نبی و امام کو اللہ کا شریک ماننا شرک ہے اور ایسے لوگوں سے محمدؐ و آلِ محمدؐ ہرگز راضی نہیں ہوں گے بلکہ ان کی زبان سے ایسے عقیدہ والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے اور ہم نے عقائد حقہ کے موضوع پر الگ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار ہے۔ عقائد کی صحت کے لئے ہر مومن مرد و عورت پر اس کا مطالعہ لازمی ہے۔ نیز اس سلسلہ میں ہماری کتاب امامت و ملوکیت اور اسلامی سیادت کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

عُلمائے اعلام کا فرض ہے کہ دعوتِ توحید کو جاری رکھیں اور اسی قسم کی ہنگامہ آرائیوں سے مرعوب نہ ہوں۔ خدا ان کے ساتھ ہے۔ اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی غیبی نصرت ان کی پشت پناہ ہے۔ ولائے علیؑ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عقیدہ و عمل دو نوں میں حضرت علیؑ کی ہدایات کو مشعلِ راہ قرار دیا جائے۔ عقیدہ ایسا ہو جس پر علی راضی ہو۔ اور عمل بھی ایسا ہو جس پر علی خوش ہو۔ خداوند عالم ہمیں حضرت علیؑ کے صحیح شیعوں میں سے قرار دے۔ آمین۔

اِلَّا رِجَالًا۔ آیت مجیدہ کی صراحت سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء دیہاتوں سے مبعوث نہیں ہوئے۔ بلکہ شہروں میں بھیجے گئے۔ جیسا کہ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کے لفظ سے ظاہر ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسالت کا عہدہ قومِ جن کو نہیں دیا گیا۔ کیونکہ رجال کا اطلاق بنی آدم پر ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ رسالت کا عہدہ عورتوں کو نہیں دیا گیا۔

لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے مروی ہے حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ جنت کی ایک بالشت پوری دنیا اور اس کی جملہ نعمات سے بہتر ہے اللھم ارزقنی الجنۃ بجاہ محمد والہ حتی اذا یہ جناب رسالتمآبؐ کے لئے تسلّی و تسکین ہے کہ ہم نے گذشتہ اُمتوں سے عذاب کو ٹالے رکھا اور تیری اُمت سے بھی عذاب کو ٹالتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اتمامِ حجت کرتے ہیں اور جب نوبت اس حد تک پہنچتی ہے کہ رسول اپنی اُمّت کی اطاعت سے مایوس ہو جائیں اور ان کو بذریعہ وحی و تجربہ یقین پیدا ہو جائے کہ ان کی مکمل طور پر تکذیب ہو چکی ہے اور اُمّت میں سے ایمان کی اُمید کسی سے نہیں ہے تو اس وقت ہماری مدد پہنچتی ہے۔ اور جن کو ہم بچائیں وہی نجات پاتا ہے۔

فَنُجِّيَ: ۔ بعضوں نے اس کو نُنجی اور بعضوں نے نُجّی پڑھا ہے۔ اور یہ لوگ دوسرے نون کو اخفا کرتے ہیں اور لکھنے میں بھی اس کو نہیں ظاہر کرتے۔ اور یہ ادغام نہ ہے۔ ادغام نہیں کیونکہ ادغام مماثل یا متقارب میں ہوتا ہے اور نون اور جیم میں نہ مماثلت ہے نہ مقاربت۔ اور جو لوگ نُجّی پڑھتے ہیں وہ باب تفعیل سے ماضی کا صیغہ بناتے ہیں۔

فِیْ قَصَصِهِمْ: ۔ یعنی قرآن مجید میں انبیاء کے قصّوں کا بیان صاحبانِ عقول کے لئے نصیحت و عبرت کا مقام

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا

ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے یقیناً دارِ آخرت بہتر ہے ان کے لئے جو ڈریں کیا تم عقل نہیں

تَعْقِلُوْنَ ۞ ۱۰۹ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ

رکھتے ؟ یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہوئے اور انہوں نے یقین کیا کہ وہ جھٹلائے جا چکے ہیں تو انہیں

نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۞ ۱۱۰ لَقَدْ

ہماری مدد پہنچی پس ہم نجات دیتے ہیں جسے چاہیں اور نہیں چوکتا ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے تحقیق

كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى

ان کے قصہ بیان کرنے میں عبرت ہے صاحبانِ عقل لوگوں کے لئے یہ بناوٹی بات نہیں لیکن تصدیق ہے اس کی

وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى

جو اس سے پہلے ہے اور تفصیل ہے ہر شئی کی اور ہدایت

وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۞ ۱۱۱

اور رحمت ہے ایماندار قوم کے لئے

ہے کہ وہ رسول جس نے یہود و نصاریٰ کے علماء سے صحبت نہ کی اور نہ ان کی زبانی گذشتہ انبیاء کے واقعات سنے پھر نہ کسی درس میں پڑھا۔ نہ کسی استاد سے سیکھا اور باوجود اس کے گذشتہ انبیاء کے صحیح واقعات بیان کرے جو کتب سابقہ میں مصدقہ ہوں، تو عقلمند لوگوں کے لئے ان کی نبوت و رسالت کی اس سے واضح دلیل اور کیا ہو سکتی ہے ؟

والحمد للہ رب العلمین

بروز ہفتہ پونے سات بجے شام ۶ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

مطابق ۱۵ جولائی ۱۹۶۷ء سورہ یوسف

کی تفسیر ختم ہوئی

سُورَۂ رَعْدْ

اس سورہ کی کل آیات تنتالیس ہیں ۔اور بسم اللہ کو ملا کر چوالیس ہیں۔
بعض کے نزدیک یہ سورہ مکیّہ ہے سوائے آخری آیت کے اور بعض کے نزدیک پورا سورہ مدینہ ہے سوائے دو آیتوں کے ایک وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ الخ اور دوسری اس کے بعد والی۔

۱۔ ابی بن کعب سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص سورہ رعد کی تلاوت کرے گا تمام گذشتہ و آیندہ ہونے والے بادلوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوں گی اور بروز حشر اللہ کے عہد کو پورا کرنے والوں میں محشور ہوگا۔ (مجمع البیان وصافی)

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جو سورہ رعد کی زیادہ تلاوت کرے گا وہ بجلی کی موت نہ مریگا اور اگر مومن ہوگا تو بلا حساب جنّت میں داخل ہوگا اور اپنے خاندان و برادری کے جملہ جان پہچان والوں کے حق میں اس کی شفاعت مقبول ہوگی (مجمع البیان وصافی)

۳۔ نماز عشاء کے بعد تاریک شب میں آگ کی روشنی پر لکھ کر اگر ظالم وجابر بادشاہ کے دروازہ پر لٹکائی جائے تو وہ ہلاک ہوگا اور اس کی سلطنت ختم ہو جائے گی (البرہان نقلاً من خواص القرآن)

۴۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے تاریک رات میں نماز عشا کے بعد لکھ کر جابر و ظالم بادشاہ کے دروازہ پر لٹکائی جائے تو اس کی رعایا و فوج اس پر بغاوت کرے گی اور اس کی کوئی بات نہ مانی جائے گی۔ اور اس کی عمر کوتاہ ہوگی۔ ویسے بھی کسی ظالم یا کافر یا بے دین کے دروازہ پر اس کا لٹکانا اس کی ہلاکت کا موجب ہے۔ باذن اللہ (البرہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

(اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓرٰ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ

المرا یہ کتاب کی آیتیں اور وہ جو تجھ پر اتاری گئی تیرے پروردگار سے حق ہے

وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۱ اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ

لیکن اکثر لوگ یقین نہیں کرتے اللہ وہ ہے جس نے بغیر ستون کے آسمانوں کو

رکوع ۷ موضوع سورہ بیان توحید

الٓمّٓرا۔ تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس کی تاویل یہ منقول ہے۔ اَنَا اللّٰہُ الۡمُحۡیِ الۡمُمِیۡتُ الرَّازِقُ۔ یعنی صرف میں اللہ ہی زندہ کرنے والا مارنے والا اور رزق دینے والا ہوں۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے۔ اَنَا اللّٰہُ اَعۡلَمُ وَ اَرٰی یعنی میں اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہوں۔ سورہ کا عنوان حروف مقطعات کی ترتیب اور معصوم کا توضیحی نوٹ اور اس کے بعد آیات کی تفصیل سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سورہ مبارکہ کا موضوع دیگر اکثر سوروں کی طرح مسئلہ توحید ہے۔ پہلی توجیہ کے اعتبار سے زندہ کرنا مارنا اور رزق دینا ان تین صفتوں کا حصر اللہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور دوسری توجیہ کے لحاظ سے حاضر و ناظر ہونے کی صفت کو اس کی ذات میں منحصر کیا گیا ہے۔

تِلۡکَ آیَاتُ الۡکِتَابِ :- کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اور الف ولام عہد خارجی کے لئے ہے۔ یعنی جس کتاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ اُسی کتاب کی آیات ہیں۔ اور الّذی کا عطف کتاب پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس صورت میں یہ محلاً مجرور ہوگا اور اس کا عطف آیات پر بھی ہو سکتا ہے پس محلاً مرفوع خبر واقع ہوگا پہلی ترکیب کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا۔ یہ کتاب کی آیتیں ہیں۔ اور اُس کی آیتیں ہیں جو تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ اور دوسری ترکیب کے لحاظ سے معنی وہی ہوگا جو تحت اللفظ مذکور ہے۔ یعنی یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ ہے جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اتاری گئی۔ اور الحق مرفوع ہے۔ کیونکہ مبتدا محذوف ھُوَ کی خبر ہے۔ یعنی یہ حق ہے۔ اور حق اور صدق کے درمیان فرق ابھی ابھی بیان کیا جا چکا ہے۔ ص۹

اَللّٰہُ الَّذِیۡ :- چونکہ معرفت آثار سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر کسی چیز کے آثار کا علم بڑھتا جاتا ہے اُسی قدر اس چیز کی معرفت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پس پروردگار عالم نے ان آیاتِ مجیدہ میں اپنے آثار کا تذکرہ فرمایا۔

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ اس کو سہارا دینے کے لئے کوئی ستون

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

بلند کیا جیسے تم دیکھتے ہو پھر اس کا اقتدار عرش پر ہے اور اس نے مطیع کیا سورج اور

وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

چاند کو ہر ایک کی رفتار ایک معلوم وقت تک ہے وہ امر کی تدبیر کرتا ہے آیات کو تفصیل وار واضح

نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تَرَوْنَهَا عَمَدٍ کی صفت ہو یعنی اُس نے آسمانوں کو ایسے ستون کے بغیر بلند کیا ہے جسے تم دیکھ سکو۔ یعنی جس ستون پر آسمانوں کو بلند کیا گیا ہے اس کو تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ ستون قدرتِ پروردگار ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى:۔ اس مقام پر ثُمَّ ترتیب کے اظہار کے لئے نہیں ہے بلکہ محض عطف کو ظاہر کرتا ہے اور اگر ترتیب ہی مراد لی جائے تو مقصد اس طرح ہوگا کہ ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے کے بعد ان میں تصرف و حکومت کے لئے کرسئ اقتدار کا مقام عرش کو قرار دیا جس طرح پوری مملکت پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد دارالسلطنت کو محل اقتدار مقرر کیا جاتا ہے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ:۔ (۲) اللہ نے سورج کو پیدا کرنے کے بعد ایک مخصوص مدار پر مخصوص رفتار سے مخصوص مدّت تک اس کو مسخر و مطیع کیا ہے۔ (۳) اسی طرح چاند کو بھی اللہ نے خاص دائرہ کے اندر خاص رفتار سے ایک معیّن مقدار تک مسخر فرمایا ہے۔ سورج کی رفتار بارہ برجوں میں اُس کا قیام دن و رات کا گھٹاؤ بڑھاؤ موسموں کی تبدیلیاں اور اس کے نظام کی بقاء دوام بلکہ نظامِ شمسی کا تفصیلی مطالعہ جس کے کُنہ تک رسائی کسی عام انسان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اسی طرح نظامِ قمری کی جزئیات اور اس کے اندر ہزارہا دقائق و حقائق و اسرار و رموز کا ودیعت ہونا جن میں کسی حد تک دسترس حاصل کرنے کے بعد بڑے بڑے ہندسی، منجم اور علم الافلاک کے ماہرین بلا دریغ بول اُٹھتے ہیں مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ اے اللہ تو نے ان میں سے کسی شے کو بلا فائدہ نہیں پیدا کیا واقعًا ان چیزوں کا ادنیٰ مطالعہ بھی خالقِ صانع کی حکمت علم قدرت اور تدبیر اتم کے یقین کے لئے کافی ہے (۴) آسمانوں اور آفتاب و ماہتاب کی تسخیر کے بعد چوتھی چیز کو جو آثار سابقہ کا نتیجہ اور ان کا لازمہ ہے۔ بیان فرمایا يُدَبِّرُ الْاَمْرَ۔ یعنی وہی اللہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند فرمایا۔ اور سورج چاند کو مسخر کیا وہی ان کی تدبیر کرنے والا ہے۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ:۔ مذکورہ بالا چار آثار کو واضح کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ میں اپنی قدرت و حکمت کے آثار کو تفصیل وار بیان کرتا ہوں تاکہ تمہارا قیامت پر یقین پختہ ہو جائے اور تم سمجھ سکو کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانی شمسی و قمری بلکہ عالمی نظام کی تخلیق و تدبیر پر قادر ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر کیسے قادر نہیں ہے؟ پس اس طرح تدبر کرنے سے اپنی بازگشت کا یقین آسان ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِىْ۔ پچھلی آیت میں چار نشانیاں اپنی توحید کی بیان فرمائیں جو ارباب عقل و دانش کے لئے ناقابلِ تردید براہین

لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ

کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو اور وہ وہ ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس پر پہاڑ

فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ

ٹھہرائے اور نہریں اور ہر قسم کے پھلوں کے اس میں جوڑے جوڑے پیدا کئے

اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳

وہ ڈھانپتا ہے رات کو دن سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو سوچیں

ہیں لیکن چونکہ ان کا تعلق اجرام علویہ سے تھا اور ان کے حقائق و دقائق کو تفصیل وار جاننے سمجھنے کے لئے علم الافلاک اور علم النجوم کی ضرورت تھی۔ بنا بریں مطلب کو آسان کرنے اور دلیل توحید کو عامۃ الناس کے عقول کے لئے قابلِ قبول کرنے کے لئے آثارِ توحید کا سہل تر پہلو اختیار فرمایا جس میں ہر عالم و جاہل شہری و دیہاتی چھوٹا بڑا مرد و عورت اور ذہین و غبی معمولی توجہ کرنے کے بعد توحید پروردگار کا یقین پیدا کر سکیں۔ پس اس نے پانچویں نشانی یہ بیان فرمائی کہ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور بچھایا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نہج البلاغہ میں زمین و آسمان کی خلقت کے متعلق مفصل بیان منقول ہے کہ پانی کو ہواؤں نے حرکت دی۔ اور اس کی جھاگ سے زمین کی خلقت ہوئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے پہل کعبہ کی زمین سطح آب پر بچھائی گئی اور پھر ساری زمین کو پھیلایا گیا۔ آیت مجیدہ میں مدّ کی لفظ اسی معنی کی تائید کرتی ہے۔ بہرکیف زمین کی موجودہ صورت اور ہیئت کذائیہ کی طرف سرسری نظر ڈالنے والا اس کے خالق صانع حکیم کی توحید پر ایمان کو راسخ کر سکتا ہے۔ یہ نہ اس قدر نرم ہے کہ انسان اس میں دھنس جائے اور نہ اتنی سخت ہے کہ چلنے میں پاؤں کو زخمی کرے۔ نہ اتنی سرد ہے کہ رہنے والی مخلوق کو منجمد کر دے اور نہ اس قدر گرم ہے کہ بسنے والوں کو جلا دے۔ پس متوسط انداز سے اس نے پیدا کی ہے۔ کہ جمیع ذی روح اس کی گود میں آسانی سے بود و باش رکھ کر اس سے نفع اندوز ہو سکتے ہیں۔ غاروں میں بسیرا کرنے والوں کے لئے غاریں بنانا سہل اور گھر بنانے والوں کے لئے گھر تعمیر کرنا آسان ہے۔ پھر ہر قسم کے بسنے والوں کے لئے غذائی پیداوار کا انتظام اسی کی ہی بدولت ہے۔ اور دورِ حاضر کی تحقیقات نے زمین سے جن مفید و کارآمد خزائن کا سراغ لگایا ہے درحقیقت یہ معرفتِ پروردگار کی راہیں ہیں جنہیں ہموار کیا جا رہا ہے۔ اور ان کی جزئیات کا احاطہ تو سوائے پروردگار کے کوئی کر سکتا ہی نہیں۔

وَجَعَلَ فِيْهَا:۔ (۶) یہ چھٹی نشانی ہے کہ زمین کے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے اس نے وزنی پہاڑ اس پر کھڑے کر دیئے اور حضرت امیر علیہ السّلام نے نہج البلاغہ میں اس مطلب کو خوب واضح فرمایا ہے جس سے آیت مجیدہ کی تفسیر کھلتی ہے۔ اس ظاہری مفاد کے علاوہ پہاڑوں کی خلقت میں جو لاتعداد دقیق حکمتیں اور حدِ احصاء سے باہر اسرار و رموز کے مخفی خزائن پنہاں

ہیں جن کا معمولی علم طبقات الارض کے ماہرین کو عطا ہوا ہے۔ توحید و تمجید پروردگار کے لئے ناقابلِ تردید برہان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

وَاَنْهَارًا :۔ (۷) ساتویں نشانی دریاؤں نہروں اور چشموں کی تخلیق ہے۔

وَمِنْ كُلِّ :۔ (۸) پھلوں اور میوہ جات کو اُس نے پیدا کیا۔ اور لطف یہ کہ ہر پھل کو جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ بعض رنگ کے لحاظ سے سیاہ و سفید مثلاً بعض ذائقہ کے اعتبار سے تلخ و شیریں ۔ بعض موسم کے لحاظ سے کہ گرم موسم کا اور سرد موسم کا اور بعض مزاج کے اعتبار سے خشک و تر یا گرم و سرد ۔ پس اکثر مفسرین نے پھلوں کے جوڑا جوڑا ہونے کی یہ تاویل کی ہے لیکن جدید تحقیقات سے جو نئے نئے انکشافات سامنے آئے ہیں اُن میں علم نباتات کے ماہرین کا یہ قول بھی ناقابلِ انکار ہے۔ کہ جس طرح پروردگار نے ہر ذی روح مخلوق کو جوڑا جوڑا نر و مادہ کے لحاظ سے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح نباتات کا جوڑا جوڑا بھی نر و مادہ کے اعتبار سے ہے اور نباتات کی کوئی قسم ایسی نہیں جو نر و مادہ کے حکم سے مستثنیٰ ہو۔ البتہ بعض نباتات کے نر و مادہ کی پہچان پھل سے ہوا کرتی ہے جیسے کھجور اور بعض کی شاخوں سے مثلاً شیشم کہ اس کے نر کی شاخیں سخت سیدھی اور اوپر کی طرف جاتی ہیں۔ اور مادہ کی شاخیں نرم کج اور نیچے کی طرف مائل ہوا کرتی ہیں ۔ اسی طرح بعض میں پتوں کی کیفیت مختلف ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جن میں فرق اتنا دقیق ہے کہ ماہرین نباتات بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکے ۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی پودے کے بعض اجزاء نر اور بعض مادہ ہوں یا بعض شگوفے اور غنچے نر اور بعض مادہ ہوں ۔ اور ماہرین علم نبات کا کہنا ہے کہ جس طرح ذی روح مخلوق کی نسل بقاء کے لئے نر و مادہ کی ملاوٹ ضروری ہے اسی طرح نباتات میں یہی حالت ہے۔ پس بعض میں نر کا بیج مادہ کے بیج سے ملتا ہے۔ بعض نباتات میں خوشبو نر کی مادہ تک منتقل ہوتی ہے بعض میں زمین کے اندر جڑوں کی ملاقات یہ کام کرتی ہے ۔ اور موسم بہار جو عام طور پر نباتات کی سرسبزی و شادابی کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی نباتات کے پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا موسم ہوتا ہے تو خداوند عالم کے نظام اتم و اکمل کا کرشمہ ہے کہ اس زمانہ میں ہواؤں کی زیادتی ہوتی ہے اور دیگر فوائد و مصالح کے علاوہ اِس میں ایک ناقابلِ فراموش مصلحت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے نر نبات کا اثر مادہ نبات تک بآسانی پہنچ سکتا ہے ۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو کوئی پھل پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا ہی نہیں ۔

چنانچہ سورہ حجر میں ارشاد فرماتا ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ ۔ مفسرین نے اس سے یہ مقصد لیا ہے کہ ہواؤں کو ہم نے بھیجا تاکہ بادلوں کو پانی کا حامل بنائیں۔ لیکن اگر اس سے عام معنی مراد لیا جائے کہ ہواؤں کو ہم نے حاملہ بنانے کے لئے بھیجا تاکہ بادلوں کے علاوہ تمام نباتات کو بھی شامل ہو جائے تو زیادہ موزوں ہوگا ۔ اور یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کھجوروں کے جس باغ میں نر کھجور کا پودا نہ ہو اُس باغ کا پھل کمزور ہوا کرتا ہے ۔ عراق میں عام دستور ہے کہ پھل کے موسم میں نر کھجور کے بند خوشے کو چیر کر اُس سے نر کا بورہ نکال لیتے ہیں ۔ پس مادہ کھجور کے بند خوشے کو چیر کر اس میں ڈال دیتے ہیں ۔ اور اس کا نام تابیر ہے ۔ اور جن کھجوروں کی تابیر کی جائے اُن کا پھل موٹا میٹھا اور لذیذ ہو جاتا ہے جس کی بدولت

تابیر شدہ باغ کی قیمت اور غیر تابیر شدہ کی قیمت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی اپنے مقام پر تجربہ سے ثابت کیا ہے کہ کھجوروں میں تابیر یعنی نر کے بیج کا مادہ کے پھل سے ملانا پھل کی عمدگی و نفاست کا باعث ہوتا ہے۔ اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ باقی درختوں کا بھی یہی عالم ہوگا جس کی تفصیلات کے جاننے سے ہم قاصر ہیں۔ بہرکیف خداوند کریم نے پھلوں کے جوڑا جوڑا کرنے کو اپنی توحید و عظمت کی دلیل قرار دیا ہے جس کا سمجھنا اور یقین کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہے

یُغْشِی الَّیْلَ۔ (۹) رات کو دن سے ڈھانپ دیتا ہے یا دن کو رات سے ڈھانپ دیتا ہے۔ یہ دونوں معانی ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں یہ اس کی لازوال مصلحت ہے کہ ذی روح مخلوق سارے دن کی چہل پہل کام کاج اور جملہ مصروفیات سے تھکی ماندی ہو کر چونکہ سکون و آرام کی حاجت مند تھی۔ پس اس نے دن پر رات کا پردہ ڈال دیا تاکہ سکون حاصل کر کے یہ تازہ دم ہو جائیں پھر وقت مقرر کے بعد دوبارہ دن کو ظاہر کر دیا تاکہ تساہل و غفلت میں پڑا رہنے کی بجائے ضروری آرام کے بعد اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور کسب معاش یا نیل کمال کے لئے اپنی کوششوں کو جاری کر دیں۔ اور جس حد تک کل پہنچے تھے اُس سے آگے قدم رکھ کر ترقی کے زینوں کو طے کر سکیں۔ اگر شب و روز کا یہ تبادلہ نہ ہوتا تو نظام کائنات میں ابتری ہی ابتری رہتی۔ اس کے علاوہ دن اور رات میں گھٹاؤ بڑھاؤ کبھی رات زیادہ کبھی دن زیادہ اس طرح کہ گھٹنے والے کی کمی بڑھنے والے کی زیادتی کے برابر رہے اور پھر اس پر موسموں کی تبدیلی کا راز یہ قدرت پروردگار کے ایسے اسرار و رموز ہیں جن کو اس کی توحید و عظمت کی بولتی ہوئی زبان ہی کہنا چاہیئے ہم اس کی مزید تفصیل پہلے کسی جلد میں ذکر کر چکے ہیں

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ۔ ان نشانیوں کے گنوانے کے بعد عقول انسانیہ کو متنبہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ان بیان کردہ علائم و نشانات میں فکر کرنے والوں کے لئے یقیناً ہم پہچاننے کی نشانیاں موجود ہیں۔ وَلَا رَیْبَ فِیْهِ۔

وَفِی الْاَرْضِ (۱۰) یہ دسویں نشانی اس قدر عام فہم ہے کہ ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں چند اُمور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک یہ کہ زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے کے بالکل قریب قریب ہونے کے علاوہ آثار و خواص میں الگ الگ ہیں۔ کوئی زرخیز ہے کوئی شور ہے کوئی حصہ کسی نبات کے قابل ہے کوئی دوسری کے لئے موزوں ہے۔ کسی کا پھل میٹھا برآمد ہوتا ہے اور کسی کا پھیکا ہوتا ہے۔ اور کسی سے آمدنی خاطر خواہ اور تسلی بخش حاصل ہوتی ہے۔ اور کسی سے فصل اچھا نہیں نکلتا۔ وعلیٰ ہذا القیاس متعدد فرق ہیں جو طبقات الارض کا علم رکھنے والے جان سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ زمین کے قریب قریب کے ٹکڑوں میں مختلف قسم کے باغات جو انگوروں کھجوروں اور دوسری کھیتوں پر مشتمل ہوتے ہیں کاشت کئے جاتے ہیں اور زمین ہر پودے کی خدمت و نشو و نما میں اس کا مناسب کردار ادا کرتی ہے تیسرے یہ کہ کھجوروں میں بعض پودوں کی اصل ایک ہوتی ہے۔ اور بعض الگ الگ تنہ رکھتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ ان سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے۔ اور لطف یہ کہ زمین ایک پانی ایک لیکن ہر پھل کا رنگ الگ حجم الگ خاصیت

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّ

اور زمین میں قریب قریب کے ٹکڑے اور باغات انگوروں کے اور کھیتیاں اور کھجوریں ہیں جو ایک

نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا

اصل کی اور الگ اصول والی ہیں جو ایک پانی سے سیراب کی جاتی ہیں اور ہم فضیلت دیتے ہیں بعض کو

عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

بعض پر ذائقہ میں تحقیق اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں

الگ مزاج الگ اور ذائقہ الگ الگ صرف یہ نہیں بلکہ ایک ہی جنس کے پھلوں میں بہت کچھ اختلاف موجود ہوتا ہے۔ حجم رنگ خاصہ مزاج اور ذائقہ میں ایک ہی جنس کے افراد ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں اور ہر زمین پر بود باش رکھنے والا اس امر سے بخوبی واقف ہے پس اس سے زیادہ توحید پروردگار اور اس کی صنعت وحکمت اور علم وقدرت کی دلیل کیا دی جاسکتی ہے اسی لئے تو آخر میں فرمایا کہ عقل رکھنے والوں کے لئے اس میں بہت کچھ آیات ونشانیاں موجود ہیں۔ ان آیات میں خداوند کریم نے دس نشانیاں گنوائی ہیں (۱) آسمانوں کی خلقت (۲) سورج کی خلقت وتسخیر (۳) چاند کی تسخیر (۴) تدبیر الامور (۵) بساط زمین کا بچھانا (۶) پہاڑوں کی خلقت (۷) دریاؤں کی پیدائش (۸) پھلوں، میووں کے مختلف اقسام کی تخلیق (۹) دن رات کا چکر (۱۰) زمین و پانی کی وحدت کے باوجود نباتات کا اختلاف وغیرہ۔

تعجب ہے عقل کے اندھے لوگوں پر جو اس قسم کی واضحات کو چھوڑ کر شبہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور توحید پروردگار کے ساتھ کھلی ہوئی بغاوت کا ارتکاب کرکے مسلمان کہلوانے سے شرم نہیں کرتے۔ میں نے شیعہ منبر پر شیعی عقائد کا ستیاناس کرنے والے بعض جیب تراش ملاؤں کو توحید کے خلاف زہریلے جملے اگلتے دیکھا ہے کہ خدا نے محمدؐ و آل محمدؐ کو پیدا کیا اور انہوں نے سب کائنات کو پیدا کیا۔ میں نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں اس قسم کے مشرکانہ خیالات کو براہین سے رد کیا ہے لیکن ناخدا ترس اور بے لگام مولویوں کے لئے اگر اللہ کا کلام فائدہ مند نہیں ہو سکتا تو میرے بیان سے وہ خاک اثر لیں گے۔ ہاں حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وہ ہمیں گالیاں دینا ہی جانتے ہیں ایسے لوگوں کے پاس صرف فرسودہ وبیہودہ خیالات کا پلندہ اور شبہات وتوہمات فاسدہ کا ذخیرہ ہے۔ علاوہ ازیں منبر پر منہ ٹیڑھا کرنا آنکھ ہاتھ کا اشارہ کرنا، ناچنا۔ کودنا اور عوام الناس کو اچھال اچھال کر داد لینا۔ اور واہ واہ کی خراج تحسین سے تسکین قلب حاصل کرنا ان کا مآل تقریر ہے وہ علمی میدان

يَعْقِلُوْنَ ④ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَ

کے لئے اور اگر آپ کو تعجب ہو تو ان کی یہ بات اور تعجب ناک ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں

اِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہ لوگ اپنے پروردگار کے منکر ہیں اور ایسے لوگوں کی

ہیں قدم رکھنا نہیں جانتے صرف علماء اسلام کو وہابی کہہ کر انہیں بدنام کرنا ہی اپنا کمال سمجھتے ہیں۔

کیا توحید خالق سے بغاوت کرنے کے لئے اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ کا سہارا لینا ان کو آتا ہے اور قرآن مجید کی سینکڑوں آیتیں جن میں تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کی تخلیق کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ان کی نظر سے نہیں گذریں اور کیا هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ کا خدائی چیلنج ان کو معلوم نہیں اور حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب بے سر و پا خطبۂ بیان کے اقتباسات یاد ہیں جن میں توحید خالق کو للکارا گیا ہے اور قرآن مجید کی صریح اور واضح آیات نظر سے نہیں گذریں جن میں توحید خالق کی ناقابلِ تردید براہین موجود ہیں۔ اور خدا کی جانب سے اہلِ فکر و نظر اور اربابِ عقل و دانش کو بار بار غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ نیز فرضی خطبہ بیان کی بجائے اگر نہج البلاغہ کے خطبات کا مطالعہ کیا جائے جن میں مختلف اشیاء کی خلقت کو حضرت امیر علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور توحید خالق کی ادلّہ و براہین کا مواد جس قدر حضرت امیر علیہ السلام کے خطبات سے مل سکتا ہے تمام دنیا کے موحدین اس کا عشر عشیر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگ حضرت علی پر ظلم کرنیوالے ہیں جو خدا کے مقابلہ میں حضرت علی کو کائنات کا خالق و رازق ٹھہرا کر ان کو خدا کا شریک بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ خطبہ بیان کا سہارا لے کر حضرت علی کو خلقت کائنات کا مدعی قرار دیتے ہیں حالانکہ حضرت علی اور تمام معصومین ایسے لوگوں سے بری ہیں وہ خود اللہ کے عبادت گذار بندے تھے اور تمام بندوں کو عبدیت کا درس دینے والے تھے۔

اس میں شک نہیں ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ جس کے پاس دلیل موجود نہ ہو۔ اور جس کا دامن کسی ٹھوس و پائدار برہان سے خالی ہو وہ اپنی ڈھٹائی پر باقی رہنے اور عوام میں اپنے وقار کا بول بالا کرنے کے لئے مدمقابل کو گالی گلوچ کا نشانہ بنانا اور اس پر کیچڑ اچھالنا ہی اپنا کامیاب حربہ سمجھتا ہے۔ خلافت کے اثبات کے مقام پر ببانگِ دہل کہنے والے چونکہ ہمارا امام کھرا ہے لہذا ہم کسی کو کسی مجلس سے نہیں روکتے۔ بے شک چل پھر کر مذاہب کی سیر کر کے دیکھیں۔ اگر علی کے مقابلہ میں کوئی دوسرا امام نہ ملے تو علی کو ہی امام تسلیم کریں اور دوسروں کے پاس جانے سے وہی روکتا ہے جس کے پاس مال کھرا نہ ہو۔ جیسا کہ بازار میں عام دوکانداروں کا دستور ہوا کرتا ہے آئیے

الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾

گردنوں میں طوق ہوں گے اور ایسے لوگ دوزخ میں جائینگے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ

اور جلدی کا عذاب چاہتے ہیں رحمت سے پہلے حالانکہ گذر چکے ہیں ان سے پہلے عذاب کے

الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ

واقعات (جو باعث عبرت ہیں) اور تحقیق تیرا رب لوگوں کے لئے بخشش والا ہے باوجود ان کے ظلم کے اور تحقیق

مسئلہ توحید کے متعلق بھی اعلان کیجئے کہ بیانِ توحید ہر ایک سے سُنو جس کی توحید کھری ہو قبول کرو لیکن یاد رکھیئے کہ دامنِ توحید خالق کو تار تار کرنے والے ہرگز یہ جرأت نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ الٹا کھوٹے سودے والے دوکاندار کی طرح دوسروں کی بات سُننے سے روکتے ہیں کہ فلاں سے بچ کر رہو فلاں کی مجلس نہ سُنو ورنہ وہ تم کو علی کا دشمن بنا دیں گے۔ خدا کی قسم یہ مکارانہ چال اور عیارانہ طرزِ عمل صرف اپنے وقارِ ناپائدار کی بحالی اور عوام کی جیب تراشی سے چند روز خوش حالی حاصل کرنے کے لئے ہی ہے ورنہ وہ بھی دل سے جانتے ہیں کہ کل کائنات کا خالق رازق محی و ممیت اور مدبر عالم صرف اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ الخ ایسی واضح دلیلوں کے بعد بھی توحید خالق میں شک کرنا یا اس کا انکار کرنا واقعاً باعثِ تعجب ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآبؐ کو پروردگار نے تسلی دی۔ اور فرمایا کہ بے شک ایسے لوگوں پر تعجب کرنا بجا ہے لیکن یہ بات اور زیادہ قابلِ تعجب ہے جو کہتے ہیں کہ خاکستر ہو جانے کے بعد ہم دوبارہ زندہ کیسے ہوں گے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ جو خدا کتم عدم سے پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے کیا وہ مرنے کے بعد دوبارہ ان کو از سر نو خلق نہیں کر سکتا۔ حالانکہ پہلی دفعہ کا پیدا کرنا دوبارہ زندہ کرنے سے مشکل ہوا کرتا ہے۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ :۔ مقصد یہ ہے کہ وہ نیکی جس کی جزا بہشت ہے۔ اُسے چھوڑ کر کفر و انکار کی برائی کی طرف سبقت کرتے ہیں یا بعض سرپھرے لوگ اپنے حسد و عناد کی آگ میں جل بھن کر جنت کی خواہش کی بجائے عذاب کو اپنے منہ سے طلب کرنے کی جرأت کرتے ہیں حالانکہ سالقہ واقعات سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے نہ کہ اس کی خواہش۔

وَاِنَّ رَبَّكَ :۔ سید مرتضےٰ سے منقول ہے کہ یہ آیت مجیدہ اہل قبلہ میں سے گنہگاروں کے لئے بخشش کا مژدہ اپنے دامن میں رکھتی ہے۔

شَدِيْدُ الْعِقَابِ الخ پہلے حصہ میں بخشش کی پیش کش ہے اور آخری حصہ میں عذاب کی تہدید ہے اور جناب رسالتمآبؐ

سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا درگزر اور اس کی بخشش نہ ہوتی تو کسی انسان کی زندگی خوشگوار نہ رہتی اور اگر اس کی تہدید و وعید نہ ہوتی تو ہر شخص نیکی کرنے میں سست اور گناہوں سے نڈر ہو جاتا۔

لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ لوگوں کی چونکہ بالعموم دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو منصفانہ طور پر حقائق بینی سے دلچسپی رکھتے اور حق کو بلا دریغ قبول کر لیتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو معاندانہ روش سے ہر بات کو ٹھکرانا ہی جانتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی کی صداقت کے اثبات کے لئے دلیل و برہان پر کان نہیں دھرتے بلکہ بات بات پر معجزہ طلب کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ چنانچہ مشرکین مکہ کی حضورؐ سے بار بار کی اعجاز طلبی اسی منعکس ذہن کی پیداوار تھی۔ خداوند کریم کی جانب سے بطور تنبیہ وارشاد متعدد بار ان کو تدبر و تفکر کی دعوت دی گئی اور توحید پر انتہائی آسان اور قابل قبول انداز بیان سے ناقابل تردید براہین پیش کی گئیں لیکن وہ آخر تک طالب اعجاز ہی رہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ منصف طبائع کو معقول دلیل سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے ہٹ دھرم عنادی اور جہال طبقہ اعجاز نمائی سے بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ پس وہ ایک معجزہ کے بعد دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا علی ہذا القیاس معجزات ہی طلب کرتے رہتے ہیں۔ اور ان میں بھی موشگافیاں کر کے لیت و لعل میں وقت گذارتے ہیں۔ اور لوگوں میں صرف انتشار پھیلانا ہی جانتے ہیں۔ پس ایسوں کا علاج یا تو فوری عذاب سے ہو سکتا ہے۔ جیسے گذشتہ بعض انبیاء کی اُمتوں کا حشر ہوا۔ اور یا ڈنڈے سے کلمۂ حق کو منوا لیا جاتا ہے تاکہ انتشار کا سد باب ہو سکے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کا اسلام فتح مکہ کے بعد اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم کفار کے اسی اعجاز نمائی والے مطالبہ کو دہرا رہا ہے جس طرح کہ پہلی آیت میں فرمایا کہ اب یہ لوگ عذاب ہی مانگتے ہیں اور کچھ نہیں۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ کفار کے سوال کے جواب میں آیت مجیدہ کے ظاہر کے رو سے خدا نے یہی جواب دیا کہ آپ کا کام ہے میرے عذاب سے لوگوں کو ڈرانا اور ہر قوم کو ہدایت کرنا اور بس علاوہ ازیں آیات و معجزات کا ظاہر کرنا یہ آپ کا کام نہیں بلکہ میرا کام ہے۔

دلیل خلافت

علامہ علی اعلی اللہ مقامہ نے آیت مجیدہ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کو دلیل خلافت علی قرار دیا ہے اور اس بارے میں بروایت جمہور ابن عباس سے حدیث نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اَنَا الْمُنْذِرُ وَعَلِیٌّ الْهَادِیْ۔ یعنی منذر میں ہوں اور ہادی علی ہے۔ فضل بن روزبہان ناصبی نے اس حدیث کا کتب اہل سنت میں ہونے سے انکار کیا ہے۔ لیکن صاحب دلائل الصدق نے متعدد کتب عامہ سے حوالہ جات پیش کر کے دشمن علی کے منہ پر ایسا طمانچہ رسید کیا ہے جس کا جواب نہیں (۱) کنز العمال ج ۲ ص ۱۵۷ عن الدیلمی (۲) تفسیر درمنثور میں سیوطی نے چار حدیثیں نقل کی ہیں دو ابن عباس سے ایک ابوبردہ اسلمی سے اور چوتھی خود حضرت علی علیہ السلام سے۔ اور ان سب کا مقصد واحد یہی ہے کہ آیت مجیدہ میں منذر سے مراد حضرت رسالتمآبؐ ہیں۔ اور ہادی سے

مراد حضرت علی ہیں (۳) حاکم نے اسی حدیث کو مستدرک میں ذکر کیا ہے (۴) ملا سلیمان حنفی نے ینابیع المودت میں اس کو لکھا ہے۔ (۵) تفسیر کبیر میں رازی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابو القاسم حسکانی کی شواہد التنزیل سے مروی ہے ابو بردہ اسلمی روایت کرتا ہے کہ حضورؐ نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور علی کا ہاتھ پکڑا بس اپنے سینے پر رکھ کر فرمایا اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ پھر ہاتھ کو علی کے سینے کی طرف بڑھا کر فرمایا وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ پھر ارشاد فرمایا لوگوں کے لئے روشنی کا مینار ہدایت کا محل اور مومنوں کا امیر تو ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ایسا ہی ہے۔ بہر کیف کتب شیعہ وسنی میں بتواتر وارد ہے کہ آیت مجیدہ میں ہادی سے مراد علی ہے لہذا آیت حضرت علیؑ کی خلافت پر نص ہے کیونکہ رسالت مآبؐ کے بعد جو تمام امت کا ہادی ہوگا وہی خلیفہ بلا فصل ہوگا اور اس استدلال میں کسی ذی ہوش کے لئے مجال انکار نہیں ہے۔

کوئی زمانہ حجت خدا سے خالی نہیں ہوتا آیت مجیدہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زمین کسی وقت حجت خدا سے خالی نہیں رہتی چنانچہ تفسیر صافی میں اصول کافی سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا حضرت رسالت مآبؐ منذر ہیں اور ہر زمانہ میں ہم میں سے ایک ہادی کا ہونا ضروری ہے جو رسالت مآبؐ کے لائے ہوئے دین کی طرف لوگوں کی رہبری کرے پس حضورؐ کے بعد ہادی علی ہے اور پھر یکے بعد دیگرے اوصیاء ہادی ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر زمانہ کا امام اس زمانہ والوں کے لئے ہادی ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ ان لوگوں کی تردید کر رہی ہے جو ہر زمانہ میں وجود امام کو ضروری نہیں جانتے۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دن حضور رسالت مآبؐ نے خطبہ میں حمد وثنار پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا اے لوگو! میں عنقریب تم سے جدا ہونے والا ہوں۔ وَاِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَبَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا فَتَعَلَّمُوْا مِنْهُمْ وَلَا تُعَلِّمُوْهُمْ فَاِنَّهُمْ اَعْلَمُ مِنْكُمْ لَا تَخْلُوا الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَلَوْ خَلَتْ اِذًا لَسَاخَتْ۔ ترجمہ۔ اور میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی عترت اہل بیت جب تک ان دونو کے ساتھ تم تمسک رکھو گے گمراہ نہ ہو گے پس ان سے سیکھنا لیکن ان کو سکھانے کی جرأت نہ کرنا کیونکہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور زمین ان سے خالی نہ ہو گی۔ اگر خالی ہوئی تو تباہ ہو جائے گی۔

پھر اپنے پروردگار سے مناجات کرتے ہوئے کہا اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ علم ضائع نہ ہو گا اور تو زمین کو اپنی حجت سے خالی نہ چھوڑے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ظاہر ہو اور اس کی بات ماننے والا کوئی نہ ہو یا لوگوں کی سے پوشیدہ رہ کر فریضہ تبلیغ انجام دیتا رہے اور ہدایت کے بعد تو اپنے اولیاء کو گمراہ نہیں ہونے دیتا۔ بے شک وہ

رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٦﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ

تیرا رب سخت سزا دینے والا ہے اور کافر لوگ کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس پر

عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٧﴾ ع

کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے ہادی

عدد کے لحاظ سے کم ہیں لیکن اللہ کے نزدیک قدر و منزلت کے لحاظ سے اعظم ہیں پس یہ کہہ کر منبر سے نیچے تشریف لائے

حضرت حسن مجتبےٰ علیہ السلام فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور! کیا آپ کی ذات گرامی تمام مخلوق کے لئے حجت نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پیارے حسن! اللہ فرماتا ہے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ پس میں منذر ہوں اور علی ہادی ہے میں نے عرض کی آپ تو فرما رہے تھے کہ زمین کسی وقت حجت سے خالی نہیں ہوتی آپ نے فرمایا ہاں درست ہے میرے بعد علی حجت اور امام ہوگا اس کے بعد تو حجت اور امام ہوگا تیرے بعد حسین امام و حجت و خلیفہ ہوگا اور مجھے خدائے لطیف و خبیر نے خبر دی ہے کہ حضرت حسین کی پشت سے بچہ ہوگا جو اپنے دادا کے ہم نام علی نامی ہوگا پس اپنے باپ حسین کے بعد وہ اس کا قائم مقام اور زمانہ کا امام ہوگا پھر اس کی صلب سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو میرا ہم نام اور میرے مشابہ ہوگا اُس کا علم اور حکم میرے علم اور حکم کی طرح ہوگا پس وہ اپنے باپ کے بعد حجت خدا اور امام خلق ہوگا اور خدا اس کی صلب سے ایک بچہ پیدا کرے گا جس کا نام جعفر ہوگا اور اپنے اقوال و افعال میں پورے اہل زمانہ سے صادق ترین ہوگا پس وہ اپنے باپ کے بعد حجت خدا اور امام زمان ہوگا پھر اس کا فرزند موسیٰ بن عمران کا ہم نام موسیٰ جو عبادت میں اپنی نظیر آپ ہوگا وہ اپنے باپ کے بعد حجت اور امام ہوگا پھر اس کا فرزند علی اللہ کے علم کی معدن اور اس کی حکمت کا مخزن حجت خدا اور امام الخلق ہوگا پھر اس کا فرزند محمد اپنے باپ کے بعد امام و حجت ہوگا پھر اس کا فرزند علی اپنے باپ کا قائم مقام اور امام الخلق و حجت اللہ ہوگا پھر اس کا فرزند حسن حجت اور امام زمانہ ہوگا پھر حسن کا فرزند حجت قائم اپنے شیعوں کا امام اور اپنے دوستوں کا فریادرس ہوگا وہ پردہ غیبت میں رہے گا جس کو دیکھا نہ جا سکے گا اور غیبت اس قدر طویل ہو گی کہ بعض لوگ مایوسی کا شکار ہو کر اس کے وجود پر ایمان لانے سے دستکش ہو جائیں گے اور بعض اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں گے۔ الحدیث

بروایت عیاشی تفسیر برہان میں عبدالرحیم قصیر سے مروی ہے میں ایک روز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ قول خدا اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ میں منذر رسولؐ خدا اور ہادی علی ہیں تو یہ بتاؤ کہ اس زمانہ میں ہادی کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں نے طویل خاموشی کے بعد سر اٹھایا اور عرض کی میں آپ پر فدا ہوں یہ آیت آپ لوگوں کے حق میں ہے اور آپ ہی یکے بعد دیگرے اس کے وارث ہیں یہاں

تک کہ اس وقت حضور والا آپ ہی اس کے مصداق ہیں پس آپ ہادی ہیں تو فرمانے لگے بے شک تو نے درست کہا ہے اے عبدالرحیم! قرآن زندہ ہے مردہ نہیں پس یہ آیت زندہ ہے مردہ نہیں اگر کوئی آیت جو کسی خاص آدمی کے حق میں اتری ہو اور وہ مر جائے پس آیت بھی مر جائے تو اس صورت میں تو سارے کا سارا قرآن مردہ ہو جائے گا۔ لیکن قرآن زندہ ہے لہذا اس کے مصداق یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں اور بعد والے اس کے ویسے ہی مصداق ہوتے ہیں جیسے کہ گذشتگان اس کے مصداق تھے عبدالرحیم کہتا ہے امام نے فرمایا قرآن کی تاویل اس طرح جاری ہے جس طرح شب و روز جاری ہیں اور جس طرح شمس و قمر جاری ہیں اور یہ آیتیں ہمارے آخری پر اسی طرح صادق آتی ہیں جس طرح ہمارے پہلے بزرگوار پر صادق آئیں۔ ہم نے اس قسم کی بعض احادیث اور اس مطلب کی مزید وضاحت تفسیر کے مقدمہ میں کر دی ہے۔

حدیث ثقلین بھی اس امر پر شاہد بیّن ہے کیونکہ حضور جب امت کی ہدایت کے لئے دو چیزیں چھوڑ کر گئے ہیں تو اس کا مفہوم یہی ہے کہ جب تک قرآن رہے گا عترت ساتھ ساتھ رہے گی اور جب تک امت رہے گی یہ دونو ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے اور ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے حتی کہ حوض کوثر پر میرے پاس اکٹھے پہنچیں گے اور آپس میں نہ جدا ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب تک ایک باقی ہو گا دوسرا بھی ساتھ ساتھ باقی رہے گا۔ پس اگر قرآن مجید قیامت تک زندہ ہے اور ہادی ہے تو ضروری ہے کہ عترت کا کوئی فرد اس کے ساتھ ساتھ زندہ اور ہادی ہو اور ہمارے اس دور میں حضرت حجت صاحب الزمان امام العصر مہدی علیہ السلام موجود ہیں جو پردۂ غیبت میں امت اسلامیہ کی مشکلات کو حل کرنے کے کفیل ہیں۔ اگر امام غائب کے وجود کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس قسم کی احادیث کی صداقت مخدوش ہو جائے گی نیز آیت مجیدہ مذکورہ بھی مصداق سے خالی رہ جائے گی۔ پس آیت مجیدہ جس طرح ہر دور میں امامت کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے اسی طرح دور حاضر میں وجود امام غائب پر بھی نص کی حیثیت رکھتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ فَرَجَہٗ۔

رکوع نمبر ۸ بیان توحید

اَللّٰہُ یَعْلَمُ۔ آیت مجیدہ میں چند معلومات کا تذکرہ ہے کہ وقتی طور خدا اس کی بعض جزئیات کا علم کسی نبی یا اس کے وصی کو عطا فرماتا ہے پس وہ اس حد تک جان سکتا ہے جہاں تک خدا نے اس کو علم عطا فرمایا ہو (۱) ہر مادہ خواہ اس کا تعلق کسی نوع سے ہو اس کے شکم میں بچّہ ہے یا کوئی اور چیز پھر بچہ ہونے کی صورت میں نر ہے یا مادہ خوبصورت ہے یا بدصورت، نیک ہے یا بد غرضیکہ اُس کی پوری کیفیات وجزئیات کے ساتھ اس کا علم صرف پروردگار کو ہی حاصل ہے (۲) بعض اوقات بچہ رحم مادر سے مدت مقررہ سے پہلے پیدا ہو جاتا ہے اور غیض کا معنی کم ہونا اور گھٹ جانا ہے۔ مثلاً بعض عورتیں نو ماہ

اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی وَ مَا تَغِیۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَ مَا تَزۡدَادُ ؕ

اللہ جانتا ہے جو حمل اٹھاتی ہے ہر مادہ اور جو کم کرتے ہیں رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں

وَ کُلُّ شَیۡءٍ عِنۡدَہٗ بِمِقۡدَارٍ ﴿۸﴾ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ الۡکَبِیۡرُ

اور ہر چیز اس کے پاس مقدار سے ہے وہ غیب و شہادت کے جاننے والا بزرگ

کی مدت پوری ہونے پر بچہ جنتی ہیں اور بعض اس سے پہلے جن لیتی ہیں اور مدت حمل کی اس کمی کو اور اس کی مقدار کو اور اس کی علت وسبب کو خدا ہی جان سکتا ہے (۳) وہ جو مدت مقررہ پر زیادتی آجاتی ہے مثلاً بعض عورتیں نوماہ کی مدت سے کچھ دن مزید گزار کر بچہ جنتی ہیں پس اس مقدار کو اور اس کی زیادتی کی علت کو تمام جزئیات کے ساتھ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور مروی ہے کہ ایام حمل میں عورت کو اگر حیض آجائے تو جس قدر ایام حیض کے ہوں گے اسی قدر ایام کا مدت حمل پر اضافہ ہو جائے گا۔ بہرکیف ان تفصیلات کو کماحقہ پروردگار ہی جان سکتا ہے یا وہ جن کو اس کی جانب سے اس کا علم عطا کیا گیا ہو۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ ہر شے کی میرے پاس مقدار بالکل معین ہے یعنی کسی کی مدت معینہ کا پورا ہونا کسی کا کم ہونا اور کسی کا بڑھ جانا جن میں سے ہر ایک کی کمی یا زیادتی کی مقدار کا پورا اور صحیح علم پروردگار عالم کو ہی ہے۔

لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ ضمیر غائب کے مرجع میں اختلاف ہے لیکن زیادہ موزوں یہی ہے کہ اس کا مرجع اللہ کو قرار دیا جائے اور معقبات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو دن رات باری باری سے انسان کے اعمال کی نگہداشت کرتے ہیں۔ اور مروی ہے کہ وہ چار ہیں، دو رات، کے لئے اور دو دن کے لئے چنانچہ علی الصبح چاروں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ رات کے فرشتوں کے جانے کا وقت اور دن کے فرشتوں کے آنے کا وقت وہی ہے اس لئے اول وقت میں صبح کی نماز پڑھی جائے تو رات اور دن کے چاروں فرشتے اس کے عمل خیر کے گواہ ہوں گے۔ ارشاد قدرت ہے۔ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡہُوۡدًا ۔ بعض روایات میں ہے کہ ان سے وہ فرشتے مراد ہیں جو ہلاکتوں اور مصیبتوں سے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں اور مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ کا یہ مقصد نہیں کہ خدا کی جانب سے آئی ہوئی مصیبتوں سے وہ حفاظت کرتے ہیں کیونکہ خدا کی جانب سے آنے والی مصیبت سے کوئی بچا سکتا ہی نہیں بلکہ یہاں بامر اللہ مراد ہے یعنی خدا کے امر سے وہ انسانوں کی حفاظت پر موکل ہیں۔ اور جب خدا کی جانب سے اس پر امتحان یا سزا یا عبرت کے طور پر کوئی دکھ مصیبت آئے تو وہ الگ ہو جاتے ہیں۔ اور منقول ہے کہ ہر انسان پر حفاظتی فرشتے دس دس موکل ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں کعب سے منقول ہے کہ اگر تمہارے کھانے پینے کے اوقات میں اور تنہائیوں کے عالم میں خدا نے تم پر فرشتے نہ موکل کئے ہوتے جو ہر حال میں تمہاری نگہداشت کرتے ہیں تو قوم جن تم

الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ

بلند ہے برابر ہے کہ تم میں سے کوئی چپکے بات کرے یا اعلانیہ کرے خواہ

مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ

کوئی رات کو چھپا کر کرے یا دن میں چل پھر کر کرے اس کی جانب سے

مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ

ملائکہ معین ہیں اس کے آگے اور پیچھے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں خدا کے حکم سے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ

تحقیق اللہ نہیں تبدیل کرتا قوم کی حالت جب تک وہ خود اپنے نفسوں میں تبدیلی نہ کریں اور

کو ختم کردیتی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ۔ قدریہ فرقہ اپنے مسلک کے لئے اس آیت کو بطور حجت پیش کرتا ہے کہ انسان کی تقدیر اس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا۔ جب تک کہ وہ خود اپنی حالتوں کو نہ بدلیں۔ اور سفینۃ البحار میں امام رضا علیہ السلام حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ قدریہ لوگ اپنے مسلک کے اثبات کے لئے آیت کے پہلے حصہ کو پیش کرتے ہیں جس سے انسان کا مختار ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ اس کی تقدیر اس کے اپنے قبضہ میں ہے حالانکہ اسی آیت کے آخری حصہ میں اللہ کے ارادۂ ازلیہ کی حکومت بھی ثابت ہے۔ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ الخ۔ یعنی جب قوم پر عذاب اور سختی نازل کرنا چاہے اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ ازل سے تمام پیدا ہونے والی مخلوق اور اس کے انجام خیر یا بد کو جانتا ہے۔ اگرچہ انسان کو اعمال کی بجا آوری میں مکمل اختیار حاصل ہے۔ پس عذاب کے استحقاق کے بغیر وہ کسی پر عذاب نہیں بھیجتا۔ لیکن جن لوگوں کے متعلق اس کے علم ازلی میں عذاب کا استحقاق موجود ہے انہوں نے دنیا میں اپنے اختیار سے ایسے کام کرنے ہیں۔ جن کی بدولت وہ عذاب کا حقدار ہوگا اور اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کے علم ازلی کے ماتحت انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے۔ کیونکہ اللہ کا علم انسان کے اختیار میں کوئی پابندی نہیں لاتا۔ جس طرح فرعون کے متعلق اس کو علم تھا کہ یہ بحالت کفر مرے گا لیکن پھر بھی موسٰے و ہارون کو حکم دیا کہ اس کو نرم لہجہ سے سمجھاؤ شاید سمجھ جائے اگر اللہ کے علم ازلی کے ماتحت وہ مجبور سمجھا جاتا تو اس کے لئے موسٰی و ہارون کو برائے تبلیغ بھیجنا عبث ہوتا اور اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ بہر کیف خداوند کریم کی بے حد و حساب نعمات کو دیکھ کر مغرور نہیں

إِذَآ أَرَادَ ٱللَّهُ بِقَوْمٍ سُوٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُۥ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِۦ مِن

جب چاہتا ہے اللہ کسی قوم کی سزا تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا اور نہ ان کا اس کے علاوہ کوئی ناصر

وَالٍ ﴿١١﴾ هُوَ ٱلَّذِى يُرِيكُمُ ٱلْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ

ہوتا ہے وہ وہ ہے جو تم کو بجلی دکھاتا ہے خوف اور طمع کی صورت میں اور پانی

ہونا چاہیئے بلکہ اُن کا حق شکر ادا کر کے اُن نعمات کی بقا اور زیادتی کی کوشش کی جائے ورنہ ممکن ہے کہ نعمات کا شکر ادا نہ کرنا اُن کے زوال کا باعث ہو جائے۔ اور آیت مجیدہ اسی طرف متنبہ کر رہی ہے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب تمہاری طرف نعمتوں کی آمد ہو تو بے شکری کر کے بعد میں آنے والیوں کی رکاوٹ کے موجب تم خود نہ بنو۔ ہم نے تفسیر انوار النجف کی دوسری جلد میں قضاء و قدر کے عنوان سے یہ مسئلہ مفصل بیان کیا ہے۔

عطائے نعمت اور زوال نعمت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ خدا بغیر استحقاق کے اپنے فضل و کرم سے نعمتیں نازل فرماتا ہے جن کی بقا ان کے شکر سے وابستہ ہوتی ہے۔ اور اسی طرح ان میں زیادتی بھی شکر پر موقوف ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں ان میں زیادتی کر دوں گا۔ پس بغیر استحقاق کے ابتداءً عطا فرمانا اُس کا فیض ہے اور شکر سے ان کی بقا یا زیادتی کو وابستہ کرنا اُس کی حکمت ہے۔ اسی طرح زوال نعمت یا نزول مصیبت آزمائش یا عبرت یا تنبیہ وغیرہ کے لئے بعض اوقات ہوتی ہے لیکن اُس کا باقی رہنا یا ٹل جانا اس کی بلند حوصلگی یا صبر و تحمل یا شکر نعمات کے وجود و عدم پر موقوف ہوتا ہے بنا بریں ممکن ہے۔ آیت مجیدہ کے آخری حصہ کا معنی یہ ہو عبرت و نصیحت یا آزمائش وغیرہ کے لئے خدا جس کو مبتلائے مصیبت کرے۔ اُس کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور پہلے حصہ کا مطلب یہ ہو کہ خدا ان کی بدحالی و مصیبت کو نہیں دور کرتا جب تک وہ صبر و تحمل سے اپنے پروردگار کے سامنے گڑ گڑا کر دفع مصیبت کے لئے کوشش نہ ہوں یا اپنی مصائب و فلاکت و ہلاکت سے نجات کے لئے اسباب فلاح کی طرف بتائیدِ خداوندی خود عملی تحریک نہ کریں۔

پس گویا خوش حالی پر بقا یا خوش حالی کا زوال انسان کے اپنے اختیار شکر و بے شکری سے بھی وابستہ ہے اور خوشحالی کی آمد یا مصائب کی آمد اس کی حکمت کے پیش نظر بھی ہوتی ہے جس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

يُرِيكُمُ ٱلْبَرْقَ۔ جب بادلوں میں بجلی کی چمک ظاہر ہوتی ہے تو اس میں لوگوں کے لئے خوف و ہراس بھی ہوتا ہے اور بارش سے زمین کی آبادی اور خوشحالی کا لالچ بھی ہوتا ہے یا یہ کہ مسافروں کے لئے راستہ گم کرنے کا خوف ہوتا ہے اور زمینداروں کے لئے خوشحالی کی نوید مسرت ہوتی ہے۔

السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ

اٹھانے والے بادل پیدا کرتا ہے اور رعد اس کی حمد کی تسبیح کرتا اور سب فرشتے اس کے خوف سے

خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ

(تسبیح کرتے ہیں) وہ بجلیوں کو بھیجتا ہے تو وہ اس پر پڑتی ہیں جس پر وہ چاہے اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں

تنبیہ:۔ آیت مجیدہ میں بطور حصر بیان کیا گیا ہے کہ بادلوں کا پیدا کرنے والا بارش برسانے والا اور تاریک گھٹا ٹوپ بادلوں سے بجلی کی چمک ظاہر کرنے والا صرف اللہ ہی ہے کہ رعد کی کڑک درحقیقت اس کی عظمتِ شان اور تنزیہ ذات کی تسبیح ہے اور ان اُمور پر موکل فرشتے یا تمام ملائکہ اس کے جلال و ہیبت کے سامنے لرزاں و ترساں اس کی حمد و ثنا میں رطب اللسان ہیں اور وہی ذات ہے جو صاعقہ بھیج کر جسے چاہے عذاب میں مبتلا کرتی ہے اس بیان کے بعد تنبیہ کے طور پر فرماتا ہے کہ یہ چیزیں دیکھ بھال کر بھی لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ اس کی گرفت سخت ہے۔

افسوس! لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا اور عظمت پروردگار کی معرفت سے بیگانے ہو گئے شبانہ روز اور صبح و مساء اس کی عظمتِ شان پر تکوینیاتِ عالم کے ہر چار سو ناقوس بج رہے ہیں لیکن لوگوں کے کان ان کی آوازوں سے ناآشنا ہیں وہ لش سے مس تک نہیں ہوتے انبیاء و آئمہ علیہ السلام کی جانب سے بارہا لسانی و عملی طور پر ہدایات پہنچیں۔ اور حجت تمام ہو چکی لیکن اوہام پرست اذہان نے توجہ نہ دی۔ انہوں نے حق کی آواز پر کان دھرنے کی بجائے توہمات کی بے سروپا اور بے تکی آوازوں کو جذب کیا اور حقیقت کی طرف چشم بصیرت کھولنے کی بجائے توہم پرستوں کی اندھا دھند تقالید کو مآلِ مذہب قرار دیدیا۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو بادل پر تعینات ہے وہ بادل کو چلاتا ہے۔ اور اپنے خوفناک آواز سے اُسے جھڑکتا ہے اور اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور حضورؐ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ اگر لوگ میرے اطاعت گزار ہوتے تو میں رات کو بارش بھیجتا اور دن کو سورج کی روشنی سے ان کو خوشنود کرتا اور رعد کی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچتی اور حضورؐ کا دستور تھا جب رعد کی آواز سنتے تھے تو کہتے تھے۔ سُبْحَانَ مَنْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ۔ اور مروی ہے کہ بادلوں کو چلانے والے فرشتے کے ہاتھ میں ایک تازیانہ ہے جو برق سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ چمک اسی سے ظاہر ہوتی ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت قرب الاسناد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن پر ہر قسم کی موت آسکتی ہے لیکن صاعقہ آسمانی سے مومن نہیں مرتا بشرطیکہ اس کی زبان پر اللہ کا ذکر ہو۔ دوسری روایت

فِى اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت گیر ہے اس کو پکارنا حق ہے اور جو لوگ پکارتے ہیں اس کے

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ

سوا (کسی کو) وہ ان کی کسی حاجت کو پورا نہیں کر سکتے ان کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی دور سے پانی

فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

کی طرف ہاتھ پھیلائے تاکہ وہ اس کے منہ تک پہنچے حالانکہ وہ نہیں پہنچ سکتا اور کافروں کا پکارنا (بتوں کو) بے سود ہی ہے

میں آپ نے فرمایا کہ مومن گر کر ڈوب کر اور درندے سے زخمی ہو کر مر سکتا ہے لیکن اگر اللہ کے ذکر سے اس کی زبان معطر ہو تو صاعقہ آسمانی سے اس پہ ہرگز موت نہیں آ سکتی اور تفسیر مجمع البیان میں اسی مضمون کی ایک حدیث امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔

وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ ۔یعنی جاہل لوگ آیات خداوندی کا آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے باوجود توحید پروردگار کے معاملہ میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اور ابن عباس سے مروی ہے زید بن قیس اور عامر بن طفیل ایک مرتبہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے ظاہراً وہ توحید کے بارے میں مجادلہ کرنا چاہتے تھے اور ان کی پالیسی یہ تھی کہ باتوں باتوں میں اچانک حملہ کر کے دھوکے سے فانوس نبوت اور مشعل رسالت کو خاموش کر دیا جائے چنانچہ عامر نے زید سے کہا کہ میں سامنے بیٹھ کر توحید کے مسائل میں بحث کروں گا تو پیچھے سے آ کر تلوار سے ان کا کام تمام کر دینا چنانچہ اسی منصوبہ کے ماتحت عامر نے حضورؐ کے ساتھ توحید کے موضوع پر مجادلہ شروع کر دیا اور زید تلوار لیکر پیچھے سے آ گیا چنانچہ اس نے ارادۂ فاسد کے تحت تلوار کو نیام سے نکالنا چاہا پس ایک بالشت کے برابر تلوار نکلی اور پھر رک گئی اس نے ہر چند چارہ کیا لیکن ناکام رہا۔ عامر اس کو بار بار اشارے کرتا تھا لیکن وہ اپنے مقام پر بے بس تھا اتنے میں حضورؐ نے مڑ کر دیکھا تو وہ تلوار کو بے نیام کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا پس آپ نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے ان دونوں کے شر سے تو خود ہی محفوظ رکھ پس زید پر اللہ نے بغیر بادل کے گرمی کے دن میں صاعقہ نازل کیا کہ وہ وہیں جل کر خاکستر ہو گیا اور عامر بھاگ گیا اور یہ کہہ کر گیا کہ اے محمد تو نے اپنے رب سے دُعا کی کہ اس نے میرے ساتھی زید کو مار دیا ہے اب میں اس کے انتقام کے لئے تیرے خلاف ایک نوعمر شاہسواروں کی فوج لاؤں گا آپ نے فرمایا مجھے تیرے شر سے اللہ ہی بچائے گا چنانچہ وہ بنی سلول کی ایک عورت کے ہاں مہمان ہوا پس اس کے دو زانوؤں پر غدود میں نکل آئیں اور اُسی عارضہ سے مر گیا۔

تفسیر برہان میں بروایت امالی شیخ انس بن مالک سے منقول ہے کہ حضورؐ نے عرب کے فرعونوں میں سے ایک فرعون کی طرف توحید کا دعوت نامہ بھیجا۔ اُس نے قاصد سے کہا کہ بتاؤ تمہارا خدا سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا تو قاصد

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

اور اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اطاعت سے یا مجبوری سے

وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ

اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کہہ دو کون ہے رب آسمانوں

نے واپس آکر اطلاع دی پس آپؐ نے اس کو دوبارہ بھیجا پس اُس کافر نے دوبارہ وہی الفاظ دہرائے ابھی وہ بات کررہا تھا کہ آسمان سے صاعقہ گرا اور اُس کے سر پر پڑا پس وہ وہیں ڈھیر ہوگیا اور یہ آیت اتری۔

دُعا کرنا اور پکارنا لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ۔ اللہ حق ہے اور اُسی سے دُعا کرنا اور اُس کو پکارنا ہی حق ہے جار و مجرور کو مقدم کر کے حصر فرمادیا کہ دعوتِ حق صرف اُسی کی ذات میں ہی محصور ہے اُس کے علاوہ کسی کو پکارنا اور اُس سے دعا مانگنا حق نہیں ہے بلکہ باطل ہے اور اگلے حصہ میں صاف اعلان فرمایا ہے کہ جو لوگ اس کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کو کچھ بھی نہیں دے سکتے پس غیر اللہ کو پکارنے والے کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی شخص دُور سے پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر خواہش کرے کہ وہ پانی میرے منہ میں آجائے تو ایسی صورت میں نہ پانی اس کے منہ میں آتا ہے اور نہ اس کی پیاس بجھتی ہے پس جس کو دیتا ہے اللہ ہی دیتا ہے اس کے علاوہ نہ کوئی کسی کو دیتا ہے نہ دے سکتا ہے۔

اِسی بنا پر محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو جو دعا کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ہر مشکل و مصیبت میں اور ہر ضرورت و حاجت میں اللہ کی طرف رجوع کرو اور اُسی کو زاری و عاجزی سے پکارو لیکن درمیان میں محمدؐ و آل محمدؐ کو بطور وسیلہ کے پیش کرو۔ اور یہ طریقہ بھی بتایا کہ اپنی دعاؤں کے اول و آخر میں درود شریف پڑھو کیونکہ درود ایک ایسی دُعا ہے جو کبھی ردّ نہیں ہوتی پس جب دُعا کے ہر دو طرف درود ہوگا تو اس کے صدقہ میں درمیان کا حصہ یعنی دعا بھی مقبول ہو جائے گی پس جو لوگ اس طریقہ سے دعا کریں گے۔ قرآن صامت اور قرآن ناطق ہر دو کی ہدایت پر ان کا عمل ہوگا اور جو لوگ کسی پیر و مرشد یا نبی و امام کو ہی مشکل و مصیبت میں اپنی دعاؤں کا ملجا و ماویٰ قرار دیں اور ان کو وسیلہ کی بجائے مستقل حاجت روا اور مشکلکشا تسلیم کریں۔ آیت مجیدہ کی رُو سے اُن کا یہ اقدام سراسر غلط بلکہ کفر ہے اور اس کا انجام ناکامی اور آخرت کی ذلّت کے سوا کچھ نہیں۔ نیز آل محمد علیہم السلام کی فرمائش کے بھی خلاف ہے پس نہ ایسے شخص سے خدا راضی ہے اور نہ آل محمدؐ راضی ہوں گے عقائد کی تفصیل ہماری نو تصنیف عقائد کی کتاب لمعۃ الانوار میں دیکھئے۔

سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے لِلّٰهِ يَسْجُدُ۔ جس طرح پہلی آیت میں جار و مجرور کا مقدم کرنا دعا کا حصر اللہ میں بتاتا ہے اسی طرح آیت میں جار و مجرور یعنی لِلّٰه کا مقدم ہونا جواز

سجدہ کا حصر اللہ میں کرتا ہے یعنی ذاتِ خداوندی کے علاوہ کوئی بھی لائقِ سجدہ نہیں ہے پس آسمانوں اور زمین میں بسنے والی جملہ علوی وسفلی مخلوق کا سجدہ صرف اللہ کی ہی ذات کے لئے ہے۔

سجدہ کی چونکہ دو قسمیں ہیں (۱) سجدہ تکوینی (۲) سجدہ تشریعی

سجدۂ تکوینی۔ یعنی بغیر اختیار کے اپنے خالق و مالکِ حقیقی کے سامنے جھک جانا چنانچہ کائنات کی ہر علوی و سفلی نوری وخاکی، مادی وروحانی اور ذی روح و بے روح مخلوق اپنے حدوث و وجود میں اپنے کمال وزوال میں اور اپنے تغیر و انقلاب میں بے بسی و بے چارگی کے پیش نظر ہمہ تن اس کی عظمت و رفعت جلال وسلطنت اور قدرت و حکمت کے سامنے محو سجود ہے۔ اُس نے جس طرح چاہا جب چاہا جہاں چاہا اور جتنی مدت کے لئے چاہا پیدا کر دیا پیدا ہونے والی مخلوق میں چون وچرا کی مجال نہیں اور یہی بے بسی اس کی بارگاہ میں سجدہ تکوینی ہے کہ مخلوق کو نہ اپنے حسن وقبح میں اختیار ہے نہ قدوقامت میں مجال مقال ہے۔ اسی طرح بیماری تندرستی بچپنہ جوانی بڑھاپا اور موت وحیات وغیرہ کہ پیدا ہونا اپنے اختیار میں اور نہ مرنا اپنے بس میں ہے۔ پس سب مخلوق کی یہ کیفیت و حالت بلکہ ان کا سراپا وجود اپنے خالق مدبر کے سامنے سجدہ تکوینی ہے۔

سجدۂ تشریعی۔ اپنے ارادہ واختیار سے اپنے خالق و مالک اور فیاض محسن کے سامنے مخصوص طریقہ سے جھکنے کا نام ہے جو صرف ذی روح بلکہ اربابِ عقول کے شایان شان ہے جن وملک وانسان اگرچہ ان میں سے ہر ایک کی نوعیتِ سجدہ الگ ہی ہے۔

پس آیت مجیدہ میں طوعاً سے مراد سجدۂ تشریعی ہے جس سے مراد ملائکہ اور باقی مکلفین جنوں اور انسانوں کا سجدہ مراد ہے اور کرھاً سے مراد سجدہ تکوینی ہے جو کفار کی ہیئت کذائیہ سے آشکار ہے یعنی یہ کہ اُن کی مقام تخلیق و دیگر تکوینیات میں بے بسی ان کا سجدہ ہے پس جس طرح سجدہ تکوینی اللہ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہو سکتا اسی طرح سجدہ تشریعی بھی اس کے علاوہ کسی کے لئے زیبا نہیں اور مطلق سجدہ کا جواز اللہ کے لئے ہی ہے اور اس کے غیر کے لئے سجدہ کرنا موجب کفر و شرک ہے۔

بعض لوگ سجدۂ تعبدی اور سجدۂ تعظیمی میں فرق کرتے ہیں کہ سجدہ تعبدی اللہ کے لئے مخصوص ہے اور سجدہ تعظیمی غیر کے لئے جائز ہے اور اس کی تائید میں آدم کے سامنے ملائکہ کا سجدہ اور یوسف کے سامنے بھائیوں کا سجدہ پیش کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے سجدہ میں آدم محض بحیثیت قبلہ کے تھے درحقیقت ان کا سجدہ اللہ کے لئے تھا اور ممکن ہے ان کے سجدہ سے مراد آدم کی فضیلت کو تسلیم کرنا اور ان کے علم و کمال کے سامنے جھک جانا ہو اسی طرح حضرت یوسفؑ کے آگے بھائیوں کا سجدہ شکر پروردگار کی خاطر تھا کیونکہ اس سجدہ میں حضرت یعقوبؑ بھی شامل تھے اور ان کا یوسف کے لئے سجدۂ تعظیمی یقیناً غلط اور خلاف عقل ہے کیونکہ یوسف پر یعقوب کی تعظیم واجب تھی نہ کہ سلطنت مل

وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰہُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖۤ اَوْلِیَآءَ لَا

اور زمین کا کہہ دو اللہ کہہ دو کیا تم نے بنائے ہیں اس کے علاوہ حاکم ؟ جو نہیں

یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِہِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ قُلْ ہَلْ یَسْتَوِی

اپنے نفسوں کے لئے مالک نفع و نقصان کے کہہ دو کیا برابر ہیں

جانے کے بعد یعقوب پر بھی بیٹے کا سجدہ تعظیمی ضروری تھا بلکہ روایات تو بتلاتی ہیں کہ حضرت یعقوب جب کنعان کو چھوڑ کر مصر پہنچے اور یوسف استقبال کے لئے تشریف لے گئے چونکہ باپ کی خاطر گھوڑے سے نہ اُترے اس لئے خداوندکریم نے اُن کی نسل سے نبوت کو ختم کردیا تو جس خدا نے یعقوب کے سامنے یوسف کا گھوڑے پر سوار رہنا گوارا نہ کیا وہ خدا یوسف کے سامنے یعقوب کا سجدہ تعظیمی کیسے برداشت کر سکتا ہے ؟ اسی طرح ایک غریب خود دار باپ اگرچہ بے علم بھی ہو لیکن اس کی ضمیر کے خلاف ہے کہ اپنے امیر و مالدار بیٹے کو جھک کر ملے اگرچہ وہ درجۂ رفیعہ پر ہی فائز کیوں نہ ہو تو حضرت یعقوبؑ کی ضمیر نبوت نے کیونکر گوارا کیا کہ اپنے بادشاہ بیٹے کے سامنے تعظیماً سربسجود ہوں اور یوسف پیغمبر نے کیسے برداشت کیا کہ سفید ریش اور نبی باپ اس کے آگے جھکا ہوا ہو۔ بہرکیف تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا سجدہ ذات پروردگار کے لئے شکر کا سجدہ تھا حضرت یعقوب کا سجدہ شکر مصیبت فراق سے نجات کے لئے اور بھائیوں کا سجدۂ شکر اپنے غلط کردار سے معافی مل جانے کے لئے تھا۔ ہم نے سجدۂ آدم اور سجدۂ یعقوب و اولاد یعقوب کو اپنے اپنے مناسب مقامات پر بھی بیان کیا ہے اور غیراللہ کے لئے سجدہ کا عدم جواز ہم نے اپنی نو تصنیف کتاب لمعۃ الانوار میں ثابت کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمایئے۔

پس بعض جہلاء کا کہنا کہ آئمہ کے لئے سجدہ تعظیمی ہو سکتا ہے ان کی شریعت مصطفویہؐ پر دیدہ دلیری ہے اسی بنا پر تو ضرائح مقدسہ آئمہ میں جا کر جب دو رکعات نماز ہدیہ پڑھی جاتی ہے یا باقی نوافل و فرائض پڑھنے کا خیال ہو تو پشت سر نماز پڑھنا مکروہ بتایا گیا ہے بلکہ قبر معصوم کے سر کی جانب نماز ادا کرنا بہتر ہے قبر کے پیچھے کھڑے ہو کر اسی غرض سے روکا گیا ہے کہ سجدۂ غیراللہ سے مشابہت نہ ہو جائے۔ بہرکیف غیراللہ کا سجدہ کرنا کفر ہے اور جناب رسالت مآبؐ سے صریح طور پر منقول ہے کہ اگر غیراللہ کا سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ یقیناً اس سجدہ سے مراد سجدۂ تعظیمی ہے ورنہ سجدۂ تعبدی کا تو شوہر کے لئے سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ پس شریعت اسلامیہ میں تعظیم کا طریقہ سلام ہے اور آل محمدؐ کی تعظیم اُن پر درود بھیجنا اور ان کے اوامر اور نواہی میں ان کی اطاعت کرنا ہے۔

ظِلٰلُھُمْ۔ اس کا معنی ہے سایہ اور مُراد جسم ہے یعنی ان کے جسم صبح و شام اللہ کا سجدۂ تکوینی کرتے ہیں آیت

الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ۵ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ۬ اَمْ جَعَلُوْا

اندھا اور بینا یا کیا برابر ہیں تاریکی اور روشنی یا کیا بنائے

لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ

انہوں نے اللہ کے لئے شریک کہ پیدا کیا انہوں نے اسکی پیدا شدہ مخلوق کی طرح؟ تاکہ مشتبہ ہوگئی ان پر پیدا وار کہہ دو کہ اللہ

ع۱۵ اسکے اختتام پر سجدہ کرنا مستحب ہے۔ سجدہ قرآنی کا بیان تفسیر کی جلد۶ ص۱۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ ہر شے کا خالق ہے

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ ۔ آیت مجیدہ میں پروردگار عالم نے سوال وجواب کے اچھوتے انداز میں دلیل و برہان کے زیر سایہ اپنی ربوبیت وخالقیت کو واضح فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔ ان سے پوچھو آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ پھر جواب کی تعلیم دی کہ خود ہی جواب دو کہ وہ اللہ ہے۔ اب تنبیہ اور توبیخ کے لہجہ میں استفہام انکاری کے طریقہ سے دلیل کا ضمنی ذکر کردیا کہ کیا انہوں نے ایسوں کو اولیا بنا رکھا ہے جو دوسروں کے لئے تو بجائے خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں کیونکہ عہدۂ ربوبیت تو اُس ذات کے لئے سزاوار ہے جو اپنے مربوب و مخلوق کو نفع یا نقصان پہنچا سکے تاکہ اس کو عبادت کے لئے استحقاق حاصل ہو لیکن جو اپنے لئے بھی نفع و نقصان کا مالک نہ ہو وہ کسی دوسرے کی بگڑی بنانے پر یا بنائی بگاڑنے پر کیسے قدرت رکھ سکتا ہے پس اس کو ولی و حاکم یا رب مان کر عبادت کا سزوار جاننا کہاں کی عقلمندی ہے؟ پس ایسا کرنے والا شخص یقیناً کور بصیرت اور عقل کا اندھا ہے۔ چناں چہ دوبارہ تنبیہ کے طور پر فرمایا کیا اندھا و بینا برابر ہیں؟ یہ الفاظ باپ دادا کی تقلید میں اندھا دھند غیر اللہ کو رب سمجھ کر ان کی پوجا کرنے والوں کے لئے مہمیز فکر ہے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر تقلید کی تاریکی سے نجات پاکر عقل و فکر کی پشت پر سوار ہو کر نور ایمان حاصل کرکے دائرہ توحید خداوندی میں قدم رکھیں اور اسی کو اپنے نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی عبادت کریں۔

اَمْ جَعَلُوْا ۔ یہاں پھر استفہام انکاری کے لہجہ میں تنبیہ و توبیخ ہے اور ضمنی طور پر مسئلہ خلق کی وضاحت ہے کہ کیا انہوں نے ایسے شریک بنا رکھے ہیں جنہوں نے مخلوق پیدا کی جس طرح کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا پس حقیقی خدا اور ان کے درمیان ان کے لئے فرق کرنا مشکل ہوگیا ہے؟ پس ان کو واضح طور پر واشگاف الفاظ میں ببانگ دہل اعلان کرکے کہہ دو کہ ہر علوی و سفلی خشک و تر نوری و خاکی جاندار و بے جان ذوی العقل و بے عقل بری و بحری اور ارضی و سماوی غرضیکہ جس کو شئ کہا جاتا ہے ان کا خالق صرف اللہ ہے اس کے علاوہ کوئی بھی کسی شئ کا خالق نہیں ہے۔ نہ اس کو آلات کی ضرورت نہ اسباب کی حاجت اور نہ معاون و مددگار کی خواہش ہے وہ ہر شئ پر قاہر و غالب ہے نہ وہ مادہ و طبیعت کا محتاج ہے اور نہ ہیولےٰ و صورت کی اس کو حاجت ہے۔ پس وہ جس طرح چاہے جب چاہے جس کے

جاے سے بعد معصوب پر بھی بیٹے کا سجدہ تعظیمی ضروری تھا۔ بلکہ روایات تو بتلاتی ہیں کہ حضرت یعقوب جب کنعان کو چھوڑ کر مصر پہنچے اور یوسف استقبال کے لئے تشریف لے گئے چونکہ باپ کی خاطر گھوڑے سے نہ اُترے اس لئے خداوند کریم

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

ہے پیدا کرنے والا ہر شی کا اور وہ ایک اکیلا ہر پر قہار ہے۔ اس نے نازل کیا آسمان سے

مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ط

پانی پس جاری ہوئیں وادیاں اپنے اپنے اندازہ سے تو اٹھایا سیلاب نے ابھری ہوئی جھاگ کو اور جس پر ایندھن

وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ

ڈالتے ہیں آگ میں زیور یا برتن ڈھالنے کی خاطر اس سے بھی جھاگ اُبھرتی ہے

متعلق چاہے ارادہ کرتا ہے اور شیٔ ویسے ہو جاتی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔

علامہ طبرسی اعلی اللہ مقامہ مجمع البیان میں فرماتے ہیں۔ اِنَّ اَكْثَرَ اَصْحَابِنَا لَا يُطْلِقُوْنَ عَلٰى غَيْرِهٖ سُبْحَانَهٗ اِنَّهٗ يَخْلُقُ اَصْلًا۔ الخ۔ تحقیق ہمارے اکثر علماء غیر اللہ کے لئے اس لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جانتے کہ وہ خلق کرتا ہے آگے چل کر فرماتے ہیں وَمَعْنَى الْخَلْقِ عِنْدَهُمُ الْاِخْتِرَاعُ وَلَا يَقْدِرُ الْعِبَادُ عَلَيْهِ۔ کیوں کہ خلق کا معنی ان کے نزدیک ہے ایجاد کرنا اور اس چیز پر بندے قدرت نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ صرف اللہ کا کام ہے۔

یہ آیت مفوضہ اور غالی قسم کے لوگوں کے لئے تنبیہ و سرزنش ہے جو محمد و آلِ محمدؐ کو خالق مانتے ہیں اور اس بارے میں بے ہودہ رکیک اور کمزور استشہادات بھی پیش کرتے ہیں جن کا مبنی آیات متشابہات یا ضعیف روایات کو قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ آیات محکمات و احادیث متواترہ میں صریح و واضح طور پر تخلیق کا حصر اللہ جل شانہ کی ذات میں کیا گیا ہے جس طرح کہ اس مقام پر آیت کا صاف و صریح منطوق ہے۔ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اے محمدؐ کہہ دو کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے ان لوگوں سے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ بلکہ ان پر لعنت بھیجی ہے جو ان کو خالق کہیں آج کل کی مسموم فضا میں جب کہ جبہ و عمامہ میں ملبوس غداران مذہب، دامن توحید کو تار تار کرنے کے درپے ہیں اور انتہائی ڈھٹائی و بے حیائی سے برسر منبر توحید کو للکار کر کہتے ہیں کہ خدا نے محمد و آلِ محمدؐ کو پیدا کیا اور باقی انہوں نے سب کچھ پیدا کیا اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس قسم کے دعویٰ سے بالکل بری الذمہ تھے وہ اللہ کے عبادت گذار اور اس کی عظمت کے سامنے سجدہ ریز تھے وہ خود بھی اس کی عبدیت کو اپنے لئے مایۂ فخر سمجھتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی عبدیت کا پیغام پہنچاتے تھے۔ ہم نے لمعۃ الانوار میں اس مسئلہ کی کافی وضاحت کی ہے۔ مذہب کے غدار غلط کار مولویوں کی چرب لسانی نے عوام کے اذہان میں مذہبی عقائد کی داغ بیل ایسے غلط طریقہ سے رکھی ہے

زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا

اسی طرح ایسے ہی خدا بیان کرتا ہے حق و باطل کی مثالیں پس لیکن

الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

جھاگ تو ہو جاتی ہے باطل لیکن وہ جو نفع دیتی ہے لوگوں کو تو وہ ٹھہر جاتی ہے رہین

الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ

ہیں اسی طرح بیان کرتا ہے خدا مثالیں ان لوگوں کے لئے جو بات مانتے ہیں

کہ اب جو وہ قرآن کو سنتے ہیں تو ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں کہ ہمیں کیا سنایا گیا اور قرآن کیا کہتا ہے۔ چنانچہ بعض سادہ لوح فریب خوردہ لوگ اپنے عقائد کی تصحیح کی بجائے قرآن کی صحت کا انکار کرنے لگتے ہیں جس طرح خود فریب کار مولوی اپنے عقائد کی اصلاح کی بجائے قرآنی آیات کی تاویل کر لیتے ہیں چنانچہ شہر جھنگ کے ایک معزز جناب شیر افضل جعفری کہنے لگے میں نے ایک اچھے خاصے سمجھدار شیعہ سے قرآن کی تعلیم کے ترک پر اظہار افسوس کیا تو وہ کہنے لگا جعفری صاحب قرآن کو ہم کس لئے پڑھیں وہ تو ہمارے مذہب کے مخالف ہے اور خدا کی قسم ہنسنے کا نہیں بلکہ رونے کا مقام ہے کہ جس مذہب کا تمسک قرآن و اہلبیت کے ساتھ ہے اس مذہب کے افراد عقائد کی درستی کی بجائے قرآن کو اپنے غلط عقائد کے خلاف پا کر اس سے دستبرداری کا اظہار کریں خدا کی قسم اس کی تمام تر ذمہ داری اُن جیب تراش ملاؤں پر عائد ہوتی ہے جو اپنے لقمہ تر کی خاطر جذبات کی رو میں قرآنی تعلیمات کے خلاف زہر اُگل کر عقائد مذہب کا ستیاناس کرتے ہیں۔

اَنْزَلَ[۱۲۲] ۔ اس مقام پر خداوند کریم نے حق و باطل کی وضاحت کے لئے دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی مثال یہ کہ جس طرح خدا آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تو نہریں اپنی اپنی حیثیت سے پانی کو اپنے دامن میں لے کر بہتی ہیں اور پانی کا بہتا ہوا دھارا جھاگ کو اپنے اُوپر اُبھارتا چلا جاتا ہے اسی طرح خدا نے اسلام کو بھیجا۔ پس جس کے دل و دماغ میں صلاحیت اچھی تھی تو وہ معرفت و ایقان کی منازل اچھی طرح طے کر کے آگے بڑھا اور جس کا ظرف کمزور تھا اس نے تھوڑی معرفت حاصل کی۔ بہرکیف ہر ایک نے اپنی وسعت کے مطابق اس کو قبول کیا۔ یا یہ کہ خدا نے قرآن کو اتارا تو لوگوں نے اپنے اپنے ظرفوں کی حیثیت سے اس کے مطالب نکالے گیا اور اسی نسبت سے شک و وہم جھاگ اور خس و خاشاک کی طرح اُوپر بہتا ہوا چلا گیا۔

وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ[۱۲۳] ۔ ضمیر غائب کا مرجع ما ہے اور یہ خبر مقدم ہے اور اس کا مبتدا موخر ہے۔ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۔ اور یہ موصوف و صفت ہیں اِیْقَاد کا معنی جلانے کے لئے لکڑیاں ڈالنا اور ترجمہ یہ ہے کہ وہ دھاتیں

الْحُسْنٰىؕ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ

اپنے رب کی نیک جزا ہے اور جو لوگ نہیں مانتے اس کی تو اگر ان کے لئے زمین کی تمام چیزیں

جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖؕ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ

ملکیت میں ہوں اور اتنا اور بھی ساتھ مل جائے تو سب کو اپنے عذاب کا فدیہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ایسے

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۸ ع

لوگوں کا حساب سخت ہوگا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بری جائے قیام ہے

سونا چاندی وغیرہ جن پر ملکڑیاں ڈالتے ہو پگھلانے کے لئے آگ میں زیور یا گھریلو سامان برتن وغیرہ بنانے کے لئے ان پر بھی پانی کی طرح جھاگ یعنی ردی مادہ اُبھر آتا ہے۔ اِبْتِغَآءَ[۱۲۲] مصدر ہے لیکن اسم فاعل مبتغین کے معنی میں یُوْقِدُوْنَ سے حال واقع ہے اور یہ دوسری مثال ہے کہ حق قرآن اور اسلام کو سونے سے تشبیہ دی گئی ہے اور آگ پر پگھلانے کے بعد اُوپر اُبھرنے والے ردی مادہ کو شکوک و شبہات سے تشبیہ دی گئی ہے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ[۱۲۳]۔ پس جس طرح پانی کے اوپر کی جھاگ اور دھاتوں سے الگ ہونے والے ردی مواد نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور نفع مند چیزیں زمین میں یا کٹھالی میں ٹھہر جاتی ہیں اسی طرح حق قرآن اور اسلام مومنوں کے دلوں میں ٹھہر جاتے ہیں اور شکوک و شبہات کی جھاگ اور میل کچیل ختم اور نیست و نابود ہو جاتی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں قتادہ سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے اس مقام پہ ایک ضرب المثل میں تین مثالیں جمع فرمائی ہیں (۱) نزول قرآن کو آسمان سے نازل ہونے والے پانی سے تشبیہ دی ہے اور دلوں کو وادیوں اور نہروں سے مشابہ قرار دیا۔ پس جو اس کے معانی میں تفکر و تدبّر زیادہ کرے وہ معرفت و ایقان کی دولت اپنے اندر زیادہ جمع کر لیتا ہے۔ جس طرح بڑی نہر کے اندر زیادہ پانی جگہ لیتا ہے اور جو شخص حق کی اجمالی تصدیق پر راضی ہو کر بیٹھ جائے۔ اور تحقیق و تدقیق کی قوت کو آگے بڑھنے کے لئے استعمال نہ کرے تو اس کی مثال چھوٹی نہر کی ہے جس کے اندر تھوڑا پانی سماتا ہے (۲) خیالات فاسدہ اور وساوس شیطانیہ کو پانی کے اُوپر آ جانے والی جھاگ سے تشبیہ دی ہے اور یہ جھاگ مٹی کے خبیث اور ردّی مادہ کی بدولت ہوتی ہے نہ کہ پانی اس کو اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کے نزول سے جو دل اور نفس میں شکوک و شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہیں وہ نفوس انسانیہ اور قلوب بشریہ کی وجہ سے ہوتے ہیں نہ کہ قرآن و حق میں ان کا وجود ہوتا ہے۔ پس جس طرح پانی کے اوپر آنے والی جھاگ ایک وقت کے بعد ختم اور باطل ہو جاتی ہے اور پانی صاف و شفاف رہ جاتا ہے اسی طرح یہ شکوک و شبہات بھی باطل ہو جاتے ہیں اور دل میں حق اور ایمان خالص رہ جاتا ہے۔

أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ

کیا وہ جو جانتا ہے کہ تیرے اوپر جو اتری ہے تیرے رب کی جانب سے حق ہے مثل اس کے ہو سکتا ہے جو اندھا

أَعْمَىٰ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ

ہو پس صاحبان عقل ہی نصیحت لیتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کیے

بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا

ہوئے وعدوں کی وفا کرتے ہیں اور نہیں توڑتے عہد کو اور وہ جو ملاتے ہیں اس کو جس کے ملانے

(۳) حق کو سونے یا چاندی سے تشبیہ دی ہے جس سے زیور یا برتن بنتے ہیں۔ پس آگ میں ڈالنے سے پانی کی جھاگ کی طرح اس سے بھی خبیث اور ردّی مادہ خارج ہو جاتا ہے۔ پس کفر اس ردی مادہ سے مشابہ ہے اور ایمان و حق جوہر خالص سے مشابہ ہے۔ جو دلوں میں گھر کر لیتا ہے۔

گویا مومن کے صاف دل پر جب قرآن اترتا ہے تو وہ جگہ بنا لیتا ہے اور فائدہ دیتا ہے جس طرح پانی زمین کو آباد کرتا ہے اور کافر کے خبیث قلب پر قرآن کی وجہ سے شکوک ابھرتے ہیں جس طرح پانی پر جھاگ ہوتی ہے۔ پس جس طرح جھاگ غیر مفید ہے اسی طرح کافر کے لئے شکوک و شبہات غیر مفید ہیں اور بروایت احتجاج طبرسی حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ کفار و ملحدین کے اعتراضات جھاگ کی طرح ہیں جو تحقیق کی طاقت سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح پانی کی جھاگ کو ہوا مٹا دیتی ہے اور قرآن و حق قلوب صافیہ میں معرفت و عرفان کی پیداوار بڑھاتے ہیں جس طرح پانی زمین کو آبادی کا موقع دیتا ہے۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا[۲۲] بعض مفسرین اس کو جملہ مستانفہ مانتے ہیں اور بعض اس کو پہلی آیت سے متصل قرار دیتے ہیں کیونکہ اس جگہ بھی مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں ان کے لئے جنت ہے۔ جس طرح سابق مثال میں خالص پانی اور خالص سونا فائدہ مند ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو بروز محشر اُن پر جو عذاب آئے گا اگر وہ پوری روئے زمین کے مالک ہو جائیں اور اسی قدر اور ملکیت بھی ان کے پاس ہو تو عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب کی سب فدیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں گے لیکن اس وقت یہ چارہ جوئی فائدہ مند نہ ہو گی اور ان کو جہنم کی بھٹی میں دھکیل دیا جائے گا جس طرح سابق مثال میں جھاگ اور مادہ فاسد کوئی فائدہ نہیں دیا کرتا۔

رکوع ۹

أَفَمَن يَعْلَمُ۔ مقصد یہ ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی تاویل یہ منقول ہے کہ علیؑ اور اس کا غیر برابر نہیں پس تا قیامت مومن و منافق برابر نہیں۔ مسلم و کافر

أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ

کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور ڈرتے ہیں سخت

سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

حساب سے اور جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضامندی کے لئے اور

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ

قائم کیا نماز کو اور خرچ کیا اُس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا چھپ کر اور ظاہر اور دور کرتے ہیں

برابر نہیں۔ اور تفسیر برہان میں اولوالالباب سے شیعان علی مراد لئے گئے ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک گھنٹہ کا تفکر ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ اولوالالباب ہی تفکر کرتے ہیں۔

وفائے عہد اور صلہ رحمی

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ خدا نے اپنے بندوں سے دو طرح کے عہد لئے ہیں۔ ایک عہد عقلی اور دوسرا عہد شرعی۔ پس عہد عقلی یہ ہے کہ خدا نے چونکہ عقل کو رسول باطنی قرار دیا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے محسن وخالق ومالک کی ہر طرح اطاعت کرکے اس کی خوشنودی حاصل کی جائے اور عہد شرعی یہ ہے کہ نبی بھیج کر اتمام حجت ہو چکا ہے اور تمام ایمان والوں سے نبی نے اپنی اطاعت کا عہد لیا ہے کہ اس کے اوامر کی اتباع کریں گے۔ اور اس کے نواہی سے اجتناب کرینگے اور اس آیت مجیدہ کی تاویل آل محمدؐ کے حق میں ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں معصوم سے مروی ہے کہ عہد سے مراد وہ عہد ہے جو عالم ذر میں حضرت امیر علیہ السلام کی ولاء کے متعلق کیا گیا تھا۔ پس اللہ نے عالم ذر میں عہد لیا تھا اور جناب رسالت مآبؐ نے غدیر کے دن اسی عہد کی تجدید کی تھی اور اس عہد کو نہ توڑنے کی تاکید کی گئی۔ چنانچہ بعد میں میثاق کا تکرار بھی تاکید کے لئے ہے۔ حالانکہ ضمیر غائب سے مقصد پورا ہو سکتا تھا۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ۔ یعنی وہ صلہ رحمی کرتے ہیں جہاں اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور اہل بیت اطہار سے روایات متواترہ منقول ہیں کہ اس مقام پر آل محمدؐ کی صلہ رحمی مقصود ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ خبردار! یہ نہ سمجھو کہ آل محمدؐ کو صلہ رحمی کے بعد اپنی قرابت سے صلہ رحمی کی ضرورت نہیں بلکہ آل محمدؐ سے بھی صلہ رحمی کرو اور اپنی قرابت سے بھی قطع رحمی نہ کرو۔ نیز قرابت داروں کے علاوہ تمام مومنین کو ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنا چاہیئے تاکہ ایک دوسرے کے دُکھ سکھ میں ہمدردی اور مواسات کو ضروری قرار دیں۔

تفسیر مجمع البیان اور دیگر کتب حدیث وتفسیر میں مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بوقت وفات ستر دینار کی تھیلی حسن بن حسین بن علی بن حسین کی طرف بھیجی یہ آپ کا چچازاد تھا افطس کے لقب سے مشہور تھا۔ ایک

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنَّاتُ

نیکی کے ذریعہ سے برائی کو ان کا انجام جنت کا گھر ہوگا ہمیشہ کے

عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ

باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے نیک بزرگ اور ان کے ازواج

وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ

اور اولاد اور فرشتے ان پر داخل ہوں گے ہر دروازہ سے

کنیز نے عرض کی کہ حضور وہ تو آپ کو اچھا نہیں سمجھتا پس آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر اس کو خاموش کردیا

بروایت سماعہ آپ نے فرمایا: زکوٰۃ کے علاوہ صلہ رحمی بھی انسان کے مال میں فرض وواجب ہے اور جس شخص نے اپنے فرائض ادا کر دیئے۔ اس کا حق ادا ہوگیا (برہان) نیز آپ سے مروی ہے کہ صلہ رحمی مال کو بڑھاتی ہے اعمال کا تزکیہ کرتی ہے حسابِ قیامت کو آسان کرتی ہے۔ مصیبت کو دُور کرتی ہے اور عمر کو بڑھاتی ہے۔ ایک روایت میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے والدین سے نیکی کرنا اور صلہ رحمی کرنا حسابِ آخرت کی منزل کو آسان کریں گے۔

سُوْٓءَ الْحِسَابِ[۱۲۶]۔ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) حساب میں باریکی کرنا اور ذرّہ ذرّہ کا حساب لینا۔ اور اس کا ترجمہ ہم نے سخت حساب کیا ہے اور آئمہ کیطرف سے مومنوں کو سخت حساب سے باہمی معاملات میں منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان و مجمع البیان میں ہے ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک آدمی کی شکایت کی۔ چنانچہ اتفاق سے وہ بھی اُسی وقت آن پہنچا پس آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ شخص تیرا شکوہ کر رہا ہے اُس نے جواب میں عرض کی حضور! میں نے اس پر زیادتی کوئی نہیں کی بلکہ اپنا لین دین کا حساب اس سے لیا ہے البتہ حساب میں کسی چیز سے درگذر نہیں کیا گیا بلکہ میں نے کوڑی کوڑی کا حساب لیا ہے یہ سنتے ہی امام عالی مقام کا چہرہ غصہ سے تلملا اٹھا سیدھے ہو بیٹھے اور ارشاد فرمایا کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو نے کوڑی کوڑی کا حساب لے کر کوئی بُرا نہیں کیا۔ خداوند کریم اسی کو قرآن مجید میں سوء الحساب سے تعبیر فرما رہا ہے۔ پس جس نے اپنے مومن بھائی سے اس طرح حساب لیا گویا اس نے اس کے ساتھ بُرا کیا۔ پس مومن کے ساتھ مومن کا سلوک یہ ہونا چاہیئے کہ اپنے حق سے کچھ نہ کچھ تسامح اور درگذر کرلے تو بہتر ہے تاکہ سخت حساب کی بجائے نرم حساب کا پہلو ہو جائے۔

(۲) کافروں سے سوء الحساب یہ بھی ہوگا کہ ان کی نیکیاں قابل جزا نہ ہوں گی اور بُرائی کوئی بھی معاف نہ ہوگی۔

بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

(یہ کہتے ہوئے) کہ تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا ہے پس ان کا

عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾

جنت کا گھر بہترین انجام ہو گا

۱۲، ممکن ہے بُرے حساب سے مُراد بُرا ٹھکانہ ہو گویا مجاز مرسل کے طریقہ سے جزا کو حساب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ۔ یعنی اپنے اُوپر آنے والے مصائب میں صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور جن جن چیزوں سے خدا نے منع فرمایا تو صبر و ضبط سے کام لے کر اپنے نفس کو حلال پر صابر و شاکر رکھا نیز جن چیزوں کا خدا نے حکم دیا ان کی بجا آوری میں صبر و استقلال اور ثبات قدمی کا مظاہرہ کیا اور یہ سب کچھ رضائے پروردگار کی خاطر کیا کوئی دوسری غرض ملحوظ خاطر نہ تھی۔ یہ یاد رہے کہ نیت خیر سے کار خیر قابل تعریف ہوتا ہے ورنہ اگر نیت فاسدہ سے کار خیر سرزد ہو تو وہ لائق مذمت و نفرین بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک فقیر و مسکین لاوارث عورت پر نیت خیر سے قربۃً الی اللہ خرچ کرنا موجب ثواب ہے لیکن اسی کار خیر میں اگر نیت یہ ہو کہ وہ زنا میں میرا ساتھ دے گی تو ایسی صورت میں اس کا یہ خرچ کرنا قابل مذمت و باعث گناہ ہوگا۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہم صابر ہیں لیکن ہمارے شیعہ زیادہ صابر ہیں کیونکہ ہم نے صبر کیا اپنے علم کے ماتحت اور ہمارے شیعہ جو صبر کرتے ہیں وہ صرف ہماری اطاعت کیلئے ہے حالانکہ ان کو اس کا علم نہیں ہوتا۔

اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک مصیبت پر صبر کرنا اور یہ صبر حسن اور جمیل ہے یعنی اچھا ہے لیکن اس سے زیادہ اچھا ہے وہ صبر جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے عمل میں لایا جائے۔ اسی طرح ذکر بھی دو قسم کے ہیں ایک مصیبت کے وقت اللہ کا ذکر اور اس سے افضل ہے حرام چیز سے بچنے کے لئے اللہ کو یاد کرنا۔

ایک حدیث میں حضرت امیر علیہ السلام جناب رسالتمآبؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر مصیبت پر (۲) صبر اطاعت پر (۳) صبر گناہ سے۔ پس جو مصیبت پر صبر کرے اور دل میں سکون پیدا کرے تو اس کو تین سو درجہ کی بلندی نصیب ہوگی کہ ہر دو درجہ کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہوگا اور جو اطاعت پر صبر کرے اس کو چھ سو درجے عطا ہوں گے کہ دو درجوں کے درمیان تحت الثریٰ سے عرش علا تک کا فاصلہ ہوگا اور جو گناہ سے صبر کرے گا اس کو نو سو درجے عطا ہوں گے کہ دو درجوں کے درمیان کا فاصلہ

اتنا ہوگا جو امکان کی آخری حد ہے۔
ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر مومن اپنی مصیبت پر صبر کرے تو اس کے لئے ایک ہزار شہید کا ثواب ہوگا۔
آپ سے مروی ہے قبر میں نماز مومن کے دائیں زکوٰۃ بائیں اور نیکی واحسان اوپر سایہ فگن ہوگی تو صبر ایک گوشہ میں ہوگا جب فرشتے سوال وجواب کے لئے آئیں گے تو صبر کہے گا اے نماز زکوٰۃ اور مومن کی نیکیاں تم جواب دو جہاں تم عاجز آؤ گے تو میں کافی ہوں گا۔ اسی بنا پر تو ہے کہ جب فرشتے مومنوں کو جنت کی مبارک باد کے لئے آئیں گے تو کہیں گے تم پر سلامتی ہے کہ تم نے صبر کیا تھا۔ پس اس کا انجام یہ ہے کہ اب بہترین گھر میں تم آباد ہو۔
وَيَدْرَءُونَ[۱۲۶] اس کے تین معانی کئے گئے (۱) اگر انسان سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو ساتھ ساتھ کوئی نیکی کر دے تاکہ وہ اس برائی کے انجام بد کے لئے سد راہ ہو جائے (۲) مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی برا سلوک کرے تو اس کی برائی کا بدلہ اپنی جانب سے حسن سلوک کے ساتھ کرے گویا اس کے شر کو اپنی خیر سے دور کرے (۳) گناہ کے بعد توبہ کر کے اس کی عقوبت سے محفوظ رہے اور اس مقام پر یہ سب معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔
اُولٰٓئِكَ ۔ یعنی وہ لوگ جن میں یہ اوصاف پائے جائیں جو ابھی شمار کئے جا چکے ہیں (۱) عہد خداوندی کی وفا کرنا (۲) صلہ رحمی کرنا (۳) خوف خدا (۴) خوف یوم الحساب (۵) گناہوں سے صبر کرنا اور عبادت پر ثابت رہنا اور مصائب پر صابر رہنا (۶) نماز قائم کرنا (۷) راہ خدا میں خرچ کرنا (۸) برائی کو نیکی کر کے مٹانا یا توبہ کرنا۔ انہی اوصاف والے لوگ قرآنی اصطلاح میں اولوالالباب یعنی دانشمند شمار ہوتے ہیں۔
وَمَنْ صَلَحَ[۱۲۷] یعنی خدا جنت میں مومن کے کمال سرور کے لئے اس کے نیک ومومن والدین اور بیوی بچوں کو یکجا کر دے گا تاکہ ان کے سب ارمان پورے ہو جائیں۔
اَزْوَاجِهِمْ[۱۲۸] تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ عورت ومرد جب دونوں مومن ہوں تو کیا جنت میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے آپ نے فرمایا خدا حاکم عادل ہے اگر مرد کا درجہ بلند ہوگا تو اس کو اختیار دیا جائے گا اگر وہ چاہے گا تو وہ عورت اس کو عطا کی جائے گی لیکن اگر عورت کا درجہ بلند ہوگا تو عورت کو اختیار دیا جائے گا پس وہ چاہے گی تو وہ مرد اس کو ملے گا اور بروایت خصال حضرت اُمِ سلمہ سے مروی ہے اُس نے حضور رسالت مآبؐ سے دریافت کیا کہ جس عورت کے دو شوہر ہوں۔ اگر عورت اور اس کے دونوں شوہر اہل جنت سے ہوں تو پھر وہ عورت کس شوہر کے پاس جائے گی تو آپؐ نے فرمایا عورت کو اختیار دیا جائے گا پس وہ ان دونوں میں سے اس کو اختیار کرے گی جو اخلاق میں اچھا ہوگا۔ اے اُمِ سلمہ! حسن خلق دنیا و آخرت کی خیر وخوبی حاصل کر لیتا ہے۔

مِنْ کُلِّ بَابٍ ۔ بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسالتمآب نے ایک طویل حدیث میں ایک جنتی مومن کی خوشحالی بیان فرمائی کہ پھر خدا ایک ہزار فرشتے کو مومن کی مبارکبادی کے لئے بھیجے گا۔ جو اُسے جنت کی مبارک دیں گے اور حور جنت سے اس کی شادی رچائیں گے۔ چنانچہ وہ فرشتے جنت کے پہلے دروازہ پر پہنچ کر دربان فرشتے سے مومن کی ملاقات کی درخواست کریں گے کہ ہمارے لئے اللہ کے دوست سے اجازت طلب کر کیونکہ ہم کو خدا نے تہنیت ومبارکباد کے لئے بھیجا ہے وہ کہے گا کہ میں ابھی سنتری فرشتے کو خبردار کرتا ہوں تاکہ تمہاری اطلاع اندر مومن تک پہنچائے۔ اس دربان فرشتے سے سنتری فرشتے تک تین جنتوں کا فاصلہ ہے پس اگلے دروازہ پر جاکر یہ اس کو خبر دے گا کہ اللہ کی جانب سے ایک ہزار فرشتے مبارکباد کے لئے پہلے دروازہ سے باہر داخلہ کی اجازت چاہتا ہے تو وہ سنتری اگلے دروازہ کے چوکیدار کو اطلاع دے گا کہ اس سنتری اور اس چوکیدار کے درمیان دو جنتوں کا فاصلہ ہے۔ پس چوکیدار اس مومن کے مخصوص رہائش گاہ کے دروازہ کے ملازمین کو اطلاع دے گا کہ اللہ کی جانب سے ایک ہزار فرشتے اللہ کے دوست کو مبارکباد کے لئے دروازہ پر اجازت کے خواہاں ہیں۔ پس وہ ملازمین مومن سے اجازت لے کر باہر اطلاع بھیجیں گے اس وقت وہ ایک عالیشان محل میں ہوگا جس کے ہزار دروازے ہوں گے۔ اور ہر دروازہ پر ایک مخصوص ملازم فرشتہ تعینات ہوگا۔ پس تہنیت کرنے والوں کو اجازت ملے گی تو یہ فرشتے محل کے سب دروازے کھول کر کھڑے ہوں گے اور وہ فرشتے ایک ایک ہو کر ایک ایک دروازہ سے گذر کے مومن کے پاس پروردگار کی جانب سے پیغام وسلام پہنچائیں گے اور مبارکباد پیش کریں گے۔ چناں چہ فرماتا ہے کہ فرشتے ہر دروازہ سے داخل ہو کر سلام کہیں گے کہ یہ تیرا انعام اس لئے ہے کہ تو نے صبر کیا اور یہ جنت کا گھر تیرا اچھا انجام ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ ۔ ویسے تو ہر عہد خداوندی کو توڑنے والے اور قطع رحمی کرنے والے اور فساد بپا کرنے والے آیت مجیدہ کے ہر دور میں مصداق بنتے رہے اور بنتے رہیں گے۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات تاقیامت زندہ ہیں اور ان کے مصادیق تاقیامت پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن اس آیت مجیدہ کے مصداق اولی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا سے کئے ہوئے عہد وپیمان کو اس کے رسول کے سامنے تجدید عہد کرنے کے بعد دنیاوی وظاہری فانی اقتدار کی خاطر توڑ دیا۔ اور اسلام میں فساد کی تخم ریزی کر کے ہمیشہ کے لئے اختلاف وانتشار کا سامان مہیا کیا اور یہ عہد ایک سے تنہا نہیں تھا اور کسی بند مکان میں نہیں تھا بلکہ ایک لاکھ بیس ہزار حاجیوں کے مجمع میں غدیر کے کھلے میدان میں تھا اور صرف علی کی خلافت کا عہد زبانی نہیں تھا بلکہ عملی طور پر بیعت بھی ہوئی اور بخٍ بخٍ کی صدائیں بھی فضائے آسمانی میں ایک وقت تک گونجتی رہیں۔ لیکن خدا کی قسم دل لرزتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہاتھ کانپتے ہیں آنکھیں فرط غم سے ڈبڈبا جاتی ہیں اور قلم تھراتا ہے کیسے لکھوں اور کیا لکھوں کہ غدیر میں عہد کرنے والی زبانیں کیونکر انحراف پر مائل ہوئیں۔ بخٍ بخٍ کا کلمہ کیوں کر فراموش ہوا اور

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ

اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو بعد پکا کرنے کے اور توڑتے ہیں جس

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ

کا حکم دیا ہے اللہ نے ملانے کا اور فساد کرتے ہیں زمین میں ایسے لوگوں

لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر (جہنم) ہے اللہ کھلا دیتا ہے رزق جسے چاہے

یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا

اور تنگ دیتا ہے (جسے چاہے) خوش ہوگئے (کشادہ رزق والے) دنیاوی زندگی پر حالانکہ دنیاوی زندگی

بیعت کرنے والے ہاتھ کیسے بیعت لینے کے لیے بڑھے۔ اس داستانِ غم کو بیان کرنے سے زبان پر مہرِ سکوت ہی بھلی ہے بس جو ہوا جس طرح ہوا اور جس لئے ہوا اوراق تاریخ میں اس دھاندلی کا غبار اب تک موجود ہے وہ آتشِ حسد جس کا دھواں کبھی علی و بتول کے دروازہ سے اٹھا اور کبھی مخدرات آلِ محمدؐ کے خیموں میں شعلوں کی شکل اختیار کر گیا اس کا دبایا ہوا خاکستر اب تک اموی تاریخ ساز تحریرات کی سیاہیوں میں موجود ہے جو کبھی کبھار چنگاریوں کی شکل میں اُبھر کر مشتعل ہونے کی کوشش کرتا ہے ہم نے عہد غدیر اور ولی عہدیٔ امیر اور اس کا ردّ عمل تفسیر کی پانچویں جلد میں مفصل بیان کیا ہے۔

رکوع نمبر ۱

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ۔ کافر لوگ بہانے بنانے کے لئے کہا کرتے تھے کہ آپ پر ہمارا تجویز کردہ معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا حالانکہ وہ بیسیوں معجزے آپ سے ملاحظہ کر چکے تھے اور خود یہی قرآن ہی کلاًّ و جزواً معجزہ ہے جس کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے مقدر میں نہیں ہے لیکن وہ لوگ ازراہ عناد خواہ مخواہ آپ کو ستانے اور مسلمانوں کو دکھ دینے کے لیے جاہلانہ دستور کو دہراتے ہوئے کہہ دیا کرتے تھے کہ کوئی معجزہ دکھاؤ۔ چونکہ ان کا سوال صرف معاندانہ تھا۔ اس لئے اس کے جواب سے اعراض کیا گیا اور ارشاد فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی کے دو نو راستے تمہارے سامنے ہیں جو جس طرف کو جانا چاہے کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ آیت مجیدہ میں ہدایت اور گمراہی کی اللہ کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ قبول کرنے اور نہ کرنے کی بنیادی طاقتیں اس کی عطا کردہ ہیں۔ اگرچہ وہ قبول کرنے یا نہ کرنے میں خود مختار ہیں اور تفسیر کی دوسری جلد میں ہم وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔ اس کی ترکیب دو طرح سے ہو سکتی ہے۔

فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ ع ۹ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ

آخرت کے مقابلہ میں عارضی فائدہ ہے اور کافر کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کیا گیا اس پر معجزہ

اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ

اپنے رب کی طرف سے کہہ دو تحقیق اللہ گمراہی میں رکھتا ہے جسے چاہے اور ہدایت پر

اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ۝۲۷ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ

لاتا ہے ان کو رجوع کریں وہ جو ایمان لائیں اور مطمئن ہوں ان کے دل

بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝۲۸ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

کے ذکر کے ساتھ آگاہ ہو اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائیں

(۱) محلاً منصوب ہے مَنْ اَنَابَ سے بدل ہے اور یَهْدِیْ کا مفعول ہے یعنی ہدایت کرتا ہے ان کو جو رجوع کریں یعنی جو ایمان لائیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے ساکن و مطمئن ہوں۔

(۲) محلاً مرفوع ہے کیونکہ مبتدا مبدل منہ ہے اور بعد والا اَلَّذِیْنَ۔ اس سے بدل ہے پس طُوْبٰی لَهُمْ اس کی خبر ہے اور اس صورت میں اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ الخ جملہ معترضہ ہے۔

بِذِكْرِ اللّٰهِ۔ اس مقام پر ذکر سے مراد یاد کرنا اور دل میں اس کے انعامات و اکرامات کا تصور کرنا ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں فرماتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور دوسرے مقام پر مومنوں کی تعریف میں فرماتا ہے اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ یعنی جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل دہل جائیں اور کانپ اٹھیں تو کیا یہ دونوں آیتوں کے مفہوم میں منافات نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونو مقامات پر مفہوم الگ الگ ہے کیونکہ اس جگہ مقصد یہ ہے کہ جب مومن اللہ کی نعمتیں گرامیں اور بے پایاں احسانات دیکھتا ہے تو طبیعت میں اطمینان و سکون پیدا ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر مقصد یہ ہے کہ مومن جب اللہ کا رعب و جلال اور اس کی ہیبت و سطوت کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو اس کا دل کانپ اٹھتا ہے اور مومن ہوتا ہی وہی ہے جس کا ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہو۔ پس دونو آیتوں میں کوئی باہمی منافات نہیں ہے۔

تفسیر صافی و برہان میں عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ اللہ کے ذکر اور حجاب ہیں اور ان کے ساتھ ایمان والے مطمئن ہیں اور روایات اہل بیت میں ہے کہ آیت مجیدہ میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ سے مراد شیعہ ہیں اور ذکر

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ

اور عمل صالح کریں تو ان کے لئے طوبیٰ ہے اور اچھی بازگشت ہے اسی طرح ہم

اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا

نے تجھے بھیجا ایک اُمّت میں کہ تحقیق گذر چکیں اس سے پہلے اور اُمتیں تاکہ تو تلاوت کرے

سے مراد علی اور اس کی اولاد آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں اور قرآن مجید میں ایک مقام پر ذِکْرًا رَّسُوْلًا کی لفظ بھی ان روایات کی تائید کرتی ہے گویا آیت مجیدہ کا ظاہر وہ تھا جو پہلے بیان کیا گیا ہے اور باطن اور تاویل یہ ہے کہ تا قیام قیامت محمدؐ و آل محمدؐ کے بعد دیگرے اللہ کا ذکر ہیں جو تمسک پکڑنے والوں کے لئے باعث سکون و اطمینان ہیں۔

طُوْبٰى لَهُمْ۔ طُوبیٰ کے متعدد معانی کئے گئے ہیں اور سب کا مآل یہ ہے کہ اس کا انعام جنّت ہوگا۔ روایات اہلبیت میں ہے کہ طُوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی اصل حضرت امیر علیہ السلام کے گھر میں ہے اور ہر شیعہ کے گھر میں اس کی شاخ پہنچے گی اور اس کے ایک ایک پتہ کے نیچے ایک پوری امت سما سکے گی۔ مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ اپنی دختر نیک اختر کو بہت پیار کرتے تھے چنانچہ عائشہ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے عائشہ شب معراج جب میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے جبریلؑ طوبیٰ کے قریب لے گیا اور اس کا پھل مجھے دیا جو میں نے کھالیا اور وہ میری پشت میں جوہر تخلیق بنا۔ پس زمین پر پہنچ کر میں خدیجہ سے ہمبستر ہوا تو وہ جوہر خدیجہ کے شکم میں منتقل ہوا اور جناب فاطمہ پیدا ہوئی۔ پس جب بھی میں فاطمہ کو پیار کرتا ہوں تو شجرہ طوبیٰ کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر پرندہ سات سو برس پرواز کرتا رہے اس کی اصل کے گرد گھوم نہ سکے گا اور ہر جنتی کے گھر میں اس کی شاخ ہوگی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اس شخص کے لئے طوبیٰ ہے جس نے ہمارے غائب کے زمانہ میں ہماری ولاء سے تمسک پکڑا اور اُس پر ثابت قدم رہا۔

بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ دین والوں کی کئی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ سچ بولنا۔ امانت کا ادا کرنا۔ عہد کی وفا کرنا۔ صلہ رحمی کرنا۔ کمزوروں پر رحم کرنا۔ عورتوں کی بات کم ماننا۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ خوش خلقی۔ حلم و حوصلہ۔ علم کی اتباع کرنا اور ہر وہ کام کرنا جو اللہ سے قرب کا باعث ہو ان کے لئے طوبیٰ ہوگا اور طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی اصل نبی علیہ السلام کے گھر میں ہے اور ہر مومن کے گھر میں اس کی ایک شاخ ہے۔ پس مومن جس چیز کی خواہش کرے گا طوبیٰ کی شاخ پر وہ موجود ہو جائے گی۔ اگر تیز رفتار سوار اس کے سائے میں ایک سو سال تک دوڑے تو اس سے باہر نہ جاسکے گا اور اگر کوئی بُلند پرواز طائر اس کے نیچے سے اُوپر کی طرف پرواز کرے تو اس کی بُلندی تک عمر بھر نہ پہنچ

سکے گا۔ بے شک اللہ کی اس نعمت میں رغبت کرو کیونکہ مومن وہ ہے جس کو اپنا ہی خیال ہو اور دوسرے لوگ اس کی طرف سے راحت میں ہوں۔ پس رات کو مصلّے بچھا کر عبادت پروردگار میں مصروف رہے اور اپنی گردن کی آتشِ جہنم سے آزادی کا پروردگار سے سوال کرتا رہے۔ پس تم اسی طرح ہو جاؤ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب دو مومن آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت سے پتے گرتے ہیں۔ جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو فرشتے ان کو خیر کی دعا کرتے ہیں۔ اور جب دو مومن ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں تو ان کو منادی ندا کرتا ہے کہ تمہارے لیے طوبیٰ ہے۔ اور جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو دو فرشتے ان کو بشارت دیتے ہیں کہ اے اللہ کے دوستو جنت تمہارے لیے ہے۔

مروی ہے کہ حضورؐ سے طوبیٰ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا اس کی اصل میرے گھر میں اور شاخیں جنتیوں کے گھروں میں ہوں گی۔ پھر جب دوبارہ سوال کیا گیا تو فرمایا اس کی اصل علی کے گھر میں اور شاخیں مومنوں کے گھروں میں ہوں گی پس کسی نے دریافت کیا کہ حضورؐ یہ کس طرح؟ تو آپؐ نے فرمایا تعجب نہ کرو کیونکہ میرا اور علی کا گھر جنت میں ایک جگہ ہوگا اور مروی ہے کہ اس کا پھل جہاں سے توڑا جائے گا اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل موجود ہو جائے گا۔ پس وہ جگہ خالی نہ رہے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص تین مومنوں کو کھانا کھلائے خداوند کریم اس کو تین جنتوں سے کھانا کھلائے گا۔ ایک فردوس، دوسرے جنت عدن اور تیسرا طوبیٰ۔

تفسیر برہان میں بروایت موفق بن احمد بلال سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت رسالت مآبؐ ہمارے پاس تشریف لائے کہ ان کا چہرہ مبارک خوشی سے چودھویں کے چاند کی طرح منور تھا۔ پس عبدالرحمٰن بن عوف نے دریافت کیا کہ حضورؐ! آپ کی پیشانی میں یہ چمک اور نور کیسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنے چچا زاد بھائی علی کے متعلق خوشخبری دی ہے کہ اُس نے اس کی شادی میری دختر نیک اختر فاطمہ کے ساتھ کر دی ہے۔ اور خازن جنت رضوان نے بحکم پروردگار طوبیٰ کو حرکت دی تو اس پر اس قدر رقعے پیدا ہو گئے جس قدر تا قیامت میری اہلبیت کے محب ہوں گے اور خداوند کریم نے اس کے نیچے نورانی فرشتے پیدا کئے اور ہر فرشتے کو ایک ایک رقعہ سپرد کر دیا جب قیامت کے روز تمام انسان محشور ہوں گے تو وہ فرشتے ایک ایک رقعہ ہر محب اہل بیت کو دے گا اور وہ جہنم سے برائت نامہ اور جنت کا ٹکٹ ہوگا۔ پس میرے بھائی علی اور میری بیٹی فاطمہ کی وجہ سے میری اُمت کے بہت سے زن و مرد جہنم سے نجات پائیں گے۔

شانِ نزول | لِتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ۔ آیت نمبر ۳۰ کے متعلق کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ

عَلَيْهِمُ الَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ

ان پر اس کی جو ہم نے تجھ پر وحی کی درحالیکہ وہ کفر کرتے ہیں رحمٰن کا کہہ دو

هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

وہی میرا رب ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس پر میں نے توکل کی اور اسی کی طرف میرا پلٹنا ہے

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ

اور اگر تحقیق کوئی قرآن ہو کہ چلائے جائیں اس کے ساتھ پہاڑ یا شگافتہ کی جائے زمین

اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ

یا بلائے جائیں اس سے مردے (تو وہ یہی ہے) ، بلکہ سارا معاملہ اللہ کے قبضہ میں ہے کیا نہیں جانتے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا

وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو ہدایت کر دے اور ہمیشہ

حضورؐ نے علیؓ سے فرمایا لکھو۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو سہیل بن عمرو نے کہا ہم رحمان کو نہیں جانتے آپ لکھیں باسمک اللّٰھُمَّ۔ اور یہی زمانہ جاہلیت کا دستور تھا۔ پھر آپ نے فرمایا لکھو ھٰذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ۔ تو فوراً مشرکین کہنے لگے اگر ہم آپ کو رسول اللہ سمجھیں تو آپؐ سے لڑیں کیوں؟ صاف اپنا نام محمد بن عبداللہ لکھوائیے۔ بعض جوشیلے صحابہ نے جنگ کی اجازت چاہی تو آپؐ نے فرمایا وہی کچھ لکھو جو یہ لکھواتے ہیں۔ پس یہ اتری اور آیت نمبر ۳۱ کا شانِ نزول یہ ہے کہ چند مشرکین کعبہ کے پیچھے بیٹھے تھے پس ایک آدمی بھیج کر انہوں نے رسول اللہ کو اپنے پاس بلایا چنانچہ آپ چلے گئے تو عبداللہ بن امیہ نامی ایک مشرک کہنے لگا اگر آپ چاہتے ہیں کہ تیری تابعداری کریں تو قرآن پڑھ کر مکہ کے پہاڑوں کو دور ہٹا دو تاکہ شہری آبادی کے لئے جگہ کشادہ ہو جائے کیوں کہ اب زمین تنگ ہے نیز قرآن کے ذریعے سے زمین کو شگافتہ کر کے چشمے اور نہریں پیدا کر دیجئے تاکہ ہماری زمین آباد ہو کیونکہ اپنے قول کے مطابق آپ کا درجہ داؤد نبی سے کم نہیں ہے اور ہوا کو ہمارے لئے مسخر کر دیجئے تاکہ سامان خورد و نوش لانے کے لئے شام تک بخوبی آمد و رفت کر سکیں کیونکہ اپنے قول کے مطابق آپ کا درجہ سلیمان پیغمبر سے کم نہیں ہے اور ہمارے سامنے اپنے بزرگ قصیّ و دیگر اسلاف کو

يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ

یا سے کافروں کو پہنچتا رہتا ہے بوجہ اپنے کئے کے کوئی عذاب

قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

اترتا ہے ان کے گھروں کے قریب یہاں تک کہ آجائے وعدہ اللہ کا تحقیق اللہ نہیں وعدہ خلافی

الْمِيْعَادَ ﴿٣١﴾ ع ۱۰ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ

کرتا اور تحقیق مسخری کی گئی رسولوں سے تجھ سے پہلے تو میں نے ڈھیل دے

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿٣٢﴾

دی کافروں کو پھر ان کو پکڑ لیا تو کس طرح تھا میرا عذاب ؟

اَفَمَنْ هُوَ قَاۗىِٕمٌ عَلٰي كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ

کیا وہ ذات جو نگران ہے ہر نفس پر وہ جو کمائے (اس کی طرح کوئی دوسرا ہوسکتا ہے) انہوں نے

شُرَكَاۗءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّــــُٔـوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ

بنالئے اللہ کے شریک کہہ دو کہ ان کے نام تو بتاؤ کیا خبر دیتے ہو اس کو ایسی بات کی کہ وہ نہیں جانتا زمین میں

کو زندہ کیجئے تاکہ ان لوگوں سے ہم پوچھ لیں کہ آپ صحیح فرماتے ہیں یا نہیں۔ پس ہماری تسلی ہو جائے گی کیونکہ حضرت عیسیٰؑ مردوں کو جلایا کرتے تھے اور آپ بقول خود حضرت عیسےٰ سے کم مرتبہ نہیں رکھتے۔ پس یہ آیت کریمہ اُتری۔

اَفَلَمْ يَايْــــَٔـسِ ۳۵ ۔ یہاں یاس علم کے معنی میں ہے یعنی مومنوں کو علم ہے کہ اگر خدا چاہے تو جبراً سب لوگوں کو ایمان پر لائے۔ لیکن یہ اس کی مشیت کے خلاف ہے۔

وَلَا يَزَالُ ۔ یعنی کافروں پر کوئی نہ کوئی عذاب آیا رہتا ہے۔ پس وہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے یہاں تک کہ فتح مکہ کے وعدہ کا وقت بھی آجائے گا اور خدا اپنے وعدہ کو جھوٹا نہیں کرتا۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے۔ ایک سائل کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جناب رسالت مآبؐ تمام نبیوں سے اعلم تھے۔ حضرت سلیمان بن داؤد ہُدہُد پر ناراض ہوئے تھے جبکہ وہ غائب تھا کیونکہ ہوا میں پرواز کے وقت وہ پانی کی نشاندہی کرتا تھا اور پرندہ کو خدا نے وہ علم دیا جو سلیمانؑ کو

اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ

یا مہمل باتیں کرتے ہو بلکہ زینت دی گئی ہے کافروں کے لئے ان کی فریب کاری اور روکا انہوں نے اللہ کی راہ سے

صُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

لوگوں کو اور جس کو اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ

ان کے لئے عذاب ہے زندگیٔ دنیا میں اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ

اور نہیں کوئی اس کو اللہ سے بچانے والا مثال اس باغ کی جس کا وعدہ متقیوں سے کیا

الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ

گیا ہے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ان کے پھل ہمیشگی ہیں اور سایہ بھی

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ

یہ انجام ہے ان کا جو تقویٰ کریں اور انجام کافروں کا دوزخ ہے اور جن کو

نہ دیا کیونکہ وہ ہوا کے علاوہ جن و انس پر حکومت کے باوجود پانی کی تلاش میں پرندہ کا محتاج تھا اور رسولؐ خدا کو قرآن دیا جس کے متعلق فرماتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے پہاڑ چلائے جا سکتے ہیں۔ زمینوں کے فاصلے طے کیے جا سکتے ہیں اور مردے بھی زندہ ہو سکتے ہیں اور سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ ہم ہی وہ ہیں جن کو خدا نے چُن لیا اور ہم ہی اس کتاب کے وارث ہیں۔

رکوع نمبر ۱۱

قُلْ سَمُّوْهُمْ ص ۱۳۶ ۔ یعنی کیا تم ان کو خالق و رزاق کا نام دے سکتے ہو؟ جن کی عبادت کرتے ہو۔ بِمَا لَا يَعْلَمُ۔ خدا کو تم اُس کے شریک کی خبر دیتے ہو جس کو وہ نہیں جانتا یعنی ہے ہی نہیں اگر ہوتا تو وہ جانتا۔

اَمْ بِظَاهِرٍ۔ یعنی ظاہری بوگس اور مہمل باتیں کرتے ہو۔ جن کا واقع میں کوئی معنی نہیں ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ۔ مَثَل کا معنی شبہ ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا معنی ہے صورت یا تعریف۔ یعنی جنّت کی

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ

ہم نے کتاب دی ہے خوش ہوتے ہیں اس سے جو تجھ پر نازل ہوا اور ان فرقوں میں سے کئی

مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ

لوگ انکار کرتے ہیں بعض کا کہہ دو کہ بس میں تو مامور ہوں کہ عبادت کروں اللہ کی اور نہ اس کا شریک

بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿٣٦﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

بناؤں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف پلٹنا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا حکم

عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

عربی اور اگر تم اتباع کرو ان کی خواہش کی بعد اس کے کہ تجھے علم ہو چکا ہے

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا

تو نہ ہوگا تیرا اللہ سے کوئی مددگار اور نہ بچانے والا اور تحقیق ہم نے تجھ سے

مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ

پہلے رسول بھیجے اور ان کے لئے ہم نے ازواج کا انتظام کیا اور اولاد کا اور نہیں جائز رسول کے لئے کہ

صورت یا اس کی تعریف یہ ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مثل کا لفظ یہاں زائد ہے اور تحسین کلام کے لئے بڑھایا گیا ہے۔

اُکُلُهَا۔ یعنی اس کے پھلوں کی جگہ خالی نہ رہے گی۔ جب ایک پھل توڑا جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا موجود ہو جائے گا اور بعضوں نے دوام کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ اُس کا ذائقہ منہ سے زائل نہ ہوگا اِسی طرح اس کا سایہ دائمی ہوگا گویا جنّت کی نعمتوں میں کمی یا انقطاع و بدمزگی قطعاً نہ ہوگی۔

اِتَّقَوْا۔ تقویٰ کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ واجبات کو ترک نہ کیا جائے اور حرام کا ارتکاب نہ کیا جائے پھر اس کے اوپر درجہ بدرجہ مراتب ہیں اور حضرت علیؑ سب متقیوں کا امام ہے۔

اَلنَّارُ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے جس کو ستر دفعہ بجھایا گیا اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی آدمی اس کی گرمی کو برداشت نہ کرسکتا اور جب بروز

اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا

معجزہ دکھائے مگر خدا کے اذن سے کیونکہ ہر کام کے لئے ایک فیصلہ شدہ وقت ہے اللہ مٹاتا

اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ

ہے جسے چاہے اور ثابت رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے اور یا

مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا

تجھے دکھائیں گے بعض وہ جس کا ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے (اس سے قبل) موت دیدیں گے

عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا

پس سوائے اس کے نہیں کہ تیرے اوپر پہنچانا ہے اور ہم پر حساب لینا ہے کیا یہ دیکھتے نہیں کہ

محشر اس کو دوزخ کی آگ پر رکھا جائے گا تو یہ دنیا وی آگ فریاد کرے گی کہ اس کی فریاد کو سُن کر ملک مقرب اور نبی مرسل بھی گھبرا جائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ[۱۳۷]۔ یعنی وہ اہل کتاب جو ایمان لا چکے ہیں قرآن کے نازل ہونے پر خوش ہوتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ۔

وَمِنَ الْاَحْزَابِ[۱۳۸]۔ یعنی اسلام لانے والوں کے علاوہ باقی اہل کتاب اور جملہ مشرکین قرآن کے بعض احکام کا انکار کرتے ہیں جو ان کے مزاجوں اور رواجوں کے خلاف ہوں۔ مروی ہے کہ رحمٰن کا ذکر تورات میں بہت زیادہ ہے اور قرآن میں چونکہ کم تھا اس لئے اسلام لانے والے یہودیوں کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی پس یہ آیت اتری قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ۔ یعنی اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو دونوں جائز ہیں تو اسلام لانے والے خوش ہو گئے لیکن مشرکین کو یہ بات بالخصوص ناگوار گذری اور ان کو احزاب اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے مل جل کر رسولِ خدا کے خلاف ایک حزب قائم کی تھی یعنی منظم متحدہ محاذ قائم کیا تھا۔

وَكَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح سابق انبیاء پر ہم نے کتابیں اتاریں اسی طرح ہم نے تجھ پر بھی حکمت کی کتاب عربی زبان میں اتاری۔ یہاں مُراد حکمت ہے اور حکم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس میں حلال وحرام کے احکام موجود ہیں۔

رکوع نمبر ۱۲

اَزْوَاجًا[۱۳۹] لوگوں نے رسولؐ پر کثرت ازداج کا اعتراض کیا کہ اگر حامل نبوت ہوتا تو فرائض نبوت کی انجام دہی اور اس کی ذمہ داری اس کو شادیوں سے غافل کر دیتی۔ تو خدا نے ان کو اس کا جواب دیا ہے کہ شادی کرنا، یا کثرت ازواج فرائض نبوت کی بجا آوری کے منافی نہیں۔ کیونکہ سابق انبیاء کی ازواج بھی تھیں۔

أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ

ہم زمین کی اطراف کو کم کرتے ہیں اور اللہ

يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٤١﴾

حکم کرتا ہے کہ اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ

اور تحقیق فریب کیا ان لوگوں نے جو پہلے تھے پس اللہ کے پاس سب

جَمِيعًا ۖ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ

تجویزیں ہیں وہ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر نفس اور عنقریب جان لیں گے

اور ان کی اولادیں بھی تھیں۔ مثلاً حضرت سلیمانؑ نبی کے گھر تین سو بیویاں اور سات سو کنیزیں تھیں اور حضرت داؤد پیغمبر کے گھر میں ایک سو بیویاں تھیں۔ لہٰذا یہ بات قابل اعتراض نہیں ہے۔

مَا كَانَ[۱۳۹] یعنی معجزہ کا دکھانا نبی کا اختیاری معاملہ نہیں ہے کہ جب چاہے اس کو ظاہر کر دے بلکہ یہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور ہر کام کے لئے ایک وقت معین ہے بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ آخری فقرے کا معنی معکوس ہے یعنی لِکُلِّ کِتَابٍ اَجَلٌ یعنی تورات زبور انجیل اور قرآن مجید میں سے ہر ایک کے لئے اللہ کے نزدیک ایک وقت مقرر تھا۔

محو و اثبات۔ یَمْحُوا اللّٰہُ[۱۳۹] محو و اثبات کے کئی معانی کئے گئے ہیں (۱) احکام کا محو و اثبات مراد ہے۔ جیسے منسوخ و ناسخ کہا جاتا ہے (۲) کراماً کاتبین کی تحریرات میں سے ان کو مٹایا جاتا ہے جو مباحات ہوں اور باقی کو برقرار رکھا جاتا ہے (۳) اپنے فضل و کرم سے قابل بخشش مومنوں کے گناہ بخشتا ہے اور قابل سزا لوگوں کے گناہ برائے عقوبت اپنے عدل کے ماتحت باقی رکھتا ہے (۴) ہر شے کے متعلق ہے مثلاً رزق و عمر وغیرہ جسے چاہے بڑھا دے جسے چاہے کم کر دے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ہونے والے امور و واقعات کے علوم کے متعلق اللہ کے پاس دو دفتر ہیں ایک کتاب محو و اثبات۔ اور دوسری ام الکتاب۔ پہلی کو لوح محو و اثبات اور دوسری کو لوح محفوظ بھی کہا گیا ہے۔ پہلی کتاب کی رُو سے محو و اثبات جاری ہے مثلاً خداوند کریم نے عمر و رزق و بیماری و تندرستی وغیرہ مع اس کی مدت و اجل کے لکھ دی ہے لیکن ان کا کم و بیش ہونا یعنی محو و اثبات بھی بعض اعمال کے لحاظ سے مقدر کر دیا کہ فلاں شخص فلاں

الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

کافر لوگ کہ انجام کار اچھا گھر کس کا ہے اور کہتے ہیں وہ جو کافر

كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ

ہیں کہ تو رسول نہیں ہے کہہ دو کہ کافی ہے اللہ گواہ میرے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

اور تمہارے درمیان اور وہ جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے

عمل خیر کرے گا تو اس کا رزق یا عمر اتنا بڑھا دیا جائے گا۔ اگر عمل بد کرے گا تو اس قدر کمی کی جائے گی اسی بنا پر تو اس قسم کی دعائیں آئمہ سے منقول ہیں کہ اے اللہ اگر میرا نام اشقیاء کے دفتر میں ہے تو اسے نیکوں کی فہرست میں کر دے اور جس طرح محو و اثبات جاری ہے اسی طرح تقدیم و تاخیر بھی جاری ہے اور اس کا علم بھی اللہ سبحانہ کے پاس ہے اور دعاؤں سے تقدیروں کے بدل جانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ کتاب محو و اثبات میں جو مقدر ہے وہ بدل سکتا ہے اور اسی کا علم انبیاء اور اولیاء کو دیا جاتا ہے۔

چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اگر قرآن مجید میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں قیامت تک کے ہونے والے واقعات بتا دیتا۔ میں نے پوچھا حضور! وہ کونسی آیت ہے تو آپ نے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ الخ پڑھی۔

اسی طرح بروایت کافی و عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ علم دو قسم کے ہیں ایک علم مخزون جو اللہ کے پاس ہے اور اس نے مخلوق میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں فرمایا اور دوسرا علم وہ ہے جو اس نے ملائکہ اور انبیاء کو تعلیم کیا ہے اور اس سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جو علم اُس کے پاس ہے وہ جس کو چاہے مقدم یا مؤخر کرے اور جسے چاہے محو کرے یا ثابت رکھے۔ اور مقدر بدل جانے کے بعد جو صورت حال ہوتی ہے اس کو اصطلاح جعفریہ میں بداء سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس مسئلہ کی وضاحت تفسیر کی پانچویں جلد ص۱۹۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

محو و اثبات اور تقدیم و تاخیر کے بعد جو نتائج ہوتے ہیں ان کا اندراج ام الکتاب میں ہے جس کا علم سوائے پروردگار کے کسی کے پاس نہیں مگر وہ جسے جتنا چاہے دے دے۔ پس کتاب محو و اثبات میں جو مقدار رزق یا مقدار عمر وغیرہ درج ہے وہ غیر محتوم ہیں جو دعاؤں یا صدقات و خیرات سے زیادہ ہو سکتی ہے یا بداعمالیوں سے کم بھی ہو سکتی ہیں اور جو ام الکتاب میں مرقوم ہیں ان میں کمی یا بیشی اور تقدیم و تاخیر کا کوئی امکان نہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ بعض چیزیں کتاب محو و اثبات

میں بھی ہوں اور بعینہٖ وہ اُمّ الکتاب میں بھی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کتاب محو و اثبات میں کچھ اور ہو۔ اور ام الکتاب میں اس سے اضافہ یا کمی موجود ہو۔

(۵) محو و اثبات کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ توبہ کے بعد گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ان کی بجائے نیکیوں کو بحال رکھتا ہے (۶) زمین کی آبادی کے لئے ایک قرن کو مٹایا دوسروں کو آباد کیا وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ ۔ یعنی مسلمانوں کے ساتھ جو فتوحات کے ہم نے وعدے کئے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں یا وہ عین حیات تجھے دکھائیں گے یا تیری وفات کے بعد پورے ہوں گے لہٰذا ان کی انتظار نہ کیجئے۔ پس تیرا کام تبلیغ کرنا ہے اور حساب میرے ذمہ ہے کہ کفار کو اپنے کئے کا بدلہ دنیا میں دوں یا آخرت میں دوں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا ۔ زمین کی اطراف کو کم کرنے کے کئی وجوہ ذکر کئے گئے ہیں (۱) کفار کو تنبیہ ہے کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم زمین کی اطراف سے زمین پر بسنے والوں کو موت کے ذریعے سے کم کرتے رہتے ہیں ورنہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو زمین پر انسانوں کی جگہ نہ ہو سکتی گویا جانے والے آنے والوں کے لئے جگہ خالی کر کے جاتے ہیں اور زمین خدا آباد رہتی ہے خداوند علام نے اپنی حکمت و صنعت کی طرف متوجہ فرما کر کفار کو دعوت فکر دی ہے۔ نیز اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ دوسروں کی موت کو دیکھ کر مطمئن نہ رہو کیونکہ ان کی طرح ایک دن تمہاری باری بھی آجائے گی۔ پس اپنے خالق کے پہچاننے میں سستی نہ کرو (۲) زمین کے اطراف کے کم کرنے کا مقصد علماء و فقہاء و صلحاء کی موت ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایک ایسی کمزوری پیدا ہوتی ہے جس کو کوئی شئے پُر نہیں کر سکتی (۳) یہ نہیں دیکھتے کہ ہم آباد زمین کو بنجر بنا دیتے ہیں پس آباد زمین کے اطراف کم ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس کا اُلٹ ہو جاتا ہے۔

وَقَدْ مَكَرَ ۔ جناب رسالتمآبؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہمیشہ لوگ انبیاء سے فریب کاری کرتے رہے ہیں اور اللہ کو ان کی سب مکاریاں معلوم ہیں اور وہ قیامت کو حسب مصلحت اُن کو بدلہ دیگا۔

علم الکتاب علیؑ کے پاس ہے

كَفٰى بِاللّٰهِ ۔ کافروں نے کہا کہ تو رسُول نہیں تو جناب رسالتمآبؐ کو حکم ہوا کہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ کا مصداق کون ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں (۱) اس سے مراد اللہ ہے (۲) اہل کتاب میں سے اسلام لانے والے مراد ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور سلمان فارسی وغیرہ (۳) حضرت علیؑ اور اس کی اولاد طاہرین علیہم السّلام مراد ہیں۔ پہلا قول باطل ہے کیونکہ اس کا اللہ پر عطف ہے اور قاعدہ کی رو سے معطوف علیہ الگ الگ دو ہونے چاہئیں۔ دوسرا قول بھی باطل ہے کیونکہ یہ سورہ سب کا سب مکیہ ہے اور اہل کتاب میں سے مُسلمان ہونے والے ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان ہوئے لہٰذا ان کی شہادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس تیسرا قول حق ہے کہ اس کا مصداق حضرت علیؑ اور اس کی اولاد آئمہ طاہرینؑ

ہیں۔ اور کتب فریقین میں روایات بکثرت موجود ہیں کہ آیت مجیدہ میں مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ۔ کا مصداق علی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد ہم ہیں اور رسول ص کے بعد اس کا پہلا مصداق حضرت علیؑ ہے جو ہم سے افضل اور اکمل ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے آپ نے اپنے سینے کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرکے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم کتاب پوری کا علم ہمارے پاس ہے اور شعبی سے منقول ہے کہ رسول کے بعد قرآن کا پورا علم علی اور اس کی اولاد طاہرین کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے اُس نے کہا کہ اگر میں جانتا کہ کوئی شخص مجھ سے کتاب اللہ کا زیادہ عالم ہے تو میں اس کی شاگردی قبول کرتا پس فوراً کہنے والے نے علی کا نام لیا تو ابن مسعود نے کہا کہ میں نے اُس سے حاصل نہیں کیا یعنی میں ان کی شاگردی قبول کرچکا ہوں اور ان سے حسب استعداد علم حاصل کرچکا ہوں۔ علامہ حلیؒ اعلی اللہ مقامہٗ نے آیت مجیدہ کو علی کی خلافت بلافصل کی دلیل قرار دیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جب علی کا تمام امت سے اعلم ہونا ثابت ہوگیا تو اسے ہی رسول کا قائم مقام اور خلیفہ بلافصل ہونا چاہیئے۔

تفسیر صافی میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا ایک ہے۔ اَلَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اور دوسرا ہے عِنْدَهٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ۔ ان دونو میں کیا فرق ہے آپ نے فرمایا ان دونوں میں اتنا فرق ہے جتنا مچھر کے پر پر آنے والے پانی اور سمندر کے پانی میں فرق ہے۔ پہلے کا علم (آصف بن برخیا کا علم) مچھر کے پر والے پانی کے قطرہ کی طرح ہے اور علی کا علم ایک موجزن سمندر کی طرح ہے آپ نے فرمایا وہ علم ہمارے پاس ہے۔ ہم نے اپنی تصنیف کتاب لمعۃ الانوار میں حضرت علی کا مقامِ علم وضاحت سے بیان کیا ہے۔

سُورَۂ ابراھیمؑ

اس میں دو آیتیں مقتولین بدر سے تعلق رکھتی ہیں باقی سورہ مکیہ ہے اسکی آیات کی تعداد بسم اللہ کے علاوہ باون ۵۲ ہے
جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جس نے سورۂ ابراہیم وسورۂ حجر کی تلاوت کی اس کو بت پرستوں
اور موحّدوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ اجر عطا ہو گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص ہر جمعہ کو اپنی نماز کی دو رکعتوں میں سورۂ
ابراہیم وسورہ حجر کو پڑھے گا فقر، دیوانگی اور اچانک مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

تفسیر برہان میں خواص القرآن سے مروی ہے کہ اس سورہ کو سفید پارچہ پر لکھ کر بچہ کو باندھی
جائے تو رونے سے، ڈرنے سے اورام الصبیان سے محفوظ رہے گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ سفید پارچہ پر لکھ کر چھوٹے بچے کے بازو پر باندھی جائے تو وہ
رونے ڈرنے اور دیگر امراض سے محفوظ ہو گا نیز اس کا دودھ چھڑانا آسان ہو گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابوالدرداء سے منقول ہے جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا جب پسّو
مچھر اور کھٹمل وغیرہ تکلیف دیں تو ایک پیالہ میں پانی لو اور اس سورت کی آیت نمبر ۱۲ کو سات دفعہ
پڑھو اور اس کے بعد کہو فَاِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَكُفُّوْا شَرَّكُمْ وَاَذَاكُمْ عَنَّا۔
پس اس پانی کو اپنی خواب گاہ کے ارد گرد چھڑک دو تو رات کو اُن کی ایذا رسانی سے محفوظ رہو گے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

(ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ

الٓرٰ یہ کتاب ہم نے تیری طرف اتاری تاکہ نکالے لوگوں کو (کفر کی) تاریکیوں سے طرف نور (ایمان)

اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ﴿۱﴾

کے ان کے رب کے اذن سے (یعنی) طرف راستے (اللہ کے) جو عزیز و حمید ہے

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ

وہ اللہ جس کے لئے ہے وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور ویل ہے

لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ

کافروں کے لئے سخت عذاب ہے جو پسند کرتے ہیں زندگی دنیا کو آخرت کے مقابلہ

الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا

میں اور روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے اور کجروی چاہتے ہیں

عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ

ایسے لوگ بڑی گمراہی میں ہیں اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول

رکوع نمبر ۱۳|۱

اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ ۔ یہ نور سے بدل ہے یعنی وہ نور اللہ کا راستہ ہے جو عزیز و حمید ہے پس نبی لوگوں کو کفر کی تاریکی سے اللہ کے راستہ کی دعوت دیتا ہے۔ بعد میں لفظ اللہ ممکن ہے کہ حمید سے بدل ہو۔ اور ممکن ہے مبتدا ہو اور الذی اس کی خبر ہو پس بدل ہونے کی صورت میں مجرور پڑھا جائے گا اور مبتدا ہونے کی صورت میں مرفوع ہو گا۔

وَيَبْغُوْنَهَا۔ ضمیر مونث کا مرجع سبیل ہے۔ اور سبیل کا لفظ مذکر و مونث دونو طریقوں سے جائز ہوتا ہے یعنی وہ اللہ کے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے ٹیڑھے راستے تلاش کرتے پھرتے ہیں یا یہ کہ وہ دنیا کو غلط اور ناجائز طریق سے حاصل کرتے ہیں ورنہ اگر حلال طریق سے حاصل کریں تو پھر ان کی یہ محبت آخرت کی محبت سے منافات نہیں رکھتی۔

إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي

مگر اپنی قوم کی زبان سے تاکہ ان کو سمجھا سکے پس گمراہی میں چھوڑتا ہے اللہ جس کو چاہے اور ہدایت کرتا

مَنْ يَشَاءُ ط وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٤ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ

ہے جسے چاہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اور تحقیق ہم نے بھیجا موسیٰ کو

بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ

اپنی نشانیوں کیساتھ کہ نکالو اپنی قوم کو (کفر کی) تاریکیوں سے نور (ایمان) کی طرف اور ان کو یاد دلاؤ

بِأَيَّامِ اللَّهِ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝٥ وَ

اللہ کے ایام تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گذار کے لئے اور

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ

جب موسٰے نے کہا تھا اپنی قوم کو یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی کہ اس نے تم کو نجات دی

مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ

آل فرعون سے جو چکھاتے تھے تم کو سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے

أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ط وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ

بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری لڑکیوں کو اور اس میں تم پر تمہارے رب کی

فَیُضِلُّ اللہ۔ اللہ کی طرف نسبت مجازہ ہے کیونکہ طاقتوں کے دینے والا وہی ہے۔

بِاَیّٰمِ اللہِ۔ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں (۱) ان کو وہ وقائع بتاؤ جو گذشتہ ایام میں سابقہ امتوں کے ساتھ گذرے (۲) ان کو اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کراؤ جو تمام ایام میں ان پر ہوئیں (۳) ان کو اللہ کا قانون بتاؤ جو نیکوں اور بدکاروں کے ساتھ برتا جاتا ہے (۴) تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت قائم آلِ محمدؐ کا زمانہ ہے۔

بَلَاءٌ مِنْ رَبِّکُمْ۔ بلا کا معنی احسان بھی ہے جس طرح تحت اللفظ ترجمہ کیا گیا ہے اور اس کا معنی آزمائش و مصیبت بھی ہوا کرتا ہے یعنی فرعونیوں کا تمہارے ساتھ یہ برتاؤ تم پر اللہ کی جانب سے سخت امتحان و آزمائش کا دور تھا تفسیر کی دوسری

رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ⑥ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

طرف سے بڑا احسان ہے　اور جب تم کو اپنے رب نے خبر دی کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ دوں گا

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ⑦ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنْ

اور اگر تم نے کفر کیا تو میرا عذاب بھی سخت ہے　اور فرمایا موسےٰ نے اگر کفر کرو تم

تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ

اور تمام زمین والے تو تحقیق اللہ سب سے بے نیاز

حَمِيدٌ ⑧ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ

لائق حمد ہے　کیا تمہارے پاس نہیں پہنچی خبر ان کی جو تم سے پہلے تھے　قوم نوح

وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ

عاد و ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد تھے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا

جلد میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔

رکوع نمبر ۱۴

لَئِنْ شَكَرْتُمْ ص۱۵۲ کتب تفاسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس شخص پر خدا کی نعمت ہو پس وہ اس کا دل سے اعتراف کرے اور زبان سے اس کی حمد کرے تو ابھی اس کی بات ختم نہیں ہوتی کہ خدا اس میں زیادتی کا فیصلہ کر دیتا ہے نیز آپؑ سے مروی ہے کہ چھوٹی یا بڑی نعمت پر الحمد للہ کہہ دے تو اس نے اسکا شکر ادا کر دیا اور بعض روایات میں شکر کا معنی ہے حرام سے بچنا۔ تفسیر برہان میں امالی شیخ سے بروایت ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک روز مسجد نبوی میں رسالت مآبؐ تشریف فرما تھے اور مہاجرین و انصار میں سے صحابہ کا جم غفیر موجود تھا بدری و شجری سب موجود تھے۔ خدا کی نعمات کا ذکر چلا تو آپؐ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بتاؤ تم پر خدا کی پہلی نعمت کونسی ہے۔ پس سب نے جان و مال و رزق و اولاد و ازواج کو گننا شروع کر دیا۔ جب خاموش ہوئے تو آپؐ علیؑ کی طرف متوجہ ہوئے کہ ساتھیوں کی باتیں سن چکے ہو اب تم بتاؤ اللہ کی پہلی نعمت کونسی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں کچھ نہ تھا اور اس نے وجود عطا فرمایا۔ آپ نے فرمایا پھر دوسری؟ آپ نے جواب دیا کہ اس نے مجھے زندگی بخشی۔ آپ نے فرمایا تیسری؟ علیؑ نے جواب دیا اُس نے مجھے اچھی شکل و صورت عطا کی۔ آپ نے فرمایا کہ چوتھی؟ علیؑ نے جواب دیا اُس نے مجھے فکر کرنیوالا

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ

ان کے پاس رسول آئے واضح دلیلیں لے کر تو انہوں نے (غصہ سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹا اور

وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

کہنے لگے تحقیق ہم نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور تحقیق ہم کو شک ہے جس

تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۹﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ

کی طرف تم بلاتے ہو تو ان کو رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے

شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ

جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ وہ بخشے تمہارے گناہ

ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ

اور تمہیں مہلت دیتا ہے ایک وقت مقررہ تک کہنے لگے تم تو ہماری طرح کے

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

انسان ہی ہو تم چاہتے ہو کہ روک دو ہمیں اس سے جس کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا

بنایا غافل نہیں بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ پانچویں؟ اُس نے مجھے سوچنے کی قوتیں عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ چھٹی؟ اُس نے مجھے اپنے دین کی ہدایت کی کہ میں گمراہ نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ساتویں؟ تو علی نے جواب دیا کہ اُس نے میرے لئے بازگشت ایسی بنائی کہ وہاں فنا نہ ہو گی۔ پھر آٹھویں؟ اُس نے مجھے آزاد بنایا غلام نہیں بنایا۔ نویں؟ اُس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں میرے لئے پیدا کیں۔ دسویں؟ اُس نے مجھے مرد اور حاکم بنایا عورت نہیں بنایا آپ نے فرمایا۔ آگے چلو تو علی نے عرض کی حضورؐ! خدا کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔ پس آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا تجھے یہ علم وحکمت مبارک ہو تو ہی تو میرے علم کا وارث اور امت کا معلم ہے جو تیری اتباع کرے گا وہ صراطِ مستقیم پر ہو گا اور جو تجھے چھوڑ دیگا وہ ذلیل ہو گا۔ (ملخصاً)

فَرَدُّوْٓا۔ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں (۱) وہ جو تحت اللفظ موجود ہے (۲) ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ (۳) اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیئے تاکہ نہ بول سکیں (۴) ان کے اپنے ہاتھ پکڑ کر ان کے منہ پر رکھ دیئے۔

لَفِيْ شَكٍّ۔ یعنی تمہاری دعوت سے ہم کو شک ہے کہ شاید تم اپنے اقتدار کی خاطر ایسا کرتے ہو تو فرمایا واضح دلیلوں

فَأْتُونَا بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ (۱۰) قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا

تو کوئی واضح معجزہ لے کر آؤ کہا ان کو رسولوں نے ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۖ وَمَا

خدا احسان کرتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے اور ہمارے

كَانَ لَنَآ أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

بس میں نہیں کہ لائیں کوئی معجزہ مگر ساتھ اذن خدا کے اور اوپر اللہ کے ہی مومنوں کو

ٱلْمُؤْمِنُونَ (۱۱) وَمَا لَنَآ أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى ٱللَّهِ وَقَدْ هَدَىٰنَا

توکل کرنی چاہیئے اور ہم کیوں نہ اللہ پر توکل کریں حالانکہ اس نے ہمیں ہدایت فرمائی راستے

سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَآ ءَاذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

کی ہم صبر کریں گے اوپر اس کے جو تم ہم کو ستاؤ اور اللہ پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنی

ٱلْمُتَوَكِّلُونَ (۱۲) ع وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم

چاہیئے اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم تم کو ضرور نکال دیں گے

کے بعد اللہ میں شک کی کونسی گنجائش ہوسکتی ہے۔

اِنْ اَنْتُمْ۔ قرآن بتلاتا ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو بشر نہ ہو اگرچہ رسول ان کو سمجھاتے رہے کہ تمہاری طرح ہم بشر ہیں لیکن ہم پر خدا کا احسان ہے کہ ہم کو اس نے رسول بنا کر بھیجا ہے لیکن وہ بضد رہے کہ جو رسول ہو بشر ہو ہی نہیں سکتا۔ آخر کار عذاب میں گرفتار ہوئے لیکن اپنی ضد کو نہ چھوڑا۔

رکوع نمبر ۱۵

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ ص۱۵۰۔ چاہ کن را چاہ درپیش والی بات ہے جو دوسرے کے لئے کنواں کھودتا ہے۔ وہ خود اس میں گرتا ہے اسی طرح جو دوسرے کو برباد اور بے گھر کرنا چاہے وہ خود برباد اور بے گھر ہوتا ہے اور وہ مظلوم ہی ظالم کے گھر میں آباد ہو جاتا ہے چنانچہ اس قسم کے ہزاروں واقعات سنے اور دیکھے ہیں اور حدیث میں ہے وَمَنْ اٰذٰی جَارَهٗ وَرَّثَهُ اللّٰهُ دَارَهٗ جو اپنے ہمسایہ کو تکلیف دے خدا اس ہمسایہ کو ہی اس کا وارث بنا دیتا ہے اور آیت مجیدہ اسی مطلب کی ترجمانی کر رہی ہے۔

مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ

اپنے شہر سے یا واپس آجاؤ ہمارے دین پر تو وحی کی ان پر ان کے رب نے کہ ہم ضرور

لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

ہلاک کریں گے ظالموں کو اور تم کو سکونت دیں گے زمین کی ان کے بعد

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا

یہ اس کے لیے ہے جس کو حساب کا ڈر ہو اور میری گرفت سے خوف کرتا ہو اور انہوں نے فتح

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى

طلب کی اور ناکام ہوا ہر متکبر شخص اس کے آگے جہنم ہے اور پلایا جائے گا

مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ

اس کو پیپ بدبودار اس کے گھونٹ گھونٹ لے گا اور پی نہ سکے گا اور اس پر موت

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ

ہر طرف سے آئے گی اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے آگے اور سخت عذاب

مِنْ وَّرَآئِهٖ۔ یہ لفظ لغاتِ اضداد میں سے ہے آگے اور پیچھے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

مَآءٍ صَدِيْدٍ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد زانیوں کی شرمگاہ کا غلیظ پانی اور جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جب یہ پانی ان کو دیا جائے گا تو وہ ناپسند کریں گے جب منہ سے لگائیں گے تو منہ جل جائے گا اور کھوپڑی اتر جائے گی جب پئے گا تو انتڑیاں ٹوٹ جائیں گی اور یہ دُبر کے راستے سے نکل جائے گا اور آپ نے فرمایا جو شخص شراب پئے چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اسی حال میں مرے گا تو اس کو جہنم میں یہی پانی پلایا جائے گا۔

يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ۔ یعنی ہر طرف سے عذاب اس کو گھیرے گا کہ دنیا میں اس کا معمولی حصہ بھی موت کا باعث بن جاتا لیکن وہاں وہ عذاب میں مبتلا رہے گا اور موت نہ آئے گی کیونکہ موت عذاب میں تخفیف کا باعث ہوجاتی ہے

مَثَلُ الَّذِيْنَ۔ یعنی کفار کے اعمال بروز محشر قابل جزا نہ ہوں گے پس ان کے پاس سوائے حسرت کے اور کچھ نہ ہوگا۔

غَلِيْظٌ ⑰ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ

ہوگا　مثال ان کی جنہوں نے کفر کیا اپنے رب سے ان کے عمل مثل اس خاکستر کے ہیں

اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا

جس کو ہوا اڑا لے جائے تیز آندھی کے دن　نہ نفع حاصل کر سکیں گے اپنے کمائے

عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑱ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ

سے کچھ بھی یہ محرومی بہت سخت ہے　کیا تم دیکھتے نہیں تحقیق اللہ نے پیدا کیا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ

آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ　اگر وہ چاہے تو تم کو ختم کر دے اور نئی مخلوق کو

جَدِيْدٍ ⑲ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ⑳ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ

لے آئے　اور نہیں یہ بات اللہ پر ناشدنی　اور لوگ نکل آئیں گے اللہ

جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا

کے سامنے سب تو کہیں گے کمزور بڑے بڑوں کو تحقیق ہم تو تمہارے پیچھے چلے تھے

بِالْحَقِّ۔ یعنی آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش عبث نہیں ہے بلکہ خدا نے اپنی مشیت اور حکمت سے ہی اس کو درست اور سچا خالق فرمایا ہے۔

دردِ دل خداوند علیم و حکیم نے تقریباً ہر سورۂ قرآنی میں اکثر مقامات پر یہاں بھی اپنے وجود پر دلیل و برہان قائم فرمائی ہے اور اپنی عبادت کے لئے لوگوں کو دعوت دی ہے اپنا خالق ہونا ضرور بیان کیا ہے تاکہ لوگ مسئلہ خلق کو سمجھ کر دعوتِ توحید کو سمجھیں لیکن دورِ حاضر میں قوم شیعہ پر سخت ترین آزمائش کا مقام ہے کہ قومی و مذہبی منبر پر ایسے طالع آزما بد ضمیر دین فروش اور مذہب کے اصول و فروع سے اعلانیہ بغاوت کرنے والے لوگ مسلط ہو چکے ہیں جن کے ہاتھ میں مذہب ایک کھلونے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ان کی نگاہوں میں دین کا لباس صرف سادہ لوح انسانوں سے مفاد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس سلسلہ میں بعض علماء سوء بھی شامل ہیں جنہوں نے منظم طور پر دین کی بنیاد کو کھوکھلا کرنے کا پروگرام مرتب کیا ہے اس سے قبل علمائے اعلام اس بات

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ قَالُوْا

پس کیا تم بچاؤ گے ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ تو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں بچا لیا تو ہم بھی

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ

تم کو بچا لیں گے برابر ہے کہ ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں ہمارا

صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا

چھٹکارا نہیں ہے اور ابلیس کہے گا جب فیصلہ ہو

قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ

جائے گا کہ تحقیق اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور

سے نالاں تھے کہ نااہل لوگوں نے گانے کو فضائل آل محمدؐ کے بہانے سے مذہبی و دینی رواج سمجھ رکھا ہے کہ ہر گلوکار منبر حسینی پر سوار ہو گیا اب جبہ پوش علمائے سوء نے دین سے باغی کرنے کے لئے منبر حسینی کو آلہ کار بنا لیا ہے چنانچہ آیات قرآنیہ کی کھل کر مخالفت کی جاتی ہے اور حد یہ کہ خدا کی خالقیت اور رازقیت بلکہ اس کی جملہ صفات مخصوصہ کو چیلنج کیا جاتا ہے اور آل محمدؐ کو خدا کا شریک ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے بلکہ ببانگ دہل یہ فقرے کسے جاتے ہیں کہ خدا نے ان کو پیدا کیا اور انہوں نے سب مخلوق کو پیدا کیا حالانکہ آل محمدؐ خود ان مشرکانہ عقائد سے بری و بیزار ہیں اور ایسے عقائد والوں پر وہ لعنت کرتے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ علمائے سوء کے خطابیات سے متاثر ہو کر گلوکار طبقہ نے بھی کھل کر توحید سے نبرد آزمائی کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیا ہے۔ غلط سلط روایات کو اساس مذہب قرار دے کر عوام کیلئے گمراہی کا سامان خوب فراہم کیا گیا ہے۔ اسی داستان کو قرآن دہرا رہا ہے کہ کمزور عوام اس قسم کے متکبرین علمائے سوء اور دیگر پیشوایان قوم اور صاحبان منبر حضرات سے خواہش کریں گے کہ ہم نے تمہارے پیچھے پڑ کر اپنے دین کا ستیاناس کیا تھا کیا اب تم ہم کو عذاب سے چھڑا سکتے ہو تو وہ کہیں گے کہ ہم خود مبتلائے عذاب ہیں تو تم کو کیسے چھڑائیں؟ آخر میں مایوس ہو کر کہیں گے کہ ہماری جزع فزع سے کچھ نہیں بنتا لہذا ہمارے لیے کوئی چھٹکارا نہیں ہے۔ بے شک دنیا میں علمائے اعلام اگر توحید پروردگار کا علم بلند کریں اور آئمہ طاہرین کے ارشادات کو پیش کریں تو دین سے باغی گروہ ان کو وہابی و دشمن اہل بیت کے بُرے القاب سے یاد کر کے عوام کو ان کے خلاف بھڑکا لیتا ہے اور اپنا دنیاوی مفاد حاصل کرنے میں اُسے کامیابی حاصل ہو جاتی ہے لیکن بارگاہ پروردگار میں جب یہ معاملہ پیش ہوگا تو وہاں سوائے یاس و حسرت کے اور کچھ ان کے پاس نہ ہوگا۔

وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ

میں نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہیں کیا اور میں نے تم کو زبردستی سے نہیں کہا تھا مگر یہ کہ میں نے

دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ

صرف دعوت دی اور تم نے قبول کر لی پس مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے نفسوں کو ملامت کرو اب نہ

اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ

میں تمہاری فریاد سن سکتا ہوں اور نہ تم میری سن سکتے ہو میں تو انکاری ہوں اس کا جو تم نے مجھے شریک بنا لیا

مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ

اللہ کا اس سے پہلے تحقیق ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہوگا اور داخل کئے جائیں گے وہ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

جنہوں نے ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے بہشت میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

وہ اللہ کے اذن سے اس میں ہمیشہ رہیں گے ان کا آپس میں تحیہّ سلام ہوگا

رکوع نمبر ۱۶

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابلیس کو ستّر طوق اور ستر جولانوں کے ساتھ محشور کیا جائے گا۔ لیکن ایک دوسرے شخص کو ایک سو بیس طوقوں اور جولانوں کے ساتھ لایا جائے گا۔ تو شیطان ازراہ حیرت پوچھے گا۔ یہ دوسرا میرا ثانی کون ہے تو کہا جائے گا یہ وہ ہے جس نے عسلی پر بغاوت کی تھی شیطان کہے گا مجھے تو اس دن سے اس کی معرفت ہو گئی تھی جب مجھے کہا گیا تھا کہ میرے خالص بندوں پر تجھے دسترس حاصل نہ ہوگی۔ تو تم نے ان کی دشمنی کا بھار کیسے اٹھا لیا تو وہ کہے گا کہ تیرے کہنے سے میں نے یہ کام کیا تھا پس شیطان کہے گا اللہ نے جو وعدہ کیا تھا وہ ٹھیک تھا اور میرا وعدہ غلط ہے الخ۔ بیشک ہر وہ آدمی جو شیطان کی دعوت پر اللہ کے دین اور دین والوں سے دشمنی کرے گا تو شیطان بروز قیامت اس سے بیزار ہوگا اور یہ شخص خوار اور شرمسار ہوگا۔

شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ اَلَمْ تَرَ ص۱۵۴۔ ان آیتوں میں کلمہ طیبہ سے مراد کلمہ توحید و نبوت و ولایت ہے یعنی

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

کیاتم دیکھتے نہیں کس طرح بیان کی اللہ نے مثال کلمہ طیبہ (ایمان) کہ وہ مثل پاکیزہ درخت کے ہے

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ

جس کی اصل ثابت ہو اور اسکی شاخ آسمان میں ہو کہ دے وہ

اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ

اپنا پھل ہر وقت باذن پروردگار اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لئے تاکہ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ

وہ نصیحت حاصل کریں اور مثال کلمہ خبیثہ (کفر) کی مثل درخت خبیث کے ہے جو

اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ

اکھاڑا جائے زمین کے اوپر سے جس کی کوئی جڑ نہ ہو اور ثابت کرتا ہے اللہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

ایمان والوں کو ساتھ قول ثابت کے زندگی دنیا میں اور آخرت میں

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙۗ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ اَلَمْ تَرَ

اور راہِ حق سے دور کرتا ہے ظالموں کو اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے کیاتم نے نہیں دیکھا

ایمان کی تعبیر ہے کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ سے مراد ہے۔ عقیدہ کفر پس کلمہ طیبہ کی مثال عقول انسانیہ سے مطلب کو قریب تر کرنے کے لئے پاکیزہ درخت کو قرار دیا جیسے کھجور کا درخت مثلاً کہ اس کی جڑیں زمین میں ثابت ہوتی ہیں کہ تیز سے تیز آندھیاں اور طوفان اس کو گرا نہیں سکتے اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں اور اذن پروردگار سے وہ چھ ماہ کے بعد پکتا ہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ ویسے تو حِین کا معنی ہے وقت خواہ کوئی سا وقت ہو لیکن یہاں چھ ماہ کا عرصہ مراد ہے کیونکہ کھجور کا پھل چھ ماہ میں پکتا ہے اسی طرح ہر میوہ کے لئے اپنا اپنا وقت ہوا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ علامہ حلّی سے قواعد میں مذکور ہے اگر کوئی شخص نذر کرے کہ میں ایک حِین تک روزہ رکھوں گا تو چھ ماہ کے

روزے اس پر واجب ہوں گے۔ اور اسی آیت مجیدہ کی ذیلی احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ پس اسی طرح ایمان کی اصول مومن کے دل میں اس طرح ثابت ہوتی ہیں کہ کفر و الحاد کی تیز سے تیز تر آندھیاں اور دین سے باغی عناصر اور علمار سوء کی چکنی چپڑی باتیں غرضیکہ اہل باطل کے باطل پرور اور ایمان سوز نعرے اور ان کی بے انتہا دھاندلیوں اور بدتمیزیوں کے طوفان مومن کے دل میں جمے ہوئے اصول عقائد کو متزلزل نہیں کر سکتے پس اس کی شاخیں یعنی مقام عمل میں اس کا ثواب آسمان تک پہنچتا ہے اور وہ اس کی برکات و لذات سے ہر وقت بہرہ ور ہوتا رہتا ہے۔ احادیث آئمہ میں متواتر طور پر اس کی تاویل یہ بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضور رسالت مآبؐ نے فرمایا میں شجرۂ طیبہ کی اصل ہوں علی فرع ہے اور آئمہ اس کی شاخیں ہیں اور آئمہ کا علم اس کا پھل ہے اور شیعان آل محمدؐ اس کے پتے ہیں آخر میں آپ نے فرمایا۔ جب کوئی شیعہ پیدا ہوتا ہے تو اس درخت میں ایک نیا پتہ اُگ آتا ہے اور جب کوئی شیعہ مرتا ہے تو اُس کا ایک پتہ گر جاتا ہے۔

اسی طرح کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر کی مثال ہے زمین پر پڑی ہوئی وہ ردی بوٹیاں جن کی جڑیں نہیں ہوتیں وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک آسانی سے منتقل ہو جاتی ہیں اور ہواؤں کے معمولی جھونکے ان کو تہس نہس کر دیتے ہیں اور احادیث آئمہ میں متواتر منقول ہے کہ اس کی تاویل بنی امیہ میں ہے۔

عالم برزخ کا حال

وَيُثَبِّتُ اللّٰهُ یعنی مومنوں کو خدا قول ثابت پر یعنی کلمہ ایمان پر ثابت رکھتا ہے پس وہ دنیا میں بھی لغزش نہیں کرتا اور آخرت کی نعمات سے بھی ہم کنار ہوتا ہے چنانچہ تفاسیر میں بحوالہ کافی شریف سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ انسان کی موت کے وقت اس کے مال اولاد اور عمل کی صورتیں اس کے سامنے آتی ہیں پس مال سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میں نے بڑی محنت سے تجھے جمع کیا تھا اب تو میری کیا مدد کرے گا تو وہ جواب دے گا کہ مجھ سے صرف کفن ہی لے سکتا ہے اور بس۔ پھر اولاد کی طرف مخاطب ہوگا کہ میں نے زندگی بھر تمہاری خدمت کی اب تم میری کیا مدد کرو گے تو وہ جواب دیں گے کہ ہم قبر میں دفن کرکے واپس آجائیں گے۔ پھر عمل سے خطاب کرے گا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے لاپرواہ تھا اور تو مجھے اس وقت تاوان معلوم ہوتا تھا لیکن اب امداد کا محتاج ہوں کیا تو کچھ کر سکے گا تو جواب ملے گا کہ قبر و حشر اور دربار خداوندی میں تیرے ساتھ ہوں گا۔ پس اگر وہ مومن ہوگا تو بہت شائستہ اور خوبصورت منظر کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور اُس کو جنت کی بشارت دے گا۔ مومن پوچھے گا تو کون ہے؟ تو وہ جواب دے گا میں تیرا نیک عمل ہوں۔ وہ غسل دینے والے اور میت کو اٹھانے والوں کو پہچانتا ہے اور ان کو جلدی کی تلقین کرتا ہے۔ پس جب قبر میں پہنچتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں جن کے بال اور دانت زمین تک پہنچتے ہیں ان کی آواز رعد کی کڑک اور ان کی آنکھیں بجلی کی چمک پیدا کرتی ہیں اور بروایت عیاشی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ منکر و نکیر کر تک اس میں روح داخل

إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾

ان لوگوں کو جنہوں نے تبدیل کیا اللہ کی نعمت کو کفر سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا

یعنی دوزخ جس میں جلیں گے اور وہ بڑا ٹھکانا ہے اور انہوں نے بنائے اللہ کے شریک

لِّيُضِلُّوا عَن سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

تاکہ گمراہ کریں اس کے راستہ سے کہہ دو کہ فائدہ اٹھالو پس تحقیق تمہاری بازگشت جہنم ہے

قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

کہہ دو میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے کہ قائم کریں نماز کو اور خرچ کریں اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے

کرکے اس کو سیدھا بٹھائیں گے اور پوچھیں گے تیرا رب کون ہے؟ کہے گا کہ اللہ۔ وہ پوچھیں گے تیرا نبی کون ہے؟ جواب دے گا کہ محمد مصطفٰیؐ ہے اور پوچھیں گے تیرا دین کیا ہے؟ کہے گا کہ اسلام ہے۔ پھر پوچھیں گے کہ تیرا امام کون ہے؟ تو جواب دے گا کہ علی ہے پس ندا آئے گی کہ میرا بندہ سچ کہہ رہا ہے اس کو جنت کا بستر دے دو اور جنت کا لباس بھی پیش کرو اور اس کی قبر میں جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ پس پہلی ہدایت کی بنا پر وہ فرشتے اس کو کہیں گے غلا شجھے ثابت رکھے اور اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو قول ثابت پر دنیا و آخرت میں۔ پھر قبر میں نظر کی حد تک وُسعت دی جائے گی اور وہ اس کی قبر میں جنت کا دروازہ کھول دیں گے اور کہیں گے کہ آرام سے سو جا جس طرح بے فکر جوان سویا کرتے ہیں اور اگر وہ کافر ہوگا تو وہ عمل بُری شکل میں اس کے پیش ہوگا اور دوزخ کی بشارت دے گا اور قبر میں فرشتے اُس سے رب نبی اور دین کے متعلق پوچھیں گے تو وہ کہے گا مجھے کوئی پتہ نہیں ہے پس اس کے سر پر جہنم کا گُرز ماریں گے کہ تمام ذی روح سوائے جنوں اور انسانوں کے اس کی آواز سُن کر گھبرا جائیں گے پس اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھلے گا جہنم کا فرش اور جہنم کا لباس اس کو دیا جائے گا جہنم کے سانپ بچھو اس کو کاٹتے رہیں گے اور اس کا دماغ ناخنوں کے راستے سے پگھل کر باہر آئے گا اور تاقیام قیامت اسی میں گرفتار رہیگا۔ نعوذُ باللّٰہِ مِنْ عَذابِ الْقبرِ۔

رکوع نمبر ۱۷

اَلۡفُسۡتَرۡ۔ ان لوگوں کی مذمت ہے جنہوں نے نعمت پروردگار کے بدلہ میں بجائے شکر کے کفرانِ نعمت کیا۔ تفسیر برہان میں ہے بروایت اصبغ بن نباتہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ بندوں پر اللہ کی عطا کردہ نعمت ہم ہیں اور قیامت کے روز جو کامیاب ہوگا پس وہ ہماری وجہ سے ہی ہوگا۔

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ﴿۳۱﴾
چھپ کر بھی اور ظاہر بھی پہلے اس کے کہ آئے وہ دن جس میں نہ سودا بازی ہوگی اور نہ دوستانہ مراسم

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ
فائدہ دیں گے اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی پس پیدا کیا

بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي
اس کے ذریعہ سے پھلوں سے تمہارا رزق اور مطیع کیا تمہارے لئے کشتیوں کو کہ چلیں سمندر میں اس کے

الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ
اذن سے اور مطیع کیا تمہارے لئے دریاؤں کو اور مطیع کیا تمہارے لئے سورج اور چاند

وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَآتَاكُمْ مِنْ
کو عادت جاریہ کے ساتھ اور مطیع کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور تمہیں دیا ہر اس چیز

كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ
سے جو تم نے سوال کیا اس سے اور اگر گننے لگو اللہ کی نعمتوں کو تو شمار نہ کر سکو گے تحقیق

الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا
انسان بہت ظلم کرنے والا بے شکرا ہے اور جب کہا ابراہیم نے اے رب کر اس شہر کو امن والا

الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴿۳۵﴾
شہر اور بچا مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ عبادت کریں بتوں کی

وَيُنْفِقُوا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے مستحب صدقات خفیہ دیئے یا نوافل خفیہ ادا کئے جائیں تاکہ ریاکاری کی تہمت سے بچ جائے اور فرائض کو اعلانیہ ادا کیا جائے تاکہ تارکِ واجبات نہ سمجھا جائے۔

اللّٰهُ الَّذِي۔ خدا نے اپنی معرفت کے لئے پھر مسئلہ خلق کو دہرایا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا الخ۔ اور تمام چیزوں کے شمار کے بعد دیدہ دانستہ انکار کرنے والوں یا اور تاویل نکالنے والوں کو ظالم اور کفار کے لفظ سے یاد

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ

اے رب تحقیق انہوں نے گمراہ کیا بہتوں کو لوگوں سے پس جو میری اتباع کرے گا

مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾ رَبَّنَا اِنِّيْ

تو وہ مجھ سے ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو تو ہی بخشنے والا رحیم ہے اے رب تحقیق میں نے

اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

ٹھہرائی ہے اپنی اولاد ایک وادی غیر آباد میں تیرے عزت والے گھر کے پاس

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ

تاکہ قائم کریں نماز کو پس کر لوگوں کے دلوں کو کہ مائل ہوں ان کی

اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٧﴾

طرف اور ان کو رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ شکر گذار ہوں

فرمایا۔

وَاٰتٰىكُمْ۔ یعنی انسان جو جو چیزیں مانگتا ہے۔ مثلاً رزق۔ تندرستی۔ مال۔ گھر۔ دولت اور بیوی بچے وغیرہ اس نے یہ سب عطا فرمائی ہیں بلکہ اگر شمار کرنا چاہو تو اس کی نعمات حد و حساب سے باہر ہیں۔ غالباً مقصد یہ ہے کہ جو چیزیں مانگتے ہیں اس نے بے مانگے عطا فرمائی ہیں پس وہ لائق شکر ہے۔

رکوع نمبر ۱۸

رَبِّ اجْعَلْ۔ اس مقام پر بلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہو چکے تو یہ دعا مانگی۔ اس کی تفصیل تفسیر کی دوسری جلد صنا۲۱ پر مذکور ہے۔ وہاں بلداً نکرہ مستعمل ہے اور یہاں البلد الف ولام عہد خارجی سے معرفہ کیا گیا ہے کیونکہ نکرہ جب مکرر ذکر کیا جائے تو دوسری دفعہ اس پر الف ولام کا داخل کرنا قاعدہ عربی کا تقاضا ہے۔

وَاجْنُبْنِيْ۔ چونکہ آپ نے جب اولاد کے لئے امامت کی دعا کی تھی اور جواب ملا تھا کہ وہ ظالموں کو نہیں مل سکتی تو چونکہ شرک سب ظلموں سے بڑا ظلم ہے اس لئے اپنی اولاد کے لئے شرک سے بچنے کی دعا کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو اس میں شریک کرنے کا مقصد صرف ثابت قدمی کی توفیق طلب کرنا ہے جس طرح اِهْدِنَا میں ہدایت پر برقرار رہنے کی دعا مطلوب ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ ان بتوں نے بہت سوں کو گمراہ کر رکھا ہے مقصد یہ ہے

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ

اے رب تحقیق تو جانتا ہے جو ہم چھپائیں یا ظاہر کریں اور نہیں مخفی رہتی اللہ پر کوئی چیز

فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (۳۸) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ

زمین میں نہ آسمان میں حمد ہے اس اللہ کی جس نے بخشا مجھے بڑھاپے میں

اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ (۳۹) رَبِّ اجْعَلْنِیْ

اسمٰعیل اور اسحٰق تحقیق میرا رب دعا کا سننے والا ہے اے رب کر مجھے ادا

مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (۴۰) رَبَّنَا

کرنے والا نماز کا اور میری اولاد میں سے اے رب تو قبول کر دعا کو اے رب

کہ ان کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں پس نسبت مجازی ہے جس طرح خدایا قرآن کی طرف یہ نسبت مجازہوا کرتی ہے۔

اَسْكَنْتُ۔ اسمٰعیل اور اس کی والدہ ہاجرہ کو مکہ کی زمین میں ٹھہرانے کا قصہ تفسیر کی دوسری جلد ص۲۱۳ پر گذرا ہے۔

بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا مانگی اس وقت یہ گھر نہ بنا تھا بلکہ جب اسمٰعیل جوان ہوئے تو کعبہ کی تعمیر کی گئی۔ پس مقصد یہ ہے کہ تیرے بننے والے گھر کے قریب میں اپنی ذریت کو چھوڑ کر جا رہا ہوں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ بات معلوم تھی کہ یہاں بیت اللہ بنا ہے یا یہ کہ بیت اللہ پہلے موجود تھا پس طسم وجدیس کے قبیلوں نے منہدم کر دیا تھا یا یہ کہ طوفان نوح کے زمانہ میں اوپر اٹھا لیا گیا تھا پس یہاں گھر سے مراد ہے گھر کا مقام وقوع۔ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً۔ لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے کی دعا اس لئے کی تاکہ ان کی روزی کشادہ ہو ورنہ اگر لوگوں کے دل حج وعمرہ کی غرض سے یا تجارت کی نیت سے اس طرف مائل نہ ہوں تو وہاں کے لوگوں کے لئے زندگی مشکل ہو جائے۔ مِنَ النَّاسِ۔ پر من تبعیضیہ لگا دیا۔ پس دعا کو مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا ورنہ یہود و نصاریٰ ومجوس کی کثرت سے مکہ میں جگہ تنگ ہو جاتی اور حضرت ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہے کہ ہر موسم میں مکہ میں ہر ملک کا تازہ پھل موجود ہوتا ہے۔

عَلَی الْكِبَرِ۔ بڑھاپے کے زمانہ میں آپ کو اولاد عطا ہوئی۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے جب آپ کی عمر

اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾

مجھے بخش اور میرے والدین کو بخش اور مومنوں کو جس دن قائم ہو حساب

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُ

اور نہ سمجھو خدا کو غافل اس سے جو ظالم کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں ان کو

هُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي

مہلت دیتا ہے اس دن کے لئے جس دن ٹکٹکی باندھیں گی آنکھیں جلدی کرنے والے ہوں گے سروں کو

رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿٤٣﴾

اوپر بلند کرنیوالے ہوں گے کہ ان کی نظر (ہول محشر سے) واپس نہ پلٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے

وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا

اور ڈراؤ لوگوں کو جس دن آئے گا ان پر عذاب تو کہیں گے وہ جو ظالم ہیں

رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ

اے پروردگار ہمیں مہلت دے ایک وقت قریب تک ہم تیری بات مانیں گے اور رسولوں

الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ﴿٤٤﴾

کی اطاعت کرینگے (تو جواب ملے گا) کیا تم قسم نہیں کھائی تھی پہلے (دنیا میں) کہ تمہارا یہاں سے جانا نہ ہوگا

۹۹ برس تھی تو حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے اور جب آپ کی عمر ۱۱۲ برس تھی تو حضرت اسحٰق پیدا ہوئے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل حضرت اسحٰق سے سن و سال میں ۱۳ برس بزرگ تھے اور بعض روایات میں حضرت اسحٰق کا بڑا ہونا بھی مذکور ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کا ایک تیسرا لڑکا بھی بعض کتب میں منقول ہے جس کا نام مدین تھا۔

مروی ہے کہ جب آپ نے دعا مانگی کہ لوگوں کے دلوں کو میری اولاد کی جانب سکونت کی طرف پھیر دے تو حکم ہوا کہ کوہ ابوقبیس پر چڑھ کر لوگوں کو دعوت دو۔ چنانچہ آپ نے کوہ ابوقبیس پر کھڑے ہو کر حج بیت اللہ

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ

اور مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ان لوگوں کے گھروں میں جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور تم کو معلوم تھا کہ ہم نے

كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا

ان کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ہم نے تم کو ان کی مثالیں دی تھیں اور تحقیق مکر کیا

مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ

انہوں نے بڑا مکر اور اللہ کے پاس محفوظ ہے ان کا مکر اور اگرچہ مکر ان کا ایسا ہو کہ اس کے ذریعہ

مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ

پہاڑ متزلزل ہو جائیں پس نہ خیال کرو اللہ کو کہ خلاف کریگا اپنے اس وعدہ کا جو اس نے رسولوں سے کیا تحقیق

اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ

اللہ غالب انتقام لینے والا ہے جس دن بدلی جائے گی زمین علاوہ اس زمین کے اور

وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

آسمان بھی اور سب لوگ نکلیں گے اللہ کے سامنے جو واحد قہار ہے اور دیکھو گے مجرم لوگوں کو

يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ

اس دن بندھا ہوا زنجیروں میں ان پر قمیصیں تارکول کی ہوں گی اور

وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا

ڈھانپے گی ان کے چہروں کو آگ تاکہ جزا دے اللہ ہر نفس کو جو اس نے کمایا

کی طرف لوگوں کو بلایا اور بقدرت خدا مشرق و مغرب تک آپ کی آواز پہنچی حتیٰ کہ قیامت تک ہونے والوں میں سے
جن جن لوگوں کے ارواح نے آپ کی آواز پر لبیک کہی وہی حج پر موفق ہوتا ہے۔ (برہان)
رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ۔ آپ نے اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے نمازی ہونے کی دعا کی۔ بروایت امام محمد باقر علیہ السلام

كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ

تحقیق اللہ جلد حساب لینے والا ہے یہ قرآن اتمام حجت ہے لوگوں کے

وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ

لیئے اور تاکہ اس کے ذریعے سے ڈر جائیں اور جان لیں کہ صرف اللہ ایک ہی ہے اور

لِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۹

تاکہ نصیحت حاصل کریں دانش مند

نے فرمایا ہم ہی حضرت ابراہیم کی ذریت کا بقیہ ہیں۔

تفسیر برہان میں اختصاص مفید سے مروی ہے کہ بنی اُمیہ میں سے ایک شخص جس کا نام سعد تھا عبدالعزیز بن مروان کی اولاد میں سے تھا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس کو سعد الخیر کے نام سے یاد فرماتے تھے۔ ایک دن وہ روتا ہوا آیا آپ نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ اس نے عرض کی میں اس لیے روتا ہوں کہ میں قرآن میں مذکورہ شجرۂ ملعونہ کا فرد ہوں تو آپ نے فرمایا نہیں نہیں تو ہم میں سے ہے اگرچہ نسل کے لحاظ سے اموی ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیم کی دُعا میں ہے کہ جو میری اطاعت کرے گا وہ مجھ سے ہو گا۔

وَلِوَالِدَيَّ ص۱۶۰ ۔ حضرت ابراہیم کا والدین کی بخشش کے لیے دُعا کرنا ان کے مومن ہونے کی دلیل ہے کیونکہ مشرک کی بخشش کی دعا بالکل عبث ہے۔

رکوع نمبر ۱۹ ہول محشر

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ ص۱۶۰ ۔ یعنی محشر کے ہول وہیبت کی وجہ سے لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور بلانے والے کی آواز کی طرف جلدی سے دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ (مُهْطِعِيْنَ کا معنی تیزی کرنے والے) اور ان کے سر بلند ہوں گے آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوں گی۔ نیچے دیکھنے کی ہمت تک نہ ہو گی (اقناع کا معنی بلند کرنا ہے) اور تحیر و رعب کی وجہ سے آنکھیں بند ہونا تو درکنار جھپکائی بھی نہ جا سکیں گی اور ان کے دل ہر محبت تعلق اور رشتہ کی طرف سے بالکل خالی ہوں گے جس طرح آسمان و زمین کے درمیان ہوا کی حالت ہے بس جنت و جہنم کا تصور تک ان کے دل سے اڑ جائے گا صرف ہیبت و رعب ہی کا منظر ہو گا۔

فَيَقُوْلُ ص۱۶۰ ۔ عذاب کا منظر دیکھ کر ظالم کہیں گے۔ ایک مرتبہ ہمیں واپس دنیا میں جانے کی مہلت دی جائے تو ہم اللہ کی دعوت کو قبول کریں گے لیکن ان کی اس درخواست کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

عِنْدَ اللّٰہِ ۱۶۱ یعنی اللہ کے پاس ان کے مکر و فریب کی خبر محفوظ ہے کہ وہ ان کو دیگا۔

وَاِنْ کَانَ۔ ان کو وصلیہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہے کہ اگر ان کے مکر و فریب اسقدر مضبوط تھے کہ ان سے پہاڑ ہل جاتے لیکن قرآن و اسلام کی بنیاد بن دلیل و برہان کے لحاظ سے اس قدر پختہ ہیں کہ ان کو متزلزل کرنا مشکل تر ہے اور اگر اس کو شرطیہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہے کہ اگر ان کا مکر پہاڑ کو ہلادے تب بھی قواعد اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتا کیوں کہ دلیل و برہان کی رو سے اس کی بنیاد پہاڑوں سے مضبوط تر ہے لیکن ان کا مکر تو پہاڑوں کو گرانے سے بھی قاصر ہے پس وہ اسلام کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟

ہر دور میں مکار و فریب کار لوگ دین والوں سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ چنانچہ اپنے زمانہ میں نمرود نے توحید کو باطل کرنے اور عوام الناس کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا کہ ایک غبارہ نما صندوق بنایا۔ اور لمبی لمبی لکڑیاں اس کے ساتھ باندھ کر اوپر گوشت باندھ دیا اور پھر اس غبارہ نما صندوق میں خود اپنے وزیر کے ساتھ بیٹھ گیا اور گدیں پکڑوا کر ان کے پاؤں کے ساتھ صندوق کو باندھ دیا اس انداز سے کہ وہ اڑ کر گوشت تک نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ جب انہوں نے گوشت کو دیکھا تو اس کی طرف پرواز کی۔ پس وہ صندوق بھی بلند ہوگیا اور گوشت جو اوپر بندھا ہوا تھا وہ اور اوپر کو بلند ہوگیا۔ بس جونہی وہ گدیں اوپر پرواز کرتی تھیں صندوق اٹھتا جاتا تھا اور اس کے ساتھ گوشت بھی بلند سے بلند ہوتا جاتا تھا۔ چنانچہ کافی وقت گذر جانے کے بعد نمرود سمجھا کہ اب آسمان تک پہنچ گیا ہوں اوپر کا دروازہ کھولا تو آسمان اتنا دور نظر آیا جس قدر زمین سے نظر آتا تھا پھر زمین کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ نظر سے غائب تھی۔ پس اوپر جانے سے حوصلہ پست ہوگیا گدوں کو آزاد کردیا اور صندوق زمین پر آن پہنچا۔

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ ۱۶۱ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام زین العابدین سے منقول ہے کہ اس زمین کے علاوہ دوسری زمین لائی جائے گی جس پر کوئی گناہ واقع نہ ہوگا اور وہ بالکل صاف وہموار ہوگی نہ اس پر پہاڑ ہوں گے اور نباتات کا نشان ہوگا۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس کے ٹیلے گھاٹیاں اور پہاڑ وجھاڑیاں سب ختم کی جائیں گی اور چاندی کی طرح سفید زمین ہوگی۔ جس پر نہ خون ریزی کی گئی ہوگی اور نہ کوئی گناہ اس پر واقع ہوگا۔ اور آسمان کی تبدیلی اس طرح ہوگی کہ سورج چاند اور ستاروں سے بالکل خالی ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ آسمان کی جگہ ایک دوسرا آسمان لایا جائے گا۔ بہر کیف موجودہ صورت سے وہ صورت حال الگ ہوگی خواہ اس کی کیفیت جو بھی ہو۔ اور لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے حساب وکتاب کے لئے اپنے پروردگار کے پیش ہوں گے۔ مجرمین زنجیروں میں اپنے اپنے شیطانوں کے ساتھ محشور ہوں گے۔ چنانچہ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ کا یہی معنی بعضوں نے کیا ہے۔

سَرَابِيْلُهُمْ ۱۶۱ یعنی سزا کے طور پر ان کے جسم پر تارکول لگایا جائے گا جو بحیثیت قمیص کے ہوجائیگا تاکہ آگ کو جلدی قبول کرے۔ بعض کہتے ہیں وہ پگھلا ہوا تانبہ یا پیتل ہوگا لیکن ان کے منہ پر قطران نہ ہوگا اور

ان کو جلانے کے لئے خود آگ براہ راست پہنچے گی۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو لوگ خوشنودی خدا کے لیے ایکدوسرے سے محبت رکھیں گے وہ ہول محشر کے وقت یمین عرش میں عرش کے سایہ میں زبرجد کی زمین پر ہوں گے۔ نیز اسی کتاب میں آپ سے مروی ہے کہ اسی زمین پر جب سے یہ پیدا ہوئی ہے اولاد آدم سے قبل سات عالم گذر چکے ہیں جو ذرّیت آدم نہ تھے پس وہ یکے بعد دیگرے اسی زمین پر رہے۔ پھر آدم آیا اور اس کی ذرّیت سے زمین آباد ہوئی اور جب سے جنت پیدا ہوئی وہ مومنوں کے ارواح سے خالی نہیں ہوئی اور جب سے دوزخ پیدا ہوا وہ بھی ارواح کافرین سے خالی نہیں ہوا۔ تو تم کیا سمجھے کہ اہل جنت کے جنت میں جانے کے بعد اور اہل دوزخ کے دوزخ میں جانے کے بعد زمین خدا میں اس کی عبادت کرنیوالا اور اس کی توحید کا پرستار اور اس کی عظمت کا ذاکر کوئی نہ ہو گا۔ ایسا نہیں بلکہ وہ نر مادہ کے بغیر ایک مخلوق پیدا کرے گا جو اس کی توحید و تمجید بیان کرینگے اور ان کی رہائش کے لئے زمین بھی ہو گی اور آسمان بھی ان پر سایہ فگن ہو گا اسی لئے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اس زمین کے علاوہ کوئی دوسری زمین اور اس آسمان کے علاوہ کوئی دوسرا آسمان لایا جائے گا۔

سُورَۂ حِجر

آیت نمبر ۸۸ کے علاوہ سب سورہ مکیہ ہے۔ اور سورہ یوسف بعد اترا ہے۔ اس کی کل آیات ۹۹ ہیں۔ بسم اللہ کو ملا کر آیات کی تعداد ایک سو بنتی ہے۔

تفسیر برہان میں کتاب خواص القرآن سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا جو اس سورہ کی تلاوت کرے۔ مہاجرین و انصار کے برابر اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو شخص زعفران سے لکھ کر تھوڑے دودھ والی عورت کو پلائے تو اس کا دودھ بڑھ جائے گا۔ اگر بازو کے ساتھ باندھ کر خرید و فروخت کرے تو اس کے ساتھ خرید و فروخت اچھی رہے گی۔ اور لوگ اس سے معاملہ کرنا پسند کریں گے اور جب تک اس کے پاس رہے گا رزق میں وسعت ہو گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زعفران سے لکھ کر تھوڑے دودھ والی عورت کو پلایا جائے تو اس کا دودھ بڑھ جائے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے خزانہ میں رکھے یا اپنی جیب میں ڈالے اور اس کے ساتھ سفر کرے تو اس کا کسب ترقی کرے گا اور کوئی شخص اس سے معاملہ کرنے میں گریز نہ کریگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓرٰ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱﴾

الٓرٰ یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیتیں ہیں

وَقُرۡاٰنٍ۔ کتاب سے کلامِ مکتوب اور قرآن سے کلام ملفوظ مراد ہے اور اسی معنوی اختلاف کی وجہ سے عطف مستحسن ہے اگرچہ عطف کے جواز کے لئے صرف اختلاف لفظی بھی کافی ہوا کرتا ہے۔

مزید توضیح خداوندکریم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے بیانِ قرآنی کو ایسا سہل اور قابلِ قبول انداز سے پیش فرمایا کہ ہر طبقہ کا انسان جہاں اس کے طرزِ بیان سے لطف اندوز ہوتا ہے وہاں اس کے اسلوبِ استدلال اور طریق افہام سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ قرآن کی صفت مبین یا دوسری جگہ کتاب کی صفت مبین قرآن مجید کی اسی معنوی خوبی کے اظہار کے لئے ہے۔ اور قرآنی مضامین کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس کے جملہ استدلالات و براہین جس اہم مقصد کے گرد گردش کرتے ہیں وہ محور و مرکز نظریہ توحید ہے اور عقائدِ اسلامیہ کی جس فرد کو لیا جائے اس کا منتہا نظریۂ توحید ہی ملتا ہے چنانچہ ارسال رسل اور انزال کتب اسی مقدس نظریہ کی تبلیغ و ترویج کے لئے ہی ہے۔ کیونکہ انسانی معاشرہ کی جملہ خرابیاں عقیدۂ توحید سے انحراف کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں انسانی وقار کے ساتھ کھیلنے والے اور ناموسِ انسانیت کو تباہ کرنے والے عیاش طبع جابر و ظالم انسان سب سے پہلے نظریہ توحید سے ہی اُلجھتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں سے اولیاء اللہ یا انبیاء کے حق میں یا شیعوں میں سے بعض محمد و آل محمد کے حق میں غلو و تفویض کا عقیدہ رکھنے والے اگر قرآنی بیانات کا مطالعہ کریں تو ان کے لئے راہِ اعتدال پر آنا مشکل نہیں

شیخی فرقہ اگرچہ ہم نے شیخ احمد احسائی کے معتقدات کا اس کی کسی تصنیف سے جائزہ نہیں لیا۔ تاہم علماءِ نجف و قم کی اس سے برائت صاف ظاہر کرتی ہے کہ اس کے بعض عقائد شیعی نقطۂ نظر سے عقیدۂ توحید سے متصادم تھے جن کی وجہ سے بنا برمشہور ان پر کفر کا فتویٰ عائد کیا گیا۔ اور اس وقت تک اس کی جماعت کا نجف اور قم جیسے شیعی مراکز سے دُور رہ کر کویت یا کرمان کو اپنا مرکز بنانا اور مشاہیر شیعہ علمائے اعلام سے ان کا مکمل بائیکاٹ و علیحدگی بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ ان کے بعض عقائد غیر معمولی طور پر شیعی صحیح معتقدات سے ٹکراتے ہیں جن کی بنا پر وہ ایک الگ جماعت کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہرکیف توحید کے متعلق شیعی عقیدہ بالکل واضح ہے کہ ہم نہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اللہ کا شریک جانتے ہیں اور نہ ان کے حق میں تفویض کے قائل ہیں پس ہر وہ عقیدہ جس سے محمد و آل محمدؐ

علیہم السلام کے حق میں غلو و تفویض لازم آتی ہو ہمارے نزدیک باطل اور کفر ہے اور اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے یقیناً کافر ہیں اور ہماری کتابیں اس قسم کے بیانات سے مملو ہیں۔ پس جو شخص محمدؐ و آلِ محمدؐ کی شان میں گستاخی کرے اور انکو گھٹائے یا ایسا عقیدہ رکھے جس سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی توہین یا ان کے حق میں گستاخی لازم آئے وہ مقصرّ و ناصبی ہے اور جو ان کے حق میں غلو و تفویض کا قائل ہو یا ایسا عقیدہ رکھے جس سے غلو و تفویض لازم آئے وہ غالی و مفوضہ ہے اور علمائے حقہ اثنا عشریہ کے نزدیک ناصبی و غالی دونوں کافر ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے صاف طور پر منقول ہے کہ میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہونگے ایک محب غالی یعنی وہ شخص جو محبت کی وجہ سے غلو کا قائل ہو جائے اور دوسرا مبغض قال یعنی وہ شخص جو بغض کی وجہ سے ہمارے ساتھ دشمنی رکھے۔

حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کی اوّل مخلوق ہیں اور اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ کا فرمان نبوی اس پر صریح گواہ ہے اور یہی نور مقدس خطاب ایزدی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کا مصداق ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ سب سے پہلے خداوند کریم نے نور محمدیؐ کو خلق فرمایا۔ اور اسی کو مقصد تخلیق کائنات قرار دیا۔ لیکن جس طرح وہ اس نور کا خالق ہے۔ اسی طرح اس نور کی خاطر تمام پیدا ہونے والی مخلوق کا خالق بھی خود ہے اور جس طرح وہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کا رازق ہے اسی طرح باقی تمام مخلوق کا رازق بھی وہی ہے نیز وہ باقی تمام مخلوق کے پیدا کرنے میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کا محتاج نہیں جس طرح کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے پیدا کرنے میں کسی اور کا محتاج نہیں تھا۔ البتہ اس نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اپنے اور باقی مخلوق کے درمیان وسیلہ قرار دیا کہ باقی تمام مخلوق خواہ نبی ہوں یا رسول، ملک ہوں یا روح، جن ہوں یا بشر، خاکی ہوں یا نوری اور علوی ہوں یا سفلی ان کی ولا کے بغیر نہ کسی خدائی عہدہ پر فائز ہو سکے اور نہ کسی شرف سے مشرف ہو سکے اور نہ بروز قیامت ان کے بغیر منازل قرب خداوندی پر فائز ہو سکیں گے کیونکہ حضرت علی قسیم الجنۃ والنار ہیں اور حسنین شریفین تمام جوانانِ جنت کے سردار ہیں خواہ اوّلین سے ہوں یا آخرین سے ہوں۔ اور ہم نے شیعی معتقدات پر اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ تفسیر انوار النجف کی مجلدات۔ لمعۃ الانوار۔ اسلامی سیاست اور امامت و ملوکیت کے اوراق اس کے گواہ ہیں۔

پارہ ۱۴

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٢﴾ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا

بعض اوقات دوست رکھتے ہیں کافر کہ کاش مسلمان ہوتے ان کو چھوڑ دیجئے کھائیں

وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٣﴾ وَمَا

اور نفع اٹھائیں اور ان کو غافل کریں اُمیدیں پس عنقریب جان لیں گے اور ہم نے

رکوع نمبر ۱

رُبَمَا. اہل مدینہ اور عاصم نے اس کو اسی طرح پڑھا ہے لیکن باقی قاریوں نے رُبَّمَا یعنی شد کے ساتھ پڑھا ہے. نحویوں کے قانون کی رُو سے رُبَّ کے بعد آنے والا مَا دو طرح کا ہوتا ہے (۱) نکرہ اور یہ شی کے معنی میں ہوتا ہے یعنی رُبَّ شیٌ اور آیت مجیدہ میں رُبَّ وُدٍّ یَوَدُّہٗ کی تاویل میں ہوگا (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مَا کافہ ہوگا جو اپنے مدخول کو اپنے عمل سے روک دینے کے علاوہ اور کوئی معنی واثر نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے کہ فعل پر داخل ہو رہا ہے ورنہ اس کو اسم پر داخل ہو کر اسے جر دینی چاہیئے تھی. اور حق تو یہ ہے کہ اس کے بعد والا فعل ماضی ہو لیکن یَوَدُّ چونکہ حکایتِ حال ماضی کے لئے ہے اگرچہ وہ مستقبل میں ہی ہوگا اس لئے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور رُبَّ کو تخفیف کے ساتھ یعنی شدّ کے بغیر پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ عربی میں اکثر مضاعف (مشدّد) حروف میں کسی قانون کے بغیر بھی تخفیف ہو جایا کرتی ہے جس طرح حروف مشبہ بالفعل کی مثال سے واضح ہے. اَنَّ. اِنَّ. عَنَّ وغیرہ. اور یہ بھی اسی قسم سے ہے مقصد یہ ہے کہ جب کفار موت کی سختی دیکھیں گے یا بروز محشر جنت و نار کی تقسیم کا مرحلہ پیش آئے گا. پس اپنی گرفتاری اور اہل اسلام پر نعماتِ خداوندی کی ملاحظہ کریں گے تو خواہش کریں گے کہ کاش! ہم مسلمان ہوتے. اور تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت سے مروی ہے جب دوزخی دوزخ میں پہنچیں گے اور ان میں بعض گنہ گار مسلمان بھی شامل ہوں گے تو کافر لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہم تو کافر تھے لیکن تم بتاؤ تم کو اسلام نے کیا فائدہ دیا تو مسلمان

أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ④ مَا

نہیں ہلاک کیا کسی بستی کو مگر یہ کہ ان کے لئے وقت مقرر تھا نہیں

تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ⑤ وَقَالُوا يَا

سبقت کرتی کوئی اُمت اپنی مقررہ مدت سے اور نہ پیچھے ہوتی ہے اور کہنے لگے اے وہ جس

أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ⑥

پر قرآن نازل کیا گیا تُو تو دیوانہ ہے

لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ⑦ مَا

کیوں نہیں لاتے تم فرشتوں کو اگر تم سچے ہو ہم

نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ⑧

نہیں اتارتے فرشتے مگر حق کے ساتھ اور وہ اس وقت مہلت نہ دئے جائیں گے

جواب دیں گے کہ یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے پس رحمتِ پروردگار کا سمندر جوش میں آئے گا اور مسلمانوں کی آزادیٔ جہنم کا حکم صادر ہوگا تو اس وقت کفار حسرت بھری آواز سے کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ اس مقام پر مسلمان سے وہ لوگ مراد ہیں جو پیغمبرؐ کی اُمت کے تہتّر فرقوں میں سے ایک ناجی فرقے سے تعلق رکھنے والے ہوں گے ورنہ جن لوگوں نے رسولؐ کے بعد رسولؐ کی وصیت پر عمل نہ کیا اور ظاہری اسلام کا لباس پہن کر اسلام کے درخت کو کاٹنے کے درپے رہے پس قرآن کی بے حرمتی کی اور عترتِ پیغمبرؐ کی ناقدری کر کے انہیں اپنے مقام سے ہٹا کر اقتدار ناپائیدار کے متوالے ہوئے وہ بروز محشر کافروں اور ظالموں کے زمرے میں حسرت کرنے والے ہوں گے اور رسُولؐ کی تعلیمات کو اپنا کر جنہوں نے آلِ رسولؐ کی پیروی کی وہ اپنے آقاؤں کی غلامی میں سرشار ہوں گے اور ان میں سے جن گنہ گاروں کو جہنم میں بھیجا جائے گا وہ آلِ اطہار کی شفاعت کی بدولت عذاب سے نجات پا کر دشمنوں کی حسرت میں اضافہ کا موجب ہونگے۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا الخ ۔ یہ کفار کو تنبیہ ہے کہ بے شک اس فانی دنیا کی فانی لذّات سے چندروزہ دل بہلالیں، کھا پی لیں اور طول اُمید میں اپنے آپ کو کھوتے رہیں آخر وہ اپنی سرکشیوں اور کفریہ کارستانیوں کا انجام ضرور دیکھیں گے۔

تفسیر صافی میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا مجھے تم لوگوں پر دو چیزوں کا خطرہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

تحقیق ہم نے ہی اتارا قرآن کو اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور تحقیق ہم نے رسول

مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٠﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ

بھیجے تجھ سے پہلے پہلی جماعتوں میں اور نہیں آتا ان کے پاس

ہے ایک خواہش کی اتباع اور دوسری طول اُمید۔ کیونکہ اتباعِ خواہش حق سے روکتی ہے اور طول امید آخرت سے غافل کر دیتی ہے اور بروایت امام محمد باقر علیہ السلام حدیث نبوی میں ہے کہ انسان کا ساتھ جب اللہ کی دوستی اور نیک بختی دیتی ہے۔ تو موت کی یاد آنکھوں کے سامنے اور لمبی امیدیں پشت کے پیچھے ہو جاتی ہیں لیکن جب شیطان کی محبت اور شقاوت گھیرے تو لمبی امیدیں سامنے اور موت کی یاد پشت کے پیچھے ہو جایا کرتی ہے

كِتَابٌ مَعْلُومٌ ص۱۹۵۔ یعنی اللہ کے علم میں جس قوم کی ہلاکت یا عذاب کا جو وقت مقرر ہو گا اس سے مقدم یا موخر نہ ہو سکے گا گویا جلدی گرفتار نہ ہونا تم کو دھوکا نہ دے بلکہ اس مہلت کو غنیمت سمجھ کر اعمالِ بد سے توبہ اور آئندہ کی اصلاح کی کوشش کرو ورنہ وقت آجانے پر حسرت اور ندامت کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔ پس یہ "تاخیر اس کی مصلحت ومشیّت کے ماتحت ہی ہے۔

يَسْتَأْخِرُونَ ص۱۹۵۔ باب استفعال ہے لیکن یتاخرون کے معنی میں ہے۔

بالحق۔ اس مقام پر حق کا معنی حکمت ومصلحت یا موت لیا گیا ہے۔

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ۔ آیت مجیدہ قرآن کی تحریف کے قائلین کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے۔

مسئلہ تحریف قرآن آیت مجیدہ کی تفسیر میں علمائے اسلام کے چار اقوال ہیں۔ (۱) قتادہ اور ابن عباس کا قول ہے کہ کمی بیشی تحریف اور تغیر سے حفاظت کا خدا نے ذمہ لیا ہے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔ یعنی اس کے سامنے اور پیچھے سے باطل اس کے پاس نہیں آسکتا۔ مقصد یہ کہ باطل کے ہاتھ ردّوبدل یا زیادتی وکمی کے لیے اس کی طرف نہیں بڑھ سکتے (۲) حسن کا قول ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اس کی موجودہ صورت کی حفاظت کا ہمیشہ کے لئے ضامن ہے کہ نسل بہ نسل اُمّت اس کو نقل کرے گی اور سینہ بہ سینہ اس پر ایمان دل کی گہرائیوں میں اُترتا رہے گا اور قیامت تک ہر زمانہ میں لوگ اس کی حفظ کا عصر بہ عصر اہتمام کرتے چلے جائیں گے تاکہ حجّت قائم رہے (۳) جبائی سے منقول ہے کہ خدا اس کو مشرکوں کے شر سے محفوظ رکھے گا پس وہ اس کو مٹانے دبانے اور بھلانے پر قادر نہ ہو سکیں گے (۴) فرّا سے مروی ہے کہ لَهُ میں ضمیر غائب کا مرجع حضرت رسالت مآبؐ ہے اور معنی یہ ہے کہ قرآن

کو ہم نے نازل کیا ہے اور حضرت رسالت مآبؐ کی حفاظت کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ آخری قول کے علاوہ باقی تمام اقوال قرآن مجید سے تحریف کی نفی کرتے ہیں۔ اور شیعہ عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید باطل پرستوں کے تصرفات سے ہر دور میں محفوظ رہا ہے اور کسی زمانہ میں تحریف و تصحیف کا ہاتھ اسے نہیں چھو سکا۔ اور نہ قیامت تک اسے چھو سکے گا۔ پس جو لوگ قوم شیعہ کی طرف قرآن کی تحریف کی نسبت دیتے ہیں وہ کذاب و مفتری ہیں ان کی یہ نسبت جاہل عوام کی نظروں میں قوم شیعہ کو بدنام کرنے کا حربہ ہے اصل بات یہ ہے کہ چونکہ قوم شیعہ جناب رسالت مآبؐ کی آخری وصیت (جس میں ثقلین یعنی کتاب و اہل بیت سے تمسک کرنے کا تاکیدی حکم تھا) کے سختی سے پابند ہیں چنانچہ وہ اس حدیث کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو نظر انداز کرنے میں تامل نہیں کرتے نہ اس بارے میں ان کو وقتی تشدد اپنے سامنے جھکا سکتا ہے اور نہ وہ کرسیٔ اقتدار سے مرعوب ہو سکتے ہیں حتیٰ کہ ان کے سر کٹ سکتے ہیں لیکن قدم صراط مستقیم سے نہیں ہٹ سکتے۔ پس پیغمبرؐ کی وفات کے بعد جن لوگوں نے اقتدار کو مذہب بنا لیا اور اس کی خاطر صرف قرآن مجید کو کافی کہہ کر عترت پیغمبر کو نظر انداز کر دیا انہوں نے جہاں تعلیمات اسلامیہ کو بالعموم اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنے کی ناپاک کوشش کی وہاں بالخصوص قوم شیعہ کو نیست و نابود کرنے کے ہزاروں منصوبے تیار کیے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہزاروں ہتھکنڈے استعمال کئے چنانچہ اسی نظریے کے ماتحت پورے ساٹھ سال تک یعنی سنہ ۴۰ھ سے سنہ ۱۰۰ھ تک حضرت علی اور اولاد علی کو سب و شتم کا نشانہ بنایا گیا اولاد رسول کو ہر قسم کے مظالم کا ہدف بنایا گیا اور شیعان علی سے اس سلسلہ میں بڑی سے بڑی قربانی لی گئی جس کو ہر دور کے شیعوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ پس انجام کار ظالم ظلم سے تھک گئے لیکن مظلوم مصائب و آلام کی چکیوں میں پسنے کے بعد بھی نہ گھبرائے پس ظلم کا ہتھوڑا ٹوٹا تشدد کا ہاتھ شل ہوا اور اقتدار کا شکنجہ ڈھیلا ہوا لیکن حق والوں نے جل جل کر مر مر کر اور پس پس کر بھی حق کا دامن نہ چھوڑا جس کے نتیجہ میں حق کا بول اور دشمن کا منہ کالا رہا پس زمانے کی ہوا کے ساتھ ساتھ قوم شیعہ کو بدنام کرنے کے نت نئے حربے اور جدید ہتھکنڈے استعمال کئے گئے جن کو قوم شیعہ کی مذہبی صداقت اور ایمانی استقلال نے کبھی پنپنے کا موقعہ نہ دیا۔ چنانچہ ہر میدان مقابلہ و مناظرہ میں مذہب شیعہ کی صداقت کا لوہا منوایا جاتا رہا۔ پس قرآن مجید میں تحریف کی شیعوں کی طرف نسبت اہل باطل کے ان اوچھے ہتھیاروں میں سے ہے جو حق کے مقابلہ میں جواب نہ بن آنے پر جھوٹا فریق استعمال کیا کرتا ہے۔

بے شک شیعہ قرآن کو اللہ کی سچی کتاب بلکہ تمام کتب سماویہ سے افضل اور ان کی ناسخ مانتے ہیں اور اسی کتاب کو آخری آسمانی کتاب جانتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت علی سے لے کر حضرت مہدی آخر الزمان تک بارہ اماموں کو اس کتاب کا صحیح مفسر مانتے ہیں اور شیعہ قرآن مجید کی اس تفسیر کو قبول کرتے ہیں جو آئمہ اہل بیت سے منقول ہو چونکہ آل محمدؐ کے علاوہ کوئی بھی علوم قرآنیہ میں ان کے ہم پلہ نہیں ہے خواہ اس کی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ لہذا شیعہ

رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۱﴾ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي

کوئی رسول مگر یہ کہ وہ اس کے ساتھ مسخری کرتے تھے اسی طرح ہم چلاتے ہیں اس (انکار) کو

قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ

مجرموں کے دلوں میں حالانکہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور تحقیق گذر چکی سیرت پہلے

الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ

لوگوں کی اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان کا پس وہ اس میں سے اوپر

يَعْرُجُونَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ

چڑھ جائیں کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو بے حس کر دیا گیا ہے بلکہ ہم لوگوں

قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَّ

پر جادو کر دیا گیا ہے اور تحقیق ہم نے بنائے آسمان میں (بارہ) برج اور ان کو مزین کیا

قوم کے نزدیک قرآنی علوم کے متعلق کسی کے قول کی کوئی وقعت نہیں۔ جب آل محمد سے نہ لیا گیا ہو۔

اکثریتی اسلامی جماعت چونکہ صرف قرآن مجید کو ہی کافی سمجھنے لگی تھی اور پہلے دن سے ہی انہوں نے اس نظریہ کا اعلان کر دیا تھا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ لہٰذا ہر دور میں ان کے مفسروں نے قرآن کی من مانی تفسیریں کیں اور حسب استطاعت آئمہ اہل بیت سے جاہل عوام کو متنفر کرنے کے لئے ہر گندا کیچڑ ان پر اچھالنے کی سازشیں بلکہ کوششیں کیں اگرچہ تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ ہر زمانہ میں قرآن کی باریکیوں اور مسائل مشکلہ کی پیش آمدہ گرہوں کو جب درباری علماء و فضلاء کے ناخن تدبیر نہ کھول سکے تو خانوادۂ علم و رسالت اور دودمان شرف نبوت کے در دولت پر جبہ سائی کی جاتی رہی اور علمی بھیک مانگ کر مشکل کشائی کے بعد لولاکے ترانے گائے جاتے رہے۔ لیکن ساتھ ساتھ دلوں میں حسد و کدورت کی آگ بھی جلتی رہی اور آئے دن ظلم و استبداد کے بدل بدل کر طریقے بروئے کار لاتے جاتے رہے اور کینہ و بغض کی دلوں میں بھڑکتی ہوئی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا جاتا رہا۔ بہر کیف چونکہ قوم شیعہ کے نزدیک آل محمدؐ کی تفسیر کے علاوہ کوئی دوسری تفسیر قابل قبول نہیں ہے لہٰذا شیعوں کو منکر قرآن کہا گیا لیکن جب منہ توڑ جواب ملا تو کہہ دیا کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔ وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔ اور ہم نے قرآن پر شیعی عقیدہ کی وضاحت اپنی نو تصنیف کتاب منیف لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں کی ہے جس کا مطالعہ شیعہ نوجوانوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔

زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾

دیکھنے والوں کے لیئے اور ہم نے محفوظ کیا آسمانوں کو ہر شیطان رجیم سے

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ

مگر جو چرائے باتوں کو تو اس کے پیچھے لگتا ہے ظاہر چمکدار ستارہ اور زمین

وَمَا يَاْتِيْهِمْ[۱۶۹] - حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں کیونکہ گذشتہ انبیاء کی بھی یہی کیفیت رہی ہے کہ جب وہ رسولوں کو اپنے باپ دادا کے خلاف پاتے تھے تو ان سے مسخری کر کے ان کی باتوں کو ٹال دیا کرتے تھے۔

نَسْلُكُهٗ[۱۷۰] - ضمیر غائب کا مرجع ذکر ہے یعنی ہم دین حق کا بیان اور احکام اسلامی کی وضاحت مجرم لوگوں یعنی کافروں کے سامنے کیا کرتے ہیں۔ پس ہمارا بیان کافروں کے دلوں تک راستہ پا کر پہنچ جاتا ہے خواہ وہ تسلیم کریں یا نہ کریں۔ یہی انبیاء کی بعثت سے کوئی قوم خالی نہیں رہتی۔

وَلَوْ فَتَحْنَا[۱۷۱] - اس کا معنی دو طرح سے کیا گیا ہے (۱) اگر ہم ان کے سامنے آسمانوں کے دروازے کھولدیں کہ فرشتے ان سے آمد و رفت کریں اور یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

(۲) یا یہ خود ان دروازوں سے گذر کر اوپر پہنچیں اور آسمانی مخلوق کو دیکھیں پس دونو صورتوں میں یہ کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو بے حس کر دیا گیا ہے یا یہ کہ جادو کر دیا گیا ہے کہ ہم اشیاء کو اپنی حقیقت پر نہیں دیکھ رہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا[۱۷۲] - یعنی ہم نے آسمان میں بُرج پیدا کئے جن میں سورج کی گردش شمسی نظام کو ظاہر کرتی ہے موسم بنتے ہیں اور ان کی مناسبت سے انسان و حیوان کی بود و باش اور خورد و نوش کا انتظام بدقدرت کی دستکاری کا مظہر ہے اور چاند کی انہی برجوں میں گردش قمری نظام کی موجب ہے اور شمسی و قمری دونو نظام ملکر انسان کے لیئے یوم و ہفتہ و ماہ و سال کی مقدار کے تعین کے ساتھ اس کے سکون قلب اور اطمینان نفس کے بہترین ذرائع ہیں بلکہ تمدنی زندگی کا دار و مدار اگر مکمل ان دونو پر نہیں تو اس کا زیادہ تر انحصار ان پر ضرور ہے پھر آسمان کو دیدہ زیب دلکش اور جاذب نظر منظر بنانے کے لیئے اُس نے اس کو چھوٹے بڑے ستاروں سے مزین فرمایا اور سقف نیلگوں پر مختلف حجم و ڈیزائن کے قمقموں کی آب و تاب شب تیرہ و تاریک میں جو سہانا منظر پیش کرتی ہے دن بھر کے تھکے ماندوں کے لیئے اس سے بہترین سیرگاہ و مقام تفریح کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اور یہ سب چیزیں توحید پروردگار اور اس کی حسن صنعت و تدبیر محکم کا کھلا اعلان ہیں جس کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

رکوع نمبر ۲

حَفِظْنٰهَا[۱۷۳] - حفظ کا معنی ہے کسی شی کے لیئے ایسی صورت پیدا کرنا جس سے وہ ضائع نہ ہو سکے پس ہر شی کا حفظ اس کی اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہو گا مثلاً علم قرآن کا حفظ کرنا درس و تدریس سے

ہے نماز کا حفظ کرنا اس کو قائم کرنا ہے۔ قرآنی الفاظ کا حفظ کرنا یاد کر لینا ہے مال کا حفظ کرنا اس کو محفوظ مقام میں بند کرنا ہے اور رقم کا حفظ کرنا خزانہ یا بنک میں جمع کرنا ہے وغیرہ بنا بریں آسمانوں کا شیطان سے حفظ کرنا اس کو روک دینا ہے کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں شیاطین آسمانوں پر جاتے تھے اور ملائکہ کی زبانی آئندہ ہونے والے واقعات سن کر پلٹتے تھے پس کاہن لوگ جن کے پاس تسخیر جنّ و شیاطین کا عمل ہوتا تھا وہ ان سے سن کر لوگوں کو بتاتے تھے۔

اِسْتَرَقَ ‌یہ سرقہ سے ہے جس کا معنی ہے چوری کرنا اور ہر شئے کا اپنے مقام محفوظ سے بغیر رضاء مالک حاصل کر لینا چوری شمار ہوتا ہے چنانچہ شیاطین کا ملائکہ سے باتیں سننا چوری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شِہَابٌ ‌ہمیں آسمان کی طرف بعض اوقات جو دوڑتا ہوا ستارہ نظر آتا ہے کہ اس کے پیچھے آگ کے شعلے کی طرح ایک نورانی خط ہوتا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت عیسٰیؑ جب مبعوث ہوتے تو شیاطین کو صرف تین آسمانوں سے روکا گیا لیکن جب حضورؐ پیدا ہوئے تو پہلے چار آسمانوں سے بھی اس کو روک دیا گیا حتّٰی کہ جب یہ اوپر جانے کا قصد کرتے ہیں تو فرشتے ان کو آگ کے شعلوں کے ذریعے سے پیچھے بھگاتے ہیں ان کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے تو گویا شہاب ثاقب کا وجود حضرت رسالتمآبؐ کی تشریف آوری کے بعد ان کا تا قیامت جاری و ساری معجزہ ہے۔

معجزاتِ ولادتِ رسالتمآبؐ

تفسیر برہان میں بروایت قمی حضرت آمنہ خاتون سے منقول ہے کہ جب آنحضرتؐ میرے شکم میں آئے تو مجھے حمل کا بوجھ محسوس نہ ہوا اور مجھے عالم خواب میں کسی کہنے والے نے کہا کہ تیرے شکم میں خیر الانام ہے۔ جب آپ پیدا ہوئے تو دونوں ہاتھ اور گھٹنے زمین پر ٹیک کر سر کو بلند کیا اور ایک نور ساطع ہوا جس نے زمین و آسمان کے درمیان اجالا کر دیا اور شیطانوں کو آسمانوں سے روک دیا گیا۔ قریشیوں نے بہت سے شہاب ثاقب اِدھر اُدھر متحرک دیکھے اور گھبرا کر ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ شاید قیامت آنے والی ہے چنانچہ ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے جو ان کا بزرگ اور تجربہ کار ماہر تھا پس اس نے جواب دیا اگر اِدھر اُدھر چلنے پھرنے والے ستارے اپنے مقام پر موجود ہیں تو یہ کوئی اور بات ہے۔

مکہ میں ایک یوسف نامی یہودی رہتا تھا اس نے ستاروں کی نقل و حرکت دیکھ کر قریشیوں سے دریافت کیا کہ تم میں آج رات کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں تو اس نے کہا تورات کی قسم تم غلط کہتے ہو کیونکہ اپنی کتابوں سے جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ خاتم الانبیاء آج رات پیدا ہوئے ہیں اور شیطانوں کو آسمانوں سے روکنے کے لئے شہاب ثاقب کا ٹوٹنا اس کی علامت ہے۔ پس قریشیوں نے پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کا لخت جگر پیدا ہوا ہے وہ یہودی قریشیوں کے ہمراہ درِ دولت پر حاضر ہوا اور مولود مسعود کی زیارت سے باریابی کی درخواست کی اور قریشیوں نے بھی اس کی سفارش کی چنانچہ جناب آمنہ خاتون ایک بندھنے میں لپیٹ کر سامنے لائی۔ پس یہودی نے آپ کی آنکھیں پھر مہر نبوت کے مقام سے کپڑا اٹھا کر نشان دیکھا تو بیہوش

مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیئے اور اگایا اس میں سے ہر شئے کو مناسب

مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ

انداز سے اور مقرر کی تمہارے لئے اس میں روزی اور ان کے لئے بھی جن کے

لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ

تم رازق نہیں ہو اور کوئی شئی نہیں مگر یہ کہ ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں

ہو کر گر پڑا جس سے قریشیوں میں ہنسی مچ گئی۔ اس نے ہوش سنبھالتے ہوئے کہا کیا تم ہنس رہے ہو یاد رکھو اے قریشیوا یہ تلوار لے کر اٹھے گا اور تمہیں موت کے گھاٹ اتارے گا۔ اور اب نبوت بنی اسرائیل سے ہمیشہ کے لئے چلی گئی ہے

ادھر جب شیاطین پر ستارے ٹوٹے اور آسمانوں کا داخلہ بند ہوا تو گھبرا کر ابلیس کے پاس پہنچے کہ ہم پر شہاب ثاقب برسائے گئے ہیں تو اس نے کہا زمین میں کسی نئے حادثے کی خبر لاؤ انہوں نے کہا کہ ہمیں کسی نئے حادثے کا پتہ نہیں پس وہ مشرق سے مغرب تک خود پھرا آخر کار زمین حرم پر ملائکہ کا بے پناہ ہجوم دیکھا اور جبریل کو دروازہ حرم پر بطور سنتری کھڑا ہوا پایا کہ اُس نے اس کو دیکھتے ہی دھتکار کر دفع کیا۔ ابلیس نے پوچھا کہ یہ اجتماع کیوں ہے ؟ تو جبریل نے نے بتایا پیغمبر آخر الزمان ص کی ولادت کی خوشی ہے۔ اس نے پوچھا اس میں میرا بھی کچھ حصہ ہے ؟ تو جواب ملا کہ نہیں۔ پھر پوچھا کہ اس کی اُمت میں میرا کچھ حصہ ہے ؟ تو جواب دیا گیا کہ ہاں۔ پس وہ خوش ہو کر واپس پلٹا۔

بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلے ابلیس ساتوں آسمانوں کی سیر کیا کرتا تھا۔ ولادت عیسیٰؑ سے اس کو تین آسمانوں سے روکا گیا۔ پس چار تک جاتا تھا اور ولادت سرور کائنات کے بعد اس کو سب آسمانوں سے روک دیا گیا۔ اس روایت میں ولید بن مغیرہ کی بجائے عمرو بن امیہ کا نام مذکور ہے کہ قریشی گھبرا کر اس کے پاس آئے اور اس نے وہ مذکورہ بالا جواب دیا۔

اس روایت میں مذکور ہے کہ وقت ولادت پیغمبر تمام بُت منہ کے بل گر پڑے اور ایسا زلزلہ آیا کہ ایوان کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں اور اس کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گرے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا ایران کا ہزار سال سے بھڑکتا ہوا آتش کدہ خاموش ہو گیا اور حجاز کی طرف سے ایک نور ساطع ہوا جو مشرق تک پھیل گیا دنیا بھر کے سلاطین کی گردنیں جھک گئیں اور اس دن کچھ بول نہ سکے کاہن لوگوں کا علم باطل ہو گیا اور جادوگروں کا جادو ختم ہو گیا اور رعب کے سب کاہن ایک دوسرے سے پوشیدہ ہو گئے۔

وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ

اور ہم اس کو نہیں اتارتے مگر ایک اندازے سے جو ہمیں معلوم ہے اور بھیجا ہم نے ہواؤں کو حاملہ کرنیوالی

فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ

(بادلوں کو پانی سے) پس اتارا ہم نے آسمان سے پانی پس تم کو سیراب کیا اس سے حالانکہ تم اس کی حفاظت کرنے

بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

والے نہیں ہو اور تحقیق ہم ہی جلاتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی مالک ہیں

مَّوْزُوْنٍ۔ بعض مفسرین نے اس مقام پر وزن سے قول مراد لیا ہے کہ خدا نے زمین سے تولنے کی جنسیں پیدا فرمائی ہیں اور پیداوار میں سے چونکہ اس کو ناپ اور شمار کی جانے والی اشیاء پر غلبہ حاصل ہے اس لئے مجازاً موزون کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور مراد تمام پیداوار ہے لیکن سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اس معنی کی تردید کرکے فرمایا ہے کہ یہاں موزون سے مراد مقدارِ مناسب ہے کہ خدا نے اشیاء کو ضرورت سے کم بھی پیدا نہیں کیا تاکہ عبث لازم آئے پس اتنی مقدار میں پیدا کیا جو حکمت و مصلحت کے مطابق تھی۔

وَمَنْ لَّسْتُمْ۔ اس کی تین ترکیبیں کی گئی ہیں۔ اور ہر ترکیب کے لحاظ سے معنی کیا گیا ہے۔

(۱) مَعَايِشَ پر عطف ہے پس جَعَلْنَا۔ کا مفعول ہو کر محلاً منصوب ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے اس زمین میں تمہاری روزی اور اسباب عیش و آرام پیدا کئے اور ایسی مخلوق تمہارے لئے پیدا کی جس کے رزاق تم نہیں ہو یعنی غلام کنیزیں اور حیوانات کہ ان کو رزق اللہ دیتا ہے اور خدمت تمہاری کرتے ہیں اور ذوی العقل یعنی غلام و کنیزوں کے غلبہ کی وجہ سے لفظ مَنْ ذکر کیا ہے جس کا استعمال ذوی العقول کے لئے مخصوص ہے۔

(۲) لَكُمْ۔ کی ضمیر جمع مخاطب مجرور پر مَنْ کا عطف ہے اور معنی یہ ہوگا کہ زمین میں تمہارے لئے روزی بنائی اور ان تمہارے خدمت گار غلاموں و کنیزوں اور حیوانوں کے لئے روزی بنائی جن کے تم رزاق نہیں ہو لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ضمیر مجرور پر عطف ناجائز ہے۔ جب تک حرف جار کا اعادہ نہ ہو۔

(۳) اس کو الگ مستقل جملہ قرار دیا جائے اور مَنْ محلاً مرفوع مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو یعنی وہ مخلوق جن کے تم رازق نہیں ہو خدا نے تمہارے لئے پیدا کی۔

علامہ طبرسی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور وہی انسب معلوم ہوتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ۔ یعنی جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ زمین اُگاتی ہے اس سب کے خزانے اللہ کے پاس

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿۲۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اور تحقیق ہم آگے آنیوالوں کو جانتے ہیں اور تم میں سے پیچھے آنے والوں کو بھی جانتے ہیں اور تحقیق تیرا رب ان کو جمع

ہیں یعنی اس کی تمام قدرت اللہ کو حاصل ہے۔ جتنا چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی حکمت و مصلحت کے ماتحت ایجاد کرتا ہے۔ پس خزائن سے مقدورات خداوندی مراد ہے۔ لیکن علامہ فیض کاشانی نے تفسیر صافی میں اس معنی کو نا قابلِ قبول قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ خزائن سے مراد لوح قضا یعنی لوح محفوظ ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور اس میں تمام کائنات عالم کا علم موجود ہے اور یہ جو فرمایا کہ ہم اس کو ایک معلوم اندازے سے نازل کرتے ہیں اِس سے مراد لوحِ قدر یعنی لوحِ محو و اثبات ہے اور قمی سے مروی ہے کہ خزائن سے مراد آسمان سے نازل ہونے والا پانی ہے جس کی بدولت ہر قسم کے حیوانات کا رزق مقدّر پیدا ہوتا ہے۔

نَحْنُ نُحْيِي ۔یعنی ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں یا زمینوں سے چشمے و دریا جاری کرتے ہیں اس کے محافظ اور خازن بھی ہم ہیں یعنی قدرت ایجاد ہمیں حاصل ہے کہ مقدار معلوم کے ماتحت ایجاد کرتے ہیں ورنہ تمہارے بس میں نہیں کہ اس کو جمع کر لو اور خزانہ کر کے حسب ضرورت اپنے پاس محفوظ کر لو۔

نُحْيِي وَنُمِيتُ ۔یعنی موت و حیات صرف ہمارے قبضہ میں ہے اور سب مخلوق کے تنہا ہم ہی مالک ہیں خداوند کریم نے ان آیات میں اپنی توحید کے آثار بیان فرمائے ہیں (۱) زمین کا بچھانا (۲) پہاڑوں کا پیدا کرنا (۳) نباتات کا اُگانا (۴) اسباب رزق کا مناسبت سے پیدا کرنا (۵) حیوانات کی تخلیق (۶) بادل بنانا (۷) مینہ برسانا (۸) پانی کا محفوظ رکھنا (۹) زندہ کرنا (۱۰) مارنا اور ان کے مفصل ذکر کے بعد فرمادیا۔ بس سب کے ہم مالک و وارث ہیں۔ پس ان امور کی کسی دوسرے کی طرف تخلیقی و تکوینی نسبت دینا یقیناً شرک ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا ۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے حضورؐ نے لوگوں کو جماعت کی پہلی صف میں کھڑے ہونے کی تاکید فرمائی کہ مردوں کے لئے پہلی صف افضل ہے اور آخری صف مکروہ ہے اور عورتوں کے لئے پہلی صف مکروہ ہے۔ اور آخری صف افضل ہے (کیونکہ مردوں کی آخری صف عورتوں کی پہلی صف کے قریب ہوتی تھی اور شیطانی وسواس کا زیادہ سے زیادہ خطرہ تھا) نیز آپ نے فرمایا نماز جماعت میں پہلی صف والوں پر فرشتے درود بھیجتے ہیں چونکہ بنو عذرہ کے گھر مسجد سے دُور تھے تو انہوں نے اپنے گھر فروخت کر کے مسجد کے قریب گھر بنانے کا ارادہ کیا تاکہ بروقت پہنچ کر نماز کی صف اول میں شامل ہو سکیں۔ پس یہ آیت اتری کہ خدا آگے آنے والوں اور پیچھے رہنے والوں کی نیتوں سے واقف ہے نیز مروی ہے کہ بعض لوگ تو صف اول کے ثواب کے لئے جلدی آجاتے تھے لیکن بعض شرارتی قسم کے آدمی دیر سے حاضر ہوتے تھے تاکہ پچھلی صفوں میں کھڑی ہوئی عورتوں کو دیکھتے ہوئے آگے آئیں۔ پس یہ آیت ان کی سرزنش کے لئے اتری۔

يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

کرے گا تحقیق وہ حکیم و علیم ہے اور تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ

آواز کرنے والی مٹی سے جو لیسدار ڈھالی ہوئی تھی اور قوم جن کو ہم نے اس سے

اور بعض مفسرین نے دیگر تاویلات بھی کی ہیں (۱) امم گذشتہ و آئندہ (۲) اولین و آخرین (۳) جہاد میں بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے (۴) نیک کاموں میں سبقت کرنے والے اور جی چرانے والے ان سب کو خدا جانتا ہے۔ پس سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور جزا یا سزا پائیں گے۔

رکوع نمبر ۳ ذکر خلقت انسان

صَلْصَال۔ مضاعف رباعی صَلْصَلَۃٌ سے ہے لوہے کے جھنکار اور بجلی کی کڑاک اور دھماکہ کی آوازوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ گیلی مٹی خشک ہونے کے بعد اوپر چلنے سے جو آواز پیدا کرتی ہے اس کو صلصال کہا گیا ہے۔

حَمَاءٍ۔ مٹی پر پانی ڈالنے اور گوندھنے کے بعد کچھ عرصہ تک رکھ دیا جاتا ہے تاکہ لیسدار بن جائے۔ پس اس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا جاتا ہے اور دیر کے بعد اس میں لزوبت اور لیس پیدا ہو جاتی ہے تاکہ اس سے بنائی ہوئی چیز پختہ دیرپا اور خوبصورت ہو۔ پس اس کو حَمَاء کہا جاتا ہے

مَسْنُوْنٌ۔ اس کا معنی ہے ڈھالی ہوئی چیز اور یہ سَنّ سے ہے جس کا معنی ہے کسی سانچہ میں شئے کا ڈھالنا اور سُنّت کا لفظ بھی اسی مادہ سے ہے۔ اور ترکیب نحوی کے لحاظ سے حَمَاءٍ مسنون بدل ہے۔

نکتہ لطیفہ

مٹی کی چار الگ الگ حالتوں کے الگ الگ نام ہیں مثلاً خشک مٹی کا نام تراب پھر پانی کی آمیزش کے بعد کیچڑ کا نام طین پھر کچھ وقت تک پڑا رہنے، لیسدار بننے اور عمدہ گارا ہو جانے کا نام حَمَاء اور اس کو سانچے میں ڈھال کر خشک حالت پر آ جانے کا نام صلصال ہے۔ جب وہ ٹھوکر مارنے سے آواز کرنے لگے اسی بنا پر قرآن مجید میں خلقت انسانی کا مادہ مختلف مقامات پر مٹی کی ان چار حالتوں میں سے کسی ایک کو قرار دیا گیا ہے۔

(۱) خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (۲) خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (۳) مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۴) مِنْ صَلْصَالٍ

نیز آگ میں پختہ کرنے سے پہلے صلصال کہا جاتا ہے اور پختہ ہونے کے بعد اس کو فخار کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد قدرت ہے۔ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔

قوم جن کی پیدائش

وَالْجَآنَّ۔ تفسیر برہان میں بروایت تحفۃ الاخوان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ خداوند کریم نے نار سموم کو پیدا کیا اور وہ ایسی آگ ہے جس

قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ

پہلے پیدا کیا بھڑکتی ہوئی آگ سے اور جب فرمایا تیرے رب نے فرشتوں کو تحقیق میں پیدا کرنے والا

بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ

ہوں بشر کو آواز کرنے والی لیس دار ڈھالی ہوئی مٹی سے پس جب اس کو پورا بنا لوں اور

میں گرمی نہیں اور اسی سے جان کو خلق کیا اور اس کا نام مارج رکھا پھر اُسی سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا جس کا نام مارجہ رکھا پھر ان دونومیاں بیوی سے جان پیدا ہوا پھر جان کا بیٹا جن پیدا ہوا اور اس سے آگے قوم جن کی نسل پھیلی اور ابلیس اسی کی اولاد میں سے ہے اس نے جان کی اولاد میں سے لہبا بنت روحا نامی ایک عورت سے شادی کی پہلی دفعہ اس کا ایک لڑکا بلیقس اور لڑکی طونہ جوڑویں پیدا ہوئے دوسری دفعہ بیٹا قطس اور بیٹی قطسہ پیدا ہوئے اور اسی طرح اس کی اولاد کا سلسلہ بڑھتا گیا اور اس کی نسل اس قدر بڑھی کہ جنگلوں، گھاٹیوں، وادیوں، جھاڑیوں اور پہاڑیوں میں مکھیوں اور مچھروں کی طرح پھیل گئی اور اسی روایت میں آگے چل کر آپ فرماتے ہیں کہ بنی آدم کے ایک ایک بچہ کے ساتھ اس کے ہاں سات سات بچے پیدا ہوتے ہیں اور سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہزاروں برس زمین پر سجدہ کرنے کے بعد اس کو آسمان اول پر ترقی دی گئی۔ پھر ایک ہزار سال کی عبادت کے بعد دوسرے آسمان پر پھر ایک ہزار سال کے بعد تیسرے آسمان پر علی ہذا القیاس ساتویں آسمان تک پہنچا۔

خلقتِ آدمؑ حدیث سابق میں ہے جب ابلیس نے آدمؑ کی خلقت کا ذکر سنا تو زمین پر آیا اور کہنے لگا کہ خدا تجھ سے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جس کو تمام خلق پر فضیلت ہو گی لیکن جو ان میں سے نافرمان ہو گا اُسے آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ پس جب جبریل کو حکم ہوا کہ زمین کے مشرق و مغرب اور پستی و بلندی سے ایک ایک مٹھی اٹھا کر لاؤ تاکہ نئی اور افضل مخلوق پیدا کی جائے تو جبریل زمین پر پہنچا ہی تھا کہ زمین نے خدا کی قسمیں دے کر دہائی شروع کر دی کہ مجھ سے مٹی نہ اٹھاؤ کہ مجھ میں عذاب کی تاب برداشت نہیں ہے چنانچہ ناکام واپس ہوا پھر میکائیل آیا تو وہ بھی زمین کی فریاد اور اُس کی قسموں سے مرعوب ہو کر واپس خالی پلٹا پس عزرائیل کو حکم ہوا تو اس نے زمین کی فریاد پر کان دھرے بغیر شرق و غرب سے بلندی و پستی سے شور و شیریں سے اور عمدہ و ناقص سے ایک ایک مٹھی اُٹھائی اور واپس آ گیا پس ارشاد خداوندی ہوا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم قبض ارواح کے لئے بھی تو ہی موزوں ہے۔

سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ایک عرصہ دراز تک آدم کا پتلا ئے خاکی بغیر روح کے پڑا رہا پھر روح کو اس میں داخل ہونے کا حکم ملا۔ اس مقام پر روح کی اللہ کی طرف اضافت ملکیت کو ظاہر کرتی ہے۔ رُوحِی یعنی

نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ

اپنا روح اس میں داخل کر لوں تو گر جانا اس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے پس سجدہ کیا

الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ

تمام فرشتوں نے مگر ابلیس اس نے انکار

میرا مملوک روح) پس دماغ کی جانب سے روح داخل ہوا پہلے آنکھیں کھلیں تو جانب عرش نگاہ کی۔ پس لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا کلمہ لکھا ہوا نظر آیا۔ پھر کانوں میں روح پہنچی تو تسبیح ملائکہ سنی وہ اپنے مقام پر حکم سجدہ کے منتظر تھے پس ناک کے نتھنوں تک روح پہنچی تو چھینک لی اور حواس خمسہ کے بند سوراخ سب کھل گئے اور آدم نے الحمد للہ کا کلمہ زبان پر جاری کیا تو زبانِ توحید سے اس کو یَرْحَمُکَ اللّٰہُ سے جواب ملا اور اس کو اولاد آدم میں سُنّت قرار دیا گیا اور حدیث نبوی میں ہے جب کوئی چھینک دینے والا الحمد للہ کہے اور سننے والا اس کو یرحمک اللہ سے جواب دے تو اس سے ابلیس بہت کڑھتا ہے۔ روح کے متعلق وضاحت ص۱۸۲ پر ملاحظہ کیجئے۔

فَسَجَدَ۔ حدیث سابق میں ہے جب آدم کے پورے جسم میں روح داخل ہو چکی تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ جمعہ کا دن زوال کا وقت تھا۔ پس فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تو سب سے پہلے جبریل پھر میکائیل پھر عزرائیل اور آخر میں اسرافیل نے سجدہ کیا ان کے بعد تمام ملائکہ مقربین سجدہ میں جھک گئے۔ اور عصر تک سربسجود رہے۔ پس اسی وجہ سے یوم جمعہ کو اولادِ آدم کے لئے عید کا دن قرار دیا گیا ہے۔

اقول ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنے کا مقصد صرف آدم کا اعزاز و اکرام تھا اور یہ سجدہ شکر پروردگار تھا حضرت آدم علیہ السلام کو قبلہ کی حیثیت دی گئی تھی جیسا کہ روایات میں یہی مضمون وارد ہے اور ہم نے اس مقصد کو اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں اچھی طرح واضح کیا ہے۔

حدیث سابق میں ہے بحکم پروردگار فرشتوں نے حضرت آدم کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر عالم بالا کی سیر کرائی اور آدم کا گذر جب کسی صف ملائکہ سے ہوتا تھا تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہتے تھے اور فرشتے جواب میں وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کہتے تھے۔ اور آدم کو پروردگار کی جانب سے ندا پہنچی کہ یہ سلام تیرے اور تیری اولاد کے لئے تا قیامِ قیامت تحیہ رہیگا اور جس قوم میں سلام کا یہ رواج عام ہو گا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہیں گے اور حدیث نبوی میں ہے آپ نے فرمایا میں تم کو ایسی تعلیم دوں جس پر عمل کرنے سے تم جنت کے حقدار بن جاؤ۔ لوگوں نے کہا بے شک یا رسول اللہ بتائیے تو آپؐ نے فرمایا۔ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ یعنی کھانا کھلاؤ، سلام کو عام کرو۔ رات کو نماز پڑھو جب کہ لوگ محوِ خواب ہوں پس سلامتی سے جنت میں داخل ہو گے اور حضورؐ نے

يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ

کیا کہ ہوجائے شامل سجدہ کرنیوالوں میں فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہو گیا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں

مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ

شامل نہ ہوا؟ کہنے لگا میں ایسے بشر کے لئے سجدہ کرنے کو تیار نہیں جس کو تو نے

فرمایا جب مومن پر سلام کرتا ہے تو ابلیس رو دیتا ہے اور ابھی یہ دونو آپس میں جدا نہیں ہوتے کہ خدا ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔ پس آدم کو خدا نے ملائکہ کا خطیب بنایا اور آپ نے خطبہ میں پہلے پہل الحمد للہ کا کلمہ کہا جو ہمیشہ کیلئے سُنّت قرار دیا گیا۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ ۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتہ تھا یا جن؟ پس اگر جن تھا تو ملائکہ کے حکم سجدہ میں اس کو کیونکر شامل کر لیا گیا؟ اور اگر فرشتہ تھا تو فرشتوں سے نافرمانی کا صدور کیسے ممکن ہے جبکہ وہ نوری مخلوق ہیں۔ اس کا جواب تفسیر کی دوسری جلد ص۱۰۱ میں مفصل مذکور ہے۔ ابلیس نے سجدہ سے انکار کی وجہ آدم کا مٹی سے پیدا ہونا بیان کیا اور اپنی ناری خلقت پر ناز کیا اُس کا یہ قیاس مٹی کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی بنا پر تھا اور ہم نے اس کی وضاحت تفسیر کی چھٹی جلد پر ص۱۱۱ تا ص۱۱۴ کر دی ہے۔ لہذا یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ ابلیس کو قرائن حالیہ کی رُو سے حکم سجدہ میں شامل ہونے کا یقین تھا جبھی تو خدائی سرزنش کے بعد یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا کہ میں حکم سجدہ میں شامل نہیں تھا کیونکہ حکم صرف فرشتوں کو ہی تھا اور میں قوم جن سے تھا بلکہ انکار کی وجہ اپنا تکبر اور آدم کی خاکی پیدائش کو ہی قرار دیا۔ پس خدا کی اس پر لعنت برسی اور تفسیر برہان کی سابقہ روایت میں ہے کہ اس کی حسین وجمیل صورت بدصورتی سے بدل گئی۔ پس فرشتے آگ کے حربے لیکر اس کے پیچھے پڑ گئے اور اس کو وہاں سے نکال دیا۔ پہلے پہل اس پر جبریل نے لعنت کی پھر میکائیل پھر اسرافیل اور آخر میں عزرائیل نے کی۔ اس کے بعد ہر طرف سے لعنت کی پھٹکار ہوئی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور ابلیس کی اس جرأت و سرکشی سے آسمانوں میں لرزہ کی کیفیت طاری تھی۔

ابلیس کے دل میں حضرت آدمؑ پر حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس کی اولاد کو گمراہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ سابقہ روایت میں ہے کہ ملائکہ کے سامنے خطبہ پڑھنے اور اپنا علمی وقار تسلیم کرانے کے بعد جب آپ منبر سے نیچے اترے تو ان کی پہلی ضیافت انگوروں سے کی گئی جو جنت کی پیداوار تھی پس تناول فرمانے کے بعد انہوں نے الحمد للہ کا کلمہ زبان سے جاری کیا جو سنت جاریہ بن گیا اس کے بعد آپ سو گئے جب ابلیس کو یہ پتہ چلا کہ وہ کھاتا پیتا اور سوتا بھی ہے تو خوش ہوا کہ اس کو گمراہ کرنا آسان ہے۔ اور اسی حدیث میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ مالِ حرام اور اولادِ حرام میں شیطان حصہ دار ہوتا ہے

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ

آواز کرنے والی لیس دار مٹی سے ڈھالا ہے فرمایا نکل جا اس سے تحقیق تو لعنتی

رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ

ہے اور تحقیق تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت ہو گی کہنے لگا اے رب

فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾

مجھے مہلت دے اس دن تک جب اٹھائے جائیں گے فرمایا تحقیق تجھے مہلت دی گئی

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ

ایک معلوم وقت تک کے لئے کہنے لگا اے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے لہذا میں مزین

لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ

کروں گا (باطل کو) ان کے سامنے زمین میں اور ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو مگر تیرے وہ بندے جو

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾

ان میں سے مخلص ہوں گے (گمراہ نہ ہونگے) فرمایا یہ میرا سیدھا راستہ ہے

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

تحقیق میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہ ہو سکے گا مگر وہ لوگ جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے چلیں گے

اور آپ نے فرمایا کہ حلال عورت سے مجامعت کرتے وقت بھی اللہ کا نام لیا کرو۔ (بسم اللہ کو پڑھا کرو) ورنہ شیطان شریک ہوگا

قَالَ رَبِّ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابلیس نے چوتھے آسمان پر دو رکعت نماز پڑھی تھی جو چھ ہزار سال میں تمام ہوئی۔ اسی کے بدلہ میں خدا نے اس کو وقت معلوم تک مہلت دی ہے۔ نیز آپ سے منقول ہے کہ اس سے مراد قائم آل محمدؐ کا زمانہ ہے پس یہ گرفتار ہو کر آپ کے پیش ہوگا جب کہ آپ مسجد کوفہ میں تشریف فرما ہوں گے پس آپ کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اَغْوَيْتَنِيْ۔ اس کی تفسیر چھٹی جلد صفحہ ۱ پر گذر چکی ہے شیطان کے پاس گمراہی کے جال بہت سے ہیں چنانچہ جب اس کو نکالا گیا تو حدیث سابق میں ہے اس نے پوچھا

اے پروردگار میرا ٹھکانا زمین میں کہاں ہوگا؟ تو فرمایا مزابل پر یعنی غلیظ جگہوں پر۔ کہا میں پڑھوں گا کیا؟ تو جواب ملا۔ کہ شعر۔ پوچھا میرا موذن کون ہوگا؟ تو جواب ملا کہ طبلہ سارنگی۔ دریافت کیا کہ میری غذا کونسی ہوگی؟ تو جواب ملا ہر وہ چیز جس پر میرا نام نہ لیا گیا ہو۔ پوچھا کہ میرا مشروب کیا ہوگا؟ تو جواب ملا کہ ہر قسم کی شراب۔ کہا میرا گھر کہاں ہوگا؟ تو جواب ملا کہ حمام۔ کہنے لگا میری مجلس کہاں ہوگی؟ تو جواب ملا کہ بازار میں اور عورتوں کے اجتماعات ہیں۔ کہنے لگا میرا لباس کیا ہوگا؟ تو جواب ملا کہ راگ و رنگ۔ پھر پوچھا میری شکارگاہ کیا ہوگی تو جواب ملا کہ عورتیں۔ پس یہ خوش ہو کر چلا گیا تو آدم نے عرض کی میری اولاد کیا کرے گی؟ تو ارشاد ہوا تجھے تین چیزیں عطا کرتا ہوں۔ ایک صرف میرے لئے، دوسری صرف تیرے لئے اور تیسری میرے اور تیرے درمیان مشترک ہوگی۔ پہلی چیز جو صرف میرے لئے ہے وہ ہے عبادت کہ اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے دوسری جو صرف تمہارے لئے ہے وہ یہ کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دوں گا کہ اس کا ایک ایک حصہ بڑے سے بڑے پہاڑ سے بھی وزنی ہوگا۔ اور تیسری چیز جو مشترک ہے وہ یہ کہ تمہارا کام ہے دعا مانگنا اور میرا کام ہے قبول کرنا پس یہ سن کر ابلیس سٹ پٹایا اور چلایا کہ ہائے میں بنی آدم کو کیسے گمراہ کروں گا۔

صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ۔ عَلَيَّ کو عَلِيٌّ بھی پڑھا گیا ہے اور جر پڑھنے کی کوئی قرأت منقول نہیں۔ لیکن تفسیر اہلبیت میں جر کی قرأت کا احتمال ہے چنانچہ تفسیر برہان وصافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے صِرَاطُ عَلِيٍّ منقول ہے اور بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم وہ علی ہیں اور خدا کی قسم وہی میزان اور صراط مستقیم ہیں۔ نیز تفسیر برہان میں مناقب ابن شاذان سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب نے عرض کی حضورؐ! آپ علی کے متعلق فرماتے ہیں۔ اَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰى۔ حالانکہ ہارون کا قرآن میں ذکر موجود ہے اور علی علیہ السلام کا نہیں تو آپ نے جھڑک کر فرمایا کہ کیا اللہ نے نہیں فرمایا۔ هٰذَا صِرَاطٌ عَلِيٍّ مُسْتَقِيمٌ۔

اِنَّ عِبَادِيْ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد آئمہ اور ان کے شیعہ ہیں۔

اِنَّ جَهَنَّمَ۔ جہنم کے سات دروازوں سے مراد اس کے تہ بہ تہ سات طبقے ہیں جن کو درکات جہنم کہا جاتا ہے تفسیر برہان میں بروایت امام محمد باقر علیہ السلام ترتیب اس طرح ہے (۱) جحیم (۲) لظی (۳) سقر (۴) حطمہ (۵) ہاویہ (۶) سعیر (۷) جہنم اور اسی میں وہ کنواں ہے جس کا ڈھکن کھولنے سے دوزخ کے تمام طبقات بھڑک اٹھتے ہیں اور اس کا عذاب سب درکات جہنم سے زیادہ ہے اور مجمع البیان میں درکات جہنم نیچے سے اوپر اس ترتیب سے منقول ہیں۔ (۱) سب سے نیچے جہنم (۲) لظی (۳) حطمہ (۴) سقر (۵) جحیم (۶) سعیر (۷) ہاویہ اور ایک روایت اس کے الٹ ہے۔ یعنی سب سے نیچے ہاویہ اور سب سے اوپر جہنم ہے اور ابن عباس کی روایت میں ترتیب جہنم سعیر۔ سقر۔ جحیم۔ لظی۔ حطمہ اور ہاویہ ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جنت کے طبقات ایک دوسرے کے اوپر نیچے نہیں بلکہ ایک دوسرے کے عرض میں ہوں گے اور تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہوں گے

(آٹھ طبقات ہوں گے) ایک دروازہ نبیوں اور صدیقوں کے لئے۔ دوسرا جملہ شہدا اور صالحین کے لئے پھر پانچ دروازے ہمارے شیعوں اور محبوں کے لئے ہوں گے۔ میں صراط پر کھڑے ہو کر کہوں گا اے میرے پروردگار! میرے شیعوں محبوں، مددگاروں اور موالیوں کو بچالے تو بطنان عرش سے ندا آئے گی کہ تیری دعا مقبول ہے۔ پس میرا ایک ایک شیعہ و موالی اپنے ہمسایوں اور قریبیوں میں سے ستر ستر ہزار آدمیوں کی شفاعت کر سکے گا جنہوں نے میری مدد کی ہو گی۔ اور میرے دشمنوں سے دشمنی رکھی ہو گی اور جنت کا آٹھواں دروازہ ان عام مسلمانوں کے لئے ہو گا جن کے دلوں میں ایک مثقال برابر بھی اہل بیت کا بغض نہ ہو گا۔

اسرار روحانیہ

(۱) تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ روحی میں روح کی اللہ کی طرف نسبت پسندیدگی، برگزیدگی اور اشرفیت کی بنا پر ہے کہ خدا نے ایک برگزیدہ روح کو خلق فرمایا جس کو باقی ارواح پر فوقیت بخشی اور اسی سے حضرت آدم میں نفخ فرمایا۔

(۲) علامہ فیض کاشانی تحریر فرماتے ہیں کہ روح عالم حس وشہادت سے نہیں بلکہ یہ عالم ملکوت وغیب سے ہے یوں سمجھ لیجئے کہ بدن بمنزلہ چھلکے یا غلاف یا قالب کے ہے اور روح ہی اس کی زندگی کا موجب ہے پس وہ اس سے ایک الگ مخلوق ہے جیسے کہ وہ فرماتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ اور بروایت بصائر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن اور اس کے بدن کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک ڈبیہ میں موتی اور جب موتی نکال لیا جاتا ہے تو ڈبیہ کو پھینک دیا جاتا ہے اور فرمایا کہ رُوح بدن میں مخلوط نہیں بلکہ وہ اس سے الگ اور اس پر حاوی اور مسلط ہے۔

(۳) بروایت احتجاج آپ سے مروی ہے کہ رُوح نہ ثقیل ہے نہ خفیف بلکہ یہ ایک لطیف جسم ہے جس کو کثیف قالب کا لباس پہنایا گیا ہے آپ سے دریافت کیا گیا کہ قالب سے جدا ہو جانے کے بعد کیا وہ فنا ہو جاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ نفخ صور تک زندہ رہے گا پس جب نفخ صور ہو گا تو ہر چیز کے ساتھ یہ بھی فنا ہو جائے گا اور دوسری بار جب نفخ صور ہو گا تو ہر شے کو ان کا خالق دوبارہ زندہ کرے گا۔ پس یہ بھی دوبارہ زندہ ہو گا اور ہر دو نفخ کے درمیان چار سو برس کا زمانہ ہو گا۔

(۴) نفخ صور کے زمانہ تک نیک لوگوں کے ارواح عیش وآرام اور روشنی میں ہوں گے اور بدکردار و بدعقیدہ گنہگاروں کے ارواح عذاب کی تنگی وتاریکی میں رہیں گے۔

(۵) بروایت کافی حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے کہ حضور رسالتمآب نے فرمایا انبیاء و مرسلین میں خدا نے پانچ روحیں خلق فرمائی ہیں (۱) روح القدس (۲) روح الایمان (۳) روح القوۃ (۴) روح الشہوۃ (۵) روح البدن پس وہ روح القدس کی بدولت نبی و رسول بنائے گئے اور روح الایمان کے ذریعے سے وہ عابد و

الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا

اس کے اور تحقیق دوزخ ان سب کی وعدہ گاہ ہے

سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ ع ۳

سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے ان میں سے ایک حصہ معین ہے

موحد ہوئے اور روح القوۃ کے سبب سے کسب معاش اور جہاد کیا اور روح شہوت کی بدولت عورتوں سے نکاح کیا اور روح بدن کے ذریعے سے وہ چلنے پھرنے پر موفق ہوئے۔ پھر ان میں سے بھی بعض کے بعض پر درجات بلند ہیں اور یہ سابقون کے مصداق ہیں اور مومنوں میں خدا نے روح القدس کے علاوہ باقی چار روح پیدا کئے اور وہ اصحاب المیمنہ ہیں اور باقی لوگوں میں روح الایمان کے علاوہ باقی تین روح ہیں اور وہ اصحاب المشئمہ ہیں۔ ملخصاً

(۶) ایک طویل روایت میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے کمیل سے فرمایا کہ نفس چار ہیں (۱) نفس نامیہ نباتیہ (۲) نفس حسیہ حیوانیہ (۳) نفس ناطقہ قدسیہ (۴) نفس کلیہ الہیہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کی پانچ پانچ قوتیں اور دو دو خاصیتیں ہیں چنانچہ نفس نامیہ نباتیہ کی پانچ قوتیں۔ ماسکہ، جاذبہ، ہاضمہ، دافعہ اور مربیہ ہیں ان کی خاصیت بڑھنا یا گھٹنا ہے اور یہ جگر کی پیداوار ہیں اور نفس حسیہ حیوانیہ کی پانچ قوتیں سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ ہیں اور اس کی دو خاصیتیں غصہ اور رضامندی ہیں اور یہ دل کی پیداوار ہیں اور نفس ناطقہ قدسیہ کی پانچ قوتیں فکر، ذکر، علم، حلم اور بیدار مغزی و بلند حوصلگی ہیں اور اس کی دو خاصیتیں پاکیزگی اور دانائی ہیں اور نفس کلیہ الہیہ کی پانچ قوتیں فنا میں لذت بقا، بدحالی میں لطف نعمت، ذلت میں عزت نفس، دولت مندی میں فاقہ مستی اور مصائب پر صبر و ضبط ہیں اور ان کی دو خاصیتیں تسلیم و رضا ہیں اور یہ وہی ہے جس کا مبدا و مآل اللہ ہے اور اسی کے متعلق ارشاد ہے۔ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ اور اسی کو دوسرے مقام پر نفس مطمئنہ قرار دیا گیا ہے۔

رکوع نمبر ۴ متقی لوگ جنت میں جائیں گے

لِلْمُتَّقِيْنَ۔ بروایت برہان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے جب کہ آپ قبر اور منبر کے درمیان اپنے چند شیعوں سے خطاب فرما رہے تھے۔ آپ نے ان کو سلام دیا اور فرمایا خدا کی قسم میں تمہاری ارواح سے محبت کرتا ہوں پس تم زہد و تقوےٰ کے ساتھ میری اعانت کرو۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ وِلَايَتَنَا لَا تُنَالُ اِلَّا بِالْوَرَعِ وَالْاِجْتِهَادِ۔ یقین کرو کہ ہماری ولا تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

جناب رسالت مآب کا فرمان ہے اے علی تو اور تیرے شیعہ جنت میں جائیں گے اور قرآن کا فرمان ہے متقی لوگ جنت میں جائیں گے پس اس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ علی کے شیعہ وہی ہیں جو متقی ہوں۔ چنانچہ حدیث سابق

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَٰمٍ ءَامِنِينَ

تحقیق متقی لوگ باغات اور چشموں میں رہینگے (انکو کہا جائیگا) اس میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ بحر امن

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَٰنًا عَلَىٰ ﴿٤٦﴾

اور ہم کھینچ لیں گے جو ان کے سینوں میں کینے ہوں گے خوشی کی مسندوں پر بھائیوں کی طرح ایکدوسرے

سُرُرٍ مُّتَقَٰبِلِينَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُم مِّنْهَا

کے سامنے ہوں گے نہ ان کو مس کرے گی تکان اور نہ وہ اس سے نکالے

بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾ نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾

جائیں گے خبر دو میرے بندوں کو تحقیق میں بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں

وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ

اور تحقیق میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے اور ان کو بتا دو ابراہیم کے مہمانوں

إِبْرَٰهِيمَ ﴿٥١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَٰمًا قَالَ إِنَّا مِنكُمْ

کا قصہ جب اس پر داخل ہوئے پس سلام کیا تو اس نے کہا ہمیں تم

وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَٰمٍ عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾

سے خطرہ ہے کہنے لگے نہ خطرہ کرو تحقیق ہم تجھے دانا بچے کی خوشخبری سناتے ہیں

اسی بات کو ثابت کر رہی ہے۔

نُبَشِّرُكَ۔ بشارت کی تفصیل اور واقعہ سورۂ ہود کی تفسیر میں جلد ۷ ایڈیشن ۱ پر گذر چکا ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ایک دفعہ حضرت سارہ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ تجھے خدا نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ اور وہ تیری دعا کو رد نہیں فرماتا آپ اللہ سے دعا مانگیں تاکہ وہ ہمیں لڑکا عطا فرمائے جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو پس خدا کی جانب سے خوشخبری دی گئی کہ تجھے علیم لڑکا دوں گا اور مروی ہے کہ بخل کی بدولت قوم لوط اس اخلاق سوز مصیبت میں مبتلا ہوئی۔ قدرے تفصیل تفسیر کی جلد نمبر ۶ ص ۵۶ پر مذکور ہے یہ لوگ پہلے پہل ضیافت سے تنگ آکر مہمانوں کے ساتھ غیر فطری فعل کے مرتکب ہوئے۔ پھر مہمانوں نے

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾

فرمایا خوشخبری کیسے ؟ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں پس کس کی خوشخبری سناتے ہو

قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَ

کہنے لگے ہم نے ٹھیک خوشخبری دی ہے پس آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے فرمایا اللہ

اگرچہ وہ راہ ترک کردی تھی لیکن ان میں یہ عادت گھر کر گئی۔ پس عورتوں کی بجائے مردوں سے شہوت بجھانا ان کا معمول زندگی بن گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جو حضرت ابراہیمؑ کے خالہ زاد یا چچازاد اور سارہ کے بھائی تھے۔ ان میں تیس برس رہ کر تبلیغ فرمائی لیکن بے اثر ثابت ہوئی۔ پس اللہ نے جب ان پر عذاب بھیجنا چاہا تو چونکہ حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ کی دلداری بھی مقصود تھی لہذا عذاب لانے والے فرشتوں کو پہلے ابراہیم کے پاس بیٹے کی خوشخبری کے لئے بھیجا اور بعد میں قوم لوط کی ہلاکت کی خبر دی تاکہ قوم کے عذاب کی خبر سے پہلے بیٹے کی بشارت سن لیں اور بعد والی اندوہناک خبر کو برداشت کر کے صبر و ضبط سے کام لینے میں ان کو آسانی ہو۔ چونکہ وہ رات کو پہنچے تو آپ نے سمجھا کہ چور ڈاکو ہیں لہذا ڈر گئے تو انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم خوشخبری دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ کو بشارت پروردگار کا پورا علم تھا اور مطمئن تھے لیکن ظاہری تعجب کے جواب میں فرشتوں نے کہا آپ مایوس نہ ہوں۔ یہ خوشخبری بالکل درست ہے اس کے بعد قوم لوط کے عذاب کی خبر سنائی۔

رکوع نمبر ۵ قوم لوطؑ کا ذکر

بالحق۔ حق کا اطلاق کئی معانی پر ہوا کرتا ہے (۱) امر واقع (۲) صدق (۳) ذات پروردگار (۴) دین اسلام (۵) قیامت (۶) موت (۷) عذاب (۸) حکمت وغیرہ اور آیت مجیدہ میں اس مقام پر حق سے مراد عذاب ہے اور مجاز مرسل کے طور پر عذاب کی اطلاع مقصود ہے جس طرح آیت نمبر ۵۵ میں صدق اور آیت نمبر ۸۵ میں حکمت مراد ہے۔

فَاَسْرِ ص ۱۸۸ یعنی رات کا کچھ حصہ باقی ہو تو آپ کو روانہ ہو جانا چاہیئے اس طریقہ سے کہ آپ سب کے پیچھے چلیں تاکہ نجات یافتگان آپ کی نظر میں ہوں اور اس طرح جاؤ کہ پیچھے پلٹ کر کوئی نہ دیکھے یعنی بعد میں ہونے والے حالات سے بے نیاز ہو کر جاؤ جس طرح کسی کو کہا جاتا ہے اس طرح چل کہ پیچھے کی طرف نہ دیکھنا یعنی بے فکر ہو کر سیدھا چلا جا اور تفسیر برہان میں ہے وقت مقرر کیا گیا کہ سات دن گذرنے کے بعد آٹھویں رات کو آخری حصہ میں جانا چنانچہ آٹھویں رات گذرنے پر صبح کو عذاب آیا۔

قَضَیْنَا ص ۱۸۸ یعنی ہم نے لوط کو اطلاع دے دی تھی کہ صبح تک یہ سب عذاب میں گرفتار کر لئے جائیں گے۔ اور ان سب میں سے جو بعد میں معذب ہوگا وہ بھی صبح تک ختم ہو جائے گا یا یہ کہ ان کی پوری نسل ختم کر دی جائے گی۔

مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ﴿۵۶﴾ قَالَ فَمَا

کی رحمت سے کون مایوس ہوتا ہے ؟ سوائے گمراہوں کے فرمایا تمہارا ضروری

خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ

کام کونسا ہے ؟ اے (اللہ کے) بھیجے ہوئے کہنے لگے تحقیق ہم بھیجے گئے ہیں مجرم قوم

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۸﴾

کی طرف سوائے لوط کے گھرانے کے تحقیق ہم ان سب کو بچا لیں گے

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ

سوائے اسکی عورت کے ہمارا فیصلہ ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی پس جب آئے

امر کی وضاحت

اولوالامر کی بحث میں بعض لوگ کج بحثی کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ آئمہ معصومین علیہم السلام اولوالامر ہونے کی حیثیت سے تکوینیات میں دخیل تھے حالانکہ قرآن مجید کی تصریحات اس کے برعکس ہیں دیکھئے حضرت لوط و حضرت ابراہیم اپنی اپنی قوم کے لئے وقت کے اولوالامر تھے۔ پس جب عذاب کا وقت آیا تو خدا نے اپنے نبی کو اطلاع دے دی اور سورہ ہود کی تفسیر میں جلد ۷ ایڈیشن نمبر ا صفحہ ۲۲۳ پر ہے کہ حضرت ابراہیم ؑ نے اللہ سے عذاب کے ہٹانے کی پُرزور سفارش کی جس کو اللہ نے مجادلہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا لیکن خدا نے ابراہیم کی جو وقت کے اولوالامر تھے کوئی سفارش قبول نہ فرمائی اور سرزنش کر کے فرمایا۔ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اے ابراہیم اس بات کو چھوڑیئے اور کوئی سفارش نہ کیجیے کیونکہ ان پر عذاب کا فیصلہ حتمی ہے اور یہ ہرگز نہیں ٹل سکتا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے فیصلے میں اپنے کسی نبی و ولی اور رسول و اولوالامر سے نہ مشورہ لیتا ہے اور نہ ان کی سفارش قبول کرنے کا پابند ہے البتہ ان کی جلالت قدر اور عظمتِ شان کے پیش نظر مصلحت کے ماتحت ان کو قبل از وقت اطلاع دے دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح کا واقعہ اور ان کی اپنے بیٹے کے حق میں سفارش اور اس کا سخت لہجہ میں جواب قرآن مجید میں مذکور ہے جو مذکورہ بالا بیان کی تائید کرتا ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ۔ آیات مجیدہ کی تفسیر جلد ۷ سورہ ہود صفحہ ۲۲۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایڈیشن نمبر ا

بَنٰتِيْٓ۔ قوم کی بیٹیاں مراد ہیں۔ تفصیل جلد ۷ صفحہ ۲۲۴ پر دیکھیں۔ ایڈیشن نمبر ا

لَعَمْرُكَ۔ صفحہ ۱۹۰ یہ حضرت رسالت مآب ؐ کا ہی اعزاز و اکرام ہے کہ خداوند کریم نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا

آل لوط کے پاس خدا کے بھیجے ہوئے (فرشتے) آپ نے فرمایا تحقیق تم اجنبی لوگ ہو تو کہنے لگے

بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾ وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَ

بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے تھے اور ہم تیرے پاس (عذاب) کی یقینی خبر لائے

إِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ

ہیں اور ہم سچے ہیں پس چلے جاؤ اپنی اہل کو لیکر جب رات کا کچھ حصہ باقی ہو اور خود ان کے

أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ

پیچھے چلو اور تم میں سے پیچھے پلٹ کر کوئی نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں تمہیں حکم ہوا ہے

﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُصْبِحِينَ

اور ہیں نے اپنا حتمی فیصلہ اس کو بتا دیا تھا تحقیق ان کی نسل صبح تک قطع ہو جائے گی

﴿٦٦﴾ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾ قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ

اور آئے شہر والے ایک دوسرے سے (لڑکوں کی) خوشخبری سنتے ہوئے آپ نے فرمایا یہ میرے

تنبیہ- اس میں شک نہیں کہ علی سے مہدی تک تمام آئمہ اولوالامر کے مصداق ہیں لیکن اس کلمہ میں امر کا معنی حکم ہے یعنی خدا کی جانب سے معین کردہ حکمران ہیں اور اس لحاظ سے انبیاء اوصیاء اپنے اپنے زمانہ کے اولوالامر تھے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ قرآن مجیدہ میں جہاں کہیں امر کا لفظ وارد ہو۔ اسی کلمہ کی وجہ محمدؐ و آل محمدؑ کو اس میں متصرف قرار دیا جائے کہ یہ اولوالامر ہیں اور ہمارے ہاں بے لگام مقررین قرآن مجید میں ذکر ہونے والے ہر امر کو آل محمد کی تحویل میں سمجھ لیتے ہیں حالانکہ امر متعدد معانی کے لیے قرآن میں وارد ہے۔ مثلاً ارادہ خداوندی۔ مشیت۔ فیصلہ۔ قیامت معاملہ عذاب شان اور حکم وغیرہ اور آئمہ طاہرین آخری معنی کے لحاظ سے اولوالامر ہیں۔ یعنی وہ امور شرعیہ کے نفاذ و رواج کے لیے تمام اُمت کے حاکم ہیں۔

سِجِّيلٍ ضہ۱۹ تفسیر کی جلد نمبر ۷ صفحہ ۲۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایڈیشن نمبر ۱

لِلْمُتَوَسِّمِينَ ۱۹ تفسیر برہان میں عبدالرحمٰن بن کثیر سے مروی ہے۔ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے

ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ﴿٦٩﴾ قَالُوا

مہمان ہیں پس تم مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے شرمسار نہ کرو کہنے لگے

أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ

کیا ہم نے تجھے لوگوں (کی مہمانی) سے روکا نہیں ؟ فرمایا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم (شادی) کرنے والے ہو

ہمراہ سفرِ حج کیا۔ ایک جگہ آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور لوگوں کے ہجوم کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے۔ مَا اَكْثَرَ الضَّجِيجَ وَمَا اَقَلَّ الْحَجِيجَ۔ یعنی شور کس قدر زیادہ ہے اور حاجی کسقدر کم ہیں۔ پس داؤد بن کثیر رقی نے عرض کی اے فرزندِ رسولؐ! کیا خدا ان سب کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا اے ابو سلیمان، خدا مشرک کو کبھی نہیں بخشے گا اور علی کی ولایت کا منکر بت پرست کی مانند ہے۔ میں نے عرض کی حضور! آپ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچان لیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے ابو سلیمان، جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا جاتا ہے مومن ہے یا کافر۔ جو آدمی ہمارے پاس آئے تو ہم اس کی پیشانی سے سمجھ لیتے ہیں کہ کون ہے؟ جیسا کہ خدا فرماتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ۔ پس ہم اسی اپنے دوستوں اور دشمنوں کو جان لیتے ہیں اور بروایت عیاشی منقول ہے کہ متوسمین سے مراد آلِ محمدؐ ہیں۔ چونکہ جامع قرآن نے ترتیب آیات سے قطع نظر قرآن کو جمع کیا ہے لہذا یہ سوال بالکل لغو ہے کہ یہ آیت قومِ لوط کے حالات سے مختص ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ آیت مجیدہ اس مقام پر مسافر اور اجنبی سے معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ ص۱۹۱ - تفسیر کی جلد ۶ ص۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اصحاب ایکہ پر بادل سے بجلی گری تھی اور اصحاب مدین دھماکے (صاعقہ) سے معذب ہوئے تھے۔ ان دونوں کے رسول حضرت شعیب تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ایکہ گھنے درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں اور حضرت شعیب کی قوم کا بھی یہی مسکن تھا

لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ص۱۹۱ - یعنی ان دونوں قوموں سے عبرت لینی چاہیئے اور وہ اس لحاظ سے امام یعنی پیشرو ہیں۔

رکوع نمبر ۶ قومِ صالح کا ذکر

اَصْحٰبُ الْحِجْرِ ص۱۹۱ - کہتے ہیں مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی تھی جس کا نام حجر تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ حجر اس شہر کا نام تھا۔ جس میں قوم ثمود کی رہائش تھی۔ اور حضرت صالح ان کی طرف مبعوث برسالت ہوئے اور چونکہ ایک رسولؐ کی تکذیب تمام نبیوں اور رسولوں کی تکذیب ہے لہذا تمام رسولوں کی تکذیب کی ان کی طرف نسبت دی گئی۔ ناقہ اور اس کا بچہ پھر ایک دن اس کا پینا اور قوم پر دودھ کا کافی ہونا اور دوسرے دن قوم کا پانی پینا اور اس کا پیاسا رہنا وغیرہ یہ سب اللہ کی طرف سے آیات تھیں جن کو انہوں نے ٹھکرایا اور مستحق عذاب ہوئے۔

فٰعِلِيْنَ ۝٧١ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝٧٢

تیری زندگی کی قسم تحقیق وہ اپنے نشے میں سرگردان تھے

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝٧٣ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا

پس پکڑ لیا ان کو دھماکے نے دن نکلے پس کر دیا ہم نے اُوپر کے حصے کو نیچے

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝٧٤ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور برسائے ان پر پتھر سخت قسم کے تحقیق اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝٧٥ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ۝٧٦ اِنَّ فِيْ

نشانیاں ہیں غور کرنیوالوں کے لئے اور تحقیق ان کی بستی ایک معروف سڑک پر واقع تھی تحقیق اس میں

يَنْحِتُوْنَ ص۱۹۱ ۔ سنگ تراشی کے ماہر تھے پس پتھروں سے گھر بناتے تھے۔ عمریں لمبی لمبی رکھتے تھے اور بڑے اطمینان و آرام سے چوروں ڈاکوؤں کے خطرہ سے بے نیاز ہو کر زندگی گذارتے تھے مفصل قصہ جلد ۶ ص۴۹ تا ص۵۶ اور جلد ۷ ص۲۲۸ مذکور ہو چکا ہے۔ ایڈیشن نمبرا

مَا خَلَقْنَا ص۱۹۱ ۔ دعوت اسلامیہ کے تتمہ کے طور پر خدا نے اپنی خالقیت و حکمت کا ذکر دہرایا اور اس میں تدبر نہ کرتے ہوئے دعوت حق کو ٹھکرانے والوں کو قیامت کی آمد سے خبردار کیا۔ اور حساب کے لئے متنبہ فرمایا۔

فَاصْفَحِ ص۱۹۱ ۔ عام حالات میں درگذر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم جہاد کے منافی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کا مقام الگ ہے پس سخت گیری کا مقام اپنا ہے اور نرمی۔ رحمدلی۔ سہل انگاری اور چشم پوشی کا مقام اپنا ہے۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مجمع البیان میں منقول ہے کہ ناراضگی ظاہر کئے بغیر معاف کر دینے کا نام درگذر ہے

سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ ص۱۹۲ ۔ اس میں تین اقوال ہیں (۱) مثانی سے مراد پورا قرآن ہے جس طرح کہ ارشاد باری ہے "کتابا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ" (۲) اس سے پہلی لمبی سات سورتیں مراد ہیں جن کو سبع طوال بھی کہا جاتا ہے (۳) سورہ فاتحہ کا سبع مثانی ہونا بسم اللہ الخ کے جزو سورہ ہونے کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر آیات فاتحہ کی تعداد سات نہیں بنتی۔ اس کو مثانی کہنے کے کئی وجوہ ہیں (۱) قرآن مجید کے تمام مضامین اس سورہ میں مجمل طور پہ مذکور ہیں اور پھر دوبارہ پورے قرآن میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ گویا پورے قرآن کے لئے یہ سورہ دوبارہ اجمالی خاکہ ہے (۲) یہ سورہ دو دفعہ نازل ہوا (۳) اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ حمد و ثنا۔ اور دوسرا حصہ دعا (۴) اس کے الفاظ میں تکرار ہے جیسے رحمٰن و رحیم وغیرہ

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ
نشانیاں ہیں مومنوں کے لئے اور تحقیق ایکہ والے ظالم
لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾
تھے تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور تحقیق یہ دونو قریں (مقام عبرت ونصیحت ہیں) بالکل پیش پیش ہیں
وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا
اور تحقیق جھٹلایا اصحاب حجر نے رسولوں کو اور ہم نے دیں ان کو اپنی
فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا
نشانیاں تو وہ ان سے اعراض کرنیوالے تھے اور وہ تراشتے تھے پہاڑوں سے اپنے گھر
اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى
با امن پس پکڑا ان کو بجلی نے صبح کرتے ہوئے تو نہ بچا سکا
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ
ان کو وہ جو کماتے تھے اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے

(۵) یہ تثنیہ سے موڑنے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے کہ فاسق لوگوں کو فسق سے موڑتا ہے ان کے علاوہ وجوہ تسمیہ تفسیر کی دوسری جلد ص۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔ ایڈیشن نمبرا

من تبیین کے لئے ہے۔ اور اگر مثانی سے مراد قرآن ہو تو من تبعیض کے لیے ہوگا اور قرآن کا عطف تفسیری ہوگا۔ اور پہلی صورت میں عطف کا ہونا سورہ فاتحہ کی عظمت کو ثابت کرتا ہے کہ وہ قرآن کے مقابلہ میں علوم کا خزانہ ہے جو مستقل سورہ پر خالق کا اپنے حبیب کو عطیہ ہے۔

لَاتَمُدَّنَّ ص۱۹۳ آیت مجیدہ میں تین قول ہیں (۱) مَتَّعْنَا کا مفعول محذوف ہے اور اَزْوَاجًا حال ہو یعنی کفار کو جو ہم نے منافع عطا کئے درحالیکہ وہ منافع جوڑے جوڑے ہیں یعنی ایک ایک جنس وصنف کے متعدد افراد ہیں۔ مثلاً متعدد اموال ومتعدد اولادیں وغیرہ ان کی طرف نظر نہ اٹھاؤ (۲) کفار کی ان نعمات کو باعث رشک نہ سمجھو جو اپنی نظیر ومثال رکھتی ہیں کہ وہ جوڑا جوڑا ہو سکتی ہے کیونکہ خدا نے تم کو ایسی نعمات بخشی ہیں جن کی نظیر نہیں۔ مثلاً نبوت۔ قرآن اور اسلام

إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ﴿۸۵﴾

درمیان ہے مگر حکمت کے مطابق اور تحقیق قیامت آنے والی ہے پس درگذر کرو اچھی طرح

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي

تحقیق تیرا رب ہی پیدا کرنے والا علیم ہے اور ہم نے تجھے عطا کیں سات مثانی سے

وغیرہ کہ ان کا جوڑا جوڑا موجود نہیں اور ان دونو صورتوں میں منہم میں ضمیر کا مرجع کفار بنیں گے کہ ان کفار میں سے ان کی نعمات کو قابل التفات نہ سمجھو (۳) اَزْوَاجاً کو مَتَّعْنَا کا مفعول قرار دیا جائے اور ازواج سے مراد اصناف کفار ہوں۔

تفسیر برہان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ اللہ کی تسلی سے جس کو تسلی حاصل نہ ہو وہ دنیا کی حسرتوں میں گرفتار رہے گا جو غیر کی نعمات کو ملچائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا وہ غم و ہم میں گرفتار رہے گا جو دنیاوی حالات پر غمگین ہو گویا وہ اللہ پر ناراض ہے جو مصائب کا شکوہ کرے وہ مصائب کا نشانہ ہوتا ہے کیوں کہ اس نے اللہ کا شکوہ کیا اور اس امت میں سے جو شخص قرآن پڑھنے کے باوجود دوزخ میں داخل ہو گا وہ وہی ہوگا جو اللہ کی آیات سے تمسخر کرتا ہو اور جو کسی امیر و رئیس کے سامنے اس سے کچھ لینے کی خاطر تواضع کرے اور خوشامد سے پیش آئے تو اس کا دو تہائی دین برباد ہوتا ہے۔ الحدیث

وَلَا تَحْزَنْ [ف۱۹۳] یعنی ان کے اسلام قبول نہ کرنے پر غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَاخْفِضْ [ف۱۹۳] یعنی مومنوں کے لئے اپنے اخلاق کریمانہ کو اور وسعت دے دو (بازو جھکانا محاورہ ہے)

كَمَا أَنْزَلْنَا [ف۱۹۳] اس کے دو معانی کئے گئے ہیں (۱) ہم نے تجھ پر قرآن اس طرح اتارا جس طرح یہود و نصاریٰ پر کتاب اتاری۔ کہ انہوں نے اس کے مضامین کو تقسیم کر دیا پس ٹکڑے ٹکڑے کر کے کسی ٹکڑے کو مان لیا اور کسی کا انکار کر دیا (۲)، میں تم کو عذاب سے ڈراتا ہوں جس طرح کہ وہ اترا تقسیم کرنے والوں پر کہتے ہیں ولید بن مغیرہ نے سولہ آدمیوں کو مقرر کیا جو لوگوں کو حضرت رسالت مآبؐ کی تعلیمات سے برگشتہ کریں پس وہ تقسیم ہو کر مکہ کے گلی کوچوں میں پھیل گئے اور ایام حج میں لوگوں کو حضورؐ سے برگشتہ کرنے کے درپے ہوئے پس خدا نے ان کو بدترین عذاب میں گرفتار کیا۔ کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کے حصے کر دیئے۔ کسی حصہ کو جادو کسی کو شعر اور کسی کا نام افترا رکھ دیا۔

عِضِينَ [ف۱۹۵] عِضَةٌ کی جمع ہے اصل میں عضو تھا۔ پس واؤ کو حذف کیا گیا۔

دشمنانِ پیغمبرؐ کو سزا

إِنَّا كَفَيْنَاكَ [ف۱۹۵] مروی ہے کفار میں سے چھ آدمی ایسے تھے جو بات بات پر تمسخر کر کے آپ کو رنجیدہ کرتے تھے (۱) عاص بن وائل (۲) ولید بن مغیرہ (۳) ابوزمعہ اسود بن مطلب (۴) اسود بن

وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا

اور قرآن عظیم نہ بڑھاؤ اپنی نظریں طرف اس کے جو ان کو ہم نے دی جنکی نعمات عطا کیں

مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

اور نہ ان پر غمزدہ ہو اور جھکا دو اپنے بازو مومنوں کے لیئے

وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

اور کہہ دو تحقیق میں صاف طور پر ڈرانے والا ہوں جس طرح ہم نے نازل کیا تقسیم کرنیوالوں پر

عبدلیغوث (۵) حارث بن قیس (۶) حارث بن طلاطلہ

تفسیر صافی میں بروایت احتجاج حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ خداوند کریم نے رسالت مآبؐ پر تمسخر کرنے والوں کو بدترین موت دی کہ ہر ایک کی موت کی نوعیت دوسرے سے الگ تھی اور سب کی موت ایک ہی دن میں واقع ہوئی۔ ولید قبیلہ خزاعہ کے لوہار کے پاس سے گذرا جو تیر بناتا تھا پس تیر کی نوک اس کی پنڈلی کی رگ میں لگی کہ رگ ٹوٹ گئی اور اسی سے اس کی موت واقع ہوئی۔ عاص بن وائل ایک پہاڑی پر چڑھا اور ایک پتھر پر حاجت ضروریہ کے لئے بیٹھا تھا کہ پاؤں کے نیچے سے پتھر پھسلا اور نیچے گر کر چکنا چور ہو گیا اسود بن لیغوث اپنے بیٹے زمعہ کو ملنے جا رہا تھا کہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھا پس جبریل نے اس کو پکڑ کر درخت کے تنے سے ٹکرا ٹکرا کر مار دیا وہ اپنے غلام سے کہتا تھا کہ اس شخص سے مجھے چھڑاؤ۔ لیکن وہ جواب دیتا تھا کہ مجھے تو کوئی آدمی نظر نہیں آتا تو خود ہی ٹکریں مار رہا ہے۔ اسود بن مطلب حضورؐ کی بددعا سے نابینا ہو کر مرا۔ اور حارث بن طلاطلہ گھر سے نکلا۔ باد سموم چل رہی تھی پس اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا جب گھر پلٹا تو اپنی اہلیہ کے پاس گیا گھر والے چونکہ نہ پہچان سکے لہذا اس کے قتل کے درپے ہوتے وہ چلاتا رہا کہ میں حارث ہوں وہ نہ مانے اور اس کو قتل کر دیا۔ اور بروایت مجمع البیان حارث بن قیس نے مچھلی کھائی اور پیاس کے غلبہ سے پانی پی پی کر پھول گیا اور اس کو موت واقع ہو گئی۔

ان میں سے ہر ایک بوقت مرگ یہی کہتا تھا کہ مجھے محمدؐ کے خدا نے مارا ہے اور ان سب کی موت ایک گھنٹہ کے اندر واقع ہوئی۔

اس کے بعد حضورؐ گھر سے نکلے اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر لوگوں کو دین خدا کی دعوت دی۔ اور مروی ہے کہ بعثت کے بعد جب کفار قریش درپے ایذا ہوئے تو آپؐ نے کئی برس تک خاموشی اختیار کر لی اور تقیہ کر کے تبلیغ کا سلسلہ بند کر دیا۔ سوائے علیؑ اور خدیجہ کے اس وقت اور کوئی دامن اسلام سے وابستہ نہیں ہوا تھا پس جب اللہ

کا حکم ہوا کہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ الخ یعنی تو اپنی تعلیمات کو ظاہر کر اور مسخری کرنے والوں کو میں سزا دوں گا اور ان کو مذکورہ بالا سزا مل بھی گئی۔ تو آپ نے کھل کر میدان تبلیغ میں قدم رکھا اور فرمایا۔ اے گروہ میں تم کو کلمہ توحید خدا اور اپنی رسالت کی دعوت دیتا ہوں۔ اور میں تم کو بت پرستی کی برائی سے بچنے کا پیغام دیتا ہوں۔ اگر میری بات مانو گے تو عرب پر تمہاری حکومت کا جھنڈا لہرائے گا اور عرب و عجم تمہارے حکم کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ نیز دنیا کی حکومت کے ساتھ ساتھ تم کو جنت میں بھی خدا سرداری عطا فرمائے گا۔ پس فوراً جواب میں کہنے لگے۔ یہ دیوانہ ہے لیکن حضرت ابوطالب کے بلند وقار کے پیش نظر ایذا رسانی کی جرات نہ کر سکتے تھے۔

تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے حضورؐ کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ اگر آپ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ہم قتل کر دیں گے اور ظہر تک یہ فیصلہ ہو گا۔ چنانچہ آپؐ غمزدہ ہو کر گھر میں چپکے سے بیٹھ رہے ایک گھنٹہ کے بعد جبریل آیا اور کہا کہ خدا اسلام کے بعد فرماتا ہے۔ اِصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ یعنی جو تجھے حکم ہوا ہے اس کا اعلان کرو اور مشرکین کی باتوں کی پرواہ نہ کرو۔ آپ نے فرمایا اے جبریل۔ ان لوگوں نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے تو اس کا کیا حل ہے؟ پس جبریل نے یہ آیت پڑھی اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ۔ یعنی ہم نے مسخری کرنے والوں سے تیری کفایت کر لی ہے یعنی ان کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تو ابھی یہاں موجود تھے جبریل نے کہا میں ابھی ان کا معاملہ صاف کر کے آ رہا ہوں۔ پس آپ نے اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی۔

ایمان ابوطالب

بروایت برہان علی بن ابراہیم سے اسی ذیل میں منقول ہے کہ کفار قریش حضرت ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ تیرا بھتیجا ہمیں بیوقوف بناتا ہے وہ ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے اور اس نے ہمارے نوجوانوں کو پھسلا لیا ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی افتراق و اختلاف کا نشانہ بن گئی ہے اگر وہ یہ باتیں تنگ دستی کی وجہ سے کرتا ہے تو ہم چندہ ڈال کر اسے مالدار کر دیتے ہیں اگر شادی کا خواہشمند ہے تو قریش کی جس عورت سے چاہے ہم اس کی شادی کرا دیں گے۔ چنانچہ ابوطالب نے آپ کے سامنے ان کی درخواست دہرائی تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا یہ اللہ کا دین ہے اور اس نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے میں کفار قریش کو خوش کر کے اپنے اللہ کو ناراض نہیں کروں گا۔ انہوں نے حضرت ابوطالب کو حضورؐ سے طلب کیا تو ابوطالب نے نہایت سخت جواب دیکر ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ جب سب قریشیوں نے آپ کے قتل کے ایک عہدنامہ پر دستخط کیے تو حضرت ابوطالب نے تمام بنی ہاشم کو بلا کر کعبہ کے اندر رکن و مقام اور بیت اللہ کی قسم دیکر کہا اگر میرے بیٹے محمدؐ کو کسی نے تکلیف پہنچائی تو میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔ پس چار سال تک شعب میں لے جا کر حفاظت کا فریضہ انجام دیا جب شعب سے باہر آئے اور ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا چچا جان! آپ نے میری تربیت کفالت اور حفاظت میں بہت بہترین کردار ادا کیا خدا آپ کو جزائے خیر دے اب کلمہ اسلام کا اظہار کرو تاکہ میں آپ

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ

جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے پس تیرے رب کی قسم ہم اُن سب سے سوال ضرور

اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ

کریں گے اس کے متعلق جو وہ کرتے تھے پس تو ظاہر کر جو تجھے حکم ہوا ہے

وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾

اور اعراض کر مشرکوں سے تحقیق تیری کفایت کر لی ہم نے مسخری کرنیوالوں سے

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۹۶

جو بناتے ہیں اللہ کے ساتھ اور خدا پس وہ عنقریب جان لیں گے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ تیرا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کہتے ہیں پس اپنے رب کی حمد سے اس کی

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع۶

تسبیح اور سجدہ کرنے والے بنو اور اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ موت آ جائے

کا شفیع بن جاؤں تو مروی ہے کہ وفات سے قبل حضرت ابوطالب نے کلمہ اسلام ظاہر کر دیا جس پر حضور رضامند ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا جب میں مقام محمود پر ہوں گا تو اپنے والدین اور چچا کی شفاعت کروں گا۔

مذہب امامیہ کا عقیدہ ہے کہ آبائے نبی علیہ السلام تا آدم مسلمان تھے اور نور نبوت کسی دور میں کافر پشتوں اور کافر رحموں سے نہیں گذرا جو لوگ حضور کے والدین کو کافر کہتے ہیں وہ رسول کے مقام کو نہیں سمجھے۔ اسی طرح حضرت ابوطالب کو کافر کہنا محض آل محمدؐ کے ساتھ حسد و بغض کے منحوس اثرات میں سے ہے جو آل محمدؐ سے لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے بروئے کار لایا گیا۔ ہم حضرت ابوطالب کے ایمان کے متعلق مفصل بحث تفسیر کی جلد ۵ ص۲۰۱ تا ص۲۱۱ پر کر چکے ہیں نیز اپنی نو تصنیف کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں آبائے رسالت مآبؐ اور ابوطالب کے ایمان پر ہم نے مدلل بیان سپرد قرطاس کیا ہے۔

اَلْيَقِيْنَ - اس مقام پر یقین سے مراد موت ہے اور بعضوں نے علم بھی مراد لیا ہے۔

سُورَۂ نَحَل

اس کی کل آیات ایک سو اٹھائیس ہیں۔ اور بسم اللہ کو ملا کر کل تعداد ایک سو انتیس ہو گی۔
اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے (۱) پہلی چالیس آیات مکی باقی مدنی ہیں (۲) آخری تین آیتوں کے علاوہ باقی سب سورہ مکیہ ہے اور سورۂ کہف کے بعد نازل ہوا ہے۔
مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھیگا محشر میں دنیاوی نعمتوں کا اس سے حساب نہ ہوگا اور نیک وصیت کر کے مرنے والے کے برابر اس کو اجر عطا کیا جائیگا۔
امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص ہر ماہ میں ایک بار پڑھتا رہے تو دنیا میں تاوان سے بچا رہیگا اور ستر قسم کی مصیبتوں میں گرفتار نہ ہوگا جن میں کم از کم دیوانگی، برص اور جذام ہیں اور برزخ محشر اس کا ٹھکانہ جنت عدن میں ہوگا۔
جو شخص اس کو لکھ کر کسی باغیچے میں دفن کرے وہ باغ جل جائے گا اور اگر کسی گھر میں اس کو دفن کیا جائے تو سال کے اندر وہ سب ختم ہو جائیں گے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس کو باغیچہ میں رکھنے سے ہر پھلدار درخت کا پھل گر جائے گا اور کسی گھر میں رکھنے سے وہ گھر برباد ہوگا اور سال کے اندر بسنے والے سب فنا ہو جائیں گے لہٰذا اس کا عمل کرنے سے تم لوگ بچو۔ ہاں ظالم کے لیے اس کا استعمال ممنوع نہیں ہے ذاتی، جذباتی عداوتوں کی بنا پر کسی کو ظالم سمجھ لینا اور اس کے درپے اینذا ہونا ٹھیک نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص خدا اور رسول کا دشمن اور خلق خدا کا ظالم ہو تو اس کے ظلم سے بچنے کی خاطر اس کے استعمال کی اجازت ہے ورنہ کسی مومن مسلم کے گھر کو برباد کرنے والا کہیں خود نہ اس کی زد میں آجائے، مثل مشہور ہے۔ چاہ کن را چاہ درپیش۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۝

آئے گا اللہ کا امر پس نہ اس کی جلدی کرو وہ منزہ اور بلند ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں

رکوع نمبر ۷ حضرت قائم کی آمد

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ - اس میں تین قول ہیں (۱) امر سے مراد مشرکوں اور کافروں کا عذاب ہے اور مستقبل قریب میں آنے والے عذاب کو ماضی کے صیغے سے بطور مبالغہ کے ادا کیا گیا ہے کہ گویا ابھی آیا۔ (۲) امر سے مراد قیامت ہے پس یقینی آنے والے واقعات کو ماضی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جیسے اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ (۳) امر سے مراد احکام شرعیہ خواہ اوامر ہوں یا نواہی (۴) حضرت قائم آلِ محمدؑ کی آمد اور آئمہ طاہرین سے یہی قول مروی ہے اور باقی اقوال بھی ظاہر کے لحاظ سے آخری معنی کے ساتھ متصادم نہیں ہیں۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قائم علیہ السلام کی آمد سے پیشتر جبریل ایک قدم کعبہ پر اور دوسرا بیت المقدس پر رکھ کر آواز دے گا۔ اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ الخ پس حضرت قائمؑ تشریف لائیں گے اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کریں گے اور تین سو تیرہ کی تعداد میں اصحاب ان کے ہمراہ ہوں گے ان میں سے بعض تو وہ ہوں گے جو راتوں رات اپنے بستر پر سے یہاں پہنچیں گے۔

بِالرُّوۡحِ [۱۹۸] - روح کا معنی وحی یا قرآن کیا گیا ہے کیونکہ ان کی بدولت انسان کا دل و دماغ زندہ ہوتا ہے نیز اس سے نبوت بھی مراد لی گئی ہے۔ تفسیر برہان میں روح کو ملائکہ کے علاوہ ایک اور مخلوق کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک شخص کو اسی آیت مجیدہ سے دلیل دے کر سمجھایا کہ روح عام فرشتوں کے علاوہ ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے۔ کہ انبیاء کی طرف جبریل روح کو ساتھ لے کر آتا ہے اور یہ روح اوصیاء کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتی ہے۔

مِنۡ اَمۡرِہٖ - اس مقام پر من باء کے معنی میں ہے یعنی خدا کا حکم لے کر اترتے ہیں۔

توحید کا بیان

فَاتَّقُوۡنِ [۱۹۸] - یعنی نبیوں اور رسولوں کی بعثت کی غرض ہی صرف یہ ہے کہ لوگوں کو لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی مخالفت سے ڈرائیں۔ پس اے انسانو! تم کو ڈرنا چاہیئے۔ اس کے بعد اپنی خالقیت اور جملہ احسانات کا تذکرہ فرمایا۔ اگر خدا کے علاوہ اور کوئی خالق ہوتا تو دعوتِ توحید اور لا الٰہ الّا انا کے بعد مسئلہ خلق کو بیان نہ فرماتا۔ بلکہ خدا نے کسی غیر کو خالق ماننے والوں کو صریح الفاظ میں مشرک کہہ دیا کہ آسمانوں اور زمینوں کا سچا خالق اللہ

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

اتارتا ہے فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے کہ

عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝٢ خَلَقَ

ڈراؤ تحقیق کوئی معبود نہیں سوائے میرے پس مجھ سے ڈرو اس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٣ خَلَقَ

پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بلند ہے وہ اس سے جو شرک کرتے ہیں پیدا کیا انسان

الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝٤ وَالْاَنْعَامَ

کو نطفے سے پس وہ کھلم کھلا جھگڑالو ہے اور چوپاؤں کو پیدا

خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝٥ وَلَكُمْ

کیا کہ تمہارے لئے ان میں گرمی موجود ہے اور دوسرے فائدے بھی ہیں اور انہی سے تم کھاتے ہو اور تمہارے

فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝٦ وَتَحْمِلُ

لئے ان میں زینت ہے جب ان کو شام کو لاتے ہیں اور صبح کو چرنے بھیجتے ہو اور وہ اٹھاتے

اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ

ہیں تمہارے بوجھ شہروں تک کہ تم نہیں لے جا سکتے مگر جان کی تکلیف کے ساتھ تحقیق

ہے اور وہ مشرکوں کے بکواسوں سے بلند و بالا ہے۔ پھر نطفہ سے انسان کی پیدائش کو بیان کیا اور فرمایا کہ کس قدر انسان ناسپاس گذار واقع ہوا ہے کہ وہ بجائے شکر گذاری کے میرے حق خالقیت کا انکار کرتے ہوئے میری مخلوق کو میرے برابر ٹھہراتا ہے۔ اس کے بعد حیوانات کی تخلیق اور ان کے منافع کا ذکر فرمایا (۱) سردیوں میں حیوانوں کی اون اور کھال سے تمہارے گرم لباس بنتے ہیں۔ حلال حیوان تمہارے کھانے کے لئے ہیں (۳) حیوانوں کا وجود تمہارے لئے زینت ہے۔ کیونکہ جس گھر میں ہوں وہ گھر خوبصورت اور جس آدمی کی ملکیت ہوں وہ لوگوں میں صاحب جلال و وقار ہوتا ہے (۴) تمہارے بوجھ اٹھانے کے کام آتے ہیں (۵) تمہاری سواری کی خاطر بھی ہیں اسی طرح قلبہ رانی و دیگر منافع ان میں موجود ہیں

رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٧ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ

تمہارا رب مہربان رحیم ہے اور گھوڑے خچر اور گدھے (پیدا کئے) تاکہ

لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٨ وَعَلَى اللّٰهِ

ان پر سواری کرو اور زینت کے لئے اور پیدا کرتا ہے جس کا تم کو علم بھی نہیں اور اللہ پر ہے

قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَاۗىِٕرٌ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٩ ع

سیدھا راستہ (دکھانا) ان میں سے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ہدایت کر دے

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ

وہ وہ ہے جس نے نازل کیا آسمان سے پانی کہ تم اس سے پیتے ہو اور اس سے درخت اُگتے ہیں

شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝١٠ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ

کہ چرپاؤں کو چراتے ہو اس کے ذریعے سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور

وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

انگور اور ہر قسم کے میوہ جات اگاتا ہے تحقیق اس میں نشانی

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١١ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ

ہے اس قوم کے لئے جو فکر کریں اور مطیع کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج و چاند

پس فرمایا اور بھی بہت سی چیزیں خدا نے پیدا کیں اور کریگا جو تمہاری منفعت کے لیے ہوں گی۔ جن کا تم کو علم بھی نہیں پس دورِ حاضر کی سواریاں اور آسانیاں سب کا اجمالی ذکر اس میں کر دیا گیا۔

وَعَلَى اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کا کام ہے سیدھا راستہ بیان کرنا اس کے بعد اختیار کرنا بندوں کا اپنا فعل ہے۔ قصد کا مضاف بیان یا ہدایت محذوف ہے۔

وَمِنْهَا جَاۗىِٕرٌ۔ یعنی اگر خدا جبر کے ذریعے سے چاہتا تو تم سب کو قہراً راہِ حق پر لے آتا لیکن جبر کو پسند نہیں کرتا۔

رکوع نمبر ۸ نعماتِ خداوندی | هُوَ الَّذِيْ۔ اس نے آسمان سے پانی اتارا جس کو انسان پیتے ہیں اور اس سے

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

کو اور ستارے مطیع ہیں اسی کے حکم سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں عقل والی قوم

یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ

کے لئے اور وہ جو پیدا کیں تمہارے لئے زمین سے رنگ برنگی مختلف چیزیں تحقیق

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ

اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے جو نصیحت حاصل کریں اور وہ وہ ہے جس نے مطیع کیا

درخت سیراب ہوتے ہیں یعنی مِنْهُ سَقْیُ شَجَرٍ۔ پس شجر کا مضاف محذوف ہے اور یہ اعراب میں اس کے قائم مقام ہے اور درخت سے مراد ہر قسم کی نباتات ہے۔

وَمَا ذَرَاَ۔ نعمات خداوندی میں سے ہے زمین کی تمام ترپیداوار بعض کھانے کو بعض پہننے کو بعض تفریح کے لئے بعض عیش و عشرت کے لئے وعلی ہذا القیاس۔ چنانچہ ہر کا رنگ الگ ذائقہ جدا لذت اپنی اپنی اور ان کی جملہ مصلحتوں کو جاننا بھی انسان کے بس سے باہر ہے۔

درسِ معرفت خداوند کریم نے درس معرفت کے لئے ان تینوں آیتوں میں تین قسمیں بیان کی ہیں۔ پہلی قسم سے درس معرفت ہر صاحب عقل نہیں لیتا بلکہ صرف وہی فائدہ اٹھاتے ہیں جو غور و فکر کے میدان میں عقول کی پشت پر سوار ہو کر آگے بڑھیں لہذا وہاں وہ بیان فکر کرنے والوں کے لئے مختص فرمایا دوسری قسم لیل و نہار کا اختلاف اور چاند سورج کی گردش و تسخیر کو ظاہری طور پر بغیر غور و خوض کے ہر آدمی سمجھتا ہے۔ لہذا ہر صاحب عقل و دانش کے لئے اس کو اپنی معرفت کا زینہ قرار دیا۔ اس کے بعد نعمات کی تیسری قسم اس کی خورد و نوش اور بود و باش کے لوازم اور اسباب زندگی کا ذکر کیا جو دعوت شکر و حمد کی متضمن ہے۔ پس اس سے فائدہ اٹھانا چونکہ بیدار مغز اور احسان شناس طبقہ کا ہی کام تھا۔ لہذا انہی کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ پس یَتَفَكَّرُوْنَ۔ یَعْقِلُوْنَ اور یَذَّكَّرُوْنَ کی جدا جدا تفصیلیں اسی مناسبت سے ہیں۔

حِلْیَةً۔ خشکی کی نعمات کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد بحری نعمات کا بیان شروع فرمایا کہ اس نے دریاؤں کو تمہارا مطیع کیا کہ اس سے مچھلی کا تازہ گوشت حاصل کرسکتے ہو اگر پانی مطیع نہ ہوتا تو یہ نعمت تمہیں کیسے دستیاب ہو سکتی؟ پھر غوطہ زنی کر کے جواہر آبدار اس کی تہ سے نکال کر زیورات میں استعمال کرتے ہو اور پھر کشتیاں اس کو چیرتی پھرتی ہیں۔ مَوَاخِرَ جمع ہے مَاخِرَة کی اور مخر کا معنی پانی کا چیرنا ہوا کرتا ہے اور پانی کی یہ تسخیر تمہاری تفریح طبع کے علاوہ تمہارے سفر تجارت کے لئے بھی ہے کہ دوسرے ممالک سے رابطہ قائم کر کے فضل خداوندی کی تلاش

مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۴﴾

پانی کو چیرنے والی اس میں اور تاکہ حاصل کرو اس کا رزق اور تاکہ تم شکر کرو

وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَ

اور اس نے ڈالے زمین پر پہاڑ کہ وہ ہلنے نہ پائے اور نہریں اور

سُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵﴾ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ

گزرگاہیں تاکہ تم ہدایت پاؤ اور نشانیاں اور ستاروں کے ذریعے وہ لوگ ہدایت پاتے

﴿۱۵﴾ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۶﴾

ہیں کیا وہ جو پیدا کرتا ہے مثل ان کے ہے جو نہیں پیدا کرتے کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ؟

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ

اور اگر تم گنو اللہ کی نعمتوں کو تو نہ احصا کر سکو گے تحقیق اللہ بخشنے والا

گر سکو: یہاں فضل سے مراد منفعتِ تجارت ہے کیونکہ شکارِ مچھلی اور اخراج جواہر کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ۔ زمین پر پہاڑوں کا وجود زمین کے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے ہے تاکہ انسانی زندگی پرسکون ہو اور پھر ان کے دامن کو قسم قسم کی معدنیات سے بھر کر انسان کے لئے منافع خوری کے طریقے آسان فرما دیئے۔

أَنْهَارًا۔ زمین کے اوپر دریاؤں کی روانی اور ان کا متعین راستوں سے بہ کر جانا غور کرنے والوں کے لئے درس توحید ہے۔

وَعَلَامَاتٍ۔ یعنی خدا نے زمین پر علامات پیدا کر دیں تاکہ انسانوں کے لئے اطراف اور اوقات کی تعیین میں معاون ہوں۔

وَبِالنَّجْمِ۔ مطلق جنس ستارگان مراد ہے کیونکہ سمتوں اور وقتوں کے تعیین میں ان کا بڑا دخل ہے اور اس کی تاویل میں آئمہ علیہم السلام سے مروی ہے کہ ہم علامات ہیں اور جناب رسالت مآبؐ نجم تھے اور حضور سرور کائناتؐ نے فرمایا تھا کہ خداوند کریم نے ستاروں کو آسمان والوں کے لئے باعث امان بنایا اور میری اہل بیت زمین والوں

رَحِيمٌ ﴿١٨﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٩﴾

رحیم ہے اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَّ

اور جو لوگ پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ نہیں پیدا کر سکتے کچھ بلکہ وہ

هُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ

خود پیدا کردہ ہیں وہ مردہ بغیر روح کے ہیں نہیں شعور رکھتے کہ

کے لئے باعث امان ہے۔ (مجمع البیان)

بیانِ توحید

وَاِنْ تَعُدُّوْا۔ اگر انسان چاہے کہ اللہ کی نعمات کو شمار کرے تو یہ ناممکن ہے اور جہاں تک انسانی معلومات کا تعلق ہے نعمات پروردگار کے مخفی ذخائر جو انسان پر منکشف ہیں ان کے بیش بہا افراد کا شمار طاقت بشری سے باہر ہے حالانکہ اسی کی نعمات کے وہ مخفی خزائن جن کو انسانی عقل و شعور کی کنجیاں ابھی تک کھول نہیں سکیں یا انسانی تدبیر کے ناخن ان کی رموز کی گرہوں کو حل کرنے سے تاحال قاصر ہیں یا جن کے روشن چہرے سے حس و ادراک کے ہاتھوں ابھی تک پردہ نہیں اٹھایا جا سکا اور وہ سربستہ رموز کی صورت میں پنہاں ہیں وہ ان ظاہر و منکشف نعمات کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہیں۔

انسان تو اپنے جسم و بدن کے قویٰ و اعصاب کے اندر تفویض شدہ اسرار و حقائق اور رموز و مصالح کی معرفت سے اور ان کو شمار کرنے سے عاجز ہے اور غور و فکر کے تازی تیز رو کے اوپر سوار ہو کر اپنے وجود کی پوری سیر عمر بھر نہیں کر سکتا تو وہ باقی نعمات خداوندی کے ادراک و احصار کے لئے زمین اور اس کی تہوں پہاڑ اور ان کی وادیوں پانی اور اس کی گہرائیوں آسمانوں کی بلندیوں اجرام علویہ کی حکمتوں، ہواؤں، فضاؤں، خلاؤں، دریاؤں، آبشاروں غرضیکہ یہ قدرت کی جملہ پر از حکمت و تدبیر کرشمہ سازیوں کا کہاں تک اور کیوں کر مطالعہ کر سکتا ہے؟

وَالَّذِيْنَ۔ اس کے بعد چیلنج دے کر فرماتا ہے کہ جس کو بھی خدا کے علاوہ بلاؤ کسی ایک شخص کی تخلیق پر بھی قدرت نہیں رکھ پاتے وہ تو اپنے وجود میں خالق کے محتاج ہیں اور جو خود محتاج ہو وہ حاجت روا کیسے بن سکتا ہے یا جو خود میری تخلیق کا محتاج ہے وہ میرے مقابلہ میں خالق کیسے بن سکتا ہے؟

توحید پروردگار کی قسم جن لوگوں نے خدا کے فرستادہ نبیوں اور ولیوں کو خالق مان لیا انہوں نے نعمات پروردگار کی توہین کی اور اس سے بڑھ کر اور کفران کیا ہو سکتا ہے؟ کہ وہ اپنے لطف و کرم سے انسان کو انسانیت سکھانے اور اس

اَیَّانَ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيۡنَ لَا

کب اٹھائے جائیں گے تمہارا معبود صرف ایک ہے پس جو لوگ نہیں

يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مُّنۡكِرَةٌ وَّهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۲۲﴾

ایمان لاتے قیامت پر ان کے دل انکاری ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ؕ اِنَّهٗ لَا

بے شک تحقیق اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ نہیں

کی عاقبت کے سنوارنے کے لئے نمایندے بھیجے اور اس کی بے پایاں نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے ان ہی کو اس محسن کا شریک قرار دیا جائے۔ خود آئمہ معصومین نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جنھوں نے ان کو خالق ورزاق مانا۔ آل محمدؐ کو امام و پیشوا ماننے والوں پر اللہ کا کس قدر احسان ہے کہ ان کو ایسے رہبر عطا کئے اس کا حق شکر یہ نہیں کہ اس کی ربوبیت کی رِدا میں ہاتھ ڈال کر آل محمدؐ کو خالق کہا جائے پس جس شرک سے بچانے کے لئے وہ تشریف لائے تھے اسی میں پھنس کر اپنی عاقبت کو خراب کرنا بارش سے بچنے کے لئے پرنالہ کے نیچے کھڑے ہونے کے مترادف ہے۔

یاد رکھئے جس طرح حضرت عزیرؑ کو اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے والے کافر ہیں اسی طرح حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کو خالق ورازق جاننے والے بھی مشرک ہیں جو مولوی یا مقرر اپنی چرب لسانی سے آل محمدؐ کو خالق یا رازق ثابت کرتے ہیں وہ آل محمدؐ کی تعریف نہیں کرتے بلکہ وہ آل محمدؐ کے مشن کی تخریب میں پیش پیش ہیں۔ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح فرعون، نمرود، شداد وغیرہ کو خدا ماننے والے مشرک تھے اسی طرح انبیاء و اولیاء کو خالق ورازق کہنے والے بھی مشرک ہیں۔

اَمۡوَاتٌ۔ میّت کی جمع ہے اور میّت اس کو کہا جاتا ہے جس کی شان میں زندگی ہو گویا موت وحیات میں عدم وملکہ کا تقابل ہے۔ پس بتوں کو میت کہنا اس لئے درست ہے کہ وہ ان کو انسانی ڈھانچوں میں ظاہر کرتے تھے۔ نیز جن اولیاء یا انبیاء کی فرطِ محبت میں آکر لوگوں نے ان کو مسند توحید پر جا بٹھایا وہ بھی عدم کے بعد وجود میں آئے تھے کیونکہ حیات ان کی عین ذات نہیں تھی۔ پس وہ ذات کے اعتبار سے اموات ہیں احیاء نہیں ہیں تو جو خود اپنے وجود کو حیات بخشنے کے لئے محتاج ہو وہ کسی کو کیسے حیات بخش سکتا ہے۔ لہذا خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے اور ان کو تو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ ہمیں دوبارہ کب اٹھایا جائے گا؟

رکوع نمبر ۹ | اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ۔ پہلے اپنی خالقیت کو بیان فرمایا پھر متعدد نعمات گننے کے بعد غور وفکر کی دعوت

يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ

پسند کرتا تکبر کرنے والوں کو اور جب ان کو کہا جائے کیا اتارا ہے تمہارے رب نے؟ تو

قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً

کہتے ہیں کہ قصے گذشتہ لوگوں کے (نتیجہ کے طور پر) اٹھاتے ہیں اپنے بوجھ پورے بروز

يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ

قیامت اور ان لوگوں کے بوجھ سے بھی جن کو انہوں نے گمراہ کیا بے خبری میں

اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

بے شک ان کا بوجھ بہت برا ہوگا تحقیق مکر کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے

دی اور اپنے غیر کی خالقیت کی صراحت سے نفی فرمائی اور نتیجہ کے طور پر فرمایا کہ بس تمہارا اللہ صرف ایک ہے بعض مقرر لوگ عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ ہم علیؑ کو الہ نہیں سمجھتے اور خالق سمجھنا منافی توحید نہیں آیت مجیدہ ان کے لئے دعوت فکر ہے کیونکہ غیر اللہ کی خالقیت کی نفی کے بعد توحید ربوبیت کے اعلان کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو خالق ہے وہی الہ ہے اور جو الہ ہے وہی خالق ہے۔ پس خالق و الہ میں نسبت تساوی کی ہے اور حضرت عیسیٰ کی طرف خلق کی نسبت مجازی ہے۔ ورنہ درحقیقت ہر شی کا خالق اللہ ہے اور اس کا اس میں کوئی شریک نہیں ہے۔

اَلْمُسْتَكْبِرِيْنَ۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی منقول ہے۔ ایک مرتبہ امام حسینؑ کا گذر مساکین کے پاس سے ہوا کہ وہ زمین پر چادر بچھا کر اور روٹی کے ٹکڑے پھیلا کر کھا رہے تھے پس انہوں نے دعوت دی تو آپ نے ان کے ساتھ مل کر کھانا تناول فرمایا اور بعد میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ۔

لِيَحْمِلُوْا۔ یہ لام عاقبت کا ہے یعنی غلط بیانی کا انجام یہ ہوگا کہ ان کی گردنوں پر اپنے بوجھ کے علاوہ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہوگا جن کو انہوں نے گمراہ کیا تھا اور حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے جو شخص کسی کو ہدایت کی طرف بلائے اور اس کی اتباع کی جائے تو ان کی نیکیوں کے ثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گے اور کرنے والے کو اپنے اپنے مقام پر بھی پورا ثواب ملے گا۔ اور جو گمراہی کی دعوت دے اور اس کی اتباع کی جائے تو اس کے نامۂ اعمال میں ان کی برائیوں کا گناہ درج ہوگا حالانکہ کرنے والوں کے نامہ میں بھی کمی نہ ہوگی۔ اور تفسیر برہان میں آئمہ اہل بیت سے بھی اس مضمون کی روایات نقل کی گئی ہیں۔ نیز مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے حق کے غاصب

فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ

پس اللہ نے ان کے مکر کی عمارتوں کو بنیادوں سے گرا دیا پس گری ان پر چھت اوپر سے

مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ

اور آیا ان پر عذاب ایسی جہت سے کہ وہ نہ جانتے تھے

(۲۶) ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ

پھر بروز قیامت ان کو رسوا کرے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

جن کی وجہ سے تم جھگڑتے تھے؟ کہیں گے وہ جن کو علم دیا گیا (فرشتے)

اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (۲۷) الَّذِيْنَ

تحقیق رسوائی اور ذلت آج کافروں پر ہے جن کو ماریں گے

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ

فرشتے درحالیکہ وہ اپنے نفسوں کے ظالم ہوں گے پس اطاعت پیش کریں گے

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ

یہ کہہ کر کہ ہم نے کوئی برائی نہیں کی ہاں تحقیق اللہ جانتا ہے جو تم کرتے تھے

اپنے گناہوں کے علاوہ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے، جنہوں نے ان کی اتباع کی تھی اور صافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے جہاں کوئی خونریزی یا لڑائی یا بدکاری یا حرام خوری ہوگی ان سب کا گناہ ان دونو کی گردن پر رکھا جائے گا۔

رکوع نمبر ۱۰ قَدْ مَكَرَ صفحہ ۲۰۴ ۔ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی تکذیب اور ان کے ساتھ امت کی جانب سے فریب کاری کا دستور رہا ہے لہذا آپ ان باتوں سے گھبرانہ جائیں بلکہ صبر و سکون سے اپنی تبلیغ کو جاری رکھیں۔

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

پس جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ کہ ہمیشہ رہو گے اس میں

فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَا

البتہ برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا اور کہا جائے گا ان کو جنہوں نے تقویٰ کیا کہ کیا

ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ

اتارا تمہارے رب نے کہیں گے کہ خیر۔ احسان کرنے والوں کے لئے اس دنیا میں

الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾

بھی نیکی اور آخرت کا گھر بھی اچھا ہو گا اور متقی لوگوں کا گھر خوب ہے

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ہمیشہ کی جنت جس میں داخل ہوں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی

فَاَتَى اللّٰهُ ؕ کہتے ہیں نمرود بن کنعان نے ایک اونچا محل بنوایا تھا اور ایک بلند سیڑھی کے ذریعے سے آسمان پر چڑھ کر سکانِ سمٰوات سے لڑنے کا ارادہ کیا تھا۔ پس خداوند کریم نے ایک ہوا بھیج کر اس کی ساری تعمیر کو زمین بوس کر کے اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے اور بعض نے بخت نصر کا ذکر کیا ہے بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ وہ سچ مچ عمارت نہیں تھی بلکہ تمثیل کے طور پر ان کے مکر و فریب کو ایک مکان سے تشبیہ دے کر تدبیر خداوندی سے اس کا انہدام بیان کیا گیا ہے اور ان کے اوپر چھت گرنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے کیے کا وبال خود انہی کے سر پر پڑا اور انبیاء کی ایذا رسانی کے منصوبے بنانے والے خود مبتلائے عذاب ہو گئے۔

اُوْتُوا الْعِلْمَ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس سے مراد آئمہ اہل بیت ہیں جو اپنے دشمنوں کو خطاب کر کے کہیں گے کہ اب تمہارے وہ شریک کہاں ہیں؟

فَاَلْقَوُا السَّلَمَ ؕ[۲۵] یعنی ملک الموت کی آمد پر وہ ہتھیار ڈال دیں گے اور مقابلہ چھوڑ کر اطاعت قبول کریں گے اس وقت کی اطاعت کس کام کی؟ بلکہ ان کی یہ اطاعت تشریعی نہیں بلکہ تکوینی ہو گی اور یہ موجب جزا نہیں ہوتی۔

مَا كُنَّا نَعْمَلُ۔ یعنی اللہ کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے اپنے اعمال زشت سے مکر جائیں گے۔

قِيْلَ۔ متقی لوگوں سے سوال ہو گا کہ خدا نے کیا بھیجا تھا تو کہیں گے اس نے خیر محض بھیجی تھی یعنی قرآن بھیجا۔

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾

ان کے لئے اس میں وہ ہوگا جو چاہیں گے اسی طرح اللہ بدلہ دیتا ہے متقیوں کو

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ

جن کو وفات دیں گے فرشتے پاکیزگی کے ساتھ کہنے والے ہوں گے سلام علیکم

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ

داخل ہو جاؤ جنت میں بسبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے نہیں انتظار کرتے (کفار)

إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ

مگر اس کی کہ آئیں ان کے پاس فرشتے (عذاب لیکر) یا آئے رب کا امر (عذاب) اسی طرح

تھا جس میں ہدایت اور خیر تھی۔

طَيِّبِينَ۔ یعنی متقی لوگوں کی موت ایسی حالت میں ہوگی کہ وہ پاک وپاکیزہ ہوں گے۔ پس فرشتے سلام کہہ کر ان کو جنت کی بشارت دیں گے۔ تفسیر صافی میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان کا روح جسم سے جدا ہوتا ہے تو اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ میں جنت میں جا رہا ہوں یا جہنم میں اگر وہ خدا کا دوست ہوگا تو جنت کے دروازے کھل جائیں گے اور اللہ کی تیار کردہ نعمات سامنے ہوں گی۔ پس اس کو ہر تکلیف بھول جائے گی۔ اور اگر اللہ کا دشمن ہوگا تو جہنم کے دروازے کھل جائیں گے اور عذاب کا معائنہ کرے گا جو اللہ نے اس کے لئے تیار کیا ہوگا۔ پس ہر مصیبت اس کے سامنے آجائے گی۔ اور یہ سب موت کے وقت ہی ہوا کرتا ہے چنانچہ آپ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں۔

هَلْ يَنْظُرُونَ۔ اس جگہ نظر انتظار کے معنی میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کفار کا عمل یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کو ملائکہ عذاب یا قیامت کی ذلت کا انتظار ہے اور ہمیشہ سے کفار کا یہی دستور رہا ہے۔

رکوع نمبر ۱۱

وَقَالَ الَّذِينَ۔ مشرک لوگ اپنی بد رسوم کے جواز میں کہا کرتے تھے کہ اگر ہماری بت پرستی بری ہوتی تو خدا نے ہمیں جبراً روک دیا ہوتا اسی طرح ہمارا بحیرہ وسائبہ کو حرام کرنا اگر برا کام ہوتا تو خدا کی طرف سے کوئی امتناعی حکم آتا پس چونکہ باوجود ہمارے اصرار کے اس نے کوئی سرزنش نہیں کی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہمارا فعل اس کی رضا کے ماتحت ہے اور ہمیشہ سے غلط کار لوگ اپنے اصلاح کرنے والوں کو اسی قسم کے

فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

کیا ان نے جو پہلے تھے اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے نفسوں

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا

پر ظلم کرتے تھے پس پہنچی ان کو بری خبر اس کی جو انہوں نے عمل کیا

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

اور گھیرا ان کو اس نے جو وہ مسخری کرتے تھے اور کہا انہوں نے جو شرک

اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ

کرتے تھے اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ عبادت کرتے اس کے سوا کسی کی نہ ہم اور نہ ہمارے باپ

وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ

دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر کسی شی کو اسی طرح کیا

فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ

ان لوگوں نے جو پہلے تھے پس نہیں رسولوں پر مگر پہنچا دینا ظاہر اور ہم نے

بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

بھیجا ہر امت میں رسول کہ عبادت کرو اللہ کی اور بچو شیطان سے

جوابات دیا کرتے ہیں چنانچہ اس زمانہ میں جس کو روشنی کا دور کہا جاتا ہے۔ عموماً غلط کار لوگ اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اسی قسم کی یاوہ گوئیوں سے اصلاح کرنے والوں کا منہ چڑاتے ہیں۔ آیت مجیدہ میں ان کے اس فعل و عذر کی مذمت ہے اور اسی قسم کی آیت سورہ انعام میں بھی موجود ہے جس کی تفسیر جلد نمبر ۵ صفحہ ۲۶۵ پر موجود ہے۔

اَلطَّاغُوْتَ۔ طاغوت کا معنی شیطان ہے اور ہر وہ شخص جو گمراہی کی دعوت دے وہ طاغوت ہے تفسیر برہان وصافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ اِلَّا بِوَلَايَتِنَا وَالْبَرَاءَةِ مِنْ اَعْدَائِنَا۔ کہ خدا نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے برائت کے ساتھ چنانچہ آپ

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ

پس ان میں سے بعض کو خدا نے ہدایت کی اور بعض پر مسلط رہی گمراہی

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

پس پھرو زمین میں اور دیکھو کیا تھا انجام جھٹلانے والوں کا ؟

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا

اگر تم حرص کرو ان کی ہدایت پر تو تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا (جنت کی) جس کو وہ ذلیل کرے

لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ

اور نہ ہوگا ان کا کوئی مددگار اور انہوں نے اللہ کی قسمیں کھائیں پکی قسمیں کہ نہ

لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّ

اٹھائے گا خدا اُن کو جو مرگئے ہاں (ضرور اٹھائیگا) اس کا پکا وعدہ ہے لیکن

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ

اکثر لوگ نہیں جانتے تاکہ واضح کرے ان کے لئے

نے یہی آیت پڑھی۔ پس بعض لوگوں نے ہدایت پائی اور بعض پہ تکذیب آل محمدؐ کے صلہ میں گمراہی مسلط ہوئی۔

اقسموا باللہ ـ عام طور پر اس کا شانِ نزول اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ کسی مشرک نے مومن کے سامنے قسم کھائی تھی کہ خدا مرنے کے بعد زندہ نہ کرے گا۔ پس یہ آیت سرزنش کے لئے اُتری اور ممکن ہے ایسا بھی واقع ہوا ہو لیکن اس کو صرف اسی میں منحصر کرنا قرآن مجید کی تاقیامت حیات کے منافی ہے پس اس کی تاویل کو جاری رہنا چاہیے۔ لہٰذا ہر زمانہ میں ایسے عقیدہ رکھنے والے اس آیت کے مصداق ہوں گے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوبصیر کو تنبیہ کے طور پر فرمایا تھا کہ جب حضرت قائم آل محمدؐ مبعوث ہوں گے اور پہلے مرچکے ہوئے شیعوں کی جماعت زندہ ہو کر ان کی بیعت کرے گی اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں علم ہوں گی پس زندہ شیعوں میں یہ خبر سرایت کرے گی اور وہ خوشی خوشی ایک دوسرے کو سناتے پھریں گے دیکھو فلاں فلاں مومن زندہ ہو چکا ہے۔ پس دشمنان اہل بیت یہ فقرہ سن کر حسد کی آگ میں جلیں گے اور کہیں گے کہ یہ ناممکن ہے۔ مرنے

يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور تاکہ پتہ چل جائے کافروں کو کہ وہ جھوٹے تھے

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ ع

تحقیق ہمارا قول کسی شے کے لئے جب چاہیں یہ ہے کہ کہیں ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ

اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے لئے بعد ظلم کئے جانے کے ضرور ان کو ہم ٹھکانا

کے بعد دوبارہ انسان کیسے زندہ ہو سکتا ہے؟ پس خدا ان کی تردید فرما رہا ہے۔ مروی ہے کہ خدا رجعت کے زمانہ میں بعض لوگوں کو زندہ کرے گا تاکہ اختلاف کرنیوالوں کا ناطقہ بند ہو اور کفار بھی سمجھ لیں کہ ہم تکذیب کرنے میں حق بجانب نہ تھے بہرکیف اسی قسم کی روایات عیاشی سے بھی منقول ہیں کہ ان آیات کی تاویل زمانِ رجعت میں ظاہر ہوگی۔

رکوع نمبر ۱۲

وَالَّذِيْنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے صہیب عمار بلال اور خباب وغیرہ جو کفار قریش کے تشدد کے شکنجے سے نجات پا کر مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تھے خداوند کریم نے ان کو پُرامن جگہ عطا فرمائی اس جگہ حسنہ صفت ہے اور اس کا موصوف مدینۃ محذوف ہے۔ ان میں سے صہیب بہت بوڑھا اور سن رسیدہ بزرگ تھا اس نے کفار سے کہا تھا کہ میں کافی بوڑھا آدمی ہوں میرا تمہارے پاس رہنا کچھ فائدہ مند نہیں اور چلا جانا تمہیں نقصان دہ نہیں۔ لہٰذا میرا مال متاع تم لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور وہ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے مدینہ آ پہنچا۔

اہل ذکر کون ہیں

اَهْلَ الذِّكْرِ صـ۲۱۳۔ وہ کمیٹی جنہوں نے قرآن مجید کے جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا اُن کے حُسنِ ترتیب کا کیا کہنا آیاتِ قرآنیہ کی توڑ پھوڑ مضامین کا اختلاط اور روانی و سلاست میں پیچ ہیچ اور گھناؤنے موڑ یہ سب کسی سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت ان کی فنکارانہ صلاحیتوں اور دُوررس نگاہوں یا مشوش و مضطرب اذہان و افکار کی داغ بیل کے افسوسناک نتائج اور المناک آثار ہیں۔ غور کیجئے بعد والی آیت میں بِالْبَيِّنَاتِ کا تعلق اَرْسَلْنَا سے ہے اور معنی واضح طور پر یہ ہے کہ کفار چونکہ رسولوں کی بشری و انسانی صورت میں آمد کے منکر تھے۔ پس آپ کی تسلی و دلجوئی کی خاطر ارشاد ہے کہ کفار کی باتوں سے مت گھبرایئے۔ کیوں کہ ہم نے اس سے پیشتر جس قدر رسول بھیجے وہ سب بشر ہی تھے جن پر ہم نے وحی کی اور ان کو معجزات و کتابیں دے کر بھیجا اور تجھے بھی ہم نے کتاب و معجزات عطا کئے اور ہم نے آپ پر ذکر کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں اب اس کے بعد لوگوں کو تنبیہ کرنے کے لئے حکم ہوتا

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوا

دیں گے دنیا میں اچھی جگہ اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے اگر وہ

يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾

جانیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ ۚ فَاسْأَلُوا

اور ہم نے نہیں رسول بھیجا تجھ سے پہلے مگر ایسے آدمی جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے

چاہیے کہ ہمارا کام ہے بھیجنا اور رسولوں کا کام ہے بیان کرنا اور تمہارا کام ہے کہ ان سے سوال کرو جو تم خود نہ جانتے ہو۔ لیکن چونکہ رسول کے بعد جو لوگ منبر رسول پر قابض ہوئے وہ سائلین کو مطمئن نہ کر سکتے تھے بلکہ خود مطالب قرآنیہ سمجھنے کے لئے اہل ذکر کے محتاج تھے اور رسول کے بعد صحابہ میں حضرت علی علیہ السلام ہی اس مرتبہ پر فائز تھے کہ لوگ اپنی علمی پیاس اس چشمۂ فیض سے بجھاتے تھے اور بفرمانِ پیغمبرؐ آپ مدینۂ علوم نبویہ کا دروازہ تھے۔ پس اہل الذکر کا مصداق ان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ بنا بریں طالبانِ علوم قرآنیہ پر ان کی طرف رجوع کرنا واجب تھا اور یکے بعد دیگرے ان کی اولاد آئمہ طاہرینؑ ہر دور میں امتِ اسلامیہ کے لئے مشکلاتِ قرآنیہ اور مطالبِ علمیہ کے حل کرنے کا ملجا و ماویٰ تھے اور اسی بناء پر حضرت پیغمبرؐ نے بار بار وصیت فرمائی تھی کہ میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن اور دوسری اہلبیت ان سے تمسک رکھو تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اس حدیث کو حدیثِ ثقلین کہا جاتا ہے جو معنوی تواتر کے درجہ پر فائز ہے ہم نے مقدمہ تفسیر میں کتب اہل سنت کے حوالے سے اس کو من و عن ذکر کیا ہے۔

وجوہاتِ مذکرہ کی بنا پہ آل محمدؐ کو اہل ذکر تسلیم کرنا مسندِ نبویہ کے استحقاق کو تسلیم کرنے کے عین مترادف ہے اس لئے کہ قرآن کو جب ذکر کہا گیا اور رسول کا عہدہ قرآنی مطالب کی وضاحت کرنا بیان کیا تو رسول کے بعد جو اہل الذکر ہو اور قرآنی مطالب کی وضاحت کر سکتا ہو وہی مسندِ رسالت کا حقدار ہو گا پس اسی کو خلیفۂ رسول ہونا چاہیے اور یہ بات قابضین منبر اور غاصبین مسند کے مفاد کے سخت خلاف تھی پس یتفکرون کے بعد فاسئلوا۔الخ کے ذکر کرنے کی بجائے نوحی الیہم۔ کے بعد اس کو گھسیڑ دیا تاکہ درمیان میں یہ جملہ معترضہ کی حیثیت سے پڑا رہے اور قرآن کو ظاہری اور سرسری نگاہوں سے دیکھنے والے اور دقائق و حقائق سے چشم پوشی کو روا رکھنے والے ادھر اُدھر الجھتے رہیں اسی لئے بعض مفسرین نے یہی کہہ دیا کہ فاسئلوا۔ کا خطاب قوم یہود و نصاریٰ سے ہے کہ تم اپنے علماء سے دریافت کرو بعضوں نے کہہ دیا کہ خطاب مشرکین مکہ سے ہے کہ تم گذشتہ امتوں کے حالات کو جاننے والے علماء سے دریافت کر لو یاد کیجئے

أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ط

پس پوچھو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے (ہم نے بھیجے) ساتھ معجزات اور کتابوں کے

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَ

اور ہم نے نازل کیا تیری طرف ذکر کو تاکہ بیان کرے لوگوں کے لئے جو اتارا گیا ان پر اور

بناوٹی پھول آنکھوں کو دھوکہ دے سکتے ہیں لیکن نفاست ولطافت اور ملائمت وخوشبو سے تہی دامانی، الٹا ان کی رسوائی کا سامان پیدا کرتی ہے پس تاڑنے والے بناوٹ اور تصنع کے تہ بہ تہ پردوں کے اندر بھی حقیقت کا منہ دیکھ لیتے ہیں کیونکہ تیرہ وتار بادلوں کی گھٹا ٹوپ تہوں کے پیچھے سورج کی غمازی کرنے والی کرنیں کسی نہ کسی جانب سے چشم بینا کو دعوت نظارہ دیکر اسے حقیقت کا پتہ دے دیا کرتی ہیں۔ اس مقام پر بھی کرسیٔ اقتدار کی طرف سے علوم قرآن سے اپنی بے بضاعتی کو چھپانے اور آل محمدؐ کے فضائل کو دبانے کے لئے آیات قرانیہ میں ہیرا پھیری کام نہ آسکی۔ پس حقیقت بین نگاہیں الفاظ کی ردّ وبدل کی قلابازیوں سے مسحور نہ ہوسکیں۔ اور وہ اس نکتہ پر پہنچ کر ٹک گیئں کہ اس مقام پر اہل الذکر سے مراد وہی لوگ ہیں جو اسلامی حقائق اور قرآنی دقائق پر نظر رسا رکھتے ہوں اور چونکہ قرآن تا قیامت زندہ ہے لہذا فاسئلوا کا خطاب بھی تا قیامت ہونا چاہیے بنا بریں اہل الذکر کی ایک نہ ایک فرد کا تا قیامت ہر زمانہ میں زندہ ہونا ضروری ہے اور آئمہ اہل بیت کے علاوہ نہ کوئی ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو ثابت کر سکتا ہے پس حدیث ثقلین جو اپنے مقام پر متواتر ہے اس آیت مجیدہ کی جیتی جاگتی تصویر ہے نیز قرآن مجید میں جناب رسالت مآبؐ کو بھی ذکر کہا گیا ہے۔ چنانچہ پ۲۸ سورۂ طلاق میں ارشاد قدرت ہے۔ قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَسُولًا۔ اور اس لحاظ سے اہل ذکر وہ ہوں گے جو آل رسول ہوں۔ ذرا فرامین آئمہ کی روشنی میں آیہ مجیدہ کی تفسیر کا جائزہ لیں۔

(۱) تفسیر برہان میں کلینی سے منقول ہے سائل نے امام رضا علیہ السلام سے آیت مجیدہ فاسئلوا اهل الذکر۔ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ہم اہل ذکر ہیں اور ہم سے پوچھنے کا حق ہے۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے عرض کی کیا آپ مسئول اور ہم سائل ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر میں نے پوچھا کیا ہم پر پوچھنا واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ پر بتانا بھی واجب ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ بلکہ ہماری مرضی پر موقوف ہے اگر چاہیں تو جواب دیں اور اگر نہ چاہیں تو خاموش رہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ یعنی یہ ہمارا عطیہ ہے لوگوں پر احسان کرو یا اپنے پاس محفوظ رکھو اس کا کوئی حساب نہ ہوگا۔

(۲) بروایت محمد بن مسلم امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ میں اگر اہل الذکر سے مراد یہود ونصاریٰ لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا نے ہمیں ان کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی ہے (حالانکہ ایسا ہرگز نہیں) پھر اپنے

سینے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ ہم اہل ذکر ہیں اور ہم سے سوال کرنا چاہیے۔

(۳) بروایت محمد بن حسن صفار محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے آیت مجیدہ کے متعلق فرمایا۔ ذکر سے مراد قرآن ہے اور رسول اللہ کی آل اہل ذکر ہیں اور انہی سے پوچھنے کا حکم ہے۔

(۴) بروایت ابن بابویہ اباان بن صلت سے مروی ہے ایک مرتبہ امام رضا علیہ السلام دربار مامون میں حاضر ہوئے جب کہ علمائے عراق وخراسان بھی کافی موجود تھے۔ باتوں باتوں میں امام رضا علیہ السلام نے فرمایا قرآن مجید میں اہل ذکر سے مراد ہم ہیں جن سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے باقی علماء کہنے لگے کہ اس جگہ یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔ تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ کیا یہ جائز ہے کہ خدا ہم کو ان کے دین کی دعوت دے حالانکہ وہ اپنے دین کو اسلام سے افضل مانتے ہیں ؟ مامون نے عرض کی کہ حضور ! آپ کے نزدیک اس کی تفسیر کچھ اور ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ ذکر سے مراد رسول ہے اور ہم اس کے اہل ہیں اور خداوند کریم نے سورۂ طلاق میں فرمایا ہے۔ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا۔ الآیۃ الخبر۔

(۵) بروایت عیاشی حمزہ بن محمد طیار سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ان کے والد کے بعض خطبات پیش کئے گئے۔ ایک مقام پر پہنچ کر آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ اور خاموش ہو جاؤ۔ اور اگر کوئی شے تمہارے سامنے ایسی آجائے جس کو نہ سمجھو تو رک جایا کرو اور ثابت قدم رہ کر آئمہ کی طرف رجوع کیا کرو کہ وہ تم کو راہ راست پر چلائیں گے اور تمہاری بے علمی کو دور کریں گے۔ فاسئلوا اهل الذکر۔ الخ

(۶) امام رضا علیہ السلام نے ایک شیعہ کی طرف لکھا ہمارا شیعہ وہ ہے جو ہماری اطاعت کرے جس مقام پر ہم ڈریں وہ بھی ڈرے اور جہاں ہم پرامن ہوں وہ بھی باامن رہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ فاسئلوا۔ الخ

بہرکیف عموم کے اعتبار سے اگرچہ زمان رسالت مآبؐ کے جویان حق یہود ونصاریٰ کو دیکھ بھال اور تحقیق وتدقیق کے لئے اپنے علماء سے سوال کرنے کی دعوت دی گئی تاکہ اسلام کی حقانیت ان کے دلوں کی گہرائیوں میں جگہ کرلے چنانچہ جب بعض اہل کتاب یہود ونصاریٰ نے بفرمان پیغمبر اپنی اپنی قوم کے علماء کی طرف رجوع کیا تو ان کے دلوں پر سے یہودیت ومسیحیت کے بادل چھٹ گئے کفر وانکار کے زنجیر کٹ گئے اور بغض وعناد کے پردے ہٹ گئے پس وہ دامن اسلام سے لپٹ گئے۔ تاہم اس کے مصداق کو یہود ونصاریٰ تک محدود رکھنا تنگ نظری وکوتاہ بینی کے سوا کچھ نہیں۔

بنابریں اسلامی تعلیمات وعقائد وفروعات کو سن سمجھ کر ہر مذہب وملت کے افراد کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے فرقہ وارانہ تعصب کو خیرباد کہہ کر طالب حقیقت بن کر اپنے معتمد قومی ومذہبی علماء سے سوال کرے اور مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے حضرت پیغمبرؐ کو سلطان الانبیاء بنا کر بھیجا ہے اسلامی تعلیمات کی مبنی بر صداقت جزئیات ہر باضمیر صاحب ذوق منصف طبع انسان سے خراج تحسین حاصل کرکے رہیں گی۔ پس تحقیق کرنے والا انسان اپنے دامن میں اسلام کے گوہر مراد کو لے کر پلٹے گا۔ اس لئے تحقیق حق کی خاطر علمائے مذاہب سے سوال کرنا بجا ہے۔ اور

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۴﴾ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ

تاکہ وہ سوچیں کیا بے خوف ہیں وہ جو بُری تدبیریں کرتے ہیں اس

اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

بات سے کہ خدا ان کو زمین میں دھنس دے یا آئے ان پر عذاب ایسی جگہ سے جس کا

عمومِ آیت اس کو شامل ہے۔

نیز دینی مسائل اصولیہ و فروعیہ کو علمائے اعلام سے حاصل کرنا بھی اسی آیت مجیدہ کی رُو سے فرض ہے کیوں کہ آیت کی جس طرح تنزیل حجّت ہے تاویل بھی حجت ہے اور ہر دَور کے علمائے عاملین اُس کی تاویل میں داخل اور اس کے مصداق ہیں شامل ہیں اور مسئلہ تقلید کو بھی اسی آیت مجیدہ سے ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ عوام جو خود درجہ اجتہاد پر فائز نہ ہوں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جامع الشرائط مجتہد کی طرف مسائل فرعیہ میں رجوع کریں اور چونکہ آیت مجیدہ میں مطلق اہل الذکر کی طرف نادانستہ مسائل میں رجوع کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا اس آیت کا ظاہر مسئلہ تقلید اعلم کو بھی باطل کرتا ہے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لئے اہل الذکر کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور ہر اہل ذکر کو جواب دینے کا حق حاصل ہے۔ اگر وجوب تقلید کا انحصار صرف اعلم میں کر دیا جائے تو جہاں ایک طرف ناممکن و ناشدنی شے کا امر لازم آئے گا اور عوام الناس کی مشکلات میں اضافے کا باعث ہو گا وہاں اس آیت مجیدہ کی تخصیص بلا مخصص بھی ضرور کرنا ہو گی اور ہم نے اس مسئلہ کو مقدمۂ تفسیر میں پوری وضاحت سے بیان کیا ہے۔

بہرکیف آیت مجیدہ میں اہل الذکر سے مُراد جزوی طور پر اگرچہ علماء بھی ہو سکتے ہیں لیکن کلی طور پر تمام اُمّتِ اسلامیہ خواہ عالم ہوں خواہ جاہل کا مرجع وحید صرف آلِ محمدؐ ہیں۔ جس طرح کہ پوری کائنات کیلئے حتیٰ کہ آلِ محمدؐ کے لئے بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ مرجع تھے۔

اَفَاَمِنَ۔ جو لوگ ہدمِ اسلام اور توہین پیغمبر کے لئے بُری بُری تجویزیں سوچتے اور مکاریاں کرتے تھے ان کو سرزنش کرتے ہوئے دھمکی دی گئی ہے اگر اللہ چاہے تو ان کو زمین میں دھنسا دے یا اچانک عذاب بھیج دے یا چلتے پھرتے ان کو گرفتارِ بلا کر دے یا تخوف سے سزا دے تخوف کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک وہ جو تحت اللفظ درج ہے اور دوسرا تنقص یعنی کسی شی کو کم کرتے کرتے ختم کر دینا اور اس حالت کے ظاہر ہونے سے بربادی کا خوف لاحق ہو جاتا ہے اسی لئے اس کو تخوف سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مِن شَيْءٍ ص۲۱۵۔ یہاں اگلے قرینہ کی بنا پر سایہ دار جسم مراد ہے۔

الشَّمَائِلِ ص۲۱۵۔ جمع ہے شمال کی اور یمین کو جمع نہیں لایا گیا کیونکہ یمین کا استعمال جمع کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور

حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ

ان کو شعور بھی نہ ہو اور پکڑے ان کو کاروبار کرتے ہوئے پس نہیں وہ عاجز

بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُمْ

کرنے والے یا پکڑنے ان کو دوسروں کو خوف دلانے کے لئے تحقیق تمہارا رب مہربان

لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ

رحیم ہے کیا وہ نہیں دیکھتے طرف اس کے جو پیدا کیا اللہ نے جسم

يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ

سایہ دار کہ جس کا سایہ جھکتا ہے دائیں اور بائیں سجدہ کرتے ہوئے درحالیکہ وہ

یہاں اس سے جمع مراد ہے۔ سایہ دار جسم کے سائے کا گھٹنا بڑھنا اور دائیں بائیں پھرنا تکوینی اطاعت ہے جو سجدہ سے تعبیر کی گئی ہے۔ اور ہم نے سجدہ کے متعلق ایک تفصیلی نوٹ اسی جلد میں سورہ رعد کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ص۱۱۸ تا ص۱۳۱

مِنْ فَوْقِهِمْ ۱۱۹ اس مقام پر فوق سے مراد غلبہ ہے، نہ کہ جہت۔ کیونکہ خدا جہات کی پابندی سے منزہ ہے اور آیت کے اختتام پر سجدہ کرنا مستحب ہے جس کی وضاحت تفسیر کی چھٹی جلد ص۱۵۷ پر ہو چکی ہے اور ملائکہ کی عبادت کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآب سے منقول ہے کہ ساتویں آسمان پر ملائکہ کی ایک جماعت خدا نے خلق فرمائی ہے وہ جب سے پیدا ہوئے ہیں سجدہ پروردگار میں ہیں اور ان کے اعضاء خوف خدا سے لرزاں ہیں ان کی آنکھوں سے بہنے والی آنسوؤں کے ایک ایک قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے وہ قیامت کے روز سجدہ سے سر اٹھائیں گے اور یہی کلمہ زبان سے جاری کریں گے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ۔ یعنی اے اللہ تیرا حق عبادت ہم سے نہیں ادا ہو سکا۔

رکوع نمبر ۳ ثنویہ فرقہ کو دعوت توحید

لَا تَتَّخِذُوْا ص۲۱۶ جو لوگ دو خدا مانتے ہیں ایک خالق خیر جس کو یزداں کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر جس کو اہرمن کہتے ہیں گویا پہلا خالق نور ہے اور دوسرا خالق ظلمت ہے ان کو ثنویہ فرقہ کہا جاتا ہے۔ آیت مجیدہ میں ان کی تردید کی گئی ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کا بلکہ ہر خشک و تر سیاہ و سفید، زیر و زبر اور کائنات عالم کی ہر جنس و صنف میں مادہ و نر کا خالق صرف ایک خدا ہے۔ ذی روح اور غیر ذی روح تمام مخلوق بمعہ اپنے جملہ لوازم کے سب اسی ایک خدا کا تخلیقی کارنامہ ہے اور اطاعت کا

دَاخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

خضوع کرنیوالے ہیں اور اللہ کے لئے ہی سجدہ کرتی ہے ہر شئے جو آسمانوں میں اور جو بھی زمین میں ہے

مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ

چلنے والا اور فرشتے اور وہ نہیں تکبر کرتے ڈرتے ہیں

رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَقَالَ

اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے اور کرتے ہیں جو حکم دئے جاتے ہیں اور فرمایا خدا

اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

نے نہ بناؤ خدا دو سوائے اس کے نہیں کہ خدا ایک ہے

فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ

پس مجھ سے ڈرو اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی

الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ

کے لئے ہے اطاعت دائما کیا پس غیر خدا سے ڈرتے ہو؟ اور تمہارے اوپر جو بھی نعمت ہے وہ

سزاوار ہمیشہ کے لئے وہی ہے۔ وصب کا معنی دوام اور وجوب ہوا کرتا ہے اور جس قدر تمہارے اوپر نعمات ہیں وہ سب اسی ایک خدا کی جانب سے ہیں اور جب تم کو کوئی تکلیف ہو تو فریاد کے سننے والا صرف وہی ایک ہے جس کو فریاد کرتے ہو۔ دجوأر کا معنی فریاد کرنا اور گڑگڑانا ہے پھر وہ جب تکلیف کو دُور کرے تو اس کے شریک بنانے لگتے ہو تاکہ اس کی نعمت کا کفر و انکار کرو حالانکہ نعمت کا بدلہ شکر ہونا چاہیئے۔ یہ آیات دو خدا ماننے والوں کے لئے تفہیم و ارشاد ہے۔ تفسیر برہان میں احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دلیل توحید اس طرح بیان فرمائی کہ اگر آپ دو کہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے وہ دونو قوی ہیں یا ایک قوی اور دوسرا ضعیف۔ اگر دونو قوی ہیں تو آپس میں جھگڑا کیوں نہیں کرتے اور ان میں اگر ایک ضعیف ہے تو وہ خدا نہیں۔ پس دونو صورتیں توحید خداوندی کو ثابت کرتی ہیں۔ نیز خلق کا منظم ہونا دن رات کا اختلاف شمس و قمر کا منظم دَور اور افلاک کی گردش اس امر کی شاہد بیّن ہیں کہ عالم کا مدبّر صرف ایک ذات پروردگار ہے۔

فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾ ثُمَّ

اللہ سے ہے پھر جب تم کو تکلیف پہنچے تو اس کی طرف فریاد کرتے ہو پھر

إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾

جب دور کرے تکلیف تم سے تو تمہاری ایک جماعت اپنے رب کا شرک کرتی ہے

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَجْعَلُوْنَ

تاکہ انکار کریں جو ہم نے ان کو نعمتیں دیں پس دنیا میں فائدہ اٹھا لو عنقریب تم کو پتہ چلے گا اور کرتے ہیں ان کے

لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۗ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا

لئے جن کے متعلق نہیں جانتے ایک حصہ اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا خدا کی قسم ضرور پوچھے جاؤ گے

لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اس کا فاعل ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے یعنی وہ چیزیں (بُت) جن کے متعلق وہ نہیں جانتے کہ وہ نفع یا نقصان دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ بت نفع یا نقصان نہیں دے سکتے لیکن تعبیر نرم لہجہ میں کی گئی ہے تاکہ تبلیغ کا پہلو دل آزار نہ ہو ورنہ اگر صاف طور پر کہا جاتا کہ ان کو علم ہے کہ ان کے مصنوعی خدا نفع یا نقصان نہیں دے سکتے تو وہ ضد پر اڑ جاتے اور کہہ دیتے کہ وہ نفع یا نقصان دے سکتے ہیں لیکن جب اس انداز میں کہا گیا کہ ان کا نفع یا نقصان پہنچانا ان کو معلوم نہیں تو یہ دعوتِ فکر ہے جو کفار کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے پس منصف طبع لوگ دامن توحید سے وابستہ ہونے پر موفق ہو جاتے ہیں۔ اس آیت مجیدہ میں خدا ان کفار کے ایک بُرے رواج کی مذمت فرماتا ہے جو اس سے پہلے سورہ انعام کی تفسیر جلد ۵ ص۲۵۵ میں گذر چکا ہے کہ وہ اپنے مال حلال میں سے اپنے بتوں کا حصہ مقرر کر لیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ہمارے خداؤں کا ہے۔ خدا فرماتا ہے جو کسی کو نفع یا نقصان دے نہیں سکتے ان کے لئے اپنے رزق سے حصہ مقرر کرنے کا کیا مطلب ہے پھر تنبیہ و تہدید کے طور پر فرمایا کہ ان افترا پردازیوں کا بروز محشر ضرور ان سے سوال کیا جائے گا۔

عربوں کی بد رسوم

یجعلون ص۲۱۸۔ ان کی دوسری بد رسم یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے پس ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ عجیب ہیں خود تو اپنے لئے بیٹی پسند نہیں کرتے اور میرے لئے وہ بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان کو بیٹی کی پیدائش کی اطلاع دی جائے تو وہ غصہ و غم میں گرفتار ہو کر رو سیاہ ہو جاتے ہیں اور یہ کظیم کظامۃ سے ہے جس کا معنی ہے مشکیزہ کا منہ باندھنے کا تاگا اور یہاں مراد ہے کہ وہ

كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٦﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ

اس کے متعلق جو افترا کرتے ہو اور کرتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں پاک ہے وہ ذات اور اپنے لئے وہ جو

مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ

چاہتے ہیں (بیٹے) اور جب خوشخبری دی جائے کسی ایک کو بیٹی کی تو ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا

درحالیکہ وہ مغموم ہوتا ہے چھپتا ہے قوم سے بوجہ بری بشارت کے (سوچتا ہے) کیا

بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا

اس کو زندہ رکھے باوجود ذلت کے یا دفن کر دے مٹی میں؟ آگاہ ہو

سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ

وہ برا فیصلہ کرتے ہیں جن کا آخرت پر ایمان نہیں ان کی شان (صفت یعنی انجام) برا ہوگا

غصے سے اپنا منہ بند کر لیتا ہے اور بول نہیں سکتا پھر شرم کے مارے قوم سے منہ چھپائے پھرتا ہے اور لڑکی کو زندہ رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہے پس لڑکی کے زندہ درگور کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ تفسیر کی جلد ۵ ص۲۵۶ پر تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ نیز کظامۃ کنوئیں کو بھی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ کظامۃ پر تشریف لائے پس وضو کیا اور پاؤں پر مسح کیا۔ اس کی جمع کظائم ہے۔ (مجمع)

ہمارے ہاں کا دستور عربوں کی رسومِ بد سے کم نہیں وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے لیکن یہاں حکومتِ وقت کی گرفت کے ڈر سے ایسا نہیں کر سکتے اگر یہ خوف نہ ہوتا تو شاید یہ بھی اسی تاریخ کو دُہراتے یا قدم اس سے بھی آگے بڑھا کر رکھتے۔ البتہ ہمارے ملک میں اس سلسلہ کی چند رسوم بد موجود ہیں۔

(۱) بعض جاہل لوگوں میں یہ رسم ہے کہ بیوہ ہو جانے کے بعد عورت کی دوسری شادی کو باعثِ توہین قرار دیا جاتا ہے لہذا اسے شادی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات بالکل نوجوان لڑکی کا نوجوان بیاہتا شوہر اگر کسی حادثے کا شکار ہو جائے تو وہ بیچاری عمر بھر سوگواری میں گذارتی ہے۔ ایک اپنے نوجوان شوہر کی موت کا سوگ اور اس سے زیادہ اپنی قیمتی جوانی کا تا زیست سوگ اور نندوں اور بھاوجوں کی دل آزاری کا بھی سوگ۔ پس وہ بیچکیوں

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ

اور اللہ کی صفت و شان بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اور اگر گرفت کرتا اللہ

اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ

لوگوں کی ان کے ظلم پر تو نہ چھوڑتا اس زمین پر کوئی چلنے والا لیکن ان کو

میں ہی زندگی کے دن پورے کرتی ہے اس کے ظالم ماں باپ یا بھائیوں نے کبھی اس کی روحانی کوفت کا جائزہ لینا گوارا نہ کیا عورت کے مرنے پر مرد تو ایک کی بجائے دو دو شادیاں رچا لیا کرتے ہیں لیکن عورت کو بیوگی کے ناکردہ گناہ کی سزا میں ساری عمر رُلایا جاتا ہے۔ اچھے بھلے خاندانوں میں یہ لعنت پائی جاتی ہے اور خاندانی روایات کی مخالفت کے ڈر سے بعض اچھے خاصے سمجھدار لوگ بھی اس ظلم میں شریک ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی دوبارہ شادی سے خاندان کی ناک کٹتی ہے حالانکہ نوجوان عورت کا بغیر شوہر کے رہنا خاندان کی ناک کٹنے کے مترادف ہے پس جنہوں نے خدائی احکام کو ٹھکرایا وہ کبھی ذلت سے نہ بچ سکے۔ درحقیقت یہ بدرسم ہندوؤں کی ستی کی رسم سے ماخوذ ہے کہ وہ سابقہ زمانہ میں شوہر کے مرنے کے بعد اس کی زندہ بیوی کو اس کے ساتھ نذر آتش کر دیا کرتے تھے اس رسم کو انگریزوں کی عملداری میں جبراً بند کر دیا گیا۔ لیکن بعض مسلمان خاندانوں نے اس کا بدل یہ تجویز کیا کہ مرد کے مرنے کے بعد اُس کو درگور کیا تو عورت کو اس کے ساتھ اس طرح زندہ درگور کر دیا کہ نہ مرے نہ جیے بلکہ تمام زندگی رو کر بسر کرتی رہے۔

(۲) بعض جاہلوں میں کنواری لڑکیوں کو قطعاً شادی سے محروم کرنے کا دستور ہے کہ ہمارے جوڑ کا خاندان کوئی نہیں ہے پس وہ کسی کو مصلے سے کسی کو علم حضرت عباس سے کسی کو مسجد یا امام باڑہ سے منسوب کر کے کہتے ہیں کہ ہماری لڑکی مصلے پر بیٹھ گئی ہے وہ شادی کرنا چاہتی ہی نہیں حالانکہ یہ ظلم صریح ہے۔ مردوں کیلئے سوچنے کی بات ہے کہ اپنے جوڑ کا رشتہ مل سکتا ہے تو عورتوں کو کیوں نہیں مل سکتا اور یہ پارسائی عورت کے لئے ہے تو مرد خود اس میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟ پس عورت کی بے بسی اور بے چارگی سے فائدہ اٹھا کر اس کی زندگی کو تباہ کیا جاتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ جائداد کا حصہ کسی دوسرے کے پاس نہ جانے پائے۔ بعض لڑکیاں حدود حیا کو توڑ کر خود میدان میں آجاتی ہیں اور شادی کر لیتی ہیں۔ لیکن اکثر لڑکیاں ماں باپ کے رحم و کرم کی بھیک پر زندگی کے دن کاٹتی ہیں اور یہ بھی زندہ درگور کرنے سے کسی قدر کم نہیں بلکہ میرے خیال میں یہ زیادہ روح فرسا ہے۔

(۳) بعض علاقوں اور خاندانوں میں جہیز کی بدرسم نے لڑکیوں کے شادی کے سلسلہ میں رکاوٹ پیدا کر دی ہے کہ لڑکی اگر جہیز اچھا لے کر آئے تو اس کی سسرال میں قدر ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ بس لڑکی کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ اس

کے جہیز کی فکر میں لگ گئے اور زندگی بھر کی کمائی سے بچا بچا کر اُس کا جہیز پورا کرتے رہے اگر کسی کے ہاں دو، تین لڑکیاں ہوگئیں تو وہ اس کے لئے جان لیوا اور سوہانِ روح بن گئیں۔ پس ایسی صورت میں نہ جہیز بن سکتا ہے نہ لڑکی کی شادی ہوسکتی ہے۔ اگر ایسے خاندان میں شادی کرے جو جہیز کی قیود سے آزاد ہیں تو خلافِ شان سمجھا جاتا ہے۔ پس نہ دوسرے خاندان میں شادی گوارا اور نہ اپنے خاندان میں جہیز کے سوا کوئی اور چارہ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی زندہ درگور۔

(۴) خاندانی رشتہ کی پابندی اکثر ماں باپ کے لئے باعث کوفت بن جاتی ہے کہ اپنے خاندان میں مناسب جگہ نہیں مثلاً لڑکا تعلیم یافتہ ہے اور لڑکی ان پڑھ ہے یا اس کا الٹ ہے یا لڑکا کھاتے پیتے گھرانے کا ہے اور لڑکی بہت نادار گھر کی ہے یا اس کا الٹ ہے یا شکل وشباہت کے لحاظ سے موزونیت کا فقدان ہے یا اخلاق وعادات میں تفاوت ہے یا مذہبی حدود کی پاس خاطر ہے وغیرہ پس اس ناموزونیت کی تان صرف صنف نازک پر ہی ٹوٹتی ہے کیونکہ مرد تو موزوں وناموزوں میں فرق کم ہی کرتے ہیں۔ پس لڑکی کو ہی زندہ درگور کی مصیبت بھگتنی پڑتی ہے۔

(۵) بعض علاقوں میں نکاح وبیاہ کے اخراجات اس قدر زیادہ رواج پاگئے کہ لڑکی کے والدین نہ ان کو پورا کر سکتے ہیں نہ لڑکی کی شادی ہوسکتی ہے۔ مثلاً زیورات کی پابندی یا پارچات کی مخصوص اقسام کا انتظام بعض لوگ کر نہیں سکتے۔ لہٰذا لڑکی کو شادی سے محروم رہ کر زندہ درگور ہونا پڑتا ہے۔

بہرکیف اسلامی اصول وشرعی قوانین کی پاسداری ہی صحیح طور پر انسانوں کو ان جیسے مصائب سے نجات دلاسکتی ہے اور جو لوگ حکومت الٰہیہ کا اقتدار تسلیم کرکے اپنی خواہشات وجذبات کو اس کے تابع کرتے ہیں وہ اس قسم کی روح فرسا مصیبتوں سے بچ جاتے ہیں ورنہ وہی عربوں کی سی بدرسوم میں مبتلا رہ کر ظالموں پر لعنت کرنے کے باوجود خود ظلم کے بھنور میں پھنسے رہتے ہیں۔ پس مسلمانوں کو اور بالخصوص اہل ایمان کو رسوم بد پر ہنسنے کی بجائے اپنے گریبان میں جھانک کر اپنی کمزوریوں کو ختم کرنا چاہیے۔

ساءَ ما یحکمون[۲۱۸]۔ اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں (۱) عربوں کا اللہ کے لئے بیٹی تجویز کرنا اور اپنے لئے بیٹوں کا پسند کرنا اُن کا بُرا فیصلہ ہے (۲) لڑکوں کی خواہش کرنا اور لڑکیوں کو مارنے کی فکر کرنا بُرا فیصلہ ہے۔ کیونکہ اولاد ہونے کے لحاظ سے دونو برابر ہیں اور اللہ کی حکمت دونو کی پیدائش سے تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اگر صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوں تو نسل انسانی آگے نہیں بڑھ سکتی۔

لِلَّذِینَ[۲۱۸]۔ یعنی کفار ومشرکین جو اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں ان کے بروز محشر رنگ متغیر ہوں گے۔ مثل السوء سے مراد بدرنگی ہے یعنی عذاب کی وجہ سے ان کا رنگ کالا ہوگا۔

يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ

مہلت دیتا ہے ایک مدت مقررہ تک پس جب آجائے گی مقررہ مدت تو نہ پیچھے ہٹ سکتے

سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَ

ہیں ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں اور بناتے ہیں اللہ کے لئے جو خود ناپسند کرتے ہیں

تَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ

(بیٹیاں) اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کے لئے جزا اچھی ہوگی یقیناً ان کے لئے

المثل الاعلیٰ ص۲۱۹ اس جگہ مثل سے مراد شان وجلال ہے۔ یعنی خدا کی شان بلند اور اس کی عظمت وجلال نقائص وعیوب سے منزہ ومبرا ہے۔ اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جگہ فرماتا ہے لِلّٰہِ المثل الاعلیٰ یعنی خدا کی مثل بلند وبالا ہے اور اسی سورہ کی آیت نمبر ۷۴ میں فرماتا ہے۔ فلا تضربوا للّٰہ الامثال کہ خدا کی مثل نہ بیان کرو تو ظاہراً دونوں آیتوں میں تنافر پایا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مثل کے دو معانی ہیں۔

(۱) شان وصفت (۲) مشابہت۔ پس جس مقام پر مثل کا اثبات ہے کہ اس کی مثل بلند ہے یا اس کی امثال بلند ہیں وہاں صفاتِ پروردگار مقصود ہیں اور اس کی صفات عین ذات ہیں اور جس جگہ مثل یا امثال کی نفی ہے وہاں مشابہت مقصود ہے کہ خدا کا کوئی مشابہ نہیں ہے۔ (مجمع البیان)

پس جو لوگ خدا کے لئے انہی آیات کا سہارا لے کر مثل یا امثال ثابت کرکے حضرت علی یا باقی آئمہ کو اللہ کا مثل یا امثال ثابت کرکے مثل سے مراد مشابہت لیتے ہیں۔ وہ شرک کی تعلیم پھیلاتے ہیں ایسا اعتقاد رکھنے والا شخص مشرک اور نجس ہوتا ہے۔ مومنین کو چاہیے کہ ایسے بیانات سے گریز کریں اور ایسا بیان کرنے والوں کے منہ میں لگام دیں تاکہ مشرکانہ عقائد کو پھولنے پھلنے اور پھیلنے کا موقعہ نہ ملے۔ ہاں اگر اس سے مراد مظہرِ شان پروردگار ہو تو کوئی حرج نہیں۔

رکوع نمبر ۱۴ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰہُ ص۲۱۹ یعنی اگر خدا لوگوں کو ان کے ظلم پر گرفتار عذاب کرلیتا تو زمین پر چلنے والا ایک ظالم انسان بھی نظر نہ آتا۔

عَلَيْهَا ص۲۱۹ میں ضمیر کا مرجع زمین ہے اگرچہ اس کا سابق میں ذکر نہیں لیکن قرائن سے سمجھا جاتا ہے اور کئی چیزیں ایسی ہوا کرتی ہیں جن کی طرف ضمیر پلٹانے میں ان کے سابق ذکر کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور وہ وہ ہیں جو عادتاً ہر ایک کو معلوم ہوں اور قرائن سے سمجھی جاسکتی ہوں۔ یہاں ہر شخص جانتا ہے کہ انسان زمین پر ہی بستے ہیں تو جب

لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ

دوزخ ہے۔ اور تحقیق وہ اسکی طرف آگے آنیوالے ہونگے خدا کی قسم ہم نے رسول بھیجے پہلی امتوں کی

مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ

طرف تو مزین کیا شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو پس وہ اس دن بھی ان کا

الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

ولی ہوگا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا اور ہم نے نہیں اتاری تجھ پر کتاب مگر اس لئے

اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً

کہ تو بیان کرے ان پر وہ جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے

کہا گیا کہ اس پر بسنے والا کوئی نہ رہتا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس سے مراد زمین ہے۔

مسائل مشکلہ مسئلہ نمبر ۱ اگر کوئی شخص ظلم کر کے مستحق عذاب ہو لیکن اس کے آثار ایسے ہوں کہ وہ یقیناً بعد میں توبہ کریگا یا یہ کہ خدا کو اس کا بعد میں توبہ کرنا معلوم ہو تو کیا ایسے شخص کو فوری طور پر عذاب دیا جا سکتا ہے یا اس کو مہلت دینا ضروری ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔

(۱) سید مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ اس کو فوری طور پر عذاب دیا جا سکتا ہے اور اس کو مہلت دینا ضروری نہیں (۲) شیخ مفید کا قول ہے کہ اس کو فوری طور پر عذاب دینا ناجائز ہے بلکہ اس کو مہلت دینا واجب ہے میرے خیال میں سید مرتضیٰ کا قول قوی اور سدید تر ہے لیکن خداوند کریم اپنے لطف کی بنا پر کسی کو فوری طور پر گرفت نہیں کرتا اور لازماً اس کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کرے چنانچہ آیت مجیدہ کا بھی یہی مضمون ہے اور ممکن ہے کہ شیخ مفید نے بھی یہی لطف مراد لیا ہو اور مہلت کے وجوب سے مراد لطف ہو نہ کہ پابندی پس دونوں صورتوں میں لفظی فرق ہے نہ کہ معنوی۔

مسئلہ نمبر ۲۔ کیا عذاب اس وقت حتمی ہوتا ہے جب اس کی نسل سے بھی ایمان لانے کی امید قطع ہو جائے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی مناجات سے معلوم ہوتا ہے یا یہ ضروری نہیں؟ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ خدا پابند اور مجبور نہیں وہ استحقاق کے بعد ظالم کو گرفت کر سکتا ہے اس کی نسل کو باقی رکھنا اس پر واجب نہیں لیکن اس نے جس طرح تمام مخلوق کو لطفاً پیدا فرمایا ہے اسی طرح اگر ظالم کی نسل کی بقا کے لئے وہ فوری طور پر اس کو معذب

لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰہُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِہِ
ایمان لانیوالے لوگوں کے لئے اور خدا نے اتارا آسمان سے پانی پس زندہ کیا زمین کو بعد
الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾ ع
اس کی مردنی کے تحقیق اس میں نشانی ہے سننے والوں کے لئے
وَاِنَّ لَکُمۡ فِی الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَۃً ؕ نُسۡقِیۡکُمۡ مِّمَّا فِیۡ بُطُوۡنِہٖ مِنۡۢ
اور تحقیق تمہارے لئے چوپاؤں میں نصیحت ہے ہم تم کو پلاتے ہیں اس سے جو اس کے پیٹ میں

نہ کرے تو یہ بھی اس کا لطف ہے۔

مسئلہ نمبر۳۔ آیت مجیدہ سے ظاہر ہے کہ اگر خدا ظلم پر بندوں کو عذاب کرتا تو کوئی چلنے والا نہ رہتا حتیٰ کہ حیوانات بھی نہ رہتے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کے ظلم کی پاداش میں حیوانات کی ہلاکت کس لئے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ظالموں کی ہلاکت کے بعد زمین پر چلنے والا کوئی انسان نہ ہوگا، تو حیوان کس لئے ہوں گے جب کہ ان کی تخلیق ہی انسانی مفاد کی خاطر ہے۔

مسئلہ نمبر۴۔ بچہ کی موت کے بعد اس کے حشر میں معتزلہ اور اشاعرہ کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کا کہنا ہے کہ چونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ وہ بعد میں ظالم ہو گا لہٰذا اس نے اس کو ختم کر دیا پس بچہ محشور ہو کر جنت کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور اشاعرہ کہتے ہیں اگر یہ بات درست ہے تو سرے سے تمام کفار کو کیوں نہ ختم کر دیا۔ پس اس کا حل مناسب اس طرح ہو گا کہ جزا کی تین قسمیں ہیں (۱) ثواب (۲) عوض (۳) تفضل۔ اعمال صالحہ پر جنت عطا فرمانا ثواب ہے۔ چھوٹے بچوں کی تکالیف واموات یا اولیاء اللہ کے مصائب پر ان کو جنت دینا یا درجات بلند کرنا عوض ہے اور جو جوان ہونے کے بعد بھی اعمال زشت کا مرتکب ہو اور قطعاً استحقاق جنت نہ رکھتا ہو اس کو شفاعت سے معاف کر دینا یا بعد والوں کی دعاؤں سے اُس کو بخش دینا یا اس کی اولاد کی سعادت سے اس کو جنت دینا یہ سب اس کا تفضل ہے۔ یعنی اختیاری عمل کا بدلہ ثواب اور عمل اضطراری کا بدلہ عوضہ اور بلا عمل عطیہ تفضل ہے اور خدا کی شان ہے جس طرح دے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

جَآءَ اَجَلُهُمۡ[ص۲۲۱]۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

الکتب[ص۲۲۲]۔ وہ کہتے تھے کہ جس جنت کا محمدؐ ذکر کرتا ہے وہ یقیناً ہمارے لئے ہی ہے اور باوجود اپنی بداعتقادی اور بداعمالیوں کے حُسنیٰ یعنی جنت کے دعویدار تھے پس خدا نے ان کے دعویٰ کی تردید فرمائی۔

مفرطون[ص۲۲۲]۔ فرط سے ہے جس کا معنی تقدم ہے یعنی آگے جانے والے ہوں گے اور بعض لوگوں نے را کو

بَیۡنِ فَرۡثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیۡنَ ﴿۶۶﴾ وَ مِنۡ

ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ خوشگوار پینے والوں کے لئے اور کھجوروں

ثَمَرٰتِ النَّخِیۡلِ وَ الۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡہُ سَکَرًا وَّ رِزۡقًا

اور انگوروں کے پھلوں سے کر بناتے ہو تم اس سے نشہ آور چیز اور بہترین رزق

حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ

تحقیق اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہوں اور وحی کی تیرے رب

اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا

نے شہد کی مکھی کو کہ بنا پہاڑوں سے گھر اور درختوں سے اور اس چیز سے کہ جس کی چھت

یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ

بناتے ہیں پھر کھا ہر قسم کے میوہ جات پس داخل ہو اپنے رب کے راستوں میں مطیع

ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ

ہو کر تاکہ نکلے ان کے شکموں سے ایک مشروب رنگ برنگا جس میں شفا ہو لوگوں

کسرہ سے بھی پڑھا ہے یعنی افراط کرنے والے تھے۔

نھو ولیھم[۲۲۲] یعنی شیطان کی اطاعت کرنے والوں کا ولی دنیا میں تو شیطان ہے لیکن آخرت میں وہ بھی ان سے بری ہو جائے گا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ الیوم سے مراد قیامت کا دن ہے یعنی خدا ان کو اپنی رحمت سے مایوس کرتے ہوئے فرمائے گا جاؤ شیطان تمہارا ولی ہے اس سے اپنی اطاعت و کارگذاری کا بدلہ لو۔

رکوع نمبر ۱۵ تذکرہ نعمات برائے عبرت

اِنَّ لَکُمۡ[۲۲۳] فرماتا ہے کہ حیوانات اور چوپاؤں کی پیدائش میں تمہارے لئے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کا مقام ہے۔ بالخصوص شیر دار جانوروں مثلاً گائے بھینس وغیرہ میں غور کرو کہ اس کی اوجھری میں پڑا ہوا گھاس اس کی قوت ہاضمہ اور جگر و معدہ کی مشینری کے ذریعہ سے کچھ حصہ فالتو گوبر بن کر آنتوں میں چلا جاتا ہے اور اس کا خالص جوہر خون بن کر رگوں پٹھوں میں چکر لگا کر اُس کی زندگی کو آگے بڑھاتا ہے اور درمیانہ حصہ دودھ خالص تیار ہو کر تھنوں میں پہنچتا ہے جس کو انسان

لِلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (۶۹) وَاللّٰهُ

کے لئے تحقیق اس میں نشانی ہے فکر کرنے والے لوگوں کے لئے اور اللہ نے

خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ﳜ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ

تم کو پیدا کیا پھر تم کو مارے گا اور تم میں سے وہ ہیں جو رد کئے جاتے ہیں طرف رذیل ترین عمر

لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـٴًـا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ (۷۰) ع ۱۵

کے تاکہ نہ جانے بعد جاننے کے کچھ بھی تحقیق اللہ جاننے والا قدرت والا ہے

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ

اور اللہ نے زیادہ دیا بعض کو بعض پر رزق پس نہیں وہ جن کو

فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ

زیادہ دیا گیا دینے والے اپنا رزق اپنے غلاموں کو (جن کے وہ مالک ہیں) پس وہ اس میں

استعمال کرتا ہے۔ پس نیچے فضلات گوبر اُوپر خون اور درمیان میں دودھ خالص تیار ہو کر اپنے ظرف میں پہنچتا ہے کہ نہ اس میں گوبر کی بو ہے اور نہ خون کی ملاوٹ صانع حکیم کی توحید کی ناقابل تردید برہان ہے کیونکہ ایک ہی جگہ پر ایک ہی مشینری میں سب کا تیار ہو کر الگ الگ چلا جانا عظمت پروردگار کا بولتا ہوا ناقوس ہے اور جو شخص اس واضح حقیقت سے بھی نصیحت نہیں لے سکتا اور وہ خالق کی قدرت و حکمت اور اس کی یکتائی و بے ہمتائی کی معرفت نہیں حاصل کر سکتا تو وہ عقل کا اندھا اور دانش سے کورا ہے۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ ۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لکم عبرۃ فیما اخرج لکم من ثمرات ۔ الخ یعنی تمہارے لئے عبرت ہے اس میں جو نکالی ہے خدا نے ۔ یعنی کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں کہ اس سے تم ایسی چیز بھی بناتے ہو جو تم پر حرام ہے جیسے شراب اور اس سے رزق حسن بھی تم حاصل کرتے ہو اور بعض مفسرین نے سُکر کا معنی جائز اور حلال قسم کے مشروبات کیا ہے اور بعض لوگوں نے نبیذ کی حلیت اسی آیت مجید سے ثابت کرنے کی سعی لاحاصل بھی کی ہے کہ خدا نے اس کو اپنے احسانات و انعامات میں سے ذکر فرمایا ہے لہذا وہ حلال ہے اور یہ آلِ محمدؐ سے روگردانی کے بدترین نتائج میں سے ہے۔

سکر چار معنی میں مستعمل ہوتا ہے (۱) نشہ آور شراب (۲) مطلق مشروبات (۳) سکون جس طرح ساکرہ بمعنی ساکنہ

(۴) حیرت سے آنکھوں کا ٹکٹکی باندھنا۔

اَوْحٰی[۲۲] قرآن مجید میں وحی کا متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے (۱) وحی بصورت جبریل یا خواب و الہام یا ہتف غیب جو صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے (۲) وحی بمعنی الہام جس طرح شہد کی مکھی کی وحی اور اوحینا الیٰ ام موسیٰ وغیرہ (۳) اشارہ اوحی الیہ یعنی اس کی طرف اشارہ کیا (۴) رازدار بنانا جیسے یوحی بعضہم الی بعض یعنی بعض دوسرے بعض کو رازدار بناتا ہے۔ آیت مجیدہ میں شہد کی مکھی کا الہام یہ ہے کہ خدا نے اس کی فطرت میں یہ چیز داخل کر دی ہے گویا اسکا الہام تکوینی تخلیق کا دوسرا نام ہے جس طرح کہ اس کے بعد اوامر کا تعلق بھی اس کے ساتھ تکوینی ہے۔ اس کے مقابلہ میں انسانوں کا الہام تشریعی ہوا کرتا ہے جس طرح کہ اس کے ساتھ امر یا نہی کا معاملہ بھی تشریعی ہوتا ہے پس شہد کی مکھی کی فطری خلقی عادت یہ ہے جو اللہ کی جانب سے الہام تکوینی کے طور پر اس کو عطا کی گئی ہے کہ پہاڑوں درختوں اور بیلوں میں گھسے پس ہر قسم کے میوہ جات کا رس چوسے اور یہ وہ راستے ہیں جو خدا نے اس کے لئے آسان کئے ہیں یا یہ وہ ذرائع ہیں جو قدرت نے اس کو عطا کئے ہیں پس اس کا چوسا ہوا مختلف خواص و آثار کے پھلوں کا رس ایک معجون تیار ہوتا ہے اور وہ بھی موسموں کے اختلاف اور پھلوں کے تفاوت کی بنا پر رنگ برنگی شکل میں ہوتا ہے اور پھر اس کے آثار کا مختلف ہونا بھی بعید از قیاس نہیں لیکن مجموعی طور پر وہ باعث شفا ضرور ہے۔

ذُلُلًا[۲۳] ۔ حال ہے سبل سے کہ وہ راستے یا ذرائع تیرے لئے مناسب و موزوں ہیں یا حال ہے فاعل سے یعنی مکھی خود مطیع ہو کر ایسا کرتی ہے۔

مِن بُطُونِھَا[۲۴] ۔ اس سے ظاہر ہے کہ مکھی کے پیٹ میں داخل ہو کر یہ رس دوبارہ اگلا ہوا اس کے منہ سے باہر آتا ہے۔ گویا مکھی کا شکم اس کی اصلاح کے لئے ایک الگ مشین ہے تاکہ بعض پھلوں کے مضر اثرات کا قلع قمع ہو جائے پس وہ محض شفا بن کر بنی آدم کے لئے کام آئے۔

اور قدرتِ صانع حکیم دیکھئے کہ ڈاکٹروں اور حکیموں سے کوئی معجون ایسی دستیاب نہیں ہو سکتی جس کا جزوِ اعظم شہد نہ ہو۔

خداوند قدوس نے مکھی اور شہد کے ذکر سے انسان کو عبرت و نصیحت کا درس دیا ہے اور مکھی میں عبرت و نصیحت کے چند مقام ہیں۔

۱۔ پھلوں کا رس چوسنے کے بعد وہ اپنے چھتے میں پہنچ کر منہ کے ذریعے سے وہ رس اگلتی ہے۔

۲۔ جو مقام اس کے کاٹنے کا ہے اسی زہریلے مقام سے یہ رس اگلتی ہے اور وہ بجائے زہریلے اثرات لینے کے شفا بن جاتی ہے۔

فِيهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ

برابر ہیں تو کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں؟ اور اللہ نے پیدا کیں

لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ

تمہارے لئے تم ہیں سے تمہاری بیویاں اور پیدا کئے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے

بَنِيۡنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ يُؤۡمِنُوۡنَ

اور نواسے اور رزق دیا تمہیں پاکیزہ کیا باطل پر ایمان

۳۔ یہ محفوظ مقام میں اپنا چھتہ تیار کرتی ہے تاکہ لوگوں کی دسترس سے محفوظ رہے۔

۴۔ اس کے چھتے کے خانہ جات سب کے سب مخمس ہوا کرتے ہیں اور ناپ میں اس کے سب اضلاع برابر ہوتے ہیں جو بغیر آلات ناپ کے ان سے صادر ہوتے ہیں۔

۵۔ مکھی کوئی برا رس نہیں لیتی پاکیزہ رس لیکر پلٹتی ہے اور اس میں وہ ہمیشہ پوری محتاط رہتی ہے۔

۶۔ پورے چھتے میں ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جو امیر النحل یا یعسوب النحل کہلاتا ہے۔

۷۔ تمام مکھیاں امیر النحل کی پوری پوری مطیع و فرمانبردار رہتی ہیں۔

۸۔ جو مکھی امیر النحل کے حکم سے سرتابی کرے باقی مکھیاں اس سے بائیکاٹ کر لیتی ہیں۔ اور اسے کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔

۹۔ جس طرف جائیں امیر النحل سب کے آگے آگے ہوتا ہے اور کوئی مکھی بے ادب ہو کر اس سے آگے چلنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

۱۰۔ امیر النحل تمام مکھیوں کی ڈیوٹی معین کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہونا سب کے لئے ضروری ہوا کرتا ہے۔

۱۱۔ امیر النحل تمام مکھیوں کی پوری دیکھ بھال کرتا ہے اور اس تنظیم سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔

۱۲۔ امیر النحل باہر سے آنے والی ہر مکھی کا معائنہ کرتا ہے اگر کسی مکھی سے بُو خراب آتی ہو تو اس کو فوراً جماعت سے خارج کر دیتا ہے۔

۱۳۔ امیر النحل مکھیوں کو پاکیزہ اور ستھری رس چوسنے پر مامور کرتا ہے پس نافرمان کو سزائے موت دیتا ہے۔

۱۴۔ جب امیر النحل مارا جاتا ہے یا گم ہو جائے تو باقی مکھیوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی امور کافی مصالح پر مشتمل ہیں جن کو پروردگار ہی بہتر جانتا ہے اور حضرت امیر علیہ السلام نے

وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿٧٢﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اللہ کے غیر

اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا

کی جو نہیں مالک اپنے رزق کے آسمانوں اور زمین میں سے کچھ بھی

وَّلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٧٣﴾ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں پس نہ بیان کرو اللہ کی مثالیں تحقیق اللہ

يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧٤﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے بیان کرتا ہے اللہ مثال ایک غلام مملوک کی

مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا

جو نہ قدرت رکھتا ہو کسی شے پر اور دوسرا جس کو ہم نے رزق دیا

فرمایا تھا کہ میں مومنوں کا یعسوب ہوں۔

ارذل العمر[۲۲۵] حضرت امیر علیہ السلام سے پچھتر سال کی عمر سے بڑھنا ارذل العمر منقول ہے کہ انسان کی حالت بچپنے کی طرف عود کر آتی ہے اور اس کا علم نسیان کے گوشوں میں چلا جاتا ہے۔

رکوع نمبر ۱۶ دعوت توحید کا نرالا انداز

واللہ فضّل[۲۲۵] خداوند کریم نے شرک کرنے والوں کی تفہیم میں ہر قابل قبول طریق تبلیغ کو استعمال فرمایا ہے۔ پچھلے رکوع میں نعمات کا تذکرہ اسی سلسلہ کی اہم کڑی تھی اس جگہ ایک مثال کے طور پر واضح فرماتا ہے کہ دیکھو خدا نے تم سب کو رزق عطا فرمایا آقاؤں اور غلاموں سب کا رازق تو اللہ ہے پس وہ آقا جن کو اللہ نے رزق زیادہ عطا فرمایا ہے۔ کیا وہ اپنے رزق سے کچھ حصہ اپنے غلاموں کو عطا کریں گے؟ تو جب اللہ کے عطا کردہ زائد رزق میں تم اپنے غلاموں کو شریک کرنے پر تیار نہیں ہو تو اللہ کے ملک وسلطنت میں تم اللہ کے بندوں کو کیسے شریک کرتے ہو؟ اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ زیادہ رزق والے کم رزق والوں کے رازق نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رزق سے ہی ان کی تربیت کرتے پس سب کے سب رزق اللہ کا ہی کھاتے ہیں۔

واللہ جعل[۲۲۶] پھر نعمات کا تذکرہ دعوت توحید کا پیش خیمہ ہے۔

حَفَدَۃً جمع حافد کی ہے اسکا معنی ہے جلدی کام کرنیوالے اور اس سے نوکر وغلام مراد لئے جاتے ہیں اور اس جگہ اس کا معنی

حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ

رزق اچھا پس وہ خرچ کرتا ہے اس سے ظاہر و پوشیدہ کیا یہ دونو برابر ہیں الحمد للہ

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ

بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے اور بیان کی اللہ نے مثال دو آدمی ہوں

اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا

ان میں سے ایک گونگا ہو جو بولنے کی قدرت نہ رکھتا ہو کچھ بھی اور وہ اپنے مربی پر بوجھ ہو اسے جس طرف

يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ

بھیجے نہ پلٹے بھلائی کے ساتھ کیا وہ برابر ہے اس کے ساتھ جو عدل کا حکم دے

لوا سے منقول ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ ۲۲۸ مشرکین کو تنبیہ فرماتا ہے کہ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں انکی جو اپنے رزق کے بھی خود مالک نہیں اور نہ وہ بذات خود کسی چیز کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ سب کچھ اللہ کا ہی عطیہ ہے پس ان کو اللہ کا مشابہ نہ بناؤ اور نہ ان کی پوجا کرو بلکہ ان کو اللہ کا محتاج سمجھو اور تمام مخلوق کا حاجت روا صرف اللہ ہی کو جانو۔

ضَرَبَ اللّٰهُ ۲۲۸ دعوت توحید کی دوسری مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک عبد مملوک جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا کیونکہ وہ کسی شئی کا مالک نہیں ہے۔ اور دوسرا وہ انسان جو آزاد ہے اور اس کو اللہ نے رزق عطا فرمایا ہے وہ ظاہر و پوشیدہ خرچ کرنے کا مجاز ہے کیا یہ دونو برابر ہو سکتے ہیں تو جب اللہ کی مخلوق میں سے آزاد و غلام برابر نہیں تو مخلوق کا کوئی فرد اللہ کے برابر کیسے ہو سکتا ہے اس کے بعد فرماتا ہے کہ حمد و ثنا کا سزاوار اللہ واحد ہے اور جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں وہ یقیناً معرفت پروردگار سے اپنے دامن کو پُر کر لیتے ہیں۔ لیکن اکثریت جاہلوں کی ہوتی ہے۔

رَّجُلَيْنِ مزید وضاحت کے لئے پھر ایک مثال بیان فرمائی کہ دو شخص ہوں ان میں سے ایک گونگا ہو جو بولنے کی طاقت نہ رکھتا ہو (یہاں شئے سے مراد گویائی ہے) اور اپنے آقا و مربی پر اس کا وجود بوجھ ہو کسی طرف سے وہ بھلائی کے ساتھ نہ پلٹتا ہو۔ کیا وہ ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو عالم اور دانا بینا ہونے کے بعد لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہو پس جب مخلوق میں ایک عاجز بے علم اور دوسرا قادر و عالم برابر نہیں تو وہ اللہ جو علیم و حکیم اور علیٰ کل شئی قدیر ہے اس کے برابر اس کی مخلوق کیسے ہو سکتی ہے جو ہر آن و لحظہ قدرت و علم و جملہ صفات میں اس کی محتاج ہیں؟

وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور وہ ٹھیک راستے پر ہو — اور اللہ کے لئے ہی ہے آسمانوں اور زمین کا غیب

وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

اور نہیں معاملہ قیامت کا مگر پلک جھپکنے کے برابر یا اس سے بھی قریب تر تحقیق اللہ ہر شے پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا

قادر ہے — اور اللہ نے نکالا تم کو اپنی ماؤں کے شکموں سے کہ کچھ نہ جانتے

تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ

تھے اور بنائے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ شکر گذاری

تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ

کرو — کیا نہیں دیکھتے پرندوں کو جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں نہیں روکتا ان کو

اور آیت مجیدہ کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ ان مثالوں سے مومن اور کافر کے درجات میں فرق واضح کیا گیا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں وَجَدْتُكَ رَبًّا كَمَا اَرْتَضِي فَاجْعَلْنِي عَبْدًا كَمَا تَرْتَضِي۔ اے اللہ تو میرا وہ رب ہے جس طرح میں چاہتا ہوں۔ پس تو مجھے اپنا عبد بنا جیسے تو چاہتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں كَفٰى بِيْ عِزًّا اَنْ اَكُوْنَ لَكَ عَبْدًا (او كما قال) میری عزت کے لئے اتنا کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔ وَكَفٰى بِيْ فَخْرًا اَنْ تَكُوْنَ لِيْ رَبًّا اور میرے لئے مقام افتخار ہے اور مجھے بجا ناز ہے کہ تو میرا پروردگار ہے۔ پس جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے ان کو خالق یا رازق یا قسیم الرزق مان کر شرک کرتے ہیں ان کو آپ کی ان فرمائشات سے درس حاصل کر کے اپنے عقائد فاسدہ سے توبہ کر لینی چاہیئے۔

رکوع نمبر ۱ مسئلہ علم غیب تفسیر مجمع البیان میں ہے یعنی جنوں، انسانوں، فرشتوں، ولیوں اور نبیوں سے جو چیزیں غائب ہیں ان سب کا علم اللہ کو ہے اور اللہ کا علم اس کی عین ذات ہے وہ ہر شے کو ہر وقت جانتا ہے۔ انبیاء و اولیاء صرف اسی قدر علم رکھتے ہیں جس قدر وہ ان کو عطا فرمائے۔ پس بہت سی ایسی چیزوں کا علم رکھتے ہیں جو ہمارے علماء سے غائب ہوتی ہیں اور ہمارے علماء بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو عوام سے غائب ہوتی ہیں۔ پس جس طرح علماء کا علم آئمہ و انبیاء سے حاصل کردہ ہے لہذا اس کو علم الغیب نہیں کہا جا سکتا

مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

مگر اللہ تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ

اور اللہ نے پیدا کئے تمہارے لئے تمہارے گھر رہائش کے لئے اور پیدا کئے تمہارے حیوانوں کے

الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ

چمڑوں سے گھر جن کو تم ہلکا پاتے ہو کوچ کے دن اور قیام کے دن اور ان کی

مِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى

پشم اور اون اور بالوں سے لباس اور سامان ایک وقت تک کے لئے

حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ

(دیتا ہے) اور اللہ نے پیدا کئے تمہارے لئے من جملہ دیگر مخلوق کے سائے اور پیدا کئے تمہارے

مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ

لئے پہاڑوں سے غاریں اور پیدا کیں تمہارے لئے قمیصیں جو تم کو گرمی سے بچاتی ہیں اور

اسی طرح انبیاء و آئمہ کا علم اللہ سے مستفاد ہے لہٰذا وہ بھی علم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

واللہ اخرجکم ص۲۳۰ یعنی اس نے کتم عدم سے منصۂ وجود پر تم کو ظاہر کیا اور نہ جاننے کے بعد تمہیں علم دیا سننے کے لیے کان دیکھنے کو آنکھیں اور سوچنے سمجھنے کے لیے دل عطا کیا تاکہ غور و فکر کر کے اس کی معرفت حاصل کرو اور اسکا شکر ادا کرو

مُسَخَّرٰتٍ ص۲۳۰ یعنی پرندوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ فضا آسمانی میں پرواز کریں۔

مَا یُمْسِکُھُنَّ۔ یعنی ہوا میں ان کو روکنے والا یعنی گرنے سے بچانے والا اللہ ہی ہے جس طرح تیرنے والوں کو ڈوبنے سے بچاتا ہے کیونکہ ہوا و پانی سب اس کے مطیع ہیں۔

من بیوتکم۔ رہائش کے لئے گھر اس نے دیئے اور چوپاؤں کے چمڑوں کے ہلکے پھلکے گھر بھی عطا کئے تاکہ مقیم کے لئے پکا گھر اور مسافر کے لئے سفری گھر رہن سہن کے لئے آسانی کا باعث ہو۔

اَصْوَافِھَا۔ بھیڑوں اور دنبوں کی اون کو کہتے ہیں۔

سَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

اور قمیصیں جو کر لڑائی میں تم کو بچاتی ہیں اسی طرح پوری کرتا ہے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم اس کے سامنے

تُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُونَ

جھک جاؤ پس اگر پھر جائیں تو تیرے لئے اوپر صرف تبلیغ کرنا ہے لوگ اللہ کی

نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٣﴾ وَ

نعمت کو پہچان کر انکار کرتے ہیں اور اکثر ان کے کفران کرتے ہیں اور

يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت سے گواہ پھر نہ سنی جائے گی بات ان کی جو کافر تھے

اَوْبَارِهَا۔ یہ اونٹ کی اون کو کہا جاتا ہے۔ اَشْعَارِهَا۔ اس کا بکریوں کے بالوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ اثاث سے مراد لباس و بستر وغیرہ ہیں۔ اور متاع سے تجارتی نقطہ نگاہ مقصود ہے۔ اِلٰی حِیْنٍ۔ تا حین حیات یا اس وقت تک جب تک اللہ چاہے کیونکہ رزق کی عطا اور اس کی بقا اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے۔ ظِلٰلًا۔ ایسے اجسام پیدا کئے جو گرمیوں میں تم کو سایہ دیتے ہیں جیسے درخت پہاڑ وغیرہ۔ اَکْنَانًا۔ پہاڑ کی غاریں اور ان کے دامن انسانوں کی رہائش کے مقصد کو پورا کرتی ہیں۔

تَقِیْکُمُ الْحَرَّ۔ چونکہ عرب میں گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا لباس کو گرمی کا محافظ ہونا ظاہر فرمایا اور ضمناً سردیوں کا بچاؤ بھی معلوم ہو جاتا ہے

بَاْسَکُمْ۔ اس لباس سے مراد لوہے سے تیار کردہ زرہیں ہیں جو جنگ میں پہنی جاتی ہیں۔ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ ان تمام نعمات کو گننے کے بعد پھر ایک دفعہ دعوت دے دی کہ ان کو پہچانو اور اللہ کی معرفت حاصل کر کے اس کے سامنے جھک جاؤ اور کفر و انکار سے باز آجاؤ اور شرافت انسانیہ کا تقاضا یہی ہے کہ محسن کے احسان کے سامنے جھک جائے۔ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ۔ اس کا عمومی مقصد یہ ہے کہ ہر نعمت پروردگار کی قدر اس کے شکر سے کی جائے اور چونکہ تمام نعمات میں سے نعمت نبوت و ولایت اہم نعمتیں ہیں لہذا ان کی قدر دانی ہر غیرت مند انسان کا فریضہ ہے اور تفسیر برہان میں آئمہ سے مروی ہے کہ یہ ان لوگوں کی سرزنش ہے جنہوں نے حضرت رسالت مآبؐ سے ولایت علی کا اعلان سنا اور پھر جان بوجھ کر اسکا انکار کر گئے۔

رکوع نمبر ۱۸ قیامت کے دن آئمہ کا گواہ ہونا۔ وَیَوْمَ نَبْعَثُ۔ یعنی بروز محشر ہر امت کے اعمال پر امتوں کے

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا

اور نہ ان کو معافی مانگنے کا موقع دیا جائے گا اور جب دیکھیں گے ظالم عذاب کو پس نہ کم کیا

يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ

جائے گا ان سے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی اور جب دیکھیں گے جنہوں نے شرک

أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ

کیا اپنے شرکاء کو تو کہیں گے اے رب یہ ہمارے شرکاء ہیں جن کو ہم تیرے سوا

انبیاء بطور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر زمانہ کی امت کے ساتھ اس زمانہ کا امام بطور گواہ پیش ہو گا۔ بعض لوگ جہلاء کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر شہید کے لفظ سے آئمہ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ محض دھوکا اور فریب ہے کیونکہ ہر وقت ہر جگہ ہر شے پر حاضر و ناظر صرف ذات پروردگار ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ البتہ اس کی قدرت میں ہے کہ وہ آئمہ کو یا انبیاء کو متعدد مقامات پر ایک وقت میں یا متعدد اوقات میں بھیج دے کیونکہ اگر وہ ملک الموت کو ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر قبض ارواح کے لئے بھیج سکتا ہے تو وہ آئمہ کو بھی یہ طاقت دے سکتا ہے اور ملک الموت کے متعلق تو ثابت ہے کہ خدا نے قبض ارواح کی خاطر اس کو بیک وقت متعدد مقامات پر حاضر ہونے کی طاقت دے رکھی ہے لیکن آئمہ یا انبیاء کے متعلق یہ بات ثابت نہیں ہے بلکہ یہ ثابت ہے کہ وہ ایک جگہ جب ہوتے تھے تو دوسری جگہ ان سے خالی ہوتی تھی لہذا ان کو وہاں بلانا پڑتا تھا اور ان کو چل کر وہاں پہنچنا پڑتا تھا پس ان کا حکم ان کا دین ان کی فرمائشات اور ان کی ولا ہر مومن کے دل میں حاضر ہے وہ اگر ایک پل دل سے الگ ہو تو ایمان جاتا رہتا ہے اس معنی کے لحاظ سے بے شک وہ حاضر و ناظر ہیں اور محشر کی شہادت کا مقصد یہ ہے کہ وہ پروردگار کے حضور میں اپنی تبلیغی مساعی کی رپورٹ پیش کریں گے کہ ہم نے ان لوگوں تک اصول مذہب اور احکام دین پہنچا دیئے تھے اور ان کو اچھی طرح سمجھا دیئے تھے پس وہ عذر کو قطع کر دیں گے اسی بنا پر تو آیت مجیدہ میں صاف اعلان ہے کہ انکار کرنے والوں اور غلط کاروں کو بولنے کی اجازت نہ ہو گی یا یہ کہ ان کی کوئی گذارش نہ سنی جائے گی جس طرح کہا جاتا ہے اُذِنَت لَنا دیں نے اس کی بات سنی اور نہ ان کو اپیل معافی کا موقع دیا جائے گا کہ وہ عذر پیش کر کے معافی حاصل کریں استعتاب کا معنی ہے معافی مانگنے کا موقع دینا۔ اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ کو معلوم ہے تو وہ آئمہ سے گواہی کس لئے لے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شہادت اثبات مطلب کے لئے نہیں ہے بلکہ لوگوں کو بدکاریوں سے روکنے

كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ

پکارتے تھے بس وہ بقدرتِ خدا وہ ان کو جواب دیں گے کہ تم جھوٹ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ

کہتے ہو اور پیش کریں گے اللہ کی طرف اس دن اپنی اطاعت اور باطل ہو جائے گی

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

وہ بات جس کا افترا باندھتے تھے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا اللہ کے راستے سے ان کے

اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

عذاب کے اوپر دوسرا عذاب بڑھائیں گے بوجہ اس کے کہ وہ تھے فساد کرتے

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَنَزَّلْنَا

اور جس دن اٹھائیں گے ہم ہر اُمّت سے گواہ ان کے اوپر اپنے نفسوں سے اور لائیں گے تجھ کو گواہ انکے

کا یہ ایک بہانہ ہے کیونکہ جب پتہ ہو کہ بروزِ محشر مخلوقِ خدا کے سامنے میرے گناہ کھلیں گے اور مجمع عام میں رسوائی ہو گی اور آئمہ کی شہادت بھی ہو گی تو ایسی صورت میں ارتکاب معاصی سے شرم کرے گا۔

شُرَكَآءُهُمْ ۲۳۳ - اس جگہ شرکاء سے وہ اشخاص مراد ہیں جن کو مشرک لوگ خدا کا خدائی میں شریک مانتے تھے۔

فَأَلْقَوْا - القاء کا معنی ہے ڈالنا اور کسی تک بات پہنچانی ہو تو القا سے تعبیر کرتے ہیں اور کسی سے حاصل کرنی ہو تو تلقّی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے فَتَلَقّٰى آدَمُ۔ الخ گویا بروزِ محشر مشرکین کو اپنے شرکاء نقد جواب دیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور مشرکین اللہ کے سامنے اپنی فرمانبرداری پیش کریں گے۔ یعنی نخوت، تکبر اور غرور سب ختم ہو جائیں گے پس عاجزی کو پیش کریں گے

ضَلَّ عَنْهُمْ - ان کو جو دنیا میں یہ وہم و خیال تھا کہ ہمارے خدا ہم کو عذاب سے چھڑالیں گے وہ سب باطل ہو جائیگا کیونکہ یہ ان کا افترا تھا۔ فَوْقَ الْعَذَابِ - عذاب نار کے ساتھ بچھوؤں اور سانپوں وغیرہ کا عذاب ان پر بڑھا دیا جائے۔

شَهِيْدًا - حدیث میں ہے کہ آئمہ خلق پر شہید ہوں گے اور رسول آئمہ پر شہید ہو گا اور یہ ان کے نفسوں سے ہوں گے یعنی ان کے ہم جنس البشر ہی ہوں گے اور یہ بھی مروی ہے کہ نیک مومن بھی گواہی دیں گے۔

نَزَّلْنَا - یعنی ہم نے تجھے کتاب دی جس میں ہر مسئلہ ضروریہ شرعیہ کا واضح بیان موجود ہے یعنی قیامت تک کے پیش آمدہ ضروری مسائل شرعیہ کا حل قرآن مجید میں موجود ہے خواہ نص و ظاہر کے لحاظ سے قرآن میں ہو یا اشارہ

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً

اور پر اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب جو واضح بیان ہے ہر شے کا اور ہدایت اور رحمت اور

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ

خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے تحقیق اللہ امر کرتا ہے انصاف

کے ذریعے سے کیونکہ فرمان رسالت اور فرمان امام بحکم قرآن کتاب کا فرمان ہے کیونکہ آیۂ اطاعت و ولایت ہی اسکا مرجع ہے۔

علم آئمہ کی وسعت

قرآن مجید کے متعلق تبیانا لکل شیٔ کا ارشاد ہے یعنی ہر امر ضروری کی وضاحت نصاً یا ظاہراً یا حکماً اس میں موجود ہے اور قرآن چونکہ تمام کتب سماویہ کی جامع اور ان کے علوم پر حاوی کتاب ہے لہذا اس کے عالم انبیاء سابقین سے افضل ہوں گے اور چونکہ آئمہ طاہرین علیہم السلام علم قرآن میں حضرت رسالت مآبؐ کے صحیح وارث تھے لہذا وہ باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں آئمہ سے متعدد احادیث وارد ہیں۔ تفسیر برہان میں ایک حدیث کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ کے متعلق خدا فرماتا ہے كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ اور مِن تبعیض کے معنی میں ہوتا ہے یعنی الواح میں موسیٰ کے لئے ہم نے ہر شے میں سے کچھ لکھا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ سب کچھ اس میں نہ تھا بلکہ کچھ تھا لیکن قرآن مجید کے متعلق صراحت سے فرمایا کہ اس میں سب کچھ کی وضاحت ہے تو قرآن کا عالم تورات کے عالم سے افضل ہوگا۔ بنا بریں حضرت علیؑ ان سے افضل ہیں۔ یہ بیان آپ نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا تھا کہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ افضل ہیں یا علیؑ؟

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ نے عالم سے ایک سوال کیا تھا جس کا ان کے پاس جواب نہ تھا اگر میں ان کے پاس موجود ہوتا تو میں ان دونو کو اپنے اپنے مسئلہ کا جواب دے دیتا اور میں ایسا مسئلہ ان سے پوچھتا کہ وہ جواب نہ دے سکتے۔ حضرت موسیٰ اور خضر کے قصہ کی تفصیل اگلی جلد میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

نیز بروایت سدیر آپ سے مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور عالم کی ملاقات ہوئی اور باہمی گفتگو کا سلسلہ جاری ہوا تو موسیٰ نے ایک پرندہ کو دیکھا جسے خطاف عربی میں کہتے ہیں اور وہ تیتر کی قسم سے ہے کہ وہ پرندہ سیٹی بجاتا اور آسمان کی طرف پرواز کرتا تھا پھر دریا میں غوطہ زن ہوجاتا تھا تو عالم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ پرندہ کیا کہتا ہے؟ حضرت موسیٰ نے نفی میں جواب دیا پس عالم نے جواب دیا یہ کہتا ہے کہ آسمان و زمین کے رب کی قسم تم دونوں کا علم اللہ کے مقابلہ میں ایسا ہے جس طرح میری چونچ کا قطرہ دریا کے مقابلہ میں، پس حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر میں ان دونوں کے پاس ہوتا تو ان سے ایسا مسئلہ دریافت کرتا جس کا جواب دونوں کے پاس نہ ہو سکتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے اپنی مخصوص جماعت کے زمرہ میں ارشاد فرمایا مجھے

رب کعبہ کی قسم (تین بار) اگر میں موسیٰؑ اور خضرؑ کے درمیان ہوتا تو دونوں پر ثابت کرتا کہ میں ان سے اعلم ہوں اور ان کو ایسی باتیں بتاتا جن سے وہ بے علم ہوتے اور کلینی کی روایات میں ہے آپ نے فرمایا کہ موسیٰ اور خضر کو ما کان کا علم تھا اور ان کے پاس مایکون کا علم نہیں تھا یعنی وہ ماضی کا علم رکھتے تھے لیکن مستقبل کا علم ان کے پاس نہ تھا، تاقیامت اور ہم نے وراثۃً نبی علیہ السلام سے وہ علم حاصل کیا ہے لیکن یہ یاد رکھئے کہ ان کا علم جتنا بھی وسیع تھا وہ سب حضرت رسالتمآبؐ کے ذریعے سے علم مستفاد تھا اور حضرت رسالتمآبؐ کا علم خدا سے مُستفاد تھا اور جو علم غیب اللہ کے ساتھ مختص ہے وہ علم ذاتی ہے نہ کہ مستفاد۔

تفسیر برہان میں ایک مرسلہ روایت درج ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے درمیان کشتی غلام اور دیوار وغیرہ کے بارے میں تلخ کلامی ہوئی اور اس کے بعد حضرت موسیٰ واپس گھر پلٹ کر آگئے تو ہارونؑ نے دریافت کیا کہ آپ خضر سے کیا کچھ سیکھ آئے ہیں؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا وہ ایسی باتیں تھیں جن سے بے علمی نقصان دہ نہیں ہوتی ہاں ایک اُس سے بھی عجیب و غریب واقعہ ہمیں پیش آیا تھا پس ہارون نے پوچھا کہ وہ کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا جب ہم دونوں دریا کے کنارے سفر کر رہے تو ایک دفعہ ہم وہاں کھڑے ہو گئے اور دیکھا کہ خطاف کی شکل کا ایک پرندہ دریا کے کنارے اُترا اور اُس نے اپنی چونچ میں پانی لے کر اسے مشرق کی طرف پھینکا پھر دوبارہ مغرب کی طرف پھینکا پھر تیسری مرتبہ آسمان کی طرف اور چوتھی دفعہ زمین پر گرا دیا اس کے بعد پانچویں دفعہ پانی لے کر دریا میں ڈال دیا اس کے بعد پھڑپھڑاتا ہوا ہوا میں پرواز کر کے چلا گیا ہم دونو حیران تھے کہ اس پرندے نے ایسا کیوں کیا اور اس کی غرض کیا تھی؟ اسی اثنا میں بشکل آدمی اللہ کی جانب سے ایک فرشتہ آیا اور ہم سے پوچھنے لگا کہ آپ اس جگہ حیران کیوں کھڑے ہیں؟ ہم نے اس پرندے کی داستان سنائی اور اپنی حیرت کی وجہ بیان کی وہ کہنے لگا کہ تمہیں خبر نہیں کہ وہ کیا کہہ گیا ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ تو وہ کہنے لگا اس پرندے کا مقصد یہ تھا کہ مجھے اللہ کی قسم جس نے مشرق کو مشرق بنایا۔ مغرب کو مغرب بنایا۔ آسمان کا شامیانہ تنا اور زمین کا فرش بچھایا۔ وہ آخری زمانہ میں ایک نبی مبعوث فرمائے گا جس کا نام محمدؐ ہوگا اور اس کا ایک وصی ہوگا جس کا نام علی ہوگا اور تم دونو کا علم اس کے علم کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح یہ قطرہ آب بھرے سمندر کے مقابلہ میں ہے۔

رکوع نمبر ۱۹ درسِ اخلاق

اِنَّ اللّٰہَ ۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے عدل احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور زنا بدکاری اور ظلم سے منع فرمایا ہے۔ اور یہی چیزیں اخلاق کریمانہ کے بنیادی اصول و دستور ہیں اور علم الاخلاق کے جملہ فروعی مسائل کی بازگشت انہی تین اصولوں کی طرف ہوا کرتی ہے۔ پس یہی انسانی بلند کردار کا محور و مرکز ہیں۔ عدل کے تین مقام ہیں (۱) اللہ کے حقوق میں عدل (۲) اپنے

وَالۡاِحۡسَانِ وَاِيۡتَآئِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَيَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ

احسان اور قریبیوں کو دینے کا اور روکتا ہے بدکاری اور منکر اور ظلم اور تم کو

وَالۡبَغۡىِ‌ۚ يَعِظُكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۹۰﴾ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ

نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور وفا کرو اللہ کے (ساتھ کئے ہوئے) عہد

نفس کے حقوق ہیں عدل (۳) معاشرہ کے حقوق ہیں عدل۔ پس حقوق اللہ میں عدل یہ ہے کہ اس کے اوامر کو بجالائے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے بچے اور اسی کا نام ہے تقویٰ پس مخلوق کا اپنے خالق کے حقوق میں عدل تقویٰ ہے اور اس کے کم وبیش ادنیٰ واعلیٰ مراتب ہیں اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام تمام متقیوں کے امام و پیش رو ہیں جناب رسالت مآبؐ کے بعد اس مقام عدل میں ان سے کوئی نہیں بڑھ سکا اور اپنے نفس کے حقوق میں عدل یہ ہے کہ اپنے نفس کو ہر بد عادت سے بچائے اور ہر نیک عادت کی طرف اس کو آگے بڑھائے۔ پس نفس کو حیوانی پستی سے بلند کر کے اوج شرف انسانی سے ہمکنار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑے اور حقوق معاشرہ میں عدل یہ ہے کہ معاشرہ کے تمام شعبوں میں شرعی نقطۂ نگاہ کو ملحوظ رکھے۔ مثلاً عورت و مرد کے حقوق، اولاد و والدین کے حقوق آقا و غلام کے حقوق، سلطان و رعایا کے حقوق اور مالک و مزارع کے حقوق بائع و مشتری کے حقوق، ہمسایوں کے حقوق، علماء کے حقوق، مساجد کے حقوق اور استاد کے حقوق وغیرہ اور ان کلیات کو شمار میں لانا بھی کافی مشکل ہے چہ جائیکہ ان کی جملہ جزئیات پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے۔ بہر کیف ان تمام شعبہ جات میں عدل گستری انسان کی بلندیٔ کردار کی ضمانت ہے اور ہم نے عدل کی قدرے مفصل بحث اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں کر دی ہے عدل و انصاف کے اصولوں کو سمجھنے اور اپنانے والوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ نہایت فائدہ مند ہوگا۔

بیان پروردگار کی سلاست اور اس کی پُرکشش روش کو ملاحظہ فرمایئے کہ پہلے عدل پھر احسان پھر صلہ رحمی کو ترتیب دیا، نکتہ سنج اور ذہن رسا طبائع اس طرز بیان کی جاذبیت اور حقائق کی ترجمانی ہیں اس کی پُرراز حکمت و تدبرّ نگارش کو دیکھ کر کیوں نہ مسحور ہوں جب کہ مکہ کے بدترین دشمنان پیغمبر بھی سوائے عناد و سرکشی کے اس کے انکار کا اور کوئی بہانہ نہ پیش کر سکے۔ دیکھئے عدل کا معنی مساوات کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس قدر حق ہے اس کو پورا کیا جائے۔ پس حقوق اللہ حقوق النفس اور حقوق العباد میں صرف واجب کی پوری پوری رعایت سے عدل کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے۔ اور یہی تقویٰ کی پہلی منزل ہے۔ پس اس کے بعد احسان کا حکم دیا جو ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف ترقی کا زینہ ہے گویا واجب کا ادا کرنا ہے۔ عدل اور اس سے بڑھ کر مستحباب کو عمل میں لانا ہے احسان مثلاً مشتری کو پورا تول کر دینا عدل ہے اور زیادہ دینا احسان ہے اور جملہ حقوق کی یہی حالت ہے اسی بنا

پر قرآن مجید میں ایک مقام پر تقوےٰ کے اوپر احسان کا عطف ہے۔ اِتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا۔ اور پھر فرمایا کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور عمومی احسان سے صلہ رحمی کرتے ہوئے اپنے آقارب پر احسان کرنا چونکہ زیادہ اہم ہے لہذا اُس کو بعد میں ذکر فرمایا اور یہی حسن کردار کی آخری منزل ہے۔ اور رسول کی صلہ رحمی ہر مسلمان کا چونکہ اہم فریضہ ہے لہذا ذی القربیٰ سے مراد آل محمدؐ تاویل کے طور پر اس کے اہم فرد ہیں اور حضرت صادق آل محمدؐ سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ میں ذی القربیٰ سے مراد ہم ہیں۔ چونکہ کردار انسانی کا حسن نفی و اثبات کے دونو پہلوؤں کے اندر ہے گویا اوصاف ناشائستہ کی نفی اور اوصاف شائستہ کا اثبات جب تک نہ ہو کردار میں بلندی آہی نہیں سکتی۔ عادات رذیلہ کی نفی کو تخلیہ کہتے ہیں اور خصائلِ حمیدہ کے اثبات کو تحلیہ کہا جاتا ہے۔ تو جس طرح تحلیہ میں عدل و انصاف اور صلہ رحمی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسی طرح تخلیہ میں فحشاء و منکر اور بغی کو بھی جملہ صفاتِ بد میں مرکزی مقام حاصل ہے اور جس کی سعادت نے یاوری کی اور توفیق ایزدی شامل ہوئی پس ان تینوں سے بچ نکلا اور سعادت کے کندھوں پر سوار ہو کر اوج انسانیت کے زینوں پر منازل ارتقار کو طے کرنے کے اہل بن گیا۔

جس طرح حُسن کردار میں صلہ رحمی کو آخری منزل ارتقار حاصل تھی اسی طرح اس کے مقابلہ میں فحشار (زنا) کو پستیٔ کردار میں آخری یعنی پست ترین مقام حاصل ہے گویا جس طرح وہ عدل کے تدریجی زینوں سے آخری بلند زینہ تھا اسی طرح یہ یعنی (ظلم) کے تدریجی زینوں میں سے آخری پست ترین زینہ ہے وہ حسن اخلاق میں نیک ترین خصلت تھی، اور یہ اخلاق رذیلہ میں سے بدترین عادت ہے۔ جب یہ عادت مقام عدل سے کوسوں دُور ہے تو مقام احسان سے یا بعد والی ارتقائی منزل سے تو اس کا لگاؤ ہی کوئی نہیں۔ پس بدترین حیوان نما انسان ہے وہ آدم زادہ جو مقام اخلاق میں اس قدر پستی میں گرا ہوا ہو۔ اسی لئے انسان کو بلندی کی طرف دعوت کے لئے پست ترین منزل سے اوپر کو کھینچنا تھا لہذا پہلے فحشار سے بچنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ہر وہ عادتِ رذیلہ جو کردار انسانی کے لئے ناشائستہ ہو اُس سے گریز کرنے کا حکم دیا اور اس کو منکر سے تعبیر فرمایا اور سب سے آخر بغی سے روکا جس کا معنی ہے ظلم اور یہ عدل کی ضد ہے پس جس طرح عدل کی تین قسمیں تھیں اسی طرح حقوق کے لحاظ سے ظلم کی بھی تین قسمیں ہوں گی یعنی حقوق نفسیہ میں ظلم حقوق خالق میں ظلم اور حقوق معاشرہ میں ظلم تو جو انسان پستی کی ان منازل سے نکل جائے تو مقام تخلیہ میں اُس نے اپنے نفس کی خیر خواہی کر لی اب مقام تحلیہ میں عدل و احسان کے زیور سے آراستہ ہو کر آگے بڑھنا کوئی مشکل نہ ہوگا۔

مقام بیان میں اگرچہ مقام تخلیہ کا ذکر موخر ہے اور تحلیہ مقدم ہے لیکن مقام ارتقار میں معاملہ بالعکس ہوا کرتا ہے۔ یعنی پہلے جسم کی میل کچیل دور ہو تو تب زیورات سے آراستگی کوئی معنی رکھتی ہے ورنہ مضحکہ خیز۔ اسی طرح اوصاف حمیدہ اپنے اندر جذب کرنے کے لئے عاداتِ رذیلہ سے بچنا پہلے ضروری ہوا کرتا ہے اور مقام بیان میں چونکہ وجود عدم سے اشرف ہے لہذا وجودی پہلو کو عدمی پر سبقت دے دی گئی ہے۔ واللہ اعلم

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ منع کرنے میں ہرسہ صفات بد کو الگ الگ ذکر کیا ہے حالانکہ منکر کے لفظ میں سب آجاتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ برائی کی تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) وہ برائی جو ظاہر نہیں کی جاتی وہ فحشا ہے (۲) وہ برائی جو ظاہر کی جاتی ہے اور نہی عن المنکر کا فرد بنتی ہے وہ منکر ہے اور (۳) وہ برائی جو دوسروں پر برتری کو ظاہر کرے وہ بغی ہے ملخصاً اور بعضوں نے کہا ہے کہ فحشا کا معنی زنا اور منکر ہر وہ فعل جس کو شریعت ناجائز کہے اور بغی کا معنی ظلم ہے جس طرح ہماری تقریب سابق میں مفصلاً ذکر ہوا ہے۔ نیز ایک قول یہ ہے کہ ظاہر و باطن کا ایک جیسا ہونا عدل ہے اور باطن کا ظاہر سے خوب تر ہونا احسان ہے اور ظاہر کا باطن سے اچھا ہونا فحشاء و منکر ہے۔

عثمان بن مظعون سے مروی ہے کہ چونکہ حضورؐ مجھے بار بار اسلام لانے کی دعوت دیتے تھے لہذا شرم کے مارے میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن دل نہیں مانتا تھا ایک دن میں خدمت نبوی میں موجود تھا کہ آپ نے ٹکٹکی باندھ کر آسمان کی طرف نظر کی جیسے کہ کوئی بات سمجھ رہے ہوں۔ جب آپؐ کی وہ حالت ختم ہوئی میں نے وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا میں نے جبریل کو دیکھا ہے اور وہ یہ آیت لایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ الخ۔ پس یہ سنتے ہی اسلام میرے دل میں راسخ ہو گیا میں نے ابو طالب سے یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے فرمایا اے قریش۔ محمدؐ کی اتباع کرو گے تو ہدایت پاؤ گے کیونکہ وہ تم کو مکارم اخلاق کا درس دیتا ہے پھر میں ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچا اور وہی ماجرا بیان کیا تو وہ کہنے لگا اگر یہ بات محمدؐ نے کہی ہے تو وہ بھی خوب ہے اور اگر اس کے خدا نے کہی ہے تو بھی خوب ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بہ نفس نفیس یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے پڑھی تو اس نے کہا دوبارہ پڑھیئے۔ پس آپ نے دوبارہ پڑھی تو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا اور بے تحاشا اس کے منہ سے نکلا۔ اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطُلَاوَۃً وَاِنَّ اَعْلَاہُ لَمُثْمِرٌ وَاِنَّ اَسْفَلَہٗ لَمُغْدِقٌ وَمَا ھُوَ قَوْلُ الْبَشَرِ۔ یعنی تحقیق یہ کلام شیریں اور بیان دلکش ہے اس کی شاخیں پھلدار اور جڑیں بدورس ہیں اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

تفسیر برہان میں آیت مجیدہ کی تاویل یہ ہے کہ عدل سے مراد حضرت رسالت مآبؐ اور احسان سے مراد حضرت امیر المومنینؑ اور ایتاء ذی القربیٰ سے مراد مودت اہل بیت اور فحشاء و منکر و بغی سے علی الترتیب تین دشمنان اہلبیت ہیں جن سے بیزاری کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ۔ ۲۱۴ بعض لوگوں نے حضرت رسول کریمؐ کی بیعت کی تھی اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے چونکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی تو دوسری قوموں نے ان کو اپنی کثرت و طاقت کے بل بوتے پر ڈرایا دھمکایا اور اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف پلٹنے کی ترغیب دی چنانچہ انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر اور بیعت نبوی کو توڑ کر کفر کو اختیار کر لیا پس خداوند کریم باقی مسلمانوں کو عہد کی وفا کی تلقین کر رہا ہے کہ اپنی قلت سے گھبرا کر کثرت سے مرعوب ہو جانا جوانمردی نہیں بلکہ تمہارا فریضہ ہے کہ جب تم نے اللہ سے عہد کر لیا اور قسم بھی اٹھالی ہے تو اس کو پورا کرو۔

إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ

کہ جب عہد کرو اور نہ توڑو قسموں کو بعد پکا کرنے کے حالانکہ تم اللہ کو ضامن

اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا

بنا چکے ہو تحقیق اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور نہ ہو جاؤ

كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ۚ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ

اس عورت کی طرح جو اُدھیڑ دے اپنے کاتے ہوئے کو بٹنے کے بعد کچا سوت. بناتے ہو اپنی قسموں کو

وَلَا تَكُونُوا۔ کہتے ہیں قریش میں ایک بیوقوف عورت تھی جس کا نام ریطہ بنت عمرو بن کعب تھا وہ دوپہر تک سوت کاتتی تھی اور پھر اس کو کچا کر کے اون بنا لیتی تھی اور پھر اس کو کاتنے لگ جاتی اور یہی اس کا دستور تھا۔

أَنكَاثًا۔ نکث کی جمع ہے اون یا بالوں کو کاتنے اور بٹ دینے کے بعد دوبارہ بٹ نکال کر پہلی صورت پر لانا یعنی پختہ کرنے کے بعد کچا کرنا خواہ وہ رسّہ ہو یا تاگا ہو اس کو نکث کہا جاتا ہے اسی بنا پر امام کی اطاعت کو قبول کرنے اور بطیب خاطر یعنی بلا جبر و اکراہ۔ اس کی بیعت کر لینے کے بعد اس کو توڑ کر اس کے خلاف خروج کرنے کو بھی نکث کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جنگ جمل میں علیؑ سے لڑنے والوں کو ناکثین کہا جاتا ہے۔

اس مقام پر اگرچہ ہر عہد خداوندی کو توڑنے پر سرزنش وارد ہے لیکن جس چیز کے متعلق عہد لیا گیا ہو وہ جسقدر اہم ہو گی اس عہد کی منزلت اسی قدر ہی بلند ہو گی اور مسلمانوں نے رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد جو غدیر خم کے روز حضرت علیؑ کی ولیعہدی اور ولایت کا عہد کیا اس کی اہمیت کتب تاریخ میں سیر کرنے سے معلوم ہوتی ہے حالانکہ عہود اسلامیہ میں سے جس قدر عہد غدیری میں اہتمام کیا گیا شاید اور کہیں یہ صورت واقع نہ ہوئی ہو گی۔ پس اس عہد کو توڑ کر اپنی من مانی حکومت کی تشکیل یقیناً منافع دنیا دیہ سے مستفید ہونے کی غرض سے ہو سکتی ہے ورنہ جس کو خدا کی خوشنودی کی ضرورت ہو اس کو اپنے عہد و پیمان کو توڑنے کی کیا ضرورت ہے اسی بنا پر تفسیر آئمہ میں صاف و صریح ہے کہ ان آیات میں خدا مسلمانوں سے ولایت علیؑ کے بارے میں عہد شکنی کرنے والوں کو تنبیہ فرما رہا ہے۔ گویا ولایت علیؑ کا عہد ہی اس کا تاویلی مصداق ہے۔

أَن تَكُونَ صـ ۲۴۱۔ بعض لوگوں کا دستور تھا بلکہ ہر دور میں یہ ہوتا رہتا ہے کہ ظاہراً قسم اٹھا لیتے ہیں اور عہد بھی کر لیتے ہیں لیکن دل میں اس کو پورا کرنے کا خیال نہیں ہوتا۔ خداوند کریم اسلامی عہد کرنے والوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ مسلمانوں کی کم تعداد کو دیکھ کر اور کفار کی کثرت سے مرعوب ہو کر عہد شکنی اور قسم کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ اگر بذریعہ جبر و اکراہ چاہتا

دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ

دھوکا اپنے درمیان اس لئے کہ ایک قوم تعداد میں زیادہ ہے دوسری قوم سے سوائے اس کے نہیں کہ

اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ

خدا آزماتا ہے تم کو اس سے اور واضح کریگا تمہارے لئے قیامت کے دن جس میں تم اختلاف کرتے تھے

(۹۲) وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ

اور اگر چاہتا اللہ تو کرتا تم کو ایک قوم لیکن وہ گمراہی میں چھوڑتا ہے جسے

يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۹۳)

چاہے اور ہدایت پر لاتا ہے جسے چاہے اور ضرور پوچھے جاؤ گے اس سے جو عمل کرتے ہو

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ

اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو دھوکا اپنے درمیان ورنہ پھسل جائے گا قدم بعد پختگی کے

توسب کو ایک مسلمان قوم بنا دیتا لیکن یہ اس کی مصلحت کے خلاف ہے پس اس نے اسلام و کفر کا معاملہ انسان کے اختیار پر چھوڑ دیا ہے تاکہ جنت و جہنم میں لوگ اپنے اختیار سے جائیں۔ اور قیامت کے دن حق و باطل کی اس دنیاوی جنگ کا نتیجہ معلوم ہوگا کہ صبر کرنے والوں کا انجام کیا ہے اور ظلم کرنے والوں کا حشر کیا ہے؟

يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ۔ ضلالت اور ہدایت کا اللہ کی طرف منسوب ہونا ہم نے تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں بیان کیا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیات حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے بارے میں اس عہد کی توثیق و تصدیق سے متعلق ہیں جس میں جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا کہ تمام مومنوں کے امیر ہونے کے عہدہ کا حضرت علی کو سلام کرو۔

تفسیر برہان و صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت علی کی ولایت کا حکم نازل ہوا اور حضورؐ نے فرمایا کہ سَلِّمُوْا عَلٰى عَلِيٍّ بِاِمْرَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی علی کا امیر ہونے کی حیثیت سے سلام کرو اور دو شخصوں کو زیادہ تاکید فرمائی تو وہ کہنے لگے کہ کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ تو وَلَا تَنْقُضُوا الخ نازل ہوئی۔ بہر کیف اس قسم کی روایات آیت مجیدہ کی باطنی تفسیر ہیں۔

وَلَا تَشْتَرُوْا۔ ص۲۴۳۔ مجمع البیان میں ہے کہ حضر موت کے علاقہ کا ایک آدمی عبدان نامی بارگاہ نبوی میں فیض یاب ہوا اور

ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوٓءَ بِمَا صَدَدتُّمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلَكُمْ

اور چکھو گے عذاب کو بوجہ اس کے جو روکا تم نے اللہ کے راستے سے اور تمہارے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ

لئے بڑا عذاب ہوگا اور نہ لو اللہ کے عہد کے بدلہ میں چند ٹکے

إِنَّمَا عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٥﴾ مَا عِندَكُمْ

سوائے اس کے نہیں کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانو جو تمہارے پاس

يَنفَدُ ۖ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوٓا أَجْرَهُم

ہے وہ ختم ہوگا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے اور ہم جزا دیں گے ان کو جو صابر ہیں اپنے اجر کی

اُس نے امرأالقیس کندی کے خلاف یہ دعویٰ دائر کر دیا کہ یہ شخص میرا ہمسایہ ہے اور اس نے ناجائز طور پر میری زمین پر قبضہ کر لیا ہے اور لوگ اگرچہ مجھے حق بجانب جانتے ہیں لیکن یہ شخص اپنی قوم میں معظم و محترم ہے لہذا شاید اس کے خلاف میرے حق میں گواہی دینے کو کوئی بھی تیار نہ ہو۔ پس آپ نے امرأالقیس کندی کو طلب فرمایا تو اس نے مدعی کے دعوے کو غلط قرار دیکر اپنے غاصب ہونے کا صریح انکار کر دیا آپ نے فرمایا تم قسم اٹھالو۔ تو فوراً مدعی (عبدان) نے درخواست کی کہ حضور! یہ شخص فاجر ہے ہوسکتا ہے کہ جھوٹی قسم اٹھائے آپ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس گواہ نہیں ہیں تو اس کی قسم پر تم کو فیصلہ ماننا پڑے گا۔ چنانچہ امرأالقیس قسم کے لئے آگے بڑھا تو آپ نے اس کو مہلت دیدی یعنی اس مقدمہ کے فیصلہ سنانے کی تاریخ آگے بڑھادی۔ پس یہ آیتیں اتریں اور آپ نے فیصلہ سنانے سے پہلے ان کو پڑھا تو امرأالقیس کہنے لگا کہ حضورؐ میرے پاس جو مال و دولت ہے وہ ضائع ہونے والی چیز ہے اور آخر کار ایک دن اس نے ختم ہی ہو جانا ہے۔ درحقیقت میرا مدعی حق بجانب ہے۔ اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں نے اس کی کس قدر زمین دبا رکھی ہے۔ لہذا اس کی جس قدر مرضی ہو میری زمین سے لے بلکہ چونکہ میں اس زمین کے بعض فصل بھی برداشت کر چکا ہوں لہذا میں اس کو اپنے حق سے دوگنا دیتا ہوں پس اگلی آیت اتری۔ من عمل۔ الخ

فَلَنُحْيِيَنَّهُ ص۲۴۳ یعنی ایسے شخص کو قناعت وصبر کی پاکیزہ زندگی بخشیں گے۔

حکم استعاذہ

إِذَا قَرَأْتَ ص۲۴۴ اس مقام پر نحوی قواعد کی رُو سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فا کا استعمال عطف اور ترتیب کے لئے ہوتا ہے تو اس مقام پر قرأت قرآن پر فاستعذ کا عطف اس امر کو ثابت

بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ

بہتر اس سے جو عمل کرتے تھے جو عمل کرے اچھا مرد ہو یا

اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَنُحۡيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ

عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی بخشیں گے اور اس کو جزا دیں گے

اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ

ان کے اجر کی بہتر اس سے جو وہ عمل کرتے تھے پس جب پڑھو قرآن کو تو پناہ

فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيۡسَ لَهٗ سُلۡطٰنٌ

مانگو ساتھ اللہ کے شیطان سے جو رجیم ہے تحقیق نہیں ہے اس کا غلبہ

عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلۡطٰنُهٗ

ان لوگوں پر جو ایمان لائیں اور اللہ پر توکل کریں سوائے اس کے نہیں اس کا غلبہ

ثابت کرتا ہے کہ پہلے قرآن پڑھ لیا جائے اور بعد میں بلا فاصلہ اعوذ باللہ پڑھا جائے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ پہلے استعاذہ ہونا چاہیئے اور بعد میں قرأت قرآن ہونی چاہیئے پس اس کا حل یہ ہے کہ اس جگہ قرأت سے مراد ارادۂ قرأت ہے یعنی جب قرأت قرآن کا ارادہ کرو تو استعاذہ کر کے قرأت کو شروع کرو جس طرح قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے۔ اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ۔ الخ۔ وہاں بھی یہی مطلب ہے کہ جب نماز کا ارادہ کرو تو پہلے وضو کرو نیز محاورۂ عام میں کہا جاتا ہے۔ اِذَا اَكَلۡتَ فَاغۡسِلۡ يَدَيۡكَ۔ یعنی جب کھانا چاہو تو ہاتھ دھولو وغیرہ فَاسۡتَعِذۡ اس کی صورت یہ ہے اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ السَّمِيۡعِ الۡعَلِيۡمِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ۔ یا یوں کہہ دیا جائے اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ نماز یا غیر نماز میں قرأت سے پہلے اس کا پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے پس اس مقام پر امر استحباب کے لئے ہے۔

اِنَّمَا سُلۡطٰنُهٗ ص۔ تفسیر اہل بیت میں ہے کہ شیطان مومن کے بدن پر مسلط ہوتا ہے۔ لیکن ان کے ایمان پر مسلط نہیں ہو سکتا اور غیروں کے بدن اور ایمان دونو پر مسلط ہوتا ہے۔ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ شیطان مومن کو ولایت سے نہیں ہٹا سکتا۔ باقی گناہوں میں اس کو مبتلا کر سکتا ہے جس طرح کہ غیروں کو کر سکتا ہے۔

عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع۱۹ وَاِذَا

ان پر ہے جو اس سے محبت کریں اور جو اس کی بدولت شرک کریں اور جب ہم

بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ

تبدیل کریں آیت کو آیت کے بدلہ میں اور اللہ ہی جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں کہ تو

اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ

افترا کرتا ہے بلکہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے کہہ دیجئے اس کو اتارا

رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى

ہے روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے ساتھ حق کے تاکہ ثابت کرے ان کو جو ایمان لائیں اور ہدایت

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا

وخوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے اور تحقیق ہم جانتے ہیں وہ کہتے ہیں اس کو سکھاتا ہے ایک

يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّ

آدمی وہ جس کی طرف نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور

رکوع نمبر ۲۰

وَاِذَا بَدَّلْنَا ۔ یعنی جب کوئی آیت مصلحت وقت کے ماتحت منسوخ ہو اور اس کی جگہ دوسری آئے تو کفار و مشرکین کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ خود بناتا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے ورنہ اگر خدا نازل کرتا تو یہ ردوبدل نہ ہوتی۔

واللہ اعلم ۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی آیات اتارنے اور آیات کے منسوخ کرنے یا تبدیل کرنے کی مصلحتوں کو وہ خود جانتا ہے۔ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ ۔ اہل مکہ کہتے تھے کہ اس کو ایک آدمی سکھاتا ہے اور یہ بنا بنا کر آیتوں کی شکل میں پیش کرتا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون تھا (۱) بعض کہتے تھے کہ سلمان فارسی اس کو گذشتہ واقعات بتاتا ہے (۲) قریش میں ایک رومی نصرانی بلعام نامی لوہار تھا۔ کہتے تھے کہ وہ آپ کو واقعات بتاتا ہے (۳) بعض کے نزدیک رومی غلام تھا جس کا نام لیعش یا عائش تھا جو اہل کتاب میں سے اسلام لایا تھا اور بہترین مسلمان تھا (۴) عین التمر کے دو نصرانی نوجوان تھے ایک کا نام لیسار اور دوسرے کا نام خیر تھا۔ صیقل کا کام کرتے

هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۰۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ

یہ زبان عربی فصیح ہے تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے اللہ کی آیات پر

اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ إِنَّمَا يَفْتَرِي

نہ ہدایت کریگا ان کو اللہ اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہوگا سوائے اس کے نہیں

۱۰۵ الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ

کہ جھوٹا افترا باندھتے ہیں وہ جو نہیں ایمان لاتے اللہ کی آیات پر اور وہی جھوٹے ہیں

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ

جو کفر کرے اللہ کا بعد ایمان لانے کے سوائے ان کے جن کو مجبور کیا گیا درحالیکہ ان کا دل

مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ

ایمان سے مطمئن تھا لیکن جو کھلا کردے کفر کے لئے اپنے سینہ کو تو ان پر اللہ کا

غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ

غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے یہ اس لئے کہ انہوں نے

تھے وہ کہتے تھے کہ حضورؐ کو اپنی زبان میں ایک کتاب سنایا کرتے ہیں۔

لسان الذی[۲۴۴] ۔خداوند کریم ان کی تردید فرماتا ہے کہ جس کے متعلق یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضورؐ کو سکھاتا ہے وہ خود عربی صحیح بول نہیں سکتا پس آپ کو کیسے سکھاتا ہے حالانکہ قرآن مجید عربی فصیح میں ہے۔

یُلْحِدُوْنَ ۔الحاد کا معنی ہے مائل کرنا اور یہاں مراد ہے نسبت دینا یعنی جس کی طرف نسبت دیتے ہیں۔

اَعْجَمِیٌّ[۲۴۴] ۔عجمی اس کو کہتے ہیں جو عرب کا رہنے والا نہ ہو اور اعجمی وہ ہے جو فصیح عربی نہ بول سکتا ہو۔ پس اس مقام پر عجمی نہ کہا کیونکہ بعض عجمی صحیح عربی بول سکتے ہوں مثلاً سیبویہ عجمی تھا لیکن لغت عربی فصیح کا ماہر تھا حتّٰے کہ امام النحو ہوا (مجمع البیان)

مَنْ کَفَرَ ۔اصل میں تقدیر عبارت یہ ہے مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ وَشَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْھِمْ الخ۔ یعنی جس نے اللہ کا کفر کیا اور مرتد ہو گیا اور جس کا دل کفر کے لئے کشادہ ہوا یعنی بدل وجان اس نے کفر کو قبول کیا تو غضب پروردگار میں آگیا

بیانِ تقیہ اور عمار کا واقعہ الّا من اکرہ ۔مروی ہے کہ عمار اور اس کا ماں باپ یاسر اور سمیہ اور صہیب بلال

اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

پسند کر لیا دنیاوی زندگی کو آخرت پر اور تحقیق اللہ کافر لوگوں کو ہدایت پر

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

مجبور نہیں کرتا وہ لوگ ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں

وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

کانوں اور آنکھوں پر اور وہ غافل ہیں

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ

بے شک وہ ہی آخرت میں خسارہ پانے والے ہوں گے پھر تحقیق تیرا رب

لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ

ان کے لئے جنہوں نے ہجرت کی بعد مصیبت پڑنے کے پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ

تحقیق تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے جس دن آئے گا ہر نفس

نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ

کہ جھگڑا کرے گا اپنے متعلق اور پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا اور وہ

اور خباب کو کفار نے اذیت پہنچائی چنانچہ عمار کے ماں باپ شہید کر دیئے گئے اور یہ اسلام کے پہلے شہید ہیں عمار نے تشدد کے خوف سے کلمات کفر زبان پر جاری کر لئے لوگوں نے حضورؐ سے عمار کے مرتد ہونے کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور میں جانتا ہوں کہ عمار کا دل ایمان سے سرشار ہے اور ایڑی سے چوٹی تک اس کا پورا وجود ایمان سے پر ہے اور اس کے گوشت و خون میں اسلام رچا ہوا ہے۔ اتنے میں عمار بھی پہنچ گیا اور روتا ہوا بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا آپؐ نے پوچھا کہ کیا گذری ہے؟ عمار نے عرض کی کہ بری گذری ہے میرے آقا! میں نے تو آپ کے حق میں ناشائستہ الفاظ مجبوراً زبان سے جاری کئے اور میں نے با دل ناخواستہ ان کے خداؤں کو بھی اچھے الفاظ سے یاد کیا حضورؐ

لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً

نہ ظلم کئے جائیں گے اور بیان کرتا ہے اللہ مثال بستی کہ جو با امن مطمئن تھی ان کو

مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ

اپنا رزق کشادہ ملتا تھا ہر جگہ سے پس انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا

بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا

تو چکھایا ان کو بھوک اور خوف کا مزہ بوجہ اس کے جو

يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ

کرتے تھے اور تحقیق ان کے پاس آیا رسول انہی سے تو اس کو انہوں نے جھٹلایا

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا

پس پکڑ لیا ان کو عذاب نے کہ وہ ظالم تھے پس کھاؤ اس سے جو

عمار کی باتیں بھی سنتے تھے اور اس کی بہتی ہوئی آنسوؤں کو اپنے رومال سے پونچھتے جاتے تھے پس آپؐ نے فرمایا اگر پھر بھی ایسا اتفاق بن جائے تو ایسے الفاظ کہہ دینا یعنی دل میں ایمان کو محفوظ کر کے زبان سے تقیہ کر لینا۔ اسی جلد میں تقیہ کا بیان سورہ یوسف کی آیت ۷۲ کے ذیل میں ص۶۴ پر گزر چکا ہے

طَبَعَ اللّٰهُ ص۲۴۶ اس کی تفسیر دوسری جلد میں گذر چکی ہے۔ اَلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ کہتے ہیں عیاش بن ابی ربیعہ اور ابوجندل بن سہیل نے کفار کے ڈر سے کلمات کفر زبان پر جاری کئے پھر ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور جہاد اسلام میں شریک ہوئے ان کے حق میں یہ اتری ہے۔

رکوع نمبر ۲۱

تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا ص۲۴۶ یعنی اپنے نفس سے دفاع کی خاطر ہر نفس کا تبین اعمال ملائکہ سے جھگڑا کرے گا اور قسمیں اٹھا کر کہے گا کہ میں نے شرک یا کفر نہیں کیا تھا یا یہ کہ مجادلہ کا معنی عذرداری ہو یعنی اپنے نفس کو بچانے کے لئے عذر پیش کرے گا

ضَرَبَ اللّٰهُ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس بستی سے مراد مکہ ہے کہ خوشحالی کے بعد سات سال تک خدا نے ان کو قحط کے عذاب میں مبتلا کیا حتٰی کہ چمڑے اور خون سے بھری ہوئی اون بھی کھا گئے اور بھوک کے عذاب کے ساتھ ساتھ ان کو مسلمانوں کی لوٹ مار کا خوف بھی تھا اور اس بھوک اور خوف کے عذاب کا اثر جسمانی کمزوری و بدحالی تھا جس کو لباس

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

تم کو اللہ نے رزق دیا حلال و پاکیزہ اور شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم اس کی

اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَ

عبادت کرتے ہو سوائے اس کے نہیں کہ اُس نے حرام کیا تم پر مردار خون اور

لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

سور کا گوشت اور جس پر نام لیا جائے غیر اللہ کا پس جو مجبور ہو جائے نہ

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا

بغاوت کرنے والا اور نہ ظلم کرنے والا ہو پس تحقیق اللہ غفور رحیم ہے اور نہ کہو

سے تعبیر کیا گیا اور یہ عذاب رسالتمآب کی بددعا سے ان پر نازل ہوا۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ یہ بستی ایک نہر کے کنارے پر نہایت سرسبز و شاداب تھی تو ان لوگوں نے اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہوئے آٹے سے استنجا کرنا شروع کر دیا پس خدا نے نہر کو خشک کر دیا اور ان پر قحط مسلط ہو گیا حتٰی کہ وہی استنجا کردہ روٹی کے ٹکڑے انکو کھانے پڑے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے والد رومال سے ہاتھ صاف کرنا ناپسند کرتے تھے جب کہ اس میں کچھ کھانا لگا ہوا ہو جب تک اس کو پہلے چوس نہ لیتے تھے اور فرماتے تھے میں دسترخوان سے گرے ہوئے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ریزوں کو تلاش کرتا ہوں تو میرے غلام ہنستے ہیں آپ نے فرمایا گذشتہ زمانہ میں ایک خوشحال بستی کے بسنے والوں نے طعام کی بے حرمتی کی تھی وہ کہتے تھے ڈھیلوں کی بہ نسبت روٹی کے ٹکڑوں سے استنجا کرنا ہمارے لیے آسان ہے پس خدا نے ٹڈی جیسی ایک مخلوق بھیج دی جس نے ان کے فصلات تباہ کر دیئے اور درختوں تک کو صاف کر گئی حتٰی کہ ان لوگوں کو وہی استنجا کردہ روٹی کے ٹکڑے بھی کھانے پڑ گئے اور قرآن مجید میں خدا نے انہی کی مثال بیان فرمائی ہے

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں کھانا کھانے کے بعد سالن سے اپنی انگلیوں کو بھی چاٹ لیا کرتا ہوں حتٰی کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہمسایہ اس بات کو حرص پر نہ محمول کرے حالانکہ بات یہ نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ ہے گذشتہ زمانہ میں ایک قوم تھی جو نہری آبادی رکھتے تھے خدا کا ان پر بڑا فضل و کرم تھا پس انہوں نے نعمت خداوندی کی بے قدری کی۔ حتٰی کہ روٹی کے ٹکڑوں سے بچوں کا استنجا کر کے پھینک دیتے تھے یہاں تک کہ روٹی کے ٹکڑوں کا بڑا ڈھیر جمع ہو گیا تھا ایک نیک مرد کا وہاں سے گذر ہوا اس نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچہ

تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ

اس کو جسے تمہاری زبانیں جھوٹ کا لباس دیتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام ہے

لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ

تاکہ اللہ پر جھوٹا افترا باندھو تحقیق وہ لوگ جو افترا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹا نہ چھٹکارا

لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾

پائیں گے نفع تھوڑا ہے اور ان کا عذاب دردناک ہے

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَا

اور ان پر جو یہودی تھے ہم نے حرام کیا وہ جو تجھ پر بیان کر دیا اس سے پہلے اور ہم

ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ

نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے پھر تحقیق تیرا

رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ

رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے جہالت سے برا کام کیا پھر توبہ کی اس کے بعد

کا استنجا روٹی کے ٹکڑے سے کر رہی تھی اس نے وعظ و نصیحت کی اور اس کو اللہ کی نعمت کی توہین سے باز آنے کی تلقین کی اور اس صورت میں اس نعمت کے چھن جانے کا احساس دلایا تو وہ یہ سن کر کہنے لگی تو ہم کو بھوک سے ڈراتا ہے جب تک یہ ہماری نہر ثرثار، جاری ہے ہمیں بھوک کا قطعاً کوئی خطرہ ہی نہیں۔ پس دریائے غضب پروردگار جوش میں آیا اور عذاب کا عقاب ان کے سروں پر پھڑپھڑانے اور منڈلانے لگا تو وہ نہر بقدرت خدا خشک ہوئی آسمان سے مینہ نہ برسا اور زمین خشک سالی کی زد میں آگئی۔ پس وہ لوگ آخر کار استنجا کردہ روٹی کے ڈھیر کی طرف محتاج ہوئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہی روٹی ترازو کے ذریعہ سے تل کر اپنے اپنے حقوق کے مطابق تقسیم ہونے لگی اور میں نے ایک روایت میں کہیں دیکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے ایک غلام نے نجاست میں پڑے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کو پاک و صاف کر کے کھا لیا تو امام نے اس کو آزاد کر دیا اور فرمایا جو شخص اللہ کی نعمت کی قدر کرے اس کو خدا دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ میں کیوں نہ اس کو غلامی سے آزاد کروں۔؟

وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ اِنَّ

اور نیکی کی تحقیق تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے تحقیق

اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ

ابراہیم (لوگوں کا) امام اللہ کا اطاعت گذار اور ثابت قدم تھا اور نہ تھا مشرکوں

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى

میں سے شکر گذار تھا اس کی نعمتوں کا اس کو اللہ نے چن لیا اور ہدایت کی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي

سیدھے راستے کی اور ہم نے دی اس کو دنیا میں نعمت اور تحقیق وہ آخرت

الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ

میں منزل صالحین میں ہوں گے پھر ہم نے وحی کی تیری طرف کہ اتباع کر ملتِ ابراہیم کی

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ

کہ وہ ثابت قدم تھا اور نہ تھا مشرکوں میں سے سوائے اس کے نہیں کہ مقرر

اِنَّمَا حَرَّمَ ۔ اس کی تفسیر جلد ۵ میں گذر چکی ہے۔ غَيْرَ بَاغٍ ۔ اس کی وضاحت تفسیر کی دوسری جلد ص۲۵۰ پر گذر چکی ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا ۔ یعنی تمہاری بدلگام زبانیں بلا دلیل اگر کسی شی کو حلال یا حرام کہتی ہیں تو اس کو اللہ پر افتراء کرتے ہوئے حلال یا حرام نہ کہدیا کرو۔ حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا ۔ یہودیوں پر مبینہ حرام چیزوں کا تذکرہ سورہ انعام کی تفسیر یعنی جلد ۵ ص۲۶۴ میں ملاحظ فرمائیے۔ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ۔ اور بعض چیزوں کا ان پر حرام کرنا ان کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر تھا وہ ہمارا ظلم نہیں بلکہ ان کے اپنے ظلم کی پیداوار تھی۔

رکوع نمبر ۲۲

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ ۔ معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نیکی کے قائد و معلم تھے؛ امام ہدیٰ تھے ان کو امت اس لئے کہا گیا ہے کہ امت کا شیرازہ ان کے ذریعے سے قائم تھا پس مجاز مرسل کے طور پر سبب پر مسبب کے نام کا اطلاق ہوا یا اس لئے کہ وہ اپنے زمانہ کے واحد موحد تھے پس وہ ایک مستقل اُمّت تھے کفار کے مقابلہ میں۔ حَنِيْفًا ۔ اسلام پر ثابت قدم اور ادیان باطلہ سے یکسو۔ حَسَنَةً ۔ مطلق نعمت یا

السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

کیا گیا سینچر کا دن ان پر جنہوں نے اس میں اختلاف کیا اور تحقیق تیرا رب حکم کرے گا ان کے درمیان

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى

بروز قیامت اس چیز کے بارے میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے بلاؤ طرف

سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

راہِ خدا کے حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اور ان سے بحث کرو

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

اچھے طریقہ سے تحقیق تیرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے راستہ سے

سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا

گمراہ ہو اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو اور اگر انتقامی کاروائی کرو تو اتنی کرو

نعمتِ نبوت ورسالت اور ابراہیمؑ کا یہ شرف مخصوص ہے کہ تمام مذاہب والے ان کو اپنا قائد وپیشرو سمجھتے ہیں۔ (جو کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہیں)۔ ثُمَّ اَوْحَيْنَا۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ جب سید الانبیاء ہیں تو ان کو ابراہیم کی ملت کی اتباع کا حکم دینا گویا افضل کو مفضول کی اطاعت کی طرف بلانے کا حکم ہے جو یقیناً نازیبا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اتباع اس لئے ہے کہ وہ پہلے گذر چکے ہیں اور بعد میں آنے والا گذر جانے والے کے پیچھے ہوا کرتا ہے۔ پس اس جگہ اتباع اطاعت کے معنی میں نہیں تاکہ اشکال وارد ہو۔

اختلفوا۔ اختلاف کے متعلق کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں (۱) ان کو بروز سینچر شکار کرنے سے روکا گیا تھا۔ پس وہ جمعہ کے روز جال لگا لیتے تھے اور سینچر کو اس میں مچھلیاں پھنس جاتی تھیں جن کو وہ اتوار کو نکال لیا کرتے تھے (۲) ان کو پہلے پہل جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا۔ پس اس میں انہوں نے اختلاف کیا تو ان پر سینچر کی تعظیم کا حکم اُترا۔ اس قصہ کی تفصیل سورہ اعراف میں گذر چکی ہے۔ تفسیر انوار النجف جلد ۶ ص۱۱۱

طریق تبلیغ

بِالْحِكْمَةِ۔ جن لوگوں کو تبلیغ کی جائے ان کے مراتب کا خیال رکھنا اور ہر ایک سے اس کے مزاج اور شان کے مطابق بات کرنا زیادہ موزوں اور مؤثر ہوا کرتا ہے۔ پس عالم کے ساتھ عالمانہ

بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ

جتنی تمہارے ساتھ کی گئی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے

خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا

زیادہ بہتر ہے اور صبر کر اور نہیں ہوگا تیرا صبر مگر

بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا

اللہ کی توفیق سے اور نہ غم کھا ان پر اور نہ تنگدل ہو اس سے جو وہ مکر

يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ

کرتے ہیں تحقیق اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقوےٰ کریں اور جو

هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۲۲

احسان کرنے والے ہوں

طرزِ گفتگو اور جاہل کے ساتھ اس کے مزاج کے مطابق بات زیادہ فائدہ مند ہے اور اسی بنا پر کہا گیا ہے۔ کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ۔ یعنی لوگوں سے ان کے عقول واذہان کے مطابق بات کیا کرو۔ خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں اسی طرز تبلیغ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ چونکہ لوگوں کی ذہن وعقل کے اعتبار سے اور منصف ومجادل ہونے کے لحاظ سے تین قسمیں ہیں ایک ذہین اور اہل فہم ودانش طبقہ۔ پس اُن سے حکمت کی گفتگو کی جائے یعنی دلائل ساطعہ اور براہین واضحہ سے ان کے شکوک وشبہات کا قلع قمع کیا جائے۔ اور قرآن مجید کی روشنی میں ان کو دین اسلام کے اصولوں سے روشناس کرایا جائے۔ پھر دوسری قسم منصف مزاج عوام کی ہے ان کو مواعظ حسنہ مثالیں اور نیک لوگوں کے اچھے انجام اور برائیوں کے بدنتائج سمجھائے جائیں اور پیار ومحبت کے لہجہ میں ان سے گفتگو کی جائے۔ تیسری قسم ہے مناظر طبع جھگڑالو لوگوں کی تو ان سے بحث اچھے اور سلجھے ہوئے طریقہ سے کی جائے اوچھا پن نہ ہو بلکہ متانت ودیانت کو ہی صداقت کا مسلّم اصول سمجھا چاہیے ضدی لوگ اگرچہ نہ مانیں لیکن منصف مزاج طبقہ حق کے دامن سے وابستہ ہوجایا کرتا ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ۔ ص ۲۵۱ جنگ احد میں جب حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ کیا گیا تو طیش میں آکر مسلمانوں میں سے بعض نے کہا اگر ہم کو موقعہ ملا تو ہم ان کے زندہ آدمیوں کی یہی حالت کریں گے جو انہوں نے مرنے کے بعد حمزہ کی لاش سے کی ہے۔ یا یہ کہ ایک کی بجائے ستر آدمیوں کا مثلہ کریں گے تو یہ آیت اُتری۔ پس جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا میں نے

سورۂ بنی اسرائیل

اس کی آیات کی تعداد ایک سو گیارہ ہے۔ اور بسم اللہ کو ملا کر کل تعداد ۱۱۲ ہوگی۔
بعض کے نزدیک پورا سورہ مکیہ ہے اور بعض کے نزدیک پانچ یا آٹھ آیتوں کے علاوہ باقی سورہ مکیہ ہے

۱۔ بروایت ابی بن کعب جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ بنی اسرائیل کی تلاوت کرے اور والدین کے ذکر سے اس کا دل نرم ہو جائے تو جنت میں اس کو دو قنطار اجر دیا جائے گا اور ایک قنطار بارہ سو وقیہ ہوگا جب کہ ایک ایک وقیہ پوری روئے زمین اور اس کی جملہ آبادی سے بہتر ہوگا۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص سورہ بنی اسرائیل کو ہر شب جمعہ پڑھے تو وہ حضرت قائم علیہ السلام کی زیارت کرکے مرے گا اور آپ کے اصحاب میں سے ہوگا۔

۳۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سبز ریشمی پارچہ پر اس کو لکھ کر تعویذ کرے تو اس کا نشانہ خطا نہ ہوگا اور اگر چھوٹا بچہ کلام نہ کر سکتا ہو تو اس سورہ کو زعفران سے لکھ کر دھو کر بچہ کو پلایا جائے تو بحکم پروردگار اس کی زبان کھل جائے گی اور بچہ بولنے لگے گا۔

۴۔ تفسیر صافی میں منقول ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا اس سورہ مجیدہ کی آخری دو آیتیں قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ۔ سے آخر تک چوری کے لئے باعث امان ہے۔

۵۔ اس سورہ کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بنی اسرائیل کو اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس کا دوسرا نام سورۂ اسرار بھی ہے اور اسرار کا معنی ہے لے جانا چونکہ اس کی ابتدا حضورؐ کو معراج پر لے جانے کے ذکر سے کی گئی ہے اس لئے اس کا نام سورہ اسرار رکھا گیا ہے۔

پارہ ۱۵

ذکرِ معراج

چونکہ پارہ ۱۵ اور سورہ بنی اسرائیل کی ابتداء ذکرِ معراج سے ہو رہی ہے لہٰذا مناسب ہے کہ معراج کے بعض پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے مثلاً کیا معراج ممکن ہے یا نہیں مسجد اقصیٰ کا مفہوم کیا ہے جسمانی معراج تھا یا فقط روحانی۔ آپ کیسے گئے کیا کیا دیکھا کیا باتیں ہوئیں اور کیا حضرت علیؑ بھی شریکِ معراج تھے؟ وغیرہ۔

امکانِ معراج

ایک وقت تھا جب کہ علمائے ہیئت نے خرق والتیام کے مسئلہ کو آسمان پر چڑھایا ہوا تھا خدا معلوم یہ مسئلہ کب سے چلا اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی کس نے اس مفروضہ کو گھڑا اور کیوں گھڑا بہر کیف بڑے زور شور سے اس مسئلہ نے کتب علم ہیئت میں اپنا مقام پیدا کیا اور علم حکمت کی فلکیات کی ابحاث میں یہ مسئلہ معرکۃ الآراء قرار پایا چنانچہ متاخرین آنکھیں بند کر کے متقدمین کے اس مفروضہ کو اصول مسلّمہ کی طرح مانتے چلے آئے نہ کسی نے اس دعویٰ کے خلاف احتجاج کیا اور نہ کسی کو اس کی مروّجہ اوّنہ میں قدغن کی جرأت ہوئی پس حضرت رسالتمآبؐ کے امکانِ معراج کے راستہ میں یہ مسئلہ کوہ گراں بن کر ہر دور کے علمار اسلام کے افکار و انظار کو چیلنج کرتا رہا چنانچہ بہت سوں کے ہاتھ سے دامنِ حق چھوٹ گیا اور معراج کا انکار کر بیٹھے اور جو اقرار پر ڈٹے رہے وہ معراج روحانی کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے البتہ تھوڑے اللہ کے بندے تھے جنہوں نے باطل کی غوغا آرائیوں پر کان دھرے بغیر آوازِ قدرت پر لبیک کہی اور ہر قسم کی موشگافیوں سے بے نیاز ہو کر صدائے وحدت کو من و عن تسلیم کرتے ہوئے عرفان و ایقان کی منازل کی طرف آگے بڑھے۔ کیونکہ جب اللہ ہر شے پر قادر ہے تو وہ جب چاہے جس طرح چاہے جہاں جہاں چاہے اپنے بندے کو سیر کرا سکتا ہے۔ مخلوق و مصنوع کا کوئی فرد کسی وقت اس کی قدرت و مشیت کے آگے حائل نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن مجید میں اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ کا فقرہ ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ از خود نہیں گئے بلکہ اللہ ان کو لے گیا۔ پس جب وہ لے گیا تو اس کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔

سائنس ... اس دور میں جو علم ہیئت کے سابقہ مفروضے کے جھوٹ کی قلعی کھلی تو آسمانوں میں خرق والتیام کے محال جاننے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب دیکھا کہ ترقی یافتہ ممالک نے سائنسی آلات کے ذریعے ارضی مواد سے طاقت حاصل کر کے آسمانوں کی بلندیوں کو سر کرنے کا پروگرام مرتب کر لیا ہے۔ اور آئے دن چاند اور دیگر سیارات پر ڈیرہ ڈالنے اور قبضہ جمانے کی خاطر راکٹوں کا بے پناہ سلسلہ قائم ہونے کی خبریں شائع ہونے لگی ہیں جن کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ چاند کی سطح کی تصویریں اتاری جا رہی ہیں اس پر آبادی کے امکانات پر رائے زنی ہو رہی ہے۔ طاقتور حکومتیں وہاں پر اپنا پرچم لہرانے کے لئے بے تاب ہیں اور وہاں تک پہنچنے کے لئے فضائی اڈوں کی تجاویز بھی زیر غور ہیں تو ان پیش آمدہ حالات کے ماتحت جب کہ مسئلہ خرق والتیام ایک فرسودہ خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور مادی قوتوں سے استفادہ کرنے والوں نے جب آسمانوں کی تسخیر اور ان کی سیر کو حرف ممکن نہیں بلکہ قریب الوقوع قرار دے دیا ہے تو وہ ذات جو مقصودِ کائنات ہو جس نے زمین پر بیٹھے ہوئے چاند سے اپنی نبوت کی گواہی طلب کر لی ہو اور اس نے دو ٹکڑے ہو کر اپنے مسخر ہونے پر مہر تصدیق ثبت کی ہو اور وہ ذات جو قوتِ روحانیہ میں تمام روحانیوں سے اشرف و اعلیٰ حیثیت کی حامل ہو حتیٰ کہ سید الملائکہ

حضرت جبریل جس کا ادنیٰ غلام ہو اس کے لئے آسمانی بلندیوں کا سر کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے اور پھر جب بلانے والا اور لے جانے والا اللہ ہو تو کس کی مجال ہے کہ اس کو ناممکن کہہ سکے ؟

معراج جسمانی اس حد تک تو تمام اہل اسلام بلاتفریق مذاہب متفق ہیں کہ حضور معراج پر تشریف لے گئے اور ہمارے نزدیک معراج کا عقیدہ ضروریات مذہب سے ہے چنانچہ اس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے اور حضورؐ سے ایک روایت منقول ہے جس میں ارشاد ہے کہ جو معراج کا انکار کرے وہ میری اُمّت سے خارج ہے جو لوگ فلاسفۂ یونان اور قدیم ہیئت دانوں کے بے سروپا مفروضات پر اندھا دھند ایمان لاتے انہوں نے جہاں ان کی دوسری بے تکی باتوں کے سامنے سر تسلیم خم کیا وہاں آسمانوں کے خرق والتیام کو ناممکن کہتے ہوئے معراج جسمانی کے انکار کی جسارت بھی کرنے لگے۔ اس بارہ میں نہ ان کے کان آیات خداوندی سے متاثر ہوئے اور نہ فرمانِ پیغمبران کو مطمئن کر سکا جس طرح آجکل کے گود مغرب میں تربیت یافتہ یتیم العقل لوگوں کا وتیرہ ہے بلکہ ہر وہ انسان جس کا ذہن و دماغ احکام شرعیہ اور حدود دینیہ سے باغی ہو وہ دین کے ہر مسئلہ کو اعتراض کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اسے بار بار کریدتا ہے تاکہ کسی صورت میں اس سے گلو خلاصی ہو جائے اور اس طرز عمل کو وہ اپنی روشن دماغی تصور کرتے ہوئے تحقیق و تدقیق سے تعبیر کرتا ہے اور اس قسم کے بال کی کھال اتارنے والے جہاں علماء کے لئے دردِ سر بنتے ہیں وہاں عوام کیلئے شرعی احکام سے بغاوت کی داغ بیل ڈالنے کے موجب ہوتے ہیں اور نامعلوم ان کا ناقد دماغ جہاں ہر مسئلہ شرعیہ کو ہدف تنقید بنانے کی جسارت کرتا ہے وہاں اہل مغرب کے اقوال و اعمال کو یکسر آنکھیں بند کر کے کیسے قابل تسلیم قرار دیتا ہے۔ ان کے نزدیک پیغمبر کا قول اہل مغرب کی تصدیق کا محتاج ہے لیکن اہل مغرب کا کوئی قول پیغمبر کے فرمان کی موافقت یا مطابقت کا محتاج نہیں حتیٰ کہ آجکل سائنسی دور کی تحقیقات نے جب مسئلہ خرق والتیام کو عملاً ایک فرسودہ و بیہودہ خیال ثابت کر دیا اور امکان معراج نئی روشنی میں محتاج بیان نہ رہا تاہم ثبوت معراج میں مغرب زدہ اذہان کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ وہ چاند پر راکٹ اترنے کی خبروں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے اور ان کو تسلیم کرتے ہیں حتیٰ کہ دلیل طلب کرنے والے کو تاریک دماغ اور قدامت پسند قرار دیتے ہیں لیکن معراج رسولؐ کو ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اس کو بعید از عقل کہنے میں ذرہ بھر توقف نہیں کرتے۔

اہل اسلام میں معراج کے متعلق تین خیال پہلے سے اب تک ہیں پیغمبر اسلام اور اسلام کی قدروں سے ناواقف لوگ دشمنانِ اسلام کی تنقیدات سے مرعوب ہو کر معراج کو خواب کہتے رہے اور جنہوں نے اس کو خواب کی حقیقت سے آگے بڑھایا وہ اسے معراج روحانی کہہ کر آگے نہ بڑھ سکے اور مذہب شیعہ کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج جسمانی حضرت پیغمبرؐ کو نصیب ہوا اور آپ کی خصوصیت میں سے ہے۔

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ اس کو نیند کا واقعہ بتاتے ہیں سراسر غلط ہے کیونکہ ایسی صورت میں نہ معجزہ بنتا ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل ناطق ہے اور معراج کے متعلق ہمارے ہاں متعدد روایات موجود ہیں کہ حضورؐ آسمانوں

پر تشریف لے گئے اور بہت سے صحابہ ان کے راوی ہیں۔ مثلاً ابن عباس۔ ابن مسعود۔ انس۔ جابر بن عبداللہ۔ حذیفہ۔ عائشہ اور ام ہانی وغیرہ البتہ ان میں الفاظ کی کمی و بیشی ضرور ہے اور ہم ان کو چار قسموں پر تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) ایک وہ حدیثیں ہیں جن کی صحت کا ہمیں علم ہے کیونکہ تواتر سے منقول ہیں اور وہ وہ ہیں جن میں حضورؐ کا معراج پر جانا منقول ہے۔ پس ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ خواب میں نہیں بلکہ بیداری کے عالم میں تشریف لے گئے۔

(۲) وہ حدیثیں جن کا مضمون عقلاً ممکن ہے اور اصول بھی ان کو قبول کرتے ہیں۔ مثلاً آسمانوں کی سیر انبیاء و ملائکہ کے ساتھ ملاقاتیں، عرش، سدرۃ المنتہیٰ اور جنت و نار وغیرہ کو دیکھنا۔

(۳) وہ حدیثیں جو ظاہراً اصول سے ٹکراتی ہیں لیکن ان کی تاویل کی جا سکتی ہے مثلاً جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں دیکھنا۔ ان میں اصولی مخالفت یہ ہے کہ جو لوگ امت محمدیہ میں ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ قبل از وقت جہنم میں اپنے اعمال کی جزا و سزا کے لیے کیسے پہنچ گئے؟ پس ان کی تاویل یہ ہے کہ حضورؐ کو ان کی مثالیں دکھائی گئیں یا ان کے نام و کام بتائے گئے۔

(۴) وہ حدیثیں جو ظاہراً صحیح نہیں اور نہ ان کی تاویل کی جا سکتی ہے۔

پس ان کو ہم قبول نہیں کرتے مثلاً یہ کہ آپؐ نے اللہ کو دیکھا یا اس کے ساتھ تخت پر بیٹھے یا آپ کے پیٹ کا اپریشن ہوا اور اس کو دھویا گیا وغیرہ۔ کیونکہ خداوند کریم جسم و جسمانیات اور مخلوق کی تشبیہ سے بلند و بالا ہے اور حضورؐ ہر عیب و کثافت سے طاہر و مطہر پیدا ہوئے نیز دل کو عقیدہ کی کثافتوں سے پانی کے ساتھ دھونا غیر معقول بات ہے

براق کا حلیہ

مغرب زدہ اسلام سے باغی اذہان کی تسکین اس میں ہوتی ہے کہ ہر بعید از عادت بات کو غلط کہہ کر اس کا انکار کر دیں وہ جدید تحقیقات کی روشنی میں سائنس کی خارق عادت مصنوعات کو آسانی سے مان سکتے ہیں لیکن خلاق کائنات کی خارق عادت تخلیق کو تسلیم کرتے ہوئے بھی جھجکتے ہیں۔ بلکہ تسلیم کرنے کو کورانہ تقلید سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبروں کے جملہ معجزوں کا انکار اور ان کی رکیک تاویلیں اسی کور باطنی کا شاخسانہ ہیں۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے مغربیت کی اسی روش سے فائدہ اٹھا کر جدید اسلامی پود کو اپنے رنگ میں رنگنے کا کردار ادا کیا ہے اور تمام نبوی معجزوں کو اس نے تمثیل قرار دے کر غیر پختہ اسلامی نونہالوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیا ہے حالانکہ بغیر مادۂ موجودہ تخلیق کائنات پر قادر خدا جہاں بے حد و حساب مخلوق کو کتم عدم سے منصۂ شہود پر لا سکتا ہے اس کی قدرت سے اس قسم کے جزوی تخلیقی کارنامے نہ بعید ہیں نہ مشکل۔ بنا بریں براق کا جو حلیہ کتب احادیث میں مرقوم و مسطور ہے اس پر عقلی استبعاد کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

تفسیر مجمع البیان میں اس کا حلیہ اس طرح ہے کہ گدھے سے بڑا خچر سے چھوٹا چہرہ انسان نما دُم بیل کی گردن کے بال گھوڑے کی طرح اور پاؤں اونٹ کی مانند تھے۔ جنت کی زین سے مزین تھا اس کے پچھلے دو پٹھوں کے اوپر دو پَر تھے اور اس کے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ حد نگاہ تک تھا۔

تفسیر برہان میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے براق کو میرے لئے مسخر فرمایا وہ جنت کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ہے نہ بہت لمبا اور نہ بہت چھوٹا اگر خدا اس کو اذن دے تو ایک ہی دوڑ میں دنیا و آخرت کا احاطہ کرے اور وہ جنت کے تمام حیوانوں میں سے زیادہ خوبصورت ہے۔

بروایت روضۃ الواعظین جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ اس کا چہرہ انسان نما رخسارہ گھوڑے جیسے گردن کے بال موتیوں کی لڑیوں کی طرح کان زبرجد سبز جیسے اور آنکھیں چمکدار تاروں کی مانند مضبوط جسم اور ہاتھ پاؤں دراز ہیں آدمیوں کی طرح سانس لیتا ہے بات سنتا ہے اور سمجھتا ہے گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ہے (یعنی اسکا قدوقامت درمیانہ مناسب اور نہایت موزوں ہے)

اہل مکہ کا ردعمل

تفسیر برہان میں بروایت قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں مکہ میں محوِ خواب تھا علی دائیں جعفر طیار بائیں اور حمزہ میرے پیش موجود تھے میں نے فرشتوں کے پروں کی آواز سنی۔ ایک نے پوچھا کہ اے جبریل تو نے کس کے پاس جانا ہے تو اس نے میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ اس کے پاس اور یہی تمام بنی آدم کا سردار ہے اور یہ اس کا وصی وزیر داماد اور خلیفہ ہے وہ اس کا چچا حمزہ ہے اور وہ اس کا چچازاد بھائی جعفر طیار ہے جس کو دو تر و تازہ پر عطا ہوں گے اور ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کریگا۔ اس نبی کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن کان سنتے ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ انہوں نے ایک کہانی بیان کی کہ ایک بادشاہ ہے جس نے گھر بنوایا دسترخوان لگایا اور دعوت کے لئے قاصد بھیجا حضورؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا وہ بادشاہ اللہ ہے دنیا گھر ہے جنت اس کا دسترخوان ہے اور دعوت دینے والا میں ہوں پس جبریل نے بڑھ کر براق حاضر کیا اور بیت المقدس تک سیر کرائی نبیوں کے محراب اور نشانیاں دکھائیں آپ نے نماز بھی ادا کی۔ پھر راتوں رات واپس بھی پہنچے واپسی پر قریش کے قافلہ کے پاس سے گذرے ان کے ایک برتن سے پانی پیا اور باقی پانی کو گرا دیا اور وہ اسوقت ایک گمشدہ اونٹ کو تلاش کر رہے تھے آپ نے صبح ہوتے ہی قریش کو اپنے معراج کا قصہ سنایا تو ابوجہل نے کہا اب موقعہ ہے اس کے متعلق سوال کرو چنانچہ انہوں نے پوچھنا شروع کیا اے محمدؐ ہم میں سے بعض لوگ بیت المقدس دیکھ چکے ہیں ذرا بتایئے اس کے محراب کتنے ہیں۔ ستون کس قدر ہیں اور قندیلیں کتنی آویزاں ہیں؟ اتنے میں جبریل نے بیت المقدس کا نقشہ آپ کے سامنے موجود کر دیا اور آپ نے ان سب کو جواب باصواب دے دیا جب آپ نے ان کو قافلہ کی خبر سنائی تو کہنے لگے قافلہ آئے گا تو بات کی حقیقت کھل جائے گی۔ آپ نے فرمایا وہ قافلہ فلاں تاریخ کی صبح طلوع آفتاب کے وقت پہنچے گا اور سب سے آگے سرخ رنگ کا اونٹ ہوگا۔ چنانچہ سب قریش اس دن طلوع آفتاب سے پہلے انتظار میں شہر کے باہر جا کھڑے ہوئے پس ادھر سورج نے طلوع کیا اور ادھر قافلہ بھی آپہنچا اور آگے آگے سرخ رنگ کا اونٹ تھا جب ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتلایا کہ واقعی فلاں شب کو ہمارا اونٹ گم ہوا تھا اور فلاں مقام پر ہم نے پانی رکھا تھا جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ اس برتن سے پانی گرایا جا چکا ہے۔ پس سننے اور یقین کرنے کے بجائے ایمان کے ان کی سرکشی میں اور اضافہ ہوگیا۔

تفسیر برہان میں ایک روایت میں ہے کہ آپ جاتے ہوئے ابوسفیان کے قافلے کے پاس سے گذرے شب تاریک

تھی۔ بارشدہ اونٹوں کے قریب سے گذرے تو براق کی صراحت سے اونٹ ڈر رہے۔ چنانچہ ایک نے دوسرے کو آواز دے کر بلایا کہ او فلاں: دیکھ تو سہی اونٹ ڈر گئے ہیں اور فلاں کا بھار گر چکا ہے اور اس کا اگلا پاؤں بھی ٹوٹ چکا ہے چنانچہ واپس آنے پر ابوسفیان نے اس خبر کی تصدیق کی لیکن ضد اور ہٹ دھرمی پر پکے رہے اور مروی ہے کہ ان اونٹوں پر گندم لدی ہوئی تھی۔

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروایت ابوسعید خدری جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ میں نے واپسی پر جبریل سے پوچھا کہ تیری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ۔ پس اس نے کہا میری حاجت یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے اور میری جانب سے خدیجہ کو سلام کہنا چنانچہ آپؐ نے سلام پہنچایا تو جناب خدیجہ نے جواب میں عرض کیا۔ اِنَّ اللّٰہَ السَّلَامُ وَمِنۡہُ السَّلَامُ وَاِلَیۡہِ السَّلَامُ وَعَلٰی جِبۡرَآئِیۡلَ السَّلَامُ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ آپ نے جب اہل مکہ کے سامنے اپنا معراج بیان فرمایا تو مطعم بن عدی نامی ایک شخص کہنے لگا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دو ماہ کا سفر آپ ایک گھنٹہ میں طے کر لیں پھر کہنے لگے کہ اپنے سفرنامے میں کچھ بیان کیجئے۔ چنانچہ آپ نے قافلہ کا ذکر کیا اور اونٹ کا گم ہونا اور پیالے سے پانی پینا بیان فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک نشانی ہے آپ نے پھر دوسرے قافلہ کا ڈرنا اور بھار کا گرنا نیز ایک اونٹ کی ٹانگ ٹوٹنا بیان فرمایا تو کہنے لگے چلو یہ دوسری نشانی ہے پھر کہنے لگے کہ ہمارے اونٹ کہاں تھے تو آپ نے فرمایا مقام تنعیم میں ان کے پاس سے گذرا ہوں پھر آپ نے ان کی تعداد بتائی کہ ۲۳ تھے اور لدے ہوئے مال کی فہرست بتائی اور ان کے ہمراہ غلاموں کے نام بھی بتائے اور حلیے بیان کئے اور فرمایا کہ طلوع شمس کے وقت وہ آن پہنچیں گے سب سے آگے گھنے بالوں والا اونٹ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تیسری نشانی ہے پس انتظار کے لئے شہر کے باہر پہنچے کہ اب فیصلہ کن بات ہوگی ادھر ایک نے کہا کہ وہ سورج طلوع ہو رہا ہے تو دوسرے نے فوراً آواز دے کر کہا کہ لو وہ قافلہ بھی آ پہنچا ہے۔ چنانچہ سب کے سب مبہوت و حیران رہ گئے دوسری نشانیوں کی تصدیق بھی ہو گئی لیکن ایمان لانے کی جرأت نہ کر سکے۔

معراج کا سفرنامہ

مکہ مکرمہ میں حضرت علی علیہ السلام کی ہمشیرہ ام ہانی زوجہ ہبیرہ بن ابو وہب مخزومی کے گھر حضرت رسالت مآبؐ بستر استراحت پر آرام فرما تھے۔ بعضوں نے مسجد الحرام میں حضور کا محو خواب ہونا ذکر کیا ہے اور حدود حرم کے اندر کی ساری زمین پر بھی مسجد الحرام کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بہرکیف بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین فرشتے جبریل میکائیل اور اسرافیل براق کے ساتھ نازل ہوئے ایک کے ہاتھ میں لگام تھی دوسرا رکاب تھامے ہوئے تھا اور تیسرا براق کی زین کو درست کر رہا تھا بروایت عیاشی جبریل جنت سے پانی بھی لایا جس سے آپ نے غسل فرمایا بروایت کافی ذات رب العزت نے نور کی ایک عماری کا انتظام فرمایا تھا جو نور عرش میں سے چالیس اقسام نور پر مشتمل تھی جن میں سے ہر ایک کے دیکھنے کی انسانوں میں تاب برداشت نہ تھی جب آپ اس پر سوار ہو کر جانب آسمان روانہ ہوئے تو اس نور کی کرنیں آسمان اول تک پہنچیں پس فرشتے ایک جگہ جمع ہو کر سجدہ ربانی میں گر گئے۔ جبریل نے

نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ بروایت قمی آسمان اوّل پر موکل ایک فرشتہ ہے جس کا نام اسمٰعیل ہے اس کے ماتحت ستّر ہزار فرشتہ ہے
اور ان میں سے ہر ایک ستّر ستّر ہزار فرشتوں کا سردار ہے۔ پس جبریل کی آواز سن کر آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور فرشتوں
نے آپ کا شایانِ شان استقبال کیا پھر آپؐ نے آسمان اوّل کی سیر فرمائی۔

بروایت ابن بابویہ حضور بیت المقدس میں تشریف لائے اور یہاں ستّر نبیوں کو نماز پڑھائی پس جبریل نے زمین کے
خزانوں کی کنجیاں حوالہ کیں کہ آپ کو اختیار ہے چاہیں تو نبوت کے ساتھ ساتھ شہنشاہیت بھی لے لیں اور چاہیں تو نبوت کے
ساتھ عبدیت کی زندگی گذاریں پس آپ نے بادشاہت کو ٹھکرا کر عبدیت قبول کی۔ آپ نے پہلے آسمان پر حضرت ابراہیمؑ
سے ملاقات کی ان کے گرداگرد چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کی وہ تربیت فرما رہے تھے جبریل نے کہا یہ مومنوں کے
بچے ہیں جن کی پرورش حضرت ابراہیم کرتے ہیں۔ اور قمی کی روایت میں آسمان ہفتم پر حضرت ابراہیمؑ کا ہونا مذکور ہے چنانچہ بعد
میں ذکر ہوگا اور آسمان پر جانے سے پہلے حضورؐ نے مسجد کوفہ میں بھی دو رکعت نماز ادا کی تھی جیسے کہ روایات میں موجود ہے۔ نیز
آپ نے مدینہ طیبہ اور طور سینا پر بھی علی الترتیب دو دو رکعت نماز پڑھی ہے (صافی) اور بروایت قمی اسی آسمان پر حضرت
آدمؑ سے ملاقات و گفتگو ہوئی پھر ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تمام مرنے والوں کے ارواح
کو تو ہی قبض کرتا ہے؟ اس نے جی ہاں کہا۔ آپ نے پوچھا کیا تو سب کو دیکھتا ہے تو اس نے کہا ساری دنیا میرے قبضہ
میں اس طرح ہے جس طرح انسان کے ہاتھ میں ایک روپیہ ہو وہ جس طرح چاہے اس کو اُلٹ پلٹ کرتا رہے اور میں دنیا
کے ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ جھانکتا ہوں۔ اور جب کسی مرنے والے کے غم میں گھر والے رو رہے ہوتے ہیں تو میں ان کو کہا کرتا
ہوں مت روؤ میں نے تمہارے پاس بار بار آنا ہے حتیٰ کہ کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا آپ نے فرمایا کہ موت بہت سخت چیز
ہے تو جبریل نے کہا کہ حضورؐ! بے شک موت سخت ہے لیکن موت کے بعد کا عالم اس سے سخت تر ہے پھر ایک فرشتہ کو
دیکھا جس کا آدھا جسم آگ تھا اور آدھا جسم برف تھا۔ نہ برف آگ پر غالب اور نہ آگ برف پر غالب تھی اور وہ تسبیح پروردگار میں
رطب اللسان تھا پھر کافی تعداد میں ملائکہ دیکھے جن کی خلقت عجیب و غریب تھی ان کے جسم کے ہر ہر حصے سے الگ الگ
لب و لہجہ میں تسبیح و تقدیس پروردگار کی صدائیں بلند تھیں اور خوفِ خدا سے وہ سب مشغولِ گریہ بھی تھے۔ جبریل نے بیان کیا
کہ ان کی پیدائش ہی اسی طرح کی ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی جب سے پیدا ہوئے ہیں اپنے ساتھی فرشتے کو نہ نظر اٹھا کر
دیکھا ہے اور نہ اس سے بات کی ہے نہ یہ اوپر کو دیکھتے ہیں اور نہ نظر جھکا کر نیچے کی طرف دیکھتے ہیں اور ہمیشہ ان کے خشوع و
خضوع کا یہی عالم ہے میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے اشاروں اشاروں میں مجھے سلام کا جواب دیا لیکن جب جبریل نے
ان سے میرا تعارف کرایا تو انہوں نے تعظیم و تکریم کا فریضہ ادا کیا اور پھر حسب عادت مشغول عبادت ہوئے بروایت کافی جب
آسمانِ اوّل کے تمام فرشتے آداب بجا لائے تو احوال پرسی کرتے ہوئے عرض کی كَيْفَ أَخُوكَ یعنی تیرے بھائی کا کیا حال ہے
إِذَا نَزَلْتَ فَاقْرَأْهُ السَّلَامَ جب واپس تشریف لے جائیں تو ان کو ہمارا سلام کہنا۔ آپ نے پوچھا تم اس کو کس طرح

پہچانتے ہو تو انہوں نے جواب دیا ہم کیسے اس کو نہ پہچانیں کہ آپ کا اور ان کا اور ان کے شیعوں کا ہم سے میثاق لیا گیا ہے۔ اور ہم ہر روز پانچ مرتبہ یعنی ہر نماز کے وقت اس کے شیعوں کے چہروں کی زیارت کیا کرتے ہیں اور آپ کی ذات پر اور اس جناب پر ہم درود و سلام پڑھا کرتے ہیں۔

اس کے بعد پھر پروردگار عالم نے چالیس اقسام نور کا مجھ پر اضافہ کیا جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا پس دوسرے آسمان کی طرف روانگی ہوئی۔ اس نور کی شعاعیں جب دوسرے آسمان پر پڑیں تو فرشتوں میں تحیّر و اضطراب کی لہر پیدا ہوئی۔ چنانچہ سب سجدہ پروردگار میں جھک گئے اور اس کی تسبیح و تقدیس بجالائے جبریل نے حضورؐ کا تعارف کرایا تو سب آداب و سلام بجالائے اور عرض کی کہ زمین پر پلٹ کر علی کو ہمارے سلام عرض کرنا۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اس کی معرفت کیسے ہوئی تو عرض کرنے لگے روز اوّل سے تیرا اور اس کا اور اس کے شیعوں کا ہم سے میثاق لیا جا چکا ہے اور ہم ہر دن اس کے شیعوں کی پانچ وقت زیارت کرتے رہتے ہیں (اوقات نماز میں) بروایت قمی حضورؐ نے دوسرے آسمان پر دو خالہ زاد نبیوں یعنی عیسیٰ اور یحییٰ سے ملاقات کی اور بے حد حساب ملائکہ کو الگ الگ انداز سے جدا جدا زبانوں کے ساتھ محو تسبیح و تقدیس دیکھا پھر بروایت کافی چالیس اقسام نور کا اور اضافہ ہوا جن میں سے ہر ایک کی نوعیت و شکل دوسرے سے الگ تھی اور تیسرے آسمان کی طرف عروج فرمایا۔ نور کی خیرہ کن شعاعوں کی تاب نہ لاکر فرشتے بحرِ تحیّر میں غوطہ زن ہو کر سجدہ میں گر گئے اور تسبیح و تقدیس پروردگار بجالائے۔ جبریل نے کلمہ شہادت زبان سے جاری کیا اور حضورؐ کا تعارف کرایا پس سب ملائکہ بہرِ تعظیم جھکے سلام کیا اور احوال پرسی کرتے ہوئے عرض گذار ہوئے کہ علی کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ زمین پر ہیں لیکن تم اس کو کس طرح پہچانتے ہو پس کہنے لگے کہ ہم ہر سال البیت المعمور پر حج کرنے کو جاتے ہیں وہاں ایک سفید تختی پر آپ کا علی کا حسن و حسین کا اور قیامت تک کے ہونے والے ان کے شیعوں کے نام مذکور و مسطور ہیں پس ہم ہر روز پانچ دفعہ اوقات نماز میں ان کے لئے برکت کی دعا کرتے ہیں بروایت قمی اس آسمان پر حضورؐ نے حضرت یوسف سے ملاقات فرمائی اور بے حد و حساب فرشتوں کو جداگانہ حالات میں محوِ عبادت دیکھا بروایت کافی پھر چالیس انواع نور کا اضافہ ہوا جو پہلے انوار سے مختلف تھے۔ اور آسمان چہارم پر پہنچے حسب سابق ملائکہ نے رسمی کلام کے بعد حضرت علی کے متعلق پوچھا اور آپ نے وجہ تعارف دریافت فرمائی تو کہنے لگے کہ ہم اس کو اور اس کے شیعوں کو بھی پہچانتے ہیں جو بشکل نور عرش پروردگار کے ارد گرد موجود ہیں نیز البیت المعمور میں ایک نور کی تختی ہے جس پر محمد و علی و حسن و حسین اور باقی آئمہ اور قیامت تک کے ہونے والے تمام شیعوں کے نام مسطور ہیں اور انکا ہم سے عہد لیا گیا ہے اور ہر جمعہ اس عہد کو ہمارے سامنے دہرایا جاتا ہے۔ پس حکم ہوا کہ سر بلند کرو چنانچہ تمام حجابات دُور ہوئے اور عالم بالا کے تمام ممکنات کو ملاحظہ فرمایا پھر حکم ہوا کہ نیچے دیکھو چنانچہ پردے ہٹے اور زمین تک ہر شی کا معائنہ فرمایا۔ پھر زیرِ عرش چشمہ صاد سے وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ بروایت قمی آسمان چہارم پر حضرت ادریس سے ملاقات ہوئی۔

دوسری روایات میں چرخ چہارم پر حضرت عیسیٰؑ کا ہونا ملتا ہے نیز البیت المعمور بھی اسی آسمان پر ہے اور انبیاء کو نماز پڑھانا اور سوال و جواب کا تذکرہ بھی ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں سورۂ یونس کی تفسیر میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منقول ہے کہ جب حضورؐ معراج پر تشریف لے گئے تو مناجات پروردگار سے فارغ ہو کر البیت المعمور پر پہنچے جو چوتھے آسمان پر کعبہ کی محاذات میں واقع ہے وہاں پروردگار نے تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین کو جمع فرمایا جبریل نے اذان و اقامت کہی پس حضورؐ نے آگے بڑھ کر ان کو نماز پڑھائی جب فارغ ہوئے تو ارشاد ہوا۔ سئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلک الخ۔ آیت ۹۴ سورۂ یونس۔

بروایت ابن شہر آشوب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں جب شب معراج میں چرخ چہارم پر پہنچا تو جبریل نے اذان و اقامت کہی۔ پس تمام نبیوں، صدیقوں شہیدوں اور فرشتوں کو جمع کیا گیا اور میں نے بڑھ کر ان کو نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر جبریل نے کہا ان سے دریافت کیجئے کہ کسی امر کی شہادت دیتے ہیں تو انہوں نے جواب میں عرض کی نشھد ان لا الٰہ الا اللہ و انک رسول اللہ و ان علیاً امیر المؤمنین۔ تفسیر ثعلبی اور خطیب کی اربعین سے بروایت ابن مسعود حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ جب میں شب معراج جبریل کے ہمراہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے یاقوت سرخ کا ایک مکان دیکھا جبریل نے کہا یہ البیت المعمور ہے جس کو آسمان و زمین کی خلقت سے ۵۰ ہزار برس پہلے پروردگار نے پیدا کیا ہے پس مجھے حکم ہوا کہ اٹھ کر ان کو نماز پڑھاؤ۔ چنانچہ میں نے تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ سلام کے بعد ایک فرشتہ نے پروردگار کی طرف سے سلام پہنچا کر یہ پیغام سنایا کہ ان سے دریافت کرو کہ آپ سے قبل ان کی بعثت کس لئے ہوئی پس میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا، علیٰ ولایتک وولایۃ علی ابن ابی طالب۔ یعنی تیری اور علی کی ولایت پر ہم مبعوث ہوئے ہیں۔

چوتھے آسمان کی سیر کے بعد بروایت قمی پانچویں آسمان پر پہنچے حضرت ہارون بن عمران سے ملاقات ہوئی اور پہلے کی بہ نسبت کافی تعداد میں فرشتوں کو دیکھا پھر چھٹے آسمان پر حضرت موسےٰ سے ملاقات ہوئی اور لاتعداد ملائکہ دیکھے اس کے بعد ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ قمی کی روایت میں البیت المعمور اسی آسمان پر ہے جو فرشتوں کے لئے مقام حج ہے۔

آپؐ فرماتے ہیں میں نے آسمان ہفتم پر نور کے سمندر دیکھے کہ ان کی چمک آنکھوں کے لئے خیرگی کا باعث تھی پھر ظلمات کے سمندر بھی دیکھے اور برف کے سمندر بھی ملاحظہ کئے جبریل نے کہا بے شک اللہ کی یہ مخلوق عظیم ہے لیکن وہ جو ابھی تک آپ نے نہیں دیکھی وہ اس سے بھی عظیم تر ہے۔ پس آپ خوشنود ہو کر شکر پروردگار ادا کیجئے جب مخلوق اس قدر عظیم ہے تو خالق کی عظمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ پھر مخلوق اور خالق کے درمیان نوے ہزار حجابات ہیں۔ اور اللہ کی طرف سب سے قریب تر میرا اور اسرافیل کا مقام ہے لیکن ہمارے آگے چار حجابات ہیں (۱) حجاب نور (۲) حجاب ظلمت

(۳) حجاب غمام (۴) حجاب ماء۔ پس آسمان کے عجائبات دیکھنے کے بعد البیت المعمور میں نماز ادا کی۔ چشمہ کوثر سے پانی پیا۔ اور چشمہ رحمت میں غسل کیا پھر جنت کی سیر کی وہاں ایک عورت کو سیر کرتے ہوئے پایا اور پوچھا تو کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں زید بن حارثہ کی کنیز ہوں۔ چنانچہ میں نے صبح سویرے اس کو اس کی خوشخبری سنائی۔ پس وہاں کے پرندے دیکھے انار دیکھے جو حجم میں بہت بڑے تھے پھر ایک درخت دیکھا جس کا تنا اسقدر بڑا تھا کہ تیز پرواز پرندہ اس کے ارد گرد سات سو برس پرواز کر سکتا تھا اور جنت کے ہر مکان میں اس کی شاخ موجود تھی میں نے جبریل سے پوچھا تو اس نے کہا کہ شجرہ طوبیٰ ہے۔ اس کی تفصیل اسی جلد میں سورہ رعد کی آیت نمبر ۲۹ کی تفسیر میں ملاحظہ ہو ص ۱۳۳

میں نے جبریل سے نور کے سمندروں کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ وہ سرادقات عرش ہیں اگر درمیان میں یہ حائل نہ ہوتے تو عرش کا نور باقی تمام مخلوق کو ختم کر دیتا۔ پس میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا جس کا ایک ایک پتہ ایک بڑی جماعت کو سایہ دے سکتا تھا۔

جہنم میں عذاب پانے والے

بروایت قمی منقول ہے حضورؐ نے آسمانِ اوّل کی سیر میں ایک فرشتہ کو دیکھا جس کی شکل ڈراؤنی تھی پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو جبریل نے بتایا یہ مالک داروغہ جہنم ہے پس جبریل نے اس فرشتے کو حضورؐ کی آمد کی اطلاع دی اور تعارف کرایا۔ چنانچہ وہ آپ کے شایانِ شان فرائض استقبال وآداب بجالایا اور سلام کے بعد آپؐ کو جنت کی بشارت سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ جہنم کے منہ سے ڈھکنا الگ کر، چنانچہ تعمیل حکم کرتے ہوئے اس نے ڈھکنا کھولا تو اس کے دیو پیکر شعلے بلند ہوئے۔ آپ نے دوبارہ اس کا منہ بند کرنے کا حکم صادر فرمایا تو اس نے ڈھکنا اوپر رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا۔ بروایت عیاشی منقول ہے کہ اس کے بعد آپ کو کبھی ہنستے ہوئے کسی نے نہ دیکھا۔ نیز اسی روایت میں اس سے قبل مروی ہے کہ آپؐ نے ایک دھماکے کی آواز سنی تو جبریل سے وجہ پوچھی اس نے بتایا آج سے ستّر برس پہلے میں نے جہنم کے کنارہ پر کھڑے ہو کر اس میں ایک پتھر ڈالا تھا اب وہ اس کی تہ پر پہنچا ہے اور یہ اُسی کی آواز ہے۔

بروایت ابن بابویہ آپؐ نے ایک قوم کو عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیر ان کی ہنسلیوں میں پڑے ہوئے تھے اور وہ لٹک رہے تھے جبریل نے بتایا یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے حلال عطا فرمایا تھا لیکن یہ لوگ حلال کو چھوڑ کر حرام کے پیچھے دوڑتے تھے۔ پھر ایک قوم کو عذاب میں گرفتار دیکھا جن کے چمڑوں کو جہنم کی سلاخوں سے سیا جا رہا تھا جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق عورتوں کی عصمت لوٹتے تھے۔ ان کے بعد دیکھا ایک مرد پر بوجھ لادا جا رہا ہے جسکو وہ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن بجائے کمی کے اس میں اور اضافہ کیا جاتا ہے پس وہ اسی عذاب میں مبتلا ہے۔ جبریل نے کہا یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں قرضے اٹھاتا تھا پس بغیر ادا کئے خود اٹھا لیا گیا۔ بروایت قمی حضورؐ نے فرمایا خدا نے آسمان پر دو فرشتے مقرر کئے ہیں ان میں سے ایک ہر وقت باآواز بلند دعا کرتا ہے اے اللہ تو سخی کو زیادہ عطا فرما اور دوسرا

ہر وقت یہ دُعا کرتا ہے اے اللہ تو بخیل کو برباد کر۔ پھر آپ نے ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹ کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور ران کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جاتا تھا۔ جبریل نے کہا یہ چغلخور لوگ ہیں اس کے بعد ایک قوم کو دیکھا جن کے سروں کو جہنمی ہتھوڑوں سے کوٹا جا رہا تھا۔ جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز عشا پڑھے بغیر سو جاتے تھے پھر ایک قوم کو گرفتار عذاب دیکھا جن کے منہ میں آگ ڈالی جاتی تھی جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کے مال پر دست درازی کر کے کھا جاتے تھے۔ پھر ایک قوم کو گرفتارِ مصیبت و عذاب میں دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے تھے اور وہ آلِ فرعون کی طرح جہنم کی بھٹی میں دھکیلے جا رہے تھے جبریل نے بتایا یہ سود کھانے والے لوگ ہیں پھر عورتوں کے گروہ کو عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیر ان کے پستانوں سے بندھے ہوئے تھے اور وہ لٹک رہی تھیں جبریل نے کہا یہ زنا کار عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کا وارث حرامزادوں کو بنایا کرتی تھیں پس آپؐ نے فرمایا خدا کا غضب ہے اس عورت پر جو کسی قوم کی نسب میں ایسے افراد کو داخل کرے جو درحقیقت اس نسب کے نہ ہوں۔ (یعنی زنا کر کے حرامزادہ اولاد پیدا کرے۔)

مقصد معراج تفسیر برہان میں بروایت صفار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضورؐ کو ایک سو بیس مرتبہ معراج نصیب ہوئی اور ہر دفعہ دوسرے فرائض سے بڑھ کر خدا نے آپؐ کو ولایت علیؑ اور ولایت آئمہ اہل بیتؑ کی وصیت تلقین فرمائی۔ چنانچہ عیاشی سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے اور معراج کے سفرنامے میں ملائکہ کے سوالات و جوابات میں بھی اس امر کی طرف واضح اشارہ موجود ہے اور صاحب کتاب مجمع النورین شیخ ابوالحسن نجفی نے ذکر کیا ہے کہ معراج کا مقصد دو باتیں تھیں۔ ایک خلافت علی اور دوسری علی و بتول کی شادی اور کہا ہے کہ احادیث مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

بروایت ابن بابویہ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ پر اور وہاں سے حجاب ہائے نور کی طرف بڑھا تو خدا کی جانب سے ندا پہنچی۔ میں تیرا پروردگار ہوں۔ پس میرے لئے خشوع کر صرف میری ہی عبادت کر، مجھ پر توکل رکھ اور میری ہی ذات پر اعتماد کر۔ پس تیری عبدیت، محبت، رسالت، نبوت اور تیرے بھائی کی خلافت میں راضی ہوں وہ میرے بندوں پر میری حجت اور میری مخلوق کا امام ہے۔ اُسی کے ذریعے سے میرے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان ہو گی اور اسی کی بدولت شیطان کے لشکر اور میرے لشکر میں تمیز ہو گی اُسی کے ذریعے سے میرا دین قائم، حدیں محفوظ اور احکام جاری رہیں گے۔ تیری اور اُس کی اور اس کی نسل کے آئمہ کی برکت سے میری مخلوق پر میرا رحم و کرم ہو گا۔ تمہارا قائمؑ میری زمین کو میری تسبیح تہلیل تقدیس تحمید اور تکبیر سے آباد کرے گا۔ میں اُسی کے ذریعے سے اپنی زمین کو دشمنوں سے پاک کروں گا اور اپنے دوستوں کو اس کا وارث بناؤں گا اور اسی کی بدولت کفر کا کلمہ پست اور حق کا کلمہ بلند کروں گا۔ اُسی کے وسیلہ سے میں اپنے بندوں اور شہروں کو زندہ کروں گا۔ اسی کے لئے میں زمین کے

خزانوں اور ذخیروں کو ظاہر کر دوں گا اور اس کو اپنے ارادہ سے خفیہ اسرار کی اطلاع دوں گا اور اپنے دین کی سربلندی کے لئے ملائکہ سے اس کی تائید کروں گا وہ میرا برحق ولی ہے اور سچ مچ میرے بندوں کے لئے میرا مہدی ہے۔

نیز بروایت ابن بابویہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے معراج کا مقصد دریافت کیا گیا کہ خدا نے کیوں اپنے نبی کو آسمان پر بلایا پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے حجاب ہائے نور تک اور وہاں باتیں ہوئیں حالانکہ وہ کسی مکان کا پابند نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ واقعی خدا کسی مکان و زمان کا پابند نہیں لیکن اس نے اپنے فرشتوں کو شرف بخشنے کے لئے اور آسمانی مخلوق کو رسولِ خدا کے دیدار سے فیضیاب کرنے کے لئے ایسا کیا نیز اپنی عظمت کے عجائبات ظاہر کرنے کے لئے تاکہ زمین پر پہنچ کر وہ لوگوں کو سمجھائیں۔ الخ

تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضورؐ کتنی دفعہ معراج پر تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا کہ دو دفعہ (ممکن ہے یہاں دو سے مطلق تعدد مراد ہو یعنی کئی بار پس گذشتہ روایت سے کوئی منافات نہیں ہو گی) پس ایک مقام پر پہنچ کر جبریل نے کہا کہ ٹھہر جائیے چنانچہ آپ ٹھہر گئے پس جبریل نے کہا یہ وہ مکان ہے جہاں آپ سے پہلے نہ کوئی فرشتہ پہنچا اور نہ کوئی نبی پہنچ سکا ہے اور کہا کہ خدا نماز میں مشغول ہے آپ نے پوچھا اس کی نماز کیا ہے؟ تو جواب دیا اس کی نماز یہ ہے۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ اَنَا رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ۔ یعنی میں لائق تسبیح و تقدیس ہوں اور میں ہی ملائکہ اور روح کا پروردگار ہوں۔ اور میری رحمت میرے غضب سے آگے ہے۔ (آگے چل کر) آپ نے فرمایا میں نے نورِ عظمت پروردگار کا سوراخِ سوزن کی مقدار سے ملاحظہ کیا۔ پھر ارشادِ قدرت ہوا۔ اے محمدؐ! میں نے لبیک کہی تو ارشاد ہوا۔ تیرے بعد تیری امت کا والی کون ہو گا؟ میں نے عرض کی کہ اللہ ہی اس کو جانتا ہے۔ پس ارشاد ہوا کہ علی ابن ابی طالب ہی ہے جو مومنوں کا امیر اور مسلمانوں کا سردار اور نورانیوں کا قائد و رہبر ہے۔ پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابو بصیر۔ خدا کی قسم علی کی ولایت زمین سے نہیں آسمان سے اتری ہے۔

بروایت عیاشی ہارون بن خارجہ بیان کرتا ہے مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم سے مسجد کوفہ کتنی دور ہے میں نے کہا بالکل نزدیک ہے۔ آپ نے فرمایا ایک میل کا اندازہ ہو گا؟ میں نے جواب دیا کہ اس سے بھی قریب ہے تو آپ نے فرمایا کہ تم سب نمازیں وہاں پڑھا کرتے ہو تو میں نے کہا نہیں۔ پس فرمانے لگے اگر میں ہوتا تو کوئی نماز اس کے باہر نہ پڑھتا۔ پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کوئی ملک مقرب نبی مرسل اور عبد صالح نہیں گزرا جس نے مسجد کوفہ میں نماز ادا نہ کی ہو حتیٰ کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ نے بھی شب معراج باذن پروردگار اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔ پس آپ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں۔ اس کے دائیں طرف جنت کا باغ ہے اور اس کے بائیں طرف جنت کا باغ ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس میں ایک فریضہ نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں کے

برابر ہے۔ اس کی نافلہ پانچ سو کے برابر ہے اور اس میں خاموش بیٹھنا بھی عبادت ہے۔ پھر انگلی کو گھما کر فرمایا۔ مسجدوں کے بعد کوفہ سے افضل کوئی جگہ نہیں ہے۔

بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ شب معراج ایک مقام پہنچ کر جبریل ٹھہر گئے آپ نے فرمایا اے جبریل اس عالم تنہائی میں تو بھی مجھے چھوڑ رہا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ آپ چلیں خدا کی قسم یہ وہ مقام ہے جہاں آپ کے علاوہ کوئی نہ پہنچ سکا۔

ایک روایت میں ہے جو ذاکرین و واعظین کی زبان پر عام مشہور ہے اور اس وقت میری زیر نظر کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ جبریل رک گئے تو آپ نے پوچھا کیوں رُک رہے ہو تو جواب دیا کہ اس سے آگے میں نہیں بڑھ سکتا حتیٰ کہ اگر ایک انگلی کی مقدار بھی آگے بڑھوں تو میرے پَر جل جائیں گے۔

تفسیر صافی میں کشف الغمہ سے مروی ہے کہ حضورؐ رسالتمآبؐ سے پوچھا گیا کہ خدا نے شب معراج آپ سے کس لہجہ میں گفتگو فرمائی تھی تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت علی کے لہجہ میں۔ چنانچہ میں نے عرض کی تھی اے پروردگار تو میرے ساتھ ہمکلام ہے یا علی ہے تو ارشاد ہوا، اے احمد۔ میں وہ ہوں کہ میری مثل کوئی شئے نہیں۔ نہ مجھے لوگوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے اور نہ چیزوں سے میری وصف کی جا سکتی ہے میں نے تجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور علی کو تیرے نور سے پیدا کیا۔ میں تیرے دل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ تیرے دل میں علی بن ابی طالب سے زیادہ کسی کی محبت نہیں ہے۔ پس میں نے اسی کے لہجہ میں تجھ سے گفتگو کی ہے تاکہ تیرا دل مطمئن رہے اور اسی معنی کی حدیث ینابیع المودۃ سے بھی نقل کی جاتی ہے۔

حضرت علیؑ کی مثال

تفسیر برہان میں ابوبریدہ اسلمی سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ اے علیؑ تجھے خدا نے سات مقامات پر میرے ساتھ حاضر کیا ہے۔

پہلا مقام۔ جب میں شب معراج آسمان پر پہنچا تو جبریل نے مجھ سے دریافت کیا۔ اَیْنَ اَخُوْکَ۔ یعنی تیرا بھائی کہاں ہے تو میں نے کہا کہ پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں تو اس نے کہا اللہ سے دُعا مانگو کہ وہ اس کو یہاں حاضر کردے۔ چنانچہ میں نے دُعا مانگی فَاِذَا مِثْلُکَ مَعِیْ۔ پس اچانک تیری مثال میرے ساتھ موجود تھی۔

دوسرا مقام۔ جب میں دوبارہ معراج پر گیا تو جبریل نے پوچھا تیرا بھائی کہاں ہے تو میں نے جواب دیا پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں اس نے کہا اللہ سے دعا مانگو کہ وہ اس کو لے آئے چنانچہ میں نے دعا مانگی تو تیری مثال میرے ہمراہ تھی۔ پس آسمانوں کے پردے اُٹھا دیئے گئے۔ تو میں نے اس کے ساکن آبادیاں اور ہر فرشتہ کی قیام گاہ کا معائنہ کیا۔

تیسرا مقام۔ جب میں قوم جن کی طرف بھیجا گیا تو جبریل نے کہا۔ تیرا بھائی کہاں ہے میں نے کہا پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ پس جبریل کی خواہش پر میں نے دُعا کی پھر دیکھا تو میرے ہمراہ تھا اس کے بعد ان کے ہمراہ جسقدر گفتگو ہوتی

رہی تو سنتا رہا۔

چوتھا مقام۔ لیلۃ القدر میں تو میرا شریک ہے اور کوئی نہیں۔

پانچواں مقام۔ نبوت کے علاوہ ہر بات میں تو میرا شریک ہے۔

چھٹا مقام۔ جب میں نے آسمان پر نبیوں کو نماز پڑھائی تو تیری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔

ساتواں مقام۔ احزاب کی ہلاکت ہمارے ہاتھوں پر ہوئی۔

مجالس شیخ سے مروی ہے حضرت علی علیہ السلام خود بیان فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآبؐ نے مجھے فرمایا کہ شب معراج ہر آسمان پر فرشتے مجھے مبارکباد کہتے رہے اور جبریل نے ملائکہ کے ایک جم غفیر کے ہمراہ یہ بات کہی؛ لَوِاجْتَمَعَتْ اُمَّتُكَ عَلٰى حُبِّ عَلِيٍّ مَا خَلَقَ اللّٰهُ النَّارَ۔ یعنی اگر تیری اُمت علی کی محبت پر جمع ہو جاتی تو خدا دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ اے علی خدا نے سات مقامات پر تجھے میرے ساتھ حاضر کیا کہ میں مانوس ہوگیا۔ پس حدیث سابق کی طرح مقامات گنوائے۔ اس میں پانچواں مقام یہ بیان کیا کہ جب میں اللہ سے مناجات کر رہا تھا۔ اس وقت بھی تیری مثال میرے ساتھ تھی اور میں نے تیرے لئے کچھ چیزیں طلب کیں۔ چنانچہ سوائے نبوت کے اس نے سب قبول فرمائیں اور فرمایا کہ نبوت تیرا ہی خاصہ ہے اور تو اس کا خاتم ہے اور چھٹا مقام یہ کہ جب میں نے البیت المعمور کا طواف کیا تو تیری مثال میرے ساتھ تھی۔ پس ساتواں مقام حسب سابق بیان کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ خدا نے دنیا کی طرف نظر کی تو مجھے عالمین کے مردوں پر منتخب فرمایا پھر تجھے چنا پھر فاطمہ کو تمام عالمین کی عورتوں سے برگزیدہ کیا پھر حسنؑ و حسینؑ و باقی آئمہ کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا اے علی میں نے دیکھا ہے کہ چار مقامات پر تیرا نام میرے نام کے ساتھ مسطور و مذکور ہے اور میں اُسے پڑھ کر مانوس ہوا ہوں۔

(۱) میں شب معراج جب بیت المقدس میں پہنچا تو پتھر پر لکھا ہوا دیکھا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَيَّدْتُهٗ بِوَزِيْرِهٖ وَنَصَرْتُهٗ بِهٖ۔ میں نے پوچھا اے جبریل میرا وزیر کون ہوگا تو وہ کہنے لگا کہ علی ابن ابی طالب۔

(۲) مجمع النورین مصنفہ شیخ ابوالحسن نجفی میں ہے۔ سدرۃ المنتہی پر یہی کلمات تحریر تھے۔

(۳) جب سدرۃ المنتہی سے چل کر عرش کے قریب پہنچا تو ساق عرش پہ لکھا ہوا پایا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا اللّٰهُ وَحْدِيْ مُحَمَّدٌ حَبِيْبِيْ وَصَفْوَتِيْ مِنْ خَلْقِيْ اَيَّدْتُهٗ بِوَزِيْرِهٖ وَاَخِيْهِ وَنَصَرْتُهٗ بِهٖ۔ یعنی میرے سوا کوئی الٰہ نہیں میں اللہ ایک اکیلا ہوں۔ محمد میرا حبیب اور تمام مخلوق سے برگزیدہ ہے میں نے اس کی تائید اس کے وزیر اور بھائی کے ساتھ کی اور میں نے اس کو اس کا مددگار بنایا ہے۔

(۴) میں نے جنت میں شجرۂ طوبیٰ کو دیکھا جس کی اصل علی کے گھر میں ہے اور جنت کے ہر محل میں اس کی شاخیں ہیں۔ اور اس کی اصل سے پانی دودھ شراب اور شہد کی چار نہریں جاری ہیں۔ بروایت مجالس شیخ آپ نے فرمایا۔

اے علیؑ اللہ نے تیرے لئے مجھے سات چیزیں عطا کیں۔

(۱) میں پہلا شخص ہوں جو قبر سے باہر آؤں گا اور تو میرے ہمراہ ہوگا (۲) تو پہلا شخص ہے جو پل صراط پر میرے ہمراہ کھڑا ہوگا اور دوزخ سے کہے گا۔ خُذِیْ فَھُوَ لَکِ وَذَرِیْ فَلَیْسَ ھُوَ لَکِ ۔یعنی اس کو لے کہ وہ تیرا ہے اور اس کو چھوڑ دے کہ یہ تیرا نہیں ہے (۳) تو پہلا شخص ہے جس کو میرے ہمراہ لباس پہنایا جائے گا اور میرے ساتھ زندہ ہوگا (۴) تو پہلا شخص ہے جو عرش کے دائیں جانب میرے ہمراہ کھڑا ہوگا (۵) تو پہلا شخص ہے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا (۶) تو پہلا شخص ہے جو جنت کے مقام علیین میں میرے ہمراہ جاکر سکون پذیر ہوگا (۷) تو پہلا شخص ہے جو رحیق مختوم سے پئے گا جس پر کستوری کی مہر ہوگی۔

امالی شیخ سے مروی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جب میں مقام قاب قوسین پر پہنچا تو ارشاد ہوا تو سب سے زیادہ دوست کس کو رکھتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ علیؑ کو۔ تو ارشاد ہوا کہ مڑ کر دیکھو۔ چنانچہ میں نے جو دیکھا۔ تو میرے بائیں جانب علی موجود تھے۔

کیا حضرت علیؑ شریک معراج تھے

دورِ حاضر کی موشگافیوں میں سے ایک مثال یہ بھی ہے کہ عقیدۂ معراج پیغمبرؐ میں عقیدۂ معراج علیؑ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جس طرح حقیقت عاز میں تصرف کرتے ہوئے شہادت ولایت کو جزو تشہد سمجھ لیا گیا ہے۔ بدلگام مقرر اور بے مہار مولوی عقائد مذہب اور احکام شریعت میں اپنے اختراعات کو داخل کر کے ملت جعفریہ کے چہرہ کو مسخ کرنا اپنا محبوب مشغلہ سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ اس قسم کی جذباتی جزئیات کو ناعاقبت اندیش عوام سے خراج تحسین حاصل کرنے کے لئے اپنے تفوق علمی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ پس شیطان ان کے اذہان میں اس قسم کے خیالات کی وحی کرتا ہے اور وہ بلادریغ ان کا لوگوں میں پرچار کر کے ان کے عقائد واعمال کا ستیاناس کرتے ہیں۔ ان الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ ۔ الخ

مذہب امامیہ میں معراج کا انکار کفر ہے کیونکہ اس کا وجوب ضروریات مذہب میں سے ہے۔ نیز یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ معراج پر جانا حضرت رسالت مآبؐ کا خاصہ ہے۔ اور ان کے مختصات میں سے ہے اور یہ شرف سوائے حضورؐ کے اور کسی کو نہیں مل سکا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ نے جو کلام فرمایا وہ لہجہ علیؑ میں تھا جیسا کہ کتب میں مسطور ہے۔

البتہ مقام اشتباہ وہ احادیث ہیں جن میں حضرت علی کا وہاں ہونا حضرت رسالت مآبؐ نے خود بیان کیا تو ان کا حل یہ ہے کہ اکثر روایات میں مثال کا لفظ موجود ہے۔ جس طرح کہ گذشتہ روایات میں صاف مذکور ہے اور بعض روایات میں بارہ اماموں کے مثالی اجسام کا عرش پر موجود ہونا بھی مذکور ہے کہ فضائے نور میں مشغول عبادت پروردگار تھے چنانچہ تفسیر کی تیسری جلد ص۱۸۵ پر ہم نے بھی ایک روایت ذکر کی ہے۔ نیز ہر آسمان پر حضرت علی کی تمثال کا ہونا بھی نقل کیا جاتا ہے اور یہ کہ خدا نے ہر آسمان پر حضرت علیؑ کی شکل کا ایک فرشتہ پیدا کیا ہے کہ آسمانی فرشتے اس کی

زیارت سے حضرت علیؑ کی زیارت کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ بہرکیف یہ سب ممکن ہے۔ لیکن اس سے نہ تو حضرت علیؑ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ شریک معراج ہونا لازم آتا ہے۔ اور امالی شیخ کی روایت جس میں مثال کا ذکر نہیں۔ اس کا مقصد علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حجابات سماوی کو اٹھا دیا گیا۔ پس آپ نے جہاں باقی ممکنات عالم کا ملاحظہ فرمایا وہاں حضرت علیؑ کو اپنے پاس موجود پایا۔ یعنی حضرت علی اپنے گھر میں اپنے بستر پر سوتے ہوئے حضرت رسالت مآبؐ کو مقام قوسین پر اپنے پاس نظر آرہے تھے۔ چنانچہ بحار الانوار جلد ہفتم کی عمار والی روایت کا صریحی مفہوم یہی ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَیْلَۃَ اُسْرِیَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ وَصِرْتُ کَقَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی اَوْحَی اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اَنِ الْتَفِتْ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا بِعَلِیٍّ وَاقِفٌ مَعِیْ وَقَدْ خُرِقَتْ حُجُبُ السَّمٰوٰتِ وَعَلِیٌّ وَاقِفٌ رَافِعٌ رَاْسَہٗ یَسْمَعُ مَا یَقُوْلُ فَخَرَرْتُ لِلّٰہِ سَاجِدًا۔

حضورؐ نے فرمایا جس رات مجھے آسمان پر لے جایا گیا اور میں مقام قاب قوسین پر پہنچا یا اس سے بھی قریب تو خدا نے وحی کی کہ مڑ کر دیکھ جو میں نے مڑ کر دیکھا تو علی میرے پاس کھڑے تھے کہ آسمانوں کے پردے پھٹے اور علی سر بلند کئے ہوئے سن رہے تھے جو خدا کہتا تھا۔ پس میں سجدہ پروردگار میں جھک گیا۔

بہرکیف معراج پر صرف حضرت رسالت مآبؐ ہی تشریف لے گئے اور یہ ان کا مخصوص شرف ہے ورنہ اگر حضرت علی خود بنفس نفیس وہاں موجود ہوتے تو پیغمبر کی تسلی کے لئے لہجہ علی اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ خود ذات علی کا وجود حضورؐ کی مانوسیت کے لئے کافی تھا۔ نیز آپؐ کا یہ فرمانا کہ یا علی تو میرے ہمراہ تھا بے معنی ہو جائے گا۔ کیونکہ ساتھ ہونے والے کو خبر دینا کہ تو میرے ساتھ تھا اس وقت صحیح ہوتا ہے کہ یا تو اسے یہ سفر فراموش ہو چکا ہو یا کسی خاص دوسرے امر کی طرف اشارہ مقصود ہو۔ حالانکہ یہاں نہ بھول چوک کو دور کرنا مقصود ہے اور نہ کوئی دوسری چیز محل اشارہ ہے بلکہ خود حضرت علی کی معیت ہی مقصود بیان ہے تو اس کا صاف مقصد یہی ہے کہ پردے ہٹ چکے تھے اور تجھے میں اپنے ہمراہ ہی سمجھ رہا تھا۔ نیز حضرت علیؑ اگر معراج پر تشریف لے گئے ہوں تو زمین خدا کا حجتِ خدا سے خالی ہونا بھی لازم آتا ہے جس طرح کہ بعض علماء نے ذکر فرمایا ہے۔ اگر حضرت علیؑ خود ہمراہ ہوتے تو بجائے حضرت علیؑ کو جتلانے کے حضورؐ آتے ہی قصہ معراج بیان کرتے وقت کفار قریش کے سامنے یہی بیان کرتے کہ ہم دونوں بھائی گئے تھے اور اس کی تصدیق کفار دونو سے معلوم کرتے۔ پھر تمام صحابہ کے سامنے جب بیان ہوا تو اسی انداز بیان کو ملحوظ رکھا جاتا۔ نیز حضرت علی نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں شریک معراج ہوں اور یہ کہ میں فلاں فلاں مقام پر پیغمبرؐ کے ہمراہ گیا تھا۔ پس جس طرح حضورؐ اپنے معراج کے چشم دید مناظر بیان فرماتے تھے حضرت

علیؑ بھی پیغمبرؐ سے نقل کرنے کی بجائے اپنا چشم دید واقعہ کہہ کر بیان فرماتے لہذا اس طرح نہ فرماتے کہ حضورؐ نے فرمایا یا علی تو میرے ساتھ سات مقامات میں موجود تھا بلکہ فرماتے میں حضورؐ کے ہمراہ ہی سات مقامات پر موجود تھا۔ پس یہ سب باتیں اس امر کا قرینہ ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کی نورانی تمثال دیکھی یا یہ کہ حجابات ہٹے تو حضرت علی کو اپنے مقام پر وہیں سے دیکھا جس طرح باقی ملکوت سماوی کی سیر فرمائی پس اس مسئلہ پر طبع آزمائی کی ضرورت ہے نہ باہمی سر پھٹول کی حاجت معراج پیغمبرؐ کا عقیدہ ضروریات مذہب سے ہے اور تفصیلات کا صحیح علم اللہ جانے یا اُس کا رسولؐ۔

اس میں شک نہیں کہ حدیث معراج میں حضرت علی علیہ السلام کے بڑے بڑے فضائل موجود ہیں۔ اور حضرت علی کی تمثال کا ہر آسمان البیت المعمور پر یا عرش پر یا مقام قاب قوسین پہ ہونا نیز آپ کے لہجہ میں پروردگار کا کلام کرنا ایسی فضیلت ہے جس میں آپ کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح شجرہ طوبیٰ کا علی کے گھر میں ہونا اور ہر جنتی کے گھر میں اسی کی شاخ کا ہونا حضرت علی کی اخروی حکومت کی طرف اشارہ ہے۔ کتاب مجمع النورین ص۴۵ میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ میں نے زیر عرش اونٹوں کی ایک بہت بڑی قطار دیکھی جس کی ابتداء و انتہا معلوم نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک اونٹ پر بھار لدا ہوا تھا۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ اونٹ کس لئے ہیں اور ان پر بوجھ کس قسم کا ہے تو اس نے جواب دیا یہ سب تیری دختر نیک اختر فاطمہ کا جہیز ہے میں نے پوچھا ان میں کیا چیز بند ہے تو اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پس میرے حکم سے ایک اونٹ کو بٹھایا گیا جب بھار کھولا تو کتابیں تھیں اور ہر ایک اونٹ پر ایک ہزار کتاب کا بھار تھا اور ہر کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کی ایک ہزار فضیلت درج تھی۔

اس سے قبل ایک روایت معصوم سے گذر چکی ہے کہ ایک سو بیس مرتبہ آپ کو معراج ہوئی اور ہر بار حضرت علی کی خلافت وولایت کی خدا نے تاکید فرمائی۔ چونکہ احکام شرعیہ فرعیہ کی بہ نسبت مسئلہ امامت بقاء اسلام کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل تھا۔ اس لئے بعید از قیاس نہیں بلکہ عین قرین عقل ہے یہ بات کہ مسئلہ ولایت وامامت معراج کی گفتگو کا اہم باب ہوا اور اسے ہونا بھی چاہیئے اور حضورؐ نے مقام بیان میں جابجا حسب موقعہ و محل اس کا اظہار بھی فرمایا۔ پس نیک بخت لوگوں نے حضورؐ کے فرمان کو واجب الاذعان قرار دیکر علی کو اپنا امام وہادی تسلیم کر لیا اور بدبخت یا سر پھرے شکی مزاج افراد نے ان باتوں پر کان دھرنے کی بجائے اقتدار کی ہوس پرستی یا صاحبانِ اقتدار کی کاسہ لیسی کو مآلِ زندگی قرار دے لیا۔ بعض لوگ حضرت علی کے معراج پر جانے کو ثابت کرتے کے لئے جناب رسالتمآبؐ کے اس فرمان کو پیش کرتے ہیں کہ نبوت اصل ہے اور امامت فرع ہے۔ پس جب نبی معراج پر تشریف لے گئے تو جو فرع تھی اسے پہلے وہاں پہنچنا چاہیئے لیسے عقل کے اندھوں کو کیا سمجھایا جائے جو ایسی

واضحات کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ نبوت کے علوم و حقائق امامت کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتے ہیں جسطرح درخت کے ثمرات اس کی فرعات کی بدولت حاصل ہوتے ہیں اسی طرح درخت کا سایہ شاخوں کے ذریعہ سے ہوا کرتا ہے۔ بہرکیف نبوت سے فیوض حاصل کرنے کا وسیلہ امامت ہے۔ پس اس کو سچ مچ درخت قرار دیکر امامت کو نبوت سے آگے بڑھانا کور باطنی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور مقررین کے خطابیات کو عقائد مذہب کا اساس قرار دینا عاقبت نااندیشی ہے۔ کیونکہ کسی تشبیہ میں بھی مشبہ کو مشبہ بہ کی تمام خصوصیات کا حامل نہیں قرار دیا جاتا بلکہ ایک مخصوص و اہم عادت و خصلت کو وجہ شبہ قرار دیا جاتا ہے پس اگر کسی کو شیر سے تشبیہ دی جائے تو یہ مقصد نہیں ہوتا کہ شیر کے تمام اوصاف و خواص اس میں موجود ہیں حتیٰ کہ اس کو دُم بھی لگی ہوئی ہے بلکہ مقصد صرف اس میں شجاعت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اس مقام پر نبوت درخت کی اصل سے اور امامت کو اس کی فرع سے تشبیہ نبوت کے اہم کردار کی ادائیگی کی بنا پر ہے اور وہ ہے تبلیغ و ہدایت یعنی امام امت تک وہی احکام پہنچاتا ہے اور ان امور کی تبلیغ کرتا ہے جو نبوت کے مقصد میں داخل تھے۔ پس جس طرح درخت کی شاخیں وہی پھل پیش کرتی ہیں جو اس کی اصل سے مناسب ہو، اسی طرح امامت کی زبان سے یا ان کے عمل سے ایسا امر ظاہر نہیں ہو سکتا جو مقصد بعثت نبوت کے منافی ہو۔ چنانچہ حضرت رسالت مآبؐ نے عمار سے فرمایا تھا۔ اگر تمام لوگ ایک وادی میں ہوں اور صرف علی دوسری وادی میں ہو تو تمام لوگوں کو چھوڑ کر علی کے پیچھے چلنا کہ علی تجھے کبھی ہدایت سے دور نہ کرے گا اور تجھے گمراہی میں نہ ڈالے گا۔

اگر یہاں درخت اور شاخ کی مثال سے دھوکا کھا کر حضرت علی کا معراج ثابت کیا جائے تو صرف علی کا نہیں بلکہ بارہ اماموں کا معراج ثابت ہو جائے گا اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ تمام سادات اولاد رسول کا معراج بھی ماننا پڑے گا کیونکہ یہ سب اسی درخت کی شاخیں ہیں بلکہ تمام شیعہ بھی اس شرف میں داخل ہو جائیں گے کہ اس درخت کے پتے ہیں بلکہ ان کو تو شاخوں سے بھی اونچا ہونا چاہیئے۔ اسی جلد میں سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۴ کی تفسیر میں کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ۔ الخ۔ کے تحت حدیث مذکور کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ بہرکیف اس قسم کے خطابیات مذہب کی اساس نہیں بن سکتے۔ معراج حضرت رسالت مآبؐ کا مخصوص شرف ہے اس میں آپؐ کا کوئی شریک نہیں یہ کہنا کہ وہاں حضرت علی کے ہاتھ کے مشابہ ایک ہاتھ ظاہر ہوا۔ اور انگوٹھی ظاہر ہوئی وغیرہ بالکل غلط اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ مذہب شیعہ اس قسم کی بے سروپا حکایات سے مبرا و منزہ ہے اور حضرت علیؑ کی فضیلت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ لہجہ علی کا تھا اور بولنے والا اللہ تھا اور رسولؐ سے جسقدر باتیں ہوئیں ان میں خلافت علی کا عہد سرفہرست تھا۔ واللہ اعلم

از جناب فخر الواعظین مولانا محمد بخش خان صاحب جھمکانہ (سائل)

یارب تو اس حقیر کو اب دل کا چین بخش
جس میں ہو تیری معرفت مجھ کو وہ عین بخش
اہل دلا کو پڑھنے کی توفیق کر عطا
تفسیر لکھ رہے ہیں جو قبلہ حسین بخش
پروردگار ہے تیری رحمت کا آسرا
سائل کے سب گناہ بحقّ حسینؑ، بخش

حقوق الطبع محفوظة اشاعت سوم سنہ ۱۹۸۴ء

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَینِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِی اَھلُبَیتِی

شیعانِ آلِ محمد خصوصاً واعظین ومبلغین کے لئے نادر ونایاب تحفہ

فروری سنہ ۱۹۹۵

اَلْمُجَلَّدُ التَّاسِعُ مِنْ تَفْسِیرِ (۹)

اَنْوَارُ النَّجَف فِی اَسْرَارِ المُصْحَف (۹)

مصنفہ

حجۃ الاسلام والمسلمین آیۃ اللہ علامہ حسین بخش جاڑا مجتہد العصر

بانی :- جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

ناشر مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر رجسٹریشن ۶۴ء

سجاد ناظم پرنٹنگ پریس مفتی محلہ جھوانہ بازار فیصل آباد فون ۶۱۱۹۰۷۲ ہدیہ غیر مجلد قیمت /۱۱۰ روپے

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	دعوتِ حق	۵
۲	سورہ بنی اسرائیل رکوع نمبر ۱	۶
۳	بارکنا کی تفسیر	۸
۴	بنی اسرائیل کے فسادات	۱۱
۵	ولائے علی	۱۳
۶	رکوع نمبر ۲	۱۹
۷	رکوع نمبر ۳ حقوق والدین	۲۰
۸	حدیث فدک	۲۲
۹	ذوالقربیٰ	۲۳
۱۰	[illegible]ت سے منع	۲۴
۱۱	رکوع نمبر ۴ قتل اولاد سے منع	۲۵
۱۲	زنا سے منع	۲۶
۱۳	قتل کی حرمت	۲۷
۱۴	مال یتیم کے کھانے سے منع	۲۸
۱۵	حجیت خبر واحد	۲۹
۱۶	اعضا کی گواہی	۳۰
۱۷	عبرت و نصیحت	۳۱
۱۸	رکوع نمبر ۵	۳۳
۱۹	سواری کے حقوق	۳۴
۲۰	رکوع نمبر ۶	۳۶
۲۱	شجرۂ ملعونہ	۳۸
۲۲	رکوع نمبر ۷ ذکر سجدۂ آدم	۴۰
۲۳	دعوتِ توحید	۴۱
۲۴	انسان کی کرامت	۴۲
۲۵	رکوع نمبر ۸ مقام امام	۴۳
۲۶	عصمت انبیاء	۴۵
۲۷	رکوع نمبر ۹ نماز کا بیان	۴۷
۲۸	واجب نمازیں	۴۸
۲۹	نماز آیات	۴۸
۳۰	نماز پنجگانہ کی تفصیل	۵۰
۳۱	نماز تہجد	۵۱
۳۲	اذان واقامت	۵۴
۳۳	طریقہ نماز	۵۵
۳۴	شکیاتِ نماز	۵۶
۳۵	سجدۂ سہو	۵۹
۳۶	مبطلات نماز	۵۹
۳۷	تعقیباتِ نماز	۶۰
۳۸	مقام محمود	۶۰
۳۹	کامیابی کے لئے دعا	۶۲
۴۰	بُت شکنی	۶۲
۴۱	قرآن شفا ہے	۶۵
۴۲	رکوع نمبر ۱۰ روح کے متعلق سوال	۶۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۴۳	روح کی حقیقت	۶۷
۴۴	کفار کا ردّ عمل	۷۱
۴۵	رسول بشر	۷۲
۴۶	رکوع نمبر ۱۱، بشریت در رسالت	۷۳
۴۷	رکوع نمبر ۱۲ آیاتِ موسیٰ	۷۵
۴۸	سورہ کہف کے فضائل	۷۹
۴۹	رکوع نمبر ۱۳	۸۰
۵۰	اصحاب کہف	۸۱
۵۱	قصۂ اصحاب کہف	۸۲
۵۲	حدیثِ بساط	۸۳
۵۳	رکوع نمبر ۱۴	۸۴
۵۴	رکوع نمبر ۱۵	۸۸
۵۵	رکوع نمبر ۱۶	۹۲
۵۶	غرباء سے ہمدردی	۹۴
۵۷	امراء طبقہ کو نصیحت	۹۶
۵۸	درس آموز مثال	۹۷
۵۹	رکوع نمبر ۱۸	۱۰۰
۶۰	رکوع نمبر ۱۹	۱۰۲
۶۱	رکوع نمبر ۲۰ اتمام حجت	۱۰۳
۶۲	رکوع نمبر ۲۱ موسیٰ و خضر کا قصہ	۱۰۶
۶۳	سوال و جواب	۱۱۰
۶۴	عظمت علم	۱۱۱
۶۵	رکوع نمبر ۲۲	۱۱۲
۶۶	پارہ ۱۶، رکوع نمبر ۱	۱۱۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۶۷	حضرت خضر کی طولانی زندگی	۱۱۸
۶۸	رکوع نمبر ۲ ذوالقرنین کا ذکر	۱۲۳
۶۹	انوار علیہ	۱۲۸
۷۰	رکوع نمبر ۳، مشرکین کو تہدید	۱۳۰
۷۱	شرکِ عملی سے منع	۱۳۲
۷۲	سورۂ مریم کے فضائل	۱۳۵
۷۳	رکوع نمبر ۴، حضرت زکریا کا ذکر	۱۳۶
۷۴	حضرت امام حسینؑ اور حضرت یحییٰؑ میں مشابہت	۱۳۸
۷۵	حضرت زکریا کی دعا	۱۴۰
۷۶	رکوع نمبر ۵، عیسیٰؑ کی ولادت	۱۴۲
۷۷	تنبیہ غلو اور تفریط کا انجام	۱۴۷
۷۸	رکوع نمبر ۶، حضرت ابراہیم کا ذکر	۱۵۱
۷۹	لفظ اب کی وضاحت	۱۵۱
۸۰	حضرت ابراہیمؑ کی دعا	۱۵۴
۸۱	رکوع نمبر ۷، حضرت موسیٰ کا ذکر	۱۵۵
۸۲	ولاءِ آلِ محمد	۱۵۵
۸۳	اسماعیل کا ذکر	۱۵۶
۸۴	ادریس کا ذکر	۱۵۷
۸۵	رکوع نمبر ۸	۱۶۱
۸۶	جہنم پر ورود	۱۶۲
۸۷	لفظ کلّا کی تحقیق	۱۶۴
۸۸	رکوع نمبر ۹ جنت میں داخلہ	۱۶۵
۸۹	وصیت نامہ	۱۶۶
۹۰	سورہ طٰہٰ کے فضائل	۱۶۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۹۱	رکوع نمبر۱۰ طٰہٰ کی تفسیر	۱۶۰
۹۲	توحید کا بیان	۱۶۱
۹۳	حضرت موسیٰ کا ذکر	۱۶۲
۹۴	نورانی لطیفہ	۱۶۵
۹۵	عصا کے معجزے	۱۶۶
۹۶	رکوع نمبر۱۱ ، وزارتِ ہارون	۱۶۸
۹۷	موسیٰ کی ولادت	۱۸۰
۹۸	رکوع نمبر۱۲	۱۸۷
۹۹	رکوع نمبر۱۳	۱۹۲
۱۰۰	ولاءِ آلِ محمد	۱۹۳
۱۰۱	رکوع نمبر۱۴	۱۹۷
۱۰۲	حضرت علیؑ نے تلوار کیوں نہ اٹھائی	۱۹۹
۱۰۳	رکوع نمبر۱۵	۲۰۲
۱۰۴	رکوع نمبر۱۶	۲۰۵
۱۰۵	برزخ کا بیان	۲۰۷
۱۰۶	رکوع نمبر۱۷	۲۰۹
	پارہ ۱۷	
۱۰۷	سورہ انبیاء کے فضائل ۔	۲۱۴
۱۰۸	رکوع نمبر۱	۲۱۵
۱۰۹	رسول و بشر	۲۱۶
۱۱۰	رکوع نمبر۲	۲۱۸
۱۱۱	توحید باری	۲۲۰
۱۱۲	تنبیہ	۲۲۱
۱۱۳	رکوع نمبر۳	۲۲۲
۱۱۴	افلاک	۲۲۳
۱۱۵	ذکرِ موت	۲۲۴
۱۱۶	رکوع نمبر۴	۲۲۶
۱۱۷	رکوع نمبر۵ ذکر ابراہیمؑ	۲۲۹
۱۱۸	بت شکنی کا واقعہ	۲۳۰
۱۱۹	نارِ نمرودی میں جانے کے وقت آپکی عمر	۲۳۵
۱۲۰	ذکرِ قومِ لوط	۲۳۸
۱۲۱	رکوع نمبر۶	۲۳۹
۱۲۲	داؤد و سلیمان کا ذکر	۲۴۰
۱۲۳	داؤدی فیصلہ	۲۴۰
۱۲۴	وصی کا تعین	۲۴۱
۱۲۵	سلیمان کی حکومت	۲۴۳
۱۲۶	حضرت ایوب کا ذکر	۲۴۴
۱۲۷	حضرت ذوالکفل کا ذکر	۲۴۵
۱۲۸	حضرت یونس کا ذکر	۲۴۶
۱۲۹	طلب اولاد کے لئے	۲۴۷
۱۳۰	حضرت یحییٰ کا زہد	۲۴۹
۱۳۱	حضرت زکریا کی شہادت	۲۵۰
۱۳۲	حضرت علی کی عبادت	۲۵۱
۱۳۳	رکوع نمبر۷ ، نبوت رجعت	۲۵۲
۱۳۴	مشرکین کا انجام	۲۵۳
۱۳۵	شرک کی قسمیں	۲۵۴
۱۳۶	شیعان علی کا انجام	۲۵۶
۱۳۷	رحمۃ للعالمین	۲۵۸
۱۳۸	شان علی	۲۵۹

دعوتِ حق

از نتیجۂ فکر لسان الواعظین مولانا محمد بخش خان صاحب جھکانہ کوٹلہ قائم شاہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

دیکھیے قرآن کی تفسیر انوار النجف — ہے جلا ایمان کی تفسیر انوار النجف

کر دیا بس دَور حاضر کے تقاضوں کو تمام — ہے لکھی اس شان کی تفسیر انوار النجف

دیکھنا ہو حق و باطل میں اگر فرق صحیح — دیکھ لو فرقان کی تفسیر انوار النجف

بالیقین کہتا ہوں میں ہے اہل عرفان کیلئے — رحمتِ یزدان کی تفسیر انوار النجف

آل احمد کے محبو ہے مکمل داستان — آل کے فرمان کی تفسیر انوار النجف

دینِ حق کی معرفت کے واسطے ہے بہترین — راہ بر انسان کی تفسیر انوار النجف

اہلِ دانش کے لیے اس دَور پُر آشوب میں — ہے عطا رحمان کی تفسیر انوار النجف

مکتبہ باب النجف کی یہ مقدس پیش کش — ہے نرالے شان کی تفسیر انوار النجف

یا الٰہی جلد کامل ہو کتاب لاجواب — بہترین عنوان کی تفسیر انوار النجف

شہ نجف کے فیض کی سائی ہے یہ زندہ مثال
ہے سند عرفان کی تفسیر انوار النجف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد الحرام سے

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ

مسجد اقصیٰ تک جس کے ارد گرد کو ہم نے مبارک کیا تاکہ اسے دکھائیں اپنی کچھ نشانیاں تحقیق

هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى

وہ سننے والا جاننے والا ہے اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور اس کو بنایا باعث ہدایت

لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ؕ ②

بنی اسرائیل کے لئے کہ نہ بناؤ میرے سوا کسی کو جائے اعتماد

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ③

یعنی اولاد ان کی جن کو ہم نے اٹھایا ساتھ نوحؑ کے تحقیق وہ شکر گزار بندہ تھا

رکوع نمبر ۱ - سُبْحٰنَ الَّذِيْ - یہ کلمہ تسبیح و تقدیس پروردگار ہے۔ اور مقام تعجب پر بالعموم زبان سے جاری کیا جاتا ہے اس مقام پر چونکہ حضرت رسالت مآبؐ کا مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کرنے کے بعد مقام قاب قوسین تک جانا تعجب ناک تھا اس لئے اس کو سبحان کے لفظ سے شروع کیا گیا۔ اور شیخ ابوالحسن شعرانی محشی تفسیر مجمع البیان نے ذکر کیا ہے کہ معراج کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ حضورؐ عالم بیداری میں بنفس نفیس اسی جسم عنصری کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے تھے اور نیند کی حالت میں خواب کے ذریعے سے معراج کرنے کا قول بالکل باطل ہے کیونکہ اس قسم کا معراج تو ہر شخص کر سکتا ہے اور خواب کا معراج جب عام انسانوں کے لئے باعث تعجب نہیں تو جناب رسالت مآبؐ کے لئے وہ باعث تعجب کیسے ہو سکتا ہے اور آیت مجیدہ میں سبحان کا کلمہ تعجب اس بات کی دلیل ہے کہ معراج حقیقی تھا نہ کہ واقعہ خواب اسی طرح حضرت عائشہ سے جو منقول ہے کہ معراج روحانی تھا چنانچہ آپ فرماتی ہیں کہ اس رات حضورؐ کا جسم اپنے بستر سے غائب نہیں ہوا تھا یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ قول مشہور کے مطابق حضورؐ مکہ مکرمہ سے ہی معراج پر تشریف لے گئے تھے اور اس زمانہ میں

جناب عائشہ حضورؐ کے عقد میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ معراج کا مفصل بیان گزر چکا ہے۔ ج ۵

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔ بروایت مجمع البیان اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس رات آپ حضرت علی کی ہمشیرہ ام ہانی کے گھر میں آرام فرما تھے جو ہبیرہ بن ابو وہب مخزومی کی زوجہ تھیں اور پورے مکہ کے شہر پر مسجد الحرام کا اطلاق ہو سکتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ آپ مسجد الحرام میں ہی محو استراحت تھے۔

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى ۔ مفسرین نے اس سے بیت المقدس مراد لیا ہے اور اس کو اقصٰی اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کا مسجد الحرام سے فاصلہ بہت زیادہ تھا اور بیت المقدس تک کی سیر آپ کے معراج کی انتہا نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت مجیدہ میں صرف بیت المقدس تک جانا ثابت ہے اور احادیث متواترہ کی رو سے وہاں سے قاب قوسین تک جانا ثابت ہے اور چونکہ زمین کی سیر میں بیت المقدس آپ کی آخری منزل تھی چنانچہ پہلے مدینہ میں اگر دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر مسجد کوفہ میں دو رکعت پڑھی اور آخر میں بیت المقدس میں پہنچے پس اس کو سفر ارضی کا انتہا قرار دیا گیا اور آسمانی سفر اس کے بعد شروع ہوا جس کی آیت میں نفی نہیں ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت قمی منقول ہے ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی پھر کعبہ کی طرف دیکھ کر فرمایا سبحن الذی ا ۴ اور تین دفعہ یہ آیت پڑھی پھر اسماعیل جعفی سے پوچھا کہ عراقی لوگ اس کی کیا تفسیر کرتے ہیں (اس سے غالباً کوفی امام مراد ہے) اس نے عرض کی کہ وہ مسجد الحرام سے بیت المقدس تک جانا بیان کرتے ہیں آپ نے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں پس آسمان کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں سے وہاں تک آپ تشریف لے گئے تھے اور درمیان میں سب حرم ہے۔

بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ تمام مساجد میں افضل کون کونسی ہیں تو آپ نے مسجد الحرام اور مسجد الرسول کا نام لیا۔ لوگوں نے مسجد اقصٰی کا نام لیا تو آپ نے فرمایا وہ آسمان میں ہے اور رسولؐ پاک وہاں شب معراج تشریف لے گئے تھے کسی نے عرض کی کہ لوگ تو بیت المقدس کے متعلق کہتے ہیں آپ نے فرمایا اس سے تو مسجد کوفہ بھی افضل ہے۔

مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر اہل بیت میں مسجد اقصٰی سے مراد بیت المعمور ہے جو ملائکہ کیلئے مقام حج و جائے طواف ہے یا اس سے مراد عرش پروردگار ہے جو ملاء اعلیٰ میں تقدیس و تحمید پروردگار کا محل اور فرشتوں کی جائے پناہ ہے اور لغوی لحاظ سے بھی یہی معنی درست بنتا ہے کیونکہ اقصٰی افعل التفضیل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے سب سے دور اور امکانی حدود کے لحاظ سے سب سے دور اسی کو کہا جا سکتا ہے نہ کہ بیت المقدس کو۔ اور جب کسی لفظ کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کیا جا سکتا ہو اور قرائن و آثار بھی اس کی تائید میں ہوں تو بلا وجہ و بلا قرینہ تکلف کر کے اس سے مجازی معنی مراد لینا اور قرائن مخالفہ کو نظر انداز کرنا محض سینہ زوری ہی ہے پس بفرمان اہل بیت مسجد اقصٰی سے وہ جگہ مراد ہے جہاں شب معراج آپ تشریف لے گئے تھے اور احادیث متواترہ بھی اس کی موید ہیں بے شک بیت المقدس میں آپ تشریف لے گئے

لیکن وہ راستہ میں ایک پڑاؤ تھا جس طرح مسجد کوفہ نہ کہ منتہائے سفر۔

بَارَكْنَا حَوْلَهُ ۔ جو لوگ مسجد اقصیٰ سے بیت المقدس مراد لیتے ہیں ان کے نزدیک برکت سے مراد گرد و نواح میں سرسبزی آبادی شادابی، خوش حالی اور باغات و اشجار کی رونق اور میوہ جات کی فراوانی ہے کیونکہ وہاں کے لوگ ان اشیاء ضروریہ کے لئے بیرونی ممالک کے محتاج نہیں ہیں نیز اس اعتبار سے بھی وہ مبارک ہے کہ نبیوں کی عبادت گاہ اور ملائکہ کی فرودگاہ بھی ہے پس تقدیس و تسبیح کی رونقوں سے بہرہ ور اور شرک و کفر کی نجاستوں سے بالاتر ہے گویا دینی و دنیاوی ہر قسم کی برکت کا وہ محل ہے اور اگر مسجد اقصیٰ سے تفسیر اہل بیت کے ماتحت آسمانی مقام سجدہ مراد لیا جائے تو اس کا مبارک ہونا تو معلوم ہی ہے۔

لِنُرِيَهُ ۔ یعنی مقصد معراج یہ تھا کہ حضور کو آیات الٰہیہ دکھائی جائیں چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں بہت کچھ دیکھا۔ آسمان دیکھے مختلف حالات میں عبادت گزار فرشتے دیکھے انبیاء دیکھے جنت و نار دیکھی دریا ہائے نور دیکھے حجاب ہائے قدرت دیکھے اور ان آیات میں سے یہ بھی ایک آیت ہے کہ مختصر وقت میں بہت کچھ دیکھا اور جہاں آسمانوں پر انبیاء سے ملاقاتیں اور ان کو نماز پڑھانا آیاتِ خداوندی میں سے ہے وہاں اپنے اوصیائے طاہرین علیہم السلام کو اشباح نوریہ کے لباس میں بحالت عبادت دیکھنا بھی آیاتِ خداوندی میں سے ہے اور حضرت علی علیہ السلام کا فرمان مَا لِلّٰهِ اٰيَةٌ هِيَ اَكْبَرُ مِنِّيْ (علی ما حکی عنہ الآلی) یعنی اللہ کی کوئی آیت مجھ سے بڑی نہیں ہے تو جہاں دوسری بڑی بڑی آیات دیکھیں وہاں حضرت علیؑ کو بھی دیکھا اور جس معنی دوسری آیات دیکھیں اسی معنی میں حضرت علی کو بھی دیکھا تو جس طرح شب معراج دوسرے انبیاؑ کو دیکھنا ان کیلئے معراج کو ثابت نہیں کرتا اسی طرح آپ کا حضرت علیؑ کو دیکھنا بھی حضرت علیؑ کے معراج کو ثابت نہیں کرتا نیز ذات پروردگار کا حضرت علی کے لہجہ میں کلام کرنا بھی انہی آیات میں سے ہے جو مقصود معراج تھیں، نیز شب معراج میں آپ نے جنت کے دروازہ پر یہ بھی لکھا ہوا دیکھا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَعَلِيٌّ اَخُوْ رَسُوْلِ اللّٰهِ جس کا مکان کے دروازہ پر نام تحریر ہو وہ اس کا مالک سمجھا جاتا ہے معلوم ہوا کہ جنت کا مالک علیؑ ہے پس جنت میں وہی جا سکے گا جو علیؑ کو اپنا پیشوا سمجھتا ہو اور حضورؐ کا ارشاد فریقین نے نقل کیا ہے کہ علیؑ جنت و نار کا قسیم ہے حضرت علی علیہ السلام کو شریک معراج قرار دیکر مسلماتِ مذہب کو ٹھکرانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ حضرت علیؑ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ قصدِ معراج میں حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت محب و محبوب کے باہمی مکالمہ کا اہم موضوع تھا نیز گفتگو کا لہجہ بھی یہی تجویز ہوا، اور پھر پردے ہٹا کر حضرت علیؑ کو وہاں دکھانا قدرتِ پروردگار سے کیا بعید ہے؟ نیز اگر حضرت علیؑ کا معراج دیکھنا ہے تو کعبہ میں دوش پیغمبر پر سواری معراج نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت رسالت آپؐ نے زمین مکہ سے بلند ہو کر فضائے آسمانی کو چیرتے ہوئے عرش عظیم پر جا قدم رکھا اور حضرت علیؑ نے زمین بیت اللہ سے بلند ہو کر فضائے کعبہ کو چیرتے ہوئے دوش پیغمبر بلکہ مہر نبوت پر جا قدم رکھا اگر جبریل نے شب معراج یہ کہا تھا کہ حضورؐ نے وہاں قدم رکھا ہے جہاں آج تک کوئی نبی یا ولی یا ملک نہ پہنچ سکا تو کہنا پڑتا ہے کہ علیؑ نے بروز فتح مکہ وہاں قدم رکھا جہاں کسی کا قدم نہ پہنچ سکا۔

28-05-2001 Mon

وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ فِى ٱلْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى ٱلْأَرْضِ

اور ہم نے آگاہ کردیا بنی اسرائیل کو تورات میں کہ تم فساد کروگے زمین میں دو دفعہ اور

مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ

سرکشی کروگے سخت پس جب آیا ان دو میں سے پہلے وعدے کا وقت تو ہم نے

عِبَادًا لَّنَآ أُو۟لِى بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا۟ خِلَٰلَ ٱلدِّيَارِ ۚ وَكَانَ

بھیجا تم پر اپنے طاقتور بندوں کو پس وہ شہروں کے اندر گھس گئے اور یہ وعدہ

تنبیہ: حضرت موسیٰ کی معراج طور پر تھی اور حضور کی معراج عرش پر ہوئی لیکن خداوند کریم نے ہر مومن کیلئے نماز کو مقام معراج قرار دے دیا اور حضور نے اس کا اعلان عام فرمایا کہ الصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِن - یعنی نماز مومن کے لئے معراج ہے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى - معراج کے ذکر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا ذکر حضرت رسالت مآب کی تسلی کے لئے ہے کہ آپ سے پہلے حضرت موسیٰ کو بھی ہم نے معجزات عطا کئے تھے پس جس طرح لوگوں نے ان کو جھٹلایا اگر آپ کو بھی جھٹلا دیں تو غم زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

وَقَضَيْنَا - یہ قضا سے ہے اور اس کا معنی ہے حتمی فیصلہ کرنا اور اسی لئے قاضی کو قاضی کہا جاتا ہے اس کے علاوہ چند معانی میں مستعمل ہوتا ہے - (۱) پیدا کرنا جیسے **فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ** یعنی پیدا کیا ان کو سات آسمان (۲) واجب کرنا **وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ** اور تیرے رب نے واجب کی ہے یہ بات کہ نہ عبادت کرو مگر اس کی (۳) خبر دینا اور اس آیت میں یہی معنی مراد ہے یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو خبردار کردیا اور تورات میں یہ بات واضح کردی کہ ان کی اولادیں دو دفعہ فساد کریں گی اور سرکشی کا مظاہرہ کریں گی یعنی انبیاء کو قتل کریں گے اور خونریزی کریں گے مفسرین میں اختلاف ہے کہ دو دفعہ کے فسادات کونسے ہیں ایک قول یہ ہے کہ پہلا فساد حضرت ذکریا کا قتل ہے اور دوسرا فساد حضرت یحییٰ کا قتل ہے پس پہلی دفعہ کے فساد کے بعد ان پر ایران کا ایک بادشاہ سابور ذوالاکتاف مسلط ہوا اور دوسری دفعہ کے فساد کے بعد ان پر بابل سے بخت نصر حملہ آور ہوا، اور ان کو تباہ و برباد کیا - دوسرا قول یہ ہے کہ پہلا فساد حضرت شعیا کا قتل اور دوسرا فساد حضرت یحییٰ کا قتل ہے اور پہلی دفعہ ان پر بخت نصر مسلط ہوا اور دوسری دفعہ بابل کا ایک بادشاہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ پہلی دفعہ ان پر جالوت مسلط ہوا تھا جو حضرت داؤد کے ہاتھوں قتل ہوا اور دوسری دفعہ بخت نصر ان پر مسلط ہوا، واقعہ کی تفصیل عنقریب بیان ہوگی۔

بَعَثْنَا - پہلی دفعہ کے فساد کے بعد خدا نے ان پر طاقتور لوگوں کو مسلط کردیا اور خداوند کریم کافروں کو کافروں کے ذریعے بھی سزا دیا کرتا ہے جس طرح بخت نصر کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو سزا دی۔ **فَجَاسُوْا** - یہ جوس سے ہے اور اس کا معنی ہے تلاش کرنا یعنی انہوں نے شہروں میں پھر پھر کر تلاش کیا کہ شاید کوئی ان کی گرفت

وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدۡنَا لَكُمُ الۡكَرَّةَ عَلَيۡهِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ

ہو لینے والا تھا پھر ہم نے پلٹا دی تمہاری نوبت ان پر اور تمہاری ہم نے مدد کی مال و اولاد

وَّبَنِيۡنَ وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا ﴿۶﴾ اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ

کے ساتھ اور تمہاری تعداد کو ہم نے بڑھا دیا اگر تم نیکی کرو گے تو یہ نیکی تم اپنے نفسوں پر کرو گے

وَاِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ وَلِيَدۡ

اور اگر برائی کرو گے تو وہ بھی اپنے لئے پس جب آیا دوسرے وعدہ کا وقت تاکہ بگاڑے تمہارے چہروں کو اور تاکہ

خُلُوا الۡمَسۡجِدَ كَمَا دَخَلُوۡهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا ﴿۷﴾

وہ داخل ہوں شہر میں جس طرح داخل ہوئے تھے پہلی مرتبہ اور تاکہ تباہ کر دیں جس پر بھی وہ غالب آجائیں اچھی طرح

عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ ۚ وَاِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ﴿۸﴾

شاید تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر پلٹو گے تو ہم بھی پلٹیں گے اور ہم نے کیا ہے دوزخ کو کافروں کے لئے قید خانہ

سے بچ گیا ہو نیز جوس اور حوس مترادف استعمال ہوتے ہیں۔

ثُمَّ رَدَدۡنَا تفسیر صافی میں ہے بخت نصر کے چلے جانے کے بعد خدا نے بہمن بن اسفندیار کو بھیجا پس اس نے بنی اسرائیل کے قیدیوں کو بخت نصر سے آزاد کرا کے واپس کیا اور حکومت دانیال کے حوالے کی پس خدا نے ان کو مال و اولاد بھی کثرت سے عطا فرمائی کہ وہ پہلے کی طرح خوش حال ہو گئے۔

اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ ان کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اس کا فائدہ تمہیں ہوگا اور اگر برائی کرو گے تو اس کا انجام بھی تم ہی کو بھگتنا پڑے گا۔

فَاِذَا جَآءَ یعنی جب دوسری دفعہ انہوں نے سرکشی کی اور ظلم و عدوان کو اختیار کیا۔

لِيَسُوۡٓءٗا یہاں شرط کی جزا محذوف ہے یعنی ہم نے تم پر دشمن مسلط کر دیا تاکہ تمہارے چہروں کو بری طرح رسوا کریں یا یہ کہ تمہارے سرداروں اور رئیسوں کو تباہ کریں۔

وَلِيَدۡخُلُوا اس سے معلوم ہوا کہ ہر دو دفعہ دشمن نے بیت المقدس کو خراب کیا تھا۔

وَلِيُتَبِّرُوۡا تتبیر اور تدمیر دو نو مترادف لفظ ہیں اور ان کا معنی ہے ہلاک و برباد کرنا۔ تتبیر کا مجرد تبار اور تدمیر کا مجرد دمار ہے اور اسی مناسبت سے لوہے یا سونے کے ٹکڑے کو تبر کہا جاتا ہے۔

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۔ یعنی دو دفعہ کی گرفت کے بعد توبہ کرکے ثابت قدم رہے تو خدا کے رحم وکرم کے حقدار ہوں گے لیکن اگر پھر سرکش بنے تو خدا کی گرفت دُور نہیں چنانچہ انہوں نے حضرت رسالتمآبؐ کے خلاف بھی سازشوں کے جال بچھائے جس کی پاداش میں گرفتار عذاب ہوئے اور جو فوری گرفت سے بچ گئے وہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہے۔

تذکرہ ۔ سورہ مزمل میں خداوندِ کریم نے اُمّتِ پیغمبر کو اُمّت موسیٰ سے تشبیہ دی ہے بنابریں بنی اسرائیل کے فسادات کی طرح اُمّتِ اسلامیہ میں بھی فسادات رونما ہوئے چنانچہ کافی وعیاشی سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے پہلے فساد سے مراد حضرت امیرالمومنین کا قتل لیا ہے اور دوسرے فساد سے مراد حضرت امام حسن علیہ السلام کے خلاف بغاوت ہے اور بڑی سرکشی سے مراد امام حسین علیہ السلام کا قتل ہے اور خداوند کریم نے حضرت قائم علیہ السلام کے خروج کا وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے ہاتھوں دشمنانِ آلِ محمدؐ کو اپنے کئے کی دنیا میں سزا ملے گی۔

بنی اسرائیل کے فسادات

منقول ہے کہ جب بنی اسرائیل کی بدکاریاں حد سے بڑھ گئیں احکامِ خدا کی مخالفت قتل وغارت گری ظلم وتعدی اور بدعات کی طرف میلان اُن کا شیوہ بن گیا اصلاح کرنے والوں سے تبلیغ کی جرأت سلب کرلی گئی اگر کسی نبی نے زبان کھولی تو حکومتِ وقت کی جانب سے سزائے موت اس کا انجام ہوا پس بعض قتل ہوئے اور بعض کو زمین دوز قید خانوں میں عمر قید کی سزا دی گئی اور بعض ایک وقت کی انتظار کے لئے روپوش رہے بہرکیف ایک وقت تک حکمتِ پروردگار کے ماتحت ان کی رسّی دراز رہی پس خدا نے اُن کی جانب ایک نبی بھیجا جس کا نام شعیاؑ تھا اور یہ حضرت زکریا کے زمانہ سے پہلے تھے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت رسالتمآبؐ کی آمد کی پیشین گوئی کی تھی اس زمانہ میں بنی اسرائیل کا بادشاہ ایک صالح نوجوان تھا جو حضرت شعیا کے وعظ ونصیحت سے متاثر تھا اچانک بادشاہ بیمار ہوگیا تو سخارب نامی ایک بادشاہ نے چھ لاکھ فوج کے ساتھ بیت المقدس پر حملہ کر دیا پس شعیا پیغمبر نے دعا مانگی تو خدا نے بنی اسرائیل کے بادشاہ کو شفا عطا فرمائی اور سخارب کی فوج میں وبا پڑ گئی چنانچہ وہ سب کے سب لقمۂ اجل ہوگئے صرف سخارب اور اس کے چار ساتھی بچ کر بھاگے جن کو گرفتار کرلیا گیا اور بحکمِ پروردگار ان کو رہا کیا گیا تاکہ واپس جاکر اپنی قوم کو اپنی سرگزشت سنائیں اس واقعہ کے پورے سات برس بعد سخارب اپنی موت آپ مرگیا۔ اور اس کا پوتا بخت نصر اس کے تخت کا وارث ہوا اس کی حکومت کے سترہ برس بعد بنی اسرائیل کا بادشاہ مرگیا اور بنی اسرائیل میں تخت وتاج کے معاملہ میں اختلاف وانتشار پھیل گیا اور خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ حضرت شعیا نے ہرچند وعظ ونصیحت کی لیکن وہ نہ مانے اور بالآخر اس کے قتل کے درپے ہوگئے چنانچہ وہ ان کے ڈر سے روپوش ہوگئے۔ بنی اسرائیل کو کسی طرح اُن کا سُراغ مل گیا وہ ایک درخت کے تنے میں چھپے ہوئے تھے پس انہوں نے اس کو آرے سے کاٹ دیا اور وہ شہید ہوگئے اس کے بعد خداوند کریم نے حضرت ہارون کی اولاد سے حضرت ارمیا کو مبعوث فرمایا لیکن ان کی سرکشیوں اور دھاندلیوں کو دیکھ کر انہیں بھی روپوش ہونا پڑا چنانچہ بخت نصر نے اپنے لاؤ لشکر سمیت بیت المقدس کا رُخ کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ زانیہ عورت کا بیٹا تھا اور حرامزادہ تھا، اور سخاریب کے بعد تخت بابل کا مالک ہوا۔ اس نے بیت المقدس کو خراب کیا اور تورات کو جلا دیا حتیٰ کہ مسجد میں مُردے پھینک دیئے اور ستر یا بہتر ہزار انسانوں کا قتل عام کیا ان کے اموال واملاک لوٹ لیئے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو ستر ہزار کی تعداد میں قید کرکے اپنے ہمراہ بابل لایا پس یہ لوگ ایک سو برس تک مجوسیوں کے غلام رہے اور یہ پہلی دفعہ کا عذاب تھا، اس کے بعد خداوند کریم نے اپنے رحم وکرم سے ان کو چھٹکارا دیا چنانچہ بحکم خدا ایران کا ایک نیک دل بادشاہ کورش نامی اُٹھا جس نے بنی اسرائیل کو حکومتِ بابل کے استبدادی شکنجہ سے آزاد کرا کے واپس بیت المقدس پہنچایا اور مسجد کی از سر نو تعمیر کرائی پس اس بادشاہ کے سائے میں وہ ایک سو برس تک نہایت آباد وشاد گناہوں سے کنارہ کش اور اطاعتِ خدا میں سرشار رہے۔ خداوند کریم نے ان کے مال ورزق میں برکت دی نعمتِ اولاد سے ان کو بہرہ ور کیا پس خوب پھلے پھولے اور پھیلے چنانچہ ان کی تعداد میں معتد بہ اضافہ ہوگیا، لیکن جب نعمت خداوندی کے ماتحت بخت یاور ہوا اور رحمتِ پروردگار نے ان کی دستگیری کی تو شیطان نے پھر ان کو کفرانِ نعمت کے راستہ پر لگالیا پس وہ آہستہ آہستہ راہِ حق کو چھوڑنے اور حدود شرعیہ کو توڑنے لگ گئے بدعات نے سر اٹھالیا اور ظلم وتعدی بے راہ روی بے انصافی اور حرام کاری وفحاشی نے ان میں رواج پالیا پس تورات کے احکام کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا گیا اور ہدایت کرنے والوں کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قتل بھی ان کی سرکشی اور بدمستی کا شاخسانہ تھا۔ منقول ہے کہ بنی اسرائیل کا بدکار وعیاش بادشاہ اپنی عورت کی لڑکی کے ساتھ شادی رچانا چاہتا تھا تو حضرت یحییٰ نے اس کو اس فعل بد سے منع فرمایا جب بیگم کو پتہ چلا کہ میری لڑکی کے حرم سرا میں داخل ہونے سے حضرت یحییٰ مانع ہے تو اس نے بادشاہ کو آپ کے قتل کا مشورہ دیا چنانچہ وہ قتل کردیئے گئے اور یہ دوسری دفعہ کا فساد ہے

بہرکیف خدا نے روم کے بادشاہ کو ان پر مسلط کیا جس کا نام انطیاخوس مذکور ہے چنانچہ اس نے شہر کو تباہ کیا، مسجد کو ویران کیا اور ان کے ایک لاکھ اسی ہزار مردوں کو تہِ تیغ کیا اور اس کے بعد مسجد خرابہ بنی رہی یہاں تک کہ خلافتِ ثانیہ کے دور میں اس کو از سر نو تعمیر کیا گیا۔ بعضوں نے حضرت یحییٰ کے قتل کے بعد بنی اسرائیل کی تباہ کاری بخت نصر کے ہاتھوں ذکر کی ہے اور یہ واقعہ ہم نے تفسیر کی تیسری جلد صہ ۱۲۶ پر ذکر کیا ہے اور منقول ہے کہ پہلے اور دوسرے فساد کے درمیان یا بیت المقدس کی پہلی اور دوسری تباہی کے درمیان دوسو دس برس کا فاصلہ تھا اور خلافتِ ثانیہ کے بعد سے بیت المقدس ہمیشہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہا لیکن گزشتہ ۱۹۶۷ء کی عربوں اور اسرائیلیوں کی جنگ میں جہاں عربوں کے اور کافی علاقے اسرائیلیوں کے پاس چلے گئے۔ وہاں بیت المقدس بھی ان کے قبضہ میں آگیا اور اب اس کو بین الاقوامی شہر بنانے کی تجویز زیرِ غور ہے۔

إِنَّ هَـٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ

تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے اس (راہ) کی جو بہت سیدھا ہے اور خوشخبری دیتا ہے مومنوں کو جو

الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ﴿٩﴾ وَأَنَّ الَّذِينَ

نیک اعمال بجا لاتے ہیں کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے اور تحقیق جو لوگ

لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠﴾ ع

نہیں ایمان لاتے قیامت پر ان کے لئے ہم نے تیار کیا ہے دردناک عذاب

ولائے علیؑ

إِنَّ هَـٰذَا الْقُرْآنَ - یعنی قرآن مجید کی دعوت انتہائی سیدھے راستے کی طرف ہے چنانچہ عالم میں جسقدر مذاہب وملل ہیں، سب میں طائر عقل کی پرواز پر پہرہ بٹھایا جاتا ہے پس وہ اپنے مذہبی اصول وعقائد میں تقلیدِ اکابر کے پابند ہیں۔ وہاں اپنے عقائد میں کسی کو کیوں کہنے کی مجال نہیں۔ لیکن دعوتِ اسلامیہ میں طائر عقل کو ہر ممکن کوشش سے پرواز کی دعوت عامہ دی گئی ہے بلکہ قرآن نے متعدد مقامات پر صاحبانِ عقول کو بار بار للکارا ہے اور ببانگ دہل اعلان کیا ہے کہ جس راستے کی اسلام دعوت دیتا ہے۔ یہی تمام راستوں سے زیادہ مضبوط اور سیدھا راستہ ہے چنانچہ توحید پروردگار جو دعوتِ اسلامیہ کی اصل اصیل ہے۔ قرآن نے اس کو بار بار دہرا کر اربابِ عقل و دانش کو غور وفکر کے لئے جھنجھوڑا، اور اور ناقابل تردید نفسیاتی وآفاقی براہین وادلہ پیش کر کے انصاف کو فیصل مقرر فرمایا اور دعوتِ اسلامیہ کے علمبردار حضرت پیغمبرؐ نے پھر ایسے اچھوتے اندازِ بیان سے اپنے مشن کی صداقت وحقانیت کو واضح فرمایا کہ کسی ذی ہوش کے لئے مجالِ انکار نہ رہی اور جن لوگوں نے ازراہِ تعنت وعناد حضورؐ کو جھٹلایا وہ بھی آپ کی تعلیمات میں قدغن کرنے کی جرأت نہ کر سکے اور حضرت رسالتمآبؐ نے جہاں توحید کا پرچم بلند فرمایا اور ساتھ ساتھ اپنی نبوت کے عقیدہ کی وضاحت فرمائی وہاں اپنے بعد کے لئے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کو اپنی ساری امت کا پیشوا وامام نامزد فرمایا چنانچہ ہم نے اس مسئلہ کو تمام مسائل اعتقادیہ کے ساتھ اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں مدلل ومبرہن واضح کیا ہے۔ پس قرآن مجید نے جہاں مسئلہ توحید میں سیدھے راہ کی ہدایت فرمائی وہاں مسئلہ نبوت میں بھی اس نے سیدھا راستہ پیش کیا ہے اب اگر تعیین خلافت کے بھنور میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو قرآن سیدھا راستہ نہ بتلائے تو اس کا اقوم کی ہدایت کا دعویٰ بے معنی ہوگا۔ اور حقائق تاریخ وحدیث اس امر کی شاہد ہیں کہ حضرت علیؑ ہی رسولؐ کے بعد امت کا حقیقی پیشرو ہو سکتا ہے کیونکہ امتِ اسلامیہ میں نہ کوئی علیؑ کی طرح قرآن کے اسرار ورموز کو جان سکتا ہے اور نہ فرمانِ رسالت کی علم وعمل میں مطابقت پیش کر سکتا ہے اور صرف علی ہی ہے جو قرآن ورسولؐ کے فرامین کا عالم وعامل ہے پس وہی امت کا رہبر کامل ہے اور اس کی امامت نبوت کی طرح حدود عالمین کو شامل ہے اور تفسیر اہلبیت میں ہے کہ اس آیت میں اقوم سے مراد ولایت علیؑ ہے

علے - اس مسئلہ کو مدلل اور مبرہن طور پر ہم نے اپنی نو تصنیف کتاب "اسلامی سیاست" میں بیان کیا ہے۔

اور یہ واضح رہے کہ اصول میں سے ہر ایک کا بیان اپنا اپنا مناسب مقام رکھتا ہے پس جب شرک کا زور تھا اور بت پرستی کا چرچا تھا تو حضرت رسالتمآبؐ کی تبلیغ میں زیادہ زور مسئلہ توحید پر تھا اور عنوان بیان یہی ہوا کرتا تھا قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا یعنی کلمہ توحید پڑھو اور جہنم کی آگ سے آزادی کا پروانہ حاصل کرو۔ بنابریں مکہ میں مسئلہ توحید اور عبادتِ پروردگار ہی بیان پیغمبرؐ کا اہم موضوع ہوا کرتا تھا اور اسی زمانہ میں قرآن مجید کی اترنے والی آیات میں زیادہ تر اسی قسم کا بیان تھا جس طرح کہ مکی آیات میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے پس جب دعوتِ توحید کسی حد تک ذہن و دماغ میں اتر چکی اور اسلام کی پہلی اصل دلوں میں گھر کر چکی تو مسئلہ رسالت موضوع بیان بن گیا۔ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ بحث و مباحثہ زیادہ تر اسی مسئلہ کے ماتحت رہا اور مدنی آیات کے مطالعہ سے خوب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں توحید کے ساتھ ساتھ مسئلہ نبوت کو کافی اہمیت دی گئی ہے اور جب یہ عقیدہ بھی مسلمانوں میں راسخ ہو گیا تو حضورؐ نے مسئلہ امامت کی طرف عنان توجہ مبذول فرمائی اور ہر مجمع میں حضرت علیؑ کا مقام واضح کیا، چنانچہ حدیث سفینہ حدیث ثقلین، حدیث مواخات، حدیث طیر، حدیث کساء وغیرہ جو تواتر سے ثابت ہیں اسی سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں اور پھر حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام خم غدیر میں تو صاف اعلان فرما دیا کہ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اور ایک لاکھ بیس ہزار حاجیوں کی موجودگی میں علی کو اپنے بعد امت کا سربراہ بنایا۔ چنانچہ تمام صحابہ نے حضرت علی کو اس عہدہ پر مبارکباد بھی پیش کی۔ پس اسی نظریہ اور طریقہ کے ماتحت منکرین توحید کی کثرت مسئلہ توحید کو اہم کر دیتی ہے اور منکرین نبوت کی کثرت مسئلہ نبوت کے بیان کو اہم بنا دیتی ہے اسی طرح منکرین ولایت کی کثرت اس امر کی مقتضی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل و مناقب کو عام کیا جائے تاکہ گم گشتگانِ راہِ ولایت صراطِ مستقیم کو تلاش کر سکیں اور یہی وجہ ہے کہ شیعی منابر فضائل مرتضوی کے لئے مخصوص کر دیئے گئے اور آل محمدؐ کے فضائل میں ان کے مصائب کے بیان کو بھی بہت بڑا دخل ہے بلکہ درحقیقت مصائب اہل بیت ان کے فضائل کا نکھار و نچوڑ ہیں اور انہی کے ذریعے سے ان کے مناقب کو صحیح طور پر پرکھا جا سکتا ہے پس شیعی مجالس انہی مقاصد کیلئے وقف کر دی گئیں تاکہ ناواقف لوگ ان کے مقام کو سمجھ کر ان سے تمسک پکڑیں اور ان سے ولا رکھنے والے ان کے فضائل و مناقب سن سمجھ کر ان کے نقوشِ قدم کو اپنے لئے مشعل راہ قرار دیں لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ان مجالس کو روح حقیقت سے الگ کر دیا گیا اور دورِ حاضر میں تو یہ مجالس ایک اکھاڑا کی شکل اختیار کر گئیں شیعہ کہلوانے والے آل محمدؐ کے نام سے آشنا ہیں اور ان کے کام سے ناآشنا ان کے فضائل پر خوش ہوتے ہیں لیکن ان کی سیرت کو اپنانے سے گریز کرتے ہیں۔ ان کو نیکوں سے محبت ہے نیکی سے نہیں بُروں سے نفرت ہے برائی سے نہیں اسی طرح حسینؑ سے محبت ہے حسینیت سے نہیں اور یزید سے نفرت ہے لیکن یزیدیت سے نفرت نہیں ہے حالانکہ درحقیقت یہ مجالس و محافل ناموس اسلام کی بقاء کی خاطر معرض وجود میں آئیں چنانچہ آیت ۷۶ کی تفسیر کے ذیل میں بروایت ابن بابویہ تفسیر برہان میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ مَنْ تَذَكَّرَ مُصَابَنَا فَبَكٰى اَوْ اَبْكٰى لَمْ تَبْكِ عَيْنُهُ يَوْمَ تَبْكِي الْعُيُوْنُ وَمَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يُحْيٰى فِيْهِ اَمْرُنَا لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ يَمُوْتُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ۔ ترجمہ: جو ہماری مصیبت کو یاد کرے پس

خود روئے یا کسی کو رلائے تو اس کی آنکھ اس دن نہ روئے گی جس دن تمام آنکھیں رونے والی ہوں گی اور جو شخص ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں ہماری شریعت کو زندہ کیا جا رہا ہو تو اس کا دل اس دن مردہ نہ ہوگا جس دن تمام دلوں پر مردنی چھائی ہوگی اور یقیناً ایسے لوگ آئمہ کی ناراضگی کا محل ہوں گے جو زبان سے اہل بیت کی سیرت کی تعریف کریں اور عمل سے اسکی مخالفت و دشمنی کا کردار ادا کریں

آج کل کی مسموم فضا میں تو آل محمدؐ کی ذاکری دولت کمانے کا فن بن چکی ہے اور گلوکار لوگ اس میں زیادہ مقبولیت حاصل کرتے چلے جا رہے ہیں اور جس گانے کو شریعت مقدسہ نے حرام کہا تھا اس کو فضائل اہل بیت کی آڑ میں ذاکری کا نام دیا جاتا ہے فلم کاری اور گلوکاری کے پرستاروں کو سیرت اہل بیت کے ذریعے سے راہ حق پر لانے کی بجائے سیرت اہل بیت کے علمبرداروں نے ذاکری کے فلمانے کا پروگرام مرتب کر لیا ہے پس ذاکری نے فلم کا روپ دھار لیا اور گلوکاری مجلس کا مآل بن کر رہ گئی اور جو بھی اس طرز عمل کے خلاف زبان کھولے اس کو دشمن عزاداری بلکہ وہابی کے بدترین القاب سے یاد کیا جاتا ہے اور گلوکار طبقہ کو ایسے علماء سوء کی تائید بھی حاصل ہے جو وادیٔ علم کی خود رو پیداوار کی حیثیت رکھتے ہیں وہ میدان علم میں تو وقار پیدا نہیں کر سکتے لہذا میدان تقریر میں علمائے اعلام کے خلاف زبان درازی کے ذریعے سے اپنا علمی رعب قائم کرنا چاہتے ہیں بنا بریں فضائل آل محمدؐ کے بہانے سے انہوں نے دامن توحید پروردگار میں ہاتھ ڈالنے کی بھی افسوسناک جسارت کی چنانچہ وہ آل محمدؐ کو خالق و رازق و محی و ممیت کہہ کر عوام کے جذبات سے کھیلتے ہوئے ایک طرف تو ان کے ایمان کا ستیاناس کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کے حلوے مانڈے کھا کر ان کے مال کے راہزن ہیں اسی لئے وہ حق گو علماء کو وہابی کہہ کے گانے والوں کی حمایت حاصل کرتے ہیں اور ان کو دین سے بے بہرہ کرتے ہوئے علماء پر کیچڑ اچھالنے کی جرأت دلاتے ہیں پس علماء اسلام اب ایک زبردست آزمائش کے مقام پر کھڑے ہیں کیونکہ اغیار کو ولاء کا درس دینے کی بجائے شیعان آل محمدؐ کو ان بھیڑیا صفت غدار مولویوں اور درندہ قسم کے بدلگام پادریوں کی مشرکانہ تعلیم سے بچانا ضروری ہے اور گانے والے لوگ اس قدر خطرناک نہیں جتنا کہ علماء سوء خطرناک ہیں بلکہ گانے والوں کو علماء کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت ہی نہ ہوتی اگر یہ ان کی تائید نہ کرتے۔ پس حق بیان کرنے والے علماء کا فریضہ ہے کہ مسئلہ توحید کو نظر انداز نہ کریں اور سادہ لوح شیعوں کے اذہان میں مقام توحید مقام نبوت اور مقام ولایت کو اس طرح راسخ کریں کہ مشرکانہ بیان ان کے ایمان کی ناؤ کو نہ ڈبو سکے اور وہ ان فن کار مولویوں کے ہتھکنڈوں سے متاثر نہ ہو سکیں اور اس وقت ولائے آل محمدؐ کا علماء حقہ سے اہم تقاضا یہی ہے اور دور حاضر میں مقام توحید کی وضاحت یقیناً جہاد اکبر ہے پس لوگوں کی دشنام طرازیوں اور بدزبانیوں سے گھبرانے کی بجائے سیرت محمدؐ و آل محمدؐ پر چلتے ہوئے پرچم اسلام کو بلند کرنا اور بلند رکھنا ہر باضمیر مسلمان کا فریضہ ہے اور علماء پر یہ فریضہ اپنی علمی حیثیت کے ماتحت دوسرے فرائض سے اہم ہے

اَجْرًا کَبِیْرًا۔ ثواب کو اجر سے تعبیر کرنا اس کا فضل و امتنان ہے کیونکہ اجر وہ ہے جو کسی مزدوری کے بدلہ میں بطور صلہ کے ملے اور انسان جس قدر عبادت کرے وہ پروردگار کے سابق احسانات کا شکر نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ کسی اجر کا استحقاق حاصل کرے۔ اس مقام پر مقصد یہ ہے کہ جس طرح مزدوری کرنے والا اُجرت کا حقدار ہوتا ہے اور مالک پر اس اُجرت کا ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے جس طرح ابتداءً اپنے فضل و کرم سے انسان کو زیور وجود سے آراستہ فرمایا اسی طرح اس نے نیک عمل کرنے والوں کے لئے اپنے فضل و کرم سے

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾ وَ

اور مانگتا ہے انسان شر مثل مانگنے خیر کے اور انسان جلد باز ہے اور

جَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ ۖ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ

ہم نے بنایا رات اور دن کو دو نشانیاں پس محو کیا ہم نے رات کی نشانی کو اور بنایا ہم نے دن کی نشانی کو

مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ

روشن تاکہ تلاش کرو رزق اپنے پروردگار سے اور تاکہ جانو آسمانوں کی تعداد اور حساب کو

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ﴿١٢﴾

اور ہر شئ کو ہم نے خوب واضح کر دیا ہے

آخرت میں جنّت کا گھر تیار فرمایا اور اس کو جنّت دینا اپنی ذات پر واجب قرار دیا جس طرح کسی مزدور کی اُجرت مالک پر واجب ہوا کرتی ہے یہ وجوب اس معنی میں نہیں کہ اُسے کسی باز پرس کا خطرہ ہے بلکہ یہ وجوب اس کا لُطف و احسان ہے۔

کبیر کا لفظ بھی قابل غور ہے کیونکہ جیسا منہ ویسی بات۔ پس جس کو اللہ کبیر کہے کیا مجال ہے کہ انسان اس کا تصوّر بھی کر سکے اسی لئے تو وارد ہے کہ ادنیٰ جنتی کو بھی جو مکان جنّت عطا ہو گا وہ اس دنیا اور اس کی نعمات سے بڑا ہو گا اور جب پست ترین جنّت کا یہ حال ہے تو اعلیٰ مراتب کی کیا کیفیت ہو گی، چنانچہ ایک روایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ ایک فرشتے نے سیر جنّت کی خواہش کی تو خدا نے اس کو اجازت دے دی۔ پس ستر ہزار سال پرواز کرتا رہا آخر کار تھک گیا پھر دوبارہ حسب خواہش طاقت ملی اور اتنی مقدار پرواز کی پھر سہ بار پرواز کر کے ایک دیوار پر سیر کی حسرت لے کر بیٹھ گیا تو ایک عورت نکلی اور ازراہِ تعجب فرشتے سے طولِ پرواز کی وجہ دریافت کی اس نے سیر جنّت کی خواہش کو دہرایا تو اس نیک بخت نے جواب دیا کہ ابھی تک تو تو نے میرے گھر کا احاطہ نہیں کیا باقی جنّت کو کب دیکھے گا اور میں تو حضرت علیؑ کے شیعوں میں سے ایک کنیز ہوں۔ بالعظمۃ للہ۔

رکوع نمبر ۲

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ۔ قاعدہ عربی کے لحاظ سے يَدْعُو ہونا چاہیئے تھا لیکن تمام قرآنوں میں يَدْعُ لکھا گیا ہے اور یہ فرق فقط تحریری ہے ورنہ پڑھنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور آیت مجیدہ کے معنی میں تین قول ہیں (۱) انسان غیظ و غضب کے عالم میں اپنے لئے برائی کی دُعا اس طرح کرتا ہے جس طرح حواس کی سلامتی کی صورت میں اچھائی کی دُعا کیا کرتا ہے اور یہ انسان کی جلد بازی کا ہی نتیجہ ہے پس اگر خدا اس کیلئے دعائے شر کو قبول کرتا تو وہ ہلاک ہو جاتا، لیکن خدا اپنے فضل و کرم سے اس کو مستجاب نہیں فرماتا (۲) یعنی انسان نفع کی خواہش کے لئے بعض اوقات ایسی چیز طلب کرتا ہے جو اس کے لئے نقصان دہ ہوا کرتی ہے (۳) انسان طلب حرام کے لئے اس طرح دعا کرتا ہے جس طرح طلب مباح کے لئے مانگتا ہے اور یہ اس

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا

اور ہر انسان ہم نے طوق ڈال دیا اس کے عمل کا اسں کی گردن میں اور ہم نکالیں گے اسں کے لئے بروز قیامت کتاب

يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ

کہ اسں کو کھلا ہوا پائے گا (اس کو حکم ہوگا) کہ اپنی کتاب کو پڑھ خود تیرا نفس آج تجھ سے حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا

جو ہدایت پائے گا تو اسں کے نفس کو فائدہ ہوگا اور جو گمراہ ہوگا تو اسں کا ضرر اسی کو

يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى

ہی ہوگا اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا اور ہم کسی کو عذاب نہیں کرتے یہاں تک کہ ہم

کی فطری جلد بازی کے نتائج میں سے ہے، ورنہ اگر حلیم الطبع ہو کر سوچنے کی تکلیف کرتا تو ایسا غلط اقدام نہ کرتا اور مروی ہے کہ انہوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا پس گر پڑے پس ان کی اولاد میں یہی جلد بازی ان کی فطرت بن گئی۔

وَجَعَلْنَا۔ یعنی دن رات قدرتِ پروردگار اور اس کی حکمت کی دو نشانیاں ہیں مثلاً دن کو کمانا اور رات کو آرام کرنا۔ پھر ان میں کمی وبیشی میزان کا ایک دوسرے کی جگہ تبدیل ہونا وجود خالق اور اس کی توحید کی ناقابل تردید دلیلیں ہیں۔

فَمَحَوْنَا۔ اس کے معنی میں تین قول ہیں۔ (۱) آیۃ اللیل سے مراد چاند اور آیۃ النہار سے مراد سورج ہے یعنی چاند کو ہم نے تاریک بنایا تاکہ دن کے تھکے ماندے لوگ آرام کر سکیں اور سورج کو روشن بنایا تاکہ آرام کے بعد تروتازہ ہو کر کام کاج میں مشغول ہو کر آبادیٔ زمین اور اس کی چہل پہل میں حصہ لیں اور رزق حلال کمائیں اور تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ چاند کی سطح پر کلمہ توحید و کلمہ نبوت اور علی کا امیر المومنین ہونا تحریر ہے اور یہ وہ سیاہی ہے جو ہمیں نظر آتی ہے

(۲) آیۃ اللیل سے مراد اندھیرا اور آیۃ النہار سے مراد روشنی ہے اور معنی یہ ہے کہ رات کے اندھیرے کو ہم دن کی روشنی سے محو کرتے ہیں اور دن کی روشنی کو رات کے اندھیرے سے محو کرتے ہیں پس محو کو ایک کے ساتھ ذکر کر کے دوسری نشانی میں بھی مراد لے لیا ہے

(۳) آیۃ اللیل اور آیۃ النہار میں اضافت بیانیہ ہے پس آیۃ اللیل کا معنی ہے رات جو قدرت پروردگار کی نشانی ہے آیۃ النہار سے مراد دن جو قدرتِ خداوندی کی نشانی ہے۔ پس رات کو محو کیا گیا کہ اس میں کوئی شے نظر نہیں آتی جس طرح محو شدہ تحریر نظر نہیں آسکتی اور دن کو مبصر بنایا گیا کہ اس میں ہر شی نظر آسکتی ہے۔

وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ۔ اس کی تفسیر کے لئے جلد ۵ صـ ۱۴۷ تا صـ ۱۵۳ ملاحظہ فرمائیں۔ (پہلا ایڈیشن)

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ اس کا لغوی معنی تو یہ ہے کہ ہم نے لازم کر دیا اس کا طائر اس کی گردن میں اور طائر سے مراد

نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿۱۵﴾ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا

بھیجیں رسول اور جب ہم چاہیں کسی بستی کو ہلاک کرنا تو ہم حکم دیتے ہیں بڑے بڑوں کو (اطاعت کا)

فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ

پس وہ نافرمانی کرتے ہیں تو ثابت ہو جاتی ہے ان پر بات پس ہلاک کرتے ہیں اُن کو اچھی طرح اور کس قدر ہلاک کیں ہم نے امتیں

الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۱۷﴾

نوح کے بعد؟ اور تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں پر دانا و بینا ہونے کے لئے کافی ہے۔

عمل ہے اور گردن میں لازم کرنا طوق ڈالنے سے کنایہ کیا گیا ہے اسی بناء پر ہم نے مرادی ترجمہ کیا ہے اور قرآن مجید میں دوسرے مقام پر بھی طائر سے مراد عمل لیا گیا ہے ۔جیسے طَائِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اور طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ ۔

اِقْرَأْ كِتَابَكَ ۔یعنی قیامت کے دن ہر شخص کو اپنا اعمال نامہ دیا جائے گا اور ارشاد ہو گا کہ خود پڑھو اور تم اپنے نفس کا خود ہی حساب لے لو۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انسان کو اپنے تمام اعمال یاد آجائیں گے جس طرح کہ اس نے ابھی کئے ہوں اسی لئے تو کہے گا کہ ہائے یہ کیسی کتاب ہے کہ میرا کوئی چھوٹا یا بڑا عمل ایسا نہیں جو اس میں درج نہ ہو۔

وَمَا كُنَّا ۔آیتِ مجیدہ میں صاف اعلان ہے کہ جب تک خداوندکریم کی طرف سے رسول کے ذریعے اتمامِ حجت نہ ہو جائے کسی قوم پر عذاب نہیں آتا اور یہ عین لطف و کرم ہے اور رسول کے جانشین اور قائم مقام بھی رسول کے حکم میں ہیں ۔پس جن لوگوں کے پاس رسول آیا یا اس کا قائمقام امام آیا یا امام کے نمائندے وقت کے علماء کے ذریعے سے ان تک پیغامِ حق پہنچ گیا تو اتمامِ حجّت ہو گئی چنانچہ آجکل علماءِ وقت ہی اتمامِ حجّت کا فریضہ ادا کر رہے ہیں لہٰذا جن لوگوں تک رسولؐ کا پیغام علماء کے ذریعے سے پہنچ جائے گا ان کا بروز محشر عذر مسموع نہ ہوگا۔ ہاں جن لوگوں تک یہ پیغام نہ پہنچ سکے گا وہ معذور سمجھے جائیں گے البتہ حجّیتِ عقل کے ماتحت جہاں تک لوگ قابلِ گرفت ہوں گے ممکن ہے کہ ان سے باز پرس ہو۔

وَإِذَا أَرَدْنَا ۔اس میں شک نہیں کہ جس طرح جُرم سے پہلے سزا نہیں دی جا سکتی اسی طرح جُرم سے پہلے سزا کا ارادہ بھی نہیں کیا جا سکتا اور آیت میں ہلاک ہونے والی قوم کی معصیت سے ارادۂ عذاب پہلے ظاہر ہوتا ہے حالانکہ یہ کسی صورت میں مستحسن نہیں پس آیت مجیدہ کی مفسرین نے چند توجیہات کی ہیں (۱) جب ہم کسی بستی والوں کو اتمامِ حجت کے بعد معذّب کرنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ہم وہاں کے امراء و رؤسا کو اطاعتِ دین کا حکم بھیجتے ہیں پس وہ اسکی نافرمانی کر کے فسق کے مرتکب ہوتے ہیں تو ان پر کلمۂ عذاب ثابت ہو جاتا ہے پس ان کو گرفتارِ عذاب کر لیتے ہیں حکم شرعی اگرچہ بڑوں اور

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ

جو چاہے دنیا کا فائدہ تو ہم اس کو دنیا میں دے دیتے ہیں جو ہم چاہیں جس کے لئے چاہیں پھر

جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ

کرتے ہیں اس کا انجام جہنم کہ اس میں ذلیل و خوار ہو کر جلے گا اور جو چاہے آخرت کو

وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿١٩﴾ كُلًّا نُمِدُّ

اور اس کے لئے کوشش کرے درحالیکہ مومن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش بشکریہ قبول ہوگی

هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ﴿٢٠﴾

ہر ایک کو ہم مدد دیتے ہیں ان کو اور اُن کو بھی تیرے رب کی مہربانی سے اور تیرے رب کی مہربانی ممنوع نہیں۔

انْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ﴿٢١﴾

(کافروں سے) دیکھو کس طرح ہم نے بعض کو بعض پر زیادتی دیدی اور آخرت کے درجات بڑے ہیں اور ان میں ایک کی دوسرے پر زیادتی بھی بہت کچھ ہے

چھوٹوں سب کے لئے یکساں ہوتا ہے لیکن چونکہ چھوٹا طبقہ بالعموم بڑوں کے اشاروں پر چلتا ہے بنا بریں اتمام حجت کا مورد بڑے بڑوں کو قرار دیا گیا اور اس توجیہ سے اس آیت کا معنی گذشتہ آیت کے معنی کی تفصیل بن جائے گا کہ وہاں ارشاد ہے ہم کسی پر عذاب نہیں بھیجتے جب تک کہ رسول نہ بھیجیں (۲) اَمَرْنَا ترکیب نحوی کے لحاظ سے قَرْيَةً کی صفت ہے اور معنی یہ ہوگا کہ جب ہم کسی ایسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کریں جس کو ہم نے اطاعتِ دین کا حکم دے کر اتمام حجت پہلے کر دی ہو اور انہوں نے ارتکاب مخالفت کر کے راہِ فسق اختیار کرتے ہوئے عذاب کا استحقاق پیدا کر لیا ہو اور ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا ہو اس بنا پر اِذَا شرطیہ کا جواب محذوف ہوگا کیونکہ کلام میں اس پر دلالت موجود ہے (۳) عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ جس طرح آیت وضو میں ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو حالانکہ وضو کا حکم قیام سے پہلے ہوتا ہے (۴) مجاز ہے اور مقصد یہ ہے کہ جب کسی قوم کے عذاب کے ایام قریب ہوتے ہیں تو ان کے بڑے بڑوں میں فسق و فجور عام ہو جاتا ہے اور چھوٹے بھی ان کے ساتھ شریکِ جرم ہو جاتے ہیں پس عذاب خداوندی ان کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے جسطرح کہا جاتا ہے کہ جب کسی کے مرنے کا ارادہ ہو تو وہ کھانے پینے میں بداحتیاط ہو کر بیماری کو اپنی جانب کھینچ لاتا ہے اور آخر کار زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

فَدَمَّرْنَا۔ دمار۔ تبار اور ہلاک مترادف لفظ ہیں۔

اَلْقُرُوْنَ۔ قرن کی جمع ہے اس کی تحدید ۱۲۰ برس یا ۱۰۰ برس یا ۸۰ برس یا ۴۰ برس باختلاف آراء کی گئی ہے اور اس مقام پر

نسلاً بعد نسل گذشتہ اقوام مراد لی گئی ہیں۔

مَنْ كَانَ ۔ یعنی دنیا کے طالبوں کو دنیاوی منفعت عطا ہوتی ہے اور وہ بھی مشیت پروردگار کے ماتحت جس کے لئے جسقدر وہ چاہے زیادہ یا کم جلدی یا دیر سے حسب مصلحت عطا فرماتا ہے۔

مَدْحُوْرًا ۔ یہ دحر سے ہے اور اس کا معنی ہے دور ہونا۔

كُلًّا نُّمِدُّ ۔ یعنی خواہ کوئی کافر و فاسق ہو یا مومن صالح ہو دنیاوی عطا میں ان کو اور اُن کو دینے میں ہم فرق نہیں کرتے۔ پس مومن کو چاہیئے کہ اللہ سے آخرت طلب کرے کیونکہ اس صورت میں اس کو آخرت بھی مل جائے گی اور دنیاوی منفعت سے بھی محروم نہ رہے گا لیکن کافر کے لئے تو آخرت میں کچھ نہیں ہے۔ ویسے مومن کے لئے دنیا میں طلب حلال ممنوع نہیں ہے۔ بلکہ اسی میں بھی وہ نفع آخرت کا پہلو رکھ سکتا ہے مثلاً یہ کہے اے اللہ مجھے رزق حلال عطا فرما تاکہ بے فکر ہو کر تیری عبادت کرسکوں پس اس کو دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی نصیب ہوگی۔

اُنْظُرْ ۔ یعنی دنیاوی اعتبار سے لوگوں کو ایک جیسا نہیں بنایا گیا کوئی بیمار کوئی تندرست کوئی طاقتور کوئی کمزور کوئی آقا اور کوئی غلام ہے۔ لیکن اس کے بعد درجات آخرت میں جو فرق ہوگا وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے وہاں مومنوں کو اپنے عقائد و اعمال کے لحاظ سے درجات جنت میں ایک کو دوسرے سے فضیلت ملے گی اور کفار و مشرکین و منافقین کو اپنے عقائد فاسدہ اور اعمال کاسدہ کے تفاوت سے درکاتِ جہنم میں عذاب کا حصہ ملے گا۔

لَا تَجْعَلْ ۔ خطاب جناب سرورِ کائنات کو ہے اور مراد ساری اُمت ہے۔

رکوع نمبر ۳ حقوق والدین

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۔ آیت مجیدہ میں ہے کہ ماں باپ دونو یا اُن میں سے ایک بڑھاپے کے عالم میں ہوں تو اُن کے ساتھ احسان کا برتاؤ ضروری ہے ویسے تو زندگی کے ہر دور میں اولاد پر والدین کی خدمت و اطاعت واجب ہے لیکن بڑھاپے کا زمانہ چونکہ خاص توجہ چاہتا ہے اس لئے اس زمانہ میں والدین کی خدمت کا خاص طور پر حکم صادر فرمایا۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر اُف سے مختصر کوئی لفظ ہوتا تو والدین کی نافرمانی سے بچنے کے لئے خدا اس سے بھی منع فرماتا اور دوسری روایت میں ہے کہ کم از کم لفظ جو انسان کو والدین کا عاق بنا دیتا ہے ۔ وہ اُف ہے الخ ایک حدیث میں ہے کہ جو والدین کا عاق ہو وہ جس قدر بھی اعمال کرے جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اور والدین کا حق ہے کہ اگر وہ بوڑھے ہو جائیں حتیٰ کہ حاجات ضروریہ کے لئے بھی نہ جا سکیں یا اپنے بستر پر ان کا پیشاب یا پاخانہ نکل جائے تو ان سے نفرت نہ کرے بلکہ اُن سے غلاظت کو اس طرح پاک کرے جس طرح وہ اس کے بچپنے میں کیا کرتے تھے عام طور پر کسی بات سے تنگ دل ہونے والا آدمی اُف کا کلمہ زبان پر جاری کیا کرتا ہے خداوند کریم نے والدین کی

لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا ﴿۲۲﴾ وَقَضٰى

نہ بناؤ اللہ کے ساتھ معبود ورنہ ذلیل و رسوا رہو گے اور فیصلہ کیا

رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ

تیرے رب نے کہ نہ عبادت کرو مگر صرف اسی کی اور والدین کے ساتھ نیکی کرو اگر پہنچیں تیرے سامنے

الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَ

بڑھاپے کو ایک یا دونو تو اُن کو اُف تک نہ کہو اور ان کو نہ جھڑکو اور

قُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ﴿۲۳﴾ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ

اُن سے شائستہ بات کرو اور جھکاؤ ان کے لئے بازو

خدمت میں اولاد کو اُف تک کہنے کی بھی اجازت نہیں دی اور مجمع البیان میں ایک ضرب المثل نقل کی گئی ہے کہ والدین کے اطاعت گزار کو کہا جاتا ہے اَبَرّ مِنَ النَّسْر یعنی وہ گدھ سے بھی زیادہ فرمانبردار ہے کہتے ہیں کہ جب بوڑھی ہو جائے تو اس کے بچے آکر اس کو دانہ بھراتے ہیں جس طرح پرندے اپنے بچوں کو بھرایا کرتے ہیں۔

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ احسان یہ ہے کہ اُن کی اچھی خدمت کی جائے اور اشیائے ضروریہ طلب کرنے سے پہلے ان کو مہیا کر دی جائیں۔ آگے چل کر آپ نے فرمایا اگر ان کی طویل خدمت میں تھکان بھی آجائے تو مُنہ سے اُف نہ نکلے اگر وہ مارنے لگ جائیں تو اُن کے سامنے آواز بلند نہ کی جائے اور اُن کے حق میں اچھی بات منہ سے نکالے مثلاً یہ کہ خدا تمہیں بخشے اور یہ قول کریم ہے ماں باپ کی طرف شوخی سے گھور کر نہ دیکھا جائے بلکہ نیچی نظر سے انکساری کے ساتھ اُن کی طرف نگاہ اٹھائے اپنی آواز کو اُن کی آواز سے بلند نہ کرے اور اپنے ہاتھ ان کے ہاتھ سے اونچا نہ کرے اور نہ آگے بڑھ کر چلے۔

قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا۔ یعنی والدین کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد اُن کے لئے یہ دعا کرنی چاہیئے جبکہ وہ مومن ہوں اور حدیث نبوی میں ہے بنی سلمہ میں سے ایک شخص نے حضرت رسالتمآبؐ سے دریافت کیا کہ والدین کے مرنے کے بعد کونسی نیکی ہے جو میں اُن کے لئے بجا لاؤں تو آپ نے فرمایا اُن کے لئے دُعا کرو اور اللہ سے بخشش طلب کرو اس کے بعد اُن کے وعدوں کو پورا کرو، اُن کے دوستوں کی عزت کرو اور ان کے قریبیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرو اسی بناء پر والدین کی قضا نمازیں و دیگر واجبات اولاد پر واجب ہیں جو تفصیل سے کتب فقہ میں مذکور ہیں، نیز نماز ہدیہ والدین اولاد کے لئے مستحب ہے

الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾

نرمی کے از راہ شفقت اور دعا مانگو اے رب تو ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے بچپنے سے میری پرورش فرمائی

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے

جس کا طریقہ کتب اعمال میں موجود ہے۔

تفسیر صافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے ایک شخص نے اولاد پر والد کے حقوق کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس کو نام سے نہ بلائے اُس کے آگے نہ چلے اس سے پہلے نہ بیٹھے اور اس کو گالیاں دلوانے کا سبب نہ بنے اور مروی ہے کہ حذیفہ نے ایک جنگ میں حضورؐ سے اپنے باپ کے قتل کی اجازت طلب کی تھی جو مشرکین کی فوج میں تھا تو آپ نے فرمایا کہ تم ایسا نہ کرو یہ کام کوئی دوسرا کرلے گا اور مہمان ہمسایہ اور والدین اگرچہ کافر ہوں۔ اُن کی عزت کرنے کا حکم ہے۔

ایک روایت میں میں نے کہیں دیکھا ہے کہ ماں کا ایام حمل میں بستر خواب پر پوری احتیاط سے کروٹ بدلنے کا عوض نہیں ہو سکتا اگرچہ اولاد ساری زندگی اس کی خدمت و اطاعت میں گذار دے اور کافی میں ہے حضورؐ نے ایک نوجوان کو فرمایا کہ تیری ضعیفہ ماں کا محبت بھری نگاہوں سے تیری طرف دیکھنا اور خوش ہونا تیرے لئے تیرے ساتھ کئے ہوئے کئی جہادوں سے افضل ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ ۔ یعنی اپنے دل میں اگر کوئی شخص والدین کا احترام رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو خداوند کریم قلبی حالات کو خوب جانتا ہے اور مروی ہے کہ بعض اولاد والدین کی زندگی میں اطاعت گزار ہو گی لیکن ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے کار خیر نہ بجالائے گی پس وہ عاق محشور ہو گی اور بعض ان کی زندگی میں عاق ہو گی لیکن ان کے مرنے کے بعد ان کے حقوق و واجبات ادا کرے گی اور ان کے لئے کار خیر بجالائے گی وہ بروز محشر والدین کی اطاعت گزار محشور ہو گی۔

لِلْاَوَّابِيْنَ ۔ اس کا معنی توابین ہے اور تفسیر برہان میں ابن بابویہ سے مروی ہے کہ جناب بتول معظمہ چار رکعت نماز پڑھتی تھیں ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پچاس مرتبہ سورہ توحید پڑھا کرتی تھیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا یہ اوّابین کی نماز ہے۔

حدیث فدک

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے جب قافلہ اسیران اہل بیت کو عبیداللہ بن زیاد نے کوفہ سے شام کی طرف روانہ کیا تو ایک شامی مرد سے امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنا تعارف اس طرح کرایا کہ کیا تُو نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں! آپ نے فرمایا کیا تو نے یہ آیت پڑھی ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ تو وہ کہنے لگا کیا آپ لوگ وہی ذوالقربیٰ ہیں جن کو حق دینے کا خدا نے حکم دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں

غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ

والا ہے اور دو قرابت دار کو اپنا حق اور مسکین مسافر کو اور نہ حد سے زیادہ

تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ

خرچ کرو تحقیق حد سے زیادہ خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے

لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ

رب کا منکر ہے اور اگر تو ان سے منہ پھیرلے اپنے رب کی رحمت کو چاہتے

رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً

ہوئے جس کی تم کو اُمید ہے تو کہہ ان کو بات آسان (عمدہ) اور نہ کرو اپنے ہاتھ کو بند

اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

طرف اپنی گردن کے اور نہ پھیلاؤ پورا پھیلانا کہ بیٹھ جاؤ غیر ممدوح اور حسرت کی حالت میں۔

ہم وہی ہیں۔ کتب مقاتل میں یہ روایت مذکور ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت کلینی منقول ہے کہ جب مہدی خلیفہ عباسی نے لوگوں کو اپنے حقوق واپس دلوائے تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا اے امیر ہمارے حقوق واپس کیوں نہیں دلوائے جاتے؟ مہدی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا جب خدا نے حضرت رسالتمآبؐ کو فدک اور اس کے گرد و نواح پر فتح و نصرت عطا فرمائی تو یہ زمین بغیر لڑائی و جہاد کے چونکہ ہاتھ آئی (لہٰذا اس میں مسلمانوں کا حصہ نہیں تھا) اور خدا نے اپنے رسولؐ پر آیت بھیجی۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ۔ اور جبرئیل یہ حکم لایا کہ حضرت فاطمہؑ کو فدک دے دو پس آپ نے بی بی کو بلایا اور فدک ان کے حوالے کیا۔ اس کے بعد جب تک جناب رسالتمآبؐ زندہ رہے بی بی کی جانب سے کار دار وہاں متعین ہوتے تھے جب ابوبکر کے ہاتھ میں خلافت پہنچی تو اس نے بی بی کے کارداروں کو نکال دیا پس بی بی نے جب اپنا دعویٰ پیش کیا تو اس نے گواہ طلب کئے چنانچہ حضرت علی علیہ السلام اور ام ایمن نے گواہی دی۔ پس اس نے بی بی کو واپس کر دیا اور تحریری دستاویز بی بی کے حوالہ کی چنانچہ آپ اسے لے کر واپس پلٹیں تو راستہ میں عمر مل گیا اس نے پوچھا کیا بات ہے تو بی بی نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ پس اس نے وہ دستاویز لے کر پھاڑ ڈالی۔ الحدیث

بروایت ابن بابویہ امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ

توحضورؐ نے فاطمہؑ کو بلایا اور فرمایا اے بیٹی فدک وہ جگہ ہے جس پر مسلمانوں نے گھوڑے نہیں دوڑائے پس وہ صرف میرے لئے مخصوص ہے اور میں بحکم پروردگار تیرے حوالے کرتا ہوں پس اس کو اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے قبول کرو، عیاشی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فاطمہ اور حسن اور حسین علیہم السلام کو طلب کیا اور فرمایا کہ فدک کا علاقہ بحکم پروردگار میں تم کو عطا کرتا ہوں

تفسیر مجمع البیان اور صافی میں بروایت ابوسعید خدری بھی منقول ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضورؐ نے جناب فاطمہؑ کو فدک عطا فرمایا۔ غرضیکہ روایات سنی و شیعہ میں بتواتر موجود ہے کہ آیت مجیدہ میں ذاالقربیٰ سے مراد حضرت فاطمہ ہیں پس اس صورت میں مسکین اور مسافر سے مراد آل رسولؐ کے مساکین و مسافرین بھی لئے جا سکتے ہیں اور عام بھی مراد ہو سکتے ہیں پس ان کے حقوق سے مراد زکوٰۃ و صدقات وغیرہ ہوں گے۔

وَلَا تُبَذِّرْ۔ صافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ہر وہ پیسہ جو خدا کی نافرمانی میں خرچ کیا جائے وہ تبذیر یعنی فضول خرچی ہے اور جو پیسہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے وہ میانہ روی شمار ہوتا ہے اور ایک روایت میں ولائے علی سے روگردانی کو تبذیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی اصل بذر ہے جس کا معنی ہے بیج اور بیج کو کھیت میں منتشر کیا جاتا ہے پس اسی مناسبت سے فضول خرچی کو تبذیر کہا گیا ہے کہ اس میں پیسے کو منتشر کیا جاتا ہے

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ ۔ یعنی جب صاحبانِ حقوق سوال کرنے آئیں اور آپ کے پاس اُن کے دینے کو کچھ نہ ہو لیس از راہ شرم وحیا اللہ کی طرف سے وسعتِ رزق کی خواہش کرتے ہوئے اُن سے منہ پھیر لیں تو ایسی حالت میں اُن کو جھڑکنے کی بجائے نرم و عمدہ لہجہ میں اُن سے بات کر کے اُن کو واپس پلٹائیں اور حضورؐ کا یہ دستور تھا کہ جب ایسی حالت میں آپ کے پاس سائل آتے تھے تو آپ نہایت خندہ پیشانی اور خوش بیانی سے ان کے حق میں وسعتِ رزق کی دعا فرماتے تھے جس سے وہ سائل آپ کی معذرت سمجھ کر واپس ہو جاتے تھے۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ حصہ اطاعتِ والدین سے متعلق ہے یعنی اگر تنگی رزق کی صورت میں تم عیالداری میں پھنس جاؤ یا بیمار ہو جاؤ اور والدین کی صحیح خدمت کے بجالانے سے معذور ہو جاؤ تو والدین سے معذرت نرم لہجہ اور خوش بیانی سے کرو۔ اور قطعاً اُن سے سخت کلامی اور تند لہجہ کو استعمال میں نہ لاؤ۔

لغوی لحاظ سے اعراض کا معنی ہے منہ پھیرنا اور یہ تین صورتوں میں ہوتا ہے (۱) ناراضگی سے (۲) مصروفیت کی وجہ سے (۳) کسی کو ذلیل کرنے کے لئے اس مقام پر دوسرا معنی مراد ہے۔

بخل اور اسراف سے منع

وَلَا تَجْعَلْ ۔ اپنے ہاتھوں کو گردن سے باندھنا بخل سے کنایہ کیا گیا ہے یعنی بالکل بخیل نہ بن جاؤ اور ہاتھوں کو پورا پھیلانا سب کچھ دے دینے سے کنایہ ہے یعنی ایسا بھی نہ کرو کہ جو کچھ اپنے پاس موجود ہو سب ایک سائل کو دے دو۔ ورنہ جب دوسرے سائل اور مستحق لوگ آئیں گے تو تمہیں پریشانی اور پشیمانی لاحق ہو گی۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے ایک عورت نے اپنے لڑکے کو جناب رسالتمآبؐ کی خدمت

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۳۰﴾

تحقیق تیرا رب وسیع کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہے اور تنگ بھی تحقیق وہ اپنے بندوں پر دانا بینا ہے

لباس مانگنے کے لئے روانہ کیا اور یہ سمجھا دیا کہ اگر حضورؐ عذر کریں کہ میرے پاس موجود نہیں ہے تو اُن سے اپنی ذاتی قمیص مانگ لینا چنانچہ اس لڑکے نے ایسا ہی کیا اور حضورؐ نے اپنی قمیص اتار کر دے دی اور چونکہ آپ کے پاس پہننے کو دوسری قمیص موجود نہ تھی اس لئے نماز کے لئے مسجد میں نہ آسکے اور کفار نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ نیند یا لہو ولعب کی وجہ سے نماز سے غافل ہو گئے ہیں۔ پس یہ آیت اتری۔

تفسیر صافی میں کافی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ کے پاس کچھ سونا آگیا تو آپ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ صبح تک یہ سونا میرے پاس بطور بچت کے موجود رہ جائے پس رات میں مستحقین پر تقسیم فرما دیا جب صبح کو سائلین پہنچے تو آپ نے معذوری ظاہر کی۔ پس یہ آیت اتری۔

مَلُومًا مَحْسُورًا۔ ملوم لوم سے ہے یعنی جب سائل خالی ہاتھ دروازہ سے واپس جائیں گے تو ملامت کریں گے۔ اور محسور حسر سے ہے یعنی ظاہر کرنا جس طرح کہا جاتا ہے۔ حَسَرَ عَنْ ذِرَاعِهِ کہ اس نے اپنے بازو کو کھولا اور یہاں تہی دست ہونا مراد ہے اور تھک کر عاجز ہو جانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ

اِنَّ رَبَّكَ۔ حدیث قدسی میں ہے اِنَّ مِنْ عِبَادِیْ مَنْ لَا یُصْلِحُهُ اِلَّا الْفَقْرُ وَلَوْ اَغْنَیْتُهُ لَاَفْسَدَهُ ذَالِكَ وَاِنَّ مِنْ عِبَادِیْ مَنْ لَا یُصْلِحُهُ اِلَّا الْغِنٰی وَلَوْ اَفْقَرْتُهُ لَاَفْسَدَهُ ذَالِكَ وَقَالَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ بِمَصَالِحِ عِبَادِیْ (صافی) تحقیق میرے بندوں سے بعض کے لئے فقر و فاقہ مناسب ہے اگر ان کو دولتمند کر دوں تو وہ بگڑ جائیں گے اور میرے بعض بندوں کے لئے دولتمندی مناسب ہوتی ہے اگر ان کو فقر و فاقہ دوں تو وہ بگڑ جائیں گے اور میں اپنے بندوں کی مصلحتیں خود بہتر جانتا ہوں اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ خدا نے کسی کو وسیع رزق دے کر خوشحال بنایا اور کسی کو تنگیٔ رزق اور بدحالی میں مبتلا فرمایا اور یہ سب اس کا عدل ہے پس خوشحالی اور بدحالی دونو امتحان کے لئے ہیں تاکہ غنی کا شکر اور فقیر کا صبر معلوم ہو (صافی)

رکوع نمبر ۴

وَلَا تَقْتُلُوْا۔ بعض عرب فقر و فاقہ کے خوف سے اپنی نوزائیدہ لڑکیوں کو زندہ زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے پس خدا نے ان کے رزق کی ضمانت دے کر ان کو اس فعل شنیع سے منع فرمایا ہے۔ املاق کا معنی فقر و فاقہ بیان کیا گیا ہے۔ دورِ حاضر میں اولاد کم پیدا کرنے کی تحریک عربوں کے جاہلی دستور کا اعادہ ہے۔ جو توحید سے برسرپیکار ہونے کے مترادف ہے۔ آیت مجیدہ میں خدا نے پیدا ہونے والے تمام افراد کی کفالت اپنے ذمہ لی ہے زمین پر بسنے والے انسان ہر دور میں چونکہ زمین پر اجارہ داری اپنا مخصوص حق سمجھتے رہے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ پوری زمین کی ملکیت ہمارا اپنا پیدائشی حق ہے پس اس خیال کے آتے ہی وہ زمین پر دوسروں کی آمد کو روکنے کی فکر میں

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ

اور نہ قتل کرو اپنی اولاد (بیٹیوں) کو غربت کے ڈر سے ہم ان کو اور تم کو رزق دیں گے تحقیق ان کا

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ

قتل بڑا گناہ ہے اور قریب نہ جاؤ زنا کے تحقیق وہ بے حیائی

لگ جاتے ہیں تاکہ زمین سے حاصل ہونے والے رزق میں ہمارے ساتھ کتم عدم سے آنے والا کوئی فرد شریک نہ ہو سکے اگر زمین پر انسانی آبادی اور زمین سے حاصل شدہ رزق کا تناسب لگایا جائے تو ہر سال کی پیداوار سے زمین و آسمان سے آنے والی آفات و بلیات کا مقابلہ کرنے کے بعد بھی جس قدر غلہ صحیح و سالم انسانوں کے گھروں میں پہنچ جاتا ہے وہ اس سال کی موجودہ آبادی کی ضرورتوں سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے اور بخل کا ہاتھ اگرچہ اس کے پھیلاؤ کو کم کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت کو استعمال کرتا ہے لیکن پھر بھی ہر ذی روح اس سے استفادہ حسب حیثیت کر لینے میں پوری طرح کامیاب رہتا ہے اور اگر بخل کی وبا یا اس کا دباؤ انسانی دماغوں سے کسی قدر کم ہو جائے تو ناممکن ہے کہ کوئی انسان غربت و افلاس کے افسوسناک و عبرت ناک ایام زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو۔

غربت زدہ اور افلاس خوردہ انسانوں کی حالتِ زار کا علاج انضباطِ تولید سے نہیں ہو سکتا اور نہ اس بارہ میں نسل کشی مفید ہو سکتی ہے بلکہ اسبابِ معیشت پر بڑے بڑوں کی اجارہ داری کا خاتمہ اور بخل کشی ہی اس کا واحد علاج ہے جہاں ایک طرف عملی طور پر سرمایہ داری کو فروغ حاصل ہو وہاں قولی طور پر زیادہ غلہ اگاؤ کی تحریک یا اولاد کم پیدا کرنے کی سکیم قطعاً اچھے نتائج نہیں پیدا کر سکتی بلکہ نتیجہ یہی رہے گا کہ غریبوں کے بچے کم پیدا ہوں یا زیادہ وہ بدحال ہی رہیں گے الا ماشاء اللہ، اور امیروں کے بچے خواہ درجنوں جنم لیں وہ خوشحال ہی رہیں گے الا ماشاء اللہ۔ پس اربابِ بست وکشاد اور صاحبانِ دانش وفکر نئی نسل کی آمد سے پرخاش رکھنے کے بجائے اپنے اندر بلند حوصلگی کو جگہ دے کر ذخیرہ اندوزی کی لعنت کو دور کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہر دنیا پر قدم رکھنے والا انسان اپنی ضروریاتِ زندگی سے نفع مند ہو سکے اور حضرت رسالتمآبؐ نے امت مسلمہ کو انسانی آبادی کے بڑھانے کی تعلیم دی ہے اور ہر مسلمان کو تکثیر نسل کی دعوت دی ہے اور فرمایا کہ تمہاری کثرت بروز محشر میرے لئے باعثِ فخر ہو گی اور خداوند کریم بھی آیتِ مجیدہ میں انسانی نسل کی بقاء کی خاطر قتل اولاد کو منع فرماتے ہوئے رزق کی ذمہ داری کا دعوٰی فرما رہا ہے

خِطْاً كَبِيْرًا ۔ بعضوں نے خطأ پڑھا ہے اور خطأ وہ غلطی ہے جو عمداً نہ کی جائے نیز اخطأ اور خطأ دونوں ایک معنی میں مستعمل ہوتے ہیں جس طرح ارشاد ہے لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا بہرکیف خطا سے مواخذہ مرفوع ہے اور یہ ان نو چیزوں میں سے ہے جن سے مواخذہ کی برطرفی کی شب معراج حضورؐ نے درخواست کی تھی جو منظور ہوئی۔ تفسیر ہذا کی جلد ۲ صہ ۱۸۶ پر ملاحظہ ہو اور خِطْاً کا معنی ہے عمداً غلطی کرنا خَطَأَ يَخْطَأُ خِطْأً فَهُوَ خَاطِئٌ اور بعض اوقات خَطَأً کا معنی عمدی غلطی بھی ہوتا ہے

وَسَآءَ سَبِيۡلًا ۝۳۲ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّ ؕ

اور بُرا طریقہ ہے اور نہ قتل کرو کسی نفس کو جو اللہ نے حرام کیا مگر ساتھ حق کے

وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا

اور جو ظلم سے قتل کیا جائے تو دیا ہے ہم نے اس کے ولی کو حق قصاص پس وہ

پس وہ خطأٌ کا مرادف ہو جائے گا جس طرح مَثَلٌ اور مِثۡلٌ یا شَبَہٌ اور شِبۡہٌ۔

لَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰٓی۔ عقلی طور پر زنا کی قباحت محتاج بیان نہیں ہے اس سے نسل انسانی میں نسبوں کی بقا مخدوش ہو جاتی ہے نیز وراثت صلہ رحمی اور اکثر حقوقِ انسانی پامال ہو جاتے ہیں دورِ حاضر کی معکوس ترقی کے بدترین نتائج میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ سمندِ شہوت کو بے لگام کر کے عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط کے خواب دیکھے جا رہے ہیں بلکہ بعض ملکوں میں تو یہ وبا عام ہو چکی ہے جس نے تمام مہذب ممالک کے غیور انسانوں کے لئے آزمائش کی ایک نئی طرح ڈال دی ہے۔ اسلامی تہذیب سے بیگانہ مسلمانوں کے بچے ابتدائے بچپن سے نوجوانی کے پرکیف دور تک غیر اسلامی افکار و انظار سے متاثر ہو کر غیر اسلامی تہذیب و تمدن کے گندے اور نجس تالابوں میں مدتوں غوطہ زنی کرنے کے بعد جب اصلی اسلامی معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کے ماتھے پر شکن پڑ جاتے ہیں اور وہ اسلامی تعلیمات سے اعلانیہ باغی ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے انسانیت کو جس شیشے میں دیکھا تھا وہ اسے اسی طرح ہی دیکھنا چاہتے ہیں وہ یہ نہیں برداشت کر سکتے کہ انسانی شہوت کو شرم و حیا عفت و عصمت اور غیرت و حمیت کی مضبوط لگام سے قابو میں رکھا جائے اور ناموس شرف اور بھلائے نسب کی لاج رکھی جائے وہ انسان کو آج سے ہزاروں سال قبل کے انسانوں کی طرح حیوانی زندگی کے تاریک گڑھے میں دھکیلنے کے لئے مصر ہیں بہرکیف اسلام نے اس بارے میں جو تہذیب و تمدن پیش فرمایا ہے وہ اوج رفعت تک پہنچانے کے لئے بہترین طرز زندگی ہے اور قرآن مردوں اور عورتوں کے آزادانہ غیر شرعی اختلاط کو فاحشہ یعنی بے حیائی اور بُرا راستہ بتا رہا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ زانی کے لئے دنیا میں تین سزائیں ہیں (۱) چہرے کی بے رونقی (۲) تنگی رزق (۳) عمر کی کمی اور آخرت میں تین سزائیں ہیں۔ (۱) غضب خداوندی (۲) حساب کی تنگی (۳) ہمیشہ کے لئے جہنم۔ تفسیر صافی میں مروی ہے جب زنا عام ہو گا تو زمین پر زلزلے زیادہ آئیں گے۔

وَلَا تَقۡتُلُوۡا۔ آیت مجیدہ میں نفس محترمہ کا قتل حرام قرار دیا گیا ہے خواہ نر ہو یا مادہ اور بڑا ہو یا چھوٹا اور شکم مادر میں بچے کا اسقاط بھی قتل نفس شمار ہو گا جب اس میں روح داخل ہو چکی ہو۔

اِلَّا بِالۡحَقِّ۔ یہ حکم سابق سے استثناء ہے یعنی حق کے ساتھ کسی کو قتل کیا جا سکتا ہے اور یہ حق کئی وجوہ سے پیدا ہوتا ہے (۱) وہ بلا جرم کسی کا قاتل ہو پس اس کو مقتول کا وارث قتل کر سکتا ہے (۲) کافر حربی (۳) مرتد ہو جانا (۴) زنائے محصن۔

يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿٣٣﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ

قتل میں زیادتی نہ کرے کیونکہ اس کی حمایت کی گئی ہے اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے

اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ

مگر اچھے طریقے سے یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور پورا کرو عہد کو تحقیق

الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔــوْلًا ﴿٣٤﴾ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا

عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا اور پورا کرو ناپ کو جب ناپو اور تولو

(۵) لواطہ (۶) راہزنی (۷) اگر کسی کو اپنی منکوحہ سے زنا کرتے ہوئے دیکھے تو شرعاً وہ اس کو قتل کر سکتا ہے وغیرہ

سُلْطٰنًا۔ یعنی ولی مقتول کو دیت لینے یا قصاص لینے یا معاف کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

فَلَا يُسْرِفْ۔ اس کی تفسیر دو طرح کی جا سکتی ہے۔

(۱) اس کا فاعل قاتل ہو یعنی وہ قتل کرنے میں اسراف نہ کرے یعنی قتل کا فعل جو خود اپنے مقام پر اسراف ہے اس کا ارتکاب نہ کرے۔ کیونکہ ہم نے مقتول کے ولی کو حق قصاص دیا ہوا ہے جس طرح فرمایا وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔ اور یہ اس طرح ہے جس طرح یتیم کے مال کھانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا لَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیشک میانہ روی سے کھاتے رہو بلکہ مقصد یہ ہے کہ یتیم کا مال کھانا جو بجائے خود اسراف ہے اس سے بچو (۲) لا یسرف کا فاعل مقتول کا ولی ہے کہ وہ قاتل کو قتل کرنے میں اسراف نہ کرے یعنی ایک کے بدلہ میں صرف ایک کو قتل کرے اگر قاتل کئی آدمی ہوں تو اُن میں سے صرف ایک کو قتل کرے اور باقی مقتول کی دیت کا اپنا اپنا حصہ ادا کریں گے جو قصاص میں قتل ہونے والے کے ورثا کو ملے گا اور اگر مقتول عورت ہو اور قاتل مرد ہو تو قصاص میں قاتل کو قتل کرکے نصف دیت اس کو ادا کی جائے گی۔ بہر صورت بدلہ لینے کی صورت میں زیادتی ممنوع ہے اسی طرح قاتل کا مثلہ کرنا یعنی اس کا ناک کان وغیرہ کاٹنا بھی شرعاً ممنوع ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا۔ ویسے تو کسی بھی دوسرے انسان کا مال ناجائز طریقہ پر کھانے سے اسلام روکتا ہے لیکن یتیم کے مال سے بالخصوص ممانعت کی گئی ہے بلکہ اس کے مال کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ اس کی وضاحت تفسیر ہذا کی جلد ۴ صفحہ ۱۵ اور صفحہ ۱۲ پر ہو چکی ہے اور احسن طریقہ سے اس کے مال میں سے کچھ کھانے کی اجازت ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی انسان یتیم کے مال کی حفاظت و نگہداشت میں اپنا قیمتی وقت صرف کرے تو وہ اس سے اپنا حق خدمت وصول کر سکتا ہے اور جوانی کے بعد یتیمی کے احکام ختم ہو جاتے ہیں پس ولی کو چاہیے کہ جب یتیم جوان ہو جائے تو اس کو اس کا اپنا مال سنبھال کر دے دے اور

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا

ساتھ ٹھیک ترازو کے یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوب ہے اور نہ

تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ

پیچھے چلو اس کے جس کا تم کو علم نہیں تحقیق کان آنکھ اور دل ہر ایک سے اُن میں سے

اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔـوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ

سوال کیا جائے گا اور نہ چلو زمین میں (تکبر سے) اتراتے ہوئے کہ تم نہ

شرعاً لڑکے کے جوان ہونے کی نشانیاں یہ ہیں:۔ (۱) ۱۵ سال (۲) زیر ناف بالوں کا اُگنا (۳) احتلام ہونا اور عورتوں کے جوان ہونے کی علامتیں یہ ہیں۔ (۱) نو سال (۲) حیض یعنی ان علامتوں میں سے کوئی ایک علامت ظاہر ہو جائے تو اس کو بالغ سمجھا جائے گا لیکن یتیم کو مال دینے میں جوانی کے علاوہ اس کے عاقل و رشید ہونے کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الخ یعنی بیوقوفوں کو مال سنبھال کر نہ دو تفسیر کی جلد ۴ صـ۱۸ پر تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ۔ ہر عہد کی وفا لازم ہے خواہ کسی عام انسان سے ہو یا خدا و رسول سے ہو پس جمیع اوامر و نواہی کے متعلق بازپرس اس لئے بھی ہو گی کہ یہ خدا و رسولؐ کی جانب سے بندے کے ساتھ عہد و پیمان ہو چکا ہے اور مسلمان کا کلمہ توحید و رسالت و ولایت اسی عہد کی تجدید ہوا کرتی ہے۔

بِالْقِسْطَاسِ۔ اور مروی ہے کہ قسطاس وہ ترازو ہے جس کے وسط میں وزن کے صحیح پرکھنے کے لئے ایک سوئی لگی ہوئی ہے

حجّیت خبرِ واحد

وَلَا تَقْفُ۔ یہ تقفو سے ہے اور اس کا معنی ہے پیچھے چلنا اور قفا گدی کو کہتے ہیں یعنی کسی کی پیٹھ کے پیچھے ایسی بات مت کرو جس کا تم کو علم نہ ہو۔ پس اس میں غیبت بہتان گالی گلوچ بدگمانی اور جھوٹی گواہی وغیرہ شامل ہیں۔ آیتِ مجیدہ کو خبرِ واحد کی حجّیت کی نفی میں پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ خبرِ واحد مفید علم نہیں ہوا کرتی پس آیتِ مجیدہ کی رُو سے اس پر عمل کرنا ممنوع ہے لیکن علمائے اصولیین نے اس کی رد میں متعدد دلیلیں پیش کی ہیں مثلاً یہ کہ آیتِ مجیدہ میں علم کا معنی اعتقاد راجح ہے جو ظن کو شامل ہے پس وہ ظن جو شرعی طریقہ سے حاصل ہو اس کی اتباع سے آیت کو منافات نہیں ہے البتہ غیر شرعی طریقہ سے حاصل ہونے والا ظن آیت کی رُو سے یقیناً قابلِ عمل نہیں ہے اور اگر مطلق ظن پر عمل کرنے سے روک دیا جائے تو شریعت کے اکثر احکام سے روگردانی لازم آئے گی کیونکہ بہت کم احکام ایسے ہیں جو علمی طور پر ہم تک پہنچ سکے ہیں اور اکثر کی بنا ظن معتبر شرعی پر ہے نیز سلفاً عن خلف تمام علمائے اعلام مقام استدلال میں خبرِ واحد کو پیش کرتے چلے آئے ہیں اور کسی دَور میں اس کی حجّیت سے انکار نہیں کیا گیا پس یہ قرائن

تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ

چیر لوگے زمین کو اور نہ برابری کرسکوگے پہاڑوں کی طول میں ان سب باتوں کی برائی تیرے

رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا

رب کو ناپسند ہے یہ اس سے ہے جو تیری طرف تیرے رب نے وحی کی حکمت سے اور نہ

تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ اَفَاَصْفٰىكُمْ

ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور معبود ورنہ ڈالے جاؤ گے جہنم میں غیر ممدوح بعید از رحمت کیا تم کو

رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

رب نے چن لیا لڑکوں کے ساتھ اور تجویز کرلیا اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں تحقیق تم ایک بڑی بات کہتے ہو (افترا کی)

صاف بتلاتے ہیں کہ آیت مجیدہ خبر واحد کی حجیت کی نفی نہیں کرتی بلکہ ہر ظن غیر معتبر کی اتباع سے روکتی ہے اور خبر واحد ظن معتبر کا فائدہ دیتی ہے جو علم کا فرد ہے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کتب اصول میں ملاحظہ فرمائیں۔

اعضا کی گواہی

جس چیز کا علم نہ ہو اس کا بیان کرنا افترا یا بہتان کہلاتا ہے علم حاصل کرنے کے معتبر اور اہم ذرائع تین ہیں کان آنکھ اور دل، کان کے ذریعے مسموعات کا علم آنکھ کے ذریعے۔ مبصرات کا علم اور دل کے ذریعے معقولات کا علم حاصل ہوتا ہے ان کے علاوہ قوتِ شامہ قوتِ لامسہ اور قوتِ ذائقہ بھی ہیں جن کے ذریعے سے مشمومات ملموسات اور مذوقات کا علم حاصل ہوسکتا ہے لیکن وہ بہت شاذ ہیں اور ان کا دائرہ عمل بہت محدود ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں کان آنکھ اور دل کے مدرکات بہت زیادہ ہیں اور ان کا دائرہ عمل نہایت وسیع ہے اس لئے ان کا ذکر کیا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ علم حاصل کرنے کے لئے جو ذرائع معین ہیں ان سے علم حاصل کرنے کے بعد اثر و نتیجہ مرتب کرنا چاہیئے پس جس کا تعلق سماع سے ہے وہ سماعت کے بعد بیان کیا جائے یا اس پر اثر مرتب کیا جائے اسی طرح جس کا تعلق آنکھ ناک زبان ہاتھ اور دل سے ہے وہ دیکھ کر سونگھ کر چکھ کر ہاتھ لگا کر یا دلیل قائم کر کے بیان کیا جائے یا اس پر نتیجہ مترتب کیا جائے ورنہ اپنے مناسب طریقہ سے حاصل کئے بغیر صرف سنی سنائی یا عامہ افواہ کو قبول کرتے ہوئے یا قرائن ظاہریہ سے اندازہ کرتے ہوئے ایک نظریہ قائم کر کے اس کو کسی بیان یا عمل کے لئے بنیاد قرار دینا غلط اور حرام ہے اور اگر جھوٹے طریقے سے علم کا دعویٰ کرے گا تو بروز محشر علم مسموعات میں کان سے گواہی لی جائے گی۔ مبصرات میں آنکھ کو گواہ بنایا جائیگا اور غلط عقائد میں دل سے گواہی لی جائے گی اسی طرح ناک زبان اور ہاتھ پاؤں اپنے مدرکات سب علم میں گواہی دینگے نیز بداعمالیوں کے متعلق بھی جب فرشتے اعمال نامہ پیش کریں گے اور انسان اپنے کئے ہوئے بعض اعمال سے انکار

کرے گا تو ہر گناہ کے متعلق اُن کے مناسب اعضاء سے گواہی لی جائے گی۔ چنانچہ تفسیر برہان میں کافی و تہذیب وغیرہ سے منقول ہے کہ ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہمارے پڑوس میں گانے والی عورتیں ہیں جو طبلہ سارنگی کے ساتھ گاتی ہیں۔ بعض اوقات میں طہارت خانہ میں جاکر زیادہ دیر تک سننے کے لئے بیٹھا رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ایسا مت کیا کرو اس نے عرض کی حضور! میں اتفاقیہ طور پر طہارت خانہ میں جا کر سننے بیٹھ جاتا ہوں۔ ورنہ عمداً تو اس غرض سے نہیں جاتا۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے قرآن مجید کی یہ آیت نہیں پڑھی۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ الخ یعنی کان آنکھ اور دل سے پوچھا جائے گا۔ وہ شخص کہتا ہے مجھے ایسا لگا کہ اس سے پہلے میں نے یہ آیت کسی عربی یا عجمی سے سُنی ہی نہیں کہنے لگا یقیناً میں ایسا نہ کروں گا اور میں اپنے سابق فعل سے توبہ کرتا ہوں آپ نے فرمایا اُٹھ کھڑا ہو پس غسل کر اور نماز توبہ پڑھ کہ تو نے ایک بڑا گناہ کیا ہے اگر تو اسی حالت میں مرجاتا تو نہ معلوم تیری کسقدر بُری طرح حالت ہوتی۔ پس اللہ سے معافی مانگ اور ہر ناپسندیدہ امر سے توبہ کر خدا قبیح کو ناپسند کرتا ہے اور قبیح کاموں کو اُن کے اہل کے لئے چھوڑ دو کیونکہ ہر کام کے لئے اہل ہوا کرتے ہیں۔

عبرت و نصیحت

آئمہ معصومین علیہم السلام نے راگ و رنگ کو جس قدر مبغوض نگاہوں سے دیکھا مقام عبرت ہے کہ ان کے ماننے والوں نے اتنا ہی اس کو اپنا محبوب مشغلہ قرار دیا ہمارے ملک میں گانے کو جو فروغ حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں باقی قومیں گانے کو صرف دنیاوی عیش سمجھ کر اپناتی ہیں لہذا ان کا مہذب معاشرہ اس فعل سے گریز کرتا ہے لیکن قوم شیعہ کے بعض ناخداترس لوگ گانے کو مذہب کی آڑ میں فروغ دینے کے درپے ہیں۔ فضائل و مصائب آل محمدؐ کے بہانے سے موسیقاری کی ترویج نہایت گھٹیا حرکت ہے۔ لیکن اس وبا کا علاج بہت مشکل ہے کیونکہ جو کان راگ و رنگ سے مانوس ہیں ان کو اس لذت کے ساتھ جب ثواب کا طمع بھی دلایا جائے تو وہ کیوں راگ سے نفرت کرے؟ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر موسیقار و گلوکار اپنے فن کو شیعان آل محمدؐ کی جیب تراشی کا آلہ بنا کر لہو و لعب کی اسٹیج کو چھوڑ کر ذکر حسینؑ کے اسٹیج پر آدھمکے ہیں۔ وہ مذہب کی دعوت پر ذاکر نہیں ہوئے بلکہ موسیقاری میں ذاکری کو جذب کرنے کے لئے مذہب کے کندھوں پر سوار ہوئے ہیں۔ گویا دین ان پر نہیں بلکہ وہ دین پر سوار ہیں اُن کی لگام دین کے ہاتھ میں نہیں بلکہ دین کی لگام ان کے ہاتھ میں ہے وہ دین کی منشاء کو سامنے رکھ کر اپنی خواہش کی قربانی کے لئے تیار نہیں بلکہ دین سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہماری خواہشات کو وُہ اپنا جُزو سمجھے اُن کو ہزار سمجھایا جائے کہ آل محمدؐ نے گانا حرام کیا ہے اور دین میں گلوکاری کی بالکل کوئی گنجائش نہیں تو سمجھانے والے کو دین کا دشمن قرار دیا جاتا ہے بے شک علمائے اعلام اس طرز عمل کے دشمن ہیں جس میں گانا، گلوکاری اور راگ و رنگ کو جزو مذہب سمجھا جائے نیز آلِ محمدؐ کو عملی طور پر ظلم وستم کا نشانہ بنایا جائے اور حدود مذاہب کو روندتے ہوئے اپنی خواہشات کی تکمیل کیلئے ذکرِ آلِ محمدؐ کو آڑ بنایا جائے۔ خداوند کریم تمام مومنین کو حق بات کے سُننے سمجھنے اور ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس میں شک نہیں کہ مذہب شیعہ ذاکری کی دعوت دیتا ہے لیکن جو ذاکری مذہب کی دعوت پر اپنائی جائے اس میں حدود مذہب اور شعائر ملت کی پاسداری اور نگہداشت ذاکر کا پہلا فریضہ ہوتا ہے پس ذاکر کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ آل محمدؐ کا تابعدار ہو پھر ذاکر بر آل محمدؐ نے جس انداز کو غلط اور ناجائز قرار دیا ہو اس کو غلط سمجھے اور اس سے پرہیز کرے منبر حسینی پر ایسی شان سے آئے کہ ہر دیکھنے سننے والا اس کی شکل و شمائل سے متاثر ہو کر دامن اہل بیت سے لپٹنے کی کوشش کرے ایسا نہ ہو کہ اس کے عادات و اطوار مذہب سے نفرت کا موجب بنیں۔

اسی طرح مومنین پر ضروری ہے کہ اپنے کانوں کو راگ و رنگ کے سننے سے محفوظ رکھیں وہ اس بات سے دھوکا نہ کھائیں کہ یہ آل محمدؐ کا ذکر ہو رہا ہے کیونکہ شریعت میں گانا حرام ہے خواہ کوئی قرآن کی آیات کو گا کر پڑھے یا آل محمدؐ کے فضائل و مصائب کو گانے کی شکل دے دے اور جس طرح یہ سماع حرام ہے اسی طرح اس سماع کی شوق میں روپیہ پیسہ خرچ کرنا بھی حرام ہے تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا کہ کانوں پر فرض ہے ہر اس آواز کے سننے سے پرہیز کریں جو اللہ نے حرام کیا ہے اور بروایت عیاشی آپ نے فرمایا کہ بنی آدم کے تمام اعضاء پر خدا کے فرائض مقرر کئے گئے ہیں اور ہر عضو کا فریضہ دوسرے عضو کے فریضے سے الگ ہے مثلاً آنکھیں دیکھنے کے لئے اور کان سننے کے لئے ہیں تو اس نے آنکھوں پر یہ فرض کیا ہے کہ حرام کی طرف نہ دیکھیں اور اس طرف سے بند رہیں جس طرف نگاہ کرنے سے اللہ نے اُس کو روکا ہے آگے چل کر فرمایا کہ اللہ نے پاؤں پر فرض کیا ہے کہ ایسی شے کی طرف چل کر نہ جائیں جس میں اللہ کی نافرمانی ہو اور یہ کہ اس طرف جائیں جس طرف جانے کے لئے اللہ نے حکم دیا ہو، چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ؕ یعنی زمین پر از راہ تکبر نہ چلو کیونکہ تم اگر اکڑ کر چلو گے تو بلندی میں پہاڑوں کی برابری نہ کر سکو گے اور اگر زور سے زمین پر پاؤں مارو گے تو زمین کو پھاڑ نہ سکو گے لہذا انسانیت کا میانہ راستہ اختیار کرو تو بہتر ہوگا دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ یعنی اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو۔

تفسیر مجمع البیان میں تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا لَا يَزُوْلُ قَدَمُ عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰى يَسْئَلَهٗ عَنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ عُمْرِكَ فِيْمَا اَفْنَيْتَهٗ وَجَسَدِكَ فِيْمَا اَبْلَيْتَهٗ وَمَالِكَ مِنْ اَيْنَ كَسَبْتَهٗ وَاَيْنَ وَضَعْتَهٗ وَعَنْ حُبِّنَا اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ

یعنی قیامت کے دن کوئی شخص اپنی جگہ سے حرکت نہ کریگا۔ اللہ کے سامنے جب تک اس سے چار چیزوں کے متعلق پوچھ نہ لیا جائیگا (۱) عمر کے متعلق پوچھا جائیگا کہ اس کو کہاں ختم کیا (۲) جسم کے متعلق سوال ہوگا کہ اس کو کس کام میں کہنہ کیا (۳) اور مال کے بارے میں سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا (۴) اور ہم اہلبیت کی محبت کے متعلق پوچھا جائے گا۔

تفسیر صافی میں بروایت علل حضرت سجاد علیہ السلام سے منقول ہے کہ تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو چاہو بولو کیونکہ اللہ فرماتا ہے ایسی چیز کے پیچھے نہ جاؤ جس کا تم کو علم نہ ہو اور جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا خدا اس بندے پر رحم کرے جو بولے تو

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

اور تحقیق ہم پھیر پھیر کر بیان کو لاتے ہیں اس قرآن میں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور وہ زیادہ دور بھاگتے ہیں

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ

کہہ دو اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے جس طرح وہ کہتے ہیں تو تلاش کرتے مالک عرش کی طرف

سَبِیْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ

کوئی راستہ وہ منزہ اور بلند ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں بہت بلند اس کی تنزیہہ

لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ

بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہے اور کوئی شی نہیں مگر یہ کہ

اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

اس کی تسبیح کرتی ہے ساتھ اس کی حمد کے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو تحقیق وہ صاحب

اچھی بات کہے پس اس کا نفع پائے ورنہ چپ رہے اور محفوظ رہے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو چاہو سنو کیونکہ خدا فرماتا ہے کان، آنکھ اور دل سب سے پوچھا جائے گا۔

بروایت مصباح الشریعۃ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص فرائض مستحبات، اور حقوق واجبہ ادا کرکے سو جائے اس کی نیند قابل حمد ہے اور میں ان چیزوں کی بجا آوری کے بعد اس زمانہ والوں کے لئے نیند سے زیادہ بچانے والی کوئی چیز نہیں سمجھتا کیونکہ لوگوں نے دین کی رعایت چھوڑ دی اور اپنے احوال کی نگہداشت سے غافل ہو گئے اور الٹے ہاتھ چل پڑے ایسے حالات میں بندہ اگر کوشش کرکے خود نہ بولے گا تو سننے سے کیسے بچ سکے گا مگر یہ کہ اس سے رکاوٹ کا کوئی خاص سبب پیدا ہو اور نیند انہی اسباب میں سے ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی - اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ الخ۔

رکوع نمبرہ ۵

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا - یعنی قرآن مجید میں اثبات باری اور توحید پروردگار کے دلائل کو بار بار الگ الگ انداز سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ ان کے اذہان قبول کر لیں لیکن پھر بھی وہ فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ دور بھاگتے ہیں

قُلْ لَّوْ - دلیل توحید بیان فرماتا ہے کہ اگر اللہ کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتے تو اپنی خدائی میں وہ شریک برداشت نہ کرتے لہذا وہ لڑائی جھگڑا کرتے پس اگر وہ کمزور ہیں - تو خدا کی شان کمزور ہونا نہیں ہے اور اگر زبردست ہیں تو انہیں میدان میں آجانا چاہیئے جبکہ ایک خدا بار بار ان کو للکار رہا ہے پس اس تحدی اور چیلنج کے باوجود کسی کا مقابلہ پر نہ آنا اس امر کی دلیل ہے

حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۴۴﴾ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ

حلم و مغفرت ہے ۔ اور جب تم قرآن کو پڑھو تو ہم حائل کر دیتے ہیں تیرے اور ان لوگوں

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُورًا ﴿۴۵﴾ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ

کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پردہ مخفی چڑھا دیئے ہم نے

قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ

ان کے دلوں پر غلاف کہ سمجھیں اس کو اور ان کے کانوں پر پردے اور جب تم ذکر کرو

رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا

اپنے رب کا قرآن میں تنہا تو پلٹ جاتے ہیں پیچھے کی طرف بھاگتے ہوئے ہم جانتے ہیں جس لئے

يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ

وہ سنتے ہیں جب سننے آتے ہیں تیری طرف ۔ اور جب آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں

کہ کوئی دوسرا خدا موجود نہیں ہے ۔

اِنْ مِنْ شَيْءٍ ۔ یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ اور موجوداتِ عالم کا فرد فرد اپنے خالق بے مثال کی تسبیح و تقدیس میں اپنی زبان فطری اور لہجۂ ملکوتی سے سرشار ہے گویا مخلوقات عالم کی اس کی کبریائی کے سامنے بے بسی ہی ان کی تسبیح و تقدیس تکوینی ہے تفسیر صافی میں ہے مخلوق کا نقص خالق کے کمال کی دلیل ہے اور مخلوق کی کثرت خالق کی وحدانیت کی برہان ہے ۔ (گویا یہی مخلوق کی تسبیح ٹھہری ہے)

سواری کے حقوق

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سوار پر سواری کے چھ حقوق ہیں (۱) اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بھار نہ ڈالے (۲) اس کی پیٹھ کو اپنی مجلس نہ بنالے یعنی سوار ہو کر اپنے کام کو روانہ ہو جائے نہ کہ باتوں میں مشغول ہو کر اس پر خواہ مخواہ بوجھ ڈالے رہے (۳) اترتے ہی اس کو چارہ یا دانہ ڈالے (۴) اس کے منہ پر داغ نہ لگائے (۵) اس کے منہ پہ نہ مارے کیونکہ وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے (۶) جب پانی کے پاس سے گزرے تو اس کو پانی پینے کی مہلت دے ۔ بروایت عیاشی آپ نے فرمایا کہ خشکی و تری میں کوئی پرندہ یا وحشی جانور اپنی تسبیح کو ضائع کرنے سے ہی شکاری کے ہاتھ لگتا ہے ۔

حِجَابًا مَسْتُورًا ۔ یہاں مستور یا تو ساتر کے معنی میں ہے اور یا اس کا مقصد یہ ہے کہ جب آپ قرآن پڑھتے تھے تو

الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ

جب ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کرتے مگر جادو کئے ہوئے کی دیکھ کس طرح بیان کرتے ہیں

الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا

تیرے لئے مثالیں پس وہ گمراہ ہیں پس راہ راست پر آنے کی جرأت نہیں رکھتے اور کہتے ہیں جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں

وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ

اور خاکستر تو کیا اٹھائے جائیں گے نئے سرے سے ؟ کہہ دو کہ ہو جاؤ پتھر یا

حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا

لوہا یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے دلوں میں بڑی معلوم ہوتی ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم کو کون پلٹائے گا؟

قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ

کہہ دو وہی جس نے پہلی دفعہ ایجاد کیا ہلاتے ہیں تیری طرف اپنے سروں کو اور کہتے ہیں کہ

مَتٰى هُوَ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ

وہ کب ہو گی تو کہہ دو شاید وہ قریب ہے جس دن تم کو بلائے گا تو قبول کرو گے اس کی

کفار قریش مثلاً ابوجہل، ابوسفیان اور ام جمیل زوجہ ابولہب وغیرہ ایذا رسانی کے لئے آپ کے پاس آجاتے تھے پس اُن کے اور حضور کے درمیان قدرت پروردگار سے ایسا حجاب حائل ہو جاتا تھا جو اُن کو نظر نہ آسکتا تھا یعنی نہ وہ رسول خدا کو دیکھ سکتے تھے اور نہ اس حجاب کو دیکھ سکتے تھے جو درمیان میں حائل ہوا کرتا تھا اور حضورؐ ان کی ایذا رسانی سے محفوظ رہتے تھے۔

وَقْرًا۔ واؤ پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے کان کا پردہ اور اگر وقر ہو یعنی واؤ کی زیر ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے بار شتر

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ۔ صافی اور برہان میں تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے جب آپ تہجد میں قرآن پڑھتے تھے تو آپ کی حُسن قرأت سے متاثر ہو کر قریشی جمع ہو جاتے تھے پس آپ باآواز بلند بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے تو بھاگ جاتے تھے۔

رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ مسحور کا معنی فریب خوردہ یا جادو کیا ہوا ہے اور بعضوں نے مفعول کو بمعنی فاعل بھی قرار دیا ہے یعنی مسحور بمعنی ساحر جس طرح آیت گزشتہ میں مستور بمعنی ساتر کیا گیا ہے۔

رُفَاتًا۔ ہر وہ شے جو شکستہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائے اور فُعَال کا وزن ریزہ ریزہ ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ جیسے حُطام و دُقاق

بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا

دعوت کو حمد کرتے ہوئے اور خیال کرو گے کہ ہم نہیں ٹھہرے تھے مگر تھوڑی مدت اور کہہ دو میرے بندوں کو کہ بات وہ

الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ

کریں جو اچھی ہو تحقیق شیطان بھڑکاتا ہے اُن کو تحقیق شیطان انسان

لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ

کا کھلا دشمن ہے تمہارا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے اگر چاہے تو تم پر رحم کرے (اپنے فضل سے) یا

اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ

اگر چاہے تو تم کو عذاب دے (اپنے عدل سے) اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے ان پر نگران اور تیرا رب خوب جانتا ہے

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا

جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تحقیق ہم نے فضیلت بخشی بعض نبیوں کو بعض پر اور ہم نے بخشی

اور تراب وغیرہ

ص ۳۵

كُوْنُوْا حِجَارَةً ۔ یہ تہدید شدید ہے کہ قیامت کا انکار کرنے والو، بے شک تم پتھر ہو جاؤ یا اس سے سخت لوہا بن جاؤ بلکہ اس سے بھی کوئی سخت تر چیز تمہاری سمجھ میں ہے تو اس کا روپ دھار لو۔ خداوند کریم ضرور تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ اور اس کے سامنے تم کو ایک دن ضرور جواب دہ ہونا پڑے گا پس وہ لاجواب ہو کر پوچھتے ہیں اچھا کون ہمیں دوبارہ زندہ کریگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ بھی زندہ کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

فَسَيُنْغِضُوْنَ ۔ نغض کا معنی ہے اُوپر اور نیچے سر کو ہلانا یعنی وہ سُن کر اُوپر نیچے کو سر ہلاتے ہیں تسلیم کیلئے نہیں بلکہ تمسخر اور استہزاء کے طور پر پھر پوچھتے ہیں کہ کب دوبارہ زندہ کرے گا تو جواب یہ ہے کہ عنقریب ہے اس لئے کہ ہر آنے والی مدت قریب اور ہر جانے والی مدت بعید ہوا کرتی ہے۔ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ ۔ یعنی خدا فرشتوں کے ذریعے سے بلائے گا فرشتے کہیں گے اَيَّتُهَا الْعِظَامُ النَّخِرَةُ وَالْجُلُوْدُ الْبَالِيَةُ عُوْدِيْ كَمَا كُنْتِ ۔ یعنی اے بوسیدہ ہڈیاں اور کہنہ چمڑے اپنی پہلی حالت کی طرف پلٹ جاؤ۔ پس اس کی حمد کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی دعوت کو لبیک کہیں گے لیکن اس دن ان کی حمد ان کیلئے نفع مند نہ ہو گی اور اُس دن اپنی دنیاوی زندگی کو یا برزخ کے وقفے کو بالکل قلیل سمجھیں گے۔ اور واقعی آخرت کے مقابلہ میں یہ سب قلیل ہے۔

رکوع نمبر ۶ قُلْ لِّعِبَادِيْ ۔ دعوت عامہ ہے کہ انسان طالب حق ہو کر متضاد خیالات کا جائزہ لے اور ہر فرقہ کی دلیلوں

دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ

داؤد کو زبور — کہہ دو کہ بلاؤ (مدد کے لئے) اُن کو جنہیں سمجھتے ہو اس کے علاوہ (مددگار) پس نہ تو وہ مالک ہیں

كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ

تم سے مصیبت دُور کرنے کے اور نہ حالت کے بدلنے کے — وہ وہ لوگ ہیں جو بلاتے ہیں (طرف اللہ کے) چاہتے

اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ

ہیں اپنے رب کی طرف قرب کہ کون زیادہ قریب ہے اور امید کرتے ہیں رحمت کی اور ڈرتے ہیں

عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ

اس کے عذاب سے تحقیق تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے قابل ہے — اور کوئی بستی نہیں مگر یہ کہ ہم اس کو

مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ

ہلاک کریں گے روز قیامت سے پہلے یا اس کو عذاب دیں گے عذاب سخت یہ فیصلہ

میں غور و خوض کرے پس جو اچھی ہو قبول کرے اور جو ناقص اور ردّی ہو اُسے بلا تامل رد کرے اور حق کو قبول کرنے میں نہ آباؤ اجداد کا مسلک اُسے روکے اور نہ اکثریت کے شور و غل سے متاثر ہو اور یہی اللہ کے بندوں کی شان ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ ۔ یہ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ اپنا کام کئے جائیں چاہے وہ قبول کریں یا رد کریں اس کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی کیونکہ آپ ان کے چوکیدار نہیں ٹھہرائے گئے۔

فَضَّلْنَا ۔ صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ تمام نبیوں کے سردار اور اولوالعزم صرف پانچ ہیں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ اور بروایت علل حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خدا نے تمام فرشتوں پر انبیاء کو فضیلت دی۔ اور تمام نبیوں پر مجھے فضیلت عطا فرمائی اے علیؑ میرے بعد فضیلت تیرے لئے اور آئمہ کے لئے ہے جو تیری اولاد سے ہوں گے اور ملائکہ ہمارے دوستوں کے خادم ہیں۔ الحدیث

زَبُوْرًا ۔ زبور ہر کتاب کو کہا جاتا ہے لیکن حضرت داؤدؑ کی کتاب پر یہ نام غلبہ حاصل کر چکا ہے جس طرح فرقان ہر آسمانی کتاب کو کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ حق اور باطل کے درمیان فرق کرتی ہے لیکن اب یہ نام قرآن کے لئے خاص ہو گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ ۔ یعنی جن لوگوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے مثلاً حضرت عیسیٰؑ یا ملائکہ یا دورِ حاضر میں بعض جہلا کے نزدیک آلِ محمدؐ یہ تو سب کے سب توحید پروردگار کی دعوت دینے والے تھے اور اللہ کے قرب کے خواہشمند تھے یہاں وسیلہ

ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ

لوحِ محفوظ میں لکھا جا چکا ہے اور ہمیں کوئی شے نہیں روکتی اس امر سے کہ بھیجیں نشانیاں مگر یہ

كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا

کہ پہلی قومیں جھٹلا چکی ہیں اور ہم نے قوم ثمود کو ناقہ نشانی دی تھی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم

نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ

نہیں بھیجتے نشانیاں مگر ڈرانے کے لئے اور جب کہا ہم نے تجھے کہ تحقیق تیرا رب محیط ہے لوگوں پر (پس اپنی

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ

تبلیغ کو جاری رکھو) اور نہیں کیا ہم نے وہ خواب جو تجھے دکھایا مگر آزمائش لوگوں کے لئے اور شجرہ ملعونہ کو (جس کا ذکر

فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع

قرآن میں ہے) کیا ہم نے آزمائش لوگوں کے لئے اور ہم ان کو ڈراتے ہیں پس وہ نہیں بڑھتے مگر بڑی سرکشی کی طرف

سے مراد قرب خداوندی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت سے پہلے ایک دفعہ تمام عالم فنا ہوگا اور سب انسان موت کا ذائقہ چکھیں گے نیک لوگ اپنی موت مریں گے اور کفار مشرکین اور فساق عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر وادیٔ فنا میں جا پہنچیں گے اور کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

وَمَا مَنَعَنَا۔ کفار قریش حضورؐ سے معجزات طلب کرتے تھے تو ارشاد پروردگار ہوا کہ معجزہ طلب کرنے کے بعد انکار کرنے والا فوری عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ تیری امت فوری عذاب میں گرفتار ہو اس لئے ہم ان کا منہ مانگا معجزہ نہیں ظاہر کرتے۔ چنانچہ امم سابقہ میں سے قوم ثمود کو ہم نے ان کے قول کے مطابق پتھر سے ناقہ پیدا کر دی اور جو صفت انہوں نے طلب کی اسی صفت کی وہ ناقہ تھی۔ لیکن وہ ظالم رہے اور انجام کار مبتلائے عذاب ہوئے۔ کہتے ہیں کفار قریش نے مطالبہ کیا تھا کہ خدا سے کہو ہمارے لئے کوہ صفا کو سونا بنا دے اور پانی کے چشمے ظاہر کر دے وغیرہ تو یہ ان کا جواب ہے

وَاِذْ قُلْنَا۔ یہ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ لوگ میرے قبضۂ قدرت میں ہیں اور میں سب پر محیط ہوں لہٰذا آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے پس آپ کا کام ہے سلسلۂ تبلیغ کو جاری رکھو اور کفار کی باتوں کی پرواہ نہ کرو۔

شجرۂ ملعونہ وَمَا جَعَلْنَا۔ تفسیر مجمع البیان و دیگر تفاسیر اہلبیت میں ہے کہ حضورؐ نے عالم خواب میں دیکھا کہ بندر آپ کے

منبر پر سوار ہوتے ہیں اور پھر اُتر آتے ہیں پس آپ رنجیدہ خاطر ہو کر بیدار ہوئے اور مروی ہے کہ اس کے بعد آپ تازیست آپ کبھی نہ ہنسے۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ۔ اس کا عطف رؤیا پر ہے یعنی نہیں کیا ہم نے شجرۂ ملعونہ کو قرآن میں مگر لوگوں کی آزمائش کے لئے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی تاویل بنی اُمیّہ منقول ہے اور خدا نے اپنے حبیب کو تختِ خلافت پر ان کے تمکن کی اطلاع دی تھی کہ وہ آپ کی اولاد کو قتل کریں گے۔

تفسیر صافی میں علامہ کاشانی مرحوم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مضمون سنی و شیعہ کتابوں میں تواتر سے منقول ہے البتہ سُنیوں میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے کہ بعضوں نے ذکر کیا حضورؐ نے بنی امیہ کے بعض افراد کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح اُچھلتے کودتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کی تعبیر یہ فرمائی کہ ان کو اپنے اسلام کے بدلہ میں یہی دنیاوی عیش نصیب ہوگا اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنے منبر پر بندروں کو اُترتے چڑھتے دیکھا تو آپ غمزدہ ہوئے۔ اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضورؐ نے خواب میں بندروں کو اپنے منبر پر سوار ہوتے دیکھا تو آپ کو یہ بات بُری لگی اور سخت غمزدہ ہوئے۔ پس جبرئیل یہ آیت لے کر اُترا۔ اور شجرہ ملعونہ سے مراد بنی اُمیّہ ہیں۔

نیز بروایت احتجاج امام حسن علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے ایک گفتگو میں مروان بن حکم سے فرمایا، اے مروان میں تجھے یا تیرے باپ کو سب نہیں کرتا لیکن خدا نے تجھ پر، تیرے باپ پر، تیرے خاندان پر، تیری اولاد پر اور تیرے باپ کی قیامت تک ہونے والی ساری نسل پر اپنے نبی کی زبانی لعنت کی ہے۔ خدا کی قسم مروان تو اور حاضرین میں سے کوئی بھی رسولؐ کی زبانی ہونے والی اس لعنت کا انکار نہیں کر سکتا جو تیرے اوپر اور تجھ سے پہلے تیرے باپ پر نازل ہوئی ہے۔ اے مروان! خدا نے جس قدر تجھے ڈرایا ہے اتنا ہی تیری سرکشی میں اضافہ ہوا ہے اور خدا نے سچ فرمایا ہے وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا۔ اور اے مروان تو اور تیری اولاد وہ شجرہ ملعونہ ہے جس کا قرآن میں ذکر موجود ہے۔ انتہیٰ۔ اور خدا گذشتہ امتوں کا تذکرہ کر کے اُمتِ محمدیہ کو گرفتاریٔ عذاب سے ڈراتا ہے لیکن ان لوگوں کی سرکشی میں اور زیادتی ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ کتاب کے حقیقی وارث و عامل، جو اس کے ظاہر و باطن پر عمل کرتے ہیں وہ شجرہ طیبہ ہیں۔ جس کی اصل ثابت اور فرع آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور ہر زمانہ میں باذن پروردگار وہ پھل دیتا ہے اور اس کے دشمن شجرۂ ملعونہ ہیں جو اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھانے کے درپے ہوں گے لیکن اللہ اپنے نور کی خود حفاظت کرے گا۔ واقعی بنی اُمیہ نے آلِ رسولؐ کو ختم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مٹانے والے مٹتے رہے اور جن کو مٹانے کی کوششیں کی گئیں وہ روز افزوں پھلتے پھولتے رہے اور پھیلتے رہے۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے منہال بن عمرو کہتا ہے میں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے احوال پرسی کی تو آپ نے فرمایا ہماری حالت کیا پوچھتے ہو بس ایسی ہی ہے جیسی بنی اسرائیل کی فرعون کے

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کا تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہنے لگا کیا میں

لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ۚ ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ عَلَىَّ لَئِنۡ

اس کا سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا؟ کہنے لگا کیا تجھے پتہ ہے یہ جس کو تو نے فضیلت دی ہے مجھ پر اگر تو نے مجھے

اَخَّرۡتَنِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَاَحۡتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اذۡهَبۡ

مہلت دی روز قیامت تک تو میں کھینچ لوں گا اس کی اولاد کو سوائے قلیل کے فرمایا جا پس جو بھی

فَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿۶۳﴾ وَاسۡتَفۡزِزۡ

تیری پیروی کرے گا ان سے تحقیق دوزخ تم سب کی جزا ہے مکمل جزا اور گمراہ کر

مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ وَاَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَرَجِلِكَ

جن پر تیری دسترس ہو اُن میں سے اپنی دعوت کے ساتھ اور چڑھائی کر ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ

وَشَارِكۡهُمۡ فِى الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَوۡلَادِ وَعِدۡهُمۡ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيۡطٰنُ

اور ان کے ساتھ شرکت کر مال و اولاد میں اور ان کو وعدہ دے اور نہیں وعدہ دیتا شیطان

دَور میں تھی کہ وہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا اور بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا اب حالت یہ ہے کہ رسولؐ کے بعد جو شخص تمام مخلوق سے افضل تھا اس پر برسرِ منبر لعنت کی جاتی ہے اور ہمارے محبوبوں کی ہماری محبت کی وجہ سے حق تلفی کی جاتی ہے۔

رکوع نمبر ۷۔ ذکر سجدہ آدم

وَاِذۡ قُلۡنَا۔ اسکی وضاحت تفسیر ہذا کی جلد ۲ اور جلد ۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

لَاَحۡتَنِكَنَّ۔ حنک سے ہے پس احتناک کا معنی ہے گردن میں رسّی ڈال کر کھینچنا یا اس کا معنی ہے جڑ سے اکھیڑنا یا تباہ کرنا اور ہر معنی مراد لیا جاسکتا ہے۔ ابلیس نے اس پیشین گوئی کی جرأت اس لئے کی کہ حضرت آدم پر وسوسہ کا جال ڈال کر اُس نے اندازہ کر لیا تھا یا اس لئے کہ خدا نے فرشتوں کو پہلے جتلا دیا تھا کہ جو مخلوق میں پیدا کروں گا وہ فساد کرے گی۔ چنانچہ فرشتوں نے یہ سوال بھی کر دیا تھا کہ فسادی مخلوق کو کیوں زمین کی خلافت کے لئے پیدا کرتا ہے۔ پس اس سے ابلیس کو اولادِ آدم کی سرشت کا اندازہ ہو گیا تھا۔

اِسۡتَفۡزِزۡ۔ اِسۡتِفۡزَاز کا معنی ہے کوشش کرنا، یعنی آواز دے دے کر پوری کوشش سے ان کو پھسلا اور کوئی کمی نہ کر یہاں

إِلَّا غُرُورًا ﴿٦٤﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾

مگر دھوکا تحقیق میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہ ہوگا اور کافی ہے تیرا رب نگہبان

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ

تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتیاں دریا میں تاکہ تم تلاش کرو اس کا رزق تحقیق وہ تم

بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا

پر مہربان ہے اور جب تم کو مس کرے تکلیف دریا میں تو تم ہر ایک کو بھول جاتے ہو جن کو بلاتے ہو سوائے

إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ

اس کے پس جب تمہیں نجات دے دے خشکی کی طرف تو پھر جاتے ہو اور انسان ہے بے شکرا کیا تم

أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا

بے خوف ہو کہ وہ تمہیں دھنسا دے خشکی میں یا بھیج دے تم پر پتھر پھ تم کسی کو اپنا مددگار

امر تہدید کے لئے ہے کہ بے شک تو انسان کو گمراہ کرنے کے لئے اپنے سواروں اور پیادوں کو لے کر آجا اور ان کے مالوں اور اولادوں میں بھی تو شرکت پیدا کرلے اور ان کو جھوٹے جھوٹے وعدوں کے جال میں پھنسانے کی کوشش کر پھر بھی جو میرے بندے ہوں گے کبھی تیرے دامِ تزویر میں نہ پھنسیں گے اور مروی ہے کہ حرام کمائی کے مال میں اور ہر حرام مجامعت کی اولاد میں شیطان کا حصّہ ہوتا ہے اسی لئے مروی ہے کہ اپنی حلال عورت سے مجامعت کرتے وقت انسان بسم اللہ پڑھ لے ورنہ اولاد میں شیطان شریک ہوگا۔

تفسیر برہان میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کی قسم جس نے محمدؐ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے گوشت کے ٹکڑوں پر جمع ہونے والے بھڑوں سے بھی ایک مومن کو گمراہ کرنے کے لئے ابلیسوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن مومن پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط رہتا ہے کیونکہ پہاڑ کاٹنے سے کٹ سکتا ہے لیکن مومن کا قدم صراطِ حق سے نہیں ہٹ سکتا۔

دعوتِ توحید

رَبُّكُمُ الَّذِي - خداوند علام نے ذکر آدم اور سجدہ ملائکہ کے ساتھ ابلیس کے تکبر اور اس کی انسان دشمنی کی قلعی کھول دی اور ابلیس کے اعلان کو بھی دہرایا تاکہ انسان اس مکار دشمن کی عیاریوں سے خبردار رہیں۔ ان آیات میں اپنی توحید کی دعوت دیتا ہے تاکہ شیطانی دام تزویر سے آزاد ہو کر انسانی عقول توحید

لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ

نہ پاؤ گے ۔ کیا تم بے خوف ہو کہ تمہیں وہ پھر پلٹا دے دریا میں دوبارہ پس بھیج دے تم پر ایک

قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا

طوفان ہوا کا اور غرق کر دے تم کو بوجہ کفران کے پھر نہ پاؤ گے اپنے لئے ہمارے خلاف احتجاج

بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ

کرنے والا ۔ اور تحقیق ہم نے فضیلت دی اولاد آدم کو اور ان کو سوار کیا خشکی اور تری میں اور

رَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾

ان کو رزق دیا پاکیزہ چیزوں سے اور ان کو فضیلت دی اپنی بہت سی مخلوق پر جو فضیلت کا حق ہے

پروردگار کے راستہ پر گامزن ہوں کہ تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے سمندروں کو تمہارے تابع فرمان بنایا کہ وہ کشتیوں کو اپنی پشت پر رکھ کر تمہارے لئے سفر کی سہولت کا باعث بنتے ہیں پس تم دُور دراز ملکوں میں تجارتی کاروبار کر کے اپنے رزق کا آسانی سے بندوبست کرتے ہو اور مشکل پڑنے پر تمہیں صرف ایک ہی ذات کا سہارا ہوتا ہے جو تمہیں با امن کنارہ تک پہنچاتی ہے لیکن منزل مقصود پر پہنچ کر بجائے اس کے کہ تم اس کا شکر کرو، الٹا وادیٔ شرک میں جا کرتے ہو پس اپنے اللہ کو پہچانو اور اس کی نعمتوں کا شکر کرو اس کے بعد تہدید کے طور پر سرزنش کرتا ہے کہ اگر وہ چاہے تو تم کو خشکی پر بھی اپنے عذاب کی گرفت میں لا سکتا ہے اور وہ چاہے تو تم کو زمین میں اتار دے اور جانب کی اضافت بر کی طرف اضافت موصوف الی الصفت ہے یعنی وہ جانب جو بر ہے اور اگر چاہے تو تم پر آسمان سے پتھر برسا دے اور اگر چاہے تو تمہیں سمندر کے سفر کا حاجت مند کر دے پس طوفان بھیج کر تم کو غرقاب کر دے پھر کون ہے جو اس سے باز پرس کرے گا۔ لیکن وہ اپنے رحم و کرم سے ایسا نہیں کرتا اور تمہیں سمجھنے سوچنے کے لئے مہلت دیتا ہے پس اس فرصت کو غنیمت سمجھو اور اس کی معرفت حاصل کر کے اُس کا شکر ادا کرو اور اس کے شریک بنا کر کفران نہ کرو۔

انسان کی کرامت

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا ۔ تکریم و تفضیل میں چند وجوہ میں فرق بیان کیا گیا ہے (۱) تکریم انعامات کی فراوانی سے اور تفضیل مراتب کی زیادتی سے ہوتی ہے (۲) تکریم نعمات دنیاویہ سے اور تفضیل نعمات اخرویہ سے ہے (۳) تکریم سے مراد وہ نعمات ہیں جو موجب تکلیف ہیں اور تفضیل سے مراد وہ نعمات ہیں جو بطور جزا کے عطا ہوتی ہیں۔ خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں انسان کی تکریم اور تفضیل دونوں کو بیان فرمایا ہے کہ وہ صاحب کرامت بھی ہے اور صاحب فضیلت بھی دنیاوی زندگی میں انسان کی کرامت متعدد وجوہ سے ظاہر ہے (۱) تمام مخلوقات میں انسان کی شکل و

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ

جس دن ہم بلائیں گے سب لوگوں کو اپنے امام کے ساتھ پس جس کو دیا گیا اپنا اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں تو وہ پڑھیں

يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا (۷۱) وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ

گے اپنے اعمالنامے کو اور نہ ظلم کئے جائیں گے بال برابر اور جو ہوگا اس دنیا میں (راہ ہدایت سے

فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا (۷۲) وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ

اندھا تو وہ ہوگا آخرت میں (راہ جنت سے) اندھا اور بھٹکا ہوا راستہ سے اور تحقیق قریب تھا کہ ورغلا لیں تم کو

صورت حسن میں ممتاز ہے (۱۱) انسان دولت عقل وفکر اپنے پاس رکھتا ہے (۱۱۱) نبوت و رسالت و ولایت انسان کے حصہ میں مقرر کی گئی ہے (۱۷) موجودات عالم کو انسان کیلئے مسخر کیا گیا ہے ہوا میں پرواز کرنا چاہے تو فضا اس کے لئے مسخر ہے زمین کی مسافتوں کو طے کرنا چاہے تو اسباب وآلات اس کے تابع ہیں اور دریاؤں سمندروں کو عبور کرنا چاہے تو پانی کی سطح اس کے تابع فرمان ہے۔ پہاڑوں کے دامن زمین کی گہرائیاں رہگزار کے ذرات بلکہ مادی دنیا کے اندر ہر طاقت انسانی قدرت کے سامنے سرنگوں ہے۔ پس اس کی حکمرانی کے اندر جہاں جمادات نباتات وحیوانات جیسی سفلی مخلوق ہے وہاں شمس و قمر اور سیارے وستارے بھی انسانی وجود کے بقاوارتقار کے لئے معروف گردش ہیں (۷) انسان اپنے مافی الضمیر کو اپنی زبان کے ذریعے ادا کر سکتا ہے (۷۱) باقی حیوانات منہ کے ذریعے اپنی خوراک استعمال کرتے ہیں اور انسان کو اس سلسلہ میں ہاتھ عطا ہوئے ہیں (۱۱۷) باقی حیوانات کی تخلیق منحنی ہے اور انسان کو سیدھی قدو قامت عطا ہوئی ہے (۱۱۱۷) باقی حیوانات سے اس کو امتیاز یہ بھی حاصل ہے کہ اس کے ہاتھ میں انگلیاں اس کے تصرفات میں آسانی کا موجب ہیں (۱x) انسان کا رُعب باقی مخلوق پر حاوی ہے (x) انسان کے رزق کیلئے پاکیزہ پھل میوہ جات اور غلہ پیدا کیا گیا ہے (۱x) انسان کو حامل علم بنایا گیا ہے (۱۱x) انسان میں نیکی وبرائی کے درمیان امتیاز کی قوت دی گئی ہے اور اس کو اپنے اختیار سے عبادت واطاعت پروردگار کا اہل قرار دیا گیا ہے پس انہی وجوہات کے پیش نظر اگر انسان اپنی انسانیت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے معرفت پروردگار اور عبادت خالق اور جملہ حقوق انسانیہ کی پاسداری کا لحاظ کرے تو وہ ملائکہ سے افضل ہے۔ لیکن اگر اپنی برتری کو چھوڑ کر اپنے فرائض سے غفلت شعاری برتے تو یہی انسان درجہ میں ادنیٰ حیوانات سے بھی گر جاتا ہے اور آیت مجیدہ میں ہے کہ ہم نے اس کو اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت دی ہے اس بہت سے مراد تمام اور کل ہے جس طرح قلیل سے مراد عدم ہوا کرتا ہے۔

رکوع نمبر ۸ ۔ مقام امام

يَوْمَ نَدْعُوا ۔ آیت مجیدہ میں امام کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) اس سے مراد نبی ہے یعنی ہر امت اپنے نبی کے ساتھ اٹھائی جائے گی (۲) کتاب یعنی ہر امت اپنی کتاب لے

عَنِ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَیۡنَا غَیۡرَهٗ ۖۗ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ

اس سے جو ہم نے تجھ پر وحی کی تاکہ غلط نسبت دے ہماری طرف اس کے غیر کی اور پھر وہ تجھے اپنا دوست

خَلِیۡلًا ﴿۷۳﴾ وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَیۡهِمۡ شَیۡـًٔا قَلِیۡلًا ﴿۷۴﴾

ٹھہرالیں اور اگر ہم تم کو ثابت نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم جھک جاتے ان کی طرف تھوڑا تھوڑا

کر اٹھے گی (۳) اعمالنامہ (۴) امام جمع ہے اُم کی یعنی ہر آدمی کو اپنی ماں کے نام سے اٹھایا جائے گا (۵) ہر شخص کو اپنے اپنے زمانہ کے امام کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور آئمہ اہلبیت سے یہی آخری قول مروی ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے امام دو قسم کے ہیں ایک امام ہدایت اور دوسرے امام ضلالت یعنی گمراہ لوگ اپنے گمراہ امام کے ساتھ محشور ہوں گے اور ہدایت یافتہ لوگ اپنے ہادی امام کے ساتھ اُٹھیں گے۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسولِ کریم اپنی قوم میں حضرت علیؑ اپنے صحابہ میں حضرت حسنؑ اپنے ساتھیوں میں اور حضرت حسینؑ اپنے جانثاروں میں تشریف لائیں گے اور جو امام جس قوم میں دنیا سے مرے گا وہ بروز محشر اسی گروہ سے اُٹھے گا۔ بروایت مجالس امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے ایک امام ہدایت کی دعوت دینے والا ہے اور کئی لوگ اس کی بات مانتے ہیں دوسرا امام گمراہ کرتا ہے اور کچھ لوگ اس کے پیچھے چلتے ہیں پس وہ جنت میں جائیں گے اور یہ دوزخ میں جائیں گے جس طرح خدا فرماتا ہے۔ فَرِیۡقٌ فِی الۡجَنَّةِ وَ فَرِیۡقٌ فِی السَّعِیۡرِ۔

بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کبھی زمین خدا امام سے خالی نہیں رہ سکتی جو اللہ کی حلال کردہ اشیاء کو حلال کہے اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام کہے پھر فرمایا جناب رسولؐ نے فرمایا مَنۡ مَاتَ بِغَیۡرِ اِمَامٍ مَاتَ مِیۡتَةً جَاهِلِیَّةً یعنی جو شخص بغیر امام کی معرفت کے مرجائے وہ جاہلیت یعنی کفر کی موت مرتا ہے۔

تفسیر برہان اور مجمع البیان میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر شخص بروز محشر اپنے زمانہ کے امام اور کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے ساتھ بلایا جائے گا۔ اس کی مزید توضیح مقام محمود کے بیان میں صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

فَتِیۡلًا۔ گٹھلی کے درمیان میں بال کے برابر تاگے کی طرح جو باریک بٹ ہوتا ہے اس کو فتیل کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں جو گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے اس کو نقیر کہا جاتا ہے اور پوری گٹھلی کے اوپر جو باریک جھلی ہوتی ہے اس کو قطمیر کہا جاتا ہے

وَ مَنۡ كَانَ۔ تفسیر آئمہ اہل بیت میں ہے کہ جس پر حج واجب ہو اور وہ اس کو ٹالتا رہے حتیٰ کہ موت سر پر آجائے تو وہ بروز محشر اندھا محشور ہو گا۔ (برہان)

وَ اِنۡ كَادُوۡا۔ یہاں ان مخفف ہے اِنَّ کا۔ آیت مجیدہ کے شان نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں متعدد اقوال نقل کئے گئے ہیں (۱) مشرکین نے کہا کہ آپ ہمارے بتوں کو کچھ نہ کہیں اور غریب طبقہ کو اپنے پاس سے دور کر دیں

جن سے بدبو آتی ہے تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے پس آپ نے ان کے اسلام کا طمع کیا تو یہ آیت اُتری (۲) جب
بُت توڑے گئے تو قریش نے خواہش کی کہ جو بُت مروہ پر ہے اس کو رہنے دیا جائے آپ نے بھی اس کو چھوڑنے کا
ارادہ کر لیا لیکن بعد میں توڑ دیا تو یہ آیت اُتری (۳) کفار نے کہا ہم آپ کو حجرِ اسود کا بوسہ نہ لینے دیں گے۔ جب
تک تم ہمارے بتوں کا سہارا نہ لوگے تو آپ نے دل میں خیال کیا کہ میری نیت کو خدا خوب جانتا ہے لہٰذا ظاہری طور پر
ان کی بات کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہ ہوگا پس یہ آیت اُتری۔ ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں جن کے ذکر کا چنداں
فائدہ نہیں۔ تفسیر اہل بیت میں یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں لوگوں نے چمی گوئیاں کیں پس یہ آیت
اُتری کہ خبردار جو ہم نے وحی کی ہے وہ تجھے اس سے پھسلانا چاہتے ہیں تاکہ تم ہماری وحی کردہ بات کے خلاف کوئی
دوسری بات ظاہر کرو اور ایسا کرنے کی صورت میں وہ تیرے سچے دوست بن جائیں گے اور اگر ہم ثابت قدم نہ رکھتے
تو واقعاً تم ان کی طرف تھوڑا تھوڑا کر کے جُھک گئے ہوتے اور نتیجہ یہ ہوتا کہ کفار کو دنیا یا آخرت میں جو عذاب دیا جاتا ہے
تیرا عذاب اُن سے دُگنا ہوتا کیونکہ ذمہ داری کا تقاضا یہی ہے۔

تفسیر برہان و صافی میں ہے کہ جب مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے مسئلہ عصمتِ انبیاء پر مفصل گفتگو
کی تو یہ اور اس قسم کی دوسری آیتیں بھی زیر بحث آئیں پس آپ نے ان کے متعلق فرمایا یہ اس طرح ہے جس طرح کہا
جاتا ہے اِیَّاكِ اَعْنِیْ وَاسْمَعِیْ یَاجَارَۃُ یعنی اپنوں سے بات کر کے ہمسائی کو سنانا مقصود ہوتا ہے پس یہاں
بھی حضرت رسالت مآبؐ کو خطاب کر کے تمام مومنوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ دشمنانِ دین کے چنگوں میں پھنس کر کسی لالچ کی
بنا پر اگر تم نے باطل کا ساتھ دیا اور حق کا دامن چھوڑا تاکہ اُن کا قرب تم کو حاصل ہو تو ایسی صورت میں تمہارا عذاب کفار کے
عذاب سے دوگنا ہوگا۔ ورنہ نبی علیہ السلام کی شان اجل ہے کہ اُن سے اس قسم کا خطاب ہو پس مامون مطمئن ہو گیا۔

تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں کہیں بھی اپنے
حبیب محمدؐ مصطفےٰ کو سرزنش نہیں کی اور یہ آیت مجیدہ بھی اگرچہ ظاہر میں خطاب حضورؐ کو ہے لیکن اس سے
مراد اُمت ہے۔ جس طرح پنجابی میں مقولہ ہے آکھاں دِھی نوں سناواں نوح نوں۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ رسول اللہ معصوم تھے اور آیتِ مجیدہ میں امت کو تہدید کی
کی گئی ہے تاکہ مومنین میں سے کوئی فرد مشرکین کی چکنی چپڑی باتوں میں پھنس کر یا کسی طمع و لالچ میں اگر احکامِ خداوندی
اور شریعت مصطفوی سے روگردانی کی جرأت نہ کر بیٹھے۔

إِذًا لَّأَذَقْنَٰكَ ضِعْفَ ٱلْحَيَوٰةِ وَضِعْفَ ٱلْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا

پھر ہم چکھاتے تم کو دگنا (عذاب) دنیاوی زندگی کا اور دگنا مرنے کا پھر نہ پاتے تم ہمارے خلاف کوئی

نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ وَإِن كَادُوا۟ لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ ٱلْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا

مددگار اور تحقیق قریب ہے کہ تجھے تنگ کریں زمین سے تاکہ تجھے وہاں سے نکال دیں

وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَٰفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا

اور پھر نہ ٹھہریں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑے دن یہ طریقہ ان کا ہے جو ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے

وَإِن كَادُوا۟ ۔ یہاں بھی اِن مخفف ہے تاریخ بتلاتی ہے کہ کفار قریش کی کوشش تھی کہ آپ مکہ سے نکل جائیں اور بعد میں یہود مدینہ کی کوشش تھی کہ آپ مدینہ سے چلے جائیں۔

لَا يَلْبَثُونَ ۔ یعنی اگر یہ لوگ آپ کو نکال دیں تو ان کو بھی یہاں رہنا نصیب نہ ہوگا چنانچہ کفار نے آپ کو مکہ سے نکالا اور انجام یہ ہوا کہ دو سال کے اندر اندر جنگِ بدر میں عذابِ خداوندی میں گرفتار ہوگئے اور مکہ میں رہنا ان کو نصیب نہ ہوسکا جو حضورؐ کو نکالنے میں پیش پیش تھے۔

خِلَٰفَكَ ۔ اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں (۱) یہ کہ جو لوگ آپ کی مخالفت کرکے آپ کو نکالیں گے وہ خود بھی چین سے نہ بیٹھیں گے (۲) خلاف خلف سے ہے یعنی پیچھے رہنا گویا ان کو بھی آپ کے بعد وہاں کی رہائش نصیب نہ ہوگی۔

سُنَّةَ مَن ۔ یعنی نبیوں اور رسولوں کے بارے میں خدائی سنت ہے کہ اگر کوئی قوم اپنے رسول کو گھر سے نکال دے تو وہ عذاب میں گرفتار کرلئے جاتے ہیں اور یہ سنت ہمیشہ سے جاری ہے۔

صاحب تفسیر مجمع البیان فرماتے ہیں کہ آیت مجیدہ میں کفار قریش مراد ہیں اور انہوں نے حضورؐ کے مکہ سے نکل جانے کا ارادہ کیا ہوا تھا یعنی اسباب ایسے بنا لئے تھے کہ آپ شہر کو چھوڑ جائیں ورنہ وہ آپ کے شہر چھوڑ جانے پر رضامند نہ تھے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ ان کا ہجرت کرجانا ہمیں مہنگا پڑے گا پس آپ کے چلے جانے کے بعد وہ پشیمان ہوئے لیکن اس وقت ان کو کوئی فائدہ نہ تھا اور یہی وجہ ہے کہ وہ گرفتارِ عذاب نہ ہوئے ورنہ اگر نکالتے تو عذاب سے نہ بچتے اور سب مرجاتے (اقول) مجھے ان کی اس فرمائش سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ ان کا حضورؐ کے درپے قتل ہونا ان کے شہر بدر ہونے کا سبب بنا تھا اور نتیجہ میں وہ مبتلائے عذاب ہوکر رہے۔ کہ جنگِ بدر میں رؤسا ان کے مارے گئے اور کچھ گرفتار ہوگئے اور اس کے بعد فتح مکہ کے موقعہ پر اسی شہر میں اسلام کا پرچم لہرایا گیا جو تاقیامت سرنگوں نہ ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہی شہر اسلام کا مرکز قرار پاگیا، گویا یہ قرآن مجید کی پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف سچی ثابت ہوئی کہ انہوں نے حضورؐ کو جلاوطن کیا تو اس کے بعد خود چین سے نہ رہ سکے۔

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ

اور ہمارے طریقہ میں تم تبدیلی نہ پاؤ گے قائم کرو نماز کو زوالِ شمس سے تاریکی شب تک

الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ

اور نماز صبح تحقیق نماز صبح مشہود ہے اور رات کے کچھ

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿٧٩﴾

حصہ میں بیدار ہو کر پڑھو کہ یہ زیادتی ہے تیرے لئے یقیناً کھڑا کرے گا تیرا رب تجھے مقام محمود پہ......

رکوع نمبر ۹، نماز کا بیان

لِدُلُوكِ الشَّمْسِ۔ اکثر مفسرین نے دلوک کا معنی زوال لکھا ہے اور غسق کا معنی ہے رات کی ابتدائی تاریکی اور آیت مجیدہ پانچوں نمازوں کے اوقات کو شامل ہے کیونکہ دلوک شمس یعنی زوال آفتاب کے بعد دو نمازیں ہیں ظہر و عصر اور غسق اللیل یعنی تاریکی شب کی بھی دو نمازیں مغرب و عشاء ہیں اور قرآن الفجر سے مراد نماز صبح ہے۔

بروایت عیاشی عبید بن زرارہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے آیت مجیدہ کی تفسیر میں فرمایا کہ خدا نے چار نمازیں فرض کی ہیں جن کا وقت زوالِ آفتاب سے نصف شب تک ہے دو نمازوں کا وقت زوال سے غروب تک ہے اور ایک دوسری سے پہلے ہے اسی طرح غروب سے نصف شب تک دو نمازوں کا وقت ہے کہ ایک دوسری سے پہلے ہے اور روایات میں غسق کا معنی نصف شب بیان کیا گیا ہے روایت مذکورہ کے مضمون کی روایت کافی تہذیب سے بھی منقول ہے اسی طرح سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۳۰ میں بھی نماز کے اوقات کا بیان آئے گا۔

قُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ اس کا عطف صلوٰۃ پر ہے اور صلوٰۃ پر قرآن کا اطلاق اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ نماز میں قرأت ضروری ہے۔

مَشْهُودًا۔ روایات متواترہ میں اہلبیتؑ سے مروی ہے کہ صبح کی نماز پر فرشتے بھی شاہد ہوتے ہیں اور دن کے فرشتے بھی۔ اس لئے اس کو مشہود کہا گیا ہے کیونکہ یہ وقت ہوتا ہے کہ رات کے فرشتے اپنا دفتر بند کر کے جا رہے ہوتے ہیں اور دن کے فرشتے اسی وقت آکر اپنا کام سنبھالتے ہیں۔

بہر کیف قرآن مجید کی یہ آیت جمع بین الصلوٰتین کو ثابت کرتی ہے کیونکہ نمازیں پانچ ہیں اور ان کے اوقات خدا نے تین بیان کئے ہیں اسی طرح سورہ ہود میں ارشاد ہے أَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ ۱۱۴ یعنی نماز کو قائم کرو دن کے دونو کناروں میں اور رات کے ایک حصہ میں وہاں دن کے دو کنارے صبح اور بعد از زوال ہیں اور بعد از زوال دو نمازیں ظہر و عصر ہیں اور رات کے حصہ میں دو نمازیں مغرب و عشاء ہیں اور اس کی تائید میں کتب صحاح ستہ اہل سنت میں مروی ہے کہ

حضرت رسالتمآبؐ بغیر کسی عذر کے مغرب و عشاء اور ظہر و عصر کو جمع فرمالیا کرتے تھے تفسیر ہٰذا ج ۶ ص۲۴۵

فَتَهَجَّدْ - ہجود سے ہے اور اس کا معنی ہے نیند اور تہجّد کا معنی ہے نیند کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہونا اور اس سے مراد نماز تہجد معروف ہے جو حضورؐ پر بحکم آیت واجب تھی اور باقی امّت کے لئے مستحب ہے۔

نماز کے فضائل بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے احادیث میں اس کے تارک کو کافر کہا گیا ہے اور قرآن مجید میں مفہوم کے لحاظ سے تارک نماز کو مشرک کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہم نے تفسیر کی چھٹی جلد ص۲۴۶ پر اس موضوع سے متعلق قدرے تفصیلی بحث کی ہے۔

واجب نمازیں

ہر بالغ و عاقل پر واجب ہونے والی نمازیں نو ہو سکتی ہیں۔

(۱) نماز پنجگانہ یومیہ (۲) نماز آیات (۳) نماز جنازہ (۴) نماز طواف (۵) نماز قضائے والدین۔ (۶) نماز نذر و عہد و یمین (۷) نماز اجارہ (۸) نماز احتیاط (۹) نماز عیدین

تنبیہ:- نماز کسوف (سورج گرہن) اور نماز خسوف (چاند گرہن) نماز آیات میں داخل ہیں۔

مسئلہ - نماز آیات سورج گرہن، چاند گرہن، زلزلہ، بجلی کی خوفناک کڑک اور تیز آندھی یا کوئی اور آسمانی خطرناک حادثہ جب رونما ہو تو دو رکعت نماز آیات کی نیت سے پڑھنی واجب ہے ہر رکعت میں پانچ پانچ رکوع ہوا کرتے ہیں چاہے ہر رکوع سے پہلے سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ پڑھتا رہے یا صرف پہلے رکوع سے قبل سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد کسی سورہ قرآنیہ کے پانچ حصے کرکے ہر رکوع سے پہلے ایک ایک حصہ پڑھتا جائے مثلاً پہلی رکعت میں پہلے سورہ فاتحہ پڑھے پھر بہ نیت سورہ توحید بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر رکوع میں چلا جائے۔ پس اٹھے اور حالتِ قیام میں قل ھو اللہ احد پڑھ کر رکوع کرے پھر اٹھ کر اللہ اکبر کہے اور اللہ الصمد کہہ کر رکوع میں جائے پھر اٹھ کر اللہ اکبر کہے اور لم یلد ولم یولد کہہ کر رکوع کرے پھر اٹھے اور اللہ اکبر کہے اور کھڑے ہو کر ولم یکن لہٗ کفواً احد کہہ کر رکوع میں جائے اور اس کے بعد کھڑے ہو کر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ پڑھے اور تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے اور اسی طرح پھر دوسری رکعت پوری کرے۔

مسئلہ - اگر پہلی رکعت میں ہر رکوع سے پہلے سورہ فاتحہ اور دوسرا مکمل سورہ پڑھے اور دوسری رکعت میں ایک سورہ کے پانچ حصے کرلے اور دوسری رکعت میں الگ الگ سورہ پڑھتا رہے تو درست ہے۔

مسئلہ :- اس میں کوئی فرق نہیں کہ ایک سورہ کو بار بار پڑھتا رہے یا ہر بار الگ سورہ پڑھے۔

مسئلہ :- ہر دوسرے رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھ سکتا ہے اور اگر چاہے تو ہر رکعت میں آخری رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھ لے اور صرف دوسری رکعت کے آخری رکوع سے پہلے ایک قنوت پر اکتفا بھی کرسکتا ہے۔

مسئلہ :- نمازِ آیات میں قرأت کو جہر سے پڑھنا بہتر ہے اور یہ نماز جماعت سے بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ :- نماز کسوف (خسوف) کا وقت اوّل گرہن سے شروع ہوتا ہے اور جب کھلنا شروع ہو تو ختم ہو جاتا ہے اور اگر کسوف یا

خسوف مکمل ہو چکا ہو تو وقت میں نہ پڑھنے کے بعد قضا لازم ہوتی ہے اور اگر مکمل کسوف یا خسوف نہ ہوا ہو اور عین وقت پر پتہ بھی نہ چلے تو بعد میں اس کی قضا لازم نہیں۔

مسئلہ :۔ نماز آیات کے دوسرے اسباب کی صورت میں ادا کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے پس سبب ظاہر ہونے کے بعد نماز واجب ہو جاتی ہے خواہ جس وقت پڑھے۔

مسئلہ :۔ نماز آیات میں رکعتوں کا شک مبطل نماز ہوتا ہے۔

نماز جنازہ کا بیان اسی تفسیر کی جلد نمبر ۲ صـ۲۰۱ میں گزر چکا ہے اور یہ نماز واجب کفائی ہے واجب عینی نہیں اگر صرف ایک آدمی پڑھ لے تو باقیوں سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

نماز طواف ۔ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد دو رکعت نماز طواف مقام ابراہیم پر یا مسجد الحرام کے کسی مقام پر ادا کرنا واجب ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ :۔ رکعتوں کے شک سے نماز طواف باطل ہو جاتی ہے۔

نماز قضائے والدین ۔ بڑے بیٹے پر والدین کی قضا نمازوں کا پڑھنا ضروری ہوا کرتا ہے۔

نماز نذر وغیرہ ۔ اگر کوئی شخص نذر کرے کہ میں اتنی نماز پڑھوں گا اسی طرح اگر عہد کرے یا قسم کھائے کہ میں اس قدر نماز پڑھوں گا تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔

نماز اجارہ ۔ اگر کسی میت کی نمازیں اجرت پر کوئی شخص لے لے تو اس کو نماز اجارہ کہا جاتا ہے اور اجرت لینے والے پر ان کا پڑھنا واجب ہے

نماز احتیاط ۔ نماز کی رکعات میں شک ہونے کی صورت میں نماز احتیاط کا پڑھنا واجب ہوا کرتا ہے جبکہ شک کی صورت صحیح ہو اس میں صرف سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے

نماز عیدین ۔ نماز عید الفطر اور نماز عید قربان نبی یا امام کی ظاہر موجودگی کی صورت میں واجب ہوتی ہیں اور زمانہ غیبت میں ان کا پڑھنا مستحب ہے۔ ہمارے رسالہ نماز امامیہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

مسئلہ :۔ نماز عیدین میں پہلی رکعت میں الحمد کے بعد کوئی سورہ پڑھ کر پانچ دفعہ دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے۔ اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے چار مرتبہ دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے اگر امام ظاہر ہو تو اس کے لئے جمعہ کی شرائط کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے اور ان کی قرأت میں جہر بہتر ہے رکعتوں کا شک اس کے لئے مبطل ہے اور امام کی عدم موجودگی میں جماعت سے بھی پڑھی جا سکتی ہے اور فرادیٰ طور پر بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ :۔ نماز عیدین کے بعد دو خطبے پڑھے جاتے ہیں جو حمد و ثنائے پروردگار اور وعظ و نصیحت اور دعا پر مشتمل ہوتے ہیں۔

نماز پنجگانہ کی تفصیل

نماز پنجگانہ واجب کل سترہ رکعت ہے ۲ صبح ۴ ظہر ۴ عصر ۳ مغرب اور ۴ عشاء اور اس کے علاوہ یومیہ نافلہ کی تعداد بنا بر مشہور ۳۴ رکعت ہے ۲ صبح ۸ ظہر ۸ عصر ۴ مغرب ۱ عشاء ۱۱ نماز تہجد یہ کل اکاون رکعت نماز ہے جو بعض روایات میں شیعہ کی علامت بتائی گئی ہے۔ تفسیر ہذا ج ۵ صہ ۲۳۳

نماز صبح طلوع فجر صادق سے طلوع آفتاب تک اس کا کل وقت ہے لیکن ابتداء میں مشرقی سُرخی کے ظاہر ہونے سے پیشتر فضیلت کا وقت ہے اور بعد میں صرف ادا کا وقت ہے اور نافلہ صبح نماز واجب سے پہلے پڑھی جاتی ہے جب کہ وقت فضیلت میں ادا کی جا رہی ہو۔ نماز صبح کی قرأت میں صرف مردوں پر جہر واجب ہے۔

نماز ظہر و عصر زوال آفتاب سے غروب آفتاب تک ان دونو نمازوں کا وقت ہے البتہ زوال سے متصل بقدر ادائے ظہر نماز ظہر کا مختص وقت ہے اور غروب سے پہلے بقدر ادائے نماز عصر نماز عصر کا مختص وقت ہے باقی درمیانی حصہ وقت مشترک ہے لیکن ظہر عصر سے مقدم رہے گی۔

مسئلہ - اوّل زوال سے لے کر سایہ کے برابر ہونے تک ظہر کا وقتِ فضیلت ہے اور بعد میں وقتِ ادا اور وقت فضیلت میں ظہر ادا کر لینے کے بعد سے سایہ کے دوگنا ہونے تک عصر کا وقت فضیلت ہے اور بعد میں صرف وقتِ ادا

مسئلہ :۔ بعض علماء ظہر کی فضیلت کا وقت اوّل زوال سے لے کر سایہ کے ۲/۷ بڑھ جانے تک قرار دیا ہے اور ظہر کی ادائیگی کے بعد ۴/۷ تک عصر کی فضیلت کا وقت بیان کیا ہے اس صورت میں نوافل کی ادائیگی بھی اسی پابندی سے ہوگی یعنی نوافل ظہر ایسے وقت میں پڑھے جائیں کہ نماز ظہر بھی سایہ کے ۲/۷ ہونے سے پہلے پڑھی جا سکے اور عصر کے نوافل ایسے وقت میں پڑھے کہ نماز عصر سایہ کے ۴/۷ ہونے سے پہلے پڑھی جا سکے اور اسی کو روایت میں دو قدم اور چار قدم کے لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے چونکہ بالعموم ہر انسان کا قد اپنے سات قدموں کے برابر ہوتا ہے اسی لئے سمجھانے کے لئے کہا گیا کہ انسان کا اپنا سایہ زوال کے بعد جب دو قدم کے برابر ہوگا تو ظہر کی فضیلت کا وقت ختم ہوگا اور اس کے چار قدم تک عصر کی فضیلت کا وقت رہے گا۔ اسی طرح زمین پر عموداً کھڑی کی ہوئی ہر شئے کو سات حصوں میں تقسیم کر کے مجازاً ہر حصے پر قدم کا اطلاق کیا جاتا ہے اور سایہ معلوم کرنے کے لئے جس چیز کو زمین پر عموداً کھڑا کیا جائے اس کو شاخص کہتے ہیں۔

مسئلہ :۔ نماز ظہرین کی قرأت میں اخفات واجب ہے۔

نماز مغرب و عشاء

غروب آفتاب سے لے کر نصف شب تک دونوں نمازوں کا وقت ہے البتہ غروب کے ساتھ ساتھ بقدر ادائے مغرب نماز مغرب کا مختص وقت ہے اور نصف شب سے پہلے بقدر ادائے نماز عشاء نماز عشاء کا وقت مختص ہے اور ان دونو کے درمیان دونو نمازوں کا وقت مشترک ہے لیکن بوقت ادا مغرب عشائ سے مقدم ہوگی۔

مسئلہ :- اوّل غروب سے مغرب کی سُرخی کے زوال تک مغرب کا وقتِ فضیلت ہے اور بعد میں وقتِ ادا۔ اور

نماز مغرب کے وقت فضیلت میں ادا کر لینے کے بعد ایک تہائی شب تک نماز عشاء کی فضیلت کا وقت ہے اور بعد میں صرف وقت ادا۔

مسئلہ:۔ نافلہ مغرب کا وقت نماز فریضہ کے بعد فضیلت کے وقت تک ہے اور نماز عشاء کے نافلہ کا وقت نماز فریضہ کے بعد آخر وقت تک ہے۔

مسئلہ:۔ نافلہ عشاء دو رکعت کا بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے اور یہ دو رکعت ایک رکعت کے شمار میں ہوتی ہیں۔ اور ان کو وتیرہ کہا جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ نماز مغربین کی قرأت میں مردوں پر جہر واجب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر بھول کر وقت مشترک میں کوئی شخص ظہر کی بجائے نماز عصر کی نیت کرے تو یاد آجانے کے بعد فوراً نیت کو ظہر کی طرف پھیرے اسی طرح اگر عشاء کی نیت بھول کر کرے اور مغرب پڑھنی ہو تو یاد آنے پر فوراً مغرب کی نیت کرے بشرطیکہ چوتھی رکعت کے رکوع میں نہ پہنچ گیا ہو اور اگر نیت پھیرنے کا وقت گزر جائے یا نماز ختم کرنے کے بعد یاد آئے تو وہ نماز صحیح ہوگی صرف پہلی نماز اس کو پڑھنی ہوگی لیکن اگر پہلی نماز کا وقت مختص ہو تو دوسری نماز باطل ہوگی جبکہ پہلی نماز کی طرف نیت نہ پھیر سکے

نماز تہجد تفسیر صافی میں بروایت خصال مذکور ہے حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو جو وصیتیں فرمائیں ایک یہ بھی تھی اے علیؑ دنیا میں مومن کی خوشی تین چیزوں میں ہے (۱) بھائیوں کی ملاقات (۲) روزہ سے افطاری (۳) پچھلی رات کو نماز تہجد پڑھنا، بروایت علل الشرائع حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا نماز تہجد لازمی طور پر پڑھا کرو۔ کہ یہ تمہارے پیغمبر کی سنت اور نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور یہ جسموں سے تھکان اور کوفت کو دور کرنے کا ذریعہ ہے اور حضرت سجادؑ سے دریافت کیا گیا کہ رات کو تہجد پڑھنے والوں کے چہرے نورانی کیوں ہوتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ اللہ سے تنہائی میں ملاقات کرتے ہیں؟ پس خدا ان کو نور عطا فرماتا ہے ایک روایت میں میں نے کہیں دیکھا ہے کہ نماز تہجد فشار قبر سے محفوظ ہونے کا ذریعہ ہے بروایت تہذیب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس طرح مال و اولاد دنیا میں انسان کی زینت ہیں اسی طرح پچھلی رات کی آٹھ رکعت نماز انسان کے لئے آخرت کی زینت ہے۔

مسئلہ:۔ نماز تہجد کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہو کر طلوع صبح صادق تک رہتا ہے نوجوان آدمی جو پچھلی رات نہ اٹھ سکتا ہو تو نصف شب سے پہلے پڑھ کر سو سکتا ہے اگر دیر سے اٹھے اور طلوع صبح سے چار رکعت کا وقت باقی ہو تو نماز تہجد مختصر طور پر پڑھ سکتا ہے اگر کچھ حصہ نماز صبح کے وقت میں آجائیگا تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر وقت اس مقدار سے کم باقی ہو نماز صبح ادا کر لینے کے بعد نماز تہجد کو قضا کی نیت سے پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ نماز تہجد کا معروف طریقہ یہ ہے پہلے آٹھ رکعت نماز تہجد کی نیت سے پڑھے پہلی دو رکعت اس طرح

11 = دو رکعت + 6 رکعت + 2 رکعت نمازِ شفع + 1 رکعت نمازِ وتر

پڑھے کہ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورہ قل یاایھا الکفرون اور دوسری رکعت میں سورہ قل پڑھے اور اگر کسی کو سورہ قل یاایھا الکفرون یاد نہ ہو تو سورہ قل پڑھ سکتا ہے اس کے بعد چھ رکعتیں دو دو رکعت کرکے پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد کوئی ایک سورہ پڑھے لیکن سورہ قل بہتر ہے دوسری رکعت میں دعائے قنوت مستحب ہے۔ پھر دو رکعت نماز شفع پڑھے اس میں دعائے قنوت کی ضرورت نہیں بہتر ہے پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورہ ناس اور دوسری میں سورہ فلق پڑھے اور سلام پڑھنے کے بعد اٹھ کھڑا ہو اور ایک رکعت نماز وتر کی نیت سے ادا کرے اس میں الحمد کے بعد تین بار سورہ توحید اور دعائے قنوت میں کلمات فرج پڑھے اس کے بعد ہر جائز دعا پڑھ سکتا ہے کم ازکم چالیس مومنوں کے لئے دعائے خیر کرے۔ منقول ہے کہ جو شخص غائبانہ طور پر چالیس مومنوں کے لئے دعا کرے خدا اس کی دعا کو مستجاب کرتا ہے۔ بالخصوص اپنے والدین اور اکابرین اور اساتذہ کو فراموش نہ کرے اور جن لوگوں کے اس پر حقوق ہیں، اُن کا نام لے کر ان کے لئے دعائے مغفرت کرے جس قدر ہو سکے گریہ کرکے خدا سے اپنے گناہوں کی مغفرت کی بھی دعا کرے اور خداوند کریم سے معافی کی گڑگڑا کر درخواست کرے اس مقام پر منقول دعائیں بہت زیادہ ہیں بہرکیف ہر شخص اپنی مرضی کی دعا مانگ سکتا ہے بشرطیکہ جائز ہو اور دعا میں عربی زبان کی پابندی بھی نہیں ہے اور کم ازکم ستر دفعہ استغفار پڑھے کیونکہ روایت میں ہے کہ حضرت رسول کریمؐ ستر مرتبہ استغفار پڑھا کرتے تھے اور امام زین العابدین علیہ السلام تین سو دفعہ العفو پڑھا کرتے تھے۔ کلمات فرج یہ ہیں۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا فِيْهِنَّ وَمَا بَيْنَهُنَّ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

مسئلہ:۔ وتر کی دعائے قنوت میں جن چالیس آدمیوں کے لئے دعا کرے ان کو نام بنام ذکر کرے۔ مثلاً کہے:۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِفُلَانٍ وفلاں وغیرہ اور فلاں کی جگہ مومن کا نام لے پھر واو حرف عطف کے ساتھ نام لیا جائے یہاں تک کہ چالیس پورے ہو جائیں اور اگر تندرستیٔ بیماراں کے لئے دعا مانگنی ہو تو کہے اَللّٰهُمَّ اشْفِ فلاں وفلاں اگر دوسری حاجات دینیہ و دنیاویہ کے لئے دعا کرنی ہو تو کہے۔ اَللّٰهُمَّ اقْضِ حَوَائِجَ فُلَانٍ وفلاں وغیرہ مردوں عورتوں اور مُردوں زندوں سب کو دعا میں شامل کر سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر دن کو روزہ رکھنا ہو اور وتر کی حالت میں پیاس محسوس ہو اور یہ بھی خطرہ ہو کہ نماز وتر کے ختم کرنے تک سحری کا وقت ختم ہو جائے گا تو ایسی صورت میں بجائے وتر کو مختصر کرنے کے نماز کی حالت میں پانی پی سکتا ہے بشرطیکہ قبلہ کی طرف پشت نہ کرے اور کوئی دوسرا فعل مبطل بجا نہ لائے پس پانی تک چل کر جانا اور پی لینا معاف ہے۔

شرائط نماز

نماز چونکہ خالق و مخلوق کے درمیان باہمی مکالمے اور راز و نیاز کا مقام ہے اور احادیث میں اس کو مومن کی معراج سے تعبیر کیا گیا ہے لہذا نمازی کو چاہیے کہ تمام علائق دنیاویہ سے اپنے آپ کو آزاد کرکے اپنی پوری توجہ اس ذات کی طرف رکھے جس کے ساتھ اس کو مکالمہ کا شرف عطا ہوا ہے جس طرح محبّ و محبوب کی ملاقات

دیگر تمام علائق سے بے نیاز کر دیا کرتی ہے پس اس روحانی پاکیزگی کو حاصل کرنے کے لئے پہلے ظاہر کی طہارت واجب و لازم ہے پس (۱) بدن پاک وصاف ہو (۲) لباس پاکیزہ اور مباح ہو (۳) باوضو ہو اور بصورت دیگر تیمم کر چکا ہو (۴) اگر پورا لباس میسّر نہ آسکے تو کم از کم مقام شرم مستور ہو اور عورت کے لئے چہرہ ہتھیلیوں اور قدموں کے سوا سارا بدن مستور ہو خواہ کوئی دیکھنے والا ہو یا نہ ہو (۵) قبلہ رُخ کھڑا ہو (۶) جائے نماز مباح ہو (۷) مقام سجدہ پاک ہو (۸) نماز کا وقت داخل ہو چکا ہو (۹) لباس میں مرد کے لئے ریشمی لباس ممنوع ہے (۱۰) جس جانور کا گوشت حرام ہے اس کا چمڑا یا کوئی جزو حالت نماز میں اس کے ساتھ نہ ہو (۱۱) مرد کے لئے سونے کا پہننا مبطل نماز ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے اُمور ہیں جن کی پاسداری مستحب ہے اور ہر وہ امر جو منافی خضوع و خشوع ہو اس سے اجتناب کرنا بہتر ہے مثلاً (۱) سامنے قبر نہ ہو (۲) قریب عورت نہ ہو پس اگر عورت و مرد نماز پڑھیں تو ان کے درمیان کم از کم دس ذراع کا فاصلہ ہونا چاہیے یا درمیان میں پردہ حائل ہو یا عورت مرد کے پیچھے کھڑی ہو جائے اور قبر کے سامنے ہونے کی صورت میں بھی اسی فاصلہ کا یا پردہ کا اہتمام کرے تو بہتر ہے (۳) اسی طرح سامنے تصویریں نہ ہوں اور مساجد کی نقاشی بھی اسی نقطہ نظر کے ماتحت ممنوع قرار دی گئی ہے کہ خیالات کے انتشار کی موجب ہے (۴) سامنے کتاب کھلی نہ ہو اگر ممکن ہو تو اس پر پہلے کپڑا ڈال دے (۵) سامنے کوئی آدمی اس کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھا ہو (۶) سامنے دروازہ کھلا نہ ہو (۷) سامنے چراغ نہ جل رہا ہو (۸) جس جگہ نماز پڑھ رہا ہے وہ آتش خانہ نہ ہو (۹) شارع عام نہ ہو (۱۰) پانی کے بہاؤ کی جگہ نہ ہو (۱۱) پانی کا گھاٹ نہ ہو (۱۲) جس جگہ پر کھڑا ہے وہ متحرک نہ ہو جس سے سکون و اطمینان میں فرق آجائے (۱۳) گندی اور غلیظ جگہ نہ ہو وغیرہ۔

ان سب چیزوں کی رعایت اگرچہ واجبات میں سے نہیں ہے لیکن ان امور کو خشوع و خضوع میں بڑا دخل ہے پس مقبولیت نماز میں یہ امور رکاوٹ کے موجب ہیں اسی لئے مناسب ہے کہ واجبات کے علاوہ نماز میں ایسے اسباب کو مہیا کرے جو خشوع و خضوع کے موجبات ہوں اور مقبولیت نماز کا ذریعہ ہوں مثلاً گھر کی بجائے مسجد کو ترجیح دے اپنے جسم کو خوشبودار کر کے جائے ایسے وقت میں نماز پڑھے جس وقت پوری توجہ اس کی طرف ہو اسی بنا پر خاک شفا پر سجدہ کرنے کو ترجیح دی گئی ہے۔

وجوب استقبال اور تحقیق قبلہ

نماز میں چونکہ کعبہ بیت اللہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے لہذا نماز پڑھنے سے پہلے جہت قبلہ کا تعین ضروری ہے۔ ہمارے پورے ملک میں شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً ہر جگہ اس بات کو اُصول مسلمہ میں سے سمجھا گیا ہے کہ قطبی ستارہ جو اُفق شمال سے تقریباً ۳۲ درجے کی بلندی پر ہے اس کو دائیں کندھے کے درمیان رکھنے سے منہ سیدھا قبلہ کی طرف ہو جاتا ہے حالانکہ قطبی ستارہ کو دائیں کندھے پر رکھنے سے نقطہ مغرب کی طرف سیدھا منہ ہو جاتا ہے اور مغرب اور سمتِ قبلہ میں تلازم قطعاً نہیں ہے البتہ وہ مقامات جو مکہ سے سیدھے نقطہ مشرق پر واقع ہوں اور مکہ کے ساتھ اُن کا عرض بلد موافق ہو اُن کی جہتِ قبلہ نقطہ مغرب ہو گی پس جنوبی ہند

اور انڈونیشیا کے بعض مقامات کے قبلہ کی علامت صحیح یہی ہے کہ قطبی ستارہ کو دائیں کندھے کے وسط میں رکھا جائے۔ لیکن پاکستان میں کوئی بھی مقام ایسا نہیں جو مکہ سے سیدھا جانب مشرق واقع ہو اور اس کا عرض بلد مکہ سے ملتا جلتا ہو۔ بلکہ اگر نقشہ کو دیکھا جائے تو لاہور سے نقطۂ مغرب پر اُردن واقع ہے نہ کہ حجاز۔

آج کل جدید تحقیقات جغرافیائی لحاظ سے حدیقین اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں اور ماہرین نے پوری دنیا کا چپہ چپہ ناپ کر رکھ دیا ہے اور جدید آلات کے ذریعے سے نت نئے انکشافات نے ذہن انسانی کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے لہذا ایسے حالات میں گذشتگان کی تقلید کرتے ہوئے آنکھیں بند کرکے لکیر کا فقیر بن کر رہ جانا دانشمندی نہیں جب کہ انکشافاتِ جدیدہ کی واقعیت و صداقت اپنا لوہا منوا چکی ہے وہ اور زمانہ تھا جب کہ صرف اندازہ سے ہی کام نکالا جا سکتا تھا اب تحقیق کا زمانہ ہے البتہ جس مقام پر پائے تحقیق لنگ ہو اور لسانِ واقع گنگ ہو تو حالاتِ حاضرہ جس ظن و اندازہ تک پہنچا دیں۔ اُسے غنیمت سمجھ لیا جائے۔

آج کل تحقیقاتِ جدیدہ کے ماتحت جو قبلہ نما بازار میں آئے ہیں اور ہر بڑے شہر میں دستیاب بھی ہو سکتے ہیں ان کی رُو سے ہمارا یعنی لاہور کا قبلہ نقطۂ مغرب سے تقریباً ۲۰ درجے جنوب کی طرف ہے پس اس صورت میں قطبی ستارہ سیدھا دائیں کندھے کے وسط میں نہ رکھا جائے بلکہ دائیں کندھے کے پچھلے کونے کی سیدھ میں اُسے رکھنا پڑے گا۔ پرانے خیالات کے مقلد اذہان کے لوگوں کے سامنے اس قسم کی تحقیق بالکل اجنبی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں قبلہ سے منحرف کیا جا رہا ہے لہذا وہ اپنی ضد پر اڑ جاتے ہیں حالانکہ انہیں یہ ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ پہلے لوگوں کے لئے تحقیق کرنے کے اسباب و آلات محدود تھے اور وسائل مختصر تھے پس ان کی تحقیق اپنے زمانہ کے لحاظ سے اس سے زیادہ نہ بڑھ سکتی تھی جہاں تک کہ وہ اس زمانہ میں پہنچے لیکن آج کل تحقیق کا میدان بہت وسیع ہو چکا ہے اور ذرائع و اسباب کی فراوانی ہے پس موجودہ تحقیق قبلہ سے منحرف نہیں کرتی بلکہ قبلہ کی صحیح رہنمائی کرتی ہے اور پہلے لوگوں کی تحقیق میں جو کمزوری رہ گئی تھی اب اس کمزوری کو دُور کیا گیا ہے۔ اور کراچی و حیدرآباد کا قبلہ نقطۂ مغرب سے ۱۸ درجے جنوب کی طرف ہے۔

کیفیتِ اذان و اقامت و نماز

مستحب ہے کہ پہلے اذان کہے اور پھر اقامت اور اس کے بعد نماز شروع کرے اور غالباً یہ مقدمات توجہ اور التفات کو مجتمع کرنے کے لئے ہیں تاکہ نمازی اپنے آپ کو بارگاہ ایزدی میں حاضر کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہو جائے۔ اذان کا طریقہ یہ ہے۔

پہلے چار دفعہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ - پھر دو دفعہ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پھر دو دفعہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پھر مستحب ہے کہ دو دفعہ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ کہے پھر دو دفعہ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ پھر دو دفعہ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ پھر دو دفعہ حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ پھر دو دفعہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور آخر میں دو دفعہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

تھوڑا سا وقفہ کر لینے کے بعد اقامت کہے جو اذان کی طرح ہے صرف چار تکبیر کی بجائے پہلے دو دفعہ اللہ اکبر کہے اور آخری

تکبیر سے پہلے دو دفعہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ کہے اور بالکل آخر میں ایک دفعہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کہے۔

پس کوئی اور کلام کئے بغیر سیدھا ہو کر نماز کی نیت کر کے تکبیرۃ الاحرام اللّٰہ اکبر کہے اور ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرے نہایت اطمینان وسکون سے قبلہ رو کھڑا ہو۔ دونوں ہاتھ پہلوؤں میں انگلیاں ملی ہوں نظر جائے سجدہ پر رہے اور قدموں کے درمیان قدرے فاصلہ ہو، عورت کے لئے ہاتھوں کو سینہ پر رکھنا ان کی عفت وحیا کے پیش نظر مستحب ہے اور پاؤں ان کے آپس میں ملے ہوئے ہوں۔ پس بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو جہر سے پڑھ کر الحمد شروع کرے عورت بے شک بسم اللّٰہ کو خاموشی سے پڑھے الحمد کے بعد سورہ اِنَّآ اَنْزَلْنَا یا کوئی دوسرا پڑھ کر قیام کی حالت میں تکبیر کہے اور اللّٰہ اکبر ختم ہونے کے بعد رکوع کی طرف جھکے اور حالتِ رکوع میں نظر قدموں کے درمیان ہو اور ہاتھوں کی انگلیاں کھلی ہوں اور گھٹنوں کو اوپر دبا کر رکھے پشت برابر ہو اور سر وگردن بھی پشت کی سیدھ میں ہو اطمینان وسکون کی حالت میں ذکر رکوع کرے۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ ایک دفعہ واجب ہے اور تین دفعہ کہنا مستحب ہے یا صرف سُبْحَانَ اللّٰہ تین دفعہ کہہ دے اور بعد میں درود شریف پڑھ لینا بھی مستحب ہے۔ پس سیدھا کھڑا ہو کر پڑھے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اور اللّٰہ اکبر بھی وہیں قیام میں پڑھے بعد میں سجدہ کے لئے جھکے پہلے ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے اور بعد میں گھٹنے زمین پر رکھے لیکن عورت کے لئے یہ ہے کہ پہلے گھٹنے زمین پر رکھے اور بعد میں ہاتھ، سجدہ کی حالت میں دونو ہتھیلیاں دونو پاؤں کے انگوٹھے دونو گھٹنے اور پیشانی یہ سات اعضاء ہیں جن کا ٹیکنا واجب ہے اور ناک کا زمین پر رکھنا مستحب ہے سجدہ کی حالت میں نظر ناک پر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی کانوں کے کناروں کے برابر ہوں، کہنیاں جسم سے الگ ہوں پیٹ زمین سے اوپر کو ابھرا ہوا ہو لیکن عورت کے لئے مستحب ہے کہ زمین سے مل کر سجدہ میں پڑے اور اس کے دونوں ہاتھ کہنیوں تک زمین سے چمٹے ہوں حالت سجدہ میں اطمینان وسکون کے ساتھ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَبِحَمْدِهٖ ایک دفعہ واجب ہے اور تین دفعہ کہنا مستحب ہے یا اس کی بجائے تین دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہنا بھی کافی ہوا کرتا ہے۔ پس درود شریف پڑھے اور اٹھ بیٹھے اور کہے اللّٰہ اکبر اور اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ پڑھ کر تکبیر کہے اور بعد میں دوسرے سجدہ کے لئے جھکے اور دوسرے سجدہ سے فارغ ہو کر اٹھ بیٹھے اور اس بیٹھنے کو جلسہ استراحت سے فقہا تعبیر کیا کرتے ہیں پس بِحَوْلِ اللّٰهِ وَقُوَّتِهٖ اَقُوْمُ وَاَقْعُدُ کہتے ہوئے اٹھے اور دوسری رکعت پڑھے حالتِ قیام میں سورہ حمد پھر کوئی دوسرا سورہ اور اس کے بعد دعائے قنوت پڑھے مثلاً رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اس کے اوّل وآخر میں درود شریف پڑھے اور حالتِ قیام میں تکبیر کہہ کر پھر رکوع اور بعد میں حسب سابق دونو سجدے بجالائے اب دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا بیٹھ جائے جب کہ نظر گود میں ہو پس دونو پاؤں دائیں طرف نکال کر اس طرح بیٹھے کہ بائیں پاؤں کے شکم میں دائیں پاؤں کی پشت ہو پس کلمہ شہادتین پڑھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پس درود شریف پڑھے اور اس کو تشہد کہا جاتا ہے پس اگر صبح کی نماز ہے تو سلام پڑھ کر ختم کرے پہلا سلام مستحب ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اور یہ سلام تشہد کی حالت میں بیٹھے ہوئے پھر نظر کو مغرب کی طرف بڑھا کر پڑھے ۱۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اور گوشہ چشم سے دائیں طرف اشارہ کر کے تیسرا سلام پڑھے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اور اگر مغرب کی نماز ہو تو تشہد کے بعد سلام نہ پڑھے بلکہ بِحَوْلِ اللّٰہِ الخ پڑھتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہو اور حالتِ قیام میں یا تو صرف سورہ فاتحہ پڑھے یا اس کے بجائے تسبیحاتِ اربعہ پڑھ لے دوسرا سورہ نہ پڑھے اور تسبیحات اربعہ یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پھر رکوع وسجود کر کے تشہد پڑھے اور پڑھ کر نماز ختم کرے اور اگر چار رکعتی نماز یعنی ظہر یا عصر یا عشاء ہو تو تیسری رکعت میں سجدوں کے بعد تشہد پڑھنے کی بجائے بِحَوْلِ اللّٰہِ الخ پڑھتے ہوئے اٹھ جائے اور تیسری رکعت کی طرح چوتھی رکعت پڑھ کر تشہد وسلام پڑھے۔

آئمہ طاہرین علیہم السّلام نے نماز کا جو طریقہ تعلیم فرمایا ہے وہ یہی ہے اس سے بڑھانا یا کم کرنا علما کے بس میں نہیں ہے تشہد میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت کی شہادت پہ اصرار کرنا خواہ مخواہ کی موشگافی ہے کیونکہ درود میں سب آلِ محمدؐ شامل ہیں دورِ حاضر کے مجتہد اعلم آقائے محسن حکیم طباطبائی فرماتے ہیں کہ تشہد میں ولایت علیؑ کی شہادت کا اضافہ مبطل نماز ہے پس احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حدیقین سے آگے قدم نہ بڑھایا جائے۔

نماز میں جو واجبات ہیں وہ چودہ ہیں۔ (۱) نیت اور اس کے حکم کا دائم رکھنا (۲) تکبیرۃ الاحرام یعنی پہلی اللہ اکبر جس سے نماز شروع ہوئی تھی (۳) قیام (۴) رکوع (۵) سجود (۶) قرأت (۷) ذکر رکوع (۸) ذکر سجدہ (۹) تشہد (۱۰) سلام (۱۱) ترتیب یعنی اس ترتیب سے پڑھی جائے جو اوپر بیان کی جا چکی ہے (۱۲) موالات یعنی ایک فعل کے بعد دوسرا فعل بلاتاخیر بجالایا جائے کہ درمیان میں طویل خاموشی یا کوئی دوسرا شغل حائل نہ ہو (۱۳) طمانیت یعنی ہر فعل اپنے اپنے مقام پر بجالائے اور اطمینان وسکون کو کسی جزو نماز میں نہ ترک کرے پس نماز کی حالت میں ہلتے جلتے رہنا درست نہیں ہے (۱۴) بعض علماء نے جلسۂ استراحت کو بھی واجب قرار دیا ہے۔ یعنی پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد تھوڑا سا بیٹھے رہنا اور پھر اٹھنا، ان واجبات مذکورہ میں سے پہلے پانچوں کو ارکان نماز کہا جاتا ہے یعنی ان کی کمی یا بیشی عمداً ہو یا سہواً نماز کو باطل کر دیتی ہے باقی سب واجبات ہیں ان میں اگر عمداً کمی یا بیشی ہو گی تو نماز باطل ہو گی ورنہ نہیں۔

شکیات نماز

چونکہ نماز میں شکوک وشبہات کا آنا لازمی ہے تو آلِ محمدؐ نے جو ان کے علاج بتلائے ہیں اُن کو ذہن نشین کر لینا بھی ضروری ہے تاکہ موقعہ پر کام میں آئیں اور وارد ہے کہ مَا اَعَادَ الصَّلٰوۃَ فَقِیْہٌ یعنی فقہ رکھنے والا نماز کا اعادہ نہیں کرتا کیونکہ نماز پر وارد ہونے والے شبہات کا اس کو علاج معلوم ہوتا ہے اور ارشادِ خداوندی ہے وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ۔ یعنی اپنے اعمال کو باطل نہ کیا کرو۔ بنابریں شک پڑنے پر نماز کو توڑ دینا جائز نہیں بلکہ اگر اُس کا علاج ہو سکتا ہے تو اُسے علاج سے صحیح کر لیا جائے جس طرح ظاہری اجسام کی بعض بیماریاں لاعلاج ہوتی ہیں

اور بعض قابلِ علاج ۔ پس مریض کو ہلاک کر دینے کی بجائے قابلِ علاج بیماریوں کا علاج تلاش کر کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح نماز کے معنوی جسم کے لئے بعض بیماریاں لا علاج ہیں اور بعض قابلِ علاج ہیں ۔ لہٰذا نماز کو توڑ دینے کی بجائے اس کا مناسب تدارک کرنا ضروری ہے ۔

مسئلہ :۔ نماز کے جن واجبات کو ارکان کہا جاتا ہے ان میں کمی یا زیادتی عمدًا ہو یا سہوًا نماز کو باطل کر دیتی ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں ۔

مسئلہ :۔ شکِ رکعات میں پہلی رکعت کا تعلق ہو تو نماز باطل ہوتی ہے ۔

مسئلہ :۔ اسی طرح شک رکعات میں دو سجدے مکمل کرنے سے پہلے دوسری رکعت کا تعلق ہو تو نماز باطل ہے ۔

مسئلہ :۔ صبح مغرب نمازِ قصر اور نمازِ آیات میں شکِ رکعات سے نماز باطل ہو جاتی ہے ۔

مسئلہ :۔ ارکان کے علاوہ دوسرے واجبات میں سے کسی واجب کو عمدًا ترک کرنے سے نماز باطل ہوتی ہے ۔

مسئلہ :۔ دوسری اور تیسری رکعت میں شک ہو جائے دو سجدوں کے بعد تو نماز صحیح ہے اور شک قابلِ علاج ہے موجودہ رکعت کو تیسری رکعت سمجھ کر پھر چوتھی پڑھے اور سلام پڑھنے کے بعد بلا فاصلہ اٹھ کر ایک رکعت یا بیٹھ کر دو رکعت نماز احتیاط پڑھے ۔

مسئلہ :۔ دوسری اور چوتھی رکعت کے شک میں موجودہ رکعت کو چوتھی سمجھے اور سلام کے کھڑے ہو کر دو رکعت نماز احتیاط بجالائے ۔

مسئلہ :۔ تیسری اور چوتھی رکعت شک میں اس کو چوتھی سمجھے اور بعد میں ایک رکعت کھڑے ہو کر یا دو رکعت بیٹھ کر نماز احتیاط پڑھے ۔

مسئلہ :۔ تیسری اور پانچویں رکعت کے شک میں اگر حالتِ قیام میں ہو تو فورًا بیٹھ کر سلام پڑھ اب اس کی باقی نماز دو اور چار کے درمیان مشکوک رہ جائے گی کیونکہ جس رکعت کو چھوڑ دیا گیا ہے وہ تیسری یا پانچویں تھی ۔ پس سلام کے بعد دو رکعت اُٹھ کر نماز احتیاط بجالائے اور قیام زائد کے لئے دو سجدے سہو کے ادا کرے اور اگر تیسری اور پانچویں کا شک رکوع یا اس کے بعد کی کسی حالت میں پڑے تو نماز باطل ہے ۔

مسئلہ :۔ اگر دوسری تیسری اور چوتھی شک ہو تو چوتھی سمجھی جائے اور سلام کے بعد دو رکعت اُٹھ کر اور دو رکعت بیٹھ کر نماز احتیاط پڑھے ۔

مسئلہ :۔ اگر تیسری چوتھی اور پانچویں کا شک حالتِ قیام میں ہو تو قیام کو ختم کر کے بیٹھ جائے اب یہ شک دو تین اور چار کا ہو جائے گا کیونکہ زائد مشکوک رکعت کو ختم کر دیا گیا ہے ۔ پس سلام کے بعد دو رکعت کھڑے ہو کر اور دو رکعت بیٹھ نماز احتیاط بجالائے ۔ اور قیام زائد کے لئے دو سجدے سہو کے ادا کرے ۔

مسئلہ :۔ اگر چوتھی اور پانچویں میں شک ہو پس حالتِ قیام میں ہو تو بیٹھ جائے اور تیسری و چوتھی کے شک کا علاج

کرے اور زائد قیام کے لئے دو سجدے سہو ادا کرے اور اگر دو نو سجدوں کے بعد یہ شک پڑ جائے تو تشہد پڑھ کر سلام پڑھ لے اور صرف دو سجدے سہو کے ادا کر لے نماز صحیح ہو گی۔

پس یہ وہ قابل علاج شکوک ہیں جن کا تدارک بیان کیا گیا ہے اور اگر نماز میں سہو ہو جائے تو ارکان نماز کا سہو مبطل نماز ہے۔ اس کے علاوہ کوئی سہو مبطلِ نماز نہیں بلکہ اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔

مسئلہ:۔ ارکان نماز میں سہو کی صورت میں اگر دوسرے رُکن تک پہنچنے سے قبل یاد آجائے تو واپس اس رُکن کو ادا کرے جس کا سہو ہوا تھا پھر نماز کی ترتیب کو قائم رکھتے پس نماز درست رہے گی لیکن اگر دوسرے رُکن میں داخل ہو چکا ہے تو پہلے رُکن کے ترک کی وجہ سے نماز باطل ہے۔

مسئلہ:۔ کسی رُکن کی ادائیگی میں شک ہونے کی صورت میں اگر دوسرے رُکن میں داخل ہو چکا ہے تو شک کی پرواہ نہ کرے اور اگر دوسرے رُکن میں ابھی نہیں پہنچا تو رکن مشکوک پہلے بجا لائے پھر ترتیبِ نماز کو قائم کر کے اس کو پورا کرے اور رکن مشکوک کو بجا لانے کے بعد اگر یاد آجائے کہ پہلے بھی ادا کر چکا تھا تو زیادتی رُکن کی وجہ سے نماز باطل ہو گی۔

مسئلہ:۔ کسی واجب کا سہو ہو جائے اور بعد میں رُکن تک پہنچنے سے پہلے یاد آجائے تو اُس کا تدارک کرے مثلاً سورہ فاتحہ بھول جائے اور دوسرا سورہ شروع کر دے پھر رکوع سے پہلے یاد آجائے تو سورہ فاتحہ پڑھے اور پھر سورہ دوبارہ پڑھ کر نماز کو آگے بڑھائے اسی طرح سجدہ یا تشہد بھول کر دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے یاد آجائے تو بیٹھ کر بھولی ہوئی جزو کو ادا کرے پھر ترتیب کے ساتھ نماز کو پورا کرے اور ایسی صورت میں زیادتی کے لئے سجدہ سہو بھی کرنا پڑے گا اور اگر رکوع میں پہنچ کر یاد آئے تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد سجدہ یا تشہد کی قضا کرے اور پھر دو سجدے سہو کے ادا کرے

مسئلہ: شک کی صورت میں ضروری ہے کہ پہلے کچھ فکر کرے اگر کسی ایک طرف کا خیال غالب ہو جائے تو اُسی پر عمل کرے ورنہ شک کا بتایا ہوا علاج کرے۔

مسئلہ:۔ جلسہ استراحت کو عمداً ترک کرنے سے نماز باطل نہ ہو گی لیکن گنہگار ہوگا اور سہواً چھوٹ جانے سے اس کا کوئی تدارک نہیں بلکہ نماز صحیح ہے۔

مسئلہ: کسی جب میں شک ہو جب کہ اس سے دوسرے واجب کی طرف منتقل ہو چکا ہو تو مشکوک کی کوئی پرواہ نہ کرے۔

مسئلہ:۔ چند شکوک ہیں جو نماز کی صحت میں مخل نہیں ہیں پس ان کی پرواہ نہ کی جائے۔

(۱) شک بعد از وقت مثلاً نماز کا وقت گذر جانے کے بعد شک ہو کہ میں نے پڑھی ہے یا نہ تو اسے پڑھی سمجھے اور پرواہ نہ کرے (۲) شک بعد از فراغ مثلاً نماز سے فارغ ہونے کے بعد کسی جزو کی ادائیگی میں شک ہو تو اس کی پرواہ نہ کرے بلکہ نماز کو صحیح سمجھے (۳) شک بعد از محل۔ دوسرے رکن میں پہنچ جانے کے بعد پہلے کے کسی واجب یا رکن میں شک ہو تو اس کی طرف دھیان نہ کرے نماز صحیح ہو گی۔ (۴) شک مقتدی اگر مقتدی کو کسی مقام پر شک ہو خواہ نماز کی رکعات میں

ہی سہی اور پیش نماز کو یاد ہو تو وہ پیش نماز کی اقتداء میں اپنے شک کی پرواہ نہ کرے اس کی نماز درست ہو گی ۔ (۵) شک امام اگر کسی مقام پر پیش نماز کو شک ہو اور مقتدیوں کو یاد ہو تو پیش نماز اُن کے اشارے سے اپنے شک کو نظر انداز کرے۔ (۶) شک در شک اگر کسی نمازی کو اپنے شک میں شک ہو جائے تو اس کی پرواہ نہ کرے یا یہ کہ نماز شک جسے نماز احتیاط کہا جاتا ہے اس میں شک پڑ جائے تو اس کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے (۷) شک کثیر الشک جس آدمی کو شک زیادہ پڑتے ہوں تو وہ اُن کی پرواہ نہ کرے۔

مسئلہ :- تین متواتر نمازوں میں شک پڑنے سے وہ کثیر الشک سمجھا جائے گا پھر اگر متواتر تین نمازیں اس کی بلا شک ہو جائیں گی تو وہ کثیر الشک نہ رہے گا۔

مسئلہ :- سجدۂ سہو چند مقامات پر واجب ہوا کرتا ہے۔

(۱) زیادتیٔ کلام یعنی حالتِ نماز میں بھول کر کوئی بات مُنہ سے نکل جائے تو نماز کو باطل نہ کرے بلکہ بعد از سلام اس کے لئے دو سجدے سہو کے دیدے نماز صحیح ہو گی (۲) زیادتیٔ سلام اگر بے جا سلام پڑھ لے مثلاً سہ رکعتی یا چار رکعتی نماز میں دوسری رکعت کے تشہد کے بعد نماز پڑھ لے تو یاد آنے پر فوراً کھڑا ہو جائے اور نماز کو پُورا کر کے بعد میں دو سجدے سہو کے ادا کرے (۳) ایک سجدہ بھول جانے کی صورت میں نماز ختم کرنے کے بعد پہلے بھولے ہوئے سجدے کو قضا کرے پھر دو سجدے سہو کے لئے دے (۴) ایک سجدہ زیادہ کرنے کی صُورت میں بعد از فراغ نماز دو سجدے سہو کے ضروری ہیں (۵) تشہد بھول جانے کی صُورت میں بعد از فراغ پہلے تشہد قضا پڑھے پھر دو سجدے سہو کے دے دے (۶) تشہد کے زیادہ ہو جانے کی صورت میں بھی سجدہ سہو واجب ہے (۷) رکوع ۴-۵ کے شک میں جہاں پانچویں کا دخل پڑتا ہے بعد از فراغ دو سجدے سہو کے لئے ضروری ہوتے ہیں بلکہ ہر کمی و بیشی کے لئے سجدہ سہو کا بجا لانا ضروری ہے۔

مسئلہ :- سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ نیتِ سجدتین کر کے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلا جائے اور پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ پھر اٹھ بیٹھے اور دوبارہ اسی طرح سجدہ کرے اور بعد میں تشہد مختصر پڑھ کر ایک سلام واجب پڑھے یعنی اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔

مسئلہ :- جو اسباب وضو کو توڑ دیتے ہیں اُن کے عارض ہونے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور علاوہ ازیں مندرجہ ذیل چیزیں مبطل نماز ہیں (۱) کھانا (۲) پینا اگرچہ قلیل مقدار میں ہی کیوں نہ ہو (۳) عمداً کلام کرنا (۴) خوفِ خدا یا غم آلِ محمدؐ کے علاوہ کسی دنیاوی کام کے لئے گریہ کرنا (۵) ہاتھ باندھنا جب کہ ضرورتِ تقیہ نہ ہو (۶) آمین کہنا سورہ فاتحہ کے بعد (۷) جان بوجھ کر کسی واجب کو ترک کرنا حتیٰ کہ طمانیت اور موالات کا عمدی ترک بھی مبطل نماز ہے البتہ جلسۂ استراحت کا ترک مبطل نماز نہیں ہے (۸) قبلہ سے منحرف ہو جانا حتیٰ کہ دائیں یا بائیں ہو جائے پس معمولی انحراف سے نماز باطل نہیں ہوتی (۹) کوئی سا فعلِ کثیر کرنا (۱۰) لباس یا بدن کا نجس ہونا (۱۱) جائے سجدہ کا نجس ہو جانا کہ اس سے انتقال کی کوئی صورت

نہ ہو (۱۲) جائے نماز کا نجاستِ متعدیہ سے ملوث ہو جانا کہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہو (۱۳) لباس یا فرش کے غصبی ہونے کا علم ہو جانا (۱۴) کپڑے پر سجدہ کرنا (۱۵) کھانے کی چیز پر سجدہ کرنا (۱۶) کسی رکن نماز کا چھوٹ جانا (۱۷) شکیات کی وہ صورتیں جو قابل علاج نہیں اُن میں سے کسی کا عارض ہونا۔

مسئلہ:۔ کاغذ پر سجدہ ہو سکتا ہے اور بہتر ہے کہ اس پر تحریر نہ ہو۔

مسئلہ:۔ خاک شفا پر سجدہ کرنا مقبولیت نماز کا موجب ہے اور منقول ہے کہ مقبولیت اعمال کو روکاٹ کے سات حجاب خاک شفا پر سجدہ کرنے سے دور ہو جاتے ہیں اور خاک شفا کے دیگر بعض فضائل ہم نے تفسیر کی چوتھی جلد ص۱۲ و ص۱۳ پر ذکر کئے ہیں۔

مسئلہ:۔ وہ سبزیاں جو کھائی جاتی ہیں ان پر سجدہ نہیں ہو سکتا باقی درختوں کے پتوں پہ اور لکڑی پر سجدہ جائز ہے اور جو سبزیاں بعض علاقوں میں کھائی جاتی ہیں ان پر بھی بالعموم سجدہ نہیں ہو سکتا مثلاً پان کے پتے۔

مسئلہ:۔ جن درختوں کا پھل کھایا جاتا ہے ان کے پتوں یا لکڑی پر سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ جن میوہ جات کے اُوپر چھلکا کھایا نہیں جاتا مثلاً اخروٹ یا بادام وغیرہ کا چھلکا اس پر سجدہ جائز ہے۔

مسئلہ:۔ اُون، پٹ سن، ریشم اور کپاس وغیرہ (جن سے کپڑا تیار ہوتا ہے) پر سجدہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن کپاس کے پتوں اور لکڑی پر سجدہ جائز ہے۔

تعقیبات نماز

سلام پڑھنے کے بعد کانوں تک ہاتھ بلند کر کے تین بار اللہ اکبر کہنا مستحب ہے۔
نماز سے فارغ ہونے کے بعد نمازی کو چاہیے کہ فوراً چلا نہ جائے بلکہ مصلائے عبادت پر بیٹھ کر ذکر خدا بجالائے اور تمام اذکار میں سے تسبیح جناب فاطمہ زہرا افضل ہے اور وہ یہ ہے۔ چونتیس مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، تینتیس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ یہ تسبیح صرف توحید ہی توحید کا درس ہے پہلے کلمہ میں اللہ کی کبریائی کی گواہی ہے اور دوسرے کلمہ میں اللہ کی نعمات کا شکر ہے اور تیسرے کلمہ میں ہر غیر شائستہ صفت سے اس کی تنزیہہ کا بیان ہے خود حضرت رسالتمآبؐ نے اپنی پیاری شہزادی کو یہ تسبیح تعلیم فرمائی اور معصوم سے مروی ہے کہ اس کا پڑھنا ثواب کے لحاظ سے ایک ہزار رکعت نماز نافلہ کے برابر ہے۔ پس مومن کو چاہیے کہ نماز فریضہ کے بعد اس کو ترک نہ کرے۔

مقامِ محمود

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مَقَامًا کا معنی بعثًا ہے۔ (اور یہ مفعول مطلق ہے) یعنی خدا تجھے بروز محشر اٹھائے گا ایسا اٹھانا کہ تیرا مقام اوّلین و آخرین کیلئے لائق تعریف ہوگا اور وہ مقام اشاعت ہے کہ آپ تمام مخلوق سے بلند ہوں گے اور روایات اہل بیت میں ہے کہ اس سے عہدۂ شفاعت مراد ہے اور متعدد روایات کا مضمون یہ ہے کہ جن وانس جب حساب کے لئے کھڑے کئے جائیں گے تو حساب سے پہلے عرصۂ محشر میں ان کو کافی دیر تک کھڑا رہنا پڑے گا۔ حتیٰ کہ چالیس دنوں کے وقفہ کے برابر ان کے قیام میں طول ہوگا۔ سورج کی تمازت

تیز ہوگی اور ان سے بہنے والے پسینے کو زمین جذب نہ کرے گی پس پسینے کے ایک سمندر میں ڈوبے ہوئے ہوں گے اور وہ اُن کے مُنہ تک پہنچ جائے گا اور اس حالت سے اس قدر گھبرا جائیں گے کہ دوزخ میں جلنا اُن کو آسان معلوم ہوگا پس حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے آپ ہمارے باپ اور پیغمبر ہیں ہماری سفارش کیجیے تاکہ اس حالت سے ہمیں چھٹکارا نصیب ہو خواہ ہمیں جہنّم کی طرف ہی بھیج دیا جائے تو آپ اپنے ترکِ اولیٰ کا عذر کر کے حضرت نوحؑ کی طرف بھیجیں گے وہ اپنے بیٹے کے حق میں دعا کرنے کے ترکِ اولیٰ پر پشیمان ہونگے اور شفاعت کی جرأت نہ کریں گے۔ پس وہ حضرت ابراہیمؑ کا حوالہ دیں گے وہ حضرت موسیٰؑ کی طرف اور حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ کی طرف ان کو بھیجیں گے اور آخر کار حضرت محمد مصطفےٰؐ تک نوبت پہنچے گی۔

اس دن تمام انبیاء حضرت محمد مصطفےٰؐ کے لواء کے سایہ میں ہوں گے پس تمام جن و انس حضورؐ کے پاس فریاد لیکر پہنچیں گے اور عرض کریں گے حضورؐ ہمیں اس مُصیبت سے بچائیے کہ اس تکلیف سے ہمیں آتشِ جہنّم میں جانا آسان ہے تو آپ ان کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے دروازہ جنّت کی طرف آئیں گے اور جنّتِ عدن کے دروازہ پہ پہنچیں گے جس کا نام دارالرحمٰن ہے اور اس دروازہ کی وسعت مشرق سے مغرب تک کے فاصلہ کے برابر ہے پس دروازہ کھُلے گا اور آپ عظمتِ پروردگار کے سامنے سجدہ میں جھک جائیں گے ایک ملک خدا کی جانب سے ندا دے گا کہ آپ جو مانگیں دیا جائیگا پس سجدہ سے سر اٹھا کر دوبارہ پھر سہ بارہ سجدہ کریں گے اور آخر میں عرض کریں گے اے پروردگار اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما تو ارشادِ قدرت ہوگا تیری سفارش قبول ہے پس یاقوتِ احمر کی ناقہ پیش کی جائے گی جس کی مہار زبرجد سبز کی ہوگی اس پہ سوار ہو کر آپ مقام محمود تشریف لے جائیں گے مقام محمود عرشِ پروردگار کے سامنے ایک بلند مقام ہے جس کا فرش کستوری کا ہوگا۔ آپ کے دائیں جانب حضرت ابراہیمؑ کو جگہ ملے گی اس کے بعد حضرت علیؑ کے بازو سے حضرت رسالتمآبؐ نے پکڑا اور فرمایا یا علیؑ پھر تجھے اسی جیسی سواری پر سوار کر کے لایا جائے گا اور تو میرے اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان کھڑا ہوگا۔

پس منادی ندا کرے گا اے خلائق اللہ کا عدل یہ ہے کہ ہر گروہ اس شخص کے ساتھ ہو جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا اور تمام لوگ اس فیصلہ کو قبول کریں گے پس اللہ کے نمائندوں کے مقابلہ میں ہر زمانہ کا شیطان اپنے پیروکاروں کے ساتھ جہنّم میں دھکیلا جائے گا اور اسی طرح اس امّت میں بھی ہر زمانہ کا شیطان اپنے پیروکاروں کی جماعت کے ساتھ دوزخ کی طرف روانہ ہوگا ایک شیطان آئے گا اس کے پیچھے اپنے پیروکار ہوں گے پھر دوسرا اپنے پیروکاروں کے ساتھ پیش ہوگا پھر تیسرا چوتھا وعلیٰ ہذالقیاس اور دوسری طرف حضرت علیؑ کے پیچھے اپنے زمانہ کے اطاعت گذار و پیروکار لوگ ہوں گے اور حضرت امام حسنؑ کے پیچھے اپنے زمانہ کے مقتدی ہوں گے۔ اسی طرح ہر امام کے ساتھ اس کی جماعت ہوگی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے صحابی خیثمہ اور مفضل بن عمر سے فرمایا کہ میں بھی اپنے اطاعت گزاروں کے ساتھ حاضر ہوں گا اور تم دونو میرے ہمراہ ہوگے پس ہم عرشِ پروردگار پہ بیٹھیں گے پھر کتابیں لائی جائیں گی اور ہم اپنے دشمنوں کے خلاف گواہی

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

اور کہہ اے ربّ مجھے داخل کر سچائی کے راستے میں اور مجھے نکال لے سچائی کے راستے میں

وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَ

اور مقرر کر میرے لئے اپنی جانب سے غلبہ جو میرا مددگار ہو اور

دیں گے اور اپنے گنہگار شیعوں کی شفاعت کریں گے۔ الحدیث (برہان)

اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مقام محمود وہی مقام شفاعت ہے جہاں آپ لوگوں کی شفاعت کریں گے اور اسی مقام پر آپ کو لواء الحمد عطا ہو گا جس کے سلسلے میں تمام انبیاء و ملائکہ آرام حاصل کریں گے پس آپ پہلے شافع ہوں گے جن کی شفاعت قبول ہو گی

کامیابی کے لئے دُعا

اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ ۔ یعنی احکام رسالت کی ادائیگی میں مجھے صحیح اور مؤثر انداز عطا فرما اور اس کی ذمہ داریوں کو نبھانے کی سچی توفیق مرحمت فرما کہ اس مرحلہ میں قدم رکھوں تو درستی و صلاحیت کے ساتھ اور اس مرحلہ سے عہدہ برآ ہو کر نکلوں تو کامیابی و کامرانی کے ساتھ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمومی معاملات کے لئے یہ دعا تعلیم کی گئی ہو اور ہر انسان یہ دعا اپنی کامیابی کے لئے پڑھ سکتا ہے اور تفسیر صافی میں بروایت محاسن برقی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر تم ایسے مقام میں قدم رکھو جس میں تمہیں خطرہ لاحق ہو تو یہی آیت پڑھ کر گھس جاؤ اور جب کوئی خوفناک مقام سامنے آتا دیکھو تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو۔

جَآءَ الْحَقُّ ۔ تفسیر صافی میں کافی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اسی آیت کی تاویل میں فرمایا جب حضرت قائم تشریف لائیں گے تو باطل کی دولت ختم ہو گی اور بروایت خرائج منقول ہے امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی جناب حکیمہ خاتون روایت کرتی ہیں جب حضرت قائم علیہ السلام پیدا ہوئے تو پاک و پاکیزہ اور ختنہ شدہ تھے اور ان کے دائیں بازو پر یہی آیت تحریر تھی۔ جَآءَ الْحَقُّ ۔ الخ

کعبہ سے بُت شکنی

بروایت امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فتح مکہ کے روز جب آپ تشریف لائے تو کعبہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بُت موجود تھے پس اپنے عصا مبارک کی نوک ان کو نیزہ کی طرح مارتے تھے تو وہ منہ کے بل گر پڑتے تھے اور آپ یہی آیت تلاوت فرماتے تھے۔ جَآءَ الْحَقُّ الخ

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ مجھے کعبہ کی طرف لے آئے پس میرے کندھے پر سوار ہوئے جب مجھ میں کمزوری دیکھی تو اتر آئے اور مجھے اپنے کندھے پر اٹھالیا جب مجھے آپ نے بلند کیا تو میں یوں سمجھا کہ اگر چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگالوں پس میں کعبہ کی چھت پر چڑھ گیا اور حضورؐ پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا اس بڑے بُت کو گرا دو۔ وہ پیتل کا تھا اور لوہے کی میخوں سے مضبوط جڑا ہوا تھا۔ پس میں اس کو اکھیڑ رہا تھا اور

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (۸۱)

کہہ دو ظاہر ہوا حق اور مٹ گیا باطل تحقیق باطل مٹنے والا ہی ہے۔

اور حضورؐ یہ آیت کریمہ پڑھتے جا رہے تھے۔ جَاءَ الْحَقُّ الخ آخرکار میں نے اُسے اکھیڑ پھینکا تو وہ زمین پر جا کر چور چور ہو گیا پس ہم چلے گئے۔ (پیتل کے جسم کا ٹھوکر سے شیشے کی طرح چور چور ہونا معجزہ ہے)

بروایت ابن شہر آشوب جابر سے مروی ہے کہ کعبہ کے اندر اور باہر اردگرد کل تین سو ساٹھ بُت تھے اور کعبہ کے اُوپر ایک بہت بڑا بُت تھا جس کو ہبل کہتے تھے حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ میرے کندھے پر سوار ہو کر اس بُت کو گرا دو تو حضرت علیؑ نے درخواست کی کہ آپ میرے کندھوں پر سوار ہوں جب آپ سوار ہوئے تو حضرت علیؑ برداشت نہ کر سکے۔ پس رسولؐ خدا ہنس کر اُتر پڑے اور کندھے جھکا دیئے اور علیؑ اُوپر سوار ہو گئے آپ فرماتے ہیں مجھے اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور روح کو پیدا کیا میں اس قدر بلند ہوا کہ اگر چاہتا تو آسمان پہ ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے ھُبل کو بیت اللہ کی چھت سے گرا دیا اور یہ آیت اُتری جَاءَ الْحَقُّ ابن شہر آشوب فرماتے ہیں جب علیؑ دوشِ رسالت سے بیت اللہ کی چھت پہ پہنچے اور بتوں کو زور سے اکھیڑا تو اس وقت بیت اللہ کی دیواریں ہل رہی تھیں اور جب زمین پر پھینکا تو وہ چُور چُور ہو گئے۔ سیّد رضی کی کتاب مناقب فاخرہ سے بروایت ابنِ عباس منقول ہے کہ جب حضورؐ نے کعبہ کی چھت پر صنم اکبر یعنی بڑے بُت کو دیکھا تو علیؑ سے فرمایا یا علیؑ اس بُت کا کیا کیا جائے تو علیؑ نے جواب دیا کہ میں جھک جاتا ہوں پس آپ میری پشت پر سوار ہو کر اس کو گرا دیں تو آپ نے فرمایا اے علی: اگر میری اُمت اوّل سے لے کر آخر تک مل کر میرے صرف ایک عضو کو اُٹھانا چاہیں تو نہ اٹھا سکیں گے۔ لیکن اے علیؑ تم میرے قریب آؤ۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں جب میں قریب آیا تو حضورؐ نے میری پنڈلی کو ہاتھ سے پکڑ کر بلند کیا اور مجھے اپنے کندھوں پہ کھڑا کر لیا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر اس کو پکڑو پس میں نے اس کو پکڑ کر زمین پر دے مارا اور میں نے عرض کی کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو چھو سکتا ہوں۔ آپ نے میرے حق میں شرف کی دُعا کی اور میرے نیچے سے ایک طرف کو کھسک گئے پس میں زمین پہ آ رہا اور ہنسنے لگ گیا، آپ نے وجہ پوچھی تو میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کعبہ کی چھت کی بلندی سے زمین پہ آ پہنچا ہوں اور ذرّہ بھر بھی تکلیف محسوس نہیں ہوئی اور نہ چوٹ لگی ہے آپ نے فرمایا چوٹ کیسے اور تکلیف کیوں کر؟ جب کہ اٹھانے والا محمد تھا اور اتارنے والا جبرئیل تھا۔ الحدیث

بروایت ابن بابویہ محمد بن حرب ہلالی حاکم مدینہ بیان کرتا ہے کہ میں نے ایک دفعہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں جو میرے دل میں کھٹکتا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں تیرا مسئلہ بتا دوں اور اس کا جواب بھی بیان کر دوں۔ میں نے عرض کی آپ میرے دل کا سوال کیسے جان سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا تفرس اور توسم سے خدا فرماتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ اور جناب رسولِ خدا نے فرمایا اِتَّقُوْا

فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ (یعنی مومن کی تاڑ سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھا کرتا ہے) میں نے عرض کی اچھا آپ ہی بتائیے تو آپ نے فرمایا تو یہی پوچھتا ہے کہ کعبہ کی چھت سے بُت گرانے کے لئے حضرت علیؑ جناب رسالتمآبؐ کو کیوں نہ اٹھا سکے حالانکہ وہ اس قدر طاقتور و شجاع تھے کہ خیبر کے قلعہ قموص کو اکھاڑ کر پیچھے پھینک دیا کہ وہ چالیس ذراع دُور جا پڑا جس کو چالیس آدمی مل کر نہ اٹھا سکتے تھے حالانکہ جناب رسالتمآبؐ کو اونٹ گھوڑے اور گدھے اٹھائے پھرتے تھے اور شب معراج براق اٹھا کر کہاں سے کہاں تک لے گیا اور سب چیزیں قوت و توانائی میں علیؑ سے کم تھیں؟ میں نے عرض کی بے شک میں یہی کچھ پوچھنا چاہتا ہوں اور خدا کی قسم یہی میرے دل میں عقدہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ نے حضرت رسالتمآبؐ کے ذریعے شرف و کمال پایا اور انہی کی بدولت اس مرتبہ پر پہنچے کہ نارِ شرک کو بجھا دیا اور ہر باطل معبود کا ملیا میٹ کر کے رکھ دیا اور اگر حضرت رسالتمآبؐ علیؑ پر سوار ہوتے اور بُت توڑتے تو درجہ علیؑ کا زیادہ ہوتا حضرت علیؑ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میں پشتِ پیغمبر پہ سوار ہوا تو میں نے اس قدر شرف و بلندی پائی کہ اگر چاہتا تو آسمان کو ہاتھ لگاتا (یعنی اٹھنے والے کی فضیلت اور شرف اٹھانے والے کی وجہ سے تھا پس اگر علیؑ اٹھانے والے ہوتے تو نبیؐ کا شرف علیؑ کی وجہ سے بلند ہوتا۔) دیکھئے چراغ کی روشنی سے اندھیرے میں اُجالا ہوتا ہے اور گم گشتگانِ ظلمت کو راہ ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ روشنی فرع ہے جو ایک اصل سے رونما ہوتی ہے اور حضرت علیؑ فرماتے ہیں میری حضورؐ سے نسبت اس طرح ہے جس طرح ایک روشنی کو روشنی سے ہوتی ہے کیا تمہیں خبر نہیں کہ محمدؐ و علیؑ دونو باقی مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار پہلے ایک نور تھے اور بارگاہِ قدس ربوبیت میں اس کی ثناگستری کرتے تھے فرشتوں نے جب دیکھا کہ اس نور کی اصل بھی ہے اور خیرہ کن شعاع بھی، تو عرض گزار ہوئے اے معبود اور ہمارے مالک اس نور کی حقیقت کیا ہے؟ تو اُن کو وحی ہوئی کہ یہ نور میرے نور سے ہے جس کی اصل نبوت اور فرع امامت ہے پس نبوت میرے بندے محمدؐ کے لئے ہے جو میرا رسولؐ ہے اور امامت علیؑ کے۔ لئے ہے جو میری حجت اور میرا ولی ہے اگر یہ دونو نہ ہوتے تو میں باقی مخلوق کو پیدا نہ کرتا۔ تمہیں پتہ نہیں کہ غدیر خم میں علیؑ کے بازو سے پکڑ کر اس قدر بلند کیا کہ لوگوں نے دونوں کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ پس آپ نے اُن کو تمام مسلمانوں کا مولیٰ و امام مقرر کیا اور بنی نجار کے باغیچے والی روایت میں حضورؐ نے حسنؑ و حسینؑ کو اپنے کندھوں پہ سوار کیا جب کسی صحابی نے ایک کو لینا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ یہ دونو اچھے سوار ہیں اور ان کا باپ ان سے بھی بہتر ہے اور ایک دفعہ آپ مشغولِ نماز تھے تو ایک سجدہ کو بہت طول دے دیا نماز سے فارغ ہو کر ایک صحابی نے سجدہ کے طول کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میرا بچہ مجھ پر سوار ہو گیا اور میں نے اس کا اُتارنا پسند نہیں کیا جب تک کہ وہ اپنی مرضی سے اُتر نہ جائے ان تمام واقعات میں حضورؐ اُن کے شرف و بلندی کا اعلان فرماتے تھے اور حضرت محمد مصطفےٰ امام بھی تھے اور نبی بھی لیکن حضرت علی علیہ السلام صرف امام تھے وہ نبی و رسول نہ تھے اس لئے وہ نبوت کا بوجھ نہ اٹھا سکے۔ الحدیث

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ

اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن سے وہ جو شفا ہے اور رحمت ہے مومنوں کے لئے اور نہیں زیادہ کرتا ظالموں کو

اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ

مگر خسارا اور جب ہم انعام کریں انسان پر تو منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے اور جب چھوئے

الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ

اس کو تکلیف تو ناامید ہو جاتا ہے کہہ دو کہ ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے طریقے سے پس تمہارا رب جانتا ہے کہ

قرآن شفا ہے

وَنُنَزِّلُ ۔ تفسیر مجمع البیان میں قرآن کی شفا کے کئی معانی کئے گئے ہیں (۱) اس کا بیان جہالت کی بیماری سے شفا ہے (۲) اس کا نظم ونسق فصاحت و بلاغت اور سلاست و صداقت کا حدّ اعجاز پر ہونا معجزہ ہونے کی حیثیت سے انصاف پسند طبائع کے لئے شرک و کفر کی بیماری سے شفا کا موجب ہے (۳) اس کے احکام و شرائع امثال وحکم اور ادلہ توحید وغیرہ دنیا و آخرت کی فلاح کی کفالت کی بدولت ہر لحاظ سے رُوحِ انسان کے لئے شفا ہیں (۴) ظاہری جسمانی بیماریوں اور تکلیفوں کے لئے بھی اس کی قرأت شفا اور خیر و خوبی کی موجب ہے اور یہ سب کچھ ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہوں ورنہ ظالم لوگوں کے لئے فائدہ مند ہونے کی بجائے موجب عذاب ہے تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے قرآن میں شفا اہل کے لئے ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن اس کے اہل آئمہ ہدیٰ ہیں الخ ۔ طب آئمہ سے مروی ہے کہ حکیم روحانی اور طبیب ربانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب مومن کو کسی قسم کی تکلیف ہو پس خالص نیّت سے تکلیف کے مقام پر ہاتھ رکھ کر یہ آیت پڑھے وَنُنَزِّلُ الخ ۔ تو اس کی جس قسم کی بیماری ہوگی دفع ہو جائے گی لیکن یہ ہے صرف مومنوں کے لئے اور آپ نے فرمایا کہ کسی مریض کے لئے تعویذ کرنا یا عمل کرنا یا دم کرنا جائز ہے جبکہ قرآن سے ہو اور جس کو قرآن سے شفا حاصل نہیں ہوتی اس کو کسی شے سے شفا نہیں مل سکتی کیا قرآن سے بڑھ کر بھی کوئی شے ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی وَنُنَزِّلُ الخ

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا ۔ یعنی کافر کی شان یہ ہے کہ اگر اس پر انعام ہو تو وہ بجائے شکر کے منہ دوسری طرف کر لیتا ہے اور جب تکلیف ہو تو ناامید ہو جاتا ہے لیکن مومن کی شان یہ ہے کہ نعمت پر شکر کرتا ہے اور تکلیف کے وقت بجائے مایوسی کے اس کی رحمت کی امید کرتا ہے پس ہر ایک کا عمل اپنے طریقہ و معرفت کی بنا پر ہے ۔

شَاكِلَتِهٖ ۔ تفسیر برہان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا بہشتیوں اور دوزخیوں کے لئے ہمیشہ جنت یا جہنم رہنے کی کیا وجہ ہے تو آپ نے فرمایا جہنمی اس لئے دائمی طور پر دوزخ میں جائیں گے کہ اُن کی نیت

بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ

راہِ ہدایت پر کون ہے اور آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ روح میرے رب

رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ

کے امر سے ہے اور تم نہیں علم دیئے گئے مگر تھوڑا اور اگر ہم چاہیں تو مٹا دیں اس کو جو ہم نے

ہمیشہ گناہ کرنے کی تھی اور بہشتی اس لئے بہشت میں رہیں گے کہ اُن کی نیت ہمیشہ اطاعت کرنے کی تھی پس نیتوں کی وجہ سے اپنی جزا یا سزا میں ہمیشہ رہیں گے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَكُلٌّ يَّعْمَلُ الخ

اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ بوقتِ حساب مومن جب اپنی برائیاں دیکھے گا تو رنجیدہ ہوگا پھر جب نیکیاں دیکھے گا تو خوش ہوگا پھر انعام دیکھے گا تو زیادہ خوش ہوگا اس کے بعد ایک اور دفتر لایا جائے گا جس میں صرف نیکیاں درج ہوں گی۔ مومن جب پڑھے گا تو عرض کرے گا، اے پالنے والے تیری عزت کی قسم میں نے یہ نیکیاں نہیں کی تھیں تو جواب ملے گا کہ یہ دُرست ہے لیکن چونکہ تم نے ان کی نیت کی تھی لہذا ہم نے لکھ لی ہیں پس ان کی جزا بھی ان کو دی جائے گی۔

رکوع نمبر ۱۰ - رُوح کے متعلق سوال

وَيَسْئَلُوْنَكَ - آیت مجیدہ میں مفسرین کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ رُوح سے کیا مراد ہے (۱) ایک قول یہ ہے کہ سوال کرنے والے یہودی تھے اور وہ اس رُوح کی حقیقت دریافت کرنا چاہتے تھے جو بدنِ انسانی میں ہے اور جواب سے اعراض کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ از راہ استفادہ نہیں پوچھ رہے تھے بلکہ یہ سوال ان کا از راہ سرکشی تھا چنانچہ منقول ہے کہ یہودیوں نے قریشیوں سے بھی کہا تھا کہ تم ان سے رُوح کی حقیقت کا سوال کرو پس وہ اگر اس جواب کا تکلف کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ نبی نہیں ہے۔ کیونکہ ہماری کتاب تورات میں ایسا ہی مذکور ہے پس آپ کا جواب سے اعراض کرنا اُن کے لئے حضورؐ کی نبوت کی علامت تھی اس لئے جواب سے انحراف کیا گیا۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ رُوح کی حقیقت دریافت نہیں کرتے تھے بلکہ پوچھنا یہ چاہتے تھے کہ روح قدیم ہے یا حادث۔ پس اس کا جواب صحیح دیا گیا کہ وہ امر پروردگار سے پیدا ہوا ہے یعنی حادث ہے۔ خواہ اس روح سے مراد رُوح انسانی ہو یا اس سے مراد جبریل ہو یا اس سے مراد ایک الگ مخلوق ہو جیسا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ملائکہ میں سے ایک ملک ہے جس کے ستر ہزار منہ اور ستر ہزار زبانیں ہیں اور وہ ہر زبان سے تسبیح پروردگار میں مصروف رہتا ہے اور اس کا نام روح ہے اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رُوح جبریل اور میکائیل سے ایک بڑی مخلوق ہے جو رسولؐ خدا کے ہمراہ تھا اور وہ ہر امام کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اس مقام پر رُوح سے مراد قرآن ہے جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ﴿٨٦﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ

تیری طرف وحی کی ہے پھر تو اپنے لئے ہمارے خلاف کوئی سہارا نہ پائے گا لیکن مہربانی ہے تیرے رب سے

إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ﴿٨٧﴾

تحقیق اس کا فضل تجھ پر بڑا ہے

رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۔ یعنی ہم نے تیری طرف وحی کی رُوح کی، یعنی قرآن کی اپنے امر سے پس اس صورت میں سوال کرنیوالے مشرکین تھے اور پوچھنا چاہتے تھے کہ قرآن تم پر فرشتہ کیسے لاتا ہے اور اس کا نظم ونسق اور فصاحت و بلاغت وغیرہ ہمارے عام کلام سے جُداگانہ کیوں ہے اور اس میں اعجازی صفت کیسے آگئی ہے؟ پس اس کا جواب مکمل دیا گیا ہے کہ ان کو کہہ دو یہ اللہ کے امر سے ہے اور میری نبوت کی تصدیق کیلئے اترا ہے کیونکہ اگر مخلوق کا کلام ہوتا تو تم اس کے مقابلہ سے عاجز نہ آسکتے۔

رُوح کی حقیقت وہ رُوح جو بدن کا مدبر ہے اس کی حقیقت میں علماء کو اختلاف ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کی حقیقت اور کنہ کو تلاش کرنا صفت کی موشگافی ہے اس کی اصل اور کنہ کو سوائے ذات خالق کے کوئی جان سکتا ہی نہیں بہر کیف جو کچھ علماء نے اس بارے میں ذکر کیا ہے وہ صرف اندازہ ہی کہا جاسکتا ہے اور وہ اقوال یہ ہیں۔

(۱) رُوح ایک جوہر لطیف ہے جو بدن میں رہ کر اس کی تدبیر کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

(۲) رُوح ایک جسم لطیف ہے جو جسم کثیف میں جاری و ساری ہے اور اس کا ہر جزو زندگی رکھتا ہے۔

(۳) رُوح حرارتِ غریزیہ کا نام ہے جس سے بدن کی حیات وابستہ ہے۔

(۴) رُوح ایسی زندگی کا نام ہے جس کی بدولت جسم قدرت علم اور اختیار وغیرہ صفات کا حامل ہو سکتا ہے۔

(۵) رُوح دل کی مخصوص قوت وکیفیت کا نام ہے۔

(۶) رُوح بدن میں اخلاط اربعہ کے توازن اور مزاج کا نام ہے۔

پہلے ہر دو نظریات کے ماتحت روح جوہر مجرد کا نام ہے اور آخری اقوال کی بنا پر رُوح عرض ہوگا اور میرے نزدیک پہلے قول کی صحت اقرب ہے اور احادیث میں اسی کی تائید ملتی ہے اور تفسیر مجمع البیان میں بعض علما کی تحقیق منقول ہے کہ خدا نے رُوح کو چھ جوہروں سے خلق فرمایا ہے (۱) نور (۲) طیب (۳) بقا (۴) حیوۃ (۵) علم (۶) علو (پس رُوح انسانی میں ان سب کے خواص موجود ہیں جو ان کے آثار سے واضح ہوتے ہیں مثلاً (۱) نور کی وجہ سے جسم منور ہوتا ہے آنکھوں میں بصارت کا نور کانوں میں سماعت کا نور وعلیٰ ہذا القیاس (پس جب رُوح چلا جائے تو یہ نورانیت بھی ختم ہو جاتی ہے) (۲) جب تک رُوح موجود رہے بدن خوشبودار رہتا ہے اور یہ نکل جائے تو بدن میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے

(۲) بقا یعنی جب تک رُوح موجود ہو تو اعضا تروتازہ اور اپنی حالت پر باقی رہتے ہیں لیکن رُوح کے جانے کے بعد تازگی ختم ہو جاتی ہے اور گھنگی آنے لگتی ہے اور آخر کار خاکستر ہو جاتا ہے (۴) رُوح کی وجہ سے زندہ ہوتا ہے اور اس کے بغیر مُردہ ہو جاتا ہے (۵) رُوح کی وجہ سے علم کو قبول کرتا ہے ورنہ کچھ نہیں جانتا (۶) روح کا علوی ہونا معلوم ہے اس کے چلے جانے کے بعد جسم عالم سفلی میں رل جاتا ہے اور راہِ خدا میں شہید ہونے والوں کو خداوند کریم نے اسی اعتبار سے زندہ کہا ہے۔ کہ ان کے ارواح عالم بالا کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔

تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ شہ ولایت میں آکر عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ بندۂ مومن زنا نہیں کرتا مومن چوری نہیں کرتا مومن شراب نہیں پیتا، مومن سود نہیں کھاتا اور مومن خون ریزی نہیں کرتا مجھے یہ بات ناگوار گذرتی ہے اور دل تنگ ہوتا ہے کہ جب ایک شخص میری نماز بھی پڑھے دُعا بھی مانگے باہمی رشتہ ناطہ بھی ہو اور ایک دوسرے کی وراثت کا قرب بھی ہو وہ کیسے ایک معمولی گناہ کی وجہ سے دولتِ ایمان سے محروم ہو جاتا ہے (مقصد یہ ہے کہ مذکورہ بالا گناہ اگرچہ اپنے مقام پر کبائر ہیں لیکن ایمان جو توحید و نبوت و ولایت جیسے عقائد پر مشتمل ہے اُس کے مقابلہ میں یہ یقیناً معمولی ہیں پس اس کا تعجب بجا ہے کہ ایک فرعی جُرم کے بدلہ میں اس کی اصُولی نیکی کیسے ختم ہو جائے گی) حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا تو درست کہتا ہے میں نے حضرت رسالتمآب سے سُنا ہے جس کی دلیل کتاب اللہ میں موجود ہے کہ لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اصحاب میمنہ اصحاب مشئمہ اور سابقون۔

سابقون سے مراد انبیاء ہیں اور ان کو خدا نے پانچ رُوح عطا فرمائے ہیں (۱) روح القدس (۲) روح ایمان (۳) روح قوت (۴) روح شہوت (۵) روح بدن۔ پس وہ رُوح القدس کی وجہ سے نبی ہیں، رُوحِ ایمان کی وجہ سے موحد و عابد ہیں۔ روح قوت کی وجہ سے دشمن سے جہاد اور کسب معاش کرتے ہیں۔ روح شہوت کی بدولت اچھی غذا اور نکاحِ حلال کے خواہشمند ہوتے ہیں اور روح بدن کے ذریعے سے وہ چلتے پھرتے ہیں۔ پس یہ لوگ بخشے بخشائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور خدا فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا (۱) آخر میں حضرت عیسیٰ کے ذکر کے ساتھ فرمایا وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ پھر ایک جماعت کے متعلق فرمایا وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ پس یہ لوگ غیروں پر فضیلت رکھتے ہیں اور مغفور ہیں۔

پھر آپ نے اصحاب میمنہ کا ذکر فرمایا کہ وہ سچ مچ مومن لوگ ہیں اور ان میں خدا نے چار رُوح تفویض کئے ہیں رُوحِ ایمان روح قوت، روح شہوت اور روح بدن اور ان میں چاروں روحیں موجود ہوتی ہیں حتیٰ کہ اس پر حالات بدلتے ہیں۔ سائل نے حالات کے بدلنے کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا پہلی تو یہ کہ بوڑھا ہوتا ہے تو ارذلِ عُمر کی طرف پلٹ جاتا ہے اور اس کی رُوحِ ایمان کمزور ہو جاتی ہے اور اس کی بدولت وہ دین سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ خدا نے خود ہی اس کو یہ عمر عطا کی ہے پس نہ وہ نماز کا وقت پہچانتا ہے نہ رات کو تہجد پڑھ سکتا ہے نہ دن کو عبادت کر سکتا ہے اور نہ لوگوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہو سکتا ہے اور یہ سب رُوحِ ایمان کی کمزوری ہے لیکن اس کے لئے نقصان دہ نہیں اور بعضوں کی رُوحِ قوت کمزور ہو جاتی ہے

وہ نہ شریکِ جہاد ہو سکتا ہے اور نہ کسب معاش کر سکتا ہے اور بعضوں سے رُوحِ شہوت سلب ہو جاتی ہے کہ اولادِ آدم کی حسین ترین عورت بھی اس کے پاس سے گزرے تو وہ پرواہ نہیں کرتا اور نہ اس کی جانب مائل ہوتا ہے پس ایک روح بدن اس میں ہوتی ہے جس کی بدولت وہ موت کی انتظار میں زندگی کی گھڑیاں گزارتا ہے لیکن اس کا انجام اچھا ہے کہ ان حالات کا فاعل اللہ ہے اور بعض اوقات اس پر ان حالات کا توارد عالمِ شباب میں ہوتا ہے جبکہ وہ طاقتور ہوتا ہے گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو رُوحِ قوت اس کو اُکساتی ہے رُوحِ شہوت اس کو مزین کرتی ہے اور رُوحِ بدن کھینچ کر اُسے گناہ میں ڈال دیتی ہے پس جب اس کو مَس کرتا ہے تو ایمان کا نقصان ہوتا ہے کہ وہ رخصت ہو جاتا ہے اور نہیں پلٹتا جب تک کہ وہ تائب نہ ہو پس جب توبہ کرے تو خدا قبول کر لیتا ہے اور اگر پھر وہ گناہ کرے تو خدا اس کو داخلِ جہنم کرتا ہے۔

ہاں اصحابِ مشئمہ وہ یہود و نصاریٰ ہیں جن کا قرآن میں ذکر موجود ہے وہ حضرت رسالتمآبؐ اور ولایت مآب کو تورات و انجیل کی رُو سے خوب سمجھتے ہیں جس طرح گھروں میں اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں لیکن جاننے کے باوجود حق پر پردہ ڈالتے ہیں پس جب انہوں نے جان بوجھ کر حق سے کنارہ کشی کی تو خدا نے اُن سے رُوحِ ایمان سلب کر لی (اور یہ بات صرف یہود و نصاریٰ سے مختص نہیں بلکہ جو شخص بھی حجت تمام ہو جانے کے بعد حق سے روگردانی کرے وہ اسی قسم میں داخل ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے یہود و نصاریٰ کا ذکر صرف مثال کے طور پر فرمایا ہے نہ کہ تخصیص کے لئے) پس ایسے لوگوں کے بدن میں صرف تین رُوح ہوتے ہیں، رُوحِ قوت، روحِ شہوت اور رُوحِ بدن اور ایسے لوگوں کو خدا نے حیوانات سے تشبیہ دی ہے اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَام۔ یعنی وہ حیوانات کی طرح ہیں کیونکہ حیوان رُوحِ قوت کے ذریعے بوجھ اٹھاتا ہے۔ اور روحِ شہوت سے گھاس دانہ کھاتا ہے اور روحِ بدن کے ذریعے سے چلتا پھرتا ہے جب سائل نے آپ سے یہ پُر از معرفت تقریر سُنی تو عرض کی اے مولا۔ آپ نے میرے دل کو زندہ کر دیا ہے باذن اللہ! ہم نے تفسیر کی آٹھویں جلد میں مناسبت مقام کے لحاظ سے رُوح کے متعلق کچھ بحث کی ہے اور کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں بھی رُوح کے متعلق کافی معلومات درج ہیں جس کو توفیق حاصل ہو وہ اس کا مطالعہ کرے۔ رُوح القدس جو انبیاء میں ہوا کرتا ہے وہ آئمہ طاہرین علیہم السلام میں بھی ہوتا ہے جیسا کہ بعض روایات سے سمجھا جاتا ہے اور عقل کی رُو سے بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے کیونکہ جب حضرت محمدؐ مصطفےٰ تمام گزشتہ انبیاء سے افضل ہیں اور آئمہ طاہرین حضورؐ کے صحیح جانشین ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مفضول میں وہ رُوح موجود ہو اور افضل میں نہ ہو۔ بلکہ ان میں ایک زیادتی بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت مجیدہ میں رُوح کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ ایک مخلوق ہے جو جبریل و میکائیل سے بڑی ہے وہ حضرت محمدؐ مصطفےٰ کے سوا کسی گزشتہ نبی کے ہمراہ نہ تھا۔ اور وہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ہمراہ ہوتا ہے اور اسی مضمون کی روایت قمی سے بھی نقل کی جا چکی ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا

کہہ دو کہ اگر جمع ہو جائیں انسان اور جن اس امر پہ کہ لائیں اس قرآن کی مثل تو

يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ

نہیں لا سکتے اس کی مثل اگرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں اور تحقیق پھیر پھیر کر بیان کیں ہم نے لوگوں

هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا

کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں لیکن نہ قبول کیا اکثر لوگوں نے مگر انکار اور کہنے لگے

وَلَئِنْ شِئْنَا - یعنی جس طرح ہم قرآن کو بھیجنے پہ قادر ہیں اگر چاہیں تو اس کو واپس بھی لے سکتے ہیں پس اگر تمام دلوں سے اور کتابوں سے اس کو اٹھالیں تو پھر کون ہے جو ہم پر اس بارے میں غالب آسکے ہاں پیغمبر تجھ پر اللہ کا فضل وکرم ہے کہ وہ تیرے ساتھ ایسا سلوک ہرگز نہیں کرے گا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتْ - قرآن مجید کی اعجازی حیثیت کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ کتاب انہی حروف سے مرکب الفاظ سے بنی ہے جن حروف سے تم الفاظ کو تیار کرتے ہو اور وہی عربی زبان ہے جس میں تم روزمرہ آپس کی بول چال رکھتے ہو پھر اگر تمہیں اس بات پر اصرار ہے کہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ بندے کا کلام ہے تو وہ بندہ بھی ظاہری طور پر تمہارے معاشرے کا فرد ہے پھر کوشش کرکے تم اس جیسا کلام کیوں نہیں لا سکتے۔ ایک دو نہیں بلکہ آیت مجیدہ نے صاف اعلان فرمایا، کہ بے شک تمام جن وانسان مل کر بھی اس قرآن کا مقابلہ کرنا چاہیں تو اس جیسی کتاب نہیں لا سکتے۔

قرآن مجید میں اعجاز کا کوئی ایک پہلو نہیں بلکہ کسی کلام میں خوبی کے جو طور طریقے فرض کئے جا سکتے ہیں وہ قرآن مجید میں موجود ہیں مثلاً نظم الفاظ ضبط معانی سلاست لطافت فصاحت بلاغت گذشتہ واقعات کی کے مطابق واقع سرگذشت آئندہ کی سچی پیشین گوئیاں مجازات وکنایات ومحاورات میں پختگی انداز بیان میں شیرینی لب ولہجہ میں موزونیت اور ضرب الامثال میں موقع شناسی اور اس کے علاوہ متعدد پہلو ہیں جو اس کلام مقدس میں حسن انداز سے سمو دیئے گئے ہیں کہ کسی دور کا مفکر کسی لحاظ سے اس میں کمزوری نہیں محسوس کر سکا اور اس کے معانی میں جدت یہ کہ ہر دور کا مفکر اس سے نت نئے مطالب کی طرف راہ پاتا ہے لفظی خوبی یہ کہ بار بار کی تلاوت سے گھبراہٹ پیدا نہیں ہوتی، مطالب میں اس قدر گہرائی کہ کسی زمانہ میں بڑے سے بڑا ماہر اس کی تہہ تک پہنچنے کی جرأت نہیں کر سکا پس یہ ہمیشہ تر و تازہ ہے اور ہر غوطہ لگانے والا اس بحر بیکراں سے نئے نئے موتی نکالنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ پس کسی کی کیا مجال کہ اس پورے کلام کا تو بجائے خود اس کی ایک آیت کا بھی مقابلہ کر سکے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا - یعنی ہر طبقہ کو سمجھانے کے لئے ہر مزاج کے مطابق اور ہر عقل کے مناسب ادلہ وبراہین کو پھیر پھیر کر بیان

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ

ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمیں زمین سے ایک چشمہ جاری کر دیں یا آپ کے لئے

لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾

باغ ہو کھجوروں کا اور انگوروں کا کہ ان کے درمیان نہریں نکال کر جاری کر دیں

کیا گیا ہے معمولی سمجھ والوں کے لئے مثالیں اور دلیلیں اُن کے ذہن کے مطابق بیان کی گئی ہیں اور اعلیٰ ذہن والوں کے لئے دلیلیں اور مثالیں ان کے ذہن کے مطابق بیان کی گئی ہیں تاکہ ہر فروق والا انسان اس سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکے اس کے بعد جو لوگ انکار پر ڈٹے رہیں تو ان کا انکار برائے انکار ہی ہے ورنہ ان کے پاس کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے۔

كُفُوْرًا مصدر ہے اور کفران کے معنی میں ہے۔

کفار کا ردّ عمل

وَقَالُوْا۔ ان آیات کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ اشراف مکہ جن میں مخزومی و قریشی سردار موجود تھے سب کے سب کعبہ کے پاس جمع ہوئے اور حضورؐ کو بلا بھیجا آپ چونکہ بدل و جان اپنی قوم کو دولتِ ایمان سے سرفراز دیکھنے کے متمنی تھے پس فوراً تشریف لائے انہوں نے کلام کی ابتدا اس طرح کی۔ اے محمدؐ آپ کی باتوں سے ہمیں کافی صدمہ پہنچا ہے تو نے ہمارے خداؤں کو گالیاں دیں۔ ہمارے دین پر نکتہ چینی کی، ہمیں بے وقوف کہا اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھیر دیا اگر تجھے مال کی ضرورت ہو تو ہم دینے کو تیار ہیں۔ اگر شرف کا خواہشمند ہے تو تجھے اپنا سردار ماننے کو تیار ہیں اور اگر بیمار ہے تو طبیب منگوا کر علاج کرا سکتے ہیں آپ نے دو ٹوک جواب دیا کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھے اس نے کتاب دی ہے اگر قبول کرو گے تو دنیا و آخرت میں تمہاری بھلائی ہو گی ورنہ میں اللہ کے حکم کی انتظار کروں گا۔ کہنے لگے اچھا اپنے رب سے سوال کرو کہ ان پہاڑوں کو روانہ کر دے اور شام و عراق کی طرح یہاں نہریں جاری کر دے اور ہمارے پہلے بزرگوں کو دوبارہ زندہ کرے اور ان میں قصیّ بھی ہو وہ سچا بزرگ تھا ہم ان سے آپ کی صداقت دریافت کریں گے آپ نے جواب دیا میں ان باتوں کے لئے نہیں بھیجا گیا کہنے لگے اچھا اپنے پروردگار سے کہو کہ تیری تصدیق کے لئے کسی فرشتے کو بھیجے اور ہمارے لئے باغات خزانے اور سونے کے محلات تعمیر کرے آپ نے فرمایا میں کسی اور مقصد کے لئے بھیجا گیا ہوں مان لو تو ٹھیک ورنہ میں اللہ کے فیصلے کا منتظر ہوں کہنے لگے پھر آسمان کو ہمارے اُوپر گرا دے کیونکہ تیرا خیال ہے کہ خدا ایسا کر سکتا ہے آپ نے فرمایا یہ اللہ کی مرضی ہے کرے یا نہ کرے ایک نے کہا اللہ اور فرشتے اگر تیری صداقت کی ضمانت دیں پس آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی پھوپھی عاتکہ کا فرزند عبداللہ بن ابو اُمیہ مخزومی بھی ساتھ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اے محمدؐ تیری قوم نے تجھے جو پیش کش کی تو نے وہ بھی ٹھکرا دی۔ پھر انہوں نے اپنے لئے کئی باتوں کا مطالبہ کیا تو تُو نے وہ بھی نہ مانیں پھر انہوں نے وہ عذاب طلب کیا جس کی تُو دھمکی دیتا ہے تو تُو نے اس کا بھی

أَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

یا گرائیں آسمان کو جس طرح تیرا خیال ہے یا لائیں اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن (گواہ)

قَبِيلًا ﴿٩٢﴾ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَآءِ ۚ وَلَنْ

بنا کر یا ہو تیرے لئے ایک گھر سونے کا (یا منقش) یا چڑھ جائیں آسمان میں اور تیرے

نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا

چڑھ جانے پر بھی ہم ایمان نہ لائیں گے یہانتک کہ اتار لائے ہم پر (اپنی نبوت کی گواہی کیلئے) کتاب جسکو ہم خود پڑھیں کہہ دو میرا رب بلند و بالا ہے میں نہیں،

انکار کیا بخدا میں تو تیرے اُوپر ایمان نہ لاؤں گا۔ یہانتک کہ تو آسمان کی طرف ایک سیڑھی نصب کر کے اُوپر چڑھ جائے اور میں خود آنکھوں سے دیکھوں پھر فرشتے تیرے ہمراہ اُتریں اور کتاب بھی تیرے پاس موجود ہو جو تیری گواہی دے۔ ابوجہل کہنے لگا یہ تو صرف خداؤں کا سب کرنا اور بزرگوں کو گالیاں دینا ہی جانتا ہے اور میں عہد کرتا ہوں کہ ایک پتھر اٹھاؤں اور جب سجدہ میں جائے تو اس کے سر پہ گرادوں یہ باتیں سُن کر حضورؐ غمناک واپس گھر تشریف لائے اور یہ آیتیں اُتریں۔

تَفْجِيرًا۔ چیرنا اور فجر کو فجر اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ سیاہیوں میں وہ ایک شگاف کی طرح ہوتی ہے۔

كِسَفًا۔ اس کا معنی ہے ٹکڑے یعنی آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہم پہ گرے یعنی انہوں نے اپنے لئے عذاب کا مطالبہ کیا۔

قَبِيلًا۔ اس کا معنی کفیل اور ضامن ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّيْ۔ چونکہ ان کے مطالبات میں سے بعض ایسے تھے جن میں خدا کو انہوں نے جسم سمجھا ہُوا تھا مثلاً یہ کہ خدا کو گواہی کے لئے لاؤ یا خدا کے پاس آسمانوں میں چڑھ کر اس سے تصدیق نامہ لے آؤ پس آپ نے تنزیہ و تقدیس کے کلمات زبان پر جاری فرمائے۔

بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ یعنی میرے پاس خدائی اختیارات نہیں ہیں بلکہ میں تو بشر ہوں اور اس کا فرستادہ رسول ہوں تفسیر مجمع البیان میں ہے اِنَّ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ لَيْسَ فِيْ طَاقَةِ الْبَشَرِ اَنْ يَاْتِيَ بِهَا وَاَنْ يَفْعَلَهَا فَلَا اَقْدِرُ بِنَفْسِيْ اَنْ اٰتِيَ بِهَا كَمَا لَمْ يَقْدِرْ مَنْ كَانَ قَبْلِيْ مِنَ الرُّسُلِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّمَا يُظْهِرُ الْاٰيَاتِ الْمُعْجِزَةَ عَلٰى حَسْبِ الْمَصْلَحَةِ وَقَدْ فَعَلَ فَلَا تُطَالِبُوْنِيْ بِمَا لَا يُطَالَبُ بِهِ الْبَشَرُ۔ ترجمہ:۔ یہ چیزیں بشر کی طاقت میں نہیں کہ ان کو کر سکے اور بجالائے پس میں بذات خود ان کے کرنے پر قادر نہیں ہوں جس طرح کہ مجھ سے پہلے رسول بھی قادر نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ عاجز کرنیوالی نشانیاں مصلحت کے ماتحت ظاہر فرماتا ہے اور اب بھی وہ ایسا کر چکا ہے پس تم مجھ سے ایسی باتوں کا مطالبہ نہ کرو جن کا کسی بشر سے مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

بَشَرًا رَّسُولًا ﴿٩٣﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ

ہوں مگر بشر رسول اور نہیں روکتی لوگوں کو ایمان لانے سے (کوئی بات) جب ان کے پاس ہدایت پہنچے مگر

اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٤﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ

یہ کہ کہتے ہیں کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ کہہ دو اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے

يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿٩٥﴾

اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم اُتارتے ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بنا کر

تفسیر برہان میں علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ عبداللہ بن ابی اُمیّہ حضرت اُمّ سلمہ کا بھائی تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو اس نے اگر سلام کیا تو آپ نے اس کے سوال کا جواب نہ دیا پس اپنی بہن اُمّ سلمہ کے پاس گیا اور کہا حضورؐ باقی لوگوں کا اسلام قبول کر رہے ہیں اور مجھ سے اسلام قبول نہیں فرماتے لہذا میری سفارش کیجئے چنانچہ اُمّ سلمہ نے عرض کی، یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی بدولت سب لوگ دولت ایمان کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تو قریش میں سے میرا بھائی کیوں محروم کیا جا رہا ہے آپ نے فرمایا اے اُمّ سلمہ اس نے میری ایسی تکذیب کی تھی جو کسی نے نہیں کی۔ اسی نے ہی تو کہا تھا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ الخ عرض کرنے لگی حضورؐ کا فرمان ہے کہ اسلام پہلے کی لغزش کو معاف کر دیتا ہے پس آپ نے اس کا اسلام قبول فرما لیا۔

رکوع نمبر ۱۱ بشریّت اور رسالت

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ۔ یعنی لوگوں کے ذہن میں یہ شُبہ پہلے سے چلا آتا ہے کہ جو بشر ہو وہ رسول نہیں بن سکتا اور جو رسول ہو وہ بشر نہیں ہوا کرتا۔ چنانچہ کفار قریش بات نے پہچاننے اور سمجھنے کے بعد اسلام کے دامن سے وابستگی اسی شبہ کی بنا پر نہیں کرتے تھے کہ اگر رسول ہوتا تو بشر نہ ہوتا بلکہ فرشتہ ہوتا۔ خداوند کریم نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس شبہ کا ذکر فرمایا اور اس کی تردید فرمائی اور گذشتہ انبیاؑ کی تکذیب عموماً اسی شبہ کی بنا پر کی گئی اور آجکل بھی ایک متجاہل طبقہ عوام النّاس میں اسی شبہ کو قوی کر کے رسالت اور بشریت میں منافات ثابت کرنے کی ناپاک کوششوں میں لگا ہوا ہے وہ اپنے گریبان میں جھانک کر جب اپنے نقائص کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کو جنس بشر دا عذار نظر آتی ہے بمقولہ ہر کہ در جان بینی در بیان بینی۔ وہ نوع بشر کو اپنے عادات و اطوار و خصائل و شمائل کے شیشے میں دیکھتے ہیں ورنہ اگر بشر کو وہ نبوت و رسالت کے آئینے میں دیکھتے تو اپنے آپ کو بشر کہتے ہوئے شرم محسوس کرتے اور فرشتوں نے جب تک بنی آدم کے کمزور پہلوؤں تک نگاہ محدود کی ہوئی تھی تو وہ نبوت و خلافت کا عہدہ آدم کو دیئے جانے پر معترض تھے اور بعض افرادِ بشر کے فسادوں اور خونریزیوں کے آئینے میں

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

کہہ دو کافی ہے اللہ گواہ میرے اور تمہارے درمیان تحقیق وہ اپنے بندوں پر دانا و بینا ہے

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ

اور جس کو ہدایت دے اللہ تو وہ ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑ دے تو ہرگز تو نہ پائے گا اُن کے لئے مددگار کوئی

دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ

اس کے علاوہ اور ہم ان کو اٹھائیں گے قیامت کے دن منہ کے بل اندھے گونگے اور بہرے اور ان کا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا

دوزخ ہوگا جب بجھے گی تو ہم اس کو زیادہ بھڑکا دیں گے یہ ان کا بدلہ ہے کہ انہوں نے کفر کیا ہماری نشانیوں کا

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

اور کہا جب ہم ہڈیاں اور خاکستر ہوں گے تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئے سرے سے؟

وہ پوری نوع بشر کو اس عہدۂ جلیلہ کے لئے نااہل قرار دینے لگے تھے لیکن جب انہوں نے علم وکمال کے آئینے میں آدم کی بشریت کو دیکھا تو اپنی جسارت پر خجالت محسوس کی اور اپنے الفاظ واپس لے لئے اور جو لوگ رسالت اور نبوت کو بشریت کے منافی سمجھتے ہیں وہ بشر کو اپنے جیسی حیوانی سیرت میں دیکھ کر یہ نظریہ قائم کرتے ہیں کیونکہ بشر اگر گرے ہوئے کردار کا مظاہرہ کرے تو وہ حیوان سے بدتر ہوتا ہے اور بلند کردار کی صورت میں ملائکہ سے افضل ہوا کرتا ہے پس رسول اور بشر میں کوئی منافرت نہیں اور رسول بشر ہی ہوا کرتا ہے جو انسانوں کو تبلیغ کرنے کیلئے آتا ہے چنانچہ خدا کفار کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے اگر زمین کے آباد کار فرشتے ہوتے تو ہم ان کی اصلاح کے لئے کسی فرشتے کو ہی عہدۂ رسالت دے کر بھیجتے لیکن چونکہ آبادی بشر کی ہے لہذا رسول بھی ان ہی میں سے بشر ہوگا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبیوں کی طرف خدا کی جانب سے جو وحی لاتا تھا وہ خدا کا رسول فرشتہ ہوتا تھا اور نبی بشر تھے تو اسی طرح فرشتہ رسول باقی افراد بشر کی طرف کیوں نہیں آسکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء بشر تھے لیکن ان میں ملکوتی پہلو غالب تھا وہ ملکوتی طاقت سے فرشتوں کو دیکھ سکتے اور ان کی بات سُن اور سمجھ سکتے تھے لیکن تمام افراد بشر میں ملکوتی پہلو مغلوب اور ظلماتی مادی پہلو غالب ہے لہذا ان کی طرف فرشتہ نہیں آسکتا نہ یہ فرشتے کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کی بات کو سُن اور سمجھ سکتے ہیں۔ قُلْ كَفٰى۔ اس کی تفسیر ج ۸ سورہ رعد کے آخر میں گزر چکی ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ

کیا نہیں دیکھتے تحقیق اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو وہ قادر ہے اوپر اس کے کہ پیدا کرے

مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ﴿٩٩﴾

ان جیسے اور مقرر کی اس نے ان کی میعاد بلاشک پس نہ قبول کیا ظالموں نے مگر انکار کو

قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ

کہہ دو اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو البتہ روک لیتے خرچ ہو جانے کے خوف سے

وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ﴿١٠٠﴾ ع وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَاسْأَلْ

اور انسان ہے بخیل اور تحقیق ہم نے عطا کیں موسیٰ کو نشانیاں واضح پس پوچھو

بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿١٠١﴾

بنی اسرائیل سے جب آیا ان کے پاس تو کہا اس کو فرعون نے تحقیق میں تجھے خیال کرتا ہوں اے موسیٰ جادوگر

عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ - بروایت بخاری و مسلم انس بن مالک سے مروی ہے ایک شخص نے حضرت رسالتمآب سے دریافت کیا کہ قیامت کے روز کافر منہ کے بل کیسے محشور ہوں گے؟ آپ نے فرمایا جس اللہ نے دنیا میں ان کو پاؤں پر چلنے کی طاقت دی ہے وہ بروز محشر منہ کے بل بھی چلا سکتا ہے۔

أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ - یعنی جو خدا آسمان و زمین کو ایجاد کر سکتا ہے وہ اس مخلوق جیسی اور مخلوق بھی تم عدم سے پیدا کر سکتا ہے پس اس کیلئے اس مخلوق کا دوبارہ پیدا کرنا مشکل نہیں ہے

قُلْ لَوْ - یہ کفار مکہ کی اس خواہش کی تردید ہے کہ پہاڑ سونے کے ہو جائیں۔ پس ان کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تم لوگ رزق خداوندی کے خزانوں کے مالک بن جاؤ تو خرچ ہو جانے کے ڈر سے اس کو روک رکھو گے۔ یہاں رحمت سے مراد رزق ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ - چونکہ عام انسانوں کی عادت میں بخل داخل ہے اس لئے نوع انسانی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

قَتُورًا - قتر سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور اس کا معنی ہے بخیل۔

رکوع نمبر ۱۲

تِسْعَ آيَاتٍ - تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ امام محمد باقر علیہ السلام سے وہ نو نشانیاں یہ منقول ہیں۔ (۱) طوفان (۲) دریائے نیل کا چیرنا (۳) ٹڈی (۴) جوئیں (۵) مینڈک (۶) خون (۷)

قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَآ اَنۡزَلَ هٰۤـؤُلَاۤءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ج

فرمایا تو جانتا ہے کہ نہیں اتارا (ان نشانیوں) کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے دلیلیں

وَاِنِّىۡ لَاَظُنُّكَ يٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنۡ يَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ

اور میں تجھے سمجھتا ہوں اے فرعون ہلاک ہونے والا پس اس نے چاہا کہ تنگ کرے ان کو زمین سے (کہ نکل جائیں)

فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِيۡعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اسۡكُنُوا

تو ہم نے اس کو غرق کر دیا اور جو اس کے ہمراہ تھے سب کو اور کہا اس کے بعد بنی اسرائیل کو کہ ٹھہرو

الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِكُمۡ لَفِيۡفًا ﴿۱۰۴﴾ وَبِالۡحَـقِّ اَنۡزَلۡنٰهُ وَ

زمین میں پس جب آئے گا وعدہ آخرت کا تو لائیں گے ہم تم سب کو اکٹھا اور حق سے ہم نے اتارا اس کو اور

بِالۡحَـقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ﴿۱۰۵﴾ وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ

وہ حق کے ساتھ اترا اور ہم نے نہیں بھیجا تجھے مگر بشیر و نذیر بنا کر اور ہم نے اتارا قرآن جس کو الگ الگ کیا تاکہ پڑھو

عَلٰى مُكۡثٍ وَّنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِيۡلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلۡ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ

لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا کہہ دو کہ ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تحقیق

پتھر (۸) عصا (۹) ید بیضا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں طوفان اور پتھر کی بجائے من و سلویٰ اور رفع طور مذکور ہے۔

مَسۡحُوۡرًا ۔ اس کے تین معانی کئے گئے ہیں (۱) سحر سکھایا ہوا (۲) مفعول بمعنی فاعل یعنی مسحور بمعنی ساحر (۳) فریب خوردہ

مَثۡبُوۡرًا ۔ مفعول بمعنی فاعل ہے یعنی ہلاک ہونے والا کیونکہ ثبور کا معنی ہلاکت ہوا کرتا ہے۔

وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ ۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے اور بقول مجمع البیان بعضوں نے نزول عیسیٰ کا وقت لیا ہے یعنی حضرت مہدی علیہ السلام کی آمد کا زمانہ۔

لَفِيۡفًا ۔ یعنی نیک و بد سب کے سب اکٹھے مبعوث ہوں گے پھر حساب کے بعد جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں گے۔

وَقُرۡاٰنًا ۔ اس کا پیچھے عطف ہے اور عامل اَنۡزَلۡنَا محذوف ہے یعنی ہم نے قرآن کو اتارا۔

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝۱۰۷

جن لوگوں کو علم دیا گیا اس سے پہلے جب تلاوت کی جائے ان پر تو گر جاتے ہیں ٹھوڑی کے بل سجدہ کرتے ہوئے

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝۱۰۸ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ

اور کہتے ہیں پاکیزہ ہے ہمارا خدا تحقیق ہمارے رب کا وعدہ ہو کے رہے گا اور گرتے ہیں ٹھوڑی کے بل

يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝۱۰۹ (السجدۃ) قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا

روتے ہوئے اور زیادہ ہوتا ہے ان کا خشوع کہہ دو اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جو بھی پکارو

تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ

اللہ کے خوب نام ہیں اور نہ جہر کرو اپنی نماز میں اور نہ چپکے رہو

فَرَقْنٰهُ ۔ اس کی کئی توجیہیں کی گئی ہیں۔ (۱) یعنی اس کو ہم نے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا بنایا ہے (۲) اس کے مضامین الگ الگ ہیں مثلاً اوامر نواہی خبریں قصے، وعدے اور وعید وغیرہ (۳) یعنی اس کو توڑ توڑ کر اور چھوڑ چھوڑ کر ہم نے اتارا ہے جس طرح مصلحت کا تقاضا تھا۔

عَلٰی مُکْثٍ ۔ اس سے ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنا مقصود ہے اور جلد بازی کرنے کی ضمناً نفی ہے چنانچہ مروی ہے کہ قرآن مجید کو تین دن سے پیشتر نہ ختم کیا جائے۔

اٰمِنُوْا ۔ کفار نے کہا تھا کہ ہم ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے منہ مانگے معجزات آپ ظاہر نہ کریں گے تو ان کی تردید فرمائی ہے کہ ہمیں تمہارے ایمان کی ضرورت نہیں، ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، البتہ جو لوگ ذوق صحیح اور ذہن مستقیم رکھتے ہیں وہ قرآن کو سن کر توحید پروردگار اور میری نبوت کو مان لیتے ہیں اور اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے جھک جاتے ہیں اس آیت میں ذقن یعنی ٹھوڑی منہ سے کنایہ کیا گیا ہے۔ اور حالتِ اختیاری میں سجدہ کا مقام پیشانی ہے۔ البتہ حالتِ اضطراری جب پیشانی پر سجدہ ممکن نہ ہو تو ٹھوڑی پر بھی سجدہ کیا جا سکتا ہے

سُجَّدًا ۔ اس مقام پر تلاوت میں جب انسان پہنچے تو سجدہ مستحبہ ادا کرے اور اس کا طریقہ تفسیر کی چھٹی جلد سورہ اعراف ص۵۰ پر مذکور ہے۔

یَبْکُوْنَ ۔ یعنی قرآن مجید کو سن کر ان کا خشوع زیادہ ہوتا ہے اور وہ خوف خدا سے گریہ کرتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ ۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ (۱) مشرکین نے کہا ہم رحیم کو تو جانتے ہیں لیکن رحمٰن نہیں جانتے (۲) یہود

بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ

اس میں اور تلاش کرو اس کے درمیان راستہ اور کہو حمد ہے اللہ کے لئے جس نے نہیں

يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ

بنایا بیٹا اور نہیں اس کے لئے کوئی شریک ملک میں اور نہ

يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

اس کا کوئی معاون ہے ذلت سے اس کی کبریائی کو خوب بیان کرو

نے کہا رحمٰن کا ذکر قرآن میں بہت کم ہے حالانکہ تورات میں اس کا ذکر زیادہ ہے (۲) حضورؐ ایک مرتبہ سجدہ میں یارحمٰن ویارحیم پڑھ رہے تھے تو کفار نے کہنا شروع کر دیا دیکھو ہمیں توحید کی دعوت دیتا ہے اور خود دو کو پکار رہا ہے پس یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ سب اللہ کے نام ہیں اور ذات ایک ہے جس نام سے بھی اس کو یاد رکھو درست ہے۔ اور اللہ کے اسماء حسنٰی بہت سے ہیں ہم نے اس کے متعلق اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں بحث کی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس جگہ سے چند مطالب اچھی طرح معلوم ہوگئے (۱) اسم عین مسمٰی ہے۔ کیونکہ فرمایا اللہ یا رحمان جس نام سے پکارو ذات ایک ہی ہے (۲) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا مانگنے سے پہلے اللہ کے اسماء کو ذکر کرنا زیادہ بہتر ہے (۲) یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خدا فعل قبیح نہیں کرتا کیونکہ اس کے بعض اسماء افعال سے مشتق ہیں۔ اگر وہ فعل قبیح کرے تو اس کا اشتقاقی نام حسن نہ ہوگا حالانکہ وہ فرماتا ہے کہ اس کے تمام نام حسن ہیں پس معلوم ہوا کہ وہ فعل قبیح نہیں کرتا۔ مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۶ صـ ۱۳۷ پر ملاحظہ ہو۔

وَلَا تَجْهَرْ۔ اس کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نہ سب نمازوں کو جہر سے پڑھو اور نہ سب کو اخفات سے پڑھو بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرو کہ رات کی نمازوں میں جہر اور دن کی نمازوں میں اخفات کر لیا کرو۔

مِنَ الذُّلِّ۔ یعنی خدا ذلیل نہیں تاکہ عزت اور غلبہ حاصل کرنے کے لئے کسی کو اپنا مددگار ٹھہرائے۔

سُورَۂ کہف

اس کی آیات کی تعداد ایک سو دس ہے[علہ] یہ سورہ مکیہ ہے مگر آیت نمبر ۲۸ اور آیت نمبر ۸۲ تا ۱۰۱ مدنی ہیں (برہان)

(۱) جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے جو اس سورہ کو پڑھے گا وہ آٹھ دن تک ہر فتنے سے محفوظ رہے گا اگر ان دنوں میں دجّال بھی خروج کرے گا تو اس کو اس کے فتنے سے بھی خدا بچائے گا۔ (مجمع)

(۲) جو شخص اس سورہ کی آخری آیت کو سوتے وقت پڑھیگا اس کی خوابگاہ سے کعبہ تک ایک نور کی شعاع پیدا ہوگی۔ اور اس میں فرشتے ہوں گے جو اس کی بیداری تک اس کے لئے بخشش کی دعا کریں گے اور اگر سونے والا مکہ میں سو رہا ہو تو وہاں سے بیت المعمور تک ایک نورانی فضا ہوگی جس میں فرشتے اس کی بیداری تک اس کے لئے دُعا کرتے رہیں گے (مجمع البیان)

(۳) جو سورہ کہف کی دس آیتیں یاد کر کے پڑھ لے فتنہ دجّال سے محفوظ رہے گا اور جو ساری سورت پڑھے گا وُہ جنّت میں داخل ہوگا۔ (مجمع)

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو سورہ کہف کو پڑھے تو وہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

(۵) آپ نے فرمایا جو شخص سورہ کہف کی آخری آیت پڑھ کر سوئے وہ جس وقت کا ارادہ کرے گا بیدار ہوگا۔

(۶) آپ نے فرمایا جو شخص ہر شب جمعہ سورہ کہف پڑھے وہ شہید مرے گا اور شہیدوں کے ساتھ مبعوث ہوگا اور قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ کھڑا ہوگا۔

(۷) جو شخص اس سورہ کو لکھ کر تنگ منہ والی شیشی میں رکھ کر گھر میں محفوظ رکھّے تو فقر، قرضہ اور لوگوں کی اذیتوں سے محفوظ رہے گا۔

(۸) اگر اس کو لکھ کر غلّہ کے خزانہ میں یعنی گندم جو چاول اور چنے وغیرہ کے انبار میں رکھا جائے تو باذن پروردگار دانوں کو خراب کرنے والے ہر موذی کیڑے سے نجات ہوگی (البرہان)

[علہ] یہ تعداد بسم اللہ کے علاوہ ہے ورنہ بسم اللہ کے ملانے سے آیات کی تعداد ایک سو گیارہ ہوتی ہے۔ (منہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ

حمد ہے اس اللہ کی جس نے اتاری اپنے بندے پر کتاب اور نہ رکھا اس میں

عِوَجًا ۱ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ

ٹیڑھا پن وہ پختہ ہے تاکہ ڈرائے سخت عذاب سے جو اس کی طرف سے ہوگا اور خوشخبری دے مومنوں کو

الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۲ مّٰکِثِیۡنَ فِیۡہِ

جو عمل کریں نیک تحقیق ان کے لئے اچھا بدلہ ہے اس میں وہ ہمیشہ

اَبَدًا ۳ وَّ یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۴ مَا لَہُمۡ بِہٖ

رہیں گے اور ڈرائے ان کو جو کہتے ہیں کہ بنایا ہے اللہ نے اپنا بیٹا نہ ان کو اس کا

مِنۡ عِلۡمٍ وَّ لَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ

علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے

رکوع نمبر ۱۳

وَلَمۡ یَجۡعَلۡ - عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے - اَلۡکِتَابَ قَیِّمًا وَلَمۡ یَجۡعَلۡ - الخ یعنی حمد ہے اللہ کے لئے جس نے اتاری کتاب پختہ اور اس میں کوئی ٹیڑھا پن نہ رکھا - قیم کا معنی پختہ مضبوط اور مستقیم ہے یعنی اس میں تناقض نہیں گراوٹ نہیں کمزوری نہیں اور کسی قسم کا کوئی عیب نہیں۔

عِوَجًا - نظر آنے والی چیز کی کجی کو عوج جیسے دیوار اور لکڑی وغیرہ اور نظر نہ آنے والی چیز کی کجی کو عِوج کہا جاتا ہے۔ جیسے کلام اور دین وغیرہ (مجمع البیان)۔

قیم سے جو معنی لیا جائے گا اس کے مقابلہ میں عوج کا معنی ہوگا پس اگر قیم کا معنی ہے پختہ و مضبوط تو عوج کا معنی غیر پختگی اور اگر قیم کا معنی ہے کتب سابقہ کی نگران و محافظ تو عوج کا معنی یہ ہوگا کہ یہ ان سے منحرف نہیں اور اگر قیم معنی فصاحت، و بلاغت و سلاست و صداقت میں معیار بلند پر فائز تو عوج کا معنی اسی معنی میں کمزوری ہوگا۔ گویا یہ کتاب ہر حیثیت سے سیدھی ہے کج نہیں۔

إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۞٥ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن

وہ محض جھوٹ کہتے ہیں شاید تو ہلاک کرنے والا ہے اپنے آپ کو ان کے پیچھے اگر وہ اس

لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۞٦ إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ

بات پر ایمان نہ لائیں ارمان سے ہم نے بنایا جو کچھ زمین پر ہے اس کی

زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۞٧ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا

زینت تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ کون نیک عمل کرتا ہے اور ہم کرنے والے ہیں

عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۞٨ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ

جو کچھ اس پر ہے مٹی محض کیا خیال ہے کہ تحقیق کہف اور رقیم والے

كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۞٩ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا

ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے جب پناہ لی جوانوں نے غار کی طرف تو کہا

رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۞١٠

اے رب دے ہم کو اپنی طرف سے رحمت اور بنا ہمارے لئے ہمارا معاملہ آسان

مَا لَهُمْ۔ یہاں سالبہ بانتفاء موضوع ہے یعنی جب اس کا بیٹا ہی نہیں تو اس سے علم کا تعلق کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ بہت سخت بات کہتے ہیں جو محض جھوٹ ہے۔

جُرُزًا۔ وہ زمین جو کچھ نہ اگاتی ہو۔

اصحابِ کہف

أَمْ حَسِبْتَ۔ یعنی کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اصحابِ کہف کا قصہ بہت عجیب ہے پس قریشی لوگ سنتے ہی مومن بن جائیں گے حالانکہ زمین و آسمان کی تخلیق ان چیزوں سے کہیں زیادہ غور طلب اور محرک ایمان تھی۔ لیکن وہ ایمان نہ لائے۔

کَهْف۔ پہاڑ میں بڑی غار کو کہف اور چھوٹی کو غار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

الرقیم۔ اس کے معنی میں چند اقوال ہیں۔ (۱) رقیم وہ پہاڑ ہے جس میں وہ کہف تھی (۲) رقیم اس بستی کا نام تھا جس سے وہ روانہ ہوئے تھے۔ (۳) رقیم پتھر کی اس تختی کا نام ہے جس میں اصحاب کہف کا واقعہ لکھا تھا اور رقیم رقم

فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا ⑪

پس بند کر دیا ہم نے ان کے کانوں کو غار میں کئی سال

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ⑫ ع ۱۲

پھر ان کو اٹھایا تاکہ ظاہر ہو کہ دو فریقوں میں سے کس نے اُن کے ٹھہرے رہنے کا وقت ضبط کیا ہے

سے ہے جس کا معنی لکھا ہوا کرتا ہے (۲) رقیم اس کتاب کا نام ہے جس میں یہ واقعہ درج کیا گیا تھا اور بعض کہتے ہیں اصحاب رقیم اصحاب کہف کے علاوہ تین آدمی تھے جو غار میں داخل ہوئے تھے اور دروازہ بند ہو گیا تھا پس ہر ایک نے اپنے اپنے نیک نیک اعمال کا واسطہ دیا تھا پس ہر ایک کی دُعا سے ایک ایک تہائی دروازہ کھل گیا تھا۔ فِتْیَة ۔ فتی کی جمع ہے جس طرح غلام کی جمع غلمہ اور صبی کی جمع صِبْیَة ہوا کرتی ہے تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے فتی کا معنی پوچھا تو اس نے کہا کہ اس کا معنی ہے جوان تو آپ نے فرمایا اس کا معنی ہے مومن دیکھئے اصحاب کہف بوڑھے لوگ تھے لیکن ایمان کی وجہ سے خدا نے ان کو فتیہ کہا ہے (واقعی جوانمرد وہ ہے جو ایسے حالات میں بھی ایمان کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے)

ثُمَّ بَعَثْنٰـ ۔ یعنی ایک کافی مدت کے بعد ان کو بیدار کیا تاکہ کافروں اور مومنوں کے دونو گروہوں پر ان کی حقیقت ظاہر ہو

شانِ نزول قریش مکہ نے تین آدمی نضر بن حارث عقبہ ابن ابی معیط اور عاص بن وائل کو یہود و نصاریٰ کی طرف بھیجا (بعض روایات میں مدینہ اور بعض میں نجران کا ذکر ہے) تاکہ حضرت محمد مصطفےٰ کے اوصاف اور ان کی دعوت کے متعلق ان سے رائے طلب کریں۔ پس بروایت مجمع البیان یہود مدینہ نے ان کو تین سوال تعلیم کئے کہ اگر بتا دے تو وہ نبی سمجھو ورنہ جھوٹا جانو۔ (۱) گذشتہ زمانہ میں وہ کون تھے جو گھر سے نکلے اور ان کا قصہ کیا ہے؟ (۲) وہ کون ہے جس نے مشرق و مغرب کی سیر کی اور اس کا واقعہ کیا ہے؟ (۳) رُوح کیا شی ہے ایک روایت میں ہے انہوں نے کہا اگر دو سوالوں کا جواب دے اور رُوح کے متعلق کچھ نہ بتلائے تو جان لینا کہ وہ نبی ہے اور بروایت علی بن ابراہیم انہوں نے تین سوال حل طلب بتلائے اور چوتھے کے متعلق کہا اگر وہ اس کے علم کا دعویٰ کرے تو جھوٹا ہے (۱) وہ جوان گذشتہ زمانہ میں کون تھے جو گھر سے نکلے غائب ہوئے اور پھر سو گئے۔ کتنا سوئے پھر جاگے کتنے تھے ان کے ہمراہ غیر جنس کیا تھی اور ان کا قصہ کیا ہے؟ (۲) حضرت موسیٰ کو جس عالم کی اتباع اور اس سے سیکھنے کا حکم ملا تھا وہ کون تھا اور بات کیا ہوئی؟ (۳) وہ کون تھا جس نے مشرق و مغرب تک کی سیر کی اور یاجوج و ماجوج کی حد تک پہنچا اس کا واقعہ کیا ہے؟ پھر انہوں نے یہ تینوں واقعات ان کو لکھوا دیئے اور کہا اگر وہ ایسے جوابات دے تو سمجھنا سچا ہے اور اگر کوئی اور جواب دے تو سمجھ لینا کہ جھوٹا ہے پھر اس کی بات کو قبول نہ کرنا اور چوتھا مسئلہ ہے اس سے قیامت کے متعلق پوچھنا کہ کب ہوگی اگر اس کے علم

کا دعویٰ کرے تو جھوٹا ہے کیونکہ اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہے پس قریش کا یہ وفد مکّہ میں پہنچا اور حضرت ابوطالب کے پاس جمع ہوکر اپنا مقصد بیان کیا حضرت ابوطالب نے کھلے منہ اجازت دی کہ بے شک تم جو جی چاہے اس سے سوال کرو۔ چنانچہ جب انہوں نے وُہ سوال پیش کئے تو آپ نے انشاء اللہ کہے بغیر کل کا وعدہ دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن وحی نہ ہوئی اور اسی بے چینی اور انتظار میں پورے چالیس دن گذر گئے کفار قریش خوشی سے تالیاں بجاتے تھے اور مومن شرم سے سرنگوں تھے بعضوں کے دلوں میں شکوک و شبہات آنے لگ گئے اور حضرت ابوطالب بھی اپنے مقام پر غمگین تھے۔ حتیٰ کہ چالیس روز کے بعد سورۂ کہف نازل ہوئی۔ حضور نے پوچھا کہ اے جبریل۔ دیر کی کیا وجہ ہے کہنے لگا ہم اذنِ پروردگار کے تابع ہیں (یعنی اس کی مصلحت وہ خود ہی بہتر جانتا ہے) سورہ مریم آیت نمبر ۶۴ ص۱۵۵

واقعہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ لوگ ایک ظالم بادشاہ کے زمانہ میں تھے جو اپنی رعایا کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور جو نہ مانے اسے قتل کر دیتا تھا یہ لوگ خفیہ طور پر مومن تھے چپکے چپکے وہاں سے نکل گئے راستے سے ایک کتا بھی ساتھ ہولیا۔ آپ نے فرمایا حیوانات میں سے تین حیوان جنت میں جائیں گے (۱) بلعم بن باعور کا گدھا۔ (۲) حضرت یوسف کا بھیڑیا (۳) اصحاب کہف کا کتا۔ اسکی وضاحت تفسیر کی جلد ۶ ص۱۳۴ پر دیکھئے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے یہ لوگ بادشاہ کے خوف سے اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ ان کے بادشاہ کا نام دقیانوس اور شہر کا نام افسوس تھا جو بقول معجم البلدان طرسوس کے گرد و نواح میں تھا اور عیسائیوں کا یہی عقیدہ ہے چنانچہ ان کی کتب تاریخ میں یہ ہے کہ روم کا وثنی بادشاہ دقیانوس نصاریٰ کا سخت دشمن تھا وہ ان پر ظلم کرتا تھا اور وہ پوری قوم نصاریٰ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے تھا اس کا زمانہ ۲۵۰ء کے آس پاس تھا اور اس کی حکومت بعد میں پچاس برس تک رہی پھر روم کا تخت حکومت قسطنطین نے سنبھالا جو عیسائی مذہب کا فرد تھا اور نصرانیوں کو اس کی وجہ سے دوبارہ ملک میں اقتدار حاصل ہوا۔ اور طاقت مل گئی پس وہ پھولے اور پھلے۔ اور دقیانوس کے متعلق ایک خیال یہ بھی ہے کہ وہ مجوسی تھا۔ بہرکیف اصحاب کہف نصاریٰ تھے اور حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور مروی ہے کہ یہ بادشاہ کے خواص میں داخل تھے اور ایک دوسرے سے بھی اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے چنانچہ ایکدفعہ اکٹھے ہوئے تو ایک دوسرے کو اپنا راز بتایا اور اتفاق کر کے وہاں سے بھاگ نکلے۔

حدیثِ بساط البرہان میں بروایت ابن شہر آشوب منقول ہے۔ ایک مرتبہ حضرت رسالتمآبؐ نے چادر بچھائی اور اس کے چاروں گوشوں پر ابوبکر عمر ابوذر اور سلمان کو بٹھایا اور علی کو درمیان میں۔ پس ابوبکر کو حکم دیا کہ علی کو امامت کی حیثیت سے سلام کرو۔ پھر باقیوں کو بھی وہی حکم دیا۔ چنانچہ سب نے حکم کی تعمیل کی پس علی کو فرمایا کہ سورج سے بات کرو۔ چنانچہ علی نے سورج کی طرف منہ کر کے فرمایا اے اللہ کی روشن نشانی السلام علیک۔ تو جرم آفتاب میں کپکپی سی طاری ہوئی۔ اور جواب میں کہا وعلیک السلام یا ولی اللہ و وصی رسول اللہ۔ پھر حضور نے آسمان کی طرف ہاتھ کھڑے کئے اور دعا مانگی۔ اے پروردگار تو نے سلیمان پیغمبر کو ملک عطا کیا اور ہوا کو اس کے تابع فرمان بنایا کہ وہ صبح و شام ایک ایک ماہ کا سفر کرتی تھی۔ اے اللہ ہوا

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ

ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر ان کی خبر سچی تحقیق وہ جوانمرد تھے جو ایمان لائے اپنے رب پر اور ہم نے ان

وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا

کو زیادہ کیا ہدایت میں اور ہم نے مضبوط کیا ان کے دلوں کو جب اُٹھ کھڑے ہوئے اور اعلان کر دیا۔

کو حکم دے کہ ان کو اصحاب کہف تک پہنچا دے پس ان سب کو ہوا نے اٹھایا اور اصحاب کہف کے پاس جا کر اتارا۔ ایک ایک نے باری باری کھڑے ہو کر اصحاب کہف کو سلام کیا۔ لیکن کسی کو جواب نہ ملا آخر میں حضرت علی اُٹھے اور سلام دیا تو انہوں نے جواب میں کہا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وَصِيَّ مُحَمَّدٍ اس کے بعد اپنا مختصر تعارف کرایا آپ نے فرمایا تم نے میرے پہلے ساتھیوں کو سلام کا جواب کیوں نہیں دیا کہنے لگے ہم صرف نبی یا وصیٔ نبی کو ہی سلام کرنا جانتے ہیں اور تو آخری نبی کا وصی اور رسولؐ کا خلیفہ ہے پھر حضرت علیؑ نے سب کو چادر کے اُوپر بیٹھنے کا حکم دیا اور ہوا نے ہمیں دوبارہ اٹھالیا اور پھر ایک دور دراز کے مقام پر اُترے حضرت علی نے پاؤں کی ٹھوکر ماری تو ایک میٹھے پانی کا چشمہ ظاہر ہؤا۔ آپ نے وضو فرمایا اور ہم نے بھی وضو کیا آپ نے فرمایا امید ہے تم لوگ صبح کی نماز یا اس کا کچھ حصہ نبی علیہ السلام کی اقتداء میں ادا کر سکو گے پس ہوا نے ہمیں اٹھالیا اور ہم مسجد نبوی کے دروازے پر عین اس وقت پہنچے جب کہ حضورؐ صبح کی نماز سے ایک رکعت پڑھ کر دوسری میں تھے اور حدیث میں ہے کہ یہ چادر حضور کو کعب بن اشرف کے بھائی خطی بن اشرف نے پیش کی تھی۔ جو حضور کے معجزات دیکھ کر مسلمان ہو گیا تھا۔

رکوع نمبر ۱۴
مفصّل قصّہ

نَحْنُ نَقُصُّ :- تفسیر برہان کی ایک طویل روایت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک یہودی کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ملک روم میں ایک شہر ہے جس کا نام افسوس ہے وہاں ایک نیکدل بادشاہ کی حکومت تھی۔ جب وہ فوت ہؤا تو اس کے تخت و تاج کی وراثت کے جھگڑے میں رعایا میں ابتری پھیل گئی ادھر ایران کے ایک بادشاہ دقیانوس کو علم ہؤا تو وہ ایک لاکھ فوج سے حملہ آور ہو کر وہاں قابض ہو گیا۔ اس نے اپنے ایرانی رسم و رواج کے مطابق وہاں عالی شان محلات تعمیرات کروائے اور دربار عام کی سجاوٹ اور اپنے رعب و دبدبہ کی بحالی کے لئے شاہانہ ٹھاٹھ کا مظاہرہ کیا چنانچہ سنہری تخت اور جواہر سے مرصّع اس کے روپہلی پائے اور پر عمدہ ریشمی قالینیں اور پشمینی غالیچے اور دائیں بائیں اسّی اسّی یاقوت سُرخ سے جڑی ہوئی چاندی کی کرسیاں وزیروں، مشیروں کے لئے اور سر پر نایاب ہیروں اور بیش بہا موتیوں سے مرصّع سنہری تاج جس کی چمک دمک شب تیرہ و تار میں مشعل راہ کا کام دیا کرتی تھی۔

دربار شاہی میں جب اپنی پوری آن بان شان سے سریر آرائے مملکت ہوتا تو چھ وزیر تملیخا۔ مکسلینا۔ محسمینا۔ مرطوس کمنطوس اور ساریوس اپنے مخصوص درباری لباس میں ملبوس اس کے پشت سر اور دائیں بائیں مشک و کستوری و عرقِ گلاب سے پُر شدہ چاندی کے جام ہاتھوں میں تھام کر کھڑے ہوتے تھے پس نخوتِ شاہانہ و سطوتِ ملوکانہ کے نشہ میں چور کبر و غرور کی شراب

سے دل و دماغ مخمور وہ پیکرِ جبر و ہیکلِ ظلم اپنی اصل و حقیقت سے بے خبر ہو کر دامنِ توحید ذوالجلال میں ہاتھ ڈالنے لگا۔ پہلے بُت پرستی کا مروّج تھا پھر خود خدا بن بیٹھا پہلے صنم کی الوہیت کا قائل پھر خود اِلٰہ کہلوانے لگا۔ ماننے والوں کے لئے انعام و اکرام اور جود و سخا کے دروازے کھل گئے اور خدا پرستوں کے لئے خون آشام تلواریں ہر وقت بے نیام ہوگئیں۔ سال میں ایک دفعہ اُسکو سالانہ جشن کے موقعہ پر ایرانی شہنشاہ کی طرف سے فوج کشی کی اطلاع ملی تو ڈر سے کانپ اٹھا حتیٰ کہ سر سے شوکتِ شاہانہ اتر کر قدموں میں آرہی اِسے دیکھ کر دانا وزراء کو لحۂ فکر ملا اور کھرے کھرے انہیں حقیقی خدا مل گیا اور بادشاہ پر خوشی و غمی کی حالتوں کا توارد حاجاتِ ضروریہ میں بے بسی اور نیند و بیداری میں مجبوری شانِ خداوندی سے متصادم نظر آئیں۔

اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ۔ یعنی وہ ادلّہ و براہین میں غور و خوض کر کے اپنے پروردگار کو مان گئے اور پھر اپنی وسعتِ نظر سے سمندِ عقل کی پشت پر سوار ہو کر جونہی انفس و آفاق کی سیر کو نکلے تو ان کے لئے معرفت کی راہیں وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئیں اور قلوب قندیلِ نورِ ایمان سے فروزاں ہوتے چلے گئے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام حدیث سابق میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ چھ وزیر ہر شب ایک کے ہاں باری باری سے کھانا کھایا کرتے تھے اور آج تملیخا کی باری تھی۔ اس نے ماکول و مشروب کا شاندار انتظام کیا۔ جب کھانے پر جمع ہوئے تو تملیخا نے اپنے دل میں روشن فانوسِ ایمان سے پردہ اٹھاتے ہوئے تقریر شروع کی۔ برادرانِ گرامی! آج میرے دل میں ایک عقدہ ہے۔ اور دماغ میں ایک الجھن ہے جس کی وجہ سے کھانے پینے میں میری دلچسپی نہیں رہی میں نے اپنے اسپ فکر کو مہمیز کیا اور کافی سوچ بچار سے کام لیا کہ اس فلک نیلگوں کو بغیر ستون کے کس نے اٹھایا ہے اور کونسی گرفت ہے جو اس کو اپنی جگہ پر برقرار رکھے ہوئے ہے۔ آفتاب و مہتاب کی قندیلیں روشن کرنے والا کون ہے آسمان پر ستاروں کے ضیا بار قمقمے کس نے حسن و خوبی سے جڑ دیئے ہیں۔ پھر سوچتا ہوں کہ موجزن پانی کی سطح پر زمین کو کس نے بچھایا پھر حرکت و اضطراب سے روکنے کے لئے اس پر پہاڑوں کو کس نے کھڑا کیا اور جب اپنی ہستی میں فکر کرتا ہوں تو کھو جاتا ہوں کہ مجھے عالمِ نیستی سے صفحۂ وجود پہ اور شکم مادر سے فرشِ گیتی پر کون لایا۔ غذا کا بندوبست کس نے کیا اور تاریک پردوں کے اندر میری خبر گیری کرنے والا کون رہا؟ پس یہ دل سے اُٹھنے والا غبار یا دماغ میں جگہ پکڑنے والے سوالات ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس نتیجے تک پہنچایا ہے کہ اس پورے عالم کا مدبّر و صانع یہ بادشاہ دقیانوس نہیں بلکہ کوئی اور ہے وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور اس کی سلطنت آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے۔ اور وہی لائق عبادت ہے۔ تملیخا کی تقریر سُن کر سب کے کان کُھلے اور ہر ایک نے داد و تحسین سے تائید کی پھر سب نے تملیخا کے قدموں میں جھک کر اپنے مخفی ایمان کو ظاہر کیا (اس کے بعد ان کو دقیانوس کی طاقت و سطوت مرعوب نہ کر سکی اور اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے)

اِذْ قَامُوْا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ وہ بادشاہ کے بھرے دربار میں کھڑے ہوگئے اور جرأت کا اظہار کر کے واشگاف الفاظ میں بانگ دہل کہہ دیا۔

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ

کہ ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے۔ ہم ہرگز نہ پکاریں گے اس کے سوا کسی کو معبود سمجھ کر ورنہ ہم بالکل غلط

قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ

بات کہنے والے ہوں گے یہ لوگ ہماری قوم والے ٹھہرا بیٹھے ہیں اس کے علاوہ اور خدا کیوں نہیں لاتے

لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى

ان پر کوئی واضح دلیل؟ پھر کون زیادہ ظالم ہے اُس سے جو اللہ پر افترا

اللّٰهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى

باندھے؟ اور جب تم ان کو چھوڑ چکے ہو اور جس کی وہ عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے تو پناہ لے لو

الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ

طرف غار کے پھیلائے گا تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت اور پیدا کرے گا تمہارے لئے

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ۔ الخ۔ کہ تو ہمارا رب نہیں بلکہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہمارا رب ہے۔ لَنْ نَّدْعُوَا۔ الخ۔ ہم ہرگز اس کے سوا کسی کو رب ماننے کے لئے تیار نہیں اگر ہم نے ایسا کیا تو یقیناً ہماری بات غلط ہوگی اور ہم غلط کار ہوں گے۔

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا۔ پھر آپس میں مشورہ کیا کہ ہماری قوم نے بلا دلیل غیر اللہ کو خدا مانا ہے اور ہم ان کو اور ان کے خداؤں کو جب بالکل چھوڑ چکے ہیں تو ہمیں ہجرت کر کے چلے جانا چاہیئے۔ پس کسی غار میں پڑ رہیں گے اور خدا اپنی رحمت کے سایہ میں ہمیں محفوظ رکھے گا۔

حدیث سابق میں ہے تملیخا نے اپنے باغ کی کھجوریں جو گھر میں موجود تھیں فروخت کیں ان کے تین درہم وصول ہوئے۔ وہ جیب میں ڈال لئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر سے نکل کھڑے ہوئے جب تین میل کا فاصلہ طے ہو چکا تو تملیخا نے کہا جب اللہ کی خوشنودی کے لئے دنیا کی زینتوں کو خیر باد کہہ چکے ہیں تو گھوڑے کس لئے ہیں پس پیدل دن بھر سفر کیا اور سات فرسخ چلے پاؤں پہ آبلے آگئے اور خون جاری ہوگیا۔ ایک دنبیوں کا چرواہا ملا۔ اس سے پانی یا دودھ طلب کیا اس نے دونوں چیزیں پیش کر دیں۔ اور کہنے لگا تمہاری شاہانہ شکلیں اور مرجھائے ہوئے چہرے دیکھ کر مجھے شک پڑتا ہے کہ تم بادشاہ سے بھاگ کر آ رہے ہو کہنے لگے ہمیں جھوٹ کی ضرورت نہیں پھر سچ سچ بات بتا دی وہ ان کے قدمبوس ہو کر کہنے لگا میں بھی پہلے سے ہی اسی نظریہ کا حامی ہوں پس ازراہِ کرم میرے لئے اس قدر انتظار کرو کہ بکریاں اپنے اپنے مالکوں کے حوالے کر دوں پھر ابھی واپس آتا ہوں چنانچہ وہ فوراً واپس پلٹ آیا اور کتا بھی اس کے ہمراہ تھا۔

اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ

تمہارے معاملہ میں آسانی اور دیکھو گے سورج کو جب طلوع کرتا ہے تو ترچھا ہوتا ہے ان کے غار سے داہنی

ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ

طرف اور جب غروب کرتا ہے تو منحرف ہوتا ہے ان سے بائیں طرف اور وہ ایک کھلی جگہ میں ہیں اس

مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ

سے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت لیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑ

يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ ع

دے تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کے لئے دوست ارشاد کرنے والا

یہودی کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کتا ابلق سیاہ تھا اور اس کا نام قطمیر تھا۔ یہ لوگ کتے کو دیکھ کر گھبرائے۔ کہ اس کی وجہ سے کہیں ہمارا راز فاش نہ ہو جائے پتھر مار کر اس کو پلٹانا چاہا آخر کار اس نے فصیح زبان سے کلمہ توحید زبان پر جاری کر کے راز داری اور حفاظت کا عہد کیا اور یہ اس کو ہمراہ خوشی خوشی لے چلے وہ چرواہا ان کو پہاڑ کی ایک بڑی غار میں لایا جس کو وصید کہتے تھے اور غار کے سامنے ایک چشمہ پانی اور پھلدار درخت تھے انہوں نے پھل کھائے اور پانی پی لیا پھر غار میں داخل ہو گئے۔ بحکم پروردگار ان کے ارواح کو قبض کر لیا گیا خدا نے ہر ایک کیلئے دو دو فرشتے مقرر فرمائے جو دائیں بائیں ان کے پہلو بدلتے رہتے ہیں۔

مِرْفَقًا۔ رفق سے ہے آسانی اور نفع اور اس کا معنی ہاتھ کی کہنی بھی ہوتا ہے۔ مِرفق اور مَرفِق دونوں جائز ہیں لیکن کہنی کے معنی میں مِرفق بہتر ہے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اللہ کے کمال لطف اور حسن حفاظت کا کرشمہ ہے کہ ان کے غار کا رخ قطب شمالی کی طرف ہے پس طلوع کے وقت سورج ان کے دائیں اور غروب کے وقت بائیں جانب ہوگا۔

تَزٰوَرُ۔ کا معنی ہے کہ ترچھا ہو کر جاتا ہے اور تَقْرِضُ قرض سے ہے جس کا معنی کاٹنا ہوتا ہے لیکن یہاں انحراف کرنا مراد ہے۔

وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ۔ فجوۃ کا معنی کھلی جگہ اور فَجْوَةُ الدار گھر کے صحن کو کہا جاتا ہے یعنی غار اندر سے کافی وسیع تھی کہ باہر سے کھڑے ہو کر ان کو دیکھا نہیں جا سکتا تھا اور انہیں دھیمی دھیمی ہوا بھی پہنچتی رہتی ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سابقہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ وہاں سے روانہ ہوئے تھے تو بادشاہ باقی رعایا کے ساتھ عید پر گیا ہوا تھا اور اس سے یہ بھی انکشاف ہوا کہ انہوں نے بادشاہ کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار جرأت سے کر دیا تھا جس طرح آیت نمبر ۱۴ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ عید کے تہوار اور جشن میں اس دفعہ شامل نہیں ہوئے

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ

اور تم خیال کروگے کہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سوتے ہیں اور ہم ان کے پہلو بدلتے ہیں دائیں اور

الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ

بائیں اور ان کا کتا بازو پھیلائے بیٹھا ہے چوکھٹ پر اگر جھانکو ان پر تو پلٹ جاؤ گے ان سے

لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ

فرار کرکے اور ان کا رعب تم پر چھا جائے گا۔ اور اسی طرح ہم نے ان کو

لِيَتَسَاۗءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا

اٹھایا تاکہ ایک دوسرے سے پوچھیں تو کہنے والے نے کہا ان میں سے کہ کتنے سوئے ہوں گے کہنے لگے سوئے رہے

تھے ورنہ اگر ایمان کو ظاہر نہ کرچکے ہوتے تو بادشاہ کے ہمراہ حسب دستور ان کا شامل ہونا لازمی تھا غالباً جس جشن میں یہ لوگ شامل تھے اور دل میں توحید کی شمع جلی تھی وہ سال گزشتہ کا تھا اور جب وہاں سے بھاگے ہیں یہ دوسرا جشن تھا۔ واللہ اعلم۔

روایت سابقہ میں ہے کہ بادشاہ اپنے جشن مسرت سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ وہ کہیں بھاگ گئے ہیں پس اپنے لاؤ لشکر سمیت ان کی تلاش میں نکلا اور پاؤں کے نشانات معلوم کرکے غار کے دروازہ پر آپہنچا دیکھا کہ وہ سوئے پڑے ہیں (اقول، ان لوگوں نے غار تک قدموں کے نشان دیکھ کر اندازہ کرلیا کہ بس اس کے اندر ہیں باہر نہیں ہیں۔ کیونکہ بعد کی آیات صاف بتلا رہی ہیں کہ غار کی گہرائی کی وجہ سے یا اس مقام کی نوعیت کا رعب اس قدر ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہاں جاسکے یا ان کے قریب پہنچے) بہر صورت بادشاہ کہنے لگا پس یہی سزا ان کے لئے کافی ہے کہ اسی جگہ کو ان کے لئے قید خانہ بنا دیا جائے پس حکم دیا کہ چونے اور پتھر سے ان کے سامنے دیوار کھڑی کردی جائے۔

رکوع نمبر ۱۵۔

وَتَحْسَبُهُمْ۔ مجمع البیان میں ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہیں اور سانس لے رہے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں کرتے اسی لئے فرمایا کہ اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا تو سمجھے گا کہ وہ جاگتے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں۔

وَنُقَلِّبُهُمْ۔ یعنی وہ اس طرح پہلو بدلتے ہیں جس طرح کوئی جاگنے والا انسان کررہا ہو اور اگر وہ پہلو نہ بدلیں تو زمین ان کے جسموں اور لباس کو کہنہ کردے۔

وَكَلْبُهُمْ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ رات کے وقت نکلے تھے پس وہ ایک چرواہے کے پاس سے گزرے تو وہ اور اس کا کتا ہمراہ ہولیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ کوئی سا کتا ان کے ہمراہ ہوگیا تھا کہ ہزار کوشش کے باوجود اس نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ

ایک دن یا دن کا کچھ حصّہ کہنے لگے تمہارا رب بہتر جانتا ہے جو کچھ سو چکے ہو پس بھیجو اپنے میں سے ایک کو

بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ

ان درہموں کے ساتھ شہر کی طرف تاکہ دیکھے کونسی پاکیزہ غذا ہے پس تمہیں لاکر دے کھانا

آخرکار بحکم پروردگار بولا کہ میں اللہ کے دوستوں کا دوست ہوں جب تم سو جاؤ گے تو میں تمہاری محافظت کروں گا اور ایک روایت میں ہے کہ تین سو نو برس تک وہ کتا بغیر کھائے پیئے کے رہا نہ وہ سویا اور نہ اپنے مقام سے اُٹھا۔

اَلْوَصِيْدِ۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔ (۱) غار کا صحن (۲) دروازہ (۳) غار کے اندر جو کھلی جگہ تھی اس کا دروازہ۔ (۴) غار کے اندر کی کھلی جگہ اور عقل اس امر کی تائید کرتی ہے کیونکہ کتا غار کے دروازہ پر یا غار کے صحن میں اگر ہوتا تو باہر سے آنے والے کفار اس کو ضرور دیکھ لیتے اور وہ مزید کھوج لگاتے پس کافر مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو غار کے دروازے کو پتھروں سے بند کر دیا اور چلے گئے پس ادھر سے ایک چرواہا آنکلا تو اس نے اپنے ریوڑ کی جگہ بنانے کے لئے پتھروں کو ہٹا دیا اور غار کے دروازہ کے نزدیک اپنی آرام گاہ بنالی اور اصحاب کہف اس سے بہت آگے اندر کی طرف تھے۔

لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا۔ یعنی وہ جگہ نہایت ڈراؤنی اور دہشتناک ہے اور خدا نے رعب پیدا کر دیا ہے تاکہ وہاں کوئی پہنچنے کی جرأت نہ کر سکے اور ممکن ہے کہ تلاش کرنے والے کفار وہاں تک پہنچے ہوں اور ڈر کے مارے اندر نہ جا سکے ہوں پس اپنے غصّہ کی بھڑاس نکالنے کی خاطر دروازہ کو پتھروں سے بند کر کے چل دیئے ہوں اور ان کا یہ فعل بھی اصحاب کہف کے لئے لطفِ خداوندی بن گیا تاکہ جنگلی جانوروں کے لئے اندر جانے کا راستہ بند ہو جائے اور وہ ان کی ایذا سے محفوظ رہیں۔

بَعَثْنَاهُمْ۔ یعنی اُن کے دوسرے عجائب کی طرح ایک عجیب یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کو اٹھایا نیند سے جو موت کے مشابہ اور اس کے لگ بھگ تھی (مجمع)

تفسیر صافی میں بروایت احتجاج امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے والوں کی مثالیں بہت کم ہیں ان میں سے ایک اصحاب کہف بھی ہیں کہ ایک جماعت مرنے کے بعد مبعوث ہونے کی منکر تھی پس خدا نے ان کو زندہ کر کے منکرین پر حجت تمام کر دی تاکہ قیامت کی آمد پہ ایمان پختہ ہو جائے۔

يَوْمًا۔ کہتے ہیں جب سوئے تھے تو صبح تھی اور جب جاگے تو عصر تھی اس لئے پہلے کہہ دیا کہ ایک دن پھر دیکھ کر کہا کہ دن کا کچھ حصّہ اور اس جگانے یا دوبارہ زندہ کرنے کی مصلحت یہ تھی کہ وہ اپنے سونے کی مقدار اور اللہ کی عجیب عظمت دیکھ کر مزید معرفت حاصل کریں

حدیث سابق میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے اسرافیل کو حکم دیا اور اس نے دوبارہ ان میں روح کو پھونک دیا سورج کو چمکتا دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہائے ساری رات غفلت میں گذار دی اور عبادت بھی نہ کر سکے (اس روایت سے

بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا

اس سے اور چوکنا رہے کہ تمہارا کسی کو پتہ نہ چل جائے اگر وہ تم پر غالب ہوئے تو

معلوم ہوتا ہے کہ وہ رات کو سوئے تھے پس قرآن میں یوم یا بعض یوم کا اطلاق مجازی ہوگا) اور باہر جو دیکھا تو وہ چشمہ موجود نہ تھا اور نہ اس جگہ کے پھل دار درخت موجود تھے پس بحر حیرت میں ڈوب کر کہنے لگے کتنا عجیب ہے کہ ایک رات کے اندر اس قدر گہرے پانی کا چشمہ خشک ہوگیا اور درختوں کا نام ونشان تک نہ رہا۔

اَزْكٰى طَعَامًا۔ تفسیر صافی میں بروایت محاسن امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد کھجور ہے ابن عباس کا قول ہے کہ مقصد یہ ہے کہ شہر میں چونکہ اکثر مجوسی وکافر لوگوں کی آبادی تھی اور تھوڑے مومن بھی تھے جو ایمان کو چھپا کر رکھتے تھے پس یہ بات طے پائی کہ جو شخص جائے وہ پاکیزہ غذا تلاش کرے یعنی کسی مومن دوکاندار کا سراغ لگائے اور اس سے خرید کر لائے تاکہ ذبیحہ اس کا حلال اور کھانا طاہر وطیب ہو۔ (مجمع البیان)

وَلْيَتَلَطَّفْ۔ کہتے ہیں تعداد حروف کے لحاظ سے یہ لفظ قرآن کا نصف ہے تا تک پہلا نصف ختم اور لام سے دوسرا نصف شروع ہوتا ہے۔ حدیث سابق میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ بیدار ہوتے ہی انہیں بھوک محسوس ہوئی اور ایک آدمی کو کھانا لانے کے لئے بھیجنے کی تجویز ہوئی تملیخانے کہا کہ میرے سوا کوئی بھی نہ جائے۔ چرواہے سے کہا تم اپنا لباس مجھے دے دو تاکہ کوئی پہچان نہ سکے پس لباس تبدیل کرکے جانب شہر روانہ ہوا اُسے ساری دنیا نئی معلوم ہونے لگی کہ نہ وہ نشانیاں تھیں اور نہ وہ راستے تھے جب شہر کے باہر پہنچا تو دروازے پر دیکھا کہ سبز رنگ کا علم لہرا رہا ہے جس پر زرد رنگ میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عِيْسٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہے پس علم کو آنکھوں سے لگایا اور دریائے حیرت میں ڈوب کر خیال کیا شاید میں عالم خواب میں کوئی شے دیکھ رہا ہوں اسی شش و پنج میں بازار کی راہ لی۔ نانبائی کی دکان پر پہنچا اور اس سے پوچھا کہ تمہارے اس شہر کا نام کیا ہے۔ اس نے شہر کا نام افسوس بتایا تو اس نے بادشاہ کا نام پوچھا اس نے کہا کہ اس کا نام عبدالرحمٰن ہے کہنے لگا بھائی جان میرے جسم کو جھنجھوڑو کیا میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ نانبائی نے اس کی بات پر حیرت کرتے ہوئے کہا تو کیسا انسان ہے مجھ سے باتیں بھی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نیند میں ہوں۔ تملیخانے اپنے نفس پر زور ڈال کر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے جیب سے درہم نکال کر دکاندار کی طرف پھینکا اور اس سے روٹیاں طلب کیں۔ آپ نے فرمایا وہ ہمارے موجودہ سکے کے لحاظ سے دس درہموں کے وزن سے بھی زیادہ تھا۔ نانبائی نے وہ درہم دیکھتے ہی فرطِ حیرت سے تملیخا کے منہ کو تکنا شروع کیا پھر کہنے لگا او بھلے مانس کیا تمہیں کوئی خزانہ ملا ہے؟ تملیخانے جواب دیا خزانہ کیسے پرسوں میں نے اپنی کھجوریں بیچ کر یہ پیسے لئے تھے اور شہر چھوڑ کر چلا گیا تھا کیونکہ شہر والے دقیانوس کی پوجا کرتے تھے۔ دکاندار یہ کلمات سُن کر بگڑ گیا اور غصہ میں آکر کہنے لگا کھری کھری بات یہ ہے کہ خزانہ سے مجھے حصہ دو ورنہ حکومت میں رپورٹ کر کے تجھے گرفتار کرا دوں گا تو تو ایک ایسے شخص کا ذکر کرتا ہے جس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تھا اور تین سو برس سے زیادہ عرصہ اس کی موت کو ہو چکا ہے چنانچہ تُو تُو، مَیں مَیں، میں بات بڑھی اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ

عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ اَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا اِذًا

سنگسار کریں گے یا اپنے دین پر پھیر لیں گے اور پھر ہرگز کبھی بھی تمہیں چھٹکارا نہ

اَبَدًا ⑳ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ

ملے گا اور اسی طرح ہم نے ان کو مطلع کیا ان پر تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور

اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ

تحقیق قیامت میں کوئی شک نہیں جب جھگڑتے تھے آپس میں بات پر پس

دکاندار اس کو پکڑ کر دربار شاہی میں لے آیا۔ بادشاہ نے ماجرا دریافت کیا تو نانبائی نے کہا کہ اس کو خزانہ ملا ہے اور مانتا نہیں بادشاہ نے نہایت نرمی و متانت سے خطاب کرتے ہوئے کہا، اے جوان گھبرانے اور ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے پیغمبر حضرت عیسیٰ نے خزانوں سے خمس وصول کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے پس تم خمس دے دو باقی خود استعمال کرو۔ تملیخا کا حوصلہ بڑھا کہنے لگا بادشاہ سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے کوئی خزانہ نہیں ملا اور میں مسافر نہیں ہوں بلکہ اسی شہر میں سکونت رکھتا ہوں۔ بادشاہ نے آزمائش کے لئے کہا کہ اگر تو اس شہر کا باشندہ ہے تو اپنے واقف کاروں کے نام لو۔ اس نے نام گننے شروع کر دیئے اور کوئی ہزار نام گن ڈالے جن میں سے ایک کو بھی وہ نہ پہچان سکے۔ بادشاہ نے کہا ایسے ناموں کے لوگ یہاں نہیں ہیں۔ اچھا تم اپنا گھر دکھاؤ چنانچہ بادشاہ اور اچھی خاصی ایک جمعیت ساتھ ہو گئی اور شہر کی ایک بہت بڑی عمارت کے دروازہ پر آپہنچے اور کہا یہی میرا گھر ہے۔ چنانچہ دق الباب کیا گیا اور ایک بڑا بوڑھا آدمی جس کے ابرو آنکھوں پر گر چکے تھے نکل آیا۔ بادشاہ نے کہا اے بوڑھے میاں! تجھے عجیب بات ہم سناتے ہیں یہ جوان دعویٰ کرتا ہے کہ یہ گھر میرا ہے بوڑھے نے بڑھ کر پوچھا تیرا نام کیا ہے تو اُس نے جواب دیا تملیخا ابن قسطنطین۔ پس بوڑھے نے پہچانا اور قدموں پر گر کر بوسہ دیتے ہوئے کہنے لگا، خدا کی قسم یہ میرا دادا ہے۔ بادشاہ کہنے لگا پھر یہ ان چھ آدمیوں میں سے ہے جو دقیانوس کے تشدد سے بھاگ کر روپوش ہو گئے تھے پس اس کی تعظیم میں گھوڑے سے اترا اور لوگوں نے اس کے ہاتھوں اور پاؤں کے بوسے لینے شروع کئے پس اُس نے اپنے ساتھیوں کا حال بھی بتایا اور بادشاہ سمیت سب ان کی طرف روانہ ہوئے

اَعْثَرْنَا۔ یعنی ہم نے ان کو سلایا پھر اُٹھایا اور اسی طرح لوگوں کو ان کے حالات سے مطلع کیا۔ مجمع البیان میں ہے کہ کافر بادشاہ جب ان کا تعاقب کر کے غار کے دروازہ پر پہنچا تھا تو اس نے بطور سزا کے دروازہ کو بند کر دیا تھا کہ وہ بھوک پیاس سے مر جائیں گے اور یہ غار ان کی قبر بن جائے گی اور وہ ان کو زندہ سمجھتا تھا۔ پھر زمانہ بدلا حکومتوں نے پلٹا کھایا اور دو مومنوں نے ان کے نام اور واقعہ کو ایک سیسے کی تختی پر لکھ کر ایک تانبے کے صندوق میں بند کیا اور اس صندوق کو دیوار میں چھپا کر رکھ دیا جو غار کے دروازہ پر بنائی گئی بہر کیف انقلاب زمانہ سے ایک نیک طینت بادشاہ کو اقتدار ملا اس وقت لوگوں میں مذہبی طور پر کافی انتشار تھا کچھ مومن تھے جو حشر و نشر

فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا

کہنے لگے تعمیر کرو ان کے آگے دیوار، ان کا رب ان کو اچھا جانتا ہے کہا ان لوگوں نے جو اپنے

عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ

معاملہ میں غالب تھے ہم بنائیں گے ان کے آگے مسجد کچھ کہتے ہیں تین ہیں چوتھا کُتا ہے

کے قائل تھے اور کچھ منکر و کافر تھے۔ بادشاہ نے گڑگڑا کر درگاہِ ربوبیت میں التجا کی اے پالنے والے تو کوئی ایسی نشانی بھیج جس سے واضح طور پر حشر و نشر کے عقیدے کی صداقت معلوم ہو سکے چنانچہ خدا نے ایک شخص کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس دیوار کو گرائے جو غار کے دروازے پر ہے اور وہاں اپنی بکریوں کے لئے ایک احاطہ تعمیر کرے چنانچہ اس نے دیوار گرا دی اور خدا نے ان کو نیند سے جگایا اور ان میں سے ایک آدمی روٹی لینے کو شہر میں آیا اور بادشاہ تک اطلاع پہنچ گئی اور وہ غار کے دروازے تک پہنچ گیا۔

لِيَعْلَمُوْٓا۔ گویا اس نیک دل بادشاہ کی دعا مستجاب ہوئی۔ اور ان کو موقع دیا گیا تاکہ جان لیں کہ اللہ کی طرف سے ثواب و عقاب اور حشر و نشر کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں کیونکہ جو خدا اتنی لمبی مدت چند آدمیوں کو سُلا کر جگا سکتا ہے۔ یا مار کر جلا سکتا ہے وہ سب پر بھی قادر ہے۔ پس اس زمانہ میں جو حشر و نشر کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اصحاب کہف کے ذریعے سے خدا نے ان کو صحیح نقطۂ نظر سمجھنے کا موقعہ دے دیا۔

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ ۔ مجمع البیان میں ہے جب بادشاہ لوگوں کو لے کر مزید حالات کی دریافت کے لئے وہاں پہنچا اور ان سے خطاب کرنا چاہا تو وہ پھر مر کر سو گئے۔ بادشاہ اس تعجب ناک حادثہ سے حیرت زدہ ہوا۔ اور وہاں یہ اختلاف پیدا ہو گیا کہ ان کی حفاظت کے لئے کونسا انتظام کیا جائے؟ بعضوں نے کہا کہ باہر سے ایک دیوار کھڑی کر دی جائے اور غالب جماعت یعنی بادشاہ اور اس کے ہمنواؤں نے مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔

رَبُّهُمْ اَعْلَمُ ۔ یعنی کہنے لگے کہ اس حقیقت کو خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ مردہ ہیں یا زندہ ہیں۔

سَيَقُوْلُوْنَ ۔ یعنی یہود و نصاریٰ کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے یہ سب رجم غیب کی خبریں ہیں اور حقیقی علم اللہ کو ہے اور تھوڑے آدمی ہیں جن کو اصلی تعداد کا صحیح علم ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے جب نصاریٰ نجران کا وفد آیا اور اصحابِ کہف کا ذکر چلا تو یعقوبیہ فرقے نے کہا تین ہیں چوتھا کُتا ہے نسطوریہ فرقے نے کہا پانچ ہیں چھٹا کُتا ہے اور مسلمان کہتے تھے وہ سات ہیں آٹھواں کُتا ہے۔

مِرَآءً ظَاهِرًا ۔ یعنی آپ ان کے ساتھ اس حد تک بات کریں جو ہم نے ظاہر کر دی ہے چونکہ یہودی جھگڑا کرتے تھے تو تجانس کا لحاظ رکھتے ہوئے سفر کی طرف جھگڑے کا لفظ منسوب کر دیا گیا۔ یا یہ کہ ظاہری طور پر ان کے ساتھ مکالمہ کرتے رہو تاکہ وہ آپ کو جہالت کے ساتھ متہم نہ کریں ورنہ حقیقتِ حال کو تو خدا ہی بہتر جانتا ہے اور حکم ہوا کہ تم اس بارے میں اُن سے رائے

كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ

اور کچھ کہتے ہیں پانچ ہیں چھٹا کُتا ہے غیبی اندازے سے اور

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم

کچھ کہتے ہیں سات ہیں اور آٹھواں کتا ہے کہہ دو میرا رب خوب جانتا ہے ان

مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا

کی تعداد کو اُن کو نہیں جانتے مگر تھوڑے پس نہ جھگڑو ان کے متعلق مگر ظاہری طور پر اور نہ

طلب نہ کرو اور سابق حدیث میں حضرت امیر المومنین نے فرمایا کہ بادشاہ و رعایا تملیخا کے ہمراہ دروازۂ غار کے قریب پہنچے تو تملیخا نے کہا تم سب رُک جاؤ کیونکہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر میرے ساتھی دقیانوس کی فوج کے خیال سے گھبرا نہ جائیں۔ پہلے میں ان کو حقیقتِ حال سے مطلع کر لوں چنانچہ وہ اندر آیا تو سب اٹھ کر اُسے گلے ملے اور اس کی سلامتی پر شکرِ خدا بجا لائے۔ تملیخا نے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم یہاں کتنی دیر ٹھہرے ہیں کہنے لگے ایک دن یا اس کا بعض حصہ تو تملیخا نے بتایا کہ ہم یہاں تین سو نو برس سو چکے ہیں۔ دقیانوس مرگیا اور صدیاں گذر گئیں اب مومن بادشاہ اپنی رعایا سمیت غار کے دروازہ کے قریب آئے ہوئے ہیں کہنے لگے اے تملیخا اب ہم کو لوگوں کے لئے فتنہ نہیں بننا چاہیے پس خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کرو کہ خدا ہمیں پہلی حالت کی طرح سُلا دے۔ چنانچہ سب نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے پس دوبارہ ان کی روح قبض کر لی گئی اور وہ سو گئے۔ اور قدرت خداوندی سے غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ پس کسی کو اندر جانے کے لئے راستہ میسر نہ ہو سکا اور مسلمان بادشاہ نے دروازۂ غار پر مسجد تعمیر کرا دی۔

تفسیر مجمع البیان میں اصحاب کہف کے نام یہ ہیں۔

مکسلمینا، تملیخا، مرطوس، نینونس، ساریونس، ذرنونس، اور کشوطینونس (چرواہا)

رکوع نمبر ۱۶۔

وَلَا تَقُولَنَّ [۹۳] ۔ حضور کو حکم ہوا ہے کہ مت کہو کسی شئی کے متعلق کہ میں کل کروں گا مگر یہ کہ ساتھ ساتھ کہو انشاء اللہ۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قصہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں جب آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں کل بتاؤں گا اور انشاء اللہ نہ کہا پس وحی رُک گئی (جیسا کہ سورۂ کہف کے شانِ نزول کے بیان میں مذکور ہو چکا ہے)

وَاذْكُر رَّبَّكَ ۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کام کے متعلق بات کرتے ہوئے عین موقع پر ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو جب اور جس جگہ یاد آجائے فوراً کہہ دینا چاہیئے انشاء اللہ اور اہل بیت عصمت کی طرف سے روایات متواترہ وارد ہیں کہ جب کسی کام

تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاۡىۡءٍ اِنِّىۡ فَاعِلٌ

رائے طلب کرو ان کے متعلق ان میں کسی سے اور نہ کہو کسی شی کے لئے کہ میں یہ کل

ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذۡكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيۡتَ

کروں گا مگر یہ کہ چاہے اللہ اور اپنے رب کو یاد کرلو اگر بھول جاؤ

وَقُلۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّهۡدِيَنِ رَبِّىۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

اور کہو اُمید ہے کہ عطا کرے گا مجھے اپنا رب نشانی جو اس سے بھی زیادہ قریبِ ہدایت ہوگی

وَلَبِثُوۡا فِىۡ كَهۡفِهِمۡ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيۡنَ وَازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿۲۵﴾

اور ٹھہرے وہ غار میں تین سو سال اور علاوہ نو سال

کیلئے حلف اُٹھایا جائے اور مشیت پروردگار کا استثناء بھول جائے تو جب بھی یاد آجائے زبان پر جاری کرلینا چاہیئے۔ یعنی انشاءاللہ کہہ دے۔

وَقُلۡ عَسٰى ۔ یعنی اصحابِ کہف کا قصہ بھی ہدایت کا داعی ہے لیکن کہہ دو کہ خدا مجھے ایسی دلیلیں اور معجزات وآیات عطا فرمائے گا جو اس قصہ سے بھی ہدایت خلق کے لئے زیادہ موثر اور قابل قبول ہوں گی۔

تفسیر صافی میں روضۃ الواعظین سے بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام مروی ہے کہ حضرت قائم آل محمدؑ کے ہمراہ ۲۷ آدمی ہوں گے۔ پندرہ آدمی موسیٰ کی قوم سے سات اصحاب کہف اور یوشع بن نون سلمان ابودجانہ انصاری مقداد اور مالک اشتر اور یہی آپ کے انصار ہوں گے۔

اقول :۔ جن روایات میں اصحاب بدر کی تعداد یا چالیس کا ہونا مذکور ہے ممکن ہے وہ اُن کے علاوہ ہوں۔ واللہ اعلم

وَلَبِثُوۡا ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے ایک یہودی نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے سوال کیا کہ اصحاب کہف کتنی مدت ٹھہرے رہے تو آپ نے فرمایا تین سو نو برس ٹھہرے۔ یہودی نے عرض کی کہ ہماری کتابوں میں پورے تین سو برس لکھے ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ شمسی حساب ہے اور میں نے قمری حساب بتایا ہے (کیونکہ ہر سو سال شمسی کے ساتھ تین سال قمری زیادہ ہوجاتے ہیں۔ پس جب شمسی تین سو ہوں گے تو قمری یقیناً تین سو نو ہوجائیں گے۔)

اَبۡصِرۡ بِهٖ صفحہ ۹۵ :۔ یہ دونوں فعل تعجب کے لئے ہیں جو زیادتی وعظمت پر دلالت کرتے ہیں یعنی کس قدر وہ بصیر اور سمیع ذات ہے

غربا سے ہمدردی

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ صفحہ ۹۵ :۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ آیت سلمان ابوذر صہیب عمار اور خباب وغیرہ اصحاب کے حق میں اتری ہے جو غریب طبقہ کے لوگ تھے۔ ادھر عینیہ بن حصین اور اس کے ساتھی حضورؐ کے

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کہہ دے کہ اللہ خوب جانتا ہے جتنا ٹھہرے اس کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب

اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ؗ وَلَا يُشْرِكُ

وہ کتنا بصیر اور سمیع ہے نہیں ان کے لئے اس کے سوا کوئی ولی اور نہیں شریک کرتا

فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ؕ

اپنے حکم میں کسی کو اور پڑھ جو وحی کی گئی تیری طرف تیرے رب کی کتاب سے

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ وَ

کوئی تبدیل کرنے والا نہیں اس کے کلمات کو اور ہرگز نہ پاؤ گے اس کے سوا کوئی جائے پناہ اور

اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

روکو اپنے نفس کو ساتھ ان لوگوں کے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ

چاہتے ہیں اس کی رضا اور نہ ہٹاؤ اپنی آنکھیں ان سے کہ چاہو زینت زندگی دنیا کی

الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَ

اور نہ اطاعت کر اس کی جس کا دل ہمارے ذکر سے غافل ہے اور وہ اتباع کرتا ہے خواہش کی اور

-

پاس آئے تو یہ غریب صحابی بھی موجود تھے جن کے جُبّے اُونی تھے وہ کہنے لگے ۔ حضور ! ہمیں ان لوگوں سے بدبو آتی ہے آپ ان کو دور کر دیا کریں تو ہم بھی آپ کی صحبت سے فیضیاب ہو سکیں گے اور تفسیر برہان میں ہے کہ اس دن سخت گرمی تھی اور سلمان کے پاس ایک ہی اُونی چادر تھی جس میں روٹی بھی باندھتا تھا اور پہنتا بھی تھا اور گرمی کی وجہ سے سلمان کو پسینہ آیا ہوا تھا اور وہ چادر تر اور بودار تھی پس عینیہ کہنے لگا ، جب تک ہم آپ کے پاس بیٹھے رہیں ان لوگوں کو نکال دیا کیجئے ۔ پس یہ آیت اتری اور بروایت مجمع البیان آپ ان غریبوں کو ڈھونڈتے پھرتے کہ کہاں ہیں ؟ دیکھا تو مسجد کے آخر میں سب سے پیچھے ذکرِ خدا میں مشغول تھے تو آپ کی زبان درفشاں سے یہ کلمات جاری ہوئے اس اللہ کا شکر ہے جس نے مرنے سے پہلے مجھے یہ حکم دے دیا کہ میں امت کے ان آدمیوں کے ساتھ

كَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ

اس کی عادت تجاوز کرنا ہے اور کہہ دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو

وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا

چاہے کفر کرے۔ تحقیق ہم نے تیار کیا ہے ظالموں کے لئے دوزخ کہ ان کو گھیر لے گی اس کی فصیل

وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ

اور اگر فریاد کریں گے تو دیا جائے گا ان کو پانی پگھلی ہوئی دھاتوں کی طرح جو جلا دے گا چہروں کو بُرا

الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

پینا ہے اور بُری رہائش ہے تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے

إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ

ہم نہیں ضائع کرتے اجر اس کا جو نیک کام کرے ان کے لئے ہمیشہ باغات ہیں

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ أَسَاوِرَ

کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی آراستہ کئے جائیں گے سونے کے کنگنوں سے

مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّإِسْتَبْرَقٍ

اور پہنیں گے اطلس اور دیبا کے سبز لباس آرام سے

رہوں اور اپنے نفس کو اس پر رضامند رکھوں پس میرا مرنا اور جینا تمہارے ہی ساتھ ہے۔

امراء طبقہ کو نصیحتیں

چونکہ امراء طبقہ کے لئے غرباء کا ایمان اور ان کا صحبت پیغمبر میں بیٹھنا ناگوار تھا بنا بریں قرآن مجید میں امراء کی نصیحت کے لئے کئی انداز اختیار کئے گئے ہیں (۱) اتمام حجت (۲) جنت کی پیش کش اور جہنم کی تہدید چنانچہ فرماتا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ ۔ یعنی امیر طبقہ کے لوگوں سے کہہ دیجئے کہ حق اللہ کی جانب سے واضح ہو چکا ہے اگر چاہو تو اُسے قبول کر لو اگر نہ چاہو تو بے شک ٹھکرا دو۔ غریب طبقہ سے بیر رکھنے کی کیا ضرورت ہے خدا کا دین ہر ایک کے لئے ہے اور اس کے نزدیک عزت دار وہی ہے جو اس کے دین کی پاس کرے خواہ امیر ہو یا غریب۔

مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾ ع ۱۶

بیٹھیں گے اس میں تکیے لگا کر اچھا بدلہ ہے اور اچھی رہائش ہے

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَ

اور سناؤ ان کو مثال دو شخصوں کی کہ دیئے ہم نے ایک کو دو باغ انگوروں کے اور

حَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا

گھیرا ان کو کھجوروں کے ساتھ اور ان کے درمیان کھیتی بھی تھی دونو باغوں نے اپنا پورا پھل نکالا

وَلَمْ تَظْلِم مِّنْهُ شَيْئًا ۚ وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ

اور نہ کم کیا اس سے کچھ بھی اور ہم نے بہا دی ان دونو کے درمیان نہر اور تھا اس کے لئے اور پھل بھی (ان کے علاوہ)

لِلظَّالِمِينَ - امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ظلم تین قسم کے ہیں (۱) وہ ظلم جو قابل بخشش نہیں (۲) وہ ظلم جو بخشا جا سکے گا۔ (۳) وہ ظلم جو نہ چھوڑا جائے گا۔ پہلا ناقابلِ مغفرت ظلم تو ہے شرک اور دوسرا قابل بخشش ظلم ہے اپنے نفس پر زیادتی کرنا اور تیسرا حقوق العباد کا ظلم ہے جو معاف نہ کیا جائے گا جب تک صاحبِ حق راضی نہ ہو۔

سُرَادِقُهَا - آگ کی دیوار جو ان کا احاطہ کرے گی اور بعض نے اس سے مراد دھواں لیا ہے۔

كَالْمُهْلِ - مہل کے کئی معانی کئے گئے ہیں (۱) پگھلی ہوئی دھاتیں سکہ پیتل تانبا وغیرہ (۲) تیل کا تلچھٹ (۳) پیپ اور خون وغیرہ

يَشْوِي الْوُجُوهَ - یعنی وہ اس قدر گرم ہوگا کہ جب یہ لوگ پانی پینے کو طلب کریں گے تو یہ اُن کے منہ میں ڈالا جائے گا جس سے ان کے منہ جھلس جائیں گے اور پیٹ کے اندر بھی آگ کی سی جلن پیدا ہو جائے گی۔

رکوع نمبر ۱۷

تیسرا طریقہ درس آموز مثال

وَاضْرِبْ : جنت کے انعام اور دوزخ کی تہدید کے بعد تیسرا طریقہ ایک عام فہم مثال پیش فرماتا ہے تاکہ مال و دولت پر اترانے کی بجائے اللہ کے قہر و غضب کا خوف کریں اور انقلاب زمانہ کے تقاضوں سے سبق سیکھیں ایک دولت مند آدمی مر گیا۔ اس کے دو لڑکے تھے انہوں نے برابر برابر ورثہ تقسیم کیا ایک مومن تھا اس نے اپنے پیسہ کو اخروی نیک کاموں میں لگا دیا اور صابر و شاکر رہا لیکن دوسرے نے جائیداد بنا لی۔ چنانچہ دو باغوں کے علاوہ کھیتی باڑی کا سلسلہ بھی شروع کیا جس کا قرآن ذکر کر رہا ہے

كَانَ لَهُ ثَمَرٌ - یعنی ان باغوں کی آمدنی کے علاوہ بھی اس کے پاس غلّہ یا پھل یا پیسہ موجود تھا اور ساتھ افرادِ خاندان بھی زیادہ تھے

ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ - یعنی وہ کافر اور مشرک تھا۔ صفحہ ۹۸

لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ

تو ساتھی کو کہنے لگا کہ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا میں تجھ سے مال اور قبیلے کے اعتبار سے بڑا ہوں اور اپنے باغ میں

وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿٣٥﴾ وَّمَآ اَظُنُّ

داخل ہوا کہ وہ اپنے نفس کا ظالم تھا کہنے لگا میرا خیال نہیں کہ یہ برباد ہو جائے کبھی اور نہ میں یہ خیال

السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾

کرتا ہوں کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر بالفرض پلٹایا جاؤں گا طرف اپنے رب کے تو پاؤں گا اس سے بھی اچھی بازگشت

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ

اس کو ساتھی نے کہا جو اس سے باتیں کرتا تھا کیا تو نے انکار کیا ہے اس کا جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا ہے

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ

پھر نطفے سے پھر تجھے درست مرد بنایا لیکن میں (کہتا ہوں) اللہ میرا رب ہے اور نہیں

بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ

شریک کرتا اپنے رب کا کسی کو اور تو نے کیوں نہیں کہا جب اپنے باغ میں گیا (ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ)

اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ

اگر تو دیکھتا ہے مجھے کہ مال اور اولاد میں تجھ سے کمزور ہوں شاید خدا مجھے عطا

مآ اَظُنُّ - یعنی میری طاقت نہیں کہ تا زیست اس آمدنی اور دولت کو ختم کر سکوں یا یہ کہ میرا یہ بخت و اقبال قابل زوال نہیں

لَئِنْ رُّدِدْتُّ - گویا وہ ساتھی اس کو قیامت کے قیام سے ڈرایا کرتا تھا لیکن اس کا خیال یہ تھا کہ اول تو قیامت نہ

ہوگی لیکن بالفرض آ بھی گئی تو جس طرح اس دنیا میں خدا نے مجھے نعمات دے رکھی ہیں وہاں وہ مجھے اس سے بھی زیادہ

دے گا ایک روایت میں ہے کہ دونوں بھائی نہیں تھے بلکہ ہمسائے تھے، ایک مالدار تھا اور دوسرا فقیر تھا

بروایت اختصاص مفید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب حضرت علیؑ کو مجبور کرکے بیعت کے

لئے لے چلے تو آپ نے قبر پیغمبر کو دیکھ کر یہ آیت پڑھی یَابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ - الخ جس طرح حضرت

ہارون نے حضرت موسیٰ سے قوم کا شکوہ کیا تھا کہ انہوں نے مجھے کمزور سمجھا ہے اور میرے قتل کے درپے ہوئے ہیں۔

يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ
کردے بہتر تیرے باغ سے اور بھیج دے اس پر آگ آسمان سے پس

فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ أَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ
ہو جائے مٹی پھسلنی یا ہو جائے اس کا پانی خشک تو تمہیں ہرگز طاقت نہیں اس

لَهُ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَآ أَنْفَقَ
کو تلاش کرلانے کی اور چنانچہ ہلاک کیا گیا اس کا پھل تو وہ دونو ہاتھ ملتا تھا اس پر جو خرچ کر چکا تھا

پس رسولؐ کی قبر سے ہاتھ نکلا اور وہ پہچانتے تھے کہ رسول کا ہاتھ ہے اور آواز بھی سنائی دی کہ سب نے پہچانی کہ یہ رسول کی آواز ہے فرمایا :- يَا هٰذَا أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ - الخ -

لٰكِنَّا - اصل میں لٰكِنْ أَنَا تھا ہمزہ کو گرا کر نون کو نون ادغام کر دیا گیا -

لَوْلَا - غریب نے اس کو یہ مشورہ دیا کہ دولت پر ناز کرنے کی بجائے ماشاء اللہ الخ پڑھا کرو لیکن وہ نہ مانا پس نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا سب کچھ تباہ ہو گیا اور اس کے پاس سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ نہ رہا -

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مجھے تعجب ہے اس شخص سے جو چار چیزوں سے گھبراتا ہے وہ چار چیزوں پر عمل کیوں نہیں کرتا (۱) مجھے تعجب ہے جو کسی کے خوف سے گھبراتا ہے وہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کیوں نہیں پڑھتا حالانکہ خدا اس کے بعد فرماتا ہے فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ - (۲) جو غمزدہ ہوتا ہے وہ کیوں نہیں پڑھتا لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ - کیونکہ اس کے بعد خدا فرماتا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ الخ - (۳) جس کے ساتھ دھوکا فریب کیا جائے وہ کیوں نہیں پڑھتا وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ - کیونکہ اس کے بعد خدا فرماتا ہے فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا (۴) جو شخص دنیا اور اس کی زینت چاہتا ہے وہ کیوں نہیں پڑھتا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کیونکہ اس کے بعد خدا فرماتا ہے فَعَسٰى رَبِّي أَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ الخ -

حُسْبَانًا - اس کا مادہ حساب ہے - یہاں مراد عذاب ہے -

زَلَقًا - وہ مٹی جس سے پاؤں پھسلے -

وَأُحِيطَ - یعنی امیر نے غریب کی بات پر کان نہ دھرا اور نتیجہ میں اس کا سارا باغ تباہ و برباد ہو گیا - یہ قصہ امراء کے لئے بلکہ ہر صاحبِ نعمت کے لئے باعثِ عبرت و نصیحت ہے -

فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

اور وہ گر چکے تھے اپنی چھتوں سمیت اور وہ کہتا تھا کاش میں نہ شریک کرتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾

اور نہ تھا اس کا کوئی گروہ جو اس کی مدد کریں اللہ کے بغیر اور نہ وہ بدلہ لینے والا ہوا

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ

اس جگہ حکومت اللہ کے لئے ہے جو حق ہے وہی اچھا ہے بدلہ کیلئے اور خوب ہے انجام کے اعتبار سے اور بیان کرو ان سے مثال

مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

زندگیٔ دنیا کی مثل بارش کے ہے جو نازل کی ہم نے آسمان سے پس گھنی اُگے اس کے ذریعے سے انگوری زمین

فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

کی پھر ایک وقت کے بعد ہوگئی بھوسہ جس کو اڑا دیا ہواؤں نے اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

مال اور اولاد زینت ہیں زندگیٔ دنیا کی اور باقی رہنے والی نیکیاں خوب ہیں

رکوع نمبر ۱۸۔

وَاضْرِبْ ۔ یہ امراطیقہ کو سمجھانے کے لئے چوتھا طریقہ ہے کہ اس سے زندگیٔ دنیا کی مثال بارش کے پانی کی طرح ہے جس طرح بارش سے پانی کی سبزیاں خوب اُگتی ہیں اور ایک وقت تک زمین کے لئے باعثِ رونق بنتی ہیں لیکن ایک وقت کے بعد خشک ہو کر گل سڑ جاتی ہیں اور بھوسے کی طرح ہوا ان کو فضا میں بکھیر دیا کرتی ہے اسی طرح دنیاوی بخت و اقبال انسان کے لئے ایک عارضی رونق ہے اور اس کا انجام بھی وہی فنا ہے پھر مرنے کے بعد امیر و غریب نے ایک وادی میں قدم رکھنا ہے پس مال و دولت سے دھوکا کھانے والے اور فقراء و مساکین کو ذلت آمیز نگاہوں سے دیکھنے والے متکبرین کو اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ ۔ یہ پانچواں طریقہ ہے جو ہر فرد بشر کے لئے مہمیز نصیحت اور تازیانہ عبرت ہے کہ دنیا میں مال کی فراوانی اور اولاد کی کثرت عارضی زینت ہے اولاد سے اچھے بدلے کی توقع ہوتی ہے اور مال سے اچھے انجام کی خواہش ہوتی ہے ان دونو کے مقابلہ میں نیک اعمال جو باقیات صالحات ہوں اللہ کے نزدیک اچھے بدلے اور اچھے انجام کی توقع ان سے رکھنا زیادہ بہتر ہے

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ

تیرے رب کے نزدیک بدلے کیلئے اور اچھی امید کیلئے اور جس دن ہم چلائیں گے پہاڑوں کو اور تو دیکھے گا زمین کو چٹیل میدان اور

حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ

جمع کریں گے ہم ان کو پس نہ چھوڑیں گے ان میں سے کسی کو اور پیش ہوں گے تیرے رب پہ صف بستہ تحقیق

جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ

تم آئے ہو ہمارے پاس (بے بس ہوکر) جس طرح پیدا کیا تھا ہم نے تمہیں پہلی دفعہ بلکہ تم نے گمان کیا کہ ہم نہ مقرر کریں گے تمہارے لئے

مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ

وعدہ گاہ اور رکھی جائے گی کتاب پس دیکھو گے مجرم لوگوں کو ڈرتے ہوئے اس سے جو اس میں ہوگا اور

باقیات صالحات کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں (۱) اطاعات وعبادات (۲) تسبیحات اربعہ - سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کا ورد - چنانچہ حضورؐ سے مروی ہے کہ اگر تم رات کو عبادت کے لئے نہیں کھڑے ہوسکتے اور دشمن کے ساتھ جہاد کرنے سے بھی تم قاصر ہو تو تسبیحات اربعہ کے پڑھنے سے تو عاجز نہ ہو یہ باقیات صالحات ہیں ان کو پڑھتے رہا کرو (۳) نماز پنجگانہ (۴) نماز تہجد (۵) نیک لڑکیاں اور علامہ طبرسی نے فرمایا ہے اس کا عام معنی کرنا بہتر ہے جس میں سب مفہوم داخل ہو جائیں (۶) اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے حسین بن عبدالرحمٰن سے فرمایا کہ ہماری مودّت کو حقیر نہ سمجھ کیونکہ یہ باقیات صالحات میں سے ہے اس نے عرض کی اے فرزند رسول میں اس کو حقیر کیوں سمجھوں میں تو اس نعمت پہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

تَرَى الْاَرْضَ - یعنی زمین بالکل ہموار اور صاف چٹیل میدان کی طرح ہوگی۔

صَفًّا - یعنی ہر گروہ صف بستہ پیش ہوگا۔ یا یہ کہ تمام لوگوں کی ایک ہی صف ہوگی۔

كَمَا خَلَقْنٰكُمْ - یعنی پروردگار کی طرف سے ندا پہنچے گی کہ آج تم اسی طرح بے بس ہوکر پیش ہو رہے ہو جس طرح بوقت پیدائش بے بس تھے کیونکہ آج اقتدار صرف میرے ہی ہاتھ میں ہے اور تم کسی شے کے مالک نہیں ہو۔ یہاں مال اولاد اور غلام کوئی بھی کام نہ آسکے گا اور حضورؐ سے مروی ہے کہ لوگ قبروں سے برہنہ محشور ہوں گے (جس طرح پیدا ہوئے تھے) عائشہ نے سوال کیا ایک دوسرے کا حیا نہ ہوگا تو آپ نے فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ یعنی ہر شخص اپنے دھیان میں ہوگا کسی کو کسی کا پتہ نہ ہوگا اور ایک روایت میں ہے جناب فاطمہ بنت اسد نے یہ سن کر واسوأتاہ کہا تھا حضرت رسالتمآب نے اپنی قمیص سے کفن پہنانے کا ان سے وعدہ کیا تھا جس کو ایفا فرمایا اور یہی وجہ بیان کی - پوری روایت تفسیر کی چھٹی جلد میں صد ۱۷۹ پہ ملاحظہ ہو۔

يَقُولُونَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا

کہیں گے ہائے یہ کتاب کیسی ہے کہ نہیں چھوڑتی کسی چھوٹے بڑے گناہ کو مگر اس پر حاوی ہے

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا

اور پائیں گے جو عمل کر آئے تھے اس میں حاضر اور نہیں ظلم کرے گا تیرا رب کسی پر اور جب ہم نے کہا

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ

فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کا تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے یہ تھا قوم جن سے پس اس نے

وُضِعَ الْكِتٰبُ - یہاں کتاب اسم جنس ہے اور مراد ہے تمام بنی آدم کے اعمال نامے وہاں موجود ہوں گے اور ہر شخص اپنے کرتوتوں کو ان میں لکھا ہوا دیکھے گا اور مجرم لوگ خوف زدہ ہوں گے اور کہیں گے ہائے یہ کتاب تو کسی چھوٹے یا بڑے گناہ کو نہیں چھوڑتی بلکہ سب اس میں لکھے پڑے ہیں۔

وَلَا يَظْلِمُ - یعنی خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا کہ ناکردہ گناہ کی سزا دے یا اس کے نیک اعمال کی جزا کو ضبط کرلے البتہ نبی و امام کی شفاعت سے کسی کے گناہ کو معاف کرنا ظلم نہیں بلکہ فضل ہے اور گناہوں پر گرفت کرنا اس کا عدل ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت احتجاج امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروز محشر زمین کی لمبائی میں ایک لاکھ بیس ہزار صفیں ہوں گی اور ہر آدمی ہر صف کے ہر انسان کو دیکھ سکے گا۔ نہ دوری دیکھنے سے مانع ہوگی اور نہ صفوں کا حائل ہونا دیکھنے سے روک سکے گا (پس نیک بخت کی نیک بختی اور خوش حالی کو تمام اہل محشر دیکھیں گے اور بدکار بدبخت کی نوعیت گناہ اور روسیاہی سے بھی سب اہل محشر مطلع ہوں گے۔

ہر انسان کا چھوٹا یا بڑا عمل لکھا ہوا ان کے سامنے ہوگا اور ان کو اس طرح معلوم ہوگا جیسا کہ ابھی کیا ہو پس دوزخ کی آگ سے پہلے حسرت ارمان اور شرمساری کا عذاب چکھیں گے۔ اعاذنا اللہ منہ،

رکوع نمبر ۱۹۔

وَاِذْ قُلْنَا - یہ امرا طبقہ کو سمجھانے کا پانچواں اندازِ بیان ہے کہ فرمایا دیکھو ہم نے تم کو آدم کی اولاد سے بنایا ہے۔ اور آدم کے لئے جب ہم نے تمام فرشتوں کو حکم دیا تھا تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا تھا وہ تکبّر کر کے اکڑ گیا تھا غریب و امیر ہیں تو سب اولادِ آدم۔ پس شیطان کا طریقہ تکبّر تم اختیار کرتے ہو جو تمہارا آبائی دشمن ہے اور میری بات کو قبول نہیں کرتے حالانکہ میں تمہارا مہربان خالق ہوں۔ پھر مجھے چھوڑ کر جن کی تم پوجا کرتے ہو کیا وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں میرے شریک ہیں؟ حالانکہ نہ ان کو آسمان و زمین کی پیدائش کا صحیح علم ہے اور نہ اپنے پیدا ہونے کا صحیح پتہ ہے میں نے ان سے مدد نہیں لی

عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ

تجاوز کیا اپنے رب کے امر سے تو کیا تم بناتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو اپنا ولی میرے علاوہ حالانکہ وہ تمہارے

لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ

دشمن ہیں؟ بُرا ہوگا ظالموں کا بدلہ میں نے نہیں حاضر کیا تھا ان کو آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

زمین کی پیدائش کے وقت اور نہ ان کی اپنی خلقت کے وقت اور نہ میں بناتا ہوں گمراہ کرنے والوں کو اپنا معاون

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ

اور جس دن کہے گا کہ بلاؤ میرے شریکوں کو جو تمہارا گمان تھا پس ان کو پکاریں گے لیکن وہ جواب

يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ

نہ دیں گے ان کو اور کریں گے ہم ان کے درمیان ایک پردہ اور دیکھیں گے مجرم لوگ دوزخ کو تو

فَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع ۱۹ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

خیال کریں گے کہ تحقیق وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے کوئی پھرنے کی جگہ اور تحقیق پھیر پھیر کر

فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ

بیان کردیں ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں اور ہے انسان بہت

تھی اور میں کسی گمراہ سے مدد نہیں لیا کرتا اور نہ کسی نیک سے مدد لینے کا محتاج ہوں حضرت آدم کی تخلیق اور ابلیس کے سجدہ کا ذکر تفسیر کی پہلی جلد میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ - بروز محشر حکم ہوگا کہ اپنے مفروضہ خداؤں کو امداد کے لئے ذرا بلاؤ تو۔ چنانچہ وہ آوازیں دیں گے لیکن بے سود اور یہ حکم صرف ان کی حسرت کو ظاہر کرنے کے لئے ہوگا اور یہی حسرت ان کے عذاب کو بڑھانے والی ہوگی۔

مَوْبِقًا - مروی ہے کہ نیک اور بد لوگوں کے درمیان ایک وادی حائل ہوگی جس کا نام موبق ہے۔

رکوع نمبر ۲۰

اتمام حجت وَلَقَدْ صَرَّفْنَا - یعنی لوگوں کے سمجھانے کے لئے ہر ممکن طریقے سے اور ہر قا [illegible]

جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ

جھگڑالو اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب ان کے پاس ہدایت پہنچی اور

يَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ

اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے مگر اس بات نے کہ آئے ان پر پہلے لوگوں کا سا قہر یا آئے

يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا

ان پر عذاب سامنے اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر خوش خبری

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْ

دینے والے اور ڈرانے والے اور مقابلہ کرتے ہیں جو کافر ہیں باطل کے ذریعے تاکہ

حِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ

گرائیں اس کے ذریعے حق کو اور ٹھہرایا انہوں نے میری آیات کو اور جس کے ساتھ ڈرائے گئے مسخری اور کون

اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا

زیادہ ظالم ہے اس سے جس کو نصیحت کی جائے اپنے رب کی نشانیوں سے پس وہ ان سے روگردانی کرے اور بھول جائے

ہم متعلق ایمان کو واضح کرتے ہیں بس وہاں غربا طبقہ سے نفرت کرنے والے متکبر امراء کی تفہیم کے لئے پانچ جداگانہ طریقے عمل میں لائے پہلے اس کے حق ہونے کا اعلان پھر جنت دینے کی پیش کش بعد میں بصورت مخالفت دوزخ کی تہدید پھر انقلاب زمانہ سے درس لینے کی دعوت بعد میں دنیاوی نعمات کے فنا ہونے سے عبرت اور باقیات صالحات کو اختیار کرنے کی دعوت اور آخر میں شیطانی چالوں کا تذکرہ اور اس کے دام تزویر سے بچنے کی ہدایت فرمائی اور اس آیت مجیدہ میں ایک بار اتمام حجت کے طور پر فرماتا ہے کہ ہم ہر ممکن طریقہ سے حق کی وضاحت سے بخل نہیں کرتے لیکن یہ کافر لوگ خواہ مخواہ جھگڑالو ہیں اور ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد ایمان لانے اور سابقہ گناہوں سے معافی طلب کرنے کی بجائے ان کا نہ ماننا اور ضد وانکار پر ڈٹے رہنا صرف اسی ہی انتظار کے لئے ہے کہ گذشتہ کافروں کی طرح ان کو اچانک گرفتار قہر وغضب کر لیا جائے۔ یا ظاہر بظاہر عذاب بھیج کر ان سے زمین کو پاک کر لیا جائے۔

لِیُدْحِضُوْا۔ یہ دحض سے ہے جس کا معنی ہے پھسلانا یعنی کافر لوگ اپنی باطل خواہشات کے بل بوتے پر حق کی مضبوط

قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ

اس کو جو کر چکا ہے تحقیق ہم نے چڑھا دیئے ان کے دلوں پر غلاف کہ سمجھیں اس کو اور ان

اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا

کے کانوں پر پردے اور اگر تم بلاؤ ان کو ہدایت کی طرف تو ہرگز نہ قبول کریں

اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا

گے کبھی بھی اور تیرا رب بخشنہار رحمت والا ہے اگر ان کو پکڑے ان کے کرتوتوں

كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا

سے تو جلدی دے دے ان کو عذاب لیکن ان کے لئے وعدے کا دن ہے کہ نہ

مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا

پائیں گے اس کے سوا جائے پناہ اور ان بستیوں کے بسنے والوں کو ہم نے ہلاک کیا جب انہوں نے

وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ

ظلم کیا اور مقرر کیا تھا ہم نے ان کی ہلاکت کا وعدہ اور جب کہا موسےٰ نے اپنے ساتھی کو کہ میں

چٹانوں سے ٹکرا کر اُسے پھسلانا چاہتے ہیں حالانکہ یہ ان کا خیال خام ہے آخر کار حق کا بول بالا رہے گا اور باطل کا منہ کالا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ - یعنی اس سے زیادہ ظالم اور کون ہوگا کہ اس کے سامنے نصیحت و خیر خواہی کے طور پر اللہ کی نشانیوں کا مظاہرہ ہو۔ پس وہ بجائے اس کے کہ اپنے سابقہ بداعمالیوں پر نادم ہو کر دامنِ توحید سے وابستہ ہو جائے الٹا ان سے کنارہ کشی کرے اور نصیحت کرنے والے سے مسخری و مخول کرے اور اپنے کرتوتوں کو یکسر بھول جائے۔

اِنَّا جَعَلْنَا - دلوں پر پردے یا کانوں آنکھوں پر مہر وغیرہ کا اللہ کی طرف منسوب ہونا اس لئے ہے کہ بنیادی توفیق عطا کرنے والا وہ ہے اور وہ ہدایت پر کسی کو مجبور نہیں کرتا اور ہم مزید وضاحت تفسیر کی دوسری جلد ختم اللہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ - اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) غفور کا معنی پردہ ڈالنے والا اور رسوا نہ کرنے والا۔ اور ذوالرحمۃ کا معنی صاحبِ فضل و کرم (۲) غفور کا معنی توبہ قبول کرنے والا اور ذوالرحمۃ کا معنی مہلت دے کر جلدی نہ گرفت کرنے والا (۳) غفور کا معنی فوری طور پر گرفت نہ کرنے والا اور ذوالرحمہ کا معنی ہے توبہ کی مہلت دینے والا۔

اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا بَلَغَا

سفر کو جاری رکھوں گا۔ یہانتک کہ پہنچوں دونو دریاؤں کے منبع پر ورنہ چلوں کا سالہا سال تو جب پہنچے دونو

مَجۡمَعَ بَیۡنِہِمَا نَسِیَا حُوۡتَہُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾

کے منبع پر بھول گئے اپنی مچھلی کو پس پکڑا اس نے اپنا راستہ دریا میں جانے کا

تِلۡكَ الۡقُرٰی ۔ ان بستیوں سے مراد عاد اور ثمود کی بستیاں ہیں اور مراد بسنے والے ہیں اسی لئے اَھۡلَكۡنٰھُمۡ میں غائب کی ضمیر ذوی العقول کے لئے لائی گئی ہے ورنہ اَھۡلَكۡنٰھَا ہوتا اور یہ مجاز مرسل ہے جس طرح کہا جائے کہ نہر خشک ہوگئی حالانکہ پانی خشک ہوتا ہے۔

رکوع نمبر ۱۱

حضرت موسیٰ اور خضر کا قصہ

وَ اِذۡ قَالَ ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس جگہ موسیٰ سے مراد موسیٰ کلیم اللہ نہیں بلکہ یہ موسیٰ بن میشا بن یوسف تھا اور یہ بھی بنی اسرائیل میں نبی تھا بقول محمد بن اسحٰق اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا قول یہی ہے اور یہ حضرت موسیٰ بن عمران سے پہلے نبی مبعوث ہوا تھا لیکن صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں جمہور اہل اسلام کا قول یہ ہے کہ یہ موسیٰ بن عمران تھا اور قرآن میں موسیٰ کا علی الاطلاق مذکور ہونا بھی موسیٰ کلیم اللہ ہونے کی تائید کرتا ہے۔

لِفَتٰىهُ ۔ فتی سے مراد یوشع بن نون ہے اس کو فتی اس لئے کہا گیا ہے کہ آپ کا صحابی تھا اور سفر و حضر میں پڑھنے کے لئے آپ کے ہمراہ رہتا تھا اور یہ یوشع بن نون بن افراہیم بن یوسف تھا (مجمع البیان)

مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ ۔ یعنی دریائے روم اور دریائے فارس جس منبع سے نکلتے ہیں وہی دونو کے ملنے کی جگہ مراد ہے اور ان کو خبر دی گئی تھی کہ وہاں خضر ملے گا۔

حُقُبًا ۔ اس کا معنی ایک لمبی مدت ۔ بعضوں نے ستر سال بعضوں نے اسی سال بتائی ہے اس کی جمع احقاب ہے ہم نے اس کا ترجمہ سالہا سال کیا ہے۔

قصہ :۔ فرعون کی غرقابی کے بعد ایک دن حضرت موسےٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں منبر پر کھڑے ہو کر وعظ فرما رہے تھے کہ کسی نے پوچھا کہ لوگوں میں سے اعلم کون ہے ؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں ہوں چونکہ اللہ کی طرف علم کی نسبت نہ دی ۔ پس سرزنش ہو گئی اور تفسیر برہان کی روایت میں ہے کہ دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ مخلوق میں مجھ سے اعلم کوئی نہیں ہے کیونکہ تورات کے متعلق ہے کہ اس میں ہر شے کی تفصیل موجود ہے اور حضرت موسیٰ کو وہ عطا ہوئی تھی ۔ پس موسیٰ کے دل میں خیال آتا تھا کہ خدا کی جانب سے جبرئیل کو حکم ہوا کہ میرے بندے موسیٰ کو سنبھالو اور اُسے کہو دو دریاؤں کے منبع پر پتھر کی ایک چٹان کے پاس ایک

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ز لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا

پس جب وہاں سے آگے بڑھے تو اپنے ساتھی سے کہا کہ لاؤ کھانا تحقیق اٹھائی ہے ہم نے اس سفر سے

هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ

تھکان اس نے کہا کیا دیکھا تھا جب ہم گئے تھے پتھر کی طرف تو میں بھول گیا وہاں

الْحُوْتَ ز وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ج وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ

مچھلی اور وہ نہیں بھلوائی مگر شیطان نے کہ یاد کرتا اس کو اور اس نے لیا

فِي الْبَحْرِ ق عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ق فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا

اپنا راستہ دریا میں عجیب کہا یہی وہ ہے جس کو ہم چاہتے تھے پس پلٹے پچھلے قدموں

مرد عابد عالم موجود ہے اس کی پیروی کرو اور اس سے علم بھی سیکھو۔ پس موسٰی سمجھ گئے کہ یہ حکم اسی خیال یا قول کی وجہ سے ہے چنانچہ یوشع کو تیاری کا حکم دے دیا۔ اور یہ بھی کہ بحکم پروردگار ایک مچھلی راستہ کی غذا کے لئے زنبیل میں بھون کر رکھ لیں پس سفر اختیار کر لیا اور بالآخر اس مکان پر جا پہنچے۔

فَلَمَّا بَلَغَا۔ جب دونوں دریاؤں کے منبع پر پہنچے تو دیکھا پشت کے بل ایک آدمی سویا ہوا ہے انہوں نے اس کو نہ پہچانا۔ ایک روایت میں ہے کہ عصا ان کے پہلو میں پڑا تھا۔ اور انہوں نے ایک چادر اپنے اوپر ڈالی ہوئی تھی کہ سر کو ڈھانپے تھے تو پیر ننگے ہوتے تھے اور پاؤں پر ڈالتے تھے تو سر ننگا رہتا تھا۔ وہاں حضرت موسٰی نماز میں مشغول ہو گئے ادھر سے پانی میں لہر اٹھی اور ایک قطرہ یا چند قطرے مچھلی پر پڑے پس وہ زندہ ہو کر تڑپنے لگی اور آخر کار زنبیل کو بھی پانی میں لے گئی ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسٰی کے وصی نے مچھلی نکال کر پانی میں دھولی اور پھر پتھر پر رکھ دی پھر وہاں سے بوقت روانگی یاد نہ رہی اور وہ پانی چونکہ آبِ حیات تھا لہذا مچھلی بقدرتِ خدا زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ مچھلی اس کے ہاتھ میں زندہ ہو گئی تھی اور نکل کر پانی میں کود گئی اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ پتھر پہ سر رکھ کر وہاں دونو سو گئے اور اسی اثنا میں مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی اور بقدرتِ خدا مچھلی کو پانی بہا کر نہ لے جا سکا۔ جب جاگے تو حضرت یوشع کو مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور روانہ ہو گئے۔

سَرَبًا۔ اس کا معنی ہے راستہ یا تو اِتَّخَذَ کا دوسرا مفعول ہے اور یا مصدر کے معنی میں مفعول مطلق ہے یعنی سَرَبَ سَرَبًا اور کہتے ہیں کہ وہ مچھلی جب پانی کو چیر کر گئی تو جس جگہ سے جاتی تھی وہ نالی کی طرح شگاف بنتا جاتا تھا اور پانی آپس میں ملتا نہ تھا بلکہ جامد ہو کر رک جاتا تھا ادھر دریا کے کنارے پہ ایک پرندہ دیکھا جس نے پانی میں اپنی چونچ کو داخل کیا اور کہنے لگا۔

قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

پر دالپس — پس پایا ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو جس کو ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى

اور اپنی جانب سے علم عطا کیا — کہا اس سے موسیٰ نے کیا میں آپ کی پیروی کروں اس بنا

اے موسیٰ علم خداوندی سے تجھے اتنا بھی نہیں ملا جتنا کہ میں نے بھرے دریا سے اپنی چونچ میں پانی لیا ہے۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت خضر کا نام تالیا بن عامر بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے اس کو خدا نے نبی و رسول بنا کر بھیجا تھا اور اس کا معجزہ یہ تھا کہ خشک لکڑی پر بیٹھتے تو وہ سرسبز ہو جاتی تھی اور خشک و بے آب و گیاہ زمین پر تشریف رکھتے تو وہ سرسبز ہو جاتی اسی بنا پر ان کو خضر کہا جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت کی گئی تھی کہ بھونی ہوئی نمکین مچھلی زنبیل میں رکھ لو کیونکہ یہ تم کو اس مقام کی نشاندہی کرے گی جو تم کو مطلوب ہے کیونکہ دونو دریاؤں کے منبع کے پاس جہاں پتھر کی چٹان موجود ہے وہاں ایک چشمہ ہے جس کا نام آب حیات ہے اس کا پانی جس مردہ پر پڑ جائے وہ زندہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ دونو دریاؤں کے منبع کے پاس موسیٰ سے خضر کی ملاقات کا وعدہ تھا ساحل دریا پر سفر کرتے ہوئے پتھر کی چٹان پر پہنچے تو وہاں بیٹھ گئے قریب ہی آب حیات کا چشمہ تھا جب حضرت یوشع وضو کرنے لگے تو پانی مچھلی پر جا پڑا، اور وہ زندہ ہو کر چلی گئی پس وہاں سے چلے تو مچھلی بھول گئے اگرچہ یہ بھول حضرت یوشع سے ہوئی تھی لیکن چونکہ دونو ساتھی تھے لہذا مجازاً دونو کی طرف نسیان کو منسوب کر دیا گیا۔ پس فرمایا نَسِيَا حُوْتَهُمَا۔ یا یہ کہ دونوں کو نسیان ہوا۔ حضرت یوشع کو یہ کہ مچھلی بھول گئے نیز حضرت موسیٰ سے اس عجیب واقعہ کا ذکر کرنا بھول گئے اور حضرت موسیٰ کو یہ کہ اس پانی کو آزمانا بھول گئے کہ آیا یہ وہی آب حیات ہے جو ہمیں بطور نشانی بتلایا گیا ہے اور یہ بھول منافیٔ عصمت و نبوت نہیں ہے۔

تفسیر برہان میں ایک روایت ہے کہ نبی جب کسی مقصد کے لئے روانہ ہو تو اس کو تھکان نہیں ہوتی مگر اس وقت جب منزل مقصود سے آگے بڑھ جائے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے کبھی تھکان محسوس نہیں کی تھی سوائے اس دن کے۔ پس نمازیں پڑھ کر اس آدمی کو سویا چھوڑ کر روانہ ہو گئے باقی دن بھر چلے پھر آتی والی ساری رات سفر کو جاری رکھا۔ جب صبح ہوئی تو موسیٰ نے فرمایا۔ اٰتِنَا غَدَآءَنَا۔ یعنی صبح کا کھانا لاؤ میں تو تھک چکا ہوں اور یہ عام دستور ہے کہ شام کی بہ نسبت صبح کے کھانے کی انسان کو زیادہ خواہش ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ پر خدا نے بھوک بھیج دی تاکہ مچھلی یاد آ جائے اور پتہ چلے کہ ہم مقصد سے آگے نکل چکے ہیں چنانچہ حضرت یوشع نے اب سارا ماجرا سنا دیا کہ مچھلی تو زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی اور مجھے ذکر کرنا یاد ہی نہ رہا۔

أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ

کہ آپ مجھے علم سکھائیں اس سے جو آپ کو علم رشد دیا گیا ہے کہا (خضر نے) تحقیق تو میرے ساتھ صبر نہ

صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ

کر سکے گا اور کیسے صبر کرے گا اس پر جس کی حقیقت کا تجھے پتہ نہ ہوگا کہا

سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ﴿٦٩﴾

(موسیٰ نے) آپ مجھے انشاء اللہ صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کی نافرمانی نہ کروں گا

قَالَ ذٰلِكَ ۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا ہم اسی کی تلاش میں تو تھے پس پچھلے قدموں پہ واپس پلٹے جاتے ہوئے موسیٰ آگے تھا اور پلٹتے ہوئے یوشع آگے ہوگیا گویا راستہ ہی اس قسم کا تھا کہ بغیر اس کے کوئی چارہ نہ تھا پس واپس پلٹ کر وہاں پہنچے تو کپڑا تان کر خضر کو چٹان پر سویا ہوا پایا اور ایک روایت میں ہے کہ مچھلی جس طرح پانی کو چیر کر گئی تھی وہ راستہ بن چکا تھا اور پانی جامد ہو چکا تھا پس حضرت موسیٰ وہاں پہنچ کر مچھلی کے بنائے ہوئے راستہ میں پانی کی اس منجمد دھار پہ روانہ ہوگئے اور ایک جزیرہ میں جا پہنچے جہاں خضر تکیہ لگا کر یا چادر اوڑھے ہوئے تشریف فرما تھے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ مصروف عبادت تھے اور نماز پڑھ رہے تھے جب فارغ ہوئے تو موسیٰ نے سلام دیا اور بیٹھ گئے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ انہوں نے سلام دیا تو خضر نے کہا وعلیک السلام یا نبی بنی اسرائیل یعنی اے بنی اسرائیل کے نبی تجھ پہ میرا سلام ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تجھے کیسے معلوم ہوا ہے کہ میں کون ہوں اور میرا نبی ہونا تجھے کیسے معلوم ہوا حضرت خضر نے جواب دیا مجھے اس نے بتایا جس نے تجھے بھیجا پس رسمی گفتگو شروع ہوگئی حضرت خضر نے پوچھا آپ کون ہیں حضرت موسیٰ نے اپنا تعارف کرایا کہ میں موسیٰ بن عمران ہوں تو حضرت خضر نے پوچھا وہی موسیٰ جو کلیم اللہ ہے حضرت موسیٰ نے کہا کہ ہاں میں وہی ہوں حضرت خضر نے پوچھا اپنی تشریف آوری کا مقصد بیان کیجئے تو حضرت موسیٰ نے تعلیم حاصل کرنے کی درخواست پیش کی حضرت خضر نے جواب دیا کہ مجھے خدا نے وہ چیز دی ہے جس کو آپ برداشت نہیں کر سکتے اور آپ کو جو چیز عطا ہوئی ہے وہ میری برداشت سے بالا ہے اس کے بعد تفسیر قمی کی روایت کے ماتحت حضرت خضر نے مصائب آلِ محمد پڑھنے شروع کئے تو دونوں نبی سخت روئے پھر اس نے فضائل آلِ محمد شروع کئے اور حضرت محمد مصطفیٰ کا ذکر اور اس کے وفاداروں اور قوم کے غداروں کا تفصیلی ذکر کیا تو حضرت موسےٰ نے پھر اپنی درخواست دھرائی کہ مجھے اپنی شاگردی میں قبول کیجئے اور خدا کا عطا کردہ علم مجھے تعلیم کیجئے۔

قَالَ إِنَّكَ ۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کی درخواست ان لفظوں سے رد کر دی کہ آپ میرے ساتھ صبر

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ

کہا (خضر نے) اگر تو میری پیروی کرتا ہے تو مجھ سے کسی شے کے متعلق سوال نہ کرنا

لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا ﴿۷۰﴾ ع ۲۱

جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں

نہ کر سکیں گے کیونکہ جس چیز کا پتہ نہ ہو اس پر صبر نہیں ہو سکتا اور یہ پروردگار کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توبیخ اور سرزنش ہے کہ انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ مجھ جیسا عالم کوئی نہیں اس جگہ یہ منظر پیش کیا گیا کہ ایک عالم اس کو اپنی شاگردی میں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے یہ منتیں کرتے ہیں اور وہ ان کو بے صبرا کہہ کر مانتے نہیں انہوں نے شاگردی کی درخواست کے ساتھ اپنی غلامی کا عہد پہلے کیا تھا چنانچہ کہا تھا۔ هَلْ اَتَّبِعُكَ۔ یعنی کیا میں آپ کی تابعداری اور غلامی میں رہ جاؤں تاکہ آپ مجھے علم سکھائیں جب انہوں نے کہا تو صبر نہ کرے گا تو جواب میں کہا سَتَجِدُنِیْ صَابِرًا۔ میں صبر کروں گا انشاء اللہ۔ پس جب آپ نے ان شاء اللہ کہہ کر صبر کا وعدہ کیا اور یہ بھی عہد کیا کہ میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کروں گا تو انہوں نے درخواست منظور کی۔ اور صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اگر میرے ساتھ چلنا ہے تو خاموش رہنا اور مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کرنا میں جس وقت چاہوں گا اور جو چاہوں گا خود ہی بیان کروں گا۔

سوال وجواب:۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰ اولوالعزم پیغمبر اور صاحب کتاب تھے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی دوسرا نبی ان سے علوم میں زیادہ ہو کیونکہ شرف کا معیار جب علم ہے تو اشرف وہی ہوگا جو اعلم ہوگا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ ہی اپنے زمانہ میں اشرف تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو بعض باطنی امور کا علم دیا گیا تھا جن کا ظواہر سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ان کے ظاہر کرنے پر حضرت خضر مامور تھے یعنی وہ ایسے امور تھے جن کا نبوت کی تبلیغ میں کوئی دخل نہ تھا اور حضرت موسےٰ کو وہ علم عطا ہوا جو تبلیغ کے لئے تھا اور لوگوں تک پہنچانے کے لئے تھا اور تورات میں یہ باتیں درج نہ تھیں جو خضر کے پاس تھیں اور موسیٰ کا خیال تھا کہ سب کچھ تورات میں ہے اور جو علم انبیاء کی ایک دوسرے پر فضیلت کا معیار ہے وہ وہ علم ہے جو خدا کی جانب سے مخلوق کی ہدایت کے لئے ہو اور اس لحاظ سے حضرت موسیٰ اعلم تھے اور افضل تھے اور قرآن کا یہ دعویٰ کہ الواح موسیٰ میں سب کچھ تھا یا یہ کہ تورات میں ہر شے کا علم ہے تو اس سے مراد وہ علوم ہیں جن کا تبلیغ خلق سے تعلق تھا۔

لَنْ تَسْتَطِیْعَ۔ اس سے مراد نہیں کہ تجھ میں صبر کی طاقت ہی نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ آپ کے لئے صبر کرنا مشکل ہوگا اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ ظواہر پر عمل کرتے تھے اور حضرت خضر حقیقت اور باطن کے لحاظ سے فیصلہ کرتے تھے اور حضرت خضر نے اُن کی بے صبری کی یہی وجہ بیان کی کہ جس چیز کا آپ کو علم نہیں اس پر آپ صبر کیسے کریں گے۔ یعنی علم ہوتا تو صبر کر لیتے

معلوم ہوا کہ صبر کی ان میں طاقت تھی۔ پس حقیقت کا علم نہ ہونا ان کی بے صبری کا موجب بتایا۔

عظمت علم اور آداب

ان آیات میں عظمتِ علم پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور آداب بھی بتلائے گئے ہیں۔

(۱) حضورؐ کی حدیث ہے کہ دو طالب کبھی سیر نہیں ہوتے ایک طالب دنیا اور دوسرا طالب علم چنانچہ حضرت رسالتمآبؐ کو یہی تعلیم دی گئی ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ اور اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر اور کلیم اللہ ہونے کے باوجود طالب علم بن کر چلے۔

(۲) اس سے یہ درس ملتا ہے کہ تحصیل علم کے لئے دشوار گذار اور دور دراز کی مسافت طے کر لینا اللہ کو محبوب ہے۔

(۳) علم کی تحصیل میں اپنے مرتبے کی عظمت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیئے۔

(۴) اپنے سے کم مرتبہ لوگوں سے بھی علم حاصل کرنا عقلمندی کا شیوہ ہے۔

(۵) طالب علم کو چاہیئے کہ استاد کے سامنے اپنے علم کا اظہار نہ کرے بلکہ اُستاد کو عالم جان کر اس کی شایانِ شان مراعات کرے اور اس کی عزت دل میں رکھے۔ چنانچہ باہمی خطاب میں حضرت موسیٰؑ حضرت خضرؑ کی طرف علم کو منسوب کرتے رہے اور اپنی طرف انہوں نے تابعداری کو منسوب کیا۔

(۶) اُستاد کی اطاعت اور تابعداری کو اپنے لئے مایۂ افتخار سمجھنا چاہیئے۔

(۷) جس سے علم حاصل کرنا ہو اس کا انتخاب ضروری ہے کہیں نااہل کو اپنا استاد نہ بنا بیٹھے۔

(۸) اُستاد کی سختی کو کھلی پیشانی سے برداشت کر لینا چاہیئے۔

(۹) جو بات فوری طور پر سمجھ میں نہ آئے اُستاد سے اُلجھنے کی بجائے اُسے دوسرے وقت پر ٹال دینا چاہیئے۔

(۱۰) بات بات پر اُستاد کو بولنے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ اُستاد کی طبیعت پر بیان کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

(۱۱) اُستاد پر بدظنی یا بدگمانی سے ہر ممکن طریقہ سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۱۲) اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے کے ساتھ تواضع اور فروتنی سے پیش آنا چاہیئے۔

(۱۳) علم پر ناز کرنے کی بجائے اس نعمت عظمیٰ کے عطا ہونے پر پروردگار کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔

(۱۴) اگر سمجھے کہ استاد سے ایک غلط کام ہوا ہے تب بھی استاد کی طرف غلطی کی نسبت نہ دے بلکہ ایسے طریقہ سے بات کرے کہ ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

(۱۵) استاد کے سامنے گستاخانہ اور بازاری لہجہ استعمال نہ ہو۔

تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر موسیٰ اور خضر کے درمیان میں ہوتا تو ثابت ہوتا کہ میں ان دونوں سے اعلم ہوں اور ان کو ایسی چیزیں بتاتا جو ان کو معلوم نہ ہوتیں۔ الخ۔

فَانْطَلَقَا وقفة حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ط قَالَ اَخَرَقْتَهَا

پس روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب سوار ہوئے کشتی میں تو اس کو توڑ دیا (موسےٰ نے) کہا تونے اس کو توڑ دیا

لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ج لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ

تاکہ غرق کرے اس کی اہل کو تحقیق تونے بُرا کام کیا ہے (خضر نے) کہا کیا میں نے تجھے نہیں کہا

لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا

کہ تو صبر نہ کر سکے گا؟ موسیٰ نے کہا نہ گرفت کرو میری کہ میں بھول گیا اور نہ

تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا وقفة حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا

سخت گیری کرو میرے معاملہ میں تنگی سے پھر روانہ ہوئے یہاں تک کہ ملے ایک لڑکے سے

رکوع نمبر ۲۲

فَانْطَلَقَا۔ پس حضرت خضر نے جب حضرت موسیٰ کو شاگردی کے لئے قبول کرلیا تو وہ دونو وہاں سے دریا کے کنارے کنارے روانہ ہوگئے اور ایک طرف سے دوسری طرف جانے کا ارادہ کیا تو گزرگاہ پر تشریف لائے وہاں پار جانے کے لئے کشتی تیار کھڑی تھی جس میں کافی لوگ سوار تھے ملاحوں نے دیکھا کہ تین آدمی ادھر آرہے ہیں پس انتظار میں ٹھہر گئے اور کسی نے کہا کہ یہ نیک لوگ ہیں ان کو بھی ساتھ لیتے جاؤ۔ جب قریب پہنچے تو کشتی بانوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا پس کرایہ وصول کئے بغیر ان کو سوار کرلیا اور کشتی دریا میں روانہ ہوگئی پرلے کنارہ پر پہنچنے سے پہلے حضرت خضر اٹھے اور ایک طرف سے کشتی کو شگاف کردیا کہ اس میں پانی داخل ہوگیا پس وہاں کیچڑ بھر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ ایک تختہ ڈھیلا کردیا۔ اور حضرت موسےٰ اس شگاف کو اپنے کپڑے سے بند کرتے تھے حضرت موسیٰ سے تاب برداشت نہ رہی اور کہنے لگے واہ ان لوگوں نے ہم سے کرایہ بھی نہیں لیا لیکن اُلٹا آپ نے ان کی کشتی میں شگاف کردیا۔ یہ بہت بُری بات ہے۔

بِمَا نَسِيْتُ۔ یعنی حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ میری بھول چوک کا مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے اور ممکن ہے اس سے مراد عدم توجہ ہو۔ یعنی مجھے وعدہ یاد ہے کہ آپ کے کسی فعل پر اعتراض نہ کروں گا۔ بلکہ صبر کروں گا لیکن مجھے خیال نہیں رہا۔ اور توجہ نہیں کی اور یہ سب صیغے تثنیہ کے ہیں حالانکہ یوشع بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصود کلام حضرت موسیٰ اور حضرت خضر ہیں اور حضرت یوشع تابع کی حیثیت سے تھا پس دو کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ

تو قتل کر دیا (موسےٰ نے) کہا تو نے قتل کر دیا بے گناہ نفس کو بغیر بدلے کے

لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

تحقیق کیا تو نے غلط کام

اَقَتَلْتَ - اب کشتی سے اُتر کر دوسرے کنارے پہ جارہے تھے تو دیکھا کہ چند لڑکے کھیل رہے ہیں۔ ان میں سے ایک خوبصورت لڑکا دیکھا جس کا چاند سا چہرہ تھا اور اس کے کانوں میں دو گوشوارے تھے حضرت خضر نے اس کو غور سے دیکھا پھر پکڑ کر زمین پہ دے مارا کہ وہ وہیں مر گیا اس مرتبہ حضرت موسیٰ کو بہت غصہ آیا اور حضرت خضر کے گریبان کو پکڑ لیا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو زمین پہ گرا دیا اور کہا کہ آپ نے بلا جرم اس کو قتل کر دیا ہے ؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ نوجوان تھا کیونکہ نابالغ پر شرعی سزا نہیں عائد ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت خضر نے اس کے سر کو باقی جسم سے توڑ دیا تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ زمین پہ گرا کر پاؤں کی ٹھوکر سے مار دیا تھا اور بعض نے ذبح کرنا بھی لکھا ہے۔

پارہ ۱۶

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ

کہا (خضر نے) کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ہمراہ صبر نہ کر سکے گا (موسٰے نے) کہا

اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَىۡءٍۢ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِىۡ‌ ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ

اگر میں سوال کروں پھر کسی شے کا تو مجھے ساتھ نہ لے جانا تحقیق تو نے میرا عذر قطع

لَّدُنِّىۡ عُذۡرًا‏ ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا وقفة حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهۡلَ قَرۡيَةِ اۨسۡتَطۡعَمَاۤ

کر دیا ہے پس روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان

اَهۡلَهَا فَاَبَوۡا اَنۡ يُّضَيِّفُوۡهُمَا فَوَجَدَا فِيۡهَا جِدَارًا يُّرِيۡدُ اَنۡ يَّنۡقَضَّ

سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا پس دیکھی اس میں ایک دیوار جو گرنے والی تھی

فَاَقَامَهٗ‌ ؕ قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَيۡهِ اَجۡرًا‏ ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا

تو اس کو (خضر نے) سیدھا کر دیا، کہا (موسٰے نے) اگر چاہتا تو مزدوری لے لیتا (خضر نے) کہا یہ

رکوع نمبر ا

قَالَ اَلَمۡ ۔ جب حضرت خضرؑ نے حضرت موسٰے کا بچے کے قتل پر طیش ملاحظہ کیا تو فرمایا کہ میں نے آپ کو کہا نہیں تھا کہ آپ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ اب کی بار حضرت موسٰےؑ نے خفت محسوس کرتے ہوئے دوٹوک فیصلے کی بات کر دی کہ اگر اس کے بعد میں نے کسی بات پر لب کشائی کی تو آپ کو اختیار ہے کہ مجھے اپنی شاگردی سے الگ کر دیں۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ حضرت موسٰےؑ کو شرم آیا ورنہ اگر صبر کرتے اور حضرت خضر کی صحبت کو جاری رکھتے تو ہزاروں عجائبات ملاحظہ فرماتے

اَهۡلَ قَرۡيَةِ ۔ اس بستی کے متعلق تین قول ہیں (۱) انطاکیہ (۲) ایلہ (۳) ناصرہ، جس کی طرف نصاریٰ منسوب ہیں اور آخری قول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ اس بستی کے باشندے بخیل تھے اور امام حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ انہوں نے نہ حضرت خضر و موسٰے کی ضیافت کی اور نہ قیامت تک وہ کسی کی ضیافت کریں گے ایک غیر شیعہ واعظ کی زبانی سُنا تھا کہ اس بستی کے لوگ بعد میں مسلمان ہوئے تو اپنی خفت مٹانے کے لئے انہوں نے حضور سے خواہش کی تھی کہ آیت مجیدہ میں اَبَوۡا کی بجائے اَتَوۡا کر دیں تاکہ ہمارے لئے ہمیشہ کی خجالت باقی نہ رہے لیکن آپ نے اس ترمیم سے انکار فرما دیا کہتے ہیں جب شہر والوں نے ان کو اپنی طرف متوجہ دیکھا تو پہلے سے شہر کے دروازے بند کر ڈالے اور انہوں نے ساری رات بھوکے پیاسے شہر سے باہر گذاری۔

فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ

جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان میں تجھے بتاؤں گا تاویل اس کی جس پر تو صبر نہیں

صَبْرًا ﴿٧٨﴾ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ

کر سکا لیکن کشتی مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے میں نے اس کو

فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ

عیب دار کرنا چاہا کہ ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر (بے عیب) کشتی کو غصب

غَصْبًا ﴿٧٩﴾ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ

کرتا تھا لیکن لڑکا پس اس کے ماں باپ مومن تھے ہمیں ڈر تھا کہ ان پر غلبہ نہ پالے

يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا

سرکشی اور کفر کے لحاظ سے پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے ان کو ان کا خدا اس سے

فَوَجَدَا - جب صبح کو اٹھے اور شہر سے گزرے تو حضرت خضر نے ایک دیوار کو کمزور دیکھا جو آج نہیں تو کل گر جاتی پس آپ نے از سرِ نو اس کی مرمت کر دی اور بعض کہتے ہیں کہ اپنے اعجاز سے اس گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا لیکن پہلی بات اس لئے قرینِ عقل ہے کہ حضرت موسٰے علیہ السلام نے اُجرت کا مشورہ دیا تھا اگر ہاتھ سے کام نہ کیا ہوتا بلکہ اعجاز سے کھڑی کی ہوتی تو اُجرت طلبی کا معنی ہی کوئی نہیں تھا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام دوسرے دن سے بھوک محسوس کر رہے تھے سفر کے تھکے ماندے تھے پہلی بار غذا طلب کی تو حضرت یوشع نے جواب دیا کہ وہ مچھلی آبِ حیات کے قطرات پڑنے سے زندہ ہو کر دریا میں کود گئی ہے۔ پھر حضرت خضر کی ملاقات سے پچھلا غم غلط ہوا۔ اور تازہ دم سفر کو جاری کیا لیکن کشتی کے شگاف لڑکے کے قتل اور بستی والوں کی بے رُخی نے سفر کی کوفت کو زخم پر نمک پاشی کا رنگ دے دیا پس بھوک اُبھری اور دامن صبر و ضبط ہاتھ سے نکلا آپس کی جدائی کا تلخ گھونٹ گوارا کرتے ہوئے کہنے لگے۔ اے خضر اگر تو نے یہ کام کرنا تھا تو مزدوری پر کر لیتے تاکہ ہماری بھوک کا سدباب ہو جاتا۔ یہ سنتے ہی حضرت خضر نے جواب دیا کہ قول و قرار کے مطابق ہماری باہمی رفاقت کی یہی آخری گھڑی ہے پھر اپنے افعال عجیبہ کی تاویل کو بیان کرنا شروع کیا۔

وَرَآءَهُمْ - وراء کا لفظ لغاتِ اضداد میں سے ہے اس کا معنی آگے بھی ہے اور پیچھے بھی۔ اس مقام پر اکثر لوگ کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ ان کے آگے تھا اگر پیچھے ہوتا تو کشتی توڑنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہ لوگ اس سے نکل چکے تھے۔ اور

مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ

بہتر پاکیزگی نفس میں اور قریب تر رحم دلی میں لیکن دیوار پس وہ دو یتیم بچوں کی تھی جو اس شہر میں تھے

فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ

اور تھا اس کے نیچے ان کا خزانہ اور ان کا باپ نیک تھا پس تیرے رب نے چاہا

رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ

کہ پہنچیں جائیں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا خزانہ (ہمارا یہ کام) تیرے رب کی رحمت سے تھا

بعضوں نے کہا ہے کہ بادشاہ پیچھے تھا اور اس نے دوبارہ سواریاں لے کر پلٹنا تھا پس حضرت خضر نے سوراخ کر کے واپس پلٹنے سے رکاوٹ ڈال دی تاکہ غصب سے بچ جائیں۔ پس حضرت خضر نے اپنے فعل کی تاویل یہ بیان فرمائی کہ اس علاقہ میں ایک بادشاہ ہے جو صحیح و سالم کشتیوں کو غصب کرتا ہوا چلا آرہا ہے ان غریب ملاحوں کا گذر اوقات اسی کشتی سے تھا پس میں نے اس کو عیب دار کر دیا۔ تاکہ غصب سے بچ جائے تاکہ اس ظالم بادشاہ کے چلے جانے کے بعد شکستہ مقام کو مرمت کر کے پھر یہ لوگ اپنا کام چلاتے رہیں۔

اَمَّا الْغُلٰمُ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لڑکا کافر تھا اور اس کے والدین مومن تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالغ و عاقل تھا کیونکہ نابالغ پر کافر کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور یہ حضرت خضر کا کلام ہے کیونکہ خدا کی طرف خشیہ کی نسبت نہیں دی جا سکتی۔

آیت مجیدہ میں عبرت و نصیحت موجود ہے کہ بندے کے لئے جو خدا چاہتا ہے وہ یقیناً بہتر ہوتا ہے اس سے جو بندہ اپنے لئے خود چاہتا ہے۔ چنانچہ اس لڑکے کے ماں باپ اپنے بیٹے کی بقا کے خواہشمند تھے اور اس کی جوانی کی موت ان کے لئے بہت بڑا صدمہ تھا لیکن وہ اس کے انجام بد کو نہیں جانتے تھے۔ خدا نے ان کو اس کے بدلہ میں ایک لڑکی عطا فرمائی۔ جس کے بطن سے ستر نبی پیدا ہوئے اور کہتے ہیں یہ لڑکی ایک نبی کا حرم بنی اور اس سے ایک نبی پیدا ہوا جس کی بدولت ایک پوری امت کو ہدایت حاصل ہوئی۔ پس انسان اپنے فیصلے سے خدا کے فیصلہ کو بہتر سمجھے اور اسی پر راضی رہنے میں بھلائی سمجھے اور خدا کی جانب سے آدمی کے لئے اس کی پسند کے خلاف کا فیصلہ اس کی پسند کے فیصلے سے بہتر ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس کی عاقبت کی بھلائی کا راز مضمر ہوا کرتا ہے اور تفسیر عیاشی سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ جب حضرت موسیٰ نے لڑکے کے قتل پر اعتراض کیا تو حضرت خضر نے اس مقتول کا کندھا کھولا اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ کافر ہے پس حضرت موسیٰ خاموش ہو گئے۔

رَبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ

اور میں نے اپنی طرف سے یہ نہیں کیا تھا یہ تاویل ہے اس کی

تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝۸۲ ۭ ع ۱

جس پر آپ صبر نہ کر سکے

وَ اَمَّا الْجِدَارُ ۔ شہر میں دو یتیم لڑکے تھے اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا۔ پس خدا نے اس خزانہ کی حفاظت کے لئے نبی کو دیوار کی مرمت کا حکم دیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نیک باپ کی بدولت خدا پشتوں تک اولاد کی حفاظت کرتا ہے چنانچہ اس جگہ بچوں کی نیکی کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ صرف باپ کی نیکی کی بدولت ان کے خزانہ کی حفاظت کی گئی اور منقول ہے کہ یہ بچے اس نیک باپ کی ساتویں پشت میں تھے ان کے اس خزانہ کے متعلق مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ بعضوں نے سونے چاندی کا ذخیرہ لکھا ہے اور بعضوں نے علم کا ذخیرہ نقل کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابوالدرداء حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ اس کے نیچے ایک سونے کی تختی تھی جس پر یہ کلمات تحریر تھے۔

عَجَبًا لِمَنْ يُّؤْمِنُ بِالْقَدَرِ كَيْفَ يَحْزَنُ — تعجب ہے اس پر جو قدر پر ایمان رکھتا ہے کیسے غمگین ہوتا ہے تعجب ہے

عَجَبًا لِمَنْ اَيْقَنَ بِالرِّزْقِ كَيْفَ يَتْعَبُ — اس پر جسے رزق کا یقین ہے کیسے بے جا دوڑ دھوپ کرتا ہے تعجب ہے

عَجَبًا لِمَنْ اَيْقَنَ بِالْمَوْتِ كَيْفَ يَفْرَحُ — اس پر جسے موت کا یقین ہے کیسے خوش ہوتا ہے تعجب ہے

عَجَبًا لِمَنْ يُّؤْمِنُ بِالْحِسَابِ كَيْفَ يَغْفَلُ — اس پر جو حساب پر ایمان رکھتا ہے کیسے غافل ہے تعجب ہے

عَجَبًا لِمَنْ رَاَى الدُّنْيَا وَتَقَلُّبَهَا بِاَهْلِهَا كَيْفَ — اس پر جو دنیا اور اس کے انقلابات کو دیکھتا ہے کیسے اس کی طرف مطمئن ہے

يَطْمَئِنُّ اِلَيْهَا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ — اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں حضرت محمد مصطفےٰ اللہ کا رسول ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی صفوان جمال سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ خزانہ نہ سونا تھا نہ چاندی بلکہ وہ علم وحکمت کے چار کلمات تھے (۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ (۲) مَنْ اَيْقَنَ بِالْمَوْتِ لَمْ يَفْرَحْ یعنی جس کو موت کا یقین ہو وہ نہیں ہنستا (۳) وَمَنْ اَيْقَنَ بِالْحِسَابِ لَمْ يَفْرَحْ قَلْبُهُ اور جس کو حساب کا یقین ہو اس کا دل خوش نہیں ہوتا (۴) وَمَنْ اَيْقَنَ بِالْقَدَرِ لَمْ يَخْشَ اِلَّا اللهَ اور جس کو قدر کا یقین ہو وہ سوائے خدا کے کسی سے خوف نہیں کرتا حضرت موسٰی اور حضر کے باہمی سفر کے بعض عجیب واقعات اور اس سے مناسب بعض احادیث تفسیر کی جلد نمبر ۸ صد ۲۳۹ تا ۲۴۲ پر مذکور ہو چکی ہیں۔

رَحْمَةً ۔ مفعول لہ ہے یعنی فَعَلْتُهُ رَحْمَةً ۔ الخ۔

حضرت خضر کی طولانی زندگی | مشہور یہ ہے کہ چار نبیوں کو خدا نے زندگی طولانی عطا فرمائی ہے۔

(۱) حضرت ادریسؑ کہ ان کو زندہ بہشت میں اٹھا لیا گیا (۲) حضرت الیاسؑ کہ وہ جنگلوں میں رہائش پذیر ہیں۔ (۳) حضرت خضرؑ کہ دریاؤں میں اُن کی رہائش ہے (۴) حضرت عیسےٰ مسیحؑ کہ چرخ چہارم ان کی قیام گاہ ہے اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے علاوہ باقی انبیاء کی زندگی پر قرآنی نص موجود نہیں اور نہ یہ عقیدہ جزو مذہب ہے البتہ خدا کی قدرت سے بعید نہیں وہ جسے چاہے خلافِ عادت ایک لمبی مدت تک زندہ رکھ سکتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ ابو علی جبائی کہتا ہے حضرت خضر کا اب تک زندہ رہنا ناممکن ہے جس کی تین وجوہ اس نے بیان کیں (۱) اگر وہ اب تک زندہ ہوتے تو لوگ ان سے متعارف ہوتے (۲) اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی رہائش گاہ ڈھونڈنے سے مل جاتی (۳) اگر وہ زندہ ہوتے تو عقیدہ ختم نبوّت باطل ہو جائے گا۔ لیکن یہ تینوں اعتراضات بالکل بے بنیاد اور غلط ہیں کیونکہ کسی انسان کا تعارف یا اس کے گھر کا پتہ اس کی زندگی کے لوازم سے نہیں ہیں ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی زندہ ہو۔ لیکن دنیائے تعارف سے الگ تھلگ اوقاتِ زندگی بسر کر رہا ہو۔ پس وہ لوگوں میں چلتے پھرتے ہوں گے لیکن جان پہچان نہ ہوگی اور ختم نبوّت کا عقیدہ اپنے مقام پر درست ہے لیکن حضرت خضر خاتم الانبیاء کی نبوّت سے پہلے نبی ہیں نہ کہ بعد میں ان کو نبوّت عطا ہوئی پس اگر وہ شریعتِ خاصہ کے مالک تھے تو وہ اسلام کے آنے سے منسوخ ہوگئی اور اگر کسی دوسرے نبی کی شریعت کے مروّج و مبلغ تھے تو جس طرح اسلام نے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ان کی ترویج و تبلیغ کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ اب اگر ہوں گے تو شریعت مقدسہ اسلام ہی کے مبلّغ و مروّج ہوں گے۔ جناب رسالتمآبؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ساتھ حضرت خضر کی ملاقات کے واقعات کتب میں ملتے ہیں پس جب حجّت خدا کا ظہور ہو گا تو جس طرح حضرت عیسےٰ چرخ چہارم سے اُتر کر نصرتِ دین کا فریضہ انجام دیں گے۔ اسی طرح بعید نہیں کہ حضرت خضر ادریس و الیاس و اصحاب کہف وغیرہ بھی دامنِ غیبت کو چاک کرکے فریضۂ نصرت انجام دیں۔ خداوند کریم قادر حکیم ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اس کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت خضر کا والد ایک مملکت کا بادشاہ تھا اور حضرت خضر اپنے باپ کے محل میں ایک حجرہ کے اندر عبادتِ خدا میں شب و روز مصروف رہا کرتے تھے اور ان کے علاوہ ان کے والدین کی کوئی دوسری اولاد نہ تھی۔ اراکین دولت اور اساطینِ مملکت نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ خضر کی شادی کی جائے ممکن ہے خدا اس کو تخت و تاج کا وارث عطا فرمائے۔ چنانچہ ایک باکرہ نوجوان عورت سے اس کی شادی رچائی گئی لیکن حضرت خضر کو عبادتِ پروردگار میں اس قدر انہماک تھا کہ انہوں نے عورت کی طرف توجہ نہ کی اور اُسے تاکید کر دی کہ میرے اس راز کو افشا نہ کیا جائے چنانچہ عورت نے رازداری کا وعدہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد عورتوں کے ذریعہ سے پتہ چلا کہ وہ عورت بدستور باکرہ ہے پس سلطنت کے بہی خواہوں نے کسی بیوہ عورت سے اس کی دوبارہ شادی کا مشورہ دیا چنانچہ حضرت خضر نے اس کی طرف بھی نظر التفات نہ کی اور اس کو بھی رازداری کی تلقین کی لیکن اس نے راز فاش کر دیا اور حضرت خضر کے والد سے صاف

صاف کہہ دیا کہ آپ کے فرزند کو عورتوں کی خواہش ہی نہیں ہے حضرت خضر کے والد کو اس کا بہت رنج پہنچا لیکن شفقتِ پدری کے ماتحت اپنے غصہ پر دامن رحم و کرم ڈال کر اُسے ختم کر دیا۔

حضرت خضر باعجاز خداوندی جس حجرہ میں مصروفِ عبادت رہتے تھے اچانک غائب ہوگئے اور پھر حضرت ذوالقرنین کی فوج میں بھرتی ہوئے اور چونکہ حیرت انگیز قوتِ جسمانی کے مالک تھے لہذا ترقی کر کے مقدمۃ الجیش کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے جب ذوالقرنین آب حیات کی تلاش میں نکلے تو پورے لشکر کے پیش رو حضرت خضر ہی تھے چنانچہ سفر ظلمات میں آب حیات تک پہنچے اور وہاں سے پانی پی لیا اور موت سے بچ گئے اور ایک جزیرہ میں قیام کر لیا۔

ایک دفعہ اس کے آبائی شہر کے دو تاجر اس جزیرہ میں جا نکلے اور انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا جبکہ وہ مصروفِ عبادتِ پروردگار تھے جب آپ نے سلام پڑھا تو ان کو دیکھ لیا احوال پُرسی کے بعد فرمایا اگر میں تم دونو کو آج ابھی ابھی اپنے گھروں میں پہنچا دوں تو کیا تم میرا راز افشا تو نہ کرو گے ؟ ان دونو نے ظاہراً وعدہ کیا کہ ہم راز افشا نہ کریں گے لیکن ایک کا وعدہ سچے دل سے تھا اور دوسرے نے منافقانہ وعدہ کیا حضرت خضر نے ایک بادل کو بُلایا اور اس کو حکم دیا کہ ان دونوں کو اپنے وطن تک پہنچا دے چنانچہ اس نے اُن کو گھروں میں پہنچا دیا۔ پس ایک نے راز کو مخفی رکھا اور دوسرے نے بادشاہ کو اطلاع دے دی کہ تیرا بیٹا فلاں جزیرہ میں موجود ہے بادشاہ نے پوچھا کوئی گواہ لاؤ تو اس نے دوسرے ساتھی کا نام لیا لیکن اس نے اپنی راز داری کو محفوظ رکھا اور انکار کر دیا چنانچہ پہلے شخص نے بادشاہ سے فوج اور زادِ سفر حاصل کر کے جزیرہ کا رُخ کیا لیکن پُوری تلاش کے بعد ناکام واپس پلٹا پس دوسرے تاجر کو رہا کر دیا گیا۔

پھر ایک عرصہ کے بعد (غالباً جب کہ حضرت خضر کا والد فوت ہوگیا) لوگ اللہ کی نافرمانی اعلانیہ کرنے لگ گئے تو خدا نے ان کو عذاب میں مبتلا کر کے نیست و نابود کر دیا۔ اس عذاب کی گرفت سے صرف دو آدمی بچے ایک عورت اور ایک مرد جنہوں نے حضرت خضر کا راز افشا نہ کیا تھا چنانچہ انہیں معلوم ہوگیا کہ ہماری راز داری ہماری نجات کا موجب ہے پس وہ مومن ہوئے اور مومن رہے آپس میں نکاح کیا اور صاحب اولاد ہوئے یہ دو نوجس بادشاہ کے زیر سایہ آباد تھے۔ عورت مذکور شاہی خاندان کی عورتوں کی مشاطہ گری کر کے گذر اوقات کرتی تھی۔ ایک دن جو اس کے ہاتھ سے کنگھی گری تو اس نے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا کلمہ زبان سے جاری کیا۔ شہزادی نے پوچھا یہ کونسا کلمہ ہے کیا میرے باپ کے علاوہ کوئی اور الٰہ بھی ہے ؟ تو اُس نے جواب دیا کہ ہاں خدا وہ ہے جس نے تجھے اور تیرے باپ کو پیدا کیا ہے اور وہ سب کا الٰہ و معبود ہے چنانچہ اُس نے اپنے باپ کو رپورٹ کی بادشاہ نے عورت سے باز پُرس کی۔ اس نے بتایا کہ میرا میرے شوہر کا اور میرے بیٹے کا یہی دین ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا معبود نہیں سمجھتے چنانچہ بادشاہ نے پانی گرم کرا کے ان کو اس میں ڈالنے کا حکم دیا پھر اُوپر مکان کی چھت گرا دی گئی۔ شب معراج جناب رسالتمآبؐ نے ایک خوشبو محسوس فرمائی تو جبریل نے جواب دیا یہ خوشبو اس گھر سے آرہی ہے جس کے بسنے والوں کو صرف اللہ کی محبت میں عذاب دے کر مارا گیا تھا۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی امام علی نقی علیہ السّلام سے منقول ہے ایک دن حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام اپنے فرزند امام حسنؑ کے ہمراہ تشریف لارہے تھے سلمان بھی ہمراہ تھا آپ مسجد الحرام میں آکر بیٹھ گئے ۔ اتنے میں ایک خوبصورت خوش پوش جوان آیا اور اس نے آپ کو سلام کہا آپ نے جواب سلام دیا اور وہ بیٹھ گیا ۔ پھر عرض کرنے لگا میں آپ سے تین سوال کرتا ہوں اگر آپ صحیح جواب دیں گے تو میں سمجھوں گا کہ آپ حق پر ہیں اور آپ کے غاصب ناحق پر ہیں اور اگر آپ جواب نہ دے سکے تو میں سمجھوں گا کہ آپ اور وہ برابر ہیں ۔ چنانچہ اس نے اپنے تین سوال بیان کئے ۔ آپ نے امام حسن کی طرف اشارہ کیا ۔ اور امام حسنؑ نے ان کا ایسا حل بیان کیا کہ وہ عش عش کر اٹھا پس شہادت توحید و رسالت کے بعد کہنے لگا ۔ اَشْھَدُ اَنَّکَ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ ۔ پھر بارہ اماموں کے نام بنام امامت کی گواہی دی اور آخر میں سلام کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا ۔ آپ نے امام حسن کو حکم دیا کہ دیکھو کہاں جاتا ہے چنانچہ امام حسنؑ نے واپس آکر عرض کی اس نے ایک قدم مسجد کے باہر رکھا اس کے بعد نہ معلوم وہ کہاں غائب ہُوا ۔ آپ نے فرمایا کہ وہ حضرت خضر علیہ السّلام پیغمبر تھا ۔

زمانۂ طالب علمی میں جب ہمیں علم ہیئت پڑھنے کا شوق دامن گیر ہُوا تو اس کے لئے ضلع گجرات تحصیل پھالیہ کے ایک دیہات اہنی میں مولوی ولی اللہ صاحب کے درس میں بحالت تقیہ جا پہنچے ۔ یہ درس اسی فن کی تدریس میں معروف تھا ۔ چنانچہ ہم نے اپنے شوق کی پیاس بجھائی ۔ ایک دن فارسی کی کتاب شرح بست باب کا درس پڑھ رہے تھے جس میں اسطرلاب بنانے اور ستارگانِ آسمانی کے مراکز و حرکات کی پہچان کا طریقہ موجود تھا پس مولوی صاحب نے علم نجوم کی کسی کتاب کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت خضر کے والد علم نجوم کے ماہر ترین انسان تھے انہوں نے اسطرلاب کی مدد سے اپنے خداداد علم کی روشنی میں معلوم کیا کہ ایک ستارہ ایک خاص برج میں ہزاروں برس کے بعد طلوع کرتا ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس ساعت میں اگر کوئی جوڑا آپس میں ہمبستری کرے اور نطفہ قرار پکڑے تو پیدا ہونیوالا بچہ حکمران ہوگا چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی سے اسی بات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ میں تھکا ماندہ ہوں جاگ نہیں سکتا تم جاگتے رہنا اور اسطرلاب پر نظر رکھنا فلاں ساعت کی فلاں گھڑی میں مجھے بیدار کر دینا کہ اس کے بعد اُسی ستارہ کے طلوع کا وقت ہوگا پس ممکن ہے کہ خدا ہمیں حکمران فرزند عطا فرمائے ۔ یہی گفتگو ان کی بیوی کی بہن بھی سُن رہی تھی چنانچہ اس نے اپنے شوہر کو خبردار کر دیا اور وہ بھی وقت کی انتظار میں اسطرلاب سامنے رکھ کر بیٹھ گئے اور حضرت خضر کے باپ پر نیند غالب تھی اور حضرت خضر کی والدہ جاگ رہی تھی لیکن عین وقت مخصوص پر اس کو بھی اُونگھ آگئی اور وقت ہاتھ سے نکل گیا ۔ ہمسایہ میں اس کی بہن اور اس کے شوہر نے اپنی طبیعت کو ضبط میں رکھا ۔ اور عین اسی وقت میں ہمبستر ہوگئے اور خدا نے ان کو فرزند عطا فرمایا جس کا نام انہوں نے سکندر رکھا ۔ ادھر ساعتِ مخصوصہ کے گزرنے کے بعد جو حضرت خضر کے والد کی آنکھ کھلی تو بیوی پر خفا ہوئے وہ کہنے لگی مجھے نیند نے بے بس کر دیا تھا پس دونوں نے گہرا افسوس کیا حضرت خضر کے باپ نے کہا اچھا وہ وقت تو اب ہاتھ آنے کا نہیں ہے اب دوسری ساعت باقی ہے جس میں نطفہ قرار پکڑے تو پیدا ہونے والا بچہ موت سے محفوظ ہو کر ہمیشہ زندہ رہے گا چنانچہ ان کے ہاں حضرت خضر پیدا ہوئے

(گویا حضرت خضر اور سکندر خالہ زاد بھائی تھے) واللہ اعلم
تفسیر برہان میں حضرت ذوالقرنین کے ذکر میں ہے کہ جب خدا نے اُن کو مشرق و مغرب کی حکومت عطا فرمائی تو انہیں بتایا گیا کہ زمین میں ایک چشمہ ہے جسے آب حیات کہتے ہیں اس سے پانی پینے والا کوئی ذی رُوح نفخ صور سے پہلے نہیں مرے گا۔ پس انہوں نے حضرت خضر کو بلایا جو ان کے مقرب درباری تھے اور ان کے علاوہ تین سو ساٹھ دیگر ارکین سلطنت کو بھی بُلایا اور ہر ایک کو ایک ایک مچھلی دے کر حکم دیا کہ فلاں مقام پر جاؤ کہ وہاں تین سو ساٹھ چشمے ہیں۔ ہر شخص الگ الگ چشمے سے مچھلی دھو کر میرے پاس واپس لاؤ۔ چنانچہ حسب تعمیل سب روانہ ہوئے اور الگ الگ چشموں کے کناروں پر پہنچے۔ حضرت خضر نے جونہی مچھلی کو دھونا چاہا تو پانی پڑنے سے وہ زندہ ہو کر مچھلی اور پانی میں غائب ہو گئی۔ حضرت خضر کافی دیر تک چشمے میں اس کو تلاش کرتے رہے چنانچہ اسی چشمہ سے پانی بھی پی لیا۔ لیکن مچھلی ہاتھ نہ آئی۔ واپس آنے پر سب نے دُھلی ہوئی مچھلیاں پیش کیں اور حضرت خضر خالی ہاتھ پلٹے۔ جب حضرت سکندر نے وجہ پوچھی تو انہوں نے سارا ماجرا بیان کیا پس سکندر نے اس چشمہ کو تلاش کرنا چاہا لیکن ناکام رہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ذوالقرنین نے ایک فرشتے سے سنا کہ زمین میں ایک چشمہ ہے جس کا نام آب حیات ہے۔ اور خدا کا وعدہ ہے جو اس سے پئے گا اس کو نفخ صور سے پہلے موت نہ آئے گی۔ حضرت ذوالقرنین کو اس کی تلاش کی شوق دامن گیر ہوئی تاکہ اپنے خالق محسن کی اس طویل زندگی میں جی بھر کر عبادت کروں اور اس کا حق شکر ادا کر دوں پس لشکر سمیت اس کی تلاش میں نکلا اور حضرت خضر اس کے مقدمۃ لشکر میں تھا چنانچہ سفر ظلمات کو طے کرتے ہوئے حضرت خضر چشمہ آب حیات پر جا پہنچے وہاں غسل بھی کیا اور پانی بھی پی لیا اور حضرت ذوالقرنین اُسے نہ پا سکے روایت بہت طولانی ہے جس کا من وعن نقل کرنا خالی از فائدہ ہے۔

بروایت ابن بابویہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت خضر نے آب حیات سے پیا لہٰذا وہ زندہ ہیں اور نفخ صور تک نہ مریں گے وہ ہمارے پاس وقتاً فوقتاً تشریف لاتے ہیں اور ہم ان کی باتیں سنتے ہیں لیکن وہ خود نظر نہیں آسکتے اور جہاں کہیں ان کا ذکر خیر ہو وہ آجاتے ہیں۔ لہٰذا ان کو ذکر کرنے والا جب بھی ان کا ذکر کرے ان کو سلام کہے اور ایام حج میں مکہ تشریف لے جاتے ہیں اور اعمال حج بجالاتے ہیں۔ نیز مقام عرفہ میں وقوف کے دوران مومن حاجیوں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں نیز زمانہ غیبت میں وہ ہمارے قائم کے انیس و مونس ہوں گے اور خدا ان کے ذریعے سے ہمارے قائم کی تنہائی اور وحشت کو دُور فرمائے گا۔

تفسیر برہان میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت سلیمان آصف بن برخیا سے اعلم تھے اور حضرت موسیٰ اس سے اعلم تھے جس کی اتباع کا ان کو حکم دیا گیا تھا۔ بروایت ابن بابویہ حضرت ابن عباس ایک مرتبہ چاہ زمزم کے کنارہ پر بیٹھے لوگوں کو احادیث سُنا رہے تھے تو ایک شامی نے سوال کیا کہ حضرت علی کے ہاتھوں ایسے لوگ قتل ہوئے ہیں جنہوں نے کفر کا ارتکاب نہیں کیا تھا اور نمازی روزہ دار حاجی اور پابند زکوٰۃ بھی تھے تو علی کا یہ فعل کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ ابن عباس

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کے متعلق کہہ دو میں ابھی پڑھوں گا تمہارے سامنے اس کا قصہ

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾

ہم نے اس کو زمین میں ٹھکانا دیا اور ہم نے اس کو ہر قسم کے طریقے تعلیم کئے پس اس نے ایک طریقہ اختیار کیا

نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانا آپ نے اس کے اصرار کے پیش نظر بالآخر یہ فرمایا کہ حضرت موسےٰ باوجود اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبر ہونے کے خضر کے قتل کی مصلحت کو نہ سمجھ سکے اور اس کو بے گناہ سمجھتے رہے حالانکہ اس کے قتل میں اللہ کی رضا تھی اسی طرح علیؑ نے ان لوگوں کو قتل کیا جن کے قتل میں اللہ کی رضا تھی اور جاہل اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔

رکوع نمبر ۲

حضرت ذوالقرنین کا ذکر

اگر پوری تسلی سے نہیں کہا جا سکتا تاہم اغلب یہ ہے کہ مقدونیہ کے بادشاہ سکندر کو ذوالقرنین کہا گیا ہے چنانچہ شیخ ابوالحسن شعرانی نے اسی نظریہ کو مذہب صحیح قرار دیا ہے چونکہ یہ سوال قوم یہود کی جانب سے تھا اور وہ سکندر کو جانتے تھے اس نے بیت المقدس پر حملہ کیا لیکن کوئی ان کا جانی نقصان نہ کیا بلکہ علماء یہود کی اس نے عزت کی اور اُن کے احکام کو باقی رکھا اور تورات کی اتباع کا حکم دیا جو ان میں مروّج تھی اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ ذوالقرنین مومن مخلص تھا چنانچہ منقول ہے کہ ارسطو حکیم اس کا استاد تھا اور توحیدِ خالق اور موت کے بعد نفس کی زندگی ارسطو کا عقیدہ تھا سکندر چونکہ دنیا کا فاتح ہوا اور خدا نے زمین کی فتح کے اسباب و ذرائع پر اس کو قدرت دے دی تھی جیسا کہ آیت نمبر ۸۴ میں اس کی تصریح موجود ہے پس خداداد قوت و طاقت کی بنا پر اس نے مشرق و مغرب کو فتح کر کے اپنی سلطنت کا جھنڈا لہرا دیا چونکہ یہ یونانی تھا۔ پس یونانی علوم دنیا میں پھیل گئے اور ان کی زبان اطراف عالم میں رائج ہو گئی۔ طبّ نجوم اور فلسفہ کے مدرسے ہر جگہ کھل گئے اور اس کے بعد ایک ہزار سال تک یونانی زبان پوری روئے زمین پر مسلط رہی جس طرح اسلام کی آمد نے زبان عربی کو فروغ دیا یا جس طرح آجکل انگریزی زبان کو فروغ حاصل ہے۔ تفسیر برہان میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ذوالقرنین بارہ برس کی عمر میں تخت حکومت پر بیٹھا اور تیس برس حکومت کی تفسیر قمی سے منقول ہے کہ تبلیغ دین کے صلہ میں قوم نے اس کے سر پر تلوار ماری جس سے سر کا دایاں حصہ زخمی ہوا پس خدا نے اس کو پانچ سو برس تک آغوش موت میں سلانے کے بعد دوبارہ بھیجا تو سلسلۂ تبلیغ انہوں نے جاری کیا پھر قوم نے ان کے سر پر تلوار ماری جس سے سر کا بایاں حصہ زخمی ہوا۔ پس پانچ سو برس موت کی نیند سو گئے پھر خدا نے ان کو زندہ کر کے تخت حکومت عطا فرمایا۔ بہر کیف اسکندریہ انہی کی یادگار ہے۔ اور مکتبۂ اسکندریہ انہی کی نشانیوں میں سے ہے کیونکہ اس دَور کے علوم و فنون کا مرکز مصر تھا اور یوں سمجھئے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد علوم و فنون کی تدریج میں یہ شخص لاثانی حیثیت رکھتا ہے اس نے انسانی معاشرہ کی اصلاح میں قابلِ قدر کردار پیش کیا اسی وجہ

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ

یہاں تک کہ جب انتہائے مغرب تک پہنچے تو دیکھا کہ سورج سیاہی مائل پانی کے چشمے میں غروب کرتا ہے

سے تمام سلاطین میں سے اسی کا ذکر قرآن کا حصّہ قرار دیا گیا۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ذوالقرنین ایک عبد صالح تھا اللہ کو دوست رکھتا تھا دین خدا کا خیر خواہ تھا اس نے اپنی قوم کو تقویٰ کا حکم دیا تو انہوں نے ان پر تلوار کا وار کیا جو سر کے ایک کنارے پر لگا پس آپ غائب ہو گئے پھر ایک عرصہ بعد واپس پلٹے اور حسب سابق قوم کو دین خدا کی طرف بلایا تو انہوں نے پھر تلوار سے وار کر کے سر کا دوسرا کنارہ زخمی کر دیا اور اسی وجہ سے ان کو ذوالقرنین کہا جاتا ہے پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں بھی اس کی مثل موجود ہے (یعنی ایسا مبلّغ موجود ہے جس کو تبلیغ کے بدلہ میں نشانہ بنایا جائے گا گویا آپ اپنی طرف اشارہ کر رہے تھے)

مَكَّنَّا لَهٗ۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے ان کے لئے بادل کو مسخر کر دیا تھا اور اسباب فتح و کامرانی میسّر کر دیئے تھے رات کے وقت ان کے لئے نور پیدا کیا جاتا تھا پس شب و روز کی محنت ان کے لئے آسان تھی اور سہل و سخت زمین کا سفر ان کے لئے برابر تھا۔

مَغْرِبَ الشَّمْسِ۔ یعنی پہلے پہل انہوں نے عنانِ عزم کو سفر مغرب کی طرف موڑا اور مغرب اقصیٰ تک پہنچے جس کے بعد آبادی ختم تھی۔

عَيْنٍ حَمِئَةٍ۔ عین کا معنی چشمہ اور حَمِئَةٍ کا معنی ہے سیاہی مائل اور یہ چیز مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے کہ جب انسان ایک کھلے میدان میں موجود ہو تو بوقتِ غروب اس کو سورج زمین کی سطح میں ڈھلتا ہوا نظر آتا ہے اور ظاہر ہے سمندر کے پانی کا رنگ چونکہ سیاہی مائل ہوتا ہے اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے سورج کو سیاہی مائل پانی کے چشمے میں غروب کرتے دیکھا اور مروی ہے کہ ان کی آواز میں شیر کی گرج کا سا رعب تھا پس جب نعرہ لگاتے تو کفار کے دل دہل جاتے تھے اور وہ دم توڑتے نظر آتے تھے پس مشرق و مغرب پر ان کا سکّہ بیٹھ گیا۔ نیز مروی ہے کہ بادل کی سواری خدا نے ان کو عطا فرمائی تھی۔

قَوْمًا۔ آیت کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ کافر تھے مقصد یہ ہے کہ حکم پروردگار ہوا کہ ان کو دین حق کی تبلیغ کرو پس اگر نہ مانیں اور اپنے کفر پر ڈٹ جائیں تو آپ کو اختیار ہے کہ ان کو سزائے موت دیدو یا ان کے ساتھ مزید نیکی کا برتاؤ کرو یعنی ان کو ایک عرصہ تک مہلت دے کر ان کو زیور تعلیم سے آراستہ کرو تاکہ حق و باطل میں تمیز کرنے کے اہل ہو جائیں۔ اس آیت سے بعض لوگوں نے اسکندر کی نبوّت کا استدلال بھی کیا ہے کیونکہ کسی پر خدا کی وحی کا نزول اس کی نبوّت کی دلیل ہے لیکن اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہاں حکم خدا بصورت الہام تھا جس طرح مادر موسیٰ کے متعلق وارد ہے کہ ہم نے اس کو وحی کی اور مراد الہام تھا اور نبوّت کی علامت وہ وحی ہے جو بصورت نزول ملک ہو۔ بہرکیف اگر وہ نبی تھے تو وحی سے مراد وہی ہے جو انبیاء کی طرف خدا کی جانب سے ہوا کرتی ہے ورنہ وحی سے مراد الہام ہو گا جو غیر نبی بلکہ غیر انسان کی جانب بھی ہو سکتا ہے۔

مَنْ ظَلَمَ۔ ۱۲۵ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے یعنی حضرت ذوالقرنین نے خدا کے حکم کے مطابق عمل کیا وہاں کے باشندوں کو

وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ

اور وہاں ایک قوم دیکھی ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا تو ان کو سزا دو اور

اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ

یا نیکی کا برتاؤ اختیار کرو فرمایا کہ جو ظلم کرے گا پس ہم اس کو

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَ

عذاب دیں گے پھر پلٹے گا طرف اپنے رب کے تو وہ بھی اس کو سخت عذاب دے گا اور جو ایمان لائے گا اور

عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾

نیک عمل کرے گا تو اس کا اچھا بدلہ ہوگا اور ہم اس کو آسان امر کریں گے

توحید کا پیغام سنایا اور شرک پر ڈٹے رہنے والوں کو عذاب کی دھمکی دی کہ جس نے ظلم کیا یعنی جو مشرک رہا اس کو دنیا میں ہم سزائے موت دیں گے اور جب بروز محشر اٹھے گا تو عذاب خداوندی میں بھی سخت طور پر گرفتار ہوگا لیکن جو ایمان لائے اور اس پر ثابت قدم رہے اس کے ساتھ ہم اچھا سلوک کریں گے اور اس پر ہمارے احکام کا بوجھ اس قدر ہوگا جو وہ آسانی سے برداشت کر سکے گا پس اس کی گزشتہ لغزشیں معاف کر دی جائیں گی اور بروز محشر اس کو نیک جزا ملے گی۔

ثُمَّ اَتْبَعَ - یعنی ہمارے عطا کردہ اسباب میں سے ایک سبب کو اختیار کیا اور مشرق کی طرف عنانِ سفر کو موڑا۔

مَطْلِعَ الشَّمْسِ ص۱۲۶ - یعنی مغربی ممالک پر حکومت مستحکم کر لینے کے بعد شرقی ممالک کی طرف اقدام کیا اس مقام پر مشرق کی انتہائے آبادی مراد لینا بھی ممکن ہے اور صرف سمتِ مشرق بھی مراد لی جا سکتی ہے اور بعضوں نے جانب مشرق کی ابتدائے آبادی بھی مراد لی ہے۔ بہرکیف مقصد یہ ہے کہ پہلے یونان سے روانہ ہو کر انہوں نے مغرب کو فتح کیا اور بعد میں مشرق پر اپنے اقتدار کا جھنڈا لہرایا۔ آیاتِ مجیدہ سے یہ خوب اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مغرب کے لوگ تہذیب و تمدن میں منازلِ ترقی پہ گامزن تھے۔ اور وہ شرک و ایمان میں امتیاز کرنا جانتے تھے پس حضرت ذوالقرنین نے بفرمانِ خداوندی ان کو دعوتِ اسلام دی لیکن اہلِ مشرق جس میں ترک ایران اور ہندوستان وغیرہ سب شامل تھے یہ لوگ معاشرتی پہلو میں بہت گرے ہوئے تھے اور تمدنی زندگی سے ناآشنا تھے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے وہاں ایسی قوم کو دیکھا جن کا سورج کے علاوہ کوئی ستر نہ تھا یعنی نہ وہ لباس بنانا اور پہننا جانتے تھے اور نہ گھر بنانا اور ان میں رہائش رکھنا جانتے تھے چنانچہ جب دن ہوتا تھا تو پانی یا سرنگ یا کسی غار میں گھس جاتے تھے اور رات کو اپنے کاروبار کرتے تھے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ

پھر اس نے ایک راستہ اختیار کیا یہاں تک کہ جب اقصائے مشرق تک پہنچے دیکھا کہ وہ طلوع کرتا ہے

عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾ كَذٰلِكَ وَقَدْ

ایسی قوم پر کہ ہم نے ان کے لئے اس کے علاوہ کوئی ستر نہیں بنایا تھا اسی طرح تحقیق ہم نے

اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ

احاطہ کیا جو اس کے پاس تھا علم سے پھر اس نے ایک راستہ اختیار کیا یہانتک کہ جب پہنچے درمیان

السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾

دو بندوں (پہاڑوں) کے وہاں ایک قوم دیکھی جو بات نہ سمجھتے تھے (انہوں نے)

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ

بتایا اے ذوالقرنین تحقیق یاجوج و ماجوج فساد کرتے ہیں زمین میں تو کیا ہم

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾

چندہ کر دیں آپ کو کچھ رقم ؟ کہ بنائیں آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بند

قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَ

کہا جو طاقت دی مجھے رب نے بہتر ہے پس تم میری مدد کرو جسمانی قوت سے تاکہ بناؤں تمہارے اور

اَحَطْنَا ۔ یعنی ذوالقرنین کے پاس جس قدر طاقت فوج اور آلات و اسباب موجود تھے ہم ان کا علمی احاطہ رکھتے ہیں۔

ثُمَّ اَتْبَعَ ۔ یعنی مشرق و مغرب کو فتح کر لینے کے بعد تیسری جانب روانہ ہوئے حتیٰ کہ ایک مقام پر پہنچے کہ دو طرفوں سے پہاڑ وہاں ختم ہوتے تھے اور درمیان میں گزرگاہ تھی ۔ اس کے پرلی جانب یاجوج و ماجوج آباد تھے اور ادھر ایک قوم فروکش تھی جو ذوالقرنین اور اس کی قوم کی زبان کو نہ جانتے تھے جب انہوں نے ان سے احوال پرسی کی تو ان لوگوں نے اشاروں اشاروں میں سمجھایا یا بقدرت خدا ذوالقرنین کو ان کی بولی سمجھنے کی توفیق ملی یا کسی ترجمان کے ذریعے سے پتہ چلا بہرکیف انہوں نے اس امر کی شکایت کی کہ ان پہاڑوں کے پیچھے یاجوج و ماجوج آباد ہیں جو ہمیں بہت ستاتے ہیں وہ ان دو نو پہاڑوں کے درمیانی درے سے گزر کر ہمارا جانی و مالی ہر قسم کا نقصان کرتے ہیں جس سے ہم بہت تنگ ہیں لہٰذا ہم اخراجات کے لئے آپس میں چندہ کر کے آپ کو دیتے ہیں تاکہ اس

بَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ

ان کے درمیان دیوار لاؤ لوہے کے ٹکڑے یہانتک کہ جب برابر ہوگئی دونو پہاڑوں

قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾

کے درمیان کی جگہ تو فرمایا پھونکو یہانتک کہ جب اس کو آگ بنادیا فرمایا لاؤ تاکہ ڈال دوں اس پر پگھلا ہوا تانبا

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هٰذَا

پس نہ ان کے بس میں تھا کہ اس پر چڑھ جائیں اور نہ ان کے بس میں تھا کہ سوراخ کر لیں فرمایا یہ

رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ

رحم ہے میرے رب کی طرف سے تو جب آئے گا وعدہ میرے رب کا اس کو پیس دے گا اور ہے وعدہ میرے

رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي

رب کا سچا اور چھوڑا ہم نے ان کو اس دن ایک دوسرے کے ساتھ گھلے ملے ہوئے اور پھونکا جائے گا

الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ

صور میں پس ان کو جمع کریں گے اور پیش کریں گے جہنم کو اس دن کافروں پر

عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا

جن کی آنکھیں میری یاد سے پردہ میں تھیں اور وہ (حق بات کو) سن

درمیانی راہ کو بند کر دیا جائے اور ہمیں لوگوں کے شر سے محفوظ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس اپنے پروردگار کی عطا کردہ دولت کافی ہے البتہ اگر بند تعمیر کرنا ہے تو مجھے جانی امداد دو اور کام کرنے کے لئے مزدور فراہم کرو۔ میں تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کرتا ہوں جس کو نہ وہ گرا سکیں گے اور نہ اس میں سوراخ نکال سکیں گے اور نہ اُوپر سے پھلانگ کر ادھر کا رُخ کر سکیں گے تفسیر برہان میں عیاشی سے منقول ہے کہ ذوالقرنین کا نام عیاش تھا اور ابن بابویہ کی روایت میں اس کا اصلی نام عبداللہ تھا۔ واللہ اعلم

اٰتُوْنِيْ ۔ آپ نے حکم دیا کہ لوہے کی ٹکڑے اکٹھے کئے جائیں چنانچہ تعمیل ارشاد میں دونو پہاڑوں کے درمیانی خالی جگہ کو لوہے سے بھر دیا گیا جب چوڑائی اور بلندی میں لوہے کا ڈھیر دونو طرف کی پہاڑیوں کے برابر ہو گیا تو آپ نے اس تمام لوہے کو آگ سے پگھلانے کا حکم دیا تاکہ سب یک جان ہو جائے اور کوئی سوراخ نہ بچے چنانچہ لوہے کو پھونکنیوں کے ذریعے سے آگ نما بنا دیا گیا

حتٰے کہ سارا لوہا پگھل کر ایک جسم ہوگیا اس کے بعد پیتل اور تانبا پگھلا کر اُوپر ڈال دیا گیا تاکہ مضبوط حصار بن جائے۔ چنانچہ اس عمل کے بعد وہ نہ اُوپر چڑھ کر اس کو عبور کر سکے اور نہ اس میں سوراخ نکال سکے۔

جَعَلَهٗ دَكًّا - یعنی جب وعدہ کا دن ہوگا تو وہ دیوار بحکم پروردگار زمین کے برابر ہو جائے گی اس سے ظہور قائم آلِ محمدؐ کا زمانہ مراد ہے اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ سدِ سکندری ایک لمبا بند نہیں تھا بلکہ دو پہاڑوں کے درمیان جو درّہ تھا جس سے لٹیرے گزر کر اس زمانہ کی مہذب اقوام کو پریشان کرتے تھے ان کی رپورٹ پر آپ نے اس کو بند کر دیا تھا اور حسبِ ضرورت ہر زمانہ میں بادشاہ ایسا کیا کرتے ہیں۔ اس سے دیوارِ چین مراد لینا بلا دلیل ہے بعضوں نے اس کا مقام بحرِ روم کے قریب بیان کیا ہے اس کی بلندی دو سو ذراع اور چوڑائی پچاس ذراع بیان کی گئی ہے (مجمع البیان)

وَتَرَكْنَا - یعنی ان کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان کو دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کا ایک سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور ممکن ہے اس سے مراد قیامت کا اجتماع ہو کہ بروزِ محشر لوگوں کی کثرت موجزن سمندر کی مثال ہوگی جبکہ نفخ صور ہوگا۔

نُفِخَ فِي الصُّوْرِ - نفخ صور پر مامور فرشتے کا نام اسرافیل ہے تفسیر مجمع البیان میں ہے نفخ صور تین مرتبہ ہوگا۔
(۱) پہلی دفعہ نفخ صور ہوگا تو تمام مخلوقات میں سنسنی چھا جائے گی اور لوگ متحیر ہو جائیں گے۔ (۲) دوسری دفعہ نفخ صور ہوگا تو سب لوگ مر جائیں گے۔ (۳) تیسری دفعہ جب نفخ صور ہوگا تو لوگ دوبارہ زندہ ہو کر بارگاہِ ربوبیت میں پیش ہوں گے۔

عَنْ ذِكْرِيْ - تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی تفسیر میں مذکور ہے کہ ذکر سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ولایت ہے یعنی جو لوگ کافر ہیں ان کی آنکھوں پر پردہ ہے کہ ولایت علیؑ کی پہچان کر سکیں اور وہ لوگ از راہِ حسد علی کا ذکر سن بھی نہیں سکتے اور بروایت ابن بابویہ مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا آنکھوں کا پردہ ذکرِ خداوندی سے نہیں روکا کرتا کیونکہ ذکر آنکھوں سے دیکھنے کی شی نہیں ہے بلکہ اس جگہ خدا نے حضرت علی کی ولا کے منکروں کی تشبیہ بیان کی ہے۔

انوارِ علمیّہ

(۱) بعض قاریوں نے اٰتُوْنِيْ کی بجائے اِئْتُوْنِيْ پڑھا ہے۔ پہلی صورت میں ہمزہ قطعی ہے اور دوسری صورت میں ہمزہ وصلی ہے جو پڑھنے میں نہیں آتا۔ نیز پہلی صورت میں بابِ افعال ایتا سے ہے جو اعطاء کے مترادف ہے اور اس کے دو معانی ہیں (۱) ہبہ اور بخشش کے طور پر دینا۔ استحقاق کی بناء پر دینا پس اگر صیغہ اعط ہو تو چونکہ یہ عطا سے ہے لہٰذا اس میں ہبہ اور بخشش کا مفہوم زیادہ واضح ہوتا ہے اور اگر آتِ ہو تو اس میں استحقاق کی بنا پر دینا واضح ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ آتِ کا لفظ دونو معنوں میں مشترک ہے لہٰذا بعض قاریوں نے اِئْتُوْنِيْ پڑھا ہے تاکہ ہبہ کے معنی کا احتمال بھی نہ رہے۔

(۲) استطاع میں تین صورتیں جائز ہیں۔ (۱) اِسْتَطَاعَ يَسْتَطِيْعُ (۲) اَسْطَاعَ يَسْطِيْعُ (۳) اِسْتَاعَ يَسْتِيْعُ
پہلی صورت میں بابِ استفعال ہے دوسری صورت میں بابِ افعال سے ہے اصل میں اَطَاعَ يُطِيْعُ تھا اجوف واوی میں قاعدہ

کی رُو سے واؤ الف سے بدل گئی تو واؤ کی حرکت کے عوض میں شروع میں ایک سین کا اضافہ کر دیا گیا پس اِسْطَاعَ ہو گیا جس طرح اَرَاقَ میں ھا کا اضافہ ہوا پس اَھْرَاقَ یُھْرِیْقُ پڑھا گیا۔ تیسری صُورت میں باب استفعال استطاع میں تا اور طاء کے اجتماع میں ثقل محسوس کرتے ہوئے طاء کو حذف کر دیا گیا پس استاع ہو گیا۔

(۲) یاجوج و ماجوج۔ اگر ان دونو لفظوں کو عجمی قرار دیا جائے تو ان کی اصل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پس عجمہ و معرفہ ہونے کی وجہ سے ان کو غیر منصرف قرار دیا جائے گا اور اگر عربی لفظ قرار دیئے جائیں تو یاجُوج اگر ہمزہ کے ساتھ ہے تو اس کا مادہ اَجّ اور یفعول ہوگا اور اگر الف کے ساتھ ہے تو مادہ یجّ اور وزن فاعول ہوگا۔ اسی طرح ماجُوج کا لفظ اگر ہمزہ کے ساتھ ہو تو مفعول کے وزن پر مادہ اَجّ سے ہوگا گویا دونوں لفظوں کا مادہ ایک ہی ہوگا اور اگر الف کو زائد قرار دیا جائے تو وزن فاعول اور مادہ مجّ ہوگا۔ پس دونو لفظوں کی اصلیں جُدا جُدا ہوں گی اور دونو لفظیں دونو صورتوں میں غیر منصرف ہیں۔ تانیث اور معرفہ کی بناء پر تفسیر مجمع البیان میں ہے جناب رسالتمآبؐ سے یاجوج ماجوج کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یاجُوج اور ماجُوج دو قوموں کے الگ الگ نام ہیں ہر قوم چار چار سو خاندانوں پر مشتمل ہے اور وہ اس قدر کثیر الاولاد ہوتے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک مرد ایک ہزار افراد اولاد ذریتہ میں سے دیکھ کر مرتا ہے۔ الحدیث۔ اور مشہور یہی ہے کہ یہ لوگ اولاد آدمؑ سے ہیں اور بقول وہب یافث بن نوح کی اولاد ہیں جو ترک قوم کا جدّ اعلیٰ ہے اور بقول سدی ترک و مغل دونو تو ہیں انہی کا حصّہ ہیں کیونکہ دیوار کی تعمیر کے وقت یاجُوج و ماجوج اقوام کے جو افراد ڈاکہ زنی و لوٹ کھسوٹ کے لئے راستہ عبور کر کے آ چکے تھے وہ دیوار تعمیر ہو جانے کے بعد واپس نہ جا سکے پس ادھر ہی رہ گئے اور ان علاقوں میں انہوں نے ایک مدت دراز تک اپنی حکومت قائم رکھی۔

ابوالحسن شعرانی محشی مجمع البیان میں تحریر فرماتے ہیں میں نے علماء ہند کی بعض کتب میں دیکھا ہے کہ یاجُوج و ماجُوج سے پوری یورپی اقوام مراد ہیں جو سکندر کے زمانہ میں وحشی قسم کے درندہ صفت انسان تھے اور اپنے ارد گرد کی بسنے والی کمزور اقوام کو قتل و غارت سے پریشان کئے رہتے تھے۔ پس حضرت سکندر ذوالقرنین نے ان کا راستہ بند کر کے امن قائم کیا۔ اور آج وہی لوگ ہیں جو اطرافِ دنیا پر چھائے ہوئے ہیں۔ نیز بعض لوگ چینی اقوام کو یاجُوج و ماجوج قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

تفسیر مجمع البیان میں قتادہ کا قول ہے کہ یاجوج و ماجوج کے کل ۲۱ قبیلے تھے جب بند تعمیر ہُوا تو ایک قبیلہ باہر رہ گیا اور وہی ترک ہیں۔

(۳) سد اور ردم میں فرق یہ ہے کہ سد دو دیواروں کے درمیان کو پُر کر دینے کو کہا جاتا ہے اور ردم پختہ طور پر اس کو بند کرنے پر اطلاق ہوتا ہے۔ ابن عباس سے منقول ہے اَلرَّدْمُ اَشَدُّ الْحِجَابِ یعنی ردم مضبوط روکاوٹ کا نام ہے اور بعض نے کہا ہے ھُوَ السَّدُّ الْمُتَرَاکِبُ بَعْضُہٗ عَلٰی بَعْضٍ۔ یعنی ردم اُس بند کو کہا جاتا ہے جو تہ بہ تہ کر کے زیادہ پُختہ و مضبوط کیا گیا ہو۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ

نہ سکتے تھے کیا خیال کرتے ہیں وہ جو کافر ہیں کہ پکڑیں میرے بندوں کو میرے سوا

(۵) خرج اور خراج میں متعدد فرق بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) زمین سے نکلنے والی چیز کا نام خراج ہے اور مال سے نکلنے والے حصّہ کو خرج کہتے ہیں (۲) خراج کا اطلاق غلّہ پر اور خرج کا اطلاق نقدی پر ہوتا ہے (۳) خراج وہ ٹیکس ہے جو زمین سے وصول کیا جائے اور خرج وہ ٹیکس ہے جو آدمیوں پر لگایا جائے (۴) خراج وہ ٹیکس ہے جو سالانہ ادا کیا جائے اور خرج وہ ہے جو ایک دفعہ ادا کیا جائے۔

(۶) صدفین کو بعض قاریوں نے صاد اور دال کی زبر سے پڑھا ہے یعنی صَدَفَيْن اور بعضوں نے دونو کا ضمہ پڑھا ہے یعنی صُدُفَيْن اور صدف کا معنی ہے پہاڑ کا کنارہ اور جائے اختتام۔

(۷) تفسیر برہان میں بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نوح کے بعد چار نبی بادشاہ ہوئے (۱) ذوالقرنین جنہوں نے تمام روئے زمین پر حکومت کی (۲) حضرت داؤد جن کی حکومت شام وگرد ونواح پر تھی (۳) حضرت سلیمان یہ حضرت داؤد کے وارث تھے (ان کی حکومت انسانوں کے علاوہ جنّوں اور حیوانوں پر بھی تھی) (۴) حضرت یوسف مصر کے بادشاہ تھے۔

(۸) حضرت ذوالقرنین کا زمانہ طوفانِ نوح کے بعد ہے اور بروایت برہان یہ پہلا شخص ہے جس نے زمین پر مکان بنانے کی ابتدا کی۔

(۹) بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ پوری روئے زمین کے حکمران چار آدمی گزرے ہیں۔ جن میں دو مومن تھے حضرت سلیمان اور ذوالقرنین اور دو کافر تھے نمرود اور بخت نصر۔ روئے زمین کی حکومت سے مراد یہ ہے کہ ان کے علاوہ اس زمانہ میں کوئی دوسری منظم حکومت نہ تھی اور انہی کو اقتدار اعلیٰ حاصل تھا اور یا یہ کہ دنیا کے مختلف خطوں کے باقی حکمران ان کے باجگذار تھے یا ان کے مقابلہ میں کالعدم تھے اور مشہور ہے کہ سکندر نے بوقت وفات اپنی ماں کو وصیت کی تھی کہ میرے دونو ہاتھ کفن سے باہر رکھنا تاکہ دنیا میرا جنازہ دیکھ کر عبرت حاصل کرے کہ عمل کے سوا کوئی شے انسان کے ساتھ نہیں جاتی۔ چنانچہ روئے زمین کا شہنشاہ بھی خالی ہاتھ جا رہا ہے۔ ع

سکندر جب چلا دنیا سے دونو ہاتھ خالی تھے

رکوع نمبر ۳

مشرکین کو تہدید

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو منشاء خداوندی کے خلاف کام کرنے کے باوجود اللہ کے نیک بندوں کے متعلق یہ گمان کریں کہ وہ ہمیں عذاب پروردگار سے چھڑا لیں گے ان کا یہ مزعومہ بالکل باطل ہے خواہ کوئی فرشتوں کو خدا کا شریک بنائے یا عیسیٰ وعزیر کو شریک قرار دے یا محمدؐ وآل محمدؐ کو اس کا شریک مانے آیت مجیدہ کا خطاب سب کے لئے یکساں ہے۔ عبید اور عباد دونو عبد کی جمع ہیں لیکن عبید کا اطلاق غلاموں پر ہوتا ہے۔

مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ

اپنا کارساز تحقیق ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کافروں کے لئے جائے رہائش کہہ دو

هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

کیا ہم تم کو بتائیں جو لوگ اعمال کے لحاظ سے خسارہ میں ہیں جن کی کوشش حیاتِ دنیا میں ضائع

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰۗىِٕكَ

ہو گئی اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اچھے عمل کر رہے ہیں وہ وہ لوگ ہیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا

جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کی آیات سے اور اس کی ملاقات سے پس ضائع ہوئے ان کے عمل

نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا

پس نہ قائم کریں گے ہم بروز قیامت ان کے لئے میزان یہ ان کا بدلہ ہے دوزخ بوجہ کفر کے

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

اور یہ کہ بنایا انہوں نے ہماری آیات اور رسولوں کو جائے مسخری تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

عمل نیک بجالائے جنت فردوس اُن کا ٹھکانا ہے۔

اورعباد کا اطلاق مطلق انسانوں پر ہوتا ہے۔

قُلْ هَلْ ۔ یعنی بعض لوگ ظاہری طور پر نیک اعمال بجالاتے ہیں لیکن ان کے عقائد غلط ہوتے ہیں پس ایسے لوگوں کو اپنے اعمال کی بناء پر اترانا نہیں چاہیئے بلکہ ایسے لوگوں کے اعمال ضائع ہوں گے اور قیامت کے روز ان کا کوئی وزن نہ ہوگا بروایت احتجاج حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا اس آیت مجیدہ کے مصداق اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے وہ لوگ ہیں جو پہلے حق پر تھے پھر اپنے دین میں بدعت ایجاد کر کے غلط راہ پر گامزن ہوئے وہ اپنے خیال میں سمجھتے ہیں کہ ہم نیک اعمال بجالا رہے ہیں حالانکہ ان کے اعمال ضائع اور رائگاں ہیں۔ پس اس آیت کی تاویل مسلمانوں کے ان گروہوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی جو سنت رسولؐ کو چھوڑ کر بدعات کے پیچھے پڑ گئے اور اپنی خواہشات نفسانیہ کو مذہب کا پیشرو

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ

ہمیشہ اس میں ہوں گے کہ اس سے تبدیلی نہ چاہیں گے کہہ دے اگر سمندر سیاہی

مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ

ہو جائیں میرے رب کے کلمات کے لئے تو سمندر ختم ہو جائیں گے اس سے پہلے کہ رب کے کلمات

جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ

ختم ہوں اگرچہ اتنی سیاہی اور بھی ملا دیں کہہ دے میں تو تم جیسا انسان ہی ہوں مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تمہارا

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ

معبود صرف ایک خدا ہے پس جو امید رکھتا ہے اپنے رب کے ثواب کی اسے نیک

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

اعمال کرنے چاہئیں اور وہ عبادت پروردگار میں کسی کو شریک نہ کرے

قرار دے کر کفر کی وادی میں جا گرے۔

اَلْفِرْدَوْسِ ۔ وہ باغ جس میں ہر قسم کے میوہ جات اور پھول پھل موجود ہوں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فردوس رومی زبان کا لفظ ہے اور عربی میں منتقل ہو کر آیا ہے اور جنت الفردوس جنت کے بہترین درجہ کا نام ہے تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جنت کے سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بلند ہے اور جنت کی چاروں نہریں اس سے نکلتی ہیں (یعنی دودھ پانی شہد اور شراب) تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس آیت کے مصداق ابوذر سلمان مقداد اور عمار بن یاسر ہیں۔

لِكَلِمٰتِ رَبِّيْ ۔ اس مقام پر کلمات پروردگار سے مراد اس کی قدرتیں حکمتیں علمی وسعتیں اور نعمتیں ہیں چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کا امتحان کلمات سے لیا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کلمات تعلیم کئے گئے۔ پس حضرت ابراہیمؑ کو نتیجہ میں امامت ملی اور آدمؑ کو صفوت نصیب ہوئی۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق حضور سرور کائناتؐ سے مروی ہے کہ اگر سمندر سیاہی ہوں جن و انسان تحریر کرنے والے ہوں تو علیؑ کے فضائل کا شمار نہیں کر سکیں گے۔

شرک عملی سے منع

فَلْيَعْمَلْ ۔ مقصد یہ ہے کہ عمل صالح صرف خوشنودی پروردگار کے لئے ہونا چاہیے۔ اس میں دوسرے کسی کی خوشنودی حتیٰ کہ اپنے نفس کی خوشنودی بھی ملحوظ نہ ہو چنانچہ تفسیر مجمع البیان

میں ہے ایک شخص نے جناب رسالتمآبؐ سے گذارش کی کہ میں اللہ کے لئے صدقہ کرتا ہوں اور صلہ رحمی کرتا ہوں لیکن اس کا ذکر کیا جائے اور میری تعریف کی جائے تو خوش ہوتا ہوں۔ یہ سنتے ہی آپ خاموش ہوگئے پس یہی آیت نازل ہوئی۔ پس یہاں شرک عملی سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی عمل صرف خوشنودئ خالق کے لئے ہو اسی لئے عبادت پروردگار میں شرک کرنے سے بچنے کی دعوت ہے اور حدیث میں ہے جو نماز ریاکاری کے لئے پڑھے یا جو شخص روزہ ریا کے لئے رکھے تو گویا اس نے شرک کیا۔

ایک دفعہ امام رضا علیہ السلام مامون کے پاس پہنچے تو وہ وضو کر رہا تھا اور غلام اس کے ہاتھ پر پانی ڈالتا تھا آپ نے فرمایا عبادت پروردگار میں کسی کو شریک نہ بناؤ۔ پس مامون نے غلام کو رخصت کردیا اور خود پانی ڈال کر وضو کیا۔

تفسیر برہان میں بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اگر کوئی شخص رضائے خداوندی کے لئے نہیں بلکہ نیک کام اس لئے کرے کہ لوگوں میں اس کا چرچا ہو جائے تو ایسا شخص عمل میں مشرک ہے۔

بروایت علی بن ابراہیم حضرت رسالتمآبؐ سے آیت مجیدہ کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا جو شخص نماز ریا کے لئے پڑھے تو مشرک ہے جو شخص زکوٰۃ ریاکاری کے لئے دے تو وہ مشرک ہے جو شخص روزہ دکھلاوے کا رکھے تو وہ مشرک ہے اور جو شخص حج ریا کے لئے کرے تو وہ مشرک ہے غرضیکہ خدا ریاکاری کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا اور یہ شرک عملی ہے جو موجب کفر نہیں اور شرک اعتقادی موجب کفر ہوتا ہے۔

تنبیہ شرک کی دو قسمیں ہیں (۱) شرک اعتقادی (۲) شرک عملی۔
پہلی قسم کا شرک قابل بخشش نہیں یعنی خدا کی ذات وصفات عبادت اور افعال میں کسی کو شریک قرار دینا اور اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ نیز فرمایا کہ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ۔ یعنی شرک کا گناہ نہ بخشا جائے گا ایک اور مقام پر فرمایا جو شرک کرے خدا نے اس پر جنت کو حرام قرار دیا ہے اور اس کی تفصیل ہم نے کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں بیان کی ہے

دوسری قسم کا شرک یعنی ریاکاری وغیرہ، یعنی ایسی عملی لغزشیں جن پر احادیث میں شرک کا اطلاق کیا گیا ہے اگرچہ عمل میں خشوع وخضوع کے سخت منافی ہیں اسی لئے احادیث میں اس کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے لیکن خداوند کریم کے رحم وکرم اور اس کے فیض عمیم اور فضل جسیم سے بعید نہیں کہ اسے بخش دے چنانچہ بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اسی آیت مجیدہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ جو شخص نماز روزہ حج اور غلام آزاد اس لئے کرے کہ لوگ اُسے واہ واہ کہیں تو وہ اپنے عمل میں مشرک ہے لیکن اس کا یہ شرک قابل بخشش ہے۔ (ملخص از صافی)

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ۔

وضاحت آیت مجیدہ میں ان لوگوں کے لئے درس ہے جو بشریت اور رسالت کو ایک دوسرے کے

منافی جانتے ہیں۔ آیت میں صاف اعلان ہے کہ آپ واشگاف الفاظ میں کہہ دیں میں تم جیسا کھاتا پیتا سوتا جاگتا ایک بشر ہوں اور خدا نے مجھے نعمتِ نبوّت سے سرفراز فرمایا ہے اور جس دنیاوی لحاظ سے بعض لوگ نعمات سے سرفراز ہوتے ہیں اور دوسرے اُن سے محروم ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی قابلِ تعجّب نہیں کہ خدا نے مجھے نبوّت عطا کی ہے اور اسی معنی کی ایک حدیث امام حسن عسکری علیہ السلام سے تفسیر برہان میں منقول ہے۔

سُوْرَۂ مَرْیَمْ

یہ سورۂ مکیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد ۹۸ ہے۔ اور بسم اللہ کو ملانے سے آیات کی کُل تعداد ۹۹ ہو گی۔

مجمع البیان میں ہے جو شخص سُورۂ مریم کی تلاوت کرے گا حضرت زکریا یحییٰ مریم عیسیٰ موسیٰ ہارون ابراہیم اسحٰق، یعقوب اور حضرت اسماعیل علیہم السّلام کی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔ اسی طرح جن لوگوں نے اللہ کے لئے اولاد تجویز کی یا جن لوگوں نے اللہ سے اولاد کی نفی کی ان کے برابر اس کے نامہ میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جو شخص ہمیشہ سورہ مریم کی تلاوت کرے گا وہ اپنے نفس مال اور اولاد میں تونگری دیکھ کر مرے گا اور آخرت میں حضرت عیسیٰ کے دوستوں سے ہوگا اور اس کو اس قدر ملک عطا ہوگا جتنا دنیا میں حضرت سلیمان بن داؤد کو عطا ہُوا تھا۔

تفسیر برہان میں ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ نیند میں اچھائی دیکھے گا اگر گھر کی کسی دیوار پر لکھے تو چوری ڈاکے اور ہر قسم کی آفت سے محفوظ رہے گا اور اگر خوف زدہ انسان اس کو پڑھے گا تو امن میں رہے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے اس سورہ کو لکھ کر تنگ منہ والی شیشی میں بند کر کے گھر میں رکھنے سے خیر و برکت زیادہ ہو گی۔

فوائد القرآن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اگر کوئی انسان کسی جابر سلطان کے دربار میں جائے کہٰیٰعص کہہ کر ایک ایک حرف کے ساتھ داہنے ہاتھ کی انگلیاں بند کرتا جائے اور پھر حٰمعسق کہہ کر ایک ایک حرف سے بائیں ہاتھ کی انگلیاں بند کرتا جائے پھر حاکم کے سامنے چپکے سے پڑھے عَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ وَخَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا اس کے بعد انگلیاں کھول دے۔ انشاء اللہ اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

کٓہٰیٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِکۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّکَ عَبۡدَہٗ زَکَرِیَّا ﴿۲﴾ اِذۡ نَادٰی

کھیعص یہ ذکر ہے تیرے رب کی رحمت کا اپنے بندے زکریا پر جب اُس

رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَہَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ وَاشۡتَعَلَ

نے پکارا اپنے رب کو آہستہ کہا اے رب میری ہڈی کمزور ہو گئی اور سر سفید ہو گیا بڑھاپے

الرَّاۡسُ شَیۡبًا وَّلَمۡ اَکُنۡۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّیۡ خِفۡتُ

سے اور میں تیری دعا سے مایوس نہیں ہوں اور مجھے ڈر ہے

رکوع نمبر ۴

کٓہٰیٰعٓصٓ۔ تفسیر صافی میں بروایت اکمال حضرت حجت علیہ السلام سے اس کی تاویل اس طرح منقول ہے کہ یہ اخبار غیب میں سے ہے جس کی اطلاع اللہ نے حضرت زکریا کو دی اور رسولؐ خدا پر اس کا قصہ پیش کیا۔ حضرت زکریاؑ نے اللہ سے دعا مانگی کہ مجھے پنجتن کے نام تعلیم فرما چنانچہ ان کو تعلیم کئے گئے۔ پس جب حضرت زکریاؑ محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ کے نام لیتے تھے تو غم دُور ہو جاتا۔ لیکن جب حسینؑ کا نام آتا تو دل بھر آتا اور آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا جاتیں۔ ایک دن مناجات میں عرض کی اے پروردگار چار ناموں سے تو میرے دل کو تسکین پہنچتی ہے لیکن پانچویں نام سے مجھے گریہ طاری ہو جاتا ہے اور رونے کے لئے بے بس ہو جاتا ہوں پس کٓہٰیٰعٓصٓ نازل ہوئی۔ یعنی کاف سے مراد کربلا ہا سے مراد ہلاکت عترت یا سے یزید عین سے عطش اور صاد سے صبر مراد ہے یہ سنتے ہی حضرت زکریا تین دن متواتر مسجد سے باہر نہ نکلے اور صفِ ماتم بچھا کر محو گریہ و بُکا رہے اور یہی کہتے تھے کہ اے اللہ کیا تو علیؑ و فاطمہؑ اور مخلوق کے سرور کو اپنے بیٹے کی مصیبت دے گا؟ اور دعا مانگتے تھے کہ مجھے عالم ضعیفی میں بیٹا عطا کر جو میرا وارث اور وصی ہو اور مجھے اس کی محبت عطا فرما پھر مجھے اس کی مصیبت میں مبتلا کر پس خُدا نے اُن کو یحیٰی عطا فرمایا اور پھر اس کو شرفِ شہادت بھی عطا کیا اور حضرت حسینؑ اور حضرت یحیٰی کی مدّت حمل چھ ماہ تھی۔ (ملخصًا)

حروف مقطعات قرآنیہ کے متعلق مفسرین کے اقوال اور قدرے تفصیل کی دوسری جلد ۵۶ پر گزر چکی ہے۔ اس مقام پر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے اس کی تاویل منقول ہے کہ کاف سے مراد کربلا ھاء سے مراد ہلاکت یا سے مراد یزید عین سے عطش (پیاس) اور صاد سے مراد صبر ہے گویا یہ صرف شہادتِ عظمٰی حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذکر کا اجمالی خاکہ

الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ

وارثوں کا اپنے بعد اور میری عورت بانجھ ہے پس بخش مجھے اپنی طرف سے

وَلِيًّا ۙ ﴿۵﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾

ولی (بیٹا) جو میرا وارث ہو اور وارث ہو آلِ یعقوب سے اور کر اس کو اے رب برگزیدہ (جواب ملا)

ہیں۔ ایک روایت میں کاف سے کریم ھا سے ہادی یا سے حکیم عین سے علیم اور صاد سے صادق مراد ہے اور تیسری روایت میں کاف سے مراد کافی ھا سے مراد ھادی یا سے مراد اس کا ید (ہاتھ) جو تمام ہاتھوں سے بلند ہے عین سے مراد عالم اور صاد سے مراد صادق الوعد ہے گویا ان دونوں روایتوں کے ماتحت یہ اللہ سُبحانہ کے اسماء علیا کا مخفف ہے اور اسی بناء پر حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے ایک دُعا میں یاکھٰیٰعص کے خطاب سے دُعا مانگنا منقول ہے (از مجمع)

ذِكْرُ رَحْمَتِ۔ یعنی تیرے رب نے جو اپنے بندے زکریا پر رحمت نازل فرمائی یہ اس کا ذکر ہے حضرت زکریاؑ کا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارون سے جاکر ملتا ہے اور وہ لادی بن یعقوب کی نسل سے ہے اور ان کی زوجہ حضرت مریم بتول کی خالہ یا بہن تھی جس کا سلسلۂ نسب حضرت سلیمان بن داؤد سے ملتا ہے اور وہ یہودا ابن یعقوب کی اولاد سے تھے۔

نِدَاءً خَفِيًّا۔ یعنی طلبِ اولاد کے لئے آہستہ آہستہ دعا مانگتے تھے یا تو اس لئے کہ ایسی دُعا ریاکاری کے عیب سے پاک وپاکیزہ اور دولتِ خلوص سے بھرپور ہوتی ہے اور حدیث میں بھی ہے کہ بہتر دُعا وہ ہے جو آہستہ مانگی جائے اور بہتر رزق وہ ہے جو کافی ہو رہے اور آیتِ مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہری دُعا سے آہستہ کی دعا اچھی ہے اور وہ مقبولیت کے زیادہ قریب ہے اور آہستہ دعا مانگنے کی دوسری وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ شرم کے مارے ایسا کرتے تھے اگر وہ بآوازِ بلند مانگتے تو چونکہ ضعیف العمر تھے لہٰذا لوگوں کی بالخصوص جہلا طبقہ کی مسخری اور تخول بازی کا محور بن جاتے۔

لَمْ اَكُنْ۔ یعنی اس سے قبل جس قدر دعائیں مانگ چکا ہوں ان میں مجھے ناکامی نہیں ہوئی اور مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ لہٰذا آئندہ کی دعاؤں میں بھی مایوس نہیں ہوں۔ تفسیر صافی میں بروایت علل حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے بالوں میں سفیدی نہ ہوتی تھی۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے پہلے پہل سفید بال دیکھے تو پوچھا کہ اے پروردگار یہ کیا ہے تو جواب ملا کہ یہ وقار ہے تو دعا مانگی کہ اے پروردگار میرے وقار کو زیادہ کر۔

يَرِثُنِيْ۔ اس مقام پر مفسرین اہل سنّت نبوت کا ورثہ مراد لیتے ہیں تاکہ نبیوں کی مالی وراثت کا انکار کر کے جناب بتول معظمہ کے مقدمۂ فدک کی تردید کی جا سکے۔ علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء اعلام رضوان اللہ علیہم اس آیت مجیدہ سے انبیاء کی مالی وراثت ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ لغت اور شریعت میں میراث کا اطلاق اس ترکہ پر ہوا کرتا ہے جس کا مُورث سے وارث کی طرف انتقال ہو سکے اور وہ مال ہی ہے ہاں اگر مال کے علاوہ کسی صفت کے انتقال پر

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ

اے زکریا ہم تجھے خوش خبری دیتے ہیں لڑکے کی جس کا نام یحیٰ ہوگا کہ نہیں بنایا ہم نے اس سے پہلے

سَمِيًّا ⑦ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا

اس کا ہم نام کہا اے رب کیسے ہوگا میرا لڑکا حالانکہ میری عورت بانجھ ہے

وراثت کا اطلاق ہو جائے تو اُسے مجاز قرار دیا جائے گا اور جہاں حقیقت اور مجاز دونو کا لفظ سے احتمال ہو سکتا ہو اور قرینہ قائم نہ ہو تو یقیناً لفظ کو معنی حقیقی پر ہی محمول کیا جائے گا اور آیت مجیدہ میں مجاز کے منافی قرینہ موجود ہے جو معنیٔ حقیقی کی تعیین پر دلالت کرتا ہے کیونکہ بعد میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ (اے رب اس کو پسندیدہ و برگزیدہ قرار دے) اگر وراثت سے معنیٔ مجازی یعنی علم و نبوت کا انتقال مراد لیا جائے تو اس کے پسندیدہ ہونے کی دعا مانگنا لغو ہے اس لئے کہ نبی ہوتا ہی وہی ہے جو پسندیدہ و برگزیدہ ہو یہ دعا تو پھر اس طرح ہو جائے گی کہ کہا جائے اے اللہ تو نبی بھیج اور اس کو عقل و فہم بھی عطا فرما البتہ مالی وراثت کی صورت میں اس کی برگزیدگی کی دعا بجا و برمحل ہے۔ نیز تمہید میں ان کے الفاظ یہ ہیں کہ مجھے وارثوں کا ڈر ہے۔ حالانکہ علم اور نبوت میں وارثوں کا ڈر بے معنی ہے وہ جانتے تھے کہ خدا عہدۂ نبوت جس کو عطا فرماتا ہے وہ اس کے لئے اہل کا انتخاب کرتا ہے جب نااہل کو یہ عہدہ مل نہیں سکتا اور نااہل مجازی طور پر عہدۂ نبوت کا وارث ہو نہیں سکتا تو زکریا کا ڈر کیا معنی رکھتا ہے البتہ مالی وراثت اہل و نااہل سب کو پہنچ سکتی ہے لہذا اس میں نااہل سے ڈر ہو سکتا ہے اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ مالی وراثت جب ہر ایک کو پہنچ سکتی ہے تو حضرت زکریا نے بخل سے کام لیتے ہوئے اپنا ڈر کیوں جتلایا۔ پس جس طرح عہدۂ نبوت کا نااہل تک پہنچنے کا ڈر بے معنی تھا اسی طرح مال و ترکہ کے نااہل وارثوں کا ڈر بھی مہمل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عہدۂ نبوت تو چونکہ نااہل کو مل نہیں سکتا اس لئے ڈر بے محل ہے لیکن مال چونکہ نااہل پا سکتے ہیں لہذا ڈر اس لئے تھا کہ اس کو معصیت اور گناہ کے کاموں میں وہ خرچ کریں گے پس ایک نیک آدمی کا یہ خوف کرنا کہ میرا حلال مال کارِ حرام میں صرف نہ ہو اور اس سے فاسق اور بدکار لوگ اپنی بدکاریوں کے لئے فائدہ نہ اٹھائیں بخل نہیں بلکہ اس کو بخل کہنا حماقت ہے کیونکہ یہ صفت اللہ کے نزدیک پسندیدہ صفات میں سے ہے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ بنی اسرائیل کے ہدیے اور تحفے احبار کو ملا کرتے تھے اور حضرت زکریا ان سب کے رئیس تھے نیز حضرت زکریا کی بیوی حضرت مریم کی خالہ یا بہن تھی اور مریم کا باپ عمران اور چچا یعقوب ماثان کے بیٹے بنی اسرائیل کے رئیس اور حاکم تھے اور یہ حضرت سلیمان کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت امام حسینؑ اور حضرت یحییٰ میں مشابہت

لَمْ نَجْعَلْ (۱) آیت مجیدہ میں حضرت یحییٰ کی دو فضیلتیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ ان کا نام حضرت رب العزت جل سبحانہٗ

وَّقَدۡ بَلَغۡتُ مِنَ الۡکِبَرِ عِتِیًّا ﴿۸﴾ قَالَ کَذٰلِکَ ۚ قَالَ رَبُّکَ هُوَ

اور تحقیق پہنچ چکا ہوں میں بڑھاپے کی آخری منزل میں ؟ کہا اسی طرح فرمایا تیرے رب نے کہ

عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدۡ خَلَقۡتُکَ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ تَکُ شَیۡئًا ﴿۹﴾ قَالَ رَبِّ

یہ مجھ پہ آسان ہے اور میں نے تجھے پہلے پیدا کیا حالانکہ تو کچھ نہ تھا کہا اے رب

نے رکھا اور دوسرے یہ کہ ان سے پہلے یہ نام کسی کا نہ رکھا گیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ امام حسین علیہ السلام بھی اسی طرح تھے کہ ایک تو خود حضرت حق سبحانہ نے ان کا نام رکھا اور دوسرے ان سے پہلے کسی کا نام حسین نہیں رکھا گیا۔

(۲) آپ نے فرمایا کہ حضرت یحییٰ کے قتل کے بعد چالیس دن تک سورج نے بکا کیا اور امام حسین کے قتل کے بعد بھی سورج چالیس دن رو دیا جب آپ سے سوال کیا گیا کہ سورج کے رونے کا کیا مقصد ہے تو آپ نے فرمایا کہ طلوع و غروب کے وقت اس کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے۔

(۳) حضرت امام حسین اور حضرت یحییٰ دونوں کے حمل کی مدت چھ چھ ماہ تھی۔

(۴) حضرت یحییٰ کا قاتل ولد الزنا تھا اور امام حسین کا قاتل بھی ولد الزنا تھا۔

(۵) ان دونوں کے قتل پر آسمان خون رو دیا جو کپڑا رکھتے تھے اس پر سرخ چھینٹے پڑ جاتے تھے۔

(۶) امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ دورانِ سفر میں حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت یحییٰ کا بہت ذکر فرماتے تھے کہ دنیا کی ذلت اور بے قدری کا ہی نتیجہ ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا کا سر بنی اسرائیل کی ایک بدکار عورت کو ہدیہ پیش کیا گیا شاید اس سے آپ اس امر کی طرف اشارہ فرما رہے تھے کہ میرا سر بھی دنیا کے بدترین انسان کے سامنے ہدیہ طور پر پیش کیا جائے گا۔

قَالَ رَبِّ ۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زکریا نے دعا کا سلسلہ ہی جوانی کی گھڑیاں گذر جانے کے بعد شروع کیا لیکن چونکہ دعا جوانی کے بعد مقبول ہوئی اور اثر استجابت اب ظاہر ہوا۔ اس لئے اس زمانہ میں ان کے دعا مانگنے کا ذکر کیا گیا۔ یقیناً آپ ایام شباب میں بھی طلب فرزند کی دعا مانگتے تھے اور دعا مانگتے مانگتے جوانی ختم ہو گئی اور بڑھاپا پورے جسم پر مسلط ہو گیا لیکن سلسلۂ دعا کو منقطع نہ کیا اور عوام الناس کے لئے آپ کا یہ طریقہ مشعل راہ ہدایت ہے کہ اگر فوری طور پر استجابت دعا نہ ہو تو مایوس ہو کر ترکِ دعا نہ کرنا چاہیئے چنانچہ حضرت زکریا کی دعا کے الفاظ ہیں۔ اے پروردگار میں تیری دعا سے بدظن اور ناامید نہیں ہوں اور خداوند کریم کے علم میں تھا کہ میں اس کو فرزند عطا کروں گا لیکن جوانی میں نہ دیا اور بڑھاپے میں عطا فرمایا اور یہ بات واضح کر دی کہ میں دعا قبول کرنے میں نبیوں کی خواہش کا بھی پابند نہیں ہوں بلکہ جسے دیتا ہوں اپنی مرضی کے مطابق دیتا ہوں اور میرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں یہ الگ بات ہے کہ ہر ایک کو اپنی حکمت پر مطلع نہیں کرتا۔

حضرت زکریا نے سوال کیا کہ کیسے بیٹا دے گا حالانکہ میری عورت بانجھ اور میں بوڑھا ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ

اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾

مقرر کر میرے سے نشانی فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں کے ساتھ نہ بولے گا تین دن پے در پے

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً

پس وہ نکلے اپنی قوم پر محراب سے تو ان کی طرف اشارہ کیا کہ تسبیح کرو صبح

حضرت زکریا کو خدا کی قدرت پر شک تھا کیونکہ پہلے فرما چکے تھے کہ میں تیری دعا سے مایوس نہیں ہوں گویا خدا کے قادر ہونے پر یقین کامل تھا تو دعا سے مایوس نہ تھے۔ بنابریں اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ کیا تو مجھے جوانی دوبارہ عطا کر کے بیٹا دے گا۔ اور میری عورت کو دوبارہ جوان کرے گا یا اسی موجودہ صورت میں بیٹا دے گا تو ارشاد باری ہوا کہ اسی حالت میں بیٹا دوں گا کیونکہ جس طرح تجھے پہلی بار پیدا کرنا میرے لئے مشکل نہیں تھا اسی طرح بڑھاپے اور بانجھ پن کی رکاوٹوں کو دور کرنا بھی میرے لئے مشکل نہیں ہے اور تفسیر صافی میں بروایت کافی معصوم سے منقول ہے کہ خدا نے حضرت عیسےٰ سے فرمایا کہ یحییٰ بھی تیری نظیر ہے کہ تجھ کو میں نے بغیر باپ کے پیدا کیا اور یحییٰ کی ماں کو میں نے یحییٰ اس حالت میں عطا کیا جب کہ عورت و مرد میں قوتیں ختم ہو چکی تھیں پس جس طرح تو میری قدرت کا مظہر ہے اسی طرح وہ بھی میری سلطنت کا مظہر ہے۔

قَالَ رَبِّ - بیٹے کی بشارت کے بعد پھر درخواست کی کہ اے پروردگار مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرما جس سے میں سمجھ جاؤں کہ اب بچہ عطا ہونے والا ہے اور لوگوں کو پتہ چل جائے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہوا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ تین دن تک لوگوں سے تو ہم کلام نہ ہو سکے گا۔ یہاں تین راتوں سے مراد تین شب و روز ہیں پس آپ تورات پڑھتے ذکر خدا کرتے تو ٹھیک ہوتے۔ لیکن جب لوگوں سے بولنا چاہتے تو زبان بند ہو جاتی چنانچہ پہلی بار جب محراب عبادت سے نکل کر باہر آئے تو زبان کو بند پایا پس لوگوں کو اشارے سے حمد خدا بجالانے کا حکم دیا اور لوگ چونکہ اس حقیقت کو جانتے تھے پس ان کو بھی آپ کی دعا کی منظوری کا یقین ہو گیا اور وہ تسبیح و تقدیس پروردگار میں مشغول ہوئے۔

مصلائے نماز کو محراب اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ شیطان کے جنگ کرنے کا مقام ہوتا ہے اور یہ کہ اس کا اصل استعمال شرفا کی مجالس کے لئے ہے اس کے بعد جائے عبادت پر استعمال ہوا اور ہمارے ہاں مسجد میں پیش نماز کے مقام نماز کو بالخصوص محراب کہا جاتا ہے جو کثیر الاستعمال مجاز ہونے کے بعد حقیقت کا لباس پہن چکا ہے تفسیر کی تیسری جلد میں صد ۲۲۳ پر محراب کے متعلق بیان ہو چکا ہے۔

یَا یَحْیٰی - یہاں عبارت محذوف ہے اور اختصار سے کام لیا گیا ہے یعنی زکریا کی دعا مستجاب ہوئی اور ہم نے اس کو بچہ عطا کیا اور اس کو علم و حکمت عطا کی پھر خطاب کیا اے یحییٰ کتاب تورات کو اپنی خداداد قوت کے ساتھ سنبھال لو۔ کہتے ہیں کہ حضرت زکریا صبح اور مغربین کی نمازیں لوگوں کو پڑھاتے تھے اور ایک بالاخانہ میں خود مصروف عبادت رہتے تھے۔ جس میں سیڑھی

وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾
و شام — اے یحیٰی لو کتاب کو قوت سے — اور ہم نے دی تھی نبوت اس کو بچپنے میں
وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ
اور نرمی اپنی جانب سے — اور پاکیزگی اور تھا متقی — اور احسان کرنے والا ماں باپ کے
يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ
ساتھ اور نہیں تھا سرکش نافرمان — اور سلام ہے اس پر یوم پیدائش اور یوم موت اور اس دن
وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ
جب زندہ مبعوث ہوگا — اور پڑھو قرآن میں مریم (کا قصہ) — جب الگ ہوئی

کے ذریعہ سے پڑھتے تھے پس زبان بندی کے بعد انہوں نے جھانک کر جب اشارہ کیا تو لوگوں کو پتہ لگا کہ ان کو اولاد ملنے کا زمانہ قریب آچکا ہے اور تین شب و روز آپ کی زبان بند رہی۔

اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ۔ ابن عباس کا قول ہے کہ تین برس کی عمر میں ان کو نبوت ملی۔ بروایت عیاشی علی بن اسباط سے منقول ہے کہ مصر جاتے ہوئے میں مدینہ سے گزرا تاکہ امام محمد تقی علیہ السلام کا حال معلوم کر کے جاؤں اور مصری شیعوں کو اطلاع دوں چنانچہ جب میں نے زیارت کی تو اس وقت آپ کی عمر شریف پانچ برس تھی پس میں نہایت غور سے دیکھنے لگا تو آپ نے فرمایا۔ اے علیؑ خدا نے امامت میں وہی دستور اختیار فرمایا ہے جو نبوت میں اس کا دستور رہا ہے۔ چنانچہ بعض نبی چالیس سال بعد مبعوث ہوئے اور بعض نبیوں کو بچپنے سے ہی یہ عہدہ تفویض کر دیا گیا۔

ایک دفعہ اپنے ہم سن بچوں نے حضرت یحیٰیؑ سے کھیلنے کو کہا تو آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ لہو و لعب کے لئے پیدا نہیں کئے گئے

حَنَانًا۔ یعنی رحم کرنا یا خوفِ خدا میں گریہ کرنا اور عبادت میں حسکارہنا ہم نے اس کو عطا کیا۔

سَلٰمٌ عَلَيْهِ۔ چونکہ انسان کے لئے توحش کے تین مقام ہیں۔ وقتِ پیدائش جب ایک نئی فضا میں آنکھیں کھولتا ہے۔ وقتِ موت کہ جب اہل انس سے آنکھیں بند کر کے ایک غیر معلوم جانب کی طرف روانہ ہوتا ہے اور تیسرا یوم محشر۔ پس خدا نے ہر سہ مقامات پر حضرت یحیٰی کے لئے سلامتی کا وعدہ کیا ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت محاسن امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت یحیٰی اپنی دعا میں یارب یا اللہ کہتے تھے تو آسمان سے ندا آتی تھی لبیک یا یحیٰی جو کچھ مانگنا ہے بے شک مانگ لو۔ اور تفسیر امام سے منقول ہے کہ چار بچے ایسے ہیں۔ جو بچپنے میں بھی کامل العقل تھے۔ حضرت عیسٰیؑ حضرت یحیٰی حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ۔

مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا

اپنی اہل سے ایک مکان میں جو جانب مشرق تھا پس تان لیا ان کے آگے ایک پردہ تو بھیجا ہم نے

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ

اس کی طرف اپنا روح پس وہ اس کے پاس ٹھیک انسان کی شکل میں گیا کہنے لگی میں اللہ کی پناہ چاہتی

بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ

ہوں اگر تو خوف خدا رکھتا ہے اس نے کہا میں تو صرف قاصد ہوں تیرے رب کا کہ تجھے

لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ

پاکیزہ بچہ دینے آیا ہوں کہنے لگی میرا بچہ کیسا ہوگا ؟ حالانکہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ

رکوع نمبر ۵
حضرت عیسٰی کی ولادت

وَاذْكُرْ۔ یعنی قرآن میں مریم کا ذکر پڑھو کیوں کہ قدرت خداوندی اور اس کی صنعت و حکمت میں اس کا عجیب مظاہرہ ہے عبادت کے لئے حضرت مریم نے اپنے اہل و عیال سے الگ تھلگ جانب مشرق میں ایک جگہ تجویز کی جس میں تنہا مصروف عبادت رہا کرتی تھیں تاکہ لوگوں کی بول چال اور شور و غل اس کی یکسوئی اور خضوع و خشوع میں خلل انداز نہ ہو۔ بنابریں ان کی جانب سے اس نے پردہ کھینچ لیا۔ پس خدا نے جبریل کو بھیجا اور شرافت و عظمت کی بنا پر اس کو اپنا روح کہہ کر ذکر فرمایا پس عالم تنہائی میں حضرت جبریل ایک بے ریش نوجوان مرد کی شکل میں ان کے پاس آیا پاکدامن خاتون دیکھتے ہی یک لخت گھبرا کر بولیں اگر تیرے دل میں کچھ خوف خدا ہے تو یہاں سے دور چلے جاؤ میں ایک پردہ دار پاکدامن بے شوہر عورت ہوں اور اپنے خالق کی عبادت میں مصروف ہوں۔ تقی کی شرط اسی لئے لگائی کہ بدکاری سے بچنے کی توقع تقی سے ہی ہو سکتی ہے جس طرح کہا جاتا ہے اگر تو مومن ہے تو فلاں کام کو چھوڑ دے کیونکہ غیر مومن سے تو توقع رکھنا ہی فضول ہے۔ جبریل نے سن کر فوراً جواب دیا کہ میں تو خدا کا فرستادہ ہوں اور تجھے ایک پاکیزہ بچہ کی خوشخبری دینے آیا ہوں۔ حضرت جبریل کا یہ کہنا کہ میں خدا کا فرستادہ ہوں اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ تجھے بچہ دینے والا خدا ہے اور میں اس کی جانب سے تجھے بشارت دیتا ہوں اگر خود بچہ دیتا ہوتا تو اپنے تئیں خدا کا فرستادہ کہنے کی ضرورت نہ تھی پس جو لوگ عوام کو گمراہ کرنے کی خاطر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جبرئیل مریم کو بچے کا ہبہ کر سکتا ہے تو آل محمدؐ کیوں نہیں کر سکتے۔ محض دھوکا دفریب ہے نیز حضرت عیسٰی کو حضرت جبریل کا ہبہ کہنا کفر ہے اور عقلاً بھی باطل ہے کیونکہ عطیہ کرنے والا اپنے عطیہ سے افضل ہوتا ہے۔ بنابریں جبریل کو عیسٰی سے افضل ہونا چاہیئے حالانکہ حضرت جبریل سے حضرت عیسٰی بدرجہا افضل ہیں اور ہم نے

اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗ

میں بدکار ہوں اس نے کہا اسی طرح تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور تاکہ کریں

اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ

اسکو نشانی لوگوں کے لئے اور رحمت اپنی طرف سے اور یہ بات فیصلہ شدہ ہے پس اس نے حمل لیا پس چلی

بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ

گئی اس کے ساتھ ایک دور جگہ پر پس لایا اس کو درد زہ ایک کھجور کے تنے کی طرف کہنے لگی

يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ

کاش میں مرگئی ہوتی اس سے پہلے اور میں بھلائی جانے والی معمولی شے ہوتی پس اس کو آواز دی نیچے سے کہ

کتاب لمعتہ الانوار میں اس مسئلہ کی مزید وضاحت کی ہے ۔ جناب مریم نے بچے کی خوشخبری سن کر گھبراتے ہوئے سوال کیا کہ عورت کے لئے بچے کا ہونا دو صورتوں سے ہوتا ہے یا تو وہ شوہر دار ہو اور یا بد چلن ہو لیکن نہ میں شوہر دار ہوں اور نہ بدکار ہوں ۔ پھر بچہ کیسے ہوگا ؟ حضرت جبریل کی یہ تسلی بھی اس امر کی دلیل ہے کہ بچے کا ہبہ اللہ کی جانب سے تھا اور جبرئیل پیغامبر تھا جبھی تو کہنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ خدا کہتا ہے میرے لئے یہ بات آسان ہے چنانچہ علامہ فیض کاشانی تفسیر صافی میں لِاَهَبَ کی تفسیر لِاَكُوْنَ سَبَبًا فِیْ هِبَتِهٖ فرماتے ہیں یعنی میں اس ہبہ میں سبب ہوں اور ہبہ کرنے والا اللہ ہے ۔

وَلِنَجْعَلَهٗ ۔ یعنی مریم کو بغیر شوہر بچہ دینے کے وجوہات مندرجہ ذیل ہیں ۔

(۱) اللہ ہر شے پر قادر ہے اور بغیر شوہر کے کسی عورت کو اولاد عطا کرنا اس کے لئے آسان ہے (۲) اس لئے کہ حضرت عیسیٰ کی بغیر باپ کے پیدائش لوگوں کے لئے ان کا مستقل معجزہ ہو اور پروردگار کی نشانی ہو جائے (۳) اس کو بغیر باپ کے پیدا کر کے عہدۂ نبوت دے کر اپنی رحمت سے اس کو ہادی و شفیع اُمت قرار دیدیا ۔ (۴) اس لئے کہ ایسا کرنے کا وہ خود فیصلہ کر چکا ہے اور وہ جو کچھ کرے اور جس طرح کرے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی ۔

فَحَمَلَتْهُ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جبرئیل نے اس کے قمیص کے دامن میں پھونک ماری پس وہ باذن خدا حاملہ ہوگئی جس طرح نو ماہ کی حاملہ عورت ہوا کرتی ہے پس شرماتی ہوئی اپنے مکان سے نکلی کہ کہیں اپنی خالہ اور خالو یعنی حضرت زکریا اور اس کی زوجہ دیکھ نہ لیں ۔ وضع حمل کے لئے دُور چلی گئیں ۔ ان کی مدت حمل میں ایک گھنٹہ تین گھنٹہ اور نو گھنٹے کے اقوال موجود ہیں اور وضع حمل کے وقت حضرت مریم کی عمر شریف دس برس تھی پس درد زہ کی تکلیف محسوس ہوئی تو ایک خشک کھجور کے تنے کے پاس پہنچی جو ایک اونچی جگہ پر تھا اس تنے پر نہ شاخیں تھیں اور نہ پھل تھا ۔

اَلَّا تَحۡزَنِیۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِیًّا ﴿۲۴﴾ وَ هُزِّیۤ اِلَیۡكِ بِجِذۡعِ

غمزدہ نہ ہو تیرے رب نے تیرے نیچے نہر پیدا کر دی ہے اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور

النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَیۡكِ رُطَبًا جَنِیًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِیۡ وَ اشۡرَبِیۡ وَ قَرِّیۡ عَیۡنًا ۚ فَاِمَّا

کے تنے کو کہ گرائے تیرے اوپر تازہ پکا پھل پس کھا اور پی اور ٹھنڈا کر اپنی آنکھ کو پس اگر

تفسیر صافی میں حضرت سجاد علیہ السلام سے مروی ہے کہ راتوں رات شام سے چل کر کربلا پہنچیں اور اس جگہ حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے پھر بصورت اعجاز صبح سے پہلے واپس پہنچ گئے۔

نَسۡیًا۔ اس کو نِسۡیًا بھی پڑھا گیا ہے اور اس کا معنی ہے حقیر اور معمولی چیز جس کو آسانی سے بھلا دیا جائے اور اسے قابل توجہ نہ قرار دیا جائے۔ پس گھبرا کر کہنے لگی کاش میں مرگئی ہوتی یا قابل ذکر نہ ہوتی۔

فَنَادٰهَا۔ یہ چونکہ ایک بلند جگہ پر تھیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ جبریل نے اس بلندی کے نیچے سے آواز دی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نوزائیدہ بچے نے باعجاز خداوندی ماں کی گھبراہٹ محسوس کر کے کلام کیا ہو۔ بہرکیف جانب پائیں سے صدا پہنچی اے مریم غم نہ کرو خداوند کریم نے تیری طہارت کی خاطر تیرے نیچے نہر پیدا کر دی ہے لہذا غسل کر لو اور اس کا شیریں پانی پی بھی لو۔ اور مروی ہے کہ یہ نہر پہلے خشک تھی پس حضرت مریم کے لئے خدا نے اس کو جاری کیا تاکہ اس کا غم غلط ہو جائے ادھر کھجور کو تازگی بخش دی کہ وہ تر و تازہ ہو کر بار آور ہو گئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جبریل نے پاؤں کی ٹھوکر ماری اور پانی پھوٹ نکلا اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ جہاں ایڑیاں رگڑ رہے تھے ان کے قدم کی برکت سے میٹھا پانی نکل آیا اور امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی قول مروی ہے اور زیادہ قوی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ نیچے سے آواز کرنے والا حضرت عیسیٰ ہی تھا اور مریم کی گھبراہٹ کا ازالہ اس ذریعے سے اچھی طرح ہو سکتا ہے۔

هُزِّیۤ اِلَیۡكِ ۔ اور یہ صدا بھی اسی نے ہی دی جس نے پہلی آواز دی کہ اس کھجور کو حرکت دیجئے تاکہ وہ تازہ پھل آپ پر گرائے یہ موسم سردی کا تھا اور مریم کی تسلی و اطمینان قلب کی خاطر قدرتِ خداوندی نے یہ مناظر پیش کئے (۱) نوزائیدہ بچہ کی زبانی تسکین آمیز کلمات نکلے (۲) خشک نہر فوراً جاری ہو گئی (۳) کھجور فوراً تر و تازہ ہو گئی اور اس کی شاخیں نکل آئیں (۴) حرکت دیتے ہی اس میں پھل نکلا اور چشم زدن میں پک گیا اور قدموں میں آگرا۔ مروی ہے کہ جناب مریم نے کھجور کے تنے کو پاؤں کی ٹھوکر ماری اور بقدرتِ خدا درخت نے ترندہ ہو کر پختہ پھل پیش کیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ نفاس والی عورت کو دکھ درد کے دفع اور فوری شفایابی کے لئے تازہ کھجور سے زیادہ مفید اور کوئی علاج نہیں ہے کیونکہ خداوند کریم نے حضرت مریم کے نفاس کے زمانہ میں میوہ کھجور ہی پیش فرمایا پس آواز پہنچی کہ تازہ کھجوریں کھاؤ اور نہر جاری سے پانی پی لو اور مروی ہے کہ نفاس والی عورت تازہ کھجور کھالے تو اس کا بچہ یا بچی حلیم ہوگا۔ (برہان) مریم کے زمانہ نفاس سے مراد ایام زچگی اس سے خونِ نفاس مراد لینا حماقت ہے۔

تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِىۡۤ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا	
دیکھو کسی انسان کو تو کہو میں نے منت مانی ہے خدا کے لئے روزہ کی پس نہیں	
فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ۚ﴿۲۶﴾ فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ	
کلام کروں گی کسی آدمی سے پس لائی اس کو اپنی قوم کے پاس اُسے اٹھائے ہوئے تھی کہنے لگے	

تفسیر صافی میں قمی سے مروی ہے کہ اس دن ایک میلہ تھا حضرت مریم کو راستہ میں چند جولاہے ملے جو اپنی پوری ٹھاٹھ سے خچروں پر سوار ہو کر آرہے تھے اور اس زمانہ میں یہ پیشہ نہایت قابل قدر اور باعث عزت سمجھا جاتا تھا۔ حضرت مریم نے ان سے خشک کھجور کی طرف راستہ پوچھا تو انہوں نے اس میں اپنی کسرِ شان سمجھی پس غیر مہذب انداز سے ان کو جھڑک دیا اور چل دیئے بی بی شکستہ خاطر ہوئی پس اُن کے حق میں بددُعا کی کہ خدا تمہارے پیشہ کو ذلیل کرے اور تم کو لوگوں میں معاشرتی رسوائی عطا کرے اس کے بعد بی بی کو راستہ میں ایک تاجروں کا گروہ ملا تو انہوں نے نہایت حُسنِ اخلاق سے راستہ کی نشاندہی کی۔ پس آپ نے ان کے حق میں دعا کی کہ خدا تمہارے کاروبار میں برکت دے اور لوگوں کو تمہارا حاجت مند قرار دے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ ولادت کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے حضرت مریم سے خطاب کر کے کہا۔ اماں جان مجھے قماط (بندھنا) باندھئے اور پھر فلاں فلاں کام کیجئے۔

کافی سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صادق علیہ السلام کوفے کے باغات میں پھرتے پھراتے ایک کھجور کے قریب پہنچے۔ پس وضو فرمایا اور رکوع وسجود کیا۔ راوی کہتا ہے میں نے سجدہ میں آپ کی پانچ سو مرتبہ تسبیح کی آواز سُنی۔ پس کھجور کے تنہ سے سہارا لے کر دعا مانگنے بیٹھ گئے اس کے بعد ارشاد فرمایا خدا کی قسم یہ وہی کھجور ہے جس کے متعلق حضرت مریم کو حکم ہُوا تھا کہ اس کو حرکت دو تاکہ تجھے تازہ پھل حاصل ہوں۔ (حضرت عیسیٰ کی کربلا میں ولادت والی روایت کی اِس روایت سے تائید ہوتی ہے)

نصیحت حضرت عیسیٰ ایک دفعہ ایک قبر کے پاس سے گذرے جس پر عذاب ہو رہا تھا جب دوسرے سال گذرے تو اس پر عذاب نہ تھا پس وحی ہوئی کہ اس کا لڑکا جوان ہو کر نیک اور یتیم پرور ہوا ہے پس میں نے اس کی بدولت اس کے گناہ بخش دیئے ہیں۔ (برہان)

قَرِّیۡ عَیۡنًا۔ آنکھیں ٹھنڈی کرنے سے مراد ہے کہ اپنے نوزائیدہ بچے کو اٹھالو اور اُسے اپنے سینے سے لگا کر دل خوش کرو گویا یہ الفاظ خدا کی جانب سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش کی مبارکباد کیلئے ہیں۔ کہتے ہیں خوشی کے آنسو آنکھ کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ خود ٹھنڈے ہوتے ہیں اور غمی کے آنسو گرم ہُوا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مریم نے اپنے لختِ جگر حضرت عیسیٰ کو اٹھالیا اور قوم کی طرف واپس پلٹنے کا ارادہ کیا لیکن نااہل قوم کے طعن وتشنیع کا خوف تھا اور ساتھ شرم وحیا بھی قدموں کو چلنے

لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ

اے مریم تونے اوپرا کام کیا ہے   اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ

سے روک رہا تھا پس ارشاد ہوا کہ گھبراؤ نہیں جب تم کسی انسان کو اپنی طرف آتا دیکھو اور وہ تم پر زبان طعن دراز کرے تو اس کو جواب مت دو اور یہ لفظ کہہ دو کہ میں روزہ دار ہوں لہذا کسی سے بات نہ کروں گی اور بنی اسرائیل میں ریاضت نفس کے لئے چپ کے روزہ کا دستور عام تھا چنانچہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو اٹھا کر واپس آگئیں جونہی قوم کو پتہ چلا تو زن و مرد انگشت ہائے عبرت منہ میں ڈال کر ہر طرف سے اعتراضات اور طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کرنے لگے کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ تیرا باپ کتنا اچھا تھا تیری ماں کس قدر نیک عورت تھی ہائے تونے کیا غضب کیا؟

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ جب ان لوگوں نے مریم کو محراب عبادت میں نہ پایا تو زکریا سمیت تلاش میں نکلے ادھر حضرت مریم حضرت عیسیٰ کو گود میں اٹھائے ہوئے جا پہنچیں پس جتنے منہ اتنی باتیں حتیٰ کہ بنی اسرائیل کی عورتیں حضرت مریم پر تھوکتی تھیں لیکن بی بی بالکل خاموش رہی اس وقت زمین پر حجت خدا حضرت زکریا تھے۔ جب حضرت عیسیٰ نے جھولے میں کلام کیا تو اس وقت سننے والوں کے سامنے حجت خدا حضرت عیسیٰ ہوئے پھر حضرت عیسیٰ بالکل خاموش ہو گئے اور دو سال کے بعد بولے پس حضرت عیسیٰ کی خاموشی کے بعد حضرت زکریا حجت خدا تھے دو سال کے بعد حضرت زکریا عالم بقا کی طرف رحلت فرما ہوئے اور حضرت یحییٰ ان کے وارث ہوئے۔ ان کی عمر شریف اس وقت بہت چھوٹی تھی چنانچہ آیت نمبر۱۲ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ تین برس کی عمر میں ان کو نبوت عطا ہوئی اس کے پانچ برس بعد حضرت عیسیٰ جب سات برس کے ہوئے تو وہ رسالت و نبوت کے عہدہ پر فائز ہوئے پس وہ حضرت یحییٰ پر بھی اور باقی لوگوں پر بھی حجت خدا تھے (اس روایت کی بنا پر حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے صرف ایک سال بڑے تھے) واللہ اعلم۔ اور امام رضا علیہ السلام سے ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ تین برس کی عمر میں عہدۂ نبوت پر فائز ہوئے (صافی)

تفسیر برہان میں کافی سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ حضرت علی جناب رسالتمآبؐ کی زندگی میں بھی حجت خدا اور واجب الاطاعت تھے لیکن حیات رسول تک حجت صامت تھے اور بعد از وفات حجت ناطق ہوئے۔

يَا أُخْتَ هَارُونَ اس میں چار اقوال ہیں (۱) ہارون اسی زمانہ میں ایک بہت نیک اور پارسا آدمی تھا پس نیک لوگوں کو اسی کی طرف نسبت دی جاتی تھی۔ (۲) ہارون مریم کا مادری بھائی تھا جو بڑا نیک تھا (۳) حضرت ہارون بن عمران کی چونکہ اولاد سے تھیں اس لئے یا اخت ھرون کہا گیا۔ جس طرح عربی دستور میں قریش کی اولاد کو یا اخا قریش اور تمیم کی اولاد کو یا اخا تمیم کہا جاتا ہے (۴) ہارون اس زمانہ میں ایک بدمعاش اور غنڈہ انسان تھا پس از راہ تحقیر انہوں نے مریم کی نسبت اس کے ساتھ دے دی۔

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ بحکم پروردگار خود خاموش رہیں اور اپنا روزہ دار ہونا ظاہر کر کے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھ لو۔ کہنے لگے یک نہ شد دو شد (علاوہ ازیں) ام کہہ کے پوری قوم کو بدنام کیا اور ساتھ ہمیں الو بنانا چاہتی ہے۔ کیسی

وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ

تیری ماں بدکار تھی — پس اس نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا کہنے لگے ہم کیسے بولیں

كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ

اس سے جو جھولے میں بچہ ہے — کہا (عیسےٰ نے) میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب دی ہے اور اس نے مجھے

جھولے میں جھولتے والے بچے نے بھلا بات کی ہے پس حضرت عیسیٰ بقدرتِ خدا گویا ہوئے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب دی ہے اور مجھے اس نے نبوت بھی عطا فرمائی ہے

معجزہ قرآن مجید کی ان آیات سے صاف واضح ہے کہ معجزہ غیر نبی سے بھی صادر ہو سکتا ہے اور یہ کہ معجزہ کا فاعل خود اللہ سبحانہ ہوا کرتا ہے حضرت مریم نبی نہیں تھیں لیکن معجزات بکثرت ان کے وجود سے صادر ہوئے اور ارشاد خداوندی ہے کہ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً پ سورہ المومنون یعنی ہم نے عیسیٰ اور اس کی ماں کو معجزہ بنایا۔ ○ فرشتہ کو بصورت بشر دیکھنا ○ فرشتے کا خوشخبری سنانا ○ بغیر شوہر کے ماں بننا ○ خشک نہر کا جاری ہونا ○ کھجور کا خشک ہونے کے بعد تازہ ہونا ○ کھجور پر پھل لگنا پک کر تیار ہونا اور مریم کی خدمت میں آنا ○ حضرت عیسےٰ کا ان کی عصمت میں گواہی دینا حالانکہ نوزائیدہ بچہ تھا وغیرہ یہ سب مریم کے معجزے ہیں جو اللہ کی قدرت سے صادر ہوئے

تنبیہ حضرت عیسیٰ کا بچپنے میں کلام کرنا خواہ وہ ایک دن کے ہوں یا تین روز کے ہوں یا باختلافِ اقوال چالیس دنوں کے ہوں ایسا معجزہ تھا کہ اس زمانہ کے اذہان کے لئے الوہیت کے اشتباہ کا موجب بن سکتا تھا کیونکہ جب ہر صاحب اقتدار اپنی قوت و طاقت اور فوج و رعیت کے گھمنڈ میں اپنے تئیں خدا کہلوا لیتا تھا اور عوام بلا دلیل و برہان اس کی خدائی کو تسلیم کرنے میں پس و پیش نہ کرتے تھے گویا خدا کا تصور اس قدر کمزور تھا کہ عوام بناوٹ اور حقیقت میں امتیاز پیدا نہ کر سکتے تھے تو ایسے حالات میں ایسے صاحبِ اعجاز پہ کیونکر خدائی کا شبہ نہ ہوتا جو قاعدۂ فطرت کی رُو سے نہ صرف قبل از وقت زبان کھول رہا ہو بلکہ اپنی زبان حق ترجمان سے علم و حکمت کے کلمات بول رہا ہو۔ پس آپ نے ایسے الفاظ منہ سے نکالے کہ ایک طرف جناب مریم کی خاطر عاطر سے رنج و اندوہ دور ہوا کہ نوزائیدہ بیٹا عصمت کا گواہ بن گیا اور دوسری طرف بے معرفت و بدلگام زبان دراز لوگوں کی بدکلامی کو ختم کر دیا کہ قبل از وقت بولنے والا بچہ قدرتِ خدا کا مظہر ہے لہذا پاک زادہ ہے لہذا اس کی ماں عصمت مآب خاتون ہے اور تیسرے گمراہی سے سادہ ضمیر لوگوں کو بچانے کے لئے اپنے کلام کی ابتدا اپنی عبدیت سے کی اور یہ بات ذہن نشین کرائی کہ میرا قبل از وقت کلام کرنا میری ذاتی قدرت سے نہیں بلکہ جس اللہ کا میں عبد ہوں یہ اسی کی قدرت کی ایک نشانی ہے پھر ان کے تعجب کو دفع کرنے کے لئے مزید یہ بھی فرما دیا کہ مجھے خدا نے کتاب بھی دی ہے اور نبوت کا عہدہ بھی عطا فرمایا ہے اور کتاب دینے کا مقصد یہ ہے کہ خدا نے بچپنے سے ان

کے عقل کو کامل بنایا اور ان کے سینے کو اپنی مقدس کتاب کے علوم کا محل قرار دیا اور نبوت کی ذمہ داریوں کا اس کو اہل بنایا اور باوجود اس کے کہ حضرت عیسیٰ نے دنیا میں قدم رکھتے ہی پہلا کلمہ جو اپنی زبان سے ادا فرمایا وہ یہ تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی تھی انہوں نے اس کی عبدیت میں شبہ کیا بعضوں نے ان کو خدا کہا بعضوں نے خدا کا شریک کہا اور بعضوں نے خدا کا بیٹا کہا اور تھوڑے اللہ کے بندے تھے جنہوں نے ان کو اللہ کا عبد اور اس کا رسول سمجھا۔ اسی مصلحت کی بناء پر خدا نے اپنے حبیب کا اہم معجزہ معراج بیان کرتے ہوئے ان کے ہر لقب کو چھوڑتے ہوئے صفتِ عبدیت کے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ یعنی اپنے بندے کو سیر کرائی۔ اَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی اپنے بندے کی طرف وحی کی جو کی۔ نیز نماز کے تشہد میں جہاں رسالت کی گواہی مطلوب ہوتی ہے عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سے یہی مفہوم واضح کیا جاتا ہے کہ ان کی عظمت و رفعت اور نبوت و رسالت کا اقرار کافی نہیں جب تک کہ پہلے ان کی عبدیت پر ایمان نہ لایا جائے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے تعارف میں اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ کے کلمہ کو مقدم کرتے تھے تاکہ معجزات کو دیکھ کر لوگ جادۂ حق سے بھٹک نہ جائیں اور مجھے خدا کہہ کر شرک کی وادی میں نہ گر پڑیں اور آپ کا فرمان ہے کہ میرے بارے میں دو قسم کے لوگ گمراہ ہوں گے مُحِبٌّ غَالٍ وَّمُبْغِضٌ قَالٍ ایک وہ جو ازراہِ محبت میرے بارے میں غلو کریں گے اور دوسرے وہ جو میرے ساتھ بغض رکھ کر مجھ سے دشمنی رکھیں گے۔

اور یقین جانیے کہ کسی کو حد سے بڑھانا بے جا اور اندھی محبت کی ہی پیداوار ہوا کرتا ہے اور ایک ضرب المثل میں ہے حُبُّ الشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ۔ یعنی کسی شئے کی محبت انسان کو (راہ حق دیکھنے سے) اندھا اور (کلمہ حق سننے سے) بہرہ کر دیا کرتی ہے یہودیوں نے اسی محبت کی بنا پر حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہا۔ نصرانیوں نے اسی محبت کے پیش نظر حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا۔ پس جس طرح حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنے والے سچے محب نہ تھے بلکہ محبت کے نام سے ان کی تعلیم اور شریعت کے دشمن تھے اسی طرح حضرت علیؑ کے حق میں غلو کر کے ان کو خدا یا خدا کا شریک کہہ کر ان کی محبت کا حق ادا نہیں ہوتا بلکہ ایسے لوگ یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح محبت کے نام سے ان کی تعلیم کے دشمن ہیں پس حضرت علیؑ کا سچا محب وہ ہے جو ان کو خدا کا بندہ سمجھے اور خلقِ خدا کا امام و پیشوا جانے۔ پس خالق رازق محی ممیت اور مدبر کائنات اس اللہ کی ذات ہے جس نے محمد مصطفےٰ کو سید الانبیاء بنایا اور علی مرتضےٰ کو ان کے بعد ساری کائنات سے افضل قرار دیا۔ پس محمدؐ و آل محمدؐ کو خدائی صفات مثلاً خلق رزق موت حیات وغیرہ میں شریک ماننا یا ان کو مختار کل قرار دینا یا ان کو اس کی خدائی کا مالک ماننا شرک اور کفر ہے ہاں ان کے معجزات کا انکار اور باقی کائنات پر ان کی فضیلت کا انکار ان کی ناقدر شناسی ہے پس نہ افراط کر کے ان کو خدا کا شریک بنایا جائے اور نہ تفریط کر کے ان کو اپنے مرتبہ سے کم مانا جائے بلکہ مومن وہ ہے جو ان کو اللہ کی ساری مخلوق سے افضل مانے اور اللہ کے سامنے ان کو عبد مطیع تسلیم کرے۔ ان کو اللہ کا محتاج مانے اور اللہ کو ان کا محسن سمجھے اور باقی تمام مخلوق کے لئے ان کو اللہ کی بارگاہ میں قرب کا وسیلہ قرار دے۔

نَبِيًّا ۝٣٠ وَجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ

نبی بنایا اور مجھے برکت والا بنایا میں جہاں بھی ہوں اور مجھے حکم دیا نماز

وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝٣١ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا

اور زکوٰۃ کا جب تک میں زندہ ہوں اور نیکی کا اپنی ماں کے ساتھ اور نہیں بنایا اس نے مجھے سرکش

شَقِيًّا ۝٣٢ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ

بدبخت اور سلام مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ

اُبْعَثُ حَيًّا ۝٣٣ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ

اٹھوں گا یہ ہے عیسٰی بن مریم (نہ وہ جو نصاریٰ کہتے ہیں) یہ سچی بات ہے جس میں

يَمْتَرُوْنَ ۝٣٤ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى

وہ شک کرتے ہیں نہیں جائز اللہ کے لئے کہ بنائے بیٹے وہ پاک ہے جب وہ کسی

اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٣٥ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ

شی کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ کن کہتا ہے اور وہ شی ہو جاتی ہے اور تحقیق اللہ میرا اور تمہارا رب ہے

وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكًا ۔ برکت کا معنی ہے خیر وبھلائی میں زیادتی یعنی میں جہاں بھی ہوں گا میری وجہ سے خیر وبھلائی میں زیادتی ہوگی۔ اور لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے اور اللہ نے مجھے نماز زکوٰۃ اور والدہ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم بھی دیا ہے جس نے میری وجہ سے مصائب برداشت کئے اور لوگوں کے طعن وتشنیع گوارا کئے ۔ آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جس طرح بچپنے میں کتاب ونبوت عطا ہوئی ۔ جو ان کے دعوے سے ثابت ہے اسی طرح احکام شریعت مثلاً نماز زکوٰۃ وغیرہ کے مبلّغ بھی بچپنے سے بن کر آئے ۔ اسی بناء پر مجمع البیان میں مذکور ہے کہ خدا نے حضرت عیسٰی کو بچپنے سے کامل العقل بنا کر بندوں کی طرف رسول کرکے بھیجا ۔ پس وہ اسی وقت مکلف وعاقل اور عہدۂ نبوت پر فائز تھے۔

ذٰلِكَ ۔ یعنی یہ ہے عیسٰی بن مریم کی حقیقت کہ وہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تھا نہ وہ جو عیسائی کہتے ہیں کہ خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا تیسرا شریک تھا پس سچی بات وہی ہے جو قرآن نے حکایت فرمائی ہے پھر مزید وضاحت کے لئے ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ کی شان یہ نہیں کہ اس کے ہاں بیٹا ہو کیونکہ یہ حادث مخلوق کی شان ہے اور اللہ اس سے اجل وارفع ہے وہ جب بھی کسی کو پیدا

فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ

پس اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے پس الگ الگ ہو گئے فرقے ان ہی میں

بَیْنِهِمْ ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۳۷﴾ اَسْمِعْ

سے پس ویل ہے کافروں کے لئے بڑے دن کی حاضری سے خوب سنیں

بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ

گے اور دیکھیں گے جب ہمارے پاس آئیں گے لیکن ظالم لوگ اس دن کھلی ہوئی گمراہی

مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ ۘ وَ هُمْ

میں ہوں گے اور ڈراؤ ان کو حسرت کے دن سے جب بات کا فیصلہ ہوگا حالانکہ وہ غفلت

کرنا چاہے تو اس کے ارادہ کن سے شے ہو جایا کرتی ہے اسی طرح اس نے اپنے امر و ارادہ سے عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا ہے اور وہ اس کی مخلوق ہے پس عیسائیوں کے تینوں مذاہب کے اعتقاداتِ فاسدہ کی اسی مختصر سی آیت میں تردید فرمادی بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام حضرت مریم کی پاکدامنی کی گواہی دے کر خاموش ہو گئے اور پھر اس وقت بولے جب بالعموم بچے بولا کرتے ہیں۔

وَاِنَّ اللّٰہَ۔ درمیان میں دو آیتیں جملہ معترضہ کی حیثیت سے ہیں اور یہ حضرت عیسٰی کے قول کا تتمہ ہے کہ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ اور وہی لائق عبادت ہے اور یہی سیدھا راستہ ہے اس میں اور اقوال بھی ہیں لیکن اظہر یہی قول ہے

فَاخْتَلَفَ۔ یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کے مذاہب الگ الگ ہو گئے کیونکہ مذہب کا اختلاف عقیدہ کے اختلاف کے تابع ہے پس ان میں چار مذہب ہو گئے (۱) یعقوبیہ جو عیسٰی کو خدا مانتے ہیں (۲) نسطوریہ جو عیسٰی کو اللہ کا بیٹا جانتے ہیں (۳) اسرائیلیہ یا ملکائیہ جو اقانیم ثلٰثہ کے قائل ہیں یعنی روح القدس مریم اور عیسٰی تینوں خدا کے مظاہر ہیں اور خدا ان سے باہر نہیں ہے یعنی خدا ایک کلی ہے جس کے یہ تینوں فرد ہیں (۴) مومن جو راہِ حق پر قائم رہے وہ عیسٰے کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول جانتے ہیں۔

اَسْمِعْ بِهِمْ۔ یہ دونو فعل تعجب کے لئے ہیں مقصد یہ ہے کہ دنیا میں اگرچہ حق کی بات کو سنتے ہیں اور نہ حقائق کو حقیقت بین نگاہوں سے دیکھتے ہیں یعنی کانوں اور آنکھوں کے باوجود بہرے اور اندھے ہیں لیکن ہماری بارگاہ میں بروز محشر پیش ہوں گے تو ان کے سامنے حقیقت کا پردہ چاک ہوگا اور وہ خوب سنیں گے اور دیکھیں گے لیکن اس وقت کی معرفت ان کو کچھ فائدہ نہ دے سکے گی۔

وَاَنْذِرْهُمْ۔ تفسیر مجمع البیان میں صحیح مسلم سے منقول ہے ابو سعید خدری نے جناب رسالتمآبؐ سے نقل کیا ہے آپ نے

فِي غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ

میں پڑے ہیں اور نہیں ایمان لاتے ہم ہی زمین کے وارث ہیں اور جو کچھ

عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿٤٠﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ

اس کے اوپر ہے اور ہماری طرف بلائے جائیں گے اور پڑھو کتاب میں ابراہیم کا قصہ تحقیق وہ

صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ

بلند مرتبہ صدیق تھا جب اس نے اپنے چچا کو کہا اے چچا کیوں عبادت کرتے ہو اس کی جو نہ سنے

وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ﴿٤٢﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ

نہ دیکھے اور نہ کچھ فائدہ دے سکے اے چچا مجھے وہ علم ملا ہے جو تیرے

الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾ يٰۤاَبَتِ

پاس نہیں پس میری اتباع کرو میں تجھے سیدھے راستہ کی ہدایت کروں گا اے چچا

لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾

نہ عبادت کرو شیطان کی تحقیق شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے

فرمایا جب اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو سب کو ندا دی جائے گی پس اپنی اپنی گردنیں بلند کر کے دیکھیں گے۔ دریں اثنا موت کو لایا جائے گا اور اس کو ذبح کیا جائے گا اور آواز آئے گی اے جنت والو خوش ہو اب موت نہ ہوگی اے دوزخیو! عذاب اٹھاتے رہو اب موت نہ ہوگی اور یہی حسرت کا دن ہوگا۔ حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اہل جنت والے اس قدر خوش ہوں گے کہ اگر موت ہوتی تو وہ خوشی کے مارے مر جاتے اور جہنم والے از راہ حسرت سرد آہ کھینچیں گے کہ اگر موت ہوتی تو وہ مر جاتے

قُضِيَ الْاَمْرُ - یعنی جنت اور جہنم کے داخلے کا فیصلہ مکمل ہو جائے گا

رکوع نمبر ۲

حضرت ابراہیم کا ذکر

یٰۤاَبَتِ - مذہب شیعہ کے اصول میں چونکہ انبیاء کے والدین کافر و مشرک نہیں ہوتے لہذا اب کا معنی یہاں باپ نہیں بلکہ قول مشہور کی بنا پر چچا مراد ہے اور ایک قول میں نانا بھی مراد

يَٰٓأَبَتِ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ ٱلرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ

اے چچا مجھے ڈر ہے کہ تجھے پہنچے عذاب اللہ کا پس تو ہو جائے گا

لِلشَّيْطَٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ ءَالِهَتِى يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ

شیطان کا ساتھی کہنے لگا کیا تو اعراض کرتا ہے میرے خداؤں سے اے ابراہیم

لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَٱهْجُرْنِى مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلَٰمٌ عَلَيْكَ

اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے پتھر ماروں گا اور مجھ سے دور ہوجا کہا کہ تجھ پر سلام ہو

سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىٓ إِنَّهُۥ كَانَ بِى حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا

میں بخشش طلب کروں گا تیرے لئے اپنے رب سے تحقیق وہ مجھ پر مہربان ہے اور میں تمہیں اور جن کو

لیا گیا ہے بہر صورت چچا نانا اور دادا پر اب کا اطلاق عام ہوا کرتا ہے علامہ طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی طرف سے اب کا خطاب اس شخص کے لئے ہے جس کو وہ باپ کے نام سے یاد کرتے تھے حالانکہ وہ ان کا نانا تھا اور ان کے باپ کا نام تارخ تھا۔ کیونکہ علمائے شیعہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت رسالتمآب کا آبائی سلسلہ تا آدم مسلمان و موحد تھا اور حضور کا فرمان بھی ہے کہ خدا مجھے ہمیشہ پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل فرماتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ میں تمہارے سامنے آگیا ہوں اور کافر کو پاک صلب سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

ہم نے آبا د نبی کا مسلمان ہونا کتاب لمعۃ الانوار میں مدلل بیان کیا ہے۔

دیکھئے کیسے دلکش انداز اور جاذب طبع طریقہ سے حضرت ابراہیم نے ایک کافر بزرگ کو ہدایت فرمائی اور کیسی خوش اسلوبی سے بتوں کی عبادت سے نفرت دلائی ہے کہ نہ وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی کام آسکتے ہیں لہٰذا ایسے بے کار قابل پرستش نہیں ہوسکتے بلکہ ان کی پرستش شیطان کی عبادت کے مترادف ہے جو عذاب خداوندی کا پیش خیمہ ہے پس اللہ ہی لائق عبادت ہے اور کافر کی تردید کا انداز بھی ملاحظہ کیجئے کہ کیسے تند و تلخ الفاظ سے عزیز یا بیٹے کہنے کی بجائے یا ابراہیم کہہ کر جھڑک دیا اور مارنے کی دھمکی بھی دی جو ہر جھوٹے اور ضدی مزاج انسان کا آخری حربہ ہوا کرتا ہے۔

لَأَرْجُمَنَّكَ - اس کے تین معانی کئے گئے ہیں (۱) میں تم پر پتھر ماروں گا (۲) میں تم سے بدکلامی یعنی سب وشتم کروں گا (۳) قتل کروں گا۔ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ اس قسم کے اوچھے حربے ہر وہ آدمی استعمال کیا کرتا ہے جس کے پاس اپنے مقابل کی تردید کے لئے کوئی معقول دلیل نہ ہو۔

مَلِيًّا - اس کے دو معنی کئے گئے ہیں (۱) لمبی مدت (۲) صحیح و سالم یعنی لمبی مدت تک یا صحیح و سالم مجھ سے دور ہوجا۔

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ

تم پکارتے ہو چھوڑتا ہوں اور اپنے رب کو بلاتا ہوں شاید میں اپنے رب کی دعا سے

رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ

ناکام نہ ہوں گا پس جب ان کو اور جن کی اللہ کے سوا وہ عبادت کرتے تھے چھوڑا تو

وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ

ہم نے اس کو بخشا، اسحٰق اور یعقوب اور سب کو ہم نے نبی بنایا اور بخشا ہم نے اس کو

مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾ وَاذْكُرْ

اپنی رحمت سے اور بنائی ان کے لئے سچی زبان بلند اور پڑھو

سَلٰمٌ عَلَيْكَ - یہ لفظ حضرت ابراہیم کی طرف سے جدائی کی ترجمانی کرتے ہیں کہ میرا تجھ پر سلام یعنی میں تم سے اب جدا ہو رہا ہوں۔

سَاَسْتَغْفِرُ - کہتے ہیں چونکہ مشرکین کے لئے استغفار کی منع نہیں تھی پس ان کی سابق محبت اور خدمت کے صلہ میں حضرت ابراہیمؑ نے ان کے لئے طلب مغفرت کا وعدہ کر لیا اور ممکن ہے یہ مقصد ہو کہ خدا سے تیرے لئے توفیق ایمان اور بخشش گناہان کی دعا مانگوں گا۔

عَسٰى - رجا اور امید کا لفظ ان کے خشوع و خضوع کو ظاہر کرتا ہے کہ باوجود مقبول بارگاہ رب العزت ہونے کے اللہ سے خوفزدہ رہ کر دعائیں مانگتے تھے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ - تفسیر صافی میں معصوم سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ میں رحمت سے مراد حضرت رسالتمآبؐ ہیں اور لسان صدق علی امیر المومنین ہیں۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم کے امتحان میں اپنے خاندان کی جدائی اور فراق بھی شامل تھا جس طرح قرآن میں اس کی حکایت موجود ہے۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ - الخ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نمرود کو علم نجوم کے ذریعے اطلاع دی گئی کہ ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کا تختہ الٹے گا اور ابھی تک وہ باپ کی صلب سے ماں کے شکم کی طرف منتقل نہیں ہوا۔ پس نمرود نے تمام عورتوں کو الگ کر کے شوہروں کے قرب سے روک دیا چونکہ حضرت ابراہیم کا باپ درباری تھا اس پر پابندی سخت نہ تھی پس حضرت ابراہیم کی والدہ حاملہ ہو گئی اور خدا نے ان کے حمل کو مخفی رکھا کہ دایہ عورتوں کو باوجود گہری تفتیش کے حمل کا علم نہ ہو سکا

پس جب آپ کی ولادت ہوئی تو ماں نے قتل کے ڈر سے ایک غار میں اس کو چھپا دیا اور اس کے منہ پر ایک پتھر رکھ دیا۔پس خدا نے ان کے انگوٹھے سے ان کا رزق مقرر فرما دیا کہ اسے چوستے تھے اور سیر ہو جاتے تھے اور دن میں ہفتہ کی طرح ہفتہ میں مہینہ کی طرح اور مہینہ میں سال کی طرح ترقی کرتے تھے پس کافی دنوں کے بعد جو ممتا کی محبت نے مجبور کیا اور ماں بیٹے کا حال معلوم کرنے کے لئے وہاں پہنچی تو دیکھا کہ بچہ صحیح و سالم ہے پس اس کو گلے لگایا اور دودھ پلا کر واپس پلٹ آئی پھر وقتاً فوقتاً کسی بہانہ سے آکر خبرگیری کرتی اور پلٹ جاتی تھی۔جب کچھ بڑے ہوئے تو ماں سے گھر آنے کے لئے اصرار کیا۔آخرکار باپ سے اجازت پاکر ماں اس کو گھر لائی اور ایک وقت تک مخفی صورت میں تربیت پاتے رہے اور جب حکم پروردگار ہوا تو دین خدا کے علمبردار بن کر منظر عام پر آئے۔اور پھر دوبارہ غیبت کی نوبت آئی جبکہ بادشاہ نے شہر سے نکال دیا چنانچہ قرآنی الفاظ اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ وَاَعْتَزِلُكُمْ۔یعنی میں تم سے جدا ہو رہا ہوں الخ (برہان) ایک دن حضرت ابراہیمؑ بطور عبرت سیر کے لئے نکلے دیکھا کہ ایک شخص نہایت خلوص سے عبادتِ خدا میں محو مناجات ہے وہ اُونی کھردرا لباس پہنے ہوئے تھا تو آپ منتظر رہے کہ ختم کرے گا تو بات کروں گا لیکن جب کافی دیر ہوگئی تو آپ نے ہاتھ سے اس کے شانے کو ہلا کر کہا میں تیری طرف ایک حاجت رکھتا ہوں پس اس نے عبادت کو مختصر کیا اور آپ کے پاس بیٹھ رہا۔آپ نے دریافت کیا تو کس کی عبادت کرتا ہے؟ تو اس نے کہا ابراہیمؑ کے خدا کی۔آپ نے پوچھا وہ کون ہے تو جواب دیا جس نے مجھے اور تجھے پیدا کیا ہے آپ نے فرمایا مجھے تیری ادا پسند ہے اور تجھ سے بھائی چارہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔بتاؤ تمہارا گھر کہاں ہے؟ تاکہ وقتاً فوقتاً ملاقات کے لئے حاضر ہو سکوں۔اس نے دریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس پانی سے پرلی طرف میرا گھر ہے لیکن میری جائے عبادت یہی مقام ہے جب آپ چاہیں میں یہاں ملوں گا۔انشاءاللہ پھر کہنے لگا کہ آپ کا کوئی مطلب بھی ہے؟ فرمایا۔ہاں اور وہ یہ کہ تم دعا کرو اور میں آمین کہوں اور میں دعا کروں اور تم آمین کہو۔اُس نے پوچھا کہ یہ دعا کس کیلئے تو آپ نے فرمایا گنہگار مومنوں کے لئے وہ کہنے لگا یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ میں نے تین سال ہوئے اللہ سے ایک دعا کا سوال کیا ہوا ہے ابھی تک وہ قبول نہیں ہوئی اس لئے دوسری دعا مانگتے ہوئے مجھے اللہ سے شرم آتی ہے حضرت ابراہیم نے دریافت فرمایا کہ وہ کونسی دُعا ہے تو کہنے لگا کہ میں ایک دن اسی مصلاّ پر مشغولِ عبادت تھا کہ ایک حسین وجمیل نورانی چہرے والا جوان جس کے گیسوئے معنبر پیچھے کی طرف لٹکتے تھے وہ گائیوں اور بکریوں کے ریوڑ کو ہانکے جا رہا تھا میرے سوال پر اس نے جواب دیا کہ میں ابراہیم خلیل کا فرزند اسمٰعیل ہوں۔پس اسی وقت سے خلیل کی زیارت کے لئے دست بدعا ہوں۔آپ نے فرمایا وہ ابراہیم خلیل میں ہوں اور وہ میرا لڑکا اسمٰعیل تھا پس وہ اللہ کا شکر بجالایا اور حضرت ابراہیم کو گلے سے لگا کر بوسہ دیا۔پس حضرت ابراہیم نے قیامت تک کے مومنوں کے لئے دعا مانگی۔اور اس نے آمین کہی۔امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی دعا قیامت تک کے لئے ہمارے گنہگار شیعوں کو فائدہ دے گی (ملخصًا از برہان)

فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝٥١ وَ

کتاب میں موسیٰ (کا قصہ) تحقیق وہ برگزیدہ اور بلند مرتبہ رسول تھا ہم

نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝٥٢ وَوَهَبْنَا لَهٗ

نے اس کو بلایا طور کے داہنی طرف سے اور ہم نے اس کو ہم کلامی کا قرب دیا اور بخشا

مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝٥٣ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ

اُسے اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی اور پڑھو کتاب میں اسمٰعیل (کا قصہ)

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝٥٤ وَكَانَ يَاْمُرُ

کہ وہ وعدہ کا سچا اور بلند مرتبہ رسول تھا وہ حکم دیتا تھا

اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝٥٥

اپنے اہل کو نماز و زکوٰۃ کا اور اللہ کا برگزیدہ تھا

رکوع نمبر ۷

حضرت موسیٰ کا ذکر الْاَیْمَنِ - علاقہ شام میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام طور ہے چونکہ حضرت موسےٰ علیہ السلام مدین سے آرہے تھے تو آپ کے دائیں طرف پہاڑ کا جو حصّہ تھا اُس سے آواز آئی اور ایمن جانب کی صفت ہے۔

رسول اور نبی میں فرق تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جب آپ سے رسول اور نبی کا معنی دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا۔ نبی وہ ہے جو آواز سُنے اور نیند میں واقعہ کو دیکھے لیکن فرشتہ کو نہ دیکھ سکے اور رسول وہ ہے جو آواز بھی سُنے۔ نیند میں واقعہ بھی دیکھے اور فرشتہ کو بھی دیکھ سکے۔
اس سے پہلے ہم نے تفسیر کی جلد ۳ ص ۲۲۸ پر رسول اور نبی میں فرق کے وجوہ بیان کئے ہیں۔

ولاءِ آلِ محمدؐ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ساتھ جو اللہ نے کلام کیا امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ میں پانچ شرطوں سے کسی کی نماز کو قبول کیا کرتا ہوں۔ (۱) میری عظمت کے لئے جھکے (۲) میرے خوف کو دل میں جگہ دے (۳) میری یاد میں دن گزارے (۴) گناہوں پر اصرار نہ کرے (۵) میرے اولیاء کا حق پہچانے حضرت موسےٰ نے سوال کیا کہ اولیاء سے مراد ابراہیم و اسحٰق و یعقوب ہیں؟ تو جواب ملا کہ وہ بھی ہیں لیکن اس

جگہ میری مراد ان سے ہے جن کی خاطر آدم وحوّا اور جنّت و نار کو میں نے خلق کیا ہے موسےٰ نے پوچھا وہ کون ہے؟ تو جواب ملا وہ وہ ہے جس کا نام میں نے اپنے نام سے مشتق کیا ہے کیونکہ میں محمود ہوں اور وہ محمدؐ ہے موسےٰ نے عرض کی اے پروردگار! مجھے اس کی امّت سے محشور فرما تو جواب ملا کہ جب تو اس کی اور اس کی اہلبیت کی معرفت حاصل کرے گا۔ تو اس کی امّت سے ہو جائے گا اور میرے نزدیک اس کی اور اس کی اہلبیت کی مثال باقی مخلوق کے مقابلہ میں اس طرح ہے جسطرح جنّت الفردوس دوسری جنّتوں کے مقابلہ میں ہے۔ ان کی معرفت جہل کے مقابلہ میں علم اور ظلمت کے مقابلہ میں نور ہے ان کی معرفت رکھنے والے کی دعا کو میں قبول کرتا ہوں اور طلب کرنے سے پہلے اس کی حاجت کو پُورا کرتا ہوں۔

اے موسےٰ جب فقر کو آتا دیکھو تو کہو مرحبا اے نیک لوگوں کا شعار و شیوہ۔ جب دولتمندی کو اپنی طرف متوجہ پاؤ تو کہو یہ کسی گناہ کی سزا ہے جس کی گرفت میں جلدی کی گئی ہے۔ اے موسیٰ دنیا تکلیف کا مقام ہے اور یہ ملعون ہے سوائے اس کے جو میرے لئے مخصوص ہے۔ میرے نیک بندے اس سے اتنا بچتے ہیں جتنا علم رکھتے ہیں اور باقی مخلوق اس کو اتنا چاہتی ہے جتنی اس سے جاہل ہے اور میری مخلوق سے کوئی آدمی ایسا نہیں جس نے اس کو عظیم سمجھا پس اس کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی ہو اور کوئی آدمی ایسا نہیں جس نے اس کو حقیر سمجھا ہو اور فائدہ مند نہ ہُوا ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر تم کر سکتے ہو کہ گم نام رہو تو ایسا ہی کرو کیونکہ لوگوں کا تعریف نہ کرنا تمہارے لئے نقصان دہ نہیں ہے اور لوگوں کی مذمت تمہیں ضرر نہیں دیتی جب اللہ کے نزدیک تم قابل حمد ہو حضرت امیر المومنین فرمایا کرتے تھے دنیا صرف دو قسم کے آدمیوں کے لئے خوب ہے ایک وہ جو ہر روز نیکی کی طرف قدم بڑھاتا رہے اور دوسرے وہ جو توبہ پر موفق ہو لیکن توبہ کیسی؟ خدا کی قسم! اگر سجدہ کرتے کرتے اس کی گردن ٹوٹ جائے جب تک ہم اہلبیت کی ولا نہ رکھتا ہوگا ہرگز قبول نہ ہوگی اور جو شخص ہماری ولا رکھے ہمارے حق کو پہچانے اور ہماری دوستی سے ثواب کی اُمید رکھے تو معمولی گذر اوقات، معمولی لباس اور معمولی مکان پر راضی رہے گا اور وہ اس حالت میں بھی خوفزدہ رہے گا (ملخصاً از برہان)

وَوَهَبْنَا لَهُ - حضرت موسےٰ علیہ السلام نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ مجھے میری اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر مقرر کر پس اسی کی طرف اشارہ کرکے فرما رہا ہے کہ ہم نے اس کی اہل سے اس کے بھائی ہارون کو نبوت عطا کرکے اس کو ساتھی عطا کیا

اسمٰعیل کا ذکر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام قوم جرہم کی طرف نبی مبعوث ہوئے تھے وہ وعدہ کے اس قدر پابند تھے کہ ایک دفعہ ایک شخص سے کہا کہ فلاں مقام پر تیرا انتظار کروں گا اس کو بھُول گیا لیکن حضرت اسماعیل اس کے انتظار میں ایک سال وہاں ٹھہرے رہے یہ روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے بعض کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل کا اپنے باپ کی زندگی میں انتقال ہوگیا تھا اور آیت مجیدہ میں جس اسماعیل کا ذکر ہے۔ وہ اسمٰعیل بن حزقیل ہے انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی تو ان ظالموں نے ان کو گرفتار کرکے ان کے سر اور منہ کا چمڑا اتار لیا۔ پس وہ اس طرح شہید ہوئے خداوند کریم نے ان کو قوم کے عذاب میں اختیار دیا تو انہوں نے معذرت کر دی کہ مجھے اللہ کا

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝۵۶ وَّرَفَعْنٰهُ

اور پڑھو کتاب میں ادریس (کا قصہ) تحقیق وہ بلند مرتبہ صدیق تھا اور ہم نے

مَكَانًا عَلِيًّا ۝۵۷ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

اس کو بلند کیا بلند مکان پر یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا

ثواب درکار ہے اس کی اپنی مرضی ہو تو ان کو عذاب دے ورنہ ان کو معاف کر دے ایک روایت میں ہے جب فرشتہ نے ان سے قوم کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے مجھے حضرت حسین علیہ السلام کی طرح صبر و شکر محبوب ہے۔

ادریسؑ کا ذکر یہ حضرت نوح کا دادا تھا اور تورات میں ان کا نام اخنوخ مذکور ہے۔ درس کتب کی وجہ سے ان کا نام ادریس ہو گیا اور اولاد آدم میں سے یہ پہلا شخص ہے جس نے قلم سے لکھنے کی ابتدا کی اور کپڑے سینے کی ایجاد کی۔ اور مروی ہے کہ خدا نے ان کو علم نجوم، علم حساب اور علم ہیئت تعلیم کیا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ چوتھے اور پانچویں آسمان کے درمیان ان کی رُوح قبض کی گئی۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا، مجھے جبریل نے خبر دی کہ ایک فرشتہ بصورتِ عتاب زمین پر اتارا گیا تو وہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس بغرضِ شفاعت حاضر ہوا۔ آپ نے تین شبانہ روز عبادت میں بسر کئے کہ رات کو نماز اور دن کو روزہ رکھتے تھے پھر بوقتِ سحر اس معتوب فرشتہ کے حق میں انہوں نے دعا کی تو فرشتے نے عرض کی کہ آپ کی دعا مستجاب ہے چنانچہ میرے پر و بال ٹھیک ہو گئے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اس احسان کا حسبِ مقدور بدلہ دوں۔ آپ نے فرمایا میری ملک الموت سے ملاقات کرا دیجئے۔ تاکہ اس کے ساتھ مانوس ہو جاؤں کیونکہ میں جب اس کو یاد کرتا ہوں تو مجھے کوئی شے اچھی نہیں لگتی پس وہ فرشتہ اٹھا کر حضرت ادریس کو آسمان اوّل پر لے گیا، وہاں سے دوسرے، تیسرے، چوتھے کو عبور کر کے جا رہے تھے کہ چوتھے اور پانچویں کے درمیان ملک الموت سے ملاقات ہوئی کہ اس کا چہرہ ترش روئی کو ظاہر کر رہا تھا حضرت ادریس نے ملک الموت سے ترش روئی کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا یہ تعجب کا اثر ہے میں ابھی زیر عرش موجود تھا کہ مجھے پروردگار کی جانب سے چوتھے اور پانچویں آسمان کے درمیان ایک آدمی کے رُوح کے قبض کرنے کا حکم صادر ہوا اور اس غرض سے یہاں پہنچا ہوں، پس حضرت ادریسؑ گھبرا کر تڑپے اور فرشتے کے پروں سے الگ ہو گئے پس ملک الموت نے ان کے رُوح کو قبض کر لیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مسجد سہلہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ یہاں ادریس نبی کا گھر تھا اور اس میں وہ کپڑے سیا کرتے تھے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّةِ ص۱۵۸ ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آدم و نوح و ابراہیم و اسرائیل کی ذریت سے شمار کرنے سے ثابت

النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ

نبیوں میں سے اولاد آدم سے اور ان سے جن کو ہم نے سوار کیا نوح کے ساتھ اور اولاد

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ

ابراہیم و اسرائیل سے اور ان سے جن کو ہم نے ہدایت کی اور چُن لیا جب پڑھی جائیں

اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

ان پر اللہ کی آیتیں تو گر جاتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے پس ان کے بعد آئے

خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ

ناخلف لوگ کہ ضائع کیا نمازوں کو اور اتباع کی خواہشات کی پس وہ پائیں گے اس کا

غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

انجام بد مگر جو توبہ کرے اور نیک عمل بجا لائے تو وہ داخل

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ۨ الَّتِيْ

ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے کچھ بھی رہائشی باغات جن کا

ہوا کہ لڑکی کی اولاد حقیقی معنوں میں ذرّیت کہلاتی ہے اور حسنین شریفین کے فرزند رسول ہونے کے ثبوت میں معصوم نے یہ آیت پیش کی تھی۔

سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا۔ اس مقام پر سجدہ قرآنی مستحب ہے اور اس کا طریقہ تفسیر کی چھٹی جلد میں مذکور ہو چکا ہے ص۱۵۱

فَخَلَفَ۔ یعنی ان برگزیدہ نبیوں کے بعد ایسے لوگ انبیاء کی جگہ پر مسلط ہوئے اور برسر اقتدار آئے جو نمازیں ضائع کرتے اور شہوات کی اتباع کرتے تھے تفسیر مجمع البیان میں وہب سے مروی ہے کہ انبیاء کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے جو شراب نوش شطرنج باز شہوت راں لذات کے دلدادہ تارکِ جمعہ اور نمازوں کے ضائع کرنے والے تھے اور نتیجہ یہ ہوا کہ دین کا حلیہ بگڑ گیا اور کفر عام ہو گیا۔ پس عذابِ خداوندی کی لپیٹ میں آگئے۔ اسلام میں حضرت محمد مصطفٰے کے بعد تاریخ نے اپنے سابق کو خوب دُہرایا ہے قرآن مجید کا امم سابقہ کے قصّوں کو بیان کرنا عبرت ناک درس ہے کاش اُمّتِ اسلامیہ اس سے استفادہ کر کے حق و باطل میں امتیاز کرنے کی جرأت کرتی حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک قربانی پیش کر کے خواب رفتہ امّت کو جھنجھوڑ

وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

وعدہ کیا ہے خدا نے اپنے بندوں سے غائبانہ تحقیق اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا نہ سنیں گے

فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿٦٢﴾

اس میں لغویات مگر سلام اور ان کے لئے ان کا رزق ہوگا اس میں صبح اور شام

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾ وَمَا

یہ جنت وہ ہے جس کے وارث بنائیں گے ہم اپنے بندوں سے اس کو جو متقی ہوگا اور ہم

نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ

نہیں اترتے مگر تیرے رب کے حکم سے اس کا ہے جو کچھ ہے ہمارے سامنے ہے اور جو پیچھے ہے اور جو اس کے

کر جگا دیا ہے پس نیک نصیب ہیں وہ لوگ جو ان کی تعلیمات کو مشعل راہ قرار دیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ ۔ پہلے جنت کو واحد کے صیغے سے تعبیر کیا گیا اور اس جگہ جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا مطلب یہ ہے کہ جنت (باغ) متعدد باغات پر مشتمل ایک وسیع و عریض دار الجزاء ہے جس کا اللہ نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا ہے غائبانہ اس لئے کہ مومنوں نے دیکھا نہیں ہے اور اس پر ایمان لاتے ہیں۔

مَاْتِيًّا ۔ اسم مفعول بمعنی فاعل ہے کیونکہ اتی اور ماتی میں تلازم ہے۔

سَلٰمًا ۔ یا تو فرشتے ان کو سلام کریں گے یا خود ایک دوسرے پر سلام کریں گے

لَهُمْ رِزْقُهُمْ ۔ تفسیر صافی میں بروایت محاسن و طب آئمہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے جسمانی تکالیف اور بدہضمی کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کھانا صرف صبح اور شام دو وقت کھاؤ اور درمیان میں کچھ نہ کھاؤ کیونکہ اس سے بدن فاسد ہو جاتا ہے اور آپ نے اس آیت سے استشہاد پیش فرمایا۔ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ میں جنت سے مراد عالم برزخ کی جنت ہے جہاں مومنوں کی روحوں کو ٹھہرایا جائے گا کیونکہ صبح اور شام کا تعین صرف دنیا میں ہی ہے۔ آخرت کی جنت میں جب سورج کا نظام ہی نہ ہوگا تو صبح و شام کا کیا مقصد۔ اور بعض مفسرین نے جنت الخلد مراد لے کر صبح اور شام سے مقدار مراد لی ہے۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ ۔ ماہ مبارک کی دعاؤں بلکہ احادیث متکثرہ میں وارد ہے کہ جنت کے وارث محمد و آل محمد اور ان کے شیعہ ہیں۔ اور وراثت جنت کی مفسرین نے ایک توجیہ یہ کی ہے کہ ہر شخص کے لئے جنت اور دوزخ میں ایک ایک گھر بنایا گیا ہے پس مومن کو اپنا دوزخ کا گھر دکھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اگر تو کافر اور بدعمل ہوتا تو تجھے اس مکان میں بھیجا جاتا پس مومن عذاب خداوندی

ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

درمیان ہے اور نہیں تیرا رب بھولنے والا رب آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے درمیان

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۗ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ وَيَقُوْلُ

ہے اسی کی عبادت کر اور صبر کر اس کی عبادت پر کیا تم جانتے ہو کوئی اس کا شریک ؟ اور انسان کہتا

الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ

ہے کیا جب میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا؟ تو کیا انسان اس بات کو

سے نجات حاصل کرنے پر شکر بجالائے گا اور اس کی خوشی میں زیادتی ہوگی چنانچہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۷ کا یہی مقصد ہے اسی طرح کافر اور بدعمل کو جنّت کا گھر دکھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اگر تو مومن اور نیک عمل ہوتا تو تجھے یہ گھر دیا جاتا پس آتش جہنّم کے ساتھ اس پر آتش حسرت کا عذاب بڑھا دیا جائے گا پس مومن نیک عمل کو جنّت میں اپنے گھر کے علاوہ کافر کے متروکہ گھر کا وارث اور کافر بدعمل کو جہنّم میں اپنے گھر کے علاوہ مومن کے متروکہ گھر کا وارث بنایا جائے گا۔ یا یوں سمجھئے کہ ظالم کافر بدعمل پر اپنے عذاب کے علاوہ مظلوم کی بعض لغزشوں کا بوجھ بھی ڈال دیا جائے گا اور مظلوم مومن کو اپنی جزا کے ساتھ ظالم کی بعض نیکیوں کی جزا کو ملا کر اس کی خوشی میں اضافہ کر دیا جائے گا اور روایاتِ بکثرت اس ناطق پر موجود ہیں۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ ۔ اس کی شانِ نزول کے متعلق مفسرین نے ذکر کیا ہے جب اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق کفار نے حضور سے دریافت کیا اور آپ نے وعدہ فرمایا لیکن وحی کے نزول میں تاخیر ہوگئی تو آپ نے جبریل سے تاخیر کی وجہ پوچھی پس جبریل نے یہ جواب دیا کہ ہم امر پروردگار سے ہی اترتے ہیں وہ جب چاہے جہاں چاہے ہم اس کی مخالفت نہیں کرتے ۔ یہ جامع قرآن بزرگ کی جوڑ توڑ سمجھئے کہ یہ آیت کہاں سے کہاں پہنچ گئی ۔ ایسے حالات میں آیات کا آپس میں ربط تلاش کرنا بالکل بے معنی ہے اور مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ اہلِ جنّت کا مقولہ ہے یعنی وہ کہیں گے کہ ہم جنّت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہوتے مگر امر پروردگار سے ۔

بَيْنَ اَيْدِيْنَا ۔ اس کی کئی توجیہات ہیں (۱) سامنے سے مراد آخرت پیچھے سے مراد دنیا اور درمیان سے مراد اسرافیل کی پہلی صور سے دوسری صور تک کا فاصلہ جو کہ چالیس برس کا ہوگا۔ (۲) ابتدائے پیدائش انتہائے زندگی اور درمیانی حصّہ مراد ہے (۳) دنیا میں ماضی مستقبل اور حال مراد ہے (۴) زمین آسمان اور فضا مراد ہے (مجمع)

هَلْ تَعْلَمُ ۔ انعامات و احسانات بیان کرنے کے بعد اپنی توحید کا اعلان فرمایا کہ کیا اور کوئی ذات ہے جس کو خالق رازق محی ممیت اور ثواب و عقاب پر قادر کا نام دیا جائے ۔ سوائے اس ایک خدا کے اور جب ایسا نہیں ہے تو اسی کی عبادت

أَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ

یاد نہیں کرتا کہ ہم نے پہلے اس کو پیدا کیا تھا تو وہ کچھ بھی نہ تھا پس قسم تیرے رب کی ان کو

وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾ ثُمَّ

اور شیطانوں کو ہم ضرور جمع کریں گے پھر ان کو حاضر کریں گے جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل پھر

لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

گھسیٹیں گے ہر جماعت سے اس کو جو زیادہ سخت ہوگا اللہ پر سرکشی میں

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ

پھر ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں جلنے کے زیادہ سزاوار ہیں اور نہیں کوئی

اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي

تم میں سے مگر یہ کہ اس میں داخل ہوگا یہ تیرے رب کا حتمی فیصلہ ہے پھر نجات دیں گے

الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى

ان کو جو ڈرتے تھے اور چھوڑ دیں گے ظالموں کو اس میں گھٹنے ٹیکنے والے اور جب پڑھی جائیں

کرو اور اس کی عبادت پر ڈٹ جاؤ

رکوع نمبر ۸

وَيَقُوْلُ ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کا شان نزول اس طرح منقول ہے کہ اُبَیّ بن خلف جمحی نے ایک مردہ آدمی کی بوسیدہ ہڈیاں اٹھائیں اور انہیں اپنی انگلیوں میں مسل کر باریک خاکستر کو ہوا میں اڑا دیا اور کہنے لگا کہ محمدؐ کا خیال ہے ہم اس طرح بوسیدہ و خاکستر ہو کر دوبارہ زندہ کئے جائیں گے حالانکہ یہ ناممکن ہے پس یہ آیت اتری۔

اَوَلَا يَذْكُرُ ۔ آیت مجیدہ میں حشر و نشر پر عقلی استدلال ہے کہ جو ذات اپنی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ سے پہلی دفعہ بغیر وجود مادہ کے ایجاد پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر یقیناً قادر ہے۔ کیونکہ ایجاد اعادہ سے مشکل تر ہے۔ پس جو ایجاد کر سکتا ہے وہ اعادہ پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے۔

لَنَحْشُرَنَّهُمْ ۔ یعنی مجرم لوگوں کے ساتھ وہ شیطان بھی محشور ہوں گے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا اور جہنم کے اس پاس گھٹنوں

عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا ۙ اَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ

ان پر ہماری آیتیں واضح تو کہتے ہیں وہ جو کافر ہیں ان کو جو مومن ہیں ہم دو میں سے

خَيۡرٌ مَّقَامًا وَّاَحۡسَنُ نَدِيًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ

کونسا گروہ اچھی قیام گاہ اور اچھی مجلس رکھتا ہے اور کس قدر ہلاک کئے ہم نے اس سے پہلے

کے بل کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے پر تبرّا کریں گے۔

لَنَنۡزِعَنَّ ۔ یعنی مجرموں کے سرغنوں کو پہلے پہل جہنّم کی طرف گھسیٹ لیا جائے گا پس ان کے بعد ان کی جماعت کو داخل جہنّم کیا جائے گا۔ جس طرح جنّت میں جانے کے لئے بھی ترتیب اسی طرح ہوگی کہ پہلے پیشرو جنّت میں جائے گا پھر اس کے پیچھے اس کی اُمّت و پیروکار داخل جنّت ہوں گے۔

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ ۔ اِنۡ مانافیہ کے معنی میں ہے اور اس کا اسم اَحَد محذوف ہے اور وَارِدُهَا اس کی خبر ہے اور اِلَّا کی وجہ سے عمل نہیں کر رہا۔ اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) ھا، کی ضمیر کا مرجع جہنّم ہے اور ورود کا معنی دخول نہیں بلکہ اس کے قریب پہنچ جانا ہے یعنی ہر ایک آدمی نیک و بد جہنّم کے قریب پہنچے گا (۲) ھا، کی ضمیر کا مرجع عرصۂ محشر ہے یعنی ہر انسان عرصہ محشر میں موجود کیا جائے گا (۳) ھا، کی ضمیر کا مرجع جہنّم اور وارد کا معنی دخول ہے یعنی ایک دفعہ ہر آدمی کو جہنّم میں داخل کیا جائیگا لیکن اس کی آگ مومنوں کیلئے برد و سلام ہوگی اور کافروں کیلئے باعث عذاب ہوگی (۴) عقائد صدوق میں ہے کہ ھا، ضمیر کا مرجع پل صراط ہے کہ ہر ایک کو اس سے گذرنا ہوگا (لمعۃ الانوار)

تفسیر مجمع البیان میں عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ تمام لوگ جہنّم میں داخل ہوں گے اور پھر اپنے اپنے اعمال کے لحاظ سے وہاں سے نجات پاکر نکلیں گے۔ پس بعض بجلی کی طرح کئی ہوا کی طرح کئی گھوڑے کی رفتار سے بعض شتر سوار کی طرح بعض دوڑتے ہوئے اور بعض عام انسانی رفتار سے نجات پاجائیں گے اور جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے اس نے اپنے کانوں کی طرف انگلیوں کا اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسولِ خدا سے نہ سُنا ہو۔ آپ نے فرمایا ہر نیک و بد جہنّم میں داخل ہوگا لیکن مومنوں پر آتش جہنّم سرد ہو جائے گی جس طرح حضرت خلیل کے لئے برد و سلام ہوئی تھی حتٰی کہ دوزخ اس ٹھنڈک سے گھبرا کر چیخے گا (۴) ھا، ضمیر کا مرجع پُل صراط ہے اور ہر ایک کو اس سے گزرنا ہوگا (صافی)

مجمع البیان میں یعلی بن مُنبہ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا تَقُوۡلُ النَّارُ لِلۡمُؤۡمِنِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ جُزۡ يَا مُؤۡمِنُ فَقَدۡ اَطۡفَاَ نُوۡرُكَ لَهَبِيۡ ۔ یعنی آگ مومن کو کہے گی اے مومن جلدی سے گزر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلے خاموش کر دیئے ہیں۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ آگ جامد ہو جائے گی اور اس کے اُوپر تمام مخلوق کو جمع کیا جائے گا پس ایک منادی ندا کرے گا کہ تو اپنوں کو لے لے اور میرے چھوڑ دے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جسطرح ماں اپنے بچّے کو پہچانتی ہے اس سے بھی زیادہ جلدی وہ اپنوں کو پہچان لے گی حسن بصری نے ایک آدمی کو ہنستے ہوئے

أَحْسَنُ أَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿۷۴﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ

لوگ جن کے لباس اور شکلیں بہت اچھی تھیں کہہ دو جو گمراہی میں ہو تو ڈھیل دیتا ہے اس کو خدا

الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰى إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا

ڈھیل لمبی یہانتک کہ جب دیکھیں گے اس کو جن سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی یا عذاب (دنیا) اور یا عذاب

السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

آخرت تو جان لیں گے کہ کس کی منزل بدتر ہے اور کس کی جماعت کمزور تر ہے

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ

اور زیادہ کرتا ہے اللہ ان کے لئے جو ہدایت پائیں (اسباب) ہدایت اور باقی رہنے والی نیکیاں خوب ہیں

دیکھا تو کہا کہ تجھے علم ہے کہ تجھے ایک دفعہ جہنم میں ڈالا جائے گا کہنے لگا کہ ہاں پھر حسن نے پوچھا کہ اُس سے نکلنے کا بھی علم ہے کہنے لگا کہ نہیں تو حسن نے کہا پھر ہنستا کیوں ہے؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا ہر نیک و بد کو جہنم میں کیوں ڈالے گا تو اس کا جواب تفسیر مجمع البیان میں احادیث سے اخذ کر کے یہ دیا گیا ہے کہ جنتیوں کو جنت میں داخل ہونے سے پہلے دوزخ اس لئے دکھایا جائے گا کہ وہ جنت کی نعمات کی قدر کو سمجھیں اور اللہ کے فضل و احسان کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ خوشی محسوس کریں۔ اسی طرح جہنمیوں کو بھی جہنم کے داخلے سے پہلے جنت دکھائی جائے گی تاکہ ان کے عذاب اور دُکھ میں اور زیادتی ہو اور مروی ہے کہ دنیا میں بخار کا ہونا دوزخ کی گرمی سے ہے چنانچہ حضورؐ ایک مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے بخار کی گرمی بھی دوزخ کی گرمی سے ہے مَیں دنیا میں اپنے عبد مومن کو دوزخ سے بچانے کے لئے دیتا ہوں تاکہ دنیا میں اپنا حصّہ وہ لے لے۔

تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا بخار موت کا پیغام بر اور دنیا میں مومن کا قید خانہ ہے اور یہی مومن کا دوزخ سے اپنا حصّہ ہے۔ نیز آپ نے جناب رسولِ خدا سے روایت کی کہ بخار موت کا پیغام بر اور زمین میں اللہ کی مقرر کردہ جیل ہے اس کی گرمی دوزخ کا حصّہ ہے اور مومن کے لئے آتش دوزخ کا یہی بدلہ ہے اور اعتقادات سے مروی ہے کہ جب مومن جہنم میں جائیں گے تو ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ ہاں وہاں سے نکلتے ہوئے ان کو دُکھ پہنچے گا اور یہ تکالیف اس کی دنیا میں لغزشوں کا بدلہ ہوں گی۔

قَرْنٍ۔ اس کا معنی سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۷ کے ذیل میں گزر چکا ہے ج۱۹ ص۱۴۲

أَحْسَنُ أَثَاثًا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کفارِ مکہ مثلاً نضر بن حارث اور اس کے ساتھی بالوں کو سنوار کر لباس فاخرہ

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا

تیرے رب کے نزدیک ثواب اور اچھی جزا کے لئے کیا تو نے دیکھا ہے اس کو جس نے انکار کیا ہماری

وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ

نشانیوں کا اور کہا کہ (قیامت) کو میں دیا جاؤں گا مال و اولاد کیا مطلع ہوا ہے غیب پر یا لے لیا ہے

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ

اس نے اللہ سے عہد ہرگز نہیں ہم لکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور لمبا کر دیں گے اس کے عذاب

مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا مِنْ

کو بہت زیادہ اور ہم لیں گے جو وہ کہتا ہے (مال و اولاد کو بذریعہ موت) اور وہ اکیلا ہمارے پاس آئے

دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ

گا اس نے بنالئے اللہ کے علاوہ اور معبود تاکہ وہ اس کے مددگار ہوں ہرگز نہیں وہ تو انکار کریں گے

پہن کر اپنی صورت و لباس پر فخر کرتے تھے اور اصحابِ نبی کو طعنہ دیتے تھے، پس یہ آیت اتری۔

وَالْبَاقِيَات ۔ اس کی تفسیر سورۂ کہف کی آیت نمبر ۴۶ کے ذیل میں گذر چکی ہے صنا۔ اور ان سے مراد ہر وہ نیک کام ہے جس کا ثواب باقی رہے اور دنیا و آخرت میں اس کے لئے فائدہ مند ہو۔

اَفَرَءَيْتَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں خباب بن ارت سے مروی ہے کہ میرا عاص بن وائل پر قرضہ تھا (یہ شخص قریشی تھا اور اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا) راوی کہتا ہے میں اس سے اپنا حق مانگنے کے لئے گیا تو وہ کہنے لگا محمد کا انکار کر و تب دوں گا۔ میں نے کہا یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا تو کہنے لگا اچھا تمہارے اعتقاد کے مطابق جب میں قیامت میں اٹھوں گا اور مجھے مال و اولاد بھی دوبارہ ملے گی تو جو تیرا قرضہ ہے چکا دوں گا۔ بروایت برہان اس نے کہا کہ تم کہتے نہیں ہو کہ جنت میں سونا چاندی اور ریشم ملے گا؟ خباب نے کہا ہاں تو وہ کہنے لگا اچھا جنت میں جا کر دے دوں گا کیوں کہ خدا کی قسم جنت میں دنیا کی بہ نسبت مجھے زیادہ نعمات حاصل ہوں گی پس اس کی تردید میں یہ آیتیں اتریں۔

كَلَّا ۔ اس لفظ کا استعمال قرآن مجید کے پہلے پندرہ پاروں میں کہیں نہیں ہوا۔ اور آخری پندرہ پاروں میں کل تینتیس مرتبہ استعمال ہوا ہے اور اس کا استعمال چار قسموں پر ہے۔ (۱) اس پر وقف کرنا بھی درست ہے جب کہ پہلے مضمون کی تردید اس سے مقصود ہو اور اس کو حرفِ تنبیہ قرار دے کر اگلے جملے کے لئے اس سے ابتدا بھی جائز ہے یہاں آیت ۷۹-۸۲ میں

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ ع أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا	
ان کی عبادت کا اور ان کے خلاف ہو جائیں گے کیا تم دیکھتے نہیں ہو ہم نے مسلط	
الشَّيٰطِينَ عَلَى الْكٰفِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ	
کیا شیطانوں کو کافروں پر کہ وہ اُن کو خوب اُبھارتے ہیں (گناہوں پر) پس نہ جلد بازی کرو ان پر	
إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾	
تحقیق ہم (ان کا عمل یا وقت) گن رہے ہیں اس دن (کو یاد کرو کہ) جمع کریں گے متقیوں کو رحمٰن کی طرف وفد کی صورت میں	

دونو وجہیں جائز ہیں اور اس قسم کے مقامات قرآن میں کل دس ہیں (۲) وقف کرنا درست ہوتا ہے اور حرف ابتدا نہیں بنایا جاسکتا جیسے اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ قَالَ كَلَّا - اَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ قَالَ كَلَّا (۳) وقف کرنا درست نہ ہو اور حرف ابتدا قرار دینا درست ہو جیسے كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اور اس قسم کے مقامات قرآن میں انیس ہیں (۴) نہ وقف درست ہو اور نہ حرف ابتدا بنانا صحیح ہو اور یہ دو مقامات پر ہے۔ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ان دو مقامات پر ثُمَّ پر وقف کر کے کلّا سے ابتداء کرنا بھی درست نہیں اور کلّا پر وقف کرنا بھی جائز نہیں۔

رکوع نمبر ۹

نَعُدُّ لَهُمْ - تفاسیر میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہاں سانس گننا مراد ہے (اور تحت اللفظ ترجمہ میں ہم نے عام قول نقل کیا ہے) انسان کی ہر سانس اپنی موت کی طرف ایک قدم شمار ہوتا ہے اور ہر سانس کو لکھا جاتا ہے خواہ نیکی کے ارادہ سے ہو خواہ برائی کی نیت سے ہو۔

جنّت میں داخلہ

يَوْمَ نَحْشُرُ - تفسیر صافی و برہان میں بروایت آئمہ منقول ہے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا اے علی مجھے اُس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور رُوح کو پیدا کیا کہ متقی لوگ جب اپنی قبروں سے نکلیں گے تو فرشتے جنت کی سواریاں لے کر ان کا استقبال کریں گے جن پر یاقوت اور موتیوں سے جڑی ہوئی زینیں ہوں گی ان پر سندس اور استبرق کا غلاف ہوگا اور ارغوانی رنگ کی پیٹی اور زبرجدی لگام ہوگی۔ سامنے دائیں اور بائیں ایک ایک ہزار فرشتے ہمرکاب ہوں گے وہ سواریاں پرواز کر کے جنت کے بڑے دروازہ پر ان کو لائیں گی۔ وہاں ایک بہت بڑا درخت ہے جس کا ایک پتہ ایک لاکھ آدمی کو سایہ دے سکتا ہے اس درخت کے دائیں طرف ایک پاک و پاکیزہ چشمہ ہے جس سے وہ پئیں گے پس ان کے دلوں سے حسد وغیرہ ختم ہو جائے گا اور جسم کے بال صاف ہو جائیں گے اور یہی شراب طہور ہے اس کے بعد درخت کے بائیں طرف کے چشمے سے غسل کریں گے جو آبِ حیات ہے پس ان پر موت نہ آئے گی۔ پس ہر قسم کی

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ

اور ہانکیں گے مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسے نہ مالک ہوں گے شفاعت کے

اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ

مگر جو لے لیں اللہ سے عہد اور وہ کہتے ہیں رکھتا ہے خدا

وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

اولاد (ان سے کہئے) تحقیق تم نے بہت بڑی بات کہی قریب ہے کہ پھٹ جائے اس سے آسمان اور شگافتہ

وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ

ہوجائے زمین اور گر جائیں پہاڑ دھماکے سے کہ انہوں نے تجویز کر لی اللہ کے لئے

وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ

اولاد حالانکہ اولاد رکھنا اللہ کی شان نہیں ہے نہیں کوئی چیز

تکلیف و آلائش سے پاک وصاف ہو کر عرشِ پروردگار کے سامنے آئیں گے تو فرشتوں کو حکم ہوگا کہ میرے دوستوں کو باقی مخلوق سے الگ رکھو اور ان کو جنت کی طرف لے چلو۔ چنانچہ جنّت کے دروازہ پر پہنچ کر فرشتے کنڈی کھٹکھٹائیں گے۔ جس کی آواز حُوریں سُن کر ایک دوسری کو خوشخبری دیں گی۔ پس دروازے کھُلیں گے اور وہ نہایت سکون و اطمینان سے اپنے اپنے محلّات کی طرف روانہ ہوں گے اور حورانِ جنت استقبال کے لئے آگے بڑھ کر مرحبًا کہیں گی۔ الحدیث۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے حضرت علی علیہ السلام نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہوں گے تو آپ نے فرمایا یہ تیرے شیعہ ہوں گے تو ان کا پیشرو ہوگا۔

نَسُوْقُ - کافروں، مشرکوں اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیادہ اور پیاسا لے جایا جائے گا

لَا يَمْلِكُوْنَ - یعنی نہ اُن کی کوئی شفاعت کرے گا اور نہ وہ کسی کی شفاعت کر سکیں گے۔

عَهْدًا - تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عہد سے مراد حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا اقرار ہے

وصیّت نامہ تفاسیر امامیہ میں اس جگہ عہد سے مراد وصیت نامہ بھی لیا گیا ہے اور اس کی پہلے معنی سے کوئی منافرت نہیں ہے۔ چنانچہ کافی فقیہ اور تہذیب سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بسلسلۂ آبائے طاہرین جناب رسالتمآبؐ سے نقل فرمایا کہ جو شخص موت سے پہلے وصیت نہیں کرتا اس کی مروت اور عقل

فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ

آسمانوں اور زمین میں مگر وہ اللہ کی عبد ہے تحقیق اللہ کا علم

وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

ان پر محیط ہے اور وہ ان کی تعداد کو جانتا ہے اور سب آئیں گے اس کے پاس قیامت کے دن تنہا

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے کرے گا ان کے لئے خدا محبت (مومنوں کے دلوں میں)

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا

پس ہم نے اس کو آسان کیا تیری زبان پر تاکہ خوشخبری سناؤ متقیوں کو اور ڈراؤ اس کے ساتھ ضدی

میں کمی ہے جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ وصیت کا کیا طریقہ ہے تو آپ نے فرمایا جب وفات کا وقت آئے اور لوگ جمع ہوں تو کہے - اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الرَّحْمٰنَ الرَّحِيْمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ فِيْ دَارِ الدُّنْيَا اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَاَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَاَنَّ النَّارَ حَقٌّ وَاَنَّ الْبَعْثَ وَاَنَّ الْحِسَابَ حَقٌّ وَالْقَدْرَ وَالْمِيْزَانَ حَقٌّ وَاَنَّ الدِّيْنَ كَمَا وَصَفْتَ وَاَنَّ الْاِسْلَامَ كَمَا شَرَعْتَ وَاَنَّ الْقَوْلَ كَمَا حَدَّثْتَ وَاَنَّ الْقُرْاٰنَ كَمَا اَنْزَلْتَ وَاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ جَزَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا خَيْرَ الْجَزَاءِ وَحَيَّا مُحَمَّدًا وَاٰلَ مُحَمَّدٍ بِالسَّلَامِ اَللّٰهُمَّ يَا عُدَّتِيْ عِنْدَ كُرْبَتِيْ وَيَا صَاحِبِيْ عِنْدَ شِدَّتِيْ وَيَا وَلِيِّيْ فِيْ نِعْمَتِيْ اِلٰهِيْ وَاِلٰهَ اٰبَائِيْ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَاِنَّكَ اِنْ تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ اَقْرُبُ مِنَ الشَّرِّ وَاَبْعُدُ مِنَ الْخَيْرِ فَاٰنِسْ فِي الْقَبْرِ وَحْشَتِيْ وَاجْعَلْ لِّيْ عَهْدًا يَوْمَ اَلْقَاكَ مَنْشُوْرًا - اس کے بعد اپنے دوسرے ضروری مطالب کا ذکر کرے اور یہی وہ عہد ہے جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور وصیت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور ضروری ہے کہ اس وصیت کو پڑھ لے اور یاد کرلے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے رسولؐ خدا نے اسی طرح تعلیم کی اور جبریل اس کو اسی طرح لایا۔

اَقُوْلُ - اصولِ مذہب کی رُو سے شہادتِ رسالت کے بعد علی سے مہدی علیہم السلام تک آئمہ کا نام بھی شامل کرلیا جائے نیز اس وصیت نامہ کو لکھ کر انسان اپنے پاس رکھے کیونکہ موت کا کوئی وقت معین نہیں ہے اور خوش نصیب ہے وہ بندہ

لُدًّا ﴿۹۷﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۭ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ

لوگوں کو اور کس قدر ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے قوموں کو کیا محسوس کرتے ہو

مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع

ان میں سے کسی کو یا سنتے ہو کسی کی آواز ؟

جو سوتے وقت وصیت نامہ اپنے سرہانے کے نیچے رکھ کر سوئے اور اسی مضمون کی آئمہ سے روایات بھی منقول ہیں۔

(عَلٰی مَا حُکِیَ)

اِنَّ الَّذِیْنَ ۔ اس آیت مجیدہ کا مصداق حضرت علی علیہ السلام ہے۔ تفسیر اہل بیتؑ میں ہے کہ رسالت مآب نے حضرت علی کو یہ دعا تعلیم کی ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّیْ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ وُدًّا ۔ یعنی اے اللہ مومنوں کے دلوں میں میری محبت پیدا کر۔ پس یہ آیت اُتری اور صافی میں مروی ہے کہ نماز کے بعد حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے حق میں باواز بلند یہ دُعا کی اے اللہ مومنوں کے دلوں میں علی کی محبت پیدا کر اور منافقوں کے دلوں میں علی کا رُعب وہیبت پیدا کر پس یہ آیت اُتری۔

قَوْمًا لُّدًّا ۔ تفسیر صافی میں ہے اس سے مراد بنی اُمیہ ہیں۔

تفسیر برہان میں مناقب بن مغازلی سے بروایت ابن عباس مروی ہے کہ رسالتمآبؐ نے میرا اور علی کا ہاتھ پکڑا۔ پھر چار رکعت نماز پڑھی اور ہاتھوں کو بلند کر کے دعا مانگی ۔ اَللّٰهُمَّ سَاَلَكَ مُوْسٰى بْنُ عِمْرَانَ وَاَنَا مُحَمَّدٌ اَسْئَلُكَ اَنْ تَشْرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَتُیَسِّرَ لِیْ اَمْرِیْ وَتُحَلِّلَ لِیْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ عَلِیًّا اُشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ وَاَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ ۔ ابن عباس کہتا ہے میں نے منادی کی آواز سُنی کہ آپ کی دُعا مقبول ہے ۔ پس آپ نے حضرت علیؑ کو دُعائے سابق تعلیم فرمائی جب علیؑ دعا مانگ چکے تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ ۔ الخ ۔ حضرت رسالتمآبؐ کی دعا جس میں حضرت علیؑ کی وزارت کی خواہش کی گئی باختلاف الفاظ سورہ طٰہٰ کی تفسیر میں صفحہ ۱۲۰ ، پر مفصل ذکر کی گئی ہے ۔ استاد العلماء مولانا سید محمد باقر اعلی اللہ مقامہ نے روایت مذکورہ کو درمنثور سے بحوالہ ابن مردویہ خطیب اور ابن عساکر نقل فرمایا ہے ۔ ملاحظہ ہو کتاب المجالس المرضیہ صفحہ ۲۱۳ ۔

سُوْرَۃُ طٰهٰ

- یہ سورۂ مکیہ ہے اور اس کی آیات بسم اللہ کے بغیر ایک سو پینتیس ہیں۔
- مجمع البیان میں حدیث نبوی سے وارد ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا مہاجرین و انصار کے برابر اس کو ثواب ملیگا۔
- امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ طٰہٰ کی قرأت کو نہ چھوڑو اللہ اس کو اور اس کے ہمیشہ پڑھنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور قیامت کے دن اس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا اور خدا اس کی لغزشوں سے درگزر کریگا اور اس کو اتنا ثواب دے گا کہ وہ راضی ہو جائے گا۔
- جو شخص اس کو لکھ کر ریشم سبز میں باندھ کر اپنے پاس رکھے پس اس قوم کی طرف جائے جہاں شادی کرنا چاہتا ہے تو اس کی خواہش کو رد نہ کیا جائے گا
- اگر لڑنے والے دو گروہوں میں گھس جائے تو وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔
- اگر سلطان جائر کے پاس جائے تو اس کے شر سے محفوظ رہے گا اور وہ اس کی تمام حاجات پوری کرے گا۔ اور اس کے نزدیک اس کا وقار ہو گا۔
- اگر کسی قوم کی اصلاح کے لئے جائے تو کامیابی حاصل ہوگی اور اس کی کوئی بھی مخالفت نہ کرے گا۔
- اگر بادشاہ سے ستم رسیدہ ہو تو اس کا پانی پی کر اپنے ظالم سلطان کے پاس جائے تو بقدرتِ خدا اس کے ظلم سے محفوظ ہو جائے گا۔
- جس عورت سے کوئی شادی نہ کرتا ہو یا کافی دیر تک بغیر شادی کے وقت گذار رہی ہو۔ پس اس کے پانی سے غُسل کرے تو اس کی شادی جلدی ہو جائے گی۔
- اگر کوئی شادی کا خواہش مند آیت ۱۳۱-۱۳۲ یعنی وَلَا تَمُدَّنَّ سے لِلتَّقْوٰی تک زعفران سے لکھ کر اپنے دائیں بازو پر باندھ کر خواستگاری کے لئے جائے تو باذنِ پروردگار اس کا مطلب پُورا ہو گا اور لڑکی والے انکار نہ کریں گے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

طٰهٰ ① مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ② اِلَّا تَذۡكِرَةً

طٰہٰ ہم نے نہیں نازل کیا قرآن کو تاکہ آپ مشقت کریں مگر نصیحت ہے

لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ③ تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ④

اس کے لئے جو ڈرے نازل ہوا اس کی جانب سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو

رکوع نمبر ۱۰

طٰہٰ کی تفسیر اس میں پانچ اقوال ہیں (۱) حروفِ مقطعاتِ قرآنیہ میں سے ہے جس کی تاویل تفسیر کی دوسری جلد الم کے بیان میں گزر چکی ہے (۲) وَطأً ۔ یَطأُ سے امر کا صیغہ طَأْ بنتا ہے پس ہمزہ کو ھاء سے تبدیل کر کے طٰہٰ بنا لیا گیا اور بعضوں نے لفیف مفروق وَطا ۔ یَطا سے طَ امر کا صیغہ اور ھاء کو حالتِ وقف میں بڑھا دیا۔ اور قرأت کے لحاظ سے طٰہٰ ۔ طِہٖ ۔ طَہْ کا اختلاف قراء میں پایا جاتا ہے اور اس کا لغوی معنی ہے کہ زمین پر پورے قدم کو جما کے رکھو ۔ کیونکہ منقول ہے کہ حضورؐ نماز کے قیام میں ایک پاؤں پکڑے ہوتے تھے تاکہ بارگاہِ پروردگار میں زیادہ سے زیادہ کوفت اور تکان کی تکلیف کو سہیں (مجمع) اور بعض روایات میں ہے کہ آپ پاؤں کی انگلیوں پر قیام فرماتے تھے اور طولِ قیام کی وجہ سے پاؤں پر ورم آجاتے تھے۔

پس یہ آیتیں اُتریں کہ پورے قدموں کو زمین پر ٹیک کر قیام کریں اور زیادہ مشقت نہ اٹھائیں (ربہ ع)

(۳) قسم کے قائمقام ہے اور بعد والی آیت جوابِ قسم ہے (مجمع)

(۴) ابن عباس سے منقول ہے کہ طٰہٰ یارجل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کلبی نے استشہاد کے طور پر عربوں کے اشعار میں اس استعمال کو پیش کیا ہے ۔ ایک عرب کا شعر ہے ۔ ؏

هَتَفۡتُ بِطٰهٰ فِي الۡقِتَالِ فَلَمۡ يُجِبۡ ۔ الخ

یعنی میں نے لڑائی کے دوران میں اس شخص کو بلایا

دوسرے نے کہا ہے ۔ ؏

اِنَّ السَّفَاهَةَ طٰهٰ مِنۡ خَلَائِقِكُمۡ

یعنی تحقیق بیوقوفی اے شخص تمہاری عادتوں میں سے ہے

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
رحمٰن جو عرش (حکومت) پر غالب ہے اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین
الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ
میں ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے اور اگر بلند آواز کرو تو وہ جانتا
فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ
ہے راز کو اور اس سے زیادہ مخفی چیز کو اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے لئے اسماء

(۵) طٰہٰ جناب رسالتمآبؐ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے کلبی سے فرمایا کہ قرآن مجید میں جناب رسالتمآبؐ کے دس نام ہیں پس آپ نے یہ نام گنوائے۔ محمد۔ احمد۔ عبداللہ۔ طٰہٰ۔ یٰس۔ ن۔ مدثر۔ مزمل اور آخر میں فرمایا کہ ذکر بھی حضور کا نام ہے اور ہم اہل الذکر ہیں پس جو چاہو پوچھ لو وہ کہتا ہے کہ خدا کی قسم اس وقت مجھے سارا قرآن ہی بھول گیا پس کچھ نہ پوچھ سکا۔ ایک روایت میں ہے آپ نے سفیان ثوری سے فرمایا کہ طٰہٰ حضورؐ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس کا معنی ہے طالب حق اور ہادی۔

اَلْعُلٰى۔ علیا کی جمع ہے جس طرح دُنیا اور دُنیٰ۔

توحید کا بیان عَلَى الْعَرْشِ۔ خداوند کریم چونکہ جسم و جسمانیات سے پاک ہے لہذا یہ معنی غلط ہے کہ وہ عرش پر ساکن ہے کیونکہ وہ ہر شے پر محیط ہے اور کوئی شی اس کا احاطہ نہیں کر سکتی اسی بناء پہ پوری کائنات کے مجموعہ کو بھی عرش کہا گیا ہے یعنی پوری مخلوق پر وہ کامل تسلط رکھتا ہے اور اس کو اقتدار کلی حاصل ہے ہم نے اس کی ضروری وضاحت کتاب لمعۃ الانوار کے دوسرے حصہ میں کر دی ہے۔ نیز تفسیر کی جلد ۶ صہ ۴۲ پر بھی اس کی تشریح گذر چکی ہے تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص کہے کہ خدا کسی شی سے ہے یا کسی شی میں ہے یا کسی شی پر ہے وہ جھوٹ کہتا ہے ایک زندیق کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا اس کی مصنوعات کا وجود اس امر کی دلیل ہے کہ ان کو کسی بنانے والے نے بنایا ہے جس طرح ایک اچھی بلڈنگ کو دیکھ کر بنانے والے کا یقین ہو جاتا ہے حالانکہ اس کو دیکھا نہیں ہوتا۔ زندیق نے سوال کو دہرایا کہ وہ کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا وہ ذات تمام اشیاء سے الگ ہے نہ جسم ہے نہ صورت نہ اس کو حس پا سکتی ہے اور نہ وہ ٹٹولی جا سکتی ہے نہ حواس ظاہرہ اس کو پا سکتے ہیں اور نہ اوہام اس تک پہنچ سکتے ہیں نہ اس کو وقت گھٹا سکتا ہے اور نہ زمانہ اس میں تغیر پیدا کر سکتا ہے اور سلسلۂ کلام کو جاری

الْحُسْنٰى ﴿٨﴾ وَهَلْ أَتٰكَ حَدِيثُ مُوسٰى ﴿٩﴾ إِذْ رَا نَارًا

حُسنیٰ ہیں اور کیا پہنچی تیرے پاس بات موسیٰ کی جب اس نے آگ دیکھی

فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا

تو گھر والی سے کہا ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (جاتا ہوں) تاکہ لاؤں اس سے ایک چنگاری یا پالوں

بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾ فَلَمَّا أَتٰهَا نُودِيَ

آگ پر (راستے کا) پتہ تو جب وہاں پہنچا اس کو ندا آئی

يٰمُوسٰى ﴿١١﴾ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

اے موسیٰ میں تیرا رب ہوں پس اُتار اپنا جوتا تحقیق تو وادیٔ مقدس

رکھتے ہوئے ایک اعتراض کے جواب میں فرمایا عرش پر استواء کا معنی یہ نہیں کہ وہ اس پر بیٹھا ہے بلکہ مقصد یہ ہے۔ کہ وہ عرش پر حاوی اور مسلط ہے۔ سائل نے اعتراض کیا کہ اگر خدا ایک جگہ کا پابند نہیں اور وہ ہر جگہ ہے تو دُعا کے وقت ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے علم وقدرت کی نگاہ میں فوق وتحت سب یکساں ہیں لیکن اس نے اپنے اولیاء اور نیک بندوں کو دُعا کے وقت ہاتھ اُوپر اٹھانے کا حکم دیا ہے کیونکہ مقام عرش کو اس نے اپنے رزق (عطا) کا معدن قرار دیا ہے۔ الخبر۔

اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ۔ اوصاف بیان کرنے کے بعد اپنی توحید کا اعلان فرمایا کہ میرے سوا کوئی نہیں جو الٰہ کا مصداق ہو۔ اسمائے حسنہ پروردگار کے متعلق بحث تفسیر کی چھٹی جلد ص۱۳۷ تا ص۱۴۲ پر موجود ہے نیز جلد ۳ ص۲۶۰ پر ملاحظہ ہو

حضرت موسیٰ کا قصہ

وَهَلْ أَتٰكَ۔ جناب رسالتمآبؐ کی تسلی وتسکین کی خاطر حضرت موسیٰ کا قصہ بیان فرمایا۔ کہ انبیاء پر اس قسم کے مصائب آیا کرتے ہیں اور وہ صبر وسکون سے ہر مصیبت کا مقابلہ کرتے ہوئے منصب نبوت ورسالت کو نبھا جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ کہ کافی عرصہ تک جلاوطنی اور ہجرت کے مصائب برداشت کئے لیکن صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور خدا کی رحمت بے پایاں کے تقاضے سے اس کے علم وحکمت کے بحر بے کراں میں یہ بات درمکنون کی طرح نہاں وپنہاں تھی کہ کٹھن مشکلات اور جان لیوا مصائب میں انتہائی صبر وسکون سے شکر خدا میں رطب اللسان بندے کو نمایاں خصوصیت عطا کی جائے۔ یعنی عہدۂ نبوت ورسالت کے ساتھ اس کو اپنی ہمکلامی کا شرف بھی بخشا جائے تاکہ جسمانی لذائذ سے خدا کے لئے کنارہ کشی کرنے والا روحانی لذات میں ایسی چاشنی پائے کہ گذشتہ تمام آلام ومصائب کا مداوا بھی ہو جائے اور آئندہ کے لئے عزم صمیم میں پختگی

کے ساتھ ساتھ ذکر و شکر پروردگار میں اضافہ کی راہیں بھی ہموار ہو جائیں۔ سورۂ قصص کی تفسیر میں یہ واقعہ مفصّل آئے گا[1] انشاء اللہ اس مقام پر صرف اس جگہ سے بات شروع کی۔ جب کہ حضرت موسیٰ حضرت شعیب کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے بعد اپنی اہلیہ کو ہمراہ لے کر اپنے وطن کی جانب مراجعت فرما ہوئے اور نعماتِ پروردگار نے بڑھ کر استقبال کیا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت غیور تھے اور پردہ کے سخت پابند تھے۔ اسی بناء پر وہ کسی قافلے کے ہمراہ سفر نہ کرتے تھے جب آپ مدین سے روانہ ہوئے تو بھیڑ بکریوں کا ریوڑ بھی ساتھ تھا اور ایک گدھی پاس تھی جس پر گھر کا مختصر سامان لدا ہوا تھا اور آپ کی اہلیہ بھی اسی پر سوار تھی۔ شب تار میں سفر جاری تھا۔ سردی زوروں پر تھی۔ اور ساتھ ہی آپ کی بیوی کے وضع حمل کا زمانہ قریب تھا پس راستہ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بھیڑیں اور بکریاں بھی منتشر ہو گئیں اور سردی کا غلبہ ہوا اور ساتھ ہی گھر میں دردِ زہ کی تکلیف شروع ہو گئی۔ حضرت موسیٰ کے جیب میں چقماق تھا جس سے بوقتِ ضرورت آگ جلا لیتے تھے اب جو اس کو استعمال کرنا چاہا تو اس میں بھی ناکامی ہوئی اور ایسے اضطراب و پریشانی کی حالت میں جو سراسیمگی اور پژمردگی انسان پر طاری ہونی چاہیئے ایک کم ہمّت انسان تو اس کے تصوّر سے بھی گھبرا جاتا ہے لیکن یہ حضرت موسیٰ کا قلب و جگر اور ہمت و حوصلہ تھا کہ اللہ پر توکّل کئے ہوئے پامردی اور جراُت سے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے کی طرف قدم بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ بے شک فکر مستقبل میں ڈوبے ہوئے نبی نے جو ایک مرتبہ نظر اٹھا کر دیکھا تو دُور سے جلتی ہوئی آگ دکھائی دی۔ پس ڈھارس بندھ گئی اور حوصلے بڑھ گئے عنانِ سفر کو روک لیا اور گھر والی سے فرمایا تم یہاں ٹھہرو میں اس روشنی کی طرف جاتا ہوں اور سردی کا مقابلہ کرنے کے لئے وہاں سے آگ لاتا ہوں۔ نیز چونکہ صحیح راستہ ہم سے گم ہو گیا ہے لہٰذا آگ کے پاس کسی واقف آدمی سے راستہ کا سراغ مل جائے گا (مکث عارضی قیام کو اور اقامت دائمی قیام کو کہتے ہیں) یہ رات جمعہ کی تھی پس جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ آگ عناب کے درخت میں ہے کہ نہ وہ درخت کو جھلساتی ہے تاکہ اس کی سبزی میں بے رونقی پیدا ہو اور نہ درخت کی تازگی آگ کی روشنی کو کم کرتی ہے یہ دیکھتے ہی دریائے حیرت اور بحرِ تعجب میں غوطہ زن ہو گئے چونکہ دل میں شمعِ نبوت فروزاں تھی اگرچہ اس کے اعلان و اظہار کا وقت ابھی دور تھا اپنے خداداد علم سے اس فیصلہ پر پہنچے کہ یہ خارقِ عادت معاملہ قدرتِ پروردگار کا کرشمہ ہے۔ پس اضطراب ختم ہوا اور اللہ کی جانب سے عنایتِ خاصہ کے منتظر ہو رہے تو فوراً آواز آئی۔ اے موسیٰ میں تیرا رب ہوں جس نے تجھے پیدا کیا ہے ایک روایت میں ہے جب موسیٰ کو ندا پہنچی تو فوراً جواب دیا کہ میں نے تیری آواز سُنی ہے لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا کہ تو کہاں ہے تو جواب ملا کہ میں تیرے اوپر تیرے ساتھ تیرے آگے تیرے پیچھے اور تیری سانس سے بھی تیرے قریب تر ہوں پس موسیٰ جان گئے کہ یہ اللہ کی ہی صفت ہے اور اظہارِ معجزہ سے بھی حضرت موسیٰ سمجھ گئے تھے کہ یہ آواز والا پروردگار ہی ہے اور مروی ہے کہ اس روشنی میں حضرت موسیٰ ملائکہ کی تسبیح بھی سُن رہے تھے پس موسیٰ کے دل میں تسکین پیدا ہوئی اور کلامِ خداوندی سُننے کے لئے تیار ہو گئے تو ارشاد ہوا کہ میں تیرا پروردگار ہوں۔

[1] جلد ۱۱ میں ملاحظہ ہو۔

طُوًی ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ

طوی میں ہے اور میں نے تجھے چن لیا ہے پس سُن جو وحی کی جائے تحقیق میں اللہ ہوں کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ السَّاعَةَ

سوائے میرے کوئی بھی اللہ نہیں پس میری عبادت کرو اور نماز کو قائم کرو میری یاد کے لئے تحقیق قیامت آنے

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ - اس کی کئی تاویلیں ہیں (۱) اس لئے جوتا اتارنے کا حکم ہوا تاکہ وادیٔ مقدس کی زمین سے پاؤں مَس ہوں۔ (۲) تواضع کے لئے حکم دیا گیا (۳) چونکہ نجاست یا حشرات الارض یا کانٹوں وغیرہ سے حفاظت کے لئے ہوتا ہے اور یہ جگہ ان چیزوں سے پاک تھی اس لئے ارشاد ہوا کہ امن کا مقام ہے جوتے کی ضرورت نہیں (۴) تفسیر برہان میں ہے حضرت حجۃ علیہ السّلام سے سوال کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا کہ بعض لوگ اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ نجس چمڑے کا جوتا تھا اس لئے اتارنے کا حکم دیا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ حضرت موسٰے پر افترا ہے کیونکہ دو صورتوں سے خالی نہیں۔ اگر اس میں حضرت موسٰی کی نماز صحیح تھی تو نجس نہیں تھی اور اگر اس میں موسٰے کی نماز غیر صحیح تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حلال و حرام کو نہ جانتے تھے اور یہ افترا ہے پس مقصد یہ ہے۔ کہ جب موسٰے نے اپنے اخلاص کا اظہار کیا کہ میں نے اپنے دل کو تیری محبت کیلئے خالی کر دیا ہے تو چونکہ اپنی اہلیہ کو پیچھے چھوڑ آئے تھے اور ان کی فکر دامن گیر تھی۔ پس ارشاد خداوندی ہوا کہ دل سے اہلیہ کی فکر کو نکال دو کیونکہ میں خود ہی ان کا محافظ ہوں پس جوتا اتارنا اہلیہ کی فکر سے دل کو خالی کرنے کے لئے کنایہ کیا گیا ہے (۵) بروایت علل حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت موسٰے کے دل میں دو خطرے تھے ایک بیوی کی تکلیف کا اور دوسرے فرعون کی سرکشی کا۔ پس ارشاد ہوا کہ یہ دونو خطرے دل سے نکال دو۔

طُوًی - وادی کا نام ہے بعضوں نے عمر و زفر کی طرح معدول قرار دیکر اس کو غیر منصرف پڑھا ہے اور بعضوں نے طاوی یا طوٰی سے طُوًی کو صیغہ صفت قرار دیا ہے جیسے ثُنًی اور سُوًی گویا یہ وہ وادی ہے جس کو دو دفعہ یا بار بار تقدس حاصل ہوا ہے۔ یعنی طُوًی بِالْبَرَكَةِ - جناب رسالتمآبؐ سے اس کی وجہ یہ منقول ہے کہ پہلی دفعہ ارواح کو اسی مقام مقدس پر پاکیزہ کیا گیا اور دوسری دفعہ فرشتوں کو اسی مقام پر برگزیدہ کیا گیا اور تیسری دفعہ موسٰی کو کلام کا شرف اسی مقام سے ملا۔ (صافی)

اِنَّنِيْٓ - جب حضرت موسٰی کی دل جمعی ہو گئی اور سکون قلب آگیا تو پیار و محبت کے لہجہ میں ارشاد ہوا میں نے تجھے نبوت کے لئے چُن لیا ہے لہذا اب وحی کی باتیں کان دھر کر سُنو۔ پس سب سے پہلے پہل توحید کا پیغام سنایا کہ سوائے میرے کوئی بھی اللہ نہیں ہے لہذا میری ہی عبادت کرو۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ - یعنی جب بھی مجھے یاد کرو تو نماز بجالاؤ یا یہ کہ میرے ذکر کو نماز کی شکل میں بجالاؤ۔

اِنَّ السَّاعَةَ - خداوند کریم نے قیامت کی آمد کا علم ہر ایک سے مخفی رکھا ہے تاکہ اس کا خوف دلوں میں باقی رہے اور

اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۱۵ فَلَا يَصُدَّنَّكَ

والی ہے میں اس کو مخفی رکھوں گا تاکہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو جو عمل کرے پس نہ روکے

عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۱۶ وَمَا

تجھے اس سے جو نہیں ایمان لاتا اس پر اور تابع ہے اپنی خواہش کا ورنہ تو ہلاک ہوگا اور تیرے

تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۱۷ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا

دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسٰی کہا یہ میرا عصا ہے اس کا سہارا لیتا ہوں

وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۱۸ قَالَ

اور درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں بکریوں کے لئے اور میرے اس میں اور فائدے بھی ہیں فرمایا

اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ۱۹ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۲۰ قَالَ خُذْهَا

پھینکو اس کو اے موسٰی پس جب اس کو پھینکا تو دیکھا کہ سانپ ہے جو تیز دوڑتا ہے فرمایا اس کو

اعمال صالحہ کا جذبہ کارفرما ہو۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ ۔ یہ خطاب حضرت موسٰی کو ہے اور مراد امت کے لوگ ہیں

وَمَا تِلْكَ ۔ حضرت موسٰی علیہ السلام سے یہ سوال کرکے آئندہ بنائے جانے والے معجزہ کی طرف ان کی توجہ پھیرنا مطلوب تھا پہلے جب حضرت موسٰی عصا کے فوائد بیان کر چکے تو زمین پر ڈالنے کا حکم ہوا تاکہ اژدہا کی شکل اختیار کرے اور اس کی اہمیت واضح ہو۔

مَاٰرِبُ ۔ اس کی واحد مَاٰرِبَةٌ ہے اس کا معنی ہے حاجات وفوائد اور حاجت وفائدہ میں فرق یہ ہے کہ جو چیز حاصل ہونے سے پہلے حاجت کہلاتی ہے اسی کو بعد از حصول فائدہ کہا جاتا ہے۔

اُخْرٰى ۔ یہ آخر کی مونث ہے اور اس کی جمع اُخَر آتی ہے اس مقام پر واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تاکہ آیات کے فواصل میں مطابقت رہے۔

نورانی لطیفہ کہتے ہیں ایک عالم دین بزرگوار نے عالم خواب میں حضرت رسالتمآب کی زیارت کی اور حضرت موسٰی علیہ السلام ان کے ہمراہ تھے پس حضرت موسٰی نے عالم سے پوچھا آپ کون ہیں؟ تو انہوں نے اپنا تعارف پوری تفصیل سے بیان کیا تو حضرت موسٰی ہنس پڑے کہ عالم کی یہ شان نہیں ہے کہ جب چھوٹے سے فقرہ میں جواب دیا جا سکتا ہو تو اتنی لمبی تفصیل میں پڑ جائے۔ بس اتنا کافی تھا کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ اس مقام پر اپنی تعلیم تدریس تصنیفات وتالیفات و دیگر خدمات کا بیان

زائد از ضرورت ہے یہ سُنتے ہی فوراً اس عالم نے جواب میں عرض کیا حضور آپ سے جب خدا نے پوچھا تھا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے تو اتنا جواب کافی تھا کہ عصا ہے میں اس پر سہارا لیتا ہوں۔ بکریوں اور بھیڑوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اور بھی کئی فائدوں کے لئے اس کو استعمال کرتا ہوں۔ فرمایئے اس تفصیل کی کیا ضرورت تھی؟ پس حضرت موسٰی خاموش ہو گئے۔

علمائے بیان کے مسلمات میں سے ہے کہ جہاں سوال تھوڑا ہو لیکن جواب کی تفصیل کے سُننے کا سائل کو شوق ہو جس طرح حبیب و محبوب کا باہمی مکالمہ تو ایسے حالات میں اختصار کی بجائے کلام کو طول دینا بلاغت ہے اور اختصار اس کے منافی ہے لیکن جہاں سامع کے کانوں پر بوجھ پڑ رہا ہو وہاں ادائیگی مطلب کے لئے صرف نپے تلے الفاظ کا بیان ہی بلاغت ہے اور جس قدر اختصار سے کام لیا جا سکے اتنا ہی قابلِ تعریف ہے۔

دوسرے فوائد جو عصا سے حاصل ہوتے تھے (۱) اس کے کنارے سے زادِ راہ باندھ کر کندھے پر رکھ لیتے تھے۔ (۲) زمین میں گاڑتے تھے تو پانی نکل آتا تھا (۳) زمین پر مارتے تھے تو کھانے کی اشیا حسب ضرورت پیدا ہو جاتی تھیں (۴) اس سے درندوں کا مقابلہ کرتے تھے جب وہ ریوڑ کو نقصان پہنچانے کے لئے بڑھتے تھے (۵) دشمن کے مقابلہ کے لئے ہتھیار کا کام دیتا تھا (۶) کنوئیں سے پانی نکالنے کے لئے لمبا ہو جاتا تھا اور اس کے دونوں سرے ڈول کا کام دیتے تھے (۷) اس کے سرے رات کے وقت قندیل کا کام دیتے تھے (۸) عالم تنہائی و وحشت میں ان سے کلام صادر ہوتا تھا اور آپ اس سے مانوس رہتے تھے (۹) اُونچے درخت کو اس کے ذریعے سے جھکا لیا کرتے تھے (مجمع) (۱۰) دھوپ کے وقت اس پر کپڑا ڈال کر سایہ کا کام لیتے تھے (صافی) اور تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ یہ عصا ایک ہزار معجزات کا مظہر تھا۔

حَیَّةٌ تَسْعٰی - جب حضرت موسٰے عصا کے فوائد شمار کر چکے تو حکم ہوا کہ اس کو زمین پر ڈالئے پس آپ نے جب اُسے زمین پر پھینکا تو وہ زمین پر پہنچتے ہی زرد سانپ بن گیا اور گھوڑے کی گردن کی طرح اس پر گھنے بال تھے پھر اس نے پھولنا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑا اژدہا بن گیا کہ اونٹ کے جسم کے برابر والے پتھروں کو نگل جاتا تھا اور بڑے تناور درخت کے تنے میں اپنے دانت داخل کر کے اس کو جڑوں سے اکھیڑ پھینکتا تھا۔ اس کی آنکھیں آگ کی طرح روشن تھیں اور اس کی گردن کے بال لمبے اور سخت تھے جونہی حضرت موسٰی نے دیکھا تو پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے پھر اپنے پروردگار کو یاد کر کے کھڑے ہو گئے پس آواز آئی اے مُوسٰی - خُذْهَا وَلَا تَخَفْ - یعنی اس کو بلاخوف و ہراس پکڑ لو کیونکہ ہم اس کو اپنی اصل حالت پر پلٹا دیں گے۔ اس وقت حضرت موسٰے اُونی قمیض پہنے ہوئے تھے جب اس کو پکڑنے کا حکم ملا تو آستین کو لمبا کر کے ہاتھ کو ڈھانپ لیا۔ پس ارشادِ خداوندی ہُوا۔ اے موسٰے اگر میں اس کو حکم دے دوں تو کیا یہ آستین تیرے اس خطرے سے تجھے بچا سکے گی؟ حضرت موسٰے نے عرض کی کہ نہیں۔ لیکن کیا کروں میں کمزور ہوں اور کمزور چیز سے پیدا ہُوا ہوں پس ہاتھ سے کپڑے کو الگ کر کے سانپ کے منہ میں ڈالا تو وہ ویسی عصا کی دو شاخیں تھیں جن پر سہارا لیا کرتے تھے اور یہ عصا جنت سے حضرت آدم ساتھ لائے تھے پھر یکے بعد دیگرے انبیاء اس کے وارث ہوتے چلے آئے اور

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ

پکڑلے اور نہ ڈر ہم اس کو پلٹا دیں گے پہلی حالت پر اور لے جاؤ ہاتھ اپنا نیچے

إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾

اپنے بازو کے وہ سفید (نورانی) نکلے گا بغیر بیماری (وعیب کے) (یہ) دوسرا معجزہ ہے

لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿٢٣﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ

تاکہ ہم تجھے دکھائیں اپنی نشانیوں میں سے بڑی جاؤ فرعون کی طرف تحقیق وہ

طَغَىٰ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾

چکاہے کہا اے رب کشادہ کر میرا سینہ اور آسان کر میرا معاملہ

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِي

اور کھول گرہ میری زبان سے تاکہ میری بات کو سمجھیں اور مقرر کر

وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾

میرا وزیر میری اہل سے میرے بھائی ہارون کو مضبوط کر اس کے ذریعے سے میری کمر کو

آخر یہ عصا حضرت شعیب کے پاس پہنچا اور انہوں نے حضرت موسیٰ کو دیا۔ ایک روایت کی بنا پر اس کا طول دس ذراع تھا اس کی تفصیل سورۂ قصص میں آئے گی انشاء اللہ اور اس کا بیان تفسیر کی ج ٦ ص٩٥ پر بھی گذر چکا ہے نیز جلد ١١ ص٣٣ پہ ملاحظہ ہو

وَاضْمُمْ۔ جب عصا کا معجزہ لے چکے تو دوسرا معجزہ عطا ہوا کہ اپنے ہاتھ کو بغل کے نیچے یا پہلو تک لے جاؤ اور واپس نکالو ہم اس کو ید بیضا بنادیں گے کہ اندھیری رات میں چاند بلکہ سورج کی سی روشنی دے گا۔ حضرت موسیٰ کا رنگ گندمی تھا۔ جب انہوں نے ہاتھ نکالا تو ید بیضا بن کے نکلا۔

مِنْ غَيْرِ سُوءٍ۔ یعنی ہاتھ کی یہ سفیدی برص وغیرہ کی بیماری سے نہیں بلکہ بطور اعجاز کے تم کو عطا ہوگی۔

لِنُرِيَكَ۔ یعنی ان دو معجزوں کے علاوہ ہم تجھے اس سے بھی اپنی بڑی نشانیاں دکھائیں گے۔

اِذْهَبْ۔ جب سابق الذکر دو معجزے مل چکے اور آئندہ بڑے معجزات ظاہر ہونے کی توقع بھی دلائی گئی تو پیغام رسالت کے ساتھ تبلیغ پر مامور ہوئے اور حکم ہوا کہ فرعون کی طرف میرے احکام کی تبلیغ کے لئے جاؤ۔ پس حضرت موسےٰ نے ہارون

کی وزارت کے لئے دعا مانگی جو آیت ۲۵ سے ۳۵ تک ہے۔

رکوع نمبر ۱۱

رَبِّ اشْرَحْ۔ تفسیر برہان میں بروایت اسماء بنت عمیس حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے آپ نے حضرت علیؑ کی وزارت کے لئے اس طرح دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مَاسَاَلَكَ اَخِیْ مُوْسٰی اَنْ تَشْرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَاَنْ تُیَسِّرَ لِیْ اَمْرِیْ وَاَنْ تُحَلِّلَ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ وَاَنْ تَجْعَلَ لِیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ عَلِیًّا اَخِیْ اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ وَاَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ۔ الخ۔ ترجمہ وہی ہے جو آیات کے تحت اللفظ موجود ہے حضرت موسےٰ نے سوال کیا کہ ہارون کو میرے امر میں شریک کر۔ یعنی اس کو بھی نبوت میں میرا حصہ دار کر اور چونکہ حضرت رسالتمآبؐ کے بعد نبوت ختم تھی لہذا حضرت علی تبلیغ احکام رسالت میں حصہ دار ہیں لیکن نبی نہیں اس لئے آپ نے ایک حدیث میں فرمایا جس کو حدیث منزلت کہا جاتا ہے کہ تیری نسبت مجھ سے وہ ہے جو ہارون کو موسٰی سے تھی لیکن میرے بعد نبی کوئی نہیں ہوگا۔ حدیث کے الفاظ کتاب لمعۃ الانوار میں ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر برہان میں یہی روایت بحوالہ حافظ ابو نعیم ابن عباس سے منقول ہے جس کے الفاظ بعینہ قرآن کے الفاظ ہیں صرف ہارون کی جگہ علی ہے جب آپ نے دعا ختم کی۔ تو ابن عباس کہتا ہے میں نے منادی کی آواز اپنے کانوں سے سنی کہ آپ کا سوال پورا کر دیا گیا ہے اور معمولی اختلاف کے ساتھ یہی روایت سورۂ مریم کی تفسیر کے خاتمہ پر بھی درج ہے۔ صفحہ ۱۲۳۔ مولانا سید محمد باقر اعلی اللہ مقامہ نے اس روایت کی تفسیر درمنثور سے نقل کیا ہے۔ (المجالس المرضیہ صفحہ ۲۱۳)

وَاحْلُلْ عُقْدَةً۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے زبان سے گرہ کھلنے کی دعا کی تھی کیونکہ آپ تتلا کر بات کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون کی گود میں بیٹھ کر زمانہ بچپن میں ایک دفعہ فرعون کی ڈاڑھی میں ہاتھ ڈال کر کھینچا پس فرعون نے قتل کرنے کی ٹھان لی تو آسیہ نے کہا یہ بچہ ہے اس کو تو موتی اور چنگاری کا بھی فرق معلوم نہیں چنانچہ موتیوں اور انگاروں کے دو الگ الگ طشت منگوائے گئے موسےٰ موتیوں کی طرف لپکنا چاہتے تھے کہ جبریل نے ان کا ہاتھ انگاروں کی طرف بڑھا دیا۔ پس اٹھا کر بچوں کی عادت کی طرح ایک انگارہ منہ میں ڈال دیا پس زبان تتلا گئی۔ (مجمع)

تفسیر صافی میں بروایت قمی اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کراتا تھا لیکن موسےٰ کی خود تربیت کرتا تھا اُسے کیا خبر تھی کہ اس کی موت اسی کے ہاتھوں ہوگی۔ جب حضرت موسٰی گھٹنوں چلنے لگے تو ایک دن فرعون کے پاس بیٹھے ان کو چھینک آئی۔ پس فوراً زبان سے الحمد للہ رب العلمین کا کلمہ جاری کیا فرعون نے غصہ میں آکر آپ کے منہ پر طمانچہ رسید کیا اور کہا کہ یہ کیا کہتے ہو؟ تو حضرت موسےٰ سے بھی ضبط نہ ہو سکا پس فرعون کی ڈاڑھی کی طرف ہاتھ بڑھایا وہ چونکہ اچھی خاصی لمبی تھی۔ حضرت موسےٰ نے ہاتھ مضبوطی سے ڈال کر کھینچنا شروع کر دیا فرعون کو اس کا بہت رنج پہنچا پس اس نے آپ کے قتل کی ٹھان لی تو آسیہ نے سفارش کی کہ کمسن بچہ ہے ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھتا فرعون

وَ اَشۡرِكۡهُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴿۳۲﴾ كَیۡ نُسَبِّحَكَ كَثِیۡرًا ﴿۳۳﴾ وَّ نَذۡكُرَكَ

اور اس کو شریک کر میرے معاملہ میں تاکہ تیری تسبیح کریں زیادہ اور تجھے یاد کریں

كَثِیۡرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِیۡرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَكَ

بہت تحقیق تو ہمارے (حالات کو) جاننے والا ہے فرمایا (خدا نے) تجھے عطا ہوا جو تو نے مانگا

نے کہا کہ یہ خوب سمجھتا ہے۔ آسیہ نے کہا اس کے سامنے دو طشت لائے جائیں۔ ایک کھجوروں کا اور دوسرا آگ کے سُلگتے ہوئے انگاروں کا اگر ان میں امتیاز پیدا کرے تو بات تیری صحیح ورنہ میں سچی ہوں۔ چنانچہ دو طشت لائے گئے۔ حضرت موسےٰ نے پہلے کھجوروں کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن جبرئیل نے انگاروں کی طرف موڑ دیا پس ایک کو اٹھا کر منہ میں جو ڈالا تو زبان جلی اُسے پھینکا اور بچوں کی طرح رونا شروع کر دیا پس آسیہ کی بات سچی ثابت ہوئی اور فرعون نے قتل سے درگزر کیا۔

وَزِیۡرًا۔ یہ وزر سے ہے جس کا معنی ہے بوجھ چونکہ وزیر شاہی معاملات اور امورِ مملکت میں کافی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتا ہے اس لئے اس کو وزیر کہا جاتا ہے۔ اہل اور آل کی تشریح تفسیر کی جلد ۶ صـ۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

هٰرُوۡنَ اَخِیۡ۔ یہ حضرت موسےٰ کے پدری مادری بھائی تھے اور آپ سے سن و سال میں تین سال بڑے تھے دُعا کے وقت آپ مصر میں رہائش پذیر تھے۔ مروی ہے کہ ان کا قد موسےٰ سے زیادہ رنگ سفید جسم بھارا اور فصیح اللّسان تھے۔ ان کی وفات حضرت موسےٰ سے تین سال پہلے ہوئی۔

كَیۡ نُسَبِّحَكَ۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام نے دعا میں یہ وضاحت کر دی کہ میں ہارون کی وزارت اقتدار کے طمع میں نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کی محرک صرف تیری تسبیح و تقدیس اور تبلیغ اسلام ہے۔

قَدۡ اُوۡتِیۡتَ۔ جب حضرت موسےٰ دُعا مانگ چکے تو آواز آئی کہ تیری دُعا مستجاب ہے اور تو نے جو کچھ مانگا ہے ہم نے دے دیا ہے اسی طرح جب حضرت علی کی وزارت کے لئے حضرت رسالتمآبؐ نے دُعا مانگی تو بروایت ابن عباس غیب سے ندا آئی کہ آپ کی دعا مقبول ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں کہ (اے انسان) جس چیز کی تجھے توقع ہے اس کی بہ نسبت اس چیز کی اُمید زیادہ رکھ جس کی تجھے توقع بھی نہیں ہے دیکھئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کے لئے آگ لانے کی توقع سے گئے لیکن عہدۂ نبوت کا چارج اور کلیم اللہ کی سند لے کر واپس پلٹے۔ ملکہ سبا (بلقیس) گھر سے کافرہ ہو کر نکلی اور سلیمان کے ہاتھوں دولت اسلام سے سرفراز ہوئی اور فرعون کے جادوگر فرعون کے لئے کامیابی کی خاطر نکلے اور مومن ہو کر پلٹے۔

وَلَقَدۡ مَنَنَّا۔ معجزات اور عہدۂ نبوت عطا فرمانے اور ہارون کی وزارت کے متعلق دعا کو مستجاب کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ صرف انہی احسانات تک محدود نہیں بلکہ اے موسےٰ اپنی سابق سرگزشت کو ملاحظہ کرو تو میں نے تیرے اُوپر کئی دفعہ

يٰمُوسٰى ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰى ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلٰى

اے موسیٰ اور تحقیق ہم نے تجھ پر (اس سے پہلے) ایک اور احسان کیا جب کہ تیری ماں کی طرف

أُمِّكَ مَا يُوحٰى ﴿٣٨﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي

ہم نے وحی کی جو کی جاتی ہے کہ پھینکو اس کو تابوت میں پس پھینکو اس کو دریا میں

الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ

پس پہنچا دے اس کو دریا کنارے پر کہ پکڑ لے اس کو میرا دشمن اور اس کا دشمن

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِي ﴿٣٩﴾ إِذْ

اور میں نے ڈال دی تیرے اوپر محبت اپنی جانب سے اور تاکہ تیری پرورش ہو میری آنکھوں پر (میری نگرانی میں) جب چل کر

تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَكْفُلُهُ فَرَجَعْنٰكَ

گئی تھی تیری بہن پس کہنے لگی کیا میں پتہ بتاؤں تمہیں ایسی عورت کا جو اس کی کفالت کرے پس پلٹا دیا ہم نے

احسانات وانعامات کی بارش کی ہے۔

إِذْ أَوْحَيْنَا۔ حضرت موسیٰ کی ماں کو وحی بذریعہ خواب ہوئی (مجمع) کہ تابوت میں بند کر کے اس کو دریا کے سپرد کر دو۔

اِقْذِفِيهِ۔ قذف سے ہے جس کا معنی پھینکنا ہے اور یم کا معنی دریا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی ولادت کا قصہ

واقعہ تفسیر صافی میں بروایت قمی اس طرح مرقوم ہے کہ فرعون کو بنی اسرائیل کی زبانی معلوم ہوا کہ ان میں ایک بچہ موسیٰ بن عمران نامی پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں فرعون اور اس کی فوج ہلاک ہوگی پس اس کے سدباب کے لئے اس نے بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچوں کو بے دریغ تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ ان کے عورتوں اور مردوں میں دُوری کر دی بلکہ اکثر مردوں کو جیل خانوں میں ڈال دیا اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ فرعون کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں ان کی پوری نسل نہ ختم ہو جائے (پس شاہی خاندان کی نوکری کے لئے کوئی نہ بچے گا) لہذا ایک سال بنی اسرائیل کے قتل عام کا حکم ہوتا اور ایک سال یہ حکم بند رہتا اور حضرت موسیٰ اسی قتل والے سال میں پیدا ہوئے۔ بروایت قمی جب حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی تو ان کی ماں نے اپنے حسین وجمیل نوزائیدہ بچے کو دیکھ کر رو دیا کہ ہائے میرا خوبصورت بچہ ابھی قتل ہو جائے گا۔

وَأَلْقَيْتُ۔ یعنی میں نے تجھے وہ شکل وصورت عطا کی کہ ہر دیکھنے والا دوست یا دشمن گرویدہ ہو کر رہ جائے اور یہی وجہ

کہ فرعون نے دیکھا تو وہ گرویدہ ہوگیا اور آسیہ زن فرعون نے دیکھا تو وہ گرفتار محبت ہوگئی۔ بروایت مجمع البیان قتادہ سے منقول ہے کہ حضرت موسٰے علیہ السلام کی آنکھ میں ایسی دلکشی اور جاذبیت تھی کہ ہر دیکھنے والا محبت کے لئے مجبور ہوجاتا تھا۔
وَ لِتُصْنَعَ۔ یہ لفظ عام محاورہ کی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ میری آنکھوں پر پلتا رہے یعنی یہ اسباب میں نے پیدا کردیئے اور تیری شکل میں محبت پیدا کردی تاکہ تو میری مصلحت ومنشا کے مطابق اور میری حکمت ورضا کے ماتحت میری تربیت میں رہو۔
اِذْ تَمْشِیْٓ۔ یعنی میں نے اپنے علم وحکمت سے یہ بات مقدر کردی تھی کہ موسٰے کو دریا میں ڈالا جائے اور اس کی بہن ساتھ ساتھ چلے اور اس کو دودھ پلانے والی کا پتہ دے پس اس بہانہ سے موسٰی اپنی ماں کی طرف دوبارہ پلٹ کر آجائے۔

القصّہ

وہ دایہ جو حضرت موسٰی کی والدہ کی پہرہ دار تھی، پہلے تو مطلع نہ ہوسکی کیونکہ خداوندکریم نے موسٰی کا حمل مخفی کردیا تھا پس موسٰی کی ولادت ہوئی اور دایہ کو پتہ چلا تو فوراً پہنچی لیکن حضرت موسٰے علیہ السلام کی شکل دیکھتے ہی اس کی گرویدہ ہوگئی ادھر ماں کی غمناک شکل دیکھ کر وجہ پوچھی کہ خوف وہراس سے تیرا چہرہ زرد کیوں ہوگیا ہے؟ فرمایا اپنے خوبصورت بچے کے بے گناہ قتل کا فکر دامن گیر ہے وہ کہنے لگی اس بات سے نہ گھبراؤ میں اس کی رپورٹ نہ کروں گی اور پوری رازداری سے کام لوں گی۔ تفسیر صافی کی روایت کے مطابق خدا نے ایک تابوت اتارا اور آواز آئی کہ بچے کو اس تابوت میں داخل کرو۔ اور سپردِ دریا کردو اور غم واندوہ کو دل سے نکال کر صبر سے کام لو لَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْٓ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ پارہ ۲۰ سورہ قصص آیت ۷۔ یعنی خوف وملال نہ کرو ہم اسے تیری طرف پلٹا دیں گے اور اس کو رسول بنائیں گے چنانچہ حضرت موسٰے کی والدہ نے پہلے تابوت میں کپاس رکھی اور اوپر موسٰے کو رکھ کر دریا کے سپرد کیا۔ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ۔ پارہ ۲۱ سورہ قصص آیت ۱۱۔ اور موسٰی کی بہن کو کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے جاؤ اور اس کی خبر لاکر مجھے بتاؤ کہ انجام کیا ہوتا ہے؟
ماں کی فرمائش اور بھائی کی محبت کے تحت حضرت موسٰے کی بہن دریا کے کنارے پر تابوت کے پیچھے روانہ ہوئی۔
دریائے نیل سے ایک بڑی نہر نکل کر فرعون کے باغات کو سیراب کرتی تھی اور شاہی محلات اس کے کنارے پر تعمیر تھے۔ پس شاہی محلات کے سامنے ایک سیرگاہ میں تالاب کے کنارے پر فرعون وآسیہ تفریح کے لئے بیٹھے تھے کہ ادھر پانی کی موجوں پر تیرتا ہوا ہوا کے تھپیڑوں سے اٹھکیلیاں کرتا ہوا ایک تابوت دکھائی دیا۔ نہر کا پانی چونکہ اسی تالاب سے گزر کر آگے کو جاتا تھا۔ پس بقدرتِ خدا وہ تابوت بہتے ہوئے تیز پانی کی ٹکر سے تالاب کے ساکن پانی میں آپہنچا اور رفتہ رفتہ کنارے پر آرہا۔ فرعون کے حکم سے تابوت کو نکال کر جب کھولا گیا تو دیکھا اس میں ایک خوبصورت نوزائیدہ بچہ موجود ہے۔ اس کا ہشاش بشاش خوبصورت چہرہ اور دلفریب آنکھیں دیکھتے ہی دونوں اس کے شیدائی ہوگئے۔ لیکن فرعون کو چونکہ اپنے تخت وتاج اور بخت وراج کا خطرہ تھا اس لئے اسرائیلی بچہ سمجھ کر قتل کے درپے ہوا۔ لیکن آسیہ نے اس کی

إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَٰكَ مِنَ

تجھے تیری ماں کی طرف تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم زدہ نہ رہے۔ اور تو نے قتل کیا ایک نفس کو تو ہم نے تجھے

سفارش کی اور موسٰے کی جان بچی۔

وہ اقتدار ناپائیدار کی خاطر حضرت موسٰے کو قتل کرنا چاہتا تھا ورنہ اس کا دل موسٰے کی محبت میں دیوانہ ہو چکا تھا۔ پس آسیہ کی سفارش بہانہ بن گئی۔ فوراً فرعون نے موسٰے کو گود میں لے لیا چونکہ وہ بے اولاد تھا پس آسیہ نے اس کو متبنّٰی بنانے کی خواہش کے اظہار سے فرعون کے دل میں مزید کشش پیدا کر دی۔ پس حالات کی سازگاری کے منتظر نبی نے اب دودھ کی خواہش میں رونا شروع کر دیا۔ آسیہ و فرعون کا دل یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ محبوب و نازنین بچہ ان کی گود میں بھوک سے روئے کیونکہ وہ اس کی محبت میں کھو چکے تھے۔

پس گردو نواح کی تمام ان اسرائیلی عورتوں کو دودھ پلانے کے لئے بلایا گیا جن کے بچے تیغ ستم سے ذبح کر دیئے گئے تھے ہر پسر مردہ ماں چونکہ مامتا کی محبت میں دیوانہ تھی لہذا بڑی شوق اور مہربانی سے موسٰے کو سینے سے لگاتی تھی۔ تاکہ تسکین قلب کا سامان فراہم ہو سکے لیکن اللہ کے پیغمبر نے کسی عورت کے دودھ کو منہ نہ لگایا اور اسی کے متعلق سورہ قصص میں ارشاد ہے وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ۔ آیت نمبر ۱۲۔ یعنی ہم نے اس سے پہلے دودھ پلانے والی عورتوں کا دودھ اس پر حرام کر رکھا تھا۔

تفسیر صافی کی روایت کے مطابق حضرت موسٰے کی ماں کو اطلاع پہنچی کہ تیرا بچہ فرعون نے گرفتار کر لیا ہے تو اس کے دل پر جو گذری ہو گی اسے اللہ بہتر جانتا ہے پس چیخیں مار کر روئی اور اس کی حکایت قرآن نے یوں کی ہے وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا کہ مادر موسٰے کا دل ختم ہو چکا تھا اگر ہم اس کو سہارا نہ دیتے۔ دُور سے حضرت موسٰی کی بہن نے جب دیکھا کہ میرا بھائی کسی عورت کا دودھ قبول نہیں کرتا اور فرعون دل سے خواہشمند ہے کہ کسی عورت کا دودھ پیے کیونکہ اس کو موسٰی کا گریہ کسی قیمت پر گوارا نہ تھا۔ موقع پا کر قریب پہنچی اور کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں ایک ایسی عورت کی نشان دہی کرتی ہوں جو اس کو خوشی سے دودھ دے گی اور تربیت بھی کرے گی چنانچہ فرعون نے اجازت دی اور اس بہانہ سے حضرت موسٰے اپنی ماں کی گود میں پہنچے جب ماں کا دودھ پیا تو فرعون بہت خوش ہوا اور انعام و اکرام سے نواز کر بچے کی تربیت کا اس کو کفیل بنا دیا اور آئندہ کے لئے مزید انعام و اکرام کا وعدہ بھی کیا۔

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے راوی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضرت موسٰے کتنی مدت تک اپنی ماں سے غائب رہے تھے تو آپ نے فرمایا صرف تین دن پس ماں حضرت موسٰے کو گھر لائی اور فرعون نے اس کا باقاعدہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا (مجمع)

قَتَلْتَ نَفْسًا۔ یہ بھی احسانات خداوندی میں سے ایک ہے کہ حضرت موسٰے علیہ السلام نے ایک قبطی کافر کو قتل کیا۔

الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۬ ثُمَّ
نجات دی غم سے اور ہم نے تجھے آزمایا کئی بار پس ٹھہرا رہا کئی برس اہل مدین کے پاس پھر تو
جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ
دوالپس) آیا (پوری) مقدار پر اسے موسٰی اور میں نے تجھے چن لیا اپنی ذات کے لئے جاؤ تو اور تیرا
اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ
بھائی میری آیات لے کر اور نہ سستی کرو میرے ذکر میں جاؤ فرعون کی طرف کر دو

اور خدا نے ان کو قبطیوں کے انتقام سے نجات دی۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ بارہ برس کی عمر میں آپ نے قتل کیا تھا (مجمع) تفصیل سورہ قصص میں آئے گی انشاء اللہ جلد ۱۱ صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ ہو۔

فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا۔ یعنی بار بار ہم نے تجھے آزمائش میں ڈالا اور تیرے اُوپر اپنی نعمات کی برسات جاری رکھی حتٰی کہ نبوت و رسالت بھی دے دی مثلاً (۱) حمل کا مخفی ہونا (۲) قتل والے سال میں پیدا ہو کر قتل سے بچ جانا (۳) دریا کے اندر صندوق میں رہ کر فرعون کی گود تک پہنچنا (۴) دائیوں کا دودھ نہ پینا اور ماں کا دودھ قبول کرنا (۵) فرعون کی داڑھی کا نوچ لینا (۶) پھر طشت آگ اور طشت کھجور یا جواہر میں سے آگ کو قبول کر کے منہ میں ڈالنا (۷) ایک کا اطلاع دینا کہ لوگ تیرے قتل پر آمادہ ہیں وغیرہ یہ سب نعماتِ پروردگار میں سے تھا جس کا اجمالی تذکرہ آیت میں ہے۔

فَلَبِثْتَ۔ پھر آپ مدین میں حضرت شعیب کے ہاں دنبیاں چراتے رہے اور اس وقت واپس پلٹے جو ان کے اعلانِ نبوت و اظہار رسالت کے لئے اللہ کے نزدیک مقدر تھا اور جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ کا یہی مقصد ہے یا یہ کہ اس وقت آئے جس وقت انبیاء کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا جاتا ہے یعنی اس وقت آپ کی عمر چالیس برس تھی۔

اِذْهَبْ اَنْتَ۔ اب حضرت موسٰے جب تبلیغ رسالت کے لئے مامور ہوئے تو ہارون کی وزارت کی دعا مانگی جو گذر چکی ہے پس دعا مستجاب ہوئی اور دونوں کو مل کر جانے کا حکم ہوا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس وقت حضرت ہارون مصر میں تھے خدا نے ہارون کو وحی کی کہ مصر سے ایک منزل کے فاصلہ پر آکر حضرت موسٰے کا استقبال کریں۔ پس وہ آئے اور یہاں سے دونوں مبلغ بن کر مصر میں داخل ہوئے اور آیات سے تمام وہ معجزات مراد ہیں جو خدا نے حضرت موسٰے کو عطا فرمائے تھے لہذا البعض کی تخصیص ترجیح بلا مرجح ہے۔

لَا تَنِيَا۔ وَنٰى يَنِيْ لفیف مفروق سے نہی حاضر کا صیغہ ہے۔

فِيْ ذِكْرِيْ۔ یہاں ذکر سے مراد رسالت ہے یعنی احکامِ رسالت کی تبلیغ میں سستی و کوتاہی نہ کرنا۔

إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٤٣﴾ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾

سرکشی ہوگیا ہے پس اس کو نرم لہجہ میں بات کہو تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے

قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ ﴿٤٥﴾

کہنے لگے اے رب تحقیق ہم کو ڈر ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا سرکشی میں بڑھ جائے

اِذْهَبَا ۔ لفظ کا تکرار تاکید کے لئے ہے اور اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام فرعون کو تبلیغ کرنے میں ذاتی طور پر مامور تھے صرف موسٰے کی رفاقت تک محدود نہ تھے ۔

فَقُولَا لَہٗ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ باہیبت اور جوشیلے تھے ۔مقام تبلیغ میں خدا نے ان کو نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اور خصوصاً شاہانہ مزاج عیاش اور مطلق العنان حکمران کو کلمۂ حق کہنے کے لئے تند لہجہ اور تلخ کلامی یقیناً مفید تو بجائے خود انتہائی خطرناک ثابت ہوا کرتی ہے اس لئے فرعون کو کلمہ حق کہنے کے لئے خدا نے موسٰے کو وعظ کا طریقہ تعلیم فرمایا اور یہ بھی ساتھ فرمایا کہ فرعون سے مرعوب ہوکر میرے احکام میں سستی نہ کرنا ۔کہتے ہیں فرعون شاہانِ مصر کا لقب تھا اور فرعونِ موسٰے کا نام ولید تھا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب موسٰے علیہ السلام پہنچے تو اس لب و لہجہ سے بات چیت شروع کی کہ اگر آپ عالمین کے پروردگار کے سامنے جھک جائیں اور اس پر ایمان لائیں تو میں چند انعاماتِ خداوندی کی آپ کو پیش کش کرتا ہوں (۱) تیری جوانی کو کبھی زوال نہ آئے گا (۲) تیرا ملک اور تیری شہنشاہت تیری زندگی کے ساتھ وابستہ ہوگی یعنی تادم زیست تو بادشاہ رہے گا (۳) کھانے پینے ۔اور مجامعت کی لذات تازیست تیرے لئے رہیں گی (۴) جب تجھ پر موت آئے گی تو سیدھا جنت میں داخل ہوگا ۔اس تبلیغ میں حضرت موسٰے نے فرعون کے سامنے وہ باتیں پیش کیں جو کسی عیاش آدمی کو مرغوب ہوا کرتی ہیں ۔کیونکہ خداوند کریم نے عیاشی کو حرام نہیں کیا بلکہ اس کی حدود مقرر فرمائی ہیں کہ عیش و عشرت سے وقت گذارو لیکن حلال کی حدود میں پابند ہوکر ۔پس آوارگی اس کے نزدیک جرم ہے ۔اسی تبلیغ میں موسٰے نے باذنِ خدا فرعون کو عیش و عشرت کی زندگی پیش کی لیکن حدودِ شریعت میں پابند ہونے کے ساتھ ۔اس بدبخت نے جب یہ سُنا تو ہامان کو بلا بھیجا ۔کیونکہ مملکت کا کوئی کام اور سلطنت کا کوئی امر بغیر اس کے مشورہ کے انجام نہیں پاتا تھا ۔پس اس اہم معاملہ میں بھی اس سے مشورہ لیا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ میں موسٰے کا ہم خیال ہوگیا ہوں ۔ہامان نے کہا اے فرعون میں تجھے دانا سمجھتا تھا تو تو بڑا بیوقوف ہے کیا رب ہونے کے بعد مربوب بننا چاہتا ہے اور معبود ہونے کے بعد عبد ہونا گوارا کرتا ہے پس فرعون نے موسیٰ کی دعوت ٹھکرا دی اور کفر پر برقرار رہا۔ اسی بنا پر یحییٰ بن معاذ کا قول منقول ہے کہ اے اللہ جب تو ربوبیت کے دعویداروں پر اس قدر مہربان ہے تو عبدیت کے دعویداروں پر کیوں نہ مہربان ہوگا۔

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا

فرمایا نہ ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں پس جاؤ اور اُسے کہو ہم تیرے

رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ

رب کے بھیجے ہوئے ہیں پس روانہ کر ہمارے ہمراہ بنی اسرائیل کو اور ان کو بتلائے عذاب

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ

نہ کر تحقیق ہم لائے ہیں معجزہ تیرے رب کی طرف سے اور سلام اس پر جو اتباع کرے

الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ

ہدایت کی تحقیق ہماری طرف وحی ہوئی ہے کہ عذاب ہوگا اس پر جو جھٹلائے اور پھر جائے

وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى

(پس دو نو پہنچے اور پیغام خداوندی سنایا) وہ کہنے لگا اے موسٰے تمہارا رب کون ہے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے

لَعَلَّهُ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوحنیفہ سے من جملہ دیگر سوالات کے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ بتاؤ لَعَلَّ کا کلمہ شک کے لئے ہوا کرتا ہے یا یقین کیلئے تو اس نے جواب دیا کہ یہ کلمہ شک کو ظاہر کرتا ہے پس آپ نے فرمایا کیا خدا کو فرعون کے نصیحت قبول کرنے میں شک تھا تو وہ خدا کیسے؟ اور نصیحت نہ قبول کرنے کا یقین تھا تو حکم میں کلمہ شک کا کیوں استعمال فرمایا؟ پس ابوحنیفہ لاجواب ہوگیا غالباً ابوحنیفہ کے چلے جانے کے بعد جب بعض حاضرین نے تاویل پوچھی تو آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ موسٰے اور ہارون کو جب حکم دیا تو یہ وضاحت کی کہ اس طرح ان کو تبلیغ کرو جس طرح کسی سے نصیحت قبول کرنے کی توقع ہو اور اس کو نصیحت کی جائے لہذا ان کے کفر و عناد سے مایوس ہو کر کمزوری اور سستی سے تبلیغ نہ کرنا۔ کیونکہ پُر توقع تبلیغ اور مایوسانہ تبلیغ میں انداز بیان کا فرق ہر صاحب ذوق خوب سمجھ سکتا ہے۔

قَالَا ۔ موسٰی و ہارون نے مل کر یہ معذرت کی کہ ہمیں اس کے ظلم تعدی یا کفر میں سرکشی و زیادتی کا ڈر ہے کہ کہیں زیادہ نہ بگڑ جائے پس ارشاد ہوا تم بے فکر رہو میں سنتا ہوں اگر اعتراض کرے گا تو میں تم پر اس کا جواب بطور الہام واضح کردوں گا اور میں دیکھتا ہوں اگر دستِ تعدی بڑھائے گا تو میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۔ یعنی بنی اسرائیل کو اپنی غلامی اور ناقابل برداشت مشقوں کے عذاب سے رہا کردے

قَالَ فَمَنْ ۔ یہاں عبارت میں حذف ہے کیونکہ باقی کلام کی اس پر دلالت موجود ہے یعنی امر خداوندی کے بعد موسٰی اور

كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ

دی ہر چیز کو اس کی شکل و صورت پھر ہدایت کی کہنے لگا پہلی اُمتوں کا کیا ہوا جو بت

الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا

پرست گزرے ہیں) کہا اس کا علم میرے رب کے پاس ہے لوح محفوظ میں نہ میرا رب غلطی کرتا ہے اور

يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا

نہ بھولتا ہے وہ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور بنا دیئے تمہارے لئے اس میں

سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۗ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ

راستے اور اتارا آسمان سے پانی (بارش) پس ہم نے پیدا کئے اس کے ذریعے سے مختلف نباتات

ہارون دونوں روانہ ہوئے اور دربار فرعون میں پہنچے (اس کی تفصیل جلد ۶ صہ ۶۷ پر ملاحظہ ہو) پس حکم پروردگار کی تبلیغ کی تو فرعون نے پوچھا تمہارا رب کون ہے؟ وہ یہ سمجھتا تھا کہ شاید خدا کسی جنس و قوم سے ہوگا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے وہم کی تردید کرتے ہوئے اوصاف خداوندی بیان فرمائے۔

رَبُّكُمَا۔ صیغہ تثنیہ استعمال کرنے کے بعد خطاب صرف موسیٰ سے کیا تاکہ آیات کے فواصل میں مطابقت برقرار رہے ورنہ مراد موسیٰ اور ہارون دونو ہیں۔

قَالَ رَبُّنَا۔ یعنی ہمارا پروردگار وہ ہے جو جنس و قوم سے بلند و بالا ہے اور اپنی تمام مخلوق سے اور ان کی صفات سے مبّرا و منزہ ہے اس نے ہر شئی کو خلعتِ وجود سے سرفراز فرمایا اور کھانے پینے نکاح کرنے اور رہنے سہنے کے طرق کی طرف ہدایت و رہبری فرمائی۔

فَمَا بَالُ۔ فرعون نے اعتراض کے طور پر کہا کہ گزشتہ وہ اُمتیں جو بُت پرست اور توحید خالق سے برسرِ پیکار گزری ہیں ان کے متعلق تم کیا کہتے ہو یعنی ان کا حشر و نشر کہاں گیا اور اُن کو تمہارے قول کے مطابق عذاب نے کیوں نہ پکڑا؟

فِيْ كِتٰبٍ۔ یعنی ان باتوں کا حقیقی علم اللہ کو ہے اور حشر و نشر کے وقت کا تعین بھی وہ خود ہی جانتا ہے اور لوح محفوظ میں سب کچھ موجود ہے یا ہر شخص کے اعمال نامے میں ان کا عمل من و عن موجود ہے جس میں نہ غلطی ہو سکتی ہے اور نہ نسیان کے طاری ہونے کا امکان ہے۔

فَاَخْرَجْنَا۔ غائب کے صیغے استعمال کرنے کے بعد صیغہ متکلم کو جاری کیا اور اسے صنعتِ التفات سے تعبیر کیا جاتا ہے جو علمائے معانی و بیان کے نزدیک کلام کا ممدوح و مرغوب طریقہ ہے۔

شَتّٰی ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی

کے پودے (اور کہا) کھاؤ اور چراؤ اپنے حیوانوں کو تحقیق ان میں بہت نشانیاں ہیں عقل

النُّهٰی ﴿۵۴﴾ ع مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ

والوں کے لئے اسی سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تمہیں پلٹائیں گے اور اسی سے تم کو نکالیں گے

تَارَةً اُخْرٰی ﴿۵۵﴾ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰی ﴿۵۶﴾

پھر ایک مرتبہ اور تحقیق ہم نے دکھائیں اس کو اپنی تمام نشانیاں پس اس نے جھٹلایا اور انکاری رہا

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِیَنَّكَ

کہنے لگا کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں جادو کے ذریعے اپنی زمین سے نکال دے اے موسیٰ ہم تیرا مقابلہ

بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ

کریں گے اسی جیسے جادو کے ساتھ پس مقرر کر ہمارے اور اپنے درمیان وعدہ (تاریخ) کہ نہ ہم اس کے خلاف

وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًی ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ

کریں اور نہ تو ایک جگہ (جس کا فاصلہ دونوں کے لئے) برابر ہو فرمایا وعدہ کی تاریخ عید کا دن ہے اور لوگ اکٹھے

صفحہ ۱۸۶

اَزْوَاجًا۔ اس کی تشریح تفسیر کی جلد ۸ میں گذر چکی ہے۔ سورہ رعد آیت نمبر ۴

رکوع نمبر ۱۲

اٰیٰتِنَا۔ یکے بعد دیگرے جس قدر معجزات حضرت موسیٰ کو عطا ہوئے اور فرعون کو دکھائے گئے لیکن وہ بدبخت انکار پہ ڈٹا رہا۔ اور آخرکار گرفتار عذاب ہوا۔ حضرت موسیٰ کے معجزات کو جادو کہہ کر اس نے اپنی پوری شاہی طاقت کے ساتھ مقابلہ کیا اور آخرکار ہار گیا لیکن ایمان نہ لایا۔ جادوگروں کے ساتھ مقابلہ اور ان کا ایمان لانا تفسیر کی جلد ۹ پر صہ ۶۸ تا صہ ۷۲ ملاحظہ ہو۔

مَكَانًا سُوًی۔ یعنی ایسی جگہ تجویز کی جائے جس کا فاصلہ طرفین سے برابر ہو۔

لَا تَفْتَرُوْا۔ صہ حضرت موسیٰ نے آداب تبلیغ کے ماتحت پہلے ان کو وعظ فرمایا کہ خدا پہ افترا باندھنے سے بچو اور فریب کاری سے کام نہ لو۔ لیکن انہوں نے نہ مانا۔

لطیفہ تفسیر برہان میں ہے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ایک دفعہ ایک یہودی خدمت نبوی

يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝۵۹ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ

ہو جائیں قبل دوپہر پس واپس گیا فرعون پس جمع کیا اپنے مکر (کے ساتھ جادوگروں) کو پھر

اَتٰى ۝۶۰ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

آگیا (عید کے دن) کہا ان کو موسٰے نے تعجب ہے تم پر نہ افترا باندھو اللہ پر جھوٹا ورنہ ہلاک

فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝۶۱ فَتَنَازَعُوْٓا

کرے گا تم کو عذاب سے اور تحقیق ناکام ہوا وہ جس نے افترا کیا پس خوب جھگڑے

اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝۶۲ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ

اپنے باہمی مشورہ میں اور پوشیدہ تجویزیں کرتے رہے کہنے لگے تحقیق یہ دونو جادوگر ہیں

يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا

چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم کو تمہاری زمین سے اپنے جادو کے ذریعے اور غالب آجائیں

بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝۶۳ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَ

تمہاری موجودہ پالیسی پر پس مرتب کرلو اپنی تجویزوں کو پھر اکٹھے ہو کر صف بستہ آجاؤ۔ اور

میں حاضر ہوا۔ اور تیز نظر سے حضور کی طرف اس نے دیکھنا شروع کیا آپ نے فرمایا اے یہودی تیری کوئی حاجت ہے تو سوال کر اس نے عرض کی میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ افضل ہیں یا کہ حضرت موسٰے جس کو اللہ نے اپنا کلیم بنایا اور اس پر تورات نازل کی عصا کا معجزہ دیا، سمندر کو چیرا اور بادل کا سایہ عطا کیا۔ آپ خاموشی سے سُنتے رہے جب یہودی بیان کو ختم کر چکا تو آپ نے فرمایا انسان کے لئے مناسب نہیں کہ اپنی خود تعریف کرے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ آدم سے جب ترک اولیٰ ہوا تو اس نے توبہ میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ پیش کر کے دعا مانگی تو مقبول ہوئی۔ اس طرح حضرت نوحؑ جب کشتی پر سوار ہوئے اور غرقابی کا خطرہ لاحق ہوا تو محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگی پس نجات پاکر کنارے پر پہنچے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جاتے ہوئے دعا کی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لَمَّا اَنْجَیْتَنِیْ مِنْهَا۔ یعنی اے اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کے صدقہ میں مجھے اس سے نجات عطا فرما پس خدا نے اس کو گلزار کر دیا۔ اسی طرح جب حضرت موسٰے علیہ السلام نے اپنے دل میں گھبراہٹ اور خطرہ محسوس کیا تو محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے دعا کی تو خدا نے فرمایا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ

قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ

کامیاب آج وہی ہوگا جو غالب آگیا (پس آگئے اور) کہنے لگے اے موسٰی یا تو پہلے پھینکے

اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ج فَاِذَا حِبَالُهُمْ

یا ہم پہلے پھینکنے والے ہو جائیں؟ فرمایا بلکہ تم پھینکو پس انہوں نے رسیاں

وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ

اور عصا ڈالے ایسا لگتا تھا ان کے جادو کی وجہ سے کہ وہ دوڑ رہے ہیں پس موسٰے

فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰی ﴿٦٧﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ﴿٦٨﴾

نے بھی دل میں گھبراہٹ محسوس کی تو ہم نے کہا گھبراؤ نہیں تم ہی تو غالب ہو

وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ط اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ط

اور پھینکو وہ جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے نگل جائے گا جو وہ کر رہے ہیں وہ تو کر رہے ہیں

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰی ﴿٦٩﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا

مکر جادوگر کا سا اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر جہاں بھی ہو (پس موسٰے کے عصا نے ان کو کھالیا) تو گر گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے کہنے

الْاَعْلٰی - یعنی ڈرو نہیں کیونکہ تو ہی غالب ہوگا اے یہودی اگر آج حضرت موسٰے علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت پر ایمان نہ لاتے تو ان کا کوئی عمل قبول نہ کیا جاتا اور اس کو اپنی نبوّت کوئی فائدہ نہ دیتی۔ اے یہودی جب میری ذریت سے مہدی کا خروج ہوگا تو حضرت عیسٰی بن مریمؑ اتریں گے اور اس کی نصرت کریں گے اور بوقت نماز ان کو اپنے آگے کھڑا کر کے ان کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے۔

فَتَنَازَعُوْٓا [188] - یعنی ایک الگ مقام پر جا کر جادوگروں نے اور فرعون کے سربرآوردہ آفیسروں نے فرعون کی صدارت میں ایک کانفرنس کی جس میں اپنی فتح یابی کی ہر ممکن تجویز پر غور کیا گیا وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ دونو ہماری سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے اقتدار کا تختہ الٹنا چاہتے ہیں اگر آج ان کے جادو کا سر توڑ مقابلہ نہ کیا گیا اور یہ مغلوب نہ ہو سکے تو ہمیں اس ملک سے اور اس کے اقتدار سے مجبوراً الگ ہونا پڑے گا۔ مُثْلٰی - کا معنی افضل ہے کیوں کہ یہ اَمْثَلْ کی مونث ہے اور اس سے مراد جاہ و جلال اور سلطنت و حکومت ہے۔

أٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝٧٠ قَالَ أٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ

لگے ہم ایمان لائے موسیٰ اور ہارون کے رب پر (فرعون نے) کہا کیا تم ایمان لائے میری اجازت سے

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

پہلے وہ تمہارا (استاد) و بزرگ ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے (پس تم اس کے ساتھ مل گئے ہو) پس ضرور کاٹوں

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫

گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف جہت سے اور تم کو سُولی پر لٹکاؤں گا کھجور کے تنے پر اور تمہیں

اِنْ هٰذٰنِ - اس میں تین قرائتیں مشہور ہیں (۱) اِنَّ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ نحوی لحاظ سے اس کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں۔ ولیکن علامہ طبرسیؒ نے جو توجیہ پسند کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ لغت بنی کنانہ کے مطابق ہے اور وہ لوگ تثنیہ کو رفع نصب اور جر میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں (۲) اِنَّ هٰذَيْنِ لَسٰحِرٰنِ - یہ قرأت نحوی مشہور طریقہ کے مطابق ہے لیکن تمام قرآنوں کا موجودہ اعراب اس کے خلاف ہے (۳) اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ - اس کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ اِنْ مخففہ ہے اِنَّ ثقیلہ سے اس کا اسم ضمیر ہے اور هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ اِنَّ کی خبر ہے اور چونکہ اِنْ مخففہ ہے لہذا خبر میں لام کا داخل کرنا ضروری ہے تاکہ اِن نافیہ سے التباس نہ ہو۔

فَاَجْمِعُوْا - فرعون نے اپنے اقتدار ناپائیدار کی بحالی کے لئے اپنے دور حاضر کے مفکرین دانشوروں اور سائنس دانوں کے کمالات کو منظر عام پر لاکر عوام کو مرعوب کرنا چاہا پس صاحبانِ فن کو ہدایت کی کہ پُوری تیاری کر کے میدان مقابلہ میں قدم رکھیں چنانچہ حسبِ وعدہ جب فریقین اکٹھے ہوئے تو حضرت موسٰے نے فرعونی فن کاروں کو پہل کرنے کی پیش کش کی، انہوں نے میدان میں اپنی رسیوں کو ڈالا جن میں پارہ بھرا ہُوا تھا پس تمازت آفتاب سے پارہ نے حرکت کی اور رسیاں بھی متحرک نظر آئیں لوگوں نے واہ واکی صدائیں بلند کیں اور فرعون خوشی سے پھولا نہ سمایا حتّٰی کہ حضرت موسٰے بھی گھبرانے لگے تو فوراً وحی ہوئی کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں تم عصا کو تو ذرا پھینکو۔ چنانچہ حسب الحکم موسٰے نے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ اژدہا بن گیا اور ان کے رسیوں سے بنائے ہوئے سانپوں کو کھا گیا اور منقول ہے پہلے اژدھا نے تمام صفوں کا چکر کاٹا اور پھر رسیوں کو کھایا اور جب موسٰے علیہ السلام نے اٹھایا تو ویسے کا ویسا عصا تھا پس اس کا اثر یہ ہُوا کہ تمام جادوگروں پر حضرت موسٰے کی نبوت کا انکشاف ہوگیا اور وہ تائب ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ ہم نے جادو اور معجزہ کے درمیان فرق اپنی نو تصنیف کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں کر دیا ہے اس کا مطالعہ کیجئے۔ فرعون سخت شرمندہ ہُوا پس اپنی خفت اور شرمندگی کو مٹانے کے لئے جادوگروں پر فوراً الزام عائد کر دیا کہ دراصل تم اس سے ملے ہوئے تھے اور وہ تمہارا فن کا استاد ہے لہذا

وَلَتَعۡلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبۡقٰى ﴿٧١﴾ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَكَ عَلٰى

پتہ چلے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت و دائمی ہے کہنے لگے ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے

مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ وَالَّذِىۡ فَطَرَنَا فَاقۡضِ مَآ اَنۡتَ قَاضٍ ؕ

اس پر جو ہمارے پاس آچکی ہیں دلیلیں اور اس پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے پس تو کرلے جو کچھ کرسکتا ہے

اِنَّمَا تَقۡضِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ؕ ﴿٧٢﴾ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغۡفِرَ لَنَا

پس تیرا فیصلہ تو صرف اسی زندگی، دنیا تک محدود ہوگا ہم ایمان لائے اپنے رب پر تاکہ بخشے

خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكۡرَهۡتَنَا عَلَيۡهِ مِنَ السِّحۡرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ﴿٧٣﴾

ہمارے گناہوں کو اور اس کو جو تو نے ہمیں جبراً کرایا ہے جادو اور اللہ (تجھ سے) بہتر ہے اور (اس کا ثواب) باقی ہے

اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا

تحقیق جو بھی آئے اپنے رب کے پاس مجرم ہوکر تو اس کے لئے دوزخ ہے کہ نہ مرے گا اس میں

وَلَا يَحۡيٰى ﴿٧٤﴾ وَمَنۡ يَّاۡتِهٖ مُؤۡمِنًا قَدۡ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۤئِكَ

اور نہ جئے گا اور جو آئے اس کے پاس مومن ہو کے عمل نیک کرتا ہو تو ان کے

لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الۡعُلٰى ۙ ﴿﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

لئے درجے ہیں بلند ہمیشگی کے باغات جن کے نیچے نہریں

تمہیں اس حکومتی غداری کے جرم میں پھانسی کی سزا دی جائے گی اور تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تمہیں سولی پر لٹکایا جائے گا لیکن فرعون کی یہ دھمکی ان کے ایمان کے لئے مزید پختگی کا سامان مہیا کرگئی اور عوام کے سامنے اس کی بے بسی و بے چارگی منظر عام پر آگئی پس اس کے دعوائے خداوندی کا جنازہ نکل گیا۔

وَمَاۤ اَكۡرَهۡتَنَا۔ کہتے ہیں جادوگروں نے فرعون سے خواہش کی تھی کہ ہم موسیٰ کو بستر خواب پر سویا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ ان کے لئے موقعہ فراہم کیا گیا جب انہوں نے دیکھا تو موسیٰ سوئے ہوئے تھے اور عصا بصورت اژدہا ان کا پہرہ دے رہا تھا۔ انہوں نے اسی وقت کہہ دیا کہ یہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے کیونکہ جادو نیند کی حالت میں قائم نہیں رہتا لیکن باوجود اس کے بھی فرعون نے ان کو مقابلہ کے لئے مجبور کیا تھا جس کا بعد میں انہوں نے اظہار کیا۔

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَ لَقَدْ اَوْ

جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بدلہ اس کا ہے جو (ایمان کے ذریعے کفر سے) پاکیزہ ہو جائے اور تحقیق ہم

حَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى ۙ۬ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا

نے وحی کی موسٰے کو کہ بوقت شب لے چلو میرے بندوں کو پس ظاہر کرو ان کے لئے راستہ سمندر

فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ

میں خشک کہ نہ ڈرو گے تعاقب سے اور نہ خطرہ ہوگا (ڈوبنے کا) پس تعاقب کیا

فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ؕ ﴿۷۸﴾ وَ

ان کا فرعون نے لشکر کے ہمراہ پس ڈبو دیا ان کو پانی نے جو ڈبو دینے کا حق تھا اور

تفسیر صافی میں ہے جادوگروں کی تعداد ستر ہزار تھی ہر ایک کے پاس ایک رسی اور ایک عصا تھا اور نہج البلاغہ سے مروی ہے کہ حضرت موسٰے اپنے نفس کے لئے نہیں گھبرائے تھے بلکہ عوام جہلا کی غوغا آرائی اور حکومت جور کی دھاندلی کی وجہ سے پہلی بار گھبرا گئے تھے لیکن وحی الٰہی کے بعد مطمئن ہو گئے۔

تفسیر صافی میں بروایت احتجاج حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت موسٰے علیہ السلام کے دل میں خوف پیدا ہوا اور اپنا عصا پھینکا تو زبان پر یہ لفظ جاری کئے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ لِمَا اٰمَنْتَنِيْ ۔ یعنی اے اللہ میں محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے امن عطا فرما تو ارشاد قدرت ہوا۔ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۔ یعنی ڈر نہیں کیوں کہ تو ہی غالب ہوگا باقی قصہ پہلی جلدوں میں گزر چکا ہے

رکوع نمبر ۱۳۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا ۔ یعنی معجزات دیکھ چکنے کے بعد جب فرعون اور اس کی قوم نے ایمان لانے سے سرتابی کی تو خدا نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ۔ جغرافیائی قرائن اور تاریخی واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موسٰے علیہ السلام صحرائے سینا کی طرف بنی اسرائیل کو لے آئے اور یہی وہ صحرا ہے جس میں بنی اسرائیل ایک مدت مدید تک سرگردان رہے اور یہیں من و سلویٰ اترتا رہا اور اسی میں حضرت ہارون کا انتقال ہوا۔ پس اس لحاظ سے جس پانی کو عصا مار کر خشک کر کے راستے بنائے گئے تھے وہ بجائے دریائے نیل کے بحر قلزم کا پاٹ ہی زیادہ قرین قیاس ہے چنانچہ بعض مفسرین بھی اسی رائے کو صحیح سمجھتے ہیں اور مورخین بھی اسی خیال کو ترجیح دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

لَا تَخَافُ ۔ حال ہے یعنی اللہ نے وعدہ فرمایا کہ تجھے فرعون کے تعاقب سے ڈر نہ ہوگا کیونکہ اللہ کے علم میں اس کی غرقابی

أَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ﴿٧٩﴾ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ

گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ ہدایت کی اے اولاد یعقوب تحقیق ہم نے

أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنَ

تم کو بچایا تمہارے دشمن سے اور تم سے وعدہ کیا طور کے دائیں طرف کا (مناجات اور تورات کے لئے)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ﴿٨٠﴾ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا

اور اتارا تم پر من اور سلوی (اور کہا) کھاؤ اس سے جو پاکیزہ رزق ہم نے

رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَنْ

تم کو دیا ہے اور اس میں تجاوز نہ کرو ورنہ تم پر میرا غضب اترے گا اور جس

کا فیصلہ ہو چکا تھا اور پانی سے عبور کے خطرہ کی بھی نفی کر دی کہ عصا مار کر بصورتِ اعجاز خشک راستے بنا کر نکل جاؤ گے۔ فرعون کے تعاقب اور غرقابی کا قصہ دوسری جلد میں مفصل گذر چکا ہے۔

وَأَضَلَّ ۔ تفسیر صافی میں بروایت ابن عباس منقول ہے کہ فرعون نے جب ربوبیت کا دعویٰ کیا بلکہ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کہا اور سمندر کے کنارے پر پہنچا تو پانی کو خشک پایا پس قوم سے خطاب کر کے کہنے لگا دیکھو میرے ڈر سے یہ بھی خشک ہو گیا ہے اور انہوں نے جی ہاں کہہ کر اس کی تصدیق کر لی اسی کی تردید میں فرماتا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو گمراہ کر رکھا تھا۔ پوری تفصیل سورہ شعراء میں بھی آئے گی۔ جلد ۱۰

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۔ بنی اسرائیل کو نعمات کی یاد دہانی کرا رہا ہے کہ ہم نے تمہارے دشمن فرعون کو غرق کر کے تم کو نجات دی پھر کوہ طور کے دائیں طرف تمہیں مناجات تورات اور احکام شریعت کے عطا کرنے کے لئے بلایا اور من وسلوی کھانے کے لئے دیا اور یہ حکم دیا کہ اللہ کا پاکیزہ رزق کھاؤ اور سرکشی نہ کرو ورنہ میرا عذاب تم پر نازل ہوگا۔ آیت میں غضب سے مراد عذاب ہے کیونکہ خدا تغیر سے پاک ہے۔ اسی طرح اس کے حکم کا معنی انعام و اکرام ہوا کرتا ہے کیونکہ غضب کا انجام عذاب اور رحم کا نتیجہ انعام ہوا کرتا ہے پس اس کے اسماء نتیجے کی بنا پر ہیں۔

ثُمَّ اهْتَدَىٰ ۔ ولاءِ آلِ محمد ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد یہ ہے کہ ہماری ولایت اپنے اندر رکھتا ہو اور آپ نے حلفیہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی بندہ پوری زندگی رکن اور مقام کے درمیان عبادتِ پروردگار میں گذار کر مرے اور ہماری ولا نہ رکھتا ہو تو خدا اوندھے منہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا

تفسیر برہان اور صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے آیت مجیدہ پڑھی اور سینہ

يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ

پر میرا غضب اترے گا وہ ہلاک ہوگا اور میں بہت بخشنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرے

وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ

اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور پھر ثابت قدم رہے اور کس قدر تو نے جلدی کی

قَوْمِكَ يٰمُوسٰى ﴿۸۳﴾ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلٰى أَثَرِي وَعَجِلْتُ

اپنی قوم سے اے موسٰے ؟ کہا وہ میرے پیچھے آرہے ہیں اور میں نے جلدی کی

کہتا ہے۔ ثُمَّ اهْتَدٰى ۔ کے بعد اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا اِلٰی وِلَایَتِنَا ۔ تفسیر برہان میں ہے کہ آپ نے سدیر سے فرمایا جب کہ آپ مسجد الحرام میں بیت اللہ کے سامنے تشریف فرما تھے۔ اے سدیر میں تجھے وہ لوگ دکھاؤں جو اللہ کے دین سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ پس دیکھا ایک جگہ مسجد میں امام کوفی اور سفیان ثوری لوگوں کے ایک اجتماع میں بیٹھے تھے۔ فرمایا یہ لوگ ہیں اللہ کے دین سے روگردانی کرنے والے۔ نہ ان کے پاس اللہ کی جانب سے کوئی اجازت نامہ ہے اور نہ قرآن مجید کا ان کو علم حاصل ہے اگر یہ بدباطن لوگ آرام کرکے گھروں میں بیٹھ جاتے تو لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا موقعہ ملتا اور ہم سے خدا و رسول کے احکام حاصل کرتے۔ اس مقام پر احادیث بکثرت موجود ہیں کہ یہاں ہدایت سے ولائے آلِ محمد ہے اور تفسیر صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت مجیدہ کے حوالہ سے بخشش خداوندی کے چار دروازے بتلائے گئے ہیں (۱) توبہ (۲) ایمان (۳) عمل صالح (۴) اور ولائے آلِ محمدؐ اور فرمایا پہلی تینوں شرطیں کارآمد نہیں جب تک چوتھی شرط پوری نہ ہو۔

وَمَا أَعْجَلَكَ ۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ پوری قوم یا زعمائے قوم کے ہمراہ طور پر جانے کا وعدہ تھا لیکن پانی عبور کرنے کے فوراً بعد حضرت موسٰے تنہا چلے گئے اور ان کو اپنے پیچھے آنے کی ہدایت فرما گئے اور ہارون کو ان پر اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ پس جب خدا نے جلدی آنے کی وجہ دریافت کی تو بتایا کہ تیری خوشنودی اور محبت کی وجہ سے جلدی پہنچا ہوں

تفسیر صافی میں مصباح الشریعہ سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس کو کسی شے کا شوق ہو اس کو کھانا پینا، سونا دوست گھر آبادی لباس اور مسکن وغیرہ کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ بلکہ شب و روز اس کی عبادت کرکے اپنی شوق کو پورا کرنے کا امیدوار رہتا ہے اور اپنے قلبی مقصد کو پورے شوق سے زبان پر لاکر محو مناجات ہوتا ہے۔ چنانچہ موسٰے علیہ السلام کو وعدہ گاہ پر پہنچنے کا شوق تھا اور حضرت رسالت مآب نے فرمایا کہ آتے جاتے ہوئے لقاءِ پروردگار کے شوق میں حضرت موسٰے نے چالیس روز تک نہ کھایا نہ پیا اور نہ سوئے بلکہ ان چیزوں کی خواہش تک نہ کی۔

اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ
تیری طرف اے رب تاکہ تو راضی رہے فرمایا ہم نے امتحان لیا ہے تیری قوم کا تیرے بعد
بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ
اور ان کو گمراہ کر دیا ہے سامری نے پس واپس لوٹے حضرت موسےٰ قوم کی
غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا
طرف غصہ کی حالت میں ارمان کرتے ہوئے کہنے لگے اے قوم کیا تمہارے ساتھ تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہیں

اکثر مفسرین کی رائے میں کوہ طور پر جانے کا وعدہ صرف موسےٰ سے تھا اور انہوں نے تنہا ہی جانا تھا اور آیت نمبر ۸۰ میں جمع مخاطب کی ضمیر مجاز کے طور پر ہے اور موسےٰ علیہ السلام نے قوم کو صورتِ حال سے آگاہ کر دیا تھا پس وہ انتظار میں ٹھہر گئے اور حضرت موسےٰ کی جانب سے ہارون خلیفہ تھے ۔ بنا بریں جلدی کے سوال کا مقصد یہ ہوگا کہ پانی عبور کرنے کے بعد بلا توقف کیوں چلے آئے ہو تو موسےٰ نے یہ جواب دیا کہ قوم میری انتظار میں ہے اور تیری رضا مقصود ہے ۔

قَدْ فَتَنَّا ۔ یعنی تیرے چلے آنے کے بعد ہم نے تیری قوم کو امتحان میں ڈال دیا کہ انہوں نے ایک گوسالہ کی پرستش شروع کر دی اور سامری نے اُن کو گمراہ کر ڈالا ہے تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت موسےٰ کے چلے جانے کے بعد ابلیس نے ایک آدمی کی شکل میں آکر ان کو اس غلط راستے کی طرف لگایا تھا ۔

سامری حضرت موسےٰ کی قوم سے تھا اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہ شخص اہل کرمان سے تھا لیکن بنی اسرائیل میں بہت مقبول تھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ شخص دراصل ایسی جگہ کا رہنے والا تھا جہاں لوگ گوسالہ پرستی کرتے تھے اور اس کا اپنا دین یہی تھا حضرت موسےٰ علیہ السلام کے لشکر میں یہ سب سے آگے تھا اس نے حضرت جبریل کی سواری کے قدموں کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ جہاں اس کا قدم پڑتا ہے اس جگہ کی مٹی میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے پس اس نے وہ مٹی اٹھالی ۔ اور اپنے پاس محفوظ رکھ لی پس جب ابلیس بشکل انسانی بنی اسرائیل کو گمراہ کرنے کے لئے آیا تو بنی اسرائیل قبطیوں سے حاصل کردہ سونا لے کر آگ میں پگھلایا اور گوسالہ کی شکل میں اس کو ڈھال دیا ۔ پس سامری سے مٹی لے کر اس کی ایک چٹکی اس میں ڈال دی تو اس میں حرکت بھی پیدا ہوگئی اور چمڑا اور بال بھی اُگ آئے پس کہا گیا کہ تمہارا یہ خدا ہے لہذا اس کی پرستش کرو ۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی اکثریت اس شیطانی جال میں پھنس گئی جن کی تعداد چھ لاکھ تک مذکور ہے اور حضرت ہارون کی نصیحت پر عمل کرنے والے اور اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں کی تعداد بارہ ہزار منقول ہے

فَرَجَعَ مُوْسٰى ۔ حضرت موسےٰ چالیس دن گزرنے کے بعد تورات اور احکام شریعت حاصل کر کے نہایت افسردہ خاطر اور

حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ

کیا تھا کیا لمبی ہوگئی تم پر وعدہ (کی مدت) بلکہ تم نے ارادہ کیا کہ اترے تم پر غذاب

عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾

تمہارے رب کا پس تم نے میرے وعدہ کا خلاف کیا

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ

کہنے لگے (مجبوری تھے) نہیں خلاف کیا ہم نے تیرے وعدہ کا اپنے بس سے لیکن اٹھائے گئے

زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

ہم بوجھ قوم کے زیورات سے پس پھینک دیا ان کو پس اسی طرح پھینک دیا سامری نے بھی

غضب ناک ہو کر واپس پلٹے اور قوم کو سرزنش کی کہ تمہارے ساتھ پروردگار کا وعدہ تھا کہ میں تم کو کتاب اور شریعت دوں گا چنانچہ اس نے وعدہ ایفاء فرمایا ہے اور چالیس دن کی مدت اتنی لمبی مدت نہ تھی کہ تم اس کے گذرنے کی انتظار نہیں کر سکے پس تسویلات شیطانیہ میں آکر گمراہ ہو گئے کیا تم کو عذاب پروردگار کا خیال بھی نہ آیا کہ تم نے میرے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کی خلاف ورزی کی کہ میں نے تم میں اپنے بھائی ہارون کو خلیفہ مقرر کیا تھا اور تم سب نے اس کی اطاعت کا مجھ سے عہد کیا تھا لیکن میرے چلے جانے کے بعد اس کو تنہا چھوڑ دیا اور عہد کو بھلا کر سامری کے پیچھے ہو لئے اور مروی ہے کہ درمیان میں گوسالے کو کھڑا کر کے اس کے ارد گرد ناچتے کودتے تھے اور ڈھول باجے بجاتے تھے۔

خداوند کریم نے سورہ مزمل میں حضرت رسالتمآبؐ کو حضرت موسےٰ سے تشبیہ دی اور امت اسلامیہ کو اُمّت موسویہ سے تشبیہ دی اور حضرت رسالتمآبؐ نے علی کو حضرت ہارون سے مشابہت دی۔ چنانچہ فریقین کی کتب معتبرہ میں یہ حدیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے اور حضرت رسالتمآبؐ کے بعد کے واقعات نے ان خبروں کو من وعن صحیح ثابت کیا ارباب دانش کے لئے یہ مقام باعث نصیحت ہے۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی سرزنش پر وہ لوگ جو گوسالہ پرستی سے بیزار تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام کے فرمانبردار تھے انہوں نے عرض کی حضور! ہم نے اپنے بس اور قدرت سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ ہم مجبور تھے کیونکہ ہم کم اور کمزور تھے اور ہمارے مقابلہ میں وہ زیادہ اور طاقتور تھے پس ہماری زبانی باتوں کو وہ مانتے نہ تھے اور طاقت ہمارے پاس نہ تھی کہ ان کو طاقت سے روکا جاتا۔

وَلٰكِنَّا۔ اس کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) مصر سے روانگی سے پہلے انہوں نے قبطیوں سے زیورات طلب کئے

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ

پس نکالا اس نے ان کے لئے گوسالہ جسم دار کہ وہ بولتا تھا تو وہ کہنے لگے یہ تمہارا اور موسےٰ کا معبوٗد

وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۙ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ

ہے پس بھول گیا (حقیقت ایمان کو) کیا دیکھتے نہیں کہ نہ تو وہ پلٹاتا ہے ان کی طرف

قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ

بات اور نہ وہ ان کے نفع و نقصان کا مالک ہے اور تحقیق ان کو کہا تھا

تھے تاکہ ان کو عید کے موقعہ پر استعمال کریں گے اس کے بعد فوری تیاری کا جو حکم ملا تو وہ زیورات واپس نہ کر سکے اور ان کے پاس رہ گئے۔ (۲) وہ زیورات قبطیوں کے پاس تھے جب وہ غرق ہو گئے تو بقدرتِ خدا پانی کی لہروں نے ان زیورات کو ساحل پر پہنچا دیا پس ان لوگوں نے وہ اٹھا لئے۔

بہر صورت حضرت موسےٰ کے چلے جانے کے ۳۵ دن بعد سامری نے بنی اسرائیل سے تمام زیورات اکٹھے کر لئے اور آگ میں ڈال کر پگھلا کر گوسالہ بنا دیا اور اسے معبود کہہ کر ان کو اس کی عبادت کی دعوت دی جو عوام کالانعام نے قبول کر لی ان لوگوں نے صورت حال سے حضرت موسےٰ کو خبردار کیا جو گوسالہ پرستی میں شامل نہ تھے۔ یعنی انہوں نے بتایا کہ اس کی گمراہی کی ابتداء اس طرح ہوئی۔ بس بھیڑ چال لوگ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی سے دام تزویر میں گرفتار ہو گئے اور جو قلیل تعداد راہ حق پر باقی رہی ان میں اس وبا عام کے روکنے کی جرأت و طاقت نہ تھی۔

عِجْلًا جَسَدًا۔ اس مقام پر جسدًا بدل ہے عجلاً سے۔

فَنَسِيَ۔ یعنی سامری دعوت گمراہی کا علمبردار بن گیا اور ایمان کے تقاضوں کو بھول گیا۔

اَفَلَا يَرَوْنَ۔ ان کو گوسالہ پرستی سے صرف منع نہیں کیا گیا بلکہ دلیل کے ساتھ ان کے مسلک کو باطل کیا گیا ہے۔ کہ معبود تو ایسا ہونا چاہیے جو نفع و نقصان کا مالک ہو بات سُنے اور اس کا جواب بھی دے سکے یہ لوگ عقل کے اندھے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جس کی عبادت کر رہے ہیں اس میں نہ نفع و نقصان کی طاقت ہے اور نہ سُننے اور جواب دینے کی ہمت۔

رکوع نمبر ۱۴

ص ۱۹۸

فُتِنْتُمْ۔ یعنی حضرت ہارون نے اتمام حجت کیا کہ اس امتحان سے نکلو اور اس فتنہ سے بچ کر میری اطاعت

هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ

ہارون نے اس سے پہلے کہ اے قوم بجز اس کے نہیں کہ تمہیں آزمایا گیا ہے اور تحقیق تمہارا رب

الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ

رحمٰن ہے پس میری اتباع کرو اور میری فرمانبرداری کرو کہنے لگے ہم اسی حالت پر

عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ

رہیں گے ثابت قدم یہاں تک کہ پلٹیں ہمارے پاس موسٰے آپ نے فرمایا اے ہارون

مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ

تجھے کونسا مانع تھا جب تونے ان کو گمراہ دیکھا تو میرے پیچھے نہ آیا کیا تو نے حکم عدولی

اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ

کی ہے ؟ جواب دیا اے ماں جائے میری ڈاڑھی اور سر کو نہ پکڑو

اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ

میں تو اس بات سے ڈرا ہوں کہ آپ کہیں گے کہ تونے تفرقہ ڈال دیا بنی اسرائیل میں اور میرے

کرو لیکن وہ اُلٹا درپے ایذا ہوگئے جس طرح ایک اور مقام پر ہے کہ کَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ کہ وہ مجھے قتل کرنے لگے تھے

مَا مَنَعَكَ ۔ معلوم ہوتا ہے حضرت موسٰے نے ہارون کو اپنے پیچھے چلے آنے کو کہا تھا لیکن اب صورت حال کا تقاضا یہ تھا کہ ہارون قوم کو چھوڑ کر کہیں نہ جائیں ورنہ مستقل طور پر بنی اسرائیل دو گروہوں میں بٹ جاتے ایک گروہ گوسالہ پرست اور دوسرا ہارون کا اطاعت گزار ہوجاتا۔ پس حضرت موسٰے کی موجودگی میں اُمّت بٹ جاتی اور یہی معذرت حضرت ہارون نے پیش کی تھی۔

اَفَعَصَيْتَ ۔ حضرت موسٰے کو ہارون کا امر یہ تھا کہ اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ یعنی میری قوم میں میرا خلیفہ بن کر رہ اور ان کی اصلاح کرنا اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا قوم کی گمراہی کی خبر سُن کر جو غصہ سے واپس آئے تو حضرت ہارون سے پوچھا کہ تونے میرے امر کی اطاعت نہیں کی ؟ قوم کی گوسالہ پرستی اور موسٰے و ہارون کے سوال و جواب کی تفصیل جلد ۶ صفحہ ۹۸ تا صفحہ ۱۰۱ پر مفصل گذر چکے ہیں۔

حضرت علیؑ نے تلوار کیوں نہ اٹھائی

تفسیر برہان میں سلیم بن قیس ہلالی سے مروی ہے کہ اشعث بن قیس نے حضرت امیر علیہ السلام سے سوال کیا کہ جب بنو تیم بنو عدی اور بنو امیہ کے افراد بیعت لے کر منبر رسول پر قابض ہوتے رہے تو آپ نے تلوار کیوں نہیں چلائی حالانکہ جب سے آپ کوفہ میں تشریف لائے ہیں جس قدر تقریریں اور خطبے بیان فرمائے ہیں منبر سے اترنے سے پہلے آپ نے اپنا حق دار خلافت ہونا اور رسالت مآبؐ کے بعد اپنا مظلوم ہونا ظاہر فرمایا ہے اس سے بہتر تھا کہ آپ بروقت تلوار کے زور سے اپنا حق حاصل کر لیتے۔ آپ نے فرمایا جب تم نے بات چھیڑی ہے تو جواب بھی سنو۔ میرا تلوار نہ اٹھانا بزدلی یا موت کے ڈر سے نہیں تھا۔ بلکہ رسالتمآبؐ کا فرمان میرے اس اقدام سے رکاوٹ کا باعث تھا کیونکہ مجھے حضورؐ نے امت سے سرزد ہونے والی کرتوتوں کا تذکرہ کیا تھا لہذا میں ان حالات کے رونما ہونے سے پیشتر ان سے خوب باخبر تھا میں نے اسی وقت عرض کی تھی کہ حضور ایسے حالات میں میری تکلیف کیا ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ اگر تجھے مددگار و معاون میسر ہو جائیں۔ تو تلوار اٹھانا ورنہ اپنی قیمتی متاع حیات کی خاطر خاموش ہو جانا جب تک قرآن و سنت کی حدود کو قائم کرنے کے لئے معاون نہ ملیں۔ اور مجھے حضورؐ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ امت مجھے چھوڑ جائے گی اور غیر کی اتباع کرے گی اور فرمایا تھا کہ تیری مثل مجھ سے ایسی ہے جس طرح ہارون موسیٰ سے تھا اسی طرح بعد میں آنے والے امام بھی ہارون کی مثل ہوں گے اس کے بعد آپ نے آیت ۹۲-۹۳-۹۴ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے بھی ہارون کو خلیفہ بناتے وقت یہ فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل اگر گمراہ ہو جائیں اور تیرے پاس معاون موجود ہوں تو ان سے جہاد کرنا ورنہ اپنی جان کی حفاظت کے پیش نظر ہاتھ روک لینا اور تفرقہ ڈالنے کی ناکام کوشش نہ کرنا (چنانچہ حضرت ہارون نے انصار کی کمی محسوس کرتے ہوئے تلوار نہ اٹھائی اور حضرت موسیٰ سے یہی معذرت کی کہ ایسے حالات میں اگر تلوار اٹھاتا تو آپ فرماتے تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ کیوں ڈال دیا ہے اور میری حکم عدولی کیوں کی ہے۔) پس میں نے تلوار نہیں اٹھائی تاکہ مجھے نہ کہا جائے کہ تو نے امت میں تفرقہ کیوں ڈالا ہے اور میرے حکم پر عمل کیوں نہیں کیا؟

رسالت مآبؐ کی رحلت کے بعد لوگوں نے جب بیعت کر لی اور میں رسول کے کفن و دفن میں مشغول تھا تو میں نے قسم کھائی تھی کہ کندھے پر ردا نہ ڈالوں گا۔ سوائے نماز کے وقت جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں گا اور میں نے ایسا ہی کیا پھر (اتمام حجت کے لئے) فاطمہ اور حسنین کو ساتھ لے کر مہاجرین و انصار میں سے ہر ایک کے گھر جا کر اپنی حق کی خاطر اللہ کا واسطہ دے کر نصرت طلب کی لیکن زبیر سلمان مقداد اور ابوذر کے سوا کسی نے میری دعوت پر لبیک نہ کہی اور میرے خاندان میں بھی ایسے افراد نہ تھے جن کی بدولت میں خاطر خواہ اقدام کر سکتا ایک حمزہ تھا جو جنگ احد میں شہید ہو گیا دوسرا جعفر طیار تھا جو جنگ موتہ میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔ باقی عباس اور عقیل بچ گئے جو ناکارے اور کمزور تھے پس میری حالت بالکل ہارون جیسی تھی جیسا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا یَابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ

تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ

حکم کا انتظار بھی نہ کیا فرمایا تو نے کونسا کرتوت کیا ہے اے سامری؟ کہنے لگا میں نے دیکھا

بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ

جو انہوں نے نہ دیکھا پس میں نے مٹھی بھر (خاک) لی فرستادہ خدا (جبریل کی سواری کے) نقش پا سے پس اس

فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ

کو ڈالا اور یہی تجویز پیدا کی میرے لئے اپنے نفس نے فرمایا چلا جا پس تیرے

فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ

لئے ہے کہ کہتا رہے گا نہ چھوؤ اور تحقیق تیرے لئے

مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ اِلٰى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ

ایک وعدہ گاہ ہے جس سے تو پیچھے نہ ہوگا اور دیکھ اپنے معبود کو جس پر تو قائم

عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

تھا ہم اس کو جلائیں گے پھر ہم اس کی خاکستر کو پانی میں پھینک دیں گے

پس میں ہارون کے طریقہ پر ہوں اور رسول کا فرمان میرے لئے حجت ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ - حضرت موسےٰ نے سامری کو بلا کر اس کا بیان سُنا اور بطور سزا کے اس کو نکال دیا اور اللہ نے اس کو دائمی طور پر ایک عذاب میں مبتلا کر دیا کہ جو بھی اس کو ہاتھ لگاتا یا اس کے بدن کو چھوتا تھا وہ فوراً بیمار پڑ جاتا تھا پس لوگ اس سے کنارہ کش ہو گئے اور جنگلوں میں وحشی جانوروں کے ساتھ زندگی گذارنے پر مجبور ہو گیا اور وہ لوگوں کو کہتا پھرتا تھا لَا مِسَاسَ یعنی مجھے کوئی نہ چھوئے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس کی اولاد جو شام و مصر میں کہیں کہیں آباد ہے وہ بھی اسی بلا میں گرفتار ہوتے ہیں پس لامساسی کے لقب سے مشہور ہیں۔

وَانْظُرْ - جس بچھڑے کی پرستش کی گئی تھی اس کو جلا کر اس کی خاکستر کو پانی میں بہا دیا گیا اور یہ اس لئے تاکہ لوگوں کے دلوں سے اس کی عظمت و وقار کا تصور ختم بھی ہو جائے اور وہ سمجھیں کہ جس کو ہم معبود بنائے ہوئے تھے وہ ایک بے بس اور بے چارہ مخلوق تھی جب وہ اپنی ذات کو گرفت و عذاب سے نہ بچا سکی تو کسی دوسرے کے لئے وہ کس طرح نفع یا

إِنَّمَآ إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ

بجز اس کے نہیں کہ تمہارا معبود وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ حاوی ہے ہر شی

شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ مَا قَدْ

پر علم میں اسی طرح قصے بیان کرتے ہیں ہم تجھ پر گذشتہ خبروں سے اور تحقیق

سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ مَنْ أَعْرَضَ

دیا ہم نے تم کو اپنی طرف سے ذکر (قرآن) جو روگردانی کرے اس سے اٹھائے گا وہ

عَنْهُ فَإِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِينَ فِيهِ ۭ

قیامت کے روز بوجھ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي

اور برا ہے ان کے لئے قیامت کے دن بھار جس دن پھونکا جائے گا

الصُّورِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَتَخَافَتُونَ

صور میں اور جمع کریں گے ہم مجرموں کو اس دن نیلگوں چشم سرگوشی کرتے

نقصان کی موجب ہو سکتی ہے اور تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ جن لوگوں نے گوسالہ کی عبادت کی تھی انہی کو بعد میں قاتل کرنے کیلئے گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا گویا مقصد یہ تھا کہ ان کے دلوں سے اس کے معبود ہونے کا تصور تک ختم ہو جائے ۔ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ ۔ ان کے مصنوعی معبود کا انجام اور اس کی غلط کاری کے موجد کا عذاب بیان کرنے کے بعد دعوتِ توحید کا اعلان کیا کہ لائق عبادت و پرستش صرف وہ اللہ ہے جس کا علم ہر شے پر محیط ہے ۔

ذِكْرًا ۔ اس جگہ ذکر سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ اس میں تمام امور دینیہ کا ذکر موجود ہے اور یہ مجاز مرسل ہے ۔ حضورؐ کو گذشتہ واقعات کی بذریعہ قرآن اطلاع دینا بھی حضورؐ کے معجزات میں سے ہے کیونکہ جو شخص ظاہری طور پر کسی عالم کے ساتھ رابطہ نہ رکھتا ہو پھر اس کی زبان سے ایسے واقعات کا بیان ہو جو حرف بحرف سچے ہوں ایمان توحید اور تصدیق رسالت میں منصف مزاج طبائع کے لئے حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ ایسا امر ہے جو عام انسانی مقدور سے بہت بلند و بالا ہے پس ماننا پڑتا ہے کہ اس کلام کے لانے والا عام انسان نہیں بلکہ اپنے خالق کا فرستادہ رسول ہے ۔

بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ

ہوں گے آپس میں کہ تم نہیں ٹھہرے مگر دس دن ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں

اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۴ وَ

جبکہ کہے گا ان میں سے زیادہ دانش مند کہ تم نہیں ٹھہرے مگر ایک دن اور

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا

تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کے متعلق تو کہہ دو اڑا دے گا ان کو میرا رب خوب اڑانا پس کردے

قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ

گا اس کو چٹیل میدان کہ نہ نظر آئے گی اس میں پستی اور نہ بلندی اس دن

حِمْلًا ۔ اونٹ کے بھار پر اس کا اطلاق عام ہے سورہ یوسف میں اس کی تحقیق گذر چکی ہے ۔

زُرْقًا ۔ یعنی بروز قیامت مجرم لوگ کبود چشم محشور ہوں گے یعنی ان کی آنکھیں بلی کی آنکھوں کی طرح ہوں گی اور یہ آنکھوں کا بدترین حلیہ ہے اور عربوں میں اس کو مبغوض ترین سمجھا جاتا ہے بعضوں نے اندھے ہونے سے کنایہ مراد لیا ہے اور بعضوں نے اس کو پیاس کی علامت قرار دیا ہے کہ مجرم پیاسے محشور ہوں گے کہ ان کی پیاس کی علامت آنکھوں کا نیلا رنگ ہوگا ۔

يَتَخَافَتُوْنَ ۔ یعنی مجرم لوگ آپس میں سرگوشی کریں گے ۔ صور اول جس میں سب ذی روح مرجائیں گے اور صور ثانی جس سے سب دوبارہ زندہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور دونو کے درمیان چالیس برس کا فاصلہ ہوگا اور اس دوران میں مجرموں سے عذاب کو روک لیا جائے گا پس دوبارہ اٹھ کر جب اپنے سامنے عذاب کو دیکھیں گے تو چالیس سال کا پرسکون زمانہ ان کو دس دن کی مقدار کے برابر نظر آئے گا بعضوں نے دنیاوی زندگی کے متعلق کہا ہے اور بعض مفسرین نے برزخ کی زندگی مراد لی ہے یعنی ہول محشر کی وجہ سے ان کو گذشتہ مدت بالکل قلیل معلوم ہوگی ۔

اَمْثَلُهُمْ ۔ یعنی جو ان میں زیادہ افضل ہوگا عقل و دانش کے لحاظ سے (طریقہ سے مراد عقل و رائے) وہ تو کہے گا ہم تو ایک دن کی مقدار رہے ہیں ۔ یعنی اس کو گذشتہ مدت ایک دن کے برابر معلوم ہوگی ۔

رکوع نمبر ۱۵

يَسْئَلُوْنَكَ ۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست کسی نے سوال کیا اتنے لمبے چوڑے پہاڑ حشر و نشر کے دن کہاں جائیں گے ؟ تو ارشاد قدرت ہے ان کو کہہ دیجئے ان کو ریگ صحرا کی طرح ذرہ ذرہ کر دیا جائے گا اور تیز آندھی ان کو اڑا کر لے

يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۚ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ

حکم مانیں گے بلانے والے (اسرافیل) کا نہ انحراف ہوگا اس کے لئے اور دب جائیں گی تمام آوازیں خدا کے

فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ

سامنے پس نہ سنو گے مگر آہٹ اس دن نہ نفع دے گی سفارش مگر اس کی جس کو

أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

خدا اذن دے اور اس کی بات پر راضی ہو وہ جانتا ہے جو ان کے

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَ

آگے ہے اور جو پیچھے ہے اور وہ اللہ کا علمی احاطہ نہیں کر سکتے اور

عَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ

ذلیل ہوں گے چہرے حی قیوم کے سامنے اور وہ تحقیق رسوا ہوگا جو شرک کا

ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا

مرتکب ہوگا اور جو عمل کرے گا نیک درحالیکہ مومن ہو پس نہ

جائے گی یا یہ کہ خاکستر بنا کر بذریعہ ہوا ان کو بکھیر دیا جائے گا پس ہموار زمین بچ جائے گی۔

لَا عِوَجَ لَهُ - یعنی جب دوبارہ اسرافیل صور پھونکے گا تو بلاپس و پیش سب حاضر ہوں گے نہ حکم عدولی ہوگی اور نہ بہانہ طلبی

هَمْسًا - بعضوں نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ جو لوگ دنیا میں حکمران بن کر بلند آوازوں سے جھڑکتے اور امر یا نہی کرتے تھے وہ دبی آوازوں سے حاضر ہوں گے۔

رَضِيَ لَهُ - یعنی جن کی شفاعت پر خدا راضی ہوگا اور جن کو اجازت دے گا وہ شفاعت کر سکیں گے وہ انبیاء و آئمہ ہوں گے بلکہ خواص شیعہ بھی اس شرف سے مشرف ہوں گے۔

الْوُجُوهُ - چونکہ ذلت کا اثر چہرہ پر ہوتا ہے اس لئے ذکر کیا گیا ہے نیز ممکن ہے امرا روسا اور سلاطین مراد ہوں۔

ظُلْمًا - اس سے مراد شرک لیا گیا ہے کہ جس کی پونجی شرک ہو وہ یقیناً محشر میں ذلیل و خوار ہوگا۔

ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا - ظلم سے مراد ہے ناکردہ گناہ کا اس سے مواخذہ نہ ہوگا اور ہضم سے مراد ہے اس کے اعمال حسنہ

يَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

ڈرے گا ظلم سے اور نہ حق تلفی سے اور اسی طرح ہم نے نازل کیا قرآن عربی

وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ

اور پھیر پھیر کر بیان کیں ہم نے اس میں دھمکیاں تاکہ وہ ڈریں یا پیدا کرے (قرآن)

لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ

ان کے لئے کوئی نصیحت پس بلند ہے اللہ بادشاہ سچا اور نہ جلد بازی کرو

بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۠ وَقُلْ رَّبِّ

قرآن پڑھنے میں پہلے اس سے کہ پوری ہو جائے تجھ پر اس کی وحی اور کہہ اے رب

زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ

زیادہ کر میرا علم اور تحقیق عہد کیا ہم نے آدم کے ساتھ پہلے پس بھول گیا اور نہ

کی جزا باطل نہ ہوگی۔ یا یہ کہ نہ اس کی جزا کو بالکل باطل کیا جائے گا اور نہ اُس کو اپنے حق سے کم صلہ دیا جائے گا۔

وَكَذٰلِكَ۔ اس کا عطف محذوف پر ہے یعنی ہم نے تجھے قیامت کی خبروں سے آگاہ کیا اور اسی طرح ہم نے تجھ پر قرآن اُتارا۔

فَتَعَالَى اللّٰہ۔ یعنی اس کی صفات مخلوق کی صفات سے بلند ہیں پس کوئی بھی صفات میں اس کے مشابہ نہیں ہوسکتا اس کی قدرت ہر قادر سے زیادہ اور اس کا علم ہر عالم سے اتم ہے کیونکہ اس کے علاوہ ہر قادر و عالم اس کا محتاج ہے لیکن وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نیز اس کے علاوہ ہر قادر کسی شے پر قدرت رکھتا ہے تو کئی چیزیں اس کے حیطۂ قدرت سے باہر بھی ہوتی ہیں اسی طرح ہر عالم اگر کچھ چیزوں کو جانتا ہے تو کئی چیزیں اس کی علمی دسترس سے خارج بھی ہوتی ہیں لیکن اللہ کی قدرت و علم ہر شے پر محیط ہے اسی طرح اس کا غیر جس چیز کا عالم ہے اس پر سہو و نسیان طاری ہو سکتا ہے لیکن اللہ کے علم و قدرت پر زوال ممکن نہیں پس اس کی سلطنت و حکومت، دنیا و آخرت پر حاوی ہے اور وہی صحیح ملکِ دنیا و آخرت کا مالک ہے۔

قُلْ رَّبِّ۔ علم کی عظمت شان کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ رسولِ خدا کو باوجودیکہ انتہائی مرتبہ کمال پر فائز تھے زیادتی علم کی دعا کا حکم دیا گیا کیونکہ علم کی بدولت ہی انسان حیوان سے امتیاز حاصل کر سکتا ہے۔

نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

پایا ہم نے اس میں پختگی کو اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کے لئے تو سب نے سجدہ کیا

اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا

مگر ابلیس نے انکار کیا تو ہم نے کہا اے آدم تحقیق یہ تیرا اور تیری زوجہ کا دشمن ہے ایسا نہ ہو

يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ

کہ تمہیں نکال دے جنت سے اور تم کو تکلیف ہو تحقیق تیرے لئے یہاں نہ

فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

بھوک ہے اور نہ عریانی اور تحقیق نہ تیرے لئے اس میں پیاس کا ڈر ہے نہ دھوپ کا ڈر

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى

تو وسوسہ ڈالا اس کی طرف شیطان نے اے آدم کیا تجھے پتہ دوں ہیشگی کے

شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ

درخت کا اور ایسے ملک کا جو کہنہ نہ ہو پس دونوں نے کھا لیا اس سے

اور اسی کی وساطت سے حضیض ناسوت کو چھوڑ کر اوج رفعت کی طرف قدم بڑھا سکتا ہے ہم نے علم کے فضائل مقدمہ تفسیر میں ذکر کئے ہیں۔

فَنَسِيَ - خدا نے حضرت آدم کی طرف نسیان کی نسبت دے دی اور اس کا معنی غفلت یا ترک کیا گیا ہے پس شجرہ ممنوعہ کے قریب جانا عمداً نہیں بلکہ سہواً تھا اور لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کا بھی غالباً یہی مقصد ہے کہ عمد نہیں تھا پس اخطائی تھی خطا نہ تھی

رکوع نمبر ۱۶

آدم کا ذکر

وَاِذْ قُلْنَا - ضروری امور کی تشریح و تفسیر چھٹی جلد صہ ۱۹ اور دوسری جلد صہ ۹۶ پر ملاحظہ ہو۔ نیز عصمت آدم پر عقلی بیان مقدمہ تفسیر میں بھی گزر چکا ہے۔

وَعَصٰٓى اٰدَمُ - یہ مشکلات قرآنیہ میں سے ہے اور عصیان سے مراد یہاں امر ارشادی کی خلاف ورزی ہے جس کو ترک اولیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے مقدمہ تفسیر اور دوسری جلد میں پوری تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ز

تو ظاہر ہو گئی ان پر ان کی عورتیں اور شروع ہو گئے کہ سیتے تھے اپنے اوپر جنت کے پتے اور خلاف

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ

کیا آدم نے اپنے رب کے حکم کا پس ناکام ہوا، پھر اس کو چن لیا اس کے رب نے تو اس کی

عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

توبہ قبول کی اور ہدایت بخشی فرمایا اترو اس سے سب کہ تمہارا بعض دوسرے بعض کا دشمن

عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ

ہو گا پس آئے گی تمہارے پاس مجھ سے ہدایت تو جو اتباع کرے گا میری ہدایت کی نہ گمراہ ہو گا

فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ

اور نہ ناکام رہے گا اور جو روگردانی کرے گا میرے کلام سے تو اس کے لئے تنگ گذران

مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ

ہو گی اور اس کو محشور کریں گے ہم قیامت میں اندھا کہے گا اے رب

غَوٰی۔ اس کا معنی مقصد میں ناکامی ہوا کرتا ہے جیسا کہ مجمع البیان میں ذکر کیا گیا ہے۔ تفسیر برہان میں ہے عصمت انبیاء کے موضوع پر ایک مناظرہ میں امام رضا علیہ السلام نے فرمایا حضرت آدم زمین کی خلافت اور نبوت کے لئے آئے تھے نہ کہ جنت کے لئے اور یہ قصہ جنت میں ہوا جس کا آدم کی خلافت و نبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ۔ یہاں ثمّ اور فا ترتیب کے لئے نہیں بلکہ مطلقاً بیان مقصد کے لئے ہیں ایسا نہیں کہ اس واقعہ کے بعد آدم کا چناؤ ہوا بلکہ پہلے سے وہ برگزیدہ خدا تھے نیز آدم کا ترک اولیٰ اگر نافرمانی پروردگار ہوتی تو نبوت کے لئے ان کا انتخاب ناممکن ہو جاتا جیسا کہ مذہب امامیہ کے مسلمات میں سے ہے۔

وَهَدٰی۔ یعنی اللہ نے ان کلمات کی طرف آدم کی رہبری فرمائی جو قبول توبہ کے لئے وسیلہ تھے۔

بَعْضُكُمْ۔ یہ اولاد آدم کے متعلق ہے یعنی تمہاری اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہو گی پس میرے حکم کی اتباع نجات و کامرانی کا معیار ہو گی۔

فَلَا یَضِلُّ - یعنی اللہ کے فرمان پر چلنے والا نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں ناکام ہوگا۔
مَعِیشَۃً ضَنکًا - مقصد یہ ہے کہ کفار و منافقین کو دنیا میں خواہ کس قدر وسیع مال و دولت عطا ہو جنت کی نعمات کے مقابلہ میں یہ تنگ گذران اور تکلیف دہ روزی ہے کیونکہ اوّل تو صحیح معنوں میں اکثریت کفار کی تنگیٔ رزق کے عذاب میں گرفتار ہوتی ہے اور جن کے پاس مال و دولت ہوتی ہے وہ بخل کے عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں نہ خود اچھا کھا سکتے ہیں اور نہ صدقہ خیرات کر کے دوسروں کی بھلائی چاہتے ہیں وہ خزانے کے سنتری سپاہی کی طرح صرف رقم و پیسہ کو دیکھتے ہی رہتے ہیں ان کے اپنے نصیب میں کچھ نہیں ہوتا اور اگر کوئی مالدار بالفرض بخیل نہ بھی ہو، تو وہ حرص کے عذاب میں مبتلا ہوتا ہے کہ جمع کرنے اور ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے کا حرص و لالچ جمع شدہ مال سے لذّت اندوز ہونے کی اس کو فرصت نہیں دیتا۔ پس اس کے نصیب میں وہی تنگ گزران ہی ہوا کرتی ہے بخلاف اس کے مومنوں کے لئے جنت میں رزق کشادہ ہوگا۔ جو ہر قسم کی میل و کدورت اور رنجش و کوفت سے مبرّا و منزّہ ہوگا۔ نیز مومن اگرچہ دنیا میں ظاہری طور پر تنگ گذران رکھتا ہو لیکن آخرت میں کفار کے لئے جو جہنم میں خورد و نوش کا سامان مہیا ہے اس کے مقابلہ میں یہ رزق وسیع اور بدرجہا بہتر ہے۔

اَعْمٰی مٹ - منقول ہے کہ دشمنِ خدا جب قبر سے نکلے گا تو آنکھیں ٹھیک ہوں گی لیکن اس کے بعد اس کو اندھا کر دیا جائے گا اسی لئے تو وہ کہے گا اے پروردگار میں تو بینا تھا اب اندھا کیوں ہو گیا ہوں۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے معاویہ بن عمار نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ مالدار آدمی اگر حج نہ کرے تو اس کا انجام کیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا یہ انہی لوگوں میں سے ہوگا جن کے متعلق فرماتا ہے کہ ہم ان کو بروز قیامت اندھا محشور کریں گے۔ المنبر

عالمِ برزخ تفسیر برہان میں بروایت امالی شیخ ابو اسحاق ہمدانی سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے مصر کی گورنری کے وقت محمد بن ابی بکر کو جو ہدایت نامہ لکھا تھا کہ اہل مصر کو سنائے اس میں یہ کلمات بھی تھے

اے اللہ کے بندو جس کی مغفرت نہ ہو اس کے لئے موت کے بعد معاملہ موت سے بھی سخت تر ہے۔ قبر کی تنگی درشتی تاریکی اور تنہائی سے ڈرو اِنَّ الْقَبْرَ یَقُوْلُ کُلَّ یَوْمٍ اَنَا بَیْتُ الْغُرْبَۃِ اَنَا بَیْتُ التُّرَابِ۔ اَنَا بَیْتُ الْوَحْشَۃِ اَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ الْھَوَامِ۔ یعنی قبر ہر روز ندا دیتی ہے کہ میں تنہائی کا گھر ہوں۔ میں مٹی کا گھر ہوں اور میں کیڑے مکوڑوں کا گھر ہوں وَالْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ۔ اور قبر یا تو جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہوگا اور یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوگا اِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ اِذَا دُفِنَ قَالَتْ لَہُ الْاَرْضُ مَرْحَبًا وَّ اَھْلًا قَدْ کُنْتَ مِمَّنْ اُحِبُّ اَنْ تَمْشِیَ عَلٰی

لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ

کیوں تو نے مجھے محشور کیا ہے اندھا حالانکہ میں بینا تھا فرمائے گا اسی طرح پہنچیں تیرے

اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ

پاس میری آیتیں تو تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا اور اسی طرح ہم جزا دیں گے

مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

جو حد سے بڑھے اور ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر اور البتہ آخرت کا عذاب

اَشَدُّ وَاَبْقٰی ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ

سخت تر اور دیرپا ہوگا کیا ان کو عبرت حاصل نہ ہوئی کہ کس قدر ہم نے ہلاک کیا ان سے پہلے زمانوں

ظَهْرِیْ فَاِذَا وُلِّیْتُكَ نَسْتَعْلَمُ كَیْفَ صُنْعِیْ بِكَ فَیَتَّسِعُ لَهٗ مَدَّ الْبَصَرِ۔ تحقیق مومن جب دفن ہوتا ہے تو زمین اُسے خوش آمدید اور مرحبا کہتی ہے اور یہ کہ تو جب میری پشت پر چلتا تھا مجھے پیارا لگتا تھا۔ اب جب کہ تو میری گود میں آپہنچا ہے تجھے پتہ چلے گا کہ میں تیرے ساتھ کونسا سلوک کرتی ہوں۔ پس حد نگاہ تک کھلی ہو جائے گی وَاِنَّ الْكَافِرَ اِذَا دُفِنَ قَالَتْ لَهُ الْاَرْضُ لَا مَرْحَبًا وَلَا اَهْلًا لَقَدْ كُنْتَ مِنْ اَبْغَضِ مَنْ یَمْشِیْ عَلٰی ظَهْرِیْ فَاِذَا وُلِّیْتُكَ نَسْتَعْلَمُ كَیْفَ صُنْعِیْ بِكَ فَتَضُمُّهٗ حَتّٰی تَلْتَقِیْ اَضْلَاعُهٗ اور تحقیق کافر جب دفن ہوتا ہے تو اس کو کہے گی نہ تیرے لئے مرحبا اور نہ خوش آمدید کیونکہ جب تو میری پشت چلتا تھا تو مجھے چلنے والوں میں سے مبغوض ترین معلوم ہوتا تھا اب تو میرے قبضہ میں آپہنچا ہے میں تجھے دکھاؤں گی کہ کیا کرتی ہوں پس اس کو اس طرح دبائے گی کہ اس کی پسلیاں چور چور ہو کر اکٹھی ہو جائیں گی اور فرمایا مَعِیْشَةً ضَنْكًا جو قرآن مجید میں مذکور ہے وہ عذاب قبر کے متعلق ہے کہ قبر میں کافر پر ۹۹ سانپ مسلط کئے جائیں گے جو اس کا گوشت نوچیں گے اور ہڈیاں توڑ کھائیں گے اور قیامت تک اس کو اسی عذاب میں گرفتار رکھیں گے اور وہ سانپ ایسے ہوں گے کہ اگر ان میں سے ایک سانپ زمین کی طرف اپنی سانس نکالے تو عمر بھر اس سے کوئی انگوری پیدا نہ ہو سکے گی۔ اللہ کے بندو! تمہارے کمزور نفسوں اور نرم و نازک جسموں کے لئے جن کو معمولی گذران کافی ہے یہ عذاب ناقابل برداشت ہے پس اگر اپنے جسموں اور جانوں کو اس ناقابل برداشت اور غیر معمولی عذاب سے بچانا چاہتے ہو تو وہ عمل کرو جو اللہ کو پسند ہو اور ایسے اعمال سے بچو جو اس کو ناپسند ہوں۔

مَنْ اَسْرَفَ۔ ہر بے راہ روی اور حد سے تجاوز کرنے پر اسراف بولا جاتا ہے۔

الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

کو یہ جایا کرتے تھے جہاں وہ رہتے تھے (شام کی طرف) تحقیق اس میں نشانیاں ہیں

لِّاُولِى النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ

صاحبان دانش کے لئے اور اگر پہلے بات نہ ہو چکی ہوتی اور اجل مقدر نہ

لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ

کی جاتی تو لازمی تھا (ان پر فوری عذاب) پس برداشت کرو جو کہتے ہیں اور تسبیح کرو

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَ

اپنے رب کی تعریف کی دن نکلنے سے پہلے اور غروب سے پہلے اور

مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿١٣٠﴾

رات کے وقتوں میں سے پس تسبیح کرو اور دن کے اطراف میں تاکہ خوشنود ہو

رکوع نمبر ۱۷

لَوْلَا كَلِمَةٌ ۔ یعنی اس کی حکمت اور مشیت کا فیصلہ ہے کہ کفار کو عذاب بروز محشر دیا جائے گا اور ان کی زندگی کے لئے ایک اجل یعنی میعاد مقرر کر دی گئی ہے ورنہ اگر یہ فیصلہ نہ ہوتا تو یہ لوگ فوری عذاب میں گرفتار کر لئے جاتے۔ بہرکیف اللہ کی طرف سے ان کی توبہ کے لئے وقت کو لمبا کر دیا گیا ہے اور کھلی مہلت دی گئی ہے تاکہ کسی وقت بھی انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ضد و ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر توبہ کے ذریعے اس کے دامن رحمت سے تمسک کر سکیں اور یہ عذر نہ کریں کہ اگر زندگی طولانی ہوتی (ہمیں توبہ کرنے کا موقعہ مل جاتا پس تائب ہو جاتے۔

اَجَلٌ مُّسَمًّى ۔ اس کا عطف کلمۃ پر ہے۔

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ۔ آیت مجیدہ میں نماز کے اوقات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بعض روایات میں مطلق ذکر خدا مراد لیا گیا ہے سورج سے نکلنے سے پہلے نماز صبح کا وقت ہے اور غروب سے پیشتر نماز عصر اور آناء اللیل میں مغرب و عشا داخل ہیں اور اطراف النہار سے مراد نماز ظہر ہے کیونکہ وہ دن کے نصف اول کے آخری کنارہ کے ساتھ ہے اور دن کے دوسرے نصف کا پہلا کنارہ ہے اور اطراف جمع ہے طرف کی اور اس کا معنی ہے کنارہ۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

اور نہ اٹھاؤ اپنی آنکھیں طرف اس کے جو ہم نے نفع دیا کئی لوگوں کو ان میں سے رونق کا دنیا کی

زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ

زندگی سے تاکہ ان کو آزمائیں اس میں اور تیرے رب کا رزق خوب تر

خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ

اور دیرپا ہے اور حکم دو اپنے اہل کو نماز کا اور ثابت رہو اس پر

لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ﴿١٣٢﴾

ہم تم سے رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور انجام خیر تقویٰ والوں کے لئے ہے

آنَاءِ - اِنْیٌ کی جمع ہے یعنی وقت۔

لَعَلَّكَ - یعنی دن کے ان اوقات میں اور کفار کے طعن و تشنیع پر صبر سے وقت گذارو۔ پس خدا دنیا و آخرت میں تجھ کو وہ انعام و اکرام عطا کرے گا کہ تم راضی ہو گے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ - تفسیر مجمع البیان میں اس کا شانِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ کے پاس مہمان آیا تو آپ نے ابورافع کو ایک یہودی کے پاس آٹے کی کچھ مقدار اُدھار پر خرید کر لانے کو بھیجا لیکن یہودی نے ادھار دینے سے انکار کر دیا۔ پس آپ کو رنج ہوا۔ اور فرمایا اگر وہ ادھار پر دے دیتا تو میں ضرور ادا کرتا کیوں کہ میں زمین و آسمان میں امین ہوں۔ پس اپنی زرہ گروی رکھ کر آٹا خریدا اور یہ آیت آپ کی تسلی اور تسکین قلب کے لئے اتری اور روایت میں ہے۔ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو ایک گھونٹ پانی بھی کسی کافر کو نصیب نہ ہوتا اور تفسیر صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ اپنے سے اونچے طبقہ کے لوگوں کی طرف نگاہ نہ اٹھائی کرو گویا مقصد یہ ہے کہ تسلی حاصل کرنے کے لئے اپنے سے نیچے طبقہ کے حالاتِ زندگی کا جائزہ لے کر شکر پروردگار ادا کیا کرو۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ - روایات میں ہے کہ عامۃ الناس کے علاوہ اہلبیت پیغمبر اس شرف سے بالخصوص مشرف ہیں، کہ نبی علیہ السلام کو اپنی اہلبیت کے لئے نماز کی پیغام رسانی کا الگ حکم ہوا۔ اور اِصْطَبِرْ عَلَيْهَا کے لفظ سے نبی علیہ السلام کو اس عمل پر برقرار رہنے کی دعوت بھی دی گئی۔ چنانچہ آیت مجیدہ کے نازل ہونے کے بعد ہر نماز کے وقت میں آپ در دولت فاطمہ پر تشریف لاتے تھے اور الصَّلٰوۃ کے لفظ سے باوازِ مناسب علی و بتول کو ندا دیتے تھے۔ اور

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ

اور کہنے لگے کیوں نہیں لاتا کوئی نشانی اپنے رب سے کیا ان کے پاس نہیں پہنچی

بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ

واضح حقیقت جو گزشتہ کتابوں میں ہے اور اگر ہم ان کو ہلاک کرتے

بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا

عذاب سے اس (اتمام حجت) سے پہلے تو کہتے اسے رب کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول

فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ

تاکہ تیری آیات کی اتباع کرتے ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے کہہ دو

كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ

ہر ایک منتظر ہے تم بھی انتظار کرو پس جان لوگے سیدھے راستے والے

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١١٥﴾ ع ۱۴

کون ہیں اور ہدایت یافتہ کون ہیں؟

اس کے بعد آیت تطہیر کی تلاوت کرتے تھے اور نو ماہ مسلسل آپ ایسا کرتے رہے اور قمی سے منقول ہے یہ مدینہ کی زندگی میں ہمیشہ کا وتیرہ رہا یہانتک کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ امت پیغمبر نے اپنے پیغمبر کی تمام خواہشات و توقعات پر پانی پھیر دیا اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے جب زندان شام سے رہائی اور مدینہ میں واپسی کے بعد جو اہل مدینہ کو اپنا دردناک حال سنایا اس میں فرمایا اگر ہمارے نانا امت کو ہمارے ساتھ بدسلوکی کی وصیت کر جاتے تو امت اس سے زیادہ نہ کرتی۔ جو اب ہمارے ساتھ کر چکی ہے حالانکہ حضورؐ نے بار بار ہمارے ساتھ احسان اور حسن سلوک کی فرمائش کی تھی۔ اقتدار کی خواہش اور ہوس پرستی نے پیغمبر کے تمام احسانات فراموش کرا دیئے جس دروازہ پر رسول کے قدم پہنچ کر رک جاتے تھے اور تازیست آیہ تطہیر کی تلاوت کا جس دروازہ کو شرف حاصل تھا اسی دروازہ پر لکڑیاں لائی گئیں اور جلانے کی دھمکی دی گئی اور یقین سمجھئے انہی لکڑیوں کا دھواں تھا جو کربلا کے ریگستان میں اہل بیت کے خیام سے بلند ہوا۔

وَقَالُوا لَوْلَا - کفار قریش اور مشرکین مکہ نے یہ عادت بنالی تھی کہ جب بھی حضور ان کو پیغام خداوندی سناتے وہ اعجاز طلبی کی خواہش کو دہرا دیتے تھے اور بار بار معجزات دیکھنے کے بعد بھی ان کا تقاضا ختم نہ ہوا۔ کیونکہ جو معجزہ دیکھتے تھے اس کو جادو سے تعبیر کر لیتے تھے اور ایک نیا سوال پیدا کر کے عوام الناس کو گمراہی پر برقرار رکھنے کے لئے بہانے بناتے تھے خداوند کریم ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے ان سے کہو گذشتہ اقوام کے حالاتِ زندگی اور انبیاء سے ان کی اعجاز طلبی اور معجزہ مانگنے دیکھنے اور انکار کرنے بعد ان کی عذاب خدا میں گرفتاری کے قصّے تو پڑھو اگر ان سے تم کو عبرت حاصل نہیں ہو سکتی تو ویسے بھی نہیں ہو سکتی نیز اگر معجزہ دکھایا گیا اور تم نے انکار کیا تو سابق امتوں کی طرح گرفتار عذاب ہو جاؤ گے اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ آیت مجیدہ میں ان کی اعجاز طلبی کی خواہش کا ذکر نہیں بلکہ انہوں نے حضور کو لاجواب کرنے کے لئے خواہش کی تھی کہ تم ہم کو ڈراؤ نہیں بلکہ پچھلی امتوں کی طرح ہم پر عذاب خداوندی کو لے آؤ پس آیت میں ان کے اس سوال کا جواب ہے۔

لَوْ اَنَّا اَهْلَكْنَا - آیت مجیدہ سے ظاہر ہے کہ خدا اتمام حجت کے بغیر کسی کو عذاب نہیں کرتا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی زمانہ حجت خدا سے خالی نہیں رہ سکتا ورنہ اتمام حجت نہ ہو سکے گی۔ پس رسالتمآبؐ کے بعد ہر زمانہ میں امام وقت حجت تھے اور اب امام آخر الزمان حجۃ العصر قائم آل محمدؐ عجل اللہ فرجہ علیہ السلام خدا کی جانب سے حجت خدا ہیں۔ جو ظاہری طور پر وہ غیبت میں ہیں اور ان کے فیوض سے دنیا باقی اور نظام کائنات جاری ہے جب دنیا جور و ظلم سے پر ہو جائے گی تو وہ ظہور فرمائیں گے اور عدل و انصاف کا دنیا کو گہوارہ بنا دیں گے۔ ہائے کس قدر پرآشوب ہے یہ دور جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں اور کس قدر پرکیف و پرسکون ہو گا وہ جس کو کان سنتے ہیں اور جس کے لئے دل بے تاب ہیں۔

اَللّٰهُمَّ عَجِّلْ فِیْ فَرَجِ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاجْعَلْنَا مِنْ
اَنْصَارِهٖ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ

۱۲
پارہ

سُورَہ اَنبِیَاء

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد ایک سو بارہ ہے (بسم اللہ کے بغیر)

ابی بن کعب سے مروی ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرے گا اس کا بروز محشر حساب آسان ہوگا اور جس قدر انبیاء کا قرآن میں ذکر موجود ہے وہ سب اس کا مصافحہ کریں گے (مجمع)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو اس سورہ مجیدہ کی محبت سے تلاوت کرے وہ جنت میں نبیوں کا ساتھی ہوگا اور لوگوں کے دلوں میں اس کا رعب ہوگا۔ (مجمع۔ برہان)

جو شخص ہرن کی جھلی پر لکھ کر اس کو اپنی کمر پہ باندھ کر سوئے خواب میں خوش کن عجائبات دیکھے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو ہرن کی جھلی پر لکھ کر اس کو اپنے سینہ پر رکھ کر سو جائے اس کی اس وقت تک نیند نہ کھلے گی جب تک وہ سینے سے نہ اٹھالی جائے۔

جس کو نکہ خوف یا مرض کی وجہ سے نیند نہ آتی ہو اس کو اپنی کمر سے باندھے باذن پروردگار شفا پائے گا (برہان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ②

قریب ہے لوگوں کے لئے حساب اور وہ غفلت میں روگردانی کرنے والے ہیں

مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ

نہیں آتا ان کے پاس ذکر اپنے رب سے نیا مگر اس کو سنتے

وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ③ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ

ہیں کھیل سمجھ کر غفلت میں ہیں ان کے دل اور ایک دوسرے سے سرگوشی

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ

کرتے ہیں وہ جو ظالم ہیں کہ نہیں ہے یہ مگر تم جیسا انسان کیا قبول کرتے ہو

السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ④ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ

جادو کو حالانکہ تم جانتے ہو؟ آپ نے فرمایا میرا رب جانتا ہے ہر بات کو

رکوع نمبر ۱

اِقْتَرَبَ ۔ قیامت کی آمد کو قریب کہا گیا ہے کیونکہ ہر جانے والی چیز دُور اور ہر آنے والی شئ قریب ہوا کرتی ہے اور صیغۂ ماضی اس کے یقینی وقوع کو ظاہر کرتا ہے ۔

مُحْدَثٍ ۔ ذکر سے مراد قرآن اور محدث سے مراد نئے سے نیا یعنی سورت کے بعد سورت اور آیت کے بعد آیت تازہ بتازہ بھیجی جاتی ہے تاکہ نصیحت حاصل کریں اور محدث کا لفظ قرآن کے حادث ہونے کو بھی ثابت کرتا ہے پس قرآن کلام خدا اور اس کی مخلوق ہے قدیم نہیں ہے ۔

اِسْتَمَعُوْهُ ۔ یعنی یہ لوگ قرآن کو فکر تدبّر اور نصیحت کے لئے نہیں بلکہ لہو و لعب اور کھیل تماشہ سمجھ کر سنتے ہیں

اَسَرُّوا ۔ بعض لوگ اسرار کو لغات اضداد میں سے شمار کرتے ہیں پس اس کا معنی اظہار و اخفاء دونوں ہو سکتے ہیں ۔

فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ④ بَلْ قَالُوٓا

آسمان اور زمین میں اور وہ سننے جاننے والا ہے بلکہ انہوں نے

أَضْغَاثُ أَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرَىٰهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَأْتِنَا

کہا خواب کی باتیں ہیں بلکہ من گھڑت قصے ہیں بلکہ شاعرانہ تخیل ہے پس لائے ہمارے

بِآيَةٍ كَمَآ أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ⑤ مَآ آمَنَتْ قَبْلَهُم مِّن

پاس معجزہ جس طرح بھیجے گئے پہلے (انبیاء) نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی

قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَٰهَا ۖ أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ⑥ وَمَآ أَرْسَلْنَا

(جن کو منہ مانگا معجزہ دکھایا گیا) کہ ہم نے ان کو ہلاک کیا تو کیا ایمان لائیں گے؟ اور نہیں بھیجے ہم نے

قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيٓ إِلَيْهِمْ ۖ فَسْـَٔلُوٓا أَهْلَ الذِّكْرِ

تجھ سے پہلے مگر آدمی جن کی طرف ہم نے وحی کی پس سوال کرو اہل ذکر سے اگر

رُسول اور بشر

اِلَّا بَشَرٌ۔ کفار نبوت کے انکار میں دلیل ان کی بشریت کو پیش کرتے تھے ان کا یہ خیال تھا کہ جو بشر ہو وہ نبی یا رسول نہیں ہو سکتا جیسا کہ آج کل کے جہلا بھی بے سوچے سمجھے کہہ دیا کرتے ہیں کہ نبی بشر نہیں ہو سکتا۔ یہ بعینہٖ کفار مکہ بلکہ گذشتہ زمانہ کے منکرین انبیاء کا اگلا ہوا لقمہ ہے جو یہ چبا رہے ہیں۔

بَلْ قَالُوٓا۔ پہلے تو یہ کہا نبی بشر ہو نہیں سکتا اور یہ چونکہ بشر ہے لہذا نبی نہیں۔ باقی رہے ان کے معجزات اور خارق عادت امور تو ان کے انکار کا یہ عذر تراش لیا کہ یہ جادوگری ہے پھر اس اعراض کرتے ہوئے کہا نہیں بلکہ خواب کی باتیں ہیں پھر کہا نہیں بلکہ من گھڑت افسانے ہیں اور پھر کہا نہیں بلکہ شاعرانہ تخیلات ہیں گویا ان کا مضطرب اور متحیر دماغ کہیں سکون نہیں پکڑتا کیونکہ حضور کی نبوت کے انکار کرنے کے لئے یہ سب بہانے تھے ورنہ علمی میدان میں ان کے پائے استدلال لنگ اور زبان عقل گنگ تھی پس دروغ گو را بہانہ بسیار والی مثال تھی۔ ان کی [illegible] ٹالنے کے لئے کہہ دیتے تھے گذشتہ انبیاء کی طرح کوئی معجزہ لاؤ اور ان کی معجزہ طلبی چونکہ قبول حق کے لئے نہیں تھی اس لئے معجزہ دکھانا ضروری نہیں سمجھا گیا۔

مَآ آمَنَتْ۔ یعنی سابقہ امتوں کا یہ دستور رہا ہے کہ جس جس امت نے اپنا حسب منشا معجزہ طلب کیا اور معجزہ ظاہر ہونے کے بعد بھی انکار کیا تو گرفتار عذاب ہوئے۔ اب ان کی اعجاز طلبی بھی انہی جیسی ہے۔

مَآ أَرْسَلْنَا۔ انہوں نے انکار کا بہانہ بشریت کو بنایا تو خدا ان کی تردید میں فرماتا ہے یہ ایک نہیں بلکہ اس سے پیشتر

إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧﴾ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ

تم خود نہیں جانتے اور ہم نے نہیں بنایا ان کو ایسے جسم

الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ﴿٨﴾ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ

کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے پھر ہم نے سچا کیا وعدہ

فَأَنجَيْنَاهُمْ وَمَن نَّشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ﴿٩﴾ لَقَدْ

پس ان کو نجات دی اور جن کو چاہا اور ہلاک کیا ہم نے حد سے تجاوز کرنے والوں کو تحقیق ہم

أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٠﴾ وَكَمْ

نے اتاری تم پر کتاب اس میں تمہاری نصیحت ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے اور کس قدر

قَصَمْنَا مِن قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿١١﴾

ہلاک کیا ہم نے بستیوں کو کہ وہ ظالم تھیں اور ہم نے پیدا کیا ان کے بعد دوسری قوم کو

جس قدر انبیاء ہم نے بھیجے ہیں سب بنی آدم اور انسان تھے اور ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے ذرا پڑھے لکھے لوگوں سے دریافت تو کر لو۔ اور اُمت اسلامیہ میں اہل ذکر کی تاویل آل محمدؐ ہیں جس طرح کہ متعدد بلکہ متواتر روایات میں منقول ہے۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ۔ ان کا خیال تھا کہ جو نبی ہوتا ہے وہ کھانے پینے اور باقی لوازم بشریہ سے الگ ہوتا ہے خداوند کریم ان کے اس زعم باطل کی بھی تردید فرماتا ہے کہ ہم نے جس قدر انبیاء بھیجے ہیں وہ ایسے جسم نہیں تھے کہ کھاتے نہ ہوں نیز ان کا خیال تھا کہ وہ نبی ہوتا ہے جس پر موت نہ آئے تو خدا ان کی اس بات کی بھی تردید کرتا ہے کہ ہم نے نبیوں کو ہمیشہ زندہ رہنے والا نہیں بنایا بلکہ موت ان کے لئے بھی ہے۔ آج کل اکثر جہلا کفار مکہ اور مشرکین قریش کی طرح انبیاء کے متعلق ان جیسے نظریات رکھتے ہیں اور جو شخص قرآنی فیصلہ کے ماتحت ان کو بشر ماننے اور کھانا پینا و دیگر لوازم زندگی ان کے لئے ثابت کرے اور ان کی موت کا قائل ہو تو فوراً جاہل طبقہ ان کو وہابیت کے نام سے یاد کرنے لگتا ہے اور عوام کی پشت پناہی نہیں بلکہ قیادت ایسے گندم نما جوفروش علمائے سوء کے ہاتھ میں ہے جو اپنے لقمۂ تر کی خاطر اپنی چرب لسانی اور طراری سے قرآنی تعلیمات کو نظر انداز کرتے ہوئے سراسر غلط اور بے بنیاد عقائد کی ترویج کرتے ہیں وہ رقص منبری خوب جانتے ہیں پس عوام کو اپنے دام تزویر میں پھانس لینا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے انہیں قرآن مجید کے مطالعہ کی توفیق حاصل نہیں ہوتی ورنہ شاید ان کا ذہن کبھی تو قرآنی تعلیمات کو قبول کر پاتا خدا کرے عوام قرآن کو اپنائیں اور اپنے عقائد

فَلَمَّآ اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَاۤ اِذَا هُمۡ مِّنۡهَا يَرۡكُضُوۡنَ ؕ‏ ﴿۱۲﴾ لَا تَرۡكُضُوۡا

پس جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو وہ اس سے دوڑنے لگے (ہم نے کہا) نہ دوڑو

وَارۡجِعُوۡۤا اِلٰى مَاۤ اُتۡرِفۡتُمۡ فِيۡهِ وَمَسٰكِنِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تُسۡـَٔلُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اور واپس جاؤ جہاں تم نعمتیں دیے گئے اور اپنے گھروں کو تاکہ تم سے سوال کیا جائے

قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتۡ تِّلۡكَ دَعۡوٰٮهُمۡ

کہنے لگے ہائے افسوس ہم ظلم کرنے والے تھے پس یہی ان کی بات رہی

حَتّٰى جَعَلۡنٰهُمۡ حَصِيۡدًا خٰمِدِيۡنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَالۡاَرۡضَ

یہاں تک کہ کر دیا ہم نے ان کو کٹا ہوا بے حس اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان و

وَمَا بَيۡنَهُمَا لٰعِبِيۡنَ ﴿۱۶﴾ لَوۡ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نَّتَّخِذَ لَهۡوًا لَّاتَّخَذۡنٰهُ

زمین کو اور جو ان میں ہے کھیل کرتے ہوئے اگر ہم بیوی بچے بنانا چاہتے تو ہم اپنے پاس بنا لیتے اگر ہم کرنے

کو قرآنی براہین کے زیر سایہ درست کرنے کی سعادت حاصل کریں۔

رکوع نمبر ۲

فَلَمَّآ اَحَسُّوۡا ۔ یعنی جب انہوں نے محسوس کیا کہ اب ہم گرفتار عذاب ہونے والے ہیں تو انہوں نے بھاگنے دوڑنے کی کوشش کی لیکن ان کو موقعہ نہ دیا گیا بلکہ ازراہ استہزاء کہا گیا کہ کہاں جاتے ہو تم اپنے نعمت سرا اور دولت کدہ کی طرف جاؤ کہ تم سے مانگنے لوگ گداگری کے لئے حاضر ہوں ۔ یا نبی و رسول دین و ایمان کی خواہش لے کر تم سے اسلام کے قبول کرنے کا سوال کریں اور ممکن بلکہ قرین عقل ہے کہ لَعَلَّ نتیجہ کے لئے ہو ۔ یعنی آخر کار تم سے ان نعمات خداوندی کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ ان کا استعمال کس طرح کیا تھا

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ علاقہ یمن میں خدا نے ایک نبی مبعوث فرمایا تھا جس کا نام حنظلہ تھا اور یہ حضرت عیسٰی کے بعد کا واقعہ ہے پس لوگوں نے اس کو قتل کر دیا ۔ خداوند کریم نے ان پر قتل کا عذاب نازل کیا کہ بخت نصر نے ان پر چڑھائی کی اس نے ان کے مردوں کا قتل عام کیا اور عورتوں و بچوں کو اسیر بنا لیا جب یہ لوگ ظلم سے ڈر کر بھاگتے تھے تو فرشتے ان کو پھر واپس لے آتے تھے حتٰی کہ ان کا صفایا کر دیا گیا۔

مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى

کرنے والے ہوتے بلکہ ہم مارتے ہیں سچی دلیل کو

الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا

باطل پر پس وہ اس پر غالب آتی ہے پس وہ ہلاک ہو جاتا ہے اور تم پر ویل ہو اس سے جو تم

تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ

باتیں کرتے ہو اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو اس کے پاس ہیں

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ

نہیں تکبر کرتے اس کی عبادت سے اور نہ تھکتے ہیں تسبیح کرتے ہیں

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

شب و روز کہ نہیں سستی کرتے کیا انہوں نے بنالئے خدا زمین سے کہ وہی زندہ کریں گے ؟

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

اگر ہوتے ان میں خدا سوائے اللہ کے تو دونو (آسمان و زمین) فاسد ہو جاتے پاک ہے اللہ جو عرش کا رب ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں

تفسیر برہان میں متعدد روایات موجود ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ ان آیات کی تاویل حضرت قائم آل محمدؑ کے زمانہ میں ظاہر ہوگی اور ممکن ہے تنزیل کا مصداق یہ درست ہو اور تاویل کا مصداق آنے والا زمانہ ہو جب کہ حضرت قائم سریر آرائے مملکت ہوں گے اَللّٰهُمَّ عَجِّلْ فَرَجَهٗ -

خٰمِدِيْنَ صفحہ ۲۱۸ - یعنی آگ کے بجھ جانے کے بعد جس طرح اس کے شعلے خاموش ہو جاتے ہیں اسی طرح ان لوگوں کو چلنے پھرنے کے بعد گرفتار عذاب کر لیا گیا اور وہ کٹ کر آرام سے زمین پر موت کی نیند سو گئے اور بالکل ختم کر دیئے گئے

لَهْوًا - اس کا اصل استعمال مجامعت کے لئے ہے لیکن اس مقام پر بیوی اور بچوں سے کنایہ لیا گیا ہے - کفار چونکہ اللہ کی طرف زوجہ اور ولد کی نسبت دیتے تھے تو خداوند کریم نے ان آیات میں متعدد وجوہ سے ان کی تردید فرمائی - (۱) اگر ہم نے بیوی بچے رکھنے ہوتے تو اپنے پاس رکھتے کہ تم کو ان کا علم بھی نہ ہو سکتا - زمین والوں کو کیوں اختیار کرتے یہ یہود و نصاریٰ کی تردید ہے جنہوں نے حضرت عزیر اور حضرت عیسےٰ کو خدا کا بیٹا کہنے کی جسارت کی - (۲) ہم ادلۂ حق

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ

اس سے باز پرس نہیں کی جائیگی جو وہ کرے اور وہ باز پرس کئے جائیں گے کیا انہوں نے بنالئے اس کے

دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ

علاوہ خدا کہہ دیجئے لاؤ اپنی دلیلیں یہ ذکر ہے میرے ساتھ والوں کا

کی طاقت باطل کو توڑتے اور اس کا منہ موڑتے ہیں تو لہو و لعب کو ہم اپنے لئے کیوں اختیار کریں جو باطل ہے (۲) آسمان و زمین کی مخلوق سب اللہ کی مملوک ہے اور جو بیٹا ہو وہ مملوک نہیں ہوتا پس انبیاء و ملائکہ اس کے عاجز بندے ہیں۔ نہ کہ اولاد (۳) جن کو تم لوگ اللہ کی اولاد خیال کرتے ہو وہ سب اس کے عبادت گذار بندے ہیں اور شب و روز اس کی بارگاہ میں سربسجود اور اس کی تسبیح و تقدیس میں رطب اللسان ہیں۔

توحید باری

لَوْ کَانَ - علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ یہ دلیل ہے جس پر متکلمین نے مسئلہ توحید کی بنیاد قائم کی ہے کہ اگر خدا کے علاوہ کوئی اور خدا ہو تو قدیم ہونے میں دونو برابر ہوں گے کیونکہ اگر ایک قدیم ہو اور دوسرا حادث ہو تو خدا صرف وہی ہوگا جو قدیم ہوگا۔ پس جب دونو قدیم ہوں گے تو قادر بھی ہوں گے کیونکہ عاجز خدا نہیں ہو سکتا پس ممکن ہوگا کہ ایک کا ارادہ دوسرے کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں یا تو دونو کا ارادہ پورا نہ ہو سکے گا تو نظام کائنات ختم ہوگا یا دونو کا ارادہ پورا ہوگا تو اجتماع ضدین و متنافیین لازم آئے گا یا ایک کا ارادہ پورا ہوگا تو خدا وہی ایک رہے گا جس کا ارادہ پورا ہو بہرکیف ہر ایک کی قدرت دوسرے کے امور میں رکاوٹ پیدا کرسکے گی اور چونکہ رکاوٹ نہیں ہے معلوم ہوا کہ خدا صرف ایک ہے

کافی سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک زندیق یعنی ملحد کو مسئلہ توحید اس طرح ذہن نشین کرایا تھا کہ یا دونو قوی ہوں گے یا ایک قوی اور دوسرا کمزور ہوگا پس خدا صرف وہی ہوگا جو قوی ہوگا اور دونو کے قوی ہونے کی صورت میں ہر ایک دوسرے کو اپنے راستہ سے ہٹانے کی کوشش کرتا اور یقیناً نظام زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتا۔ پس آسمان و زمین کے نظام کا پوری تدبیر اور حسن سے چلتا رہنا اور تمانع کا نہ ہونا خدا کے ایک ہونے کی دلیل ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اگر دو ہوں تو ان کے درمیان کی حدّ فاصل کو تیسرا قدیم ماننا پڑے گا اور اگر تین ہوں تو درمیانی دو حدّ فاصل مل کر پانچ قدیم بن جائیں گے اور یہ سلسلہ غیر متناہی ہو جائے گا۔ پس ثابت ہوا کہ خدا صرف ایک ہے اور اس کو دلیل تمانع کہا جاتا ہے۔

ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ - یعنی توحید پروردگار کے متعلق میرا میرے ساتھیوں کا اور گذشتہ انبیاء کا نظریہ یہی ہے جو بیان ہو چکا ہے۔

قَالُوْا - کفار قریش کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ خداوند کریم ان کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ میری مخلوق اور عبادت گذار بندے ہیں وہ میرے امر کی تعمیل سے ذرہ بھر کوتاہی نہیں کرتے اولاد بنانے کی رد

وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ

اور ذکر ہے پہلے والوں کا بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے حق کو پس وہ روگردانی

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ

کرتے ہیں اور ہم نے نہیں بھیجا تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ

اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ

اس کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا میری ہی عبادت کرو اور انہوں نے کہا کہ

الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ

بنایا خدا نے بیٹا وہ پاک ہے (وہ بیٹے نہیں) بلکہ عزت دار بندے ہیں نہیں سبقت کرتے

بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ

اس سے بات میں اور وہ اس کے امر کے مطابق عمل کرتے ہیں وہ جانتا ہے ان کے سامنے

وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ

اور ان کے پیچھے اور نہیں شفاعت کرتے مگر جس کے متعلق وہ راضی ہو (اللہ) اور وہ اس کے رُعب سے

صورتیں ہیں (۱) تناسل کے ذریعے سے اور یہ اللہ کے لئے محال ہے کیونکہ اس صورت میں تغیر اور تجسم لازم آتا ہے اور خدا اس سے پاک و منزہ ہے (۲) متبنّٰی کی صورت میں اور یہ بھی خدا کے لئے ناجائز ہے کیونکہ متبنّٰی درحقیقت ابن یعنی حقیقی اولاد کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جب اس کے لئے اصل ممکن نہیں تو قائم مقام کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى۔ یعنی بروز محشر ان لوگوں کے حق میں شفاعت کی جا سکے گی جن کے متعلق اللہ کی رضامندی ہوگی

وَمَنْ يَّقُلْ۔ یعنی فرشتوں میں سے بھی اگر کوئی خدا ہونے کا دعویٰ کرے تو خدا اس کو بھی دوزخ میں ڈالے گا۔

تنبیہ ۔ خداوند کریم نے ان آیات مجیدہ میں اپنی توحید اور نفی شریک کی جو مدلّل وضاحت فرمائی ہے منصف طبائع کے اطمینان کے لئے کافی ووافی ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ کا زبانی قول کافی نہیں جب تک الٰہ کے معنی میں شرکتِ غیر کی پوری طرح نفی نہ کی جائے۔ جو لوگ محمدؐ و آلِ محمدؐ علیہم السلام کو خالق رازق محیی و ممیت مانتے ہیں وہ الوہیت میں ان کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں چنانچہ ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں اس کی مزید وضاحت کی ہے

مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ

خوفزدہ ہیں اور جو کہے ان میں سے کہ میں معبود ہوں اس کے سوا تو اس کو

فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾

ہم جہنم کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی سزا دیتے ہیں

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا

کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے جو کافر ہیں کہ تحقیق آسمان و زمین سخت (بے مسام) تھے

رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ

پس ہم نے ان کو نرم (مسام دار) بنایا اور بنایا ہم نے پانی سے ہر زندہ شئی کو کیا وہ ایمان نہیں لاتے اور

جَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

بنایا ہم نے زمین میں پہاڑوں کو کہ ان کے ساتھ حرکت نہ کرے اور بنائے ہم نے ان میں درے راستے تاکہ وہ صحیح راستہ پا سکیں

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚۖ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور بنایا ہم نے آسمان کو محفوظ چھت حالانکہ وہ اس کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں

پس یہ اعتقاد صحیح ہے کہ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام اللہ کے عبادت گذار بندے اور تمام کائنات سے افضل و برتر مخلوق ہے

رکوع نمبر ۳

كَانَتَا رَتْقًا ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آسمان و زمین میں کوئی سوراخ و مسام نہ تھا کہ آسمان سے بارش برسے یا زمین سے کوئی انگوری پیدا ہو سکے۔ پس اللہ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمتِ شاملہ سے انسانوں کی نفع رسانی کے لئے آسمان کو بارش کے قابل اور زمین کو اگانے کے لائق بنایا۔ یعنی سرسری طور پر دیکھنے سے آسمان و زمین ٹھوس قسم کے جسم دکھائی دیتے ہیں لیکن اللہ کی حسن صنعت کے کرشمے ہیں کہ ان کو اس قسم کے مسام عطا فرمائے کہ ظاہری اتصال بھی باقی ہے اور بارش و سبزی و شادابی کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے۔ تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط

وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا رات اور دن کو اور چاند کو

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ

ہر ایک آسمان میں سیر کرتے ہیں اور نہیں مقرر کیا ہم نے کسی انسان کے لئے تجھ سے پہلے ہمیشہ

نہ آسمان سے مینہ برستا تھا اور نہ زمین سے کوئی سبزی اگتی تھی۔ پس جب حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی اور وہ زمین پر آباد ہوئے تو مینہ کا برسنا شروع ہوا۔ اور زمین سے انگوریوں کی پیداوار کا سلسلہ جاری ہوا۔

فِجَاجًا۔ فج کی جمع ہے یعنی اس میں راستے پیدا کر دیئے تاکہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک آسانی سے منتقل ہو سکیں اور سیر و تفریح کو مناظر قدرت میں غور کرنے کے لئے آسان کر دیا تاکہ ہدایت پاتے میں سہولت ہو۔ پس سُبُلًا ترکیب کے لحاظ سے فِجَاجًا کا بدل ہے۔

مَحْفُوظًا۔ یعنی آسمان کو ایسی چھت بنایا کہ وہ بوسیدہ ہونے اور گرنے کے خطرہ سے محفوظ ہے۔

تنبیہ۔ ان آیاتِ مجیدہ میں پروردگار نے مناظر قدرت میں غور کرنے کی دعوت دی ہے۔

(۱) ظاہری اتصال کے باوجود آسمان کو بارش کے قابل بنایا (۲) زمین کو سبزیوں کے اگانے کے لائق بنایا (۳) پانی سے ہر شے کی زندگی مقرر کی (۴) زمین کو حرکت سے بچانے کے لئے اس میں پہاڑ نصب کر دیئے۔ (۵) آمد و رفت کی سہولتوں کے لئے پہاڑوں میں راستے پیدا کئے (۶) آسمان کو محفوظ چھت قرار دیا (۷) رات کو سکون کے لیے (۸) دن کو کاروبار کی خاطر (۹) سورج کو روشنی گرمی اور متعدد فوائد کے لئے (۱۰) چاند کو چاندنی اور دیگر متعدد اغراض کے لئے خلق فرمایا۔ ان تمام چیزوں میں غور و خوض اور فکر و تدبر خالق یکتا کی حُسن صنعت اور وحدتِ وجود کے موثر داعی و محرک ہیں۔

افلاک ہم ایام طالب علمی میں افلاک کا معنی کچھ اور سمجھتے تھے لیکن تحقیق و تدقیق نے ہمیں کچھ اور سمجھنے پر مجبور کر دیا۔ علم ہیئت والوں نے اس بارے میں جو معلومات فراہم کئے ہیں کہ کلیہ افلاک کی تعداد نو ہے اور جزئی افلاک کو ملا کر کل تعداد چوراسی بنتی ہے اور یہ کہ ان میں خرق والتیام محال ہے وغیرہ۔ متاخرین نے جو کچھ متقدمین سے نقل کیا طلب دلیل کے بغیر اس کو من وعن تسلیم کرتے چلے گئے اور اسی کورانہ تقلید نے مسئلہ معراج پیغمبر کو بھی ایک عقدہ لاینحل بنایا ہوا تھا۔ جدید تحقیقات نے جہاں آسمانوں کے خرق والتیام کے مسئلہ کو باطل کر دیا ہے وہاں ان کی جرمیّت اور موٹائی کے بے سروپا مسلمات کو بھی مضحکہ خیز تصور قرار دیا ہے۔ تسخیر کائنات کے روز افزوں تجربات اور ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے آسمانی بلندیوں کو پیر کرنے والے راکٹوں کا سلسلہ ہر حساس ذہن کے لئے دعوت فکر ہے نیز قرآن مجید میں شمس اور قمر کے متعلق ارشاد باری كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔ ہیئت دانوں کے بے دلیل مسلک کو کورانہ تقلید سے اپنانے والوں کے

أَفَإِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ

رہنا کیا اگر تو مرجائے تو وہ ہمیشہ رہیں گے ؟ ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہم تم کو مبتلا کرتے ہیں دکھ اور سکھ میں آزمائش کیلئے اور ہماری طرف تم پلٹائے جاؤ گے

لئے تازیانہ عبرت ہے کیونکہ ہیئت دانوں کے خیال میں افلاک گردش کرتے ہیں۔ اور سُورج اور چاند اپنے اپنے فلک میں ایک جگہ گڑے اور پھنسے ہوتے ہیں پس وہ اپنی متعیّنہ جگہ کو کسی وقت بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ قرآن کریم کی آیت متذکرہ بالا اس نظریئے کی کھلے لفظوں میں تردید کر رہی ہے کہ فلک نہیں بلکہ چاند و سُورج اپنے افلاک میں گردش کرتے ہیں۔ پس آسمان جہت علو کی تعبیر ہے اور اسی جہت سے بارش نازل ہوتی ہے یعنی جس کو دیکھنے والے ایک ٹھوس اور بے مسام جسم سمجھتے ہیں اللہ نے اسے بارش برسانے کے قابل بنایا ہے اور بلندی کی جہت میں وہ متعیّنہ دائرہ جس پر کوئی جرم سماوی گردش کرتا ہے وہ اس کا فلک ہے۔ پس شمس و قمر کے افلاک وہ دائرے ہیں جن پر ان کی گردش ہوا کرتی ہے۔ پس اس لحاظ سے ہر آسمانی ستارہ کا فلک اس کا دائرہ گردش ہے اور چونکہ مشہور سیارے سات ہیں۔ لہذا مقصد کو اذہان کے قریب کرنے کے لئے آسمانوں کی تعداد سات بتائی گئی ہے۔ ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں بھی اس موضوع پر بحث کی ہے۔

ذکر موت

نَبْلُوْكُمْ ۔ آیت مجیدہ میں خداوند عالم نے ہر انسان کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لئے موت کی آمد سے خبردار کیا ہے تاکہ کفار موت کے ذکر کی بدولت کفر کو چھوڑ کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں اور مسلمان کہلانے والے موت کی فکر سے ہر اس فعل سے بچ جائیں جو مبغوض پروردگار ہے اور ہر نیکی سے آراستہ ہونے کی کوشش کریں تاکہ موت سے ہم آغوش ہونے کے بعد ابدی زندگی کی کامیابی ان کو حاصل ہو سکے اور دنیا میں دکھ اور سُکھ کے ذائقے چکھا کر ایک طرف اُن کے ایمان اور ثباتِ قدم کا امتحان لیتا ہے اور دوسری طرف اخروی زندگی کا ادنیٰ نمونہ پیش کرتا ہے تاکہ اس دوزخ سے بچ جائیں جو بالکل دُکھ ہی دُکھ کا گھر ہے اور جنّت کی تحصیل کے لئے اعمالِ حسنہ بجالائیں جو آرام ہی آرام کا مقام ہے اور یہ مسلّمات میں سے ہے کہ دوزخ کا معمولی عذاب بھی دنیا کی سخت ترین تکلیف کے مقابلہ میں سخت ہے اور جنّت کا معمولی درجے کا آرام بھی دنیا کی تمام نعمات سے افضل و اکمل ہے پس اللہ نے دنیا میں ہر دو نمونے آخرت کی فکر کو تیز کرنے کے لئے پیش کئے ہیں۔

تفسیر برہان میں منقول ہے ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک جنازہ کے ہمراہ بغرض تشیع جا رہے تھے کہ ایک آدمی کے ہنسنے کی آواز سُنی آپ نے فرمایا کیا موت دوسروں کے لئے ہی ہے ؟ اور کیا حق کا قبول کرنا ہمارے غیروں پر واجب ہے ؟ اور جن کی تشیع ہم لوگ کر رہے ہیں کیا یہ ایسے مسافر ہیں کہ پلٹ کر آجائیں گے ؟ اب ان کے گھر

وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ

اور جب تجھے دیکھتے ہیں کافر لوگ تو نہیں بناتے تجھے مگر مسخری کا محل (کہتے ہیں)

اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

کیا یہ وہی ہے جو گت بناتا ہے تمہارے خداؤں کی حالانکہ وہ اللہ کے ذکر کے

هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ

منکر ہیں انسان کو پیدا کیا گیا جلد باز میں تمہیں اپنی نشانیاں (عذاب)

ان کی قبریں ہیں اور ہم لوگ ان کی میراث کے مالک ہیں کیا ہم ان کے بعد ہمیشہ زندہ رہیں گے ؟ کہ ہم نے ہر نصیحت بھلا دی ہے۔ اس شخص کے لئے طوبیٰ ہے جس کو اپنا عیب دوسرے لوگوں کے عیوب سے غافل کر دے۔ بغیر ذلت کے تواضع اختیار کرے۔ دانشمند لوگوں کی صحبت میں رہے۔ تواضع پسند اور مسکین طبقہ کا ہمنوا ہو اور اپنی حلال کمائی کو راہ خدا میں خرچ کرے۔ اے لوگو! اس شخص کے لئے طوبیٰ ہے جس کا نفس مطیع ہو۔ کمائی پاکیزہ ہو۔ باطن صاف ہو۔ خلق اچھا ہو۔ اپنے زائد مال کو خرچ کرتا ہو۔ اپنے زائد کلام کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہو۔ لوگوں سے اپنے شر کو روکتا ہو۔ اور سنت کے اندر اندر رہ کر بدعات کی طرف نہ بڑھتا ہو۔ اے لوگو۔ اس شخص کے لئے طوبیٰ ہے جو اپنے گھر میں آرام سے بیٹھ جائے اپنے گھر کی خشک روٹی پر گذارہ کرے اپنے گناہوں کو یاد کر کے گریہ کرے اور اپنے نفس کو تکلیف میں رکھے لیکن لوگ اس سے تکلیف نہ پائیں بلکہ راحت پائیں۔

وَ اِذَا رَاٰكَ ۔ مقصد یہ ہے کہ کافر لوگ جب بھی حضور کو دیکھتے تھے تو آپ سے تمسخر کرتے تھے تاکہ لوگوں کے دلوں سے آپ کا وقار جاتا رہے۔ پس ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ یہ وہی ہے جو ہمارے خداؤں کو برائی سے یاد کرتا ہے اور ان کی گت بناتا ہے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ۔ انسان سے مراد آدم ہے اور اس کی جلدی سے پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ نطفہ علقہ اور مضغہ کی تدریجی تبدیلیوں کے بغیر ایک ہی دفعہ اس کو پورا انسان پیدا کر دیا گیا اور بعضوں نے یہ مقصد بیان کیا ہے کہ جلد بازی کو انسانی خلقت اور فطرت میں داخل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم کو جب پیدا کیا گیا تو بروایت قمی اس کے قدموں میں روح کو جاری کیا گیا۔ پس فوراً انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی اور نہ اٹھ سکے اور اسی قسم کی روایت تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عجل کا معنی مٹی ہے یعنی انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا

سَاُورِیْكُمْ ۔ کفار بار بار حضور سے کہتے تھے کہ جس عذاب کا وعدہ کرتے ہو لے آؤ پس خدا فرماتا ہے کہ جلد بازی نہ کرو

اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ

دکھاؤں گا پس جلدی نہ کرو اور وہ کہتے ہیں کب کے لئے ہے یہ وعدہ اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَكُفُّوْنَ

تم سچے ہو؟ اگر جانتے ہوتے کافر اس وقت کو جب نہ بچا

عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

سکیں گے اپنے چہروں کو آگ سے اور نہ اپنی پشتوں کو اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے

بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا

بلکہ آئے گی ان پر اچانک پس ان کو ششدر کر دے گی پس نہ اس کو رد کر سکیں گے اور نہ

هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ

مہلت دیئے جائیں گے اور تحقیق مسخری کی گئی تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ پس اترا مسخری

فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۱﴾ ۳ع

کرنے والوں پر ان میں سے وبال اس کا جو مسخری کرتے تھے

قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ

کہہ دو کون بچاتا ہے تم کو رات اور دن میں خدائی عذاب سے؟ بلکہ یہ تو اپنے رب کے ذکر

میں تمہیں اپنے عذاب کی نشانیاں بھی دکھاؤں

وَلَقَدِ ۔ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ گھبرائیے نہیں سابق انبیاء کے ساتھ بھی اپنی امتوں کا یہی وتیرہ رہا ہے۔

رکوع نمبر ۴

قُلْ مَنْ ۔ یعنی اگر تم کو خدا گرفتار عذاب کرنا چاہے تو کون تمہیں اس کی گرفت سے بچا سکتا ہے۔ یا یہ کہ زمین و آسمان کے روز مرہ کے تغیرات اور شب و روز کے انقلابات میں کون ہے اللہ کے سوا جو تم کو باحفاظت رکھے ہوئے ہے؟

رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ

سے اعراض کرنے والے ہیں کیا ان کے خدا ان کو بچاتے ہیں ہم سے ؟

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

وہ تو نہیں کر سکتے مدد اپنے نفسوں کی اور نہ وہ ہماری گرفت سے ساتھ دیئے جاتے ہیں

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا

بلکہ ہم ہی نے ان کو اور ان کے بزرگوں کو زندگی دی یہاں تک کہ ان کی عمریں لمبی ہوئیں تو کیا

يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ

دیکھتے نہیں ہم زمین کے کناروں کو کم کرتے رہتے ہیں پس کیا وہ

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْىِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ

غالب ہوں گے کہہ دو میں تم کو وحی کے ذریعے سے ڈراتا ہوں اور بہرے

الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ

لوگ نہیں بات سنتے جب ڈرائے جائیں اور اگر ان کو چھولے ایک جھونکا

اَمْ لَهُمْ - یعنی کیا ان کے منہ بولے خدا ان کو ہماری گرفت سے بچا سکتے ہیں یا یہ کہ کیا ان کے بنائے ہوئے خدا ان کو اپنی پناہ میں لئے ہوئے ہیں۔ ہمارے بغیر جو اپنی مدد آپ بھی نہیں کر پاتے اور نہ ان کو ہماری گرفت سے بچانے کے لئے کوئی ساتھی دستیاب ہو سکتا ہے۔

بَلْ مَتَّعْنَا - یعنی ان کو اور ان کے بزرگوں کو لمبی لمبی زندگیاں ہم نے ہی دی ہیں تو کیا وہ اپنی طولِ حیات پر اتراتے ہیں حالانکہ ہم زمین کے کناروں کو گھٹاتے رہتے ہیں۔ یعنی اس کے آباد کاروں میں سے بعض کو موت دے دیتے ہیں۔ یا یہ کہ ان کے بڑے بڑوں کو موت کا جام پلا دیتے ہیں یا یہ کہ ان کے علماء کو اٹھا لیتے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ جس طرح ہم نے پہلی بار ان کو زندگی بخشی ہے ان کو مارنے پر بھی قادر ہیں۔

وَلَا يَسْمَعُ - جو لوگ نصیحت کو سن کر اس پر عمل نہیں کرتے ان کو پروردگار نے بہرہ کہا ہے یعنی آپ وحی کے ذریعے سے ان کو انذار کرتے ہیں لیکن یہ بہرے سن نہیں پاتے۔

مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿٤٦﴾

تیرے رب کے عذاب کا تو کہنے لگتے ہیں ہائے ہم ظلم کرنے والے ہیں

وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ

اور ہم رکھیں گے ترازو انصاف کا قیامت کے دن پس نہ ظلم کیا جائے گا

نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ

کسی پر کچھ اور اگر ایک رائی کے دانہ کے برابر ہوگا تو ہم اس کو ظاہر کریں گے

وَكَفَىٰ بِنَا حَٰسِبِينَ ﴿٤٧﴾ وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَٰرُونَ

اور ہم خوب حساب کرنے والے ہیں اور ہم نے دیا موسٰے اور ہارون کو

ٱلْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ ٱلَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم

معجزہ اور روشنی اور ذکر متقین لوگوں کے لئے جو ڈریں اپنے رب سے

بِٱلْغَيْبِ وَهُم مِّنَ ٱلسَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ

غائبانہ اور وہ قیامت کا ڈر بھی رکھتے ہوں اور یہ ذکر ہے برکت والا

مَسَّتْهُمْ ۔ یعنی جب خدا کی جانب سے ان پر کوئی عذاب پڑتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے ظلم کیا ہے یا یہ کہ بروز قیامت عذاب پروردگار کی گرفت میں آئیں گے تو اپنے کئے پر پچھتائیں گے لیکن اس وقت فائدہ نہ ہوگا۔

اَلْمَوَازِیْنَ ۔ مقصد یہ ہے کہ بروز قیامت نہ کسی کی نیکی برباد ہوگی اور نہ کسی کی معمولی سے معمولی برائی چھپ سکے گی پس حاکم عادل کا دربار ہوگا اور انصاف کے فیصلے ہوں گے وہاں نہ سفارش سے کام چلے گا اور نہ پیسہ کام آئے گا۔ البتہ مستحقین شفاعت کے حق میں صاحبانِ شفاعت شفاعت کریں گے اور یہ ظلم نہیں بلکہ اس کا فضل وکرم ہے۔ کیونکہ نیک عمل کی جزا نہ دینا ظلم ہے اور خدا اس سے منزہ ہے لیکن کسی گنہگار کو اپنا حق معاف کر دینا اور اس کے لئے شفاعت کو قبول کر لینا اس کی شانِ ربوبیت ہے تفسیر اہل بیت میں موازین سے مراد انبیاء و آئمہ ہیں یعنی ہر اُمت کے لئے مغفرت اور بخشش کا دارومدار اپنے زمانے کے نبی یا امام کی اطاعت ہوگی اور اسی میزان سے بروز قیامت جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

اَلْفُرْقَانَ ۔ اس سے مراد تورات ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے اور ممکن ہے اس سے مراد

اَنۡزَلۡنٰهُ ؕ اَفَاَنۡتُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ۝۵۰ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ

جو ہم نے اتارا کیا تم اس کا انکار کرتے ہو اور تحقیق دی ہم نے ابراہیم کو

رُشۡدَهٗ مِنۡ قَبۡلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيۡنَ ۝۵۱ اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ

نبوت اس سے پہلے اور ہم اس کو جانتے تھے جب اس نے اپنے

وَقَوۡمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيۡلُ الَّتِىۡۤ اَنۡتُمۡ لَهَا عٰكِفُوۡنَ ۝۵۲ قَالُوۡا

چچے اور قوم سے کہا یہ کیا تصویریں ہیں کہ تم ان (کی عبادت) پر ڈٹے ہوئے ہو کہنے لگے

وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيۡنَ ۝۵۳ قَالَ لَقَدۡ كُنۡتُمۡ اَنۡتُمۡ

ہم نے اپنے باپ دادوں کو عبادت کرتے پایا ہے فرمایا تم اور تمہارے

نبوت اور عہدہ ہدایت ہو جس کی قوت سے حق اور باطل میں امتیاز پیدا ہوتا ہے اس کے بعد ضیاءً فعل محذوف کا مفعول ہے جو درحقیقت فرقان کی صفت ہے یعنی تورات ایک نور اور روشنی کا مینارہ تھی اسی طرح ذکراً بھی اس کی صفت ہے یعنی ہم نے ان کو فرقان دیا اور روشنی دی اور ذکر دیا۔ یعنی تورات دی جو فرقان بھی تھی اور روشنی و ذکر بھی۔

رکوع نمبر ۵

حضرت ابراہیمؑ کا ذکر

رُشۡدَهٗ ۔ مجاز مرسل کے طور پر مسبب کا سبب پر اطلاق کیا گیا ہے۔ پس مراد باختلاف اقوال علم۔ ہدایت یا نبوت ہے۔

لِاَبِيۡهِ ۔ اس جگہ اب کا اطلاق چچا پر ہوا ہے کیونکہ باتفاق امامیہ نبی کے والدین کافر نہیں ہوا کرتے۔ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارخ تھا جو فوت ہو چکا تھا اور آذر آپ کا چچا تھا جس کے گھر میں آپ کی پرورش ہوئی اس لئے آپ پر باپ کا اطلاق مجازاً قرآن میں موجود ہے۔

اَلتَّمَاثِيۡلُ ۔ تمثال کی جمع ہے اور مجمع البیان میں ہے ۔ تمثال اس مورت یا صورت کو کہتے ہیں جو اللہ کی بنائی ہوئی کسی مخلوق کی مشابہت میں گھڑی جائے ۔ کہتے ہیں انہوں نے اپنے علماء بزرگوں کی یا بقولے اجرام علویہ کی مورتیاں بنائی ہوئی تھیں جن کی پوجا کرتے تھے ۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت اصبغ بن نباتہ منقول ہے ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک مقام سے گزرے جہاں لوگ شطرنج (چوپڑ و تاش وغیرہ) کھیل رہے تھے تو آپ نے ان کو ڈانٹ کر یہی آیت پڑھی ۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيۡلُ یعنی یہ کونسی مورتیاں ہیں جن پر تم جھکے ہوئے ہو کہ خدا و رسول کی نافرمانی میں منہمک ہو اس سے معلوم ہوتا ہے

وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۴ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ

باپ دادے کھلی گمراہی میں تھے کہنے لگے کیا سچ کہتے ہو یا ازراہ تمسخر

مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝۵۵ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

کہہ رہے ہو؟ فرمایا بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۶ وَ

جس نے ان کو پیدا کیا اور میں اسی بات پر شہادت دینے والوں میں سے ہوں اور

تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۵۷

بخدا کوئی تدبیر کروں گا تمہارے بتوں کی بعد اس کے کہ تم مڑ جاؤ گے پیچھے کو

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝۵۸ قَالُوْا

پس کر دیا ان کو ٹکڑے سوائے ان کے بڑے کے تاکہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں (واپس آکر) کہنے لگے

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۹ قَالُوْا سَمِعْنَا

یہ فعل کس نے کیا ہے ہمارے خداؤں کے ساتھ تحقیق وہ ظالموں میں سے ہے کہنے لگے ہم نے سنا ہے

کہ شطرنج چوپڑ اور تاش بازی وغیرہ حضرت امیر کے نزدیک غیر اللہ کی عبادت کا حکم رکھتی ہے۔

قَالُوْا۔ آبائی رسوم ان کے دلوں میں اس قدر گھر کر چکی تھیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا روکنا ان کو مذاق معلوم ہوا۔

تَاللّٰهِ۔ یہ بات حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دل میں کہی کہ تمہارے چلے جانے کے بعد میں ان کے لئے کوئی تدبیر کروں گا اور ممکن ہے کہ کسی آدمی کے سامنے بھی بات کی ہو۔

جُذٰذًا۔ بروزن فعال ہے لیکن مفعول کے معنی میں ہے یعنی مجذوذ ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا۔

واقعہ:۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو بتوں کی عبادت سے منع کیا اور توحید پروردگار کا پیغام سنایا لیکن وہ اپنے آبائی دین پر بضد رہے۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے دل میں ایک طریقہ سوچ لیا اور موقعہ کے منتظر رہے چنانچہ سال میں ایک دفعہ لوگ امیر و غریب سلطان و رعایا بڑے بوڑھے بچے جوان اور زن و مرد شہر سے باہر خوشی کا تہوار منانے کے لئے ایک میلے کی صورت میں جایا کرتے تھے اور واپس آکر لازمی طور پر بتوں کے سامنے سربسجود ہوتے تھے پس ادھر میلے کی تیاریاں شروع ہوئیں

فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى

ایک جوان جوان کو (برائی سے) یاد کرتا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے کہنے لگے لاؤ اس کو

اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ

لوگوں کے سامنے تاکہ وہ گواہی دیں کہنے لگے کیا تونے یہ فعل کیا ہے

بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖۗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا

ہمارے خداؤں کے ساتھ اے ابراہیم فرمایا بلکہ ان کے بڑے نے کیا ہے ان سے

فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

پوچھو اگر وہ بولتے ہیں پس غور کیا انہوں نے اپنے

فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ

دلوں میں تو کہنے لگے (ایک دوسرے کو) تحقیق تم ہی ظالم ہو (کہ ایسوں کی عبادت کرتے ہو) پھر ازراہ عناد الٹے ہو گئے (اور کہنے لگے

ادھر حضرت ابراہیمؑ نے موقعہ غنیمت سمجھا جب لوگ روانہ ہوتے چلے تو حضرت ابراہیمؑ بھی ان کے ساتھ چند قدم چلے پھر معذرت کر کے واپس آگئے۔ لیکن بروایت قمی نمرود نے ابراہیم کو ساتھ لے جانا پسند نہ کیا پس آپ کو بت خانے کا محافظ قرار دے کر خود روانہ ہو گئے۔ حضرت ابراہیمؑ روٹی لے کر بت خانہ میں داخل ہوتے اور روٹی کو ایک ایک بت کے قریب لے جاکر اس کو کھانے اور بولنے کی دعوت دیتے تھے جب وہ جواب نہ دیتا تھا تو تیسہ مار کر اس کے ہاتھ پاؤں توڑ ڈالتے تھے جب تمام بتوں کو چور چور کر چکے تو سب سے بڑا بت جو درمیان میں تھا اس کو چھوڑتے ہوئے تیسہ بھی اس کے کندھے پر رکھ کر واپس آگئے۔

اِلَّا كَبِيْرًا۔ ممکن ہے وہ قد و قامت میں بڑا ہو اور ممکن ہے وہ عزت و تکریم میں ان کے نزدیک بڑا شمار ہوتا ہو، اس کی گردن پر تیسہ رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اس کو چھوٹے بتوں کا قاتل سمجھ کر اس سے باز پُرس کریں گے جب اس کو عاجز پائیں گے تو شاید اپنے عقیدہ فاسدہ سے باز آکر دامن توحید سے وابستہ ہونے پر موفق ہو جائیں گے۔

سَمِعْنَا۔ جب وہ واپس آئے اور بتوں کی حالت دیکھی تو تفتیش شروع ہوئی کہ یہ کس نے جرأت کی ہے تو ایک آدمی جس کے سامنے کسی وقت حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو برائی سے یاد کیا تھا بول اٹھا کہ شاید یہ کام ابراہیمؑ نے کیا ہو۔ پس اس کے کہنے کے بعد باقی لوگ بھی یہی کہنے لگ گئے اور نمرود کے سامنے ان الفاظ میں گواہی دے دی کہ ہم نے ایک جوان کے

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ

تحقیق تو جانتا ہے کہ یہ تو نہیں بولتے فرمایا کیا عبادت کرتے ہو اللہ

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ

کے سوا (ایسوں کی) جو نہ کچھ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان افسوس تم پر

وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا

اور اس پر جس کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا کیا تم عقل نہیں رکھتے کہنے لگے اس کو

حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا

جلا دو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر کرتے ہو ہم نے کہا

متعلق سُنا ہے جو بتوں کو بُرے لفظوں سے یاد کرتا تھا اور اُسے ابراہیم کہتے ہیں یہ کام اسی نے ہی کیا ہوگا۔ چنانچہ دربار شاہی میں حضرت ابراہیم سے جواب طلبی ہوئی تو آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر وہ بول سکتے ہیں تو یہ کام بڑے کا ہے۔ بیشک پوچھ لو۔ یعنی بڑے نے جب دیکھا کہ میرے سامنے چھوٹے بھی خدا بنے بیٹھے ہیں پس غیرت کھا کر ان پر حملہ آور ہوگیا یا یہ کہ میری موجودگی میں ان چھوٹوں کی پوجا کیوں کی جاتی ہے پس جوش میں آکر ان کو مار دیا کیوں کہ لائق عبادت اور خدا صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور یہ جھوٹ نہیں بلکہ شرط ہے اور یہ فقرہ حضرت ابراہیمؑ کی جانب سے دعوتِ توحید پر مشتمل تھا کیونکہ ان کو اپنے مصنوعی خداؤں کی عاجزی کی طرف متوجہ کرنا مقصود تھا۔ لہٰذا جو لوگ حضرت ابراہیمؑ پر جھوٹ کا الزام عائد کرتے ہیں وہ نہ صحیح طور پر قرآن مجید کے معانی کو سمجھتے ہیں اور نہ شانِ انبیاء سے واقفیت رکھتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے کہنے سے جب انہوں نے اپنے دل میں سوچا تو کھسیانے سے ہو کر ایک دوسرے کو کہنے لگے واقعی یہ بے بس بت جو بول نہیں سکتے ؟ خدا کیسے بن سکتے ہیں لیکن اپنے آبائی دین کی اتباع اور اکثریت کے رجحان سے مرعوب ہو کر اپنی ضد پر ڈٹ گئے نُكِسُوْا۔ اپنے سروں پر اُلٹ گئے یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، والی بات ہے۔ الٹا حضرت ابراہیم کو ڈانٹتے ہوئے کہنے لگے تمہیں پتہ ہے یہ تو بول بھی نہیں سکتے تو یہ آپس میں لڑ کس طرح سکتے ہیں ؟ پس آپ نے فرمایا پھر ایسوں کی تم عبادت کس لئے کرتے ہو جو کچھ بھی نہیں کر سکتے بلکہ خدا وہی ایک ہی ہے جس نے سب کو خلق فرمایا ہے اور وہی لائق عبادت ہے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ۔ جب حضرت ابراہیم سے بات کرنے میں ناکام ہوگئے تو جبر و تشدد پر اتر آئے جیسا کہ ہر جھوٹے فریق کا دستور ہوتا ہے پس تجویز یہ پاس ہوئی کہ اس کو زندہ آگ میں جلایا جائے تاکہ اس کو سزا مل جائے اور بتوں کو خوشنود کیا جائے نیز باقی لوگوں کو آئندہ کے لئے اپنے آبائی طریقہ پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ رہے۔

يٰنَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ

اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی ہوجا اوپر ابراہیم کے اور انہوں نے اس

كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى

کے متعلق بری تجویز کی لیکن ہم نے ان کو خسارہ پانے والا بنایا اور ہم نے اس کو اور لوط کو نجات دی

الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ

اس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی عالمین کے لئے اور ہم نے اس کو بخشا اسحٰق

وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ

اور یعقوب بطور عطیہ کے اور ہر ایک کو ہم نے نیک بنایا اور ہم نے ان کو

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جس شخص نے حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا مشورہ دیا تھا۔ وہ ایرانی باشندہ تھا پس وہ گرفتار عذاب ہُوا اور زمین نے اس کو نگل لیا اور قیامت تک وہ اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔

تفسیر صافی و برہان میں قمی سے منقول ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ پر بت شکنی کا مقدمہ چلایا گیا اور بالآخر حضرت ابراہیمؑ پر فردِ جرم عائد کی گئی تو نمرود نے آزر سے کہا تو نے میری حکم عدولی کر کے اس بچہ کو مجھ سے کیوں چھپا رکھا تھا؟ کہنے لگا اے بادشاہ اس کی ماں نے میری لاعلمی میں یہ کام کیا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ سے باز پُرس کی گئی تو بی بی نے بے دھڑک اور نڈر ہو کر جواب دیا کہ اے بادشاہ! میں نے ملک اور قوم کی بھلائی کی ہے؟ بادشاہ نے دریافت کیا یہ کیسے؟ تو بی بی نے جواب دیا۔ میں نے دیکھا کہ تو رعیت کے بچوں کو موت کے گھاٹ اتار رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قوم کی نسل تباہ ہو جائے گی اور نوجوانوں کی کمی ملک کی فوجی طاقت کی کمزوری کا باعث ہوگی جو ملک و سلطنت کے لئے زوال کا موجب ہو جائے گی۔ پس میں نے اپنے بچے کو بچا لیا کہ اگر یہ ہی تیرا دشمن ہے جن کی خاطر تو تمام بچوں کو قتل کر رہا ہے تو یہ لو میرا بچہ حاضر ہے باقی قوم کے بچوں کے قتل سے باز آجاؤ۔ اور اگر یہ تیرا دشمن نہیں تو تم اپنے کام کو جاری رکھو مجھے میرا بچہ دے دو۔ اب میرا بچہ تیرے سامنے موجود ہے سوچ کر فیصلہ کر دیجئے اور ناحق قتل سے بچ جائیے نمرود کو بات پسند آئی۔ پس حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا یہ کام کس نے کیا ہے آپ نے فرمایا اگر بُت بول سکتے ہیں تو ان کے بڑے نے کیا ہے اُس سے پُوچھ لو۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نہ بڑے بُت نے وہ کام کیا تھا اور نہ حضرت ابراہیمؑ نے جھوٹ بولا تھا کیونکہ فرمایا اگر بول سکتے ہیں تو اس نے کیا ہے ورنہ نہیں۔ آپ نے فرمایا ابراہیمؑ کے زمانہ کا فرعون حرامزادہ تھا اور اس کے مشیر کار بھی حرامزادے تھے جنہوں نے ابراہیمؑ کے جلانے

أَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَآ إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ

ایسے امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی نیکیوں کی طرف وحی کی

وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ج وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ

اور لوط کو ہم نے حکم دیا اور علم دیا اور اس کو نجات دی اس بستی سے جو فعل بد

كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ط إِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾

کرتی تھی تحقیق وہ بری قوم فسق کرنے والے تھے

کا مشورہ دیا لیکن موسیٰ کے زمانے کا فرعون اور اس کے مشیر حلال زادے تھے جنہوں نے جادوگروں کو بلا کر حق و صداقت اور جھوٹ و باطل کے درمیان فیصلہ کے لئے میدان تجویز کیا اور لوگوں کو انصاف کرنے کا موقعہ دیا۔

جب نمرود کو حضرت ابراہیمؑ کے جلانے کا مشورہ دے دیا گیا اور اسی پر شاہی دربار سے آخری فیصلہ سرزد ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ کو قید کر لیا گیا اور لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم صادر کر دیا گیا اور سزائے موت کی تاریخ تک مسلسل لکڑیوں کے جمع کرنے کا ہر خاص و عام کو حکم ہوا اور اس فعل کو بتوں کی خوشنودی کے لئے کار ثواب قرار دیا گیا۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس اثناء میں جن لوگوں کی موت آئی انہوں نے پسماندگان کو وصیت کی کہ میرے مال سے اس قدر حصہ کی لکڑیاں خرید کر کے چخے میں شامل کی جائیں یہاں تک کہ عورتیں چرخہ کاتنے کی مزدوری سے لکڑیاں خرید کر اس میں حصہ لیتی تھیں۔ پس تاریخ مقرر تک لکڑیوں کا ڈھیر اکٹھا ہو گیا۔ جب ان کو آگ لگائی گئی تو اس کے دیوپیکر شعلوں نے آسمان سے باتیں کرنی شروع کیں حتیٰ کہ کوئی پرندہ اوپر سے گذر نہیں سکتا تھا اور آگ کی گرمی دُور دُور تک پہنچتی تھی۔

ادھر شاہی حکم کے ماتحت حضرت ابراہیمؑ کو قید خانہ سے نکال کر جلانے کے لئے لایا گیا تو بادشاہ و مشیر حیران تھے کہ آگ میں ڈالنے کی صورت کیا اختیار کی جائے جبکہ اس کے قریب جانا ممکن ہی نہیں رہا۔ پس ابلیس نے بشکل انسانی آکر ان کو منجنیق بنانی سکھائی جو جھولے کی قسم سے تھی جس طرح ایک لمبا رسہ ہے کہ اس کے دونو کنارے ایک اونچے درخت سے باندھ دیئے جاتے ہیں اور نیچے جھولنے والے جھولا کرتے ہیں پس ابراہیمؑ کو اس میں بٹھا کر جھولے کے ذریعے سے اس کو آگ میں ڈالنے کا فیصلہ ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ نے جب توحید کا علم بلند کیا اور بت پرستی کی مذمت کی تو پہلے نمرود کے ساتھ [illegible]

وَاَدۡخَلۡنٰهُ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۷۵﴾ ع ۵

اور ہم نے اس کو اپنی رحمت میں داخل کیا تحقیق وہ صالحین سے تھا

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا کہ میرا خدا مارنے جلانے پر قادر ہے تو اس کافر نے کہا یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں چنانچہ ایک واجب القتل کو رہا کر دیا اور ایک بے گناہ کو قتل کرا دیا۔ پس آپ نے فرمایا میرا خدا مشرق سے سورج نکالتا ہے تو مغرب سے نکال لا تو کافر شرمندہ ہوا۔ اسی وقت سے نمرود حضرت ابراہیمؑ کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ اور موقعہ کی تاڑ میں تھا۔ واقعہ مذکورہ تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۱۴۲ تا صفحہ ۱۴۱ پر گذر چکا ہے۔

نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کے جلنے کا تماشہ دیکھنے کے لئے ایک بلند بالاخانہ تعمیر کرایا پس خود اس پر چڑھ گیا اور حضرت ابراہیمؑ کو آگ کے قریب منجنیق میں سوار کیا گیا۔ آذر نے ظالمانہ انداز سے آپ کے رخ انور پر ایک طمانچہ رسید کیا اور توحید سے دست برداری کا حکم دیا۔ لیکن اللہ کا خلیل اپنے اندر وصال پروردگار کی دھن میں جلدی منزلِ عشق کو عبور کرنے کی تمنا لئے ہوئے تھا پس اس راستے کا ہر کانٹا انہیں پھول معلوم ہوتا تھا چنانچہ وہ نہایت سکون و اطمینان سے آگے قدم بڑھا رہے تھے چہرہ مظہر جمالِ الٰہی گل گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا اور زبان پر مسلسل ذکر پروردگار جاری تھا۔ جب آگ کی خبر ان کے پائے اثبات میں لغزش نہ لا سکی۔ تو آذر کے آزار ان کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ ادھر ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کو آسمانِ اوّل پر پہنچ کر خلیل خدا کی آزمائش کا منظر دیکھنے کے لئے حکم دیا گیا۔ بلکہ ارضی و سماوی مخلوق نے اللہ کے خلیل کے امتحان کی طرف نظر اٹھائی اور ہر خشک و تر نے بارگاہِ کبریا میں ابراہیمؑ کے اس سخت امتحان میں زبانِ سفارش کھولی۔ زمین بولی اے پروردگار زمین پر تیرے اس خلیل کے سوا اور کون ہے جو تیری عبادت کرے گا اس کا دشمن اس کو زندہ آگ میں جلانے کا منصوبہ بنا رہا ہے اور تو قادر مطلق دیکھ رہا ہے پس زبانِ قدس سے ملائکہ کو جواب ملا تم صبر و سکون سے میرے خلیل کا عزم و استقلال دیکھو۔ مجھے جب بلائے گا میں اس کی کفایت کروں گا اور جبریلؑ کو ارشاد ہوا تم چپ رہو ایسے شخص کی طرح باتیں کرتے ہو جسے ہاتھ سے وقت کے نکل جانے کا ڈر ہو۔ وہ میرا اپنا بندہ ہے میں جب چاہوں گا اسے لے لوں گا اور وہ جو مانگے گا میں دے دوں گا۔

پس حضرت ابراہیمؑ نے اس طرح دعا مانگی اور بروایت تفسیر مجمع البیان اس وقت آپ کی عمر شریف سولہ برس تھی

یَا اَللّٰهُ یَا وَاحِدُ یَا اَحَدُ یَا صَمَدُ یَا مَنْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ نَجِّنِیْ مِنَ النَّارِ بِرَحْمَتِكَ۔

اور تفسیر صافی میں بروایت احتجاج حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے یہ دعا پڑھی تھی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ لِمَا اَنْجَیْتَنِیْ مِنْهَا۔

جب حضرت ابراہیمؑ منجنیق میں بیٹھے اور آگ کی طرف جا رہے تھے کہ ہوا میں حضرت جبریلؑ نے پہنچ کر مدد کی

پیش کش کی یَا اِبْرَاهِیْمُ هَلْ لَكَ اِلَیَّ مِنْ حَاجَةٍ - یعنی کیا آپ کو میری ضرورت ہے ؟ تو آپ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا - اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا وَ اَمَّا اِلٰى رَبِّ الْعَالَمِیْنَ فَنَعَمْ - یعنی تیری طرف تو مجھے کوئی حاجت نہیں البتہ ربّ العالمین کی طرف مجھے حاجت ہے -

ادھر نمرود اقتدار کے نشے میں مخمور اپنے لاؤ لشکر سمیت تماشائی بنا ہُوا تھا اور اللہ کا خلیل نہایت سکون وتحمّل سے منزل محبت پروردگار کو پوری جلدی سے عبور کر رہا تھا حضرت جبریل نے ایک انگوٹھی پیش کی جس پر تحریر تھا -
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَلْجَأْتُ ظَهْرِیْ اِلَى اللّٰهِ وَاَسْنَدْتُ اَمْرِیْ اِلَى اللّٰهِ
یعنی میرا پشت پناہ اللہ ہے - میرا سہارا اللہ ہے اور میرا معاملہ اللہ کے سپرد ہے - پس خدا نے آگ کو ٹھنڈا ہونے کا حکم دیا تو اس قدر ٹھنڈی ہوئی کہ دانت بجنے لگے پھر سلامتی کا حکم دیا تو متوسط درجہ کی ٹھنڈک بن گئی - اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ وہ آگ ایک دلکش پُر رونق اور سرسبز وشاداب باغ بن گئی کہ جبریل اور حضرت ابراہیمؑ اس میں خوشی خوشی باتیں کر رہے تھے - نمرود نے جب یہ دیکھا تو بے تحاشا زبان سے نکلا کہ اگر خدا ہو تو ابراہیمؑ کے خدا جیسا ہو - ایک خوشامدی نے کہا کہ میں نے آگ پر منتر پڑھ کر اس کو بند کر دیا ہے پس فوراً آگ سے ایک شعلہ بلند ہُوا اور اس کو اپنی لپیٹ میں لے کر خاکستر کر دیا جب نمرود نے آگ کے گلزار میں حضرت ابراہیم کو ایک ساتھی کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تو آزر کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا واقعی تیرا بچہ اپنے رب کو پیارا ہے اور مروی ہے کہ چھپکلی آگ کو تیز کرنے کے لئے پھونک مارتی تھی اور مینڈک پانی لا کر اس کو ٹھنڈا کرنے میں مصروف تھا اور منقول ہے جب آگ کو ابراہیمؑ کے لئے برد وسلام ہونے کا حکم ملا تو پوری روئے زمین میں تین دن تک آگ نے اپنا کام چھوڑ دیا تھا -

بروایت مفضل بن عمر وحضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جن کلمات سے حضرت ابراہیمؑ کو آزمایا گیا ان میں ایک شجاعت بھی تھی کیونکہ ہزاروں کے مقابلہ کے لئے صرف ایک آدمی کا ڈٹ جانا اور خصوصاً نمرود جیسے مطلق العنان ظالم حکمران کے سامنے ایک اکیلے کا سینہ تن کر فکر فردا سے بے نیاز ہو کر میدانِ مقابلہ میں ثابت قدم رہنا بہت بڑی شجاعت کا مظاہرہ ہے -

ایک روایت میں ہے کہ تین دن کے بعد نمرود نے جائزہ لیا تو معلوم ہُوا کہ آگ ابراہیمؑ کا کچھ نہیں بگاڑ سکی بلکہ وہ تو زندہ اور صحیح وسالم ہے تو نمرود نے حکم جاری کیا کہ اس کو جلا وطن کر دیا جائے اور کسی شے کے ساتھ لے جانے کی اس کو اجازت نہ دی جائے - اس وقت حضرت سارہ آپ کے ہمراہ تھی اور حضرت لوطؑ جو سن وسال میں آپ سے چھوٹے تھے - وہ بھی آپ پر ظاہری طور پر ایمان کا اظہار کر چکے تھے جس طرح قرآن میں ہے - فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ - تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جب ایک شخص نے سوال کیا کہ جادوگروں کی رسیوں کو سانپ بنتے دیکھ کر حضرت موسےٰ گھبرا گئے تھے لیکن حضرت ابراہیمؑ آگ سے نہیں گھبرائے اس کی کیا وجہ ہے ؟ تو آپ نے

جواب میں ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی صلب میں حجج اللہ (محمدؐ و آل محمدؐ) کے انوار تھے اس لئے نہ گھبرائے لیکن حضرت موسےؑ کے صلب میں یہ انوار نہ تھے پس وہ گھبرا گئے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت جبرئیل حضرت ابراہیمؑ کے لئے ایک قمیص جنت اور ایک تخت ساتھ لائے قمیص پہنا دی اور تخت پر بٹھا دیا۔

تفسیر برہان میں ہے ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ نے جبریل سے دریافت فرمایا کہ اس قدر قوت و طاقت کے باوجود تم نے کبھی اپنے اندر تھکان بھی محسوس کی ہے تو کہنے لگا! ہاں تین دفعہ۔ پہلی دفعہ جب ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو مجھے حکم پروردگار پہنچا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر تیرے پہنچنے سے پہلے ابراہیمؑ کو آگ نے مس کر لیا تو تیرا نام فرشتوں کے دیوان سے کاٹ دوں گا۔ پس میں پوری تیز رفتاری سے اس وقت آپہنچا جب کہ آپ منجنیق سے نکل کر دوش ہوا پر سوار تھے اور آگ میں پہنچنے والے تھے پس میں نے کہا اے ابراہیمؑ هَلْ لَكَ حَاجَةٌ کیا کوئی ضرورت ہے؟ تو فرمایا إِلَى اللّٰهِ فَنَعَمْ وَ أَمَّا إِلَيْكَ فَلَا۔ کہ اللہ کی حاجت تو ہے لیکن تیری نہیں۔

دوسرا مقام جب ابراہیمؑ نے اپنے فرزند اسمٰعیلؑ کے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے وحی ہوئی کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم لَئِنْ سَبَقَكَ السِّكِّيْنُ إِلَى حَلْقِهِ لَأَمْحُوَنَّ اسْمَكَ مِنْ دِيْوَانِ الْمَلَائِكَةِ۔ یعنی اگر تیرے پہنچنے سے پہلے چھری اسمٰعیلؑ کی گردن پر پہنچ گئی تو تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے نکال دوں گا۔ پس میں پوری تیزی سے پہنچا اور ابراہیمؑ کے ہاتھ میں چھری کو الٹا کر دیا اور فدیہ لاکر فوراً چھری کے نیچے لٹا دیا۔ اور تیسری دفعہ جب یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالا گیا تو وحی ہوئی کہ مجھے عزت و جلال کی قسم اگر تیرے پہنچنے سے پہلے یوسفؑ کنوئیں کی تہ تک پہنچ گیا تو تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے مٹا دوں گا۔ پس میں جلدی سے پہنچا اور کنوئیں کی تہہ تک پہنچنے سے پہلے اُسے تھام لیا اور ایک پتھر پر اس کو بٹھایا پس ان مقامات پر مجھے تھکان محسوس ہوئی۔ اس کنوئیں میں سانپ و اژدہا رہتے تھے فوراً ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آرام سے رہو اور حرکت نہ کرو کیونکہ آج ایک نبی ہمارا مہمان ہے پس سانپ اپنے مقام پر خاموش رہے لیکن ایک اژدہا اس کو ڈسنے کے لئے آگے بڑھا اور آسمانی صاعقہ اس پر پڑا کہ قیامت تک کے لئے ان کے کان بہرے ہو گئے۔

تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب آپ کو جلا وطنی کا حکم ملا تو مال مویشی کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی گئی اور عذر کیا گیا کہ مال ہماری مملکت میں رہ کر تم نے حاصل کیا ہے لہذا اس میں تیرا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ نے اپنے احتجاجی جواب دعویٰ میں یہ شق بیان فرمائی کہ اگر تم میرے مال کو اس لئے ضبط کرتے ہو کہ یہ تمہارے ملک کا مال ہے۔ تو میں نے جس قدر زندگی تمہارے ملک میں گذاری ہے مجھے وہ واپس کر دو۔ جب مجسٹریٹ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو طرفین کے بیان سننے کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ ابراہیمؑ کو وہ تمام مال و دولت سرکاری خزانہ کے حوالہ کرنی چاہیے جو اس نے اس مملکت کے حدود کے اندر رہ کر کمائی ہے اور اس کے بدلہ میں حکومت اور حکومت کے سربراہوں پر ضروری ہے کہ

ابراہیم کو اس کی قیمتی زندگی کا وہ حصہ واپس کر دیں جو اس نے اس کی حدود کے اندر گزارا ہے ۔ پس نمرود کو جب عدالت کا فیصلہ سنایا گیا تو اس نے اپنے سابق حکم میں فوراً تبدیلی کر لی ۔ اور اس ترمیم کے ساتھ دوبارہ حکم دیا کہ ابراہیمؑ کو اپنے مال کے ساتھ لے جانے کی اجازت ہے پس وہ فوراً ہمارے ملک کی حدود سے نکل جائے کیونکہ اس کا وجود پوری مملکت کے لئے باعث خطرہ ہے اگر وہ رہا تو ایک طرف رعایا میں پھوٹ پڑے گی اور دین میں تفرقہ بازی ہوگی اور دوسری طرف ہمارے خداؤں کو وہ نقصان پہنچائے گا ۔

چنانچہ تفسیر برہان میں کلینی کی روایت سے امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ حضرت سارا اور لوط کو ہمراہ لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے اور زمین شام کو برکت والی زمین اس لئے کہا گیا ہے کہ اکثر نبی اسی علاقہ میں مبعوث ہوئے پس یہ زمین نبیوں کا گہوارہ ہے اور اسی جلد کی ابتداء میں بَارَكْنَا حَوْلَهُ ۔ کی تفسیر میں اس امر کی مزید وضاحت کی جا چکی ہے ۔

نَافِلَةً ۔ یعنی خاص عطیہ اور نفل اس زیادتی اور منفعت کو کہا جاتا ہے جو واجب کی حد سے زیادہ ہو اور قابلِ تعریف ہو اسی لئے نماز فریضہ سے زائد کو نافلہ کہا جاتا ہے اور بعضوں نے نافلہ کا معنی غنیمت بھی کیا ہے اس مقام پر نافلہ کا اطلاق حضرت یعقوب پر ہے کہ ابراہیمؑ کو خدا نے یہ خاص عطیہ مرحمت فرمایا کیونکہ دعا کی استجابت کا تعلق فقط اسحاق تک تھا ۔ اور یہ اس سے زائد تھے اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اسحق اور یعقوب دونوں پر نافلہ کا اطلاق ہوا ہے کیوں کہ خدا پر دینا واجب نہیں تھا پس ابراہیمؑ کو بیٹا اور پوتا از راہِ فضل و کرم عطا فرمائے (مجمع البیان)

اَئِمَّةً ۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے قرآن مجید میں دو قسم کے امام ذکر فرمائے ہیں ۔ ایک وہ امام جو اللہ کے امر کی طرف ہدایت فرماتے ہیں اور لوگوں کی خواہشات سے اللہ کے حکم کو مقدم سمجھتے ہیں جن کا آیت مجیدہ میں ذکر ہے اور دوسرے وہ امام جو لوگوں کی خواہشات کو اللہ کے حکم پر ترجیح دیتے ہیں ۔ چنانچہ فرماتا ہے وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔ یعنی ہم نے ایسے امام بھی بنائے جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں ۔

وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ ۔ خیرات پر اس کا عطف ۔ عطفِ خاص علی العام ہے دراصل اقامة تھا لیکن تاء کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اضافت اس کے قائمقام ہے پس اضافت کے علاوہ اس کی تاء کو حذف کرنا ناجائز ہے اور فعل خیرات سے احکام شریعت مراد لئے گئے ہیں ۔

وَلُوْطًا ۔ منصوب علی شریطة التفسیر ہے اور حکم سے مراد نبوت ہے ۔

اَلْخَبَائِثَ ۔ اسی بستی کا نام سدوم تھا جس میں وہ لوگ رہائش پذیر تھے ان کا فعل خبیث یہ تھا کہ عورتوں کی بجائے مردوں پر اپنی شہوت بجھاتے اور غیر فطری فعل کے مرتکب ہوتے تھے نیز ان کا ایک فعل خبیث یہ بھی تھا کہ بھری محفل میں بغیر

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ

اور نوح جب اس نے پکارا اس سے پہلے تو ہم نے قبول کیا پس اس کو نجات دی

وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ

اور اس کی اہل کو بڑی تکلیف سے اور ہم نے اس کی مدد کی

الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ

اس قوم سے جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو تحقیق وہ بری قوم تھی

سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾ وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ

پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور داؤد و سلیمان جب کہ

إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ

نیصلہ کر رہے تھے کھیتی کا جب کہ بربادی کی اس میں ایک قوم کی دنبیوں نے

شرم وحیا کے گوز زنی کرتے تھے اور تیسرا فعل خبیث یہ تھا کہ وہ ڈاکو اور راہزن تھے۔ حضرت لوط اور اس کی قوم کا ذکر سورہ ہود اور حجر میں گذر چکا ہے۔

تفسیر برہان میں منقول ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ایک دن جو حضرت ابراہیمؑ صبح کو اٹھے تو ڈاڑھی میں ایک سفید بال دیکھا۔ پس حمد پروردگار بجالائے کہ اس عمر تک پہنچ کر میں نے ایک چشم زدن کے وقفہ میں بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ بعض کتب تاریخ میں ہے کہ نمرود کی لڑکی رعضہ نامی ابراہیمؑ پر ایمان لائی تو اس کو نمرود کی حکومت نے سزائے موت کا حکم دیا لیکن اللہ نے اس کو نمرود کے عذاب سے بچالیا اور جب حضرت ابراہیمؑ شام میں پہنچے تو جبریل نے اس کو حضرت ابراہیمؑ کے حوالہ کر دیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ایک لڑکے کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔ الخبر

رکوع نمبر ۶

مِنَ الْقَوْمِ۔ یہاں من علیٰ کے معنی میں ہے (مجمع) جہال کی طعنہ زنی اور ان کی طرف سے توہین آمیز رویہ کو کرب عظیم کہا گیا ہے جس سے خدا نے حضرت نوح اور اس کی آل کو نجات بخشی۔

داؤد وسلیمان کا ذکر

نَفَشَتْ ۔ نفش کا معنی ہے کسی حیوان یعنی بھیڑ بکری اونٹ اور گائے وغیرہ کا رات کے وقت بغیر چرواہے کے گھر سے نکل کر چرنا۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نفش کا صدق رات کو ہوتا ہے کیونکہ کھیتی کے مالک کا کام ہے دن کو اس کی حفاظت کرنا اور مال و مویشی کے مالک پر فرض نہیں کہ دن بھر اپنے مال کو چرنے سے روکے رکھتے کیونکہ چرنے کا وقت دن ہے لہذا دن میں وہ جو نقصان کریں مالک اس کا ضامن نہیں ہے اسی طرح مویشی کے مالک پر ضروری ہے کہ رات کو اپنے مویشی قابو میں رکھے کہ لوگوں کی کھیتیوں کا نقصان نہ کریں پس جو رات کو نقصان کریں گے۔ مالک اس کا ضامن ہوگا اور نفش کا یہی معنی ہے۔

واقعہ :۔ ایک دفعہ ایک شخص کے مویشی رات کے وقت ایک دوسرے شخص کے کھیت میں چلے گئے اور اس کی کھیتی کو برباد کر ڈالا۔ صبح سویرے اس نے حضرت داؤد کے دربار میں رپورٹ درج کرائی کہ فلاں شخص کے مویشیوں نے میرا کھیت تباہ کر دیا ہے۔ پس مدعا علیہ کو دربار میں بلوایا گیا اور فرد جرم عائد ہونے کے بعد وہ فیصلہ کیا جو سابق انبیاء کیا کرتے تھے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے خدا نے انبیاء کو وحی کی تھی کہ اگر کسی کے مویشی کسی کی کھیتی کا نقصان کریں تو کھیتی والے کو مویشی اس نقصان کے بدلہ میں دیئے جائیں پس حضرت داؤد نے سابق انبیاء کے دستور کے مطابق فیصلہ کر دیا۔

ادھر خدا نے حضرت سلیمان پر وحی بھیجی جس میں سابق حکم منسوخ ہونا تھا چنانچہ فرماتا ہے فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ یعنی سلیمان کو ہم نے سمجھایا یہ کہ اگر کسی کے حیوان کسی دوسرے کی کھیتی کا نقصان کریں تو صاحب زراعت صاحب مال سے مال کے پیٹ کی چیز وصول کر سکتا ہے یعنی ان کے بچے یا دودھ مثلاً پس حضرت سلیمان نے یہی فیصلہ سنایا اور بعد میں پھر یہی دستور رائج ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت داؤد نے کھیتی کے نقصان کے بدلہ میں مویشی دیئے تھے اور حضرت سلیمان نے ان دنبیوں کا اس سال کا دودھ اور اُون کھیتی کے مالکان کو دلوایا (کیونکہ کھیتی والے کی اصل باقی تھی اور ایک سال کی منفعت کا نقصان ہوا تھا۔ اس لئے مویشی کے مالک کی اصل کو محفوظ رکھا گیا اور اس کا سال بھر کا نفع یعنی دودھ اور اُون کھیتی والے کو دلوا دی گئی) تفسیر عمدۃ البیان میں ہے مدعی کے مالی نقصان کی قیمت چونکہ دنبیوں کی قیمت کے برابر تھی۔ لہذا حضرت داؤد نے اس کو دنبیاں دلوانے کا فیصلہ صادر فرمایا تھا۔

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں ذکر کیا ہے کہ وہ انگوروں کا باغ تھا جس کو مویشیوں نے تباہ کیا تھا پس حضرت داؤد نے مالک باغ کو نقصان کے بدلہ میں دنبیاں دینے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ حضرت سلیمان نے عرض کی اے اللہ کے نبی اس فیصلہ کو تبدیل فرمایئے بلکہ فیصلہ یوں ہونا چاہیئے کہ مویشی کے مالک کو حکم دیا جائے کہ باغ کی خدمت کرے اور انگوروں و پودوں کی حفاظت کرے یہاں تک کہ وہ اپنی پہلی حالت پہ آجائیں اور اس مدت تک اس کے مویشی باغ کے مالک کے قبضہ میں رہیں جب باغ کی حالت حسب سابق ٹھیک ہو جائے گی تو ہر مالک اپنا اپنا مال سنبھال لے گا

اور اسی طرح صادقین علیہما السلام سے مروی ہے۔ تفسیر عمدۃ البیان میں مدعی کا نام ایلیا اور مدعا علیہ کا نام یوحنا منقول ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس وقت حضرت سلیمان کی عمر ۱۱ برس کی تھی اور تفسیر عمدۃ البیان میں دس برس لکھی ہے۔

وصی کا تعیّن

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے فیصلوں کا اختلاف ظاہر بین لوگوں کے لئے محل اعتراض ہے اس کا صحیح حل وہ ہے جو آئمہ اہلبیت علیہم السلام نے بیان کیا ہے چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے حضرت داؤد کی طرف وحی کی کہ اپنی اہل سے اپنا وصی نامزد کرو کیونکہ میرے علم میں یہ بات ثابت ہے کہ ہر نبی کا وصی اسی کی اہل سے ہی ہوگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعدد فرزند تھے اور سب سے پیاری بیوی کے بطن سے بھی ایک لڑکا تھا جب آپ نے اپنی بیوی کو حکم پروردگار کی اطلاع دی تو اس نے اپنے لڑکے کا نام پیش کیا اور حضرت داؤد نے بھی اس کی تصدیق و تائید کر دی۔ لیکن اللہ کے علم میں آپ کا وصی حضرت سلیمان تھا۔ پس داؤد کو وحی ہوئی کہ وصی کی نامزدگی میں عجلت سے کام نہ لینا کیونکہ اس کا فیصلہ میں خود کروں گا۔ پس تھوڑی دیر گزری کہ دربار داؤدی میں مذکورہ بالا مقدمہ پیش ہوا۔ اور اللہ نے وحی کی کہ تمام اولاد کو جمع کر لو اور ان سے اس مقدمہ کا فیصلہ لو جس کا فیصلہ صحیح ہوگا وہی تیرا وصی ہوگا۔

حضرت داؤد نے تمام بیٹوں کو جمع کیا اور مقدمہ کی نوعیت سے ان کو مطلع کیا تو حضرت سلیمان نے انگوروں کے مالک سے پوچھا کہ اس شخص کے چوپائے تیرے باغ میں کس وقت داخل ہوئے تھے۔ اس نے بتایا کہ رات کے وقت داخل ہوئے تھے۔ پس آپ نے چوپاؤں کے مالک کو فرمایا کہ اس کا فیصلہ میں یہ کرتا ہوں کہ اس سال تیری دنبیوں کے پیدا ہونے والے بچے اور ان کی اُون صاحب باغ کو تو نے دینی ہوگی۔

حضرت داؤد نے فرمایا بیٹا۔ علمائے بنی اسرائیل تو اس طرح فیصلہ کرتے ہیں کہ کھیتی کے بدلہ میں اس کو مویشی سالم دیئے جائیں تم نے اُن کے فیصلہ کو کیوں بدل دیا ہے؟ تو حضرت سلیمان نے جواب دیا حضور: انگوروں کی اصل محفوظ ہے۔ دنبیوں نے ان کا ایک سال کا پھل ضائع کیا ہے وہ اگلے سال پھر پھل دیں گے (لہذا پھل کے بدلہ میں پھل ہی ہونا چاہیئے) پس خدا کی جانب سے وحی نازل ہوئی کہ سلیمان کا فیصلہ صحیح اور نافذ ہے۔ اے داؤد تو کچھ اور چاہتا تھا اور ہم کچھ اور چاہتے تھے۔ پس داؤد نے گھر جا کر اپنی بیوی کو حقیقت حال کی اطلاع دی اور اللہ کی رضا پر راضی ہونے کی تلقین فرمائی۔ جس طرح نبی کو حق نہیں پہنچتا کہ حقیقی وصی کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنی مرضی سے وصی نامزد کریں۔ اسی طرح اوصیائ کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ اپنے بعد والے وصی کے معاملہ میں حد سے تجاوز کریں (پس اس روایت کے پیش نظر سابقہ مختلف روایات کا صحیح حل بھی معلوم ہو گیا اور داؤد و سلیمان کے فیصلہ کے اختلاف کی وجہ بھی واضح ہو گئی)

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا

اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھنے والے تھے پس ہم نے سمجھا دیا سلیمان کو اور سب کو

اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؗ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ

ہم نے نبوت و علم عطا کیا اور مطیع کیا ساتھ داؤد کے پہاڑوں کو

يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ

کہ تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو اور ہم کر سکتے ہیں اور ہم نے سکھایا اس کو زرہ بنانا

اَلْجِبَالَ ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ جب آپ زبور کی تلاوت فرماتے تھے تو پتھروں پہاڑوں اور پرندوں کی جانب سے ان کے جواب میں تسبیح و تقدیس پروردگار کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔

لَبُوْسٍ ۔ لغت کے لحاظ سے لبوس ہر جنگی ہتھیار پر بولا جاتا ہے مثلاً زرہ تلوار اور نیزہ وغیرہ اس مقام پر مقصود زرہ ہے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت داؤد نبی بھی تھے اور بادشاہ وقت بھی تھے۔ رات کو بھیس بدل کر اپنے متعینہ آفیسروں اور حکمرانوں کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے دورہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت جبریل شکل انسانی میں سامنے آیا تو داؤد نے سلام و جواب کے بعد پوچھا کہ تمہارے نزدیک داؤد کیسا حکمران ہے تو اس نے جواب دیا کہ اور سب ٹھیک ہے اس میں ایک عیب ہے کہ وہ بیت المال سے روٹی کھاتا ہے پس حضرت داؤد نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے دل میں قسم کھائی کہ بیت المال سے کچھ نہ کھاؤں گا۔ پس خدا نے اس کے لئے لوہے کو موم بنا دیا اور مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت لقمان ملنے آئے تو آپ زرہ بنانے میں مصروف تھے۔ حضرت لقمان خاموش رہے اور کچھ نہ پوچھا جب حضرت داؤد زرہ بنانے سے فارغ ہوئے تو اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو پہن لیا پھر فرمایا لڑائی میں بچاؤ کے لئے یہ خوب چیز ہے پس حضرت لقمان نے کہا چپ رہنا دانائی ہے لیکن اس پر عمل کرنے والے کم ہوں گے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے داؤد پر وحی بھیجی کہ تو نیک بندہ ہے بشرطیکہ بیت المال سے نہ کھائے بلکہ اپنے ہاتھ سے کمائے۔ پس چالیس دن تک گریہ میں مشغول رہے۔ تو خدا نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔ چنانچہ آپ ہر دن میں ایک زرہ تیار کرتے اور اسے ایک ہزار درہم میں فروخت کرتے تھے اس طرح انہوں نے تین سو ساٹھ زرہیں تیار کیں اور تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم کمائے۔ پس بیت المال سے بے نیاز ہو گئے اور حضرت داؤد ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے پہلے پہل زرہ ایجاد کی۔ اس سے پہلے لوہے کی چادر سے بچاؤ کی صورت اختیار کی جاتی تھی۔ لیکن وہ بہت بھاری ہوتا تھا۔ حضرت داؤد کے ہاتھوں میں چونکہ لوہا آٹے کی طرح نرم

لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

تمہارے لئے کہ تم کو بچائے سختی سے تو کیا تم اس کا شکر کرنے

شٰكِرُوْنَ ۝٨٠ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ

والے ہو گے؟ اور سلیمان کے لئے ہوا کو (مسخر کیا) تیز چلنے والی جو چلتی

بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ

تھی اس کے حکم سے اس زمین کی طرف کہ برکت رکھی ہم نے اس میں اور ہم ہر

شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝٨١ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ

شے کو جاننے والے ہیں اور (مطیع کئے) شیطانوں میں سے ایسے کہ غوطہ لگاتے (اور موتی نکالتے تھے)

ہو جاتا تھا۔ پس انہوں نے حلقہ دار زرہ کی ایجاد کی۔ ایجاد کی جو ہلکی پھلکی بھی ہوتی تھی اور بچاؤ کا کام بھی دیتی تھی۔

سلیمان کی حکومت

وَلِسُلَيْمٰنَ ۔ یعنی ہم نے سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کیا۔ جہاں چاہتے تھے تیز چلتی تھی اور جہاں چاہتے تھے آہستہ چلتی تھی۔ ان کے فرمان کے ماتحت ہی وہ مناسب حرکت کرتی تھی۔ آپ ملک شام کے شہر بعلبک میں رہائش پذیر تھے اور بیت المقدس کی تعمیر جاری تھی۔ پس آمد و رفت کا سلسلہ روزمرہ جاری رہتا تھا کیوں نہ وہ زمین مبارک ہو جو اکثر انبیاء کے لئے محل بعثت اور جائے عبادت ہوئی۔ ہوا صبح کے وقت تخت سلیمان کو لے کر ایک ماہ کی مسافت پرے جاتی اور شام کو بھی ایک ماہ کی مسافت طے کرتی رہتی تھی۔ جب حضرت سلیمان گھر سے نکل کر تخت شاہی تک تشریف لاتے تھے تو پرندے سر کے اوپر سایہ فگن رہتے تھے اور تمام جنّ و انسان تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے پس شاہی کرسی پر تشریف رکھتے اور ارد گرد پورا لشکر ہوا میں پوری آن بان کے ساتھ پرواز کرتے تھے۔

يَغُوْصُوْنَ ۔ خداوند کریم نے حضرت سلیمان کیلئے شیطانوں کو مطیع و مسخر کہ دریاؤں اور سمندروں میں غوطہ زنی کر کے مختلف اقسام کے قیمتی و نایاب موتی و جواہر نکال لاتے تھے۔

وَيَعْمَلُوْنَ ۔ غوطہ زنی کے علاوہ کاریگر قسم کے افراد بھی تھے جو آپ کے حکم سے مختلف فن کاریوں کا مظاہرہ کرتے تھے۔ مکانات و محلات کی تعمیر اور محرابوں وغیرہ کی صنعت میں وہ مہارت تامہ رکھتے تھے۔

وَكُنَّا لَهُمْ ۔ یعنی ہم ہی اس کو حفظ کرنے والے تھے کہ سلیمان کی ملازمت سے بھاگ نہ جائیں یا یہ کہ اس بات کی ہم حفاظت کرتے تھے کہ کہیں تعمیر کی بجائے تخریبی قدم اٹھانے کی جرأت نہ کریں۔

وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿٨٢﴾

اس کے لئے اور اس کے علاوہ اور کاریگری بھی کرتے تھے اور ہم ان کے محافظ تھے

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ

اور (یاد کر) ایوب کو جب پکارا اپنے رب کو تحقیق مجھے پہنچی ہے تکلیف اور تو سب

اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ

سے بڑا رحم کرنے والا ہے اور ہم نے قبول کیا اس کی دعا کو اور دُور کی

مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً

وہ جو اس کو تکلیف تھی اور عطا کیا اس کو خاندان اور اتنے ان کے علاوہ بھی اپنی رحمت

حضرت ایوبؑ کا ذکر

اس سورہ مجیدہ میں بعض انبیاء کی آزمائش کا تذکرہ اور ان کے صبر و استقلال اور عزم وضبط کا بیان اور بالآخر استجابت دُعا اور احسان و امتنان پروردگار کا ذکر ہے۔ پس اس ذیل میں حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ اس نے تکلیف کے وقت اس طرح دعا کی اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ الخ یعنی میں تکلیف میں ہوں اور تو ارحم الراحمین ہے۔ رفع مصیبت کے لئے صرف اس کی رحمت کا تذکرہ طلب اور سوال کے لئے بہترین کنایہ ہے کتب سیر میں ہے ایک مرتبہ حضرت ایوب نے عرض کی تھی اے پروردگار میں تیرا عبادت گذار شاکر بندہ ہوں اور تو نے مجھے اس مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے تو خدا نے فضا میں بادل پیدا کئے اور اس کے ہر ہر ٹکڑے سے ندا آئی۔ اے ایوب تو مجھے اپنی عبادت اور شکر جتلا رہا ہے۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ تجھے شاکر کس نے بنایا ہے؟ الخبر ملخصًا۔

وَاٰتَیْنٰہُ۔ جب حضرت ایوب کی مصیبت دُور ہوئی تو خدا نے اس کی مردہ اولاد کو زندہ کر دیا اور اتنی مقدار میں وہ عزیز بھی زندہ کر دیئے جو آزمائش سے قبل اپنی موت مر چکے تھے اسی طرح ہلاک شدہ مال و مویشی بھی واپس زندہ کر دیئے اور اسی قدر اور بھی عطا فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے تین لڑکے اور سات لڑکیاں تھیں اور دوسری روایت میں ہے کہ سات لڑکے اور سات لڑکیاں تھیں۔ اور فرمایا یہ ہماری رحمت تھی۔ اور عبادت گذاروں کے لئے نصیحت تھی کہ مصیبت کے وقت اس طرح صبر و ضبط سے کام لیں۔ تاکہ انجام کار محمود ہو۔

تفسیر صافی میں ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام رومی تھے اور عیص بن اسحٰق کی نسل سے تھے۔ خداوند کریم

مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ
سے اور عبادت کرنے والوں کی نصیحت کے لئے اور اسمٰعیل
وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾
و ادریس و ذوالکفل کو (یاد کرو) سب صابروں میں سے تھے
وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾
اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا تحقیق وہ نیکوں میں سے تھے

نے ان کو عہدہ نبوت پر فائز فرمایا اور مال و اولاد کثرت سے عطا فرما کر امتحان میں مبتلا کیا اور جسمانی و مالی و اہلی مصائب میں گھر جانے کے باوجود انہوں نے توکل اور صبر کا دامن نہ چھوڑا اور شکرِ پروردگار میں رطب اللسان رہے پس خدا نے ان کی مدح فرمائی تاکہ دوسروں کے لئے باعثِ نصیحت ہو۔

وَاِسْمٰعِيْلَ ۔ بے آب و گیاہ علاقہ میں مبعوث ہوئے لیکن صبر و تحمل سے فرائض تبلیغ انجام دیتے رہے ان کا ذکر پارہ ۱۶ رکوع نمبر ۷ سورہ مریم میں گزر چکا ہے۔

وَاِدْرِيْسَ ۔ ان کا ذکر بھی سورہ مریم میں گذر چکا ہے۔

ذوالکفل کا ذکر

وَذَا الْكِفْلِ ۔ اس کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نبی نہ تھا لیکن مرد صالح تھا اس نے ایک نبی سے روزہ رکھنے رات کی عبادتِ خدا کرنے غصہ نہ کرنے اور حق پر عمل کرنے کا وعدہ کیا تھا اور اس پر قائم رہا تھا اس لئے خدا اس کی مدح فرما رہا ہے لیکن اکثرین کے نزدیک وہ نبی تھے لیکن ان کے نام میں اختلاف ہے (۱) اس کا نام ذوالکفل تھا (۲) اس کا نام الیاس تھا (۳) اس کا نام الیسع بن خطوب تھا۔ اس نے کنعان نامی بادشاہِ وقت کی کفالت لی تھی کہ اگر تو ایمان لائے گا تو میں جنت کا ضامن ہوں گا اور اسی مضمون کی تحریر بھی ان کو لکھ کر دے دی تھی چنانچہ بادشاہ تائب ہوگیا۔ اسی لئے اس کو ذوالکفل کہا جاتا ہے (۴) تفسیر صافی میں عیون الاخبار سے منقول ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ذوالکفل سے مراد یوشع بن نون ہے (۵) تفسیر مجمع البیان میں کتاب النبوۃ سے منقول ہے شہزادہ عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی روایت کرتا ہے کہ میں نے امام علی نقی علیہ السلام کو خط لکھا جس میں ذوالکفل کے متعلق دریافت کیا گیا کہ ان کا اسم مبارک کیا تھا اور یہ کہ وہ رسول تھا یا نہ؟ تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی مبعوث فرمائے جن میں سے تین سو تیرہ رسول تھے اور ذوالکفل انہی میں سے تھا اور یہ حضرت سلیمان بن داؤد کے بعد مبعوث برسالت ہوئے اور

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ

اور (یاد کرو) ذوالنون کو جو ناراض ہوکر گئے تو گمان کیا کہ ہم اس کے خلاف فیصلہ نہ کریں گے پس پکارا

عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ

تاریکیوں میں کہ سوائے تیرے کوئی معبود نہیں تو

سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ

پاک ہے تحقیق میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوں پس ہم نے قبول کیا

وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

اس کی دعا کو اور اس کو نجات دی غم سے اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں

حضرت داؤد کی طرح لوگوں میں فیصلے کرتے تھے ان کا غصہ صرف اللہ ہی کے لئے ہوتا تھا اور اس کا نام عدیا بن ادارین تھا۔

حضرت ذوالکفل کا روضہ نجف اور کربلا کے درمیان دریائے فرات کے شرقی کنارہ پر ایک بستی میں ہے آپ کے روضہ کے مجاور یہودی ہیں۔ رواق اور روضہ کے اندر جو کتبے موجود ہیں ان کا رسم الخط بہت پرانا ہے اور زبان بھی عربی نہیں کوئی دوسری ہے ہم ایک مرتبہ کربلا کی طرف پیدل جاتے ہوئے جب اس کی سیدہ میں پہنچے تو بذریعہ کشتی دریا کو عبور کرکے زیارت سے مشرف ہوئے تھے غالباً یہ ۱۳۶۳ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت یونس کا ذکر

مُغَاضِبًا۔ یعنی اپنی قوم سے ناراض ہوکر چلے گئے کیونکہ کافی عرصہ تک تبلیغ فرماتے رہے لیکن وہ اپنے ضد پر قائم رہے۔ ان کا قصہ سورہ یونس میں تفسیر کی ساتویں جلد ص۱۸۷ پر گذر چکا ہے (پہلا ایڈیشن)

فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ۔ مامون عباسی نے حضرت امام رضا علیہ السلام پر عصمت انبیاء کے متعلق جو سوالات کئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جو خدا کی قدرت پر یقین نہ رکھے مومن نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ خدا کی عدم قدرت کا ظن رکھتا ہو اور نبی بھی ہو؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہاں قدر سے مراد تنگی رزق ہے جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ۔ یعنی جب خدا اس کو آزمائے اور اس کا رزق تنگ کر دے۔ پس مقصد یہ ہے کہ حضرت یونسؑ قوم سے ناراض ہوکر چلے گئے اور یہ ناراضگی ان کی صرف رضائے پروردگار کی خاطر ہی تھی کیونکہ ان کو قوم سے کوئی ذاتی رنجش نہیں تھی۔ پس ان کو

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا

اور (یاد کرو) زکریا کو جب پکارا اپنے رب کو اے رب مجھے اکیلا (بے وارث)

وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ

نہ چھوڑ اور تو بہتر وارث ہے پس مان لی ہم نے اس کی دعا اور

يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ

دیا اس کو یحییٰ اور اس کی بیوی کو ہم نے ٹھیک کر دیا تحقیق یہ لوگ جلدی کرتے تھے

یقین تھا کہ میرا یہ فعل صحیح ہے اور اس کی بناء پر مجھے آزمائش میں لا کر خدا تنگی رزق میں مبتلا نہ فرمائے گا لیکن منشائے خداوندی اس کے خلاف تھی پس ایک عرصہ تک مچھلی کے شکم میں رہ کر خدا سے نجات کی درخواست کی جو مقبول ہوئی۔ فِى الظُّلُمٰتِ۔ تین پردوں کے اندر خدا کو پکارتے تھے۔ رات کا پردہ پانی کا پردہ اور تیسرا مچھلی کے شکم کا پردہ اور نون عربی میں مچھلی کو کہتے ہیں اور مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے ان کو ذوالنون کہا جاتا ہے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ عاملین اس کو آیت کریمہ کا نام دیتے ہیں اس آیت مجیدہ کا ورد بہت تاثیر رکھتا ہے۔ غمزدہ آدمی اس کا ورد رکھے تو غم دور ہو گا۔

طلب اولاد کے لئے عمل

تفسیر برہان میں کلینی سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک خراسانی نے بچہ نہ ہونے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا گھر جا کر جب عورت سے ہمبستری کا ارادہ ہو تو پہلے وَذَا النُّوْنِ سے لے کر الوارثین تک تین آیتیں پڑھ لو پھر ہمبستری کرو۔ انشاء اللہ خدا لڑکا دے گا۔ قصہ کی تفصیل سورہ صافات میں آئے گا۔ انشاء اللہ یعنی صرف مرد پڑھے لیکن اگر مرد و عورت دونو پڑھیں تو زیادہ بہتر ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے حارث بن مغیرہ کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میرا خاندان سب ختم ہو گیا ہے اور میرے ہاں بھی کوئی اولاد نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا سجدہ میں (سجدہ شکر) پڑھا کرو۔ رَبِّ هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ۔ وہ کہتا ہے میں نے یہ عمل کیا تو خدا نے مجھے دو بیٹے عطا فرمائے ایک کا نام علی رکھا اور دوسرے کا نام حسین رکھا یہ عمل مرد اور عورت دونو کو کرنا چاہیئے۔ سجدہ شکر کے اذکار معینہ پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھیں اور ہر نماز کے بعد مسلسل پڑھتے رہیں نیز صرف ایک مرتبہ پڑھنا بھی کافی ہے۔

فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۖ وَكَانُوا

نیکیوں میں اور ہمیں پکارتے تھے شوق سے اور ڈر سے اور ہمارے لئے

لَنَا خَاشِعِينَ ۝٩٠ وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

عاجزی کرنے والے تھے اور (یاد کرو) وہ عورت جس نے اپنے شرم کو محفوظ رکھا

فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝٩١

پس پھونکا ہم نے اسی میں اپنی روح کو اور بنایا ہم نے اس کو اور اس کے فرزند کو آیت عالمین کے لئے

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ

تحقیق یہ تمہاری جماعت ہے ایک جماعت اور میں تم سب کا رب ہوں پس میری

فَاعْبُدُونِ ۝٩٢ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ۝٩٣

عبادت کرو اور (یہود و نصاریٰ نے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا باہمی دین (الٰہیہ) سب ہماری طرف پلٹنے والے ہیں

أَصْلَحْنَا ۔ یعنی زکریا کو ہم نے اولاد دی کہ اس کی بیوی کے بانجھ پن کو ختم کر دیا اور اس کو صحت مند کر دیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ بوڑھی ہو چکی تھی اور خدا نے اس کو دوبارہ جوانی عطا فرما دی (مجمع البیان)

إِنَّهُمْ ۔ یعنی تمام وہ انبیاء جن کا سابق میں تذکرہ ہوا ہے۔

رَغَبًا وَّرَهَبًا ۔ یعنی ان کے دل میں ایک طرف میری محبت تھی اور دوسری طرف میرا ڈر تھا۔ جیسا کہ معصوم نے بھی مومن کامل الایمان کی یہی تعریف فرمائی ہے کہ مومن کا ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہوتا ہے اگر وزن کیا جائے تو اس کا خوف اور رجا برابر ہوں گے۔

مِن رُّوحِنَا ۔ حضرت عیسےٰ کو خدا نے اپنی روح قرار دیا اور اللہ کی طرف نسبت عظمتِ شان اور رفعتِ مکان کی دلیل ہے۔

آيَةً ۔ یعنی حضرت مریم اور حضرت عیسےٰ دونو بذاتِ خود معجزہ تھے۔

أُمَّتُكُمْ ۔ یعنی یہ انبیاء سب کے سب ایک جماعت ہیں یا یہ کہ ان سب کا ایک ہی دین ہے۔ اور میں سب کا پروردگار ہوں۔

تَقَطَّعُوا ۔ یعنی یہود و نصاریٰ نے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور وہ ایک دوسرے سے بیزار ہوئے۔

حضرت یحییٰ کا زہد وتقویٰ

تفسیر برہان میں بروایت امالی ابن بابویہ سند کے ساتھ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یحییٰ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ بیت المقدس میں ریاضت کرنے والے علماء و عابدین کو دیکھا کہ اُونی قمیص پہنے ہوئے اُونی ٹوپی سر پر رکھے ہوئے ہمہ تن مصروفِ عبادت ہیں ان میں بعضوں نے ہنسلیاں چیر کر اُن سے رسی گذار کر مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ رکھا تھا پس گھر میں آکر ماں سے کہنے لگے۔ مجھے بھی ایک اُونی قمیص اور ٹوپی بنا دیجئے تاکہ میں بیت المقدس میں دوسرے عابدین کے ہمراہ شریکِ عبادت ہو جاؤں انہوں نے بات کو ٹالتے ہوئے جواب میں کہا جب اللہ کے نبی حضرت زکریا تشریف لائیں گے تو ان کے مشورہ سے میں یہ کام کر دوں گی جب آپ تشریف لائے تو بی بی نے حضرت یحییٰ کی بات دہرائی انہوں نے یحییٰ سے خطاب کر کے فرمایا بیٹا ابھی کم سن ہو۔ ایسا کیوں کرتے ہو تو یحییٰ نے جواب میں عرض کیا بابا جان! کیا آپ نہیں جانتے کہ موت تو مجھ سے چھوٹوں کو بھی نہیں چھوڑتی پس انہوں نے اس بات سے متاثر ہو کر اجازت دی اور ماں نے اُونی قمیص اور ٹوپی تیار کر کے پہنائی۔ پس حضرت یحییٰ بیت المقدس میں آکر مصروفِ عبادت ہو گئے آپ کے جسم نازنین کو اُونی کھردرے لباس نے کمزور کر دیا ایک دن اپنی جسمانی کمزوری کا جائزہ لے کر رو دیئے تو فوراً وحی ہوئی کہ اے یحییٰ کیا تم (اُونی قمیص کی درشتی اور) جسم کی کمزوری کو محسوس کر کے رو رہے ہو۔ مجھے اپنی عزت کی قسم اگر تم میرا عذاب دیکھتے تو لوہے کی قمیص پہننا بھی تمہیں آسان معلوم ہوتا پس اس قدر روئے کہ رخساروں کا گوشت ختم ہو گیا۔ ایک دن حضرت زکریا نے پوچھا بیٹے! اس قدر کیوں گریہ کرتے ہو؟ تو جواب میں عرض کی اباجان آپ نے ہی تو مجھے رونے پر آمادہ کیا ہے کیا آپ نے فرمایا نہیں تھا کہ دوزخ اور جنت کے درمیان ایک وادی ہے جس کو اللہ کے ڈر سے رونے والے ہی عبور کر سکیں گے۔

حضرت یحییٰ کی والدہ نے اُون کے دو تھیلے رخساروں پر رکھنے کے لئے بنا دیئے تاکہ آنسو ان میں ٹپکتے رہیں۔ چنانچہ وہ لحظہ بہ لحظہ تر بتر ہو جاتے تھے جب ان کو نچوڑتے تھے تو انگلیوں کے درمیان سے آنسو کا پانی بہتا تھا۔ ایک دن حضرت زکریا نے بیٹے کی آنسو کو دیکھ کر آسمان کی طرف سر بلند کر کے عرض کی اے میرے پروردگار! تو میرے فرزند کے گریہ کو دیکھ رہا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔ ایک روایت میں میں نے دیکھا ہے۔ خدا کی جانب سے وحی ہوئی کہ تو نے عام فرزند طلب نہیں کیا تھا بلکہ تو نے ولی فرزند مانگا تھا۔ اور میرے ولی ایسے ہوا کرتے ہیں۔ اَوْکَمَا قَالَ۔

آپ جب وعظ کے لئے منبر پر تشریف لے جاتے تھے تو پہلے دائیں بائیں دیکھتے تھے۔ اگر حضرت یحییٰ موجود ہوتے تو جنت و دوزخ کا تذکرہ قطعاً نہیں فرماتے تھے ایک دن آپ کا وعظ جاری تھا کہ حضرت یحییٰ

اپنا منہ لپیٹ کر داخل مسجد ہوگئے اور لوگوں میں مل کر بیٹھ گئے حضرت زکریا کو جب نظر نہ آئے تو انہوں نے دوزخ کا ذکر چھیڑ دیا کہ مجھے جبریل نے اللہ کی جانب سے خبر دی ہے کہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام غضبان ہے اور اس میں ایک وادی ہے جس کا نام سکران ہے اور اس میں ایک کنواں ہے جس کی گہرائی ایک سو برس کی مسافت کے برابر ہے اس میں آگ کے تابوت ہیں اور ان میں آگ کے صندوق ہیں اور ان میں آگ کے زنجیر جولان اور لباس ہیں۔ جب آپ اس مقام تک پہنچے تو حضرت یحییٰ سے برداشت نہ ہو سکا سر کو بلند کیا اور ایک چیخ ماری پس مسجد سے نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت زکریا نے بھی وعظ کو چھوڑ دیا اور پیچھے روانہ ہوئے۔ گھر میں آکر حضرت یحییٰ کی والدہ سے فرمایا کہ بیٹے کو تلاش کرو ورنہ وہ تو مرجائے گا۔ بی بی جب روانہ ہوئیں۔ تو بنی اسرائیل کے چند جوانوں نے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے؟ تو بی بی نے صورتِ حال سے ان کو آگاہ کیا پس وہ بھی تلاش میں ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ایک چرواہے کے پاس سے گذر ہوا تو اس سے پوچھا کہ فلاں حلیے کا کوئی جوان تو نے دیکھا ہے؟ وہ کہنے لگا شاید تم یحییٰ بن زکریا کی تلاش میں ہو؟ کہنے لگی ہاں وہ میرا ہی تو فرزند ہے اس نے جواب دیا میں نے فلاں وادی میں اس کو دیکھا ہے کہ قدم پانی میں تھے اور سر آسمان کی طرف بلند تھا اور اپنے پروردگار سے مناجات کر رہے تھے پس وہاں پہنچے ماں نے بیٹے کے سر کو سینے سے لگایا اور قسمیں دے کر گھر لے آئی۔ حضرت زکریا نے فرمایا اس کو اپنے حال پر رہنے دیجئے۔ کیونکہ اس کے دل سے پردے ہٹ چکے ہیں اس کو دنیاوی عیش و آرام سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ پس حضرت یحییٰ پھر اُونی کھردرا لباس پہن کر بیت المقدس میں مصروف عبادت ہوگئے۔ ملخصاً۔ اور تازیست بیت المقدس میں عبادت کرتے رہے۔ آخر کار ایک بادشاہ ظالم جو بنی اسرائیل کی عورتوں کے ساتھ زنا کیا کرتا تھا۔ کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا اور اس قصہ کی تفصیل تفسیر کی تیسری جلد ص۱۴۲ پر مرقوم ہے۔

حضرت زکریا کی شہادت

تفسیر برہان میں منقول ہے کہ ابلیس بنی اسرائیل کی ہر بڑی مجلس اور بڑے اجتماع میں جاتا تھا اور خواہ مخواہ حضرت مریم کی بات چھیڑ کر حضرت زکریا کی طرف زنا کی نسبت دیتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت زکریا کے متعلق بدگمانی عام ہوگئی تو آپ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے پس شریر اور بدمعاش لوگوں کا گروہ بھی ان کے تعاقب میں پڑ گیا۔ آپ ایک وادی میں پہنچے جہاں درختوں کا ایک گھنا جنگل تھا اور درمیان میں ایک درخت تھا جس کے تنے میں حضرت زکریا کے لئے ایک شگاف پیدا ہوگیا اور آپ اس میں گھس گئے پس وہ شگاف مل گیا۔ تعاقب کرنے والے بدمعاشوں کے ہمراہ ابلیس بھی تھا جو بشکل انسانی ان میں شامل اور شریک تھا اور وہ ان کو اسی درخت کے پاس لے آیا اور جڑ سے لے کر قدِ آدم تک اس کو ناپ کر دل کے مقام سے درخت کو کاٹنے کا مشورہ دیا۔ پس انہوں نے تیز دھار آلات سے درخت کو اسی مقام سے

کاٹ دیا اور حضرت زکریا کو وہ اسی حالت میں چھوڑ کر چلے گئے اور شیطان اپنی بات منوانے کے بعد ان سے جدا ہو کر غائب ہو گیا۔ پس خداوند کریم نے ملائکہ کی ایک جماعت کو بھیجا جنہوں نے غسل دیا اور تین دن تک اس پر نماز جنازہ پڑھتے رہے پھر دفن کر دیا گیا اور انبیاء کے جسم میں نہ تغیر ہوتا ہے (نہ بدبو پڑتی ہے) اور نہ ان کو مٹی کھاتی ہے۔ الخبر۔

نکتۂ لطیفہ رَغَبًا وَّ رَهَبًا۔ کی تفسیر میں علامہ فیض کاشانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ رغبت سے مراد اطاعت کی رغبت ہے نہ کہ ثواب جنت کی اور رہبت سے مراد گناہ کا ڈر ہے نہ کہ عذاب جہنم کا کیونکہ انبیاء کی شان اس سے اجل وارفع ہے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام اپنے متعلق ارشاد فرماتے ہیں اِلٰهِیْ مَا عَبَدْتُّكَ خَوْفًا مِّنْ نَّارِكَ وَلَا طَمَعًا فِیْ جَنَّتِكَ وَلٰكِنْ وَجَدْتُّكَ اَهْلًا لِّلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُّكَ۔ یعنی اے اللہ میں تیری آگ کے ڈر سے تیری عبادت نہیں کرتا اور نہ جنت کے لالچ میں تیری عبادت کرتا ہوں۔ لیکن میں تو تجھے عبادت کے اہل سمجھتا ہوں اس لئے تیری عبادت کرتا ہوں۔ اور بروایت خصال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لوگ تین طریقوں سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ ایک طبقہ ثواب کی رغبت میں اس کی عبادت کرتا ہے اور یہ لالچیوں کی عبادت ہے۔ دوسرا طبقہ دوزخ کے ڈر سے اس کی عبادت کرتا ہے اور یہ غلامانہ عبادت ہے لیکن میں اس کی عبادت اس کی محبت کے لئے کرتا ہوں۔ اور یہ شریفانہ عبادت ہے اور بعض روایات میں لالچیوں کی جگہ پر پہلی قسم کو مزدوروں کی عبادت کہا گیا ہے۔

البتہ اللہ کے اولیاء کا دستور ہے کہ بعض عبادات و اعمال محض جنت کی خواہش اور دوزخ کے خطرہ سے بھی کرتے ہیں لیکن ذاتی اقتضا سے نہیں بلکہ اس لئے کہ ان کے محبوب یعنی خدا کو ایسا ہی پسند ہے۔ چنانچہ سید الاولیاء حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے کچھ مال وقف کر کے وقف نامہ کی عبارت اس طرح تحریر فرمائی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھتے ہیں۔ هٰذَا مَا اَوْصٰى بِهٖ وَقَضٰى بِهٖ فِیْ مَالِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ عَلِیٌّ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ لِیُوْلِجَنِیْ بِهِ الْجَنَّةَ وَ یَصْرِفَنِیْ بِهٖ عَنِ النَّارِ وَ یَصْرِفَ النَّارَ عَنِّیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ۔ یعنی یہ وصیت نامہ اور فیصلہ ہے اپنے مال کے متعلق اللہ کے بندے علی کا صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے تاکہ مجھے وہ جنت عطا کرے اور اس کی بدولت مجھے دوزخ سے الگ رکھے اور دوزخ کو مجھ سے الگ رکھے جس دن لوگوں کے چہرے سفید و سیاہ ہوں گے یا یوں سمجھئے کہ اللہ کا وصال و قرب اولیاء اللہ کی جنت ہے اور اس کی جدائی ان کا دوزخ ہے۔ انتہی ما افادہ۔

واقعی ان کے نزدیک جنت کا معیار ہی کچھ اور ہے چنانچہ جناب رسالتمآب فرماتے تھے دنیا کی چیزوں میں سے جو چیزیں مجھے محبوب تر ہیں ان میں ایک نماز ہے اور یہی میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے گویا آپ کو جب

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ

پس جو عمل کرے نیکیوں سے اور وہ مومن بھی ہو تو انکار نہ ہوگا اس کے کام کا

وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور تحقیق ہم اس کیلئے لکھنے والے ہیں اور حرام ہے اس بستی والوں پر جن کو ہم عذاب میں ہلاک کریں کہ وہ پلٹیں

دنیاوی الجھنوں سے کوفت محسوس ہوتی تھی تو سکون کے لئے نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے صحابہ نے امام مظلوم کو دیکھا جس قدر مصائب و آلام بڑھتے جاتے تھے اسی قدر وصال پروردگار کے شوق میں چہرہ مبارک کا رنگ نکھرتا جاتا تھا۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کا قول ہے وَجَدْتُكَ رَبًّا كَمَا اَشْتَهِيْ فَاجْعَلْنِيْ عَبْدًا كَمَا تَرْتَضِيْ۔ اے اللہ میں نے تجھے وہ رب پایا ہے جس طرح میں چاہتا ہوں پس تو مجھے ایسا عبد بنا جس طرح تو چاہتا ہے ایک دوسرے مقام پر ارشاد ولایت ہے۔ كَفٰى بِيْ عِزًّا اَنْ اَكُوْنَ لَكَ عَبْدًا وَكَفٰى بِيْ فَخْرًا اَنْ تَكُوْنَ لِيْ رَبًّا اَوْ كَمَا قَالَ۔ یعنی میری عزت کے لئے یہ کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔ اور میرے فخر کے لئے یہ کافی ہے تو میرا پروردگار ہے جبھی تو شہادت کے دن سر مبارک پر زہر آلود تلوار کا زخم پڑتے ہی اضطراب و پریشانی کے اظہار کی بجائے نہایت سکون و اطمینان سے فرمایا فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ یعنی کعبہ کے پروردگار کی قسم میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

رکوع نمبر ۷
ثبوت رجعت

وَحَرٰمٌ۔ لا زائدہ ہے اور قریہ سے مراد اہل قریہ ہیں اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حرام کا معنی واجب ہے اور لا زائدہ نہیں اور معنی یہ ہوگا کہ جس بستی والوں کو ہم نے معذب کیا ہے۔ ان کے لئے واجب ہے کہ وہ واپس نہ پلٹیں۔

تفسیر برہان و کافی میں بروایت قمی صادقین علیہما السلام سے منقول ہے کہ وہ رجعت کے زمانہ میں نہ پلٹیں گے پس آیت مجیدہ زمان رجعت کو ثابت کر رہی ہے کیونکہ قیامت کے دن تو ہر مومن و کافر کو پلٹایا جائے گا۔ عذاب شدہ لوگوں کا واپس نہ پلٹایا جانا صرف رجعت کے زمانہ کے لئے ہے اور رجعت پر اس قدر اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ حضرت صاحب الزمان امام العصر مہدی علیہ السلام کا جب ظہور ہوگا تو حضرت عیسٰے چرخ چہارم سے اتر کر ان کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے اور خالص مومن زندہ ہو کر ان کے ہمراہ ہوں گے اور خاص دشمنان آل محمد کو بھی زندہ پلٹا کر دنیاوی سزا دی جائے گی۔ پس رجعت حق اور اس کا عقیدہ ایمان ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ

یہانتک کہ جب کھولا جائے گا یاجوج و ماجوج کو اور وہ ہر بلندی سے تیز نکلتے

يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِىَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ

ہوں گے اور قریب ہوگا سچا وعدہ پس ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے والی ہوں گی اُن لوگوں کی آنکھیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا

جنہوں نے کفر کیا (کہیں گے) ہائے ہم اس انجام سے غفلت میں رہے بلکہ ہم ظلم کرنے

ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ

والے ہیں تحقیق تم اور جس کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا سب دوزخ کا ایندھن

فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ - یعنی قیامت کے قریب زمانہ میں سدِ سکندری منہدم ہو جائے گی اور یاجوج و ماجوج کو پھیلنے کا موقع مل جائے گا۔ پس وہ ہر بلندی سے اترتے ہوئے اور ہر وادی سے نکلتے ہوئے نظر آئیں گے یعنی ہر طرف پھیل جائیں گے۔ بعضوں نے اس سے ترک و مغل مراد لئے ہیں حالانکہ گزشتہ صدیوں میں اکثر ممالک میں ان کے اقتدار کا پرچم لہراتا رہا ہے تو ان کے پھیلاؤ کو علامتِ قیامت سے کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ البتہ جو لوگ روس و چین مراد لیتے ہیں ان کی بات قرین قیاس ہے اگرچہ اس پر کوئی صحیح دلیل ناطق نہیں ہے نسول کا معنی ہے جلدی سے نکلنا اور نسل اسی مادہ سے ہے۔ پس یَنْسِلُوْنَ کا معنی ہے کہ جلدی سے نکلیں گے۔

فَاِذَا هِىَ - ضمیر مونث کو اصطلاحِ نحو میں ضمیر قصہ کہا جاتا ہے یہ صرف تحسین کلام کے لئے ہوتی ہے۔
یاجوج و ماجوج کے متعلق مزید وضاحتی بیان اسی جلد میں سورہ کہف کی تفسیر کے آخر انوار علیہ میں ص۱۲۴ پر ملاحظہ کریں۔

مشرکین کا انجام

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ - یعنی غیر اللہ کی عبادت کرنے والے بمعہ اپنے معبودوں کے جہنم کا ایندھن ہوں گے مَا کا اطلاق غیر ذوی العقول کے لئے ہوتا ہے یعنی غیر ذوی العقول پتھروں درختوں ستاروں اور شمس و قمر وغیرہ کی عبادت کرنے والے اپنے معبودوں کے ہمراہ دوزخ میں جائیں گے یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان معبودوں کو جہنم میں جلانے کی کیا وجہ ہے۔ جبکہ ان کا اس میں قصور نہیں نیز ان کے جلانے کا فائدہ بھی کچھ نہیں کیونکہ ان کو درد و تکلیف نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرکین کی حسرت اور ارمان کو زیادہ کرنے کے لئے ایسا کیا جائے گا۔ پس ان کا عذاب دگنا ہو جائے

جَهَنَّمَؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَاۤءِ اٰلِهَةً مَّا

ہوکر اس میں داخل ہونے والے ہوں گے اگر یہ حقیقی معبود ہوتے تو اس میں نہ داخل ہوتے

وَرَدُوْهَاؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ

اور سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان کے لئے اس میں چیخ و پکار ہوگی کہ

فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤىۙ

خود کچھ نہ سنیں گے تحقیق وہ لوگ جن کے لئے وعدہ ہوچکا ہے ہماری طرف سے اچھائی کا

اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَاۚ وَهُمْ فِيْ مَا

تو وہ اس سے دور رکھے جائیں گے نہ سنیں گے اس کی آواز اور وہ اپنی من بھاتی

گا۔ ایک دوزخ کی آگ کا عذاب اور دوسرا اس ارمان وحسرت کا عذاب کہ ہائے ہم نے اللہ کو چھوڑ کر اِلیوں کی عبادت کیوں کی۔

تفسیر صافی میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ مشرکوں سے سوال ہوگا کہ تم نے اُن کی عبادت کیوں کی تو یہ عذر پیش ہوگا کہ تیری قرب ورضامندی کے لئے ہم ان کو پوجتے رہے پس حکم ہوگا ان کو جہنم میں داخل کرو۔ اور ان کے معبودوں کو بھی جہنم میں ڈال دو۔ سوائے ان کے جو اس سے مستثنٰے ہیں۔

مشرکین کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو غیر جاندار چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جس طرح بُت پرست، ستارہ پرست سُورج پرست اور آتش پرست وغیرہ پس یہ عابد و معبود دو تو جہنم میں داخل ہوں گے اور دوسرے وہ ہیں جو ملائکہ انبیاء اور آئمہ کی پوجا کرتے ہیں۔ پس اس قسم کے مشرک خود جہنم میں جائیں گے اور ان کے معبود مستثنٰی ہوں گے۔

تفسیر صافی میں بروایت قمی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جب یہ آیت اتری تو مشرکین مکہ میں غیظ وغضب کی لہر دوڑی۔ ایک دفعہ اسی آیت کو زیر بحث لا کر مشرکین کی ایک جماعت اظہار خیال کر رہی تھی کہ اتنے میں عبداللہ بن زبعری آپہنچا۔ اس نے کہا میں محمدؐ سے مناظرہ کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے تو وہ کہنے لگا یہ آیت ہمارے اور ہمارے معبودوں کے متعلق ہے یا گذشتہ اُمتیں اور ان کے معبود بھی اس میں داخل ہیں؟ آپ نے فرمایا تم اور تمہارے معبود اور گذشتہ اُمتیں اور ان کے معبود سب اس میں شامل ہیں۔ سوائے ان کے جن کو خدا نے مستثنٰے کیا ہے ابن زبعری نے کہا پس میری جیت ہوگئی کیونکہ تم لوگ عیسٰے اور اس کی ماں کو نیک سمجھتے ہو حالانکہ عیسائی لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کی ایک جماعت فرشتوں کی پوجا بھی کرتی ہے تو یہ معبود بھی

جہنم کا ایندھن بنیں گے ۔آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے پس قریشیوں نے شور مچا دیا اور ہنستے ہوئے کہنے لگے ۔ ابن زبعری نے میدان جیت لیا ہے ۔آپ نے نہایت متانت اور حوصلہ سے فرمایا غلط بات کہہ کر شور نہ کرو میں تو کہہ رہا ہوں ۔غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اور ان کے معبود جہنم میں داخل کئے جائیں گے ۔سوائے ان کے جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے ۔چنانچہ بعد والی آیت میں صاف اعلان ہے اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ ۔الخ ۔ یہ آیت معبودوں میں سے انبیاء و اوصیاء اور ملائکہ کا استثناء کرتی ہے کہ ان کے عبادت کرنے والے دوزخ میں جائیں گے لیکن یہ خود جنت میں ہوں گے ۔

جن لوگوں نے محمدؐ و آل محمدؐ کو خدائی صفات میں شریک کیا اور ہر معاملہ میں انہی کو حاجت روا اور مشکل کشا قرار دیا یہ کہہ کر کہ خدا نے اپنی رضا ان کے حوالہ کردی ہے اب یہی مختار کُل اور ناظم ممکنات ہیں جو مانگنا ہے انہی سے مانگا جائے اور جو کچھ ملتا ہے دینے والے یہی ہیں حتیٰ کہ بعض جہلا کہہ دیتے ہیں کہ خدا نے ان کو پیدا کیا ہے لیکن باقی مخلوق کو پیدا کرنے والے یہ ہیں اسی طرح ان کا رازق خدا ہے اور باقی مخلوق کے رازق یہی ہیں ۔ ہوائیں چلانا ۔مینہ برسانا ۔سبزیاں اُگانا بچے پیدا کرنا اور مارنا وغیرہ کل کائناتی نظام ان کے حوالہ ہے ۔ یہ عقیدہ سراسر شرک ہے اور اس عقیدہ والے یقیناً مشرک ہیں اور ان کے ساتھ مشرکین والا برتاؤ ضروری ہے وہ جس چیز کو تر ہاتھ سے چھولیں یا جس تر چیز کو مس کریں وہ نجس ہوگی ان کے برتنوں میں کھانا حرام ہے ۔نیز رشتہ و ناطہ و جملہ احکام شرعیہ میں وہ مشرکین کے حکم میں ہیں جو لوگ اس قسم کی تفویض کے قائل ہیں خود آئمہ نے ان پر لعنت بھیجی ہے اور ہمیں ان سے بے زاری کا حکم دیا ہے بعض تو اس حد تک غلو کر جاتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں اور وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں اور مشرکین مکہ کی طرح کہتے یہی ہیں کہ ہم خدا کی خوشنودی کے لئے یہ سب کچھ کرتے ہیں ۔پس ایسے مشرکین خود دوزخ میں ہوں گے اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے وہ خود چونکہ اس طرزِ عمل پر راضی نہ تھے بلکہ ان سے بیزار تھے لہذا وہ مستثنیٰ ہیں پس جس طرح حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا ماننے والے نہ عزیر کے محب رہے اور نہ خدا کے محب رہے بلکہ مشرک بن گئے ۔نیز حضرت عیسےٰ کو خدا کا بیٹا کہنے والے نہ عیسےٰ کے دوست رہے اور نہ خدا کے دوست رہے بلکہ مشرک قرار پائے ۔اسی طرح حضرت علی اور باقی آئمہ طاہرینؑ کو سابق طریقہ سے خدائی صفات میں شریک ماننے والے نہ محمدؐ و آل محمدؐ کے محب ہیں اور نہ خدا کے دوست ہیں بلکہ مشرک و نجس ہیں پس جس طرح عزیر کے سچے دوست وہ ہیں جو ان کو عبد خدا اور نبی مان کر ان کے احکام کو مانیں اور برائیوں سے بچیں اور حضرت عیسےٰ کے سچے محب وہ ہیں جو حضرت عیسےٰ کو خدا کا بندہ و رسول مان کر اس کی صحیح طور پر اطاعت کریں ۔ اسی طرح آل محمدؐ کا سچا شیعہ وہ ہے جو ان کو اللہ کے عبادت گذار بندے اور امام برحق و پیشوا صدق تسلیم کرکے ان کی صحیح طور پر فرمانبرداری کرے پس اللہ حاجت روا ہے کہ وہ دیتا ہے اور آل محمدؐ کی حاجت روائی یہ ہے کہ وہ

ہمارے اور اللہ کے درمیان وسیلہ ہیں کیونکہ ان کی تعلیم سے ہی تو ہم نے اللہ کو پہچانا اور انہوں نے ہی تو ہمیں اللہ سے مانگنا سکھایا۔ تمام کائنات کا نظام اتم و اکمل اسی کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ ہے۔ مارنا، جلانا رزق خلق اور جملہ تکوینی امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں وہ نہ کسی سے مشورہ لیتا ہے اور نہ کسی کے مشورہ کا محتاج ہے۔ نبی رسول امام اور ولی سب اس کے محتاج ہیں اور وہ ان سب کا اور باقی کل مخلوق کا اکیلا حاجت روا ہے۔ ان کی یہ مشکل کشائی کیا کم ہے کہ انہوں نے ہمیں اس کا شناسا کیا بلکہ اس لحاظ سے وہ ملائکہ کے بھی مشکل کشا ہیں۔ پس وسیلہ کے درجہ میں ان کی امداد و نصرت اور حاجت روائی و مشکل کشائی کا عقیدہ ایمان ہے لیکن خدائی صفات میں شریک کرنا کفر ہے۔ اور وسیلہ کے درجہ سے گھٹانا نفاق ہے۔

تفسیر اہل بیت میں ہے کہ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ ۔ الخ حضرت علیؑ اور اس کے صحیح شیعوں کے حق میں اتری ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے غیر اللہ کو خدا مانا وہ اور ان کے خدا سب جہنم کا ایندھن بنیں گے لیکن جس طرح عیسےٰ عزیر اور ملائکہ کو خدا یا خدا کی اولاد کہنے والے خود جہنم میں جائیں گے اور ان کے معبود مستثنیٰ ہوں گے۔ اسی طرح حضرت علی کو خدائی صفات میں شریک کرنے والے یا خدا ماننے والے خود تو جہنم میں جائیں گے۔ لیکن حضرت علی اور اس کے صحیح شیعہ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ جس طرح عزیر و عیسےٰ و ملائکہ مشرکین کے طرزِ عمل پر راضی نہیں اسی طرح حضرت علی بھی غالیوں اور تفویض کا قول کرنے والوں پر راضی نہیں بلکہ بیزار ہیں۔

تفسیر صافی میں مجالس سے منقول ہے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ اے علی تو اور تیرے شیعہ حوض کوثر پر ہوں گے۔ تم اپنے دوستوں کو کوثر پلاؤ گے۔ اور جس کو تم نہ چاہو گے اس کو روک دو گے۔ جس وقت تمام لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہوگی۔ تم عرش مجید کے سایہ میں فزع اکبر سے محفوظ رہو گے اور یہ آیت إِنَّ الَّذِينَ الخ تمہارے ہی حق میں نازل ہوئی ہے۔

بروایت محاسن امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے خدا قیامت کے روز ہمارے شیعوں کو مبعوث کرے گا خواہ گنہگار یا غیر گنہگار (شرک کو گناہ نہیں کہا جاتا بلکہ وہ تو ظلم عظیم ہے جس کی بخشش ناممکن ہے) کہ ان کے چہرے سفید نورانی ہوں گے۔ چلنا آسان ہوگا۔ سختیوں سے محفوظ ہوں گے اور یاقوتی ناقاؤں پر سوار ہو کر جنت کی سیر کریں گے۔ ان کے لباس بھی نورانی ہوں گے۔ ادھر لوگ حساب میں مشغول ہوں گے اور وہ آرام و سکون سے جنت کے دسترخوانوں پر مہمان ہوں گے۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے تین قسم کے آدمی بروز محشر مسک کے ٹیلے پر کھڑے ہوں گے۔ حساب کی سختی سے محفوظ اور فزع اکبر سے پُرامن ہوں گے۔

اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ

لذات ہیں ہمیشہ (مسرور میں) ہوں گے نہ ان کو غمناک کرے گی گھبراہٹ اور

تَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يَوْمَ

ملیں گے ان سے فرشتے (اور کہیں گے) یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم وعدہ کئے گئے تھے جس دن

نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ

ہم پلٹیں گے آسمان کو مثل لپیٹنے دفتر کے خطوں کو جس طرح ہم نے ابتدا کی پیدا

(۱) جو لوگ قرآن کو خدا کے لئے سیکھیں اور قربۃً الی اللہ ہمیشہ نمازی کے فرائض انجام دیں۔

(۲) وہ لوگ جو خوشنودی خدا کے لئے اذان کہیں۔

(۳) وہ غلام جو اللہ کے حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے آقاؤں کے حقوق ادا کریں۔

اَلْفَزَعُ الْاَكْبَرُ۔ اس کے معنی میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) عذاب جہنم (۲) نفخ صور (۳) دوزخیوں کے لئے دوزخ بھیجنے کا حکم

(۴) موت کو ذبح کرنے کا وقت جبکہ دوزخیوں کو دوزخ اور جنتیوں کو جنت میں ہمیشہ رہنے کا حکم سنایا جائیگا

تَتَلَقّٰهُمْ۔ تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص سردی یا گرمی میں کسی غریب مومن کو کپڑے پہنائے، خدا پر حق ہو گا کہ: (۱) اس کو جنت کا لباس پہنائے گا (۲) اس پر سکرات الموت وقت آسان کریگا (۳) اس کی قبر میں کشادگی پیدا کریگا (۴) جب قبر سے نکلے گا تو فرشتے اسکی ملاقات کریں گے اور اس کو جنت کی خوشخبری دیں گے۔

سِجِلّ۔ دو بٹے ہوئے گتے جس میں مختلف خطوط کو باحفاظت رکھ دیا جاتا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ سجل اس فرشتے کا نام ہے جس کے پاس تمام انسانوں کے اعمال نامے ہیں اور بعض مفسرین نے جناب رسالتمآبؐ کے ایک کاتب کا نام سجل بتایا ہے۔

كَمَا بَدَاْنَآ۔ مقصد یہ ہے کہ جسطرح ہم ایجاد مخلوق پر قادر ہیں اسی طرح اس کے دوبارہ لوٹانے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہیں کیونکہ ایجاد سے اعادہ آسان ہے۔

اَلزَّبُوْرِ ۱۰۵۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے (۱) زبور سے مراد تمام کتب سماویہ اور ذکر سے مراد لوح محفوظ یعنی لوح محفوظ کے بعد ہم نے تمام کتب میں یہ فیصلہ بیان کر دیا۔ (۲) زبور سے مراد تورات سے بعد میں اترنے والی کتابیں اور ذکر سے مراد تورات ہے (۳) زبور سے مراد زبور داؤد اور ذکر سے مراد تورات ہے (۴) ذکر کا معنی قرآن مجید اور بعد کا لفظ لغاتِ اضداد سے ہے۔ یہاں اس کا معنی ہے پہلے۔

اَنَّ الْاَرْضَ ۱۰۵۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جگہ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے جس کے وارث نیک لوگ ہوں گے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زمین سے مراد یہی زمین ہے اور مقصد یہ ہے کہ ایک وقت آئیگا کہ مسلمان فاتحانہ انداز سے پوری روئے زمین پر پھیل جائیں گے پس مشرق و مغرب میں

نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ۝١٠٤ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ

کرنے کی اسی طرح اس کو پلٹائیں گے ہمارا وعدہ ہے تحقیق ہم کر سکتے ہیں اور تحقیق لکھ دیا ہم نے زبور میں ذکر کے بعد کہ تحقیق زمین کے

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝١٠٥ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ۝١٠٦

وارث ہوں گے ہمارے نیک بندے تحقیق اس میں تبلیغ ہے عبادت گذار لوگوں کے لئے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ۝١٠٧ قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

اور ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر رحمت جہانوں کے لئے کہہ دے سوائے اس کے نہیں مجھے وحی کی گئی کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے

اسلام کا علم لہراتا ہوا نظر آئے گا۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت قائم علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کے اصحاب کا پوری روئے زمین پر تسلّط ہو گا۔ چنانچہ کتب عامہ و خاصہ سے یہ بات حد تواتر کو پہنچی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر دنیا کی زندگی ایک ہی دن کیوں نہ باقی رہ جائے خداوند کریم اس ایک دن کو طول دے گا اور میری اہلبیت سے ایک مرد کو مبعوث کریگا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا جس طرح کہ وہ جور و ظلم سے بھر چکی ہوگی ایک روایت میں ہے کہ اس کا نام میرا نام ہو گا اور امّ سلمہؓ سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا کہ مہدی میری عترت سے اور فاطمہ کی نسل سے ہو گا۔ آہ کس قدر پُرنُور ہے یہ دور جس کو آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور کتنا پُرکیف و پُرسرور اور پُرسکون ہو گا وہ دَور جس کو کان بے چینی سے سُنتے ہیں اور قلوب بے چینی سے منتظر ہیں جبکہ عدل کی بساط بچھی ہو گی۔ سلطان عادل کی شاہی ہو گی۔ ہر چہار سو امن و سکون کا دلکش سماں ہو گا ظلم و جور کے استبدادی شکنجوں میں پسے ہوئے ناچار مظلوم لوگوں کی دادرسی ہو گی۔ زمین انصاف کا گہوارہ ہو گی اور اس کے تمام خزانوں کے استعمال کرنیکا ہر انسان کو حق حاصل ہو گا۔ اللّٰھُمَّ عَجِّلْ فَرَجَ آلِ مُحَمَّدٍ۔

اِنَّ فِیْ ھٰذَا۔ یعنی مومنوں کیلئے ثواب کا ذکر اور کافروں کیلئے عذاب کا ذکر باعثِ تبلیغ ہے اور راہِ راست پر لانے کا موجب ہے ان لوگوں کیلئے جو عابد ہوں اور تفسیر مجمع البیان میں کعب سے مروی ہے کہ امّت محمدیہ میں پانچ وقت کے نمازی اور ماہِ رمضان کے روزہ دار عابدین میں سے شمار ہیں

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ۔ یعنی حضور کا وجود ذی جود تمام جہانوں کے لئے باعثِ رحمت ہے اس لئے کہ آپ کی تخلیق نہ ہوتی تو پوری کائنات کو معرضِ وجود میں نہ لایا جاتا جیسا کہ حدیث قدسی میں مشہور ہے۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ اگر تم نہ ہوتے تو آسمان کو پیدا نہ کرتا اور مقصد یہ ہے کہ جہانوں کو پیدا نہ کرتا پس نعمتِ وجود کے لحاظ سے حضورؐ کا وجود سب کیلئے رحمت ہے آپ مومنوں کے لئے دنیا و آخرت میں رحمت ہیں۔ لیکن کافروں اور مشرکوں کے لئے فقط دنیا میں رحمت تھے اس لئے کہ سالقہ امتوں کی طرح انکار کرنے کے باوجود ان کو گرفتار عذاب نہیں کیا گیا۔

نیز آپکی بعثت سب بنی آدم کیلئے باعثِ رحمت تھی۔ لیکن جنہوں نے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ان کی اپنی کور باطنی اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ ہے ورنہ حضورؐ کی جانب سے کوئی بخل نہیں تھا جس طرح ایک اچھی دوائی کا وجود ہر ایک کیلئے مفید ہوتا ہے لیکن اگر کوئی اس کو استعمال نہ کرے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دوائی اس کیلئے غیر مفید تھی بلکہ کہا جائے گا کہ وہ بدبخت تھا جس نے کر سکنے کے باوجود اس کو استعمال نہ کیا۔

تفسیر صافی میں بروایت احتجاج حضرت امیرالمومنینؑ سے منقول ہے جبکہ ایک زندیق نے سوال کیا کہ حضورؐ رحمۃ للعالمین کیسے تھے حالانکہ دنیا

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْٓ

پس کیا تم مان لو گے ؟ پس اگر انکار کریں تو کہہ دو میں نے تم کو خبر دے دی ہے برابر اور میں نہیں جانتا کہ

اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

قریب ہے یا بعید جس کا تم وعدہ کئے گئے ہو تحقیق وہ جانتا ہے جہر کو باتوں سے اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو

پھر بھی ایمان کے دشمن مذاہب کافی تھے اور آخر دم تک اپنے کفر و عناد پر ڈٹے رہے اور اب تک ہیں اگر آپ کا وجود رحمت ہوتا تو سب کے سب ہدایت یافتہ ہو چکے ہوتے اور عذاب دوزخ سے چھٹکارا پا جاتے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ خداوند کریم نے آپ کو اس دنیا میں انذار کے لئے مبعوث فرمایا۔ گذشتہ انبیاء تصریح پر مبعوث تھے نہ کہ کنایہ کے رنگ میں چنانچہ ان میں سے ایک نبی جب اللہ کا صریح حکم سناتا تھا تو جو لوگ اس کو قبول کرتے تھے پس با امن رہتے تھے اور جو اس کو ٹھکراتے تھے وہ گرفتار عذاب کر لئے جاتے تھے اور ان پر وہ عذاب فوراً نازل ہو جاتا تھا جس کا وہ نبی وعدہ کرتا تھا مثلاً زمین بُرد ہونا یا زلزلہ اور آندھی وغیرہ یعنی وہ عذاب کی اقسام جن میں گذشتہ اُمتیں گرفتار کر لی گئیں۔

حضرت رسالتمآبؐ اور اس کے صحیح جانشین چونکہ صبر عطا کئے گئے ہیں جو گذشتہ انبیاء میں نہیں تھا پس خدا نے ان کو تعریض اور کنایہ کے احکام دے کر مبعوث فرمایا نہ کہ تصریحی احکام سے کہ ایسا کرو ورنہ عذاب آئے گا۔ چنانچہ حضورؐ نے اپنے وصی اور خلیفہ کے متعلق تصریح کی بجائے کنایہ اور تعریض سے کام لیا مثلاً فرمایا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے اور فرمایا هُوَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ یعنی علی کی نسبت مجھ سے وہی ہے جو ہارون کی موسےٰ سے تھی فرق اتنا ہے کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔ مہمل اور بے معنی کلام کرنا حضورؐ کی شان نہیں پس جب علی کو ہارون سے تشبیہ دی تو نبوت اور اخوت میں تشبیہ یقیناً نہیں تھی پس ماننا پڑے گا کہ جس طرح ہارون موسےٰ کے خلیفہ وجانشین تھے اس طرح حضرت علیؑ حضورؐ کے خلیفہ و جانشین ہیں۔ اگر یہ فرماتے کہ میں فلاں کو تم میں اپنا خلیفہ بنا رہا ہوں اگر مانو گے تو درست ورنہ عذاب نازل ہوگا تو اس صورت میں تا قیامت سلسلۂ تبلیغ و انذار جاری نہ رہتا بلکہ پہلے سے انکار کرنے والے گرفتار عذاب ہو جاتے اور بعد کا قصہ ہی ختم ہو جاتا۔ بخلاف اس کے موجودہ طرز تبلیغ میں تا قیامت انذار کا سلسلہ جاری ہے۔

بروایت علل حضرت امام محمد علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت قائم آل محمدؐ ظہور فرمائیں گے تو حمیرا کو واپس لایا جائیگا۔ اور اس پر حد قائم ہوگی اور جناب فاطمہؑ کے دشمنوں سے انتقام لیا جائے گا۔ راوی نے دریافت کیا کہ حمیرا پر کس کی حد جاری ہوگی تو آپ نے فرمایا اس سے رسولخداؐ کے فرزند حضرت ابراہیم کی والدہ پر تہمت لگائی تھی پھر راوی نے پوچھا کہ حضورؐ نے حد کیوں جاری نہ فرمائی تو آپ نے فرمایا حضور رحمت بن کر آئے تھے اور قائم آل محمد دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے نقمت بن کر آئیں گے۔

اٰذَنْتُكُمْ۔ یعنی میں نے تم کو پوری پوری اطلاع دے دی ہے اور یہ تمہارے ساتھ ہمارا اعلان جنگ ہے۔ پھر یہ نہ کہنا کہ ہمیں توحید کے متعلق پورا سمجھایا نہ گیا اور ہم غافل تھے۔

وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١١﴾ قَالَ رَبِّ احْكُم

اور میں نہیں جانتا کہ شاید تمہاری آزمائش ہو اور نفع ایک وقت تک کے لئے ہے کہا اے رب تو حکم کر

بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١١٢﴾ ع

حق کے ساتھ اور ہمارا رب رحمان جائے طلب مدد ہے اُوپر اس کے جو تم بیان کرتے ہو۔

فِتْنَةٌ ۔یعنی قیامت کی تاخیر یا گرفتار بلا ہونے میں دیر شاید تمہاری آزمائش اور امتحان کے لئے ہے۔ تاکہ تمہیں توبہ کرنے کا موقع مل جائے۔

رَبِّ احْكُمْ ۔حضور کا دستور تھا کہ جب کفار کے ساتھ جنگ کرنے جاتے تو یہ کلمہ زبان پر جاری فرماتے تھے ۔عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ یعنی عَلَىٰ دَفْعِ مَا تَصِفُونَ ۔یعنی جو خدا کی تم صفات بیان کرتے ہو ہم اس کے لئے خدا سے مدد کے طلبگار ہیں اور وہی ہماری اور ہمارے مسلک کی تائید کے لئے امداد کرنے والا ہے۔

سورہ انبیاء کی تفسیر ختم ہوئی۔ اس کے بعد سورہ حج کی تفسیر کتاب کی دسویں جلد میں آئے گی۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

اس نویں جلد کی تحریر سے آج شب جمعہ ۹½ بجے شب ۱۰ ماہ رمضان ۱۳۸۸ھ بمطابق ۲۹ نومبر ۱۹۶۸ء و ۱۴ مگھر ۲۰۲۵ب فارغ ہوا ہوں اور اللہ سے دعا مانگتا ہوں کہ مجھے اپنی کتاب مجید کی تفسیر کے اتمام کی توفیق مرحمت فرمائے

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الْوَكِيلُ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ وَأَنَا عَبْدُهُ رَاجِي إِلَىٰ رَحْمَةِ رَبِّهِ حسین بخش بن ملک اللہ بخش عفی اللہ عنہ وعن آبائہ وعن جمیع المؤمنین بحق محمد وآلہ المعصومین

جلد نمبر ۱۰

15

آئینۂ رموزِ خدا مشعلِ حیات
شرحِ بیانِ قصۂ تخلیقِ کائنات
مہرِ علومِ آلِ محمدؐ ہے ضوفشاں
جلوہ نما ہے اس میں ہر اک خشک و تر کی بات

○

آیاتِ بینات کا نکھرا ہوا چمن
طرزِ بیاں میں حسنِ نگارش کا بانکپن
اپنے جلو میں روحِ تقدس لئے ہوئے
گلدستۂ حدیقۂ انوارِ پنج تن

○

از یثرب و دیارِ نجف دشتِ کربلا
از گنجِ کاظمین و خراسان و سامرا
زیبِ نگار خانۂ تفسیر کے لئے
یک جا کہاں کہاں سے کئے دُرِّ بے بہا

○

آراستہ کیا ہے محل اعتقاد کا
لکھا ہے آبِ زر سے صحیفہ مفاد کا
قبلہ حسین بخش کو روزِ جزا ضرور
قدرت عطا کرے گی صلہ اس جہاد کا

○

فہرست

مضمون	صفحہ
سورہ حج کے فضائل	۶
رکوع نمبر ۸ ہول محشر	۷
انسانی تخلیق	۱۰
رکوع نمبر ۹	۱۳
مشرکین کو تنبیہ	۱۷
عذاب جہنم	۱۸
رکوع ۱۰ جنت کا تصور	۱۹
مسجد الحرام کی عظمت	۲۰
رکوع نمبر ۱۱ تطہیر کعبہ	۲۱
اعلانِ حج	۲۲
فوائد حج	۲۵
قول زور سے بچنے کا حکم	۲۸
آدم و حوا کی جائے ملاقات	۳۱
رکوع ۱۲	۳۲
قربانی	۳۳
رکوع نمبر ۱۳	۳۵
گذشتہ اقوام سے عبرت	۳۶
رکوع نمبر ۱۴	۳۹
شیطانی سازش	۴۰
نبی و رسول میں فرق	〃
رکوع نمبر ۱۵	۴۳
رکوع نمبر ۱۶	۴۴
رکوع ۱۷ دعوت توحید	۴۷
پارہ ۱۸	۵۰
سورہ مومنون کے فضائل	۵۱
بیت اللہ میں ولی اللہ کی آمد	۵۲
لغو سے اعراض کرنا	۵۴

مضمون	صفحہ
ضروری تنبیہ	۵۵
علامات مومن	۵۶
انسان کی پیدائش	۵۸
حمل کا خون بہا	۵۹
احسن الخالقین	۶۰
طور سیناء	۶۳
رکوع نمبر ۲۔ حضرت نوحؑ کا ذکر	۶۴
نکتۂ لطیفہ	۶۶
رکوع ۳۔ رسالت و بشریت	۶۷
مریم و عیسیٰ دونو معجزہ تھے	۶۹
امری مخلوق	〃
موجودات عالم کا تخلیقی سلسلہ	۷۱
ایک جاہل سے گفتگو	۷۴
رکوع نمبر ۴	۷۵
رکوع نمبر ۵۔ ذکر توحید	۸۱
الاکا معنی	۸۴
دلیل تمانع و تمانع	۸۵
رکوع نمبر ۶	〃
اخلاق نبویہ	۸۷
برزخ	۸۸
نفخ صور	۸۹
نکات علمیہ	۹۰
سورہ نور کے فضائل	۹۳
نور کی حقیقت	۹۴
قرآن میں نور کا استعمال	۹۶
نور ہدیٰ اور رحمت	۹۷
اول مخلوق	۹۸

مضمون	صفحہ
اقبال و ادبار کا معنی	۹۹
عقل کی عظمت	۱۰۰
نور و بشر	۱۰۲
نور و عصمت	۱۰۵
فن منطق میں نئے باب کا اضافہ	۱۰۷
مخلوقِ اول کی نوع مفرد	۱۰۹
رکوع ۷۔ شان نزول	۱۱۰
زنا کی شرعی سزا رجم اور اس کے احکام	۱۱۱
نقض خلافت	۱۱۳
قذف کی سزا اور اس کے احکام	۱۱۶
رکوع ۸۔ قصۂ افک	۱۲۱
غیبت اور بہتان میں فرق	۱۲۳
رکوع نمبر ۹	۱۲۵
خبیث مرد خبیث عورتوں کیلئے	۱۲۷
رکوع نمبر ۱۰	〃
دوسروں کے گھروں میں داخلے کی ممانعت	
پردہ کا حکم	۱۲۹
شادی کرنے کا حکم	۱۳۲
مکاتب مطلق و مشروط	۱۳۵
مفہوم مخالف کی حجیت	۱۳۶
رکوع نمبر ۱۱	۱۳۷
آیت نور	〃
تاویل آیت	۱۴۰
دوسری تاویل	۱۴۱
تیسری تاویل	〃
چوتھی تاویل	۱۴۲
پانچویں تاویل	

چھٹی تاویل	۱۴۲	بارش کا پانی اور اس کے احکام	۱۸۰	رکوع نمبر ۱۶	۲۲۳
بیوت کی تفسیر	۱۴۳	رکوع نمبر ۴	۱۸۴	حضرت موسیٰؑ کا ذکر	۲۲۴
کافر کے اعمال سراب کی مثل ہیں	۱۴۵	اللہ کے بندوں کی صفتیں	۱۸۶	رکوع نمبر ۱۷ حضرت سلیمانؑ کا قصہ	۲۲۶
لطیفہ، لاشی کا معنی	۱۴۶	سورۂ شعراء	۱۸۹	وراثت انبیاء کا مسئلہ	۲۲۸
رکوع نمبر ۱۲	۱۴۷	رکوع نمبر ۵	۱۹۰	حضرت سلیمانؑ کی حکومت	۲۳۱
عظمت پروردگار	۱۴۸	رکوع نمبر ۶	۱۹۱	وادی نمل کا ذکر	۲۳۲
ایمان کا امتحان	۱۵۰	حضرت موسیٰ کا ذکر	"	ہدہد کا غیر حاضر ہونا	۲۳۴
رکوع نمبر ۱۳	۱۵۱	رکوع نمبر ۷	۱۹۵	ہدہد کی تیز پروازی پر اعتراض وجواب	۲۳۷
آمد مہدی کی پیشین گوئی	۱۵۲	رکوع نمبر ۸	۱۹۷	حضرت سلیمانؑ کا خط ملکہ سبا کے نام	۲۴۰
آیہ استخلاف	۱۵۳	رکوع نمبر ۹	۲۰۰	رکوع نمبر ۱۸	۲۴۱
رکوع نمبر ۱۴	۱۵۴	حضرت ابراہیمؑ کا ذکر	"	ملکہ سبا کی ارکان دولت سے اہم گفتگو	"
آداب معاشرہ	"	رکوع نمبر ۱۰	۲۰۳	وفد کی روانگی	۲۴۴
حدیث مواخات	۱۵۹	حضرت نوحؑ کا ذکر	"	ملکہ سبا کی آمد	۲۴۵
رکوع نمبر ۱۵	"	رکوع نمبر ۱۱	۲۰۵	تخت بلقیس کی آمد	۲۴۶
حضرت حنظلہ کی شہادت	۱۶۰	حضرت ہودؑ کا ذکر	"	اسم اعظم	۲۴۷
حضورؐ کو بلانے کے آداب	"	رکوع ۱۲	۲۰۷	ملکہ بلقیس کا اسلام	۲۵۰
سورۂ فرقان	۱۶۲	حضرت صالحؑ کا ذکر	"	رکوع نمبر ۱۹ حضرت صالحؑ کا ذکر	۲۵۲
رکوع نمبر ۱۶	۱۶۳	بشریت ورسالت	۲۰۸	حضرت لوطؑ کا ذکر	۲۵۵
توحید کا بیان	"	رکوع نمبر ۱۳	۲۱۰	پارہ ۲۰	۲۵۶
رسول کی بشریت پر کافروں کا اعتراض	۱۶۵	حضرت لوطؑ کا ذکر	"	رکوع نمبر ۱	۲۵۷
بشریت ورسالت	۱۶۷	رکوع نمبر ۱۴	"	بیان توحید	"
شرک کا سبب	۱۶۹	حضرت شعیبؑ کا ذکر	"	علم غیب	۲۵۹
پارہ ۱۹	۱۷۲	رکوع نمبر ۱۵	۲۱۳	رکوع نمبر ۲	۲۶۰
رکوع نمبر ۱	۱۷۳	ولایت علی	"	دابۃ الارض کی تشریح	۲۶۲
بڑے قرین سے تبرا	۱۷۴	دعوت عشیرہ	۲۱۵	رکوع نمبر ۳ آمد قائم علیہ السلام	۲۶۴
رکوع ۲	۱۷۶	آبائے نبی کا اسلام	۲۱۸	نفخ صور	۲۶۵
اصحاب رس کا واقعہ	"	شعراء کے معنی کی وضاحت	۲۲۰	حرمت مکہ	۲۶۷
مشرکین مکہ کا شرک	۱۷۸	سورۂ نمل	۲۲۲		

تمت بالخیر

سورۃ الحج

اس سورہ کے مکی و مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس سے اس کا مکی ہونا اور حسن سے مدنی ہونا منقول ہے۔ اس کی چند آیتیں نہ مکی ہیں نہ مدنی بلکہ سفری ہیں۔ اس کی آیات کی تعداد مشہور قرأت کی بنا پر ۷۸ ہیں اور بسم اللہ کو ملا کر ۷۹ بنتی ہیں۔

① جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے گذشتہ اور آئندہ کے تمام حاجیوں کے برابر اس کو ثواب دیا جائے گا۔ (مجمع)

② حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص اس سورہ کو ہر تیسرے دن پڑھتا ہے تو سال کے اندر اس کو حج نصیب ہو گی۔ اور اگر دوران سفر میں مر جائے تو داخلِ جنت ہو گا۔ (مجمع۔ برہان۔ صافی)

③ کسی نے سوال کیا کہ اگر حج کرنے والا مخالف ہو تو؟ آپ نے فرمایا اس کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔ (برہان۔ صافی)

④ کافر ظالم اور ڈاکو اگر کشتی میں سوار ہوں۔ پس ہرن کی جھلی پر اس سورہ کو لکھ کر اس کشتی میں رکھا جائے تو وہ کشتی ان کافروں کو لے ڈوبے گی اور ایک نہ بچے گا۔

⑤ اگر پانی سے دھو کر ظالم حکمران کی نشست گاہ پر چھڑکاؤ کیا جائے تو اس کا اقتدار بحکم پروردگار جلدی زائل ہو جائیگا۔ عن الصادق علیہ السلام (برہان)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ‌ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَىۡءٌ عَظِيۡمٌ ①

اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے تحقیق قیامت کا زلزلہ بڑی شے ہے

يَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرۡضَعَتۡ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ

جس دن دیکھو گے کہ بھول جائے گی ہر دودھ پلانیوالی ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو اور گرا دے گی ہر حمل والی

رکوع نمبر ۸ - ہول محشر

تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق عمران بن حصین اور ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ سورہ حج کی پہلی دو نو آیتیں اس رات کو اُتریں جب کہ مسلمان غزوہ بنی مصطلق کے لیے روانہ سفر تھے۔ حضورؐ نے آواز دی تو سب مسلمان سواریوں سے پیدل ہو کر آں حضرتؐ کے ارد گرد پروانہ وار جمع ہو گئے۔ آپ نے یہ دو نو آیتیں پڑھیں یہ سنتے ہی صحابہ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ اس سے زیادہ گریہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔ رات بھر اسی حالت میں گذر گئی اور دن ہوا تو گھوڑوں سے زینیں اتارنے اور خیام نصب کرنے کا بھی کسی کو ہوش نہ تھا۔ کچھ رو رہے تھے اور کچھ غمناک صبح محشر کی فکر میں دم بخود نظر آتے تھے کہ پھر ایک بار حضورؐ نے زبان وحی ترجمان کو جنبش دی اور دریافت فرمایا کیا جانتے ہو کہ یہ آیتیں کس دن کا تذکرہ کر رہی ہیں۔ سب نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اُس دن کا ذکر ہے جب خدا حضرت آدم کو حکم دے گا کہ اپنی اولاد کو جہنم کے لئے روانہ کرو تو آدمؑ عرض کریں گے اے پروردگار کس نسبت سے؟ تو ارشاد ہو گا ہر ہزار سے ۹۹۹ جہنم کی طرف اور ایک بہشت کی طرف بھیجو۔ یہ سنتے ہی صحابہ پر دوبارہ سخت گریے کا عالم طاری ہوا۔ ہچکیاں لیتے ہوئے کسی نے عرض کی اے آقائے نامدار! ایسی حالت میں نجات کون پائے گا؟ تو آپ نے فرمایا تم کو خوشخبری ہو کہ یاجوج و ماجوج کے مقابلہ میں تم اس طرح ہو جس طرح پورے سیاہ رنگ کے بیل میں ایک سفید بال۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت میں ¼ کی نسبت سے ہو گے تب صحابہ کی ڈھارس بندھی اور ہوش ٹھکانے آئے۔ پس سب نے مل کر نعرۂ تکبیر بلند کیا پھر آپ نے فرمایا شاید تم اہل جنت میں ⅓ کی نسبت سے ہو گے۔ تو صحابہ نے خوشی کے مارے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پس آپؐ نے فرمایا مجھے توقع ہے کہ تم لوگ باقی اہل جنت میں ⅔ کی نسبت سے ہو گے۔ کیونکہ اہل جنت کی کل ایک لاکھ بیس ہزار صفیں ہوں گی۔ جن میں اسی ہزار صفیں صرف میری امت کے لئے مخصوص ہوں گی اور میری اُمت سے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ عمر بن خطاب نے سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ بس ستر ہزار؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ اور ان میں سے ہر ایک آدمی کے ہمراہ ستر ستر ہزار ہوں گے فوراً عکاشہ بن محصن نے عرض کی حضورؐ! میرے حق میں دعا کیجئے کہ ان میں سے ہو جاؤں۔ پس آپؐ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔

کہ اللہ اس کو ان میں سے قرار دے تو ایک انصاری نے بھی یہی التجا کی تو آپؐ نے فرمایا بس عکاشہ کی پہل ہے۔ ابن عباس کہتا ہے چونکہ وہ انصاری منافق تھا اس لئے حضورؐ نے اس کو ٹال دیا۔ تفسیر برہان میں امالی شیخ سے ابواسحق ہمدانی کی زبانی منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے محمد بن ابوبکر کو جب مصر کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو اس کو ایک چٹھی لکھی کہ تمام اہل مصر کو سنائی جائے۔

اس میں سے چند فقرے یہ ہیں:۔

"اے اللہ کے بندو! قبر سے اُٹھنے کے بعد کا منظر قبر سے سخت تر ہے۔ جس دن بچہ دن کے طول اور اس کی سختی سے بوڑھا ہو جائیگا۔ ہوشمند بیہوش نظر آئے گا۔ حاملہ ماؤں کے شکم سے بچے ساقط ہو جائیں گے۔ دودھ پلانے والیوں کو دودھ پیتے بچوں کا خیال نہ رہے گا ایسا سخت دن جس کی سختی پورے عرصہ محشر کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ معصوم فرشتوں میں سنسنی طاری ہوگی آسمان زمین اور پہاڑ کانپتے ہوں گے۔ آسمان پھٹ کر پراگندہ ہوگا۔ پہاڑ ذرہ ذرہ ہو کر سراب دکھائی دیں گے۔ نفخ صور سنتے ہی زمینوں اور آسمانوں کی تمام مخلوق گھبراہٹ سے بدحواس ہو جائے گی۔ سوائے ان کے جو مستثنیٰ ہیں۔ بس اس آدمی کی کیا حالت ہوگی۔ جو کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں اور جملہ اعضاء سے اپنے رب کی نافرمانی کر چکا ہوگا۔ اگر اللہ اپنے رحم و کرم سے اس کو بخش نہ دے تو اس دن کی سختی سے اس کو کون بچائے گا؟

جہنم کی گہرائی دُور تک، گرمی سخت، پینے کو پیپ، عذاب تازہ بتازہ اور سر کے اوپر لوہے کے گرزہائے گراں کی لگاتار مار نہ اس میں وقفہ ہوگا، نہ جلنے والے پر موت آئے گی جہاں رحم کا نام نہیں اور چیخ وپکار کو کوئی سننے والا نہیں۔

اور یقین کرو، اللہ کے بندو! دوسری طرف اللہ کی رحمت بھی ہے۔ جنت جو زمینوں اور آسمانوں کے برابر وسیع ہے۔ جس میں متقی جائیں گے۔ دُکھ نہ ہوگا۔ اس کی لذات کے استعمال سے اکتانا نہ ہوگا۔ وصال کے بعد فراق نہ ہوگا۔ رہنے والے اللہ کی رحمت کے سایہ میں بسیں گے۔ ان کے سامنے نوجوان لڑکے خوشبوئیں اور میوہ جات سنہری پلیٹوں میں نہایت دلکش انداز و اچھے سلیقے سے رکھ کر تابع فرمان کھڑے ہوں گے۔"

اسی طرح بروایت قاضی شریح حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک لمبے خطبے میں موت اور اس کے بعد حشر کا ہولناک منظر پیش فرمایا۔ چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔ "اے شاہانہ ہیبت وجلال کے مالک نازک مزاج! تو نے ایک کچے مکان اور غبار آلود ٹھکانے کی طرف منتقل ہونا ہے۔ تجھے ایسی جگہ رخسارہ ٹیک کر سونا ہوگا جہاں ملنے والے کم جاتے ہیں۔ پھر ایک وقت کے بعد جب قبریں شق ہوں گی اور تجھے میدان محشر کی طرف بھیجا جائے گا۔ تو اگر تیرا خاتمہ نیک ہوا تو سرور وانبساط، حکومت وسلطنت اور امن وآرام کا گھر ملے گا۔ موتیوں کی طرح خوبصورت لڑکے شیریں وشفاف پانی کے بلوری جام ہاتھ میں لے کر غلامی کیلئے پیش ہوں گے۔ اہل بہشت عیش وعشرت میں بسر کریں گے اور اہل جہنم آگ کا عذاب لیں گے۔ یہ ریشم واطلس کے لباس میں ملبوس ناز وادا سے ٹہلیں گے۔ اور وہ دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پیچ وتاب کھائیں گے۔ ان کے ناک

حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ

اپنا حمل اور دیکھو گے لوگوں کو بے ہوش حالانکہ وہ بیہوش نہ ہونگے بلکہ

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ

اللہ کا عذاب سخت ہے اور بعض لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں بے علمی

بہشت کے مشک و عنبر سے معطر ہوں گے اور وہ آتش جہنم میں لوہے کے وزنی گرزوں کے ساتھ پیٹے جائیں گے۔ سیاہ چشم خوبصورت حوریں خوشی خوشی ان سے معانقہ کریں گی اور ان کی گردنوں میں دوزخ کے طوق و زنجیر ڈالے جائیں گے۔ ان کی گھبراہٹ کا کوئی دفاع نہ ہو گا۔ اور ان کی بیماری کا کوئی علاج نہ ہو گا۔

اے وہ انسان جس نے کیڑوں کوڑوں کے سپرد ہونا ہے تو سُن اور دیکھ کر عبرت حاصل کر۔ آنکھ سے کھو کر نیند کی لذت کو خیرباد کہہ دے اور خوفِ خدا میں آنسوؤں کے ڈول بہائے کیونکہ تیرا قبر کا مکان خطرناک اور ہولناک جگہ ہے۔ اے حیا سے کورا انسان تیرا انجام موت ہے۔ اے غافل و سر پھرا انسان نصیحت حاصل کرنے والے کی بات کو سُن۔ حشر کا دن بازپرس اور جزا و سزا کا دن ہے۔ اس دن لوگوں کے اعمال کھلیں گے۔ گناہ گنے جائیں گے۔ گرمی کی شدت سے آنکھوں کے ڈھیلے پگھلتے نظر آئیں گے اور اس کی شدت سے حاملہ ماؤں کے بچے ساقط ہو جائیں گے۔ دوست دوست سے جدا ہو گا۔ اس دن کے ہول سے دانشمند بحر حیرت میں غوطہ زن ہو گا۔ زمین آبادی کے بعد بنجر ہو گی۔ اس کی دل کشی اور سرسبزی تغیر و انقلاب کا محل ہو گی سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کئے ہوئے اعمال میں سے حرف حرف کا سوال ہو گا۔ آنکھیں جھکی ہوں گی۔ سامنے حساب ہو گا اور پیچھے جہنم کا عذاب ہو گا اس کی ہولناک آواز کانوں سے ٹکرا رہی ہو گی۔ آنکھیں اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہی ہوں گی وہاں نہ کوئی مددگار و معاون ہو گا اور نہ کوئی غمگسار اور جائے پناہ ہو گا اور تمام لوگ مواقفِ حساب کی طرف تیزی سے روانہ کئے جائیں گے۔

پُل صراط پر پہنچیں گے تو دلوں میں لرزہ ہو گا اور جان لیں گے کہ اب بچاؤ مشکل ہے۔ بولنے کی اجازت نہ ہو گی، عذر مقبول نہ ہو گا، زبانوں پر مہر ہو گی۔ پس ہاتھ اور پاؤں اپنے کرتوتوں کے گواہ ہوں گے۔ ہائے کس قدر دردناک گھڑی ہو گی، اور روح فرسا منظر ہو گا۔ جب نتیجے کا اعلان ہو گا۔ ایک گروہ جنت کی طرف اور دوسرا گروہ جہنم کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ الخبر

ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے موت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا مومن کے لئے ایک بہترین روح پرور خوشبو کی مانند ہے۔ جس کے سونگھنے سے تھکے ماندے انسان کو آرام و سکون آ جاتا ہے اور وہ خوشی کی نیند سو جاتا ہے اور کافر کے لئے سانپوں اور بچھوؤں کے ڈسنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿۳﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ

سے اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی مقدر کی گئی ہے اس پہ یہ بات کہ جو بھی اسے دوست

تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾ يٰۤاَيُّهَا

رکھے گا یہ اسے گمراہ کرے گا اور اُسے عذاب دوزخ کا راستہ دکھائے گا اے لوگو!

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ

اگر تم کو شک ہے مرنے کے بعد اُٹھنے کا تو ہم نے تم کو پیدا کیا ہے

زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ ص۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ زلزلہ قیامت کے دن ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قیامت سے پہلے ہوگا۔ کیونکہ بعد میں ارشاد فرماتا ہے کہ حاملہ ماؤں کے حمل ساقط ہوں گے اور دودھ پیتے بچّوں سے مائیں غافل ہو جائیں گی۔ اور حمل و رضاعت قیامت سے پہلے ہوگا نہ کہ قیامت کے دن۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہاں مقصود ہول محشر کو بیان کرنا ہے کہ اگر اس سختی کو کوئی حاملہ دیکھتی تو بچہ ساقط ہو جاتا اور ماں کو اپنا دودھ پیتا بچہ بھول جاتا۔ اور زیادہ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے کا زلزلہ مراد لیا جائے اور قیامت کی طرف نسبت اس لئے دی گئی ہے کہ وہ زلزلہ اشراطِ قیامت سے ہوگا۔

وَمِنَ النَّاسِ ص۔ یعنی بعض لوگ توحید پروردگار کے مسئلہ میں خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہیں۔ نضر بن حارث ایک باتونی آدمی تھا جو توحید کے بارے میں کج بحثی کر کے پیغمبر اور مسلمانوں کو خواہ مخواہ تنگ کرتا تھا۔ پس عجمیوں اور یہودیوں سے کچھ باتیں سُن کر مسلمانوں پر طعنہ زنی کرنا اس کا شیوہ تھا اور یہ آیت اُسی کے متعلق ہے۔

شَيْطٰنٍ۔ یہاں نسل انسانی کے شیطان مُراد ہیں جو اسلام کے خلاف نضر بن حارث یا دوسرے آدمیوں کو طعنہ زنی کی تحریک کرتے تھے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ۔ یعنی اس شیطان پر یا بقول لے جھگڑا کرنے والے پر یہ بات لوح محفوظ میں ثابت ہے کہ جو بھی اس کی پیروی کریگا وہ اس کو راہِ راست سے ہٹا کر دوزخ کے راستہ پر لگائے گا۔

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ۔ حشر و نشر کے اثبات میں منکرین کے سامنے ایک عام فہم طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے کہ ہم نے تم کو پہلے مٹی سے پیدا کیا (حضرت آدم ؑ و حوا کو) اور پھر نطفہ علقہ و مضغہ سے تم کو بنایا (اولادِ آدم کو) یعنی آدم کو ہم نے دفعتہً بلا تدریج مٹی سے پیدا کر دیا اور اولادِ آدم کو تدریج کے ساتھ یعنی غلّہ سبزیاں میوہ جات اور تمام کھانے کی چیزیں زمین سے پیدا کیں جن کو انسان نے کھایا تو ان سے خون پیدا ہوا۔ اور اس سے انسان کا مادہ منویہ پیدا ہوا۔ جس کو نطفہ کہا گیا ہے پھر نطفہ عورت کے رحم میں چالیس دن کے بعد خون جامد بن گیا۔ جس کو علقہ کہا گیا ہے اور علقہ چالیس دن کے بعد مضغہ بن جاتا ہے۔ اس طرح ایک سو بیس دن یعنی چار ماہ

تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ

مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون بستہ سے پھر گوشت کی بوٹی سے تام یا غیر تام

وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ

تاکہ ہم واضح کریں تمہارے لئے اور ہم ٹھہراتے ہیں رحموں میں جو چاہیں ایک میعاد مقرر تک

مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ

پھر نکالتے ہیں تم کو بچہ تاکہ پہنچ جاؤ اپنی جوانی کو اور تم میں سے بعض کو موت

يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ

دی جاتی ہے پہلے اور بعض کو رد کیا جاتا ہے رذیل ترین زندگی کی طرف تاکہ کچھ نہ جانے بعد جاننے

کے بعد رُوح داخل ہو کر نفسِ انسانی تیار ہو جاتا ہے۔ بعض بچے روح کے داخل ہونے سے پہلے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جن کو غیر مخلقہ کہا گیا ہے اور بعض بچے روح داخل ہونے کے بعد ایک مقررہ میعاد یعنی نو ماہ تک شکم مادر میں محفوظ رہ کر صحیح پیدا ہوتے ہیں جنکو مخلقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل ص۵۸ پر ملاحظہ ہو۔

لِنُبَيِّنَ لَكُمْ۔ حضرت آدم و حوا کو صرف مٹی سے بغیر تدریج کے اور تم کو مٹی نطفہ علقہ اور مضغہ کی ترتیب و تدریج سے پیدا کر کے ہم نے تم پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ ہم دفعتہً پیدا کرنے اور تدریجاً پیدا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور جب ابتداً ہیں ہم اس طرح پیدا کرنے پر قادر ہیں تو مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے پر کیونکر قادر نہیں ہیں؟

اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔ بڑھاپے کی عمر کو رذیل ترین زندگی اس لئے کہا گیا ہے کہ دنیا کی تمام بہاریں اور رونقیں اس کے لئے نفع مند نہیں رہتیں نہ جوانی واپس آسکتی ہے اور نہ تندرستی لوٹ سکتی ہے۔ پس یہ عمر حسرت اور ارمان کا مجموعہ ہوتی ہے کیونکہ لذائذ دنیا کو دیکھتا ہے لیکن استعمال نہیں کر سکتا۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے جوانی کے لذائذ دنیاویہ پر آخرت کو ترجیح دی اور قرب خداوندی ان کا مطمح نظر رہا ان کا بڑھاپا وصال پروردگار کا پیغام ہوتا ہے اور خدا ایسے لوگوں کا احترام باقی لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ پس وہ باعزت دنیا سے جاتے ہیں اور اللہ کے ہاں باعزت مہمان ہوتے ہیں۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک سو سال اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے پچھتر سال کے بعد ارذل عمر ہونا منقول ہے۔ اس کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۱۴ سورہ والتین کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

اِهْتَزَّتْ ص۱۲۔ اھتزاز کا معنی ہوتا ہے خوشی سے جھومنا۔ پس خشک زمین پر بارش پڑنے کے بعد اس کی سرسبزی و شادابی اس کا

بَعۡدِ عِلۡمٍ شَيۡـًٔا ؕ وَتَرَى الۡاَرۡضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا الۡمَآءَ

کے — اور دیکھتے ہو زمین کو خشک — پس جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو

اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ وَاَنۢبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۢ بَهِيۡجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ

متحرک ہوئی اور بڑھی اور اُگانے لگی ہر قسم کی پر رونق انگوریاں — یہ اس لئے کہ اللہ

هُوَ الۡحَـقُّ وَاَنَّهٗ يُحۡىِ الۡمَوۡتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۶ وَّاَنَّ

حق ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے اور تحقیق

السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡعَثُ مَنۡ فِى الۡقُبُوۡرِ ۝۷

قیامت بلاشک آنے والی ہے — اور تحقیق اللہ اٹھائے گا ان کو جو قبروں میں ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ

اور بعض لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر سچی کتاب

اهتزاز ہوتا ہے۔ زوج سے مُراد اس مقام پر قسم اور صنف ہے اور بھیج بہجت سے ہے جس کا معنی رونق ہوا کرتا ہے۔

ذالِکَ۔ یعنی تمام بیان کردہ امور کو مثلاً مخلوق کو پیدا کرنے پر تدریج سے یا بلاتدریج اسی طرح زمین سے قسم و قسم کی انگوریاں اُگانے پر بلکہ کائنات کے جملہ تصرفات پر پوری قدرت رکھنا اس لئے ہے کہ وہی ہے خدائے برحق اور اسی کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور وہ جس طرح ابتداءً سب کا خالق ہے۔ اسی طرح دوبارہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ غرضیکہ وہ ہر بات پر قادر ہے پس یقین کرلو کہ قیامت ضرور آئے گی۔ اور قبروں میں دفن ہونے والوں کو اللہ ضرور اٹھائے گا۔

یُجَادِلُ۔ یعنی بعض لوگ بے علمی سے مسئلہ توحید میں جھگڑا و مناظرہ کرنے لگتے ہیں نہ ان کے پاس دلیل ہوتی ہے اور نہ کسی سچی کتاب کا سہارا ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر انسان کے پاس علم ہو دلیل قائم کرسکتا ہو۔ اور کسی سچی کتاب کا سہارا بھی اس کو حاصل ہو تو اس کے لئے مناظرہ کرنا جائز اور درست ہے کیونکہ ایسی صورت میں وہ حق کا علمبردار ہو گا اور لوگوں کے لئے حق کے قریب ہونے کا موجب بنے گا اور بخلاف اس کے بے علمی کی صورت میں خود بھی حق سے دُور ہو گا اور لوگوں کے لئے بھی غلط عقائد کی راہ ہموار کرے گا۔

ثَانِیَ عِطۡفِہٖ۔ یعنی ازراہِ تکبر پہلو موڑ کر چلتا ہے۔ ابھی آیت نمبر ۳ میں گذرا ہے کہ اس کا مصداق نضر بن حارث تھا جو بے علم اکھڑ مزاج اور متکبر قسم کا جھگڑالو آدمی تھا اور مسلمانوں کو بالعموم تنگ کرتا تھا اور تاویلی طور پر ہر وہ بندہ اس آیت کا مصداق بن سکتا ہے جو یہ عادات

مُنِيۡرٍ ۸ ثَانِىَ عِطۡفِهٖ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ لَهٗ فِى الدُّنۡيَا

کے پہلو مروڑ کر چلتے ہیں تاکہ گمراہ کریں اللہ کے راستہ سے اس کے لئے دنیا میں

خِزۡىٌ‌ وَّنُذِيۡقُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ عَذَابَ الۡحَرِيۡقِ‏ ۹ ذٰ لِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ

ذلت ہے اور اس کو چکھائیں گے قیامت کے دن جلنے کا ۔ عذاب (اس کو کہا جائیگا) یہ اس لئے کہ کمایا ہے تیرے

يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَـيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۱۰ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ

ہاتھوں نے اور تحقیق اللہ بندوں پر ظالم نہیں ہے اور بعض لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ کی

عَلٰى حَرۡفٍ‌ ۚ فَاِنۡ اَصَابَهٗ خَيۡرُ اۨطۡمَاَنَّ بِهٖ‌ ۚ وَاِنۡ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةُ اۨنْقَلَبَ عَلٰى

غیر یقینی پس اگر پہنچے اس کو بھلائی تو مطمئن ہو جاتا ہے اس پر اور اگر پہنچے اس کو آزمائش تو الٹا ہو جاتا ہے

رکھتا ہو جیساکہ دور حاضر میں بعض سر پھرے۔ ٹھیکہ داران منبر و امن توحید پروردگار کو تار تار کرنے کے درپے ہیں اور سرے سے خدا کی خالقیت کو چیلنج کرتے ہوئے عوام کو شرک کا درس دیتے ہیں کہ خدا نے تو صرف محمدؐ و آل محمدؐ کو پیدا کیا باقی سب مخلوق کو انہوں نے پیدا کیا۔ پس اس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج کے لئے علمائے حقہ پر قسم و قسم کے ناروا حملے کرنا ان کو وہابی کہنا اور مناظرہ کے لئے للکارنا ان کا شیوہ ہے۔ تعالی اللہ عما یشرکون۔

رکوع نمبر ۹

عَلٰى حَرۡفٍ۔ حرف کا معنی کنارہ ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح کسی کنارے پر کھڑا ہوا انسان کمزور حالت میں ہوتا ہے کہ نہ اُس کو ثابت رہنے کا یقین ہوتا ہے اور نہ اُس حالت میں کسی کا مقابلہ کر سکتا ہے بلکہ ہر وقت گرنے کا خطرہ اس کو لاحق رہتا ہے۔ اسی طرح بعض کمزور ایمان والے لوگوں کی حالت ہے کہ چونکہ ان کے دلوں میں ایمان پختہ نہیں ہوتا اور ہر معمولی سے معمولی شبہ بھی اُن کے ایمان کی عمارت کو متزلزل کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ پس کنارے پر کھڑے ہوتے انسان کی طرح اس کی عبادت بھی کمزور اور غیر یقینی ہوتی ہے کہ اگر اس کی توقع کے مطابق خوشحالی اور وسعت رزق اس کو حاصل ہو جائے تو اس کا دل مطمئن اور وہ اپنے ایمان سے راضی رہتا ہے لیکن اگر تھوڑی سی آزمائش اور تکلیف پہنچ جائے تو اس کا دل شکوک و شبہات کا منبع بن جاتا ہے۔ اور آخر کار الٹے قدم وہ کفر و الحاد کی وادی میں جا گرتا ہے۔ ایسا شخص نہ دین کا رہتا ہے اور نہ دنیا کا۔ کیونکہ اس پر دنیاوی تنگی اللہ کی جانب سے آزمائش کے طور پر پہنچ گئی۔ اور دین سے خود ہاتھ دھو بیٹھا۔

يَدۡعُوۡا لَمَنۡ ضَرُّهٗۤ۔ لام ابتداء۔ اس لام کا مسئلہ نحویوں کے نزدیک ایک معرکۃ الآراء مقام ہے۔ کیونکہ لام جارہ اور لام امر کے علاوہ

وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾

اپنے منہ پر وہ دنیا و آخرت کے خسارے میں ہے - اور یہ واضح خسارہ ہے

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

پکارتا ہے اللہ کے سوا اس کو جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع یہ ہی تو

الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ

سخت گمراہی ہے اور اس کو پکارتا ہے جس کا نقصان نفع سے زیادہ قریب ہے

لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

البتہ وہ برا معاون اور برا ساتھی ہے تحقیق اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے

جو لام مفتوحہ معانی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔
(۱) ان مخففہ کی خبر پر داخل ہوتی ہے (۲) فعل مضارع اور فعل ماضی پر داخل ہوتی ہے جب کہ وہ جواب قسم واقع ہو (۳) شرط پر داخل ہوتی ہے جب کہ جزا کا اعتماد قسم پر ہو جس طرح لَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا۔ (۴) اسماء مبتداء پر داخل ہوتی ہے یا اِنَّ کے اسم و خبر پر یا فعل مضارع پر جب کہ حال واقع ہو۔ ابو علی کہتا ہے کہ اس لام کا خبر پر داخل کرنا بھی ضرورت شعری کے ماتحت ہوتا ہے۔ حالانکہ خبر حقیقت میں عین مبتداء ہوتی ہے۔ ورنہ محل درست نہیں رہتا۔ مثلاً زیدٌ قائمٌ میں قائم بعینہٖ زید ہے۔ بنابریں موصول پر لام کو داخل کر کے صلہ مُراد لینا ناجائز ہے کیونکہ صلہ عین موصول نہیں ہوتا۔ جس طرح خبر عین مبتداء ہوتی ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے آیت مجیدہ میں یہ کہا ہے کہ دراصل یہ لام صلہ پر داخل تھی اور اُسے مقدم کر دیا گیا ہے یعنی تقدیر عبارت یہ تھی۔ يَدْعُوْا مَنْ لَضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ الخ جیسا کہ زجاج نے کوفی اور بصری نحویوں کی طرف بغیر وجہ بیان کئے یہ قول منسوب کیا ہے درست نہیں بلکہ غلط ہے۔ پس اس کا حل یہ ہوگا کہ یا تو دوسرے یدعوا کو پہلے یدعوا کا تکرار کہا جائے کیونکہ یہ فعل (دعا) کثیر الوقوع ہے اور چونکہ پہلا يَدْعُوْا متعدی استعمال ہو چکا ہے لہٰذا دوسرے کو متعدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یا دوسرے یدعوا کے بعد ھا، ضمیر غائب کو محذوف مانا جائے جو اس کا مفعول ہو اور جملہ فعلیہ کو ذلک سے حال قرار دیا جائے یا ذالک کو الذی کے معنی میں اسم موصول قرار دیا جائے اور هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ۔ کو اس کا صلہ بنا کر يَدْعُوْا کا مفعول مقدم قرار دیا جائے جس طرح مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى میں تِلْكَ کو اَلَّذِیْ کے معنی میں نحویوں نے موصول قرار دیا ہے۔ پس ان تینوں صورتوں میں يَدْعُوْا کا مابعد سے کوئی تعلق نہیں اور لام مبتداء پر داخل ہے جو کہ مَنْ موصولہ ہے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور نیک عمل کرتے رہے بہشتوں میں کہ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں تحقیق اللہ کرتا

یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا

ہے جو چاہتا ہے جس کا یہ خیال ہو کہ ہرگز نہ مدد کرے گا اللہ اس (محمدؐ) کی دنیا د

اور بعد میں اس کا صلہ ہے اور صلہ و موصول مل کر محل رفع میں ہیں کیونکہ مبتدا ہیں اور لبئس المولیٰ میں لام کا مدخول اس کی خبر ہوگا۔ اور یہ لام جواب قسم ہے جسے لام یمین بھی کہا جاتا ہے۔ رہن نے اس کی ایک توجیہ یہ بھی کی ہے کہ یدعوا کا معنی یقول کیا جائے اور لام کا مدخول موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتدا ہو اور اس کی خبر مولائی محذوف مانی جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یدعوا کو یسمّی کے معنی میں قرار دیا جائے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے شرک کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی لیکن حضرت محمد مصطفےٰؐ کی ان کو معرفت حاصل نہ ہوئی۔ پس وہ اللہ کی عبادت شک کی صورت میں کرتے ہیں اور حضرت رسالت مآبؐ کے متعلق وہ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اگر ان کی برکت سے ہمارے مال زیادہ ہوئے جسم میں تندرستی رہی اور اولاد عطا ہو گئی تو ہم سمجھیں گے کہ وہ سچا رسول ہے ورنہ پھر سوچیں گے۔ انہی کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ اگر اچھائی پہنچے تو وہ مطمئن ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی تکلیف یا غیر متوقع صورت پیش آئے تو شرک کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور ان کو پکارنے لگتے ہیں جن کا نقصان نفع سے قریب تر ہے بلکہ نفع ان کے پاس ہے ہی نہیں۔

مَنْ كَانَ ۔ چونکہ جناب رسالت مآبؐ کی ہر مقام پر اللہ مدد فرماتا ہے اور آپ جس طرف کا رخ کرتے کامیابی و کامرانی آپؐ کے لئے چشم براہ ہوتی تھی تو کافر و منافق طبع لوگوں کی طبیعتوں پر بوجھ پڑتا تھا۔ پس ان کی تذلیل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر کسی کو میرے پیارے رسول کا کامیاب و کامران ہونا ناگوار ہے اور وہ اپنے غم و غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس دھوکے میں ڈالتا ہے کہ بس اب خدا اس کی مدد نہیں کرے گا تو وہ کمر ہمت باندھ کر میری مدد کے راستوں کو روک لے چنانچہ آسمان پر کمند ڈال کر اوپر جانے کی کوشش کرے حتیٰ کہ اپنی انتہائی کوشش کے بعد تھک کر بیٹھ جائے یا انہی کوششوں میں مر جائے اور نتیجہ میں دیکھے کہ کیا اس کی حیلہ سازیاں اور مکاریاں میرے حبیبؐ کا کچھ بگاڑ سکیں۔ گویا اللہ کی طرف سے چیلنج ہے کہ تم اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ لیکن میرے رسول کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ اور چونکہ نصرت پروردگار بذریعہ وحی یا امداد ملائکہ آسمان کی جانب سے ہی آتی ہے اس لئے آسمان کا ذکر کیا گیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴿۱۶﴾ ۔ یعنی بروز محشر مومنوں اور کافروں کے تمام گروہوں کے درمیان فیصلہ ہوگا۔ مجوسی بھی اہل کتاب کہلاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے متعلق پوری تحقیق نہیں ہو سکی اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی محارم کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔

وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ

آخرت میں پس لمبا کرے اپنا رسّہ آسمان کی طرف پھر ختم کر دے پس دیکھے کیا دُور کر سکتا ہے اس کا

كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

حیلہ اس چیز کو جس سے وہ غصّہ کرتا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا واضح آیات اور تحقیق اللہ ہدایت کرتا ہے

مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى

جسے چاہے تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابی اور نصرانی

وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

اور مجوسی اور جو مشرک ہوئے تحقیق اللہ ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا قیامت کے دن

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ

تحقیق اللہ ہر چیز پر حاضر ہے کیا تم نہیں دیکھتے تحقیق اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ

جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے

وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ

اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ بھی اور بہت سوں پر

مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ۔ یعنی علوی و سفلی تمام مخلوق اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے۔ ارباب عقول کا سجدہ تشریعی ہے جو اپنے اختیار سے بجالائیں۔ اور ان کی ہیئت مخصوصہ اور اپنی تمام اُمور میں بے لبسی اور اس کے ارادہ و مشیّت کے سامنے بے چارگی ان کا سجدۂ تکوینی ہے اور باقی مخلوقات ارضی و سماوی مثلاً چاند، سورج، ستارے اور دریا پہاڑ وغیرہ کا سجدہ سجدۂ تکوینی ہے کہ قدرتِ خداوند کے سامنے وہ ہر وقت سرنگوں ہیں۔

كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ اس مقام پر ان کا سجدہ تشریعی مُراد ہے کہ بہت سے بندے اپنے ارادہ و اختیار سے توحیدِ پروردگار کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور اس کا سجدہ کرتے ہیں۔

حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ

ثابت ہے عذاب اور جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو کون عزت دے سکتا ہے تحقیق اللہ

يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۞ ۱۸ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ فَالَّذِيْنَ

کرتا ہے جو چاہتا ہے ان دو گروہوں نے جھگڑا کیا اپنے رب کے بارے میں پس جو کافر

كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۗ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ

ہیں کاٹے جائیں گے ان کے کپڑے آگ سے کہ پلٹا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا

الْحَمِيْمُ ۞ ۱۹ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۞ ۲۰ وَلَهُمْ

پانی کہ پگھل جائے گا اس کے ذریعے سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور ان کے

مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۞ ۲۱ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

لئے گرز ہونگے لوہے سے جب اس سے نکلنا چاہیں گے تکلیف کی وجہ سے

مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۞ ۲۲ ع

تو اس میں پلٹائے جائیں گے اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلنے کا عذاب

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

تحقیق اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے بہشتوں میں

حَقَّ عَلَيْهِ۔ یعنی بہت سے بندے ایسے بھی ہیں جو اپنے خالق سے برسرپیکار رہتے ہیں اور وہ اس کے سامنے جھکنے سے انکاری رہتے ہیں پس اُن پر عذاب حق ہو چکا ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ۔ یعنی مومنوں اور کافروں کے دو گروہ آپس میں توحید کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں تمام گروہ باوجود اختلافِ عقائد کے ایک گروہ کے شمار میں ہیں کیونکہ کلمہ کفر سب پر صادق آتا ہے۔ مثلاً نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم لوگ ربّ کے زیادہ قریبی ہیں۔ کیونکہ ہمارا نبی تم سے پہلے تھا اور مسلمان کہتے تھے کہ ہم ربّ کے پیارے

ہیں کہ ہم تمام نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں اور تم لوگ حسد و کدورت کی بنا پر ہمارے نبی کی تصدیق نہیں کرتے۔
مَقَامِعُ۔ جمع ہے مقمع کی یعنی لوہے کا ہتھوڑا یا گرز۔
تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جہنم کے گرزوں میں سے ایک گرز اگر زمین پر رکھا جائے اور پھر تمام جن و انسان مل کر اُسے اٹھانا چاہیں تو وہ اتنا وزنی ہوگا کہ یہ نہ اُٹھا سکیں گے۔ اور حسن سے منقول ہے کہ آگ کے شعلے جب دوزخیوں کو اوپر کی سطح پر اٹھا لائیں گے تو ان کے سروں پر وہ گرز مارے جائیں گے پس ستر خریف کی مسافت سے وہ نیچے چلے جائیں گے۔ (بعض روایات میں ستر سال منقول ہے) جب تہ پر پہنچیں گے تو جہنم کے شعلے پھر ان کو اُوپر کی طرف ابھاریں گے اور اسی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

عذاب جہنم کا ایک منظر

تفسیر صافی و برہان میں بروایت قمی منقول ہے ایک مرتبہ ابو بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے فرزند رسول میرا دل سخت ہوگیا ہے کچھ موعظہ فرمایئے اور مجھ کو خوف خدا یاد دلایئے۔ پس آپ نے فرمایا۔ اے محمد ایک لمبی زندگی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ کیونکہ جبریل ایک مرتبہ حضورؐ کے پاس تلخ چہرے کے ساتھ حاضر ہوا حالانکہ وہ بالعموم مسکراتا ہوا آیا کرتا تھا۔ آپ نے تلخی کی وجہ پوچھی، تو کہنے لگا کہ میں ابھی آگ کی پھونکنیاں چھوڑ کر آیا ہوں، آپ نے فرمایا وہ کیسے ہے؟ تو کہنے لگا کہ پروردگار کی جانب سے آتش جہنم کو بھڑکانے کا حکم ہوا تو ایک ہزار سال تک اس کی آگ کو پھونکا گیا یہاں تک کہ سفید ہوگئی۔ پھر ایک ہزار سال کے بعد وہ سرخ ہوگئی۔ پھر تیسری مرتبہ ایک ہزار سال کے بعد وہ سیاہ ہوگئی۔ اس کی حالت یہ ہے کہ جہنمیوں کے پانی میں سے ایک قطرہ اگر دنیا کے پانی میں مل جائے تو اس کی بدبو سے تمام اہل زمین مر جائیں گے۔ جہنم کے زنجیر جو ستر ہاتھ لمبے ہیں، ان کی ایک کڑی اگر دنیا میں ظاہر ہو جائے تو ساری دنیا اس کی حرارت سے پگھل جائے گی اور اگر کسی دوزخی کی ایک قمیص زمین و آسمان کے درمیان لٹکائی جائے تو اس کی بدبو سے تمام اہل دنیا مر جائیں گے یہ سُن کر حضورؐ پر گریہ طاری ہوا اور جبریل بھی ساتھ رونے لگا تو فوراً ایک دوسرا فرشتہ جانب پروردگار سے نازل ہوا کہ خدا تم دونوں کو بعد سلام کے فرماتا ہے کہ تم کو گناہوں سے میں نے محفوظ کیا ہے۔ جن کی وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ اس کے بعد کبھی جناب رسالتمآبؐ کو کسی نے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر فرمایا دوزخی دوزخ کو بڑا سمجھتے ہیں اور جنتی جنت کو بڑا سمجھتے ہیں۔ اور جب جہنمی کو اوپر کے کنارے سے جہنم میں گرایا جائے گا تو ستر سال کی مسافت کے برابر گہرائی تک چلا جائے گا اور جب پھر اوپر آئے گا تو لوہے کے گرزوں سے اس کے سر پہ مار پڑے گی۔ پس وہ پھر تہ تک چلا جائے گا جس طرح آیت مجیدہ میں ارشادِ خداوندی ہے کہ درد و تکلیف سے اُوپر کو ابھریں گے تو لوہے کے گرزوں سے ان کو مارا جائے گا اور چمڑے جل جانے کے بعد تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ پس آپؐ نے فرمایا اے ابو بصیر اتنا کافی ہے یا کچھ اور بھی بیان کروں تو وہ کہنے لگا حضورؐ اسی قدر کافی ہے۔
اور تفسیر برہان میں ابن طاؤس کی روایت کے مطابق جبریل نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے اس ذات کی قسم جس نے تجھے برحق

تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَہَبٍ

کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں پہنائے جائیں گے اس میں کنگن سونے کے اور موتیوں

وَّ لُؤۡلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُہُمۡ فِیۡہَا حَرِیۡرٌ ﴿۲۳﴾ وَ ہُدُوۡۤا اِلَی الطَّیِّبِ

کے اور ان کا لباس وہاں ریشمی ہوگا اور بھیجے جائیں گے طرف عمدہ باتوں

مِنَ الۡقَوۡلِ ۚۖ وَ ہُدُوۡۤا اِلٰی صِرَاطِ الۡحَمِیۡدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ

کے اور بھیجے جائیں گے طرف اللہ کے راستہ کے جو حمید ہے تحقیق جو لوگ

نبی مبعوث کیا ہے کہ اگر سوراخ سوزن کے برابر آتش جہنم کی حرارت کو زمین کی طرف راستہ ملے تو سب کے سب انسان اس کی گرمی سے تڑپ کر مرجائیں گے اور اگر ایک جہنمی کو جہنم سے نکال کر زمین پر بھیجا جائے تو اہل زمین اس کو دیکھ کر ہلاک ہوجائیں گے اور اگر اس کے زنجیر کو صرف ایک ہاتھ کے برابر دنیا کے تمام پہاڑوں پر رکھا جائے تو سب دنیا کے پہاڑ پگھل جائیں گے اور اگر کسی دوزخی کا کوئی کپڑا دنیا پر ظاہر کیا جائے تو سب اس کی بدبو سے مرجائیں گے۔ ایک اور روایت میں ہے قسم کھا کر حضورؐ نے فرمایا۔ اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین کے پہاڑوں پر گر جائے تو سب پہاڑ زمین میں دھنس جائیں گے تو کیا حال ہوگا اس بندے کا جس کی یہ خوراک ہوگی اور فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر غسلین کا ایک قطرہ پہاڑوں پر ٹپکے تو تمام پہاڑ اس کو برداشت نہ کرسکیں گے تو کیا حال ہوگا اُس کا جس کو پینے کے لئے وہی ملے گا۔ اسی طرح ایک گرز اگر پہاڑوں پر رکھا جائے تو اس کے وزن سے تمام پہاڑ زمین دوز ہوجائیں گے تو کیا حال ہوگا اس کا جس کے سر پر اُن کی مار پڑے گی۔ اور ایک روایت میں ہے جہنمیوں کی حالت یہ ہوگی کہ اوپر کا ہونٹ بلند ہوکر سر کے برابر آجائے گا اور نچلا ہونٹ ناف تک لٹک جائے گا۔ العیاذ باللہ

رکوع نمبر ۱ جنّت کا تصوّر

حَرِیۡرٌ: خداوند کریم نے دنیا میں ریشمی لباس مردوں پر حرام کیا ہے اور جنت میں اس لباس کی پیش کش فرمائی ہے۔ وہاں ہر قسم کی زینت سے مزیّن ہوکر نعماتِ پروردگار میں عیش و آرام کی دائمی زندگی ہوگی وہاں نہ لغویات نہ فضول گپیں اور نہ دل آزار آوازیں ہوں گی۔ بس پیار و محبت کے لہجے میں جنتی لوگ آپس میں ہمکلام ہوں گے اور بعض اوقات فرشتوں کے ساتھ بھی تحیہ و سلام سے ملاقاتیں ہوں گی۔ اور اسی کو طیّب قول کہا گیا ہے۔

حمید کا معنی ہے قابل حمد۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس سے مُراد ذاتِ پروردگار ہے۔ نیز اسلام اور جنت بھی مُراد لئے گئے ہیں اور تفسیر اہل بیت میں ہے کہ یہ آیتیں بالخصوص حضرت حمزہ، جعفر طیار، عبیدہ، سلمان، ابوذر، مقداد بن اسود اور عمار

كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

کافر ہیں اور روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے اور مسجد الحرام سے

الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ

جس کو ہم نے لوگوں کے لئے بنایا کہ اس میں مقامی اور دیہاتی برابر ہیں اور جو ارادہ

کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ اور حمید سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ ایک روایت میں حمید سے مراد ولایت ہے (صافی)

تفسیر صافی میں بروایت قمی منقول ہے کہ ابو بصیر کی خواہش پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جنت کی تعریف فرمائی کہ کم از کم نعمات جنت میں سے یہ ہے کہ اس کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے سونگھی جا سکے گی۔ اور معمولی جنتی کا مکان اس قدر وسیع ہوگا کہ تمام جنّ و انسان اگر اس کے ہاں مہمان ہوں تو سب کے لئے کافی ہوگا اور ان کے کھانے پینے کے بعد یوں معلوم ہوگا کہ کسی نے کچھ نہیں کھایا اور کم از کم بہشتی کے لئے تین درجے ہوں گے جب پہلے درجے میں پہنچے گا تو اس میں غلام کنیزیں نہریں اور میوہ جات اس قدر دیکھے گا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی اور دل باغ باغ ہوگا۔ پس شکر پروردگار بجالائے گا۔ پھر حکم ہوگا کہ سر اٹھا کر اپنا دوسرا درجہ دیکھو۔ چنانچہ جب اس باغ کی طرف نظر کرے گا تو پہلے سے کئی گنا زیادہ نعمات کی اس میں فراوانی پائے گا۔ پس اس میں داخل ہو کر شکر پروردگار بجالائے گا۔ تو حکم ہوگا کہ سر اٹھا کر اوپر دیکھو۔ جنت الخلد پر اس کی نظر پڑے گی تو پہلے دونو باغات سے کئی گنا زیادہ نعمات کو ملاحظہ کرے گا پس مسرور دل سے خدا کے شکر میں رطب اللّسان ہوگا۔ آگے چل کر آپ نے فرمایا مومن کو آٹھ سو کنواری اور چار ہزار ثیب حوریں ملیں گی۔ اور ان کے علاوہ دو حور العین خدا عطا فرمائے گا۔ اور فرمایا کہ ان کی تخلیق جنت کی نورانی مٹی سے ہوگی۔ الخبر ملحضاً"

اَلَّـذِيْنَ كَفَرُوْا۔ آیت میں مضارع کو ماضی پر اس لئے عطف کیا گیا ہے کہ فعل مضارع بھی ماضی کے معنی میں ہے یعنی جنہوں نے کفر کیا اور راہِ خدا سے اور مسجد الحرام سے لوگوں کو روکا۔

جَعَلْنٰهُ۔ اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے۔ یعنی جس کو ہم نے لوگوں کے لئے عبادت گاہ بنایا۔

اَلْعَاكِفُ۔ عاکف کا معنی مقیم یعنی وہاں کا باشندہ اور بادی سے مراد جو بیرون جات سے حج کے لئے حاضر ہو۔ اس کا مادہ بدو ہے جو حضر کے مقابلہ میں ہے۔

بِاِلْحَادٍ۔ الحاد کا معنی ہوتا ہے راہِ حق سے کنارہ کشی اور اس جگہ بارجارہ زائدہ ہے۔ خداوند کریم نے حدود حرم کے اندر کے حصہ کو یہ شرف بخشا ہے کہ وہاں کوئی کسی پر دست درازی کرنے کا مجاز نہیں حتی کہ وہاں شرعی حد بھی کسی مجرم پر جاری نہیں کی جا سکتی، البتہ جو شخص حدود حرم کا حیا نہ کرے اور جرم کا ارتکاب حرم کے اندر کرے تو اس کو سزا بھی حدود حرم کے اندر دی جا سکتی ہے۔ اور اسی حکم کے متعلق آیت مجیدہ میں ہے۔ مَنْ يُّرِدْ الخ یعنی جو حرم کے اندر الحاد یعنی راہِ حق سے

يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ

کرے گا اس میں خلاف حق ظلم کا تو چکھائیں گے اس کو دردناک عذاب اور جب

بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّ

ٹھکانا دیا ہم نے ابراہیم کو اپنے گھر کا مکان (اور حکم دیا) کہ نہ شرک کر میرے ساتھ کچھ اور

طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

پاک رکھ میرے گھر کو طواف کرنے والوں قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنیوالوں کے لئے

تجاوز کرکے ظلم کا ارتکاب کرے اس کو سزا دی جائے گی۔

آیت مجیدہ صاف اعلان کر رہی ہے کہ مکہ کی زمین میں سب مسلمان برابر کے شریک ہیں نہ اس کی جگہ کی زمین کو بیچنا جائز ہے اور نہ اس کا کرایہ لینا جائز ہے بلکہ سب مسلمان اس میں برابر رہ سکتے ہیں اور احادیث میں ہے پہلے مکہ کے گھروں میں دروازے بھی نہیں ہوا کرتے تھے باہر سے آنے والا آزادانہ کسی کے گھر میں رہ کر فرائض حج ادا کرکے واپس چلا جاتا تھا اور مسلمانوں میں پہلا شخص معاویہ ہے جس نے مکہ میں اپنی رہائش گاہ کے لئے دروازہ بنایا۔ (برہان)

بعضوں نے کہا ہے کہ آیت مجیدہ ان کے حق میں ہے جنہوں نے حدیبیہ کے سال رسولؐ خدا کو مکہ سے روکا تھا (مجمع)

رکوع نمبر ۱۱

وَاِذْ بَوَّاْنَا۔ بعض مفسّرین نے بَوَّاْنَا کا معنی نشاندہی کرنا بیان کیا ہے۔ یعنی اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ (کعبہ) کے مکان کی جگہ بتائی کیونکہ جب تعمیر کعبہ کا حکم ہوا تو حضرت ابراہیمؑ حیران تھے کہ کس جگہ اس کی بنیاد رکھی جائے۔ پس بحکم پروردگار ایک تیز ہوا چلی جس نے اوپر سے مٹی کو اڑا کر ہر چہار طرف سے کعبہ کی اصلی بنیاد کو ظاہر کر دیا جس پر طوفان نوح سے پہلے وہ بنا ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بادل کو بھیجا جو کعبہ کی اصلی بنیادوں کی سیدھ میں رک گیا اور بقدرت خداوندی اس نے کلام کیا کہ میرے برابر زمین پر کعبہ کی بنیاد رکھے۔

وَاَنْ لَّا تُشْرِكْ۔ یعنی یہ کہ میری توحید کو بیان کرو کیونکہ عدم شرک کا لازم معنی توحید ہے۔

طَهِّرْ۔ چونکہ اس جگہ مفہوم دو ہیں (۱) رفع نجاست (۲) دفع نجاست۔ کیونکہ شے کے نجس ہو جانے کے بعد اس کو پاک کرنا رفع نجاست ہے اور سرے سے اس کو نجس ہونے سے بچانا اور نجاست کو اس کے قریب نہ آنے دینا دفع نجاست ہے اور تطہیر ان دونوں معنوں پر صادق آتی ہے۔ لیکن اس مقام پر صرف دفع نجاست کا مفہوم مراد لینا زیادہ موزوں ہے کیونکہ

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

اور اعلان کرو لوگوں میں حج کا آئیں گے تیرے پاس پیدل اور ہر کمزور سواری پر

يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ

(سوار ہوکر) جو آئیں گی دُور دراز راستوں سے تاکہ حاضر ہوں وہ اپنے نفع کے مقام پر

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى

اور ذکر کریں اللہ کا نام معلوم دنوں میں اوپر ذبح یا نحر ان

کعبہ پاک تھا اور اس کے پاک رکھنے اور اس سے آنے والی نجاست کو دُور رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ نجس تھا اور اس سے نجاست کے دُور کرنے اور اس کے پاک کرنے کا اب حکم دیا جا رہا تھا جس طرح آیت تطہیر میں بھی محمدؐ و آل محمدؐ کا پاک رکھنا (دفع رجس) مراد ہے نہ کہ پاک کرنا (رفع رجس)

لِلطَّآئِفِيْنَ ص۲۱۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کعبہ کے اردگرد اللہ کی ایک سو بیس رحمتیں ہیں جن میں سے ساٹھ صرف طواف کرنے والوں کے لئے ہیں چالیس نمازیوں کے لئے ہیں اور باقی بیس کعبہ کے زواروں کے لئے ہیں۔

اَذِّنْ ص۔ اس خطاب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تعمیر کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو خداوند کریم کی جانب سے حکم پہنچا کہ حج بیت اللہ کے لئے اعلان کرو اور لوگوں کو حج کی دعوتِ عامہ دو۔ چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد میں اعلان کیا اور دوسرا یہ کہ خطاب حضرت رسالت مآبؐ کو ہے۔ پس آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اعلان فرمایا اور لوگوں کو وجوب حج اور اس کی اہمیت اور اس کے اعمال سے آگاہ فرمایا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک پہلا قول صحیح ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ باذنِ پروردگار حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز قیامت تک آنے والی ہر اُس رُوح نے سُنی جن کے لئے علم ازلی پروردگار میں حج کرنا مقرر تھا۔ جس طرح حضرت سلیمانؑ نے باوجود انتہائی بلندی اور لشکری شور وغل کے زمین پر دھیمی اور خاموش آواز سے بولنے والی ایک چیونٹی کی آواز سُن لی اور ابن عباس کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کوہ ابوقبیس پر چڑھے اور کانوں میں انگلیاں ڈال کر بلند آواز سے اعلانِ حج فرمایا۔ پس لوگوں کی پشتوں میں ہونے والوں نے بھی لبیک کہا اور اس دعوت کو قبول کرنے میں اہل یمن نے پہل کی۔

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے عرض کی اے پروردگار میری آواز لوگوں تک کس طرح پہنچے گی؟ تو ارشادِ قدرت ہوا

اعلان کرنا تیرا کام ہے اور آواز کا ہر کان تک پہنچانا میرا کام ہے۔ اس وقت مقام ابراہیمؑ بالکل بیت اللہ سے متصل تھا۔ پس آپؑ مقام پر سوار ہوئے اور وہ اس قدر بلند ہوا کہ مکہ کے تمام پہاڑ اس سے پست نظر آنے لگے۔ پس کان میں انگلی ڈال کر آپؑ نے مشرق و مغرب کی طرف رُخ پھیر کر اعلان فرمایا کہ اے لوگو! تم پر حج واجب کی گئی ہے اپنے ربّ کی دعوت کو قبول کر کے بیت اللہ کی طرف آؤ۔ پس لوگوں نے مشرق و مغرب سے گویا پوری زمین کے طول و عرض اور منتہائے آبادی سے آپ کی آواز پر لبیک کہی۔ حتیٰ کہ دریاؤں اور سمندروں کی تہوں سے مردوں کی پشتوں سے اور عورتوں کی رحموں سے بھی لبیک کی آواز آئی۔ لہٰذا جس قدر لوگ قیامت تک حج کے شرف سے مشرف ہوں گے وہ وہی ہیں جن کے ارواح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہہ چکے ہیں اور مروی ہے کہ اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے جنہوں نے زنا کیا اور خدا نے ان کو پتھر کی شکل میں مسخ کر دیا۔ پھر قریشیوں نے ان کو بت بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ فتح مکہ کے سال یہ سلسلہ ختم ہوا۔

اور دوسرے قول کے ماتحت بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور اس دوران میں حج نہ کر سکے۔ پس آیت مجیدہ اُتری تو لوگوں تک اعلان خداوندی پہنچانے کے لئے آپؐ نے موذنین کو حکم دیا کہ ہم اس سال حج بیت اللہ کو جائیں گے۔ پس شہریوں اور دیہاتیوں نے اعلان سنتے ہی تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ آپؐ ایک جم غفیر اور تعداد کثیر کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے جب کہ ماہ ذی قعدہ سے چار دن گزر چکے تھے جب مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو زوال آفتاب کا وقت تھا آپؐ نے غسل فرمایا اور مسجد شجرہ سے احرام باندھ لیا۔ پس نماز ظہر ادا کی اور روانہ ہو گئے آپ نے حج افراد کی نیت کی اور ۶۶ یا ۶۴ قربانیاں ساتھ لیں چنانچہ ۴ ذوالحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے طواف کیا اور دو رکعت نماز طواف پڑھی۔ حجر اسود کا بوسہ لیا اور صفا و مروہ کے درمیان سات دفعہ سعی کی چونکہ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا مشرکین مکہ کی رسوم میں سے ہے اس لئے آیت نازل ہوئی کہ یہ دونو اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔ ان کے درمیان طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپؐ نے سعی سے فارغ ہو کر فرمایا کہ ابھی جبریل یہ حکم لایا ہے۔ اگر میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں اسی طرح کرتا (حج افراد کی بجائے حج تمتع کرتا) کہ جو لوگ قربانی اپنے ساتھ نہیں لائے۔ وہ احرام سے فارغ ہو جائیں (تقصیر کر لیں تاکہ یہ عمرہ ہو جائے اور حج کے لئے علیحدہ احرام آٹھویں ذوالحجہ کو باندھ کر جانا ہو گا) ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم حج کے لئے ایسی حالت میں نکلیں کہ ہمارے سروں اور بالوں سے (غسل جنابت کا) پانی ٹپک رہا ہو؟ آپؐ نے جھڑک کر فرمایا کہ تو اس پر قطعاً ایمان نہ لائے گا۔ پس فوراً ایک شخص سراقہ بن مالک نے عرض کی حضورؐ! آپ ہمیں دین سکھائیے یوں لگتا ہے کہ ہم آج ہی پیدا ہوئے ہیں۔ کیا آپؐ کا یہ ارشادِ گرامی صرف اسی سال کے لئے ہے یا آئندہ کے لئے بھی یہی حکم نافذ رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہمیشہ کے لئے ہو گا پھر دونو ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر فرمایا کہ اب قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام یمن سے تشریف لائے۔ جب خاتونِ جنت کے پاس پہنچے تو آپ کا لباس رنگدار اور خوشبو کی مہک محسوس کر کے محوِ حیرت ہوئے کیونکہ بی بی عالیہ احرام کھول چکی تھیں۔ پس دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو جواب دیا کہ حضورؐ نے ایسا کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ پس آپ خدمتِ نبویؐ میں پہنچے اور جناب فاطمہؑ کے احرام کھولنے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ہی یہی حکم دیا ہے لیکن بتایئے تم نے کس طرح احرام باندھا ہے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا میں نے ویسے احرام باندھا ہے جس طرح آپؐ نے احرام باندھا ہے تو آپ نے فرمایا تم احرام نہ کھولو جس طرح میں نے نہیں کھولا۔ پس تو قربانی میں میرا شریک ہے۔ حضورؐ مع اصحاب مکہ سے باہر کھلی فضا میں سکون پذیر تھے پس آٹھویں ذوالحج ترویہ کے دن زوال کے وقت لوگوں کو غسل کر کے احرام باندھنے کا حکم دیا پھر سب وہاں سے روانہ ہو کر منیٰ میں پہنچے۔ ظہر و عصر و مغرب و عشاء و صبح کی نمازیں منیٰ میں میں پڑھیں پھر نویں کو آگے کی طرف چل دیئے۔

اس سے پہلے قریشیوں کا دستور تھا کہ وہ مزدلفہ سے افاضہ کرتے تھے (یعنی وہاں وقوف کر کے واپس منیٰ کی طرف پلٹتے تھے) اور باقی لوگوں کو منع کرتے تھے۔ اب ان کا خیال تھا کہ حضورؐ بھی ہماری طرح سے ہی افاضہ کریں گے۔ ادھر سے آیت نازل ہوئی ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔ الخ۔ یعنی تم اس جگہ سے افاضہ کرو جہاں سے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ وغیرہ افاضہ کیا کرتے تھے۔ پس آپ جب وہاں سے آگے بڑھے تو قریش نے اس کو بہت محسوس کیا لیکن آپؐ پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے کی طرف بڑھتے گئے یہاں تک کہ آپ بطنِ عرفہ میں اراک کے بالمقابل مقام نمرہ پر پہنچے اور وہاں خیمہ نصب کر دیا۔ اور لوگوں نے اردگرد اپنے خیمے نصب کر لئے۔ زوالِ آفتاب کے وقت آپ نے غسل فرمایا اور لبیک کہنا ختم کر دیا۔ مسجد میں پہلے وعظ فرمایا پھر ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ نمازِ ظہرین ادا فرمائی پھر اپنے موقف میں وقوف فرمایا۔ لوگ آپ کی سواری کے اردگرد جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا صرف میری ناقہ کی قدم گاہ جائے وقوف نہیں بلکہ ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا یہ سب کا سب موقف ہے جہاں چاہو وقوف کر لو۔ پس غروبِ آفتاب تک لوگوں نے وقوف کیا اور دعائیں مانگتے رہے۔ پس غروب کے بعد مزدلفہ یعنی مشعر الحرام کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر نمازِ مغرب و عشا کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ جمع کر کے پڑھا۔ اور نمازِ صبح بھی وہاں پڑھی۔ کمزور آدمی نمازِ صبح سے پہلے روانہ ہو گئے تھے لیکن ان کو حکم دیا کہ طلوعِ آفتاب سے پہلے جمرہ عقبہ کو کنکر سے نہ مارنا۔ پس آپؐ دن چڑھے دوسرے حاجیوں کے ہمراہ منیٰ میں گئے اور جمرۂ عقبہ کو سنگ ریزے مار کر قربانیاں کیں۔ حضورؐ نے ۶۶ اونٹ نحر کئے اور حضرت علی نے ۳۴ اونٹ نحر کئے۔ آپؐ نے حکم دیا تھا کہ ہر قربانی سے ایک ایک بوٹی لی جائے۔ چنانچہ ان کو ہانڈی میں پکایا گیا۔ آپؐ نے اور حضرت علی نے تناول فرمایا۔ اور کچھ شوربا پی لیا۔ قربانی کے اونٹوں کے چمڑے اور دیگر سامان یعنی پالان وغیرہ نحر کرنے والوں کو نہ دیا بلکہ سب کو صدقہ کر دیا۔ اس کے بعد حلق کر کے مکہ میں تشریف لائے طوافِ بیت اللہ کر کے دوبارہ منیٰ میں پلٹ گئے۔ ۱۱-۱۲-۱۳ ذوالحجہ تک وہاں رہے۔ (ان کو ایام تشریق کہا جاتا ہے) ہر روز جمروں کو سنگ ریزے مارتے رہے اور ۱۳ ذوالحجہ کو رمی کرنے کے

بعد واپس آگئے۔ حضرت عائشہ نے الگ عمرہ کرنے کی خواہش کی تو آپؐ نے اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو اس کے ہمراہ بھیجا۔ وہ مقام تنعیم سے احرام باندھ کر آئی اور اعمال عمرہ بجالائی۔ اس کے بعد حضورؐ نے واپسی کا سفر شروع فرمایا۔ (ملخصاً)

رِجَالاً جمع ہے راجلٌ کی جس طرح قیامٌ قائمٌ کی جمع ہوا کرتی ہے اور اس کا معنی ہے پاپیادہ۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے ابن عباس اپنے بیٹوں کو پیدل حج کرنے کا حکم دیتے تھے وہ کہتے تھے میں نے رسالت مآبؐ سے سنا ہے کہ سوار حاجی کو سواری کے ہر قدم کے بدلہ میں ستر نیکیوں کا ثواب ملے گا اور پیدل حاجی کو اپنے ہر قدم کے بدلہ میں سات سو نیکیوں کا ثواب ملے گا جو حرم میں کی جائیں۔ کسی نے پوچھا کہ حرم کی نیکیوں کی وضاحت کیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ حرم کی ایک نیکی باقی مقامات کی ایک لاکھ نیکی کے برابر ہوا کرتی ہے

اس میں اختلاف ہے کہ پیدل حج کرنا افضل ہے یا سوار ہو کر ________ بعض علماء سوار ہو کر حج کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں جانی ومالی دونوں قربانیاں آجاتی ہیں۔ لیکن اکثر کے نزدیک پیدل حج کرنا افضل ہے اور یہی قول زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور جس کار خیر میں مشقت زیادہ ہو اس کا درجۂ قرب زیادہ ہوتا ہے۔ نیز قرآن مجید میں لفظی تقدیم بھی اس کی افضلیت کی مؤید ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کا پاپیادہ حج کرنا تواتر سے منقول ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ۲۵ حج پاپیادہ کئے۔ حالانکہ سواریاں بھی ساتھ ساتھ ہوا کرتی تھیں۔

وَعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ۔ ضامر کا معنی ہے کمزور۔ کیونکہ طول سفر کی وجہ سے حاجیوں کی سواریاں کمزور ہو کر مکہ میں پہنچتی تھیں

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ خدا اہل عرفات کے ذریعہ فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔ کہ میرے بندوں کو دیکھو کہ دُور دراز کا سفر کر کے آئے لباس میلے اور چہرے گرد سے اٹے ہوئے ہیں میں تم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے ان بندوں کی دعاؤں کو قبول کیا اور ان کی حاجات کو پورا کیا اور ان کے نیکوں کی برکت سے ان میں سے بدکاروں کو معاف کیا۔ اور نیک عمل کرنے والوں کو وہ سب کچھ عطا کیا جو وہ طلب کریں سوائے ان حقوق کے جو ان کے آپس میں ہیں۔ پس جب لوگ عرفات سے چل کر مشعر الحرام میں پہنچتے ہیں اور عجز وانکساری سے پھر دعا ومناجات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو فرشتوں کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میرے بندے پھر وقوف کر کے میری طرف متوجہ ہوئے ہیں اور مجھ سے مانگ رہے ہیں۔ پس میں تم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان کی دعا مقبول اور حاجت پوری ہے۔ ان کے بدکاروں کے لئے معافی ہے اور نیکوں کو سب کچھ عطا کروں گا جو مانگیں گے اور ان کے باہمی حقوق کا کفیل بھی میں خود بن جاؤں گا۔

لِیَشْهَدُوْا۔ اس مقام پر بعضوں نے منافع سے مراد تجارتی فائدے لئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ تجارتی نقطۂ نظر سے جا کر کافی فائدہ حاصل کر کے پلٹتے ہیں اور بعضوں نے دنیوی و اُخروی دونوں فائدے مُراد لئے ہیں۔ کہ دنیاوی لحاظ سے تجارتی فائدہ اٹھائیں اور اُخروی لحاظ سے بخشش گناہ کا فائدہ حاصل کریں۔ لیکن آل محمدؐ کے نزدیک اس مقام پر صرف اُخروی فائدہ مُراد ہے۔ جس طرح کہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف یہی قول

مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَ

جانوروں کے جو خدا نے ان کو رزق دیا پس کھاؤ ان (کے گوشت) سے اور

اَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا

کھلاؤ بھوکے محتاج کو پھر چاہیے کہ پورا کریں اپنے

منسوب ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے شیعوں سے فرمایا کہ تمہارا فائدہ یہ ہے کہ تمہارے گناہ بخشے جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کا فائدہ یہ ہے کہ ان کے اہل وعیال اور مال ومنال کی کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حج کی اغراض وغایات بہت سی ہیں (۱) اللہ کی طرف یعنی اللہ کے گھر کی طرف اس کا مہمان بن کے جانا اور اس سے طلب کرنا (۲) اپنی کی ہوئی برائیوں سے گریز کرنا تاکہ گذشتہ سے تائب ہو جائے اور آیندہ کے لئے اس سے بچنے کا عہد کرے (۳) مال کا خرچ کرنا (۴) جسمانی قربانی (۵) اپنے آپ کو خواہشات ولذات سے بچانا۔ اور نفس پر کنٹرول کرنا (۶) خشوع وخضوع اور عاجزی وزاری سے عبادت کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا (۷) گرمی وسردی یا امن وخوف کی ہر دو حالتوں میں اپنے اُوپر ضبط رکھنا (۸) اجتماع کے لحاظ سے بنی آدم کے لئے تمدن کا عمومی فائدہ (۹) گناہوں سے ڈر اور نیکیوں کا شوق (۱۰) سخت دلی اور جسارت سے گریز کرنا (۱۱) اللہ کے ذکر سے غفلت اور ناامیدی کا ترک کرنا (۱۲) حقوق اللہ اور حقوق الناس اور حقوق نفسیہ کی خبر گیری (۱۳) فساد سے بچنا (۱۴) مشرق ومغرب اور خشکی وتری سے آنے والے حاجیوں اور مسافروں کو تجارتی فوائد (۱۵) گرد ونواح کے بسنے والوں کے لئے اکثر مشکلات کا دفعیہ اور حاجات براری (۱۶) ایک روایت میں ہے فقہ حاصل کرنا اور اخبار آئمہ کو نقل کر کے دُور دراز کے شیعوں کو پہنچانا یہ فائدہ زمان آئمہ تک کے لئے ہے (ملخصاً)

بہرکیف سفر حج میں اور اعمال حج میں روحانی وجسمانی دنیوی واُخروی ہر قسم کے فوائد موجود ہیں جن کے حاصل کرنے اور مشاہدہ کرنے کی دعوت ہے۔ خداوند کریم جملہ مومنین کو توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

حسب ضرورت حج کے مفصل احکام تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکے ہیں۔

فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایام معلومات اور ایام معدودات دونو کا مفہوم ایک ہے اور وہ ایام تشریق ہیں یعنی ذوالحجہ کی دسویں اور تین دن بعد والے (۱۱-۱۲-۱۳) اور بعض مفسرین نے اس مقام پر ذکر سے مراد تکبیریں لی ہیں جن کا عید قربان کی ظہر سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی صبح تک ہر نماز کے بعد پڑھنا مستحب ہے اور وہ یہ ہیں۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَآ اَبْلَانَا وَاللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا رَزَقَنَا مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ۔ اور بہیمہ کا لفظ ابہام سے ہے۔ چونکہ یہ بول نہیں

تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾

مناسک کو اور وفا کریں اپنی منتوں کو اور طواف کریں بیت اللہ کا جو قدیم سے ہے

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ

یہ (ہیں حج کے اعمال) اور جو تعظیم کرے اللہ کی مخصوص چیزوں کی تو اس کے لئے بہتر ہے اپنے رب کے نزدیک

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا

اور حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے سوائے ان کے جو بیان کئے گئے پس بچو

سکتے۔ اس لئے ان کو بہیمہ کہا جاتا ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوا ص۲۶۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔ ایک وہ جو تحت اللفظ مذکور ہے (۲) وہ اپنی میل کچیل کو دُور کریں یعنی حجامت کرائیں اور غسل کرکے کپڑے پہن لیں (۳) احرام کی پابندیوں سے نکلنے کے لئے کنایہ کیا گیا ہے۔ (۴) تفسیر برہان میں بروایت فقیہ عبداللہ بن سنان سے منقول ہے کہ ذریح محاربی کہتا ہے مجھے امام جعفر صادق علیہ السلام نے لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ کا معنی یہ بتایا کہ پھر اپنے امام کی زیارت کرو اور پھر منتیں پوری کرو لیکن اس کے بعد جب میں خدمت امام میں حاضر ہوا اور اسی فقرہ کا معنی پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ مونچھیں کٹواؤ، ناخن اتراؤ وغیرہ تو میں نے عرض کی کہ حضور! ذریح محاربی نے تو آپ سے اس کا معنی امام زمانہ کی ملاقات نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ سچ کہتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے لیکن ذریح کی طرح برداشت کا مادہ کس میں ہے؟ مقصد یہ ہے کہ ملاقاتِ امام اس کا باطنی معنی ہے۔ کیونکہ روحانی وجسمانی کثافتیں درحقیقت اس وقت انسان سے دُھل سکتی ہیں۔ جب امام زمانہ کی صحیح رہبری حاصل ہو۔

وَلْيَطَّوَّفُوا۔ منیٰ کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد مکہ میں پلٹ کر طواف کرنے کا حکم ہے اور علمائے امامیہ نے اس طواف سے مراد طواف نسا لیا ہے۔ اور یہ طواف زیارت کے بعد کیا جاتا ہے اور اس طواف کے بعد عورت و مرد ایک دُوسرے پر حلال ہو جاتے ہیں۔

بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ بیت اللہ کو عتیق کہنے کی کئی وجوہ ہیں (۱) امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ زمین پر جس قدر گھر بنائے گئے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی مالک ضرور ہے۔ سوائے اس ایک گھر کے کہ اس کا مالک سوائے پروردگار کے اور کوئی نہیں ہے اور خداوند کریم نے زمین سے پہلے اس کو خلق فرمایا اور بعد میں زمین کو اس کے نیچے بچھایا۔ ہم نے اس کی وضاحت اپنے مناسب مقام پر تفسیر کی چوتھی جلد میں کر دی ہے۔ گویا یہ گھر ملکیت اور سکونت سے آزاد ہے۔

الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ ۝۳۰

رجس سے جو بت ہیں اور بچو جھوٹی بات سے

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيۡرَ مُشۡرِكِيۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا

(درحالیکہ) ثابت قدم رہو اللہ کے لئے نہ شرک کرنے والے ہو اس کے ساتھ اور جو شرک کرے اللہ

پس اس کو عتیق کہا گیا ہے۔ (۲) ظالم اور جابر حکمرانوں کی دسترس اور فتح سے محفوظ و آزاد رہا ہے۔ چنانچہ جس سرکش بادشاہ نے اس کا رُخ کیا وہ ذلیل وخوار ہوا (۳) چونکہ طوفان نوح کی زد سے یہ محفوظ رہا، اس لئے اس کو عتیق کہا گیا ہے (۴) چونکہ زمین پر بنائے جانے والے گھروں میں سے پہلا گھر یہی ہے اور سب سے پرانا ہے کہ حضرت آدمؑ نے بنایا پھر انہی بنیادوں پر حضرت ابراہیمؑ نے اس کی تعمیر کی۔ اس لئے اس کو عتیق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حُرُمَاتِ اللّٰهِ ۲۷ ۔ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے، جس کا احترام اللہ نے واجب کیا ہے۔ پس اس کے احترام کو باقی رکھنا اور اس کی تعظیم کرنا انسانوں پر فرض ہے۔ پس اللہ کے جملہ اوامر و نواہی اس میں داخل ہو سکتے ہیں اور اکثر مفسّرین نے اس مقام پر حرمات سے مراد مناسک حج لئے ہیں اور بعضوں نے بیت الحرام (کعبہ) بلد الحرام (مکّہ) شہر الحرام (چار حرمت والے مہینے رجب ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم) اور مسجد الحرام مُراد لئے ہیں۔ ان کی تعظیم سے مراد یہ ہے کہ ہر اس فعل سے بچے جو ان کی حرمت کے منافی ہو اور جس کے کرنے سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ اور ہر اس فعل کو بجا لائے جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین حرمتیں واجب ہیں۔ جن کی مخالفت شرک ہے (۱) بیت اللہ میں اللہ کی ہتکِ حرمت یعنی اس کے احکام کی مخالفت (۲) قرآن کی مخالفت (۳) ہماری محبّت و مودّت سے کنارہ کشی۔

فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ ۔ کفار کا دستور تھا کہ قربانیوں کا خون اپنے معبود بتوں پر مل دیتے تھے۔ پس خدا نے ان کے بتوں کو رجس کہا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ شطرنج چوپڑ اور ہر شرطیہ کھیل اس میں داخل ہے۔ مثلاً تاش وغیرہ تفسیر برہان میں روایات بہت زیادہ آئمہ طاہرینؑ سے منقول ہیں کہ رجس سے شطرنج اور قول زور سے غنا مراد ہے۔

قَوۡلَ الزُّوۡرِ ۔ زور سے مراد جھوٹ ہے اور مجمع البیان میں مروی ہے کہ غنا اور لہو یہ قول اس میں داخل ہے اور جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک دن خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! جھوٹی شہادت کو خدا نے شرک کے برابر قرار دیا اور اس کے بعد آپ نے اسی آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی کہ خدا نے بت پرستی اور قول زور کو ایک حکم میں جمع فرمایا ہے۔

تنبیہ۔ ان آیات میں پروردگار نے فریضۂ حج ادا کرتے ہوئے چار چیزوں کی طرف بالخصوص متوجہ فرمایا ہے (۱) صرف سیر و تفریح یا بھگڑ دوڑ اور مقاماتِ مقدسہ میں حاضری کا نام حج نہیں بلکہ شعائر اللہ کی تعظیم دل میں ہو اور ان کی حرمت کا خیال رکھتے ہوئے اعمال بجالائے (۲) ویسے بھی بالعموم بتوں کی پوجا حرام ہے لیکن فریضۂ حج کی ادائیگی میں اس کو خصوصیت سے منع فرمایا اور شانِ نزول کے لحاظ سے اگرچہ مشرکین مکہ کو خطاب تھا لیکن تا قیامِ قیامت اس کی ہدایت تاویل کے لحاظ سے باقی رہے گی۔ لہٰذا غیر اللہ کی خوشنودی کا خیال دل سے نکال کر صرف اللہ کے لئے ہی مناسک حج کی ادائیگی ہو۔ اسی طرح جُوا، شطرنج، چوپڑ، تاش بازی اور دیگر لغویات اور لہو و لعب کے مشاغل اگرچہ بالعموم حرام ہیں لیکن دورانِ حج میں ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری قرار دیا ہے (۳) جھوٹ افترا و بہتان اور غنا کرنا حرام مطلق ہے لیکن دوران حج میں اس کی حُرمت کو زیادہ موکد کر دیا کہ قول زور کو رجس اوثان پر عطف کرکے ان امور کو شرک کے برابر قرار دے دیا (۴) حنیفیت کا حکم دے کر ہر اس فعل سے اجتناب کرنے کا حکم دیا جو شریعت مصطفوی میں بلکہ ملّت ابراہیمی میں حرام ہے اور یہ کہ اعمالِ حج کی ادائیگی صرف للہ ہو اور دولتِ اخلاص سے اس قدر بھرپور ہو کہ اس میں شرک کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہ ہو۔ چنانچہ حنفاء کے بعد غیر مُشرِکین کی لفظیں بڑھا کر تمام سابقہ بیان کردہ امُور کی خلاف ورزی کو شرک کے حکم میں داخل فرما دیا۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ ایک نابینا صحابی شریکِ حج تھا وہ حاجیوں کے انبوہ کثیر اور شور و غل سے متاثر ہو کر کہنے لگا مَا اَکْثَرَ الْحَجِیْجَ یعنی حاجی کس قدر زیادہ ہیں؟ از راہِ تعجب یہ فقرہ کہا پس امام عالی مقام نے ٹوک کر فرمایا ایسا نہ کہو بلکہ مَا اَقَلَّ الْحَجِیْجَ وَاَکْثَرَ الضَّجِیْجَ۔ یعنی حاجی کس قدر کم ہیں اور شور کتنا زیادہ ہے؟ اَوْکَمَا قَالَ۔ غالباً یہ گفتگو وقوف و عرفات کے موقعہ پر تھی صحابی نے وجہ پوچھی تو آپ نے باعجاز اس کو بینائی دلوائی پس فرمایا اب دیکھو چنانچہ اس کو ادھر اُدھر بندر سور جنگلی جانور اچھلتے کودتے نظر آئے اور بہت کم مقدار میں آدمی دیکھے۔ جو مشغول دعا و مناجات تھے پس آپ نے فرمایا حاجی صرف وہی ہیں جو آدمیوں کی شکل میں ہیں۔ باقی سب کے سب حیوان بشکل انسان ہیں حضرت استاد العلماء مولانا سید محمد باقر اعلی اللہ مقامہ نے اپنی پہلی مجلس میں اس روایت کو قدرے اختلاف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ (المجالس المرضیہ مجلس اول ص۳)

اس میں شک نہیں کہ فریضۂ حج عباداتِ انسانیہ میں سے ایک اہم اور اشرف فریضہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی پاسداری اور پوری رعایت نہایت کٹھن اور مشکل ہے۔ اکثر لوگ اعمال کو بجالاتے ہوئے یہ کیوں ہے؟ اور وہ کیوں ہے؟ میں پڑ کر صرف اعتراضات و اشکالات میں وقت ضائع کرتے ہیں اور دولتِ خلوص سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ بعض مناسک کو معمولی اور خفیف سمجھ کر اس کی ادائیگی میں توجہ نہیں کرتے یا چھوڑ دیتے ہیں یا کرتے ہیں تو بددلی سے ناقص اور ادھورا چھوڑ کر آ جاتے ہیں بعض مخالفین مذہب کی صحبت میں پھنس کر خصوصیات مذہب کو فراموش کر بیٹھتے ہیں اور اکثریت سے مرعوب ہو کر اپنے مختصات سے شرماتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر اپنے اعمال کا ستیاناس کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح کئی قسم کی خامیاں اس عظیم

عبادت کی مقبولیت کے راستہ میں حائل ہوجاتی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ جو بھی حج کا ارادہ کرے پہلے مناسک حج کو سیکھے اور یاد کرے پھر صرف اللہ کی خوشنودی ہی ملحوظ خاطر ہو۔ اور امر پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کرکے جائے ہر وہ بات جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہو اس کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرے اور ہر عبادت کی علت کے تلاش کرنے کے درپے نہ ہو بلکہ اس کے پاس بڑی سے بڑی دولت تسلیم اور رضائے خداوندی ہو۔ کیوں اور کس لئے کہنے کی عادت بد سے پوری طرح گریزاں رہے۔ کسی فعل حج کو معمولی اور خفیف نہ سمجھے اور دولت خلوص کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ ہر بڑی سے بڑی تکلیف و کلفت کو راہ خدا میں برداشت کرنے کا جذبہ طبیعت میں ہر وقت کارفرما رہے۔ وقوف عرفات و مزدلفہ جمرات و قربانی اسی طرح طواف و سعی سب کے سب مناسک کی ادائیگی میں حکم خداوندی کا پاس دل میں ہو اور اژدہام و انبوہ کی وجہ سے جس قدر تکلیف اٹھانی پڑے کھلے دل سے اور نہایت بلند حوصلگی سے برداشت کرے تاکہ نیت میں تزلزل پیدا نہ ہو۔ یہ خیال رہے کہ حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت امیر المومنینؑ و جملہ اہل بیت اطہارؑ اسی عبادت کی خاطر ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرتے تھے یہ امر اس عبادت کی اہمیت کو اور زیادہ واضح کرتا ہے کہ امام حسن مجتبیٰؑ نے خوشنودی خدا کی خاطر ۲۵ حج پا پیادہ کیں۔ اسی طرح حضرت سجاد علیہ السلام کے متعلق بھی وارد ہے اور یقین جانئے کہ حج بیت اللہ توحید پروردگار کا بہترین درس ہے اور اس میں تسلیم ہی تسلیم چاہیے امیر و غریب شاہ و گدا خورد و کلاں بچے بوڑھے عورت مرد اور حاضر و مسافر جب ایک لباس میں اور ایک ہی رنگ میں مسجد الحرام میں پہنچتے ہیں اور طواف بیت اللہ میں مشغول ہوتے ہیں تو عظمت پروردگار کی زندہ تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے پھر سب کا ایک ہی حالت میں مکہ سے پندرہ میل دور کوہ عرفات کی طرف جانا اور ٹھہرنا پھر واپس مزدلفہ میں شب باشی اور اس کے بعد رمی جمرات اور قربانی وغیرہ ایسے مناظر ہیں کہ وہاں انسان کو اپنے پروردگار کی عظمت اور توحید کے ناقابل فراموش سبق ملتے ہیں اور انسان سوچتا ہے کہ وہ ایک عظیم ذات ہے۔ جس کی خوشنودی کی خاطر شاہ و گدا سب کے سب ایک لباس میں ملبوس اعمال بجا لا رہے ہیں اور اسی کو پکار رہے ہیں اور اسی سے اپنی حاجات طلب کر رہے ہیں۔ نیز عرفات کا وقوف عارف لوگوں کے لئے قیامت خیز منظر ہوتا ہے۔ گویا دنیا میں پیشی محشر کی سی ادنیٰ جھلک اس میں نظر آتی ہے۔ پس ایمان والوں کے ایمان تازہ ہوتے ہیں اور مناجات و ادعیہ میں خلوص بڑھتا ہے۔ ہر چہار سو رونے کی آوازیں بلند ہوتی ہیں کہ کوئی طلب حاجات میں مشغول کوئی بخشش گناہان کے لئے مو دست بدعا کوئی تلاوت قرآن میں کھویا ہوا اور کوئی مصروف عبادت نظر آتا ہے۔ بہر کیف نہایت ایمان افروز منظر ہوتا ہے پس جانے والا جائے تو کالے پتھروں کی حکایات لے کر نہ پلٹے بلکہ دل میں شمع ایمان کو فروزاں کرکے واپس آئے۔ گناہوں سے تائب ہو کر اور آئندہ کے لئے اعمال صالحہ کی بجا آوری کا عہد دل میں لے کر واپس آئے۔

یاد رکھئے جس کے گناہ ان تین ذرائع سے نہ بخشے جائیں پھر اس کے لئے اور بخشش کی کوئی صورت ہی نہیں جس کو ماہ مبارک میں لیالی قدر میں عبادت کا موقع ملے اور بخشش گناہان کی درخواست کر سکتا ہو۔ اسی طرح جس کے ضعیف ماں باپ موجود

خَرَّ مِنَ السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ

کے ساتھ پس گویا وہ گرا آسمان سے پس اچک لیا اس کو پرندے نے یا پھینک دیا اس کو آندھی نے کسی

فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۤ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ

گہرے مکان میں (بات تو) یہ ہے اور جو تعظیم کرے اللہ کی نشانیوں کی

ہوں اور ان کی خدمت سے بہرہ ور ہو سکتا ہو یا پھر حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہو کر وقوف عرفات کے موقعہ پر توبہ کر کے معافی حاصل کر سکتا ہو۔ اسی مضمون کی ایک حدیث معصومین علیہم السلام سے مروی ہے۔ اور وقوف عرفات کے موقعہ پر انسان کو چاہیئے کہ اپنے گناہوں کو نام بنام شمار کر کے ان کی معافی طلب کرے اور گڑگڑا کر بخشش کی دعا کرے نیز اپنے مومن بھائیوں کی بخشش کے لئے بھی دعا طلب کرے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص غائبانہ طور پر اپنے مومن بھائیوں کے لئے دعا کرے ملائکہ اس کے لئے دعا و استغفار کرتے ہیں۔

تفسیر برہان پارہ ۱۷ کی تفسیر میں ص۳۴ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم ابو البشر اور حضرت حوا امّ البشر میں جدائی ہوئی تو خدا نے آدم کو اپنا گھر بنانے اور اس کا طواف کرنے کا حکم دیا جس طرح ملائکہ البیت المعمور کا کرتے ہیں اور یہ حکم ہوا کہ ابلیس اگر اس طرف آئے تو اس کو کنکرے مار کر دور کیا جائے جس طرح فرشتوں کا دستور ہے چنانچہ جبریل حضرت آدم کو کعبہ پر لائے اور کعبہ کو تعمیر کیا گیا تاکہ وہ اور اس کی تا قیامت اولاد اس کا طواف کرے۔ فرشتے حضرت آدمؑ کے ساتھ تعمیر بیت اللہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد حضرت آدم کو حضرت حوا کی ملاقات کی بشارت دی گئی اور خدا کا حکم ہوا کہ زمین کے بہترین حصہ میں تم دونوں آپس میں ملو گے۔ پس کوہ عرفات پر ان کی ملاقات ہوئی اور وہ جمعہ کا دن تھا۔ (ملخصاً)

وَمَنْ يُّشْرِكْ۔ مقصد یہ ہے کہ جو شخص شرک کرے حق سے دور ہونے میں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص آسمان سے نیچے گرے اور کوئی پرندہ اس کو اچک لے جائے یا تیز آندھی کسی ایک بلند مکان سے نیچے گرا دے یا یہ مقصد ہے کہ شرک کرنے والے کے لئے عذاب سے بچنے کا کوئی حیلہ نہیں جس طرح آسمان سے یا بلندی سے گرنے والے کے لئے بچنے کا کوئی حیلہ نہیں ہوا کرتا۔

شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے دین کی نشانیاں۔ اور اس جگہ اس کے مصداق میں چند اقوال ہیں (۱) مناسک حج (۲) قربانی کے جانور کیونکہ یہ شعیرہ کی جمع ہے اور شعیرہ اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس کی کوہان کو دائیں جانب سے پچھنا لگا کر خون کو ادھر گرد مل دیا جائے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ جانور قربانی کے لئے لے جایا جا رہا ہے اور اس فعل کو فقہاء اشعار سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ حج قران کرنے والوں کے لئے ہوتا ہے جو مکہ یا اس کے گرد و نواح میں ۴۸ میل کے اندر اندر کے رہنے والے ہوں (۳) شعائر اللہ کا معنی ہے اللہ کا دین اور تعظیم سے مراد ہے حکم خداوندی کی پوری پوری رعایت کرنا۔

فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ

اُن کی تعظیم دلوں کے تقویٰ سے ہے تمہارے لئے ان کی تعظیم میں فائدے ہیں ایک معین

مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ

وقت تک پھر ان کا محل بیت اللہ کی طرف ہے اور ہر (گذشتہ) اُمّت کے لئے

مَّنۡسَكًا لِّيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمۡ مِّنۡۢ

قربانی (رکھی) تاکہ ذکر کریں اللہ کا نام اوپر اس کے جو اس نے رزق دیا چوپائے

بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ‌ؕ فَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسۡلِمُوۡا‌ؕ

جانوروں میں سے پس تمہارا معبود صرف ایک ہے پس اسی کے لئے جھک جاؤ

فَاِنَّهَا۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فَاِنَّ تَعۡظِيۡمَهَا

مَنَافِعُ۔ یعنی مناسک حج کے ادا کرنے میں تمہارے لئے فوائد ہیں یا قربانی کے جانور میں تمہارے لئے ایک وقت معین تک فوائد ہیں یعنی سوار ہونا اور دودھ پینا وغیرہ اور یہ اُس وقت تک ہیں جب تک ذبح یا نحر نہ ہو جائیں اور اگر شعائر کا معنی دین ہو تو منفعت سے اُخروی فائدہ مُراد ہے اجل مسمی تک یعنی قیامت کے دن تک۔

مَحِلُّهَا۔ اگر شعائر کا معنی مناسک ہوں تو محل کا معنی ہوگا، احرام حج سے حلال ہونے کا مقام یعنی بیت اللہ کہ وہاں آخری اعمال بجالا کر محل ہو جائے اور اگر شعائر کا معنی قربانی ہو تو محل کا معنی قربان گاہ ہوگا۔ پس اگر قربانی عمرہ کی ہو تو محل بیت اللہ کا قرب ہوگا اور اگر قربانی حج کی ہو تو محل منیٰ ہوگا اور اگر شعائر کا معنی مطلق دین ہو تو یہاں مضاف محذوف ماننا ہوگا یعنی دین کے بعض اعمال کا محل کعبہ ہے۔

رکوع نمبر ۱۲

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ۔ اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں (۱) ہر گذشتہ دور میں ہم نے اہل ایمان کے لئے ذبح کرنا عبادت قرار دیا (۲) ہر اُمّت کے لئے ہم نے قربانی مقرر کی (۳) ہر اُمّت مسلمہ کے لئے ہم نے ایک جائے عبادت مقرر کی جس کا وہ قصد کریں (۴) ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے ہم نے ایک شریعت بنائی۔

لِيَذۡكُرُوا۔ آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کرنا صرف اُمّت مسلمہ میں رائج نہیں ہوا بلکہ پہلی امتوں میں بھی اس کا رواج عام تھا نیز ذبح ہونے والے جانور پر اللہ کا نام لینا بھی پہلے سے چلا آ رہا ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

اور خوشخبری دو ماننے والوں کو وہ جو اللہ کے ذکر سے ان کے دل کانپ جائیں

قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ

اور صبر کرنے والے ہوں اوپر ان (مصائب) کے جو ان کو پہنچیں اور قائم کرنیوالے ہوں نماز کو

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ

اور ہمارے دیئے ہوئے سے خرچ کرتے ہوں (نیک کاموں پر) اور (قربانی کے) موٹے اونٹوں کو کیا ہم نے تمہارے لئے

شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ

شعائر اللہ ہیں سے کہ ان میں تمہاری بہتری ہے پس یاد کرو اللہ کا نام ان پر قیام کی حالت میں

فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ مقصد یہ ہے کہ ذبح کے وقت صرف اللہ ہی کا نام لیا جائے کسی دوسرے نام کا بوقت ذبح ذکر کرنا جائز نہیں اور نہ اُس سے ذبیحہ حلال ہو سکتا ہے۔ ہم نے تفسیر کی پانچویں جلد کے اوائل میں ذبیحہ پر اللہ کے نام کے ذکر کرنے کی عقلی و منطقی وجوہات بیان کی ہیں۔ اور حلیت و حرمت کے مسئلہ پر قدرے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے جو صاحبانِ بصیرت اصحاب کے لئے زیادتی ایمان و ایقان اور اضافۂ عرفان کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

اَلْمُخْبِتِيْنَ۔ اخبات کا معنی خضوع و اطمینان ہوتا ہے اور یہ خبت سے ہے جس کا معنی ہموار و پست زمین ہوا کرتا ہے۔ تواضع اور خضوع کرنے والوں کی اللہ نے چار نشانیاں بیان فرمائی ہیں (۱) اللہ کے ذکر سے ان کے دل خوف زدہ ہوں (۲) آنے والی مصیبت پر صبر و حوصلہ سے کام لیں (۳) نمازیں قائم کریں (۴) اللہ کے دئیے ہوئے رزق سے حقوق واجبہ ادا کریں۔ مثلاً زکوٰۃ و خمس وغیرہ۔

وَالْبُدْنَ۔ یہ بدنۃ کی جمع ہے اور اس کا لغوی ترجمہ ہے موٹے جانور کیونکہ تبدین کا معنی پالنا اور موٹا کرنا ہوتا ہے لیکن اس کا استعمال علی الاطلاق موٹے اونٹوں پر ہوا کرتا ہے اور بعضوں نے یہاں مطلق قربانی کا جانور بھی مُراد لیا ہے۔

شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ مضاف محذوف ہے یعنی شعائر دین اللہ یعنی اونٹوں کا نحر کرنا اور قربانی کر کے مساکین کو کھلانا اللہ کے دین کی نشانیوں میں سے ہے اور اس میں انسان کے لئے دین و دنیا کی بھلائی کا راز مضمر ہے۔

صَوَآفَّ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی قرأت صوافن منقول ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا صواف کا مطلب یہ ہے کہ پہنچیوں میں سے گھٹنوں تک اس کے اگلے پاؤں کو باندھا جائے اور قبلہ رُخ کھڑے

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ

پس جب گر جائے زمین پر تو خود کھاؤ اس سے اور کھلاؤ قناعت کرنے والے اور سوال کرنے والے کو

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ

اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے لئے مسخر کیا تاکہ تم اس کا شکر کرو نہیں پہنچتا اللہ کو

اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى

ان کا گوشت اور نہ ان کا خون بلکہ پہنچتا ہے اس کو تقوےٰ

ہوئے اس کو نحر کرنا چاہیئے اور باقی حیوانوں کے ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ گائے بھینس وغیرہ کو قبلہ رُخ لٹا کر اس کے اگلے اور پچھلے پاؤں باندھے جائیں اور دُم کو آزاد رکھا جائے اور بھیڑ بکری کے دو لگے اور ایک پچھلا پاؤں باندھا جائے اور اگر صَوَافَّ پڑھا جائے تو صَفَنَ الفرس سے ماخوذ ہوگا اور صَفَنَ کا معنی ہے تین ٹانگوں پر کھڑا ہونا اور جب نحر کے لئے اونٹ کا ایک پاؤں باندھا جائے گا تو وہ بھی تین ٹانگوں پر کھڑا ہو گا۔

وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا۔ وجوب کا معنی ہے گر جانا اسی لئے وجب الشمس سورج کے غروب پر بولا جاتا ہے جنوب جمع ہے جنب کی۔ یعنی جب اس کے پہلو زمین پر آجائیں اور وہ دم توڑ کر ساکن ہو جائے۔

فَكُلُوْا مِنْهَا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قربانی سے کچھ نہ کچھ کھانا ضروری ہے کیونکہ امر کا صیغہ وجوب کو چاہتا ہے۔

وَاَطْعِمُوْا۔ قانع اور معتر کے معانی میں اقوال ہیں (۱) قانع وہ ہے جو دی ہوئی شے پر قناعت کرے اور سوال نہ کرے اور معترہ وہ ہے جو کچھ لینے کے لئے سامنے آجائے (۲) قانع وہ ہے جو سوال کرے اور معترہ وہ ہے جو سامنے آئے اور منہ سے سوال نہ کرے (۳) صادقین علیہما السلام سے منقول ہے قانع وہ ہے جو دی ہوئی شی پر قناعت کرے نہ ناراض ہو نہ منہ ٹیڑھا کرے اور نہ غصہ سے باچھیں ترچھی کرے اور معترہ وہ ہے جو پاس سے آکر گذرے تاکہ کچھ مل جائے اور مروی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں ایک حصہ اپنے لئے دوسرا حصہ قانع اور معتر یعنی غریبوں مسکینوں اور سوال کرنے والوں کے لئے اور ایک تہائی اپنے احباب کے لئے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک تہائی اہل وعیال کے لئے۔ دوسری تہائی قانع کے لئے اور تیسری مساکین کے لئے مخصوص کرے اور آیت نمبر ۲۸ میں قانع و معتر کی جگہ اَلْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ (بدحال فقیر) ذکر کیا گیا ہے [۳۶]

سَخَّرْنٰهَا۔ یعنی ہم نے ان حیوانوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے کہ ان پر سواری کرو یا بار برداری میں استعمال کرو یا ذبح اور نحر کر کے کھاؤ اور اس کا حق شکر یہ ہے کہ اپنے خالق کی رضا کو ہر حال میں ملحوظ رکھتے ہوئے ماتحت حیوانوں سے خدمت لو۔

لَنْ يَّنَالَ۔ کفار کا دستور تھا کہ قربانی کے بعد اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر مل دیتے تھے۔ پس ارشاد ہوا کہ اللہ کو ان قربانیوں

مِنكُمْ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ

تمہارا اسی طرح ان کو تمہارے لئے مطیع کیا تاکہ تم اللہ کی کبریائی بیان کرو اس پر جو اس نے تم کو ہدایت کی

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ

اور خوشخبری دو نیکی کرنے والوں کو تحقیق اللہ دفاع کرتا ہے ان کی جانب سے جو مومن ہیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ

تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا ہر خیانت کرنے والے متکبّر کو اجازت دی گئی ان کو جو لڑ رہے ہیں

بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا

کیونکہ وہ ظلم کئے گئے ہیں اور تحقیق اللہ ان کی مدد پر قادر ہے وہ جو اپنے گھروں سے

کا خون اور گوشت نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا خلوص اور تقویٰ اس کی بارگاہ میں تمہارے تقرب کا باعث ہو سکتا ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت علل الاخبار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قربانی کا پہلا قطرۂ خون جب زمین پر گرتا ہے تو خداوند کریم قربانی کرنے والے کے گناہ بخش دیتا ہے اور خداوند کریم تقویٰ کرنے والوں کو جانتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ اس نے ہابیل کی قربانی کو قبول فرمایا اور قابیل کی قربانی کو رد کر دیا۔

لِتُكَبِّرُوا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تکبیر کہنا مکہ میں پندرہ نمازوں کے بعد مستحب ہے۔ دس ذوالحجہ کی نماز سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ کی نماز صبح تک اور باقی شہروں میں دس نمازوں کے بعد یعنی دسویں کی ظہر سے بارہویں کی صبح تک اور اس کا طریقہ آیت نمبر ۲۸ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ ص۲۶

يُدٰفِعُ۔ دفع کی تحقیق اور جذب و دفع کی عقلی و فلسفی مصلحت پر ہم نے تفسیر کی تیسری جلد میں ص۱۲۵ تا ص۱۳۰ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

رکوع نمبر ۱۳

اُذِنَ۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مکہ کی زندگی میں کفّار مسلمانوں کو اذیتیں پہنچاتے تھے۔ کسی طرف سے کوئی زخمی اور کسی طرف سے کوئی مضروب خدمتِ نبویؐ میں شکایت لے کر پہنچتا تھا تو آپ یہی فرماتے تھے کہ ابھی مجھے جہاد کی اجازت نہیں ملی ہے لہذا تم لوگ صبر سے وقت گذارو، حتیٰ کہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت کا مصداق حضرت علی حمزہ و جعفر طیار ہیں اور اس کی تاویل بعد میں جاری ہے۔

مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا

نکالے گئے ناحق صرف اس لئے کہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر نہ دفع کرنا ہوتا اللہ کا

دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ

لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعے تو گرائے جاتے صومعے گرجے عبادت خانے

وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَ

اور مساجد جن میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے بسا اوقات اور

لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۞ اَلَّذِيْنَ

مدد کرتا ہے اللہ اس کی جو اُس (کے دین) کی مدد کرے تحقیق اللہ قادر غالب ہے وہ لوگ کہ اگر

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عامہ کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت رسالت مآبؐ کیلئے اُتری ہے جب کہ قریش مکّہ نے آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور سوائے اس کے نہیں کہ یہ آیت حضرت قائم آل محمدؐ کے لئے ہے۔ جب کہ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کے انتقام کے لئے تشریف لائیں گے اور اعلان کریں گے کہ ہم خون کے وارث ہیں۔ ظاہراً مقصد یہ ہے کہ آیت مجیدہ صرف شان نزول تک محدود نہیں بلکہ اس کی تاویل حضرت قائم علیہ السلام تک جاری رہے گی۔ پس حضرت رسالت مآبؐ اس آیت کے ظاہری و تنزیلی مصداق تھے اور حضرت قائم علیہ السلام اس کے باطنی او تاویلی مصداق ہوں گے۔

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ مہاجرین کے حق میں جاری ہے جو بلا وجہ گھروں سے جلاوطنی پر مجبور کئے گئے یعنی مہاجرین آیت کے ظاہری مصداق تھے اور آل محمدؐ اس کے باطنی مصداق ہیں۔

صَوَامِعُ۔ یعنی نصرانیوں کے عبادت خانے یہ صَوْمعہ کی جمع ہے اور بِیَعٌ یہودیوں کے عبادت خانے اور صلوات کا معنی مسلمانوں کی نماز گاہیں یعنی مجاز مُرسل کے طریقہ پر مظروف بول کر ظرف مراد لیا گیا ہے۔ اور بعضوں نے صوامع اور بیع دونو کو نصرانیوں کے عبادت خانے کہا ہے کہ بیع سے شہری عبادت خانے (گرجے) مراد ہے اور صوامع وہ عبادت خانے ہیں جو پہاڑوں اور ویرانوں میں الگ عبادت کے لئے بناتے تھے۔ پس اس صورت میں صَلَوات کا معنی یہودیوں کے عبادت خانے ہوگا۔ اور مساجد سے مسلمانوں کے عبادت خانے مراد ہوں گے۔ مقصد یہ کہ اگر خدا ہر دور میں اہل ایمان کی نصرت نہ فرماتا تو ہر زمانہ کے

اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

ہم ان کو غلبہ دیتے زمین میں تو وہ قائم کرتے نماز کو اور دیتے زکوٰۃ اور امر کرتے

بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝۴۱ وَاِنْ

نیکی کا اور منع کرتے برائی سے اور اللہ کے لئے ہے انجام تمام امور کا۔ اور اگر یہ

يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝۴۲ وَ

لوگ تجھے جھٹلائیں تو ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح کی قوم اور عاد و ثمود اور

قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝۴۳ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى

ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والے اور جھٹلایا گیا موسےٰ کو

فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۴۴ فَكَاَيِّنْ

پس ہم نے ڈھیل دی کافروں کو پھر پکڑ لیا تو کس قدر سخت پکڑا ؟ پس کتنی

بے دین لوگ اپنے زمانہ کے دیندار طبقہ کی عبادت گاہیں مسمار کرنے پر قادر ہو جاتے لیکن اللہ کی نصرت چونکہ شامل حال رہتی ہے لہذا ہر زمانہ میں اہل ایمان اپنے ایمانی فرائض کی انجام دہی پر موفق رہتے ہیں اور یہ اللہ کا احسان و کرم ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ تمکین کا معنی ہے ہر اس چیز کا عطا کرنا جس پر فعل کا صدور موقوف ہو۔ مثلاً اگر فعل کسی آلہ کا محتاج ہے تو تمکین کا معنی ہے وہ آلہ عطا کرنا اور اگر فعل علم کا محتاج ہے تو تمکین کا معنی ہے وہ علم عطا کرنا اور اگر وہ فعل طاقت و قوت سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے تو اس قوت کا عطا کرنا تمکین ہوگا۔

تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آل محمدؐ کے حق میں اتری ہے۔ خداوند کریم حضرت مہدیؑ اور اس کے اصحاب کو زمین کی مشرق و مغرب کی سلطنت عطا فرمائے گا۔ پس دین غالب ہوگا اور اس کے ذریعے سے خدا باطل پرست اور بدعت کے پجاریوں کو تباہ کرے گا۔ جس طرح ان لوگوں نے حق کو تباہ کیا حتیٰ کہ ظلم کا نام و نشان نہ رہے گا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ اسی طرح تفسیر مجمع البیان میں بھی آپ سے مروی ہے کہ اس کے مصداق ہم لوگ ہیں۔

نَكِيْرِ ۔ یعنی ہم نے ان کے کرتوتوں کا انکار کیا اور سخت طریقہ سے کیا کہ وہ مبتلاء عذاب کر دیئے گئے۔

بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ ۔ غیر آباد کنوئیں یعنی ہم نے شہری و دیہاتی حکمرانوں کو اپنے ظلم کے بدلہ میں ختم کر دیا۔ پس غیر آباد کنوئیں دیہاتیوں کی بربادی کا نشان ہیں۔ اور عالی شان محلات کی تباہی کا منظر شہری سلاطین کی بربادی کی یادگار ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ضحاک سے مروی

مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا کہ وہ ظالم تھے پس وہ چھتوں پر گر چکی ہیں اور

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

کتنے کنوئیں غیر آباد اور کتنے مضبوط محلات (ویران ہوگئے) کیا نہیں سیر کرتے زمین میں

ہے کہ یہاں اس مخصوص کنوئیں کا ذکر ہے جو حضر موت کے علاقہ کے مشہور شہر حاضوراء میں تھا وہاں حضرت صالح علیہ السلام کی اُمّت کے چار ہزار مومن انسان پہنچے۔ اور حضرت صالحؑ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ پس پہنچتے ہی حضرت صالح علیہ السلام کا انتقال ہو گیا چنانچہ اس کنوئیں کا نام اسی وجہ سے حضر موت پڑ گیا۔ اس کے بعد وہ لوگ وہاں آباد ہوئے اور پھلے پھُولے۔ پس رفتہ رفتہ کفر کی طرف مائل ہوتے گئے اور آخر کار شرک اور بت پرستی کی وباء میں مبتلا ہو گئے۔ خداوند کریم نے ان کی ہدایت کے لئے اپنی طرف سے ایک نبی بھیجا جس کا نام حنظلہ تھا تو انہوں نے اس کو برسرِ عام بازار میں شہید کر ڈالا۔ پس خدا نے ان پر عذاب نازل کیا وہ سب کے سب مر گئے ان کا آباد کنواں ویراں ہو گیا اور ان کے پختہ محلات یادگارِ حسرت رہ گئے۔

آیت مجیدہ کی تاویل اور باطنی مصداق کے متعلق تفسیر اہل بیتؑ میں ہے کہ بئرِ معطلہ سے مراد وہ عالم ہے جو کس مپرسی کی عالم میں ہو نہ کوئی اس کی طرف رجوع کرے اور نہ اس کے چشمۂ علم سے کوئی سیراب ہونے کی خواہش کرے اور آلِ محمدؐ سے بکثرت روایات وارد ہیں کہ بئرِ معطلہ کی تاویل امام صامت ہے اور قصر مشید کی تاویل امام ناطق ہے اور تفسیر برہان میں ہے بئرِ معطلہ امام غائب کی مثال ہے کہ تا دمِ ظہور ان کے فیوض و برکات علمیہ سے استفادہ نہیں ہو سکتا اور قصر مشید حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور باقی آئمہ ہیں۔ جن کے علوم کے اثرات چہار دانگ عالم میں منتشر ہو چکے ہیں۔ اور اہل ذوق وقتاً فوقتاً ان سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

بہرکیف قرآن مجید کی کسی بھی آیت کو اس کے شانِ نزول تک محدود نہیں کیا جا سکتا ورنہ اس کی ہدایات و تعلیمات ایک عرصہ معینہ تک محدود ہو جائیں گی۔ پس اس کی تاویل و باطن کو جاری ماننا عین ایمان ہے۔ اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی ہے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا۔ اقوام گذشتہ اور امم سابقہ کے واقعات کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ ان کے انجامِ بد سے متاثر ہو کر مسلمان ایسے عادات و اطوار سے گریز کریں جو ان کے لئے مہلک ثابت ہوئے۔ پس حالات کا جائزہ لے کر دل میں سوچنے کی کوشش کریں اور کانوں سے سُن کر عبرت حاصل کریں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اگر انسان کے دل میں بصیرت کی آنکھیں موجود ہوں تو ظاہری آنکھوں کی نابینائی نقصان نہیں دیتی۔ لیکن اگر دل میں بصیرت کا نور نہ ہو تو ظاہری آنکھوں کے کھلا رہنے کے باوجود انسان بات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں زمین کی سیر کرنے

فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَآ أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا

پس ہوجائیں ان کے دل ایسے کہ سوچیں یا کان ایسے کہ سنیں ان کے ذریعے کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں

لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾

بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا

اور یہ لوگ تجھ سے جلدی عذاب چاہتے ہیں اور ہرگز نہ خلاف کرے گا اللہ اپنے وعدہ کا اور تحقیق

عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾ وَكَأَيِّن مِّن

ایک دن تیرے رب کے نزدیک مثل ہزار سال کے ہے جو تم گنتے ہو اور کتنی بستیاں ہیں جنکو

اور واقعات کو سننے کے بعد دل کی بصیرت سے سمجھنے اور عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے۔

اِنَّ یَوْماً۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔

(۱) آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ فقیر لوگ امیر لوگوں سے ایک آدھا دن پہلے جنت میں جائیں گے۔ یعنی پانچ سو سال۔ نیز مروی ہے کہ قیامت کے پچاس موقف ہوں گے اور ہر موقف ایک ایک ہزار سال کا ہوگا۔

(۲) جس میں لوگوں سے اپنے اعمال کی بازپرس ہوگی۔

(۳) اللہ کی قدرت میں ایک دن اور ایک ہزار سال برابر ہیں۔ پس جس طرح وہ ایک دن کی مہلت کے بعد عذاب دے سکتا ہے۔ اسی طرح ایک ہزار سال کے بعد بھی گرفتارِ عذاب کرنے پر قدرتِ تامہ رکھتا ہے۔

(۴) اس کے ایک دن کا عذاب دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ جس طرح بہشتیوں کے لئے ایک دن کا آرام و عیش دنیاوی ہزار سالوں کے برابر ہوگا۔

رکوع نمبر ۱۴

فِیْ اٰیَاتِنَا ص۱۴۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فِیْ اِبْطَالِ اٰیَاتِنَا۔ یعنی جو لوگ ہماری آیات کے باطل کرنے میں جدوجہد کرتے ہیں اور اپنے زعمِ باطل میں ہمیں عاجز کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی سزا جہنم ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا ص۲۱۔ آیت مجیدہ کے شانِ نزول میں جو روایات وارد ہیں۔ علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ اصحابِ حدیث

قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ

ہم نے ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھے پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا اور میری طرف انکی باز گشت ہے

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِينَ ﴿۴۸﴾

کہہ دے اے لوگو! سوائے اس کے نہیں کہ میں تم کو ڈرانے والا ہوں ظاہر پس جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۵۰﴾

ایمان لائیں اور عمل کریں اچھے ان کے لئے بخشش اور اچھا رزق ہوگا

کے نزدیک وہ سب مطعون اور ضعیف ہیں۔ کیونکہ ان کا مضمون ایسی بات کو ظاہر کرتا ہے جو شایانِ شان رسالت نہیں انہوں نے سید مرتضےٰ علم الہدےٰ کی کتاب تنزیہ الانبیاء سے جو ان روایات کے مضمون کی تاویل اخذ کی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضورؐ نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی اور یہاں تک پہنچے۔ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ۔ تو حاضرین میں بعض مشرکین بھی موجود تھے اور انہیں پتہ تھا کہ اب ان کی توہین کا کوئی کلمہ آئے گا۔ پس فوراً شیطان نے کسی مشرک کی زبان سے یہ فقرے جاری کروا دیئے۔ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلَىٰ وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجَىٰ۔ لوگوں کا جم غفیر تھا۔ جہال نے یہ سمجھ لیا کہ حضورؐ کی زبان وحی ترجمان سے یہ فقرے صادر ہوئے ہیں۔ پس مشرکین خوشی سے بغلیں بجانے لگ گئے اور جب مقام سجدہ پر پہنچے تو سب مسلمانوں نے سجدہ کیا اور مشرکین بھی سجدہ میں گر گئے کیوں کہ ان کے زعم باطل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ آپؐ نے بتوں کی شفاعت کا ذکر کیا ہے۔ پس مجمع میں ولید بن مغیرہ مخزومی بھی موجود تھا جو بہت سن رسیدہ اور جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس نے بھی سنگ ریزوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور زمین پر رکھ کر ان پر سجدہ کر لیا۔

پس جبریلؑ یہ آیت لایا۔

رسُول اور نبی میں فرق

آیت مجیدہ میں نبی کا رسول پر عطف کر کے متعدد معانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

(۱) رسول کے لفظ میں مطلقاً بھیجنے کا مفہوم آتا ہے اور نبی کے لفظ میں بھیجنے کے ساتھ اس کی عظمت و رفعت کا اظہار بھی ہے جیسا کہ لغوی معنی کا تقاضا ہے (۲) رسول وہ ہے جس پر فرشتہ وحی لے کر آئے اور نبی وہ ہے جس کو بذریعہ خواب وحی ہو۔ پس جو رسول ہوگا وہ نبی ضرور ہوگا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نبی ہو وہ رسول بھی ہو (۳) رسالت ایک مخصوص سفارت کا عہدہ ہے جو کسی مخصوص اُمّت کے لئے ہو۔ اور نبوّت عہدہ سفارت نہیں ہے (۴) رسول وہ ہے جو شریعت کے احکام لائے اور اس کا ڈھانچہ تیار کر کے اُمّت کے پیش کرے اور نبی وہ ہے جو شریعت کا محافظ ہو۔ اور ہم نے تفسیر

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

اور جو لوگ کوشش کریں ہماری آیات میں مقابلہ کرتے ہوئے وہ جہنم میں جائیں گے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى

اور ہم نے نہیں بھیجا تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر جب کوئی خواہش کرے تو دخل دیتا ہے شیطان

الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ

اس کی خواہش میں پس مٹاتا ہے اللہ جو دخل دیتا ہے شیطان پھر مضبوط کرتا ہے اپنی آیات کو اور اللہ

کی تیسری جلد صفحہ ۲۳۸ پر اس پر تبصرہ کیا ہے۔ نیز کتاب لمعۃ الانوار حصہ اول صفحہ ۲۲۱ پر بھی تفصیل مذکور ہے۔

اِذَا تَمَنّٰٓى۔ تمنّٰی کے دو معانی بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) تلاوت کرنا

(۲) خواہش کرنا

پہلے معنی کے لحاظ سے آیت مجیدہ میں جناب رسالت مآبؐ کو تسلّی دی گئی ہے کہ یہ نئی بات نہیں ہے بلکہ پہلے سے ایسا ہوتا آیا ہے کہ جب بھی ہمارا فرستادہ نبی و رسول ہماری آیات کی تلاوت کرنے لگتا تھا تو شیطان اس کی تلاوت میں اپنی طرف سے لفظ جوڑ کر کسی کی زبان سے جاری کر دیتا تھا۔ پس کلام خدا میں تحریف و تصحیف اسی شیطانی کھیل کا نتیجہ ہوا کرتا ہے جیسا کہ تورات و انجیل میں ظاہر ہے۔ پس آپ غم زدہ نہ ہوں کیونکہ شیطانی اضافہ کو ہم باطل کر دیں گے اور آیات کو محکم رنگ میں باقی رکھیں گے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے آیت کا مقصد یہ ہوگا کہ جب نبی و رسول کچھ بولنا چاہے تو شیطان وسوسے کے طور پر اپنی جانب سے اضافہ پیش کرتا ہے۔ لیکن خدا شیطانی وسوسہ کی اتباع سے نبی کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور اپنی آیات کو محکم قرار دیتا ہے۔ پس اس میں شیطانی تخیلات کو راہ نہیں مل سکتا۔ چنانچہ آیات کی تلاوت کے دوران میں شیطان کے القاء کردہ کلمات جو بعض مشرکین کی زبان سے جاری ہو گئے۔ خدا نے مومنوں اور مسلمانوں کے دلوں سے ان کو منسوخ کر دیا۔ پس ان میں سے صرف وہ افراد متاثر ہوئے جن کے دلوں پر نفاق کی میل موجود تھی یا وہی لوگ خوش ہوئے۔ جو اپنے شرک کو فروغ دینا چاہتے تھے اور کہتے پھرتے تھے کہ دیکھو محمدؐ نے ہمارے بتوں کی شفاعت کا اقرار کر لیا ہے۔ غرانیق جمع ہے غرنوق کی اور اس کا معنی ہوتا ہے خوبصورت۔ جیسے کہا جاتا ہے شابٌ غرنوق۔ یعنی خوب صورت نوجوان۔

تفسیر صافی میں کافی سے مروی ہے کہ قرأت اہل بیت میں ولا نبیّ کے بعد ولا محدّث کا لفظ بھی تھا۔ راوی نے جب الگ الگ معانی دریافت کیے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا رسول وہ ہے جس کے سامنے فرشتہ ظاہر ہو کر

عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٢﴾ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ

جاننے والا حکمت والا ہے　تاکہ بنائے اس کو جو جوڑتا ہے شیطان آزمائش ان کے لئے جن کے دلوں میں　بیماری

مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾

ہے اور جن کے دل سخت ہیں　اور تحقیق ظالم لوگ گہری بدبختی میں ہیں

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ

اور تاکہ جان لیں وہ جن کو علم دیا گیا کہ تحقیق یہ (قرآن) حق ہے رب کی جانب سے پس ایمان لائیں پس جھکیں

لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٤﴾

اس کے لئے ان کے دل اور تحقیق اللہ ہدایت کرتا ہے ان کو جو ایمان لائیں　سیدھے　راستہ کی

آئے اور بات کرے اور نبی وہ ہے جس پر وحی خواب میں ہو۔ چنانچہ نبوت اور رسالت ایک شخص میں جمع ہو سکتی ہیں اور محدث وہ ہے جو فرشتے کو نہ دیکھے لیکن اس کی آواز سنے۔ راوی نے پوچھا کہ وہ کس طرح پہچانے گا کہ یہ آواز فرشتے کی ہے تو آپ نے فرمایا اس کے پاس خدا داد قوت ہوتی ہے جس سے وہ پہچان سکتا ہے اور آل محمدؐ سے بہت زیادہ روایات منقول ہیں کہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام محدث تھے اور تفسیر برہان میں ہے عورتوں میں سے چار عورتیں محدثہ تھیں (۱) سارہ (۲) مادر موسیٰ (۳) حضرت مریم (۴) حضرت فاطمہ بنت محمد سلام اللہ علیہا یعنی ان کے ساتھ فرشتے کلام کرتے تھے۔

لِيَجْعَلَ ما — یعنی شیطانی القاء کو باطل کرنا اور اپنی آیات کو باقی رکھنا منافق لوگوں اور سخت دل مشرکوں کے لئے امتحان کی ایک کٹھن منزل ہے تاکہ وہ القاء شیطانی اور وحی ربانی میں فرق کر کے جادۂ حق پر سوچ سمجھ کر گامزن ہونے کی جرأت کریں۔

لِيَعْلَمَ — جس طرح منافق اور مشرک لوگوں کے لئے القاء شیطانی کو باطل کرنا مقام آزمائش ہے۔ اسی طرح اہل ایمان و ایقان پر خدا واضح کرنا چاہتا ہے کہ وہ حق کی مزید معرفت حاصل کر کے اس پر ڈٹے رہیں تاکہ مخالف ہوا کا تیز سے تیز جھونکا بھی ان کے قدموں میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔ پس اُوْتُوا الْعِلْمَ سے ایمان لانے والے لوگ مراد ہیں۔ اور فَيُؤْمِنُوا کا معنی ایمان لانا نہیں بلکہ ایمان پر ثابت قدم رہنا اور معرفت کا زیادہ ہونا مراد ہے۔

عَقِيمٍ — اس کا معنی ہے بانجھ عورت جس کی اولاد نہ ہو اور جنگ بدر کے دن کو یوم عقیم کہا گیا ہے کیونکہ وہ دن کفار مکہ کے لئے سخت عذاب کا دن تھا۔ اور اس میں ان کی کوئی خیر و بھلائی نہ تھی جس طرح بانجھ عورت سے خیر کی اُمید نہیں ہوتی۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

ہمیشہ رہتے ہیں وہ جو کافر ہیں شک میں اس سے یہاں تک کہ آئے ان پر قیامت اچانک یا آئے

أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ

ان پر عذاب سخت دن کا سلطنت اس دن اللہ کی ہوگی وہ حکم کرے گا

بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾

ان میں پس جو لوگ ایمان لائیں اور عمل نیک کریں وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾

اور جو لوگ انکار کریں اور جھٹلائیں ہماری آیات کو تو ان کے لئے ذلیل کن عذاب ہوگا

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ

اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں پھر قتل کئے گئے یا مر گئے البتہ رزق دے گا

اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾ لَيُدْخِلَنَّهُم

ان کو اللہ اچھا رزق اور تحقیق اللہ بہترین رزق دینے والا ہے ضرور ان کو داخل

يَوْمَئِذٍ۔ اس دن سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اُس دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی۔ مومن جنت میں جائیں گے اور دشمنانِ خدا عذاب ابدی کی سزا پائیں گے۔

رکوع نمبر ۱۵

وَمَنْ عَاقَبَ ص۴۴۔ یعنی جو بدلہ میں سزا دے۔ جس قدر اس کو دی گئی۔ پس دونوں جگہوں پر عقوبت کا اطلاق مجانست کے لئے ہے۔ ورنہ پہل کرنا عقوبت نہیں ہوتا۔ مروی ہے کہ محرم سے ابھی چند دن باقی تھے کہ مشرکین مکہ سے چند مسلمانوں کی ملاقات ہوئی۔ پس مشرکین نے سوچا کہ حرمت والے مہینے میں وہ ہم سے لڑ نہیں سکیں گے۔ لہٰذا ہم پہل کر کے ان کو قتل کر دیں۔ مسلمان پہلے تو کہتے رہے کہ حرمت والے مہینے میں ہمیں نہ چھیڑو لیکن جب وہ باز نہ آئے تو مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے ان کو ڈھیر کر دیا اور خدا نے ان کو ان پر فتح یاب کر دیا۔ اور آیت مجیدہ میں اسی کا اعلان ہے۔

مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ

کریگا ایسی جگہ کہ وہ اس پر رضامند ہونگے اور تحقیق اللہ جاننے والا حلیم ہے یہ بات! اور جو تکلیف

عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ

دے جتنی تکلیف دیا جائے پھر اس پر سرکشی کی جائے تو ضرور اس کی مدد کرے گا اللہ تحقیق

اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

اللہ معاف کرنیوالا بخشنے والا ہے یہ اس لئے کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ

اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تحقیق اللہ سننے دیکھنے والا ہے یہ اس لئے کہ

بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ

اللہ ہی حق ہے اور تحقیق وہ جن کو پکارتے ہیں اس کے علاوہ باطل ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ

اور تحقیق اللہ ہی بلند و بزرگ ہے کیا دیکھتے نہیں تحقیق اللہ نے اتارا آسمان سے

السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾

پانی پس ہو جاتی ہے زمین سرسبز تحقیق اللہ لطیف و خبیر ہے

يُوْلِجُ الَّيْلَ ۔ یعنی خدا ایک کو دوسرے پر غالب کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ شب و روز کی کمی و بیشی کی تحقیق تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۲۱۳ پر ملاحظہ کیجیے۔

هُوَ الْحَقُّ ۔ یعنی یہ اس لئے ہے کہ وہی تو سچ مچ خدا ہے۔ اور اس کے علاوہ جس قدر معبود بنائے گئے ہیں سب باطل ہیں۔ پس اللہ کو سب کچھ کرنے کا حق حاصل ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

رکوع نمبر ۱۶

اَلَمْ تَرَ ۔ انسان کو اپنے نعمات یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے لئے زمین کی قوتوں کو مطیع کر دیا ہے خواہ از قسم جماد ہوں یا از قسم نبات ہوں اور آجکل کی سائنسی ترقی ارضی مواد کو مسخر کر کے جس ارتقائی منزل

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ
اس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تحقیق اللہ غنی قابل تعریف
الْحَمِیْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ
ہے کیا تو دیکھتا نہیں کہ تحقیق اللہ نے مطیع کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے اور کشتیوں کو
تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ
کہ چلتی ہیں دریا میں اس کے امر سے اور روکتا ہے آسمان کو کہ گرے زمین پر
اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ
مگر اس کے اذن سے تحقیق اللہ بندوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے اور وہ وہ ہے
الَّذِیْۤ اَحْیَاكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾
جس نے تم کو زندہ کیا پھر مارے گا پھر جلائے گا تحقیق انسان البتہ انکار کرنیوالا ہے
لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا یُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ
ہر قوم کے لئے ہم نے بنائی جائے عبادت کہ وہ وہاں عبادت کرتے ہیں پس انہیں تجھ سے نہیں جھگڑنا چاہیئے اس بارے میں
وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ
اور بلاؤ طرف رب کے تحقیق تو سیدھی ہدایت پر ہے اور اگر وہ تجھ سے جھگڑیں

پر پہنچی ہے اسے آخری زینہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ ہر بعد میں آنے والا اس سے آگے قدم رکھنے کے لئے زمین کے مخفی خزانوں میں سے جستجو کے بعد مزید آلات واسباب تک راہ پائے گا اور وہ اپنے زمانہ کو روشنی کا دور کہہ کر ہمارے دور کو پرانا زمانہ اور ہماری تہذیب کو پرانی تہذیب سے کہے گا۔ جس طرح ہم گذشتگان کے لئے یہی الفاظ تجویز کر رہے ہیں اور جس حد پر جا کر انسانی عقول رک جائیں گے۔ حجت خدا کا قدم ان سے آگے ہو گا۔ اور یہی چیز ان کی مادی ترقیوں سے بالاتر ہو کر خارق عادت اور معجزہ کہلائے گی۔ جن کے لئے اس دور کا متمدن اور دانشمند طبقہ گردنیں خم کرنے پر مجبور ہو گا۔ جیسا کہ ہر زمانہ گذشتہ میں ہادیان دین کا طریقہ رہا ہے

مَنْسَكًا۔ اس کا معنی جائے عبادت۔ شریعت۔ قربان گاہ وغیرہ باختلاف اقوال کیا گیا ہے۔

فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

تو کہہ دو کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن جس میں

كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ

تم اختلاف کرتے ہو کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان و زمین

وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷۰﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

میں ہے تحقیق یہ بات لوح محفوظ میں ہے تحقیق یہ اللہ پر آسان ہے اور وہ عبادت

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا

کرتے ہیں اللہ کے سوا اس کی کہ نہیں نازل کی اللہ نے اس پر کوئی دلیل اور نہ خود ان کو اس کا کوئی علم ہے اور نہ

فَلَا يُنَازِعُنَّكَ ۔ کفار لوگ اس بات پر جھگڑا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنی ماری ہوئی چیز کو حلال سمجھتے ہو اور اللہ کی ماری ہوئی شے کو حرام سمجھتے ہو۔ یعنی ذبح کے حکم پر بحث کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرتے تھے۔ پس خداوندکریم نے ایسے لوگوں کے ساتھ جھگڑا کرنے سے منع فرمایا ہے اور ہم نے اس پر مفصل بحث تفسیر کی پانچویں جلد کی اوائل میں مدلل طور پر کر دی ہے جو منصف مزاج لوگوں کے لئے باعث اطمینان ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ ۔ خداوندکریم نے اپنے احکام کی مصلحت کو اپنے علم کا حوالہ دے کر بیان کرنے سے گریز فرمایا ہے اور کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ ۔ یعنی کفار قریش ایسی شئی کی عبادت کرتے ہیں کہ نہ اللہ کی طرف سے ان کے پاس اس کی کوئی سند ہے۔ اور نہ اپنے پاس اس کی کوئی دلیل رکھتے ہیں۔ پس اندھا دھند اپنے باپ دادا کی تقلید پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ اپنی عبادات میں اللہ کی خوشنودی چاہتے تھے۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ اگر میری خوشنودی کے لئے کرتے ہیں تو جس کی عبادت کرتے ہیں اس کے متعلق میری طرف سے کوئی سند اُن کے پاس ہونی چاہیئے۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل و برہان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب ان پر آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت کی جائے اور عبادت کا صحیح طریق کار ان کو بتایا جائے تو کفار کے چہروں پر غم و غصہ کے آثار معلوم ہوتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ تلاوت کرنے والوں سے دست و گریبان ہونا چاہتے ہیں۔ پس ارشاد فرماتا ہے کہ تم کو اتنی سی بات بُری لگتی ہے حالاں کہ اس سے بھی تمہارے لئے بدتر خبر یہ ہے کہ تمہارا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا اور وہ نہایت بری بازگشت ہے۔ اور روایاتِ اہل بیتؑ میں ان آیات کی تاویل حضرت علیؑ کے حق میں ہے

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ

ہوگا ظالموں کا کوئی مددگار اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری آیتیں واضح تو معلوم کروگے ان کے چہروں

فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

میں جو کافر ہیں انکار قریب ہے کہ حملہ کردیں ان پر جو تلاوت کرتے ہیں ان پر

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ

ہماری آیتیں کیا ہیں تم کو اس سے بھی بری بات بتاؤں وہ آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ

كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ

کیا ہے اور وہ بری بازگشت ہے اے لوگو! بیان کی گئی مثال پس اس کو غور سے سنو

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ

تحقیق جو لوگ پکارتے ہیں اللہ کے غیر کو وہ تو نہیں پیدا کرسکتے ایک مکھی اگرچہ سب جمع ہو جائیں

وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ

اور اگر چھین لے ان سے مکھی کوئی شے تو وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے کمزور ہے طالب

بلکہ قیامت تک ہر باطل پرست کے لئے یہ آیات راہِ حق اختیار کرنے کی دعوتِ عامہ اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔

رکوع نمبر ۱۷ دعوتِ توحید

ضُرِبَ مَثَلٌ، تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ کفار قریش کا دستور تھا۔ وہ کعبہ کے پاس نصب شدہ بتوں پر عنبر وکستوری مل دیتے تھے یغوث دروازہ کے سامنے یعوق دائیں جانب اور نسر بائیں طرف تھا۔ مسجد میں داخل ہوکر پہلے یغوث کا سجدہ کرتے پھر یعوق کا اور آخر میں نسر کا سجدہ کرتے تھے اور تلبیہ پڑھتے تھے۔ خداوند کریم نے ایک چار پروں والی سبز رنگ کی مکھی بھیجی جس نے بتوں پر ملا ہوا عنبر اور مشک سب چاٹ لیا۔ پس یہ آیت بھیج کر ان کو متنبہ کیا اور اپنی توحید کی دعوت دی کہ جو مل جل کر ایک مکھی پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے حالانکہ طلب کرنے والی مکھی اور مطلوب بت سب ضعیف وکمزور ہیں تو ایسوں کو میرے مقابلہ میں پوجنا کہاں کی عقلمندی ہے

وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾

اور مطلوب نہیں پہچانا انہوں نے اللہ کو جو پہچاننے کا حق تھا تحقیق اللہ قوت والا غالب ہے

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾ ج

اللہ چنتا ہے فرشتوں میں سے رسول اور آدمیوں میں سے تحقیق اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے اور اللہ کی طرف بازگشت ہے معاملات کی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا

اے وہ لوگ جو ایمان لائے رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے رب کی اور کرو

الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ ج وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ ط

بھلائی تاکہ تم فلاح پاؤ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں پورا جہاد

اور طالب و مطلوب سے مراد پجاری اور بت بھی ہو سکتے ہیں۔ اور قرآن کی یہ مثال اور تنبیہ صرف کفارِ مکہ تک محدود نہیں بلکہ تاقیامت ہر مشرک کے لئے درس آموز مثال ہے۔ پس سب کا حاجت روا ایک اللہ ہے۔ وہی مشکل میں پکارنے کے لائق ہے اور وہی دے سکتا ہے۔ فرشتے اور رسول اس کی برگزیدہ مخلوق ہیں۔ لیکن کسی کو کچھ دینے اور دے سکنے والا صرف وہی ایک ہے۔ پس جو لوگ اللہ کے علاوہ حاجت روائی کے لئے کسی نبی یا ولی کو پکارتے ہیں۔ وہ اللہ کی اس بیان کردہ مثال سے درس عبرت حاصل کریں۔ ہم پر اللہ کا یہ احسانِ عمیم ہے کہ اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے لئے اس نے ہمارے لئے محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کو وسیلہ مقرر فرمایا ہے۔ اور ہمیں اس وسیلہ سے تمسک کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

اَلْخَیْرَ: پہلے رکوع سجود اور عبادت کا بالعموم حکم دیا اور پھر بدنی عبادات کے ساتھ تمدنی نیکیوں کے بجالانے کا حکم صادر فرمایا کہ ہر قسم کی نیکی و بھلائی کا عمل کرو۔ مثلاً دکھوں کی فریادرسی۔ بھوکوں پیاسوں کی خبرگیری۔ کمزوروں محتاجوں کی دست گیری۔ والدین سے احسان اور ہمسایوں سے حسن سلوک وغیرہ

وَجَاهِدُوْا: ہر برائی سے بچنے کی کوشش اور ہر قسم کی نیکی کی طرف اقدام راہِ خدا میں جہاد ہے بلکہ تلوار و نیزہ کے جہاد کے مقابلہ میں یہ جہاد اکبر ہے۔

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ

اسی نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور نہیں رکھی اس نے تم پر دین میں کوئی حرج ملت تمہارے

اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ

باپ ابراہیم کی اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا اس سے پہلے اور اس قرآن میں تاکہ

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيْمُوا

رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ رہو پس قائم کرو

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ

نماز کو اور دو زکوٰۃ اور تمسک رکھو اللہ سے وہ تمہارا مولا ہے

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع ۱۰

پس وہ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ ۔ یہاں فعل محذوف ہے یعنی اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت کی اتباع کرو۔ اور حضرت ابراہیم کو سب کا باپ کہا گیا ہے کیونکہ تمام مسلمانوں پر ان کی اطاعت اس طرح واجب ہے جس طرح باپ کی اطاعت بیٹوں پر واجب ہوتی ہے

هُوَ سَمّٰىكُمْ ۔ یعنی یہ مسلمان کا نام ان کا تجویز کردہ ہے جب کہ انہوں نے دعا میں کہا تھا وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً" اور تفاسیر اہل بیت میں ہے کہ ان کے حقیقی مصداق آل محمدؐ ہیں۔ پس رسولؐ ان پر گواہ ہے اور وہ باقی امت پر گواہ ہیں۔ حضرت رسالت مآبؐ کی شہادت یہ ہوگی کہ وہ کہیں گے۔ میں نے اپنی شریعت اور اپنا دین ان تک پہنچا دیا تھا اور ان کے حوالے کیا تھا اور ان کی شہادت یہ ہوگی کہ ہم نے رسولؐ کی شریعت کو لوگوں تک ویسے پہنچایا تھا جس طرح ہم تک پہنچی تھی۔ نہ ہم نے اس میں کچھ کمی کی اور نہ زیادتی بلکہ پوری پوری حفاظت کے ساتھ دین کی تبلیغ کی اگرچہ اس سلسلہ میں ہم کو ہر ممکن طریق سے ستایا گیا۔ گھروں سے نکالا گیا قید و بند میں رکھا گیا۔ انسانی آزادی ہم سے سلب کر لی گئی۔ ہر ممکن ظلم ہم پر روا رکھا گیا۔ بچے شہید ہوئے۔ جوان ذبح ہوئے۔ عورتوں کو اسیر کیا گیا۔ اور ایسے مصائب کے پہاڑ ڈھائے گئے کہ تصور کرتے ہوئے دل تھراتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ

تیرے دین کی حفاظت کے لئے ہم نے برداشت کیا اور لوگوں تک صحیح دین پہنچایا۔

۱۸

پارہ

سورہ المومنون

یہ سورہ مکیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد ایک سو اٹھارہ ہے اور بسم اللہ کو ملا کر ایک سو انیس ہے۔

۱۔ حدیث نبویؐ میں ہے کہ جو شخص سورہ مومن کی تلاوت کریگا۔ اس کو فرشتے بروز محشر روح و ریحان کی خوش خبری سنائیں گے اور ملک الموت کی آمد پر وہ آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس کرے گا۔

۲۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جو ہر جمعہ میں سورہ المومنون کی تلاوت کرتا رہے اس کا خاتمہ نیک ہوگا۔ اور فردوس بریں میں اس کی جگہ نبیوں اور رسولوں کے ساتھ ہوگی۔

۳۔ جو شخص اس کو لکھ کر شرابی کے گلے میں باندھے تو وہ شراب سے نفرت کرے گا اور پھر کبھی اس کے نزدیک نہ جائے گا بلکہ اس کا نام تک نہ لے گا۔

۴۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کو لکھ کر سفید پارچہ میں باندھ کر جس کے گلے میں ڈالی جائے وہ شراب کے کبھی قریب نہ جائے گا۔ بلکہ اس کو مبغوض نگاہوں سے دیکھے گا۔

منقول از خواص القرآن (برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ۝۱ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ

تحقیق چھٹکارا پایا مومنوں نے جو اپنی نماز میں

رکوع نمبرا بیت اللہ میں ولی اللہ کی آمد

تفسیر برہان میں بروایت مجالس شیخ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن عباس بن عبدالمطلب یزید بن قعنب اور قریش کے دیگر سربرآوردہ اشخاص بیت اللہ کے سامنے باہمی گفتگو میں مشغول تھے کہ جناب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تشریف لائیں اور بیت اللہ کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ انہیں دردِ زہ محسوس ہوا تو آسمان کی جانب آنکھ اٹھا کر ان لفظوں میں مناجات کی۔ اے پروردگار میں تجھ پر ایمان رکھتی ہوں اور ہر اس شے پر جو تیری طرف سے تیرا رسول لایا ہے اور تیرے تمام نبیوں پر اور کتابوں پر ایمان رکھتی ہوں۔ اور میں اپنے جد حضرت ابراہیم خلیل کی فرمائشات کی تصدیق کرتی ہوں، اور یہ سمجھتی ہوں کہ انہوں نے تیرے اس مقدس گھر کی تعمیر فرمائی تھی۔ پس میں اس گھر کا گھر کے بنانے والے کا اور اس بچے کا جو میرے شکم میں میرے ساتھ بولتا اور مجھے مانوس رکھتا ہے (مجھے یقین ہے کہ یہ تیری نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگا)، کے حق کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ مجھ پر اس کی ولادت کا مرحلہ آسان فرما۔

عباس کہتا ہے فاطمہ بنت اسد کے کلام کرنے اور دعا مانگنے کے بعد ہم نے دیکھا کہ پشت کعبہ کی دیوار شق ہوئی اور فاطمہ اندر چلی گئی۔ پس ہم سے غائب ہو گئی۔ اور ہم نے دیکھا کہ دیوار کعبہ حسب سابق مل گئی باذنِ پروردگار۔ ہم نے دروازہ کو کھولنا چاہا تاکہ عورتوں کو اندر بھیجیں لیکن وہ نہ کھل سکا۔ پس ہم سمجھے کہ یہ کوئی خدائی راز ہے۔ بی بی متواتر تین دن بیت اللہ کے اندر رہی اور ان دنوں پورے شہر مکہ میں اس بات کا عام چرچا رہا۔ حتیٰ کہ لوگوں کی زبان پر گلی کوچوں میں بھی یہی ذکر ہوا کرتا تھا اور پردہ نشین مخدرات کا اپنے اپنے گھروں میں موضوع گفتگو یہی قصہ تھا چنانچہ تین دن کے بعد بیت اللہ کی دیوار اسی مقام سے دوبارہ شق ہوئی اور اپنے مقدس ہاتھوں پر سلطان ملک معرفت شہنشاہ اقلیم ولایت اختر برج امامت اور نیر آسمان خلافت حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کو اٹھائے ہوئے بی بی کعبہ سے برآمد ہوئی اور اپنی زبان گوہر بار سے چند موتی بکھیرے جن کو درِ شہوار سمجھ کر حاضرین نے اپنے دامن میں لیا۔

(اے لوگو! مجھے اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ممتاز فرمایا اور پہلے کی تمام برگزیدہ خواتین پر مجھے کرامت و فضیلت بخشی خدا نے جناب آسیہ بنت مزاحم کو چنا جو چھپ کر ایسے مقام پر اس کی عبادت کرتی تھی کہ اگر مجبوری نہ ہو تو ایسے مقامات پر عبادت کرنے سے اللہ خوش نہیں ہوتا اور مریم بنت عمران پر عیسیٰ کی ولادت آسان ہوئی تو جنگل کی خشک کھجور کو ہلانے سے اس کو تر و تازہ

پھل عطا ہوا۔ اللہ نے مجھے اس پر اور پہلے کی تمام مستورات پر یہ شرف بخشا ہے کہ میرا بچہ اس کے مقدس گھر میں پیدا ہوا اور تین دن متواتر اللہ کی مہمان رہ کر جنت کے دسترخوان سے میوہ ہائے بہشت کھاتی رہی ہوں اور جب بچے کو ہاتھوں پر اٹھا کر میں نے باہر آنے کا ارادہ کیا تو ندائے ہاتف پہنچی۔ اے فاطمہ! اس کا نام علی رکھنا کیونکہ میں علی اعلیٰ ہوں اور اس کو میں نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے اور اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے نیز میں نے اپنے درس توحید سے اس کو تعلیم دی ہے اپنے امور شرعیہ اس کے سپرد کئے ہیں اپنے علم سے اس کو بہرہ ور کیا ہے۔ میرے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ سب سے پہلے میرے گھر کی چھت پر بلند ہو کر میرے نام کی اذان کہے گا اور بتوں کو توڑ کر پھینکے گا اور میری عظمت مجد اور توحید کا علم بلند کرے گا اور میرے حبیب کے بعد میری مخلوق کا امام و قائد ہوگا۔ پس اس کے محب و ناصر کے لئے طوبیٰ ہے اور اس کے نافرمان اور منکر حق کے لئے ویل ہے!

حضرت ابوطالب بیٹے کا مژدۂ جانفزا سن کر فرط سرور میں آگے بڑھے تو قرآن ناطق نے اپنے لبہائے نازنین کو جنبش دی۔ پس اسد کردگار نے اپنے والد عالی مقدار کو سلام کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَةِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ اتنے میں سلطان الانبیاء حضرت رسالتؐ پناہ فرطِ مسرت اور جوش عقیدت سے اپنی وصی کو بیت اللہ سے لینے کے لئے تشریف آور ہوئے تو اللہ کے گھر سے آنے والے نووارد مہمان نے آنکھیں کھولیں اور سید الانبیاء کو اپنے لئے چشم براہ دیکھ کر فرط انبساط سے ماں کے ہاتھوں پر جھومنے لگے۔ پس رسالت کی آنکھ سے آنکھ ملا کر مسکراتے ہوئے عقیدتمندانہ سلام عرض کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ پھر تنحنح کر کے قرآن ناطق نے قرآن صامت کی تلاوت شروع کر دی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ الخ۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا بے شک وہ تیری ہی بدولت فلاح و کامیابی حاصل کریں گے اور خدا کی قسم تو ہی ان کا امیر ہوگا اور ان کو علم کی خیرات تجھ سے ہی ملے گی اور تو ہی ان کا ہادی و رہبر ہوگا۔ حضورؐ نے ہاتھوں پر لیا اور جناب فاطمہ سے فرمایا کہ جا کر حضرت حمزہ کو اطلاع دیجئے اور مبارکباد کہئے۔ بی بی نے عرض کی حضور! اگر میں چلی جاؤں تو بچہ کی غذا کا بندوبست کون کرے گا۔ آپ نے فرمایا میں جو موجود ہوں۔ بی بی نے ازراہ تعجب پھر دریافت کیا کہ آپ اس کو غذا دیں گے؟ فرمایا ہاں میں دوں گا۔ حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے جھک کر دہن مبارک کھولا اور اپنی زبان وحی ترجمان کو علی کے منہ میں رکھا پس علوم نبوت و رسالت بصورت غذا بیت بارہ چشمے بن کر جاری ہوئے جو فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا کی مکمل تفسیر تھے۔ جب جناب فاطمہ حضرت حمزہ کو علی کی ولادت باسعادت کی نوید مسرت افزا سنا کر واپس پلٹیں تو حضرت علیؑ کے رخ انور سے تا بہ آسمان ایک نور ساطع و لامع دیکھا۔

پس بی بی نے ایک قماط (بندھنا) میں باندھا شیر خدا نے ایک ہی انگڑائی سے اسے توڑ دیا۔ پھر مضبوط کپڑے سے دوبارہ بندھنا باندھا علی نے ایک پہلو بدل کر اس کو بھی توڑ دیا۔ تیسری بار دو کپڑے کے تہ کر کے باندھا لیکن وہ بھی نہ ٹھہر سکا۔ چوتھی بار تین تہ مضبوط رکھے اور وہ بھی پھٹ گئے۔ پانچویں دفعہ مصری مضبوط کپڑے سے تہ کر کے قماط باندھا تو علی کے زور بازو سے وہ بھی ٹوٹ گیا۔ پس چھٹی مرتبہ ریشمی مضبوط کپڑے کی پانچ تہوں سے باندھا۔ جب وہ بھی ٹوٹ گیا تو ساتویں بار چھ ریشمی کپڑے کے

تھوں کے اوپر ایک چمڑے کا تہ رکھ کر باندھا لیکن علیؑ کی قوت ید اللّٰہی کے مقابلہ میں یہ حیلہ بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ انگڑائی لیتے ہی انہیں توڑ دیا اور ماں کی طرف نظر اٹھا کر اپنی زبان معجز بیان حق ترجمان سے کہا۔ اماں جان! میرے ہاتھ مت باندھئے کیونکہ میں انگشت شہادت اٹھا کر توحید پروردگار کا ذکر کرتا ہوں۔ حضرت ابو طالب نے یہ سب ماجرا دیکھ کر فرمایا یہ بچہ نرالی شان اور انوکھی آن بان سے کر آیا ہے جس کو آنے والا زمانہ مشاہدہ کرے گا۔

دوسرے دن حضرت رسالتمآبؐ تشریف لائے تو حضرت علیؑ زیارت پیغمبرؐ سے مشرف ہو کر مسکرا دیئے اور شوق وصال میں آپ کی طرف مائل ہوئے تاکہ زبان وحی ترجمان سے لعاب دہن رسالت کی چاشنی کا شرف مکرر حاصل ہو۔ پس حضورؐ نے دست رحمت دراز کئے، علی فوراً گود مادر سے آغوش رسالت میں جا پہنچے اور قرآن کی طرح سینہ پیغمبرؐ کی حمائل بن گئے۔ اور حضرت ابو طالب نے ولیمہ کیا جس میں تین سو اونٹ نحر کئے اور ایک ہزار گائے و بکریاں ذبح کیں۔ چنانچہ مکہ اور اطراف و نواح کے لوگوں کو بالعموم کھانے کی دعوت دی اور فرمایا کعبہ کا طواف کرو اور میرے عظیم فرزند کی زیارت کر کے اس کا سلام بھی کرو۔ (ملخصاً)

تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ نے پہلے پہل جنت کو پیدا کیا تو اس کو حکم دیا کہ کلام کر تو پہلے کلام جو جنت نے کی وہ یہ تھی۔ قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔

قَدۡ کا لفظ ماضی پر داخل ہوتا ہے اور گذشتہ واقعہ کی تحقیق کے لئے آتا ہے لیکن بعض اوقات مستقبل میں ہونے والے یقینی واقعہ کو فعل ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ اس کے قریب الوقوع ہونے کو ظاہر کیا جائے۔ جس طرح کہا جاتا ہے قَدۡ قَامَتِ الصَّلٰوۃ۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مستقبل قریب میں نماز قائم ہونے والی ہے۔ پس اس مقام پر مقصد یہی ہے کہ مستقبل قریب میں مومن لوگ فلاح پائیں گے۔

خَاشِعُوۡنَ۔ یعنی حالت نماز میں حدود نماز کی پوری پوری پاسداری کریں اور اس کے آداب مستحباب اور مکروہات کی رعایت کریں پاؤں اپنے مقام پر صحیح حالت میں ہاتھ اپنی جگہ پر نظر اپنے مقام پر بلکہ نمازی کا ہر عضو مصروف یاد پروردگار ہو۔ مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ایک نمازی کو حالت نماز میں ڈاڑھی کو خلال کرتے دیکھا تو فرمایا۔ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضا میں بھی اس کا اثر ہوتا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کا دل اگر یاد پروردگار میں مشغول ہو تو باقی اعضا میں بے راہ روی اور آوارگی پیدا ہو ہی نہیں سکتی اور حضورؐ سے مروی ہے کہ اگر اعضا میں کوئی شخص خشوع کو ظاہر کرے اور دل میں خشوع نہ ہو تو وہ ہمارے نزدیک نفاق شمار ہوتا ہے۔

عَنِ اللَّغۡوِ۔ لغو سے مراد ہر وہ قول یا فعل جس کا کوئی فائدہ عقلائی نہ ہو اور ابن عباس سے منقول ہے کہ لغو کا معنی ہے باطل۔ بعضوں نے گناہ یا جھوٹ یا دشنام طرازی کو لغو کا معنی قرار دیا ہے۔ علی حسب الاقوال۔ اور مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے لغو سے اعراض کرنے کا مقصد یہ مروی ہے کہ اگر کوئی شخص تیرے اوپر بہتان طرازی کرے

خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾

خشوع کرتے ہیں اور وہ جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾

اور وہ جو زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کے محافظ ہوتے ہیں

اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾

مگر اپنی بیویوں سے یا اُن سے جن کے وہ مالک ہوتے ہیں پس وہ قابلِ ملامت نہ ہوں گے

اور ایسی بات بیان کرے جو سمجھ میں نہ ہو تو رضاء پروردگار کی خاطر اس سے چشم پوشی کرے اور منقول ہے کہ قریش مکہ حضرت رسالتمآبؐ اور آپؐ کے صحابہ کو گالی دیتے تھے پس آپ کو ان سے اعراض کرنے کا حکم ہوا۔ ایک روایت میں گانا اور ہر قسم کا کھیل تماشا لغو میں شمار کیا گیا ہے۔

بروایت ارشاد مفید حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے ہر وہ قول جس میں ذکر نہ ہو لغو ہے۔

اعتقادات میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ قصہ خوان لوگوں کا سننا جائز ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔

تنبیہ۔ اب ذرا چشم انصاف سے ببانگ دہل ایمان کا دعویٰ کرنے والے جنت کے شیدا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ قرآن کی روشنی میں اپنے اندر ایمان کی قندیل کس حد تک روشن ہے اور مومنوں کی علامات کس قدر موجود ہیں ؟ خدا کی قسم دل تھرا تا ہے۔ جگر کانپتا ہے اور آنکھیں فرط غم سے ڈبڈبا جاتی ہے جب دور حاضر کی عیاشانہ عزاداری پر نظر اٹھتی ہے جس میں سوائے راگ و رنگ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ مجلس کا تقدس یکسر ختم ہو کر رہ گیا ہے اور عزاداری کا وقار برائے نام بھی نہیں رہا۔ مجلس حسین صرف اکھاڑا کی صورت میں باقی ہے۔ بالعموم اس میدان میں قدم رکھنے والے عزاداری کے نام اور اس کے تقدس کی آڑ میں عیاشی و فحاشی کے وہ کھیل کھیلتے ہیں کہ کسی دوسری قوم کا مہذب طبقہ تو در کنار غیر مہذب افراد کے دل و دماغ میں بھی اس کا تصور تک نہ آتا ہو گا۔

معیار مجلس معیار عزا معیار تقریر معیار کامیابی اور معیار مقبولیت جو آل محمدؐ نے بیان فرمائے تھے ان کے مفاہیم یکسر بدل دیئے گئے بنا بریں اچھے ذاکر کا معیار ہے خوش آوازی اور حسن گلوکاری۔ اچھے مقرر کا معیار ہے حاضرین کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کے لئے ان کی ذہنی عیاشی کی خاطر چٹکلوں اور تک بندیوں پر مشتمل مضحکات و مبکیات کا مناسب بیان اور اسی طرح اچھے واعظ کا معیار ہے۔ جنت کا سستے داموں فروخت کرنا اور حاضرین کے لئے آتش جہنم حرام قرار دینا یعنی نیک

اعمالی کو سبک ثابت کرنا اور بداعمالی پر جرأت دلانا و علی ہذا القیاس۔ ایسے روح فرسا اور جگر سوز حالات میں بانیانِ مجلس اور سامعین میں خلوص پیدا ہو تو کیونکر اور احساس مذہب ہو تو کس لئے؟ اگر علمائے حقہ اپنی آنکھیں بند کر کے گوشۂ تنہائی کو اختیار کر لیں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقدس فریضہ کی ادائیگی سے کوتاہی ناقابل عفو جرم ہے۔ اور اگر نصیحت کے لئے زبان کھولیں تو پیشہ ور رقاصان منبر اپنے لقمہ تر کی خاطر ان کا گلا دبانے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی ضرب المثل کے مطابق علمائے ناصحین کو دین دشمن کہہ کر حفاظتِ دین پر اپنی اجارہ داری کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔

اللہ کے نزدیک مومن کا جو معیار ہے وہ ان آیات مجیدہ میں بالکل واضح طور پر بیان کیا گیا ہے مومن کی پہلی نشانی ہے کہ نماز میں خشوع کرتا ہو اور اس کے برعکس ہمارے معاشرہ میں نماز میں خشوع تو درکنار پکا مومن اس کو سمجھا جاتا ہے جو سال میں ایک آدھ مجلس منعقد کرالے اور ذاکر مقرر یا واعظ کی حسبِ منشا خدمت کر دے خواہ عمر بھر نماز کا ایک سجدہ بھی ادا نہ کرے مومن کی دوسری نشانی قرآن مجید نے لغو سے اعراض کرنا بتایا ہے اور ہمارے معاشرے میں راگ و رنگ اور گلوکاری کو مجالس عزا کا طرۂ امتیاز قرار دیا گیا ہے اور جو اس بدعنوانی سے روکے اسے دشمن عزاداری سمجھا جاتا ہے۔ مومن کی تیسری نشانی زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے لیکن ادھر معاملہ کچھ اور ہے عزاداری پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں روپیہ خرچ کرنے والے زکوٰۃ واجبہ اور خمس کے ادا کرنے میں انتہا درجہ کے بخیل ہوتے ہیں حالانکہ مالِ غیر مزکّٰی و غیر مخمس سے خرچ کرنا تمام علماء کے نزدیک حرام ہے اور ایسے مال سے نہ نذاری مقبول ہوتی ہے نہ عزاداری۔ ایسے بانیان مجلس کو ذاکر و مقرر یا روضہ خوان و واعظ وہی پسند ہے جو بانی مجلس کی خوشنودی کی خاطر منبر حسینی پر زکوٰۃ و خمس کا نام تک نہ لے۔ پس عزاداری پر خرچ کرنے والے کے لئے جنت کی پیشکش ہر مجلس میں کرتا رہے۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص ایک قیراط کے برابر بھی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو نہ وہ مومن ہے نہ مسلمان اور نہ اس کی نماز مقبول ہے۔ مومن کی چوتھی علامت ہے اپنی شرمگاہوں کو حرام سے محفوظ رکھیں۔ خداوند کریم مجھے اور جملہ مومنین کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور قرآن نے جو معیار اہل ایمان کا مقرر فرمایا ہے خدا ہمیں اس پر پورا اترنے کی توفیق دے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى ۵۷۔ یعنی جو شخص حلال عورت کو کافی نہ سمجھ کر آگے قدم بڑھائے وہ ظالم اور سرکش ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عورتیں مردوں پر تین طریقوں سے حلال ہوتی ہیں (۱) نکاح بمیراث یعنی وہ نکاح جس میں عورت اور مرد ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اور وہ نکاح دائمی ہے (۲) نکاح بلامیراث یعنی وہ نکاح جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور وہ نکاح متعہ ہے (۳) نکاح ملک یمین۔ یعنی وہ عورت جو لونڈی ہو اور جائز طریقہ سے اس کی کنیزی میں داخل ہو گذشتہ زمانہ میں اس کا رواج عام تھا۔ آج کل ہمارے ہاں یہ سلسلہ نہیں ہے۔ بروایت کافی منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا متعہ حلال ہے لیکن عفیف اور پاک دامن عورت سے کرو اور بروایت امام محمد باقر علیہ السلام حضرت سالمؓ صاحب

فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۞ وَالَّذِیْنَ

پس جو خواہش کرے اس سے آگے تو وہ سرکش و ظالم ہوں گے اور وہ جو

هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۞ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ

اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرنیوالے ہوتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی پابندی

یُحَافِظُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۞ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ

کرتے ہیں ایسے لوگ ہی وارث ہوں گے (جنت کے) وہ پائیں گے جنت کو کہ وہ اس میں

سے بھی مروی ہے کہ عورت مرد پر تین طریقوں سے حلال ہوتی ہے۔ نکاح دائمی جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ نکاح متعہ جس میں عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے اور تیسرے ملک یمین یعنی لونڈی جس کو جائز طریقہ سے حاصل کیا جائے۔

لِاَمٰنٰتِهِمْ۔ یہ مومن کی پانچویں علامت ہے کہ وہ امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ امانتیں دو قسم کی ہیں (۱) اللہ کی طرف سے (۲) بندوں کی جانب سے۔ پس اللہ کی طرف سے امانت یہ ہے کہ نماز و روزہ وغیرہ جملہ عبادات کو صحیح طور پر ادا کرے اور بندوں کی جانب سے امانت مثلاً ودیعت و عاریت خرید و فروخت اور شہادت وغیرہ ہیں کہ اس قسم کے معاملات میں دیانت داری کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

وَعَهْدِهِمْ۔ یہ مومن کی چھٹی علامت ہے کہ عہد کی وفا کرے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ عہد تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) اللہ کے اوامر (۲) نذر و منت (۳) عقود۔ پس مومن پر ان ہر سہ قسم کے عہدوں کا ایفا واجب و لازم ہے اللہ کی طرف سے عائد شدہ احکام کی پاسداری کے متعلق ارشاد قدرت ہے۔ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ یعنی تم میرے عہد کو پورا کرو۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا۔ اسی طرح نذر عہد اور قسم وغیرہ کے مطابق عمل کرنا واجب ہوا کرتا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہو جاتا ہے اور عقود سے مراد نکاح طلاق اور بیع و شرا بلکہ جملہ باہمی معاملات میں انسان کو اپنے عہد و پیمان کا پابند ہونا چاہیئے۔ گویا آیت مجیدہ میں حقوق اللہ حقوق النفس اور حقوق الناس تمام حقوق کی رعایت کا حکم دیا گیا ہے اور انسان کی صحیح معاشرتی زندگی اور کامیاب تمدنی حیات کا راز اسی میں مضمر ہے۔

یُحَافِظُوْنَ۔ مومن کی ساتویں نشانی نماز کی پابندی ہے۔ پہلی نشانی نماز میں خشوع اور آخری نشانی نماز کی پابندی بیان کر کے نماز کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ علامات مومن قدرے تفصیل کے ساتھ ہم نے تفسیر کی چھٹی جلد صفحہ ۱۶۳ تا صفحہ ۱۸۰ بیان کی ہیں۔

اَلْوَارِثُوْنَ - یعنی وہ مومن جن میں صفاتِ مذکورہ پائی جائیں گی وہ جنت کے وارث ہوں گے اور چونکہ وراثت کا اطلاق ایک سے دوسرے کی طرف استحقاق کی بنا پر ملکیت کے منتقل ہونے پر ہوتا ہے۔ مثلاً باپ کے بعد بیٹے کی طرف حق ملکیت کے منتقل ہونے کا نام وراثت ہے تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنت میں وراثت کا کیا مطلب ہے جب کہ وہاں موت ہی نہ ہوگی ؟ نیز جنت کی آبادی کا سلسلہ ہی اس وقت سے شروع ہوگا جب کہ عدل الٰہی کے بعد فیصلہ ہو چکے گا۔ پس ایک ہی وقت میں جنتی جنت میں جائیں گے اور کچھ وقفہ کے بعد جانے والے بھی اپنی الگ اور مخصوص جگہوں کی طرف جائیں گے جو انہی کے لئے ہوں گی نہ کہ کسی کی متروکہ ملکیت پر بطور وراثت پہنچیں گے اور جنت کا قیام دنیاوی قیام کی طرح نہیں ہے کہ ایک گروہ پہلے آباد ہو پھر ان کے چلے جانے کے بعد دوسروں کو حق رہائش دیا جائے بلکہ وہاں تو سب نے بیک وقت رہنا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے تو اس کا جواب احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ہر انسان کے لئے آخرت میں دو گھر موجود ہیں ایک جنت میں اور ایک جہنم میں۔ پس جو شخص مرنے کے بعد مستحق عذاب ہو اور دوزخ میں چلا جائے تو جنت میں جانے والے اُس کے جنت والے مکان کے وارث ہوں گے۔ اور تفسیر برہان و صافی میں تفسیر قمی سے منقول ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مخلوق میں سے ہر ایک کے لئے جنت میں اور دوزخ میں ایک ایک مکان موجود ہے۔ پس جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچیں گے تو ایک منادی کی آواز آئے گی۔ اے جنت والو! سر بلند کر کے دوزخ کی طرف جھانکو۔ چنانچہ ان کو اپنے دوزخ والے گھر دکھائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم نافرمانی کرتے تو تمہارا ٹھکانا ان گھروں میں ہوتا۔ پس اگر خوشی کے مارے وہاں موت ہوتی تو اہل جنت خوشی سے مر جاتے کہ خدا نے ان کو اس دائمی عذاب سے بچا لیا ہے پھر منادی اہل دوزخ کو ندا دے گا کہ سر بلند کر کے اُوپر دیکھو۔ پس ان کو اپنے جنت والے گھر دکھائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ اگر تم نیک عمل بجا لاتے تو ان گھروں پر تمہاری رہائش ہوتی۔ پس اگر غم کی وجہ سے کسی کی موت واقع ہوتی تو اہل دوزخ جنت کے فراق کے غم میں مر جاتے۔ پس اہل جنت دوزخیوں کے جنت والے گھروں کے وارث ہوں گے اور اہل دوزخ جنتیوں کے دوزخ والے گھروں کے وارث ہوں گے۔ گویا جنتیوں کے لئے یہ امر مزید سرور و انبساط کا موجب ہوگا اور دوزخیوں کے لئے یہ اندوہناک بات باعث زیادتی حسرت و ارمان ہوگی اور یہی مضمون تفسیر کی نویں جلد سورہ طٰہٰ میں ان منکم الا واردھا کے ذیل میں بھی گذر چکا ہے ص ۱۵۵

انسان کی پیدائش کا ذکر

سُلَالَۃٍ ص ۵۹ ۔ وہ نچوڑ یا جوہر جو کسی دوسرے جسم سے حاصل کیا جائے اس کو سلالہ کہا جاتا ہے اور اسی بنا پر بیٹے کو سلالہ یا سلیلہ بھی کہتے ہیں اور انسان کی پیدائش ایک جوہر سے ہے جو مٹی سے حاصل کیا گیا ہے یہ جوہر یعنی مادۂ منویہ بصورت نطفہ ایک وقت مقرر تک مناسب قرارگاہ یعنی عورت کے رحم میں رہتا ہے پھر اس کے بعد ایک وقت تک وہ نطفہ خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے پھر ایک مقررہ میعاد تک

هُمۡ فِيهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور تحقیق ہم نے پیدا کیا ہر انسان کو ایک جوہر سے جو مٹی سے

طِيۡنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقۡنَا

ہے پھر بنایا ہم نے اس کو نطفہ مناسب قرار گاہ (رحم) میں پھر بنایا ہم نے

النُّطۡفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا

نطفہ کو خون بستہ پس بنایا ہم نے خون بستہ کو لوتھڑا پس بنایا اس لوتھڑے سے ہڈیوں کو

وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پس قدرت کی صنعت کاری سے اس میں ہڈیاں بنتی ہیں اور ان کو گوشت کا لباس پہنایا جاتا ہے اور اُوپر چمڑے کا پردہ دے کر بحکم پروردگار اس میں روح انسان کو داخل کیا جاتا ہے اور وہ ایک نئی مخلوق کا روپ دھار لیتا ہے۔

تفسیر برہان میں کافی سے متعدد روایات منقول ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ رحم میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس دن علقہ یعنی خون بستہ پھر چالیس دن مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پس اس کے بعد نر یا مادہ بنتا ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ لڑکے کے لئے دعا چار ماہ تک مانگی جائے کیونکہ چار ماہ یعنی ایک سو بیس دن پورے ہو جانے کے بعد وہ لڑکا یا لڑکی بن جاتا ہے اور اس میں نفخ روح ہو جاتا ہے۔

حمل کا خون بہا

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ روح داخل ہونے سے پہلے جنین (بچے) کی دیت ایک سو دینار مقرر کی گئی ہے یعنی اس زمانہ میں اگر کوئی شخص کسی عورت کا حمل ساقط کرے تو اس پر ایک سو دینار جنین (بچے) کا خون بہا واجب الادا ہو گا اور منی کے قرار پکڑنے سے جنین بننے تک پانچ منزلیں ہیں۔ پہلی منزل نطفے کی دوسری منزل علقے کی تیسری منزل میں مضغہ چوتھی منزل میں ہڈیوں کی پیدائش اور پانچویں منزل میں ہڈیوں پر گوشت و پوست کا لباس۔ پس پانچویں منزل کامل ہونے کے بعد وہ جنین کہلاتا ہے اور اس کے ساقط کرنے کی دیت (خون بہا) ایک سو دینار ہے اور اس سے پہلے کی ہر منزل کے لئے بیس دینار ہوں گے۔ چنانچہ نطفے کے اسقاط کی دیت بیس دینار ہو گی، علقے کے ساقط کرنے پر دیت چالیس دینار ہو گی۔ مضغے کی دیت ساٹھ دینار ہڈیاں پیدا ہونے کے بعد دیت اسی دینار اور گوشت پوست پہن لینے کے بعد ایک سو دینار دیت ہو گی۔ اس کے بعد جب روح داخل ہو جائے اور نیا روپ اختیار کر لے تو اس کے ساقط کرنے کی دیت پورے انسان کا خون بہا یعنی ایک ہزار دینار ہو جائے گی جب کہ وہ مذکر ہو لیکن اگر مونث ہو تو اس کی دیت نصف یعنی پانچ سو دینار ہو گی۔

اگر حاملہ عورت قتل ہو جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ کامل موجود ہو لیکن وہ ساقط نہ ہو۔ پس نہ اس کے مذکر یا مونث

فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ

پس پہنایا ہڈیوں کو گوشت پھر پیدا کیا ہم نے اس کو ایک الگ مخلوق پس بابرکت ہے اللہ جو بہترین

الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

خالق ہے پھر تم اس کے بعد مرنے والے ہو پھر تم قیامت کے دن

ہونے کا پتہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کی موت ماں کی موت کے بعد واقع ہوئی ہے یا ساتھ یا پہلے تو اس بچے کی دیت لڑکے اور لڑکی کی دیت کے مجموعے کا نصف ہو گی اور اس کے بعد عورت کی پوری دیت اس کے علاوہ واجب ہو گی اور جنین کی چھٹی منزل ہو گی۔ (پوری دیت)

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے سلیمان بن خالد کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا اے فرزند رسول اگر کوئی شخص نطفے کا اسقاط کرے اور اس کے ساتھ ایک خون کا قطرہ بھی نکلے تو اس کی دیت کتنی ہو گی؟ آپ نے فرمایا خون کے ایک قطرہ کی دیت نطفے کی دیت کا دسواں حصہ ہو گی۔ پس نطفے کے لئے بیس دینار اور قطرۂ خون کے لئے دو دینار کل بائیس دینار دیت ہو گی۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا اگر خون کے دو قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا چوبیس دینار دیت ہو گی۔ میں نے کہا اگر تین قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا ۲۶ دینار دینے پڑیں گے میں نے پوچھا اگر چار قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا ۲۸ دینار دیت ہو گی۔ پھر میں نے عرض کی اگر پانچ قطرے ہوں تو آپ نے فرمایا تیس دینار دیت ہو گی۔ اس کے بعد یہی حساب ہو گا۔ پھر جب علقہ ہو جائے تو چالیس دینار ہو جائے گی۔ میں نے پوچھا اگر نطفہ خون سے لتھڑا ہوا ہو تو آپ نے فرمایا اگر خون صاف ہے تو علقہ شمار ہو گا اور دیت چالیس دینار ہو گی لیکن اگر خون سیاہ قسم کا ہے تو وہ رحم کا خون ہو گا اور دیت نطفہ کی بیس دینار رہے گی۔ سائل نے پوچھا اگر علقے میں ایک رگ یا گوشت کی شکل نظر آئے تو آپ نے فرمایا چالیس پر دو بڑھ جائیں گے۔ راوی نے پوچھا کہ چالیس کا دسواں تو ایک دینار ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس کا دسواں نہیں بلکہ مضغے کا دسواں حصہ بڑھانا ہو گا اور وہ دو دینار ہیں اور ساٹھ تک یہی حساب رہے گا اور مضغے کی دیت ساٹھ دینار ہو گی پھر اگر ہڈی پیدا ہونے لگے تو چار دینار بڑھ جائیں گے یہاں تک کہ اسّی دینار تک پہنچ جائے اور راوی نے پوچھا کہ جب ہڈیوں پر گوشت آنا شروع ہو جائے تو آپ نے فرمایا اسی طرح حساب کرتے جاؤ یہاں تک کہ ایک سو تک پہنچ جائے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی کہ اگر کوئی شخص حاملہ عورت کو مکا مارے اور بچہ ساقط ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ تھا یا مردہ تو آپ نے فرمایا کہ جب حمل چار ماہ کا ہو جائے تو وہ زندہ ہی ہوتا ہے، لہٰذا اس کی پوری دیت ادا کرنی پڑے گی۔

اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ علامہ طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں۔ وَفِيْ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ اِسْمَ الْخَلْقِ قَدْ يُطْلَقُ

علیٰ فعل غیر اللہ تعالیٰ الا انّ الحقیقۃ فی الخلق للہ سبحانہ فقط فانّ المراد من الخلق ایجاد الشیٔ مقدرًا تقدیرًا لا تفاوت فیہ وھذا انما یکون من اللہ سبحانہ و تعالیٰ ودلیلہ قولہ الا لہ الخلق والامر۔ ترجمہ۔ آیت مجیدہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ خلق کا لفظ بعض اوقات غیر اللہ کے فعل پر بھی بولا جا سکتا ہے لیکن اس کا حقیقی اطلاق صرف اللہ سبحانہ کی ذات کے لئے ہی ہے کیونکہ خلق کا معنی ہے شیٔ کا ایسے انداز سے ایجاد کرنا کہ اس میں کوئی تفاوت نہ ہو اور یہ صرف اللہ سے ہی ہو سکتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ خود ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ خلق اور امر صرف اس کی ذات کے لئے ہی ہے۔

بعض اہل منبر سادہ لوح عوام سے خراج تحسین حاصل کرنے کی خاطر احسن الخالقین کی لفظ کا سہارا لے کر محمدؐ و آل محمدؐ کو خالق ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح خیر الرازقین کی لفظ سے ان کا رازق ہونا ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا اور انہوں نے باقی سب کو پیدا کیا اور خدا نے معاملہ خلق و رزق ان کے سپرد فرمایا ہے۔ مذہب شیعہ میں یہ عقیدہ سراسر شرک ہے اور اس کا قائل بلاشک و شبہ مشرک و نجس ہے۔ چنانچہ بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ من زعم انّ اللہ یفعل افعالنا ثمّ یعذبنا علیھا فقد قال بالجبر ومن زعم انّ اللہ عزّ وجلّ فوّض امر الخلق والرزق الی حججہ فقد قال بالتفویض والقائل بالجبر کافر والقائل بالتفویض مشرک۔ ترجمہ۔ جو شخص یہ کہے کہ خدا خود ہمارے افعال کا خالق ہے۔ اور پھر ہمیں عذاب بھی دے گا تو وہ جبر کا قائل ہے اور جو یہ گمان کرے کہ تحقیق اللہ نے خلق و رزق کا معاملہ اپنے نمائندوں محمدؐ و آل محمدؐ کے سپرد کر دیا ہے تو وہ تفویض کا قائل ہے۔ حالانکہ جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے۔ ایک اور مقام پر آپ نے ارشاد فرمایا۔ ومن زعم انّ الینا الخلق وعلینا الرزق فنحن الیک منہ براء کبراءۃ عیسیٰ بن مریم من النصاریٰ۔ ترجمہ۔ اور جو یہ سمجھے کہ خلق و رزق کا معاملہ ہمارے سپرد ہے تو اے اللہ ہم تیری طرف ایسوں سے بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نصاریٰ سے بیزار تھے۔ ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں اس موضوع پر کافی تبصرہ کیا ہے اور مشککین کے شبہات کو عقلی و نقلی دلائل سے رد کیا ہے۔ نیز مقدمہ تفسیر کے آخر میں بھی اس مسئلہ کو حل کیا ہے جو منصف طبع لوگوں کی تسلی کے لئے کافی ہے۔

دور حاضر کی اندھیر گردی دھاندلی اور دیدہ دلیری کے انتہائی روح فرسا بلکہ جان لیوا مصائب میں سے ہے کہ دین خداوندی اپنوں کے ہاتھوں کند چھری سے ذبح ہو رہا ہے۔ شرک کا نام توحید پرستی کفر کا نام اسلام الحاد و زندقہ کا نام بصیرت و معرفت اور نفاق کا نام ایمان رائج الوقت اصطلاحیں ہیں۔ قریش مکہ کو باچھیں کھول کھول کر مشرک کہنے والے اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے حالانکہ قریشی لوگ اصنام کو وسیلہ قرب خداوندی قرار دے کر ان کی پوجا کرتے تھے ورنہ خلق و رزق اور موت و حیات کے مسائل میں وہ بھی اللہ کو لاشریک مانتے تھے۔ محمدؐ و آل محمدؐ کے حق میں غلو آمیز تقریریں کرنے والے آیات متشابہات اور ضعیف

تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ
اٹھائے جاؤ گے اور تحقیق ہم نے پیدا کئے تمہارے اوپر سات آسمان اور ہم نہیں مخلوق سے غفلت

غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ
کرنے والے اور ہم نے اتارا آسمان سے پانی اندازے سے پس اس کو ٹھہرایا

روایات کا سہارا لیکر جہاں ایک طرف شرک کی نشر و اشاعت کرتے ہیں وہاں درحقیقت محمدؐ و آل محمدؐ کے مذہب کے تقدس کو برباد کرتے ہیں اور قرآن و اسلام کو اہل عقل و دانش کے سامنے سبک کرنے کی ناپاک جسارت کے مرتکب ہوتے ہیں اِس دور میں مسئلہ توحید اپنوں اور بیگانوں کے ظلم کا نشانہ بن چکا ہے۔ دشمنان اسلام تو مسئلہ توحید سے گلو خلاصی کر کے اپنی عیاشیوں رنگ رلیوں اور من مانی کارروائیوں کے آزادانہ رواج کے خواہشمند ہوتے ہیں لیکن پرچم اسلام کے نیچے رہنے والے اور بالخصوص محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اپنا ہادی و رہبر سمجھنے والے صرف چند ٹکوں کی خاطر اپنے وقار ناپائیدار کے لئے ناخواندہ عوام کی پسماندہ اور غیر مہذب ذہنیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مسئلہ توحید سے برسرپیکار ہیں۔ بہرکیف اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں وہی تمام کائنات کا خالقِ واحد ہے اگر کسی دوسرے پر خالق کا لفظ کہیں استعمال ہوا ہے تو وہ مجازی ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کا خالق بھی وہی اللہ ہے جس نے ان کو اپنی باقی سب مخلوق پر شرافت و کرامت بخشی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا۔ یعنی ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے۔ طرائق کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) ہر آسمان کو طریقہ کہا گیا ہے۔

لِتَطَارُقِهَا۔ کیونکہ وہ تہ بہ تہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں (۲) اس لئے کہ ملائکہ کے گذرنے کے راستے ہیں (۳) اس لئے کہ وہ سات طبقے ہیں اور ہر طبقہ کو طریقہ کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ایک سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کے سفر کا فاصلہ ہے اور اسی طرح زمین سے آسمان تک بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہم نے آسمان کے معنی کی تحقیق لمعۃ الانوار میں بیان کی ہے۔

غَافِلِيْنَ۔ یعنی اس قدر مخلوق کا پیدا کرنا ہماری غفلت اور بے علمی کی وجہ سے نہیں بلکہ ہم نے جان کر اور کسی مصلحت کی بنا پر یہ تخلیقی کارنامہ کیا ہے پس یہ پُر از حکمت نظام اور عجیب و غریب صنعتی استحکام بے حد و حساب مصالح و حکم پر مبنی ہے جن کی گرہوں کو علم و معرفت اور فکر و تدبر کے ناخنوں سے کھولا جا سکتا ہے۔

مَآءً بِقَدَرٍ۔ یعنی ہم نے پانی کو صحیح اندازہ سے نازل کیا اور ہماری حکمت و مصلحت کا جو تقاضا تھا اسی مقدار سے اس کو اتارا اور اس کو زمین میں جگہ دی پس وہ تالابوں میں ٹھہر گیا یا چشموں کے ذریعے سے اُبل پڑا یا دریا و نہر بن کر زمین کی سطح پر جاری ہوا تاکہ زمین پر بسنے والی مخلوق حسب ضرورت اس سے نفع مند ہو سکے۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ

فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ﴿١٨﴾ فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ

زمین میں اور ہم اس کو لے جانے پر (بھی) قادر ہیں پس ہم نے تمہارے لئے پیدا کئے

جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ

اس کے ذریعے باغات کھجوروں سے اور انگوروں سے کہ تمہارے لئے ان میں میوہ جات بکثرت ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو

﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلْآكِلِينَ ﴿٢٠﴾ وَ

اور وہ درخت جو نکلتا ہے طور سینا سے اگاتا ہے گھی اور سالن کھانے والوں کے لئے اور

دنیا کے پانچ دریا جنت سے خدا نے اتارے ہیں (۱) سیحون یعنی دریائے سندھ بمعہ اپنے معاونین کے (۲) دریائے جیحون جو بلخ کے علاقہ سے بہتا ہے (۳) دریائے دجلہ (۴) دریائے فرات (۵) دریائے نیل۔ ان پانچوں دریاؤں کو ایک ہی چشمے سے پیدا کیا اور ان میں لوگوں کے لئے متعدد فوائد اور منافع تفویض فرمائے۔

نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ۔ میوہ جات میں سے مثال کے طور پر انگوروں اور کھجوروں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ حجازی لوگ بالعموم ان سے بہرہ ور تھے پس ان کے اذہان سے مطلب کو قریب تر کرنے کے لئے ایسے پھلوں کا ذکر کیا جن سے وہ مانوس تھے۔

طُورِ سَيْنَاءَ بعضوں نے سَیْنَا اور بعضوں نے سِیْنَاءَ پڑھا ہے اور دونوں قرائتوں میں اس کو غیر منصرف پڑھا گیا ہے اور اس جگہ درخت سے مراد زیتون ہے۔ نعمات کے تذکرہ میں اس درخت کا ذکر اس لئے ہے کہ اس سے فوائد زیادہ حاصل ہوتے ہیں کیونکہ اس کے پھل سے گھی برآمد ہوتا ہے جو کافی نفع بخش ہے۔ سَیْنَا کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) اس جگہ کا نام ہے جہاں طور پہاڑ واقع ہے (۲) ایک پتھر مخصوص کا نام ہے کہ پہاڑ بھی اس کی طرف منسوب ہے (۳) بعضوں نے اس کا معنی برکت ذکر کیا ہے کہ وہ برکت والا پہاڑ ہے (۴) طور کا معنی پہاڑ اور سیناء کا معنی درختوں سے سرسبز (۵) طور کا معنی پہاڑ اور سینا کا معنی خوبصورت اور کہتے ہیں یہ وہی پہاڑ ہے جس سے حضرت موسیٰ کو آواز آئی تھی اور وہ مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔

تفسیر برہان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ موسیٰ کے پہاڑ کو طور سینا اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس پر زیتون کے درخت تھے اور جس پہاڑ پر فائدہ مند سبزیاں یا کارآمد درخت ہوں اس کو طور سینا یا طور سینین کہا جاتا ہے ورنہ صرف طور کہلاتا ہے۔

تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ پشت کوفہ کی طرف لے جانا جب تمہارے قدم رک جائیں اور سامنے ہوا آجائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور ایک دفعہ غری (نجف اشرف) کا ذکر ہوا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا یہ وہ پہاڑ کا ٹکڑا ہے جس پر موسیٰ کے ساتھ کلام ہوا اور اسی پر عیسیٰ کو تقدیس ملی۔ اور یہیں سے ابراہیم خلیل ہوئے اور حضرت محمدؐ حبیب خدا بنے۔ خدا نے اس جگہ کو تمام

اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

تحقیق تمہارے لئے چرپاؤں میں نصیحت ہے کہ ہم پلاتے ہیں تم کو اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور تمہارے لئے ان میں

كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

فائدے زیادہ ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو اور تحقیق ہم نے نوح کو

نبیوں کا مسکن بنایا۔ خدا کی قسم اپنے والدین آدم و نوح کے بعد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے زیادہ کریم وہاں کوئی ساکن نہیں ہوا۔

صِبْغٍ۔ اس کا معنی ہے رنگ۔ جب روٹی کا نوالہ سالن میں ڈبویا جاتا ہے تو اس پر سالن کا رنگ چڑھ آتا ہے اس لئے اس مقام پر صبغ سے مراد سالن ہے۔ پس زیتون سے دو فائدے ہیں ایک تیل کا کام دیتا ہے اور دوسرے سالن کے کام بھی آتا ہے۔ حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ یہ مبارک درخت ہے اس کو سالن کی جگہ کھاؤ اور تیل کی جگہ بھی استعمال کیا کرو۔

لَعِبْرَةً۔ یعنی حیوانات میں غور و فکر کرو۔ تو تم کو خالق کائنات مدبر عالم حضرت حق سبحانہ کی معرفت کے دلائل و براہین ملیں گے۔ مثلاً ان کے پیٹ سے ہم تم کو تازہ دودھ پینے کے لئے مہیا کرتے ہیں ان سے سواری کا کام لیا جا سکتا ہے۔ باربرداری کے وہ کام آتے ہیں زمین کی آبادکاری میں وہ معاون ہوتے ہیں اور ان کو ذبح کر کے بطور خوراک کے تم استعمال کر سکتے ہو۔ اور ان تمام فوائد کے لئے خدا نے ان کو تمہارے لئے مسخر اور مطیع کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر خشکی کی سیر مطلوب ہو تو حیوانات سے سواری کا کام لو اور اگر سمندروں اور دریاؤں کی سیر کرنا ہو تو کشتیاں تمہارے لئے مطیع ہیں۔ خداوند کریم نے اس پورے رکوع میں اپنے احسانات کی یاددہانی سے اہل ہوش و حواس طبقہ کو اپنی توحید کی معرفت کی دعوت دی ہے اور ارباب عقل و دانش کے لئے اور منصف طبع انسانوں کے لئے اس سے زیادہ قابل قبول ذریعہ کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

رکوع نمبر ۲ حضرت نوحؑ کا ذکر

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ صـ۶۵۔ قرآن کی سچی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانہ کے جہلا نبوت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اور ہر دور میں بارسوخ مقررو لکچرار اپنی چوہدراہٹ کی خاطر نبوت کی تردید میں عوام کو یہی لقمہ دیتے تھے کہ دیکھو یہ تو ہم جیسا بشر ہے اگر خدا رسول بھیجتا تو کوئی فرشتہ بھیج دیتا۔ پس یہ شخص از خود دعویٰ نبوت کر کے ہمارے اوپر اپنی بادشاہت اور برتری قائم کرنا چاہتا ہے۔ پس جہلا اپنے مقررین ملاں کے دام تزویر میں پھنس کر نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتے تھے ہم نے نور اور بشر کے مسئلہ پر تفسیر کی ساتویں جلد میں صـ۲۰۸ تا صـ۲۱۲ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

مَا سَمِعْنَا صـ۶۵۔ یہ مصیبت بھی ہر زمانہ میں رہی ہے کہ اپنے بڑوں کی تقلید کے پیش نظر حق کی معقول بات کو ٹھکرا

نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ

بھیجا اپنی قوم کی طرف تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی کہ نہیں تمہارے لئے کوئی معبود اس کے سوا

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ

کیا تم ڈرتے نہیں ہو تو کہا ان سرداروں نے جو کافر تھے اس کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ

مگر بشر تمہاری طرح تم پر برتری رکھنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے

مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ

نہیں سنا ہم نے یہ (مسئلہ توحید) اپنے گذشتہ باپ دادا سے نہیں ہے یہ مگر ایک مرد

بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ

دیوانہ پس انتظار کرو اس کی ایک وقت تک (نوح نے) کہا اے رب میری امداد کر کہ وہ

بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ

مجھے جھٹلاتے ہیں تو ہم نے اس کو وحی کی کہ کشتی بنا ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے

بلادریغ ٹھکرا دیتے ہیں اور خدا نے اس آبائی تقلید کی قرآن مجید میں متعدد بار تردید فرمائی ہے۔ بہت سے اپنے آپ کو شیعہ کہلوانے والے سنی مسلمانوں کو آبائی تقالید سے باز رکھنے کے لئے قرآن سے استشہاد کرتے ہیں۔ لیکن جب ان کو اپنی غلط اور ناجائز رسوم اور مشرکانہ عقائد سے روکا جائے تو فوراً اپنے باپ دادا کی تقلید سے لپٹ جاتے ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

فَتَرَبَّصُوْا۔ یعنی ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ اس کی زندگی کا انتظار کرو۔ جب مرے گا تو ہم نجات پالیں گے یا یہ کہ انتظار کرو، شاید اپنے جنون سے اس کو افاقہ مل جائے اور بہکی بہکی باتیں چھوڑ دے۔ یہ ہے حق بات کہنے والوں کے متعلق لوگوں کا نظریہ جس کو قرآن دہرا کر حق کے مبلغین کی حوصلہ افزائی فرما رہا ہے۔ باقی تفسیر جلد ۷، صہ ۲۱۵، صہ ۲۱۶ پر ملاحظہ کیجئے۔

وَلَا تُخَاطِبْنِیْ۔ حضرت نوح علیہ السّلام کو پہلے سے منع کر دیا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے دعا نہ کرنا تو اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السّلام کا فرزند اعلانیہ کافر نہیں تھا بلکہ حضرت نوح ؑ کے ساتھ ان کی وفاداری کا اظہار کرتا تھا اور کفار کی

وَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ

پس جب آئے ہمارا امر اور جوش مارے تنور تو سوار کرلے اس میں ہر شے سے

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا

جوڑا جوڑا اور اپنی اہل کو مگر وہ جن پر حتمی ہو چکا ہے وعدہ (عذاب) اور نہ

تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ

خطاب کر مجھے ان لوگوں کے بارے میں جو ظالم ہیں تحقیق وہ غرق ہونیوالے ہیں پس جب سوار ہو جاؤ تو اور

وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾

تیرے ساتھی کشتی پر تو کہو حمد ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم سے

وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِي

اور کہو اے رب اتار ہمیں اتارنا مبارک اور تو بہتر اتارنے والا ہے تحقیق اس میں

ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ

نشانیاں ہیں اور تحقیق ہم آزمانے والے ہیں پھر ہم نے پیدا کیا ان کے بعد ایک

قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ

دوسری قوم کو پس بھیجے ہم نے ان میں رسول ان میں سے کہ عبادت کرو اللہ کی کہ

مجلس میں ان کا ہم عقیدہ ہو جاتا تھا۔ پس وہ منافق تھا اور اس کے ظاہری اسلام کی خاطر ہی حضرت نوحؑ نے اس کی سفارش کی تھی مسئلہ کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۷ صفحہ ۲۱۸ پر ملاحظہ کیجئے۔

مُنْزَلًا یہ مصدر میمی کہلاتا ہے اور مفعول مطلق واقع ہے۔ کسی نئی جگہ انسان پہنچے تو یہ دعا مانگ لیا کرے۔ پس خدا اس جگہ کا شر اس سے دفع کرے گا۔ جیساکہ حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے۔ (صافی)

اَنْشَأْنَا۔ یعنی حضرت نوح کی قوم کی غرقابی کے بعد دوسری قومیں ان کی جانشین ہوئیں اور ان میں بھی ہم نے رسول بھیجے مثلاً حضرت ہود اور حضرت صالح وغیرہ اور انہوں نے بھی توحید کا پیغام لوگوں کو سنایا۔

نکتہ لطیفہ حضرت نوحؑ کی غرق ہونے والی اُمت میں ان کا ایک بیٹا اور ایک بیوی بھی تھے لیکن حضرت نوحؑ نے بیٹے کے لئے

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ

نہیں تمہارا کوئی معبود اس کے سوا کیا تم نہیں ڈرتے ؟ اور کہا ان سرداروں نے اس کی قوم سے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی حاضری کو اور ہم نے ان کو نعمتیں دی تھیں زندگی دنیا میں

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا

کہ نہیں یہ مگر تم جیسا بشر کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جو تم

تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

پیتے ہو اور اگر تم نے اطاعت کی اپنے جیسے بشر کی تو تم خسارہ پانے والے ہو گے

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

کیا وہ تم کو ڈراتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو (دوبارہ) نکالے جاؤ گے

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

محال ہے محال ہے وہ جس سے تم ڈرائے جاتے ہو نہیں مگر یہی دنیاوی زندگی کہ ہم

سفارش فرمائی اور بیوی کے لئے سفارش نہ کی حالانکہ دونوں کا طرز عمل ایک تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے نبی کی اہل کو بچا لینے کا وعدہ فرمایا تھا اور بیٹا چونکہ اہل میں داخل ہوتا ہے اور ظاہری طور پر وہ ایمان والوں میں بھی شامل تھا اور نہ وہ آپ کی محبت کا مرکز بنتا اور سفارش کے قابل نہ ہوتا) پس بیٹے کی اہل بیت ہونے کی حیثیت سے سفارش کرنا اور بیوی کو نظر انداز کرنا صاف بتلاتا ہے کہ بیٹے اہل بیت ہوتے ہیں لیکن بیویاں اہل بیت نہیں ہوا کرتیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ۔ یعنی حضرت نوحؑ کے بعد جو بھی رسول آتے رہے ان کی تردید میں قوم کے سردار اور زبان دراز
رکوع نمبر ۳ آدمی لوگوں کو ان کی بشریت پیش کر کے ایمان لانے سے روکتے رہے کہ دیکھو وہ تو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے۔ پس ایسے کی ہم اطاعت کیوں کریں۔ اسی قدیمی دستور کے مطابق آجکل کے ناخدا ترس ٹھیکہ داران منبر بھی سادہ لوح عوام کے اذہان میں یہی بات پختہ کرتے ہیں کہ جو بشر ہو وہ رسول نہیں ہو سکتا۔ لہذا رسول کو بشر کہنے والے علماء کا منہ چڑاتے ہیں ان کو وہابی کہہ کر جہاں ان کو بدنام کرتے ہیں وہاں قرآنی آیات کا بھی تمسخر اڑاتے ہیں۔

هَيْهَاتَ۔ اسمائے افعال میں سے ہے جو فعل ماضی کے معنی میں ہے۔

نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا نَحۡنُ بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ ﴿۳۷﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافۡتَرٰی

مرتے اور جیتے ہیں اور ہم نہیں مبعوث ہوں گے (قیامت کو) نہیں وہ مگر ایسا شخص جو بہتان باندھتا ہے

عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحۡنُ لَهٗ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِىۡ

اللہ پر جھوٹے اور ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے کہا (رسول نے) اے رب میری مدد کر

بِمَا كَذَّبُوۡنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيۡلٍ لَّيُصۡبِحُنَّ نٰدِمِيۡنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ

کہ مجھے جھٹلاتے ہیں فرمایا عنقریب وہ ضرور ہوں گے پشیمان پس پکڑ لیا

الصَّيۡحَةُ بِالۡحَـقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً ۚ فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ

انکو دھماکے نے ساتھ حق کے پس کر دیا ہم نے انکو ہلاک پس دوری ہے ظالم لوگوں کے لئے (رحمت خدا سے) پھر

اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قُرُوۡنًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۴۲﴾ ط مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ

ہم نے پیدا کیں ان کے بعد دوسری قومیں نہیں آگے بڑھتی کوئی قوم اپنی

اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿۴۳﴾ ط ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا ط كُلَّمَا

موت سے اور نہ پیچھے ہوتی ہے پھر ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو متواتر جب بھی آتا

جَآءَ اُمَّةً رَّسُوۡلُهَا كَذَّبُوۡهُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ بَعۡضًا وَّجَعَلۡنٰهُمۡ

کسی قوم کے پاس ان کا رسول تو اس کو جھٹلاتے تھے پس ہم ایک قوم کو دوسری قوم کے پیچھے لاتے رہے اور

اَحَادِيۡثَ ۚ فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى وَاَخَاهُ

کر دیا ہم نے ان کو مثالیں پس دوری ہے اس قوم کے لئے جو ایمان نہیں لاتے (رحمت خدا سے) پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اسکے بھائی

اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے قائل تھے صرف طریق عبادت ان کا غلط تھا اور اپنے بنائے ہوئے بتوں کو اللہ کا شریک بنا کر ان سے حاجات طلب کرتے اور ان کو مشکل کے وقت سورتے اور پکارتے تھے۔ پس نبی کی حق بیانی اور ہدایت ان کے جذبات کے خلاف تھی لہٰذا اعلان حق کرتے ہی یہ ان کے پیچھے پڑ جاتے تھے۔

غُثَآءً ۔ پانی کے اوپر تیرنے والے تنکوں اور جھاگ کو کہا جاتا ہے۔

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا ۔ یعنی قومیں بدلتی رہیں اور ہم یکے بعد دیگرے انبیاء بھیجتے رہے اور ہر قوم کا اپنے نبی و رسول سے وہی وتیرہ رہا۔

هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

ہارون کو اپنی نشانیوں اور برہان ظاہر کے ساتھ طرف فرعون اور اسکی قوم کے سرداروں کے پس انہوں نے تکبر کیا اور تھے وہ سرکش

عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا

لوگ پس کہنے لگے کیا ہم ایمان لائیں اپنے جیسے دو انسانوں پر حالانکہ انکی قوم ہماری غلام ہے پس انہوں نے ان کو

فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا

جھٹلایا تو ہو گئے ہلاک ہونیوالوں میں اور تحقیق ہم نے دی موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ ہدایت پائیں اور کیا ہم نے مریم کے

ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع

بیٹے کو اور اس کی ماں کو نشانی اور ٹھکانا دیا ہم نے ان کو بلند جگہ جو اچھی رہنے کے قابل اور بہتے پانی والی تھی

اَحَادِيْث ص۶۵ ۔ اُحْدُوْثَه کی جمع ہے یعنی اب وہ ختم ہو گئے اور ان کی باتیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ پس زندہ اقوام کو ان سے درس حاصل کرنا چاہیئے کہ بعد والوں کے لئے ہماری بھی باتیں ہی باتیں رہ جائیں گی لہذا ایسی زندگی گذاریں کہ بعد والے ہماری اچھی باتیں بیان کرتے رہیں۔

جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ ۔ یعنی ہم نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ دونوں کو اپنی نشانی و معجزہ قرار دیا کہ وہ بیٹا بغیر باپ کے تھا اور اس کی ماں بغیر شوہر کے تھی۔ پس عیسیٰؑ کا بیٹا ہونا معجزہ ہے جس طرح کہ مریم کا ماں بننا معجزہ ہے۔

وَاٰوَيْنٰهُمَا ۔ جہاں مریم و عیسیٰ کو ٹھکانا دیا گیا وہ فلسطین یا مصر یا دمشق یا بیت المقدس تھا۔ چار اقوال ہیں اور پانچواں قول امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ ربوہ سے مراد کوفہ کا گردونواح ہے اور قرار سے مراد مسجد کوفہ ہے اور معین سے مراد دریائے فرات ہے۔ (مجمع البیان)

نکتہ علمیہ معین کے متعلق دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) اس کا مادہ اشتقاق عین ہو تو یہ مفعول بروزن مبیع ہو گا۔ پس اس کا موصوف محذوف ماننا پڑیگا یعنی مَاءٌ مَعِيْنٌ (چشمے سے نکلنے والا پانی) (۲) اس کا مادہ اشتقاق مَعَنَ يَمْعَنُ کو قرار دیا جائے تو معین بروزن فعیل ماعون کے معنی میں ہو گا۔ جس سے مراد آسان اور تھوڑی چیز لی جاتی ہے اور آیت کا معنی یہ ہو گا کہ وہ جگہ اچھی قرار گاہ ہے اور اس میں زندگی کی آسانیاں اور سہولتیں میسر ہیں۔

امری مخلوق دورِ حاضر کی کج بحثیوں اور موشگافیوں میں سے محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کا امری مخلوق ہونا زبان زدِ عوام ہے ایسے مسائل میں پڑنا اگرچہ میرے نزدیک چنداں فائدہ مند نہیں لیکن عوامی رجحان سے یکسر پہلوتہی بھی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ امری مخلوق ہونے کی تین صورتیں ذہن میں آتی ہیں (۱) وہ امر پروردگار سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے ہیں اگر یہ معنی مراد

ہو تو اس میں کوئی خاص امتیازی شان ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ تمام مخلوق امر پروردگار سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ (۲) محمدؐ و آل محمدؐ عنایت الٰہیہ خاصہ کے ماتحت جملہ مخلوق سے بوقت پیدائش نرالی شان و عظمت کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ کتاب من لایحضرہ الفقیہ کے باب النوادر کے اخیر میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔

قال للامام علاماتٌ۔ یَکُوْنُ اَعْلَمَ النَّاسِ وَ اَحْکَمَ النَّاسِ وَ اَتْقَی النَّاسِ وَ اَحْلَمَ النَّاسِ وَ اَشْجَعَ النَّاسِ وَ اَعْبَدَ النَّاسِ وَ اَسْخَی النَّاسِ وَ یُوْلَدُ مَخْتُوْنًا وَ یَکُوْنُ مُطَھَّرًا وَ یَرٰی مِنْ خَلْفِہٖ کَمَا یَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَ لَا یَکُوْنُ لَہٗ ظِلٌّ وَ اِذَا وَقَعَ اِلَی الْاَرْضِ مِنْ بَطْنِ اُمِّہٖ وَقَعَ عَلٰی رَاحَتَیْہِ رَافِعًا صَوْتَہٗ بِالشَّھَادَتَیْنِ وَ لَا یَحْتَلِمُ وَ یَنَامُ عَیْنُہٗ وَ لَا یَنَامُ قَلْبُہٗ وَ یَکُوْنُ مُحَدَّثًا وَ یَسْتَوِیْ عَلَیْہِ دِرْعُ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ لَا یُرٰی لَہٗ بَوْلٌ وَ لَا غَائِطٌ لِاَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَکَّلَ الْاَرْضَ بِاِبْتِلَاعِ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ وَ یَکُوْنُ رَائِحَتُہٗ اَطْیَبَ مِنْ رَائِحَۃِ الْمِسْکِ وَ یَکُوْنُ اَوْلٰی بِالنَّاسِ مِنْھُمْ بِاَنْفُسِھِمْ وَ اَشْفَقَ عَلَیْھِمْ مِنْ اٰبَائِھِمْ وَ اُمَّھَاتِھِمْ وَ یَکُوْنُ اَشَدَّ النَّاسِ تَوَاضُعًا لِلّٰہِ جَلَّ ذِکْرُہٗ وَ یَکُوْنُ اٰخَذَ النَّاسِ بِمَا یَاْمُرُ بِہٖ وَ اَکَفَّ النَّاسِ عَمَّا یَنْھٰی عَنْہُ وَ یَکُوْنُ دُعَائُہٗ مُسْتَجَابًا حَتّٰی اَنَّہٗ لَوْ دَعَا عَلٰی صَخْرَۃٍ لَانْشَقَّتْ بِنِصْفَیْنِ وَ یَکُوْنُ عِنْدَہٗ سِلَاحُ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ سَیْفُہٗ ذُوالْفِقَارِ وَ یَکُوْنُ عِنْدَہٗ صَحِیْفَۃٌ فِیْھَا اَسْمَاءُ شِیْعَتِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَ صَحِیْفَۃٌ فِیْھَا اَسْمَاءُ اَعْدَائِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَ تَکُوْنُ عِنْدَہُ الْجَامِعَۃُ وَ ھِیَ صَحِیْفَۃٌ طُوْلُھَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فِیْھَا جَمِیْعُ مَا

آپ نے فرمایا امام کی چند نشانیاں ہیں۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ عالم، تمام لوگوں سے داناتر، تمام لوگوں سے زیادہ متقی تمام لوگوں سے حلیم تر تمام لوگوں سے زیادہ بہادر، تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گذار اور تمام لوگوں سے زیادہ سخی ہوتا ہے۔ وہ ختنہ شدہ اور پاک و پاکیزہ پیدا ہوتا ہے وہ پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہے جس طرح وہ سامنے دیکھتا ہے اس کا سایہ نہیں ہوتا اور جب ماں کے شکم سے زمین پر آئے تو دونوں ہتھیلیوں کے بل بلند آواز سے کلمہ شہادتین پڑھتا ہے۔ اس کو احتلام نہیں ہوتا اس کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن اس کا دل نہیں سوتا اس کے ساتھ فرشتے باتیں کرتے ہیں اس کے جسم پر رسالتمآبؐ کی زرہ پوری آتی ہے۔ اس کا پیشاب و پاخانہ کوئی نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اللہ نے زمین پر فرض عائد کیا ہے کہ اس سے نکلنے والی ہر چیز کو نگل جائے اور اس کی خوشبو کستوری کی خوشبو سے بھی پاکیزہ تر ہوتی ہے وہ لوگوں کے لئے اپنے نفسوں سے بھی اولیٰ ہوتا ہے اور ان پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہوتا ہے۔ وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اللہ کے سامنے زیادہ انکساری کرتا ہے وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے۔ لوگوں سے زیادہ اس پر عامل ہوتا ہے اور جس چیز سے منع کرتے لوگوں سے زیادہ اس سے خود پرہیز کرتا ہے اس کی دعا مستجاب ہوتی ہے حتی کہ اگر پتھر پر دعا کرے تو وہ بھی دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس کے پاس رسالتمآبؐ کے ہتھیار اور اس کی تلوار ذوالفقار ہوتی ہے اس کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہے جس میں قیامت

يَحْتَاجُ اِلَيْهِ وُلْدُ اٰدَمَ وَيَكُوْنُ عِنْدَهٗ اَلْجَفْرُ الْاَكْبَرُ وَالْاَصْغَرُ۔ فِيْهَا جَمِيْعُ الْعُلُوْمِ حَتّٰى اَرْشُ الْخَدْشِ الخبر۔

تک ہونے والے اس کے تمام شیعوں کے نام درج ہوتے ہیں اور اس کے پاس جامعہ ہے یعنی وہ صحیفہ جس کی لمبائی ستر ذراع ہے اور اس میں تمام وہ امور درج ہیں جن کی طرف بنی آدم کو احتیاج ہوتی ہے اور اس کے پاس جفر اکبر ہے اور جفر اصغر ہے۔۔۔ جن میں تمام علوم موجود ہیں حتیٰ کہ خراش کا تاوان بھی۔ الخبر

پس اگر امری مخلوق سے یہ مراد ہے کہ ان کی ولادت ہمارے عام بچوں کی ولادت سے جداگانہ ہے کہ وہ پاک و پاکیزہ ناف بریدہ اور مختون متولد ہوتے ہیں اور پیدا ہوتے ہی کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کا نشوونما ہمارے بچوں کے نشوونما سے ممتاز ہوتا ہے کہ وہ دنوں میں ہفتوں کے برابر ہفتوں میں مہینوں کے برابر اور مہینوں میں سالوں کے برابر ترقی کرتے ہیں اسی طرح ان کی زندگی کے حالات ہماری زندگی سے مختلف ہوتے ہیں جس طرح کہ روایت متذکرہ بالا میں گذر چکا ہے تو اس طرح ان کے امری مخلوق ہونے میں کوئی کلام نہیں یعنی وہ ایک خاص مخلوق ہیں جو عنایات عالیہ الٰہیہ کے خاص محل و مورد ہیں (۲) امری مخلوق کا تیسرا معنی یہ ہے کہ وہ عام مخلوق کے عمومی طریق پیدائش اور صلبی و رحمی قیود سے بالاتر ہو کر عالم وجود میں قدم رکھے۔ حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے متعلق اس معنی سے امری مخلوق کا قائل ہونا بالکل غلط اور سراسر جھوٹ بلکہ بہتان عظیم ہے کیونکہ ان کا سلسلۂ نسب صحیح طور پر آباء و امہات کے ذریعے سے ان تک پہنچتا ہے۔ بہرکیف اصلاب پاکیزہ ارحام طاہرہ سے ان کا منتقل ہونا ناقابل انکار حقیقت ہے اور ان کا توالد[1] و تناسل واضح ترین امور میں سے ہے۔

موجودات عالم کا تخلیقی سلسلہ

دیکھئے موجودات عالم کے سلسلۂ پیدائش پر غور کرنے سے انسان حتمی طور پر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ تمام کائنات کی تخلیق ایک جیسی نہیں ہے بعض کی پیدائش امر پروردگار سے ہے کہ اس میں تدریج و ترتیب کا کوئی دخل نہیں مثلاً آسمان و زمین اور سورج چاند ستارے پانی ہوا، اور اکثر جمادات کی پیدائش اسی طرح ملائکہ و ارواح و انوار وغیرہ کی تخلیق نیز ہر تدریجی اور اسباب و علل کے ذریعے سے پیدا ہونے والی اشیاء کا فرد اول اور نر و مادہ کے ذریعے سے جنم لینے والی مخلوق کا پہلا جوڑا اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ مثلاً انسانوں میں آدم و حوا قوم جنات میں بروایتے مارج و مارجہ یا جو بھی ان کے پہلے ماں باپ ہوں۔ اسی طرح حیوانات کی اقسام میں ہر نوع کا پہلا جوڑا اور نباتات کے اقسام میں سے ہر قسم و نوع کا پہلا فرد صرف امر پروردگار سے کتم عدم سے منصۂ وجود پر پہنچے ہیں اس کے بعد نر و مادہ کے باہمی ارتباط سے یا نباتات میں پہلے فرد کے بیج یا پودوں سے اس کا سلسلۂ نسل قائم ہوا اور بعض کیڑوں مکوڑوں کا مٹی سے یا غلیظ مواد سے پیدا ہونا ممکن ہے اسی قسم سے قرار دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو علل و اسباب کے ذریعہ سے قدرت کا تدریجی تخلیقی کارنامہ قرار دیا جائے۔

بنا بریں پہلے ماں باپ کے بعد جنات کا سلسلہ اولاد اور آدم و حوا کے بعد انسانوں کا سلسلہ پیدائش اور اسی طرح حیوانات و نباتات کی تخلیق اگرچہ امر پروردگار سے ہے لیکن دستور خداوندی کے ماتحت تدریجی و نسلی بقاء و ارتقا کے قانون توالد و تناسل

[1] توالد کا معنی باپ بیٹا پوتا پڑپوتا ہونے کا سلسلہ اور تناسل کا معنی نسل بہ نسل سلسلۂ پیدائش (مصنف)

کے ذریعے سے ہے اور اگر ان میں سے کوئی فرد اسباب وعلل کی قیود سے بالاتر ہو کر یا ارحام واصلاب کی بندش سے آزاد ہو کر کسی نبی یا ولی کی دعا سے یا ان کی شوکت وشان کے اظہار کے لئے یا صداقت وحق کی توضیح واعلان کی خاطر یا کسی اور مصلحت واقعیہ کے ماتحت امرِ خداوندی سے معرضِ ظہور میں آئے تو اس کو زبان شرع میں معجزہ کہا جاتا ہے اسی بنا پر آیت مجیدہ نمبر ۵۰ میں ارشاد ہے جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً یعنی ہم نے عیسیٰ اور اس کی ماں کو آیت (معجزہ) قرار دیا۔ حضرت عیسیٰؑ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا ذاتِ پروردگار کا وہ تخلیقی کارنامہ ہے جو اسباب وعلل کے قانون سے مستثنیٰ اور صلب پدر سے بے نیاز ہونے کے لحاظ سے امری تخلیق کہلانے کا سزاوار ہے جس طرح کہ خود آدم وحوّا اسی امری تخلیق کے مظہر ہیں اور حضرت مریمؑ کو اس لئے معجزہ کہا گیا ہے کہ وہ بغیر شوہر کے حاملہ ہوئیں۔ پس چونکہ ان کا حمل علل واسباب سے بالاتر ہے۔ لہذا اس کو امری کہا جا سکتا ہے اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ والا دُنبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اژدہا وغیرہ امری تخلیقی کارنامے ہیں لہذا ان کو معجزہ کا نام دیا جاتا ہے۔ پس اس لحاظ سے حضرات محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کی پیدائش چونکہ اصلاب طاہرہ اور ارحام مطہرہ کے ذریعے سے ہے لہذا وہ امری نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ ان کی خلقت نوری امری ہے اور خلقتِ جسمانی بھی اس معنی سے امری ہے کہ وہ عنایت الٰہیہ خاصہ کے مورد ہیں کہ مخلوق میں سے کوئی بھی فضل وکمال میں ان تک تو بجائے خود ان کی گرد راہ تک بھی رسائی نہیں پا سکتا۔ بعض عباد قبا میں ملبوس جبہ وعمامہ کے حاملین کہ علمی میدان میں پیش قدمی کرنے سے ان کے پاؤں لنگ اور حقائق بیانی کے لئے اظہار واقع سے ان کی زبان گنگ ہے وہ صرف رقص منبری اور چرب لسانی سے عوام کو مسحور کر کے اپنے وقار کی پاسبانی کرتے ہوئے اور ان کے سادہ دماغوں سے فائدہ اٹھا کر ان کے عقائد پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ دیکھو حضرت عیسیٰؑ امری مخلوق ہو سکتا ہے تو محمدؐ وآل محمدؐ امری مخلوق کیوں نہیں ہو سکتے۔ یہ عقل کے اندھے نہیں سوچتے کہ بحث ہو سکنے میں نہیں بلکہ ہونے نہ ہونے میں ہے۔ ہم کہتے ہیں محمدؐ وآل محمدؐ تو بجائے خود اگر خدا چاہتا تو ساری کائنات کو علل واسباب کے بغیر امری طور پر پیدا کرتا وہ ایسا کرنے پر قادر ہے پس محمدؐ وآل محمدؐ بھی امری مخلوق ہو سکتے ہے لیکن ہے نہیں۔ جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں کہ ان کے آباء وامہات کا سلسلہ صحیح طور پر حضرت آدم وحوّا تک پہنچتا ہے جس طرح کہ ان کی اولاد کا سلسلہ نسب ان تک پہنچتا ہے۔

رقاصانِ منبر اور جاہل ذاکروں نے عوام کے اذہان میں یہ بات راسخ کی ہوئی ہے کہ مرد وعورت کا ہمبستر ہونا ایک عیب ہے اور انبیاء وآئمہ چونکہ عیوب سے پاک وپاکیزہ ہیں لہذا ہمبستر ہونے کے عیب سے بھی وہ پاک ہیں پس وہ امری مخلوق ہیں۔

ایسی بے تکی باتوں سے عقل کا ناطقہ بند اور طائر ہوش وخرد منقار زیر پر نظر آتا ہے۔ انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ مرد نامرد کہلاتا ہے جس میں قوت مردمی نہ ہو اور جنسی خواہش نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح عورت کے عیوب میں سے بھی بدترین عیب یہ ہے کہ اس میں جنسی خواہش کا فقدان ہو۔ پس جنسی خواہش کا زن ومرد میں موجود ہونا عیب نہیں بلکہ کمال ہے ہاں اس خواہش کا غلط استعمال کرنا نقص اور عیب ہے۔ جس سے خدا کے برگزیدہ بندے انبیاء واولیاء وصلحا منزہ ومبرا ہوا کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ

محمدؐ و اہل بیت محمدؐ رجس سے پاک و منزہ ہیں لیکن شادی کرنا ہمبستر ہونا گھریلو میاں بیوی کے تعلقات قائم کرنا اولاد ہونا اور اولاد کی تربیت کرنا وغیرہ رجس نہیں بلکہ انسانی فرائض میں سے ہے اور معاشرہ کی اہم ضروریات میں سے ہے جس کی اصلاح کے وہ علمبردار تھے۔

نیز وہ یہ نہیں سوچتے کہ جناب رسالت مآبؐ کے والدین جناب آمنہ و جناب عبداللہ اسی طرح حضرت علیؑ کے والدین جناب فاطمہ و جناب ابوطالب پھر ان کے والدین تا آدم و حوا یہ سب کے سب زن و مرد نبی یا امام تو نہ تھے۔ پس ان کا سلسلہ پیدائش وافزائش کس طرح قائم رہا۔ پس جب ان کے آباء و امہات کے لئے میاں بیوی کے مخصوص تعلقات عیب نہ تھے تو ان کے لئے وہی تعلقات عیب کیسے بن گئے ہے پھر ان کی تا قیامت اولاد کے لئے وہی جنسی تعلقات عیب کیوں نہ قرار دیئے گئے ہے اگر کہا جائے کہ یہ چیز صرف معصوم کے لئے عیب ہے تو حضرت آدمؑ بھی معصوم تھے۔ پس خدا نے حضرت حوا کو اس معصوم کے لئے کیوں پیدا کیا جب کہ ان کے تعلقات باعث عیب تھے۔ پھر ہر زمانہ چونکہ حجت خدا سے تو خالی ہو نہیں سکتا لہٰذا ہر زمانہ کے نبی اگر اس مفروضہ عیب سے خالی تھے تو ہر اُمت کے لئے اس عیب کو روا کیوں رکھا گیا۔ جب کہ انبیاء کی بعثت ہی دینی اخلاقی معاشرتی عیوب سے لوگوں کو بچانے کے لئے ہوتی ہے اس لحاظ سے تو انبیاء کی شادیوں کا قصہ بھی معرض انکار میں آجائے گا اور لطف یہ کہ حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی شادیوں کا انکار کارے دارد کا مصداق ہے حضرت رسالت مآبؐ کی چودہ یا اس سے زیادہ شادیاں ثابت ہیں اور حقوق ازواج کی پاسداری کی روایات حد تواتر کو پہنچتی ہیں۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور جناب بتول معظمہ سلام اللہ علیہا کی شادی پر قوم شیعہ آج تک نازاں ہے کہ عرش بریں پر ان کی شادی کی خوشی منائی گئی تھی۔ اسی طرح باقی تمام آئمہ نے شادیاں کیں اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے مصلحت وقت کے ماتحت کافی شادیاں کیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اگر ان تمام چیزوں کو مفروضہ قرار دیا جائے تو اساس مذہب ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ حق ہے تو ثابت ہو گا کہ نہ شادی کرنا اور ازدواجی تعلقات قائم کرنا باعث عیب ہے اور نہ شادی کے ذریعے سے پیدا ہونا باعث عیب ہے۔ ورنہ اگر یہ امر باعث عیب ہوتا تو انبیاء و آئمہ خود شادیاں نہ کرتے اور اپنی امت کے زن و مرد کو اس سے پُرزور روکتے اور بصورت دیگر کسی کی شادی پر خوش نہ ہوتے اور غسل جنابت کا مسئلہ پیدا ہی نہ ہوتا حالانکہ حضورؐ کا فرمان ہے۔ اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ یعنی نکاح کرنا میری سنت ہے اور جو میری سُنّت سے اعراض کرے وہ میری اُمت سے نہیں ہے اسی طرح فرمایا۔ تَنَاكَحُوْا تَنَاسَلُوْا۔ نکاح کرو اور اپنی نسل بڑھاؤ۔ کیونکہ یہ چیز بروز محشر میرے لئے باعث فخر ہو گی وغیرہ نیز آجکل کے سادات کی عزت اور ان کا احترام علوی و فاطمی خون کے لحاظ سے ہے اگر آئمہ کا صُلب سے رحم کی طرف خون کے نقل و انتقال کا انکار کیا جائے تو نسل فاطمی کا سرے سے انکار لازم آئے گا اور جو لوگ نسل فاطمہؑ سے ہیں ان کے وقار و احترام میں فرق آجائے گا۔ نیز ان کے لئے صدقہ غیر سید کی حرمت اور خمس کی حلیت اسی نسلی اور خونی شرف کی بدولت ہے۔ نیز اگر ان کی شادی ازدواجی زندگی کے قیام کے لئے نہیں

تو بلاوجہ متعدّد عورتوں کو اپنے نکاح کی قید میں رکھنا جس بے جا کے علاوہ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور اگر ان کے درمیان باہمی ہمبستری کے تعلقات قائم نہ ہوں تو ازواج پیغمبرؐ کو امہات المومنین کہنا فضول ہوگا اور امت کے مردوں پر ان کا حرام ہونا جہاں ایک طرف بالکل بے بنیاد بنتا ہے وہاں دوسری طرف ان منکوحہ عورتوں کو عمر بھر کے لئے انسانی معاشرتی جائز حقوق سے محروم کرنا بھی لازم آتا ہے۔ پس اس ساری تفصیلے و توضیح کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام آدم و حوا و عیسیٰ علیہ السلام کی طرح امری مخلوق نہیں اور ان کا ان پر قیاس کرنا بے تکی ہانکنے کے مترادف ہے۔ پس حضرت ابوطالب و جناب فاطمہ بنت اسد؛ حضرت علی علیہ السلام کے حقیقی والدین ہیں۔ آپ جس طرح حضرت ابوطالب کے صلب میں رہے اسی طرح جناب فاطمہ کے رحم میں رہے اور بیت اللہ میں ان کی ولادت حدّ تواتر کو پہنچتی ہے اور شیعہ حضرت ابوطالب کا ایمان اسی لئے تو ثابت کرتے ہیں کہ یہ پاک نور ناپاک صلب میں نہیں رہا اور نہ کبھی ناپاک رحم میں منتقل ہوا۔

ہمیں ایک ایسے جاہل شخص سے گفتگو کا موقعہ ملا جسے عوام کالانعام نے اس کی چرب لسانی کی بدولت بڑا عالم سمجھ رکھا تھا حالانکہ منبر پر ادھر اُدھر کی چند بے تکیاں ہانک کر جذباتی نعروں کے ذریعے اچھلنے اچھالنے کے علاوہ اور کچھ نہ جانتا تھا۔ اور سراسر مذہب اور اہل مذہب کی قدروں سے ناواقف تھا۔ اُس نے واشگاف لفظوں میں حضرت ابوطالب کے نطفے سے حضرت علیؑ کے پیدا ہونے کا انکار کر دیا اور علماء سے عوام کو متنفر کرنے کے لئے اُوپر یہ فقرہ کس دیا کہ دیکھو علماء حضرت علیؑ کو نجس اور گندے نطفے کی پیداوار جانتے ہیں۔ میں نے نہایت سلجھے ہوئے انداز سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت علیؑ کی پیدائش کا انکار کرو اور حضرت ابوطالب کو حضرت علیؑ کا باپ ماننے سے گریز نہ کرو کیونکہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے لئے باپ کا ماننا کفر ہے، اسی طرح حضرت علیؑ کے لئے باپ کا انکار کرنا کفر ہے کیونکہ اس میں حضرت علی کی توہین ہے تو وہ کہنے لگا کہ حضرت عیسیٰ کے لئے باپ کا ماننا تو یقیناً کفر ہے کیونکہ قرآن کا انکار لازم آتا ہے لیکن حضرت علی کے لئے والد کا انکار کفر نہیں میں نے پوچھا اگر عورت و مرد میں میل ملاپ نہیں تو شادیاں کیوں رچائی گئیں تو کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا جس طرح مورنی مور سے آنکھ کے ذریعہ حاملہ ہو جاتی ہے اسی طرح معصوم شکم مادر میں قرار پکڑتا ہے وحالانکہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں مور اور مورنی کے جنسی ملاپ کا ذکر فرمایا ہے اور ماہر جنسیات لوگ خوب جانتے ہیں۔ بالخصوص جن لوگوں نے گھروں میں مور رکھے ہوئے ہیں کہ مور کے نر اور مادہ میں جنسی ملاپ ہوا کرتا ہے؛ وہ کہنے لگا کہ حضرت علی صلب ابوطالب میں اس طرح رہے جس طرح پرندہ پنجرے میں ہوتا ہے اور جس طرح پرندے اور پنجرے کی جنس الگ الگ ہے۔ اسی طرح حضرت علی اور ان کے والد کی جنس جدا جدا ہے۔ میں نے جب یہ سوال کیا کہ آجکل کے سادات کا اُن سے خونی رابطہ کس طرح قائم ہے جب کہ ان میں میل و ملاپ کی صورت ہی نہیں وہ تو اپنے ماں باپ کے شکم و صلب میں پرندے و پنجرے کی حیثیت سے رہے ہے تو آجکل کے بلکہ قیامت تک کے سادات ان کے اصلاب میں کس حیثیت سے رہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ سادات ان کی صلب سے نہیں تو احترام سادات ختم ہوتا ہے اور اگر کہا جائے کہ ان کی صلب سے ہیں تو جنس کا تفاوت

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوۡا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعۡمَلُوۡا صَالِحًا ؕ اِنِّىۡ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

اے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک تحقیق میں اس سے جو تم کرتے

عَلِيۡمٌ ؕ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمۡ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۵۲﴾

ہو آگاہ ہوں اور تحقیق یہ تمہارا دین ایک دین تھا اور میں تمہارا رب ہوں پس مجھ سے ڈرو

مانع ہے پس اس کا جواب نہ بن آیا۔ فبهت الذی ..... میں نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم اپنے باپوں کے صلبوں میں رہے اور انہی کے نطفہ سے پیدا ہوئے اور وہ پاکیزہ صلبوں سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل ہوتے رہے اور یہ چیز باعث توہین نہیں ہے۔ لہٰذا عوام کے جذبات سے کھیلنے کے بجائے حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے یہ نہ کہو کہ علماء ان کو نجس نطفہ کی پیداوار سمجھتے ہیں اور اگر تمہاری نظر میں نطفہ کا لفظ باعث توہین ہے تو اس کا نام خونی رابطہ تجویز کر لو۔ لیکن یہ بہر کیف تسلیم کرنا پڑے گا کہ آئمہ طاہرین کا اپنے ماں باپ سے خونی تعلق تھا اور جنس ایک تھی نہ کہ پرندہ و پنجرہ کی حیثیت تھی اور اسی سورہ کی آیت ۱۲-۱۳-۱۴ میں ہر انسان کی پیدائش کو نطفہ سے قرار دیا گیا ہے (آدم و حوا و عیسیٰ اس سے مستثنیٰ ہیں) اور جملہ انبیاء۔ و آئمہ علیہم السلام نوع انسانی کے کامل افراد ہیں۔

رکوع نمبر ۴ يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ خدا خود پاک و پاکیزہ ہے۔ لہٰذا پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ پس اس نے مومنوں کو ایسی چیز کھانے کی اجازت دی ہے جس کے کھانے کا رسولوں کو حکم دیا ہے۔ چنانچہ رسولوں کو خطاب فرمایا۔ يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ۔ یعنی اے رسولو! پاکیزہ غذا کھاؤ۔ اور مومنوں سے فرمایا۔ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ یعنی اے ایمان والو! کھاؤ ہمارے پاکیزہ رزق سے ممکن ہے اس جگہ بھی خطاب رسولوں سے ہو اور مراد ان کی اُمتیں ہوں۔ آجکل ایک جاہل طبقہ پیدا ہوا ہے جو معصومینؑ کے کھانے پینے کا منکر ہے خدا مومنوں کو ایسے غلط عقائد سے محفوظ رکھے۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ۔ اس جگہ امت سے مُراد مذہب و دین لیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کی جانب سے سب لوگوں کے لئے دین صرف ایک ہی ہے۔

تَقَطَّعُوۡۤا۔ یعنی لوگوں نے اپنی خواہشات و جذبات کے پیچھے پڑ کر باہمی اتفاق و اتحاد کو پارہ پارہ کر کے ملت و مذہب کے شیرازہ کو منتشر کر دیا اور اپنے اپنے مسلک کے لئے کتابیں مخصوص کر لیں اور دوسری کتابوں کا انکار کر دیا جیسا کہ یہودیوں نے تورات کو لے کر انجیل و قرآن کا انکار کیا اور نصرانیوں نے انجیل سے تمسک کر کے قرآن سے انحراف کیا۔ پس فرقہ بندی کا رجحان پیدا ہوا اور وحدت ملی ختم ہو کر رہ گئی۔ پس ہر شخص اپنی جگہ اپنے خیالات و عقائد پر خوش ہے۔

اَيَحۡسَبُوۡنَ مدّ۔ یعنی جن لوگوں کو دنیا میں ہم مال و اولاد سے خوشنود کرتے ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ ہم پر راضی

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۳

تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا انہوں نے اپنا باہمی معاملہ کتابوں کے ذریعے ہر گروہ ساتھ اس کے جو اسکے پاس ہے خوش ہوتا ہے

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۵۴ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ

پس ان کو چھوڑیئے اپنی تاریکی میں ایک وقت تک کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی امداد کرتے ہیں

بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝۵۵ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۶

مال و اولاد سے ان کی بہتری میں جلدی کرتے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سمجھتے نہیں

ہے اور اسی بنا پر وہ ہمارے اوپر اپنی نعمات کی بارش کر رہا ہے بلکہ باوجود گناہوں کے نعمات کی فراوانی ان کے لیے استدراج ہے اور عذاب کی پیش کش ہے۔ چنانچہ جناب رسالت مآبؐ سے حدیث قدسی میں منقول ہے۔ خدا فرماتا ہے مومن بندے پر جب میں کوئی تنگی نازل کرتا ہوں تو وہ غمزدہ ہوتا ہے۔ حالاں کہ اس میں اس کی بھلائی کا راز مضمر ہوا کرتا ہے۔ اور جب میں اس پر نعمتوں کی زیادتی کرتا ہوں تو وہ خوش ہوتا ہے حالانکہ یہ چیز واقعاً مجھ سے اس کی دوری کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ (مجمع البیان)

بہرکیف کسی آدمی پر دنیاوی نعمات کی بارش اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا اس پر خوش ہے بلکہ ممکن ہے کہ یہ استدراج ہو یا یہ کہ کسی نیکی کا بدلہ دنیا میں اس کو دیا جا رہا ہو تاکہ آخرت میں صرف عذاب دائمی کا ہی مستحق رہ جائے اسی طرح کسی پر دنیاوی تکالیف تنگی رزق اور گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا اس پر ناراض ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ چیز اس کی بلندی مراتب کا پیش خیمہ ہو یا بعض کردہ گناہوں کی اسکو دنیا میں سزا دی جا رہی تاکہ آخرت میں جنت الفردوس اس کا ٹھکانا بنے اور کسی عذاب کا استحقاق اس میں نہ ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ۔ ان آیات میں پروردگار مومنوں کی صحیح نشانی بیان فرماتا ہے کہ ان کے دل میں خوفِ خدا ہمیشہ جاگزین رہتا ہے وہ اللہ کی جملہ نشانیوں پر پورا ایمان رکھتے ہیں اور شرک نہیں کرتے پھر اعمالِ صالحہ کی بجاآوری کے بعد ان کے دلوں میں کھٹکا رہتا ہے کہ کہیں لغزش کی وجہ سے وہ ناقابلِ قبول نہ ہو جائیں۔

ہمارے بعض صالح علماء اعلام کا دستور رہا ہے کہ جب کافی عرصہ تک ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور نعمات پروردگار میں کمی نہ آئے تو توبہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور گڑگڑا کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں کہ کہیں استدراج نہ ہو جس طرح کہ فرعون کے چار سو سالہ دورِ اقتدار میں اس کے سر میں بھی درد نہ ہوا اور یہ اللہ کی جانب سے استدراج تھا نہ کہ خوشنودی پس وہ مومن ہے جو خوشحالی اور بدحالی کے ہر دو زمانوں میں شکر و صبر کا شیوہ اختیار کرے اور طمع بخشش کے ساتھ اس کے عذاب کا ڈر بھی دل میں رکھے اور بعض عارفین کا قول ہے کہ مومن نیکی بھی کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا بھی رہتا ہے۔ اور بخلاف

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ

تحقیق وہ لوگ جو اپنے رب (کے عذاب) کے ڈر سے خوف زدہ رہتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان

رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ

رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور وہ جو ادا

يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾

کرتے ہیں (امور خیر) اور ان کے دل کانپتے ہیں کیونکہ (پتہ ہے) کہ انہیں رب کی طرف جانا ہے

اس کے منافق برائی بھی کرتا رہتا ہے اور اللہ سے ڈرتا بھی نہیں۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی حفص بن غیاث سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر تم کر سکو کہ تمہیں کوئی نہ پہچانے تو ایسا ہی کرو کیونکہ اگر لوگ تمہاری تعریف نہ کریں تو اس میں تمہیں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اسی طرح اگرچہ لوگ تمہاری مذمت بھی کریں تو کوئی حرج نہیں جب کہ اللہ کے نزدیک تم قابل تعریف ہو۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا میں صرف دو قسم کے آدمیوں کے لئے خوبی ہے ایک وہ جو ہر روز اپنی نیکیوں میں اضافہ کرتا رہے اور دوسرا وہ جو اپنے گناہوں کا توبہ سے علاج کرتا رہے۔ لیکن توبہ کہاں۔ خدا کی قسم سجدے کرکے اگر اس کی گردن ٹوٹ بھی جائے۔ خدا اس کی کسی نیکی کو قبول نہ کرے گا جب تک کہ ہماری ولا نہ رکھتا ہو۔ اور جو ہمارے حق کو پہچانے ثواب کی اُمید رکھے۔ وہ نصف مُد کی معمولی خوراک معمولی لباس اور اور معمولی سر ڈھانپنے کے مکان پر رضامند ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ اللہ سے خوف زدہ رہتا ہے جس طرح آیت ۶۰ میں ہے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا اگر تیرے بس میں ہو تو گھر سے قدم باہر نہ رکھو کیونکہ گھر سے نکلنے کے بعد سمجھے کہ جھوٹ حسد (یا تصنع) اور منافقانہ چالوں سے بچا ہو گا۔ پھر فرمایا مومن کے لئے بہترین صومعہ (خلوت کی عبادت گاہ) اپنا گھر ہے کہ وہاں اپنے دل زبان آنکھ اور شرم گاہ کو محفوظ رکھ سکتا ہے جو دل سے اللہ کی نعمت کا اعتراف کرے وہ زبان پر کلمۂ شکر لانے سے پہلے زیادہ کا حق دار بن جاتا ہے اور جو دوسروں پر اپنی برتری کا خیال کرے وہ متکبرین میں شامل ہے۔ راوی نے پوچھا اگر کوئی بندہ کسی دوسرے انسان کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھے۔ پس دل میں خیال کرے کہ میں اس سے افضل ہوں کیونکہ میں اس گناہ سے بچا ہوا ہوں تو آپ نے فرمایا ایسا بھی خیال نہ کرے۔ کیوں کہ ممکن ہے توبہ سے اُس کا گناہ بخش دیا جائے اور تجھے مقام حساب میں کھڑا کر دیا جائے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کئی ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی نعمتوں کی فراوانی سے دھوکہ میں مبتلا ہیں اور کئی ایسے ہیں جو اللہ کی عیب پوشی کی وجہ سے ڈھیل میں پڑ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہماری معرفت رکھنے والوں کے لئے نجات کی اُمید ہے۔ سوائے تین قسم کے لوگوں کے (۱) ظالم حکمران کا دوست (۲) ناجائز خواہش رکھنے والا (۳) اعلانیہ فسق کرنے والا۔ پھر آپ نے آیت پڑھی۔ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ ۔ الخ۔ پھر فرمایا اے حفص محبت

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾ وَلَا

ایسے لوگ جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں کہ وہ ان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں ہم نہیں

نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ

تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی برداشت کے مطابق اور ہمارے (فرشتوں کے) پاس کتاب ہے جو سچی گواہی دیگی

لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِنْ هَٰذَا وَلَهُمْ

اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے دل (غفلت کی) تاریکی میں ہیں اس سے اور ان کے

أَعْمَالٌ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ﴿٦٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا

اعمال زشت اس کے علاوہ ہیں جو وہ عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ جب

خوف سے بہتر ہے۔ خدا کی قسم وہ اللہ کا محب نہیں جو دنیا کا طالب اور ہمارے دشمن کا دوست ہو اور جو ہمارا حق پہچان کر ہماری محبت رکھے وہ اللہ کا دوست ہے۔ یہ سن کر ایک شخص رونے لگا۔ آپ نے فرمایا کیا تو روتا ہے۔ حالاں کہ تمام اہل ارض وسما اگر مل کر گڑگڑا کر تیری سفارش کریں کہ تجھے جہنم سے نجات دے کر خدا جنت میں داخل کردے تو خدا قبول نہ کرے گا۔ اے حفص پیچھے چلنے والا بن اور پیشرو نہ بن۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ جو شخص اللہ سے ڈرے۔ اس کی زبان خاموش ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا وعظ سن کر ایک شخص نے گریبان پھاڑ ڈالا تو وحی ہوئی اے موسیٰ اس سے کہو گریبان پھاڑنے کی بجائے دل کے پردے دور کرے۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے ایک آدمی کو لمبے سجدے میں جاتے ہوئے اور پھر پلٹتے ہوئے بھی دیکھا تو فرمانے لگے۔ اگر تیری حاجت میرے قبضے میں ہوتی تو میں پوری کرتا۔ پس وحی ہوئی اے موسیٰ اگر سجدے کرتے ہوئے اس کی گردن بھی ٹوٹ جائے تو میں قبول نہیں کروں گا۔ جب تک میری مبغوض چیزوں سے پرہیز کرکے میری پسندیدہ چیزوں کی طرف رجوع نہ کرے۔

کِتَابٌ۔ اس سے مراد وہ اعمال نامہ ہے جو فرشتے (کراماً کاتبین) لکھتے ہیں۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ۔ یعنی کافر لوگوں کے دل غفلت جہالت یا کفر کے تاریک گڑھے میں ہیں — اور ان کے اعمال زشت اس کے علاوہ ہیں۔ یعنی جس طرح ان کا باطن سیاہ ہے اسی طرح ان کا ظاہر بھی سیاہ ہے۔

إِذَا أَخَذْنَا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے کفار مکہ پر قحط سالی کے لئے بددعا کی تھی چنانچہ وہ اس عذاب میں گرفتار ہوگئے۔ اور قحط اتنا بڑھا کہ وہ لوگ مردار اور کتے کھانے لگے۔ پس وہ چیختے تھے اور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے تھے۔ لیکن عذاب کا فیصلہ ہو جانے کے بعد دعا کی شنوائی نہیں ہوتی۔

أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْأَرُوا

ہم نے پکڑ لیا ان کے بڑے بڑوں کو عذاب میں تو وہ چیختے ہیں (ہم نے کہا) اب نہ چیخو

الْيَوْمَ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

کیونکہ تمہاری ہماری طرف سے کوئی مدد نہ ہوگی تحقیق تم پر ہماری آیات پڑھی جاتی تھیں تو تم

فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا

پچھلے پاؤں مڑ جایا کرتے تھے تکبر کرتے ہوئے ساتھ اس کے قصہ گوئی میں کہ اس

تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ

کو چھوڑ دیتے تھے کیا وہ نہیں سوچ بچار کرتے بات میں کیا ان کے پاس آئی ایسی بات جو ان کے گذشتہ

آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ

باپ دادا پر نہیں آئی تھی؟ کیا نہیں پہچانا انہوں نے اپنے رسول کو پس وہ ان کے

مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَ

منکر ہیں؟ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر آیا ہے

مُسْتَكْبِرِينَ - یعنی حضورؐ پر اپنی برتری جتلاتے اور تکبر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ رات کو جب اکٹھے ہو کر بیٹھتے تو حضورؐ کی توہین کے قصہ کو دہراتے اور حق پر تمسخر کرتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے یہ نئی بات نہیں اس سے پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ان کے باپ دادا کا یہی وتیرہ رہا ہے۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوا۔ یہ کفارِ مکہ کے لئے توبیخ اور سرزنش ہے کہ تمہاری طرف بھیجا ہوا رسول وہی تو ہے جس کو تم لوگ حسب ونسب کے لحاظ سے جانتے ہو کہ نسب کے لحاظ سے ان کا خاندان خاندانوں سے اشرف ہے اور حسب اس قدر بلند ہے کہ دوست و دشمن بلا استثناء اس کی صداقت امانت اور دیانت کو مان چکے ہیں تو جس نے بچپنے اور جوانی میں اپنی زبان کو جھوٹ سے ملوث نہیں کیا وہ چالیس برس کے بعد کیونکر جھوٹ بول سکتا ہے۔ اور جو لوگوں کی امانت میں خیانت نہیں کرتا وہ خدائی پیغامات میں کیونکر خیانت کر کے اپنی طرف سے باتیں بنا کر پیش کر سکتا ہے کفارِ مکہ جانتے ہیں کہ محمدؐ صادق و امین ہے لیکن چونکہ پیغام رسالت تسلیم کرنے میں ان کی عیاشیوں اوباشیوں رنگ رلیوں اور جملہ خرافات و رسومات جاہلانہ پر ضرب کاری پڑتی ہے۔ نیز ان کی چوہدراہٹ کو بھی خطرہ لاحق ہے اس لئے حق کی بات کو تسلیم کرنے سے کتراتے

اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ

اور اکثر ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں اور اگر پیچھے چلے حق ان کی خواہشات کے

لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ

تو فاسد ہو جائیں آسمان و زمین اور جو ان کے اندر ہے بلکہ ان کے پاس ہم ذکر لائے

بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ

پس وہ اپنے ذکر سے منہ پھیرنے والے ہیں کیا تو ان سے اُجرت مانگتا ہے پس رب کی

ہیں۔ پس انکار کے لئے بہانے تلاش کرتے ہیں کہ وہ دیوانہ ہے۔ مثلاً یہ لوگ دانستہ طور پر ایسی باتیں کرتے ہیں تاکہ ان کو کلمہ حق کہنے کی کسی میں جرأت نہ رہے اور لوگوں میں بھی بات بنی رہے۔ نیز پارٹی بھی قائم رہے۔ لیکن حق ایک ایسی ٹھوس اور مضبوط اصول پر مبنی حقیقت ہے جس میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے خواہشات و جذبات کی پاسداری کے لئے ذرہ بھر لچک پیدا نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حق اگر خواہشات کے تابع ہو جائے تو آسمانوں اور زمینوں کی حقیقت ختم ہو کر رہ جائے کیونکہ نظام سماوی و ارضی پائدار اصول اور غیر متزلزل حکمت پروردگار کے دستور کے مطابق قائم و دائم ہے، ورنہ اس میں خواہشات و جذبات کا اگر دخل ہو تو ہر ایک کی خواہش الگ، جذبہ جدا اور احساس علیحدہ ہونے کی وجہ سے پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا اسی طرح شرعی نظام بھی صرف اس ایک اللہ کے بنائے ہوئے اصولوں کے ماتحت ہے۔ لہذا لوگوں کے جذبات سے بالاتر ہے۔

ذِكْرِهِمْ۔ اس مقام پر ذکر کے دو معانی کئے گئے ہیں (۱) شرف و فضل، یعنی ہم نے ان کو شرف و فضل عطا کیا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ؐ انہی میں سے ہیں۔ لیکن وہ لوگ اپنے شرف سے منہ موڑنے والے ہیں (۲) بیان حق یعنی ہم نے حق کے بیان کے لئے ان کو قرآن عطا کیا لیکن وہ لوگ قرآن سے منہ پھیرتے ہیں۔

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ص۸۱۔ روایات اہل بیت میں اس کی تاویل ولایت علی سے کی گئی ہے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا اگر خدا چاہتا تو اپنے بندوں کو خود اپنی معرفت کا القاء کر دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہمیں اپنے باب صراط سبیل اور وجہ قرار دیا جو اس کی طرف جانے کا وسیلہ ہیں۔ پس جو شخص ہماری ولایت سے اعراض کرے اور ہمارے غیر کو ہم پر فضیلت دے وہ سیدھے راستہ سے بھٹکا ہوا ہے اور آپ نے یہی آیت پڑھی۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ۔ تفسیر صافی میں ہے جب حضور ؐ کی بددعا سے اہل مکہ قحط کے عذاب میں مبتلا ہوئے۔ تو ابوسفیان نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی آپ کیسے رحمۃ للعالمین ہیں کہ ہمارے بڑوں کو تلواروں سے مار دیا ہے اور

رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ

اُجرت بہتر ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے اور تو ان کو بلاتا ہے ایک راہ کی طرف جو بالکل

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٣﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ

سیدھا ہے اور تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے آخرت پر وہ سیدھے راہ سے بھٹکنے والے

لَنٰكِبُوْنَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا

ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور دور کر دیں ان کی تکلیفوں کو تو زیادہ گھستے ہیں اپنی

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا

سرکشیوں میں کہ سرگردان ہوتے ہیں اور تحقیق ہم نے پکڑا ان کو عذاب کے ساتھ پس نہ وہ

اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٧٦﴾ حَتّٰىٓ اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

جھکے اپنے رب کے آگے اور نہ گریہ و زاری کی یہاں تک کہ جب ہم نے کھولا ان پر دروازہ

بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَهُوَ

سخت عذاب کا تو وہ اس میں مایوس ہو کر رہ گئے اور وہ وہ ہے

الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾

جس نے پیدا کئے تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل تھوڑا ہی تم اس کا شکر کرتے ہو

چھوٹوں کو بھوک سے مارتے ہیں۔ پس یہ آیت نازل ہوئی

ذَا عَذَاب۔ اہل مکہ پر پہلا عذاب بدر کے دن قتل کا عذاب تھا اور دوسرا عذاب شدید قحط سالی کا عذاب تھا کہ کتے مردار جانور اور خون کے چیتھڑے کھانے پر وہ مجبور ہو گئے تھے۔

رکوع نمبر ۵ ذکر توحید

اَلسَّمْعَ۔ تمام اعضاء میں سے کانوں آنکھوں اور دلوں کا تذکرہ مخصوص فرمایا کیونکہ دنیاوی نعمات خداوندی سے فائدہ اٹھانے میں ان کو بدن انسانی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور مقصد یہ ہے کہ جس نے تم کو نفع اٹھانے کے لئے یہ اعضاء دیئے ہیں، اسی نے تمام اعضاء عطا کئے ہیں لیکن تم اس کا شکر

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٧٩﴾ وَهُوَ الَّذِي

اور وہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا زمین میں اور اس کی طرف تمہاری بازگشت ہوگی اور وہ وہ ہے جو زندہ کرتا

يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾ بَلْ

ہے اور مارتا ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے اختلاف شب و روز کا کیا تم نہیں سوچتے ؟ بلکہ

قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

کہنے لگے ویسی بات جو کہی پہلے لوگوں نے کہنے لگے کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور

وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا

(بوسیدہ) ہڈیاں تو ہم اٹھائے جائیں گے تحقیق ہمیں وعدہ دیا گیا اور ہمارے باپ دادا کو بھی اس سے

مِنْ قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾ قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ

پہلے نہیں یہ باتیں مگر من گھڑت افسانے پہلے لوگوں کے پوچھو کس کی ہے زمین

وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٨٥﴾

اور جو کچھ اس میں ہے اگر تم جانتے ہو ؟ وہ کہیں گے اللہ کی ہے تو کہو کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے ؟

نہیں کرتے یہاں قلیل نفی کے معنی میں ہے۔ آیات مجیدہ میں جتنے امور کا ذکر فرمایا ہے۔ صرف انہی تک محدود نہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کائنات کا تخلیقی کارنامہ جس طرح میری ذات سے مخصوص ہے اس کی بقاء وارتقاء اور موت وحیات اور نشر بھی میرے اختیار میں ہے۔ پس اگر تم غور وفکر اور تدبر وتعمق سے کام لو تو تم کو مجالِ انکار نہیں رہے گی کہ میں سب کچھ کرسکتا ہوں لہٰذا تم کو موت کے بعد زندہ ہو کر میرے دربار کی پیشی اور باز پرس کا خیال کرتے ہوئے دامن اسلام سے وابستہ ہوجانا چاہیئے، لیکن اس کا جواب انہوں نے وہی دیا جو ان سے پہلے کے لوگ دیتے رہے ہیں کہ مرجانے اور خاکستر ہوجانے کے بعد ہم کیونکر دوبارہ اٹھائے جاسکیں گے۔ یہی باتیں ہمارے اسلاف کو بھی سنائی گئیں۔ بس یہ صرف افسانہ ہی افسانہ ہے جس میں حقیقت کچھ نہیں پس اساطیر جمع ہوگی اسطور کی اور اس کا معنی جھوٹا افسانہ اور اس وزن کا استعمال لہویات و لغویات کے لئے ہوتا ہے جس طرح اکذوب اور اضحوک اور یہ بھی ممکن ہے۔ اسطار کی جمع ہو جو سطر کی جمع ہے (صافی)

قُلْ لِمَنِ۔ خداوند کریم نے ان کو قیامت اور حشر ونشر کا قائل کرنے کے لئے تین طریقے اختیار فرمائے۔ پہلا یہ کہ ان سے پوچھو۔ زمین اور اس میں ہونے والی جملہ مخلوق کس کی ملکیت ہے اور ان سب کا خالق کون ہے ؟ تو وہ یقیناً جواب میں

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ

پوچھو کون ہے رب ساتوں آسمانوں کا اور رب عرش عظیم کا ؟ وہ کہیں گے

لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ

اللہ کے لئے ہے تو کہو کیا تم نہیں ڈرتے؟ پوچھو کس کے ہاتھ میں ہے بادشاہی ہر چیز کی اور وہ پناہ

يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ

دیتا ہے (جسے چاہے) اور نہیں پناہ دیا جاتا کوئی اس (کے عذاب) سے اگر تم جانتے ہو؟ تو کہیں گے کہ یہ اللہ کے لئے ہے کہدو

کہیں گے کہ اللہ ہی سب کا مالک وخالق ہے تو پھران سمجھاؤ کہ جو خدا اکتم عدم سے اس ساری مخلوق کو ہستی شہود پر جلوہ گر کرسکتا ہے کیا وہ خدا تم کو مرنے کے بعد اور خاکستر ہونے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا؟ حالانکہ پہلی ایجاد دوسری دفعہ کے اعادہ سے مشکل تر ہوا کرتی ہے تو جو مشکل امر پر قادر ہے وہ آسان پر یقیناً قادر ہے۔ پھر فرمایا کیا تم نصیحت نہیں حاصل کرتے ؟ پھر دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کہ عالم علوی میں غور کرو۔ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا پروردگار کون ہے؟ اس کا جواب بھی وہ یقیناً یہی دیں گے کہ اللہ ہے تو کہدو کہ ضد اور ہٹ دھرمی کو چھوڑ دو اور اس اللہ سے ڈرو کیونکہ جو اتنی بڑی کائنات کو بغیر مادہ کے ایجاد کرسکتا ہے وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے پھر تیسری دفعہ پوری کائنات کے تصرفات میں غور و خوض کی دعوت دے کر ارشاد فرمایا ان سے دریافت کرو وہ کون ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر ہونے والی شی کی حکومت و بادشاہت ہے اور وہ جسے چاہے پناہ دیدے لیکن اس کی گرفت سے کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا تو اس کا جواب بھی وہ یہی دیں گے کہ اس قسم کی محیط و وسیع سلطنت کا مالک صرف اللہ ہے تو ان سے پوچھو پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے ایک واضح حقیقت کا انکار کرتے ہو ان آیات مجیدہ میں جہاں ایک طرف اثبات قیامت کے لئے دلیلیں قائم کی گئی ہیں وہاں دوسری طرف توحید حق سبحانہ کو بھی قابل قبول انداز سے واضح کیا گیا ہے۔ یعنی جو ذات اپنی حکمت اور قدرت کاملہ سے سب کی ایجاد پر قادر ہے وہ سب کے دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے اور جس طرح ایجاد مخلوق میں وہ یکا و تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح دوبارہ زندہ کرنے اور اٹھانے میں بھی وہ تنہا قادر ہے۔

تُسْحَرُوْنَ۔ جس طرح جادو میں فریب ہوتا ہے کہ خلاف واقعہ امر کا اظہار کرکے آنکھوں کو دھوکے میں ڈالا جاتا ہے اسی طرح تم لوگ بھی جانتے ہوئے فریب خوردہ ہو۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ۔ یعنی ہم نے ان کو دعوت توحید دی جو پیغام حق ہے لیکن وہ غلط اور جھوٹے عقائد سے باز نہیں آتے۔ کسی نے عزیر و عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ٹھہرالیا۔ کسی نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا اور کئی ایسے ہیں جنہوں نے خدا

فَاَنّٰی تُسۡحَرُوۡنَ ﴿۸۹﴾ بَلۡ اَتَیۡنٰهُمۡ بِالۡحَقِّ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ

پھر کیوں فریب کھاتے ہو؟ بلکہ ہم نے ان کو دیا حق (پیغام توحید) اور تحقیق وہ جھوٹے ہیں نہیں بنایا اللہ نے کوئی

مِنۡ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ

بیٹا اور نہ ہے اس کے ساتھ کوئی الٰہ (شریک) ورنہ بانٹ لیتا ہر الٰہ اپنی مخلوق کو اور حملہ کرتا ایک

وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّهَادَةِ

دوسرے پر پاک ہے اللہ اس سے جو وہ کہتے ہیں غائب اور حاضر کے جاننے والا ہے

کے علاوہ اور الٰہ (خالق) تجویز کر لئے حالانکہ یہ سب جھوٹے ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی وہ شریک رکھتا ہے۔

الٰہ کا معنی

مِنْ اِلٰہ۔ آیت مجیدہ میں الٰہ کا معنی خالق ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ نہیں یعنی خالق نہیں کیونکہ اگر کوئی اور الٰہ ہوتا تو وہ اپنی مخلوق بانٹ لیتا اور تقسیم میں جھگڑا پڑنے کی صورت میں دونو میں لڑائی ہو جاتی اور نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ پس لڑائی کا نہ ہونا اور نظام کا قائم و دائم رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ ساری خدائی کا خالق صرف ایک خدا ہے جس کی تدبیر محکم سے کائناتی نظام بدرجۂ اتم و اکمل جاری ہے۔ بعض جاہل ایک مجہول خطبہ بیان کا منبروں پہ بیان کر کے سادہ لوح شیعوں میں شرک کی ترویج کرتے ہیں اور تمام کائنات کی تخلیق کو حضرت علی کا کارنامہ قرار دیتے ہوئے اس دعویٰ کو حضرت علی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بدعقیدہ لوگوں سے دادِ تحسین و آفرین حاصل کر کے جیبیں پُر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ عوام کے لئے عذاب خداوندی سے کم نہیں۔ وہ دین و دنیا دونو کے لحاظ سے خطرناک ڈاکو ہیں۔ جب ان سے کہا جائے کہ حضرت علیؑ اور باقی معصوم خالق ہوں تو کئی خالق بن جائیں گے پھر توحید کا عقیدہ کہاں جائے گا۔ پس انتہائی ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان کو خالق مانتے ہیں الٰہ نہیں مانتے۔ لہٰذا ان کو خالق کہنے سے لا الٰہ الا اللہ پہ کوئی زد نہیں پڑتی۔ آیت مجیدہ میں صاف طور پر الٰہ کا معنی خالق ظاہر کیا گیا ہے۔ گویا جو اللہ کے علاوہ کسی کو خالق مانتا ہے وہ معنی الٰہ میں شرک کرتا ہے۔ بعض جاہل کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ خدا کی دی ہوئی طاقت سے خلق کرتے ہیں حالاں کہ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے واضح طور پر اس امر کی تردید فرمائی ہے کہ نہ میں نے کوئی بیٹا بنایا ہے جو کائناتی تخلیق اور نظام و تدبیر میں میرے ساتھ تعاون کرے اور نہ کوئی دوسرا الٰہ ہے جو میرا شریک کار ہو ورنہ ایسا ہوتا تو وہ اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا۔ اور جھگڑے فساد تک نوبت پہنچتی اور جن کو لوگ خالق تجویز کرتے ہیں اگر وہ اپنی مخلوق کو الگ نہیں کر سکتے تو وہ خالق کس کام کے ہیں ہے معلوم ہوا کہ اس کے سوا سب کے سب اس کے بندے ہیں اور اس کی قدرت و عظمت کے سامنے سرنگوں اور اس کے عبادت گذار ہیں۔ پس جن لوگوں نے آل محمدؐ کی طرف پیدا کرنا منسوب کیا ہے وہ مشرک ہیں اور ایسوں کو نہ آل محمدؐ معاف کریں گے اور نہ خدا معاف کرے گا۔ چنانچہ اس نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے اور اس کو قرآن مجید میں ناقابلِ عفو

جرم ٹھہرایا ہے۔

توحید آیت مجیدہ میں توحید حق سبحانہ پر دو دلیلیں قائم کی گئی ہیں۔

(۱) دلیل تغایر و (۲) دلیل تمانع

(۱) دلیل تغایر اِذًا لَّذَهَبَ۔ یعنی اگر ایک سے زیادہ خالق اور الٰہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی سلطنت میں دوسرے کی شرکت کو برداشت نہ کرتا اور اس کے قادر ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ اپنی مخلوق کو دوسروں کی مخلوق سے الگ کر لیتا اور اپنی خلق کردہ اشیاء کو دوسروں کے قبضہ اور ان کی بالادستی سے نکال سکنے اور اپنی الگ حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوتا نیز ہر ایک کے قادر ہونے کا لازمہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لئے ہر دوسرے کا دفاع کر سکتا اور جو بھی دوسرے کے دفاع پر قادر ہوتا وہی صحیح الٰہ ہوتا۔ پس اس تغایر کا انجام تدافع ہوتا اور نظام عالم درہم برہم ہوتا اس دلیل کا نام بھی دلیل تمانع ہے)

(۲) دلیل تمانع وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ۔ یعنی اگر ایک سے زیادہ الٰہ ہوتے تو قدرت ان کی عین ذات ہوتی لہٰذا ہر ایک ہر اس چیز پر قادر و متمکن ہوتا جس پر دوسرا قادر ہے۔ پس ایک کا ایک مخلوق میں دوسرے سے سبقت کرنا یا تو دوسرے کی بے علمی سے ہوگا۔ یا بے بسی سے ہوگا اور یہ دونوں چیزیں الٰہ میں ناممکن ہیں۔ پس مخلوق کے ہر فرد کے مقام تخلیق میں خداؤں کے درمیان رسہ کشی شروع ہو جاتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کچھ نہ ہوتا۔ کیونکہ ہر ایک کی قدرت کا لازمہ یہ ہے کہ دوسرے کے دفاع پر قادر ہو۔ پس ہر ایک غالب بھی ہوتا اور مغلوب بھی۔ اور اسی کا نام تمانع ہے کیونکہ دونوں کی قدرت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے کو اپنے مقام سے دھکیل سکیں اور نیز ان کی قدرت کا لازمہ یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے دھکیلے نہ جا سکیں۔ پس چونکہ مخلوق میں تغایر نہیں اور نہ خداؤں میں تمانع نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ کل کائنات کا خالق صرف ایک اللہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور قرآن مجید کے اعجاز کی زبردست دلیل ہے یہ بات کہ اس قدر مختصر بیان میں توحید خالق کی دو ایسی دلیلیں سمودی گئی ہیں کہ کسی دوسرے کلام میں اس قدر مختصر فقرات ایسی معنویت پر مشتمل نہیں ہو سکتے۔

سوال وجواب اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ممکن ہے کہ چند خالق ہوں لیکن ان کی ایک دوسرے سے صلح ہو اور وہ کامل اتفاق سے نظام کو چلا رہے ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک کا دوسرے کے برابر قدرت رکھنا ہر ایک کی قدرت کے محدود ہونے کو ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک دوسرے کا اگر دفاع کر سکتا ہے (جیسا کہ قادر ہونے کا مطلب ہے) تو سابق خرابی یقیناً لازم آئے گی۔ اور اگر ہر ایک دوسرے کے دفاع پر قادر نہیں تو سب عاجز ہوں گے اور ان میں سے خدا کوئی بھی نہ ہوگا بلکہ خدا وہ ہوگا جو ان سب پر حاوی ہوگا۔ اور وہ ایک ہی ہوگا۔

رکوع نمبر ۶ قُلْ رَّبِّ صل۸۶۔ مروی ہے کہ خداوند کریم نے اپنے حبیبؐ کو اطلاع دی تھی کہ میں قریش مکہ پر عذاب نازل کروں گا۔ پس باذن پروردگار حضورؐ نے یہ دعا مانگی کہ اے پروردگار! اگر میری زندگی میں اور میرے سامنے تو ان پر عذاب نازل کرے تو مجھے محفوظ رکھنا۔ حضورؐ کا یہ طریقہ اُمت کی تعلیم کے لئے ہے کہ گرفتارِ عذاب کو دیکھو تو اپنے لئے

فَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ

پس بلند و بالا ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں کہدے اے رب اگر تو مجھے دکھائے (وہ عذاب) جس کا وہ وعدہ دئیے گئے ہیں۔ اے

فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ

رب نہ کرنا مجھے ظلم کرنے والے لوگوں میں اور تحقیق ہم اوپر اس کے کہ دکھائیں تجھے وہ جس کا ان سے وعدہ

لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہے البتہ قادر ہیں دفع کرو اس (طریقہ) سے جو اچھا ہو برائی کو ہم جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ

اور کہو اے رب میں پناہ مانگتا ہوں تیری وساوس شیطان سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اے رب

اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ

اس سے کہ وہ حاضر ہوں (میرے پاس) یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی پر موت

اپنے پروردگار سے دفع عذاب کی دعا مانگا کرو۔ اگرچہ اپنے متعلق نجات کا یقین بھی ہو۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ جب بھی کوئی انسانی نیکی اور خدمت خلق کے لئے کوئی قدم اٹھاتا ہے تو طعن وتشنیع اور اعتراضات واشکالات کا بے پناہ سلسلہ اسکو کار خیر سے روکنے کے لئے شروع ہوجاتا ہے اور شیطان چاہتا ہے کہ گھبرا کر کسی طرح وہ نیکی سے دست بردار ہوجائے اور آیت مجیدہ میں پروردگار بذریعہ اپنے حبیب کے تمام ہدایت کے علم برداروں کو ایک بہترین اصول تبلیغ تعلیم دے رہا ہے کہ لوگوں کی جانب سے بدسلوکی کا جواب بدسلوکی سے نہ دو بلکہ ان کی برائی کو اپنی اچھائی کے ذریعے روکو اور ان کی ہر طرح کی بدزبانی کو اپنے حسن کردار کے دامن میں سمیٹے جاؤ۔ اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کسی کا دشمن خداترس ہو تو اس کو اپنے دشمن کی ایذارسانی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ خوف خدا اس کو خود بخود بری ایذا سے روکنے والا موجود ہے۔ اور بعض اوقات اس کی خداترسی کو بزدلی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے لیکن وہ ان باتوں کی پرواہ کئے بغیر حوادث دنیا کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے قدم بڑھاتا چلا جاتا ہے لیکن اگر کسی کا دشمن کوئی ناخداترس ہو تو وہ ہر وقت اپنی جان مال اور ناموس کو خطرے میں پاتا ہے۔ دیکھئے ہادیان دین کے دشمن خداترس تو ہو نہیں ہوسکتے اور ناخداترس لوگوں کا کام ہی شرفاء کی پگڑی اچھالنا ہوتا ہے۔ پس خداوند کریم صبر وضبط اور حلم وحوصلہ سے جہلا کی باتوں کو برداشت کرکے نیک راستے کی ہدایت کی تلقین فرماتا ہے۔ بنابریں علمائے کرام کو دور حاضر میں بجائے گھبرانے کے کمر ہمت باندھ کر ہر باطل کے طوفان کے آگے سینہ سپر ہوجانا

رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ کَلَّا ؕ اِنَّہَا

تو کہے گا اے رب مجھے واپس بھیج تاکہ میں عمل کروں اس چیز کے بارے میں جو چھوڑ آیا ہوں (فرماتا ہے) ہرگز نہیں

کَلِمَۃٌ ہُوَ قَآئِلُہَا ؕ وَ مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

(بلکہ) یہ بات ہے جو اس نے کہہ دی اور ان کے پیچھے برزخ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے

چاہیے اور ہر بدزبانی کا جواب خندہ پیشانی سے دیتے ہوئے اپنے آثار علمیہ کی حفاظت کرتے ہوئے قدم آگے بڑھانا چاہیے انشاء اللہ تائید ایزدی شامل حال رہے گی۔

اخلاق نبویہ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ جب سے مبعوث ہوئے تا دم زیست کبھی تکیہ لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا کسی مجلس میں کبھی کسی ہمنشین نے آپ کو ننگے زانو نہیں دیکھا۔ جب کسی سے مصافحہ فرماتے تھے تو اپنے تک ہاتھ نہیں کھینچتے تھے جب تک کہ دوسرا آدمی ہاتھ نہ کھینچتا۔ کسی کی بدسلوکی کا بدلہ کبھی بدسلوکی سے نہ دیا۔ کبھی سائل کو دروازہ سے نہ روکا۔ اگر کچھ پاس ہوتا تھا تو دیدیتے ورنہ فرماتے تھے تجھے اللہ عطا فرمائے گا۔ جس کسی کے ساتھ اللہ کی طرف سے ملنے کا وعدہ فرماتے تھے تو اللہ اس کو پورا کرتا تھا۔ اور ان کا بھائی ان کے بعد انہی کے اخلاق کریمہ کا آئینہ دار تھا۔ انہوں نے دنیا میں کبھی حرام کو منہ نہیں لگایا اور اگر ان کے سامنے دو امر اطاعت پروردگار کے پیش ہوتے تو اس کو اختیار فرماتے تھے جو بدن کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہوتا تھا۔ خدا کی قسم انہوں نے رضائے پروردگار کیلئے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے ایکہزار غلام خرید کر کے آزاد کئے۔ خدا کی قسم جناب رسالتمآبؐ کے کردار کا مکمل آئینہ دار ان کے بغیر اور کوئی نہ ہو سکا۔ خدا کی قسم جب بھی حضرت رسالتمآبؐ پر کوئی مشکل آئی تو ان کو ہی سینہ سپر کیا کیونکہ ان پر ہی ان کو کامل اعتماد تھا اور جب بھی حضورؐ ان کو کسی جنگ میں فوج کا علم دیکر روانہ فرماتے تھے تو جبریلؑ ان کے دائیں اور میکائیلؑ ان کے بائیں ہو کر مشغول جہاد ہوتے یہاں تک کہ فتح کئے بغیر واپس نہیں پلٹتے تھے (ملخصاً) نیز آپ سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ تمام لوگوں سے زیادہ سیرت و کردار میں پیغمبرؐ سے مشابہ تھے حضرت علیؑ اجرت پر لوگوں کے باغات کو سیراب کرتے تھے۔ اور لکڑیاں جنگل سے لا کر فروخت کرتے تھے اور جناب فاطمہؑ گھریلو کاروبار خود اپنے ہاتھ سے انجام دیا کرتی تھیں چنانچہ کھانا خود پکاتی تھیں اور بچوں کے کپڑے خود سیا کرتی تھیں۔ (ملخصاً)

رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ۔ جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے ہے اور یائے متکلم تخفیف کے لئے حذف کردی گئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والا عذاب موت کو دیکھ کر یہ خواہش کرے گا کہ مجھے ایک مرتبہ واپس زندگی دیکر بھیجا جائے تاکہ میں جو فریضہ ترک کر آیا ہوں اسے ادا کروں اور آیت مجیدہ کے الفاظ ہر کافر و ملحد و بے دین کو شامل ہیں جنہوں نے دعوت اسلام کو ٹھکرا کر خلاف تعلیم پیغمبر غلط کاریوں میں وقت گذارا۔ اور جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ بوقت مرگ فرشتے مومن سے کہتے ہیں کہ اگر تیرا ارادہ ہو تو تجھے واپس دنیا میں بھیجا جائے پس جواب میں مومن کہتا ہے کہ میں دوبارہ رنج و بلا کے گھر

کی طرف نہیں جانا چاہتا لیکن کافر موت کو دیکھ کر کہتا ہے مجھے واپس پلٹاؤ تاکہ میں اپنے اعمال کا تدارک کر لوں۔

بَرْزَخٌ صہ۸۹۔ اسکا لفظی ترجمہ ہے مانع اور اصطلاحِ شریعت میں مرنے سے تا قیامت کے درمیانی عرصہ کا نام برزخ ہے تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ دنیا و آخرت کے درمیان ثواب و عقاب کی منزل کا نام برزخ ہے اور یہ آیت ان لوگوں کی تردید کر رہی ہے جو قیامت سے پہلے عذاب قبر اور ثواب و عقاب کا انکار کرتے ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم مجھے تمہارے متعلق صرف برزخ کا ڈر ہے ورنہ جب معاملہ ہمارے پاس پہنچے گا تو ہم تمہارے لئے اچھا انتظام کر لیں گے۔

بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک راویٔ حدیث نے سوال کیا کہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے تمام شیعہ جنت میں جائیں گے خواہ کسی قدر ہی ان سے لغزشیں سرزد ہوں ؟ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے خدا کی قسم وہ سب کے سب جنت میں جائیں گے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میں آپ پر فدا ہو جاؤں ؟ گناہ بڑے بڑے بھی تو ہوتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تو تم سب کے سب نبی یا وصی نبی کی شفاعت سے جنت میں جاؤ گے لیکن برزخ کے متعلق مجھے تمہارا خطرہ ہے راوی نے پوچھا کہ برزخ کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا موت سے لے کر قیامت تک کا عرصہ۔

بروایت زہری امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ انسان پر تین وقت بہت سخت آتے ہیں پہلا موت کا وقت دوسرا قبر سے اٹھنے کا وقت تیسرا اللہ کے دربار میں پیشی کا وقت پھر جنت والے جنت کی طرف چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں ڈالے جائیں گے پھر آپ نے فرمایا اے آدم زادے ، اگر موت کے وقت تیری اچھی گذر گئی تو ٹھیک ورنہ ہلاکت دائمی اور اگر قبر میں تیری نجات ہو گئی تو ٹھیک ورنہ ہلاکت اور پل صراط سے اگر گذر گیا تو ٹھیک ورنہ ہلاکت اور منزل حساب میں تجھے نجات مل گئی تو ٹھیک ورنہ ہلاکت۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ الخ

فَلَآ اَنْسَابَ کی تفسیر میں قمی سے مروی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا بروز قیامت ہر شخص اپنے اعمال کی بدولت آگے بڑھ سکے گا اور اس کی دلیل حضرت رسالتمآبؐ کا فرمان ہے کہ عربی ہونا ایک باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک زبان ہے جو بھی بول لے وہی عربی ہے آگاہ ہو تم سب کے سب اولادِ آدم ہو اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہے خدا کی قسم اللہ کی اطاعت کرنے والا حبشی غلام اس سید قرشی سے بہتر ہے جو اللہ کا نافرمان ہو۔ اور اللہ کے نزدیک زیادہ عزت دار وہی ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، پس آپ نے یہ آیت مجیدہ پڑھی۔ فَاِذَا نُفِخَ الخ

یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ آیت مجیدہ میں صریح طور پر اعلان ہے کہ اس وقت لوگ ایک دوسرے سے بات تک نہ کر سکیں گے۔ لیکن ایک دوسرے مقام پر ارشادِ قدرت ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ۔ یعنی بروز محشر ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے مُوقف متعدد ہیں۔ وَلَا يَتَسَآءَلُوْنَ۔ اس موقف کی ترجمانی ہے جب نفخ صور ہو گا اور لوگ دوبارہ زندہ ہوں گے پس اس وقت کسی کو کسی سے کچھ پوچھنے کی مہلت و فرصت نہ ہو گی اور اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ الخ

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

پس جب پھونکا جائے گا صور میں پس نہ رشتہ داریاں ہونگی آپس کی اس دن اور نہ احوال پرسی ہو گی

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

پس جس کا میزان بھارا ہوگا نیکی کا، تو وہ چھٹکارا پانے والے ہوں گے اور جن کا میزان ہلکا

مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ہوگا نیکی کا، تو وہ وہ ہوں گے جنہوں نے گھاٹا دیا اپنے نفسوں کو وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ

جلائے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں کھلے منہ روسیاہ ہونگے (کیا جائیگا) کیا نہیں پڑھی گئیں تم پر میری

والی آیت اُس موقف کے بیان میں ہے جب لوگ اللہ کے دربار میں حساب و کتاب کے لئے حاضر ہوں گے۔

فَاِذَا نُفِخَ۔ نفخ صور کی حقیقت کو سمجھنا تو ہمارے ناقص عقول کی پہنچ سے بالا تر ہے بس اسی قدر ہی روایات سے مستفاد ہے کہ نفخ صور پر مامور فرشتہ حضرت اسرافیل ہے۔ جب پہلی دفعہ نفخ صور ہوگا تو تمام زندہ مرجائیں گے اور ایک وقفہ کے بعد جو پچاس برس بتایا گیا ہے جب دوبارہ نفخ صور ہوگا تو سب لوگ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت دربار پروردگار میں پیشی کے لئے بلاوا ہوگا۔ پس ہر شخص اپنی فکر میں کھویا ہوا ہوگا۔ کسی کو اپنے عزیز و قریبی رشتہ دار کا کوئی خیال تک نہ آئے گا اور باوجود اکٹھے ہونے کے نہ ایک دوسرے کے شریکِ غم ہوں گے اور نہ آپس میں احوال پرسی کر کے غم غلط کر سکیں گے۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کُلُّ حَسَبٍ وَّنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ اِلَّا حَسَبِیْ وَنَسَبِیْ۔ یعنی ہر حسب و نسب ختم ہو جائے گا۔ سوائے میرے حسب و نسب کے (مجمع البیان) مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن نہ کسی شخص کو کسی رشتہ کا فائدہ پہنچے گا اور نہ کوئی کسی رشتہ پر ناز کر سکے گا بس اپنے اعمال کام آئیں گے لیکن جناب رسالتمآبؐ کا نسب قیامت کے دن بھی فائدہ دے گا۔ نفخ صور کی مزید تشریح تفسیر کی جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۱۳۵ پر آئے گی۔

تَلْفَحُ۔ یعنی جہنم کی آگ ان کی شکلوں کو مسخ کر دے گی۔ چنانچہ مروی ہے کہ اوپر کا ہونٹ اوپر کو کھچ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ ناف تک لٹک آئے گا اور بقول ابن مسعود دونو ہونٹ جل کر گر پڑیں گے اور دانت نمایاں ہو جائیں گے۔ پس جب یہ لوگ قیامت میں آئیں گے تو آگ میں جھلس جانے کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور اُن کے منہ پھٹے کے پھٹے ہوں گے۔ لفح اور اور نفح دونو کا معنی ایک ہے۔ لیکن لفح نفح سے زیادہ سخت ہے پس لفح کا معنی ہے بادسموم کا منہ پر سختی سے پڑنا اور نفح کا معنی ہے تیز ہوا کا منہ پر پڑنا۔ (مجمع البیان)

قَالَ اخْسَئُوْا الخ۔ خَسَأَ يَخْسَأُ کتے کو دھتکارنے کے معنی میں ہے۔ گویا پروردگار کی جانب سے دوزخیوں کو ان کے سوال

تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَکُنْتُمْ بِهَا تُکَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا

آیتیں پس تم ان کو جھٹلاتے تھے؟ کہیں گے اے رب سوار ہو گئی ہم پر

شِقْوَتُنَا وَکُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا

اپنی بدبختی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے رب نکال ہم کو اس سے پس اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو ہم

فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ

ظالم ہوں گے فرمائے گا دفع ہو جاؤ اس میں اور نہ بولو میرے ساتھ تحقیق

کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَ

ایک گروہ میرے بندوں میں سے کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے پس بخش ہمیں اور ہم پر رحم فرما تو

کے جواب میں کتے کی طرح دھتکارا جائے گا۔ کہ دفع ہو جاؤ اور بکواس بند کرو۔

نکات علمیّہ

(۱) احتجاج طبرسی سے منقول ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کیا اعمال تولے نہ جائیں گے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ وہ اجسام نہیں بلکہ صفات ہیں نیز تولنے کا محتاج وہ ہوتا ہے جس کو اس کے عدد یا وزن کا علم نہ ہو حالانکہ خدا پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ پس راوی نے پوچھا کہ میزان کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا اس کا معنی ہے عدل۔ پس موازین کے بھاری ہونے کا مقصد ہے نیک اعمال کی زیادتی (اور ہلکے ہونے کا مطلب ہے نیک اعمال کی کمی)

(۲) کعب الاحبار سے مروی ہے قیامت کے دن لوگ چار قسموں پر محشور ہوں گے۔ کچھ سوار ہوں گے کچھ پیدل ہوں گے کچھ گھٹنے ٹیک کر جانے والے ہوں گے اور چوتھی قسم ان لوگوں کی ہو گی جو منہ کے بل جائیں گے۔ اندھے بہرے اور گونگے ہوں گے۔ نہ بول سکیں گے اور نہ اپنا کوئی عذر پیش کر سکیں گے۔ ایک سوال کے جواب میں کعب نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو مرتد ہو گئے اور بیعت توڑ کر خلیفۂ رسول سے نبرد آزما ہوئے اور برا حال ہو گا ان لوگوں کا جو وصی پیغمبرؐ کے خلاف جنگ لڑے اور کعبہ کے ربّ کی قسم وہ صرف علی کی ذات ہی ہے اور اسی کی نسل سے حضرت مہدی علیہ السلام ہیں۔ عجل اللہ فرجہ (ملخصاً) برہان

سِخْرِیًّا ص ۹۱ کفار کا مومنین سے تمسخر دو طرح کا تھا۔ ایک یہ کہ مومنین کے غریب طبقہ کے لوگوں کو مزدوری پر لے جاتے تھے اور سارا دن ان سے مزدوری کرانے کے بعد بغیر اُجرت دیئے ان کو گھروں کی طرف بھیج دیتے تھے۔ اور دوسرا یہ کہ جب مومنوں کو دیکھتے تھے تو ایک دوسرے سے کہتے تھے ان لوگوں کو دیکھو جو دنیا میں پست ترین زندگی پر راضی ہیں اور آخرت میں اس کے بدلہ کی اُمید رکھے ہوئے ہیں حالانکہ نہ کوئی آخرت ہے اور نہ ثواب۔ پس ان آیات مجیدہ میں خداوند کریم فرماتا ہے۔ ان کو دوزخ میں بھیج کر ہم یاد دلائیں گے کہ تم کس طرح مومنوں سے مسخری کرتے تھے۔

أَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ

بہتر رحم کرنے والا ہے تو تم بناتے تھے ان کو جائے تمسخر بازی یہانتک کہ ان کی (چھیڑ بازی) نے

ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا

بھلا دیا تم کو میرا ذکر اور تم ان سے ہنستے تھے میں نے ان کو جزا دی ہے آج ان کے صبر کی بدولت کہ وہ

أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾

کامیاب ہونے والے ہیں پوچھو کتنے رہے ہو زمین میں سالوں کی تعداد

قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ إِن

کہیں گے ٹھہرے ہم ایک دن یا کچھ حصہ دن کا پس پوچھ گننے والے (فرشتوں) سے کہے گا نہیں ٹھہرے تم

لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١٤﴾ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ

مگر تھوڑا عرصہ کاش تم جانتے تھے کیا تم یہ سمجھے کہ ہم نے پیدا کیا ہے تم کو

عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ

بے فائدہ اور تحقیق تم ہماری طرف نہ لوٹائے جاؤ گے پس بلند ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے

أَنسَوْكُمْ ۔ یعنی کفار لوگ مومنوں پر طعن و تشنیع میں وقت ضائع کر کے ان کے لئے پریشانی کا موجب بنتے تھے اور اپنے ذہن و دماغ کے دروازوں کو مقفل کر کے کفر و شرک کی تاریک وادی میں رہنے پر مصر تھے ورنہ اگر مومنوں کی تحقیر و تذلیل کے درپے ہونے کی بجائے عقل و خرد سے کام لیتے ہوئے دعوتِ اسلامیہ کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ تو آخرت کی پریشانیوں اور پشیمانیوں سے بچ جاتے۔ پس قیامت کے دن گرفتار عذاب ہونے کے بعد ان کو کہا جائے گا کہ تمہیں آج یہ سوچ آ رہی ہے کہ واپس پلٹ کر ہم اچھے کام کرتے حالانکہ دنیا میں مومنوں کے ساتھ مسخری کرنے میں وقت ضائع کرنے کی وجہ سے تم مجھے بھلا بیٹھے تھے۔ آیت مجیدہ میں انساء کا فاعل ضمیر کُم کو قرار دیا گیا ہے جو مومنوں کی طرف راجع ہے کیونکہ کفار کی یادِ خدا سے غفلت کا سبب مومن تھے یعنی کافر لوگ ان کی چھیڑ بازی کی بدولت دعوتِ توحید کو نظر انداز کر بیٹھے تھے۔

لَبِثْنَا ۔ قیامت کا یہ ہولناک منظر دیکھ کر انہیں دنیاوی گذشتہ زندگی ایک آدھ یوم معلوم ہو گی اور ممکن ہے ایام آخرت کے لحاظ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ

نہیں کوئی معبود مگر وہی جو عرش کریم کا پروردگار ہے اور جو پکارے

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ

اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو تو اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں پس اس کا حساب اس کے رب

عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ

کے پاس ہے تحقیق نہ چھٹکارا پائیں گے کافر لوگ اور کہہ اے رب

اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

بخش دے اور رحم کر اور تو بہتر رحم کرنے والا ہے

سے وہ دنیاوی زندگی کو ایک آدھ یوم سمجھیں گے۔

لَوْ اَنَّكُمْ ۱۹۱ یعنی اگر تم جانتے ہوتے کہ دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں اس قدر تھوڑی ہے تو تم اسلامی تعلیمات کو ٹھکرانے کی جرأت نہ کرتے اور فنا کو بقا پر ترجیح نہ دیتے۔

اَفَحَسِبْتُمْ ۱۹۲ یعنی ہر عقلمند اور باہوش انسان نظام عالم میں فکر و تدبر کرنے سے اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتا ہے کہ اتنا لمبا چوڑا اور پُر از حکمت و مصلحت پختہ نظام کسی غرض و غایت کے بغیر تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اس نظام کا خالق مدبر اور حکیم ہے اور حکیم کا کام بے فائدہ نہیں ہوا کرتا لہذا ماننا پڑتا ہے کہ اس تخلیق کی کوئی غرض اہم ضرور ہے اور اگر غرض کا مرجع اللہ کی ذات ہو تو محال ہے۔ کیونکہ اللہ اغراض سے پاک ہے۔ اس لئے کہ صاحب غرض محتاج ہوتا ہے غرض کا اور اللہ محتاج نہیں بنابریں ضروری ہے کہ غرض کا مرجع مخلوق ہو اور وہ ہے دعوتِ حق کو قبول کرنے والوں کے لئے انعام و اکرام اور رد کرنے والوں کیلئے عذاب و عقاب اور اس کا محل روز قیامت ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ وہ فعل جس کا فائدہ نہ فاعل کو پہنچے اور نہ کسی دوسرے کو عبث شمار ہوتا ہے اور خدا عبث سے پاک ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت علل امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہم فنا کے لئے نہیں بلکہ بقا کے لئے پیدا کئے گئے ہیں نہ اس کی جنت ختم ہونے والی ہے۔ اور نہ اس کی آگ خاموش ہونے والی ہے۔ پس ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہونا ہے۔

سُورَۂ نُور

یہ سورہ مدنیہ ہے اس کی آیات کی تعداد چونسٹھ ۶۴ ہے۔ اور بسم اللہ کے ساتھ پینسٹھ ۶۵ ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اپنی ذات کو اپنی عورتوں کو اور اپنی اولاد کو سورۂ نور کی تلاوت سے پاکدامن بناؤ کیونکہ جو شخص شب و روز اس کی تلاوت کرتا رہے تو وہ مرتے دم تک اپنے خاندان میں برائی نہ دیکھے گا۔ اور مرنے کے بعد ستر ہزار فرشتے قبر تک اس کے جنازہ کے ساتھ جائیں گے اور قبر میں پہنچنے تک اس کے لئے دعائے خیر و مغفرت کریں گے۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ عورتوں کو بالاخانوں میں جگہ نہ دو اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ البتہ ان کو چرخا کاتنا سکھاؤ اور سورۂ نور کی تعلیم دو۔

جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو اس سورہ کو پڑھے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنی چادر میں رکھے یا بستر میں رکھ کر سو جائے تو اس کو احتلام نہ ہو گا۔

نور کی حقیقت

چونکہ اس سورہ مجیدہ کا نام سورہ نور ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نور کے مفہوم کی وضاحت کریں۔ نور کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ یہ ہے هُوَ الظَّاهِرُ بِذَاتِهِ الْمُظْهِرُ لِغَيْرِهِ۔ یعنی وہ جو خود ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کے ظہور کا سبب اور موجب ہو۔ اگر نور کے تمام استعمالاتِ عرفیہ اور اطلاقاتِ شرعیہ کا جائزہ لیا جائے۔ تو انسان بآسانی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نور عدم کے مقابلہ میں وجود کا نام ہے اور شر کے مقابلہ میں خیر کا نام ہے اور نور صفات میں سے ہے ذوات میں سے نہیں۔ یعنی عرض ہے جوہر نہیں۔ البتہ ذات و جوہر پر اس کا اطلاق از راہِ مجاز کثرت سے ہوا کرتا ہے اور نور چونکہ صفتِ وجودی ہے اور خیر اس کی حقیقت میں داخل ہے۔ بنا بریں اس کا مقابلہ شر و عدم سے ہوگا۔ اور جن لوگوں نے نور کے مقابلہ میں بشر کو رکھا ہے وہ حقیقتِ نور کو سمجھنے سے قاصر ہیں پس یوں سمجھئے کہ اوصاف حسنہ میں سے ہر روشن پہلو پر نور کا اطلاق صحیح ہے اور ہر تاریک پہلو پر ظلمت کا استعمال درست ہے۔ مثلاً نورِ وجود کے مقابلہ میں ظلمت عدم ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ خدا نے مخلوق کو ظلمتِ عدم سے نکال کر نورِ وجود عطا فرمایا۔ اسی طرح علم روشن پہلو ہے اور اس کے مقابلہ میں جہالت تاریک پہلو ہے۔ پس علم نور ہے اور اس کے مقابلہ میں جہالت ظلمت ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ علم پڑھنے پڑھانے سے نہیں آتا بلکہ وہ ایک نور ہے خدا جس کے دل میں چاہے ڈالدے۔ نیکی کے مقابلہ میں برائی ظلمت ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی ظلمت اور نتیجہ کے لحاظ سے جزا کے مقابلہ میں سزا ظلمت ہے۔ چنانچہ ارشادِ پروردگار ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ۔ پ ۲ع ۲ ترجمہ: اللہ مومنوں کا ولی ہے کہ ان کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور شیاطین کافروں کے اولیاء ہیں کہ ان کو نور سے نکال کر ظلمتوں کی طرف لے جاتے ہیں (یعنی اللہ اپنے بندوں کو گمراہی اور برائی سے نکال کر دعوتِ حقہ کے ذریعہ سے رشد و ہدایت کی طرف بلاتا ہے تاکہ جہنم کی سزا سے بچ کر جنت کی جزا پائیں اور اس کے برعکس کفار لوگ جو شیطانوں کے ہتھکنڈوں میں آگئے وہ ان کو خیر و رشد سے ہٹا کر شر و ضلالت کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں پس جنت کی بہاروں سے محروم کر کے ان کو جہنم کے انگاروں کی طرف دھکیل دیتے ہیں اسی طرح ذرا وجودِ انسانی کا سرسری جائزہ لیجئے۔ آنکھوں میں بینائی نور ہے اور اندھاپن ظلمت ہے۔ کانوں میں سماعت کی قوت نور ہے اور بہرہ پن ظلمت ہے اور زبان میں قوت گویائی نور ہے اور گونگا ہونا ظلمت ہے و علیٰ ہذا القیاس ہر عضو میں اس کی مناسب قوت جو اس کا روشن پہلو ہے نور ہے اور اس کا نہ ہونا ظلمت ہے پس نور ہر صفتِ کمال کا نام ہے جس کا عدم ظلمت ہے۔

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ نور اگرچہ صفت ہے لیکن جب کسی موصوف میں بدرجۂ کمال موجود ہو تو از راہِ مجاز ذاتِ موصوف پر بھی اس کا اطلاق درست ہوتا ہے جس طرح کسی عادل کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اس قدر عادل ہے گویا مجسمۂ عدل ہے۔ اسی طرح شجاع کو مجسمۂ شجاعت اور عالم کو مجسمۂ علم اطلاق مجازی میں درست ہے۔ خداوند کریم جو جمیع صفاتِ کمال کا جامع اور واجب الوجود ہے۔ اس پر نور کا اطلاق قرآن مجید میں موجود ہے۔ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ یعنی اللہ جو نورِ محض ہے اور اس میں کوئی ظلماتی پہلو نہیں کیونکہ صفاتِ ثبوتیہ اس کی عین ذات ہیں اور صفاتِ سلبیہ سے وہ منزہ و مبرا ہے۔ وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کو نورِ وجود سے

منوّر کرنے والا ہے کہ ظلمت کدۂ عدم سے نکال کر منصۂ شہود پر خلعتِ وجود سے آراستہ کرکے ان کو بقعۂ نور بنایا۔

اس کی مخلوق میں سے فرشتے نور ہیں کہ صفاتِ خیر سے آراستہ اور صفاتِ شر سے یکسو مبرا ہیں۔ قرآن مجید میں انجیل کی آیات پر نور کا اطلاق موجود ہے۔ اٰتَیْنٰهُ الْاِنْجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَّنُوْرٌ پ ۶ ع ۱۱۔ یعنی ہم نے عیسیٰ کو انجیل عطا کی کہ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اسی طرح تورات کی آیات پر بھی نور کا اطلاق ہوا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰةَ فِیْهَا هُدًی وَّنُوْرٌ پ ۶ ع ۱۱۔ یعنی ہم نے تورات کو نازل کیا کہ اس میں ہدایت اور نور تھا اور قرآن مجید پر صرف نور نہیں بلکہ نور مبین کا اطلاق ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا۔ پ ۶ ع ۲ ترجمہ۔ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے برہان آچکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف نور مبین بھیجا ہے (قرآن مجید) بعض روایات میں نور سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں۔ جس طرح تفسیر کی جلد نمبر ۴ ص ۲۷۵ پر گذر چکا ہے یعنی خدا کی جانب سے آنے والی کتابیں جن میں قرآن مجید سید الکتب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان میں کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں ہے جو دعوتِ خیر و ہدایت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے نہ ہو، پس وہ نور کی طرف لیجانے بلکہ مجسمۂ نور کتابیں ہیں۔ اسی طرح چاند چونکہ خود روشن اور اہل زمین کے لئے روشنی کا باعث ہے۔ اس پر بھی نور کا اطلاق ہوا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔ پ ۱۱ ع ۶۔ وہ ذات ہے جس نے سورج کو تابانی اور چاند کو روشنی عطا فرمائی اسی بنا پر خدا کے وہ بندے جو صفاتِ بد سے مبرا و منزہ اور صفاتِ خیر سے آراستہ ہیں ان کو نور کہا جاتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام اور ان کے اوصیاء طاہرین سب نور ہیں۔ اور حضور رسالتمآبؐ پر نور کا اطلاق قرآن مجید کی متعدد آیات میں موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ پ ۶ ع ۷۔ ترجمہ تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آچکے ہیں۔ اس جگہ نور سے مراد حضرت رسالتمآبؐ ہیں۔ جس طرح ہم نے تفسیر کی جلد نمبر ۵ میں ص ۸۱ پر بیان کیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں بھی نور کا اطلاق ذات باری پر موجود ہے۔ چنانچہ دعائے نور کے الفاظ ہیں بِسْمِ اللّٰهِ النُّوْرِ بِسْمِ اللّٰهِ نُوْرِ النُّوْرِ الخ۔ اور حضرت رسالتمآبؐ اور اس کی آل اطہار کی ذوات مقدسہ پر نور کا استعمال بکثرت موجود ہے۔ چنانچہ خلقتِ نوری کی روایت تفسیر کی جلد نمبر ۴ میں صفحہ ۲۰۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی سیر ملکوتی کی روایت تفسیر کی جلد نمبر ۵ میں ص ۲۳۳ پر مندرج ہے اسی طرح زیارت کے الفاظ ہیں اَنَّكَ كُنْتَ نُوْرًا فِی الْاَصْلَابِ الشَّامِخَةِ وَالْاَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ الخ۔ معصوم کو مخاطب کرکے کہا جاتا ہے کہ تو بلند پشتوں اور پاکیزہ رحموں میں نور کی حیثیت سے موجود تھا۔ چنانچہ اسی جلد میں سورہ شعراء کی تفسیر کے عنوان آبائے نبی کا اسلام میں حدیث نور مذکور ہوگی ص ۲۱۸۔ اس بارے میں زیادہ تفصیل میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ کتاب موضوع سے خارج ہو جائے گی۔ پس جس طرح نور کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ خود ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کے ظہور کا باعث ہو۔ لہذا وہ ذواتِ طاہرہ جو اپنے مقام پر ہر رجس و کثافت سے پاک اور ہر فضل و کمال کی صفت سے آراستہ ہوں وہ نور کے صحیح مصداق ہیں اور تمام مخلوق میں سے محمدؐ و آلِ محمدؐ نور کے اکمل و اشرف افراد ہیں۔ کیونکہ انہی کی بدولت تمام عالم بقعۂ نور بنا۔ اور خدا اس لئے نور ہے کہ وہ تمام انوار کا خالق و موجد اور جامع جمیع صفاتِ کمال ہے۔ بایں طور کہ صفات اس کی عین ذات ہیں۔

قرآن میں نور کا استعمال

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر نور سے مختلف معانی مراد لئے گئے ہیں لیکن نتیجہ اور مآل کے لحاظ سے سب کی بازگشت ایک معنی کی طرف ہے یعنی نور سے مراد صفات کمالیہ ذاتیہ کا مثبت اور روشن پہلو اور اس کے مقابلہ میں ظلمت سے مراد اس صفت کا منفی اور تاریک پہلو ہے (۱) ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ ۔ پ ۱ ع ۲ ۔ ترجمہ ۔ ختم کر دیا اللہ نے ان کی روشنی کو اور چھوڑ دیا ان کو تاریکی میں ۔ نور سے مراد روشنی اور ظلمت سے مراد تاریکی ہے (۲) اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۔ پ ۳ ع ۲ ۔ ترجمہ ۔ اللہ مومنوں کا ولی ہے کہ ان کو (کفر و شرک و گمراہی کی) تاریکیوں سے نکال کر (اسلام و ایمان و خیرات کی) روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اولیا شیاطین ہیں جو ان کو (اسلام و ایمان و خیرات کی) روشنی سے نکال کر (کفر و شرک و گمراہی کی) تاریکیوں میں لے جاتے ہیں ۔ یہاں نور سے مراد اسلام و ایمان و جملہ امور خیر ہیں اور ظلمت سے مراد کفر و شرک و الحاد و جملہ امور شر ہیں (۳) قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا پ ۶ ع ۴ ۔ ترجمہ ۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس برہان پہنچ چکی ہے اور ہم نے اتارا تمہاری طرف نور مبین کو یہاں نور سے مراد ہدایت قرآنیہ ہے یا ولایت علی ہے اور اس کے برعکس ظلمت ہے ۔ (۴) قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۔ پ ۶ ع ۷ ۔ ترجمہ تحقیق آئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین ۔ اور اس جگہ نور سے مراد نور نبوت ہے اور اس کا انکار ظلمت ہے (۵) وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۔ پ ۹ ع ۹ ۔ اور اتباع کی اس نور کی جو اتارا گیا ساتھ اس کے یہاں نور سے مراد بروایت صافی و کافی حضرت علی علیہ السلام ہیں ۔ تفسیر ہذا جلد نمبر ۶ ص ۱۰۸ اور اس کے برعکس ظلمت اس کے انکار کا نام ہے (۶) وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۔ پ ۱۸ ع ۱۱ ۔ جس کے لئے اللہ نور کا سامان پیدا نہ کرے تو اس کو نور نہیں ملتا ۔ یہاں نور سے مراد ہدایت ہے اور اس کے برعکس ظلمت گمراہی کا نام ہے (۷) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ ترجمہ ۔ جس کا سینہ اسلام کے لئے خدا کھول دے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر گامزن ہوتا ہے یہاں نور سے مراد نور ہدایت اور صراط مستقیم ہے اور اس کے برعکس گمراہی اور کج روی کا نام ظلمت ہے (۸) يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ (پ ۲۷ ع ۱۸) جس دن کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہ ہماری طرف دیکھو تاکہ ہم تمہارے نور سے استفادہ کریں ۔ یہاں نور سے مراد ان کے ایمان و اعمال صالحہ کی جزا (نعمات جنت) ہے ۔ اور اس کے برعکس وہ خود جس ظلمت میں ہوں گے وہ کفر و اعمال بد کی سزا جہنم ہے (۹) لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۔ پ ۲۷ ع ۱۸ ۔ ترجمہ ۔ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے والوں کے لئے ان کا اجر اور نور ہوگا نور کا عطف اجر پر عطف تفسیری ہے ۔ پس نور سے مراد جزائے خیر اور ثواب جنت ہے اور اس کے برعکس کافروں اور منکروں کی سزا اور عذاب کا نام ظلمت ہے (۱۰) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (پ ۲۷ ع ۲) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول

کے ساتھ ایمان لانے میں ثابت قدم رہو خدا تمہیں دو کفل اپنی رحمت سے دے گا اور تمہارے لئے ایک ایسا نور پیدا کرے گا جس کے ساتھ تم چلو گے۔ یہاں نور سے مراد وقار رعب اور ہیبت ہے اور اس کے مقابلہ میں ذلّت وخواری ظلمت ہے۔ قرآن مجید کے دس مذکورہ استعمالات کا تجزیہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نور صفتِ خیر کے مثبت پہلو اور اس کے روشن انجام پر بولا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اس کا منفی پہلو اور تاریک انجام ظلمت کہلاتا ہے اور ان کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی نور کا استعمال ہوا ہے اسی مفہوم کو ہی ظاہر کرتا ہے۔

نور ہُدیٰ اور رحمت

قرآن مجید میں جن معانی پر نور کا اطلاق ہوا ہے انہی معنوں پر ہُدیٰ اور رحمت کی لفظیں بھی استعمال کی گئی ہیں (۱) انجیل کی آیات کو جہاں نور کہا گیا ہے وہاں ہُدیٰ بھی کہا گیا ہے۔ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ۔ پ۶ ع ۱۱ یعنی ہم نے اس کو انجیل دی کہ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ (۲) اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ۔ پ۶ ع ۱۱۔ ہم نے نازل کیا تورات کو کہ اس میں ہدایت اور نور تھا (۳) قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى۔ پ۷ ع ۱۶۔ کہدو کس نے نازل کی ہے وہ کتاب جو موسیٰ لایا کہ وہ نور اور ہدایت تھی (۴) لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً پ۸ ع ۱۳ اور ہم نے دی ان کو کتاب جس کی ہم نے تفصیل کی علم سے درحالیکہ وہ ہدایت اور رحمت ہے (۵) جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ پ۸ ع ۶ تحقیق آیا تمہارے پاس بیّنہ اپنے رب سے اور ہدایت اور رحمت (نبوت اور دعوت اسلام) (۶) هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ پ۱ ع ۱۸ (قرآن ہدایت ہے متقیوں کے لئے) (۷) نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً پ۱۴ ع ۱۸۔ ہم نے اتاری تیرے اوپر کتاب جو واضح بیان ہے ہر چیز کا اور ہدایت و رحمت ہے (۸) يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ۔ پ۲۷ ع ۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں دو کفل رحمت کے دے گا۔ تو جہاں مومنوں کے اجر پر نور کا اطلاق ہوا وہاں رحمت بھی اس کو کہا گیا ہے۔ پس ان تمام مثالوں سے واضح ہوا کہ نور رحمت اور ہدایت ایک دوسرے کے مترادف بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور جہاں نور کے اطلاق میں حضرت محمد مصطفیٰ ص تمام نوری افراد کے سید و سردار ہیں وہاں رحمت کے تمام مصداق بھی آپؐ کے دستِ کرم کے ممنونِ احسان ہیں چنانچہ ارشاد باری ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر عالمین کی رحمت بنا کر اور حضرت علی علیہ السلام جس طرح حضورؐ کے صحیح جانشین ہونے کی حیثیت سے عالمین پر رحمت ہیں اسی طرح ہدایت میں وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کے مصداق بھی ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ نور ایک مثبت حقیقت ہے جو خیر و رشد کے معانی کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور اس کے منفی پہلو کا نام ظلمت ہے۔ بنا بریں نور کو بشر کے مقابلہ میں لانا اور ان کو ایک دوسرے کی ضد قرار دینا محض جہالت اور نافہمی ہے اور جو لوگ یہ سوال پیدا کرتے ہیں کہ انبیاء و آئمہ نور تھے یا بشر؟ اسی لقمۂ جہالت کو بار بار چبانے ہیں۔

اوّل مخلوق

خداوند کریم خیر محض ہے اور اَلْخَیْرُ لَا یَصْدُرُ مِنْہُ اِلَّا الْخَیْرُ۔ یعنی خیر سے صرف خیر ہی صادر ہو سکتی ہے۔ بنا بریں اوّل مخلوق کو خالص خیر اور محض نور ہونا چاہیے جس میں شر کا کوئی شائبہ اور ظلمت کا کوئی پہلو نہ ہو اور احادیث میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ یعنی سب سے پہلی چیز جو اللہ نے خلق فرمائی وہ میرا نور تھا۔ اور حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ۔ یعنی میں اور علی ایک نور سے ہیں۔ خلقت نوری کی حدیث میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب اللہ نے ہماری تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پہلے نور کو پیدا کیا اور پھر روح کو خلق فرمایا اور ان دونوں کو ملا کر مجھے اور علی و فاطمہ وحسن وحسین کو پیدا کیا پھر میرے نور سے عرش کے نور کو علی کے نور سے ملائکہ کے نور کو فاطمہ کے نور سے زمین وآسمان کو حسن کے نور سے شمس وقمر کو اور حسین کے نور سے جنت وحور العین کو پیدا کیا مفصل حدیث تفسیر کی جلد ۲ میں ص۱۸۰ پر مرقوم ہے نیز اسی جلد میں سورہ شعراء کی تفسیر میں بھی اسی قسم کی روایت انشاء اللہ آجائیگی ص۲۱۱

پس خداوند کریم نور کل اور خیر محض ہے بایں معنی کہ وہ خود ظاہر و باہر اور روشن وجلی ہے اور باقی ہر شے کو ظلمت کدۂ عدم سے نکال کر وجود کے بقعۂ نور میں داخل کرنے والا ہے اس کا اپنا ظہور کسی مزید دلیل کا محتاج نہیں کیونکہ ارباب بصیرت کے نزدیک اس کی مخلوق کا ہر فرد اپنی زبان عجز سے اس کے وجود کا بولتا ہوا ناقوس ہے۔ اسی لئے عرفا نے اس کے وجود کے اثبات کو دلیل و برہان سے بھی جلی تر قرار دیا ہے کیونکہ باقی ہر شے اپنے وضوح وجلا میں اس کی رہین منت ہے۔

اور تمام مخلوق میں سے حضرت محمد مصطفیٰؐ نور کل اور خیر محض ہیں بایں طور کہ وہ اول مخلوق ہیں اور باقی تمام مخلوق کا کتم عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونا انہی کے طفیل سے ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ ممکن میں جو جو خوبیاں ہو سکتی ہیں ان میں سب موجود ہیں اور ممکن میں جو نقائص ہو سکتے ہیں آپ سب سے منزّہ و مبرّا ہیں۔ پس تمام ممکنات کے لئے ہدایت کل رحمت مجسّمہ روح حیات اور عقل آپ کی ذات بابرکات ہے۔ جیسا کہ احادیث میں اول مخلوق کی مختلف تعبیریں اس کی شاہد ہیں۔ اوّل مخلوق کے متعلق واردشدہ احادیث میں سے بعض کو ذکر کیا جاتا ہے۔

کافی۔ باسنادہ عن ابی جعفر علیہ السلام قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی الْعَقْلَ اِسْتَنْطَقَہٗ ثُمَّ قَالَ لَہٗ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ ثُمَّ قَالَ لَہٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ ثُمَّ قَالَ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا ھُوَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْکَ وَلَا اَکْمَلْتُکَ اِلَّا فِیْمَنْ اُحِبُّ اَمَا اِنِّیْ اِیَّاکَ اٰمُرُ وَاِیَّاکَ اَنْھٰی وَاِیَّاکَ اُعَاقِبُ وَاِیَّاکَ اُثِیْبُ

امام محمد باقرؑ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا نے جب عقل کو پیدا کیا اور اس کو گویا کیا تو پھر فرمایا آ۔ پس وہ آیا پھر فرمایا جا۔ پس وہ گیا پھر فرمایا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں نے تجھ سے محبوب تر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اور میں نے تجھ کو نہیں کامل کیا مگر اپنے محبوب بندوں میں۔ میں تجھ کو ہی امرو نہی کروں گا اور تجھے ہی (غلطی پر) سزا اور (نیکی پر) جزا دوں گا۔

ھذا الحدیث مما رواہ العامۃ

(صاحب وافی فرماتے ہیں اس حدیث کو سنی وشیعہ علماء نے

والخاصة بأسانيد مختلفة والفاظ متغايرة

اسانید مختلفہ اور الفاظ متغایرہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

والعقل جوهر ملكوتي نوراني خلقه الله سبحانه من نور عظمته وبه اقام السموات والارضين ومافيهن وما بينهن من الخيرات ولاجله البس الجميع حلة نورا لوجود وبوساطته فتح ابواب الكرم والجود ولولاه لكن جميعاً في ظلمة العدم ولاغلقت دوننا ابواب النعم

اور عقل ایک جوہر ملکوتی و نورانی ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اپنے نور عظمت سے پیدا کیا اور اسی کے ساتھ زمین و آسمان کو اور ان کے اندر ہونے والی تمام چیزوں کو قائم کیا اور اسی کی بدولت تمام مخلوق کو نورِ وجود کی خلعت بخشی اور اسی کی وساطت سے اپنے کرم وجود کے دروازے کھولے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو سب مخلوق ظلمت کدۂ عدم میں ہوتی اور نعمات کے تمام دروازے بند ہوتے۔

وهو اول خلق من الروحانيين عن يمين العرش وهو بعين نور نبينا وروحه الذي تشعب منه انوار اوصيائه المعصومين وارواح الانبياء والمرسلين سلام الله عليهم اجمعين ثم خلقت من شعاعها ارواح شيعتهم من الاولين والاخرين

اور روحانیین میں سے وہ پہلی مخلوق ہے جو عرش کے دائیں طرف ہے اور وہی بعینہٖ ہمارے نبی کا نور اور روح ہے۔ جس سے اس کے اوصیائے معصومین علیہم السلام کے ارواح الگ ہوئے اور اس سے انبیاء و مرسلین کے ارواح پیدا ہوئے۔ پھر ان کی شعاعوں سے اولین و آخرین سے ہونے والے ان کے شیعوں کے ارواح پیدا ہوئے۔

قال نبينا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُوْرِىْ وفي رواية اخرى روحي وفي حديث القدسي لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ وفي هذا المعنى وردت روايات كثيرة وفي حديث المفضل عن الصادق عليه السلام اِنَّا خُلِقْنَا اَنْوَارًا وَّخُلِقَتْ شِيْعَتُنَا مِنْ شُعَاعِ ذٰلِكَ النُّوْرِ فَلِذٰلِكَ سُمِّيَتْ شِيْعَةً" (وافی)

حضورؐ نے فرمایا سب سے پہلی چیز جو اللہ نے پیدا کی وہ میرا نور تھا۔ دوسری روایت میں ہے میرا روح تھا۔ اور حدیث قدسی میں ہے اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا اور اسی مطلب کی حدیثیں کثرت سے منقول ہیں اور بروایت مفضل امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم انوار پیدا ہوئے اور ہمارے شیعہ اس نور کی شعاع سے پیدا ہوئے اور اسی لئے ان کو شیعہ کہا جاتا ہے۔

پس ایک حدیث میں اول مخلوق عقل ہے۔ دوسری میں اول مخلوق نور محمدی ہے اور تیسری میں روح محمدی ہے تو معلوم ہوا کہ سب ایک ہی مطلب کی الگ الگ تعبیریں ہیں یعنی عقل نور اور روح سب سے مراد نور رسالتمآبؐ ہے۔

اقبال وادبار کا معنی

بنا بریں سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقل کو پیدا کرنے اور قوت گویائی دینے کے بعد کہنا اَقْبِلْ یعنی آ۔ اور پھر فرمانا اَدْبِرْ یعنی جا۔ اس کا کیا مقصد ہے۔ حالانکہ خدا ہر جگہ اور ہر سمت میں موجود ہے۔

تو اس کے حل میں سرکار ملا محسن فیض کاشانی صاحب وافی ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی دو صورتیں ہیں:۔

(۱) پہلی صورت یہ کہ عقل سے مراد اگر روح محمدی ہو تو عالم ظہور میں قدم رکھنے کے بعد اقبال یعنی آنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کسب کمالات اور ترقی درجات کی طرف پیش قدمی کی دعوت دی گئی جس پر آپ نے نہایت خوش اسلوبی سے عمل کیا اور ادبار یعنی جانے کا حکم دینے سے مُراد یہ ہے کہ کمال ذاتی کے بعد ان کو ہدایت خلق اور دعوتِ حق کے لئے مامور کیا گیا جس کو آپ نے بطریق احسن نبھایا۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ عقل سے مراد اوّل مخلوق ہو (عالم ظہور سے پہلے) تو اقبال کا معنی ہے عالمین کی رحمت بن کر دنیا کی طرف جانا اور زمین پر پہنچنا تاکہ حسب استعداد مخلوق ان سے فیض یاب ہو کر حیوانی پستی سے نکل کر مدارج انسانی تک پہنچے اور ادبار سے مُراد ہے۔ اپنا فریضۂ نبوت اور عہدہ رسالت ادا کرنے کے بعد دعوت حق سبحانہٗ پر لبیک کہتے ہوئے بارگاہِ اقدس میں واپس پہنچنا۔ پس حضورؐ نے اقبال و ادبار کی دونوں منزلیں کماحقہ نبھائیں اور ان کے نور سے پیدا ہونے والے تمام انوار طاہرہؑ اور ارواحِ طیبہ نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے فرائض کو کماحقہ ادا فرمایا پس اقبال کا معنی ہے عالم جسمانی کی طرف آنا اور ادبار کا معنی ہے ادائیگی فرض کے بعد عالمِ قدس کی طرف رجوع کرنا۔

اس کے بعد مثال سے مطلب کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عالمِ غیب میں نورِ عقل کو وہی حیثیت حاصل ہے جو عالمِ ظاہر میں نور شمس کو حاصل ہے۔ پس جس طرح آنکھ نور شمس کی بدولت چیزوں کو دیکھتی ہے اگر سورج کی روشنی نہ ہوتی تو آنکھ کچھ نہ دیکھتی۔ اسی طرح بصیرت کی آنکھ نورِ عقل کی بدولت معقولات کو دیکھتی ہے۔ اگر نورِ عقل نہ ہوتا تو چشم بصیرت کچھ نہ دیکھ سکتی نیز اگر کسی کی آنکھ نہ ہو تو نورِ شمس اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتا اسی طرح جس کے پاس چشم بصیرت نہ ہو۔ نورِ عقل اس کو فائدہ نہیں بخشتا۔

علاوہ ازیں علمائے اعلام نے اقبال و ادبار کی اور تاویلیں بھی کی ہیں۔

(۱) اقبال کا معنی اُمورِ خیر کی طرف رغبت جو عقل نے فوراً قبول کی اور ادبار کا معنی امور بد سے دوری جس کو عقل نے بلا پس و پیش مان لیا ہو۔

(۲) اقبال کا معنی منفعت خوشی تندرستی اور خوشحالی میں شکرِ پروردگار کی بجاآوری اور ادبار کا معنی نقصان غمی بیماری اور بدحالی کی آمد پر دامن صبر کو تھام کر رضائے خالق پر راضی رہنا۔ پس عقل نے اس کو بھی قبول کر لیا۔

(۳) اقبال کا معنی اطاعتِ حکم پروردگار جب کہ اس اطاعت میں ظاہری طور پر منفعت بھی ہو۔ اور ادبار کا معنی اطاعتِ پروردگار جب کہ ظاہری طور پر کوئی منفعت و مصلحت کارفرما نظر نہ آتی ہو یا بجائے منفعت کے اس کو نقصان اٹھانا پڑتا ہو۔ پس اقبال و ادبار کا معنی ہے دونوں صورتوں میں رضائے خالق کو مدِّ نظر رکھنا

عقل کی عظمت | حدیث کے آخر میں سزا و جزا کا تعلق عقل کے ساتھ قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ عقل سے اگر عقل کل جو

مخلوق اوّل ہے مراد ہو تو معنی یہ ہے کہ تیری وجہ سے سزا و جزا ہو گی جو تیرے اطاعت گذار ہوں گے جزا کے حق دار ہوں گے اور جو نافرمان ہوں گے وہ سزا کے سزاوار ہوں گے اور عقل سے اگر مراد عام انسانی عقول ہوں جو عقل اوّل یعنی نورِ محمدیؐ کی شعاع سے پیدا ہوئے تو مراد یہ ہے کہ اگر یہ عقول اپنے صحیح مقتضا پر قائم رہتے ہوئے وہم و خیال و خواہشات و جذبات کی اتباع سے بلند ہو کر فرمانِ خداوندی کو قبول کریں گے تو جزائے خیر کے مستحق ہوں گے لیکن اگر اپنے مقتضا سے ہٹ کر وہم و خیال و خواہشات و جذبات کے جالوں میں پھنس کر فرمانِ خداوندی کو نظرانداز کر دیں گے تو سزا کے حق دار ہوں گے۔ اور اس میں شک نہیں کہ خود عقل بذاتہٖ گناہوں سے پاک اور برائیوں سے متنفر ہے۔ اسی لئے تو اس کو رسول باطنی کہا گیا ہے اور خداوند کریم نے خیر و شر اور نیکی و بدی کے درمیان امتیاز کرنے کا ذریعہ عقل کو قرار دیا ہے۔ اگر یہ خود صالح نہ ہوتا تو اس کو معیارِ امتیاز کیوں قرار دیا جاتا۔ کائنات کے امور میں غور و فکر اور تدبّر کی دعوت صاحبانِ عقول کو دی گئی ہے۔ اگر عقل کی ذات میں غلط کاری اور کج روی ہوتی تو اس کو دعوت دینے کا مقصد ختم ہو جاتا۔ بے شک ذاتِ عقل جملہ برائیوں سے پاک اور معصوم ہے۔ اسی لئے رسول باطنی کے لقب کی اہل ہے۔ البتہ بعض اوقات جذبات و خواہشات کی قیدی ہو کر غلط کاری کی طرف اقدام کرتی ہے۔ لیکن تاہم اپنے مقام پر وہ غلطی کو غلطی سمجھتی ہے۔ اور اندر ہی اندر غلطی کرنے والے کو اس کے غلط کردار پر ملامت کرتی رہتی ہے۔ خواہ خواہشات و جذبات کا اُلّو مانے یا نہ مانے یہ الگ بات ہے۔ عقل قیدی ہو کر بھی اپنے فریضہ سے کوتاہی نہیں کرتی۔ پس کسی انسان میں نیکی کا وجود اس کی عقل کی سرشت کے ماتحت ہوتا ہے۔ جو اس کا نورانی پہلو ہے اور برائی کا وجود عقلی دعوت کو پس پشت ڈال کر نفسانی و جذباتی خواہشات کے پیش نظر ہوتا ہے جو اس کا ظلمانی پہلو ہے۔ اور بالعموم انسانوں میں جو اربابِ عقل و دانش ہیں۔ نورانی پہلو بھی موجود رہتا ہے۔ جو نیکیوں کی شکل میں اُن کے وجود سے ظاہر ہوتا ہے اور ظلماتی پہلو بھی ہوتا ہے جو برائیوں کی صورت میں سامنے آتا ہے لیکن بعضوں میں دونوں پہلو یکساں ہوتے ہیں اور بعضوں میں روشن پہلو غالب ہوتا ہے اور تاریک پہلو مغلوب ہوتا ہے لہذا اسے نیک کہا جاتا ہے اور بعضوں میں تاریک پہلو غالب اور روشن پہلو مغلوب ہوتا ہے پس اُسے بد کہا جاتا ہے۔ اور جن میں روشن پہلو غالب ہوتا ہے۔ بعض ایسے ہیں کہ ان میں نیکی کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس گناہ کا خیال تک دل میں نہیں لاتے اور اگر بمقتضائے بشریت ان سے غلطی ہو بھی جائے تو فوراً توبہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پس ان کا تاریک پہلو مضمحل اور نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اور وہ مومن کامل کہلاتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں جن کا تاریک پہلو غالب ہوتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے گناہان کبیرہ ان کی سرشت بن جاتے ہیں۔ پس ان کی جزوی نیکیاں برائیوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر رہتی ہیں۔ لہذا وہ فاسق و فاجر بلکہ کافر و ملحد کہلاتے ہیں۔ اور معصوم وہ ہے جو کبھی مقتضائے عقل سے ہٹ کر جذبات و خواہشات کا قیدی نہ ہو سکے اور جس میں تاریک پہلو برائے نام بھی نہ ہو۔ پس وُہ عقل کل بھی ہوتا ہے اور نور مجسّم بھی۔ بنابریں ہر نبی اپنی اپنی اُمّت کے لئے عقل کل اور نور مجسم تھا لیکن حضرت محمد مصطفےٰؐ کل کائنات کے لئے حتاکہ انبیاءؑ و مرسلینؑ ملائکہ مقربینؑ اور اوصیائے طاہرینؑ سب کے لئے آپ کی ذات نور کل ہدایت کلیہ اور رحمت مجسمہ تھی۔ اور ان کے بعد حضرت علی علیہ السّلام سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک آئمہ معصومین علیہم السلام تمام کائنات کے لئے عقل کل، اور

نورِ مجسم ہیں۔ پس گذشتہ تمام انبیاءؑ کے مقابلہ میں ان کی ہدایت ہدایتِ کاملہ اور ان کی عصمت عصمتِ کبریٰ ہے۔ اُن سے ترکِ اولیٰ ہوسکتا تھا لیکن اِن سے ترکِ اولیٰ بھی نہیں ہوسکتا۔

مُلّا معین کاشفی نے معارج النبوۃ کے رکن اوّل خلقتِ نورِ محمدی کی احادیث کو نقل کرنے کے بعد اول مخلوق کے متعلق واردشدہ چار احادیث نقل کیں۔ (۱) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (۲) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الرُّوْح (۳) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْل (۴) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمُ۔ پہلی حدیث میں اول مخلوق نورِ محمدی بیان ہوا ہے دوسری میں روح تیسری میں عقل اور چوتھی حدیث میں اول مخلوق قلم کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مُلّا کاشفی نے احادیث مذکورہ کی توفیق وتطبیق کے لئے چار تاویلیں ذکر کی ہیں (۱) پہلی حدیث میں اوّلیّت سے مُراد اوّلیّت حقیقیہ ہے۔ اور باقی تینوں حدیثوں میں اولیّت اضافیہ مراد ہے یعنی روحانیین میں سب سے پہلی مخلوق رُوحِ محمدی ہے۔ مجردات میں سے پہلی مخلوق عقل ہے اور اجسام میں سے پہلی مخلوق قلم ہے (۲) نورِ محمدیؐ کی اولیت مبنی برحقیقت ہے کہ اس کی تخلیق تمام اشیاء سے پہلے ہے اور تمام عقول میں سے پہلی مخلوق وہ عقل ہے جو اقبال وادبار سے خطاب کیا گیا اور اطاعت کے تقاضوں پر پورا اُترا اور تمام قلموں سے پہلی مخلوق وہ قلم ہے جس کے ذریعے سے تمام اشیاء کی تقدیریں لوحِ محفوظ پر نقش کی گئیں (اور روح کا ذکر اس تاویل میں نہیں کیا گیا شاید نورِ محمدی اور روحِ محمدی دونو کو ایک قرار دیا گیا ہے) (۳) تیسری تاویل یہ ہے کہ احادیث مذکورہ میں اگرچہ تعبیریں چار ہیں لیکن درحقیقت سب سے مراد ایک ذات ہے جس کا حیثیات کے اختلاف سے نام الگ الگ کر دیا گیا ہے یعنی ایک ہی حقیقتِ مقدسہ جو وجودِ واجب ازلی وابدی کے نوری پرتو سے متاثر ہوکر باقی تمام ہونے والی مخلوق میں ظاہر لذاتہ اور مظہر لغیرہ ہے اور کائنات میں ہونے والے جملہ کمالات وفیوض کا منبع وسرچشمہ ہے پس اس کو نورِ محمدیؐ سے تعبیر کیا گیا کہ باقی تمام موجوداتِ عالم کا تخلیقی کارنامہ ان کے وجود کی بدولت ہے اور اس حیثیت سے ان کا وجود عالمین کے لئے سراپا رحمت ہے اور انہوں نے خداداد علم واستعداد کی بناء پر حقیقت مبداء ومعاد کو خود ادراک کیا حتیٰ کہ ان کے نوری اجسام کی نوری زبانوں سے تسبیح وتقدیس اور تحمید وتمجید پروردگار کے نوری اذکار نوری ملائکہ کے لئے مشعلِ راہ بنے۔ پس وہ عالمین کے عقول میں عقلِ کل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور وہی پہلی مخلوق ہیں جن کو حدیث میں عقل سے تعبیر کیا گیا ہے نیز روح چونکہ بدن کیلئے باعثِ زندگی ہے اور نورِ محمدی عالمین کے جسمِ کلی کے لئے باعثِ زندگی ہے۔ اس لئے اس کی تعبیر روح سے کی گئی۔ اور صفحۂ عالم پر تخلیقِ کائنات کی مفصل تحریر اسی نورِ کامل کے وجود کی بدولت ہوئی لہٰذا اس کو قلم سے تعبیر کیا گیا (۴) اس کی چوتھی تاویل یہ ہے کہ درحقیقت مخلوقِ اوّل نورِ محمدی ہے پس تمام انوار کو خدا نے ان کے نوری پرتو سے پیدا کیا۔ اور تمام ارواح اور روح دار مخلوق کو ان کے روحِ مقدس کی وساطت سے خلق فرمایا اور تمام عقول کو ان کے عقلِ کل کی بدولت منصۂ شہود پر جگہ دی اور یہی وہ قلم ہے جس کو یدِ قدرت نے اپنے تخلیقی کارنامہ کی مفصل تحریر کے لئے واسطہ بنایا اور نٓ وَالْقَلَمِ میں اسی ذات کی قسم کھائی گئی۔

نور و بشر عوام میں نور و بشر کا مسئلہ معرکۃ الآراء حیثیت کا حامل ہے۔ حالانکہ ان میں سے اکثر لوگ نور و بشر کی حقیقت کو سمجھنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے اور جو صاحبان منبر نور و بشر میں تقابل بیان کرتے ہیں وہ اپنی جہالت کو بے نقاب کرتے ہیں قرآن مجید میں جہاں حضورؐ کو نور

رحمت اور ہدیٰ کہا گیا ہے وہاں ان کو بشر بھی کہا گیا ہے۔ اگر بشر ہونا یا ان کو بشر کہنا ان کی توہین ہوتا۔ تو خداوند کریم قرآن مجید میں ان کو بشر نہ کہتا۔ بلکہ ان کی زبانی کہلوایا کہ تم کہو۔ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ یعنی میں تم جیسا انسان ہوں گویا بشریت اور نبوت میں کوئی منافات نہیں اور کفار کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ بشریت اور نبوّت کو ایک دوسرے کا منافی سمجھتے رہے ہے۔ پس ہر نبی کی دعوت کو ردّ کرنے کا ان کے پاس یہی ایک بہانہ تھا کہ تم تو ہم جیسے بشر ہو لہذا نبی کیسے بن سکتے ہو۔ اگر وہ نبوت و بشریت میں منافات نہ سمجھتے تو نبوّت کا انکار نہ کرتے اور ہر آنے والے نبی نے اُمّت کے اس بہانہ کا کبھی یہ جواب نہیں دیا کہ تم کو غلط فہمی ہوئی ہے میں تم جیسا بشر نہیں ہوں بلکہ صاف کہتے تھے کہ واقعی میں تمہاری طرح کا بشر تو ہوں لیکن مجھے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھے معجزہ عطا فرمایا ہے اور احکام شریعت کی تبلیغ پر مامور فرمایا ہے وغیرہ۔ یعنی نبی یہ باور کراتے رہے ہے کہ تم بشریت اور نبوت میں منافات نہ سمجھو کیونکہ ہم بشر بھی ہیں اور نبی بھی ہیں۔ ہم نے اس مطلب کو تفسیر کی جلد نمبر ۷ میں ص ۲۰۹ پر واضح کیا ہے۔ قرآن مجید میں بشر کے اطلاق کے متعدّد مقامات دیکھنے سے یقین ہو جاتا ہے کہ بشریت کو نورِ نبوّت سے کوئی منافات نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۹ کا ترجمہ ملاحظہ ہو کیا تمہارے پاس نہیں پہنچی خبر ان کی جو تم سے پہلے تھے۔ قوم نوح و عاد و ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد تھے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ ان کے پاس رسول آئے واضح دلیلیں لے کر تو انہوں نے (غصّہ سے) اپنے ہاتھوں کو کاٹا اور کہنے لگے تحقیق ہم نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور تحقیق ہم کو شک ہے جس کی طرف تم بلاتے ہو (آیت نمبر ۱۰ کا ترجمہ) تو ان کو رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ بخشے تمہارے گناہ اور تمہیں مہلت دیتا ہے ایک وقت مقرر تک قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ کہنے لگے تم تو ہماری طرح کے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو۔ اس سے جس کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا تو کوئی معجزہ لے کر آؤ (آیت نمبر ۱۱) قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ الخ (پ ۱۳۔ ع ۱۴) ان کو رسولوں نے کہا کہ واقعی ہم تم جیسے بشر تو ہیں لیکن خدا احسان کرتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے اور ہمارے بس میں نہیں کہ لائیں کوئی معجزہ مگر ساتھ اذن خدا کے۔ الخ

ان آیات سے صاف واضح ہے کہ گذشتہ قومیں نبیوں کی دعوت کو اسی بہانہ سے ردّ کرتی تھیں کہ تم ہم جیسے بشر ہو۔ لہذا تم عہدۂ جلیلہ نبوّت پر فائز ہونے کا غلط دعویٰ کرتے ہو۔ کیونکہ ان کے ذہنوں میں اس زمانہ کے مقررین نے اپنی چودھراہٹ کے باقی رکھنے کے لئے یہ بات پختہ کر رکھی تھی کہ جو نبی ہو وہ بشر نہیں ہو سکتا۔ پس وہ اس بات پر ڈٹ گئے۔ پھر اپنے انکار کو مزید تقویت دینے کے لئے کہتے تھے کہ اپنی صداقت کے لئے کوئی معجزہ لے آؤ۔ اور یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ وہ لوگ معجزہ حق جوئی کے لئے نہیں طلب کرتے تھے ورنہ معجزہ کے بعد وہ ایمان ضرور لاتے بلکہ وہ معجزہ محض از راہ تمسخر و انکار طلب کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات پتھر کی لکیر تھی کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی کسی نبی نے باذنِ خدا معجزہ دکھایا بھی تو فوراً ان کے ذہن تصدیق کی بجائے الٹی راہ چل کر اسے جادو کہنے پر تل گئے اور نبی کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ورنہ اگر بشریت و

ے پہلا ایڈیشن

نبوّت کے درمیان منافات ان کے ذہن نشین نہ کرائی گئی ہوتی تو معجزہ دیکھتے ہی ان کے دِل شمعِ ایمان سے منوّر ہو جاتے اور کلمہ توحید ونبوّت کو زبان پر جاری کر کے حضیضِ جہالت سے نکل کر اوجِ ایمانی پر جا پہنچتے۔ چنانچہ قرآنی حکایت کے ماتحت ہر زمانہ کے نبی نے اپنی اُمّت کا اعتراض سُن کر کبھی یہ نہیں کہا کہ میں بشر نہیں ہوں بلکہ وہ یہی کہتے رہے کہ ہم تم جیسے بشر تو ہیں لیکن ہم پر اللہ نے احسان کیا ہے کہ اس نے ہم کو عہدۂ نبوت عطا فرما کر تبلیغ کے لئے بھیجا ہے اور چونکہ ان کی معجزہ طلبی ازراہِ تمسخر و عناد تھی۔ لہذا نبی یہ جواب دیتے تھے کہ معجزہ دکھانا ہمارے بس میں نہیں ہے اللہ چاہے تو ہم دکھا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

حضرتِ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق صاف ارشاد ہے۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ الخ (پ۱۴ ۳۶) یعنی میں بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ آواز کرنے والی مٹی سے اور حضرت آدم علیہ السلام تمام نبیوں کا باپ اور خود بھی نبی ہے لیکن مٹی سے پیدا ہونے والا بشر ہے اور اس کا انکار قرآنی ارشاد کا انکار ہے۔

اور اسی جلد میں پ۱۹ رکوع نمبر ۳ میں آئے گا۔ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا۔ وہ وہ ذات ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا اور اس کو نسب اور صہر بنایا۔ تفاسیر اہل بیت میں ہے کہ بشر سے مراد رسالت مآبؐ اور نسب سے مُراد جناب فاطمہؑ اور صہر سے مراد حضرت علیؑ ہے۔

ایک مقام پر بالعموم نبوت کے دستور کے متعلق فرماتا ہے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ الخ (پ۳ ع۱۶) کسی بشر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اس کو کتاب علم اور نبوّت عطا کرے تو وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا پھرے بجز خدا کے۔ الخ۔ مقصد یہ ہے کہ جس بشر کو نبوت دی جاتی ہے وہ غلط تبلیغ نہیں کرتا اور نہ وہ اپنی عبادت کی ترویج کرتا ہے بلکہ وہ توحید کی دعوت کا علمبردار ہوتا ہے اور اسی پر کاربند رہتا ہے۔

ایک اور مقام پر تمام نبیوں کی پوزیشن کو اس طرح واضح فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ۔ پ۱۳ ع۱۲۔ پ۱۷ ع۱۔ حضورؐ کو خطاب ہے کہ تم سے پہلے ہم نے جس قدر رسول بھیجے وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ ایک مقام پر انکار کرنے والے لوگوں کے بہانۂ بشریت کی مذمت میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ پ۱۵ ع۱۔ ترجمہ۔ نہیں روکتی لوگوں کو ایمان لانے سے جب ان کے پاس رسول آئے (ہُدیٰ کا اطلاق رسول پر ہو سکتا ہے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں) مگر یہ بات کہ ازراہِ تعجّب کہتے ہیں کیا بشر کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی وہ بشریت اور رسالت میں منافات سمجھتے ہیں۔ اور یہ ان کا نظریہ سراسر غلط ہے۔

ایک اور مقام پر حضورؐ کی تسلّی کے لئے ارشاد ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ پ۱۷ ع۱۳۔ ترجمہ۔ ہم نے نہیں مقرر کیا تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تو کیا جب تم مر جاؤ گے تو وہ ہمیشہ رہیں گے ہے پس جلائے ایمانی کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ ورنہ بشریتِ رسولؐ پر مشتمل آیات کی تعداد

قرآن مجید میں بہت زیادہ ہے۔ اب ان تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی انسان بشریت اور نبوت میں منافات سمجھتا ہے تو ایسے منکرِ قرآن کا سمجھانا ہمارے بس سے باہر ہے۔

پس وہ بشر جس میں نورِ بصیرت موجود ہو اور اس کے سر میں نورِ عقل کی قندیل روشن ہو وہ نورِ ایمان سے بہرہ ور ہو سکتا ہے ورنہ ظلمت کفر کے گرداب سے رہائی نہیں پا سکتا اور بشرِ نورانی وہ ہے جس کے دل میں نورِ ایمان کی شمع روشن ہو ورنہ وہ بشرِ ظلمانی ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام بشر ہونے کے باوجود ان میں نورِ عقل کی قندیل نہیں بلکہ اُمّت کے مقابلہ میں وہ عقل کل تھے لہذا ایمان کل تھے۔ اور نورِ مجسم تھے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ صرف بشر نہیں بلکہ سید البشر ہیں۔ اور کل کائنات کے مقابلہ میں عقل کل ایمان کل اور نورِ مجسم ہیں اور حضرت علی علیہ السلام سے حضرت مہدی علیہ السلام تک تمام آئمہ طاہرینؑ یکے بعد دیگرے جناب رسالت مآبؐ کے بعد تمام کائنات کے لئے عقل کل اور ایمان کل و نورِ مجسم ہیں۔

وافی میں ہے کہ محاسن برقی میں خلقتِ عقل والی حدیث کے آخر میں ایک جملہ کا اضافہ ہے اور وہ یہ کہ عقل کل کے ۹۹ جزیں حضرت محمد مصطفیٰؐ کو عطا ہوئیں اور باقی ایک جز تمام بندوں میں تقسیم ہوئی اور اس کی ضد شر ہے۔ صاحب وافی فرماتے ہیں کہ تقسیم ہونے والی جز شعاعی جز ہے جس کے الگ ہونے سے عقل کل میں سے کوئی شی کم نہیں ہوتی۔

نور و عصمت میں تلازم

ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ نور کے معنی میں خیر اور بھلائی داخل ہے اور عقل اس کی دوسری تعبیر ہے پس ہر خیر و بھلائی کا پہلو نور و عقل ہوگا۔ اور اس کے برعکس ہر شر و برائی کا پہلو ظلمت و جہالت ہوگا۔ پس جس میں خیر و بھلائی غالب ہوگی اس کا نورانی و عقلی پہلو غالب ہوگا۔ اور جس میں شر و برائی غالب ہوگی۔ اس کا ظلمانی و جہالت کا پہلو غالب ہوگا۔ پس جس میں خیر اور بھلائی ہی ہو۔ اور شر و برائی بالکل نہ ہو۔ تو وہ نورِ مجسم و عقل کامل اور ایمان کل ہوگا۔ اس کا مقابل جہالت مجسمہ ظلمت تامہ اور کفر کل ہوگا۔ اور اسی نکتہ کے پیش نظر حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق بروز خندق ارشاد فرمایا تھا۔ بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الْکُفْرِ کُلِّہٖ۔ یعنی آپ نے علیؑ کو مجسم ایمان اور اس کے مقابل کو کفر مجسم قرار دیا۔ کیونکہ وجود علی میں تاریک پہلو کوئی نہیں تھا اور اس کے مقابل میں روشن پہلو کوئی نہیں تھا۔ پس یہ نورِ محض تھا۔ اور وہ ظلمت کا مرقعہ تھا اور چونکہ عقل و نور ایک ہی حقیقت کی تعبیریں ہیں۔ تو احادیث کی روشنی میں اس کی مزید وضاحت ضروری ہے۔

چنانچہ وافی میں بروایت خصال صدوق حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خدا نے عقل ایک نور سے پیدا کیا جو اس کے علم سابق میں مکنون و مخزون تھا جس کا علم نہ کسی نبی مرسل کو تھا اور نہ ملک مقرب کو۔ پس علم کو اس کا نفس فہم کو اس کی روح۔ زہد کو اس کا سر حیا کو اس کی آنکھیں حکمت کو اس کی زبان۔ نرمی کو اس کی حکمت اور رحمت کو اس کا دل قرار دیا۔ اس کے بعد دس چیزوں کو عقل کی غذا و تقویت کا باعث قرار دیا۔ یقین۔ ایمان۔ صدق۔ سکینہ۔ اخلاص۔ رفق۔ عطیہ۔ خشوع۔ ذکر اور شکر۔ الخ۔ حدیث میں عقل کی اس تصویر کشی سے معلوم ہوا کہ یہ اوصاف عقل کے نشان ہیں اور ان کا نہ ہونا جہالت کا غماز ہے

گویا یہ اوصاف نور کی شعاعیں ہیں۔ اور ان کا عدم ظلمت کی گھٹائیں ہیں۔

اصول کافی میں بروایت سماعہ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ اِنَّ اللہَ تَعَالیٰ خَلَقَ الْعَقْلَ وَهُوَ اَوَّلُ خَلْقٍ مِنَ الرُّوحَانِیِّیْنَ عَنْ یَمِیْنِ الْعَرْشِ مِنْ نُوْرِهٖ۔ ترجمہ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے عقل کو خلق فرمایا۔ اور یہ عرش کے دائیں طرف روحانیین میں سے اس کی پہلی مخلوق ہے جس کو اس نے اپنے نور خاص سے پیدا کیا۔ پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے عقل کے معاون پچھتر بیان فرمائے اور ان کی ضدوں کو جہل کا معاون قرار دیا۔

(۱) خیر وزیر عقل اس کی ضد شر وزیر جہل (۲) ایمان اور اس کی ضد کفر (۳) تصدیق اور اس کی ضد انکار (۴) رحمت خدا کا امیدوار ہونا اور اس کی ضد مایوس ہونا (۵) عدل اور اس کی ضد جور (۶) اللہ کے فیصلہ پر رضا اور اس کی ضد ہے اس کے فیصلہ پر ناراض ہونا (۷) شکر اور اس کی ضد بے شکری (۸) امید عطا اور اس کی ضد نا امید ہونا (۹) توکل اور اس کی ضد حرص (۱۰) نرم دلی اور اس کی ضد سخت دلی (۱۱) رحمت اور اس کی ضد غضب (۱۲) علم اور اس کی ضد جہل (۱۳) دانشمندی اور اس کی ضد حماقت (۱۴) پاکدامنی اور اس کی ضد پردہ دری (۱۵) زہد اور اس کی ضد رغبت (۱۶) خودداری اور اس کی ضد چھچھورا پن (۱۷) خوف خدا اور اس کی ضد ناخدا ترسی (۱۸) تواضع اور اس کی ضد تکبر (۱۹) متانت اور اس کی ضد جلد بازی (۲۰) علم اور اس کی ضد بیوقوفی (۲۱) خاموشی اور اس کی ضد یاوہ گوئی (۲۲) جھکنا اور اس کی ضد اکڑنا (۲۳) تسلیم اور اس کی ضد شک (۲۴) صبر اور اس کی ضد بے صبری (۲۵) درگذر اور اس کی ضد انتقام (۲۶) غنائے نفس اور اس کی ضد فقر نفس (۲۷) تذکر (بھولی ہوئی کا یاد آجانا) اور اس کی ضد سہو (۲۸) حفظ اور اس کی ضد نسیان (۲۹) صلہ رحمی اور اس کی ضد قطع رحمی (۳۰) قناعت اور اس کی ضد لالچ (۳۱) ہمدردی اور اس کی ضد لاپرواہی (۳۲) دوستی اور اس کی ضد دشمنی (۳۳) عہد کی وفا کرنا اور اس کی ضد عہد شکنی (۳۴) نیکی اور اس کی ضد گناہ (۳۵) فروتنی اور اس کی ضد بڑائی (۳۶) سلامتی اور اس کی ضد آزمائش (۳۷) سنجیدگی اور اس کی ضد غباوت (۳۸) حب اور اس کی ضد بغض (۳۹) سچ اور اس کی ضد جھوٹ (۴۰) حق اور اس کی ضد باطل (۴۱) امانت اور اس کی ضد خیانت (۴۲) اخلاص اور اس کی ضد ملاوٹ (۴۳) ذکی ہونا اور اس کی ضد بلید ہونا (۴۴) معرفت اور اس کی ضد انکار (۴۵) سہل انگاری اور اس کی ضد چڑچڑاپن (۴۶) عدم موجودگی میں خیر خواہی اور اس کی ضد فریب کاری (۴۷) پردہ پوشی اور اس کی ضد افشاء راز (۴۸) نماز اور اس کی ضد بے نمازی (۴۹) روزہ اور اس کی ضد افطار (۵۰) جہاد اور اس کی ضد بزدلی (۵۱) حج اور اس کی ضد میثاق کا توڑنا (۵۲) بات کو دل میں رکھنا اور اس کی ضد چغل خوری (۵۳) والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور اس کی ضد عقوق الوالدین (۵۴) بے ریا ہونا اور اس کی ضد ریاکاری (۵۵) معروف اور اس کی ضد منکر (۵۶) پردہ اور اس کی ضد بے پردگی (۵۷) تقیہ اور اس کی ضد عدم تقیہ (۵۸) انصاف اور اس کی ضد انصاف کے تقاضوں کو چھوڑ دینا (۵۹) ٹھنڈے دل سے سوچنا اور اس کی ضد بغاوت (۶۰) ستھرا ہونا اور اس کی ضد میلا رہنا (۶۱) حیا اور اس کی ضد بے حیائی (۶۲) میانہ روی اور اس کی ضد سرکشی (۶۳) دنیاوی جھمیلوں میں نہ پڑنا اور آرام سے رہنا اور اس کی ضد ہے دنیاوی کاموں میں انہماک اور تھکاوٹ (۶۴) نرمی اور اس کی ضد سختی (۶۵) برکت اور اس کی ضد بے برکتی (۶۶) عافیت اور اس کی ضد تکلیف (۶۷) متوسط گذارا اور اس کی ضد ذخیرہ اندوزی (۶۸) دانائی اور اس کی ضد غلط رائے

(۶۹) وقار اور اس کی ضد ہلکا پن (۷۰) نیک بختی اور اس کی ضد بدبختی (۷۱) توبہ اور اس کی ضد گناہوں پر اصرار کرنا (۷۲) استغفار اور اس کی ضد دھوکے میں رہنا (۷۳) چستی اور اس کی ضد سستی (۷۴) دعا اور اس کی ضد دُعا سے گریز کرنا (استنکاف) (۷۵) نیک کاموں میں مداومت اور اس کی ضد سُست ہو جانا (۷۶) اللہ کی محبت میں خوش رہنا اور اس کی ضد دنیاوی غم (۷۷) اتفاق اور اس کی ضد ہے پھوٹ (۷۸) سخاوت اور اس کی ضد ہے بخل۔

(اقول) صاحب صافی تحریر فرماتے ہیں کہ تعداد میں یہ اٹھتر ہیں حالانکہ پچھتر کہا گیا تھا تو شاید تین اوصاف کا تکرار ہی اس کا موجب ہوا ہو۔ مثلاً نمبر ۹ رجا اور اس کی ضد قنوط ہے۔ اور نمبر ۸ طمع اور اس کی ضد یاس ہے۔ اور ان دونو کا ترجمہ ایک ہو سکتا ہے اللہ کی رحمت کا امیدوار ہونا اور اس کی رحمت سے ناامیدی۔ اسی طرح نمبر ۶۳ سلامتی کی ضد بلا ہے اور نمبر ۲۲ عافیت کی ضد بلا ہے اور دونو کا ترجمہ ایک جیسا ہے اور اسی طرح نمبر ۱۳ فہم کی ضد حمق اور نمبر ۲۷ فہم کی ضد غباوت ہے اور دونو کا مفہوم تقریباً ایک ہے۔ ان تمام اوصاف کے گننے کے بعد آپ نے فرمایا۔ عقل کے یہ تمام معاون نہیں جمع ہو سکتے۔ مگر نبی میں یا نبی کے وصی میں یا اس مومن میں جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے آزما لیا ہو۔ لیکن ہمارے باقی موالی جو ہیں وہ ان اوصاف میں سے کسی نہ کسی صفت سے خالی نہ ہوں گے اور باقی صفات کو اپنے اندر جذب کرتے کرتے آخرکار کامل ہو جائیں گے اور جہل کے اوصاف سے کنارہ کش ہوتے ہوتے آخر اس سے بچ جائیں گے پس وہ انبیاء و اوصیاء کے ہمراہ بلند درجہ میں پہنچ جائیں گے لیکن یہ عقل اور اس کے معاونین کی معرفت اور جہل اور اس کے اوصاف سے پرہیز کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ پس اس طولانی روایت سے معلوم ہوا کہ نبی اور وصی نبی چونکہ عقل کل ہیں لہذا وہ عقل کے جمیع اوصاف کے جامع ہوتے ہیں اور ان میں جہل اور اس کے جملہ اوصاف برائے نام بھی نہیں پائے جاتے اور چونکہ عقل نور ہے۔ پس انبیاء و اوصیاء نور ہیں یعنی ان کے وجود مسعود میں تمام اوصاف حسنہ بدرجۂ اتم موجود ہیں پس ہر صفت کمال کے لحاظ سے وہ روشن پہلو کے حامل ہیں اور ان میں ظلمانی و تاریکی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا۔ لہذا باوجود بشریت کے نور محض ہیں۔ اور محمد و آلِ محمد چونکہ تمام انبیاء و اوصیاء سے اشرف و اکمل ہیں۔ لہذا ان کی بشریت ہر بشر سے بلند تر اور ان کی نوریت تمام انوار سے اعلیٰ تر ہے نہ کوئی بشر ان کی بشریت تک پہنچ سکتا ہے اور نہ کسی نور کو ان کی نوریت تک رسائی حاصل ہو سکتی ہے اور جب کمالات انسانیہ کا ہر روشن پہلو ان میں موجود ہے اور ہر تاریک پہلو سے وہ منزہ و مبرا ہیں تو اسی کا نام عصمت ہے پس نور عقل و عصمت طہارت و رحمت میں معنوی طور پر سنخیت و یگانگت موجود ہے۔

فنِ منطق میں نئے باب کا اضافہ

ایک صاحب جو دورِ حاضر کے چوٹی کے مقررین میں سے ہیں۔ اپنی سحر بیانی کی بدولت بڑے سے بڑے مجمع کے دلوں کو موہ لینا اور ان کو گرویدہ بنا لینا۔ نیز خاموش مجلسوں کو چند جملوں میں اچھال لینا اور ان سے داد واہ واہ حاصل کر لینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے

بہرکیف آپ رقص منبری میں بہت ماہر ہیں اور عوام میں بحر علم کے غواص بھی سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے علمائے اعلام کی تحقیر و تذلیل میں اپنی مزخرفات کا ایک طومار لکھ مارا ہے جسے وہ علمی خدمت تصور کرتے ہیں۔ مجھے ان کے علم کا جائزہ لینے کی ضرورت نہیں

البتہ اُن کے دہانِ قلم سے نکلے ہوئے بعض الفاظ ان کی علمی بے کسی کا رونا ضرور روتے ہیں کیونکہ نہ تو بازاری لب و لہجہ سے کسی مطلب کو ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ خطابیہ جملے حقیقت کے چہرے سے نقاب کشائی کر سکتے ہیں انہوں نے اپنے زورِ خطابت سے فن منطق میں ایک باب کا اضافہ کرنے کی جرأت کی چنانچہ انبیاء کو الگ نوع ثابت کرنے کے لئے بشر کو نبی اور عام انسان کے لئے جنس کا نام دے دیا۔ فرماتے ہیں جس طرح حیوان جنس ہے اور اس کے ماتحت انواع ایک دوسرے سے بذریعہ فصل ممیز جدا ہوتی ہیں اسی طرح بشر جنس ہے اور نبی و دیگر انسان اس کی الگ الگ دو نوعیں ہیں چنانچہ مثلاً وحی کا ہونا نبی کی فصل ممیز اور وحی کا نہ ہونا انسان کے لئے فصل ممیز ہے۔ پھر اپنے مزعومہ فاسدہ کو تحقیق انیق قرار دیتے ہوئے معلمین کو چیلنج کرتے ہوئے علماء کا منہ چڑانے کی بھی انہوں نے کوشش کی کہ معلمین حضرات قرآن مجید میں نبی پر کہیں بشر کا اطلاق دکھائیں کہ فصل ممیز اس کے ساتھ موجود نہ ہو اور ہم نے ابھی نور و بشر کے بیان میں متعدد آیات ذکر کی ہیں جن میں نبی کو صرف بشر کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ پ۱۴ ع ۳۔ یہاں بشر سے مراد حضرت آدم ہیں اور ان کا نبی ہونا شک و ریب سے بالاتر ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ پ۱۷ ع ۳۔ یعنی ہم نے نہیں مقرر کیا تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا تو کیا جب تم مر جاؤ گے تو وہ ہمیشہ رہیں گے؟ آیت مجیدہ میں حضورؐ کو صرف بشر کہا گیا ہے۔ یعنی جس طرح ہم نے بالعموم کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنا مقرر نہیں کیا تو آپ بھی اسی قانون کے ماتحت جام موت پئیں گے اور وہ لوگ بھی مریں گے جو آپ پر معترض ہیں

اسی جلد کے پارہ نمبر ۱۹ کے رکوع نمبر ۳ میں خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا۔ تفسیر اہل بیتؑ میں بشر سے مراد حضرت رسالت مآبؐ نسب سے مراد جناب فاطمہؑ اور صہر سے مراد حضرت علیؑ ہیں ص۱۸۲ کسی فصل ممیز کا ذکر ساتھ موجود نہیں ہے۔ ہاں اگر اس لحاظ سے انبیاء کو الگ نوع کہا جائے کہ ان میں نورِ نبوت اور روحِ نبوت موجود ہے جو باقی انسانوں میں نہیں تو اس نئی اصطلاح کے پیدا کرنے میں کوئی ہرج نہیں بلکہ اس قسم کی سینکڑوں اصطلاحیں کوئی وضع کرتا پھرے اس پر کسی صاحب ذوق کو اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ لامشاحۃ فی الاصطلاح اس طرح نئی اصطلاح پیدا کرتے ہوئے کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ عالم اور جاہل دو الگ الگ نوعیں ہیں کیونکہ عالم میں نورِ علم موجود ہے اور جاہل اس سے خالی ہے۔ اسی طرح مومن اور کافر دو الگ الگ نوعیں ہیں کیونکہ مومن میں نور ایمان ہے اور کافر اس سے خالی ہے۔ اسی طرح معصوم اور غیر معصوم دو الگ الگ نوعیں ہیں۔ اسی طرح نیک و بد سخی و بخیل تندرست و بیمار و علیٰ ہذا القیاس۔ ہر صاحبِ صفت کو فاقد صفت سے الگ نوع قرار دیکر ایک اصطلاح قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہ انسانوں تک محدود نہیں بلکہ حیوان کی باقی انواع اونٹ گھوڑا گدھا بیل بھیڑ بکری حتیٰ کہ مرغ تک کو جنس قرار دیکر ان کی ماتحت اصناف کو انواع کا نام دیتے ہوئے جدت پسندی کی ہوس کو ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے لیکن اگر اس کو منطقی اصطلاح قرار دیا جائے تو علم معقول ایسے دریدہ دہن مجدد کے منہ پر تھوک دے گا۔ جس کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) بشر کا نبی سے عام ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ بشر کو نبی کی جنس قرار دیا جائے اس میں شک نہیں کہ ہر بشر نبی نہیں ہوتا اور ہر نبی بشر ہوتا ہے لیکن بعینہٖ اسی طرح کہا جاتا ہے ہر بشر شریف انسان نہیں لیکن ہر شریف انسان بشر ہوتا ہے ہر بشر صاحب علم نہیں

لیکن ہر صاحب علم بشر ہوتا ہے۔ اور ہر بشر سخی نہیں لیکن ہر سخی بشر ہوتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ تو اس عموم کا یہ مطلب نہیں کہ بشر کو ان تمام کے لئے جنس قرار دیکر ان کو اس کی انواع قرار دیا جائے بلکہ اہل منطق کے نزدیک ان کو اصناف کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ اور جناب رسالتمآبؐ نے خود اس کو ایک صفت خاصہ کا درجہ دیا ہے جس طرح انسان کے مختلف افراد ہیں۔ مختلف صفات علم و جہل اور حسن و قبح وغیرہ ہوتے ہیں جیسا کہ سورہ فرقان کی تفسیر میں ص۱۶۵ پر بیان ہوگا۔

(۲) نبی پر بشر کا اطلاق جائز ہے اور بغیر یُوحیٰ اِلیَّ کے جس کو فصل ممیز ٹھہرایا گیا ہے۔ بشر کا اطلاق نبی پر قرآن مجید میں ہوا ہے جس طرح ہم نے ابھی ثابت کیا ہے اور اگر اصرار کیا جائے کہ بغیر یُوحیٰ اِلیَّ کے بشر کا اطلاق نبی پر ناجائز ہے تو دوسری طرف عام انسانوں پر بھی بغیر فصل لگائے بشر کا اطلاق ناجائز ہوگا کیونکہ بشر کی نوع ہونے میں دونو برابر ہیں۔ پس فصل ممیز دونوں کے لئے ضروری ہے۔

(۳) کسی جنس کی الگ الگ نوعیں ایک دوسرے سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ ہر نوع کا آبائی و نسلی سلسلہ اسی نوع کا ہی ہوتا ہے حالانکہ بہت سے انبیاء ایسے ہیں جن کے والدین نبی نہیں تھے اور اگر بعض نبیوں کے باپ نبی ہیں تو ماں کسی نبی کی بھی نبیہ نہیں تھی اسی طرح انبیاء کی اولاد ساری نبی نہیں اور تمام انسان ایک نبی حضرت آدمؑ کی تو یقیناً اولاد ہیں اسی طرح جملہ سادات حضرت علیؑ کی اولاد ہیں حالانکہ نوعی اختلاف اس اختلاط کی اجازت نہیں دیتا۔ (۴) اگر انسان نبی کے مقابلہ میں الگ نوع ہو تو نبی پر انسان کا اطلاق غلط ہو جائے گا۔ حالانکہ نبیوں پر انسان کا اطلاق قرآن مجید میں عام ہے۔ **خلقنا الانسان من صلصال** الخ (پ۱۴ ع ۲) ہم نے انسان کو صلصال سے پیدا کیا اور اس سے مراد حضرت آدمؑ ہیں۔ **الرحمٰن علم القراٰن خلق الانسان** پ۲۷۔ یہاں بھی انسان سے مراد نبی ہے **اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ** پ۵ ع ۵۔ آیت مجیدہ کی تفسیر میں باطن اور تاویل کے لحاظ سے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے یہاں ناس سے مراد ہم ہیں اور ہم ہی حسد کئے گئے ہیں۔ (وافی عن الکافی)

رقاصان منبر علمائے اعلام سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لئے ان کو غلط تاثر دلاتے ہیں کہ یہ لوگ انبیاء کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بہتان عظیم اور افترائے جسیم ہے جو شخص انبیاء کو یا آئمہ کو اپنے جیسا عام انسان سمجھے وہ کافر و ملحد و بے دین ہے بلکہ علمائے اعلام کے نزدیک خدا کی ساری خدائی میں انبیاء اشرف و افضل ہیں اور وہ بشر ہوتے ہوئے اپنی اُمتوں میں عقل کل، نور کل اور ایمان کل تھے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پوری کائنات حتیٰ کہ گذشتہ انبیاء و مرسلین اور جملہ ملائکہ مقربین کے لئے بھی عقل کل، نور مجسم اور رحمت مطلقہ تھے پس وہ بشر تھے لیکن تمام بشر ان کے غلام اور وہ سید البشر تھے اور کوئی ان کی حقیقت بشری کو نہیں سمجھ سکتا اور ان کا بشری وجود نورانیوں کے نورانی وجود سے اشرف و اعلیٰ تھا حتیٰ کہ جہاں ان کا بشری وجود پہنچ گیا وہاں سید الملائکہ جبریلؑ ساتھ جانے کا دم نہ بھر سکا۔ اسی طرح وہ بشریت کے باوجود نور مجسم تھے اور ان کا نور تمام عالم وجود کے اجالے کا باعث تھا۔

مخلوق اوّل کی نوع مفرد البتہ عالم انوار میں ان کے نور کو نوع مفرد کہنا بجا ہے کیونکہ فلاسفہ یونان نے چونکہ اول مخلوق عقل اول کو قرار دیا ہے اور اس کے بعد عقل ثانی ثالث تا عاشر وہ عقول عشرہ کے قائل ہیں اور ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عقل اول کا خالق خدا ہے اور علی الترتیب ہر پہلا عقل بعد والے عقل کا خالق ہے اور عقل عاشر اپنے بعد میں ہونے والی جملہ مخلوق کا خالق ہے

علاوہ ازیں وہ عقل کو قدیم بھی جانتے ہیں۔ پس وہ عقل کو نوع مفرد اور عقولِ عشرہ کو اس کے افراد قرار دیتے ہیں یا عقل کو جنس مفرد اور عقول عشرہ کو اس کے ماتحت انواع کا درجہ دیتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ اجناس مترتبہ اور انواع مترتبہ کے سلسلہ میں عقول شامل نہیں ہیں اور وہ لوگ چونکہ ملائکہ کے وجود کے قائل نہیں تھے اور نہ انوارِ محمدؐ و آل محمد کا تصور رکھتے تھے۔ لہٰذا ان کے متعلق نوع یا جنس کا کوئی مرتبہ نہ معین کر سکے۔

اگر ان عقول کی شرعی تعبیر ملائکہ سے کی جائے تو ملک کو نوع مفرد یا جنس مفرد کا نام دیکر ماتحت کو افراد یا انواع کا درجہ دیا جا سکے گا لیکن نہ ملائکہ قدیم ہیں اور نہ اوّل مخلوق۔ بلکہ اول مخلوق صرف نور محمد ہے جس کے چودہ افراد ہیں اور وہی باعث تخلیق کائنات ہے اور اسلامی عقیدہ کی رُو سے نہ تو اوّل مخلوق کو ہم قدیم مانتے ہیں بلکہ مخلوق کا ہونا ہی اس کے حدوث کی دلیل ہے اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب پیدا ہوئے اور جو بھی اس کی تحدید کرے جھوٹا ہے اور نہ ہم اس کو بعد والی مخلوق کا خالق مانتے ہیں اور جو شخص کہے گا کہ اللہ ان کا خالق ہے اور وہ باقی مخلوق کے خالق ہیں وہ فلاسفہ یونان کی نقالی کرے گا۔ اور یقیناً یہ قول باطل اور شرک ہے اور محمدؐ و آل محمد خود اس سے بیزار ہیں۔

بعض لوگوں نے جب دیکھا کہ تخلیق کائنات کا دستور عادی یہی ہے کہ ہر شئی علل و اسباب مناسبہ کی بدولت منصۂ وجود میں قدم رکھتی ہے تو ان تمام علل و معلولات کا سلسلہ ایک غایت تک منتہی ہونا چاہیئے جو علۃ العلل ہو اور اس کا صدور ذات واجب الوجود کی تخلیق سے ہو اور چونکہ اول مخلوق اسلامی نقطہ نگاہ سے نور محمد و آل محمدؐ ہے لہٰذا باقی تمام ہونے والی مخلوق کا صدور ان سے ہوا تو اس عقیدہ سے جہاں ایک طرف تفویض لازم آتی ہے وہاں دوسری طرف خدا کا فاعل مجبور ہونا بھی لازم آتا ہے۔ بنا بریں اس قول کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں اور شیعی عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے اول مخلوق محمدؐ و آل محمدؐ کے نور کو پیدا کیا اور انہی ذوات مقدسہ کی خاطر تمام عالم موجودات کو زیور تخلیق سے آراستہ کیا۔ پس وہ جس طرح ان کا خالق ہے اسی طرح باقی سب مخلوق کا خالق بھی وہ خود ہے۔ پس محمد و آل محمد نہ اس کے شریک ہیں اور نہ آلہ تخلیق ہیں اور نہ ان کو تخلیق تفویض کی گئی ہے ہماری ذاتی تحقیق کے ماتحت شیخ احمد احسائی مرحوم کا دامن ان اتہامات سے پاک ہے جو اُن کی طرف منسوب ہیں۔ واللہ اعلم

بہرکیف محمد و آلِ محمد کے انوار نہ بقول فلاسفہ یونان عقول ہیں اور نہ باصطلاح شرع ملائکہ ہیں بلکہ یہ اول مخلوق ہیں اور أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ کے مصداق ہیں اور اس نور کے چودہ افراد ہیں تو جب یہ نور اجناس و انواع کے ترتیب وار سلسلہ میں داخل نہیں تو ماننا پڑتا ہے جو اول مخلوق ہے وہ ایک نوع مفرد ہے جس کے چودہ افراد ہیں۔

نور کی توضیح اور متعلقہ بحث میں اگرچہ طول ہو گیا ہے لیکن خالی از فائدہ نہیں اور ابھی آیت نور کی تشریح میں اس پر مزید روشنی ڈالی جائے گی۔ انشاء اللہ

رکوع نمبر ۲۔ شان نزول تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ سورہ نور سورہ نساء کے بعد نازل ہوا کیونکہ سورہ نسا کی آیت نمبر ۱۵ میں بدکار عورتوں کی سزا کا حکم تھا۔ کہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰہَا وَ فَرَضۡنٰہَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡہَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ۝۱

(یہ) سورت جس کو ہم نے اتارا اور فرض کیا (اس پر عمل کرنا) اور اتاریں اس میں نشانیاں واضح تاکہ تم نصیحت پاؤ

اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیۡ فَاجۡلِدُوۡا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡہُمَا مِائَۃَ جَلۡدَۃٍ ۪ وَّ لَا تَاۡخُذۡکُمۡ

زنا کرنے والے عورت و مرد کو کوڑے مارو ہر ایک کو ان میں سے ایک سو کوڑے اور نہ غلبہ کرے تم پر

اگر چار گواہ عینی شہادت دے دیں تو ان کو گھروں میں قید کرو۔ یہاں تک کہ ان پر موت آجائے یا یہ کہ خدا ان کے لئے کوئی اور راستہ مقرر فرمائے اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا۔ پس اس سبیل کو اس سورہ میں بیان کیا گیا ہے کہ زانی مرد و عورت کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ الخ۔ اور علمائے امامیہ کے نزدیک یہ سزا کنوارے جوڑے کے لئے ہے۔ ورنہ شادی شدہ زانی جوڑے کی سزا رجم (سنگساری) ہے۔

سُوۡرَۃٌ۔ یا سُور البناء سے ہے جس کا معنی ہے بلندی یا اس کا معنی ہے ایک دار جو دیوار پر رکھا جائے۔ پس قرآن مجید کے ایک ٹکڑے کو سورہ کہنا یا تو اس کی بلندی کے پیش نظر ہے۔ یا اس لئے کہ بنائے قرآن میں اس کو ایک دار کی حیثیت حاصل ہے۔

زنا کی شرعی سزا

اَلزَّانِیَۃُ۔ اس بارے میں جامع روایت وہ ہے جو اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے۔ بروایت قمی خلافت ثانیہ کے دربار میں چھ آدمی زنا کے جرم میں گرفتار کر کے پیش کئے گئے۔ خلیفہ نے ہر ایک پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام موجود تھے فوراً آپ نے ٹوک دیا کہ اساءت کرو۔ پس خلیفہ نے عرض کی آپ خود ہی ان پر حد جاری فرمائیں۔ پس ان میں سے ایک کو پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو گردن زدنی قرار دے کر قتل کر دیا۔ دوسرے کو لایا گیا تو آپ نے اس کے رجم کا حکم دیا۔ پھر تیسرے کو ایک سو کوڑے (حد) لگانے کا حکم دیا اور چوتھے کو نصف حد یعنی پچاس کوڑے لگوائے اور پانچویں کو تعزیر و تادیب کر کے چھوڑ دیا۔ اور چھٹے کو رہا کر دیا۔ آپ کے اس فعل سے لوگ بحر تعجب میں ڈوب گئے۔ اور خلیفہ خود اپنے مقام پر حیران و ششدر رہ گیا۔ پس عرض گذار ہوا مولا ایک ہی مقدمہ میں گرفتار ہونے والے ملزموں کی سزائیں الگ الگ کیوں؟ آپ نے جواب کو تفصیل وار بالترتیب بیان فرمایا کہ پہلا شخص کافر ذمی تھا۔ جب اس نے زنا کیا تو اس کے ذمی ہونے والا عہد ختم ہو گیا۔ پس وہ واجب القتل ہو گیا۔ لہذا اسے قتل کر دیا گیا۔ دوسرا ملزم محصن (شادی شدہ) تھا۔ پس اس کی سزا رجم یعنی سنگساری تھی۔ تیسرا ملزم غیر محصن (غیر شادی شدہ) تھا۔ پس اس کی سزا ایک سو کوڑا ہے چوتھا ملزم غلام تھا اور غلام کی سزا نصف حد ہوتی ہے۔ پس اس کو پچاس کوڑے

بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ

ان کے لئے نرمی اللہ کے دین میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یوم آخر پر اور چاہیئے کہ حاضر ہو

عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۲ اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ

ان کی سزا کے وقت ایک گروہ مومنوں میں سے زانی مرد نہ نکاح کرے مگر زانیہ یا مشرک

مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ

عورت سے اور زانیہ نہ نکاح کرے اس سے مگر زانی یا مشرک اور حرام ہے

لگوائے۔ پانچواں ملزم شبہ کی بنا پر فعل کا مرتکب ہوا لہٰذا اس کو تعزیر و تادیب کی گئی اور چھٹا ملزم چونکہ دیوانہ ہے۔ لہٰذا مرفوع القلم ہے پس اس کو رہا کر دیا گیا۔ (صافی)

مسئلہ۔ رجم کی آیت قرأت کے لحاظ سے منسوخ ہے لیکن اس کا حکم باقی ہے۔ یعنی جب شادی شدہ جوڑا زنا کرے اور ثابت ہو جائے تو ان دونوں کو رجم کیا جائے گا اور علمائے اعلام کا متفق علیہ فتویٰ ہے۔

مسئلہ۔ محصن سے مراد شادی شدہ مرد اور محصنہ سے مراد شادی شدہ عورت ہے اور اس سے مراد دائمی نکاح ہے پس متعہ کرنے سے مرد یا عورت کو محصن نہیں کہا جاتا۔ معصوم نے فرمایا محصن وہ ہے جو حلال طریقہ سے جنسی خواہش جس وقت چاہے اور جتنی دفعہ چاہے مٹا سکتا ہو۔ (مرادی ترجمہ)

مسئلہ۔ غلام اور کنیز کو محصن نہیں کہا جاتا اگرچہ شادی شدہ بھی ہوں پس ان کے زنا کی حد آزاد کنوارے کی سزا کی نصف ہے یعنی پچاس کوڑے اس کو لگائے جائیں گے۔

مسئلہ۔ ایک روایت میں ہے کہ کنوارا جوڑا اگر زنا کرے تو ایک ایک سو کوڑے کی سزا کے علاوہ ایک سال تک ان کو شہر بدر کیا جائے گا۔ اور جس جوڑے کا نکاح ہو چکا ہو لیکن شادی نہ ہوئی ہو تو کنوارا سمجھا جائے گا۔

مسئلہ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب تک چار آدمی عینی شاہد نہ ہوں تو مرد و عورت کو رجم نہیں کیا جا سکتا۔

مسئلہ۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر رجم کیا جائے گا اور ان کے سر اور شرمگاہ پر پتھر نہ برسائے جائیں گے اور مروی ہے کہ پشت کی طرف سے رجم کیا جائے گا اور ان کے منہ کو بچایا جائے گا۔ (برہان)

مسئلہ۔ زانیوں کو سزا تنہائی میں نہ دی جائے بلکہ ایک طائفہ ان کی سزا کو دیکھے تاکہ عبرت و نصیحت حاصل ہو اور طائفہ کی حد مقرر نہیں، امام وقت جس قدر آدمیوں کو بلائے درست ہے۔

مسئلہ۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ کوڑے سخت طور پر لگانے چاہئیں اور ننگے جسم پر لگائے جائیں۔

مسئلہ۔ زانی وزانیہ کو رجم کرنے کے وقت پتھر سختی سے مارے جائیں اور اللہ کی حدود میں نرمی ممنوع ہے۔

مسئلہ۔ سزا کا حکم بیان کرنے میں زانیہ کو پہلے ذکر کیا کیونکہ عورت کا جرم زنا بہ نسبت مرد کے سنگین تر ہے ایک تو قوم وقبیلہ کے لئے باعث ننگ وعار ہے اور دوسرے نسل انسانی کی حفاظت کی ذمہ داری زیادہ تر عورت پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس بارے میں امین کی حیثیت رکھتی ہے پس اس کی خیانت نسل انسانی کی تباہی کی موجب ہے۔

مسئلہ۔ حدود کا قائم کرنا فرض ہے چنانچہ ارشاد ہے (فرضناها)

فرض اور واجب میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ فرض وہ ہے جو حاکم وآمر کے حکم سے ضروری قرار دیا جائے اور واجب بعض اوقات حاکم کے حکم کے بغیر بھی ہو جاتا ہے جیسے شکر منعم کا وجوب گویا واجب کا مفہوم فرض سے عام ہے۔

طائفہ کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ کم از کم کی کیا حد ہے۔ چار۔ دو۔ ایک تک کا قول بھی موجود ہے اور امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کم از کم ایک آدمی بھی ہو سکتا ہے (مجمع) اور اس کا شاہد قرآن مجید کا یہ فرمان ہے وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا۔الخ یعنی مومنوں کے دو گروہ جب لڑیں۔ یہاں طائفتان سے مراد دو مومن بھی ہو سکتے ہیں۔

نص خلافت خلافت اجماعیہ کو ثابت کرنے والے بعض لوگ اس آیت اور اس قسم کی جملہ آیات کو اپنے مسلک کی دلیل قرار دیتے ہیں کہ یہ مسلّم ہے کہ حدود شرعیہ امام کے بغیر جاری نہیں ہو سکتیں اور خدا نے تمام مومنوں کو بالعموم یہ حکم دیا ہے فَاجْلِدُوْا کہ ان کو حد لگاؤ یا چور کے ہاتھ کاٹو۔ تو اس کا التزامی نتیجہ یہی ہے کہ مومنوں کو امام نصب کرنے کا حکم ہے یعنی امام کا انتخاب کر لو تاکہ وہ حدود کو جاری کرے۔

واقعی کسی شئی کی محبت انسان کو اس کے عیب دیکھنے سے اندھا اور اس کی برائی سننے سے بہرہ کر دیا کرتی ہے۔ چوں کہ خشتِ اوّل غلط نصب ہو چکی ہے لہٰذا دیوار کی کجی کی مذمت کی بجائے اس کی صحت ثابت کرنے میں اپنی علمی طاقت کو خرچ کیا جاتا ہے اور اگر چشمِ بصیرت سے جنبہ داری وتعصب کی پٹی ہٹا کر غور کیا جائے تو آیت مجیدہ ببانگِ دہل نصی خلافت کا اعلان کر رہی ہے کیونکہ جب مسلّم ہے کہ امام کے بغیر کسی کو حدود کے قائم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے تو حدود قائم کرنے کے لئے جس قدر قرآن مجید میں احکام ہیں ان کا خطاب عوام سے نہیں بلکہ انہی سے ہے جنہوں نے حدود کو قائم کرنا ہے اور اس کا التزامی نتیجہ یہ ہے کہ حکم صادر کرنے سے پہلے خدا امام کو متعین کرے اور بعد میں عمل درآمد کے لئے فرمان جاری کرے اور جن لوگوں سے فعل کا تعلق نہیں وہ خود بخود حکم کے متعلق سے خارج ہوتے ہیں۔ مثلاً نماز وروزہ کے احکام میں عورتیں مردوں کے ساتھ شامل ہیں۔ لہٰذا خطاب دونو کو شامل ہے لیکن جہاد میں چونکہ عورتیں مردوں کے ساتھ شامل نہیں ہوتیں۔ لہٰذا حکم جہاد اگرچہ یا ایھا الذین امنوا کے لہجہ سے آئے۔ تاہم مردوں کے لئے مخصوص ہوگا اور عورتوں کو اس سے خارج سمجھا جائے گا۔ نیز قرآن مجید کے عمومی فرامین جن پر عمل کرنا ہر مومن کا فریضہ ہے وہاں خطاب عامۃ المسلمین کو ہے لیکن جن امور کا تعلق نظام حکومت اور تدبیر مملکت سے ہے وہاں خطاب کو عامۃ الناس کے لئے قرار دینا کج بحثی بلکہ کور باطنی کے سوا اور کچھ نہیں۔ قرآن مجید قیامت تک کے لئے تکمیلِ

انسانیت کا مکمل کورس اور نظامِ مملکت کا کامل دستور ہے۔ پس جہاں عوام کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہے وہاں حدودِ شرعیہ کی محافظت کے لئے قرآنی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے خدا کی جانب سے نامزد نمائندوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک خدا کی جانب سے یکے بعد دیگرے متعین ہیں۔ اور نظامِ شرعی کو برقرار رکھنے اور حدودِ قرآنیہ کو قائم رکھنے کے لئے جس قدر خطابات وارد ہیں ان کا تعلق انہی سے ہے اور ان کا ان پر عمل کرنا ضروری ہے بشرطیکہ اقتدارِ مملکت ان کے ہاتھ میں ہو۔ پس اس قسم کی آیات سے اجماع اور الیکشن کے جواز کے بجائے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ حدود کا قیام واجب ہے جو امام کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لہذا عوام پر واجب ہے کہ خدا کی جانب سے نصب کردہ امام کے ہاتھوں کو مضبوط کریں اور اس سے بھرپور تعاون کریں تاکہ ان کا اقتدار قائم رہے اور کوئی دشمنِ دینِ خدا کرسیٔ اقتدار کی طرف للچائی ہوئی نظریں ڈالنے کی جرأت نہ کر سکے اور اس کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے۔ مثلاً جہاد واجب ہے اور جہاد کرنا بغیر امام کے ناممکن ہے تو طالوت و جالوت کے قصہ میں خدا نے اس حقیقت کی قلعی کھول دی کہ طالوت کو تمہارا امام و قائد مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس حکم کے سننے کے بعد انہوں نے کئی جتن کئے اور گلو خلاصی کے بہانے تلاش کئے کہ وہ مالدار نہیں۔ وہ قوم و قبیلہ میں پست ہے لیکن خدائی اٹل فیصلہ کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور ارشاد ہوا کہ جس کو خدا نے چنا ہے وہ علم اور طاقت میں زیادہ ہے۔ لہذا جہاد کی قیادت کے لئے وہ موزوں تر ہے اور تم پر اس کی کمان میں رہتے ہوئے اس کی اطاعت فرض ہے۔ وہ چونکہ عالم ہے لہذا اس کی تجویز کردہ ہر سکیم کو کامیاب کرنے کے لئے اس کا بھرپور تعاون کرو تاکہ دشمن بے بس ہو کر تمہارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے۔ پس اس امت میں بھی امام کا نصب کرنا اس کا کام ہے۔ اور اس نے بزبانِ پیغمبر باعلانِ عام حضرت علیؑ سے حضرت مہدیؑ تک مقرر فرما دیئے ہیں اور عوام کو تعاون کی دعوت دی گئی ہے لیکن پہلے دن سے مسلمانوں نے ان کی جانب دستِ تعاون بڑھانا چھوڑ دیا اور رایک من مانے غلط راستہ پر چل نکلے جس کے نتیجہ میں نااہل لوگوں کی طرف اقتدار منتقل ہو گیا۔ پس احکام مضمحل اور حدود معطل ہو گئیں اور آخر کار خدا کی جانب سے امام منصوب کو گوشۂ غیب میں آرام کرنا پڑا پھر جب اس کی مصلحت ہو گی تو غیب کا پردہ اٹھے گا پس اسلام دوبارہ زندہ ہو گا۔ قرآن منبر پر آئے گا اور امن و انصاف کا بول بالا ہو گا۔ اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ فَرَجَہٗ۔ نیز اگر حدود قائم کرنے کا حکم عوام کے لئے ہو تو چور و زانی و دیگر جرائم پیشہ لوگ بھی تو عوام میں ہوتے ہیں۔ بلکہ تجربہ تو بتاتا ہے کہ شاید بہت کم مقدار ایسے افراد کی نکل سکے گی۔ جو زندگی بھر ایسے جرائم سے یکسو رہے ہوں۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ عوام کو حکم دیا جائے کہ تم حدود قائم کرو یا ایسے شخص کا انتخاب کرو جو حدود کو قائم کرے کیا چور و زانی و مجرم سے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے شخص کے اقتدار کا حامی ہو گا جو ان کو سزائیں دے۔ ہاں اگر ہر زمانہ میں اکثریت کا رجحان نیکی کی طرف ہوتا تو اکثریت کی نظرِ انتخاب ایسے افراد پر پڑتی جو حدودِ قرآنیہ کا پاسدار ہو لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ کسی ایسے کا انتخاب کرتے جو ظاہر میں نیک اور باطن میں بد ہوتا پس بجائے حدود کے قیام کے حدود معطل ہو جاتیں۔ لیکن اگر اکثریتی رجحان ہی معصیت کی طرف ہو۔ اور بہت کم ایسے لوگ ہوں جن کا دامن جملہ آلائشوں سے پاک ہو تو ایسی صورت میں عوام تو ایسے شخص کے اقتدار کے حامی ہوں گے جو ان جیسا غلط کار

ہو تاکہ حدودِ شرعیہ کی زد سے بچ کر رنگ رلیاں مناتے رہیں اور اسلام کا لبادہ بھی اوڑھے رہیں۔ نیز حدود جاری کرنے کا سزاوار وہی ہو سکتا ہے جو خود افعالِ ناشائستہ سے گریزاں ہو اور اس کا اپنا دامن غلط کاریوں سے منزہ ہو۔ پس وہ معصوم ہی ہو سکتا ہے۔ اور عصمت ایک ایسا جوہر ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی جان نہیں سکتا۔ کیونکہ عوام ظاہری نیکی کو دیکھ سکتے ہیں۔ باطنی برائیوں کو معلوم نہیں کر سکتے۔ لیکن اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ پس حدود قائم کرنے کے لئے معصوم امام کا نامزد کرنا صرف اسی کا کام ہے۔

نیز دنیاوی عام حکومتیں جب ملک کی تدبیر و تنظیم کے قوانین نافذ کرتی ہیں تو جن امور کا تعلق پبلک سے ہوتا ہے وہاں خطاب بھی عوام کو کیا جاتا ہے لیکن جن اُمور کا تعلق نظامِ مملکت سے ہوتا ہے اور تعزیرات کا بیان ہوتا ہے وہاں خطاب عوام سے نہیں ہوتا کہ تم پر نظام مملکت کی بحالی واجب ہے۔ لہٰذا اپنے علاقہ میں ایک ناظم چن لو تاکہ وہ نظام کو قائم کرے بلکہ ایسے خطابات کا تعلق متعلقہ آفیسروں اور عہدیداروں سے ہوتا ہے جو حکومت کی طرف سے نامزد ہوتے ہیں اور نظام مملکت کی تدبیر کے لئے اہل قرار دیئے جاتے ہیں۔ ہاں عوام سے حکومت کا یہی مطالبہ ہوتا ہے کہ آئینِ حکومت کے نفاذ کے لئے حکام طبقہ کے ساتھ بھرپور تعاون کریں تاکہ ملکی آئین کامیابی سے نفوذ پذیر ہو اور ملک ترقی کی راہوں پر گامزن ہو سکے۔ پس قانون الٰہی یعنی اسلامی ضابطۂ حیات بھی اسی لہجہ سے خطاب فرما رہا ہے اور آئمہ کو حکم ہے کہ حدود شرعیہ کو جاری رکھیں اور اللہ کے دین میں نرمی اور سہل انگاری سے کام نہ لیں اور پبلک کو ضمنی طور پر دست تعاون بڑھانے کا حکم ہے اور حدودِ شرعیہ کے اجراء کے وقت ایک طائفہ کی شمولیت جہاں عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو سکتی ہے۔ وہاں دست تعاون بڑھاتے ہوئے حکومتِ اسلامیہ کے ہاتھ مضبوط کرنے کا راز بھی اس میں پنہاں ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اقتدارِ اعلیٰ کا حق صرف امام معصوم کو ہی حاصل ہے اور عصمت انتخاب سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ یہ ایک جوہر ہے جس کو اللہ عطا فرمائے وہی معصوم ہوتا ہے اور اس کا علم سوائے اللہ کے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ خود اس کا اعلان نہ فرمائے۔ پس اُمت کے لئے نصب امام کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ اور اُمت پر اس کی اطاعت واجب ہے اور اپنے دَورِ اقتدار میں امام جن کو اپنا نائب مقرر کرے وہ ان تمام اُمور کا متولی ہوتا ہے جن کا انتظام امام کے ذمہ ہوتا ہے۔ پس اقامتِ حدود کا ذمہ دار بھی وہی ہوتا ہے۔ اور غیبتِ امام کے زمانہ میں اگر فقہاء زمانہ کو موقعہ ملے۔ اور حکومتِ وقت ساتھ دے تو حدودِ شرعیہ قائم کی جا سکتی ہیں۔ کیوں کہ ایسی صورت میں تین حالات سے خالی نہیں۔ یا تو حدود شرعیہ کو بالکل معطل چھوڑ دیا جائے۔ نیز یتیموں اور دیوانوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جائے یا حدودِ شرعیہ اور حقوق یتامیٰ کی سرپرستی کا حق جاہلوں اور دین کے دشمن لوگوں کے حوالے کیا جائے یا علماء فقہا کو ان کی تولیت کا حق دیا جائے۔ پہلی دو تو صورتیں عقلاً قابل قبول نہیں ہیں۔ لہٰذا تیسری صورت پر عمل کرنا عقلاً واجب ہے۔ اگرچہ آئمہ کی طرف سے صریحی فرمان اس بارے میں نہیں ملتا۔ لیکن جن جن احادیث میں دینی معاملات میں علمائے امامیہ کی طرف رجوع کا حکم دیا گیا

ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا

یہ مومنوں پر اور جو تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں پر پھر نہ لائیں

بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً

چار گواہ تو کوڑے لگاؤ ان کو ۸۰ کوڑے اور نہ قبول کرو ان کی شہادت

اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا

کبھی اور وہ لوگ فاسق ہیں مگر جنہوں نے توبہ کر لی بعد اس کے اور اصلاح کر لی تو

ہے ان سے اس مسئلہ کی تائید حاصل ہوتی ہے اور دلیل عقلی کے ساتھ روایت کی تائید اثبات مطلب کے لئے کافی ہے
اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ۔ منقول ہے کہ مکہ میں چند مرد و عورتیں بدکاری و فحاشی میں مشہور تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ان بدکار عورتوں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا اور حضورؐ سے اجازت چاہی تو یہ آیت اتری کہ زانی مرد زانیہ عورتوں سے نکاح کریں اور زانیہ عورتیں زانی مردوں سے نکاح کریں کیونکہ ان سے رشتہ کرنا مومنوں پر حرام ہے۔ آیت مجیدہ میں حرمت کا معنی کراہت پر محمول ہے۔ پس پاک دامن عورت کو بدکار مرد کے نکاح میں دینا یا نیک مرد کا بدکار عورت سے نکاح کرنا مکروہ ہے البتہ توبہ کرنے کے بعد کراہت رفع ہو جاتی ہے اور آیت مجیدہ میں زناکاروں کو مشرکوں کے درجہ میں رکھا گیا ہے کہ مشرک اور زانی ایک دوسرے سے رشتہ کر سکتے ہیں۔ گویا اللہ کے نزدیک زنا کی برائی شرک کے برابر ہے۔ اور تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت مدینہ میں اتری۔ پس اللہ نے زانی مرد و عورت کو مومن کا نام نہیں دیا۔ حضور رسالت مآبؐ نے فرمایا زانی زنا نہیں کر سکتا جب کہ مومن ہو۔ اور چور چوری نہیں کر سکتا اگر مومن ہو۔ اگر ایسا کرے تو ایمان اس سے الگ ہو جاتا ہے جس طرح قمیص اتارنے کے بعد بدن سے الگ ہو جاتی ہے۔

قذف کی سزا

قذف کا معنی ہے بدکاری کی تہمت لگانا۔
وَالَّذِیْنَ۔ اگر کوئی کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو اس کو ثبوت کے لئے چار عادل گواہ پیش کرنے ہوں گے۔ جو عینی شہادت دیں ورنہ تہمت لگانے والے کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور گواہ اگر چار سے کم ہوں تو ہر ایک کو اسی اسی کوڑوں کی سزا ملے گی۔ آیت میں حکم عورت پر تہمت لگانے کا ہے۔ لیکن مرد بھی اس میں شریک ہیں پس اگر کوئی شخص کسی مرد پر مفعولیت یا فاعلیت لواط یا زنا کی تہمت لگائے تو اس کی سزا بھی اسی کوڑے ہے اور آیت کا ملاک اس کو شامل ہے۔

مسئلہ۔ مرد عورت پر تہمت لگائے یا عورت مرد پر تہمت لگائے دونوں صورتوں میں سزا ایک ہے۔

مسئلہ۔ نابالغ لڑکا یا لڑکی یا دیوانہ کسی پر تہمت لگائے تو اس کو سزا نہ دی جائے گی۔

مسئلہ۔ تہمت لگانے والا آزاد ہو یا غلام اسی کوڑوں کی سزا ہوگی۔ (مجمع)

مسئلہ۔ تفسیر صافی میں ہے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ تہمت تین صورتوں سے ہوتی ہے۔ (۱) ایک شخص دوسرے پر زنا کی تہمت لگائے (۲) کسی کی ماں کو زانیہ کہے (۳) کسی کو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کا بیٹا کہہ کر بلائے۔ ان تینوں صورتوں میں تہمت لگانے والے کو اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو زانیہ کا بیٹا کہہ کر خطاب کرے اور اس کی ماں زندہ ہو۔ پس وہ اپنے حق کا مطالبہ کرے تو تہمت لگانے والے کو مذکور سزا ملے گی اور اگر وہ گھر سے باہر گئی ہوئی ہو تو اس کی واپسی کا انتظار کیا جائے گا۔ پس واپسی پر اگر اس نے حق طلب کیا تو ملزم مذکور کو مذکورہ سزا دی جائے گی اور اگر مر چکی ہو اور اس کی برائی معلوم نہ ہو تب بھی تہمت لگانے والے کو سزا دی جائے گی۔

مسئلہ۔ آپ نے فرمایا اگر ایک شخص ایک جماعت پر تہمت لگائے۔ پس وہ سب کے سب مل کر اس کو پکڑ لائیں تو ایک سزا دی جائے گی لیکن اگر الگ الگ باری باری سے اس کو پیش کریں تو الگ الگ اس کو سزا دی جائے گی۔

مسئلہ۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر چند آدمیوں پر ایک جملہ کہہ کر تہمت لگائے اور نام کسی کا نہ لے۔ تو ایک سزا اس کو ملے گی لیکن اگر الگ الگ نام لے تو الگ الگ سزا ملے گی۔

مسئلہ۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ تہمت لگانے والوں کو کوڑے لگاتے وقت سوائے ردا کے باقی کپڑے نہ اتارے جائیں گے۔

مسئلہ۔ حضورؐ سے مروی ہے کہ زانی کی مار شرابی سے سخت ہونی چاہیئے اور شرابی کی مار تہمت لگانے والے سے سخت ہونی چاہیئے اور تہمت لگانے والے کی مار تعزیر سے سخت ہونی چاہیے اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ تہمت لگانے والے کو کوڑے نہ بہت سخت کر کے مارے جائیں اور نہ نرم۔ بلکہ متوسط انداز سے اس کو سزا دی جائے۔

مسئلہ۔ تہمت لگانے والے پر اسی کوڑوں کی حد بھی جاری ہوگی اور آئندہ کے لئے اس کی گواہی بھی کسی عدالت میں مقبول نہ ہوگی کیونکہ قرآن نے اس کو فاسق کہا ہے۔ اور فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہوتی۔ البتہ اگر توبہ کرلے تو فسق کا نام تو اس سے ہٹ جائے گا لیکن پھر بھی اس کی گواہی مقبول ہونے میں اختلاف ہے اور قرآن کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شہادت مقبول نہیں ہونی چاہیے کیونکہ صاف ارشاد ہے کہ ان کی شہادت ابداً قبول نہ کرو۔ اور بعد والی آیت میں اس کی توبہ کے مقبول ہونے کا اعلان ہے۔ یعنی اس کے سابق جرم تہمت کو خدا غفور رحیم ہونے کی حیثیت سے بخش دے گا۔ پس وہ فاسق نہ کہلائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ استثناء کا تعلق دونوں باتوں سے ہے۔ یعنی سابق گناہ بھی بخشا جائے گا اور آئندہ کے لئے اس کی شہادت بھی مقبول ہوگی۔ اور تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی قول کی تائید فرمائی ہے اور توبہ کا مقصد یہ ہے کہ اعلانیہ اپنی تہمت کو غلط قرار دے اور اللہ سے معافی مانگے۔

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٥ وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ

تو تحقیق اللہ غفور رحیم ہے اور جو لوگ تہمت (زنا) دیں اپنی عورتوں کو اور نہ ہوں

يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ

ان کے پاس گواہ سوائے اپنے نفسوں کے پس ان کے ایک کی شہادت چار شہادتیں ہوں

شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۝٦ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ

ساتھ اللہ کے کہ تحقیق وہ سچا ہے (نسبت زنا میں) اور پانچویں (شہادت یہ ہو) تحقیق اس پر

لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝٧ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا

اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے (نسبت زنا میں) اور ہٹائے گی عورت سے

الْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝٨

عذاب (سزا) یہ کہ شہادت دے چار شہادتیں اللہ کے ساتھ کہ تحقیق وہ جھوٹا ہے (نسبت زنا میں)

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ

اور پانچویں (شہادت یہ ہو) تحقیق اللہ کا غضب ہو اس پر (مجھ پر) اگر وہ

مسئلہ۔ اگر کوئی شخص اپنے متعلق زنا کی نسبت دے تو جب تک چار مرتبہ نہ کہے گا شہادت قبول نہ ہوگی (صافی)

لعان کا بیان

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ۔ صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ اس شخص کے متعلق ہے جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے پس اگر قذف (تہمت) کے بعد اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرلے تو اس کو قذف کی سزا دی جائے گی۔ لیکن عورت اس پر حرام نہ ہوگی۔ اور اگر اپنے قول پر ڈٹا رہے تو اس سے چار دفعہ شہادت لی جائے گی اور وہ اس طرح کہے گا۔ أَشْهَدُ بِاللَّهِ إِنِّي لَمِنَ الصَّادِقِينَ فِيمَا رَمَيْتُهَا بِهِ۔ اور پانچویں دفعہ بصورت جھوٹ اپنے اوپر لعنت کرے گا اور یہ کہے گا إِنَّ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيَّ إِن كُنتُ مِنَ الْكَاذِبِينَ فِيمَا رَمَيْتُهَا بِهِ۔ (پس مرد حد قذف سے بچ جائے گا اور عورت پر رجم ثابت ہوگا) اگر وہ اپنے اوپر عذاب (سزا) کو ہٹانا چاہے تو چار دفعہ شہادت دے گی کہ أَشْهَدُ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ فِيمَا رَمَانِي بِهِ۔ اور پانچویں دفعہ کہے گی إِنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيَّ إِن كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ۔ پس عورت ایسا نہ کرے تو اس پر رجم کی سزا آئے گی اور کرے تو رجم کی سزا سے بچ جائے گی۔ لیکن مرد پر حرام مؤبد ہو جائے گی۔ راوی

الصّٰدِقِيْنَ ⑨ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

سچا ہو (بنسبت زنا ہیں) اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور

رَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع

اس کی رحمت اور یہ کہ وہ توبہ قبول کرنے والا حکیم ہے (تو تمہاری نسل فاسد ہوتی)

نے پوچھا اگر بچہ پیدا ہو جائے تو کس کے ہاں جائے گا آپ نے فرمایا وہ ماں کو ملے گا اور وہ مر جائے تو ماں اس کی وارث ہوگی۔ اور ماں نہ ہو تو ماں کے قریبی (ننہال) اس کے وارث ہوں گے اور اگر کوئی اس بچے کو ولد الزنا کہے گا تو اس پر قذف کی سزا آئے گی۔ راوی نے پوچھا۔ اس کے بعد اگر باپ اقرار کرے تو بیٹا اس کو مل جائے گا۔ آپ نے فرمایا نہیں البتہ اس کے اقرار کا یہ اثر ہو گا کہ بیٹا اس کی جائداد کا وارث ہو سکے گا لیکن بیٹے کے مرنے پر یہ اس کا وارث نہ ہو گا۔

آپ سے مروی ہے کہ یہ واقعہ زمانہ پیغمبر میں ایک صحابی کو پیش آیا تو اس نے حضورؐ سے شکایت کی۔ آپ نے منہ پھیر لیا اور کچھ نہ کہا۔ پس وحی نازل ہوئی اور حضورؐ نے اس کو بلا بھیجا۔ اور پوچھا کہ کیا تیرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ اور تو نے اپنی عورت کے ساتھ کسی مرد کو دیکھا ہے ہے کہنے لگا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اپنی عورت کو لے آؤ۔ کیونکہ تمہارے متعلق حکم پروردگار پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی عورت کو ساتھ لایا۔ آپ نے پہلے مرد سے چار دفعہ شہادت لی۔ اس کے بعد اس کو وعظ و نصیحت کی کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کی لعنت کو اپنے اُوپر واجب نہ کرو جب وہ اپنے دعویٰ پر مصر رہا تو آپ نے پانچویں مرتبہ اس سے لعنت جاری کرائی۔ پھر عورت سے چار شہادتیں لیں اور وعظ و نصیحت فرمائی کہ اللہ کے غضب سے بچو۔ جب اسے اپنی بات پر مصر پایا تو غضب کا صیغہ اس سے جاری کرایا۔ پس صیغۂ لعان پورا ہونے کے بعد ان کو ایک دوسرے سے جدائی کا حکم دیدیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے لعان تب ہو سکتا ہے کہ مرد دعویٰ کرے کہ میں نے عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے

مسئلہ۔ لعان کے وقت امام قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھے گا اور لعان کرنے والے عورت و مرد اس کے سامنے قبلہ رُخ ہوں گے۔ پہلے صیغہ مرد جاری کرے گا۔ اور بعد میں عورت۔ ایک روایت میں ہے کہ مرد امام کے دائیں اور عورت امام کے بائیں جانب ہوگی۔

مسئلہ۔ اگر لعان کے صیغہ کے مکمل ہونے سے پہلے مرد اپنے دعویٰ کے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تو اس پر حد قذف جاری ہوگی اور عورت اس پر حرام نہ ہوگی۔

مسئلہ۔ امام محمد تقی علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ شوہر اگر عورت پر زنا کا الزام لگائے تو اس کی چار شہادتیں لی جاتی ہیں اور قذف کی حد اس پر جاری نہیں ہوتی۔ لیکن اگر عورت کا بھائی باپ یا کوئی اور قریبی یہ بات کہے تو گواہوں کے نہ ہونے کی

صورت میں اس پر حدِ قذف جاری ہوگی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا مرد کو عورت پر داخل ہونے کا ہر وقت حق حاصل ہے وہ شب و روز کے ۲۴ گھنٹوں میں جب چاہے عورت کے پاس جا سکتا ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ وہ کسی وقت عورت کو ناجائز حالت میں دیکھے۔ لہذا اس کے دعوے کی صحت کا امکان ہے لیکن اور کسی قریبی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ عورت پر ہر وقت وارد ہو سکے۔ اس لئے اس سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ ورنہ حد قذف اس پر جاری ہوگی۔

مسئلہ۔ جس طرح عورت پر زنا کی تہمت لگانے کے بعد لعان ہو سکتا ہے اسی طرح بچہ پیدا ہونے کے بعد مرد کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے بلکہ زنا سے پیدا ہوا ہے تو اس صورت میں بھی لعان کرنے سے حد جاری نہ ہوگی۔ لیکن عورت و مرد ایک دوسرے پر حرام موبّد ہو جائیں گے اور بچے کا نسب باپ سے کٹ جائے گا وہ صرف ماں کو ملے گا۔ بایں ہمہ اس کو ولدالزنا کہنے والا حدِ قذف کا حقدار ہوگا۔

مسئلہ۔ ایک روایت میں معصوم سے سوال کیا گیا کہ زنا کے اثبات میں چار گواہ اور قتل کے لئے دو گواہ کافی ہوا کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو آپ نے فرمایا زنا میں حد دو نو پر جاری کی جاتی ہے لہذا ہر ایک کے لئے دو گواہ ہونے لازمی ہیں لیکن قتل میں ملزم صرف ایک ہوتا ہے اور سزا کا تعلق اسی ایک سے ہی ہوتا ہے لہذا دو گواہ کافی قرار دیئے گئے۔

مسئلہ۔ قمی سے منقول ہے کہ رسالتمآبؐ نے جب صحابی اور اس کی زوجہ کے درمیان لعان کا صیغہ جاری کرا کے ان کو ایک دوسرے سے الگ ہونے کا حکم دیا تو صحابی مرد نے عرض کی حضورؐ میں نے اس کو مال دیا ہوا ہے وہ تو مجھے واپس دلوائیے آپ نے فرمایا اگر تو نے اس عورت پر غلط الزام لگایا ہے تو تجھے اس مال کے مطالبے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر تو سچا ہے تو اس وقت تک تو نے جو اس کے جسم سے فائدہ اٹھایا ہے۔ وہ اس کے بدلہ میں ہو جائے گا۔

مسئلہ۔ مرد پر سات قسم کی عورتیں نسب کے لحاظ سے حرام ہیں اور سات قسم کی عورتیں سبب کے لحاظ حرام ہوا کرتی ہیں جن کی تفصیل تفسیر کی جلد ۴ ص۱۵۷ پر ذکر کی جا چکی ہے۔ ان کے علاوہ تین قسم کی عورتیں بطور سزا کے مرد پر حرام موبد ہو جایا کرتی ہیں۔

(۱) اگر کوئی مرد کسی منکوحہ شوہر دار عورت سے زنا کرے یا اس کی عدت کے اندر اس سے زنا کرے تو وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے اور علمائے امامیہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔

(۲) اگر مرد اپنی کم سن بیوی سے مجامعت کرے اور افضا ہو جائے یعنی اس کے مقام پیشاب اور مقام حیض کا درمیانی پردہ پھٹ جائے تو اس صورت میں وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے۔

(۳) اگر مرد عورت کو زنا کی تہمت دے یا بچے کے حلالی ہونے کا انکار کرے۔ پس حاکم شرع کی عدالت میں لعان تک نوبت پہنچ جائے تو لعان کے بعد وہ عورت اس مرد پر حرام موبد ہو جاتی ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ۔ لولا کا جواب محذوف ہے یعنی اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو تمہاری نسل بگڑ جاتی یا تم پر عذاب فوری آجاتا وغیرہ اور عیاشی سے منقول ہے کہ فضل سے مراد رسالتمآبؐ اور رحمت سے مراد ولایت ائمہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ

تحقیق جو لوگ لائے بہتان ایک ٹولہ ہے تم میں سے نہ خیال کرو اس کو بُرا

بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ

اپنے لئے بلکہ وہ اچھا ہے تمہارے لئے ہر شخص کے لئے ان میں سے اتنا حصہ ہوگا جو کمایا اس نے گناہ سے

وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا

اور وہ جس نے بڑا حصہ لیا ہے ان میں سے اس کے لئے بڑا عذاب ہوگا کیوں نہیں کہ

رکوع نمبر ۸ قصۂ افک سنی مفسرین نے بروایت زہری اس کا شان نزول جو بیان کیا ہے اور اسے تفسیر مجمع البیان میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ اس کا ملخص یہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق سے واپسی پر ایک مقام پر قیام ہوا تو حضرت عائشہ قضائے حاجت کے لئے قافلہ سے دُور نکل گئیں اور ان کا ہار گم ہو گیا۔ تو پھر واپس اس کے ڈھونڈھنے چلی گئیں۔ اتنے میں قافلہ نے کوچ کیا اور عائشہ کے خالی کجاوہ کو اُونٹ پر لاد کر روانہ ہوئے وہ یہ سمجھتے تھے کہ عائشہ اس میں سوار ہے۔ بعد میں صفوان نامی ایک شخص جو رات کو کہیں پیچھے رہ گیا تھا صبح سویرے اس مقام پر پہنچا تو عائشہ کو تنہا پایا۔ پس اس کو اونٹ پر سوار کر کے تیزی سے سفر کیا اور قافلہ کو پالیا جب کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے۔ پس لوگوں کی بدگمانیوں کا دروازہ کھل گیا اور افترا پردازی میں جتنے منہ اتنی باتیں ظاہر ہوئیں۔ حضورؐ کی طبیعت پر بھی اثر پڑا۔ پس یہ آیتیں نازل ہوئیں اور افترا پردازی میں سب سے بڑا پارٹ ادا کرنے والا عبداللہ بن ابی سلول تھا جو اس بات کو ہوا دیتا تھا اور کہتا تھا کہ صفوان اور عائشہ نے جو اکیلے رات گزاری ہے۔ پس دال میں کالا کالا ضرور ہے اور وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ۔ کا مصداق یہی شخص ہے۔

اور تفاسیر امامیہ میں ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ماریہ قبطیہ ام المومنین کے ہاں جب ابراہیم فرزند رسولؐ پیدا ہوا۔ تو دوسری ازواج رسول کو حسد پیدا ہوا اور عائشہ و حفصہ اس میں پیش پیش تھیں۔ پس یہ کہنا شروع کر دیا کہ ابراہیم جناب رسالتمآبؐ کا فرزند نہیں بلکہ ماریہ کے تعلقات اپنے غلام جریح کے ساتھ وابستہ ہیں اور یہ بچہ اسی کا ہے۔ حضورؐ کو اس بات کا کافی قلق ہوا پس آپؐ نے حضرت علی کو ذوالفقار سے جریح کا کام تمام کرنے کا فرمان دیا اور جلد بازی سے منع فرمایا۔ چنانچہ حضرت علی جب حجرۂ ماریہ میں پہنچے تو دیکھا کہ جریح اور ماریہ ایک جگہ موجود ہیں اور جریح ماریہ کو سلطانی آداب کا درس دے رہا ہے اور پیغمبر کی تعظیم و تکریم کی تلقین کر رہا ہے۔ تلوار برہنہ دیکھ کر جریح کے دل میں خوف طاری ہوا پس وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور کھجور کے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ ہوا کے جھونکے سے اس کا لباس سنبھلا نہ گیا اور معلوم ہوا کہ وہ ایک نامرد غلام ہے (نہ وہ مرد ہے نہ عورت)

إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا

جب تم نے یہ بات سنی تو گمان کرتے مومن مرد اور عورتیں اپنے نفسوں پر اچھائی کا

وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ

اور کہتے کہ یہ صاف بہتان ہے کیوں نہیں لائے اس پر چار گواہ

شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ

پس جب گواہ نہیں لائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے

الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا

اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی رحمت دنیا میں

وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾

آخرت میں تو پکڑ لیتا تم کو بوجہ اس کے جس بات میں تم گھسے تھے بڑا عذاب

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ

جب زبان و زبانی ایک دوسرے سے سنتے تھے اور اپنے منہ سے بیان کرتے تھے جس کا تم کو کوئی علم

پس حضرت علی اس کو خدمتِ رسالتمآبؐ میں لائے۔ اور سارا ماجرا بیان کیا اور یہ آیتیں ماریہ کی پاک دامنی کی ترجمانی کے لئے اتریں۔ یہ روایت تفسیر برہان وصافی میں مفصلاً امام جعفر صادق و امام محمد باقر علیہما السلام سے مختلف سندوں سے منقول ہے۔ نیز بروایت ابن بابویہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے بھی مروی ہے اور امام رضا علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

بِأَنفُسِهِمْ۔ یعنی مومن مردوں اور عورتوں نے ان پر اچھا گمان کیوں نہ کیا جو ان کے لئے اپنے نفسوں کی طرح تھے کیونکہ سب مومن ایک دوسرے کے ساتھ نفس واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور حکم ہے کہ دوسرے مومن کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور کیوں نہ اس کو افک اور بہتان قرار دیا ہے پھر کیوں نہ چار گواہ پیش کئے۔ یہ سب تنبیہات ہیں کہ مومن کو ایسی بدگمانی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ خصوصاً امّ المومنین کے حق میں زبان کشائی قطعاً مومن کو زیبا نہیں دیتی اور جب عام مومنوں پر حسنِ ظن کا حکم ہے۔ تو اپنی ماں پر بدگمان ہونا کہاں کی شرافت ہے؟

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ۔ یعنی سنی سنائی باتوں کو باور کر لیتے تھے اور پھر آگے پھیلانا شروع کر دیتے تھے جو قطعاً خلاف عقل و دیانت ہونیکے علاوہ بعید از شرافت بھی ہے۔ تُلْقُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ کا معنی ہے اپنے مونہوں سے دوسروں تک پہنچانا۔ اور تَلَقَّوْنَ

وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ

نہ تھا اور تم اس کو خیال کرتے تھے معمولی حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک غیر معمولی ہے اور کیوں نہیں جب تم نے اس کو

قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ

سنا تو کہتے کہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ایسی باتیں کریں تو پاک و پاکیزہ ہے (اے اللہ) یہ زبردست بہتان

عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم

ہے اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ دوبارہ ایسی بات مت کرنا زندگی بھر اگر تم ہو

مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸﴾

مومن اور بیان کرتا ہے تمہارے لئے آیتیں اور وہ خدا علیم و حکیم ہے

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ

تحقیق جو لوگ چاہتے ہیں کہ پھیلے بری بات ان لوگوں میں جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا

دردناک عذاب ہے دنیا و آخرت میں اور اللہ جانتا ہے حالانکہ تم نہیں

تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ

جانتے اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ

بِأَلْسِنَتِكُمْ کا معنی ہے ایک دوسرے سے زبان وزبانی بات قبول کرنا۔

وَلَوْلَا۔ مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی مومن کے متعلق کوئی ایسی بات کرے جس میں اس کے کردار پر حملہ ہو تو تمام مومنوں پر واجب ہے ایسی بات مت سنیں اور بیان کرنے والے کو فوراً ٹوک دیں جب تک اس کے پاس گواہ عادل موجود نہ ہوں ورنہ افترا کا گناہ ہوگا۔

سُبْحَانَكَ۔ اس مقام پر تنزیہ پروردگار کا کلمہ اظہار حیرت و تعجب کے لئے ہے۔

غیبت اور بہتان میں فرق إِنَّ الَّذِينَ۔ کسی کی ایسی برائی بیان کرنا جو اس میں ہو اس کو غیبت کہتے ہیں اور کسی کی ایک ایسی برائی بیان کرنا جو اس میں نہ ہو اس کو بہتان کہتے ہیں اور یہ دونو گناہان کبیرہ میں داخل ہیں جب انسان

رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

درگزر کرنیوالا رحیم ہے (تو تم پر عذاب آجاتا) اے وہ جو ایمان لائے ہو نہ اتباع کرو شیطان کے نقش قدم کی

وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا

اور جو اتباع کرے گا نقش قدم شیطان کی تو وہ تو حکم دیتا ہے بدکاری اور برائی کا اور اگر نہ ہوتا

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ

اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ پاکیزہ ہوتا تم میں سے کوئی کبھی لیکن اللہ

کسی دوسرے کو ایک گناہ کرتا ہوا دیکھے اور گواہ نہ موجود ہوں پھر اس کو آگے بیان کرے تو شرعاً اس کو بھی افترا اور بہتان سمجھا جائے گا اور حاکم شرع کے سامنے مقدمہ پیش ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی۔ خداوند کریم مومنوں کو لوگوں کی عیب جوئی اور عیب گوئی سے منع فرماتا ہے۔ پس مومن کا حق یہ ہے کہ اس کی بُرائی بیان نہ کرے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں دُعا خیر کرے اور دوسروں کی غلطی کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے اور اپنی اسی قسم کی یا اس سے سنگین غلطیوں کی اللہ سے معافی طلب کرے

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے غیبت یہ ہے کہ اپنے مومن بھائی کا ایسا عیب بیان کرنا جس کی اللہ نے پردہ پوشی کی ہوئی ہے اور بہتان یہ ہے کہ اس کے متعلق ایسی بری بات کی نسبت دینا جو اس میں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا جو شخص مومن کے متعلق آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی برائی بیان کرے وہ اسی آیت کا مصداق ہے۔ ایک شخص نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور! بعض اوقات میرے پاس مومن کا شکوہ پہنچتا ہے جو مجھے ناگوار ہوتا ہے جب اس سے اس کا ذکر کرتا ہوں تو وہ اپنے آپ کو بری الذمہ بتاتا ہے حالانکہ جن لوگوں نے مجھے بتایا تھا وہ بھی جھوٹ بولنے والے نہیں تھے۔ آپ نے فرمایا مومن بھائی کے متعلق اپنی آنکھوں اور کانوں کو بھی جھوٹا سمجھو۔ اگر پچاس آدمی اس کا عیب بیان کریں اور وہ اپنی صفائی پیش کرے تو ان سب کو جھوٹا سمجھو اور اس کی بات مان لو اور اس کی کسی غلطی کو اچھالنے کے درپے نہ ہو۔ اور اس کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے اس کی عزت وشان میں فرق پڑتا ہو ورنہ اسی آیت کے مصداق ہو جاؤ گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ حضرت علی کی کتاب میں ہے ایک دن جناب رسالتمآبؐ نے منبر پر ارشاد فرمایا کہ مجھے اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کبھی کسی مومن نے دنیا و آخرت کی بھلائی نہیں پائی مگر اللہ پر حسن ظن رکھنے سے اور مومن کی غیبت سے اجتناب کرنے سے اور اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ توبہ و استغفار کے بعد اللہ کسی مومن کو گرفتار عذاب نہیں کرتا۔ مگر اس صورت میں کہ اللہ پر وہ بدظن ہو جائے۔ اور مومنوں کی غیبت کا مرتکب ہو جائے۔ (برہان نقلاً عن کتب الشیعہ)

رکوع ۹

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ آیت مجیدہ میں شیطان کی اتباع سے منع کیا گیا ہے اور قرآن کا سیاق بتاتا ہے کہ مومن کی بُرائی بیان کرنا اور سننا اور اس کو اچھالنا شیطانی اتباع ہے پس مومن کا مومن پر حق ہے کہ جب ایک کا گلہ دوسرے کے سامنے ہو تو وہ بیان کرنے والے کو ٹوک دے ورنہ اس مجلس سے اٹھ کھڑا ہو اور یہ ہے مومن بھائی کی غیبی امداد۔ چنانچہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مالک اشتر کا گذر بازار کوفہ سے ہوا تو دیکھا کہ ایک دوکان میں اس کا گلہ جاری ہے پس اس جانب سے کپڑا اٹھا لیا اور ان سُنی کر کے آگے بڑھ گئے۔ اتنے میں گلہ کرنے والے سے کسی نے کہہ دیا کہ مالک اشتر یہی تھے جو ابھی کپڑے کا دامن منہ کے آگے لٹکا کر گذر گئے وہ شخص فوراً شرمندگی محسوس کر کے معافی طلب کرنے کے لئے پیچھے دوڑا۔ حضرت مالک اشتر ایک مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھ رہے تھے جب فارغ ہوئے تو اس شخص نے معافی مانگ لی پس مالک اشتر نے جواب دیا کہ میں تیرے لئے ہی مسجد میں آیا ہوں اور یہ دو رکعت نماز بھی تیری بخشش کے لئے پڑھی ہے اور تیری بخشش کے لئے ہی خدا سے دُعا کا طالب ہوں یہ کردار تھا علی کے شیعوں کا جن کے نقش قدم پر چلنا ہمارے لئے باعث صد افتخار ہے۔

لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ۔ اس کلمہ کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے لیکن آیت نمبر ۲۰ میں مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہو تو تم جو یونہی کسی مومن بھائی کی غیبت اور شکوہ میں مصروف ہوتے ہو اور اس کی بُرائی کو اچھالتے ہو تو تمہیں فوراً گرفتار عذاب کر لیا جاتا لیکن اللہ نے اپنے فضل سے تم کو توبہ و استغفار کا موقعہ دیا ہے۔ پس وہ فوری عذاب نہیں بھیجتا اور آیت نمبر ۲۱ میں اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے تمہارے عیوب پر پردہ ڈالے ہوئے ہے ورنہ اگر وہ پردہ اٹھا دے تو تم میں سے کوئی بندہ ایسا نہیں جس کا دامن داغدار نہ ہو۔ پس اس کی پردہ پوشی ہی تمہاری پاکیزگی کی ضامن ہے۔ نیز اس کا یہ بھی فضل ہے کہ تم جب ایک دوسرے کی پردہ دری کرتے ہو اور پھر معافی مانگ لیتے ہو تو اللہ اس کو قبول کرتا ہے اور تمہیں پاکبازی کی تلقین کرتا ہے۔ اگر اللہ کا یہ فضل عمیم اور احسان جسیم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاکباز نہ ہوتا پس ایک دوسرے سے اعتماد ختم ہو جاتا اور انسانی تمدنی زندگی ایک لمحہ کے لئے بھی قائم نہ رہ سکتی۔ پس حسن ظن ہی کے نتیجہ میں اور اللہ کی پردہ پوشی کے ہی طفیل سے دنیا والوں کی ساکھ قائم ہے، اور نظام تمدنی کو بقا حاصل ہے۔

وَلَا یَاْتَلِ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق وارد ہے کہ مسطح بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر کا خالہ زاد بھائی مہاجر اور بدری بھی تھا بوجہ تنگ دستی اور افلاس کے حضرت ابوبکر اس کے تمام اخراجات کی کفالت کرتے تھے جب حضرت عائشہ پر الزام واتہام کے قصے کو ہوا دی گئی تو یہ شخص بھی انہیں میں سے ہو گیا۔ پس حضرت ابوبکر نے اس سے قطع تعلقی کر لی اور قسم کھا لی کہ آئندہ اس کی کسی قسم کی مدد نہ کروں گا۔ اسی طرح بعض دوسرے لوگوں کے متعلق بھی روایات وارد ہیں۔ پس یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اور مسلمانوں کو درگذر کی تلقین کی گئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ۔ بعض لوگ عوام شیعہ کے سامنے یہ آیتیں پیش کر کے حضرت عائشہ کی فضیلت کے گن گاتے ہیں اور شیعہ عوام کو کوستے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شیعہ ایسا نہیں جو حضرت عائشہ کی پاک دامنی اور عفت میں شک کرتا ہو بلکہ شیعہ عقیدہ کی رو سے انبیاء و اوصیاء کی بیویاں اگرچہ کافر ہوں پاکدامن اور پاکباز ضرور ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت نوح ع اور حضرت لوط ع کی بیویوں کو

يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ

پاکیزہ کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ سننے جاننے والا ہے اور نہ کوتاہی کریں صاحبانِ فضل و وسعت

مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

تم میں سے کہ دیں قریبیوں کو اور مسکینوں کو اور اللہ کی

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۠ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

راہ میں ہجرت کرنیوالوں کو اور معاف کریں اور درگذر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا بخش دے تم کو

لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ

اور اللہ غفور رحیم ہے تحقیق جو لوگ بہتان لگاتے ہیں پاک دامن

الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ

عفت پسند اور ایماندار عورتوں پر ان پر لعنت کی گئی ہے دنیا و آخرت میں اور ان کے لئے بڑا

عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَ

عذاب ہوگا جس دن گواہی دیں گی ان کے خلاف ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور

اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ

ان کے پاؤں ان کاموں کی جو کرتے تھے اس دن پوری دے گا خدا ان کو

قرآن نے کافروں کے زمرہ میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن شیعہ مذہب کی رو سے ان کا کردار ملوث نہ تھا۔ بنا بریں شیعہ مذہب حضرت عائشہ کو افک کے قصہ میں بری الذمہ سمجھتا ہے۔ البتہ شیعوں کو حضرت عائشہ سے یہ اختلاف ہے کہ اس نے حضرت علی پر خروج کرکے اور وصیت پیغمبرؐ کو پس پشت ڈال کر ایمان کے تقاضوں کو ٹھکرا دیا۔ پس وہ ایمان پر ثابت قدم نہ رہ سکی۔

یَوْمَ تَشْهَدُ۔ یعنی بروز قیامت جب گنہگار انسان اپنے کرتوتوں کا انکار کریں گے تو ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ پس محشر کے بھرے میدان میں شرمندہ ہو کر جہنم جائیں گے۔ اور اعضاء کی گواہی کی نوعیت کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

دِیْنَهُمُ الْحَقّ۔ اس مقام پر دین کا معنی ہے بدلہ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین کا معنی مذہب ہو اور جزا مضاف محذوف ہو یعنی اللہ ان کو اپنے دین کی جزائے صحیح دیگا۔

دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ

جزا صحیح اور جان لیں گے تحقیق اللہ ہی حق مبین ہے خبیث

لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ

وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۗ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں وہ بری ہیں ان (اتہامات) سے جو کہتے ہیں

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ

(لوگ) ان کے لئے بخشش اور رزق باکرامت ہے اے وہ لوگ جو ایمان لاچکے ہو نہ اندر جاؤ گھروں کے اپنے گھروں

اَلْخَبِيْثٰتُ الخ۔ آیت مجیدہ کے معنی میں تین اقوال ہیں (۱) جس طرح پہلے گذر چکا ہے کہ زانی مرد کو مومنہ عفیفہ سے شادی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ وہ بدکار یا مشرک عورتوں سے شادی کرلیا کریں۔ اسی طرح زانیہ عورتوں کو مومن پاکباز مردوں کے حبالۂ عقد میں نہیں جانا چاہیئے بلکہ وہ زانیوں اور مشرکوں کے لئے ہی موزوں و مناسب ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں چند مرد و عورتیں اعلانیہ بدکار و زانی تھے۔ پس مومنوں کو تنزیہاً ان کے رشتہ ناطہ سے منع کیا گیا۔ پس اس مقام پر دوبارہ اسی حکم کا اعادہ فرمایا ہے کہ خبیث عورتوں کو خبیث مردوں کے لئے رہنے دیا جائے۔ اور خبیث مردوں کے لئے خبیث عورتیں مناسب ہیں اسی طرح پاکدامن عورتیں پاکباز مردوں کے لئے موزوں ہیں۔ اور پاکباز مرد پاکدامن عورتوں کے لئے موزوں ہیں اور یہ لوگ عامۃ الناس کی بدگمانیوں اور اتہامات سے بری الذمہ ہوتے ہیں۔ (۲) بری باتیں برُے مردوں کے لئے زیبا ہیں اور برُے مرد برُی باتوں کے لئے موزوں ہیں اور اچھی باتیں اچھے مردوں کو زیب دیتی ہیں۔ اور اچھے مرد اچھی باتوں کو اپنایا کرتے ہیں (۳) بدکرداری بدطینت مردوں کے لئے ہے اور بدطینت مرد بدکاری کیلئے ہیں اور اچھے اعمال نیک طینت مردوں کے لئے اور نیک طینت مرد اچھے اعمال کے لئے ہیں۔ پہلا قول صادقین علیہما السلام سے مروی ہے۔ (عن المجمع)

رکوع ۱۰ غیر کے گھر میں داخلے کی ممانعت

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا الخ۔ اس مقام پر استیناس استیذان کے معنی میں ہے یعنی اگر کسی کے گھر میں جانا مطلوب ہو تو بلا اطلاع اور بلا اجازت اندر نہ جاؤ خواہ کسی عزیز رشتہ دار یا دوست کا گھر ہو یا کسی اجنبی کا گھر ہو پس مومن کو چاہیئے کہ دروازہ پر کھڑے ہو کر یا تو اندر آنے کے لئے صراحتاً آواز کرکے پوچھے یا کوئی کام ایسا کرے جس سے اذن طلبی سمجھی جاتی ہو۔ مثلاً کھانس لے یا جوتے کو

بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

کے سوا یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرو اس کے اہل پر یہ (طریقہ) اچھا ہے تمہارے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا

لئے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو پس اگر نہ پاؤ اس میں کوئی آدمی تو نہ اندر جاؤ اس کے

حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى

یہاں تک کہ تم کو اجازت دی جائے اور اگر تم کو کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہ (طریقہ) ابتر ہے

لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

تمہارے لئے اور اللہ جاننے والا ہے جو تم کرتے ہو کوئی گناہ نہیں تم پر کہ اندر جاؤ ایسے گھروں کے

تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

جو رہائشی نہ ہوں کہ ان میں تمہارا فائدہ ہو اور اللہ جانتا ہے

مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو کہہ دو مومنوں کو کہ بند رکھیں اپنی آنکھیں (حرام سے)

زور زور سے زمین پر مارے یا تسبیح و تحمید کی آواز زبان سے بلند کرے تاکہ صاحب خانہ سمجھ جائے کہ کوئی اندر آنا چاہتا ہے پس وہ سنبھل جائے۔ ارشاد ہے۔ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا (پ ۱۸۔ رکوع نمبر ۱۴) یعنی جب بچے جوان ہو جائیں تو وہ بھی دوسرے گھروں میں اجازت لے کر داخل ہوں۔ اس آیت میں استیذان کا لفظ ہے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کیا ماں کے پاس بھی جانے کے لئے اجازت کی ضرورت ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا ہاں! اس نے عرض کی کہ اس کا میرے سوا کوئی خدمت کرنے والا نہیں ہے۔ تو کیا ہر دفعہ میں اذن حاصل کر کے اندر جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ اس کے ننگے جسم پر نگاہ کرے؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر اجازت لے کر جایا کرو۔

مسئلہ۔ بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بیٹے کو باپ کے ہاں جانے کیلئے اجازت کی ضرورت ہے لیکن باپ کو بیٹے کے گھر جانے کیلئے اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر بیٹی یا بہن شادی شدہ ہوں تو ان کے گھر میں

میں جانے کے لئے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔

وَتُسَلِّمُوا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں جانا ہو تو پہلے سلام دو پھر اجازت لے کر اندر جاؤ اور بعضوں نے کہا ہے کہ تسلیم کا عطف استیناس پہ عطف بیان ہے۔ یعنی اذن حاصل کرو۔ باین طور کہ پہلے سلام کہو۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک شخص دروازہ پیغمبر پر پہنچا اور اندر آنے کی اجازت لینے کی غرض سے کھانسا۔ پس آپؐ نے ایک عورت روضہ نامی کو فرمایا کہ دروازہ پر جاؤ اور اس کو یہ بات سکھاؤ کہ پہلے السلام علیکم کہے اور پھر داخل ہونے کی اجازت طلب کرے۔ چنانچہ اس نے باہر یہ بات سن لی اور اس پر عمل کیا تو آپ نے اجازت دیدی۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا۔ یعنی اگر گھر میں کوئی آدمی موجود نہ ہو تو بجائے داخل ہونے کے واپس پلٹ جانا چاہیئے۔ اور اگر گھر میں کوئی موجود ہو اور وہ اندر آنے کی اجازت نہ دے اور کہے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلا جانا چاہیے۔

غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ۔ یعنی غیر آباد اور غیر رہائشی مکانات میں جانا ممنوع نہیں ہے اور اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔

(۱) مہمان خانے۔ مسافر خانے ہوٹل اور حمام وغیرہ اس سے مراد ہیں۔ پس ضرورت کے تحت ان میں جایا جا سکتا ہے۔

(۲) اس سے مراد خرابے اور اجاڑ مقامات ہیں جہاں قضائے حاجات کے لئے انسان جا سکتا ہے۔

(۳) تجارتی منڈیاں اور مال گودام وغیرہ اس سے مراد لئے گئے ہیں۔ جن میں لوگوں کے سامان جمع ہوتے ہیں۔ پس ہر شخص اپنی غرض سے وہاں جا سکتا ہے۔

(۴) دوران سفر میں مسافروں کی قیام گاہیں مراد ہیں اور علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ایک ایسا معنی مراد لیا جائے۔ جس میں یہ سب چیزیں آجائیں تو بہتر ہے۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ۔ یہ تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو ظاہراً صاف نیت سے کسی کے گھر میں داخل ہوتے ہیں لیکن ان کی نیت میں برائی ہوتی ہے۔ پس وہ گھروں میں لوگوں کی عیب جوئی کے لئے جاتے ہیں۔ پس فرمایا کہ میں ظاہر و باطن سب کو جانتا ہوں اور ان آیات مجیدہ میں معاشرۂ انسانیہ کی بہتری و عمدگی کے لئے جو درس دیا گیا ہے۔ اگر انسان صحیح طور پر اس کا عامل ہو جائے تو یقیناً معاشرے کی اکثر و بیشتر خرابیاں دور ہو سکتی ہیں۔ خداوند کریم تمام مومنین کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

پردہ کا حکم

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے تمام مومنوں کو ہر اس چیز سے نظر کو بند رکھنے کا حکم دیا ہے جس کا دیکھنا حرام ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن زید کا قول ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں حفظ فرج کا حکم ہوا ہے اس سے مراد زنا سے بچنا ہے لیکن اس مقام پر حفظ فرج سے مراد پردہ ہے۔ یعنی اپنی آنکھوں کو دوسروں کی شرمگاہوں کے دیکھنے سے بچاؤ اور اپنی شرمگاہوں کو دوسروں کی نظروں سے بچاؤ۔ اور یہی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا مرد کے لئے مرد کی شرمگاہ دیکھنا بھی حرام ہے اور عورت کے لئے عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ

اور بچائیں اپنی شرم گاہوں کو (حرام سے) یہ بہتر ہے ان کے لئے تحقیق اللہ جانتا

خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۳۰﴾ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ

ہے جو وہ کرتے ہیں اور کہدو مومن عورتوں کو کہ بند رکھیں اپنی آنکھیں (حرام سے)

وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَ

اور بچائیں اپنی شرم گاہوں کو (حرام سے) اور نہ ظاہر کریں اپنے (مقام) زینت مگر جو ظاہر ہوں ان میں سے اور

لْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا

ڈال لیں اپنی اوڑھنیاں اوپر اپنے سینوں کے اوپر اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو مگر

لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ

اپنے شوہروں کے لئے یا اپنے باپوں کے لئے یا شوہروں کے باپوں کے لئے یا اپنے بیٹوں کیلئے

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ۔ اس جگہ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر اس چیز سے نظر کو بند رکھیں جس کا دیکھنا حرام ہے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں تاکہ غیر کی نظر اُس پر نہ پڑے خواہ عورت ہو یا مرد۔

وَلَا يُبْدِينَ۔ عورت کو اپنی زینت کے ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے اور زینت سے مراد مقام زینت ہے۔ یعنی ہر نامحرم سے اپنے مقاماتِ زینت کو پوشیدہ رکھیں۔ سوائے ان مقامات کے جو کام کاج کے وقت بالعموم کھلے رہتے ہیں اور اس میں مفسّرین کے متعدد اقوال ہیں (۱) لباس خلخال کنگن اور جھمکے مراد ہیں (۲) آنکھوں کا سُرمہ انگوٹھی۔ رخسار ہے اور ہتھیلیوں کا خضاب مراد ہے (۳) آنکھوں کا سرمہ کنگن اور انگوٹھی مراد ہے (۴) چہرہ اور ہتھیلیاں مراد ہیں۔ بہرکیف علمائے امامیہ کے نزدیک عورت پر پردہ اس طرح واجب ہے کہ اپنے تمام اعضاء حتےٰ کہ بال بھی تمام نامحرموں سے پوشیدہ رکھے اور عورت کے وہ اعضاء جو بالعموم کام کاج کے لئے اور گھریلو ضرورتوں یا معاشی مجبوریوں کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ نامحرم لوگوں پر واجب ہے کہ ان کی طرف نظر نہ اُٹھائے۔ چنانچہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے۔ پس اتفاقی نظر پڑ جانا گناہ نہیں لیکن عمداً شہوت سے بار بار دیکھنا گناہ ہے۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ۔ عورت کے لباس میں ضروری ہے کہ قدم ٹخنوں تک ڈھکے ہوئے ہوں اور ہاتھ پہنچیوں تک پوشیدہ ہوں اور اس کے بال مقنعہ سے چھپے ہوں پھر اپنی اوڑھنیوں کے زائد حصہ سے اپنے سینہ اور چھاتیوں کو

بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ

یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کیلئے یا اپنے بھائیوں کے لئے یا بھائیوں کی اولاد کے لئے یا بہنوں کی اولاد کے لئے

أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي

یا اپنی (مومن) عورتوں کے لئے یا اپنی کنیزوں کے لئے یا ان خدمت گاروں کے لئے جو نہ خواہش رکھتے ہوں

الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى

مردوں میں سے یا وہ بچے جو نہ مطلع ہوں عورتوں کی شرمگاہوں پر اور

عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ

نہ قدم (زمین پر) زور سے ماریں تاکہ پتہ چلے اس کا جو مخفی ہے ان کی

ڈھانپ لیں کہ دیکھنے سے کوئی حصّہ نمایاں معلوم نہ ہو اور گھر سے نکلیں تو نظر نیچی ہو۔ اور وقار سے چلیں اور یہی پردہ کا صحیح مفہوم ہے۔ قرآن مجید میں جن لوگوں سے عورت کو پردہ کرنا واجب نہیں ہے۔ وہ یہ ہیں:۔ (۱) شوہر (۲) شوہر کا باپ (۳) بیٹے (۴) شوہر کے بیٹے (۵) باپ (۶) بھائی (۷) بھائی کی اولاد (۸) بہنوں کی اولاد (۹) مومن عورتیں (۱۰) کنیزیں (۱۱) وہ خدمت گار جن میں مردوں کی خواہش نہ رہی ہو۔ مثلاً احمق یا بوڑھا (۱۲) کم سن بچے۔ آیت مجیدہ میں مومن عورتوں کا مومنہ عورتوں اور کنیزوں سے پردہ نہیں ہے گویا کافروں۔ مشرکوں۔ یہودیوں۔ نصرانیوں اور مجوسیوں کی عورتوں سے بھی ان کو پردہ کرنا چاہیئے تاکہ وہ گھروں میں جاکر اپنے مردوں کے سامنے ان کا حلیہ و صورت بیان نہ کریں۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ محرم مرد عورت پر کس حد تک نظر کر سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ محرم مرد کے لئے عورت کا چہرہ۔ ہتھیلیاں اور قدم دیکھنا جائز ہے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اہل تہامہ کی عورتیں۔ بدوی عورتیں۔ دیہاتی عورتیں اور کافر عورتیں چونکہ روکنے سے رُکتی نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف نظر کرنا گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح دیوانی اور پاگل عورتوں کی طرف نظر کی جا سکتی ہے اور ان کے بال اور جسم کو بھی دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اتفاقی ہو۔ عمداً نہ ہو۔ نیز آپ نے فرمایا کہ حضور ص نے فرمایا ذمی عورتوں کی کوئی حُرمت نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے بال اور ہاتھوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ جس عورت سے شادی کرنے کا خیال ہو تو کیا اس کو غور سے دیکھنا جائز ہے آپ نے فرمایا ہاں اس میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری روایت میں ہے اس کا چہرہ اور کلائیاں دیکھنا جائز ہے۔ ایک تیسری روایت میں ہے کہ اس کے بال اور مقامات حسن کو بھی دیکھا جا سکتا ہے بشرطیکہ بری نظر سے نہ ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زرخرید غلام اپنی مالکہ کے بالوں کی طرف نظر کر سکتا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص کا ملازم ہے جو خصی ہے کیا وہ گھر میں خدمت کرتے ہوئے عورتوں کے بالوں کی طرف دیکھ سکتا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں

عَلٰی جُیُوۡبِهِنَّ۔ جیوب جمع ہے جیب کی۔ اور یہاں سینہ مراد ہے یعنی عورتوں کو چاہیے کہ اپنی اوڑھنیوں کے زائد حصہ کو سینہ پر ڈال دیں۔ تاکہ نمائش نہ ہو سکے۔ اس کی مزید تشریح ہماری کتاب اسلامی سیاست میں ملاحظہ ہو۔

اُولِی الْاِرْبَةِ۔ اَرَبٌ یا اِرْبٌ سے فِعْلَةٌ کا وزن ہے اور اس کا معنی ہے خواہش۔

تنبیہ۔ ہمارے ہاں جو پردہ رائج ہے اس میں شرعی پابندیوں کا بہت کم لحاظ رکھا جاتا ہے مثلاً بعض خاندانوں میں پردہ صرف ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو اس خاندان کے افراد نہ ہوں۔ اور یہ رواج اکثر سادات خاندانوں میں پایا جاتا ہے بعض خاندانوں میں نیچ قوموں کے افراد سے پردہ نہیں کیا جاتا اور وہ خدمت گذاری یا دیگر ضروری امور کے لئے آزادانہ طور پر گھروں میں آتے جاتے ہیں۔ یہ رواج بڑے بڑے گھرانوں میں پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں میں پردہ کا رواج اس طرح ہے کہ ننہال اور ددھیال سے پردہ نہیں ہوتا۔ باقی ہر ایک سے پردہ ہوتا ہے۔ آیت مجیدہ میں صاف وصریح الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ نامحرم سے پردہ واجب ہے اور جن جن لوگوں کو محرم بیان کیا گیا ہے اُن کی تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔ اور پردہ کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھے اور گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں اپنی نظر کو نیچا رکھے تاکہ غیر محرم سے آنکھیں دوچار نہ ہوں۔ خواہ رسمی برقعہ سر پر ہو یا نہ ہو۔ سر کی اوڑھنی برقعہ کا کام بخوبی دے سکتی ہے جس طرح ایرانی عورتوں میں رواج ہے۔ اور مردوں پر بھی واجب ہے کہ نامحرم عورتوں کی طرف نظر نہ اٹھائیں۔ البتہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اور طبیب و ڈاکٹر کے لئے بیمار عورت کی طرف تشخیص مرض وعلاج کے لئے دیکھنا جائز ہے۔ پس باریک لباس پہن کر عورتوں کا گھروں سے نکلنا یا نیم برہنہ لباس میں ملبوس ہو کر سڑکوں بازاروں اور کوچوں گلیوں میں پھرنا آوارگی ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔ خدا مومن عورتوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

شادی کرنے کا حکم

اَلْاَیَامٰی۔ یہ ایم کی جمع ہے اصل میں ایایم تھا۔ خلاف قیاس اس کو قلب کر کے ایامی بنایا گیا ہے اور اس کا معنی ہے غیر شادی شدہ۔ خواہ مرد ہو یا عورت اور کنوارہ ہو یا رانڈہ اور وَاَنْكِحُوا کا امر بتلاتا ہے کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کی شادی کرنا یا کرانا مستحب کام ہے۔ نکاح کا معنی ہے خود شادی کرنا اور انکاح کا معنی ہے کسی دوسرے کی شادی کرانا اور متکلم کی ضمیر مخاطب اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ آزاد مرد وعورت جو تم میں سے ہوں۔ ان کی شادی کراؤ۔ اور اس کے بعد دوسرا حکم ہے کہ غلام و کنیزیں جو نیک اور مومن ہوں۔ ان کی بھی شادی کرانا اللہ کو محبوب ہے۔

اِنْ یَّكُوْنُوْا ۳۳۔ یہ آزاد لوگوں کی شادی سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر وہ فقیر و نادار ہوں گے تو خدا ان کو غنی کر دے گا۔

زِيۡنَتِهِنَّ ؕ وَتُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِيۡعًا اَيُّهَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۳۱﴾

زینت سے اور توبہ کرو اللہ کی طرف سب اے ایمان والو! تا کہ چھٹکارا پاؤ

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ ؕ اِنۡ

اور نکاح کردو اپنے غیرشادی شدہ افراد کا اور نیک غلاموں اور کنیزوں کا اگر

يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۳۲﴾

نادار ہوں گے تو ان کو غنی کردے گا خدا اپنے فضل سے اور خدا وسیع قدرت و علم والا ہے

وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ

اور پاکدامن رہنا چاہیئے ان کو جو نہیں کرسکتے نکاح (بوجہ ناداری کے) یہاں تک کہ خدا ان کو غنی کردے اپنے فضل سے

وَالَّذِيۡنَ يَبۡتَغُوۡنَ الۡكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَكَاتِبُوۡهُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ

اور جو لوگ چاہیں مکاتب ہونا تمہارے غلاموں میں سے تو ان کو مکاتب بنالو اگر جانتے ہو

فِيۡهِمۡ خَيۡرًا ۖ وَّاٰتُوۡهُمۡ مِّنۡ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ اٰتٰٮكُمۡ ؕ وَلَا تُكۡرِهُوۡا

ان میں خوبی اور دو ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا اور نہ مجبور کرو اپنی

فَتَيٰتِكُمۡ عَلَى الۡبِغَآءِ اِنۡ اَرَدۡنَ تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ

لونڈیوں کو برائی پر اگر وہ چاہیں پاکدامنی تاکہ حاصل کرو فائدہ دنیاوی زندگی کا

غلاموں اور کنیزوں سے اس کا اس لئے تعلق ہیں کہ ان کا نفقہ مالکوں پر واجب ہوا کرتا ہے۔

جناب رسالت مآبؐ سے حدیث صحیح میں مروی ہے۔ کہ جو شخص میری فطرت کو دوست رکھتا ہو۔ اس کو چاہیے کہ میری سنت پر عامل ہو اور میری سنت ہے نکاح۔ ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا اے نوجوانو! اگر تم میں طاقت ہے تو ضرور شادی کرو۔ کیونکہ شادی کرنے سے آنکھ میں حیا رہتی ہے اور شرمگاہ میں عفت رہتی ہے اور جس میں طاقت نہ ہو وہ روزے رکھتا رہے تاکہ حرام کار نہ بن سکے۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا۔ شِرَارُكُمْ عُزَّابُكُمْ۔ یعنی تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو شادی نہ کریں آپؐ نے فرمایا جس کا لڑکا جوان ہو جائے اور اس کی شادی کرسکنے کے باوجود نہ کرے۔ پس لڑکے سے غلطی سرزد ہو جائے تو گناہ میں دونوں (باپ و بیٹا) شریک ہوں گے۔ آپ سے مروی ہے کہ خدا نے عرش کے اوپر چار قسم کے آدمیوں پر لعنت بھیجی

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۳۳) وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور جو ان کو مجبور کرے تو اللہ ان کی اس مجبوری کے بعد غفور رحیم ہے اور تحقیق ہم نے اتاریں

اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (۳۴) ع

تم پر نشانیاں واضح اور خبریں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گذرے اور نصیحت متقی لوگوں کے لئے

اور فرشتوں نے آمین کہی ہے۔ (۱) وہ شخص جو کنوارہ رہنا پسند کرے اور شادی نہ کرے تاکہ اولاد پیدا نہ ہو (۲) وہ مرد جو اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بناتا ہے حالانکہ خدا نے اس کو مرد پیدا کیا ہے (۳) وہ عورت جو مردوں سے مشابہت پیدا کرے حالانکہ خدا نے اس کو عورت بنایا ہے (۴) لوگوں کو پھسلانے والا جوان سے مسخری کرے۔ مثلاً کسی مسکین سے کہے اِدھر آؤ کہ میں تم کو کچھ دوں پھر اس کو خالی پلٹا دے یا کسی اندھے سے کہے خیال کرو آگے گھوڑا کھڑا ہے حالاں کہ آگے کچھ نہ ہو یا کوئی آدمی کسی کے گھر کا راستہ پوچھے اور وہ اس کو الٹی طرف کا راستہ بتا دے وغیرہ۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص ناداری کے خوف سے شادی نہ کرے۔ گویا اس نے اللہ پر بدگمانی کی۔ کیوں کہ خدا فرماتا ہے کہ شادی کرو اگر تم نادار ہوگے تو میں تم کو غنی کردوں گا۔ چنانچہ مروی ہے ایک شخص نے حضورؐ کی بارگاہ میں اپنے فقروفاقہ کا شکوہ کیا تو آپ نے اس کو شادی کرنے کا حکم دیا۔ پس اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے شادی کر لی۔ اور اللہ نے اس کو رزق وسیع عطا فرمادیا۔

تفسیر برہان میں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک آدمی نے اپنی غربت کا شکوہ کیا تو آپ نے اس کو شادی کرنے کا حکم دیا۔ چناں چہ وہ پہلے سے بھی زیادہ نادار ہوگیا۔ پھر اس نے آکر شکوہ پیش کیا تو آپ نے طلاق کا حکم دیا۔ پس اس نے طلاق دے دی۔ پھر جو آپ نے اس سے احوال پرسی کی تو اس نے عرض کی کہ میں خوشحال ہوگیا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے ہر دو دفعہ تجھے اللہ کے فرمان کے مطابق حکم دیا تھا۔ خدا غیر شادی شدہ لوگوں کو فرماتا ہے کہ شادی کرو اگر تم غریب ونادار ہوگے تو میں تم کو غنی کردوں گا۔ پس میں نے تجھے پہلی دفعہ یہی حکم دیا اور دوسرے مقام پر خدا فرماتا ہے۔ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ۔ یعنی میاں بیوی دونو ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں تو خدا ہر دو کو اپنے فضل سے غنی کردے گا۔ لہٰذا دوسری دفعہ میں نے تجھے اس آیت کے ماتحت طلاق کا حکم دیا۔

اَنْكِحُوْا۔ کے امر سے یہ بات بالکل واضح وعیاں ہے کہ اگر کسی کے ہاں لڑکی ہو اور دوسرا مومن شادی کی ضرورت رکھتا ہو اور اس کے اخراجات بھی ادا کرسکتا ہو۔ پس خواستگاری کرے تو اس کو رد نہ کیا جائے۔ ہاں اگر کوئی معقول شرعی عذر اس کے پاس موجود ہو تو اس کی خواستگاری کو رد کیا جاسکتا ہے اور جہاں لڑکی والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ خواستگاری کرنے والے مومن کو بلا عذر شرعی رد نہ کریں وہاں غیر شادی شدہ مرد کو بھی تلقین صبر کی گئی ہے کہ اگر وہ شادی کی طاقت نہ رکھتے

ہوں اور اس کے اخراجات کی کفالت نہ کر سکتے ہوں تو لیستعفف یعنی عفیف و پاکدامن بن کر رہیں۔ حرامکاری کی طرف راغب نہ ہوں۔ پس اپنے نفس پر قابو پا کر رہیں۔ یہاں تک کہ خدا ان کی مالی حالت کو اچھا کر دے۔ گویا صبر کرنا اور حکم خدا کے ماتحت پاکدامن رہنا غنا کا پیش خیمہ ہے۔ پس خدا اپنے فضل و کرم سے ایسے نوجوانوں کو رزق حلال فراوانی سے عطا فرمائے گا۔ اور آیت مجیدہ میں اس کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ۔ اس آیت مجیدہ میں غلاموں کی کتابت کا حکم بیان کیا گیا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ غلام کی قیمت مقرر کر لی جائے اور غلام سے کہا جائے کہ تم اپنی مقررہ قیمت ادا کرنے کے بعد آزاد ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں مشروط اور مطلق۔

مکاتب مشروط وہ غلام جس کی قیمت ڈال کر یہ شرط لگا دی جائے کہ جب تک پوری قیمت نہ ادا کرو گے پورے غلام رہو گے حتیٰ کہ اگر ایک پیسہ بھی قیمت میں سے ادا نہ ہو سکا تو وہ پورے کا پورا غلام رہے گا۔

مکاتب مطلق وہ غلام جس کی قیمت مقرر کر کے یہ فیصلہ کیا جائے کہ اپنی قیمت میں سے وہ جس قدر ادا کرتا جائے گا اسی قدر آزاد ہوتا جائے گا۔ اور جس قدر اس کی قیمت میں سے ادائیگی رہ جائے گی۔ اسی نسبت سے وہ غلام رہ جائے گا۔

آیت مجیدہ میں ارشاد ہے کہ اگر غلام تم سے خواہش کریں مکاتب ہونے کی تو تم بخل سے کام نہ لو۔ بلکہ خندہ پیشانی سے ان کو مکاتب بنالو۔ بشرطیکہ ان میں خیر اور بھلائی تم کو معلوم ہو۔ اور تفسیر صافی میں بروایت فقیہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خیر کا معنی یہ ہے کہ وہ کلمہ توحید و نبوت پڑھتا ہو اور رقم کما لینے کا فن اور ہنر اس کے ہاتھ میں ہو جس کے ذریعے سے کما کر اپنا مقرر شدہ مال کتابت ادا کر سکتا ہو۔ اور کافی کی روایت میں آپ سے منقول ہے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص سے غلام کتابت کرانا چاہتا ہے حالانکہ مالک کو پتہ ہے کہ اس کے پاس تھوڑا یا بہت کچھ مال ہی نہیں ہے تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا اس کو مکاتب بنا لے خواہ وہ بھیک مانگ کر ہی اپنی قیمت ادا کرے کیونکہ خدا اپنے بعض بندوں کے ذریعے سے دوسروں کو رزق دیتا ہے۔ اور مومن کی مدد کرنا جائز ہے۔

وَاٰتُوْھُمْ۔ غلام کو مکاتب کرنے کے بعد حکم ہے کہ خدا نے تم کو جو مال عطا فرمایا ہے اس سے غلام کو بھی کچھ دو یعنی مقررہ قیمت سے کمی کر دو۔ چنانچہ بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا رقم وصول کرنے کے لئے جو قسطیں مقرر کی جائیں ان میں کمی کرنی چاہیئے نہ کہ زیادتی۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام نے چھ ہزار میں سے اپنے غلام مکاتب کو ایک ہزار معاف کر دیئے تھے اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ آیت مجیدہ تمام مومنین کو مکاتب غلاموں کی آزادی میں امداد کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ یعنی سب مل جل کر اس کی مدد کریں تاکہ وہ اپنی قیمت ادا کر کے آزادی کا سانس لے سکے۔ اور بعض مفسرین نے زکوٰۃ کے مستحقین کی فہرست میں جہاں فی الرقاب آیا ہے اس سے مراد مکاتب غلام لئے ہیں

لہذا صدقات واجبہ میں سے ان کی دست گیری کی جاسکتی ہے۔ شریعت مقدسہ کا یہ طریقہ انسانی آزادی کی راہوں کو ہموار کرنے کا بہترین دستور ہے اور خدا برا کرے ان ناپاک اذہان کا جو دورِ حاضر میں آزاد انسانوں کے لئے غلامانہ ذہنیت کا جال بچھا کر مساوات کے خوشنما لیبل کے ذریعے سے ان کی فطری آزادی کے سلب کرنے کے درپے ہیں۔

مفہوم مخالف ولا تکرھوا۔ علمائے اصولیین میں مفہوم مخالف کی حجیت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء مطلقاً اس کی حجیت کے قائل نہیں ہیں۔ بعض مفہوم غایت کے قائل نہیں البتہ مفہوم صفت اور مفہوم شرط کی حجیت کو مانتے ہیں اور اکثر علماء صرف مفہوم شرط کی حجیت کے قائل ہیں اور بعض ہر مفہوم کی حجیت کے قائل ہیں۔

مفہوم غایت جہاں حکم کی حد مقرر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حد کے بعد کا حصہ حکم میں شامل نہیں جس طرح کہا جائے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھویا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کہنیوں سے آگے دھونا وضو میں شامل نہیں۔

مفہوم وصف۔ جہاں حکم ایک صفت سے وابستہ ہو مثلاً کہا جائے مومن مسکین کو صدقہ دیا جائے تو اس کا مفہوم مخالف یہی ہوگا کہ اگر وہ مسکین نہ ہو تو صدقہ اس کو نہ دینا چاہیئے۔

مفہوم شرط۔ جہاں حکم ایک شرط پر معلق ہو مثلاً کہا جائے اگر زید نماز پڑھتا ہو تو انعام کا مستحق ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ اگر وہ نماز نہیں پڑھتا تو مستحق انعام نہیں اور مفہوم شرط باقی دو مفہوموں سے دلالت میں مضبوط تر ہے۔

جو لوگ مفہوم کی حجیت کے قائل نہیں ہیں وہ مفہوم شرط پر اسی آیت سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس مقام پر حکم مشروط ہے حالانکہ مفہوم شرط یقیناً ممنوع ہے (ترجمہ اپنی کنیزوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی چاہتی ہوں) اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر وہ پاکدامنی کا ارادہ نہ رکھتی ہوں تو ان کو زنا پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ کسی کو زنا کے لئے مجبور کرنا ہر حالت میں ناجائز ہے پس معلوم ہوا کہ مفہوم شرط حجت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مفہوم شرط اس وقت حجت ہوتا ہے جب شرط لگانے میں مصلحت حکم کے علاوہ اور کوئی فائدہ ملحوظ نہ ہو لیکن جہاں شرط لگانے میں کوئی دوسرا فائدہ مدنظر ہو وہاں مفہوم حجت نہیں ہوتا۔ اور اس مقام پر فائدہ یہ ہے کہ آقاؤں اور سرداروں کو غیرت اور حمیت کا درس دیا گیا ہے کہ جب عورت ناقص العقل ہو کر اور بالخصوص کنیز ہو کر اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کرنا چاہتی ہو تو آزاد انسانوں کو بطریق اولیٰ اس کی عفت کی پاسِ خاطر کرنی چاہیئے اور ثانیاً آیت مجیدہ میں شرط حکم کے لئے نہیں بلکہ موضوع حکم کے لئے ہے کیونکہ جبر و اکراہ اس وقت متحقق ہوتا ہے جب عورت عفت و پاک دامنی کی خواہاں ہو۔ ورنہ جب عورت خود زنا پر آمادہ ہو تو جبر و اکراہ متحقق ہی نہیں ہو سکتا۔ چونکہ یہاں یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ کنیز اپنے مولا کی ملکیت میں داخل ہے۔ اور وہ اس سے منفعت حاصل کر سکتا ہے۔ شاید منفعت بھی اس کے لئے جائز ہو کہ کنیز سے حرامکاری کے ذریعے روپیہ کمائے اور یہ حرامکاری مالکوں کے فائدہ کی خاطر حرام قرار نہ دی جائے تو آیت مجیدہ میں اس احتمال کو رد کر دیا گیا ہے کہ زنا ہر ایک کے لئے حرام ہے اور اس کی کمائی کسی صورت میں جائز نہیں قرار دی جاسکتی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آیت مجیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کنیزوں کی عفت کی صورت میں ان کو زنا پر مجبور

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ ؕ

اللہ روشن کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ہے دریچے کی سی جس میں چراغ ہو

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ

کہ چراغ ایک شیشے میں ہو وہ شیشہ ایسا ہو جس طرح ایک چمکدار ستارہ جلایا جائے

نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر وہ اپنے طور پر حرامکاری پر آمادہ ہوں تو اس کی نفی یا نہی پر آیت کی دلالت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کی دلالت واضح ہے کیونکہ اگر اپنے طور پر ان کا یہ فعل جائز ہوتا تو مالکوں کو ان کے جبر واکراہ سے نہ روکا جاتا کیونکہ جائز او حلال کام کے لئے مالک اپنے غلاموں اور کنیزوں کو مجبور کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ ان کے بس میں ہو۔ پس مالکوں کو جبر واکرہ سے روکنا کنیزوں کے لئے اس کی حرمت کی دلیل ہے۔ لہذا جس طرح زنا آزاد عورتوں اور مردوں کے لئے حرام ہے۔ اسی طرح غلام اور کنیزیں بھی زنا کی حرمت کے حکم میں شامل ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی بکر کی چھ کنیزیں تھیں اور وہ ان سے زنا کروا کے رقم کماتا تھا۔ جب زنا کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو وہ عورتیں حضور ص کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور شکوہ کیا۔ پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا۔ یعنی اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں اور شادی کی خواہشمند ہوں تو ان کی شادی کرادی جائے اور ان کے لئے ایسے مواقع فراہم نہ کئے جائیں اور ایسے حالات پیدا نہ کئے جائیں کہ زنا میں مبتلا ہو جائیں۔ اور مالک کا اپنی کنیز کو شادی سے محروم کرنا بھی اس کی حرامکاری کا راستہ ہموار کرنے کے برابر ہے اور جب مولا کا اپنی کنیز کو حرام کے راستہ پر لگانا ممنوع ہے تو اس سے بدتر ہیں۔ وہ باپ یا بھائی یا اہل خاندان جو اپنی بیٹیوں بہنوں یا خاندان کی دوشیزاؤں کو شادی سے محروم کر کے ان کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ زنا اور حرامکاری پر مجبور ہو جائیں جس سے پورے خاندان کی عزت وآبرو خاک میں مل جاتی ہے۔ اور ایسے لوگ دیوث کہلاتے ہیں جو اپنی یا اپنے خاندان کی لڑکیوں کے لئے زنا کے اسباب فراہم کریں اور ان کی بروقت شادی سے عمداً گریز کر کے اپنی بے غیرتی پر راضی ہوں۔

بَعْدَ اِکْرَاھِھِنَّ۔ آیت مجیدہ میں اس بات کا اعلان ہے کہ مالک اگر کنیزوں کو جبر واکراہ سے زنا پر مجبور کرے تو خدا مجبور عورت کا جرم معاف کر دے گا لیکن مجبور کرنے والے مالکوں اور سرداروں کا یہ جرم قابل عفو نہ ہوگا۔

رکوع ۱۱ تاویل نور

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ ۔ آیت مجیدہ میں اس مقام پر مفسرین نے نور کے معنی میں مختلف آرا پیش کی ہیں (۱) نور کا معنی ہدایت اور مراد ہادی ہے یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کا ہادی ہے (۲) نور کا معنی منوّر بصورت مجاز مرسل یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کو چاند سورج اور ستاروں کے ذریعے روشنی بخشنے والا ہے (۳) نور کا معنی زینت اور مراد مزین ہے۔ یعنی اللہ آسمانوں اور زمینوں کو انبیاء واولیاء کے وجود سے زینت عطا کرنے والا ہے۔ اور چونکہ

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا

(وہ چراغ تیل سے جو نکلا ہو) مبارک درخت زیتون سے کہ نہ شرقی ہو اور نہ غربی کہ اس کا تیل (بوجہ صفائی کے)

يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ

جلنے کے قریب ہو اگرچہ اس کو آگ بھی نہ چھوئے نور ہے نور پر ہدایت کرتا ہے اللہ اپنے نور کی

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ

طرف جسے چاہے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لئے اور اللہ ہر شے کو جاننے

عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾ فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ

والا ہے ایسے گھروں میں کہ حکم دیا ہے اللہ نے ان کے بلند کرنے کا اور ذکر کیا جاتا ہے ان میں اسکا نام

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ

تسبیح کرتے ہیں اس کی ان میں صبح اور شام ایسے بندے کہ نہیں مشغول کرتی ان کو

تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

تجارت اور نہ سودا بازی اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ﴿۳۷﴾

ڈرتے ہیں اس دن سے کہ بدلیں گے اس میں دل اور آنکھیں

خدا ہر نفع اور احسان و انعام کا فاعل حقیقی ہے۔ اس لئے اس پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جس طرح کسی رحیم کو مبالغہ کے طور پر رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور محسن و منعم پر نور کا مجازاً اطلاق عام عربوں کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ایک عرب کا شعر استشہاد میں نقل کیا گیا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّا نُوْرُ قَوْمٍ وَاِنَّمَا يُبَيِّنُ فِى الظُّلْمَآءِ لِلنَّاسِ نُوْرُهَا۔ یعنی تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم قوم کے لئے نور ہیں (یعنی ان کے محسن و منعم ہیں) اور اس میں شک نہیں کہ تاریکیوں میں لوگوں کی راہنمائی نور کیا کرتا ہے (یعنی ہم قوم کی ہر مشکل و مصیبت میں ان کی دست گیری کرتے ہیں۔ پس قوم کے لئے مصائب و آلام کی تاریکیوں سے نجات پانے کیلئے ہمارا وجود نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ ۔ یعنی اللہ جو آسمانوں اور زمینوں کے لئے نور ہے کہ ان کو کتمِ عدم سے نکال کر زیورِ وجود سے آراستہ کرنے والا ہے اور ظلمتِ جہالت سے نکال کر بقعۂ نورِ ہدایت کی طرف لانے والا ہے اور جس طرح ظاہری طور پر شمس و قمر و ستارگان کے ذریعے سے اس نے عالم کو اُجالا کیا۔ اسی طرح معنوی اور روحانی طور پر انبیا و مرسلین اور اوصیاء طاہرین کے ذریعے سے اس نے ظلمت ہائے کفر و شرک کو مٹانے کے لئے عالم کو نورِ ایمان سے تابناک بنانے کا انتظام فرمایا۔ پس اس کے نور کی مثال جس کے ذریعے سے عالمِ وجود بقعۂ نور بنا۔ مثل ایک مشکوٰۃ کے ہے۔ اس جگہ نور سے مراد ایمان یا قرآن یا ذاتِ بابرکات حضرت محمد مصطفیٰ ہے اور چوتھا قول یہ بھی ہے کہ نور سے مراد وہ براہین ساطعہ اور ادلّٰہ قاطعہ ہیں جو احقاقِ حق کے لئے باطل کے جملہ پردوں کو چاک کر دیں اور انسانی قلوب میں قندیلِ ایمان کو روشن کر دیں اور پانچواں قول یہ ہے کہ ہدایت پانے کے بعد اطاعت گذار مومن کی اطاعت کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان میں سے تیسرا قول یعنی ذاتِ رسالتمآب کا مراد لینا زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس میں باقی چار اقوال بھی جمع ہو جاتے ہیں۔

کَمِشْکٰوۃٍ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ رومی زبان سے عربی کی طرف لایا گیا ہے اور بعضوں نے اس کو عربی بھی کہا ہے بہرکیف اس سے مراد دیوار میں چراغ رکھنے کا وہ جالا ہے جس کے آگے شیشہ لگا ہوا ہو اور پیچھے کی طرف سے چراغ اندر رکھنے کا راستہ الگ بنایا گیا ہو۔

کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ ۔ یہ دُر کی طرف منسوب ہے۔ یعنی صاف و شفاف موتی کی طرح چمکنے والا ستارہ۔

مِنْ شَجَرَۃٍ ۔ یہاں مضاف محذوف ہے۔ یعنی مِنْ زَیْتِ شَجَرَۃٍ

مُّبٰرَکَۃٍ ۔ زیتون کے درخت کو اس لئے مبارک کہا ہے کہ یہ کثیر المنفعت درخت ہے۔ حتاکہ اس علاقہ کو بھی بابرکت کہا گیا ہے جس میں یہ درخت بکثرت پیدا ہوتا ہے چنانچہ مسجد اقصیٰ کے علاقہ کے متعلق فرمایا بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ اور فی الجملہ اس کے فوائد یہ ہیں۔ (۱) اس کا تیل جلانے کے کام آتا ہے (۲) اس کے ساتھ روٹی کھائی جاسکتی ہے (۳) گھی کی جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے (۴) اس کا رنگ اچھا ہوتا ہے (۵) اس کی لکڑی جلانے کے کام آتی ہے (۶) اس کا کوئلہ اچھا بنتا ہے (۷) اس کی راکھ سے ریشم صاف کیا جاتا ہے (۸) اس کے تیل نکالنے میں آلات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس مقام پر زیتون کی قید اس فائدہ کے ماتحت ہے۔ کہ اس کے تیل سے جو چراغ جلتا ہے اس کی روشنی صاف اور تیز ہوتی ہے۔ اور مروی ہے کہ طوفانِ نوحؑ کے بعد یہ پہلا درخت ہے جو زمین پر اُگا اور جس زمین میں یہ درخت اُگا اس کو انبیاء کا مسکن قرار دیا گیا۔

لَاشَرْقِیَّۃٍ وَّلَاغَرْبِیَّۃٍ ۔ یعنی نہ اس پر مشرق کی طرف سے کوئی سایہ پڑتا ہے اور نہ مغرب کی جانب سے بلکہ صبح و شام دھوپ میں رہتا ہے کیونکہ زیتون کا وہ درخت جو سایہ میں ہو اس کا تیل صاف نہیں ہوتا۔

پس آیت مجیدہ کا معنی یہ ہوا کہ اللہ نے جو نورِ ہدایت خلق کے لئے معین فرمایا ہے وہ مثل اس صاف و شفاف چراغ کے ہے جو دیوار کے جالے کے اندر ایک صاف شیشے کے پیچھے رکھا ہوا ہو جس کی روشنی موتیوں کی طرح چمکنے والے آسمانی ستارے کی مانند ہو جو زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے جلایا گیا ہو جس پر شرقی یا غربی کوئی سایہ اثر انداز نہ ہوا ہو۔

تاویل آیت

آیت مجیدہ کی تاویل کے متعلق متعدد اقوال ہیں (۱) مَثَلُ نُوْرِہٖ۔ میں نور سے مراد نور ہدایت ہے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے پہل اللہ سبحانہ نے اپنے نور کا ذکر فرمایا (کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے یعنی ان کا موجد خالق اور مُدبّر وغیرہ ہے) پھر اسی کے نور کی مثال یعنی وہ شمع ہدایت جو اس نے مومن کے دل میں روشن کی ہے وہ دیوار کے جالے کی مانند ہے جس میں چراغ رکھا ہوا ہو اور اس کے آگے شیشہ لگا ہوا ہو پس مومن کا باطن مشکوٰۃ ہے اور اس کا دل شیشہ ہے اور چراغ وہ نور ہدایت ہے جو اس شیشۂ قلب سے پھوٹ کر نکلتا ہے اور وجود مومن شجر مبارک ہے جس پر مشرق و مغرب کی ہوائیں اور شعاعیں (تہذیبیں) اثر انداز نہیں ہو سکتیں بلکہ وہ صراط مستقیم پر ثابت قدم رہتا ہے اور وہ نورِ ہدایت جو اس کے کاشانۂ دل کو منور کئے ہوئے ہے وہ اپنی ضیا پاشیوں میں مصروف عمل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی زبان پر مہر سکوت ہی کیوں نہ ہو۔ نور علی نور یعنی فریضہ کے بعد فریضہ اور سنت کے بعد سنت جاری ہے۔ اور اللہ اپنے فرائض اور سنتوں کی طرف جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے اور یہ مثال اللہ نے مومن کے لئے بیان کی ہے۔ پس مومن کے پانچ نور ہیں۔ (۱) مَدْخَلُہٗ النُّوْرُ۔ یعنی جس کام میں گھستا ہے وہ نور ہوتا ہے۔ گویا مومن کی شان سے بعید ہے کہ وہ ظلماتی کاموں میں داخل ہو بلکہ وہ ہدایت خداوندی اور توفیق حق کے ماتحت ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور نور و ہدایت کی طرف قدم بڑھا کر دوسروں کیلئے مشعل راہ بنتا چلا جاتا ہے (۲) مَخْرَجُہُ النُّوْرُ۔ اس کا مقصد بھی پہلے فقرہ کی طرح ہے یعنی جس کام سے عہدہ برا ہوتا ہے۔ وہ ہدایت اور نور ہوتا ہے۔ یعنی ایسی باتوں اور ایسے اُمور سے گریز کرتا ہے جو خدا کے پسندیدہ نہ ہوں گویا ہر حرام اور گناہ سے بچتا ہے۔ پس ایسے اعمال کرتا ہے جن کا کرنا نور ہے۔ اور ایسے اعمال سے بچتا ہے جن سے بچنا نور ہے (۳) وَعِلْمُہٗ نُوْرٌ یعنی مومن کا علم اس کے لئے باعثِ نور و ہدایت ہے گویا وہ علم کو کسب معاش یا تکمیل خواہشات کا ذریعہ نہیں بناتا بلکہ وہ علم کو زینۂ رضائے پروردگار قرار دے کر خود بھی اس پر عامل ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی اس کا علم و عمل دعوتِ حق کا عَلَم بردار ہوتا ہے۔ (۴) وَکَلَامُہٗ نُوْرٌ۔ یعنی مومن کے کلام میں ظلماتی پہلو کوئی نہیں ہوتا چونکہ وہ خود ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ اس کی زبان ہدایت کی ترجمان ہوتی ہے۔ پس وہ ایسے جملے منہ سے نہیں نکالتا جو عوام کے لئے گمراہی کے موجب ہوں بلکہ اس کا بیان اُمورِ حق کا ترجمان اور ناموس شریعت کا پاسبان ہوتا ہے (۵) وَمَصِیْرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اِلَی الْجَنَّۃِ نُوْرٌ۔ یعنی بروزِ محشر اس کا جنت کی طرف جانا نور ہے۔ اس حدیث شریف میں نور کی بھی خوب وضاحت ہو گئی (۱) نیکی کرنا نور اور اس کے مقابلہ میں نیکی کو ترک کرنا ظلمت (۲) بُرائی کو چھوڑنا نور اور اس کے مقابلہ میں برائی کرنا ظلمت (۳) نیکی و بدی میں تمیز کرنے اور نیکی کے بجا لانے نیز برائی سے بچنے کے لئے رضائے حق کی خاطر علم کا حاصل کرنا نور اور اس کے مقابلہ میں صرف جہالت ہی ظلمت نہیں بلکہ ہر وہ علم جو نیت بد سے حاصل کیا جائے یا ترویج باطل اور تردید حق کا اس سے ناجائز فائدہ لیا جائے یا کسب معاش و تکمیل شہوات کا اس کو ذریعہ قرار دیا جائے وہ بھی ظلمت ہے (۴) زبان سے جاری کردہ بیان اگر حق و ہدایت کو اپنے دامن

میں لئے ہوئے ہے تو نور ہے ورنہ ظلمت (۵) بیان کردہ ہر چہار اوصاف مومن جن کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے ان کی جزا جنت ہے اور وہ نور ہے۔ گویا دنیا میں نیکی کرنا نور ہے اور آخرت میں نیکی کی جزا جنت نور ہے۔ اور اس حدیث شریف کی روشنی میں انبیاء و اوصیاء نور ہیں اور محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام پوری کائنات میں نورِ کل ہیں۔ حتیٰ کہ سب انوار کے لئے ان کے انوار طیبہ مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ سورہ نور کی ابتدا میں ہم نے اس پر کافی روشنی ڈالی ہے اور اس میں ان لوگوں کے لئے زیادتی معرفت کی راہیں ہموار کی ہیں۔ جن کے دل تعصب و عناد کے پنجروں میں مقید نہیں ہیں۔

دوسری تاویل مَثَلُ نُوْرِہٖ میں نور سے مراد ذاتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہے پس آپ کا سینہ جو گنجینۂ علوم الٰہیہ ہے۔ مشکوٰۃ ہے اور آئینہ آپ کا قلبِ باصفا ہے اور مصباح آپ کی رسالت و نبوت ہے جس پر شرق و غرب کی شعاعیں اثر انداز نہیں۔ یعنی یہودیت و نصرانیت سے متاثر نہیں اور آپ کی نبوت ایک شجرۂ مبارکہ سے چھوٹ رہی ہے۔ جو شجرۂ نسل ابراہیمؑ ہے اور کردارِ محمدیؐ خود بخود لوگوں کے لئے ایک بیان واضح ہے۔ اگرچہ وہ خود زبان سے خاموش ہی کیوں نہ رہیں جس طرح زیتون کا صاف تیل آگ چھوئے بغیر جلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بعضوں نے مشکوٰۃ سے مراد حضرت ابراہیم اور زجاجہ سے مراد حضرت اسمٰعیل اور مصباح سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ لیا ہے۔ اور شجرۂ مبارکہ نسل ابراہیم ہے کیونکہ اکثر انبیاء ان کی صلب سے پیدا ہوئے اور وہ نہ شرقی ہے اور نہ غربی یعنی نہ نصرانی ہے نہ یہودی کیونکہ نصاریٰ مشرق کی طرف سجدہ کرنے کے پابند ہیں اور یہودی مغرب کی طرف سجدہ کرنے کے پابند ہیں اور یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ کا مقصد یہ ہے کہ حضورؐ کے وجودِ ذی جود سے محاسن و کمالاتِ نبوت پھوٹ پھوٹ کر دنیا کو منور کر رہے تھے۔ اگرچہ ابھی تک ان کے ساتھ وحی کا سلسلہ قائم نہیں ہوا تھا۔ اور نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا مقصد یہ ہے کہ نبی نسلِ نبوت سے ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مشکوٰۃ سے مراد حضرت عبدالمطلب ہیں اور زجاجہ سے مراد حضرت عبداللہ ہیں اور مصباح سے مراد خود حضرت رسالت مآبؐ ہیں نہ آپ شرقی ہیں نہ غربی بلکہ مکی ہیں اور مکہ دنیا کا وسط ہے۔ (مجمع البیان)

تیسری تاویل تفسیر مجمع البیان میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم مشکوٰۃ ہیں اور مصباح حضورؐ ہیں۔ اور اللہ ہماری ولایت کی طرف ہدایت فرماتا ہے جسے چاہتا ہے۔ بروایت توحید ابن بابویہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مشکوٰۃ سینۂ نبوی ہے اور مصباح سے مراد علومِ نبوت ہیں اور زجاجہ حضرت علی علیہ السلام کا سینہ ہے کہ علومِ نبوت حضورؐ کے سینہ سے حضرت علی کے سینہ تک پہنچے۔ پس علی کا علم ایک شجرۂ مبارکہ علمیہ سے چھوٹتا ہے۔ جس پر نصرانیت و یہودیت اثر انداز نہیں ہے۔ پس وہ نہ شرقی ہے نہ غربی اور یَکَادُ زَیْتُھَا الخ کا مقصد یہ ہے کہ آلِ محمد کے عالم کی زبان دُرفشاں سے مقاصدِ علمیہ اور مطالب عرفانیہ ہر وقت صادر ہوتے رہتے ہیں۔ اور سائل کے سوال سے پہلے وہ اس کا دامن اپنے فیوض علمیہ سے بھر دیا کرتے تھے اور نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا مقصد یہ ہے کہ آلِ محمد میں امامت کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ پس ایک امام کے بعد دوسرا امام آتا رہے گا اور ہدایت خلق کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے تا قیامِ قیامت مسلسل جاری و ساری ہے

گا۔ پس یہ وہ اوصیاء ہیں۔ جن کو اللہ نے اپنی زمین کا خلیفہ مقرر فرمایا اور اپنی مخلوق پر ان کو حجت قرار دیا کہ کسی زمانہ میں زمین ان کے وجود سے خالی نہیں ہو سکتی اور جناب رسالتمآبؐ کے ایک مدحیہ قصیدہ میں حضرت ابوطالب نے ایک شعر میں اسی مطلب کو ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

اَنْتَ الْاَمِیْنُ مُحَمَّدٌ قَرْمٌ اَغَرُّ مُسَوَّدٌ

تو محمدؐ امین ہے نورانی چہرے والا سید و سردار ہے

مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ لَمْ یَزَلْ فِیْنَا وَصِیٌّ مُّرْشِدٌ

آگے چل کر فرمایا۔ آدم سے لے کر ہمیشہ ہم میں ایک وصی ہدایت کنندہ ہوتا چلا آیا ہے

صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آیت میں ذکر ہونے والے شجرہ مبارکہ سے مراد تقویٰ و رضوان اور ہدایت و ایمان کا درخت ہے جس کی اصل نبوت فرع امامت ٹہنی تنزیل اور پتے تاویل اور اس کے خدمتگار جبریل و میکائیل ہیں

چوتھی تاویل تفسیر مجمع البیان میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ یہ مثال اللہ نے مومنوں کی بیان فرمائی ہے کہ مومن کا نفس مشکوٰۃ اس کا دل شیشہ اور ایمان و قرآن کی جو قندیل اس کے دل میں روشن ہے وہ مصباح ہے جو اخلاص کے شجرہ مبارکہ سے منور ہے جس طرح گھنے سرسبز درختوں کے جھنڈ کو مشرق و مغرب کی دھوپ متاثر نہیں کر سکتی۔ اسی طرح راسخ الایمان مومن کے ایمان کو فتنہ و فساد کی تیز و تند دھوپ اور شرق و غرب بلکہ ہر چہار طرف سے ابھرنے والے لادینی کے بے پناہ طوفان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے پس وہ چار خصلتوں میں زندگی گذارتا ہے (۱) اگر اسے کچھ عطا ہو تو شکر گذار ہوتا ہے (۲) اگر آزمائش میں مبتلا ہو تو صابر ہوتا ہے (۳) اگر حکم کرے تو عدل اس کا مطمح نظر ہوتا ہے (۴) اور اگر بات کرے تو سچائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا وہ عام لوگوں میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح کوئی زندہ قبرستان میں چل پھر رہا ہو پس وہ نور علیٰ نور کا مصداق ہے کہ اس کا کلام نور اس کا علم نور اس کا مدخل و مخرج نور اور بروز قیامت اس کی بازگشت نور ہے (اس آخری فقرہ کی تشریح تاویل نمبر ۱ کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

پانچویں تاویل حسن بصری سے منقول ہے کہ مومن کے دل میں قرآن کی مثال ہے کہ مومن کا دل شیشہ اور اس کی زبان مشکوٰۃ ہے اور شجرہ مبارکہ وحی ربانی ہے۔ اور قرآن کی دلیلیں واضح و روشن ہیں اگرچہ اس کی کوئی تلاوت نہ بھی کرے یا یہ کہ اللہ کی طرف سے بیان کردہ ادلّہ و براہین اس کی مخلوق پر واضح و آشکار ہیں بشرطیکہ تدبر و تفکر سے کام لیا جائے اگرچہ قرآن نہ بھی نازل ہوتا یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ الخ اور یہ نور علیٰ نور ہے یعنی دیگر فطری و نفسیاتی و عقلی دلیلوں کے بعد قرآن کا وجود نور علیٰ نور کا مصداق ہے۔

چھٹی تاویل حضرت رسالتمآبؐ اور حضرت علی سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک ان کے بارہ اوصیائے طاہرین علیہم السلام اس کے تاویلی مصداق ہیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دن میں مسجد کوفہ میں داخل ہوا دیکھا کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اپنی انگلی کے ساتھ کچھ لکھ رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں میں نے عرض کی حضور! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو اس آیت کو پڑھتے ہیں اور اس

کی کمال معرفت سے بے بہرہ ہیں۔ میں نے عرض کی حضور! وہ کون سی آیت ہے تو آپ نے آیت نور کی تلاوت فرمائی اور پھر اس کی وضاحت یہ کی کہ مشکوٰۃ حضرت محمد مصطفےٰ ہیں۔ فِيهَا مِصْبَاحٌ داؤول۔ اس لفظ کا مصداق آپ نے نہیں بتایا غالباً بوقت بیان یہ لفظ پڑھ کر اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرکے اپنی ذات مراد لی ہو۔ پس آگے چل کر فرمایا الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ۔ زجاجہ سے مراد حسین و حسن علیہما السلام ہیں کوکب دری علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام ہیں۔ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ۔ حضرت محمد بن علی الباقر علیہ السلام ہیں۔ زَيْتُونَةٍ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ لَا شَرْقِيَّةٍ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام وَلَا غَرْبِيَّةٍ حضرت امام علی رضا علیہ السلام يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ حضرت امام علی نقی علیہ السلام ہیں۔ نُورٌ عَلَى نُورٍ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں اور يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ حضرت امام قائم مہدی علیہ السلام ہیں۔ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (یعنی اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے)

بیوت کی تفسیر

فِي بُيُوتٍ مشکوٰۃ کی صفت ہے۔ یعنی وہ نور جس کی مثال مشکوٰۃ سے دی گئی ہے وہ ایسے گھروں میں ہے جن کے بلند کرنے اور ان کی عزت و احترام کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے جن میں صبح و شام اللہ کی تسبیح اور اس کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور ایسے بندے اس کا ذکر و تسبیح کرتے ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر اور نماز و زکوٰۃ سے روک نہیں سکتی اور اس دن کا خوف کرتے ہیں جس دن دلوں اور آنکھوں میں انقلاب رونما ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس اور حسن بصری کا قول منقول ہے کہ ان گھروں سے مراد مساجد ہیں۔ اور گذشتہ بعض تاویلات آیت بھی اس کی شاہد ہیں اور حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے۔ الْمَسَاجِدُ بُيُوتُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ وَهِيَ تُضِيءُ لِأَهْلِ السَّمَاءِ كَمَا تُضِيءُ النُّجُومُ لِأَهْلِ الْأَرْضِ۔ یعنی مساجد زمین پر اللہ کے گھر ہیں اور یہ آسمان والوں کے لئے اس طرح چمکتی ہیں جس طرح زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ عام مساجد مراد نہیں بلکہ اس سے مراد وہ چار مساجد ہیں جن کو انبیاء نے تعمیر کیا ہے (۱) کعبہ جس کو حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ نے تعمیر فرمایا (۲) بیت المقدس جس کو حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے بنایا اور مدینہ میں مسجد نبوی اور مسجد قبا جن کی تعمیر حضرت رسالتمآبؐ کے ہاتھوں ہوئی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان بیوت سے مراد بیوت انبیاء ہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت مجیدہ پڑھی گئی تو کسی نے آنحضرتؐ سے ان گھروں کے متعلق سوال کیا جن کا آیت میں ذکر ہے تو آپ نے فرمایا ان سے مراد انبیاء کے گھر ہیں پس ابوبکر نے کھڑے ہو کر حضرت علی و بتول علیہما السلام کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَٰذَا الْبَيْتُ مِنْهَا کہ کیا یہ گھر بھی ان میں سے ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا۔ نَعَمْ مِنْ أَفَاضِلِهَا۔ ہاں صرف ان میں سے نہیں بلکہ ان کے بہترین میں سے ہے۔ اور علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ آیت تطہیر اس قول کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ آیت میں اہل بیت یعنی گھر والوں کی تطہیر کا ذکر ہے اور اللہ نے ان گھروں کی جس بلندی کا اذن دیا ہے اس بلندی سے مراد تعظیم اور ہر رجس سے پاکیزگی اور گناہوں کی ہر میل و کثافت سے طہارت و علیحدگی ہے اور بعض علماء نے اس مقام پر رفع سے مراد یہ لیا ہے کہ ان کے گھروں میں جا کر ان کے وسیلہ

سے اللہ کی طرف اپنی حاجات کو بلند کرو۔

تفسیر صافی و برہان میں بروایت کافی منقول ہے۔ ایک دفعہ قتادہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ میں بہت سے فقہاء کے سامنے بیٹھتا رہا ہوں لیکن مجھے کبھی کسی عالم و فقیہ کے سامنے اتنی گھبراہٹ محسوس نہیں ہوئی جس طرح آپ کے سامنے بیٹھنے سے مجھے گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے۔ آپ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ کہاں بیٹھا ہے تو اس وقت ان بیوت میں ہے جن کی تعظیم و اجلال کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ہم ان کے مصداق ہیں۔ قتادہ فوراً کہنے لگا واقعی آپ سچ فرماتے ہیں۔ بخدا میں آپ کے قربان جاؤں وہاں گارے اور پتھروں کے گھر مراد نہیں ہیں۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب منقول ہے کہ ایک دفعہ بروز جمعہ دحیہ کلبی ملک شام سے کچھ مال لایا اور لوگوں کی اطلاع کے لئے شہر سے باہر ڈیرہ جما کر ڈھول طبل بجانے شروع کئے۔ اس وقت حضرت رسالتمآبؐ مسجد نبویؐ میں نماز جمعہ کے لئے خطبہ پڑھ رہے تھے۔ پس طبل کی آواز سنتے ہی لوگوں نے جانا شروع کر دیا حتیٰ کہ مسجد خالی ہو گئی۔ مردوں میں سے صرف حضرت علیؑ امام حسنؑ امام حسینؑ سلیمان ابوذر مقداد اور صہیب اور عورتوں میں سے صرف جناب فاطمہ زہراؑ بچ گئیں۔ پس نہ کوئی ان کے علاوہ مرد رہا اور نہ عورت۔ سب کے سب حضورؐ کو خطبہ پڑھتے چھوڑ کر بعض خرید و فروخت کے لئے اور بعض تماشائی صورت بنا کر چلے گئے اور سورہ جمعہ میں انہی لوگوں کی مذمت ہے۔ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا الخ۔ پس حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے میری مسجد پر نظر کی ہے۔ اگر یہ آٹھ آدمی نہ ہوتے تو قوم لوطؑ کی طرح پورے شہر پر عذابِ خداوندی نازل ہوتا۔ اور ان پر آگ اور پتھروں کی بارش نازل ہوتی۔ پس آٹھ آدمیوں کے حق میں یہ آیت اتری۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ۔ الخ۔ تفسیر صافی میں مروی ہے۔ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک تاجر کے متعلق احوال پرسی کی تو لوگوں نے بتایا کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے لیکن سلسلۂ تجارت کو اس نے خیرباد کہہ دیا ہے۔ آپ نے یہ سن کر تین بار فرمایا عَمَلُ الشَّيْطَانِ یعنی شیطان کامیاب ہو گیا۔ کیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ حضور رسالتمآبؐ نے شام سے آنے والے قافلہ سے مال تجارت خریدا اور نفع کما کر اپنے قرضے ادا کئے اور قرابت داروں کی امداد بھی کی اور خدا نے ایسے لوگوں کی ہی تعریف فرمائی ہے کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ الخ کہ وہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارت و خرید و فروخت۔ ذکر خدا اور نماز و زکوٰۃ سے روک نہیں سکتی اور جو قصہ خواں لوگ کہتے ہیں کہ وہ تجارت نہیں کرتے تھے۔ جھوٹے ہیں۔ بات یہ ہے کہ وہ نماز کو اپنے صحیح اوقات سے نہیں چھوڑتے تھے۔ اور یہ لوگ ان لوگوں سے افضل ہیں جو تجارت کو سرے سے ترک کر کے نماز میں حاضر ہوں۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا۔ یعنی وہ اس دن سے ڈرتے ہیں کہ آنکھوں اور دلوں کے حالات میں انقلاب و تبدیلیاں واقع ہوں گی دلوں پر انقلاب یہ ہو گا کہ وہ جنت کے طمع اور جہنم کے خوف کے اندر شش و پنج میں پڑے ہوں گے اور آنکھوں میں تقلب یہ ہو گا کہ وہ دائیں بائیں اپنے اعمالنامہ کی آمد کے منتظر ہوں گے اور متفکر ہوں گے کہ ہمیں کس طرف سے پکڑا جاتا ہے یا یہ کہ دل حنجروں تک پہنچ جائیں گے اور آنکھیں اندھی ہو جائیں گی یا یہ کہ دل شکوک کی منزل سے نکل کر یقین تک پہنچے ہوئے ہوں گے اور آنکھیں جن چیزوں کو جھٹلاتی تھیں ان

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

تاکہ ان کو جزا دے اللہ بہتر اس کی جو انہوں نے عمل کیا اور زیادہ دے ان کو اپنے فضل سے اور اللہ رزق

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ

دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے عمل مثل سراب کے ہیں

بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ

جو کھلے میدانوں میں ہو جس کو سمجھے پیاسا آدمی پانی یہانتک کہ جب اس کے پاس پہنچے تو اسے کچھ نہ پائے اور پایگا

اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ اَوْ كَظُلُمٰتٍ

اللہ کو اپنے عمل کے پاس پس وہ پورا دے گا اس کو حساب اس کا اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے یا مثل ان تاریکیوں کے ہے

کو صحیح پائیں گی پس دنیا میں جو شکی ہو گا وہاں اسکا شک یقین میں تبدیل ہو گا اور جو دنیا میں عالم ہو گا آخرت میں اس کی بصیرت میں اضافہ ہو جائے گا۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ۔ لام کا متعلق محذوف ہے یعنی وہ لوگ اس قسم کے اعمال حسنہ اس لئے بجا لاتے ہیں تاکہ ان کو اللہ اپنے حسن عمل کی جزا دے اور اپنے فضل و کرم سے زیادہ انعام و اکرام سے ان پر نوازش کرے پس ایسے لوگ دنیا و دین دونو کے لحاظ سے نفع مند ہوں گے کیونکہ اللہ ان کو رزق بھی بے حساب دیتا ہے اور آخرت کی بازی بھی وہ جیت جاتے ہیں لیکن جو لوگ تجارت یا دیگر نفسی خواہشات کی بنا پر عبادات کو چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنے رزق مقدر سے تو بڑھ نہیں سکتے اور آخرت کو سرے سے برباد کر بیٹھتے ہیں۔

اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ۔ سراب اور آل میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے۔ کہ سراب سفید چٹیل میدان یا ریگزار صحرا کی اس چمک کا نام ہے جو دوپہر یا اس کے بعد دھوپ پڑنے سے اس میں پیدا ہو کہ دور سے آتے ہوئے آدمی کو پانی دکھائی دے حتیٰ کہ اردگرد کے درختوں کے سائے بھی اس میں نظر آئیں۔ اور آل اس چمک کا نام ہے جو زمین سے اوپر کی فضا میں ایک پانی کا دریا دکھائی دے اور یہ تقریباً دوپہر سے قبل ہوا کرتی ہے۔ اور بعض استعمالات میں میدانی و ریگستانی صحرائی چمک جو آب نما ہو۔ اس پر سراب کا اطلاق ہوا ہے اور دامن کوہ میں سنگریزہ زار و سنگلاخ زمین کی آب نما چمک کو آل کہا گیا ہے۔ اور یہ دونو لفظیں ایک دوسرے سے متبادل بھی استعمال ہوتی ہیں۔ بہرکیف آیت مجیدہ میں کفار کے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور اگلی آیت میں ان کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اس کے وہ اعمال جن کو وہ نیک اعمال سمجھتا تھا بروز محشر وہ ان کی جزا کا خواہشمند ہو گا اور پیاسے انسان کی طرح ان کی طرف دوڑے گا لیکن نتیجہ میں سراب کی طرح ان کی جزا کچھ نہ پائے گا کیونکہ وہ حبط ہو چکے ہوں گے اور

فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ
جو ایک گہرے سمندر میں ہوں جس میں موج پر موج پڑ رہی ہو اور اوپر بادل چھایا ہوا ہو ایک دوسرے کے اوپر تاریکیاں
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ
ہوں جب اپنا ہاتھ نکالے تو نہ دیکھ پائے اسے اور جس کو اللہ راہِ نجات نہ دے

حبط کا معنی مقدمہ تفسیر میں ملاحظہ فرمائیے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل نیک میں کسی خاص خامی کی وجہ سے اس کا قابل جزا نہ رہنا حبط کہلاتا ہے اور جس طرح یہاں انسان سراب کے قریب پہنچ کر مایوس و ناکام پلٹتا ہے۔ کافر بھی مایوس ہوگا اور جب اللہ کے پاس پہنچے گا تو اپنا حساب پورا لے گا۔ اس کی نیکیاں تو سراب کی طرح کچھ نہ ہوں گی پس غلطیوں کی سزا میں جہنم رسید ہوگا اور کافر کے وہ اعمال جو اس کی نظر میں اعمالِ بد تھے۔ وہ بروز محشر گھٹا ٹوپ تاریکیوں کی مثل پائے گا۔ کہ ان سے گلو خلاصی مشکل ہوگی۔ ایک اعمالِ زشت کی تاریکی دوسری اس کے کفر و الحاد کی تاریکی اور تیسرے توبہ نہ کرنے اور سرکشی ہو کر مرنے کی تاریکی اور پھر میدان محشر میں سختی عذاب کی تاریکی اور نتیجہ میں جہنم کی دائمی تاریکی جس سے نجات نہ پا سکے گا۔

تفسیر صافی و برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کی تاویل دشمنانِ آل محمدؐ کے حق میں ہے۔ جس طرح آیت سابقہ کی تاویل محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کے محبوں کے حق میں ہے۔ چنانچہ ظلمات سے مراد اول اور موج سے مراد ثانی اور موج بالائے موج سے مراد ثالث اور اوپر کی تاریکی امیر شام اور حکومت اموی کے وہ مظالم کہ مومن ان تاریکیوں میں اپنا ہاتھ نہ دیکھ سکتا تھا۔ اور اس صورت میں نور کی تاویل امام ہوگا۔ یعنی جس کو خدا اولادِ فاطمہ سے امام کی معرفت کی توفیق نہ دے اسے قیامت تک امام حق ملنا ناممکن ہے۔ اور اسی قسم کی تاویل تفسیر قمی سے بھی منقول ہے۔

لطیفہ تفسیر برہان میں ابن شہر آشوب سے منقول ہے۔ ایک دفعہ شاہ روم نے معاویہ کی طرف چند مسائل دریافت کے لئے بھیجے۔ چنانچہ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ لاشئی کسے کہتے ہیں؟ امیر شام حیران تھا کہ عمرو بن عاص نے مشورہ دیا ایک عمدہ گھوڑا فروخت کے لئے علی کے لشکر کی طرف بھیج دیجئے۔ جب قیمت دریافت کریں تو کہا جائے اس کی قیمت لاشئی ہے۔ پس مسئلہ حل ہوجائے گا چنانچہ معاویہ کا غلام گھوڑا لے کر آیا حضرت امیر علیہ السلام قنبر کو ساتھ لئے ایک مقام پر کھڑے تھے۔ آپ نے قنبر سے فرمایا کہ شامی سے گھوڑا خرید لو۔ جب قنبر نے قیمت پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ اس کی قیمت ہے لاشئی آپ نے فرمایا اس سے گھوڑا لے لو۔ اس نے جب قیمت کا مطالبہ کیا تو آپ نے بیابان کی طرف لے جا کر سراب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ تیرے گھوڑے کی قیمت ہے۔ لاشئی لے لو اور بھاگ جاؤ۔ جب اس نے معاویہ کو مطمئن کرنے کے لئے دلیل پوچھی تو آپ نے قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔ کہ خدا نے قرآن مجید میں سراب کو لاشئی قرار دیا ہے۔

لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

اس کے لئے کوئی راہِ نجات نہیں ہے کیا دیکھتے نہیں ہو تحقیق اللہ کی تسبیح کرتا ہے ہر وہ جو آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

زمین میں ہے اور پرندے پر کھول کر تحقیق ہر ایک کی تسبیح و نماز کو اللہ جانتا ہے اور اللہ جانتا ہے وہ جو

بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

وہ کرتے ہیں اور اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور اللہ کی طرف بازگشت ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى

کیا دیکھتے نہیں ہو کہ تحقیق اللہ ہانکتا ہے بادل کو پھر جمع کرتا ہے اس کے ٹکڑوں کو پھر ان کو کرتا ہے تہ بہ تہ

الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا

پس دیکھتے ہو بارش کو نکلتی ہے اس کے اندر سے اور اتارتا ہے آسمان سے پہاڑوں سے جو اس میں ہیں

(۲) کتاب مذکور میں اختصاص مفید سے منقول ہے ایک شخص نے ابوحنیفہ سے لاشی کا معنی دریافت کیا تو اس نے ایک خچر اسے دیکر امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف بغرض فروخت بھیج دیا کہ اس کی قیمت لاشی وصول کرنا آپ نے خچر رکھ لیا۔ اور فرمایا ابوحنیفہ سے کہنا قیمت صبح کو وصول کرلے جب صبح کو ابوحنیفہ خدمت امام میں وصولی قیمت کے لئے حاضر ہوا تو سوار ہو کر آپ اسے صحرا کی طرف لے چلے جب سورج بلند ہوا اور میدان میں سراب کی لہر دوڑی۔ آپنے فرمایا ابوحنیفہ یہ کیا چیز ہے تو اس نے کہا کہ پانی ہے پھر جب آگے بڑھے تو اسے کچھ نہ پایا۔ آپ نے فرمایا یہ تو تمہارے خچر کی قیمت ہے۔ پس آپ نے آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا لاشی کا معنی سراب ہے۔ ابوحنیفہ نادم و پشیمان واپس پلٹا کیونکہ اس نے خچر پر دس ہزار درہم خرچ کئے تھے

رکوع ۱۲

وَالطَّيْرُ یعنی ہر چیز پروردگار کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے اور ذوی العقول کے علاوہ ہر چیز کی تسبیح ان کا عجز و حدوث ہے۔

قَدْ عَلِمَ - عَلِمَ کا فاعل ضمیر جو اللہ کی طرف راجع ہے قرار دی جائے تو معنی وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے۔ اور اگر اس کا فاعل ضمیر ہو جو راجع کل کی طرف ہے تو معنی یہ ہوگا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز نے اپنی نماز و تسبیح کا انداز جان لیا ہے پس ہر چیز تسبیح و نماز میں مصروف ہے۔

رُكَامًا یعنی مُتَرَاكِمًا جس کا معنی ہے تہ بہ تہ - مِنْ جِبَالٍ - یہ مِنَ السَّمَآءِ سے بدل ہے اور فِیْهَا جار و مجرور کا مُتَعَلِّق

مِنۡ بَرَدٍ فَيُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَصۡرِفُهٗ عَنۡ مَّنۡ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرۡقِهٖ

پکھ اولے پس ہلاک کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے اور پھیر لیتا ہے جس سے چاہتا ہے قریب ہے کہ بجلی کی

يَذۡهَبُ بِالۡاَبۡصَارِ ؕ (۴۳) يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ

چمک ختم کر دے آنکھوں کو تبدیل کرتا ہے اللہ رات اور دن کو تحقیق اس میں عبرت ہے صاحبان

لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ (۴۴) وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنۡ مَّآءٍ ۚ فَمِنۡهُمۡ

بصیرت کے لئے اور اللہ نے پیدا کیا ہر چلنے والی چیز کو پانی سے پس بعض ان میں سے

کے متعلق جبال کی صفت ہے۔ مِنۡ بَرَدٍ جار و مجرور کائنۃ محذوف کے متعلق دوسری صفت ہے یعنی من جبال سماویۃ بردیۃ اور یُنَزِّلُ کا مفعول محذوف ہے مبرداً یعنی خدا آسمان میں یا جہت علویں ہونے والے برفانی تودوں سے اولے برساتا ہے كُلَّ دَآبَّةٍ۔ آیت مجیدہ میں جنوں اور فرشتوں کے علاوہ تمام ذی روح مخلوق کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ سب پانی یعنی نطفہ سے پیدا ہوئی ہیں۔

عظمتِ پروردگار خداوند کریم نے آیات مجیدہ میں اپنی عظمت و جلالت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ کائنات کی ہر چیز اس کے سامنے اپنے حال و حیثیت کے لحاظ سے سجدہ ریز اور اس کی ثنا و مدح میں رطب اللسان ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ منقول ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے اللہ کی قدرت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ایک خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ کے فرشتوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ پوری روئے زمین پر وہ نہ سما سکیں گے اور جن و انسان اس کی حدود کا احاطہ نہ کر سکیں گے اور نہ اس کی پوری تعریف کر سکیں گے۔ پس ایسے فرشتے کے پورے جسم کی کیا تعریف کی جا سکے گی جس کے کندھے اور کان کے درمیان کا فاصلہ سات سو برس کی راہ ہو اور بعض ایسے بھی ہیں جن کا صرف ایک پر زمین و آسمان کی درمیانی فضا کو پر کر دے گا اور بعض ایسے ہیں کہ اگر سیدھے کھڑے ہوں تو سارے آسمان اس کی کمر کے نیچے رہ جائیں گے اور بعض ایسے ہیں جن کے قدم تحت الثریٰ پر ہیں اور زمین کی موٹائی اس کے گھٹنوں سے نہیں بڑھ سکتی اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے انگوٹھے کے ناخن پر پوری دنیا کا پانی ٹھہر سکتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کے آنسوؤں کے پانی میں پوری دنیا کے جہاز ہمیشہ ہمیشہ چلتے رہیں تو اس کا کنارہ نہ پا سکیں گے۔ اسی طرح آپ نے حجاب ہائے قدرت کی عظمت و کثرت کو بیان فرمایا کہ ہر ایک کی موٹائی پانچسو سال کی مسافت اور ان میں ہر دو کا درمیانی فاصلہ پانچسو برس کا سفر ہے پھر سرادقات کا ذکر کیا مثلاً سرادق جلال سرادق عز سرادق کبریا سرادق عظمت سرادق قدس سرادق جبروت سرادق فخر سرادق نور ابیض اور آخر میں سرادق وحدانیت اور ہر دو کا درمیانی فاصلہ پانچسو برس کی مسافت سے کم نہیں۔ الخ

مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

چلتے ہیں اپنے پیٹ پر اور بعض ان میں سے چلتے ہیں دو پاؤں پر اور بعض ان میں سے چلتے ہیں

يَّمْشِىْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾

چار پر پیدا کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے تحقیق اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

تحقیق ہم نے اتاریں نشانیاں واضح اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اور ہم نے اطاعت مان لی پھر روگردانی کرتا ہے ایک فریق ان میں سے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حاملینِ عرش آٹھ ہیں اور ہر ایک کی آٹھ آٹھ آنکھیں ہیں کہ ایک آنکھ پوری دنیا کے برابر ہے۔

بروایت برسی حضرت سلیمان علیہ السّلام کے ملازمین و عملہ کا یومیہ خرچ سات کر غلہ تھا۔ دریائی جانوروں میں سے ایک نے آپ سے ایک دن کی دعوت کا مطالبہ کیا جو آپ نے منظور فرمایا اور دریا کے کنارے ایک ماہ تک غلّہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ ایک بڑے پہاڑ کے برابر ہو گیا پس ایک دریائی جانور یعنی مچھلی نے سر باہر نکالا اور سب کو ایک نوالہ بنا کر ہڑپ کر لیا اور سلیمان ع سے مزید خوراک کا مطالبہ کیا آپ نے فرطِ حیرت سے دریافت کیا کہ سمندر میں تیری طرح کا کوئی اور جانور بھی ہے تو اس نے کہا ایک نہیں بلکہ ہزار۔ پس حضرت سلیمان ع نے تسبیح پروردگار اپنی زبان پر جاری کی۔ نیز مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اگر تمام اہلِ آسمان و زمین مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کا مطلوب دے دوں اور ہر ایک کو پوری دنیا کا ستر گنا زیادہ دوں تب بھی میری عظمت میں کچھ کمی واقع نہ ہو گی اور یہ اس طرح ہو گا جس طرح بھرے سمندر میں سے کوئی شخص نوکِ سوزن کو ڈبو کر باہر نکال لے تو سمندر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

مَنْ يَّمْشِىْ۔ یعنی زمین پر چلنے والے بعض جانور اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے سانپ اور دوسرے بعض حشرات الارض اور بعض کے دو پاؤں ہیں جیسے انسان اور پرندے اور بعض کے چار پاؤں ہیں۔ جیسے چوپائے اور جنگلی درندے وغیرہ لیکن بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار سے زیادہ پاؤں رکھتے ہیں اور آیت میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا یا تو اس لئے کہ یہاں حصر مراد نہیں بلکہ تمثیل مراد ہے یا اس لئے کہ فلاسفہ نے تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ جن حشرات الارض کے پاؤں چار سے زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ درحقیقت ان کے جسم کا اعتماد صرف چار پر ہوتا ہے اور باقی صرف نمائش اور دکھلاوے کے لئے ہیں اس لئے صرف چار

ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ

اس کے بعد اور ایسے لوگ مومن نہیں ہیں اور جب بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ ان کے

بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ

درمیان حکم کرے تو ان کا ایک فریق اعراض کرتا ہے اور اگر فیصلۂ حق ان کے حق میں ہو تو اطاعت کرتے

يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ

ہوئے جلدی آجاتے ہیں کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا ان کو شک ہے یا ڈرتے ہیں کہ اللہ

اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۱۲

پر ظلم کرے گا یا اس کا رسول ؟ بلکہ وہی ظالم لوگ ہیں

پاؤں والے جانوروں میں ان کا شمار ہو سکتا ہے۔ اور دابہ کا اطلاق ہر زمین پر چلنے والی چیز پر ہوتا ہے۔ خواہ ذوی العقول میں سے ہو یا غیر ذوی العقول میں سے ہو لیکن چونکہ ذوی العقول کو غیر ذوی العقول پر غلبہ حاصل ہے اس لئے مَن کا استعمال کیا گیا ہے جو ذوی العقول کے لئے مختص ہے۔

ایمان کا امتحان

اِذَا دُعُوْا۔ تفسیر صافی و برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور عثمان کے متعلق ہے کہ ان کا آپس میں ایک باغ کے متعلق جھگڑا ہوا تو حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا جو فیصلہ جناب رسالت مآبؐ فرمادیں۔ اسی پر ہم دونوں کو رضامند ہو جانا چاہیے لیکن عبدالرحمٰن بن عوف نے عثمان سے کہا کہ رسالت مآبؐ کی طرف اگر مقدمہ جائے گا تو یقیناً فیصلہ علی کے حق میں ہوگا لہٰذا مقدمہ ابن شیبہ یہودی کے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ عثمان بھی اسی بات پر ڈٹ گیا۔ پس ابن شیبہ یہودی کے پاس گئے تو اس نے کہا تم کیسے لوگ ہو کہ اپنے رسول پر آسمانی وحی کے بارے میں تو یقین رکھتے ہو لیکن اس کے فیصلوں پر تمہارا کوئی اعتماد نہیں ہے۔ پس یہ آیت اتری اور تفسیر مجمع البیان میں اس کا شانِ نزول اس طرح منقول ہے کہ عثمان نے کچھ زمین حضرت علی علیہ السلام سے خریدی اور جھگڑا اس بات پر ہو گیا کہ زمین میں پتھر اور روڑے نکلے تو عثمان نے اس کو زمین کا عیب قرار دیکر سودے کو باطل کرنا چاہا۔ اور حضرت علی سے زمین کے واپس لے لینے کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا اس بارے میں جو فیصلہ رسالت مآبؐ کر دیں ہم دونو کو بسر و چشم منظور کر لینا چاہیے لیکن حکم بن عاص نے اسے مشورہ دیا کہ اگر تم حضورؐ کی بارگاہ میں مقدمہ لے جاؤ گے تو فیصلہ یقیناً علی کے حق میں ہی ہوگا۔ پس یہ آیت اتری۔ ایک روایت میں ہے کہ عثمان نے علی سے زمین بیچی اور بعد میں پشیمان ہو گیا۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

سوائے اس کے نہیں مومنوں کا قول یہ ہے جب ان کو دعوت دی جائے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ ان کے

أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُطِعِ

درمیان فیصلہ کرے کہ کہہ دیں ہم نے سنا اور مانا اور ایسے لوگ ہی چھٹکارا پانے والے ہیں اور جو اطاعت کرے

اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾

اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرے اللہ سے اور تقویٰ اختیار کرے پس وہی ہیں کامیاب ہونے والے

وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ یعنی اگر ان کو پتہ ہو کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا تو نہایت خلوص کو ظاہر کر کے فیصلہ کے طالب بن کر فوراً حاضر ہوتے ہیں اور آج تک یہی دستور چلا آرہا ہے کہ جب مومنوں کے دو فریق آپس میں جھگڑتے ہوں اور ان کو علمائے کرام کے فیصلہ کی دعوت دی جائے تو جس فریق کو اپنے حق میں فیصلہ ہونے کا یقین ہو وہ فوراً اپنے دینی پہلو کو پیش کرتا ہے اور علماء کے فیصلہ کو اپنا ایمانی فیصلہ قرار دیتا ہے لیکن وہی شخص جہاں دوسرے مقام پر حق کے خلاف ہو وہاں علماء کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور فیصلۂ حق سے کنارہ کشی کر کے اسی میں اپنی سلامتی سمجھتا ہے ایسے لوگوں کے متعلق فرماتا ہے کیا ان کے دلوں میں کمزوریٔ ایمان اور وجود نفاق کی بیماری ہے یا رسول کی رسالت ان کی نظروں میں مشکوک ہے یا اندیشہ ہے کہ کہیں خدا اور رسول فیصلہ میں عدل کو چھوڑ کر ظلم کو اختیار کریں گے ہے پھر لفظ بل کو استعمال کر کے واضح فرمایا کہ آخری دو نو شقیں باطل ہیں کہ نہ تو ان کو شک ہے اور نہ وہ اللہ و رسول سے ظلم کی توقع رکھتے ہیں بلکہ پہلی شق درست ہے کہ ان کے ایمان کمزور ہیں اور دلوں میں نفاق کی بیماری کا غلبہ ہے اور وہ ظالم لوگ ہیں جو باہمی نزاعات میں خدا اور رسول کے فیصلہ سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔

إِنَّمَا كَانَ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کے مصداق حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ہیں۔ یعنی مومن کو جب اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی طرف دعوت دی جائے تو اس پر فرض ہے کہ اسے مان لے خواہ فیصلہ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

رکوع ۱۳ ۶

وَيَتَّقْهِ۔ خشیہ اور تقویٰ میں یہ فرق ہے کہ ترک واجبات اور فعل حرام میں اللہ سے خوف کرنا خشیہ ہے اور اس کے برعکس اللہ کے ڈر سے واجبات پر پابند رہنا اور گناہوں سے کنارہ کش رہنا تقویٰ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لازم ملزوم ہیں آیت مجیدہ میں يَتَّقْهِ میں قاریوں کے چار قول ہیں (۱) يَتَّقِهِ (۲) يَتَّقِهْ (۳) يَتَّقْهِ (۴) يَتَّقِهِ قاریوں کے ان اختلافات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قرأت میں نقل کے پابند ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ قاعدۂ نحویہ کے لحاظ سے پہلی قرأت بالکل درست اور انسب ہے اور قاری آئمہ نحو تھے پس معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قرائتیں اجتہاد ذاتی کی وجہ سے مختلف نہیں بلکہ سماع اس

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا

اور انہوں نے قسم کھالی اللہ کی سخت قسم کہ اگر تو ان کو حکم دے تو وہ اپنے گھروں سے بھی نکل جائیں گے کہہ دو

تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ قُلْ

قسمیں نہ کھاؤ اچھی اطاعت (پیش کرو) تحقیق اللہ خبردار ہے جو تم کرتے ہو کہدو

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پس اگر پھر جاؤ گے تو سوائے اس کے نہیں کہ اس پر اپنا بوجھ ہے اور

عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ

تم پر اپنا بوجھ ہے اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور نہیں رسول پر مگر کھلی

الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

تبلیغ وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو ایمان لائے تم میں سے اور عمل نیک بجالائے ضرور ان کو خلیفہ کروں گا

اختلاف کی اصل ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ۔ جھوٹی اطاعت والوں کا ہمیشہ یہی دستور ہوتا ہے کہ اطاعت کا بڑا دعویٰ کرنا اور قسمیں کھا کھا کر اپنی اطاعت کی یقین دہانی کرانا۔ لیکن وقت آنے پر انتہائی بے وفا ثابت ہونا۔ خداوند کریم ایسے لوگوں کو متنبہ فرما رہا ہے اور اپنے حبیب کو اطلاع دے رہا ہے کہ یہ لوگ پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ ہمیں اپنے گھروں کو چھوڑنے کا حکم دے دیں تو ہم اپنے گھروں کو چھوڑ دیں گے ایسے لوگوں سے کہہ دیجئے قسمیں نہ کھاؤ بلکہ اطاعت کر کے اپنا اطاعت گذار ہونا عمل سے ثابت کرو اور یہ اچھا طریقہ ہے طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ کی خبر محذوف ہے۔ یعنی خَيْرٌ مِّنْ قَسَمِكُمْ یعنی اچھی فرمانبرداری قسم کھانے سے بہتر ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا۔ اصل تَتَوَلَّوْا تھا۔ پس ایک تاء بطور تخفیف کے حذف کر دی گئی ہے۔

آمد مہدی عؑ کی پیشین گوئی

وَعَدَ اللّٰهُ۔ بعض لوگوں نے اس آیت مجیدہ کا مصداق صحابہ کرام کو قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے پوری امت مراد لے لی ہے اور کچھ سرپھرے لوگوں نے اس آیت سے اجماعی خلافت کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کی جسارت کی ہے اور آیت کے معانی ان کی تردید کے لئے کافی و وافی ہیں، جیسا کہ ظاہر ہے اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں از صفحہ ۱۰۸ تا ۱۱۰ اس مطلب پر کافی بحث کی ہے۔ آئمہ اہل بیت ؑ سے تواتر کے ساتھ مروی ہے کہ یہ

فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ

زمین میں جس طرح خلیفہ کیا ان کو جو پہلے تھے اور ضرور متمکن کروں گا ان کے لیئے ان کا وہ دین

الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي

جو اس نے پسند کیا ان کے لیئے اور ضرور تبدیل کروں گا ان کے خوف کے بعد امن میری عبادت کریں گے کہ

لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٥٥﴾

میرے ساتھ کسی شی کو شریک نہ بنائیں گے اور جو کفر کریں گے اس کے بعد تو وہ فاسق ہوں گے

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٦﴾

اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم رحم کئے جاؤ

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ

نہ خیال کرو ان کو جو کافر ہیں (کہ ہیں) عاجز کرنے والے ہیں زمین میں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٥٧﴾ ع يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنْكُمُ الَّذِينَ

اور البتہ وہ بری بازگشت ہے اے ایمان والو تم سے اجازت لینی چاہیئے ان لوگوں کو جن کے

آیت حضرت قائم آلِ محمدؑ علیہ السلام کے حق میں ہے اور ان کی تشریف آوری کی پیشین گوئی کر رہی ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا بخدا اس سے شیعیان اہل بیتؑ مراد ہیں اور یہ وقت ان پر تب آئے گا جب کہ اس اُمت کا مہدی ظاہر ہوگا اور اسی کے متعلق حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ اگر زندگی دنیا میں سے صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے تو خدا اس دن کو طول دے گا یہاں تک کہ میری عترت سے ایک آدمی اس کا وارث ہوگا جو میرا ہم نام ہوگا۔ وہ زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ علامہ طبرسی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا سے مراد محمدؐ و آلِ محمد ہیں اور آیت میں اس امر کی بشارت ہے کہ وہ تخت خلافت پر متمکن ہوں گے اور ملکی حکومت پر ان کو پورا اقتدار حاصل ہوگا اور ان سے ہر قسم کا خوف و ہراس برطرف ہو جائے گا۔ جبکہ حضرت مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے۔ کَمَا اسْتَخْلَفَ کی تشبیہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ جس طرح گذشتہ امتوں میں خدا نے صرف ان لوگوں کو خلافت دی جو اس کے اہل تھے۔ اسی طرح اب بھی وہی اہل کا انتخاب کرے گا۔ چنانچہ اللہ نے

آدمؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ کو نامزد فرمایا۔ اور اسی طرح آلِ ابراہیمؑ کے اصطفاء کی خبر دی۔ پس اب بھی زمین کی حکمرانی اور اس پر مکمل تسلّط کے لیے مہدی کو خود بھیجے گا اور عترتِ نبویہ کے اس متفقہ فیصلے کے علاوہ یہ قرینہ بھی صاف واضح ہے کہ گذشتہ خلافتوں کے دور میں کبھی نہ امن قائم ہو سکا اور نہ دینِ اسلام کو صحیح تمکن و تسلّط حاصل ہو سکا اور چونکہ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابھی تک آیت مجیدہ کی تاویل کے ایام باقی ہیں۔ اور تفسیر صافی میں بروایت اکمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ ناصبی لوگ اسی آیت کا مصداق ابوبکر، عمر، عثمان اور حضرت علی کی خلافت کو قرار دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا خدا ناصبیوں کو ہدایت نہ کرے۔ خدا اور رسولؐ کے پسندیدہ دین اسلام کو اس امت میں کب تمکن نصیب ہوا ہے۔ اور ان کے دلوں سے خوف و ہراس کب ختم ہوا ہے۔ اور ان کے سینوں سے شکوک و شبہات کب دُور ہوئے ہیں۔ ذرا ان خلفاء کے دور کا جائزہ لیجئے اور پھر مسلمانوں کے ارتداد اور فتنہ و فسادات کی روح فرسا داستانوں کو سامنے رکھئے تو حقیقت کی قلعی خود بخود کھل جائے گی۔ اور ماننا پڑے گا کہ اس آیت کا مصداق ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ اور صافی و برہان میں بروایت مقداد حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ نہ کوئی مٹی گارے کا گھر بچے گا اور نہ اون و ریشم کا کوئی خیمہ بچے گا۔ یعنی کوئی شہر و دیہات اور کوئی شہری و دیہاتی و بدوی باقی نہ رہے گا مگر یہ کہ اسلام اس کو قبول کرنا پڑے گا۔ خواہ عزت کے ساتھ خواہ ذلیل ہو کر بادلِ ناخواستہ

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ بسند متصل حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے منقول ہے۔ ایک دفعہ جندل بن جنادہ بن جبیر حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے تین سوالات کئے (۱) وہ کیا ہے جو اللہ کے لیے نہیں (۲) وہ کیا ہے جو اللہ کے پاس نہیں (۳) وہ کیا ہے جو اللہ کے علم میں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا شریک اللہ کے لیے نہیں۔ ظلم اللہ کے پاس نہیں اور عزیر کا ابن اللہ ہونا اللہ کے علم میں نہیں۔ پس فوراً اس نے کلمۂ شہادت زبان پر جاری کیا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر عرض کرنے لگا میں نے شب گذشتہ عالمِ خواب میں حضرت موسیٰ کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے خواب میں مجھے آپ پر ایمان لانے اور آپ کے اوصیاء کے ساتھ تمسک رکھنے کا حکم دیا ہے۔ میں اسلام تو لا چکا ہوں لیکن اوصیاء کے متعلق دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے جندل میرے اوصیاء نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق بارہ ہوں گے اور یکے بعد دیگرے آتے رہیں گے تو ان میں سے صرف پہلے تین کا زمانہ دیکھ سکے گا۔ پہلا ان میں سے سید الاوصیاء حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے پھر اس کے بعد میرے دو فرزند حسن و حسین علیہما السلام ہوں گے۔ جب چوتھا یعنی علی بن الحسین پیدا ہو گا تو تُو مر جائیگا اور دنیا میں سے تیرا آخری زاد دودھ ہوگا۔ آپ نے پھر یکے بعد دیگرے تفصیل وار حضرت مہدی علیہ السلام تک نام گنوائے اور فرمایا آخری غائب ہو جائے گا اور جب ظہور کرے گا تو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی پس ان لوگوں کے لیے طوبیٰ ہے جو اس کی غیبت کے زمانہ میں ایمان پر ثابت قدم رہیں گے اور صبر و شکر سے اس کی محبت کا دم بھرتے رہیں گے پس جندل امام حسینؑ کے زمانہ تک زندہ رہا۔ آخری زندگی اس نے طائف میں جا گزاری اور مرنے سے پہلے دودھ کا پیالہ پیا اور خود کہا یہ میرا آخری زاد ہے پھر مر گیا اور طائف میں ہی دفن ہوا۔ ملخصاً

رکوع نمبر ۱۴۔ آداب معاشرہ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ۔ آیت مجیدہ میں خداوند حکیم نے گھریلو زندگی کے بعض آداب کا ذکر فرمایا ہے۔

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ

تم مالک ہو اور ان (ممیز لڑکوں) کو تم میں سے جو حدِ بلوغ کو نہ پہنچے ہوں تین دفعہ

مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ

نماز صبح سے پہلے اور جب تم کپڑے اتارتے ہو دوپہر کے وقت اور

بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ

نماز عشاء کے بعد تین پردے (کے اوقات) ہیں تمہارے لئے نہ تم پر اور نہ ان پر

جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ

کوئی گناہ ہے ان کے علاوہ پھرتے رہیں بعض تمہارے بعض پر اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا

بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں اور اللہ علم وحکمت والا ہے اور جب

بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ

پہنچ جائیں بچے تمہارے سنِ بلوغ کو تو وہ (بھی) اجازت لیں جس طرح اجازت لیتے

کہ گھر میں آنے والے زرخرید غلام اور وہ نابالغ لڑکے جن سے پردہ واجب نہیں ہوتا لیکن وہ حدِ تمیز کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔ تین اوقات میں ان پر ضروری اور واجب ہے کہ جب ان اوقات میں گھر کے اندر داخل ہوں تو اہل خانہ سے اجازت طلب کریں (۱) نماز صبح سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت (۳) نماز عشاء کے بعد کیونکہ یہ اوقات بالعموم عورت و مرد کی ہمبستری کے ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا غلاموں اور بچوں کا آزاد آنا جانا عورت و مرد کے باہمی میل جول میں خلل اندازی کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا ان اوقات میں داخلہ پر اجازت کی پابندی عائد کردی۔ اور دوسرے لوگ جو بالغ ہوں اور محرم نہ ہوں ان پر تو ہر وقت یہ پابندی ہے کہ جب بھی کسی کے گھر میں داخل ہونا چاہیں تو مالک گھر سے اجازت حاصل کریں۔

مسئلہ۔ اگر غلام اور ممیز لڑکے کو معلوم ہو کر گھر والے بالباس ہیں اور مقام خلوت و ہمبستری میں نہیں ہیں تو اوقات ثلثہ میں ان پر اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ بہرکیف اہل خانہ کی پردہ داری کو برقرار رکھنے کی خاطر یہ پابندی عائد کی گئی ہے۔

وَاِذَا بَلَغَ۔ یعنی جب بچے جوان ہو جائیں تو دوسرے مردوں کی طرح کسی نامحرم گھر میں بغیر اجازت کے کسی بھی وقت داخل نہیں

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ

ہیں وہ جو ان سے پہلے (جوان ہو چکے) ہیں اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے آیات کو اور اللہ جاننے والا حکمت

حَكِیْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا

والا ہے اور یائسہ عورتیں جو نہیں توقع رکھتیں نکاح کی پس نہیں

فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ

اُن پہ کوئی گناہ کہ اتار دیں برقعوں کو نہ ظاہر کرنے والی ہوں زینت

بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

کو اور (برقعہ پہن کر) عفیفہ رہنا ان کے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ سننے جاننے والا ہے

ہوسکتے پس تین اوقات مذکورہ میں اجازت کی پابندی صرف غلاموں اور نابالغ ممیز لڑکوں کے لیے ہے۔ باقی لوگوں پر کسی وقت بھی اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ نیز محرم لوگوں پر بھی ضروری ہے کہ اوقاتِ مخصوصہ میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں۔

وَالْقَوَاعِدُ۔ یعنی وہ عورتیں جو ضعیف ہو چکی ہوں اور سن یاس کو پہنچ چکی ہوں کہ ان سے نکاح کرنا کوئی بھی پسند نہ کرے تو ان عورتوں پر پردہ اور برقعہ کی کوئی پابندی ضروری نہیں وہ کھلے منہ رہ سکتی ہیں بشرطیکہ مقاماتِ زینت کی نمائش نہ کرتی پھریں اور ناپاک ارادہ دل میں نہ رکھتی ہوں بایں ہمہ برقعہ پہننا اور پورے حیا و شرم سے بسر اوقات کرنا ان کے لیے زیب اور شایانِ شان ہے تَبَرُّج کا معنی ہے عورت کے لیے جن محاسن کا ستر واجب ہے ان کو ظاہر کرنا۔

عبرت خداوند کریم نے عورت کے شرم و حیا کی کس قدر پاس کی ہے کہ بوڑھی عورتیں بھی زینت کو ظاہر کر کے نامحرم مردوں کے سامنے نہ آئیں۔ لیکن آجکل کے مغرب زدہ مسلمان پردہ داری سے گریز کر کے بلکہ نفرت کر کے شرم و حیا کی حدود سے اس قدر دور ہو گئے ہیں کہ الامان۔ اچھے گھرانوں کی نوجوان و حسین لڑکیاں مختصر چست اور نیم عریاں لباس پہن کر سڑکوں اور بازاروں میں دعوت نظارہ دیتی ہوئی آزادانہ سیر کرتی ہیں اور غضب بالائے غضب یہ کہ بھائی باپ اور دیگر رشتہ داران کی ان شرمناک حرکات کو دیکھ کر ذرہ بھر نہیں شرماتے بلکہ اسے اپنی بچیوں کی بلند حوصلگی قرار دیکر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کے باوجود اپنے تئیں غیور مرد کہہ کر معاشرہ میں شرافت کا لیبل بھی اپنے اوپر لگا لیتے ہیں۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْرَجِ۔ تفسیر قمی سے بروایت ابی الجارود حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اسلام لانے سے

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ

نہیں اندھے پر حرج اور نہ لولے لنگڑے پر حرج ہے اور نہ بیمار پر حرج

حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ

ہے اور نہ تمہارے نفسوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں

اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے

اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ

چچوں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

یا وہ جس کی چابیوں کے تم مالک ہو یا دوست کے گھر سے نہیں تم پر گناہ کہ مل کر کھاؤ یا

تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى

الگ الگ پس جب داخل ہو گھروں میں تو سلام دو ایک دوسرے پر

پیشتر مدینہ کے لوگ اندھے اپاہج اور بیمار لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے گریز کرتے تھے۔ پس انصار لوگ اپنے تکبر کے پیش نظر کہتے تھے کہ اندھے کو نظر کچھ نہیں آتا اپاہج کے لیے مجمع میں بیٹھنا دشوار ہے اور بیمار آدمی تندرست کے ساتھ کھا نہیں سکتا لہذا ان کو الگ حصہ نکال کر دے دیتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا گناہ سمجھتے تھے اور اسی طرح یہ لوگ بھی احساس کمتری میں مبتلا تھے کہ ہماری وجہ سے چونکہ دوسروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ لہذا وہ الگ کھانے کو پسند کرتے تھے۔ پس جب حضورؐ ہجرت کرکے تشریف لائے تو لوگوں نے اس صورت حال کا ذکر کیا تو خداوند کریم نے یہ آیت کریمہ بھیجی۔

بعض کہتے ہیں کہ جب لوگ جہاد کو روانہ ہوتے تھے تو گھروں کی چابیاں اندھے۔ اپاہج اور بیمار لوگوں کو دے کر چلے جاتے تھے اور ان کے لیے گھروں میں کھانا پینا حلال کر کے جاتے تھے لیکن یہ لوگ ان کی عدم موجودگی میں ان کے گھروں سے کچھ کھانا پسند نہ کرتے

اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

یہ تحیہ ہے اللہ کی طرف سے بابرکت اور پاکیزہ اسی طرح بیان کرتا ہے

تھے پس یہ آیت اتری۔ بعضوں نے کہا ہے کہ آیت کا پہلا حصہ اندھے اپاہج اور بیمار لوگوں کی جہاد میں عدم شرکت کو ان کی معذوری کے پیش نظر معافی کے اعلان کے لیے ہے۔ اور وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ سے جملہ مستانفہ ہے۔ جس میں کھانے کا حکم مذکور ہے۔

وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ۔ آیت مجیدہ میں حکم عام ہے کہ مذکورہ ذیل گھروں میں سے انسان کھانا کھا سکتا ہے۔ اگرچہ صاحب منزل موجود نہ بھی ہو۔ لیکن اسراف نہ کرے اور اپنی ضرورت پر انحصار کرے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام سے مروی ہے کہ ان مذکورہ گھروں میں سے انسان کے لیے بغیر اجازت کے کھانا جائز ہے۔ لیکن اپنی ضرورت سے تجاوز کر کے اسراف نہ کرے۔

مِنْ بُيُوتِكُمْ۔ اس میں اپنا گھر اپنی زوجات کا گھر اور اپنے بیٹے بیٹیوں کے گھر سب داخل ہیں کیونکہ عورت کا گھر اور مرد کا گھر تو ایک ہے ہی۔ لیکن اولاد کے گھر کو اپنا گھر اس لیے کہا ہے کہ اولاد اور اولاد کا مال سب اس کا ہی مال ہے۔ کیونکہ حضور نے فرمایا اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ۔ یعنی تو اور تیرا سب مال تیرے باپ کا مال ہے۔ اسی بنا پر آیت مجیدہ میں ماں باپ بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے گھروں کو نام بنام ذکر کیا گیا ہے لیکن اولاد کے گھروں کو الگ نام لے کر ذکر نہیں کیا گیا۔ علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ ان گھروں میں سے بلا اجازت کھانا پینا اس طرح جائز ہے جس طرح بھوکے انسان کے لیے کسی باغ سے گذرتے ہوئے اس کا پھل کھا لینا جائز ہے یا سفر میں جاتے ہوئے پیاسے انسان کے لیے راستہ میں کھڑی بھیڑ یا بکری کا دودھ پی لینا جائز ہے اور اسے حق مرور کہتے ہیں۔ خداوند کریم نے لطف و کرم کے ماتحت انسانی ضروریات کے پیش نظر اس کو حلال کیا ہے۔ اگر نیت درست ہو اور اسراف و ذخیرہ کرنے سے گریز کرنا ضروری ہے۔

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ غلام اور مملوک جس طرح خود اپنے مولا کی ملکیت میں ہیں اسی طرح ان کے باغات و مکانات کی کنجیوں کا مالک بھی وہی ہے پس مالک اپنے غلام کے مال سے کھا سکتا ہے او۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جس انسان کو کوئی زمیندار اپنی زمینوں باغات و مکانات کے لیے وکیل یا سرپرست و نگہبان مقرر کرے اور اسے چابیاں حوالے کر دے تو اس کے لیے باغات سے کھانا اور حیوانات کا دودھ پینا حسب ضرورت و حاجت جائز ہے۔

اَوْ صَدِيْقِكُمْ۔ صدیق وہ ہے جو سچی محبت رکھتا ہو جس طرح اس کا ظاہر تیرے ظاہر کے موافق ہے۔ اسی طرح اس کا باطن تیرے باطن کے موافق ہو اور صدیق کی لفظ واحد اور جمع دونوں پر اطلاق ہو سکتی ہے۔ اور آیت مجیدہ کی رو سے ایسا دوست دوست کے گھر سے اس کی عدم موجودگی میں اور اس کی اجازت کے بغیر بھی کھانا کھا سکتا ہے۔

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اللہ تمہارے لئے آیات کو تاکہ تم عقل کرو سوائے اس کے نہیں مومن وہ ہیں

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔ بعض لوگ تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے حتیٰ کہ بنی کنانہ کے ایک قبیلہ کا دستور عام تھا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بندہ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتا تھا جب تک کوئی دوسرا آدمی اس کا شریک نہ ہوتا اور دودھ سے بھری اونٹنی کا دودھ بھی پینا گوارا نہ کرتا تھا جب تک کوئی دوسرا شریک نہ ہوجاتا۔ پس یہ آیت اتری کہ تنہا کھا لینا بھی گناہ نہیں ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ جب کسی انسان پر مہمان آجاتا تھا تو وہ تنہا تنہا کھانا گناہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اکٹھا مل کر کھانا واجب جانتے تھے۔ پس آیت اتری کہ اکیلا کھا لینا بھی گناہ نہیں ہے۔ پس تمہارے اختیار میں ہے مل کر کھاؤ یا تنہا کھاؤ۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضورؐ نے مہاجرین و انصار میں مواخات کا صیغہ جاری فرمایا۔ پس ابوبکر و عمر۔ عثمان و عبدالرحمٰن۔ طلحہ و زبیر۔ سلمان و ابوذر اور اسی طرح مقداد و عمار کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا۔ حضرت علی غمزدہ تشریف لائے اور عرض کی حضورؐ آپؐ نے مجھے کیوں تنہا چھوڑ دیا تو آپؐ نے فرمایا یا علی تجھے میں نے اپنے لیے بچا لیا ہے۔ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ اَخِىْ وَاَنَا اَخُوْكَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَنْتَ وَصِيِّىْ وَوَزِيْرِىْ وَخَلِيْفَتِىْ فِىْ اُمَّتِىْ وَتَقْضِىْ دَيْنِىْ وَتُنْجِزُ عِدَاتِىْ وَتَتَوَلّٰى غُسْلِىْ وَلَا يَلِيْنِىْ غَيْرُكَ وَاَنْتَ مِنِّىْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِىْ۔ یعنی کیا تو راضی نہیں کہ تو میرا بھائی ہو دنیا و آخرت میں اور تو میرا وصی و وزیر و خلیفہ ہو میری اُمت میں اور میرے قرضوں کو ادا کرنے والا۔ وعدوں کو پورا کرنے والا۔ اور مجھے غسل دینے والا ہو۔ کیونکہ تیرے سوا کوئی یہ کام انجام نہ دے گا اور تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ صرف فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔ یہ سنتے ہی حضرت علیؑ خوش ہوگئے۔ صیغہ مواخات جاری ہونے کے بعد صحابہ کا دستور تھا کہ جب کوئی کسی جنگ یا سفر کے لیے جاتا تو اپنے دینی بھائی کو گھر کی چابی دے کر بے فکر چلا جاتا تھا اور اسے اجازت عام ہوتی کہ گھر سے جو چیز مرضی ہو لے لے اور کھالے لیکن وہ ایسا کرنے سے گریز کرتا تھا۔ حتیٰ کہ گھر میں رکھی ہوئی بعض کھانے پینے کی چیزیں ضائع ہوجاتیں۔ پس یہ آیت مجیدہ اُتری۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ۔ یعنی جب اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کہو۔ اور کوئی بندہ موجود نہ ہو تو اس طرح کہو۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا خداوند کریم نے اس کو مبارک اور طیب قرار دیا ہے۔ پس یہ سلامتی کا موجب اور آفات و مصائب کے دفعیہ کا ذریعہ ہے۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اپنے گھروں میں اپنے گھر والوں کو سلام کہو تاکہ گھر میں خیر و برکت زیادہ ہو۔

رکوع نمبر ۱۵

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ۔ تفسیر قمی سے منقول ہے۔ ایک قوم ایسی تھی کہ جب حضورؐ کسی اہم کام کے لیے ان کو بھیجنا چاہتے تھے تو وہ مجمع میں سے کھسک جاتے تھے۔ پس خداوند کریم نے یہ آیت بھیج کر تنبیہ کر دی کہ مومن خالص کی شان یہ ہے کہ جب بھی کسی اجتماعی معاملہ میں موجود ہوں۔ مثلاً مجلس مشاورت ہو یا نماز جمعہ ہو یا لڑائی کی تیاری ہو تو ایسے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ

جو ایمان لائیں اللہ اور اس کے رسول پر اور جب اس کے ساتھ ہوں کسی اجتماعی معاملہ میں تو نہ جائیں

لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

جب تک اجازت نہ لے لیں تحقیق جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول پر

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ

ایمان رکھتے ہیں پس جب آپ سے اجازت لیں کسی اپنے مطلب کے لیے تو اجازت

لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۶۲)

دے دیجئے جسے آپ چاہیں ان میں سے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

مواقع پر اگر کسی خاص ضرورت کے ماتحت جانا بھی ہو تو حضورؐ سے اجازت لیے بغیر نہ جائے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ۔ یعنی مومن وہی ہیں جو آپ سے اجازت لے کر جاتے ہیں اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو بلا اجازت چلے جائیں ان کا ایمان خالص نہیں ہے۔ بنا بریں جمعہ کو چھوڑ جانا یا جنگ و جہاد سے گریز کرنا ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے۔

فَاْذَنْ لِمَنْ شِئْتَ۔ یعنی اجازت لینے کے بعد رسول کریمؐ اجازت دینے کے پابند نہیں بلکہ یہ ان کی صوابدید پر موقوف ہے اجازت دیں یا نہ دیں۔

تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت حنظلہ بن ابی عیاش کے بارے میں اُتری ہے کہ اس نے اسی رات شادی کی جس کی صبح کو جنگ احد تھی۔ پس اس نے حضورؐ سے گھر رہنے کی اجازت لے لی۔ پس شب زفاف گھر میں رہا۔ اور جُنبی حالت میں اُٹھا تو جنگ سے پیچھے رہنے کے احساس نے ٹھہرنے نہ دیا۔ پس تیزی سے مجاہدین کی صف میں جا ملا۔ اور معرکہ قتال میں بہت جلدی جام شہادت نوش کیا۔ جب لاشوں میں اس کی لاش نہ دیکھی گئی تو حضورؐ نے فرمایا۔ میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ آسمان و زمین کے درمیان چاندی کے پیالوں سے حنظلہ کی میت کو غسل دے رہے ہیں۔ پس اسی دن سے اس کا لقب غسیل ملائکہ ہو گیا۔

دُعَاءَ الرَّسُوْلِ۔ اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) رسول کا تمہیں بلانا۔ تمہارے ایک دوسرے کے بلانے کی طرح

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ

نہ کرو رسول کا بلانا اپنے درمیان مثل ایک دوسرے کے بلانے کے تحقیق جانتا ہے خدا ان کو جو کھسک جاتے ہیں تم میں

الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ

سے پناہ لیتے ہوئے (کسی کی) پس ڈریں وہ جو مخالفت کرتے ہیں اس کے حکم کی کہ پہنچے ان پر

اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا

آزمائش یا پہنچے ان کو عذاب دردناک آگاہ ہو تحقیق اللہ کے لئے

نہیں ہوتا کیونکہ رسولؐ کا بلانا اللہ کا بلانا ہے اور اس سے کنارہ کشی خدا کے حکم سے کنارہ کشی ہے (۲) رسول کی بددعا کو ایک دوسرے کی بددعا کی طرح نہ سمجھو بلکہ ان کی بددعا سے ڈرا کرو کیونکہ ان کی بات کو خدا رد نہیں فرماتا (۳) عام خطاب میں تم جس طرح نام لیکر یا کنیت کرکے ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اس طرح رسول کو یا محمدؐ اور یا ابن عبداللہ کرکے نہ بلایا کرو۔ ان کی عظمت۔ شان اور رفعت مکان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو یا رسول اللہؐ اور یا حبیب اللہ کے وقیع خطابات سے بلایا کرو۔

تفسیر برہان میں سید رضی کی کتاب مناقب فاخرہ سے منقول ہے لبسند متصل جناب بتول معظمہ فرماتی ہیں۔ میرے آقا و سید حضرت علیؑ نے میرے سامنے یہی آیت پڑھی۔ پس جب میں اسکے بعد اپنے پدر عالی کی بارگاہ میں پہنچی تو یا اباہ یعنی بابا جان! کی بجائے میں نے یا رسول اللہ کے لقب سے خطاب کیا تو آپ میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا بیٹی یہ آیت تیرے لیے نہیں نہ تیرے بچوں کے لیے ہے تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ یہ آیت تو بے ادب بدوی لوگوں کے لیے ہے تیرا مجھے یا اَبَاہ (بابا جان) کہہ کر بلانا مجھے بہت پیارا لگتا ہے اور میرا رب بھی اس سے خوش ہوتا ہے۔ اَنْتِ نِعْمَ الْوَلَد۔ تو میری بہترین اولاد ہے۔ پس سر پر بوسہ دیا اور اپنا لعاب وحی مجھ پر مل دیا جس کے بعد مجھے کسی خوشبو کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

يَتَسَلَّلُوْنَ۔ بعض منافقین خطبہ جمعہ سے لوگوں سے چھپتے چھپاتے مسجد سے کھسک جاتے تھے یا ایک قول کے مطابق میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ پس ان کی تنبیہ کے لیے یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ

ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور جس دن پلٹائے جائیں گے اس کی

اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۱۵

طرف پس ان کو خبر دے گا اس کی جو انہوں نے عمل کیا اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

سورۂ فرقان

سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد ستتر ۷۷ ہے۔ اور بسم اللہ کو ملا کر اٹھتر ۷۸ ہے۔

جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرتا رہے۔ جب بروز قیامت اٹھے گا بشرطیکہ قیامت کے بلاریب آنے کا یقین رکھتا ہو اور قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان رکھتا ہو۔ جنت میں بلاحساب داخل ہوگا۔

امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے اسحاق بن عمارہ سے فرمایا سورۂ فرقان کی تلاوت کو ترک نہ کرو کیونکہ جو آدمی اس کی تلاوت ہر شب کرے اس کو اللہ کبھی عذاب میں گرفتار نہ کرے گا اور نہ اس سے حساب لے گا۔ اور اس کا ٹھکانہ فردوس بریں میں ہوگا۔ مصباح کفعمی سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حشرات الارض اسکے قریب نہ آئیں گے۔ (فوائد)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں) بابرکت ہے وہ جس نے نازل کیا قرآن کو اپنے بندے

عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرَا ۙ‏ ① الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ

پر تاکہ ہو عالمین کے لئے ڈرانے والا وہ جس کے لئے ہے ملک آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ وَلَمۡ يَتَّخِذۡ وَلَدًا وَّلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ شَرِيۡكٌ فِى الۡمُلۡكِ وَخَلَقَ

اور زمین کا اور نہیں بنایا اس نے بیٹا اور نہیں اس کا کوئی شریک ملک میں اور اس نے

كُلَّ شَىۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِيۡرًا ② وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا

پیدا کیا ہر چیز کو پس اس کو صحیح اندازہ سے بنایا اور لوگوں نے بنالئے اس کے علاوہ اور الٰہ جو نہیں

يَخۡلُقُوۡنَ شَيۡـئًا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ وَلَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا

پیدا کرتے کسی چیز کو اور خود پیدا کئے گئے ہیں اور نہیں مالک اپنے نفسوں کے لئے نقصان کے نہ نفع کے اور نہیں

رکوع نمبر ۱۶، بیان توحید

اَلۡفُرۡقَانَ ۔ یعنی غلط اور صحیح اسی طرح باطل اور حق کے درمیان فرق کرنے والا اور وہ قرآن مجید ہے۔

لَمۡ يَتَّخِذۡ وَلَدًا ۔ یہود نے حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہا۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا فرزند کہا۔ اور مشرکین نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہہ دیا۔ اس فقرہ میں ان سب کے مزعومات باطلہ کی تردید ہے اور فرمایا اللہ وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا واحد مالک ہے اور چونکہ بیٹا باپ کا مملوک و عبد نہیں ہوتا۔ حالانکہ عزیر و عیسیٰؑ و ملائکہ سب اللہ کے عبد و مملوک ہیں۔ لہذا ان کو اس کا بیٹا کہنا غلط بلکہ بہتان ہے۔

وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ ۔ اس فقرہ میں ان لوگوں کی تردید ہے جو غیر جاندار اصنام یا درختوں یا چاند سورج ستاروں وغیرہ کو یا جاندار اشیاء ملائکہ یا انبیاء و اولیاء کو کائنات کا مدبر اور ملک خداوندی میں ان کو کلی متصرف قرار دے کر ان کو اللہ کا شریک بناتے ہیں۔

خَلَقَ كُلَّ شَىۡءٍ ۔ اس فقرہ میں پھر سابق مطلب کو مزید پختہ کیا کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ حالانکہ باپ اولاد کا خالق نہیں ہوا کرتا اور جن کو اس کا شریک مانا جاتا ہے وہ سب اس کی مخلوق ہیں حالانکہ شریک کو اپنے شریک کا مخلوق نہیں ہونا چاہیے پس معلوم ہوا کہ نہ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔

وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

مالک موت کے نہ زندگی کے اور نہ دوبارہ اُٹھنے کے اور کہا کافروں نے نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹ

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً۔ آیت مجیدہ میں تدبر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ الٰہ کے معنی میں لوگ کس طرح شرک کرتے ہیں۔ سابقہ آیت میں خداوند حکیم نے پوری کائنات پر اپنے واحد مالک ہونے کا اعلان فرمایا اور کسی کو بیٹا یا بیٹی یا مدبر عالم ماننے والوں کی پُرزور تردید فرمائی اس آیت میں خدا کے علاوہ الٰہ ماننے والوں کے مسلک کو رد کیا اور ضمنی طور پر الٰہ کا معنی بھی واضح کر دیا اور مشرکین کے نظریہ کی تردید کر کے جہاں اپنی توحید کو غیر متزلزل برہان سے ثابت فرمایا وہاں مشرکین کے دجل وفریب کے پردہ کو بھی چاک کر دیا جو شرک کرنے کے باوجود اپنے موحد ہونے کے دعویدار ہیں۔ کیونکہ جو شخص انبیاء و اولیاء کو یا غیر جاندار اصنام و چاند سورج ستاروں وغیرہ کو خالق ماننے اور ان کو نفع نقصان زندگی موت اور دوبارہ نشر کا مالک قرار دے آیت کا التزامی مفہوم یہ واضح کرتا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا اللہ کے علاوہ الٰہ کو تجویز کرتا ہے۔ گویا یہ صفات اس کی ذات کے لیے مخصوص ہیں جو الٰہ کے لفظ کی حقیقی مصداق ہے اور منطوق آیت صاف اعلان کر رہا ہے کہ جن کو انہوں نے اللہ کے علاوہ الٰہ قرار دیا وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے جو الٰہ حقیقی کی صفت ہے بلکہ وہ خود اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہیں جس سے الٰہ حقیقی بلند و بالا اور منزہ و مبرا ہے۔ اسی طرح وہ دوسروں کی نفع رسانی یا دوسروں کے دکھ درد کا مداوا کرنا تو بجائے خود اپنے نفسوں کے نفع ونقصان کے مالک بھی نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسروں کو مارنا اور زندہ کرنا تو بجائے خود وہ اپنی موت وحیات کے بھی مالک نہیں۔ اسی طرح حشر ونشر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ پس آیت صاف بتلاتی ہے کہ جو غیر اللہ میں ان صفات کو ثابت کرے وہ اللہ کے علاوہ اور الٰہ کا قائل ہے۔ پس ایسا عقیدہ رکھنے والا اگر زبان پر لا الٰہ الا اللہ کی رٹ لگاتا رہے اس کا دل توحید کی لذت سے بہرہ ور نہیں ہوتا اور نہ وہ اس بہانے سے شرک کے دلدل سے نجات پا سکتا ہے بعض جاہل و نادان لوگ آلِ محمدؐ کے متعلق اس قسم کے باطل عقیدہ کے ہمنوا ہیں بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ معصومینؑ کے زمانہ میں بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے چنانچہ عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے کھلے الفاظ میں اُن بد عقیدہ لوگوں کی تردید فرمائی اور اپنی ذات سے الٰہ کے معنی کی نفی فرمائی جیسا کہ آیت مجیدہ میں بیان ہو چکا ہے چنانچہ ایک مناجات میں آپ فرماتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا عَبِيْدُكَ وَاَبْنَآءُ عَبِيْدِكَ لَا نَمْلِكُ لِاَنْفُسِنَا نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَّلَا مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا اَللّٰهُمَّ مَنْ زَعَمَ اَنَّا اَرْبَابٌ فَنَحْنُ عَنْهُ بُرَآءٌ وَّ مَنْ زَعَمَ اَنَّ اِلَيْنَا الْخَلْقَ وَعَلَيْنَا الرِّزْقَ فَنَحْنُ اِلَيْكَ مِنْهُ بُرَآءٌ كَبَرَآءَةِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مِنَ النَّصَارٰى۔ الحدیث

یعنی اے اللہ ہم تیرے بندے اور تیرے بندوں کی اولاد ہیں ہم اپنے نفسوں کے لیے نفع و نقصان موت و زندگی اور حشر ونشر کے مالک نہیں ہیں۔ اے اللہ جو ہمیں رب کہے ہم اس سے بری و بیزار ہیں اور جو یہ سمجھے کہ ہم پیدا کرتے اور رزق دیتے ہیں ہم ان سے اس طرح بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم نصاریٰ سے بیزار ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ۔ قرآن مجید کی تکذیب میں کفار یہ کہا کرتے تھے کہ اس کو اللہ نے نہیں بھیجا بلکہ حضورؐ نے (معاذ اللہ) جھوٹ کا افترا

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ اِفْتَرٰهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ

جو افترا کیا اس نے اور اس کی مدد کی اس معاملہ میں اور لوگوں نے پس تحقیق ان (کافروں) نے ظلم کیا

ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى

اور جھوٹ کہا اور کہنے لگے یہ قصے ہیں پہلے لوگوں کے جو اس نے لکھ لئے پس وہ اس پر پڑھے

عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑤ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ

جاتے ہیں صبح اور شام کہہ دو اس کو اتارا ہے اس ذات نے جو جانتی ہے راز آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑥ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ

زمین کے تحقیق وہ بخشنے والا مہربان ہے اور کہا انہوں نے یہ کیسا رسول ہے کہ

يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ

کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے کیوں نہیں اتارا گیا اس پر فرشتہ کہ وہ ہوتا اس

فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ⑦ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ

کے ساتھ ڈرانے والا یا ڈالا جاتا اس کی طرف ایک خزانہ

باندھ لیا ہے اور بعض اہل کتاب اس معاملہ میں اس کی امداد کرتے ہیں۔ پس اللہ نے ان کے رد میں اتنا ہی فرمایا کہ ان لوگوں نے ظلم کیا اور جھوٹ وغلط کہا کیونکہ اس سے پہلے چیلنج اور تحدی بار بار ہو چکی تھی کہ اگر یہ اللہ کا کلام نہیں تو سب مل کر اس جیسا اس کی ایک سورت جیسا بلکہ اس کی ایک آیت جیسا کوئی ٹکڑا کلام کا تو پیش کرو اور اگر تم عاجز ہو تو مان لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن وہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہ آئے اور بار بار اُسی اُگلے ہوئے لقمے کو چباتے رہے۔ اسی لیے خدا نے مفصل جواب نہیں دیا بس اتنا ہی کہہ دیا کہ یہ لوگ ظالم اور غلط گو ہیں

وَقَالُوْا۔ وہ کہتے تھے کہ اہل کتاب سے پرانے لوگوں کے قصے اس نے نقل کر لیے ہیں اور پڑھنے والے صبح وشام اس کے سامنے پڑھتے ہیں اور وہ یاد کر لیتا ہے۔ سچ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ دو فقروں میں تضاد بیانی دیکھئے۔ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ یہ اس کا اپنا افترا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ اس پر قصے پڑھے جاتے ہیں تو گویا اس کا افترا نہیں قصہ خوانوں کا افترا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ۔ تفسیر صافی میں احتجاج سے مروی ہے کہ تفسیر امام میں ہے ایک دن حضرت رسالت مآبؐ مکہ میں کعبہ کے سامنے تشریف فرما تھے کہ مشرکین کی جماعت میں سے عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی نے آپ سے خطاب کر کے کہا: اے محمدؐ! تو نے ایک

لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا

یا اس کے لئے باغ ہوتا کہ کھاتا اس سے اور ظالموں نے کہا نہیں تم پیروی کرتے مگر جادو کئے ہوئے

مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

شخص کی دیکھ کس طرح بیان کرتے ہیں تیرے لئے مثالیں پس وہ گمراہ ہیں پس راہ راست پر آنے کی

بڑا دعوٰی کیا ہے اور ہولناک بات منہ سے نکالی ہے تو کہتا ہے میں رب العالمین کا رسول ہوں حالاں کہ ربّ العالمین جو تمام مخلوق کا خالق ہے تجھ جیسے کو جو ہماری طرح کا کھاتا پیتا اور بازاروں میں چلنے والا بشر ہو رسول نہیں بنا سکتا دیکھئے روم و فارس کے بادشاہ جس کو اپنا رسول (فرستادہ) بنا کر بھیجیں وہ مالدار ہوتا ہے اس کی بڑی شان و شوکت ہوتی ہے اس کے محلات بنگلے، کوٹھیاں خیمے قناتیں اور نوکر و خادم بکثرت ہوتے ہیں اور خدا ربّ العالمین جو سب کا اور ان کا بھی خالق ہے اگر تو اس کی جانب سے نبی ہوتا تو وہ تیرے ساتھ ایک فرشتہ بھیجتا جو تیری تصدیق کرتا اور ہم خود اس کو دیکھتے بلکہ خدا اگر رسول بھیجتا تو ہم جیسا البشر نہ ہوتا بلکہ کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتا تو ایک مسحور آدمی یعنی جادو کردہ یا جادو کنندہ یا دیوانہ ہے (مسحور کی تفسیر نویں جلد ۵ ص۳۵ پر ملاحظہ فرمائیں) پھر انہوں نے بہت سی باتیں کیں اور اعتراضات کئے۔ کچھ سورہ بنی اسرائیل میں گذر چکے ہیں جلد ۹ ص۳۵ اور بعض کی حکایت سورہ زخرف میں ہوگی انشاءاللہ جلد ۱۲ ص۳۳ حضرت رسالت مآبؐ نے سب باتیں خاموشی سے سماعت فرمائیں اور بعد میں بارگاہِ ربوبیت میں عرض کی اے اللہ تو ہر آواز کو سننے والا ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے جو کچھ تیرے بندے کہہ رہے ہیں۔ پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔ آپ نے فرمایا یہ درست ہے کہ میں تمہاری طرح روٹی کھاتا ہوں لیکن تمہارا یہ کہنا کہ جو یہ کام کرے۔ وہ رسول نہیں ہوسکتا غلط ہے۔ کیونکہ یہ چیز اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس پر کسی کو کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ دیکھئے بندوں میں غنی فقیر عزیز ذلیل تندرست بیمار شریف رذیل اپاہج و کمزور مختلف قسم کے لوگ ہیں لیکن کسی کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں بلکہ اپنی موجودہ حالت پر شاکر رہنا اور صابر ہونا ہر انسان کا فرض ہے۔ اللہ کی تقسیم اور اس کی تقدیر پر راضی نہ ہونا اور اعتراض کرنا کفر ہے پھر آیت اُخری قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ الخ یعنی ان کو کھلے لفظوں میں کہہ دیجئے کہ میں بشریت میں تم جیسا ہوں لیکن میرے رب نے مجھے نبوت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے جس طرح بعض لوگ دولتمندی تندرستی اور خوبصورتی کی نعمات سے ہمکنار ہیں اور دوسرے محروم ہیں تو جس طرح ان صفات کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا میرے لیے اس صفت کا کیوں انکار کرتے ہو کہ خدا نے مجھے نبوت کی دولت عطا فرمائی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اُن کے باقی سوالات کے جوابات دیئے جو سورہ بنی اسرائیل اور انعام میں گزر چکے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں مسحور یعنی جادوگر یا دیوانہ یا از خود رفتہ انسان ہوں تم خود انصاف کرو میں چالیس برس تم میں زندگی گذار چکا ہوں۔ اور تمہارے دل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میں عقل اور تمیز میں تم سب سے بلند تر ہوں کیا چالیس برس کی ایک طویل زندگی کے دوران میں تم میری ایک شرمناک حرکت یا ایک ذلیل حرکت یا ایک جھوٹ

یا ایک خیانت یا غلطی یا کوئی بے وقوفانہ بات ثابت کر سکتے ہو؟ (اور یقیناً تم یہ ثابت نہیں کر سکتے) پھر تم خود سمجھ لو کہ جس شخص سے ایک لمبے عرصہ میں ایک لغزش اور برائے نام بھی کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی ہو کیا یہ اس کی ذاتی اقتضاء ہے یا اللہ کی عطا کردہ توفیق اس کے شامل حال ہے؟ یہ سُن کر وہ سب کے سب کھسیانے سے ہو کر رہ گئے۔ اور کسی میں بھی بات کرنے کی جرأت نہ رہی، پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا۔ الخ۔ یعنی دیکھو انہوں نے تیرے لیے کیسی مثالیں تلاش کر کے بیان کی ہیں لیکن جب تم سے اپنے سوالات کے جواب سن چکے ہیں تو کسی میں جواب دینے کی اور بولنے کی جرأت نہیں رہی۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۔ یعنی ان میں سے کسی میں بھی جواب کی توفیق (یا یہ کہ جب انہوں نے آپ کے معقول استدلالات کو ٹھکرا دیا۔ اور ازراہِ عناد ان کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے تو وہ گمراہی کے گہرے سمندر میں ڈوب چکے ہیں۔ اب ان میں راہِ حق پر آنے کی توفیق ہی مسلوب ہو چکی ہے۔ (ملخصاً)

بشریّت و رسالت

مشرکین مکہ کی رسالت مآبؐ کے ساتھ بحث چند امور کی نشاندہی کرتی ہے۔

۱۔ وہ اللہ کو ربّ العالمین تسلیم کرتے تھے۔

۲۔ رسول کی رسالت کا انکار صرف اس لیے کرتے تھے کہ آپ بشر ہیں اور ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں۔

۳۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ رسول بشر نہیں ہوتا اور جو بشر ہو وہ عہدۂ رسالت نہیں لے سکتا۔

۴۔ ان کا خیال تھا کہ نبوت و رسالت کے لیے کسی فرشتہ کو نامزد ہونا چاہیے تھا۔

۵۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بے شک میں کھاتا پیتا ہوں لیکن تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ جو کھائے پیے وہ رسول نہیں ہو سکتا۔

۶۔ آپ نے اپنے بشر ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ بفرمانِ خداوندی اعلان کیا کہ میں بے شک تمہاری طرح کا بشر ہوں لیکن یہ بات غلط ہے کہ جو بشر ہو وہ رسول نہیں ہو سکتا میں بشر ہوں اور خدا نے مجھے عہدۂ نبوت بھی عطا فرمایا ہے۔

۷۔ بشر ہونے کے بعد رسالت ایک عطیہ پروردگار اور صفت مخصوصہ ہے جو انسان کو باقی انسانوں سے الگ نوع نہیں بناتی جس طرح آپ نے واضح فرمایا کہ غنی ہونا تندرست ہونا حسین ہونا وغیرہ صفات ہیں جن سے بعض افراد بہرہ ور ہیں اور بعض محروم پس نبوت بھی ایک صفت ہے جس سے میں بہرہ ور ہوں جس طرح تم دوسری صفاتِ کا عطیہ پروردگار ہونا مانتے ہو اسی طرح میرے لیے یہ صفت بھی مان لو۔ تو گویا جس طرح دوسری صفات بشر کو الگ الگ انواع میں تقسیم نہیں کرتیں۔ اسی طرح صفت نبوت بھی نبی کو الگ نوع نہیں بناتی۔ جس طرح آجکل کے بعض سرپھرے لوگ اس کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ جیسا کہ اسی جلد میں نور کی تفسیر کے ذیل میں ص۱۰۱ پر گذر چکا ہے البتہ خلقت نوری میں انکا نور جو اول مخلوق ہے وہ نوع مفرد ہے نیز منطقی اصطلاح سے ہٹ کر اگر شرف و رتبہ کے لحاظ سے انکو الگ نوع کہا جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے خداوند کریم نے آیات بھیج کر اور حضور رسالتمآبؐ نے وضاحتی بیان دیکر ان کے مزعومات کی تردید فرمائی۔ خدا جانے آجکل کے اسلام

سَبِيلًا ﴿٩﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيٓ إِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ

توفیق نہیں رکھتے بابرکت ہے وہ ذات اگر چاہے تو بنائے گا تیرے لئے اس سے بھی بہتر وہ باغات کہ بہتی

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿١٠﴾ بَلْ

ہیں ان کے نیچے نہریں اور بنائے گا تیرے لئے محلات لیکن

كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿١١﴾

انہوں نے جھٹلایا قیامت کو اور ہم نے تیار کیا اس کے لئے جو جھٹلائے قیامت کو ، دوزخ

کے دعویداروں نے کیوں مشرکین مکہ کا اُگلا ہوا لقمہ چبانا شروع کر دیا ہے کہ جو رسول یا امام ہو وہ بشر نہیں ہو سکتا اور جو ہماری طرح کا بشر ہو وہ رسول یا امام نہیں ہو سکتا اور فرمائش کلام اللہ کے ماتحت جو ان کو بشر اور کامل البشر اور سید البشر بلکہ سید کائنات بشر سمجھے اسے دشمن رسول سمجھا جاتا ہے۔ حتٰی کہ علم منطق کا منہ چڑانے کے لیے بعض جبہ پوش لوگوں نے بشر کو جنس قرار دے کر انبیاء کو اس کی ایک الگ نوع ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور یہ اس کی اپنی اختراع نہیں بلکہ اس سے پہلے کے کسی جدت پسند مقرر کی چستِ بیانی کا ثمرہ ہے اور حدیث مذکور میں حضورؐ کا نبوت کو ایک صفت مخصوصہ قرار دینا اور دیگر صفات کو مقام وضاحت میں پیش کرنا علم منطق کے ان مجددین کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے کیونکہ ان صفات کے اختلاف سے نوع نہیں بدل جایا کرتی ورنہ عالم و جاہل شریف و رذیل نیک و بد اور مسلم و کافر وغیرہ بشر کی سب نوعیں بن جائیں گی۔ اور اگر ان کو الگ نوع کہنے سے یہی مراد ہے کہ وہ صفت نبوت کے دارا تھے۔ لہذا باقی انسانوں سے وہ بلند انسان بلکہ کامل انسان تھے اور نوع انسان کے اشرف فرد تھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور ان کی اس جدید اصطلاح سے مقصد میں کوئی غلطی نہیں پیدا ہوتی لیکن اگر یہ کہیں کہ وہ ایسے بشر تھے جو نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے نہ منکوحہ عورتوں کے ساتھ ان کے شوہر و زن کے مراسم تھے اور نہ دیگر لوازم انسانیہ و بشریہ ان کے ساتھ تھے تو یہ ایک ایسی جدت ہے۔ جس کو نہ عقل قبول کرتی ہے۔ اور نہ قرآن و حدیث و تاریخ اس کا ساتھ دیتی ہے۔ البتہ مقام نور میں ان کی نوع الگ ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ کفار کے اعتراض کے بعد جبریلؑ نے دنیا کی عیش و عشرت باغات و محلات وغیرہ حضورؐ کے سامنے پیش کئے لیکن آپؐ نے فرمایا مجھے یہی زندگی پسند ہے۔ جس میں بسر کر رہا ہوں۔

كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۔ یعنی جو لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

إِذَا رَأَتْهُمْ ۔ مقصد تو یہ ہے کہ جب یہ لوگ جہنم کو دُور سے (یعنی ایک سو سال کی راہ سے) دیکھیں گے تو اس کی بھڑکار کی آواز اور اس کے شعلوں کی شدت و حدت ان کو سنائی دے گی لیکن آیت میں رویت کا فاعل جہنم کو قرار دیا گیا ہے اور اس امر کو ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا جہنم غصہ سے ان کو دیکھ کر بڑبڑا رہی ہوگی۔

إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ۝١٢

جب دیکھے گا ان کو مسافت بعیدہ سے تو یہ سنیں گے اس کی شدت اور شور

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ۝١٣

اور جب ڈالے جائیں گے اس میں تنگ جگہ میں درحالیکہ جکڑے ہوئے ہوں گے تو اس وقت چلائیں گے

لَّا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ۝١٤ قُلْ أَذَٰلِكَ

واویلا کرتے ہوئے (تو جواب دیا جائیگا) کہ آج ایک دفعہ نہیں بلکہ کافی واویلا کرو (تب بھی تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا) کہدو کیا یہ

خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَ

خوب ہے یا ہمیشہ کی جنت جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقین سے کہ وہ ہے ان کی جزا اور

مَصِيرًا ۝١٥ لَّهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ

بازگشت ان کے لئے اس میں وہ ہوگا جو چاہیں گے ہمیشہ ہوں گے یہ ہے تیرے رب کا وعدہ

وَعْدًا مَّسْئُولًا ۝١٦ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن

سوال شدہ اور جس دن جمع کرے گا ان (کفار) کو اور انکو جس کی عبادت کرتے تھے

مَكَانًا ضَيِّقًا۔ یعنی جہنمیوں کو دوزخ میں نہایت تنگی کی جگہ ملے گی۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ دوزخ میں جانے والا اس طرح اس میں جائے گا جس طرح میخ دیوار میں جاتی ہے۔

مُقَرَّنِينَ۔ یعنی ان لوگوں کی گردنوں کی طرف ہاتھ باندھے ہوئے ہوں گے یا یہ کہ اپنے شیاطین کے ہمراہ جکڑے ہوئے ہوں گے۔

ثُبُورًا۔ ثبور کا معنی ہلاکت ہے یعنی وہ واویلا اور واثبوراہ کی آواز بلند کریں گے۔

وَعْدًا مَّسْئُولًا۔ یعنی متقی لوگ نمازوں کے بعد یا عام مناجاتوں میں اللہ سے جنت کی دعا مانگتے ہیں۔ پس خدا نے ان کیساتھ جنت کا وعدہ فرمایا گویا یہ وعدہ ان کے سوال کی منظوری کے بعد ہے۔

شرک کا سبب

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ۔ یعنی بروز محشر خداوند کریم مشرکوں اور ان کے معبودوں کو جمع کرے گا خواہ ان کے معبود انبیاء و اولیاء ہوں یا ملائکہ ہوں یا چاند سورج ستارے یا اصنام ہوں پس ان سے دریافت کرے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا تھا تو وہ صاف کہیں گے کہ نہیں۔ بلکہ ان کی گمراہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ تو نے ان کو اپنی طرف سے وافر نعمتیں عطا فرمائیں جو وہ

دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ ہٰۤؤُلَآءِ اَمۡ ہُمۡ

اللہ کے سوا پس پوچھے گا کیا تم نے گمراہ کیا میرے ان بندوں کو یا وہ خود راستہ سے بھٹک

ضَلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ مَا کَانَ یَنۡۢبَغِیۡ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَّخِذَ

گئے تھے تو کہیں گے تو پاک ہے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ بنائیں تیرے علاوہ

مِنۡ دُوۡنِکَ مِنۡ اَوۡلِیَآءَ وَ لٰکِنۡ مَّتَّعۡتَہُمۡ وَ اٰبَآءَہُمۡ حَتّٰی نَسُوا

کوئی ولی لیکن تو نے ان کو نفع دیا اور ان کے باپ دادا کو حتیٰ کہ تجھے یاد کرنا

الذِّکۡرَ ۚ وَ کَانُوۡا قَوۡمًۢا بُوۡرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدۡ کَذَّبُوۡکُمۡ بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ ۙ

بھی بھول گئے اور ہو گئے ہلاک ہونے والے پس تمہیں (اپنے معبودوں نے) جھٹلا دیا جو تم کہتے تھے پس

فَمَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ صَرۡفًا وَّ لَا نَصۡرًا ۚ وَ مَنۡ یَّظۡلِمۡ مِّنۡکُمۡ نُذِقۡہُ

وہ نہیں طاقت رکھتے عذاب لوٹانے کی اور مدد کرنے کی اور جو ظلم کرے تم میں سے اس کو چکھائیں گے

عَذَابًا کَبِیۡرًا ﴿۱۹﴾ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّاۤ

ہم بڑا عذاب اور ہم نے نہیں بھیجے تم سے پہلے رسولوں میں سے مگر یہ کہ وہ

تجھ سے مانگتے تھے اور تو دے دیتا تھا پس وہ عزے ہو گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تجھے بھول گئے اور شیطان کے پھندے میں آ کر مشرک ہو گئے اور ان کے شرک کی وجہ بھی یہ ہے کہ جب یہ لوگ اپنی حاجتیں اور مرادیں غیر اللہ سے مانگتے ہیں اور خدا ان کی حاجات کو اپنی کریمی اور فضل کے ماتحت پورا کر دیتا ہے کیونکہ شانِ خداوندی یہی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہمیں انہوں نے ہی سب کچھ دیا ہے جن سے ہم مانگ رہے تھے پس ان کی یہ غلط فہمی ان کو حدِ شرک تک لے گئی کہ انہوں نے ان کو ہی اپنا حاجت روا اور حقیقی مشکل کشا مان لیا اور خدا کو بھول گئے ورنہ جب وہ غیر اللہ کو حاجت روا سمجھ کر مانگ رہے تھے پس خدا ان کی حاجات کو پورا نہ کرتا تو وہ خدا کی طرف ہی پلٹتے اور غیر اللہ کی عبادت سے بچ جاتے اور خداوند کریم کی طرف سے یہ بڑی آزمائش ہے۔ ہم نے دیکھا ہے ہندو لوگ مورتیوں اور بتوں کے سامنے اپنی حاجات کا ذکر کرتے تھے اور آخر ان کی بھی پوری ہو جاتی تھیں پس وہ ان کو اپنا دیوتا مانتے اور ان کی پوجا کرتے تھے اور یہی شرک کا مبنیٰ ہے تو بروزِ محشر مشرکین کے معبود یہی جواب دیں گے کہ تیرا ان کی حاجات کو پورا کرنا حالانکہ وہ غیر اللہ سے مانگ رہے تھے ان کی گمراہی کا سبب ہے۔

اَنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ

روٹی کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے اور کیا ہم نے تمہارے بعض کو

فِتْنَةً ۗ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع

بعض کے لئے آزمائش ۔ کیا تم صبر کروگے ؟ اور ہے رب تیرا آگاہ

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ ۔ پس خدا کی جانب سے مشرکوں کو ندا پہنچے گی کہ جس چیز کا تم دعوے کرتے تھے تمہارے معبودوں نے اس کو جھٹلا دیا ہے ۔ اور اب وہ نہ تو تم سے عذاب کو ٹال سکتے ہیں اور نہ کوئی دوسری مدد کر سکتے ہیں پس اب سوچو اور سمجھو کہ جو بھی تم میں سے ظلم یعنی شرک کرے گا اس کا عذاب بڑا سخت ہے ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا ۔ اب حضورؐ کو تسلّی دی گئی ہے کہ صرف تو نہیں بلکہ تجھ سے پہلے جس قدر رسول آتے رہے ہیں سب روٹی بھی کھاتے تھے اور گلیوں بازاروں میں بھی چلتے تھے اگر مشرکین مکہ اعتراض کریں تو اس کی پرواکئے بغیر اپنے تبلیغی مشن کو جاری رکھئے ۔

وَجَعَلْنَا ۔ یعنی ہم نے لوگوں میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمائش اور فتنہ بنایا ہے ۔ مثلاً امیر لوگ غریبوں کے لیے آزمائشگاہ ہیں اور فقیر لوگ امیروں کی آزمائش گاہ ہیں اسی طرح تندرست بیماروں کے لیے اور بیمار تندرستوں کے لیے اور خوبصورت بدصورتوں کے لیے اور بدصورت خوبصورتوں کے لیے وعلی ہذا القیاس ۔ پس ہر ایک کو پروردگار نے صبر وضبط کی تلقین فرمائی ہے اور امیروں کا صبر یہ ہے کہ اپنی امیری پر شکر خدا بجا لائیں اور فقیروں کے حقوق ادا کریں اور فقیروں کا صبر یہ ہے کہ خدا کی قضا پر صابر و شاکر رہیں اور حلال سے آگے قدم نہ رکھیں ۔ اسی طرح ہر صنف کو دوسروں سے عبرت بھی لینی چاہیئے ۔ اور اپنے حال پر صابر و شاکر بھی رہنا چاہیئے پس بیمار تندرست کو دیکھ کر اللہ سے تندرستی کی دعا مانگے اور صبر سے کام لے اور تندرست بیمار سے عبرت حاصل کر کے شکر نعمت اور حقوق کی بجاآوری کی کوشش کرے ۔

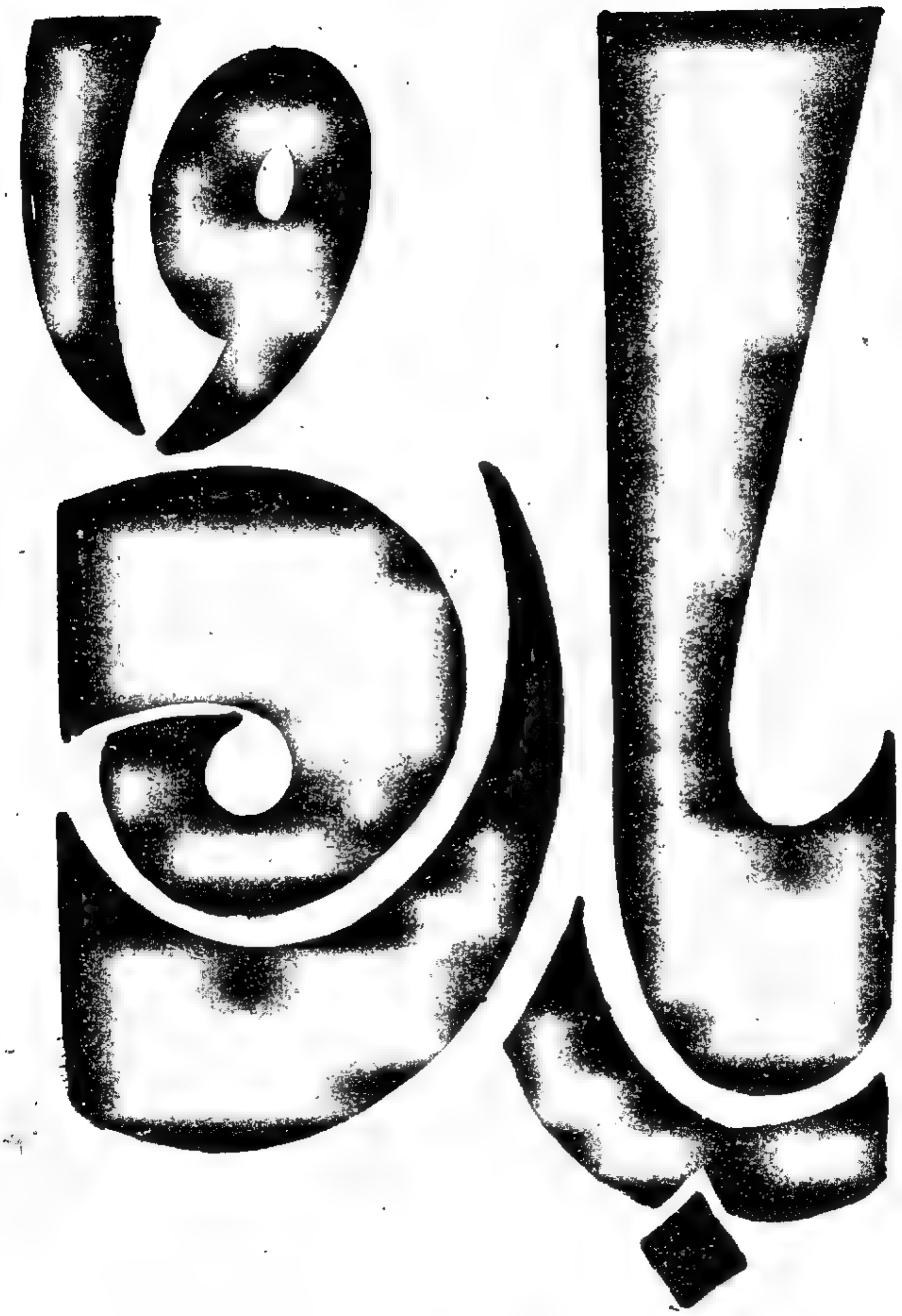

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی کیوں نہیں اتارے گئے ہم پر فرشتے یا (کیوں نہیں) دیکھتے ہم

نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

اپنے رب کو تحقیق انہوں نے تکبر کیا اپنے نفسوں میں اور سرکشی کی سرکشی بڑی

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ

جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو تو نہ خوش خبری ہوگی اس دن مجرموں کو اور کہیں گے

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

(فرشتے) پکی حرام ہے (تم پر جنت کی خوشخبری) اور قصد کریں گے طرف ان کے عمل کے جو انہوں نے کئے تھے پس

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ

کر دیں گے ان کو غبار پھیلا ہوا جنت والے اس دن اچھے ٹھکانے اور بہترین آرام گاہوں میں ہوں گے

رکوع نمبر ۱

وَقَالَ الَّذِيْنَ ۔ یعنی کافر و مشرک لوگ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں ہم پر فرشتوں کو کیوں نہیں اتارا گیا یا ہم خود اپنے ربؐ کو کیوں نہیں دیکھتے تاکہ ہمیں وہ بتائیں کہ آپ سچے رسول ہیں۔

يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ ۔ یعنی بروز محشر وہ فرشتوں کو دیکھیں گے لیکن اس وقت فرشتے انکو خوشخبری نہیں سنائیں گے بلکہ کہیں گے جاؤ تم پر جنت حرام ہے۔

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۔ اصل حجر رکاوٹ کے معنی میں ہوتا ہے لیکن یہاں ایک محاورہ نقل کیا گیا ہے کہ عربوں میں یہ دستور عام تھا جب کوئی شخص کسی جگہ اپنے دشمن کو دیکھتا تھا اور اسے ڈر ہوتا تھا کہ یہ مجھے قتل کر دیگا تو یہ لفظ استعمال کرتا تھا کہ اس وقت تم میں اور مجھ میں کوئی لڑائی نہیں ہوگی اور ہمارے لیے ایک دوسرے کا قتل ممنوع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اشہر حرام یعنی حرمت والے مہینوں میں یہ لفظ دشمن ایک دوسرے کو کہتے تھے حِجْرًا مَّحْجُوْرًا یعنی اب چونکہ حرمت والا مہینہ ہے لہٰذا ہم پر ایکدوسرے کا قتل عام حرام ہے پس وہاں فرشتے کہیں گے کہ تم پر جنت کا داخلہ یا خوشخبری حرام ہے یا یہ کہ مجرم لوگ دنیا میں جس طرح اپنے بچاؤ کے لیے یہ فقرہ استعمال کرتے تھے جہنم سے بچاؤ کے لیے فرشتوں کے سامنے

مَقِيلًا ﴿٢٤﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿٢٥﴾

اور جس دن پھٹے گا آسمان بادل سمیت اور اتارا جائے گا فرشتوں کو

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٦﴾

ملک اس دن سچ مچ اللہ کا ہوگا اور وہ کافروں پر سخت ہوگا

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ

اور جس دن کاٹے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو کہے گا کاش میں نے اختیار کیا ہوتا رسول کے ساتھ

الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾

راستہ ہائے افسوس کاش میں نے نہ بنایا ہوتا فلاں کو دوست

لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا

تحقیق اس نے مجھے گمراہ کیا ذکر سے بعد اس کے کہ میرے پاس پہنچا اور شیطان ہے انسان کو رسوا کرنے والا

بھی یہی فقرہ بولیں گے کہ ہمیں دوزخ سے معافی دی جائے لیکن وہاں اس کا کوئی اثر نہ ہوگا اور دنیا میں ان کی ہوئی نیکیاں سب ہباءً منثور ہو جائیں گی۔

مَقِيلًا۔ قیلولہ کی جگہ اور قیلولہ دوپہر کے آرام کا نام ہے خواہ نیند نہ ہو کیونکہ جنت میں نیند نہ ہو گی۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ۔ ویسے تو تمام آسمانوں اور زمین کا واحد مالک اللہ ہے لیکن دنیا میں شاہانِ وقت کو عارضی طور پر حکومت حاصل ہے پس بروز قیامت تو سوائے ذات سبحانہ کے کسی کی ذرہ بھر بھی حکومت نہ ہو گی اور سب اس کے فضل کے محتاج ہونگے۔

بُرے قرین سے تبرّا

وَيَوْمَ يَعَضُّ۔ اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت عقبہ ابن ابی معیط اور ابی بن خلف کے حق میں اتری۔ یہ دونو آپس میں دوست تھے اور عقبہ کا دستور تھا کہ ہر سفر سے واپسی پر دعوت دیکر اشراف مکہ کو کھانا دیتا تھا اور جناب رسالتمآبؐ کے پاس بھی اکثر بیٹھا کرتا تھا ایک سفر سے واپسی پر اس نے حضورؐ کو بھی اپنے ہاں کھانے پر مدعو کر لیا۔ جب آپؐ اس کے گھر میں تشریف لے گئے تو فرمایا میں تیری دعوت نہ کھاؤں گا جب تک توحید پروردگار اور میری نبوت کا اقرار نہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے کلمہ شہادتین کو زبان سے جاری کر لیا اور حضورؐ نے کھانا تناول فرما لیا جب ابی بن خلف کو اطلاع ملی تو وہ اس پر ناراض ہوا کہ تو بے دین ہو گیا اس نے معذرت پیش کی کہ چونکہ وہ میرے کلمہ شہادتین کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے اور ان کا بغیر کھائے چلا جانا میری توہین تھی۔ اس لیے وقتی طور پر میں نے کلمہ پڑھ لیا۔ ابی ابن خلف نے کہا میں تیرے اوپر تب راضی

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

اور رسول کہے گا اے پروردگار تحقیق میری قوم نے کر دیا اس قرآن کو متروک

ہوں گا کہ تو جا کر ان کے منہ پر تھوک دے (معاذ اللہ) اس ملعون نے ویسا ہی کیا اور مرتد ہو کر اسلام سے منحرف ہو گیا۔ آخر کار جنگ بدر میں ذلیل ہو کر مارا گیا اور ابی بن خلف کو خود حضورؐ نے جنگ احد کے دن اپنے ہاتھوں دار البوار پہنچایا۔ عقبہ نے جب حضورؐ کی طرف تھوکا تھا تو وہ تھوک پلٹ کر اس کے اپنے منہ پر پڑی تھی جس سے اس کے دونوں رخسار جل گئے تھے اور آخر عمر تک اس کے منہ پر یہ داغ رہا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبہ وسیلہ میں جو وفات پیغمبرؐ کے سات دن بعد جب کہ جمع قرآن سے فارغ ہو چکے ارشاد فرمایا ان دونوں نے میرے ساتھ اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا ایک وقت آئے گا کہ یہ دونو ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے اور کہیں گے۔ يٰلَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ الخ۔ یعنی کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا پس تو برا ساتھی تھا اور کہیں گے يٰلَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا۔ کاش فلاں کو میں نے اپنا دوست نہ بنایا ہوتا کہ اس نے مجھے ذکر سے روک لیا اور شیطان ہی انسان کو رسوا کرتا ہے۔ پس میں وہ ذکر ہوں جس سے انہوں نے منہ پھیرا۔ اور میں وہ سبیل ہوں جس سے وہ روگردان ہوئے اور میں وہ ایمان ہوں جس کا انہوں نے کفر کیا اور میں وہ قرآن ہوں جس کو انہوں نے چھوڑ دیا اور میں وہ دین ہوں جس کی انہوں نے تکذیب کی اور میں وہ صراط ہوں جس سے انہوں نے پہلو تہی کی

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے یہ آیتیں قریش کے دو آدمیوں کے حق میں نازل ہوئیں جو ظاہر میں ایمان لا چکے تھے اور درحقیقت منافق تھے۔ جس دن صحابہ میں صیغہ مواخات جاری ہوا تو وہ دونو ایک دوسرے کے بھائی بھائی بنے پس ایک نے دوسرے کو راہ مستقیم سے روکا اور دونو ہلاک ہوئے۔ بروز محشر دونو کی حسرت کا خدا ذکر فرما رہا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر پشیمان ہونگے

بہرکیف تنزیل کے لحاظ سے اگرچہ آیات عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کے حق میں ہیں لیکن اس کی تاویل بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن قیامت تک زندہ ہے اور اس کی تاویل بھی زندہ ہے اور روایات آل محمدؐ سے بکثرت وارد ہیں کہ رسالت مآبؐ کے بعد جن لوگوں نے ولایت علی کو ترک کیا اور عہد غدیری کو توڑ کر خواہشات نفسانیہ کے پیچھے پڑ گئے وہ ظالم ہیں اور بروز قیامت وہ اپنے اس کرتوت پر پشیمان ہوں گے اور ایک دوسرے سے بیزاری بھی کریں گے لیکن اس وقت یہ باتیں ان کے عذاب میں تخفیف کا باعث نہ بن سکیں گی۔ اور حضورؐ بھی فریاد کریں گے کہ میری قوم و امت نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح ہر دوست اپنے دوست سے بروز قیامت بیزار ہوگا۔ جن کی دوستی دین کی دشمنی کی موجب بنی تھی۔

قَالَ الَّذِيْنَ۔ کفار مکہ کے اعتراضات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قرآن اگر اللہ کا کلام ہے تو تورات و انجیل کی طرح یکمشت اکٹھا کیوں نہیں نازل ہوا۔ خداوند کریم نے اپنے حبیب کو ارشاد فرمایا کہ یہ تیرے دل کی تقویت کے لیے ہے کیونکہ وقتاً فوقتاً جبرئیل کا آنا

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

اور اسی طرح ہم نے بنائے ہر نبی کے لئے دشمن مجرموں میں سے اور کافی ہے تیرا رب

هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

ہادی اور مددگار اور کہا کافروں نے کیوں نہیں اتارا گیا اس پر قرآن

الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚۛ كَذٰلِكَ ۚۛ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ

کو ایک دفعہ یہ اس لئے تاکہ مضبوط کریں ہم اس سے تیرے دل کو اور اس کو ہم نے

تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ

واضح کیا خوب اور نہیں لائے تیرے پاس وہ کوئی مثال مگر یہ کہ ہم نے بھیج دیا حق اور بہترین تفسیر (جواب میں)

تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ

وہ لوگ جن کو منہ کے بل جہنم کی طرف محشور کیا جائے گا ان کا برا

اور آیات کا موقعہ بموقعہ نازل ہونا تقویت اسلام اور تسکینِ مومنین کے لیے بہت اچھا بہانہ تھا اور کفار کو اس کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اس لیے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کے دلائل کافی دیئے جا چکے تھے۔ اور پھر قرآن کا چیلنج بھی ہو چکا تھا جو منصف مزاج طبقہ کے لیے کافی تھا۔

وَرَتَّلْنٰهُ۔ کھلا اور واضح نازل کیا یا یہ کہ ہم نے اس کو مناسب مواقع پر ایک آیت کے بعد دوسری کو وقتاً فوقتاً اتارا یا یہ کہ ہم نے اس کو مفصّل و مبرہن نازل کیا۔

وَلَا يَاْتُوْنَكَ۔ یعنی کافر لوگ جو بھی تمثیل بیان کریں ہم اس کے جواب میں حق کی بہترین تفسیر نازل کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ۔ تفسیر برہان میں غیبت نعمانی سے مروی ہے کہ منہ کے بل وہ لوگ محشور ہوں گے جو پیغمبر کے بعد مرتد ہو گئے۔ اور بیعت کو توڑ کر ناکثین کے زمرہ میں شامل ہوئے اور اپنے نبی کے حقیقی جانشین سے لڑے جو ان میں عالم فاضل سید حامل لوا مالک کوثر اور حجت خدا تھا اور کعبہ کے رب کی قسم وہ علی ہی ہے۔ جو سب سے اعلم و اقدم تھا۔ (الحدیث ملخصاً)

فَدَمَّرْنٰهُمْ۔ تدمیر اور تتبیر دونو مترادف ہیں۔

رکوع ۲

اور ان کا معنی ہے ہلاک کرنا۔

اصحاب رس وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ۔ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں (۱) رس کنوئیں کا نام ہے جس میں کافروں نے اپنے نبی کو زندہ ڈال کر

شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۳۴﴾ ع وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ

ٹھکانا اور نہایت بدطریقہ ہے اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور

جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ ج فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ

کیا ہم نے ساتھ اس کے ہارون کو وزیر پس ہم نے کہا جاؤ طرف اس

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ط فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾ ط وَقَوْمَ نُوْحٍ

قوم کے جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو پس ہم نے ان کو ہلاک کیا اچھی طرح اور قوم نوح نے جب

لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ط وَ

جھٹلایا رسولوں کو تو ان کو ہم نے غرق کر دیا اور کیا ان کو لوگوں کے لئے نشانی اور

اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ ج وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا وَ

تیار کیا ہم نے ظالموں کے لئے عذاب دردناک اور عاد و ثمود اور

اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا

اصحاب رس اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو (ہم نے ہلاک کیا) اور ہر ایک کے لئے ہم نے

اُوپر پتھر سے بند کر دیا تھا۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت عیون و علل حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک شخص نے شہادت سے تین روز قبل اصحاب رس کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تو نے ایسی بات دریافت کی جو آج تک کسی نے نہیں پوچھی اور تجھے میرے سوا کوئی دوسرا بتا بھی نہیں سکتا اور میں وہ ہوں کہ مَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اٰیَۃٌ اِلَّا اَعْرِفُھَا وَاَعْرِفُ تَفْسِیْرَھَا وَفِیْ اَیِّ مَکَانٍ نَزَلَتْ مِنْ سَھْلٍ اَوْجَبَلٍ وَفِیْ اَیِّ وَقْتٍ مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَھَارٍ وَاِنَّ ھُنَا لَعِلْمًا جَمًّا وَاَشَارَ اِلٰی صَدْرِہٖ وَلٰکِنَّ طُلَّابَہٗ لَیَسِیْرٌ وَعَنْ قَلِیْلٍ تَنْدِمُوْنَ لَوْ فَقَدْ تُمُوْنِیْ۔

یعنی قرآن مجید میں کوئی آیت نہیں مگر یہ کہ میں اس کی تفسیر کو جانتا ہوں اور مجھے پتہ ہے کہ کہاں اتری ہے۔ سہل میں یا جبل میں اور کس وقت اتری ہے دن کو یا رات کو اور تحقیق یہاں علم کا سمندر موجود ہے (اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) لیکن اس کے طلب کرنے والے بہت تھوڑے ہیں اور عنقریب جب میں نہ ہوں گا تو تم پشیمان ہو گے۔ اس کے بعد فرمایا۔ یہ لوگ درخت صنوبر کی پوجا

لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ

بیان کیں مثالیں اور ہر ایک کو ہم نے ہلاک کیا اچھی طرح اور تحقیق آئے اس بستی پر جس پہ

کرتے تھے اور اسے شاہ درخت کہا جاتا تھا۔ طوفان کے بعد خداوند کریم نے حضرت نوح کے لیے ایک چشمہ پیدا کیا۔ جس کا نام روشاب تھا۔ اور یافث بن نوح نے اس کے کنارے پر درخت صنوبر بویا تھا۔ اصحاب رس کے بارہ شہر تھے جو نہایت آباد اور سرسبز وشاداب تھے۔ پس خدا نے ان میں یہوذ بن یعقوب کی اولاد سے ایک نبی بھیجا جو ان کو بت پرستی سے منع کرتا تھا۔ پس انہوں نے ایک کنواں کھودا اور نبی کو اس میں ڈال کر اوپر ایک بڑا پتھر رکھ دیا۔ خداوند کریم نے ان کو گرفتار عذاب کیا۔ چنانچہ اُوپر سے تیز وتند سُرخ آندھی چلی اور نیچے سے زمین گندھک بن کر آتش فشاں بن گئی۔ اور آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ جن سے آگ برسنے لگی۔ پس وہ جھلس کر فی النار ہو گئے۔
اور قمی سے منقول ہے کہ رس ایک نہر کا نام ہے جو آذربیجان میں تھی۔ (ملخصاً)

دوسرا قول یہ ہے کہ مالدار لوگ تھے مال مویشی چراتے تھے اور کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ کر بت پرستی کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب ؑ ان کے نبی تھے انہوں نے ان کو منع کیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ پس خدا نے کنوئیں کو خشک کر دیا اور ان کو زمین نگل گئی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ رس یمامہ میں ایک بستی تھی اور اس کا نام فلج بھی تھا جنہوں نے اپنے نبی کو قتل کیا۔ پس عذاب میں گرفتار ہوئے

چوتھا قول یہ ہے کہ حنظلہ نبی کی اُمت ہے۔ انہوں نے نبی کو قتل کیا اور خود مبتلائے عذاب ہوئے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ انطاکیہ میں ایک کنواں ہے جس کا نام رس ہے جس میں حبیب نجار کو قتل کیا گیا۔

چھٹا قول یہ ہے کہ اصحاب رس وہ لوگ تھے جن کی عورتیں آپس میں مساحقت کرتی تھیں۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک عورت نے آپ سے سحق کی سزا پوچھی تو آپ نے فرمایا اس کی سزا زانی کی سزا کے برابر ہے تو اس نے قرآن سے اس کا ثبوت طلب کیا تو آپ نے فرمایا اصحاب رس سے یہی تو مراد ہے اور بروایت قمی آپ سے ایک عورت نے دریافت کیا جو عورت دوسری عورت کے ساتھ فعل بد کرے اس کی کیا سزا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کو بروز قیامت آگ کا لباس پہنایا جائے گا اور اس کے اندر آگ کے عمود داخل ہوں گے اور اس کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس عورت نے کہا یہ قرآن مجید میں تو کہیں نہیں ہے۔ آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا اصحاب رس پر عذاب اسی فعل بد کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔

وَلَقَدْ اَتَوْا۔ اہل مکہ اور بالخصوص قریشی لوگ جو بالعموم شام کی طرف بغرض تجارت آمد و رفت رکھتے تھے اور قوم لوط کی زمین سے گذرتے تھے۔ جہاں ان پر عذاب آیا تھا اسی کی یاد دہانی کرا رہا ہے کہ ان کو دیکھ کر یہ لوگ کیوں نہیں عبرت حاصل کرتے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے اس بستی کا نام سدوم تھا۔

اَرَاَيْتَ۔ مشرکین مکہ کا یہ دستور بھی تھا کہ جب کوئی اچھا درخت یا خوبصورت پتھر ان کی آنکھوں میں رچ جاتا اور دل کو بھا جاتا تھا تو پہلے خدا کو چھوڑ کر اس کو خدا بنا لیتے تھے اور اس کی منتیں نیازیں دینے لگ جاتے تھے۔ ایک عرب ایک دفعہ اپنے مصنوعی خدا (بُت)

الَّتِیْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا

پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ سخت تو کیا انہوں نے ان کو نہیں دیکھا؟ بلکہ یہ

لَا یَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۴۰ وَ اِذَا رَاَوْكَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ

قیامت کی اُمید نہیں رکھتے اور جب وہ تجھے دیکھتے ہیں تو تیرے ساتھ مسخری کرنے لگتے ہیں

اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۴۱ اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا

کیا یہ وہی ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے ؟ تحقیق قریب تھا کہ ہمیں اپنے خداؤں سے بھٹکا دے

لَوْ لَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا ؕ وَ سَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ

اگر ہم نہ ثابت قدم رہتے اس پر اور عنقریب جان لیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو

کی عبادت کرنے یا منت ماننے کے لیے آیا تو دیکھا کہ ایک لومڑی اس پر پیشاب کر رہی تھی۔ پس فوراً اس نے یہ شعر کہا ؎

وَرَبٌّ یَبُوْلُ الثُّعْلُبَانُ بِرَاْسِهٖ لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَیْهِ الثَّعَالِبُ

ترجمہ: بعض ایسے رب بھی ہیں جن کے سر پر لومڑیاں پیشاب کرتی پھرتی ہیں بے شک وہ بڑا ذلیل ہے جس پر لومڑیاں پیشاب کریں۔

اَمْ تَحْسَبُ ۴۴ یعنی جناب رسالت مآبؐ کو ارشاد ہوا کہ تقریر سننے والوں کی زیادتی سے یہ خیال نہ کرو کہ ان کی اکثریت بات کو سنتی اور سمجھتی ہے اور ہمیشہ یہی دستور ہے۔ سننے والے حاضرین میں تھوڑے ہوتے ہیں اور سننے والوں میں سے سمجھنے والے اور بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو انسان نما حیوان بلکہ ان سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی ۴۵ اللہ اپنی عمومی نعمتوں کی یاد دہانی کرا رہا ہے کہ دیکھو میں نے کس طرح سایہ کو پھیلا دیا اور اگر چاہتا تو یہ سایہ ہر وقت ٹھہرا رہتا لیکن میں نے دھوپ کے ذریعے سے اس کو آنے جانے والا کر دیا اور دھوپ اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ سائے کی پہچان ہی دھوپ سے ہوتی ہے جس طرح کہ ہر ضد اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ شمس کا معنی سورج بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی دھوپ بھی ہوتا ہے پس سایہ دھوپ نکلنے کے بعد تھوڑا تھوڑا کم ہوتا جاتا ہے۔ اور زوال کے بعد بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور غروب کے وقت بالکل چھا جاتا ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ رات تمہارے لیے لباس بن گئی کہ اس میں خفیہ کام انجام دے سکتے ہو۔ اور دن کے کاروبار

مَنْ اَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ

کہ کون بھٹکا ہوا ہے راستہ سے کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے بنالیا اپنا خدا اپنی خواہش کو کیا تو ہوگا

تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿٤٣﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ

اس پر نگران ؟ کیا تو سمجھتا ہے کہ ان کی اکثریت بات سنتی یا سمجھتی ہے

اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٤٤﴾ ع

وہ تو نہیں مگر چوپاؤں جیسے بلکہ ان سے بھی زیادہ راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاۗءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ تیرے رب نے کس طرح پھیلایا سایہ اور اگر چاہتا تو کرتا اس کو ساکن

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا

پھر کر دیا ہم نے دھوپ کو اس پر دلیل پھر ہم اس کو (سورج نکلنے کے بعد) اگھٹاتے گئے

يَّسِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا

تھوڑا تھوڑا اور وہ وہ ہے جس نے بنایا رات کو تمہارا لباس اور نیند کو راحت

سے تھک جانے کے بعد نیند کو آرام کا باعث قرار دیا گیا پھر تروتازہ ہو چکنے کے بعد دوبارہ سورج کو مشرق سے نکال کر تمہیں اٹھنے اور کاروبار میں مصروف ہونے کا موقعہ دیا۔

مَآءً طَهُوْرًا[۱۸۲] - طہور کے تین معانی ہیں (۱) طاہر کا مبالغہ طہور ہوتا ہے (۲) جس کے ساتھ طہارت کی جائے اس کو بھی طہور کہا جاتا ہے۔ پس پانی اور مٹی دونو طہور ہیں (۳) طہارت کو بھی طہور کہا جا سکتا ہے جس طرح وارد ہے۔ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِطَهُوْرٍ

اَنَاسِیَّ - یا تو انسان کی جمع ہے اور یا دوسری نون کا عوض ہے اور یا انسیّ کی جمع ہے جس طرح کرسی کی جمع کراسی ہوتی ہے۔

بارش کا پانی

تفسیر صافی میں بروایت فقیہ حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ اہل دنیا پر کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں بارش نہ برسی ہو۔ البتہ اس کو خدا پھیر پھیر کر برساتا ہے کسی دن کسی علاقہ میں اور کسی دن کسی علاقہ میں ورنہ اگر ایک جگہ ٹھہری رہے تو آبادی کی بجائے تباہی کی موجب ہو جائے۔

خداوند کریم نے قرآن مجید میں بارش کے پانی کو بالعموم مبارک پانی کہا ہے اور ماہ نیسان جو تقریباً ہندی مہینوں کے لحاظ

سے بیساکھ کے مہینے کے مطابق ہوتا ہے۔ اس ماہ میں برسنے والی بارش کے فوائد بہت زیادہ منقول ہیں غرضیکہ اس کو ہر دکھ و بیماری کے لیے مفید کہا گیا ہے چنانچہ اکثر گھروں میں پڑھے لکھے لوگ اس کو جمع کر کے رکھ دیتے ہیں اور سال بھر میں حسب ضرورت استعمال کرتے ہیں۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے پیٹ کی تکلیف کے مریض کو بارش کا پانی جو باعث برکت ہے اور شہد جو باعث شفاء ہے اور عورت کے حق مہر میں سے کوئی شے جو لطیب خاطر دے دے۔ کیونکہ اس کو اللہ نے ھنیأً مریأً کہا ہے ان تینوں کو ملا کر پی لینے کا حکم دیا چنانچہ وہ شخص صحتیاب ہو گیا۔ تفسیر کی جلد نمبر ۴ صفحہ ۱۱۱ پر حکایت گذر چکی ہے۔ بارش کے پانی کو خدا نے طہور کہا ہے اور فقہائے امامیہ کے نزدیک یہ آب جاری کے حکم میں ہے جب کہ اس قدر برسے کہ اُسے بارش کہا جا سکے اور اس کی حد یہ بتلائی گئی ہے کہ سخت زمین پر وہ جاری ہو جائے۔

مسئلہ۔ جس نجس زمین پر کم از کم بارش برسے اگر اس پر عین نجاست موجود نہ ہو تو وہ پاک ہو جائے گی۔

مسئلہ۔ اگر نجس کپڑا یا کوئی دوسری چیز جس پر عین نجاست موجود نہ ہو بارش میں رکھی جائے تو تر ہو جانے کے بعد وہ پاک سمجھی جائیگی۔

مسئلہ۔ جو تھوڑا نجس پانی زمین پر موجود ہوگا اگر رنگ بو اور مزہ اس کا تبدیل نہیں تو بارش کے پڑنے سے پاک ہو جائے گا۔ لیکن اگر نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل ہو چکا ہو تو وہ پاک نہ ہو گا جب تک اس کی یہ صفات زائل نہ ہوں۔

مسئلہ۔ جس آدمی نے غسل کرنا ہو تو بدن سے نجاست کو دُور کر کے نیت کر کے بارش میں کھڑا ہو جائے۔ پس پورے جسم کے تر ہو جانے کے بعد اس کا غسل ہو جائے گا اور یہ غسل ارتماسی شمار ہو گا۔

مسئلہ۔ بارش کا پانی زمین پر پڑی ہوئی نجس چیز کو اس وقت پاک کرتا ہے جب کہ براہ راست اُوپر پڑ رہی ہو۔ ورنہ اگر پہلے کسی دوسری چیز پر پڑنے اور وہاں سے نجس پر ٹپک رہی ہو تو وہ پاک نہیں ہو گی۔ لہذا چھت سے ٹپکنے والا پانی یا درخت کے پتوں سے گرنے والا مطہر نہیں ہو گا۔

مسئلہ۔ بارش برسنے کے دوران میں زمین پر چلنے والا پانی یا اکٹھا کھڑا ہوا پانی پاک سمجھا جائے گا۔ اگرچہ آنکھوں کے سامنے اس میں سے کتّا ہی گذر رہا ہو۔ یہ ایسا ہے۔ جس طرح دریا نہر میں سے کتے کا گذرنا اس کی نجاست کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بارش بھی چونکہ آب جاری ہے اور زمین والا پانی اس سے اتصال رکھتا ہے لہذا نجس نہیں ہوتا البتہ بارش رُک جانے کے بعد اگر کتا گذر جائے یا کوئی دوسری نجاست اس میں نظر آجائے تو کُر سے زیادہ ہونے کی صورت میں پاک ہو گا ورنہ نجس سمجھا جائیگا۔

مسئلہ۔ اگر تالاب کا پانی جس میں آب کثیر ہے اور نجاست کے پڑنے سے اس کا رنگ یا بو یا مزہ تبدیل ہو جائے۔ پس وہ نجس ہوگا اور اوصاف ثلثہ کے ختم ہو جانے کے بعد خود بخود پاک نہ ہو گا۔ جب تک اس کا اتصال آب جاری یا آب کثیر سے نہ ہو۔ پس ایسے تالاب پر اگر بارش ہو جائے تو وہ پاک ہو جائے گا۔

مسئلہ۔ کتے پر اگر بارش پڑ جائے اور وہ گھر میں داخل ہو کر کسی پاکیزہ برتن یا کپڑے یا جسم انسانی سے مس ہو جائے یا وہ بدن کو حرکت دے اور پانی کے قطرات اُڑ کر دوسری چیزوں پر پڑیں تو اس کو بارش کا پانی سمجھ کر پاک نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ نجس ہوں گے اور

وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ

اور بنایا دن کو اٹھنے کے لئے اور وہ ہے جس نے بھیجا ہواؤں کو اس کی رحمت (بارش) کی

يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِۦَ بِهٖ

خوش خبری دینے کے لئے اور اتارا ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی تاکہ زندہ کریں

پاک چیز جو اس سے مس ہو جائے گی وہ بھی نجس ہوگی۔

مسئلہ۔ زمین پر کھڑا ہوا نجس پانی خواہ تالاب وحوض میں ہو یا کسی برتن میں جو بارش کے پڑنے سے فوراً پاک ہو جائے گا۔ خواہ اس کے بعد اس کو ڈھانپ ہی کیوں نہ دیا جائے۔ کیونکہ نجس پانی کی طہارت کے لیے آب کثیر سے صرف ملاقات ضروری ہے۔ پس جس طرح برتن کے اندر کا نجس پانی بارش پڑنے سے فوراً پاک ہو جائے گا اسی طرح وہ برتن بھی پاک ہوگا۔ جس میں پانی موجود ہے۔

بہرکیف بارش کو اللہ نے کلام مجید میں تین نام دیئے ہیں (۱) مبارک چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا۔ یعنی ہم نے آسمان سے مبارک پانی نازل کیا (۲) طہور چنانچہ اسی آیت نمبر ۴۸ میں ہے (۳) رحمت جیسا کہ اسی آیت میں ہے کہ ہم اپنی رحمت سے پہلے خوش خبری دینے والی ہوائیں بھیجتے ہیں۔ طہور اور مبارک ہونے کے متعلق قدرے بیان ہو چکا ہے اور اس کا رحمت ہونا ایک ایسا بدیہی امر ہے کہ اس کی تشریح توضیح واضحات میں سے ہے۔ کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ جن سبزیوں باغوں اور کھیتوں کو نہری پانی سے سیراب کیا جائے۔ وہ بھی بارش کے محتاج ہوتے ہیں چنانچہ بارش کی وجہ سے جس طرح ان کی ظاہری رونق میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح دانہ پھل اور نشوونما میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ لذت اور ذائقہ نیز ان کی افادی حیثیت میں نمایاں ترقی ہو جاتی ہے جس کو زراعت کے فن سے وابستگی رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں اسی طرح یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جس علاقہ میں ایک عرصہ تک بارش نازل نہ ہو وہ علاقہ گوناگوں بیماریوں اور تکلیفوں کا مرکز بن جاتا ہے لوگوں کے لیے بلکہ حیوانوں اور حشرات الارض تک کے لیے بارش کی تاخیر ناقابل برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے پس جس طرح بارش کے نزول سے موسم میں خوشگوار سماں پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح انسانوں کے مزاج میں بھی عمدگی اور بہتری اپنے اندر محسوس کرتے ہیں اور انسانی طبائع خود بخود تندرستی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں اور آئی ہوئی آفات سماویہ اور پھیلی ہوئی امراض جسمانیہ کا فوری طور پر خود بخود خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جس کا کوئی بدل نہیں ناشکرے اور بے قدرے انسانوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ بلکہ الٹا اس کی اس نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ کا انکار نعمت کر کے ٹھکرا دیا۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ۔ یعنی دو دریا جب آپس میں ملتے ہیں تو دور دور تک چلے جاتے ہیں لیکن میٹھا میٹھا رہتا ہے اور تلخ تلخ باوجود ظاہری رکاوٹ نہ ہونے کے ایک دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ پس درمیان میں قدرتی حد موجود ہے پس اللہ خود بہتر جانتا ہے۔ اور جیسی طور پر مرغی کے انڈے میں سفیدی اور زرد رنگ کا پانی موجود ہوتے ہیں جو بغیر ظاہری حد کے ایک دوسرے سے جدا جدا ہوتے ہیں اور ایک کا اثر دوسرے سے جداگانہ رہتا ہے۔

بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾

اس کے ذریعے مردہ شہروں کو اور سیراب کریں اپنی مخلوق میں سے چوپاؤں کو اور بہت سے لوگوں کو

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا

اور تحقیق پھیر پھیر کر برسایا ہم نے ان کے درمیان تاکہ نصیحت لیں پس انکار کیا اکثر لوگوں نے مگر یہ کہ کفرانِ نعمت

كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾

کیا اگر ہم چاہتے تو بھیج دیتے ہر بستی میں نذیر

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾ وَهُوَ

پس نہ اطاعت کرو کافروں کی اور جہاد کرو ان سے اس (قرآن) کے ساتھ بڑا جہاد اور وہ

الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ

وہ ہے جس نے ملا دیا دو دریاؤں کو کہ یہ میٹھا طیب ہے اور وہ نمکین کھارا ہے اور

ص۱۸۳، مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا۔ چونکہ مٹی کو خدا نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے حضرت آدمؑ بھی پانی کی پیداوار ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اولادِ آدم مراد ہے جو نطفہ سے پیدا ہوئی پس اولادِ آدم میں سے جو مرد ہیں وہ نسب ہیں اور عورتیں صہر ہیں کیونکہ بیٹوں سے نسب کا سلسلہ ہوتا ہے اور بیٹیوں سے دامادی کا سلسلہ ہوتا ہے۔ اور تفسیر برہان و صافی میں ابن سیرین سے منقول ہے کہ اس کی تاویل بشر سے مراد حضور رسالتمآبؐ ہیں اور نسب سے مراد جناب فاطمہؑ ہیں اور صہر سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ اور بروایت ابن شہر آشوب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی تاویل منقول ہے۔ اور تفسیر ثعلبی سے منقول ہے ابن سیرین کہتا ہے کہ یہ آیت حضرت رسالتمآبؐ اور علیؑ و بتولؑ کے حق میں اُتری ہے اور حضورؐ نے فرمایا۔ لَوْ لَمْ يُخْلَقْ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ عليه السلام لَمَا كَانَ لِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ كُفُوًا۔ یعنی اگر علی پیدا نہ ہوتا تو فاطمہ کا کوئی کفو نہ ہوتا اور دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے علی سے فرمایا لَوْلَاكَ لَمَا كَانَ لَهَا كُفُوٌ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ۔ یعنی اگر تو نہ ہوتا تو روئے زمین پر فاطمہ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔

ص۱۸۴ اِلَّا مَنْ شَآءَ۔ یعنی میں تم سے قرآن اور تبلیغ کی اُجرت و فیس نہیں مانگتا البتہ جو شخص خوشنودیٔ خدا کے لئے کچھ خرچ کرنا چاہے تو اس کو میں منع نہیں کرتا بلکہ تاکید کرتا ہوں کہ اللہ کی رضا کے لئے صدقہ و خیرات کیا کرو۔

ص۱۸۵ ثُمَّ اسْتَوٰى۔ اس کی تفسیر سورۂ اعراف میں گذر چکی ہے۔ جلد نمبر ۶ صفحہ ۴۲ نیز جلد ۹ صفحہ ۱۷۱ پر بھی مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاۗءِ

کر دی ان کے درمیان ایک حد اور رکاوٹ مضبوط اور وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا (نطفہ) پانی

بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ﴿۵۴﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

سے انسان کو پس کیا اس کو نسب اور صہر اور تیرا رب قادر ہے اور وہ عبادت کرتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ

اللہ کے سوا اس کی جو نہ ان کو نفع دیتا ہے اور نہ نقصان پہنچاتا ہے اور ہے کافر اپنے رب کے خلاف

عَلٰي رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۵۶﴾ قُلْ

معاون (شیطان کا) اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا کہدو میں

مَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ

تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر جو چاہے اختیار کرے اپنے رب کی طرف راستہ

سَبِيْلًا ﴿۵۷﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَي الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ

اور توکل کر اوپر اس زندہ کے جو نہ مرے گا اور تسبیح کر اس کی حمد کی

فَاسْئَلْ بِهٖ یعنی اللہ کی معرفت کے متعلق واقف کار سے سوال کرو۔ اور حضرت رسالت مآبؐ ہی اس سے مراد ہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے اور مجمع البیان میں ہے یہودیوں نے اشیاء کی ابتدائی تخلیق کے متعلق جو بیان کیا تھا وہ قرآن کے خلاف تھا۔ اللہ نے ان کی تنبیہ کے لئے فرمایا ہے کہ یہ باتیں اللہ سے دریافت کرو جو اس چیز کا خبیر ہے۔

نُفُوْرًا۔ قرآن پڑھتے ہوئے اس آیت مجیدہ کو پڑھنے یا سننے کے بعد فوراً سجدہ کرنا مستحب ہے۔ اور اس کا طریقہ پہلے سورۂ اعراف کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔ جلد نمبر ۶ صفحہ ۱۵۷

بُرُوْجًا۔ شمس و قمر کے دائرہ گردش میں بروج و منازل کے متعلق ایک تحقیقی مقالہ علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کا تفسیر ہذا کی جلد نمبر ۷ کے صفحہ ۱۴۷ سے صفحہ ۱۵۱ تک ملاحظہ فرمائیں۔ اور شب و روز کے گھٹنے اور بڑھنے کی تحقیق تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۲۱۳ پر گذر چکی ہے۔ پس ان اُمور کی حکمت و مصلحت میں غور و خوض کرنا معرفت پروردگار کا محرک ہے اور صاحبان عقل و دانش کے لیے توحید خالق کی بہترین دعوت ہے۔

رکوع نمبر ۴

وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۸﴾ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور کافی ہے وہ کہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہے وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ

اور جو ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر متصرف ہوا عرش پر جو رحمٰن ہے

فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۵۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا

پس دریافت کر اس کے متعلق واقف کار سے اور جب کہا جائے ان کو کہ سجدہ کرو رحمٰن کے لئے تو کہتے ہیں

وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۶۰﴾ سجدہ ع ۳

کون رحمان ؟ کیا سجدہ کریں ہم جس کا تو کہے اور زیادہ ہوتے ہیں دوری میں

تَبٰرَكَ الَّذِىْ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا

بابرکت ہے وہ ذات جس نے بنایا آسمان میں برجوں کو اور بنایا اس میں سورج

عِبَادُ الرَّحْمٰنِ [۱۸] یعنی اللہ کے خالص بندوں کی یہ علامتیں ہیں جو اگلی آیات میں تفصیل وار بیان کی گئی ہیں (۱) زمین پر باوقار اور پُرسکون ہو کر چلتے ہیں کوئی تکبر و بڑائی ان کی رفتار سے ظاہر نہیں ہوتی (۲) جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کریں تو اللہ کے بندے ان کا جواب طیش و غصہ سے یا چھچھورے پن سے نہیں دیتے بلکہ ایسی بات کرتے ہیں جس میں دنیا و دین کی سلامتی کا راز مضمر ہوتا ہے پس ان کا دن سلامتی کا ضامن اور ان کی رات ان کے خالق کے درمیان قرب و وصال کا سماں پیدا کرتی ہے (۳) رات کو عبادت یعنی سجود و قیام میں گذارتے ہیں۔ (۴) اللہ سے عذاب جہنم کے دفع کرنے کی دعائیں مانگتے ہیں یعنی اللہ کے بندوں کی یہ شان ہے کہ کثرت عبادت ان کو خوفِ خدا سے الگ نہیں کرتی بلکہ جس قدر عبادت بڑھتی جاتی ہے اسی قدر ان کے دل میں عظمت و جلال پروردگار زیادہ ہوتا ہے اور دلوں پر رعب طاری ہوتا ہے اور اس کی گرفت کا ڈر پیش نظر رہتا ہے۔ اسی لئے معصوم نے فرمایا ہے کہ مومن کا ایمان خوف اور رجا کے دو پہلوؤں کے درمیان بند ہوتا ہے وہ ایک طرف اللہ کی رحمت کی امید رکھتا ہے اور دوسری طرف اس کی گرفت کا ڈر رکھتا ہے۔ اور یہ دونو وزن میں برابر ہوتے ہیں (۵) اللہ کے نیک بندوں کی یہ علامت ہے کہ خرچ کرنے میں فضول خرچی اور کنجوسی دونوں سے بچ کر درمیانہ خرچ کرتے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے ناجائز خرچ کرنا اسراف ہے اور حق پر نہ خرچ کرنا کنجوسی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اپنے کھانے اور پینے میں کوئی اسراف نہیں ہوتا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

وَّقَمَرًا مُّنِيرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً

اور چاند روشنی دینے والا اور وہ وہ ہے جس نے کیا رات اور دن کو ایک دوسرے کے

لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ

بعد آنے والا واسطے اس کے جو چاہے معرفت حاصل کرے یا چاہے شکر گذار بننے اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو

الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ

چلتے ہیں پر زمین کے وقار سے اور جب ان سے خطاب کریں جاہل لوگ

قَالُوا سَلَامًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿٦٤﴾

تو کہیں سلامتی کی بات اور وہ وہ ہیں جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدہ و قیام کی حالت میں

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا

اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار پھیر ہم سے دوزخ کا عذاب تحقیق اس کا عذاب

نے فرمایا اسراف اس میں ہے جو جسم و مال کو نقصان دے اور کنجوسی یہ ہے کہ طاقت کے باوجود نمک روٹی پر گذارا کرے اور میانہ روی گوشت روٹی وغیرہ ہے (صافی) جلد ۹ صفحہ ۲۴ پر بھی اشارہ گذر چکا ہے (۶) ان کی چھٹی علامت یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے (۷) ان کی ساتویں علامت یہ ہے کہ نفس محترمہ کو قتل نہیں کرتے ناجائز طور پر البتہ قصاص کے طور پر یا شرعی حد کی صورت میں واجب القتل کو قتل کرنا کوئی گناہ نہیں ہے (۸) ان کی آٹھویں علامت یہ ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ اثام جہنم میں ایک وادی ہے جس میں پگھلا ہوا تانبہ ہوگا اس میں وہ جلے گا جو غیر اللہ کی پرستش کرے یا نفس محترمہ کا قاتل ہو۔ اور زانی لوگ بھی اس وادی میں ہوں گے۔

يَخْلُدْ فِيهِ۔ قرآن مجید میں یہ ایک مقام ہے جہاں فِیْہٖ میں ہا ضمیر کے نیچے کسرہ کو پُر کر کے یا کی حد تک پہنچایا جاتا ہے۔

إِلَّا مَن تَابَ یعنی توبہ کرنے کے بعد توبہ کرنے والے کے اعمالنامہ میں برائی کی بجائے نیکی لکھی جائے گی اور گناہ کی جگہ ثواب درج ہوگا گویا سابق شرک کی بجائے توحید پرستی اور سابق زنا کی جگہ عفت و پاکدامنی اس کے نامۂ اعمال میں ہوگی۔

تفسیر صافی میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہماری اہل بیتؑ کی محبت گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے اور ہمارے محبوں کے مظالم عباد خدا اپنے ذمہ لے لے گا۔ بشرطیکہ انہوں نے مومنوں کی حق تلفی اور ضرر رسانی نہ کی ہو۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت صحیح مسلم حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بروز محشر ایک

كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ إِذَا

سخت ہے تحقیق وہ بری کار ہائش گاہ اور برا مقام ہے اور وہ ہیں کہ جب

أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

خرچ کریں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں اور ہے (ان کا خرچ) ان کے درمیان متوسط

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي

اور جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو اور نہ قتل کرتے ہیں اس نفس کو جو

حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾

اللہ نے حرام کیا ہے مگر جائز طور پہ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ فعل کرے گا پائے گا اس کا بدلہ

يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾

کہ دگنا کیا جائے گا اس کا عذاب قیامت کے دن اور اس میں ہمیشہ ذلیل رہے گا

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ

مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے پس تبدیل کرے گا

مردِ مومن کو جب لایا جائے گا تو حکم ہوگا کہ اس کو چھوٹے گناہ دکھائے جائیں اور اس کے گناہانِ کبیرہ کو مٹا دیا جائے اور وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے والا ہوگا لہٰذا اس کی برائیوں کی جگہ پر نیکیاں لکھی جائیں گی حتیٰ کہ وہ بندہ خود حیران ہوگا کہ میرے گناہ کہاں چلے گئے۔ ابوذرؓ کہتا ہے حضورؐ نے یہ حدیث بیان کی اور اس قدر ہنسے کہ آپؐ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے۔

وَالَّذِينَ ...۹) ان کی نویں صفت یہ ہے کہ وہ بے حیائی فحش اور گانے بجانے کی مجالس میں شریک نہیں ہوتے اور روایات اہل بیتؑ میں زور سے مراد گانا ہے۔ دورِ حاضر میں جو مجلس آل محمدؐ کے فضائل و مصائب کے نام سے منعقد کی جاتی ہے اگر اس میں گلوکاری اور فلمی گانوں کی نقالی ہی ہو تو مجلس ہو تو یقیناً اس میں حاضر ہونا مجلسِ زُور میں حاضر ہونا ہے اور ثواب تو بجائے خود یہ عمل گناہ کبیرہ ہے۔

(۱۰) ان کی دسویں صفت یہ ہے کہ جب کسی ناشائستہ جگہ سے گذریں یا گناہ کے مقام سے گذریں تو چپکے سے دامن بچا کر چلے جاتے ہیں

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا۔ ان کی گیارہویں علامت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے وعظ و نصیحت کے لئے آیات خداوندی کی تلاوت کی جائے تو وہ آیات کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور تفکر و تدبر کر کے معرفت کی منازل پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، ایسا

اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ

اللہ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان اور جو توبہ کرے اور عمل

صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ

صالح بجا لائے تو بیشک وہ اللہ کی طرف اچھا پلٹنا اور وہ جو نہیں حاضر ہوتے گانے (کی مجالس) میں

الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا

اور جب گذریں گناہ کی چیزوں کے پاس سے تو شریفانہ گذر جاتے ہیں اور وہ کہ جب ان کو نصیحت کی جائے

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ

اپنے رب کی آیتوں سے تو نہیں پڑتے ان کے خلاف بہرے اور اندھے ہو کر اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ

رب بخش ہمارے لئے ہماری ازواج اور ہماری ذریت میں سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور کر ہمیں متقیوں کا

اِمَامًا ﴿٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً

امام ایسے لوگوں کو جزا دی جائے گی بلند درجہ کی بوجہ صبر کے اور بھیجا جائے گا ان میں ان پر

وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ

تحیہ وسلام ہمیشہ رہیں گے اس میں وہ بہترین جائے رہائش اور قیام گاہ ہے کہہ دیجئے کیا پرواہ تھی تمہاری میرے

لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ ع ۴

رب کو اگر نہ بلاتا تم کو (ایمان کی طرف) پس تم نے جھٹلایا تو عنقریب ہوگا (عذاب) ضروری

نہیں کہ بہروں کی طرح سنیں یا اندھوں کی طرح ان کی طرف نہ دیکھیں اور اپنے ضد پر ڈٹ کر پڑے رہیں۔

(۱۳) یَقُوْلُوْنَ۔ اس آخری صفت کے بلکہ بیان کردہ جمیع اوصاف کے حقیقی مصداق محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں، البتہ بعض صفات شیعانِ آلِ محمدؐ کے چیدہ چیدہ افراد میں پائی جاتی ہیں۔ خدا ہم سب کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی غلامی کی صحیح توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ۔ کفار کو خطاب ہے کہ خدا کو تمہاری کیا پرواہ ہے یعنی تم خدا کا کیا بگاڑ سکتے ہو یا کونسی اس کی بگڑی بنا سکتے ہو۔ اگر وہ تمہیں اسلام کی طرف دعوت نہ دیتا یعنی دُعاءکم میں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ یعنی اگر خدا تم کو اسلام کی طرف نہ بلاتا تو اس کو پروا تو نہ تھی لیکن صرف اتمام حجت اور اقتضائے مصلحت کے ماتحت اس نے تم کو دعوت اسلام بھیجی ہے جس کو تم نے جھٹلایا اور انجام میں جہنم کے حقدار ہوئے۔

فرا بین آئمہ سے اس کا معنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ اللہ کو کیا پرواہ تھی اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو تم کو دوزخ میں بھیجدیتا بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ قرأت افضل ہے یا دعا؟ تو آپ نے فرمایا دعا افضل ہے۔ پھر آپ نے استشہار کے طور پر یہی آیت تلاوت فرمائی۔

تیسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ ہے اگر تمہاری عبادت نہ ہو۔ پس دعا کو عبادت کے معنی میں لیا گیا ہے۔ پس اس کا مفہوم یہ نکلا کہ جو اس کی عبادت نہ کرے اور فرمانبردار نہ ہو اس کی اللہ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے۔

چوتھا معنی یہ کیا گیا ہے کہ خدا کو تمہارے عذاب میں گرفتار کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر تمہارا بعض دوسرے بعض کو شرک و کفر کی دعوت نہ دیتا لیکن چونکہ تم نے جھٹلایا تو اب عذاب کا انجام لازمی ہے

۹ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۶۹ء ۵ بجکر ۲۶ منٹ شب جمعہ تقریباً پونے ۸ بجے تفسیر سورۂ فرقان سے فارغ ہوا ہوں۔ اور خدا سے دعا ہے کہ مجھے بہت جلد اپنی کتاب کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ بجاہ محمد و آلہ الطاہرین۔

سُورۂ شُعَرآء

یہ سورہ مکیہ ہے صرف آخری چار آیتیں مدنی ہیں۔ اس کی آیات کی تعداد دو سو ستائیس ہے اور بسم اللہ کے ساتھ ۲۲۸ ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت صدوق ابوبصیر سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص طواسین ثلثہ (وہ تین سورتیں جو طسٓ سے شروع ہوتی ہیں) کو ہر شب جمعہ پڑھے تو وہ اولیاء اللہ سے ہو گا۔ اللہ کے جوار رحمت میں اور اس کی حفاظت میں ہو گا نیز وہ دنیا کی کوئی تنگی نہ دیکھے گا اور آخرت میں اس قدر جنت اس کو ملے گی کہ وہ راضی ہو گا اور اس سے بھی زیادہ اس کو ملے گی اور ایک سو حور عین سے اس کی شادی ہو گی۔

جناب رسالتمآب سے مروی ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور قبر سے کلمہ توحید پڑھتا ہوا نکلے گا اور صبح سویرے جو اس کی تلاوت کریگا گویا اس نے تمام کتب سماویہ کی تلاوت کی اور جو شخص اس کو لکھ کر پانی سے دھو کر پیئے وہ ہر بیماری سے شفا پائے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر ایک مرغ کلغی دار کی گردن میں باندھے تو وہ مرغ اس کے پیچھے چلے گا یہاں تک کہ خزانے کے اوپر پہنچ کر کھڑا ہو جائے گا یا جس جگہ وہ ٹھہرے گا۔ وہاں پانی نزدیک ہو گا (از خواص القرآن)

حضورؐ نے فرمایا جو ہمیشہ اس کی تلاوت کرتا رہے اس کے گھر میں چور داخل نہ ہو گا اور نہ وہ جلے گا اور نہ غرق ہو گا پھر حدیث سابق کی مثل ہے لیکن یہاں مرغ سفید کا ذکر ہے اور یہ کہ یا وہ مرغ خزانے پر ٹھہرے گا یا جادر کے مقام پر رکے گا اور اپنی چونچ سے کھود کر اس کو ظاہر کر دے گا۔ (از خواص القرآن)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

طٰسٓمّٓ ① تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ② لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ

طٰسٓمّٓ یہ آیتیں ہیں کتاب مبین کی شاید تو ہلاک کرنے والا ہے اپنے آپ کو

اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ③ اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ

کہ وہ مومن نہیں ہوتے اگر ہم چاہیں تو نازل کریں ان پر آسمان سے کوئی نشانی

اٰیَۃً فَظَلَّتۡ اَعۡنَاقُہُمۡ لَہَا خٰضِعِیۡنَ ④ وَ مَا یَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ

پس ہو جائیں ان کی گردنیں اس کے لئے کہ وہ جھکنے والے ہوں اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی

ذِکۡرٍ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ مُحۡدَثٍ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہُ مُعۡرِضِیۡنَ ⑤ فَقَدۡ

ذکر رحمٰن کی طرف سے نیا مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں پس تحقیق

کَذَّبُوۡا فَسَیَاۡتِیۡہِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ⑥ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا

انہوں نے جھٹلایا پس آئیں گی ان کے پاس خبریں اس کی جس کے ساتھ وہ مسخری کرتے تھے کیا انہوں نے نہیں

رکوع نمبر ۵

طٰسٓمّٓ - آلمٓ کی تفسیر میں حروف مقطعات قرآنیہ کے متعلق بحث گذر چکی ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت محمد بن حنفیہ حضرت امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ طٰسٓمّٓ جب نازل ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا ط طور سینا س اسکندریہ اور م مکہ ہے نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ط سے مراد درخت طوبیٰ ہے اور س سے سدرۃ المنتہیٰ اور م سے محمد مصطفےٰ مراد ہیں۔

تِلۡکَ آیات۔ تلک اشارہ ہے غائب کی طرف یعنی ان آیات کی طرف جو ابھی بعد میں اُترنے اور پڑھی جانے والی ہیں یعنی یہ وہی آیات ہیں جن کا تم سے وعدہ کیا جا چکا ہے اور ممکن ہے اشارہ قرآن مجید کی طرف ہو۔ اور مبین سے مراد ہے حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی۔

بَاخِعٌ۔ یعنی ہلاک کرنے والا۔ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ قریش مکہ کے ایمان نہ لانے سے آپؐ کیوں غمزدہ ہیں اگر ہم چاہیں تو آسمان

إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۞ إِنَّ فِي

دیکھا زمین کی طرف کہ کس قدر پیدا کئے ہم نے اس میں اچھے جوڑے تحقیق اس میں

ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۞ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

نشانی ہے حالانکہ ان میں سے اکثر نہیں ایمان لاتے اور تحقیق تیرا رب غالب

سے ایک نشانی اتاریں جس سے سب کی گردنیں جھک جائیں۔ لیکن یہ تقاضائے مصلحت کے خلاف ہے۔

فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ۔ یہاں ظلّت افعال ناقصہ میں سے ہے اور اعناق اس کا اسم اور خاضعین اس کی خبر ہے۔ یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعناق غیر ذوی العقول میں سے ہے اور خاضعین ذوالعقول کی جمع کا صیغہ ہے لہذا حمل کیسے درست ہوسکتا ہے تو اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں (۱) اصل میں أَصْحَابُ الْأَعْنَاقِ تھا یعنی گردنوں والے جھک جائیں گے تو مضاف کو محذوف کرکے مضاف الیہ کو اس کی جگہ پر کھڑا کیا گیا ہے (۲) اعناق سے مراد رؤسا اور امراء کا طبقہ یا یہ کہ عنق سے مُراد جماعت اور اعناق یعنی جماعتیں لوگوں کی جھک جائیں گی ان کے علاوہ اور تاویلیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔

روایات اہل بیتؑ میں بالتواتر منقول ہے کہ اس سے مراد حضرت قائم علیہ السلام کا زمانہ ہے اور آسمانی نشانی سے مراد وہ آواز ہے جو آسمان سے آئے گی حتیٰ کہ ہر پردہ نشین عورت اپنے کمرے میں بیٹھ کر سن لے گی اور اہل مشرق و مغرب سن سکیں گے اور امام رضا علیہ السلام نے فرمایا۔ آسمان کی جانب سے ایک منادی ندا کرے گا جس کو تمام اہل زمین سنیں گے وہ حجۃ اللہ کی آمد اور ان کے ظہور کا اعلان کرے گا کہ بیت اللہ کے پاس وہ ظاہر ہو چکے ہیں لہذا اس کی اتباع کرو۔

مِنْ ذِكْرٍ۔ ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور کئی مقامات پر ذکر سے مراد قرآن لیا گیا ہے یعنی جب بھی قرآن کی کوئی نئی آیت اترے تو یہ لوگ ازراہ حسد و عناد منہ پھیر لیتے ہیں۔ خداوند کریم نے ان کی سرزنش کے لئے فرمایا کہ اب تو وہ تکذیب کرتے ہیں لیکن اس مسخری اور روگردانی کا مزہ ایک دن ضرور چکھیں گے۔

زَوْجٍ كَرِيمٍ۔ یعنی زمین پر ہم نے انسانوں کے منافع کے لئے ہر جنس کا جوڑا جوڑا اگایا ہے مقصد یہ ہے کہ مختلف قسم کے میوہ جات سبزیاں، پھل وغیرہ پیدا کئے ہیں اور کریم سے مراد ہے کہ وہ قابل شکر اور قابل عزت ہیں اور ہم نے زمین سے اُگنے والی اشیاء کے جوڑے ہونے کی وضاحت تفسیر ہذا کی جلد نمبر ۸ میں صفحہ ۲۰۱ پر کی ہے۔

رکوع ۶ حضرت موسیٰؑ کا ذکر

خداوند کریم نے اپنے حبیبؐ کی دل جوئی کے لئے سابق انبیاء کے قصے بیان کئے ہیں تاکہ کفار و مشرکین کی ایذارسانی سے غمزدہ نہ ہوں، اور اپنے مشن کو جاری رکھیں۔

وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي[۱۹۲]۔ حضرت موسیٰؑ کی زبان میں تتلاہٹ کی وجہ جلد نمبر ۹ صفحہ ۱۲۸ پر دیکھئے۔

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٩﴾ وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ

مہربان ہے اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جاؤ ظالم قوم کے

الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١١﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ

پاس یعنی قوم فرعون کے پاس کیا وہ خوف نہ کریں گے کہا اے رب تحقیق میں ڈرتا ہوں کہ

أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ

وہ مجھے جھٹلا دیں اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان میں روانی نہیں پس بھیج طرف

إِلَىٰ هَارُونَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿١٤﴾ قَالَ

ہارون کے (کہ میری مدد کرے) اور ان کا میرے اوپر ایک دعویٰ ہے پس ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں فرمایا

عَلَيَّ ذَنْبٌ۔ یعنی قبطیوں کا میرے اُوپر ایک دعوٰے ہے اور وہ یہ کہ میں نے ان کا ایک آدمی قتل کیا ہوا ہے تو ہو سکتا ہے کہ انتقام میں وہ مجھے قتل کر دیں۔

جناب رسالتمآبؐ سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے کہ میرے بھائی موسیٰؑ نے کوہ طور پر اپنے پروردگار سے مناجات کی تھی آخر میں خدا نے ارشاد فرمایا تھا کہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ اور ڈرو مت کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں اس کا جواب حضرت موسیٰ نے جو دیا تھا اس کا ذکر خدا خود فرماتا ہے (کہ میں ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں لہٰذا مجھے ان سے قتل کا اندیشہ ہے) لیکن اس طرف علی کو دیکھو کہ میں نے اس کو سورہ برائت دے کر اہل مکہ کی طرف بھیجا ہے حالانکہ علی ان کے کافی آدمیوں کو قتل کر چکا ہے لیکن نہ ڈرا نہ گھبرایا اور نہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کا خوف کیا مکہ والے علی پر دانت پیستے رہے کیونکہ علی کے ہاتھوں کسی کا باپ مارا جا چکا تھا اور کسی کا بھائی قتل ہو چکا تھا۔ پس خدا نے اس کو محفوظ رکھا اور وہ واپس بخیریت مدینہ میں پہنچ گیا۔ (المجالس المرضیہ ص

فَاذْهَبَا۔ یہاں عبارت محذوف ہے یعنی خدا نے ان کی دعا کو مستجاب کیا اور ہارون کو موسیٰؑ کا ساتھی قرار دے کر اب دونو کو جانے کا حکم دیا اس لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال فرمایا ہے

قَالَ أَلَمْ۔ یہاں بھی عبارت محذوف ہے کہ دونو گئے اور فرعون کو پیغام حق سنایا۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرعون نے موسیٰؑ کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی اور دروازے بند کر لئے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا تو سب دروازے کھل گئے پس آپ سیدھے تخت فرعون کے سامنے چلے گئے اور بے دھڑک پیغام خداوندی سنا دیا تو فرعون نے جواب میں کہا۔ تجھے ہم نے بچپنے میں پالا ہے اور کئی سال (ابن عباس

كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِآيٰتِنَآ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿١٥﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ

ہرگز نہیں پس تم دونو جاؤ ہماری آیات کے ساتھ تحقیق ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں پس جاؤ فرعون کے

فَقُولَآ إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ

پاس پس کہو کہ ہم رب العالمین کے رسول ہیں کہ بھیج ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو

﴿١٧﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ

(فرعون) کہنے لگا کیا تجھے ہم نے بچپنے میں پالا نہیں اور تو ٹھہرا ہے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال؟

سِنِينَ ﴿١٨﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿١٩﴾

اور کیا تو نے وہ کام (قبطی کا قتل) جو کیا حالانکہ تو انکار کرنے والا تھا (ہمارے احسان کا)

قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّآلِّينَ ﴿٢٠﴾ فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ

کہا (موسیٰ نے) میں نے وہ اس وقت کیا جبکہ میں راستہ سے بھٹکا ہوا تھا پس تم سے بھاگ گیا جب کہ تم سے ڈرا

فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ

پس عطا کی مجھے میرے رب نے نبوت اور بنایا مجھے رسولوں میں سے اور کیا یہ احسان ہے جو

سے ۱۸ برس منقول ہیں) تو نے ہمارے ہاں گذارے۔ پھر تو نے ہمارے سب احسانات کو فراموش کرکے ایک قتل بھی کر لیا؟ آپ نے فرمایا مجھ سے جو قتل ہوا ہے۔ وہ غیر ارادی طور پر ہوا ہے کیونکہ میرا ارادہ قتل کا نہ تھا یا یہ کہ یہ قتل مجھ سے اس وقت ہوا، جب کہ میں کہیں جاتے ہوئے اپنا راستہ گم کرچکا تھا۔

حُكْمًا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت نبی بنائے گئے بلکہ نبوت اور اس کی استعداد پہلے سے تھی اور اسی بناء پر تو اللہ نے اس کو فرعون کے شر سے (قتل اور دیگر خطرناک مقامات سے محفوظ رکھا اور دوسری دایہ عورتوں کا دودھ اس پر حرام قرار دیا وغیرہ پس اب گویا اعلان نبوت کا مجھے حکم ملا ہے اور رسول ہو کر تیرے پاس آگیا ہوں۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ۔ اور فرعون نے چونکہ اپنے احسانات جتلائے تھے اور موسیٰ کو پروردہ نعمت قرار دے کر مرعوب کرنا چاہا تھا تو موسیٰؑ نے نہایت بے دھڑک ہو کر دوٹوک بات کہدی کہ یہ تیرا کونسا احسان ہے کہ تو نے میری پوری قوم کو اپنا غلام اور قیدی بنا رکھا ہے اگر وہ تیری قید میں نہ ہوتے تو مجھے اپنے گھر میں اپنی ماں خود پالتی یا یہ کہ تو نے چونکہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کردیا ہے

تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ

تو جتلا رہا ہے مجھ پر ؟ کہ تو نے اپنا عبد بنا رکھا ہے بنی اسرائیل کو فرعون نے کہا

وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

اور ربّ العالمین کیا ہے ؟ (جس کا تو رسول ہے) فرمایا آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ

بَيْنَهُمَآ إِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُۥٓ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿۲۵﴾

ان کے اندر ہے اگر تم یقین کرتے ہو (کہ رب ایسا ہونا چاہیئے) اس نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں سے کہا کیا تم نہیں سن

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَآئِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۶﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ

رہے ہو ؟ آپ نے فرمایا تمہارا رب اور تمہارے گزشتہ باپ دادوں کا بھی رب ہے اس نے کہا تحقیق یہ رسول جو تمہاری

الَّذِيٓ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ

طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے (موسیٰ نے کہا) وہ مشرق و مغرب کا رب

الْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَئِنِ

ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم عقل رکھتے ہو (فرعون) کہنے لگا اگر تو نے

اور اس ڈر سے میری ماں نے مجھے دریا میں ڈال دیا اگر بنی اسرائیل کو تو قیدی نہ بناتا اور ان کے بچوں پر قتل کا ظلم نہ کرتا تو میری ماں مجھے دریا میں نہ ڈالتی اور تیری تربیت کی نوبت نہ آتی تو یہ تیرا احسان نہیں بلکہ تیرے ظلم نے یہ اسباب خود پیدا کئے جن کو تو اب احسان کا نام دے رہا ہے بلکہ درحقیقت یہ تو تیرے ظلم کا پس منظر ہے۔ جس پر بجائے اترانے کے تجھے پچھتانا چاہیے۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب سنا تو اس کی تردید نہ کر سکا پس فوراً کلام کا رُخ بدلتے ہوئے کہنے لگا وہ کون ربّ العالمین ہے جس کا رسول بن کر تو آیا ہے ؟ یہ بات یاد رہے کہ فرعون نے لفظ ما سے سوال کیا جو طلب حقیقت کے لئے آتا ہے اور ماہیت تامہ جواب میں مطلوب ہوتی ہے اور چونکہ خداوند کریم جنس سے بلند و بالا ہے اور اس کی کنہ حقیقت تک رسائی کسی کے بس میں نہیں البتہ وہ اپنی صفات سے پہچانا جاتا ہے پس حضرت موسیٰ نے فرعون کے سوال کے جواب سے پہلوتہی کرتے ہوئے صفات خداوندی کے بیان کو شروع کر دیا کیونکہ فرعون کا سوال غلط اور نافہمی کی بنا پر تھا۔ پس فرمایا عالمین کا رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ربّ العٰلمین کی شان یہی ہے گویا حضرت موسیٰ ؑ نے افعال خداوندی سے ذات خدا کی معرفت کا درس دیا تو فرعون نے جھلا کر حاضرین مجلس کی طرف دیکھا

اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ

میرے علاوہ کوئی اور معبود بنایا تو میں تجھے قید کر دوں گا آپ نے کہا کیا

جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ

لاؤں میں تیرے سامنے ایک معجزہ ظاہر؟ اس نے کہا لے آ اگر ہے تو سچا

﴿۳۱﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ

پس ڈالا اپنے عصا کو تو وہ ایک اژدہا تھا سچ مچ اور آستین سے ہاتھ باہر

اور ازراہِ حیرت ان سے کہنے لگا کہ سنتے ہو جو یہ کہہ رہا ہے؟ فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کلام کو آگے بڑھا کر فرمایا وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے گذشتہ باپ دادوں کا بھی پروردگار ہے تو اس کا جواب فرعون کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ کہا یہ جو رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ دیوانہ ہے اور جھوٹے اور لاجواب ضدی انسان کا آخری حربہ یہی ہوا کرتا ہے کہ اخلاق کی حدود کو توڑ کر زبان سے جو چاہے بڑبڑاتا چلا جائے حضرت موسیٰ نے دامن استقلال کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور نہ جذبات کی طرف آئے۔ اس کی بکواس پر کان دھرے بغیر آگے بڑھے اور فرمایا وہ مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب ہے پس فرعون نے لاجواب ہو کر دھمکی دی کہ اگر تم مجھے خدا نہ مانو گے تو میں تم کو قید کر لوں گا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنی صداقت پر معجزہ دکھا سکتا ہوں۔ جب اس نے مانگا تو آپ نے دو معجزے دکھائے عصا کو زمین پر پھینکا تو وہ اژدہا بن گیا اور ہاتھ کو آستین سے باہر نکالا تو ید بیضا ہو گیا، واقعہ کی تفصیل تفسیر کی جلد نمبر ۶ ص۶۷ تا ص۷۱ ملاحظہ فرمایئے۔ بروایت قمی اژدہا کے ڈر سے فرعون کے حاشیہ نشین سب دوڑ گئے۔ اور فرعون خود بھی ڈر کے مارے آپے سے باہر ہو گیا۔ پس موسیٰ کو اپنے اللہ کا اور بچپنے کی تربیت کا واسطہ دیا تو موسیٰؑ نے عصا کو اٹھا لیا۔ تب فرعون کا ہوش ٹھکانے آیا۔ پس ایمان لانے کا ارادہ کیا لیکن ہامان نے کہا شرم کر اب تک تو معبود بنا بیٹھا تھا۔ اب کسی اور کا عبد بننا چاہتا ہے۔

رکوع نمبر ۷

قَالَ لِلْمَلَاِ۔ یعنی ہوش ٹھکانے آیا تو سرداران قوم سے مشورہ طلب کیا۔

اَرْجِهْ۔ اس کی تفسیر جلد نمبر ۶ ص۷۲ پر دیکھئے۔

نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ۔ یعنی ہم جادوگروں کی بات کو مانیں گے مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین کی اتباع سے چھٹکارا ملے ورنہ جادوگروں کی اطاعت وہ کیسے کرتا جو اپنے اوپر خالق کی اطاعت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ ایک ہزار جادوگر جمع ہوتے تھے۔ تفسیر صافی سے ان کی تعداد ستر ہزار منقول ہے (تفسیر سورہ طٰہٰ) پھر ان میں سے ایک سو کا انتخاب ہوا۔ اور

فَاِذَا هِيَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ۳۳ قَالَ لِلۡمَلَاِ حَوۡلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا

کیا تو وہ روشن تھا دیکھنے والوں کے لئے کہا سرداروں کو جو اس کے ارد گرد تھے تحقیق یہ

لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ۳۴ يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهٖ

ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ تم کو نکال دے اپنی زمین سے بذریعہ اپنے جادو کے پس

فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ۳۵ قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ وَابۡعَثۡ فِی الۡمَدَآئِنِ

تم کیا مشورہ دیتے ہو کہنے لگے ٹال دو اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج دو شہروں میں

حٰشِرِيۡنَ ۳۶ يَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيۡمٍ ۳۶ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ

اپنے کارندے جو ڈھونڈ لائیں ہر بڑے ماہر جادوگر کو پس اکٹھے ہو گئے جادوگر

لِمِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ۳۷ وَّقِيۡلَ لِلنَّاسِ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّجۡتَمِعُوۡنَ ۳۸

مقرر دن کے معین وقت میں اور کہا گیا لوگوں کو کیا تم بھی جمع ہو گے ؟

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنۡ كَانُوۡا هُمُ الۡغٰلِبِيۡنَ ۳۹ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

شاید ہم تابع ہوں گے جادوگروں کے اگر وہ غالب آئے پس جب جادوگر آگئے

پھر ان میں سے ۸۰ ماہر جادوگروں کو چنا گیا۔ پس انہوں نے فرعون سے کہا تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت روئے زمین پر ہم سے زیادہ کوئی جادوگر نہیں ہے۔ پس اگر ہم جیت گئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا؟ تو فرعون نے جواب دیا کہ اگر تم میدان جیت گئے تو میں تم کو اپنے ملکی معاملات میں اپنا مقرب بناؤں گا پھر جادوگروں نے کہا اگر موسیٰ ہم پر غالب آجائے اور ہمارے جادو کو باطل کر دے پس ہم سمجھیں گے کہ اس کا کرشمہ جادو نہیں پس ہم ایمان لانے پر مجبور ہوں گے تو فرعون نے جواب دیا اگر موسیٰ تم پر غالب آجائے تو میں بھی تمہارے ساتھ مل کر اس کی تصدیق کروں گا لیکن تم اپنے ہنر میں کمی نہ کرنا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ فرعون اسی ۸۰ ذراع بلند گنبد نما چبوترے پر بیٹھتا تھا جس کے اوپر صیقل شدہ لوہے کی چادر چڑھی تھی کہ دن کی چمک پڑنے کے بعد اس کی طرف نظر کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔

بِعِزَّةِ فِرۡعَوۡنَ ۔ یعنی ان لوگوں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا ہم ضرور غالب ہوں گے۔ تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے عصا ڈال کر زمین پر پہنچتے ہی تانبے کی طرح پگھلا پھر اژدہا بن کر اس نے باچھیں کھول لیں اس کا اوپر کا ہونٹ فرعون کے تخت کے اوپر

قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾

تو فرعون سے کہنے لگے کیا ہمارے لئے کوئی اُجرت ہوگی اگر ہم جیت گئے

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى

(فرعون نے) کہا ہاں اور تحقیق تم تو پھر میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے فرمایا ان کو موسیٰ نے پھینکو جو تم

أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ

پھینکنے والے ہو پس انہوں نے پھینکا اپنی رسیوں اور لکڑیوں کو

وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَأَلْقٰى مُوسٰى

اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم تحقیق ہم ضرور غالب ہیں پس ڈالا موسیٰ نے

عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ

اپنا عصا تو وہ فوراً نگل گیا اس کو جو انہوں نے جھوٹ بنایا تھا پس گر گئے سب جادوگر سجدہ

سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ مُوسٰى وَ

کرتے ہوئے کہنے لگے ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ و ہارون کا رب

تھا اور دوسرا ہونٹ نیچے لٹکایا پس وہ جادوگروں کے سب مصنوعی سانپوں کو ہڑپ کر گیا لوگوں پر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ بے تحاشا ڈر کے مارے بھاگ نکلے حتیٰ کہ اس بھیڑ میں دس ہزار کے قریب زن و مرد اور بچے کچلے گئے فرعون و ہامان کا ڈر سے کپڑوں میں پاخانہ نکل گیا اور بال سفید ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر گئے اور حضرت موسیٰؑ پر بھی خوف طاری ہوا چنانچہ ارشاد ہوا ڈرو نہیں سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْأُوْلٰى کہ اس کو ہم پہلی شکل پر پلٹا دیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف کی وجہ ہم نے جلد نمبر ۶ صفحہ پر بیان کی ہے اور باقی قصہ بھی مفصل لکھا ہے نیز جلد نمبر ۹ صفحہ ۱۲ پر بھی کافی وضاحت کی گئی ہے۔

أَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی فرعون کی قوم میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے یہی تھے ورنہ بنی اسرائیل ان سے پہلے ایمان لا چکے تھے

رکوع نمبر ۸

وَأَوْحَيْنَا۔ خداوند کریم نے موسیٰ کو وحی کی کہ قوم بنی اسرائیل کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ کیوں کہ وہ تمہارے تعاقب میں آئیں گے۔

فَأَرْسَلَ۔ فرعون نے اپنے ملازمین تمام شہروں میں بھیجے تا کہ ایک عظیم لشکر جمع کر کے ان کا تعاقب کیا جائے اور حضرت

هٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ

(فرعون نے) کہا تم ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں؟ یہ تمہارا بزرگ ہے

الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ

جس نے تم کو جادو سکھایا ہے پس عنقریب اس کا نتیجہ دیکھو گے کہ میں تمہارے ہاتھ اور

وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾ ۚ قَالُوْا لَا

پاؤں جانب مخالف سے کاٹ دوں گا اور ضرور تم کو سولی پر سب کو لٹکا دوں گا کہنے لگے کوئی

ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۚ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا

حرج نہیں تحقیق ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں ہم امید رکھتے ہیں کہ بخشے گا رب ہمارا ہماری

خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ ع وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ

خطاؤں کو کہ ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں اور ہم نے وحی کی موسیٰ پر کہ رات کو لے چلو

۱

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد چھ لاکھ بیس ہزار تھی جن کو فرعونی ایک قلیل جماعت سمجھ رہے تھے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ فرعون کا لشکر ان سے کہیں زیادہ تھا اور تفسیر مجمع البیان کی ایک روایت کے مطابق وہ دس لاکھ مسلح فوجی نوجوان تھے جب کہ موسیٰؑ کی قوم میں زن و مرد اور بچے بوڑھے بھی موجود تھے اور سب کے سب نہتے شہر سے باہر نکلے تھے کیونکہ ان کی زندگی غلامانہ تھی۔

حٰذِرُوْنَ۔ کو بعضوں نے حَذِرون پڑھا ہے۔ زجاج نے کہا ہے کہ حاذر اس کو کہتے ہیں جو دشمن کے خوف کی وجہ سے اس کے مقابلہ کے لئے چوکنا ہوشیار اور پوری طرح ہتھیاروں سے مسلح ہو، اور حَذِر وہ ہے جو دشمن کے خطرہ سے آگاہ ہو، خواہ اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو یا نہ ہو۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ۔ یعنی ہم نے فرعون اور اس کی جماعت کو وہاں سے نکالا اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غرقابی کے بعد تسلّط عطا کیا باقی قرآنی آیات اور تفاسیر و کتب سیر سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل واپس مصر نہیں گئے لیکن یہاں اُن کا مصر پر تسلط ظاہر ہے تو شاید پہلے مصر پر قبضہ کرکے دوبارہ آمادہ سفر ہوئے ہوں اور فلسطین کی طرف جا آباد ہوئے ہوں اور تیہ میں سرگردانی کا واقعہ بھی شاید اسکے بعد کا ہے

قَالَ كَلَّا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کی گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا بالکل نہ گھبراؤ، کیونکہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ جو میری رہبری فرمائے گا۔ پس خدا نے پانی پر عصا مارنے کا حکم دیا اور موسیٰ نے پانی پر عصا مارا تو درمیان میں راستہ پیدا ہوا اور

اَسْرِ بِعِبَادِیٓ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ

میرے بندوں کو تحقیق تم تعاقب کئے جاؤ گے پس بھیجے فرعون نے شہروں میں (کارندے لوگوں کو) اکٹھا

حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا

کرنے والے کہ تحقیق یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے اور تحقیق وہ ہم پر غصے

لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ

ہو گئے ہیں اور تحقیق ہم سب کو ان سے خطرہ ہے پس ہم نے نکالا ان کو باغات اور

وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّکُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ کَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ کَذٰلِکَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ﴿۵۹﴾

چشموں سے اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح اور ہم نے وارث کیا ان کا بنی اسرائیل کو

اور پانی کا ہر ایک کنارہ ایک بلند پہاڑ کی طرح نظر آنے لگا۔ اور اس کا مفصل واقعہ تفسیر کی دوسری جلد میں ص۱۰۲ تا ص۱۰۵ مذکور ہے اس میں مفسرین کو اختلاف ہے کہ وہ دریائے نیل تھا یا بحر قلزم اور اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بنی اسرائیل مصر سے روانہ ہو کر صحرائے سینا کی طرف آ رہے تھے اور اس راستہ میں دریائے نیل حائل نہیں ہوتا لہٰذا بحر قلزم ہی مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ یہ پانی مصر اور صحرائے سینا کے درمیان حائل ہے۔

فِرْق۔ افتراق کے بعد ہر کنارہ ایک فرق ہو گیا اور یہ اسم ہے اور مصدر فرق ہے۔

اَزْلَفْنَا۔ جب حضرت موسیٰؑ اور اس کی جماعت کے سب آدمی پانی میں داخل ہو چکے تو فرعون لشکر سمیت کنارے پر آن پہنچا پس اس کا گھوڑا پانی میں داخل ہونے سے گھبرایا تو حضرت جبریل ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھے پس گھوڑی کو دیکھ کر فرعون کا گھوڑا بھی پانی میں اتر آیا اور جب پوری قوم پانی میں داخل ہو چکی اور اُدھر آخری آدمی موسیٰؑ کی قوم کا باہر پہنچ چکا تو خدا نے پانی کے پاٹ کو ملا دیا۔ پس دونوں کنارے آپس میں مل گئے اور فرعون پوری قوم سمیت غرق ہو گیا۔

(ملخصاً از صافی)

مَا کَانَ۔ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپؐ قوم کے ایمان نہ لانے سے گھبرائیں نہیں۔ بلکہ یہ دستور ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے۔ اور اُمتیں اپنے اپنے زمانہ کے انبیاء کو ستاتی رہی ہیں اور حق کا انکار کرتی رہی ہیں اور نتیجہ میں خدا اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کو کامیاب کرتا ہے۔ اور ان کے دشمنوں کو غرق کر دیتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مصریوں میں سے صرف تین آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ ایک آسیہ زن فرعون اور دوسرا مومن

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى

پس انہوں نے تعاقب کیا ان کا دن چڑھے پس جب دیکھا ایک دوسرے کو دونوں جماعتوں نے تو کہا موسٰے کے ساتھیوں نے

اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَيْنَآ

کہ ہم گرفتار ہونے والے ہیں فرمایا ہرگز نہیں تحقیق میرے ساتھ میرا رب ہے مجھے راستہ بتلائے گا پس ہم نے وحی کی

اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ

طرف موسٰے کے کہ مار اپنے عصا کے ساتھ سمندر کو پس وہ پھٹ گیا پس ہو گیا ہر کنارہ بلند

كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى

پہاڑ کی طرح اور قریب کیا ہم نے ان کے گزرنے کے بعد دوسروں کو اور نجات دی ہم نے موسٰی کو

وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ

اور اس کے سب ساتھیوں کو پھر غرق کر دیا ہم نے دوسروں کو تحقیق اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ

نشانی ہے حالانکہ نہیں اکثر ان کے ایمان لاتے اور تحقیق تیرا رب ہی

آل فرعون اور تیسری ایک مریم نامی عورت تھی۔

رکوع نمبر ۹ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ پہلے حضورؐ کی تسلی کے لئے حضرت موسٰیؑ کا ذکر کیا کہ اس کا مقابلہ سخت ترین دشمن خدا سے تھا اور حضرت موسٰیؑ نے ثبات قدمی و استقلال کا جو مظاہرہ کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا یہ جدانبیاء ہیں اور عرب لوگ ان کی نسل سے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔

فَاِنَّهُمْ۔ ضمیر غائب ذوی العقول کے لئے لائی گئی۔ حالانکہ جن کی وہ عبادت کرتے تھے بُت غیر ذوی العقول تھے۔ گویا مطلب یہ ہے کہ تمہارے معبود اور تم اور تمہارے بُت پرست آباء سب کے سب میرے دُشمن ہیں سوائے ایک معبود کے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ وہی خالق ہے اور اچھائی کی طرف رہبری کرنے والا ہے وہی رازق ہے جو طعام اور پانی عطا فرماتا ہے اور بیمار ہونے کے بعد شفاء بھی وہی عطا فرماتا ہے۔ اور موت وحیات کا مالک بھی وہی ایک خدا ہے۔ اور اُسی سے اُمید وابستہ ہے کہ بروز قیامت لغزشوں سے معافی دے دے۔

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾ ع وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ

غالب رحم کرنے والا ہے　اور پڑھ ان پر خبر ابراہیم کی　جب اس نے

لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا

اپنے چچے اور اس کی قوم سے کیا کس کی عبادت کرتے ہو؟ کہنے لگے ہم عبادت کرتے ہیں بتوں کی پس ہم ان کی عبادت

عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ﴿٧٢﴾ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ

پر ثابت قدم ہیں　کہا وہ سنتے ہیں تمہاری بات جب تم ان کو بلاتے ہو　اور تمہیں نفع یا نقصان

أَوْ يَضُرُّونَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾

دے سکتے ہیں؟　کہنے لگے ہم نے دیکھا ہے اپنے باپ دادوں کو ایسا کرتے تھے

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ

فرمایا دیکھئے کہ جس کی عبادت کرتے ہو　تم اور تمہارے باپ دادا

الْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٧﴾ الَّذِي

گزشتہ　تحقیق وہ میرے دشمن ہیں سوائے پروردگار عالمین کے　جس نے

خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿٧٩﴾

مجھے پیدا کیا پس وہ مجھے ہدایت کرتا ہے　اور وہ جو مجھے کھانا دیتا ہے اور سیراب کرتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اس دعوت میں جہاں باطل خداؤں کے نقائص بیان کئے۔ وہاں ساتھ ساتھ اللہ کے اوصاف کا ذکر بھی کیا تاکہ باطل سے تبرّی کے بعد حق سے تولّی پیدا ہو جائے۔ گویا پہلے لَا اِلٰہَ کو واضح کیا اور پھر اِلَّا اللّٰہ کو ثابت کیا اور یہی حق رسالت ہے جو انہوں نے ادا فرمایا۔

یَغْفِرَ لِیْ ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انبیاء معصوم ہوتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لغزشوں کی بخشش کی اُمید کیوں ظاہر کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مُراد اُمت کی لغزشیں ہیں جن کے آپ شفیع ہوں گے اور چونکہ معافی کے لئے شفاعت آپ کریں گے اس لئے نسبت اپنی طرف دیدی جس طرح سورۂ فتح میں لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ ۔ حضورؐ کو کہا گیا ہے کہ نسبت حضورؐ کی طرف اور مُراد اُمت کے گناہ ہیں جن کی آپؐ شفاعت فرمائیں گے۔

حُکْمًا ۔ یہاں حکم سے مُراد حکمت یا علم یا نبوت باختلاف اقوال لی گئی ہے۔

لِسَانَ صِدْقٍ ۔ اس کا لفظی ترجمہ ذکر خیر ہے یعنی بعد میں آنے والے مجھے اچھے الفاظ سے یاد کریں اور اس کی تاویل حضرت علیؑ

وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ هَلْ

اور کہا جائے گا ان کو کہ کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا کیا تمہاری مدد کر سکتے

يَنْصُرُونَكُمْ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾

ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں پس منہ کے بل ڈالے جائیں گے اس میں وہ اور ان کے گمراہ پرستار

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾

اور ابلیس کے لشکر سب کہیں گے درحالیکہ وہ اس میں جھگڑتے ہوں گے

تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾

خدا کی قسم تحقیق ہم تھے کھلی گمراہی میں جب کہ تم کو ہم برابر کرتے تھے رب العالمین کے ساتھ

وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا

اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر مجرموں نے (جن کی ہم نے تقلید کی) پس نہیں کوئی ہماری شفاعت کرنے والا

صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾

اور نہ دوست قریبی پس کاش ہمارے لئے پلٹنا ہوتا تو ہم ہو جاتے مومنوں میں سے

بعد میں دوسرے لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر مشرک بنے اور تفسیر صافی میں بروایت قمی معصوم سے مروی ہے کہ ہم اپنے گنہگار شیعوں کے لئے اس قدر شفاعت کرینگے کہ دشمنوں کی حسرت بڑھے گی اور کہیں گے ہائے ہمارا نہ کوئی دوست ہے شفاعت کرنیوالا اور نہ کوئی قرابتدار ہے جو مدد کرے۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن قیامت کے دن اپنے قرابتداروں کی شفاعت کرے گا حتیٰ کہ اپنے خادم کے متعلق بھی کہے گا اے میرے اللہ یہ میرا خدمت گذار تھا کہ جو مجھے سردی و گرمی کی تکالیف سے بچاتا تھا پس اس کی بھی بخشش ہو جائے گی۔ اسی طرح اپنے ہمسایوں اور اپنے احسان کرنیوالوں کے حق میں شفاعت کرے گا۔ جو مقبول ہو گی اور ایک مومن کم از کم تیس آدمیوں کی شفاعت کر سکے گا۔ (ملخصاً)

رکوع نمبر ۱ حضرت نوحؑ کا ذکر

كَذَّبَتْ۔ فعل کو مؤنث لایا گیا ہے کیونکہ قوم بتاویل جماعت ہے اور اگرچہ انہوں نے اپنے رسول حضرت نوحؑ کو جھٹلایا تھا لیکن چونکہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء کی تکذیب کے برابر ہے اس لئے ان کی طرف تمام رسولوں کی تکذیب منسوب کی گئی گویا انہوں نے تمام رسولوں کو جھٹلایا۔

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿٨١﴾

اور جب میں بیمار ہوں تو وہ مجھے شفا بخشتا ہے اور وہ جو مارے گا پھر زندہ کرے گا

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿٨٢﴾ رَبِّ هَبْ

اور وہ جس سے امید کرتا ہوں کہ بخشے گا میری لغزشوں کو قیامت کے دن اے پروردگار! عطا کر

لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿٨٣﴾ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ

مجھے حکم اور مجھے ملا دے ساتھ صالحین کے اور کر میرے لئے ذکرِ خیر پیچھے آنے

فِي الْآخِرِينَ ﴿٨٤﴾ وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿٨٥﴾ وَاغْفِرْ

والوں میں سے اور کر مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں سے اور بخش

لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾

میرے چچا کو کہ تحقیق وہ گمراہوں میں سے تھا اور نہ رسوا کر مجھے قیامت کے دن

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾

جس دن نہ نفع دے گا مال اور نہ اولاد مگر جو آئے اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾

اور سجائی جائے گی جنت متقیوں کے لئے اور ظاہر کی جائے گی دوزخ گمراہوں کے لئے

کے حق میں ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء کے لئے آخرین میں لسانِ صدق حضرت علیؑ ہیں جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔ وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا وَاغْفِرْ لِأَبِي۔ حضرت ابراہیمؑ کا چچے کے لئے بخشش کی دعا کرنا اور اس کی وجہ تفسیر کی جلد نمبر ۷ ص۱۳۴ پر مذکور ہے اور مفصل قصہ جلد نمبر ۹ میں ص۲۲۹ تا ص۲۳۹ بھی مذکور ہے۔

يَنْصُرُونَكُمْ۔ یعنی جب وہ اپنے سر سے عذاب کو نہ ٹال سکیں گے تو تم کو کس طرح عذاب سے بچائیں گے۔ گویا بت پرست اپنے بتوں سمیت جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

فَكُبْكِبُوا۔ یعنی اوندھے منہ اور ایک دوسرے کے اوپر جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے اور روایات اہل بیتؑ میں ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو زبان سے عدل بیان کرتے تھے لیکن مقامِ عمل میں عدل کے تقاضوں کو بھول جاتے تھے۔

الْمُجْرِمُونَ۔ جرم وہ گناہ ہے جو قابلِ بخشش نہ ہو اور ذنب وہ گناہ ہے جو بخشا جا سکے۔ اس لئے انبیاء و آئمہ شفیع المذنبین ہیں نہ کہ شفیع المجرمین۔ اس جگہ مجرموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے شرک سے توبہ کرنے کے بغیر دنیا سے چلے گئے اور

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّ

تحقیق اس میں نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے مومن اور تحقیق

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ ع كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ

تیرا رب غالب رحم کرنے والا ہے جھٹلایا قوم نوح نے رسولوں

الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾

کو جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا

تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں

أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا

نہیں مانگتا اس پر کوئی اجرت نہیں میری اجرت مگر اوپر رب العالمین کے پس ڈرو

اَخُوهُمْ - حضرت نوحؑ ان کی قوم کے آدمی تھے اور سلسلۂ نسب میں ان کے رشتہ داروں میں سے تھے اسلئے انکے قومی بھائی تھے نہ کہ دینی بھائی۔

فَاتَّقُوا اللهَ - اس آیت کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے کیونکہ معانی الگ الگ ہیں۔ پہلی دفعہ فرمایا میں خدا کا فرستادہ اور امین ہوں۔ اس لئے میری اطاعت کرو۔ اور اس کے بعد شاید ان کو خیال ہوگا کہ ہم سے کچھ مزدوری طلب کرے گا تو صاف لفظوں میں فرمایا کہ مالی طمع کے لئے یہ باتیں نہیں کرتا بلکہ تمہارا خیرخواہ ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو جو تمہاری دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کی ضامن ہوگی۔

اَلْاَرْذَلُوْنَ - یعنی گھٹیا قسم کے اور رذیل پیشہ لوگ چونکہ تیرے ساتھ ایمان لا چکے ہیں لہٰذا اس زمرہ میں شامل ہونا ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کے پیشے سے مطلب نہیں اور نہ تمہاری بڑائی سے میرا کوئی واسطہ ہے بلکہ میں تو اپنا پیغام پہنچانے آیا ہوں اور وہ ہر ایک کے لئے یکساں ہے لہٰذا تمہارے کہنے سے میں غریب طبقہ کے لوگوں کو دھکیل کر نکال دینا پسند نہیں کرتا۔ بہرکیف جناب رسالت مآبؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہر دور میں انبیاء کی اُمتیں اپنے رسولوں کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتی رہی ہیں۔ پس قریش مکہ اور دیگر اکابر اگر غرباء طبقہ کے ایمان پر اعتراض کریں تو آپ پرواہ کئے بغیر اپنا کام جاری رکھیں اور بڑے بڑوں کے ایمان کے طمع میں غریبوں کو اپنے دربار سے ہرگز نہ نکالیں۔

قَالُوْا - حضرت نوحؑ کی قوم آپ کی ثبات قدمی اور جرأت کو دیکھ کر جب معقول باتوں اور مدلل نظریوں کا جواب نہ دے سکی تو اوچھے ہتھیاروں پر اُتر آئی جو ہر جھوٹے فریق کا دستور ہوا کرتا ہے کہ ہم تم کو پتھر ماریں گے یا ہم تجھے بدزبانی کا نشانہ بنائیں گے۔

اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اللہ سے اور میری اطاعت کرو کہنے لگے کیا ایمان لائیں تیرے لئے حالانکہ تیری اتباع کی ہے گھٹیا لوگوں نے

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى

فرمایا مجھے نہیں پتہ جو وہ کاروبار کرتے ہیں ان کا حساب نہیں مگر میرے رب پر

رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا

اگر تم شعور رکھتے ہو اور میں نہیں دور کرنے والا مومنوں کو میں نہیں مگر

اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ

صاف ڈرانے والا کہنے لگے اگر تو باز نہ آئے گا اے نوح تو تجھ پر پتھر برسائے جائیں گے

الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ

کہا اے رب تحقیق میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے پس فیصلہ کر میرے

وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ

اور ان کے درمیان واضح فیصلہ اور مجھے نجات دے اور جو میرے ساتھ مومن ہیں پس ہم نے اس کو نجات

وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

دی اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں جو پُر تھی پھر ہم نے غرق کر دیا بعد اس کے باقیوں کو

فَافْتَحْ بَيْنِيْ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کا جواب سُن کر بارگاہِ پروردگار میں درخواست دی کہ اے رب یہ مجھے بالکل جھٹلا چکے ہیں اب تو ہمارے درمیان فیصلہ کر یعنی ان کو گرفتارِ عذاب کر اور ہمیں اپنے عذاب سے اور ان کے شر سے نجات عطا فرما۔

اَلْمَشْحُوْن۔ وہ کشتی آدمیوں اور دیگر حیوانات سے پُر تھی۔ حضرت نوح ؑ کا قصہ سورہ ھود میں جلد نمبر ۷ صـ۲۰۳ تا صـ۲۱۸ مفصل گذرا ہے اس کے علاوہ جلد ۷ کے صـ۱۷۳ پر اور جلد ۶ کے صـ۴۲ تا ۴۶ پر بھی بیان ہو چکا ہے۔

کَذَّبَتْ عَادُ ۔ یعنی قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔

رکوع نمبر ۱۱ حضرت ہود ؑ کا ذکر

اور آیات کی تفسیر پچھلے رکوع کی طرح ہے۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ ۔ ریع کا معنی بلند مکان یا راستہ کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا دستور تھا کہ ضرورت سے زائد آبادی سے باہر کسی بلند جگہ یا راستہ کے قریب مکان بنا لیتے تھے اور آیت سے مراد یہاں مکان ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو اس فعل سے منع کیا کہ لہو و لعب کیلئے فالتو مکان نہ بنایا کرو۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے ایک دفعہ حضرت رسالتمآب ؐ شہر سے باہر نکلے تو ایک بلند مکان پر آپ ؐ کی نگاہ پڑی۔ آپ ؐ نے دریافت کیا کہ

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ

تحقیق اس میں البتہ نشانی ہے اور نہیں ان کے اکثر ایمان لانے والے اور تحقیق تیرا

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾ ع كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾

رب البتہ وہ غالب مہربان ہے جھٹلایا قوم عاد نے رسولوں کو

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی ہود نے کیا تم نہیں ڈرتے ؟ تحقیق میں تمہارے لئے رسول

أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

امین ہوں پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی

أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ

اجرت کیونکہ نہیں میری اُجرت مگر اوپر رب العالمین کے کیا بناتے ہو ہر بلند مقام پر مکان کہ

یہ کس کا گھر ہے تو لوگوں نے جواب دیا، فلاں انصاری کا ہے۔ پس آپؐ ٹھہر گئے۔ اتنے میں وہ انصاری آیا اور اس نے سلام کیا لیکن حضورؐ نے منہ پھیر لیا چنانچہ اس نے چند بار ایسا کیا پس اس کو حضورؐ کی ناراضگی کا احساس ہوا اور ساتھیوں سے اس کا ذکر کیا کہ کیا وجہ ہے کہ میں نے حضورؐ کے چہرہ پر ملال کے آثار دیکھے ہیں نہ معلوم مجھ سے کونسی غلطی ہوئی ہے۔ آخر لوگوں نے کہا کہ ایک دن حضورؐ باہر تشریف لے گئے تھے اور تیرے مکان کے متعلق آپؐ نے پوچھا تھا کہ کس کا ہے اور بتایا گیا کہ یہ فلاں کا ہے پس وہ انصاری اسی وقت اٹھا، اور جاکر مکان کو گرا دیا اور زمین کو ہموار کر کے واپس آگیا پھر ایک دن حضورؐ کا اس جانب سے گذر ہوا تو پوچھا وہ مکان کہاں گیا لوگوں نے سارا ماجرا سنا دیا۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ ہر مکان اپنے مالک کے لئے وبال جان ہوگا۔ بروز محشر سوائے اس کے جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو

مَصَانِعَ مصنع کی جمع ہے اس کا معنی ہے پختہ مکان اور موجودہ اصطلاح کے مطابق عالیشان کوٹھیاں ہائے اگر اس زمانہ کے مسلمانوں کی حالت کو حضورؐ دیکھتے کہ ایک طرف غرباء طبقہ کے لوگ کچی جھونپڑیوں کے لئے ترستے ہیں اور دوسری طرف امراء کا دل نہیں بھرتا جب تک ہر بڑے شہر میں عالیشان کوٹھی نہ ہو یقیناً حضورؐ ایسے مسلمانوں سے بیزار ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے لئے اسلام کا دعویٰ کرنا باعث ننگ ہے جو حقوق اللہ اور حقوق الناس کی ادائیگی سے کوتاہی کریں اور غرباء کے خون کے گارے سے اپنی قصر امارت کو تعمیر کریں ایسے لوگوں کے دل میں رائی برابر بھی خوف خدا نہیں ہوتا اللہ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق دے تاکہ سب مسلمان بھائیوں کی سی زندگی گذار کر عالم انسانیت کو اسلام کا پیغام دینے کے اہل ہوسکیں۔

آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۲۹﴾ وَ

بے فائدہ کام کرتے ہو اور بناتے ہو پختہ محلات شاید تم نے ہمیشہ رہنا ہے اور

إِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۳۱﴾

جب کسی کی گرفت کرتے ہو تو گرفت کرتے ہو جبار بن کر پس ڈرو خدا سے اور میری اطاعت کرو

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ

اور ڈرو اس سے جس نے تم کو عطا کیا جو تم جانتے ہو اس نے تم کو عطا کئے چوپائے

وَبَنِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۳۴﴾ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

اور بیٹے اور باغات اور چشمے تحقیق میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے

خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ اس کی کئی تاویلیں ہیں (۱) جس طرح تجھ سے پہلے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو بھی ان جیسا ہے (۲) شہر سے باہر تفریح کے لئے کوٹھیاں بنگلے اور عمدہ محلات تعمیر کرنا وغیرہ پہلے سے چلا آیا ہے کوئی ہمارا نیا دستور نہیں ہے (۳) جس طرح ہم سے پہلے لوگ گزرے ہیں کہ ایک وقت تک جینا ہے پھر مرنا ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی قیامت ہے نہ حساب نہ سزا اور نہ جزا۔ پس ہم بھی اُسی سابق دستور پر ثابت قدم ہیں۔ جناب رسالت مآبؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر تیری قوم تجھ سے ایسی باتیں کرے تو غم زدہ نہ ہو۔ کیونکہ کفار کا انبیاء کے ساتھ ہمیشہ یہی دستور رہا ہے نبی کا کام ہے کہ تبلیغ کے کام کو جاری رکھے اور اس بارے میں کسی کی تردید و تکذیب کی پرواہ نہ کرے۔

قوم ہود کا قصہ سورۂ ہود میں جلد نمبر۶ ص۲۱۵ تا ص۲۲۱ پر گذر چکا ہے۔ اور آیات کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد نہایت سرکش قوم تھی۔ امراء و روساء طبقہ غرباء کو انسان نہیں سمجھتا تھا اور ضرورت سے زائد کوٹھیوں اور بنگلوں کی ابتداء اور عیاشی کا رواج اسی قوم سے ہوا ہے جو بالآخر اپنے اعمال بد کے نتیجے میں گرفتار عذاب ہوئے سابقہ اقوام کے قرآنی قصص سے مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

رکوع نمبر۱۲ حضرت صالحؑ کا ذکر

كَذَّبَتْ۔ حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے ان کا مفصل قصہ جلد نمبر۶ میں ص۴۹ تا ص۵۶ ذکر ہو چکا ہے اور جلد ۷ میں ص۲۲۲ و ص۲۲۳ پر بھی ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ نیز جلد نمبر۸ ص۱۸۹ پر بھی ان کا ذکر آیا ہے۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر۱ میں گذر چکی ہے۔ لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اَتُتْرَكُوْنَ۔ آپ نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی کہ ان نعمات خداوندی پر دھوکا نہیں کھانا چاہیے یہ ہمیشہ کسی کا ساتھ نہیں دیتیں اگر اس وقت وافر ہیں تو ان کے زوال کا خوف رکھو اور اس اللہ کی معرفت حاصل کرو جس نے یہ عطا فرمائی ہیں اور اس کا شکر ادا کرو اور اس کے بعد ان نعمات کا شمار کیا جو ان کے پاس تھیں پھلدار باغات شیریں چشمے کھیتیاں اور عمدہ کھجوریں جن کے شگوفے خوشنما ہیں۔

يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٣٦﴾

عذاب سے کہنے لگے برابر ہے ہم پر وعظ کرو یا وعظ نہ کرو

إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾ فَكَذَّبُوهُ

نہیں ہے یہ مگر دستور پہلے لوگوں کا اور نہیں ہم معذب ہونے والے پس انہوں نے اس

فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

کو جھٹلایا پس ہم نے ان کو ہلاک کیا تحقیق اس میں نشانی ہے اور نہیں ہیں اکثر ان کے مومن

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾

اور تحقیق تیرا پروردگار البتہ غالب مہربان ہے جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾

جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا نہیں تم ڈرتے ؟ تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا

پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں میری اجرت مگر

هَضِيمٌ ۱۴۸ چھریرے اور ہلکے پھلکے بدن والے انسان کو ہضیم کہا جاتا ہے اس جگہ بعضوں نے تروتازہ اور بعضوں نے بغیر گٹھلی والے پھل مراد لئے ہیں۔

أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۱۵۱ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں نو آدمی تھے جنہوں نے ناقہ کو زخمی کیا تھا وہ اس قوم کے رئیس وزمیندار تھے اور اپنی قوم میں من مانی کاروائی کرتے تھے۔ تند اور متکبر مزاج تھے آپ نے قوم کو ان کی خوشامد واطاعت سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔

بشریت ورسالت

الْمُسَحَّرِينَ ۱۵۳ یعنی تیرا دماغ خراب ہو چکا ہے تجھے یہ بھی پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے جس طرح کسی پر بار بار جادو ہو چکا ہو۔ بعضوں نے اس کا معنی فریب خوردہ کیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم جیسا کھانے پینے والا انسان اور آپ کی نبوت کو بشریت کے منافی سمجھ کر بشر ہونے کا اعتراض بھی کیا ہے جس طرح باقی اُمتوں کا عام دستور ہے۔ اور آج تک ہے اور ہر زمانہ کے پیٹ لٹ مولوی لوگ عوام میں یہی تاثر پیدا کرتے ہیں کہ جو بشر ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ پس انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی بشریت کا انکار نہیں فرمایا بلکہ ان کو ناقۃ اللہ کا معجزہ دکھایا گویا عمل سے ثابت کیا۔

عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۵﴾ أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ﴿۱۴۶﴾ فِي

ربّ العالمین پر کیا تم چھوڑے جاؤگے اس جگہ کی نعمتوں میں با امن باغات

جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۴۷﴾ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿۱۴۸﴾ وَتَنْحِتُونَ

اور چشموں میں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کے شگوفے خوشنما ہیں اور تراشتے ہو

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ﴿۱۴۹﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا

تم پہاڑوں سے اپنے گھر مہارت سے پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور نہ

تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا

اطاعت کرو اسراف کرنے والوں کے حکم کی جو فساد کرتے ہیں زمین میں اور اصلاح

يُصْلِحُونَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۵۳﴾ مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ

نہیں کرتے کہنے لگے سوائے اس کے نہیں تو جادو شدہ لوگوں میں سے ہے تو نہیں مگر ہم جیسا بشر

مِثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هَٰذِهِ نَاقَةٌ

پس لے آ کوئی نشانی اگر ہے تو سچا فرمایا یہ اللہ کی ناقہ ہے

لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَعْلُومٍ ﴿۱۵۵﴾ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ

اس کے لئے باری ہے پانی کی اور تمہارے لئے باری مقرر دن کے لئے اور نہ چھوؤ اس کو برائی سے ورنہ پکڑے گا

عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ﴿۱۵۷﴾ فَأَخَذَهُمُ

تم کو بڑے دن کا عذاب پس انہوں نے اس کو پے کیا پس ہو گئے پشیمان پس پکڑ لیا

کہ بشریت اور رسالت ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔ خدا جس بشر کو چاہتا ہے عہدہ نبوت و رسالت عطا فرماتا ہے اور اسے صاحب اعجاز کر دیتا ہے تاکہ عوام کو مطمئن کیا جا سکے ہم نے نبیوں کی بشریت کے متعلق پہلی جلدوں میں بھی اور اسی جلد میں بھی کافی بحث کی ہے

شِرْبٌ۔ تقسیم کے بعد ایک حصہ کا اسم شرب ہوتا ہے جس طرح حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں سمندر کے پانی کی تقسیم کے بعد ہر کنارہ کو فرق کہا گیا۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ روئے زمین پر پانی کا پہلا چشمہ وہی ہے جو حضرت صالحؑ کے لئے ظاہر کیا گیا جس کا پینا ایک دن ناقہ کے لئے اور دوسرے دن لوگوں کے لئے معین ہوا لیکن ان بدبختوں نے ناقہ کو پے کر کے عذاب الٰہی کو پسند کیا پس تباہ کر دیئے گئے۔

الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ

ان کو عذاب نے تحقیق اس میں البتہ نشانی ہے اور نہیں اکثر ان کے ایمان لاتے اور تحقیق

رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ ع كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

تیرا رب البتہ غالب مہربان ہے جھٹلایا قوم لوط نے رسولوں کو

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾

جب کہ کہا ان کو ان کے بھائی لوط نے کیا تم نہیں ڈرتے تحقیق میں تمہارا رسول امین ہوں

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ

پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں میری اجرت مگر

اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ

رب العالمین پر کیا تم آتے ہو لڑکوں پر عالمین میں سے اور چھوڑتے ہو

مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا

جو پیدا کی تمہارے لئے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں بلکہ تم ظالم لوگ ہو کہنے لگے

رکوع نمبر ۱۳ حضرت لوطؑ کا ذکر کَذَّبَتْ۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر ۱ میں گذر چکی ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ - وہ چونکہ لڑکوں کے ساتھ لواطت کرنے کے عادی تھے آپ نے ان کو اس فعل بد سے روکا اور فرمایا خدا نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں۔ پس اس غلط روی کو ترک کرو اور صحیح و حلال طریقہ سے اپنی عورتوں سے خواہش نفسانی کی پیاس بجھاؤ۔ پس جھوٹے اور لاجواب انسانوں کی طرح دھمکی پر اُتر آئے کہ ہم تم کو نکال دیں گے۔ آپ نے فرمایا میں پہلے سے ہی تمہارے اس فعل سے تنگ آچکا ہوں اور اس شہر کی سکونت کو ترک کرنے کے لئے بہانہ تلاش کر رہا ہوں۔

اِلَّا عَجُوْزًا - حضرت لوطؑ بمعہ اہل خانہ کے گرفت عذاب سے بچ گئے صرف ان کی عورت پیچھے رہی جو قوم کے غنڈوں کو آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کی اطلاع دیا کرتی تھی درمجمع۔ پس ان کی زمین کے تختہ کو اُلٹ دیا گیا اور جو باقی ادھر اُدھر بچ گئے ان پر آسمان سے پتھر بھیجکر تباہ کیا گیا۔ قصہ کی تفصیل جلد ۶ کے صفحہ ۵۷ پر اور جلد ۷ کے صفحہ ۲۲۸ تا صفحہ ۲۳۱ پر ملاحظہ ہو نیز جلد ۸ صفحہ ۱۸۶ پر بھی مختصراً واقعہ گذر چکا ہے۔

رکوع نمبر ۱۴ حضرت شعیبؑ کا ذکر۔ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ - ایکہ گھنے درختوں والی گھاٹی کو کہتے ہیں گویا یہ لوگ ایسے مقام پر آباد تھے جہاں قدرت

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ

اگر تو باز نہ آیا اے لوط تو تجھے نکال دیا جائے گا فرمایا میں تمہارے کرتوت کو

الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

برا سمجھتا ہوں اے رب مجھے نجات دے اور میرے اہل کو اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں پس ہم نے اس کو بچایا اور اس کے

اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾

پورے خاندان کو مگر ایک عورت پیچھے رہنے والوں میں سے ہوئی پھر ہم نے ہلاک کیا باقیوں کو

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور برسائی ان پر بارش پس بڑی بارش تھی کافروں پر تحقیق اس میں نشانی ہے

لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

حالانکہ نہیں اکثر ان کے ایمان لاتے اور تیرا رب البتہ غالب مہربان

الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾ ع كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ

ہے جھٹلایا ایکہ والوں نے رسولوں کو جب کہ کہا ان کو

لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

شعیب نے کیا نہیں تم ڈرتے ؟ تحقیق میں تمہارے لئے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ سے

بکثرت موجود تھے۔ بعضوں نے اسے مدین کہا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مدین اور ایکہ دو الگ الگ مقام ہیں اور حضرت شعیبؑ دونوں کے لئے رسول مبعوث ہوئے۔

كَذَّبَ ۔ آیات کی تشریح رکوع نمبر ۱ میں گذر چکی ہے۔ خداوند کریم نے ہر نبی کی دعوت کی حکایت ایک ہی لفظ سے فرمائی اور تمام کا کلمہ ایک ہی ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیا کی دعوت کا محوری و مرکزی نقطہ ایک تھا اور وہ ہے توحید کی معرفت اور اللہ کا تقویٰ۔ چنانچہ سب نبی معرفت کا درس ادلہ وبراہین سے اور اس کی نعمات کے ذکر سے دیتے رہے اور عمل میں تقویٰ اختیار کرنے کی تبلیغ میں سعی بلیغ کرتے رہے اور سب نبیوں کی تبلیغ ایک جیسی تھی اور سب انبیاء کی اکھڑ و جاہل اُمتوں کا جواب بھی ایک جیسا تھا جیسا کہ آیات کے الفاظ سے

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٧٩﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨٠﴾

اور میری اطاعت کرو اور میں نہیں مانگتا تم سے کوئی مزدوری نہیں میری مزدوری مگر رب العالمین پر

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ

پورا کرو ناپ کو اور نہ ہو نقصان دینے والوں میں سے اور تولو ساتھ ترازو صحیح

الْمُسْتَقِيْمِ ﴿١٨٢﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ

کے اور نہ خسارہ دو لوگوں کو ان کی چیزوں میں اور نہ پھرو زمین میں

مُفْسِدِيْنَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوْٓا

فساد کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پیدا کیا اور پہلے لوگوں کو کہنے لگے

اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٨٥﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ

سوائے اس کے نہیں کہ تو جادو شدہ لوگوں میں سے ہے اور تو نہیں مگر ہم جیسا بشر اور تحقیق ہم تجھے جھوٹا

سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کی امت تول وناپ میں غداری کرتی تھی۔ پس ان کو صحیح تولنے اور ٹھیک پیمائش کرنے کا آپ نے حکم خداوندی سنایا۔

اَلْقِسْطَاسِ۔ وہ ترازو جس کے درمیان میں وزن صحیح بتلانے کی ایک سوئی لگی ہوئی ہوتی ہے یہاں مقصد صحیح اور پورا تولنا ہے۔

اَلْجِبِلَّةَ۔ اس کا لغوی معنی عادت وخصلت جو فطرتِ انسانیہ میں سپرد کی جاتی ہے اور یہاں مقصد صرف انسان ہے یعنی اس اللہ نے تم کو پیدا کیا اور ان تمام انسانوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ پس وہ اللہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کرو اور اس کی بازپرس سے ڈرو۔

قَالُوْٓا۔ اس کی تشریح رکوع نمبر ۱ کی تفسیر میں بشریت ورسالت کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ۔ یہ انتہائی لاپرواہی کا جواب ہے کہ تو نے جو آسمان کا ٹکڑا ہم پر گرانا ہے گرا دے۔ ہم تیری باتوں پر کان دھرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب قوم حضرت شعیب علیہ السلام کی تبلیغ کو ٹھکرا چکی اور ان سے ایمان لانے کی کوئی اُمید نہ رہی تو خدا نے ان پر عذاب بھیجا۔ پس پہلے سات دن تک ان کو سخت گرمی کا عذاب دیا گیا کہ ہوا بحکم خدا بالکل بند ہو گئی۔ پھر ان کے سروں پر ایک بادل نے سایہ کیا وہ سمجھے کہ اس سے بارش برسے گی۔ پس اس امید سے گرمی کی شدت سے تنگ آکر وہ گھروں سے

لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ

سمجھتے ہیں پس گرا ہم پر ٹکڑا آسمان سے اگر تو ہے

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ

سچا فرمایا میرا رب بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو پس انہوں نے اس کو جھٹلایا پس پکڑا

عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

ان کو عذاب نے جو بادل کے دن تھا تحقیق وہ سخت دن کا عذاب تھا تحقیق اس میں نشانی

لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

ہے حالانکہ ان کے اکثر نہیں ایمان لاتے اور تحقیق تیرا رب البتہ غالب رحم کرنے والا

الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ ؕ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ

ہے اور تحقیق یہ تنزیل رب العالمین کی طرف سے ہے اتار ہے اس کو

الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ ۙ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ ۙ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ

روح الامین ہے تیرے دل پر تاکہ تو ہو ڈرانے والا ساتھ زبان عربی

نکل کھڑے ہوئے تو خدانے ان پر آگ برسادی اور سب کے سب جل کر کوئلہ ہوگئے اور دنیا میں عذاب خداوندی کے لحاظ سے یہ دن سخت ترین دن تھا اس لیے خدانے اس کو یوم عظیم کہا ہے اور حضرت شعیبؑ کا ذکر تفسیر کی جلد ۶ میں ص۵۵، ص۵۹ پر اور جلد نمبر ۷ میں ص۲۲۳ تا ص۲۲۶ پر ہو چکا ہے اور قوم شعیبؑ پر عذاب کی کیفیت ج ۶ میں ص۶۱ تا ص۶۵ پر ملاحظہ ہو۔

رکوع نمبر ۵ اولایت علیؑ

اِنَّهٗ تَنْزِيْلُ: ظاہری مصداق کے لحاظ سے اس سے مراد قرآن مجید ہے اور باطنی تاویل کے لحاظ سے اس سے مراد ولایت حضرت علی علیہ السلام ہے چنانچہ روایات اہل بیتؑ میں تواتر سے منقول ہے اور صحف انبیاء میں بھی اس کا ذکر موجود ہے چنانچہ بروایت کافی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ ولایت علی تمام انبیاء کی کتابوں میں درج ہے۔ وَلَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ رَسُوْلًا اِلَّا بِنُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ وَوِلَايَةِ وَصِيِّهٖ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔ یعنی خدانے کسی کو عہدۂ رسالت نہیں عطا فرمایا مگر نبوت محمدؐ اور ولایت علیؑ کے ساتھ۔ (برہان)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ: صافی میں بروایت علل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدانے کوئی کتاب و وحی نہیں بھیجی مگر زبان

مُّبِينٍ ﴿۱۹۵﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۹۶﴾ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن

مبین کے اور تحقیق اس کا ذکر گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں ہے کیا ان کے لئے یہ بات دلیل نہیں کہ اس کا

يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿۱۹۸﴾

علم بنی اسرائیل کے علماء کو بھی ہے اور اگر اس کو ہم اتارتے اوپر کسی عجمی کے

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۹۹﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي

پس وہ ان پر پڑھتا تو وہ ایمان لانے والے نہ ہوتے اسی طرح چلایا ہم نے اس کو کفار کے

قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ

دلوں میں (اور وہ) ایمان نہ لائیں گے اس پر یہاں تک کہ دیکھیں دردناک

الْأَلِيمَ ﴿۲۰۱﴾ فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُولُوا هَلْ

عذاب پس آئے گا ان پر اچانک کہ ان کو پہلے خیال بھی نہ ہوگا پس کہیں گے کیا ہیں

عربی میں لیکن اسے ہر نبی اپنی قومی زبان میں سنتا تھا اور حضرت رسالتمآبؐ کے کانوں میں وحی اپنی قومی زبان عربی میں آتی تھی پس جب اپنی قوم سے باتیں کرتے تھے تو زبان عربی کو استعمال کرتے تھے اور جب کوئی آدمی حضورؐ سے کسی دوسری زبان میں باتیں کرتا تھا تو حضورؐ کے کانوں میں وُہ عربی بن کر پہنچتا تھا کیونکہ خداوندکریم کی جانب سے جبریل فریضۂ ترجمانی ادا کرتا تھا۔

اَوَلَمْ يَكُنْ۔ یعنی علماء بنی اسرائیل کو کتب سماویہ کی پیشین گوئیوں کے ذریعے سے حضورؐ کی آمد کا علم تھا اور اسی وجہ سے یہودی لوگ عربوں کے مظالم سے تنگ آکر حضورؐ کی آمد کے لئے دعائیں مانگتے تھے اور یہی چیز اوس وخزرج کے لئے ایمان کی محرک بنی تھی تو حضورؐ کی صداقت کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء آپؐ کی آمد سے مطلع تھے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ۔ یعنی عربوں کی سرشت میں تکبّر وکج مزاجی اور ہٹ دھرمی کی بدعادات کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ لہٰذا اگر یہ قرآن ہم کسی عجمی پر نازل کرتے تو یہ قطعاً نہ مانتے اسی لئے ہم نے انہی میں سے ایک شریف ترین خاندان کے شریف ترین فرد پر نازل کیا جو تمام فصحاء عرب سے فصیح ترین تھا تاکہ ان کی کشش کا سبب ہو اور وہ تدبّر وتفکر کی منازل طے کر کے اس کی تصدیق کریں اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔

اَفَرَءَيْتَ (صفحہ ۲۱۵)۔ تفسیر صافی وبرہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے بنی امیہ کو خواب میں منبروں پر سوار دیکھا کہ وہ لوگوں کو راہِ حق سے برگشتہ کرتے ہیں آپؐ صبح کو غمزدہ اُٹھے تو جبریلؑ حاضر ہوا اور اس نے غم واندوہ کا سبب

نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

مہلت دی جائے گی ۔ کیا وہ ہمارے عذاب کی جلدی چاہتے ہیں ؟ دیکھئے اگر ہم ان کو دنیاوی نفع دیں

سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

چند سال پھر آجائے ان پر وہ (عذاب) جس کا وعدہ کئے گئے ہیں تو نہیں بچائے گا ان کو وہ جو

مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾

نفع دیئے گئے اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کو پہلے ڈرانے والے تھے

ذِكْرٰى ۚ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا

از روئے نصیحت اور ہم نہیں ظلم کرنے والے اور نہیں اتارا اس (قرآن) کو شیطانوں نے (جیسا کہ کافر کہتے ہیں) اور نہ ان کی یہ

يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

شان ہے اور نہ وہ ایسا کر سکتے ہیں تحقیق وہ تو بات سننے سے ہٹائے گئے ہیں

پوچھا۔ آپ نے خواب بیان فرمایا پس جبریل واپس گیا اور تھوڑی دیر کے بعد یہ آیت لایا کہ اگر چند سال انہوں نے منافع دنیاویہ سے فائدہ اٹھالیا تو آخر ہماری گرفت ان کو کس طرح چھوڑے گی اور پھر سورۂ قدر نازل ہوا کہ خدا نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی ہے کہ یہ ایک رات بنی اُمیہ کے ایک ہزار مہینوں کی حکومت سے افضل ہے۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ۔ قریش نے کہا تھا کہ آپ پر معاذ اللہ شیاطین القا کرتے ہیں تو خدا نے ان کی تردید فرمائی ہے کہ نہ وُہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں بلکہ وہ سننے سے دُور کئے گئے ہیں کہ شہاب ثاقب آسمان پر جانے سے ان کو روکتے ہیں۔

فَلَا تَدْعُ ۔ خطاب حضورؐ سے ہے اور مُراد ساری اُمت ہے۔

دعوت عشیرہ۔ وَاَنْذِرْ۔ اپنے قریبیوں کو ڈرانے کا حکم ہوا تاکہ پوری اُمت پر یہ راز کھل جائے کہ عذاب خدا کسی کی رعایت سے نہیں ٹل سکتا بلکہ عمل خیر ضروری ہے اور اللہ کی نافرمانی سے گریز کرنا واجب ہے کیونکہ اگر کسی قرابت داری یا میل ملاپ سے جان بخشی ہوتی تو حضوؐر اپنے نہایت قریبی رشتہ داروں کو کیوں سختی سے احکام خداوندی کی پابندی کا حکم دیتے۔ پس جب دین خدا میں رسولؐ کے قریبیوں کو رعایت نہیں مل سکتی تو کسی دوسرے سے کیا رعایت ہو گی نیز یہ بھی بدیہی اور واضح امر ہے کہ خیر خواہی کا پہلا حق قرابت داروں کو حاصل ہے۔ اور اسلام کی دعوت سے بڑھ کر اور کوئی خیر خواہی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حکم خداوندی ہوا کہ نعمت اسلام کو پہلے اپنے رشتہ داروں پر پیش کیجئے بہر کیف روایات شیعہ و سنی میں یہ بات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ مکہ میں نازل ہوئی تو حضوؐر نے اولاد عبدالمطلب کو جمع کیا اور اس وقت وہ چالیس مرد تھے کہ ان میں سے ہر ایک کی خوراک ایک بکرا سالم اور دودھ کا مشکیزہ تھا آپ نے اپنی حیثیت کے مطابق مختصر سا کھانا تیار کیا۔ چنانچہ سب

نے اسی سے سیر ہو کر کھایا۔ تو ابولہب نے فوراً کہہ دیا کہ محمدؐ نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ پس لوگ چلے گئے۔ دوسرے دن پھر ایسا ہوا۔ پھر تیسرے دن جب کھانا کھا چکے تو ابولہب کے کہنے سے پہلے آپؐ نے تقریر شروع کر دی کہ تم میں سے کون ہے جو میرا وصی وزیر میرے وعدوں کو پورا کرنے والا اور میرے قرضے کا ضامن ہوگا۔ تو حضرت علیؑ نے جو سن و سال میں سب سے چھوٹے تھے اور مال و دولت میں بھی کمزور تھے عرض کی حضورؐ میں حاضر ہوں۔ واقعہ کو مفصل تفسیر برہان میں مجالس شیخ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے حضرت علی سے فرمایا کہ مجھے اپنے خاندان کو تبلیغ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ لہٰذا تم تین سیر کے قریب کھانا تیار کرو اور بکرے کی ایک ران پکا لو اور دودھ کا ایک بڑا پیالہ بھی ساتھ رکھو اس کے بعد تمام اولادِ عبد المطلب کو مدعو کرو تاکہ میں حکم پروردگار کو پہنچا سکوں۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میں نے تعمیل حکم میں سب کچھ کر لیا جو آپؐ نے فرمایا تھا اولادِ عبد المطلب میں آپؐ کے چچا ابوطالب، عباس، حمزہ اور ابولہب بھی تھے اور سب چالیس کے قریب مرد جمع ہوگئے۔ آپؐ کے حکم سے میں نے کھانا پیش کیا تو سب سے پہلے حضورؐ نے بنفسِ نفیس ایک گوشت کا ٹکڑا اٹھایا اور دندانِ مبارک سے تھوڑا سا کاٹ کر کھا لیا باقی برتن میں رکھ دیا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ چنانچہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ حالانکہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ان میں سے ہر ایک آدمی اس سارے کھانے کے برابر کھا سکتا تھا۔ پھر میں نے دودھ پیش کیا تو وہ سب سیر ہوگئے حالانکہ بخدا اس قدر دودھ تو ایک ایک آدمی پی سکتا تھا۔ پس جب حضورؐ نے بات کرنی چاہی تو ابولہب نے پہلے کہنا شروع کر دیا یہ تو بڑا جادوگر ہے۔ پس سارے آدمی اٹھ کر چلے گئے اور حضورؐ کوئی بات نہ کر سکے۔ پھر دوسرے دن مجھے حکم دیا کہ اے علی اُس (ابولہب) نے ایک بات کہہ کر لوگوں کو منتشر کر دیا اور مجھے بات کرنے کا موقع نہ دیا آج پھر حسبِ سابق کھانا تیار کرو اور دعوت دے کر سب کو بلا لاؤ۔ چنانچہ جب سب کے سب کھانے پینے سے فارغ ہو چکے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اے اولادِ عبد المطلب! عرب میں کوئی جوان اپنی قوم کے لئے اس سے زیادہ بہتر پیغام نہیں لایا ہوگا جو میں تمہارے لئے لایا ہوں کہ اس میں تمہاری دنیا و آخرت کی فلاح کا راز مضمر ہے اور مجھے اپنے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں۔ فَاَيُّكُمْ يُؤْمِنُ بِيْ وَ يُؤَازِرُنِيْ عَلٰى اَمْرِيْ فَيَكُوْنَ اَخِيْ وَ وَصِيِّيْ وَ وَزِيْرِيْ وَ خَلِيْفَتِيْ فِيْ اَهْلِيْ مِنْ بَعْدِيْ۔ یعنی پس تم میں سے کون مجھ پر ایمان لاتا ہے اور میرے معاملہ میں میرا ہاتھ بٹاتا ہے تاکہ وہی میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور میرے بعد میری اہل میں میرا خلیفہ ہو یہ سن کر سب خاموش ہوگئے اور گھبرا گئے تو میں اُٹھ کھڑا ہوا حالانکہ سن و سال میں سب سے چھوٹا تھا میں نے عرض کی حضورؐ میں حاضر ہوں۔ آپؐ کے اُمورِ رسالت میں شریک کار رہنے کو تیار ہوں۔ پس حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی و وزیر اور میرا خلیفہ ہوگا تم میں پس اس کی بات کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا یہ سن کر سب لوگ ہنستے ہوئے اٹھے اور ابوطالب سے کہہ رہے تھے سنا ہے؟ اس نے تجھے حکم دیا ہے کہ اپنے بیٹے کی سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

دوسری روایت میں ابورافع سے منقول ہے کہ حضورؐ نے شعب میں اولادِ عبد المطلب کو مدعو کیا کہ وہ اس وقت چالیس آدمی تھے۔ ایک بکرے کی ران تیار کی اور ثرید بنا کر اُوپر شوربا ڈالا اور اُوپر گوشت رکھ کر ان کے آگے رکھا۔ چنانچہ جب سب سیر ہوگئے۔ پھر ایک بڑے پیالے سے سب کو دودھ پلایا۔ جب ابولہب نے دیکھا تو کہنے لگا۔ بخدا ہم میں سے ایک ایک آدمی کے لئے بھی یہ کھانا اور دودھ

فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِيۡنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنۡذِرۡ

پس نہ پکارو اللہ کے سوا کسی معبود کو ورنہ ہو جاؤ گے عذاب کئے جانے والوں میں سے اور ڈرا

عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور جھکا دے اپنا پہلو اس کے لئے جو تیری اتباع

ناکافی تھا۔ انہوں نے ہمیں ایک ران بکرے اور ایک کاسہ دُودھ میں سب کو سیر کر دیا یہ کوئی جادُو ہی ہے (بات ختم ہو گئی اور لوگ چلے گئے) پھر دوبارہ ان کی دعوت کا انتظام کیا گیا تب حضرتؐ نے پیغام خداوندی سنایا اور بعد میں فرمایا کہ خدا نے جس قدر نبی مبعوث فرمائے ہر ایک کے خاندان سے ہی ان کا بھائی وارث وزیر اور وصی مقرر فرمایا تم میں سے کون ہے جو اُٹھ کر میری بیعت کرے۔ تاکہ وہ میرا بھائی وزیر وارث وصی اور میری اہل میں میرا خلیفہ ہو اور اس کی منزل مجھ سے وہی ہو جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی۔ پس حضرت علیؑ نے اٹھ کر سب کے سامنے آپؐ کی بیعت کی۔ آپ نے فرمایا۔ میرے قریب ہو جب حضرت علیؑ قریب ہُوئے تو فرمایا منہ کھول۔ پس اپنا لعاب وحی اُس میں ڈالا اور کندھوں کے درمیان اور سینہ پر بھی لعاب مَلا۔ ابولہب حسد و بغض کی آگ میں پہلے سے جل رہا تھا کہنے لگا تو نے اپنے چچیرے بھائی سے اچھا سلوک نہیں کیا۔ اس نے تیری دعوت کو قبول کیا تو نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ آپؐ نے نہایت متانت اور حوصلے سے جواب دیا یہ نہیں جو تو سمجھا ہے بلکہ میں نے اس کو علم حکمت اور فقہ سے پُر کر دیا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں معمولی اختلاف کے ساتھ یہی واقعہ تفسیر ثعلبی سے منقول ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور ایک بلند آواز دی۔ چنانچہ یہ سُن کر سب قریشی جمع ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا اگر میں تم کو خبر دُوں کہ صبح یا شام کو تمہارے اُوپر ایک دُشمن حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا میری بات مان لو گے؟ کہنے لگے بے شک ہم ضرور مان لیں گے تو آپؐ نے فرمایا میں تم کو آنے والے سخت ترین عذاب سے ڈرانے کے لئے آیا ہوں۔ پس ابولہب نے کہا تبًّا لک۔ یعنی تو ہلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا ہے۔ پس اس کے جواب میں خُدا نے تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ بھیجی۔

سیرت حلبیہ اور نہایہ ابن اثیر سے بھی روایت اسی طرح منقول ہے کہ پہلے دن تو ابولہب نے بات کاٹ دی اور مجمع کو منتشر کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن دوسرے دن آپؐ نے ایک خطبہ پڑھا جس میں توحید پروردگار کا اعلان کیا اور اپنی نبوّت کا اظہار بھی کیا پس حضرت ابوطالب نے کھڑے ہو کر عرض کی ہم آپ کے مددگار ہیں اور آپ کے قول کی تصدیق کرنے والے ہیں بے شک آپؐ کو جو حکم ہوا ہے اسے پورا کیجئے۔ بخدا میں آپؐ کا جانثار رہوں گا اور آپ کی پُوری حفاظت کروں گا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابن اثیر نے کہا ہے (ابوطالب کی باتیں سُن کر ابولہب بپھرا لیکن ابوطالب نے جھڑک کر اسے خاموش کر دیا اور فرمایا جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾

کرے مومنین میں سے پس اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے تحقیق میں بیزار ہوں اس سے جو تم کرتے ہو

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾

اور توکل کر اوپر اس غالب کے جو مہربان ہے جو دیکھتا ہے تجھے جب کہ تو اٹھتا ہے

وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ

اور تیرا تقلب سجدہ کرنے والوں میں تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے کیا میں

أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۲۱﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ

تمہیں بتاؤں کہ کن پر اترتے ہیں شیاطین؟ اترتے ہیں اوپر ہر جھوٹے گنہ گار

اس کی ضرور حفاظت کریں گے۔ اور سیرت حلبیہ میں ہے کہ یہ دعوت ہی سرے سے حضرت ابوطالب کے گھر میں ہوئی تھی۔ طبری نے ابن الاعرابی سے نقل کیا ہے کہ دوسرے روز بھی ابولہب نے اپنی بدباطنی کے اظہار کا ارادہ کیا۔ لیکن حضرت ابوطالب نے نہایت تندو تیز لہجہ میں فرمایا او یک چشم اخاموش۔ پھر مجمع سے فرمایا کہ خبردار کوئی نہ اٹھنے پائے۔ پس سب اپنی جگہ پر جمے رہے تو ابوطالب نے عرض کی، میرے سردار کھڑے ہو کر ارشاد فرما ہو فرمائیے سب سننے کے لئے موجود ہیں۔ بے شک اپنے پروردگار کی رسالت کو پہنچائیے کیونکہ آپ صادق و مصدق ہیں۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ۔ یعنی جو ایمان لے آئے تو اس کے لئے نرمی اور حسن اخلاق سے سلوک کیجئے۔

آبائے نبی کا اسلام

وَتَقَلُّبَكَ۔ مذہب شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آبائی سلسلہ حوا و آدم تک سب کا سب مسلمان تھا اور آیت مجیدہ اس پر صاف دلالت کر رہی ہے۔ آیت مجیدہ سے اگرچہ یہ معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے کہ سجدہ کرنے والوں کے زمرہ میں تیرا سر بسجود ہونا اور عبادت کی حالات قیام رکوع سجود قعود میں تقلب اللہ کو معلوم ہے لیکن یہ معنی اس امر سے نہیں روکتا کہ اس سے دوسرا معنی بھی مراد لیا جائے جب کہ جمع ممکن ہو اور روایات بھی بکثرت اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تیرا نور ہمیشہ ساجدین میں منتقل ہوتا رہا ہے۔ پس آدم سے لے کر تا دم ولادت پاکیزہ ارحام اور طاہر اصلاب اس نور کے حامل رہے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تو ہمیشہ موحدین کی صلبوں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے الحدیث۔ اور آپ نے جماعت میں شریک ہونے والے صحابہ سے ارشاد فرمایا مجھ سے پہلے نہ سر رکھا کرو اور نہ اٹھایا کرو۔ کیونکہ میں تم کو پیچھے سے اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔

تفسیر برہان میں ابن بابویہ سے سند متصل کے ساتھ جابر بن عبداللہ انصاری رضی سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآب ص سے دریافت کیا گیا۔ جب آدم جنت میں تھا تو آپ کہاں تھے ؟ آپ نے فرمایا میں اس کی صلب میں تھا وہ زمین پر تشریف لائے تو میں اس کی صلب میں تھا۔ حضرت نوح کشتی میں سوار ہوئے تو میں اس کی صلب میں تھا۔ حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے تو میں اس کی صلب میں تھا۔ میرے آبائی سلسلہ میں کبھی زنا نہیں ہوا۔ اور خدا ... مجھے اصلاب طاہرہ سے ارحام طیبہ کی طرف منتقل کرتا رہا درحالیکہ میں ہادی و مہدی رہا ہوں مجھ سے خدا نے نبوت و اسلام کا میثاق لیا ہے اور اس نے میری ہر صفت کو واضح کیا ہے۔ تورات و انجیل میں میرا ذکر کیا ہے اور مجھے آسمانوں پر بلند کیا ہے اور میرا نام اس نے اپنے ناموں سے مشتق کیا ہے۔ میری اُمت حماد ہے وہ محمود ہے۔ اور میں محمدؐ ہوں (ابن بابویہ فرماتے ہیں یہ روایت طرق کثیرہ سے وارد ہوئی ہے۔) حضرت ابوذر رضی سے مروی ہے کہ میں نے بگوش ہوش جناب رسالتمآب ص سے سنا ہے۔ خُلِقْتُ اَنَا وَعَلِیُّ بْنِ اَبِیْ طَالِب مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ۔ یعنی میں اور علی ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم آدم ع کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے عرش کے پاس اللہ کی تسبیح کرتے رہے جب آدم کو پیدا کیا گیا تو یہ نور اس کی صلب میں ودیعت ہوا وہ جنت میں تھا تو ہم اس کی صلب میں تھے۔ حضرت نوح کشتی پر سوار ہوئے تو ہم اس کی صلب میں تھے حضرت ابراہیم ع کو آگ میں ڈالا گیا تو ہم اس کی صلب میں تھے پس خدا ہمیں پاک صلبوں سے پاک رحموں کی طرف ہمیشہ منتقل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالمطلب تک پہنچا پس اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا مجھے خدا نے صلب عبداللہ میں رکھا اور علی کو صلب ابوطالب میں ودیعت کیا مجھ میں نبوت و برکت رکھی اور علی میں فصاحت و شجاعت رکھی ہمارے نام بھی اس نے اپنے ناموں سے مشتق کئے وہ محمود ہے اور میں محمدؐ ہوں اور اللہ اعلیٰ ہے اور یہ علیؑ ہے۔

امالی میں شرف الدین سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کی۔ حضور ہم آپ کے مرتبہ کے تو قائل ہیں لیکن آپ کے والد کو دوزخ کا عذاب ہوگا۔ آپ نے فوراً فرمایا خاموش خدا تیرا منہ توڑے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو برحق مبعوث کیا ہے اگر میرا باپ پوری زمین کے گنہ گار لوگوں کے حق میں شفاعت کرے تو سب کے سب بخشے جائیں گے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میرا باپ دوزخ میں جائے حالانکہ میں قسیم النار ہوں۔ پھر فرمایا مجھے قسم ہے اللہ کی جس نے حضرت محمد مصطفیٰ ص کو مبعوث برسالت کیا ہے۔ حضرت ابوطالب کا نور بروز محشر تمام مخلوق کے نور پر غلبہ حاصل کرے گا سوائے نور محمدؐ کے اور میرے نور فاطمہ و حسنین کے نور اور آئمہ اطہار کے انوار کے کیونکہ اس کا نور ہمارے نور سے ہے۔ جس کو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے خلق فرمایا۔ ہم نے حضرت ابوطالب کے ایمان اور ان کے فضائل کے متعلق تفسیر ہذا کی پانچویں جلد میں ص۲ سے ص۲۱ تک مفصل بیان قلم بند کیا ہے۔

وَهَلْ اُنَبِّئُكُمْ۔ کفار قریش چونکہ کہتے تھے کہ اس پر شیطان القا کرتے ہیں تو اس کا خدا نے جواب دیا ہے کہ ہم بتائیں شیاطین کیسے لوگوں پر اترتے ہیں وہ ہر جھوٹے فاسق و فاجر اور بدکردار انسان پر اُترتے ہیں۔ لہٰذا کہہ دیجئے کہ مجھ پر شیطان نہیں اُترتے کیونکہ میں نہ کاذب ہوں نہ فاسق بلکہ میرے اُوپر ملائکہ کا نزول رہتا ہے۔

یُلْقُوْنَ السَّمْعَ ۲۲۳۔ یعنی شیاطین سُنی ہوئی باتیں کاہن اور جھوٹے لوگوں پر القاء کرتے ہیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہوا کرتے ہیں

ھُمْ ضمیر کا مرجع کاہن بھی ہوسکتے ہیں اور شیاطین بھی ہوسکتے ہیں۔ اور دونو مُراد لئے جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔
اَلشُّعَرَآءُ ۲۲۴ تفسیر مجمع البیان میں ابن عبّاس سے مروی ہے کہ اس سے شعراء مشرکین مراد ہیں جنہوں نے حضور رسالتمآبؐ کی ہجو کی، اور ناشائستہ کلمات اپنے اشعار میں نظم کئے اور جاہلوں سے داد و تحسین حاصل کی۔ خداوند کریم انہی کی مذمت میں ارشاد فرماتا ہے کہ شاعر لوگوں کے پیچھے گمراہ لوگ چلتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس مقام پر شعراء سے تمام وہ شاعر مراد ہیں جو شاعری میں حد درجہ انہماک رکھیں حتےٰ کہ قرآن و سنّت کو بھول جائیں۔ بعض مفسّرین نے کہا ہے کہ اس جگہ شعراء سے مراد وہ شاعر ہیں جو جذبات کے تابع ہوں، جب غصّہ میں ہوں گالیاں دینے لگ جائیں اور جب نظم کریں تو جھوٹ کو استعمال کریں اور زیادہ رجحان ان کا گمراہی کی طرف ہو۔ چنانچہ عام شعراء کا دستور یہی ہے کہ شعروں کی ابتدا عشقیہ مضامین سے کرتے ہیں اور تعریف طمع کے لئے کرتے ہیں اور جاہلانہ غیرت و حمیت کی بنا پر وہ ہجو کرنے لگ جاتے ہیں اور بعضوں کا خیال ہے مطلق قصہ خوان لوگ مراد ہیں جو جھوٹے افسانوں سے لوگوں میں مقام حاصل کرتے ہیں اور اسی کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اور تفسیر قمی میں ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی خواہشات سے دین کا حلیہ بگاڑتے ہیں پس جہلاء ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو علم و فہم سے کورے ہونے کے باوجود علم کا لباس پہن بیٹھتے ہیں اور لوگ ان کو عالم سمجھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے عوام کو بھی گمراہ کیا اور خود بھی گمراہ ہوئے اور تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اِنَّمَا عَنیٰ ھٰؤُلَآءِ الْفُقَهَا وَالَّذِیْنَ یَشْعُرُوْنَ قُلُوْبَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔ یعنی اس سے مراد وہ فقیہ لوگ ہیں جو لوگوں کے دلوں میں باطل کا بیج بوتے ہیں۔ الخ
بہر کیف اگر شعراء سے مراد ایک عام مفہوم لیا جائے (یعنی منشاء خداوندی کے خلاف بولنے والا) تو سب اس کے ضمن میں آجائیں گے۔ خواہ شاعر ہوں یا خطیب و مقرر ہوں۔
وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ ۲۲۶ عام شعراء کا دستور ہے کہ ایسی مبالغہ آمیز باتیں منہ سے نکال جاتے ہیں جن پر عمل کرنا ناممکن ہوتا ہے اور خود بھی جو کچھ کہتے ہیں اس پر عامل نہیں ہوتے اسی طرح اگر اس سے مراد علماء سو ہوں تو وہ بھی کہتے کچھ اور ہیں اور عمل کچھ اور کرتے ہیں۔
اِلَّا الَّذِیْنَ ۲۲۷ شعراء میں سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جو ایماندار ہیں جنہوں نے جناب رسالتمآبؐ کی مدح و ثنا کی، اور قلب و لسان سے آپ کی نصرت کا فرض ادا کیا۔ چنانچہ حسانؓ بن ثابت کو آپ نے دعا بھی فرمائی تھی۔ بہرکیف وہ شعراء جن کے اشعار خدا اور رسولؐ و اہل بیت کی تعریف میں ہوں اور درس معرفت دینے والے ہوں۔ جنت کی تشویق اور جہنم کی تخویف پر مشتمل ہوں یا حضرت سیّد الشہداء علیہ السلام کی مرثیہ خوانی اور مصائب کو متضمن ہوں وہ اس مذمت سے مستثنیٰ ہیں بلکہ وہ قابل مدح ہیں اور ان کے وہ اشعار جو دین خدا کی نصرت میں ہوں قابل اجر جزیل اور شکر جمیل ہیں اور انہی شعراء کے متعلق فرماتا ہے وَانْتَصَرُوْا یعنی وہ شعراء جنہوں نے ظلم برداشت کرنے کے بعد رسولِ خدا اور مومنین کا انتقام لیا وہ قابل تعریف ہیں۔ یعنی جس طرح مُشرک شاعروں نے حضور اور مومنین کی شعر کے ذریعے سے مذمت کی تھی۔ ان مومن شاعروں نے اس کا ان سے بدلہ لیا کہ حضورؐ کی تعریف کی اور کفار کی انہوں نے ہجو کی۔ لہٰذا شاعر ہونا قابل مذمت نہیں بلکہ فضول کلامی اور یاوہ گوئی قابل مذمت د

اَثِیۡمٍ ﴿۲۲۲﴾ یُّلۡقُوۡنَ السَّمۡعَ وَ اَکۡثَرُہُمۡ کٰذِبُوۡنَ ﴿۲۲۳﴾ وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُہُمُ

کے القاکرتے ہیں اپنی سُنی ہوئی چیزیں (کاہنوں پر) اور اکثر ان کے جھوٹے ہوتے ہیں اور شاعر لوگوں کی اتباع کرتے ہیں

الۡغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّہُمۡ فِیۡ کُلِّ وَادٍ یَّہِیۡمُوۡنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّہُمۡ یَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا

گمراہ لوگ کیا دیکھتے نہیں تحقیق وہ ہر وادی میں سرگردان ہوتے ہیں اور تحقیق وہ کہتے ہیں جو

نفرت ہے خواہ اشعار کے رنگ میں ہو یا نثر کے لباس میں ہو۔

تفسیر صافی میں بروایت عیون حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ مَنۡ قَالَ فِیۡنَا بَیۡتَ شِعۡرٍ بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیۡتًا فِی الۡجَنَّۃِ۔ یعنی جو شخص ہمارے حق میں شعر کا ایک بیت کہے خدا اس کو جنت کا بیت (گھر) عطا فرمائے گا۔ نیز فرمایا۔ مَا قَالَ فِیۡنَا قَائِلٌ شِعۡرًا حَتّٰی یُؤَیَّدَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ۔ یعنی جس شاعر نے بھی ہمارے حق میں ایک شعر کہا اس کی روح القدس سے تائید کی گئی۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کعب بن مالک نے حضور رسالت مآبؐ سے سوال کیا کہ حضورؐ آپؐ شعراء کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا مومن تلوار کے ذریعے جہاد کرتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ شاعر لوگ (جو دین کی ترجمانی میں اشعار لکھیں) ان کو تیر مارتے ہیں۔ آپؐ نے حسانؓ سے فرمایا تھا کہ ان کی ہجو کیا کرو۔ روح القدس تیرے ساتھ ہوگا۔

وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ۲۲۷ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے آل محمدؐ پر ظلم کئے اور جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا جو شخص میرے دین سے تمسک رکھنا چاہے اور میری کشتی نجات پر سوار ہونا چاہے وہ علی کی اقتدا کرے اور اس کے دشمن سے دشمنی کرے اور اس کے دوست سے دوستی رکھے اور علی میرا وصی اور میری اُمت پر خلیفہ ہے میری زندگی میں بھی اور میری وفات کے بعد بھی۔ وہ ہر مسلم و مومن کا میرے بعد امیر ہے۔ اس کا حکم میرا حکم اس کی نہی میری نہی۔ اس کا تابع میرا تابع اور اس کا ناصر میرا ناصر ہے۔ پس جس نے اس کو چھوڑا اس نے مجھے چھوڑا۔ پس فرمایا جس نے علی کو چھوڑا قیامت کے دن نہ وہ مجھے دیکھے گا اور نہ میں اسے دیکھوں گا۔ اور جو علیؑ کا مخالف ہوگا اللہ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور دوزخ اس کا ٹھکانہ ہے اور جو علی کی مدد کو ترک کر دے خدا اس کی کوئی بات نہ سنے گا۔ جب اس کے پیش ہوگا۔ اور جو علیؑ کی مدد کرے گا خدا اس کی مدد کرے اور یوم جزا اس کو اپنی حجت تعلیم کرے گا۔

پھر فرمایا حضرت حسنؑ اور حسینؑ اپنے باپ کے بعد لوگوں کے امام ہوں گے اور جوانان جنت کے یہ دونو سردار ہیں اور ان کی ماں عالمین کی عورتوں کی سردار ہے اور ان کا باپ تمام اوصیاء کا سردار ہے اور امام حسینؑ کی اولاد میں سے نو امام ہیں جن کا نواں قائم مہدیؑ ہوگا۔ ان سب کی اطاعت میری اطاعت ہے۔

اللہ کی طرف شکایت کرتا ہوں ان لوگوں کی جو ان کی فضیلت کا انکار کریں گے اور ان کے حق کو میرے بعد ضائع کریں گے۔ اللہ ولی و مددگار ہے میری عترت کا اور میری اُمت کے آئمہ کا اور وہ انتقام لے گا ان سے جو ان کے حق کا انکار کریں گے ——————

يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا

کرتے نہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے اور ذکر کیا اللہ کا بہت اور انتقام لیا انہوں

مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ ع ۱۵

نے بعد اس کے کہ ظلم کئے گئے اور عنقریب جان لیں گے ظالم لوگ کہ کونسی بازگشت کی طرف انہوں نے پلٹنا ہے

پس اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۶۹ء، ۷ مگھر ۲۰۲۶ ب

شب یک شنبہ ساڑھے سات بجے شام سورہ شعراء کی تفسیر ختم ہوئی۔

والحمد للہ

سورہ نمل

یہ سورہ مکیہ ہے اس کی آیات کی تعداد ۹۳ ہے اور بسم اللہ کے ساتھ ۹۴ ہے

تفسیر مجمع البیان میں ہے جو سورہ طٰس (نمل) کو پڑھے تو حضرت سلیمان و ہود و شعیب و صالح و ابراہیم علیہم السلام کی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔ اور بروز محشر قبر سے کلمہ توحید پڑھتا ہوا اُٹھے گا۔

تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو ہرن کی جھلی پر لکھ کر اپنے گھر میں رکھے تو سانپ، بچھو، کیڑا، چوہا، باولا کتا اور بھیڑیا غرضیکہ کوئی موذی جانور اس کی منزل کے قریب نہ آئے گا۔ ایک روایت میں مچھر کا نام بھی درج ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص بوقت شب
اس کو ہرن کی جھلی پر لکھے اور اس کو رنگے ہوئے چمڑے میں
بند کرے جس سے کچھ کاٹا نہ گیا ہو۔ اور اس کو صندوق
میں رکھ دے تو سانپ، بچھو اور مچھر غرضیکہ کوئی
موذی شی اس کے گھر کے قریب نہ آئیگی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

(ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ① هُدًى وَّبُشْرٰى

طٰسٓ یہ آیتیں قرآن کی اور کتاب مبین کی ہیں ہدایت اور خوشخبری

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

مومنوں کے لئے ہے جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ کو اور وہ

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ

آخرت پر یقین رکھتے ہیں تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے قیامت پر زینت دی

اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ④ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَ

ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال کو پس وہ سرگردان ہیں وہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے بدترین عذاب ہوگا اور

هُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ

قیامت میں خسارہ پانے والوں میں ہوں گے اور تحقیق تو دیا جاتا ہے قرآن حکیم و

لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ

علیم (خدا) کی طرف سے جب کہا موسٰے نے گھر والی سے تحقیق میں نے دیکھی ہے آگ

رکوع نمبر ۱۶

طٰسٓ - اس کی تفسیر و تشریح اسی جلد میں گذر چکی ہے صفحہ ۱۹

تِلْكَ - یہ اشارہ ہے اس کی طرف جو پہلے وعدہ کیا گیا تھا۔

اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ - قرآن اور آیات قرآن دونو ایک چیز ہیں البتہ یہاں قرآن اور کتاب دونو کو ذکر کرکے اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دونو سے مراد ایک ہے صرف اتنا فرق ہے کہ قرآن کا لفظ قرأت کو ظاہر کرتا ہے اور کتاب کا لفظ کتابت کو نمایاں کرتا ہے یعنی یہ لکھی اور پڑھی جانیوالی چیز ہے پس یہ بمنزلہ اس ناطق (بولنے والے) کے ہے جو لکھ بھی سکتا ہو اور پڑھ بھی سکتا ہو۔ بنابریں اس کو مُبین کی صفت سے موصوف کرنا اس کی ناطق سے تشبیہ کو مزید پختگی دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کے مضامین و مطالب اس قدر واضح اور مبرہن ہیں گویا کہ یہ کتاب

سَاٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِخَبَرٍ اَوۡ اٰتِيۡكُمۡ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمۡ تَصۡطَلُوۡنَ ۝٧

عنقریب لاؤں گا تمہارے پاس اس سے کوئی پتہ یا لاؤں گا شعلہ آگ کا تاکہ تم تاپ سکو

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوۡدِىَ اَنۡۢ بُوۡرِكَ مَنۡ فِى النَّارِ وَمَنۡ حَوۡلَهَا ؕ وَسُبۡحٰنَ

پس جب وہاں پہنچے تو آواز آئی کہ برکت دیا گیا جو آگ کے اندر ہے اور جو اس کے باہر ہے پاک ہے

اللّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝٨ يٰمُوۡسٰٓى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝٩

اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے اے موسیٰ تحقیق میں اللہ غالب حکمت والا ہوں

وَاَلۡقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهۡتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدۡبِرًا وَّلَمۡ

اور ڈال دے اپنا عصا پس جب اس کو دیکھا کہ حرکت کر رہا ہے مثل چھوٹے سانپوں کے تو پیچھے دوڑا اور مڑ کر

يُعَقِّبۡ ؕ يٰمُوۡسٰى لَا تَخَفۡ اِنِّىۡ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ۝١٠

بھی نہ دیکھا اے موسیٰ نہ ڈر تحقیق میرے پاس رسول نہیں ڈرا کرتے

خود اپنے مقام پر بولتا ہوا مفسر ہے جو مطالب و مقاصد کو نہایت سلجھے ہوئے انداز سے بیان کرتا ہوا چلا جارہا ہے۔ اسی لئے اس کو بعض جگہ بیان کی صفت سے بھی متصف کیا گیا ہے۔

هُدًى وَّبُشۡرٰى ص۲۲۳۔ یعنی اپنے بیان برہان اور اعجاز کے لحاظ سے ہدایت ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے جنت کی بشارت ہے پس اس کا محل اعراب رفع ہے کیونکہ خبر واقع ہے اور ہادیاً و مبشراً کی تاویل میں اس کو منصوب بنا پر حالیت کے بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

زَيَّنَّا لَهُمۡ۔ یعنی بوجہ کفر و شرک کے ان کے دل سیاہ ہو چکے ہیں پس ان کے لئے ان کے وہی کفریہ اعمال مزین کئے گئے ہیں اور وہ انہی پر خوش ہیں۔ پس توفیق ایمان سے محروم ہیں۔ اور گمراہی کی تاریکی میں سرگرداں ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا ذکر

اِذۡ قَالَ مُوۡسٰى ص۲۲۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد جب وہاں رہنے کی مقررہ مدت ختم ہوئی تو مراجعت فرمائے وطن ہوئے۔ تفسیر کی جلد ۹ ص۱۶۲ و ص۱۶۴ پر واقعہ مفصل درج ہو چکا ہے۔ سردی زوروں پر تھی رات کا وقت تھا اندھیرا چھا چکا تھا راستے کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا قریب کہیں جلتی ہوئی آگ دکھائی دی تو طبیعت میں سکون پیدا ہوا اور اپنی اہلیہ سے فرمایا۔

اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ۔ ایناس چونکہ انس سے ہے لہذا اس کا معنی ہے چیز کا دیکھنا جس میں انس و محبت اور اطمینان و سکون کی خوشبو ہو گویا فرمایا کہ میں ایک ایسی آگ دیکھ رہا ہوں جو ہمارے لئے سکون نفس کی موجب ہے گی لہذا تم یہاں ٹھہر جاؤ میں وہاں سے رستہ کا سراغ دریافت کروں گا یا آگ کا شعلہ لاؤں گا تاکہ اس سے آپ سردی کی تکلیف سے نجات ہو چنانچہ ہاتھ میں خشک گھاس مٹھی بھر لے

لیا تاکہ جلتی ہوئی آگ سے ایک شعلہ دلبا، لاکر سردی کا علاج کریں۔ جب قریب پہنچے تو قدرت خالق کا عجیب وغریب منظر دیکھا کہ ایک سرسبز وشاداب درخت کی پُررونق شاخوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں جونہی آگ کے شعلے بلند ہوتے ہیں اتنا ہی درخت کی تازگی ورونق میں اضافہ ہوتا ہے نہ آگ درخت کی رونق کو برباد کرتی ہے اور نہ درخت کی سبزی آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر اثر انداز ہوتی ہے پس دریائے حیرت میں غوطہ لگانے کے بعد اپنے مطلب کی فکر میں مٹھی بھر خشک گھاس کو آگ کی طرف بڑھایا تاکہ جلتا ہوا آگ کا شعلہ واپس اہلیہ کی طرف لے جائیں جونہی آپ آگے بڑھے آگ ان کی طرف بڑھی فوراً پیچھے ہٹ گئے، جب دوبارہ سہ بارہ یہی ماجرا پیش آیا تو فرط حیرت میں ایک تماشائی بن کر قدرت پروردگار کا نظارہ دیکھنے کے لیے رک گئے۔ اتنے میں نہایت شیریں و پُرکیف لہجے میں آگ کے اندر سے ایک رُوح پرور آواز آئی جس سے لمبے سفروں کے تھکے ماندے مسافر نبی کو سرور محسوس ہوا۔ محبت آمیز اور پیارے انداز سے خوش آمدید یوں ہوئی نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی مبارک ہے وہ جو آگ کے اندر ہے اور مبارک ہے وہ اس کے پاس آیا یہ قدرت کی زبان سے تحیہ و اکرام کے وہ الفاظ تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ کے قلب وجگر میں محبت کی ایک لہر پیدا کر دی اور مزید پیاری گفتگو کے لیے فکر لاحق سے بے نیاز ہو کر ہمہ تن گوش ہو گئے۔ کہتے ہیں یہ ندائے وحی تھی جس نے آگ کے اندر والے فرشتوں اور باہر کھڑے ہوئے حضرت موسیٰ کو مبارکباد کا پیغام تہنیت و تحیۂ وحدت سنایا۔ روشن فضا کے اندر فرشتے محو تسبیح و تقدیس پروردگار تھے اور حضرت موسیٰ اس کے باہر دل آفریں منظر اور پیاری آوازوں میں محو حیرت تھے اتنے میں پھر آواز آئی سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی پاکیزہ ہے ہر عیب سے وہ اللہ جو عالمین کا پروردگار ہے۔ اب حضرت موسیٰ کا دل اس شیریں لب ولہجہ کے سننے کیلئے اور زیادہ بے تاب ہو گیا تو فوراً آواز آئی یَا مُوْسٰی ایک دوست اپنے دوست کو نام لے کر پکارے تو جو سرور کی کیفیت دوست کے دل میں پیدا ہوتی ہے اس کا اندازہ کوئی دوسرا انسان نہیں کر سکتا۔ جب زبان توحید سے حضرت موسیٰ نے اپنے نام کی پکار سُنی تو جوشِ محبت اور ولولۂ عقیدت میں منتظر تھے کہ کیا پیغام آتا ہے اور یہ اللہ کا اپنے پیارے کلیم سے کلام کا پہلا موقع تھا جس کی چاہت نے حضرت موسیٰ کے دل سے عیال ومال کا خیال نکال دیا تھا پس تعارف کے انداز میں ارشاد فرمایا اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ میں وہ اللہ ہوں جو غالب اور حکمت والا ہوں۔

كَاَنَّهَا جَآنٌّ۔ جانٌ چھوٹے سانپ کو کہا جاتا ہے اور سورۂ اعراف میں ثُعبانٌ مُّبِین کہا ہے یعنی اژدہا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ تھا تو اژدہا لیکن تیزی سے اِدھر اُدھر اس طرح حرکت کرتا تھا جس طرح چھوٹے ہلکے پھلکے سانپ کیا کرتے ہیں۔ اس لیے یہاں فرمایا اس طرح حرکت کرتا تھا۔ كَاَنَّهَا جَآنٌّ جس طرح گویا کہ چھوٹا سانپ ہے اور دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جب پہلی دفعہ عصا زمین پر پھینکا تھا تو اسوقت چھوٹا سانپ تھا جیسا کہ اس مقام پر ہے اور جب فرعون کے سامنے پھینکا تو اژدہا بن گیا تھا یہی وجہ ہے کہ ہر دو دفعہ خود بھی ڈر گئے۔ پہلی دفعہ اگرچہ چھوٹا سانپ تھا لیکن اس لیے ڈرے کہ واقعہ نیا اور پہلی دفعہ کا تھا اب اگر دربارِ فرعون میں بھی اسی طرح چھوٹا سانپ بنتا تو یقیناً حضرت موسیٰ کے دل میں خوف پیدا نہ ہوتا کیونکہ پہلے آزما چکے تھے کہ میرے پکڑنے سے ویسے کا ویسا سانپ ہی بن جائیگا۔ لیکن جب اس کو بڑا اژدہا بنا ہوا دیکھا تو دل پر خوف طاری ہو گیا اور اس میں مصلحت کار فرما تھی اور چند فائدے تھے۔

(۱) جب جادوگروں نے اپنی رسیوں کو پھینکا اور جادو کر کے انہیں سانپ ظاہر کیا تو حضرت موسیٰ خود گھبرا گئے۔ چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں

ارشاد ہے۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی۔ یعنی موسیٰؑ نے بھی دل میں گھبراہٹ محسوس کی اور اس کی وجہ یہی تھی کہ جس طرح انہوں نے رسیوں کے چھوٹے چھوٹے سانپ بنادیئے ہیں اگر میں عصا کو پھینکوں تو وہ بھی اسی طرح ایک چھوٹا سا سانپ ہی بنے گا۔ پس لوگوں کے لیے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہو جائے۔ پس ارشاد قدرت ہوا۔ لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ یعنی گھبرا نہیں کیونکہ تو ہی غالب رہے گا۔ پس اس دفعہ جو عصا کو پھینکا تو پہلے کی طرح چھوٹا سا سانپ نہیں تھا جس طرح پر پہلی ملاقات خداوندی کے موقعہ پر بنا تھا بلکہ ایک بہت بڑا اژدہا تھا جس کی وضاحت تفسیر کی جلد ۹ صفحہ ۲۴۷ پر اور جلد ۶ صفحہ ۶۸ پر اور اسی جلد میں صفحہ ۱۹۶ پر گذر چکی ہے۔ چنانچہ اس نے جادوگروں کے تمام مصنوعی سانپوں کو اپنا لقمہ بنا لیا۔ اگر یہ بھی خود چھوٹا سا سانپ ہوتا اور ان مصنوعی سانپوں کو کھاتا تو جادوگروں کا ذہن مطمئن نہ ہوتا بلکہ وہ حضرت موسیٰؑ کو بڑا جادوگر ہی سمجھتے نبی نہ مانتے کیونکہ ایک حجم کے جانور کا اپنے برابر کے ایک جانور کو کھانا بھی ظاہراً ممکن نہیں تھا چہ جائیکہ اپنی جسامت کے ہزاروں جانوروں کو کھا جائے۔ پس وہ حضرت موسیٰ کے سانپ کو جادو کہتے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکا دیا گیا ہے کہ ہمارے سانپ غائب ہو گئے ہیں ورنہ اس حجم کے سانپ کے لئے ناممکن ہے کہ حقیقتاً اپنے حجم کے ہزاروں سانپوں کو کھا جائے۔ پس خدا نے اس دفعہ اس کو ایک بڑے اژدہا کی شکل دیدی تاکہ جادوگر مطمئن ہو جائیں کہ یہ جادو نہیں بلکہ قدرتِ خداوندی کا مظہر ہے کیونکہ جادو والی چیز دوسری آنکھوں کو دھوکا دے سکتی ہے لیکن اس کے لیے کھانا اور دیگر آثار زندگی مترتب ہونا جادو نہیں قدرت خدا ہے۔

(۲) اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر پہلے کی طرح چھوٹا سانپ ہوتا تو حضرت موسیٰؑ اس کے عادی ہونے کی وجہ سے خوف نہ کرتے اور دربار فرعون میں جادوگروں کے سامنے ان کا خوف نہ کرنا جادوگروں کو شک میں ڈال دیتا کیونکہ جادوگر اپنے جادو سے نہیں ڈرا کرتا۔ پس وہ سمجھتے کہ جس طرح ہمارا جادو ہے وہ بھی جادو ہے کیونکہ جس طرح ہم اپنے سانپوں سے نہیں ڈرتے وہ بھی نہیں ڈرتا۔ اس لئے خدا نے اس کو اژدہا کی شکل دے دی جس سے ابھی تک حضرت موسیٰؑ خود بھی مانوس نہ تھے پس اژدہا کی شکل اور ڈراؤنی حالت دیکھ کر حضرت موسیٰ بھی دوسرے ڈرنے والوں کی طرح ڈر گئے جس سے جادوگر سمجھے کہ یہ جادو نہیں ہے۔ کیونکہ جادوگر اپنے جادو سے نہیں ڈرا کرتا۔

(۳) اور اس میں تیسرا فائدہ یہ بھی تھا کہ اگر حضرت موسیٰؑ خود نہ خوف کرتے تو فرعون کی خدائی کا بھانڈا تو پھوٹ چکا تھا۔ جب اس نے اژدہا کو اپنی طرف متوجہ دیکھا اور اس کا پاخانہ بھی خوف کے مارے نکل گیا پس جادوگروں نے تو یہ سمجھ لیا کہ فرعون یقیناً خدا نہیں جو ایک اژدہے سے خوف کھا رہا ہے لیکن جس نے عصا کو اتنا بڑا اژدہا بنا دیا ہے وہ ضرور خدا ہے۔ پس حضرت موسیٰؑ کو خدا مان کر وہ مشرک ہو جاتے اور تبلیغ کا مقصد فوت ہو جاتا۔ کیونکہ جس طرح فرعون کی خدائی کا دعویٰ غلط ثابت کرنا تھا اسی طرح اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ توحید پروردگار کے قائل ہوں۔ پس خدا نے اس کو اژدہا کی شکل دے کر موسیٰ کے دل میں خوف پیدا کر دیا تاکہ لوگ فرعون کی خدائی کو باطل سمجھ کر موسیٰؑ کو خدا تسلیم کریں جو عصا کو اژدہا بنانے پر قادر ہے پس وہ سمجھ گئے کہ موسیٰ یقیناً اس فعل پر قادر نہیں ہے ورنہ خود اس سے خوف نہ کرتا پس خدا وہ ہے جس نے موسیٰؑ کو یہ معجزہ دیکر بھیجا ہے اور یہ اس کا رسول برحق ہے اور ہم نے اس مطلب کو

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑪

مگر جو ظلم کرے پھر تبدیل کرے نیکی بعد برائی کے تو تحقیق میں بخشنے والا مہربان ہوں

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِیْ تِسْعِ

اور داخل کر اپنا ہاتھ گریبان میں نکلے گا نورانی سفید بغیر عیب کے نو دوسرے معجزوں کے ساتھ

اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ⑫ فَلَمَّا

(جا) طرف فرعون کے اور اس کی قوم کے تحقیق وہ ہیں فاسق پس جب

جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ⑬ وَجَحَدُوْا

پہنچیں ان کے پاس ہماری واضح نشانیاں تو کہنے لگے یہ صاف جادو ہے اور انہوں نے

بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

انکار کیا ان کا حالانکہ مانتے تھے ان کو ان کے دل ازراہ ظلم و تکبر پس دیکھ کیا انجام ہوا فساد

الْمُفْسِدِیْنَ ⑭ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ

کرنے والوں کا اور تحقیق ہم نے دیا داؤد و سلیمان کو علم دونوں نے کہا حمد ہے اللہ کے لئے

جلد ۶ صفحہ پر سوال و جواب کے رنگ میں قدرے واضح کیا ہے۔ نیز اس سے یہ بات خوب واضح ہوئی کہ معجزہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جو نبی یا امام کے ہاتھوں پر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ پس اللہ معجز ہے اور انبیاء و آئمہ معجز نما ہیں۔

اِلَّا مَنْ۔ یہ سابق سے مستثنٰے منقطع ہے۔ اور اس کا پہلے مطلب کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ۔ یہاں فی مع کے معنی میں ہے یعنی اس کے علاوہ نو معجزات اور عطا فرمائے جن کا ذکر جلد ۶ صفحہ ۸۰ تا ۸۳ پر گذر چکا ہے

مُبْصِرَةً۔ یعنی اس قدر واضح کہ کثرت سے دیکھی جا سکے اور مُفْعِلَةٌ کا وزن کثرت کو ظاہر کرتا ہے جس طرح اَرْضٌ مَّضَبَّةٌ وہ زمین جس میں سوسمار زیادہ ہوں مُفْعَاةٌ جس میں افعی (اژدہا) زیادہ ہوں مُحْیَاةٌ جس میں سانپ زیادہ ہوں۔

رکوع نمبر ۲ حضرت سلیمان کا قصہ

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا۔ یعنی ہم نے داؤد و سلیمان کو علم عطا کیا اور اس علم سے مخصوص علم مراد ہے کیونکہ علم نبوت و رسالت تو باقی نبیوں اور رسولوں کو بھی عطا ہوا ہے اور علم کے بغیر تو کوئی نبی یا رسول ہو ہی نہیں سکتا۔ پس علم سے مراد علم قضا یعنی رعایا میں فیصلوں کا علم۔ پس وہ اپنے زمانہ کے حکمران و سلطان

الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَوَرِثَ

جس نے ہم کو فضیلت دی اپنے بہت سے مومن بندوں پر اور وارث ہوا

سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ وَ

سلیمان داؤد کا اور کہا اے لوگو ہمیں سکھائی گئی بولی پرندوں کی اور

بھی تھے اور مملکت کے چیف جسٹس بھی۔ اس کے علاوہ پرندوں اور دیگر حیوانات کی بولی بھی جان سکتے تھے۔ (مجمع البیان نقلاً عن ابن عباس)

فَضَّلَنَا۔ یعنی خداوند کریم نے ہمیں باقی لوگوں سے امتیازی شرف عطا فرمایا کہ ہمیں اس نے نبوت دی اور صاحب اعجاز بنایا۔ نیز علم مخصوص عطا فرمایا اور ہمارے لئے لوہے کو نرم کیا اور شیاطین وجن وانس کو ہمارا تابع فرمان بنایا۔

وراثتِ انبیاء

وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ۔ آیت مجیدہ میں صاف اعلان ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے باپ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے۔ حکومت سلطنت تخت بخت جائداد جاگیر اور محلات ومکانات غرضیکہ اس کی جملہ متروکہ اشیاء کے وارث ہوئے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ نبیوں کے مال کی اولاد وارث ہوتی ہے۔ جس طرح دوسرے لوگوں کی وارث ان کی اولاد ہوا کرتی ہے اور نبی اپنے آباء کے وارث ہوتے ہیں۔ جس طرح دوسرے لوگ اپنے آباء کے وارث ہوا کرتے ہیں اور خانوادۂ رسالت واہل بیت عصمت سے اسی طرح مروی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس جگہ مراد یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے باپ حضرت داؤدؑ کے علم ونبوت اور ملک وسلطنت کے واحد وارث ہوئے۔ اور اس میں حضرت داؤد کی دوسری اولاد شریک نہ تھی۔ خاتون جنت کے مقدمۂ فدک میں جو حدیث پیش کر کے خلیفہ وقت نے بی بی کا دعویٰ خارج کیا تھا درحقیقت وہی پیش کردہ مفروضہ حدیث ہی آیاتِ وراثتِ انبیاء کے معانی کی توڑ پھوڑ کی موجب بنی ہے اور خلیفہ وقت کے کاسہ لیسوں نے یہی تاویل پیدا کی کہ سلیمان اپنے باپ دادا کے علم ونبوت وملک کا وارث تھا۔ اسی طرح حضرت زکریاؑ کی دعا میں جہاں یہ الفاظ ہیں یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔ یعنی مجھے وہ لڑکا عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو۔ وہاں بھی انہوں نے وراثتِ نبوت مراد لے لی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علم ونبوت حقیقت کے اعتبار سے قابل وراثت امور نہیں ہیں ورنہ ہر نبی کی ہر اولاد نبی ہوتی اور دنیا میں کوئی آدمی اس صورت میں غیرنبی نہ رہتا۔ کیونکہ سب کے سب کم از کم حضرت آدمؑ نبی کی تو اولاد میں ہیں۔ اسی طرح دنیا کا کوئی فن قابلِ وراثت نہیں ہوتا ورنہ ہر صاحب فن کی اولاد صاحبِ فن ہوتی پس وراثت کا تعلق مُورث کے متروکہ مال واسباب جاگیر وجائداد اور زر ودولت پر ہوتا ہے جن کی ملکیت قابل نقل وانتقال ہو۔ اور یہ ہے وراثت کا حقیقی اطلاق جس پر احکامِ وراثت مترتب ہوتے ہیں۔ البتہ علوم وفنون وصفات وکمالات وغیرہ ناقابل انتقال امور واشیاء پر وراثت کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کسی عالم کا بیٹا خواہ باپ سے ایک حرف بھی نہ پڑھا ہو بلکہ کہیں دُور دراز کے سفر طے کر کے تحصیل علوم کرے اور عالم بن جائے تو باپ کے مرنے کے

بعد کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے باپ کا صحیح وارث ہے۔ حالانکہ باپ نے اپنے علم سے اس کو ایک حرف بھی تعلیم نہیں کیا تھا اسی طرح ڈاکٹر کا بیٹا ڈاکٹر ڈاکٹری میں بھی باپ کا وارث کہلائے گا اگرچہ باپ سے نہ بھی سیکھا ہو اور جملہ فنون بلکہ صفات انسانیہ کا یہی حال ہے اور صفات ردئیہ و ناقصہ میں بھی یہ اطلاق جاری ہوا کرتا ہے اور یہ وراثت کا مجازی اطلاق ہے اور اس کا انکار بداہت کا انکار ہے۔

اب سوچنا چاہیے کہ کیا حضرت زکریاؑ کی دُعا کہ لے پروردگار مجھے اپنا وارث عطا کر اسی مجازی اطلاق کے پیش نظر تھی تو یقیناً عقل صحیح اس کی تردید کر دے گی کیونکہ کسی باپ کو کیا وثوق ہو سکتا ہے کہ میرا بیٹا میرے فنون وعلم و کمالات کا وارث ہو گا یا نہیں اور حضرت زکریا کو معلوم تھا کہ اس سے قبل جس قدر انبیاء کی اولادیں گزری ہیں وہ نبوت میں اپنے آباء کی وارث نہیں ہوئیں پس وہ خود کس طرح اللہ سے ایسی دُعا کر سکتے تھے۔ نیز حضرت زکریا کی مناجات میں یہ الفاظ بھی صراحت سے مذکور ہیں۔ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ۔ یعنی مجھے دوسرے وارثوں کا ڈر ہے کہ اگر میرا اپنا لڑکا نہ ہوا تو وہ میری وراثت پر قبضہ کر لیں گے۔ حالانکہ حضرت زکریا صاف جانتے تھے کہ نبوت ایسی چیز نہیں جس پر کوئی دوسرا غیر مستحق قبضہ کر سکے۔ پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ وارث سے مراد وارث مال و ترکہ ہے نہ کہ وارث علم و نبوت۔ ویسے بھی قاعدہ یہ ہے کہ جہاں لفظ کو حقیقی یا مجازی معنی پر محمول کرنا مساوی احتمال رکھتا ہو اور قرینہ مجازی معنی پر کوئی نہ ہو تو لفظ کو حقیقی معنی پر محمول کرنا ضروری ہے لیکن اگر قرینہ بھی موجود ہو جو مجازی معنی کی نفی اور حقیقی معنی کی تائید کرتا ہو تو ایسی صورت میں مجازی معنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حضرت زکریا کی دعا میں اگر حقیقی و مجازی دونوں معنوں کا برابر احتمال بھی ہوتا تب بھی چونکہ قرینہ نہیں لہٰذا حقیقی معنی مراد لیا جائے گا بلکہ مجاز کا مخالف قرینہ موجود ہے (اور یہ کہ آپ نے عرض کی کہ مجھے دوسرے وارثوں کا ڈر ہے اور یہ ڈر نبوت و علم کے متعلق ہو نہیں سکتا) پس ضروری ہے کہ وراثت مالیہ مراد لی جائے نہ کہ علمیہ۔ علاوہ ازیں آپ نے دعا میں یہ عرض بھی کی وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ یعنی اے اللہ اس کو رضی (پسندیدہ و برگزیدہ) بھی بنا تو اگر وارث نبوت کی دعا مانگ رہے ہوتے تو بعد میں اس کی برگزیدگی کی دعا بے محل تھی۔ کیونکہ جو نبی ہوتا ہے وہ تو برگزیدہ ہوتا ہی ہے۔ البتہ مالی وارث کے سوال کے ساتھ جس طرح دیگر وارثوں کا خطرہ ظاہر کرنا برمحل ہے۔ اسی طرح اس کی برگزیدگی کی دعا بھی بجا و برمحل ہے۔ اس کی تحقیق جلد ۹ صفحہ ۱۳۷ و ۱۳۵ پر گزر چکی ہے۔

اب رہا آیت مجیدہ میں سلیمان کی وراثت کا معاملہ تو اس میں شک نہیں کہ معنی مجازی کے لحاظ سے حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے علم و نبوّت و ملک و سلطنت کے واحد وارث تھے اور اس میں ان کی دوسری اولاد شریک نہیں تھی لیکن آیت مجیدہ میں اس امر کی ضمانت کہاں ہے کہ حضرت داؤدؑ کی مالی وراثت باقی اولاد پر تقسیم ہوئی اور اس سے حضرت سلیمانؑ کو حصہ نہ دیا گیا۔ اولاً تو جو مفروضہ روایت مقدمہ فدک کی ردّ میں پیش کی گئی تھی۔ اس میں یہ شق بھی ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا لہٰذا حضرت داؤدؑ کی اولاد جو سلیمان کے علاوہ تھی وہ آپ کی کسی چیز کی وارث نہ ہو گی۔ کیونکہ ملک و سلطنت اور نبوت و علم میں ان کے واحد وارث حضرت سلیمانؑ تھے اور باقی جائداد قاعدہ کے لحاظ سے بیٹوں کو مل نہیں سکتی تھی لہٰذا وہ یکسر محروم ہونے چاہییں اور ثانیاً اگر کوئی گنجائش نکال کر دوسروں کو وارث بنایا گیا اور حضرت سلیمانؑ کو باقی مالی وراثت سے محروم کیا گیا کیونکہ یہ نبی تھا اور نبی وارث نہیں ہوا کرتے تو اس کو آیت کے کس لفظ سے ثابت کیا جائے گا۔ پس زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کی مالی جائداد کے وارث سب لڑکے لڑکیاں تھے اور حضرت سلیمانؑ ان میں شریک تھے۔

أُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ وَ

عطا کیا گیا ہمیں ہر اس چیز میں سے (حصہ) تحقیق یہ البتہ فضل ظاہر ہے اور

حُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ

جمع کئے گئے سلیمان کے لئے اس کے لشکر جنوں اور انسانوں اور پرندوں میں سے پس وہ

يُوزَعُونَ ﴿١٧﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ

روکے جاتے تھے یہاں تک کہ جب پہنچے وادیٔ نمل پر (تو سنا) کہ ایک چیونٹی نے کہا

لیکن علم و نبوت و ملک کا وارث باقی برادری سے امتیازی صورت میں صرف حضرت سلیمانؑ تھے اس لئے حضرت سلیمانؑ کا آیت میں مخصوص طور پر ذکر کیا گیا کہ وہ داؤد کے وارث ہوئے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے منقول ہے جب کہ آپ پر اعتراض کیا گیا کہ آپ بچپنے میں کیسے امام بن گئے تو آپ نے فرمایا جب خدا نے حضرت داؤدؑ پر وحی کی کہ اپنا جانشین نامزد کرو اور حضرت سلیمان کو اپنا ولی عہد قرار دو تو وہ ابھی تک عالم بچپنے میں تھے اور دنبیاں چرایا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کے عابد و زاہد لوگوں نے اور علما نے اس کی کم سنی پر اعتراض کیا تھا لیکن خدا نے داؤدؑ پر وحی کی تھی کہ حضرت سلیمانؑ کا عصا اور دوسروں کے عصا لے کر ایک کمرے میں بند کر کے رکھ دو اور مہر کر دو۔ پس جس کا عصا صبح کو تروتازہ اور ثمر آور ہو جائے تو اسی کو خلیفہ مقرر کر دو پس قوم اس پر رضامند ہو گئی اور صبح کو دروازہ کھولا گیا تو حضرت سلیمانؑ کا عصا تروتازہ تھا اور اس پر پھل بھی لگا ہوا تھا پس وہ نامزد ہو گئے اور تفسیر کی جلد نمبر ۹ صفحہ ۲۴۱ پر اس کی دوسری وجہ مذکور ہے۔

مَنطِقَ الطَّيْرِ۔ اہل لغت کے نزدیک نطق کا اطلاق صرف بنی آدم پر ہی ہو سکتا ہے اور باقی جانوروں پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ نطق کلام کے معنی میں ہے اور باقی جانور کلام پر قادر نہیں ہیں۔ لیکن ہم نے تفسیر کی تیسری جلد صفحہ ۱۳۲ پر ثابت کیا ہے کہ کلام اس ذریعہ و واسطہ کا نام ہے جس کی بدولت انسان اپنا مافی الضمیر دوسروں تک پہنچائے اگر انسان مدنی الطبع نہ ہوتا اور رہن سہن میں معاشرہ کا محتاج نہ ہوتا تو کلام کی ضرورت ہی پیش نہ آتی پس حرفوں اور لفظوں سے مرکب ہونے والی آواز کو کلام کا نام دے دیا گیا اور حیوان چونکہ حروف و الفاظ کے بغیر مہمل آوازوں سے یا اشاروں سے یا آنکھوں یا دوسرے مخصوص ذرائع سے ایک دوسرے کو اپنا مطلب سمجھا لیتے ہیں لہذا ان کا وہ مخصوص انداز کلام کہا جا سکتا ہے پس موجودات کی ہر نوع و صنف کا کلام ان کی حقیقت و کیفیت و حیثیت کے لحاظ سے جدا جدا نوعیت کا ہو گا۔ لہذا جس کلام کی تعریف اہل لغت کرتے ہیں کہ لفظوں اور حرفوں سے مرکب ہونے والے بامعنی و مفید آوازوں کا نام کلام ہے یہ صرف کلامِ انسانی کی تعریف ہے نہ کہ مطلق کلام کی۔ بنا بریں پرندوں اور حیوانوں کی آوازیں جو افہام و تفہیم کو اپنے اندر لیے ہوئے ہوں ان کا کلام کہی جا سکتی ہیں اور وہی ان کی بولی ہوتی ہے بلکہ بعض شعراء عرب نے تو غیر جاندار اشیاء کی ہیئت کذائیہ کو بھی کلام کہا ہے جو کسی بات پر دلالت کرتی کر رہی ہو۔ چنانچہ ایک عرب شاعر متنبی کہتا ہے۔

وَذَكِيٌّ رَائِحَةِ الرِّيَاضِ كَلَامُهَا يَبْغِي الثَّنَاءَ عَلَى الْحَيَاءِ فَتَفُوحُ

باغات کی پاکیزہ خوشبو ان کا کلام ہے وہ بارش کا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تو مہک اُٹھتے ہیں

وَاُوْتِيْنَا ۔ مقصد یہ ہے کہ نبوت اور حکومت کے لیے جس قدر اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ خدا نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ ۔ تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ کہ حضرت سلیمان بن داؤدؑ کو مشرق و مغرب یعنی پوری روئے زمین پر حکومت دی گئی اور سات سو برس اور چھ ماہ انہوں نے حکومت کی۔ ان کی حکومت جنوں، انسانوں، شیطانوں، حیوانوں اور درندوں، چرندوں، پرندوں وغیرہ کی جملہ اصناف پر تھی ہر قسم کی ضروریات کا علم ان کو دیا گیا اور ہر جنس کی بولی ان کو تعلیم کی گئی۔ ان کے دورِ سلطنت میں عجیب و غریب صنعتیں رونما ہوئیں۔ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خداوند کریم نے دیگر علوم کے علاوہ اس زمانے کی مروجہ تمام زبانوں کی معرفت بھی عطا فرمائی تھی بلکہ وہ پرندوں، درندوں اور جملہ حیوانوں کی بولیاں بھی جانتے تھے۔ علاوہ ازیں جب کسی دشمن سے لڑتے تھے تو زبان فارسی استعمال کرتے تھے۔ جب حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں، کارکنوں اور فوجی افسروں سے خطاب کرتے تھے تو رومی (انگریزی) زبان بولتے تھے خانگی اور گھریلو معاملات میں سریانی و نبطی زبان استعمال کرتے تھے جب محراب عبادت میں خالق بے نیاز کے سامنے عبادت و مناجات کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو عربی زبان کو استعمال فرماتے تھے اور جب بیرونجات سے وفود ملنے کے لیے آتے یا چیف جسٹس کی کرسی پر رونق افروز ہوتے تو اس وقت عبرانی زبان میں بات کرتے تھے۔ اور یہی گویا اس زمانہ کی عام مروجہ زبانیں تھیں۔

تفسیر صافی میں بروایت بصائر الدرجات منقول ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ابن عباس سے فرمایا تحقیق اللہ نے ہمیں بھی پرندوں کی بولیاں تعلیم کی ہیں۔ جس طرح حضرت سلیمان بن داؤدؑ کو تعلیم کی تھیں اور ہمیں ہر حیوان کی بولی کا علم دیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے خواہ دبحری ہو یا بری)

اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ انسانوں، پرندوں، حیوانوں بلکہ کسی ذی روح کا کلام امام سے مخفی نہیں ہوتا یعنی جو شخص جس بولی اور جس لہجے میں بات کرے امام اس کو سمجھ سکتا ہے اسی طرح وہ جملہ ذی روح جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتا ہے اور فرمایا جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ امام نہیں ہے بہر کیف اس باب میں روایات کثیرہ موجود ہیں کہ آئمہ طاہرین حیوانات کی بولیاں جانتے تھے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی فوجی چھاؤنی کا رقبہ ایک سو فرسخ یعنی تین سو میل کی حدود میں پھیلا ہوا تھا۔ اس میں پچیس فرسخ انسانوں کے لیے پچیس قوم جن کے لیے پچیس وحشی جانوروں کے لیے اور پچیس فرسخ پرندوں کے لئے مخصوص تھے اور آپ کی رہائش کے محلات اور رہائشی مکانات ایک ہزار کی تعداد میں تھے جو شیشے سے بنے ہوئے تھے اور ان کے نیچے لکڑی لگی ہوئی تھی۔ آپ کی منکوحہ عورتیں تین سو اور کنیزیں سات سو تھیں جب آپ سفر کا ارادہ کرتے تھے تو تخت اس قدر وسیع تھا کہ اس پر ہر صنف کا ایک ایک گروہ بیٹھتا تھا پس ہوا کو حکم دیتے تھے تو تخت کو فضا میں اڑا کر چلتی تھی پہلے تیز ہوا کو حکم ہوتا تھا اور وہ آپ کے تخت کو زمین سے بلند کرتی تھی پھر نرم اور دھیمی ہوا اس کو وہاں لے جاتی تھی جہاں کا آپ ارادہ کرتے تھے۔ ایک دن آپ کا تخت

يَآ اَيُّهَا النَّمۡلُ ادۡخُلُوۡا مَسٰكِنَكُمۡ‌ۚ لَا يَحۡطِمَنَّكُمۡ سُلَيۡمٰنُ

اے چیونٹیو! اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ کہیں لاشعوری کے عالم میں تم کو سلیمان

وَجُنُوۡدُهٗ ۙ وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنۡ قَوۡلِهَا

اور اس کا لشکر روند نہ ڈالے پس ہنسے خوب اس کی بات سے اور

وَقَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِىۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ وَ

کہا اے رب مجھے توفیق دے کہ شکر کروں تیری نعمت کا جو تو نے مجھ پر کی ہے اور

دوش ہوا پر سوار تھا اور آپ فضائے آسمانی میں اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ پورے شاہانہ ٹھاٹھ سے جلوہ گر تھے کہ پروردگار کی جانب سے وحی ہوئی کہ میں نے تیری حکومت میں ایک اور اضافہ کر دیا ہے اور وہ یہ کہ مخلوق میں کوئی بھی کہیں بات نہیں کرے گا مگر ہوا ہر ایک کی ہر آواز کو تیرے کانوں تک پہنچا دے گی۔

یُوْزَعُوْنَ یعنی پرندے اُوپر پر پھیلائے دوش بدوش فضا میں کھڑے رہتے تھے اور بقدرتِ خدا وہ ایک جگہ رُکے رہتے تھے اور اِدھر اُدھر منتشر نہ ہوتے تھے۔

حضرت سلیمان کے تخت کے اُوپر جو قالین بچھایا جاتا تھا وہ طول و عرض میں ایک ایک فرسخ (۳) میل تھا جو ریشم کے ساتھ سنہری تاروں کا بُنا ہوا تھا اور جنوں نے تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ درمیان میں آپ سنہری منبر پر جلوہ گر ہوتے اور ارد گرد تین ہزار سنہری و روپہلی کرسیاں رکھی جاتی تھیں جن میں سنہری کرسیوں پر انبیاء اور روپہلی کرسیوں پر علماء تشریف فرما ہوتے تھے ان کے ارد گرد باقی لوگ بیٹھتے اور ان کے ارد گرد قوم جنات و شیاطین کو جگہ دی جاتی اور اوپر فضا میں پرندے پر پھیلائے ہوئے سر پر سایہ فگن رہتے تھے تاکہ آپ پر دھوپ نہ پڑے۔ صبح سے شام تک دوشِ ہوا پر تختِ سلیمانی ایک ماہ کی مسافت طے کرتا تھا اور شام سے صبح تک بھی اسی رفتار و انداز سے سفر طے ہوتا تھا۔

اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ایک دن حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا میں پرواز کرتا ہوا وادیٔ نمل کے اُوپر سے گذر رہا تھا کہ ہوا نے ایک چیونٹی کی بات آپ کے کانوں تک پہنچا دی جو دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور اس کا لشکر لاشعوری کے عالم میں تم کو روند نہ ڈالیں اور اس چیونٹی کا نام مُنذرہ بتایا گیا ہے۔

علامہ طبرسی نے اس آیت کے ماتحت یہ نظریہ پیش فرمایا ہے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دن حضرت سلیمانؑ کا تخت فضائے آسمانی میں نہیں تھا بلکہ زمین پر لشکر سمیت پیدل سفر کر رہے تھے اور غالباً اس وقت ہوا کو ان کے زیرِ فرمان نہیں کیا گیا تھا اسی لئے تو چیونٹی نے روند جانے کا خطرہ ظاہر کیا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کو تو جانوروں کی بولیوں کا علم دیا گیا تھا لیکن چیونٹی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ حضرت

عَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ

جو تونے میرے والدین پر کی اور یہ کہ عمل کروں نیک جس پر تو خوش ہو اور مجھے داخل فرما اپنی رحمت سے

فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ

اپنے نیک بندوں میں اور پڑتال کی پرندوں کی پس فرمایا کیا بات ہے کہ

سلیمانؑ اور اس کا لشکر آرہے ہیں اس کا جواب علامہ طبرسی نے یہ دیا ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کو تمام جانوروں پر حق حکومت دیا گیا تو اس کا لازمہ ہے کہ جانوروں کو بھی شعور دیا جائے تاکہ وہ سلیمان اور غیر سلیمان میں فرق کرسکیں ورنہ اپنے حکمران کی اطاعت صحیح معنوں میں نہ کرسکیں گے اور چیونٹیاں اپنے اندر پہلے سے ایک فطری شعور رکھتی ہیں چنانچہ وہ جس قدر دانے اپنے سوراخوں میں جمع کرتی ہیں ان کو دو حصوں میں توڑ کر رکھتی ہیں کیونکہ انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ نمی پڑنے سے اُگ نہ جائیں اور دھنیا چونکہ نصف بھی اُگتا ہے۔ لہٰذا دھنیا کے دانے کو دو چار حصوں میں توڑ کر رکھتی ہیں پس جس پروردگار نے ان کو یہ شعور دیا ہے وہ یہ شعور بھی دے سکتا ہے کہ کون ہمیں روند سکتا ہے اور کون نہیں روند سکتا۔ اور سلیمان و غیر سلیمان میں ان کو امتیاز کرنے کی طاقت بھی دے سکتا ہے اور بعضوں نے اس امر کو حضرت سلیمانؑ کا خارقِ عادت معجزہ قرار دیا ہے۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ چیونٹی کی بات جب حضرت سلیمانؑ کے کانوں تک پہنچی تو رک گئے، اور لشکر کو بھی پیشقدمی سے روک دیا۔ تاکہ وہ سب کی سب اپنے سوراخوں میں گھس سکیں۔ اور حضرت سلیمان کے ہنسنے کی وجہ بھی یہ بتلائی گئی ہے کہ آپ اپنے عادلانہ رویّے پر خوشی محسوس کرکے ہنسے کہ چیونٹی تک چھوٹے سے چھوٹے اور کمزور سے کمزور حیوان بھی مجھے اپنا عادل حکمران تسلیم کرتے ہیں اور وُہ بھی میرے عدل کے قائل ہیں چنانچہ چیونٹی بھی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہی ہے کہ سوراخوں میں گھس جاؤ تاکہ لاشعوری کے عالم میں سلیمانؑ کا لشکر تم کو روند نہ دے وہ یہ سمجھتی ہے کہ دیدہ دانستہ عادل بادشاہ ہمیں ہرگز نہ روندے گا پس خوشی سے ہنسے اور اس کے بعد بارگاہِ ربوبیت میں نعمتِ پروردگار کا شکریہ ادا کیا اور عرض کی مجھے اپنے شکر کی مزید توفیق مرحمت فرما۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ اور آپ کا لشکر پیدل نہیں بلکہ فضائے آسمانی میں وادی نمل سے تین میل کی بلندی پر تھا اور ہوا نے چیونٹی کی آواز کو ان کے کانوں تک پہنچا دیا۔ جب کہ وہ دوسری چیونٹیوں کو جلدی سوراخوں میں گھسنے کا مشورہ دے رہی تھی پس اس کی ہوشیاری اور پھرتی سن کر ہنسے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا تخت ہوا میں پرواز کرتا ہوا آرہا تھا کہ چیونٹی نے بات کہی اور ہوا نے حضرت سلیمان کے کانوں تک پہنچا دی (البتہ یہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا پروگرام وادیٔ نمل میں اترنے اور قیام کرنے کا ہو اور اس کو چیونٹی باذنِ پروردگار بھانپ گئی ہو کہ لشکر نے یہاں اترنا ہے پس اپنی قوم کو متنبہ کردیا ہو) یہ بات سُن کر حضرت سلیمانؑ نے لشکر کو قیام کا حکم دیا اور تخت زمین پر آگیا، پس حکم دیا کہ اس چیونٹی کو میرے پیش کیا جائے۔ چنانچہ جب وہ لائی گئی تو آپ نے فرمایا کیا تو مجھے نبی نہیں سمجھتی اور کیا میں عادل نہیں ہوں؟ چیونٹی نے عرض کی حضور میں آپ کو نبی بھی سمجھتی ہوں اور عادل بھی جانتی ہوں آپ

اَرَی الْهُدْهُدَ ۖۡ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا

میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا کیا وہ غیر حاضر ہے؟ اس کو ضرور سزا دوں گا

شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ

سخت یا اس کو ذبح کر دوں گا مگر یہ کہ لائے میرے پاس دلیل (عذر) واضح پس زیادہ

نے فرمایا پھر تو نے اپنی قوم کو میرے ظلم سے کیوں خوفزدہ کیا ہے اس نے عرض کی حضور! وہ عبادتِ خدا کرتی تھیں اور توحید پرست تھیں اگر آپ کا تخت و تاج بخت واقبال اور شان و شوکت دیکھ لیتیں تو معمولی شعور رکھنے والی مخلوق آپ کو خدا سمجھ بیٹھتی اور خدا کی عبادت سے اعراض کر کے آپ کی عبادت کرنے لگتی، اور مشرک ہو جاتی میں نے اس بہانہ سے ان کو شرک سے بچایا ہے کہ نہ یہ شان و شوکت دیکھیں اور نہ ان کا عقیدہ خراب ہو پس عبادتِ پروردگار میں کسی کو شریک نہ کرنے پائیں۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ۔ تفقد کا معنی ہوتا ہے پڑتال کرنا کہ سب حاضر ہیں یا کوئی ان میں غیر حاضر بھی ہے۔

مَالِيَ لَا اَرَى۔ درحقیقت مَالَكَ لَا اَرَاهُ ہونا چاہیے اس کو کیا ہو گیا ہے کہ نظر نہیں آتا لیکن محاورۂ عرب میں ایسی ترکیبوں میں از راہ تعجب نسبت متکلم کی طرف دی جاتی ہے جس طرح کسی کو غمناک دیکھ کر کہا جاتا ہے۔ مَالِيَ اَرَاكَ كَئِيْبًا۔ حالانکہ کہنا چاہیے۔ مَالَكَ اَرَاكَ كَئِيْبًا۔ یعنی تجھے کیا ہوا ہے کہ میں تجھے غمگین دیکھ رہا ہوں۔

اَلْهُدْهُدَ۔ پنجابی میں اس کو ورکھان یکھی کہتے ہیں۔ تفاسیر میں اس کی دو وجوہ ذکر کی گئی ہیں ایک تو یہ کہ جب آپ تخت پر اہل دربار سمیت جلوہ گر ہوتے تھے تو پرندے اُوپر صف بستہ رُکے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی گود میں دھوپ کا نشان ہوا تو فوراً سر اُٹھا کر دیکھا تو ہدہد غائب تھا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کو سفر میں پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کو پانی تلاش کرنے کیلئے حکم دینا تھا کیونکہ یہ زمین کے اندر پانی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جس طرح ہمیں شیشے سے نظر آتا ہے۔ بروایت عیاشی ابوحنیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے حضرت سلیمانؑ کی ہدہد کو طلب کرنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا ہدہد زمین سے پانی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جس طرح تم لوگ شیشی میں تیل کو دیکھتے ہو، یہ سن کر ابوحنیفہ اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر از راہِ تمسخر ہنسنے لگا۔ آپ نے پوچھا اے ہنستا کیوں ہے؟ کہنے لگا۔ آج میں نے جیت لیا ہے۔ فرمایا وہ کیسے؟ تو کہنے لگا جو پرندہ پانی کو زمین کے اندر سے دیکھ سکتا ہے وہ زمین کے اُوپر بچھے ہوئے جال کو کیوں نہیں دیکھ سکتا کہ پھنس جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا اے نعمان، تجھے معلوم نہیں جب تقدیر آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جایا کرتی ہیں۔

لَاُعَذِّبَنَّهٗ۔ یعنی میں اس کو اس غیر حاضری کی اور بلا رخصت چلے جانے کی سزا دوں گا یا تو اس کے پر نوچ کر اس کو دھوپ میں ڈال دوں گا، یا اس کے کسی دشمن پرندے کے ہمراہ اس کو پنجرے میں قید کر دوں گا۔ چونکہ آپ کی حکومت کا دائرہ وسیع تھا اور پرندے بھی ان کے زیرِ حکومت تھے لہذا قانون شکنی اور فریضہ سے غیر حاضری کی سزا نظامِ حکومت کو قائم رکھنے کے

لئے ضروری تھی پس ہر جنس کی سزا اس کی اپنی حیثیت کے مطابق تجویز ہوا کرتی تھی چنانچہ ہدہد کی سزا پر نوچ کر دھوپ میں ڈالنا یا دشمن کے ساتھ ایک پنجرے میں قید ہونا یا ان دونوں سے سخت سزائے موت دینا تھی چنانچہ فرمایا اَوْلَاَذْبَحَنَّہٗ یا اس کو ذبح کردوں گا چونکہ پوری مملکت میں آپ چیف جسٹس تھے۔ لہٰذا معمولی سزا دیتے یا سخت سزا تجویز کرتے یا سرے سے معاف کر دیتے۔ ان کے اختیار میں تھا۔

اَوْلَیَاْتِیَنِّیْ۔ یا یہ کہ وہ میرے پاس عذر واضح لائے اور اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان کرے پس سزا معاف کردوں گا۔

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا حضرت محمد مصطفیٰ ہی تمام نبیوں کے وارث تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا مگر یہ کہ حضورؐ اس سے اعلم تھے۔ سائل نے پوچھا۔ حضرت عیسیٰؑ مُردوں کو باذنِ پروردگار زندہ کرتے تھے۔ اور حضرت سلیمان بن داؤدؑ پرندوں کی بولیاں جانتے تھے؟ کیا حضورؐ بھی یہ کام کر سکتے تھے آپ نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ نے جب ہُدہُد کو غائب پایا تو ناراض ہو کر فرمایا میں اس کو اس کی غیر حاضری کی سزا دوں گا کیونکہ وہ پانی کے متعلق صحیح خبر دیا کرتا تھا۔ تو گویا اس پرندہ کو وہ چیز عطا کی گئی جو حضرت سلیمانؑ کو عطا نہ ہوئی۔ بے شک ہوا چیونٹیاں جن و انس اور شیاطین وغیرہ سب اس کے اطاعت گذار تھے لیکن ہوا میں پرواز کرنے کے باوجود اُسے پانی معلوم نہ ہو سکتا تھا اور اس بات میں وہ ایک پرندے کا محتاج تھا) اور اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ قرآن کے ذریعے پہاڑ چل سکتے ہیں۔ زمینوں کے فاصلے طے کئے جا سکتے ہیں اور مردے زندہ ہو سکتے ہیں اور ہم اسی قرآن کے وارث ہیں جس میں پہاڑوں کا چلانا مسافت کا طے کرنا اور مُردوں کا زندہ کرنا موجود ہے اور ہم ہوا کے نیچے پانی کا وجود جانتے ہیں۔ خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ آسمان و زمین میں کوئی غائب ایسا نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین میں نہ ہو۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے کتاب کا وارث اپنے ان بندوں کو کیا ہے جن کو ہم نے چُن لیا ہے۔ پس ہم ہی وہ ہیں جن کو اللہ نے چُنا ہے اور ہم کو ہی اس نے کتاب کا وارث بنایا ہے۔ جس میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ (ملخصاً)

وافی میں بروایت کافی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں سخت قحط ہوا پس لوگ حضرت سلیمانؑ کے پاس جمع ہوئے اور دعائے بارش کی درخواست کی آپ نے فرمایا کل صبح نماز کے بعد آجانا چنانچہ دوسرے دن نماز صبح کے بعد آپ مع رعایا کے روانہ ہوئے۔ ایک جگہ چیونٹی کو آپ نے دیکھا کہ قدم زمین پر اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے مناجات کر رہی ہے کہ اے اللہ ہم تیری مخلوق تیرے رزق سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ تو ہم کو بنی آدم کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر یہ سن کر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اب پلٹ جاؤ کہ دوسری مخلوق کے صدقہ میں تمہیں بھی سیراب کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ واپس آئے اور اس سال اس قدر بارش ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی ایک سال میں اتنی بارش نہیں ہوئی تھی (وافی باب الذنوب) اور اسی مضمون کی روایت فقیہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

فَمَكَثَ ۲۲۴۔ یعنی حضرت سلیمانؑ زیادہ نہ ٹھہرا کہ ہُدہُد پیش ہو گیا۔ اور اس نے اپنا عذر پیش کرنا شروع کیا یا یہ کہ ہُدہُد زیادہ نہ ٹھہرا۔ غیر حاضری میں کر آگیا اور کہنے لگا۔

غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ

دیر نہ گذری (کہ وہ آگیا) پس کہا میں ایک خبر لایا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں اور لایا ہوں ملک سبا سے

بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿۲۲﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ

یقینی خبر تحقیق میں نے دیکھا ہے کہ ایک عورت ان پر حکمران ہے اور دی گئی اس کو

كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ

(حکومتی ضرورت کی) ہر چیز اور اس کا تخت عظیم الشان ہے اور میں نے اس کو اور اس کی قوم کو دیکھا ہے پوجا کرتے ہیں

لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

سورج کی اللہ کے سوا اور مزین کیا ہے ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو پس روک رکھا ہے

عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ

ان کو سیدھے راستے سے پس وہ ہدایت نہیں پاتے کہ نہ سجدہ کریں اللہ کا جو

اَحَطْتُّ۔ میں نے اس کا احاطہ کیا ہے۔ جس کا آپ نے نہیں کیا یعنی میں وہ معلومات حاصل کر کے لایا ہوں۔ جو آپ کو نہ جنّ فراہم کر سکے اور نہ انسان۔ اور میں ایسے مقام پر پہنچا ہوں کہ آپ آج تک وہاں نہیں پہنچ پائے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ سابق انبیاء میں یہ بات ممکن تھی بلکہ واقع تھی کہ ان کی رعایا اور امت میں سے کوئی فرد ایک بات جانتا ہو اور نبی کو اس کا علم نہ ہو۔ لہٰذا حضرت موسیٰؑ وخضرؑ کے واقعہ میں یہ کہنا کہ ماتحت نبی کو ایسی باتیں معلوم تھیں جن کا مافوق نبی موسیٰ کو علم نہ تھا کیسے ممکن ہے ہ حضرت موسیٰؑ کا ماتحت انسان تو تھا بلکہ نبی بھی تھا۔ جس سے بعض معلومات حاصل کرنے کے لئے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا تھا لیکن حضرت سلیمان کا ماتحت نبی تو بجائے خود انسان بھی نہیں ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو ایسے معلومات لایا کہ نبی بھی ان سے بے خبر تھا۔ ہاں علوم نبوت اور احکام شریعت میں ہر نبی کا اپنے زمانہ کے اور اپنی جملہ اُمت کے افراد سے ممتاز ہونا ضروری ہے اور یہ اللہ کے راز ہیں اور وہ خود ہی ان کی حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔

بہرکیف ہُدہُد نے جب یہ دعوےٰ کیا کہ میں ایسے معلومات لایا ہوں کہ آپ ان سے آج تک بے خبر ہیں تو حضرت سلیمان ؑ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور پوری توجہ سے اس کی خبروں کو سُنا۔ اس مقام پر حضرت سلیمانؑ کا یہ دعوےٰ کہ اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ یعنی ہم کو ہر چیز میں سے عطا کیا گیا ہے۔ اس کی حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ جو اشیاء نظام مملکت اور تدبیر سلطنت کے لئے نیز جو علوم

يُخۡرِجُ الۡخَبۡءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَيَعۡلَمُ مَا تُخۡفُوۡنَ وَمَا

نکالتا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (عدم سے وجود کی طرف) اور جانتا ہے خفیہ و اعلانیہ

ومعارف مقامِ نبوت کے لئے ضروری ہیں ہم کو وہ عطا کئے گئے ہیں نہ کہ ہر چیز ورنہ ہدہد کی خبر سے وہ بے نیاز ہوتے۔

مِنۡ سَبَاٍۭ۔ ہدہد نے کہا کہ میں ابھی ملک سبا سے آیا ہوں کہ وہاں ایک عورت حکمران ہے۔ بعض نحویوں نے سبا کو منصرف پڑھا ہے کیونکہ یہ ایک آدمی کا نام ہے جس کی طرف قبیلہ منسوب ہے اور بعضوں نے اس کو غیر منصرف پڑھا ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے پس علم اور تانیث کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور بعض نحویوں نے اس کا منصرف پڑھنا اور غیر منصرف پڑھنا برابر قرار دیا ہے اور جنہوں نے ایک شخص کا نام قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ یمنی لوگ سب اس کی نسل سے ہیں اور وہ سبا بن یشجب ابن یعرب بن قحطان تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ ایک شہر کا نام ہے جو ملک یمن میں واقع ہے اور اس کا دوسرا نام مارب ہے اور یہ صنعا سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔ شاید اس زمانہ میں ملک یمن کو ملک سبا ہی کہتے ہوں گے کیونکہ پایۂ تخت یہی شہر تھا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ خداوندکریم نے سبا میں بارہ نبی بھیجے ہیں اور ابن عباس سے مروی ہے حضورؐ سے سبا کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا سبا ایک آدمی کا نام تھا جس کے دس لڑکے تھے اُن میں سے چھ یمن میں آباد ہوئے اور چار شام میں جا بسے ان کے نام لخم جذام غسان اور عاملہ تھے اور یمنیوں کے نام کندہ اشعر ازد مذحج حمیر اور انمار ہیں اور انمار کے دو قبیلے ہیں خثعم اور بجیلہ۔ بہرکیف شہر کا نام ہو یا قبیلہ کا نام ہو یا شخص کا نام ہو۔ ان میں تضاد اس لئے نہیں کہ ایک شخص کے نام سے شہر کا نام بھی رکھا جا سکتا ہے اور وہ قبیلہ کا نام بھی بن جاتا ہے۔

بِنَبَاٍ يَّقِيۡنٍ۔ یعنی پکی خبر اور ہر لحاظ سے مکمل خبر لایا ہوں کہ اس کا کوئی ضروری گوشہ معرض خفا میں نہ ہوگا اور احاطہ کا لفظ بھی اس معنی کی وضاحت کے لئے ہے کہ میں نے اس کے سارے گوشے معلوم کئے ہیں کہ ادھوری خبر نہیں لایا۔

اِمۡرَاَةً۔ یعنی وہاں واحد حکمران ایک عورت ہے (اس کا نام بلقیس بنت شراحیل بن مالک بن ریان تھا اور مروی ہے کہ چالیس پشتوں سے ان میں حکومت چلی آرہی تھی۔ چالیسواں بادشاہ بلقیس کا والد تھا جس کا نام شراحیل یا شرحبیل منقول ہے۔)

اُوۡتِيَتۡ۔ یعنی تدبیر مملکت اور نظام حکومت کے لئے جن اسباب وآلات کی ضرورت ہوتی ہے اس کے پاس سب کچھ موجود ہے۔

عَرۡشٌ عَظِيۡمٌ۔ یعنی اس کا سریر مملکت بہت بڑا ہے کہ آپ کے پاس بھی ایسا نہیں ہے جس کا سامنے کا حصہ سونے کا ہے۔ جس پر یاقوت سُرخ اور زمرد سبز جڑے ہوئے ہیں اور پچھلا حصہ چاندی کا ہے جو گوناگوں کے ہیرے جواہر اور رنگ برنگے موتیوں سے مرصع ہے۔ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس کی لمبائی چوڑائی اور بلندی تیس تیس ذراع تھی اور وہ دربار عام میں اس کے اوپر بیٹھ کر حکم کرتی تھی۔ رازی نے (علی مانقل عنہ) ذکر کیا ہے کہ ملحد و بے دین لوگ اس پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اوّلاً تو ہدہد کا کلام کرنا ناممکن ہے اور ثانیاً شام (اردن) سے یمن کی طرف جانا اور تھوڑی سی مدت میں جا کر واپس پہنچنا بھی محالات میں سے ہے اور اس کا جواب مفصل لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ امور خالق کل پروردگار کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہیں۔ اس قسم کے اشکالات وہ لوگ کرتے ہیں جن کا ہاتھ دامن تعبید

سے کوتاہ ہو۔ ابوالحسن شعرانی مجمع البیان کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ پرندہ کی حکایت میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں جو قابل اعتراض ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے لئے امورِ غائبہ کی خبریں دینا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ نیز پرندوں کا تربیت پاکر خطوط لے جانا اور ان کا جواب لانا امورِ ناممکنہ میں سے نہیں ہے۔ لہذا مفسرین نے اس بارے میں جو معلومات درج کتب کی ہیں ان کے باطل ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اللہ کی قدرت وسیع ہے اور واقعہ میں ذکر کردہ امور اس کی قدرت سے بعید نہیں ہیں البتہ اگر روایات غلط طور پر نقل کی گئی ہیں تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایسی روایات درج کتب کی ہیں جو حقیقت سے بے تعلق ہیں (اقول) زمانہ گذشتہ میں جب کہ اسباب وذرائع محدود تھے۔ اور رسل ورسائل کے امور پیدل کے لمبے چوڑے اسفار پر منحصر تھے شاہان وقت کے پاس پرندوں کی تربیت کا معقول انتظام ہوتا تھا جو بعض ضروری خطوط کو تربیت یافتہ پرندوں کے ذریعے سے دور دراز تک بھیجتے تھے اور جواب واپسی بھی حاصل کرتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت چونکہ صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ پرندے بھی اس کے زیر فرمان تھے تو ان کا تربیت یافتہ ہونا اور اس قسم کے امور کو انجام دینا کیا بعید ہے نیز اللہ قادر ہے کہ بعض پرندوں کو اس قدر تیزی کی توفیق دے دے اور حضرت سلیمان ع کی جانب سے ممکن ہے کہ محکمہ سراغرسانی انہی پرندوں کے سپرد ہو جس طرح کہ سی آئی ڈی (خفیہ پولیس) کی ڈیوٹی ہوا کے ذمہ تھی اور محکمہ تعمیرات قوم جن کے سپرد تھا اس کا بلا اطلاع چلا جانا حضرت سلیمان ع کے لئے قابل اعتراض تھا اور محکمۂ سراغرسانی کا اس کے ذمہ ہونا اس امر سے بھی منکشف ہے کہ حضرت سلیمان ع نے جب اس کی غیر حاضری پر اس کی سزا کا اعلان فرمایا تو یہ استثناء بھی ذکر کیا کہ اگر کوئی معقول عذر اور واضح چیز اس نے پیش کی (یعنی کچھ اچھے معلومات اس نے فراہم کئے) تو اس کی سزا برطرف کر دی جائے گی اور ہدہد کی مکمل رپورٹ اس امر کی غماز ہے کہ وہ تربیت یافتہ تھا اور اس میں عہدۂ سفارت کی اہلیت موجود تھی۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں یہ تفصیل بیان کی کہ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو سورج کی عبادت کرتا ہوا پایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے سورج کے پجاری ہیں اس پر بعض لوگوں نے یہ اشکال کیا ہے کہ ہدہد جیسے پرندے کو اللہ کی معرفت سے کیا سروکار اور اسے کیا خبر کہ سورج کی عبادت اور اللہ کی عبادت دو الگ الگ چیزیں ہیں نہ وہ ذوی العقول میں سے تھا اور نہ اس قسم کی باتیں سمجھنے کی اہلیت رکھتا تھا کیونکہ عبادت کی تکلیف صرف جنوں اور انسانوں کے لئے ہے اور یہی معرفت حاصل کرنے کے اہل ہیں اور اس اشکال کا حل انہوں نے یہ پیش کیا ہے کہ پرندے کی خبر اس طرح تھی جس طرح انسانوں میں چھوٹے لڑکے جو بلوغ کے قریب ہوں وہ اگرچہ خود معرفت نہیں رکھتے لیکن ہمیں اللہ کی عبادت کرتا دیکھ کر کہیں اس کا الٹ دیکھیں تو اس کو باطل کہنے کو تیار ہوتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ حق وباطل میں تمیز کرنے کے اہل نہیں ہوتے اسی طرح ہدہد نے ادھر حضرت سلیمان ع کو اللہ کا سجدہ کرتے دیکھا تھا جب ملکہ سبا کو اس نوعیت کی مخالف عبادت میں دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ باطل ہے۔

علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ یہ حل بالکل قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ حق اور باطل یعنی توحید پرستی اور سورج پرستی میں فرق کرنا اور ایک کو اچھا سمجھنا اور دوسرے کو برا جاننا بغیر معرفت خداوندی کے قطعاً ناممکن ہے اسی طرح جائز اور ناجائز کا فرق بیان

کرنا ایک غیر عارف سے محال ہے اور اس کے بعد ان کی گمراہی کو شیطان کی طرف منسوب کرنا کہ ان کے اعمال کو شیطان نے ان کے لئے مزین کر رکھا ہے اور ان کو راہِ حق سے روک رکھا ہے یہ ایک ایسا پُر مغز اور مدلّل بیان ہے کہ نہ معرفت رکھنے والا اس کو ادا نہیں کر سکتا اور اس سے صاف واضح ہے کہ ہُدہُد کے تصور میں عدلِ خداوندی کا نقشہ بھی تھا اور یہ کہ خدا فعلِ قبیح کا بھی مرتکب نہیں ہو سکتا اور خدا قادر ہے کہ کسی پرندہ کو اتنا شعور و ہوش عطا فرمائے کہ وہ ان معاملات کو سمجھ سکے اور بیان کر سکے۔ ہاں اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس قسم کی چیزیں بعید از قیاس ہیں تو اس استبعاد سے حقیقت اشیاء بدل نہیں سکتی چنانچہ آجکل کے زمانہ ارتقاء انسانی میں جب کہ فضائے آسمانی کو مسخر کرنے کے لئے انسانی ذہن بے چین ہیں اور چاند کی فتح کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔ ایک طرف دعوے کرنے والے بے دھڑک اور بانگِ دہل اخباروں میں اور ریڈیائی اطلاعات میں دھڑا دھڑ اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارے خلاباز چاند پر اُتر گئے اور چاند کی سطح پر کچھ دیر رہ کر واپس آگئے، انہوں نے چل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنی زبان سے بھی اعلان کیا کہ ہم گئے اُترے اور کچھ دیر تک ٹھہرے آپس میں باتیں کیں اور وہاں سے کچھ ساتھ بھی لائے اور اس سب اعلان و اشتہار و دعوے کے باوجود اس سائنسی دَور میں بہت کافی انسان ایسے بھی ہیں جو اب تک یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ ناممکن ہے بعید ہے غلط ہے اور سفید جھوٹ ہے۔ اب دنیا کا کوئی مہذب سے مہذب انسان ان سے منوا تو دیکھے بلکہ سنا ہے بعض مولویوں نے یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ جو چاند پر کسی انسان کے اترنے کو صحیح مانے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یعنی وہ مُرتد ہو جاتا ہے اور اس کی مسلمان عورت اس سے فارغ ہو جاتی ہے غرضیکہ جو شخص کسی کی بات کو ناممکن کہنے لگ جائے اس سے منوانا بہت مشکل ہو جاتا ہے بہرکیف یہ ہُدہُد کا واقعہ جس کی قرآن نے حکایت کی ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو عقل کے مقتضا کے خلاف ہو یا اس کو ناممکن کہا جا سکے۔

اَلَّا یَسۡجُدُوۡا۔ اگر الّا کو تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو پچھلی عبارت کے ساتھ متصل ہو گا اور ہدہد کی حکایت کا تتمہ ہو گا۔ یعنی شیطان نے ان کو سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا ہے لِئَلَّا یَسۡجُدُوۡا تاکہ وہ اللہ کا سجدہ نہ کریں۔ پس اس صورت میں یہ مفعول ہو گا۔

اور اس کی دوسری قرأت اَلَا یَسۡجُدُوا بغیر تشدید کے ہے اور اس کی اصل ہے اَلَا یَا قَوۡمِ اسۡجُدُوۡا اس اعتبار سے یہ آیت درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ پہلی بات یعنی ہُدہُد کی حکایت ختم ہوئی کہ وہ شیطان کے پھندے میں ایسے پھنسے ہیں کہ اللہ کی عبادت کی طرف آتے ہی نہیں ہیں۔ پس ارشاد ہوا کہ اے لوگو اللہ کی عبادت کرو جس نے آسمان اور زمین کی پوشیدہ اشیاء کو کتمِ عدم سے نکال کر خلعتِ وجُود عطا فرمایا اور ممکن ہے کہ یہ حضرت سلیمانؑ کا مقولہ ہو لیکن پہلی تشدید والی قرأت کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ایک تو کلام متصل میں جملہ معترضہ کا فاصلہ نہیں پڑتا اور دوسرا یَسۡجُدُوۡا پر یاء داخل ہے ورنہ اگر اَلَا حرف تنبیہ ہوتا اور یا حرف ندا ہوتا تو کتابت میں یا الگ ہوتا اَلَا یَا اسۡجُدُوۡا امر کا صیغہ بغیر اتصال یا کے لکھا جاتا۔ دوسری قرأت کے لحاظ سے امر پر حرف تنبیہ اس لئے ہے کہ مامور کو مامور بہ کی اہمیت کا احساس دلایا جائے اور اسی بناء پر منادیٰ کا ذکر کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا گیا اور مامور بہ کو فوری طور پر ذکر کر دیا گیا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر اَلَّا یَسۡجُدُوۡا پہلی قرأت کے لحاظ سے پڑھا جائے اور اس کو ماقبل کے ساتھ متصل قرار دیا جائے۔ تو آیت کے اختتام پر سجدۂ تلاوت استحباباً کی ضرورت نہیں رہے گی۔ کیونکہ آیت میں سجدہ کا حکم نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے، کہ

تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾ ۩ قَالَ

سب کاموں کو اللہ کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ جو عرش عظیم کا رب ہے فرمایا

سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ

عنقریب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا ہے یا ہے تو جھوٹ بولنے والوں میں سے لے جا میرا یہ خط

هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پس ڈال طرف ان کے پھر پوشیدہ ہو جا ان سے پس دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں ؟

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ

کہنے لگی اے سردارانِ قوم میری طرف بھیجا گیا ہے ایک خط کریم تحقیق وہ سلیمان

ترک سجدہ پر مذمت کا ہونا سجدہ کی محبوبیت کو ظاہر کرتا ہے۔ بنابریں آیت کے اختتام پر سجدہ مستحب ہے اور اس کا طریقہ پارہ نمبر۹ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔

خَبْءَ السَّمٰوٰتِ۔ اس جگہ خَبْءٌ بمعنی مخبوءٌ ہے یعنی جن اشیاء کو خدا نے کتمِ عدم سے نکال کر منصۂ شہود پر خلعتِ وجود میں ظاہر فرمایا وہ سب مخبو یعنی پوشیدہ تھیں جن کو عالم خفا سے نکال کر عالم ظہور میں اس نے جگہ دی۔ بعضوں نے خبءٌ کا معنی غیب کیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آسمانوں کی پوشیدہ چیز جس کو اللہ ظاہر کرتا ہے اس سے مراد بارش ہے اور زمین کی پوشیدہ اشیا جملہ نباتات ہیں۔

قَالَ سَنَنْظُرُ۔ جب ہُدہُد نے اپنے سفر کی رپورٹ پیش کر لی تو حضرت سلیمان ؑ نے فرمایا تیری خبر کی صحت کا ہم ابھی امتحان لیتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ایک خط تحریر فرمایا اور سر بمہر کرکے ہُدہُد کے حوالے کیا اور فرمایا میرا خط ملکہ سبا بلقیس کے پاس لے جا اور اس کا جواب واپس لے آ۔

فَاَلْقِهْ۔ اس کو قاریوں نے تین طریقوں سے پڑھا ہے۔ اَلْقِهْ۔ اَلْقِهِ۔ اَلْقِهٖ۔ موجودہ قرآنوں میں پہلی قرأت درج ہے۔

تَوَلَّ عَنْهُمْ۔ یہ عبارت صاف بتلاتی ہے کہ وہ پرندہ تربیت یافتہ تھا کیونکہ حضرت سلیمان ؑ اس کو فرما رہے ہیں کہ خط دے کر ان کی نظروں سے چھپ کر رہنا اور حالات کا خوب جائزہ لیتے رہنا کہ وہ اس کے جواب میں کیا کیا تجویزیں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب ہُدہُد خط کو لے کر وہاں پہنچا تو اس وقت ملکہ بلقیس اپنے محل میں سیدھی سوئی ہوئی تھی اور محوِ خواب تھی پس اس نے اس کے سینے پر خط پھینک دیا اور اس کی کیفیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ہُدہُد کہیں رات کے پچھلے حصہ میں پہنچا کہ اس کے پہنچنے کے بعد سورج کا طلوع ہوا اپنی چونچ میں خط کو لیکر اِدھر اُدھر موقعہ کی تلاش میں رہا ملکہ اپنے محل کے اندر تھی اس کے کمرہ میں مشرقی طرف ایک روشندان تھا کہ چڑھتے سورج کی روشنی اس

سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ

کی طرف سے ہے اور اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر ہے اور یہ کہ میرے اوپر سرکشی

وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾ ع قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ

نہ کرو اور آجاؤ مسلمان ہو کر کہنے لگی اے سردارو! مشورہ دو مجھے میرے معاملہ میں کہ میں نہیں

سے گذر کر کمرہ کے اندر پہنچ جاتی تھی اور ملکہ اُٹھ کر سورج کا سجدہ کر لیتی تھی۔ ہدہد نے جاتے ہی سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اپنے پر مار کر روشندان کی کھڑکی کو بند کر دیا پس کمرے میں اندھیرا ہو گیا حتیٰ کہ سورج کے طلوع ہونے کا بھی ملکہ کو علم نہ ہو سکا پس وہ دن معلوم کرنے کے لئے اُٹھی تو اس نے اس کے سامنے حضرت سلیمان کا مکتوب ڈال دیا ملکہ نے خط کا مطالعہ کیا اور مضمون خط کو سمجھا پھر باہر آئی اور ارا کینِ دولت و مشیرانِ حکومت اور جملہ آفیسرانِ مملکت کو بلایا اس وقت ان کی تعداد تین سو بارہ تھی پس ان کے سامنے حضرت سلیمان کے خط اور اس کے مضمون کا انکشاف کیا۔

کِتٰبٌ کَرِیْمٌ۔ خط کو کریم کہنے کی کئی وجوہ ذکر کی گئی ہیں (۱) خط بند تھا اور اُوپر مہر تھی اس لئے اس کو کریم کہا اور حضورؐ کا بھی فرمان ہے کہ خط کا اکرام یہ ہے کہ اس کو بند کر کے مہر کیا جائے (۲) بسم اللہ کی ابتدا کی وجہ سے اسے کریم کہا (۳) حسن تحریر اور عمدگی بیان کی وجہ سے اس کو کریم کہا (۴) چونکہ وہ حضرت سلیمانؑ کے متعلق سن چکی تھی کہ وہ جنوں، انسانوں اور پرندوں سب پر وسیع حکومت و سلطنت کا مالک ہے اس لئے ان کے خط کو کریم کا لقب دیا۔

رکوع نمبر ۱۸ ملکہ سبا کی ارکان دولت سے اہم گفتگو

قَالَتْ۔ ملکہ بلقیس نے جب ارکان دولت اور شجاعانِ لشکر کے سامنے حضرت سلیمانؑ کے خط کا مضمون پڑھا۔ جس میں توحید پروردگار کا سب سے پہلے اعلان تھا۔ چنانچہ خط کا سرنامہ ہی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تھا۔ اس کے بعد اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ میں بصورت انکار، جنگ کا اعلان اور تہدید کا پہلو بھی ظاہر تھا اور آخر میں وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ کے فقرہ میں صلح کی پیش کش تھی۔ سب نے مل کر حضرت سلیمانؑ کے خط کے تینوں پہلوؤں پر غور و خوض کیا اور جب کسی صحیح اور حتمی فیصلے پر نہ پہنچ سکے تو فوجی افسروں نے اپنی وفا شعاری اور جانبازی کا یقین دلایا کہ ہمارے ذمہ جو فریضہ ہے ہم اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ ہر بڑے سے بڑے دشمن کے سامنے کوہ گراں بن کر کھڑے ہونے کو تیار ہیں اور کٹ جائیں گے مٹ جائیں گے۔ لیکن ناموس ملک اور شرافتِ قوم کے دامن پر تا حیات داغ نہ آنے دیں گے اور سلطنت کی بقا کی خاطر خون کا آخری قطرہ قربان کر دینے کے لئے ہم تیار ہیں۔ باقی رہا حکومتی فیصلہ تو اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اقتدار اور تخت تیرے ہاتھ میں ہے۔ پس تیرے حکم کے سامنے ہمارے سر حاضر ہیں جو حکم تمہیں بھلا معلوم ہو ارشاد کیجئے اگر اعلان جنگ کرنا ہے تو فوج باوفا سر دھڑ کی بازی لگائے کھڑی ہے اور اگر صلح کرنی ہے تو ہماری وفا شعاری میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اِنَّ الْمُلُوْکَ۔ ملکہ نے جب فوجی نوجوانوں کو آمادہ حرب و ضرب دیکھا تو کہنے لگی۔ اے میری وفادار فوج کے جانباز وجیالے

مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾ قَالُوا نَحْنُ أُولُوا

قطعی فیصلہ کرتی کسی معاملہ میں یہاں تک کہ تم حاضر ہو کہنے لگے ہم طاقت ور

قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿٣٣﴾

ہیں اور کافی شجاعت کے مالک ہیں اور حکم تیرے پاس ہے پس دیکھ لو جو حکم کرنا ہے

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ

کہنے لگی تحقیق بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو

أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٣٤﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم

ذلیل کرتے ہیں اور یہی دستور رہا ہے اور میں بھیجنے والی ہوں ان کی طرف ایک

بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ

ہدیہ پس دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں پس جب قاصد سلیمانؑ کے پاس پہنچا

نوجوانو! اور میرے ملک کے شیر دل بہادرو! میں تمہارے جذبات سے کھیلنا پسند نہیں کرتی۔ ذرا جذبات سے بالاتر ہو کر سوچو اور ٹھنڈے دل سے اس کا صحیح حل تلاش کرو۔ دیکھو آگ لگانا آسان ہے لیکن اس کے پھیل جانے کے بعد اس کا بجھانا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح لڑائی کا چھیڑنا اور اعلان جنگ کر دینا آسان ہے لیکن اس کا انجام نہایت بھیانک اور دہشت ناک ہے۔ آج تک کی تاریخ کا جائزہ تو لو۔ جب بادشاہ لڑتے ہیں تو تباہی جانبین میں ہوتی ہے۔ اکثر کام کے آدمی اور فوج کے مایۂ ناز نوجوان میدان میں مارے جاتے ہیں۔ بہت سے آباد و شاد گھرانوں کی خوشیاں غموں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ خاندانوں کے خاندان اجڑ جاتے ہیں اور پھر فاتح بادشاہ جب مفتوح و مغلوب حکمران کے پایۂ تخت کو اپنی مضبوط گرفت میں لیتا ہے تو پہلے شہر تباہ ہوتا ہے اور اس کے بعد کسی باعزت شہری کی عزت محفوظ نہیں رہتی۔ اور یہی دستور آج تک چلا آیا ہے ان سب باتوں کو خوب سوچو اور جذبات کی رو میں جانے اور بہنے کی ہرگز کوشش نہ کرو۔

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ۔ میں اس بات کی مزید تحقیق کرتی ہوں کہ آیا وہ خدا کا بھیجا ہوا نبی ہے یا دنیا کا بادشاہ ہے۔ پس اگر نبی برحق ہو گا۔ تو ہم ہرگز اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ خدا پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ پس میں ایک تحفہ اور ہدیہ بھیجتی ہوں، اگر دنیاوی بادشاہ ہو گا تو مال دنیا لے کر خوش ہو جائے گا۔ پھر اس کا مقابلہ ہم آسانی سے کر سکیں گے۔ لیکن اگر نبی ہو گا تو دنیاوی مال پر ہرگز راضی نہ ہو گا۔ پس ہم مقابلہ نہ کریں گے۔ بلکہ اُس کے سامنے سر تسلیم خم کر کے خوشی خوشی دامن اسلام سے وابستہ ہو جائیں گے۔

ملکہ بلقیس کی رائے سب نے پسند کی۔ اور اسی کو مجلس مشاورت کا آخری فیصلہ قرار دیا گیا۔
تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس نے پانچ چیزیں تیار کیں۔
(۱) نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیاں اور سب کو ایک رنگ کا لباس پہنا دیا تاکہ نر و مادہ کی شناخت نہ ہو سکے۔ اور اس میں دو قول اور بھی ہیں۔
بعض کہتے ہیں کہ ہر صنف کی تعداد دو دو سو تھی اور لباس عورتوں کا لڑکوں کے لئے اور مردوں کا لڑکیوں کے لئے تجویز ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ پانچ پانچ سو کی تعداد تھی کہ لڑکیوں کو مردانہ لباس پہنایا گیا اور لڑکوں کو زنانہ لباس۔ ہاتھوں میں سونے کے کنگن گلے میں سونے کے ہار اور کانوں میں موتیوں سے جڑے ہوئے سنہری بندے پہنائے گئے۔ اور سب کو عمدہ گھوڑوں پر سوار کیا گیا جن کی لگامیں موتیوں سے جڑاؤ دار سنہری تھیں اور یہ سب کچھ بطور ہدیہ کے پیش کرنا تھا۔
(۲) اس میں دو قول ہیں۔
ایک یہ کہ اطلس و دیباج کے قیمتی کپڑوں میں سونے کی اینٹیں پیٹ کر بھیجیں۔
اور دوسرا قول یہ ہے کہ سونے کی پانچ سو اینٹ۔ چاندی کی پانچ سو اینٹ اور ایک یاقوت و جواہر سے جڑا ہوا تاج شاہی بطور ہدیہ کے روانہ کرنا تجویز ہوا۔
(۳) ایک ڈبیہ میں ایک درنا سفتہ بند کیا اور اس میں ایک مہرہ بھی رکھا جس میں ٹیڑھا سوراخ تھا
(۴) ایک دوسری روایت میں ہے کہ اُس نے ہدیوں میں ایک عصا بھی بھیجا جو بعد میں حمیر کے شہنشاہوں میں بطور وراثت کے یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا۔
(۵) نیز ایک پانی کا خالی پیالہ بھی ساتھ دیا۔ پہلی روایت کے مطابق اپنی قوم کے ایک شریف آدمی منذر بن عمرو کو بلایا اور عہدۂ سفارت اس کے سپرد کر کے چند آدمی چیدہ و فہمیدہ اور بھی اس کے ساتھ کئے۔ نیز ایک خط تحریر کیا۔ جس میں حضرت سلیمانؑ سے درخواست کی گئی کہ اگر آپ اللہ کی جانب سے برحق نبی ہیں تو عورتوں اور مردوں میں امتیاز کر دیں اور یہ بتائیں کہ ڈبیہ کے اندر کیا چیز بند ہے اور درنا سفتہ میں سوراخ کر دیں۔
اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ سوراخ نہ لوہے سے ڈالا جائے اور نہ آگ اس کے قریب کی جائے اور ترچھے وٹیڑھے سوراخ والے مہرے میں تاگا ڈال دیں کہ تاگا ڈالنے والا نہ انسان ہو اور نہ جن ہو۔
اور دوسری روایت کے ماتحت عصا کے سر کا کنارہ اور نیچے کا کنارہ معین کر دیں اور پیالہ کو پانی سے پُر کریں جو نہ زمین کا ہو اور نہ آسمان کا ہو۔ پس یہ سب چیزیں اپنے نامزد سفیر منذر بن عمرو کے حوالہ کیں اور خط بھی ساتھ دیا۔ اور اس کو یہ بات سمجھائی کہ خیال رکھنا جب پہلی بار ان سے ملاقات ہو تو دیکھنا اگر غصہ سے بھرپور ہو کر تجھے رعب و جلال سے دیکھتا ہو تو سمجھ لینا کہ دنیاوی بادشاہ ہے۔ پس بالکل نہ گھبرانا کیوں کہ ہماری طاقت اس سے کم نہیں ہے۔ لیکن

اگر تجھے پیار و محبت کی نگاہوں سے دیکھے اور لطف و کرم کے انداز سے پیش آئے تو یقین کرنا کہ وہ خدا کا فرستادہ نبی ہے۔ پس ادھر سے ہدایا و تحائف لے کر ملک سبا (یمن) سے یہ لوگ روانہ ہوئے۔ اور ادھر ہدہد ان تمام باتوں کو نوٹ کر کے تیز پروازی سے بارگاہِ سلیمانی میں پہنچا اور جاتے ہی اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی کارگذاری اور پوری حقیقتِ حال سنادی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کی رپورٹ مکمل سن لی تو جنوں کو حکم دیا کہ سونے اور چاندی کی اینٹیں تیار کریں چنانچہ انہوں نے تعمیلِ حکم میں بہت جلدی کی پھر حکم دیا کہ قیام گاہ سے لے کر چند فرسخ تک پورا میدان صاف کر کے اس پر سونے اور چاندی کی اینٹوں کا فرش تیار کر لو۔ اور اس پورے میدان کی چار دیواری مکمل کرو۔ جس کے کنگرے سونے اور چاندی کے ہوں۔ جب یہ سب کام مکمل ہو گیا تو جنوں کو حکم دیا کہ اپنی تمام اولاد کو یہاں بلا لاؤ۔ چنانچہ سب قوم جنات اکٹھی ہو گئی تو فرمایا میدان کے دائیں بائیں ان کو کھڑا کر دیا جائے۔ پس درمیان میں اپنے شاہی تخت پر حضرت سلیمان علیہ السلام خود جلوہ افروز ہوئے۔ اور چار ہزار کرسی، تخت کے دائیں طرف اور چار ہزار کرسی تخت کی بائیں طرف نہایت اچھی ترتیب اور سلیقے سے رکھی گئی۔ شیاطین کو حکم دیا کہ صف بستہ چند فرسخ تک راستے پر کھڑے ہو جاؤ اور دوسری طرف انسانوں کو صف بستہ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ وحشی جانوروں درندوں حشرات الارض اور پرندوں کو نہایت خوشنما انداز میں صف بستہ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ راستے کے دائیں بائیں بہت دور تک حضرت سلیمانؑ کی مختلف الاجناس فوج صف بستہ حکم شاہی میں پابند اور چاک و چوبند انتظار میں کھڑی ہو گئی۔ ادھر سے جب ملکہ بلقیس کے قاصد سامان و ہدیہ لے کر اس میدان کے قریب پہنچے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا شاہی ضبط اور فوجی نظم و نسق اور مختلف الاجناس رعایا کا سلیقہ و ڈسپلن ملاحظہ کیا تو ان کے سانس پھول گئے۔ اور حیرت و اضطراب کے گہرے سمندر میں ڈوب گئے۔ پس شرم کے مارے ہدیے اور تحفے جو ساتھ لائے تھے وہ میدان کی چار دیواری کے باہر پھینک کر اندر آ گئے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہی دربار میں پہنچ کر آپ کا آداب شاہانہ سے سلام کیا آپ نہایت خندہ پیشانی اور ہنس مکھی سے پیش آئے اور رسمی خوش آمدید کے بعد فرمایا۔ سناؤ کس مطلب کے لئے آئے ہو تو انہوں نے اپنا سارا پروگرام پیش کر دیا۔ منذر بن عمرو سارے وفد کا سربراہ تھا اس نے ملکہ کا خط پیش کیا آپ نے فرمایا وہ ڈبیہ کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے پیش کی تو آپ نے اس کو حرکت دی اور فرمایا اس میں دُرنا سفتہ ہے اور ایک مہرہ ہے جس کا سوراخ ٹیڑھا ہے۔ بلقیس کے سفیر نے عرض کی کہ حضور دُرِ نا سفتہ میں سوراخ کرنا ہے اور مہرے میں تاگا ڈالنا ہے۔ آپ نے دیمک کو بلوایا اور حکم دیا۔ پس اس نے باریک تاگا منہ میں لیا اور دُرِ نا سفتہ کی ایک طرف سے دوسری طرف نکل گئی۔ پھر فرمایا۔ اس مہرے میں تاگا کون ڈالے گا تو ایک سفید رنگ کے باریک کیڑے نے عرض کی حضور یہ کام میں انجام دوں گا۔ پس اس نے باریک تاگا منہ میں لیا اور مہرے کی ایک جانب سے دوسری جانب تک پار ہو گیا

قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ

تو آپ نے فرمایا کیا تم میری مدد کرتے ہو مال سے حالانکہ جو کچھ مجھے اللہ نے دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے بلکہ تم

پھر لڑکیوں اور لڑکوں کے درمیان امتیاز کا مسئلہ سامنے رکھا گیا تو آپ نے سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا تو دیکھا کہ لڑکیاں اپنی فطرت کے مطابق منہ دھونے کے لئے ایک ہاتھ میں پانی ڈال کر دوسرا ہاتھ ساتھ ملاتی تھیں اور منہ پر پانی ڈالتی تھیں اور لڑکے ہاتھ میں چلو لے کر منہ پر ڈال دیتے تھے ہاتھ دھونے کے لئے لڑکیاں کہنیوں سے اندر پانی ڈالتی تھیں۔ اور لڑکے کہنیوں پر ڈالتے تھے اسی طرح پانی ڈالنے میں بھی فرق تھا کہ لڑکیاں کہنیوں کے باطن پر یک بار پانی ڈال لیتیں پھر ملتی تھیں۔ اور لڑکے پانی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اوپر ہاتھ پھیرتے جاتے تھے۔ ان علامتوں سے آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ کر دیا۔ اور دوسری روایت کے ماتحت عصا کو اوپر کی طرف پھینکا اور فرمایا جو کنارہ پہلے زمین پر واپس آئے اس کو سر سمجھنا۔ پھر گھوڑے دوڑانے کا حکم دیا جب پسینہ پسینہ ہو گئے تو فرمایا پیالے ان کے پسینے سے بھر لو یہ پانی نہ آسمان کا ہے اور نہ زمین کا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ۔ یعنی جب ملکہ سبا بلقیس کا قاصد منذر بن عمر ہدیے لے کر پہنچا تو حضرت سلیمانؑ نے ہدیوں کو دیکھ کر فرمایا کیا تم لوگ مال سے میری امداد کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ میرے پاس اللہ کا دیا ہوا مال کافی ہے۔ تم اپنا مال واپس لے جاؤ۔

بَلْ اَنْتُمْ۔ یعنی تم لوگ ایک دوسرے کے ہدیوں کے محتاج ہوتے ہو اور ہدیہ ملنے سے خوش ہوتے ہو لیکن میں اس مال دنیا کو حقیر سمجھتا ہوں۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ۔ پھر قاصد سے فرمایا کہ ملکہ سے جا کر کھلے اور واضح الفاظ میں میرا پیغام دے دینا کہ اسلام کے علاوہ میں تمہاری اور کسی چیز کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ پس اسلام کو قبول کرو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور یقین رکھو جنگ تمہیں مہنگا پڑے گا۔ کیونکہ تمہارے بس میں نہیں کہ میری ان دیو پیکر فوجوں کا مقابلہ کر سکو۔ لہٰذا بہتر ہے کہ ذلت و خواری سے بچو اور اسلام کے دامن میں با امن و امان داخل ہو جاؤ۔

پس جب ملکہ بلقیس کا سفیر واپس پہنچا تو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت نظامِ ملک عظمت و شوکت اور فوج و لشکر کے متعلق اپنے آنکھوں دیکھے حالات سنائے اور ہدیے بھی واپس لوٹا دیئے اور سب سوالات کے جوابات صحیحہ بھی پیش کئے۔ تو ملکہ اور اس کی رعایا کو یقین ہو گیا کہ وہ نبی مرسل ہیں دنیاوی حکمران نہیں ہیں لہٰذا ان سے جنگ کرنا غیر دانشمندانہ اقدام ہے۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کو قبول کر کے اسلام کے حلقہ بگوش ہو کر بارگاہِ سلیمانی میں نیازمندی کے اظہار کے لئے روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ اور آخر کار رختِ سفر باندھ کر اپنی شانِ شاہانہ کے ساتھ وہاں سے شام کی طرف سفر اختیار کیا۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا۔ اِدھر حضرت جبرئیلؑ نے حضرت سلیمانؑ کو اطلاع دے دی کہ ملکہ سبا بلقیس یمن سے روانہ ہو کر آ رہی ہے۔ پس آپ نے اراکین دولت مشیرانِ حکومت اور سردارانِ لشکر کو خصوصی پیغام بھجوا کر ایک مخصوص مجلس مشاورت قائم

بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿٣٦﴾ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا

لوگ اپنے ہدیوں سے خوش ہوتے ہو ان کی طرف واپس جا پس ہم لائیں گے ان کے پاس ایسے لشکر کہ وہ ان کا

قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم ان کو وہاں سے نکال دیں گے ذلیل کر کے کہ وہ خوار ہوں گے

کی۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے اجتماع کی غرض سے سب کو آگاہ کیا کہ ملکہ سبا مجھے اللہ کا رسول تسلیم کر کے بہر ملاقات یمن سے روانہ ہو چکی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت یہاں پہنچ جائے لہذا تم میں سے کوئی ہے۔ جو میری اس خواہش کو پورا کر سکے۔ اور ملکہ کے تخت کو منگوانے کی کئی وجوہ مفسرین نے ذکر کی ہیں (۱) تخت بلقیس کی تعریف سن کر آپ اس کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے اور چونکہ آپ کے لئے اس کے اسلام کو قبول کرنے کے آثار ظاہر ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ اس کی آمد سے قبل اس کے تخت کو منگوانا چاہتے تھے (۲) ملکہ کی عقل و دانش کے امتحان کے لئے ایسا کرنا چاہا تاکہ اس کا حلیہ تبدیل ہونے کے بعد وہ اس کو پہچانتی ہے یا نہ (۳) اپنی نبوت کی صداقت پر ملکہ کو اعجاز دکھانا چاہتے تھے تاکہ اس کا ایمان زیادہ مضبوط ہو جائے۔ کیونکہ وہ اس کو اپنے دارالحکومت میں پولیس و فوج کے پہرے کے نیچے محلات شاہی میں مقفل کر کے آئی تھی، پس اس کا اس سے پہلے پہنچ جانا خالی از اعجاز نہ تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان بہت بارعب اور صاحب جلال انسان تھے خود پہلے کلام نہ کرتے تھے جب تک کوئی دوسرا سوال نہ کرتا تھا۔

پس ایک دن اپنے تخت حکومت پر اپنی شانِ شاہانہ سے جلوہ گر تھے کہ نزدیک غبار دکھائی دیا۔ آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب ملا کہ حضور ملکہ سبا بلقیس آ رہی ہے اور اب فلاں مقام پر قیام پذیر ہے اس وقت آپ کوفہ اور حیرہ کے درمیان موجود تھے اور اس کا قیام وہاں سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا پس آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی ہے جو اس کا تخت اس کے مسلمان ہو کر پہنچ جانے سے پہلے پیش کرے ایک دیو بولا میں مجلس برخاست ہونے سے پہلے پیش کروں گا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام دربار شاہی میں مقدمات سننے اور فیصلہ کرنے کے لئے صبح سے دوپہر تک بیٹھا کرتے تھے جب دیو نے کہا کہ مجلس برخاست ہونے سے پہلے لاؤں گا تو آپ نے فرمایا اس سے بھی جلدی چاہیئے۔

لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۔ قوی اس لئے کہا کہ اپنی طاقت پر اس کو بھروسہ تھا کہ میں اس قدر دیر میں لا دوں گا اور امین کہہ کر ظاہر کیا کہ تخت پر جڑے ہوئے موتیوں اور جواہر کا نقصان نہیں کروں گا اور پوری امانت داری سے یہ فریضہ انجام دوں گا۔

اَلَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ۔ اس سے مراد حضرت آصف بن برخیا ہیں جو حضرت سلیمان کے بھانجے بھی تھے اور ان کے پاس وہ اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے ہر دعا مستجاب ہوتی تھی اور بعضوں نے اس کا نام بلخیا۔ اسطوم۔ خضر بھی لکھا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جبریل امین ؑ تھے کہ خدا نے اس کو حضرت سلیمان ؑ کا تابع کر دیا تھا اور کتاب سے باختلاف

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَؤُا أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي

فرمایا (سلیمان نے) اے سرداران قوم کون اس کا تخت میرے پاس لائے گا قبل اس کے کہ وہ پہنچیں میرے پاس

مُسْلِمِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيتٌ مِنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ

مسلمان ہو کر کہا ایک دیو نے جنوں میں سے میں اس کو لاؤں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے

مِنْ مَقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ

اٹھیں اور میں اس بات پر قدرت رکھنے والا امین ہوں کہا اس نے جس کے پاس کچھ علم تھا

نظریات لوح محفوظ، جنس کتب سماویہ یا کتاب سلیمان مُراد لی گئی ہے۔

قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ۔ یعنی میں پلک جھپکنے سے پہلے لا دوں گا۔ پس حضرت سلیمان عؑ نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی جب نیچے کی طرف دیکھا تو تختِ بلقیس حاضر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت آصف نے سجدہ کیا اور اسمِ اعظم کے ذریعہ سے دُعا کی پس تخت بلقیس یمن کے دارالحکومت سبا سے غائب ہو کر حضرت سلیمان عؑ کے پاس اسی وقت آموجود ہوا۔ جب سلیمان نے کہا لاؤ تو آصف نے کہا یہ لیجئے حاضر ہے اور تخت بلقیس کے فوراً آجانے کی کیفیت میں مختلف اقوال ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ زمین کی مسافت کو لپیٹ لیا گیا۔ پس طی الارض کے ذریعے سے تخت بلقیس پہنچ گیا۔

اسم اعظم تفسیر صافی میں بصائر الدرجات اور کافی سے منقول ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ کا اسم اعظم تہتر حروف پر تقسیم ہے اور آصف کے پاس ان میں سے صرف ایک حرف تھا پس اپنے زبان پر جاری کیا تو تخت بلقیس کے نیچے سے زمین کھچ گئی اور آصف نے اس کو پکڑ لیا پھر زمین اپنی حالت پر چشم زدن میں پلٹ گئی اور ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتر حروف ہیں اور ایک حرف باقی اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

بروایت عیاشی حضرت علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اَلَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ کا مصداق آصف بن برخیا ہے لیکن حضرت سلیمان خود بھی اس اسم اعظم سے عاجز نہ تھے لیکن وہ چاہتے تھے کہ جن وانس پر یہ بات واضح کر دیں کہ میرے بعد تم پر حجت خدا یہ ہیں اور یہ بھی حضرت سلیمان کا ہی علم تھا جو انہوں نے آصف کو تعلیم کیا تھا باذنِ پروردگار اور اس کو اللہ نے فہم عطا فرمائی تاکہ بعد میں اس کی امامت میں اختلاف نہ رہے جس طرح حضرت داؤدؑ کی زندگی میں خدا نے فیصلے کی فہم حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی تاکہ داؤدؑ کے بعد ان کی امامت و نبوت میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ تفسیر کی جلد نمبر ۹ ص ۲۱۱ پر ہم نے اس کی وضاحت کی ہے اور حضرت سلیمان کی حکومت پر بھی وہاں ایک مختصر نوٹ آیات متعلقہ کے ذیل میں سپرد قلم کیا ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت بصائر الدرجات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس اسم اعظم

کے دو حرف تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس چار حرف تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آٹھ حرف تھے۔ حضرت نوحؑ کے پاس پندرہ حرف تھے اور حضرت آدمؑ کے پاس پچیس حرف تھے لیکن خداوند کریم نے وہ سب حضرت محمد مصطفٰےؐ کو عطا فرمائے اسم اعظم کے تہتر حروف ہیں۔ جن میں سے بہتر حبیبؐ خدا کو عطا فرمائے اور ایک مخصوص طور پر اللہ نے اپنے پاس رکھا اور فرمایا خدا کی قسم ہمارے پاس ساری کتاب کا علم ہے۔ ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا۔ حضرت سلیمانؑ کے پاس ایک اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے وہ سوال کرتے تھے اور ان کا سوال پورا کیا جاتا تھا اور جب کوئی دعا مانگتے تھے تو مقبول ہوتی تھی۔ اگر آج موجود ہوتے تو ہمارے محتاج ہوتے۔ سید رضی کی کتاب خصائص سے منقول ہے۔ ایک دن حضرت امیرالمومنین علیہ السلام مسجد میں رونق افروز تھے کہ دو شخص مقدمے کر داخل ہوئے ان میں سے ایک خارجی تھا اور فیصلہ اس کے خلاف ہوا تو کہنے لگا آپ نے فیصلہ درست نہیں کیا اور عدل کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا۔ پس خدا کے نزدیک آپ کا یہ فیصلہ قطعاً پسندیدہ نہیں ہے۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اِخْسَأْ عَدُوَّ اللّٰہِ۔ اے دشمن خدا دفع ہو جاؤ۔ (اخساء کتے کو بھگانے کے لیے استعمال ہوتا ہے) فوراً وہ شخص سیاہ کتا بن گیا اور حاضرین نے دیکھا کہ اس کے کپڑے اس کے بدن سے الگ ہو کر ہوا میں چلے گئے۔ راوی کہتا ہے۔ پس وہ آپ کے سامنے عاجزی کرنے لگا۔ اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے آپ کو اس پر رحم آ گیا پس آسمان کی جانب دیکھا اور لب ہائے مبارک کو کچھ حرکت دی کہ ہم نہ سن سکے۔ بخدا ہم نے دیکھا کہ وہ دوبارہ انسان بن گیا اور اس کے کپڑے ہوا سے پلٹ کر واپس اس کے جسم پر آ گئے۔ پس وہ پاؤں گھسیٹتا اور کانپتا ہوا مسجد سے باہر چلا گیا اور ہم ازراہِ حیرت واستعجاب آپ کی جانب دیکھنے لگے۔ فرمایا کیوں فرطِ تعجب سے میری طرف دیکھتے ہو؟ ہم نے عرض کی حضور! کیسے تعجب نہ کریں حالانکہ ہم آپکا اعجاز دیکھ چکے ہیں۔ پس فرمایا حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کے وصی جناب آصف بن برخیا نے بھی ایک ایسا کام کیا تھا جس کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اس کے بعد آیات قرآن کی تلاوت کی جن میں ملکہ بلقیس کے تخت کو لانے کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا کیا تمہارا نبی افضل ہے یا سلیمان بن داؤدؑ؟ سب نے جواب دیا کہ ہمارا نبی افضل ہے آپ نے فرمایا پھر تمہارے نبی کے وصی کو سلیمانؑ کے وصی سے یقیناً افضل ہونا چاہیئے۔ حضرت سلیمانؑ کے وصی کے پاس صرف ایک اسم اعظم تھا کہ اس کے ذریعے سے اس نے اللہ سے سوال کیا۔ پس خدا نے اس کے اور تختِ بلقیس کے درمیان سے زمین کو لپیٹ لیا۔ پس اس نے تخت کو پکڑ کر چشم زدن میں پیش کر دیا اور ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتر حرف ہیں اور باقی ایک حرف ذاتِ پروردگار کے لئے مخصوص ہے یہ سن کر حاضرین مجلس نے عرض کی کہ حضور! اگر یہ بات ہے تو معاویہ سے جنگ کرنے کے لئے آپ فوجی بھرتی کے لئے لوگوں کو کیوں حکم دیتے ہیں تو فرمایا۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ۔ مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ کے اطاعت گزار بندے ہیں اس کی مشیت سے سبقت نہیں کر سکتے بلکہ اس کے امر کے ماتحت اقدام کرتے ہیں۔ میں ان لوگوں کو اس لئے دعوت دیتا ہوں تاکہ خدا کی جانب سے حجت تمام ہو جائے اور امتحان پورا ہو لے اگر یہ بات درمیان میں نہ ہوتی تو کوئی دیر نہ لگتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو جس رنگ میں چاہے آزماتا ہے۔ پس آپ ہم سے اُٹھے حالانکہ آپ کے اعجاز کی عظمت ہمارے دلوں میں جاگزین تھی۔

اختصاصِ مفید سے منقول ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا آصف نے صرف اس قدر دیر لگائی کہ ایک مرتبہ پیچھے دیکھا اور پھر سامنے تا حدِ نگاہ نظر کی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان ؑ کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر تختِ بلقیس سامنے رکھ دیا اور دوسری روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس نے انگلی کا اشارہ کیا اور تختِ بلقیس کو سامنے پایا۔

امام علی نقی علیہ السلام نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ حضرت سلیمان ؑ آصف کے محتاج نہ تھے کیونکہ آصف کا علم بھی بحکمِ پروردگار حضرت سلیمان ؑ کے علم سے ماخوذ تھا صرف اپنی اُمت کو اس کی اہمیت دکھلانا چاہتے تھے تاکہ بعد میں اس کی امامت میں اختلاف نہ ہو۔ اب اس اعتراض کی اہمیت ہی کوئی نہیں رہی کہ اتنی جلدی میں تختِ بلقیس کیسے لایا جاسکتا ہے؟ کیونکہ دورِ حاضر کی سائنسی ایجادات نے اہلِ دُنیا سے منوالیا ہے کہ خزائنِ ارضیہ میں سے انسان اپنے خداداد دماغ کی بدولت ایسے عجائب وغرائب اُمور حاصل کرسکتا ہے کہ کوتاہ بین لوگ اس کے تصور سے بھی قاصر ہوتے ہیں کسی زمانہ میں اس قسم کی تیزی لوگوں کیلئے باعثِ تعجب تھی۔ لیکن دَورِ حاضر میں یہ استعجاب حماقت کا دوسرا نام بن گیا ہے۔ ہوائی جہازوں کی فضا میں پرواز لوگوں کے لئے باعث حیرت تھی جب قدم اس سے بھی آگے بڑھا تو پچھلا استعجاب معمول بن گیا اور نئی ایجاد نے مقامِ حیرت لے لیا۔ اب راکٹوں کا سلسلہ اور آسمانی بلندیوں کے طے کرنے کا پروگرام اور چاند کی فتح کا مسئلہ وغیرہ سابق انبیاء کے معجزوں کی تصدیق کا پہلو دامن میں لئے ہوئے ہیں اور یہ یاد رہے کہ سائنس کی ترقیاں نت نئے روپ بدل کر اپنے سابق نظریات کو جھٹلا سکتی ہیں لیکن اسلامی نظریات کو تا قیامت غلط نہیں کہا جا سکتا اور ہر آنے والا دن اُن کی تصدیق کے مواد لے کر طلوع ہوتا ہے اور سائنس دن بدن اسلامی نظریات کے قدموں میں جھکتی چلی جارہی ہے جن لوگوں نے حضور ؐ کے معراجِ جسمانی کو ناممکن کہا تھا کیونکہ علمِ ہیئت جو پُرانے زمانے کی سائنس تھی آسمانوں کے خرق والتیام کو محال کہتی تھی اور کرۂ نار اور کرۂ زمہریر جو بلندی میں ہوا سے اوپر فرض کرلئے گئے تھے ان سے گذرنے کو ناممکن قرار دیتی تھی اب نئی ترقیات اور تازہ ترین ایجادات جو سائنسی ترقی کے اہم کرشمے ہیں انہوں نے سابق سائنس کے نظریات کو خیالات فرسودہ قرار دے دیا اور خرق والتیام کی محالیت کو غلط ثابت کردیا۔ نیز کرۂ زمہریر و کرہ نار کے مفروضوں کو عمل سے غلط ثابت کرکے رکھ دیا اور آسمانی فضاؤں کو تسخیرِ کائنات کے امکان کے تحت چیرتے ہوئے چاند پر اپنا علم جا لہرایا اور ابھی تک اس کی للچائی ہوئی نظریں بہت دُور تک پڑ رہی ہیں۔ کہ آنے والا زمانہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ بہرکیف انہوں نے ثابت کردیا ہے کہ مادی طاقتوں کے بل بوتے پر انسان فضا و خلا سے پار ہوسکتا ہے اور ملکوت سماویہ تک رسائی پاسکتا ہے تو قدرتِ خداوندی کے ماتحت پیغمبر کا قاب قوسین تک پہنچنا کیا مشکل ہے اور اس لحاظ سے پھر ملکہ بلقیس کے تخت کو یمن سے شام تک چشم زدن میں حاضر کرنا کیا بعید ہے۔ جب مادی طاقتیں سابق کے ناشدنی امور کو واقع کا لباس پہناتی چلی جارہی ہیں تو روحانی طاقتیں اور خدائی قدرتیں یقیناً اس سے بہت زیادہ کرسکتی ہیں اور جس طرح مادی طاقتوں کی چشم دید بلند پروازی کو غلط کہنا حماقت ہے۔ اسی طرح روحانی کرشموں اور نبوتی معجزوں کو محلِ استعجاب قرار دینا بھی کور باطنی اور حماقت کے سوا اور کچھ نہیں۔

قَالَ نَكِّرُوْا۔ صدا ۲۵ ۔ جب تختِ بلقیس حضرت سلیمان ؑ کے سامنے آیا اور اُدھر ملکہ کی آمد آمد ہوئی تو آپ نے حکم جاری کیا کہ

عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ

کتاب سے میں لاؤں گا اس کو قبل اس کے کہ پلٹے تیری طرف تیری پلک پس آپ نے اس کو اپنے

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۚ

پاس ٹھہرا ہوا پایا تو کہا یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ کیا میں اس کا

لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ

شکر کرتا ہوں یا کفر کرتا ہوں اور جو شکر کرے تو وہ شکر کرتا ہے اپنی ذات کے لئے اور جو کفر کرے

ملکہ کے تخت میں کچھ تبدیلی کر دی جائے تاکہ ہم اس کی عقل کا امتحان لیں آیا وہ تبدیلی کے بعد بھی اپنے تخت کو پہچان سکتی ہے یا نہ ہ یا یہ امور اس کی ہدایت ایمانی کے باعث ہو سکتے ہیں یا نہیں ہ کیونکہ اعجاز سے تخت کا چشم زدن میں اس کی آمد سے پہلے پہنچنا قدرت خدا کا منظر تھا اور حضرت سلیمان ؑ کی نبوت کی تصدیق کا پیش خیمہ تھا۔ پس اس کی عقل و دانش کا جائزہ لینے کی خاطر اس میں سے جڑے ہوئے موتی اکھیڑ لئے گئے۔ اور ان کی ترتیب میں ردّ و بدل کر کے سُرخ کی جگہ سبز اور زرد کی جگہ سرخ اور سبز کی جگہ سفید وغیرہ دوبارہ جڑ دیئے گئے اور ملکہ کی آمد پر اسی تخت کے اوپر دعوت استقبالیہ کا انتظام کیا گیا۔

فَلَمَّا جَآءَتْ (ع۵۱) جب ملکہ پہنچی اور شان شاہانہ کے مطابق اس کا پرتپاک استقبال کیا گیا تو چونکہ شاہی تخت بھی اس کو جگہ دی گئی تھی لہٰذا آپ نے اس سے دریافت فرمایا اَهٰكَذَا عَرْشُكِ۔ کیا تیرا تخت بھی اس جیسا ہے۔ پس ملکہ نے فوراً حکمت و تدبر کے دریا میں غوطہ لگا کر جواب میں ایسے جواہر ریزے پیش کئے کہ علم و دانش کی بارگاہ سے صدائے آفرین و تحسین گونج اٹھی کہا كَاَنَّهٗ هُوَ نہ اثبات نہ انکار۔ اثبات اس لئے نہ کیا کہ اس میں تغیر رونما تھا اور انکار اس لئے نہ کیا کہ جو کچھ اس کے تخت میں تھا وہ اس میں موجود تھا صرف تبدیلی و تغیر تھا نیز یہ بھی خیال تھا کہ اس کو اپنے پایۂ تخت میں فوج و پولیس کے پہرہ میں چھوڑ آئی ہوں اور اس قدر مختصر مدت میں اتنی دوری سے اس کا لایا جانا بھی قدرت بشر سے باہر ہے۔ البتہ مافوق البشر طاقت اس کو لا سکتی ہے اور اس کی انتہائی دانائی ہے کہ هُوَ هُوَ (یعنی یہ وہی ہے) نہیں کہا کہ مبادا وہ نہ ہو اور جھوٹ بن جائے اور لَيْسَ هُوَ (یعنی یہ وہ نہیں) بھی نہیں کہا کہ ممکن ہے وہی ہو اور جھوٹ بن جائے پس بین بین جملہ کہہ کر مطلب کو ادا کیا۔ كَاَنَّهٗ هُوَ یعنی گویا یہی وہی ہے یا ایسا لگتا ہے کہ یہی وہی ہے۔ پس اس کو تسلی دلائی گئی کہ یہ تیرا وہی تخت ہے جس کو تو اپنے محل کے سات دروازے مقفل کر کے اندر چھوڑ آئی ہے اور یہ قدرت پروردگار کا کرشمہ ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔

وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ۔ اس میں تین قول ہیں (۱) ملکہ بلقیس نے جب سُنا کہ یہ وہی میرا تخت ہے جو قدرت خدا سے باعجاز یہاں پہنچا ہے تو کہنے لگی ہمیں پہلے سے تیری نبوت کا علم ہو گیا تھا جب کہ ہمیں اپنے سفیر نے پلٹ کر مفصل رپورٹ پیش کی تھی۔ پس

فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (٤٠) قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي

پس تحقیق میرا رب غنی کریم ہے فرمایا متغیر کردو اس کے تخت کو ہم دیکھیں گے کیا پہچانتی ہے یا

أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ (٤١) فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ

ان لوگوں میں سے ہے جو پہچان کی توفیق نہیں پاتے پس جب آئی تو کہا گیا کہ

أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَ

تیرا تخت اس طرح ہے؟ کہنے لگی گویا یہی وہی ہے اور ہم کو پہلے سے معلوم ہو گیا تھا اور

كُنَّا مُسْلِمِينَ (٤٢) وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ

ہم تسلیم کر چکے تھے اور روکا اس کو اس نے جس کی عبادت کرتی تھی اللہ کے سوا

ہم اللہ کی قدرت اور اس کی توحید کا اُسی وقت سے اقرار کر چکے تھے اور ہم مُسلمان ہو چکے تھے بلکہ اندازِ گفتگو سے بھانپ گئی کہ میری عقل و دانش کا امتحان لیا جا رہا ہے اور اظہارِ معجزہ سے ایمان توحید و ایمان نبوت کے لئے اختبار مقصود ہے تو جواب دیا کہ میں آپ کی نبوت اور توحیدِ پروردگار کی معرفت پہلے سے حاصل کر چکی ہوں لیکن عبادتِ خدا سے مجھے یہ چیز مانع رہی ہے کہ میرا گذارا قوم کفار کے ساتھ ہے (۲) یہ حضرت سلیمان کا کلام ہے جب ملکہ بلقیس سے سوال و جواب ہو چکا تو فرمایا ہمیں توحیدِ پروردگار اور اس کی بے پایاں قدرت و صنعت و حکمت کا پہلے علم دیا جا چکا ہے اور ہم اس کے حکم کے سامنے تسلیم کرنے والے بندے ہیں (۳) سلیمانؑ و بلقیس کی باہمی گفتگو سن کر یہ جملہ قوم سلیمانؑ نے کہا۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ جب ملکہ سبا پہنچ چکی تو حضرت سلیمانؑ نے قوم جن کو حکم دیا ایک عالی شان محل تیار کریں جس کا فرش شیشے کا بچھایا جائے اور اس کے نیچے پانی کا بہت بڑا حوض ہو جس میں مچھلیاں مینڈک اور دوسرے بحری جانور چھوڑ دیئے جائیں اور اس کی دیواروں پر بھی آئینہ کاری ہو۔ اور مروی ہے کہ جنوں اور شیطانوں نے جب ملکہ بلقیس کی ملک سبا سے آمد کی خبر سنی تھی تو ان کو یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا حضرت سلیمانؑ اُس سے شادی کر لے ورنہ ہم کو ہمیشہ اس کا اور اس کی اولاد کا تابع فرمان رہنا پڑے گا کیونکہ ملکہ بلقیس کی ماں قوم جن کی عورت تھی لہذا انہوں نے ملکہ کا غلط تعارف کرایا ہوا تھا کہ اس کی عقل میں فتور ہے اور اس کے پاؤں گدھے کے پاؤں کی طرح ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہ آزمائشی طریقے اختیار فرمائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے پاؤں پر بال کثرت سے تھے۔ حسب الحکم قوم جن نے عالی شان محل تعمیر کیا اور فرش شیشے کا بنایا اور نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کر کے اس میں مچھلیاں اور دیگر دریائی جانور چھوڑ دیئے، پس حضرت سلیمان نے نو تعمیر شدہ محل میں اپنا عالی شان تخت نصب کرایا اور

إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا

کیونکہ وہ کافر قوم میں سے تھی کہا گیا داخل ہو صحن میں پس جب

اور ملکہ کو اندر آنے کی پیش کش کی جب ملکہ قریب پہنچی تو پانی کو موجزن دیکھ کر گھبرا گئی۔ کیا ابن داؤدؑ کو میری سزائے موت کے لئے پانی میں غرق کرنے کے علاوہ اور طریقہ کار کوئی نہیں سوجھا۔ اب بزدلی کرکے پیچھے ہٹنا شانِ شاہی کے خلاف تھا لہذا پاؤں سے کپڑے کا دامن بلند کرکے آگے قدم رکھا اِدھر حضرت سلیمانؑ محل کے اندر سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے فرمایا یہ محل ہے یا محل کا فرش ہے جو شیشے سے تیار کیا گیا ہے پانی نہیں ہے (صَرْحٌ کا معنی صحن اور محل دونوں کئے گئے ہیں) پس اندر داخل ہوئی اور حضرت سلیمانؑ کو قوم جنات کی غلط بیانی کا علم ہو گیا البتہ ملکہ کے پاؤں پر بال بکثرت تھے جس کے لئے قوم جنات نے نورہ و ہڑتال سے ایک بال صفا نسخہ تیار کیا اور یہ انہی کی ایجاد ہے جو استعمال کے لئے ملکہ کو دیا گیا۔

قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ۔ اس کی دو تاویلیں ہیں (۱) جب صحن کو پانی سمجھا اور غلط فہمی میں مبتلا ہوئی تو اس کے لئے معافی مانگی کہ میں بدگمانی کرکے اپنے نفس پر ظلم کر چکی ہوں اے اللہ مجھے معاف کر اور میں سلیمانؑ کے ساتھ اسلام لا چکی ہوں (۲) جب محل میں اندر داخل ہوئی اور سلیمان کی شاہانہ شان و شوکت اور تخت کی عظمت کا ملاحظہ کیا اور ان کے معجزات کا تصور کیا تو معرفت توحید و نبوّت کا فانوس اس کے دل میں فروزاں ہوا۔ پس اپنے کفر سے توبہ کرتے ہوئے یہ کلمات زبان پر جاری کئے اور مروی ہے کہ اندر پہنچتے ہی حضرت سلیمانؑ نے اس کو دعوتِ اسلام دے دی۔ اور معجزات تو پہلے دیکھ کر تسلّی کر چکی تھی پس یہ کلمات کہہ کر اسلام کا اظہار کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کی اور حکومت ملک سبا اس کے حوالے کر دی اور مروی ہے کہ زولعہ نامی ایک جن کو حکم دیا جو وزیر امورِ جنّات تھا کہ یمن میں پہنچ کر ملکہ بلقیس کے لئے ضروری امور کی انجام دہی کرے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں مصر اور فلسطین کے علاقوں میں صنعتی ترقی بہت زیادہ ہوئی چنانچہ بیت المقدس کی تعمیر اور اہرام مصر میں بہت بڑے پتھروں کا استعمال جو دورِ حاضر میں بغیر مشینوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا صرف مشکل نہیں بلکہ محال ہے یہ قوم جن کی تسخیر کا نتیجہ تھا۔ نیز فراعنہ مصر کے جسموں کا آج تک باقی رہنا انہی کی ایجاد کردہ ادویہ کے نتیجہ میں ہے جن کی حقیقت سے دورِ حاضر کے مفکر بھی ناآشنا ہیں۔ حضرت سلیمانؑ کا ایک مچھلی کو دعوت دینا سورہ نور کی تفسیر میں عظمت پروردگار کے عنوان میں مذکور ہے ص ۱۴۹

رکوع نمبر ۱۹ حضرت صالحؑ کا ذکر

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا۔ حضرت صالحؑ اور اس کی قوم کا ذکر جلد ۶ صفحہ ۹۴ تا صفحہ ۵۶ اور اسی جلد میں سورہ شعراء صفحہ ۲۰۷ میں بیان ہو چکا ہے۔ نیز جلد ۲ ص ۲۲۲ و جلد ۳ ص ۱۸۹ پر بھی مذکور ہے

فَرِيْقَانِ۔ یعنی کچھ ایمان لائے اور زیادہ کفر پر رہے۔ اور ان دونو کے درمیان جھگڑا رہتا تھا۔

يٰقَوْمِ۔ وہ کہتے تھے کہ جس عذاب سے تو ہمیں ڈراتا ہے وہ جلدی لے آ۔ حضرت صالح علیہ السلام ان کو عذاب طلب کرنے سے روکتے تھے کہ ایسا نہ کرو بلکہ رحمت مانگو۔

رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ

اس کو دیکھا تو خیال کیا پانی کی لہر اور پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا فرمایا (سلیمان نے) یہ صحن ہے جس پر فرش کیا گیا

مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ

ہے شیشے کا کہنے لگی اے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اب اسلام لائی ہوں ساتھ سلیمان

سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ

کے اللہ کے لئے جو رب العالمین ہے اور تحقیق ہم نے بھیجا طرف قوم ثمود کے ان کے بھائی صالح

صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ

کو کہ عبادت کرو اللہ کی پس وہ دو فریق بن کر جھگڑنے لگے (صالح نے) کہا

يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ

اے قوم کیوں جلدی کرتے ہو عذاب کی بجائے رحمت کے کیوں نہیں تم معافی مانگتے اللہ

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ؕ قَالَ

سے تاکہ تم رحم کئے جاؤ کہنے لگے بدشگونی حاصل کی ہم نے تیری وجہ سے اور تیرے ساتھیوں کی وجہ سے

طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ

فرمایا تمہاری شگون بد اللہ کے پاس ہے بلکہ تم ایسی قوم ہو جن کا امتحان لیا گیا اور تھے شہر میں نو آدمی جو

تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا

فساد کرتے تھے زمین میں اور نہ اصلاح کرتے تھے (انہوں نے آپس میں) کہا کہ قسمیں کھاؤ اللہ کی کر

اَطَّيَّرْنَا۔ خدا نے ان کو قحط کے عذاب میں مبتلا کیا تو کہنے لگے ہماری یہ بدبختی تیری اور تیری جماعت کی وجہ سے ہے۔ آپ نے فرمایا یہ بدبختی تمہارے اعمال بد کے نتیجہ میں تم پر اللہ نے بطور امتحان کے بھیجی ہے۔

تِسْعَةُ رَهْطٍ۔ ابن عباس سے ان کے نام یہ منقول ہیں (۱) قدار بن سالف (۲) مصدع (۳) دھمی (۴) دھیم (۵) دعمی (۶) دعیم (۷) اسلم (۸) اقبال

بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا

اس کو رات میں قتل کرو اور اس کے گھر والوں کو پھر ہم اس کے وارث کو کہیں گے ہمیں نہیں معلوم اس کو اور اس کی اہل کو کس نے قتل کیا ہے

لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ

اور ہم سچے ہیں اور انہوں نے مکر کی تجویز کی اور ہم نے جواب مکر کی تجویز کی اور ان کو کوئی پتہ نہ تھا پس دیکھ کس طرح ہوا

كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ

انجام ان کے مکر کا تحقیق ہم نے ان کو تباہ کر دیا اور ان کی ساری قوم کو پس یہ ان کے گھر خراب پڑے

خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ

ہیں بوجہ ظلم کے تحقیق اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے جو جانے اور ہم نے نجات دی ایمان

اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ

والوں کو اور وہ جو تھے ڈرتے اور بھیجا ہم نے لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم سے کیا کرتے ہو تم بے حیائی دانستہ طور

تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاۗءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ

پر کیا تم پوری کرتے ہو مردوں سے شہوت بغیر اپنی عورتوں کے بلکہ تم جاہل

قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ

لوگ ہو پس نہ تھا جواب اس کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکال دو آل لوط کو

۴۹ صداف۔ انہوں نے علیحدہ مشورہ کیا اور قسم کھائی کہ رات کے اندھیرے میں حضرت صالحؑ اور اس کے سب گھر والوں کو قتل کر دیں گے۔ یہ جس شہر میں تھے اس کا نام حجر تھا اس لئے ان کو سورہ حجر میں اصحاب الحجر بھی کہا گیا ہے۔ اور یہ مدینہ اور شام کے درمیان واقع تھا اور جس وادی میں یہ شہر تھا اس کو وادی قری کہتے ہیں اور آپس میں طے یہ ہوا کہ اس کو قتل کر کے اس کے وارثوں سے کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے نہ ہم خود موجود تھے اور نہ ہمیں پتہ ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ انہوں نے یہ مکر کی تجویز بنائی اور اللہ نے اپنے مقام پر ان کو سزا دینے کی تجویز کی۔ چنانچہ حضرت صالحؑ کو رات کے وقت قتل کرنے کے لئے گئے تو خدا نے فرشتوں کو بھیجا اور انہوں نے پتھر برسا کر ان کو فی النار کر دیا اور یہ واقعہ ناقہ کے قتل کرنے کے بعد کا ہے کیونکہ ناقہ کے قاتل بھی یہی لوگ ہی تھے۔ بعض محرک اور

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ

اپنی بستی سے تحقیق یہ لوگ پاکیزگی چاہتے ہیں پس ہم نے ان کو نجات دی اور اس کی اہل کو مگر اس کی عورت کہ

قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿٥٨﴾ قُلِ

مقدر کیا ہم نے اس کو پیچھے رہنے والوں میں اور برسایا ہم نے ان پر مینہ پس بُرا تھا مینہ ڈرائے ہوئے لوگوں کا کہہ دے

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۗ آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾

حمد ہے اللہ کی اور سلام اس کے ان بندوں پر جن کو اس نے چن لیا کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو وہ شریک بنا رہے ہیں؟

بعض فاعل اور دوسری روایت میں ہے خدا نے حضرت صالحؑ کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔ پس ان کو گرفتارِ عذاب کر کے مار دیا۔ اور تیسری روایت میں ہے کہ حضرت صالحؑ کو قتل کرنے جا رہے تھے کہ پہاڑ کے دامن میں ٹھہرے۔ پس اللہ نے ان کے اوپر اس پہاڑ کو گرا دیا اور وہ دب کر ہلاک ہو گئے اور ان کے گھر خراب و خالی ہو گئے۔

تفسیر صافی میں ہے کہ حجر میں حضرت صالح علیہ السلام نے دامن کوہ میں ایک مسجد بنائی تھی جس میں نماز پڑھا کرتے تھے جب آپ نے ان کو گرفتاری عذاب کے لئے تین دن کا چیلنج کیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ تین دن تک یہ سب مر جائیں گے اور ہم ان سے فارغ ہو جاؤں گا۔ آؤ تین دن کے اندر اندر ہم ہی اس سے فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ اسی مسجد کی طرف روانہ ہوئے جس میں آپ نماز میں مشغول تھے تو پہاڑ کی چوٹی سے ایک بہت بڑا پتھر گرا۔ اور وہ سب کے سب اسی کے نیچے دب گئے جو باقی پیچھے موجود تھے ان پر صیحہ کا عذاب آیا جو پہلی جلدوں میں مذکور ہو چکا ہے اور تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ کے لفظ میں یہ بات قابل غور ہے کہ وہ وجود خدا کے منکر نہ تھے بلکہ اس کے قائل تھے لیکن شرک کے مرض میں مبتلا تھے کہ غیر اللہ کو اپنا حاجت روا سمجھ کر ان کے سامنے جھکتے تھے چنانچہ وہ حضرت صالحؑ سے صاف کہتے تھے کہ تیرے کہنے سے کیونکر ہم ان کی عبادت کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں۔

وَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا اس آیت مجیدہ میں اس امر پر واضح دلالت موجود ہے کہ جو ظالم ہو بالآخر اس کے نتیجے میں اس کا گھر تباہ ہوتا ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں ایک آیت موجود ہے جو پتہ دیتی ہے کہ ظالم کا گھر تباہ ہوا کرتا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی اور حضرت صالح علیہ السلام ان کو لے کر حضرموت کی طرف گئے اور وہاں آپؑ کی رحلت ہو گئی اس بنا پر اس جگہ کا نام حضرموت ہو گیا۔

حضرت لوطؑ کا ذکر

وَلُوطًا تفسیر کی جلد ۶ صفحہ ۵۶ جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ جلد ۸ صفحہ ۱۸۶ اور اسی جلد میں سورہ شعراء صفحہ ۲۱۰ پر حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے۔

وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے مراد اصحاب محمدؐ ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ پوری امت محمدیہ مراد ہے۔ لیکن تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس سے مراد آل محمد علیہم السلام ہیں اور وہی اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔

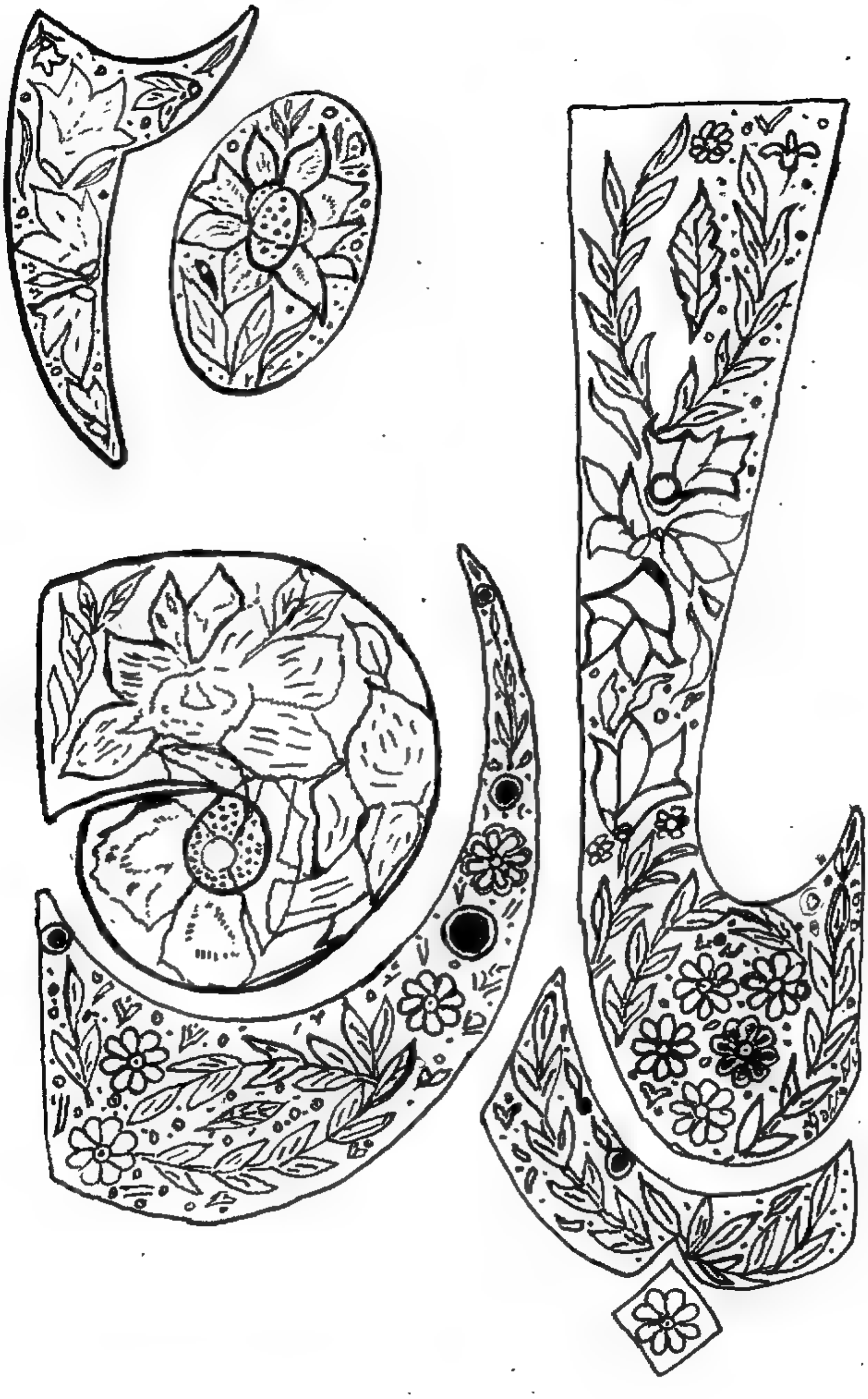

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ

کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی پس اگائے اس

حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۭ أَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ

کے ذریعے باغات رونق دار تمہارے بس میں نہیں تھا کہ اگاتے اس کا پودا کیا کوئی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ

بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ

بلکہ وہ لوگ (راہ حق سے) عدول کرتے ہیں کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے قابل اور بنائیں اس کے

خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ

اندر نہریں اور بنائے اس کے لئے پہاڑ اور مقرر کیا دو دریاؤں کے درمیان

حَاجِزًا ۭ أَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ أَمَّنْ

پردہ کیا کوئی الٰہ ہے اس کے ساتھ بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے کون

رکوع نمبرا بیان توحید

اَمَّنْ خَلَقَ۔ اللہ سبحانہ نے اپنے کمال لطف سے اتمام حجت کے طور پر اپنی توحید پر اس رکوع میں کافی روشنی ڈالی ہے اور ان آیات مجیدہ میں کائناتی امور میں سے پندرہ اہم افعال کا ذکر فرمایا ہے کہ ان سب کو میں نے انجام دیا ہے اور اس میں میرا کوئی شریک نہیں (۱) آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا (۲) آسمان سے پانی برسانا۔ (۳) سبزیوں اور باغات وغیرہ کو اگانا۔ ان میں تین اوصاف کو استفہام انکاری کے رنگ میں اپنی طرف منسوب کرکے اپنے تخلیقی کارنامے میں اپنی وحدت کا اعلان فرمایا۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ۔ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ ہے۔ یعنی ان سابقہ تین صفات کو کسی کی طرف منسوب کرنا اسے الٰہ سمجھنے کے مترادف ہے۔ پس مقصد یہ ہے کہ میں ہی ان کا فاعل ہوں اور میں ہی واحد الٰہ ہوں (۴) زمین کو ٹھہرنے کے قابل بنانا (۵) دریاؤں نہروں کا پیدا کرنا (۶) پہاڑوں کی تخلیق (۷) دو پانیوں کے درمیان تلخ اور شیریں کی دھاروں میں پردہ کو قائم رکھنا کہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائیں اور اس کی قریبی اور حسی مثال انڈے کے اندر سفید اور زرد دو پانیوں کے درمیان جب کہ ظاہری کوئی پردہ نہیں۔ پس اللہ کی جانب سے قدرتی حد موجود ہے جس کی وجہ سے سفید وزرد دونو پانی ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتے۔ ان چار افعال کو شمار کرکے فرمایا کوئی ہے دوسرا الٰہ جو یہ کام انجام دے سکے اور اس کا صریح مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے سوا کسی کو ان کاموں کا فاعل سمجھے گویا اس نے اللہ کے علاوہ الٰہ تجویز کیا (۸) مصیبت زدوں کی فریادوں کو سننا اور قبول کرنا (۹) صاحبان مصیبت کی مصیبت

يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ

سنتا ہے مصیبت زدہ کی فریاد جب اس کو پکارے اور دور کرتا ہے مصیبت اور کرتا ہے تم کو خلیفہ زمین

الْأَرْضِ ۗ أَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ

کا کیا کوئی الٰہ ہے ساتھ اللہ کے بہت کم سوچتے ہو کون ہدایت کرتا ہے

فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ

خشکی اور تری کی تاریکیوں میں اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری کے لئے اپنی رحمت سے

رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَؤُا

پہلے کیا کوئی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ بلند ہے اللہ اس سے جو شرک کرتے ہیں کون ابتداءً پیدا کرتا

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ

ہے پھر دوبارہ اٹھائے گا اور کون تم کو رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے کیا کوئی الٰہ ہے اللہ کے ساتھ

کو دُور کرنا اور مشکلیں آسان کرنا (۱۰) زمین پر نسل بعد نسل تصرف دینا اور گذشتگان کا خلیفہ (جانشین بنانا) ان تین صفتوں کو ذکر کرکے پھر چیلنج کیا کہ کوئی ہے دوسرا الٰہ جو مصیبت کے ماروں کی فریادیں سنے اور ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرے اور زمین پر تمہاری نسل کو قائم رکھے۔ گویا جس نے اللہ کے سوا کسی کو فریادرس حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا اس نے اللہ کے علاوہ اس کو الٰہ قرار دیا (۱۱) بحر و بر کی تاریکیوں میں ہدایت کرنا (۱۲) باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کا لانا جن میں بارش کی خوشخبری موجود ہو۔ پھر ان دو صفتوں کے بعد چیلنج کو دہرایا کہ کوئی ہے اور الٰہ جو یہ کام کر سکے یعنی جس نے غیر اللہ کو یہ کام کرنے والا سمجھا اس نے اللہ کے علاوہ اس کو الٰہ قرار دیا اور یہاں اس کا حکم بھی ذکر کر دیا کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے اور اللہ بلند و بالا ہے۔ ان مشرکانہ عقائد و خیالات سے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے (۱۳) مخلوق کا ابتداءً پیدا کرنا (۱۴) دوبارہ زندہ کرکے اُٹھانا (۱۵) آسمان و زمین کے وسائل سے رزق دینا۔ ان اوصاف کا ذکر کرکے پھر چیلنج کیا کہ کوئی دوسرا الٰہ ہے جو یہ کام کر سکے یعنی جو بھی ان کی نسبت اللہ کے سوا کسی اور کی طرف دے گویا اُس نے اس کو اللہ کا شریک قرار دیا، حالانکہ ان امور میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے اور پھر ان پندرہ اوصاف و افعال کے بیان کرنے اور ان میں شریک کرنے کی نفی کے بعد یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو لوگ ان باتوں میں میرا کسی کو شریک بناتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ ہم نے عقائد شیعہ کے موضوع پر ایک مفصل و مدلل کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار لکھی ہے اُس میں مسئلہ توحید کی کافی وضاحت

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي

کہدو لاؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو کہہ دو نہیں جانتا جو بھی آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾

اور زمین میں ہے غیب کو مگر اللہ اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا بَلْ هُمْ

بلکہ یقینی ہو جائے گا ان کا علم آخرت میں بلکہ وہ شک میں ہیں بلکہ وہ

موجود ہے۔ جس کو توفیق ہو اس کا مطالعہ کرے۔ بیشک ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جنہوں نے اس کے ساتھ اس کی مخلوق کو شریک قرار دے دیا۔ یہودی حضرت عزیز کو غلو کر کے اللہ کا بیٹا اور کاروبار میں اس کا شریک مان کر مشرک ہو گئے۔ اور نصرانی حضرت عیسیٰ ع کے بارے میں غلو کر کے مشرک بن گئے۔ اسی طرح بعض آلِ محمدؐ کے محب کہلانے والے فرطِ محبت میں غلو کر کے آلِ محمدؐ کو اللہ کا شریک قرار دے بیٹھے اور ان کی پشت پناہی میں بعض جیب تراش منبر کے ٹھیکیدار مولوی خم ٹھونک کر میدان میں اُتر آئے اور انہوں نے اعلانیہ آلِ محمدؐ کے دین کو مسخ کرنے اور ان کی تعلیم کو معطل کرنے کا پروگرام بنا لیا اور اِدھر اُدھر کے چند رطب و یابس روایات کا سہارا لے کر محکمات سے کنارہ کش ہوتے ہوئے متشابہات سے مطلب براری کو غنیمت سمجھا۔ پس آلِ محمدؐ کو کائنات کے تکوینی نظام کا مختارِ کل ثابت کر کے اللہ کو معطل سمجھ لیا۔ علمائے حقہ کا فرض ہے کہ ایسے بد لگام مولویوں کی ہاؤ ہو سے مرعوب نہ ہوں اور عوام کی نعرہ بازی سے ہرگز نہ گھبرائیں بلکہ منہاج نبوت پر پرچم توحید کو بلند رکھنے کے لئے جرأت سے قدم بڑھاتے جائیں اور اس میں شک نہیں کہ اکثریت ہر زمانہ میں باطل پرستوں کی ہوتی ہے اور اللہ کے بندے تھوڑے ہی ہوتے ہیں نیز اکثریت ہمیشہ حق کے خلاف شور مچایا کرتی ہے لیکن دلیل و برہان میں ان کی زبان گنگ اور پاؤں لنگ ہوتے ہیں اور حق والوں کے پاس اپنی صداقت کے لئے دلیل و برہان کا مضبوط سہارا ہوتا ہے کاش لوگ قرآن کی آیات سے درس لیتے اور آلِ محمدؐ کی تفسیر کے ماتحت ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

علم غیب اَلْغَیْبَ۔ مسئلہ غیب کی وضاحت ہم نے تفسیر کی گذشتہ جلدوں میں کر دی ہے۔ مثلاً جلد ۴ صفحہ ۷۸، جلد ۵ صفحہ ۲۲۱، جلد ۶ صفحہ ۱۴۸، جلد ۷ ص ۲۱۹ و ص ۲۴۷

وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔ یعنی انہیں یہ شعور نہیں کہ ہم نے دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا ہے۔

بَلِ ادّٰرَكَ۔ لفظ ماضی کے ہیں اور معنی مستقبل کا ہے گویا قیامت کے یقینی وقوع کو ظاہر کرنے کے لئے صیغہ ماضی استعمال کیا گیا ہے یعنی کفار اب دنیا میں تو عقیدہ قیامت کا انکار کرتے ہیں لیکن بروز محشر ان کا علم متدارک یعنی کامل ہو جائے گا اور آنکھوں سے دیکھ لیں گے بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ وہ اس کے علم سے اندھے ہیں۔ ان کے انکار میں قوت کو ظاہر کرنے

مِّنۡهَا عَمُوۡنَ ﴿٦٦﴾ ع وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا

اس سے اندھے ہیں اور کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے کیا جب ہم اور

کے لئے بل کو لایا گیا۔ یعنی جس چیز کو اب نہیں مانتے قیامت کو تو علم یقینی اور عینی کے ساتھ ان کو ماننا پڑے گا بلکہ دنیا میں تو وہ سمجھنے اور سننے کے بعد شک کی دلدل سے نہیں نکلتے پھر ترقی کر کے کہا گیا کہ نہیں بلکہ وہ سوچنے کی جرأت سے محروم ہیں اور اس معاملے میں بالکل اندھے ہیں۔ صافی میں نہج البلاغہ سے منقول ہے۔ ایک دن حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے بعض آنے والی چیزوں کی خبریں بیان فرمائیں تو کسی نے کہہ دیا کہ حضور آپ تو علم غیب کو جانتے ہیں آپ ہنس پڑے اور فرمایا یہ علم غیب نہیں بلکہ ایک ذی علم سے سیکھی ہوئی چیز ہے۔ علم غیب قیامت کا علم ہے اور وہ امور جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔ پس اللہ ہی جانتا ہے کہ مادہ کے رحم میں مذکر ہے یا مونث بدصورت ہے یا خوبصورت، سخی ہوگا یا بخیل اور شقی ہوگا یا سعید۔ نیز جہنم میں کون جائے گا اور جنت میں کون جائے گا۔ پس یہ وہ علم غیب ہے جس کو سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور اس کے علاوہ اللہ نے اپنے نبی کو علم دیا ہے اور انہوں نے مجھے سکھایا ہے اور انہوں نے میرے لئے دعا فرمائی ہے کہ اس کو حفظ رکھ سکوں اور میرے اعضا اس پر حاوی رہیں۔

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ۔ حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کے حق میں ہے بخدا وہی مضطر ہے جب آئے گا اور مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز ادا کرے گا۔ اور دعا مانگے گا تو اللہ اس کی دعا کو مستجاب کر کے اس سے مصیبت کو دور کرے گا اور اسے زمین کا خلیفہ بنائے گا اور یہ اس آیت کی تاویل ہے نیز ایک طویل روایت کے ذیل میں امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی منقول ہے کہ بخدا وہی حضرت قائم آلِ محمدؑ مضطر ہیں اور وہ پڑھا کرتے ہیں یا پڑھیں گے۔ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ۔ الخ ہمارے قبلہ و کعبہ استاد العلماء مولانا سید محمد یار شاہ صاحب مدظلہ العالی کا یہ دستور ہے جب بھی دفع مصیبت کے لئے کسی کے حق میں دعائے خیر کریں تو کم از کم دس مرتبہ اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ۔ الخ پڑھ کر دعا کرتے ہیں اور خدا اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کی مصیبتیں دور فرما دیتا ہے اور جو بھی ان سے مصیبت کے دفع کے لئے دعا کا طریقہ دریافت کرے تو ان کو بھی یہی طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور حدیث سابق سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت قائم علیہ السلام اپنے دورِ غیبت میں اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ کا ورد کرتے ہیں یا یہ کہ بوقت ظہور اس کو پڑھیں گے۔

رکوع نمبر ۲ قَالَ الَّذِيۡنَ۔ بار بار اپنے اسی سوال کو کافر دہراتے رہے کہ مٹی ہونے کے بعد ہمیں کیونکر دوبارہ اٹھایا جائے گا یہی باتیں ہمارے باپ دادا بھی سنتے آئے ہیں اور یہ پرانی کہانیاں ہیں جن میں کوئی صداقت نہیں ہے اور ان کو بار بار یہی جواب دیا گیا کہ جو ذات ایجاد پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے جس نے پہلی دفعہ تمہیں پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ کر کے تم کو اٹھائیگا

وَيَقُوۡلُوۡنَ۔ یہ جھوٹے بندوں کا دستور ہے کہ ایک سوال کو چھوڑا پھر دوسرا شروع کر دیا پھر تیسرا وعلیٰ ہذا القیاس کہنے لگے اچھا تم جس عذاب کی خبر ہم کو سناتے ہو وہ کب آئے گا؟

وَاٰبَاۗؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ

ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو ہم نکالے جائیں گے قبروں سے تحقیق وعدہ کیا گیا ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے کا نہیں یہ مگر

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

کہانیاں پہلے لوگوں کی کہہ دو سیر کرو زمین میں پس دیکھو کس طرح

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ

انجام ہوا مجرموں کا اور نہ غم کھا ان پر اور نہ ہو تنگ دل اس سے جو وہ

ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

مکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کب ہوگا وعدہ (عذاب کا) اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

سچے ؟ کہہ دو شاید ہوگا قریب تمہارے لئے بعض وہ جس کی تم جلدی کرتے ہو

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور تحقیق تیرا رب صاحب فضل ہے لوگوں پر لیکن ان کے اکثر شکر نہیں کرتے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ

اور تحقیق تیرا رب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جو ظاہر کرتے ہیں اور نہیں کوئی غائب

غَاۗىِٕبَةٍ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ

آسمان و زمین میں مگر وہ کتاب مبین میں ہے تحقیق یہ قرآن بیان کرتا

قُلْ عَسٰى۔ لغت کے لحاظ سے عسیٰ امید کے معنی میں ہوتا ہے لیکن جب خدا فرمائے تو اس میں شک کا معنی نہیں رہتا بلکہ یقین مراد ہوتا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ جس عذاب کی جلدی چاہتے ہو اس میں سے بعض کو تو عنقریب چکھ لوگے اور باقی دائمی عذاب بعد میں ہوگا قریبی عذاب سے مراد جنگِ بدر میں قتل و قید کا عذاب ہے۔ اور رَدِفَ کا معنی قَرُبَ اور دَنَا یعنی قریب ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ الخ ۔ یعنی قرآن مجید نے وہ باتیں فیصلہ کن بیان کیں جن میں قوم یہود اختلاف رکھتی تھی مثلاً ان کے درمیان حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے واقعہ میں اختلاف تھا اور قرآن نے اس کو مفصل بیان کر دیا اسی طرح جس نبی کی تورات میں خوشخبری دی گئی تھی بعض اس

يَقُصُّ عَلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَاِنَّهٗ

ہے بنی اسرائیل پر اکثر وہ چیزیں جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں اور تحقیق یہ

لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ

ہدایت اور رحمت مومنوں کے لئے ہے تحقیق تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان اپنے حکم سے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۸﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿۷۹﴾

اور وہ غالب و دانا ہے پس توکل کر اللہ پر تحقیق تو واضح حق پر ہے

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾

تحقیق تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو آواز جب وہ پیچھے پلٹ جائیں

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ

اور نہیں تو ہدایت کر سکتا اندھوں کو ان کی گمراہی سے تو صرف سنا سکتا ہے ان کو جو ایمان لائیں ہماری

بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا

آیات پر پس وہ تسلیم کرنے والے ہوتے ہیں اور واقع ہوگا ان پر قول (عذاب) تو نکالیں گے

لَهُمْ دَاۗبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا

ہم ان کے لئے دابۃ الارض کو جو ان سے بولے گا تحقیق لوگ ہماری

سے یوشع مراد لیتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ ابھی آنے والا ہے اور قرآن نے اس کو واضح کر دیا کہ اس سے مراد حضورؐ کی ذات اور قوم یہود کی کتابوں کا مطالعہ نہ ہونے کے باوجود ان امور کا ذکر حضورؐ کا ناقابل انکار معجزہ ہے۔

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ جس طرح مردے کوئی بات نہیں سنتے اسی طرح کفار بھی تیری باتوں کے لئے مردوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر زندہ ہیں تو بہروں کی طرح ہیں جس طرح وہ نہیں سن سکتے۔ خصوصاً جب پشت کر کے جا رہے ہوں اور چونکہ یہ لوگ بھی قرآن کی آواز کانوں میں پڑتے ہی پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں اور جس طرح اندھے انسان کو راستہ دکھانا ناممکن ہے۔ البتہ اندھوں کو ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود پر لے جایا جا سکتا ہے لیکن اس مقام پر یہ تیری ڈیوٹی نہیں ہے۔

دابۃ الارض وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ۔ یعنی جب لوگوں پر عذاب واجب ہو جائے گا کہ ان سے خیر کی توقع نہ رہے گی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجود ختم ہو جائے گا، تو اس وقت اللہ کی جانب سے فیصلہ یہ ہوگا۔

اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ۔ یعنی ہم زمین سے دابۃ الارض نکالیں گے۔ اور یہ صفا و مروہ کے درمیان سے ظاہر ہوگا اور وہ خبر دے گا کہ یہ مومن ہے اور وہ کافر ہے۔ پس تکلیف کا زمانہ ختم اور توبہ کا دروازہ بند ہوگا اور یہ چیز علائم قیامت سے ہے وہ ہر مومن کو چھوڑ ئے گا اور ہر کافر کو مارے گا وہ وقوف مزدلفہ کی شب کو نکلے گا جب کہ لوگ منیٰ کی طرف جا رہے ہوں گے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد دُم دار حیوان نہیں ہے بلکہ وہ صاحب ریش (مرد) ہوگا۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا میں صاحب عصا ہوں اور صاحب علامت ہوں یعنی مومن کی پیشانی پر ایمان کی نشانی اور کافر و منافق کی پیشانی پر کفر و نفاق کی نشانی لگانے والا میں ہوں۔

تفسیر قمی سے منقول ہے۔ ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ مسجد میں تشریف لائے دیکھا۔ حضرت علی علیہ السلام ریت کی ڈھیری اکھٹی کرکے اُوپر سر رکھ کر سوئے ہوئے ہیں۔ پس حضورؐ نے پیر لگا کر فرمایا قُمْ یَا دَابَّۃَ الْاَرْضِ یعنی اے دابۃ الارض اُٹھو صحابہ میں سے ایک شخص بولا حضورؐ کیا ہم بھی ایک دوسرے کو اس نام سے بلا سکتے ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم یہ صرف اسی کا ہی لقب ہے اور یہی وہ ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی پس فرمایا اے علی۔ جب آخری زمانہ آئے گا تو خدا تجھے بہترین شکل و صورت عطا کرکے بھیجے گا۔ اور تیرے پاس میسم ہوگا (یعنی نشان لگانے کا آلہ) کہ اس کے ذریعے سے اپنے دشمنوں کی پیشانیوں پر نشان لگائے گا۔ الحدیث۔ نیز منقول ہے ایک شخص نے عمار بن یاسر سے کہا کہ قرآن مجید کی ایک آیت نے میرا دل خراب کر دیا ہے اور مجھے شک میں ڈال دیا ہے عمار نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے تو اس نے یہی آیت پڑھی اور دابۃ الارض کا معنی دریافت کیا۔ عمار نے جواب دیا بخدا میں کھانے پینے اور بیٹھنے سے پہلے تجھے دابۃ الارض دکھلاؤں گا۔ پس عمار اس شخص کو حضرت امیرالمومنینؑ کے پاس لایا جب کہ آپ خرما اور مکھن کھا رہے تھے۔ آپ نے عمار کو دعوت دی پس وہ بھی ساتھ بیٹھ کر کھانے میں مشغول ہوگیا۔ وہ شخص حیرت سے دیکھتا رہا جب وہاں سے اُٹھ کر واپس ہوئے تو اس شخص نے کہا۔ سبحان اللہ۔ تو نے تو قسم کھائی تھی کہ کھانے پینے بلکہ بیٹھنے سے بھی پہلے تجھے دابۃ الارض دکھاؤں گا وہ وعدہ کیا ہوا، جواب دیا۔ اگر تیرے پاس عقل ہے تو میں تجھے دکھا چکا ہوں۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ دابۃ الارض میں ہوں۔

ایک دفعہ اصبغ بن نباتہ حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، جبکہ آپ گھی اور سرکہ سے کھانا تناول فرما رہے تھے اصبغ کہتا ہے میں نے یہ آیت پڑھی اور دابۃ الارض کا معنی پوچھا آپ نے فرمایا وہ دابہ ہے جو گھی اور سرکے کے ساتھ روٹی کھاتا ہے۔
ایک دفعہ معاویہ نے اصبغ پر اعتراض کیا کہ تم شیعہ لوگ حضرت علی کو دابۃ الارض کہتے ہو۔ اصبغ نے جواب دیا کہ اس کے یہودی لوگ بھی قائل ہیں۔ معاویہ نے راس الجالوت کی طرف آدمی بھیج کر اس کو منگوالیا اور پوچھا۔ کیا تمہارے نزدیک دابۃ الارض بھی کہیں لکھا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ معاویہ نے پوچھا تجھے پتہ ہے اس کا نام کیا ہے اس نے جواب دیا اسکا نام ایلیا ہے پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا اے اصبغ واقعی ایلیا اور علی دونوں لفظ ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔

بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ

آیات پر یقین نہیں رکھتے اور جب ہم اکٹھا کریں گے ہر امت سے ایک گروہ ان میں سے جو جھٹلاتے

يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ

تھے ہماری آیات کو پس وہ روکے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ جب آئیں گے تو فرمائے گا کیا تم نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

تھا ہماری آیات کو حالانکہ تم کو ان کا علمی احاطہ نہ تھا بھلا تم کیا کرتے رہے ہو؟

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور واجب ہوگا قول (عذاب) انہیں پر بوجہ ظلم کے پس وہ نہ بولیں گے

جناب رسالتمآبؐ سے بروایت ابوہریرہ منقول ہے کہ جب دابۃ الارض کا خروج ہوگا تو اس کے ہمراہ حضرت موسیٰؑ کا عصا حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ہوگی وہ مومن کے چہرہ کو عصا موسےٰؑ سے روشن کریں گے اور کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانؑ سے مہر کریں گے۔

رکوع نمبر ۳۔ آمد قائمؑ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مذہب امامیہ میں جو لوگ رجعت کے قائل ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ قیامت کے دن ہر اُمت میں سے ایک ایک گروہ نہ اٹھے گا۔ بلکہ اس دن تو سب لوگوں کو اُٹھایا جائے گا اور اس مضمون کی احادیث آئمہ ہدیٰ سے بکثرت وارد ہیں کہ قیام مہدیؑ کے قریب اللہ تعالیٰ ان کے شیعوں اور موالیوں میں سے ایک جماعت کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا تاکہ ان کی نصرت وامداد کا ثواب حاصل کریں اور ان کی پُرکیف و پُرامن حکومت کی بہاریں دیکھیں۔ نیز ان کے دشمنوں میں سے بھی ایک قوم کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تاکہ ان سے انتقام لیا جائے اور ان کو آپ کے شیعوں کے ہاتھوں دنیا کا وُہ عذاب بھی چکھا جائے جس کے وہ مستحق تھے اور آپ کی حکومت کی عظمت وشوکت ان کو دکھا کر رسوا و ذلیل کیا جائے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپنے اسی آیت مجیدہ کے ذیل میں فرمایا۔ دُنیا میں جس قدر مومن قتل کی موت مرے ہیں وہ اُٹھائے جائیں گے اور پھر اپنی طبعی موت مریں گے اور جس قدر مومن اپنی طبعی موت سے مرے ہیں ان کو اٹھایا جائیگا۔ پس وہ قتل کی موت سے مریں گے۔ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں عقیدۂ رجعت کو بعض شیعوں کا عقیدہ قرار دے کر بعد میں فرمایا۔ کہ اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ یہ چیز اللہ کی قدرت شاملہ میں داخل ہے اور ایسا کرنا محالات ذاتیہ میں سے نہیں ہے اور گذشتہ اُمتوں میں اس قسم کے واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مختلف مقامات پر ان کا قرآن مجید میں بھی تذکرہ موجود ہے جیسا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ اور اس کے علاوہ دیگر واقعات جو اپنے مقامات پر گذر چکے ہیں اور حضرت رسالتمآبؐ سے خبر صحیح میں وارد ہے کہ میری اُمت میں وہ

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے بنائی رات تاکہ سکون کریں اس میں اور دن دکھانے والا

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ

تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لائے اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں

سب واقعات پیش آئیں گے جو بنی اسرائیل میں گذرے ہیں جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے حتاکہ اگر ان میں سے کوئی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا۔ اور جو لوگ امامیہ میں سے رجعت کے قائل نہیں ہیں وہ اس قسم کی تمام احادیث کی تاویل کرتے ہیں جو رجعت پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ اس سے مراد لیتے ہیں حکومت اور شاہی آل محمدؐ کی ہوگی اور محبان آل محمدؐ اس زمانہ میں خوشحال ہونگے۔ نہ کہ گذشتہ لوگ پلٹ کر دوبارہ آجائیں گے۔ ان کے استدلال کو نقل کرنے کے بعد علامہ طبرسی خود فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُعَوَّلُ فِيْ ذَالِكَ عَلٰى اِجْمَاعِ الشِّيْعَةِ الْاِمَامِيَّةِ وَاِنْ كَانَتِ الْاَخْبَارُ تَعْضُدُهُ وَتُؤَيِّدُهُ۔ یعنی اس عقیدہ میں بڑی دلیل جس پر اعتماد ہے وہ ہے شیعہ امامیہ کا اجماع اور جو احادیث نقل کی گئی ہیں وہ اس اجماع کی مؤید ہیں۔ الہٰذا احادیث کی تاویل کرنے سے عقیدہ کا بطلان ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس سے ان کا رجحان اسی طرف ثابت ہوتا ہے کہ وہ عقیدہ رجعت کے قائل ہیں اور یہی حق ہے کیونکہ معصوم نے رجعت کا بیان فرماتے ہوئے آیت مجیدہ کو بھی استدلال کے طور پر پیش فرمایا کہ یہ آیت رجعت پر دلالت کرتی ہے اور بروایت تفسیر قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی ان آیات سے مراد حضرت امیرالمومنینؑ اور باقی آئمہ طاہرین ہیں۔ کسی شخص نے پوچھا کہ عام لوگ يَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا۔ سے مراد قیامت کا دن لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا قیامت کے دن ہر امت سے ایک ایک گروہ کو اٹھایا جائیگا اور باقیوں کو چھوڑ دیا جائیگا بلکہ یہ آیت رجعت کے متعلق ہے اور قیامت کے متعلق آیت یہ ہے۔ وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا۔ یعنی ہم ان کو محشور کریں گے اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا۔ یعنی ان کو کہا جائے گا کہ تم نے میری آیات یعنی آئمہ وانبیاء کی تکذیب کی تھی حالانکہ تم نے فکر و تدبر کر کے اور انصاف وعدل کے تقاضوں پر عمل کر کے ان کو صحیح پہچانا ہی نہیں تھا اور نہ تم نے ان کی صحیح معرفت حاصل کی تھی۔

أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ یہ تنبیہ اور سرزنش ہے کہ بغیر معرفت حاصل کئے تم نے ان کو جھٹلا دیا۔ یہ تم کیا کرتے رہے ہو؟

مُبْصِرًا۔ یعنی روشن کہ اس میں تم چیزوں کو دیکھتے ہو اور اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہو۔

نفخ صور وَيَوْمَ يُنْفَخُ۔ نفخ کا معنی ہے پھونکنا اور صور کے متعلق اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ صورت کی جمع ہے۔ مقصد یہ ہے کہ صورتوں میں روح پھونکے جائیں گے۔ پس وہ زندہ ہو کر محشور ہوں گے۔ اور تفسیر صافی میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ وہ نور کا ایک سینگ ہے جس کا ایک کنارہ چوڑا اور دوسرا تنگ ہے۔ پس اس کا ایک کنارہ اسرافیل فرشتے کے منہ میں ہے کہ وہ نفخ کرے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس میں اس قدر سوراخ ہیں جس قدر انسانی ارواح۔ پس ہر روح کا الگ

فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

پس گھبرا جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر وہ جو

شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ

چاہے اللہ اور سب آئیں گے اس کے پاس ذلیل ہو کر اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو

تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ

تو خیال کرے گا ان کو جمے ہوئے حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادلوں کی طرح

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا

یہ اللہ کی صنعت ہے جس نے مضبوط بنایا ہر شی کو تحقیق وہ باخبر ہے جو تم

تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

کرتے ہو جو بھلا لائے نیکی تو اس کے لیے بہتری ہوگی

الگ سوراخ ہے (اور اس کے نفخ سے ہر روح اپنے متعلقہ جسم میں چلا جائے گا) اور مجمع البیان میں ایک قول ہے کہ تین دفعہ صور پھونکا جائے گا جب پہلی دفعہ نفخ ہوگا تو تمام زمین و آسمان کے ساکنین کے دل جائیں گے اور سب پر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی جب دوسری نفخ ہوگا تو تمام ذی روح مر جائیں گے اور تیسری دفعہ نفخ ہوگا تو سب زندہ ہو کر دوبارہ محشور ہوں گے۔ اسکی تفصیل جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۱۳ پر آئے گی۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ یہ ان کا استثناء ہے جن پر نفخ صور سے گھبراہٹ طاری نہ ہوگی اور وہ چار فرشتے جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل اور مروی ہے کہ شہداء پر بھی گھبراہٹ نہ ہوگی۔ اور اس میں انبیاء و آئمہ سب داخل ہیں۔

وَتَرَى الْجِبَالَ۔ یعنی اس دن دیکھو گے کہ پہاڑ ایک جگہ کھڑے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے یعنی جس طرح گھنے بادل جب چھائے ہوئے ہوں تو دیکھنے سے وہ چلتے معلوم نہیں ہوتے حالانکہ چل رہے ہوتے ہیں اسی طرح پہاڑ بھی کثرت اور پھیلاؤ کی وجہ سے ساکن معلوم ہوں گے حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ یعنی پہاڑ دھنی ہوئی کپاس کی طرح فضا میں پھیلے ہوئے نظر آئیں گے۔

اَتْقَنَ كُلَّ۔ یعنی اس نے ہر چیز کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں عیب نکالنے کی کسی کے لئے گنجائش نہیں پس اس کی وضع و ہیئت کو اس طرح مکمل بنایا جس کے وہ لائق تھی۔

بِالْحَسَنَةِ۔ اس سے مراد کلمہ توحید و اخلاص ہے اور بعضوں نے اس سے مراد ایمان لیا ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی حسنہ سے مراد ولایتِ علیؑ ہے اور سیئہ سے مراد اس کے دشمنوں کی تابعداری ہے۔ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حسنہ اہل بیتؑ کی محبت و ولایت کی معرفت ہے۔ اور سیئہ اہل بیت کا بغض اور ولایت کے انکار کا نام ہے۔

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

اس کی وجہ سے اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے اور جو کرے بُرائی پس اُلٹے منہ

فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ

جائیں گے دوزخ میں (کہا جائے گا) تم کو نہیں جزا دی جاتی مگر اس کی جو تم کرتے رہے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ

تھے سوائے اس کے نہیں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ عبادت کروں اس شہر کے رب کی جس نے

الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ

اس کو حرمت والا بنایا اور اس کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْھَا۔ یہاں خیر سے مراد ہے اچھی جزا اور مِنْ تعلیلیہ ہے یعنی اس کو اچھی جزا ملے گی بوجہ ایمان وولائے آل محمدؐ کے لہذا یہاں خیر کو افعل التفضیل کا صیغہ قرار دینا غلط ہے کیونکہ معنی ہو جائے گا کہ اس کو جو جزا ملے گی وہ اس ایمان وولا سے بہتر ہوگی۔ حالانکہ ایمان یا کلمہ توحید واخلاص یا ولائے آل محمدؐ سے کوئی چیز اچھی نہیں ہو سکتی۔

اٰمِنُوْنَ۔ آیت بتلاتی ہے کہ قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے اہل توحید اہل ایمان وولا محفوظ ہوں گے۔

فَکُبَّتْ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حسنہ سے مراد ہم اہل بیتؑ کی محبت ہے۔ اور سیئہ سے مراد ہمارا بغض ہے اور دوسری روایت میں جابر سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا اے علیؑ اگر میری اُمت روزے رکھے کہ کمزوری کی وجہ سے تانگے کی طرح ان کے جسم کمزور پڑ جائیں اور نمازیں اس قدر پڑھیں کہ کمریں ان کی جھک جائیں اور پھر تیرے ساتھ بغض رکھتے ہوں تو منہ وناک کے بل جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

حُرمتِ مکہ

اِنَّمَآ اُمِرْتُ۔ صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب قریش نے کعبہ کو گرایا تھا تو اس کی بنیادوں میں ایک پتھر دیکھا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا پس انہوں نے ایک پڑھے لکھے آدمی سے پڑھوایا اس کی تحریر کا مقصد یہ تھا کہ میں اللہ مکہ کا مالک ہوں میں نے اس کو حرمت والا بنایا ہے جس دن سے زمین وآسمان کو خلق کیا اور میں نے اس کو ان دو پہاڑوں کے درمیان رکھا۔ اور اپنے سات فرشتے اس پر مؤکل کئے ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضورؐ جس دن فتح کرکے مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کا دروازہ کھولا اور کعبہ کے اندر بنی ہوئی مورتیوں کو مٹایا پس دہلیز کعبہ کو پکڑ کر فرمایا۔ خبردار! اللہ نے مکہ کو حرمت والا بنایا۔ جس دن سے آسمانوں اور زمین کو اس نے پیدا کیا۔ پس وہ اللہ کی

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

ہوں مسلمانوں میں اور یہ کہ تلاوت کروں قرآن کی پس جو ہدایت پائے گا تو وہ ہدایت

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

پائے گا اپنی ذات کے لئے اور جو گمراہ ہو (تو تو) پس کہدو میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا

اور کہدو حمد ہے اللہ کے لئے عنقریب دکھائے گا تم کو اپنی نشانیاں پس جان لوگے ان کو اور نہیں

رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۳

تیرا رب غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو

حرمت سے حرمت والا رہے گا۔ قیامت تک نہ اس کے اندر شکاری جانور کو خوفزدہ کیا جائے گا۔ نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا۔ نہ اس کا لقطہ اٹھانا کسی کے لئے جائز ہے سوائے اس کے جو اس کو اس غرض سے اٹھائے کہ مالک کو تلاش کرکے واپس دے گا۔ آپؐ کے چچا عباس نے عرض کی حضورؐ! اذخر تو عام کام آنے والی چیز ہے تو آپؐ نے اس کو مستثنیٰ قرار دیدیا۔

اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ۔ یعنی میں نے قرآن مجید کے ذریعے تبلیغ کرنی ہے پس جو مان لے گا اس کا اپنا فائدہ ہے اور جو گمراہ رہے گا تو نقصان اس کی اپنی ذات کو ہوگا۔ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں کسی کو زور سے راہِ راست پر چلانا میرے عہدے میں نہیں ہے۔

والحمد للّٰہ ربّ العالمین۔ پس اس مقام پر دسویں جلد ختم ہوئی اور سورۂ قصص سے گیارہویں جلد انشاء اللہ شروع ہوگی اس وقت صبح دس بجنے سے پانچ منٹ کم ہیں۔

آج بروز چہارشنبہ ۱۵ ماہ مبارک رمضان ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۶۹ء، ۱۱ مگھر ۲۰۲۶ب کو اس جلد کے مسودہ سے فارغ ہوا ہوں۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ مجھے اپنی کتاب کریم کی تفسیر کی توفیق مرحمت فرمائے اور آلِ محمدؐ کے نقش پر صحیح چلنے کی سعادت عنایت کرے اور میرے اور میرے والدین کے اور جملہ اعزاء واقارب کے اور سب مومنین کرام خصوصاً میرے اساتذہ کے جملہ گناہان کبیرہ وصغیرہ کو دامنِ عفو میں جگہ دے اور اس تفسیر کے مطالعہ کی مومنین کرام کو ہمت عطا فرمائے نیز جملہ ایسی رکاوٹوں سے محفوظ رکھے جو اس کی اشاعت کی راہ میں حائل ہوسکیں۔ وَهُوَ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلْ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

مومنین کرام سے دعا کی التماس ہے کہ خدا ہمیں اپنے کلامِ مقدس کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(دوسرا ایڈیشن ماہ مئی ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا)

حقوق الطبع محفوظة

قَالَ رَسُولُ اللهِ اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَینِ کِتَابَ اللهِ وَعِترَتِی اَهلَبَیتِی

شیعیانِ آلِ محمدؐ خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

(۱۱)

اَلمُجَلَّدُ الحَادِی عَشَرَ مِن تَفسِیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

مُصَنِّفہ:۔ حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش صاحب قبلہ مد ظلہ جاڑا بانی جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

اپنے بچوں کے لئے یہ الیکٹرونک کاپی بنائی
ہیں جس سے دیگر اصحاب بھی فائدہ اٹھا سکیں
طالب دعا
سید نذر عباس
12.6.2004

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۔	فضائل سورۂ قصص	۶
۲۔	رکوع ۴	۷
۳۔	فرعونی مظالم	"
۴۔	حضرت موسیٰؑ کی ولادت	۸
۵۔	تاویلِ آیت	۱۱
۶۔	ذکرِ ولادت قائم آلِ محمدؑ	۱۲
۷۔	بارہ امام	۱۳
۸۔	فصاحتِ قرآن	۱۵
۹۔	صندوق دریائے نیل میں	۱۶
۱۰۔	رکوع ۵	۲۲
۱۱۔	فرعون کی داڑھی میں موسیٰؑ کا ہاتھ	"
۱۲۔	قبطی کا قتل	۲۳
۱۳۔	رکوع ۶	۲۸
۱۴۔	حضرت موسیٰؑ کی حضرت شعیبؑ سے ملاقات	۲۸
۱۵۔	رکوع ۷	۳۳
۱۶۔	حضرت موسیٰؑ کی مداین سے واپسی	"
۱۷۔	عصائے موسیٰؑ	"
۱۸۔	حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کلام	۳۴
۱۹۔	تنبیہ	۳۶
۲۰۔	رکوع ۸ شاہد ہونے کی نفی	۴۱
۲۱۔	رکوع ۹	۴۳
۲۲۔	اہلِ کتاب سے ایمان لانے والے	"
۲۳۔	ایمانِ ابوطالبؑ	۴۴
۲۴۔	رکوع ۱۰	۴۸
۲۵۔	خلق و اختیار	۴۹
۲۶۔	رکوع ۱۱ قارون کا واقعہ	۵۱
۲۷۔	انوارِ علمیہ	۵۲
۲۸۔	قارون کا ذریعۂ آمدنی	۵۳
۲۹۔	قارون پر نزولِ عذاب	۵۶
۳۰۔	دنیا دارِ امتحان ہے	۵۹
۳۱۔	رکوع ۱۲	۶۱
۳۲۔	سورہ عنکبوت کے فضائل	۶۵
۳۳۔	رکوع ۱۳	۶۶
۳۴۔	والدین کی اطاعت	۶۷
۳۵۔	رکوع ۱۴ حضرت نوحؑ کا ذکر	۷۱
۳۶۔	توحید کا بیان	۷۲
۳۷۔	رکوع ۱۵	۷۳
۳۸۔	حضرت لوط کا ذکر	۷۶
۳۹۔	رکوع ۱۶	۷۸
۴۰۔	پارہ ۲۱	۸۶
۴۱۔	رکوع ۱ نماز برائی سے روکتی ہے	۸۷
۴۲۔	مناظرہ کا طریقہ	۹۲
۴۳۔	رکوع ۲	۹۵
۴۴	رزق خلق اور تقسیم	۹۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۴۵	رکوع ۳	۹۹
۴۶	سورہ روم کے فضائل	۱۰۱
۴۷	رکوع ۴	۱۰۲
۴۸	رکوع ۵	۱۰۵
۴۹	رکوع ۶ توحید کا بیان	۱۰۶
۵۰	رکوع ۷ شریک کی نفی	۱۰۹
۵۱	تارکِ نماز مشرک ہے	۱۱۰
۵۲	گمراہی میں ڈھیل	۱۱۲
۵۳	بسطِ رزق	۱۱۳
۵۴	فدک کا ذکر	۱۱۴
۵۵	سود خوری	۱۱۷
۵۶	دلیلِ توحید	۱۱۸
۵۷	رکوع ۸	۱۱۹
۵۸	رکوع ۹	۱۲۰
۵۹	سورہ لقمان کے فضائل	۱۲۸
۶۰	حضرت لقمان حکیم کی خصوصیات	۱۲۹
۶۱	حضرت لقمان کا زمانہ	۱۳۰
۶۲	حضرت لقمان کے نصائح	۱۳۱
۶۳	حضرت لقمان کی وصیت	۱۳۳
۶۴	رکوع ۱۰	۱۳۴
۶۵	رکوع ۱۱	۱۳۶
۶۶	رکوع ۱۲ نعمات خداوندی	۱۳۸
۶۷	العروۃ الوثقیٰ	۱۳۹
۶۸	رکوع ۱۳	۱۴۱
۶۹	سورہ سجدہ کے فضائل	۱۴۳
۷۰	رکوع ۱۴ آسمان وزمین کی خلقت	۱۴۴
۷۱	قابض الارواح کی آمد	۱۴۵
۷۲	حضرت علیؑ کی عظمت	۱۴۷
۷۳	رکوع ۱۵	۱۴۸
۷۴	نمازِ تہجد	۱۴۹
۷۵	رکوع ۱۶	۱۵۲
۷۶	سورہ احزاب کے فضائل	۱۵۴
۷۷	رکوع ۱۷	۱۵۵
۷۸	تحریفِ قرآن	″
۷۹	نبیؐ کی اولویت	۱۵۸
۸۰	رسولؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں	۱۵۹
۸۱	رسولؐ امت کا باپ ہے	″
۸۲	تمام مومن بھائی بھائی ہیں	۱۶۰
۸۳	نفس کی تحقیق	
۸۴	اولوالارحام	۱۶۱
۸۵	میثاقِ انبیاء	″
۸۶	رکوع ۱۸ جنگِ خندق	۱۶۲
۸۷	جنگِ خندق کی ابتداء	۱۶۳
۸۸	نظرِ بد کا علاج	۱۶۵
۸۹	معجزۂ پیغمبرؐ	″
۹۰	دوسرا معجزہ	۱۶۶
۹۱	تیسرا معجزہ	۱۶۷
۹۲	غزوۂ بنو قریظہ	۱۸۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۹۳	شہادت سعد بن معاذؓ	۱۸۳
۹۴	رکوع ۲ ازواج پیغمبر کا ذکر	۱۸۴
۹۵	پارہ ۲۲	۱۸۶
۹۶	رکوع ۱	۱۸۷
۹۷	آیتِ تطہیر	۱۸۸
۹۸	کلمۂ حصر بلفظِ انما	"
۹۹	ارادۂ خداوندی	۱۸۹
۱۰۰	اذہابِ رجس	"
۱۰۱	اہل البیتؑ	۱۹۲
۱۰۲	رکوع ۲	۱۹۷
۱۰۳	زینب بنت جحش سے نکاح	۱۹۸
۱۰۴	ختم نبوت	۲۰۱
۱۰۵	رکوع ۳ ذکرِ خدا	۲۰۲
۱۰۶	ازواجِ پیغمبر	۲۰۶
۱۰۷	رکوع ۴ معاشرہ کے احکام	۲۰۷
۱۰۸	پردہ کی آیت	۲۱۰
۱۰۹	درود شریف	"
۱۱۰	درود میں آل کا ذکر	۲۱۱
۱۱۱	رسول اللہؐ کی نمازِ جنازہ	۲۱۳
۱۱۲	ایذاءِ علیؑ ایذاءِ رسولؐ ہے	"
۱۱۳	رکوع ۵ پردہ کا حکم	۲۱۵
۱۱۴	لطیفہ ملک العلماء مرحوم	۲۱۷
۱۱۵	رکوع ۶	۲۱۸
۱۱۶	عرضِ امانت	۲۱۹
۱۱۷	سورۂ سبا کے فضائل	۲۲۳
۱۱۸	رکوع ۷ حمد کا معنی	۲۲۴
۱۱۹	جزء لا یتجزیٰ کا لطیفہ	۲۲۶
۱۲۰	رکوع ۸ حضرت داؤد کا ذکر	"
۱۲۱	بیت المقدس کی تعمیر	۲۲۹
۱۲۲	مجسمہ سازی و فوٹوگرافی	۲۳۱
۱۲۳	حضرت سلیمانؑ کی موت	۲۳۶
۱۲۴	قومِ سبا کا واقعہ	۲۳۹
۱۲۵	سیل العرم	۲۴۲
۱۲۶	رکوع ۹	۲۴۵
۱۲۷	رکوع ۱۰	۲۴۷
۱۲۸	بسطِ رزق	۲۴۹
۱۲۹	رکوع ۱۱	"
۱۳۰	رکوع ۱۲	۲۵۲
۱۳۱	سورۂ فاطر کے فضائل	۲۵۵
۱۳۲	رکوع ۱۳	۲۵۶
۱۳۳	رکوع ۱۴	۲۵۸
۱۳۴	عمر کی زیادتی کے اسباب	۲۶۰
۱۳۵	رکوع ۱۵	۲۶۱
۱۳۶	رکوع ۱۶	۲۶۳
۱۳۷	بیانِ توحید اور صفتِ علماء	۲۶۴
۱۳۸	وارثِ کتاب	۲۶۵
۱۳۹	رکوع ۱۷	۲۶۸

نام کتاب ———— تفسیر انوار النجف جلد ۱۱

اشاعت سوم ———— دسمبر ۱۹۹۱ء

مصنف ———— علامہ حسین بخش جاڑا اعلی اللہ مقامہ

مطبع ———— الغدیر پریس سرگودھا

ہدیہ غیر مجلد ———— ۷۵/ روپے

ناشر

مکتبہ انوار النجف دریا خان۔ ضلع بھکر

سُورہ قصص

یہ سورہ مکیہ ہے سوائے چند آیات کے۔ آیت ۵۲ تا ۵۵ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اور آیت ۸۵ ہجرت کے موقعہ پر اثنائے راہ میں اُتری اور بعض علما کے نزدیک یہ سُورہ مدینہ ہے۔ جیسا کہ ایمانِ ابوطالب کے بیان میں مذکور ہوگا۔ آیات کی تعداد ۸۸ (اٹھاسی) ہے۔ اور بسم اللہ کو ملانے سے ۸۹ ہوگی۔

جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے جو شخص اس سُورہ کو پڑھے گا حضرت موسٰی پر ایمان لانے والوں اور ان کی تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور تمام آسمان و زمین کے فرشتے اس کی سچائی کی گواہی دیں گے۔ (مجمع)

آپ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھے اور دھو کر پی لے اس کے تمام درد و الم دُور ہو جائیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ اگر اس سورہ کو لکھ کر اسہال، تلی، دردِ جگر اور دردِ شکم کے مریض کو باندھا جائے تو وہ شفایاب ہوگا۔ نیز اس کو برتن میں لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر پلایا جائے تو تمام درد و تکالیف دُور ہوں گی۔ اور وہ شفایاب ہوگا۔ اور اللہ کے اذن سے اُس کی شکایات ختم ہوں گی (برہان)

رکوع ۴ طسٓمٓ ۔ حروفِ مقطعات ہیں ان کی تفسیر گذر چکی ہے ۔ ج ۲ رکوع اوّل

جَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا ۔ شیعہ کی جمع شیع ہے جس کے معنی ہے گروہ ۔ فرعون نے اہل مصر کو دو گروہوں میں بانٹ دیا تھا اور قومی تعصب ان کے دلوں میں بھر دیا تھا ۔ ایک گروہ قبطی تھا اور یہ حکمران طبقہ کی نوازشات کا محل تھا کیونکہ خود فرعون اسی خاندان کا ایک فرد تھا اور دوسرا گروہ بنی اسرائیل تھے جو حکومتی پارٹی کی طرف سے ہر عتاب کے مستحق گردانے جاتے تھے ۔ چنانچہ قبطیوں کا ہر فرد انکو اپنی رعایا سمجھتا تھا فرعون کی یہ گروہ بندی اس طرح تھی جس طرح آج تک ہندو قوم میں مروج ہے کہ ایک طبقہ اعلیٰ ہے جنہیں برہمن کہتے ہیں پھر کھتری پھر دیش اور آخری طبقہ شودر ، جن کو ذلیل ترین سمجھا جاتا ہے چنانچہ قوم کے مذہبی امور صرف برہمن قوم ہی انجام دے سکتی ہے اور دوسری قومیں ان کے نزدیک دینی و مذہبی تعلیم حاصل نہیں کر سکتیں اور نہ مذہبی ذمہ داریاں ان کو سونپی جا سکتی ہیں اسی طرح حکومتی امور صرف کھتری ہی انجام دے سکتے ہیں ہم میں بھی بعض پیشوں کو کمین کہنا اور ایسے لوگوں کو حقارت کی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②

طسم یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ

ہم تلاوت کرتے ہیں تجھ پر موسےٰ اور فرعون کے قصہ میں سے (کچھ حصہ) بالکل سچا اس قوم

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلَ

کے لئے جو ایمان رکھیں تحقیق فرعون سرکش ہوا زمین (مصر) میں اور بانٹ دیا

اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ

اس کے باشندوں کو گروہوں میں کر ذلیل کرتا تھا ان میں سے ایک گروہ کو ذبح کرتا تھا ان کے لڑکوں کو

يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④

اور زندہ رکھتا تھا ان کی لڑکیوں کو تحقیق وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا

نظر سے دیکھنا انہی اثرات کی وجہ سے ہے ورنہ اللہ کے نزدیک شریف ترین وہ ہے جو تقویٰ کا مالک ہو۔

فرعونی مظالم کی ابتدا

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ فرعون کو ایک کاہن نے پیشگوئی کے طور پر خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کے زوال کا موجب ہوگا ۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فرعون نے خواب میں دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ اٹھی جس نے مصر کا رُخ کیا اور مصر کے تمام گھروں پہ چھا گئی ۔ پس اس نے تمام

قبطیوں کے گھروں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اور بنی اسرائیل کو ذرا بھر تکلیف نہ پہنچائی۔ فرعون خواب سے سراسیمگی کی حالت میں بیدار ہوا۔ اور اپنے درباری علما کو بلا کر اپنے خواب کی کیفیت بیان کی۔ انہوں نے اس کی تعبیر یہ بیان کی کہ اس شہر سے ایک آدمی خروج کرے گا جو اہلِ مصر کی ہلاکت کا موجب ہوگا۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت یعقوبؑ کی تمام اولاد کو اپنے پاس طلب فرمایا جن کے مردوں کی تعداد اس وقت اسّی تک تھی۔ پس آپ نے اُن سے خطاب فرمایا کہ یہ قبطی لوگ تم پر غالب ہوں گے اور قسم قسم کی تکالیف دیں گے۔ اور اللہ تم کو اُن کے شر سے ایک شخص کی بدولت نجات دے گا۔ جس کا نام موسیٰ بن عمران ہوگا۔ اور لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہوگا۔ اس کی شکل گندمی اور بال گھنگرالے ہوں گے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بعض بنی اسرائیل میں ایسے لوگ تھے کہ اِنکے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو والدین اس کا نام عمران رکھ لیتے۔ اور عمران اپنے بچّے کا نام موسیٰ رکھ لیا کرتا۔ چنانچہ ابان بن عثمان نے بروایت ابوبصیر حضرت امام محمدؑ باقر علیہ السّلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت موسےٰ علیہ السّلام کی آمد سے پہلے پچاس کذّاب ظاہر ہوئے جنہوں نے موسےٰ بن عمران ہونے کا دعویٰ کیا۔ جب فرعون کو معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل ایک موسےٰ بن عمران نامی شخص کی آمد کے منتظر ہیں۔ اور ادھر اس کے درباری کاہنوں اور جادوگروں نے یہ بات بھی کہہ دی کہ بنی اسرائیل میں اسی سال پیدا ہونے والے بچے کے ہاتھوں تیرے ملک و ملّت کی تباہی مقدر ہے تو اُس نے بنی اسرائیل کے تمام گھروں میں دایہ عورتوں کو مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو ذبح کیا جائے چنانچہ حضرت موسیٰ کی والدہ کے پاس بھی ایک دایہ کی تعیناتی ہو گئی۔ ادھر بنی اسرائیل نے ایک جگہ اجتماع کر کے اپنے مستقبل کے متعلق سوچا کہ اگر اس فرعونی حکم پر مسلسل عمل ہوتا رہا اور ہمارے نوزائیدہ بچوں کو تہ تیغ کیا جاتا رہا تو ہماری نسل مستقبل قریب میں ختم ہو کر رہ جائے گی لیکن فرعون کو اس ناشائستہ حرکت و ظالمانہ بربریت سے روکنا ناممکن تھا اور اس سے رحم کی اپیل کرنا بھی فائدہ مند نہ تھا۔ پس قہر درویش بر جانِ درویش، کے طریقہ پر یہ تجویز پیش ہوئی کہ بنی اسرائیل کے تمام مرد اپنی عورتوں کے قریب نہ جائیں تاکہ فرعون اپنے نافذ کردہ حکم کو غیر مفید سمجھ کر منسوخ کر دے لیکن حضرت موسےٰ کے والد حضرت عمران نے یہ کہہ کر اس تجویز کو مسترد کر دیا کہ اللہ کے حکم کو کوئی نہیں موڑ سکتا پس جو ہونا ہے ہو کر رہے گا۔

حضرت موسیٰؑ کی ولادت

پس بنی اسرائیل فرعون کے اس ناگوار ظلم کو گوارا کرنے پر مجبور ہوئے، فرعونِ وقت نے چاہا کہ موسیٰ پیدا نہ ہو لیکن اللہ نے چاہا کہ موسیٰ ضرور پیدا ہوگا پس موسیٰ کی والدہ حاملہ ہو گئیں اور پہرہ دار دایہ جو کڑی نگرانی پر مامور تھی سایہ کی طرح ساتھ چمٹی رہتی تھی۔ لیکن موسےٰ کی ماں کے حمل کے ساتھ ساتھ اس دایہ کے دل میں اللہ نے ایک محبت کی رَو پھیر دی۔ ایک دن اُس سن رسیدہ دایہ نے حضرت موسیٰ کی ماں کے دِل کا اضطراب بھانپ کر عرض کی۔ بیٹی! میں تجھے غمناک پاتی ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضرت موسیٰ کی ماں نے فرمایا کہ مستقبل قریب میں مَیں بچّے کی ماں ہونے والی ہوں اور پیدا ہونے والے بچّے کے قتل کی فکر مجھے ہر وقت غمزدہ رکھتی ہے۔ یہ سُن کر دایہ بولی، میری طرف سے مطمئن رہیئے

میں رازداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو حضرت موسیٰ کی ماں نے دایہ کو آتے ہوئے دیکھا اور گھبرا گئی۔ لیکن دایہ نے فوراً کہہ دیا کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں میں راز کو ہرگز فاش نہ کروں گی، پس اُس نے دایہ گری کے تمام فرائض نیک نیتی سے انجام دیئے اور باہر جاکر دروازے پر تعینات سنتری سپاہیوں سے کہہ دیا کہ کوئی بات نہیں ہے تم واپس چلے جاؤ۔

تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے۔ امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل میں یہ چرچا عام ہوا کہ ہم میں ایک شخص موسیٰ بن عمران نامی پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں ایک انقلابِ عظیم رونما ہوگا۔ فرعون اور اُس کے تمام ساتھی لقمۂ اجل ہوں گے۔ اور مصر کی حکومت سے فرعون کے اقتدار کا خاتمہ ہوگا جوں ہی فرعون کے کانوں سے یہ بات ٹکرائی تو اُس نے فیصلہ کر لیا کہ اب بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو قتل کروں گا۔ نیز اُس نے بنی اسرائیل کے مردوں اور عورتوں میں جدائی ڈال دی۔ اور مردوں کو جیلوں میں ٹھونسنا شروع کر دیا اور گھروں میں تجربہ کار اور ماہرِ فن دایہ عورتوں کو تعینات کر دیا جو خاندانِ قبط سے تعلق رکھتی تھیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے تو ماں نے دیکھا اور گھبرائی اور خوش ہونے کے بجائے رونا شروع کر دیا کہ ہائے یہ بچہ ابھی ذبح کر دیا جائے گا۔ دایہ نے وجہ دریافت کی تو بی بی نے فرمایا بچے کے قتل کے ڈر سے روتی ہوں۔ دایہ نے کہا بے فکر رہو۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی یہ حالت تھی کہ جو بھی دیکھتا تھا محبت کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ (میں نے تیرے وجود پر محبت ڈال دی) چنانچہ قبطیہ دایہ کے دل میں بھی حضرت موسیٰ کی محبت نے جگہ لے لی، فرعونیوں کی جانب سے بنی اسرائیل پر ہونے والے مظالم کی طویل فہرست ہے جن کو سن کر انسانی بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اُن سے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ فرعون اور اس کا پورا عملہ انسان نما بدترین درندے تھے اور حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام نے یزید اور یزیدیوں کو فرعون اور فرعونیوں سے تشبیہ دی ہے

تفسیر مجمع البیان میں وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں حاملہ ہوئی تو اُس نے کسی عورت سے اس کا ذکر نہ کیا۔ پس کسی کو اس کی اطلاع نہ ہو سکی چونکہ اللہ بنی اسرائیل پر احسان فرمانا چاہتا تھا لہذا اُس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کو پوشیدہ رکھا۔ اور حضرت موسیٰ کی پیدائش کے سال فرعون نے دایہ عورتوں کو بنی اسرائیل کی عورتوں پر کڑی نگرانی اور سخت تفتیش کا حکم دے رکھا تھا لیکن اس طرف اللہ نے حفاظت کا انتظام فرمایا کہ حمل کے باوجود حضرت موسیٰ کی ماں کی نہ حالت بدلی نہ سینہ اُبھرا نہ رنگ میں تغیر آیا اور نہ پیٹ میں کوئی زیادتی محسوس ہوئی، لہذا دایہ گری کے فرائض انجام دینے والی عورتوں کو ان کے حمل کا وہم و گمان تک نہ ہوا چنانچہ وہ اِس طرف سے بالکل مطمئن تھیں لہذا اس پہ پہرہ دینا یا نگرانی کرنا وہ غیر ضروری سمجھتی تھیں اور جس رات کو حضرت موسےٰ کی ولادت ہوئی وہاں نہ کوئی دایہ عورت تھی اور نہ کوئی نگران سپاہی موجود تھا پس سوائے حضرت موسیٰ کی بہن کے اور کوئی بھی ان کی ولادت پر مطلع نہ ہوا۔ اور اللہ کے وحی کردہ حکم کے مطابق ماں بچے کو دودھ پلاتی رہی اور اپنی آغوشِ تربیت میں اس کی نگرانی کرتی رہی حتیٰ کہ تین ماہ گزر گئے۔ اس دوران میں نہ بچے کی رونے کی آواز بلند ہوئی۔ اور نہ کوئی دوسری حس و حرکت نمودار ہوئی جس سے راز فاش ہوتا۔ اس کے بعد جب فرعون کے مسلسل استبدادی احکام سے راز فاش ہونے کا خطرہ محسوس ہوا تو بحکمِ پروردگار تابوت بنوا کر اس میں نرم بستر لگا کر

بچے کو بند کر کے دریا میں ڈال دیا۔

ابن عباس کی روایت میں کچھ اختلاف ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو وہ دایہ جو فرعون کی جانب سے اِس محلّہ کی اسرائیلی عورتوں پر نگران مقرر تھی جناب موسیٰ کی ماں کی دوست تھی۔ جب والدۂ موسیٰ نے دردِ زہ کے وقت اس کو بلوایا تو وہ فوراً پہنچ گئی اور اپنی متعلقہ خدمات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ جب حضرت موسیٰؑ کے چہرہ پر اُس کی نظر پڑی تو آپ کی روشن پیشانی سے اس نے ایک نور کی چمک دیکھی جس سے اُس کا جوڑ جوڑ کانپ اُٹھا۔ اور حضرت موسیٰ کی محبت نے اس کے دل پر قبضہ جما لیا۔ پھر کہنے لگی، اے بی بی جان! جب میں تیرے پاس آئی ہوں تو میرے پیچھے تیرے بچے کے قتل کا پورا انتظام موجود تھا لیکن کیا کروں، تیرے بچے کی محبت میرے دل کی گہرائیوں میں اُتر چکی ہے اور آج سے پہلے کسی پیاری چیز کی محبت نے میرے دل میں اتنا اثر نہیں کیا۔ جتنا کہ تیرے اس نوزائیدہ بچے کی محبت کر رہی ہے۔ لہٰذا میں اس کی رپورٹ نہ کروں گی، تجھے اپنا بیٹا نصیب و مبارک رہے اس کو گود میں لو اور اس کی پوری پوری حفاظت کرو اور مجھے اپنے دل کی دھڑکنیں یہ بتا رہی ہیں کہ یہی بچہ وہی ہے جو قبطی حکومت کی تباہی کا باعث بنے گا۔ جب وہ دایہ اپنے دایہ گری کے فرائض انجام دے کر باہر نکلی اگرچہ بچے کی محبت کے پیش نظر اُس نے خفیہ طور پر نکل جانے کی کوشش کی لیکن خفیہ پولیس کے سپاہیوں نے تاڑ لیا چنانچہ اطلاع ملتے ہی چھاپہ مار دستہ فوراً دروازہ پر پہنچا اور گھر کا محاصرہ کر لیا جناب موسیٰ کی بہن نے وقت کی نزاکت کو بھانپ کر ماں کو اطلاع دی۔ اور اپنے بھائی کو کپڑے کی تہوں میں لپیٹ کر انجام سے بے نیاز ہو کر دہکتے ہوئے تنور میں رکھ دیا۔ جب پولیس کے چھاپہ مار سپاہی گھر میں داخل ہوئے تو تنور سے دھواں بلند ہو رہا تھا۔ انہیں یہ خیال ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس تنور میں کوئی بچہ سویا ہوا ہوگا۔ اِدھر حضرت موسیٰ کی ماں عادی طور پر اپنے گھریلو کاروبار میں مصروف تھی جیسا کہ کوئی نئی بات نہ ہو۔ نہ رنگ میں تبدیلی نہ جسم میں سُستی۔ نہ گھبراہٹ نہ جھولا اور نہ کوئی دوسری علامت۔ جب اُنہوں نے دونوں ماں بیٹی کو امُورِ خانہ داری میں مصروفِ کار دیکھا تو وہ خود اپنے بے جا اقدام پر نادم و پشیمان ہوئے اور اپنا سا مُنہ لے کر واپس خائب و خاسر چلے گئے۔ جب حضرت موسیٰؑ کی ماں تنور کے منہ پر آئی تو آگ کو بردو سلام پایا۔ اور صحیح و سالم اپنے نازنین کو اُٹھا کر سینے سے لگایا۔ لیکن فرعون کے روز افزوں مظالم کی ہوش ربا داستانیں سُن کر بی بی کے دل کو چین نہ آیا۔ آخر وحیِ الٰہی کے مطابق فرعونی قوم کے ایک ترکھان کو صندوق بنانے کا آرڈر دے دیا۔ جب اُس نے صندوق بنا کر پیش کیا تو دریافت کیا کہ یہ صندوق کس مقصد کے لئے ہے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بی بی نے صندوق خاص قسم کا بنوایا ہوگا جس میں سوراخ بھی رکھوائے ہوں گے جس سے سانس لیا جا سکے ورنہ اگر عام صندوق ہوتا تو ترکھان کو پوچھنے کی چنداں ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ بہرکیف بی بی نے جھوٹ بولنا اپنی ضمیر کے خلاف سمجھا اور سچ سچ بتا دیا کہ اللہ نے مجھے فرزند عطا کیا ہے۔ اور یہ صندوق اس کو چھپانے کی غرض سے بنوایا ہے۔ بی بی جب صندوق لے کر واپس پلٹی تو ترکھان فوراً شاہی جلّادوں کو موسیٰ کی ولادت کی خبر دینے کے لئے روانہ ہو گیا۔ جب وہاں پہنچا اور چغلی کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس کی زبان سے طاقت گویائی ختم کر دی۔ وہ خاموش واپس آنے پر مجبور ہو گیا۔ جب اپنی دوکان پر لکڑی کے کام میں مشغول ہوا تو زبان کھل گئی دوبارہ جلّادوں کے پاس گیا تو زبان پر خدائی قفل لگ گیا اور تین دفعہ مسلسل یہ واقعہ اُسے پیش آیا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ خدائی کرشمہ ہے اور جسے

وہ کرنا چاہے اُسے کوئی طاقت روک نہیں سکتی لہٰذا اس کو رپورٹ کرنے کی توفیق نہ ہو سکی۔

وَنُرِیْدُ - یعنی دنیا کے صاحب اقتدار جن کو ختم کرنا چاہتے تھے ہم ان کو ان کے بعد انہی کی زمین کا وارث بنانا چاہتے تھے۔ اور فرعون جن کو زمین میں ذلیل و خوار کرنے کے درپے تھا ہم اُن کو اُسی کا اقتدار سونپنا چاہتے تھے، پس ہمارا ارادہ پُورا ہوا۔ اور ہم نے ان کو ملکی قیادت دے دی پس دین و دنیا میں قائد و حکمران ہوئے۔ آیت مجیدہ میں آئمہ سے مراد وہ بادشاہ ہیں جو دین و دنیا میں لوگوں کی قیادت کرتے تھے۔

کیونکہ اللہ کی جانب سے عطا کردہ حکومت ظلم و جور پر مبنی نہیں ہو سکتی، اور بالخصوص فرعون کے مقابلے میں اقتدار کے انتقال کی پیش کش ظالم قیادت کی طرف صرف بعید از قیاس ہی نہیں بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ تمکین سے مراد تمام ان اسباب و آلات و حرکات و مؤیدات کا پیدا کرنا اور مہیا کرنا ہے۔ جن پر فعل مترتب ہو سکتا ہے یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لئے وہ سب راستے ہموار کر دئے اور وہ تمام اسباب و آلات ان کے لئے مہیا کر دئے جن پر ان کی طرف اقتدار کے انتقال کا دارومدار تھا۔

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ

اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جن کو کمزور سمجھا گیا زمین میں

وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۵ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ

اور کریں ان کو حکمران اور بنائیں ان کو وارث اور طاقت دیں

فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا

ان کو زمین میں اور دکھائیں فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو

مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۶ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ

ان کی طرف سے وہ چیز جس سے وہ خوف زدہ تھے اور ہم نے وحی کی طرف

مِنْهُمْ مَّا - ھُمْ کی ضمیر کا مرجع بنی اسرائیل ہیں۔ یعنی فرعون اور اُن کے ساتھیوں کو بنی اسرائیل کی طرف سے جس چیز کا خطرہ تھا اور جس کی پیش بندی کے طور پر انہوں نے بنی اسرائیل کو مظالم کا نشانہ بنایا ہوا تھا ہم ان کو وہی انجام دکھانا چاہتے تھے۔ پس جو ہم نے چاہا ہو کے رہا۔ چنانچہ حضرت موسٰے کے ہاتھوں فرعونی حکومت و اقتدار کا تختہ اُلٹ گیا۔ اور جس زمین میں بنی اسرائیل غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دئے گئے تھے اُسی زمین پر ان کی سلطنت کا جھنڈا لہرایا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ فرعون چار سو برس زندہ رہا وہ چھوٹی قد کا بدصورت انسان تھا۔

تاویل آیت

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علی و امام حسن و امام حسین علیہم السّلام کی طرف نگاہ کی اور فرمایا أَنْتُمُ الْمُسْتَضْعَفُونَ

بَعۡدِیۡ ۔ یعنی تم وہ لوگ ہو جو میرے بعد کمزور سمجھے جاؤ گے یا ذلیل کئے جاؤ گے ۔ مفضل راوی حدیث کہتا ہے ۔ میں نے امام سے اس کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ میرے بعد عہدہ امامت پر فیض یاب ہو گے ۔ اور آپ نے یہ آیت پڑھی ۔ وَنُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ الخ ۔

ولادتِ قائمؑ

بروایتِ ابن بابویہ جناب حکیمہ خاتون سے مروی ہے کہ مجھے حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام نے طلب فرمایا اور شام کو اپنے ہاں کھانا کھانے کی دعوت دی اور فرمایا پھوپھی جان ! آج پندرہ شعبان کی رات ہے اور اللہ اِس رات میں حضرت حجّت کو پیدا کرے گا ۔ میں نے دریافت کیا حجّتِ خدا کی ماں کون ہے ؟ تو آپ نے فرمایا : نرجس خاتون میں نے عرض کی مَیں تیرے صدقے جاؤں ۔ اِس میں تو ایسی کوئی علامت نہیں ہے ۔ آپ نے فرمایا جو کچھ میں نے کہا ہے ہو کے رہے گا ۔ جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ میں جناب نرجس خاتون کے کمرے میں چلی گئی اور سلام کہہ کر بیٹھ گئی ۔ اتنے میں نرجس خاتون آئیں اور کہنے لگیں ، اے میری سردار : آپ کی تشریف آوری کس مقصد کے لئے ہے ؟ میں نے جواب دیا نہیں نہیں ! بلکہ تو میری بھی سردار ہے ۔ اور میرے خاندان کی بھی سردار ہے چنانچہ انہوں نے میری بات کو خلافِ توقع سمجھتے ہوئے دوبارہ استفسار کیا کہ پھوپھی جان یہ آپ نے کیا فرمایا ؟ تو میں نے جواب میں عرض کیا اے بیٹی ! اللہ تجھے آج رات وہ بچہ عطا فرمائے گا جو دنیا و آخرت کا سردار ہو گا چنانچہ یہ کلمہ سنتے ہی جناب نرجس خاتون شرم کے مارے بیٹھ گئیں اور خاموش ہو گئیں ۔

میں نے نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر کھانا کھایا اور سو گئی پھر رات کے ایک حصہ میں جاگی اور نمازِ شب پڑھی لیکن نرجس خاتون کو سوئے ہوئے پایا ۔ پھر کچھ تعقیبات پڑھنے کے بعد میں سو گئی اور اچانک جو آنکھ کھلی تو نرجس خاتون کو سوئے ہوئے محوِ استراحت دیکھا ۔ اتنے میں وہ بھی بیدار ہوئیں اور نمازِ شب پڑھ کر سو گئیں ۔ حکیمہ خاتون فرماتی ہیں میرے دل میں شک و شبہات پیدا ہونے شروع ہوئے تو امام حسن عسکری علیہ السّلام نے فوراً آواز دی ! پھوپھی جان ! جلد بازی نہ کیجئے ۔ وہ وقت قریب ہے ۔ چنانچہ میں نے سورۃ الم ۔ سجدہ اور سورہ یٰس کی تلاوت کی کہ اچانک جناب نرجس خاتون گھبرا کر بیدار ہوئیں ، میں جلدی سے ان کے قریب پہنچی اور دریافت کیا کہ کیا آپ کو کچھ محسوس ہوا ہے تو کہنے لگیں جی ہاں ! میں نے کہا ، گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ بات وہی ہے جو میں نے کہی تھی ، حکیمہ خاتون فرماتی ہیں ۔ اس کے بعد بیٹھے بیٹھے مجھے تھوڑی سی اونگھ آئی اور آنکھ کھلی تو کپڑے کے نیچے مجھے معمولی سی حرکت محسوس ہوئی ۔ جب میں نے کپڑا اٹھایا تو حجتِ خدا کو حالتِ سجدہ میں دیکھا ۔ میں نے خوشی سے اٹھا کر سینے سے لگایا اور اُسے پاک پاکیزہ پایا ۔ اتنے میں امام حسن عسکری علیہ السّلام نے آواز دی کہ پھوپھی جان ! اِدھر لائیے ۔ چنانچہ میں نے لا کر دیا تو آپ نے ایک ہاتھ بچے کی پیٹھ کے نیچے رکھا کہ اس کے دونوں پاؤں آپ کے سینے پر تھے ۔ پس اس کے منہ کو اپنے منہ کے قریب کیا اور اس کے منہ میں اپنی پاکیزہ زبان ڈالی اور ہاتھ مبارک بچے کی آنکھوں ۔ کانوں اور باقی جوڑوں پر پھیرتے رہے اس کے بعد فرمایا بیٹا کلام کرو! چنانچہ آپ نے کلمہ شہادتین کو زبان پر جاری فرمایا اور اس کے بعد حضرت علیؑ سے لے کر حضرت حسن عسکری علیہ السّلام تک تمام ائمہ کو نام بہ نام گن کر ان پر صلوات پڑھی اور خاموش ہو گئے پھر فرمایا اس بچے کو اپنی ماں کے پاس لے جاؤ تاکہ ماں کو سلام کر لے

پھر واپس لانا چنانچہ میں اٹھا کر لائی تو اس نے اپنی ماں کا سلام کیا۔ پھر میں واپس لائی۔ جب صبح کو امام حسن عسکری علیہ السلام کی زیارت کے لئے پلٹی تو بچے کو نہ پایا۔ پس آپ سے دریافت کیا تو فرمایا۔ پھوپھی جان ہم نے بچے کو اس کے حوالے کیا ہے جس کے حوالے موسیٰؑ کی ماں نے موسیٰؑ کو کیا تھا۔

پس آپ نے مجھے مرخص فرمایا اور ساتویں دن دوبارہ آنے کی دعوت دی حکیمہ خاتون فرماتی ہیں، جب میں ساتویں روز پہنچی تو سلام کر کے بیٹھ گئی۔ آپ نے فرمایا میرے بیٹے کو اٹھا لائیے۔ چنانچہ میں نے اس ناطق قرآن کو ایک پاکیزہ غلاف میں لپیٹ کر دیا تو آپ نے پہلے کی طرح اپنی زبان بچے کے منہ میں ڈالی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دودھ اور شہد کی نہر بچے کے منہ میں جاری ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ بیٹا کلام کرو۔ جناب حجتِ خدا نے کلمۂ شہادتین کو زبان پر جاری فرمایا اور یکے بعد دیگرے آئمہ کا نام لے کر ان پر درود پڑھا۔ اور اپنے باپ کے نام تک پہنچ کر اس آیت مجیدہ کی تلاوت شروع کر دی۔ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ .... الخ

تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے حضرت محمد مصطفےٰؐ کو برحق بشیر و نذیر بنا کر بھیجا کہ ہم اور ہمارے شیعہ موسیٰ اور موسیٰ کے شیعوں کی طرح ہیں۔ اور ہمارے دشمن اور اُن کے اتباع فرعون اور اُن کے ساتھیوں کی طرح ہیں۔

بارہ امام

تفسیر برہان میں حضرت سلمان سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے ہر نبی و رسول کے بارہ نقیب بنائے۔ سلمان کہتا ہے میں نے عرض کی کہ یہ بات تو میں اہل کتاب سے بھی سن چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تجھے میرے بارہ نقباء کا علم بھی ہے؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے اپنے نورِ خاص سے پیدا کیا۔ اور پھر اپنی اطاعت کی طرف بلایا تو میں نے لبیک کہی پھر میرے نور سے علی کے نور کو پیدا کیا اور اس کو اطاعت کے لئے بلایا تو علیؑ نے اطاعت کی۔ پھر اسی نور سے فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کو پیدا کیا اور ان کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دی تو انہوں نے قبول کی پس اللہ نے ہمارے نام اپنے ناموں سے تجویز فرمائے۔ چنانچہ اللہ محمود ہے اور میں محمد ہوں۔ اللہ اعلیٰ ہے اور یہ علی ہے۔ اللہ فاطر ہے۔ اور یہ فاطمہ ہے۔ اللہ قدیم الاحسان ہے اور یہ حسن ہے۔ اور اللہ محسن ہے اور یہ حسین ہے۔ پھر ہمارے اور حسین کے نور سے نو اماموں کے انوار کو پیدا فرمایا۔ اور ان کو اپنی اطاعت کا حکم دیا۔ اور انہوں نے فرمانبرداری کی یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب آسمانی نیلگوں چھت نہ تھی اور نہ زمین کا ترابی فرش تھا۔ نہ ہوا تھی نہ اہلِ ہوا۔ اور نہ کوئی فرشتہ تھا نہ آسمان۔ بس ہمارے سوا کچھ نہ تھا۔ ہم ہی اللہ کے تسبیح گذار اور اس کے اطاعت شعار تھے۔ سلمان کہتا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ان کی معرفت رکھنے والوں کو کیا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا جو ان کی معرفت رکھے اور پیروی کرے نیز اُن کے دوستوں سے محبت اور دشمنوں سے بیزاری کرے وہ ہم سے ہوگا۔ جہاں ہم ٹھہریں گے وہ بھی ہمارے ہمراہ ٹھہرے گا۔ سلمان نے عرض

کی حسین تک تو میں نے پہچان لئے لیکن اس کے بعد والوں کا مجھے علم نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے بعد (چوتھا) علی بن الحسین زین العابدین پھر (پانچواں) محمد بن علی باقر العلوم پھر (چھٹا) جعفر بن محمد اللہ کی سچی زبان (ساتواں) موسیٰ بن جعفر الکاظم (آٹھواں) علی بن موسیٰ الرضا (نواں) محمد بن علی (دسواں) علی بن محمد الہادی (گیارہواں) حسن بن علی (بارہواں) محمد بن الحسن الہادی المہدی الناطق القائم بحق اللہ علیہم السلام۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے سلمان! تو اس کی زیارت کرے گا اور تجھ جیسے جتنے لوگ ہوں گے۔ وہ بھی اس کا زمانہ دیکھیں گے۔ سلمان نے دریافت کیا کہ میری زندگی اس قدر دراز ہوگی کہ اس کا زمانہ دیکھوں گا؟ آپ نے ایک آیت پڑھی۔ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا ...... الخ۔ جس کا مطلب یہ تھا دوبارہ ایسے لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ سلمان کہتا ہے کہ خوشی کی زیادتی کی وجہ سے میرے آنسو نکل آئے۔ اور میں نے عرض کی کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے کیا یہ آپ کا میرے ساتھ وعدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میرا بھی وعدہ ہے اور علی و بتول و حسن و حسین اور باقی نو اماموں کی طرف سے بھی وعدہ ہے۔ خدا کی قسم اے سلمان اس وقت شیطان اور اس کا لشکر بھی حاضر ہوگا پس خالص مومن اور خالص کافر اٹھائے جائیں گے۔ اور عدل کی بساط بچھے گی اور ظلم کسی پر نہ ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی۔ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ ...... الخ سلمان کہتا ہے، میں اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کی کہ اب سلمان کو کچھ پروا نہیں، موت میری طرف آجائے یا میں موت کی طرف چلا جاؤں۔

کشف البیان شیبانی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام سے وارد شدہ احادیث میں ہے کہ آیت مجیدہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے جو آخر زمانہ میں ظہور فرمائیں گے اور اپنے وقت کے جابر حکمرانوں اور فرعون مزاج بادشاہوں کو تہ تیغ کرکے مشرق سے مغرب تک پوری روئے زمین پر حکومت کریں گے۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح پُر کریں گے جس طرح وہ اس سے پہلے ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔

بہر کیف آیت مجیدہ کے تنزیلی مصداق تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ہے اور نُرِيدُ۔ نَمُنَّ نَجْعَلَ اور نُرِيَ کے مضارع کے صیغے اس کے ارادۂ ازلیہ کے ماتحت ہر زمانہ کو شامل ہیں۔ جس طرح بعض اوقات ماضی کے صیغے حتمی وقوع کو ظاہر کرنے کے لئے مستقبل میں ہونے والے واقعات پر اطلاق کئے جاتے ہیں اور آیت مذکورہ کی تاویل قیامت تک کے لئے جاری ہے۔ لہٰذا تمام وہ لوگ جو کسی زمانہ میں ظلم و استبداد کی چکی میں پستے رہے اور اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتے رہے پس اللہ نے ان کو ظلم سے نجات دے کر غلبہ عطا فرمایا۔ اور انقلاب کے ہاتھوں نے ظالموں کو نشانۂ انتقام بنایا۔ اور مظلوم لوگ کرسئ اقتدار کے مالک ہو گئے وہ بالعموم اس

کے تاویلی مصداق ہو سکتے ہیں لیکن آلِ محمد علیہم السّلام جو ہر دور میں حکومتِ جور کے ترکشِ ظلم کا نشانہ بنتے رہے وہ اس کے بالخصوص مصداق ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنین رسالت مآبؐ کے پچیس برس بعد تک دینی لحاظ سے امام الخلق اور قائد الامت رہے لیکن ظاہری اقتدار غیروں کے ہاتھوں میں رہا۔ اور مظلومانہ زندگی گزارنے پر

اُمِّ مُوسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ

ماورِ موسیٰ کے کہ اس کو دودھ پلاؤ پس جب ڈر ہو

فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ

اس کا تو ڈال دو اس کو دریا میں اور نہ ڈرو اور

وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ

نہ غم کرو تحقیق ہم اس کو تیری طرف پلٹانے والے اور

مجبور کئے گئے لیکن آخری پنجسالہ دور میں ظاہری اقتدار بھی ان کے قدموں میں خود بخود جھک گیا۔ اور ان کے بعد حضرت امام حسن علیہ السّلام چھ ماہ تک دینی و دنیاوی ہر دو لحاظ سے امام الخلق تھے اور بعد میں صرف دینی قیادت ان کے ہاتھوں میں رہی۔ اور ظاہری اقتدار کے سایہ میں مظلومانہ حیثیت کے مالک رہے اور آپ کے بعد حضرت امام حسینؑ سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام تک تمام آئمہ حکامِ وقت کی جانب سے گوناگوں مصائب و آلام کا نشانہ بنے رہے اور دینی لحاظ سے امام خلق اور مرجعِ اُمّت بنے رہے۔ اور آخری امام حضرت مہدی علیہ السّلام اس آیت مجیدہ کی تاویل کے مصداق خاص ہیں جو طویل غیبت کے بعد ظہور فرمائیں گے اور دینی و دنیاوی امامت و قیادت کے مالک ہوں گے۔ اس موضوع پر ہماری اچھوتے اور نرالے رنگ میں نو تصنیف کتاب "امامت و ملوکیت" کا مطالعہ کیجئے

وَاَوْحَيْنَآ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ کو جو وحی ہوئی اس کے متعلق تین قول ہیں۔

۱۔ یہ ایک الہام تھا کہ خدا نے اُن کے دل میں ایک بات ڈال دی۔ یہ وحیٔ نبوت نہ تھی۔ ۲۔ حضرت جبریل کے ذریعے سے وحی ہوئی۔ ۳۔ خواب کے ذریعہ سے ان کو جتلایا گیا اور علمائے بنی اسرائیل نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ اس کو دریا میں ڈالا جائے۔

فصاحتِ قرآن آیت مجیدہ میں اعجاز کا لطیف پہلو یہ ہے کہ اس میں چار جملے خبریہ اور چار جملے انشائیہ ہیں اور چار خبریہ جملوں میں سے دو خبر پر مشتمل ہیں۔ اور دو بشارت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ اور چار انشائیہ جملوں میں سے دو امر کے لئے ہیں اور دو نہی کے لئے ہیں۔ پہلی خبر: ہم نے موسیٰ کی ماں کو خبر کی، اس میں ولادتِ موسیٰ کے قصّے کی اہمیت اور موسیٰ کی ماں کی عظمت کو ظاہر

کیساد۔ دوسری خبر۔ جب تم کو اپنے بچے کے متعلق فرعونیوں سے ڈر محسوس ہو تو اُسے دریا میں ڈال دینا یعنی حالاتِ حاضرہ کا تقاضا یہی تھا کہ ماں کو ظالم بادشاہ کے ارادۂ فاسدہ کے ماتحت "بچے" کے قتل کا خطرہ تھا جس کو اللہ نے بذریعہ وحی جتلا دیا تیسری خبر میں بشارت ہے کہ ہم اس بچے کو تیری طرف پلٹا دیں گے۔ اور چوتھی خبر جو بشارت پر مشتمل ہے کہ ہم اس کو عہدۂ رسالت عطا کریں گے۔

اور چار انشائیہ جملوں میں سے پہلا جملہ جو امر ہے کہ اس کو دودھ پلاتی رہو۔ چنانچہ آپ اس پر عمل کرتی رہیں۔ دوسرا جملہ کہ جب فرعونیوں کی تلاش و تفتیش کا خوف ہو تو اس کو دریا میں ڈال دو۔ تیسرا جملہ جس میں نہی ہے کہ بچے کو اللہ پر توکل کر کے دریا کے سپرد کر دو۔ اور اُس کے تلف ہونے کا خوف نہ کرو کیونکہ خدا خود ہی اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اور چوتھا جملہ کہ اس کی جدائی کا غم نہ کرو کہ ہم عنقریب تجھے واپس کر دیں گے اور اس کو عہدۂ رسالت بھی عطا کریں گے۔

دریا میں بچے کو ڈالنے سے فطری طور پر ماں کے دل میں خوف و غم کی لہروں کا اُٹھنا ضروری تھا۔ یعنی ایک طرف بچے کے ڈوب کر مر جانے کا خوف تھا۔ اور دوسری طرف اگر زندہ بھی رہے تو اس کی جدائی کا غم تھا کیونکہ نہ معلوم دریا کی لہریں اس کو کہاں سے کہاں تک بہا کر لے جائیں گی۔ پھر خدا جانے ماں کے لئے اس کو دیکھنا نصیب بھی ہوگا یا ہمیشہ کی جدائی ہوگی جو موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ پس اللہ نے بی بی کو خوف اور غم دونوں سے روکا اور تسکین پیدا کرنے کے لئے بشارتیں سنا دیں۔ چونکہ دریا میں ڈالنے سے بچے کی موت کا خطرہ تھا، لہٰذا بشارت دے دی کہ ہم اس کو ضرور تجھے واپس پلٹا دیں گے اور چونکہ فراق کا غم تھا۔ لہٰذا اس کو دُور کرنے کے لئے اس کی رسالت کی خوش خبری سُنا دی۔ پس پہلی بشارت کا تعلق پہلی نہی سے اور دوسری بشارت کا تعلق دوسری نہی سے ہے (بطریقِ لف و نشر مرتب)

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک دفعہ ایک عرب عورت اشعار پڑھ رہی تھی کہ سُننے والے نے اس کی فصاحت پر داد دی تو وہ عورت کہنے لگی: میری فصاحت کیا معنی رکھتی ہے؟ فصاحت کلام خدا کو زیبا ہے۔ پس اس نے یہی آیتِ مجیدہ پڑھی۔

صندوق دریائے نیل میں

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی والدہ نے صندوق میں اپنے لختِ جگر کو کانپتے ہوئے ہاتھوں سے رکھا۔ اور کششِ محبت کے باوجود امرِ پروردگار کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے راتوں رات صندوق کو اُٹھا کر دریا کے کنارے پر لے آئی۔ اور دل پر صبر و رضا کا پتھر رکھ کر صندوق کو پانی کی اُٹھتی ہوئی لہروں کے حوالے کر دیا۔ اور تھوڑا سا آگے دھکیل دیا۔ خدا کی قدرت سے وہ صندوق پھر کنارے کے قریب آیا تو بی بی نے اُسے دوبارہ گہرے اور تیز پانی میں دھکیل دیا لیکن وہ پھر ساحل کے قریب آگیا۔ غالباً حضرت موسیٰ کی والدہ کی ممتا کا امتحان تھا جس میں وہ پُوری طرح کامیاب رہی۔ اور آخر کار بہتے ہوئے پانی کا تیز دھارا اسے چشم زدن میں ماں کی آنکھوں سے غائب کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دل سے محبت کا دھواں اٹھا جو پانی بن کر

آنکھوں کے راستے نکلتا ہوا دریا کی موجوں سے جا ملا لیکن اب صندوق دُور جا چکا تھا۔ مامتا کے آنسو دریا کی موجوں پر سوار ہو کر بھی موسیٰ تک پہنچ جانے سے قاصر تھے۔ زبان سے فریاد کرنے کو جی چاہا لیکن اللہ کی جانب سے تسکین نے دل کو ڈھارس دی۔ اور صبر و سکون کا دامن تھام کر واپس پلٹ کر آ گئی۔

فرعون کی عورت آسیہ بنت مزاحم نیک دل اور پاکباز خاتون تھی۔ اور لمعۃ الانوار میں ہم نے رسالت مآبؐ کی متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں آپ نے آسیہ بنتِ مزاحم زنِ فرعون کو عالمین کی برگزیدہ خواتین میں سے چوتھی خاتون بیان فرمایا۔ تفسیر البرہان میں بروایت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ نیک عورت بنی اسرائیل سے تھی، اور مجمع البیان میں ہے کہ یہ نسل نبوت سے تھی اور مومنوں کے لئے رحم دل ماں تھی کہ ان کو ہر قسم کی ممکن مراعات بہم پہنچاتی تھی۔

آسیہ نے فرعون سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ موسمِ بہار میں سیر و تفریح کے لئے دریائے نیل کے کنارے ایک سیرگاہ تعمیر کرائی جائے۔ جس کے ذریعے دریا کا نظارہ کر سکیں "تاکہ ہمارے دل بہلاوے کا سامان پیدا ہو" چنانچہ فرعون نے آسیہ کی خواہش کو پورا کیا۔ اب یہ بہار کا موسم تھا۔ اور شہنشاہ اور بیگم سیرگاہ میں تفریح طبع کے لئے موجود تھے نوکر اور کنیزیں خدمت کے لئے چاق و چوبند صف بہ صف شاہی احکام کی تعمیل کے لئے کمربستہ تھے کہ اچانک پانی کی موجوں پر سوار کوئی چیز دُور سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ اور آسیہ کی نظر اس پر ٹک کر رہ گئی۔ پس از راہِ استعجاب کہنے لگی، میں پانی کی لہروں پر کسی چیز کو سوار دیکھ رہی ہوں۔ کنیزوں نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو بیک آواز جی ہاں کہتے ہوئے عرض گذار ہوئیں کہ واقعی پانی کی سطح پر کوئی چیز ضرور موجود ہے پس سب کی نظریں اس پر جم گئیں ادھر خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ ہوا کی ہلکی ہلکی لہریں صندوق کو گہرے پانی سے دھکیلتے ہوئے آہستہ آہستہ کنارے کے قریب لانے کا انتظام کر رہی تھیں۔ اور صندوق کنارے پر موجود پورے شاہی محلے کی توجہ کا مرکز بنا ہوا دھیمے دھیمے نزدیک آ رہا تھا جب پتہ چلا کہ یہ تو صندوق ہے۔ نہ معلوم کون سی کشش تھی جس نے بے تحاشا بیگم کو آگے بڑھنے کے لئے پکارا۔ پس شاہی عملہ اور کنیزانِ حرم کو حکم دے کر صندوق حاصل کرنے کی دیر تک گوارا نہ کی بلکہ خود آسیہ اپنا لباس سمیٹ کر آگے بڑھی۔ اور ڈوب جانے کے خطرہ سے بے نیاز ہو کر صندوق کی طرف لپکی اور اُسے کھینچ کر ساحل کے قریب لائی اور خود ہی اُس کو کھولا۔

اللہ نے حضرت موسیٰ کے چہرہ پر اپنے جلال و جمال کا پرتو ڈال دیا تھا کہ ہر دیکھنے والا محبت پہ مجبور ہو جاتا تھا۔ جوں ہی آسیہ نے صندوق کو کھولا تو کلیم اللہ کے حسین و جمیل باوقار چہرہ کا دیدار نصیب ہوا۔ اور دیکھتے ہی گرویدۂ محبت ہو گئی پس گود میں لیتے ہی کہنے لگی۔ اس کو تو میں اپنا متبنیٰ بناؤں گی۔ کنیزوں نے بھی یہی التجا کی کہ یہ بچہ متبنیٰ بننے کے لئے موزوں ہے۔

پس آسیہ نے حضرت موسیٰؑ کو پاکیزہ پارچات میں لپیٹ کر سینے سے لگایا اور اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی

اور خوشی خوشی فرعون کے پاس جا پہنچی۔ اور کہنے لگی کہ یہ بچہ مجھے ملا ہے اور میں اس کو اپنا متبنٰی بنانا چاہتی ہوں۔ فرعون غصہ سے بھر گیا۔ اور بروایت مجمع البیان کہنے لگا یہ بچہ قتل سے کیونکر بچ گیا ہے حالانکہ میں نے بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل عام کا حکم نافذ کیا تھا۔ آسیہ نے جواب دیا کہ تو نے اس سال میں پیدا ہونے والے بچوں کے متعلق حکم دیا تھا۔ اور بچہ ظاہر میں سال سے بھی زیادہ عمر کا معلوم ہوتا ہے۔ فرعون نے پوچھا کہ یہ بچہ کہاں سے ملا تو آسیہ نے جواب میں کہا۔ اس کو دریا کہیں سے بہا کر لایا ہے مجھے اس سے زیادہ کچھ خبر نہیں ہے۔ ادھر فرعونی جلاد بھی بچہ کو قتل کرنے کے لئے پہنچ چکے تھے تو آسیہ نے کہا میں اُمید رکھتی ہوں کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بنے گا تو فرعون نے جواب دیا کہ تیری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک ہو تو ہو میرے لئے نہیں ہے۔ اِدھر آسیہ نے موسٰی کے حسین و جمیل چہرے سے کپڑا ہٹایا۔ اور ساتھ ساتھ منتیں بھی کیں، آخر فرعون کا دل نرم ہو گیا۔ اور وہ موسٰی کو متبنّٰی بنانے پر رضامند ہو گیا چنانچہ جلّاد نامراد واپس چلے گئے۔ اور اہالیانِ مصر کو پتہ چل گیا کہ فرعون نے ایک نوزائیدہ بچے کو اپنا متبنٰی بنا لیا ہے۔ فرعون کے درباری خوشامد پسند لوگوں نے اپنی اپنی عورتوں کو بھیجا تاکہ اس بچہّ کی رضاعت اُن کے حصہ میں آئے تاکہ اُن کو شاہی دربار میں مزید قرب حاصل ہو۔ لیکن حضرت موسےٰؑ نے کسی کو اپنی رضاعی ماں بنانا قبول نہ فرمایا، اسی اثناء میں حضرت موسٰی کی بہن جو تاڑ میں تھی، نے بڑھ کر آسیہ سے کہا کہ ایک نیک و پاکیزہ عورت میں لاتی ہوں جو تمہاری خاطر تمہارے اِس بچہ کو دودھ پلائے گی (تفسیر کی جلد ۹ سورہ طٰہٰ کے بیان میں مفصّل واقعہ گزر چکا ہے) ادھر سے منظوری لے کر اپنی ماں کو اطلاع دی جب حضرت موسٰی کی ماں شاہی محل سرا میں داخل ہوئی تو آسیہ نے دریافت کیا تو کس خاندان سے ہے؟ تو بی بی نے جواب دیا، میں بنی اسرائیل سے ہوں۔ آسیہ ایک سن رسیدہ عورت تھی۔ اور حضرت موسےٰ کی ماں نوجوان تھی۔ اس لئے آسیہ نے کہا: بیٹی! تم واپس چلی جاؤ۔ جب کنیزانِ حرم نے اصرار کیا تو آسیہ نے کہا کہ فرعون اس بات پر بگڑ جائے گا۔ کہ بچہّ بھی بنی اسرائیل سے ہو۔ اور مرضعہ بھی بنی اسرائیل سے ہو۔ چنانچہ دوسری عورتوں کے اصرار کے پیش نظر آسیہ نے جناب موسٰی کو اس کی ماں کے حوالے کیا تو انہوں نے ماں کا دودھ پینا شروع کر دیا، آسیہ یہ دیکھ کر خوش ہو گئی۔ لیکن فرعون سے منظوری حاصل کرنا مشکل تھا۔ جب فرعون سے ذکر کیا اور اپنی جانب سے سفارش کی تو وہ رضامند نہ ہوا۔ اور کہنے لگا میں بنی اسرائیل کی عورت کو اس بچہّ کی دایہ ہرگز مقرر نہیں کروں گا لیکن آسیہ نے کبھی گڑگڑا کر، کبھی چاپلوسی کر کے اور کبھی خوشامد کر کے آخر کار فرعون سے منظوری حاصل کر لی۔ پس موسٰیؑ فرعون کے محل سرا میں تربیت پاتا رہا۔ اور اس کی ماں بہن اور دایہ نے اس مخفی راز کو فاش نہ ہونے

جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ⑦ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ

اس کو رسول بنانے والے ہیں — پس اٹھا لیا اس کو آل فرعون نے

لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا

تاکہ (انجام کار) ہو ان کے لئے دشمن اور باعث پریشانی، تحقیق فرعون ہامان اور ان کے لشکر تھے

ذیا یہاں تک کہ موسےٰ کی ماں اور دایہ کا انتقال ہوگیا۔

فَالْتَقَطَهٗ۔ لقطہ سے ہے۔ اور لقطہ اُسے کہتے ہیں جو طلب اور کوشش کے بغیر مل جائے۔

آلُ فِرْعَوْنَ۔ یہاں آلِ فرعون سے وہ لوگ مراد ہیں جو فرعون کے مشن میں اس کے شریک کار تھے۔ اور مذہب میں اس کے پیروکار تھے جن کے لئے حضرت موسےٰ علیہ السّلام باعثِ پریشانی ہوئے۔ اور آل کے معنی کی تحقیق جلد ۷ صفحہ میں گذر چکی ہے۔ نیز جلد ۶ صفحہ پر بھی ملاحظہ ہو۔

لِيَكُوْنَ۔ یہاں لام جارہ تعلیل کے لئے نہیں بلکہ عاقبت کے لئے ہے۔ مقصد یہ ہے کہ انہوں نے اس لئے نہیں اٹھایا تھا کہ وہ ان کا دشمن بنے بلکہ وہ تو اس کے برعکس اس کی دوستی کی توقع رکھتے تھے کہ یہ بھی ہمارے دین و ملت میں ہمارا ہم نوا ہوگا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ان کا دشمن نکلا۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسا کوئی شخص مال و دولت کما لے۔ اور وہی دولت اس کی موت کا باعث بن جائے۔ تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے دولت اپنی موت کے لئے کمائی تھی۔

حُزْنًا۔ حُزن اور حزن، دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ جس طرح بُخل اور بَخَل۔ عُرب اور عَرب عُجم اور عَجم۔

عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ۔ آسیہ نے پہلے تو فرعون کی دل جوئی کے لئے کہہ دیا کہ اس بچے کو ہم پالیں گے اور جب یہ ہمارا پروردہ ہوگا تو ہماری خدمت کرے گا۔ اور ہمیں فائدہ پہنچائے گا لیکن جب فرعون کو اس فقرہ سے اپنی طرف مائل کرنے میں ناکام رہی تو دوسرا طریقہ اختیار کر لیا۔ اور وہ یہ کہ چونکہ فرعون بے اولاد تھا۔ اور اولاد کی خواہش سے اُس کا دل لبریز تھا پس اُس کے دل کی آواز بن کر یہ فقرہ پیش کر دیا کہ ہم اُس کو اپنا بیٹا بنالیں گے اور یہ حسین و جمیل بچہ ہماری گود کی زینت بنے گا۔ جلال و جمال کے ساتھ اُس کا پُر وقار چہرہ شہزادگی کا مظہر تو تھا ہی اور اُس کی

خَاطِئِيْنَ ⑧ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ

خطاکار اور کہا زوجہ فرعون نے (یہ) آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لئے اور

لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّ

تیرے لئے بھی اسے قتل نہ کرو شاید ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اس کو متبنیٰ بنالیں گے اور

هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ

وہ (انجام) سے بے خبر تھے اور ہوگیا دل مادر موسیٰ کا خالی قریب تھا کہ اسے ظاہر کر

لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑩

دے اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے تاکہ وہ اہل یقین سے ہوجائے

حسین وشوخ آنکھیں جب فرعون کے چہرے پر پڑی تھیں تو وہ دل ہی دل میں تو موسیٰ کی زندگی کے حق میں تھا، لیکن اپنے شاہی حکم کو واپس لینے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا، پس جونہی آسیہ نے اس کو متبنیٰ بنانے کا مشورہ دیا تو یکسر مزاج میں تبدیلی واقع ہوئی۔ اور ہاں میں ہاں ملانے پر قلبی کیفیت نے اُسے مجبور کر دیا۔ پس موسیٰ کو اپنی گود میں لے کر تسکینِ قلب کا خواہشمند ہوا لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ انجام کیا ہوگا؟

فَارِغًا ۔ اس میں مفسرین کے تین قول ہیں (۱) موسیٰ کو دریا میں ڈال کر ماں کا دل ہر بات سے خالی ہوگیا۔ بس اس کے دل میں موسیٰ کی فکر تھی، اور کسی چیز کی طرف اس کا دل لگتا ہی نہ تھا۔ ۲۔ اللہ کے وعدہ کے مطابق چونکہ اس کو بچہ کی زندگانی کی تسلی تھی۔ لہٰذا اس فکر سے اس کا دل خالی تھا۔ ۳۔ اس کا دل وحی سے خالی ہو گیا کیونکہ اسے فراموش ہو گئی لہٰذا وہ موسیٰ کے فراق میں غمزدہ ہوئی۔

اِنْ کَادَتْ ۔ یہ اِنْ نافیہ نہیں ہے بلکہ اِنَّ ثقیلہ کا مخفف ہے۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا

اور کہا (ماں) نے موسیٰ کی بہن کو اس کے پیچھے چلو، پس اس بہن نے اس کو دُور سے دیکھا حالانکہ وہ نہ

يَشْعُرُوْنَ ⑪ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ

سمجھتے تھے ۔ اور ہم نے حرام قرار دیا اس پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ پہلے سے (موسیٰ کی

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ

بہن نے) کہا کیا میں نشان دہی کردوں ۔ ایسے گھرانے کی جو اس (بچہ) کی کفالت کریں تمہاری

نٰصِحُوْنَ ⑫ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَ

خاطر اور وہ اس کے خیرخواہ ہوں گے پس ہم نے اس کو پلٹا دیا اپنی ماں کی طرف تاکہ اس کی آنکھ

لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑬

ٹھنڈی ہو اور غمزدہ نہ رہے اور جان لے کہ تحقیق اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

لَتُبْدِیْ بِهٖ ۔ اس میں بھی تین قول ہیں۔
۱۔ بیٹے کی جدائی کے صدمے میں قریب تھا کہ واویلا اور فریاد کر کے اپنا راز ظاہر کر بیٹھتی۔ اگر ہم نے اپنی وحی کے ذریعے اُس کے دل کو مضبوط نہ کر دیا ہوتا۔
۲۔ بچے کے ڈوب جانے کے خوف سے قریب تھا کہ ماتا کی محبت کو ظاہر کر دیتی اگر ہم نے تسکین ہم نہ پہنچائی ہوتی۔ ۳۔ فرعون کے دربار میں جب رضاعت کیلئے طلب کی گئی تو قریب تھا کہ خوشی خوشی میں اپنا ماں ہونا ظاہر کر دیتی۔ اگر ہم نے اس کے دل کو تقویت کے ساتھ صبر و ضبط کی تلقین نہ کی ہوتی۔

فَالَتْ ۔ واقعہ کی تفصیل تفسیر کی جلد ۸ سورہ طٰہٰ کے بیان میں گزر چکی ہے۔ آیت مجیدہ میں اختصار ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ ماں نے اپنی بیٹی یعنی موسیٰ کی بہن کو صندوق کے پیچھے ساتھ ساتھ جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ دریائے نیل سے نکلنے والی نہر کے پہلو میں بنے ہوئے نمائشی تالاب کے کنارے سیرگاہ میں صندوق سے موسیٰ کو نکال کر آسیہ و فرعون کے ہاتھوں تک بھائی کے حالات کا پورا جائزہ لیتی رہی۔

عَنْ جُنُبٍ ۔ یعنی دور سے کھڑے ہو کر بھائی کو دیکھا یا اجنبی صورت میں ترچھی نظر سے بھائی کو دیکھا تاکہ انہیں کچھ تہمت نہ گزرے۔ اور انہیں اس بات کا علم نہ ہو سکے کہ یہ لڑکی کیوں اور کیا دیکھ رہی ہے۔ جب دیکھا کہ فرعون و آسیہ موسیٰ کی محبت میں گرفتار ہیں اور اس کے لئے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش میں ہیں جب کہ حضرت موسیٰ کسی دوسری عورت کے دودھ کو قبول ہی نہیں فرماتے، پس قریب جا کر کہنے لگی میں ایک ایسی نیک سیرت پاکباز خاتون کی نشان دہی کر سکتی ہوں جو تمہاری خاطر اس بچے کو دودھ پلانا قبول کرے گی۔

یَکْفُلُوْنَهٗ لَکُمْ ۔ یعنی تمہاری دلجوئی کے لئے وہ اس بچے کو دودھ دے گی (اس مقام پر نہ اپنا بہن ہونا ظاہر کیا اور نہ ماں کا ماں ہونا ظاہر کیا اور تقیہ سے کام لیتے ہوئے اپنے مطلب کو واضح کیا)

فَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۔ لَهٗ میں ضمیر غائب کا مرجع حضرت موسیٰ تھا یعنی جس مرضعہ کی میں نشان دہی کر رہی ہوں وہ اس بچے کی خیر خواہ بھی ہوگی۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس وقت ہامان موجود تھا۔ جب اس نے حضرت موسیٰ کی بہن کی زبانی یہ کلمہ سنا تو اس کو شک گزرا کہ شاید یہ لڑکی اس بچے کے خاندان کو جانتی ہے کیونکہ اجنبی بچے کے حق میں کسی کا اپنی خیر خواہی پیش کرنا بعید از قیاس ہے۔ پس ہامان نے فوراً کہہ دیا کہ یہ لڑکی اس بچے کے حقیقی رشتہ داروں کو جانتی ہوگی تو بی بی نے جواب دیا لَهٗ میں ضمیر غائب کا مرجع فرعون ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ جس خاندان کا میں پتہ دینا چاہتی ہوں وہ بادشاہ کے اس معاملہ میں خیر خواہ ہیں کہ ان کے اس پیارے بچے کی تربیت میں وہ پورا حق ادا کریں گے۔ پس ہامان شرمسار ہو کر چپ ہو گیا۔

فَرَدَدْنٰهُ ۔ جب حضرت موسیٰ کی ماں پہنچی تو اور موسیٰ نے ماں کی گود محسوس کی تو گریہ ختم کر دیا اور دودھ قبول کر لیا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَ
اور جب پہنچا اپنی توانائی کو اور کامل ہوا تو ہم نے عطا کیا اس کو حکم اور علم اور
كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ
اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو اور داخل ہوا شہر میں

فرعون اور اس کے دوسرے درباری انتہائی خوش ہوئے۔ پس فرعون نے پوچھا کہ اے بی بی یہ بچہ تجھ سے پہلے کسی

عورت کے دودھ کو قبول نہیں کرتا تھا لیکن تیرا دودھ اس نے خوشی سے قبول کر لیا ہے تو بی بی نے جواب دیا کہ چونکہ میں پاکباز اور پاک طینت عورت ہوں، اس لئے میرے دودھ سے کوئی بچہ بھی منہ نہیں پھیرتا۔

تفسیر برہان میں ہے کہ فرعون اور اس کے ہی خواہ سب خوش ہوئے اور کہنے لگے اس بچہ کی تربیت کرو یہ تمہارا ہم پر احسان ہوگا اور ہم اس کا اچھا بدلہ دیں گے۔ نیز تفسیر قمی سے منقول ہے کہ صندوق سے نکالتے ہی جب فرعون نے شکل دیکھی تو سمجھ گیا کہ یہ بچہ اسرائیلی ہے لیکن بچہ کی محبت پہلے سے ہی دل کی گہرائیوں میں اتر چکی تھی۔

رکوع ۵ - اَشُدَّهٗ :- تفسیر مجمع البیان میں اس سے مراد ۳۳ برس کی عمر ہے۔ اور وَاسْتَوٰى سے مراد ۴۰ چالیس برس کی عمر ہے۔

اٰتَيْنٰهُ :- مقصد یہ ہے کہ استعدادِ نبوت تو پہلے ہی تھی۔ اور اللہ کے علم میں پہلے سے تھا کہ یہ نبی ہے لیکن اظہارِ نبوت اور اعلانِ رسالت کا حکم اس وقت ہوا جب جوانی اور توانائی کی آخری منزل میں قدم رکھ لیا۔ بنا بریں کسی نبی کا ایک عرصہ کے بعد اعلان کرنا اس کے ابتداءً نبی و رسول ہونے کے منافی نہیں جس طرح ایک سند یافتہ انسان کے پاس سند تو موجود ہوتی ہے لیکن ڈیوٹی کچھ عرصہ کے بعد عطا ہوتی ہے اور اس کی مزید وضاحت سورۂ یوسف کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ نبوت وہبی عہدہ ہے نہ کہ کسبی۔ لہذا نبی وہ ہوتا ہے جس کو اللہ نبی بنا کر بھیجے۔ کوئی آدمی کتنا ہی نیک کیوں نہ بن جائے نبی نہ بن سکے گا کیونکہ نبی بن کر آتے ہیں آکر نہیں بنتے۔

فرعون کی داڑھی میں موسیٰ کا ہاتھ

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی تربیت فرعون کے شاہی محل میں ہوتی رہی دوسرے اسرائیلی بچوں کے قتلِ عام کے باوجود فرعون حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ کافی انس، پیار اور عزت و اکرام سے پیش آتا تھا۔ ایک دن فرعون کی موجودگی میں حضرت موسیٰ کو چھینک آئی تو فوراً زبان پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا کلمہ جاری فرمایا۔ فرعون یہ سن کر طیش میں آیا اور حضرت موسیٰ کے چہرہ پر ایک طمانچہ مارا۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوابی طور پر فرعون کی داڑھی پکڑ لی جو کافی لمبی تھی۔ اور پورے زور سے اسے کھینچا حتی کہ کافی حد تک صفائی ہو گئی۔ فرعون کافی درد کی وجہ سے غصہ سے بھر پور ہو کر آمادۂ قتل ہوا تو جناب آسیہ نے کہا یہ نوعمر لڑکا ہے اسے شاہی آداب کا کیا پتہ ہے۔ تو نے پہلے طمانچہ مار کر اس کو تکلیف پہنچائی ہے پس اس نے بھی از راہِ بچپنہ جوابی طور پر یہ اقدام کر لیا ہے۔ فرعون نے کہا یہ بے سمجھ نہیں تھا اس نے سوچ سمجھ کر میری داڑھی کو پکڑا تھا۔ آسیہ نے کہا اچھا پھر آزماتے ہیں۔ ایک طرف کھجوروں کا طشت اور دوسری طرف آگ کے انگاروں کا طشت رکھ کر اس کو درمیان میں بٹھاتے ہیں پھر دیکھیں گے کہ کس طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔ چنانچہ جب کھجوروں اور انگاروں کے درمیان موسیٰ کو بٹھایا گیا تو موسیٰ نے کھجوروں کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ حضرت جبرئیل نے رب جلیل کی جانب سے پیغامِ خصوصی کے ذریعے موسیٰ کا ہاتھ انگاروں کی طرف بڑھا دیا۔ چنانچہ ہاتھ کو تکلیف ہوئی۔ پھر اسی طشت میں سے

ایک انگارہ اٹھاکر منہ میں ڈال لیا ۔ حتیٰ کہ زبان پر ورم آگیا ۔ پس آسیہ کو بات کرنے کا موقع مل گیا ۔ کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ یہ بھولا بھالا بچہ ہے اور اس کو ابھی تک ان باتوں کی خبر نہیں ہے ۔ چنانچہ فرعون نے درگذر کر لیا ۔

بروایت قمی راوی نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ ابتداء میں حضرت موسےٰ علیہ السّلام اپنی ماں سے کتنا عرصہ غائب رہے تو آپ نے فرمایا تین دن ۔ الحدیث ۔

قبطی کا قتل

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ ۔ تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جب عالم شباب میں قدم رکھا تو موضوع توحید پر وقتاً فوقتاً جب گفتگو ہوتی تو فرعون کو موسیٰ کے نظریہ سے اختلاف ہوتا تھا اور وہ دل ہی دل میں کڑھن سی محسوس کرتا تھا حتیٰ کہ اس نے پھر ایک دفعہ موسیٰ کے قتل کی تجویز ٹھان لی ۔ پس موسیٰ علیہ السّلام وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور اس شہر میں داخل ہوئے جس کا آیت مجیدہ میں ذکر ہے ۔ اور ابن بابویہ سے نقل شدہ سابقہ روایت کے مطابق جب حضرت موسیٰ کی ماں اور دایہ کا انتقال ہوگیا تو چونکہ بنی اسرائیل فرعونی مظالم سے تنگ آکر اقتدار میں انقلاب کے خواہش مند تو تھے ہی لیکن سابق پیشین گوئیوں کے ماتحت موسیٰ بن عمران کی آمد کے منتظر تھے پس ایک دوسرے سے اس بارے میں تبادلۂ خیالات کرتے تھے لیکن ان کو کہیں سراغ نہیں ملتا تھا ۔ اور فرعون کے کانوں تک جب ان کی باتیں پہنچتیں تو وہ آگ بگولا ہو کر زیادہ سے زیادہ ان پر سختی کے احکام جاری کر دیتا تھا ۔ حتیٰ کہ ان پر زبان بندی کے احکام نافذ کر دیئے گئے کہ کوئی بھی موسیٰ کا نام تک نہ لے ۔

ایک دفعہ چاندنی رات میں بنی اسرائیل کے ارباب حل وعقد کا اپنے ایک سن رسیدہ وجہاں دیدہ بزرگ کے ہاں اجتماع ہوا ۔ پس فرعونی مظالم کے روح فرسا و ہوش ربا واقعات دہرائے جاتے رہے ۔ اور ان سے بچنے کی کوئی معقول تجویز و تدبیر کسی کی سمجھ میں نہ آسکی تو اپنے بزرگ سے کہنے لگے کہ ہم موسیٰ کی آمد کی خبریں سنتے ہیں تو دل کچھ بہل جاتا ہے ۔ اور مصائب کی انتہا کی آس لگ جاتی ہے لیکن یہ خبریں کب تک اور کہاں تک سننے میں آتی رہیں گی ۔ جب کہ مظالم و مصائب کی چکی ہمیں پیستی چلی جا رہی ہے تو اس بزرگ نے جواب دیا کہ یہ مصائب اس وقت تک رہیں گے جب تک خدا لاوی بن یعقوب کی اولاد سے موسیٰ بن عمران نامی شخص کو نہ بھیجے گا ۔ وہ لمبی قد کا جوان ہوگا ۔ اور اس کے بال گھنگرالے ہوں گے وغیرہ ۔ اور ابھی تک وہ حضرت موسیٰ کی صفات کو بیان کر ہی رہا تھا کہ ادھر سے ایک خچر پر سوار حضرت موسیٰ کا وہیں سے گزر ہوا اس بزرگ نے سر اٹھا کر دیکھا تو علائم سے پہچان تو لیا لیکن مزید تسلّی کے لئے دریافت کیا کہ آپ کا نام کیا ہے ؟ آپ نے جواب دیا کہ میں موسیٰ بن عمران ہوں ۔ پس اس بزرگ نے اٹھ کر آپ کے ہاتھ چوم لئے اور باقی بنی اسرائیل آپ کے قدموں پر گر گئے اور قدموں کا بوسہ لیتے رہے ۔ پس انہوں نے آپ کو پہچان لیا اور آپ نے ان کو پہچان لیا ۔ اور آپ نے ان کو اپنا شیعہ قرار دے دیا ۔ گویا بنی اسرائیل کے اس خفیہ اجلاس میں ارباب حل وعقد کی طرف سے حضرت موسیٰ کو فرعون کا تختۂ اقتدار الٹنے کے لئے انقلابی تحریک کا قائد تسلیم کر لیا گیا ۔

عَلٰی حِیۡنِ غَفۡلَۃٍ مِّنۡ اَہۡلِہَا فَوَجَدَ فِیۡہَا رَجُلَیۡنِ یَقۡتَتِلٰنِ

جبکہ اس کے باشندے غافل تھے پس دیکھا کہ اس میں دو آدمی آپس میں لڑ رہے تھے ۔ ایک

ہٰذَا مِنۡ شِیۡعَتِہٖ وَ ہٰذَا مِنۡ عَدُوِّہٖ ۚ فَاسۡتَغَاثَہُ الَّذِیۡ

اس کے شیعوں میں سے تھا اور دوسرا اس کے دشمنوں میں سے تھا پس مدد کے لئے بلایا اس

مِنۡ شِیۡعَتِہٖ عَلَی الَّذِیۡ مِنۡ عَدُوِّہٖ ۙ فَوَکَزَہٗ مُوۡسٰی فَقَضٰی

نے جو اس کے شیعوں میں سے تھا اپنے دشمنوں کے خلاف تو مکا رسید کیا اس کو موسیٰ نے

عَلَیۡہِ ٭۫ قَالَ ہٰذَا مِنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾

پس مار دیا اس کو ۔ کہنے لگے یہ شیطانی عمل سے تھا تحقیق وہ ظاہر بظاہر گمراہ کن دشمن ہے

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ جوان ہوئے تو فرعون کے خواص میں داخل تھے ۔ اور جدھر وہ جاتا تھا آپ بھی اس کے ہمرکاب ہوتے تھے ۔ ایک دن فرعون سیر کے لئے باہر جا رہا تھا تو حضرت موسیٰ کو دیر سے اطلاع ہوئی پس اس کے پیچھے آپ بھی روانہ ہوئے تو اس شہر میں داخل ہوئے جس کا آیت میں ذکر ہے ۔ اس میں تین قول ہیں ۔ ایک یہ کہ وہ شہر مصر تھا اور دوسرا یہ کہ مصر سے کافی دور فاصلے پر تھا اور تیسرا قول یہ کہ مصر سے دو فرسخ یعنی چھ میل کے فاصلہ پر تھا ۔

عَلٰی غَفۡلَۃٍ ۔ جس وقت حضرت موسیٰ شہر میں داخل ہوئے وہ شہر والوں کی غفلت کا وقت تھا ۔

ایک قول یہ ہے کہ دوپہر کا وقت تھا اور لوگ سو رہے تھے ۔

دوسرا قول ہے کہ مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت تھا ۔

تیسرا قول ہے کہ عید کا دن تھا اور لوگ اپنے لہو و لعب میں مشغول تھے ۔ اور غفلت کے وقت میں وہاں جانے کی وجہ میں بھی اختلاف ہے ۔

بعض کہتے ہیں چونکہ آپ فرعونی لشکر کی تلاش میں چلتے چلتے کافی تھک چکے تھے ۔ لہذا خود اس شہر میں آرام کی غرض سے داخل ہوئے تھے ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ساتھ موسیٰ کی ساز باز کا علم قبطیوں کو بھی ہو گیا تھا ۔ اور اس شہر میں چونکہ بنی اسرائیل کی آبادی کافی تھی ، پس بنی اسرائیل سے ملنے کے لئے تشریف لائے اور قبطی لوگوں سے خفیہ ملاقات کرنے کی غرض سے غفلت کے وقت میں داخل شہر ہوئے تھے ۔ اور تیسرا قول یہ بھی ہے کہ چونکہ مسئلہ توحید میں فرعون کے ساتھ نظریاتی اختلاف پیدا ہو چکا تھا اور فرعون نے آپ کے قتل کی تجویز دل میں ٹھان لی تھی ۔ اس لئے حضرت موسیٰ فرعون کے دارالسلطنت سے دور دور دیہاتوں میں بسر اوقات کرتے تھے ۔ اور اب چونکہ بنی اسرائیل سے ملنے کے لئے شہر میں داخل ہوتے تھے ۔ لہذا فرعون کے خوف سے غفلت کا وقت سمجھ کر داخل شہر ہوتے

تاکہ جماعت کا اجلاس طلب کرکے ملکی سیاسی حالات پر تبصرہ کرنے کے بعد کسی اہم انقلابی اقدام کی تجویز پر غور کیا جا سکے۔

هٰذَا مِنْ شِيعَتِهٖ ۔ شہر میں داخل ہوتے ہی آپ نے دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مذہب اور دین کے متعلق جھگڑا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ دنیاوی جھگڑا تھا بہرصورت اسرائیلی مسلمان تھا۔ اور قبطی کافر تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ قبطی شخص اسرائیلی مسلمان کو بیگار کے طور پر فرعونی مطبخ کی ضرورت کے لئے ایندھن اٹھا کر لے جانے پر مجبور کرتا تھا۔ اور اسرائیلی اس کی اطاعت پر تیار نہ تھا۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا "تم کو یہ نام مبارک ہو۔ راوی کہتا ہے۔ میں نے پوچھا کون سا نام؟ تو آپ نے فرمایا "شیعہ" دیکھو قرآن مجید میں اللہ فرماتا ہے کہ موسیٰ سے طلبِ نصرت اُس شخص نے کی جو اُس کا شیعہ تھا اس کے خلاف جو اُس کا دشمن تھا۔

فَوَكَزَهٗ ۔ وکز کا معنی ہے مکا مارنا۔ اسی طرح نکز اور لھز بھی اس کے مترادف ہیں۔

مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۔

ان میں سے دوسری توجیہ اُصولِ مذہب شیعہ کے مطابق ہے کہ انّہ میں ضمیر غائب کا مرجع قبطی کو قرار دیا جائے کہ قبطی کو مُکا مار کر ختم کر دینے کے بعد آپ نے فرمایا قبطی کا مسلمان اسرائیلی سے جھگڑا کرنا شیطانی عمل تھا۔ لہٰذا اس کی سزا یہی تھی جو اُس کو دی گئی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت موسیٰ کا فعل شیطانی فعل تھا ورنہ عصمتِ انبیاء ختم ہو جائے گی۔ بعد میں فرمایا کہ شیطان تو ہے ہی انسان کا کھلا ہوا دشمن۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس کو حضرت موسیٰ نے قتل کیا تھا دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو وہ جائز تھا اور یا ناجائز تھا۔ اگر ناجائز تھا تو یہ شانِ نبوت کے منافی ہے کیونکہ کسی نبی سے اعلانِ نبوت سے پہلے یا بعد میں گناہ کا سرزد ہونا عصمت کے منافی ہے۔ اور اگر یہ قتل جائز تھا تو اگلی آیت میں حضرت موسیٰ کا استغفار کرنا اور پشیمان ہونا خالی از فائدہ ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قتل جائز تھا۔ اور ایک مومن کو کافر سے چھڑانے کے لئے حضرت موسیٰ نے یہ قدم اُٹھایا تھا ورنہ درحقیقت مارنا مقصود نہ تھا۔ اسی طرح اپنی ذات کے لئے دفاع کے طور پر انسان کوئی ایسا فعل کرے جس سے کوئی جانی نقصان ہو جائے تو حرام نہیں ہوتا لیکن جو غیر ارادی طور پر نقصان ہو جاتا ہے اس کے لئے چھپنا بھی عین فطرت ہے۔ اور اس وقت کے سیاسی حالات کے تحت قبطی کا قتل قبل از وقت تھا

ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ۔ اس جگہ ظلم خسارے اور گھاٹے کے معنی میں ہے جس طرح حضرت آدم علیہ السّلام کے متعلق تفسیر کی جلد ۲ صفحہ ۱۹ اور ۲۰ میں گزر چکا ہے۔ سید علم الہدیٰ اعلی اللہ مقامہ نے اس کی دو توجیہیں کی ہیں۔ ا۔ یہ اللہ کی طرف انقطاع اور خشوع کے طور پر مناجاتی فقرہ ہے کہ تیری نعمتوں کا جو میرے اوپر حق واجب ہے

میں اس کو ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ اور اس لحاظ سے میں نے اپنے نفس کو گھاٹے میں ڈالا ہوا ہے پس تو میری کوتاہی سے درگزر فرما۔ ۲۔ قبطی کا قتل جو ایک ترکِ اولیٰ تھا جو موسیٰ سے غیر ارادی طور پر سرزد ہوا تھا۔ اگر وہ اس وقت قتل نہ ہوتا تو اس میں زیادہ بہتری ہوتی پس اسی قبل از وقت قتل کی وجہ سے حضرت موسیٰ کو جلا وطن ہونا پڑا اور انقلابی تحریک کامیاب نہ ہو سکی جس کا حضرت موسیٰ کو کافی افسوس ہوا جس کا آپ اظہار فرما رہے ہیں۔

یَتَرَقَّبُ۔ یعنی دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السّلام کل والے قتل کی خبروں کے انتظار میں تھے کہ میرے متعلق کیا نظریہ قائم ہوتا ہے؟

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ

کہا اے رب تحقیق میں نے ظلم کیا اپنے نفس پر پس معاف کر مجھے تو اللہ نے معاف کر دیا تحقیق وہ بخشنے

هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٦﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ

والا رحم کرنے والا ہے کہا اے رب میرے اوپر تیری نعمت کا حق یہ ہے کہ میں ہرگز نہ

أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿١٧﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ

ہوں گا مددگار مجرم لوگوں کا پس صبح کی شہر میں ڈرتے ہوئے (کہ کل کے قتل کے نتیجہ کی) انتظار کر

فَإِذَا الَّذِي اسْتَنصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ

رہے تھے۔ دیکھا کہ وہی جس نے کل مدد کے لئے بلایا تھا پھر آپ سے فریاد کر رہا ہے تو اس کو موسیٰ نے فرمایا تحقیق تو

فَإِذَا الَّذِي۔ چونکہ فرعون اور موسیٰ کے درمیان نظریہ توحید پر اختلاف جاری تھا حضرت موسیٰ جب شہر میں داخل ہوئے تو دو آدمیوں کو جھگڑتے دیکھا۔ ان میں سے ایک حضرت موسیٰ کے نظریہ کو اپنا تا تھا اور دوسرا فرعون کے ہم خیال تھا پس آپ کے ہاتھوں فرعونی کی موت واقع ہو گئی تو دوسرے دن اس قتل کے انجام کی تلاش میں ہی تھے کہ اس جیسا دوسرا واقعہ پیش آیا کہ اسی مومن کے ساتھ ایک دوسرا فرعونی جھگڑا کر رہا تھا پس اس نے آج بھی حضرت موسیٰ سے مدد کی خواہش کی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تو تو ایک غلط کار اور فسادی قسم کا آدمی ہے یہاں غوایت سے مراد دینی گمراہی نہیں بلکہ تمدنی غلط کاری مراد ہے پس قبطی کا قتل ایک لمبے عرصے تک تحریک آزادی میں التوا کا باعث بن گیا۔

اَنْ اَرَادَ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ پہلے قبطی کے قتل کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السّلام اپنی قوم میں پوشیدہ ہو گئے اور فرعون کو رپورٹ دی گئی کہ ایک اسرائیلی نے شاہی خاندان کے ایک فرد قبطی کو قتل کر دیا ہے۔ فرعون نے پوچھا وہ کون تھا تو چونکہ شناخت کوئی نہ کر سکا تھا اس لئے قتل کا کیس ایک معمہ بنا ہوا تھا اور پولیس قاتل کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی

لیکن کہیں سے کوئی سراغ نہیں ملتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام صبح کو اُٹھے تو اِن کے دِل میں کھٹکا تھا کہ کہیں میرے خلاف رپورٹ درج نہ ہو چکی ہو پس اِدھر اُدھر کان لگا کر خبریں سُن رہے تھے۔ جوں ہی گلی میں قدم رکھا تو پھر سابق جیسا معاملہ پیش آیا اس معاملہ میں ہاتھ بڑھانا نہ چاہتے تھے لیکن مومن کی کمزوری پر ترس کھا کر اس کی فریادرسی سے کوتاہی کرنا بھی ان کے ضمیر کی آواز کے خلاف تھا۔ لہٰذا پھر مومن کی نصرت کے لئے آگے بڑھ کر قبطی پر سختی کا ارادہ کیا تو قبطی فوراً یہ محسوس کر گیا کہ کل والے قتل کا ملزم بھی یہی شخص ہے چنانچہ اس نے کہہ دیا کہ کل کا قتل بھی تو نے ہی کیا ہے اور آج دوسرے قتل کا مرتکب ہونا چاہتا ہے۔ اور حضرت موسیٰ کی خاموشی سے اس کو مزید یقین ہو گیا۔ چنانچہ اسرائیلی اپنے مقابل کو چھوڑ کر

لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ أَنْ أَرَادَ أَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ

بالکل غلط کار ہے پس جب اس کی گرفت کا ارادہ کیا جو دشمن تھا دونوں کا کہنے لگا

عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يٰمُوسٰٓى أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ

اے موسیٰ کیا تو مجھے بھی مارنا چاہتا ہے جس طرح کل تو نے ایک آدمی کو مار دیا تو نہیں چاہتا

نَفْسًا بِالْأَمْسِ إِنْ تُرِيدُ إِلَّآ أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ

مگر یہ کہ تو سرکش ہو زمین میں اور

وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۹﴾ وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ

تو نہیں چاہتا کہ تیرا شمار اصلاح کرنے والوں میں ہو اور ایک شخص آیا شہر کے

أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعٰى قَالَ يٰمُوسٰٓى إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ

پرلے کنارے سے دوڑتا ہوا کہنے لگا اے موسیٰ تحقیق حکومتی کارندے تیرے متعلق قتل کی تجویز کر

لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النّٰصِحِينَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا

رہے ہیں پس تو نکل جا تحقیق میں تیرے خیر خواہوں میں سے ہوں تو نکلے (موسیٰ) اس شہر سے

خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ﴿۲۱﴾

تعاقب کا خوف کرتے ہوئے (اس وقت) یہ کہہ رہے تھے اے رب مجھے ظالم لوگوں سے نجات دلا

فوراً عملۂ تفتیش کے پاس پہنچا اور حضرت موسیٰ کے خلاف رپورٹ درج کرا دی اور فوراً ہی آپ کی گرفتاری کا آرڈر جاری ہو گیا۔ اور پولیس کا خاص دستہ حضرت موسیٰ کی تلاش کے لئے روانہ کر دیا گیا۔

وَجَاءَ رَجُلٌ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مومن آلِ فرعون جس کا نام حزقیل تھا اور فرعون کا چچا زاد تھا۔ اور بعضوں نے شمعون بھی بتایا ہے۔ اتفاق سے یہ اُس وقت موجود تھا جب اُس کو موسٰی کی گرفتاری کے حکم کا پتہ چلا تو خفیہ اور چھوٹے راستے سے دوڑتے ہوئے حضرت مُوسٰی کے پاس پہنچا اور اطلاع دی کہ آپ کی گرفتاری کے لئے شاہی پولیس کے سپاہی روانہ ہو چکے ہیں لہٰذا آپ جلدی سے کہیں نکل جائیں۔ پس آپ وہاں سے نکلے اور جنگل کی طرف منہ کر لیا نہ زادِ راہ نہ سواری حتٰی کہ پاؤں میں جوتا بھی نہ تھا بہرکیف پولیس کی تگ و دو ناکام رہی اور آپ فرعونیوں کی گرفت میں نہ آسکے۔ راستے میں درختوں کے پتّے اور گھاس کھا کھا کر گزارہ کرتے رہے۔ اور آخرکار مَدین کی سرزمین میں آپہنچے۔ جہاں حضرت شعیبؑ آباد تھے

حضرت مُوسٰیؑ کی شعیبؑ سے ملاقات

رکوع ۶ ۔ وَلَمَّا تَوَجَّهَ ۔ یعنی حضرت مُوسٰی جس رُخ اور جس راہ پر چل رہے تھے وہ سیدھا مدین کو جاتا تھا۔ اور آپ اللہ سے پُرامید تھے کہ مجھے وہ سیدھے راہ کی خود ہی ہدایت فرمائے گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک جگہ آپ چوراہے پر پہنچے تو یہ کلمہ زبان پر جاری فرما کر ایک راستہ پر چل دیئے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک فرشتہ بشکلِ انسان گھوڑے پر سوار ہو کر پہنچا جس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا بھی تھا۔ اور حضرت مُوسٰیؑ اس کی معیّت میں مدین پہنچے بہرکیف طے منازل کے بعد آپ تھکے ماندے مدین کی سرزمین میں شہر سے باہر ایک کنوئیں پہ پہنچے۔ اور وہاں قریب ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مصر سے مدین کا فاصلہ آٹھ دن کی مسافت تھی گویا بصرہ اور کوفہ کے درمیانی فاصلہ کے برابر تھا۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ

اور جب متوجہ ہوئے مدین کی طرف تو کہنے لگے شاید میرا رب مجھے سیدھے راستے کی ہدایت

سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً

فرمائے گا اور جب پہنچا مدین کے کنوئیں پر تو دیکھا وہاں لوگوں کا ایک گروہ

مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ

(کہ چوپاؤں کو) سیراب کر رہے ہیں۔ اور دیکھا ان کے علاوہ دو عورتوں کو جو روکے ہوئے تھیں (اپنے

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ

مویشیوں کو) کہا تمہارا کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگیں ہم نہیں ان کو سیراب کر سکتیں جب تک چرواہے نہ چلے جائیں اور ہمارا باپ بوڑھا

آپ نے وہاں دیکھا کہ تمام چرواہے اپنے مال مویشی کنوئیں سے سیراب کر رہے ہیں اور دو پردہ دار عورتیں اپنے مویشیوں کو الگ روکے کھڑی ہیں۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم اپنے مویشیوں کو الگ کیوں روکے ہوئے ہو تو انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ ہم مردوں کے دائرہ میں داخل ہو کر کنوئیں سے پانی نہیں بھر سکتیں اور نہ اپنے مال کو ان کے مال کے ساتھ مخلوط کرنا مناسب سمجھتی ہیں۔ پس جب یہ سب لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں گے تو ہم اپنے مال کو سیراب کر لیں گی۔ اب چونکہ یہاں سوال کی گنجائش تھی کہ جوان سال لڑکیوں کو گھر والوں نے بھیجا کیوں ہے؟ تو اس کا جواب انہوں نے پہلے سے ہی دے دیا کہ ہمارا باپ ضعیف العمر آدمی ہے وہ خود یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔ اس لئے ہم اس کو اپنا فریضہ سمجھ کر یہاں آئی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ قوی ہیکل اور طاقتور نوجوان تھے۔ آپ نے تھکان اور کوفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کے ہاتھ سے ڈول لے لیا۔ اور مجمع میں گھس کر کنوئیں سے پانی بھرنا شروع کر دیا۔ اور لڑکیوں سے کہا کہ تم پہلے آ جاؤ اور اپنا مال سیراب کر لو اور گھر پلٹ جاؤ۔ کیونکہ اتنے مردوں میں دو عورتوں کا کھڑا ہونا معیوب ہے چنانچہ انہوں نے خوشی خوشی اپنے مویشیوں کو سیراب کر لیا اور سویرے سویرے واپس پلٹ گئیں۔ پس حضرت موسیٰؑ پھر درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے کنوئیں کے کنارے پر اژدہام کو اپنے زور بازو سے دھکیل کر ہٹایا اور خود آگے بڑھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ کنوئیں کے منہ پر ایک بھاری پتھر رکھا ہوا تھا جس کو دس آدمی مل کر اٹھا سکتے تھے۔ آپ نے اس کو تنہا دور کیا اور پھر اس سے ڈول لیا جس کو دس آدمی کھینچ سکتے تھے آپ نے پورا بھر کر اسے تنہا کھینچ لیا اور وہی ایک ڈول ان لڑکیوں کی تمام دنبیوں کے لئے کافی ہو گیا۔ اور یہ

كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي

بزرگ ہے پس (موسیٰ نے) سیراب کیا ان کے (چوپاؤں کو) پھر سائے کی طرف پلٹ گئے تو کہا اے رب میں اس

لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي

کا جو تو میرے اوپر خیر نازل فرمائے محتاج ہوں پس ان دونوں میں سے ایک واپس آئی جو چلتے ہیں

عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا

دامن شرم و حیا کو تھامے ہوئے تھی کہنے لگی تحقیق میرا باپ تجھے بلاتا ہے تاکہ تجھے اس کی اجرت دے جو تو نے

سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ

(ہمارے مویشیوں کو) سیراب کیا ہے پس جب پہنچے اور اپنا قصہ بیان کیا تو (شعیبؑ نے) کہا ڈرو مت

حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں تھیں۔

نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ

پنج گئے ہو ظالم لوگوں سے ان دو میں سے ایک نے کہا اے ابا جان

اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿٢٦﴾ قَالَ

اس کو اپنا مزدور بنالو تحقیق بہترین مزدور وہ ہے جو طاقتور اور امین ہو اور اس میں دونوں وصفیں موجود

اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِيْ

ہیں کہا میں چاہتا ہوں کہ تجھے نکاح میں دوں ان دو میں سے ایک اپنی لڑکی اس شرط پر کہ تو میری مزدوری کرے

ثَمٰنِيَ حِجَجٍ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ

آٹھ سال پس اگر دس برس پورے کرو گے تو وہ تمہاری طرف سے (مہربانی ہوگی) اور میں تیرے اوپر مشقت نہیں ڈالنا

اَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَ

چاہتا امید ہے آپ مجھے اچھے لوگوں سے پائیں گے ان شاء اللہ! کہا موسیٰ نے یہ بات میرے آپ کے

بَيْنَكَ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿٢٨﴾

درمیان (پکی ہے) جو مدت میں پوری کرونگا میرے اوپر زیادتی نہ ہوگی اور اللہ ہمارے قول و قرار پر گواہ ہے

رَبِّ اِنِّيْ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس دعا میں حضرت موسیٰ نے اللہ سے روٹی کا ہی سوال کیا تھا کیونکہ جنگلی گھاس پتے کھا کھا کر نہایت کمزور ہو چکے تھے۔ جسم کا گوشت ختم ہو چکا تھا اور جو سبزی کھاتے تھے وہ باہر سے نظر آتی تھی بہرکیف جب حضرت شعیبؑ کی لڑکیاں جلد فارغ ہو کر قبل از وقت واپس گھر پہنچیں تو باپ نے ان سے جلدی واپس آجانے کی وجہ پوچھی تو ان دونوں نے حضرت موسےٰ کے ساتھ بیتا ہوا ماجرا سنایا تو آپ نے حکم دیا کہ ایک واپس چلی جاؤ۔ اور اس کو گھر میں بلا لاؤ۔ چنانچہ ان میں سے ایک شاہزادی واپس آئی۔

تَمْشِيْ :۔ یعنی دختر شعیب حیا و شرم کی رفتار چلتی ہوئی اور اپنے منہ پر آستین کا پردہ کئے ہوئے واپس آئی۔

لِيَجْزِيَكَ ۔ جب لڑکی نے حضرت موسیٰ کو پانی پلانے کی اُجرت دینے کی غرض سے گھر آنے کی دعوت دی تو آپ کو یہ بات پسند نہ آئی ایک دفعہ خیال کیا کہ نہ جاؤں لیکن پھر سوچا کہ اس زمین میں درندے بہت زیادہ ہیں۔ اور آبادی سے دور رہنا ویسے بھی ناموزوں سی بات ہے۔ اس جگہ رات بے چینی سے بسر کرنی پڑے گی۔ لہٰذا

دعوت کو قبول کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہ دیکھا۔ پس اس کے ہمراہ روانہ ہوئے پہلے تو لڑکی آگے چل رہی تھی لیکن حضرت موسیٰ نے اُسے پیچھے چلنے کی ہدایت فرمائی کہ ہم عورتوں پہ نظر کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ پس وہ پیچھے تھی اور کنکرہ آگے پھینک کر راستے کا اشارہ کرتی تھی یا بعض اوقات زبان سے راستہ بتا دیتی تھی۔ القصہ حضرت موسیٰ حضرت شعیب کے پاس عین اُس وقت پہنچے جب کہ وہ عشاء کا کھانا کھانے کے لئے تیار تھے۔ پس انہوں نے حضرت موسیٰ کو کھانے کی دعوت دی تو آپ نے انکار کیا۔ حضرت شعیبؑ نے پوچھا کیا آپ کو بھوک نہیں ہے؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ مجھے کھانے کی طلب تو ہے لیکن اس بات سے گھبراتا ہوں کہ مجھے اس کارِ خیر کا بدلہ نہ دیا جا رہا ہو جو میں نے کیا ہے کیونکہ ہم جو کام رضائے پروردگار کے لئے کرتے ہیں اس پہ مزدوری نہیں لیا کرتے۔ حضرت شعیب نے جواب دیا کہ یہ مزدوری نہیں بلکہ مہمان نوازی میرا آبائی طریقہ ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ اور اپنی سرگزشت بھی سنائی۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا آپ بے فکر رہیں ہمارا علاقہ فرعونی سلطنت کی حدود سے باہر ہے۔

قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا - حضرت شعیبؑ کی دو لڑکیاں تھیں۔ بڑی صفورا اور چھوٹی لیا تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بڑی کا نام صفرا اور چھوٹی کا نام صفیرا تھا۔ بہرکیف بڑی لڑکی موسیٰ کو بلا کر لائی تھی۔ اور روایت میں ہے کہ چھوٹی لڑکی نے باپ کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ ہمیں گھریلو کاروبار اور بالخصوص مویشیوں کو چرانے کے لئے ایک مزدور کی ضرورت تو ہے ہی کیونکہ آپ بزرگ اور بوڑھے ہیں۔ اور یہ کام نہیں کر سکتے۔ اور ہم پردہ داروں کے لئے مال چرانا اور جنگلوں میں سارا دن پھرنا مناسب نہیں۔ پس بہتر یہ ہے کہ اس کو آپ مزدور رکھ لیں، اور کسی اچھے مزدور میں جو وصفیں دیکھی جاتی ہیں وہ یہ کہ جسمانی لحاظ سے طاقتور ہو تاکہ کام کو اچھی طرح انجام دے سکتا ہو اور دوسرا یہ کہ وہ امین و دیانتدار ہو۔ اور اس شخص میں وہ دونوں وصفیں پائی جاتی ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ لڑکی کی اس درخواست اور وضاحت کے بعد حضرت شعیبؑ نے دریافت کیا کہ اس کی ان دو وصفوں کا تجھے کس طرح پتہ ہے تو اُس نے بتایا کہ کنوئیں کے منہ سے پتھر کو ہٹانا یا اکیلے پانی کا ڈول کھینچنا جو دس دس آدمیوں کے بغیر ناممکن کام تھے۔ اُس کی توانائی اور قوت کی دلیل ہے۔ اور اس کا ہماری خدمت کے باوجود ہماری طرف نگاہ نہ اٹھانا اور گھر کی طرف آتے ہوئے میرے آگے چلنے کو گوارا نہ کرنا اس کی دیانت و امانت کی دلیل ہے۔ حضرت شعیب علیہ السّلام کو لڑکی کا بیان پسند آیا اور حضرت موسیٰ کو اپنے ہاں رکھنے کی تجویز کو منظور فرمایا۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ حضرت شعیب علیہ السّلام محبتِ خدا میں اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تو اللہ نے دوبارہ بینائی عطا فرمائی۔ پھر اس قدر روئے کہ نابینا ہو گئے پھر اللہ نے بینا کر دیا حتیٰ کہ جب چوتھی بار آنکھوں کی بصارت کثرتِ گریہ کی وجہ سے کھو بیٹھے تو ارشادِ قدرت

ہوا۔ اے شعیب! کہاں تک روتے رہوگے؟ اگر دوزخ کا ڈر ہے تو میں نے تجھے اس سے امان دے دی ہے۔ اور اگر جنّت کی شوق ہے تو اس کا تیرے ساتھ میرا وعدہ ہے۔ عرض کی اے پروردگار! تو جانتا ہے کہ میں دوزخ کے ڈر یا جنّت کے لالچ میں گریہ نہیں کرتا بلکہ تیری محبّت اس قدر میرے دل میں راسخ ہے کہ ہر وقت تیری یاد میں روتا ہوں بس اللہ نے وحی کی کہ اگر تو اس قدر میری محبت میں رو کر آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھا ہے تو اب میں اپنے کلیم موسٰی بن عمران کو تیری خدمت کے لئے بھیجوں گا۔

حضرت شعیب علیہ السّلام نے حضرت موسٰی علیہ السّلام کو اپنے ہاں مزدور رہنے کی پیش کش کی۔ اور وہ اس طرح کہ اپنی لڑکی کا حضرت موسٰیؑ سے عقد کر دیا اور یہ شرط رکھ لی کہ آٹھ سال آپ میرے پاس مزدور رہیں گے اور اگر دس سال پورے کر دیں تو یہ مزید مہربانی ہوگی اور حضرت موسٰےؑ نے شرط کو قبول کر کے شادی کر لی اور وہاں رہائش پذیر ہو گئے۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابوذر حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اگر تم سے کوئی سوال کرے کہ موسٰی نے کون سی مدّت پوری کی تھی تو اس کو جواب دو کہ دونوں میں سے وہ جو زیادہ وفا شعاری اور بھلائی و خوبی کا پتہ دیتی ہے۔ یعنی دس سال اور اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ حضرت شعیبؑ کی کون سی لڑکی کے ساتھ حضرت موسٰی نے نکاح کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ چھوٹی لڑکی کے ساتھ عقد ہوا۔ بعض لوگ بڑی لڑکی کے ساتھ حضرت موسٰی کا نکاح بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بہر کیف قرآن مجید کے اس بیان سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس طرح کا نکاح ہو سکتا ہے کیونکہ موسٰی علیہ السّلام کی مزدوری بطور حق مہر کے تھی جس طرح روایاتِ اہل بیتؑ میں صراحت سے مذکور ہے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت صفوان بن یحیٰی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے آپ سے پوچھا گیا کہ حضرت شعیبؑ کی کون سی لڑکی موسٰے کو بلانے آئی تھی؟ تو آپ نے فرمایا یہ وہی تھی جس کے ساتھ بعد میں شادی ہوئی۔ سائل نے پوچھا کہ شرط کی مدّت کے پورا ہونے کے بعد ہمبستری ہوئی یا پہلے؟ تو آپ نے فرمایا کہ پہلے، تو سائل نے پوچھا کہ لڑکی کے باپ کے ساتھ دو سال کی مثلاً مزدوری کی شرط رکھ کر شادی کی جا سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت موسٰےؑ کو علم دیا گیا تھا کہ وہ اس شرط کو پورا کر لیں گے اور جانتے تھے کہ اس مدّت تک زندہ رہیں گے۔

شیخ ابوالحسن شعرانی نے تفسیر مجمع البیان کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ مذہب شیعہ میں آزاد انسان اگر اپنی مزدوری و منفعت کو عورت کا حق مہر قرار دے دے تو جائز ہے اور ظاہر آیت اس پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسٰے علیہ السّلام کا کام نکاح کے بدلہ میں تھا اور نکاح کا بدلہ حق مہر ہوا کرتا ہے لیکن اس بات پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حق مہر کی مالک عورت ہوتی ہے نہ کہ عورت کا باپ اور حضرت موسٰی علیہ السّلام کا عمل لڑکی کے باپ حضرت شعیب کے لئے تھا نہ کہ لڑکی کے لئے۔ تو اس کا جواب شعرانی نے کئی طریقوں سے دیا ہے۔ ۱۔ ممکن ہے بنی اسرائیل کی شریعت میں

لڑکی کا حق مہر لڑکی کے باپ کی ملکیت متصور ہوتا ہو (۲) ممکن ہے وہ دنبیاں اور مویشی حضرت شعیب کی اسی لڑکی کی ملکیت میں ہوں۔ اور حضرت شعیبؑ نکاح کو حق مہر میں بطور ولی شرعی کے بات کر رہے ہوں ۳۔ ممکن ہے لڑکی نے اپنے حق مہر کا مالک اپنے باپ کو قرار دے دیا ہو۔ بہرکیف قرآن مجید کا صاف اور واضح بیان اس طرح کے حق مہر کو جائز قرار دیتا ہے اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت شعیب نے اپنی لڑکی کا نکاح حضرت موسٰی سے الگ حق مہر مقرر کر کے کیا تھا اور اس رشتہ پر حضرت موسٰی سے اپنے ہاں آٹھ سال تک مزدور رہنے کی شرط مقرر کر لی تھی اور موسٰی سے اس کا عہد لے لیا تھا۔ اور اس آٹھ سالہ مزدوری کے لئے اُجرت الگ مقرر تھی جو حضرت موسٰی کو دی گئی یہ توجیہ بظاہر اچھی ہے لیکن ظاہر قرآن کے خلاف ہے اور اقوال اہل بیت میں اس کی تائید نہیں ملتی۔

حضرت موسٰیؑ کی مدین سے واپسی

رکوع ۷۔ فَلَمَّا قَضٰی۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام مقررہ مدت کے علاوہ دس برس اور بھی حضرت شعیب کے ہاں ٹھہرے رہے پس پورے بیس برس کے بعد واپس جانے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت شعیب نے بخوشی ان کو رخصت فرمایا

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

پس جب پورا کیا موسٰی نے مدت کو اور چلے اپنی اہلیہ کے ساتھ تو دیکھی طور کے پہلو سے

نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ

آگ، اپنی اہلیہ کو فرمایا تم ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے اُمید ہے کہ لاؤں میں

عصائے موسٰیؑ

تفسیر مجمع البیان میں ہے اس کے متعلق چند اقوال درج ہیں ۔۱۔ جب حضرت شعیبؑ نے حضرت موسٰی کی اپنی لڑکی سے شادی کی تھی تو یہ عصا ان کو دیا تھا تاکہ دنبیوں کی درندوں سے حفاظت کر سکیں۔۲۔ یہ عصا حضرت آدمؑ جنت سے اپنے ہمراہ لائے تھے اور ان کی موت کے بعد جبرئیل نے اُسے اٹھا لیا تھا اور حضرت موسٰیؑ کو رات کے وقت جانی حفاظت کے لئے دیا تھا۔۳۔ یہ عصا نبیوں کی یکے بعد دیگرے وراثت میں چلا آرہا تھا اور شعیب نے حضرت موسٰی کو دیا تھا۔۴۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ عصاء جنت کی لکڑی سے تھا اور مدین کی طرف آتے ہوئے حضرت جبرئیل نے موسٰی کو لا کر دیا تھا۔۵۔ یہ عصا ایک فرشتہ نے (بشکل انسانی) حضرت شعیبؑ کے حوالہ کیا تھا اور آپ نے اپنی لڑکی کو موسٰی کے لئے ایک عصا اٹھا لانے کو کہا تو ان کا ہاتھ اسی عصا پر پڑا۔ متعدد مرتبہ اس کو تبدیل کرنے کو کہا لیکن بار بار اسی پر ہاتھ پڑتا رہا تو آخرکار وہی موسٰی کو دے دیا۔ سورۂ اعراف کی تفسیر میں اس کے متعلق بیان گزر چکا ہے۔ بہرکیف حضرت موسٰی اپنی اہلیہ اور دنبیوں کو لے کر شام

کے ٹکراؤں کے خطرہ سے غیر معروف راستے پر روانہ ہوئے ۔ سردی کا موسم تھا اور سرد علاقہ تھا ۔ اس رات سردی زوروں کی پڑ رہی تھی ۔ اور رات کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں آپ اصلی راستے سے بھی کہیں دور ہٹ گئے تھے ، پس کوہِ طور کے دامن میں آپہنچے تو اسی اثناء میں اہلیہ کو دردِ زہ کی تکلیف بھی عارض ہو گئی ۔ خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ ایک طرف سرد ہوا چل پڑی اور تھوڑی تھوڑی بارش بھی شروع ہو گئی ۔ اس اثناء میں مویشیوں کا ریوڑ بھی منتشر ہو گیا ۔ حضرت موسیٰ تنہا تھے ۔ کوئی پاس مونس و غم خوار نہ تھا ۔ اور ایسے کڑے اور سخت اوقات میں عام انسانوں کا ہوش ٹھکانے نہیں رہتا ۔ یہ موسیٰ جیسے کلیم اللہ کا حوصلہ اور صبر و ضبط تھا کہ دامنِ توکل و رضا کو ہاتھ سے نہ چھوڑا ۔

اسی اثناء میں کوہِ طور کی دائیں جانب روشنی پر نظر پڑی تو یہ مایوسی کی تاریک رات میں صبحِ اُمید کی کرن سی معلوم ہوئی ، دل کو یک گونہ ڈھارس مل گئی ۔ پس اپنی بیوی سے فرمایا تم یہاں ٹھہرو ۔ میں اس آگ کے پاس جاتا ہوں تاکہ راستے کی کوئی خبر لاؤں یا آگ تھوڑی سی اُٹھا کر لاؤں تاکہ اُسے تاپ کر کم از کم سردی کی شدت سے بچ سکیں ۔

اَلْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ ۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ کو جوتے اُتار کر آگے بڑھنے کا حکم ملا تھا اور مبارک اس لئے ہے کہ اسی جگہ سے حضرت موسیٰ کو کلیم اللہ بننے کا شرف ملا ۔ اور رسالت و وحی و معجزہ و عصا اور ید بیضا اور تورات وغیرہ بھی اسی جگہ سے موسیٰ کو عطا کی گئی ۔

مِنَ الشَّجَرَةِ ۔ حضرت موسیٰ جب قریب پہنچے تو وہ آگ درخت سے روشن ہو رہی تھی ۔ اس کی تفصیل تفسیر کی جلد ۹، ص ۱۶۸ میں گزر چکی ہے ۔

مِنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّآ
اس سے کوئی خبر (راستہ کی) یا چنگاری آگ کی ، تاکہ تم اُسے تاپو پس جب
اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ
پہنچے وہاں تو وادی کے دائیں جانب زمین مبارک میں درخت
مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٠﴾
سے آواز آئی اے موسیٰ میں اللہ عالمین کا پروردگار ہوں

حضرت موسیٰ نے اپنی قدسی طاقت سے جان لیا کہ یہ کوئی راز ہے ۔ پس درخت سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں تو موسیٰ نے قدسی قوت سے یہ بھی پہچان لیا کہ یہ آوازِ قدرت ہے اور نبوت کے مقامات میں سے یہ بہت بلند مقام ہے کہ جبریل یا کسی دوسرے واسطے کے بغیر اللہ ان سے خود کلام کرے ۔

کلام کی ابتدا ۔ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۔ جب حضرت موسیٰ متعدد پریشانیوں میں گھر کر اس طرف قدم

بڑھا رہے تھے تو نہ جانے کیا کیا خیالات، جذبات و تفکرات دل و دماغ پر اضطرابی کیفیات میں اضافہ کے موجب بن
رہے تھے لیکن جونہی پروردگارِ عالم کی جانب سے شیریں لہجہ میں سُنا کہ میں عالمین کا پروردگار ہوں پس دل کی
ڈھارس بندھی اور طبیعت کے

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى
اور یہ کہ ڈالو اپنا عصا پس جب دیکھا کہ وہ تو حرکت کر رہا ہے جیسے سانپ تو پیچھے کو

مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ٣١
دوڑا اور نہ پلٹا (اللہ نے کہا) اے موسیٰ آجاؤ اور ڈرو نہیں تم امن پانے والوں میں ہو

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّاضْمُمْ
داخل کرو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں نکالو اس کو روشن بغیر برائی کے اور ملا لو اپنی طرف اپنا پہلو

اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ
خوف کو دُور کرنے کے لئے پس یہ دو دلیلیں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون کی

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ٣٢ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ
طرف اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف تحقیق وہ فاسق لوگ تھے کہا اے رب تحقیق میں نے

صبر و ضبط میں مزید حوصلہ
کی لہر دوڑی کہ جب
عالمین کا پروردگار میرے
ساتھ ہے تو مجھے کسی
فکر یا کسی خطرہ کے
محسوس کرنے کی ضرورت
ہی کیا ہے پس ہر فکر
لاحق سے بے نیاز
ہو کر کلامِ خالق کی مزید
چاشنی لینے کے لئے
ہمہ تن گوش بن کر متوجہ
ہوئے تو ارشاد ہوا
اپنے ہاتھ کا عصا زمین
پر پھینکو چنانچہ جب
اُسے پھینکا تو اُسے سانپ
کی شکل میں پایا کہ وہ تیزی سے اِدھر اُدھر حرکت بھی کرتا تھا پس اچانک اس واقعہ کے نمودار ہونے کے بعد ایک بار
جلدی سے پیچھے کی طرف ہٹے۔ اور مڑ کر بھی نہ دیکھا تو فوراً ندا پہنچی۔ اے موسیٰ اس سے ڈرو نہیں تم امن میں ہو پس
پیغامِ امن سُن کر طبیعت میں تسکین محسوس کی اور پھر توجہ کی تو دوسری آواز آئی کہ اپنے ہاتھ کو بغل میں ڈالو تو وہ بغیر
عیب و ریب کے سفید و روشن نکلے گا۔ پس یہ دو خارقِ عادت امر دیکھنے کے بعد حضرت موسیٰ کا دل پوری طرح
مطمئن ہو چکا تھا۔

وَاضْمُمْ اِلَيْكَ۔ جب حضرت موسیٰ اللہ کے حکم سے فیض یاب ہوئے اور دل میں تسکین نے جگہ لے لی، تو
چونکہ مصر کی جانب مراجعت فرما تھے لہذا فرعون کے خوف کا فکر جو کسی نہ کسی وقت دامن گیر ہوتا تھا اس کے

متعلق ارشاد ہوا ہے کہ اپنا پہلو اپنی طرف ملا لو خوفِ فرعون سے یعنی فرعون کے مظالم کے خوف کو بالکل دل سے الگ کر دو۔ وہ اب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا بعضوں نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ لو تو خوف جاتا رہے گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے دامنِ عزم و استقلال کو مضبوط تھام رکھو اور جو حکم تمہیں ابھی دیا جاتا ہے اس کی تعمیل میں کسی خوف و خطر کو دل میں جگہ نہ دو۔ ان کے علاوہ اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں۔

تنبیہ:۔ حضرت موسٰی کا قصہ قرآن کی متعدد سورتوں میں اس لئے دہرایا گیا ہے تاکہ قوم یہود کے علماء جو ہر وقت مسلمانوں کو چھیڑتے تھے اُن پر اُن کے نبی کے واقعات سے حجت تمام کی جا سکے۔

قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝٣٣ وَاَخِيْ

ان میں سے ایک آدمی کو قتل کیا ہے پس ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں　اور میرا بھائی

هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ

ہارون وہ فصیح تر ہے مجھ سے بولنے میں پس اُس کو میرے ساتھ بھیج معاون کے طور پر کہ میری

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝٣٤ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ

تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں مجھے جھٹلائیں گے (اللہ نے) کہا ہم مضبوط کر دیں گے تیرے بازو کو تیرے

بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ

بھائی کے ذریعے اور دیں گے تمہیں غلبہ　پس وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک بوجہ ہماری

اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝٣٥

نشانیوں کے　تم اور جو تمہاری پیروی کریں گے غالب ہوں گے

اَفْصَحُ مِنِّيْ۔ حضرت موسٰی علیہ السّلام نے آگ کا جو انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیا تھا اس سے جہاں ایک طرف آپ کے ہاتھ کو تکلیف پہنچی وہاں دوسری طرف آپ کی زبان میں تتلاہٹ پیدا ہو گئی تھی پس اللہ نے ان دونوں تکلیفوں کا موسٰیؑ کو خوب اجر دیا کہ زبان کو کلیم اللہ ہونے کا شرف بخشا اور ہاتھ کو یدِ بیضا کا معجزہ دیا جب پروردگار کی طرف سے پیغام رسالت پر مامور ہوئے تو حضرت ہارون کے لئے بھی درخواست پیش کر دی کہ وہ مجھ سے گویائی میں فصیح تر ہے کیونکہ اس کی زبان میں تتلا پن نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ میں ان میں سے ایک آدمی کو قتل بھی کر چکا ہوں لہذا بیان و احتجاج کے ساتھ ساتھ تصدیق و

تائید کے لئے اس کا میرے ہمراہ ہونا ضروری ہے۔ پس اللہ نے اس کی درخواست کو قبول فرمایا۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا کہ موسیٰ نے فرعونیوں کا ایک آدمی قتل کیا تھا لیکن وہاں جانے سے گھبراہٹ ظاہر کی۔ ادھر حضرت علیؑ نے مکہ کے اکابر چن چن کر قتل کئے ہوئے تھے لیکن جب سورہ برات کی تبلیغ کا حکم ہوا تو بلا جھجک روانہ ہوگئے اور نہایت نڈر اور بے باک ہو کر باآواز بلند سورۂ برأت کی تبلیغ فرمائی۔ اور ذرہ بھر ہچکچاہٹ نہ محسوس کی۔

بِاٰیٰتِنَا۔ اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قریبی فعل سے متعلق ہے اور معنی وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے۔ اور دوسری یہ کہ یَغْلِبُوْنَ سے متعلق ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ ہم تجھے اپنی آیات و معجزات کے ساتھ غلبہ دیں گے کہ وہ تمہاری طرف نہ پہنچ سکیں گے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

پس جب آیا ان کے پاس موسیٰ ہماری واضح نشانیوں کے ساتھ کہنے لگے یہ نہیں مگر جادو بناوٹی

مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

اور ہم نے نہیں سنیں ایسی باتیں اپنے بزرگوں میں اور کہا موسیٰ نے

رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ

میرا رب جانتا ہے جو اس کی جانب سے پیغام لے کر آئے اور جس کے لئے نیک انجام ہے (اور وہ

الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا

ہم ہیں)، تحقیق نہ چھٹکارا پائیں گے ظالم لوگ اور فرعون نے کہا اے سرداران قوم میں نہیں جانتا

عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ

تمہارے لئے کوئی خدا اپنے علاوہ پس آگ جلاؤ اے ہامان مٹی پر (یعنی پختہ اینٹیں تیار کرو)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام آگ لینے کے لئے گئے تھے۔ اور رسالت و معجزات لے کر پلٹے تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ جس چیز کی تو توقع رکھتا ہے اس سے زیادہ اس چیز کی امید رکھ جس کی تجھے توقع نہیں ہے اور آپ نے پھر حضرت موسیٰؑ کی مثال پیش فرمائی۔ بہرکیف انسان کے حق میں اللہ کا فیصلہ بہت اچھا ہوتا ہے اور اسی پر رضامند رہنا ہی انسانیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ بعض اوقات مٹی اٹھانے کے لئے زمین کھودی جاتی ہے لیکن خزانہ نکل آتا ہے اور بعض اوقات سونا و جواہرات اٹھانے کے لئے انسان ہاتھ بڑھاتا ہے اور سانپ و بچھو پر ہاتھ پڑتا ہے۔ غیر متوقع چیز کی

توقع رکھنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی حکومت اور اس کا فیصلہ ہماری توقعات سے بلند و بالا ہے اور ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کچھ دیر کے بعد واپس اپنی زوجہ کے پاس پلٹے تو زوجہ نے عرض کی آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ (آگ تو نزدیک دکھائی دے رہی تھی اور آپ کو کافی دیر لگ گئی تھی اور جس مقصد کے لئے گئے تھے، وہ بھی ظاہراً پورا نہ ہوا تھا کیونکہ آگ نہ لائے اور نہ فوراً واپس آئے تو فطری طور پر یہ سوال ہونا چاہیے تھا کہ کہاں چلے گئے تھے اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟) تو آپ نے جواب دیا کہ میں اس آگ کے پروردگار کی جانب سے آیا ہوں پس وہ خاموش ہوگئیں، بہرکیف طے منازل کے بعد آپ مصر میں پہنچے اور حضرت ہارون کو جو آپ سے تین برس بڑے تھے ساتھ ملایا۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ میں اب بھی اس کو دیکھ رہا ہوں، لمبی قد، گندمی شکل، پشمینہ پہنے ہوئے، عصا ہاتھ میں کر لئے اور گدھے کے چمڑے کا جوتا پاؤں میں دربارِ فرعون کے دروازے پر جا پہنچے اور فرعون کی طرف جاتے ہی پیغام بھجوایا کہ میں عالمین کے پروردگار کا فرستادہ تیرے پاس آیا ہوں۔ فرعون کے پاس پالتو شیر رکھے ہوئے تھے پس نوکروں کو حکم دیا کہ شیروں کی زنجیریں کھول دیں اور یہ اس کی عادت تھی کہ جب بھی کسی کو سزا دیتا تھا تو اس کو شیروں کے آگے ڈال دیتا تھا تاکہ وہ اسے اس طرح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ شاہی دربار تک پہنچنے کے لئے یکے بعد دیگرے کو دروازے تھے۔ اور ہر دو دروازوں کے درمیان شیر و درندے موجود تھے۔ پس جب پہلے دروازے پر ہاتھ مارا تو اس کی دھمک سے سارے دروازے کھل گئے۔ جب شیروں نے دیکھا تو وہ آپ کے قدموں پر گر کر دُم ہلانے لگے۔ فرعون جو اپنے ہم نشینوں کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا سخت گھبرا گیا کہنے لگا ہم نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا پس حضرت موسیٰ بے دھڑک اندر چلے گئے۔ فرعون نے حکم دیا کہ ایک آدمی اس کو پکڑے اور دوسرا آدمی اس کی گردن تلوار سے اڑا دے تو جبریل نے تلوار سے یکے بعد دیگرے فرعونیوں میں سے چھ آدمیوں کی گردنیں کاٹ دیں۔ تب فرعون نے گھبرا کر کہا کہ اسے چھوڑ دو۔ حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ گریبان میں داخل کیا اور باہر نکالا تو اس قدر روشن تھا کہ اس کی شعاع سے فرعون کی آنکھیں چندھیا گئیں پس آپ نے اپنے عصا کو زمین پر ڈالا تو وہ بہت بڑا اژدہا بن گیا اور اس نے پورے فرعونی محل کو نگلنے کے لئے منہ کھولا تو فرعون نے فوراً طلبِ معافی اور سوچنے کے لئے مہلت مانگ لی۔ مفصل واقعہ اور اس کی وجہ پہلی جلدوں میں گزر چکی ہے۔

فَاَوْقِدْلِیْ ۔ فرعون نے ہامان کو اینٹیں پختہ تیار کرنے کا حکم دیا۔ اور کہتے ہیں کہ پختہ اینٹوں سے مکان تیار کرنے والا پہلا شخص فرعون ہے۔ پس انہوں نے بہت بلند مکان تعمیر کیا لیکن اللہ نے تیز و تند آندھیوں کے ذریعے اسے مسمار کر دیا اس کے بعد فرعون نے ہامان کو ایک تابوت بنوانے کا حکم دیا کہ اس میں گدھ پالی جائیں۔ اور اس تابوت کے چاروں کونوں پر بلند لکڑیاں باندھی جائیں جن کے سرے پر گوشت لٹکا دیا جائے اور ادھر ادھر گدھوں کو بھوکا رکھنے کے بعد ان کے پاؤں کو مضبوط تاگوں کے ذریعے تابوت سے باندھ دیا جائے جب وہ پوری طاقت سے گوشت حاصل کرنے کے لئے اڑیں گی تو تابوت کو

اُڑائے جائیں گی چنانچہ اس تجویز کے بعد فرعون اور ہامان دونوں اس تابوت میں بیٹھ گئے اور گدھوں نے گوشت کی طرف پرواز کی کوشش کی چنانچہ تابوت زمین سے بلند ہوا اور جوں ہی گدیں زور سے پرواز کرتی گئیں تابوت اٹھتا ہوا اُوپر کو بلند ہوتا گیا حتیٰ کہ کافی بلندی پہ پہنچنے کے بعد فرعون نے ہامان سے کہا اب اُوپر کی طرف دیکھو کیا ہم آسمان کے قریب پہنچے ہیں یا نہیں ؟ جب ہامان نے جھانک کر دیکھا تو کہا آسمان تو اتنا ہی دُور ہے جتنا زمین سے دکھائی دیتا تھا پس ناکام واپس زمین پر پلٹ آئے ۔

فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ

پس بنا میرے لئے ایک محل تاکہ میں سراغ لگاؤں موسٰے کے خدا کا اور یقینا میں تو اسے جھوٹا

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ

خیال کرتا ہوں اور تکبر کیا اس نے اور اس کے لشکر نے زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ

ناحق اور خیال کیا کہ وہ ہماری طرف نہ پلٹیں گے تو ہم نے گرفت

وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

میں لیا اسے اور اس کے لشکر کو اور ان کو پھینکا سمندر میں تو دیکھو کیسا انجام ہوا ظالم

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَ

لوگوں کا اور کیا ہم نے ان کو ایسے امام جو بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور قیامت

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ

کے دن ان کی مدد نہ کی جائے گی اور ان کے پیچھے لگائی ہم نے اس دنیا

الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾

میں لعنت اور وہ قیامت کے دن رسوا ہونے والوں میں ہوں گے

فرعون اپنے زمانے کا بدترین متکبر مزاج اور استبداد پسند حکمران تھا وہ اپنی رعایا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ایسے کرتب کرتا رہتا تھا پہلے تو کہا اونچا مکان بناؤ تاکہ وہاں جاکر میں دیکھوں موسےٰ کا خدا کہاں ہے ؟ پھر تابوت بنوا کر اس میں بیٹھ کر پرواز کی تاکہ لوگوں پر یہ تاثر قائم کیا جائے کہ اگر کہیں خدا ہوتا تو فرعون اور اس کا عملہ اس کو پکڑ لاتے یا اگر وہ طاقتور ہوتا تو فرعون اس کے سامنے جھک جاتا رعایا یہ سب کچھ دیکھتی رہی ان کے عقول اس قدر شستہ نہیں تھے کہ وہ اس سے زیادہ کچھ سوچ سکتے چنانچہ فرعون نے جب یہ

دعوے کیا کہ میں نے اپنی مقدور بھر کوشش کرنے کے بعد یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ تمہارے لئے میرے علاوہ اور کوئی

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ

اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب بعد اس کے کہ ہم نے ہلاک کیا پہلی اُمتوں کو (قرن بعد قرن)

الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

لوگوں کو بصیرت حاصل کرنے کے لئے اور ہدایت و رحمت تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوسَى الْاَمْرَ وَمَا

اور نہ تھا تو (کوہ طور کی) غربی جانب جب کہ جاری کیا ہم نے موسیٰ کی طرف اپنا حکم اور نہ تھا تو

كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ

حاضرین میں سے لیکن ہم نے پیدا کیا اُمتوں کو قرن بعد قرن، پس لمبی ہوگئی ان پر مدت

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

(درمیانی وقفہ کی)، اور تو نہیں ٹھہرا ہوا تھا اہل مدین میں جو پڑھتا ہماری آیات کو لیکن ہم ہیں (تم کو)

اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ

رسول بنا کر بھیجنے والے اور تو نہیں تھا کوہ طور کے پہلو میں جب ہم نے ندا دی تھی لیکن یہ

رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ

تیرے رب کی (تیرے اوپر) رحمت ہے تاکہ تو قوم کو ڈرائے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانیوالا نہیں آیا

دوسرا خدا نہیں ہے تو لوگ مان گئے۔ ایک دفعہ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ میں تمہارا بڑا رب ہوں اور تفسیر برہان میں طبرسی سے منقول ہے کہ فرعون کے دو دعووں میں چالیس برس کا فاصلہ تھا۔

فِي الْيَمِّ ۔ بعضوں نے اس سے دریائے نیل مُراد لیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سمندر مُراد ہے۔ کیونکہ حضرت مُوسٰی علیہ السّلام مصر سے قوم بنی اسرائیل کو لے کر صحرائے سینا کی طرف آئے تھے اور اس راستہ میں دریائے نیل نہیں پڑتا بلکہ سمندر راستہ میں حائل تھا جسے مُوسٰے علیہ السّلام اعجازی طور پر اپنی قوم سمیت پار کر گئے اور فرعون لشکر سمیت غرق ہوگیا قصہ کی تفصیل سابق جلدوں میں گزر چکی ہے۔ جلد ۷ صفحہ ۱۶۹ و جلد ۲ صفحہ ۱۲۶

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے غلط راستہ ایجاد کیا ۔ اور دُوسرے

لوگوں کو اس پر چلنے کی دعوت دی یا خود بخود لوگ شیطانی دعوت کی بنا پر اس راستہ پر گامزن ہو گئے تو وہ لوگ اپنے بعد میں آنے والے تمام ان لوگوں کے لئے امام باطل ہوں گے جو اُن کے پیچھے چلیں گے پس آیت مجیدہ کی تنزیل گذشتہ زمانے کے غلط کار پیشیرؤوں اور لیڈروں پر صادق آتی ہے لیکن اس کے تاویلی مصداق ہر زمانے کے باطل امام ہیں جنہوں نے آئمہ حق کے مقابلہ میں امامت و قیادت کا عَلَم بلند کیا۔ پس دنیا میں ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت برستی رہے گی۔ اور قیامت کا عذاب اُن کے لئے دائمی ہوگا اور ایسے امام و ماموم دونوں سزاؤں میں برابر کے شریک ہوں گے۔

شاہد ہونے کی نفی

رکوع ۶: اَلْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی: قرون جمع ہے قرن کی۔ اور قرن زمانہ کی ایک حد کا نام ہے۔ لیکن یہاں مُراد اہلِ زمانہ ہیں۔ اور ہم نے مُرادی ترجمہ اُمّتیں لی ہیں۔ یعنی پہلی اُمّتوں کے ہلاک ہونے کے بعد ہم نے مُوسٰی کو کتاب دے کر بھیجا۔

بَصَآئِرَ۔ یعنی تورات کی آیتیں لوگوں کے لئے بصیرت حاصل کرنے کی دلیلیں ہیں۔ اور ہدایت اور رحمت کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ ترکیب نحوی کے لحاظ سے بعض نے اسے فعلِ سابق سے حال بنایا ہے لیکن علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ چونکہ حج کے معنی میں ہے اور اسمِ جامد کے حکم میں ہے لہذا حال نہیں بن سکتا بلکہ کتاب سے بدل ہے اور اسم نکرہ، معرفہ سے بدل ہو سکتا ہے۔

بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ۔ یعنی تو کوہ طور کی مغربی جانب موجود نہ تھا جب ہم نے موسٰی کو احکامِ رسالت دے کر فرعون کی طرف روانہ کیا اور اگرچہ تو خود حاضر و شاہد نہ تھا لیکن ہم نے تجھے بذریعہ وحی اطّلاع دے دی ہے تاکہ تیرے لئے معجزہ ہو اور قوم اِسے تیری نبوت کی دلیل سمجھے۔

اَنْشَاْنَا۔ یعنی ہم نے قرن بعد قرن قوموں کی طرف رسول بھیجے اور منکرین پر عذاب نازل کیا لیکن ایک کے بعد دوسری قوم چونکہ کافی عرصہ کے بعد انبیاء کی ہدایات سے بہرہ ور ہوئی۔ لہذا اُن کو گذشتگان کے عذاب کے قصے فراموش ہو گئے پس وہ دین کا مرے سے انکار کرنے لگے تھے کہ اس سے پہلے کوئی نبی آیا ہی نہیں اسی طرح کافی خلا کے بعد ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا۔ یعنی تو اہل مدین میں بھی موجود نہ تھا کہ ان لوگوں پر چشم دید واقعات بیان کرتا لیکن ہم نے اپنی رحمت سے تجھے علم نبوت عطا کر دیا۔ اِسی طرح آپ کوہِ طور پر موسٰے کی کلام کے وقت بھی موجود نہ تھے لیکن ہم نے تجھے علم دے دیا۔ اپنی رحمت سے تاکہ تو اس قوم کو میرے عذاب سے ڈرائے جن کی طرف تجھ سے پہلے کوئی نبی نہیں بھیجا گیا۔

لَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ۔ اس لَوْلَا کا جواب محذوف ہے یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ عذاب میں گرفتار

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (٤٦) وَلَوْلَا أَنْ تُصِيبَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اگر نہ ہوتی یہ بات کہ ان کو ہماری گرفت کی مصیبت پہنچے بوجہ اپنے

قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ

کئے ہوئے اعمال کے تو کہنے لگ جائیں کہ تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا تا کہ تیری آیات کا اتباع

آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (٤٧) فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا

کرتے اور مومن ہوتے (تو ہم رسول نہ بھیجتے یعنی رسولوں کا بھیجنا اتمام حجت کے لئے ہے) پس جب ان کے پاس ہماری طرف سے

قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَى أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ

حق پہنچا تو کہنے لگے اس کو کیوں نہیں دیئے گئے (معجزات) جو موسیٰ کو دیے گئے تھے کیا وہ نہیں کفر کر چکے اس کا جو

مُوسَى مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ

موسیٰ کو دیا گیا اس سے پہلے کہنے لگے دونوں جادو ہیں ایک دوسرے کے مددگار اور کہنے لگے ہم ان سب کا

كَافِرُونَ (٤٨) قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَى

انکار کرنیوالے ہیں کہہ دو لاؤ کوئی کتاب اللہ کی طرف سے جو ان دونوں سے زیادہ موجب ہدایت ہو

مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (٤٩) فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ

تاکہ میں اس کی اتباع کر سکوں اگر تم سچے ہو پس اگر تیری بات نہ مانیں تو جان لو کہ سوائے

فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ

اس کے نہیں کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو خواہش

ہونے کے بعد اپنا عذر
پیش کرتے کہ ہمیں کسی نے
راہِ حق بتایا ہوتا تو ہم
گمراہ نہ ہوتے تو ہمیں نبی
بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی
لیکن ہم نے اپنے
لطف و کرم سے اپنے
لوگوں پر اتمامِ حجت کے
لئے رسولوں اور نبیوں کو
بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا۔
سِحْرَانِ یعنی
توریت اور قرآن دونوں
ایک دوسرے کے بعد
جادو کی شکل میں نمودار ہوئے
اور ایک دوسرے کے یہ
مددگار ہیں۔ شانِ نزول
یہ ہے کہ کفارِ مکہ نے
یہودِ مدینہ کی طرف اپنے
نمائندے بھیجے اور رسولِ
اکرمؐ کے دعویٰ نبوت
کے متعلق دریافت کیا
تو جب یہ لوگ مدینہ
میں پہنچے اُس دن یہودیوں
کی عید تھی۔ یہودی
علماء نے حضرت محمد مصطفٰےؐ کی جو تعریفیں توریت میں موجود تھیں بیان کیں چنانچہ جب ان لوگوں نے واپس

بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۵۰

کی اتباع کرے بغیر ہدایت خداوندی کے تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۵۱ ۭ اَلَّذِيْنَ

اور تحقیق ہم نے کھول کھول کر ان کو بات بتا دی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں وہ لوگ جن کو ہم

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۵۲ وَاِذَا يُتْلٰى

نے دی کتاب اس سے پہلے وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور جب ان پر اس کی

عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۵۳

تلاوت کی جائے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے کہ یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے تحقیق ہم پہلے سے اسلام

اُولٰۗىِٕكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ

رکھتے ہیں وہ لوگ دیئے جائیں گے اپنا اجر دوبارہ بوجہ صبر کے اور دور کرتے ہیں نیکی کے ساتھ

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۵۴ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ

برائی کو اور ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں اور جب سنیں کوئی لغو بات تو اس سے

اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۵۵

منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل تم پر سلامتی ہو ہم جاہلوں سے نہیں

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ

الجھتے۔ تحقیق تو نہیں ہدایت کر سکتا جسے چاہے لیکن اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہے اور وہ

آکر اہل مکہ کو خبر دی تو مشرکین مکہ کہنے لگے تورات اور قرآن دونوں جادو ہیں۔ جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ ہم ان میں سے کسی کو نہیں مانتے۔

رکوع نمبر ۹

وَصَّلْنَا۔ یعنی لگاتار آیت کے بعد آیت نصیحت کے بعد نصیحت اور سابق اُمتوں میں سے ایک کے بعد دوسری اُمتوں کے تذکرے تفصیل وار اُن کے سامنے بیان کئے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اہلِ کتاب سے ایمان لانے والے

اَلَّذِيْنَ۔ شانِ نزول بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام تمیم۔ جارود اور سلمان فارسی کے حق میں اتری اور بعض کے نزدیک یہ آیتیں اُن چالیس آدمیوں کے حق میں ہیں جو عیسائی تھے اور بعثت سے پہلے آپ پر ایمان رکھتے تھے ان میں سے بتیس ۳۲ وہ ہیں جو

حضرت جعفر طیار کے ہمراہ حبشہ سے آئے تھے۔ اور آٹھ شام سے آئے تھے۔ بحیرا ابرہہ۔ اشرف۔ عامر۔ ایمن۔ ادریس نافع۔ تمیم۔ مَرَّتَيۡنِ ۔ ان کو دوگنا اجر ملے گا۔ ایک اجر تو اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر سابق پر ایمان لانے کا۔ اور دوسرا اجر قرآن مجید اور حضرت رسالت مآبؐ پر ایمان لانے کا۔

سَلَامٌ عَلَيۡكُمۡ :۔ یعنی جب کفار خواہ مخواہ ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے تم کو امان و سلامتی ہے کہ ہم تمہیں نہیں چھیڑیں گے۔

اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ ۔ یعنی اسلام کی تبلیغ کرنا آپ کا کام ہے لیکن دلوں میں حقیقتِ اسلام کا داخل کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔

ایمان ابوطالب

جن لوگوں کے دلوں میں حضرت علی علیہ السّلام سے بغض تھا انہوں نے حضرت ابوطالب کو بھی اپنی بدزبانی کا ہدف بنایا۔ اور حضرت علی کی تنقیص و توہین کے طور پر ان کے والد ماجد حضرت ابوطالب کے کفر کا پرچار کیا چنانچہ اس آیت مجیدہ کے متعلق بھی کہہ دیا کہ حضرت ابوطالب کے حق میں اُتری ہے کیونکہ حضورؐ اپنے چچا کے اسلام کے خواہش مند تھے اور اللہ کو اس کا اسلام پسند نہ تھا۔ اسی طرح ایک دوسرے مقام پر حضرت حمزہ کے قاتل وحشی کا مسلمان ہونا حضورؐ کو پسند نہ تھا لیکن اللہ کو اس کا اسلام پسند تھا۔ پس اللہ کا ارادہ پورا ہوا کہ ابوطالب ایمان نہ لا سکا اور وحشی قاتل حمزہ مسلمان ہوگیا۔ علّامہ طبرسی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جس طرح نبی پر اللہ کے اوامر و نواہی کی مخالفت کرنا حرام ہے اسی طرح اس پر اللہ کے ارادہ و منشاء کی خلاف ورزی کرنا بھی حرام ہے۔ اور اگر ان لوگوں کی بات کو صحیح مانا جائے کہ اللہ کو ابوطالب کا ایمان پسند نہ تھا تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی پسند الگ الگ تھی اور منشا جدا جدا تھا تو ان کے اعتقاد کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اے رسولؐ تو اس کا ایمان چاہتا ہے اور میں اس کا ایمان نہیں چاہتا۔ اور نہ میں اس کو ایمان لانے کی توفیق دیتا ہوں حالانکہ وہ تیری تربیت کا کفیل ہے۔ کفار و مشرکین کے مقابلے میں اس نے تیری بھرپور مدد کی ہے۔ تیرے ساتھ والہانہ محبّت رکھتا ہے اور تیرا محسن بھی ہے۔ اور تو وحشی کے ایمان کو پسند نہیں کرتا کیونکہ اس نے تیرے چچا حمزہ کو قتل کیا ہے لیکن میں اس کے ایمان کو چاہتا ہوں اور اس کے دل میں نورِ ایمان کو پیدا کرتا ہوں۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس معنی میں رسولؐ کی بھی توہین ہے اور دین خدا بھی ایک ایسا نظریہ بن جاتا ہے جس کو کوئی عقلمند اپنانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

علّامہ طبرسی فرماتے ہیں ہم نے سورۂ انعام کی تفسیر میں حضرت ابوطالب کے ایمان پر اہل بیت نبوی کا اجماع ذکر کیا ہے۔ اور وہاں حضرت ابوطالب کے بعض ان اشعار کا بھی ذکر کیا ہے جو اُن کی توحید و نبوت کے عقیدہ کی پختگی پر روز روشن کی طرح دلالت کرتے ہیں اور اُن کے پورے قصائد کو اگر جمع کیا جائے تو ایک ضخیم دیوان بن سکتا ہے۔ نیز کتب مغازی میں حضرت ابوطالب کی خدمات، حضور کے دوستوں سے دوستی اور آپ کے دشمنوں سے بیزاری اور آپ کی ہر ممکن مدد اور دفاع نیز آپ کے دعوائے نبوّت کی تصدیق و اعلان کی روایات شمار سے

باہر ہیں۔ (ملخصًا دمجمع البیان)، ہم نے تفسیر کی جلد نمبر ۸ میں از صلہ تا صلہ حضرت ابوطالب کے ایمان پر مفصل بحث کی ہے اس جگہ بھی بعض احادیث کا ذکر کرنا خالی از فائدہ نہیں ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت امالی شیخ ابن عباس سے منقول ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابوطالب نے جناب رسالتمآبؐ سے سوال کیا کہ اگر آپ اللہ کی جانب سے برحق رسولؐ ہیں تو کوئی معجزہ دکھا دیجئے ؟ پس آپ نے فرمایا: چچا جان سامنے والے درخت سے کہہ دیجئے کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو، چنانچہ آپ کے ارشاد سے وہ درخت آپ کے قریب آگیا اور اپنی شاخیں قدموں میں رکھ دیں ۔ اور پھر واپس چلا گیا۔ حضرت ابوطالب نے یہ معجزہ دیکھتے ہی کلمۂ شہادت زبان پر جاری کیا اور اپنے فرزند حضرت علی کو حکم دیا کہ حضورؐ کی خدمت کو ہرگز ترک نہ کرنا ۔ اور بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب جناب فاطمہ بنت اسد نے حضرت ابوطالب کو پیغمبرؐ کی ولادت کی خبر دی تو حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ میں تجھے ایک بچے کی خوش خبری دیتا ہوں جو نبوت کے علاوہ باقی تمام صفات میں اسی جیسا ہوگا۔ (برہان)

بروایت کافی عبید بن زرارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے نقل کرتا ہے کہ جب حضرت ابوطالب کی وفات ہوئی تو حضورؐ کو حکم ہوا...... کہ اب مکّہ میں تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے ۔ لہذا یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔

بروایت ابن بابویہ محمد بن مروان نے بھی آپ سے اسی معنی کی روایت نقل کی ہے۔

بروایت کافی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت ابوطالب نے جناب رسالتمآبؐ کی رسالت کا اقرار کیا تھا اور آپ کی تمام دینی تبلیغ پر ایمان لایا تھا اور جس دن سابق وصیتیں اس نے آپ کے سپرد کیں اسی دن انتقال فرما گئے ۔

سیّد ابن طاؤس سے طرائف میں منقول ہے کہ دشمنانِ آلِ محمدؐ کے تعصب کی انتہا ہے کہ انہوں نے اس جگہ آیت مجیدہ کا شانِ نزول حضرت ابوطالب کے حق میں ٹھہرایا ہے کہ حضورؐ اپنے چچا ابوطالب کے ایمان کے خواہشمند تھے ۔ اور اللہ نے اس کو ردّ فرما دیا۔ اس کے بعد انہوں نے کتاب نزول القرآن کے حوالہ سے ابوالمجدین کے بیان کا ذکر کیا کہ حسن بن فضل کا آیت مجیدہ کے متعلق نظریہ یہ ہے کہ شانِ نزول حضرت ابوطالب کے حق میں کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ سورہ مجیدہ مدینہ منورہ میں اُترنے والے سورتوں میں سے سب سے آخر میں اُترا۔ اور حضرت ابوطالب کا انتقال ابتدائے اسلام میں ہوا۔ جب کہ حضورؐ مکّہ میں ہی تشریف فرما تھے ۔ البتہ یہ سورہ حارث بن نعمان بن عبدمناف کے حق میں اُترا ہے ۔ اس نے ایک دن عرض کی تھی کہ ہم آپ کو برحق جانتے ہیں اور آپ کے دین کو بھی صحیح اور برحق تسلیم کرتے ہیں لیکن عرب اقوام کے ڈر سے ہم تیری پیروی نہیں کر سکتے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے وہ طاقت میں ہم سے قوی تر ہیں۔ اگر وہ ناراض ہو گئے تو ہمیں اپنے گھروں سے بھی نکال

دیں گے پس یہ آیت نازل ہوئی

أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ

جانتا ہے ہدایت پانیوالوں کو — اور کہنے لگے اگر ہم پیروی کریں ہدایت کی تیرے ساتھ تو اچک لئے

مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ

جائیں گے اپنے وطن سے تو کیا ہم نے ان کو تمکین نہیں دی امن والے حرم میں کہ جمع کئے جاتے ہیں اس کی

شَيْءٍ رِّزْقًا مِّن لَّدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا

طرف ہر قسم کے پھل ہماری جانب سے رزق کے طور پر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے — اور کس قدر ہلاک کیا ہم

مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن

نے ان بستیوں کے باشندوں کو جنہوں نے دین میں لاپرواہی کی بوجہ کھلی روزی کے تو یہ دیکھو ان کے اجڑے ہوئے

بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥٨﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ

گھر کہ ان میں آباد نہ ہوسکے مگر تھوڑے اور ہم ہی ان کے وارث ہیں — اور نہیں رب تیرا ہلاک کرتا بستیوں کو

الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ

یہاں تک کہ وہ بھیجتا ہے ان میں سے صدر شہر میں رسول جو تلاوت کرے ان پر ہماری آیات کی اور نہیں ہم ہلاک

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا أُوتِيتُم

کرتے بستیوں کو مگر اس وقت جب اس کے رہنے والے ظالم ہوتے ہیں — اور تم جو کچھ دئے جاؤ

سید ابن طاؤس فرماتے ہیں، علماء کی روایت میں موجود ہے کہ ابوطالب نے مرنے سے پہلے اپنے فرزند حضرت علی کو جناب رسالت مآبؐ کی خدمت کی وصیت کی تھی اور یہ اعتراف کیا تھا کہ حضورؐ نیکی و بھلائی کی ہی دعوت دیتے ہیں، اور حضورؐ نے ان کے حق میں دعائے خیر بھی کی تھی۔ پس ان کے قول کے مطابق حضرت ابوطالب کا نظریہ حضورؐ کے متعلق خیر تھا اور حضورؐ نے بھی اس کو دعائے خیر دی تھی اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کو ابوطالب کے ایمان کا پتہ نہ ہوتا تو ان کے لئے دعائے خیر نہ فرماتے۔ اور اگر دوسری کوئی دلیل نہ بھی ہو تو صرف خاندانِ عصمت سے

طہارت اور خاندانِ نبوت و رسالت کی تصدیق ہی حضرت ابوطالب کے ایمان کی ناقابلِ تردید برہان ہے کیونکہ حضورؐ نے ان کو قرآن کا ساتھی بتلایا ہے اور گھر والے ہی اپنے خاندانی افراد کے باطنی حالات سے دوسروں کی

ہو شبہات واقف تر ہوتے ہیں۔ وَقَالُوٓا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حارث بن نوفل نے کہا تھا کہ آپ کا دین تو سچا ہے لیکن اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو عرب لوگ ہمیں اپنے گھروں سے بھی اچک لیں گے تو اس کے جواب میں ہے کہ ہم نے ان کو اپنا حرم سکونت کے لئے دیا ہے اور اس میں کسی کی مجال نہیں کہ خارج میں کا داخل ہو سکے اور اس کے ساکنین پر قتل و غارت کا بازار گرم کر سکے اور ہم نے باوجود غیر آباد اور غیر ذی زرع ہونے کے اس میں بسنے والوں کے لئے رزق کا ایسا انتظام کیا ہے کہ اطرافِ عالم سے ہر قسم کے پھل میوہ جات اور دیگر خورد و نوش کی اشیا کھنچ کر اس شہر کی طرف آجاتی ہیں پھر ان لوگوں کو کسی دوسری قوم سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بَطِرَتۡ یعنی ان سے پہلے بھی لوگوں کو ہم نے فراوانی سے رزق دیا اور انہوں نے دین میں لاپرواہی کی یا بغاوت کی تو ہم نے ان کو اپنے عذاب سے ہلاک و برباد کر دیا اور ان کے اجڑے ہوئے برباد گھر اب بھی ان کے سامنے ہیں۔ قومِ عاد کے شہر احقاف میں تھے۔ قوم ثمود وادی قریٰ میں تھی اور قوم لوط سدوم

مِنۡ شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَزِیۡنَتُهَا ۚ وَمَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَیۡرٌ وَّ

وہ زندگی دنیا کا نفع ہے اور اس کی زینت ہے حالانکہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے

اَبۡقٰی ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿٦٠﴾ اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰهُ وَعۡدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیۡهِ

اور باقی رہنے والا ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے کیا جس کے ساتھ ہم وعدہ کریں اچھا وعدہ (جنت) پس وہ اسے پالے

کَمَنۡ مَّتَّعۡنٰهُ مَتَاعَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ثُمَّ هُوَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ مِنَ

تو وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جس کو ہم دنیاوی زندگی کا عارضی نفع دیں پھر وہ بروز قیامت پیش

الۡمُحۡضَرِیۡنَ ﴿٦١﴾ وَیَوۡمَ یُنَادِیۡهِمۡ فَیَقُوۡلُ اَیۡنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیۡنَ کُنۡتُمۡ

(جوابدہی کے لئے) اور جس دن ان کو بلائے گا اور پوچھے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جو تم نے سمجھے ہوئے

تَزۡعُمُوۡنَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِیۡنَ حَقَّ عَلَیۡهِمُ الۡقَوۡلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ

تھے کہیں گے وہ لوگ جن پر بات پوری اترے گی (بڑے پیشوا) اے پروردگار! ان لوگوں کو

اَغۡوَیۡنَا ۚ اَغۡوَیۡنٰهُمۡ کَمَا غَوَیۡنَا ۚ تَبَرَّاۡنَاۤ اِلَیۡکَ ۫ مَا کَانُوۡۤا

ہم نے گمراہ کیا ہم نے ان کو اس طرح گمراہ کیا جس طرح ہم خود گمراہ تھے ہم تیری طرف (ان سے) بیزار

اِیَّانَا یَعۡبُدُوۡنَ ﴿٦٣﴾ وَقِیۡلَ ادۡعُوۡا شُرَکَآءَکُمۡ

ہیں یہ ہمارے پجاری نہیں تھے اور کہا جائے گا بلاؤ اپنے شریکوں کو پس وہ

فَدَعَوۡهُمۡ فَلَمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَهُمۡ وَرَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ لَوۡ اَنَّهُمۡ

انہیں بلائیں گے تو وہ ان کو جواب نہ دیں گے اور دیکھیں گے عذاب کو (تو کہیں گے) کاش

ہیں تھی۔ اور یہ لوگ آتے جاتے اِن مقامات سے گزرتے تھے۔ پس ان کو ان سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اُمِّهَا۔ یعنی بستیوں کی ماں، اور یہ لفظ دار الخلافہ یا صدر مقام پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور مکہ کو بھی اسی لئے اُمّ القریٰ کہا جاتا ہے کہ پورے خطۂ عرب میں اس زمانے میں بڑا شہر تھا اور اسے عرب کے صدر مقام کی حیثیت حاصل تھی۔

رکوع نمبر ۱

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ ، یعنی مومن جس کے ساتھ اللہ کی طرف سے جنّت کا وعدہ ہے اگرچہ وہ دنیا میں تنگ دست ہو اس کا درجہ بہتر ہے جو دنیا میں عیش و عشرت کی خوش حال زندگی بسر کرنے اور آخرت میں اسے جواب دہی کے لئے پیش ہونا پڑے۔ اسی بنا پر حدیث میں وارد ہے اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔ یعنی دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنّت ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک بدحال یہودی نے معصوم سے یہ سوال کیا تھا کہ میں بدحال ہوں اور آپ خوش حال ہیں۔ حالانکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے دنیا میں مجھے خوشحال ہونا چاہیئے تھا اور آپ کو بدحال تو آپ نے فرمایا تجھے انجام آخرت کی خبر نہیں ہے اس لئے یہ بات کہتا ہے مومن کو جب جنت میں انعام و اکرام حاصل ہوگا اس کے مقابلہ میں دنیا اسے قید خانہ معلوم ہوگی خواہ وہ دنیا میں کتنا ہی خوش حال ہو۔ اور کافر جب عذاب جہنم میں جلے گا تو دنیاوی زندگی اسے جنّت معلوم ہوگی خواہ کتنی ہی مصیبت اور تکلیف میں گزری ہو۔ مَتَاعَ۔ متعہ اور نفع میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ متعہ اس منفعت کو کہتے ہیں جس میں فوری طور پر لذت ہو اور دکھ نہ ہو اور نفع میں بعض اوقات دکھ تکلیف جھیل کر فائدہ تک رسائی ہوتی ہے بنابریں نفع کا مفہوم متعہ کے مفہوم سے عام ہے پس جو متعہ ہوگا وہ نفع ضرور ہوگا لیکن جو نفع ہو اس کے لئے متعہ ہونا ضروری نہیں ہے تَزْعُمُوْنَ۔ زعم سے مراد وہ عقیدہ ہے جو ظن یا علم سے حاصل ہو کیونکہ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی نہ کسی ظنّی یا علمی طریق سے اس نظریہ تک پہنچتے ہیں اگرچہ اس کے مقدمات غلط ہوتے ہیں۔ شُرَكَآءِىَ۔ یہاں شرکاء کی نسبت کفار سے دی گئی ہے اس لئے کہ ان لوگوں نے ان کو شرکاء سمجھ رکھا تھا ورنہ درحقیقت اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ فَعَمِيَتْ۔ یعنی سوال کے جواب میں وہ اس طرح عاجز ہوں گے جس طرح

كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ

وہ ہدایت یافتہ ہوتے — اور جس دن ان کو بلائے گا پس کہے گا کہ تم نے رسولوں

اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ

کو کیا جواب دیا تھا؟ — تو ان سے بات نہ بن آئے گی اس دن

يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

اور نہ ایک دوسرے سے پوچھنے کی فرصت ہوگی

نابینا انسان صحیح راستہ پر چلنے سے عاجز ہوتا ہے اور ان کے دماغ سے جواب کا تصور مفقود ہو جائے گا جس طرح نابینا آدمی کے دماغ سے صحیح راستے کا تصور مفقود ہوتا ہے۔ البتہ نابینا آدمی کسی دوسرے سے دریافت کر کے راستہ پر گامزن ہو سکتا ہے لیکن ان لوگوں کے لئے یہ بات بھی نہ ہو گی کیونکہ ہیبت و جلالِ خداوندی کے سامنے اور عذابِ جہنم کی دہشتناک خبر سننے کے بعد اُن کے ہوش ٹھکانے نہ رہیں گے۔ پس ہر انسان اپنے عرق میں غرق ہو گا اور اپنی فکر میں کھویا ہو گا۔ کسی کو کسی سے بات کرنے کا ہوش تک نہ رہے گا۔

فَعَسٰى۔ قرآن مجید میں اللہ کی طرف جہاں بھی اس قسم کی نسبت ہے تو اس کا معنی رجا اور اُمید نہیں بلکہ یقین اور وجوب اس کا معنی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ توبہ کرنے والے نیک مومن یقیناً چھٹکارا پانے والے ہوں گے۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ

لیکن جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے تو یقیناً وہ ہوگا چھٹکارا پانے

الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ

والوں میں سے اور تیرا رب جو چاہے پیدا کرے اور جس کو چاہے چُن لے۔ نہیں ہے ان

لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

کو چننے کا حق پاکیزہ ہے اللہ اور بلند ہے اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَ

اور تیرا رب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں ان کے سینے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور

هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَ

وہ اللہ ہے نہیں کوئی معبود مگر وہ اس کے لئے حمد ہے دنیا اور

الْاٰخِرَةِ ؗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ

آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے کہہ دیجئے

خلق و اختیار

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ آیت مجیدہ میں خدا نے خلق اور اختیار کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو مشرک کہا ہے۔ پس جس طرح ہر چیز کا خالق وہ خدائے یکتا ہے۔ اسی طرح اپنی جانب سے نمایندہ چننے اور مقرر کرنے کا اختیار بھی صرف اسی کی ذات کو حاصل ہے۔ وہ جس کو چاہے رسول بنا دے یا نبوت کا عہدہ دیدے۔ اور اسی طرح نبی و رسول کا قائمقام بھی چونکہ اللہ کی جانب سے نمایندگی کا فریضہ ادا کرتا ہے لہٰذا اس کا انتخاب بھی وہی کر سکتا ہے۔ چنانچہ بعد والی آیت میں صراحت سے فرماتا ہے کہ پروردگار ہی لوگوں کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اور چننے کا حق بھی اُسی کو ہے جو حقیقت کا علم رکھتا ہو۔ اور اللہ ہی وہ

پاک ذات ہے جو خلق و اختیار کے لحاظ سے بلکہ ہر لحاظ سے قابل حمد ہے۔ اس کے کسی فیصلے کو کسی وقت چیلنج نہیں

ءَرَاَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ

کیا جانتے ہو اگر کر دے اللہ تم پر رات ہمیشہ روز

الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾

قیامت تک تو کون الٰہ ہے اللہ کے سوا جو تمہارے لئے روشنی لے آئے کیا تم سنتے نہیں ہو

قُلْ ءَرَاَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ النَّہَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ

کہہ دیجئے کیا جانتے ہو اگر کر دے اللہ تم پر دن کو ہمیشہ روز قیامت

الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِلَیْلٍ تَسْکُنُوْنَ فِیْہِ اَفَلَا

تک تو کون الٰہ ہے اللہ کے سوا جو تمہارے سکون کے لئے رات کو لے آئے کیا تم سمجھتے

تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَّحْمَتِہٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّہَارَ

نہیں ہو اور اس کی رحمت میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن کا

لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

انتظام کیا تاکہ سکون کرو (رات میں) اور تلاش کرو اس کا رزق (دن میں) اور تاکہ شکر کرو

وَیَوْمَ یُنَادِیْہِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَکَآءِیَ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور جس دن ان کو بلائے گا پس پوچھے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جو تم سمجھتے تھے

وَنَزَعْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیْدًا فَقُلْنَا ہَاتُوْا بُرْہَانَکُمْ فَعَلِمُوْٓا

اور لائیں گے ہر امت سے گواہ (رسول) پس ہم کہیں گے لاؤ اپنی برہان کو پس جائیں گے کہ

اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰہِ وَضَلَّ عَنْہُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

تحقیق حق اللہ کے لئے ہے اور دور ہو جائے گی ان سے وہ چیز جس کا افترا باندھتے تھے

کیا جا سکتا۔ لہذا دنیا و آخرت میں وہ حمد کا ہی سزاوار ہے۔ جب کوئی قوم کسی کا ظاہر و باطن نہ جاننے کی بدولت اپنا صحیح نمائندہ نہیں چن سکتی تو کسی قوم کو خدا کا نمائندہ چننے کا حق کیسے پہنچ سکتا ہے اور ان کا چنا ہوا آدمی خدائی نمائندہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ ءَرَاَیْتُمْ ۔ ان آیات میں اللہ تعالے نے اپنی تدبیر اتم اور نظام اکمل میں سے صرف ایک جزی کو پیش فرما کر اپنی توحید کو واضح فرمایا ہے کہ اگر اللہ رات کو قیامت تک کے لئے تم پر مسلط کر دے تو اس کے سوا کون ہے جو دن کی روشنی کا تمہارے لئے انتظام کر سکے اور اسی طرح اگر وہ دن کو قیامت تک کے لئے تم پر مسلط کر دے تو اس کے سوا کون ہے جو تمہارے سکون کے لئے رات کا تبادل انتظام کر سکے؟ پس اس مصلحت میں غور

کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دن اور رات کا تبادل نظام انسانوں پر اللہ کی رحمت ہے کہ دن کی روشنی میں رزقِ حلال کی تلاش میں کاروباری فرائض انجام دو۔ اور رات کی پُرسکون فضا میں دن کی تھکاوٹ دُور کرنے کے لئے آرام کی نیند کرو۔ اور اپنے محسن کا شکر ادا کرو۔ پھر تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ بروزِ قیامت اللہ پوچھے گا کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم میرا شریک قرار دیتے تھے اور رسولوں کو بطور گواہ پیش کرے گا اس وقت یہ لوگ جانیں گے کہ اللہ کا فیصلہ حق ہے۔

رکوع ۱۱ - قارون کا واقعہ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قارون حضرت موسٰی کا چچازاد تھا۔ کیونکہ قارون کا باپ یصہر بن قاہث تھا اور حضرت موسٰےؑ کا والد عمران بن قاہث تھا۔ اور حضرت جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ وہ آپ کا خالہ زاد تھا۔ اور ان دونوں روایتوں میں جمع ممکن ہے کیونکہ دو بھائیوں کے گھروں میں دو بہنیں ہوں تو اُن کی اولاد چچازاد بھی ہوتی ہے اور خالہ زاد بھی۔ البتہ یہاں ایک تیسری روایت بھی ہے کہ قارون حضرت عمران کا بھائی اور حضرت موسٰیؑ کا چچا تھا واللہ اعلم اور منقول ہے کہ وہ خوبصورت خوش آواز اور قاریٔ تورات تھا۔ حتّٰی کہ پوری قوم بنی اسرائیل میں قرائت میں اس کی نظیر کوئی نہ تھا جب خوش آوازی سے تورات کو پڑھتا تھا تو

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ

تحقیق قارون حضرت موسٰی کی قوم میں سے تھا پس اس نے بغاوت کی ان پر اور ہم نے دئے اُس کو

مِنَ الْكُنُوْزِ مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي

اتنے خزانے کہ ان کی چابیاں بمشکل اٹھا سکتا تھا ایک طاقتور گروہ جب کہ اس کو

الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (۷۶)

اپنی قوم نے کہا کہ اتراؤ نہیں تحقیق اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا

لوگ عش عش کر اُٹھتے جس طرح بنی اسرائیل میں سامری منافق ثابت ہوا۔ اسی طرح یہ شخص بھی نفاق کی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا۔

فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۔ بغاوت کا لغوی معنی ہے بلا استحقاق اُونچے مرتبہ کا طالب ہونا۔ اسی بنا پر حکومتِ جور کے نمائندوں کو باغی کہا جاتا ہے۔ دولت مندی اور روپیہ پیسہ کی فراوانی کی بدولت قارون نے اپنی ساری قوم پر سربلندی کی کوشش کی۔ اور اپنی بڑائی پر اترانا شروع کر دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے اس کو بنی اسرائیل پر تحصیلدار مقرر کر دیا تھا چنانچہ یہ بدطینت انسان ان بیچاروں پر ناجائز طور پر زیادہ ٹیکس لگاتا اور ان سے جبراً وصول کرتا تھا۔

انوارِ علمیہ

۱۔ کنوز جمع ہے کنز کی۔ لغت میں مال جمع کرنے کو کہا جاتا ہے۔ اور عرفِ عام میں زمین کے نیچے دفن شدہ مال کو کنز کہا جاتا ہے۔ اور اصطلاحِ شرعیہ میں ہر اُس مال کو کنز کہا جاتا ہے جس سے واجباتِ شرعیہ ادا نہ ہوں۔ خواہ وہ مال گھر میں ہو یا بنک میں اور زمین کے اُوپر، ظاہر ہو یا زیر زمین پنہاں ہو اور قرآن مجید میں جہاں مال کے خزانہ کرنے والوں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ وہاں صاحبانِ کنز سے وہی لوگ مراد لئے گئے ہیں جو واجبات ادا نہ کریں۔

۲۔ مفاتح۔ جمع ہے مفتاح کی جس طرح کہ مفاتیح بھی اس کی جمع آتی ہے۔ اصل اس کا معنی چابی ہے اور یہاں بھی بعض مفسرین کے نزدیک یہی مراد ہے کہ قارون کے خزانے کی چابیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ ایک طاقت ور جماعت ان کو بمشکل اٹھا سکتی تھی لیکن اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس جگہ مفاتیح سے مراد خود خزانہ ہے لیعنی اس کے خزانہ (زر و جواہر) اس قدر تھے کہ طاقتور جماعت سے اُن کا اٹھانا مشکل تھا اور اس کی نظیر قرآن میں موجود ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ یعنی اللہ کے پاس غیب کے خزانے ہیں۔

۳۔ لَتَنُوْٓءُ

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ
اور طلب کر بذریعہ اس کے جو اللہ نے تجھے عطا کیا ہے آخرت کے گھر کو اور نہ بھول جا اپنا حصہ
نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ
(نیکی و خیر کا) دنیا سے اور (لوگوں پر) احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور نہ طلب کر
وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾
(ایسا عمل جو موجب) فساد ہو زمین میں تحقیق اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا

نَوْءٌ سے مراد اس قدر بوجھ جس سے اٹھنا مشکل ہو اسی مناسبت سے عرب لوگ مشرق سے اُٹھنے والی ہواؤں کو انواء سے تعبیر کرتے ہیں جو بارش کا پیش خیمہ ہوتی ہیں اس کا تعدیہ باب افعال اور حرف جر دونوں سے کیا جا سکتا ہے چنانچہ اَنَاءَہٗ اور نَاءَ بِہٖ دونوں مستعمل ہوتے ہیں۔ ۴۔ عصبہ۔ ایسی جماعت کو کہتے ہیں جو مل جل کر ایک کام کریں اس کی تعیین میں چند اقوال ہیں ۱۔ تین سے دس تک (۲) دس سے پندرہ تک، تیسرا قول دس سے چالیس تک کا ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ چالیس آدمیوں کی جماعت کو عصبہ کہا جاتا ہے۔

لَا تَفْرَحْ۔ فرح کا معنی خوش ہونا اور مرح کا معنی تکبّر کرنا اور اترانا یہاں فرح مرح کے معنی میں ہے۔

وَابْتَغِ۔ یعنی اللہ کی عطا کردہ دنیاوی نعمات مال و دولت اور صحت و تندرستی وغیرہ کے ذریعے آخرت کی بھلائی

سکے لئے اعمال بجالاؤ اور دنیا سے جو آخرت کا حصہ کمانا ہے اس کو لذاتِ دنیا میں منہمک ہو کر پس پشت نہ ڈال دے اور اسی قسم کا ایک نصیحت آمیز فقرہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے بھی منقول ہے کہ اپنی قوت ۔ صحت ۔ فراغت ۔ شباب ۔ فرصت اور دولت کو منفعتِ اُخروی کے حصول کے لئے خرچ کرو ۔ اور یہ بات بھول نہ جاؤ ۔ اور مروی ہے کہ قارون باوجود دولت مند ہونے کے حد درجہ بخیل تھا ۔ حتّٰے کہ اپنی ذات پر خرچ کرنے سے بھی بخل کرتا تھا ۔ اس لئے اُس کو کہا گیا کہ منافع دنیاوی میں سے جائز و درست حد تک خود بھی فائدہ اٹھاؤ ۔ اور فالتو مال سے اپنی قوم کے حاجت مند افراد کی دستگیری کرو ۔ اور صفتِ احسان کو اپنے اندر پیدا کرو ۔ جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے بہرکیف قارون بنی اسرائیل میں بہت بڑا مالدار بلکہ پوری قوم میں رئیس اعظم تھا ۔ کوٹھیاں ، بنگلے اور اس زمانہ کا تمام عیش و عشرت کا سامان اس کے پاس وافر موجود تھا ۔ بایں ہمہ راہِ خدا میں خرچ کرنے میں پکّا بخیل تھا ۔ اس بنا پر روایات میں ہر بخیل دنیا دار کو قارون سے تمثیل دی گئی ہے ۔ جس طرح عالم بے عمل کو ابلیس سے ۔ سلطانِ بے عدل کو فرعون سے اور فقیر بے صبر کو کتے سے تشبیہ دی جاتی ہے ۔

قارون کا ذریعہ آمدنی

قارون کی دولت مندی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ چونکہ اندرونی طور پر حضرت موسٰی کا مخالف تھا اور منافقانہ چال کا مالک تھا ۔ اس لئے فرعون کا مقرّب تھا اور بنی اسرائیل سے ہر کاری ٹیکس وصول کرنے پر سرکاری ملازم تھا ۔ اس لئے پیسہ کمانے کا اچھا خاصہ ذریعہ اس کے پاس موجود تھا ۔ پس اس نے ظالمانہ رویّے کے ماتحت بنی اسرائیل سے ناجائز طور پر خوب روپیہ کمایا اور خزانے جمع کئے ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پڑھا لکھا آدمی تھا اور تجارت میں پوری مہارت رکھتا تھا ۔ نیز زمینداری کا کاروبار بھی جانتا تھا ۔ پس محنت و مشقت کرکے یا تجارتی کاروبار کرکے کافی دولت کمانے میں کامیاب ہو گیا اور تیسرا قول یہ ہے کہ کیمیا گر تھا اور اس فن میں کافی مہارت رکھتا تھا چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السّلام نے کیمیا گری کے تین اجزا کرکے اپنے تین معتمدین میں

قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِىٓ ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ قَدْ

وہ کہنے لگا یقیناً مجھے یہ چیز عطا ہوئی ہے علم (کیمیا) کی بدولت جو میرے پاس ہے کیا وہ نہیں جانتا کہ تحقیق

أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِۦ مِنَ ٱلْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَ

اللہ نے ہلاک کیں اس سے پہلے کئی ایسی قومیں جو اس سے طاقت میں سخت تر اور جمعیت میں کثیر تر

أَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْـَٔلُ عَن ذُنُوبِهِمُ ٱلْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ

تھیں اور یقینی مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا پس اپنی قوم کے پاس آیا

سے ایک ایک جزو ہر ایک کو تعلیم فرمایا چنانچہ ایک جزو قارون کو ۔ دوسرا یوشع کو اور تیسرا جزو حضرت ہارون کے فرزند کو سکھایا قارون

چونکہ طبعاً چالاک و ہوشیار قسم کا آدمی تھا۔ اس نے منت سماجت سے یا خوشامد و چاپلوسی سے ان دونوں سے کیمیا گری کے دونوں باقی جزو حاصل کر لئے اور جو اس کے پاس تھا وہ ان کو نہ بتایا پس اس نے فن کیمیا گری میں کامیابی حاصل کر لی۔ اور چند دنوں میں بہت بڑا دولت مند ہو گیا۔ پس کوٹھیاں، بنگلے تعمیر کرا لئے۔ سنتری اور پہرہ دار ملازم بھی رکھ لئے اور خدمت گاری اور نوکری کے لئے غلام و کنیزیں بھی مہیا کر لیں۔ اسی طرح سواری و تفریح کے لئے اچھے اچھے گھوڑے بھی خرید کر لئے۔ غرضیکہ تعیش دنیاوی کا ہر قسم کا انتظام اس کے پاس موجود تھا۔ جو اُس زمانہ میں دستیاب ہو سکتا تھا۔

زمانہ حاضرہ میں کافی لوگوں کو کیمیا گری کے شوق و شغف میں سرگردان پایا ہے۔ بعض مخفی طور پر اور بعض اعلانیہ طور پر اس دلربا جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہزاروں روپوں کا زیاں اور وقت کا ضیاع اس لامتناہی عشق کا ادنیٰ نذرانہ ہے جس کو قلاش و کنگال عاشق بھی کہیں نہ کہیں سے تلاش کر کے طوعاً پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ مسلسل ناکامیوں کے بعد بھی نہ عاشق مایوس ہوتا ہے نہ تھکتا ہے اور نہ بے تحاشا خرچ شدہ روپے کے احساس میں کوفت محسوس کرتا ہے۔ بلکہ مسرتوں سے دوچار ہونے والی دلہن کی طرح چہرہ ہشاش بشاش اور صورت میں ہر وقت مسکراہٹ جیسی شگفتگی نمودار رہتی ہے۔

مشہور ہے کہ جناب فضہ خادمہ خاتونِ جنّت کو اس فن میں مہارت حاصل تھی۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کی طرف ایک نظمیہ نسخہ بھی منسوب ہے۔ خذ الفرار ... الخ کیمیا گری کے شائقین کو اب تک ان اشعار کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آسکا۔ اس میں شک نہیں کہ سیماب اور آملہ سار کی صحیح ملاوٹ اور پختگی یقیناً نتیجہ خیز ہے۔ اور ہمارے بعض قریبی احباب اس کا تجربہ بھی کر چکے ہیں۔

سنا ہے کہ بھارت کے علاقہ ہردوار میں ریلوے اسٹیشن شو آشرم کے قریب ایک ہندو سادھو جسے گسائیں کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس کی رہائش دریائے جمنا کے کنارے کوہ ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے۔ جہاں آس پاس جڑی بوٹیاں بکثرت دستیاب ہو سکتی ہیں جن میں کیمیائی تاثیرات پروردگار نے تفویض کی ہیں وہ نسخہ مذکورہ بالا کے اجزا کو مختلف طریقوں سے تیار کرتا ہے۔ عام طور پر جڑی بوٹیوں کے ذریعہ سے اور بعض اوقات جڑی بوٹیوں کے بغیر اکسیر خالص بنانے میں مہارت تامہ اس کو حاصل ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان میں بھی بعض لوگوں کے متعلق سُنا ہے نسخہ مذکورہ کے بنانے میں عروج کامیابی سے ہمکنار ہیں۔ واللہ اعلم۔ ہمیں جہاں سے یہ نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ اس کی اصل بھی وہی ہندو سادھو ہے۔ جس کا ذکر گزر چکا ہے اور معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ وہ ہندو سادھو جس کی عمر اس وقت تقریباً پونے چار سو برس بیان کی گئی ہے۔ جس نے مغلِ اعظم اکبر بادشاہ کا زمانہ اور اُس کا جاہ و جلال اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ اپنے فن کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کی طرف منسوب کرتا ہے اور

کہتا ہے کہ میرا استاد جو تقریباً ایک ہزار سال کی عمر گزار کر فوت ہوا ہے وہ اپنے عنفوانِ شباب میں جڑی بوٹیوں کی تلاش اور سیر و تفریح کے عنوان سے ایک دفعہ مدینہ منورہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا اور طب کے موضوع پر آپ سے گفتگو کی تھی (شاید طبیب ہندی جس کا ذکر کتب احادیث میں آتا ہے یہی شخص ہو) چونکہ یہ شخص خواہش نفس کے خلاف کافی ریاضت کر چکا تھا تو اس نے کسی خارق عادت امر کا مظاہرہ کیا۔ پس امام نے فرمایا اگر خواہش نفس کی مخالفت تجھے اس مرتبہ تک لائی ہے تو اسلام کو قبول کر لو۔ تاکہ لذات آخرت سے محروم نہ ہو۔ اس نے کہا کہ دل نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس مقام پر بھی اپنی دلی خواہش کی مخالفت کرو۔ چنانچہ اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اور امام نے اس کو کوہ ہمالیہ کے دامن میں پیدا ہونے والی جڑی بوٹیوں کے خواص تعلیم فرمائے اور اس کے علاوہ علم طب کے متعلق کافی ہدایات دے کر اس کو رخصت فرمایا۔

وَلَا يُسْئَلُ :۔ یعنی بروز محشر مجرموں سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ بلا سوال و جواب جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔ البتہ اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ خدا فرماتا ہے فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ۔ یعنی ہم سب سے بازپرس کریں گے۔ اور اس مقام پر فرماتا ہے کہ مجرموں سے بازپرس نہ کی جائے گی بلکہ پوچھ گچھ کے بغیر ان کو داخل جہنم کیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر بھی ارشاد ہے۔ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ کہ کسی جن و انس سے اس کے گناہ نہ پوچھے جائیں گے بلکہ فرشتے ان کو علامتوں سے پہچان کر سر اور پاؤں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خداوند کریم کو حساب لینے کی ضرورت تو ہے نہیں۔ کیونکہ وہ سب انسانوں کے حالات کو کلی و جزوی طور پر جانتا ہے۔ پس مقصد یہ ہے کہ فیصلہ کرنے میں ان سے جواب کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ فیصلہ تو اس سے پہلے ہو چکا ہوگا۔ البتہ تنبیہ و توبیخ کے لئے اور ان کو مزید شرمسار کرنے کے لئے ان سے پوچھے گا کہ تم نے فلاں فلاں کام کیا تھا؟ پس جہاں وارد ہے کہ پوچھا جائے گا۔ وہاں مقصد یہ ہے کہ فیصلہ کے لئے نہیں پوچھا جائے گا۔ کیونکہ بیانات پر فیصلہ اس لئے موقوف ہوتا ہے کہ مجسٹریٹ و جج لوگ صحیح واقعات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ اور اللہ چونکہ دانا و بینا ہے لہذا اس کو اس امر کی احتیاج نہیں ہے۔ اور دنیاوی عدالتوں میں علم ظاہری کی بنا پر فیصلہ ہوتا ہے جو بغیر بیانات کے ناممکن ہے۔ لیکن اُخروی عدالت کا فیصلہ علم واقعی پر موقوف ہوگا۔ جو بیانات کا محتاج نہیں ہے۔ مجرم اور مذنب میں یہ فرق ہے کہ مجرم وہ گنہگار ہے جس کا گناہ قابل بخشش نہیں رہا یا توبہ پر موفق نہیں ہو سکا۔ اور مذنب وہ گنہگار ہے جس کا گناہ قابل بخشش ہے۔ اسی لئے پیغمبر شفیع المذنبین ہے۔ شفیع المجرمین نہیں ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۔ یعنی قارون ایک دن اپنی قوم بنی اسرائیل کے ہاں آیا تو اپنی پوری ٹھاٹھ کا اس نے مظاہرہ کیا۔

ایک قول یہ ہے کہ چار ہزار گھوڑے سوار ملازم اس کے ہمرکاب تھے جو ارغوانی ریشمی لباس میں ملبوس

باقرینہ و باادب اُس کے سامنے اپنی نیازمندی کا اظہار کرنے والے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے خوب صورت کنیزیں دائیں بائیں اُس کی نوکری کے لئے حاضر تھیں جن کا ریشمی لباس تھا۔ اور زیورات سے خوب آراستہ تھیں۔ قارون نے اپنے منافقانہ رویّے کے ماتحت حضرت موسٰی علیہ السّلام کی قوم کے بھوکے قلّاش اور سادہ مزاج آدمیوں کے ایمان سے کھیلنے کے لئے اپنی دولت وحشمت اور جاہ ومنزلت کا یہ مظاہرہ کیا تھا جو مستقبل قریب میں اس کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ چنانچہ اس کی ظاہری ٹھاٹھ کو دیکھ کر جن لوگوں کے ایمان غیر پختہ تھے۔ ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اور جن لوگوں کی نظریں دنیاوی زندگی تک ہی محدود تھیں۔ وہ اس کو بخت سمجھنے لگے۔ اور اپنے لئے بھی اسی قسم کے بخت کی تمنائیں ظاہر کرنے لگے۔ لیکن جو لوگ ایمان میں پختہ اور یقین میں راسخ تھے۔ اور ان کے اندر علم وعرفان کی قندیلیں روشن تھیں فوراً کہنے لگے کہ یہ عارضی متاع عنقریب زائل ہونے والا بخت ہے۔ تم اس فضول خواہش میں نہ پڑو۔

فِیْ زِیْنَتِهٖ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ

اپنی ٹھاٹھ کے ساتھ تو کہنے لگے وہ لوگ جو دنیاوی عیش کے متوالے تھے۔ ہائے افسوس

لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ

ہمارا اتنا ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے تحقیق وہ بڑے بخت کا مالک ہے اور کہا ان لوگوں نے

الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ

جنہیں معرفت دی گئی تم پر ولئے ہو اللہ کی طرف سے دیا جانے والا بدلہ بدرجہا بہتر ہے

صَالِحًا وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ

ان کے لئے جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں اور نہیں موفق ہوتے ایسی باتوں کے لئے مگر صابر لوگ پس دھنسوا دیا ہم

الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین سے پس نہ تھی اس کی کوئی ساتھی جماعت جو اس کی مدد کر سکتی بغیر اللہ کے

بلکہ دنیاوی رنج و تکلیف پر صبر سے وقت گزار کر اخروی زندگی اور اللہ سے عطا ہونے والے انعامات کی تمنائیں دل میں رکھو اور اللہ کی جانب سے عطا ہونے والی اخروی زندگی کی نعمات جو اس چند روزہ عیش وعشرت سے بدرجہا بہتر ہیں کا صبر و تحمل اور ایمان وعمل سے انتظار کرو۔

قارون پر نزول عذاب :

اس واقعہ کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ قرآن مجید

میں صرف اتنا ہی ہے فَخَسَفْنَا بِهٖ الخ کہ ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنس دیا اور زمین اس کو نگل گئی اور تفسیر مجمع البیان میں روایاتِ عامہ سے منقول ہے کہ قارون نے بنی اسرائیل میں سے ایک بدکار عورت کو دو ہزار نقد کی پیش کش اس شرط پر کی کہ وہ بنی اسرائیل کے بھرے مجمع میں موسٰی پر زنا کی تہمت عائد کرے۔ چنانچہ عورت نے یہ شرط قبول کر لی اور قارون نے ہزار ہزار کی دو تھیلیاں پیش کر دیں جن پر اس کی مہر ثبت تھی جب گھر پہنچی تو دل میں سوچا کہ میں ہر قسم کی برائی سے آلودہ ہو چکی ہوں اور کیا اب اللہ کے برحق پیغمبر کو بدنام کرنے کا گناہ بھی اپنے سر لے لوں؟ پھر دل میں عہد کر لیا کہ یہ گناہ ہرگز نہ کروں گی۔ چنانچہ صبح سویرے وہ دونوں تھیلیاں بنی اسرائیل کے مجمع میں لائی اور صاف صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھے یہ دو مہر شدہ تھیلیاں اس شرط پر دی ہیں کہ میں بھرے مجمع میں موسٰی پر اپنے متعلق زنا کا الزام لگاؤں اور معاذ اللہ میں اللہ کے برحق پیغمبر پر یہ الزام ہرگز نہیں لگاتی۔ پس حضرت موسٰی سخت ناراض ہوئے اور قارون پر بددعا کی تو اللہ نے بذریعہ وحی اطلاع دی کہ میں نے زمین کو تیرے تابع کیا ہے۔ اس کو جو حکم کرے گا وہ تعمیل کرے گی۔ اور قارون کی اس سازش کی وجہ بحار الانوار میں یہ ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ہزارواں حصہ زکوٰۃ کا حکم سنایا تو قارون نے زکوٰۃ سے بچنے کے لئے یہ تجویز سوچی تھی اور بنی اسرائیل کے بعض دوسرے مالدار آدمیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور اس میں یہ ہے کہ عورت مذکورہ جب بنی اسرائیل کے مجمع میں پہنچی تو بولنے کے لئے اٹھی پس فوراً اس کی زبان بند ہو گئی جب تین دفعہ اس کو یہ واقعہ پیش آیا تو توبہ کر لی اور حضرت موسٰی کے سوال کے جواب میں اس نے قارون کی ساری سازش کی قلعی کھول دی پس موسٰی نے بددعا کی اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ جب حضرت موسٰی بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر مصر سے نکل گئے تو ایک کھلی زمین میں پہنچے۔ پس خدا نے ان پر من و سلویٰ بھی نازل فرمایا اور پتھر سے بارہ پانی کے چشمے بھی ابلے تو بنی اسرائیل کو اللہ کا یہ انعام و احسان راس نہ آیا۔ انہوں نے حضرت موسٰی سے زمین کی سبزیوں ترکاریوں اور دیگر اگنے والی غذاؤں کا مطالبہ کیا۔ جب ان کو حکم ہوا کہ شہر میں داخل ہو جاؤ اور تمہارا مطالبہ پورا کیا جائے گا تو انہوں نے صاف انکار کیا کہ وہاں جابر و سرکش لوگ موجود ہیں۔ جب تک وہ نکل نہیں جائیں گے ہم نہیں داخل ہوں گے پس ان کی سزا میں اللہ نے ان کو چالیس برس تک تیہ میں سرگرداں رکھا جو آج کل صحرائے سینا کے نام سے مشہور ہے۔ اس دوران میں بنی اسرائیل کے باقی تمام لوگ تو دعائیں مناجاتیں اور قرأتِ تورات کو ہر وقت جاری رکھتے اور گڑگڑا کر اللہ سے معافی کی درخواستیں کرتے تھے لیکن قارون نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی حالانکہ قاری تورات اور خوش الحان بھی تھا۔ ایک دن حضرت موسٰی بنفسِ نفیس اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو توبہ کی تلقین فرمائی۔ وہ بدبخت الٹا حضرت موسٰی علیہ السلام کا منہ چڑانے لگ گیا حضرت موسٰی کے دل پر سخت چوٹ لگی لیکن غصہ کو پی کر واپس اپنے دولت سرا پر تشریف لائے۔ آپ اونی جبہ زیبِ تن کئے ہوئے تھے اور گدھے کے چمڑے کا جوتا پاؤں میں تھا اور عصا ہاتھ میں تھا۔ قارون کیمیاگری کا فن چونکہ جانتا تھا۔ وہ اپنی دولت کے نشہ میں چور بدمست تھا۔ حضرت موسٰی کی نصیحت کو اس نے اپنی توہین سمجھا۔ پس چند نوکروں کو حکم دیا کہ راکھ کو پانی میں ملا کر حضرت موسٰی جہاں بھی تشریف فرما ہوں ان کے اوپر انڈیل دیں چنانچہ حضرت موسٰی کو اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا حتیٰ کہ آپ کے کندھے کے بال کھڑے ہو گئے اور ان سے خون ٹپکنے لگا اور یہ آپ کے غصہ کی نشانی تھی۔ پس اللہ سے قارون کی اس حرکت کی رپورٹ کی اور استغاثہ کیا اور

اللہ نے بذریعہ وحی اطلاع دی کہ میں نے زمین کو تیرے لئے تابع فرمان کر دیا ہے۔ قارون نے اپنے محل کا دروازہ بند کرا دیا تھا لیکن حضرت موسیٰؑ کے اشارے سے سب دروازے کھل گئے۔ جب قارون نے حضرت موسےٰ کے تیور بدلے ہوئے دیکھے تو وہ سمجھ گیا کہ اب عذاب آیا چاہتا ہے۔ اُس نے اپنی رشتہ داری کا واسطہ دیا تو آپ نے جواب دیا۔ یَا بْنَ لَاوِیْ لَا تَتَزَدْنِیْ مِنْ کَلَامِكَ یعنی اے لاوی کے بیٹے خاموش رہو (لاوی حضرت یوسفؑ کا بھائی تھا۔ حضرت موسیٰؑ خود بھی لاوی کی اولاد میں سے تھے) پس آپ نے زمین کو قارون کے نگلنے کا حکم دیا تو زمین اس کو محل اور خزانوں سمیت نگل گئی۔

خداوند کریم نے حضرت موسیٰؑ کو یہ بات جتلائی جب اللہ سے کلام کے شرف کا موقعہ ملا تو اللہ نے پوچھا کہ تُو نے قارون کو کیوں نہ معاف کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب میں عرض کی اُس نے مجھے تیرے غیر کا (اپنی رشتہ داری کا) واسطہ دیا۔ اگر وہ تیرا واسطہ دیتا تو میں معاف کر دیتا۔ پس ارشادِ خداوندی ہوا۔ یَا ابْنَ لَاوِیْ لَا تَتَزَدْنِیْ مِنْ کَلَامِكَ یعنی اے لاوی کے بیٹے خاموش رہو تو حضرت موسیٰؑ نے عرض کی اے پروردگار! اگر مجھے علم ہوتا کہ اس کو معاف کرنے میں تیری رضا ہے تو میں ضرور معاف کر دیتا۔ پس ارشاد ہوا اے موسیٰؑ مجھے اپنی عزت جلال جود و مجد اور بلندی کی قسم جس طرح اس نے تجھے پکارا تھا اگر اس وقت بھی وہ مجھے یاد کر لیتا تو میں اس کو عذاب کی گرفت سے بچا لیتا لیکن سابق مجمع البیان کی روایت میں اس طرح ہے کہ جب پہلی مرتبہ موسیٰؑ نے زمین کو نگلنے کا حکم دیا تو زمین نے صرف اس کے تخت کو نگلا جب قارون نے یہ دیکھا تو اس نے رحم کا واسطہ دے کر معافی مانگی لیکن حضرت موسیٰؑ نے دوبارہ زمین کو حکم دیا پس اُس نے قارون کے قدموں کو پکڑ لیا۔ پھر اُس کے گھٹنوں تک پہنچی پھر کمر تک پہنچی اور ہر بار رحم کا واسطہ دے کر معافی مانگتا رہا۔ حتیٰ کہ زمین اس کے سارے جسم کو نگل گئی تو اللہ نے فرمایا کہ اس نے قرابت کا واسطہ دے کر تجھ سے استغاثہ کیا تھا اور تُو نے منظور نہ کیا۔ اگر اسی حالت میں وہ مجھے پکارتا تو میں ضرور اس کو معاف کر دیتا۔ پس بنی اسرائیل کے بعض بدظن لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قارون کو غرق کر کے اُس کے خزانوں کا مالک خود ہی بنے گا تو تین دنوں کے اندر زمین اس کے محلات و خزائن کو بھی نگل گئی۔ دیگر کتابوں میں بھی باختلاف الفاظ روایت مذکورہ ملتی ہے۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ
اور نہ اس کی مدد کی جا سکی اور ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے خواہش کی تھی اس
بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
کی منزلت کی کل کہتے تھے۔ اوہو یقیناً اللہ وسیع رزق دیتا ہے جسے چاہے اپنے بندوں میں
مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ
سے اور تنگ بھی کر لیتا ہے اگر اللہ کا احسان نہ ہوتا تو ہم بھی دھنس جاتے

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ۔

جن لوگوں نے قارون کا جاہ جلال دیکھ کر دولت مند ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اب جو قارون کا انجام دیکھا تو کہنے لگے خوشحالی و تنگدستی اللہ کی مصلحت کے ماتحت ہے اور اللہ انسان کو دو نو حالتوں میں آزماتا ہے۔ اگر ہم قارون کی طرح ہوتے تو ہمارا انجام بھی یہی ہوتا۔

دنیا دارِ امتحان ہے

خداوند کریم نے دنیاداروں اور مالداروں کو اس لئے دولت مند و مالدار نہیں کیا کہ وہ اس کو دوسروں کی بہ نسبت عزیز تر ہیں اور غریبوں و ناداروں کو اس لئے نادار نہیں کیا کہ وہ اس کو ناپسند ہیں بلکہ یہ دونوں حالتیں اور بعض اوقات ان کا باہمی تبدل امتحان کے لئے ہیں۔ دولتمند کی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنی دولت کو غلط راستہ پر نہ لگائے۔ حقوقِ خداوندی اور حقوقِ معاشرہ کی ادائگی میں کمی نہ کرے بے جا صرف سے بچے اور ظلم کے بجائے عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرے اور شکرِ پروردگار بجالائے اور نادار کی کامیابی یہ ہے کہ اپنے سے طاقت ور کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے سے کمتر مخلوق پر نگاہ ڈالے اور اللہ کے احسان کا شکریہ ادا کرے کہ اس نے اسے اشرف بنایا اور ہر آنے والی تکلیف و مصیبت کا ثباتِ قدم سے مقابلہ کرے اور صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ خداوند کریم نے انبیاء میں بھی بعض کو غربت و ناداری میں رکھا اور بعض کو امیر و دولت مند کیا چنانچہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام قسمِ اوّل میں سے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو قسم قسم کی اذیتوں سے ستایا گیا۔ بُت شکنی کے بعد ظالم حکومت کی طرف سے ان پر سخت مقدمہ چلایا گیا اور سزائے موت سُنائی گئی کہ اس کو زندہ آگ میں جلایا جائے اور اس کے علاوہ خدا معلوم کس کیا تکلیفیں پہنچائی گئیں لیکن نہ خلیل کی ہمت میں فرق آیا نہ حوصلہ پست ہوا نہ اللہ سے شکوہ کیا اور نہ تبلیغ میں سستی دکھائی۔ ہر سر پہ آنے والی مصیبت کا وسعتِ قلبی سے سامنا کرتے گئے اور اپنے موقفِ نبوت پر ڈٹ کر بالآخر کفر و شرک کی تیز تر آندھیوں کا منہ موڑ کر رہے اور گوناگوں کے امتحانات سے اوّل نمبر کامیابی حاصل کرکے امامت عامہ کے عہدہ جلیلہ کا سرٹیفکیٹ لے کے رہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے بھی انتہائی غربت و ناداری سے وقت گذارا فرعون جیسے سرکش ظالم حاکم کی رعایا بن کر رہنا ایک شریف النفس انسان کے لئے کس قدر تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن آپ نے اُف تک نہ کی ظالم حکومت میں ان کے خلاف قتل کا مقدمہ دائر ہوا وہاں سے بھاگ کر مدائن میں حضرت شعیب کے ہاں پناہ لی اور طویل مدت کی صبر آزما زندگی کے بعد جب مراجعت فرمائے وطن ہوئے تو کلیم اللہ ہونے کا شرف مِلا جس نے گذشتہ تمام مصائب بھلا دیئے۔

ان کے برعکس حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کو اللہ نے نبوت کے عہدہ کے ساتھ امیری مالداری بلکہ شاہانہ سطوت بھی عطا فرمائی۔ اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب نبیوں کے اوصاف عطا فرمائے اس لئے زندگی کا ایک حصّہ ناداری میں اور دوسرا حصّہ سرداری میں آپ کو بسر کرنا نصیب ہوا تاکہ آپ کی زندگی کے ہر دو پہلو تمام امت کے غرباء و امراء سب کے لئے باعثِ نصیحت ہوں اس کی مصلحت یہی ہے کہ معاشرہ انسانی کے غریب و نادار دبے کس افراد ان سابق انبیاء کی سیرت کو اپنائیں جنہوں نے ظالم حکومتوں کے دورانِ حکومت میں قسم قسم کے مصائب و آلام جھیلے اور صبر و حوصلہ سے کام لے کر اپنے سفینۂ زندگی کو پُرامن طور پر ساحلِ مراد تک پہنچایا اور معاشرہ انسانی کے امراء و رؤساء اُن سابق انبیاء کے کردار کو اپنائیں جنہوں نے حکومت و سلطنت کے باوجود اپنے ہاتھ سے کمایا اور کھایا اور دولتِ ملکی کو غریب عوام کی سہولتوں کے لئے استعمال کیا نیز عدل و انصاف کی بساط بچھا کر ایک اسوۂ حسنہ کی تشکیل کر گئے اور ہمارے پیغمبرؐ کی زندگی کے دونوں حصّے بھی دونوں طبقوں کے لئے خضرِ راہ کا کام دیتے ہیں۔

اللہ نے جن نبیوں کو غربت و ناداری عطا کی اور حکومت جور کے مظالم کا نشانہ بننے کے باوجود انہوں نے رضائے خداوندی کو

محو ہو کر خدا ان کی تابعداری بھی کرتا رہا حتیٰ کہ موت کے وقت جب خلیل اللہ نے عزرائیل سے کہا کہ کیا کوئی دوست بھی دوست کی موت چاہتا ہے تو عزرائیل کو حکم پروردگار ہوا کہ میرے خلیل سے کہو کیا کوئی دوست بھی دوست کے وصال سے گھبراتا ہے چنانچہ آپ نے موت کا محبت سے استقبال کیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی عزرائیل سے گفتگو موجود ہے کہ میرا روح میرے جس عضو سے قبض کرے گا اس نے اللہ کی رضا کی خاطر قربانی دی ہوئی ہے تو تفسیر قمی کی سابقہ روایت کے آخر میں ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے تیرے لئے ایک ایسی قیام گاہ کا انتظام کیا ہے جس سے تیری آنکھوں کو ٹھنڈک ہوگی چنانچہ اپنے وصی کے ہمراہ طور سینا کی پہاڑی پر چڑھے تو ایک شخص ملا جس کے ہاتھ میں بیلچہ تھا آپ نے اس سے اپنا مقصد دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کے ایک دوست کی قبر کھودنی ہے آپ نے فرمایا میں بھی اس معاملہ میں تیری امداد کرتا ہوں۔ جب قبر تیار ہو چکی تو اس شخص نے قبر میں اترنے کا ارادہ کیا آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیوں کر رہے ہو؟ وہ کہنے لگا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ قبر درست تیار ہوئی ہے یا نہ تو آپ نے فرمایا یہ کام بھی میں خود انجام دوں گا چنانچہ جب قبر میں لیٹے تو ادھر سے جنت کے دروازے کھل گئے اور ملک الموت نے روح قبض کر لیا اور اس کے برعکس جب امیر دنیوی کی موت کا وقت آیا تو حضرت سلیمان پیغمبر کو محل سے نیچے اترنے بلکہ بیٹھنے اور بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دی گئی اور حالت قیام میں عصا کے سہارے کھڑے ہوئے اس کی روح کو قبض کر لیا گیا۔

حضور رسالتمآبؐ نے زندگی کا جو حصہ غربت وافلاس میں گذارا وہ غرباء کے لئے باعث رشک ہونے کے علاوہ ہر مسلمان کہلانے والے انسان کے لئے درس عبرت ونصیحت بھی ہے اور جب آپ کو مدینہ میں فتوحات ظاہریہ کے بعد اور دشمنوں کے قلع قمع کے بعد دینی و روحانی سلطنت کے ساتھ ساتھ دنیاوی وملکی حکومت بھی عطا کی گئی اور آپ کرسی اقتدار کے مالک ہو گئے۔ تب بھی سابق مفلسی کی زندگی کو اپنا شعار رکھا نہ کبھی پیٹ بھر کر کھایا اور نہ قیمتی لباس زیب تن فرمایا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اپنے جسم کو مشقت میں رکھا حتیٰ کہ تا قیامت امت اسلامیہ کا غریب سے غریب ترین اور مفلس سے مفلس ترین انسان بھی آپ کی سی مشقت کا دم نہیں بھر سکتا اور باوجود اس کے صبر وسکون اس قدر کہ چہرہ ہر وقت ہشاش بشاش اور ذکر وشکر پروردگار ہر وقت ورد زبان رہا اسی نہج پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی کے دونوں پہلو ہو بہو حضرت رسالتمآبؐ کی زندگی سے مشابہت تامہ رکھتے ہیں۔ جب آپ کے پاس ملک الموت آیا تو بغیر اذن کے اندر آنے کی جرأت نہ کر سکا اور اسی کے آمد سے قبل حضرت جبرائیل نے خزائن ارضیہ کی چابیاں پیش کر کے عرض کی کہ اللہ فرماتا ہے تو نے میری رضا کی خاطر ساری زندگی مشقت میں بسر کی ہے۔ اب اگر چاہو تو یہ خزائن ارضیہ کی کنجیاں ہیں۔ پوری ظاہری ٹھاٹھ کے ساتھ جس قدر چاہو زندگی گزارو اور آپ کے مراتب عالیہ ومنازل رفیعہ میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی اور اگر چاہو تو میرا وصال قبول کر لو۔ آپ نے جواب میں نہایت اطمینان وسکون سے فرمایا مجھے دنیا وی حکومتوں سے اللہ کی لقاء محبوب تر ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ

وَیْکَاَنَّ۔ مجمع البیان میں ہے کہ وَیْ کا کلمہ اپنی سابقہ خواہش سے ندامت وپشیمانی کے اظہار کے لئے آتا ہے اور دراصل وَیْ اور کَاَنَّ جدا جدا لفظین ہیں ویسے قرآن کے رسم الخط میں ان کو ملا کر لکھا جاتا ہے۔

رکوع ۱۲ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ الخ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حفص بن غیاث سے فرمایا میں دُنیا کو ایک مُردار کی طرح جانتا ہوں کہ بوقت مجبوری بقدر ضرورت اس کا استعمال جائز ہوتا ہے۔ اے حفص اللہ کو بندوں کے اعمال اور ان کی بازگشت کی خبر ہے پس وہ اپنے علم کے پیش نظر ان کی بداعمالیوں کے باوجود حلیم ہے پس خوف کر کسی کے بھاگ جانے کا ڈر نہ ہو اُس کے نرم برتاؤ سے دھوکا نہ کھاؤ۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ الخ اور بہت روئے اور فرمایا اس آیت کی تلاوت کے بعد ہر دنیاوی اُمنگ و امید پر خود بخود پانی پھر جاتا ہے۔ الحدیث۔ تفسیر مجمع البیان میں زاذان سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام تنہا بازاروں اور گلیوں میں گشت لگاتے تھے پس بھولے بھٹکے کو رستہ دکھاتے تھے ناتوان و کمزور کی دست گیری کرتے اور جب سبزی فروشوں اور دیگر دوکانداروں کے پاس سے گزرتے تو قرآن مجید کو کھول کر اس آیت مجیدہ کی تلاوت کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ آیت ہر اُس شخص کے لئے ہے جو کرسی قضاء و عدالت پر بیٹھا ہو یا جس کو عوام الناس پر قدرت و تسلط حاصل ہو اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا جس شخص کو اپنے جوتے کے تسمے پر بھی ناز ہو وہ بھی بمطابق مفہوم آیت کے تکبر و فساد کی زد میں آئے گا یعنی لوگوں پر اپنے لباس کے ذریعے تکبر کرنا بھی ممنوع ہے۔ خدا تمام مومنین کو اس قسم کی موذی امراضِ روحانیہ سے نجات بخشے۔

وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٢﴾ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ

اور ہوا یقیناً کافر چھٹکارا نہیں پائیں گے — آخرت کا گھر (جنت) — ہم

نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا

قرار دیں گے ان لوگوں کے لئے جو نہیں تکبر کرتے زمین میں اور نہ فساد کرتے ہیں اور

فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ

نیک انجام متقی لوگوں کا ہوگا — جو نیکی بجالائے گا — اس کو

خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا

اس سے بہتر جزا ملے گی اور جو برائی کرے گا تو نہیں جزا دی جائے گی برائی کرنے والوں

السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ اِنَّ الَّذِيْ

کو مگر اتنی جتنا اُنہوں نے برائی کا عمل کیا — تحقیق جس ذات نے

اِنَّ الَّذِيْ۔ یعنی جس ذات نے تیرے اُوپر قرآن مجید کے احکام کی پیروی کو لازم و فرض قرار دیا اُس کا فیصلہ ہے کہ تو اپنے وطن مکہ کی طرف پلٹے گا اور یہ آیت آپ کے دعوائے نبوت کی صحت کی دلیل ہے کیوں کہ عالم الغیب ذات ہی اس قسم کے زمانۂ

استقبال کے واقعات کو حتمی طور پر بیان کرسکتی ہے اور تاریخ نے ثابت کردیا کہ مستقبل قریب میں قرآن کی یہ پیش گوئی من وعن صحیح ثابت ہوئی۔ بعض لوگوں نے معاد سے موت۔ حیات اور جنت علی حسب الاقوال مراد لی ہے لیکن علامہ طبرسی نے پہلے قول کو

قَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ

فرض کیا تیرے اوپر قرآن (کی پیروی کرنا) ضرور پلٹائے گا تجھے بازگشت (مکہ) کی طرف کہہ دیجئے میرا رب

مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۸۵﴾ وَمَا

جانتا ہے جو ہدایت لایا اور جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہے اور نہیں

كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ

تھی تجھے توقع اس بات کی کہ اتاری جائے گی تجھ پر کتاب مگر یہ رحمت ہے تیرے

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّنَّكَ

رب کی طرف سے پس نہ ہو مددگار کافر لوگوں کا اور نہ وہ تجھے روکیں

عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ

اللہ کی آیات سے بعد اس کے کہ تجھ پر نازل ہوچکیں اور بلاؤ طرف اپنے رب کے اور

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

نہ ہو مشرکوں میں سے اور نہ پکارو اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں کوئی معبود

اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾ ع ۱۲

مگر وہ ہر شئے ہلاک ہوگی۔ مگر اس کا دین اسی کا ہی حکم ہے اور اسی

قوی قرار دیا ہے اور یہی حق ہے اور آیت مجیدہ کی تاویل میں زمان رجعت کا پلٹنا بیان کیا گیا ہے اور تفسیر برہان میں اس مضمون کی کافی روایات مذکور ہیں۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ کسی نبی کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مجھے کس وقت اعلانِ نبوت کا حکم ملنے والا ہے یا کوئی آسمانی کتاب وصحیفہ میرے اوپر اترنے والا ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ نبی ابتدائے زندگی سے ان تمام امور سے اجتناب کرتا ہے جو مرضئ خداوندی کے خلاف ہوں اور تمام ان امور کی بجاآوری کرتا ہے جو ناموسِ انسانیت کے لئے باعثِ کرامت اور رضائے پروردگار کے عین مطابق ہوں۔ اور ایسی تمام استعدادیں اس میں موجود ہوتی ہیں جو عہدۂ نبوت کے لئے ضروری ہیں صرف اعلانِ نبوت کے لئے ایک وقت مقررہ ہے جو صرف اللہ کو ہی معلوم ہے۔ پس وہ

جب چاہے حکم دے دے اور جب چاہے صحیفہ یا کتاب اتار دے اسی بنا پر آیت مجیدہ میں ہے کہ تجھے تو توقع تک نہ تھی کہ مجھ پر کوئی کتاب بھی اتاری جائے گی لیکن اللہ نے اپنی رحمت سے تجھ پر یہ احسان عظیم وفضل جسیم فرمایا جس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے اور یہ آیت ان احادیث سے منافات نہیں رکھتی کہ نبی نبی ہوتا ہے اگرچہ عالم طفولیت میں ہی ہو کیوں کہ ہر نبی پہلے سے بالقوہ نبی ہوتا ہے اور اعلان کے بعد بالفعل نبی کہلاتا ہے۔ اسی طرح كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ - میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کی منزلیں طے کر رہا تھا یعنی اللہ کے علم سابق میں اس وقت سے نبی ہوں جب سے اُس نے اپنی مصلحت کے ماتحت عالم کائنات کو زیور تخلیق سے آراستہ کر کے خلعت وجود عطا فرمائی۔ اگرچہ ظاہری طور پر اعلان نبوت ورسالت جسمانی پیدائش کے چالیس سال بعد ہوا اور قرآن بھی بعد میں نازل ہوا۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ - ہلاکت اور موت ایک دوسرے کے مترادف استعمال ہوتے ہیں لیکن اصطلاح میں موت کا مفہوم ہلاکت سے عام ہے۔ ہلاکت اُس موت کو کہا جاتا ہے جو رضائے پروردگار کے ماتحت واقع نہ ہو اور ہلاک ہونے والا عذاب کا مستحق گردانا گیا ہو۔ اور ہلاکت کے مقابلہ میں شہادت استعمال ہوتا ہے۔ پس جہاں یہ لفظ مستعمل ہو کہ فلاں شہید ہوا تو اس کا معنی یہ ہے کہ رضائے پروردگار کے ماتحت اس کی موت واقع ہوئی اور جہاں یہ کہا جائے کہ فلاں ہلاک ہوا اس کا یہ معنی ہوتا ہے کہ اس کی موت میں ناراضگی خداوندی کا دخل ہے اور اتمام حجت کے بعد کہا گیا ہے لِيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ کہ جو زندگی کو پسند کرے تو بھی واضح دلیل کے بعد اور يَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ اور جو ہلاکت کے گڑھے میں کود دے وہ بھی واضح دلیل کے بعد آیت مجیدہ میں ہلاکت کا معنی وہ موت ہے کہ مرنے والے پر اللہ کا عتاب وعقاب ہو۔ بنا بریں شئی سے مراد بھی عام نہیں بلکہ خاص وہ افراد مخلوق مراد ہوں گے جو دائرہ تکلیف کے اندر ہیں خواہ قوم جن سے ہوں یا انسان۔ پس مطلب یہ ہوگا کہ کوئی مکلف عتاب پروردگار سے نہ بچ سکے گا۔ مگر وہ لوگ جو اُس کے دین یا اس کے معین کردہ صراط حق پر چلنے والے ہوں گے۔ اسی بنا پر احادیث ائمہ میں وجہ سے مراد دین و صراط اور ولائے آل محمد ہے۔

۱۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی صفوان جمال نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آیت مجیدہ میں وجہ سے مراد اطاعت محمد ہے۔ اور یہ وہ وجہ ہے جو ہلاک نہ ہوگا۔

۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہمیں اللہ نے پیدا کیا اور بہترین حالت میں پیدا کیا اور ہمیں اللہ نے صورت دی اور بہترین صورت دی اور ہمیں اپنے بندوں کی طرف اپنا نمائندہ نامزد کیا اور مخلوق میں اس کی جانب سے ہمیں اپنی لسان ناطق قرار دیا اور اپنے بندوں پر ہمیں اپنا دست رحمت بنایا۔ ہم اُس کی وہ وجہ ہیں جس کے ذریعے اس تک پہنچا جا سکتا ہے ہم اس کا وہ دروازہ ہیں جو اس کی طرف رہبری کرتے ہیں ہم اس کی جانب سے آسمان و زمین میں خزانہ دار ہیں۔ ہماری وجہ سے درختوں کو پھل لگتا ہے اور پھلوں کو پختگی حاصل ہوتی ہے اور چشمے جاری ہوتے ہیں۔ آسمان سے بارش برستی ہے اور زمین سے چشمے پھوٹتے ہیں۔ ہماری عبادت کی وجہ سے اللہ کی عبادت کی گئی اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔

۱۳۔ آپ نے فرمایا ہم حجت اللہ، باب اللہ اور لسان اللہ، وجہ اللہ، عین اللہ اور اس کے بندوں میں سے اس کی جانب سے ولاۃ الامر یعنی حکمران ہیں۔

۱۴۔ بروایت برقی آپ نے آیت مجیدہ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے ہر شے ہلاک ہوگی مگر وہ لوگ ہلاک نہ ہوں گے جو ہمارے شیعوں کے طریق پر گامزن ہوں گے اور دوسری روایت میں ہے مگر وہ جو راہِ حق پر ہوں گے۔

۱۵۔ بروایت صدوق امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا آیتِ مجیدہ میں وجہ سے مراد اس کا دین ہے۔

۱۶۔ بروایت محاسن برقی امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ کی بارگاہ میں اطاعتِ محمدؐ اور اطاعت آئمہؑ کے ساتھ پیش ہوگا وہ ہلاک نہ ہوگا اور یہی اس کی وجہ سے مراد ہے۔

۱۷۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیتِ مجیدہ میں اللہ نے جس وجہ کو ہلاکت سے مستثنیٰ قرار دیا خدا کی قسم اس سے مراد ہم ہیں اور قیامت کے دن ہرگز وہ شخص ہلاک نہ ہوگا جو اللہ کے حکم کے مطابق ہمارا اطاعت گزار اور ہماری ولایت کا پیروکار ہوگا۔ پس خدا کی وجہ سے یہی معنی مراد ہے اور ہم میں سے جو بھی مرتا ہے اپنا جانشین چھوڑ کر مرتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا

۱۸۔ مجمع البیان میں علامہ طبرسی نے بھی امیر المومنین علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آیتِ مجیدہ میں وجہ خدا سے مراد اس کا دین ہے گویا جو اس پر عمل پیرا ہوگا وہ ہلاکتِ ابدی سے بچ جائے گا، اللہ نے دوسرے مقام پر فرمایا کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ پس اس آیت میں اس نے اپنی ساری مخلوق اور اپنے وجہ کو الگ الگ بیان فرمایا ہے، پس وجہ سے مراد اس کا دین ہے اور محمدؐ و آلِ محمدؑ کی ولایت و امامت کے اقرار کے بعد ان کی پیروی ہے پس آیتِ مجیدہ میں وجہ کا مضاف محذوف ہے یعنی اطاعت کرنے والے اور مضاف الیہ کو مجاز مرسل کے طریقے سے اس کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔

سُورہ العنکبوت

اس سورہ کی پہلی گیارہ آیتیں مدنی ہیں باقی سورہ مکیہ ہے۔

اس سورہ کی آیات کی تعداد ستر ہے۔ جن لوگوں نے ۶۹ لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت بسم اللہ کو کثرت وتکرار کی وجہ سے انہوں نے شمار نہیں کیا حالانکہ علمائے شیعہ کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورہ کی جزو ہے سوائے سورہ التوبہ کے اور سورہ النمل میں یہ آیت دو دفعہ اُتری ہے۔ ایک دفعہ ابتدائے سورہ میں اور دوسری دفعہ اثنائے سورہ میں۔ ہم نے اس سے پہلے علمائے مفسرین کے طریقہ پر کثرت وتکرار کی وجہ سے تعداد آیات میں بسم اللہ کو شمار نہیں کیا۔ لیکن چونکہ بعض شیعہ افراد کی غلط فہمی کا اندیشہ ہے کہ کہیں وہ بھی یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ شاید بسم اللہ سوائے سورہ فاتحہ کے اور کسی سورہ کے ابتدا میں جزو سورہ نہیں ہے ورنہ آیات کی تعداد میں شمار ہوتی اس لئے ہم نے تعداد آیات میں اس کا شمار لازمی قرار دیا ہے اور دوسرے ایڈیشن میں انشاء اللہ اس سے پہلے سوروں میں بھی اس لغزش کا تدارک کیا جائے گا۔

۱۔ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص سورہ عنکبوت کو ۲۳ ماہ رمضان کی رات تلاوت کرے گا۔ وہ بلا استثناء جنت میں داخل ہوگا الخبر (ابن بابویہ)

۲۔ حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ مبارکہ کی تلاوت کرے گا تمام مومن مردوں اور عورتوں نیز تمام منافق مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور جو شخص اس کو لکھ کر دھو کر پی لے تو اس کی باذن اللہ تمام بیماریاں اور دُکھ ختم ہو جائیں گے۔

۳۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس کو دھو کر پیئے اس کی خوشی دائمی ہو گی دِل مسرور اور سینہ صاف وکشادہ رہے گا۔ الخبر۔

۴۔ آپ نے فرمایا جو شخص سوتے وقت اپنی ناف پر انگلی رکھ کر اس کو پڑھے گا وہ بدخوابی سے محفوظ رہے گا۔ اوّل شب سے تا آخر آرام کی نیند سوئے گا۔ باذن اللہ۔

رکوع ١٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں

الٓمّٓ ② اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ

آلمٓ کیا سمجھ رکھا ہے لوگوں نے کہ ان کو چھوڑ دیا جائے گا کہ بس (صرف زبانی) کہہ دیں ہم ایمان لائے ہیں

لَا يُفْتَنُوْنَ ③ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ

ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ یقیناً ہم نے آزمایا ان کو جو ان سے پہلے تھے تاکہ جان لے اللہ

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ④ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ

ان کو جو (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں اور جان لے جھوٹوں کو کیا سمجھ لیا ہے ان لوگوں نے جو

يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ⑤

عمل کرتے ہیں بُرے کہ ہم سے بھاگ جائیں گے؟ بُرا ہے وہ جو سوچتے ہیں۔

اَحَسِبَ النَّاسُ:۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کا شانِ نزول ان مسلمانوں کے حق میں ہے جو مکہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے پس ان کی طرف مدینہ کے مسلمانوں نے ہجرت کر کے مدینہ میں آنے کی دعوت کا خط لکھا چنانچہ جب یہ لوگ مکہ سے روانہ ہوئے تو کفارِ مکہ کو اطلاع ہو گئی پس انہوں نے ان کا تعاقب کر کے پکڑ لیا اور اس قدر ظلم و ستم ڈھائے کہ بعض بے چارے تشدد کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئے اور بعض نے تقیہ اختیار کر لیا اور حضرت عمار بن یاسر انہی میں سے تھے۔ بہرکیف آیت مجیدہ کے تنزیلی مصداق اگرچہ محدود ہوں گے لیکن تاویلی مصداق تا قیامت آتے رہیں گے اور جو بھی مومن کہلائے آیت مجیدہ کا عموم اس کے لئے آزمائش کی پیشکش کرتا ہے تاکہ پتہ چلے اپنے دعوائے ایمان میں ثابت قدم اور سچا کون ہے اور جھوٹا کون ہے۔ آیت میں ثابت قدمی کو صدق اور بزدلی کو جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے بروایت کلینی حضرت امیر علیہ السلام نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ اللہ گوناگوں شدائد سے اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے اور قسم و قسم کی مشقتوں سے ان کی اطاعت گذاری کا جائزہ لیتا ہے اور مختلف طرح کے مصائب دے کر آزماتا ہے تاکہ ان کے دلوں سے تکبر نکل جائے اور فروتنی جگہ پکڑ لے اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس نے ان آزمائشوں کو اپنے فضل و کرم کا دروازہ بنایا ہے اور اپنے عفو و درگذر کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومنوں کو مصائب کی آگ میں جلا کر پرکھا جاتا ہے جس طرح سونے کو آگ میں پرکھتے ہیں اور آزمائش کے بعد مومن بھی اس طرح کھرا ہو کر نکلتا ہے جس طرح سونا آگ کی چاشنی کے بعد کھرا نکل آتا ہے۔ اور خدا تو پہلے سے کھرے اور کھوٹے کو جانتا ہے۔ آیت مجیدہ میں خدا کے جاننے کا مقصد یہ ہے کہ آزمائش دے کر وہ کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنا چاہتا ہے اور فرمایا کہ یہ امتحان و آزمائش صرف تمہارے لئے نہیں بلکہ گذشتہ انبیاء اور

ان کی اُمتوں کے حالات پڑھو ان کو بھی آزمایا گیا اور سخت سے سخت تر امتحان لے کر آزمایا گیا۔ پس ہر دور میں مومن ثابت قدم رہے اور اپنے موقف پر تادمِ آخر قائم رہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے جانی ومالی ہر قسم کی قربانی بسروچشم قبول کرلی۔ پس مسلمانوں کو بھی اسلام اور اس کی تعلیمات کے تحفظ کے لئے ہر قسم کی قربانیوں کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ

جو بھی بیم وامید رکھتا ہے اللہ کے سامنے پیشی کا تو اللہ کی (مقررہ) اجل آنے والی ہے اور وہ سُننے

الْعَلِيْمُ ۝ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ

جاننے والا ہے ۔ اور جو بھی جہاد کرتا ہے وہ صرف اپنی ذات کے لئے ہی کرتا ہے تحقیق اللہ غنی

عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ

ہے عالمین سے ۔ اور جو لوگ ایمان لائیں اور عمل صالح بجالائیں ضرور مٹادیں گے ہم ان

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

سے ان کی برائیاں اور ضرور جزا دیں گے ان کو اس سے بدرجہا بہتر جو وہ عمل بجالایا کرتے تھے اور ہم

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۭ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ

نے حکم دیا انسان کو اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا۔ اور اگر وہ تیرے ساتھ کوشش کریں کہ اللہ

بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۭ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

کا شریک بناؤ ایسی کو جن کا تمہیں پتہ نہیں تو اس بارے میں ان کی اطاعت نہ کر۔ میری طرف تمہاری بازگشت ہے

يَرْجُوْا ۔ رجا کا معنی امید اور خوف دونوں کئے گئے ہیں اس لئے ہم نے تحت اللفظ بیم وامید سے ترجمہ کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ سے ڈر ہے یا اللہ کی بخشش ومہربانی کی توقع رکھتا ہے تو وہ اعمالِ حسنہ کی بجاآوری میں سستی نہ کرے کیونکہ موت کا کوئی وقت نہیں ہے۔

مَنْ جَاهَدَ ۔ یعنی اللہ کی راہ میں خواہشِ نفس سے یا ظاہری دشمن سے جہاد کرنے والا یہ نہ سمجھے کہ میں اللہ پر احسان کررہا ہوں بلکہ اس کا احسان اپنی ذات پر ہی ہے اور اللہ کسی کا حاجت مند نہیں ہے۔

اطاعتِ والدین کی حد

وَوَصَّيْنَا: آیتِ مجیدہ میں والدین پر احسان کرنے کا حکم ہے اور ان کی اطاعت کو مطلقاً واجب نہیں کیا ہے بلکہ ایک حد لگادی کہ اگر وہ تجھ سے شرک کے خواہشمند ہوں اور تجھے مجبور کریں تو اس بارے میں ان کی اطاعت ساقط ہے بلکہ ان کی اس معاملہ میں اطاعت کرنا حرام ہے اور تنقیحِ مناط کے طور پر آیتِ مجیدہ کی دلالت اس امر پر واضح ہے کہ جہاں بھی والدین خلاف

شرع بات کا حکم دیں اور دین کی مخالفت پر اصرار کریں تو ایسے مقامات پر اولاد کو ان کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔ البتہ دنیاوی معاملات میں ان کے احکام و اوامر کی فرمانبرداری واجب و لازم ہے۔ آیتِ مجیدہ کی تاویل میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے حضرت پیغمبرؐ سے سُنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اَنَا وَعَلِیٌّ اَبَوَا ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ یعنی میں اور علیؑ اس اُمّت کے باپ ہیں اور ہمارے حقوق ان پر اُن کے نسبی والدین کے حقوق سے بہت زیادہ ہیں کیوں کہ اگر وہ ہماری اطاعت کریں گے تو ہم ان کو دوزخ سے بچا کر جنّت میں پہنچائیں گے اور ان کی گردنوں سے غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزاد انسانوں کی صف میں کھڑا کریں گے جناب خاتونِ جنّت سلام اللہ علیہا نے فرمایا کہ اس اُمّت کے باپ محمدؐ و علیؑ ہیں جو ان کی کجی کو درست کرتے ہیں اور اطاعت گذاروں کو عذابِ دائمی سے بچا کر جنّت النعیم تک پہنچاتے ہیں (برہان)

فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑨ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

پس میں تم کو خبر (بدلہ) دوں گا اس کا جو تم عمل کرتے رہے اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کرتے

الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ⑩ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

رہے ضرور اُن کو ہم داخل کریں گے نیک لوگوں کے زمرے میں اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں

يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ

کہ ہم اللہ پر ایمان لائے پس جب ان کو اللہ کی راہ میں ستایا جائے تو لوگوں کی آزمائش (عذاب)

كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ

کو اللہ کے عذاب کے برابر قرار دیتے ہیں اور اگر پروردگار کی طرف سے مدد پہنچ جائے تو کہتے ہیں

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑪ وَلَيَعْلَمَنَّ

یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں کیا اللہ نہیں جانتا جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے اور ضرور جانے گا (الگ کرے گا)

وَمِنَ النَّاسِ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ آیت عیاش ابن ربیعہ مخزومی کے حق میں اُتری جو مکّہ میں اسلام لایا اور قوم و قبیلہ کے خوف سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے بھاگ گیا۔ اس کی والدہ اسماء بنت مخرمہ تمیمی نے قسم کھالی کہ نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی نہ غسل کروں گی اور نہ کمرہ کے اندر داخل ہوں گی۔ جب تک میرا بیٹا واپس نہ آئے گا اس کے دو بیٹے ابوجہل اور حارث پسران ہشام مخزومی جو عیاش کے مادری بھائی تھے۔ اُنہوں نے جب اپنی ماں کی یہ حالت دیکھی تو اپنے بھائی کو واپس بلانے کے لئے مدینہ میں پہنچے اور عیاش سے مِل کر اسے سارا ماجرا سُنایا اور کافی منّت سماجت کر کے اُسے واپس آنے پر رضامند کر لیا بشرطیکہ وہ اس کو اسلام سے منحرف نہیں کریں گے۔ اس کی ماں تین دن سے زیادہ بھوک ہڑتال کو جاری نہ رکھ سکی اور کھانا پینا اُس نے شروع کر دیا۔ جب مدینہ سے کچھ فاصلہ پر پہنچے تو دونوں مشرک

بھائیوں نے عیاش کو باندھ کر مارنا شروع کر دیا جب ایک ایک سو تازیانے تک پہنچے تو عیاش نے مار سے گھبرا کر دینِ محمدؐ سے بیزاری کا اعلان کر دیا اور نا سزا الفاظ بھی زبان سے جاری کئے (اور اس نے تقیہ کے طور پر نہیں بلکہ دل وجان سے ہی دینِ محمدؐ سے بیزاری کا اعلان کیا تھا ورنہ اگر تقیہ کے طور پر بیزاری ظاہر کرتا تو اس کی مذمت میں آیت نہ اُترتی کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے دوسرے مقام پر قرآنِ مجید میں استثناد موجود ہے اِلَّآ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰىةً یعنی کفار ومشرکین سے جب خوف ہو اور دینِ محمدی سے بیزاری پر اسے مجبور کیا جائے تو زبان سے بیزاری کا اعلان کرنا اور دل میں ثابت رہنا جائز بلکہ ممدوح ہے جیسا کہ عمار بن یاسر کے متعلق احادیث میں وارد ہے) بہر کیف یہ واقعہ ہجرتِ نبویہ سے پہلے کا ہے۔ عیاش پر ظلم ڈھانے میں حارث نہایت سخت اور سنگدل تھا اس لئے عیاش نے قسم کھائی تھی کہ حرم سے باہر جہاں بھی موقعہ ملا میں اس کو قتل کر ڈالوں گا۔ جب حکمِ پروردگار کے ماتحت حضرت پیغمبرؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو عیاش دوبارہ مسلمان ہو کر مہاجر ہو گیا اور پکا وسچا مسلمان ثابت ہوا اس کے بعد اس کا مادری بھائی حارث بھی مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچ گیا اور حضرت رسالتمآبؐ کی بیعت کر لی اس وقت عیاش موجود نہ تھا اور اس کو اس کے اسلام لانے کا علم نہ ہوا ایک دن مقام قبا پر عیاش کو حارث مل گیا تو اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً تلوار میان سے نکالی اور اس کو قتل کر دیا جب اسے معلوم ہوا کہ میں ایک مسلمان کو قتل کر چکا ہوں تو نہایت پشیمان ہوا اور نالاں وگریاں خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اپنی سرگذشت عرض کی تو آیت اُتری جس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کے لئے مومن کا قتل جائز نہیں مگر یہ کہ خطا سے ہو جائے الخ

فَاِذَآ اُوۡذِیَ ۔ یعنی ایسے لوگ جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوتا مخالف ہوا کے تیز وتند جھونکے نرم کونپلوں کی طرح ان کو راہِ حق سے موڑ دیتے ہیں اور جن کے ایمان راسخ ہوتے ہیں وہ چٹان اور کوہِ گراں کی طرح ہر تیز وتند ہوا کا رُخ موڑ دیتے ہیں لیکن خود سرِ مو اپنی جگہ سے نہیں ہلتے تو متزلزل ایمان والے لوگ دشمنانِ دین کی اذیتوں کو عذابِ خداوندی کی مثل سمجھتے ہیں کیونکہ جس طرح عذابِ خداوندی کے یقین کے بعد بے دین لوگوں کو عذاب سے بچنے کے لئے عقل ایمان کی طرف راغب کرتی ہے اسی طرح یہ لوگ بھی دنیاوی اذیتوں سے بچنے کے لئے دینِ حق کو خیرباد کہنے میں اپنی بھلائی سمجھتے ہیں حالانکہ دنیاوی تکالیف عارضی اور ختم ہونے والی ہیں اور ان کے مقابلہ میں اللہ کا عذاب دائمی اور نہ ختم ہونے والا ہے لہٰذا تقاضائے عقل یہ ہے کہ اخروی دائمی عذاب سے بچنے کے لئے دنیاوی ہر بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کی جائے اور اس سلسلہ میں ہر بڑی سے بڑی جانی و مالی قربانی کے لئے انسان کو ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔

ان آزمائشوں میں سے کسی مومن کے والدین کا کافر یا بے دین ہونا بھی سخت ترین آزمائش ہے اور خداوند کریم نے ہر مقام پر والدین کی اطاعت کا حکم صادر فرمایا لیکن دین کی مخالفت کی صورت میں والدین کے اوامر کی اطاعت کو حرام کر دیا اور اس آزمائش سے کامیابی حاصل کرنا بڑے گردے اور جگر کا کام ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ میں اپنی والدہ کا بہت اطاعت گذار تھا۔ جب میں اسلام لایا تو میری ماں کو یہ بات بری لگی اور کہنے لگی تم دینِ محمدؐ کو چھوڑ دو ورنہ میں

کھانا پینا ترک کرکے خودکشی کرلوں گی۔ چنانچہ اس نے بھوک ہڑتال شروع کردی اور لوگوں نے کوسنا شروع کردیا کہ تم تو اپنی ماں کے قاتل ہو۔ پس میں نے اپنی ماں کی منتیں کیں کہ اس بھوک ہڑتال کو ترک کردیجئے کیونکہ میں کسی قیمت پر اسلام کو نہیں چھوڑوں گا چنانچہ دو دن رات گذر گئے۔ پھر میں نے عرض کی۔ اے امی جان خدا کی قسم اگر آپ کی زندگی ایک سو سانس پر تقسیم ہو اور ایک ایک سانس تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد نکلتی رہے میں یہ دین کبھی نہ چھوڑوں گا اب کھاؤ پیو تمہاری مرضی چنانچہ اس نے بھوک ہڑتال توڑ دی اور آیت سابقہ نازل ہوئی اور سعد کی ماں ابوسفیان کی بیٹی حمنہ بنت ابی سفیان تھی اور اسی سعد کا بیٹا عمر کربلا میں یزیدی فوج کا سالارِ اعظم تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ

اللہ اُن کو جو مومن ہیں (پکے) اور الگ کرے گا منافقوں کو اور کہا ان لوگوں نے

كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰكُمْ

جو کافر تھے ان کو جو ایمان لائے تم پیروی کرو ہمارے راستہ کی اور ہم اٹھائیں گے تمہارے

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

گناہوں کو حالانکہ نہیں وہ اٹھانے والے ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی تحقیق وہ جھوٹے ہیں

وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَیُسْـَٔلُنَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

اور البتہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھوں کے علاوہ بوجھ اور باز پرس ہوگی ان سے قیامت کے دن

حدیث نبوی میں ہے اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ یعنی جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

لَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ۔ اللہ کے علم میں تغیر نہیں کیونکہ وہ ہونے والی تمام اشیاء کو ازل سے کلی وجزوی طور پر کماحقہٗ جانتا ہے۔ البتہ معلوم میں چونکہ تغیر ہوتا ہے کہ پہلے نہ تھی پھر ہوگئی اور پھر نہ رہے گی ان ماضی وحال واستقبال کی تین صورتوں کا علم اللہ کو ابتدا سے ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ ازل میں علم کا متعلق یعنی معلوم کا زمانہ استقبال تھا اور جب شئے نے صفحۂ ہستی میں قدم رکھا تو علم کا متعلق یعنی شئے معلوم زمانۂ حال میں پہنچ گئی اور جب ہستی کے بعد فنا کی نوبت آئی اور علم خداوندی کے معلوم نے ماضی کا لباس پہن لیا۔ پس علم وہی ہے لیکن معلوم کے حالات میں تغیر زمانی پیدا ہوتا رہا اس لحاظ سے اللہ کا علم ازلی یہ تھا کہ فلاں چیز ہوگی اور شئے کے وجود کے بعد علم خداوندی یہ ہوا کہ فلاں چیز ہوگئی اور فنا کے بعد علم پروردگار یہ ہے کہ فلاں چیز تھی۔ پس مومنوں کی ثابت قدمی اور منافقوں کا تزلزل اللہ کو پہلے سے معلوم تھا لیکن وہ چاہتا ہے کہ میرا معلوم حال کا لباس پہن لے اور واضح ہوجائے کہ فلاں ثابت رہا اور فلاں مرتد ہوگیا۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ۔ کافر لوگ جب ایمان والوں سے ملاقات کرتے تھے کہ واپس اپنے سابق دین کی طرف لوٹ آؤ تو مومن کہتے تھے کہ ہم اس جرم وگناہ کی تاب نہیں لاسکتے تو کافر جواب میں کہا کرتے تھے کہ تمہارے گناہ ہم اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ پس آیت مجیدہ

میں ان کے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ کوئی بھی کسی کے گناہ اپنے ذمہ میں نہیں لے سکتا بلکہ ہر ایک کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی پڑیگی
وَلَیَحۡمِلُنَّ یعنی جو لوگ دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں اگرچہ گناہوں کی سزا تو ہر ایک کو الگ الگ ہو گی لیکن گمراہ کرنے
والوں کی سزائیں دوگنی ہو جائیں
گی کیونکہ ایک سزا تو ان کے
اپنے گناہوں کی ہو گی اور دوسری
سزا اس بات کی ہو گی کہ انہوں
نے دوسروں کو گمراہ کیا اور جس
قدر ان کی گمراہی کا دائرہ وسیع
ہو گا۔ اسی قدر ان کے عذاب
میں اضافہ ہو گا۔ اسی طرح نیکی
کرنے والوں کو جزا ملے گی لیکن
ہدایت کرنے والے کی جزا
میں اسی قدر اضافہ ہوتا جائے گا
جس قدر ان کی تبلیغ کا دائرہ اثر
وسیع ہو گا۔

رکوع ۱۴/۱

حضرت نوحؑ کا ذکر۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا۔ تفسیر برہان
میں بروایت کافی حضرت امام
جعفر صادق علیہ السلام سے منقول
ہے کہ حضرت نوحؑ دو ہزار پانسو
برس زندہ رہے اس کے بعد
جبرئیل نے آکر بتایا کہ تیری زندگی
ختم ہو چکی ہے۔ پس اسم اکبر
میراث علم و دیگر آثار نبوت جو تیرے پاس ہیں وہ اپنے فرزند سام کے سپرد کر دو۔ اللہ فرماتا ہے۔ میں زمین کو ایسے عالم سے بغیر

عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ (۱۴) وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَلَبِثَ

اس کی جو وہ افترا پردازی کرتے تھے اور تحقیق بھیجا ہم نے نوحؑ کو اپنی قوم کی طرف پس وہ ان میں

فِیۡہِمۡ اَلۡفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمۡسِیۡنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَہُمُ الطُّوۡفَانُ وَ

ٹھہرا ایک ہزار سال پچاس برس کم (تبلیغ کرنے کے لئے) پس اپنی گرفت میں لیا ان کو طوفان

ہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ (۱۵) فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَاَصۡحٰبَ السَّفِیۡنَۃِ وَجَعَلۡنٰہَاۤ اٰیَۃً

نے کہ وہ ظالم تھے تو ہم نے اس کو نجات دی اور کشتی والوں کو اور قرار دیا ہم نے اس

لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (۱۶) وَاِبۡرٰہِیۡمَ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَاتَّقُوۡہُ

کو نشان عالمین کے لئے (باعث عبرت) اور ابراہیم کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم کو کہا کہ اللہ کی عبادت کرو اور

ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (۱۷) وَاِنَّمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ

اس سے ڈرو یہ خوب ہے تمہارے لئے اگر تم جانتے ہو اور سوائے اس کے نہیں کہ تم تو پوج

دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡثَانًا وَّتَخۡلُقُوۡنَ اِفۡکًا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ

رہے ہو اللہ کے سوا بتوں کو اور بہتان باندھتے ہو۔ تحقیق وہ جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا

دُوۡنِ اللّٰہِ لَا یَمۡلِکُوۡنَ لَکُمۡ رِزۡقًا فَابۡتَغُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ الرِّزۡقَ وَ

نہیں مالک تمہارے لئے رزق کے۔ پس مانگو اللہ کے پاس سے رزق اور

نہیں چھوڑتا جس کے ذریعے سے میری معرفت ہو اور میرے احکام لوگوں تک پہنچیں اور وہی ایک نبی سے دوسری نبی کی آمد تک لوگوں کے لئے باعث نجات ہوتا ہے اور میں لوگوں کو بغیر حجت کے نہیں چھوڑتا جو میری طرف دعوت دے اور میرے احکام کی تبلیغ کرے اور میرے امر کو جاننے والا ہو۔ میں نے ضروری قرار دیا ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہو جو نیک بختوں کے لئے باعث ہدایت اور بدبختوں کے اوپر اتمام حجت کا باعث ہو۔ پس حضرت نوحؑ نے بموجب فرمان پروردگار حضرت سام کو وصی قرار دیا اور حام و یافث محروم رہے اور اپنی اولاد کو ہود کی خوشخبری دی کہ جب وہ آئے اس کی اتباع کرنا الخبر بروایت ابن بابویہ آپ نے فرمایا کہ حضرت نوحؑ نے ۸۵۰ برس تبلیغ نبوت سے پہلے گذارے اور ۹۵۰ برس زمانہ تبلیغ تھا پھر ۲۰۰ برس کشتی بنانے میں صرف کئے اور ۵۰۰ برس بعد میں زندہ رہے کل عمر ۲۵۰۰ برس تھی جب موت کا وقت آیا تو ملک الموت سے کہا کہ مجھے دھوپ سے سائے کی طرف منتقل ہونے کی اجازت دی جائے۔ جب سائے میں پہنچے تو فرمایا میں اپنی ساری زندگی کو اس طرح سمجھتا ہوں جس طرح دھوپ سے سائے میں منتقل ہونے کا وقفہ ہے۔ حضرت نوحؑ کا مفصل قصہ جلد ۷ صفحہ ۲۰۹ تا ۲۲۴ پر درج ہے اور حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جو بادشاہ تھا اس کا نام دوقیل بن عویل بن لامک بن حنخ بن قابیل تھا۔ (برہان)

اعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿١٨﴾ وَإِن تُكَذِّبُوا

اس کی پوجا کرو اور اس کا شکر کرو اسی کی طرف تم نے پلٹنا ہے اگر تم جھٹلاؤ گے

فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ

تو یہ کوئی بڑی بات نہیں، تحقیق تم سے پہلے بھی اُمتیں جھٹلا چکی ہیں اور نہیں رسول پر فرض مگر پہنچا دینا

الْمُبِينُ ﴿١٩﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

واضح طور پر کیا دیکھتے نہیں کس طرح پیدا کرتا ہے اللہ خلق کو پھر اس کو پلٹائے گا۔ تحقیق

إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٢٠﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا

یہ بات اللہ پر آسان ہے کہہ دیجئے چلو پھرو زمین میں پس دیکھو

توحید کا بیان

اعْبُدُوا اللَّهَ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس لب ولہجہ میں اپنی قوم کو توحید کا پیغام دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ خدا کے منکر نہیں تھے بلکہ اللہ کو خدائے اعظم کہنے والے تھے اور جن اغیار کی پرستش میں وہ مصروف تھے۔ مثلاً چاند سورج ستارے یا دیگر بت وغیرہ ان سب کو جھوٹا خدا سمجھے ہوئے تھے اور خدائے اعظم یعنی اللہ کی خوشنودی کا راز اسی میں مضمر سمجھتے تھے کہ ان کی پوجا کی جائے جس طرح مشرکین مکہ کا دستور تھا اور حاجت روائی و مشکل کشائی بھی انہی کی طرف منسوب کرتے تھے نیز رزق و اولاد بھی انہی سے طلب کرتے تھے گویا وہ ان کو تدبیر کائنات میں مؤثر سمجھتے تھے

اور ان کا خیال تھا کہ یہ ہماری سُنتے ہیں اور ہماری مرادوں کو پورا کرتے ہیں اور خدائے اعظم نے یہ امور ان کے حوالہ کئے ہوئے ہیں
اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھُلے لفظوں میں فرمایا کہ جسے تم لوگ اللہ کی عبادت سمجھ کر کرتے ہو سراسر غلط ہے۔ بجز اس
کے نہیں کہ تم لوگ بتوں کی عبادت میں مصروف ہو اور تدبیر کائنات یا خلق و رزق جو تم نے ان کی طرف منسوب کئے ہوئے ہیں
بالکل بے بنیاد ہے بلکہ بہتان ہے اور جن کی تم عبادت کر رہے ہو اور جن سے تم مرادیں مانگتے ہو تمہارے ہرگز مالک نہیں ہیں
لہٰذا اللہ ہی کی طرف رجوع کرو اسی سے مرادیں مانگو اور اسی سے رزق طلب کرو اور اسی کی مخصوص عبادت کرو اور اس کا شکر
ادا کرو جس کی طرف تمہاری بازگشت ہے اور مجھے پتہ ہے کہ تم لوگ مجھے جھٹلاؤ گے لیکن یہ کوئی بڑی بات نہیں مجھ سے پہلے
ہر نبی کی یہ حالت رہی ہے اور آج کل کی پیر پرستی کا مسلمانوں میں رواج عام غالباً اسی نہج پر ہے جس کے خلاف انبیاءؑ نے احتجاج
کیا اور اس سلسلہ میں بھاری سے بھاری قربانی دینے کی ہمت کی اور یہ ظاہر ہے کہ بیماری جس قدر پرانی اور سخت ہو علاج میں اتنی ہی دیر اور محنت خرچ ہوتی ہے۔ اس لئے توحید کا پرچم بلند کرنے والے مبلغین اسلام کو لوگوں کی اکثریت گمراہی سے نہ تعجب کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس سلسلہ میں ہمت ہارنے کی کوئی معقول وجہ ہے اس میں شک نہیں کہ باپ دادا سے حاصل ہونے

كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْاٰخِرَةَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ
کس طرح اس نے پیدا کیا خلق کو پھر اللہ ایجاد کرے گا پیدائش دوسری تحقیق
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ
اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے عذاب دے جسے چاہے اور رحم کرے جس پر
يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي
چاہے اور اسی کی طرف پلٹائے جاؤگے اور تم نہیں اس کو عاجز کرنے والے زمین میں
الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾
اور نہ آسمان میں اور تمہارا کوئی اللہ کے سوا نہ ولی ہے اور نہ مددگار۔

والے غلط طور طریقوں کا قلع قمع انتہائی مشکل ہوتا ہے اور اس کی اصلاح کافی دشوار ہوتی ہے لیکن بالآخر حق کی فتح اور باطل
کی شکست لازمی امر ہے۔ مبلغین کو اس بارے میں ثباتِ قدم سے کام لینا ضروری ہے اور ہر سخت کلامی اور بہتان طرازی کا
جواب حوصلہ اور متانت سے دینا فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کا پیش خیمہ ہے۔

رکوع ۱۵

فَمَا كَانَ ہمیشہ توحید کا علم بلند کرنے والوں کا یہی حال رہا ہے کہ جب لوگ ان کی معقول باتوں
کا اور استدلال کا جواب پیش نہیں کر سکتے اور یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ سنجیدہ طبقہ کہیں ان کے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ
اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ کی نشانیوں کا اور اس کے حضور میں پیش ہونے کا وہ لوگ ناامید ہیں میری
وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ
رحمت سے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے — پس اس کی قوم کے پاس کوئی جواب نہ تھا
اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ
مگر یہ کہ کہنے لگے اس کو مار دو یا جلا دو — پس اللہ نے اس کو آگ سے بچا لیا — تحقیق
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ
اس میں نشانیاں ہیں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے — اور کہا (ابراہیم نے) سوائے اس کے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ
نہیں کہ بنایا ہے تم نے اللہ کے سوا بتوں کو (معبود) آپس (ظاہری) محبت کے لئے جو زندگی دنیا میں تمہارے درمیان

حلقہ بگوش نہ ہو جائے پس قوم کے بارسوخ اور ان کے آبائی مذہب کے ٹھیکہ دار فیصلہ کرتے ہیں کہ ان سے قطع تعلقی کر لو ان سے مکمل عدم تعاون کا عہد کر لو ان کو اپنے ہاں کی مجالس میں شرکت نہ کرنے دو ان کی بات نہ سنو اور علاوہ ازیں ان کو دیوانہ و پاگل کہنا اور دیگر برے برے القاب سے یاد کرنا اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں پھر ہر جلسہ ہر مجلس میں اور ہر اجتماع میں ہر ممکن ہتھکنڈہ اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے ان کے قول کی وقعت کو کم کرنے کی تدابیر اختیار کرتے ہیں اور ہر نامعقول انسان اپنے معقول حریف کو بدنام کرنے کے لئے ہر اوچھے حربے کا استعمال اپنی کامیابی کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کیا ہر نبی کے ساتھ تقریباً اہلِ قوم نے یہی سلوک کیا اور امیرِ شام نے حضرت علیؑ کے متعلق بابنی امیہ نے آلِ محمدؐ کے متعلق کس بات کی کمی چھوڑی ہے اور آج تک حضرت علیؑ کے ماننے والوں کے خلاف جس قدر ہرزہ سرائیاں ہوتی ہیں وہ سب اُسی کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے ہیں بہر کیف داعیانِ توحید کے خلاف نظریاتی جنگ کا سلسلہ ہر دور میں رہا۔ اور اوچھے انداز سے اہلِ توحید کو ستانا ہر دور میں اس زمانہ کے مذہبی و آبائی رسوم کے پاسبانوں اور ان کے عقائدِ باطلہ کی حفاظت کے ٹھیکہ داروں کا عام وطیرہ رہا ہے لہٰذا مبلغین اسلام اور داعیانِ توحید کو قوم کے جہال کی ہاؤ ہو سے ہرگز نہیں گھبرانا چاہیئے۔ حضرت ابراہیمؑ کے خلاف جب اس دور کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا تو آپ کو سزائے موت سنائی گئی کہ یا تو ان کو قتل کیا جائے یا آگ کے ذریعے زندہ جلا دیا جائے اور آخر فیصلہ یہ ہوا کہ ان کو آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس اور حکومت کا رعب جگہ کرلے۔

فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ، جب حضرت ابراہیمؑ کو حکومتِ وقت کی عدالت کی طرف سے آگ میں ڈال دیا گیا تو اللہ نے اپنے

خلیل کے لئے آگ کو گلزار ہونے کا حکم دیا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی عزم و استقلال تھا کہ آگ میں جل جانا منظور کیا لیکن پرچم توحید کو سرنگوں کرنا نامنظور کیا اور خون کا آخری قطرہ قربان کر دینا گوارا کیا لیکن دامنِ توحید کو ہاتھ سے دینا پسند نہ کیا پس یہ عزم تھا اور یہ ثباتِ قدم تھا جس نے حکومتِ وقت کے تشدد کے بے پناہ طوفان کا منہ موڑ دیا اور یہ توکل اور قوتِ ارادیہ کی پختگی تھی جس نے نمرود کی حکومت کے آسمان پیما وقار کو چشمِ زدن میں زمین کی گہرائیوں میں تا ابد موت کی نیند سلا دیا۔ یہ ہے حق و صداقت کی وہ فتح جس کے پرچم بردار نے آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں پر علم توحید ایسا نصب کیا جس کو نہ قیامت تک جھکایا جا سکتا ہے اور نہ اس پرچم بردار کا ذکرِ خیر مٹایا یا چھپایا جا سکتا ہے اور آپ کی یہ کامیابی ہر دور کے داعیانِ توحید کے لئے ایک کھلا ہوا سبق ہے کہ تم آگے بڑھتے چلو، خدا کی مدد تمہارے لئے چشم براہ ہوگی اور بالآخر حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو کے رہے گا۔ اسی بنا پر آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس واقعہ میں ایمان داروں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یعنی درس آموز عبرتیں ہیں۔

اِتَّخَذْتُمْ ۔ اس کا دوسرا مفعول اٰلِهَةً محذوف ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم جن بتوں کو اللہ کے علاوہ اپنا معبود ٹھہرا رہے ہو یہ زندگانی دنیا تک کی محبت کے لئے ہی ہے مَوَدَّةَ مفعول لہٗ واقع ہے۔ آخرت میں یہی محبت اور یہی عبادت تمہارے لئے وبال ہوگی۔ ہمیشہ سے جن کو خدا مان کر عبادت کی جاتی رہی ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو بے جان ہیں مثلاً چاند، سورج، ستارے، آگ، درخت اور پانی وغیرہ اور دوسرے جو بے جان نہیں اُن میں بعض تو وہ ہیں جو اللہ کے برگزیدہ ہیں مثلاً فرشتے، حضرت عزیرؑ، حضرت عیسٰیؑ اور حضرت علی علیہم السلام اور بعض ایسے بھی جو نہ حق پر ہیں اور نہ اللہ کے برگزیدہ ہیں بلکہ صرف لوگوں کے غلط رجحانات نے ان کو مسندِ الوہیت تک پہنچا دیا جیسے نمرود فرعون و شداد یا ہر دور کے بے دین پیر و مرشد۔ یہ دونوں قسمیں خواہ خود ناحق ہیں یا برحق ہیں۔ ان کو معبود سمجھنا اِلٰہ سمجھنا اور ان کو اللہ کی ذات و صفات میں شریک جاننا ناحق ہے اور شرک ہے اور ان کی عبادت بروزِ قیامت سخت نقصان دہ ہوگی جو بے جان معبود ہیں وہ تو بروزِ محشر اپنے ماننے والوں کے لئے ارمانوں اور پشیمانیوں کے عذاب میں اضافہ کے سوا کچھ نہ کر سکیں گے اور ناحق پیر و مرید ایک دوسرے سے بیزاری کا اعلان کریں گے، یہ دنیاوی محبتیں ختم ہوں گی اور ایک دوسرے پر لعنت کا بازار گرم ہوگا جس طرح آیت مجیدہ میں اس کا صاف انکشاف کیا گیا ہے اور سب کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔ اور وہ پیر جو خود حق پر تھے اور برگزیدۂ پروردگار تھے، اُن سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ان کو اس غلط روی کی دعوت دی تھی؟ تو وہ صاف اُن کے خلاف شہادت دیں گے کہ ہم نے دنیا میں توحید کا پرچم بلند کیا تھا اور اس سلسلہ میں ہر بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا جس طرح قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت عیسٰیؑ سے خدا پوچھے گا۔ کیا تُو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا مانو؟ تو حضرت عیسٰیؑ صاف جواب دیں گے کہ میں نے ہرگز ان کو یہ نہیں کہا تھا بلکہ میں نے تو صرف تیری توحید و عبادت کا پیغام دیا۔ باقی عقائد ان کے اپنے من گھڑت ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے صاف طور پر فرمایا ہے۔ جو لوگ ہمیں خالق و رازق مانتے ہیں ہم ان سے بروزِ محشر اس طرح بیزار ہوں گے جس طرح حضرت عیسٰیؑ نصرانیوں سے بیزار ہوں گے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۔ حضرت لوطؑ نے جو حضرت ابراہیمؑ کا چچا زاد یا خالہ زاد یا بھانجا یا بھتیجا بااختلاف اقوال ذکر کیا گیا ہے سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔ مسلکِ شیعہ کے عقیدہ کی بنا پر چونکہ نبی یا وصیٔ نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ کہ وہ کسی زمانہ میں بھی عقیدہ و عمل کے لحاظ سے خطاکار نہیں ہوتے لہٰذا ان کا پہلے دن سے ہی مومن ہونا مسلّم ہے۔ اس مقام پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ جب بھرے مجمع میں حضرت ابراہیمؑ نے توحید کے مشن کو واضح فرمایا تو حضرت لوطؑ ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے کھڑے ہوکر تصدیق کی جس طرح حضرت علیؑ نے دعوتِ عشیرہ کے موقعہ پر حضرت رسالتمآبؐ کی تصدیق کی تھی اور پہلے ایمان لانے والے کہلائے۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا

بروزِ قیامت انکار کروگے ایک دوسرے کا اور لعنت کروگے ایک دوسرے پر اور تم سب

وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ

کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا پس ایمان لایا اس پر لوطؑ اور

قَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ وَوَهَبْنَا

کہا میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں وہ غالب حکمت والا ہے اور ہم نے بخشا اس کو

لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اسحٰق و یعقوب اور قرار دی ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتب

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور دیا ہم نے اس کو اس کا بدلہ دنیا میں اور تحقیق وہ آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوگا۔

اِنِّىْ مُهَاجِرٌ ۔ ممکن ہے کہ حضرت لوطؑ نے یہ فقرہ کہا ہو اور ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ہو بہرکیف ابتداءً آپ کوفہ کے نواح میں آباد تھے۔ اور دشمنانِ دین کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر شام کی طرف حضرت لوطؑ اور سارہ کی معیّت میں ہجرت کرکے چلے گئے۔

اٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ ۔ حضرت ابراہیمؑ نے نہایت مشکل اور کٹھن مراحل سے گذر کر نہایت پامردی سے فرائضِ تبلیغ کو انجام دیا اور اس راہ میں بہت کافی تکلیفوں کا کھلے دل سے مقابلہ کیا پس اللہ نے دنیا میں بھی ان کو اس کا اجر عطا فرمایا کہ عہدۂ امامت بخشا ملکوت سما کی سیر کرائی اور نسل میں نبوت و کتاب بخشی وغیرہ اور آخرت میں ان کا درجہ بلند قرار دیا۔

حضرت لُوطؑ کا ذکر

تفسیر برہان میں کتاب تحفۃ الاخوان سے منقول ہے کہ (جس کو مختصر اور ملخص کرکے یہاں پیش کیا جا رہا ہے) اہلِ مؤتفکات جن کا ذکر قرآن میں ہے بالکل نکمے لوگ تھے اور حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھے۔ ایک دفعہ ان پر قحط

نازل ہوا تو ابلیس نے مہمانوں اور رہگزروں سے نجات پانے کے لیئے ان کو لواطت کرنا تعلیم کیا۔ چنانچہ پہلے خود ایک خوبصورت لڑکے کی شکل میں آکر ان کو بدفعلی کی دعوت دی اور پھر ہر رہگذر سے اسی فعل شنیع کے ارتکاب پر ان کو آمادہ کیا چنانچہ وہ اس کے عادی ہوگئے۔ مسافروں نے چاروناچار اپنا راستہ بدل لیا تو وہ لوگ آپس میں مشغول ہوگئے اور عورتوں کو قطعاً نظرانداز کردیا۔ خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ پر وحی کی کہ میں نے حضرت لوطؑ کو نبوت کے لیئے چن لیا ہے لہٰذا ان کو اس قوم کی تبلیغ کے لیئے روانہ کرو۔ ان کی چند ایک بستیاں تھیں اور سب سے بڑی بستی کا نام سدوم تھا اور اسی بستی میں ان کے فرمانروا کا دارالسلطنت بھی تھا۔ آپ اسی پایۂ تخت میں پہنچے اور کھلے مجمع میں ان کو پیغام حق سنایا اور ان کو مروجہ برائیوں سے باز آنے کی دعوت دی۔ ڈائری نویسوں نے آپ کی تقریر کے بعض اقتباسات بادشاہ تک پہنچائے تو حکومت کی طرف سے فوراً ان کی دربار میں حاضری کا نوٹس جاری کر دیا گیا۔ چنانچہ بلاجھجک اور بغیر کسی خوف و خطر کے داخل دربار ہوئے تو بادشاہ نے نہایت متکبرانہ انداز سے پوچھا تم کون ہو تجھے کس نے بھیجا اور کیوں آئے ہو؟ آپ نے نہایت متانت۔ سنجیدگی اور فراخدلی سے بات سُنی اور پورے حوصلے و اطمینان سے جواب میں فرمایا میرا نام لوطؑ ہے مجھے جس ذات نے بھیجا ہے وہ اللہ ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اور میں تمہیں اللہ کا پیغام سنانے آیا ہوں اور تمہاری ملکی مروجہ برائیوں سے تمہیں روکنے کے لئے آیا ہوں لواطت اور راہزنی کے علاوہ کبوتر اڑانا۔ مرغ لڑانا۔ گوز زنی اور رنگ دار زنانہ لباس پہننا وغیرہ ان کی بد عادات تھیں جن کو منکر سے تعبیر کیا گیا ہے اور حضرت لوطؑ انہی عادات فاسدہ سے روکنے کے لیئے اُن پر حجت ہو کر آئے تھے۔ بادشاہ وقت حضرت لوطؑ کی تقریر

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا

اور لوطؑ کو بھیجا، جبکہ کہا اس نے اپنی قوم کو تحقیق تم کرتے ہو ایسی برائی کہ تم سے پہلے ایسی برائی

مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿۲۹﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ

عالمین میں سے کسی نے نہیں کی کیا تم جماع کرتے ہو مردوں سے اور راہ زنی

السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ

کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں ناشائستہ حرکات کرتے ہو؟ پس اس کی قوم سے اور کوئی جواب

إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۰﴾

بن سکا مگر یہ کہا کہ لاؤ ہم پر اللہ کا عذاب اگر تم سچے ہو (حضرت

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿۳۱﴾ ع ۱۵

لوطؑ نے) کہا اے پروردگار ان فسادی لوگوں پر تو میری نصرت فرما

سے مرعوب ہو گیا اور اس نے آپ کو کھلی تبلیغ کی اجازت دے دی اور کہا کہ میری حکومت کا استحکام چونکہ رعایا کی وفاشعاری پر منحصر ہے لہٰذا میں عوام کی رائے کے خلاف اپنے مذہب کو تبدیل نہیں کروں گا اور تیرا آپ سے تعاون یہ ہے کہ میری حکومت آپ کی تبلیغی سرگرمیوں پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرے گی، چنانچہ اس یقین دہانی کے بعد آپ نے دن رات ایک کر کے پورے بیس برس تبلیغی فرائض انجام دیئے۔ اسی اثنا میں آپ کی پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا جو مومنہ تھی پھر ایک دوسری عورت سے وہاں شادی کی جس کا نام زاب تھا اور وہ بھی آپ پر پہلا ایمان لا چکی تھی پھر کئی برس آپ کو تبلیغ میں گذرے لیکن وہ قبل سے متنبہ نہ ہوئے۔ آخر کار روئے زمین کا ہر جاندار و غیر جاندار ان کے افعالِ شنیعہ سے تنگ آ کر بارگاہِ رب العزت میں پکار اٹھا تو اللہ نے بذریعہ وحی کے اطلاع دی کہ میں اپنے کسی نافرمان کو عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ ان لوگوں کے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے مہلت دی گئی ہے۔ جو چاہیں کریں۔

رکوع ۱۶ | **تذکرہ حضرت ابراہیمؑ** — حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہ سے شادی بحکم پروردگار کی تھی اور اس نے اس وقت اپنے ایمان کا اعلان کیا تھا جب آپ پر آگ گلزار ہوئی تھی اللہ نے چار فرشتے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور دردائیل بھیج کر ابراہیم کو سارہ کے بطن سے اولاد کی خوشخبری سنائی وہ بشکلِ انسانی یہاں پہنچے۔ حضرت ابراہیمؑ کا چونکہ عام دستور تھا کہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اتفاق سے تین روز متواتر جب کوئی مہمان نہ آیا تو خود گھر سے مہمان کی تلاش میں اٹھ کھڑے ہوئے اور بیوی کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا کہ ابھی کوئی نہ کوئی مہمان تلاش کر کے لاؤں گا اور جب باوجود تلاش کے بھی کوئی مہمان نہ ملا تو گھر پلٹ کر آسمانی صحیفوں کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے کہ اچانک چار انسانی شکلیں سامنے آئیں۔ یہ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ حضرت ابراہیمؑ پہلے تو گھبرائے لیکن جب انہوں نے سلام کیا تو آپ نے بھی اطمینان کا سانس لیا۔ آپ نے فوراً سارہ کو خبر دی کہ میرے چار معزز مہمان وارد ہوئے ہیں جو نہایت خوبصورت خوش پوش اور سلام کر کے وارد ہوئے ہیں۔ پس ان کی خدمت شایانِ شان ہم پر ضروری ہے۔ حضرت سارہ نے کہا میں چونکہ پردہ نشین ہوں اور غیرت و حمیت اجازت نہیں دیتی کہ میں ان کی خدمت کے لئے ان کے روبرو کام کروں۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے گائے کا ایک موٹا تازہ بچہ ذبح کر دیا اور صاف کر کے اسے بھون کر تیار کرایا۔ جب دستر خوان بچھا گیا تو انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ حضرت ابراہیمؑ نے متعجب ہو کر وجہ دریافت کی اور فرمایا اگر تم لوگوں کو کھانے کی ضرورت نہ تھی تو ہم اپنی شیر دار گائے سے اس کا بچھڑا کیوں جدا کرتے تو جبرئیل نے فوراً اس بھونے ہوئے بچھڑے کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا قُم بِاِذنِ اللّٰہ کہا اور وہ باذن پروردگار دوبارہ زندہ ہو کر ماں کے پہلو میں جا کھڑا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے آنے کا مطلب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو فرزند ارجمند کی بشارت دینے کے لئے آئے ہیں حضرت سارہ نے سنتے ہی منہ پیٹ لیا اور ازراہِ تعجب کہنے لگی کہ میں بڑھیا ہو چکی ہوں اب بچہ کیوں کر ہو گا تو جبرئیل نے کہا کہ اللہ کے فیصلے پر نہ تعجب کی ضرورت ہے اور نہ مایوسی کا مقام ہے بہر کیف حضرت سارہ کے بطن مبارک سے حضرت اسحٰق پیدا ہوئے اور حضرت اسحٰق کی عمر جب اسّی سال کو پہنچی تو آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی لیکن عموماً مصلائے عبادت پر رہتے تھے آپ کی بیوی کا نام رباب بنت لوط تھا اور بعض کے نزدیک قدرسا بنت لوط ہے) اسی سال کی عمر میں اپنی بیوی سے

مقاربت کی تو اسے حمل ہوا اور دو بچے توام پیدا ہوئے پہلے پیدا ہونے والے کا نام عیص اور بعد میں پیدا ہونے والے کا نام یعقوب رکھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی ضیافت اور فرزند کی بشارت کا ذکر تفسیر کی جلد ۷ صفحہ ۲۳ پر بھی مذکور ہو چکی ہے۔

جب حضرت ابراہیمؑ کے ہاں اسحٰق پیدا ہوئے تھے اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۹۸ برس اور حضرت سارہ کی عمر ۹۹ برس تھی گویا بیوی اپنے شوہر سے ایک برس بڑی تھی اور حضرت اسحٰق بعینہ اسی رات پیدا ہوئے جس رات حضرت لوط کی امت پر عذاب نازل ہوا حضرت اسحٰق نے پیدا ہوتے ہی سجدہ پروردگار میں سر رکھ دیا پھر صبح اُٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف ہاتھ بلند کرکے اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے رہے۔

حضرت ابراہیمؑ کو لڑکے کی بشارت دینے کے بعد قوم لوط کے عذاب کے فیصلے سے آگاہ کیا کہ ہم ان پر پتھر برسائیں گے اور مروی ہے کہ ہر پتھر پر اس سرکش کا نام لکھا ہوا تھا جس کے لیے وہ پیغام عذاب تھا پس جبرئیل اپنے اصلی رنگ میں آ گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے پہچانا اور جبرئیلؑ نے دوسرے فرشتوں کا تعارف کرایا حضرت ابراہیمؑ نے قوم لوط کے عذاب کی خبر سن کر گھبراہٹ کا اظہار کیا تو جبرئیلؑ نے کہا ہم مومنوں کو ضرور بچا ئیں گے اور مومن گھرانہ سوائے حضرت لوط اور اس کی دو شہزادیوں کے اور کوئی نہ تھا پھر جب یہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ سے مرخص ہو کر پہنچے تو حضرت لوط کی بڑی شہزادی رباب جنت لوط نے پہلے پہل ان کو دیکھ لیا۔ یہ شام کا وقت تھا اور شہزادی اس وقت کنویں سے پانی کھینچ رہی تھی فرشتے چونکہ عمدہ لباس میں ملبوس تھے اور خوبصورت نوجوانوں کی شکل میں تھے، شہزادی نے خیال کیا کہ یہ لوگ نووارد مہمان ہیں۔ ان کی خیر خواہی کے طور پر کہنے لگی کہ تم ان فاسق لوگوں کے پاس کیوں جاتے ہو۔ اس بزرگ کے پاس جاؤ کہ تمہاری میزبانی کے فرائض بخوبی انجام دے گا پس فرشتے پلٹ کر حضرت لوط کے پاس آئے جب کہ آپ اس وقت کھیتی باڑی کے کام سے فراغت حاصل کر چکے تھے مہمانوں کو دیکھتے ہی اپنی قوم کی بدچلنی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سخت گھبرائے۔

فرشتوں کو خداوند کریم کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ قوم لوط کو اُس وقت عذاب کرنا ہے جب چار مرتبہ حضرت لوط کی زبانی ان کے فسق اور مستحق لعنت ہونے کی شہادت مل جائے۔

پس فرشتوں نے آپ کے ہاں ٹھہرنے کا خیال ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا مجھے کوئی انکار نہیں البتہ میری قوم فاسق و بدکردار ہے اور لواطہ کی عادی ہے خدا ان پر لعنت کرے اس وقت جبریل نے اسرافیل سے کہا یہ پہلی شہادت ہے پھر فرشتوں نے اپنا سوال دہرایا کہ اب شام ہو چکی ہے ہمارے ٹھہرانے کا انتظام فرمائیے پھر حضرت لوط نے اپنی بات دہرائی کہ میری قوم نہایت بدکردار ہے جو عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے شہوت کو پورا کرتی ہے ان پر اللہ کی لعنت ہو پھر فرشتوں نے ایک دوسرے سے کہا اب دوسری شہادت ہو گئی۔ آپ نے فرمایا گھوڑوں سے اُترو ذرا تاریکی ہو لینے دو تاکہ ہمیں جاتے ہوئے کوئی دیکھ نہ پائے یہ بہت بدکردار اور فاسق لوگ ہیں ان پر خدا کی لعنت ہو۔ فرشتوں نے کہا یہ تیسری شہادت مکمل ہو گئی۔

حضرت لوط کی عورت قواب جو بظاہر مسلمان تھی دل سے منافقانہ چال کی مالک تھی وہ بالعموم حضرت لوط کے پاس آنے

والے مہمانوں کی کسی نہ کسی طریقہ سے قوم کو اطلاع دے دیتی تھی دن کو اگر مہمان آتے تو دھواں بلند کرتی اور رات کو آتے تو چراغ جلا دیتی تھی اب بھی اس نے حضرت لوطؑ کی کافی ہدایت اور انتہائی منت وسماجت کے باوجود اپنی بد باطنی اور خباثت ذاتی کا ثبوت دیا چنانچہ حضرت لوطؑ کو بھی پتہ چل گیا۔ لہذا گھر کے دروازے مضبوطی سے بند کر لئے لیکن تھوڑی دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ شہر کے سب اوباش جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ کے گھر کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا اور مہمانوں کا مطالبہ شروع کر دیا۔ حضرت لوطؑ خود دروازہ کے اندر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے زور سے دروازہ توڑا اور اندر گھسنے کے لئے بڑھے لیکن حضرت لوطؑ نے پوری قوت سے ان کی مزاحمت کی پس ایک خبیث النفس نے آپ کی جانب بے ادبی کا ہاتھ بڑھایا اور داڑھی سے پکڑ کر طمانچہ بھی مارا۔ پھر آپ کو اپنے سامنے سے دھکیل دیا اس ہاتھا پائی میں جب حضرت لوطؑ نے دیکھا کہ بدمعاشوں کے بے پناہ ہجوم کا سیل رواں اب میری کوششوں سے نہیں رکتا تو مایوس ہو کر سرد آہ کھینچی اور فرمایا کاش آج میرے پاس طاقت ہوتی اور کچھ مددگار ہوتے تو میرے مہمانوں کی توہین کوئی نہ کر سکتا۔ پس آسمان کی طرف سر اٹھایا اور عرض کی اے میرے اللہ و پروردگار تو ان لوگوں سے میرا بدلہ لے اور ان پر لعنت بھیج پس یہ بھی شہادت سنتے ہی جبرئیل نے کہا اے لوطؑ اب کوئی فکر نہ کر ہم تیرے رب کے فرستادہ فرشتے ہیں۔ ادھر فرشتوں نے جب دیکھا کہ خدا کے نبی کی امداد کا وقت آن پہنچا ہے تو تعمیل حکم پروردگار کی خاطر تیں ان کے چہرے کھل اٹھے اور صحن میں اتفاقاً ہوا اور دوسری طرف حضرت لوطؑ کی جانب سے مزاحمت ختم ہو گئی تو وہ لوگ بے تحاشا اندر گھسے اور فرشتوں کی طرف لپکے اور قریب پہنچے ہی تھے کہ خدا نے ان کی آنکھوں سے بصارت سلب کر لی اور ان کے چہروں کو تارکول کی طرح سیاہ کر دیا پس وہ سرگرداں ہو کر ادھر ادھر چکر لگاتے رہے اور ان کے سر ہر طرف دیواروں سے ٹکراتے رہے باہر والے اتنے میں ایک دوسرا غنڈوں کا گروہ آ گیا اور انہوں نے دروازہ پر صدا دی کہ تم فارغ ہو چکے ہو تو باہر نکل آؤ کیونکہ اب ہماری باری ہے اندر والوں نے جواب دیا کہ لوطؑ کے پاس تو جادوگر تھے۔ کہ انہوں نے جادو کے ذریعے سے ہمیں نابینا کر دیا ہے۔ تم اندر چلے آؤ اور ہمارے ہاتھ پکڑ کر ہمیں باہر لے جاؤ چنانچہ انہوں نے اندر آ کر اندھوں کو باہر نکالا اور خود دست درازی کی جرأت کرنے سے گھبرا گئے البتہ یہ دھونس دے کر گئے کہ ہم صبح کو پلٹ کر آئیں گے۔ حضرت لوطؑ ان کی بکواسیں سنتے رہے اور خاموش رہے۔ اب حضرت لوطؑ نے دریافت کیا کہ تم لوگ کیوں کر آئے؟ تو فرشتوں نے جواب دیا ہم تیری قوم کو عذاب کرنے کے لئے آئے ہیں۔ حضرت لوطؑ نے پوچھا کہ کب؟ تو جبرئیل نے جواب دیا کہ صبح سویرے حضرت لوطؑ اس قدر گھبرائے ہوئے تھے کہ اب ان کو شام اور صبح کے درمیان کا فاصلہ بھی طویل معلوم ہو رہا تھا اور کہتے تھے کیا ابھی صبح نزدیک نہیں ہے۔

حضرت جبرئیل نے حضرت لوطؑ کو بمعہ اپنے اہل وعیال اور ساز وسامان کے اول شب میں گھر سے باہر چلے جانے کا حکم پروردگار پہنچا دیا تھا اور یہ بھی کہہ دیا تھا کہ تمہاری بیوی اس گرفت سے نہ بچ سکے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آپ اپنی بیوی بیٹیوں اور مال مویشی کو ساتھ لے کر روانہ ہونے لگے تو چلتے ہی بیوی نے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی کہ کیوں جاتے ہو۔ آپ نے فرمایا خداوند جبار کا حکم ہے اور اس کا اٹل فیصلہ ہے کہ وہ ان بستیوں کو عذاب کرے گا۔ وہ کہنے لگی کہ ایسا قطعاً نہیں ہو سکتا۔ بس اتنا کہنا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر

گرا اور وہ سیاہ پتھر کی شکل میں مسخ ہو گئی چنانچہ بیت المقدس کا وہ پتھر لوگوں کے لئے باعث عبرت و نصیحت بنا رہا یہ حکم پروردگار سے ہو کر زمین نے نگل لیا۔ [illegible]

حضرت لوط کی قوم کی سات بستیاں تھیں۔ پس فرشتوں نے ان ساری زمین کو اٹھا کر اتنا بلند کیا کہ آسمان تک ان کی آوازیں پہنچ رہی تھیں اور جبرائیل کے پروں پر ان بستیوں کی زمین کے ساتوں طبق اس طرح زیر و زبر ہو رہے تھے جس طرح درختوں کے پتے تیز آندھیوں کی وجہ سے کانپتے یا جھومتے ہیں پس الٹا کر کے گرا دیا گیا کہ ان کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا پہلے ان پر پتھروں کی بارش فرشتوں نے برسائی اور پھر تختہ الٹا کر گرایا جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کی مختلف تعبیریں موجود ہیں۔ اور مروی ہے کہ اس رات کو ان بستیوں کے باشندوں میں جو گھروں سے باہر گئے ہوئے تھے ان پر وہیں ایک ایک پتھر گرا اور وہیں کے وہیں ڈھیر

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ

اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر تو انہوں نے کہا ہم ہلاک کرنے والے ہیں

هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ إِنَّ فِيهَا

اس بستی کے باشندوں کو تحقیق اس کے باشندے ظالم ہیں (ابراہیم نے) کہا تحقیق اس میں تو لوط بھی ہے تو

لُوطًا قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ

کہنے لگے ہم خوب جانتے ہیں جو اس میں ہیں ہم ضرور بچائیں گے اس کو اور اس کے گھرانے کو سوائے اس کی عورت کے

ہو کر رہ گئے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ راہ گذر لوگوں کے لوٹنے کا ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مسافر گذرتا تو لوگ انگوٹھے اور انگلی میں ایک کنکر یا پتھر رکھ کر اس کی طرف پھینکتے تھے جس کا نشانہ درست بیٹھتا تھا وہ اس کے لٹے ہوئے مال کا حق دار سمجھا جاتا تھا اور اس سے بدکرداری کرنے کا بھی حق اسی کو دیا جاتا تھا اور اگر کوئی شخص جرات کر کے ان کی رسمی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے جاتا تو مجسٹریٹ کی طرف سے اس پر صرف تین درہم جرمانہ کی سزا دی جاتی اور یہی ان کی حکومت کا رائج الوقت قانون تھا اور اپنی مجالس میں جن منکرات و فواحش کا ارتکاب کرتے تھے اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے لوگوں کے سامنے بھرے مجمع میں بغیر شرم و حیا کے گوز زنی کرتے تھے۔

(۲) ایک دوسرے کے سامنے لواطت کا ارتکاب کرتے تھے۔

(۳) گالی گلوچ بے ہودہ کلمات جانبازی تالی بجانا لہو و لعب مثلاً مزمار و سارنگی بجانا ایک دوسرے کے سامنے ننگا ہونا ان میں عام رائج تھا اور وہ بے حیائی کرتے تھے۔ خداوند کریم ایسی بیہودگیوں سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے جلد ۷ صفحہ ۲۲۴ پر حضرت لوط کا ذکر گذر چکا ہے نیز جلد ۸ صفحہ ۵۶ پر بھی ہے۔ إِلَّا امْرَأَتَهُ انبیاء میں سے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویاں اس لئے ضرب المثل

بن گئیں کہ انہوں نے اپنے نبی شوہروں کے ساتھ دینی امور میں وفا شعاری کا ثبوت فراہم نہ کیا اور قرآن مجید میں جس مقام پہ ان دونوں کی خیانت کا تذکرہ ہے اس سے یہی دینی خیانت مراد ہے اور خیانت کا اطلاق تب درست ہو سکتا ہے جب کہ نبیؐ کو ان پر اعتماد ہو اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ظاہری لحاظ سے وہ نبی کا دین قبول کر چکی ہوں اور اندرونی طور پر مخالفت کرتی ہوں اور حضرت لوطؑ کی بیوی قرابہ کے متعلق گذشتہ واقعہ میں ابھی ابھی بیان ہو چکا ہے کہ وہ حضرت لوطؑ پر ایمان لا چکی تھیں اور ان کا ظاہری طور پر اعتماد حاصل کر چکی تھیں پس اس کا افشائے راز اس کی خیانت کہلایا اسی طرح حضرت نوحؑ کی بیوی کی خیانت بھی یہ تھی کہ ظاہری طور پہ آپ کی نبی تھی اور اندرونی طور پر چونکہ کفار کے ہم خیال تھی اس لئے آپ کو دیوانہ اور پاگل سمجھتی تھی چنانچہ تفسیر برہان میں ہے کہ جب لوگ حضرت نوحؑ پر تشدد کرتے تھے تو یہ کہا کرتی تھی کہ اس بیچارے کو کچھ نہ کہو کیوں کہ یہ پاگل ہے پس ایک کی خیانت یہ ہے کہ نبی کا افشائے راز کرتی تھی اور دوسری کی خیانت یہ کہ نبیؐ کو دیوانہ سمجھتی تھی۔ ورنہ انبیاء کی بیویاں ایسی خیانت میں ملوث نہیں ہوتیں جس کی وجہ سے ان کے شوہر نبی کی ناموس تباہ ہو اور وقار مجروح ہو۔ خدا انبیاء کے ناموس ووقار کا خود محافظ ہے۔ اہل کی تفسیر جلد ۲ ص ۲۱ پر گزر چکی ہے۔ نیز جلد ۲ ص ۲۹ پر بھی جلے۔ وَاِلٰی مَدْیَنَ۔ حضرت شعیب اور اہلِ مدین کا ذکر تفسیر کی جلد ۲ ص ۲۳ اور جلد ۶ ص ۵۵ پر گذر چکا ہے۔

كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا

جس کا انجام پیچھے رہ جانے والوں میں ہے اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوطؑ کے پاس تو وہ ان کے

سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا

آنے سے ناخوش ہوئے اور تنگ دل ہوئے اور (فرشتوں نے) کہا خوف و ملال نہ کرو ہم بچا لیں گے تجھے اور

مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٤﴾

تیرے گھر والوں کو سوائے تیری عورت کے (جس کا انجام) پیچھے رہ جانے والوں میں ہے

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ

تحقیق ہم نازل کرنے والے ہیں اوپر اس بستی کے باشندوں کے عذاب آسمان سے بوجہ

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٣٦﴾

اس کے جو وہ فسق کرتے رہے ہیں اور تحقیق چھوڑ دی ہم نے اس بستی کے عذاب کی وجہ سے

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا

ایک نشانی عقلمندوں کے لئے اور بھیجا ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو تو اس نے کہا اے قوم عبادت کرو اللہ کی اور

وَعَادًا ۔ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے اور ان کا ذکر تفسیر کی جلد ۲ صہ ۲۲۵ اور جلد ۶ صہ ۴۵ پر مفصل گذر چکا ہے
وَثَمُودَ ۔ یہ حضرت صالح کی قوم ہے اور ان کا مفصل ذکر تفسیر کی جلد ۲ صہ ۲۲۵ پر اور جلد ۹ صہ ۴۹ پر بیان ہو چکا ہے
قَارُونَ ۔ اس کا ذکر اس جلد میں صہ ۴۰ پر گذر چکا ہے۔
حَاصِبًا ۔ حضرت لوط کی قوم پر پتھر برسائے گئے تھے۔

اَلْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۳۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ
ڈرو روز آخرت سے اور نہ پھرو زمین میں فسادی بن کر پس انہوں نے اسے جھٹلایا

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا
تو پکڑ لیا ان کو ایک زلزلے نے پس اپنے گھروں میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور قوم عاد

وَّثَمُوْدَ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
ثمود (کو ہم نے ہلاک کیا) اور تمہیں پتہ ہے (ہلاک شدہ لوگوں کی) ان کی رہائش گاہوں کا اور مزین کیا تھا ان کے لئے

اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُوْنَ
شیطان نے ان کے اعمال کو پس روک لیا تھا ان کو سیدھے راستے سے حالانکہ وہ سمجھدار تھے اور قارون

وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا
و فرعون و ہامان کو (ہم نے ہلاک کیا) اور تحقیق ان کے پاس موسیٰ واضح دلیلیں لیکر آئے تو انہوں نے زمین

فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ
میں تکبر کیا اور ہم سے بھاگ کر جا نہ سکے پس ہم نے سب کو گرفتار کر لیا ان کے

الصَّيْحَةُ ۔ اس عذاب سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہلاک کی گئی اور بعض روایات میں زلزلہ کا ذکر بھی ہے چنانچہ سورہ اعراف میں صیحہ کے بجائے رجفہ مذکور ہے تفسیر کی جلد ۶ صہ ۱۵ پر ملاحظہ ہو۔
خَسَفْنَا ۔ قوم لوط کے عذاب کی طرف اشارہ ہے۔
اَغْرَقْنَا ۔ یہ فرعون کے عذاب کی طرف اشارہ ہے ۔ تفسیر کی جلد ۲ صہ ۱۶۹ سے اور جلد ۲ صہ ۱۲۶ سے ملاحظہ ہو۔
اَوْلِيَآءَ ۔ یہ ولی کی جمع ہے اور مجمع البیان میں ہے کہ ولی کی لفظ ناصر کی لفظ سے بلیغ تر ہے کیوں کہ ناصر بعض اوقات اپنے غیر کو بھی نصرت پر مامور کر دیا کرتا ہے لیکن ولی وہ ناصر ہے جو بذات خود نصرت کا کارنامہ انجام دے۔

الْعَنْكَبُوْتِ ۔ یعنی جس طرح مکڑی کا بنایا ہوا گھر خود مکڑی کے لئے بھی فائدہ مند نہیں ہوتا اسی طرح جن لوگوں نے اللہ کے سوا کسی کو بھی اپنا کارساز

اور نفع و نقصان کا مالک سمجھا ہے وہ ان کے لئے نفع رساں ہے نہ نقصان دہ ہے پس وہ دنیا میں مکڑی کے گھر کی
طرح فضول و واہیات خیال ہے اور آخرت میں ان کے لئے سخت نقصان دہ ہے اور جو بھی جس کسی کو اللہ کے علاوہ
پکارتا ہے۔ وہ سب اللہ کے
علم میں ہے۔ وہ جب بھی
گرفت کرنا چاہے کر سکتا
ہے کیوں کہ وہ عزیز و غالب
ہے لیکن لوگوں کو سوچنے
اور سمجھنے کی دعوت، فکر
دیتا ہے۔ اس لئے جلدی
نہیں پکڑتا کیونکہ وہ حکیم و
دانا ہے اس کے بعد فرماتا
ہے کہ ہم لوگوں کو اس قسم
کی مثالیں پیش کر کے سمجھاتے
ہیں۔ لیکن سمجھدار ہی اس
حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں صرف
زمین و آسمان کا پراز حکمت و
تدبیر تخلیقی کارنامہ ہی ایماندار
لوگوں کے لئے سمجھنے کو کافی
ہے کہ اللہ و معبود کارساز و
خالق و رازق وہی ذات ہے
اور اسی کو کائنات کے ذرہ
ذرہ میں کلی و جزوی تصرفات
کا پورا حق حاصل ہے اور سب
پر اسی کا ہی اقتدار قائم
ہے۔ پس ان امور میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ لہٰذا دعا و پکار صرف اسی کی ذات کے لئے مخصوص ہونی چاہیئے۔ البتہ

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ

جرم کی وجہ سے پس بعضوں پر ہم نے پتھر نازل کئے اور بعض کو لے لیا ایک سخت

الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ

دھماکے نے اور بعضوں کو زمین سے نگلوا دیا اور بعضوں کو ہم نے غرق کر

مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

دیا اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا ولیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم

يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کرتے تھے مثال ان کی جنہوں نے اللہ کے علاوہ کارساز بنا رکھے ہیں مکڑی

اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ

کی سی ہے جس نے گھر بنایا ہو اور یقیناً گھروں میں کمزور ترین

الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے کاش وہ جانتے تحقیق اللہ جانتا ہے

مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۳﴾

جو پکارتے ہیں اس کے سوا کسی شے کو اور وہ غالب دانا ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا

اور اس قسم کی مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے اور ان کو نہیں سمجھتے

الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ

مگر علم رکھنے والے لوگ اللہ نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ ع

تحقیق اس میں نشانی ہے ایمانداروں کے لئے

محمد وآلِ محمد علیہم السلام کائنات میں بہترین وسیلہ ہیں اور ان کے وسیلہ سے دعا جلد مستجاب ہوتی ہے۔ حدیث قدسی میں ارشادِ پروردگار ہے۔ کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔ یعنی میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

اور مفسرین و واعظین اس جگہ مخلوق سے مراد محمد و آلِ محمد لیتے ہیں جن کے انوار کو سب سے پہلے خلق کیا گیا۔ جیساکہ حضور کا فرمان ہے اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ کہ سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا گیا ہیں باقی سب مخلوق ان کے بعد میں پیدا ہوئی اور بعد میں پیدا ہونے والی مخلوق کے لئے معرفتِ پروردگار کا وسیلہ محمد و آلِ محمد ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر معصوم کا ارشاد ہے کہ ہم نے اللہ کی تسبیح کی تو ملائکہ نے بھی ہماری تسبیح کی بدولت اللہ کی تسبیح کی الخ تو جس طرح یہ ذواتِ مقدسہ باقی مخلوق کے لئے معرفتِ خدا کا وسیلہ ہیں اسی طرح اللہ سے کسبِ فیض کرنے میں بھی وہ وسیلہ ہیں چنانچہ احادیثِ متواترہ کے مضمون سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی بھی با کمال مخلوق کو کمال نہیں ملا سوائے ان کے وسیلہ کے تو اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک کا داتا اور محسن اگرچہ خود پروردگارِ عالمین ہے لیکن چونکہ یہ مخلوق خاص باقی مخلوق کے لئے اس کی معرفت کا وسیلہ ہیں پس دعا و مناجات میں بھی انہی کی ذواتِ مقدسہ کو وسیلہ بنانا ضروری ہے کیونکہ انہی کے وسیلہ سے ہی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جب دعا کے اول و آخر میں درود پڑھا جائے تو وہ ضرور مقامِ استجابت تک پہنچتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔

پارہ ۲۱

رکوع ۵ نماز برائی و بے حیائی سے روکتی ہے

نماز خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان وہ رابطہ وصال ہے جس سے قریب تر اور قوی تر کوئی دوسری عبادت نہیں ہے۔ اس میں بندہ اپنے بندہ پرور اور مخلوق اپنے خالق کے حضور میں ایسی منزل پر فائز ہوتا ہے کہ اس کی چشم بصیرت کے سامنے ایمان و ایقان اور علم و عرفان کی روشنی میں جلال و جمالِ توحید کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور کسی ظاہر بین عاشق کو معشوق کے دیدار میں یا کسی دنیاوی محب کو محبوب کی ملاقات میں جس قدر فوری طور پر زائل ہو جانے والا اور بہت جلدی مشتعل و ناپید ہونے والا عارضی سا سرور و لطف محسوس ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ لطف نماز میں اس نمازی کو حاصل ہوتا ہے جو جمال و جلال پروردگار اور لطف و رحمت کردگار کا ایقان و عرفان کے آئینہ میں بصیرت کی حق بین حق جو اور حق طلب نگاہوں سے دیدار کر چکا ہو۔ ایسے نمازی بے مثال خالق اور بے عیب محسن کے جلوۂ حسنِ ذات و صفات سے پُر ہیں وہ سکون محسوس ہوتا ہے جو کسی دوست و عزیز کی ملاقات میں نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر دنیاوی محبوب کا دیدار ساکن دل میں اضطراب اور تڑپ کی ایک مشعل اور دریا لہر پیدا کر دیتا ہے اور ایسی گرمی پیدا کرتا ہے جو آگ سے زیادہ دل کو بلکہ پورے جسم کو جلا دینے والی ہوتی ہے اور بخلاف اس کے جب مومن ایمان و عرفان کی دوربینوں سے جمالِ کرشمۂ قدرت کا دیدار کرتا ہے یا حالت نماز میں اپنے آپ کو بارگاہ قدس

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ

تلاوت کرو جو وحی کی گئی ہے تم پر کتاب سے اور قائم کرو نماز کو یقیناً نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی

تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

سے اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو

ربوبیت میں حاضر پاتا ہے اور ذکرِ پروردگار کرتے ہوئے اپنے آپ کو معراجِ ارتقاء کی منزل پر اپنے خالق محسن کے ساتھ ہم کلام پاتا ہے تو اس کی آنکھوں سے دنیا و مافیہا کے جملہ مناظر ہٹ جاتے ہیں اور اس کے حسنِ ذاتی کے مقابلہ میں دنیا کا ہر حسن اسے سراپا عیب نظر آتا ہے۔ پس اس وقفہ میں اس کو سرورِ نفس کے ساتھ ساتھ وہ سکونِ قلب اور اطمینانِ دل نصیب ہوتا ہے جس کا صحیفہ روح انسانی سے مٹنا ناممکن ہے گویا تڑپتے ہوئے دل کو سکون قلبِ مضطرب کو اطمینان مصائب و شدائد میں گھرے ہوئے بے چین و پریشان انسان کو راحت و چین دنیاوی علائق و اسباب میں قیدی بندے کو آزادی اور آتشِ مظالم میں جلتے ہوئے مظلوم دکھیے کس کو سہارا اور ٹھنڈک اسی نماز میں میسر ہوتی ہے۔ بشرطیکہ ایمان و عرفان کی آنکھیں اندھی نہ ہوں اسی بناء پر حضرت رسالتمآبؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ دنیاوی لذات میں سے میرے لئے ایک نماز بھی ہے اور فرمایا باقی لذائذ کے علاوہ نماز ایک ایسی لذت ہے جس میں طبیعت کو سکون نصیب ہوتا ہے۔ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ یعنی نماز میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب سے رخصت ہونے کے بعد جب کہ شبِ خنک و تاریک میں اپنی اہلیہ صفورا بنت شعیب کے ساتھ جنگل بیابان سے

بلکہ جب سفر ختم ہونے کے قریب تھا [illegible] سردی زوروں پر تھی۔ آگ جلانے کا چقماق بے کار ہو چکا تھا اور اہل
خانہ کو [illegible] کی سخت تکلیف [illegible] اب جو ایک [illegible] حضرت موسیٰ
لیکن [illegible] قریب پہنچے تو [illegible] درخت کے پیچھے سے [illegible] زبان توحید [illegible] پریشان و مضطرب
[illegible] یٰمُوسٰٓی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ [illegible] میں ہی تیرا پروردگار ہوں فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ
اپنی جوتی اتار دو [illegible] طرح میری طرف متوجہ ہو جاؤ
اور [illegible]
[illegible] تیار ہو گیا
[illegible] الفاظ کے معنی
[illegible] سمندر سے ایک قطرہ کی حیثیت [illegible] اس مقام پر اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ [illegible] کی توجہ کا پتہ چلتا ہے کہ
[illegible] مقام پر یٰمُوسٰٓی اِنَّہٗٓ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ [illegible]
رب العالمین اللہ کی صفت [illegible]
حضرت موسیٰ جو یعنی اللہ کو لفظ سے سمجھ سکتے تھے اسی معنی کی ادائیگی دوسرے مقام پر رب کی لفظ کر رہی ہے
پس کچھ عرصہ حضرت موسیٰ انتہائی تھکان و خستگی اور حد درجہ کی کوفت و ذہنی پریشانی کے باوجود اس یقین کے بعد کہ کائنات
[illegible] کے اقتدار اعلیٰ کے مالک رب العالمین [illegible] میں مجھے [illegible]
بالکل بے نیاز ہو کر [illegible] ہو گئے اور پورے سکون نفس اور اطمینان قلب کی دولت لازوال سے مالا مال ہو کر واپس پلٹے اور اس کے بعد
بیداری زندگی میں [illegible] جب بھی طبیعت پریشان ہوتی [illegible] سکون نفس اور اطمینان
قلب حاصل کرتے۔ اور یہی حضرت موسیٰ کی معراج تھی اور رسالتمآبؐ نے نماز کو ہر مومن کے لئے معراج قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طبیعت
انسانیہ خوشی اور غم کے وزن [illegible] سے متاثر ہوتی ہے اگر انسان غمزدہ ہو اور اسی دوران میں کوئی خوشی کی بات سامنے آ جائے پس اگر
خوشی [illegible] کا وزن غم کے وزن سے کم ہو تو غم طبیعت پر غالب رہتا ہے اور اگر خوشی کا وزن غم کے وزن کے برابر ہو تو طبیعت میں اضطراب
رہتا ہے لیکن اگر خوشی کا وزن زیادہ ہو جائے تو غم کافور ہو جاتا ہے اور چہرے سے غمی کے آثار قطعی طور پر ختم ہو جاتے ہیں اور اس کی جگہ
بشاشت و سرور کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں حضرت موسیٰ کے لئے لقاء پروردگار اور دیدار جلوۂ طور [illegible] خوشی کا وزن ان کی سابق کوفت
و تکلیف کے وزن سے کہیں زیادہ تھا اس لئے تھکان و غم بالکل کافور ہوا اور طبیعت نہایت بشاش و بشاش ہو گئی۔ اسی طرح وہ
آگ جو ابراہیم کے لئے جلانے کا کام کر رہی تھی عین اسی وقت خلیل خدا کے لئے لطف و سرور اور عیش و لذت کی بساط بن چکی تھی
اور انبیاء سابقین کے مجموعی مصائب سے بھی بڑھ کر مصائب و آلام میں گھر جانے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو جلوۂ جمال
پروردگار کے دیدار کا کربلا کی تپتی ہوئی ریتی پر تمازت آفتاب کی لو، تیروں کے دوران تیروں تلواروں نیزوں اور پتھروں کی

موسلادھار بارش میں لطف اٹھایا اس کی نظیر اس فلک نیلگوں کے سایہ میں تا قیامت ناممکن ہے۔ چنانچہ آپ نماز سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انتہائی دلجمعی اور سکون کے ساتھ محب و محبوب کے باہمی مکالمہ کے انداز سے محو مناجات تھے تَرَکْتُ الْخَلْقَ طُرًّا فِيْ هَوَاكَا وَ اَيْتَمْتُ عِيَالِيْ كَیْ اَرَاكَا یعنی تیرے وصال کی شوق میں میں نے ساری مخلوق سے رشتۂ محبت کاٹ دیا ہے اور تیرے جلوۂ جلال کے دیدار کی خاطر میں نے بچوں کی یتیمی گوارا کر لی ہے۔ اسی طرح باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام کے لئے زندگی بھر نماز سکونِ نفس کی آخری منزل رہی اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے زندان کی تیرہ و تاریک کوٹھڑیوں میں ان پیارے لفظوں میں اللہ سے مناجات کی۔ میں چاہتا تھا کہ تیری عبادت کرنے کے لئے کوئی ایسا مقام ملے جہاں علائق دنیاویہ سے قطعی طور پر الگ تھلگ ہو کر تیری بندگی کروں اور تیرے ساتھ محوِ مناجات رہوں۔ اے پروردگار تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے تنہائی کا ایسا مقام عطا فرمایا ہے جس میں تمام افکار سے بے نیاز ہو کر تیرے ساتھ خلوت میں مناجات کا لطف اٹھاتا ہوں۔ جب نماز کی حقیقی منزل اس قدر بلند ہے تو اس کا ہر برائی اور بے حیائی سے روکنا واضح ہے۔ کیوں کہ جو لوگ نماز کی لذات سے بہرہ ور ہوتے ہیں اپنے محبوب خالق اور پیارے پروردگار کی مخالفت کا چشم زدن میں تصور ہی نہیں کر سکتے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ نماز کا بے حیائی و بدکرداری سے منع کرنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی کسی کو زبان کے ذریعے سے منع کرے کیوں کہ نماز میں اللہ کی کبریائی کی گواہی دیتے ہوئے اللہ اکبر کہنا اس کی تسبیح کا زبان پر جاری کرنا اس کی الوہیت کا اعتراف کرنا قرات کرنا اور پھر رکوع سجود قیام اور تشہد کے حالات میں تبدیل ہونا ایسے حالات ہیں جن سے کشف کیا جا سکتا ہے کہ یہ شخص اٹھنے بیٹھنے اور جھکنے اور سیدھا ہونے میں اللہ کے امر کا مکمل پابند ہے اور اس کا ہر عضو محو ذکر پروردگار ہے اور روزمرہ کم از کم پانچ اوقات میں اس حالت کا بار بار عود کر آنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ جلوہ جمالِ توحید کا پروانہ ہے اور لقائے خداوندی کے لئے اس قدر بے تابانہ نماز کی انتظار کرتا ہے جس طرح کوئی محب اپنے پیارے محبوب کا منتظر ہو اور ایسی یکسوئی سے اس کے ساتھ محو مناجات ہوتا ہے جس طرح مدت کا بچھڑا ہوا دوست دوست سے مل کر پیار و محبت کے لہجہ میں بات کرتا اور سنتا ہو۔ اگر نماز کی ظاہری کیفیت جو اعضاء پر طاری ہوتی ہے نمازی کے دل پر طاری رہے تو وہ کسی وقت بھی غلط کاری کی طرف اقدام نہیں کر سکتا جس طرح کوئی محب بھی خلوت و جلوت میں کبھی اپنے محبوب کی رضا کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا کرتا۔

ابنِ عباس سے منقول ہے کہ جو نماز نمازی کو گناہوں سے نہ روکے وہ قرب کے بجائے اللہ سے دوری کی موجب ہوتی ہے چنانچہ انس بن مالک نے جناب پیغمبرؐ سے روایت کی ہے جو نماز نمازی کو فحشاء و منکر سے نہیں روکتی وہ اللہ سے دوری کا سبب ہوتی ہے۔ اور ابنِ مسعود سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کی نماز نماز نہیں جو نماز کی اطاعت نہ کرے اور نماز کی اطاعت یہ ہے کہ بے حیائی و برائی سے بچ جائے۔ یعنی نماز کی حالات اور اس کے اذکار جو زبانِ حال سے عبد کی معبود کے ساتھ وصال کی خبر دیتے ہیں۔ وہ زبانِ حال سے نمازی کو مخالفتِ پروردگار سے باز رہنے کی دعوت بھی دیتے ہیں پس جو شخص نماز پڑھتا رہے اور گناہوں سے نہ رکے اس کی نماز وہ نماز نہیں جس کی اللہ نے صفت بیان کی ہے۔ پس اگر کسی وقت تائب ہو جائے اور گناہوں کو چھوڑ دے تو اس سے پتہ چلے گا کہ نمازی کو

نماز نے فائدہ پہنچایا اور بالآخر اپنا مطالبہ اس نے نمازی سے منوا لیا خواہ کافی عرصہ کے بعد ہی توبہ کیوں نہ کرے۔ چنانچہ انس سے مروی ہے کہ انصاری نوجوان جو ہمیشہ نماز مسجدِ نبوی میں حضورؐ کے پیچھے جماعت سے ادا کرتا تھا اور باوجود اس کے وہ بدکردار بھی تھا۔ جب حضورؐ سے اس کی شکایت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا ایک دن نماز اُسے غلط کاریوں سے روک لے گی۔ اسی طرح بروایتِ جابر مروی ہے کہ ایک شخص دن کا نمازی اور رات کا چور تھا جب اس کی شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا ایک دن نماز اس کو اس غلطی سے روک دے گی۔ ان روایات کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جوانی میں انسان ہر قسم کی غلطی کرتا رہے اور توبہ کو ٹالتا رہے۔ مقصد یہ ہے بعض سرکش طبیعت کے انسانوں پر واعظ کی بات کا فوری طور پر اثر نہیں ہوتا تو جلد باز واعظین اس سے فوری طور پر توبہ کا مطالبہ کرتے کرتے اس کو گناہوں پر جری کر بیٹھتے ہیں، حتیٰ کہ ضد میں آکر وہ اعلانیہ احکامِ شرعیہ کا مخالف بن جاتا ہے۔ لیکن اگر واعظ موقع و محل کی مناسبت کا لحاظ رکھے اور نوجوانوں کے مزاج کو پہچان کر سرکش مزاجوں پر جلد بازی نہ کرے تو وہ ایک مدت کے بعد خود بخود توبہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں اور شرافتِ انسانیہ اسے خود بخود واعظ کے قدموں پر جُھکا دیتی ہے۔ جن نوجوانوں کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ بالآخر ان کو نماز ان برائیوں سے روک لے گی اُن کے لئے یہی کلمہ ہی مؤثر وعظ تھا۔ اگر بخلاف اس کے ان کو ڈانٹتے تو ان کے جذبات میں ہیجان پیدا ہوتا جس کی وجہ سے ان کے دین سے منحرف ہونے کا خطرہ تھا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میری نماز مقبول ہے یا نہیں وہ اپنے نفس کا جائزہ لے کہ نماز نے اسے بدکرداری اور بے حیائی سے روکا ہے یا نہیں اور جس قدر وہ غلط کاریوں سے رُک گیا ہو وہ سمجھے کہ اتنی مقدار میں میری نمازیں مقبول ہوئی ہیں۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ تم میرا ذکر کرو اور میں تمہارا ذکر کروں گا یعنی بندے کا ذکر کرنا اس کی عبادت و اطاعت کرنا ہے اور اللہ کا ذکر کرنا بندہ پر رحم و کرم کی بارش کرنا ہے۔ اب اسی کے پیشِ نظر اس فقرہ کی یہ توجیہ کی گئی ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرتے ہوئے نماز کو قائم کرو اور ذکرِ خدا کو زبان پر جاری کرو اور اللہ تم پر رحمت کی بارش برسائے گا لیکن یہ یاد رہے کہ تمہارے ذکر یعنی عبادت سے اُس کا ذکر یعنی اس کا تم پر رحمت نازل کرنا بہت زیادہ ہے۔ بعض لوگوں نے یہ معنی کیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنا باقی تمام عبادتوں سے اکبر ہے۔ اور یہ توجیہہ کی گئی ہے کہ فحشا اور منکر سے روکنے کے لئے اللہ کے ذکر سے زیادہ مؤثر اور کوئی شے نہیں ہے۔ یعنی انسان اللہ کے انعام و احسان کو یاد کرے اس کے اوامر و نواہی کا مطالعہ کرے اور پھر اس کے ثواب و عقاب پر نظر کرے تو یقیناً ایک دن وہ ہر قسم کی برائیوں کو خیرباد کہنے پر قادر ہو جائے گا اور یہ سب سے زیادہ مؤثر طریقہ ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے چار غلام آزاد کئے اور دوسرے شخص نے تسبیحاتِ اربعہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کو زبان پر جاری کیا اور مسجد میں چلا آیا چنانچہ حبیب بن اوفی اور اس وقت کے دوسرے فقہا کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا کہ ایک شخص نے چار غلام آزاد کئے اور میں نے تسبیحاتِ اربعہ کو زبان پر جاری کیا ہے۔ ان دونوں عبادتوں میں سے کونسی افضل ہے تو فقہا نے کچھ سوچنے کے بعد کہہ دیا کہ ہم ذکرِ خدا سے افضل کسی شے کو نہیں کہہ سکتے اور معاذ بن جبل سے مروی ہے کہ اللہ کے عذاب سے بچانے کے لئے ذکرِ خدا سے بڑی اور کوئی شے نہیں ہے۔ کسی نے کہا کہ جہاد بھی تو ہے؟

آپ نے فرمایا جہاد بھی اس سے کم ہے کیوں کہ اللہ فرماتا ہے۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وہ کہتا ہے میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ تمام اعمال سے اللہ کو زیادہ محبوب کونسا عمل ہے تو آپ نے فرمایا حبیب تجھ پر موت آئے تو تیری زبان پر ذکرِ پروردگار جاری ہو، آپ نے فرمایا جنتیوں میں سے سابق وہ ہوں گے جو ذکرِ خدا میں شب بیداری کرنے والے ہوں گے آپ نے فرمایا جو شخص جنت کے باغات کی سیر کرنا چاہے وہ زیادہ سے زیادہ ذکرِ خدا کو زبان پر جاری کرے۔

نماز فریضہ کے بعد تسبیح زہرا پڑھنا ایک ہزار مستحب نافلہ سے افضل قرار دی گئی ہے جس میں اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ پڑھی جائے۔ مروی ہے کہ بی بی پاک نے اپنے والد بزرگوار سے گھریلو کام کاج کے لئے ایک کنیز کی خواہش کی تھی تو آپ نے بجائے کنیز کے یہ تسبیح تعلیم فرمائی تھی۔ اس میں اللہ کی کبریائی۔ اللہ کی حمد و ثنا اور اللہ کی عظمت شان اور تنزیہ کا بیان ہے۔ اسی طرح تسبیحاتِ اربعہ جس میں مذکورہ تین اذکار کے علاوہ چوتھا ذکر توحیدِ پروردگار کا بیان ہے۔ اس کا پڑھنا بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ خداوندِ کریم تمام مومنین کو اپنے ذکر کی توفیق مرحمت فرمائے اور اپنے ذکر کے صدقہ میں اپنے ذکر کرنے والوں پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے گناہ معاف کرے۔ اے اللہ مجھے میرے بزرگوں اور میرے احباب مومنین کے گناہ بخش اور اپنے ذکر کی مزید توفیق عطا فرما اور اس سلسلہ میں صبرِ جمیل اور عزم صمیم کی دولت سے مالامال کر۔

مناظرہ کا طریقہ

وَ تُجَادِلُوْا:۔ جدل سے ہے اور اس کا لغوی معنی رسّے کو بٹ دینا اور مروڑنا ہے چونکہ باہمی بحث میں فریقین ایک دوسرے کو گفتگو کے ذریعے اپنے مذہب و طریقہ سے پھیرنے و موڑنے کی کوشش میں ہوتے ہیں اس لئے اس قسم کے مکالمہ کو مجادلہ کہا جاتا ہے اور اس لحاظ سے کہ فکر و نظر کے ذریعے سے ایک دوسرے کو اپنا اپنا نظریہ سمجھائیں اور منوائیں اس کو مناظرہ بھی کہا جاتا ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ

اور نہ مناظرہ کرو اہلِ کتاب کے ساتھ مگر ساتھ ایسے طریقہ کے جو اچھا ہو۔ سوائے ان لوگوں کے جو

ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ

ظالم ہیں ان میں سے اور کہو ہم ایمان لائے اس پر جو ہم پر اتاری گئی اور

مجادلہ و مناظرہ میں چونکہ فریقین کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اپنے مسلمات کی بنیاد پر اپنا نظریہ ثابت نہ کریں بلکہ ہر فریق دوسرے فریق کے مسلمات کی بنیاد پر اپنے نظریہ کو دلیل و برہان کے ذریعے سے ثابت کرنے کی کوشش کرے یا سرے سے فریقِ مخالف کے مسلمات کو اصولِ مسلمہ کی روشنی میں عقل و نقل سے باطل کر کے اس کے نظریہ کو غلط ثابت کرے۔

نظریۂ حق دھونس دھاندلی سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ دلائلِ حقّہ و براہینِ صادقہ پر اس کی بنیاد قائم ہوتی ہے اس لئے اللہ نہیں چاہتا کہ اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے ناجائز اور غلط طریقِ کار کو اپنایا جائے۔ پس نہ بحث و باہمی مکالمہ میں اخلاق سے گری ہوئی

گفتگو کا اظہار ہو اور نہ طریق استدلال میں اصول کلام سے انحراف ہو اسی لئے حضرت حق سبحانہ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف روانہ کرنے سے پہلے کُھلے لفظوں میں ہدایت فرمائی تھی کہ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا یعنی باہمی مکالمہ میں لہجہ میں تلخی و درشتی پیدا نہ ہونے پائے، نہایت سنجیدگی، متانت اور بلند حوصلگی سے دعوتِ حق اور پیغام اسلام اس تک پہنچایا جائے تاکہ وہ شاید تسلیم کرلے اور قرآن مجید میں اپنے حبیب کو فرمایا جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یعنی اچھے اور قابلِ قبول طریقے سے باہمی گفتگو اور مجادلہ کیجئے اس آیت مجیدہ میں بھی اسی قاعدہ کی پاسداری کا حکم صادر فرمایا ہے۔ تفسیر برہان میں تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے دینی امور میں مجادلہ کرنے کا ذکر چلا اور کسی نے کہدیا کہ حضرت رسالتمآب اور آئمہ طاہرینؑ نے دینی امور میں مجادلہ کرنے سے منع فرمایا ہے تو یہ سنتے ہی امامؑ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس مجادلہ و مناظرہ سے منع کیا گیا ہے جو احسن طریقہ سے نہ ہو چنانچہ آپ نے یہی آیت مجیدہ پڑھی اور اس کے بعد دوسری آیت پڑھی اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

جو تم پر اتاری گئی اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم اسی کے سامنے جھکنے والے ہیں

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

اور اسی طرح ہم نے اتاری تجھ پر کتاب پس وہ لوگ جن کو ہم نے کتب دی وہ اس

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ

پر ایمان رکھتے ہیں اور ان (اہل مکہ) میں سے بعض ایماندار ہیں اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یعنی لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے سے بلاؤ اور مخالفین کے ساتھ احسن طریقہ سے مجادلہ کرو۔ پس وہ مجادلہ جو احسن طریق پر ہو اُسے اللہ نے دین کا حصہ قرار دیا ہے اور وہ مناظرہ جو احسن طریق پہ نہ ہو اس کو اللہ نے ہمارے شیعوں پر حرام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کلی طور پر اللہ مناظرہ و مجادلہ کو کیسے حرام کہہ سکتا ہے حالانکہ اس نے یہود و نصاریٰ کو خود دلیل و برہان پیش کرنے کا چیلنج کیا ہے۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ یعنی اگر تم اپنے نظریہ میں راست گو ہو تو اپنے مسلک پر دلیل و برہان پیش کرو تو اللہ نے خود صداقت و ایمان کی علامت برہان کو قرار دیا ہے اور بُرہان اُسی مناظرہ میں ہوتی ہے جو احسن ہو پس آپ سے سوال کیا گیا کہ مناظرہُ احسن اور مناظرہُ غیر احسن میں فرق بیان فرمایئے تاکہ ہم کسی نتیجے پر پہنچنے کے قابل ہو جائیں تو آپ نے فرمایا کہ مجادلہ احسن یہ ہے کہ جب اہل حق کا اہل باطل سے مناظرہ ہو اور اہل حق اپنا مسلک بیان کریں۔ پھر اہل باطل کی طرف سے اس پر اعتراض کیا جائے اور اہل حق کی جانب سے نامزد مناظر کے پاس اس کا جواب صحیح موجود نہ ہو تو اس کے باطل اعتراض کو رد کرنے کے لئے اپنے اصول مسلّمہ کا انکار کر دے جن کو باطل کے وکیل نے اپنے اعتراض

کی پختگی کے لئے پیش کیا تھا (اقول: اس کی مثال یوں سمجھئے کہ شیعہ و سُنّی مناظرہ میں جب سُنّی مناظر کی جانب سے شیعہ مسلک کے اصول پر اعتراض ہو اور وہ اپنے اعتراض میں کسی شیعہ مسلک کی کتاب کا حوالہ دے تو شیعہ مناظر جواب نہ بننے کی صورت میں اپنی مستند کتاب سے انکار کر دے اس خوف سے کہ سُنّی مناظر کی دلیل کمزور ہو جائے) اس قسم کا مناظرہ غیر احسن ہے اور شیعوں پر حرام ہے کیوں کہ اس طرزِ عمل سے ضعفاء شیعہ پریشان ہو جاتے ہیں جب کہ شیعہ مناظر اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے اپنے مسلمات کا انکار کرنے لگے اور مجادلہ احسن کا اس کے مقابلہ میں خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو حکم دیا ہے چنانچہ جو لوگ قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہو کر پیش ہونے کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ یعنی ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ تو اس کے جواب میں پیغمبرؐ سے فرمایا قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ کہہ دیجئے وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ ان کو ایجاد کیا تھا، چونکہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ پہلی دفعہ سب چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ ہے تو ان کے مسلّمہ عقیدہ کی بنا پر دلیل پختہ ہو گئی کہ جو ذات پہلی دفعہ بغیر کسی مادہ کے اور بغیر کسی سابق نمونہ حاصل کئے کے اس قدر اچھی اور خوبصورت مخلوق پیدا کر سکتی ہے۔ اس کے لئے ان کا دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے کیونکہ ایجاد اعادہ سے مشکل تر ہے تو جو خدا ایک مشکل تخلیق کو انجام دے سکتا ہے وہ آسان پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہے پھر دوسرا استدلال پیش کیا کہ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا یعنی جو خدا سرسبز درخت کی تازہ ٹہنیوں میں گرم جلا دینے والی آگ کو پوشیدہ رکھ سکتا ہے۔ وہ کہنہ چیز کو وجود نو کے لباس سے مزین کر کے بھی منظرِ عام پر لا سکتا ہے اس کے بعد پھر تیسرا استدلال جاری کیا اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ الخ یعنی وہ ذات جو آسمانوں اور زمین کی اس قدر محیر العقول مخلوق کی تخلیق پر قادر ہے جن کے منافع و مصالح کا شمار نہیں ہو سکتا اور ان کے کسی بھی پہلو کی گہرائیوں تک تمام انسانوں کی عقول عاجز ہیں تو اس کے مقابلہ میں کہنہ مخلوق کو نیا کرنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا تو اس کے نزدیک ایک معمولی بات ہے کیوں کہ جو بڑے سے بڑے کام انجام دے سکتا ہے وہ چھوٹے اور معمولی کاموں کی انجام دہی سے کیسے عاجز آ سکتا ہے؟ (پس مجادلہ احسن وہ ہے کہ جس کی بنیاد فریق مخالف کے ایسے مسلّمہ اصولوں پر ہو جن کے انکار کی وہ جرأت نہ کر سکیں اور دلیل و برہان میں ایسی پختگی ہو کہ حق کے تسلیم کرنے کے بغیر ان کے پاس کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ البتہ حسد و عناد کی وجہ سے اگر کوئی نہ تسلیم کرے تو اس کج طبیعت کا اثر مناظرہ کے حُسن پر نہیں پڑتا) آپ نے فرمایا وہ مناظرہ حرام ہے جس میں تمہیں فریق باطل کے باطل قول کو ٹھکرانے کے لئے اپنے حق کا بھی انکار کرنا پڑے۔ ایسی صورت میں تو تمہارے حق اور اس کے باطل میں کوئی فرق نہ رہے گا اور ایسا کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے میں تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے کیوں کہ ایک حق کا انہوں نے انکار کیا اور ایک حق کا تم نے انکار کر دیا۔

معصومین علیہم السلام نے جن لوگوں کو مناظرہ کرنے سے روکا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصل مناظرہ حرام ہے بلکہ جن کو روکا تھا ان میں مناظرہ کی صلاحیت موجود نہ تھی اور ان سے خطرہ تھا کہ غیر احسن طریق سے بات کر کے مذہب کی بدنامی کا باعث نہ بنیں اور اس کے مقابلہ میں ہشام بن حکم کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے خود مناظرہ کی اجازت مرحمت فرمائی کیوں کہ یہ شخص مناظرہ کے لئے پوری صلاحیتوں کا مالک تھا اور یہی صورت بعینہٖ جنگِ صفین کے بعد حکمین کے فیصلہ کے دوران پیش آئی چنانچہ حضرت علی علیہ السلام

ابوموسیٰ اشعری کو مجادلہ میں نااہل سمجھتے تھے اس لئے ابن عباس کو نامزد کرنا چاہتے تھے لیکن جذباتی لوگوں نے ابوموسیٰ اشعری کی نامزدگی پر زور دیا اور یہ امیر شام کی سیاسی چالوں کا نتیجہ تھا۔ پس ابوموسیٰ نے اپنی نااہلیت کا پورا ثبوت دیا کہ عمرو عاص کی تجویز کے ماتحت مخالف کے باطل کا انکار کرتے کرتے اپنے حق کا بھی انکار کردیا یعنی ہمیں دورِ حاضر کے دونوں امیر نامنظور ہیں امیرِ شام اس لئے کہ وہ باطل ہے اور حضرت علیؑ اس لئے کہ اس کے ہٹائے بغیر فیصلہ ناممکن ہے اور نتیجہ یہ نکلا کہ فریقِ مخالف کے وکیل عمرو عاص کو موقع مل گیا پس اُس نے کھڑے ہوکر کہہ دیا کہ حضرت علیؑ اس لئے معزول ہیں کہ اس کی معزولی پر ہم دونوں کا اتفاق ہے اور معاویہ کی معزولی پہ چونکہ ہم دونوں کا اتفاق نہیں لہٰذا اسے خلیفہ رہنا چاہیئے اور اس مجادلہ غیر احسن کے نتیجہ میں قیامت تک کے لئے امتِ اسلامیہ کے درمیان یہ مسئلہ مستقل منافرت اور مشاجرت کی بنیاد بن گیا اور حق و باطل کی یہ جنگ آج تک روزِ اوّل کی طرح بحال ہے اور رہے گی۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا۔ یعنی اہل خلاف میں سے جو ظالم ہیں ان کے ساتھ نرم گفتگو یا مجادلہ احسن کی ضرورت نہیں ہے بلکہ جو لوگ لڑائی کا ارادہ رکھتے ہوں بے شک ان کے ساتھ جہاد کرکے ان کو مغلوب کرو خواہ اسلام قبول کریں یا جزیہ تسلیم کریں۔

وَمَا کُنۡتَ تَتۡلُوۡا۔ یعنی قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تم نے نہ کسی سے کوئی کتاب پڑھی اور نہ لکھنا سیکھا اور اہل مکہ

اِلَّا الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا کُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِہٖ مِنۡ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ

مگر کافر لوگ — اور تو نہیں پڑھتا تھا اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے کوئی کتاب اور نہ خط لکھتا تھا اپنے

بِیَمِیۡنِکَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ بَلۡ ہُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ

ہاتھ سے ورنہ شک کرتے باطل پرست — بلکہ یہ واضح آیتیں ہیں ان کے

فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ ؕ وَمَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۹﴾

سینوں میں جن کو علم دیا گیا اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا مگر ظالم لوگ

تیرے بچپنے کی اس کیفیت کو خوب جانتے ہیں ورنہ ان کو سادہ مزاج لوگوں کے گمراہ کرنے کا بہانہ مل جاتا کہ پڑھا لکھا آدمی ہے اور گذشتہ کتابوں کی باتیں اور قصے بناکر پڑھتا ہے اور اپنا دین پھیلاتا ہے۔

بَلۡ ہُوَ۔ یعنی جب حضور کی زندگی سے صاف عیاں ہے کہ آپ کسی آدمی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھے تو ان کا پیش کردہ کلام یقیناً اللہ کا کلام ہے اور اس کا علم ان لوگوں کے سینوں میں ہے جنہیں علم دیا گیا ہے اور تفسیر مجمع البیان میں صادقین علیہما السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد آئمہ آلِ محمدؐ ہیں۔

وَقَالُوۡا۔ کفارِ مکہ نے آپ سے چند معجزے طلب کئے کہ زمین سے چشمہ نکالو کوہ صفا سونے کا بن جائے اور ہمارا کوئی بزرگ دوبارہ زندہ ہوکر تمہاری تصدیق کرے۔ تب ہم مانیں گے کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اس آیتِ مجیدہ میں ان کا وہی سوال دہرایا گیا ہے کہ جو معجزے اور نشانیاں ہم طلب کرتے ہیں وہ کیوں نہیں پیش کرتا تو اس کے جواب میں اللہ فرماتا ہے ان سے کہہ دیجئے

معجزہ کا فاعل اللہ ہے میں نہیں ہوں میں تو صرف تمہیں عذاب خدا سے ڈرانے کے لئے آیا ہوں۔ اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ اور معجزے کس لئے طلب کرتے ہیں۔ اگر وہ انصاف کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر غور کریں تو یہ معجزہ ان کے لئے کیا کم ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو صبح و شام ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے کہ جب ان سب کو پتہ بھی ہے کہ تو نے کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا تو پھر تمہارا ایسا کلام پیش کرنا جس کے مقابلہ سے تمام عرب کے بلکہ دنیا کے سنجیدہ انسان عاجز ہو جائیں اور فصحاء و بلغاء اس کے سامنے دم نہ مار سکیں، تمہارے رسول برحق ہونے کی واضح دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ آیت نے کھلے

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ

اور کہا (اہل مکہ نے) کیوں نہیں اتاری گئیں اس پر نشانیاں اپنے رب کی طرف سے کہہ دو نشانیاں صرف

عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۵۱) اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ

اللہ کے پاس ہیں اور میں تو صرف ظاہر طور پر ڈرانے والا ہوں کیا انہیں کافی نہیں کہ ہم نے

اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى

اتاری تجھ پر کتاب جو ان پر پڑھی جاتی ہے۔ تحقیق اس میں رحمت اور نصیحت ہے ایماندار

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۵۲) ع قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا

لوگوں کے لئے کہہ دیجئے کافی ہے اللہ گواہ میرے اور تمہارے درمیان وہ جانتا

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ

ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو لوگ ایمان لائے باطل پر

لفظوں اعلان کر دیا ہے کہ معجزہ کا فاعل خدا ہوتا ہے اور انبیاء و آئمہ معجزہ نما ہوا کرتے ہیں اور معجزے کے اظہار کی مصلحت اور اس وقت کا تعین بھی اللہ کے سپرد ہے جسے معجزہ نما ہی سمجھ سکتا ہے۔

رکوع ۲ کفی باللہ۔ کسی نبی کے متعلق اللہ کی شہادت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ صحیفہ سماویہ کے ذریعے سے اس کی نبوت کا اعلان ہو اور دوسرے اس سے ایسا معجزہ عطا فرمائے جو عام انسانوں کے بس سے باہر ہو اور مافوق العادت ہو۔ حضورؐ نے کفار پر اپنی نبوت کے اثبات میں اللہ کی گواہی پیش کی۔ چنانچہ خداوند کریم نے اپنے کلام بلاغت نظام میں جس کے انسانی طاقت سے بالاتر ہونے کا اعتراف کفار مکہ کر چکے تھے، ارشاد فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور اسی کتاب مقدس کو ایسا اعجاز بخشا جو تا قیامت آپ کی نبوت کا مستقل گواہ ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ قرآن مجید ہمیشہ تازہ ہے اور تازہ رہے گا اور ہر دور کے مفکرین علمائے اس بحر ذخار سے ہمیشہ نئے نئے موتی تلاش کرتے رہیں گے اور ہر زمانہ کا دانشور طبقہ ہمیشہ اسکی رہنمائی کا محتاج رہے گا اور اس کے فیصلہ

کو آخری فیصلہ سمجھنے پر مجبور ہے۔

یغشٰھم :- عذاب کے گھیر لینے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ عذاب سے بچا ہوا نہ ہوگا۔ اوپر نیچے اور دائیں بائیں ہر طرف سے عذاب ہی عذاب ہوگا۔

وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ

اور انکار کیا اللہ کا وہ لوگ ہی ہیں خسارہ پانے والے اور فوری طلب کرتے ہیں

بِالْعَذَابِ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ

تجھ سے عذاب حالانکہ اگر وقت مقرر نہ ہوتا تو ضرور ان پر عذاب آجاتا ... اور البتہ ضرور آئے گا

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۴﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَاِنَّ جَهَنَّمَ

ان پر اچانک کہ انہیں پتہ بھی نہ ہوگا فوری طلب کرتے ہیں تجھ سے عذاب اور تحقیق دوزخ

لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۵﴾ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ

ضرور احاطہ کرے گا کافروں کا اس دن کہ گھیرے گا ان کو عذاب اوپر سے اور پاؤں کے

وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۶﴾

نیچے سے اور کہے گا چکھو وہ جو تم عمل کرتے تھے

یا عبادی :- امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ فاسق حکمرانوں کی وجہ سے اطاعت پروردگار کو ترک نہ کرو اگر وہ تم کو دین سے پھیرنا چاہیں تو خدا فرماتا ہے میری زمین کشادہ ہے کہیں جائے امن تلاش کرکے وہاں سے ہجرت کر جاؤ کیونکہ قیامت کے روز پوچھے گا کہ تم کیا کرتے رہے؟ تو جب لوگ یہ جواب دیں گے کہ کُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ یعنی ہم زمین میں کمزور تھے اور ظالموں سے سہمے ہوئے تھے تو ارشاد ہوگا۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضِیْ وَاسِعَةً کیا میری زمین چوڑی نہیں تھی۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کا شان نزول مکہ کے کمزور و نادار طبقہ کے مومنین کے حق میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی تاویل ہر زمانہ کے ستم رسیدہ بے کس مومنوں کو شامل ہے جو کہیں بھی طاقت ور دشمنان اسلام کے غلبہ اور ان کے مظالم کے ڈر سے شعائر اسلامیہ کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں۔

غُرَفًا :- تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جنتی محلات زبرجد اور یاقوت کی اینٹوں سے بنے ہوئے ہوں گے اور ان میں جگہ جگہ موتی جڑے ہوئے ہوں گے۔

اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا :- انسان کے لئے صبر اور توکل ایسی بیش بہا دولت ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان کبھی کسی کا نہ محتاج

ہوتا ہے اور نہ آلام و مصائبِ دنیا سے پریشان ہوتا ہے ۔ مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے ایک سائل نے ایک ہزار روپیہ ادائیگی قرض کے لئے مانگا تو آپ نے فرمایا حضرت رسالتمآبؐ کا فرمان ہے اَلْمَعْرُوْفُ بِقَدْرِ الْمَعْرِفَةِ یعنی کسی پر احسان اسکی معرفت کے اندازہ سے ہونا چاہیئے لہٰذا میں تجھ سے تین سوال کرتا ہوں ۔ اگر ایک کا جواب دیا تو ایک تہائی سوال پورا کرونگا اور اگر دو کا جواب دیا تو دو تہائی سوال پورا کرونگا ۔ اگر سب سوالوں کے جوابات دیئے تو تیری پوری حاجت روائی کروں گا ۔ آپ نے پہلا سوال کیا کہ تمام اعمال میں سے افضل کون سا عمل ہے تو اس نے جواب دیا معرفت خدا آپ نے دوسرا سوال کیا کہ مصیبت کے وقت بہترین سہارا کیا چیز ہے تو اس نے جواب دیا اللہ پر توکل ۔ آپ نے تیسرا سوال کیا کہ انسان کی زینت کیا چیز ہے تو اس نے جواب دیا علم جو تواضع کے ساتھ ہو ۔ آپ نے فرمایا اگر یہ نہ ہو تو پھر زینت کیا چیز ہوگی اس نے جواب دیا مال مروّت کے ساتھ ۔ آپ نے فرمایا اگر یہ بھی نہ ہو تو ؟ اس نے جواب دیا غریب و نادار ہو تو اس کی زینت صبر ہے ۔ آپ نے فرمایا یہ بھی نہ ہو تو پھر ؟ اس نے جواب دیا پھر اس پر آسمان سے بجلی گرے اور اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دے ۔ آپ اس کے جوابات سے نہایت خوش ہوگئے پس ایک ہزار کی تھیلی بھی عطا فرمائی اور اپنی انگشتری بطور انعام کے بھی دی جس کا نگینہ دو صد کی قیمت کا تھا ۔ حوالہ جلد ۶ صفحہ ۱۴۶

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿۵۷﴾

اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو تحقیق میری زمین چوڑی ہے ۔ پس میری عبادت کرو

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا

ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو پھر ہماری طرف تم پلٹائے جاؤ گے اور جو لوگ ایمان

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ

لائے اور عمل بجا لائے نیک ضرور ان کو ہم ٹھکانہ دیں گے جنت کے بلند محلات کہ بہتی ہوں گی

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۵۹﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا

ان کے نیچے نہریں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے خوب اجر ہے عمل کرنے والوں کا جنہوں نے صبر کیا اور

وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۶۰﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا

اپنے رب پر توکل کی اور کتنے زمین پر چلنے والے جانور ہیں جو اپنا رزق نہیں

اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۱﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ

اٹھا سکتے اللہ ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی اور وہ سننے جاننے والا ہے اور اگر ان سے سوال کرو

رزق اور خلق اور تقسیم :۔ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ اس کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں وارد ہے کہ مکہ

میں ایک نادار و مزدور طبقہ کا گروہ مسلمان ہو چکا تھا اور انہیں مشرکین قسم قسم کی اذیتیں دیتے تھے پس ان کو ہجرت کا حکم سنایا گیا تو کہنے لگے ہم کیسے گھروں کو چھوڑیں۔ مدینہ میں نہ ہمارے گھر ہیں نہ جائداد تو ہم روٹی کپڑا کہاں سے کمائیں گے۔ پس یہ آیت مجیدہ ان کی غلط فہمی کو دور کرتی ہے کہ ہر چیز کے رزق دینے والا اللہ ہے اور منقول ہے کہ زمین پر چلنے والی جنسوں میں سے صرف تین قسم کی مخلوق رزق بطور ذخیرہ کے اکٹھا کرتی ہے: انسان۔ چیونٹی اور چوہا۔ باقی سب مخلوق بھوک لگنے پر جو ملے کھا لیتی ہے ذخیرہ کرنا نہیں جانتی۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم حضرت رسالتمآبؐ کے ہمراہ شہر سے باہر نکلے تو آپ انصار کے باغ میں داخل ہوئے اور چند دانے کھجور تناول فرمائے آپ نے مجھے کھانے کو فرمایا تو میں نے عذر پیش کیا کہ حضور میں اشتہا نہیں رکھتا آپ نے فرمایا مجھے اس لئے اشتہا ہے کہ میں نے تین روز سے کھانا نہیں کھایا۔ اگر میں چاہوں تو قیصر و کسریٰ کی حکومت کے برابر اللہ مجھے حکومت عطا فرمائے گا۔ اے ابن عمر! ان لوگوں کے ساتھ کیسے وقت گذارو گے جو سال بھر کا رزق پہلے جمع کر کے خزانہ کر لیں گے کیونکہ اللہ پر ان کا یقین کمزور ہوگا۔ پس فوراً ہی قرآن مجید کی یہ آیت اُتری۔

مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور مطیع فرمان کیا سورج و چاند کو

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

تو البتہ کہیں گے اللہ تو پھر کدھر فریب دیئے جاتے ہیں اللہ وسیع کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہے

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾

اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لئے چاہے۔ تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

اگر ان سے تو پوچھے کہ کس نے نازل کیا آسمان سے پانی پس زندہ کیا اس کے ساتھ

مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

زمین کو بعد مردہ ہونے کے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ! کہہ دو حمد اللہ کے لئے ہی ہے لیکن

يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٤﴾ ع٢ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ

اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور نہیں یہ زندگانی دنیا مگر کھیل اور تماشا اور تحقیق

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ ۔ اگر مشرکین مکہ سے دریافت کیا جائے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ اللہ ہی

ان سب کا خالق ہے پھر ان سے سوال کیا جائے کہ سورج اور چاند کو آسمان پر گردش اور باقاعدگی سے چکر لگانے کے لئے مسخر اور تابع فرمان کس نے کیا ہے تو اس کا جواب بھی یہی دیں گے کہ اللہ نے ایسا کیا ہے تو اس کے بعد فرماتا ہے ان باتوں کے سمجھنے کے بعد وہ کیوں فریب خوردہ ہوتے ہیں اور اپنے بنائے ہوئے خداؤں کی طرف یہ سب کچھ منسوب کرتے ہیں اور جو کچھ مانگنا ہوا نہی سے طلب کرتے ہیں۔ اسی طرح اگر ان سے پوچھا جائے کہ آسمان سے بارش کون برساتا ہے اور خشک سالی کی وجہ سے زمین کی مردہ قوت نامیہ کو بارش کے ذریعے سے دوبارہ زندہ کون کرتا ہے؛ تو اس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ یہ کام بھی اللہ کرتا ہے تو اس کے بعد

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝۶۴ فَاِذَا رَكِبُوْا

آخرت کا گھر ہی درحقیقت زندگی کا گھر ہے اگر یہ جانیں پس جب سوار

فِی الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَی الْبَرِّ

ہوں کشتی میں تو پکارتے ہیں اللہ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو تو جب ان کو دہ نجات

اِذَا هُمْ یُشْرِكُوْنَ ۝۶۵ لِیَكْفُرُوْا بِمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ ۚۙ وَ لِیَتَمَتَّعُوْا ٚ فَسَوْفَ

دے دریا سے خشکی کی طرف تو وہ دیسے ہی شرک کرنے لگتے ہیں کہ انکار کریں اس کا جو ہم نے ان کو دیا اور تاکہ نفع اٹھائیں

یَعْلَمُوْنَ ۝۶۶ اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ

پس عنقریب جان لیں گے (انجام اپنا) کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو جائے امن بنایا اور اچک لئے جاتے ہیں لوگ

ارشاد ہے کہ اے میرے رسول تم اللہ کا شکر بجالاؤ کہ تمہارا مسلک ان کے مسلّمہ اصولوں کی بنا پر صحیح ثابت ہے۔ پس عبادت بھی اسی ذات کے لئے مخصوص ہونی چاہیے۔ جو کائنات عالم کی تمام چیزوں کی تخلیق و تدبیر کا واحد مالک ہے۔

اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ۔ اس آیت میں رزق کی تقسیم کا مسئلہ واضح فرمایا ہے کہ تقسیم رزق صرف اللہ ہی ہے جسے چاہے غنی کرے اور جسے چاہے تنگدست کر دے جو لوگ محمد و آل محمد کی طرف خلق و رزق یا تقسیم رزق وغیرہ منسوب کرتے ہیں کاش وہ قرآن مجید کی سرسری تلاوت کر کے تحت اللفظ معنی پر ہی غور کر لیتے تو اس الجھن میں نہ پڑتے البتہ محمد و آل محمد تمام انسانوں کا وسیلہ ہیں اور خدا ان کی برکت سے عطا فرماتا ہے۔

رکوع ۷ فَاِذَا رَكِبُوْا۔ جب یہ لوگ بحری سفر کر رہے ہوں اور کشتی پر سوار جا رہے ہوں اور سمندر کے مد و جزر کی وجہ سے پانی میں تلاطم پیدا ہو تو غرقابی سے بچنے کے لئے ان کو اپنے تمام مصنوعی خدا بھول جاتے ہیں اور نہایت خلوص و عاجزی و زاری سے بارگاہ رب العزت میں فریاد کرتے ہیں اور حبیب اللہ اپنے رحم و کرم سے ان کو بخیریت کنارے تک پہنچا تا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں کہ ہمیں تو اپنے پیروں اور ولیوں نے پار لگایا ہے۔ پس نجات پاتے ہی شرک کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں اور اللہ فرماتا ہے کہ میں نے بھی ان کو ڈھیل دے رکھی ہے کہ بے شک میری نعمتوں کا انکار کر لیں اور دنیا کی چند روزہ فائدہ اٹھالیں، آخر بھاگ کر کہاں جائیں گے

قیامت کے دن ان کو اپنے کردارِ بد کے انجام کا پتہ چل ہی جائے گا۔ یہ آیتیں اگرچہ تنزیل کے لحاظ سے تو اہلِ مکہ کے لئے ہیں لیکن ان کی تاویل قیامت تک جاری ہے اور تمام مسلمانوں کے لئے قیامت تک کے لئے پیغام ہدایت ہیں تاکہ مشرکین مکہ کو نجس جاننے والے خود اپنے عقائد کا صحیح جائزہ لے سکیں۔

مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿٦٨﴾

ان کے اردگرد سے کیا باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہیں؟ اور

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ

کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ پر جھوٹا یا حق کو جھٹلائے جب اس کے

أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ ﴿٦٩﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا

پاس پہنچ جائے کیا جہنم میں ٹھکانہ نہیں کافروں کا! اور جو لوگ ہمارے لئے جہاد کریں

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٧٠﴾ ع ٤

ہم ان کو ضرور ہدایت کریں گے اپنے راستوں کی تحقیق اللہ احسان کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا۔ مشرکین مکہ پر خصوصی احسان جتلا رہا ہے کہ ہیں نے تمہارے لئے امن کا گھر بنایا ہے حالانکہ تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے حرم کے اردگرد کس قدر خون ریزیاں اور قتل و غارت کا بازار گرم رہا ہے۔ اس کے باوجود بھی تم باطل خداؤں پر ایمان رکھتے ہو اور اللہ کے احسان کو فراموش کرتے ہوئے اس کی نعمت کا کفران کرتے ہو۔

وَمَنْ أَظْلَمُ۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ کی خوشنودی کے لئے ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں تو ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ اس سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے اللہ نے کب ان کو ان بے جان بتوں کی پرستش کا حکم دیا ہے۔ خدا تو صاف فرماتا ہے کہ صرف میری ہی عبادت کرو اور شرک سے بچو۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت مجیدہ ہم اہل بیتؑ کے حق میں اتری ہے

۱۳ رمضان المبارک بروز بدھ وار ۱۳۹۱ھ مطابق ۳ نومبر ۱۹۷۱ء ۵ بجے شام

سورہ الروم

سورہ مبارکہ مکیہ ہے سوائے ایک آیت ۱۷ کے
اور اس کی آیات کی تعداد اکسٹھ ہے۔

جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے آسمان و زمین کے درمیان تسبیح کرنے والے جملہ فرشتوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔

خواصِ قرآن سے منقول ہے کہ اگر اس سورہ کو لکھ کر کسی گھر میں رکھا جائے تو اس گھر کے سب افراد بیمار ہوجائیں گے اور اگر کوئی مہمان آئے گا تو وہ بھی بیمار پڑ جائے گا اور اگر اس کو لکھ کر بارش کے پانی سے دھو دیا جائے اور مٹی کے برتن میں رکھا جائے پھر جو بھی اس پانی کو پیئے گا بیمار ہوگا اور جو شخص اس پانی سے اپنا منہ دھوئے گا اس کی آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔

(برہان)

رکوع ۴

جنابِ رسالتمآبؐ کے ابتدائی دورِ نبوت میں کسریٰ ایران اور قیصرِ روم کے درمیان جنگ کا بازار خوب گرم تھا اور یہ دونوں حکومتیں اس زمانہ کی مہذب اور بڑی حکومتیں تھیں۔ گویا دنیا کی اقتدارِ اعلیٰ ان دوگروپوں میں بٹا ہوا تھا ان کے علاوہ دیگر ممالک کے حکمران انہی کے رحم وکرم پر وقت گذارتے تھے اور انہی کے اشارہ چشم پر اپنے اقتدار کی پالیسیاں مرتب کرتے تھے کیوں کہ ان کے علاوہ اور کسی حکومت کے پاس ان کے برابر فوجی طاقت نہ تھی گویا ان دونوں کی باہمی لڑائی اس زمانہ کی عالمی جنگ شمار تھی ملک ایران مجوسی آتش پرست تھا اور ملک روم اہلِ کتاب نصاریٰ تھے۔ روم کی حکومت موجودہ اردن تک پھیلی ہوئی تھی اور بیت المقدس ان کے زیرِ نگیں تھا اور ملک فارس عراق و شام تک پھیلا ہوا تھا کیوں کہ اس زمانہ میں کسریٰ ایران کا پائیہ تخت بھی مدائن میں تھا جو موجودہ عراق میں واقع اور بغداد سے تھوڑے فاصلہ پر ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ⓵

(اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓ ⓶ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ⓷ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ

الم مغلوب ہوگئے رومی قریب ترین زمین میں اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب

سَیَغۡلِبُوۡنَ ⓸ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ

پھر غالب ہوں گے چند سالوں کے اندر اللہ کے پاس اقتدار ہے پہلے اور بعد اور اس

وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ⓹ بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ

دن خوش ہوں گے مومن اللہ کی مدد سے۔ وہ مدد کرے جس کی چاہے

حضرت رسالتمآبؐ نے اعلانِ نبوت کے بعد جس طرح دعوتِ اسلام کا پیغام سوڈان کے حکمران کو بھیجا اسی طرح ایک دعوت نامہ کسریٰ کی طرف اور دوسرا قیصرِ روم کی طرف بھی روانہ کیا۔ قیصر روم اگرچہ مسلمان تو نہ ہوا لیکن اس نے آپ کے خط کو عزت کی نگاہ سے دیکھا اور نامہ بر کی بھی اچھی تواضع کی لیکن اس کے خلاف مجوسی ایرانی حکمران کسریٰ نے حضور کے نوشتہ کو بھی حقارت آمیز نظروں سے دیکھا اور نامہ بر کو بھی بُری طرح واپس کیا ان دونوں متضاد نیتجوں کو دیکھ کر فطری طور پر مسلمانانِ مکہ کی ہمدردیاں قیصرِ روم کے ساتھ ہوگئیں اور کسریٰ ایران سے ان کو نفرت ہوگئی اور جب دونوں حکومتوں میں جنگ چھڑ ای تو نتیجہ میں کسریٰ کی فوجیں غالب آئیں اور قیصر روم ہار گیا حتیٰ کہ بیت المقدس پر بھی ایرانیوں کا قبضہ ہوگیا اس بات کا مسلمانوں کے دلوں میں بڑا دُکھ ہوا اور مشرکین مکہ کو بڑی خوشی ہوئی۔

اَدۡنَی الۡاَرۡضِ۔ قریب ترین زمین اس لئے کہ ملک حجاز سے یہ علاقہ بہ نسبت ایران کے زیادہ قریب ہے۔ ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان دشمنی بہت پرانی چلی آرہی تھی چنانچہ سکندر رومی نے جب ایران پر حملہ کیا تھا تو اپنی طرف سے ان کو پوری طرح

منا کر گیا تھا حتیٰ کہ صدیوں تک ایرانیوں میں اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی ہمت باقی نہ رہی تھی اور اب جوشِ انتقام میں بڑھے تو بیت المقدس بھی رومیوں کے قبضے سے چھین لیا۔

سَيَغْلِبُونَ ۔۔ چونکہ مسلمان رومیوں کے مغلوب ہونے اور ایرانیوں کے فتح یاب ہونے سے بڑے رنجیدہ خاطر تھے تو خدا کریم نے ان کی دلجمعی کی خاطر ان کو یہ خوشخبری دی کہ یہ معاملہ مکمل طور پر پہلے اور بعد اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ مسلمانوں کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ مستقبل قریب میں ہونے والی جنگ فیصلہ کن ہوگی جس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوگی اور چند سالوں کے اندر اندر یہ فیصلہ ہو کے رہے گا۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف صادق ہوئی اور حضورؐ کی رسالت اور قرآن مجید کی صداقت پر اس نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی۔

وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ⑥ وَعْدَ اللَّهِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ

اور وہ غالب رحم کرنے والا ہے — یہ اللہ کا وعدہ ہے اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ⑦ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے — وہ جانتے ہیں دنیاوی زندگی کے ظاہر

الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ⑧ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ

کو اور وہ آخرت سے غافل ہیں — کیا فکر نہیں کرتے اپنے نفسوں میں

بعضوں نے کہا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ انقلاب دوبارہ آیا تھا بعض کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے موقعہ پر جب مسلمانوں کی مختصر سی فوج کفار قریش کے لشکر جرار کے ساتھ مقام بدر پر نبرد آزما تھی اسی زمانہ میں کسریٰ اور قیصر کے درمیان آپس میں جنگ کے شعلے پھر بھڑک اٹھے تھے اور خدا کی قدرت یہ ہوئی کہ اِدھر مسلمانوں کو کفار قریش پر فتح و کامرانی نصیب ہوئی اور اُدھر رومیوں کو ایرانیوں پر غلبہ حاصل ہوا چنانچہ انہوں نے بیت المقدس پر دوبارہ اپنا قبضہ جمایا اور جب فتح بدر سے واپسی پر حضورؐ نے مسلمانوں کو رومیوں کے غلبہ کی اطلاع دی تو مسلمانوں کو دوہری خوشی حاصل ہوئی کہ مشرکین مکہ کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے کیونکہ وہ ایرانیوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کر کے مسلمانوں کو ذلیل کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے جو اس انقلاب کی نذر ہو گئے۔

وَعْدَ اللَّهِ ۔ اللہ کے علم کی دو قسمیں ہیں ایک علمِ مخزون اور دوسرا علم جو انبیاء و فرشتوں کے حوالہ کرتا ہے۔ پس جو علم فرشتوں اور نبیوں کے حوالے کرتا ہے اس میں بدا واقع نہیں ہوتی اس لئے کہ جس کا نبی و رسول اعلان کر دیں گے اگر اس کے خلاف واقع ہو تو نبی کی تکذیب لازم آتی ہے اور یہ بعثتِ انبیاء کے مقصد کے خلاف ہے اور اسی معنی کی روایت تفسیر مجمع البیان کے محشی شیخ ابوالحسن شعرانی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی ہے۔ اور تفسیر کی جلد ۵ ص ۱۹۱ پر مسئلہ بدا پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اجل مسمّی کے معنی کی وضاحت بھی

وہاں موجود ہے

مَا خَلَقَ اللّٰہُ :- یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنے نفسوں میں فکر کرنے سے یہ کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ آسمان و زمین

مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ

کہ نہیں پیدا کیا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے مگر حق کے ساتھ اور مدت

مُّسَمًّى ۗ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑨ اَوَ

مقررہ کے ساتھ اور تحقیق بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں کیا وہ

لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

نہیں چلے زمین میں کہ دیکھتے کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے جو توانا

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ

ہیں ان سے مضبوط تر تھے اور انہوں نے زمین کو نرم کیا اور آباد کیا ان کے

اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

آباد کرنے سے زیادہ اور آئے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلیلیں لیکر پھر نہیں اللہ

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ⑩ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ

نے ان پر ظلم کیا لیکن وہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے پھر ہوا انجام ان لوگوں کا

الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا

جنہوں نے برائی کی برا کیوں کہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیات کو اور ان کے ساتھ مسخر کا

کی تخلیق برحق ہے اور آخرت آنے والی ہے؟ تو اس کا جواب علامہ طبرسی نے یہ دیا ہے کہ جب انسان اپنی ذات میں فکر کرتا ہے کہ میں ایک حادث مخلوق ہوں اور میرا خالق قدیم قادر عالم اور زندہ موجود ہے جو فعل قبیح نہیں کرتا اور دانا بھی ہے کہ کوئی کام فضول نہیں کرتا لہٰذا میری تخلیق بھی کسی غرض کے لئے ہے اور وہ ہے ثواب اُخروی اس لئے ضروری ہوا کہ ہماری کوئی تکلیف ہو اور اس کی جزا ہو اور چونکہ دنیا میں تو اس کی جزا موجود نہیں ہے لہٰذا قیامت کا اعتقاد لازمی ہے جو جزا و سزا کا مقام ہے اور چونکہ خدا خود نفع حاصل کرنے کا محتاج نہیں لہٰذا غرض خداوندی کا تعلق ہماری ہی منفعت سے وابستہ ہے۔

اَثَارُوْا - اثارہ کا معنی ہل جوت کر یا دیگر زرعی آلات کے ذریعے سے زمین کو قابل کاشت بنانا آیت میں گذشتہ انبیاء کی امتوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ

طاقت میں زیادہ تھے اور انہوں نے عمریں بھی زیادہ پائیں اور کافی زمینیں آباد کیں اور محلات تعمیر کرائے بالآخر سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ چلے گئے۔

يَسْتَهْزِءُونَ ⑪ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

کرتے تھے اللہ ایجاد کرتا ہے مخلوق کی پھر ان کو دوبارہ اٹھائے گا پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ⑬ وَلَمْ يَكُنْ

جس دن قائم ہوگی قیامت حیران و مایوس ہوں گے مجرم اور نہ ہوں گے ان کے

لَهُمْ مِنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ⑭

بنائے ہوئے شریک ان کے لئے سفارشی اور وہ اپنے بنائے ہوئے شریکوں کا انکار کرنے والے

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَتَفَرَّقُونَ ⑮ فَأَمَّا الَّذِينَ

ہوں گے اور جس دن قائم ہوگی قیامت اُس دن (مومن و کافر) الگ الگ ہو جائیں گے پس جو لوگ مومن

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ⑯ وَ

اور نیک کردار ہوں گے تو وہ باغِ جنت میں خوش حال ہوں گے پس

أَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ

جو لوگ کافر ہوں گے اور جھٹلا چکے ہوں گے ہماری آیات کو اور قیامت کی پیشی کو تو وہ

فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ⑰ فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ

عذاب میں حاضر کئے جائیں گے پس پاکیزگی اللہ کیلئے بوقت شام اور بوقت صبح

رکوع ۵

مُبْلِس۔ ابلاس کا معنی مایوسی اور تحیر دونوں کئے گئے ہیں۔

کافِرِین۔ یعنی جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کے شریک بنائے تھے وہ قیامت کے دن ان سے بیزار ہوں گے۔

یَتَفَرَّقُون۔ یعنی قیامت کے دن مومن و کافر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدائی ڈالی جائے گی۔

یُحْبَرُون۔ الحبرۃ کا معنی خوشی اور حبیر کا معنی خوبصورتی اس جگہ دونوں معانی درست ہیں۔

فَسُبْحَانَ اللہ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان آیات میں پانچ نمازوں کی طرف اشارہ ہے۔ تُمْسُون سے نماز مغرب عشاء، تُصْبِحُون سے نماز صبح، عَشِیًّا سے نماز عصر اور تُظْهِرُون سے نماز ظہر پس رات کی نمازوں کے لئے سبحان کی لفظ اور دن کی نمازوں کے لئے حمد کی لفظ استعمال کی ہے کیوں کہ دن کاروبار کا وقت ہوتا ہے اور حالات کے بدلنے کا وقت ہوتا ہے

اس لئے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ حمد کی مناسبت ہے اور رات چونکہ تاریکی کا زمانہ ہے اس لئے اس وقت میں جملہ عیوب سے اللہ کی تنزیہ بیان کرنا موزوں ہے۔

رکوع ۲ — وَمِنْ اٰيٰتِهٖ

ان آیات میں پروردگار نے اپنی الوہیت کو واضح کرتے ہوئے کارنامہائے قدرت سے چھ اہم نکات کا تذکرہ فرمایا ہے اور صاحبانِ عقل و دانش اور اربابِ فکر و نظر کو دعوتِ انصاف دی ہے۔ (۱) مٹی سے پیدا ہو کر جیتا جاگتا اور چلتا پھرتا انسان ہونا (۲) ایک ہی جنس سے مردوں اور عورتوں کی تخلیق اور بغیر خونی رشتہ کے ان میں باہمی اُلفت و محبت اور انس و یگانگت کے جذبات کی آفرینش (۳) آسمانوں اور زمین کی پیدائش زبانوں کا اختلاف اور رنگوں کی جُداگانہ امتیازی صورت (۴) رات کا آرام اور دن میں طلبِ معاش کے لئے دوڑ دھوپ کے جذبات (۵) بادل سے بجلی کی چمک جس میں ایک طرف

وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ⑱ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(بیان کرو) اور اسی کی حمد ہے آسمانوں اور زمین میں

وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ⑲ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

اور عشا کے وقت اور جب تم دوپہر کرتے ہو وہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ⑳

ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو بعد میں مردہ ہونے کے اور اسی طرح تم نکالے

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ㉑

جاؤ گے (قبروں سے) اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم چلتے پھرتے انسان ہو

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے

جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان اس نے محبت اور رحمت پیدا کر دی تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو

يَّتَفَكَّرُوْنَ ㉒ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ

سوچیں اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں کا اختلاف

خوف و ہراس کا پہلو ہوتا ہے اور دوسری طرف بارانِ رحمت کی امید پنہاں ہوتی ہے پھر اس کے بعد پانی کا برسانا جو زمین کی مُردہ

أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ

اور رنگوں کا اختلاف تحقیق اس میں نشانیاں ہیں لوگوں کے لئے اور اس

آيَاتِهِ مَنَامُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّ

کی نشانیوں میں سے تمہارا سونا رات کو اور دن کو اور تلاش کرنا تمہارا اس کے رزق سے تحقیق

فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہوں اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ دکھاتا ہے

خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ

تمہیں بجلی کی چمک جس میں ڈر اور امید موجود ہے اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پس زندہ کرتا ہے اس

مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٥﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ

کے ذریعے زمین کو بعد مرنے کے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو سمجھتی ہو اور اس کی نشانیوں میں سے

أَن تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۚ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً

ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے پھر جب تمہیں پکارے گا زمین سے تو تم فوراً

مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ

نکالے جاؤگے اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور

قوائے نامیہ کو از سرِ نو زندگی بخشتا ہے (۶) زمین و آسمان کا اس کے امر کے ماتحت قائم رہنا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عنوان اگرچہ چھ ہیں لیکن گننے سے ان آیات میں خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ کے چودہ نشان ذکر فرمائے ہیں جو صاحبانِ فکر کے لئے توحید پروردگار کی واضح دلیلیں ہیں۔ دوسرے نکتہ میں خونی رشتہ کے بغیر مرد و عورت کی باہمی انس و محبت کا راز ایسے مخفی جذبات میں پنہاں ہے جسے ارباب فکر ہی سمجھ سکتے ہیں لہذا صاحبانِ فکر کو ہی اس پر غور کرنے کی دعوت دی اور تیسرے نکتہ میں زمین و آسمان کی پیدائش اور رنگ و زبان کا اختلاف ہر آدمی جانتا ہے اس لئے ہر انسان کو دعوتِ فکر میں شریک قرار دیا اسی طرح چوتھے نکتہ میں دن کے کاروبار اور رات کے آرام کی مصلحت میں غور کرنے کی دعوت ہر اس آدمی کو دی جو بات سن سمجھ سکتا ہو اور دیوانہ نہ ہو لیکن پانچویں نکتہ میں بجلی کی چمک سے خوف و ہراس اور طمع و امید کی متوازی جھلک اور پھر بارانِ رحمت کے فوائد اور زمین کی قوتِ نامیہ کی موت کے بعد زندگی وغیرہ ایسے امور ہیں جن کی تہ تک ہر انسان بخوبی نہیں پہنچ سکتا اس لئے اس مقام پر دعوتِ فکر کے لئے اہلِ عقل کو مخصوص

فرمایا اور یاد رہے کہ زبانوں کے اختلاف میں بھی دو پہلو مضمر ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ نے ہر زبان کی وضع حلیہ رنگ اور جسم میں امتیاز پیدا کیا جس کی بدولت بعض آوازیں تلخ اور بعض شیریں ہیں۔ بعض کرخت اور بعض دل آویز۔ اسی طرح نر و مادہ کی آوازوں میں امتیاز یہ سب اس کی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ کے کرشمے ہیں اور دوسرا یہ کہ علاقائی لحاظ سے قوموں نسلوں ملکوں اور آبادکاروں کی بولیوں میں اختلاف بھی اس کی عجیب و غریب صنعت کی ترجمانی کے لئے بولتی ہوئی زبان ہے۔

اِذَا دَعَاکُمْ۔ ان لفظوں میں اس امر کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ جو پروردگار سابق کے تمام کارناموں پر قدرت رکھتا ہے وہ مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے چنانچہ وہ اپنی مصلحت کے ماتحت ایک دن سب کو خاکستر ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور زمین سے نکالے گا۔ پس جس طرح پہلی دفعہ اس نے پیدا کیا اور ہر چیز کو پیدا ہونا پڑا اسی طرح جب دوبارہ اٹھائے گا تو ہر مردہ کو دوبارہ زندہ ہونا پڑے گا۔ اور

وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

زمین میں ہے سب اس کے لئے جھکنے والے ہیں اور وہ ہے جس نے ایجاد کیا مخلوق کو پھر لوٹائے گا

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي

اور وہ زیادہ آسان ہے اس پر اور اسی کے لئے مثل اعلیٰ آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ع ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ

زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اس نے بیان کی تمہارے لئے ایک مثال

اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ

تمہارے نفسوں سے۔ کیا وہ لوگ جن کے تم مالک ہو تمہارے شریک ہیں اس میں جو ہم نے تمہیں رزق دیا

پھر فرمایا کہ زمین و آسمان کی کسی مخلوق میں میرے حکم سے سرتابی کرنے کی قطعاً مجال نہیں ہے۔

وَهُوَ اَهْوَنُ۔ چونکہ اللہ کے سامنے کائنات کی ہر شے سرنگوں ہے اور اس کے مقدور ہونے میں مشکل و آسان کا فرق نہیں ہے۔ پس وہ جس طرح ایک معمولی چیز مچھر و مکھی کو پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے اسی طرح بڑی سے بڑی مخلوق آسمان و عرش و کرسی پر بھی اسی قدرت سے حاوی ہے لہٰذا اس کے سامنے یہ سب کچھ آسان ہے البتہ انسانوں کو سمجھانے کے لئے فرمایا ہے کہ تمہارے سامنے بعض کام مشکل اور بعض آسان ہوتے ہیں اور جو مشکل پر قادر ہو وہ آسان پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ کسی شے کا پہلی دفعہ پیدا کرنا مشکل ہوتا ہے اور دوبارہ اسی منہاج پر چیز کو بنانا آسان ہوتا ہے تو جو اللہ آسمانوں اور زمینوں اور عرش و کرسی اور جن و انسان وغیرہ محیر العقول مخلوقات کو پہلی دفعہ کتم عدم سے معرض وجود میں لانے پر قادر ہے جس کے تم لوگ قائل ہو تو کسی مخلوق کو یا کسی مخلوق کی مخصوص قوت کو اس کے مر جانے کے بعد زندہ کرنا جو آسان فعل ہے اس پر وہ کیسے قادر نہیں ہو سکتا؟

اَلْمَثَلُ الْاَعْلٰی ۔ یعنی آسمان و زمین میں اس کی شان بلند اور اس کا اقتدار ہر چیز پر حاوی ہے اور اس کے دائرہ تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ اسکی مزید وضاحت جلد ۳ صفحہ ۲۲۴ پر ملاحظہ ہو۔

رکوع ۷ شریک کی نفی

ضَرَبَ لَکُمْ ۔ خداوند کریم نے اپنی توحید کے لئے کفار مشرکین کے سامنے ایک حسی دلیل پیش فرمائی ہے کہ دیکھو جس طرح تمہارے غلام اور کنیزیں جن کے تم مالک ہو تمہارے ساتھ شریک زندگی تو ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی تمہارے رزق و مال میں بھی تمہارا شریک ہے؟ تاکہ تم کو اور ان کو مال و رزق میں برابر کا مالک مانا جائے اور تمہارے مرنے کے بعد تمہاری اولاد کو خطرہ ہو کہ وہ بھی ہم سے برابر کا حصہ میراث سے لیں گے جس طرح آزاد شریک زندگی مثلاً بھائی بہن یا شوہر و بیوی وغیرہ لوگوں سے میراث کی تقسیم کا خطرہ ہوتا ہے۔ یہاں استفہام انکاری ہے

فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ

پس تم سب اس میں برابر ہو کہ ان سے ڈرتے ہو جس طرح اپنے جیسوں سے ڈرتے ہو؟ اسی

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (۲۹) بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ

طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیات کو سمجھنے والے لوگوں کے لئے بلکہ پیروی کی ان لوگوں نے جو ظالم ہیں

ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ

اپنی خواہشات کی بغیر علم کے تو کون ہدایت کرے جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اور

اللّٰهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (۳۰) فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

نہ ہوگا ان کا کوئی مددگار پس قائم کر اپنی ذات کو دین کے لئے

مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہارے غلام و کنیزیں تمہارے مال و متاع میں نہ حصہ دار ہیں اور نہ تم کو ان سے شرکت کا خوف ہوتا ہے کیونکہ آزاد معاشرۂ انسانی کا فیصلہ ہے کہ غلاموں کو حصہ دار نہ سمجھا جائے اسی طرح اللہ کی ساری مخلوق اس کی عبد اور وہ ان سب کا معبود اور واحد مالک ہے پس یہ اس کے کیسے شریک بن سکتے ہیں؟ جب تم اپنے غلاموں کو اپنا شریک بنانا گوارا نہیں کرتے تو خدا کے لئے شریک کس طرح تجویز کرتے ہو؟

اَنْفُسَكُمْ ۔ نفس کی جمع ہے اس جگہ اسکا معنی اَمْثَالُكُمْ ہے یعنی جس طرح تمہارے امثال آزاد لوگ تمہارے شریک و وارث ہوتے ہیں اور ان سے تقسیم وراثت کا تمہیں ڈر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ پر نفس امثال کے معنی میں مستعمل ہے مثلاً وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اور دوسرے مقام پر ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ ۔ ان مقامات پر نفس سے مراد امثال ہے یعنی اپنے جیسے لوگوں سے لڑا نہ کرو یا اپنے جیسے مومن مردوں اور عورتوں پر نیک گمان کرنا چاہیے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ ۔ مقصد یہ ہے کہ اپنا رُخ مکمل طور پر دین کی طرف پھیر دو اور خلوص کے ساتھ دین کی پیروی کرو اور دوسرے تمام خیالات و مذاہب سے روگردانی کرتے ہوئے اسی پر ثابت قدم ہو جاؤ ۔ اسی معنی کی بنا پر فطرۃ اللہ بدل ہے وجہک سے یعنی وہ دین جو دین فطرت ہے اسی کو قائم کرو لہذا اس کے بعد خلق اللہ سے مراد بھی دین اللہ ہے ۔

عَلَيْهَا ۔ فَطَرَ النَّاسَ کے بعد علیہا لہا اور بہا تینوں استعمال صحیح ہیں یعنی ایسا دین جس پر یا جس کے لئے ۔۔۔۔۔ یا جس کے ساتھ لوگوں کو اللہ نے پیدا کیا ہے تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآب سے منقول ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ حَتّٰى يَكُوْنَ اَبَوَاهُ هُمَا اللَّذَانِ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ یعنی ہر بچے کی پیدائش فطرت پر ہوا کرتی ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ ہی اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں تفسیر برہان میں بروایت قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ فطرت جس پر اللہ نے لوگوں کو خلق فرمایا ہے وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيٌّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيُّ اللّٰهِ ہے اور اسی معنی میں روایت صفار اور ابن شہر آشوب سے بھی نقل کی گئی ہے ۔

حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ

ثابت قدم رہ کر اس فطرت پر جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے کوئی تبدیلی نہیں اللہ کے دین میں یہ

اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ مُنِيْبِيْنَ

دین سیدھا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (دین کو قائم کرو) جھکتے ہوئے

اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾

اس کی طرف اور اس سے ڈرو اور قائم کرو نماز کو اور نہ ہو مشرکین میں سے

تارکِ نماز مشرک ہے

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۔ وافی میں کافی سے نقل کرتے ہوئے بروایت عبید بن زرارہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ گناہانِ کبیرہ حضرت علی علیہ السلام کی کتاب میں سات ہیں (۱) اللہ کا کفر کرنا (۲) نفس محترمہ کا قتل (۳) عقوق الوالدین (۴) سود خوری (۵) زبردستی یتیم کا مال کھانا (۶) میدانِ جہاد سے فرار کرنا (۷) ہجرت کے بعد پلٹ کر کفار کی طرف واپس چلا جانا ۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا حضور یہ فرمائیے کہ یہ گناہ باقی تمام گناہوں سے بڑے ہیں ؟ آپ نے فرمایا ہاں ۔ تو میں نے پوچھا یتیم کے مال میں سے زبردستی ایک درہم کھانا بڑا گناہ ہے یا بغیر عذر کے نماز قضا کرنا زیادہ سخت ہے ؟ آپ نے فرمایا نماز کا ترک کرنا سخت تر ہے تو میں نے دریافت کیا کہ آپ نے گناہانِ کبیرہ کی فہرست میں ترکِ نماز کو شمار نہیں فرمایا اس کی کیا وجہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے شمار میں پہلے کس چیز کا نام لیا ہے ؟ میں نے عرض کی کہ کفر کا نام آپ نے سب سے پہلے لیا ہے ۔ پس آپ نے فرمایا کہ بغیر عذر کے نماز کو ترک کرنے والا کافر ہوا کرتا ہے ۔

دوسری روایت میں بروایت ابو بصیر آپ سے گناہانِ کبیرہ کی تعداد سات منقول ہے لیکن کفر باللہ کی جگہ شرک باللہ مذکور ہے اور

ہجرت کے بعد واپس پلٹ جانے کے بجائے پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا مذکور ہے اور آخر میں یہ وضاحت بھی ہے کہ ہجرت کے بعد واپس پلٹ جانا اور شرک ایک ہی چیز ہیں۔ پس ایک روایت میں معصوم کے نزدیک نماز کا تارک کافر ہے اور دوسری میں مشرک ہے۔

وافی میں باب وجوہ الکفر میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کفر کی پانچ قسمیں ذکر فرمائیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔

پہلی قسم:۔ زندیقوں اور دہریوں کا کفر ہے جو کہتے ہیں نہ کوئی خدا ہے نہ جنت نہ دوزخ نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نہ کوئی موت دینے والا ہے بس اسی طرح سے خود بخود دنیا والے پیدا ہوتے ہیں اور پھر مر جائیں گے اور یہ سلسلہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کو قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر باطل کیا ہے اور اس کے بطلان کے لئے عقلی دلیل اتنی ہی کافی ہے کہ جب کوئی معمولی سے معمولی چیز بنانے والے کے بغیر نہیں بن سکتی تو اتنا بڑا عالم بنانے والے کے بغیر کیسے بن سکتا ہے؟ پس جس نے بنایا وہی خدا ہے۔

دوسری قسم:۔ ان لوگوں کا کفر ہے جو حقیقت کو سمجھ کر انکاری ہوگئے اور عناد کی رُو سے اسلام نہ لائے۔

تیسری قسم:۔ کفر نعمت جس طرح ارشاد قدرت ہے۔ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ۔ یعنی میرا شکر کرو اور کفر نہ کرو۔

چوتھی قسم:۔ کفر اطاعت جس کے متعلق فرمایا۔ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ گویا اطاعت نہ کرنے پر ان کو کافر کہا اور

پانچویں قسم:۔ کفر برأت ہے جس طرح قیامت کے روز دوزخی پیر و مرید ایک دوسرے کا کفر یعنی ایک دوسرے سے بیزاری اختیار کریں گے۔ ملخصاً۔ تارک صلوٰۃ کو کافر کہنا چوتھی قسم کے اعتبار سے ہے۔ ایک روایت میں ہے راوی نے امامؑ سے دریافت کیا کہ آپ زانی کو کافر نہیں کہتے اور تارکِ نماز کو کافر کہتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ زانی جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے وہ لذتِ نفس کے لئے کرتا ہے لیکن جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے اس کو اس میں کوئی لذت نہیں حاصل ہوتی صرف نماز کو معمولی اور غیر ضروری سمجھ کر ہی ایسا کرتا ہے اور جو شخص خدا کے حکم کو معمولی سمجھے وہ کافر ہے۔ اسی طرح باب وجوہ شرک میں معصوم نے شرک کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک شرک طاعت اور دوسرا شرک عبادت۔ پہلی قسم کے متعلق ارشاد ہے وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ۔ یعنی اکثر ایمان لانے والے مشرک ہوا کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ باوجود ایمان لانے کے وہ فروعات میں اللہ پروردگار کے بجائے شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی بناء پر ریاکار شخص پر بھی مشرک کا اطلاق ہوا ہے اور شرک عبادت وہ ہے جس کے بعد فرمایا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ یعنی جو اللہ کا شریک بنائے اس پر اللہ نے جنت کو حرام کیا ہے۔ پس تارک الصلوٰۃ پر مشرک و کافر کا اطلاق ترکِ اطاعت کی وجہ سے ہے نہ کہ ترکِ عقیدہ کی وجہ سے اسی لئے اس کو نجس نہیں قرار دیا جاتا البتہ اگر نماز کا منکر ہو جائے تو وہ عقیدہ کے لحاظ سے کافر و نجس ہوگا۔

مِنَ الَّذِیْنَ ۔ فراء کے نزدیک یہ مشرکین سے بدل ہے اور باقی نحویوں کے نزدیک مِن زائدہ ہے اور الَّذِیْنَ مبتدا ہے یعنی جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا ہے ان میں سے ہر گروہ اپنے طریقہ پر خوش ہے۔

فَرَّقُوْا ۔ بعض قاریوں نے فَارَقُوْا پڑھا ہے یعنی دین سے الگ ہوگئے اور گروہوں میں بٹ گئے کسی نے سورج کو پوج لیا اور کسی نے چاند کی سیوا کرلی بعضوں نے درختوں کی پوجا کی اور بعض آتش پرستی میں مبتلا ہوگئے۔ اسی طرح کئی آپ جیسے بندوں کو خدا مان بیٹھے مثلاً فرعون ونمرود وغیرہ کو خدا ماننے والے اور کئی لوگ اللہ کے نیک بندوں کو خدا کہنے لگے جس طرح حضرت

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ

ان لوگوں میں سے جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ہوگئے گروہ گروہ کہ ہر جماعت اس پر خوش ہے

فَرِحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ

جو اس کے پاس ہے اور جب چھوئے لوگوں کو تکلیف تو پکارتے ہیں اپنے رب کو جھکتے ہوئے اس کی

اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ

طرف پھر جب وہ ان کو چکھائے مزہ اپنی رحمت کا تو فوراً ایک فریق ان میں سے اپنے رب کے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

ساتھ شرک کرنے لگتا ہے تاکہ کفر کریں اس کا جو ہم نے ان کو دیا پس نفع اٹھالو عنقریب جان لوگے (اس کا انجام)

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۶﴾

کیا ہم نے ان کے پاس کوئی دلیل بھیجی ہے کہ ان کو بتاتی ہے جو وہ شرک کرتے ہیں

عزیز وحضرت عیسٰی وحضرت علی علیہ السلام کو خدا ماننے والے اور کئی لوگ بت تراش کر ان کی عبادت میں لگ گئے غرضیکہ راہِ حق سے بھٹکنے والوں کو نہ اطمینانِ قلب نصیب ہوا اور نہ وہ عقیدت کے لحاظ سے ایک ٹھکانہ پر جمع ہونے پر موفق ہوئے۔ پس ہر نئے طریقے سے ایجاد کرنے والا اپنے ہی طریقے پر خوش ہے اور اسی میں مگن ہے۔

گمراہی میں ڈھیل

وَاِذَا مَسَّ ۔ جو لوگ گمراہی میں پڑکر راہِ راست سے ہٹ جاتے ہیں تو خداوندِ کریم ان کو مزید مہلت اور ڈھیل دے دیتا ہے تاکہ اگر ان کے اعمال نامہ میں کوئی معمولی سے معمولی نیکی بھی ہو تو اس کا بدلہ اسے دارِ دنیا میں مل جائے چنانچہ آیتِ مجیدہ میں فرماتا ہے کہ مشرک لوگوں کو جب کوئی تکلیف پہنچے تو اس وقت ان کو اپنے بناوٹی خدا اور معبود بھول جاتے ہیں پس وہ خدائے حقیقی کے دروازہ پر نہایت خشوع وخضوع سے دستک دیتے ہیں اور خدائے مہربان ان کی پُرخلوص دعاؤں کو سنتا ہے۔ پس ان کی تکلیف کو رفع فرماتا ہے اور جونہی ان کی مصیبت دور ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت ان کا

سہارا ملتی ہے تو فوراً اپنے شرک کی طرف پلٹ آتے ہیں پس خدا بھول جاتا ہے اور ہر خیر و خوبی کو اپنے مصنوعی معبودوں کی طرف منسوب کرنے میں ذرہ بھر شرم محسوس نہیں کرتے۔ کوئی کہتا ہے مجھے فلاں پیر نے شفا بخشی کوئی کہتا ہے میری فلاں بزرگ نے دستگیری کی اور کوئی کہتا ہے میری مشکل کشائی فلاں مرشد کی توجہ سے ہوئی اور ان اللہ کے بندوں میں سے کم ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی رحمت و مہربانی کا اعتراف کریں۔ اس کے بعد اللہ بطور تنبیہ کے فرماتا ہے اے شرک کرنے والو! بے شک اس چند روزہ زندگی کا محدود نفع اٹھالو آخر کار تم کو اس کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ پھر ایسے لوگوں کو شرم دحیا کی دعوت دیتے ہوئے سرزنش کے طور پر فرماتا ہے کہ کیا ایسے لوگوں کے پاس میری جانب سے کوئی اس قسم کا اجازت نامہ، دلیل و برہان یا حجت موجود ہے جو ان کو اس مشرکانہ رویہ کی دعوت دیتا ہو؟ یعنی ہرگز نہیں۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ :۔ آیتِ مجیدہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کو جو تکلیفیں پہنچتی ہیں وہ اس کی کسی نہ کسی غلطی کی پاداش میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ جب ان کو اپنے کرتوتوں کی سزا کے طور پر کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مایوسی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور ہاتھوں کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے اکثر اعمال میں چونکہ ہاتھوں کو ہی دخل ہوتا ہے اس لئے انسان کے تمام اعمال کو خواہ وہ کسی ہی عضو سے سرزد ہوئے ہوں۔ ہاتھوں کا کارنامہ کہا جاتا ہے اور تمام تر اعمال کا اصلی سرچشمہ اگرچہ دل ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ مخفی ہے اس لئے اس کی طرف نسبت نہیں دی جاتی۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ
اور جب ہم مزہ چکھائیں لوگوں کو رحمت کا تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور اگر پہنچے ان کو تکلیف بوجہ
بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ۝٣٦ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ
اس کے جو ان کے ہاتھوں نے بھیجا تو وہ فوراً مایوس ہو جاتے ہیں کیا نہیں دیکھتے کہ تحقیق اللہ
اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
ہی کھلا رزق دیتا ہے جسے چاہے اور وہی تنگی رزق دیتا ہے۔ تحقیق اس میں نشانیاں

يَبْسُطُ الرِّزْقَ :۔ آیتِ مجیدہ میں اللہ نے تقسیم رزق کا مسئلہ واضح فرمایا ہے کہ اللہ ہی جسے چاہے وسیع اور کشادہ رزق عطا فرماتا ہے اور وہی اللہ جسے چاہے تنگیٔ رزق میں مبتلا کرتا ہے اور اس حقیقت پر مشرکین مکہ بھی ایمان رکھتے تھے کہ رزق تقسیم کرنے والا خود اللہ ہی ہے وہ چاہے تو کسی کو امیر کر دیتا ہے اور چاہے تو کسی کو فقیر کر دیتا ہے نہ تقسیم رزق کا عہدہ کسی ملک کے پاس ہے اور نہ کسی نبی یا ولی کے پاس ہے۔ اسی لئے وسعتِ رزق کی دعا صرف اللہ ہی سے مانگی جاتی ہے اور وہی ایک سب کا کارساز ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی اپنے شیعوں کو یہی تعلیم دی ہے کہ جو کچھ مانگو اسی ذات سے مانگو اور ہمیں وسیلہ بنا کر مانگو

سب کا خالق و رازق وہی ایک خدا ہے ...

فدک کا ذکر

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی۔ تفسیر مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جناب رسالتمآبؐ نے فدک جناب فاطمہؑ کو دے دیا۔ تفسیر برہان میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب ابوبکر کی بیعت ہو چکی اور مہاجرین و انصار پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے فدک کو سرکاری املاک میں شامل کرتے ہوئے ایک سرکاری ملازم بھیج کر جناب فاطمہؑ کے کارندوں کو اراضی فدک سے بے دخل کر دیا۔ اس پر جناب فاطمہؑ نے ابوبکر کے پاس پہنچ کر اپنا احتجاج پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے رسولؐ اللہ سے ملنے والی وراثت مجھ سے کیوں چھین لی ہے اور فدک سے میرے کارندے کو کیوں نکال دیا ہے حالانکہ اللہ کے حکم کے ماتحت حضرت رسالتمآبؐ نے وہ مجھے عطا فرمایا تھا۔ پس ابوبکر نے بی بی کی اس درخواست کو قابل سماعت قرار دے کر ثبوت مہیا کرنے کے لئے آپ سے گواہ طلب کئے چنانچہ جناب ام ایمن بطور گواہ کی پیش ہوئی تو اس نے پیش ہوتے ہی شہادت دینے سے پہلے ابوبکر سے اپنی شخصیت تسلیم کرانے کے لئے پوچھا کیا تم کو پتہ ہے کہ جناب رسولِ خدا نے میرے متعلق فرمایا تھا کہ ام ایمن اہل جنت میں سے ہے؟ ابوبکر نے کہا کہ بے شک۔ اس کے بعد ام ایمن نے شہادت دی کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ نے رسول اللہؐ پر وحی کی فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ الخ تو آپؐ نے بی بی کو اللہ کے حکم کے مطابق فدک عطا فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ بطور گواہ پیش ہوئے

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں — پس دو صاحب قرابت کو اپنا حق — اور مسکین کو اور مسافر کو
ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۹﴾
بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو چاہتے ہیں قرب اللہ کا اور ایسے لوگ ہی چھٹکارا پانے والے ہوں گے

تو انہوں نے بھی ام ایمن کی طرح شہادت دی۔ پس ابوبکر نے بی بی کے حق میں فیصلہ کیا اور تحریر کر کے بی بی کے حوالہ کر دیا۔ اتنے میں عمر پہنچ گیا تو اس نے دریافت کیا کہ یہ تحریر کیسی ہے؟ تو ابوبکر نے جواب دیا کہ حضرت فاطمہؑ نے فدک کے متعلق دعوے دائر کیا تھا جس میں انہوں نے ام ایمن اور علیؑ سے شہادتیں لے کر اس کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے فیصلہ کی تحریر ان کے حوالے کر دی ہے۔ پس عمر نے وہ تحریر لے لی اور اس کو پھاڑ کر پھینک دیا اور کہا کہ یہ تمام مسلمانوں کا مال فئ ہے کیونکہ اوس بن حدثان، عائشہ اور حفصہ یہ لوگ گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا۔ اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ (یعنی ہم گروہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے کیونکہ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے) اس کا مکمل مفصل جواب تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۸ مذکور ہو چکا ہے۔ نیز جلد ۳ صفحہ ۹۸ وصفحہ ۹۰ پر اس بحث کا قدرے اعادہ کیا گیا ہے۔ امام نے حدیث مذکور پڑھنے کے بعد اس نے سرکاری وکیل کے طور پر بی بی کے گواہوں پر جرح کر کے ان کی گواہی کو ناقابل قبول قرار دیا کہ علیؑ چونکہ بی بی کا شوہر ہے اس لئے اس کی گواہی

کا کوئی وزن نہیں کیوں کہ اس میں اس کی ذاتی مصلحت ہے اور ام ایمن اگرچہ نیک عورت ہے لیکن ایک ہے اگر اس کے ساتھ کوئی اور گواہ ہوتا تو حکومت اس کی گواہی پر غور کرتی ان وجوہ کی بناء پر بی بی کا دعوےٰ خارج کئے جانے کے قابل ہے چنانچہ دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ اس کے بعد جناب فاطمہؑ فرط غم سے روتی ہوئی دربار خلافت سے باہر تشریف لائیں۔ پھر دوسری مرتبہ مسجد نبوی میں جب کہ مہاجر و انصار کی ایک خاصی جماعت موجود تھی حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ کے دعویٰ کو دھرایا اور نظر ثانی کے لئے ابوبکر کو متوجہ کیا اور احتجاج کے طور پر فرمایا اے ابوبکر تو نے فاطمہؑ کو رسول اللہؐ کی میراث سے کیوں محروم کیا ہے حالانکہ حضورؐ کے عین حیات بھی وہ جائداد جناب فاطمہؑ کے تصرف میں رہی ہے ابوبکر نے جواب دیا کہ وہ جائداد تمام مسلمانوں کا مال فئی ہے اگر صحیح شہادتیں ہو جائیں کہ رسولؐ خدا نے ان کو دے دیا تھا تو ٹھیک! ورنہ حکومت ان املاک کو ضبط کرنے اور بیت المال میں شامل کرنے میں حق بجانب ہوگی۔ آپ نے فرمایا مقدمات میں فیصلے کا طریقہ ان اصول کے خلاف ہے جو اللہ نے مسلمانوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں ابوبکر نے کہا میں بھی اسلامی اصول کے خلاف مقدمات کا فیصلہ نہیں کرنا چاہتا (مثال کے طور پر اصول یہ ہے اگر دو مسلمانوں کا ایک چیز کی ملکیت میں جھگڑا ہو اُن میں سے ایک قابض ہو اور دوسرا دعویٰ کرتا ہو کہ جس شخص کا قبضہ ہے وہ ناجائز قابض ہے اور درحقیقت اس کا مالک میں ہوں تو شرعی مجسٹریٹ کے سامنے اس صورت میں مدعی کو گواہ پیش کرنے ہوں گے اور جس کا قبضہ ہے اس سے گواہ طلب نہ کئے جائیں گے کیوں کہ اس کا قبضہ دلیل ملکیت ہے) آپ نے فرمایا اگر مسلمانوں کے قبضہ میں کوئی چیز ہو اور میں دعوےٰ کروں کہ یہ میری ہے تو تم کس فریق سے گواہ طلب کرو گے ابوبکر نے جواب دیا کہ آپ سے گواہ طلب کروں گا۔ پھر آپ نے فرمایا اگر میرے قبضہ میں کوئی چیز ہو اور مسلمان اس پر اپنی ملکیت کا دعوےٰ کریں تو گواہ کس فریق سے لئے جائیں گے۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ اس صورت میں گواہ مسلمانوں کو پیش کرنے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا پھر جناب فاطمہؑ سے تم نے کس اصول کے ماتحت گواہ طلب کئے ہیں حالانکہ اس جائداد پر ان کا قبضہ پرانا ہے اور رسولؐ خدا کے زمانہ سے وہ اس پر مالکانہ قبضہ رکھتی ہیں۔ ایسی صورت میں تمہیں چاہیے کہ مسلمانوں سے گواہ طلب کرو جس طرح اگر ان کا قبضہ ہوتا اور ہم دعوےٰ کرتے تو ہم سے گواہ طلب کرنا درست تھا۔ جب ابوبکر سے آپ کے استدلال کا جواب نہ بن سکا تو عمر نے کہہ دیا یا علیؑ آپ ان باتوں کو چھوڑیئے کیوں کہ ہمارے پاس آپ کے استدلال کا کوئی جواب نہیں۔ پس حکومت نے جو فیصلہ صادر کیا ہے وہی درست ہے۔ آپ اگر اپنے مدعیٰ پر عادل گواہ پیش کر سکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ وہ بالعموم تمام مسلمانوں کا مال فئی شمار ہوگا نہ آپ کو ملے گا اور نہ جناب فاطمہؑ کو دیا جائے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے عمر کی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ابوبکر سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم اللہ کی کتاب کو پڑھتے یعنی جانتے ہو اس نے کہا ہاں! آپ نے آیۂ تطہیر کی تلاوت فرمائی اور پوچھا کہ کیا یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی یا ہمارے غیر کے حق میں اُتری۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ یہ آیت مجیدہ آپ ہی کے حق میں اُتری ہے تو آپ نے فرمایا اگر دو گواہ تیرے سامنے آ کر جناب فاطمہؑ کی عصمت کے خلاف گواہی دیں تو کیا کرے گا۔ اس نے جواب دیا عام مجرموں کی طرح اس پر حد لگاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تیرا یہ فعل تجھے کافر بنا دے گا۔ اس نے پوچھا وہ کیسے تو آپ نے فرمایا ایسی صورت میں تُو نے اللہ کی گواہی کو ٹھکرا دیا جو اس نے بی بی کی عصمت پر

آیۂ تطہیر کی زبان سے شہادت دی ہے اور لوگوں کی گواہی کو قبول کر لیا جو بی بی کی عدم عصمت پر زبان کشائی کریں اور اب بعینہٖ وہی صورت ہے کہ تم نے اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کو ٹھکرا دیا کہ انہوں نے فدک جنابِ فاطمہؑ کے حوالہ کیا تھا اور حینِ حیاتِ پیغمبرؐ وہ اس پہ قابض بھی رہیں اور اوس بن حدثان جیسے اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے جاہل بدو ہی کی شہادت کو تم نے قبول کر لیا پس بی بی سے اس کا مال چھین کر مسلمانوں کے فیئ میں داخل کر لیا حالانکہ شرعی مجسٹریٹ کے لئے پیغمبرؐ کی خاص ہدایت موجود ہے۔ اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنِ ادُّعِیَ عَلَیْہِ یعنی گواہ مدعی سے مانگے جاتے ہیں اور جس کے خلاف دعویٰ دائر کیا جائے اس سے حلف لی جاتی ہے (بی بی کا قبضہ مالکانہ سابق تھا لہٰذا اس کو بے دخل کرنے والا مدعی اور بی بی مدعا علیہ تھی اور قانونِ اسلامی کی رُو سے گواہ مدعی کو پیش کرنے چاہیئں اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ ہونا چاہیے لیکن جہاں مجسٹریٹ خود مدعی ہو اور گواہ بھی نہ رکھتا ہو اور کرسیِ اقتدار پر قبضہ بھی ہو تو اُسے اپنی من مانی سے روکنے والا کون ہے؟ ایسی صورت میں عدل وانصاف کا خون کیوں نہ ہو جب کہ یک طرفہ فیصلہ کی صورت میں نہ کوئی فریاد سننے والا ہو اور نہ کسی سے دادرسی کی توقع ہو)

حضرت علی علیہ السلام کا ناقابلِ تردید استدلال سن کر پورے مجمع پر ایک سناٹا چھا گیا اور بعض لوگوں کی آنکھیں فرطِ غم واضطراب سے پُرنم ہو گئیں اور منصف مزاج لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ علیؑ نے جو کچھ فرمایا ہے درست ہے پس حضرت علیؑ واپس گھر تشریف لائے اور بی بی پاک نے قبرِ پیغمبرؐ پر جا کر ایک دردناک نوحہ پڑھا جو کتبِ تاریخ میں محفوظ ہے۔

حضرت ابوبکر بحالتِ سراسیمگی اپنے گھر پہنچے اور عمر کو اپنے پاس بلا کر کہنے لگے علیؑ نے آج مسجد میں ہمارے ساتھ جو باتیں کی ہیں وہ تو تم نے سُنی ہیں۔ بخدا اگر مجمع عام میں علیؑ نے ایک دفعہ پھر ہم سے اس قسم کی باتوں کو دھرایا تو ہمارے اقتدار کا تختہ اُلٹ جائے گا۔ اس کے سدِ باب کے لئے کوئی اچھی تجویز سوچنی چاہیئے تو عمر نے جواب دیا کہ اس کے قتل کی تجویز ہی سب سے بہتر ہے۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا کہ یہ بھار کون اٹھائے گا تو عمر نے کہا کہ خالد بن ولید سے ہی اس کی توقع کی جا سکتی ہے چنانچہ خالد کو منگوایا گیا اور اس کے سامنے اس خواہش کو دھرایا گیا اُس نے قبول کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ کام کس وقت انجام دوں تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ نمازِ فریضہ کے بعد چنانچہ تم علیؑ کے پہلو میں کھڑے ہو جانا اور میرے سلام کہنے کے فوراً بعد تلوار سے اُن کا کام تمام کر دینا۔

حضرت اسماء بنتِ عمیس زوجۂ حضرت ابوبکر یہ باتیں سُن رہی تھی چنانچہ اس نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ حضرت علیؑ کے پاس جا کر یہ آیت پڑھو۔ اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِکَ لِیَقْتُلُوْکَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَکَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو حضرت موسیٰؑ کے قبطی کو قتل کرنے کے بعد فرعونی حکومت کی جانب سے حضرت موسیٰ کی گرفتاری وقتل کا فیصلہ سن کر مومن آلِ فرعون نے حضرت موسیٰؑ سے کہے تھے (کہ سردارانِ قوم تیرے قتل کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ پس تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں) حضرت علیؑ نے آیتِ مجیدہ کا مفہوم سمجھ کر جواب دیا کہ جا کر اپنی سیدہ سے کہو کہ اللہ ان کو اس اقدام کی جرأت سے محروم رکھے گا۔ چنانچہ نماز کا وقت ہوا اور آپ وضو کر کے مسجد میں تشریف لائے اور خالد بن ولید آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا (ظاہری

صورت میں حضرت علیؑ صفِ جماعت میں کھڑے تھے اگرچہ ان کی اپنی نیت انفرادی تھی کیونکہ معصوم غیر معصوم کی اقتدا نہیں کر سکتا) جب حضرت ابوبکر تشہد میں بیٹھے تو خیال پیدا ہوا کہ حضرت علیؑ کو اگر قتل کر دیا گیا تو ایک فسادِ عظیم کھڑا ہو جائے گا اور ایسا فتنہ رونما ہو گا کہ اس کا قلع قمع مشکل ہو گا اور اسی سوچ میں پڑ کر تشہد کو اس قدر طول دیا کہ لوگوں کو اس کے نسیان کا شبہ ہونے لگا پس سلام پڑھنے کے بجائے خالد کی طرف متوجہ ہو کر حکم دیا اے خالد جو میں نے تم کو حکم دیا تھا وہ کام نہ کرنا پھر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الخ

اختتامِ نماز کے بعد حضرت علیؑ نے خالد سے دریافت کیا وہ کیا کام تھا جس کا تجھے حکم دیا گیا تھا اس نے کہا کہ مجھے تیری گردن اڑانے کا حکم دیا گیا تھا آپ نے فرمایا کیا تو اس کی تعمیل کو تیار تھا؟ اس نے کہا ہاں خدا کی قسم اگر اس کا اختتامی حکم نہ ہوتا تو سلام کے بعد میں نے آپ کو قتل کر دیا ہوتا حضرت علیؑ نے اس کو پکڑ لیا اور بلند کر کے زمین پر پٹاخ دیا چنانچہ لوگوں نے بیچ پڑ کر اسے چھڑا لیا اس کے بعد آپ عمر کی طرف مخاطب ہوئے اور اس کے گلے سے پکڑ کر فرمایا اے ابنِ صہاک اگر میرے ساتھ رسولِ خدا کا عہد نہ ہوتا (یعنی مجھے صبر کی تلقین نہ کی گئی ہوتی) تو تمہیں پتہ چل جاتا کہ ہم میں سے کمزور کون ہے! پس آپ اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے۔

ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۔ آیتِ مجیدہ میں خطاب اگرچہ حضرت رسالتمآبؐ کی طرف تھا لیکن حکم میں ساری امت کے افراد شریک ہیں اور سب کو اقربا پروری وصلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے اور آخر میں فرمایا کہ قریبیوں رشتہ داروں مسکینوں اور مسافروں کو اپنے حقوق دینا اللہ کے نزدیک کارِ خیر ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جو حقوق کی ادائیگی خوشنودیٔ پروردگار کے لئے کریں نہ کہ نامورِی یا ریاکاری یا دیگر اغراضِ فاسدہ کے لئے مثلاً خیرات دے کر کسی سے بیگار لینا یا اس سے کسی دوسرے رنگ میں بدلہ کی امید رکھنا۔ ایسی خیرات تضییعِ مال ہے نہ کہ کارِ ثواب اسی لئے آخر میں فرمایا کہ خوشنودیٔ خدا کے لئے حقوق ادا کرنے والے لوگ ہی آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہوں گے

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ
اور وہ جو تم عطا کرو سودی روپیہ تاکہ بڑھے لوگوں کے مالوں میں تو وہ نہ بڑھے گا اللہ کے نزدیک
وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ
اور وہ جو تم عطا کرو خیرات کہ چاہتے ہو اللہ کی خوشنودی تو ایسے لوگ کئی گنا بدلہ کے مستحق ہوتے ہیں

سودخوری

وَمَآ اٰتَيْتُمْ ۔ اگر ہمزہ پر مد ہو اور بابِ افعال کی ماضی ہو اس کا معنی اَعْطَيْتُمْ ہوا کرتا ہے اور اگر ہمزہ چھوٹا ہو اور مجرد کی ماضی ہو تو دَجِئْتُمْ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور لفظ مذکور میں دونوں قرائتیں پائی جاتی ہیں لیکن بابِ افعال سے پڑھنا معنی کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے۔

سود کی لین دین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حلال اور دوسری حرام۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو قرض دے اور ادائیگی میں زیادتی کی شرط نہ لگائے لیکن مقروض شخص ادا کرتے وقت اپنی جانب سے کچھ زیادہ دے دے تو یہ حرام نہیں ہے بلکہ حلال ہے اگرچہ قرض دینے والے کا دل بھی قرض دیتے وقت چاہ رہا ہو کہ مجھے بڑھا کر واپس دیا جائے لیکن اس چاہت کو بطورِ شرط کے

زیادہ پڑھ لایا ہو تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو تحفہ یا ہدیہ اس نیت سے دے کہ وہ اس سے کچھ بڑھا کر دے گا تو اس قسم کی بڑھوتری حلال ہے لیکن اس میں نہ ثواب ہے نہ عقاب۔ ترجمہ مقبول کے حاشیہ پر تفسیر قمی اور کافی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سود حلال وہ ہے جو ایک شخص دوسرے شخص کو قرض اس لالچ پر دے کہ وہ بوقت ادائیگی کچھ بڑھا کر دے گا لیکن زبانی طور پر اس کی شرط نہ لگائے پس زیادتی ملنے پر حرام نہ ہوگی اور سود حرام وہ ہے جو قرض دیتے وقت ادائیگی میں زیادتی کو مشروط کر دے۔ آیت مجیدہ میں سود کی پہلی قسم کا تذکرہ ہے کہ تم جو قرض اس نیت سے دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں اس کی بڑھوتری ہوگی تو ایسے مال میں اللہ کے نزدیک کوئی ترقی نہیں ہوتی نہ مالی لحاظ سے اور نہ ثواب کے لحاظ سے اور آیت مجیدہ میں چونکہ دینے والے کی نیت میں ربا کو اہمیت حاصل ہے بلکہ ایسا لالچی انسان دوسرے کو قرض دیتا ہی اس بڑھوتری کے لالچ میں ہے پس اسی مناسبت سے قرض دیئے جانے والے روپے کو بنا بر تغلیب کے ربا سے تعبیر کر دیا گیا ہے بنا بریں بنکوں سے حاصل ہونے والا سود جب کہ روپیہ جمع کراتے وقت اس کی شرط نہ کی جائے قسم اول سے شمار ہوگا اور حرام نہ ہوگا۔ اور سیونگ حساب میں بنکوں نے اپنے مقام پر پہلے کیا ہوا ہوتا ہے کہ روپیہ جمع کرانے والے کو اس قدر بڑھوتری دی جائے گی اور جمع کرانے والا اپنے روپے کی حفاظت کی خاطر یا دیگر اغراض کے پیش نظر اپنا روپیہ جمع کراتا ہے اور اگرچہ اس کی نیت ہوتی ہے کہ مجھے بڑھوتری دی جائے اسی لئے تو سیونگ حساب کھولتا ہے لیکن چونکہ اس کی جانب سے شرط نہیں ہوتی اس لئے یہ بڑھوتری حرام نہ ہوگی خلاصہ یہ کہ بڑھوتری وہی حرام ہے جو روپیہ دیتے وقت بڑھوتری کی شرط کی جائے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ۔ یعنی جو تم اللہ کی خوشنودی کے لئے زکوٰۃ و صدقات فقرا و مساکین کو دیتے ہو وہ اللہ کے نزدیک چند در چند زیادہ ہوتی ہے اور کم از کم اس کی زیادتی ایک کے بدلے میں دس اور زیادہ کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ اور چونکہ یہ ربا کے مقابلے میں ہے اس لئے مناسب یہ ہوگا کہ اس سے مراد وہ روپیہ ہو جو قرضہ کے طور پر کسی صاحب احتیاج کو دیا جائے اور نیت بڑھوتری کی نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر ہی صاحب حاجت کی حاجت روائی کی ہو تو اللہ کے نزدیک اس کا درجہ بلند ہے اور اس کا بدلہ صدقہ میں دیئے ہوئے روپے سے بھی زیادہ ملے گا چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دروازہ بہشت پر لکھا ہے صدقہ دینے میں ایک کا بدلہ دس اور قرضہ حسنہ دینے میں ایک کا بدلہ اٹھارہ ملے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ
اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا پھر تم کو مارے گا پھر تم کو زندہ کرے گا کیا کوئی ہے
شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۱
تمہارے شریکوں میں سے جو ان امور سے کسی کو انجام دے سکے پاک ہے اللہ اور بلند ہے اس سے جو تم شرک کرتے ہیں

دلیل توحید

اَللّٰهُ الَّذِيْ۔ خدائے عزوجل نے اس مقام پر دلیل توحید کو پھر دہرایا ہے کہ اللہ وہ

ہے جو خلق رزق موت وحیات کا مالک ہے اس کے بعد چیلنج کے طور پر مشرکین کو تنبیہہ فرماتا ہے کہ جن کو تم لوگ خالق و رازق یا موت و حیات کا مالک تصور کرتے ہو اور بوقت حاجت ان کو پکارتے اور کوئی چیز مانگتے ہیں مشکلکشا اور حاجت روا سمجھ کر ان کی طرف رجوع کرتے ہو تو خود انصاف وخرد کی روشنی میں جواب دو کہ ان میں سے کوئی بھی مذکورہ بالا امور میں سے کسی ایک کو انجام دینے کی قدرت رکھتا ہے یقیناً تمہیں اپنی ضمیر جواب دے گی کہ اللہ کے سوا کوئی بھی ایسی ذات نہیں جو خلق رزق اور موت وحیات پر قدرت رکھتی ہو۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ اللہ کے علاوہ بندگانِ خدا کو خلق رزق یا موت وحیات کا مالک سمجھیں، خواہ ان کا یہ عقیدہ کسی دشمنِ خدا کے متعلق ہو جیسے نمرود وفرعون کے حمایتی یا ان کا یہ عقیدہ کسی نبی ورسول کے متعلق جیسے نصرانیوں کا حضرت عیسیٰ کے متعلق یا کسی امام و ولی کے متعلق ہو جیسے غلاۃ و مفوضہ کا حضرت علی کے متعلق تو ایسے لوگ قرآن کے نقطۂ نظر سے مشرک ہیں کیونکہ اللہ کے بعض بندوں کے متعلق میں وہ اس کے بندوں کو اس کا شریک مانتے ہیں اور اللہ پاک و پاکیزہ اور بلند و بالا ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

ظاہر ہوا فساد خشکی اور تری میں بوجہ اس کے جو کمایا لوگوں نے تاکہ چکھائے

لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾ قُلْ

ان کو (سزا) بعض بد اعمالیوں کی تاکہ وہ پلٹیں کہہ دیجئے پھرو

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ

زمین میں تو دیکھو کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو پہلے تھے

مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ

کہ اکثر ان میں سے شرک کرنے والے تھے پس قائم کرو اپنی ذات کو دین

رکوع ۵ ظَهَرَ الْفَسَادُ اکثر مفسرین نے بر سے مراد وہ مقامات لئے ہیں جو ظاہری ذرائع آبپاشی سے دور ہیں مثلاً ریگستانی و پہاڑی بارانی علاقے اور بحر سے مراد وہ مقامات لئے ہیں جن کے ذرائع آب پاشی مہیا ہوں مثلاً نہری علاقے اور ساحلِ دریا کے قریبی علاقے۔ اور فساد کے ظہور کے متعلق بھی کئی اقوال ہیں (۱) قحط سالی کا رونما ہونا (۲) گناہوں کا عام ہونا (۳) حکام جور کا تسلط (۴) کشت وخون کا بازار گرم ہونا یعنی لوگوں کے کرتوتوں اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے خدا بحر و بر یعنی خشکی و تری اور نہری و بارانی تمام علاقوں میں ان کو مذکورہ بالا امور میں سے بعض میں یا سب میں گرفتار کر لیتا ہے تاکہ ان کو اپنے بعض کرتوتوں کی سزا بھی مل جائے اور سنبھلنے کا موقعہ بھی دستیاب ہو پس توبہ کی طرف رجوع کریں اور گرفتارانِ عذاب سے عبرت حاصل کر کے

خوف خدا کو دل میں جگہ دیں۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے گناہوں کی تیرہ اقسام منقول ہیں جن میں سے ہر قسم ایک قسم کے عذاب کو اپنے ساتھ لاتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا (پہلی قسم) وہ گناہ جو زوالِ نعمت کے لئے باعث بنتے ہیں (چار ہیں) لوگوں پر سرکشی کرنا۔ نیکی اور احسان کی عادت کو ترک کرنا۔ کفرانِ نعمت اور ترک شکر کرنا (دوسری قسم) وہ گناہ جو ندامت کے باعث بنتے ہیں (چھ ہیں) قتل نفس محترم۔ صلہ رحمی کو ترک کرنا۔ نماز کو ترک کرنا یہاں تک کہ قضا ہو جائے مرنے سے پہلے وصیت نہ کرنا۔ لوگوں کے حقوق [illegible] یہاں تک کہ موت آجائے اور زبان بولنے سے رک جائے۔ (تیسری قسم) وہ گناہ جن کا خدا انتقام لے لیتا ہے (تین ہیں) [illegible] پر بغاوت کرنا۔ لوگوں سے متکبرانہ انداز سے پیش آنا۔ لوگوں سے تمسخر کرنا (چوتھی قسم) وہ گناہ جو رزق کی بندش کا باعث بنتے ہیں (پانچ ہیں) لوگوں کے سامنے اپنا فقیر ہونا ظاہر کرنا نماز عشاء پڑھے بغیر سو جانا۔ صبح کی نماز کا وقت نیند میں گزار دینا۔ خدا کی نعمتوں کو حقیر سمجھنا۔ اللہ کا شکوہ کرنا (پانچویں قسم) وہ گناہ جو بے عزتی و بے حرمتی کا باعث ہوتے ہیں (چار ہیں) شراب پینا۔ جوا کھیلنا۔ بیہودہ گوئی، مزاح و مسخری اور عیب جوئی کے ذریعے لوگوں کو ہنسانا۔ دشمنانِ دین کی مجلس میں بیٹھنا (چھٹی قسم) وہ گناہ جو کسی مصیبت کا باعث بنتے ہیں (وہ ہیں) کسی مصیبت زدہ کی مدد کر سکنے کے باوجود اس کی فریاد رسی نہ کرنا اور مظلوم کی مدد کر سکنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرنا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ضائع کرنا (ساتویں قسم) وہ گناہ جو دشمنوں کے غالب ہو جانے کا سبب بنتے ہیں (پانچ ہیں) کھلم کھلا ظلم کرنا۔ اعلانیہ بدکاری کرنا۔ حرام کو مباح جاننا۔ نیک لوگوں کی مخالفت کرنا اور بدکاروں کی تابعداری کرنا (آٹھویں قسم) وہ گناہ جو موت کے قریب کرتے ہیں (چھ ہیں) قطع رحمی کرنا۔ جھوٹی قسم کھانا جھوٹ بولنا۔ زنا کرنا۔ مسلمانوں کا راستہ روکنا اور حق کے بغیر امامت کا دعویٰ کرنا (نویں قسم) وہ گناہ جو اللہ سے امید کا رشتہ کاٹ دیتے ہیں (چار ہیں) اللہ کے درگزر سے مایوس ہونا۔ خدا کی رحمت سے بے امید ہونا۔ غیر اللہ پر بھروسہ کرنا اور اللہ کے وعدے کو جھٹلانا۔ (دسویں قسم) وہ گناہ جو ہوا کو تاریک کرتے ہیں (پانچ ہیں) جادوگری۔ کہانت۔ نجومیوں کی باتوں پر ایمان رکھنا۔ تقدیر کو جھٹلانا اور والدین کی نافرمانی کرنا (گیارھویں قسم) وہ گناہ جو انسان کے وقار کو ختم کرتے ہیں (چھ ہیں) اس نیت سے قرضہ لینا کہ واپس نہ دوں گا۔ بُرے کاموں پر

الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ

صحیح کے لیے پہلے اس سے کہ آجائے وہ دن جس کو کوئی ٹالنے والا نہیں اللہ سے۔ اس دن الگ

يَصَّدَّعُونَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا

الگ ہو جائیں گے۔ کہ جس نے کفر کیا تو اس پر کفر کی سزا ہوگی اور جس نے اچھائی کی تو وہ اپنے

فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

نفسوں کے لئے بستر بچھا رہے ہیں۔ تاکہ بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے اور عمل نیک بجا لائے

فضول خرچی کرنا۔ اہل وعیال و بچوں و قریبیوں پر بخل کرنا۔ بدخلقی۔ بے صبری۔ تنگ دلی و بے رُخی اور دین دار لوگوں کی توہین کرنا۔ (بارھویں قسم) وہ گناہ جو دعاؤں کی عدم مقبولیت کا باعث بنتے ہیں (آٹھ ہیں) بُری خواہش۔ بدباطنی۔ برادری کے ساتھ منافقت لوگوں کی بات پر باور نہ کرنا۔ نماز واجبہ کا وقت ضائع کرنا۔ نیکی کرتے وقت نیت خوشنودیٔ خدا نہ کرنا۔ صدقہ و خیرات ترک کرنا اور بدکلام و بدزبان ہونا (تیرھویں قسم) جو گناہ جو بارانِ رحمت کی رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں (گیارہ ہیں) قاضیوں اور مجسٹریٹوں اور ججوں کا فیصلہ کرنے میں ناانصافی کرنا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ حق کی گواہی کو چھپانا۔ زکوٰۃ نہ ادا کرنا۔ قرض واپس نہ کرنا۔ معمولی معمولی چیزوں سے ہمسایوں کی حاجات کو پورا نہ کرنا۔ فقیروں و فاقہ مستوں سے سخت دلی کا مظاہرہ کرنا۔ یتیم پر ظلم کرنا۔ بیواؤں کو نظر انداز کرنا۔ سائل کو جھڑکنا اور رات کو آنے والے سائل کو خالی واپس کرنا۔

بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ گناہ جو زوالِ نعمت کا باعث ہے وہ بغاوت ہے۔ وہ گناہ جو ندامت کا باعث ہے وہ نفسِ محترمہ کا قتل ہے وہ گناہ جو انتقام کا پیش خیمہ ہے ظلم ہے۔ وہ گناہ جو بے عزتی کا باعث ہے شراب نوشی ہے۔ وہ گناہ جو تنگیٔ رزق کا باعث ہے ریاکاری ہے۔ وہ گناہ جو موت کو قریب کرتا ہے قطع رحمی ہے اور وہ گناہ جو دعا کی نامقبولیت کا باعث ہے اور ہوا کو تاریک کرتا ہے (عذابِ خداوندی کو قریب کرتا ہے) وہ والدین کی نافرمانی ہے۔

ایک روایت میں آپ نے فرمایا چار چیزیں چار چیزوں کو لاتی ہیں۔ زناکاری زلزلوں کو لاتی ہے۔ فیصلوں میں ناانصافی بارانِ رحمت کی بندش کو لاتی ہے۔ عہد شکنی اہلِ شرک کے اہلِ اسلام پر غلبہ کو لاتی ہے اور زکوٰۃ نہ ادا کرنا۔ فقر و احتیاج کو لاتی ہے۔

اتفاق سے جب میں اس آیتِ مجیدہ کی تفسیر تک پہنچا ہوں تو اُدھر بھارتی حکمرانوں کے ناپاک عزائم کا پردہ چاک ہو گیا کہ انہوں نے اپنے جارحانہ اقدامات میں معتدبہ اضافہ کر دیا اور مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر متعدد مقامات سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ ایک بھاری جمعیت کے ساتھ حملہ کر دیا اگرچہ پاکستان کے جانباز و جیالے فوجی نوجوانوں اور قومی مجاہدوں نے انہیں پاک سرزمین میں قدم جمانے نہ دیا چنانچہ بھاری جانی و مالی نقصان اٹھا کر دُم دباتے ہوئے واپس بھاگے۔ تاہم ان کی گیدڑ بھبکیوں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور پاکستان کی سرحدوں کی طرف ان کی للچائی ہوئی نگاہیں ابھی تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہیں۔ اس سنگین صورتِ حال کے پیشِ نظر صدرِ پاکستان جنرل محمد یحییٰ خان نے پرسوں بتاریخ ۲۲ نومبر ۱۹۷۱ء بروز منگل وار مطابق ۴ شوال ۱۳۹۱ھ ایک بجے دوپہر پورے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا۔

ملکی ہمہ گیر فساد کی یہ کیفیت آیتِ مجیدہ کی روشنی میں مسلمانوں کو اپنے کردار پر نظرِ ثانی کی دعوت دے رہی ہے۔ قرآنِ مجید کے فرمان کے پیشِ نظر اس قسم کے فسادات لوگوں کی بداعمالیوں کی سزا کے طور پر رُونما ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کو بعض کردہ گناہوں کی سزا مل جائے اور آئندہ کے لئے توبہ کرنے اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا درس حاصل ہو۔

قُلْ سِيْرُوْا۔ اس آیتِ مجیدہ میں پروردگار نے اپنے بندوں کو زمین میں سیر کرنے کی دعوت دی ہے کہ بے شک جغرافیائی طور پر زمین کے چپے چپے کا تاریخِ عالم کی روشنی میں جائزہ لو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ میری ہدایات کے مقابلہ میں اپنے من گھڑت

لیڈروں کی چکنی چپڑی باتوں سے فریب خوردہ عوام نے ہر دور میں کس طرح دھوکا کھایا اور کس طرح بالآخر عذاب میں مبتلا ہوئے۔ عمل یا عقیدہ میں میرے ساتھ شرک کرنے والوں کا انجام ہمیشہ سے یہی ہوتا ہے کہ جرم و گناہ کی بدترین عادات میں گرفتار ہو کر عذاب کی وادی میں کود جاتے ہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ۔ اس سے قبل آیت ۳۱ میں یہی ارشاد فرمایا کہ دوسرے تمام خیالات و مذاہب کو چھوڑ کر دینِ خداوندی کے پُرامن دامن میں جمع ہو جاؤ اور اسی کی تعلیمات کو دستورِ زندگی قرار دو۔ یہ اللہ کا فطری دین ہے اور اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی اور یہی تمہارے لئے صراطِ مستقیم ہے۔ پس اپنی تمام تر خواہشات کو اسلام کی مقدس تعلیمات کے قالب میں ڈھالتے جاؤ تو نہ کوئی فساد ہوگا اور نہ بدامنی اور عیش و آرام کی زندگی اور نفس کا سکون و اطمینان تمہارے لئے دنیاوی جنت کا سماں پیدا کرے گا۔ اللہ کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو اور اس جادۂ حق اور صراطِ مستقیم سے اِدھر اُدھر جانے سے باز آجاؤ۔ اس کے بعد اپنے بعض احسانات کا ذکر فرمایا اور معاشرتی لین دین میں اچھا رویہ اختیار کرنے کی دعوت دی اور اپنی توحید کو واضح فرمایا۔ پھر خدائی تعلیمات سے انحراف کرنے کے مفاسد ذکر فرمائے کہ خشکی و تری میں جہاں کہیں بھی فسادات کی آگ بھڑک اٹھتی ہے وہ دراصل لوگوں کی بداعمالی اور احکامِ خداوندی کی پامالی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے اور تاریخِ عالم کا جو ورق پلٹ کر دیکھو گے اور جغرافیائی طور پر جس خطۂ ارضی پر انسانی خون کی ارزانی کی دردناک داستان سنو گے اس کا پس منظر تمہیں یہی نظر آئے گا کہ ہدایاتِ خداوندی سے انحراف ہی ان مصائب کا باعث بنا اسی بنا پر اس نے اپنے پیغمبر کے وجودِ مسعود کو عالمین کے لئے رحمت قرار دیا کیوں کہ ان کی تعلیمات امن و سکون کا پیغام تھیں اور ان کو نظر انداز کرنا فتنہ و فساد کا پیش خیمہ ہے۔ اس آیتِ مجیدہ میں پھر اپنے ارشاد کو دہراتے ہوئے فرماتا ہے کہ اپنے رُخ کو اور اپنی تمام تر توجہات کو دینِ خداوندی پر مرکوز کرو اور عذابِ پروردگار کے نزول سے پہلے سنبھل جاؤ کیوں کہ اس ایک راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ ہے ہی نہیں جو انسانوں کے اضطرابات و ہیجانات و رجحانات میں صحیح توازن پیدا کر کے عالمِ انسانیت کو امن کا پیغام دے سکے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ۔ خداوندِ کریم نے یہاں بعض آثارِ قدرت بیان کر کے اہلِ ایمان کو اپنی نعمات جتلاتے ہوئے شاکر بننے کی دعوت دی ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بارانِ رحمت سے پہلے ایسی ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی آمد کے لئے خوشخبری کا کام دیتی ہیں۔

مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ

اپنے فضل سے تحقیق وہ نہیں دوست رکھتا کافروں کو اور اس کی آیات میں سے ہے کہ بھیجتا ہے

الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ

ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لئے اور تاکہ چکھائے تم کو اپنی رحمت سے اور تاکہ جاری ہوں کشتیاں

وَلِيُذِيْقَكُمْ۔ اس کا عطف مُبَشِّرٰتٍ پر ہے معنی کے لحاظ سے کیوں کہ وہ لِيُبَشِّرَكُمْ کے معنی میں ہے یعنی بارش کے پہلے چلنے والی ٹھنڈی

ہوائیں تمہیں پانچ فائدے پہنچاتی ہیں۔ (۱) قحط سالیوں اور مسلسل مایوسیوں کے بعد تمہارے لئے وہ مژدہ جانفزا بنتی ہیں (۲) اپنے پیچھے بارانِ رحمت لاتی ہیں (۳) دریاؤں نالوں اور وادیوں میں پانی کی کثرت کی وجہ سے کشتی رانی کی آسانی ہوتی ہے جو مال و متاع کے نقل و حمل میں سہولت کی باعث ہے (۴) زمین کی آبادی کے بعد رزق کی ارزانی و فراوانی ہو جاتی ہے۔ (۵) یہ سب امور تمہارے

بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَقَدْ

اس کے امر سے اور تاکہ تلاش کرو اس کے رزق میں سے اور تاکہ تم شکر کرو اور تحقیق بھیجے

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

ہم نے تجھ سے پہلے رسول اپنی قوموں کی طرف تو وہ آئے ان کے پاس دلیلیں لے کر پس

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

انتقام لے لیا ہم نے ان لوگوں سے جنہوں نے جرم کیا اور ہے حق ہمارے اوپر مومنوں کی مدد کرنا

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ

اللہ وہ ہے جس نے بھیجیں ہوائیں پس اٹھاتی ہیں بادلوں کو پس پھیلاتا ہے اس کو آسمان

كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ

میں جس طرح چاہے اور کرتا ہے اس کو ٹکڑے ٹکڑے پس دیکھتے ہو تم بارش کے قطرات

خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ

ٹپکتے ہیں اس سے پس جب وہ برسے جس پر وہ چاہے اپنے بندوں میں سے تو وہ خوش

لئے کھلی ہوئی دعوت کا پیغام ہیں کہ اللہ کا شکر کرو جو ان چیزوں پر قادر ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ :۔ اس مقام پر ہوا کا دوسرا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ ہوا اپنی طاقت سے بادلوں کو اٹھاتی ہے اور فضائے آسمانی میں بکھیرتی ہے جس طرح اللہ کی مشیت ہو

كِسَفًا :۔ اس کا معنی ٹکڑے ٹکڑے یا تہ بہ تہ بیان کیا گیا ہے۔ پس ہوائیں اللہ کے امر کے تابع ہیں کہ بادلوں کو اس کی مشیت و حکمت کے ماتحت کہیں گھنا کہیں ہلکا کر کے پھیلاتی ہیں اور پھر اللہ کی قدرت و حکمت کا تماشا دیکھو کہ انہیں بادلوں سے پانی کے قطرات پے در پے ٹپکنا شروع ہوتے ہیں اور متواتر و مسلسل شب و روز برسنے کے بعد ان میں کمی واقع نہیں ہوتی اور انسانی عقول سے اس امر کا سمجھنا نہایت دشوار ہے کہ اس قدر پانی کہاں رکا ہوا تھا جو لگاتار برستا رہا پس یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کی نشانیاں ہیں اور وہ بیشک ان تمام امور پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے اور اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ جو اللہ بارش بھیج کر مردہ زمین کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر

ہے وہی انسانوں کو مرجانے کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ

اگرچہ وہ تھے پہلے اس سے کہ وہ برسے ان پر پہلے ہرتے ہیں

قَبۡلِہٖ لَمُبۡلِسِیۡنَ ﴿۵۰﴾ فَانۡظُرۡ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰہِ کَیۡفَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ

اس سے مایوس پس دیکھو طرف آثارِ رحمت خدا کے کس طرح زندہ کرتا ہے زمین کو بعد

بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۚ وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۵۱﴾

موت کے تحقیق وہ البتہ زندہ کرنے والا ہے مردوں کو اور وہ ہر شے پہ قادر ہے

﴿۵۲﴾ وَلَئِنۡ اَرۡسَلۡنَا رِیۡحًا فَرَاَوۡہُ مُصۡفَرًّا لَّظَلُّوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ یَکۡفُرُوۡنَ

اور اگر ہم بھیجیں ہوا کر پس دیکھیں اس کو زرد تو ہو جاتے ہیں اس کے بعد کافر

فَاِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا

پس تحقیق تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہ سنا سکتا ہے بہروں کو آواز جب وہ چلے جائیں

مُدۡبِرِیۡنَ ﴿۵۳﴾ وَمَاۤ اَنۡتَ بِہٰدِ الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِہِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ

پیٹھ پھیر کر اور نہ تو ہدایت کر سکتا ہے گمراہی سے اندھوں کو۔ تو نہیں سنا سکتا مگر

اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَہُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۵۴﴾ ع

ان کو جو ہماری نشانیوں پر ایمان لائیں اور ماننے والے ہوں

وَلَئِنۡ اَرۡسَلۡنَا۔ یعنی اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں جو زرد رنگ کی ہو جس میں بارش کی خوشخبری نہ ہو تو لوگ مایوسی کا شکار ہوکر کافر ہونے لگتے ہیں یا یہ کہ جب زمین کی سرسبزی و شادابی کے بعد ہم ہوا بھیج دیں جو تر و تازہ کھیتوں کو زرد رنگ کا بنا دے تو وہ اپنے فصلوں کی بربادی دیکھ کر ناسپاس گزار ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ اللہ کا کوئی کام بغیر مصلحت و حکمت کے نہیں ہوا کرتا۔

لَا تُسۡمِعُ۔ نصیحت کے کلمات نہ سننے والوں کی مُردوں سے تشبیہ دی اور غور نہ کرنے والوں کو بہروں سے تشبیہ دی اور آیاتِ خداوندی کو آنکھوں سے دیکھ کر بصیرت کی آنکھوں پر پٹی باندھنے والوں کو اندھوں سے تشبیہ دی اور فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کی نصیحت پر مامور ہیں لیکن جبری طور پر ان سے منوانے کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہے لہٰذا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ کے دلائل سننے اور سمجھنے کی توفیق ان ہی لوگوں کو ہوتی ہے جو یقین و ایمان کی دولت اپنے

اندر رکھتے ہوں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ

اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا کمزوری سے پھر اس نے کمزوری کے بعد طاقت دے دی پھر

ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً

اس نے طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿٥٥﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور وہ علم وقدرت والا ہے اور جس دن قائم ہوگی

السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ

قیامت قسم کھائیں گے مجرم لوگ کہ نہیں ٹھہرے (قبروں میں) زیادہ ایک گھنٹہ سے

كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿٥٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ

اسی طرح وہ بھٹکے ہوئے تھے اور کہا ان لوگوں نے جو علم و ایمان دیئے گئے

رکوع ۹ اَللّٰهُ الَّذِیْ :- آیت مجیدہ میں پروردگار نے انسان کو اپنی پیدائش اور نشوونما کے مراتب کی طرف متنبہ فرمایا ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے ایک کمزور مادہ (منی) سے تم کو پیدا کیا پھر بچپنے کی کمزوریوں کے بعد تم کو اس نے جوانی کی توانائی عطا فرمائی اور اس کے بعد پھر اس نے تم کو ضعیفی ولاغری کی حدود تک پہنچایا اور تمہارا یہ انقلاب وتغیر خود تمہارے لئے مہمیز عبرت قرار دیا تاکہ اپنی ابتداء و انتہا پر غور کرنے کے بعد اپنے خالق حکیم اور صانع مدبر کی نعمات متکاثرہ و متواترہ کا شکر ادا کر سکو۔ نیز ان حالات کا بدلنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اللہ جو ہمارے جملہ حالات پر علم وقدرت کے لحاظ سے پوری طرح حاوی ہے۔ وہی ہمارے وجود کا خالق ہے

يَوْمَ تَقُوْمُ :- یعنی جب محشر کے دن مجرم لوگ اٹھائے جائیں گے تو اس دن کے طول کی وجہ سے ان کو برزخ کی رہائش بالکل مختصر معلوم ہوگی وہ یہ سمجھیں گے کہ ہم تو عالم برزخ میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ٹھہرے ہیں یعنی قبر میں داخلے کے بعد جو عذاب ہوگا۔ اس کے بعد قیامت تک کی طولانی مدت ان کو ایک گھنٹہ سے کم معلوم ہوگی تو علم وایمان والے یعنی فرشتے یا انبیاء یا مومنین ان سے کہیں گے کہ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کے مطابق تو موت سے لے کر محشور ہونے تک عالم برزخ میں رہے ہو اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قیامت کے مقابلہ میں ان کو دنیاوی زندگی ایک گھنٹہ سے کم معلوم ہوگی۔

يَطْبَعُ اللّٰهُ :- [۱۲۶] مہر اور ختم کی تفسیر وتاویل تفسیر کی دوسری جلد خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ الخ کے ذیل میں ملاحظہ ہو خداوند کریم

نے اپنی مقدس کتاب میں ادائے توحید کو مختلف طرق سے قابلِ قبول مثالیں دے کر اس طرح واضح فرمایا ہے کہ طالبِ حق اور منصف مزاج انسان کے لئے ذرہ بھر پس وپیش کا مقام باقی نہیں رہتا۔ تفسیر برہان میں بروایتِ کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں منقول ہے جہاں آپ نے اثباتِ صانع پر استدلال قائم فرمایا تو ابن ابی العوجا نے اعتراض کیا کہ اس بات میں کیا قباحت تھی کہ خدا خود مخلوق کے سامنے ظاہر ہو کر ان کو اپنی عبادت کی دعوت دیتا اگر ایسا کرتا تو کوئی بھی اس کی مخالفت نہ کرتا۔ وہ خود تو پوشیدہ ہو گیا اور رسول بھیج دیئے۔ اس سے تو بہتر تھا کہ خود بنفسِ نفیس دعوتِ ایمان دیتا پھر ہر بندہ اس دعوت کو قبول کر لیتا آپ نے فرمایا تجھ پر ویل ہو کیا تو اسے پوشیدہ سمجھتا ہے جس نے تیرے ہی وجود میں تجھے اپنی قدرت دکھا دی۔ نہ ہونے کے بعد تیرا ہونا بچپنے کے بعد جوانی۔ کمزوری کے بعد طاقت۔ طاقت کے بعد کمزوری تندرستی کے بعد بیماری۔ بیماری کے بعد تندرستی۔ غصہ کے بعد نرمی۔ نرمی کے بعد غصہ۔ خوشی کے بعد غمی۔ غمی کے بعد خوشی۔ محبت کے بعد بغض۔ بغض کے

لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ

تحقیق تم ٹھہرے ہو۔ اللہ کی کتاب کے (بموجب قبروں) میں روزِ قیامت تک پس یہ روزِ قیامت

وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٥٦ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِينَ

ہے اور لیکن تم نہیں جانتے پس اس دن نہ فائدہ دے گی ان کو جنہوں نے ظلم

ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝٥٧ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ

کیا عذر خواہی اور نہ ان سے معافی کی درخواست لی جائے گی اور تحقیق ہم نے بیان کیں لوگوں کے لئے

فِي هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ

اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں اور اگر تم لاؤ ان کا (منہ مانگا) معجزہ بھی تو کہیں گے

الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ۝٥٨ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ

وہ جو کافر ہیں تم غلط کار ہی ہو اسی طرح مہر لگائی اللہ نے ان لوگوں کے

عَلَىٰ قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝٥٩ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

دلوں پر جو نہیں جانتے (نہیں مانتے) پس صبر کرو تحقیق اللہ کا وعدہ حق

حَقٌّ ۖ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ۝٦٠

ہے اور نہ گھبراہٹ میں ڈالیں تجھے وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے

بعد محبت۔ تحیر کے بعد پختگیٔ ارادہ اور پختگیٔ ارادہ کے بعد تحیر۔ ناپسندیدگی کے بعد خواہش اور خواہش کے بعد ناپسندیدگی۔ خوف کے بعد رغبت اور رغبت کے بعد خوف۔ ناامیدی کے بعد امید، امید کے بعد ناامیدی۔ جو چیز تیرے وہم و گمان میں نہ تھی اس کا ذہن میں آجانا اور جو چیز تجھے اچھی طرح یاد تھی اس کا ذہن سے نکل جانا وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ ابن ابی العوجاء کہتا ہے کہ آپ لگاتار و مسلسل کیفیاتِ بدنیہ انسانیہ کو شمار کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ مجھے یوں لگا کہ اب اللہ کے اور میرے درمیان کوئی پردہ نہیں رہا اور میرے سامنے وہ بالکل ظاہر ہے۔

سُورۂ لُقمان

آیت نمبر ۲۷، ۲۸، ۲۹ کے علاوہ باقی سب سورہ مکیہ ہے۔

آیات کی کل تعداد چونتیس ہے اور بسم اللہ کے ملانے سے آیات کی تعداد پینتیس ہو جاتی ہے

(۱) تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص رات کے وقت اس سورہ کی تلاوت کرے تو تمام رات صبح تک ابلیس اور اس کے لشکر سے ملائکہ اس کی حفاظت کریں گے اور اگر دن کو پڑھے تو شام تک فرشتے اس کی حفاظت کریں گے اور اگر دن کو پڑھے تو شام تک فرشتے اس کی حفاظت کریں گے۔

(۲) حدیث نبوی میں ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرے وہ بروز محشر حضرت لقمان کا ساتھی ہوگا اور تمام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

(۳) جس کے اندر کوئی بیماری یا درد وتکلیف ہو تو سورہ لقمان کو لکھ کر پھر دھو کر پینے سے شفا پائے گا۔ (باذن اللہ)

(۴) اگر مرد یا عورت کا خون بند نہ ہوتا (کسی زخم کی وجہ سے) تو یہ سورہ لکھ کر مقام زخم پر لٹکانے سے خون بند ہوگا (باذن اللہ)

(۵) حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کے پینے سے ہر قسم کا درد تکلیف اور بخار باذن خدا دور ہو جاتا ہے۔

(برہان)

حضرت لقمان حکیم کی خصوصیات

تفسیر مجمع البیان اور برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت لقمان کو اس لئے حکمت نہیں ملی کہ وہ کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے یا مالدار آدمی تھے اور نہ اُسے جسمانی قوت وحُسن کی بنا پر حکمت دی گئی۔ بلکہ وہ امرِ خداوندی کے معاملہ میں بہت مضبوط اور پرہیزگار انسان تھے۔ خاموش و باوقار گہری نظر کے مالک اور حقائق اشیاء میں دور رس نگاہ اور فکرِ عمیق کے دلدادہ تھے۔ زندگی بھر دن کو کبھی نہ سوئے اور لوگوں کی مجلس میں کبھی تکیہ لگا کر نہ بیٹھے۔ نہ کسی مجلس میں تھوکا نہ بلاوجہ اپنے اعضاء کو حرکت دی۔ کبھی ان کو کسی حاجات ضروریہ کے لئے بیٹھا ہوا نہ دیکھا اور نہ کبھی کسی نے ان کو نہاتے دیکھا کیوں کہ وہ سَتر کے پابند اور اپنے جسم کی نگہبانی میں بہت محتاط تھے۔ نہ کبھی ہنسے اور نہ کبھی کسی پر غصہ کیا تاکہ گناہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ زندگی بھر کسی سے مزاح نہ کیا۔ دنیا دی منفعت سے کبھی خوش نہ ہوئے اور دنیا دی نقصان سے کبھی محزون نہ ہوئے۔ انہوں نے شادیاں کیں اور کافی اولاد کے باپ بنے۔ ان کی بہت سی اولاد نے ان کے سامنے وفات پائی لیکن کسی کی موت پر آنسو نہ بہائے۔ جب کبھی دو لڑتے جھگڑتے آدمیوں کے درمیان سے گزرتے تھے تو جب تک ان دونوں کے درمیان صلح نہ کرا دیتے تھے آگے قدم نہ بڑھاتے تھے اور جب ان کو کسی کی کوئی بات پسند آتی تھی اس کی تفسیر دریافت کرتے اور اس آدمی کا پتہ پوچھتے تھے جس سے وہ بات لی گئی تھی فقہا وعلماء کی مجلس میں کثرت سے جایا کرتے تھے اسی طرح مجسٹریٹوں، حکمرانوں اور بادشاہوں کے پاس بھی بعض اوقات جا پہنچتے تھے۔ مجسٹریٹوں اور ججوں پر ان کی سخت آزمائش کے پیشِ نظر رحم کھاتے تھے اور حکمرانوں وبادشاہوں پر رحم کھاتے تھے کہ یہ بیچارے دھوکا میں مبتلا ہیں اور اللہ کی ڈھیل کی وجہ سے مغرور ومطمئن ہیں۔ آپ ہمیشہ ایسی باتوں کا سراغ لگاتے تھے جن کی بدولت نفس کو رام کیا جائے اور خواہش پر غلبہ حاصل کیا جا سکے۔ معاملات میں فکر کرنا اور واقعات سے عبرت حاصل کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ بے فائدہ کہیں نہ جاتے تھے اور جس میں اپنا مطلب نہ ہو اسکی طرف پلٹ کر دیکھتے نہ تھے۔ پس انہی وجوہات کی بناء پر ان کو حکمت کی دولت عطا کی گئی اور زیورِ عصمت سے آراستہ ہوئے اور تفسیر برہان میں یہ اضافہ موجود ہے کہ ایک دفعہ عین دوپہر کے وقت جب کہ عام لوگ قیلولہ کی نیند کر رہے تھے بحکمِ پروردگار فرشتوں کی جماعت نے حضرت لقمان کو صدا دی کہ وہ ان کی آواز سُن سکتے تھے اور دیکھ نہ سکتے تھے۔ کیا تو پسند کرتا ہے کہ اللہ تجھے زمین کا خلیفہ بنا دے تاکہ تو لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرے؟ تو اس کے جواب میں لقمان نے کہا اگر اللہ اپنے حکم وامر کے ذریعے مجھے یہ عہدہ دینا چاہتا ہے تو مجھے اس کے قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ خود مجھے یہ منصب دے گا تو علم وعصمت سے میری مدد بھی کرے گا لیکن اگر اس میں مجھے اختیار دیا گیا ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ فرشتوں نے سوال کیا کہ آپ اس سے کیوں گریز کرتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ لوگوں کے درمیان مقدمات کا فیصلہ کرنا دین میں سخت ترین مقام ہے اور بہت بڑی آزمائش ہے۔ اس میں ظلم ورسوائی کے امکانات بہت زیادہ اور ان کا حلقہ وسیع تر ہے اور اس کرسی پر بیٹھنے والے کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں۔ ایک یہ کہ حق کے فیصلہ پر موفق ہو جائے اور بچ جائے اور دوسرے یہ کہ حق سے ہٹ جائے اور بہشت کے راستے سے دُور چلا جائے اور دنیا میں افلاس وغربت کی زندگی قیامت کے دن سہولت وآسانی کی موجب ہوگی۔ بہ نسبت اس کے کہ دنیا میں سرداری وریاست کی زندگی میسر ہو کیوں کہ قیامت کے دن اس کی جواب دہی سخت ہوگی۔

اور جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دے وہ دونوں میں خسارہ پائے گا کیونکہ یہ چلی جانے والی چیز ہے اور وہ اس کے ہاتھ نہ آئے گی تو فرشتوں نے حضرت لقمان کا جواب اور اس کے پُر از حکمت کلمات نہایت تعجب سے سنے اور بارگاہِ ایزدی میں آپ کے جوابات نہایت مقبول ہوئے اور اس کے صلے میں اللہ نے الہامی طور پر اس کے قلب و سینہ کو حکمت و توانائی کا خزینہ بنا دیا اور وہ سراپا حکیم بن گئے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے ایک دفعہ حضرت لقمان کو اپنے آقا نے حکم دیا کہ بکری ذبح کر کے اس کے گوشت میں سے بہترین دو ٹکڑے لے آؤ تو آپ نے اس کا دل اور زبان پیش کیا۔ چند دنوں کے بعد دوبارہ آقا نے بکری ذبح کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ اس کے گوشت میں سے بدترین دو ٹکڑے لاؤ تو آپ نے پھر وہی دو ٹکڑے یعنی دل اور زبان پیش کئے۔ جب اس کے آقا نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں اگر پاکیزہ ہوں تو تمام اعضاء میں سے پاکیزہ ترین ہوتے ہیں اور اگر خبیث ہوں تو یہ سب اعضاء میں سے خبیث ترین ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ان کا آقا حاجاتِ ضروریہ کے لئے بیت الخلا میں گیا اور کافی دیر تک بیٹھا رہا تو آپ نے فرمایا بیت الخلا میں دیر تک بیٹھنا جگر میں ورم پیدا کرتا ہے۔ بواسیر کا موجب ہے اور سر کی طرف بخاراتِ فاسدہ کے پہنچنے کا باعث ہے۔ لہٰذا تھوڑا بیٹھو اور فارغ ہونے کے بعد فوراً اُٹھ کھڑے ہو۔

ایک دفعہ حضرت لقمان سفر سے واپس پلٹے تو پہلی ملاقات میں اپنے غلام سے گھریلو حالات دریافت کئے۔ اس نے کہا کہ آپ کے والد ماجد دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں تو حضرت لقمان نے کہا کہ اب میرا بوجھ میرے اپنے کندھے پر آ پڑا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کی بیوی بھی فوت ہو چکی ہے تو آپ نے کہا کہ اب نئی شادی کرنی پڑے گی۔ غلام نے کہا کہ آپ کی ہمشیرہ کا بھی انتقال ہو چکا ہے تو کہنے لگے میری عزت محفوظ ہو گئی۔ اس نے کہا کہ آپ کا بھائی بھی وفات پا چکا ہے تو فرمایا میری کمر ٹوٹ گئی۔

حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا کہ بدترین انسان کون ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جو لوگوں کے سامنے برائی کرنے سے نہ شرمائے اور نہ گھبرائے کسی نے آپ سے کہا کہ آپ کا چہرہ خوبصورت نہیں ہے آپ نے فرمایا تو کیا سمجھتا ہے کہ نقش کی غلطی ہے یا نقاش کا عیب ہے؟ مقصد یہ تھا کہ کسی کی صورت پر اعتراض کرنا خالق کی صنعت و حکمت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت لقمان کا زمانہ

تفسیر برہان میں بروایت طبرسی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت لقمان اور حضرت داؤدؑ کا زمانہ قریب قریب ہے۔ آپ حضرت داؤد علیہ السلام سے بزرگ تر تھے۔ انہوں نے اپنے آخری دورِ زندگی میں حضرت داؤد سے ملاقات کی اور جس دن حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کیا اس دن حضرت لقمان بھی آپ کے ہمراہ تھے اس کے بعد حضرت داؤد منصبِ نبوت پر فائز ہوئے تو حضرت لقمان آپ کی معیت میں رہے ان کی حکمت و دانائی کا یہ عالم تھا کہ بروایت مجمع البیان ایک دن حضرت داؤد کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ زرہ بن رہے تھے اور خدا نے ان کے لئے لوہا نرم کیا ہوا تھا جس طرح مٹی کا گارا وہ جس طرح چاہتے اُسے توڑ مروڑ لیتے تو حضرت لقمان کے دل میں خیال گذرا کہ پوچھ لوں کیا بنا رہے ہیں پس فوراً ہی دوسرا خیال پیدا ہوا کہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے جب چیز بن کر سامنے آئے گی تو خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ پس خاموش ہو گئے جب حضرت داؤدؑ نے زرہ تیار کر لی اور اپنے جسم پر پہن کر اُسے صحیح پایا تو فرمایا کہ یہ لڑائی کے لئے بہترین لباس ہے حضرت لقمان کہنے

لگے کہ خاموشی بہت بڑی حکمت ہے لیکن اس کو اپنانے والے بہت کم ہیں حضرت داؤد نے فرمایا کہ بجا طور پر آپ کو حکیم لقب دیا گیا ہے۔ گذشتہ روایت کے آخر میں ہے کہ جب حضرت لقمان نے خلافت ارضی کو قبول نہ کیا تو فرشتوں نے بامر پروردگار حضرت داؤد کو اس کی پیش کش کی چنانچہ انہوں نے خندہ پیشانی سے اسے قبول کر لیا اور جو شرائط حضرت لقمان نے لگائی تھیں ان میں سے کوئی شرط بھی نہ لگائی پس اللہ نے ان کو خلافت ارضیہ (دنیاوی حکومت) عطا فرمائی اور کئی دفعہ آپ پر ترکِ اولیٰ کی نوبت آئی جسے اللہ نے اپنے دامن عفو میں جگہ دی۔ حضرت لقمان عام طور پر حضرت داؤد علیہ السلام کے دربار میں آیا کرتے تھے اور ان کی زیارت سے مشرف ہو کر اپنے پند و نصائح اور علم و حکمت کے اصول بیان فرمایا کرتے تھے اور حضرت داؤد فرماتے تھے اے لقمان! تو بہت بڑا خوش نصیب ہے کہ تجھے حکمت عطا کی گئی اور اس مصیبت سے تیری جان بچ گئی اور داؤد کو خلافت دی گئی اور اس کو آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت لقمان عقل و فہم اور علم و عمل میں بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ خداوند کریم نے ان کو رائے میں اصابت عطا فرمائی تھی لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ خود نبی بھی تھے یا نہیں؟ اکثر مفسرین کا یہ خیال ہے کہ وہ علم حکمت میں یگانہ روزگار تھے لیکن درجۂ نبوت پر فائز نہ تھے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ عہدہ نبوت پر بھی فائز تھے اور قرآن مجید میں اٰتَیْنَا الْحِکْمَۃَ سے مراد یہ ہے کہ ان کو نبوت دی گئی کیونکہ حکمت نبوت کے معنی میں ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت لقمان حبشی نسل سے تھے رنگ سیاہ اور ہونٹ موٹے موٹے تھے اور ان کا زمانہ اور حضرت داؤد کا زمانہ ایک تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ سے کہا کیا تو وہی نہیں جو ہمارے ساتھ مل کر بکریاں چرایا کرتا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں وہی ہوں۔ اس نے پوچھا پھر یہ چیز تجھے کہاں سے دستیاب ہوئی جو میں دیکھ رہا ہوں آپ نے فرمایا اللہ نے اسے میرے لئے مقدر فرمایا تھا اور امانت ادا کرنا سچ بولنا اور خاموشی میرا مقصدِ زندگی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت لقمان حضرت ایوب کے بھانجے تھے اور بعض نے ان کو حضرت ایوب کا خالہ زاد کہا ہے۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ لقمان نبی نہیں تھا لیکن وہ بندۂ خدا صاحب فکر و نظر تھا اور حسنِ یقین کا مالک تھا اس نے محبت کی اور اللہ نے اس کو محبوب رکھا پس اسے حکمت عطا فرمائی۔

حضرت لقمان کے نصائح

تفسیر مجمع البیان میں کتاب من لا یحضرہ الفقیہ سے منقول ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے فرزند سے فرمایا اے فرزند گرامی یقین جانو کہ دنیا ایک گہرے سمندر کی مثال ہے جس میں بہت زیادہ آدمی غرق ہو چکے ہیں۔ پس اللہ پر ایمان لانا کشتی نجات سمجھو اور اللہ پر توکل اس کشتی کا لنگر اور تقویٰ کو زادِ راہ قرار دو اگر تم نجات یافتہ ہو گئے تو یہ اللہ کی رحمت ہے اور اگر ہلاک ہوئے تو اپنے گناہوں کی بدولت ہو گے۔ تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے فرزند ناتان کو نصیحت کی اور وعظ فرمایا۔ اس میں سے چند فقرات کا اقتباس یہ ہے۔ اے پیارے بیٹے اگر تم دنیا کی طرف رجوع کرو گے تو بالآخر اس کی طرف تیری پشت اور آخرت کی طرف تیرا رُخ ہو گا اور وہ گھر کہ جس کی طرف تیرا رُخ ہے وہ قریب تر ہے۔ اس گھر سے جس سے تو دن بدن دور ہوتا جا رہا ہے۔ اے بیٹے! علماء کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھا کرو۔ اور ان کے ساتھ جھگڑا نہ کیا کرو ایسا نہ ہو تو وہ تمہیں اپنی مجلس

سے روک دیں اور دنیا اس قدر اپنے ساتھ رکھو جو تمہیں منزل تک پہنچا دے اور اس کے بالکل تارک بھی نہ ہو جاؤ کہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کر کے محتاج ہو جاؤ اور اس میں اس قدر منہمک بھی نہ ہو جاؤ کہ آخرت کو فراموش کر بیٹھو۔ روزے اس قدر رکھو کہ شہوت نفسانی پر غالب رہو اور اس قدر روزے نہ رکھو کہ نماز پڑھنے سے بھی عاجز آ جاؤ۔ کیوں کہ روزہ رکھنے سے نماز اللہ کو محبوب تر ہے۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا اے فرزندِ عزیز! اگر بچپنے میں کسی غلطی پر تجھے سرزنش ہوگی تو وہ بڑے ہو جانے کے بعد تجھے فائدہ دے گی اور جسے ادب بھلا معلوم ہوگا وہ اس کی پروا کرے گا اور جو پرواہ کرے گا وہ اس کو سیکھے گا۔ اور جو سیکھے گا اس کی شوق میں اور اضافہ ہوگا اور ایسا ہی شخص اس سے نفع مند ہو سکے گا۔ پس اسی ادب کو اپنی عادت بناؤ۔ اسی طریقہ سے تم اپنے بزرگوں کے صحیح خلف ثابت ہو گے اور تمہارے خلف بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ پس دوستوں کی امیدیں تم سے وابستہ ہوں گی اور دشمن کے دل میں تمہارا رعب رہے گا اور خبردار کسی دوسرے مقصد کے پیچھے پڑ کر اس (ادب کی) طلب میں سستی نہ کرنا اگر دنیا تیرے ہاتھ سے نکل گئی تو آخرت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا اور یقین کہ اگر تم نے صحیح مقام سے علم حاصل نہ کیا تو آخرت کو کھو بیٹھو گے۔ پس اپنی زندگی کے شب و روز کی تمام گھڑیوں میں سے طلب علم کے لئے حصہ نکالو اگر تم نے اس سے غفلت برتی تو یہ ایک ایسا نقصان ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی نقصان نہیں ہو سکتا۔ کسی بیچڑ انسان سے جھگڑا مت کرو۔ علماء کے ساتھ مجادلہ نہ کرو۔ بادشاہ وقت کو اپنا دشمن نہ بناؤ۔ ظالم کا ساتھ نہ دو اور نہ اس سے دوستی استوار کرو۔ فاسق و فاجر سے برادرانہ مراسم نہ قائم کرو جس کا کردار مشکوک و مشتبہ ہو اس سے یارانہ نہ رکھو اور اپنے علم کی اس طرح حفاظت کرو جس طرح نقدی کی کی جاتی ہے۔ اللہ سے اس قدر خوف کرو کہ اگر قیامت کے دن ثقلین کی نیکیاں بھی تیرے ساتھ ہوں تب بھی عذاب پروردگار سے ڈرتے رہو اور اللہ سے امید اس قدر پختہ رکھو کہ اگر ثقلین کے گناہوں کے برابر بھی گناہ تیرے نامۂ اعمال میں ہوں تو بخشش کی امید دل سے نہ جائے۔ جب حضرت لقمان اس مقام تک پہنچے تو ان کے بیٹے نے عرض کی ابا جان! مجھ سے یہ کیسے ممکن ہے کیوں کہ میرے پاس تو صرف ایک ہی دل ہے آپ نے فرمایا بیٹے! اگر مومن کے دل کو نکال کر چیرا جائے تو اس میں دو نور نکلیں۔ ایک نورِ خوف اور دوسرا نورِ رجاء اگر ان دونوں کو میزانِ عدل پر تولا جائے تو بالکل برابر ہوں گے۔ پس جو شخص اللہ کو راضی کرنا چاہے اُسے اللہ کی بات ماننی پڑے گی ....

.... اور جو اللہ کی بات مانے گا وہ اس کے اوامر کی اطاعت کرے گا پس جو اس کی اطاعت نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ کو مانا ہی نہیں اور یہ اخلاق ایک دوسرے کے خود مصدق ہیں جس کا ایمان سچا ہوگا اس کا عمل خالص ہوگا جو اللہ کا اطاعت گذار ہوگا اس کے دل میں اس کا خوف ہوگا اور جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو اس کے دل میں اللہ کی سچی محبت ہوگی اور جس کے دل میں اللہ کی محبت ہوگی وہ اس کے حکم کا تابع ہوگا اور ایسے شخص کے لئے جنت اور خوشنودئ پروردگار لازمی ہے اور جو اللہ کی خوشنودی کے لئے عمل نہ کرے تو وہ اس کے غضب کا حقدار ہوگا اور ہم اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ اے فرزند! دنیا کی طرف نہ جھکو اور اس کے ساتھ دل نہ لگاؤ۔ اللہ کی تمام مخلوق میں سے اللہ کے نزدیک دنیا سے زیادہ ذلیل چیز اور کوئی نہیں ہے تم دیکھتے نہیں ہو کہ اپنے اطاعت گذاروں کے لئے اس نے دنیا کی نعمتوں کو ثواب نہیں بنایا اور نافرمانوں کے لئے اس نے دنیا کی تکلیفوں کو عذاب نہیں قرار دیا۔ ایک

مقام پر آپ نے فرمایا اے فرزند لوگوں کے سامنے منہ ٹیڑھا نہ کرو۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ بولتے وقت آواز میں تند و تیز لہجہ نہ ہو کیونکہ گدھے کی آواز کرخت ترین آواز ہے اور اپنی رفتار میں میانہ روی کو اختیار کرو۔ نیز آپ نے فرمایا اے فرزند گرامی۔ جو ایک انسان کو زندہ کرے گا گویا اُس نے تمام انسانوں کو زندہ کر دیا یعنی کسی کو قتل ہونے سے بچائے یا ڈوبنے اور جلنے سے بچائے یا گرتے ہوئے مکان یا دیوار سے نکال لے یا کسی کی ضمانت دے دے یا کسی صاحب فقر و فاقہ کی دستگیری کر کے اسے صاحب مال بنا دے اور ان سب سے افضل یہ ہے کہ کسی گمراہ کو راہ ہدایت پر لگا دے۔ اے بیٹے! نماز کو قائم کر و امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرتے رہو اور مصیبت کا مقابلہ صبر سے کرو۔ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔

حضرت لقمان کی وصیت

تفسیر مجمع البیان اور برہان میں بروایت حماد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے فرزند کو وصیت کی کہ اے فرزند! سفر کرتے وقت تلوار۔ موزے۔ عمامہ۔ خیمہ۔ مشکیزہ اور سوئی تاگا اور ضروری دوائیں جو تجھے اور تیرے ساتھیوں کے کام آسکیں ہمراہ رکھ لیا کرو۔ سوائے مخالفت خدا کے ہر کام میں ساتھی کی ہاں میں ہاں ملاتے رہو۔ ذاتی و جماعتی معاملات میں باہمی مشورہ سے کام لیا کرو۔ قافلہ میں ہنس مکھ رہا کرو۔ ساتھیوں پر اپنے زادِ راہ کے بارے میں کریم و سخی بن کر رہو اور جب وہ تمہیں بلائیں تو بلا انکار ان کی دعوت کو قبول کر لیا کرو۔ بوقت ضرورت ان کی امداد کیا کرو۔ خاموش رہنا پسند کرو نماز زیادہ پڑھو اور سخی بن کر رہو۔ اس چیز میں جو تمہارے پاس ہو مثلاً گھوڑا۔ پانی خوراک وغیرہ۔ ان سے شہادت حق کو نہ چھپاؤ اور تم سے مشورہ پوچھیں تو خوب سوچ بچار کر کے ان کو صحیح مشورہ دو کیوں کہ جو شخص مشورہ لینے والے کو صحیح مشورہ نہ دے خدا اس سے دانائی کو سلب کر لیتا ہے۔ جب ساتھی پیدل چل رہے ہوں تو ان کے ہمراہ پیدل چلو۔ جب وہ کام کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ مل کر کام کرو۔ اپنے بزرگ کی بات سنو اور مانو جب وہ کوئی حکم کریں یا کوئی چیز طلب کریں تو ہاں میں جواب دو اور نہ نہ کرو کیوں کہ نہ کرنا عاجزی اور بُری عادت ہے۔ جب راستہ بھٹک جاؤ تو اُتر پڑو اور جب تم کو شک ہو تو سوچ لو اور جب کہیں ایک اکیلا شخص ملے تو اُس سے راستہ ہرگز نہ پوچھو کیونکہ جنگل میں ایک شخص خطرناک ہوا کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ چوروں اور ڈاکوؤں کے کسی گروہ کا جاسوس ہو یا بذات خود وہ شیطان ہو۔ اور حتی الامکان دو آدمیوں سے بھی بچنے کی کوشش کرو۔ مگر جب کہ تم کو تسلی حاصل ہو جائے۔ جب نماز کا وقت آ جائے تو اس کو نہ ٹالو بلکہ فوراً ادا کرو کیوں کہ وہ تمہارے سر پر دین ہے اور جماعت میں ادا کرنے کی کوشش کرو اگرچہ نیزے کی نوک پر بھی سوار ہو۔ سواری کی پشت پر نیند مت کرو کیوں کہ یہ داناؤں کا دستور نہیں ہے۔ ہاں البتہ اگر محمل موجود ہو اور جوڑوں کو ڈھیلا کرنے سے جسم کو راحت پہنچانا ممکن ہو تو سواری پر بھی سو لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جب منزل قریب آ جائے تو سواریوں سے اُتر جاؤ اور اپنی خوراک کے انتظام سے پہلے سواریوں کی خوراک کا انتظام کرو اور جب سواریوں سے اُترنا چاہو تو زمین میں سے ایسے ٹکڑے کا انتخاب کرو جس کا رنگ اچھا ہو مٹی نرم ہو اور گھاس زیادہ ہو۔ پس سواریوں سے اُتر کر سب سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرو جب قضائے حاجت کے لئے جاؤ تو کافی دور چلے جاؤ اور وہاں سے روانگی سے پہلے بھی دو رکعت نماز پڑھ لو اور اس زمین کو وداع کر کے جاؤ اور اس کے اہل پر سلام کہو کیوں کہ ہر زمین کے بقعہ کے لئے فرشتوں میں سے کچھ اہل ہوا کرتے ہیں اور اگر تمہارے لئے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓـمّٓ ﴿۲﴾ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۳﴾ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً

آلم یہ حکم کتاب کی آیتیں ہیں ہدایت اور رحمت

لِّلۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۴﴾ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ

احسان کرنیوالوں کے لئے جو لوگ قائم کرتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ

وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۵﴾ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ہُدًی مِّنۡ

اور وہ قیامت پر یقین رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں ہدایت پہ اپنے

رَّبِّہِمۡ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ

پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں چھٹکارا پانے والے اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں

لَہۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ٭ۖ وَّ یَتَّخِذَہَا

جو مول لیتے ہیں فضول باتیں تاکہ گمراہ کریں اللہ کے راستہ سے بغیر علم کے اور سمجھتے ہیں ان کو

ہُزُوًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۷﴾ وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِ

مذاق ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری

اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسۡتَکۡبِرًا کَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡہَا کَاَنَّ فِیۡۤ اُذُنَیۡہِ وَقۡرًا ۚ

آیات تو منہ پھیرتے ہیں ازراہِ تکبر گویا کہ اس نے سنی ہی نہیں. گویا کہ اس کے کانوں

فَبَشِّرۡہُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۸﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا

پر پردے ہیں اس کو بشارت دو دردناک عذاب کی تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور عمل

ممکن ہو تو کھانا اس وقت تک نہ کھاؤ جب تک صدقہ نہ کر لو اور سواری پر کتاب خدا کی آیات کی تلاوت کو زبان پر جاری رکھو اور کام کرتے وقت تسبیح پروردگار کو وردِ زبان بناؤ اور اللہ سے دعا کا رابطہ بہر فارغ وقت میں قائم رکھو اوّل شب میں سفر کرنے سے گریز کرو اور دورانِ راہ میں آواز کو بے تحاشا بلند نہ کرو۔

رکوع ۱۰ وَمِنَ النَّاسِ

تفسیر مجمع البیان میں اس کا شانِ نزول یہ لکھا گیا ہے کہ نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ بن عبدالدار بن قصی بن کلاب کی ایران میں تجارتی آمد و رفت تھی پس وہ ایرانیوں سے باتیں سُن کر واپس عربوں کو سناتا اور کہتا تھا کہ محمد تم کو عاد و ثمود کے واقعات سناتا ہے اور میں تم کو رستم و اسفندیار کی کہانیاں سناتا ہوں پس قریشی لوگ اس کی باتوں میں اُلجھ کر قرآن کریم کی سماعت سے رک جاتے تھے۔ پس یہ آیت اس کے حق میں اُتری اور لہو الحدیث سے مراد اس کے ایران سے حاصل کئے ہوئے قصے ہیں۔ اس میں اور اقوال بھی ہیں (۱) مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد حق میں طعن کرنا اور استہزاء کرنا ہے جس طرح کہ ابوجہل کا دستور تھا کہ قریشیوں کو جمع کر کے کہتا تھا کہ

آج میں تم کو زقوم کھلاتا ہوں جس سے تم کو محمدؐ ڈراتا ہے۔ پھر کھجور اور مکھن منگوا کر ان کے سامنے رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ اسی کا نام تو زقوم ہے جس سے وہ ڈراتا ہے (۲) آلِ محمدؑ سے بکثرت بلکہ بحدِ تواتر روایات وارد ہیں کہ لہو الحدیث سے مراد غنا ہے اور اس جگہ عام معنی مراد لینا بہتر ہے یعنی لہو الحدیث میں ہر وہ چیز داخل ہے جو اطاعت پروردگار سے روکے پس آلاتِ لہو و لعب کا استعمال جوا بازی کھیل تماشہ غناء وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔ تفسیر برہان میں ربیع الابرار زمخشری سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی بنایا ہے کہ جب بھی کوئی غناء کے لئے اپنی آواز کو بلند کرتا ہے تو دو شیطان اس کے دونوں کندھوں پر سوار ہو جاتے ہیں اور وہ اس کے سینے پر پاؤں مارتے ہیں یعنی وہ ڈھولک کی طرح اس کے سینے کو بجاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ خاموش نہ ہو جائے تفسیر مجمع البیان میں آپؐ سے منقول ہے کہ جس کے کان غنا سننے کے عادی ہوں گے وہ قیامت کے دن اہلِ جنت کے قاریوں کی آواز سننے پر توفیق نہ پائے گا۔

الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيمِ ﴿٩﴾ خٰلِدِينَ فِيهَا وَعْدَ اللّٰهِ

صالح کئے ان کے لئے نعمتوں کے باغات ہیں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں

حَقًّا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٠﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

اللہ کا وعدہ حق ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اس نے پیدا کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کہ دیکھو تم ان کو

وَأَلْقٰى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ

اور ڈال دیئے زمین میں پہاڑ تاکہ تمہارے ساتھ ہلنے نہ لگیں اور پھیلایا اس میں ہر قسم

دَابَّةٍ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿١١﴾

کے چلنے والوں میں سے ... عمدہ جوڑے یہ ... اللہ کی پیدا

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ

کردہ ہیں پس دکھاؤ مجھے کیا چیز پیدا کی ان لوگوں نے جو اس کے سوا ہیں

بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا

بلکہ ظالم لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں اور ہم نے عطا کی لقمان کو حکمت

لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا

کہ شکر کر اللہ کا اور جو شکر کرے تو سوائے اس کے نہیں

وَعْدَ اللّٰهِ۔ مفعول مطلق ہے اور اس کا فعل محذوف ہے اور حقاً مفعول مطلق کی صفت ہے اصل میں تھا وَعَدَ اللّٰهُ وَعْدًا حَقًّا۔

بِغَيْرِ عَمَدٍ۔ غیر کو صفت کے معنی میں لیا جائے تو تقدیر یہ ہوگی بِعَمَدٍ غَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا۔ یعنی آسمانوں کو بلند کیا ساتھ ستونوں کے لیکن وہ ستون ایسے نہیں جو تم کو نظر آسکیں کیوں کہ وہ ستون اس کی قدرت و علم ہے اور اگر غیر کو نافیہ لا کے

معنی میں لیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کیا کہ تمہیں وہ نظر آئیں یعنی اگر ستون ہوتے تو تم کو نظر آجاتے۔

وَ اَنْزَلْنَا۔ اس سے پہلے ضمیریں غائب کی تھیں جن کا مرجع اللہ تھا اور اب ضمیریں متکلم کی لائی گئیں لہذا اس کو علم معانی میں التفات کہا جاتا ہے جو کلام کو زیادہ فصیح کرتا ہے۔

رکوع ۱۱ — یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ۔ یعنی جو انسان بھی اللہ کا شکر کرتا ہے وہ خدا پر احسان نہیں کرتا بلکہ اپنی انسانیت وعبدیت کا فریضہ ادا کرکے اپنی ذات پر ہی احسان کرتا ہے۔

يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ

کہ وہ شکر کرتا ہے اپنے فائدہ کے لیے اور جو کفر کرے تو اللہ بے نیاز قابل حمد ہے اور جب کہا

لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ

لقمان نے اپنے بیٹے کو جب کہ وہ اسے نصیحت کر رہے تھے اے فرزند اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا

لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ

تحقیق شرک ظلم عظیم ہے اور انسان کو ہم نے اپنے والدین سے احسان کرنے کا حکم دیا کہ اس کو اس

وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ

کی ماں نے کمزوری سے کمزور تر ہوتے ہوئے حمل میں اٹھائے رکھا اور اس کی دودھ سے علیحدگی دو سال میں

اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ

ہوئی کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا میری ہی طرف تیری بازگشت ہے اور اگر وہ تجھے اس بات کی تکلیف دیں کہ

بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ

میرے ساتھ شریک کر اس کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی اطاعت نہ کر اور دنیا میں ان کی اچھی خدمت کرتا رہے

سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا

پیروی اس کے راستہ کی اختیار کر جو میری طرف رجوع کرے پھر میری جانب تمہاری بازگشت ہوگی تو میں بتاؤں گا

وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ۔ اس کا ایک معنی تو وہ ہے جو تحت اللفظ موجود ہے اور دوسرا یہ کہ ضمیر غائب کو مفعول سے حال قرار دیا جائے یعنی ماں نے اس کو اپنے حمل میں لیا درحالیکہ یہ کمزور نطفہ کی صورت میں تھا جو دوسرے کمزور نطفہ کے ساتھ ملا یعنی ماں اور باپ دونوں کا مادہ منویہ اکٹھا ہوا۔

وَفِصٰلُهٗ۔ یعنی وضع حمل کے بعد ماں نے پورے دو سال تک اسے دودھ پلایا اور اس بارے میں پیش آنے والی تکلیف کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ سورہ عنکبوت میں جہاں والدین کی اطاعت کا حکم دیا گیا اس کے ذیل میں تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے جب آپ سے پوچھا گیا کہ والدین میں سے کس کا حق زیادہ ہے تو فرمایا کہ ماں کا۔ دوبارہ پوچھا گیا تو فرمایا ماں۔ اسی طرح سہ بارہ بھی ماں کا نام لیا اور اس کے بعد فرمایا کہ باپ کی اطاعت کرو۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

مِثْقَالَ حَبَّةٍ ۔ مثقال ثقل سے ہے اور مقدار کے معنی میں ہے یعنی انسان کی نیکی یا بُرائی اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگی تو وہ خدا سے مخفی نہیں بلکہ اس کا حساب لیا جائے گا اور کہتے ہیں کہ لقمان کے فرزند نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ اگر رائی کا دانہ سمندر کی گہرائی میں ہو تو جناب لقمان نے جواب دیا کہ دریا کی گہرائی تو بجائے خود اگر چٹان کے اندر ہو تب بھی بروز محشر اس کی جزا و سزا کا معاملہ ضرور پیش ہو گا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ خبردار چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچا کرو کیوں کہ ان کی بھی باز پرس ضرور ہوگی یہ نہ کہا کرو کہ بس تو یہ گناہ کر لوں پھر بعد میں توبہ کر لوں گا۔

مَا اَصَابَكَ ۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں جس قدر تکلیفیں پیش آئیں صبر و تحمل سے ان کو برداشت کیا جائے یا یہ کہ دنیا کے لیتے ہوئے حالات کے پیش نظر انسان کو ہر سختی و بلا کا سامنا کرتے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔

لَا تُصَعِّرْ ۔ صعر ایک بیماری ہے جس سے انسان یا حیوان کی گردن اکڑ کر ٹیڑھی ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی تجھ سے بات کرے یا کوئی سلام کہے تو گردن کو اکڑا کر اور منہ کو مروڑ کر اس کے پیش نہ آؤ بلکہ خندہ پیشانی سے لوگوں

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑯ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ

جو تم عمل کرتے تھے ۔ اے فرزند عزیز تحقیق اگر ہو وزن ایک دانے کے برابر

خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ

رائی کا پس وہ بھی ایک پتھر کے اندر ہو آسمانوں میں ہو یا زمین میں اس کو بھی

بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⑰ يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ

لائے گا اللہ تحقیق اللہ ہر باریکی کو جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے ۔ اے بیٹے قائم کرو نماز کو اور

اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ

حکم کرو نیکی کا اور روکو برائی سے اور صبر کرو اس پر جو تم کو پہنچے تکلیف

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ⑱ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ

تحقیق یہ اچھے امور میں پختگی ہے اور نہ ٹیڑھا کرو اپنا منہ لوگوں کے لیے

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

اور نہ چلو زمین میں تکبر سے تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا کسی متکبر

فَخُوْرٍ ⑲ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ

فخر کرنے والے کو اور میانہ روی کرو اپنی رفتار میں اور نیچا رکھو اپنی آواز کو

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ⑳ ع

تحقیق کرخت تر آوازوں میں سے گدھوں کی آواز ہے

ہے بات کرو

رکوع ۱۲

ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً۔ اللہ کی نعمت ظاہریہ و باطنیہ میں مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) نعمات ظاہریہ وہ ہیں جو ہر انسان کو معلوم ہیں اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا مثلاً پیدا کرنا زندگی بخشنا اور رزق وغیرہ اور باطنیہ وہ ہیں جن کا علم صرف ان لوگوں کو ہو سکتا ہے جو حقائق اشیاء میں گہری نظر سے سوچتے ہیں (۲) نعمت ظاہریہ دنیاوی نعمتیں اور نعمات باطنیہ دینی نعمتیں (۳) جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ نعمت ظاہریہ اسلام اور خلقت وغیرہ اور نعمت باطنیہ یہ ہے کہ اس نے انسان کے عیوب پر پردہ ڈال رکھا ہے کہ رسوا نہیں کرتا چنانچہ آپ نے ابن عباسؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے ابن عباس خداوند کریم نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ تین چیزیں ہیں جو میں نے صرف مومنین کو عطا کی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کے مر جانے کے بعد لوگوں کی دعاؤں کا دروازہ اس کے لئے کھلا رکھا ہے۔ دوسری یہ کہ اس کی تہائی مال کو میں نے اس کے گناہوں کے کفارہ کے لئے مقرر کیا ہے اور

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

کیا دیکھتے نہیں تحقیق اللہ نے فرماں بردار کیا تمہارے لئے وہ جو آسمانوں میں اور وہ جو زمین میں

وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

ہے اور کشادہ کیں تمہارے اوپر نعمتیں ظاہری و باطنی اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو جھگڑا

يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ⑳ وَ

کرتے ہیں اللہ کے بارے میں لاعلمی سے بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے اور

إِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا

جب انہیں کہا جائے کہ اتباع کرو اس کی جو اتارا اللہ نے تو کہتے ہیں بلکہ ہم اتباع کریں گے اس کی

عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ

جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو کیا اگر شیطان ان کو بلاتے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں

تیسری یہ کہ میں نے اس کی غلطیوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور اس کو رسوا نہیں کرتا ورنہ اگر میں اس کی پردہ دری کرتا تو دوسرے تو کجا خود گھر والے بھی اس سے نفرت کرنے لگتے (۴) ظاہری نعمت یہ ہے کہ شرعی امور میں اس نے برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دی اور باطنی نعمت یہ کہ شفاعت کا دروازہ کھلا رکھا (۵) نعمت ظاہری جسم کے ظاہری اعضاء اور باطنی دل و جگر و ریاح وغیرہ (۶) ظاہری صحیح جسمانی اور باطنی نعمت معرفت ایمان (۷) ظاہری نعمت قرآن کا ظاہر اور باطنی نعمت قرآن کا باطن (۸) ظاہری نعمت حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت اور پیغام اسلام اور باطنی نعمت حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد طاہرین کی ولاء و محبت اور قرآنی عموم کے پیش نظر یہ سب مفہوم آیت میں داخل ہیں لہذا بعض کے مخصوص کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اللہ تمام نعمات کے عطا کرنے والا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں

خواہ باطن۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ۔ اپنے چہرے کو اللہ کی طرف جھکانے کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ و عمل میں اللہ کی خوشنودی کو ملحوظ رکھے اور اپنی خواہشات نفسانیہ کو اس میں دخل دینے کی اجازت نہ دے۔

الْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔ تفسیر برہان میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ العروۃ الوثقیٰ سے مراد ہم اہلبیت کی مودت ہے جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو العروۃ الوثقیٰ (مضبوط رسی) سے تمسک رکھنا چاہے وہ میرے بھائی اور وصی علی بن ابی طالبؑ کی ولایت کا دامن تھام لے کیونکہ اس کا محب و موالی ہلاک نہ ہوگا اور اس کا مبغض اور دشمن ناجی نہ ہوگا۔ دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ امام بر حق حسینؑ کی نسل سے ہوں گے۔ ان کا اطاعت گزار اللہ کا اطاعت گزار ہوگا اور ان کا نافرمان اللہ کا نافرمان ہوگا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی اور وسیلہ ہیں۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا میرے بعد فتنے ہوں گے نجات وہی پائے گا جو مضبوط رسی سے تمسک کرے گا۔ کسی نے سوال کیا کہ وہ مضبوط رسی کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا سید الوصیین کی ولایت۔ پھر پوچھا گیا وہ کون ہے تو فرمایا امیر المومنین پھر فرمایا مولی المسلمین اور آخر میں فرمایا کہ وہ میرا بھائی علی بن ابی طالب ہے۔ ابن شہر آشوب سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ وَمَنْ يُّسْلِمْ الخ حضرت علیؑ

السَّعِيْرِ (۲۱) وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ

کی طرف — اور جو جھکا دے اپنی ذات کو اللہ کی طرف اور وہ نیکی کرنے والا ہو تو پس

اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲۲)

اس نے تھام لیا مضبوط رسا — اور اللہ کی طرف انجام ہے تمام کاموں کا

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا

اور جو کفر کرے تو نہ غمگین کرے تجھے اس کا کفر ہماری طرف ان کی بازگشت ہے پس ان کو ہم خبر دیں گے جو

عَمِلُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۲۳) نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا

انہوں نے عمل کیا تحقیق اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے — ہم ان کو فائدہ دیں گے

ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (۲۴) وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ

تھوڑا پھر ان کو مجبور کریں گے سخت عذاب کی طرف — اور اگر ان سے پوچھو کس نے پیدا

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ

کیا آسمانوں اور زمین کو تو یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے — تو کہو حمد ہے اللہ کی بلکہ اکثر

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (۲۵) لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

لوگ نہیں جانتے — اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تحقیق اللہ

کے حق میں اُتری ہے اور وہی اس کے حقیقی مصداق ہیں اور اس کی تاویل قیامت تک جاری رہے گی)
وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ - بعض قاریوں نے بحر کو منصوب اور بعض نے مرفوع پڑھا ہے۔ منصوب ہونے کی صورت میں اَنَّ
کے اسم یعنی ما پر معطوف ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی یعنی وَالْبَحْرُ مِدَادٌ اور يَمُدُّهٗ جملہ فعلیہ اس سے حال ہوگا اور مرفوع ہونے
کی صورت میں جملہ مستانفہ
قرار دیا جائے گا۔ یعنی اگر دنیا
کے تمام درخت قلمیں اور
موجودہ تمام سمندر ان کے ساتھ
سات گنا سمندر اور ملاتے ہوئے
بھی سیاہی بن جائیں تو سب
ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ کی
قدرت و علم و حکمت و خلق اور
عجائب صنعت ختم نہ ہو سکیں گے
بروایت احتجاج طبرسی حضرت
امام حسن عسکری علیہ السلام سے
مروی ہے نَحْنُ الْكَلِمَاتُ
الَّتِيْ لَا تُدْرَكُ فَضَائِلُنَا
وَلَا تُسْتَقْصٰى یعنی ہم وہ کلمات
ہیں جن کے فضائل کا ادراک
نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کی
انتہا معلوم کی جا سکتی ہے۔
يُوْلِجُ اللَّيْلَ - اس
کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ
دن و رات کا متبادل انتظام اللہ کی حکمت و تدبیر اتم کی کھلی ہوئی برہان ہے کہ دن کو رات اپنے دامن میں لے لیتی ہے اور اس کے بعد رات
کو دن اپنے دامن میں چھپا لیتا ہے اور اس سے یہ مطلب بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں سال بھر میں صرف
دو ہی دفعہ دن اور رات برابر ہوتے ہیں پس ہر ایک بارہ بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے باقی پورا سال کبھی دن بارہ گھنٹے سے کم ہوتا ہے

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۷﴾ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ
غنی اور لائق تعریف ہے — اور اگر تحقیق جو کچھ زمین میں درخت ہیں قلمیں ہو جائیں اور سمندر
وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ
[illegible] سمندر [illegible] کے علاوہ سات سمندر بھی تو ختم ہوں گے اللہ کے کلمات تحقیق ﴿۲۸﴾
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ
اللہ غالب حکمت والا ہے — تم سب کا پیدا کرنا اور اٹھانا نہیں مگر ایک نفس کے پیدا
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ
کرنے [illegible] ہے بے شک اللہ سننے دیکھنے والا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ تحقیق اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن
وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؗ كُلٌّ يَّجْرِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ
میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور ﴿۲۹﴾ کیا سورج اور چاند کو ہر ایک چل رہا ہے ایک مدت مقررہ تک
اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۳۰﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ
اور تحقیق اللہ خبردار ہے جو کچھ تم کرتے ہو — اور یہ اس لئے کہ تحقیق اللہ ہی حق ہے اور تحقیق
اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۱﴾ ع ۱۲
وہ جو پکارتے ہیں اللہ کے علاوہ باطل ہے اور تحقیق اللہ ہی بلند و بزرگ ہے

یا وہ کبھی رات کے وقت میں اضافہ کے طور پر شامل ہو جاتی ہے۔ پس دن چھوٹا اور رات بڑی ہوتی ہے اور کبھی رات کم ہو جاتی ہے اور وہی مقدار دن میں شامل ہو جاتی ہے پس دن بڑا اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور یہ بھی اللہ کی قدرت شاملہ اور حکمت کاملہ کی دلیل ہے۔ اور اس کی تحقیق پہلی جلدوں میں گذر چکی ہے۔ ج ۳ ص ۲۱۳ پر ملاحظہ ہو

رکوع ۱۴

اَلَمْ تَرَ۔ اللہ نے اس مقام پر اپنے احسان کو جتلا کر اپنی توحید کی دلیل قرار دیتے ہوئے باضمیر لوگوں کو صبر و شکر کی دعوت دی ہے کہ دریاؤں اور سمندروں میں کشتی رانی کی آسانیاں اُسی پروردگار کی نعمت سے ہیں جس نے پانی کو اپنی سطح پر کشتی کے اٹھانے کی توفیق دی اور موافق ہواؤں کی بدولت گہرے پانیوں میں ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک اس کا پہنچنا آسان کر دیا اور آیت کے آخر میں صبار اور شکور کو اس کے لئے مخصوص فرمایا کہ اللہ کی نعمتوں میں ان کو اہمیت حاصل ہے بلکہ در حقیقت مصائب پر صبر اور نعمات پر شکر خاصانِ خدا کا ہی دستور ہے اور حدیث میں ہے کہ ایمان کے دو حصے ہیں ایک حصہ صبر اور دوسرا شکر ہے۔ گویا آیت کا مرادی ترجمہ یہ ہوا کہ پانی کی پشت پر کشتیوں کی روانی ہر مومن کے لئے توحید پروردگار کا کھلا ہوا درس ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ

تم نے نہیں دیکھا کہ تحقیق کشتیاں چلتی ہیں دریا میں اللہ کی نعمت سے تاکہ تمہیں دکھلائے وہ اپنی

اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا

نشانیوں میں سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر شکر گزار کے لئے اور جب گھیر لیں

غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا

ان کو پہاڑوں جیسی موجیں تو پکارتے ہیں اللہ کو اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے پس جب

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ

وہ ان کو نجات دے دے خشکی کی طرف تو ان میں سے بعض وفا کرتے ہیں اور نہیں انکار کرتے ہماری

كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ

نشانیوں کا مگر دھوکے باز کافر اے لوگو ڈرو اپنے رب سے اور خوف کرو اس دن کا کہ نہ بدلہ دے گا باپ اپنے

اَلظُّلَلُ ظُلَّة کی جمع ہے اس کا معنی ہے سایہ کرنے والی چیز اور اسی مناسبت سے بادل پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں پانی کی موجوں کو بادلوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ ایسی موجیں جو بلندی میں بادلوں کی مثل ہوں اسی طرح اس لفظ کا بلند پہاڑوں پر اطلاق بھی مجاز ہے۔

مُقْتَصِدٌ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ فتح مکہ کے وقت حضورؐ نے چار آدمیوں کا خون حلال کیا تھا اگرچہ وہ استارِ کعبہ کے ساتھ بھی چمٹے ہوئے ہوں (۱) عکرمہ بن ابوجہل (۲) عبداللہ بن اخطل (۳) قیس بن صبابہ (۴) عبداللہ بن سعد بن ابی السرح۔ پس عکرمہ نے سمندر کا سفر اختیار کیا تو ایک سخت طوفان آیا جس سے کشتی کے ڈوب جانے کا خطرہ لاحق ہوا تو کشتی میں سوار ہونے والوں

نے کہا کہ اب خالص نیت سے اللہ کو پکارو ورنہ یہ مصنوعی خدا ایسے مقامات پر کام نہیں آسکتے اُس وقت عکرمہ کے دل میں یہ بات جاگزین ہوگئی کہ اگر وہ پانی میں ہماری امداد نہیں کرسکتے تو خشکی میں بھی نہیں کرسکتے۔ پس اللہ ہی وہ ذات ہے جو خشکی وتری میں مہلکات سے نجات بخشتی ہے۔ پس اس نے منت مانی کہ اے پروردگار اگر تونے عافیت بخشی اور کنارہ ہمیں نصیب ہوا تو میں حضرت محمد مصطفٰےؐ کی بارگاہِ اقدس میں پہنچ کر اس سے اپنی سابقہ اغلاط کی معافی مانگوں گا اور تیرا دین اختیار کروں گا چنانچہ اللہ نے کشتی کو بچالیا اور وہ اپنے عہد پر ثابت قدم رہا اور اسلام لایا اور آیتِ مجیدہ میں مقتصد سے وہی مراد ہے اور

عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا اِنَّ

بیٹے سے اور نہ بیٹا بدلہ دینے والا ہوگا اپنے باپ کی طرف سے کچھ بھی تحقیق اللہ کا وعدہ

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ

حق ہے پس نہ تمہیں دھوکے میں رکھے زندگانی دنیا اور نہ تمہیں دھوکا میں رکھے (شیطان) اللہ

الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ

سے تحقیق اللہ کے پاس ہے علم قیامت کا اور یہ کہ برساتا ہے بارش اور جانتا ہے

يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا

جو کچھ رحمِ مادر میں ہے اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کل کیا کمائے گا اور نہیں جانتا کوئی

تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾ ع

نفس کہ کس زمین پر مرے گا تحقیق اللہ علیم و خبیر ہے

بعض مفسرین نے اس کی اس کے علاوہ بھی توجیہیں کی ہیں بہرکیف آیت کا یہ مفہوم ہے اور قیامت تک اس کے مصداق پیدا ہوتے رہیں گے

اَلْغَرُوْرُ اس کا معنی ہر وہ چیز جو دھوکے میں ڈالے جس طرح اَلْغُرُوْرُ مَا يُتَوَهَّمُ. پس غرور سے مراد شیطان بھی ہو سکتا ہے اور اس سے مراد لمبی لمبی امیدیں بھی لی جاسکتی ہیں اور حدیث میں ہے دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو پابند رکھے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو اپنے نفس کی اتباع کرے اور لمبی لمبی امیدیں رکھے۔ (مجمع البیان)

اِنَّ اللّٰهَ - مجمع البیان میں ہے کہ آئمہ علیہم السلام سے منقول ہے کہ ان پانچ چیزوں کا تفصیلی علم سوائے خدا کے کسی کے پاس نہیں ہے۔ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ان پانچ چیزوں پر اللہ نے کسی ملک مقرب کو اطلاع دی ہے نہ نبی مرسل کو اور یہ اللہ کی صفاتِ خاصہ میں سے ہے۔ ۱۔ علم قیامت ۲۔ نزولِ باران ۳۔ یہ کہ ماں کے شکم میں کیا ہے ۴۔ انسان نے کل کیا کمانا ہے ۵۔ کہاں مرنا ہے۔ اگر نبی یا امام و ولی ان امور میں سے کسی چیز کی کسی کو خبر دیں تو وحی یا الہام سے ہوگی اور یہ ان کا معجزہ شمار ہوگا نہ کہ ان کو ان چیزوں کا مفصل طور پر علم عطا کیا گیا ہے۔

سُورة السَّجدَة

اس سورہ کو سجدہ لقمان بھی کہا جاتا ہے تاکہ حٰم سجدہ سے اشتباہ نہ ہو
یہ سورہ مکیہ ہے سوائے تین آیات کے یعنی آیت نمبر ۱۹ تا ۲۱ یہ مدنی ہیں
آیات کی تعداد بسم اللہ کے علاوہ تیس اور کل اکتیس ہے

تفسیر مجمع البیان میں حضورؐ سے مروی ہے کہ سورہ السجدہ اور سورہ الملک کی جو شخص تلاوت کرے تو ایسا ہے
جس طرح اس نے شب قدر عبادت میں گذاری ہو۔
اور مروی ہے کہ آپ ہمیشہ نیند سے پہلے ان مخصوص سورتوں کی تلاوت کیا کرتے تھے۔
جو شخص اس کو پڑھے اس کے نامۂ اعمال میں ساٹھ نیکیاں لکھی جائیں گی اور ساٹھ گناہ معاف کئے جائیں گے اور
ساٹھ درجے بلند کئے جائیں گے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص شب جمعہ یہ سورہ مبارکہ
پڑھے اس کو بروز محشر اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا اور اس سے حساب نہ لیا جائے گا اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کے رفقاء
میں سے ہوگا۔ (مجمع البیان)

حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے جوڑوں کے درد، سر کے درد اور بخار
سے محفوظ رہے گا۔

رکوع ۱۴

وَلَا رَيْبَ فِيهِ۔ یعنی منصف طبع لوگوں کے لئے اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ اس میں جس لحاظ سے غور کیا جائے پتہ چلتا ہے کہ انسانوں کی دماغی وسعتیں ان مصالح ومفاسد کو نہیں گھیر سکتیں جن پر قرآن کا اسلوب حاوی ہے پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی آیات اللہ کی نازل کردہ ہیں۔ اگر کسی بندہ کا بنایا ہوا ہوتا تو یقیناً دوسرے لوگ تنہا نہیں تو سب ملکر سارے کا نہیں تو بعض اجزا کا مقابلہ کرنے میں عاجز نہ آتے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓ ② تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ③

الٓمّٓ کتاب کا نازل کرنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رب العالمین کی طرف سے ہے

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے بلکہ وہ تو حق تیرے رب کی طرف سے ہے

مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ④ اَللّٰهُ

تاکہ ڈرائے ایسی قوم کو کہ نہیں آیا ان کے پاس کوئی ڈرانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ ہدایت پائیں۔ اللہ

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ

پھر وہ مستلط ہے عرش پر نہیں تمہارا اس کے سوا کوئی کارساز اور نہ سفارشی کیا تم نہیں

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ⑤ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ

نصیحت پکڑتے تدبیر کرتا ہے معاملہ کی آسمان سے لے کر زمین تک پھر

يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑥

اسی کے پیش ہوگا۔ اس دن جس کی مقدار تمہاری گنتی میں ایک ہزار سال بنتی ہے

مِنْ قَبْلِكَ۔ یعنی قومِ قریش کے پاس آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا ورنہ عرب میں آپ سے پہلے ایک عرب نبی گذر چکا تھا جس کا نام خالد بن سنان عبسی مذکور ہے

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ اگر وہ چاہے تو ایک ہی لمحہ میں ساری کائنات کو پیدا کر سکتا ہے لیکن اس کی حکمت و تدبیر کا تقاضا یہ ہے کہ ترتیب و تدریج سے چیزوں کو معرض وجود میں لائے جس طرح انسان کے بچے کے لئے شکم مادر میں اس نے نو ماہ کا عرصہ مقرر فرمایا ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى۔ یہ ثُمَّ ترتیب کے لئے نہیں ہے بلکہ صرف عطف کے لئے ہے اور معنی یہ ہے کہ اس کا تسلط اور اقتدار تمام کائنات پر حاوی ہے عرش سے مراد وہ تخت

نہیں جو عام بادشاہوں اور حکمرانوں کے لئے تجویز کیا جاتا ہے کیوں کہ خدا کسی مکان کا پابند نہیں ہے بلکہ عرش سے مراد اقتدار ہے یعنی کہ وہ کرسی اقتدار کا واحد مالک ہے اور زمین سے آسمان تک اسی کے اقتدار سے نظام قائم ہے اور قیامت کے دن بھی اسی کا ہی اقتدار ہوگا۔

قابض الارواح کی آمد

مَلَکُ الْمَوْتِ:۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ بیماریاں اور درد وغیرہ موت کے ایلچی اور اس کے پیغامبر ہیں جب اجل آتی ہے تو ملک الموت خود حاضر ہوجاتا ہے اور کہتا ہے اے انسان کتنی خبریں ہیں جن کے بعد دوسری خبروں کی توقع کی جاتی ہے اور کس قدر پیغام بر ہیں کہ ان کے بعد دوسرے پیغام بروں کا انتظار ہوتا ہے اور اسی طرح ایلچی کے بعد ایلچی کی آمد کی امید ہوتی ہے لیکن میں وہ خبر ہوں جس کے بعد کوئی خبر نہیں اور میں وہ قاصد ہوں جس کے بعد کوئی قاصد نہیں، تیرے رب کی دعوت لے کر پہنچا ہوں، اسے چار و ناچار تمہیں قبول کرنا پڑے گا۔

ذَالِكَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٧﴾ الَّذِيٓ

وہ غیب اور حاضر کے جاننے والا غالب رحم کرنے والا ہے جس نے

اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿٨﴾

ہر وہ چیز جس کو پیدا کیا اچھا (پیدا) کیا اور انسان کی خلقت کی ابتداء مٹی سے کی پھر

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٩﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ

کیا اس کی نسل کو ایک کمزور پانی کے جوہر (منی سے) پھر اس کو مکمل کیا

وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ

اور پھونکا اس میں روح اپنا اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور

الْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ

دل۔ تم تھوڑا ہی شکر کرتے ہو اور کہنے لگے جب ہم ختم ہوجائیں گے

ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿١١﴾

زمین میں کیا ہم نئے روپ میں پھر آئیں گے؟ بلکہ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٢﴾

کہو تمہیں مارے گا ملک الموت جو تم پر وکیل کیا گیا ہے۔ پھر اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤگے

جب اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے اور گھر والے چیختے چلاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کس پر چیختے ہو اور کیوں روتے ہو خدا کی قسم میں نے اس کی اجل میں ظلم نہیں کیا اور نہ میں نے اس کا رزق چھینا ہے اس کو تو اپنے رب کی طرف سے دعوت پہنچی ہے بہتر یہ ہے

کہ رونے والا اس کے بجائے اپنے نفس کی فکر میں روئے کیونکہ میں نے تو بار بار پلٹنا ہے حتیٰ کہ تم میں سے کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔

تفسیر برہان میں علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ شبِ معراج ایک فرشتے کے پاس سے گذرا کہ تمام دنیا اس کے سامنے تھی اور ایک لوحِ نور پر اس کی نظر مرکوز تھی کہ وہ دائیں بائیں نہیں دیکھتا تھا صرف اسی ایک طرف غمناک شکل میں متوجہ تھا۔ میں نے جبریلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا یہی ملک الموت ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کے قریب لے جاؤ۔ میں اس سے کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جبریلؑ مجھے اس کے قریب لے گئے اور ملک الموت سے میرا تعارف کرایا۔ اس نے بڑے احترام سے میرا اسلام کیا اور مرحبا کہا اور میری امت کی بھلائی و خوبی کی مجھے خوشخبری دی اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمام مرنے والوں کی ارواح تو خود ہی قبض کرتا ہے تو اس نے ہاں میں جواب دیا۔ میں نے پوچھا کہ تو ان سب کو دیکھتا بھی ہے؟ تو اس نے کہا ہاں یہ ساری دنیا میرے سامنے اس طرح ہے جس طرح کسی انسان کے ہاتھ میں ایک درہم ہو جس طرح چاہے اسے الٹ پلٹ کر سکتا ہے اور دنیا کے ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ چکر لگاتا ہوں۔ جب کسی مرنے والے پر گھر والے گریہ و بکا کرتے ہیں تو میں ان سے کہا کرتا ہوں کیوں روتے ہو۔ میں نے بار بار تمہارے پاس آنا ہے۔ حتیٰ کہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے سن کر کہا کہ واقعی موت ایک مشکل امر ہے تو جبریلؑ نے کہا لیکن موت کے بعد کا معاملہ موت سے بھی مشکل تر ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ملک الموت کے مددگار اور ساتھی بہت کافی فرشتے ہیں چنانچہ ایک جگہ قرآن مجید میں ہے کہ تمہیں فرشتے موت دیتے ہیں۔ اس بنا پر اس جگہ ملک الموت کی لفظ جنسی معنی میں ہوگی نہ کہ شخصی معنی میں۔

بروایت کلینی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ ایک انصاری مومن کے پاس پہنچے جب کہ اس کی موت کا وقت قریب تھا۔ آپ نے ملک الموت کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ صحابی مومن ہے اس کے ساتھ نرمی کرنا تو ملک الموت نے جواب دیا حضور! آپ بے فکر رہیں میں تو ہر مومن پر نرمی و مہربانی کیا کرتا ہوں اور جب بھی قبضِ روح کے لئے کسی آدمی کے پاس پہنچتا ہوں اور اس کی روح کو قبض کر لیتا ہوں تو اس کے گھر والے چیخ و پکار کرتے ہیں۔ پس میں گھر کے ایک کونے میں ٹھہر جاتا ہوں اور انہیں کہتا ہوں کہ ہم نے ظلم نہیں کیا اور نہ اس کی اجل سے پہلے ہم پہنچے ہیں۔ پس اس کی روح قبض کرنے میں ہمارا کیا گناہ ہے اگر تم اللہ کی رضا پر راضی ہو جاؤ اور صبر کرو تو تمہیں اس کا اجر ملے گا اور اگر جزع و فزع کرو گے تو گنہگار ہو گے اور ہم نے تو تمہارے پاس بار بار آنا ہی ہے اور دنیا میں کوئی مکان کچا یا پکا گھر یا خیمہ خشکی یا تری میں ایسا نہیں جہاں میں ہر روز پانچ مرتبہ اوقاتِ نماز میں حاضر نہ ہوتا ہوں اور میں ہر گھر کے تمام افراد کو جانتا ہوں لیکن حضور اگر میں اپنی مرضی سے ایک مچھر کا بھی روح قبض کرنا چاہوں تو میرے امکان میں نہیں ہے جب تک کہ اللہ اس کے بارے میں حکم نہ دے اور میں خود مومن کو دمِ مرگ کے وقت کلمۂ توحید اور کلمۂ رسالت کی تلقین کیا کرتا ہوں۔

بستان الواعظین کی ایک روایت میں ہے کہ عرش کے نیچے ایک درخت ہے جس کے ہر پتہ پر ایک ایک ذی روح کا

نام لکھا ہوا ہے پس جس کی اجل آتی ہے اس کے نام کا پتہ ملک الموت کے سامنے آگرتا ہے پس وہ اس کا روح قبض کر لیتا ہے اور مروی ہے کہ موت کے لئے تین ہزار تلخیاں ہیں اور ایک ایک تلخی تلوار کی ایک ایک ہزار ضرب سے زیادہ تکلیف دہ ہے اور مروی ہے کہ ملک الموت کے ساتھ اس قدر فرشتے مددگار مقرر کئے گئے ہیں کہ ان کی تعداد کو سوائے پروردگار کے کوئی نہیں جان سکتا۔ اگر ان کو اجازت دی جائے تو ایک ان میں سے پورے چودہ طبقوں کو ایک نوالہ بنا سکتا ہے اور موت کا ایک گھونٹ تلوار کی ایک ایک ہزار ضرب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللهُ وَرَحِمَنَا۔

حضرت علیؑ کی عظمت

تفسیر برہان میں ابن شہر آشوب سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ابوذر سے فرمایا میں شب معراج ایک فرشتے کے پاس سے گذرا جو ایک نوری تخت پر بیٹھا تھا اور اس کے سر پر ایک تاج نور تھا۔ اس کا ایک قدم مشرق کو اور دوسرا مغرب کو چھوتا تھا اس کے سامنے ایک تختی تھی جس کو وہ دیکھ رہا تھا اور ساری دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے تھی اور گویا کہ ساری مخلوق اس کے گھٹنوں کے نیچے تھی اور اس کا ہاتھ مشرق و مغرب تک پہنچ سکتا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے کہ فرشتوں میں سے کوئی بھی جسم میں اس سے بڑا نہیں ہے؟ تو جبریلؑ نے جواب دیا یہ عزرائیل ملک الموت ہے چنانچہ میں نے قریب پہنچ کر سلام دیا اور اس نے سلام کا جواب دیتے ہی حضرت علیؑ کی احوال پرسی کی۔ میں نے پوچھا کیا تو میرے چچا زاد (علیؑ) کو پہچانتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں اسے کیوں کر نہ پہچانوں کہ خداوند کریم نے مجھے تمام مخلوق کی ارواح کو قبض کرنے کا حکم دیا ہے لیکن تیری اور علیؑ کی روح کا قبض کرنا میرے ذمہ میں نہیں ہے بلکہ وہ بذات خود اپنی مشیت سے قبض کرے گا۔

عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت رسولخداؐ منبر پر سوار تھے کہ علیؑ کو اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا اور دایاں ہاتھ علیؑ کے ہاتھ میں ڈال کر اس قدر بلند فرمایا کہ دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آ رہی تھی پس فرمایا اے لوگو! تحقیق اللہ تمہارا پروردگار ہے محمدؐ تمہارا نبیؐ ہے۔ اسلام تمہارا دین ہے۔ علیؑ تمہارا ہادی ہے اور وہ میرا وصی اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے۔ پھر فرمایا اے ابوذر! علیؑ میرا زور بازو اور وحی پروردگار پر میرا امین ہے اور اللہ نے مجھے جس قدر فضائل عطا فرمائے ہیں علیؑ کو بھی اسی قدر عطا فرمائے ہیں اے ابوذر شب معراج جب میں عرش تک پہنچا تو سبز زبرجد کا ایک حجاب دیکھا۔ پس ایک منادی کی آواز سنی کہ پردہ اٹھاؤ جب میں نے پردہ اٹھایا تو ایک فرشتے کو دیکھا کہ تمام دنیا اس کے سامنے ہے اور وہ ایک تختی کا مطالعہ کر رہا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے کہ فرشتوں میں جسامت کے لحاظ سے اس سے کوئی بھی بڑا نہیں ہے؟ جبریلؑ نے جواب دیا یہ عزرائیل ملک الموت ہے۔ میں نے اس کو سلام دیا تو اس نے خاتم النبیین کے لقب سے خطاب کر کے مجھے سلام کا جواب کہا اور میرے ابن عم حضرت علی بن ابی طالب کی احوال پرسی کی۔ میں نے پوچھا کیا تو علیؑ کو جانتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا میں ایسے شخص کو کیوں نہ پہچانوں مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق نبی بنایا ہے اور اپنا رسول نامزد فرمایا ہے۔ میں علیؑ کو تیرا وصی سمجھتا ہوں جس طرح تجھے برحق نبی سمجھتا ہوں اور یہ اس لئے کہ خداوند کریم نے مجھے تمام خلائق کے ارواح قبض کرنے

پر مامور فرمایا ہے سوائے تیرے اور علیؑ کے کیوں کہ ان کو خدا اپنی مشیت سے خود ہی قبض کرے گا۔

رکوع ۱۵

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذِ ٱلْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا۟ رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ

اور اگر تو دیکھے جب کہ مجرم لوگ سر جھکائے ہوئے اللہ کے دربار میں لائیں گے اور کہیں گے اے پروردگار

أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَٱرْجِعْنَا نَعْمَلْ صَٰلِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ⑫ وَ

ہم نے دیکھا اور سنا پس ہمیں واپس بھیج تاکہ عمل صالح کریں اب ہم یقین رکھنے والے ہیں اور

لَوْ شِئْنَا لَءَاتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَىٰهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ ٱلْقَوْلُ مِنِّى لَأَمْلَأَنَّ

اگر ہم چاہیں تو دے دیں ہر نفس کو ہدایت جبراً لیکن ثابت ہو چکا ہے وعدہ ہم سے کہ ضرور

جَهَنَّمَ مِنَ ٱلْجِنَّةِ وَٱلنَّاسِ أَجْمَعِينَ ⑬ فَذُوقُوا۟ بِمَا نَسِيتُمْ لِقَآءَ

بھریں گے دوزخ کو جنوں اور آدمیوں کے دونوں گروہوں سے پس چکھو بوجہ اس کے کہ تم بھول گئے

يَوْمِكُمْ هَٰذَآ إِنَّا نَسِينَٰكُمْ وَذُوقُوا۟ عَذَابَ ٱلْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ

اس دن کی حاضری کو ہم بھی تمہیں بھول چکے ہیں اور چکھو عذاب دائمی بوجہ اس کے جو تم

تَعْمَلُونَ ⑭ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِـَٔايَٰتِنَا ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا۟ بِهَا

عمل کرتے تھے سوائے اس کے نہیں کہ ہماری آیتوں کے ساتھ وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب

سجدہ واجبہ

خَرُّوا۟ سُجَّدًا وَسَبَّحُوا۟ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ⑮

ان کو یاد دلائی جائیں تو سجدہ میں گر جاتے ہیں اور رب کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے

وَلَوْ تَرَىٰٓ: اس شرط کا جواب محذوف ہے یعنی اگر تم مجرموں کو اس حالت میں دیکھو تو تمہیں بڑی عبرت حاصل ہو گی۔ تَرَىٰٓ کا مفعول محذوف ہے یعنی تَرَى ٱلْمُجْرِمِينَ یعنی جب تم مجرموں کو دیکھو جب کہ وہ مجرم سر جھکائے کھڑے ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ إِذَا اس کا مفعول ہو۔

وَلَوْ شِئْنَا: یعنی اگر ہم چاہتے تو ان کی درخواست مان لیتے لیکن یہ ہمارے سابق فیصلہ کے خلاف ہے کہ وہ لوگ جبرا ہو گا اور اپنے اختیار سے نیکی یا برائی کرنے والوں کو صحیح بدلہ دیا جائے گا اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ہم نے کسی کو جبراً ہدایت نہیں دی تاکہ جزا کی مصلحت فوت نہ ہو۔

نَسِيتُمْ: یعنی تم نے اس طرح دنیا میں بھلا دیا ہے کہیں جس طرح کہ یوم جزا کو بالکل فراموش کر دیا ہو اور اب ہم بھی تم کو اسی طرح کا بدلہ دیتے ہیں گویا ہم نے بھی تم کو اپنی رحمت کے دفتر سے کاٹ دیا ہے جس طرح کسی چیز کو بھلا دیا جاتا ہے۔

خَرُّوا۟ سُجَّدًا: یہ آیت سجدہ ہے اور اس آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے اور سجدہ قرآنی کا طریقہ اور اس کے احکام اس سے پہلے تفسیر کی جلد ۸ صفحہ ۱۵۵ میں مذکور ہو چکے ہیں۔

نمازِ تہجد

تتجافی :۔ آیتِ مجیدہ تہجد گذاروں کی مدح میں ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت بلال حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ نمازِ شب کو ترک نہ کرو۔ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور شب بیداری اللہ کی قربت کا ذریعہ ہے اور گناہوں سے روکاوٹ۔ برائیوں کا کفارہ اور جسمانی بیماریوں کی روک تھام کا باعث ہے۔ تفسیر برہان میں ہے آپ نے فرمایا اسلام کی اصل نماز فرع زکواۃ اور چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ایک شخص نے آپ سے نیکیوں کے دروازے دریافت کئے تو آپ نے فرمایا روزہ ڈھال ہے (دوزخ سے) صدقہ گناہوں کا کفارہ ہے اور شب میں عبادتِ پروردگار کے لئے کھڑا ہونا کہ انسان تنہائی میں اپنے رب سے مناجات کررہا ہو (یہ خیر کے دروازے ہیں)

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ

الگ رہتے ہیں ان کے پہلو بستروں سے (نمازِ شب کے لئے) پکارتے ہیں اپنے رب کو خوف اور امید سے

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ

اور جو ہم نے ان کو رزق دیا اس سے خرچ کرتے ہیں ۔ پس نہیں جان سکتا کوئی نفس جو مخفی رکھا گیا ہے ان کے لئے

قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا

(سامان) آنکھوں کی ٹھنڈک کا بدلہ اس کا جو وہ عمل کرتے ہیں ۔ کیا پس جو مومن ہو

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور اس کے شیعوں کے حق میں اتری ہے کہ اول شب میں قدرے سوجاتے ہیں اور ایک تہائی رات گذر جانے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں اس کی گرفت کا ڈر رکھتے ہوئے اور اس کی رحمت کی امید کرتے ہوئے مشغولِ عبادت ہوجاتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان جو بھی اعمالِ صالحہ بجالاتا ہے، اس کے لئے قرآنِ مجید میں ثواب مقرر ہے لیکن نمازِ شب کے لئے خدا نے ثواب مقرر نہیں کیا کیونکہ اس کی کوئی حد نہیں الخبر۔

بروایت ابن بابویہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ سے سفرِ معراج کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا اے علیؑ میں نے جنت میں ایک نہر دیکھی ہے جو دودھ سے سفید تر اور شہد سے شیریں تر اور تیر سے مستقیم تر تھی۔ اس کے کناروں پر ستارگان آسمان کے برابر پیالے رکھے ہوئے تھے اور اس کے پاس یاقوتِ سرخ اور دُرِّ سفید کے گنبد نما کمرے تھے اور اس پروردگار کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے کہ جنت کا درخت جب تسبیح پروردگار کرتے ہوئے جھومتا ہے تو ایسی پرکشش آواز پیدا کرتا ہے کہ اولین و آخرین نے ایسی آواز نہ سنی ہوگی اور اناروں کی قسم کا پھل ان کی شاخوں کو لگتا ہے اور وہ خود مومن کی طرف اپنا پھل گراتا ہے جب مومن اس کو کاٹے گا تو ستر قسم کے حلے اس سے نکلیں گے اس دن مومنوں کے چہرے نورانی ہوں گے اور اے علیؑ تو ان کا امام ہوگا اور مومنوں کے جوتوں کے تسمے بھی نورانی ہوں گے

کہ جس طرف کا رُخ کرے گا اس کی روشنی راستے کو منوّر کرتی جائے گی اور جنت میں سیر کرتے ہوئے ایک بالاخانہ سے اس کی (حور) عورت جھانک کر اُسے یہ مژدہ سنائے گی کہ آج تیری ہمارے اوپر حکومت ہے پس دریافت کرے گا کہ تو کون ہے؟ تو وہ کہے گی کہ میں تیرے لئے وہی قُرَّةُ عَیْنٍ ہوں و آنکھوں کی ٹھنڈک جس کا قرآن میں تذکرہ ہے) اور آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے، ہر دن ستر ہزار فرشتے اس کا اور اس کے باپ کا نام لے کر اس کی زیارت کے لئے حاضر ہوں گے۔

ایک دوسری روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب اللہ کے دوست کی طرف اس کی زوجہ (حور) دیکھے گی تو اس کے نور سے تمام محلاتِ جنت روشن ہو جائیں گے اور وہ آواز دے گی کہ اب وہ وقت قریب ہے کہ آپ ہمارے اوپر تصرف کر سکیں، مومن پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تو وہ جواب دے گی کہ میں وہ ہوں جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ الخ۔ پس مومن اس سے ہم بستری کرے گا اور اس میں ستر جوانوں کی طاقت کے برابر طاقت ہوگی اور ستر سال کی مدت کے برابر اس سے معانقہ کرے گا اور اس کے جسم میں سے جس حصہ پر نگاہ کرے گا اس کی صفائی و لطافت کی وجہ سے اس کو اپنا چہرہ اس سے نظر آسکے گا۔ پھر ایک دوسری عورت (حور) اس کی طرف نگاہ کرے گی جو پہلی سے بھی حسین تر اور پاکیزہ تر ہوگی اور وہ بھی یہی کہے گی اب وہ وقت قریب ہے کہ آپ ہم کو اپنے تصرف میں لے سکیں گے، مومن دریافت کرے گا کہ تو کون ہے؟ تو وہ جواب دے گی میں وہ ہوں جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ

شب جمعہ اور روزِ جمعہ کی عبادت کا ثواب باقی ایام سے بدرجہا زیادہ ہے چنانچہ حدیث میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ روزِ جمعہ خداوندکریم ایک فرشتے کو حُلّہ دے کر روانہ کرے گا۔ پس وہ اس کے محل کے دروازہ پر آکر دستک دے گا اور عطیۂ پروردگار پیش کرے گا، جب مومن اس کو زیبِ تن کرکے بطور شکر سجدۂ پروردگار میں جھکے گا تو ندا آئے گی اب انعام و اکرام کا وقت ہے عبادت کا وقت نہیں ہے۔ مومن عرض کرے گا پروردگار! جنت سے زیادہ اور کیا چیز عطا ہوگی؟ تو ارشاد ہوگا کہ جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے اس سے ستر گنا مزید عطا کروں گا۔ پس مومن کو ہر جمعہ میں ستر گنا مزید انعامات و اکرامات کی پیشکش ہوتی رہے گی اور اسی کے متعلق قرآن مجید میں ایک مقام پر ہے۔ (وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ) جمعہ کی شب اندھا اور دن روشن ہوتا ہے لہذا ان وقتوں میں تسبیح و تہلیل و تکبیر پروردگار جس قدر ہوسکے زیادہ کیا کرو اور اس شب و روز میں درود شریف زیادہ پڑھا کرو۔ پس مومن جب ستر گنا اکرام و انعام کے ساتھ واپس پلٹے گا تو اس کی ازواج (حوریں) اس کے حسنِ مزید پر اس کو مبارک باد کہیں گی اور مروی ہے کہ حورانِ جنت جو بہشتی کو عطا ہوں گی وہ تمام آلائشاتِ نسوانیہ سے پاک و صاف ہوں گی۔ الخبر (ملخصاً)

اَفَمَنْ كَانَ۔ آیتِ مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ ایک دن ولید بن عقبہ ابن ابی معیط نے حضرت علیؑ سے کہا کہ میں بولنے میں آپ سے زیادہ طرار نیزہ زنی میں ماہر تر اور جنگ بازی میں زیادہ ثابت قدم ہوں۔ آپ نے

اس کے جواب میں صرف اتنا ہی فرمایا کہ اے فاسق خاموش ہو جاؤ پس یہ آیت مجیدہ اتری کہ کیا مومن اور فاسق برابر ہو سکتے ہیں اور مجلس شوریٰ کے مسند بین کے سامنے جہاں آپ نے اپنے دیگر فضائل و محامد کا تذکرہ فرمایا وہاں یہ آیت بھی پیش کی اور فرمایا اگر اس آیت کا مصداق میرے علاوہ کوئی اور ہے تو اس کا نام لو پس سب نے زبان خاموشی سے آپ کی تصدیق کر دی ۔ احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ دربار معاویہ میں جب حضرت امام حسنؑ اور بعض درباری کاسہ لیسوں کے درمیان بات

چیت ہوئی تو امام حسنؑ نے ولید بن عقبہ سے فرمایا کہ علیؑ کی تنقیص کرنے میں میں تجھے ملامت اس لئے نہیں کرتا کہ انہوں نے تجھے شراب نوشی کی سزا میں اسّی تازیانہ مارا تھا اور جنگ بدر میں تیرے باپ کے بھی وہ قاتل ہیں اور قرآن مجید کی دس آیتوں میں خدا نے ان کو مومن کہا ہے اور تجھے خدا نے قرآن میں فاسق کہا ہے پھر تو قریش کی طرف کس لئے منسوب ہونا چاہتا ہے حالانکہ تو اہل صفوریہ میں سے زکوان نامی ایک کافر کا بیٹا ہے تیرا یہ کہنا کہ ہم نے عثمان کو قتل کیا ہے سراسر غلط ہے بلکہ طلحہ زبیر اور عائشہ بھی حضرت علیؑ

كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ﴿١٩﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

مثل اس کے ہو سکتا ہے جو فاسق ہو؟ یہ برابر نہیں ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور عمل

الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾

نیک بجالائیں تو ان کے لئے رہائشی باغات ہیں یہ ٹھکانا بدلہ اس کے جو عمل کرتے تھے

وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا

اور جو لوگ فاسق ہیں تو ان کی رہائش دوزخ ہے جب نکلنا چاہیں گے اس سے تو پھر دھکیل دیئے

مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي

جائیں گے اس میں اور کہا جائے گا ان کو کہ چکھو عذاب آگ کا جسے تم

كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢١﴾ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ

جھٹلاتے تھے اور ضرور چکھائیں گے ہم ان کو عذاب قریبی

دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٢﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ

پہلے عذاب اکبر سے تاکہ وہ پلٹ آئیں اور کون زیادہ ظالم ہے

مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ﴿٢٣﴾ ع ۱۵

اس سے جس کو رب کی آیات یاد دلائی جائیں پھر ان سے منہ پھیر لے تحقیق ہم مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں

پر اس الزام کے عائد کرنے کی جرات نہیں کر سکے ۔ تم اپنی ماں سے دریافت کرو کہ زکوان کو چھوڑ کر اس نے تجھے عقبہ کا بیٹا کس طرح بنایا اس نے اس میں اپنی عزت و رفعت سمجھی حالانکہ یہ چیز دنیا و آخرت میں تیرے لئے رسوائی و شرمندگی کی باعث ہے جب

تیری حقیقت یہ ہے تو تو حضرت علیؑ کو سب کرنے کی کیوں کر جرات کرتا ہے اگر تو اپنی ذات کے متعلق تحقیق کرے تو تجھے معلوم ہو گا کہ تیرا باپ کوئی دوسرا ہے یقیناً یہ نہیں جس کی طرف تو منسوب ہے اور تجھے تو اپنی ماں نے بھی کہا تھا کہ تیرا اصلی باپ عقبہ سے خبیث تر ہے۔ (ملخصاً)

اَلْعَذَابِ الْاَدْنٰی:- کفار سے جس قریبی عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد دنیاوی تکالیف قحط سالی و بیماری و قتل و غارت وغیرہ مراد لئے گئے ہیں چنانچہ کفارِ مکہ کے لئے قتل بدر اور قحط سالی جو سات سال متواتر رہی حتّٰی کہ ان کو مردار جانور اور کتوں کا گوشت بھی کھانا پڑا۔ یہ دنیاوی عذاب تھے اور آخرت کے عذاب کا تو کوئی کنارہ ہی نہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے عذاب ادنیٰ سے مراد عذاب قبر بھی منقول ہے اور نیز قیامت کی آمد بھی عذاب ادنیٰ میں سے ہے اور حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور بھی دشمنانِ دین کے لئے عذاب ادنیٰ ہو گا۔ اور ان معانی میں کوئی تضاد نہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَ
اور تحقیق ہم نے عطا کی موسیٰ کو کتاب پس تم نہ پڑو شک میں اس کی ملاقات سے اور
جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۴﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ
بنایا ہم نے اس کو ہادی بنی اسرائیل کے لئے اور بنائے ہم نے ان میں سے امام
بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
جو ہدایت کرتے ہیں ہمارے امر کے ساتھ جب کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے تحقیق تیرا
يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۶﴾
رب ہی فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس کا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے

رکوع ۱۶ مِنْ لِّقَآئِهٖ یعنی اللہ نے اپنے حبیب سے وعدہ کیا کہ تجھے میں موسیٰ سے ملاقات کراؤں گا اور اس میں شک ہرگز نہ کرو چنانچہ اس وعدہ کی ایفا شب معراج میں ہو گئی آپ نے فرمایا میں نے حضرت موسیٰ کو دیکھا کہ ان کا قد لمبا شکل گندمی اور بال گھنگھریالے تھے (مجمع البیان)۔

اَئِمَّةً:- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ امام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کے امر سے ہدایت کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں تورات کے مبلغ اور دینِ موسوی کے صحیح نمائندے تھے۔ لیکن چونکہ قرآن قیامت تک کے لئے ہادی کتاب ہے لہٰذا اس کی تاویل قیامت تک جاری رہے گی اور موسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ کی شریعت کے مبلغ بھی اسی آیت کے تاویلی مصداق بنتے رہے اور آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؑ سے لے کر حضرت مہدی علیہ السلام تک اس آیۂ کریمہ کے تاویلی مصداق ہیں۔ اسی بنا پر تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت اولادِ فاطمہؑ کے حق میں اتری ہے: وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ الخ۔

یَمْشُوْنَ: اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُن پر اچانک عذاب پہنچا کہ وہ اپنے گھروں میں کاروبار کرتے ہوئے چل پھر رہے تھے اور دوسرا یہ کہ تم لوگ ان کے گھروں کو پاؤں سے چل کر دیکھ چکے ہو اور دیکھتے رہتے ہو پس ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔

اَلْجُرُز: اس میں چار لغتیں صحیح ہیں دونوں ضمے جُرُز دونوں فتح جَرَز ضمہ اور جزم جُرْز فتحہ اور جزم جَرْز لغت کے لحاظ سے اس کا اطلاق اس زمین پر ہوتا ہے جو بالکل خشک اور بنجر ہو۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ

کیا نہیں ان کو ہدایت کرتی یہ بات کہ ہم نے کس قدر ہلاک کیا ان سے پہلے قوموں کو کہ وہ چل پھر رہے تھے

فِي مَسَاكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۷﴾ أَوَلَمْ

اپنے گھروں میں تحقیق اس میں نشانیاں ہیں کیا یہ نہیں سنتے کیا نہیں دیکھتے

يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ

کہ ہم چلاتے ہیں پانی کو خشک زمین کی طرف پس اگاتے ہیں اس کے ذریعے زراعت کہ کھاتے ہیں

زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنفُسُهُمْ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿۲۸﴾

اس سے ان کے حیوانات اور وہ خود بھی کیا وہ نہیں دیکھتے اور کہتے

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۹﴾ قُلْ

ہیں کب ہوگی یہ (تمہاری) فتح اگر تم سچے ہو کہہ دو

يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ

فتح کے دن نہ فائدہ دے گا کافروں کو ایمان لانا ان کا اور نہ ان کو مہلت دی جائے

يُنظَرُونَ ﴿۳۰﴾ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ ﴿۳۱﴾ ع

گی پس ان سے روگردانی کرلو اور انتظار کرو تحقیق وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں

ھٰذَا الْفَتْحُ: یا تو اس سے مراد فتح مکہ کے متعلق سوال ہے یا یہ کہ جب مومن لوگ کفار سے کہتے تھے کہ ایک دن خدا ہم لوگوں کو تم پر فتح دے گا تو کفار طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ کہاں ہے تمہاری فتح ؟ تفسیر برہان میں یوم فتح سے مراد یوم قیامت منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس دن کافروں کو ایمان لانا فائدہ مند نہ ہوگا اور ایک روایت میں حضرت قائم علیہ السلام کی فتح کا زمانہ مراد لیا گیا ہے بہر صورت تنزیل کے لحاظ سے بعض معانی کا مراد ہونا تاویلی معانی کی نفی نہیں کرتا۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ وہ دن جلد آئے جس کے ہم منتظر ہیں تاکہ عدل و انصاف کا بول بالا ہو اور کفر و باطل اور ظلم و طغیان کے [illegible] برباد ہوں۔

سُورۂ الاحزاب

سورہ مدنیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کے بغیر تہتر ہے اور کُل چوہتر ہے

تفسیر مجمع البیان میں ہے حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے جو شخص سورۂ احزاب خود پڑھے اور اپنے گھر والوں اور غلاموں و کنیزوں کو اس کی تعلیم دے وہ عذاب قبر سے امان میں ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو سورہ احزاب کی زیادہ تلاوت کرتے وہ بروز محشر محمد و آل محمدؐ کے جوار میں ہوگا۔ خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ مبارکہ کو ہرن کی جھلی پر لکھ کر ایک ڈبیہ میں بند کر کے اپنے گھر میں رکھے تو لوگ اس کے ... سبقت کریں گے اگرچہ وہ مالی لحاظ سے فقیر و مسکین ہی کیوں نہ ہو (باذن اللہ)

آج ... درمیان بھارت نے مغربی پاکستان کی سرحدوں پر حملہ کر دیا اور پاکستانی افواج نے جوابی کاروائی کی ... دشمن کے ہوائی اڈوں اور فوجی ٹھکانوں پر ہوائی حملہ کیا اور صدر مملکت کی تقریر نے جانبازوں کے دلوں ... سورۂ احزاب کی تفسیر کی نوبت آئی تو جنگ احزاب کی طرح ہمارے اسلامی ملک پر بھی کافروں کی ... احزاب مل کر نوٹ پڑیں۔ آج ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء مطابق ۱۴ شوال ۱۳۹۱ھ سورۂ احزاب کی تفسیر شروع ہوئی۔

حَسْبُنَا اللّٰہُ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَ لَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

اے نبی ڈر اللہ سے اور نہ اطاعت کر کافروں اور منافقوں کی تحقیق اللہ

کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ② وَّ اتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

علیم و حکیم ہے اور اتباع کر اس کی جو تجھ پر وحی کی جائے تیرے رب سے تحقیق اللہ

کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ③ وَّ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ④

آگاہ ہے اس سے جو تم کرتے ہو اور توکل کر اللہ پر اور کافی ہے اللہ وکیل

رکوع ۱۷ تحریف قرآن

شیخ ابوالحسن شعرانی محشی مجمع البیان نے فصل الخطاب سے نقل کیا ہے کہ یہ سورہ مبارکہ (احزاب) جناب پیغمبر کے زمانہ میں کافی طویل تھا اور اس کی آیات سورۂ بقرہ کے برابر تھیں اور تحریف کی وجہ سے یہ مختصر ہو گیا ہے شیخ شعرانی نے اس کی تردید میں فرمایا کہ قائل تحریف کا یہ اقرار کہ سورۂ مبارکہ حضرت رسالتمآبؐ کے زمانہ میں مرتب و مدون تھا اور اس کا نام بھی سورۂ احزاب تھا اور مسلمان بالعموم اس سے مطلع تھے خود قرآن کی تحریف کے بطلان کے لئے کافی ہے کیوں کہ غیر معروف چیزیں ہیں تو تصرف تدرے ممکن ہے لیکن جو چیز زبان زد عام ہو جائے اور اس کی حدود کا خواص سے متجاوز ہو کر عوام تک علم ہو جائے تو اس میں تحریف کے ہاتھوں کوئی کمی یا بیشی نہیں لائی جا سکتی اور نہ ایسی اہم چیزوں کو حیلوں اور بہانوں سے چھپایا جا سکتا ہے۔ بنا بریں یہ مفروضہ بالکل باطل اور غلط ہے اور شیعہ علمائے متکلمین قرآن مجید کو تحریف کی کثیر بیونت سے بالاتر مانتے ہیں

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق منقول ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد ابوسفیان عکرمہ اور ابوالاعور اسلمی مدینہ میں آ گئے اور عبداللہ بن اُبی کے ہاں مہمان رہے اور جناب رسالتمآبؐ سے امان حاصل کی اور تبادلہ خیالات کی اجازت بھی لے لی چنانچہ وہ عبداللہ بن اُبیّ عبداللہ بن سعد بن ابی السرح اور طعمہ بن ابیرق کے ہمراہ بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ ہمارے خداؤں لات و منات عزیٰ کا ذکر چھوڑ دیں اور ان کے عبادت گزاروں کے لئے ان کی شفاعت کا اقرار کر لیں اور ہم تجھے اور تیرے رب کا ذکر چھوڑ دیں پس آپس میں جنگ و جدال نہ ہو گی، آپ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری تو عمر بن خطاب نے ان کو قتل کر دینے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا میں ان کو امان دے چکا ہوں لہذا ان کو چھیڑے بغیر مدینہ سے فوراً نکال دیا جائے۔ پس یہ آیت اُتری۔ کافروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ سے آئے ہوئے تھے اور منافق وہ تھے جو ان کے ساتھ مل کر پیغمبرؐ سے بات کرنے گئے تھے اور تاویل کے لحاظ سے ہر وہ آدمی جو ان صفات سے متصف ہو۔ آیت کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے اور ایک دوسری

روایت میں ہے کہ قبیلہ ثقیف کے چند آدمی حضورؐ کے پاس پہنچے اور عرض کی کہ ہمیں صرف ایک سال لات و منات کی عبادت کے لئے واگذار کیا جائے بعد میں ہم مسلمان ہو جائیں گے اور یہ صرف اس لئے کہ کفار قریش پر ہماری برتری قائم ہو جائے اور وہ یہ سمجھ لیں کہ رسول خدا ہماری بات مان لیتا ہے لیکن آیت نازل ہوئی کہ قطعاً کسی کافر و منافق کی کوئی بات نہ مانو اور وہی کرو جو حکم خداوندی ہو

مَا جَعَلَ اللّٰهُ۔ اس کے شانِ نزول میں مروی ہے کہ قبیلہ فہر کا ایک شخص جس کا نام ابومعمر جمیل بن معمر تھا بڑا دانا اور صاحب قوت حافظہ تھا اور اپنی انتہائی زیرکی کے پیش نظر یہ دعویٰ کیا کرتا تھا کہ میرے سینہ میں دو دل ہیں اور ان میں سے ہر ایک محمدؐ کی سوچ سے زیادہ سوچ سکتا ہے۔ چنانچہ قریشی اس کو ذوالقلبین کہا کرتے تھے۔ جب جنگ بدر میں شکست کھا کر مشرکین بھاگے تو ابومعمر سے راستہ میں ابوسفیان کی ملاقات ہوئی جب کہ اس کا جوتا پاؤں میں اور دوسرا ہاتھ میں تھا۔ ابوسفیان نے دریافت کیا کہ جنگ کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ مشرکین کو شکست ہوئی۔ ابوسفیان نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے کہ تمہارا ایک جوتا ہاتھ میں اور

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ
نہیں بنائے اللہ نے کسی انسان کے لئے دو دل اس کے اندر اور نہیں بنایا تمہاری بیویوں کو
الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ
جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو
اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ
تمہارے حقیقی بیٹے یہ تمہاری زبانی باتیں ہیں اور اللہ سچی بات کہتا ہے اور وہ

دوسرا پاؤں میں ہے؟ تو وہ شرمندہ ہوا اور کھسیانا سا ہو کر کہنے لگا میرے خیال سے یہ بات نکل گئی میں سمجھا تھا کہ دونوں جوتے پاؤں میں ہیں پس فوراً جوتا پہن لیا اور اس دن سے لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس کے لئے دو دل نہیں بلکہ ایک ہی دل ہے ورنہ اگر دو دل ہوتے تو اس قدر بدحواس نہ ہوتا اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت مجیدہ منافقوں کی تردید میں ہے کہ ایک طرف مسلمانوں سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے اور دوسری طرف کفار سے ان کا پیار قائم تھا اور تفسیر برہان میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہماری اور ہمارے دشمن کی محبت ایک انسان میں نہیں جمع ہو سکتی کیوں کہ خدا نے کسی انسان کے لئے دو دل نہیں بنائے کہ ایک کے ذریعے کسی سے محبت کرے اور دوسرے کے ذریعے اس سے بغض کرے پس ہمارا محب وہ ہے جو ہم سے خالص محبت رکھتا ہو جس طرح سونا آگ میں خالص ہو کر نکلتا ہے کہ اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہوا کرتا۔ پس جو شخص اپنے اندر ہماری محبت کو خالص دیکھنا چاہے تو اپنے دل کا امتحان لے اگر اس کے دل میں ہماری محبت کے ساتھ ہمارے دشمن کی محبت بھی ہے تو وہ سمجھ لے کہ نہ وہ ہمارا ہے اور نہ ہم اس کے ہیں اور خدا و جبریلؑ و میکائیل سب اس کے دشمن ہیں اور اسی مضمون کی مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی ایک روایت منقول ہے اور محشی

مجمع البیان علامہ شعرانی نے ذکر کیا ہے کہ شافعی نے اس جگہ ایک لطیف استدلال پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ نے کسی آدمی کو دو دل نہیں دیئے بلکہ ہر ایک کے لئے صرف ایک ہی دل ہے بنا بریں ہر آدمی اپنے مقام پر صرف ایک انسان ہوتا ہے نہ کہ دو خواہ مرتبہ کے لحاظ سے اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ پس سیاق آیت میں ظہار اور ادعائی اولاد کے متعلق جو حکم مذکور ہے ممکن ہے کہ اسے بھی اسی کلیہ کے تحت میں بطور امثلہ کے درج کیا جائے۔ پس ظہار جو عربوں کا طریق طلاق تھا اس کے متعلق ان کا نظریہ یہ تھا کہ جو شخص اپنی منکوحہ کو ظہار کرے یعنی اپنی عورت سے کہے کہ تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی مثل ہے آنتِ علیّ كَظَهْرِ أُمِّي ۔ تو اس صورت میں وہ عورت ماں کی طرح اس مرد پر حرام مؤبد ہو جاتی ہے۔ اسلام نے ایسے طریقہ طلاق کو غلط و ناجائز قرار دیا ہے اور طلاق کے لئے دوسرا مستحسن طریقہ تعلیم فرمایا جس کا ذکر تفسیر کی تیسری جلد میں مفصل گذر چکا ہے اور اس جگہ ظہار کی ممنوعیت کی دلیل یہ ہے کہ ایک انسان بیک وقت دو نہیں ہوا

يَهْدِي السَّبِيلَ ⑤ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ

ہدایت کرتا ہے راستے کی — اُن کو پکارو اپنے باپوں کا کر کے یہ قرین انصاف ہے اللہ کے

فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ

پھر اگر تم نہ جانتے ہو ان کے باپ تو وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں اور تمہارے دوست ہیں

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ

اور نہیں تم پر کوئی گناہ جس میں تم غلطی کر چکے ہو لیکن (گناہ وہ ہے) جو عمداً کریں

قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ⑥ النَّبِيُّ أَوْلَىٰ

تمہارے دل اور اللہ بخشنے والا رحیم ہے — نبی زیادہ قریب ہے

کرتا پس اگر عورت بیوی ہے تو وہ ماں نہیں ہے اور اگر ماں ہے تو بیوی نہیں ہے اور چونکہ منکوحہ کا بیوی ہونا مسلّم ہے لہذا ظہار کے صیغے سے وہ ماں نہیں بن جاتی بلکہ ماں وہی ہوتی ہے جس کے بطن سے انسان پیدا ہوتا ہے۔ بنا بریں ظہار کرنے والے پر ظہار کا کفارہ واجب الادا ہوتا ہے اور کفارہ ادا کرنے کے بعد وہ عورت اس پر حلال ہوتی ہے پس اسے حرام مؤبد قرار دینا ناجائز ہے اور مفصل بیان پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ کی تفسیر میں آئے گا۔ اسی طرح عربوں میں رواج تھا کہ جس کو وہ متبنّٰی بناتے تھے اس کو حقیقی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ جناب رسالتمآبؐ نے بھی زید بن حارث کلبی کو خرید کر اپنا غلام بنایا تھا جب کہ وہ بازار عکاظ میں فروخت ہو رہا تھا اور جب آپ نے اعلانِ رسالت فرمایا تو زید نے اسلام قبول کر لیا۔ جب اس کا باپ مکہ میں آیا تو اس نے حضرت ابوطالبؑ کی وساطت سے بارگاہ نبویؐ میں درخواست گذاری کہ یا تو میرے بیٹے کو مجھ پر فروخت کیا جائے اور یا اس کو آزاد کیا جائے حضورؐ نے فرمایا میری طرف سے آزاد ہے جہاں چاہے وہ جا سکتا ہے لیکن حضرت زید نے جناب رسالتمآبؐ سے جدا ہونا گوارا نہ کیا تو اس کے باپ حارثہ نے قریش کی بھری محفل میں کہہ دیا کہ تم سب گواہ رہو یہ میرا بیٹا نہیں ہے

تو آپ نے فوراً فرمایا تم سب گواہ رہو کہ یہ میرا فرزند ہے پس اس دن کے بعد وہ زید بن محمد پکارا جاتا تھا پھر جب حضورؐ نے زید کی مطلقہ زینب بنت جحش سے شادی کی تو یہود و منافقین نے طعن کرنا شروع کر دیا کہ دیکھو محمدؐ نے اپنی بہو سے شادی رچالی ہے حالانکہ وہ دوسروں کو منع کرتا ہے۔ پس اس آیت مجیدہ نے ان کے قول کی تردید کی کہ ایک شخص بیک وقت ایک ہوتا ہے دو نہیں ہوتا لہٰذا وہ ایک کا ہی بیٹا ہو سکتا ہے دو کا بیٹا نہیں ہو سکتا پس زید اپنے باپ حارثہ کا بیٹا ہے اور تم لوگ اس کو زید بن حارثہ کہہ کر پکارا کرو۔ اور تفسیر برہان میں ہے کہ جناب خدیجہ سے شادی کرنے کے بعد آپ بازار عکاظ میں بغرض تجارت تشریف لے گئے تھے اور زید کی شرافت و نجابت اور جودت طبع کے پیش نظر اس کو خرید لیا تھا اور باقی روایت معمولی اختلاف کے ساتھ ویسی ہے جس طرح ابھی مذکور ہو چکی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عمر سے مروی ہے کہ ہم ہمیشہ زید بن محمد کہہ کر ہی اسے پکارا کرتے تھے اور اس آیت کے نزول کے بعد زید بن حارثہ اس کو پکارنے لگے اور قرآن مجید نے کسی شخص کو اس کے باپ کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کی طرف منسوب کر کے پکارنے کو سختی سے منع فرمایا ہے۔ البتہ ماضی میں جو غلطی سے اس قسم کا عمل ہوتا رہا اس نے اس کو اپنے دامن غفران میں جگہ دے دی

بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ
مومنین سے ان کے نفسوں کی بہ نسبت اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور صاحبانِ قرابت
بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ
بعض ان کے زیادہ قریب ہیں بعض سے اللہ کی کتاب میں عام مومنوں سے اور مہاجروں سے

اور جو شخص عمداً کسی شخص کو اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے آدمی کی طرف منسوب کرے وہ سخت گنہگار ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی سخت گنہگار ہے جو خود اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب ہونا پسند کرے اور ہمارے ملک میں یہ وبا بہت عام ہے کہ پست اور نیچ قوم کے بعض افراد احساس کمتری میں مبتلا اپنی عزت و برتری کی خاطر اپنے آپ کو بڑی قوموں میں شمار کرتے ہیں اور اپنی اصلی قوم کی طرف منسوب ہونا اپنی توہین سمجھتے ہیں اور ایسے لوگ حضرت رسالتمآبؐ کی اس حدیث کی زد میں آتے ہیں جس کو مجمع البیان نے نقل کیا ہے مَنِ انْتَسَبَ اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ اَوِ انْتَمٰی اِلٰی غَیْرِ مَوَالِیْهِ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ۔ یعنی جو شخص اپنے اصلی باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب ہو یا اپنے اصلی آقا کے علاوہ کسی دوسرے آقا کی طرف منسوب ہو تو اس پر اللہ کی لعنت برستی ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی: آیت مجیدہ میں چند امور کی وضاحت ضروری ہے۔

پہلا امر نبی کا اولی ہونا

اس کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ جب انسان کا نفس کسی کام کا ارادہ کرے اور نبی علیہ السلام کسی دوسرے کام کا حکم دے دیں تو اپنی منشاء کو چھوڑ کر رسولؐ کی منشاء پر عمل کرنا ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی واجب یا سنت کام کی ادائیگی میں بھی مشغول ہو اور رسول اس کو اپنی طرف بلائیں تو بلا تاخیر

اپنی مصروفیت کو چھوڑ کر رسولؐ کی آواز پر لبیک کہے اور ان کی اطاعت کو ہر امر میں مقدّم سمجھے۔

دوسری صورت یہ کہ باہمی اختلافات کی صورت میں اپنے طے شدہ فیصلوں یا برادری کے فیصلوں سے رسولؐ کے فیصلہ کو ترجیح دے اور رسولؐ کے فیصلے کو آخری اور حتمی فیصلہ قرار دے کر اس کی پیروی کرے۔

تیسری صورت، مروی ہے کہ جب حضورؐ نے غزوۂ تبوک کے لئے لوگوں کو روانگی کا حکم عام دیا تو بعض لوگوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ہم اپنے ماں باپ سے اجازت لے کر کوچ کریں گے تو اس آیت مجیدہ نے والدین کی فوقیت و برتری کو رسولؐ کی فوقیت و برتری کے سامنے ختم کر دیا کہ نبیؐ کا فرمان اور اس کی اطاعت دوسری اطاعتوں سے مقدّم ہے۔

دوسرا امر، رسولؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں

آیت مجیدہ میں اس بات کی کھلی وضاحت ہے کہ رسولؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ یعنی مومنوں پر نکاح کے لحاظ سے حرام مؤبد ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ کی رحلت کے بعد ان سے کوئی مومن شادی نہیں کر سکتا۔ اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ بالکل حقیقی مائیں ہیں کیوں کہ حقیقی ماں وہی ہوتی ہے جس کے بطن سے انسان پیدا ہوتا ہے لہٰذا حقیقی ماؤں کے مخصوص احکام ان کے لئے ثابت نہیں ہو سکتے کیوں کہ اگر ان کو حقیقی ماؤں کی حیثیت دی جائے تو ان کی بہنیں تمام مومنوں کی خالائیں ہو جائیں گی اور ان سے بھی کسی مومن کا نکاح درست نہ رہے گا۔ اسی طرح آپ کی شہزادی تمام مومنوں کی بہن متصوّر ہو گی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پس جس طرح اسماء بنت ابی بکر کو مومنوں کی خالہ نہیں کہا جا سکتا ورنہ زبیر کا اس سے نکاح باطل ہوتا اسی طرح معاویہ کو خال المومنین کہنا بھی غلط اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ کسی عورت نے عائشہ کو ماں کہہ دیا تو عائشہ نے فوراً اسے ٹوک دیا کہ میں تیری ماں نہیں ہوں بلکہ صرف تمہارے مردوں کی ماں ہوں یعنی عزّت و حرمت کے لحاظ سے کسی مومن مرد کے لئے جائز نہیں کہ رسولؐ کی بیوی سے نکاح کرے۔ بنا بریں رسولؐ کی بیویاں اور بیٹی اور اس کی اولاد کا تمام مومنوں سے پردہ واجب ہے ورنہ اگر وہ حقیقی ماؤں کے حکم میں ہوتیں تو ان سے اور ان کی اولاد سے کسی مومن کا پردہ نہ ہوتا۔ جس طرح ماں بہن سے پردہ نہیں ہوا کرتا۔

تیسرا امر، رسولؐ اُمّت کا باپ ہے

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ کے بعد وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ۔ کی قرأت منقول ہے اور صادقین علیہما السلام سے بھی اسی طرح منقول ہے پس جس طرح رسولؐ کی بیویاں امّت کی مائیں ہیں اسی طرح خود رسول اکرمؐ تمام امّت کے باپ ہیں بلکہ ہر نبی اپنی اُمّت کے لئے باپ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ جہاں حضرت لوط نے اپنی اُمّت سے فرمایا تھا هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ۔ (میری بیٹیاں تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ تر ہیں گویا امّت کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں قرار دے کر مردوں سے لواطہ کی عادتِ بد کو چھڑانے کے لئے یہ امر ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ ہمبستری کے لئے اور شہوانی جذبات کو تسکین دینے کے لئے عورتیں مردوں کے لئے لڑکوں کی بہ نسبت پاکیزہ تر اور موزوں تر ہیں اور اللہ نے مخلوق کا جوڑا جوڑا پیدا ہی اس لئے کیا ہے نہ کہ اپنی

صلبی لڑکیوں کے متعلق یہ ارشاد فرمارہے تھے کیوں کہ وہ بعید از عقل ہونے کے ساتھ ساتھ ناممکن بھی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر نبی کے لئے اس کی امت بمنزلہ اولاد ہوا کرتی ہے۔ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ مومنوں کو اللہ نے رسول اللہ کی اولاد ٹھہرایا اور رسول لہٰذا کو ان کا باپ قرار دیا اور مومنوں پر رسولِ خدا کو حقِ ولایت عطا فرمایا چنانچہ آپ نے خطبۂ غدیر میں یہ ارشاد فرمایا اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ (کیا میں تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے اولیٰ نہیں ہوں؟) سب نے کہا بے شک۔ تو آپ نے اپنی ولایت کے ساتھ حضرت علیؑ کی بھی ولایت کا اعلان کر دیا اَلَا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔ پس جب اللہ نے رسول اللہ کو مومنین کی ولایت دی تو مومنوں کے اخراجات کی تکمیل اور ان کے یتیموں کی تربیت بھی رسول اللہ کے حوالے کر دی پس رسولؐ مومنوں کا اس طرح مربی ہوتا ہے جس طرح باپ بچوں کا مربی ہوا کرتا ہے اور رسولؐ کی اطاعت مومنوں پر اس طرح واجب ہے جس طرح اولاد پر والدین کی اطاعت واجب ہوتی ہے اور رسول اللہ کے بعد حضرت علیؑ اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی بھی وہی حیثیت و نسبت ہے جو رسول اللہ کے لئے تھی کیونکہ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا میں والدین جناب رسولِ خدا اور حضرت امیر المومنین ہیں۔ انتہیٰ ملخصًا۔

پس جس طرح احترام و ادب کے لحاظ سے رسولؐ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں اسی طرح احترام و ادب کے طور پر رسولؐ اور علیؑ اور آئمہ علیہم السلام مومنوں کے روحانی باپ ہیں نہ کہ حقیقی ورنہ امت کی عورتیں ان کی بیٹیاں ہونے کی حیثیت سے ان کے نکاح میں نہ آسکتیں اور ان کی بیٹیاں تمام مومنوں کی بہنیں ہو کر محرم ہو جاتیں اور پردہ کا حکم ساقط ہو جاتا اور حقِ وراثت بھی ثابت ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

چوتھا امر، تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں تفسیر مجمع البیان میں مجاہد سے منقول ہے کہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے لہٰذا سب مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں جس طرح نبیؐ ان کا دینی باپ ہے وہ سب آپس میں دینی بھائی ہے نہ کہ حقیقی ورنہ آپس میں پردہ کا حکم ساقط ہو جاتا اور سب آپس میں محرم ہو جاتے اسی طرح جناب رسالتمآب اور حضرت علی علیہ السلام ایک دوسرے کے بھائی تھے اور صیغۂ مواخات بھی تھا اور اس کے باوجود حضرت رسالتمآب کی دخترِ نیک اختر جناب بتولِ معظمہ حضرت علیؑ کی زوجہ بھی تھیں پس دینی و ایمانی طور پر بھائی بھائی ہونا خسر و داماد ہونے سے مانع نہیں ہے اور یا ہی وراثت بھی اس سے ثابت نہیں ہوتی۔

پانچواں امر، نفس کی تحقیق نفوس کی جمع النفس ہے اور یہ ہر حیوان کی اس قوت کا نام ہے جو حس و ادراک کا سرچشمہ ہے اور انسان پر نفس کا اطلاق اس لحاظ سے ہے کہ وجودِ انسانی میں اس قوت کو اہمیت حاصل ہے۔ پس یہ اطلاق مجازِ مرسل ہے اور ممکن ہے کہ اس کا اشتقاق تنفّس سے ہو جس کا معنی ترّدح ہوتا ہے یعنی تھکان کے بعد راحت کا طالب ہونا اور چونکہ انسان ضعیف البنیان تھکان اور راحت کے درمیان زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے چنانچہ شب و روز کا متبادل نظامِ ذاتِ پروردگار کی جانب سے اسی نکتہ کی خاطر ہے پس اسی لئے اس

پر نفس کا اطلاق کیا گیا ہے اور یہ بھی احتمال ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کا مادہ اشتقاق نفاست ہو اور چونکہ بنی آدم میں یہ صفت غیر معمولی عظمت و اہمیت کی حامل ہے اس بناء پر اس کو انسان کا لقب دیا گیا

چھٹا امر اولوا الارحام

تفسیر مجمع البیان میں اس کا شانِ نزول اس طرح منقول ہے کہ جب مومنین میں سے دو دو آدمیوں کے درمیان حضورؐ نے صیغۂ اخوت جاری فرمایا تو اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں سے جب ایک مرتا تھا تو دوسرا اس کی وراثت کا مالک ہوتا تھا۔ پس اس آیت مجیدہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور نیز مروی ہے کہ سابق دور میں ہجرت بھی موجب وراثت تھی پس ہجرت نہ کرنے والا مسلمان ہجرت کرنے والے کا وارث نہیں بن سکتا تھا خواہ رشتہ میں کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ پس یہ آیت ہجرت اور اخوت کے قانونِ وراثت کی ناسخ ہو گئی اور سیاقِ آیت میں چونکہ نبی کو امت کا باپ اور اس کی زوجات کو امت کی مائیں ٹھہرایا گیا تھا اور اس لحاظ سے تمام مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا تھا

تو اس سے یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے اس روحانی و ایمانی رشتہ کا وراثت پر اثر پڑے۔ پس اس کی صراحت سے نفی فرما دی کہ نبی کی بیویاں اگرچہ مائیں ہیں اور اس لحاظ سے خود نبی تمہارا باپ اور مومن بھائی بھائی ہیں لیکن اس سے نسبتاً ...

اِلَّآ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤى اَوۡلِيٰٓـئِكُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ‌ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۶﴾

مگر یہ کہ کرو تم اپنے دوستوں پر کچھ احسان اور یہ چیز کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہے

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰهِيۡمَ

اور جب ہم نے لیا نبیوں سے وعدہ اور تجھ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے

وَمُوۡسٰى وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ ۖ وَاَخَذۡنَا مِنۡهُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۷﴾

اور موسیٰ و عیسیٰ بن مریم سے اور لیا ہم نے ان سے پکا وعدہ

اور یہ رشتہ موجب وراثت نہ ہوگا بلکہ قانونِ وراثت میں اولوا الارحام یعنی رحم کی وساطت سے جو رشتہ دار ہیں ان میں سے بعض بعض کے قریب ہیں اور قریب کی موجودگی بعید کے لئے مانع وراثت ہوگی خواہ وہ مہاجر مسلمان ہوں یا انصار ہوں۔ البتہ معروف اور احسان پر کوئی پابندی نہیں اگر کوئی مرنے والا احسان و معروف کے طور پر کسی اپنے بھائی کے لئے اپنے مال میں سے کچھ دینے کی وصیت کر جائے تو وہ نافذ العمل ہوگی اور اس کی بھی حد معین ہے کہ متوفی کے ترکہ کی تہائی سے زیادہ نہ ہو

میثاقِ انبیاءؑ

وَاِذۡ اَخَذۡنَا۔ اللہ نے پہلے تمام انبیاء کا فی الجملہ ذکر فرمایا کہ ان سب سے عہد و پیمان لیا گیا پھر پانچ نبیوں کا علی الخصوص نام لے کر ذکر کیا اس لئے کہ یہ اولوالعزم اور صاحبانِ شریعت ہیں (۱) حضرت محمد مصطفےٰ (۲) حضرت نوحؑ (۳) حضرت ابراہیمؑ (۴) حضرت موسیٰؑ (۵) حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفےٰ تمام انبیاء کے سردار و سرکار ہیں۔ تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لیا جانے والا عہد ...

کی ربوبیت محمدؐ کی رسالت اور حضرت امیرالمومنینؑ اور اس کی اولاد طاہرینؑ کی امامت کے متعلق عقد پس اللہ نے سوال کیا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ وَ مُحَمَّدٌ نَبِيُّكُمْ وَ عَلِيٌّ إِمَامُكُمْ وَالْأَئِمَّةُ الْهَادِيْنَ أَئِمَّتُكُمْ ؟ قَالُوا بَلٰى الخ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں کیا محمدؐ تمہارا نبی نہیں۔ کیا علیؑ تمہارا امام نہیں (علیؑ کی اولاد سے) ہادیانِ برحق تمہارے امام نہیں ؟ تو سب نے مل کر جواب دیا کہ بے شک ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور ارشادِ قدرت ہوا کہ قیامت کے دن یہ نہ کہنا کہ ہم اس سے غافل تھے۔ پس سب سے پہلے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اور مجموعی طور پر تمام انبیا کا ذکر کرکے افضل نبیوں کے ناموں کا خصوصی طور پر اعلان فرمایا پس یہ پانچ انبیاءؑ تمام نبیوں سے افضل ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰؐ سب سے افضل ہیں الخ

لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا
تاکہ سوال کرے سچے لوگوں سے ان کے سچ کے متعلق اور اس نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے دردناک

اَلِيْمًا ۹ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ
عذاب اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر جب ٹوٹ پڑے تم پر لشکر

جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
پس ہم نے بھیجا ان پر ہوا کو اور ایسے لشکروں کو جن کو تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تمہارے اعمال

بَصِيْرًا ۱۰ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ
سے آگاہ ہے جب وہ ٹوٹ پڑے تم پر اوپر اور نیچے سے (مشرق و مغرب سے) اور جب ڈر کے

الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۱۰
مارے) تمہاری آنکھیں ٹیڑھی ہو گئیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے اور تم اللہ پر بدگمان ہو رہے تھے

لِيَسْئَلَ۔ یعنی انبیاءؑ سے تبلیغ دین کا عہد و پیمان لیا کہ اپنی امتوں کو توحید و نبوت و امامت کے اصولی عقائد کے ساتھ ساتھ فروعی طور پر ان کو انسانی اقدار اور تمدنی زندگی کے مبنی برانصاف متوازن دستور العمل کی پیروی اور حقوق اللہ و حقوق الناس اور حقوقِ ذاتیہ سے عہدہ برآ ہونے کے طریقوں سے آگاہ فرمائیں تاکہ لوگوں پر حجت تمام ہو جائے۔ پھر قیامت کے دن سچے لوگوں سے دریافت کرے گا کہ کیا انبیاءؑ نے اپنی تبلیغات میں کوئی کمی کی تھی ؟ پس وہ سچی گواہی دیں گے کہ انبیاء نے حقِ تبلیغ پورا ادا کیا تھا اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ سچے لوگوں سے اپنی سچائی کے متعلق دریافت کیا جائے گا یعنی نیک لوگوں سے ان کی نیکی کے بارے میں سوال ہوگا کہ تیری یہ نیکی بھی برخلوص تھی یا اس میں کوئی دنیاوی ریاکاری یا طمع ولالچ یا نام و نمود کا پہلو بھی مضمر تھا اور مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب سچے لوگوں سے اس قسم کا سوال ہوگا تو جھوٹوں کا کتنا برا حال ہوگا ؛

رکوع ۱۵ جنگِ خندق کا بیان | اس جنگ کو جنگِ احزاب بھی کہتے ہیں کیونکہ احزاب جمع ہے حزب کی

اور اس کا معنی ہے گروہ۔ چونکہ اس جنگ میں عرب کی اکثر و بیشتر اقوام وقبائل نے حصہ لیا تھا اور گروہ در گروہ آکر ہر طرف سے حملہ آور ہوئے تھے اس لئے اس کا نام بھی جنگِ احزاب ہوگیا اور اس سورۂ مجیدہ کا نام احزاب بھی اسی مناسبت سے ہے اور جنگِ خندق اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت سلمان کے مشورہ سے حضورؐ نے مدینہ کے باہر خندق کھدوائی تھی تاکہ دشمن سے مقابلہ صرف ایک جانب سے جاری رکھا جاسکے اور دشمن کی یلغار سے جان ومال و ناموس کی حفاظت کرنے میں آسانی ہو۔ خدا نے باوجود انتہائی کثیر التعداد دشمن کے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور اسی نعمت کا یہاں تذکرہ ہے۔

رِیحًا۔ جب وہ لوگ مدینہ میں پہنچے تو خدا کی غیبی امداد اس طرح ہوئی کہ اللہ نے ایک تیز وتند ہوا بھیج دی جس نے اُن کی ہانڈیوں تک کو اُلٹا کردیا اور ان کے خیموں کی طنابیں اور رسیاں ٹوٹ گئیں اور ان کو دلجمعی سے لڑنا نصیب نہ ہوا اور فرشتے بھی بھیج دیئے چنانچہ فرماتا ہے۔ وَجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ایسے لشکر جن کو تم نہیں دیکھ سکتے تھے۔

مِنْ فَوْقِكُمْ۔ مشرق کی طرف حملہ آور ہونے والوں میں قبیلہ نضیر اور قبیلہ قریظہ اور قبیلہ غطفان تھا۔

وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ۔ جانبِ مغرب سے حملہ آور ہونے والوں میں قریش جن کا سرغنہ ابوسفیان تھا اور ان کے ہم قسم قبائل تھے۔

زَاغَتِ الْاَبْصَارُ۔ یعنی ڈر کے مارے مسلمانوں کی آنکھیں نکل آئی تھیں اور ترچھی نگاہ سے ان کو ہر طرف دشمن ہی دشمن دکھائی دیتا تھا۔

بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ:۔ دلوں کی دھڑکن اس قدر تیز ہوگئی تھی کہ یوں لگتا تھا کہ دل اُچھل کر باہر نکل جانے کو تیار ہیں اسی بنا پر مولانا مقبول احمد صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ کلیجے منہ کو آگئے تھے۔

جنگِ خندق کی ابتداء

یہودِ مدینہ کا قبیلۂ بنی نضیر (جن کا سلسلۂ نسب حضرت ہارون سے ملتا تھا) (برہان) اپنی شرارتوں اور اسلام کے خلاف خفیہ و اعلانیہ سازشوں کی پاداش میں جب مدینہ سے خیبر کی طرف جلا وطن ہونے پر مجبور ہوا تو ان کے دلوں میں جذبۂ حسد وانتقام کی آتش تیز ہوگئی اور شب و روز اہلِ اسلام کے خلاف سوچنے لگ گئے تھے بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کفارِ مکہ سے ساز باز کرکے کوئی متفقہ منصوبہ تیار کیا جانا زیادہ مناسب ہے چنانچہ حی بن اخطب اور دیگر رؤساءِ یہود جن کی تعداد بیس تک تھی ابو عامر راہب کی قیادت میں بظاہر خیر سگالی کے دورہ کا بہانہ کرکے مکہ کی طرف روانہ ہوئے جب یہ وفد مکہ میں پہنچا تو اکابرِ مکہ نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور آپس میں سلسلہ گفتگو شروع ہوا۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور اسلام کی روز افزوں ترقی کا انسداد فریقین کا مطمحِ نظر تھا پس حی بن اخطب اور ابوسفیان کے درمیان باہمی دوستانہ معاہدہ پر اتفاقِ رائے ہوگیا۔ ابوسفیان نے اپنے مذہب کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ اللہ کے گھر کے پاسبان مہمان نواز حجاج بیت اللہ کے خدمت گزار اور باپ دادا کے طریق پر بتوں کے پرستار ہیں لیکن محمدؐ ہمیں کافر کہتا ہے تو حی بن اخطب یہودی نے کہا تمہارا دین محمدؐ کے دین سے ہر رنگ میں بہتر ہے تم اپنے دین پر قائم رہو اور اگر تم کو محمدؐ سے جنگ لڑنی پڑ جائے تو فکر مت کرو یہود کے تمام قبائل تمہارے شانہ بشانہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے تیار ہیں، کفارِ قریش کے دلوں میں جنگِ بدر و احد کے زخم موجود تھے اور مسلمانوں سے انتقام

لینے کی تجویزیں پہلے سے سوچ رہے تھے یہودیوں کی تائید نے ان کی حاسدانہ و معاندانہ کدورتوں پر جلتی پر تیل کا کام کیا اور پیاس انتقام بجھانے کے لئے فریقین میں جنگی معاہدہ پر سو فیصدی اتفاق ہو گیا اور اکابر قریش میں سے پچاس سرداروں نے دیوار کعبہ سے اپنے سینے لگا کر اس عہد و پیمان کی پختگی کا یہودیوں کو یقین دلایا اور مدینہ پر فوج کشی کی تاریخ معین کر دی گئی اور اس کو صیغۂ راز میں رکھنے کا اہتمام کیا گیا۔ حی بن اخطب نے کفار قریش سے یہ وعدہ بھی کیا کہ میری قوم کا ایک قبیلہ جو بنو قریظہ ہیں اور وہ مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کا عہد و پیمان بھی کر چکے ہیں میں ان سے عہد شکنی کرا کے ساتھ لاؤں گا اور ان کی تعداد سات سو لڑاکے جوانوں پر مشتمل ہے (برہان)

قریش مکہ سے جنگی معاہدہ اور حملہ کی تاریخ کے تعین کے بعد یہ یہودی وفد قبیلہ غطفان کی آبادیوں میں پہنچا اور انہیں خیبر کی خرما کے ایک سال کی فصل کی پیش کش کر کے اپنے ساتھ ہم آہنگ کیا اور اسی طرح دوسرے عرب قبائل کو بھی اپنے ہم خیال کرتا ہوا واپس لوٹا۔

قریش مکہ کی طرف سے ایک لشکر کثیر التعداد حملہ آور ہو کر نکلا جس کی لڑاکا فوج چار ہزار جنگی جوانوں پر مشتمل تھی۔ اُن کے پاس ایک ہزار پانچسو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے۔ ابو سفیان اس لشکر کا سربراہ تھا اور علم فوج عثمان بن طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ قبیلہ غطفان کی تین شاخیں تھیں۔ بنو فزارہ بنو مرہ اور بنو اشجع پس بنو فزارہ کا قائد عیینہ بن حصین اور بنو مرہ کا علم بردار حارث بن عوف اور بنو اشجع کا سربراہ مسعر بن جبلہ اشجعی تھا اس زمانہ میں بنو غطفان اور بنو اسد دونوں قبیلے ایک دوسرے کے حلیف تھے لہٰذا بنو غطفان جب قریش کے ہمراہ نکلے تو بنو اسد کے جوانوں کو بھی میدان جنگ میں کودنا پڑا۔ چنانچہ طلحہ نامی شخص کی قیادت میں بنو اسد کے جنگی جوان بھی عازم پیکار ہو گئے اور قریش کی دعوت پر بنو سلیم کا لشکر بھی ابو الاعور سلمی کی قیادت میں روانہ ہو گیا۔ اور اس طریقہ سے قبائل عرب کا مجموعی فوجی لشکر دس ہزار کی تعداد تک پہنچ گیا۔ یہود قبائل ان کے علاوہ تھے۔

ادھر خبر رسانوں نے بارگاہِ نبوی میں اس سازش کی اطلاع پہنچا دی اور یہ تشویشناک خبر تمام مسلمانوں کے لئے ایک بڑے غم و اندوہ کی موجب ثابت ہوئی۔ حضرت سلمان کا آزاد ہو کر مسلمانوں کے ہمراہ جنگ میں شریک ہونے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ حضورؐ نے جنگ لڑنے کی تجویز پر غور و خوض کرنے کے لئے مسلمانوں کو صورت حال سے آگاہ فرمایا۔ مہاجرین و انصار نے مختلف تجاویز پیش کیں اور حضرت سلمان نے یہ تجویز عرض کی کہ ہمارے علاقہ ایران میں جب کسی حکمران پر کوئی زبردست بادشاہ چڑھائی کر دے اور کھلے میدان میں اس سے نبرد آزما ہونا مشکل ہو تو شہر کے آس پاس ایک خندق کھود دی جاتی ہے جس کو دشمن آسانی سے عبور نہ کر سکے پس ایک طرف سے لڑائی کو جاری رکھ کر دشمن کے حملہ کو پسپا کر دیا جاتا ہے اور شہر دشمن کی یلغار سے محفوظ رہتا ہے۔ پیغمبر کو حضرت سلمان کی تجویز پسند آئی اور تمام مہاجر و انصار مسلمانوں نے اس تجویز کی معقولیت سے اتفاق کیا پس حضورؐ نے مدینہ سے باہر کوہ سلع کے دامن میں نزول اجلال فرمانے کا تہیہ کر لیا جو مدینہ سے متصل تھا اور صورت یہ ہو گئی کہ مدینہ کے ایک جانب پہاڑ دوسری جانب فوج اور باقی دو جانبیں خندق کی وجہ سے محفوظ ہو گئیں اور فوج کی پشت کی طرف

پہاڑ اور پہلو میں مدینہ اور باقی دو جانبوں میں خندق ہوگئی۔ آپ نے شہر میں عبداللہ بن ام مکتوم کو دیدے کی اجازت دے کر باقی تمام مردوں کو میدانِ جنگ میں حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا جن کی تعداد تین ہزار تھی آپ نے مہاجرین کا علم زید بن حارثہ کو دیا جو آپ کا متبنّٰی تھا اور انصار کا علم سعد بن عبادہ کے سپرد فرمایا۔ ایک روایت میں مردوں کی تعداد سات سو بیان کی گئی ہے۔ (برہان) اور معارج میں ہے چالیس چالیس گز دس دس جوانوں کے حوالے کئے اور چونکہ بنو قریظہ کے ساتھ اس وقت تک صلح تھی کدال تیشے اور ٹوکریاں ان سے بھی عاریۃً حاصل کر لی گئیں اور خندق کی کھدائی کا کام شروع ہوا۔ حضورؐ نے بنفسِ نفیس اس کھدائی میں شرکت کی اور حضرت علیؑ نے بھی حصہ لیا اور حضرت سلمان چونکہ خندق کھودنے میں خوب ماہر تھا اور دس جوانوں کے برابر کام کرتا تھا اس لئے مہاجر چاہتے تھے کہ وہ ہمارے ساتھ ہو اور انصار اس کو اپنا بناتے تھے۔ جب ان کا آپس میں جھگڑا طے نہ ہو سکا تو حضورؐ نے فرمایا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ یعنی سلمان ہم اہلِ بیت میں سے ہے۔ معارج میں ہے کہ سلمان کو قیس بن صعصعہ کی نظرِ بد لگی اور وہ بیمار ہوگیا۔ جب حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے قیس کو سلمان کے لئے وضو کرنے کا حکم دیا اور اس کے اس پانی کو ایک برتن میں جمع کر کے حضرت سلمان کو اس سے نہلانے کا حکم دیا اور یہ کہ خالی برتن کو حضرت سلمان کی پشت کے پیچھے اُلٹا رکھ دیا جائے پس اس عمل سے نظرِ بد کا اثر جاتا رہا اور حضرت سلمان پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ خندق کھودنے پر کل چھ دن خرچ ہوئے پس مسلمانوں نے اپنے مال متاع اور اہل وعیال کو مدینہ کے مضبوط و ناقابلِ تسخیر قلعوں میں داخل کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سردی زوروں پر تھی اور گرانی و قحط سالی حد درجہ تک پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ خود رسالتمآبؐ نے تین دن سے کچھ تناول نہ فرمایا تھا اور شکمِ اطہر پر پتھر باندھا ہوا تھا۔

نظرِ بد کا علاج

معجزۂ پیغمبر

معارج میں ہے کہ حضرت سلمان جس پارٹی کے ہمراہ خندق کھودنے میں مشغول تھے ان کے حصہ میں چالیس گز کا ٹکڑا تھا۔ کھدائی کے اثناء میں ایک سرخ رنگ کا پتھر ظاہر ہوا جو نہ نکل سکتا تھا اور نہ کدالوں سے ٹوٹتا تھا جب ساری پارٹی تھک کر بے بس ہوگئی تو سلمان نے بارگاہِ نبویؐ میں جا کر اپنی اور اپنی پارٹی کی بے بسی کا ذکر کیا۔ حضورؐ خود بنفسِ نفیس تشریف لائے اور خندق میں اُتر گئے اور سلمان کے ہاتھ سے کدال لے کر ایسے زور سے مارا کہ وہ پتھر شگافتہ ہوگیا اور اس سے ایک ایسی روشنی نکلی جس سے تمام مدینہ منوّر ہوگیا۔ حضورؐ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور تمام صحابہ نے تکبیر کہی۔ پھر آپ نے دوسری مرتبہ کدال سے ضرب لگائی اور روشنی ظاہر ہوئی۔ آپ نے تکبیر کہی اور سب مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ پھر تیسری مرتبہ اسی طرح ہوا تو حضرت سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کیا ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے باقی صحابہ سے پوچھا کہ تم سب نے بھی دیکھا ہے جو کچھ سلمان کہہ رہا ہے۔ سب نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ ہم نے بھی دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ پہلی روشنی میں میں نے کسریٰ کے محلات دیکھے اور جبرئیل نے کہا ان پر تیری اُمّت کو غلبہ حاصل ہوگا اور دوسری روشنی میں میں نے روم کے محلات دیکھے اور جبرئیلؑ نے خبر دی کہ تیری امت کو ان پر بھی غلبہ ہوگا اور تیسری روشنی میں میں نے صنعائے یمن کے محلات دیکھے اور مجھے بشارت دی گئی کہ تیری امت ان کی فاتح ہوگی۔ پھر آپ نے مدائن میں کسریٰ کے محلات کی تفصیل سُنائی جو سلمان

اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ پس سلمان خوش ہوا اور تمام مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور تفسیر برہان میں اس قدر اختلاف ہے کہ حضورؐ کو اطلاع دینے کے لئے جابر بن عبداللہ انصاری گئے تھے جب کہ آپ مسجد فتح میں آرام کرنے کے لئے تشریف رکھتے تھے۔ جابر کہتا ہے میں نے دیکھا کہ آپ سیدھے لیٹے ہوئے تھے اور چادر کو اکٹھا کر کے اپنے سر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ آپ اطلاع ملتے ہی فوراً پہنچے اور وضو کی تجدید فرمائی اور لعابِ دہن پانی میں ڈال کر اس پتھر پر چھڑکا پس کلنگ مارا اور ہر سہ مرتبہ روشنی ظاہر ہوئی اور ہم نے علی الترتیب شام مدائن اور یمن کے محلّات دیکھے۔ اس کے بعد وہ پتھر ریت کی طرح نرم ہو گیا اور ہم خندق کھودنے میں کامیاب ہو گئے۔ مجمع البیان میں ہے کہ حضورؐ ہر ضرب بسم اللہ پڑھ کر مارتے تھے۔

دوسرا معجزہ

جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ میں نے سہ روزہ فاقہ کی وجہ سے حضورؐ کے جسم اقدس میں کمزوری کے آثار دیکھے تو عرض کی کہ آپ میرے ہاں کھانا منظور فرما کر مجھے خدمت کا شرف بخشیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے گھر کیا کچھ موجود ہے تو میں نے عرض کی ایک صاع (تقریباً تین سیر) جو اور ایک بزغالہ آپؐ نے فرمایا جاؤ اور کھانا تیار کراؤ۔ جابر کہتا ہے میں خوشی خوشی گھر پہنچا اور عورت سے کہا تم یہ جو کی پیسو اور میں بکرے کو ذبح کر کے گوشت صاف کر کے تیرے حوالے کرتا ہوں۔ آج تو ہم بڑے خوش بخت ہیں کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ہمیں یہ شرف بخشا ہے کہ وہ بنفسِ نفیس غریب خانہ پر تشریف لا کر کھانا تناول فرمائیں گے۔ چنانچہ عورت نے جلدی سے آٹا تیار کر لیا اور جابر کہتا ہے میں نے گوشت تیار کر کے اس کے حوالہ کر دیا اور بہر ممکن جلدی سے ہم نے کھانا تیار کر لیا۔ پس میں بارگاہِ نبویؐ میں اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوا اور عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کھانا تیار ہے۔ آپ جس جس کو ساتھ لانا چاہیں تشریف لے آئیں اور مجمع البیان میں ہے جابر نے عرض کی آپؐ اور آپ کے ساتھ صرف دو آدمی اور تشریف لائیں۔ پس آپ نے بروایت معارج جابر سے فرمایا کہ فوراً جاؤ اور اپنی عورت سے کہو کہ تنور کا منہ بند رکھے اور دیگچے سے ڈھکنا اور سر پوش نہ اتارے۔ جب تک میں خود نہ پہنچوں۔ پس خندق کے کنارے پر کھڑے ہو کر تمام مہاجرین اور انصار کو آواز دی اور فرمایا تم سب میرے ساتھ چلو کیونکہ جابر نے ہماری سب کی دعوت کی ہے۔ اس وقت خندق کی کھدائی میں سات سو آدمی مصروفِ عمل تھے چنانچہ اعلانِ رسالتؐ سنتے ہی سب نے بیلچے کلنگ اور ٹوکریاں ڈال دیں اور حضورؐ کے ہمراہ چل کھڑے ہوئے۔ جابر یہ دیکھتے ہی گھبرا گیا اور اُترے ہوئے چہرے کے ساتھ جلدی سے گھر پہنچا اور کہنے لگا آج ہماری بڑی رسوائی ہو گی۔ زوجہ نے دریافت کیا وہ کیسے؟ جواب دیا سات سو جوانوں کے ہمراہ حضورؐ تشریف لا رہے ہیں۔ اس کی زوجہ جو دولتِ یقین وایمان سے سرشار تھیں کہنے لگیں کیا تم نے اپنے گھر کی ساری پونجی کا ذکر حضورؐ سے نہیں کیا تھا۔ جابر نے کہا میں نے بتایا تھا کہ ایک صاع جو اور ایک بکرا ہے تو اس کی زوجہ نے کہا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں محمدؐ جانے اور دعوت جانے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اتنے میں حضورؐ پہنچ گئے اور تنور اور دیگ کے پاس کھڑے ہو کر اللہ سے برکت کی دُعا کی اور اپنے لعابِ دہنِ مبارک سے ایک ذرّہ تنور میں اور ایک ذرّہ دیگ میں امینت فرمایا اور دس دس آدمیوں کو دستر خوان پر بیٹھنے کا حکم

دیا پس اپنے دستِ حق پرست سے دس دس آدمیوں کے لئے ایک برتن میں روٹی کے ٹکڑے ڈالتے اور اوپر شوربا ڈال کر ان کے سامنے رکھتے اور بکری کے بازو سے گوشت توڑ کر اوپر رکھتے جاتے تھے اور دس دس کی ٹولی یکے بعد دیگرے کھانے سے سیر ہوکر اٹھ جاتی تھی۔ آپ ہر ٹولی کا کھانا تیار کرنے کے لئے جب برتن میں روٹی اور شوربا ڈالتے تو مجھے فرماتے تھے۔ بکری کا بازو لاؤ چنانچہ اس سے گوشت الگ کرکے اوپر رکھ دیتے تھے۔ جب چوتھی ٹولی کے لئے آپ نے بازو مانگا تو میں نے از راہِ حیرت دریافت کیا حضورؐ بکری کے بازو تو دو ہوا کرتے ہیں اور میں تین تو پیش کر چکا ہوں لیکن آپ پھر مطالبہ فرما رہے ہیں تو آپ نے فرمایا اے جابر اگر تم خاموش رہتے تو بکرے کا ایک بازو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔ بہر کیف جب تمام لوگ کھا چکے تو اہلِ مدینہ میں سے بھوکے لوگوں کو کھلایا گیا اور لوگوں کے گھروں میں بطور ہدیہ کے بھیجا گیا اور معارج میں ہے کہ ایک ہزار آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور حالت یہ تھی کہ جب دیگچے اور تنور سے ڈھکنا وسرپوش اتار کر ایک ٹولی کے لئے کھانا برتن میں ڈالتے تھے تو پھر دیگچے اور تنور پہ ڈھکنا وسرپوش دے دیا جاتا۔ جب دوسری ٹولی کے لئے ڈھکنا وسرپوش اتارتے تو دیگچہ گوشت سے پُر ہوتا اور تنور میں روٹیوں کی کمی نہ ہوتی۔ جابر کہتا ہے کہ سب سے آخر ہم نے خود کھایا اور ہمسایوں کو کھلایا اور اس کے بعد کافی دنوں تک ہم اسے کھاتے رہے۔ یہ روایت باختلاف الفاظ صحیح بخاری سے بھی نقل کی گئی ہے۔

تیسرا معجزہ بشیر بن سعد کی لڑکی روایت کرتی ہے کہ جن دنوں خندق کی کھدائی شروع تھی تو مجھے میری ماں نے ایک مٹھی بھر خرمے دے کر حکم دیا کہ اپنے باپ اور ماموں کو جا کر دے جو خندق کی کھدائی میں مصروفِ عمل تھے تاکہ خالی پیٹ نہ رہیں اور یہی ان کا صبح کا کھانا تھا (قحط کا زمانہ تھا اور پیٹ بھر کر کھانا میسر نہ تھا) وہ کہتی ہے میں اپنے باپ اور ماموں کو تلاش کر رہی تھی کہ حضورؐ نے مجھے دیکھ لیا۔ پس اپنے پاس بلا کر مجھ سے دریافت کیا کہ یہاں کیوں آئی ہو؟ پس میں نے بیان کیا کہ باپ اور ماموں کے لئے صبح کے کھانے کے بجائے ایک مٹھی بھر خرما لائی ہوں اور ان کو تلاش کر رہی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ مجھے دے دو چنانچہ میں نے وہ چند خرمے آپ کے دستِ حق پرست پر ڈال دیئے۔ آپؐ نے ایک چادر کے دامن میں رکھ کر اوپر کپڑا ڈال دیا اور ایک شخص کو حکم دیا کہ خندق میں کام کرنے والے تمام لوگوں کو بلا لو۔ چنانچہ اُس نے تعمیلِ ارشاد میں سب لوگوں کو بلا لیا۔ آپ نے فرمایا اس کپڑے سے خرمے نکال کر کھاتے جاؤ پس سب آدمیوں نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں اور اپنے کام پر واپس چلے گئے اور جب دیکھا تو جس قدر کھجوریں لائی تھیں اسی قدر ابھی موجود تھیں۔

القصہ لشکرِ قریش کے پہنچنے سے تین روز پہلے خندق مکمل ہوگئی۔ اپنی ضروری آمد و رفت کے لئے اس میں آٹھ دروازے رکھے گئے اور ایک ایک گروہ کو بطور محافظ کے ان پر تعینات کیا گیا اور ہر گروہ کی سرکردگی دو دو آدمیوں کے حوالے کی ایک انصار میں سے اور دوسرا مہاجرین میں سے پس کفارِ مکہ اپنے حلیف قبائل کے ہمراہ پہنچ گئے اور انہوں نے جرف اور غابہ کے درمیان بروایت برہان مقام عقیق پر اپنے ڈیرے ڈال کر مورچے جما لئے اور یہ مدینے سے جانب غربی میں ہے اور قبیلہ غطفان نے مشرقی جانب کوہِ اُحد کے دامن میں خیمے نصب کر لئے اور اسی کے متعلق قرآنی ارشاد ہے وَاِذْ جَاءُوْكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ

مِنكُم۔ یاد کرو جب دشمن تمہارے اوپر کی طرف سے (مشرق کی طرف سے) اور نیچے کی جانب سے (مغرب کی طرف سے) تم
پر گھیرا ڈال چکا تھا اور تفسیر برہان میں قریش و دیگر عرب افواج کا مقام نزول مدینہ کی شرقی جانب اور بنو قریظہ کا محاصرہ غربی جانب
سے لکھا ہے اور یہ کہ بنو قریظہ کی الگ بستی مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھی اور اس جگہ کا نام بئر المطلب تھا۔ کفار مکہ نے مدینہ
سے باہر اپنے فوجی ٹھکانے مضبوط کرنے کے بعد حی بن اخطب سے خواہش کی کہ حسب وعدہ بنو قریظہ کو مسلمانوں سے عہد شکنی
پر آمادہ کرے اور ان سے ہماری کمان میں رہ کر اہل اسلام سے جنگ کرنے کا عہد و پیمان لے۔ چنانچہ وہ پردۂ شب میں بنو قریظہ کی
آبادی میں پہنچا جب کہ بنو قریظہ اپنے مضبوط قلعہ کا دروازہ بند کر کے سوئے ہوئے تھے۔ اس نے قلعہ کے دروازہ پر دستک دی تو بنو قریظہ
کے سردار کعب بن سعد نے جان لیا کہ یہ حی بن اخطب ہی ہوگا پس اس نے اپنی عورت سے کہہ دیا کہ یہ تمہارا بھائی ہے جس کی بدبختی
نے پوری قوم بنو نضیر کو مدینہ سے جلاوطن ہونے پر مجبور کیا۔ اب وہ ہماری بدبختی کے لئے آیا ہے اور اہل اسلام سے ہمیں عہد شکنی کی
دعوت ہی دینا اس کا مقصود ہوگا حالانکہ مسلمانوں کا حسن سلوک ہمیں قطعاً عہد شکنی کی اجازت نہیں دیتا چنانچہ اس نے دربان کو حکم دیا کہ
اس خبیث النفس کے لئے دروازہ ہرگز نہ کھولا جائے اس نے کعب کے نام آواز دی کہ میں حی بن اخطب ہوں دروازہ کھولو۔ اُدھر سے
کعب نے جواب دیا کہ تو منحوس و نامبارک ہے تیری وجہ سے بنو نضیر کو بُرے دن دیکھنے نصیب ہوئے اب ہمارے لئے بھی تو کوئی
بُرا پیغام لایا ہوگا۔ ہم مسلمانوں سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنے کے لئے کسی قیمت پر رضامند نہیں ہیں تم چلے جاؤ۔ ہم دروازہ ہرگز
نہ کھولیں گے۔ حی بن اخطب نے جو انتہائی روباہ صفت انسان تھا کہا بھائی ہاں تیرے گھر سے روٹی نہیں کھاؤں گا۔ جس کا تجھے ڈر ہے
میں تو ایک خیر خواہی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ جب اس نے بخل کا طعنہ دیا تو کعب نے دروازہ کھول دیا اور کہا تو چور دروازہ سے ہم
پر داخل ہوا ہے۔ بتاؤ کیا کہنا چاہتا ہے۔ حی نے کہا مکہ کے قریشی اور عرب کے تمام جنگجو قبائل دس ہزار کی تعداد میں اہل اسلام
سے لڑنے آئے ہیں اور وہ ان کے نام و نشان کو مٹا کر واپس ہوں گے۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اہل اسلام کے عہد و پیمان کو توڑ دو
اور قبائل عرب کے ساتھ اتفاق کر لو اور اگر تم نے سستی کی تو بہت پچھتاؤ گے لہذا اس موقعہ کو ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دو۔ کعب
نے کہا یہ کھوکھلے بادل ہیں جو گرجتے ہیں اور برستے نہیں ہم نے محمد سے شرافت نجابت اور حسن سلوک اور مکارم اخلاق کے علاوہ کچھ
نہیں دیکھا لہذا ہم اپنے عہد کو قطعاً نہ توڑیں گے اور اس خفیہ بات چیت میں بنو قریظہ کے تمام اکابر علماء و امراء شریک تھے
اُن میں سے زبیر بن باطا جو نہایت سن رسیدہ تھا اور آنکھوں سے نابینا مگر تجربہ کار تھا کہنے لگا کہ میں نے توراۃ میں پڑھا
ہے کہ خدا آخری زمانہ میں ایک نبی بھیجے گا جو مکہ میں مبعوث ہوگا اور مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے گا۔ وہ زین کے بغیر گدھے کی
سواری کرے گا اور وہ سر پر چادر اوڑھے گا۔ روٹی کے چند ٹکڑوں اور کھجوروں پر اس کی بسر اوقات ہوگی۔ نہایت کم ہونے کے باوجود
جنگجو و بہادر ہوگا۔ اس کی آنکھوں میں سُرخی اور کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ تلوار کو حمائل رکھے گا اور کسی خطرے کے مقام
سے خوفزدہ نہ ہوگا اور انتہائے عالم تک اس کی سلطنت کا سکہ ہوگا۔ اگر یہ وہی ہے تو عربوں کے یہ لشکر اس کا بال بیکا نہیں
کر سکتے اور نہ اس کو اس قسم کے اجتماعات گھبراہٹ میں ڈال سکتے ہیں بلکہ وہ سر بلند پہاڑوں سے نبرد آزما ہونا چاہے تو غالب

رہے گا۔ حی بن اخطب نے انہیں ورغلایا اور اس پر جمے رہنے کی بات کی کہ یہ وہ نبی نہیں ہے کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد سے ہے اور آنے والے نبی کو بنی اسرائیل میں سے ہونا چاہیے۔ بہرکیف حی بن اخطب بنو قریظہ کو اپنی شیطانی چالوں سے گمراہ کرنے میں بالآخر کامیاب ہو گیا اور انہوں نے معاہدہ توڑ ڈالا اور انہیں جنگ کی تیاری کا پیغام بھیج دیا۔

مسلمانوں نے ایک طرف کفار عرب کا انبوہ کثیر دیکھا اور دوسری طرف بنو قریظہ کی عہد شکنی کی خبر بھی سنی تو ان کی حالت وہی تھی جس کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ خوف کے مارے ان کی آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور بعض لوگوں نے اللہ کے وعدوں پر بھی شک کرنا شروع کر دیا۔ اور منافقین کو مسلمانوں میں بددلی پھیلانے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ حضور نے زبیر کو یہودیوں کی طرف حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا تو انہوں نے بھی اطلاع دی کہ یہ خبر درست ہے اور یہودی مسلمانوں کے خلاف تیاری کر رہے ہیں۔ چنانچہ اپنے قلعے اور مورچے مضبوط کر رہے ہیں اور حفاظتی تدابیر کو عمل میں لا رہے ہیں۔ پھر آپ نے سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر کو بھیجا جو قبیلہ اوس کے سردار تھے اور بنو قریظہ اور قبیلہ اوس کی آپس میں دوستی تھی۔ ان سرداروں نے جا کر انہیں خوب سمجھایا لیکن انہوں نے ... گالی گلوچ پر اتر آئے پس مسلمانوں کا یہ وفد یہودیوں سے ناکام واپس

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ وَإِذْ

وہاں اس وقت آزمائے گئے ایمان والے اور وہ ہلا دیے گئے ایک سخت ہلا دینا اور جب کہ

يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَ

کہتے تھے منافق لوگ اور جن کے دلوں میں بیماری تھی نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ

رَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ

اور اس کے رسول نے مگر دھوکا دینے کا اور جب کہا ایک گروہ نے منافقوں میں سے اے مدینہ والو نہیں تمہارے لیے

لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا

یہاں کوئی جگہ نہیں پس پلٹ جاؤ اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگنے لگا یہ کہہ کر ہمارے گھر غیر محفوظ

پلٹا اور حضور کو ان کے اس پکے عہد شکنی کی اطلاع دے دی۔ یہ نقشہ تھی مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہوا جس کی قرآن مجید حکایت کر رہا ہے کہ مومنوں کی بہت سخت آزمائش کی یہ گھڑی تھی۔

وَزُلْزِلُوا۔ یعنی ان کے پاؤں میں لغزش پیدا کی گئی تا کہ صراط مستقیم سے ڈگمگا جائیں۔

وَإِذْ يَقُولُ۔ منافق لوگوں کو کہنے کا موقعہ مل گیا کہ تمہارا رسول اللہ تم کو قیصر و کسریٰ اور یمن و شام کی فتوحات کی خبریں سناتا تھا۔ اس کا وہ وعدہ کہاں گیا پس جن لوگوں کا ایمان کمزور تھا وہ سب بددل ہو گئے۔

وَإِذْ قَالَتْ۔ یعنی خوف کی حالت یہ تھی کہ بعض لوگوں نے بھاگ جانے کی ٹھان لی تھی اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ اب یہاں ٹھہرنا فضول ہے۔

بعض لوگوں نے گھر کے اکیلے ہونے کا بہانہ کر کے حضورؐ سے چھٹی کی درخواست کی تھی جس کو قرآن مجید نے فاش کر دیا کہ یہ بھاگنے کا بہانہ ہے اور جب کفارِ مکہ اور یہود یعنی قریظہ کا آپس میں گٹھ جوڑ ہو گیا تو یہودیوں نے کفارِ مکہ کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں پر رات کی تاریکی میں شب خون مارا جائے جس کی اطلاع حضورؐ تک پہنچ گئی پس آپ نے شہر کی آبادی میں مستورات کی حفاظت کے لئے دو سو فوجی سپاہیوں کی جماعت کے ساتھ سلمہ بن اسلم کو تعینات فرما دیا چنانچہ اس کے بعد کفار و یہود شب خون کی جرأت نہ کر سکے [illegible]

جب لشکر کفار پوری تیاری کے ساتھ لڑائی کے لئے قریب پہنچا تو خندق کے حفاظتی انتظام کو دیکھ کر ششدر رہ گئے پس خندق کے گرد فوجی محاصرہ کر لیا گیا اور دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہو گئی مسلمانوں کی جماعت تقسیم تھی حفاظتی دستے ہر وقت مصروفِ گشت رہتے تھے تاکہ اندر گھسنے کی جرأت کوئی نہ کر سکے [illegible] خندق کے کنارے پر پہرہ داروں کے ساتھ کھڑے رہتے تھے (۲۱) [illegible]

قبیلہ غطفان جو فزارہ کے [illegible] مدینہ کو واپس چلے جانے کی پیشکش کی گئی جس کو انہوں نے رضا مندی کا اظہار کیا لیکن جب مسلمانوں کی مجلس میں اس تجویز کو زیرِ غور لایا گیا تو سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ نے کہا اگر اللہ نے بذریعہ وحی کے حکم دے دیا ہو تو ہمیں تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اگر ہماری مرضی پر چھوڑا جائے تو قبائل عرب کو کسی لالچ کے ذریعہ سے واپس کرنے پر ہم رضا مند نہ ہوں گے کیونکہ اس طریقہ سے آئندہ لوگ ہمیں تنگ کریں گے اور ان کی للچائی ہوئی نگاہیں ہر وقت ہماری آبادیوں کے تعاقب میں رہیں گی [illegible] (۱۱) [illegible] اہلِ اسلام میں جو دور ہونے کی جرأت نہ ہو گی اور اس سلسلہ میں ہم خون کا آخری قطرہ قربان کر دینے سے گریز نہ کریں گے جب قبائل عرب کے سرداروں نے انصار مدینہ کے جرأت مندانہ الفاظ اور سرفروشانہ گفتگو سنی تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور دلوں پر رعب طاری ہو گیا

تفسیر مجمع البیان میں ہے [illegible] حضرت زید بن [illegible] ہی ہوتی رہی بروایتِ ابن عباس وہ حضرت رسالتمآبؐ کے پیچھے پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے لیکن خندق کو پار نہ کر سکے آخر کار کفار کے پانچ جوانوں نے خندق عبور کرنے کا تہیہ کر لیا اور ان کے نام یہ ہیں (۱) عمرو بن عبدود عامری (۲) عکرمہ بن ابوجہل (۳) ضرار بن خطاب (۴) ہبیرہ ابن وہب (۵) نوفل بن عبداللہ یہ لوگ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور خندق کے ارد گرد چکر لگا کر ایک تنگ مقام سے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر اندر آ گئے اور سب سے پہلے عمرو بن عبدود کے گھوڑے نے چھلانگ لگائی یہ شخص قریش کا نامی گرامی پہلوان تھا اور مشہور شہسوار تھا یہ جنگِ بدر میں شریک کارزار تھا اور زخمی ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے وہ اُحد میں شریکِ جنگ نہ ہو سکا تھا اور اس کو ایک ہزار جوان کے برابر سمجھا جاتا تھا اور اس کا لقب فارسِ یلیل تھا جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ قافلہ قریش میں یہ شخص موجود تھا جب مقامِ بدر کے قریب وادیِ یلیل میں پہنچے تو قبیلہ بکر کافی تعداد میں ان سے

سے پھر پیدل ہو گیا یعنی ابن جرئے سبب تاکلا وغلاوں سے لیا جانے کر کہا لوز تحقیق تھا ان کے مقابلہ میں لوگ جو گرواں ہو کر ٹوٹ گیا حتی کہ سب کو
مار بھگایا اور مدارج النبوۃ میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ قریش کا ایک قافلہ سفر تجارت میں جا رہا تھا اور عمرو بن
عبدود بھی قافلے میں موجود تھا اچانک انہیں خبر ملی کہ ایک بڑا لشکر قافلہ لوٹنے کے لیے راستہ میں موجود ہے تمام قافلہ والوں
میں یہ خبر وحشت اثر سن کر خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی اور ہر شخص مال سے پہلے اپنی جان کی فکر تھی چنانچہ جو نہی وہ ظاہر ہوئے
تو اس شخص (عمرو بن عبدود) نے تلوار نیام سے نکالی اور شیر کی طرح ان پر حملہ آور ہو گیا اور اس کی جرات و جسارت کو دیکھ کر تمام ڈاکو
بھاگ گئے اور پورے قافلہ کو کوئی گزند نہ پہنچ سکا ایک روایت میں ہے کہ ایک اونٹ کے بچے کو ایک ہاتھ میں اٹھا کر
اسے ڈھال بنا لیا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ دشمن تتر بتر ہو گئے (اوراق الاحزاب)
پھر کچھ عرصہ بعد عمرو بن عبدود خندق عبور کر کے اپنے ساتھیوں سمیت اندر گھس آیا تو حضرت علی علیہ السلام نے چند دوسرے جوانوں کو ساتھ لے کر اس جگہ کو اپنے قبضہ میں لے لیا جہاں سے وہ گذرے تھے تاکہ ان کے بعد کوئی دوسرا اندر نہ آ سکے اور جو آ چکے ہیں وہ واپس نہ جا سکیں عمرو ابن عبدود

عَوْرَةٌ ۚ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ⑬ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا

حالانکہ نہیں ہیں وہ غیر محفوظ وہ صرف بھاگنا ہی چاہتے تھے اور اگر گھس جاتے ان پر (مدینہ) کے چاروں طرف سے

ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا ⑭ وَلَقَدْ كَانُوا

پھر ان سے فتنہ (شرک) کا مطالبہ کیا جاتا تو یہ مان لیتے اور نہ توقف کرتے مگر تھوڑا اور تحقیق اس سے

عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ⑮

پہلے وہ اللہ کے ساتھ عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس

قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا

ہو گی۔ کہہ دیجئے نہ فائدہ دے گا تم کو بھاگنا اگر تم موت سے بھاگو یا قتل سے اور پھر اگر بچ بھی جاؤ تو

لَا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ⑯ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ

نہ نفع پاؤ گے مگر تھوڑا حیاتِ دنیاوی۔ کہہ دیجئے کون تم کو بچا سکے گا

نے خندق سے لے کر کوہ سلع کے دامن تک گھوڑے کو جولان دیا اور پھر نیزہ کو زمین میں گاڑ کر هَلْ مِنْ مُبَارِز کی آواز بلند کی اور
قریشی جوان و قبائل عرب کے دوسرے بہادر خندق کے پرلے کنارے پر صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ ادھر جن لوگوں نے عمرو بن عبدود
کی شجاعت و بہادری کا حال سنا تھا وہ سناٹے میں آ گئے۔ عمرو بن عبدود نے رجز خوانی میں چند اشعار پڑھے جس میں اس نے اپنی شجاعت
و جرات کا ذکر کیا۔ یہ شخص سر تا پا لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور مبارز طلبی کرتے ہوئے اس نے ڈینگیں مارنا بھی شروع کر دیا چنانچہ
اس نے کہا مسلمانو! اب تمہاری جنت کہاں گئی جس کے متعلق تمہارا خیال تھا جو مارا جائے وہ سیدھا جنت میں جاتا ہے اور جناب

سنا جو یکدم فرماتے تھے من یقتلہ الکلب بدیہہ کرنی چھوٹا حکم ہے کہ قتل کرو لیکن ایک شخص بھی ایک ایک کہنے کی جرأت

نہ تھی ...

إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوٓءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن

اگر وہ تم پر عذاب کا ارادہ کرے یا تم پر مہربانی کرنے کا ارادہ کرے اور وہ نہیں پائیں گے اپنے

دُونِ ٱللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۷﴾ قَدْ يَعْلَمُ ٱللَّهُ ٱلْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ

لئے اللہ کے سوا کوئی کارساز و مددگار ۔ تحقیق جانتا ہے اللہ روکنے والوں کو تم میں سے اور

وَٱلْقَآئِلِينَ لِإِخْوَٰنِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ ٱلْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۸﴾

ان کو جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہمارے پاس آجاؤ اور خود بھی نہیں آتے لڑائی میں مگر کم

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَآءَ ٱلْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ

وہ بخیل ہیں تمہارے اوپر (جان و مال کے لحاظ سے) پھر جب خوف کا موقع آئے تو ان کو دیکھو گے کہ تمہاری طرف ان کی

أَعْيُنُهُمْ كَٱلَّذِى يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ ٱلْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ ٱلْخَوْفُ سَلَقُوكُم

نظریں لگی ہیں ان کی آنکھیں اس طرح چکر لگاتی ہیں جس طرح کہ ان پر موت کی غشی طاری ہو پس جب خوف چلا جائے

بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى ٱلْخَيْرِ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا۟ فَأَحْبَطَ

تو تیز طرار زبانوں کے ساتھ تمہیں ملیں گے کہ بخیل کرتے ہیں مال غنیمت پر ایسے لوگ مومن نہیں پس حبط کر دئے

ٱللَّهُ أَعْمَٰلَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُونَ ٱلْأَحْزَابَ

اللہ نے ان کے اعمال اور یہ ہے اللہ پر آسان وہ خیال کرتے ہیں ابھی لشکر

لَمْ يَذْهَبُوا۟ ۖ وَإِن يَأْتِ ٱلْأَحْزَابُ يَوَدُّوا۟ لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ

واپس نہیں گئے اور اگر آجائیں لشکر تو یہ دوست رکھیں گے کہ کاش وہ بادیہ نشین ہوتے عربوں میں کر

فِى ٱلْأَعْرَابِ يَسْـَٔلُونَ عَنْ أَنۢبَآئِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا۟ فِيكُم مَّا قَٰتَلُوٓا۟

پوچھتے تمہاری خبروں کے متعلق اور اگر تم میں ہوں تو بھی نہیں لڑائی کریں

قَدْ يَعْلَمُ ٱللَّهُ

عمرو بن عبدود کی آواز سن کر بعض لوگ اور بالخصوص منافق لوگ دوسروں کی بھی ہمت شکنی کرتے تھے چنانچہ تفسیر برہان میں ہے کہ ایک منافق جس کے نام کو ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں اس نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے سے کہا کہ دیکھو یہ شیطان عمرو ہے اس کے ہاتھ سے بچ کر نکل جانا بہت مشکل ہے کیوں نہ ہم خود رسول اللہ کو اس کے سامنے بھیج دیں اور اپنی پچھلی ملت کے ساتھ مل جائیں پس اسی وقت یہ آیت اتری کہ اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور ان کے حوصلے پست کرتے ہیں وہ خود بھی جنگ سے کتراتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنے پاس بلاتے ہیں جولڑھ وھرے پیچھے رہنے کی

محروم ہو جاتے ہیں ایسے منافق لوگ اس بات کو بھی گوارا نہیں کرتے کہ تمہاری فتح ہو اور اپنی جان و مال کے لحاظ سے جو
پہلی طرح بخیل ہیں اور تمہاری بھلائی دیکھنا نہیں گوارا کرتے ہیں۔ خوف کے وقت تو ان کی آنکھوں کو گردش دینے والے کی طرح آرام
نہیں آتا لیکن جب خوف ٹل جائے تو پھر ڈینگیں مارتے ہیں اور تیزی و طراری سے اپنی شجاعت کی داستانیں بیان کرتے
ہیں اور نیکی پر اپنا حق بھی ہونا جتلاتے ہیں کہ مال غنیمت سے حصہ ملے ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں اگر ان کی ظاہری نیکی
کا کوئی اجر نہیں ملے گا کیونکہ وہ صرف ریاکاری ہے۔

القصہ۔ جب عمرو بن عبدود کی للکار پر کسی صحابی کو لبیک کی جرأت نہ ہوئی تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے
دست بستہ بارگاہ نبوی میں عرض کی حضور میں حاضر ہوں آپ نے پھر صحابہ کی طرف رخ کر کے فرمایا کوئی ہے جو اس کے مقابلہ
میں جائے لیکن خاموشی طاری رہی اور حضرت علی نے پھر اپنے آپ کو پیش کیا لیکن آپ خاموش رہے جب عمرو بن عبدود نے
تیسری بار مبارز طلبی کرتے ہوئے کہا کیا تمہارے بھرے مجمع میں کوئی بھی مرد میدان نہیں ہے تو پھر حضرت علی نے کھڑے
ہو کر دست بستہ عرض کی کہ حضور میرے اوپر نظر کرم فرمائیے اور اجازت دیجئے۔ آپ نے فرمایا یا علی یہ عمرو بن عبدود فارس یلیل
ہے تو حضرت علی نے جواب دیا سرکار میں بھی تو علی ابن ابی طالب ہوں پس علی کو رسول خدا نے اپنی زرہ پہنائی اور ذوالفقار
حمائل کر عطا کی اور اپنا عمامہ سحاب علی کے سر پر اپنے دست حق پرست سے باندھا جس کے نو پیچ ہوئے اور یہ دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ
مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَعَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَمِنْ فَوْقِهِ وَمِنْ تَحْتِهِ اے اللہ اس کی حفاظت کر
سامنے سے پیچھے سے دائیں اور بائیں سے اور اوپر و نیچے سے پس علی دوڑ کر میدان میں اس طرح پہنچے جس طرح شیر اپنی مار پر آتا
ہے۔ تفسیر برہان میں ہے حضور نے اپنی مشہور زبان زد عوام حدیث ارشاد فرمائی بَرَزَ الْاِيْمَانُ كُلُّهٗ اِلَى الشِّرْكِ كُلِّهٖ یعنی ہمارے
کا سارا ایمان سارے کے سارے شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ اور مدارج میں ہے کہ حضور نے یہ دعا بھی فرمائی اے اللہ میرے چچا
حمزہ کو تو نے احد میں مجھ سے جدا کیا اور عبیدہ کو جنگ بدر میں تو نے لے لیا یہ میرا بھائی علی میدان میں جا رہا ہے۔ اس کی نگہبانی
فرما اور مجھے تنہا نہ چھوڑ اور پھر چند قدم ساتھ بھی چلے اور علی کو رخصت فرمایا حضرت علی نے میدان کارزار میں قدم رکھتے ہی رجزیہ
اشعار پڑھے جو عمرو کے رجزیہ اشعار کا جواب تھے۔

جب دو بدو ہوئے تو عمرو نے پوچھا آپ کون ہیں۔ علی نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں تو عمرو بن عبدود نے
کہا تم کمسن لڑکے ہو اپنے چچوں اور بزرگوں میں سے کسی کو بھیجو میں تجھے قتل کرنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا میں یقیناً تجھے قتل
کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ہے عمرو نے کہا تیرے باپ کی اور میری آپس میں گہری دوستی تھی اور اس دوستی کا تقاضا
یہ ہے کہ میں تیرا خون گرانا پسند نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا میں تیرا خون گرانا یقیناً پسند کرتا ہوں اور وارد ہے کہ عمرو نے طیش میں
آ کر یہ بھی کہا کہ کیا تیرے چچا زاد رسول اللہ کو تجھ پر رحم نہ آیا کہ تجھے قتل ہونے کیلئے میرے مقابلہ میں بھیج دیا میں اگر چاہوں تو تجھے
نیزے کی انی میں پرو کر ایک ہاتھ سے اوپر اٹھاؤں کہ تو آسمان و زمین کے درمیان موت و حیات کی کشمکش میں لٹکتا رہے اور

تجھے چھڑانے والا بھی کوئی نہ ہو۔ آپ نے اس کی بات کا جواب نہایت متانت سے دیا کہ میرے چچازاد رسول اللہ نے
مجھے جان بوجھ کر بھیجا ہے کہ اگر قتل ہو جاؤں گا تب بھی میں جنتی ہوں گا اور تو جہنم میں جائے گا اور اگر تجھے قتل کروں گا تب
بھی میرے لئے جنت اور تیرے لئے دوزخ ہو گا۔ آپ نے فرمایا وقت ضائع کرنے کے بجائے میں تیرے سامنے تین
باتوں سے ایک کے اختیار کرنے کی پیشکش کرتا ہوں اور تو نے غلافِ کعبہ کو پکڑ کر یہ عہد کیا ہوا ہے کہ میدانِ جنگ میں میرے سامنے
جو شخص تین چیزیں پیش کرے گا ان میں سے ایک کو ضرور اختیار کروں گا۔ عمرو بن عبدود نے جواب دیا بے شک آپ بیان
فرمائیں۔ آپ نے فرمایا پہلی بات تو یہ ہے کہ کلمۂ اسلام قبول کر لو اور توحید و نبوت کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔ اس نے جواب
دیا یہ تو قابلِ قبول نہیں۔ آپ نے فرمایا دوسری بات یہ ہے کہ جنگ کئے بغیر فوجوں کو واپس لے جاؤ۔ اگر حضرت رسول اللہ اللہ
کے سچے رسول ہیں تو یہ تمہارے لئے باعثِ عزت و فخر ہے اور اگر معاذ اللہ جھوٹے ہیں تو عرب کی دوسری قومیں اس کا کام تمام
کر دیں گی اور تمہارا مطلب لڑائی کے بغیر پورا ہو جائے گا۔ اس نے کہا اس سے میری بزدلی ثابت ہو گی اور قریش کی عورتیں اور
عرب کے شعراء مجھے برے القاب سے یاد کریں گے لہٰذا میں اس ذلت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور جنگِ بدر
میں زخم کھانے کے بعد میں نے منت مانی تھی کہ جب تک جنگِ بدر کا انتقام نہ لوں گا سر پر تیل کی مالش نہ کروں گا (معارج)
آپ نے فرمایا تیسری بات یہ ہے کہ جنگ کے لئے تیار ہو جا اور جس طرح میں پیادہ ہوں تو بھی گھوڑے سے اتر کر میرے ساتھ
نبرد آزمائی کر پس وہ فوراً گھوڑے سے اترا اور گھوڑے کے چاروں پیر کاٹ دیئے اور آمادۂ پیکار ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ
طرفین نے ایک دوسرے پر متعدد وار کئے اور اس قدر گرد و غبار بلند ہوا کہ دونوں بہادر اس کے اندر چھپ گئے پس عمرو بن عبدود
نے پورے زور سے حضرت علیؑ پر تلوار سے حملہ کیا جس کی تلوار آپ کی ڈھال، فولادی خود اور دستار مبارک کو کاٹتی ہوئی سر اطہر کو زخمی
کرنے میں کامیاب ہوئی حضرت علیؑ نے اس کو للکارا اور فرمایا جوان مرد سے لڑنے کے لئے اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لانا شیوہ شجاعت
نہیں ہے اُس نے جونہی توجہ ہٹا کر مڑ کر دیکھا تو علیؑ کی تلوار اس کے قدموں کو کاٹ کر اسے زمین پر چت لیٹنے پر مجبور کر چکی تھی
پس تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کرنے کو ہی تھے کہ بنا بر مشہور اس نے آپ کے منہ کی طرف تھوک دیا۔ آپ نے غصہ کو
پی کر اسے ایک دفعہ چھوڑ دیا چنانچہ دیکھنے والوں کی حیرت کی حد نہ رہی کہ جب گرد و غبار کم ہوا تو گرے ہوئے دشمن سے علیؑ
کو الگ پایا لیکن ایک یا دو لمحہ بعد علیؑ نے اس کا سر قلم کیا اور نہایت ناز و ادا سے چلتے ہوئے واپس بارگاہِ نبوی میں پہنچے۔ حالت
یہ تھی کہ آپ کے سر مبارک سے خون کی دھار بہہ رہی تھی اور تلوار کی دھار سے دشمن کا ناپاک خون ٹپک رہا تھا اور بنا بر مشہور
آپ نے دریافت کیا کہ دشمن کو گرا کر چند لمحوں کے لئے اس کو چھوڑ کر الگ کیوں ہو گئے تھے تو علیؑ نے جواب دیا اس نے ازراہِ گستاخی
میری طرف تھوکا تھا جس سے میری طبیعت میں غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی تھی اور میں نے سوچا کہ یہ جہاد اللہ کے لئے ہے لہٰذا دشمن
کو قتل کرنے میں اپنے ذاتی جذبات کو شامل نہ کروں اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب طرفین کی رد و بدل میں گرد و غبار بلند
ہوا تو حضرت علیؑ نے بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت

میں میری جان ہے علیؑ نے عمرو کو مار گرایا ہے چنانچہ یہ منظر آنکھوں سے دیکھنے کے لئے عمر بن خطاب سب سے پہلے رزم گاہ میں پہنچے اور دیکھا کہ حضرت علیؑ دشمن کو قتل کرکے اس کی قمیص سے تلوار کو صاف کر رہے تھے پس واپس پلٹ کر حضورؐ کو علیؑ کی فتح کی خبر سنائی۔ معارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے عمرو کو قتل کرنے کے بعد اس کی قیمتی پوشاک اور زرہ و دیگر قیمتی سامان جنگ کی طرف نظرِ التفات نہ کی اور کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی فاتحانہ چال پر کسی نے زبانِ طعن دراز کی کہ یہ تکبرانہ ادا ہے تو حضورؐ نے فرمایا بے شک اللہ کو تکبر بڑا ناپسند ہے لیکن دشمنِ دین کے مقابلہ میں یہ ادا تکبرانہ اللہ کو پیاری لگتی ہے اور جب عمرو کا سر کاٹ کر لا رہے تھے ہر طرف نعرہ اللہ اکبر کے ساتھ لا فتیٰ الا علی کی صدا تھی جب پہنچے تو عمر بن خطاب نے آپ سے دریافت کیا یا علی دشمن کی قیمتی زرہ آپ نے کیوں نہ اتاری حالانکہ عرب میں اس کی زرہ کی کوئی مثال نہیں ہے تو آپ نے فرمایا مجھے غیرت دامنگیر ہوئی ہے یہ بعید ہے کہ دشمن کو قتل کرکے اس کے جسم کو عریاں کر دوں۔ حضرت رسالتمآبؐ نے علیؑ کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش فرمایا۔ اَبْشِرْ یَا عَلِیُّ فَلَوْ وُزِنَ الْیَوْمَ عَمَلُکَ بِعَمَلِ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ لَرَجَحَ بِعَمَلِھِمْ یعنی اے علی تم کو بشارت ہو کہ تیرا آج کا عمل اگر میری ساری امت کے جملہ اعمال کے ساتھ تولا جائے تو تیرا عمل زیادہ وزنی ثابت ہوگا کیونکہ مشرکین کے گھروں میں عمرو کے قتل کی وجہ سے کمزوری داخل ہو چکی ہے اور مومنوں میں برتری اور عزتِ نفس نے جگہ پالی ہے (برہان) اور معارج میں یہ حدیث اس طرح ہے مُبَارَزَۃُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ یعنی علیؑ کی لڑائی بروزِ خندق میری امت کے قیامت تک کے تمام اعمال سے افضل ہے اور اس حدیث کی زبان زدِ عوام اور مشہور عبارت اس طرح منقول ہے ضَرْبَۃُ عَلِیٍّ یَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَۃِ الثَّقَلَیْنِ یعنی علی کی خندق کے دن کی ایک ضرب جن و انس کی عبادت سے افضل ہے۔

اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲۱﴾ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ

مگر تھوڑا ۔ تحقیق ہے تمہارے لئے رسول اللہ (کی ذات) میں اسوہ حسنہ (اچھا نمونہ) اس کے لئے جو

یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ

جو بھروسہ کرے اللہ پر اور یوم قیامت پر اور یاد کرے اللہ کو بہت ۔ اور جب دیکھا مومنوں نے

الْاَحْزَابَ قَالُوْا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَ

لشکروں کو تو کہنے لگے یہ وہ ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا اللہ نے

رَسُوْلُہٗ وَمَا زَادَھُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا ﴿۲۳﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

اور اس کے رسولؐ نے اور ان کے ایمان و تسلیم میں اضافہ ہی ہوتا گیا ۔ مومنوں میں سے

تفسیر برہان میں ہے کہ عمرو بن عبدود کے قتل ہو جانے کے بعد ہبیرہ بن وہب کے مقابلہ کے لئے آپ نے زبیر

سکو بھی چنانچہ پہر نے ہیوکا ایک خوبصورت سے کلام تمام کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت ابن خطاب کے صفیہ ابن عمرو

بن خطاب کو روانہ کیا عمرؓ نے شفقت سے اسے تھوڑا سا چاہا لیکن حضرت نے دھمکی دی کہ ان پر سخت بہت ہوائی ہیں تیری

استعمال لڑائی کے اصولوں کے خلاف ہے اگر تم نے کیا تو یاد رکھو کہ میں سخت ہے تمام بنی عدی کے افراد کو میں موت

کے گھاٹ اتار دوں گا ... حضرت عمرؓ ... اور تھوڑی دیر ... اس کے سر پر ... کا ایک

پھاڑ دیا ... قریش ... قتل نہ کرنے

کی قسم کھائی ہے ... عبداللہ ... نے

راہ فرار اختیار کی لیکن ... [illegible]

[illegible] (۶۱) ملعونین اینما ثقفوا [illegible]

[illegible] ... کا کام تمام کر دیا ... اپنے ... کے ... قسم ہے

کو خریدنے کی ... تو آپ نے فرمایا ... (۶۲) سنۃ اللہ فی الذین خلوا [illegible]

کی بہن جب بھائی کی لاش ... اس بات پر خوش ہوں کہ میرے بھائی کا قاتل کوئی شریف النفس انسان

تھا ... اس بات کا اعلان کیا کہ اگر اس قاتل کے علاوہ میرے بھائی کا کوئی اور قاتل ہوتا تو میں اپنے

بھائی کے غم میں ... [illegible]

اپنی نظیر آپ ہے ... اس کے قیمتی لباس اور زرہ کو ... [illegible]

... ہوا اور اسلام کی صداقت ... (۶۳) ... قریش کے ساتھ

... کے ساتھ بھی دوستانہ تھا ... مدینہ تک پہنچنے سے تین دن پہلے یہ شخص پکا مسلمان ہو

چکا تھا چنانچہ جب ... [illegible]

کہ ... خون کا آخری قطرہ ... حضرت ... اسلام ... مشرکین

میں پھوٹ ڈال سکتے ہیں کامیاب کرا دو ... آپ نے فرمایا تیری شخصیت ... لشکر کفار میں گروہوں کا

پہلے اگر زیادہ اہم ہے تو اس نے عرض کی اس سلسلے میں ... اجازت دیجئے لہذا ممکن ہے اس

کوشش میں مجھے ... آپ نے فرمایا ... تیری ہر

کوشش جائز ہوگی اور تجھے اس کا اجر ملے گا۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے ابو سفیان کے پاس پہنچا ... اپنی دوستانہ

روش اور سابقہ تعلقات ... کہا کہ میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری کامیابی کا دل و جان سے

خواہاں ہوں لیکن اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ یہودیوں کا مسلمانوں کے ساتھ سمجھوتہ ہو چکا ہے اور یہودیوں نے یہ بات

تسلیم کر لی ہے کہ ہم لشکر کفار کے ساتھ مل کر ان کے چیدہ چیدہ افراد کو قتل کر ڈالیں گے اور مسلمانوں کی کامیابی کا راز بھی اسی

لیں مضمر ہے اور اس کارنامہ پر رسول اللہ قبیلہ نضیر و قبیلہ قینقاع کے متروکہ املاک ان کو واپس کر دیں گے۔ لہذا تم ہوشیار رہنا اور یہودیوں کے فریب اور دھاندلی میں نہ آنا۔ ابوسفیان نے نعیم کی بات سے خوب اثر لیا اور اس کو دل میں جگہ دی۔ پس نعیم نے دوسرے عرب قبائل سے بھی اسی حقیقت کا اظہار کیا۔ اور انہیں بھی یہود کی چالوں سے چوکنا و چوکس رہنے کی دعوت دی اس کے بعد وہ سیدھا بنو قریظہ کے پاس پہنچا اور ان سے اپنے قدیمانہ دوستانہ مراسم کی تجدید کرنے کے بعد کہا میں ایک خیر خواہی کا پیغام لے کر تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑ ڈالا ہے۔ اور کفار قریش سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور اس کا قبول کرنا تمہارے لئے فائدہ مند سمجھتا ہوں کہ کفار قریش اور قبائل عرب دُور دُور سے کھچ کر آئے ہیں اور اہل اسلام کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے۔ تو اُن کی مراد بر آئے گی اور ان کی فتح سمجھی جائے گی لیکن اگر وہ مغلوب ہو گئے یا تھک کر واپس نامراد چلے گئے۔ تو تمہارا کوئی ٹھکانا نہ ہو گا کیونکہ تم میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہو گی۔ جب کفار قریش و عرب تم کو بلائیں تو ان کے دس چیدہ چیدہ افراد کو بطور رہن اپنے گھروں میں رکھ لینا کیونکہ اس طرح وہ بصورت ناکامی واپس نہ جا سکیں گے اور ان کی خاطر باقی قبائل بھی تمہاری نصرت و امداد میں ضرور حصہ لیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم مسلمانوں کی زد سے بچ سکو گے بنو قریظہ کو نعیم کی یہ تجویز نہایت پسند آئی۔ اور انہوں نے اس کو خوب سراہا۔ اور مجمع البیان میں اس طرح ہے کہ نعیم نے پہلے یہود سے ملاقات کی اور بعد میں کفار سے آ کر کہا۔ کہ یہودیوں اور مسلمانوں کا دوبارہ اس امر پر سمجھوتہ ہوا ہے کہ وہ تم سے چیدہ چیدہ آدمی لے کر ذبح کر ڈالیں گے اور پھر مسلمانوں کے ساتھ مل کر تمہیں شکست فاش دیں گے۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ

ایسے مرد ہیں جو ثابت رہے اس پر جو اللہ سے عہد کر چکے تھے ان میں سے کچھ تو چل بسے

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِيَجْزِيَ

اور کچھ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی تاکہ بدلہ

اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ

دے اللہ سچوں کو اپنے سچ کا اور عذاب دے

رِجَالٌ جنگِ احزاب میں منافقوں اور مومنوں کے کردار کی الگ الگ نشاندہی کی گئی ہے منافقوں کی حالت کا پہلے ذکر فرمایا کہ جونہی اُن کی نظر کفار کے لشکروں پر پڑی تو وہ اللہ و رسولؐ کے کئے ہوئے وعدوں سے بھی بدظن ہو گئے اور لوگوں میں بھی بددلی پھیلانے کے درپے ہو گئے لیکن مومنوں کی یہ حالت تھی کہ کفار کے لشکر جمع ہوئے تو ان کے چہروں میں نکھار اور ایمان میں جلا پیدا ہوئی اور وہ آپس میں کشادہ پیشانی سے پیش آتے رہے۔ اور کہتے تھے یہ تو وہی ہے جس کا اللہ و رسولؐ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کیونکہ حضور پہلے سے عساکر کی چڑھائی اور اسلام کی فتح کا مژدہ سنا چکے تھے۔ نیز خندق کی کھدائی کے وقت بھی قیصر و کسریٰ اور یمن کی فتوحات کی خوشخبری دے چکے تھے۔

پس جن لوگوں کے دل مطمئن تھے وہ تہ دل سے مسرور تھے اور ان کے ایمان و تسلیم میں اضافہ ہو رہا تھا چنانچہ اس آیت مجیدہ میں فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے سچے دل سے اللہ کے ساتھ عہد کیا ہوا ہے۔ وہ اسے صدقِ دل سے نبھاتے بھی ہیں۔ چنانچہ مومنوں میں سے بعض تو اپنے عہد پر وفا کرتے ہوئے درجۂ شہادت پر فائز یا موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ اور بعض اس کے منتظر ہیں اور تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے۔ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کے مصداق احد و بدر کے شہداء ہیں اور بعض روایات میں حضرت حمزہؓ کا خصوصیت سے ذکر ہے اور مَنْ يَّنْتَظِرُ سے مراد تمام وہ لوگ ہیں۔ جو عہد خداوندی پر قائم ہیں۔ اور دین خداوندی کی خدمت ان کی زندگی کا اصلی مقصود ہے اور روایاتِ اہلِ بیت علیہم السلام میں ہے کہ اس کے مصداق حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

القصہ عمرو بن عبدود کے مارے جانے کے بعد کفار میں سے کسی کو خندق پار کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اور تفسیر برہان کی روایت کے مطابق محاصرہ نے پندرہ دن طول کھینچا لیکن معارج النبوۃ میں محاصرۂ مدینہ کا کل زمانہ بیس دن ۲۴ دن ۲۷ دن یا ۲۹ دن مذکور ہے ابوسفیان نے حی بن اخطب کو بلا کر کہا۔ کہ تیرے یہودیوں کی فوج کہاں گئی ان کو بلاؤ تاکہ مل کر کوئی تجویز سوچیں۔ اور مسلمانوں پر ایسا بھرپور حملہ کریں۔ کہ تھوڑے وقت میں اپنے مقصد کی کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں۔ چنانچہ جب حی بن اخطب بنو قریظہ کے پاس پہنچا اور قریش کا مطالبہ دھرایا۔ تو انہوں نے نعیم بن مسعود کی تجویز کے مطابق قریش کے دس چیدہ آدمی اپنے پاس رہن رکھنے کا مطالبہ کیا تاکہ مسلمانوں پر کامیاب نہ ہو سکنے کی صورت میں قریشی گھروں کو نہ جا سکیں اور اگر مسلمان بعد میں ہمیں چھیڑنا چاہیں تو قریشی لوگ اپنے سرداروں کی خاطر ہمارا ساتھ دینے پر مجبور ہو جائیں۔ حی بن اخطب نے بلا شرط ان کے میدان میں آنے پر اصرار کیا۔ اور کہا کہ اب تم مسلمانوں سے عہد و پیمان کو توڑ چکے ہو۔ اور کفار کے ساتھ بھی اگر شریک نہیں ہوتے تو تمہارا عرب میں کوئی غمگسار و مددگار نہ رہے گا۔ بنو قریظہ نے وہی پہلا جواب دیا کہ اگر کفار کی فتح نہ ہو سکے اور وہ واپس چلے جائیں تو ہم اکیلے مسلمانوں سے مار کھاتے رہیں گے لہٰذا ہمارے اطمینانِ قلب کی خاطر قریش کے چیدہ آدمی ہمارے قبضہ میں ہونے چاہئیں۔ حی نے کہا میں عاقلانہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر قریش نامراد واپس جائیں گے۔ تو میں انجام کار تمہارا شریک ہوں گا کعب نے کہا قریشیوں کی طرف سے بھی ہمیں اسی قسم کا عہد و پیمان چاہیے

الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾
دے منافقوں کو اگر چاہے یا ان کی توبہ قبول کرے (اگر توبہ کریں) تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے
وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ
اور دفع کیا اللہ نے ان کو جو کافر تھے اپنے غم و غصہ کے ساتھ کہ نہ پا سکے مطلب کو اور بچا لیا اللہ نے
الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿۲۵﴾ وَ
مومنوں کو لڑائی سے اور ہے اللہ قوت والا غالب اور

چنانچہ حی بن اخطب نے واپس آکر ابوسفیان کو یہودیوں کا معاملہ سنایا تو وہ کہنے لگا نعیم نے سچ کہا تھا۔ یہ سؤروں اور بندروں کی اولاد ہمارے ساتھ وفا نہیں کرے گی۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ماہ شوال سنہ ۵ھ

بروز ہفتہ ابو سفیان نے عکرمہ بن ابو جہل کو چند اکابر قریش کے ہمراہ بنو قریظہ کی طرف روانہ کیا کہ سردی زوروں پر ہے اور گھاس وچارا کی کمی کی وجہ سے ہماری سواریاں نہایت لاغر ہو چکی ہیں۔ ہم یہاں زیادہ عرصہ تک ٹھہر نہیں سکتے۔ لہٰذا تم ہمارے ساتھ فوراً مل جاؤ۔ تاکہ مشترکہ کمان میں بھرپور حملہ کرکے اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ آج ہفتہ کا دن ہے اور ہمارے لئے یہ دن نہایت مبارک وعید ہے ہم اس دن کی حرمت کو ضائع کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ہم قریش کے ساتھ مشترکہ کمان میں تب شامل ہوں گے جب قریش کے چیدہ افراد ہمیں بطور رہن دیئے جائیں گے تاکہ جنگ کو ادھورا چھوڑ کر واپس نہ جا سکیں جب ابو سفیان کو یہ اطلاع ملی تو اس نے یہود کو پیغام بھیجا کہ ہم ایک آدمی بھی بطور رہن دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اگر ہمارے ساتھ شریک جنگ ہو جاؤ تو ٹھیک ورنہ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سنتے ہی یہودیوں نے کہا۔ واقعی نعیم بن مسعود کی بات سچی نکلی پس اس طرح دشمنان اسلام میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور ان کا شیرازہ بکھر گیا۔

تفسیر برہان میں ہے کہ حضورؐ پہلے خوشخبری اور پیشین گوئی سنا چکے تھے کہ عرب قبائل ہر طرف سے ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ اور یہودی بھی عہد شکنی کریں گے۔ لیکن بالآخر فتح ہماری ہوگی۔ منافقوں کو اس پر باور نہ ہوا۔ اور انہوں نے لشکر کفار کا طویل محاصرہ دیکھ کر قسم قسم کی باتیں بنائیں اور بہانے بنا کر گھروں کو چلے جانے کی اجازتیں بھی مانگیں۔ اور تھوڑے آدمیوں کے سوا اکثریت اس لپیٹ میں آ گئی جس طرح اللہ نے ان کے حال کی سابق آیت میں حکایت فرمائی ہے۔ اس طویل محاصرہ کے دوران حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک فوجی دستے کی کمان کرتے ہوئے ساری رات شہر مدینہ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ اور کسی بھی کافر کو مدینہ کی طرف گھس آنے کا موقعہ نہیں دیتے تھے اور خندق کے پار جا کر قریش کے فوجی کیمپوں کے قریب ایک جگہ نماز ادا فرماتے تھے۔ اور وہ جگہ اب تک مسجد علی کے نام سے معروف ہے۔ اور یہ مسجد مسجد فتح سے قریباً ایک تیر کے فاصلہ پر ہے۔ جناب رسول اللہ نے جب مسلمانوں کی گھبراہٹ اور بے چینی دیکھی تو مسجد فتح میں تشریف لے گئے جو پہاڑی کے اوپر واقع ہے۔ اور یہ دعا مانگی اور یہ بدھ کا دن تھا۔ (معارج) يَا صَرِيْخَ الْمَكْرُوْبِيْنَ وَيَا مُجِيْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ وَيَا كَاشِفَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اَنْتَ مَوْلَايَ وَوَلِيِّيْ وَوَلِيُّ اٰبَائِيَ الْاَوَّلِيْنَ اِكْشِفْ عَنَّا غَمَّنَا وَهَمَّنَا وَكَرْبَنَا وَاكْشِفْ عَنَّا شَرَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ بِقُوَّتِكَ وَحَوْلِكَ وَقُدْرَتِكَ چنانچہ فوراً جبرئیل کا نزول ہوا اور عرض کیا کہ آپ کی دعا مستجاب ہے اللہ نے افواج کفار کے ناکام پلٹنے کا خود انتظام فرمایا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ ایک تیز و تند اور نہایت سرد ہوا بھیجے گا جو کفار کے حوصلوں کو پست کر دے گی پس ایسی تیز ہوا چلی کہ کفار کے خیمے اکھڑ گئے۔ اور ان کی کھانے کی دیگیں الٹ گئیں اور ان کے تمام فوجی ٹھکانے درہم برہم ہو گئے اور دوسری طرف ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا گیا جس کی وجہ سے وہ حوصلے چھوڑ بیٹھے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے حذیفہ بن یمان روایت کرتا ہے۔ کہ ہمیں جنگ خندق کے موقع پر سخت مصائب کا سامنا تھا۔ قحط کی وجہ سے بھوک کی شدت تھی۔ سردی زوروں پر تھی۔ خوف و ہراس اور شب و روز کی محنت شاقہ کی بدولت تھکان کی وجہ سے بدن چور چور تھا حضرت رسالتمآبؐ نے کافی وقت نماز میں گذارا۔ اور پھر ارشاد فرمایا کوئی ایسا شخص ہے جو افواج قریش کا پتہ کرکے مجھے فوراً اطلاع دے ایسا کرنے والا جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے جواب دینے کی بھی ہمت نہ کی۔ پھر آپؐ نے حذیفہ کو

مخصوص طور پر بلایا اور تفسیر برہان میں ہے حذیفہ کہتا ہے میں نے تیسری دفعہ عرض کی لبیک آپ نے فرمایا جواب دینے میں تم نے تاخیر کیوں کی۔ تو میں نے جواب دیا حضورؐ بھوک، ٹھنڈک اور خوف ہر اس میری خاموشی کا سبب ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اللہ نے خبر دی ہے کہ کفار کے حوصلے پست ہو گئے ہیں۔ اور وہ نامراد واپس جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ تم ابھی ابھی جاؤ اور حقیقت حال کی خبر لاؤ۔ اور اس کے علاوہ کوئی اور کام نہ کرنا حذیفہ کہتا ہے میں کانپتا ہانپتا روانہ ہوا جب خندق پار کر کے ابوسفیان کے خیمے کے پاس پہنچا تو حضورؐ کی دعا سے سردی اور خوف ختم ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ کفار کے حوصلے پست تھے وہ بھی سردی کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔ جو آگ جلاتے تھے وہ پوری طرح ان کو گرم نہ کر سکتی تھی۔ ابوسفیان آگ پر کھڑے ہو کر پہلو بدل رہا تھا۔ وہ کسی وقت روشن ہوتی اور کسی وقت بجھ جاتی آخر وہ قریش سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ محمدؐ کے گمان کے مطابق اگر ہمارا مقابلہ آسمان والوں (فرشتوں) سے ہے تو یقیناً ہم اس مقابلہ سے قاصر ہیں البتہ اگر ہمارا مقابلہ اہل زمین سے ہوتا تو یقیناً جیت ہماری ہوتی۔ پھر کہنے لگا دیکھو کہیں محمدؐ کا جاسوس ہماری باتیں نہ سن رہا ہو۔ میں نے فوراً اپنے سے دائیں جانب کھڑے ہوئے شخص سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا عمرو عاص پھر بائیں طرف والے سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا معاویہ۔ اور یہ میں نے اس لئے کیا کہ مجھ سے کوئی نہ پوچھ لے کہ تم کون ہو؟ پس ابوسفیان نے حکم دیا کہ اس رات کی تاریکی میں واپس چلو۔ چنانچہ جلدی کی وجہ سے اپنے اونٹ کے پاؤں کھولنا بھی بھول گیا۔ اور اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اور بحالت سواری اس کے پاؤں کھولے میں نے کمان میں تیر ڈال کر اسے قتل کرنا چاہا۔ اور یہ موقعہ اس کے قتل کے لئے نہایت مناسب تھا لیکن فوراً حضورؐ کا فرمان یاد آ گیا کہ آپؐ نے فرمایا تھا کوئی نیا کام نہ کرنا۔ پھر اس نے خالد بن ولید سے کہا کہ ہم دونوں کو جلدی نہ کرنی چاہیے پہلے کمزور لوگوں کو روانہ کر لیں پھر خود روانہ ہوں گے۔ چنانچہ نہایت تیزی سے انہوں نے کوچ کیا۔ اور حذیفہ کہتا ہے میں واپس پلٹا تو حضورؐ نماز میں مشغول تھے۔ میرے پاؤں کی آہٹ سن کر آپؐ نے چادر کا دامن دراز کیا۔ اور میں اس میں چھپ کر بیٹھ گیا تاکہ سردی میں تخفیف ہو۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے۔ تو میں نے حقیقت حال کی خبر دی آپؐ نے فرمایا بس قریش کی آخری چڑھائی تھی۔ اب ان میں ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی ہمت نہیں ہو گی۔ البتہ ہم ان سے لڑیں گے آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ باقی رات کا بقیہ حصہ اسی جگہ گذارو اور صبح کو دن چڑھے شہر میں جانا۔ اور بعض لوگ تو اس حد تک گھبرا چکے تھے۔ کہ جب ان کو کفار کے چلے جانے کی اطلاع دی گئی۔ تب بھی ان کو یقین نہ آتا تھا جس طرح کہ آیت ۲۲ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ تفسیر برہان میں ہے کہ ابن مسعود کی قرأت اس طرح تھی وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ بِعَلِيٍّ یعنی حضرت علی کی وجہ سے اللہ نے مومنوں سے جنگ کو ٹال دیا۔ یعنی عمرو بن عبدود کا مارا جانا کفار کی ہزیمت کا سبب بنا اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

اس جنگ میں کفار میں سے تین آدمی واصل جہنم ہوئے۔ (۱) عمرو بن عبدود (۲) عبداللہ بن نوفل مخزومی اور (۳) عثمان بن جبیر جو قبیلہ عبدالدار میں سے تھا۔ اس کو تیر لگا تھا اور اسی زخم کے ساتھ مکہ میں پہنچ کر واصل جہنم ہوا۔ اور مسلمانوں میں سے پانچ انصار نے جام شہادت نوش کیا۔ (۱) سعد بن معاذؓ (۲) انس بن اوسؓ (۳) عبداللہ بن سہیلؓ (۴) طفیل بن نعمانؓ (۵) کعب بن زیدؓ۔

غزوۂ بنو قریظہ

بروایت مجمع البیان جب کفار قریش اور قبائل عرب ناکام واپس پلٹ گئے اور مسلمان اپنے گھروں میں آئے جناب رسالتمآبؐ نے واپس آکر اپنا جنگی لباس اتارا اور غسل فرمایا اتنے میں جبرئیل کا نزول ہوا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپؐ نے تو جنگی لباس اُتارا ہے لیکن ہم فرشتوں نے ابھی تک جنگی پوزیشن نہیں چھوڑی پس حضورؐ نے اعلان کرا دیا کہ نماز عصر بنو قریظہ کے ہاں ہی پڑھنی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے پھر دوبارہ جنگی آلات سنبھال لئے آپ نے فوج کا علم حضرت علیؑ کے سپرد فرمایا چنانچہ راستہ سے بنی غنم کے جوان بھی ہمراہ ہو گئے۔ بروایت معارج آپؐ نے بلال کو شہر میں منادی کرنے پر مامور فرمایا اور حضرت علیؑ کو علم دے کر روانہ فرمایا۔ خود بنفس نفیس زرہ پہنی۔ اور ڈھال ہاتھ میں لی اور طیفا نامی گھوڑے پر سوار ہو کر عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ میں ٹھہرنے کو کہا۔ اور روانہ ہو گئے۔ اور تین ہزار چھوٹے بڑے سب آپ کی تاسی میں چل کھڑے ہوئے۔ ان میں ۳۶ گھوڑے سوار تھے۔ اور باقی پیادہ تھے۔ راستہ سے قبیلہ بنی النجار کے جوانمرد بھی جو مسلح ہو کر انتظار میں کھڑے تھے ہمرکاب ہو گئے صحابہ میں سے بعضوں نے جلدی میں نماز عصر پڑھ لی تھی اور بعضوں نے قضا کر کے مغرب کے بعد پڑھی اور آپؐ نے کسی کو اس بارے میں کچھ نہ کہا۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ

اور اتار ان کو جنہوں نے ان (کفار) کی مدد کی تھی اہل کتاب میں سے ان کے قلعوں سے اور

قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب کہ ایک فریق (مردوں) کو تم نے قتل کیا اور دوسرے فریق (عورتوں اور بچوں) کو قید کیا اور

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ

اور تمہیں ان کی زمینوں اور گھروں اور مالوں کا وارث بنایا۔ اور ایسی زمین کا بھی جس کو تم نے روندا

تَطَئُوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۱۹

نہیں تھا اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب میں بنو قریظہ کے قلعہ کے قریب پہنچا تو ایک شخص نے قلعہ کے اوپر سے جھانک کر کہا۔ وہی آگیا ہے جس نے عمرو بن عبدود کو تہ تیغ کیا تھا۔

اور دوسرا بولا۔ قَتَلَ عَلِیٌّ عَمْرًا علیؑ نے عمرو بن عبدود کو قتل کیا۔ وَصَارَ عَلِیٌّ صَقْرًا علیؑ اسلام کا شہباز ہے

قَصَمَ عَلِیٌّ ظَهْرًا علیؑ نے کفر کی کمر توڑ دی۔ اَبْرَمَ عَلِیٌّ اَمْرًا علیؑ نے اسلام کی جڑیں مضبوط کر دیں۔

اَهْتَكَ عَلِیٌّ سِتْرًا علیؑ نے کفر کا پردہ چاک کر دیا

بعض بدزبان لوگوں نے حضرت علیؑ اور جملہ اہل اسلام کو ناسزا الفاظ سے یاد کیا جس کی حضرت علیؑ نے جناب رسالتمآبؐ کو اطلاع دیدی۔ جب حضورؐ قلعہ کے قریب پہنچے تو آپؐ نے آواز بلند فرمایا۔ اے سوروں اور بندروں کی اولاد۔ اے طاغوت کے پرستارو کیا تم نے گالیاں

دیتے ہو تو کعب بن اسعد نے قلعہ سے جھانک کر عرض کی اور دوسری روایت میں کہ ہر طرف سے یہودیوں نے کہنا شروع کر دیا اے ابو القاسم یہ الفاظ آپکے شایانِ شان نہ تھے۔ پس آپ حیا و شرم سے خاموش ہو گئے حتیٰ کہ دوشِ اقدس سے ردا بھی گر گئی۔ تفسیر برہان میں ہے کہ قلعہ کے نزدیک اور گرد کھجوروں کے درخت کثرت سے تھے۔ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا پس وہ دُور دُور ہو گئے اور ہر طرف مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ اور مروی ہے کہ اس محاصرہ نے پچیس دن تک طول کھینچا۔ اس طولانی محاصرہ سے یہودی تنگ آ گئے۔ اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اور قبائل عرب اور قریش کے چلے جانے کے بعد حی بن اخطب بھی انہی کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ پس کعب بن سعد جو نہایت خوبصورت جوان تھا اس نے تمام یہودیوں کو جمع کر کے انکے سامنے تین باتیں پیش کیں۔ کہ ان میں سے ایک کو قبول کر لو۔ پہلی بات جو سب سے موزوں تر اور نہایت قابل قبول ہے وہ یہ کہ اس شخص کی بیعت کر لو اور اسکی تصدیق میں تاخیر نہ کرو کیونکہ مجھے اور تم سب کو یقین ہے کہ سچا رسول ہے اور تورات بھی اسکی تصدیق کرتی ہے۔ اس صورت میں ہماری جان و مال و ناموس محفوظ رہیں گی اور دین و دنیا کی بھلائی کا راز بھی اسی میں مضمر ہے یہودیوں نے جواب دیا۔ یہ تو ناقابل قبول ہے ہم اپنے آبائی مذہب سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ کعب نے کہا دوسری بات یہ ہے کہ اپنے اولاد بچوں اور عورتوں کو قتل کر دو۔ اور تمام جوان مرد تلواریں لے کر مقابلہ پر ڈٹ جاؤ۔ اگر کامیابی ہوگی تو ہم عورتیں اور بچے لے لیں گے۔ اور اولاد بھی ہو جائے گی۔ پس ہماری نسل قائم رہے گی۔ اور اگر مارے جائیں گے تو بچوں اور عورتوں کی فکر سے آزاد ہوں گے۔ یہودیوں نے اس کے ماننے سے انکار کیا کہ ان بچوں [illegible] نہیں ہے۔ اُس نے کہا کہ تیسری بات یہ ہے کہ آج ہفتہ کی رات ہے اور اس رات میں محمد اور اُن کے ساتھی ہماری طرف سے مطمئن ہوں گے۔ پس رات کو شب خون مار کے ان کو ختم کر دیں اور پھر با اطمینان زندگی بسر کریں۔ انہوں نے جواب دیا ہم ہفتہ کی عزت کو برباد کرنا نہیں چاہتے۔ اُس نے کہا میرے خیال میں تم میں سے کسی مرد کی اب خیر نہیں ہے۔ تفسیر برہان میں ہے یہودیوں میں سے ایک شخص غزال جو یہودیوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے ساتھ بنو نضیر کا سا سلوک کریں۔ ہماری جانوں کی حفاظت کی ضمانت دے دیں ہم خالی ہاتھ نکل جائیں گے اور گھر و جائیداد اور سارا مال و متاع آپ کے لئے چھوڑ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا یہ ہمیں منظور نہیں ہے۔ بلکہ تم میرے صحابہ میں سے کسی ایک کا فیصلہ قبول کر لو۔ تو انہوں نے سعد بن معاذ کا فیصلہ منظور کر لیا۔

جنگ خندق کے دوران سعد بن معاذ کو ہاتھ کی رگ میں ایک تیر لگا تھا جس سے مسلسل خون نکل رہا تھا۔ اور وہ نہایت کمزور ہو چکا تھا۔ پس اس کو اُٹھا کر لائے پھر آپ نے تین دفعہ یہودیوں سے دریافت کیا۔ کہ کیا میرا فیصلہ تم کو منظور ہے۔ انہوں نے ہر دو دفعہ ہاں میں جواب دیا تب اس نے باذن پیغمبر یہ فیصلہ سنایا۔ کہ ان کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر و غلام بنایا جائے اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دئیے جائیں۔ آپؐ نے سعد بن معاذ کا فیصلہ سن کر نہایت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور کہا۔ کہ تو نے وہ فیصلہ کیا ہے جو اللہ سات آسمانوں کے اوپر کر چکا ہے۔ پس ان کو قید کر کے مدینہ میں لایا گیا۔ اور اسامہ کے گھر میں رکھا گیا۔ اور بچوں کو بوڑھا اسید معارج بنی نجار کی ایک بڑھیا رملہ بنت حارث کے گھر میں محبوس رکھا گیا۔ پس ان کے چار سو یا چھ سو یا نو سو باختلاف روایات

مردوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ بعد میں ان کے اموال اور عورتوں، بچوں کو مسلمانوں پر تقسیم کر دیا گیا۔ اور کچھ برائے فروخت سعد بن زید انصاری کے ذریعے نجد کی طرف بھیجے گئے جن کی قیمت سے جنگی سامان خریدا گیا۔ ان کے قتل کے لئے بقیع میں خندقیں کھودی گئیں۔ اور تمام راتوں میں شام سے صبح تک ایک ایک کو لے جا کر وہاں قتل کیا جاتا رہا۔ تفسیر برہان میں ہے کہ کعب بن اسد جو نہایت خوبصورت جوان تھا جب حضورؐ کے سامنے پیش ہوا۔ تو آپؐ نے اس سے فرمایا۔ کہ کعب تو نے ابن حواش کے اس عالم کی بات پر یقین نہ کیا جو شام کی طرف سے آیا تھا۔ اور اس نے میری تمام اوصاف بیان کی تھیں کہ مکہ میں مبعوث ہوگا۔ اور مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے گا۔ وہ روٹی کے ٹکڑوں اور کھجوروں پر بسر اوقات کرے گا۔ برہنہ پشت گدھے پر سوار ہوگا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی ہوگی کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ گردن میں تلوار حمائل کئے رہے گا۔ اور جنگ کرنے سے نہ گھبرائے گا۔ اور اس کی سلطنت کی حد وہیں تک آبادی کے آخری کنارے تک ہوں گی۔ پس کعب عرض کرنے لگا۔ حضورؐ واقعی آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہود مجھے موت کے ڈر سے مسلمان ہو جانے کا طعنہ دیں گے۔ تو میں ضرور ایمان لاتا۔ اور آپ کی تصدیق کرتا۔ لہٰذا اب میری موت و حیات دین یہود پر ہی ہے۔ پس آپؐ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔

اَنْزَلَ الَّذِیْنَ۔ یعنی جن لوگوں نے قریش اور قبائل عرب کی مسلمانوں کے خلاف مدد کی تھی یعنی بنو قریظہ ان کو اللہ نے اپنے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بھر دیا پس مسلمانوں نے ان کے مردوں کو قتل کر دیا۔ اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔

وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْھَا۔ اس سے مراد خیبر لیا گیا ہے کیونکہ بنو قریظہ کے بعد فتح ہوا۔ اور بعضوں نے روم و ایران مراد لیا ہے۔

شہادت سعد بن معاذؓ

غزوہ بنو قریظہ کی فتح کے بعد سعد بن معاذ کے زخم سے خون کافی بہہ چکا تھا پس آخر کار اس نے جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔ حضرت رسالتمآبؐ اس کی تکفین و تجہیز میں خود شامل ہوئے۔ اور اس کے جنازے کو کندھا دیا۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ فرشتوں نے اس کی مشایعت میں حصہ لیا ہے۔ اور اس کی میت کو کندھا دیا جناب رسالتمآب نے اس کے دفن کے بعد تسبیح و تکبیر کی آواز بلند کی۔ جب لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپؐ نے فرمایا کہ سعد کی موت پر عرش الٰہی میں جنبش پیدا ہوئی۔ اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کشادہ ہوئے۔ اور ستر ہزار فرشتوں نے جنازہ میں شمولیت کی۔ اور وہاں یہ جب اس کو قبر میں سلایا گیا۔ اور تعویذ قبر بند ہوا۔ تو اس کو قبر نے فشار کیا اس لئے میں نے تسبیح و تکبیر کی آواز بلند کی۔ اور اس کی برکت سے اس کی نجات ہوئی۔ (معارج) اور مروی ہے کہ آپؐ نے سعد بن معاذ کے فشار قبر کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ اہل خانہ سے ترشروئی یا بد اخلاقی سے پیش آتا تھا۔

آج بروز جمعہ بتاریخ ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء مطابق ۲۸ شوال ۱۳۹۱ھ ۸ بجے شام مغربی پاکستان کی انڈین سرحد پر جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا۔

رکوع نمبر ۲ ازواجِ پیغمبر کو تنبیہ

یٰاَیُّہَا النَّبِیُّ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ آنجناب رسالتمآبؐ کی بیویوں نے آپ سے کچھ سوالات کئے اور ایک دوسری پر حسد کی وجہ سے حضورؐ کو کچھ اذیت پہنچائی جس کی

یٰٓاَیُّہَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا

اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے اگر تم زندگی دنیا اور اس کی

وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۲۸﴾

زینت کی خواہشمند ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دوں اور تمہیں طلاق دیدوں اچھے طریقے سے

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور اگر تم اللہ رسول اور دار آخرت کے گھر کی خواہشمند ہو تو تحقیق اللہ نے

اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۲۹﴾ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ

تیار کیا ہے نیکی کرنے والیوں کے لئے تم میں سے اجر عظیم اے نبی کی بیویو! جو

یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ

کرے گی تم میں سے فعل ظاہر تو بڑھایا جائے گا اس کا عذاب

ضِعْفَیْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۳۰﴾

دوگنا اور ہے اللہ پر آسان یہ

سرزنش کے طور پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس وقت آپ کے حبالۂ نکاح میں نو بیبیاں تھیں (۱) عائشہ (۲) حفصہ (۳) ام حبیبہ بنت ابی سفیان (۴) سودہ بنت زمعہ (۵) ام سلمہ بنت ابی امیہ (۱) یہ پانچ خاندان قریش سے تھیں۔ (۶) صفیہ جو کہ حیی بن اخطب یہودی کی بیٹی تھی۔ اور فتح خیبر کے بعد حضورؐ کے نکاح میں آئی (۷) میمونہ بنت حارث ہلالیہ (۸) زینب بنت جحش اسدیہ جو آپ کی پھوپھی زاد تھی جو پہلے آپ کے متبنّیٰ زید کی منکوحہ تھی (۹) جویریہ بنت حارث جو بنی المصطلق سے تھی۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حفصہ نے کسی بات میں حضورؐ کو اذیت پہنچائی تو باہمی نزاع کو ختم کرنے کے لئے آپؐ نے اس کے باپ عمر کو بلا بھیجا۔ جب عمر پہنچا اور اس نے اپنی دختر کو مخاطب کرکے وجہ نزاع پوچھی تو وہ رسول اللہ سے کہنے لگی یا رسول اللہ! آپؐ خود ہی سچ سچ بیان فرمائیں۔ عمر نے یہ گستاخانہ بات سن کر بیٹی کے منہ پر زور سے طمانچہ رسید کیا پھر دوسرا مارا (کہ) پس حضورؐ نے روک لیا تو وہ کہنے لگا اے دشمنِ خدا تو رسول اللہ سے کہتی ہے کہ سچ سچ بیان فرمائیں۔ یہ اللہ کا رسولؐ جھوٹ کب کہتا ہے خدا کی قسم اگر حضور بنفسِ نفیس خود تشریف فرما نہ ہوتے۔ اور ان کا احترام پیش نظر نہ ہوتا۔ تو میں تجھے مار مار کر موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ پس اس کے بعد حضورؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ماہ تک علیحدہ رہے۔ اور کسی بیوی کے پاس نہ گئے۔ پس یہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات مجیدہ کا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو اختیار دے دو کہ کیا وہ دنیاوی زینت کو پسند کرتی ہیں۔ اور طلاق چاہتی ہیں یا خدا و رسولؐ اور جنّت کی خواہش مند ہیں۔ اور آپ کے حبالۂ عقد میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ اس تخییر میں اہل اسلام کے نزدیک فقہی نقطۂ نظر سے اختلاف ہے۔ مذہب شیعہ امامیہ کے علماء کا اتفاق ہے کہ تخییر صرف حضرت پیغمبرؐ کا خاصہ ہے اگر وہ اپنی عورتوں کو اس قسم کا اختیار دیدیں۔ اور وہ آزادی اور طلاق کو پسند کریں تو صیغہ طلاق کہے بغیر وہ مطلقہ سمجھی جائیں گی۔ اور ان کے لئے طلاق بائن متصور ہوگی اور اگر وہ خدا و رسولؐ کی خوشنودی کو اختیار کریں تو وہ حسب سابق بیویاں شمار ہوں گی۔ چنانچہ جب یہ آئتیں اتریں تو سب سے پہلے جناب ام سلمہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور عرض کی۔ حضورؐ! میں نے خدا و رسولؐ کو اختیار کیا ہے اور مجھے دنیاوی عیش و آرام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے تمام عورتوں نے یہی الفاظ دُہرائے اور حضورؐ سے اپنی سابق غلطی کی عملاً معافی مانگ لی۔ اور مذہب شیعہ کے علماء کے فتویٰ کے مطابق اگر کوئی دُوسرا آدمی عورتوں کو اس قسم کی تخییر دیدے تو عورت کی علیحدگی سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ بلکہ اُسے صیغۂ طلاق جاری کرنا پڑے گا۔ اور ابو حنیفہ کا قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ عورت اگر طلاق پسند کرے۔ تو اس کی ایک طلاق سمجھی جائے گی اور یہ حکم تمام اُمّت پر نافذ العمل ہوگا اور مالک کا قول ہے کہ تین طلاقیں سمجھی جائیں گی۔ اور شافعی کا قول یہ ہے کہ مرد اگر طلاق کی نیت کرے گا۔ تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔

مَنْ يَّاْتِ نبی کی بیویوں کو سرزنش کی گئی ہے کہ اگر تم نے کوئی غلطی کی تو اس کی سزا دوگنی بڑھائی جائے گی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سزا دوگنی ہوگی۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ ایک ضعف کا معنی ہے دوگنا۔ اور دو ضعف کا معنی ہے سہ گنا۔ اور قرآن مجید میں چونکہ ضِعْفَيْنِ ہے اس لئے اس سے مراد سہ گنا سزا ہے۔ اور تفسیر بُرہان و مجمع البیان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ جو آیت ازواج نبیؐ کے متعلق وارد ہے وہ سادات یعنی اولاد پیغمبرؐ کو بدرجۂ اولیٰ شامل ہے یعنی ہم میں سے نیکی کرنے والوں کا اجر دوگنا بڑھ جائے گا اور گنہگار کی سزا بھی دوگنی بڑھ جائے گی۔

بِفَاحِشَةٍ۔ محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اس مقام پر فاحشہ کا معنی جانتے ہو تو میں نے عرض کی کہ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اس جگہ فاحشہ سے مراد علی امیر المومنین علیہ السلام سے جنگ کرنا ہے۔ اور دوسری روایت میں آپؑ نے فرمایا فاحشہ سے مراد تلوار لے کر خلیفۂ حق کے خلاف خروج کرنا ہے۔

(برہان)

پارہ ۲۲

رکوع ۱

وَمَنْ يَّقْنُتْ۔ یہ قنوت سے ہے اور اس کا معنی ہے وہ طاعت جس میں دوام پایا جائے اور باقی وضاحت اس آیت کی گذشتہ آیت کی تفسیر میں مرقوم ہو چکی ہے اور رزق کریم سے مراد وہ رزق ہے جو ہر کمزوری و مصیبت سے محفوظ ہو۔ اور اس سے مراد جنّت کی نعمات ہیں۔

يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ۔ آیت مجیدہ میں زوجات پیغمبرؐ کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ بلکہ اگر تقویٰ کرو تو عام عورتوں سے تمہارا مرتبہ بہت بلند ہے کیونکہ تمہاری نسبت پیغمبرؐ سے ہے اور ... نے ان کی فضیلت کو تقویٰ کے ساتھ مشروط کر دیا ہے اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر تم میں تقویٰ کی صفت نہ پائی گئی۔ تو عام عورتوں سے بھی تمہاری حیثیت گر جائے گی۔ اور یہ تمہارا انتہائی گھٹیا پن ہوگا۔ اور مقصد وہی ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ کہ نیکی کرنے سے ثواب زیادہ ہوگا۔ اور غلطی کرنے سے گناہ اور سزا زیادہ ہوگی۔ اور یہی قرین عقل ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ

اور جو خشوع کرے تم میں سے اللہ و رسولؐ کے لئے اور عمل صالح بجالائے تو اس کو ہم دیں گے

اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ

اس کا بدلا دو دفعہ اور ہم نے تیار کیا ہے اس کے لئے عمدہ رزق اے نبی کی بیویو

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

تم نہیں ہو دوسری عام عورتوں کی طرح اگر تم تقویٰ کو اختیار کرو پس نرم بات کرو (کسی غیر مرد کے ساتھ)

فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ

کہ خواہش کرنے لگے (تمہاری) ایسا شخص جس کے دل میں بیماری ہو اور نیکی کی بات کیا کرو اور ٹھہری رہو

فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ

اپنے گھروں میں اور نہ باہر نکلو گذشتہ جاہلیت کے زمانہ کی طرح اور

اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی

فَلَا تَخْضَعْنَ یعنی نامحرم مردوں سے نرم باتیں مت کرو۔ اور ہنس مکھی سے پیش نہ آؤ۔ ورنہ جو لوگ دل میں نفاق کی بیماری یا شہوت زناکاری رکھتے ہیں۔ وہ تمہارے متعلق بھی غلط خواہشات اپنے اندر رکھ لیں گے۔ اسی لئے اچھی عورت کی صفت بیان کی گئی ہے۔ کہ غیر محرم مردوں سے کلام تلخ و ترش لہجے میں کرے۔

وَقَرْنَ۔ یہ امر حاضر جمع مونث مخاطب کا صیغہ ہے۔ اس کی اصل وقار یا قرار ہو سکتی ہے۔ اگر وقار سے ہو تو مثال واوی ہوگا جس طرح وَعَدَ يَعِدُ سے امر عِدْنَ آتا ہے۔ اسی وزن پر قِرْنَ بروزن عِلْنَ ہوگا۔ اور فاء فعل کو محذوف مانا جائے گا۔ بنا بریں بعض

قاریوں نے وَقِرْنَ پڑھا ہے۔ اور اگر قرار سے ہو تو مضاعف ثلاثی اِقْرَرْنَ بروزن اِفْعَلْنَ اس کی اصل ہوگی۔ کراہت مثلین سے بچتے ہوئے پہلی را کو یا سے تبدیل کیا جائے گا۔ جس طرح قیراط اور دینار میں پہلی راء اور نون کو یا بنا کر قیراط اور دینار کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمع مکسر میں ان کا اصلی حرف واپس آکر قراریط اور دنانیر ہو جاتا ہے۔ پس لفظ مذکور اِقْیِرْنَ ہوا۔ یا متحرک اور اس کا ماقبل حرف صحیح ساکن تھا۔ پس یا کا فتحہ قاف کو دیا تو ہمزہ وصلی اور یا حذف کر دیئے گئے۔ اور قِرْنَ رہ گیا۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ۔ تبرج کا معنی ہے زینت کر کے ناز و ادا سے اپنی نمائش کرتے ہوئے گھر سے نکلنا یا یہ کہ سر پر اوڑھنی اس طریقہ سے کرنا کہ رخساروں کا بعض حصہ اور گلے کا ہار اور کانوں کے بندے وغیرہ نظر آتے رہیں جس طرح آجکل کے فیشنی برقعے ہیں۔

اَلْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ اس سے مراد قبل از اسلام کا زمانہ ہے اور کسی مدت کی تحدید کرنا غیر موزوں ہے تفسیر برہان میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ میں نے حضرت رسالتمآبؐ سے دریافت کیا کہ بعد از وفات آپؐ کو غسل کون دے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہر نبی کو اس کا وصی غسل دیا کرتا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کا وصی کون ہے تو فرمایا کہ علی بن ابی طالبؑ ہے۔ میں نے عرض کی۔ وہ آپؐ کے بعد کس قدر عرصہ زندہ رہیں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تیس برس کیونکہ یوشعؑ بن نونؑ جو حضرت موسیٰؑ کا وصی تھا۔ وہ حضرت موسیٰؑ کے بعد تیس برس ہی زندہ رہا۔ اور صفرا بنت شعیبؑ موسیٰؑ کی بیوی نے اس پر خروج کیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ میں تم سے زیادہ حقدار ہوں لیکن حضرت یوشعؑ کو فتح ہوئی اور انہوں نے زوجۂ موسیٰؑ کے ساتھ اچھائی سے برتاؤ کیا اسی بنا پر ازواجِ نبی کو اس آیت مجیدہ میں حکم دیا گیا ہے کہ پہلے کی سی جہالت کی طرح تم اپنے گھروں سے نہ نکل پڑنا۔

آیت تطہیر	
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ	اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ
	سوائے اس کے نہیں کہ چاہتا ہے اللہ کہ دُور رکھے تم سے رجس کو اے اہل بیت
	وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ
	اور تم کو پاک رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔ اور یاد کرو جس کی تلاوت کی جاتی ہے تمہارے گھروں
	اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾
	میں آیاتِ خداوندی میں سے اور حکمت سے تحقیق اللہ لطیف و خبیر ہے۔

الخ۔ اس آیت مجیدہ کا نام آیت تطہیر ہے۔ اور یہ آیت فضائل و مناقب اہل بیتؑ کے لئے منبع و سرچشمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں اس کا وجود اہل بیتؑ کے خلاف لکھنے بولنے اور سوچنے والوں کا ناطقہ بند کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس آیت مجید میں چند امور قابل وضاحت ہیں۔ تاکہ مقصد کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ (۱) کلمہ حصر لفظ اِنَّمَا (۲) ارادہ (۳) اذہاب (۴) رجس (۵) بیت (۶) اہل البیت۔ (۷) تطہیر

کلمہ حصر لفظ اِنَّمَا۔ علماء معانی کے نزدیک لفظ اِنَّمَا کلمہ حصر ہے اور یہ اس لئے آتا ہے کہ اس کے مابعد کے لئے جو چیز ثابت ہو

اس کے غیر سے اس کی نفی ہو اور اس کے مابعد کے لئے جس امر کی نفی ہو غیر کے لئے اس کا ثبوت ہو۔ مثال کے طور پر اگر کہا جائے اِنَّمَا لَكَ عِنْدِیْ دِرْهَمٌ تو اس کا مقصد یہی ہے کہ میرے پاس تیرا صرف ایک درہم ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اگر کہا جائے اِنَّمَا فِی الدَّارِ زَیْدٌ تو اس کا مقصد یہ ہے کہ گھر میں صرف ایک زید ہے اور کوئی نہیں ہے۔ پس اس کلیے کے ماتحت آیت مجیدہ کے معنی میں یہ ماننا پڑے گا۔ کہ اہل بیتؑ ہی اس فضیلت کے ساتھ مختص ہیں، اور ان کے سوا کوئی فرد اس فضیلت میں ان کا شریک نہیں ہے۔

ارادہ کا مطلب

تفسیر مجمع البیان میں علامہ طبرسی نے فرمایا ہے کہ اس جگہ ارادہ سے مراد صرف ارادہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ ارادہ ہے جس پر تطہیر اہل بیتؑ مترتب ہوئی کیونکہ صرف ارادہ میں تو سب انسان شریک ہے۔ کیونکہ اللہ ہر انسان سے یہ چاہتا ہے کہ وہ غلطی سے دُور رہے۔ اور اخلاقِ شائستہ و عاداتِ شریفہ سے آراستہ ہو لہٰذا اس ارادہ میں اہلبیتؑ کی تخصیص ناقابل فہم ہے نیز یہ آیت مقام مدح میں ہے اور صرف ارادہ موجب مدح نہیں ہو سکتا جب تک متعلق ارادہ کا عمل اس کے موافق نہ ہو۔ پس ارادہ کی اہل بیتؑ سے تخصیص اور اس کا مقام مدح میں ہونا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اس جگہ ارادہ سے مطلق ارادہ مقصود نہیں بلکہ وہ ارادہ مقصود ہے جس پر تطہیر اہل بیتؑ مترتب ہوتی ہے گویا اس جگہ ارادہ تکوینیہ ہے نہ کہ تشریعیہ کیونکہ اللہ کا ارادۂ تشریعیہ کسی خاص فرد بشر سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر انسان سے اجتنابِ رجس اور اتصافِ طہارت کا ارادہ رکھتا ہے۔

اللہ چونکہ قدیم ہے اور ارادہ اس کے صفاتِ ثبوتیہ میں سے ہے اور اس کے صفات عین ذات ہیں۔ بنا بریں اس کا ارادہ بھی قدیم ہے لیکن جب اس کا ارادہ حادث ہونے والی چیزوں سے متعلق ہوتا ہے تو یہ تعلق بھی حادث ہوتا ہے اور یہ ارادہ کے قدیم ہونے کے منافی نہیں ہے۔ پس جب سے اللہ کے ارادۂ تکوینیہ کا تعلق اُن کی ایجاد سے ہو رہا تھا۔ اور ان کا نور زیورِ تخلیق سے آراستہ ہو کر باعث ایجادِ کائنات بن رہا تھا۔ تب سے ارادۂ خداوندی ان سے رجس کی دُوری اور طہارت سے آراستگی کا فیصلہ کر چکا تھا پس معلوم ہوا کہ یہ جب سے ہیں طاہر و مطہر ہیں اور ہر رجس و عیب سے پاک و پاکیزہ ہیں۔

اذہاب رجس

اس کا معنی دفع رجس بھی کیا گیا ہے اور رفع رجس بھی کیا گیا ہے دفع رجس کا معنی ہے پاک رکھنا اور رفع رجس کا معنی ہے پاک کرنا پس رفع رجس (پاک کرنا) وہاں ہوتا ہے جہاں پہلے رجس (نجاست یا عیب) ہو اور دفع رجس وہاں ہوتا ہے جہاں پہلے رجس (نجاست یا عیب) نہ ہو) اس جگہ آیت مجیدہ میں اذہاب کا معنی رفع رجس (دور کرنا رجس کا) نہیں ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ پہلے رجس تھا اور پھر رفع کیا گیا۔ اور یہ عصمت کے خلاف ہے۔ بلکہ اس جگہ مراد دفع رجس (دُور رکھنا رجس کا) ہے یعنی پاک تھے اور ان کو پاک رکھا گیا اور اس کے کئی وجوہ ہیں۔

وجہ اوّل

جس چیز کی پاکیزگی مطلوب ہو اُس کو پاک کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ ورنہ اگر پاکیزگی مطلوب نہ ہو تو پاک کرنے کا حکم عبث ہو گا۔ اور جس چیز کی پاکیزگی مطلوب ہو اُس کو پہلے سے ہی پاک رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ نجس ہونے کی صورت میں پاک کرنے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ مثلاً مسجد کی پاکیزگی مطلوب ہوتی ہے۔ لہٰذا پاک کرنے سے پہلے

اس کا پاک رکھنا واجب ہے اور نجاست کی آلودگی سے ہر ممکن طریق سے اس کو بچانا ضروری ہے اور اگر کسی وجہ سے وہ آلودۂ نجاست ہو جائے۔ تب اُس پر پاک کرنے کا حکم نافذ ہوگا۔ اسی طرح نماز کے لئے لباس وجسم کی پاکیزگی مطلوب ہے تو عقلمندی ودانائی کا تقاضا یہ ہے کہ اُن کو پاک رکھا جائے۔ اور بصورت نجاست اُن کو پاک کر دیا جائے۔ تو جس چیز کی پاکیزگی مطلوب ہو اُس پر نجاست دو طرح سے وارد ہو سکتی ہے یا تو پاک رکھنے والے کی لاعلمی اور کوتاہی وغفلت سے وہ چیز نجس ہو گی۔ اور یا اُس کی بے بسی ومجبوری سے اُس میں نجاست گھس آئے گی۔ اور پھر مجبوری یا لاعلمی کے دُور ہونے پر نجاست کو دُور کرنے کی نوبت آئے گی۔ اب اس مقام پر دیکھنا یہ ہے کہ اہل بیتؑ کی طہارت اور ان سے رجس کا دُور کرنا مقصود خداوندی ہے یا نہیں اگر مقصود خداوندی نہ تھا۔ تو اس کا خصوصیت سے تذکرہ کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اور اگر مقصود خداوندی تھا۔ اور یقیناً تھا یعنی ان کی پاکیزگی مطلوب الٰہی تھی۔ تو اس کا لازمی معنی یہ ہے۔ کہ جب سے ان کو پیدا کیا۔ طاہر وطیب پیدا کیا اور ہر قسم کے رجس کو ان سے دُور رکھا۔ کیونکہ دُور کرنے کی نوبت تو تب آئے گی۔ جب پاک رکھنے والے کی لاعلمی وغفلت یا بے بسی ومجبوری کی وجہ سے رجس ان تک پہنچے حالانکہ اللہ لاعلمی اور بے بسی واضطرار کے عیوب سے پاک ومنزہ ہے۔

دوسری وجہ روایات حدیث اور ارباب سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ علیہم السلام کو چادر کے نیچے جمع کیا۔ اور عرض کی اے پروردگار! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔ (چنانچہ بعد میں حسب ضرورت روایات پیش کی جائیں گی) پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔ اس وقت حسنین شریفین کا سن بہت چھوٹا تھا۔ اور ظاہری تکلیف کے لحاظ سے اُن پر احکام شرعیہ اور خطابات تکلیفیہ عائد نہ تھے۔ بنا بریں اگر رجس کا دُور کرنا مراد لیا جائے تو حسنین شریفین کے حق میں پھر بھی رجس کا دُور رکھنا مراد ہوگا۔ کیونکہ زمانۂ تکلیف سے پہلے رجس وگناہ کا ان پر تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور بیک وقت مشترک لفظی سے ایک ہی استعمال میں دو معانی مراد لینا جائز نہیں۔ کہ یہ کہا جائے اذھاب رجس کا معنی بعض افراد جو بالغ ہیں۔ ان کے حق میں ہے۔ رجس کا دور کرنا۔ اور بعض افراد جو نابالغ ہیں۔ ان کے حق میں اذہاب رجس کا معنی ہے دُور رکھنا۔ اور جب مشترک لفظی کا بیک وقت دو معنوں میں استعمال ناجائز ہے۔ اور حسنین شریفینؑ کے حق میں اس کا معنی یقیناً رجس سے دُور رکھنا ہے۔ تو سب اہل کساء یعنی خمسہ نجباء کے حق میں اذھاب رجس کا معنی رجس کا دُور رکھنا ہی ہوگا نہ کہ دُور کرنا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ بے عیب ہیں۔ پاک وپاکیزہ ہیں۔ اور ان سے رجس کو دُور رکھا گیا ہے۔

تیسری وجہ یہ وجہ مطلب کی تائید کے لئے ہے نہ کہ اثبات کے لئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کے بعد حکم ہوا طَهِّرَا بَيْتِيَ چونکہ اللہ کو کعبہ کی پاکیزگی مطلوب تھی اس لئے اپنے خلیل کو اس کی تطہیر کا حکم دیا اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب خلیل کو تطہیر کا حکم ہو رہا تھا اس سے پہلے بھی بیت اللہ طاہر وپاکیزہ تھا کیونکہ اس کی تعمیر میں کسی کافر ومشرک ونجس کا ہاتھ شامل نہ تھا پس وہاں تطہیر کا معنی پاک کرنا نہ تھا بلکہ پاک رکھنا تھا۔ اور اسی مناسبت سے کہ قرآن کا بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے اس جگہ بھی تطہیر سے مراد پاک رکھنا ہے نہ کہ پاک کرنا کیونکہ جب اس نے ان کو خلق فرمایا تو پاکیزہ خلق کیا اور اس کے بعد جب ان کی پاکیزگی

مطلوب بارگاہ حق تھا ان کو ہر قسم کے رجس سے پاک رکھا جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔

رجس کا معنی

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ رجس کا معنی ہے شیطانی عمل اور ہر وہ کام جس میں اللہ کی خوشنودی نہ ہو اور بالعموم مفسرین نے اسی قسم کا ہی ترجمہ کیا ہے لیکن اللہ کے ارادہ تکوینیہ سے اس کا دور ہونا نا قابل فہم ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ان امور کا تعلق ارادہ تشریعیہ سے ہے نہ کہ تکوینیہ سے اور جن اعمال یا اوصاف میں انسان کو نفیاً و اثباتاً قدرت دی گئی ہے ان میں سے بعض کا مثبت پہلو رجس ہے جس طرح جھوٹ، زنا، بخل، بزدلی اور حرام خوری وغیرہ اور ان کا منفی پہلو پاکیزگی و طہارت ہے اور بعض کا منفی پہلو رجس ہے۔ نماز نہ پڑھنا، زکوٰۃ نہ دینا، مکارم اخلاق کو اختیار نہ کرنا وغیرہ اور ان کا مثبت پہلو ہی پاکیزگی ہے اور اعمالِ اختیاریہ میں رجس سے بچنا اور پاکیزگی کو اپنانا ہر مومن کا فریضہ ہے اور لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کے بموجب کوئی شخص نہ نیکی پر مجبور ہے اور نہ برائی پر — لہٰذا ارادۂ تکوینیہ کا ان سے واسطہ نہیں ہے ورنہ جبر لازم آئے گا۔ البتہ وہ چیز جو اہل بیتؑ سے مخصوص ہے اور اللہ نے اس میں ان کو ممتاز فرمایا ہے وہ ہے قوتِ عمل میں پختگی اور بنیادی اوصاف کمال میں مضبوطی اور توفیق تام۔ پس وہ ہر غلط اور ناشائستہ کام سے اپنے اختیار سے گریز کرتے ہیں اور ہر نیکی و خوبی کا اپنے اختیار سے خیر مقدم کرتے ہیں اور کوئی بڑی سے بڑی طاقت سخت سے سخت رکاوٹ یا کٹھن و دشوار گذار منازل بھی اس بارے میں ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں پیدا کر سکتے پس وہ بات کے پکے عہد کے سچے ارادے کے دھنی اور خوشنودئ خدا کے متوالے ایسے عزم صمیم کے ساتھ منازل زندگی کو طے کرتے ہیں کہ راستے میں حائل ہونے والا کوہِ گراں بھی ان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے پس وہ اپنے بلند ارادوں سے باطل کے طوفان کا دھارا بدل دیتے ہیں اور خود نہیں بدلتے اور یہ قوتِ عمل میں پختگی ہی کی بدولت ہے جو عطیۂ پروردگار ہے اور اسی کی عطا کردہ توفیق کامل ہر وقت ان کے شامل حال رہتی ہے جو ان کی عصمت و طہارت کی منازل کے لئے مشعل راہ ہے۔ اسی طرح انسانی ضمیر و خمیر میں ہر وہ عادت و صفت جو انسانیت کے دامن پر باعثِ ننگ و عیب ہو مثلاً بخل، بزدلی، حسد، کینہ اور جہالت وغیرہ اس قسم کے تمام اوصاف سے اللہ نے ان کو محفوظ رکھا ہے اور بنیادی اوصافِ کمال مثلاً سخاوت، جرأت، شجاعت، رحم، کرم، ایثار، علم و معرفت اور حلم وغیرہ جیسے صفات میں ان کو اعلیٰ درجہ پر توفیق عطا فرمائی ہے پس وہ ہر صفتِ بد سے منزہ اور ہر صفتِ خیر سے آراستہ ہیں اللہ کے ارادۂ تکوینیہ نے ان کو ہر قسم کے رجس سے دور رکھا اور اس کے مقابلہ میں ہر صفتِ خیر سے ان کو آراستہ کیا اور یہ امور وہبی ہیں نہ کہ کسبی۔

تطہیر

طہارت کا مفہوم رجس کے متضاد تمام پہلوؤں کو شامل ہے تاکہ تخلیہ و تجلیہ کے دونوں مرحلے پورے ہو سکیں۔ پس جن جن اوصاف و اطوار اور عادات و افعال کو رجس کہا جائے گا اور ان سے دور رہنا اور محفوظ ہونا تخلیہ کا مقام ہے اور ان کے متضاد اعمال کو اپنانا تجلیہ کی منزل ہے پس جہاں مثبت پہلو رجس ہو گا اس کے مقابل کا منفی پہلو طہارت ہو گا اور جہاں منفی پہلو رجس ہو گا اس کا مثبت پہلو طہارت ہو گا۔ پس جھوٹ کے مقابلہ میں سچ، طہارت، بخل کے مقابلہ میں سخاوت طہارت بزدلی کے مقابلہ میں شجاعت طہارت جہالت کے مقابلہ میں علم طہارت بے حیائی کے مقابلہ میں حیا طہارت بے نمازی کے مقابلہ میں نماز طہارت اور

بد اخلاقی کے مقابلہ میں خوش اخلاقی طہارت و علی ہذا القیاس اور آیت مجیدہ میں اہل بیتؑ کے لئے ہر رجس و عیب سے دور ہونے اور ہر انسانی کمال و فضیلت سے آراستہ ہونے کی ضمانت دی گئی ہے گویا نقائص سے تخلیہ اور فضائل سے تجلیہ کی ہر دو بلند منازل پر وہ فائز ہیں اور دنیا کا کوئی انسان فضل و کمال اور عصمت و عظمت کے میدان میں ان کی گرد راہ کو بھی نہیں چھو سکتا۔

بیت کا معنی اس میں الف و لام عہد خارجی کا ہے اور بیت سے مراد بیت نبوت و رسالت ہے اور بعضوں نے بیت سے مراد بیت اللہ لیا ہے اور بعضوں نے بیت سے مراد مسجد نبوی لی ہے اور میرے نزدیک ہر معنی کے لحاظ سے اہل بیت کا اطلاق جن افراد پر ہے وہی اس کے حقیقی مصداق ہیں۔

اہل البیت بعض لوگوں نے اہل البیت کا مصداق ازواج نبی کو قرار دینے کی کوشش کی ہے اس مناسبت سے کہ اس سے پہلے کی آیات اور اس کے بعد کی آیات سب ازواج نبی کے متعلق ہیں لیکن یہ قول عقلاً و نقلاً باطل ہے جس کی چند وجوہ ہیں۔

وجہ اوّل اس سے قبل و بعد کی آیات کا ازواج کے حق میں ہونا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ آیت ازواج کے حق میں نہیں ہے کیونکہ پہلی آیات میں ازواج کی طرف راجع ضمیریں جمع مؤنث کی ہیں اور بعد والی آیت میں بھی جمع مؤنث ہیں پس اس درمیان کے حصے میں ضمیروں کا جمع مذکر مخاطب سے بدل جانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے مصداق ازواج نہیں بلکہ یہاں اہل بیت کوئی اور افراد ہیں جن میں اکثریت مردوں کی ہے۔

وجہ دوم مقدم آیات میں سرزنش و توبیخ کا پہلو واضح ہے جن میں کھلے طور پر اگرچہ نہ سہی لیکن در پردہ کسی حد تک ازواج کی مذمت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور بعد والے حصہ میں بھی ان کو راہِ راست پر گامزن ہونے اور قرآنی ہدایت پر عمل کرنے کو کہا گیا ہے جس سے اگر مذمت نہ سہی لیکن مدح بھی تو نہیں سمجھی جا سکتی اور درمیانی حصہ میں مدح کے پہلو کا واضح ہونا یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ ماقبل و مابعد کا مصداق کوئی اور ہے اور درمیانی حصہ کا مصداق کوئی اور ہے جن کے مدارج و مراتب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

وجہ سوم آیتِ مجیدہ اپنے مصداق کو معصوم ثابت کرتی ہے اور صحابہ ہوں یا ازواج ان میں سے کسی کی عصمت کسی بھی فرقہ کے نزدیک مسلم نہیں ہے اور خمسہ طاہرہ کی عصمت مسلّم ہے لہذا ان کے علاوہ اور کوئی بھی اس آیت کا مصداق نہیں ہو سکتا اور ضمیروں کا مذکر ہونا اور آیت میں مدحیہ پہلو کا واضح ہونا اس مقصد کی واضح دلیل ہے۔

وجہ چہارم اربابِ سیر اور رواتِ حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس مقام پر اہل بیت سے مراد محمد علی فاطمہ حسن اور حسین ہیں چنانچہ یہ روایت کتبِ فریقین میں حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور آیات کی ترتیب میں مقدم و مؤخر سے مناسبت کا نہ ہونا نرالا نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں اس قسم کے شواہد بہت زیادہ موجود ہیں جہاں مقدم کسی مطلب کو لئے ہوئے ہے تو مؤخر کسی معنی کیلئے ہے اور درمیانی حصہ کسی اور مطلب کیلئے ہے اور فصحاء عرب کے نزدیک اس صنعت کو تفنن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نیز یہ بھی ممکن ہے کہ قرآن مجید کو جمع کرنے والی کمیٹی نے ترتیبِ آیات میں عمداً یا سہواً اس صورت حال کو جنم دیا ہو۔

وجہ پنجم تفسیر برہان میں صحیح مسلم سے منقول ہے زید بن ارقم کہتا ہے کہ مدینہ و مکہ کے درمیان جناب رسالتمآبؐ نے مقام خم پر ایک خطبہ پڑھا جس میں حمد و ثنا اور وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا لوگو! میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں قریب ہے کہ میرے پاس خدا کا فرستادہ فرشتہ آئے اور میں تم میں سے چلا جاؤں اَنَا تَارِکٌ فِیکُمْ ثَقَلَیْنِ اَوَّلُهُمَا کِتَابُ اللّٰهِ فِیهِ الْهُدٰی وَ النُّوْرُ فَخُذُوْا بِکِتَابِ اللّٰهِ وَ اسْتَمْسِکُوْا بِهٖ فَحَثَّ عَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ وَ رَغَّبَ فِیهِ ثُمَّ قَالَ وَ اَهْلُ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَیْتِیْ۔

ترجمہ:- میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب جس میں ہدایت اور نور ہے پس اللہ کی کتاب کو پکڑو اور اس کا دامن تھامے رہو پھر آپؐ نے اللہ کی کتاب سے تمسک رکھنے پر بہت زور دیا اور اس کے بعد فرمایا اور (دوسری) میری اہلبیت۔ میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کا واسطہ دیتا ہوں میں تم کو اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ گویا آپ نے اہل بیت کے متعلق تاکید فرمائی پس حاضرین میں سے ایک شخص حصین نامی نے روائے حدیث زید بن ارقم سے دریافت کیا۔ مَنْ اَهْلُ بَیْتِهٖ یَا زَیْدُ اَلَیْسَ نِسَائُهٗ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ قَالَ وَ لٰکِنَّ اَهْلَ بَیْتِهٖ مَنْ حُرِمَ الصَّدَقَةَ بَعْدَهٗ۔

ترجمہ:- اے زید حضورؐ کے اہل بیت کون لوگ ہیں؟ کیا اس کی بیویاں اہل بیت نہیں ہیں؟ تو زید نے جواب دیا حضورؐ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

دوسری روایت میں زید بن ارقم سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَحَدُهُمَا کِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ مَنِ اتَّبَعَهٗ کَانَ عَلَی الْهُدٰی وَ مَنْ تَرَکَهٗ کَانَ عَلٰی ضَلَالَةٍ وَ ثَانِیْهِمَا اَهْلُ بَیْتِیْ فَقُلْنَا مَنْ اَهْلُ بَیْتِهٖ نِسَائُهٗ؟ قَالَ لَا اَیْمُ اللّٰهِ اِنَّ الْمَرْاَةَ تَکُوْنُ مَعَ الرَّجُلِ الْعَصْرَ ثُمَّ الدَّهْرَ ثُمَّ یُطَلِّقُهَا فَتَرْجِعُ اِلٰی اَهْلِهَا وَ قَوْمِهَا. اَهْلُ بَیْتِهٖ اَصْلُهٗ وَ عُصْبَتُهُ الَّذِیْنَ حُرِّمُوا الصَّدَقَةَ بَعْدَهٗ۔

ترجمہ:- آپ نے فرمایا میں تم میں دو وزنی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب جو اللہ کی رسی ہے جو اس کی اتباع کرے گا ہدایت پر ہوگا اور جو اس کو چھوڑے گا وہ گمراہ ہوگا اور دوسری میری اہل بیت تب ہم نے سوال کیا اے زید کیا رسول کی بیویاں اس کی اہل بیت سے ہیں؟ تو کہنے لگا نہیں خدا کی قسم اگر عورت ایک عرصہ دراز اور مدت مدیدہ تک ایک مرد کے حبالۂ نکاح میں رہے پھر جب اس کو طلاق دے گا تو وہ اپنی قوم کی طرف چلی جائے گی۔ حضورؐ کے اہل بیت تو وہ ہیں جو آپ کا خاندان ہیں اور وہ رشتہ دار ہیں جن پر حضورؐ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

اس مقام پر چند احادیث کا نقل کرنا مناسب ہے جو اس بارے میں وارد ہیں۔

(۱) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ اِلَی النَّبِیِّ تَحْمِلُ حَرِیْرَةً لَهَا فَقَالَ ادْعِیْ زَوْجَكِ وَ ابْنَیْكِ فَجَاءَتْ بِهِمْ فَطَعِمُوْا ثُمَّ اَلْقٰی عَلَیْهِمْ کِسَاءً

اُمّ سلمہ سے منقول ہے کہ جناب فاطمہؑ ایک دفعہ جناب رسالتمآبؐ کے پاس پہنچیں کہ وہ شیرینی اٹھائے ہوئے تھیں آپ نے فرمایا کہ اپنے شوہر اور بچوں کو بھی بلا لو پس وہ ان کو لائیں تو سب نے مل کر کھایا پھر آپ نے ان پر

لَہٗ خَیْبَرِیًّا فَقَالَ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُبَیْتِیْ وَ
وَعِتْرَتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ
تَطْھِیْرًا فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَاَنَا مَعَھُمْ
قَالَ اَنْتِ عَلٰی خَیْرٍ (مجمع البیان)

خیبری چادر ڈال دی اور دعا مانگی اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور عترت ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے تو میں نے کہا یا رسول اللہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں آپ نے فرمایا تو نیکی پر ہے۔

(۲) وَعَنْ تَفْسِیْرِ الثَّعْلَبِیْ. قَالَتْ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ
تَعَالٰی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ
اَلْاٰیَۃَ قَالَتْ فَاَخَذَ فَضْلَ الْکِسَاءِ فَغَشَّاھُمْ بِہٖ
ثُمَّ اَخْرَجَ یَدَہٗ فَاَلْوٰی بِھَا اِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ
قَالَ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُبَیْتِیْ وَحَامَتِیْ فَاَذْھِبْ
عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا فَاَدْخَلْتُ
رَاْسِیَ الْبَیْتَ وَقُلْتُ اَنَا مَعَکُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ
قَالَ اِنَّکِ اِلٰی خَیْرٍ اِنَّکِ اِلٰی خَیْرٍ

تفسیر ثعلبی سے منقول ہے ام سلمہ کہتی ہیں کہ پس اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ الخ پس آپ نے چادر کے کنارے پکڑ لئے اور ان کو پوری طرح اندر داخل کر لیا اور ہاتھ باہر نکال کر آسمان کی طرف بلند کئے اور دعا مانگی اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور خواص ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے تو میں نے سر داخل کرکے عرض کی یا رسول اللہ میں بھی آپ کے ہمراہ ہوں؟ تو آپ نے فرمایا تو اچھائی پر ہے تو اچھائی پر ہے۔

(۳) بِاِسْنَادِہٖ قَالَ الْمُجَمَّعُ دَخَلْتُ مَعَ اُمِّیْ
عَلٰی عَائِشَۃَ فَسَاَلَتْھَا اُمِّیْ اَرَاَیْتِ خُرُوْجَکِ
یَوْمَ الْجَمَلِ قَالَتْ اِنَّہٗ کَانَ قَدَرًا مِنَ اللّٰہِ فَسَاَ
لَتْھَا عَنْ عَلِیٍّ فَقَالَتْ تَسْاَلِیْنِیْ عَنْ اَحَبِّ النَّاسِ
کَانَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ زَوْجَۃٌ کَانَتْ اَحَبَّ النَّاسِ
اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ لَقَدْ رَاَیْتُ عَلِیًّا وَفَاطِمَۃَ وَحَسَنًا وَ
حُسَیْنًا وَجَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ بِثَوْبٍ عَلَیْھِمْ ثُمَّ قَالَ
اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُبَیْتِیْ وَحَامَتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ
الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا قَالَتْ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ
اللّٰہِ اَنَا مِنْ اَھْلِکَ قَالَ تَنَحِّیْ فَاِنَّکِ اِلٰی خَیْرٍ (فی
الْبُرْھَانِ السُّوَالُ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ.

ان کے اسناد سے منقول ہے مجمع کہتا ہے میں اپنی ماں کے ہمراہ عائشہ کے پاس پہنچا تو میری ماں نے پوچھا کہ جمل کے دن آپ کا خروج کیسا تھا؟ تو کہنے لگیں بس اللہ کی تقدیر ایسی تھی پھر میری ماں نے علی کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگیں تو نے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جو تمام لوگوں میں سے رسول اللہ کو زیادہ محبوب تھا اور اس کی بیوی بھی تمام لوگوں میں سے رسول اللہ کو زیادہ پیاری تھیں میں نے خود علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کو ایک دفعہ دیکھا کہ رسول اللہ نے ان پر چادر ڈال دی اور دعا مانگی اے اللہ یہ لوگ میرے اہل بیت اور خواص ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے وہ کہتی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ میں بھی تیرے اہل سے ہوں تو فرمایا ہٹ جا تو اچھی ہے۔ لیکن تفسیر برہان میں ہے کہ یہ سوال ام سلمہ نے کیا تھا بقول عائشہ۔

(۴) وَبِاِسْنَادِہٖ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ

ان ہی کے اسناد سے ابو سعید خدری نبی علیہ السلام سے روایت

قَالَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِیْ خَمْسَةٍ فِیَّ وَفِیْ عَلِیٍّ وَحَسَنٍ وَحُسَیْنٍ وَفَاطِمَةَ — فرماتے ہیں کہ یہ آیت پانچ تن کے حق میں اتری ہے (میں علی حسن حسین اور فاطمہ)

تفسیر مجمع البیان میں علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ عامہ وخاصہ دونوں کی کتب میں اس مضمون کی احادیث بکثرت وارد ہیں اور تفسیر برہان میں مسند احمد بن حنبل اور اہل سنت کی صحاح ستہ سے کافی احادیث اس موضوع کی نقل کی ہیں۔ اور بطریق اہل بیت اس کی موضوع کی احادیث بحد تواتر وارد ہیں اور بعض میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ اس آیت مجیدہ کے مصداق پنجتن پاک کے علاوہ علی زین العابدینؑ سے لے کر حضرت قائم آل محمد تک آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔ یعنی پنجتن پاک اس کے تنزیلی مصداق ہیں اور باقی آئمہ اس کے تاویلی مصداق ہیں تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت علیؑ نے ابوبکر سے اپنے احتجاج میں حدیث کساء کا تذکرہ کیا تھا جس کو اس نے تسلیم کیا تھا اور مجلس شوریٰ میں بھی آپ نے اپنی اس فضیلت کو پیش کیا تھا جس کا کسی نے انکار نہیں کیا تھا بلکہ تسلیم کیا تھا۔ اور کتب شیعہ میں حدیث کساء ایک مشہور و معروف حدیث ہے جس کا پڑھنا اور سننا مستحب قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کا ورد مصائب و آلام وسعت رزق اور استجابت دعا کے لئے کافی لوگوں کا معمول ہے بہرکیف اس کی برکات بے حد ہیں اور یہ آل محمد کا وہ قصیدہ ہے جو ان کے تمام کمالات وفضائل کو شامل ہے اور ان کی عصمت وطہارت پر نص قاطع ہے۔ مفاتیح الجنان میں شیخ عبداللہ بحرانی کی کتاب عوالم العلوم سے بروایت جابر بن عبداللہ انصاری منقول ہے

عَنْ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ عَلَیْهَا السَّلَامُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ قَالَ (جابر) سَمِعْتُ فَاطِمَةَ عَلَیْهَا السَّلَامُ اَنَّهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ اَبِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ فِیْ بَعْضِ الْاَیَّامِ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكِ یَا فَاطِمَةُ فَقُلْتُ عَلَیْكَ السَّلَامُ قَالَ اِنِّیْ اَجِدُ فِیْ بَدَنِیْ ضُعْفًا فَقُلْتُ لَهٗ اُعِیْذُكَ بِاللّٰهِ یَا اَبَتَاهُ مِنَ الضُّعْفِ فَقَالَ یَا فَاطِمَةُ ائْتِیْنِیْ بِالْكِسَاءِ الْیَمَانِیْ فَغَطِّیْنِیْ بِهٖ فَاَتَیْتُهٗ بِالْكِسَاءِ الْیَمَانِیْ فَغَطَّیْتُهٗ بِهٖ وَصِرْتُ اَنْظُرُ اِلَیْهِ وَاِذَا وَجْهُهٗ یَتَلَاْلَاُ كَاَنَّهُ الْبَدْرُ فِیْ لَیْلَةِ تَمَامِهٖ وَكَمَالِهٖ فَمَا كَانَتْ اِلَّا سَاعَةً وَاِذَا بِوَلَدِیَ الْحَسَنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَدْ اَقْبَلَ وَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكِ یَا اُمَّاهُ فَقُلْتُ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا قُرَّةَ عَیْنِیْ وَثَمَرَةَ فُؤَادِیْ فَقَالَ یَا اُمَّاهُ اِنِّیْ اَشَمُّ عِنْدَكِ رَائِحَةً طَیِّبَةً كَاَنَّهَا رَائِحَةُ جَدِّیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ فَقُلْتُ نَعَمْ اِنَّ جَدَّكَ تَحْتَ الْكِسَاءِ فَاَقْبَلَ الْحَسَنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ نَحْوَ الْكِسَاءِ وَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا جَدَّاهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَاْذَنُ لِیْ اَنْ اَدْخُلَ مَعَكَ تَحْتَ الْكِسَاءِ فَقَالَ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا وَلَدِیْ وَصَاحِبَ حَوْضِیْ قَدْ اَذِنْتُ لَكَ فَدَخَلَ مَعَهٗ تَحْتَ الْكِسَاءِ فَمَا كَانَتْ اِلَّا سَاعَةً وَاِذَا بِوَلَدِیَ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَدْ اَقْبَلَ وَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكِ یَا اُمَّاهُ فَقُلْتُ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا وَلَدِیْ وَیَا قُرَّةَ عَیْنِیْ وَثَمَرَةَ فُؤَادِیْ فَقَالَ لِیْ یَا اُمَّاهُ اِنِّیْ اَشَمُّ عِنْدَكِ رَائِحَةً طَیِّبَةً كَاَنَّهَا رَائِحَةُ جَدِّیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ فَقُلْتُ نَعَمْ اِنَّ جَدَّكَ وَاَخَاكَ تَحْتَ الْكِسَاءِ فَدَنَی الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ نَحْوَ الْكِسَاءِ وَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا جَدَّاهُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مَنِ اخْتَارَهُ اللّٰهُ اَتَاْذَنُ لِیْ اَنْ اَكُوْنَ مَعَكُمَا تَحْتَ الْكِسَاءِ فَقَالَ وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا وَلَدِیْ وَیَا شَافِعَ اُمَّتِیْ قَدْ اَذِنْتُ لَكَ فَدَخَلَ مَعَهُمَا تَحْتَ الْكِسَاءِ فَاَقْبَلَ عِنْدَ ذٰلِكَ اَبُو الْحَسَنِ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ

قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ فَقُلْتُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا أَبَا الْحَسَنِ وَيَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ يَا فَاطِمَةُ إِنِّي
أَشَمُّ عِنْدَكِ رَائِحَةً طَيِّبَةً كَأَنَّهَا رَائِحَةُ أَخِي وَابْنِ عَمِّي رَسُولِ اللّٰهِ فَقُلْتُ نَعَمْ هَا هُوَ مَعَ وَلَدَيْكَ تَحْتَ الْكِسَاءِ
فَأَقْبَلَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَحْوَ الْكِسَاءِ وَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَكُونَ مَعَكُمْ تَحْتَ الْكِسَاءِ قَالَ لَهُ وَ
عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا أَخِي وَيَا وَصِيِّي وَخَلِيفَتِي وَصَاحِبَ لِوَائِي قَدْ أَذِنْتُ لَكَ فَدَخَلَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَحْتَ الْكِسَاءِ ثُمَّ أَتَيْتُ
نَحْوَ الْكِسَاءِ وَقُلْتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَتَاهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَكُونَ مَعَكُمْ تَحْتَ الْكِسَاءِ قَالَ وَعَلَيْكِ السَّلَامُ يَا بِنْتِي
وَيَا بَضْعَتِي قَدْ أَذِنْتُ لَكِ فَدَخَلْتُ تَحْتَ الْكِسَاءِ فَلَمَّا اكْتَمَلْنَا جَمِيعًا تَحْتَ الْكِسَاءِ أَخَذَ أَبِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ
بِطَرَفَيِ الْكِسَاءِ وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى إِلَى السَّمَاءِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي وَخَاصَّتِي وَحَامَّتِي لَحْمُهُمْ لَحْمِي وَدَمُهُمْ
دَمِي يُؤْلِمُنِي مَا يُؤْلِمُهُمْ وَيُحْزِنُنِي مَا يُحْزِنُهُمْ أَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَهُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَهُمْ وَعَدُوٌّ لِمَنْ عَادَاهُمْ وَ
مُحِبٌّ لِمَنْ أَحَبَّهُمْ إِنَّهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ فَاجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَبَرَكَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَغُفْرَانَكَ وَرِضْوَانَكَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ وَ
أَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَا مَلَائِكَتِي وَيَا سُكَّانَ سَمٰوَاتِي إِنِّي مَا خَلَقْتُ سَمَاءً مَبْنِيَّةً وَلَا
أَرْضًا مَدْحِيَّةً وَلَا قَمَرًا مُنِيرًا وَلَا شَمْسًا مُضِيئَةً وَلَا فَلَكًا يَدُورُ وَلَا بَحْرًا يَجْرِي وَلَا فُلْكًا تَسْرِي إِلَّا فِي مَحَبَّةِ هٰؤُلَاءِ الْخَمْسَةِ
الَّذِينَ هُمْ تَحْتَ الْكِسَاءِ فَقَالَ الْأَمِينُ جِبْرَائِيلُ يَا رَبِّ وَمَنْ تَحْتَ الْكِسَاءِ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ هُمْ أَهْلُ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنُ
الرِّسَالَةِ هُمْ فَاطِمَةُ وَأَبُوهَا وَبَعْلُهَا وَبَنُوهَا فَقَالَ جِبْرَائِيلُ يَا رَبِّ أَتَأْذَنُ أَنْ أَهْبِطَ إِلَى الْأَرْضِ لِأَكُونَ مَعَهُمْ سَادِسًا
فَقَالَ اللّٰهُ نَعَمْ قَدْ أَذِنْتُ لَكَ فَهَبَطَ الْأَمِينُ جِبْرَائِيلُ وَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الْعَلِيُّ الْأَعْلٰى يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَ
يَخُصُّكَ بِالتَّحِيَّةِ وَالْإِكْرَامِ وَيَقُولُ لَكَ وَعِزَّتِي وَجَلَالِي إِنِّي مَا خَلَقْتُ سَمَاءً مَبْنِيَّةً وَلَا أَرْضًا مَدْحِيَّةً وَلَا قَمَرًا مُنِيرًا
وَلَا شَمْسًا مُضِيئَةً وَلَا فَلَكًا يَدُورُ وَلَا بَحْرًا يَجْرِي وَلَا فُلْكًا تَسْرِي إِلَّا لِأَجْلِكُمْ وَمَحَبَّتِكُمْ وَقَدْ أَذِنَ لِي أَنْ أَدْخُلَ مَعَكُمْ
فَهَلْ تَأْذَنُ لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا أَمِينَ وَحْيِ اللّٰهِ إِنَّهُ نَعَمْ قَدْ
أَذِنْتُ لَكَ فَدَخَلَ جِبْرَائِيلُ مَعَنَا تَحْتَ الْكِسَاءِ فَقَالَ لِأَبِي إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَوْحٰى إِلَيْكُمْ يَقُولُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا فَقَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِأَبِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِي مَا لِجُلُوسِنَا هٰذَا تَحْتَ الْكِسَاءِ
مِنَ الْفَضْلِ عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ نَبِيًّا وَاصْطَفَانِي بِالرِّسَالَةِ نَجِيًّا مَا ذُكِرَ خَبَرُنَا
هٰذَا فِي مَحْفِلٍ مِنْ مَحَافِلِ أَهْلِ الْأَرْضِ وَفِيهِ جَمْعٌ مِنْ شِيعَتِنَا وَمُحِبِّينَا إِلَّا وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ
وَاسْتَغْفَرَتْ لَهُمْ إِلٰى أَنْ يَتَفَرَّقُوا فَقَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذًا وَاللّٰهِ فُزْنَا وَفَازَ شِيعَتُنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ ثَانِيًا يَا
عَلِيُّ وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ نَبِيًّا وَاصْطَفَانِي بِالرِّسَالَةِ نَجِيًّا مَا ذُكِرَ خَبَرُنَا هٰذَا فِي مَحْفِلٍ مِنْ مَحَافِلِ أَهْلِ الْأَرْضِ وَفِيهِ
جَمْعٌ مِنْ شِيعَتِنَا وَمُحِبِّينَا وَفِيهِمْ مَهْمُومٌ إِلَّا وَفَرَّجَ اللّٰهُ هَمَّهُ وَلَا مَغْمُومٌ إِلَّا وَكَشَفَ اللّٰهُ غَمَّهُ وَلَا طَالِبُ حَاجَةٍ
إِلَّا وَقَضَى اللّٰهُ حَاجَتَهُ فَقَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذًا وَاللّٰهِ فُزْنَا وَسُعِدْنَا وَكَذٰلِكَ شِيعَتُنَا فَازُوا وَسُعِدُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

رکوع ۲

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ جب اسماء بنت عمیس زوجہ جعفر طیار اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ سے واپس آئیں تو انہوں نے ازواجِ نبی سے دریافت کیا کہ ہمارے متعلق بھی قرآن مجید کی کوئی آیت اتری ہے تو انہوں نے نفی میں جواب دیا پس وہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسولؐ اللہ عورتیں تو خسارہ میں رہیں آپ نے پوچھا وہ کیسے؟ تو اس نے عرض کی کہ ان کا کبھی بھی خیر سے ذکر نہیں ہوا جس طرح کہ مردوں کا ذکر ہوتا ہے پس یہ آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ کار خیر کرنے والے مرد ہوں یا عورتیں سب کے لئے اللہ کے نزدیک بخشش اور اجر عظیم مقرر ہے مسلمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اطاعتِ خدا و رسولؐ کے لئے پوری طرح اپنے آپ کو حاضر کر دیں اور جھک جائیں اور مومنین سے مراد ہے کہ اللہ و رسولؐ کی ہر بات کی تصدیق کریں اور اس پر ایمان لائیں اور ان کے کسی فرمان میں شک و شبہ نہ کریں۔ اور حدیث میں ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ ترجمہ یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور مومن وہ ہے جس کے ہمسائے اس کے شر سے محفوظ رہیں آپ نے فرمایا مَا اٰمَنَ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهٗ طَاوٍ ترجمہ۔ اس شخص کا میرے اوپر کوئی ایمان نہیں جو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا ہمسایہ بھوکا ہو۔

وَالذَّاكِرِيْنَ بروایت ابو سعید خدری جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ جب عورت و مرد دونوں رات کو بیدار ہو کر

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ

تحقیق مسلمان مرد و عورتیں اور مومن مرد و عورتیں اور عبادت پر ثابت قدم

وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ

رہنے والے مرد اور عورتیں اور سچے مرد اور عورتیں اور صابر مرد اور عورتیں

وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ

اور خشوع کرنے والے مرد اور عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں

وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ

اور روزہ دار مرد اور عورتیں اور اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھنے والے مرد و عورتیں

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً

اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد و عورتیں ان سب کے لئے اللہ نے مقرر کی ہے بخشش

وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا

اور اجر عظیم اور نہیں کسی مرد مومن و عورت کے لئے (جائز) جب

باوضو نماز میں مشغول ہوں تو وہ ذاکرین میں شمار ہوتے ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص تسبیح فاطمہ پڑھ کر سو جائے وہ ذاکرین میں محشور ہو گا۔

زینب بنت جحش سے نکاح

اِذَا قَضَى اللّٰهُ ۔ آیتِ مجیدہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضورؐ نے اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ کے لیے زینب بنت جحش اسدی کو خطبہ کیا اور یہ حضورؐ کی پھوپھی اُمیمہ کی لڑکی تھی پہلے تو خوش تھی کہ شاید حضورؐ مجھے اپنے لیے خطبہ کرتے آتے ہیں لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ زید بن حارثہ کے لیے تشریف لاتے ہیں تو سوچ میں پڑ گئی بلکہ مجمع البیان میں ہے

قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ

فیصلہ کرے اللہ اور اُس کا رسولؐ کسی معاملہ کا کہ وہ اپنے معاملہ میں اپنی مرضی کی کریں

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝ وَ

اور جو نافرمانی کرے گا اللہ اور اُس کے رسولؐ کی تو وہ کھلی گمراہی میں ہو گا اور

اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ

جب آپ نے کہا اُس کو جس پر اللہ نے انعام کیا اور تم نے انعام کیا کہ روک لے

عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ

اپنے لیے اپنی بیوی کو اور اللہ سے ڈر اور تم چھپاتے تھے اپنے دل میں جس کو اللہ ظاہر کرنے

وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ

والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ سے ڈرنا ہی سزاوار ہے پس جب پورا کیا زید نے

مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ

اس عورت سے اپنا مطلب ہم نے اس کو تیرے ساتھ شادی کر دی تاکہ نہ رہے مومنوں پر حرج

فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ

اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے متعلق جب وہ اپنا مطلب پورا کر لیں اور اللہ کا فیصلہ

اس نے صاف انکار کر دیا اور اس کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی اس رشتہ سے انکار کر دیا تھا پس یہ آیت نازل ہوئی کہ جب خدا اور رسولؐ کسی معاملہ میں فیصلہ دیں تو کسی مومن و مومنہ کو حق نہیں پہنچتا کہ اپنی مرضی کو اس میں دخل دے چنانچہ زینب نے فوراً رضامندی ظاہر کی اور حضورؐ نے اس کا نکاح زید سے کر دیا اور شادی ہو گئی اور حق مہر خود ادا کیا۔

اِذْ تَقُوْلُ ۔ حقیقت یہ ہے کہ زینب کی زید کے ساتھ شادی تو ہو گئی لیکن نباہ نہ ہو سکا۔ زید خاموش طبع شریف النفس انسان تھا اور زینب اگرچہ بہت شریف عورت تھی لیکن زنانہ مزاج کے پیش نظر بات بات پر اس کو کہا کرتی تھی کہ تم غلام ہو میں آزاد ہوں تم قبیلہ میں پست ہو اور میں قریش خاندان سے تعلق رکھتی ہوں وغیرہ) پس زید ان باتوں سے تنگ آ گیا

اور بالآخر اس نے حضور سے عرض کی کہ میں اس کو اپنے حبالۂ نکاح میں نہیں رکھ سکتا کیونکہ اس کی زبان کی تلخی و ترشی میرے لئے ناقابل برداشت ہے آپ نے بہت سمجھایا کہ عورتوں کی اس قسم کی عادت سے دل برداشتہ نہ ہو بلکہ جس طرح بھی ہو سکے اس سے نباہ کرنے کی کوشش کرو چنانچہ قرآن مجید صراحت سے اس امر کا تذکرہ کر رہا ہے۔

وَتُخْفِىْ فِىْ نَفْسِكَ ۔۔ اس مقام پر بعض مفسرین نے سخت غلطی کھائی ہے اور ایسی بے سروپا حکایات لکھ دی ہیں کہ شانِ رسالت کے سخت منافی ہیں اور یہ کہ ایک مرتبہ حضورؐ بنفسِ نفیس کسی کام کے لئے زید کے گھر چلے گئے وہ چونکہ نہایت حسین و جمیل خاتون تھی اس کو دیکھ کر کلمہ سبحان اللہ زبان پر جاری فرمایا اور دل میں اس کی محبت جاگزین ہو گئی اور اس سے شادی کرنے کی ٹھان لی جب زید گھر میں پلٹا تو اُسے عورت نے سارا ماجرا سنایا تو زید نے سمجھا کہ حضور زینب سے شادی کرنا چاہتے ہیں پس اس نے عورت کو اس غرض سے طلاق دینا چاہی تاکہ حضور اس سے شادی کر سکیں، اور آیت مجیدہ میں خدا اسی امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو چیز تم چھپانا چاہتے تھے ہم نے ظاہر کر دی) یہ مفروضہ بالکل ناقابلِ قبول ہے اصل بات یہ ہے کہ خداوند کریم نے حضور پر یہ بات منکشف کر دی تھی کہ زینب تیری ازواج میں شامل ہو گی پس یہ بات حضور کے دل میں تھی اور اس کا کسی وقت بھی آپ نے اظہار نہ کیا اور نہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ جاہل، حاسد اور منافق لوگوں کی زبان درازی کا ڈر تھا کیونکہ وہ فوراً کہہ دیتے کہ اپنے متبنّٰی کی بیوی پر ڈورے ڈال رہا ہے۔ پس اگرچہ آپ کو وحی پر یقین تھا کہ وہ ایک دن ضرور میرے نکاح میں آئے گی لیکن نہ اس کی کبھی خواہش کی اور نہ اشارہ ذکنا یہ سے زید یا زینب کو یہ بات بتلائی۔ اور قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا کا صاف معنی یہ ہے کہ زید کا دل اس سے بھر چکا تھا اور زینب کو دل و جان سے طلاق دینا چاہتا تھا پس جب اس نے حضورؐ کے سامنے اپنی اس خواہش کا ذکر کیا تو آپ نے اس کو پُر زور الفاظ میں تاکیدی لہجہ سے فرمایا کہ اپنی عورت کو اپنے گھر میں رکھو اور اس کو طلاق نہ دو۔ حضور کو اگرچہ معلوم تھا کہ بفرمانِ خداوندی وہ میرے حبالۂ نکاح میں آئے گی لیکن اس کا قطعاً کسی وقت بھی اظہار نہ فرمایا اور اس راز کو مخفی رکھا۔ اور خدا فرماتا ہے کہ لوگوں کے ڈر سے آپ جس کو مخفی کر رہے تھے خدا نے اس کو ظاہر کر دیا۔ مجمع البیان اور برہان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ کا فرمان ہے جس چیز کو آپ چھپاتے ہیں اللہ نے اس کو ظاہر کر دیا اور جس چیز کو اللہ نے ظاہر کیا وہ یہ ہے کہ اللہ نے زینب کو اپنے رسولؐ سے رسول اللہ کے حبالۂ نکاح میں دے دیا اگر کوئی اور چیز مثلاً زینب کی محبت یا زید کی طلاق کی خواہش بھی حضورؐ کے دل میں ہوتی تو خدا جیسے وعدہ اس کو بھی ظاہر فرما دیتا۔ پس اللہ کا صرف نکاح و تزویج کا ظاہر کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ حضورؐ کے دل میں صرف زینب کی تزویج پوشیدہ تھی کیونکہ اس کی آپ کو وحی ہو چکی تھی

اور تفسیر مجمع البیان میں ہے زینب باقی تمام ازواجِ نبی پر فخر کیا کرتی تھی کہ میرا نکاح اپنے حبیب سے اللہ نے کیا ہے اور تمہارا نکاح تمہارے والدین کی ولایت سے ہوا ہے اور بروایت انس بن مالک زینب کی عدت گذرنے کے بعد آپ نے زید کو ہی مامور فرمایا تھا کہ زینب کو میری طرف سے خطبہ کرو چنانچہ جب زید نے آکر زینب کو بشارت دی تو وہ اس وقت آٹا خمیر کر رہی تھی یہ خوشخبری سن کر آٹا چھوڑ دیا اور شکر کے طور پر دو رکعت نماز ادا کی اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوئی اور چونکہ اللہ

کی جانب سے زَوَّجْنٰکَھَا نازل ہو چکا تھا اس لئے حضورؐ جب تشریف لائے تو زینب سے اندر آنے کی اجازت لینے کی ضرورت نہ سمجھی اور ولیمہ کے طور پر آپ نے ایک بکری ذبح کی اور لوگوں کی روٹی اور گوشت سے ضیافت فرمائی اور دوسری کسی شادی کے موقعہ پر آپ نے اس قسم کا ولیمہ نہ کیا اور مروی ہے کہ زینب جب حضورؐ کے گھر میں آئی تو اس نے عرض کی حضورؐ مجھے تین طرح کا فخر حاصل ہے ایک یہ کہ میرا اور آپ کا جد ایک ہے یعنی میرا نانا عبدالمطلب ہے اور آپ کا دادا عبدالمطلب ہے اور دوسرے یہ کہ میرا نکاح آسمانوں پر اللہ نے کیا ہے اور تیسرے یہ کہ میرے لئے نکاح کا وکیل جبریل تھا۔ اور تفسیر برہان میں ہے دربار مامون میں عصمت الانبیاء پر تقریر کرتے ہوئے امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ پوری مخلوق میں سے تین شخصیتیں ہیں جنکے نکاح اللہ نے کئے ہیں پہلا نکاح حضرت آدمؑ کا حوا سے دوسرا نکاح حضرت محمد مصطفےٰؐ کا زینب سے اور تیسرا نکاح حضرت علیؑ کا جناب فاطمہؑ سے۔

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ دو بڑی وجہیں ہیں جن کی بنا پر حضورؐ نے زینب سے شادی کی۔ ایک تو یہ کہ زینب بنت جحش شریف النفس اور خود دار عورت تھی اُس نے رسول کے حکم کی لاج رکھتے ہوئے زید سے نکاح منظور کر لیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ اس کو محسوس کرتی رہی اور اس رشتہ کو اپنی خفت سمجھتی رہی اور حضورؐ کو اس کا بڑا احساس تھا اس لئے جب زید نے طلاق دی تو آپ نے بحکم پروردگار اس سے شادی کر لی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ جن کو اپنا منہ بولا بیٹا بناتے تھے ان کو اپنا وارث بھی بناتے تھے اور ان کی بیوی کو صحیح معنوں میں اپنی بہو سمجھتے تھے پس اس سے نکاح کرنا ناجائز جانتے تھے۔ اسی سورہ کے ابتداً میں وراثت کی نفی کا حکم بیان ہو چکا ہے کہ اولوا الارحام ہی اقرب فالاقرب کے لحاظ سے متوفّی کے وارث ہو سکتے ہیں منہ بھائی چارہ وراثت کا موجب ہو سکتا ہے اور نہ متبنّٰی ہونا وراثت کا سبب بن سکتا ہے اور اس مقام پر متبنّٰی کی بیویوں کی حرمت کے رواج کو ناجائز قرار دیا گیا ہے اور عملی طور پر رسولؐ اللہ کو اپنے متبنّٰی کی مطلقہ زینب سے شادی کا حکم دیا گیا تاکہ لوگوں پر قطعی طور پر واضح ہو جائے کہ متبنّٰی کی بیوی بہو نہیں ہوا کرتی بلکہ بیٹے کی بیوی بہو ہوا کرتی ہے۔

مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ۔ جب حضرت رسالتمآبؐ نے زینب سے شادی کر لی تو منافق لوگوں نے خوب بغلیں بجائیں اور باچھیں کھول کھول کر مسلمانوں پر الزام تراشی میں مشغول ہوئے کہ دیکھو اس نے اپنی بہو سے شادی کر لی اور زیادہ سے زیادہ شادیاں کرتا جا رہا ہے تو پروردگار نے ان آیات میں ان کی تردید فرمائی کہ میرے احکام پر عمل کرنا نبی کے فرائض میں سے ہے اور کسی کا کوئی اعتراض ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں ڈال سکتا اور کثرت ازواج پر اگر اعتراض کریں تو ان سے پہلے بنی اسرائیل کے انبیاء بھی زیادہ سے زیادہ شادیاں کرتے رہے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک سو عورت سے شادی کی اور حضرت سلیمان نے تین سو عورتوں سے شادی کی اور آپ کے گھر میں سات سو کنیزیں بھی تھیں اور کثرت ازواج پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب ہم نے تفسیر کی جلد ۴ صفحہ ۱۱۰ تا صفحہ ۱۱۸ پر مفصل دیا ہے۔

وَلَا یَخْشَوْنَ۔ اس آیت میں اللہ نے واضح فرمایا ہے کہ میرے مبلغ تبلیغ احکام میں صرف مجھ سے ہی ڈرتے ہیں اور لوگوں سے ہرگز نہیں ڈرا کرتے۔ تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں سے ڈرنا رسول کی شان نہیں لیکن گذشتہ آیت میں حضرت رسالتمآبؐ

کے متعلق صاف فرمایا ہے کہ تو لوگوں سے ڈرتا ہے حالانکہ اللہ سے ہی ڈرنا زیادہ مناسب ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تبلیغ احکام میں نبی لوگوں سے نہیں ڈرا کرتے اور اس لحاظ سے جناب رسالت مآبؐ نے کبھی کسی سے خوف نہیں کھایا جب مکہ کی سرزمین میں کفر و شرک کی تیز سے تیز تر آندھیوں کے مقابلہ میں ان کے پائے ثبات میں تزلزل نہ پیدا ہوا اور بڑی سے بڑی طاقتوں سے ذرہ بھر نہ جھجکے نہ گھبرائے اور ببانگ دہل اعلائے کلمۂ حق میں کوشاں رہے تو اب مدینے میں تو وہ بات ہی نہ تھی۔ البتہ منافق لوگوں کی طرف سے اپنے ذاتی افعال میں طعنہ زنی اور کمزور قسم کے لوگوں میں بدظنی و غلط فہمیاں پھیلانے کی سازشوں سے آپ کو خطرہ تھا اور زینب سے شادی کا خطرہ اسی نوعیت کا تھا۔

اللہِ مَفْعُوْلًا ﴿۳۸﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ

ہو کے رہتا ہے — نبی پر کوئی حرج نہیں اس چیز میں جو اللہ نے اس پر فرض کی ہو

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۹﴾

سنت اللہ کی ان لوگوں میں جو پہلے گذر چکے ہیں اور اللہ کا فیصلہ قضائے حتمی ہوا کرتا ہے۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا

جو لوگ تبلیغ کرتے ہیں اللہ کے پیغامات کی اور اس سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے سوا

اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۴۰﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ

اللہ کے اور کافی ہے اللہ کافی ہے اللہ جزا دینے والا — نہیں ہے محمد باپ کسی کا تم مردوں میں سے

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۱﴾ ع

ولیکن اللہ کا رسول اور نبیوں کا خاتم ہے اور اللہ ہر شئی کو جاننے والا ہے۔

مَا کَانَ۔ یعنی جناب رسالتمآبؐ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں اور آپؐ چار شہزادوں ابراہیم، قاسم، طیب و طاہر کے اگرچہ باپ تھے لیکن چونکہ وہ بچپنے میں انتقال کر گئے۔ اور حسنین شریفین کے بھی آپؐ باپ بنصِ قرآن تھے لیکن بوقت نزولِ آیت ان میں سے صفتِ رجولیت سے متصف کوئی نہ تھا کیونکہ لغتِ عرب میں رجل کا اطلاق جوان سال مرد پر ہوتا ہے۔ امام حسنؑ کے متعلق آپ نے فرمایا اِنَّ اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ تحقیق میرا یہ فرزند سردار ہے اور حسنینؑ کے متعلق فرمایا اِبْنَایَ هٰذَانِ اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا میرے یہ دو فرزند امام ہیں جہاد کے لئے کھڑے ہوں یا صلح کر کے بیٹھ جائیں نیز آپ نے فرمایا اِنَّ لِکُلِّ بَنِیْ بِنْتٍ یَنْتَسِبُوْنَ اِلٰی اَبِیْهِمْ اِلَّا اَوْلَادَ فَاطِمَةَ فَاِنِّیْ اَنَا اَبُوْهُمْ یعنی لڑکی کی اولاد ہمیشہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوا کرتی ہے مگر اولادِ فاطمہؑ میری طرف منسوب ہوگی پس میں ان کا باپ ہوں۔ (مجمع البیان)

ختمِ نبوت

خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ قرآن مجید کی اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ خاتم الانبیاء تھے اور ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ حضورؐ کے بعد آنے والا جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا جھوٹا ہوگا اور ہم نے ختم نبوت پر مکمل و مدلل

بحث مقدمہ تفسیر انوار النجف کے صفحہ ۱ تا صفحہ ۱ پر سپردِ قلم کی ہے اور جناب جابر بن عبداللہ انصاری سے حدیث صحیح میں مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا باقی انبیاء میں میری مثال اس طرح ہے کہ جس طرح کوئی معمار ایک عالی شان محل تعمیر کرے اور اس میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دے تو جو بھی اس مکان میں داخل ہو گا تمام مکان کی زیبائش و آرائش اور پختگی و مضبوطی کی تعریف کرنے کے بعد اس اینٹ کی کمی محسوس کرے گا۔ پس میں اس نبوت و رسالت کے عالی شان و خوبصورت پختہ و مضبوط اور دلکش و بے عیب محل میں آخری اینٹ ہوں لہذا میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ روایت بخاری و مسلم دونوں سے نقل کی گئی ہے (مجمع البیان)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿۴۱﴾ وَسَبِّحُوهُ
اے ایمان والو یاد کرو اللہ کو یاد بہت اور اس کی تسبیح کرو
بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿۴۲﴾ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ
صبح و شام وہ وہ ہے جو [illegible] بھیجتا [illegible]

رکوع ۳ ذکرِ خدا

ذِكْرًا كَثِيرًا تفسیر مجمع البیان میں آئمہ طاہرین علیہم السلام سے مروی ہے کہ جو شخص تسبیحات اربعہ یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تیس مرتبہ پڑھے وہ اللہ کا ذکر کثیر کرنے والوں میں سے ہوگا۔ اور عمران بن ایمن نے جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جو شخص تسبیح فاطمہؑ پڑھے گا وہ ذکر کثیر کرنے والوں میں سے ہوگا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جبریل نے حضرت رسالت مآبؐ کی خدمت میں آکر عرض کی۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ عَدَدَ مَا عَلِمَ وَزِنَةَ مَا عَلِمَ وَمِلْأَ مَا عَلِمَ جو شخص یہ کلمات پڑھے وہ ذکر کثیر کرنے والوں میں سے ہوگا اور شب و روز کے ذکر کرنے والوں سے بھی اس کا ذکر افضل ہوگا۔ اس کے لئے جنت میں باغات ہوں گے اس کے گناہ اس طرح گریں گے جس طرح خشک پتے درخت سے گرتے ہیں اور اللہ اس کی طرف نظرِ رحمت کرے گا اور جس پر اللہ کی نظرِ رحمت ہو اس پر عذاب نہیں آسکتا۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر چیز کے لئے حد ہے مثلاً فرائض کی حد ہے ماہ رمضان کے روزوں کے لئے حد ہے حج کے لئے حد ہے وعلیٰ ہذا القیاس، لیکن ذکرِ خدا کی کوئی حد مقرر نہیں ہے چنانچہ اس نے خود فرمایا ہے کہ اللہ کا ذکر زیادہ کرو اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے والد بزرگوار اللہ کا بہت ذکر کرتے تھے چلتے پھرتے اور کھانا کھاتے وقت حتیٰ کہ لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے بھی ذکرِ خدا سے الگ نہ ہوتے تھے اور لوگوں سے باتیں کرنا ان کو ذکرِ خدا سے غافل نہ کر سکتا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی زبان مبارک حلق کے ساتھ چمٹ چکی ہے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو وردِ زبان رکھا کرتے تھے ہم سب کو اکٹھا کر کے رات بھر طلوعِ شمس تک ذکر کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور قرآن پڑھنے والوں کو تلاوت کا حکم دیتے تھے اور جو نہ پڑھ سکے اسے ذکر کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

اور جس گھر میں قرأت قرآن اور اللہ کا ذکر ہوتا ہے اس میں برکت ہوتی ہے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور شیاطین دور ہو جاتے ہیں اور ایسا گھر آسمان والوں کے لئے اس طرح چمکتا ہے جس طرح زمین والوں کے لئے آسمان کے ستارے چمکتے ہیں۔ اور جس گھر میں قرآن نہ پڑھا جائے اور ذکر خدا نہ کیا جائے اس گھر سے برکت چلی جاتی ہے فرشتے دور ہو جاتے ہیں اور شیطانوں کا ڈیرہ لگ جاتا ہے الخ اور جناب رسالتمآب نے فرمایا جس شخص کو ذکر خدا کرنے والی زبان مل گئی گویا اس کو خیر کثیر ہاتھ لگی۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا جو اللہ کا ذکر زیادہ کرے خدا اس کو دوست رکھتا ہے اور اسے دنیا میں نفاق سے اور آخرت میں جہنم سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو اللہ کا ذکر کثیر کرے وہ جنت میں رحمت خدا کے سایہ میں ہوگا۔

بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ اس سے صبح و شام کی نمازیں مراد لی گئی ہیں اور ان کو اس لئے خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ دن اور رات کے فرشتے ان کی گواہی دیتے ہیں۔

هُوَ الَّذِىْ يُصَلِّىْ۔ اللہ کی صلوات سے مراد بخشش و رحمت

وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

اور اس کے فرشتے تاکہ نکالے تمکو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور وہ مومنوں پر

رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا

مہربان ہے ان کا آپس کا تحیۃ جزا کے ملنے کے دن سلام ہوگا اور ان کے لئے اس نے تیار کیا ہے اجر

كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ

بڑا اے نبی ہم نے تم کو بھیجا ہے شاہد و مبشر و

نَذِيْرًا ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ وَبَشِّرِ

نذیر بنا کر اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اس کے اذن سے اور روشن چراغ بنا کر اور خوشخبری دو

الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾ وَلَا تُطِعِ

مومنوں کو کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا ثواب ہے اور نہ اطاعت کر

الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى

کافروں اور منافقوں کی اور درگذر کر ان کی تکلیف سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور کافی

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ

ہے اللہ کارساز اے ایمان والو جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر

اور فرشتوں کی صلوات سے مراد دعائے مغفرت و رحمت ہے تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص محمدؐ و آل محمدؐ پر ایک دفعہ صلوات پڑھے تو خدا اور ملائکہ اس پر ایک سو دفعہ صلوات بھیجتے ہیں اور جو شخص ایک سو دفعہ صلوات پڑھے اللہ اور فرشتے ایک ہزار مرتبہ اس پر صلوات بھیجتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے جب حضورؐ کا نام آئے تو زیادہ سے زیادہ صلوات پڑھا کرو کیونکہ جو شخص

صلوات پڑھے تو خدا فرشتوں کی ایک ہزار صف کے ساتھ ایک ہزار دفعہ اس پر صلوات بھیجتا ہے اور خدا اور فرشتوں کی صلوات کی وجہ سے اللہ کی تمام مخلوق اس پر صلوات بھیجتی ہے اس کے بعد بھی جو شخص البانہ کرے وہ معذور ہے اور اس سے اللہ اور اس کا رسول اور اہل بیت بری و بیزار ہیں۔

طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ

ان کو طلاق دیدو پہلے اس سے کہ ان کو مس کرو۔ تو تمہاری ان پر کوئی عدت نہیں جسے وہ

تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۞ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ

گذار دیں۔ پس ان کو فائدہ پہنچاؤ اور روانہ کردو اچھے طریقے سے اے نبیؐ ہم نے تجھ پر

اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ

حلال کیں تیری وہ بیویاں جن کے حق مہر تم نے ادا کر دیئے اور وہ جن کے تم مالک ہو

مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ

اس مال سے بطور فئی کے دیا تجھے اللہ نے اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور ماموں کی

خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ؗ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً

بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی۔ اور کوئی مومن عورت

اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً

اگر ہبہ کرے اپنا نفس نبیؐ کو اگر نبی چاہے کہ اس نکاح کرے دیہ، صرف

لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ

تیرے لئے ہے نہ کہ عام مومنوں کے لئے تحقیق ہم نے جانا جو کچھ ہم نے ان پر فرض کیا ان کی بیویوں کے بارے میں

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

اور وہ جن کے وہ مالک ہیں۔ تاکہ تم پر کوئی حرج نہ رہے۔ اور ہے اللہ بخشنے والا

مِنَ الظُّلُمٰتِ: ظلمت سے مراد جہالت اور نور سے مراد معرفت یا ظلمت سے مراد گمراہی اور نور سے مراد ہدایت کی گئی ہے نیز دوزخ اور جنت بھی ان کی تاویل کی گئی ہے اور مزید تشریح جلد ۱۰ سورہ نور کی تفسیر میں ملاحظہ ہو۔

يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ: تحت اللفظی معنی کے علاوہ ممکن ہے کہ ضمیر غائب کا مرجع ملک الموت ہو یعنی جس دن مومن سے ملک الموت کی ملاقات ہوگی تو ملک الموت کا تحیہ یہ ہوگا کہ پہلے مومن کو سلام کہے گا اور ملائکہ کے جمع کے صیغے میں ملک الموت کا ذکر ضمنی طور پر پہلے ہو چکا ہے لہذا ضمیر کا مرجع قرار دیا جا سکتا ہے۔

دَعْ اَذٰىهُمْ: تحت اللفظی معنی کے علاوہ ممکن ہے ضمیر جمع غائب مفعول کے معنی میں ہو یعنی کافروں کو تکلیف دینے سے پرہیز کرو کیونکہ اللہ خود ہی ان کو اپنے کرتوتوں کا بدلہ دے گا اور یہ جہاد کے حکم سے پہلے کی بات ہے۔

المؤمنات ـ فقہی مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی منکوحہ کو ہمبستری سے پہلے طلاق دیدے تو اس عورت پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے بلکہ طلاق کے بعد وہ فوراً دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور اس کی یہ طلاق بائن ہوگی مرد پر ایسی صورت میں نصف حق مہر واجب الادا ہوتا ہے اور آیت کے فرمان کے مطابق مطلقہ عورت کو حق مہر کے علاوہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق کچھ دے کر باعزت گھر سے رخصت کرنا چاہیئے تاکہ وہ شکستہ خاطر نہ ہو طلاق کے مفصل احکام تفسیر کی جلد ۳ میں گذر چکے ہیں۔

رَّحِيمًا ۝ تُرْجِي مَن تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَن تَشَاءُ ۖ وَمَنِ

مہربان ـ پیچھے ہٹا دو جسے چاہو ان (اپنی بیویوں) میں سے اور بلالو اپنی طرف جسے چاہو اور جس کو

ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا

اپنا لو ان میں سے جن کو الگ کر چکے ہو تو کوئی گناہ نہیں تم پر یہ بات زیادہ قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں

يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

اور غمزدہ نہ ہوں اور راضی رہیں اس پر جو بھی ان کو دو ـ سب کی سب اور اللہ جانتا ہے

مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَلِيمًا ۝ لَّا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ

جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا حلیم ہے نہیں حلال تم پر عورتیں

مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ

علاوہ اور نہ یہ کہ تبدیل کرو ان کے بدلہ میں بیویاں اگرچہ پسند ہو تمہیں ان کا حسن

إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ۝ ۵۲ ع ۳

مگر وہ جن کے تم مالک ہو اور اللہ ہر شئی کا نگہبان ہے

اُجُورَهُنَّ عورت کا حق جلد فوراً ادا کر دینا بہتر ہے اور اگر فوراً ادا نہ کر سکے تو عورت کی رضامندی سے اپنے اوپر قرض ٹھہرا لے۔

وَمَا مَلَكَتْ ـ اس میں غنیمت اور انفال سے حاصل ہونے والی عورتیں شامل ہیں حضور کے پاس مالِ غنیمت میں سے ماریہ قبطیہ والدۂ ابراہیم تھی اور انفال میں سے حضرت صفیہ اور جویریہ تھیں جن کو آزاد کر کے آپ نے نکاح کیا تھا ـ بناتِ عم سے مراد قریش کی عورتیں اور بنات خال و خالات سے مراد بنی زہرہ کی عورتیں ہیں اور ابتدائی دور میں چونکہ نکاح میں ہجرت کی شرط تھی اس لئے ہجرت کی قید بڑھادی گئی ہے اور فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا۔

إِن وَهَبَتْ ـ یہ حضرت رسالت مآبؐ کے خواص میں شامل ہے کہ اگر کوئی عورت اپنا نفس حق مہر لئے بغیر حضورؐ کو بخش دے تو صیغہ نکاح جاری کئے سوا وہ آپ پر حلال ہوگی لیکن باقی اُمت کے لئے ایسا کرنا صحیح نہیں ہے حضورؐ کی زوجات میں سے جس نے اپنا نفس حضور کو ہبہ کیا تھا وہ میمونہ بنت حارث یا زینب بنت خزیمہ ام المساکین انصاریہ یا خولہ بنت حکیم یا ام شریک اسدیہ باختلاف اقوال منقول ہے اور آخری قول حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا۔ یعنی ہبہ کے لفظ سے عورت کا حلال ہو جانا صرف پیغمبر کے لئے ہے دوسرے مومنوں کے لئے نہیں ہے اور دوسرے مومنوں کے لئے حلال ہونے کے متعلق اور تعداد کے متعلق جو کچھ ہم نے فرض کیا ہے وہ معلوم ہے اور ان کے لئے کنیزوں کے احکام بھی الگ ہیں کیونکہ نبی علیہ السلام کے لئے جائز ہے کہ غنیمت میں آنے والی کنیزوں میں سے اپنے لئے انتخاب کرے اور یہ حق انتخاب دوسروں کے لئے نہیں ہے

ازواج پیغمبر

تُرْجِی۔ پیغمبر کا یہ خاصا بھی ہے کہ ان پر بیویوں میں تقسیم واجب نہیں ہے ان کو اختیار ہے جس عورت کی باری پیچھے ہٹا دیں اور جس کو چاہیں مقدم کرلیں وہ چاہیں تو بعض عورتوں کی باری مقرر ہی نہ کریں اور بعض کی باری مقرر کردیں بلکہ یہ بھی ان کو اختیار ہے کہ ایک کی باری میں دوسری کے ہاں چلے جائیں نیز اگر کسی عورت کو بذریعہ طلاق الگ کردیں تو پھر بھی ان کو اختیار ہے کہ اس کو ازواج میں شامل کرلیں اور حضورؐ کے ان خواص میں ان کی بیویوں کی بھلائی کا راز بھی مضمر ہے کیونکہ ان کو تسلی رہے گی کہ علیحدگی کے باوجود بھی وہ حضورؐ کے تصرف میں آسکتی ہیں اور حرم میں رہنے کے شرف سے وہ محروم نہیں ہوسکتیں

اس آیت مجیدہ کو آیہ تخییر کہا جاتا ہے اور اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب رسولؐ اللہ کی بعض بیویوں نے ایک دوسری پر غیرت کرنا اور جھگڑنا شروع کیا تو حضورؐ کو بہت رنج پہنچا پس آپ پورا ایک مہینہ ان میں سے کسی کے پاس نہ گئے تو یہ آیت اتری کہ آپ عورتوں کو بلا کر ان پر اس حکم خداوندی کی وضاحت کردیں۔ کہ اگر وہ آزاد ہونا چاہیں اور دنیاوی تعیش کو ترجیح دیں تو بے شک ان کو چلے جانے کی کھلی چھٹی ہے لیکن اگر خدا و رسول کو پسند کریں تو ان تشریحات کو پہلے سے ذہن نشین کرلیں۔ (۱) وہ مومنوں کی مائیں متصور ہوں گی لہذا ان کے ساتھ کسی مومن کا نکاح نہ ہوسکے گا (۲) وہ تا زیست کسی مرد سے شادی نہ کرسکیں گی (۳) رسولؐ اللہ کو اختیار ہوگا کہ جس کو چاہے علیحدہ کردے جسے چاہے اپنے پاس رکھے (۴) رسولؐ اللہ کو اختیار ہوگا کہ عورتوں کے لئے باریاں مقرر کرے یا نہ کرے نیز یہ بھی اختیار ہوگا کہ بعض کے لئے باریاں مقرر کرے اور بعض کے لئے نہ کرے (۵) ان کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ تقسیم میں کمی یا بیشی کرے (۶) وہ نان و نفقہ و دیگر معاشرتی امور میں بھی مساوات کے پابند نہ ہوں گے بلکہ ان کی صوابدید کے فیصلہ پر تم کو راضی رہنا پڑے گا۔ اور یہ سب ان کے خواص ہیں پس جب حضورؐ کی بیویوں نے حکم پروردگار سنا تو سب نے سر تسلیم خم کرلیا اور تمام شرائط مان لیں اور حضورؐ کے اخلاق کریمانہ میں سے ہے کہ آپ نے اس کے باوجود بھی برتاؤ میں برابری کو ملحوظ رکھا یہ الگ بات ہے کہ حضورؐ کی افتاد طبع کے پیش نظر بعض بیویاں اپنی باری کو دوسریوں کے لئے بخش دیا کرتی تھیں۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جناب رسالت مآبؐ کی ازواج کی تعداد سترہ منقول ہے ان میں سے دو ایسی ہیں جن کے ساتھ ہمبستری نہیں ہوئی اور باقی پندرہ ہیں ان میں سے تیرہ عقدِ نکاح میں تھیں اور دو کنیزیں تھیں وہ جن کے ساتھ ہمبستری نہیں ہوئی وہ عمرہ اور شنبا ہیں، رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد انہوں نے شادی کی تھی چنانچہ ایک کا شوہر جذام کی بیماری میں مبتلا ہوگیا اور دوسرا پاگل ہوگیا۔ (صافی)

منکوحہ بیویوں کے نام یہ ہیں (۱) خدیجہ بنت خویلد (از قریش) (۲) سودہ بنت زمعہ (از بنی اسد) (۳) ام سلمہ ہند بنت ابو امیہ

(از بنی مخزوم) (۴) اُمّ عبداللہ عائشہ بنت ابی بکر (از بنی تیم) (۵) حفصہ بنت عمر (از بنی عدی) (۶) زینب بنت خزیمہ اُمّ المساکین (انصاریہ)
(۷) زینب بنت جحش (از بنی اسد) (۸) اُم حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان (از بنی اُمیہ) (۹) میمونہ بنت حارث (از بنی ہلال) (۱۰) زینب بنت عمیس
(۱۱) جویریہ بنت حارث (۱۲) صفیہ بنت حی بن اخطب (از بنی اسرائیل یہودیہ) (۱۳) خولہ بنت حکیم ان میں سے ایک وہ ہے جس کا نکاح ہبہ
کے صیغہ سے ہوا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ

اے ایمان والو! نہ داخل ہو نبی کے گھروں میں - مگر یہ کہ اجازت دی جائے تم کو

إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا

کھانے کی طرف (پس اس وقت جاؤ کہ) نہ انتظار کرنے والے ہو پکنے کے لیکن جب بلائے جاؤ تو داخل ہو پس جب

طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ

کھا چکو تو چلتے بنو اور نہ (بیٹھے رہو) باتوں میں مانوس ہو کر - تحقیق یہ بات

يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا

تکلیف دیتی ہے نبی کو پس وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ نہیں شرم کرتا حق بات کہنے سے اور جب

سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ

مانگو ان عورتوں سے کوئی چیز تو مانگو ان سے پس پردہ یہ بات

أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ

باعث پاکیزگی ہے تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے اور تمہیں جائز نہیں کہ تکلیف دو رسول اللہ کو

وہ دو بیویاں جو کنیز تھیں ایک کا نام ماریہ تھا جو قبطی نسل سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری کا نام ریحانہ تھا اور ان تمام میں سے افضل جناب خدیجہ ہیں اور ان کے بعد اُم سلمہ اور ان کے بعد جویریہ کو فضیلت حاصل ہے۔ جن لوگوں نے حضرت عائشہ کی فضیلت بیان کی ہے وہ صرف حضرت خدیجہ کی فضیلت کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ جناب فاطمہ کی والدہ تھیں اور گیارہ اماموں کی جدہ ماجدہ ہونے کا ان کو شرف حاصل تھا ورنہ قرآن مجید میں جہاں کہیں ازواج نبی کو سرزنش کی گئی ہے۔ شانِ نزول کے لحاظ سے حضرت عائشہ ان میں پیش پیش ہیں لہذا ان کی افضلیت کا اعلان کرنا آیاتِ قرآنیہ سے انحراف کرنے کے مترادف ہے جناب خدیجہ کی فضیلت کے متعلق احادیث ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں درج کی ہیں۔

رکوع ۴ معاشرہ کے احکام

لَا تَدْخُلُوا - آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں وارد ہے کہ جب حضورؐ نے زینب بنت جحش سے شادی کی تو دعوتِ ولیمہ میں صحابہ کرام کو

بلایا آپ نے اس دعوت میں کھجور ستو اور بکرے کے گوشت کا انتظام کیا ہوا تھا پس لوگ جوق در جوق آتے رہے اور کھانا کھا کر واپس جاتے
رہے جب تمام لوگ کھانا کھا چکے اور گھروں کو چلے گئے تو تین آدمی آپس میں بات چیت کرنے میں مصروف ہو گئے اور کافی دیر تک بیٹھے رہے
حضورؐ کے اخلاقِ کریمانہ نے گوارا نہ کیا کہ ان کو چلے جانے کا حکم دیں پس خود اُٹھ کھڑے ہوئے اور گھر سے باہر ٹہلنے لگ گئے کچھ دیر کے بعد
جو واپس آئے تو ان آدمیوں کو مصروفِ گفتگو پایا ان کے اس رویّے کا آپ کو کافی دکھ پہنچا پس یہ آیت نازل ہوئی اس میں معاشرتی طور
پر چند درس آموز باتیں شامل ہیں جو بظاہر اگرچہ صحابہ سے متعلق ہیں لیکن تعلیم کے طور پر قیامت تک کے تمام اہل اسلام کے لئے ناقابلِ فراموش
ہدایات ہیں (۱) نبی کے گھر میں اجازت لئے بغیر داخل ہونا ممنوع ہے اسی لئے قیامت تک کے لئے نبی علیہ السلام کے روضہ میں داخلہ بھی جائز
نہیں جب تک کہ پہلے اذنِ دخول نہ پڑھ لیا جائے کیونکہ وہی نبی کا گھر ہے اور حکم مذکور نبی کی ظاہری دنیاوی زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے
اور تمام آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ضرائح مقدسہ میں بھی بغیر اذنِ دخول کے جانا ممنوع ہے اور یہی آیتِ مجیدہ حکم مذکور کی دلیل ہے لیکن کس قدر
ظالم ترین تھے وہ انسان جنہوں نے [illegible] کی رضا سے [illegible] بغیر [illegible] کے بعد
رسول کے گھر کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور اجازت کے بغیر رسول زادی کے گھر میں داخل ہو گئے۔ (۲) قرآنی ہدایت کے مطابق اگر دعوت کے بعد
کسی کے گھر میں جانا ہو تب بھی اس قدر پہلے نہ جائیں کہ کھانا تیار ہونے اور دیگ کے پک جانے کا کافی دیر تک انتظار کرتے رہیں۔
کیونکہ یہ امر بھی صاحبِ خانہ کے مزید الجھن کا باعث ہوتا ہے۔ البتہ اگر صاحبِ منزل کی خواہش ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے (۳)
آیتِ مجیدہ میں چونکہ امر ہے اِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا کہ جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ۔ اس سے صاف واضح ہے کہ دعوت کا
قبول کرنا محبوبِ پروردگار ہے اسی بنا پر مستحب ہے کہ اگر کوئی شخص مستحبی روزے سے بھی ہو اور اس کو کسی مومن کی طرف سے کھانے
کی دعوت مل جائے تو اپنا روزہ دار ہونا جتلائے بغیر دعوت میں شریک ہو جائے تو اس صورت میں اس کو روزے کا ثواب بھی ملے
گا اور دعوتِ مومن کے قبول کرنے کا بھی اُسے اجر ملے گا۔ لیکن دورِ حاضر میں بعض مقامات پر مروج ہے کہ لوگ روزہ اسی نیت
سے رکھتے ہیں کہ ابھی کوئی مومن دعوت کر کے افطار کرا دے گا بلکہ بعض اوقات دعوت کرنے والوں کو کہلا یا جاتا ہے کہ مجھے روزہ ہے
لہٰذا مجھے بھی دعوت میں شامل کرنا تو اس قسم کا روزہ یا دعوت مذکورہ بالا حکم کے تحت میں داخل نہیں ہے بلکہ ظاہراً نہ اس قسم کا روزہ
روزہ ہے اور نہ یہ دعوت دعوت ہے۔ احکامِ شرعیہ کو محلِ تمسخر بنانے سے گریز کرنا چاہیئے۔ (۴) آیتِ مجیدہ میں صاف حکم ہے
کہ کھانا کھا چکنے کے بعد فوراً چلے جانا چاہیئے کیونکہ زیادہ دیر تک بیٹھ کر صاحبِ منزل کے ذاتی امور اور خانگی مشاغل میں مخل ہونے سے
گریز کرنا ضروری ہے البتہ اگر صاحبِ منزل اپنی شوق و محبت سے مزید بیٹھ جانے کو کہیں تو اس کی خواہش کو رد نہ کرنا چاہیئے۔ اور
تفسیر مجمع البیان میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ اس آیتِ مجیدہ میں اللہ نے بوجہل اور ڈھیٹ قسم کے آدمیوں کے رویّہ کو برداشت
نہیں کیا اور تا قیامت امتِ محمدیہ کے لئے یہ آیت بہترین دلیل ہے کہ انسان کو دوسرے کے لئے کسی وقت بوجھ نہ بننا چاہیئے۔
(۵) جب نبی کی بیویوں سے کچھ طلب کرنا ہو تو پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگ لو اور یہ حکم پردہ مردوں اور عورتوں ہر دو کے لئے پاکیزگی
دل کا باعث ہے اور یہ حکم بھی معاشرہ انسانیہ کی تندرستی کا بہترین ضامن ہے بلکہ معاشرتی خرابیوں کی جڑ بھی بے پردگی ہے اور حکم مذکور

امہات المومنین سے مختص نہیں بلکہ مردوں کی عدم موجودگی کی صورت میں اگر کسی گھر سے کچھ لینا ہو تو بے پردہ اندر نہ جانا چاہیئے بلکہ پردہ کی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے اہل خانہ سے اپنی مطلوبہ چیز حاصل کرنی چاہیئے اور قیامت تک کے مومنین و مومنات کو ان معاشرتی آداب سے آراستہ ہونا ضروری ہے اور تفسیر صافی میں ہے کہ جبریل بغیر اجازت کے کبھی خانۂ رسولؐ میں داخل نہ ہوتا تھا اور وہ آپ کے سامنے غلاموں کی طرح بیٹھتا تھا۔

وَلَآ اَنۡ تَنۡكِحُوۡٓا تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ طلحہ نے کہا تھا کہ میں رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد عائشہ سے شادی کروں گا اور ایک روایت میں ہے کہ دو آدمیوں نے آپس میں یہ بات کی تھی کہ ہماری عورتوں سے محمدؐ نکاح کرے اور ہم اس کی عورتوں سے نکاح نہ کریں ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے بلکہ ان کی وفات کے بعد ہم بھی ان کی عورتوں سے شادی کریں گے۔ ایک کا ارادہ عائشہ سے اور دوسرے کا ام سلمہ سے نکاح کرنے کا تھا پس یہ آیت اتری اور ازواج نبی سے نکاح کرنے کی حرمت واضح ہو گئی اور حذیفہ سے مروی ہے اس نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو جنت میں میری بیوی رہنا چاہتی ہو تو میرے بعد کسی سے شادی نہ کرنا کیونکہ جنت میں بیوی آخری شوہر کی ہوگی اور حضورؐ نے یہ فرمایا ہے کہ عورت اپنے متعدد شوہروں میں سے اس کو ملے گی جو دنیا میں اچھے اخلاق سے پیش آتا ہوگا۔

ٱللَّهِ وَلَآ أَن تَنكِحُوٓا۟ أَزْوَٰجَهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦٓ أَبَدًا ۚ إِنَّ
اور نہ نکاح کرو اس کی بیویوں سے اس کے بعد ہمیشہ تحقیق
ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ ٱللَّهِ عَظِيمًا ۝ إِن تُبْدُوا۟ شَيْـًٔا أَوْ تُخْفُوهُ
یہ بات اللہ کے نزدیک بڑی ہے اگر تم ظاہر کرو کسی شے کو یا اسکو مخفی کرو
فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمًا ۝ لَّا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ
تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے نہیں کوئی گناہ ان پر
فِىٓ ءَابَآئِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ إِخْوَٰنِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآءِ
اپنے باپوں اور بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور
إِخْوَٰنِهِنَّ وَلَآ أَبْنَآءِ أَخَوَٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا
بھانجوں (سے پردہ نہ کرنے) میں اور نہ عورتوں اور مملوک غلاموں
مَلَكَتْ أَيْمَٰنُهُنَّ ۗ وَٱتَّقِينَ ٱللَّهَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ
اور کنیزوں سے (پردہ نہ کرنے) میں اور ڈرو اللہ سے تحقیق اللہ ہر شے پر
شَىْءٍ شَهِيدًا ۝ إِنَّ ٱللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ
گواہ ہے۔ تحقیق اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں

لَا جُنَاحَ۔ جب پردہ کی آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کی حضورؐ یہ فرمایئے کہ ہم اپنی ماؤں اور بہنوں سے بھی پردہ کیا کریں تو یہ آیت اتری کہ باپ بھائی بھتیجا بھانجا وغیرہ جو محارم ہیں ان سے کوئی پردہ نہیں ہے۔

وَلَا نِسَآءِ هِنَّ اس مقام پر اضافت ایسی ہی ہے جس طرح دوسرے مقام پر رِجَالِکُم میں ہے یعنی اپنی عورتوں سے کوئی پردہ نہیں ہے البتہ بیگانی عورتیں مثلاً یہود و نصاریٰ کی عورتیں ان سے مومن عورتوں کو پردہ کرنا چاہیئے تاکہ وہ ان کے محاسن اپنے مردوں کو نہ بیان کریں۔

درود شریف

وَ صَلُّوْا عَلَیْهِ صلوات کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو مراد رحمت بھیجنا اور جب فرشتوں کی طرف ہو تو مراد ان کی پاکیزگی بیان کرنا اور جب مومنوں کی طرف ہو تو مراد دعائے رحمت کرنا ہے یعنی نبی پر اللہ رحمت نازل کرتا ہے فرشتے آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور تمام مومنوں کو حکم ہے کہ تم اُن کے لئے رحمت کی دعا کرو اور یہی معنی تفسیر صافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے۔ پس صلوات کا معنی ہے قُوْلُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ یعنی کہو اے اللہ رحمت نازل فرما محمدؐ و آلِ محمد پر۔

عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

نبی پر اے ایمان والو! تم اس پر درود بھیجو اور ان کی اطاعت کرو جو حق اطاعت

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا ان کے لئے طلب رحمت کی دعا چھوٹا منہ بڑی بات والا معاملہ ہے ہم کون ہیں ان کے لئے دعا کرنے والے؟ اور خصوصاً مذکورہ صورت میں جبکہ آیت مجیدہ کا پہلا حصہ یہ ہے کہ اللہ ہماری دعا سے پہلے ہی حضورؐ پر مسلسل طور پر باران رحمت برسانے کا اعلان فرما رہا ہے تو ان کے حق میں ہم سے طلب دعا کا مطالبہ کس لئے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا ان کے لئے دعا کرنا محسن کے احسان کی حق شناسی کے طور پر ہے۔ ورنہ اس دعا کا نتیجہ اور بازگشت ہمارے ہی لئے ہے اور خدا انہی کے طفیل اور وسیلہ سے ہم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرماتا ہے جس طرح درختوں کے پتے جب پانی کے طالب ہوتے ہیں اور پیاس کی وجہ سے ان میں کملاہٹ نمودار ہو جاتی ہے تو درختوں کے تنوں میں پانی ڈالا جاتا ہے پس اس کا اثر شاخوں تک پہنچ کر تمام پتوں کو ہرا بھرا کر دیتا ہے اگر وہی پانی براہ راست پتوں پر چھڑکا جاتا تو پتے استعداد و قابلیت نہ رکھنے کی بدولت اس کو گرا کر ضائع کر دیتے پس نہ خود فائدہ حاصل کرتے اور نہ کسی ہمسائے پتے یا شاخ کو اس سے کچھ فائدہ پہنچتا اور ویسے کے ویسے کملائے رہتے تو گویا پتوں کو سرسبز و شاداب رکھنے کا وسیلہ درختوں کی جڑیں اور تنے ہوا کرتے ہیں اسی بنا پر متعدد احادیث میں اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام بارگاہِ ربوبیت سے فیض حاصل کرنے کے لئے ہمارا بہترین وسیلہ ہیں پس درود شریف میں ان کے لئے طلب رحمت کی دعا کی فرمائش بھی مثال سابق کی روشنی میں اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ہم لوگ درختوں کے پتوں کی طرح فیوض و برکات خداوندی سے براہِ راست استفادہ کرنے کے قابل نہیں ہیں لہٰذا ان کے لئے طلب رحمت کی دعا کریں جو ہمارے ساتھ وہی نسبت

رکھتے ہیں جو پتوں کی جڑوں اور تنوں سے ہوا کرتی ہے اور اس کے نتیجے میں ہم خود بھی اس کی باران رحمت سے سیراب و شاداب ہو سکتے ہیں چنانچہ انہوں نے خود اپنی ذوات کو درخت کے تنے سے اور ہمیں پتوں سے تشبیہ دی ہے تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص صبح اور مغرب کی نماز کے بعد بلا فاصلہ درود شریف پڑھے تو خداوند کریم اس کی دنیا میں اور آخرت میں تیس حاجتیں پوری کرے گا تفسیر مجمع البیان میں انس بن مالک سے مروی ہے کہ ابو طلحہ کہتا ہے کہ میں ایک دفعہ خدمت نبوی میں پہنچا اور آپ کو نہایت خوش و خرم دیکھا میں عرض کی کہ حضورؐ! آج سے پہلے میں نے کبھی آپ کو اس قدر خوش و خرم اور مسرور نہیں دیکھا آپ نے فرمایا میں خوش کیوں نہ ہوں حالانکہ ابھی ابھی جبریل نے مجھے اللہ سبحانہ کا پیغام سنایا ہے کہ جو شخص تجھ پر ایک مرتبہ صلوات پڑھے گا میں اس پر دس دفعہ رحمتیں نازل کروں گا اور اس کے دس گناہ معاف کروں گا اور اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیوں کا اضافہ کروں گا۔

تفسیر برہان میں بروایت صفوان جمال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر دعا آسمان تک جانے سے رکی رہتی ہے یعنی بارگاہِ اجابت تک نہیں پہنچتی جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ جب بھی حضورؐ کا نام آئے زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا کرو کیونکہ جو ایک دفعہ درود پڑھے خداوند کریم اور فرشتے اس پر ایک ہزار بار درود بھیجتے ہیں اور خدا و ملائکہ کے بعد خدا کی مخلوق میں سے کوئی شئی ایسی باقی نہیں رہتی جو اس شخص پر درود نہ بھیجتی ہو اور جو شخص اس کے بعد بھی درود پڑھنے میں بخل کرے تو وہ مغرور و جاہل ہے اور اللہ و رسولؐ اور اہل بیتؑ ایسے شخص سے بری و بیزار ہیں۔

محمد بن مسلم عن احدھما علیہما السلام روایت کرتا ہے کہ میزان اعمال میں درود شریف سے زیادہ وزنی اور کوئی عمل نہیں ہوگا چنانچہ جب ایک شخص کے اعمال کو وزن کیا جائے گا اور اس کا پلڑا ہلکا ہوگا تو جونہی درود شریف اس پلڑے میں رکھا جائے گا وہ فوراً جھک جائے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ شب جمعہ بہت کافی تعداد میں ملائکہ سنہری قلم اور روپہلے کاغذ لے کر صرف درود شریف لکھنے کے لئے اترتے ہیں پس تم لوگ زیادہ سے زیادہ درود پڑھا کرو لیس آپ نے جمعہ کے دن ایک ہزار مرتبہ اور باقی ایام میں ایک سو مرتبہ درود پڑھنے کا حکم دیا۔

تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب بھی حضورؐ کا نام لو یا جب بھی تمہارے سامنے اذان میں یا اس کے علاوہ حضورؐ کا نام لیا جائے تو درود پڑھ لیا کرو۔ بہر کیف درود پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہے اور اس سلسلہ میں احادیث و روایات کافی وارد ہیں بعض علماء کے نزدیک درود شریف کو وظیفہ کے طور پر پڑھنا وسعت رزق کا سبب ہے۔

درود میں آل کا ذکر ضروری ہے

تفسیر مجمع البیان میں کعب بن عجرہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ پر سلام کرنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں۔ آپ نے فرمایا وہ اس طرح پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

تفسیر برہان میں مجالس شیخ سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ایک فرشتے نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ مجھے

تمام بندوں کی باتوں کے سننے کی توفیق دے چنانچہ اللہ نے اس کو وہ طاقت دے دی پس وہ فرشتہ قیامِ قیامت تک اس ڈیوٹی پر ہے کہ جب بھی کوئی مومن کہے صَلَّی اللّٰہُ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَسَلَّمَ تو وہ اس کو جواب سلام میں کہتا ہے وَعَلَیْکَ السَّلَام اور اس کے بعد خدمتِ نبوی میں پہنچ کر حضورؐ کو اس مومن کا سلام پہنچاتا ہے پس آپ جواب میں فرماتے ہیں وَعَلَیْہِ السَّلَام

تفسیر برہان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص میرے اوپر درود شریف پڑھے اور میری آل کو شامل نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ سونگھے گا حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو برس کی مسافت تک پہنچتی ہے۔

تفسیر مجمع البیان کے محشی فاضل ابوالحسن شعرانی نے ذکر کیا ہے کہ علمائے امامیہ اور شافعی کے نزدیک نماز کے تشہد میں محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود پڑھنا واجب ہے اور بعض علماء نے قرآن مجید کی اس آیت سے اس کا جزوِ تشہد ہونا اس طرح ثابت کیا ہے کہ آیت میں صَلُّوْا امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اور درود شریف کے پڑھنے کا تشہد کے علاوہ اور کسی مقام پر حکم نہیں ہے لہٰذا درود میں اس کا واجب ہونا ثابت ہے اور امام شافعی کا اس بارے میں ایک شعر بہت مشہور اور زبان زدِ عوام ہے

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِي الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ

اے اہل بیتِ رسولِ اللہ تمہاری محبت قرآن میں اللہ کی طرف سے فرض ہے جس کو اس نے نازل کیا۔

وَكَفَاكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْقَدْرِ اَنَّكُمْ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

اور تمہارے رتبہ کی عظمت میں اتنا کافی ہے کہ جو بھی تم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز باطل ہے

اہلِ سنت کے باقی فرقوں کے نزدیک بھی نماز کے تشہد میں درود اور سلام پڑھا جاتا ہے اور اس کو واجب کی حیثیت دی جاتی ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے کہ بعض اہل سنت حضرات آلِ محمدؐ کے ساتھ فضیلت و شرافت میں ہم پلہ ظاہر کرنے کے لئے اصحاب و ازواج کو بھی درود کی عبارت میں شامل کرنے کی جسارت کر لیا کرتے ہیں چنانچہ وَعَلیٰ آلِہٖ کے بعد وَعَلیٰ اَصْحَابِہٖ وَعَلیٰ اَزْوَاجِہٖ کا الحاق ہم نے کئی واعظوں اور خطیبوں سے سنا ہے سچ ہے "دروغ گو را حافظہ نباشد" اس الحاقی ضمیمہ سے ان کا یہ دعویٰ سرے سے باطل ہو جاتا ہے کہ ازواجِ رسول آلِ رسول میں داخل ہیں کیونکہ ان کا مذکورہ عمل ان کے اس دعویٰ کا مبطل ہے اور ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اگر ازواجِ رسول آلِ رسول میں داخل ہوتیں تو وَعَلیٰ آلِہٖ کے بعد وَعَلیٰ اَزْوَاجِہٖ کا اضافہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور نماز کے تشہد میں صرف آلِ محمدؐ کو ہی شاملِ درود کیا جاتا ہے جس سے اس امر کی صاف نشاندہی ہوتی ہے کہ اصحاب و ازواج کو شاملِ درود کرنا منشائے خداوندی اور مرضی پیغمبرؐ کے خلاف ہے اور اگر یہ ضمیمہ مبنی برحق ہوتا تو تشہد نماز میں حذف نہ کیا جاتا۔ اور اس کا واضح پہلو یہ بھی ہے کہ درود میں کَمَا صَلَّیْتَ عَلیٰ اِبْرَاهِیْمَ وَآلِ اِبْرَاهِیْمَ اور بَارَکْتَ عَلیٰ اِبْرَاهِیْمَ وَآلِ اِبْرَاهِیْمَ ہے اگر یہاں آل کے بعد اصحاب و ازواج کا اضافہ کیا جائے تو ابراہیم کی آل کے بعد اصحاب و ازواج کا بھی اضافہ کرنا پڑے گا اور اس بارے میں وارد شدہ احادیث و روایات کی ترمیم نو کی ضرورت بھی محسوس ہو گی اور وہ سراسر غلط اور ناجائز ہے

آیت مجیدہ میں صَلُّوْا کے حکم کے ساتھ سَلِّمُوْا کا امر بھی ہے لیکن سَلِّمُوْا کے معنی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا معنی ہے کہ

حضورؐ کو السلام علیک سے خطاب کر کے سلام کہو اور دوسرے یہ کہ تسلیم کا معنی ہے اطاعت کرنا یعنی اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کرو جس طرح اطاعت کا حق ہے۔ بنا بریں جس طرح تشہد نماز میں درود کے وجوب کا استدلال آیت مجیدہ سے کیا گیا ہے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الخ کا وجوب ثابت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سَلِّمُوا میں دو معنی کا احتمال برابر ہے اور وجوب پر دلالت تب ہوتی جب ایک معنی یقینی ہوتا جس طرح صَلُّوا کا صرف ایک ہی معنی ہے اور فاضل شعرانی کی حکایت کے مطابق علامہؒ نے تشہد میں السلام علیک ایہا النبی الخ کے عدم وجوب پر اجماع امامیہ نقل کیا ہے

رسول اللہؐ کی نماز جنازہ

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ ابو مریم انصاری نے امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور نبی اکرمؐ کے جنازہ کی نماز کس طرح تھی تو آپ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام جب آپ کے غسل و کفن سے فارغ ہو چکے تو دس آدمی آئے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام ان کے درمیان کھڑے ہو گئے پس آپ نے یہ آیت مجیدہ پڑھی اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اور باقی لوگ بھی ساتھ ساتھ یہی پڑھتے رہے اور تمام اہل مدینہ نے آپ پر اسی کیفیت سے نماز جنازہ پڑھی اور بروایت جابر آپ سے مروی ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد مہاجرین و انصار اور فرشتوں نے گروہ گروہ ہو کر آپ پر نماز جنازہ پڑھی اور حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا میں نے رسول خداؐ سے ان کی صحت و سلامتی کے دنوں میں سنا تھا کہ یہ آیت مجیدہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ الخ میری وفات کے بعد میری نماز جنازہ کے لئے اتری ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

تحقیق جو لوگ اذیت دیتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو ان پر اللہ نے لعنت کی دنیا و آخرت میں

وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اور ان کے لئے تیار کیا ہے ذلت آمیز عذاب اور جو لوگ اذیت دیتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کو

بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُہْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۸﴾ یٰٓاَیُّہَا

بغیر کسی جرم کے جو انہوں نے کیا ہو تحقیق وہ اٹھاتے ہیں بہتان اور سخت گناہ کا بوجھ اے

ایذاء علیؑ ایذاء رسولؐ ہے

یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ۔ تفسیر برہان میں جامع ترمذی۔ صحیح بخاری۔ حلیہ ابو نعیم اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ مال غنیمت سے حضرت علی علیہ السلام نے ایک لونڈی کے خریدنے کا ارادہ فرمایا تو حاطب بن ابی بلتعہ اور بریدہ اسلمی دونوں نے مل کر اس لونڈی کی بولی میں رقم بڑھانی شروع کر دی تھا کہ بڑھتے بڑھتے لونڈی کی قیمت کافی بڑھ گئی تاہم حضرت علی علیہ السلام نے اسے خرید لیا پس واپسی پر وہ دونوں اس معاملہ میں حضرت علیؑ کی شکایت لے کر حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بریدہ نے سامنے کھڑے ہو کر حضرت علیؑ کی شکایت کی آپ نے منہ پھیر لیا پھر وہ دائیں طرف آیا تو آپ نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ پھر وہ بائیں طرف آیا اور آپؐ نے رخ پھیر لیا اور آخر کار آپ نے فرمایا اے بریدہ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ آج تو رسول اللہؐ کو اذیت پہنچا رہا ہے کیا تو نے یہ قرآن خداوندی نہیں سنا اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ الخ؟

کیا تجھے پتہ نہیں کہ اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ وَاِنَّ مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰهَ فَحَقٌّ عَلَی اللّٰهِ اَنْ یُّعَذِّبَهٗ بِاَلِیْمِ عَذَابِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ یعنی تحقیق علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں جس نے علیؑ کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی پس اللہ کو حق حاصل ہے کہ اس کو دوزخ کی آگ میں سخت عذاب سے اذیت دے اے بریدہ! کیا تو زیادہ عالم ہے یا اللہ؟ کیا تو زیادہ عالم ہے یا لوح محفوظ کے قاری؟ کیا تو زیادہ عالم ہے یا حضوں پہ مامور فرشتہ؟ کیا تو زیادہ عالم ہے یا علی بن ابی طالبؑ پر تعینات شدہ کراماً کاتبین؟ تو بریدہ نے ہر سوال کا یہی جواب دیا کہ وہ مجھ سے زیادہ عالم ہیں پس آپ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ یوم ولادت سے آج تک حضرت علیؑ کے نامۂ اعمال میں کراماً کاتبین نے کوئی گناہ نہیں لکھا پھر آپ نے فرمایا۔ اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِیْ یعنی علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی ہے۔ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے پھر آپ نے بریدہ سے فرمایا کہ حصوں پہ مامور فرشتے نے مجھے خبر دی کہ وہ اپنے دفتر میں حضرت علیؑ کی ولادت سے پہلے لکھ چکا ہے کہ اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہوگی اور شب معراج لوح محفوظ کے قاریوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ ہم نے لوح محفوظ میں حضرت علیؑ کو معصوم پایا ہے کہ اس سے کوئی غلطی یا لغزش سرزد نہ ہوگی۔ اے بریدہ! تو علیؑ پر غلطی کے ارتکاب کا الزام کیسے لگا سکتا ہے جبکہ رب العالمین اور ملائکہ مقربین اس کے افعال کی صحت و درستی کے گواہ ہوں؟ اے بریدہ! آئندہ علیؑ کے متعلق اس قسم کی جرأت نہ کرنا وہ امیرالمومنین سید الصالحین فارس المسلمین اور قائد الغر المحجلین ہے اور وہ قسیم الجنۃ والنار ہے وہ دوزخ سے کہے گا هٰذَا لِیْ وَ هٰذَا لَکِ یعنی یہ میرے چھوڑ دے اور یہ تیرا لے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اے بریدہ! کیا تو ایسا سمجھتے ہو کہ علیؑ کا تم پر کوئی حق نہیں ہے کہ اس کے سوا سے میں بولنے کی رگیں پھڑکاتے ہو؟ آگاہ ہو اللہ کے نزدیک علیؑ کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؑ کی ایک فضیلت سنائی جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی خیر ہے جو شخص کسی محب علیؑ کی حاجت روائی کرے گا تو بروقت میزان اس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو جائے گا خواہ اس کے گناہ کس قدر زیادہ کیوں نہ ہوں اور اس کے ساتھ اس کے والدین کے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے اور وہ سب جنت میں داخل ہوں گے پھر آپ نے فرمایا اے بریدہ! تیلوں جیروں پر مارے ہوئے سنگریزوں سے بھی ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی جو صرف بغض علیؑ کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ ان لوگوں کے لئے اتری ہے جنہوں نے حضرت علیؑ و بتولؑ کا حق غصب کیا اور بی بی پاک کو اذیت پہنچائی اور حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا جو شخص میری اس شہزادی کو میری زندگی میں اذیت پہنچائے گا گویا اس نے مجھے مرنے کے بعد اذیت دی اور جو اس کو میرے مرنے کے بعد اذیت دے گا گویا اس نے مجھے زندگی میں اذیت پہنچائی۔

تفسیر ظاہر کے لحاظ سے یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ کے کئی اور معانی بھی کئے گئے ہیں (۱) اس سے مراد منافق و کافر لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے لئے ایسی صفات ثابت کیں جو اس کی شان احدیت و ربوبیت و الوہیت کے خلاف ہیں اور رسول کی تکذیب کی یعنی اللہ کو غیر سے مشابہت دی اور اس کے احکام کی مخالفت کی (۲) دراصل رسول کی ایذا ہی مقصود ہے اور لفظ اللہ کو حضورؐ کی عظمت شان کو ظاہر کرنے کے لئے مقدم کیا گیا ہے پس مطلب یہ ہے کہ جو لوگ رسول اللہ کو ایذا پہنچاتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں اور عذاب کے حقدار ہیں اور رسول اللہ کی ایذا کو ہی اللہ کی ایذا کہا گیا ہے

یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ جس نے حضرت علی و بتول کو اذیت دی وہ بھی ان میں داخل ہیں اور قیامت تک جو مومنوں کو اذیت دینے والے ہوں گے آیت مجیدہ کے مصداق میں داخل ہوں گے ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے قیامت کے دن منادی ندا کرے گا کہ میرے دوستوں کو اذیت پہنچانے والے کہاں ہیں پس ایک قوم پیش ہوگی جن کے چہروں سے گوشت اترا ہوا ہوگا اور کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مومنوں کو اذیت پہنچائی ان سے دشمنی کی اور دین کے معاملہ میں ان پر سختی کی پس ان کو فوراً دوزخ میں داخل کیا جائے گا ۔ بروایت خصال امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں مومن اور جاہل پس مومنوں کو اذیت نہ پہنچاؤ اور جاہل سے جہالت نہ کرو ورنہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے ۔

اللہ نے جہاں ان آیات میں خدا اور رسول کی ایذا رسانی کی سخت مذمت کی ہے وہاں ساتھ ساتھ مومنوں کی ایذا رسانی کو بھی گناہ عظیم قرار دیا ہے پس صحیح انسان وہ ہے جو ان تمام حدود کا خیال رکھے اور ان تمام حقوق سے عہدہ برآ ہونے کی سعادت حاصل کرنے میں ہر وقت کوشاں رہے جو اس پر بطور فریضہ عائد ہوتے ہیں ان میں سے زیادہ اہمیت حقوق اللہ کو حاصل ہے اور حقوق الرسول بھی آیت مجیدہ میں حقوق اللہ کے پہلو بہ پہلو ہیں گویا اُن کی حیثیت ایک ہے پس انسان پر فرض ہے کہ مقام عقائد و اعمال میں ہر منزل پر خوشنودی خدا کو مطمح نظر قرار دے ۔ لہٰذا عقائد میں کوئی ایسی کمزوری نہ آنے دے جو مسئلہ توحید و شان عظمت پروردگار سے متصادم ہو اور اعمال میں ہر حیثیت سے وہ اپنی بندگی و عبدیت کے لحاظ کو پیش پیش رکھے اس کے بعد حقوق الناس اور حقوق معاشرہ ہیں جن کی تفصیلات کتب اخلاق میں موجود ہیں اور حقوق کی بجا آوری میں سب سے کمزور تر پہلو یہ ہے جس کا ان آیات میں ارشاد ہے کہ اگر اطاعت کر کے انسان اعلیٰ مراتب تک نہ پہنچ سکے تو کم از کم نافرمانی کر کے ایذا رسانی سے تو بچ جائے اور اسی طرح معاشرتی معاملات میں اگر مومنوں کو خوش نہیں کر سکتا تو کم از کم ان کو اذیت پہنچا کر غم زدہ کرنے سے تو اجتناب کرے ، اسی لئے مسلمان کی تعریف میں پیغمبر کا ارشاد ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ یعنی مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ کی تکالیف سے بچے رہیں ۔

رکوع ۵ پردہ کا حکم

قُلْ لِاَزْوَاجِكَ روایات میں ہے کہ مسلمان عورتیں جب حاجات ضروریہ یا ادائیگی فرائض کے لئے گھروں سے باہر نکلتی تھیں تو بدمعاش قسم کے لوگ ان کو چھیڑتے تھے اور جب ان سے بازپرس کی جاتی تو وہ صاف صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ ہم نے لونڈیاں سمجھتے ہوئے یہ جسارت کی تھی بنابریں آزاد مسلمان عورتوں کو پردہ کا حکم عام دے دیا گیا تاکہ وہ آسانی سے پہچانی جا سکیں اور ان سے لونڈیوں جیسا توہین آمیز سلوک نہ کیا جا سکے اس سے پہلے سورۂ نور میں جہاں پردہ کا حکم دیا گیا تھا وہاں صرف مقامات زینت کو چھپانے کا حکم دیا گیا تھا اور چہروں اور ہاتھوں کو الا ما ظہر کے استثناء سے خارج از پردہ قرار دیا گیا تھا لیکن یہاں پورے جسم کو ڈھانپ لینے کا حکم دیا گیا ہے ۔

النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ

نبی اپنی بیویوں بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ ڈال لیں اپنے اوپر

جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

اپنی چادریں اور یہ (یہ) ان کی پہچان کا اچھا ذریعہ ہے پس ان کو اذیت نہ دی جائے گی اور اللہ غفور رحیم ہے ۔

بَنَاتِكَ یہ بنت کی جمع ہے جو لوگ اس لفظ سے حضرت رسالتمآبؐ کی ایک سے زیادہ بیٹیاں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کا استدلال باطل اور غلط ہے کیونکہ بنات کا اطلاق صرف صلبی بیٹیوں پر محدود نہیں بلکہ گھر میں پرورش پانے والی لڑکیاں جو متبنّات ہوں ان کو بھی یہ لفظ شامل ہے علاوہ ازیں بنات البنت یعنی نواسیاں اور پھر قیامت تک ان کی ہونے والی لڑکیاں سب رسول اللہ کی بیٹیاں ہیں اور آیت مجیدہ کے حکم مذکور میں داخل ہیں۔

ہمارے ملک پاکستان میں بناتِ رسول کا مسئلہ شیعہ اور سُنی ہر دو مسلک کے علماء کے نزدیک ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے شیعہ رسول اللہؐ کی صرف ایک بیٹی جناب فاطمہؑ کو ہی مانتے ہیں اور اس کے علاوہ جن عورتوں پر روایات میں بنات رسول کا اطلاق ہُوا ہے وہ اِن کے نزدیک یا تو تربیت یافتہ متبنّات تھیں اور یا جناب فاطمہ کی شہزادیوں پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے اور سُنی علماء ان کو جناب رسالتمآبؐ کی صلبی بیٹیاں کہنے پر مصر ہیں لیکن آیت مجیدہ کے لفظ بنات سے ان کا استدلال نہایت کمزور ہے البتہ تاریخی شواہد پیش کرنے کا ان کو حق حاصل ہے اور وہ چونکہ مقام اثبات میں ہیں لہذا شیعوں کی طرف سے مقام نفی کو باقی رکھنے کے لئے ایک احتمال بھی ان کے بڑے سے بڑے استدلال کو باطل کرنے کے لئے کافی ہے

جَلَابِيب: جلباب کی جمع ہے جس کا معنی خمار یعنی اوڑھنی کہا جاتا ہے جس کا متبادل لفظ ہمارے ملک میں برقعہ ہے۔

لَئِن لَّم: یعنی اگر منافق لوگ اپنی منافقانہ چالوں سے باز نہ آئے اور وہ بدمعاش لوگ جو مسلمان عورتوں کو چھیڑتے ہیں اس قسم کی غنڈہ گردی سے نہ رُکے اور وہ لوگ جو اپنے سیاسی مفاد اور ذاتی اغراض کی خاطر مسلمانوں میں بددلی پھیلانے کے لئے قسم قسم کے غلط پروپیگنڈے اور بے سروپا جھوٹی خبریں وقتاً فوقتاً شائع کرتے ہیں وہ ان غیر شائستہ حرکات سے دست کش نہ ہوئے تو ہم مستقبل قریب میں آپ کو ان کے قتل عام یا جلاوطنی کی اجازت دے دیں گے جس کے نتیجہ میں ان کا پوری طرح قلع قمع ہو جائے گا اور پھر تھوڑا عرصہ ہی مدینہ میں رہنا ان کو نصیب ہو گا، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس تنبیہ کے بعد منافق و بدمعاش لوگوں نے اپنے رویّے میں تبدیلی کر لی تھی اس لئے حضورؐ کو ان کے قلع قمع کا حکم نہ دیا گیا۔ اور مذہب امامیہ کے اصول کے ماتحت ان آیات کی تاویل باقی ہے، اور حضرت حجتؑ عج کے ظہور کے بعد ہی جاری ہو گی اور سزا سے بچ جانے والے منافق و بدمعاش لوگوں کو زندہ کر کے ان کو سزائیں دی جائیں گی۔

لطیفہ:۔ مرحوم ملک العلماء ملک فیض محمد ٹمکیالوی اعلی اللہ مقامہ جو اپنے زمانہ میں بے نظیر مناظر تھے، انہوں نے مجھے اپنی زبانی سنایا کہ مقام یارو والا

لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَّ

اگر نہ باز آئے منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جھوٹی خبریں

الْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا

اڑانے والے مدینہ میں تو ہم تم کو ان کے تہس نہس کرنے کا حکم دے دیں گے پھر وہ تیرے ہمسائے نہ رہیں گے

إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦١﴾ مَّلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ﴿٦٢﴾

اس میں مگر تھوڑا عرصہ، درحالیکہ وہ ملعون ہوں گے جہاں بھی پائے جائیں گے گرفتار ہوں گے اور بے تحاشہ قتل کئے جائیں گے

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٦٣﴾

طریقہ اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے گذر چکے ہیں (اختیار کردہ) اور تم نہ پاؤ گے اللہ کے طریقے میں کوئی تبدیلی

ضلع ملتان میں جب شیعہ و سنی مناظرہ ہوا غالباً یہ ۱۹۳۲-۳۵ء کا واقعہ ہے وہاں علماء شیعہ میں استاد العلماء مولانا سید محمد باقر مرحوم اعلی اللہ مقامہ بھی بنفس نفیس موجود تھے اور موضوع مناظرہ ایمان ثلاثہ تھا اہلسنت کا عہدہ اثبات اور شیعہ کا عہدہ نفی تھا اور یہ شرط لکھی جا چکی تھی کہ طرفین کی جانب سے قرآن مجید کے علاوہ کسی کتاب کا کوئی حوالہ قابل قبول نہ ہوگا۔ لیکن فریق مخالف کا مناظر آیہ استخلاف پڑھنے کے بعد اپنے مثبت دعوی کو مدلل کرنے کے لئے لازمی طور پر کسی روایت یا تاریخی دستاویز کو پیش کرنے پر مجبور تھا اور میں نے بحیثیت شیعہ مناظر اس کو شرط کی خلاف ورزی سے پوری طرح روک رکھا تھا تاہم اس نے اپنی نشست میں روضہ رسول میں دفن ہونے کو دفن ہونیوالوں کے ایمان کا شاہد قرار دے دیا میں اموری فیض محمد نے اس کے جواب میں آیت ۹۱ و ۹۲ پڑھ دی جس کا جواب فریق مخالف کے مناظر کے ذہن میں کوئی نہ تھا پس مناظرہ میں شیعوں کی فتح ہوگئی اور اسی مقام پر مناظرہ ختم ہوگیا اور بانیان مناظرہ جو سنی تھے وہ شیعہ ہوگئے اور پولیس نے اپنا کنٹرول مضبوط کر کے متوقع فساد کو روک کر لوگوں کو منتشر کر دیا

وَمَا يُدْرِيكَ ممکن ہے یہ خطاب بھی انہی لوگوں سے ہو جو قیامت کے متعلق پوچھتے تھے یعنی ان سے یہ بھی کہہ دو کہ تمہیں کیا خبر شاید وہ بالکل قریب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب حضور کی جانب ہو کہ آپ کو کیا معلوم شاید وہ قریب ہو

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُدْرِيكَ

لوگ تجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دیجئے اس کا علم اللہ کو ہے اور تجھے کیا خبر

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ

شاید قیامت قریب ہو تحقیق اللہ نے لعنت کی ہے کافروں کو اور تیار کیا ہے ان

سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ

کے لئے جہنم ہمیشہ رہیں گے اس میں دائمی طور پر نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ مددگار جس دن

تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾

الٹایا جائے گا ان کے چہروں کو آگ میں تو وہ کہیں گے کاش ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور اطاعت کی ہوتی رسول

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ

کی اور کہیں گے اے رب ہم نے اطاعت کی اپنے سرداروں کی اور بڑوں کی پس انہوں نے ہمیں سیدھے راہ سے گمراہ کر دیا۔ اے

اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع ۵

رب ان کو دے دوگنا عذاب اور ان پر لعنت بھیج بڑی لعنت

يٰلَيْتَنَا جہنم میں جانے والے تمام کفار و مشرکین نیز دعوائے اسلام کرنے والے فاسق و فاجر اور صراط مستقیم سے دور رہنے والے تمام لوگ قیامت کے دن کف افسوس ملتے ہوئے کہیں گے کاش ہم نے خدا اور رسول کی اطاعت کی ہوتی تو یہ برا دن دیکھنا ہمیں نصیب نہ ہوتا اور پھر اللہ سے درخواست بھی کریں گے کہ اے پروردگار ہم نے غلطی سے اپنے بڑے بڑوں گمراہ کن پیروں اور بے دین رہنماؤں کی چکنی چپڑی باتوں میں پھنس کر گمراہی اختیار کی تھی لہذا ان کو دوگنے عذاب کا مزہ چکھا اور ان پر لعنت کا عذاب بھی نازل کر اور تفسیر برہان میں ہے

کہ حضرت علی علیہ السلام سے انحراف کرنے والے بھی کف افسوس مل کر کہیں گے ہائے ہم نے فلاں وفلاں کے پیچھے چل کر راہِ حق سے انحراف نہ کیا ہوتا۔
تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ آل محمدؐ کے حقوق کے غاصبین بروزِ قیامت حسرت وندامت سے کہیں گے کاش! علیؑ کے بارے میں ہم نے فرمانِ نبوی پر عمل کیا ہوتا اور اپنے بڑوں کی بات نہ مانی ہوتی (بڑوں سے مراد غصب اور ظلم کی ابتداء کرنے والے ہیں)

رکوع ۶ — یا ایہا الذین آیت مجیدہ میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حضرت رسول اللہؐ کو ایذاء و تکلیف نہ پہنچاؤ جس طرح حضرت موسیٰ کی قوم نے حضرت موسیٰ کو پہنچائی تھی بلکہ تمہارا حق ہے کہ ان کی تعظیم وتکریم کرو اور دنیا وآخرت کی بھلائی کے لئے ان کی راہنمائی میں کامیاب زندگی گزارنے کی سعادت حاصل کرو اور حضرت موسیٰ کو جو قوم کی طرف سے اذیت پہنچی تھی اس میں متعدد اقوال ہیں (۱) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام دونوں پہاڑ کے اوپر تشریف لے گئے اور وہیں حضرت ہارون کی موت واقع ہوگئی، جب حضرت موسیٰ نے واپس آکر اپنی قوم کے سامنے اپنے بھائی ہارون کی موت کا ذکر کیا تو قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو ہی ہارون کا قاتل ٹھہرالیا اور اللہ نے اُن کو اس طرح بری کیا کہ فرشتوں کو حکم ہوا پس وہ حضرت ہارون کا جنازہ اُٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس سے گذرے اور ہارون کی موت کا انہوں نے ذکر کیا تب اُنہوں نے سمجھا کہ وہ طبعی موت سے مرے ہیں (۲) قارون نے ایک بدکار عورت کو رقم کا لالچ دے کر حضرت موسیٰ پر بدکاری کا الزام عائد کرنے پر تیار کیا تھا لیکن اللہ نے اس کی زبان بندی کرکے حضرت موسیٰؑ کو بچالیا (۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم نے جادوگر دیوانہ اور جھوٹا کہہ کر ان کو ایذاء پہنچائی اور اللہ نے معجزات کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اتہامات والزامات سے بری کردیا، علاوہ ازیں ایک اور وجہ بھی عام تفاسیر میں بیان کی گئی ہے، لیکن شایانِ شانِ نبوت نہیں لہٰذا اس کا ذکر غیر مناسب اور ناموزوں ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ
اے ایمان والو نہ بنو ان لوگوں کی طرح جنہوں نے اذیت دی موسیٰ کو پس بری کیا اس کو اللہ
مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
نے اس عیب سے جو انہوں نے کہا تھا اور وہ اللہ کے نزدیک باوقار تھا اے ایمان والو ڈرو اللہ سے
اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
اور درست بات کیا کرو وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کرے گا اور بخشے گا تمہارے
ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾
گناہ اور جو اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی تو وہ فائز ہے بڑی کامیابی پر

قولاً سدیداً:- تمام مسلمانوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کی امت کے واقعات کی یاددہانی کے بعد نصیحت فرماتا ہے کہ تم زبان پر ایسی باتیں جاری نہ کرو جو حضورؐ کو ناگوار ہوں اور ان کی شان کے منافی ہوں بلکہ ہر لحاظ سے ان کا پاس وادب کرو اور ان کے رتبہ وشان کو ملحوظ خاطر رکھو کہ صحیح اور جچی تلی ہوئی بات کیا کرو، اس کے نتیجے میں خدا تمہاری عملی اصلاح بھی کرے گا اور تمہاری لغزشیں معاف کرکے رسول اللہؐ کی برکت سے تم کو جنت میں جگہ بھی کرامت فرمائے گا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ: اس آیت مجیدہ میں دو چیزیں قابل فہم ہیں ایک امانت اور دوسری عرضِ امانت پہلے یہ دیکھنا ہے کہ وہ امانت کیا چیز ہے جو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئی۔ اس میں چند اقوال ہیں (۱) امانت سے مراد اللہ سبحانہ کے اوامر و نواہی کے احکامات ہیں جو اطاعت پروردگار کے لئے بندوں پر بطور فرض عائد کئے گئے ہیں (۲) اس سے مراد لوگوں کی امانتیں اور عہد و پیمان ہیں جو معاشرتی زندگی میں ایک دوسرے پر بطور فرض عائد ہوتے ہیں، چنانچہ پہلے پہل حضرت آدم نے اپنے بیٹے قابیل کو اپنے پورے خاندان کا امین بنایا اور خود جوار پروردگار کی جانب سفر اختیار فرمایا اور قابیل نے سپرد شدہ امانت میں خیانت کی اور اپنے سگے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا (۳) امانت سے مراد ولایت واماست

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ

ہم نے پیش کی امانت آسمانوں اور زمین پر اور پہاڑوں پر تو سب نے اس کے اٹھانے سے انکار

يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا

کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا تحقیق وہ بڑا ظالم سخت جاہل

جَهُوْلًا ۟ۙ (۷۲) لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ

ہے تاکہ عذاب دے اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو

وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۷۳) ع

اور توبہ قبول کرے اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

ہے چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ امانت سے مراد ولایت ہے اور جو شخص ناحق اس کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند کریم نے ارواحِ آئمہ کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا پس اُن کا نور ان تمام پر چھا گیا پھر اللہ نے ان کے فضل و کمال کی وضاحت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ان کی ولایت میری امانت ہے تم میں سے کون ہے جو اس کی عظیم تر ذمہ داریوں کے بوجھ کو اُٹھا سکے تو آسمان و زمین و پہاڑ کانپ گئے اور اس عظیم بوجھ کو اٹھانے سے معذرت خواہ ہوئے پس جب خدا نے حضرت آدم و حوا کو جنت میں ٹھہرایا تو ان کے سامنے ان کی فضیلت و عظمت بیان کی اور سوال سابق کو دھرایا تو حضرت آدم نے ان کی عظیم منزلت پر رشک کیا اور اس کی تمنا دل میں کی جس کے نتیجے میں دانۂ گندم سے باز نہ رہ سکتے ہوئے ترک اولیٰ کے مرتکب ہوئے پس اس کے بعد تمام انبیاء یکے بعد دیگرے اس امانت کے حامل رہے اور اپنے اوصیاء کو اس امر کی وصیت کرتے چلے آئے لیکن اُن میں سے کسی نے بھی اس عہدہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کا دعویٰ نہ کیا یہاں تک کہ وہ بوجھ ایک شخص نے اُٹھا لیا جو ظالم و جاہل تھا اور قیامت تک کے ہونے والے مظالم کی اصل ثابت ہوا اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ امانت سے مراد امامت ہے چنانچہ قرآن مجید میں آئمہ کو حکم ہوا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا یعنی اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں لوگوں تک پہنچاؤ اور یہی وہ امانت ہے جس کا بوجھ آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن ایک ظالم و جاہل انسان نے اس کو اٹھا لینے کا دعویٰ کر لیا۔

عرضِ امانت کے متعلق بھی چند اقوال ہیں (۱) مضاف محذوف ہے یعنی اَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ - اور معنی یہ ہوا کہ امانت مذکورہ اہل آسمان اہل زمین اور اہل جبال پر پیش کی گئی اور عرض کا مطلب یہ ہے کہ ان سب کو اس کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا اور اس کی مخالفت کے گناہ عظیم سے بھی خبردار کیا گیا پس حمل امانت سے مراد ہے اس کے حقوق کی پامالی اس کے فرائض سے کوتاہی اور ارتکاب گناہ پر جرأت اور یہ ایسا مرحلہ تھا جس سے ملائکہ گھبرا گئے اور انسان نے بلا خوف یہ بوجھ اُٹھالیا لہٰذا حمل امانت سے مراد اگر ادائیگی امانت ہو تو فرشتے اُس سے گھبرانے والے نہیں بلکہ اُس کو صحیح معنوں میں پہنچانے والے ہیں چنانچہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو کہا جاتا ہے اِحْتَمَلَ الْاِثْمَ یعنی اس نے گناہ کا بوجھ اُٹھالیا اور قرآن مجید میں اس قسم کے اطلاقات موجود ہیں اور عرف عام میں کہا جاتا ہے فلاں شخص نے امانت کا بوجھ نہیں اُٹھایا یعنی خیانت نہیں کی اور واپس کردی اور جب یہ کہا جائے کہ فلاں نے امانت کا بوجھ اٹھالیا ہے تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس نے اسکی خیانت کا وبال اُٹھالیا ہے

(۲) عرض امانت کا معنی ہے مقابلہ یعنی ہم نے اپنی امانت کا پہاڑوں زمینوں اور آسمانوں سے مقابلہ کیا تو ہماری امانت مذکورہ ان تمام چیزوں سے وزنی تھی پس آسمان زمین اور پہاڑ اس کا بوجھ نہ اٹھا سکے لیکن انسان نے اس کا بوجھ سر پر رکھ لیا۔ اور پھر اس کے ضائع کرنے سے بھی نہ گھبرایا بوجہ ظلم وجہالت کے۔

(۳) عرض امانت دراصل فرض وتقدیر کے معنی میں ہے یعنی اگر ہم اپنے اوامر ونواہی اور جملہ احکام کے فرائض کی ذمہ داریاں آسمانوں پہاڑوں اور زمینوں پر پیش کرتے تو باوجود بڑی جسامت اور درازی قدوقامت کے وہ اس کا بوجھ اُٹھانے سے انکار کرتے لیکن انسان نے اس کا بوجھ اُٹھالیا۔

(۴) اس سے زبانِ حال مراد ہے یعنی ہم نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں میں اپنی توحید کے جو دلائل وبراہین تفویض کر رکھے ہیں ان کو اس بے جان مخلوق نے چھپانے سے انکار کردیا بلکہ وہ ہمیشہ ہر آن و ہر لحظہ میں اپنی زبانِ بے زبانی سے توحید وعظمت وحکمت پروردگار کے گیت گاتے ہیں لیکن ظالم وجاہل انسان نے باوجود سمجھنے اور سوچنے کے توحید پروردگار سے برسرپیکار ہونے کی جسارت کی اور عذاب دائمی سے نہ گھبرایا۔

(۵) علامہ محمد محسن فیض کاشانی اعلیٰ اللہ مقامہ تفسیر صافی میں ارشاد فرماتے ہیں کہ امانت سے مراد تکلیف شرعی ہے اور عرض امانت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کی استعداد کا جائزہ لیا تو طبعی اور فطری طور پر ان میں اس امانت یعنی تکلیف شرعی کے قبول کرنے سے انکار پایا جاتا تھا یعنی ان میں استعداد وقابلیت ہی نہ تھی کہ وہ اس امانت کو قبول کرسکیں۔ اور جب ہم نے انسان کا جائزہ لیا تو اس میں اس امانت کے قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد موجود تھی۔ اور مقصد یہ ہے کہ ہم نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کو باوجود بڑی جسامت عطا کرنے کے اس عظیم منصب کے اہل نہیں بنایا کیونکہ ان کو روح عقل کی دولت سے محروم رکھا اسی طرح فرشتے بھی اس کے اہل نہیں کیونکہ وہ جسمانیت سے محروم ہیں اور خیر و شر میں سے ایک پہلو کو اپنے ارادہ واختیار سے ترجیح دے کر اس کے بجالانے کی توفیق سے عاری ہیں بلکہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اس لئے کرتے ہیں کہ اُسی کے کرنے کے لئے ہی خلق کئے گئے ہیں۔ پس تکالیف شرعیہ جن کی بجا آوری ارادہ واختیار سے ہو۔ مذکورہ مخلوق اس کے اہل نہیں تھی پس ان کی نااہلیت کو زبانِ حالی قرار دے کر تکالیف شرعیہ کی ذمہ داریوں کے برداشت کرنے سے اُن کا انکاری ہونا بیان فرمایا اور ان کے مقابلہ میں جسمانیت کے ساتھ ساتھ چونکہ انسان کے وجود میں عقل وخرد کی قندیلیں روشن کردیں اور ارادہ واختیار کا حامل بناکر خیر وشر میں امتیاز کرکے اس کو عمل کے میدان میں پیش قدمی کی توفیق عطا فرمائی بس گویا استعداد وقابلیت نے زبانِ حال بن کر انسان کی جانب سے مذکورہ ذمہ داریوں کے اٹھانے کا اعلان کرادیا۔

لیکن مقام عمل میں علائق جسمانیہ نے قدم قدم پر عقل و خرد کے فیصلوں کے سامنے روکاوٹیں کھڑی کر دیں جن سے نپٹنا اور کامیابی سے فرائض کا ادا کرنا اس بتلائے خاک کے لئے مشکل ہو گیا اور قوت غضبیہ و شہویہ نے اس کو ظلوم و جہول بنا دیا اور انسان پر ظلوم و جہول کا اطلاق ان کی اکثریت کے پیش نظر ہے ورنہ اللہ کے تھوڑے سے بندے ہمیشہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں قوائے جسمانیہ پر غالب آ کر علم و عدل کے ماتحت صراط مستقیم پر گامزن ہوا کرتے ہیں

توضیح مخلوق خدا تین قسموں پر ہے (۱) جسم بلا عقل (۲) عقل بلا جسم (۳) جسم مع عقل۔ پہلی قسم یعنی جسم بلا عقل جیسے آسمان زمین پہاڑ، چاند سورج ستارے نباتات و حیوانات وغیرہ ان میں تکالیف شرعیہ اوامر و نواہی کی اہلیت و قابلیت نہیں ہے اور دوسری یعنی عقل بلا جسم جیسے ملائکہ یہ تکالیف شرعیہ کو سمجھتے ہیں لیکن چونکہ جسم نہیں رکھتے اور علائق جسمانیہ سے یکسر خالی ہیں لہذا قوت غضبیہ شہویہ وغیرہ نہ رکھنے کی وجہ سے وہ ہمیشہ گناہ سے عاری ہیں پس ان کی نیکی اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے۔ اور تکلیف کا مقصد یہ ہے کہ خیر و شر کی دونو قوتیں برابر برابر انہیں موجود ہوں اور دونوں کے کرنے یا نہ کرنے پر پوری قدرت ہو پس اپنے ارادہ و اختیار سے ایک پہلو کو بجا لائے اور فرشتوں میں جسم نہ ہونے کی وجہ سے وہ شر پر قادر ہی نہیں ہیں بلکہ امور خیر کی بجا آوری میں مجبور ہیں بنابریں وہ بھی تکلیف شرعی کے اہل نہیں ہیں۔ اور تیسری قسم یعنی جسم مع عقل یہ انسان اور جن ہیں فرق یہ ہے کہ انسان جسم خاکی رکھتے ہیں اور جن جسم ناری رکھتے ہیں اور چونکہ خاک آگ سے افضل ہے لہذا انسان خاکی ناری جن سے افضل ہے اور ہم نے آگ سے خاک کا افضل ہونا تفسیر ہذا کی جلد ۲ صفحہ ۱۲ پر مفصل بیان کیا ہے

پس بنا بر تغلیب افضل کے اس مقام پر صرف انسانوں کا تذکرہ فرمایا۔ پس انسان عقل کی بدولت فرشتوں سے مشابہ ہے اور جسم کی وجہ سے دوسری جسمانی مخلوق سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور خیر و شر کی دونو طاقتیں اور نیکی و بدی کے دونو جذبے اس کے اندر موجود ہیں۔ پس اگر جسمانی خواہشات و جذبات کے تابع ہو کر عقل کے تقاضوں کو چھوڑ دے تو حیوانات سے بدتر ہوگا اور اگر خواہشات و جذبات کو ٹھکرا کر عقل و خرد کی روشنی میں خدائی احکامات کی پیروی کرے گا تو فرشتوں سے افضل ہوگا۔

حق و انصاف یہ ہے کہ امانت کے معانی اپنے اپنے مقام پر درست ہیں لیکن سب کی بازگشت تکالیف شرعیہ کی طرف ہی ہے۔ چنانچہ امانت کے معنی عام لوگوں کی امانتیں بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنی وصیت میں ارشاد فرمایا "تحقیق ناکام ہوگا وہ شخص جو امانت ادا نہ کرے کیونکہ اس قدر عظیم و بلند آسمانوں لمبی چوڑی زمینوں اور سر بفلک پہاڑوں پر امانت پیش ہوئی تو طول و عرض اور بلندی و عظمت کے باوجود اس کا بوجھ نہ اٹھا سکے تو معلوم ہوا کہ اگر کوئی شئی طول عرض اور قوت و عزت کے بل بوتے پر بچ سکتی تو یہ ضرور بچ جاتے۔ لیکن یہ سب اللہ کی گرفت سے گھبرا گئے اور ان سے کئی درجہ کمزور و ناتواں انسان اس معنی کو نہ سمجھ سکا اور وہ زیادہ ظالم و جاہل ہے۔ اسی طرح احکام شرعیہ بھی امانت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ چنانچہ عوالی سے منقول ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تھا تو حضرت علیؑ کا جسم مبارک کانپ جاتا تھا اور رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور دریافت کرنے پر آپ فرماتے تھے کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے اور یہ وہ امانت ہے جو اللہ نے آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کی اور وہ اس کا بوجھ نہ برداشت کر سکے اسی طرح امانت کا معنی ولایت بھی بیان کیا گیا ہے

صاحب صافی فرماتے ہیں کہ امانت کے ان تمام معانی کے سمجھ لینے کے بعد مضبوط اور پختہ بات یہ ہے کہ امانت سے مراد تکلیف عبودیت اور اللہ کی رضا جوئی ہے اور انسان کو اس کا اہل قرار دیا گیا ہے اور ہر انسان اپنی اپنی حیثیت و استعداد کے مطابق اس منزل کی طرف قدم بڑھا

سکتا ہے اور عبودیت کے تمام مراتب میں سے اہم و اعظم مرتبہ خلافت الٰہیہ کا ہے پس خلیفۃ اللہ کا منصب یہ ہے کہ اس پر عائد شدہ ذمہ داریوں کو اس طرح نبھائے جس طرح نبھانے کا حق ہے اور جو اس کا اہل نہیں اس پر فرض ہے کہ اہل کے لئے جگہ خالی کردے اور خود ناحق طور پر اس کا دعویدار بننے کی جرأت نہ کرے پس آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی استعداد و لیاقت کا جائزہ لیا گیا اور انہوں نے زبان حال سے اور فطرت و طبیعت کے انداز سے معذوری کا اظہار کیا اور انسان کے اٹھا لینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ بالعموم تکالیف شرعیہ کا اہل تھا لیکن بعض جسمانی علائق کی بنا پر نااہل ہوتے ہوئے اپنی حیثیت سے بلند مقام کا دعویدار بن بیٹھا۔ اور ظلم و جہالت کی بنا پر خلافت الٰہیہ کے منصب کی ذمہ داریوں کا بوجھ قبول کر بیٹھا حالانکہ وہ اس کے قابل نہ تھا۔ اور اکثریت کی غلط روش کی بنا پر اس کی جنس انسان کی طرف نسبت دی گئی۔ اور اس بارے جس قدر روایات وارد ہوتی ہیں وہ سب اس تاویل کے اندر شامل کی جاسکتی ہیں۔

لیعذب اللہ ۔ چونکہ انسانوں کے تین گروہ ہیں (۱) منصف مزاج کلمہ حق کو قبول کرنے والے اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرنے والے۔ (۲) ضدی عنادی اور ہٹ دھرم لوگوں کا گروہ (۳) منافق لوگ نہ ادھر کے اور نہ ادھر کے۔ خداوند کریم نے عرض امانت کا مقصد واضح فرمایا کہ ہم نے امانت اس لئے پیش کی یعنی احکام شرعیہ اور تکالیف ظاہریہ اس لئے نازل کیں تاکہ بندوں میں سے کھرے اور کھوٹے کی پرکھ ہو جائے۔ پس اس پرکھ کے بعد پہلی قسم کے لوگ جو کلمہ حق کو قبول کرنے والے اور اوامر و نواہی کے پابند ہوں گے ان کی معمولی لغزشیں معاف کی جائیں گی اور ان کی توبہ قبول ہوگی۔ لیکن ہٹ دھرمی عنادی لوگ جو سوچ سمجھ کر توحید کے منکر ہوگئے اور شرک کی وادی میں جا گرے یا جن لوگوں نے دو طرفہ پالیسی اختیار کی اور منافقانہ رویہ اختیار کر لیا۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ ان ہر دو قسم کے لوگوں کے لئے قیامت کے روز عذاب ہوگا۔ اور وہ اس سے بچ نہ سکیں گے۔ سورۂ احزاب کی تفسیر ختم ہوئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔

سورۂ سبا

یہ سورہ مکیہ ہے

بسملہ سمیت آیات کی کل تعداد پچپن ہے۔

جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ سبا کی تلاوت کرے گا قیامت کے دن ہر نبی و رسول اس سے مصافحہ کرے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ سبا اور سورہ فاطر کی رات کے وقت تلاوت کرے گا وہ ساری رات اللہ کی امان و حفظ میں رہے گا اور اگر دن کو تلاوت کرے تو کوئی ناپسندیدہ امر دیکھے گا نیز دنیا و آخرت کی بھلائی اس قدر اس کو عطا ہوگی کہ اس کے دل نے کبھی اس کا خطور بھی نہ کیا ہوگا (یعنی وہم و گمان سے بھی اس کا ثواب زیادہ ہے) خواص القرآن سے منقول ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اس کو لکھ کر باندھے تو کوئی موذی جانور اس کے قریب نہ آئے گا اور اگر دھو کر پانی پی لے اور اپنے اوپر چھڑک لے تو اس کا خوف جاتا رہے گا اور دل کی دھڑکن ختم ہو جائے گی اور امن میں رہے گا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص دھو کر اس کا پانی پی لے اور اپنے منہ پر چھڑک لے تو جس چیز سے خوفزدہ ہوگا اس سے امن میں رہے گا اور اس کا ڈر جاتا رہے گا۔

رکوع ۷

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ :- اچھے اور اختیاری فعل پر کسی کی تعریف کرنا تعظیم وتکریم کے طریقے سے حمد کہلاتا ہے اور اگر اختیار کی قید دور کی جائے یعنی صرف کسی کی خوبی بیان کی جائے خواہ وہ خوبی اس میں اختیاری ہو یا اضطراری ہو تو اس کو مدح کہا جاتا ہے جس طرح موتی کی عمدگی بیان کرنا اس کی مدح ہے نہ کہ حمد اور حمد میں ضروری نہیں کہ زبان سے ہی کی جائے بلکہ ہر وہ طرز عمل جو کسی محسن کی تعظیم وتکریم پر دلالت کرے حمد کا بھی فرد ہوتا ہے۔ حمد کے بلند مراتب وہ ہیں جو عبادت کے موضوع میں داخل ہیں اور اُن کا حقدار سوائے پروردگار کے اور کوئی نہیں ہو سکتا اور ان میں کسی کو پروردگار کا شریک بنانا کفر ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي

(کہو) حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کے لئے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کے لئے [illegible] حمد ہے آخرت میں

الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ② يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا

اور وہی دانا [illegible] جانتا ہے جو داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو نکلتا ہے اس سے اور

وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ③ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جو اترتا ہے آسمان سے اور جو بلند ہوتا ہے [illegible] اور وہ رحیم بخشنے والا ہے [illegible] کافر [illegible]

اس مقام پر علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ قُوْلُوْا فعل محذوف ہے۔ یعنی اے اہل اسلام تم کہو۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الخ قرآن مجید کے جن سورتوں کو لفظ الحمد سے شروع کیا گیا ہے وہ پانچ ہیں [illegible] (۱) [illegible] (۲) انعام (۳) کہف (۴) سبا (۵) فاطر صرف وہی اللہ ہی جمیع محامد کا ہمیشہ مستحق و سزا وار ہے جو آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کا واحد مالک ہے اور آخرت میں بھی وہ حمد کا واحد مستحق ہے یعنی دار آخرت اگرچہ دار تکلیف نہیں ہے لیکن بہشتی لوگ نعمات پروردگار کے شکر کے طور پر اس کی حمد کریں گے اور اس [illegible] لطف اندوز ہوں گے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ :- ولوج کا معنی داخل ہونا خروج کا معنی نکلنا نزول کا معنی اترنا اور عروج کا معنی چڑھنا ہے پس اللہ زمین میں ہر داخل ہونے والی چیز کو جانتا ہے جیسے بارش خزانے اور دفن شدہ مردے وغیرہ اور زمین سے ہر نکلنے والی چیز کو بھی جانتا ہے۔ جس طرح سبزی انگوری معدنیات نباتات وحیوانات وغیرہ اور وہ آسمان سے اُترنے والی چیزوں کو جانتا ہے جیسے بارش رزق اور فرشتے وغیرہ اور آسمان کی طرف صعود کرنے والی اشیاء کو بھی جانتا ہے جس طرح بندوں کے اعمال ارواح اور فرشتے وغیرہ

قُلْ بَلٰى :- کلام منفی کے جواب میں ایجاب کے لئے بَلٰى آیا کرتا ہے جس طرح اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں ارواح نے کہا بَلٰى یعنی ہاں تو ہمارا رب ہے اس مقام پر کفار کی جانب سے انکار قیامت کے جواب میں بَلٰى اثبات کے لئے ہے یعنی کافروں نے کہا کہ قیامت نہیں آئے گی تو پیغمبر کو حکم دیا گیا کہ ان کے جواب میں کہو ہاں ضرور آئے گی اور قسم کھا کر کہو کہ ضرور آئے گی۔

عَالِمِ الْغَيْبِ :- عالم پر تینوں اعراب پڑھے جا سکتے ہیں اگر جر پڑھیں یعنی عَالِمِ الْغَيْبِ تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو رب کی صفت ہے اور

لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَیْبِ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ

نہیں آئے گی ہم پر قیامت کہدو ہاں خدا کی قسم وہ تم پر ضرور آئے گی (اس رب کی قسم) جو غیب کو جانتا ہے کہ نہیں پوشیدہ اس سے

مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ

ایک ذرہ کی مقدار آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی چیز اور نہ بڑی

اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳﴾ لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ

مگر یہ کہ وہ کتاب مبین (لوح محفوظ) میں ہے تاکہ بدلہ دے ان کو جو ایمان لائے اور عمل نیک بجا لائے ایسے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۴﴾ وَالَّذِیْنَ سَعَوْ فِیْۤ اٰیٰتِنَا

لوگوں کے لئے بخشش اور رزق کریم ہوگا۔ اور جو لوگ تخریبی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں ہماری آیات

مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ﴿۵﴾ وَیَرَی

میں بھرپور کوشش کے ساتھ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب کی سزا ہوگی اور جانتے ہیں

یا اس سے بدل ہے اور اگر نصب پڑھیں یعنی عَالِمَ الْغَیْبِ تو اَمْدَحُ فعل محذوف ہوگا پس منصوب علی المدح ہوگا اور اگر رفع پڑھیں۔ یعنی عَالِمُ الْغَیْبِ تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس کو مبتدا محذوف هُوَ کی خبر قرار دیں اور یا اس کو مبتدا مان کر لَا یَعْزُبُ کو اس کی خبر بنائیں گے۔ قاریوں میں سے بعض نے اس کو جر سے پڑھا ہے اور بعض نے رفع سے پڑھا ہے نصب کی قرأت منقول نہیں ہے۔

لِیَجْزِیَ :۔ اس آیت میں اللہ نے قیام قیامت کی غرض کو بیان فرمایا ہے کہ جزا اور سزا کے لئے اس دن کا لانا ضروری ہے تاکہ دنیا میں جو لوگ نیکی و اچھائی سے زندگی گذار کر گئے اور اس سلسلہ میں وہ دنیا میں انتہائی تنگی و عسرت اور مصائب و مشکلات سے دوچار رہے ان کو اس دن اپنی نیکیوں کا نیک بدلہ دیا جائے گا اور جو لوگ دنیا میں بدکاری و فحاشی ظلم و استبداد اور رعونت و تکبر کو اپناتے ہوئے کمزوروں کے لئے دائرۂ حیات تنگ کرتے رہے اور احکام خداوندی کو پامال کرتے رہے ہیں ان کو اس دن برائیوں کے بدلہ میں سخت سزا دی جائے گی۔

رِزْقٌ كَرِیْمٌ :۔ مغفرت کا تعلق چونکہ صرف مومنوں سے ہے لہذا اس کے آگے کسی صفت کے اضافے کی ضرورت نہیں تھی لیکن رزق کی دو قسمیں ہیں کریم و غیر کریم کافروں کے لئے رزق غیر کریم مثلاً زقوم وغیرہ ہوگا پس مومنوں کے لئے رزق کے ساتھ کریم کی صفت لگائی کہ ان کا رزق نفیس و عمدہ ہوگا۔

اِذَا مُزِّقْتُمْ :۔ یعنی قیامت کا انکار کرتے ہوئے کافر لوگ ایک دوسرے سے از راہ استعجاب کہتے ہیں کہ ہم تم کو ایسے شخص کی نشاندہی کرتے ہیں جو کہتا پھرتا ہے کہ ذرہ ذرہ ہو جانے کے بعد پھر نئے سرے سے تم زندہ کئے جاؤ گے۔ حضرت رسالتمآبؐ کے اعلان قیامت کو وہ لوگ از راہِ تمسخر ایک دوسرے کے سامنے دھرتے رہے اور اپنے طور پر اس قول کا پس منظر یہ بیان کرتے تھے کہ یا تو "معاذ اللہ" اللہ پر صریح جھوٹ کا افترا ہے اور یا دیوانگی کا مظاہرہ ہے خداوند کریم نے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى

وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اتارا گیا ہے وہ حق ہے اور ہدایت کرتا ہے

صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۞۶ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ

غالب اور قابل تعریف خدا کے راستے کی طرف اور کافروں نے ایک دوسرے سے کہا کیا ہم تم کو پتہ دیں ایسے شخص کا جو تمکو خبر دیتا

يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۞۸ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

ہے کہ جب تم پوری طرح ریزہ ریزہ ہو جاؤگے تو پھر تمہارا نیا جنم ہوگا کیا اس نے اللہ پر جھوٹا افترا

كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ

کیا ہے یا یہ اس کا دیوانہ پن ہے؟ بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے عذاب میں اور گہری گمراہی میں ہیں

الْبَعِيْدِ ۞۹ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ

کیا وہ نہیں دیکھتے اپنے سامنے اور پیچھے (ہر طرف ہے) آسمان و زمین (کا گھیراؤ) اگر ہم چاہیں تو ان کو

اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

زمین سے نگلوا دیں یا ان پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دیں تحقیق اس میں سلیم الطبع بندے کے لئے

ان کے بیان کی پر زور تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے رسول کا یہ اعلان نہ افترا ہے اور نہ دیوانہ پن ہے بلکہ یقیناً سچ اور حق ہے البتہ جو لوگ قیامت کے انکار پر مصر ہیں وہ دنیا میں واضح گمراہی میں ہیں وہ قیامت کے دن سخت عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

لطیفہ چونکہ فلاسفۂ قدیم عالم کو قدیم سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر جزو لایتجزی کو محال قرار دے کر اتصالِ جسم کو ثابت کرتے ہوئے مادہ اور صورت کے قدم کو ثابت کرتے ہیں، چنانچہ بعض مدعیانِ اسلام بھی فلاسفہ کی رائے سے متاثر ہو کر حدوثِ عالم کے عقیدۂ حقہ سے بیگانہ ہو گئے پس ایک ملحد نے ایک اسلامی فلاسفر سے مسئلہ زیر بحث کا قرآن سے ثبوت طلب کیا تو اُس نے قرآن مجید کی یہی آیت پڑھی اِذَا مُزِّقْتُمْ الخ کہ اس میں جزو لایتجزی کا اقرار اور اتصالِ جسم کا بطلان واضح ہے پس وہ شخص قرآن کے اس فرمان کو سن کر فلاسفہ کے عقیدہ سے تائب ہو گیا۔

اَفَلَمْ يَرَوْا :۔ انسان دنیا میں آنکھ کھولتے ہی گرد و پیش کا جائزہ لے کر یقین کر لیتا ہے کہ میں زمین اور آسمان کی حصاروں میں ہر طرف سے گھرا ہوا ہوں پس خداوند کریم انسان کو متوجہ فرما کر تنبیہ فرماتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو ان کو قارون کی طرح زمین میں غرق کر دوں پس جب یہ سب کچھ کرنے پر مجھے قدرت حاصل ہے تو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا میرے لئے کیا مشکل ہے؟

رکوع ۲ حضرت داؤدؑ کا ذکر

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا ۔ آیت مجیدہ میں حضرت حق سبحانہ نے حضرت داؤدؑ پر اپنے فضل و احسان کا تذکرہ فرمایا ہے، جو نبوت کتاب قوتِ بیان اور دیگر معجزات کے علاوہ تھا چنانچہ فرمایا کہ ہم نے داؤدؑ کو فضیلت دی یعنی باقی انبیاء سے مذکورۃ الذیل عطیات حضرت داؤدؑ کو امتیازی طور پر دیئے گئے۔

أَوِّبِي مَعَهُ ، تاویب سے ہے اور اس کا مجرد آب یَئُوب اَوْبًا ہے اس کا معنی ترجیع یعنی دُھرانا ہے مقصد یہ ہے کہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ حضرت داؤد کی تسبیح کے جواب میں تسبیح پڑھیں گویا حضرت داؤد کو یہ بھی بطور معجزہ عطا ہوا کہ آپ کی تسبیح کے جواب میں پہاڑوں سے صدائے تسبیح بلند ہوتی تھی۔

لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ﴿١٠﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ

بڑی دلیل ہے اور ہم نے عطا کی داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت اے پہاڑو تسبیح کرو ساتھ اس کے پرندوں

وَالطَّيْرَ ۖ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ﴿١١﴾ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا

سمیت اور ہم نے نرم کر دیا اس کے لئے لوہا کہ بناؤ پوری زرہیں اور ٹھیک مناسب بنائی کرو اور عمل صالح

صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٢﴾ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا

بجا لاؤ تحقیق میں تمہارے عمل سے آگاہ ہوں (اور مسخر کیا ہم نے) سلیمان کے لئے ہوا کو اس کی صبح

وَالطَّيْرَ :- یا تو مفعول معہ ہے یا جبال پر معطوف ہو کر منادیٰ ہے اور نصب اس لئے ہے کہ معطوف علیہ محلًّا منصوب ہے۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ پرندوں کے ساتھ مل کر حضرت داؤدؑ کی تسبیح کا جواب تسبیح سے دیں اور دوسری صورت میں پہاڑ اور پرندے دونوں خطاب میں شریک ہیں یعنی ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ حضرت داؤدؑ کے ساتھ مل کر تسبیح کریں۔ پس پہاڑوں اور پرندوں کا تسبیح پڑھنا بھی حضرت داؤدؑ کا معجزہ تھا اور بعض لوگوں نے تاویب کا معنی سیر کرنا بیان کیا ہے کہ خدا کے حکم سے پہاڑ اور پرندے حضرت داؤدؑ کے ہمراہ چلتے تھے اور یہ آپ کا معجزہ تھا

وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ :- یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تیسری فضیلت کا ذکر ہے جو ان کو امتیازی طور پر عطا ہوئی کہ اللہ نے اُن کے لئے لوہا نرم کر دیا کہ آگ سے قریب کئے بغیر لوہا ان کے ہاتھ میں موم کی شکل ہو جاتا تھا پس وہ جو چاہتے اس سے بنا ڈالتے تھے۔ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت داؤدؑ جب کہیں سفر کرتے اور جنگلوں اور ویرانوں سے گذرتے تو زبور کی تلاوت کرتے تھے پس پہاڑ طیور اور وحوش ان کی قرأت سن کر تسبیح پروردگار بجالاتے تھے اور خداوند کریم نے ان کے ہاتھ میں لوہے کو موم کر دیا تھا پس آپ جو چاہتے بنا لیتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو بعض ایسی نشانیاں (معجزات) عطا فرمائیں جو باقی نبیوں کو عطا نہیں ہوئیں۔ ان کو پرندوں کی بولی کی تعلیم دی گئی۔ ان کے لئے لوہے اور پیتل کو آگ اور ہتھوڑے کے بغیر نرم کر دیا گیا اور پہاڑوں کو اس طرح مسخر کیا گیا کہ وہ آپ کے ہمراہ تسبیح خدا کرتے تھے۔

أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ :- یعنی لوہے کو نرم کر کے اللہ نے حضرت داؤدؑ کو حکم دیا کہ اس سے زرہیں تیار کرو سَابِغَاتٍ کا موصوف دُرُوعًا محذوف ہے یعنی کشادہ اور مضبوط زرہیں بناؤ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت داؤد چونکہ اپنے زمانہ کے بادشاہ تھے اور شام کا سارا علاقہ ان کے زیر نگیں تھا۔ لیکن بایں ہمہ وہ بیت المال سے تنخواہ وصول کرنے کے بجائے کما کر کھانا پسند فرماتے تھے۔

پس خدا نے ان کے لئے لوہے کو نرم بنا دیا اور بذریعہ وحی ان کو زرہ بنانے کا حکم دیا پس آپ ہی پہلے انسان ہیں جنہوں نے سب سے

پہلے زرہ بنانے کی ابتداء فرمائی آپ زرہیں تیار کرتے تھے اور ان کی قیمت سے اپنے واجب النفقہ عیال کے اخراجات پورے کرتے تھے اور زائد از ضرورت کو فقراء پر تصدق فرماتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت داؤدؑ پر وحی ہوئی کہ واقعی تم میرے نیک بندے ہو لیکن تم میں ایک کمی ہے کہ بیت المال سے کھاتے پیتے ہو پس حضرت داؤدؑ پورے چالیس دن تک روتے رہے تو خداوند کریم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا۔ پس آپ روزانہ ایک زرہ بناڈالتے تھے جس کو ایک ہزار درہم میں فروخت کیا کرتے تھے اور کثیر العیال ہونے کے باوجود وہ بیت المال سے بے نیاز ہوگئے۔

وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ: یعنی زرہ کے حلقوں کو آپس میں جوڑنے میں صحیح اندازہ سے کام لو تاکہ زرہ کے حلقے نہ بہت باریک ہوں کہ ٹوٹ جائیں اور نہ بہت موٹے ہوں کہ زرہ زیادہ وزنی ہو جائے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے کل تین سو ساٹھ زرہیں تیار کیں اور ہر زرہ کو ایک ہزار درہم میں فروخت کیا (گویا تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم آپ کی سالانہ آمدنی کا تخمینہ ہے)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ: پروردگار کا یہ احسان صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مختص ہے کہ ان کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا گیا چنانچہ ان کا تخت ہوا میں اڑتا تھا اور آپ کو تمام لشکر بمعیت ہوا بارہ گھنٹے میں تیز رو گھوڑے سوار کی دو ماہ کی مسافت پر پہنچا دیتی تھی۔ چنانچہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ صبح دمشق سے روانہ ہو کر دوپہر کے وقت علاقۂ اصفہان میں آرام فرماتے تھے اور پھر وہاں سے پرواز کر کے رات کو کابل میں جا ٹھہرتے تھے۔ کیونکہ دمشق سے اصفہان اور اصفہان سے کابل تیز رو گھوڑے سوار کے لئے ایک ایک ماہ کا سفر ہے (ممکن ہے دمشق سے اصفہان اور اصفہان سے کابل کا ذکر بطور تمثیل کے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی حدود مملکت میں اس قدر وسعت ہو اور سرکاری دورے کے طور پر یہ سفر کرتے ہوں اور بعض روایات میں جو یہ الفاظ ملتے ہیں کہ پوری روئے زمین کی حکومت صرف چار آدمیوں کو نصیب ہوئی نمرود اور بخت نصر یہ دونوں کافر تھے اور ذوالقرنین و سلیمان یہ دونوں مسلمان تھے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اپنے دور میں پوری دنیا کی مہذب آبادی ان کے زیر نگیں تھی اور باقی حکمران ان کے مقابلہ میں جزوی و ذیلی حیثیت رکھتے تھے۔

وَاَسَلْنَا لَهٗ: یہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مخصوص احسان کا تذکرہ ہے کہ ہم نے اس کے لئے پیتل اور تانبے کو پانی کی طرح جاری کر دیا اور مروی ہے کہ تین دن تک تانبا و پیتل اپنی کان سے نکل کر بہتا رہا جس طرح پانی چشمے سے نکل کر بہتا ہے اسی لئے اس کو عین سے تعبیر کیا گیا جس کا معنی چشمہ ہے۔

وَمِنَ الْجِنِّ: یہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے کہ اللہ نے جنوں کو ان کا تابع فرمان بنا دیا کہ وہ ان کی ہر حکم میں اطاعت کرتے تھے اور جو بھی ان میں سے سرتابی کرتا تھا اُس کو آگ کی سزا دی جاتی تھی اور منقول ہے کہ خداوند کریم کی جانب سے ایک فرشتہ معین تھا جس کے پاس آگ کا تازیانہ تھا پس جنوں میں سے جو بھی حکم عدولی کرتا وہ فرشتہ اس کو اس آتشی تازیانے سے مارتا تھا کہ وہ جل کر خاکستر ہو جاتا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہو یعنی جنوں میں جو بھی

شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ الْجِنِّ

ایک ماہ اور اس کی شام ایک ماہ تھی (صبح سے شام تک دو ماہ کی مسافت طے ہوتی تھی) اور ہم نے جاری کیا اس کے لئے تانبے

مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ

کا چشمہ اور جنوں میں سے بعض ایسے تھے جو باذنِ پروردگار اس کے سامنے کام کرتے تھے اور جو بھی ان میں سے سرتابی کرتا

عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا

ہمارے حکم سے تو اس کو ہم آگ کے عذاب کا مزہ چکھاتے تھے وہ ان کے لئے بناتے تھے جو وہ

يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ

چاہتا تھا مسجدیں تصویریں اور حوضوں کی طرح بڑے بڑے پیالے اور زمین میں گڑی ہوئی دیگیں عمل

رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

کرو اے آلِ داؤدؑ بطور شکر اور میرے بندوں میں سے تھوڑے ہی ہیں شکر گزار۔

ان کی مخالفت کرتا ہم نے دنیاوی سزا کے علاوہ جہنم کا عذاب ان کے لئے ضروری قرار دیا۔ اور مِنَ الْجِنِّ میں مِنْ تبعیضیہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سارے جن حضرت سلیمان کے تابعِ فرمان نہ تھے بلکہ اُن میں سے ایک خاص جماعت تھی جو باذنِ پروردگار غلامی و نوکری کے فرائض انجام دیتی تھی

مِنْ مَّحَارِيْبَ: محراب منقول ہے کہ محراب اس مکان کو کہا جاتا ہے جس پر سیڑھیوں کے ذریعے چڑھا جائے اس جگہ عبادت گاہیں اور عالیشان محلات مراد ہیں۔

بیت المقدس کی تعمیر

مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دورِ حکومت میں بنی اسرائیل میں طاعون کی وبا پھیل گئی چنانچہ ایک ہی دن میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ لقمۂ اجل بن گئے حضرت داؤدؑ نے ان کو حکم دیا کہ غسل کر کے بچوں اور عورتوں کو ہمراہ لے کر شہر کے باہر کھلے میدان میں گڑگڑا کر اللہ سے دُعا کریں اور اس سے رحم کی درخواست کریں، چنانچہ سب لوگ گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور باہر کھلی فضا میں رو رو کر خدا سے دعائیں مانگنے لگے، خود حضرت داؤد علیہ السلام صخرہ (پتھر) پر چڑھے اور سجدۂ پروردگار میں گر گئے اور آپ کی امت بھی سربسجود ہو گئی پس جب سجدہ سے فارغ ہوئے تو خداوندکریم نے اِن کی دُعا کو مستجاب فرمایا اور طاعون کی وبا ختم ہو گئی اور یہ وہی جگہ تھی جہاں بعد میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر ہوئی۔ خداوندکریم نے جب حضرت داؤدؑ کے وسیلہ سے بنی اسرائیل کی مصیبت دور کی تو تین دن کے بعد آپ نے اپنی تمام امت کے اربابِ حل و عقد کو جمع کر کے فرمایا کہ اللہ کے رحم و کرم کی بدولت تمہیں مصیبت سے نجات ملی ہے لہٰذا شکر کے طور پر اسی زمین کے اوپر جہاں اللہ نے تم پر رحم فرمایا ایک مسجد تعمیر کرو چنانچہ سب نے حضرت داؤدؑ کی بات کو تسلیم کیا اور مسجد کی تعمیر کا عہد کیا اور فوری طور پر اس کام کو شروع کر دیا گیا۔ پہلے پہلے شہر کی تعمیر کا کام شروع ہوا خود حضرت داؤدؑ بنفسِ نفیس پتھر اٹھا کر لاتے تھے اور بنی اسرائیل کے اکابر و صلحاء آپ کی تاسی میں مزدوروں کی طرح کام کرتے تھے چنانچہ قدِ آدم تک دیواروں کو بلند کیا گیا جب

یہ کام شروع ہوا تو حضرت داؤد کی عمر ایک سو ستائیس ۱۲۷ برس تھی خدا نے آپ پر وحی کی کہ اس کام کی تکمیل حضرت سلیمان کے ہاتھوں ہوگی آپ کی وفات ایک سو چالیس برس کی عمر میں ہوئی تو حضرت سلیمان ان کی جگہ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے بیت المقدس کی تعمیر کا کام از سر نو شروع کیا پس جنوں اور دیووں پر اپنے اپنے فرائض تقسیم کردیئے گئے بعض کے ذمہ سنگ مرمر کا جمع کرنا تھا اور بعض کے ذمہ بلور کی فراہمی تھی پس سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھروں سے شہر کی تعمیر کا آپ نے حکم دیا اور ابتداءً بارہ محلات کی داغ بیل ڈالی گئی جب شہر تعمیر ہو چکا تو ہر ہر محلہ میں ایک ایک قوم کو آباد کرنے کا منصوبہ بنایا گیا اس کے بعد مسجد اقصیٰ کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور آپ نے قوم جنات کو مختلف فرائض سونپ کر مسجد کی فوری تعمیر کا حکم جاری فرمایا چنانچہ جنوں کے ایک گروہ کے ذمہ کانوں سے سونا و جواہر برآمد کرنا تھا اور دوسرے گروہ کے ذمہ یاقوت و مرجان و قیمتی پتھروں کی فراہمی تھی تیسرے فرقے کے ذمہ عنبر کستوری اور دیگر خوشبویات کا جمع کرنا تھا اور چوتھے گروہ کے ذمہ سمندروں کی تہوں سے خالص آبدار موتیوں کا اکٹھا کرنا تھا چنانچہ تھوڑے عرصہ میں بہت کافی تعداد میں سامان جمع کر لیا گیا پس آپ نے مستریوں اور کاریگروں کو بلوا کر جمع شدہ پتھروں کو صاف کرنے کا حکم دیا اور اسی طرح جواہر اور موتیوں کی صفائی کا بھی حکم صادر فرمایا چنانچہ انہوں نے فوراً یہ کام انجام دیا پس سفید زرد اور سبز اقسام کے سنگ مرمر سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر شروع ہوئی محرابوں کو بلوری قسم کے پتھروں سے کھڑا کیا گیا۔ چھت کو قیمتی موتیوں اور بیش بہا نگینوں سے جڑا گیا دیواروں کو چمکدار جواہر و یواقیت سے مرصع کیا گیا اور فرش پر فیروزہ کی تختیاں لگائی گئیں پس روئے زمین پر المسجد الاقصیٰ بیت المقدس سے زیادہ عالیشان عمارت کوئی نہیں بنائی جا سکی اور نہ اس مسجد سے زیادہ روشن و خوبصورت و دیدہ زیب مکان آج تک تعمیر ہوا ہے۔ رات کے وقت کافی دور سے دیکھنے والے اسے اس طرح دیکھتے تھے جس طرح چودہویں کے چاند کو دیکھا جاتا ہے جب مسجد کا کام ختم ہوا تو آپ نے بنی اسرائیل کے عبادت گذار لوگوں کو بلا کر ایک اعلان عام کے ذریعے حکم دیا کہ یہ مکان اللہ کے لئے مخصوص ہے اور یہ دن تمہارے لئے ہمیشہ عید کا دن ہوگا جس دن مسجد اقصیٰ کی تعمیر مکمل ہوئی۔ پس بیت المقدس اپنی پوری شان سے قائم رہا یہاں تک کہ جب بخت نصیر نے فتح پائی تو اس پورے شہر کو تاراج کیا گیا اور مسجد کو کافی نقصان پہنچایا۔ چنانچہ چھت اور دیواروں میں جڑے ہوئے یاقوت و جواہر و دیگر قیمتی پتھر سب اس نے اکھڑوا لئے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو بقدرت خدا اس کے سب دروازے بند ہو گئے اور ان کے کھولنے کے لئے جس قدر تدابیر اختیار کی گئیں فائدہ مند ثابت نہ ہو سکیں بالآخر آپ کی دعا سے دروازے کھلے تو آپ نے بنی اسرائیل سے دس ہزار قاریٔ تورات و عابد منتخب فرمائے ان میں سے پانچ ہزار دن کے لئے اور پانچ ہزار رات کے لئے مسجد اقصیٰ میں عبادت پر مقرر کئے پس سب و روز میں کوئی وقت بھی ایسا نہ ہوتا تھا جو عبادت پروردگار سے خالی ہو۔

وَتَمَاثِيلَ۔ یہ تمثال کی جمع ہے اور اس کی اصل مثول ہے جس کا معنی ہے کھڑا ہونا اور ایک حدیث میں ہے مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَمْثُلَ لَهُ النَّاسُ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ یعنی جو اس بات پر خوش ہو کہ میرے سامنے کچھ آدمی غلامی کے لئے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ جہنم میں بنائے۔ جن کاریگر حضرت سلیمانؑ کے لئے صورتیں اور مجسمے بھی تیار کرتے تھے جو پیتل تانبے شیشے اور سنگ مرمر وغیرہ سے

ہوتے تھے اور اس وقت انسان اس صنعت سے ناآشنا تھے۔ پس وہ حیوانوں چوپاؤں اور درندوں کے مجسمے تیار کرکے اُس کے تخت کے آس پاس کھڑے کر دیتے تھے تاکہ رعایا پر آپ کا رعب چھایا رہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی کرسی کے نیچے دو شیروں کے مجسمے بنا کر رکھے اور سر کے اوپر دو گِدوں کے مجسمے بنا کر رکھے اور اُن میں اس قسم کے سپرنگ رکھے کہ جب آپ کرسی پر بیٹھنے کے لئے تشریف لاتے تو دونو شیر اپنے بازوؤں کو پھیلاتے پس آپ ان پر قدم رکھ کر اوپر چڑھتے اور یوں دکھائی دیتا کہ آپ شیروں کی پشت پر تشریف فرما ہیں اور جونہی آپ بیٹھتے گِدوں کے پَر پھیل جاتے اور وہ آپ کے سر پر چھتری کی طرح سایہ کئے رہتی تھیں اور جس انداز و طریقہ سے حضرت سلیمانؑ کرسی پر بیٹھتے کر شیر بازوں دراز کر لیا کرتے اور گِدیں پَر پھیلا دیتیں یہ ایک مخصوص طرزِ عمل تھا جسے حضرت سلیمان کے علاوہ اور کوئی نہ جانتا تھا چنانچہ بیت المقدس کی فتح کے بعد جب بخت نصر نے اس کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو چونکہ اُسے وہ خاص انداز معلوم نہیں تھا لہٰذا جونہی آگے بڑھا شیر نے اپنا بازو اٹھا کر زور سے مارا تو بخت نصر کی پنڈلی سخت زخمی ہوگئی اور بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اس کے بعد حضرت سلیمانؑ کی کرسی پر کسی نے بیٹھنے کی جرأت نہ کی۔

مجسمہ سازی و فوٹوگرافی اس مسئلہ میں علمائے شیعہ کے مشہور چار اقوال ہیں (۱) تصویر بنانا حرام ہے ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی اور مجسم ہو یا غیر مجسم یعنی سایہ دار ہو یا غیر سایہ دار (۲) صرف ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے خواہ مجسم یعنی سایہ دار ہو یا غیر مجسم ہو (۳) مجسمہ بنانا حرام ہے خواہ ذی روح کا ہو یا غیر ذی روح کا ہو (۴) صرف ذی روح کی سایہ دار تصویر یعنی مجسمہ بنانا حرام ہے۔ تصویر سایہ دار کا مقصد یہ ہے کہ اس کا الگ جسم ہو اگر اس کو دھوپ میں رکھا جائے تو اس کا الگ سایہ پڑے لہٰذا نقوش یا فوٹو کو سایہ دار نہیں کہا جا سکتا چوتھے قول پر علامہ شیخ مرتضٰے انصاری اعلی اللہ مقامہ نے اجماع امامیہ کا دعویٰ کیا ہے لیکن شیخ ابوالحسن شعرانی محشی مجمع البیان نے ذکر کیا ہے کہ طبرسیؒ نے تفسیر سورہ بقرہ میں عجل سامری کے بیان میں مجسمہ سازی کی حرمت کی نفی کی ہے اور فرمایا ہے کہ مجسمہ وہی حرام ہے جو عبادت کے لئے بنایا جائے اور علامہ انصاری اعلی اللہ مقامہ نے مکاسب میں متعدد احادیث اپنے مقصد کے اثبات میں پیش فرمائی ہیں بعض سے مطلقاً صورتیں بنانے کی حرمت ظاہر ہوتی ہے اور بعض میں صرف روحانی مخلوق (یعنی ذی روح چیزوں کی تصویریں بنانے کی ممانعت ہے جو پہلی قسم کی روایات کی تخصیص کا فائدہ دیتی ہیں اور بعض روایات میں ذی روح کی سایہ دار (مجسم تصویر) کی ممانعت ہے اور اس مطلب پر دلالت کرنے والی حدیث وہ ہے جسے وسائل میں کتاب الصلوٰۃ کے احکام مساکن سے ہدایۃ الطالب شرح مکاسب میں نقل کیا گیا ہے اور اسے اس مطلب کی عمدہ دلیل قرار دیا گیا ہے۔ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَام قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ هُمُ الْمُصَوِّرُوْنَ وَیُکَلَّفُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَنْ یَّنْفُخُوْا فِیْهَا الرُّوْحَ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسولؐ اللہ نے فرمایا تحقیق وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں وہ مصور لوگ ہیں ان کو قیامت کے روز کہا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی چیزوں میں روح پھونکو (گویا سرزنش کے طور پر ان کو یہ حکم دیا جائے گا پس وہ عاجز ہوں گے اور ان کو اس کی پاداش میں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا) ان کو اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں روح پھونکنے کا حکم اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ ملزم وہ لوگ ہوں گے جو

مجسمے بنایا کرتا تھے پس ان کو ان مجسموں میں روح پھونکنے کا تعجیز کے طور پر حکم ہوگا کیونکہ روح کا پھونکنا مجسمے سے ہی مناسبت رکھتا ہے اس پر شیخ مرتضے انصاری (علی اللہ مقامہ) نے اعتراض کیا ہے کہ روح پھونکنے کی تکلیف دینے میں ضروری نہیں کہ وہ پہلے مجسمہ کی شکل میں ہو بلکہ فوٹو اور نقش میں روح پھونکنے کا حکم بھی دیا جا سکتا ہے جیسا کہ معصوم نے دیوار پر نقش شدہ شیر کی تصویر کو خلیفۂ وقت کے سامنے جادوگر کو پکڑ لینے کا حکم صادر فرمایا تھا لہٰذا تصویر بے سایہ اور تصویر سایہ دار (فوٹو اور مجسمہ) دونو حدیث مذکور کی روشنی میں حرام ہیں۔ لیکن ارباب بصیرت سے مخفی نہیں کہ نفخ روح کا تعلق مجسمے سے ہی ہوتا ہے اور معصوم کے اعجازی فرمان کی تعمیل میں بھی روح نقش (فوٹو) میں داخل نہیں ہوئی تھی بلکہ نقش سے مجسمہ بن کر زندہ شیر بنا تھا۔

نیز دیکھنا یہ بھی ہے کہ حدیث مذکور میں مصورین کو اللہ و رسول کو اذیت دینے والا کہا گیا ہے تو کیا مطلق تصویر کشی جو فوٹو گرافی کو بھی شامل ہے خدا اور رسول کے لئے باعث اذیت ہے یا مجسمہ سازی موجب اذیت ہے؟ تو اس کو سمجھنے کے لئے تحف العقول کی وہ روایت جو مکاسب محرمہ کی تفصیلات پر مشتمل ہے صاف بتلاتی ہے کہ ایسی صنعتیں اور پیشے حرام ہیں جن کی مصنوعات صرف فساد و افساد کا پیش خیمہ ہوں اور مخلوق خدا کے لئے تخریب اخلاق اور ضیاع مال کے علاوہ ان کا نتیجہ اور کچھ نہ ہو اور اس کے برعکس وہ صنعتیں اور پیشے حلال ہیں جن کی مصنوعات صلاح و اصلاح کا پیش خیمہ ہوں یا مخلوق خدا کے لئے ان میں کچھ نہ کچھ افادیت پائی جائے بنا بریں محض نقوش سازی اور فوٹو گرافی ان صنعتوں میں شامل نہیں جو فساد و افساد پر مبنی ہیں بلکہ ان میں کسی حد تک صلاحیت کا پہلو مضمر ہوتا ہے مثلاً یادِ رفتگان اور زیارتِ بزرگانِ دین وغیرہ اگرچہ ہر اچھی صنعت میں غلط کار لوگ کوئی نہ کوئی بُرا پہلو بھی ایجاد کر لیا کرتے ہیں اور نقوش سازی اور فوٹو گرافی میں ناجائز تصاویر کی عکاسی اگرچہ غلط پہلو ہے لیکن اس کی خوبیوں کے پیش نظر اس صنعت کو بُرا نہیں کہا جا سکتا جب کہ دور حاضر میں کافی شرعی امور کی تکمیل بھی ان کے بغیر ناممکن ہو چکی ہے۔ چنانچہ زیارات و حج کے سفر کے لئے فوٹو کا ہونا حکومتی طور پر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ پس ان وجوہ کی بنا پر جن مصورین کو خدا اور رسول کے لئے اذیت دینے والا قرار دیا گیا ہے۔ وہ مصور ہیں جو مجسمے ساز ہوں۔ اور مجسمہ سازی میں اذیت خدا و رسول دو پہلوؤں کی بنا پر ہو سکتی ہے اور وہی اس صنعت کی حرمت کے باعث ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے تشبہ بالخالق لازم آتا ہے کیونکہ حیوانات کی ایجاد اور اس کے خلقی و فطری نقش و نگار اس کی بے مثال صناعی کی دلیلیں ہیں پس ایسے مجسّمے تیار کرنا خالق سے تشبہ حاصل کرنے کے برابر ہے اسی بنا پر اُسے بروز محشر کہا جائے گا کہ آگے بڑھو اور اس میں روح ڈالنے کی کسر بھی پوری کرو اور دوسرے یہ کہ بت تراش لوگ جو سابق زمانہ میں عبادت خلق کے لئے بت تیار کرتے تھے ان مجسّموں کی چونکہ اُن سے مشابہت ہے لہٰذا جس طرح وہ حرام تھے یہ بھی حرام ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہی دو وجوہ خدا اور رسول کے لئے باعث اذیت ہیں پس حکم حرمت ذی روح کی سایہ دار تصویروں (مجسموں) کے بنانے تک محدود ہوگا۔ لہٰذا غیر ذی روح کی تصویریں مثلاً درختوں، پہاڑوں، دریاؤں اور وادیوں کی عکاسی اس زد میں نہیں آئے گی اور درختوں کی سایہ دار تصویریں (مجسمے) جو آج کل عام بازار میں بکتے ہیں اور گھروں میں بطور زینت رکھے جاتے ہیں وہ بھی اس حکم حرمت میں داخل نہیں ہوں گے بنا بریں تعزیہ و علم کی شبیہیں بھی حکم حرمت سے مستثنا ہیں اور اسی طرح ذی روح کی غیر سایہ دار تصویریں یعنی فوٹو وہ بھی حکم حرمت میں نہیں آئیں گی

لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ کیا ہر وہ عمل جس میں تشبہ بالخالق لازم آئے حرام ہے اور خدا و رسول کی اذیت کا موجب ہے؟ تو اس صورت میں انسان کا کوئی عمل بھی شاید نہ بچ سکے گا بلکہ صرف انسان اگر زمین پر سیدھی لکیر کھینچے تو وہ بھی خدا کی کسی نہ کسی مصنوع کے مشابہ ہوگی اور وہ تماثیل جو قوم جنات کے کاریگر حضرت سلیمان کے لئے بناتے تھے اگر انسانی و حیوانی تصویریں نہ بھی ہوں تب بھی خالق کی کسی نہ کسی مصنوع کے مشابہ تو ضرور ہوں گی پس اگر وہ درختوں کی تصویریں تھیں تو درخت بھی خدا کے مصنوع ہیں لہٰذا تشبہ بالخالق سے وہ بھی نہ بچ سکیں گے اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کا پرندے جیسی شکل کو مٹی سے بنانا بھی تشبہ بالخالق کا فرد قرار پائے گا۔ لہٰذا تشبہ بالخالق کی وجہ سے مجسمہ سازی یا تصویر کشی کو موجب اذیت خدا و رسول قرار دے کر حرمت کا قائل ہونا استدلال میں انتہائی کمزوری کا مظاہرہ ہے۔ باقی رہا اذیت خدا اور رسول کا دوسرا پہلو کہ تشبہ بالصنم یعنی مصور کو بت تراش سے اور تصویر کو صنم سے مشابہت ہے لہٰذا یہ صنعت حرام ہے اور باعث اذیت خدا و رسول ہے تو اس کے متعلق قابل غور امر یہ ہے کہ آیا صنم سازی میں بذات خود کوئی مفسدہ موجود ہے جو اذیت خدا و رسول کا موجب ہے یا صنم پرستی چونکہ شرک ہے اور صنم سازی صنم پرستی کی تائید و تقویت اور اثم و عدوان پر ان کی مدد کو مستلزم ہے اس لئے مبغوض خدا و رسول ہے اور حرام ہے؟ تو ظاہر ہے کہ وجود صنم میں کوئی قباحت کا پہلو نہیں ہے بلکہ چونکہ صنم پرستی حرام ہے لہٰذا صنم سازی حرام کی اعانت کی وجہ سے حرام ہے پس اس کا بنانا بیچنا خریدنا اور اس کی مدد کرنا سب حرام ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ مصوری اور مجسمہ سازی اس لئے مبغوض خدا اور رسول ہے کہ وہ صنم سازی کے مشابہ ہے کیونکہ مجسمہ اور تصویر صنم کے مشابہ ہیں نہایت کمزور استدلال ہے اصالت اباحت کے پیش نظر ایک مباح امر کو صرف اس لئے حرام نہیں قرار دیا جا سکتا کہ وہ کسی دوسرے حرام سے مشابہت رکھتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر دنیا میں کوئی مباح اس زد سے نہیں بچ سکتا کیونکہ ہر فعل مباح کسی نہ کسی حرام سے مشابہت رکھتا ہی ہوگا۔ مثلاً پانی کا پینا شراب کے پینے کے مشابہ ہے وغیرہ نیز قیاس کو جب علمائے امامیہ کے نزدیک دلیل کا درجہ حاصل نہیں ہے تو تشبہ بالخالق یا تشبہ بالصنم کو فن مصوری کی حرمت کی حکمت و مصلحت قرار دینا کیسے درست قرار دیا جا سکتا ہے؟ بنا بریں بالعموم مصوری و عکاسی و مجسمہ سازی کی حرمت کو ثابت کرنا مشکل ہے۔ اور حدیث مذکور کی یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ حضور رسالتمآب کے زمانہ میں صنم سازی اور صنم پرستی عام تھی اور چونکہ صنم سازی صنم پرستی کا مقدمہ اور پیش خیمہ ہے اور یہ چیزیں خدا اور رسول کے لئے اذیت کی موجب بھی ہیں پس آپ نے ان مجسمہ سازوں اور مصوروں کو خدا و رسول کو اذیت دینے والا قرار دیا ہے جو مشرکوں اور بت پرستوں کے لئے بت اور مجسمے بنا کر ان کے لئے شرک کا راستہ ہموار کرتے تھے۔ پس علامہ طبرسی کا قول جس کی حکایت ابوالحسن شعرانی نے کی ہے خالی از قوت نہیں ہے کہ مطلق مجسمہ سازی و مصوری حرام نہیں بلکہ وہی حرام ہے جو بت پرستی کے لئے پیش خیمہ و مقدمہ ہو۔ البتہ جاندار اشیاء مثلاً درند چرند پرند و انسانوں کی سایہ دار تصویریں (مجسمے) احادیث کے پیش نظر خالی از کراہت نہیں ہیں۔ اور دور حاضر میں تو بچوں کے کھلونے ان ہی مجسموں میں محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور اکثر گھروں میں کاغذی گلدستے پودوں کے مجسمے اور حیوانات کی خوشنما تصویریں اور مجسمے بصورت زینت رکھے جاتے ہیں اور بچیوں میں گڑیاں کھیلنے کا رواج اور بچوں میں مٹی سے حیوانی مجسمے بنا کر کھیلنے کا دستور زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے جو دیہاتوں میں اب تک

موجود ہے البتہ شہروں میں بچیوں کو گڑیاں بنانے کی اور بچوں کو مٹی سے حیوانی مجسمے تیار کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ دور حاضر میں جہاں ہر صنعت نے ترقی کی ہے کھلونے سازی کی صنعت نے بھی حیرت انگیز ترقی کرتے ہوئے بچوں اور بچیوں کے لئے ایسے دیدہ زیب کھلونے ربڑ اور پلاسٹک سے تیار کر لئے کہ چھوٹے تو چھوٹے بڑے بڑوں کے لئے بھی ان کو دیکھ لینے کے بعد خرید کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا پس وہ بھی بیکار اوقات میں ان سے اپنا دل بہلایا کرتے ہیں اور گھروں کی دیواروں کو ان سے مزین کر کے سکون قلب محسوس کرتے ہیں اور لطف یہ کہ اس صنعت کو اس قدر فروغ حاصل ہے کہ قالینوں دریوں پر بستروں کی چادروں پر سرہانوں کے غلافوں پر میز پوشوں اور دروازوں پر لٹکے ہوئے پردوں پر جہاں نظر اُٹھے کوئی نہ کوئی تصویر اور مجسمہ سب سے پہلے اپنی جاذبیت کے پیش نظر دعوت نظارہ کے لئے پیش پیش ہوتا ہے اور یہاں تک محدود نہیں بلکہ زمان آئمہ میں بھی یہ صنعت موجود تھی اور گھروں کی دیواروں اور پردوں کو ان سے مزین کیا جاتا تھا چنانچہ شیخ انصاری اعلی اللہ مقامہ نے تصویروں اور مجسموں کی حرمت پر استدلال کرتے ہوئے معصوم سے یہ حدیث بھی نقل فرمائی کہ آپ نے تزویق البیوت سے منع فرمایا جب آپ سے اس کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے تصاویر التماثیل اور محشی نے ذکر کیا ہے کہ بعض نسخوں میں تصاویر اور تماثیل دونو معرف باللام ہیں اور درمیان میں واو حرف عطف بھی داخل ہے یعنی تصویروں اور تمثیلوں سے گھروں کو مزین کرنے سے آپ نے منع فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصویروں اور حیوانات کے مجسموں سے گھروں کو مزین کرنے کا رواج اس زمانہ میں تھا اور اس حدیث سے بھی تصویروں اور مجسموں کی حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ گھروں کی تزئین کی ممانعت ظاہر ہے اور ہر گھر کی تزئین نہیں بلکہ ان گھروں کی تزئین جو عبادت کے لئے مقرر ہوں، چنانچہ دوسری حدیث میں اس کی قدرے وضاحت موجود ہے بروایت قرب الاسناد علی بن جعفر نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کی ہے کہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ جس مسجد میں تصاویر و تماثیل موجود ہوں اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تماثیل کے سر توڑ دو اور تصاویر میں سروں پر کوئی شیئ مل دو کہ ان کا حلیہ بگڑ جائے، پس اس حدیث کے بعد سابق حدیث کے معنی کی وضاحت ہو گئی کہ جن گھروں میں نماز پڑھی جائے ان کو تصاویر و مجسموں سے مزین کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جو مثال بنائے یعنی مجسمہ تیار کرے وہ اسلام سے خارج ہے اولاً تو اس کا عطف ہے تجدید قبر پر اور تجدید قبر مکروہ ہے پس اس قرینہ سے مثال بنانا بھی مکروہ ہوگا۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں مَنْ جَدَّدَ قَبْرًا اَوْ مَثَّلَ مِثَالًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَام (یعنی جس نے قبر کی تجدید کی یا مثال ایجاد کی وہ اسلام سے خارج ہے اگر اس حدیث سے مجسمہ سازی کی حرمت ثابت کی جائے تو تجدید قبر کا معنی پرانی قبر کو نئے سرے سے بنانا نہ ہوگا بلکہ معنی یہ ہوگا جو شخص کسی مومن کو قتل کر کے ایک قبر کا نیا اضافہ کرے یا مجسمہ سازی سے کسی بت پرست کے شرک کی تائید کرے تو وہ اسلام سے خارج اور کافر ہے، بنابریں وہ مجسمہ سازی حرام ہو گی جو لوگوں کی پرستش کے لئے معرض عمل میں آئے لہٰذا عام مصوری اور مجسمہ سازی حرام نہ ہو گی، علاوہ ازیں بہت سی احادیث انصاری مرحوم نے مکاسب میں جمع فرمائی ہیں جن کی دلالت اثبات حرمت پر غیر تسلی بخش ہے۔ اور ان کے

مقابلہ میں ایسی احادیث بھی وارد ہیں جن سے ان کا آئمہ کے گھروں میں ہونا ثابت ہے پس اگر یہ صنعت مطلقاً حرام ہوتی تو ان کا آئمہ کے گھروں میں وجود نہ ہوتا چنانچہ حدیث صحیح بروایت حلبی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں بعض اوقات نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو سامنے سرہانے پر پرندوں کی تماثیل ہوتی ہیں پس ان کو کپڑے سے ڈھانپ لیتا ہوں دوسری روایت میں علی بن جعفر سے منقول ہے میں نے اپنے بھائی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر ہاتھ میں انگوٹھی ہو جس میں کسی پرندے یا درندے کی تمثال ہو تو کیا اس کو پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے آپ نے فرمایا ہاں، دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے آپ سے دریافت کیا کہ گھر میں مچھلی یا پرندے کا اگر مجسمہ موجود ہو جس سے بچے کھیلتے ہوں تو اس کے ہوتے ہوئے گھر میں نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں جب تک کہ اس کا سر توڑ کر حلیہ بدل نہ دیا جائے، حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کھلونے کے طور پر مجسمے کا گھر میں ہونا حرام نہیں البتہ جس کمرے میں نماز پڑھی جائے اس میں یہ مجسمے نہیں ہونے چاہئیں، ایک روایت میں ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ سرہانے کی بستر کی چادر پر اگر جانوروں کی تصویریں موجود ہوں تو آپ نے فرمایا گھروں میں ایسی چیزوں کے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور فرمایا جس کو نیچے روندا اور کچلا جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے یہ حدیث بھی اس امر کا صاف پتہ دیتی ہے کہ وہی مجسمے اور تصویریں حرام ہیں جو بغرض عبادت و احترام ایجاد کی جائیں اور اس میں بت پرستوں کے شرک کی تائید پائی جائے ورنہ یہ پہلو اگر موجود نہ ہو تو نہ ان کا بنانا حرام ہے اور نہ گھروں میں ان کا رکھنا حرام ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ابوبصیر نے سوال کیا کہ ہمارے تکیوں اور بچھانے کی چادروں پر تصویریں ہوا کرتی ہیں تو آپ نے فرمایا جو پاؤں کے نیچے رکھنے کے لئے ہوں ان کا کوئی حرج نہیں البتہ سریر یا در دیوار پر ان کا نصب کرنا مکروہ ہے علاوہ ازیں اور احادیث بھی ہیں جن سے تصویروں اور عام مجسموں کے گھروں میں ہونے کی ممانعت نہیں ہے البتہ جن کمروں میں نماز ادا کی جاتی ہو ان کو تصویروں اور مجسموں بلکہ تمام ایسی چیزیں جو جاذب توجہ ہوں سے پاک و منزہ ہونا چاہیئے۔ اور تصویروں اور مجسموں سے بالخصوص اس کا خالی ہونا ضروری ہے تاکہ بت پرستوں اور مشرکوں سے تشابہ بھی لازم نہ آئے۔

پس اس ساری بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ تصویر کشی اور فوٹو گرافی حرام نہیں خواہ ذی روح کی ہو یا غیر ذی روح کی۔ اسی طرح تصویر سایہ دار (مجسمہ بنانا) اگر غیر ذی روح کا ہو مثلاً درختوں کے نمونے اور پودوں کی مثالیں اور گلدستے وغیرہ خواہ کاغذی ہوں یا ربڑ و پلاسٹک کے ہوں ان کی صنعت کاری حرام نہیں ہے نیز ذی روح اشیاء کے مجسمے جو گڑیوں اور کھلونوں کی حیثیت تک محدود ہوں۔ ان کی حرمت کا ثابت کرنا بھی مشکل ہے لیکن بعض جانوروں پرندوں درندوں اور دیگر حیوانوں کے مجسمے جو صنعت کاری کے مظاہرے کے طور پر ہوں یا گھروں کی تزئین کے لئے ایجاد کئے گئے ہوں اگر اس سے صنم نوازی اور بت پرستی کی تائید و امداد مقصود نہ ہو اگرچہ دلیل حرمت کی زد میں نہیں آ سکتے تاہم بت تراشی اور صنم سازی کی صنعت سے اسے الگ کرنا بھی مشکل ہے لہٰذا اس قسم کی صنعت اگر حرام نہیں تو اس کے خدا و رسول کی ناپسندیدہ و مکروہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جس طرح کہ بت پرستی کا پیش خیمہ ہونے اور غیر اللہ کی عبادت کی داعی ہونے کی صورت میں اس کی حرمت میں شک نہیں ہے۔ بنابریں ایسے چاقو اور چھریاں جن کے دستے مچھلی کے مجسمے

کی شکل میں ہوں یا بعض برتن جو ظاہری طور پر مرغ کا مجسمہ نظر آتے ہیں وغیرہ نہ ان کا بنانا حرام ہے اور نہ خرید کر گھر میں رکھنا حرام ہے البتہ ذی روح اشیاء کے مجسمے اور ان کی تصویریں اس مکان میں نہ ہوں جو عبادت کے لئے مخصوص ہو اور اگر نمازی کے مصلا کے سامنے کوئی تصویر یا فوٹو یا مجسمہ موجود ہو خواہ مکان کے اندر نماز پڑھے یا باہر صحن میں ہو اُس کو ڈھانپ دینا چاہیئے تاکہ بت پرستوں کی عبادت سے مشابہت نہ ہو جائے۔

مسئلہ: فوٹو گرافی کی صنعت فوٹو کھچوانا اس کا خریدنا اور گھر میں رکھنا حرام نہیں ہے۔

مسئلہ: عورتوں کے لئے فوٹو کھچوانا اور اُسے منظر عام پر لانا حرام ہے لیکن تصویر کشی کے عنوان سے نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ امر اس کی پردہ داری کے خلاف ہے۔

مسئلہ: سابق وضاحت کے پیش نظر حج و زیارات کے پاسپورٹ حاصل کرنے کے لئے یا دیگر جائز اغراض کے پیش نظر عورت کے لئے فوٹو کھچوانا حرام نہیں ہے۔

مسئلہ: عورتوں کے لئے اخبارات و رسائل میں اپنا فوٹو چھپوانا حرام ہے لیکن اخبار بین و رسائل کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ان سے آنکھ بچانا واجب نہیں ہے۔

مسئلہ: مردوں کے فوٹو کی طرف نگاہ عورتوں کے لئے بھی حرام نہیں اگرچہ اُن مردوں سے پردہ کرنا واجب بھی ہو۔

مسئلہ: جہاں فوٹو لینا جائز ہے وہاں فوٹو کی اُجرت دینا بھی جائز ہے۔

توضیح مزید: جو علمائے بالعموم مجسمہ کی حرمت کے قائل ہیں وہ حضرت سلیمان کے لئے قوم جن کی مجسمہ سازی کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ وہ ذی روح کے نہیں بلکہ غیر ذی روح مثلاً اشجار وغیرہ کے نمونے تھے اور گذشتہ روایت جس میں ہے شیروں اور گدوں یا دیگر جانوروں کے مجسمے وہ بناتے تھے ان کے نزدیک ضعیف ہے۔ یا یہ کہ مجسمہ سازی شریعت محمدیہ میں حرام ہے حضرت سلیمانؑ بلکہ گذشتہ شرائع میں یہ صنعت حرام نہ تھی بنا بریں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا پرندوں کے مجسمے بنانا بھی اسی تخصیص کے ماتحت اشکال سے بالاتر ہے۔ چنانچہ شیخ ابوالحسن شعرانی نے مجمع بیان کے حاشیہ پر فرمایا ہے کہ علامہ طبرسی کے نزدیک مجسمہ وہی حرام ہے جو عبادت کے لئے بنایا جائے علاوہ ازیں کسی مجسمے کا گھر میں رکھنا حرام نہیں اور نہ ان کی خرید و فروخت حرام ہے۔ کیونکہ اخبار کثیرہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے گھروں میں یہ چیزیں موجود تھیں اور آئمہ نے ان کو اس پر نہیں ٹوکا البتہ اس کمرہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جس میں یہ موجود ہوں اور جو قدموں کے نیچے آجائیں وہ مکروہ بھی نہیں ہیں اور یہ کہنا کہ آئمہ کے نزدیک ان کا بنانا حرام تھا اور گھر میں رکھنا جائز تھا قابل تسلیم نہیں ہے ہاں احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مجسموں کی صنعت سے گریز کرنا چاہیئے۔

وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ - جفان جَفْنَةٌ کی جمع ہے یعنی برتن اور جواب جَابِيَةٌ کی جمع ہے یعنی حوض، یعنی قوم جن کے کاریگر حضرت سلیمانؑ کے لئے حوض نما بڑے بڑے برتن تیار کرتے تھے، جن میں آپ کے لشکر کو کھانا کھلایا جاتا تھا کہ ایک ایک برتن میں بیک وقت ایک ہزار آدمی کھانا کھا سکتے تھے۔

وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ: حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کے لئے کھانا تیار کرنے کی دیگیں زمین میں گڑی ہوئی تھیں کیونکہ وہ اس قدر بڑی ہوتی تھیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک ان کا لے جانا مشکل ہوتا تھا۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا: حضرت داؤد اور حضرت سلیمان پر مخصوص نعمات کے بیان کے بعد آل داؤد کو شکر کی دعوت دی کہ میری ان نعمات کو یاد کرو اور شکر بجا لاؤ۔ اس کے بعد عام بندوں کی بے شکری کا شکوہ ہے کہ احسان خداوندی کو یاد کرتے ہوئے شکر کرنا بہت تھوڑے آدمیوں کا شیوہ ہوتا ہے اور اکثریت ہمیشہ احسان فراموشوں کی ہوا کرتی ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی موت

فَلَمَّا قَضَيْنَا بروایت علل و عیون حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ خدا نے مجھے اس قدر سلطنت و حکومت عطا فرمائی ہے کہ میرے علاوہ اور کسی کو نصیب نہ ہوگی میرے لئے اللہ نے جن انسان ہوا پرندو وحوش مسخر کئے ہیں مجھے پرندوں کی زبانوں کا علم دیا گیا ہے اور اللہ نے مجھے ہر وہ شی عطا فرمائی ہے جس کی میں ضرورت محسوس کروں اور باوجود اس عطائے عام کے مجھے ایک دن کے لئے بھی آرام و سکون نصیب نہیں ہوا میرا ارادہ ہے کہ کل داخل محل ہو کر اس کی منزل پر کھڑے ہو کر اپنے تمام ممالک کی سیر کروں لہذا پہرے کے انتظامات اس قدر سخت کئے جائیں کہ کسی کو مجھ تک پہنچنے کی اجازت نہ دی جائے تاکہ نہ میرے معائنے میں کمی ہو اور نہ آرام و سکون میں خلل ہو چنانچہ حسب الحکم انتظام پر کڑی نگرانی کی گئی اور آپ دوسرے روز عصا ہاتھ میں لئے محل کے بلند ترین مقام پر پہنچے پس عصا کے سہارے کھڑے ہو کر اپنی مملکت کی وسعت کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور ہر چہار سو تا حدِ نگاہ اپنی سلطنت کی کشادگی کا جائزہ لیتے ہوئے نہایت مسرور تھے کہ اچانک ایک خوش پوش و خوش وضع نوجوان سامنے نظر آیا جو ظاہراً محل کے ایک گوشے سے نکلا تھا۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ

پس جب فیصلہ کیا ہم نے اسکی موت کا تو نہ کیا آگاہ انکو اسکی موت پر مگر زمین پر چلنے والی دیمک نے جس نے کھا لیا اسکے عصا کو پس جب

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۵﴾

وہ گرا تو پتہ چلا جنوں کو کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو ذلت آمیز تکلیف میں زیادہ دیر تک نہ ٹھہرے رہتے۔

آپ نے اپنی تمام تر توجہات اس کی طرف مبذول کرتے ہوئے شاہانہ انداز سے فرمایا کہ اس محل میں داخل ہونے کی اجازت تجھے کس نے دی ہے جبکہ میں نے آج کا دن خلوت کے لئے مخصوص کیا تھا؟ اس جوان نے فوراً برملا جواب دیا کہ اس محل کے حقیقی مالک نے مجھے بھیجا ہے اور اسی کے اذن سے اس محل میں داخل ہوا ہوں پس آپ حقیقت حال کو سمجھ گئے اور فرمایا کہ بے شک اس کا حقیقی مالک مجھ سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں ملک الموت ہوں آپ نے دریافت کیا کہ کس لئے آئے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں آپ نے فرمایا تم اپنا کام کرو میں نے یہ دن اپنی خوشی کے لئے مقرر کیا تھا لیکن اللہ کو میرے وصال کے علاوہ میری کوئی دنیاوی خوشی پسند نہیں ہے پس آپ عصا پر سہارا لئے کھڑے رہے اور ملک الموت

روح قبض کر کے چلا گیا۔ رعایا اُن کو زندہ سمجھتی رہی چنانچہ جب کافی عرصہ گذر گیا تو اعتقادی طور پر لوگوں کے تین گروہ ہو گئے ایک گروہ کہنے لگا کہ حضرت سلیمانؑ عصا کے سہارے پر اس قدر مدت سے کھڑے ہیں نہ ان کو تھکان ہوئی نہ بھوک نہ پیاس اور نہ نیند و آرام کی ضرورت ان کو محسوس ہوئی پس معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا لائق عبادت خدا یہی ہے دوسرے گروہ نے کہا کہ یہ جادوگر ہے اور ہماری نظروں کو فریب دیا گیا ہے کہ وہ اتنی مدت تک عصا کے سہارے کھڑا ہے حقیقت اس کے خلاف ہے۔ لیکن تیسرا گروہ جو مومنوں کا تھا انہوں نے کہا وہ اللہ کے عبد و برحق نبی ہیں اللہ خود اس کے بدن کی تدبیر کا مالک ہے پس خداوند کریم نے دیمک کو اس کے عصا کے کھانے پر مامور فرمایا جب عصا ٹوٹا اور حضرت سلیمانؑ کی لاش گری تو سب کو پتہ چلا کہ وہ بہت پہلے سے مر چکے تھے اسی لئے قوم جن اُسی دن سے دیمک کی ممنون احسان ہے اور دیمک جس جگہ بھی ہو جنات اس کے لئے مٹی اور پانی کا انتظام کرتے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عادت تھی کہ بیت المقدس کی مسجد میں ایک سال دو سال یا ایک ماہ دو ماہ یا کم و بیش اعتکاف کیا کرتے تھے اور ان کے کھانے پینے کی اشیاء ان کو وہاں مہیا کی جاتی تھیں۔ پس شب و روز عبادتِ پروردگار میں مصروف رہتے تھے اور کھڑے ہو کر ذکر خداوندی میں شب و روز گذارتے تھے جب تھک جاتے تو عصا کا سہارا لے لیتے تھے اور عبادت خانے سے باہر بالکل نہ جاتے تھے۔ اور ان کی نیابت میں حضرت آصف بن برخیا نظام مملکت کی تدبیر کرتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کے سامنے صبح کو ایک انگوری زمین سے نکلتی تھی اور آپ اس سے اس کا نام اور نفع و نقصان دریافت کرتے تھے ایک صبح کو جو انہوں نے پوچھا تو جواب ملا کہ میرا نام خرنوب ہے آپ نے فرمایا تو کس لئے ہے؟ تو اُس نے جواب دیا میں خراب ہونے (فنا ہونے) کے لئے ہوں تو آپ جان گئے کہ میری موت کا وقت قریب ہے پس اللہ سے دعا کی کہ اے پروردگار قوم جن کو میری موت سے مطلع نہ کرنا کہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ وہ غیب دان نہیں ہیں اور چونکہ مسجد کی تعمیر کے کام میں ابھی ایک سال باقی تھا پس اپنے گھر والوں کو بھی تنبیہ فرمائی کہ میری موت کی خبر کو عام نہ کرنا تا کہ تعمیری کام مکمل ہو جائے پس محراب عبادت میں پہنچے اور عصا کے سہارے پر ان کی موت آگئی۔ اور مرنے کے بعد ایک سال تک کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی پس بحکم خدا دیمک نے آپ کے عصا کو توڑا اور آپ کی لاش گری تو قوم جن کو آپ کی موت کی اطلاع ہوئی اور اب تک وہ اس لئے ان کو زندہ سمجھتے رہے کہ آپ اس سے پہلے بھی اپنی عبادت میں اس قدر قیام کو طول دیا کرتے تھے اور اس عرصے میں حضرت آصف بن برخیا نظام مملکت کے لئے آپ کے نائب کی حیثیت سے انچارج تھے ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے موت کی اطلاع دی تھی پس آپ غسل و حنوط کر کے اور کفن پہن کر داخل محراب ہوئے تھے اور جن اپنے کام میں مشغول تھے۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ کو اللہ نے وحی کی تھی کہ تیری موت اس وقت ہوگی جب بیت المقدس میں پودا اُگے گا۔ جس کا نام خرنوبہ ہوگا جب اس پودے کو دیکھا تو پوچھا تو کون ہے۔ الحدیث

بروایت ابوبصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ شیاطین نے حضرت سلیمانؑ کے حکم سے شیشے کا ایک محل گنبد نما تعمیر کیا تھا پس آپ اس میں کھڑے ہو کر ان کے کاروبار کا معائنہ فرماتے تھے اور رعایا کے ہر فرد کو نظر آسکتے تھے۔ لیکن ان

تک کسی کی رسائی نہ ہو سکتی تھی جب اچانک ایک جوان کو اپنے قریب دیکھا تو پوچھا تم کون ہو؟ تو اس نے جواب دیا میں وہ ہوں جو نہ رشوت قبول کرتا ہوں اور نہ بادشاہوں سے ڈرتا ہوں پس اسی شیشن محل میں عصا کے سہارے کھڑے ہوئے حضرت سلیمانؑ کی روح کو قبض کر کے وہ چلا گیا اور ایک سال تک جن تعمیر میں مشغول رہے جب تعمیر کا کام تمام ہوا تو دیمک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عصا کو کھا لیا اور آپ کی موت کی خبر نشر ہو گئی۔

حضرت سلیمانؑ کی قیام کی حالت میں موت چند فوائد سے خالی نہ تھی۔

(۱) تعمیر مسجد بیت المقدس کا کام زیر تکمیل تھا جو اس تدبیر سے مکمل ہو گیا۔

(۲) لوگ جنوں کے متعلق غیب دانی کا عقیدہ رکھتے تھے پس اس طریقہ سے ان کے غلط عقیدہ کی نفی ہو گئی۔

(۳) اس میں پروردگار کی طرف سے تنبیہ تھی کہ موت کا وقت کسی سے ٹل نہیں سکتا خواہ دنیاوی طور پر کتنی ہی عظمت کا مالک ہو۔

مِنۡسَاَتَهٗ: نَسَاَیَنۡسَاُ سے ہے جس کا معنی ہے ہانکنا یہ اس لاٹھی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے چرواہا ریوڑ کو ہانکتا ہے۔ اہل تاریخ سے حضرت سلیمانؑ کی عمر ترپن۵۳ برس منقول ہے کہ ۱۳ برس کی عمر سریر آرائے مملکت ہوئے اور چالیس برس حکومت کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے اور بروایت اکمال حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی عمر کل سات سو بارہ۷۱۲ برس تھی۔

تَبَیَّنَتِ الۡجِنُّ: اس کے تین معانی ہو سکتے ہیں۔ (۱) جن جو اپنے متعلق غیب دانی کا وہم رکھتے تھے حضرت سلیمانؑ کی موت کے واقعہ سے ان کو غلط فہمی کا علم ہو گیا کہ ہم علم غیب نہیں رکھتے ورنہ سال برابر اس مشقت شاقہ میں کیوں پڑے رہتے (۲) جنوں میں سے جو اکابر درؤسا تھے وہ چھوٹے اور غریب طبقہ کو یہ باور کراتے تھے کہ ہم غیب کا علم رکھتے ہیں پس حضرت سلیمانؑ کی موت کی خبر کے بعد جنوں کے غریب طبقہ کو علم ہو گیا کہ قوم جن اگر غیب دان ہوتی تو اتنے عرصہ تک غلط فہمی کا شکار نہ ہوتی (۳) اس کا فاعل انسان ہیں جو پہلے یہ سمجھتے تھے کہ جنوں کو غیب کا علم ہوتا ہے اب حضرت سلیمانؑ کی موت کے بعد ان پر یہ راز کھلا کہ یہ علم غیب جانتے ہوتے تو اتنے عرصہ تک مشقت شدیدہ میں نہ پڑے رہتے اس صورت میں اَنۡ لَّوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ بدل اشتمال ہے اَلۡجِنُّ سے جس طرح سُلِبَ زَیۡدٌ ثَوۡبُهٗ: یعنی جب حضرت سلیمانؑ کی لاش گری تو واضح ہو گئی جنوں کے متعلق یہ بات کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو تکلیف میں نہ پڑے رہتے اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کی قرأت اس طرح منقول ہے فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الۡاِنۡسُ اَنَّ الۡجِنَّ لَوۡ کَانُوۡا الخ

قوم سبا کا واقعہ

سبا ابن یشجب بن یعرب بن قحطان کے دس بیٹے تھے۔ الخ

لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِیۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّشِمَالٍ ۬ؕ كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ

تحقیق تھی قوم سبا کے لئے انکی رہائش گاہ میں نشانی (توحید کی) دو باغ دائیں اور بائیں کہ کھاؤ اپنے پروردگار کے رزق سے اور

وَاشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۱۶﴾ فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ

اس کا شکر بجا لاؤ شہر پاکیزہ ہے اور رب بخشنے والا ہے پس انہوں نے منہ موڑا تو ہم نے بھیجا ان پر سیلاب عرم کا

یمن سے چھ یمن میں آباد ہوئے اور چار شام میں۔ یمنیوں کے نام یہ ہیں (۱) ازد (۲) کندہ (۳) مذحج (۴) اشعرون (۵) انمار (۶) حمیر اور انمار کی دو شاخیں ہیں خثعم اور بجیلہ اور شام میں آباد ہونے والوں کے نام یہ ہیں (۱) عاملہ (۲) خدام (۳) لخم (۴) غسان۔ آیت مجیدہ میں سبا سے مراد اولاد سبا ہے جو یمن میں آباد تھی ان کی سکونت صنعاء سے تین دن کے سفر کے فاصلہ پر تھی اور اس جگہ کا نام مارب تھا۔ "اٰیۃ" یعنی قوم سبا پر اللہ کا بڑا احسان تھا جہاں وہ آباد تھے ان کے دائیں بائیں میوہ جات کے باغات تھے اور اس میں توحید پروردگار کی عظیم نشانی تھی اور جَنَّتَانِ بدل ہے "اٰیۃ" سے اور اس جگہ صرف دو باغ مراد نہیں بلکہ انکی آبادی کے دو طرفہ باغ مراد ہیں اور ان کی تیرہ بستیاں ایک دوسری سے متصل تھیں کہ ہر ایک بستی میں اللہ کی طرف سے ان کو ہدایت پر مامور ایک ایک نبی بھی موجود تھا۔ باغات و میوہ جات کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی عورت ایک بستی سے دوسری بستی تک ٹوکری سر پہ رکھ کر سفر کرتی تو پکے پھلوں کے گرنے کی وجہ سے منزل مقصود تک پہنچتے پہنچتے اس کی ٹوکری میوہ جات سے پُر ہو جاتی تھی اور اپنے ہاتھ سے میوہ توڑنے کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اور مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اُن لوگوں پر اللہ کا یہ فضل و کرم بھی تھا کہ اُن کی آبادیوں میں مچھر پسو مکھی بچھو اور سانپ وغیرہ موذی حشرات الارض کا نام و نشان تک نہ تھا حتیٰ کہ اگر کوئی مسافر ان کے ہاں وارد ہوتا جس کے جسم یا لباس میں مچھر وغیرہ ہوتے تو اس آب و ہوا کی وجہ سے وہ مچھر پسو وغیرہ مر جاتے ان کے باغات میں مختلف اقسام کے لذیذ ترین میوہ جات کے درخت تھے۔ ان کو خدا کی طرف سے پیغام دیا گیا کہ اپنے پروردگار کا عطا کردہ رزق کھاؤ اور اس کا شکر بجا لاؤ "بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ" یعنی ہر شہر کے نبی نے شہر والوں سے یہ کہا کہ تمہاری رہائش گاہ بھی پاکیزہ ہے اور پروردگار بھی مہربان ہے لہذا کھاؤ پیو اور اس کا شکر بجا لاؤ۔ بلدہ طیبہ سے مراد سرسبز و شاداب جس کی زمین زرخیز و شیریں ہو موذی جانوروں سے محفوظ ہو مٹی صحت افزا پانی لذیذ و عمدہ آب و ہوا نہایت خوشگوار

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ

اور ہم نے ان کو ان کے باغوں کے بدلے میں دیئے دو باغ پھلدار "پیلو" "کیکر" اور کچھ تھوڑی سی بیری

قَلِيْلٍ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلْنَا

یہ ہم نے ان کو جزا دی بوجہ کفر کے اور ہم ایسی جزا نہیں دیتے مگر کافروں کو اور کر دیا ہم نے انکے

بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ سِيْرُوْا

اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی ہے متصل بستیاں اور ہم نے ایسا اندازہ کیا ان میں (فاصلہ) سفر رکھا کہ

فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا

ان میں سفر کرو رات اور دن با امن پس انہوں نے کہا اے ہمارا رب دور کر (فاصلہ) ہمارے سفروں کے درمیان

اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اور انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا پس کر دیا ہم نے ان کو ضرب المثل اور ہم نے انکو ایک دوسرے سے پوری طرح جدا

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۲۰﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا

کر دیا تحقیق ان میں نشانیاں ہیں صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے اور تحقیق سچا پایا ان پر ابلیس نے اپنے گمان کو پس انہوں نے اسکی پیروی کی سوائے تھوڑے

نہ گرمی تکلیف دہ اور نہ سردی جان لیوا گویا یہ لوگ ہر طرح سے پُرامن و پُرسکون تھے۔

فَاَعْرَضُوْا :- ان لوگوں نے نعمات کی بہتات سے غلط رویہ اختیار کر لیا، شکر کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت پر اتر آئے اور کثرتِ دولت و مال سے وہ متکبر و سرکش ہوگئے، پس انبیاء کی دعوتِ حق کو ٹھکرا کر زوالِ نعمت کے مستحق ہوگئے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ کہتے ہیں کہ قوم سبا کی آبادیوں میں پانی علاقہ یمن کی وادیوں سے آیا کرتا تھا اور بارشی پانی ہر طرف سے بہہ کر وہاں اکٹھا ہوتا تھا وہاں دو پہاڑ تھے جن کے درمیان سے پانی گزر کر ان کی سیرابی کرتا تھا پس ان لوگوں نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک محکم و مضبوط بند تعمیر کیا ہوا تھا کہ کثرتِ باراں سے پانی طوفانی شکل نہ اختیار کرلے بلکہ زائد از ضرورت پانی بند کی وجہ سے ایک جھیل کی شکل میں محفوظ رہے۔ تاکہ لوگ حسبِ ضرورت اُس بند سے ایک مناسب شگاف کے ذریعے اپنی کھیتوں اور باغات کی سیرابی کر لیا کریں، جب ان لوگوں کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور انبیاء کی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو خدا نے وہی جمع شدہ پانی بطورِ عذاب بنا کر ان کی طرف بھیج دیا۔

سَيْلَ الْعَرِمِ :- عَرِم کے معانی میں چند اقوال ہے (۱) عرم اس وادی کا نام تھا جس میں ہر طرف سے بارشی پانی جمع ہو جاتا تھا۔ (۲) عرم اس چوہے کا نام ہے جس نے اس بند میں سوراخ کیا تھا کہ پانی کے بہاؤ نے اس کو وسعت دی اور قوم سبا پر طوفانی عذاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا (۳) عرم کا معنی سخت بارش یعنی ان کو بے شکری کی سزا دینے کے لئے اللہ نے بارش کثرت سے نازل کی پس پانی اس بند کے اندر اس قدر جمع ہوا کہ اس کے دباؤ کے سامنے وہ مضبوط بند نہ ٹھہر سکا پس عذاب کا سیلاب بن کر اس نے قوم سبا کی آبادیوں کو ویرانوں میں اور عمدہ پھلدار باغات کو بیریوں کیکروں اور خاردار جھاڑیوں کے جنگلات میں تبدیل کر دیا (۴) تفسیر مقتنیات الدرر میں ابن الاعرابی کا قول ہے کہ عرم اس سیلاب کو کہا جاتا ہے جس پر قابو نہ پایا جا سکے بہر کیف وہ بند جو پانی کی روک تھام کیلئے تعمیر کیا گیا تھا وہ تاریخ عرب میں سدِّ مارب کے نام سے موسوم ہے اور قوم سبا پر آنے والا طوفان سیل عرم کہلاتا ہے۔

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے اُن کے لشکر نے وہ بند تعمیر کیا تھا پس پانی ایک بہت بڑی جھیل میں جمع ہو جاتا تھا اور وہ بند چُونے اور پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا اور اس بند سے پانی نکالنے کے راستے رکھے گئے تھے جو حسبِ ضرورت ان کے باغات اور کھیتوں کے سیراب کرنے میں مدد دیتے تھے اور دو باغوں سے مراد دو طرفہ باغات ہیں یعنی جب چلنے والا ایک شہر سے دوسرے شہر کو جاتا تھا تو میلوں تک اس کے دونو طرف باغات ہوتے تھے، اور دس روز کی مسافت تک یہی سلسلہ تھا کہ متواتر سفر کرنے والا موسم گرما میں دھوپ کی تکلیف نہ دیکھتا تھا پس جب ان لوگوں نے بدکاریاں شروع کیں اور خدائی احکام کے سامنے سرکشی کا مظاہرہ کیا اور نیک لوگوں کے منع کرنے پر بھی وہ باز نہ آئے تو اللہ نے اس بند کو کمزور کرنے کے لئے چوہے بھیج دیئے کہ اُنہوں نے جگہ جگہ سے بند میں سوراخ کر دیئے حتیٰ کہ بڑی بڑی چٹانوں کے نیچے سے اُنہوں نے مٹی ہٹا کر کھوکھلا کر دیا اور وہ گرنا شروع ہوگئیں بعض لوگ اس صورتِ حال سے خوفزدہ ہو کر گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے آخرکار جب بند ٹوٹا اور پانی سیلاب بن کر آیا تو نہ کوئی گھر اس کی زد سے بچ سکا اور نہ کوئی درخت محفوظ رہا جب پانی

خشک ہوا تو تمام آبادیاں اُجاڑ اور چٹیل میدانوں میں تبدیل ہو چکی تھیں اور سابق میوہ دار درختوں کی جگہ پیلو کیکر بیری اور دوسرے خاردار درختوں نے لے لی تھی اور دو طرفہ باغات کی جگہ دو طرفہ طویل وعریض گھنے جنگلات نے لے لی تھی جن میں بیر پیلو اور کیکر کی پھلیوں کے علاوہ اور کوئی پھل نہ تھا۔

ذَوَاتَیْ اُکُلٍ یعنی یہ جنگلوں کے باغات (جو پھلوں کے باغات کے بدلہ میں پیدا ہوئے) پھلدار تھے اور اُکل کا ہر درخت کے پھل پر اطلاق ہو سکتا ہے اور خمط کا معنی پیلو بھی کیا گیا ہے اور اثل کا معنی خاردار جھاڑی بھی کیا گیا ہے اور اثل کا معنی کیکر یا دوسرا کوئی خاردار درخت کیا گیا ہے۔ پس زیادہ تر نئے پیدا ہونے والے درخت ان دو قسموں میں سے تھے اور کہیں کہیں بیری کے درخت بھی تھے۔

عمرو بن عامر جس کی ماں کا نام ماء السماء مشہور ہے کو اس زمانہ کی کاہنہ طریفہ نے پیغام بھیجا کہ میرے علم کہانت نے مجھے خبر دی ہے کہ سد مارب میں شگاف پڑنے والا ہے پس عنقریب سیل عرم کے ذریعے تمام آبادیاں باغات اور اموال تباہ ہو جائیں گے چنانچہ اس شخص نے اپنی املاک کو فوری طور پر فروخت کر دیا اور وہاں سے کوچ کر کے مکہ میں آکر آباد ہو گیا اور اس کا قبیلہ بھی اس کے ہمراہ مکہ میں اور اس کے گرد و نواح میں قیام پذیر ہوا اس جگہ پہنچے پر ان کو بخار کی شکایت ہوئی حالانکہ اس سے پہلے ان کو یہ تکلیف کبھی نہ پہنچی تھی تو انہوں نے طریفہ کاہنہ کو بلوایا اور اس کے سامنے اپنی شکایت پیش کی اس نے جواب دیا کہ میں بھی اس تکلیف میں مبتلا ہوں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم میں ہیئت کے لئے جدائی واقع ہونے والی ہے انہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے تو طریفہ نے کہا کہ جو لوگ بلند ہمت اور محنت کش ہوں نیز عمدہ سواریوں اور زاد راہ کا انتظام رکھتے ہوں تو وہ عمان چلے جائیں (چنانچہ قبیلہ ازد عمان جا آباد ہوا) جو لوگ جفاکش دلیر اور مصائب و مشکلات میں صبر و استقلال کے مالک ہوں وہ بطن مر (اس کا موجودہ نام معلوم نہیں) چلے جائیں (چنانچہ قبیلہ خزاعہ وہاں جا آباد ہوا) جو لوگ پہاڑ کے دامن میں رہتے ہوئے زمانۂ قحط میں بھی شکم پری کے خواہشمند ہوں وہ یثرب (مدینہ طیبہ) چلے جائیں جہاں کھجور کی پیداوار عام ہے (اوس اور خزرج وہاں جا آباد ہوئے) جو لوگ شراب نوشی عیش کوشی اور خوش پوشی کے خواہشمند ہوں وہ علاقہ شام چلے جائیں (چنانچہ وہاں آل جفنہ بن غسان آباد ہوئی) اور آخر میں اس نے کہا کہ جو لوگ باریک لباس عمدہ گھوڑے اور رزق وافر کے خواہاں ہوں اور خون خرابے سے نہ گھبرائیں تو ان کے لئے زمین عراق موزوں ہے چنانچہ آل جذیمہ ابرش اور آل محرق وہاں جا کر آباد ہوئی۔

وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ یعنی علاقہ یمن جہاں یہ لوگ آباد تھے اور علاقہ شام و اردن جو عمدہ پانی و کثرت باغات کی وجہ سے بابرکت خطہ ہے ان دونوں علاقوں کے درمیان سینکڑوں میلوں کا راستہ غیر آباد نہیں تھا بلکہ سارے کا سارا علاقہ آباد و شاداب تھا اور یہاں سے وہاں تک متصل آبادی تھی اور ایک آبادی سے دوسری آبادی کا فاصلہ بہت کم تھا چنانچہ وہ لوگ جب بغرض تجارت شام جاتے تھے تو راستہ میں نہ چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ ان کو لاحق ہوتا اور نہ زاد راہ کو ساتھ رکھنے کی حاجت ہوتی تھی پس ایک بستی میں رات گزارتے تو دوپہر کا آرام اگلی بستی میں جا کرتے تھے اور ملک سبا سے ملک شام تک مسلسل آبادیوں کی وجہ سے ان کا سفر

نہایت پُرامن وپُرسکون ہوتا تھا اور ایک بستی سے دوسری بستی تک کا فاصلہ تقریباً برابر تھا یعنی آدھے دن کی مسافت تھی۔ اور
قَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ کی یہی تفسیر کی گئی ہے کہ ہم نے ان بستیوں میں مسافت ایک اندازے سے مقرر کی کہ ہر دو بستیوں کے درمیان کا
فاصلہ ایک جیسا تھا اور ایک بستی سے دوسری بستی کے درخت و آثار نظر آسکتے تھے پس وہ بستیاں ایک دوسری کے سامنے
ظاہر تھیں اور قُرًى ظَاهِرَةً کی یہی تفسیر بیان کی گئی ہے۔
سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ یعنی اسباب فراہم تھے اور مواقع دستیاب تھے کہ دن یا رات کو پُرامن سفر کرسکتے تھے۔
بھوک پیاس درندے چور ڈاکو اور تھکان وکوفت وغیرہ کے خطرات سے قطعی طور پر وہ محفوظ تھے۔ گویا نعمات پروردگار کی فراوانی
صرف ان کے وطن کی رہائش تک محدود نہ تھی بلکہ ان کا گھر بھی پروردگار کی جانب سے نعمت کدہ تھا۔ اور ان کا سفر بھی اللہ کی نعمتوں
اور رحمتوں سے بھرپور تھا۔ اس آیت مجیدہ کی باطنی تفسیر کے متعلق مختصر سا نوٹ مقدمہ تفسیر انوار النجف صفحہ ۸۹ پر ملاحظہ فرمایئے
فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا۔ یعنی ان لوگوں نے خدا کی عطا کردہ نعمات کی کوئی قدر نہ کی بلکہ کفران نعمت ان کا شیوہ بن گیا پس
ان متصل آبادیوں اور پُرامن سفر کے بجائے انہوں نے آبادیوں کا دُور دُور ہونا اور سفروں کا لمبا اور با مشقت ہونا پسند کیا۔ یہ
بعینہ اسی طرح ہے جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ کی مفت و بے مشقت حاصل ہونے والی غذا سے منہ موڑتے ہوئے اپنے لئے دالیں
پیاز اور زمینی سبزیوں کے لئے خواہش کی تھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حال کی ترجمانی ہو یعنی ان لوگوں کی حالت کفر و بے شکری اور خدا
کی نافرمانی نے زوال نعمت کو دعوت دی فَقَالُوا کا معنی یہ ہوگا کہ ان کے بداعمالیوں اور سرکشیوں نے زوال نعمت کی خواہش کی
اور اللہ سے مطالبہ کیا کہ درمیانی آبادیاں ہٹا دی جائیں اور سفر لمبے اور با مشقت کر دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (۱۹) پس ملک سبا
سے ملک شام تک کی تمام آبادیاں ویرانوں سے بدل گئیں اور درمیان میں لمبے چوڑے جنگلات اور دشوار گذار وادیاں حائل ہو
گئیں اور ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ کا فقرہ بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے کہ ان کی بداعمالیاں اور بدکرداریاں ہی زوال نعمت کی موجب نہیں
اور گویا ان کے اعمال ناشائستہ اور ناسپاس گذاری نے ہی زوال نعمت کو دعوت دی۔
فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ۔ یعنی ناشکر گذاری اور نافرمانی کی وجہ سے ہم نے ان کی نعمات ان سے سلب کرلیں اور ان کی آبادیوں
کو ویرانوں سے اور ان کے باغات کو خاردار جھاڑیوں سے بدل دیا اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا اور اس طرح
جدائی ان کے درمیان ڈالی کہ آپس میں مل بیٹھنے کی توقعات ہی ختم ہو گئیں چنانچہ غسان شام کی طرف انمار یثرب کی جانب جذام تہامہ
اور ازد عمان میں اور آل خزیمہ ارض عراق کی طرف منتقل ہو گئے اور ایسے متفرق ہوئے کہ بعد والوں کے لئے
ان کے تذکرے صرف باتیں ہی باتیں ہیں جو سننے والوں کے لئے باعث عبرت ونصیحت ہیں۔ چنانچہ عرب میں یہ زبان زد عوام ہو گئی
یہ ضرب المثل۔ تَفَرَّقُوا أَيَادِي سَبَا۔ یعنی فلاں قوم اس طرح آپس میں جدا ہوئی جس طرح قوم سبا کی جماعت ان سے جدا ہوئی تھیں
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ۔ یعنی قوم سبا کی نعمات کے زوال میں ہر صبار وشکور آدمی کے لئے نصیحت وعبرت کی نشانیاں ہیں۔ یعنی ان کے
واقعات بعد والوں کے لئے تازیانہ عبرت اور مہمیز نصیحت ہیں۔ اس مقام پر صبار کا معنی کیا گیا ہے گناہوں سے اپنے نفس کو

یعنی اسے رد کرنے والا اور اس پر ثابت قدم رہنے والا اور شکر کا حق ہے اطاعت و فرمان برداری کے ذریعے سے نعمات خداوندی کا شکر ادا کرنے والا ہے

وَلَقَدْ صَدَّقَ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے سجدہ سے انکار کے بعد جب شیطان نے اپنی غلطی پر پشیمان ہونے کے بجائے اُسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی تو خدا نے اُسے رجیم کا خطاب دے کر بارگاہِ عزت و جلال سے نکال ہونے کا حکم دے دیا پس اس کے دل میں حسد و کدورت کی آگ روشن ہوئی اور انسان دشمنی کو اس نے اپنا نصب العین قرار دے دیا پس اللہ کے سامنے جرأت و جسارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بدباطنی کا یوں اظہار کیا لَاُغْوِیَنَّھُمْ وَلَاُضِلَّنَّھُمْ میں اولادِ آدم کو راہِ حق سے بھٹکاؤں گا اور ان کو ضرور گمراہ کروں گا۔ اور اُس کا یہ اعلان کسی علم کی بنا پر نہ تھا بلکہ ظنی نظریہ کو اس نے حتمی رنگ میں پیش کیا تھا۔ لیکن جب اولادِ آدم نے اُس کی اتباع شروع کی تو انہوں نے شیطان کے ظنی فیصلہ کی تصدیق کر دی۔ چنانچہ شیطانی ظن کی تصدیق کرنے والوں میں قوم سبا بھی تھی۔ اور جو قوم یا شخص انبیا کی تبلیغ کو ٹھکرا کر دینی تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے نعمات خدا وندی کا مقابلہ کفران سے کرے وہ شیطان کے ظن اور اس کی پیشین گوئی کی تصدیق کرنے والوں سے ہے چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ روز غدیر جب حضرت رسالتمآبؐ نے علیؑ کا بازو پکڑا اور بلند کر کے مَنْ کُنْتُ الخ کا اعلان کیا تو ابلیس کی فوج ایک جگہ جمع ہوئی اور ابلیس نے ان کو اپنی شیطانی چالوں اور گمراہ کن پالیسیوں کے ناکام ہونے کے خطرے سے آگاہ کیا کہ اگر پیغمبر کی یہ وصیت کامیاب ہو گئی تو ہم یقیناً ناکامی کا منہ دیکھیں گے لیکن جب منافقوں نے باہمی سرگوشیوں میں اپنی بدباطنیوں کا اظہار کیا کسی نے کہا پیغمبر کا یہ اعلان خواہش ذاتی کے سوا کچھ نہیں اور کسی نے کہا یہ دیوانہ ہے تو ابلیس کی ڈھارس بندھ گئی اور کہنے لگا اب مجھے تسلی ہے کہ ہمارا مشن کامیاب ہوگا اور پیغمبر کی وصیت پر عمل کرنے والے کم ہوں گے چنانچہ جب وفات پیغمبر کے بعد لوگوں نے علیؑ سے مکمل طور پر منہ موڑ لیا تو ابلیس نے پھر ایک خوشی کی تقریب مناتے ہوئے عالیشان منبر پر بیٹھ کر اپنے مریدوں کے اجتماع عظیم سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہمارا مشن کامیاب ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْھِمْ اِبْلِیْسُ الخ

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ

مومنوں کے — اور اس کو ان پر کوئی غلبہ حاصل نہ تھا ہوا اس لئے تاکہ ہم الگ کر لیں ان کو جو آخرت

بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۲﴾ ع ۸

پر ایمان رکھتے ہیں اُن سے جو اس کے متعلق شک میں ہیں اور تیرا پروردگار ہر شے کا محافظ ہے

وَمَا كَانَ یعنی ابلیس کو انسانوں پر کوئی غلبہ یا طاقت نہیں دی گئی بلکہ انسان اپنی مرضی سے ہی اس کی پیروی پر کمربستہ ہو گئے اور اللہ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے کھلی چھٹی اس لئے دے رکھی ہے تاکہ مومن اور غیر مومن کی تمیز ہو جائے۔ پس جو جنت میں جائے گا تو ایمان و عمل کی بدولت استحقاق پیدا کر کے اور جو جہنم میں جائے گا وہ بھی اپنے اختیار و عمل سے

اس کی سزا کا مستحق ہو۔ لنعلم کا یہ معنی نہیں کہ شیطان کی گمراہی پر ہی اللہ کا علم موقوف ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کو تو پہلے سے پتہ ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمام مخلوق کے سامنے اس کا جنت یا دوزخ کے لئے استحقاق واضح ہو جائے جس طرح قبلہ کی تحویل کے حکم کی علت بھی یہی بیان فرمائی کہ ہم نے خواہش نفس پر چلنے والوں اور پیغمبر کی اطاعت کرنے والوں کو الگ الگ کرنے کے لئے تحویل قبلہ کا حکم دیا۔

رکوع ۹ قل ادعوا مشرکین سے خطاب ہے کہ جن کو تم نے اللہ کے علاوہ حاجت روا اور لائق پرستش تجویز کر رکھا ہے بوقت مشکل ذرا ان کو بلاؤ تو سہی اور پھر دیکھو کہ وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں پس تم کو اس طرح پتہ چل جائے گا کہ آسمانوں اور زمین میں وہ ایک ذرہ کے برابر بھی ملکیت اور حق تصرف نہیں رکھتے اور نہ پوری کائنات میں اللہ کے ساتھ ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ وہ اس سارے نظام عالم کی تخلیق و تدبیر میں اللہ کے مددگار ہیں۔

لا تنفع یعنی بروز محشر کسی کی کوئی سفارش نفع مند نہ ہوگی سوائے ان کے جو اللہ کی طرف سے ماذون ہوں گے تفسیر برہان میں متعدد احادیث شفاعت کے متعلق وارد ہیں کہ حضرت رسالتمآب باذن پروردگار

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ

کہدو کہ اللہ کے سوا بلاؤ ان کو جن کے متعلق تمہارا گمان ہے (کہ کچھ کر سکتے ہیں) وہ تو آسمانوں اور زمین کے اندر ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں

وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٣﴾ وَلَا

ہیں اور نہ اُن کا ان میں کچھ حصہ ہے اور نہ اس کا ان میں سے کوئی معاون ہے اور اس کے سامنے

تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ

سفارش بھی کسی کی نفع مند نہ ہوگی مگر وہ جس کو وہ اذن دے یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور کی جائیگی ان کے دلوں سے تو فرشتے ان کو

رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٤﴾ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاوَاتِ

کہیں گے کہ تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ (تو مشرک) جواب دیں گے کہ حق (یعنی اللہ نے حق کہا ہے) اور وہ بلند و بزرگ ہے۔ کہدو کہ کون ہے

وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٥﴾ قُل لَّا

جو تمکو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے کہدو کہ اللہ (رزق دیتا ہے)، اور ہم یا تم میں سے ہر ایک فریق ہدایت پر یا کھلی ہوئی گمراہی میں ہے

تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٦﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا

کہدو کہ تم سے سوال نہ کیا جائیگا اسکا جو ہم غلطی کریں گے اور نہ ہم سے پوچھا جائیگا جو کچھ تم کرتے ہو کہدو جمع کرے گا ہم سب کو ہمارا رب

ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿٢٧﴾ قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ

پھر فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق کا اور وہ فیصلہ کرنے والا دانا ہے کہدو مجھے دکھاؤ وہ جن کو تم نے اللہ کے ساتھ

أَلْحَقْتُم بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٨﴾ وَمَا

ملا دیا ہے بحیثیت شریک کے ہرگز اس کا کوئی شریک نہیں ہے بلکہ وہ اللہ غالب حکمت والا ہے اور نہیں

اپنی امت کی شفاعت کریں گے اور حضرت علیؑ سے حضرت مہدیؑ تک تمام آئمہ اپنے شیعوں کی شفاعت کریں گے۔ اسی طرح باقی انبیاء کو بھی حق شفاعت حاصل ہوگا اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک ایک مومن بھی ربیعہ و مضر کے قبائل کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔

اِذَا فُزِّعَ: تفزیع سے ہے جس کا معنی ہے گھبراہٹ کا دور کرنا یعنی جب دربار خداوندی میں حاضری کے وقت خطاب پروردگار کو سننے کے لئے ان سے گھبراہٹ کو دور کیا جائے گا اور وہ بات سننے اور سمجھنے کے قابل ہوں گے تو فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ اللہ نے تمہیں کیا کہا ہے تو وہ بہوش و حواس جواب دیں گے کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے واقعی ہمارا اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا حاجت روا اور لائق عبادت ماننا بالکل ناجائز اور غلط تھا۔

اِنَّا اَوْ اِیَّاکُمْ: یہ طرز کلام جاذبیت کے لئے ہے اور دعوت فکر کا بہترین طریق کار ہے۔ کیونکہ جب یہ کہا جائے تم اور ہم میں سے ایک گروہ غلطی پر ہے اور دوسرا صحیح ہے تو دلائل و براہین میں غور کرنے کے بعد فریق غلط کو قبول حق کا راستہ آسانی سے مل جاتا ہے بخلاف اس کے جب یہ کہا جائے کہ ہم صحیح ہیں اور تمہارا نظریہ بالکل غلط ہے تو فریق مخالف کے دلوں میں ضد پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے پس وہ سوچنے اور سمجھنے کی توفیق سے محروم ہو کر حق بات سننے اور قبول کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔

کَآفَّةً لِّلنَّاسِ: اس کی دو ترکیبیں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اَرْسَلْنَاکَ کی ضمیر خطاب سے حال ہے اور کَفَّ یَکُفُّ سے اسم فاعل ہے اور تاء مبالغہ کے لئے ہے یعنی ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ لوگوں کو برائیوں سے روکے اور دوسری ترکیب اس طرح ہوگی کہ عبارت میں تقدم و تاخر ہے یعنی اصل میں لِلنَّاسِ کَآفَّةً تھا یعنی ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے گویا کَآفَّةً ناس سے حال ہے اور تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابن عباس حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ مجھے پانچ چیزیں بالفضل عطا کی گئیں اور یہ بڑائی کی بات نہیں (۱) میں ہر سیاہ و سفید کی طرف مبعوث ہوا ہوں (۲) میرے لئے پوری روئے زمین جائے طہارت اور جائے سجدہ قرار دی گئی ہے (۳) میرے لئے مال غنیمت کو حلال کیا گیا ہے حالانکہ

اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۲۹

ہم نے تجھے بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ... اور

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۳۰ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ

کہتے ہیں کہ کب ہوگا وہ وعدہ جو تم کرتے ہو اگر تم سچے ہو؟ کہہ دو تمہارے لئے وعدہ

يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۴۱ ع

کا ایک دن مقرر ہے کہ نہ اس سے ایک گھنٹہ دیر کر سکو گے اور نہ اس سے سبقت کر سکو گے

مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا (۴) میری رعب سے نصرت کی گئی ہے کہ وہ ایک مہینے کی مسافت کے فاصلہ پہ میرے آگے آگے چلتا ہے یعنی جس طرف میرا رخ ہو ایک ماہ کی مسافت کے فاصلے تک لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں (۵) اور مجھے اللہ نے حق شفاعت عطا فرمایا ہے جو میں نے بروز محشر اپنی اُمت کے لئے بچا رکھا ہے۔ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ حضور کو مشرق و مغرب آسمان و زمین اور جن و انس تمام کے لئے مبعوث کیا گیا تھا اور وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا معنی بھی اسی توجیہ سے مطابقت رکھتا ہے

مِيْعَادُ يَوْمٍ یعنی اس سے مراد قیامت کی پیشی کا دن ہے اور یا موت کا معین دن مراد ہے جو نہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ اسے پیچھے ہٹایا جا سکتا ہے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ

اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے اس قرآن پر اور نہ اس پر جو اس سے پہلے ہے (توراۃ) اور اگر تم

تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِۨ الْقَوْلَ ۚ

دیکھو جب ظالم لوگ ٹھہرائے جائیں گے اپنے رب کے سامنے کہ ان کے بعض دوسرے بعض کی بات کو رد کریں گے۔

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳۱

کہیں گے وہ لوگ جو کمزور تھے ان کو جو بڑے آدمی تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوتے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى

(ان کے جواب میں) بڑے آدمی کہیں گے کمزوروں کو کیا ہم نے تم کو ہدایت قبول کرنے سے روکا تھا

بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۲ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ

جب تمہارے پاس پہنچی بلکہ تم خود مجرم تھے اور (الٹی رو ہیں) کہیں گے کمزور بڑے لوگوں سے

اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ

بلکہ تمہارے شب و روز کے فریب (ہمیں ہدایت سے روکتے تھے)، جبکہ تم ہمیں حکم دیتے تھے تاکہ ہم اللہ کا کفر کریں اور اس کے لئے

اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ

شریک بنائیں اور اپنی ندامت کو وہ چھپائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو اور ڈالیں گے ہم زنجیریں ان کی گردنوں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا

میں جو کافر تھے وہ نہیں بدلہ دیئے جائیں گے مگر اس کا جو وہ عمل کرتے تھے اور ہم نے نہیں بھیجا

رکوع ۱۰ قَالَ الَّذِيْنَ، بعض کہتے ہیں کہ ان سے مراد یہودی ہیں اور بعض کہتے ہیں ان سے مراد مشرکین ہیں، پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کافروں نے کہا کہ ہم آخر قرآن کو نہیں مانتے اور نہ قیامت کو مانتے ہیں جو اس کے سامنے ہے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کافروں نے کہا کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے اور نہ توراۃ کو مانتے ہیں جو اس سے پہلے ہے اور پیغمبر کی اوصاف کو بیان کرتی ہے کیونکہ اہل کتاب میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے مشرکین کے سامنے بیان کیا تھا کہ آپ کے اوصاف ہماری

کتابوں میں موجود ہیں اور وہ برحق پیغمبر ہیں۔ پس مشرکوں نے کہا کہ ہم نہ اس کتاب کو مانتے ہیں اور نہ اس سے پہلے کی کتابوں کو مانتے ہیں۔

اِذِ الظّٰلِمُوْنَ۔ یعنی دربار پروردگار میں دوزخی لوگ آپس میں جھگڑیں گے، غریب اور کمزور کہیں گے کہ اگر تم بڑے لوگ نہ ہوتے تو ہم مومن ہوگئے ہوتے۔ امیر لوگ ان سے کہیں گے کہ ہم نے تم کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ تم خود گمراہ تھے تو غریب لوگ جواب دیں گے کہ تمہاری شب و روز کی سازش دوڑ دھوپ اور فریب کاری نے ہمیں گمراہ کیا کہ تم ہمیں کفر کرنے پر مجبور کرتے تھے۔

اَسَرُّوا النَّدَامَةَ۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ کمزور طبقہ اپنی ندامت کو چھپائے گا تاکہ لوگوں کے سامنے شرمسار نہ ہوں اور دوسرے یہ کہ امیر طبقہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوگا، لیکن اپنی ندامت کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ اور ان کی گردنوں میں جہنم کی زنجیریں ڈال کر انہیں گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور اسی قدر ان کو سزا دی جائے گی جس قدر ان کے اعمال بد ہوں گے اور تمام اہل محشر کے سامنے ان کی رسوائی ان کے عذاب میں زیادتی کا باعث ہوگی۔

مُتْرَفُوْهَا۔ یہ جناب رسالتمآب اور جملہ مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ اہل مکہ کے صاحب ثروت لوگوں پر تعجب نہ کریں کیونکہ یہ دستور ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی آیا وہاں کے اہل ثروت اور دولت مند طبقہ نے اس کی دعوت کو ٹھکرا دیا پس ہمیشہ دین خداوندی طبقہ غربا میں مقبول رہا اور متوسط طبقہ کے لوگ اس کے ہمنوا رہے لیکن دنیاداری میں اونچا طبقہ ہر دور میں دینی پستی و گراوٹ کا شکار رہا۔

وَقَالُوْا۔ کفار مکہ نے اپنی کثرت اولاد اور کثرت اموال پر اترانا شروع کر دیا اور وہ یہ کہتے تھے کہ ہم ہی خدا کو پیارے ہیں کہ اس نے ہمیں کثرت اولاد و اموال سے سرفراز فرمایا ہے پس وہ ہم کو عذاب میں بھی مبتلا نہ کرے گا اور مسلمانوں کو طعنہ دیتے تھے کہ اگر تم اللہ کو پیارے ہوتے تو خدا تم کو محروم نہ رکھتا پس جس طرح دنیا میں ہم اللہ کو پیارے ہیں۔ اس طرح قیامت کے دن بھی اللہ ہمارے اوپر فضل کرے گا اور ہم گرفتار عذاب نہ ہوں گے۔

یَبْسُطُ الرِّزْقَ خداوند کریم نے کفار کے مقولہ کی تردید فرمائی ہے کہ رزق کا کشادہ کرنا یا تنگ کرنا اللہ کی مصلحت کے تابع ہے وہ چاہے تو کافروں کو رزق فراوانی سے دیدے اور مومنوں کو تنگی رزق میں مبتلا کرے بہرکیف

فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۵﴾

کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر اس کے امیر طبقہ نے یہی کہا کہ تم جس چیز کے ساتھ بھیجے گئے ہو ہم نہیں مانتے

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۶﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ

اور کہنے لگے کہ ہمارے مال اور اولاد زیادہ ہیں اور ہم گرفتار عذاب ہونے والے نہیں ہیں کہدو تحقیق میرا رب وسیع

یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع

کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہے اور تنگ بھی کرتا ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے

رزق کی فراوانی یا تنگی میں انسان کی آزمائش کا راز مضمر ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ رزق کی فراوانی کے بعد وہ شاکر بنتا ہے یا کفران نعمت کرتا ہے اور رزق کی تنگی کے بعد وہ صبر و ضبط سے کام لے کر پروردگار کی مشیت پر راضی رہتا ہے یا اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اس کا شکوہ کر کے کافر بنتا ہے۔ پس اللہ کا محبوب اور مقصد میں کامیاب انسان وہ ہے جو ہر دو حالات میں رضائے پروردگار کو پیش نگاہ رکھے پس فراوانی نعمات سے دھوکا کھا کر تکبر کرنے اترانے اکڑنے اور آپے سے باہر ہو کر ہر بے اعتدالی و بے راہ روی کو اپنانے سے گریز کرے بلکہ شکر پروردگار کو اپنا دستور زندگی قرار دے اسی طرح تنگی رزق و حالات حاضرہ کی ناسازگاری کے دوران میں صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور رحمت خدا سے مایوس ہو کر کفر کی وادی میں چھلانگ لگانے سے گریز کرے اسی بنا پر حدیث میں ہے کہ اگر مال دنیا میں کوئی خوبی ہوتی تو فرعون کو ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ دیا جاتا۔ بلکہ اللہ کے نزدیک دنیا کی بے قدری کی یہ دلیل ہے کہ فرعون و نمرود جیسے سرکش فراوانیٔ دولت میں رہے اور ابراہیم و موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر تنگدستی میں شکر گزار اور فریضۂ تبلیغ انجام دیتے رہے۔ آیت مجیدہ نے یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ تقسیم رزق اللہ کے اپنے ہاتھ میں ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ چاہے تو دنیا میں انبیاء و اولیاء کو فاقوں میں بسر کر کے صبر و شکر کرنے کی دعوت دے اور ان کے دشمنوں کو حکومت و سلطنت اور مال و دولت عطا کر کے ان کو بد اعتدالیوں اور سرکشیوں کی مہلت دے دے لیکن آخرت میں نعمات شکر گزاروں کے لئے اور عذاب کافروں کیلئے مخصوص ہوگا۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ

اور تمہارے مال اور اولاد تمہیں ہمارے پاس قرب کا درجہ نہیں دے سکتے مگر وہ شخص جو ایمان لائے

وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي

اور نیک عمل کرے پس ایسے لوگوں کے لئے دوگنا بدلہ ہوگا بوجہ اس کے جو انہوں نے کیا اور وہ

الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ

اپنے بالا خانوں میں پر امن ہوں گے اور جو لوگ (تخریبی) کارروائی کرتے ہیں ہماری آیات میں اپنی بھرپور کوشش کے ساتھ

فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۹﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ

ایسے لوگ عذاب میں ڈالے جانے والے ہوں گے کہدو تحقیق میرا رب وسیع کرتا ہے رزق جس کے لئے چاہے اپنے

عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ

بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے اس کے لئے (جسے چاہے) اور تم جو کچھ خرچ کرو پس وہ اسکی جگہ پُر کرے گا اور وہ بہتر

رکوع ۱۱

زُلْفٰى کا معنی قریب کرنا ہے اور تُقَرِّبُكُمْ سے مفعول مطلق ہے بِالَّتِيْ میں باء حرف جر زائد ہے اور الَّتِيْ ما کی خبر ہے چونکہ کفار نے اپنی کثرت اولاد و زیادتی اموال پر اتراتے ہوئے کہا تھا کہ یہ نعمات ہمارے مقرب بارگاہ خدا وندی ہونے کی علامتیں ہیں لہذا ہم جہنم میں بھی داخل نہ ہوں گے۔ اس جگہ ان کے دعویٰ کی تردید ہے

کہ مال و اولاد کی کثرت قربِ خداوندی کی نہ دلیل ہے اور نہ قربِ خداوندی کی موجب ہے بلکہ قربِ پروردگار اُسے حاصل ہوتا ہے جو دولت ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ بجالانے والا ہو تو ایسے لوگوں کی جزا چند در چند ہوگی اور ایک ایک کے بدلہ میں دس دس گناہ ان کو ثواب ملے گا۔ اور اس جگہ ضعف کا معنی دوگنا نہیں بلکہ مطلق زیادتی ہے

اَلْغُرُفَاتِ - جمع ہے غُرْفَۃ کی اور مکان کی اوپر والی منزل کو غرفہ کہا جاتا ہے۔

یَسْعَوْنَ - یعنی جو لوگ ہماری آیات کو غلط ثابت کرنے اور ان کو جھٹلانے کی ناپاک سازش و کوشش کرتے ہیں اور انبیاء کی تبلیغ اور لوگوں کے لئے قبولِ حق کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں وہ یقیناً اہلِ جہنم ہیں مُعَاجِزِیْنَ کا معنی رکاوٹ ڈالنے والے اور یہ حال واقع ہوا ہے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ آیت مجیدہ میں پھر تقسیم رزق کے مسئلہ کو تاکید کے لئے دھرایا گیا ہے کہ یہ اللہ کا اپنا فیصلہ ہے وہ چاہے تو کافر کا رزق بڑھا دے اور مومن کو تنگدستی میں رکھے۔ لہٰذا دنیاوی رزق کی فراوانی قربِ خداوندی کی علامت نہیں قرار دی جا سکتی اور جو لوگ پیروں مرشدوں یا انبیاء و اولیاء کو اپنے رزق کا داتا یا تقسیم کنندہ یا تقسیمِ رزق میں مؤثر سمجھتے ہیں یہ آیت ان کے لئے کھلا ہوا چیلنج ہے۔

وَمَا اَنْفَقْتُمْ یعنی جو انسان راہِ خدا میں اپنے مال کو خرچ کرتا ہے خدا اس کو اس کے بدلہ میں اور مال عطا کرتا ہے جو پہلے مال کا خلف ہوتا ہے تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے کہ خدا کی جانب سے ایک فرشتہ رات کے آخر میں ندا کرتا ہے کوئی ہے گناہوں سے توبہ کرنے والا تاکہ اس کی توبہ قبول کی جائے کوئی ہے بخشش کا طالب تاکہ اس کے گناہ بخشے جائیں اور کوئی ہے سائل جو مانگے پس اس کی حاجت روائی ہو؟ اس کے بعد فرشتہ دعا مانگتا ہے اے اللہ اپنے راستہ میں خرچ کرنے والوں کو مزید عطا فرما اور بخل کرنے والوں پر بربادئ مال کے اسباب مسلط فرما اور طلوعِ فجر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ میں بسا اوقات مال خرچ کرتا ہوں۔ لیکن خرچ کئے ہوئے مال کی جگہ پُر نہیں ہوتی۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا پس جو شخص حلال کمائے اور حلال کی کمائی سے راہِ خدا میں خرچ کرے خدا اس کے بدلہ میں اس کو ضرور عطا فرمائے گا۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسول کریم سے منقول ہے کہ ہر رات ایک منادی آواز دیتا ہے موت کے لئے اولاد پیدا کرو اور دوسرا منادی کہتا ہے خراب ہونے کے لئے مکان تعمیر کرو ایک منادی کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو مزید عطا فرما اور ایک منادی کہتا ہے کہ اے اللہ بخل کرنے والے کے مال کو تلف کر پھر ایک منادی آواز دیتا ہے کاش لوگ پیدا نہ ہوتے اور دوسرا کہتا ہے کاش! جب ان کو پیدا کیا گیا ہے تو اپنی غرض خلقت میں غور و فکر کرتے۔ بروایت جابر آپ نے فرمایا ہر نیک کام میں خرچ کرنا صدقہ ہے اور وہ مال جو انسان اپنی ناموس کے لئے خرچ کرے وہ بھی صدقہ ہے اور انسان جو مال بھی خرچ

کرے خدا اس کی جگہ کچھ کر دیتا ہے اور اس کا بدلہ خرچ کرنے والے کو ضرور دیا جاتا ہے بشرطیکہ فعل گناہ اور حرام پر خرچ نہ کیا ہو۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا فضول خرچی سے بچو اور میانہ روی اختیار کرو کبھی میانہ روی اختیار کرنے والی قوم محتاج نہیں ہوگی۔

الرّٰزِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ

رزق دینے والا ہے اور جس دن ان سب کو اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا

كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا

کرتے تھے وہ کہیں گے ہم تجھے منزہ جانتے ہیں تو ہی ہمارا ولی ہے نہ کہ وہ بلکہ وہ تو پوجتے

يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ

تھے جنوں کو اور ان کی اکثریت ان پر ایمان رکھتی ہے پس آج تم (معبودوں اور پجاریوں) میں سے کوئی

لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ

بھی ایک دوسرے کے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ جہنم کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلاتے

بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ

تھے اور جب پڑھی جائیں ان پر ہماری آیات تو کہتے ہیں بجز اس کے نہیں کہ یہ شخص

سُبْحٰنَکَ ۔ کلمہ تنزیہہ ہے یعنی فرشتے عرض کریں گے۔ اے پروردگار ہم تیری تنزیہہ کے قائل ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم تیرے شریک بن بیٹھیں اور لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیں۔ تو ہی ہمارا ولی ہے اور ہم تیرے عبادت گذار ہیں، البتہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور ان پر ان کی اکثریت کا ایمان تھا۔ فرشتوں کو یہ خطاب بعینہ اس طرح ہے جس طرح حضرت عیسیٰؑ سے خطاب ہوگا کہ کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود مانو پس وہ ان سے بیزار ہوں گے مقصد یہ ہے کہ جس طرح بروز محشر مشرکین سے باز پرس ہوگی اسی طرح جن کو انہوں نے معبود بنا رکھا تھا اتمام حجت کے طور پر ان سے بھی پوچھا جائے گا اور یہ چیز مشرکوں کے عذاب میں زیادتی کا باعث ہوگی اور اسی طرح جن لوگوں نے حضرات محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو صفاتِ خداوندی میں شریک مانا ہوگا وہ بھی میدانِ محشر میں جملہ مشرکین کی طرح رسوا ہوں گے چنانچہ معصوم نے فرمایا ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے اس طرح بری ہوں گے۔ جس طرح عیسیٰ بن مریم نصاریٰ سے بری ہوں گے۔ اور جو لوگ خالق یا رازق جیسی صفات کا اہلبیت پر اطلاق درست قرار دیتے ہیں اور خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اور اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ کے الفاظ کو اپنے مسلک کی تائید میں پیش کرتے ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ صفات کی تین قسمیں ہیں (۱) ایسی صفات جن سے اللہ بھی متصف ہے اور بندے بھی متصف ہیں اور دونوں پر ان کا اطلاق حقیقی ہے مثلاً اس بات کا علم کہ آگ گرم ہے اللہ کو بھی حقیقتاً حاصل ہے اور بندے کو بھی حقیقتاً حاصل ہے فرق اتنا ہے کہ اللہ کا علم قدیم ہے اور بندے کا علم حادث ہے اور اللہ کا علم ذاتی ہے اور بندے کا علم

اس کا عطیہ ہے ورنہ اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ علم کا دونو پر اطلاق حقیقی ہے نہ کہ مجازی (۲) ایسی صفات جن کا اطلاق اللہ پر حقیقت ہے اور بندے پر مجاز ہے جیسے خالق و رازق وغیرہ کہ اللہ ان صفات سے حقیقتاً متصف ہے اور اگر بندہ کسی چیز کو بنائے تو اس پر اس چیز کے خالق ہونے کا اطلاق مجازی ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ مٹی کی صورت بناتے تھے اور ان کو خلق سے تعبیر کرتے تھے یا جس طرح بندہ اپنے افعال و اعمال کا خود خالق ہے اسی طرح اگر کوئی کسی کو کچھ دے یا کھانا کھلائے تو رازق یا معطی کا اطلاق اس پہ مجازی ہوگا اور چونکہ بنیادی طور پہ قوتوں کا خالق اور اسباب رزق کا خالق اللہ ہے اس لئے خالق و رازق کا اطلاق اس پر حقیقت ہے پس اس مجازی اطلاق کے طور پہ اہلبیت عصمت پہ بھی اگر ان صفات کا استعمال کیا جائے تو کفر و شرک نہ ہوگا۔ لیکن اس اطلاق میں ان کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ کیونکہ ہر انسان پر ان صفات کا اس معنی میں اطلاق مجازی طور پہ جائز ہے لیکن اگر محمد و آل محمد کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ خدا نے اپنی صفت خلق و رزق ان کے سپرد کی ہے پس تمام مخلوق کے خالق و رازق یہی ہیں اور ان پر خلق و رزق کا اطلاق اس طرح حقیقت ہے جس طرح اللہ پہ ان صفات کا اطلاق حقیقت ہے تو ایسا عقیدہ کفر و شرک ہے اور معصومین علیہم السلام ایسے عقیدہ والوں سے اس طرح بری و بیزار ہوں گے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ نصاریٰ سے بیزار ہوں گے (۳) ایسی صفات جن کا اطلاق صرف اللہ پہ ہو سکتا ہے اور بندے پر ان کا اطلاق قطعاً ناجائز ہے جیسے طرح الوہیت وَمَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ یعنی آپ کی دعوت کو صرف اپنے جذبات و خواہشات کے ماتحت ٹھکرا دیتے ہیں ورنہ ان کے اپنے دعویٰ کے اثبات میں نہ کوئی کتاب ہے اور نہ ان کے پاس کوئی نبی آیا ہے جس نے ان کو کچھ بتایا ہو اور آپ کو غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے امت کی تکذیب کا سلسلہ پہلے رسولوں کے ساتھ بھی رہا ہے اور گذشتہ اُمتوں کو جسامت طاقت اور کثرت اموال و زیادتی عمر جس قدر عطا ہوئی مشرکین مکہ کو اس کا دسواں حصہ بھی نصیب نہیں ہوا اور جب ان لوگوں نے انبیاء کی تکذیب کی تھی ان کا حشر کیا ہوا؟ وہ ان سب کے سامنے ہے کہ صفحہ ہستی سے ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ چنانچہ قوم سبا کا واقعہ ابھی ابھی بیان کیا جا چکا ہے

یُرِیۡدُ اَنۡ یَّصُدَّکُمۡ عَمَّا کَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُکُمۡ ۚ وَ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡكٌ

تمہیں روکنا چاہتا ہے اس سے جس کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے اور کہنے لگے یہ نہیں مگر جھوٹ

مُّفۡتَرًی ؕ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿٤٣﴾

افترا کیا ہوا اور کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے حق کے متعلق جب ان کے پاس آیا یہ نہیں مگر واضح جادو

وَ مَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ کُتُبٍ یَّدۡرُسُوۡنَهَا وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِیۡرٍ ﴿٤٤﴾

اور نہیں دی ہم نے انکو کوئی کتاب کہ پڑھتے ہوں اس کو اور نہیں بھیجا ہم نے ان کی طرف تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا

وَ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۙ وَ مَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ مَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ فَکَذَّبُوۡا رُسُلِیۡ ۟ فَکَیۡفَ

اور جھٹلایا ان لوگوں نے جو تجھ سے پہلے تھے (رسولوں کو) اور یہ لوگ نہیں پہنچے اس کے دسویں حصے کو جو انکو ہم نے طاقت دی تھی پس انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا

پس ان لوگوں کو ان کے واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور آپ کو بلند حوصلگی سے سلسلہ تبلیغ کو جاری رکھنا چاہیئے

رکوع ۱۲ قُلْ اِنَّمَا اَعِظُكُمْ۔ یعنی ان سے کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک کی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اللہ کی توحید کے عقیدہ میں ثابت قدم ہو جاؤ پھر ایک ایک ہو کر یا دو دو مل کر آپس میں بحث و فکر کرو کہ کیا محمد مصطفیٰؐ کی کوئی بات خلاف عقل ہے یا ان کا کوئی اقدام قابل نفرت و مذمت ہے یا ان کے کسی قول سے دیوانگی کا مظاہرہ ہوتا ہے؟ تو تم کو صاف معلوم ہوگا کہ ایسا نہیں ہے اور ان کی ہدایات دیوانگی نہیں بلکہ قرین عقل ہیں اور ان کا دین حق اور واجب القبول ہے اور وہ آنے والے سخت عذاب سے تم کو ڈراتا ہے پس آیت مجیدہ میں توحید و نبوت و قیامت تینوں اصول بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اور واحدۃٍ اس لئے کہا گیا کہ تمام

كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ

تھا تو کس طرح گرفتار عذاب ہوئے کہہ دو میں تم کو صرف ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لئے دو دو مل کر یا تنہا ایک ایک ہو کر ٹھہر جاؤ پھر سوچو تو تمہیں

تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾

معلوم ہوگا کہ تمہارے صاحب (رسول) پر کوئی جنون نہیں وہ تو تم کو سامنے آنے والے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہے کہہ دو

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾

جو بھی میں تم سے اجر مانگوں وہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے ہوگا میرا اجر تو اللہ پر ہی ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ

کہہ دو تحقیق میرا رب حق بھیجتا ہے تمام غیبوں کے جاننے والا ہے کہہ دو کہ حق آ گیا کہ نہ اب باطل کی آمد ہوگی اور نہ

الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ

اس کا اعادہ ہوگا کہہ دو اگر (بقول تمہارے) میں گمراہ ہوں تو اس کا وبال مجھ پر ہی ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں

اصول کی جڑ اور مرکزی نقطہ صرف عقیدۂ توحید ہی ہے لہٰذا جب یہ ایک عقیدہ درست ہو تو باقی سب کی درستی اسی کی بدولت ہو سکتی ہے۔ اور بروایت احتجاج حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا نے رفتہ رفتہ احکام شریعت بھیجے سب سے پہلے عقیدہ توحید کا اقرار لیا پھر عقیدۂ نبوت کی دعوت دی گئی جب لوگوں نے اس کو تسلیم کر لیا تو یکے بعد دیگرے نماز، روزہ، حج، جہاد اور زکوٰۃ و صدقات کے احکام نافذ کئے تو منافقوں نے کہا ابھی تیرے پروردگار کی طرف سے کوئی حکم اور بھی باقی ہے اگر ہے تو وہ بھی بیان کر دیجئے تاکہ ہمیں اطمینان کا سانس لینا نصیب ہو پس یہ آیت اتری کہ اب صرف ایک بات رہ گئی ہے اور وہ ہے ولایت۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا قائل ہو جائے اُس کو باقی تمام کا قائل ہونا پڑتا ہے پس جو علیؑ کی ولایت کا قائل ہوا وہ گویا تمام اُصول کا قائل ہوا۔

(برہان و تفسیر الصافی)

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ ۔ تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ بحکم پروردگار رسول اللہؐ نے جو اجرِ مودت طلب فرمایا تھا اُسی کے متعلق ارشاد قدرت ہے کہ میں نے جو تم سے اجر طلب کیا ہے اس کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا کہ میری اہلبیت کی اطاعت کر کے تمہیں راہِ ہدایت نصیب ہوگا اور عذاب جہنم سے بچ جاؤ گے۔ اور بروایت قمی آپ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے اپنی قوم سے اجر طلب کیا تھا کہ میرے قریبیوں سے محبت رکھنا اور ان کو اذیت نہ دینا اُسی کے متعلق ارشاد ہے کہ اس کا ثواب تم کو ہی ملے گا۔

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ ۔ یعنی جب حکومت حقہ قائم ہوگئی تو باطل اپنے ہمنواؤں کے لئے نہ کوئی دنیا میں اچھائی پیدا کر سکتا ہے اور نہ آخرت میں فائدہ پہنچا سکے گا۔ بروایت ابن مسعود جب آپؐ مکہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت دیکھے تو عصا کی نوک سے ان کو مارتے تھے اور یہی آیت پڑھتے تھے۔

فَبِمَا يُوحِيٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۚ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۱﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا

تو بوجہ اس کے جو وحی کی گئی میری طرف سے میرے ربّ نے تحقیق وہ قریب سننے والا ہے اور اگر تم دیکھو گے جب وہ گھبرائے ہوں گے

فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ

پس نہ بھاگ سکیں گے اور گرفتار کر لیے جائیں گے قریبی مکان سے اور کہیں گے ہم ایمان لائے اس پر اور کہاں میسر ہوگا ان کے لیے

التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ

پکڑنا دُور کے مکان سے حالانکہ پہلے اس کا انکار کر چکے تھے اور بے تُکی مارتے تھے غائبانہ

بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۴﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ

دور رہتے ہوئے اور رکاوٹ ڈالی جائے گی ان کے اور ان کی خواہشات کے درمیان جس طرح کیا گیا

بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۵﴾ ع۱۲

ان کی جماعتوں کے ساتھ اس سے پہلے تحقیق وہ گہرے شک میں تھے

وَلَوْ تَرٰٓى اس کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تم دیکھو تو تمہیں عجیب امر دکھائی دے گا یعنی بروز محشر کفار جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو گھبرا جائیں گے اور ان کیلئے بھاگ جانے کا کوئی امکان نہ ہوگا۔ اور اللہ ان کو گرفتار عذاب کرے گا اور اسطرح پکڑے گا جسطرح کوئی چیز نزدیک والی جگہ سے اُٹھالی جاتی ہے۔ مقصد یہ کہ کوئی بھی اللہ کی گرفت سے دُور نہیں ہے اور آیت مجیدہ کو ظہور قائمؑ کے زمانہ کے بعض حوادث کی پیش گوئی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مکان قریب سے گرفتار ہونے والا سفیانی لشکر ہے جو تاراجیٔ مدینہ کے بعد مکہ کی طرف روانہ ہوگا اور مقام بیداء پر پہنچے گا تو بحکم پروردگار زمین ان کو قدموں کے نیچے سے پکڑ لے گی اور وہ زمین میں دھنس جائیں گے بہر کیف قیامت کی گرفت مراد ہو یا لشکر سفیانی کا معذب ہونا مراد ہو جب یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہم ایمان لائے ہیں لیکن اب انکو کوئی فائدہ نہ ہوگا جسطرح کسی شئی کو دور سے بیٹھ کر پکڑنا غیر مفید ہوتا ہے گویا ڈر سے ایمان لانا ایسا ہے جسطرح دور سے بیٹھ کر کسی شئی کو پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھانا حالانکہ انکی حالت یہ تھی کہ ان باتوں کا انکار کرتے تھے جسطرح دور سے بیٹھ کر بلا تحقیق کوئی شخص اٹکل پچو کے طور پر غائبانہ کسی حقیقت کا انکار کرے

سُورۂ فاطر

اس کا نام الملائکہ بھی ہے۔

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کے ساتھ ۴۶ ہے۔

حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا اس کے سامنے جنت کے تین دروازے کھل جائیں گے اور جس دروازے سے چاہے گا اس کو داخل ہونے کی اجازت ہوگی اور دوسری روایت میں ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے اس کے لئے کھلے ہوں گے اور ہر دروازے سے اس کو داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی۔

خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو لکھ کر شیشی میں بند کر کے کسی کی گود میں رکھدے تو وہ باذن پروردگار اس مقام سے کھڑا نہ ہو سکے جب تک وہ شیشی اپنی گود سے الگ نہ کرے۔ اور بعض روایات میں ہے اس کو لکھ کر لکڑی میں بند کر کے کسی کی گود میں رکھے کہ اس کو خبر نہ ہو پس وہ کھڑا نہ ہو سکے گا، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے مکان سے نہ نکل سکے گا۔

بروایت مجالس شیخ معاویہ بن وہب سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص مرو کے رہنے والا حاضر تھا۔ جس کے لڑکے کو صداع کی تکلیف تھی اور اس نے امام عالی مقام سے اس کی شکایت کی تو آپ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اِنَّ اللہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ الخ آیت ۴۱ کی تلاوت کی۔

امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص آیت مذکورہ کو پڑھ کر سوئے تو اس پر اس مکان کی چھت نہیں گرے گی

رکوع ۱۳

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ. یعنی وہ آسمانوں اور زمین کے ایجاد کرنے والا ہے کہ اُس سے پہلے ان کی کوئی مثال موجود نہ تھی پس اُس نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ سے انہیں کتم عدم سے نکال کر زیور وجود سے آراستہ فرمایا۔

اَلْمَلٰٓئِكَةِ. تفسیر قمی سے منقول ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے سب ملائکہ کو ایک جیسا نہیں بنایا بلکہ ان کی اوضاع مختلف ہیں اور حضورؐ نے جبرئیل کو دیکھا تو اس کے چھ سو پر تھے اور اس کی پنڈلیوں پر موتیوں کی لڑیاں تھیں جسطرح سبزہ پر شبنم کے قطرات ہوا کرتے ہیں اور اس کی جسامت آسمانوں اور زمین کے خلاء کو پُر کرنے والی تھی اور جب میکائیل کو دنیا میں جانے کی اجازت دے گا تو اس کا ایک قدم ساتویں آسمان پر ہوگا تو دوسرا ساتویں زمین تک جا پہنچے گا۔ اور بعض فرشتے ایسے بھی ہیں جن کا نصف حصّہ برف اور نصف حصّہ آگ ہے اور وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں اے آگ اور برف میں انس پیدا کرنے والے خدا ہمیں اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھ۔ اور بعض ایسے بھی ہیں جن کے کان اور آنکھ کے درمیان کا فاصلہ تیز پرواز پرندے کی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے اور فرشتے نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں بلکہ اُن کی غذا نسیم عرش ہے جو رکوع میں ہیں وہ تا قیامت رکوع میں رہیں گے اور جو سجدہ میں ہیں قیامت تک سجدہ میں رہیں گے آپ نے فرمایا تمام مخلوقات میں سے فرشتوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہر دن ہر رات کو ستر ہزار فرشتے زمین پر نازل ہوتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں پھر زیارت پیغمبر کر کے بارگاہ شہِ ولایت میں حاضری دیتے ہیں اس کے بعد حرم حسینی میں پہنچتے ہیں اور سحر تک وہاں رہ کر واپس آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ اور پھر واپس لوٹ کر نہیں آتے۔ بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک فرشتہ مرغ کی شکل میں ہے جس کے پاؤں ساتویں زمین پر اور سر عرش کے نیچے ہے وہ رات کے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو رحمان و رحیم ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ

تمام حمد اللہ کے ہی لئے ہے جو آسمانوں اور زمین کے ایجاد کرنے والا اور فرشتوں کو اپنا ایلچی بنانے والا ہے جو دو دو

اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِى الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى

تین تین اور چار چار پر رکھنے والے ہیں زیادتی کرتا ہے اللہ اپنی صنعت میں جو چاہے تحقیق اللہ ہر شے

كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ② مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا

پر قدرت رکھنے والا ہے لوگوں کے لئے اللہ جس قسم کی رحمت کا (دروازہ) کھولدے تو اسے کوئی بند نہیں کر سکتا

وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③

اور جسے وہ بند کر دے تو کوئی کھول نہیں سکتا اس کے علاوہ اور وہ غالب حکمت والا ہے

آخری حصہ میں پروں کو جھاڑتا اور پھڑپھڑاتا ہے اور تسبیح پروردگار کرتا ہے پس سارے فرشتے تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں اور منقول ہے کہ جبریلؑ جنت کی نہر سے غسل کرکے ہر صبح کو جب پر جھاڑتا ہے تو اس سے گرنے والے ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ وضو کرنے والے انسان کے اعضاء وضو سے الگ ہونے والے ہر قطرہ سے خدا ایک ایک فرشتے کو پیدا فرماتا ہے۔

یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ:۔ یعنی فرشتوں کی قامت و جسامت میں فرق ہے بعض کو دو پر بعض کو تین پر اور بعض کو چار پر عطا ہوئے ہیں اور اللہ نے بعض کو اور زیادہ جسامت بھی عطا فرمائی ہے جیسا کہ حضور نے شب معراج جبریلؑ کو چھ لاکھ پروں کے ساتھ دیکھا (صافی) اور بعض مفسرین نے خلق کی زیادتی سے مراد حسن صوت لیا ہے اور بعضوں نے آنکھوں کی خوبصورتی مراد لی ہے اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اس سے مراد چہرہ کے بالوں کی اور آواز کی خوبی و عمدگی ہے تفسیر صافی میں اکمال سے مروی ہے کہ اللہ نے دردائیل فرشتے کو سولہ ہزار پر عطا فرمائے ہیں کہ ہر دو پروں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ

اے لوگو! اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہے کیا کوئی اللہ کے علاوہ خالق ہے جو تم کو آسمان و

مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ۳ وَإِنْ

زمین سے رزق دے سکے، کوئی الٰہ نہیں مگر وہی پس کس طرف دھکا دیئے جاتے ہو اور اگر یہ لوگ

يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۴

آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی تو جھٹلایا جا چکا ہے اور اللہ کی طرف ہی معاملات کی بازگشت ہوگی

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس تم کو نہ دھوکا میں ڈالے دنیا کی زندگی اور

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۵ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ

غرور تم کو اللہ سے نہ بھٹکا دے بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے

هَلْ مِنْ خَالِقٍ علامہ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں اس طرح بحث کا آغاز ہے کہ کیا لفظ خالق کا اطلاق اللہ کے علاوہ کسی اور پر بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کی دو صورتیں ہیں (۱) بلا اطلاق لفظ خالق خدا کے سوا کسی پر اطلاق نہیں ہو سکتا البتہ اضافت کے ساتھ غیر خدا پر بھی لفظ خالق کا اطلاق جائز ہے۔ جس طرح مثلاً حضرت عیسیٰ کی طرف مٹی سے پرندہ کا خلق کرنا منسوب ہے ہاں لفظ صانع اور فاعل کا اطلاق بغیر اضافت کے بھی غیر خدا پر جائز ہے۔ (۲) آیت مجیدہ میں غیر اللہ پر خالق کا اطلاق ممنوع ہے جو آسمان و زمین سے رزق کو خلق فرماتا ہے پس اللہ ہی وہ خلاق ہے

جو آسمان سے بارش اور زمین سے انگوریاں پیدا کر کے صفت رازق سے متصف ہے اس کے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کی وضاحت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ معنی مذکور میں غیر اللہ پر خالق رازق کا اطلاق اس کو الٰہ ماننے کے مترادف ہے پس اللہ کے علاوہ

فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۷

پس اُسے دشمن سمجھو سوائے اس کے نہیں کہ وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ دوزخ جانے کے مستحق ہو جائیں

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اور جو ایمان لائے اور نیک عمل بجا لائے ان کے لئے بخشش

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝۸ ع اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا

اور بڑا اجر ہوگا کیا وہ شخص جس کے سامنے اس کا برا عمل مزین ہو پس وہ اس

فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ

کو اچھا سمجھے (وہ ہدایت یافتہ شخص کی طرح ہو سکتا ہے؟) بے شک گمراہی میں چھوڑتا ہے جسے چاہے اور توفیق ہدایت بخشتا ہے

عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۹ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ

جسے چاہے پس نہ ہلاک ہو تیرا نفس ان پر ارمان کرتے ہوئے تحقیق اللہ جاننے والا ہے جو وہ کرتے ہیں اور اللہ وہ ہے جس نے ہوائیں

الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ

کو بھیجا کہ انہوں نے بادل کو ابھارا پس ہم نے اسے مردہ (غیر آباد) شہر کی طرف چلایا پس اس کے ذریعے سے مردہ ہو چکنے کے

بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝۱۰ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ

بعد زمین کو حیات تو بخشی اسی طرح نشور ہوگا (بروز قیامت) جو عزت چاہتا ہو تو عزت اللہ کے لئے ہے سب اسی کی طرف

جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَالَّذِيْنَ

پاکیزہ کلمات بلند ہوتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتا ہے اور جو لوگ برے کام کرتے ہیں

يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝۱۱

ان کے لئے سخت عذاب ہوگا اور ایسے لوگوں کی چالیں باطل ہو جائیں گی

اور کوئی الٰہ نہیں ہے۔ اس کے بعد تنبیہ فرمائی کہ اے انسانو اس بارے میں ہرگز دھوکا نہ کھاؤ اور کسی پر خالق و رازق کا اطلاق کر کے مشرک نہ ہو۔

اَلْغَرُوْرُ۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جگہ غرور سے مراد شیطان ہے۔

اِنَّمَا يَدْعُوْا یعنی شیطان اپنے ماننے والوں سے ایسے اعمال کراتا ہے۔ جن کی وجہ سے وہ دوزخ کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

رکوع ۱۴ اَفَمَنْ آیت مجیدہ میں خود پسندی کی مذمت ہے۔ کیونکہ بعض لوگ برا کام کرنے کے باوجود اسے اچھا سمجھنے اور اچھا کہنے پر مصر ہوتے ہیں، اور اس قسم کے لوگوں کو اپنا نفس دھوکے میں ڈالتا ہے اور وہ اس فریب خوردگی میں مبتلا ہو کر اپنے

عیبوں میں جھانکنے کی جرأت نہیں کر سکتے پس ایسے لوگوں کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ کیا اس قسم کے لوگ جن کی بداعمالیوں کو شیطان نے ان کی نظروں میں مزین کر رکھا ہے پس وہ ان کو اچھا سمجھتے ہیں اور نیک و بد میں تمیز نہیں کر پاتے وہ ان لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو نیکی و بدی میں تمیز کر کے بدی کو چھوڑ کر نیکی کو اختیار کرنے کی توفیق رکھتے ہوں ؟

فَلَا تَذْهَبْ ۔ بعضوں نے باب افعال سے لَا تُذْهِبْ پڑھا ہے اور نَفْسَكَ کو منصوب کیا ہے اور معنی یہ ہوگا کہ ایسے لوگوں کے ارمان میں تم اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔

فَسُقْنَاهُ ۔ کلام میں غائب سے متکلم کی طرف التفات ہے اور یہ فن فصاحت و بلاغت میں ادائیگی مطلب کا بہترین طریقہ ہے

النُّشُوْرُ ۔ یعنی جس طرح مردہ زمین کو ہم زندہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح تمام انسانوں کو موت کے بعد جلانے پر بھی قادر ہیں۔

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ ۔ حدیث قدسی میں اللہ فرماتا ہے میں نے پانچ چیزیں پانچ چیزوں میں رکھی ہیں لوگ دوسری پانچ چیزوں میں تلاش کرتے ہیں وہ کیسے پا سکتے ہیں: میں نے علم کو بھوک میں رکھا ہے لوگ شکم پوری میں ڈھونڈتے ہیں تو کیسے پا سکتے ہیں، میں نے راحت کو جنت میں رکھا ہے لوگ اُسے دنیا میں تلاش کرتے ہیں تو کیسے پا سکتے ہیں، میں نے تونگری کو قناعت میں رکھا ہے لوگ اُسے کثرت زر و مال میں ڈھونڈتے ہیں تو کیسے پا سکتے ہیں، میں نے عزت کو اپنے دروازہ پر رکھا ہے لوگ اُسے بادشاہوں کے دروازے پر طلب کرتے ہیں تو کیسے پا سکتے ہیں، اور میں نے اپنی رضا خواہش نفس کی مخالفت میں رکھی ہے اور لوگ اُسے خواہش نفس کی اطاعت میں تلاش کرتے ہیں پس وہ کیسے پا سکتے ہیں، جامع الاخبار سے مضمون روایت کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ ۔ کلم کلمۃ کی جمع ہے اور مذکر و مونث دونو طرح استعمال ہو سکتا ہے، بلکہ ہر وہ لفظ جس کے جمع اور واحد میں صرف تاء کا فرق ہو۔ جس طرح مہاۃ اور فلاۃ کہ جمع مہا اور فلا آتی ہے اُکو مذکر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور مؤنث بھی۔ اللہ کی طرف کلمہ طیب کے بلند ہونے کا مقصد قبولیت ہے کیونکہ بنی آدم کے نیک اعمال کو ملائکہ اوپر لے جایا کرتے ہیں۔ کلمہ طیب سے مراد تسبیح و تقدیس پروردگار کی ادائیگی کے کلمات ہیں اور ان سب سے افضل لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہے اور اسی بنا پر اس کو کلمۂ طیبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تفسیر برہان میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ کلمہ طیبہ اس طرح ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ وَخَلِیْفَتُهٗ حَقًّا۔

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ ۔ اس کے چند معانی کئے گئے ہیں (۱) عمل صالح کلم طیب کو اوپر لے جاتے ہیں (۲) عمل صالح کو کلم طیب اوپر لے جاتے ہیں پہلی صورت میں مقصد یہ ہے کہ اعمال صالحہ عقیدہ کی بلندی کی ضمانت ہیں۔ کیونکہ کلم طیب سے مراد صحیح عقیدہ

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ

اور اللہ نے تم کو پیدا کیا مٹی سے پھر نطفہ سے پھر تم کو جوڑا جوڑا بنایا اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی مادہ اور

مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ

نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کے علم میں ہے اور نہ کسی عمر رسیدہ کی عمر بڑھتی ہے اور نہ اسکی عمر کم ہوتی ہے مگر وہ کتاب میں موجود

ہے اور دوسری صورت میں مقصد یہ ہے کہ صحیح عقیدہ اعمال صالحہ کی مقبولیت اور بلندی کا موجب ہے اور اس کا تیسرا ترجمہ اس طرح بھی کیا گیا ہے کہ کلم طیبہ اللہ کی طرف بلند ہوتے ہیں یعنی بارگاہِ اجابت و قبولیت تک پہنچتے ہیں اور نیک عمل کو یعنی نیک اعمال بجا لانے والوں کو اللہ بلند مقام عطا فرماتا ہے

وَلَا يُنْقَصُ - اس کے معانی دو طرح کئے گئے ہیں (۱) جس کو زیادہ عمر دی جاتی ہے یا جس کو کم عمر نصیب ہوتی ہے سب کو اللہ جانتا ہے (۲) جس کی عمر میں زیادتی کی جاتی ہے یا جس کی عمر میں کمی کر دی جاتی ہے سب کو اللہ جانتا ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ صلہ رحمی عمر کو بڑھاتی اور قطع رحمی عمر کو کم کرتی ہے اگر کوئی شخص صلہ رحمی کرنے والا ہو اور واقع میں اس کی عمر تین برس باقی ہو تو خدا صلہ رحمی کے صلہ میں اس کی عمر میں تیس برس بڑھا دیتا ہے اور کسی کی عمر تینتیس برس ہو اور قطع رحمی کرے تو خدا اس کی عمر تیس برس کم کر کے تین برس بنا دیتا ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے شیعوں کو حکم دو کہ امام حسین علیہ السلام کی قبر کی زیارت کریں کیونکہ اس سے رزق اور عمر میں زیادتی ہوتی ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ جو امام حسینؑ کی زیارت کا تارک ہو اس کی عمر اور رزق میں کمی کی جاتی ہے

إِنَّ ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ﴿۱۱﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هٰذَا عَذْبٌ

تحقیق یہ اللہ کے لئے آسان ہے اور دو دریا برابر نہیں ایک میٹھا ٹھنڈا جس کا پینا

فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهُ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَ

خوشگوار ہو اور دوسرا تلخ نمکین اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت (مچھلی) کھاتے ہو اور نکالتے ہو زیور

تَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ

جن کو تم پہنتے ہو اور دیکھتے ہو کشتیوں کو اس میں جو پانی کو چیرنے والی ہیں تاکہ اس کا رزق حاصل کرو اور تاکہ تم

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَ

شکر کرو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے مسخر

سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ

کیا سورج اور چاند کو ہر ایک چل رہا ہے ایک مقررہ مدت تک ان اوصاف کا مالک اللہ ہے جو تمہارا رب ہے

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ﴿۱۳﴾ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا

ملک اسی کا ہے اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے علاوہ وہ تو ایک گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ہیں اگر تم ان کو پکارو تو وہ

يَسْمَعُوا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُونَ

تمہاری پکار کو سنتے بھی نہیں اور اگر سن لیں تو تمہارے لئے کچھ کرتے نہیں اور بروز محشر تمہارے مشرکانہ رویہ کا وہ انکار کریں گے

بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿۱۴﴾ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ

اور تمہیں واقف کار ہی یہ باتیں بتا سکتا ہے اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کی طرف اور اللہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس نے امام حسین کی زیارت کو ترک کیا وہ خیر کثیر سے محروم ہوا اور اس کی عمر میں سے ایک سال کم ہوا۔ آیت مجیدہ مسئلہ بدا کو ثابت کرتی ہے جس کی تفصیل تفسیر کی جلد ۵ صد ۱۹۱ اور جلد ۸ صد ۱۴۵ پر گذر چکی ہے۔

مِلْحٌ اُجَاجٌ۔ خداوند کریم نے پانی کو میٹھا اور تلخ و نمکین بنا کر مخلوق پر احسان عظیم فرمایا چنانچہ میٹھا پانی پینے کے لئے اور تلخ و نمکین پانی اس کے اندر بے شمار مرنے والی مخلوق کے تعفن کو ختم کرنے کے لئے بنایا۔ پس سمندروں کے پانی میں تلخی تعفن اور بدبو سے حفاظت کے لئے ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس میں بے شمار مرنے والی مخلوق کا تعفن پورے ربع مسکون کو ناقابل آبادی بنا دیتا۔ اور سمندر کے پانی کو مالح نہیں کہا جاتا بلکہ ملح کہا جاتا ہے

وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ۔ اس کی تفسیر جلد ۸ کے صفحہ ۲۰۴ پر ملاحظہ ہو۔

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۷﴾ وَمَا

وہی غنی لائق تعریف ہے اگر چاہے تو تمہیں ختم کردے اور نئی مخلوق کو لے آئے اور یہ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ وَاِنْ تَدْعُ

بات اللہ کے لئے مشکل نہیں اور نہیں اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بھی بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے گا

مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۗ اِنَّمَا تُنْذِرُ

کوئی بوجھل انسان کسی کو اپنے بوجھ کی طرف تو اس سے بھی کچھ نہیں اٹھایا جائے گا اگرچہ وہ اس کا قریبی ہو تم صرف

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۚ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا

ان کو ڈراتے ہو جو اپنے پروردگار سے ڈریں غائبانہ اور قائم کریں نماز کو اور جو پاکیزہ ہو گا گناہوں سے تو اس

يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

کی پاکیزگی اپنی ذات کے لئے ہی ہے اور اللہ کی طرف بازگشت ہے اور اندھے اور بینا برابر نہیں

وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿۲۱﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۲﴾ وَمَا يَسْتَوِي

نہ (کفر و شرک) کی تاریکیاں اور نور ایمان برابر ہیں نہ سایہ اور گرمی برابر ہیں اور نہ

الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ

زندہ اور مردے برابر ہیں تحقیق اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور تم نہیں سنا سکتے ان کو جو

يُوْلِجُ الَّيْلَ اس کی تفسیر جلد ۳ صد ۲۱۳ پر گذر چکی ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ۔ خداوند کریم نے اپنی نعمات کا تذکرہ کرنے کے بعد ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی ہے جو اپنے مصائب و مشکلات میں اللہ کو چھوڑ کر اس کے بندوں کو پکارتے اور روتے ہیں اور ان سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں خدا فرماتا ہے جن کو تم میرے علاوہ پکارتے ہو اولاً تو وہ تمہاری سنتے نہیں اور اگر سن بھی لیں تو وہ تمہاری مدد نہیں کرسکتے اور قیامت کے دن تمہارے اس غلط رویہ سے وہ بیزار بھی ہوں گے

رکوع ۱۵

وَلَا تَزِرُ یعنی قیامت کے دن

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب ماں باپ اپنے بیٹے کو پکار کر اُسے اپنے بوجھ کے اٹھانے کو کہیں گے تو بیٹا کہدے گا کہ میرے لئے اپنا بوجھ کافی ہے۔ شیخ ابوالحسن شعرانی نے چند فروع کا ذکر کیا ہے جو مذہب اہلبیت کے مطابق اس آیت مجیدہ سے استنباط کی جا سکتی ہے (۱) آیت مجیدہ کی روشنی میں حرامزادہ کو اپنے ماں باپ کے فعل بد کی سزا نہیں دی جائے گی (۲) میت پر رونے والے اگر ناجائز طریقہ اختیار کریں تو اس کا وبال اُنہی پر ہوگا اس کا میت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اگر بے اختیار ہو کر روئیں اور خلاف شرع کوئی حرکت نہ کریں تو اس کے حرام ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (۳) اگر کوئی شخص بعض نیک اعمال و فرائض کو معذوری کی بنا پر ترک کر کے مر جائے اور وارثوں کو اس کی وصیت کر جائے لیکن پھر وارث اس پر عمل نہ کریں تو اس کا وبال میت پر نہ ہوگا ہاں اگر وہ عمداً اور جان بوجھ کر ترک کر کے مرے گا تو اس کا وبال اُس کے اپنے سر پر ہوگا وارثوں پر نہ ہوگا۔

حِمل اور حَمل میں یہ فرق ہے کہ حَمل مصدر ہے جس کا معنی ہے اٹھانا اور حِمل کا معنی ہے بوجھ جسے اٹھایا جائے جس طرح قِشر اور قَشر میں فرق ہے یعنی قَشر کا معنی ہے چھیلنا اور قِشر کا معنی ہے چھلکا۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ۔ یعنی آپ کا انذار ان لوگوں کو مفید ہو سکتا ہے جو علیحدگی میں بھی خوف خدا اپنے اندر رکھتے ہوں، جس طرح قرآن کی ہدایت ان لوگوں کے لئے مفید ہے جو اپنے اندر تقوی رکھتے ہوں۔

وَمَنْ تَزَكّٰى یعنی جو بھی اعمال صالحہ نماز روزہ و حج وغیرہ بجالائے گا تو اس کا فائدہ اس کی اپنی ذات تک ہی محدود ہو گا۔

وَلَا النُّوْرُ۔ ان فقروں میں دوسرا لا تاکید نفی کے لئے ہے یعنی جس طرح یہ متضاد چیزیں ایک دوسرے کے برابر نہیں اسی طرح اللہ کی عبادت اور غیر اللہ کی پرستش اور ایمان و کفر برابر نہیں۔

فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

قبروں میں مدفون ہیں تم نہیں مگر صرف ڈرانے والے ہم نے تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے والا اور

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ

ڈرانے والا اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو اور اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو بے شک ان سے پہلے لوگ بھی

مِنْ قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾

جھٹلا چکے ہیں جن کے پاس ان کے رسول واضح معجزات صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ اَلَمْ تَرَ

پھر میں نے گرفتار عذاب کر لیا ان کو جو کافر ہوئے تو کس طرح ان پر میرا عذاب سخت تھا؟ کیا دیکھتے نہیں ہو

وَلَا الْحَرُوْرُ۔ حرور کا معنی گرم ہوا ہوتا ہے اور یہ سموم سے عام ہے۔ کیونکہ سموم اُس گرم ہوا کو کہتے ہیں جو دن میں چلے حرور اُس گرم ہوا کو کہا جاتا ہے جو دن رات متواتر چلتی رہے

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ آیت مجیدہ اس امر کا صاف طور پر اعلان کر رہی ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ کی جانب سے دین حق کی

تبلیغ اور اتمام حجت کے لئے کوئی نبی یا نائب نبی مامور رہا ہے۔ تفسیر صافی میں اصول کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت اس وقت تک نہیں ہوئے جب تک اپنا قائم مقام مقرر نہیں فرمایا جو ان کے بعد امت کے لئے مدبر ہو اگر کوئی شخص اس حقیقت کا انکار کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضورؐ نے آنے والی نسلوں کے لئے تبلیغ دین کا کوئی انتظام نہیں فرمایا اور اگر کہا جائے کہ آنے والی نسلوں کے لئے قرآن کافی ہے تو آپ نے فرمایا بے شک قرآن اس وقت مفید ہو سکتا ہے جب اس کے لئے تفسیر کرنے والا موجود ہو اگر کوئی یہ کہے کہ کیا حضور اکرمؐ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے تفسیر نہ کر دی تھی ؟ تو آپ نے فرمایا بے شک یہ درست ہے لیکن بعد والوں کے لئے قرآن مجید کی مکمل تفسیر اور تفصیل کا علم حضور اکرمؐ نے صرف ایک شخص کے سپرد کیا تھا جو اس کی پوری تفسیر کو جانتا تھا اور وہ علی بن ابوطالب ہے انتہا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سلسلہ وار حضرت قائم آل محمدؐ تک بارہ امام وارث علم قرآن ہیں اور خداوند کریم کی جانب سے عہدۂ امامت پر فائز ہیں۔ جن کی معرفت واطاعت ہر مکلف انسان پر واجب ولازم ہے

بِالزُّبُرِ۔ زُبُرٌ جمع ہے زبور کی۔ کتاب اور زبور میں فرق یہ ہے کہ کتابت لکھی ہوئی تحریر پر اطلاق ہوتی ہے اور زبور اُس کو کہا جاتا ہے جو پتھر یا دیوار یا کسی جسم پہ کرید کر نقش الفاظ کو ثبت کیا جائے۔ اور اسی معنوی فرق کی بنا پر دونو کو آیت مجیدہ میں جمع کیا گیا ہے اور اسی ہی بنا پر زُبُر کو جمع کے صیغے میں لایا گیا ہے کیونکہ ایسی تحریریں متعدد پتھروں پر نقش ہونی ضروری ہیں اور کتاب چونکہ خود اوراق متفرقہ کا مجموعہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کو جمع کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا

تحقیق اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پس ہم نے نکالے اس کے ذریعے پھل الگ الگ

اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ

رنگ برنگے اور پہاڑوں سے طرزیں سفید اور سرخ جداگانہ شکلوں میں اور خالص

سُوْدٌ ۲۸ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ

سیاہ اور لوگوں میں سے اور زمین پر رینگنے والے جانوروں اور چوپاؤں میں سے الگ الگ رنگوں میں اسی

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۲۹ اِنَّ الَّذِيْنَ

طرح بجز اس کے نہیں کہ ڈرتے ہیں اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء تحقیق اللہ غالب بخشنے والا ہے تحقیق جو لوگ

يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ

پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب کو اور قائم کریں نماز اور خرچ کریں اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا چھپ کر اور ظاہر

عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۳۰ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ

وہ امید رکھتے ہیں ایسی تجارت کی جو نقصان دہ نہ ہوگی تاکہ ان کو پوری دے ان کی اجرت اور زیادہ بھی دے اپنے

رکوع ۱۶ اَنْزَلَ غائب کا صیغہ ہے اور اس کے بعد اَخْرَجْنَا متکلم کا صیغہ ہے

غائب سے متکلم کی طرف عدول صنعت التفات ہے جس کو علم معانی بیان میں ممدوح قرار دیا گیا ہے۔

بیانِ توحید اور صفت علماء

خداوند کریم نے اپنی صفت کاملہ اور قدرت تامہ کی مثالیں بیان فرمائی ہیں کہ زمین پر آسمان سے برسنے والی بارانِ رحمت کی بدولت ہم نے رنگ برنگے میوہ جات پیدا کئے جن کے رنگ حجم ذائقہ اور لذت میں نمایاں فرق ہے کہ انسان کے لئے اپنی طویل زندگی میں ان سب کو کھا سکنا تو درکنار شمار بھی ممکن نہیں۔ پھر پہاڑوں میں سفید و سرخ دھاریاں اور گوناگوں شکلیں موجود ہیں اور بعض بالکل سیاہ ہیں جن میں کوئی دوسرا رنگ نہیں ہے یہ سب انسانوں کے لئے دعوتِ فکر اپنے اندر رکھتے ہیں جُدَد جمع ہے جدید کی جس کا معنی طرائق و خطوط ہیں اور جادہ یعنی راستہ اسی سے ہے۔ اور غرابیب غربیب کی جمع ہے جس کا معنی ہے سیاہ اور اس کی اضافت سُود کی طرف تاکید کے لئے ہے۔ یعنی سخت سیاہ اور صرف زمین سے اُگنے والی سبزیاں و میوہ جات اور پہاڑوں تک محدود نہیں بلکہ انسان چوپائے اور زمین پر چلنے اور رینگنے والے تمام جانور شکل وضع قطع حجم قامت وجسامت اور اوصاف میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

كَذٰلِكَ یعنی اللہ کی مخلوقات میں نظر غائر سے مطالعہ کرنے والے اسی طرح تمام کائنات میں غور و فکر کریں تو انہیں قدرت پروردگار اور اس کی عظیم صنعت کی معرفت حاصل ہو سکے گی اور پھر اللہ کی مخالفت پر جرأت نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ اللہ کے بندوں میں سے اللہ کا خوف صرف انہی لوگوں کے دلوں میں ہوتا ہے جو علم و معرفت اپنے اندر رکھتے ہوں اور اگلی آیت میں علما کی صفات بیان کی ہیں۔ کہ وہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرنے والے نماز کو اپنے اوقات میں ادا کرنے والے اور ہمارے عطا کردہ رزق سے خرچ کرنے والے ہوتے ہیں پس ایسے لوگوں کو خدا ان کے اعمال کا اجر بھی دے گا اور اپنے فضل و کرم کی مزید بارش بھی ان پر کریگا

عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ۔ پہلی صفت دشمنوں کے لئے اور دوسری دوستوں کے لئے ہے یعنی وہ نافرمانی کرنیوالوں کی گرفت پر قادر و غالب ہے اور دوستوں کی لغزشوں کو اپنی رحمت سے بخشنے والا ہے

غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ۔ یہاں دو صفتیں اس لئے ہیں کہ دوستوں کیلئے صرف یہ نہیں کہ خدا ان کی لغزشیں معاف کرے گا بلکہ ان کی نیکیوں کی جزا کو بھی چند در چند بڑھا دے گا۔

اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا

تحقیق وہ بخشنے والا شکر کی جزا دینے والا ہے اور جو ہم نے تجھ پر کتاب وحی کی وہ حق ہے تصدیق کرنے والی ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۲﴾ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ

اسکی جو اس سے پہلے ہے تحقیق اللہ اپنے بندوں پر دانا بینا ہے پھر ہم نے وارث کیا کتاب کا ان

اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ

کو جنہیں چن لیا اپنے بندوں میں سے کیونکہ ان میں سے کچھ اپنے نفسوں کے ظالم ہوتے ہیں۔ کچھ میانہ رو

سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۳﴾ جَنّٰتُ

ہوتے ہیں اور کچھ نیکیوں میں سبقت کرنیوالے ہوتے ہیں اللہ کے اذن سے یہ (کتاب کی وراثت اللہ کا) بڑا فضل ہے باغہائے

وارث کتاب ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ۔ یعنی کتاب کی نوبت ہمارے ایسے بندوں تک پہنچی جن کو ہم نے چن لیا۔ اس جگہ وراثت کا معنی باری کا آجانا جیسے کہا جاتا ہے فلاں کام کا وارث اب فلاں شخص ہے یعنی اس کام کو سرانجام دینے کے لئے اب اس کی باری ہے مقصد یہ ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے احکام کی نشرو اشاعت اور تبلیغ و ترویج نوبت بہ نوبت اقوامِ ماضیہ میں چلی آئی یہاں تک کے اُن لوگوں کی باری آگئی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں چن لیا۔

فَمِنْهُمْ۔ چونکہ مِنْ عِبَادِنَا میں مِنْ تبعیضیہ ہے اور بعض بندے مراد ہیں اور اِصْطَفَیْنَا کی دلالت بھی بعض پر ہے کیوں کہ اللہ کے چنے ہوئے بعض ہی ہوتے ہیں پس یہاں سوال کی گنجائش تھی کہ اللہ نے کتاب کی وراثت سب بندوں کو کیوں نہ دی؟ تو اس کا جواب فاء تعلیلیہ سے شروع کیا گیا ہے کہ سب لوگ اس کے اہل نہیں ہوا کرتے کیونکہ لوگوں کے اس بارے میں تین گروہ ہوتے ہیں کچھ ظالم کچھ میانہ رو اور کچھ نیکیوں میں پیش قدمی کرنے والے اور اللہ کی کتاب اور اس کے احکام کی نشرو اشاعت کی ذمہ داری صرف آخری گروہ کو ہی سونپی جاسکتی ہے اور یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو اپنے بندوں میں سے اللہ نے چن لیا ہے تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ ہمارے لئے ہے اور اللہ نے ہمیں مراد لیا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اصطفا و اجتباء کے حقدار وہی ہیں اور علم انبیاء کی وراثت کا انہیں کو ہی حق پہنچتا ہے کیونکہ قرآن کی حفاظت اس کے حقائق و دقائق کی افہام و تفہیم اور اس کے معانی و مطالب کا علم و عرفان اور اس کے اوامر و نواہی کی تبلیغ و ترویج میں وہ اپنی آپ نظیر ہے اسمیں انکا کوئی بھی شبیہ و مثیل نہیں ہوسکتا۔ اس تفسیر میں مِنْهُمْ کی ضمیر کا مرجع عِبَاد کو قرار دیا گیا ہے یعنی عام بندوں کی تین قسمیں ہیں اور مصطفٰے صرف ایک قسم ہے لیکن بعض لوگوں نے مِنْهُمْ کی ضمیر غائب کا مرجع اَلَّذِیْنَ کو بنایا ہے یعنی جن لوگوں کو چنا گیا اور وارث بنایا گیا ان کی تین قسمیں ہیں لیکن یہ ترکیب و ترجمہ عقلاً قابل قبول نہیں ہے کیونکہ جن کو اللہ انتخاب کرے اور مصطفٰی بنالے اُن میں سے ظالم و مقتصد کا ہونا ناممکن ہے کیونکہ اللہ کے چنے ہوئے صرف سابق بالخیرات ہی ہوسکتے ہیں اور ان تینوں گروہوں کی بخشش کے متعلق بھی دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ تینوں گروہ جنت میں جائیں گے چنانچہ بروایت ابوالدرداء حضرت رسول اکرمؐ سے مروی ہے آپ نے فرمایا سابقون بلاحساب جنت میں جائیں گے مقتصد سے معمولی قسم کا حساب لے کر جنت میں بھیجا جائے گا اور ظالم کو کچھ دیر تک روک کر جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ سابق وہ لوگ ہیں جو حضور اکرمؐ کے زمانہ میں تھے اور آپ نے ان کے لئے جنت کی پیشین گوئی کی تھی۔ اور مقتصد صحابہ میں سے وہ لوگ ہیں جو حضور اکرمؐ کے نقشِ قدم پر رہ کر راہیٔ جنت ہوئے اور راویٔ حدیث سے کہا ظالم تم لوگ ہو ایک اور حدیث میں فرقہ ہیں سابق وہ ہے جو ہجرت سے پہلے اسلام لایا مقتصد وہ جو ہجرت کے بعد مسلمان ہوا اور ظالم ہم لوگ ہیں۔ عمر بن خطاب کا قول ہے۔ ہمارا سابق سابق ہے ہمارا مقتصد ناجی ہے اور ہمارا ظالم مغفور ہے ان تین گروہوں کے باہمی فرق میں متعدد اقوال ہیں (۱) ظالم وہ ہے جس کا ظاہر باطن سے اچھا ہو مقتصد وہ ہے جس کے ظاہر و باطن میں فرق نہ ہو اور سابق وہ ہے جن کا باطن ظاہر سے اچھا ہو (۲) ظالم وہ ہے جو گناہانِ صغیرہ کا مرتکب ہو مقتصد وہ ہے جو درمیانہ درجہ تک نیکی کرنے والا ہو اور سابق وہ ہے جو بلند مرتبہ تک اعمال صالحہ کا پابند ہو (۳) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ظالم وہ ہے جو حقِ امام کو نہ پہچانتا ہو مقتصد وہ ہے جو امامِ حق کو پہچانتا ہو اور سابق خود امام ہے (۴) ظالم وہ ہے جو نیک و بد ہر قسم کے اعمال بجالاتا ہو مقتصد وہ ہے جو مقدور بھر نیکی کی کوشش کرتا ہو اور سابق بالخیرات کی مثال علی و حسن و حسین علیہم السلام و آلِ محمدؐ کے جملہ شہدا ہیں۔ بہرکیف ان تینوں گروہوں کے باہمی فرق کا جو قول بھی اختیار کیا جائے پہلے قول کے مطابق یہ سب بخشے

تجلی میں فرق یہ ہے کہ عامہ کے نزدیک اس سے مراد تمام افراد امت ہیں اور روایات بہت سی ہیں کہ یہ آیت صرف بنی فاطمہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ [illegible] آپ نے فرمایا اولاد فاطمہ میں سے وہ شخص جو لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دے وہ [illegible] داخل نہیں ہے لیکن وہ ظالم لنفسہ میں ہے گناہ [illegible] وہ اس میں داخل ہے اور وہ مغفور ہو گا انشاء اللہ

دوسرا قول جو مطابق عدل اور مختار علماء محققین ہے وہ یہ ہے کہ [illegible] سے منقول ہے کہ ظالم اصحاب مشئمہ ہے مقتصد اصحاب میمنہ ہے اور سابق بالخیرات سابقون ہیں [illegible] اور ابن عباس سے منقول ہے کہ ظالم [illegible] مقتصد و سابق [illegible] سے مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے حالات تین ہیں اول یہ کہ معصیت کی طرف [illegible] جب انسان [illegible] ہوتا ہے تو ظالم ہوتا ہے اور جب توبہ کر لیتا ہے تو مقتصد ہو جاتا ہے اور جب اعمال صالحہ [illegible] میں آگے بڑھ جاتا ہے تو قرب خدا کی منازل طے کر کے سابقون کے درجہ تک پہنچ کر سعادت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور روایات اہلبیت [illegible] تک پہنچی ہیں کہ آیت مجیدہ میں ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو معرفت امام نہ رکھتے ہوں اور مقتصد وہ ہیں جو معرفت امام رکھتے ہوں اور سابق بالخیرات خود امام زمانہ ہیں۔ یحلون فیھا تفسیر صافی میں ہے حضور نبی اکرم سے مروی ہے فرمایا جب مومن اس شان سے جنت میں داخل ہو گا کہ اس کے سر پر تاج ملک و کرامت ہو گا اور سونے کے [illegible] اور یاقوت [illegible]

عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ

[illegible]

فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ

[illegible]

الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

[illegible]

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

[illegible]

مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ

[illegible]

اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ

[illegible]

مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾

[illegible]

[illegible]

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۸﴾ هُوَ الَّذِي

[illegible]

جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ

[illegible]

عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ

[illegible]

شُرَكَآءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ

[illegible]

أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۖ أَمْ ءَاتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ

[illegible]

مِّنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ الظّٰلِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿۴۰﴾

[illegible]

رکوع ۱۹ | اِنَّ اللّٰہَ اس آیت مجیدہ میں مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ کے علاوہ جن جن لوگوں کو تم لوگ مشکل کشائی و حاجت روائی کیلئے پکارتے ہو خواہ اپنے مقام پر اللہ کے اولیاء ہی کیوں نہ ہوں انکو مصائب و مشکلات میں پکارنے کے جواز کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ (۱) کیا تمہارے خیال میں انہوں نے زمین کا کوئی حصہ پیدا کیا ہے؟ (۲) کیا آسمانوں میں انکا کچھ حصہ ہے؟ (۳) کیا تمہارے پاس میری جانب سے کوئی تحریری دستاویز انکو پکارنے کے جواز کے متعلق ہے؟ پس اگر جواب نفی میں ہے تو تم لوگ خدا کو چھوڑ کر انکو کیوں پکارتے ہو جبکہ سب کچھ میرے ہی قبضہ قدرت و حیطۂ اقتدار کے اندر ہے اسکے بعد خود فرماتا ہے کہ مشرکین بھی اس حقیقت کو سمجھتے ہیں لیکن وہ ایکدوسرے کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں یعنی انکے واعظ و منبر نشین حضرات اپنی شکم پری کیخاطر انکے عوام کو دھوکے میں رکھتے ہیں اور ایسا کرنیوالے یقیناً ظالم ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا

بے شک اللہ روکتا ہے آسمانوں اور زمین کو کہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اور اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے علاوہ کوئی بھی

مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ

ان کو نہیں روک سکتا تحقیق وہ حلیم بخشنے والا ہے اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے

لَئِنْ جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ

پاس کوئی نذیر آجاتا تو گذشتہ ہر ایک امت سے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہو جاتے لیکن جب ان کے پاس نذیر آیا تو نہ زیادہ

مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا

ہوئے مگر (ہدایت سے) دوری میں تکبر کرتے ہوئے زمین میں اور بُری تدبیریں کرتے ہوئے اور نہیں پیش آتی بُری تدبیر

بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ع ۵

مگر اُسی کو جو اس کے کرنے والا ہو تو کیا وہ گذشتہ لوگوں کے نتیجے کا انتظار کرتے ہیں تو ہرگز نہ پاؤ گے تم اللہ کے طریقے میں تبدیلی

ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

اور ہرگز نہ پاؤ گے اللہ کے طریقے میں غلطی کیا ان لوگوں نے زمین میں چل کر نہیں دیکھا کہ کیسا انجام ہوا ان لوگوں

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ

کا جو ان سے پہلے گذر چکے حالانکہ وہ طاقت میں ان سے توانا تر تھے اور اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی نہ آسمانوں

مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ

میں نہ زمین میں تحقیق وہ جاننے والا قدرت رکھنے والا ہے اور اگر اللہ لوگوں کو

اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى

اپنے اعمال کی گرفت کرے تو زمین پر چلنے والا کوئی بھی نہ بچ سکے لیکن وہ ڈھیل دیتا ہے ایک مقررہ

اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع

مدت تک پس جب وہ وقت آئے گا (تو دیکھے گا) تحقیق اللہ اپنے بندوں پر بصیر ہے

اِنَّ اللّٰہَ مشرکین کو تنبیہ ہے کہ اوپر سے رسہ باندھنے یا نیچے سے ستون کھڑا کرنے کے بغیر آسمانوں اور زمین کو اپنی جگہ پر روکنے والا صرف اللہ ہی ہے اگر یہ چیزیں اپنی جگہ کو چھوڑ دیں تو کوئی بھی انکو روک نہیں سکتا لہذا عبادت کے لائق وہی ایک اللہ ہے جو سب پر قادر ہے۔ وَاَقْسَمُوْا یعنی حضورؐ کی آمد سے پہلے مشرکین مکہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر تشریف لائے تو ہم گذشتہ امتوں کی بہ نسبت زیادہ اسکی نصیحتوں پر عمل کر کے راہ ہدایت کو اپنائیں گے لیکن جب حضورؐ تشریف لائے تو ہدایت سے دور تر ہٹ گئے مَكْرَ السَّيِّئِ ایک مکر خیر ہوتا ہے جو کافروں کی تدبیروں کو باطل کرنے کیلئے مومن استعمال کریں اور دوسرا مکر سیئی ہے جو مومنوں کو اذیت دینے کیلئے کافر استعمال کریں۔ تبدیل۔ ایک شیئی کی جگہ دوسری شیئی کو رکھنے کا تبدیلی ہے اور ایک مکان سے دوسرا مکان بدلنے کا نام تحویل ہے جسکا مرادی ترجمہ ہم نے غلطی کیا ہے

۹ شعبان ۱۳۹۲ھ [illegible]

۱۱ [illegible]

حقوق الطبع محفوظة

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ اِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِی اَهْلَبَیْتِی

شیعانِ آلِ محمدؐ خصوصاً واعظین و مبلّغین کے لئے نادر و نایاب تحفہ

المجلّد الثانی عشر من تفسیر (۱۲)

انوار النجفؒ فی اسرار المصحف

مصنّفہ
حجۃ الاسلام علّامہ حسین بخش صاحب جاڑا مدظلّہ
بانی
جامعہ علمیہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

12

ہدیہ ۷۵/ روپے

مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحات
۱	سورہ یٰسین کے فضائل	۶
۲	رکوع ع۱۸	۸
۳	شب ہجرت	۹
۴	صدقہ جاریہ	۱۰
۵	امام مبین	۱۱
۶	اصحاب انطاکیہ کا ذکر	۱۲
۷	مومن آل یٰسین	۱۴
۸	پ۲۳	
۹	رکوع نمبر۱	۲۰
۱۰	رکوع نمبر۲	۲۱
۱۱	رکوع نمبر۳ نفخ صور	۲۵
۱۲	اعضا کی گواہی	۲۷
۱۳	منکرین توحید کی تردید	۲۷
۱۴	رکوع نمبر۴	۲۸
۱۵	سورہ صافات	۳۱
۱۶	رکوع نمبر۵	۳۲
۱۷	رکوع نمبر۶	۳۵
۱۸	سوال ولایت	۳۵
۱۹	لا الٰہ الا اللہ	۳۸
۲۰	شجرۂ زقوم	۴۱
۲۱	رکوع نمبر۷ لفظ شیعہ	۴۲
۲۲	شیعہ اور محب میں فرق	۴۳
۲۳	حضرت ابراہیم ع کا ذکر	۵۰
۲۴	رسم عرس	۵۱
۲۵	حضرت ابراہیم کی ہجرت	۵۴
۲۶	فرزند کی بشارت	۵۶
۲۷	ذبح کرنے کا حکم	۵۷
۲۸	ذبیح اللہ کون تھا؟	۶۰
۲۹	حضرت اسحاق ذبیح اللہ نہیں تھے	۶۱
۳۰	حضرت اسمٰعیل کے ذبیح اللہ ہونے کی وجوہ	۶۳
۳۱	قربانی کا دنبہ	۶۴
۳۲	ذبح عظیم	۶۵
۳۳	نسخ قبل عمل	۶۷
۳۴	رکوع ع۸	۶۹
۳۵	حضرت الیاس کا ذکر	۶۹
۳۶	رکوع ع۹ حضرت یونس کا ذکر	۷۱
۳۷	فضیلت آل محمد	۷۵
۳۸	سورہ ص	۷۷
۳۹	رکوع ع۱۰	۷۸
۴۰	معجزۂ پیغمبر	۸۱
۴۱	رکوع ع۱۱	۸۲
۴۲	حضرت داؤد کا ذکر	۸۲
۴۳	حضرت داؤد کی عصمت	۸۴
۴۴	رکوع ع۱۲ اثبات قیامت	۸۸

۴۵	حضرت سلیمانؑ کے لئے سورج کا پلٹنا	۹۰	۷۰	نفخ صور	۱۳۴
۴۶	حضرت سلیمانؑ کا امتحان	۹۱	۷۱	قیامت صغریٰ	۱۳۵
۴۷	ملک سلیمانؑ	۹۳	۷۲	رکوع نمبر ۵	۱۳۸
۴۸	رکوع نمبر ۱۳ حضرت ایوب کا ذکر	۹۴	۷۳	سورہ المومن	۱۴۰
۴۹	حضرت ذوالکفل	۱۰۳	۷۴	رکوع ع۶	۱۴۱
۵۰	جہنمی پیر و مرید	۱۰۴	۷۵	صفاتِ خدا	۱۴۲
۵۱	رکوع نمبر ۱۴	۱۰۶	۷۶	حاملین عرش	۱۴۳
۵۲	خلقتِ آدمؑ	۱۰۷	۷۷	رکوع ع۷	۱۴۴
۵۳	عالین کا معنی	۱۰۸	۷۸	رکوع ع۸ ۔ حضرت موسیٰؑ کا ذکر	۱۴۷
۵۴	تنبیہ	۱۱۰	۷۹	رکوع ع۹ ۔ مومن آلِ فرعون	۱۴۹
۵۵	سورہ الزمر		۸۰	حضرت یوسفؑ کی پیشین گوئی	۱۵۲
۵۶	رکوع ع۱۵	۱۱۱	۸۱	رکوع ع۱۰ مومن آلِ فرعون کا قصہ	۱۵۵
۵۷	شرک سے بچنے کی تنبیہ	۱۱۳	۸۲	رکوع ع۱۱	۱۵۹
۵۸	رکوع ع۱۶	۱۱۴	۸۳	اللہ اور ربّ رکوع ع۱۲	۱۶۱
۵۹	رکوع ع۱۷	۱۱۸	۸۴	رکوع ع۱۳	۱۶۳
۶۰	درسِ توحید	۱۲۱	۸۵	رکوع ع۱۴	۱۶۶
۶۱	پارہ ۲۴		۸۶	سورہ السجدہ	۱۶۸
۶۲	رکوع ع۱	۱۲۳	۸۷	رکوع ع۱۵	۱۶۹
۶۳	رکوع ع۲ روح اور نفس	۱۲۵	۸۸	دعوتِ عشیرہ	۱۷۰
۶۴	مشرکین کا رویّہ	۱۲۷	۸۹	رکوع نمبر ۱۶ خلقت آسمان و زمین	۱۷۲
۶۵	رکوع ع۳	۱۳۰	۹۰	اسرار و رموز	۱۷۶
۶۶	بخشش کی اُمید	۱۳۰	۹۱	سعادت و نحوست ایام	۱۷۸
۶۷	اللہ پر جھوٹ بولنے کی سزا	۱۳۱	۹۲	رکوع ع۱۷	۸۴
۶۸	رکوع ع۴	۱۳۳	۹۳	اللہ پر حسنِ ظن	۸۵
۶۹	حبط اور ضبط	۱۳۳	۹۴	رکوع ع۱۸	۸۶

۹۵	رکوع ع۱۹ اچھی تبلیغ	۱۸۸
۹۶	سجدہ قرآنی	۱۸۹
۹۷	پارہ ۲۵	
۹۸	رکوع ع۱	۱۹۳
۹۹	سورہ حمعسق	۱۹۶
۱۰۰	رکوع ع۲	۱۹۷
۱۰۱	رکوع ع۳	۱۹۹
۱۰۲	میزان علیؑ ہے	۲۰۲
۱۰۳	رکوع ع۴	۲۰۶
۱۰۴	اجرِ رسالت	۲۰۶
۱۰۵	وسعتِ رزق	۲۱۱
۱۰۶	رکوع ع۵	۲۱۲
۱۰۷	جنّتیوں کی نشانیاں	۲۱۴
۱۰۸	شوریٰ کا حکم	۲۱۵
۱۰۹	رکوع ع۶ ظلم	۲۱۶
۱۱۰	وحی کے اقسام	۲۱۸
۱۱۱	مَا كُنْتَ تَدْرِیْ	۲۲۱
۱۱۲	سورۂ زخرف	۲۲۲
۱۱۳	رکوع ع۷	۲۲۳
۱۱۴	رکوع ع۸	۲۲۵
۱۱۵	بیان توحید	۲۲۷
۱۱۶	رکوع ع۹	۲۲۸
۱۱۷	کلمہ باقیہ	۲۲۹

۱۱۸	نبوت عطیہ پروردگار ہے	۲۳۰
۱۱۹	تقسیم رزق	۲۳۳
۱۲۰	رکوع ع۱۰	۲۳۵
۱۲۱	معراج کی بات	۲۳۶
۱۲۲	وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا	۲۳۹
۱۲۳	رکوع ع۱۱ حضرت موسیٰؑ کا ذکر	۲۴۱
۱۲۴	رکوع ع۱۲ عیسیٰؑ سے مشابہت	۲۴۳
۱۲۵	حضرت علیؑ کی انبیاء سے فضیلت	۲۴۶
۱۲۶	قیامت میں دوستی	۲۴۸
۱۲۷	رکوع ع۱۳	۲۴۹
۱۲۸	جناب فضہ کی قرآن دانی	۲۵۳
۱۲۹	لطیفہ	۲۵۴
۱۳۰	سورہ دخان	۲۵۵
۱۳۱	رکوع ع۱۴	۲۵۶
۱۳۲	خلیفہ رسول کا مقام	۲۵۷
۱۳۳	دخان کی وضاحت	۲۶۱
۱۳۴	آسمان کس پر رویا	۲۶۳
۱۳۵	امام حسینؑ کے غم میں رونے کا ثواب	۲۶۴
۱۳۶	رکوع ع۱۵	۲۶۶
۱۳۷	کامیابی کی دعا	۲۶۷
۱۳۸	قوم تبّع	۲۶۸
۱۳۹	رکوع ع۱۶	
۱۴۰	زقوم	۲۷۰

ستارۂ سحر گیا

تاریخ وفات ۔ ۴ دسمبر ۱۹۹۰ء

جامعہ امامیہ کربلا گامے شاہ لاہور

بر وفات علامہ حسین بخش جاڑا اعلی اللہ مقامہ ونور اللہ مرقدہ

آفتابِ علم و فن بام سے اُتر گیا
ہر قدم بغاوتوں کی تلخیاں سہیں مگر
عمر بھر یزیدیت کے حامیوں سے جنگ لڑا
سرحدِ حیات تک جو محوِ ذکرِ حق رہا ۔!
منافقت کی تیز آندھیوں میں بھی نہ رک سکا
اس کے نقشِ پا پہ چل کے نام پیدا کر گئے
پیکرِ شجاعت و مروّت و یقین و اَمن ۔
مصیبتوں کے دور میں عقیدتیں سمیٹ کر
ڈوب گئی آج اس کی نبض نوک کٹ گئی
دکھوں کو تلخیوں کو مسکرا کے جس نے پی لیا
ثمر سے جس کے جی رہا تھا ایک شہرِ بے کساں
شعاؤں کی لکیر کھینچ کر شبِ سیاہ میں
سرزمینِ پاک میں نجف کا باب کھول کر
مرتبہ یہ کم ہے کیا نگر نگر گلی گلی ۔
تا ابد رہے گی اس کی عظمتوں کی داستاں
ولائے مرتضیٰ کا ابرِ نور قبر پر رہے
کریم تھے ظہور لے گئے ریاضِ خلد میں

راہنمائے فکرِ حق جہان سے گذر گیا
ظلمتوں میں علم کی ضیاء کو عام کر گیا
عہدِ مشکلات میں کچھ اور ہی نکھر گیا
بر ملا خطاب کا وہ بے بدل ہنر گیا
جلائی شمعِ انقلاب کربلا جدھر گیا
بہت سے پیشواؤں کا نصیب یوں سنور گیا
دورِ حادثات میں وہ چارہ گر کدھر گیا
فضیلتوں کا آسماں زمیں میں اُتر گیا
جس قلم کی تیغ سے ستم نواز ڈر گیا
وہ بزمِ مہر و لطف سے نظارۂ نظر گیا
رہی خزاں سدا بہار جس پہ وہ شجر گیا
جبینِ صبح قوم سے ستارۂ سحر گیا
قوم کی رگِ حیات مُردہ زندہ کر گیا
علومِ آلِ مصطفےٰ بکھرتے بکھر گیا
قلندرانہ زندگی کا درس تھا گذر گیا
دامنِ حیات جن کے مرثیوں سے بھر گیا
وہ جن کے نقش پر چلا وہ جنکی راہ پر گیا

سوگوار :۔ ظہور احمد جاڑا ڈیرہ اسماعیل خان

سُورَۂ یٰسٓ

یہ سورہ مکیہ ہے۔ اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر چوراسی ہے۔

سورہ یٰس کے فضائل

تفسیر مجمع البیان میں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ جو شخص رضائے پروردگار کی خاطر سورہ یٰس کی تلاوت کرے اُس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور بارہ ختم قرآن کا ثواب اُس کے نامۂ اعمال میں درج کیا جاتا ہے۔

جس بیمار کے پاس سورۂ یٰس پڑھی جائے تو اُس کے تمام حروف سے بارہ گنا فرشتے نازل ہو کر اُس کے سامنے صف بصف کھڑے ہوں گے اور اُس کے لئے بخشش کی دُعا کریں گے۔ اور قبض رُوح کے وقت بھی وہ موجود رہیں گے اور اس کی تشییع جنازہ کرکے اُس کے نماز جنازہ و دفن میں بھی شریک ہوں گے۔ اور سکرات الموت کی حالت میں اگر مریض خود پڑھے یا اُس کے پاس کوئی دوسرا آدمی پڑھے تو رضوانِ جنّت شرابِ جنت لے کر اُس کے پاس پہنچتا ہے پس وہ بستر پر لیٹے ہوئے اُسے پی لیتا ہے اور سیراب ہو کر مرتا ہے۔ اور سیراب ہو کر ہی مبعوث ہوگا حتیٰ کہ حوضِ جنّت پر جانے کی اُسے ضرورت نہ ہوگی اور سیراب ہو کر جنّت میں داخل ہوگا۔

ایک روایت میں ہے اِس سورہ مجیدہ میں پڑھنے والے کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا راز مضمر ہے اور دنیا و آخرت کے مصائب اس کے پڑھنے والے سے دُور کئے جاتے ہیں۔ اس کے پڑھنے والے سے ہر شر دور ہوگا اور اس کی ہر حاجت پُوری ہوگی۔ نیز اس کے پڑھنے والے کو بیس حجوں کا ثواب ملے گا نیز اس کے سُننے والوں کو بھی ایک ہزار دینار فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ اور جو شخص لکھ کر اِس کو پی لے تو گویا ہزار دوائے شافی اُس نے پی لی اور اُس کے اندر ہزار نور ہزار یقین ہزار برکتیں اور ہزار رحمتیں داخل ہوئیں نیز اُس کے اندر سے ہزار بیماریاں و تکلیفیں نکل گئیں۔

بروایت انس بن مالک حضور نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ ہر چیز کا دل ہوا کرتا ہے اور قرآن مجید کا دل سورۂ یٰس ہے۔

نیز حضور نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ جو شخص قبرستان میں پہنچ کر سورہ یٰس پڑھے تو پُورے قبرستان والوں سے اُس دن کا عذاب اُٹھ جائے گا۔ اور اس کے اندر تمام دفن ہونے والوں کے برابر نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ ہر چیز کا دل ہوا کرتا ہے اور قرآن کا دل یٰسٓ ہے جو شخص دن

میں اس کی تلاوت کرے تو وہ شام تک محفوظ و مرزوق ہوگا اور جو شخص سونے سے پہلے رات کے وقت اس کی تلاوت کرے تو ہر شیطان رجیم اور ہر آفت سے ستر ہزار فرشتے اس کی حفاظت کریں گے اور اگر مرجائے تو وہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا۔ اور تیس ہزار فرشتے اس کے لئے دُعائے مغفرت کریں گے اور اس کی قبر تک استغفار کرتے ہوئے اس کی تشییع کریں گے پس جب اس کو داخل لحد کیا جائے گا تو وہ فرشتے عبادت کریں گے اور اس کا ثواب اُسی مرنے والے کو ہوگا۔ اور تاحدِ نگاہ اُس کی قبر میں وسعت پیدا کی جائے گی نیز فشارِ قبر سے بھی وہ محفوظ ہوگا اور اس کی قبر سے آسمان تک ایک نور تاباں قائم رہے گا یہاں تک کہ وہ قبر سے محشور ہوگا پھر وہ فرشتے اُس کے ہمراہ چلتے ہوئے اس سے باتیں کرتے ہوئے اور خوش طبعی کرتے ہوئے اُسے ہر خیر کی خوشخبری سنائیں گے اور صراط و میزان کی منازل میں وہ اُس کے ہمراہ ہوں گے۔ اور مقامِ قربِ خداوندی میں اُس کو جا کھڑا کریں گے کہ اس سے زیادہ قریب ملائکہ مقربوں اور انبیاء مرسلوں کے سوا اور کوئی نہ ہوگا۔ پس انبیاء کے ہمراہ دربارِ خداوندی میں حاضر ہوگا اور غم و حزن سے وہ محفوظ ہوگا اور ذاتِ پروردگار کی جانب سے اُس کو خطاب پہنچے گا کہ اے میرے بندے تم جس جس کی شفاعت کرنا چاہو بے شک کرو وہ قبول ہوگی اور مجھ سے جو کچھ طلب کرو تمہیں دیا جائے گا پس اس کی شفاعت مقبول ہوگی اور حساب کی منزل آسان ہوگی نہ اس کو رسوائی ہوگی، نہ جھڑکا جائے گا اور کتابِ منشور اس کے حوالے کی جائے گی اور لوگ ازراہِ حیرت کہیں گے کہ سبحان اللہ اس بندے کا تو کوئی ایک گناہ بھی نہیں نکلا پس وہ شخص حضرت نبی اکرمؐ کے مصاحبین میں سے ہوگا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ کریمؐ کے بارہ نام ہیں جن میں سے پانچ نام قرآن مجید میں مرقوم ہیں۔ اور وہ ہیں محمد احمد عبداللہ لیس اور نون۔

تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے جو زندگی بھر میں ایک مرتبہ سورہ لیس کی تلاوت کرے تو دنیا و آخرت اور زمین و آسمان کی جملہ مخلوق کی تعداد سے لاکھوں گنا نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور اسی قدر اُس کے گناہ معاف ہوں گے۔ اور فقر قرض تنگدستی تھکان دیوانگی جذام وسواس اور ہر موذی مرض اُس سے دور کی جائے گی اور سکرات الموت اس پر آسان ہوگی۔ الخ

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا اپنی اولادوں کو سورۂ لیس کی تعلیم دو کیوں کہ یہ قرآن کی جان ہے۔

حدیث نبوی میں ہے جو شخص عرق گلاب سے لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ ہر آفت و بُرائی سے محفوظ رہے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص عرق گلاب و زعفران سے اس کو سات دفعہ لکھے اور ایک ایک تعویذ روزانہ متواتر سات دن تک پیئے اُس کا اثر یہ ہوگا کہ ہر سُنی ہوئی چیز کو حفظ کرلے گا۔ مناظرہ میں فریقِ مخالف پر غالب ہوگا اور لوگوں میں اس کی عزت و عظمت زیادہ ہوگی۔ اور جو شخص لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ اپنے جسم میں حسد نظرِ بد جنّ و انس کی اذیتوں جنون اور ہر قسم کے دردوں سے محفوظ رہے گا۔ باذن اللہ۔

اور اگر کوئی عورت دھو کر پی لے تو اُس کے دودھ میں اضافہ ہوگا اور اُس کا معدہ بچے کے لئے نہایت عمدہ غذا ثابت ہوگا۔

رکوع نمبر ۱۸

یٰسٓ حروفِ مقطعاتِ قرآنیہ میں سے ہے جن کی وضاحت دوسری جلد میں ہو چکی ہے۔ تفسیر برہان میں ہے کہ ایک مرتبہ سفیان ثوری نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے یٰسٓ کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا یہ حضور نبی اکرمؐ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس کا معنی ہے اے سامع الوحی گویا یا حرفِ ندا ہے اور سین سامع الوحی سے مخفف ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ایک قول کے مطابق سید المرسلین کا مخفف سین ہے۔ بہر کیف ان صورتوں میں پھر یٰسٓ حروفِ مقطعات میں سے نہ ہوگا اور اس کے بعد اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ کا خطاب اس کی مزید تائید کرتا ہے کہ یا حرفِ ندا ہو۔ اور سین حضور اکرمؐ کا مخفف نام ہو لیکن بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یٰسٓ آپ کا نام ہے تو اس صورت میں حرفِ ندا مقدر و محذوف ہوگا۔

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ۔ اگر تنزیل پر رفع پڑھا جائے تو اس کا مبتدا محذوف ہوگا یعنی ھٰذَا تَنْزِیْلُ اور اگر اس پر نصب پڑھی جائے تو یہ مفعول مطلق ہوگا اور فعل محذوف مانا جائے گا یعنی نَزَّلَ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①
اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)
يٰسٓ ② وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ③ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ④
یٰسٓ — قرآن حکیم کی قسم — بے شک تو رسولوں میں سے ہے
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ⑤ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ⑥
راہِ مستقیم پر — یہ غالب رحم کرنے والے (پروردگار) کی جانب سے نازل شدہ ہے
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦
تاکہ تو اس قوم کو ڈرائے جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے — پس وہ غافل ہیں

مَّآ اُنْذِرَ۔ بعض مفسرین نے ما کو نافیہ قرار دیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ اس قوم کو ڈراؤ جن کے باپ دادا کو نذیر بھیج کر نہیں ڈرایا گیا۔ اور بعض نے ما کو موصولہ قرار دیا ہے۔ یعنی قرآن مجید خدا کی جانب سے نازل شدہ کتاب ہے تاکہ قوم کو ڈرائے جس طرح ان کے باپ دادا کو ڈرایا گیا۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضورؐ سے پہلے عربوں میں دو پیغمبر مبعوث ہوئے۔ ایک خالد بن سنان اور دوسرے قس بن ساعدہ۔

اِنَّا جَعَلْنَا۔ آیت مجیدہ کا شانِ نزول اس طرح ہے کہ ابو جہل نے قسم کھائی تھی کہ میں حضور اکرمؐ کو نماز کی حالت میں پتھر ماروں گا چنانچہ وہ جب پتھر اٹھا کر آیا۔ اور مارنے کے لئے ہاتھوں کو بلند کیا تو پتھر ہاتھوں سے چمٹ گیا اور ہاتھ اس کی ٹھڈی تک پہنچ کر رک گئے جس طرح کسی کے ہاتھوں کو زنجیر و طوق کے ذریعے سے گردن سے باندھ دیا جائے۔ جب واپس آکر اُس نے اپنے

ساتھیوں کو خبر دی تب پتھر اُس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

مُقْمَحُوْنَ - اس کا معنی ہے سر کو اُوپر کی طرف اٹھا کر ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے والے عام طور اونٹوں کے لئے ہی یہ لفظ استعمال ہوا کرتا تھا جب موسم سرما میں ان کو پانی پر لے جاتے تھے تو وہ پانی کی ٹھنڈک کی وجہ سے سر اُوپر کو اُٹھا لیتے تھے تو وہ کہتے تھے قَمَحَ الْبَعِيْرُ اسی طرح بَعِيْرٌ قَامِحٌ اور اِبِلٌ قِمَاحٌ اس جگہ مقصد یہ ہے کہ ابوجہل نے جب اذیت پیغمبر کا ارادہ کیا تو اس طرح شل ہو گیا جیسے اس کی گردن میں زنجیر ڈالے گئے ہوں اور اس کی ٹھڈی اُوپر کی طرف اٹھ گئی ہو کہ وہ نیچے دیکھنے سے قاصر ہو۔ اور ممکن ہے اس کا مضمون عام ہو اور مقصد یہ ہو کہ یہ لوگ آپ کی نصیحت کو سننا گوارا ہی نہیں کرتے بلکہ اکثر اِدھر اُدھر سے گذر جاتے ہیں اور گردن میں زنجیر پڑے ہوئے انسانوں کی طرح ٹھڈی نیچے کر کے زمین کی طرف دیکھ ہی نہیں سکتے اور ازراہ تکبر اونٹوں کی طرح گردن اکڑائے ہوئے اُوپر کی طرف ہی دیکھتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے قیامت کے دن کی پیشی اور جہنم میں داخلہ کی آیت مجیدہ میں تصویر کشی کی گئی ہو

وَجَعَلْنَا - مروی ہے کہ جب ابوجہل ناکام واپس آیا تو بنی مخزوم کا ایک دوسرا شخص (ولید بن مغیرہ) اٹھا۔ اور وہی پتھر لے کر حضور کی طرف بڑھا جب کہ وہ نماز میں مشغول تھے تو خداوند کریم نے اس کی آنکھوں سے بینائی سلب کر لی پس وہ آواز سنتا تھا لیکن اُسے دکھائی کچھ نہ دیتا تھا لہذا جب نامراد واپس پلٹا تو اپنے ساتھیوں کو بھی نہ دیکھ سکا جب انہوں نے بلا کر کیفیت دریافت کی تو اُس نے اپنا ماجرا بیان کیا۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا

تحقیق ثابت ہو گیا قول (عذاب) ان کے اکثر پر پس وہ ایمان نہیں لاتے تحقیق ہم نے

جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ

طوق ڈال دیے اُن کی گردنوں میں پس وہ ٹھڈیوں تک پہنچ گئے پس وہ اُوپر کی طرف

مُقْمَحُوْنَ ﴿۹﴾ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ

دیکھنے والے ہیں اور ہم نے اُن کے سامنے رکاوٹ پیدا کر دی اور ان کے پیچھے بھی رکاوٹ

شب ہجرت

عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ شب ہجرت جب قریش مکہ دروازہ پیغمبر پر جمع ہوئے تو آپ نکلے اور اُن کے سروں پر مٹی ڈال دی پس وہ آپ کو دیکھ نہ سکتے تھے اور ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک دفعہ قریش کعبہ کے پاس جمع ہو کر بیٹھ گئے اور یہ طے کر لیا کہ جب محمد آئے تو ایک ہی بار کھڑے ہو کر اُس پر قاتلانہ حملہ کر دیا جائے پس جب حضورؐ تشریف لائے تو خدا نے اُن کے سامنے اور پیچھے ایسے پردے حائل کر دیئے کہ وہ آپؐ کو نہ دیکھ سکے پس نماز پڑھ کر آپ فارغ ہوئے تو اُن کے پاس پہنچ کر اُن کے سروں پر خاک ڈال دی کہ اُن کی آنکھیں حضورؐ کو نہ دیکھ سکیں جب آپ واپس چلے گئے تو انہوں نے مٹی کو دیکھا پس کہنے لگے کہ اُن ہی کا جادو ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل نے چونکہ حضورؐ کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا تھا

اس لئے اللہ نے یہ انتظام کیا کہ جب بھی وہ رات کو گھر سے نکلتا تھا حضورؐ اور اس کے درمیان ایسا قدرتی پردہ حائل ہو جایا کرتا کہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکتا تھا۔

تفسیر برہان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ دارالندوہ میں مشرکین مکہ کا رسول اللہؐ کے بارے میں بڑا اجتماع ہوا تو جبریل نے اِدھر حضور کو اس کی پوری کاروائی کی اطلاع دی اور حکم پروردگار سنایا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں چنانچہ آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دے دیا چنانچہ آپ نہایت اطمینان سے سبز رنگ کی خصوصی چادر تان کر سو گئے جس میں حضور بنفس نفیس آرام فرمایا کرتے تھے اور تلوار اپنے پہلو میں رکھ لی ادھر دروازہ پر قریش مکہ نے جمع ہونا شروع کر دیا تاکہ موقع پا کر آپ کو قتل کر دیں۔ حضرت نبی اکرمؐ نے گھر سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو اس وقت دروازہ پر پورے پچیس آدمی جمع ہو چکے تھے آپ نے مٹی اٹھائی اور ان کے سروں پر پھینکی اور یٰسین سے لے کر فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ تک آیات کی تلاوت فرمائی اور چلے گئے۔ اس کے بعد ایک شخص آیا تو اس نے ان سے بیٹھنے کا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے انتظار میں بیٹھے ہیں اس نے کہا وہ تو کافی دیر سے جا چکے ہیں اور تمہارے سروں پر مٹی بھی ڈال گئے ہیں۔

صدقہ جاریہ

نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا الخ۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو شخص کوئی نیک کام کرے تو اس کا اس کو ثواب بھی ملے گا اور اس کی قائم کردہ نیکی پر جب تک عمل ہوتا رہے گا اس کے نامۂ اعمال میں اس کا ثواب بھی لکھا جاتا رہے گا پس اگر کوئی شخص مسجد تعمیر کرے تو جب تک اس میں نماز ادا ہوتی رہے گی بانی مسجد کے نامۂ اعمال میں ثواب درج ہوتا رہے گا چنانچہ حدیث میں ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً الخ۔ جو شخص بھی ایک اچھی عادت وسنت قائم کرے تو اس پر عمل کرنے والوں کی نیکیوں کے برابر اس کو بھی اجر ملتا رہے گا۔ اور اسی طرح اس کے برعکس اگر کوئی شخص کوئی برا طریقہ ایجاد کرے تو جب تک وہ برائی ہوتی رہے گی ایجاد کرنے والا بھی اس گناہ میں شریک ہوتا رہے گا پس نامۂ اعمال میں جس طرح اپنے اعمال لکھے جاتے ہیں اسی طرح قیامت تک اُن کے ہونے والے اثرات بھی اس میں درج ہوتے ہیں پس مساجد بنانا امام بارگاہیں تعمیر کرنا مدارس دینیہ قائم کرنا ہدایت خلق کے لئے کتابیں لکھنا یا اپنی حیثیت کے مطابق رفاہِ عامہ کے لئے کوئی کام کرنا ایسے صدقاتِ جاریہ ہیں جن کا ثواب مرجانے کے بعد بھی مرنے والے کے نامۂ اعمال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح نیک اولاد اور نیک شاگرد دنیا میں چھوڑ کر جانا انسان کی باقیات صالحات میں سے ہوا کرتا ہے وہ لوگ بہت نیک بخت ہوتے ہیں جو اپنے مرنے کے بعد کے لئے کوئی صدقہ جاریہ چھوڑ کر جائیں اور نیک مقصد کے لئے اپنی حلال کمائی کی جائداد کو وقف کر کے جائیں۔ یا نیک اولاد یا نیک شاگرد چھوڑ کر جائیں جو تا قیامت اس کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کے اندراج کا موجب ہیں۔ اسی بنا پر تو شہید راہِ خدا کو مردہ نہیں کہا جاتا کیونکہ ظاہری موت کے بعد بھی دینِ خدا کے لئے اس کی دی جانے والی قربانی کے آثار چونکہ زندہ ہیں لہذا گویا وہ خود زندہ ہے اسی طرح عالم دین جو ظاہری طور پر دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کے آثارِ علمیہ چونکہ باقی ہیں جن سے تا قیامت خلق خدا فیضیاب ہوتی رہے گی۔ پس گویا وہ خود زندہ ہیں۔ اور آثَارَهُمْ کا ایک دوسرا معنی بھی کیا گیا ہے یعنی نیکی کرنے میں انسان کو

جو تکلیف ہوتی ہے وہ بھی نامۂ اعمال میں درج ہوتی ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ بنی سلمہ کا قبیلہ مدینہ کے آخری کنارہ پر تھا اور مسجد نبوی تک آنے میں ان کو کافی تکلیف ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنی منازل کی دوری کا حضورؐ سے بھی شکوہ کیا تو آیت نازل ہوئی کہ ہم ان کی نیکیوں کو بھی لکھتے ہیں۔ اور مسجد تک چل کر آتے ہوئے اُن کے قدموں کے نشان بھی درج کرتے ہیں چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ سب سے زیادہ نماز یا جماعت کا ثواب اُن نمازیوں کو ملے گا جو بہت دُور سے چل کر شامل ہوتے ہیں۔

اِسی آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا چھوٹے اور حقیر گناہوں سے بچنے کی کوشش کرو کہ ان کی بھی باز پُرس ہوگی۔ خبردار کوئی شخص یہ نہ کہے کہ گناہ کر لوں اور پھر توبہ کر لوں گا کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں ہم ان کو لکھ لیتے ہیں۔

خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝١٠ وَسَوَآءٌ

پس ہم نے ان کو ایسا اندھا کیا کہ وہ دیکھ نہ سکتے تھے اور تیرے

عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝١١ إِنَّمَا

لئے برابر ہے اُن کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ایمان نہ لائیں گے سوائے اس کے

تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ

نہیں کہ آپ کا ڈرانا اُن کے لئے ہے جو پیروی کریں قرآن کی اور ڈریں خدا سے غائبانہ تو ایسے شخص کو

بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ۝١٢ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا

خوشخبری دو بخشش اور نیک اجر کی تحقیق ہم زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھتے ہیں وہ جو انہوں نے

وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ ۝١٣

آگے بھیجا اور ان کے آثار کو بھی اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر کے رکھ دیا امام مبین میں

اِمَامٍ مُّبِیْن

اس کے متعلق چند اقوال ہیں بعضوں نے کہا ہے کہ اس جگہ امام مبین سے مراد لوح محفوظ ہے اور بعض کے نزدیک اس سے مراد نامۂ اعمال ہے اور ہمارے نزدیک قوی قول یہ ہے کہ اس جگہ امام مبین سے مراد حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السّلام ہیں چنانچہ ابن عباس نے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا خدا کی قسم میں ہی وہ امام مبین ہوں جو حق کو باطل سے الگ کرنے والا ہوں اور اس چیز کی میں نے رسول اللہؐ سے وراثت پائی ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جو آپ نے اپنے آبائے طاہرین علیہم السّلام سے نقل فرمائی کہ جب یہ آیت مجیدہ اُتری ابوبکر و عمر نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہؐ! کیا امام مبین سے مراد تورات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں! پھر اُنہوں نے عرض کی کیا اس سے مراد انجیل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں! پھر انہوں

نے عرض کی کیا اس سے مُراد قرآن ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں اتنے میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام تشریف لائے تو حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا یہ وہ امام مبین ہے جس میں اللہ نے ہر شے کے علم کا احصا کیا ہوا ہے۔

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے ہمراہ شریک سفر تھا تو ہمارا گذر ایک وادی سے ہوا جس میں چیونٹیوں کا ایک سیلاب رواں میں نے دیکھا۔ ابوذر کہتا ہے میں چیونٹیوں کی کثرت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا پس کلمہ تکبیر زبان سے جاری کرتے ہوئے میں نے کہا جلیل ہے وہ ذات جو اُن کی تعداد کو جانتی ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے میری طرف دیکھ کر فرمایا اے ابوذر! ایسی بات مت کہو بلکہ یہ کہو جلیل ہے وہ ذات جس نے اُن کو پیدا کیا ہے خدا کی قسم ان کی تعداد بلکہ اُن کے نر و مادہ کو تو میں بھی جانتا ہوں۔

عمار بن یاسر سے یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ہمراہ وادی نمل سے گذرا تو چیونٹیوں کی کثرت سے متعجب ہو کر میں نے دریافت کیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کس کی مجال ہے کہ ان کو شمار کر سکے تو آپ نے فرمایا اے عمار! میں ایسے آدمی کی نشاندہی کر سکتا ہوں جو ان کی تعداد کو جانتا ہے بلکہ یہ بھی جانتا ہے کہ ان میں نر کتنے اور مادہ کتنے ہیں عمار کہتا ہے میں نے پوچھا حضور! فرمایئے وہ کون ہے؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ وہ امام مبین میں ہوں۔

رکوع نمبر ۱۹

اصحاب انطاکیہ کا ذکر

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا أَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور بیان کر ان کے لئے مثال بستی (انطاکیہ) والوں کی جب ان کے پاس رسول آئے

وَاضْرِبْ لَهُمْ۔ جناب رسالت مآبؐ کو حکم دیا گیا ہے کہ اہل مکہ کے سامنے اصحاب انطاکیہ کی مثال بیان کرو تاکہ اُن کے انجام سے عبرت و نصیحت حاصل کریں ان کا واقعہ تفسیر مجمع البیان میں ایک روایت کے ماتحت اس طرح منقول ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے اپنے حواریین میں سے دو آدمیوں کو مبلغ بنا کر انطاکیہ کی طرف روانہ فرمایا جب یہ دونوں انطاکیہ کے قریب پہنچے تو ایک ضعیف العمر شخص کو دیکھا جو دنبیاں چرا رہا تھا اسی کو حبیب نجار یا صاحب لیٰسین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ شیخ ابوالحسن شعرانی نے ذکر کیا ہے کہ نصاریٰ کے نزدیک یونانی زبان میں اس کا نام تھوفلس تھا یونانی زبان میں فلس کا معنی حبیب اور تھو کا معنی اللہ ہے تو عربی زبان میں اس کا ترجمہ حبیب اللہ بنتا ہے بہر کیف شہر سے باہر اُن کی آپس میں ملاقات ہوگئی تو حبیب نجار نے ان سے احوال پرسی کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم حضرت عیسٰیؑ کی جانب سے آپ لوگوں کی ہدایت کے لئے یہاں پہنچے ہیں تاکہ بُت پرستی سے بچ کر تم لوگ خدا پرستی کی طرف آجاؤ حبیب نجار نے ان سے نشانی یعنی معجزہ یا کرامت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے اذن سے بیماروں کو شفا نابیناؤں کو آنکھیں اور مبروص کو تندرستی دے سکتے ہیں۔ صاحب لیٰسین حبیب نجار نے کہا کہ چلو میرا بیٹا چند سالوں سے صاحب فراش ہے اس کو شفا دلواؤ۔ پس یہ دونوں اس کے ہمراہ اس کے گھر میں پہنچے اور مریض پر ہاتھ پھیرا تو وہ بحکم پروردگار اُسی وقت تندرست

ہو گیا۔ پس روئی کی آگ کی طرح یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی اور خدا نے ان کے ہاتھوں پر کئی مریضوں کو شفا بخشی۔ انطاکیہ کا بادشاہ بت پرست تھا رفتہ رفتہ یہ خبر اُس کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تو اس نے ان دونو کو اپنے دربار میں طلب فرمایا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو انہوں نے فوراً جواب دیا کہ ہم حضرت عیسیٰ کے فرستادہ ہیں۔ اور اُن کی نیابت کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ان بتوں کی عبادت سے منع کرتے ہیں جو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سُن سکتے ہیں۔ اور اُس ایک خدا کی تم کو دعوت دیتے ہیں جو دیکھتا اور سُنتا ہے۔ بادشاہ نے ازراہِ حیرت واستعجاب سوال کیا کیا ہمارے خداؤں کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ہاں خدا تو وہ ہے جس نے تجھے اور تیرے خداؤں کو کتمِ عدم سے نکال کر خلعتِ وجود عطا فرمائی۔ بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ کھڑے ہو جاؤ میں تمہاری ابھی ابھی خبر لیتا ہوں پس اُس کے اشارے سے لوگوں نے ان دونو کو پکڑ لیا اور گھسیٹ کر بازار میں لائے اور ان کو خوب پیٹا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ بادشاہ نے اُن کو نہیں بلایا تھا بلکہ شہر انطاکیہ میں رہتے ہوئے ان کو کافی عرصہ گذر گیا تو ایک دن بادشاہ اپنی محل سرا سے کسی مطلب کے لئے نکلا تو ان دونو نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ذکرِ خدا کو زبان پر جاری کیا بادشاہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور ان دونو کو ایک ایک سو تازیانے مارنے کے بعد عمر قید کا حکم دے دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے ان کے پیچھے شمعون الصفا کو روانہ فرمایا جو حواریین میں بلند مرتبہ پر فائز تھا تاکہ ان کی مدد کرے اور ان دونو کی رہائی کا مناسب انتظام کرے۔ بقول شعرانی نصاریٰ کے نزدیک اس کا نام فطرس ہے جس کا معنی پتھر ہوتا ہے اور عربی میں اس کا ترجمہ صفا ہے۔ اس کی قبر اٹلی کے شہر روما میں ہے جہاں نصاریٰ کا بڑا پوپ رہتا ہے۔ بہر کیف حضرت شمعون الصفا (پطرس) غیر معروف صورت بنا کر شہر انطاکیہ میں داخل ہوا۔ پہلے پہل اُس نے بادشاہ کے حاشیہ نشینوں کے ساتھ میل جول پیدا کیا۔ جب وہ اس سے پوری طرح مانوس ہو گئے اور انہوں نے اس کا بادشاہ سے تعارف کرا دیا۔ پس بادشاہ بھی اس کے علم و دانش حسنِ اخلاق اور متانت و دیانت سے نہایت متاثر ہوا۔ حتیٰ کہ اُس کی محبت بادشاہ کے دل میں جاگزیں ہو گئی اور اس کو اپنا مقرب بنا لیا۔ ایک دن باتوں باتوں میں اُس نے بادشاہ سے پوچھ لیا کہ میں نے سنا ہے حضور والا نے دو آدمیوں کو جسمانی سزا دلوانے کے بعد عمر قید کی سزا دے کر جیل میں ڈال رکھا ہے۔ اور اُن کا قصور یہ تھا کہ وہ دونو حضور والا کو حضور کی منشا کے خلاف کسی دوسرے دین کی دعوت دیتے تھے۔ اگر حضور والا کو کچھ یاد پڑتا ہو تو کیا آپ بیان فرمانے کی زحمت گوارا کریں گے کہ وہ دونو کونسا مقصد لے کر آئے تھے اور آپ سے کیا کہنا چاہتے تھے بادشاہ نے جواب دیا کہ پہلی بات ہی انہوں نے ایسی کہی تھی کہ میں غصہ کو ضبط نہ کر سکا پس فوری طور پر میں نے ان کی گرفتاری اور سزا کا حکم دے دیا ان کو بات کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا گیا تھا شمعون نے نہایت پیارے انداز سے کہا اگر بادشاہ سلامت برا نہ محسوس کریں تو ان دونو کو دربارِ عام میں بلایا جائے اور اُن کو اپنی صفائی کا بھی موقعہ دیا جائے اور اُن کے بیان کو سُن کر ان کے نظریات کا جائزہ بھی لیا جائے۔ بادشاہ نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور اُن کو دربارِ شاہی میں حاضر کیا گیا تو سلسلۂ کلام اس طرح شروع ہوا۔

حضرت شمعون نے ان کو خطاب کر کے پوچھا کیا تم بتا سکتے ہو تمہیں اس جگہ کس نے بھیجا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہمیں

اُس خدا نے بھیجا ہے جو ہر شے کا خالق ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ شمعون نے پھر سوال کیا کہ اُس نے تمہیں کیا کچھ دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہمیں اُس نے بہت کچھ دیا ہے تم جس طرح چاہو آزما لو۔ بادشاہ نے فوری طور پر ایک ایسے نوجوان کے حاضر کرنے کا حکم دیا جس کے چہرہ میں آنکھوں کا نشان تک موجود نہ تھا اور پیشانی اور رخسارے ایک ہی سطح پر ہموار تھے جب وہ نابینا سامنے آیا تو ان دونوں نے اللہ سے دُعا مانگی چنانچہ اس کی دونوں آنکھوں کی جگہ پر شگاف پیدا ہو گیا۔ انہوں نے زمین سے مٹی اٹھا کر اُس کے دو ڈھیلے بنائے اور اُس کی آنکھوں کی جگہ پر رکھ کر دعا کی تو وہ صحیح وسالم دونوں بینا آنکھیں بن گئیں۔ بادشاہ یہ حیرت انگیز خدائی کرشمہ دیکھ کر بحرِ تعجب میں غوطہ زن ہو گیا تو فوراً شمعون نے بادشاہ کے تاثر کو پائیدار کرنے کے لئے بادشاہ کا کندھا ہلایا اور کہا حضور آپ اجازت مرحمت فرمائیں تاکہ ایک اندھا سرکاری خداؤں کی بارگاہ میں بھی حاضر کیا جائے۔ ممکن ہے سرکاری خدا بھی ایسا ہی کرشمہ دکھا دیں جس سے شاہی مذہب کی لاج باقی رہے گی۔ اور حضور والا کا ندامت سے جھکنے والا سر ایک بار فخر سے اونچا ہونے کے قابل ہو جائے گا۔ بادشاہ نے جواب دیا۔ اے شمعون! تم سے اپنا راز پوشیدہ رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جن خداؤں کی ہم لوگ پرستش کر رہے ہیں وہ کسی کام کے نہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں پس ان دونوں کی طرف خطاب کر کے کہنے لگا اگر تمہارا خدا مُردہ کو زندہ کر دے تو ہم تمہیں بھی مان لیں گے اور تمہارے خدا پر بھی ایمان لائیں گے انہوں نے کہا بے شک ہمارا خدا ہر شے پر قادر ہے۔ بادشاہ نے کہا یہاں ایک مُردہ ہے جس کو سات دن گذر چکے ہیں ابھی تک دفن نہیں ہوا کیونکہ اس کا باپ گھر سے باہر ہے اور اُس کے انتظار میں اُسے دفن نہیں کیا جا سکا۔ اب اس کا رنگ متغیر ہے۔ اور وہ نہایت بدبودار ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے اللہ سے دُعا مانگی اور دل ہی دل میں حضرت شمعون بھی خدا سے دعا مانگتا رہا چنانچہ ان کی دعا مستجاب ہوئی۔ اور وہ مُردہ دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُس نے اپنی زبانی بیان کیا کہ میں تم لوگوں کے پاس ساتویں روز دوزخ کی سات وادیوں سے ہو کر آیا ہوں اور میں تم کو اس حالت سے جس میں تم ہو بچنے کی دعوت دیتا ہوں پس تم سب کا فرض ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ بادشاہ پہلے سے بھی زیادہ متاثر ہوا اور تمام دیکھنے والوں کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا

جب ہم نے بھیجا ان کی طرف دو کو تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ان کا امدادی بھیجا تیسرا

بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُرْسَلُونَ ﴿۱۵﴾

پس سب نے کہا بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں

حضرت شمعون نے تبلیغ کا مناسب موقعہ سمجھ کر بادشاہ کے تاثر سے اچھے نتیجے کی اُمید رکھتے ہوئے بادشاہ کو دعوتِ توحید دے دی جو اُس نے فوراً قبول کر لی اور پوری مملکت کے دانشور منصف مزاج لوگوں نے دینِ حق کو قبول کر لیا لیکن ہٹ دھرم اور ضدی مزاج لوگ جو آبائی کورانہ تقلید کو خیرباد نہ کہہ سکے اپنے کفر پر جمے رہے۔

بعض روایات میں ہے کہ پہلے دونو رسول بھی خدا نے بھیجے تھے اور تیسرا بھی خدا کی طرف سے مامور برسالت تھا۔ اور یہ حضرت عیسٰیؑ کے نمایندے نہ تھے۔ اور دوسری بعض روایات میں ہے کہ پہلے دونو بھی حضرت عیسٰیؑ کے حواریین میں سے آپ کے نمایندہ تھے۔ اور تیسرا بھی آپ ہی کا فرستادہ تھا لیکن قرآنی آیات میں پہلے قول کی تائید ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ زندہ ہونے والا بادشاہ کا اپنا فرزند تھا اُس نے باپ کے پوچھنے پر بیان کیا کہ مرنے کے بعد میں نے دو آدمیوں کو حالتِ سجدہ میں دیکھا جو اللہ سے میری دوبارہ زندگی کی درخواست کر رہے تھے۔ بادشاہ نے کہا اگر وہ دونو آدمی تیرے سامنے آجائیں تو ان کو پہچان لو گے بیٹے نے جواب دیا کہ ابھی ابھی کی بات ہے کیوں نہ پہچانوں گا پس شاہی حکم سے تمام لوگوں کو صحرا میں لے جایا گیا اور ایک ایک کو شہزادے کے سامنے سے گذارا گیا۔ کافی لوگوں کے بعد ان دو میں سے ایک کی باری آئی تو شہزادے نے کہا ایک تو یہ ہے۔ پھر کچھ وقفے کے بعد جب دوسرا گذرا تو شہزادے نے کہا دوسرا یہ ہے۔ پس بادشاہ اور اہلِ مملکت مشرف باسلام ہوگئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بادشاہ کفر پر ڈٹا رہا اور اُس کی تمام رعایا بھی کافر رہی اور رسولوں کے قتل کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ اور قرآن آیات میں بھی اسی روایت کی تائید ہے اور ممکن ہے کہ پہلی روایت کے ماتحت بادشاہ اور اراکین مملکت اگرچہ مشرف باسلام ہوگئے تھے لیکن جو لوگ ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ انہوں نے رسولوں کے قتل کا منصوبہ بنایا ہو

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ
تو وہ کہنے لگے تم تو ہمارے جیسے بشر ہی ہو اور اللہ نے کوئی شے نازل نہیں
شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ
کی تم بالکل جھوٹے ہو انہوں نے کہا خدا گواہ ہم یقیناً تمہاری
اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۸﴾
طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ہم پر صرف یہی واجب ہے کہ تم تک پہنچا دیں (کلمۂ حق)

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ معلوم ہوتا ہے کہ بشریت اور رسالت کے درمیان کافر لوگ پہلے دن سے منافات کے قائل تھے۔ اُن کے ذہن نشین یہ بات کرائی گئی تھی کہ رسول وہی ہوگا جو بشر نہ ہو۔ اسی بنا پر جب بھی کوئی رسول خدا کی جانب سے مامور بہ تبلیغ ہوتا تو قوم کے واعظ و مقرر عوام الناس کو گمراہی پر برقرار رکھنے کے لئے یہ پروپگنڈا کیا کرتے تھے کہ یہ تو ہم جیسا بشر ہے یہ رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی اگر رسول ہوتا تو ہم جیسا بشر نہ ہوتا چنانچہ انطاکیہ کی طرف مامور بہ تبلیغ ہو کر جانیوالے رسولوں کو بھی پہلی دفعہ یہی جواب دیا گیا کہ تم تو ہمارے جیسے بشر ہو تم کیسے رسالت کا دعویٰ کرتے ہو۔ آج کل بھی رسول کو بشریت سے الگ کرنے والوں نے سابق کفار کا اگلا ہوا لقمہ چبایا ہے۔ اور عوام الناس کو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ تو کوئی اور مخلوق تھے ہرگز ہرگز بشر نہ تھے لہٰذا وہ تمام بشری تقاضوں سے بالاتر تھے حالانکہ خداوند کریم نے اپنے حبیب کو اپنی بشریت کا اعلان کرنے کا خود حکم

دیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہ دو کہ میں تمہارے جیسا بشر ہوں ۔ (پارہ ۱۶ ع ۲)

فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ ۔ ایک روایت میں ہے خدا نے جو پہلے دو رسول بھیجے ان کا نام شمعون و یوحنا تھا۔ اور تیسرے کا نام بولس تھا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ پہلے دو کا نام صادق و صدوق تھا۔ اور تیسرے کا نام سلوم تھا۔ اور تیسری روایت میں ہے کہ یہ حضرت عیسٰی کے فرستادہ تھے خدا کی جانب سے رسول نہ تھے اور خدا نے اپنی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ عیسٰی کا ان کو بھیجنا بھی خدا کے امر کے ماتحت تھا۔ اس روایت کے ماتحت پہلے دو ناموں کی تصریح نہیں ملتی۔ البتہ تیسرے کا نام شمعون الصفا (پطرس) ملتا ہے

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ ۔ جب انہوں نے خدا کی جانب سے مامور ہونے پر نشانیاں معجزات و کرامات دکھائے مثلاً مریض شفایاب ہوئے اور نابینا لوگ بینا ہوئے اس کے بعد بھی جب ہٹ دھرم لوگوں نے کہنا شروع کیا تم جھوٹے ہو۔ اللہ کا کوئی حکم تمہارے پاس موجود نہیں ہے بلکہ تم تو ہم جیسے بشر ہو تو انہوں نے اللہ کو اپنا گواہ قرار دیا۔ اور کہا ہمارا اتنا ہی کام تھا جو ہم نے انجام دے دیا اس کے بعد ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا ۔ جب کفار نے دیکھا کہ رسولوں کی دلیلوں کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں اور نہ ان کے معجزات کو ٹھکرایا جا سکتا ہے پس اپنے ضد کے جواز کو ثابت کرنے کا بہانہ نکال لیا کہ تم ہمارے لئے فالِ بد بن کر آئے ہو کہ ہمیں تم لوگوں نے اپنے آبائی مذہب سے بدظن کر دیا ہے کہ آبائی دین کو چھوڑ کر تمہارے پیچھے جانا بھی ہمارے لئے مشکل ہے اور آبائی خداؤں کا کھوکھلا پن معلوم کرنے کے بعد اس دین پر باقی رہنا بھی ہمارے لئے مشکل ہے اور یہ مصیبت تمہاری ہی وجہ سے ہے لہذا اس کا تلخ نتیجہ دیکھنے کے لئے تیار ہو جاؤ ہم اس مذہبی بدمزگی کا بدلہ تم سے ضرور لیں گے پس تم پر پتھر برسائیں گے اور تمہیں دردناک سزا دیں گے۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ

کہنے لگے تم ہمارے لئے فالِ بد لائے ہو اگر تم باز نہ آئے تو تم پر ہم پتھر برسائیں گے اور تم کو ہماری

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٩﴾ قَالُوْا طَاۗىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ

طرف سے دردناک سزا ملے گی — انہوں نے کہا تمہاری فالِ بد تمہارے اپنے ساتھ ہے

قَالُوْا طَاۗىِٕرُكُمْ ۔ رسولوں نے نہایت پرسکون ہو کر ان کو جواب دیا کہ ہم فالِ بد نہیں بلکہ فالِ بد کے تم خود موجب ہو تم اس قسم کے کمزور خداؤں کے آگے کیوں جھکتے ہو پس ساری بدبختی کے موجب تو وہی ہیں ہم نے تو تم کو توحید کی دعوت دی ہے جس کے قبول کرنے میں برکت ہی برکت ہے۔

ءَاِنْ ذُكِّرْتُمْ ۔ یعنی ہم نے تو تمہارے دماغوں سے غفلت کا پردہ ہٹایا اور تمہیں دعوتِ فکر دی ہے تو کیا تم اس کو فالِ بد سمجھتے ہو؟ پس تم سوچو اور حدِ انصاف سے تجاوز نہ کرو اگر تھوڑا سا بھی اپنے گریبان میں جھانک کر حقیقت کا جائزہ لو گے تو تم پر یہ بات واضح ہو جائے گی۔ اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حق کو قبول کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرو۔

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے قدرے اختلاف کے ساتھ روایت مذکورہ درج ہے۔ اور وہ اس

طرح کہ اللہ نے اہل انطاکیہ کی طرف دو رسول بھیجے تو انہوں نے ایسے لب ولہجہ میں تبلیغ کی جس سے لوگ ان کے خلاف بھڑک اُٹھے اور ان کے دلوں میں جذبۂ نفرت پیدا ہوگیا جس کے نتیجے میں ان کی پٹائی کی گئی اور بالآخر بُت خانے کے ایک کمرے میں ان کو قید کر دیا گیا۔ جب خدا نے تیسرا رسول بھیجا تو اُس نے بادشاہ کے دروازہ پر دستک دے کر یہ خواہش ظاہر کی کہ میں جنگلوں میں عبادت کیا کرتا ہوں اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ بادشاہ کے حقیقی خدا کی عبادت خانے میں بیٹھ کر عبادت کروں، جب بادشاہ تک اُس کی یہ درخواست پہنچی تو اُس نے اس کے لئے اس کمرے کے دروازہ کو کھولنے کا حکم دیا جس میں اُن کے بُت رکھے ہوئے تھے اور سابق دونو رسول بھی وہاں پابہ زنجیر تھے پس یہ اپنے سابق دونو ساتھیوں کے ساتھ ایک سال تک مصروفِ عبادت رہا جب ان دونو سے رخصت ہونے لگا تو ان کو نصیحت کی کہ تبلیغ کے لئے مزاج شناسی ضروری چیز ہے اور اس میں دانشمندی کا بڑا دخل ہے لہٰذا بعد میں جب ملاقات ہو تو میرے متعلق یہ ظاہر کرنا کہ یہ ہمارا واقف یا ساتھی ہے پس اس کو بادشاہ تک پہنچنے کی اجازت مل گئی اور بادشاہ نے پہلی ہی ملاقات میں کہہ دیا کہ تو نے میرے خدا کی پرستش کی ہے لہٰذا تو مجھے بہت پیارا ہے۔ بلکہ تو میرا بھائی ہے مجھ سے جو کچھ طلب کرنا چاہو میں انکار نہ کروں گا۔ انہوں نے جواب دیا اور تو ایسی کوئی بات نہیں البتہ میں نے خداؤں کے کمرہ میں دو قیدی پابہ زنجیر دیکھے ہیں اُن کا کیا معاملہ ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا یہ دونو مجھے اپنے دین سے گمراہ کرنے آئے تھے اور مجھے آسمانی خدا کی طرف دعوت دیتے تھے۔ انہوں نے کہا بادشاہ سلامت! کھلا مناظرہ ہونا چاہیئے اور اس کے لئے میں تیار ہوں۔ اگر وہ سچے ثابت ہوئے تو ہم اُن کے پیچھے چلیں گے لیکن اگر حق ہمارے ساتھ ہوا تو اُن کو لازماً ہمارے پیچھے چلنا پڑے گا۔ چنانچہ بادشاہ نے فوراً بات قبول کر لی اور مناظرہ کا وقت معین کر دیا گیا چنانچہ وقت معین پر جب فریقین ایک دوسرے کے رُوبرو ہوئے تو انہوں (شمعون) نے اُن سے خطاب کر کے دریافت کیا کہ تم اپنا مسلک بیان کرو۔ ان دونو نے جواب دیا کہ ہم اُس خدا کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ اور ارحام میں جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اُس کی تصویر بناتا ہے۔ جس طرح چاہے درختوں اور اُن کے پھلوں کا خالق بھی وہی ہے۔ اور آسمان سے بارش بھی وہی برساتا ہے۔ انہوں (شمعون) نے دریافت کیا کہ جس خدا کی عبادت کا تم پیغام لائے ہو کیا نابیناؤں کو بینا کر سکتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم دعا کریں تو انشاء اللہ وہ ضرور ان کو بینا کر دے گا۔ چنانچہ ایک اندھے کو لایا گیا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا مانگی پس وہ بینا ہو گیا۔ شمعون نے بادشاہ سے دوسرا اندھا منگوایا اور خود سجدہ میں گر کر دعا کی تو یہ بھی بینا ہو گیا۔ پس کہنے لگا بادشاہ سلامت! اس مقابلے میں ہم برابر رہے۔ ایک اندھا انہوں نے ٹھیک کیا ہے اور ایک کو میں نے ٹھیک کر دیا ہے۔ چنانچہ بادشاہ کا حوصلہ بڑھا اور شمعون کا وقار اس کے دل میں اور زیادہ ہو گیا۔ پھر تیسرا شخص لایا گیا جو اپاہج لولہا تھا ان دونو نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی تو وہ بالکل تندرست ہو گیا پھر چوتھا شخص اپاہج منگوایا گیا جس کو شمعون نے دعا مانگ کر تندرست کر دیا اور کہا اے بادشاہ اب تک تو ہم دونو برابر رہے ہیں لیکن اب ایک بات باقی ہے اگر اس میں وہ کامیاب ہو گئے تو مجھے ان کا دین قبول کرنے سے کوئی عذر نہ ہوگا۔ بادشاہ سلامت میں نے سنا ہے کہ آپ کا اکلوتا فرزند آپ کو داغِ مفارقت دے کر وفات پا گیا ہے اگر ان کا خدا اُس کو زندہ کر دے تو میں ان کے دین

کو قبول کر لوں گا۔ بادشاہ نے فوراً کہا کہ اگر ایسا ہو جائے تو مجھے بھی ان کا دین قبول کرنے سے کوئی عذر نہ ہوگا چنانچہ شمعون نے اُن سے کہا کہ اگر بادشاہ کا بیٹا دوبارہ زندہ کردو گے تو ہم تمہارے دین میں شامل ہو جائیں گے اس کے بعد روایت وہی ہے جو گذر چکی ہے

بہرکیف جو لوگ آنکھوں سے سب کچھ دیکھنے کے باوجود بھی کفر پر ڈٹے رہے انہوں نے خدا کے فرستادہ رسولوں کو قتل کی دھمکی دے دی اور اُن کی ایذا رسانی کا انہوں نے پختہ ارادہ کر لیا۔

أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُونَ ﴿٢٠﴾ وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى

کیا تم کو نصیحت کی گئی (تو یہ کہتے ہو) بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو اور ایک شخص (حبیب نجار)

الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾

شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا اے قوم رسولوں کی بات مان لو اور ایسے لوگوں کی

اتَّبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾

بات مانو جو تم سے اُجرت نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں

جَاءَ رَجُلٌ - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ شخص حبیب نجار تھا اور یہ رسولوں کی پہلی آمد میں ہی مسلمان ہو چکا تھا اس کا گھر شہر کے آخری کونہ میں تھا جب اس کو معلوم ہوا کہ میری قوم انکی تکذیب کر چکی ہے اور وہ اُن کے قتل کے درپے ہیں تو دوڑتا ہوا آیا اور اپنی قوم سے خطاب کر کے کہنے لگا تم ان رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور ان کی بات کو تسلیم کر لو۔ اُس کو ان کی نبوت کا علم اس بات سے ہو گیا تھا کہ جب اُنہوں نے دعوتِ توحید پہنچائی تو اُس نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا تم اُس کی مزدوری بھی لو گے؟ تو انہوں نے انکار کیا پس اُس کو یقین ہو گیا کہ یہ رسول ہیں۔ اور بعضوں نے ذکر کیا ہے کہ اپاہج یا مجذوم تھا اور اُن کی دعا سے شفایاب ہو گیا تھا پس فوراً ایمان لایا۔ اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ یہ شخص حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت پر ایمان لایا تھا حالانکہ چھ سو سال اس کا زمانہ آپؐ سے پہلے ہے۔ بعض روایات میں ہے خفیہ طور پر ایک غار میں خدا کی عبادت کیا کرتا تھا جب انطاکیہ میں رسولوں کی آمد پر مطلع ہوا تو حاضرِ خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوا۔ بروایت مجالس حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے۔ صدیق کل تین ہیں۔

(۱) مومن آل یٰسین حبیب نجار (۲) حزقیل مومن آل فرعون (۳) علی بن ابی طالب۔ اور یہ ان دونوں سے افضل ہے۔

دوسری روایت میں اُمتوں میں سے سابق فی الاسلام تین ہیں جنہوں نے پلک جھپکنے کے برابر بھی کفر نہیں کیا۔

(۱) علی بن ابی طالب (۲) مومن آل یٰسین (۳) مومن آل فرعون۔ پس یہی صدیق ہیں اور علی ان سے افضل ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جن تینوں نے پلک جھپکنے کے برابر بھی کفر نہیں کیا وہ یہ ہیں۔

(۱) مومن آلِ یٰسین (۲) علی بن ابی طالب (۳) آسیہ زوجہ فرعون۔

پارہ ۲۳

رکوع ۲۔ وَمَالِیَ ۔ اس روایت کے ماتحت کہ بادشاہ مسلمان نہ ہوا بلکہ کفر پر ڈٹا رہا مقصد یہ ہے کہ جب حبیب نجار نے قوم کو رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا تو بادشاہ نے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرے پاس کوئی عذر اور کوئی معقول دلیل نہیں ہے کہ پیدا کرنے والے کی عبادت کو ترک کر دوں اور ایسوں کو خدا مان لوں کہ اگر حقیقی خالق مجھے گرفت میں لے لے تو وہ میری نہ فریاد سن سکیں اور نہ مدد کر سکیں۔ اور اگر دوسری روایت تسلیم کی جائے جس میں بادشاہ کے مسلمان ہونے کا ذکر ہے تو مقصد یہ ہوگا کہ جو لوگ کفر پر ثابت رہے انہوں نے جب اس سے بیان لیا تو اس نے ان کو نصیحت بھی کی اور اپنا نظریہ بھی پیش کیا۔

اِنِّیْ اٰمَنْتُ ۔ یا تو رسولوں کی طرف خطاب کر کے کہا تھا کہ میرے ایمان کی گواہی دینا اور یا کفار سے خطاب کر کے اپنے ایمان کا اعلان کیا اور ان کو نصیحت کی۔ پس انہوں نے اس کو پاؤں سے روند ڈالا یا پتھر برسانے شروع کر دیے لیکن خدا نے اسے زندہ اٹھا لیا اور اس کو خطاب ہوا۔

اُدْخُلِ الْجَنَّةَ ۔ یعنی موت سے پہلے ہی جنت میں چلے جاؤ اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا لیکن خدا نے اس کو زندہ کر کے جنت میں بھیج دیا اور جنت میں پہنچنے کے بعد بھی اسے قوم کے ایمان نہ لانے کا افسوس رہا۔

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور میرے پاس کیا دلیل ہے کہ نہ عبادت کروں اس کی جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب نے

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ

پلٹنا ہے کیا میں بناؤں اس کے علاوہ ایسے معبود کہ اگر خدا مجھے تکلیف دینے کا ارادہ کرے تو ان کی

لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۴﴾ اِنِّیْٓ اِذًا

شفاعت مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں بے شک میں

لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۵﴾ اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۶﴾

ایسی صورت میں کھلی گمراہی میں ہوں گا بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں پس میری گواہی سن لو

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِیْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾

کہا گیا داخل ہو جا جنت میں تو وہ کہنے لگا کاش میری قوم جانتی ہوتی

وَاِنْ کُلٌّ لَّمَّا ۔ اگر لَمَّا کو تشدید کے ساتھ پڑھا جائے تو اِلَّا کے معنی میں ہوگا۔ اور اِن نافیہ ہوگا اور تقدیر اس طرح ہوگی۔ مَا کُلٌّ اِلَّا لَدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ اور اگر لَمَا کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے جس طرح بعض قاریوں نے پڑھا ہے تو اِن مخفف ہوگا ثقیلہ سے اور ضمیر شان اس کا اسم ہوگا۔ اور لَمَا کا لام تاکید کے لئے اور ما زائدہ ہوگا اور جمیع کا لفظ ہر دو صورت میں تاکید کے لئے ہوگا یعنی سب کے سب بروز محشر ہمارے سامنے پیش کئے جانے والے ہیں۔

رکوع ۲ - اَلْمَیْتَۃ - یعنی بنجر زمین کو آسمان سے پانی برسا کر آبادی کے قابل بنایا۔

مِنْ ثَمَرِہٖ ص۲۲ - ضمیر غائب کا مرجع نخیل اور اعناب میں سے ایک ہے یعنی مِنْ ثَمَرِ اَحَدِھِمَا۔

وَمَا عَمِلَتْہُ ص۲۲ - اس ما کو موصولہ بھی بنایا جا سکتا ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کھجوروں اور انگوروں کے بے مشقت پھل بھی کھائیں اور وہ چیزیں بھی کھائیں جن میں ان کی محنت و کاوش کو دخل ہے۔ اور اگر نافیہ قرار دیا جائے تو معنی وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے۔

بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَا اَنْزَلْنَا

کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے عزت پانیوالوں میں جگہ دی ہے اور ہم نے نہیں نازل

عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا

کیا اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی آسمانی لشکر اور نہ ہمیں

مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ

اتارنے کی ضرورت تھی صرف ایک ہی دھماکہ تھا کہ وہ موت کی نیند سو گئے

خٰمِدُوْنَ ﴿۳۰﴾ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ

ہائے حسرت بندوں پر کہ ان کے پاس جب بھی کوئی رسول

رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۱﴾ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ

آیا تو وہ اس کے ساتھ مسخری کرتے رہے آیا دیکھتے نہیں ہم نے ان

اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَیْهِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۳۲﴾

سے پہلے کتنی اُمتیں ہلاک کیں کہ وہ اُن کی طرف نہیں پلٹ سکتے

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ

اور تحقیق وہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کیے جانیوالے ہوں گے اور اُن کے لئے نشانی ہے مردہ زمین جس کو

سُبْحٰنَ الَّذِیْ ص۲۲ - یعنی خداوند کریم نے جس طرح زمین سے اُگنے والی انگوریوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔ اور ہمارے نفسوں سے بھی نر و مادہ کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔ اسی طرح ایسی مخلوق بھی ہے جن کو تم نہیں جانتے اور وہ بھی جوڑا جوڑا ہیں مثلاً زمین کی گہرائیوں میں اور سمندروں کی تہوں میں رہنے والی مخلوق۔

نَسْلَخُ - گویا رات کو جسم قرار دے کر آیت مجیدہ میں دن کو اس کا لباس قرار دیا گیا ہے کہ جب ہم رات سے دن کا لباس اتار لیتے ہیں تو وہ تاریک ہو جاتی ہے

اور اس کو اللہ نے اپنی توحید و قدرت و حکمت کی نشانی قرار دیا ہے۔

لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا - مستقر کا معنی اس کا معین راستہ ہے جس پر وہ جاری ہے یا اس کا معنی مقررہ مدت ہے جس کا علم

اللہ سبحانہ کو ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ۔ چاند کی منازل کے متعلق مفصل بیان تفسیر کی جلد ۷ ص۱۴۲ پر ملاحظہ ہو۔

اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا

ہم نے زندہ کیا اور اس سے غلہ پیدا کیا جس سے وہ کھاتے ہیں اور پیدا کئے ہم نے

فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ

اس میں باغات کھجوروں اور انگوروں کے اور جاری کئے اس میں ہم نے

الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ

چشمے تاکہ اس کے پھل کھائیں حالانکہ ان کے ہاتھوں نے کچھ بھی نہیں بنایا

اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا

کیا وہ شکر نہیں کرتے ؟ پاک ہے وہ ذات جس نے سب جوڑے پیدا کئے

مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

ان چیزوں میں سے جن کو زمین اگاتی ہے اور ان کے اپنے نفسوں میں سے اور ایسی چیزوں سے جن کو وہ نہیں جانتے

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور ان کے لئے نشانی ہے رات کہ اتار لیتے ہیں اس سے دن (کا لباس)، تو وہ تاریکی میں رہ جاتے ہیں

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

اور سورج جو اپنے مخصوص راستے پر چلتا ہے تقدیر ہے غالب جاننے والے کی

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾

اور چاند کی منزلیں ہم نے مقرر کر دیں یہاں تک کہ ہو گیا کھجور کے پرانے خوشے کی طرح

كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ۔ کھجور کے خوشے کی ڈنڈی جب خشک ہو کر پرانی ہو جائے تو بالکل پہلی رات کے چاند کی طرح کمان کی شکل اختیار کر لیتی ہے اُسے عرجون کہا جاتا ہے۔ اور چاند اپنی منازل کو طے کر کے جب اپنا دورہ مکمل کرتا ہے تو عرجونِ قدیم یعنی کھجور کے خوشے کی خشک ڈنڈی کی طرح کمان کی شکل اختیار کر کے جانبِ مغرب سے طلوع کرتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ ص۲۳ سورج اپنا پورا دورہ سال میں ختم کرتا ہے کیونکہ ہر ایک برج کو وہ ایک ماہ میں طے کرتا ہے۔ بخلاف اس کے چاند ہر برج کو تقریباً اڑھائی دنوں میں طے کر کے ایک مہینہ میں اپنا دورہ مکمل کر لیتا ہے۔ اس لئے ناممکن ہے کہ سورج اپنی رفتار کو تیز کر کے قمر کی طرح جلدی سے منازل کو طے کر سکے۔ ورنہ

نظام شمسی ختم ہو جائے گا۔

وَلَا الَّیْلُ ۔ اور رات کے لئے دن سے سبقت کرنا بھی نا ممکن ہے کیونکہ آیت نمبر ۳۸ میں دن کی روشنی کو رات کے جسم کا لباس قرار دیا گیا ہے تو جب تک رات سے دن کا لباس الگ نہ ہو تو وہ ہو نہیں سکتی۔

وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ ۔ اس جگہ فلک سے مُراد اجرام سماویہ کے وہ مدار ہیں جن پر وہ چکر لگاتے ہیں۔ پس سورج کا مدار الگ اور چاند کا مدار الگ ہے۔ اسی طرح ہر ستارے و سیارے کے مدارات جُدا جُدا ہیں۔ اور ہر جرم اپنے اپنے مدار میں ہی گردش کرتا ہے۔

ذُرِّيَّتَهُمْ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ذریت کا معنی آباء و اجداد بھی ہو سکتا ہے اور اولاد بھی ہو سکتا ہے اس مقام پر اگر پہلا معنی مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کے آباء و اجداد کو جن کی نسل سے یہ لوگ ہیں ایسی کشتی میں سوار کیا جو آدمیوں اور جانوروں سے پُر تھی۔ اور کشتی سے مُراد کشتی نوح ہوگی۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے مقصد یہ ہے کہ ہم نے بحری سفروں کو طے کرنے کے لئے اُن کی اولادوں کے لئے کشتیوں کا سفر آسان کر دیا۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ

نہ سورج کے لئے جائز ہے کہ چاند کو پالے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی

النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا

ہے اور ہر ایک اپنے اپنے فلک میں سیر کرتے ہیں اور ان کے لئے نشانی ہے کہ ہم نے

حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۲﴾ وَخَلَقْنَا

ان کی اولاد کو کشتیوں میں اٹھایا جو آدمیوں سے پر ہوتی ہیں اور ہم نے ان

لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ

کے لئے اس کی طرح اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہتے تو انکو غرق کر دیتے

ذُرِّیَّت ذرٌّ سے ہے جس کا معنی ہے پیدا کرنا پس آباء و اجداد کو اس لئے ذریت کہنا درست ہے کہ ان سے نسل پیدا ہوتی ہے اور اولاد کو اس لئے ذریت کہنا درست ہے کہ وہ اپنے آباء و اجداد سے پیدا ہوتے ہیں۔

فُلْكِ ۔ واحد ہو تو بروزن قُفْل اور جمع ہو تو بروزن اُسْد ہوتا ہے۔ اور جس لفظ کا مادہ فاء لام اور کاف ہو اس میں چکر لگانے کا معنی پایا جاتا ہے۔ کشتی چونکہ پانی میں چکر لگاتی ہے اس کو فلک کہتے ہیں۔ فلک اور فلکۃ المغزل میں یہی مناسبت موجود ہے۔

مَا يَرْكَبُوْنَ ۔ اگر سابق میں فلک سے مراد صرف کشتی نوح ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اُسی کشتی کی طرح اور کشتیاں بھی ہم نے پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر اس سے مراد عام کشتیاں ہوں تو مقصد یہ ہے کشتیوں کی طرح عام اسفار کے لئے ہم نے

اس جیسی اور سواریاں پیدا کر دیں جن پر وہ سوار ہو کر دُور دراز کے سفروں کو طے کرتے ہیں مثلاً اونٹ گھوڑے وغیرہ۔

اِتَّقُوا۔ آخرت سے ڈرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے عذاب سے بچو اور دنیا سے ڈرنے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ذیب خوردہ ہو کر آخرت کو فراموش نہ کر بیٹھو تاکہ تم قابلِ رحم ہو جاؤ۔

فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ﴿۴۴﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا

پس نہ ان کی فریاد ہوتی اور نہ وہ بچائے جاتے مگر یہ کہ ہم ان پر رحم کریں اور

وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۴۵﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ

ان کو نفع دیں ایک وقت تک اور جب ان کو کہا جائے کہ ڈرو اس سے جو سامنے

أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۶﴾ وَمَا تَأْتِيهِمْ

ہے (قیامت) اور جو پیچھے ہے (دنیا) تاکہ تم رحم کئے جاؤ اور نہیں آتی ان کے

مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۴۷﴾

پاس نشانی اللہ کی نشانیوں میں سے مگر یہ کہ وہ ان سے روگردانی کرتے ہیں

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور جب ان کو کہا جائے خرچ کرو اس سے جو تمہیں خدا نے رزق دیا تو کہتے ہیں جو کافر ہیں

لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنْتُمْ

ان کو جو ایمان لائے کیا ہم کھانا دیں ان کو جن کو چاہے تو اللہ کھانا دے سکتا ہے تم نہیں ہو

إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۴۸﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ

مگر واضح گمراہی میں اور کہتے ہیں تمہارا وہ وعدہ کہاں گیا

اَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ۔ باختلاف مفسرین یہ خطاب جواب یہودیوں سے یا مشرکین مکہ سے یا ملحد و بیدین لوگوں سے ہے کہ جب ان کو راہِ خدا میں غربا و مساکین پر خرچ کرنے کو کہا جائے تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم ایسے لوگوں کو کس طرح کھلائیں جن کو اگر اللہ خود چاہتا تو رزق دے کر کھلا سکتا تھا پس اللہ کا ان کو رزق نہ دینا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ان کے کھلانے پر راضی نہیں ہے

وَهُمْ يَخِصِّمُونَ (۲۵)۔ یہ باب افتعال سے ہے۔ اصل میں یَخْتَصِمُونَ تھا اور صرفیوں کا قاعدہ ہے کہ جب باب افتعال کے عین کلمہ میں صاد آجائے تو تاء افتعال کو عین کی جنس سے بدل کر ادغام کر دیتے ہیں اور تاء انتعال سے ماقبل حرف پر فتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور عین کی حرکت کے موافق اس پر کسرہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ اچانک ان پر قیامت قائم ہو جائے کہ وہ باہمی معاملات میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں۔

فَيَحَنَّ۔ اس جگہ صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً سے مُراد پہلا نفخ صور ہے جب اسرافیل پہلی دفعہ نفخ صور کریگا تو لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے۔ کوئی بازار میں کوئی کھیتی میں اور کوئی گھر میں ہوگا۔ نیز کوئی بازار سے کپڑا خرید رہا ہوگا تو اُسے اس کے لپیٹنے کا موقعہ نہ ملے گا اور کوئی روٹی کا لقمہ توڑ رہا ہوگا تو منہ تک لے جانے کی فرصت نہ ملے گی کہ موت آجائے گی جو گھر سے باہر ہوں گے وہ وہیں رہ جائیں گے اور جو گھروں میں ہوں گے ان کو بھی ایک دوسرے کو کچھ وصیت کرنے کا موقعہ نہ ملے گا۔

رکوع ۳

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ۔ اس سے مُراد نفخۂ ثانیہ ہے کہ جب اسرافیل دوسری بار صور پھونکے گا تو لوگ فوراً قبروں سے نکل کر دربار عدالتِ خداوندی میں پیش ہوں گے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٩﴾ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

اگر تم سچے ہو؟ وہ نہیں انتظار کرتے مگر ایک آواز دھماکے کا جو ان کو

تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿٥٠﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ

پکڑ لے درحالیکہ وہ آپس میں جھگڑا کر رہے ہوں پس نہ طاقت پائیں وصیت کرنے کی اور نہ اپنے

اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥١﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ

گھر والوں کی طرف پلٹ سکیں اور پھونکا جائے گا صور میں تو فوراً قبروں سے نکل کر

مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥٢﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ

اپنے رب کی طرف دوڑ کر جائیں گے کہیں گے ہائے افسوس! کس نے

یا ویلنا۔ یعنی ایکدوسرے سے کہیں گے کہ ہمیں نیند سے کس نے جگا دیا ہے یعنی یوں معلوم ہوگا۔ جس طرح گہری نیند سے جگائے گئے ہوں گویا اس وقت گذشتہ مدت خواب غفلت معلوم ہوگی تو انہیں فوراً جواب ملے گا کہ یہ وہی دن ہے جس کا اللہ نے وعدہ فرمایا تھا اور اس کے رسولوں نے اس کا صحیح اعلان کیا تھا۔ تفسیرِ صافی میں حضرت ابوذر کا قول منقول ہے کہ مرنے سے لے کر قبر سے اُٹھنے کا وقفہ یوں معلوم ہوگا جس طرح نیند کے بعد کسی کو جگا یا جائے۔

اور بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب نفخۂ اولیٰ کے بعد سب زمین پر بسنے والے موت کی آغوش میں پہنچ جائیں گے تو تمام مخلوق کی سابق زندگی و موت کی مدت کے برابر بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ عرصے تک خاموشی طاری رہے گی پھر پہلے آسمان والوں پر موت آئے گی پھر سابق کی تمام مدت کے برابر بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ عرصہ تک وقفہ ہوگا۔ پھر تیسرے آسمان والوں پر موت آئے گی اور سابق کی تمام مدت اور اس سے کئی گنا زیادہ وقفہ کے بعد چوتھے آسمان والوں پر موت آئے گی۔ اسی نسبت سے سابق تمام مدت اور مزید وقفہ کے بعد علی الترتیب پانچویں چھٹے ساتویں آسمان والوں پر موت آئے گی۔ اور پھر سابقہ تمام مدت اور اس سے کئی گنا زیادہ وقفہ کے بعد میکائیل پر موت آئے گی پھر سابقہ مدت اور مزید وقفہ کے بعد

اسرافیل کو موت دی جائے گی۔ آخر میں سب گذشتہ مدت اور مزید وقفہ کے بعد ملک الموت کو موت دی جائے گی تو اللہ کی جانب سے ندا آئے گی۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔ بتاؤ آج کس کی بادشاہی ہے؟ تو خود زبانِ قدرت ہی جواب دے گی لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ حکومت اس اللہ کی ہے جو اپنی حکومت میں واحد اور سب پر غالب ہے۔ آج وہ جبار کہاں ہیں جو میرے ساتھ شریک مانتے تھے؟ آج متکبر لوگ اور اُن کا تکبر کہاں ہے؟ اس کے بعد دوبارہ مخلوق کو محشور کیا جائے گا۔

فِيْ شُغُلٍ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جنتیوں کے سات اعضا سات قسم کی الگ الگ لذات میں مشغول ہوں گے (۱) قدموں کو اُدخلوھا بسلام آمنین کی لذت (۲) ہاتھوں کو حور و غلمان کے ہاتھوں سے جنتی ماکول و مشروب کے لین دین کی لذت (۳) حورانِ جنت سے ہمبستری کی لذت (۴) پیٹ کو کھانے پینے کی لذت (۵) زبان کو شکر پروردگار کی ادائیگی کی لذت (۶) کانوں کو عفو گناہ سے محفوظ ہونے اور لہجہ ہائے جنت سے محظوظ ہونے کی لذت (۷) اور آنکھوں کو مناظرِ جنت کی سیر کی لذت نصیب ہوگی۔

بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ

اٹھایا ہم کو اپنی خوابگاہ سے یہ وہ ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور سچ کہا رسولوں نے نہیں

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا

ہوگا مگر ایک آواز (دھماکا) پس فوراً وہ سب کے سب ہمارے پاس حاضر ہوں گے

هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا

پس اس دن نہ ظلم

تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ اِنَّ

کیا جائے گا کسی پر کچھ اور تم کو نہ بدلہ دیا جائے گا مگر وہ جو تم کرتے تھے تحقیق

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۶﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ

جنتی لوگ اس دن اپنے شغل میں خوش ہوں گے وہ اور اُن کی بیویاں سایہ

فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۷﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا

کے نیچے اپنے تختوں پر تکیہ لگانے والے ہوں گے ان کے لئے اس میں میوہ جات ہوں گے اور ان کے لئے

اور میرے خیال میں شیعیانِ آلِ محمدؐ کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دیدار کی لذت سب لذتوں سے بڑھ کر ہوگی۔ اور پھر دشمنانِ آلِ محمدؐ کی جہنم میں جلنے کی خوشی سابق لذتوں پر سونے پر سہاگہ کا کام دے گی۔ پس اللہ سے دُعا ہے کہ مجھے اور میرے والدین کو اور میرے اساتذہ کو اور جملہ مومنین کو جنت میں آلِ محمدؐ کا قرب عطا فرمائے۔

(۵)

سَلَامٌ - یعنی ویسے تو اہل جنت جو کچھ چاہیں گے ان کو ملے گا لیکن وہ پسند کریں گے اس سلام کو جو کہا جائے گا مہربان پروردگار کی جانب سے - یعنی وہ اللہ کی جانب سے سلام کی خواہش کریں گے - پس فرشتے ان کے پاس پروردگار کی جانب سے سلام لے کر پہنچیں گے -

وَامْتَازُوا الْیَوْمَ - اس کے دو معانی کئے جا سکتے ہیں - ایک یہ کہ مجرموں کو مومنوں سے الگ کر دیا جائے گا - اور دوسرے یہ کہ ہر ایک مجرم کا جہنم میں قید خانہ الگ الگ ہوگا - پس جب ایک مجرم اپنے دوزخ کے مکان میں داخل ہوگا تو اس کا دروازہ بند کیا جائے گا تاکہ اس کا دوسروں سے تعلق کٹ جائے -

یَدَّعُوْنَ ﴿۵۸﴾ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ﴿۵۹﴾

وہ ہوگا جو کچھ چاہیں گے ان سلام کہا جائیگا مہربان پروردگار کی طرف سے

وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْٓ

الگ ہو جاؤ آج اے مجرم لوگو کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا اے

اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۶۱﴾ وَّاَنِ

اولاد آدم کہ نہ عبادت کرنا شیطان کی تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری

اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا

ہی عبادت کرو کہ یہ سیدھا راستہ ہے اور البتہ تحقیق اس نے گمراہ کی تم میں سے

كَثِیْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ

بہت سی مخلوق کیا پس تم عقل نہیں رکھتے یہ وہی دوزخ ہے جس کا تمہارے

كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾

ساتھ وعدہ کیا گیا تھا آج اس میں جلتے رہو بوجہ اسکے جو تم کفر کرتے تھے

جِبِلًّا كَثِیْرًا - جبل سے ہے - جس کا معنی ہے طبیعت اور جبلت اسی سے ہے یہاں مراد مخلوق ہے -

اِصْلَوْهَا - یہ صلاۃ سے ہے جس کا معنی ہے لازم پکڑنا - اور اسی طرح گھوڑ دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنے والے کو مصلی کہا جاتا ہے -

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ ص۲۸ تفسیر برہان وصافی میں قمی سے منقول ہے - بروز محشر جب تمام مخلوق حاضر بارگاہِ خداوندی ہوگی اور ہر انسان کو اپنا اعمالنامہ دیا جائے گا پس جب گنہگار لوگ اُسے دیکھیں گے تو اپنے اعمال ناشائستہ کا انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے یہ کام نہیں کئے تھے پس ان کے خلاف فرشتوں کی گواہی طلب کی جائے گی تو وہ کہیں گے اے پروردگار فرشتے بھی تیرے ہیں اس لئے

وہ بھی تیرے فرمان کے مطابق گواہی دے رہے ہیں حالانکہ ہم مجرم نہیں ہیں۔ اور قسمیں کھائیں گے جب یہ نوبت آئے گی تو ان کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی۔ اور ان کے اعضاء سے بیان طلب کیا جائے گا پس ہاتھ پیر اور جملہ اعضا اپنے کئے ہوئے اعمال کی خود شہادت دیں گے۔ اور اُن کی شہادت کی صورت یہ ہوگی کہ یا تو خود ان سے آواز نکلے گی کہ اے پروردگار واقعی مجھ سے یہ کام سرزد ہوا تھا اور یا یہ کہ اعضا پر ایسی حالت طاری ہوگی کہ ان کی ہیئت کذائیہ اپنے کرتوتوں کی گواہ ہوگی جس طرح ڈرے ہوئے آدمی کا چہرہ بتاتا ہے کہ وہ ڈرا ہوا ہے جاگے ہوئے آدمی کی آنکھیں بتاتی ہیں کہ یہ جاگتا رہا ہے۔ اسی طرح سفر سے آنے والے آدمی کے گرد آلود پاؤں بتلاتے ہیں کہ وہ سفر کر کے آیا ہے وغیرہ۔ اور بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اعضاء کی گواہی صرف ان لوگوں کے متعلق لی جائے گی جن پر جہنم حتمی ہوگا اور مومن کو دائیں ہاتھ میں اعمالنامہ دے کر جنت کی طرف بھیج دیا جائے گا۔

وَلَوْ نَشَاءُ ہم نے ان لوگوں کو مجبور نہیں کیا تھا بلکہ آنکھیں اور جملہ اعضاء دے کر با اختیار بنایا تھا پس انہوں نے اپنے اختیار سے غلطیاں کی ہیں۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ

آج ان کی زبانوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ بات کریں گے اور

اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا

ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو کچھ وہ کماتے تھے اور اگر ہم چاہتے تو نورِ بصارت

عَلٰۤى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾

ختم کر دیتے ان کی آنکھوں سے پس ڈھونڈتے راستہ تو کیسے دیکھ سکتے ؟

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا

اور اگر ہم چاہتے تو ان کو مسخ کر دیتے اپنی جگہوں پر پس نہ کہیں جا سکتے

منکرینِ توحید کی تردید

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ زندیق اور خدا کے وجود کا انکار کرنے والے لوگ جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہر شے خود بخود پیدا ہوئی ہے اور خالق کوئی نہیں وہ کہتے ہیں جب عورت و مرد کی مجامعت کے بعد نطفہ عورت کے رحم میں منتقل ہو جاتا ہے تو مختلف غذائیں اس کو شکل دیتی ہیں اور گردش فلک اور شب و روز کا اختلاف اُسے بڑھاتا رہتا ہے۔ پس وہ تیار ہو کر شکمِ مادر سے باہر آتا ہے یہ سب طبیعت غذا اور زمانے کی رفتار کا نتیجہ ہے۔ لہذا کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ خداوند کریم نے نہایت مختصر لفظوں میں اس کی تردید فرمائی ہے کہ اگر رفتارِ زمانہ غذا اور طبیعت ہی اس کو آگے بڑھاتی ہے تو انسان کو ہمیشہ بڑھتے رہنا چاہیئے لیکن اس کا ایک مدت مقررہ تک بڑھنا پھر زیادتی کا رک جانا اور گھاٹے کی طرف پلٹنا حتی کہ بچپنے کی سی

کمزوری کا واپس آجانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس میں کسی بلند و بالا ذات کی صنعت و حکمت کا دخل ہے۔ اور آخر میں صاحبانِ عقل و دانش کو دعوتِ فکر دی ہے کہ سوچیں اور حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

رکوع نمبر ۴

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ۔ قرآن مجید کے متعلق قریشِ مکہ نے اعتراض کیا تھا کہ یہ شاعر ہے اور شاعرانہ تخیل پیش کرتا ہے تو خداوند کریم نے اس کی سختی سے تردید فرمائی ہے کہ نہ ہم نے اس کو شعر کہنا سکھایا اور نہ شعر کہنا اس کی شان ہے بلکہ یہ قرآن و ذکر ہے۔

وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٨﴾ وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ

اور نہ آ سکتے — اور جس کو ہم زندگی دیتے ہیں اسے پلٹا دیتے ہیں جسم میں (پہلی حالت

أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٩﴾ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

کی طرف) کیا وہ سمجھتے نہیں؟ — اور ہم نے اس کو نہیں سکھایا شعر کہنا اور نہ اس کے شایانِ شان ہے

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ﴿٧٠﴾ لِيُنْذِرَ مَنْ

یہ تو صرف ذکر اور قرآن مبین ہے — تاکہ ڈرائے ان کو جو زندہ

كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧١﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا

ہیں (مومن لوگ) اور کلمۂ عذاب ثابت ہو جائے کافروں پر — کیا وہ دیکھتے نہیں

أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا

ہم نے ان کے لئے پیدا کئے وہ جو ہم نے اپنی قدرت سے بنائے چوپائے پس وہ ان کے

مَالِكُونَ ﴿٧٢﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾

مالک ہیں — اور ان کو ہم نے ان کے تابع کیا پس ان میں بعض پر سواری کرتے ہیں اور بعض کو کھاتے ہیں

مَنْ كَانَ حَيًّا۔ قرآن کی نصیحت حاصل کرنیوالوں کو زندہ کہا گیا ہے کیونکہ ان کی ضمیر زندہ ہے۔ اور کفار کو مردہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان میں حق کے قبول کرنے کی صلاحیت بوجہ ضد کے مردہ ہو چکی ہے۔

مَنَافِعُ۔ حیوانات کی اون بال اور کھالیں اور چمڑے سب انسانوں کے لئے فائدہ مند چیزیں ہیں۔

وَمَشَارِبُ۔ یعنی مادہ حیوانات کا دودھ جو اپنے بچوں کو چھوڑ کر انسانوں کی خوراک و مشروب کے طور پر ان کے پیش کرتے ہیں

اور خدا نے ان کو اس طرح مطیع و فرمانبردار کیا ہے کہ وہ کسی وقت بھی انسان کی حکومت کے سامنے بغاوت نہیں کر سکتے اور یہ مقامِ شکر ہے اس لئے فرمایا کہ کیا وہ اس کا شکر نہیں کرتے؟

لَهُمْ جُنْدٌ۔ یعنی ہر ایک اپنے ہم خیال لوگوں اور اپنے باطل معبودوں کے ہمراہ جہنم میں داخل ہوگا یعنی وہ معبود ان کی امداد

وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۷۴﴾

اور ان کے لئے ان میں دیگر فوائد اور پینے کا انتظام بھی ہے کیا وہ شکر نہیں کرتے ؟

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿۷۵﴾

اور انہوں نے بنا لئے اللہ کے علاوہ کئی خدا تا کہ وہ ان کی مدد کریں

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ﴿۷۶﴾

حالانکہ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے اور وہ ان کے ساتھی ہوں گے (جو انکے ہمراہ) جہنم میں حاضر کئے جائیں گے

فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۷﴾

پس تمہیں ان کی بات غمناک نہ کرے تحقیق ہم جانتے ہیں جو وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ

کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا اب وہ (ہمارے مقابلہ میں) کھلم کھلا

مُّبِينٌ ﴿۷۸﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن

مناظر بنا ہوا ہے اور ہمارے سامنے مثالیں بیان کرتا ہے اور اسے اپنی پیدائش بھول گئی

يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۷۹﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا

کہتا ہے ان ہڈیوں کو کون زندہ کریگا جو وہ بوسیدہ ہوں گی کہہ دو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی مرتبہ اسے

أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۸۰﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم

ایجاد کیا تھا اور وہ ہر شئے کو جاننے والا ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے سبز

مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿۸۱﴾

درخت سے آگ کہ تم اس سے اور آگ روشن کرتے ہو

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ

کیا وہ ذات جس نے آسمان اور زمین بنائے وہ قادر نہیں کہ ان جیسے اور بھی پیدا

تو بجائے خود ان کے ہمراہ سب کے سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

مِن نُطْفَةٍ۔ یعنی انسان کو نطفہ اور علقہ و مضغہ کی منزلوں سے گذار کر گوشت پوست ہڈیاں اور پورا ڈھانچہ تیار کر کے ہم نے اس میں روح پھونکا پھر میرا رزق کھا کر جوان ہوا اور اب وہ میرے ساتھ ہی مناظرہ کرتا ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا ؟ اللہ فرماتا ہے کیا تجھے اپنی پیدائش بھول گئی۔ پس جس طرح میں نے تجھے عدم کے بعد وجود دیا اسی طرح بوسیدہ ہڈیوں کو اور خاکستر کے ذروں کو جمع کر کے دوبارہ زندگی دینے پر بھی قادر ہے۔ بلکہ ایجاد سے دوبارہ پیدا کرنا آسان ہوتا ہے پس جو ایجاد کر سکتا ہے وہ دوبارہ آسانی سے پیدا کر سکتا ہے مزید وضاحت

يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۲﴾ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ

کرے ہاں (یقیناً وہ قادر ہے) اور وہ پیدا کرنے والا جاننے والا ہے بے شک اس کا امر

اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۳﴾

جب کسی شے کے متعلق ارادہ کرے اُسے کہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۴﴾

پس پاک و منزہ ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ہر شی کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہے

جلد ۱۱ صفحہ ۹۳ پر ملاحظہ ہو پھر دوسری مثال وضاحت کے لئے دی کہ جو ذات سرسبز درخت سے آگ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں میں روح ڈالنے پر کیسے قادر نہیں؟ پھر مزید وضاحت کے لئے فرمایا جو ذات آسمانوں اور زمین کے لمبے چوڑے اجسام کو پُر از حکمت طریقہ سے ایجاد کر سکتا ہے وہ دوبارہ کیونکر نہیں بنا سکتا بلکہ وہ تو ان جیسے اور بھی کتم عدم سے پیدا کر سکتا ہے کیونکہ وہ آلات کا محتاج نہیں بلکہ جس شے کے متعلق ارادہ کرے تو وہ ہو جاتی ہے۔ والحمد للہ ربّ العالمین۔

سُوْرَةُ صٰٓفّٰتٌ

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر ۱۸۳ ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ جو شخص سورہ والصّافات کو پڑھے تمام جنوں اور شیطانوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور شیاطین اس سے دُور ہٹ جائیں گے اور وہ شرک سے محفوظ ہوگا نیز اس کے دونو محافظ فرشتے قیامت کے روز گواہی دیں گے کہ یہ شخص رسولوں پر ایمان رکھنے والوں میں سے ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص ہر جمعہ کو یہ سورہ مبارکہ پڑھے تو ہر آفت سے محفوظ رہے گا اور زندگانی دنیا کی ہر مصیبت اُس سے دُور ہو جائے گی۔ اور دنیا میں اس کو نہایت وسیع رزق اللہ عطا فرمائے گا۔ نیز مال جان اور اولاد کے معاملہ میں خدا اُس کو شرِ شیطان سے محفوظ رکھے گا اور ہر ظالم سرکش کے ظلم سے بھی خدا اُس کو بچائے گا اگر اس دن یا رات میں مر جائے تو شہید مرے گا اور خدا اس کو بروزِ محشر شہدا کے زمرے میں محشور کریگا اور وہ شہدا کے ہمراہ داخلِ جنّت ہوگا۔

تفسیر برہان میں ہے کہ جس شخص پر حالتِ نزع سخت ہو تو اس کے سرہانے بیٹھ کر سورہ صافات پڑھی جائے پس اس کی روح آسانی سے نکلتی ہے چنانچہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے اپنے فرزند قاسم کو اسی طرح کرنے کا حکم دیا۔
اور خواص القرآن سے منقول ہے کہ اگر اس سورہ کو لکھ کر تنگ منہ والی شیشی میں بند کر کے اُس کو صندوق میں لٹکایا جائے تو اس کے گھر میں جنوں کے غولوں کے غول آئیں گے لیکن کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

رکوع نمبر ۵

وَالصَّآفَّاتِ یہ صَآفَّۃٌ کی جمع ہے یعنی آسمان و زمین کے درمیان صف بستہ اللہ کی عبادت کرنے والے فرشتے۔ اور الزَّاجِرَاتِ یہ زَاجِرَۃٌ کی جمع ہے اور زجر کا معنی ہے روکنا یعنی خدا کی نافرمانی سے روکنے والے فرشتے اور التَّالِیَاتِ یہ تَالِیَۃٌ کی جمع ہے جس کا معنی ہے اللہ کی کتاب کی تلاوت کرنے والے فرشتے اور چونکہ جماعتوں کی تاویل میں ہیں اس لئے مؤنث کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔ اور قسم دو طریقوں سے کھائی جاتی ہے یا تو وہ ذاتِ عظیم ہو جس کی قسم کھائی جائے اور یا وہ بے حد پیاری ہو جس طرح اپنے سر کی یا اولاد کی قسم کھائی جاتی ہے۔ خداوند کریم سے کوئی بلند تو ہے نہیں۔ لہٰذا اس کی قسمیں یا تو اس بنا پر ہیں کہ جہاں بھی کسی چیز کی قسم وارد ہوئی ہے وہاں مضاف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ①
اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)
وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ① فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ② فَالتّٰلِيٰتِ
اُن فرشتوں کی قسم جو (عبادتِ خدا میں) صف بستہ ہیں (انکی قسم) جو (ڈگر ہوتے) روکتے ہیں (ان کی قسم) جو ذکر کی تلاوت
ذِكۡرًا ③ اِنَّ اِلٰهَكُمۡ لَوَاحِدٌ ④ رَبُّ السَّمٰوٰتِ
کرتے ہیں تحقیق تمہارا معبود صرف ایک ہے جو آسمانوں

کو محذوف مانا گیا ہے یعنی ربّ الصّافات۔ ربّ التین اور ربّ الفجر وغیرہ پس اللہ نے اپنی ہی ذات کی قسم کھائی ہے اور یا یہ کہ اُس کی مصنوعات اس اعتبار سے شانِ عظمت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ کہ ہر مصنوع اپنے صانع حقیقی کے وجود اور اس کی توحید کی ناقابلِ تردید نشانی ہے لہٰذا قابلِ قسم ہے اور یا یہ کہ دلیلِ وحدت ہونے اور عظیم شئہ کار توحید ہونے کے لحاظ سے وہ عزیز ترین ہیں اس لئے محلِ قسم ہیں۔ اور اس جگہ قسم کے بعد مقصودِ بیان (جس کو جواب قسم کہا جاتا ہے) توحید پروردگار ہے چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ اِلٰهَكُمۡ لَوَاحِدٌ۔ یعنی عبادتِ خدا میں صف بستہ خدا کی نافرمانیوں سے روکنے والے اور کتابِ خدا کی تلاوت کرنے والے فرشتوں (یا بقول بعض مفسّرین) انسانوں کی قسم تمہارا پروردگار صرف ایک ہے

اور وہی ایک آسمانوں زمین اور ان کے مابین کی جمیع مخلوقات کا پروردگار ہے اور وہی مشرق و مغرب کا رب ہے۔

رَبُّ الْمَشَارِقِ۔ مشرق کی جمع مشارق ہے۔ درحقیقت جس نقطۂ افق سے سورج طلوع کرتا ہے اُسے مشرق کہا جاتا ہے اور چونکہ آسمان پر سورج کی گردش کا مدار ایک نہیں ہے بلکہ ہر روز اس کا مدار الگ ہوتا ہے لہٰذا سال بھر میں ہر دن اس کے طلوع کا نقطہ بھی الگ الگ ہوتا ہے پس کم از کم سال میں تین سو پینسٹھ مشارق اور اسی طرح تین سو پینسٹھ مغارب بنتے ہیں جن میں سے نصف خطِ استوار کے شمال میں ہیں اور وہ سورج کے برج حمل میں داخلے سے لے کر برج میزان تک پہنچنے کا ششماہی موسم گرما کا زمانہ ہے اور نصف خطِ استوا کے جنوب میں ہیں اور وہ سورج کے برج میزان میں داخلے سے لے کر برج حمل تک پہنچنے کا موسم سرما کا زمانہ ہے۔ اسی بنا پر مشرقین اور مغربین کو صیغہ تثنیہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے کہ چھ ماہ جب سورج برج حمل کے بعد شمالی مدارات سے طلوع کرتا ہے وہ اس کی شمالی مشرق ہوتی ہے اور پھر چھ مہینے جب سورج برج میزان کے بعد جنوبی مدارات سے طلوع کرتا ہے تو اُس کی جنوبی مشرق ہوتی ہے اور اُن کے مقابلے میں مغرب بھی ایک

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿٦﴾ اِنَّا زَيَّنَّا
اور زمین اور اُن کے درمیان کی ہر چیز کا پروردگار ہے اور مشارق کا پروردگار ہے تحقیق ہم نے آسمان
السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ اِلْكَوَاكِبِ ﴿٧﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ
دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا اور اس کو ہر سرکش شیطان سے
شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿٨﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ
محفوظ رکھا کہ نہیں باتیں سُن سکتے ملاء اعلیٰ کی اور
يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿٩﴾ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ
ان پر شہاب ثاقب برسائے جاتے ہیں ہر طرف سے بھگانے کے لئے اور ان کے لئے نٹکنے والا

شمالی اور دوسری جنوبی ہوگی پس سال بھر میں دو مشرقیں اور دو مغربیں ہوں گی۔ اور بعض اوقات مشرق کی تین سو پینسٹھ مدارات کو ایک ہی مشرق کا نام دیا جاتا ہے۔ اور مغرب کی جانب کی تمام مدارات کو ایک مغرب کہا جاتا ہے۔

اِنَّا زَيَّنَّا۔ علم ہیئت والوں کے نزدیک سب ستاروں کا مقام فلک الافلاک ہے لیکن آسمان دنیا سے اختصاص اس لئے کر دیا گیا ہے کہ وہ ہمارے قریب تر ہے اور زینت سماوی سے مراد یہ ہے کہ جب انسان تاریک رات میں آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو آسمان کی چھت میں ستاروں کی جگمگاہٹ اس کے لئے راحت و سرور کا سماں پیدا کرتی ہے۔ جس کی بدولت اُس کی وحشت اُنس سے بدل جاتی ہے اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے یہ بارونق چھت میرے ہی سکون قلب اور اطمینانِ نفس کے لئے بنائی ہے پس وہی میرے شکر کا سزاوار ہے اور حِفْظًا مفعول مطلق ہے اس کا عامل حَفِظْنَاہُ محذوف ہے۔

تفسیر نور الثقلین میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے - اِنَّ هٰذِهِ النجوم التی فی السماء مداین مثل المداین التی فی الارض یعنی تم کو جو آسمان میں ستارے نظر آتے ہیں ان شہروں جیسے وہاں بھی شہر ہیں جس طرح زمین میں ہیں -

لَا يَسَّمَّعُوْنَ - اصل میں لَا يَتَسَمَّعُوْنَ باب تفعّل سے تھا صرفی قاعدہ کے مطابق تاء کو سین میں ادغام کیا گیا اور باب اِفّعُل بنایا گیا - یعنی سرکش شیاطین ملاء اعلیٰ کی طرف جا کر وہاں کی باتیں نہیں سن سکتے - اگر ان میں کوئی اس طرف جانے کا قصد کرے تو ان پر شہاب ثاقب برسائے جاتے ہیں -

وَّاصِبٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ

عذاب ہے مگر جو (کوئی بات سننے کے لئے) جلدی سے جھپٹے تو اس کے پیچھے لگتا ہے چمکدار

شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۱﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ

شعلۂ آگ پس ان سے پوچھو کیا یہ لوگ جسم میں مضبوط تر ہیں یا وہ جن کو

مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۲﴾ بَلْ

پیدا کیا ہم نے (پہلے) ہم نے ان سب کو پیدا کیا چمٹنے والی مٹی سے بلکہ تم

عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

تعجب کرتے ہو اور وہ مسخری کرتے ہیں اور جب ان کو نصیحت کی جائے تو اثر نہیں لیتے

دُحُوْرًا - مفعول مطلق ہے. یعنی يُدْحَرُوْنَ دُحُوْرًا - یعنی ان کو بھگایا جاتا ہے.
اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے. معنی کے لحاظ سے ترتیب اسی طرح ہے کہ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ

شِهَابٌ ثَاقِبٌ وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا - یعنی شیاطین ملاء اعلیٰ کی باتیں اوپر جا کر نہیں سن سکتے اگر کوئی ان میں سے بات سُننے کے لئے اُدھر جھپٹ کر جائے تو شہاب ثاقب اُس کا تعاقب کرتا ہے اور ہر طرف سے پھر ان پر شہاب ثاقب برسائے جاتے ہیں اور ان کو بھگایا جاتا ہے -

اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا - اِس کا ترجمہ دو طرح سے کیا جا سکتا ہے - ایک یہ کہ اُن سے سوال کرو کیا یہ لوگ قامت و جسامت میں مضبوط تر ہیں یا وہ جن کو ہم نے ان سے پہلے پیدا کیا تھا یعنی گذشتہ اُمتیں اور تقدیر عبارت ہوگی - اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا قَبْلَهُمْ اور دوسرا ترجمہ اس طرح ہوگا کیا یہ مضبوط تر ہیں یا ملائکہ اور عالم علوی کی ساری مخلوق اور تقدیر عبارت ہوگی - اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ - الخ -

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ - ہم نے اُن کو لیسدار مٹی سے پیدا کیا ہے یعنی ان کے باپ حضرت آدمؑ کو ہم نے مٹی سے پیدا

کیا ہے اور یہ سب اُسی کی ہی اولاد ہیں۔

بَلْ عَجِبْتَ - یعنی تم اُن کی حماقت اور متکبّرانہ طرز عمل پر تعجب کرتے ہو کہ یہ لوگ کس طرح اپنے آغاز و انجام کو فراموش کر کے اللہ کے ساتھ مقابلہ کرنے پر تُلے ہُوئے ہیں اور وہ لوگ اُلٹا مذاق و مسخری کر کے آپ کی حکیمانہ باتوں کو بے اثر بنا دیتے ہیں۔ اور اگر معجزہ دیکھیں تو عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لئے فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ جادو ہے۔ اور قیامت کی بات سن کر اُلٹا منہ چڑانے لگتے ہیں کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں اور خاکستر ہو جانے کے بعد کیسے پٹائے جا سکتے ہیں یا ہمارے گذشتہ باپ دادا کیسے زندہ کئے جا سکتے ہیں ؟ تو اس کے جواب میں ارشاد ہے کہ ان سے کہہ دو تم ضرور اٹھائے جاؤ گے اور تم کو ذلیل ہو کر اُٹھنا پڑے گا صرف اسرافیل کے صور پھونکنے کی دیر ہو گی کہ تم دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہو گے۔

وَاِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ (۱۵) وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا

اور جب دیکھیں کوئی نشانی تو مذاق کرتے ہیں اور کہتے ہیں نہیں یہ مگر صاف جادو

سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (۱۶) وَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا

اور جب ہم مریں گے اور مٹی اور ہڈیاں رہ جائیں گے تو کیا ہم پھر اٹھائے

لَمَبْعُوْثُوْنَ (۱۷) اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ (۱۸) قُلْ نَعَمْ وَ

جائیں گے ؟ کیا ہمارے سابق باپ دادا بھی (اٹھائے جائیں گے) کہہ دو کہ ہاں (ضرور اٹھائے جاؤ گے

اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ (۱۹) فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ

اور ذلیل ہو کر اٹھو گے) بس صرف ایک ہی آواز ہو گی (نفخ صور) پس وہ (زندہ ہو کر حکم کے) منتظر

یَنْظُرُوْنَ (۲۰) وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ (۲۱) هٰذَا

ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہائے یہ تو بدلے کا دن ہے (بے شک) یہ فیصلے

یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ (۲۲) اُحْشُرُوا

کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے جمع کرو

یٰوَیْلَنَا - یعنی جب محشور ہوں گے اور اپنا انجام بد دیکھیں گے تو کہیں گے ہائے ہائے یہ تو قیامت ہے۔

هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ - پس ان کو جواب ملے گا کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جس کی تم لوگ تکذیب کرتے تھے پس جنتی لوگ با عزت جنت میں جائیں گے۔ اور دوزخی لوگ ذلیل و رسوا ہو کر زندانِ جہنم میں دھکیلے جائیں گے۔

رکوع نمبر ۶

وَاَزْوَاجَهُمْ - یعنی حکم پروردگار ہو گا کہ جن لوگوں نے جس نوعیت کا گناہ کیا ہے اُن کو اور اُن کے شریک کار لوگوں کو اور ان کے باطل معبودوں کو اکٹھا کر کے جہنم کی طرف روانہ کر دو۔ اور ازواج کا معنی اس مقام پر شریک کار ہے پس زانی زانیوں کے ساتھ

ساتھ اور منافقوں کے ساتھ جہنم کی طرف بھیجے جائیں گے اور اُن کے باطل معبود اور پیش رو بھی ان کے ہمراہ ہوں گے۔

سوال ولایت علی بن ابی طالب

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ ولایت علی بن ابی طالب کے متعلق سوال کرنے کے لئے ان کو ٹھہرانے کا حکم دیا جائے گا۔

تفسیر برہان میں بروایت ابوسعید خدری حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے آپؐ نے فرمایا۔ بروز محشر بحکم پروردگار صراط کے کنارے پر دو فرشتوں کو تعینات کیا جائے گا اور وہ ہر شخص سے ولایت علی علیہ السلام کی سند پوچھیں گے پس وہی گذر سکے گا جس کے پاس برأت جہنم کے لئے حضرت علی کی تصدیق ہوگی اور جس کے پاس یہ برأت نامہ نہ ہوگا وہ اُلٹے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ابوسعید خدری راویٔ حدیث نے دریافت کیا حضورؐ اس برأت نامے کا کیا مقصد ہوگا تو آپ نے فرمایا اُس پر یہ لکھا ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ
ان کو جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے شریک کار لوگوں کو اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے اللہ کے
دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾ وَقِفُوْهُمْ
علاوہ پس دکھادو ان کو جہنم کا رستہ اور ان کو ٹھہراؤ کہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ علی بن ابی طالب وصی رسول اللہ۔

بروایت انس بن مالک حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ بروز محشر صراط کو جہنم کے اُوپر بچھایا جائے گا اور صرف وہی شخص اس پر سے گذر سکے گا جس کے پاس ولایتِ علی کا پروانہ ہوگا وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ ان سے ولایت علی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

بروایت ابن شہر آشوب ابن عباس سے مروی ہے کہ بروزِ محشر مالک داروغہ جہنم کو ساتوں طبقاتِ جہنم کے بھڑکانے کا حکم ہوگا اور رضوان دربانِ جنت کو جنت کے آٹھوں درجات کو سجانے کا حکم ہوگا۔ اس کے بعد میکائیل کو دوزخ کے اوپر صراط کے بچھانے کا فرمانِ خداوندی ہوگا اور جبرئیل کو حکم ملے گا کہ عرش کے نیچے میزانِ عدل کو نصب کرو اس کے بعد اُمتِ محمدیہ کو حساب کے لئے بلایا جائے گا اور صراط پر متعدد چوکیاں قائم کی جائیں گی۔ اور ہر چوکی پر ستر ہزار فرشتہ کی ڈیوٹی ہوگی اور اس اُمت میں سے گذرنے والے ہر زن و مرد سے ہر ہر چوکی پر سوالات ہوں گے اور پہلی پہلی چوکی پر حضرت علی کی ولایت کا ہی سوال ہوگا اور حبِّ آلِ محمدؐ پوچھی جائے گی جو کامیاب ہوگا وہ بجلی کی طرح اس مقام کو عبور کرے گا۔ اور جو فیل ہوگا وہ الٹا کر کے جہنم میں پھینکا جائے گا اگرچہ ستر صدیق کے برابر بھی نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں ہوں گی۔ پھر

دوسری چوکی پر نماز تیسری چوکی پر زکوٰۃ چوتھی چوکی پر روزہ پانچویں چوکی پر حج چھٹی چوکی پر جہاد اور ساتویں چوکی پر عدل و انصاف کے متعلق سوالات ہوں گے جو پاس ہوتا جائے گا بجلی کی طرح عبور کرتا جائے گا اور جو فیل ہوگا وہ نیچے جہنم میں گر کر معذب ہوگا۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نماز و روزہ وغیرہ جملہ اعمال کا سوال ہی ان لوگوں سے ہوگا جو ولایتِ علی رکھتے ہوں گے ورنہ جو لوگ ولایت سے عاری ہوں گے وہ تو پہلی ہی چوکی پر جہنم رسید ہوں گے اُن سے دوسرے سوالات کرنیکی نوبت ہی نہ آئے گی۔

اور یہ روایت کہ پل سے علی کی محبت کے پروانے کے بغیر کوئی نہ گذر سکے گا۔ صواعقِ محرقہ میں ابن حجر مکی نے بروایت حضرت ابوبکر نقل کی ہے۔ اور قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ۔ کی تفسیر کہ اس سے مُراد ولایت علی کا سوال ہے۔ منصبِ امامت میں شاہ اسماعیل شہید دہلوی نے بھی اعتراف کیا ہے اور ہم نے حدیث وسیلہ مفصلاً کتاب لمعۃ الانوار حصہ دوم صفحہ پر درج کی ہے اور صراط سے ولاء علی کے پاسپورٹ کے سوا گذرنا محال ہے صفحہ پر مذکور ہے۔ اور تفسیر کی جلد ۲ پہلے ایڈیشن کے صفحہ ۱۶۸ پر آیت مجیدہ کی قدرے وضاحت موجود ہے اور دوسرے ایڈیشن کے صفحہ ۲۳۱ پر۔

تفسیر برہان میں بروایت امالی شیخ امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ کریمؐ نے فرمایا قیامت کے دن دربارِ عدالتِ پروردگار میں ہر انسان کے قدم رک جائیں گے جب تک کہ ان سے چار چیزوں کا سوال نہ کر لیا جائے گا۔ (۱) عمر کو کہاں خرچ کیا تھا؟ (۲) اپنے جسم کو کن کاموں میں استعمال کیا تھا؟ (۳) مال کو کیسے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا؟ (۴) اور چوتھا سوال میری اہل بیت کی محبت کے بارے میں ہوگا۔ ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ کی محبت کی کیا نشانی ہے؟ تو آپ نے حضرت علی کے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ اس کی محبت۔ دوسری روایت میں ہے۔ حضرت عمر نے ہی پوچھا تھا کہ یارسول اللہ آپ کی محبت کی کیا نشانی ہے؟ اُس وقت حضرت علیؑ آپ کے پہلو میں کھڑے تھے آپ نے علی کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا میرے بعد میری محبت کی نشانی اس جوان کے ساتھ محبت کرنا ہے۔ ایک روایت میں آپؐ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا ہے کہ

اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۵﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ هُمُ

ان سے کچھ پوچھا جاتا ہے۔ تم ایکدوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ وہ اُس دن

الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

ماننے والے ہوں گے اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر

کسی انسان کی کوئی نیکی قبول نہ ہوگی جب تک اُس سے محبّت علی کا سوال نہ کیا جائے گا اور وہ محبّ علی ثابت نہ ہو۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ۔ اُن سے پُوچھا جائے گا کہ کس طرح دنیا میں تم باطل پر ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اب عذاب سے جان چھڑانے کے لئے بھی ایک دوسرے کی مدد کرو لیکن اُس دن وہ سر جھکائے ہوئے ہوں گے اور عوام النّاس

اپنے گمراہ کرنے والوں سے پوچھیں گے کہ تم دنیا میں تو خیر خواہ بن کر ہمیں راہِ حق سے بہلا پھسلا کر اپنے مسلک پر چلنے کی دعوت دیتے تھے اب کیوں خاموش ہو؟ چونکہ دائیں طرف سے آنا نیک فال سمجھا جاتا تھا اس لئے خیر خواہی کی دعوت کو دائیں طرف سے آنا تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ جواب دیں گے کہ تم اپنا گناہ ہمارے سروں پر تھوپنے کی کوشش نہ کرو بلکہ تم خود ہی ایمان کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ تھے ورنہ ہمارے پاس نہ زور تھا نہ طاقت کہ تمہیں مجبور کرتے۔ پس تم خود ہی راہِ حق سے برگشتہ تھے لہٰذا اب عذابِ خداوندی ہم سب کو مل کر ہی بھگتنا ہے بیشک ہم خود بھی گمراہ تھے اور تم کو بھی گمراہ کر بیٹھے۔

لا الٰہ الا اللہ۔ ان لوگوں کے عذاب میں جانے کی بڑی وجہ یہی بیان کی گئی ہے کہ کلمہ توحید کے سامنے اکڑ جاتے تھے اور دور حاضر میں بھی گمراہ کن مقررین و واعظین عوام الناس کے دینی خیر خواہ بن کر ان کو توحید سے منحرف کرتے ہیں۔ شیطان بھی لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے عجیب چالیں اختیار کرتا ہے وہ جہاں بعض توحید کے پرستاروں کو حضرت علی کی ولایت سے منحرف کر کے گمراہ کرتا ہے وہاں حضرت علی کی محبت کے متوالوں کو توحید سے گمراہ کر کے راہِ حق سے دور کر دیتا ہے۔ اور علماء سوء ہر طرف شیطان کی وکالت کر لیتے ہیں ایک طرف والے علی کی دشمنی میں اس قدر بڑھے کہ علی کو عوام الناس کے برابر سمجھ لیا اور دوسری طرف والے علی کی محبت

يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٩﴾

پوچھیں گے تو کہیں گے تم تو خیر خواہ بن کر ہمارے پاس آیا کرتے تھے

قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٣٠﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم

وہ کہیں گے تم خود ایمان نہیں لاتے تھے اور ہمارا تمہارے اوپر کوئی

مِّن سُلْطَانٍ بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ﴿٣١﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا

غلبہ نہیں تھا بلکہ تم خود سرکش تھے پس ثابت ہے ہم پر

قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿٣٢﴾ فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٣﴾

فرمان (عذاب) اپنے رب کا تحقیق ہم اسے چکھنے والے ہیں پس ہم نے تم کو گمراہ کیا ہم خود بھی گمراہ تھے

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٤﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ

پس بے شک وہ اس دن عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے ہم ایسی ہی مجرموں کو سزا

نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ

دیتے ہیں تحقیق ان کو جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود

لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٦﴾ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا

نہیں تو اکڑ جاتے تھے اور کہتے تھے کیا ہم چھوڑ دیں

میں اس قدر بڑھے کہ اس کو خدائی صفات میں شریک بلکہ مختار عام قرار دے کر خدا کو معطل کر دیا۔ حتیٰ کہ جب اُن کے سامنے یہ کہا جائے کہ بارش خدا برساتا ہے۔ موت وحیات خدا کے قبضے میں ہے۔ رزق وہی دیتا اور تقسیم کرتا ہے۔ حاجت روا وہی ہے۔ اور بیماروں کو شفا اور بے اولادوں کو اولاد وہی دیتا ہے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا معنوی طور پر مقصد بھی یہی ہے۔ تو حضرت علی کو خدا کا شریک قرار دینے والے فوراً کہہ دیتے ہیں اور ان کے تیور بگڑ جاتے ہیں کہ یہ کام تو علی کرتا ہے۔ یہ لوگ قیامت کے دن اپنے مقررین وواعظین سے کہیں گے کہ تم تو ہمارے خیرخواہ بن کر ہمیں راہِ حق سے ہٹاتے تھے اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تو وہ کہیں گے تمہاری اپنی نیت خراب تھی ہمارے پاس نہ زور تھا نہ طاقت تھی کہ تمہیں مجبور کرتے اس میں شک نہیں کہ ہم خود بھی گمراہ تھے اور تمہیں بھی ہم نے گمراہی کی ہی تعلیم دی تھی لیکن اب اکٹھے ہی رہ کر عذاب بھگتنا ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝۳۷ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ

اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی خاطر؟ بلکہ وہ تو حق لایا ہے اور اس نے رسولوں کی تصدیق

الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۸ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝۳۹

کی ہے تحقیق تم دردناک عذاب کو چکھنے والے ہو

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۰ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ

اور تم نہیں جزا دیئے گئے مگر اسی کی جو تم کرتے تھے ہاں مگر اللہ کے جو خالص

الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۱ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴۲

بندے ہیں ان کا رزق معلوم ہے

فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝۴۳ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۴۴ عَلٰى

میوہ جات اور وہ باعزت ہوں گے نعمتوں کے بہشتوں میں ایکدوسرے

سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝۴۵ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝

کے سامنے تخت پر (جلوہ گر ہونگے) اور ان پر چکر لگایا جائے گا شراب کے پیالے کا

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۴۷ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا

جو سفید رنگ ہوگا پینے والوں کے لئے لذیذ تر ہوگا نہ اس میں فساد عقل ہوگا اور نہ وہ اس کے پینے سے

نہیں ہے۔

کاس۔ اخفش سے منقول ہے کہ قرآن مجید میں کاس کا لفظ جہاں بھی ہے اس کا معنی شراب ہے۔

مَعِین۔ اگر اَمعَنَ سے فعیل کے وزن پر ہو تو اس کا معنی ہے مضبوطی اور قوت سے بہنے والا اور اگر عین سے

مفعول کے صیغے پر ہو تو اس کا معنی ہے جاری۔

لَذَّةٍ ۔ اس کا معنی ہے لذیذ۔ یعنی مصدر بمعنی صفت ہے۔

لَا فِيهَا غَوْلٌ ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ شراب میں چار خرابیاں ہوتی ہیں۔ اور بہشتی شراب ان خرابیوں سے پاک ہوگی (۱) بے ہوشی (۲) سردردی (۳) قے (۴) پیشاب کی زیادتی۔

يُنْزَفُونَ ﴿۴۸﴾ وَعِنْدَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿۴۹﴾

بے ہوش ہوں گے اور ان کے پاس نیچی نظر رکھنے والی آہو چشم (حوریں ہوں گی جو رنگ کی صفائی و سفیدی میں) محفوظ

كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿۵۰﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

انڈوں کی طرح ہوں گی پس ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر احوال پرسی کریں گے تو ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا میرا

يَتَسَاءَلُونَ ﴿۵۱﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿۵۲﴾

(دنیا میں) ایک ساتھی تھا

يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿۵۳﴾ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا

جو کہتا تھا کیا تو بھی ایمان لانے والوں میں سے ہو گیا ہے ؟ کیا ہم جب مر جائیں گے اور

تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ ﴿۵۴﴾ قَالَ هَلْ أَنْتُمْ

خاکستر و بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں گے تو ہم سے حساب لیا جائیگا ؟ کہے گا کیا تم جھانکتے

مُطَّلِعُونَ ﴿۵۵﴾ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۵۶﴾

ہو پس جھانک کر دیکھے گا تو اس کو جہنم کے وسط میں پائے گا

قَالَ تَاللَّهِ إِنْ كِدْتَ لَتُرْدِينِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي

کہے گا خدا کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر ڈالتا اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا

قَالَ قَائِلٌ ۔ یعنی بہشتی لوگ آپس کی خوش طبعی اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول ہوں گے تو ان میں سے ایک کہے گا کہ میرا دنیا میں ایک ساتھی جو مجھے کلمہ حق سے روکتا تھا چلو اُس کی حالت دیکھیں اور بہشت میں ایک بلند مقام ایسا ہے جس سے جھانک کر دوزخیوں کو دیکھا جاسکے گا پس جب وہ مومن جھانکے گا تو اس کو اپنا ساتھی وسط جہنم میں معذب نظر آئے گا پس یہ اس کو کہے گا کہ تو تو مجھے بھی گمراہ کرتا تھا پس مومن اللہ کے احسانات کا شکر کرے گا اور اُس کو دوہری لذت حاصل ہوگی۔

اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ۔ یعنی تم خود فیصلہ کرلو کہ رہائش کے لئے وہ سابقہ منزل بہتر ہے جس میں قسم قسم کے میوہ جات و اعلیٰ مشروبات موجود ہیں یا یہ جس میں غذا کے لئے زقوم کا تلخ پھل موجود ہوگا ۔ زقوم ایک خاردار اور بدبودار پودا ہے جس کو

پنجابی زبان میں تھوہر کہا جاتا ہے جب قریش نے یہ آیت سنی تو وہاں چونکہ یہ پودا موجود نہ تھا اور عوام النّاس اس سے آشنا نہ تھے۔ ابن زبعری نے فوراً کہہ دیا کہ بربر کی زبان میں کھجور اور مکھن کو زقوم کہا جاتا ہے چنانچہ ابوجہل نے اپنی ایک کنیز کو حکم دیا کہ زقوم تیار کر کے لاؤ تو فوراً وہ کھجور اور مکھن لے آئی۔ ابوجہل نے وہ پیالہ لوگوں کے سامنے رکھ کر کھانے کی دعوت دی اور کہا یہی وہ زقوم ہے جس سے محمدؐ تم کو ڈراتا ہے۔

فِتْنَةً۔ کا معنیٰ عذاب بھی کیا گیا ہے اور اس کا معنیٰ آزمائش بھی ہے۔ چنانچہ زقوم کا لفظ کفار قریش کے لئے مقام آزمائش بن گیا کہ انہوں نے حضورؐ کو جھٹلایا اور خرما و مکھن کا نام زقوم رکھ لیا اور کہنے لگے کبھی درخت بھی آگ میں پیدا ہو سکتا ہے حالانکہ آگ تو درختوں کو جلا دیتی ہے؟ اور خدا نے اس زقوم کے متعلق جو دوزخیوں کی خوراک ہے فرمایا کہ وہ جہنم کی تہ میں پیدا ہوگا اور تمام دوزخ کے درکات میں اس کی شاخیں پہنچیں گی اور اس کے شگوفے شیطانوں کے سروں کی مانند ہوں گے اور شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دینا اس طرح ہے جس طرح کسی کے دانتوں کو کانیابِ الاَغوال کہہ کر ڈین کے دانتوں سے تشبیہ دی جائے۔ مقصد صرف اس کی خباثت اور بدشکل کو ظاہر کرنا ہے۔

مَرْجِعَهُمْ۔ ممکن ہے دوزخیوں کے لئے کھانے پینے کی جگہ الگ ہو کر زقوم کھلا کر گرم کھولتا ہوا پانی پلا کر ان کو جہنم کی

لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۵۸ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۵۹

تو میں بھی تیرے ساتھ عذاب میں حاضر کیا جاتا - کیا وہ بات درست ہے کہ

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۶۰ اِنَّ هٰذَا

ہم صرف پہلی موت ہی مریں گے اور پھر ہم کو عذاب نہ کیا جائیگا ؟ تحقیق یہ البتہ

لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۶۱ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۶۲

بڑی کامیابی ہے اسی قسم کی جزا کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۶۳ اِنَّا جَعَلْنٰهَا

کیا یہ اچھا ٹھکانا ہے یا زقوم کا درخت ؟ کہ ہم نے اس کو

فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۶۴ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ

عذاب بنایا ہے ظالموں کے لئے تحقیق وہ درخت ہے جو جہنم کی تہ سے

الْجَحِيْمِ ۶۵ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۶۶

نکلتا ہے جس کے شگوفے شیاطین کے سروں کی طرح ہیں

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۶۷

پس وہ (دوزخی) اس سے کھائیں گے پس اسی سے پیٹ بھریں گے

طرف دھکیل دیا جاتا رہے۔ اور ممکن ہے کہ صرف یہ مقصد ظاہر کرنا ہو کہ ان کی غذا زقوم مشروب حمیم اور مسکن جحیم ہے۔

رکوع نمبر ۷

وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرَاھِیْمَ ۔ لفظ شیعہ علامہ طبرسی نے ذکر کیا ہے کہ شیعہ اس جماعت کا نام ہے جو کسی رئیس و سردار کے تابع ہوں لیکن عرفِ اسلام میں اس سے مراد حضرت علی علیہ السّلام کے وہ پیروکار ہیں جو آپ کے دشمنوں کے خلاف نبرد آزما رہے۔ اور اُن کے بعد اُن کی اولاد طاہرین علیہم السّلام کے ساتھ رہے اور ابو بصیر نے حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا تمہیں یہ نام مبارک ہو۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی حضور وہ کونسا نام؟ تو آپ نے فرمایا کہ شیعہ: میں نے عرض کی کہ لوگ تو ہمیں اس نام کا طعنہ دیتے ہیں آپ نے فرمایا تم نے خداوند کریم کا یہ فرمان نہیں پڑھا۔ وَ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰھِیْمَ الخ۔ صٓ ۴۳

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام

ثُمَّ اِنَّ لَھُمْ عَلَیْھَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَھُمْ

پھر ان کے لئے اس کے علاوہ البتہ اضافہ کھولتے ہوئے پانی کا بھی ہے پھر ان کی بازگشت جہنم کی

لَاِلَی الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾ اِنَّھُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَھُمْ ضَآلِّیْنَ ﴿۶۹﴾

طرف ہوگی تحقیق انہوں نے پایا اپنے باپ دادا کو گمراہ

فَھُمْ عَلٰٓی اٰثٰرِھِمْ یُھْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَھُمْ

پس وہ اُن کے نقش قدم پر دوڑے جاتے ہیں اور تحقیق ان سے پہلے بہت سی

اَکْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْھِمْ مُّنْذِرِیْنَ ﴿۷۲﴾

پہلی اُمتیں گمراہ ہوئیں اور تحقیق ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے پس دیکھ کیا انجام

فَانْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ

ہوا ان کا جن کو ڈرایا گیا (پس انکاری رہے) مگر اللہ کے خالص

الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ ﴿۷۵﴾

بندے اور تحقیق ہم کو نوح نے پکارا پس ہم خوب قبول کرنے والے ہیں

وَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلْنَا

اور ہم نے اس کو اور اس کی اہل کو بڑی تکلیف سے بچا لیا اور کر دیا ہم نے

سے اس کی تاویل یہ منقول ہے کہ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ عَلِیٌّ اور اس تاویل کی تائید میں یہ روایت نقل کی ہے کہ امام علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم کے سامنے سے پردے اٹھائے گئے اور ملکوت سماویہ کی ان کو سیر کرائی گئی تو انہوں نے عرش کے پہلو میں ایک نور تاباں دیکھا تو دریافت کیا اے پروردگار یہ نور کس کا ہے؟ تو جواب ملا یہ نورِ محمدؐ ہے جو میری تمام مخلوق سے

برگزیدہ ہے پھر اس کے پہلو میں دوسرا نُور دیکھا تو پُوچھا یہ کون ہے ؟ تو جواب ملا یہ علی بن ابی طالب کا نور ہے جو میرے دین کا ناصر ہے پھر ان کے پہلو میں تین نورِ درخشاں دیکھے اور ان کے متعلق دریافت کیا تو ارشادِ پروردگار ہوا کہ ایک نور فاطمہ ہے جو اپنے شیعوں کو آتشِ جہنم سے آزاد کرائے گی اور دو اُس کے فرزندوں یعنی حسن وحسین علیہما السلام کے نور ہیں پھر حضرت ابراہیمؑ

ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي

اس کی ہی اولاد کو باقی رہنے والا — اور ہم نے باقی رکھا اس پر (سلام و ذکر خیر) بعد

الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّا

والوں میں — سلام نوح پر سب جہانوں میں — ہم

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾

اسی طرح نیکی کرنیوالوں کو جزا دیتے ہیں — تحقیق وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ

پھر ہم نے غرق کیا دوسروں کو — اور تحقیق اس کے شیعوں میں سے تھا

لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۴﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۵﴾ اِذْ

ابراہیم — جب اپنے رب کے پاس صاف دل سے آیا — جب

نے عرض کی اے پروردگارا ان پانچ انوار کے اردگرد مجھے نو انوار نظر آرہے ہیں یہ کون ہیں ؟ تو علی بن الحسین سے لے کر حضرت حجۃ العصر تک نام بنام ائمہ کا تعارف کرایا گیا کہ یہ علی و فاطمہ کی اولاد سے ہوں گے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی اے پروردگار ان چودہ کے اردگرد بے حد و حساب انوار موجود ہیں وہ کون ہیں ؟ تو ارشاد ہوا وہ ان کے شیعوں کے نور ہیں۔ پس انہوں نے عرض کی کہ ان کی نشانیاں کیا ہوں گی تو جواب ملا ان کی یہ نشانیاں ہوں گی (۱) اکاون رکعت یومیہ نماز (یعنی سترہ فرائض اور چونتیس نوافل جو کتبِ فقہیہ و عملیہ جات میں تفصیل وار درج کی گئی ہیں (۲) بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا (۳) رکوع سے پہلے قنوت پڑھنا (۴) دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا اور بعض روایات میں پانچویں نشانی زیارت اربعین مذکور ہے (اور ہم نے وہ روایت باختلاف الفاظ تفسیر کی جلد ۵ صفہ ۲۳۳ میں درج کی ہے) اُس وقت حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی اے اللہ مجھے حضرت امیرالمومنین کے شیعوں سے قرار دے۔

شیعہ اور محبؑ میں فرق

تفسیر برہان میں تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا شریک بنانا حضرت رسالت مآبؐ کی نبوت کا انکار کرنا اور حضرت علی کی ولایت کا انکار کرنا ایسے گناہ ہیں جو انسان کی جملہ نیکیوں کو باطل کر دیتے ہیں اور اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ

کے مصداق ایسے ہی لوگ ہیں اور ان کے لئے دائمی جہنم ہے۔ حضرت رسول کریم نے فرمایا علی کی محبت ایسی نیکی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا خواہ کس قدر بُرا ہی کیوں نہ ہو اور علی کے دشمن کی محبت ایسا گناہ ہے جس کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی خواہ کتنی ہی بڑی ہو پس اس کا بدلہ اُس کو دنیا میں مال و رزق و تندرستی سے دیا جائے گا اور آخرت میں اس کا عذاب دائمی ہوگا۔

علی کی ولایت کا منکر جنّت کو نہ دیکھے گا مگر اس قدر کہ اس کی حسرت میں اضافہ ہو کہ کاش میں نے علی کی ولایت کا انکار نہ کیا ہوتا تو مجھے یہ مکان نصیب ہوتا۔ اسی طرح علی کا محبّ دوزخ کو اسی قدر ہی دیکھے گا کہ اُس کی خوشی میں اضافہ ہو اور سمجھے کہ اگر میں ولایتِ علی سے دُور ہوتا تو مجھے یہ سزا بھگتنی پڑتی حضور نے فرمایا اے شیعانِ علی جنّت تم سے فوت نہ ہوگی۔ اگرچہ بعض بداعمالیوں کی وجہ سے دیر سے پہنچو گے پس اس کے درجات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا آپ کے اور حضرت علی کے محب بھی دوزخ میں جا سکتے ہیں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا ہاں جس کی روح گناہوں کی میل اور احکام شرعیہ کی مخالفت کے غبار سے آلودہ ہوگی اُس کو دوزخ کی آگ سے صاف کیا جائے گا۔ پھر ان کے پاس بلند مرتبہ شیعانِ علی کو بھیج کر بُلا لیا جائے گا اور وہ اُن کو دوزخ کی آگ سے اس طرح چن لیں گے جس طرح پرندہ دانہ کو چُن لیا کرتا ہے۔ پس جن لوگوں کے گناہ معمولی اور ہلکے ہوں گے وہ دنیا میں بادشاہانِ وقت اور حکام زمانہ کی سختیوں اور جسمانی تکلیفوں اور بیماریوں کی وجہ سے گناہوں کا بدلہ دے کر صاف ستھرے قبر میں داخل ہوں گے اور بعضوں کو گناہوں کی بدولت قبل از وقت موت دی جائے گی۔ اور حالتِ نزع سخت ہوگی پس گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ اگر گناہ زیادہ ہوئے تو موت کا اضطراب بڑھ جائے گا۔ عیادت کرنے والے کم ہوں گے اور ذلت کی موت سے مرے گا۔ پس گناہوں کا کفارہ ہوگا اور اگر پھر بھی بچ گئے تو قبر میں لحد تک پہنچتے پہنچتے کفارہ ہو جائے گا اور اگر اس سے بھی بچ گئے تو عرصاتِ قیامت کی سختی سے کفارہ ہو جائے گا۔ اور اگر اس کے گناہ اس سے بھی زیادہ ہوئے تو دوزخ کے اُوپر کے طبقے میں داخل کیا جائے گا جس کو بعد میں سفارش سے نکالا جائے گا۔ اور ہمارے محبّوں میں سے سب سے زیادہ گنہگار کا عذاب یہ ہوگا ورنہ اکثر کی سزا اس سے پہلے ختم ہو جائے گی۔ اور یہ لوگ ہمارے شیعہ نہیں بلکہ ہمارے محبّ ہیں۔ اور ہمارے دوستوں کے دوست اور ہمارے دشمنوں کے دشمن ہیں۔ ہمارے شیعہ تو وہ ہیں جو ہمارے صحیح معنوں میں نقشِ قدم پر چلیں۔

ایک شخص نے عرض کی حضور! فلاں شخص اپنے ہمسائے کی ناموس پر نظر رکھتا ہے اور اگر اُسے موقعہ ملے تو فعلِ حرام سے بھی گریز نہ کرے گا۔ پس حضور یہ سُنتے ہی غضبناک ہوئے اور فرمایا اس کو میرے پیش کرو تو کسی نے کہدیا جناب عالی وہ تو آپ کا اور علی کا شیعہ کہلاتا ہے اور آپ کے دشمنوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔ حضور نے فرمایا ایسے شخص کو ہمارا شیعہ نہ کہو۔ ہمارا شیعہ وہ ہے جو ہماری پیروی کرے۔

ایک شخص نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے عرض کی کہ فلاں شخص گناہانِ کبیرہ کا مرتکب ہے اور تمہارا شیعہ ہے

آپ نے فرمایا کہ اگر وہ شخص گناہانِ کبیرہ کرنے کے باوجود ہماری محبت کا دم بھرتا ہے تو وہ ہمارا محبّ ہے شیعہ نہیں اور تیرا اس کو شیعہ کہنا جھوٹ ہے اور اگر وہ شخص نہ ہمارا محب ہو اور نہ ہمارے دشمنوں سے بیزار ہو اور گناہانِ کبیرہ بھی کرتا ہو تو تیرا اُس کو شیعہ کہنا دوہرا جھوٹ ہے۔

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ جاکر جناب بتول معظمہ خاتونِ جنّت سے دریافت کرو۔ میرے متعلق کہ کیا میں آپ کے شیعوں میں سے ہوں؟ چنانچہ اس عورت کے سوال کا سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا نے جواب دیا اسے کہو اگر تو ہمارے اوامر ونواہی کا پابند ہے تو تُو ہمارا شیعہ ہے ورنہ نہیں۔ جب عورت نے واپس آکر بتایا تو یہ شخص سخت پریشان ہوا کہ ہائے ہائے گناہوں سے کون بچ سکتا ہے لیس میں تو پھر دوزخی ہوا۔ چنانچہ اُس عورت نے دوبارہ جاکر مخدومہ طاہرہ سے اپنے شوہر کے اضطراب کا تذکرہ کیا تو عالیہ بی بی نے فرمایا بات یہ ہے کہ ہمارے شیعہ جنّت کے بلند منازل پر فائز ہوں گے۔ اور ان کے علاوہ جو ہمارے محبّ ہمارے دوستوں کے دوست اور ہمارے دشمنوں کے دشمن ہیں جو ہم کو بدل وجان تسلیم کرتے ہیں وہ اگر واجبات و محرّمات میں ہماری مخالفت کریں تو یقیناً ہمارے شیعہ نہیں ہیں لیکن گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں ضرور جائیں گے وہ دنیا میں مصائب وآلام کی تکلیفیں سہیں گے کچھ عرصہ محشر میں سختی دیکھیں گے اور سخت گنہگار ایک وقت تک دوزخ کے اُوپر والے طبقے میں عذاب بھی چکھیں گے اور اس کے بعد ہماری محبّت کی بدولت ان کو جنّت نصیب ہوگی۔

ایک شخص نے ایک مرتبہ حضرت امام حسن علیہ السّلام سے عرض کی حضور! میں آپ کے شیعوں میں سے ہوں تو آپ نے فرمایا اے خدا کے بندے اگر تو ہمارے اوامر ونواہی میں ہمارے حکم کا پابند ہے تو تیرا دعویٰ سچا ہے ورنہ اس قدر بلند مرتبہ کا دعویٰ کرنے کے بعد اپنے گناہوں کو چھوڑ دے اور اس حالت میں شیعہ نہ کہلاؤ بلکہ یہ کہو کہ میں آپ کا محبّ وموالی ہوں اور آپ کے دشمنوں سے بیزار ہوں اور یہ تمہارے لئے بہتر اور خوب ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السّلام سے ایک شخص نے عرض کی کہ میں تمہارا شیعہ ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا سے ڈرو اور ایسا دعویٰ نہ کرو جس میں خدا تم کو جھوٹا کہے ہمارے شیعہ وہ ہوتے ہیں جو ہر کھوٹ اور بُرائی سے پاک ہوں البتہ تم ہمارا محبّ اور موالی کہلایا کرو۔

ایک شخص نے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے عرض کی کہ میں آپ کے خالص شیعوں میں سے ہوں تو آپ نے فرمایا اے بندۂ خدا کیا تو ابراہیم خلیل علیہ السّلام کے درجہ پر فائز ہے اللہ نے تو اپنے خلیل کو شیعہ کہا ہے اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ اگر تیرا دل حضرت ابراہیمؑ کے دل کی طرح ہے تو بے شک تو ہمارا شیعہ ہے ورنہ تو فالج یا جذام کا مستحق ہے تاکہ تیرے اس جھوٹ کا کفارہ ہو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی موجودگی میں ایک شخص نے دوسرے پر فخر کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے بہتر ہوں کیونکہ میں محمد وآلِ محمد کا شیعہ ہوں۔ آپ نے اس کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ تو اپنے مال کو اپنے اوپر خرچ کرنا پسند کرتا ہے

یا اپنے مومن بھائیوں پر خرچ کرنا زیادہ پسند کرتا ہے؟ اُس نے عرض کی کہ اپنے اُوپر خرچ کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ پھر تو ہمارا شیعہ نہیں ہے کیونکہ ہم تو اپنا مال اپنی ذات پر خرچ کرنے سے اپنے دوستوں پر خرچ کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں بس تم لوگ ہمارا محب کہلایا کرو اور ہماری محبت کی وجہ سے نجات کی اُمید رکھو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام کے سامنے ایک دن باتوں باتوں میں کسی نے کہدیا کہ کسی مقدمہ میں قاضی کوفہ ابن ابی لیلیٰ کی عدالت میں عمار نے شہادت دی تو قاضی صاحب نے عمار کی شہادت کو یہ لفظ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ تو رافضی ہے لہذا تیری شہادت قابلِ قبول نہیں ہے چنانچہ یہ سُنتے ہی عمار کے بدن میں کپکپی سی طاری ہوگئی اور فرطِ غم سے وہ گریہ کو ضبط نہ کرسکا اور چیخیں مار کر رونے لگا۔ قاضی نے مقدمہ کی سماعت کو ملتوی کرکے عمار کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ تو اہل علم میں سے ایک باوقار شخصیت کا مالک ہے اگر تو رافضی کے لفظ سے بیزار ہے اور رفض تیرا مذہب نہیں تو پھر ہمارا بھائی ہے۔ عمار نے قاضی کے لفظ سنے تو اپنے گریہ پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا کہ قاضی صاحب آپ نے میرا مطلب غلط سمجھا ہے میں تو اپنی اور تیری حالت پر روتا ہوں اپنی حالت پر اس لئے کہ تو نے مجھے ایک بہت بلند مرتبے کی طرف منسوب کیا ہے جس کا میں اہل نہیں ہوں تو نے مجھے رافضی کہا ہے حالانکہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے سُنا ہے کہ سب سے پہلے رافضی وہ جادوگر تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر فرعون کی بھری کچہری میں موسیٰ کی تصدیق کی تھی اور فرعون کے طور طریقے کو رفض کیا تھا یعنی چھوڑ دیا تھا اور اس بارے میں سر پر آنے والی ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا تھا پس فرعون نے ان کا لقب رافضی رکھا تھا جب کہ انہوں نے اس کا دین چھوڑا تھا کیونکہ رافضی اُسے ہی کہا جاتا ہے جو اللہ کی ناپسندیدہ چیز کو چھوڑ دے اور اس کی رضا کے سامنے جھک جائے۔ آج اس زمانہ میں ایسا کون ہوسکتا ہے؟ میں تو اس لئے روتا ہوں کہ اگر خدا مجھ سے پُوچھے اے عمار! کیا تو نے ہر معاملہ میں باطل کو چھوڑ کر حق کا ساتھ دیا تھا؟ تو میں کیا جواب دُوں گا؟ اور تیری حالت پر اس لئے روتا ہوں کہ تو نے میری طرف جھوٹی نسبت دی ہے اور تیرے متعلق مجھے اللہ کی گرفت کا ڈر ہے کہ اس مقدس لفظ کو تو نے بے جا استعمال کیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے یہ بات سُن کر فرمایا۔ اگر عمار کے گناہ آسمانوں اور زمین سے بھی بڑے ہوں تب بھی ان کلمات کی بدولت بخشے جائیں گے اور اس کی نیکیوں میں اس قدر اضافہ ہوگا کہ اس کی رائی برابر نیکی بھی اس پوری دنیا سے ہزار گنا بڑھی ہوگی۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے سامنے ایک دفعہ ذکر ہوا کہ ایک شخص بازار میں بولی پر کپڑے بیچتا ہے اور اعلانیہ شیعہ بھی کہلاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے شیعہ کہلانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے تئیں سلمان، مقداد اور ابوذر کی مثل سمجھتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ جو شخص خرید و فروخت میں دھوکا کرے اور بکنے والی چیز کے عیب خریدار سے پوشیدہ کرے یا اجنبی گاہک کے سامنے شے کی بولی بڑھا دے تاکہ اس کو قیمت زیادہ ادا کرنی پڑے اور اُس کے چلے جانے کے بعد بولی کم کردے تو ایسا شخص سلمان و ابوذر کی مثل کیسے ہوسکتا ہے بس اس کے لئے سزاوار یہ ہے کہ محب محمدؐ و آلِ محمدؐ ہونے کا دعویٰ کرے اور یہ کہ اُن کے دوستوں کا دوست اور ان کے دشمنوں کا دشمن کہلاتا رہے۔

حضرت امام رضا علیہ السّلام جب بادشاہِ وقت مامون عباسی کے ولیعہد اور نائب السلطنت کے عہدہ پر فائز ہوئے تو کچھ لوگ ملنے آئے اور دربان نے اندر اطّلاع دے دی کہ کچھ لوگ حضور کی زیارت کے لئے آئے ہیں جو اپنے آپ کو شیعہ علیؑ کہتے ہیں آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں فارغ نہیں ہوں۔ اسی طرح وہ لوگ ہر روز دو ماہ تک مسلسل آتے رہے اور شرف باریابی سے محروم واپس پلٹتے رہے۔ آخر مایوس ہو کر انہوں نے دربان سے کہا کہ ہماری طرف سے بارگاہِ امامت میں عرض کیجئے گا کہ ہم آپ کے جد امجد حضرت علی کے شیعہ ہیں آپ نے ہم کو ملاقات کی اجازت نہ دے کر ہمارے دشمنوں کو خوش کیا ہے۔ ہم یہ غم لے کر واپس کیا کسی کو منہ دکھائیں گے ہمارے لئے تو اب شرم کے مارے منہ چھپا کر شہر سے نکل کر جنگلوں کی طرف بھاگ جانا ہی بہتر ہے یہ سن کر آپ نے دربان کو اُن کے داخلہ کی اجازت دے دی۔ آپ بلند چبوترے پر تشریف فرما تھے جب وہ لوگ داخل ہوئے تو سلام عرض کی لیکن امام عالی مقام نے نظر التفات نہ فرمائی اور نہ اُن کے بیٹھنے کی اجازت دی پس وہ عرض گذار ہوئے حضور والا! پہلے دخول کی اجازت نہ ملنے کی سزا اب یہ بے توجہی فرمائیے ہماری خطا کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا یہ سب کچھ تمہاری اپنی ہی بدولت ہے اور میں نے اپنے بزرگواروں حضرت رسالت مآبؐ اور حضرت امیر المومنینؑ اور ان کی اولاد امجاد کی ہی پیروی کی ہے وہ سب تم پر ناراض ہیں۔ انہوں نے عرض کی آقائے نامدار فرمائیے تو سہی کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تم نے علی بن ابی طالب علیہ السّلام کا شیعہ ہونے کا دعوٰے کیا ہے حالانکہ علی کے شیعہ امام حسن۔ امام حسین سلمان۔ مقداد۔ ابوذر۔ عمار اور محمد بن ابو بکر جیسے لوگ تھے جنہوں نے علی کی کبھی مخالفت نہ کی تھی تم لوگ اکثر اوامر و نواہی میں علی کی مخالفت کرتے ہو تو کس منہ سے اس کے شیعہ کہلاتے ہو۔ البتہ تم اس کے محبّ موالی دوستوں کے دوست اور اس کے دشمنوں کے دشمن کہلاؤ لیکن ایسے بلند مرتبہ کا دعوٰی مت کرو جس پر تمہارا عمل تمہارے دعوی کی تصدیق نہ کر سکے ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ پس وہ عرض گذار ہوئے اے فرزند رسول! ہم معافی چاہتے ہیں اور بارگاہ خداوندی میں توبہ کرتے ہیں۔ آیندہ ہم وہی کچھ کہیں گے جو آپ نے ہمیں تعلیم دیا ہے پس ہم لوگ آپ کے محبّ موالی ہیں آپ کے دوستوں کے دوست اور آپ کے دشمنوں کے دشمن ہیں آپ نے یہ سن کر اُن کو مرحبا کہا اور فرمایا تم میرے بھائی اور دوست ہو۔ اُوپر آجاؤ یہاں تک کہ ان کو اپنے قریب بٹھایا اور دربان سے دریافت فرمایا کہ تو نے کتنی دفعہ ان کو میری ملاقات سے روکا ہے، اُس نے عرض کی ساٹھ دفعہ تو آپ نے فرمایا اب تم پر فرض ہے کہ ساٹھ دفعہ ان پر میری طرف سے سلام کہو۔ کیونکہ انہوں نے توبہ و استغفار سے اپنے گناہوں کو دھو ڈالا ہے۔ اب یہ لوگ محبت و ولایت کی وجہ سے احسان کے مستحق ہیں۔ پس آیندہ ان کی اور ان کے بچوں کی دیکھ بھال کیا کرو اور سرکاری واجبات کی تقسیم کے وقت ان کا خاص خیال رکھا کرو اور اُن کو کوئی تکلیف لاحق ہو تو سرکاری ذرائع سے اس کے رفع کرنے میں دیر نہ کیا کرو۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کے پاس ایک آدمی خوشی خوشی حاضر ہوا آپ نے اس سے خوشی کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگا کہ میں نے حضور کے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السّلام سے سنا تھا کہ انسان کو زیادہ خوشی اُس دن کرنی چاہیئے جب چند مومنوں

پر صدقات تقسیم کرے یا ان کو خیرات سے حصہ دے یا اُن کے حقوق ان تک پہنچائے چنانچہ آج میرے پاس دس مسکین مومن پہنچے جو اپنے عیال و اطفال کی بے کسی و بے بسی کا غم لے کر دور دراز سے میرے پاس حاضر ہوئے تھے اور میں نے اُن سب کی حاجت روائی کی اس لئے خوش ہوں۔ آپ نے فرمایا بے شک ایسے موقعہ پر انسان کی خوشی بجا ہے لیکن اس قسم کی نیکیوں کو ضائع ہونے سے بچانا بھی ضروری ہے اُس نے فوراً کہہ دیا حضور! میں ان نیکیوں کو کیسے ضائع کر سکتا ہوں میں تو آپ کا شیعہ ہوں۔ آپ نے فرمایا اے بندۂ خدا تو نے تو اپنی سب نیکی برباد کر دی اُس نے عرض کی حضور والا وہ کیسے ؟ تو آپ نے فرمایا تو نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا کہ اپنی نیکیوں کو احسان جتلا کر یا اذیت دے کر ضائع نہ کر دیا کرو۔ اُس نے عرض کی حضور! میں نے نہ ان کو احسان جتلایا اور نہ اُن کو کسی قسم کی اذیت دی تو آپ نے فرمایا اس جگہ احسان جتلانے کا یہ مقصد نہیں کہ صرف انہی لوگوں پر جتلایا جائے جن پر احسان کیا ہے بلکہ کوئی سی نیکی کر کے کسی پر احسان جتلانا اور کسی کو اذیت دینا سابقہ نیکیوں کی تلفی کا موجب ہوا کرتا ہے آپ نے فرمایا تم خود بتاؤ کہ تیرا اُن کو اذیت دینا زیادہ گناہ ہے یا تیرا مجھے اذیت دینا زیادہ گناہ ہے اُس نے عرض کی آپ کو اذیت دینا سخت گناہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا تو نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں تمہارے خالص شیعوں میں سے ہوں یہ کہہ کر تو نے مجھے اذیت دی ہے۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ ہمارا شیعہ کون کون ہے۔ ہمارا شیعہ خالص خرقیل مومن آل فرعون ہے۔ ہمارا خالص شیعہ مومن آل یٰسین ہے۔ اسی طرح سلمان۔ مقداد۔ ابوذر اور عمار ہیں کیا تو ان کے برابر ہے ؟ خبردار تو نے یہ دعویٰ کر کے ہمیں اور ملائکہ مقربین کو اذیت پہنچائی ہے اُس شخص نے فوراً توبہ و استغفار کا کلمہ زبان پر جاری کیا اور عرض کی آپ خود فرمائیں کہ میں آئندہ اپنے آپ کو کیا کہوں۔ آپ نے فرمایا محب و موالی کہلاؤ اور یہ کہلاؤ کہ ہم تمہارے دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہیں۔ اُس شخص نے اعتراف کر لیا تو آپ نے فرمایا اب تیری تمام نیکیوں کا ثواب محفوظ ہے۔

ابو یعقوب اور علی بن سیار نقل کرتے ہیں کہ ایک رات ہم دونوں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں ان کے بالاخانہ میں حاضر ہوئے شہر کا پولیس افسر اور اس کے حاشیہ نشین لوگ امام عالی مقام کا کافی احترام کرتے تھے اچانک پولیس افسر کا گذر اس گلی سے ہوا جو ایک ملزم کو جس کے ہاتھ رسن بستہ تھے ساتھ لے جا رہا تھا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے جونہی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو افسر کی نگاہ پڑی پس وہ ازراہ تعظیم سواری سے پیدل ہو گیا اور عرض کرنے لگا کہ میں نے اس ملزم کو ایک صراف کی دوکان کے دروازے پر سے گرفتار کیا ہے میرا یہ خیال ہے کہ نقب زنی اور چوری کے ارادے سے یہ وہاں موجود تھا اور میں اس قسم کے مشکوک آدمیوں کو پانچسو تازیانے کی سزا دیا کرتا ہوں چنانچہ اس کے متعلق بھی میرا یہی ارادہ تھا تاکہ قبل اس کے کہ اس کا کوئی سفارشی پہنچے اس کو کسی حد تک اپنے کئے کی سزا مل جائے لیکن اس شخص نے مجھے خدا کا واسطہ دے کر کہا کہ میں حضرت علی اور اس حاضر امام کے شیعوں میں سے ہوں جو حضرت قائم کا باپ ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں ابھی امام عالی مقام کے دروازے سے تجھے ہمراہ لے کر گذروں گا اگر وہ تیرے شیعہ ہونے کا اعتراف کر لیں تو میں تجھے رہا کر دوں گا ورنہ تیرے ہاتھ اور پاؤں کاٹ لوں گا اور اس سے پہلے ایک ہزار تازیانہ کی سزا بھی تجھے بھگتنی پڑے گی۔ اب اس

شخص کے متعلق اپنی رائے سے ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا معاذ اللہ یہ شخص قطعاً علی کا شیعہ نہیں ہے اور چونکہ یہ شخص اپنے دل میں اپنے شیعہ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اُسی لئے اللہ نے بطور سزا اس کو گرفتاری کی مصیبت میں مبتلا کیا ہے حاکم شہر نے عرض کی کہ بس میرا مسئلہ حل ہو گیا ہے اب اس کو صرف پانچسو تازیانہ ہی ماروں گا۔ چنانچہ دُور لے جا کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کو زمین پر لٹا کر دو آدمی بالمقابل اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر مارنا شروع کریں چنانچہ جب انہوں نے ملزم کو زمین پر لٹایا اور ڈنڈے ہاتھوں میں لے کر مارنا شروع کیا تو بجائے اس کے کہ اُس ملزم کے جسم پر ڈنڈا لگے ان کی ضربیں زمین پر پڑتی تھیں۔ حاکم شہر پولیس افسر نے سپاہیوں پر ناراض ہو کر کہا کہ تم زمین پر ڈنڈے کیوں مارتے ہو۔ اس ملزم کے چوتڑوں پر مارو چنانچہ جب دوبارہ انہوں نے کوشش کی تو ان کے ڈنڈے ایک دوسرے پر پڑنے لگے اور ان کی چیخیں نکل گئیں پھر افسر پولیس نے غضبناک ہو کر کہا کہ کیا تم پاگل ہو گئے ہو کہ ایک دوسرے کو مارتے ہو۔ اس ملزم کو کیوں نہیں مارتے تو انہوں نے جواب دیا حضور والا! ہم تو ملزم کو ہی مارتے ہیں لیکن ہماری لاٹھیاں خود پھر جاتی ہیں۔ اس کے بعد اُس نے چار اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ تم سب چھ آدمی مل کر اس کو مارو اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر قریب کھڑا ہو گیا جب انہوں نے مارنا شروع کیا تو لاٹھیوں کا رُخ اوپر کی طرف ہو گیا اور افسر پولیس کو اس قدر ڈنڈے لگے کہ وہ گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کے بعد اُس نے اور سپاہی منگوائے لیکن ان کا بھی وہی حال رہا۔ اب اس حالت سے پولیس گھبرا گئی۔ پس اس ملزم نے کہا کہ مجھے اپنے امام کے پاس لے جاؤ اور جو وہ حکم دیں تم اس پر عمل کرو۔ چنانچہ وہ افسر پولیس بارگاہِ امام میں ملزم کو واپس لایا اور عرض کی حضور آپ نے تو اس کے شیعہ ہونے سے انکار فرمایا تھا لیکن ہم نے اس کے ایسے معجزات دیکھے ہیں جو انبیاء کے ہی ہو سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُس نے شیعہ ہونے کا دعویٰ اگرچہ غلط کیا ہے لیکن اس نے شیعہ کا جو معنی سمجھ رکھا ہے اسی کے مطابق دعویٰ کیا ہے ورنہ اگر شیعہ کا صحیح معنی سمجھتا ہوتا اور پھر دیدہ و دانستہ جھوٹا دعویٰ کرتا تو تیری اس ساری سزا کا وہ مستحق ہوتا اور تیس برس کی قید بھی اس کو دی جاتی لیکن ہماری طرف نسبت کی وجہ سے اللہ نے اس پر رحم فرمایا ہے پس اسے چھوڑ دیجئے کیونکہ ہمارے موالیوں اور محبوں میں سے ہے یہ سُن کر اُس پولیس افسر نے دریافت کیا کہ ہم تو محب اور شیعہ کا معنی ایک ہی سمجھتے ہیں اُن کے درمیان فرق کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا ہمارے شیعہ وہ ہیں جو اوامر و نواہی میں پوری طرح ہمارے حکم کے پابند ہوں لیکن جو لوگ بہت سے احکام میں ہماری مخالفت کریں۔ وہ ہمارے شیعہ نہیں ہوتے۔ پھر آپ نے حاکم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تو نے جو اس کی طرف معجزہ کی نسبت دی ہے۔ وہ سراسر جھوٹ ہے اگر تو نے جان بوجھ کر یہ جھوٹ بولا ہوتا تو خدا تمہیں ایک ہزار تازیانہ اور تیس برس کی قید کی سزا میں مبتلا کرتا یہ معجزات اس کے نہیں بلکہ ہمارے ہیں کہ خدا نے ہماری عزت و عظمت ظاہر کرنے کے لئے یہ آیات ظاہر فرمائیں دیکھئے عیسیٰؑ کے ہاتھوں مردہ کا زندہ ہونا مردہ کا معجزہ نہیں بلکہ عیسیٰ کا معجزہ تھا اسی طرح مٹی سے پرندہ کا ہونا پرندے کا معجزہ نہیں بلکہ عیسیٰ کا معجزہ تھا۔ اسی طرح جو لوگ مسخ ہو کر بندر بن گئے یہ ان کا معجزہ نہیں بلکہ اس زمانے کے نبی کا معجزہ تھا پس افسر پولیس نے فوراً توبہ و استغفار کو زبان پر جاری کیا۔

اس کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السّلام اس ملزم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے بندۂ خدا تو علی کا شیعہ نہیں بلکہ علی کا محبّ ہے اور علی کے شیعہ وہ ہوتے ہیں جن کا توحید پروردگار پر ایمان پختہ ہو۔ اور حضرت رسالت مآبؐ کی اقوال و اعمال میں تصدیق کرتے ہوں اور حضرت علی کو افضل اُمّت مانتے ہوں اور اُن کا یہ عقیدہ ہو کہ اُمّت کا فرد فرد تو بجائے خود اگر پوری اُمّت پیغمبر ترازو کے ایک پلڑے میں ہو اور علی دوسرے پلڑے میں ہو تو جس طرح پُورے آسمان و زمین کے مقابلہ میں ایک ذرّہ ہو۔ اسی طرح علی کے فضائل و مناقب کے مقابلہ میں وہ سب ایک ذرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علی کے شیعہ اللہ کے راستہ میں موت کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔ علی کے شیعہ اپنے نفسوں سے اپنے مومن بھائیوں کو ترجیح دیا کرتے ہیں۔ اور علی کے شیعہ شرعی اوامر و نواہی میں پُورے پابند ہوتے ہیں۔ غرضکہ توحید و نبوت و امامت کے صحیح عقائد کے بعد تمام فرائض کو ادا کرتے ہیں۔ اور تمام فرائض سے اہم دو فریضے ہیں (۱) مومن بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی (۲) دشمنانِ دین سے تقیہ اس میں شک نہیں کہ شیعہ مذہب کا تقدس ہر دور میں زبان زد عوام رہا ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی جیسے انسان نے بھی خلافت و ملوکیت میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام کی جماعت کا نام ہی شیعہ ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں " حامیانِ علی کا گروہ ابتداء میں شیعانِ علی کہا جاتا تھا بعد میں اصطلاحاً انہیں صرف شیعہ کہا جانے لگا۔ خلافت و ملوکیت صـ۲۱۲ اور ہم نے کتاب مذکور کے جواب میں "امامت و ملوکیت" لکھی ہے جس میں شیعہ مذہب کی نہایت نازک دور سے گذر کر ہم تک پہنچنے کی کیفیت پر روشنی ڈالی ہے اور مذہب شیعہ پر غلط الزامات کا دندان شکن جواب دیا ہے۔ اور اُن کو اُن ہی کے مسلمات کی روشنی میں جمہوریت کی غیر شرعی حیثیت سے آگاہ کیا ہے۔ اور واضح کیا ہے کہ شیعہ ایک اصول پرست جماعت ہے۔ جو مشکل سے مشکل تر مقامات میں بھی کسی قیمت پر حق و صداقت کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتی اور شیعہ کا کردار اس قدر ستھرا اور بلند ہوتا ہے کہ وہ کٹنا جانتے ہیں لیکن صراطِ مستقیم سے ہٹنا نہیں جانتے وہ کسی دَور میں بھی اقتدار کے ساتھ اپنے اُصول کی سودا بازی نہیں کرتے بلکہ وہ اقتدار پر لات مارنا آسان سمجھتے ہیں لیکن حق و صداقت کے اُصولوں کو چھوڑنا ہرگز گوارا نہیں کرتے لہٰذا ہر شیعہ نوجوان پر ضروری ہے کہ ہماری کتاب " امامت و ملوکیت" اپنے پاس رکھے اور اس کا مطالعہ کرے۔

نیز ہم نے شیعہ مذہب کے اوصاف و اطوار اور افعال و کردار پر آئمہ طاہرین علیہم کے اقوال کی روشنی میں تفسیر ہذا کی جلد ۶ میں از صفحہ ۷۰ تا صفحہ ۹۱ مفصل بیان سپردِ قلم کیا ہے جس کا مطالعہ آئینہ ایمان و عرفان میں جلاء نو بخشتا ہے۔

(کتاب امامت و ملوکیت پڑھیے)

حضرت ابراہیم کا ذکر

قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ ءَاِفْكًا اٰلِهَةً

اس نے کہا اپنے باپ اور قوم کو کس کی عبادت کر رہے ہو؟ کیا ازراہِ بہتان اللہ کے سوا

قَالَ لِاَبِيْهِ۔ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارخ تھا جو پکا مومن تھا اور یہ آذر آپ کا چچا تھا جو بت تراش اور بت پرست تھا آپ نے چونکہ چچا کے ہاں تربیت پائی تھی اس بنا پر اُن کو باپ کہہ کر پکارتے تھے اور چچا پر باپ کا اطلاق قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر بھی ہے

جس طرح نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ الخ میں اسمٰعیل حضرت یعقوب کا چچا تھا لیکن اس کو آباء میں شامل کیا گیا جو اٰبؑ کی جمع ہے اور تفسیر کی جلد نمبر ۹ ص۱۴۶ وص۲۲۱ و ج ۵ ص۲۳۱ پر یہ بیان گذر چکا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم کو بت پرستی سے روکتے تھے اور وہ لوگ آپ کو اپنے ہمراہ شرک کی دلدل میں پھنسانے کے درپے تھے آپ کھلے طور پر واضح الفاظ میں اُن سے کہتے تھے کہ تمہارا ان بتوں کی پرستش کرنا انتہائی بے ہودہ حرکت ہے کیونکہ عبادت کا سزاوار صرف اللہ ہی ہے جو ہر ایک کا خالق رازق اور محسن ہے اور وہی ربّ العالمین ہے سال بھر میں انہوں نے ایک خاص دن مقرر کیا ہوا تھا جس میں سب خورد و کلاں زن و مرد اور امیر و غریب اکٹھے ہوتے اور بت پرستی و شرک کی خاص رسوم ادا کرتے تھے جس طرح پیر پرستی کی رسم بد کو فروغ دینے کے لئے آج تک عرس کے نام سے سال بھر میں ایک تہوار منایا جاتا ہے جس میں سارے پیر پرست لوگ اکٹھے ہو کر غیر اللہ کو

دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ (٨٧) فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (٨٨)

خداؤں (کی عبادت) کا ارادہ کرتے ہو تو ربّ العالمین کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ (٨٩) فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ (٩٠)

پس ستاروں میں ایک نظر کی تو کہا کہ میں بیمار ہوں

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ (٩١) فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ

پس پیٹھ دکھا کر اس سے چلے گئے تو ان کے خداؤں کی طرف پلٹ کر کہا

اَلَا تَاْكُلُوْنَ (٩٢) مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ (٩٣) فَرَاغَ عَلَيْهِمْ

تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ تم بولتے کیوں نہیں ہو؟ پس پلٹا ان پر کر دائیں

ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ (٩٤) فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ (٩٥) قَالَ

ہاتھ سے انکو توڑنا شروع کر دیا تو وہ دوڑتے ہوئے اس کی طرف آئے کہا ان کی

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ (٩٦) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (٩٧) قَالُوا

عبادت کرتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تم کو پیدا کیا اور جن کو تم بناتے ہو کہنے لگے

قبلۂ حاجات قرار دیتے ہوئے شرک کرنے میں ایک دوسرے کا دل بڑھاتے ہیں اور اپنے فرضی پیر کے متعلق غلط سلط افسانے بیان کر کے اپنے مشرکانہ کردار کو باعثِ تقرب خداوندی قرار دیتے ہیں۔ اور اس قسم کی تقریبات کے لئے معین کردہ دن پیر و مرید سب کے لئے عید کا تہوار ہوتا ہے جب نمرودیوں نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے تہوار میں شرکت کی دعوت دی تو آپ نے ستاروں پر ایک نظر دوڑائی وہ سمجھے کہ آپ علم نجوم کے ذریعے ہمارے مسلک کی تائید کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اُن کے

خلافِ توقع آپ نے ان کی تقریب میں شرکت سے معذوری کا اظہار فرمایا یہ کہہ کر میں بیمار ہوں جس سے وہ یہ سمجھے کہ علم نجوم کے ذریعے سے ان کو اپنی بیماری کا علم ہوا ہے لہذا ہماری عید یا عرس میں شریک ہونے سے قاصر ہیں پس وہ آپ کی معذرت کو سن کر واپس چلے گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارگانِ سماوی پر نظر دوڑا کر توحیدِ پروردگار کے لئے ناقابلِ تردید برہان اُن کے لئے فراہم کی تھی کہ طلوع وغروب کرنے والے اجرام قابلِ عبادت نہیں ہو سکتے بلکہ لائقِ پرستش وہ خدا ہے جو ان سب کا خالق ہے جس طرح سورہ انعام میں یہ استدلال تفصیل سے گذر چکا ہے جلد نمبر ۵ صفحہ ۲۳۳ ملاحظہ ہو۔

اور یقیناً دلیل وبرہان کی روشنی میں توحیدِ پروردگار کا عقیدہ رکھنے والے کے لئے مشرکوں اور بت پرستوں کی بے ہودہ خلافِ شرع تقریبات اور اُن کے عرسوں اور میلوں میں شریک ہونا روحانی بیماری کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا گویا اجرام سماویہ کا تغیر و انقلاب توحیدِ پروردگار کا درس دیتا ہے اور مشرکانہ تہواروں میں شرکت روحانی بیماری کا پیش خیمہ ہے۔ اسی بنا پر تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ نہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار تھے اور نہ اُن کا یہ عذر جھوٹا تھا پس وہ اپنے مقام پر سچے بھی تھے اور بیمار بھی نہ تھے البتہ آپ نے بات ایسی کہی جس سے نمرودی جماعت یہ سمجھی کہ آپ بیماری کا عذر پیش کر رہے ہیں۔

مسئلہ۔ ابوالحسن شعرانی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں کلدانیوں میں علم نجوم کا خاصہ چرچا تھا اگرچہ اس علم پر ان کے پاس کوئی دلیل خاص نہ تھی تاکہ اس کے نتائج کو حجت قرار دیا جاسکے اور بعض علما نے اس کے سیکھنے اور سکھانے کو حرام قرار دیا ہے اور صحیح نظریہ یہ ہے کہ اس کا پڑھنا پڑھانا جائز ہے ہاں اس کے فیصلوں پر یقین رکھنا ناجائز ہے یعنی ان کو شرعی حیثیت دینا غلط بلکہ ناجائز ہے۔

القصّہ۔ جب نمرودی جماعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شرکت سے مایوس ہو کر چلی گئی تو آپ کو موقعہ مل گیا پس فوراً اُن بتوں کے پاس پہنچے اور ازراہِ تحقیر اُن سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں ہو؟ تم بولتے کیوں نہیں ہو؟ پس اس کے بعد اپنی قوت سے اُن پر پل پڑے اور ان کو توڑ مروڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ وہ کمزور لوگ جو عید منانے کے لئے باہر نہ جاسکے تھے یا جن کو بتوں کی حفاظت کے لئے چوکیداری کے فرائض سونپے گئے تھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو نہ روک سکتے تھے بلکہ اپنے معبودوں کی بے بسی وبے کسی کو تماشائیوں کی طرح دیکھتے رہے لیکن باز پرس اور جواب طلبی کا اُن کو ڈر تھا پس قوم کی واپسی سے پہلے یہ لوگ بقصدِ اطلاع اُن کو راستہ میں جا ملے اور بچشم گریاں اپنے خداؤں کی مظلومیت کی داستان اُن کو سنا دی پس یہ خبر سنتے ہی وہ لوگ گھروں کو جانے کے بجائے سیدھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر کی طرف دوڑ کر آئے اور کہنے لگے کہ تم نے ہمارے خداؤں کو کیوں توڑا ہے؟ تو آپ نے نہایت متانت سنجیدگی اور حوصلہ سے اُن کو سمجھایا کہ یہ بت تمہارے اپنے بنائے تراشے ہوئے ہیں یہ ہرگز ہرگز پرستش کے لائق نہیں ہیں نہ انہوں نے تم کو پیدا کیا نہ رزق دیا اور نہ کچھ اور کرسکتے ہیں پھر تم کیوں ان کی پرستش کر کے گمراہ ہوتے ہو جس اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان پتھروں کو بھی

اُسی نے ہی پیدا کیا پس وہی لائق عبادت ہے اور وہ ہر نفع و نقصان کا مالک ہے۔

ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ۔ یمین کا معنی دایاں ہاتھ یا طاقت کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے ان کو توڑنا شروع کر دیا۔ یا یہ کہ اپنی قوت و طاقت سے ان پر حملہ کر دیا اور توڑ پھوڑ دیا اور کام اگرچہ دونوں ہاتھوں سے کیا جاتا ہے لیکن چونکہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے قوی تر ہوتا ہے یا یہ کہ اچھے اور عمدہ کام دائیں ہاتھ کے سپرد کئے جاتے ہیں جیسے کھانا پینا وغیرہ اور طہارت و استنجا وغیرہ بائیں ہاتھ کے سپرد ہوتا ہے اس لئے بھی دائیں ہاتھ کو بائیں پر فوقیت و افضلیت حاصل ہے پس پورا کام دائیں ہاتھ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی بت شکنی کو بھی ضرب یمین (دائیں ہاتھ کی مار) کی طرف نسبت دی گئی۔

يَزِفُّوْنَ۔ زفیف سے ہے اور یہ شتر مرغ کی اس چال کو کہتے ہیں جو چلنے اور دوڑنے کے بین بین ہو اور اس جگہ مراد تیز چلنا ہے یعنی وہ لوگ خبر سنتے ہی فوراً حضرت ابراہیمؑ کے گھر پہنچے اور ان کو مقام حادثہ پر یعنی بت کدہ میں لے گئے اور مصروفِ تفتیش ہوئے کہ کیا تم نے ہمارے معبودوں کو توڑا ہے؟ تو آپ نے جواب سے پہلوتہی کرتے ہوئے کلام کا رُخ موڑ دیا اور فرمایا کہ تمہارے معبود وہ ہیں جن کو تم خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر بناتے ہو اور کیا خود ساختہ پتھر بھی لائق پرستش ہو سکتے ہیں؟ اور حقیقت یہ ہے کہ تم کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے اور ان پتھروں کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا عبادت کا سزاوار تو وہی ہونا چاہیے جو سب کا خالق ہے۔

ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۸﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ	
اس کے لئے چار دیواری بناؤ پس اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو	پس انہوں نے اس کے لئے
كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ	
سزائے موت تجویز کی اور ہم نے ان کو پست (ناکام) کر دیا	اور کہا (ابراہیمؑ نے) میں اپنے رب کی

ابْنُوْا لَهٗ۔ چونکہ کفار کے پاس حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے استدلالی بیان کا جواب نہیں تھا تو انہوں نے بجائے اس کے کہ اپنی رسوم بد یا عقیدۂ فاسدہ کو چھوڑ کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اپنے زمانہ کی فوجی عدالت کے حوالے کر دیا اور مقدمہ کی سرسری سماعت کے فوراً بعد فیصلہ سنا دیا گیا کہ پتھر گارے سے بیس بیس ہاتھ لمبی چوڑی چار دیواری جس کی بلندی تیس ہاتھ ہو مکمل کرائی جائے اور اس کو خشک لکڑیوں سے پُر کر کے آگ لگائی جائے اور پھر اُس بھڑکتی ہوئی آگ میں اُوپر سے ابراہیم کو پھینک دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو انتظامات کی تکمیل کے عرصہ تک زیر حراست رکھا گیا اور آخر کار منجنیق کے ذریعے سے اُن کو اُس آگ میں ڈال دیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی اور پھر سزائے موت اور آگ کا گلزار ہونا ج ۹ میں ص۲۲۱ تا ص۲۲۳ پر مفصل گذر چکا ہے۔

اَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا۔ یعنی ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے لئے مکر سوچا یعنی سزائے موت تجویز کی لیکن ہم نے اس کو بچالیا اور سزا دینے والوں کے مکر و فریب کا پردہ چاک کرکے ان کو ذلیل و پست کر دکھایا۔ اُس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام وہاں سے ہجرت کرکے شام و اُردن کی طرف چلے گئے

حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت

تفسیر برہان میں بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اصلی آبائی وطن جہاں آپ کی ولادت ہوئی کوثیٰ ربا تھا (فیروز آبادی نے کہا ہے کہ یہ عراق کی سرزمین میں ہے غالباً کوفہ کا نواح مراد ہے) اور حضرت ابراہیم کی والدہ اور حضرت لوطؑ کی والدہ دو نوں سگی بہنیں تھیں اور اُن کے باپ کا نام لاج تھا اور وہ بھی عہدۂ نبوت پر فائز تھا اور جناب سارہ آپ کی خالہ زاد تھی جو کافی مالدار اور خوشحال عورت تھی اور اپنے علاقہ کی بڑی زمیندار و جاگیردار تھی پس حضرت ابراہیم کے عقد میں آتے ہی اُس نے اپنا سارا مال و متاع اُن کے ہی حوالے کر دیا تھا چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے کافی محنت کرکے زمین کو زیادہ سے زیادہ زرخیز بنا دیا اور مالداری میں بھی کافی ترقی کی چنانچہ علاقہ بھر میں ان کا مالی وقار بہت بلند ہوگیا جب آپ پر بت شکنی کا مقدمہ چلایا گیا اور اس کے نتیجے میں آپ کو سزائے موت ہوئی اور آگ میں ڈالے گئے لیکن بحکم پروردگار آگ گلزار ہوئی اور آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا تو نمرودی حکومت نے آپ کے ملک بدر کرنے کا حکم جاری کر دیا اور آپ کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کو بحق سرکار ضبط کرنے کا آرڈر بھی جاری کر دیا گیا لیکن حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اپیل پر آپ کو منقولہ املاک واپس کر دی گئیں (جیسا کہ ج ۹ میں مذکور ہے) پس آپ نے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی اور حضرت لوطؑ اور سارہ آپ کے ساتھ ہجرت کرنے میں شریکِ سفر تھے۔ آپ نے حضرت سارہ کے لئے ایک تابوت بنوایا اور پردہ داری کے پیشِ نظر ان کو تابوت میں بٹھا کر اس کا دروازہ بند کر دیا اور اُوپر کپڑے کا پردہ ڈال لیا۔ جب نمرود کی عملداری سے نکل کر ملک شام کی سرحدوں پر پہنچے جہاں اُس زمانہ میں ایک قبطی حکمران تھا جس کا نام عزارہ تھا سرحد پر پہنچتے ہی کسٹم کے عملے نے روک کر تلاشی شروع کر دی چنانچہ اُس نے تابوت کے کھولنے پر اصرار کیا حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ اسی طرح بند تابوت کا وزن کرکے سونے یا چاندی کے حساب سے میں اس کا کسٹم ½ حصہ دینے کو تیار ہوں لیکن اُس نے زبردستی تابوت کو کھول دیا کسٹم آفیسر نے جب اس میں ایک برقعہ پوش عورت دیکھی تو اس کی حیرت کی حد نہ رہی۔ ازراہِ استعجاب۔ پوچھنے لگا کہ یہ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا میری خالہ زاد ہے اور میری بیوی ہے اُس نے اعتراض کیا کہ اگر ایسا ہو تا تو آپ کو اُس کے چھپانے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ نے فرمایا پردہ کی پابندی کے لئے ازراہِ غیرت میں نے یہ اقدام کیا ہے۔ کسٹم آفیسر نے کہا جب تک میں بادشاہ کو اطلاع دے کر اس سے حکم ثانی نہ حاصل کرلوں آپ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ چنانچہ اطلاع پہنچتے ہی بادشاہ نے حکم بھیجا کہ وہ تابوت میری طرف بھیج دیا جائے پس حضرت ابراہیم کو تابوت اور دوسرے سب مال و متاع کے ساتھ بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا بادشاہ نے جب تابوت کھولنے کا حکم دیا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا میں بطیب خاطر اپنا تمام مال و متاع بطور فدیہ کے پیش کرتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اس تابوت کے کھولنے کے حکم کو منسوخ کیا جائے لیکن بادشاہ

نے نہ مانا اور زبردستی تابوت کھولا گیا۔ جب بادشاہ نے جناب سارہ کی طرف ہاتھ بڑھانے کی جرأت کی تو حضرت ابراہیمؑ نے ازراہِ غیرت منہ پھیر لیا اور بارگاہِ خداوندی میں اپنی مظلومانہ فریاد پہنچائی۔ چنانچہ بادشاہ کا ہاتھ وہیں کا وہیں رہ گیا۔ بادشاہ نے کہا اے ابراہیم! کیا یہ کام تیرے خدا نے کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں بے شک میرا خدا غیور ہے۔ بادشاہ نے کہا میرے لئے دعا کرو اگر میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے تو میں آپ کے درپے ایذا نہ ہوں گا پس آپ نے دعا کی اور اس کا ہاتھ درست ہو گیا لیکن پھر اُس نے نیت بد سے دستِ درازی کا ارادہ کیا تو حضرت ابراہیم نے منہ پھیر کر بارگاہِ خداوندی میں دوبارہ درخواست کی چنانچہ اس کا ہاتھ پھر شل ہو گیا۔ اور عرض کرنے لگا کہ اے ابراہیم! واقعی تیرا خدا بھی غیور ہے اور تو بھی غیور ہے۔ اب دعا کیجئے کہ میرا ہاتھ ٹھیک ہو جائے پھر میں کوئی غلط حرکت نہیں کروں گا۔ حضرت ابراہیم نے دعا مانگی۔ اے پروردگار! اگر یہ بادشاہ سچی نیت سے کہہ رہا ہے تو اس کو تندرستی عطا فرما پس وہ ٹھیک ہو گیا۔ اور حسب وعدہ اُس نے حضرت ابراہیمؑ سے کسٹم اور ٹیکس وغیرہ بھی معاف کر دیا اور بڑی عزت سے پیش آیا اور حدود ملک میں جہاں چاہے کسی پابندی کے بغیر آپ کو سفر کرنے یا قیام کرنے کی کھلی اجازت دے دی اور نہایت لجاجت سے عرض کی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی زوجہ محترمہ کے لئے ایک پاکباز دانا حسینہ وجمیلہ لڑکی بطور خادمہ کے پیش کروں جو خاندان قبط سے تعلق رکھتی ہے چنانچہ حضرت ابراہیم کی اجازت سے اُس بادشاہ نے جناب ہاجرہ کو کنیزی کے طور پر جناب سارہ کے لئے پیش خدمت کیا چنانچہ حضرت ابراہیم وہاں سے بصد عزو احترام روانہ ہوئے۔ خود بادشاہِ مملکت اُن کی مشایعت میں اپنے مخصوص عملے کے ساتھ آپ کے پیچھے پیچھے تھا تو خدا کی جانب سے وحی ہوئی کہ بادشاہِ وقت کا پیچھے چلنا مناسب نہیں بلکہ آپ اس کے پیچھے چلیں کیونکہ زمین میں نیک یا بد حکمران کا وجود ضروری ہوا کرتا ہے۔ اور ظاہرداری کے لحاظ سے آپ پر ضروری ہے کہ اُس کا احترام واکرام کرتے ہوئے اُس کو آگے چلنے کی دعوت دیں تاکہ اُس کا رُعب ووقار قائم رہے چنانچہ حضرت ابراہیم کے قدم رُک گئے اور بادشاہ کو آپ نے آگے چلنے کی فرمائش کی کہ مجھے اللہ کی طرف سے ایسا کرنے کا حکم ہوا ہے۔ بادشاہ نے سنتے ہی کلمۂ اسلام زبان پر جاری کیا اور تسلیم کر لیا کہ واقعی اللہ حلیم وکریم اور مہربان ہے۔ پس کچھ دور جا کر بادشاہ نے ابراہیم کو الوداع کیا اور واپس پلٹا۔ آپ نے حضرت لوط کو شام کی ابتدائی حدود میں ٹھہرایا اور آپ نے آگے بڑھ کر وہاں سے دور کچھ فاصلہ پر قیام فرمایا وہاں کافی عرصہ رہنے کے بعد بھی آپ کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو ایک دن آپ نے جناب سارہ سے خواہش فرمائی کہ میری تم سے اولاد اب تک نہیں ہوئی اگر مجھے اپنی رضا ورغبت سے ہاجرہ دے دیں تو ممکن ہے خدا اُس کے بطن سے مجھے اولاد عطا فرمائے اور ہماری خانہ آبادی اور تسکین رُوح کا سامان مہیا بھی ہو جائے۔ اور وہ ہمارا قائم مقام بھی ہو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے کہنے پر جناب سارہ نے اپنی رضامندی سے جناب ہاجرہ کو آپ کے حوالہ کر دیا اور اس طرح سے جناب ہاجرہ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حرم بننے کا شرف پایا اور خداوند کریم نے ان کے بطنِ اقدس سے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو پیدا کیا۔

رَبِّ هَبْ لِی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہجرت کرکے زمین شام میں پہنچے تو جناب سارہ اور حضرت لُوط بھی آپ کے ہمراہ تھے اور چونکہ اللہ کے حکم کے ماتحت آپ نے نمرود کی عملداری سے ہجرت فرمائی تھی اِس لئے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف جارہا ہُوں یعنی یہاں سے ہجرت کرکے ایسی جگہ جاؤں گا جہاں خدا چاہے گا اور اس سے آپ کی مراد ارض مقدس تھی اور یہاں پہنچ کر آپ نے اُپنے لئے طلب فرزند کی دعا مانگی۔

حضرت ابراہیمؑ کو فرزند کی بشارت

فَبَشَّرْنٰہُ۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو فرزند کی بشارت ہُوئی تو اُس وقت آپ کی عمر سو برس کے قریب تھی اور سارہ کی عمر ۹۰ سال

اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

طرف جانیوالا ہوں وہ میری راہبری کریگا — اے رب مجھے عطا کر (اولاد) نیک

یا اس کے لگ بھگ تھی اور اس کا ذکر جلد ۷ صفحہ ۲۳۱ پر گذر چکا ہے اور ایک روایت میں ابراہیم کی عمر ۹۸ اور سارہ کی عمر ۹۹ برس مذکور ہے ج ۱۱ صفحہ ۹۳۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب آپ ہجرت کرکے علاقہ شام میں پہنچے تو اللہ سے دعا مانگی کہ مجھے حضرت سارہ کے بطن سے صالح فرزند عطا فرما چنانچہ جب فرشتے حضرت لوط کی قوم کو غرق کرنے کے لئے حضرت ابراہیم کے پاس سے گذرے اور آپ کے ہاں ایک رات بصورت مہمان ٹھہرے تو آپ کو حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری بھی سناتے گئے۔ اور اسی تفسیر میں بروایت عیاشی برید بن معاویہ عجلی سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل و اسحٰق کی ولادتوں کی جو بشارت دی گئی ان دو نو بشارتوں کے درمیان کا عرصہ کس قدر تھا تو آپ نے فرمایا کہ درمیان میں پانچ سال کا فاصلہ تھا کہ بَشَّرْنٰہُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ یعنی ہم نے اس کو باوقار اور صاحبِ حلم فرزند کی خوش خبری دی اور اس سے مراد حضرت اسماعیل ہے اور یہی پہلی بشارت ہے۔ اور اس کے بعد حضرت اسحٰق کی بشارت دی گئی۔ اور جب حضرت اسحاق تین برس کے ہوئے تو ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت اسحاق باپ کی گود میں تھے کہ ادھر سے اسماعیل بھی آگئے اور انہوں نے اسحاق کو باپ کی گود سے دھکیل کر خود ان کی جگہ لے لی حضرت سارہ اپنی آنکھوں سے اس صورت حال کو دیکھ رہی تھیں تو انہوں نے حضرت ابراہیم سے عرض کی کہ مجھ سے یہ برداشت ہرگز نہ ہو گا کہ ہاجرہ کا بیٹا میرے بیٹے کو آپ کی گود سے ہٹا کر خود اس کی جگہ لے لے لہذا آج کے بعد میرا اور ہاجرہ کا ایک جگہ گذارا نہیں ہوسکتا پس ان کو یہاں سے نکال دیجئے

حضرت ابراہیم جناب سارہ کی بہت قدر کرتے تھے کیونکہ وہ اولاد انبیاء سے تھی اور رشتہ میں بھی وہ آپ کی خالہ زاد تھی پس حضرت ابراہیم جنابِ سارہ کے پرزور مطالبہ کی بنا پر جناب ہاجرہ اور اسمعیل کو مکہ میں چھوڑ گئے اور اس کی مفصل داستان تفسیر کی دوسری جلد صفحہ ۱۷۵ (دوسرا ایڈیشن) میں مرقوم ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسمٰعیل حضرت اسحٰق سے ۱۳ سال بڑے تھے ج صفحہ ۱۶۴ پر ملاحظہ ہو۔

بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ - یعنی باوقار فرزند حلیم کا معنی باوقار اور کسی کام میں جلد بازی نہ کرنے والا اور انسانی اچھی صفات میں سے حلم کا درجہ بہت بلند ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ - یعنی جب باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہونے کی حد کو پہنچے اور منقول ہے کہ اس وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کو فرزند کے ذبح کرنے کا حکم

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ

پس ہم نے اس کو خوشخبری دی حلیم فرزند کی تو جب پہنچا وہ اس کے ساتھ کام کرنے کی حد کو (جوانی کو)

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا

تو کہا اے فرزند گرامی! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کرتا ہوں پس دیکھ تیری کیا رائے

تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

ہے اس نے کہا اے ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے وہ کیجئے مجھے اگر اللہ نے چاہا تو آپ

مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۴﴾ وَ

صبر کرنیوالوں سے پائیں گے پس جب دونوں جھک گئے (حکم پروردگار کے سامنے) اور اسکو منہ کے بل لٹایا

اَرٰی فِی الْمَنَامِ - رویت کے پانچ معانی کئے جاتے ہیں۔ ۱- دیکھنا - ۲- جاننا ۳- گمان کرنا - ۴- اعتقاد رکھنا - ۵- رائے قائم کرنا اس مقام پر پہلا معنی ہی مراد لیا جا سکتا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کرتا ہوں - اور علامہ طبرسیؒ نے اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ بہتر توجیہ اس طرح کی جائے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی کی ہو کہ میں تجھے خواب میں جو حکم دوں گا عالم بیداری میں اُس پر عمل کرنا تیرے اوپر واجب ہوگا اس لئے کہ انبیاء کے خواب صحیح ہوا کرتے ہیں کیونکہ جب تک عالم بیداری میں بذریعہ وحی یہ تصریح موجود نہ ہو تو عالم خواب میں دیکھی ہوئی چیز کو جامۂ حقیقت پہنانا مشکل ہے - اور انبیاء کے خواب کو اگرچہ وحی قرار دیا جانا بعید نہیں تاہم عالم ظاہر میں ان پر یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ تمہارا خواب وحی پروردگار ہوگا - اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ انبیاء کے خواب دو قسموں کے ہوا کرتے ہیں ایک یہ کہ آئندہ ہونے والی چیز کو بعینہٖ خواب میں دیکھیں جس طرح فاتحانہ صورت میں مکہ میں جانا رسولؐ اللہ کو خواب میں دکھایا گیا۔ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ - اور دوسرے یہ کہ بعد میں ہونے والی چیز خواب میں دیکھے ہوئے واقعہ کی تاویل ہو جس طرح حضرت یوسف کا اپنے لئے سورج چاند اور گیارہ ستاروں کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھنا اور اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب دوسری قسم سے تھا - یعنی ایک ایسا امر دیکھا جس کی تعبیر فرزند عزیز کا ذبح کرنا تھا۔

مَاذَا تَرٰی - جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند سے پوچھا کہ میں نے عالم خواب میں تجھے ذبح کرتے دیکھا ہے یعنی عالم خواب میں جو کچھ دیکھا ہے اُس کی تعبیر تجھے ذبح کرنا ہے تو اس میں تیری کیا رائے ہے پس فوراً فرزند ارجمند نے جواب دیا کہ آپ کو جو حکم ہُوا ہے اس پر عمل کیجئے۔ میں انشاء اللہ صبر کروں گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند سے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے تیرے ذبح کرنیکا حکم ملا ہے بلکہ فرمایا اپنے خواب میں دیکھا ہے لیکن فرزند نے جوابدیا کہ آپکو جو حکم ملا ہے اُس پر بلادریغ عمل کیجئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی اولاد کو بھی یہ علم تھا کہ اُن کا خواب عام خوابوں کی طرح نہیں بلکہ حکم پروردگار ہوتا ہے جبھی تو باپ کو بھی عمل کی ترغیب دی اور حکم خداوندی کے سامنے سر کٹوانے کے لئے خود بھی تیار ہو گئے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے خواب کو حکم خداوندی سمجھتے تھے تو اس کی تعمیل کے لئے اپنے فرزند سے مشورہ لینے کا انتظار کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اپنے لختِ جگر کو ذبح کرنے کے لئے تو فوراً تیار ہو گئے اور ذبح کرنے میں مشورہ لینے سے بھی وہ بے نیاز تھے لیکن جب بیٹے کو ذبح کرنا تھا آخر اس کو بھی تو بتانا تھا اور اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ سختی سے اس کو اپنے آگے لگا لیتے اور کہتے چلو میں حکم پروردگار کے ماتحت تمہیں ذبح کرنا چاہتا ہوں اور حضرت ابراہیمؑ کے لائق فرزند سے یہ بعید ہے کہ وہ انکار کرتے بلکہ سرِ تسلیم کو خم کر کے وہ یقیناً ذبح ہونے کے لئے تیار ہو جاتے لیکن حضرت ابراہیمؑ نے انسانی ہمدردی بلکہ شفقتِ پدری کو ملحوظ رکھتے ہوئے دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کہ اُسے اپنے مقصود سے ایسے نرم لہجہ اور مستحسن طریقہ سے مطلع فرمایا کہ ایک طرف ان کے ذہن میں زبردستی ذبح ہو جانے کا تصوّر بھی نہ آیا اور دوسرے اُن کو اس امتحان میں عمداً شریک ہونے کا موقعہ بھی مل گیا پس اپنے اختیار سے اُنہوں نے حکمِ پروردگار کے سامنے گردن کٹوانے کا ارادہ کر لیا تو جہاں ایک طرف اس امتحان کی کامیابی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عہدۂ امامت کی پیش کش ہوئی وہاں دوسری طرف ان کو ذبیح اللہ کی سند عطا ہوئی پس گویا اپنے فرزند کے سامنے اس حقیقت کا اظہار مشورہ لینے کے لئے نہیں تھا بلکہ ان کو اس امتحان کے لئے تیار ہونے کی دعوت کا بہانہ تھا ورنہ اگر سچ مچ مشورہ لینا مقصود ہوتا تو ذبح ہونے والے سے مشورہ لینا بے محل تھا۔ اپنی بیوی یا دوسرے افراد خاندان کو طلب کر کے سب سے رائے دریافت کی جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ نیز قربانی کے لئے ذبح کئے جانیوالے حیوان پر بھی سختی کرنا اچھا نہیں ہوتا تو بیٹے کو قربان کرنے کے لئے اس پر سختی کیسے روا ہو سکتی تھی؟ پس نرم لہجہ میں بیٹے سے بات کی کہ مجھے اللہ نے تیرے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تیری کیا رائے ہے؟ اور آپ کے فرزند نے بھی اس حقیقت کو جان لیا کہ آپ مجھے حکمِ خداوندی سے مطلع فرما رہے ہیں لہذا سرِ تسلیم خم کر کے فوراً باپ کی ہاں میں ہاں ملا لی۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا - یعنی دونو جب امرِ پروردگار کے سامنے جھک گئے اور یہ اس حکم کا نتیجہ ہے جو پارۂ اول میں گذر چکا ہے اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ - یعنی جب اُس (ابراہیمؑ) کو اپنے پروردگار نے فرمایا اَسْلِمْ (جھک جا) تو ابراہیمؑ نے جواب دیا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (میں عالمین کے پروردگار کے آگے جھک چکا ہوں) یعنی اس کے ہر حکم کو بلا چون و چرا تسلیم کر کے اس پر بلادریغ عمل کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی ساری اولاد کو اور حضرت یعقوب نے بھی اپنی اولاد کو وصیت

کی تھی کہ تمہارے لئے اللہ نے دین چن لیا ہے لہٰذا لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (تم پر موت نہ آئے مگر ایسی حالت میں کہ تم اللہ کے حکم کے سامنے جھکنے والے ہو) اور تعمیر بیت اللہ کے بعد اپنے فرزند اسماعیل کو اپنے ساتھ ملا کر دعا اس طرح مانگی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (اے پروردگار! ہم باپ بیٹے دونو کو اپنے حکم کے سامنے جھکنے والا قرار دے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ ایسا پیدا کر جو تیرے حکم کے سامنے جھکنے والا ہو۔ کیونکہ اولاد کے لئے طلبِ امامت کی دعا کے جواب میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ عہدہ ظالموں کو نہ ملے گا اور ظالم وہ ہوتا ہے جو اللہ کے حکم سے سرتابی کرے اور غیر اللہ کے سامنے جھک جائے تو ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کے لئے ایک جگہ اللہ کے حکم کے سامنے جھکنے کی دعا مانگی اور دوسری جگہ غیر اللہ کے سامنے جھکنے سے بچنے کی دعا طلب کی وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھ۔ اب جو فرزند کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تو اپنے ذبح ہونے والے فرزند سے مخاطب ہوئے کہ میں نے مجھے خواب میں ذبح کرتے دیکھا ہے اس میں آپ اپنی طلب کی ہوئی دعا کا اثر بھی دیکھنا چاہتے تھے چنانچہ آپ کی توقعات پر پورا اترتے ہوئے بیٹے نے نہایت سلجھی ہوئی زبان میں جواب دیا جس سے باپ کے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچی کہ آپ کو جو بھی حکم ہوا ہے عمل بجا لائیں مجھے ان شاء اللہ آپ

نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۵﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا
اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم تو نے خواب کو پورا کر دکھایا ہم ایسی
كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا
ہی جزا دیتے ہیں احسان کرنیوالوں کو بے شک یہ البتہ بڑا امتحان
الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۷﴾ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۸﴾ وَ
تھا ہم نے اس کا فدیہ دیا بڑی قربانی کا اور ہم نے باقی رکھا اُس پر
تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ سَلٰمٌ
(سلام و ذکر خیرا) بعد والوں میں سلام

صابر پائیں گے۔ باپ کا جھکنا یہ تھا کہ امر پروردگار کے سامنے اپنے خوبصورت نوخیز اور محبوب ترین فرزند کی گردن پر چھری پھیرنے کو تیار ہو گئے اور بیٹے کی تسلیم یہ تھی کہ اپنی حسین جوانی کی محبت سے بے نیاز ہو کر راہ خدا میں اپنی زندگی کو قربان کرنے کے لئے اپنی گردن کو چھری کے آگے رکھ دیتے ہیں ذرہ بھر تامل نہ کیا۔ اور فَلَمَّا اَسْلَمَا اسی کی تعبیر ہے کہ جب بیٹا اور باپ دونو مقام تسلیم و رضا میں پورے اُتر چکے اور ابراہیم نے اپنے بیٹے کو قربان گاہ میں منہ کے بل لٹا لیا تو ہم نے صدا دی کہ اے ابراہیم تو نے خواب کو سچ کر دکھایا اور تفسیر منتقیات الدرر میں ہے کہ حضرت اسماعیل نے عرض کی تھی کہ مجھے منہ کے

بل لٹا کر ذبح کیجئے کیونکہ ممکن ہے میرے چہرے کو دیکھ کر شفقتِ پدری کے ماتحت آپ مجھے ذبح نہ کرسکیں۔

ذبیح اللہ کون تھا؟ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزندوں میں سے ذبیح کون تھا؟ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ وہ اسحٰق تھا اور ان کی طرف سے دو دلیلیں ذکر کی گئی ہیں (۱) جب آپ ہجرت کرکے شام میں پہنچے اور سارہ آپ کے ہمراہ تھی تو دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے سارہ کے بطن سے فرزند عطا فرما چنانچہ فرشتوں نے خوشخبری سنائی اور حضرت اسحاق پیدا ہوئے تو آیات کی ترتیب سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ انہی کے ذبح کا حکم دیا گیا کیونکہ غلام حلیم سے مراد بھی اسحاق ہے اور بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ کا مصداق بھی اسحاق ہے اور اس کے بعد بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا کی خوشخبری حضرت اسحاق کی نبوت سے متعلق ہے نہ کہ ولادت سے۔ ۲۔ حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کی طرف جو خط لکھا تھا اس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا۔ مِنْ يَعْقُوْبَ اِسْرَائِيْلَ نَبِيِّ اللّٰهِ بْنِ اِسْحٰقَ ذَبِيْحِ اللّٰهِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ اللّٰهِ یعنی یہ خط اللہ کے نبی اسرائیل یعقوب کا ہے جو ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند اسحٰق ذبیح اللہ کا فرزند ہے۔ اور یہ بات بھی واضح رہے کہ جو لوگ حضرت اسمٰعیل کو ذبیح اللہ مانتے ہیں ان کے نزدیک مقام ذبح منیٰ ہے لیکن جو لوگ حضرت اسحٰق کو ذبیح اللہ مانتے ہیں اُن کے نزدیک مقام ذبح بیت المقدس ہے (منتخبات الدرر) لیکن تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جو لوگ حضرت اسحاق کو ذبیح اللہ مانتے ہیں اُن کے نزدیک بھی مقام ذبح مکہ (منیٰ) ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو فرزند کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تو آپ اپنے فرزند اسحٰق اور اُن کی والدہ سارہ اور دیگر افراد کنبہ کو حج کی غرض سے مکہ میں لاچکے تھے۔ آپ نے سارہ کو بیت اللہ کے طواف کے لئے بھیج دیا اور خود اسحٰق کو لے کر جمرۂ وسطیٰ کے پاس آئے اور ان کو حکم پروردگار سے مطلع کیا۔ جب حضرت اسحٰق نے ذبح ہونا قبول کر لیا تو آپ آمادۂ ذبح ہوگئے۔ پس شیطان ایک بزرگ کی مشابہ شکل سے سامنے آیا اور دریافت کیا کہ کیا کرنے کا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا اس لڑکے کو ذبح کرنا چاہتا ہوں۔ اُس نے سبحان اللہ کا کلمہ زبان سے جاری کرتے ہوئے ازراہِ تعجب کہا کہ ایسے نوعمر لڑکے کو جس نے پلک جھپکنے کی مقدار بھی خدا کی نافرمانی نہیں کی ذبح کرتے ہو آپ نے فرمایا مجھے اپنے اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اُس نے کہا یہ حکم خدا نہیں بلکہ حکم شیطان ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے اللہ کا حکم ملا ہے (پس وہ شیطان) مایوس ہو کر چلا گیا۔ بیٹے نے عرض کی ابا جان! ذبح کرتے وقت میرا منہ ڈھانپ دیجئے اور میرے ہاتھوں کو مضبوطی سے کس کر باندھ دیجئے تاکہ ذبح کے وقت ہلنے نہ پائیں۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ اے فرزند گرامی! ایک تو تجھے ذبح کروں اور دوسرے تیرے ہاتھوں کو بھی باندھ دوں یہ دونوں کام مجھ سے نہ ہوں گے۔ پس آسمان کی طرف منہ کر لیا اور زانو زمین پر ٹیک کر چھری پکڑی اور ذبح کے لئے بیٹے کی گردن پر رکھ دی لیکن جبریل نے اُسے اُلٹا کر دیا پس اُدھر کوہ ثبیر سے ایک دنبے کو پکڑ لیا۔ اور چھری کے نیچے سے اسحٰق کو کھینچ کر فوراً اس کی جگہ دنبے کو لٹا دیا اور چھری چل گئی اور ساتھ ہی مسجد خیف کی بائیں جانب سے ندا آئی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا۔ یعنی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ اُدھر جب سارہ بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہوئی تو شیطان اپنے مصنوعی تقدس کے ساتھ سامنے رونما ہو گیا اور کہنے لگا میں نے مقام منیٰ میں ایک

بزرگ کو دیکھا ہے۔ بی بی نے کہا وہ میرا شوہر ہے۔ شیطان نے کہا اس کے ساتھ میں نے ایک حسین و جمیل لڑکے کو دیکھا ہے تو بی بی نے کہا وہ میرا لختِ جگر ہے۔ شیطان نے انتہائی مکارانہ لہجہ میں کہا کہ میں نے دیکھا ہے وہ بزرگ آدمی اُسی نوخیز شہزادے کو زمین پر لٹا کر چھری سے اُسے ذبح کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ بی بی کہنے لگی دفع ہو جاؤ جھوٹے کہیں کے: ابراہیمؑ بڑا رحمدل انسان ہے وہ اپنے لائق و بے گناہ فرزند کو کیسے ذبح کر سکتا ہے؟ شیطان نے کہا مجھے آسمان کے پروردگار کی قسم اور اس کعبہ کے رب کی قسم: میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس میں ذرّہ بھر جھوٹ نہیں۔ بی بی نے نہایت متانت اور حوصلے سے فرمایا کہ بھلا وہ ایسا کیوں کرنے لگے؟ شیطان نے کہا وہ فرماتے تھے کہ مجھے اللہ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے پس بی بی نے فرمایا اگر اللہ کا حکم ہے تو ابراہیم نے جو کیا ہے وہ حق ہے (پس شیطان ملعون مایوس ہو کر بھاگ گیا) لیکن مامتا کی محبت نے حضرت سارہ کے دل میں جوش مارا اور سوچنے لگیں کہ ہو سکتا ہے کہ میرے فرزند کے ذبح کا حکم پہنچا ہو۔ پس اپنے فرائض حج سے فارغ ہو کر جلدی سے دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر منیٰ کی طرف روانہ ہوئیں۔ اور یہ دُعا مانگ رہی تھیں کہ اے اللہ! میں نے اسماعیل کی ماں سے جو سختی کی ہے مجھے اس کی سزا نہ دے۔ جب منیٰ میں پہنچیں اور حضرت اسحاقؑ کو زندہ موجود پایا تو طبیعت میں سکون آیا لیکن جب پورا واقعہ اور اُس کی کیفیت سُنی پھر اُٹھ کر اسحٰق کی گردن پر چھری کا تازہ نشان دیکھا تو تاب برداشت نہ رہی اور بیمار ہو گئیں اور بڑھتے بڑھتے وہی بیماری اُن کی موت کا سبب بن گئی۔ اور یہ روایت تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے بھی منقول ہے۔ اس میں صرف اس قدر زیادتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے سارہ کو بیت اللہ کے طواف کے لئے بھیج کر اسحٰق سے فرمایا کہ سواری کا گدھا اور چھری لاؤ تاکہ قربانی کے لئے چلیں حضرت اسحاق نے تعمیل حکم کی بجاآوری کے بعد دریافت کیا کہ ابا جان! وہ قربانی کہاں ہے جسے ذبح کرنا ہے تو آپ نے فرمایا بیٹا وہ قربانی تم ہو بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ تو بیٹے نے خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ آپ حکم خداوندی کو بجا لائیں مجھے آپ صابرین میں سے پائیں گے پس مقامِ ذبح پر پہنچ کر گدھے سے جل اُتار کر نیچے بچھائی اور اُس پر اسحاق کو لٹا کر ذبح کے ارادے سے اُس کی گردن پر چھری رکھی۔ اس کے بعد شیطان کے وسوسے کا ذکر ہے اور اس میں ایک شق زیادہ ہے کہ شیطان نے مایوس ہو کر جاتے ہوئے ایک اور وسوسہ بھی ڈالا تھا کہ آپ عہدۂ امامت پر فائز ہیں اگر آپ نے اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا تو قیامت تک لوگوں کے لئے اولاد کا ذبح کرنا سنّت بن جائے گا لیکن آپ نے اس کی بات پر کان نہ دھرے اور اس کو ویل کی بددعا کی پس وہ دفع ہو گیا نیز اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم جب چھری چلانے کا ارادہ کرتے تھے تو جبریل چھری کی دھار کو اُلٹا کر دیتے تھے اور کئی دفعہ ایسا کیا گیا یہاں تک کہ کوہِ ثبیر کی چوٹی سے دنبہ پکڑ کر حضرت جبرئیلؑ نے چھری کے نیچے لٹا یا۔ الخ۔ اور یہی روایت قمی سے منقول ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ وہ دُنبہ آسمان سے مسجد منیٰ کے دائیں طرف پہاڑی پر اُترا تھا (جس کو جبریل نے چھری کے لئے لٹایا تھا)

ذبیح حضرت اسحٰق نہیں تھے

مشہور یہ ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے اور دورِ اول میں بھی شہرت اسی طرح تھی لیکن اہلِ کتاب نے (جو بنی اسرائیل تھے) دیدہ دانستہ واقعات

کو مسخ کر کے حضرت اسحاقؑ کا ذبیح اللہ ہونا مشہور کر دیا تھا چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں محمد بن کعب قرظی سے منقول ہے کہ میں ایکدفعہ عمر بن عبدالعزیز کے دربار میں موجود تھا اُس نے مجھ سے یہی سوال کیا کہ درحقیقت ذبیح اللہ کون تھا؟ تو میں نے جواب دیا کہ وہ اسمٰعیل تھا اور میں نے قرآن مجید سے اس کی دلیل پیش کی کہ اس قربانی کے تذکرے کے بعد خدا فرماتا ہے وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ یعنی ہم نے اس کو اسحاق کی بشارت دی پس عمر بن عبدالعزیز نے ایک شامی باشندے کو منگوایا جو پہلے یہودی تھا اور پھر صحیح معنوں میں مسلمان ہو گیا تھا اور اُس کا شمار علماء یہود سے تھا پس عمر بن عبدالعزیز نے اس سے یہی بات دریافت کی اور میں بھی پاس موجود تھا تو اُس نے بھی جواب دیا کہ ذبیح اللہ اسمٰعیل تھا پھر وہ خود کہنے لگا کہ اے بادشاہ! خدا کی قسم! یہودی لوگ اس حقیقت کو جانتے ہیں لیکن چونکہ اسمٰعیل تم عرب لوگوں کا جدّ اعلیٰ ہے اس لئے ازراہِ حسد اس کا انکار کر کے یہ فضیلت اسحاق کے لئے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وہ اُن کا جدّ اعلیٰ ہے۔

نیز ان آیاتِ مجیدہ کی ترتیب اور ان کا نظم و نسق اسی اَمر کو ثابت کرتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل تھے کیونکہ واقعہ ذبح کے بعد ارشاد ہے کہ ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی۔ اور اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اس جگہ ولادت کی بشارت مراد نہیں بلکہ نبوت کی بشارت مُراد ہے تو یہ محض زبردستی ہے کیونکہ پہلی بشارت غلام حلیم کی تھی اور دوسری بشارت اسحاق نبی کی ہے اور ظاہر سیاق یہی بتاتا ہے کہ دونو بشارتیں فرزندوں کی ولادت سے متعلق تھیں نیز دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی تو جب اللہ ابتدائے پیدائش سے ابراہیم کو اسحٰق سے ہونے والے پوتے یعقوب کی بشارت دے رہا تھا تو تیرہ برس کی عمر میں اسحاق کی قربانی کا حکم کس طرح دے دیا پس اس قرینے سے معلوم ہوا کہ ذبح کا حکم اسماعیل سے متعلق تھا اور بعد والی بشارت حضرت اسحاق کی ولادت کی بشارت تھی نیز اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت اسحاق حضرت اسماعیل سے ۱۳ برس چھوٹے تھے۔ اور روایت سابق میں دونوں بشارتوں کے درمیان ۵ برس کا عرصہ ہونا اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ ان کی عمر میں بھی پانچ برس کا فرق ہو بلکہ ۱۳ برس کی عمر میں حضرت اسمٰعیل کی قربانی طلب کی گئی اور بعد میں حضرت اسحاق کی ولادت ہوئی اور یہی قرین عقل ہے اور صحیح تاریخ سے حضرت اسحاق کا مکہ کی طرف آنا ثابت بھی نہیں ہے چنانچہ اصمعی سے منقول ہے میں نے ابو عمرو بن علا سے سوال کیا کہ ذبیح اللہ اسحٰق تھے یا اسمٰعیل؟ تو اس نے مجھے جواب دیا کہ تمہاری عقل کدھر گئی۔ اسحٰق مکہ میں آیا کب ہے؟ کیونکہ مکہ میں صرف اسمٰعیل ہی تھا جو تعمیر بیت اللہ میں حضرت ابراہیم کا معاون تھا اور اس میں شک نہیں کہ جائے ذبح مکہ ہی ہے (لہٰذا ذبیح اللہ اسمٰعیل ہی ہوسکتا ہے) رہا وہ خط جو حضرت یعقوب نے یوسف کو لکھا اور کتب سیر میں موجود ہے یا بعض احادیث میں بھی اسحٰق کے متعلق ذبیح اللہ کے الفاظ وارد ہیں تو اس کے جواب میں علاّمہ فیض کاشانی صافی میں فرماتے ہیں کہ صحیح اخبار کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا اور ذبیح اللہ بھی یقیناً اسمٰعیل تھے بات یہ ہے کہ حضرت اسحٰق کی ولادت چونکہ حضرت اسمٰعیل کی اس قربانی کے بعد ہوئی۔ اور بعد میں جب ان کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو دل میں تمنا کی کاش میں اسمٰعیل کی جگہ ہوتا اور اس آزمائش میں پورا اترتا اور اسمٰعیل کی طرح صبر کرتا پس ثواب اور تقربِ خداوندی

میں میرا درجہ بھی وہی ہوتا تو اس کے ارادۂ صادقہ کے ماتحت خدا نے اس کو بھی ذبیح کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح ہونے کے وجوہ

علمائے محققین نے حضرت اسمٰعیل کے ذبیح اللہ ہونے کی چند وجوہات بیان فرمائی ہیں (۱) حضرت رسالت مآبؐ کا فرمان ہے۔ اَنَا ابنُ الذَّبِیحَین یعنی میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں۔ حضور سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ میرے جد حضرت عبدالمطلب نے چاہ زمزم کھودنے کا ارادہ فرمایا تو منّت مانی تھی کہ خوشنودیٔ خدا کی خاطر اپنے ایک فرزند کو قربان کروں گا چنانچہ جب منت کے ادا کرنے کا وقت آیا تو ذبح کا قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا لیکن حضرت عبداللہ کے ننہال نے منّت وسماجت کی کہ اس کے بدلہ میں فدیہ کے طور پر ایک سو اونٹ کو ذبح کرکے مساکین پر ان کا گوشت تقسیم کیا جائے چنانچہ ایسا ہوا پس ایک ذبیح حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب اور دوسرے ذبیح حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام تھے

(۲) یہ قربانی مکہ میں ہوئی اور مکہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام تھے نہ کہ اسحٰق۔

(۳) قرآن مجید میں دوسرے مقام پر اسمٰعیل کو صادق الوعد کا خطاب دیا گیا ہے نیز ان کو صفتِ صبر کے ساتھ یاد کیا گیا ہے وَاِسمَاعِیلَ وَالیَسَعَ وَذَاالکِفلِ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِینَ۔ اور یہ حضرت اسماعیل کے ذبیح اللہ ہونے کے قرینے ہیں۔

(۴) بشارتِ اسحٰق کا ذکر قربانی کے بعد ہے اور سباق وسیاقِ آیات سے موزوں یہی مطلب ہے کہ قربانی کا تعلق حضرت اسمٰعیل سے ہو۔

بنا بریں جن روایات میں حضرت اسحٰق کی قربانی اور حضرت سارہ کی مکہ میں حج کے لئے آمد کا تذکرہ ہے غالباً یہود کے حسد اور سازش کا نتیجہ ہے اور تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے حضرت اسمٰعیل کا حضرت اسحٰق سے پانچ سال بڑا ہونا منقول ہے اور روایت کے آخیر میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضرت اسحٰق حضرت اسمٰعیل سے بڑا تھا یا یہ کہ ذبیح حضرت اسحٰق تھا اُس نے گویا قرآن کو جھٹلایا نیز بروایت ابن بابویہ حضرت امام رضا علیہ السّلام سے حضرت رسالت مآبؐ کے فرمان کہ اَنَا ابنُ الذَّبِیحَین کی وضاحت منقول ہے کہ ایک ذبیح حضرت اسمٰعیل ہیں۔ اور دوسرے حضرت عبداللہ اور اس کی کیفیت اس طرح ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر یہ منت مانی تھی کہ اللہ مجھے دس فرزند عطا فرمائے تو میں اُس کی خوشنودی کے لئے اُن میں سے ایک راہ خدا میں قربان کروں گا چنانچہ اللہ نے ان کی دعا کو مستجاب فرمایا پس آپ نے اپنے دس بیٹوں کو بیت اللہ کے اندر داخل کرکے قرعہ ڈالا تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا اور حضرت عبدالمطلب کو تمام بیٹوں میں سے یہ زیادہ پیارا تھا پس دوبارہ قرعہ ڈالا تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا چنانچہ آپ نے اُس کے ذبح کرنے کا تہیہ کر لیا اس پر تمام قریشیوں نے جمع ہو کر آپ کو اس فعل سے باز رہنے کی درخواست کی لیکن آپ نے نہ مانی پھر تمام ہاشمی عورتیں روتی اور چلاتی ہوئی

آئیں اور آپ کی شہزادی جناب عاتکہ نے بھی بڑی منت سماجت کی نیز عبداللہ اور اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالنے کی تجویز پیش کی جو آپ نے قبول فرمائی پس پہلے پہل دس اونٹوں اور عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالا تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا پھر دس اونٹ مزید ملائے اور قرعہ ڈالا اسی طرح دس دس اونٹوں کا اضافہ کرتے گئے جب ایک سو اونٹ ایک طرف اور حضرت عبداللہ دوسری طرف ہوئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا جس پر تمام قریشیوں اور بالخصوص ہاشمیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور سب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور مزید تسلی حاصل کرنے کے لئے حضرت عبدالمطلب نے تین دفعہ قرعہ ڈالا اور ہر دفعہ قرعہ اونٹوں پر نکلا۔ پس حضرت عبداللہ کے بھائیوں نے جلدی سے حضرت عبداللہ کو حضرت عبدالمطلب کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لیا چنانچہ ان کے زمین پر رکھے ہوئے رخسارے پر ایک خراش بھی آئی پس ایک سو اونٹوں کو حضرت عبدالمطلب نے نحر کرا دیا۔ روایت کے اخیر میں حضرت امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر حضرت عبدالمطلب حجّتِ خدا نہ ہوتے (کہ حضرت ابراہیم کی طرح انہوں نے بھی اپنے فرزند کو خوشنودیٔ پروردگار کی خاطر ذبح کرنے کا مصمم ارادہ فرمایا) تو ان کے اس فعل پر حضرت رسالت مآبؐ فخر نہ کرتے کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں۔ اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کا ان کی نسل میں سے ہونے کی بدولت حضرت اسمٰعیل کو ذبح سے بچایا گیا بعینہ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ کو بھی اونٹوں کا فدیہ دے کر ذبح سے خدا نے بچا لیا۔

قربان ہونے والا دنبہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ وہ دنبہ جمرۂ وسطیٰ کے سامنے مسجد منیٰ کے دائیں طرف والے پہاڑ پر آسمان سے اُترا جو بہت موٹا تازہ تھا اور گذشتہ ایک روایت میں کہ وہ شبیر کی جانب سے اس دنبے کا آنا مذکور ہوا ہے اور تفسیر برہان کی سابق روایت جو حضرت امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے۔ اس میں ہے کہ وہ دنبہ چالیس برس تک باغاتِ جنّت میں چرتا رہا تھا اور وہ کسی مونث سے پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ حضرت اسمٰعیل کا فدیہ قرار دینے کے لئے ہی خداوند کریم نے اس کو اپنے ارادہ کن سے پیدا فرمایا تھا پس قیامت تک منیٰ میں ذبح ہونے والے جانور حضرت اسمٰعیل کا فدیہ ہوں گے۔

تفسیر نور الثقلین میں خصال سے منقول ہے کہ کسی نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ وہ کونسے چھ ذی روح ہیں جو ماں کے شکم سے نہیں ہیں تو اس کے جواب میں آپ نے حضرت اسمٰعیل کا فدیہ بننے والا دنبہ بھی ذکر فرمایا تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ شاہ روم نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ وہ سات چیزیں کون ہیں جو کسی رحم سے پیدا نہیں ہوئیں۔ آپ نے فرمایا (۱) آدم (۲) حوا (۳) اسمٰعیل کا فدیہ دنبہ (۴) سانپ عصیٰ (۵) کوا (۶) ناقۂ صالح (۷) ابلیس اور حضرت جبریلؑ کا فدیہ پیش کرنے کے لئے جلدی پہنچنا تفسیر کی ج ۹ صـ ۲۲۹ پر گذر چکا ہے۔

اور حضرت اسمٰعیل کا فدیہ بننے والے دنبے کے متعلق علماء کے اقوال میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ موٹا تازہ بکرا تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ وہ دنبہ تھا جو حضرت ہابیل نے بطور قربانی کے پیش کیا تھا جو بارگاہِ خداوندی میں درجہ قبولیت کو پہنچا اور اللہ نے اس کو جنت میں رکھا اور وہی آخر کار حضرت اسمٰعیل کا فدیہ بنا اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دنبہ چالیس خریف جنت

ہیں رہا ۔ اور ایک خریف کئی ہزار سال کا ہوتا ہے) اور چوتھا قول یہ بھی ہے کہ یہ دنبہ نزدیک والے پہاڑ کوہ ثبیر سے اترا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے نگاہ اٹھائی تو اُس کو اپنے پاس کھڑا ہوا پایا پس اُس کو چھری کے نیچے لٹا کر بیٹے کو چھوڑ دیا اور اُسے گلے سے لگا کر پیار کیا اور فرمایا ۔ اے فرزند عزیز میں یوں سمجھتا ہوں کہ تو آج ہی پیدا ہوا ہے ۔ اور ذبح کا واقعہ اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ رسّی اور چھری لے کر میرے ساتھ پہاڑ کے دامن میں چلو تاکہ لکڑیاں جمع کر لائیں ، جب کوہ ثبیر کے دامن میں پہنچے تو بیٹے کو ذبح کے ارادہ سے مطلع فرمایا تو بیٹے نے عرض کی اے ابا جان! میرے ہاتھوں کو خوب باندھ دیجئے اور اپنے دامن کو سمیٹ لیجئے تاکہ میرے خون سے آلودہ نہ ہو ورنہ میری ماں اسے دیکھ کر برداشت نہ کر سکے گی نیز چھری کی دھار کو بھی خوب تیز کر لیجئے تاکہ جلدی سے میں ذبح ہو سکوں کیونکہ موت ایک سخت اور مشکل چیز ہے اور مجھے ذبح کر کے جب آپ واپس تشریف لے جائیں تو میری ماں کو میری طرف سے سلام پہنچائیں اور اگر آپ چاہیں تو میری قمیص بھی ان کے حوالے کر دیں تاکہ ان کے لئے یہ چیز باعث تسلی ہو ۔ اور ان کی زندگی کے بقیہ ایام اس سہارے سے اچھی طرح گذر سکیں ۔ حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کی معقول باتیں سُن کر جواب میں فرمایا شاباش تم امر پروردگار کی تعمیل میں میرے بہترین معاون ہو پس آپ بچشم گریاں بیٹے کی گردن پر چھری رکھ کر آمادۂ ذبح ہوئے جب کہ حضرت اسمٰعیل کی آنکھیں بھی پرنم تھیں اور اُس نے عرض کی کہ اے ابا جان! مجھے منہ کے بل لٹا کر ذبح کیجئے تاکہ میرے چہرے کو دیکھ کر مبادا شفقت پدری آپ کو میرے ذبح کرنے سے روک دے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو منہ کے بل لٹایا اور چھری کو چلانے کا ارادہ کیا لیکن چھری اُلٹ گئی اور ندا پہنچی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا ۔ پس دنبہ ذبح ہوا اور حضرت اسمٰعیل بچ گئے ۔ اور روایت میں ہے کہ قیامت تک جس قدر قربانیاں ہوتی رہیں گی یہ سب حضرت اسمٰعیل کا فدیہ ہیں (بحار)

وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۔ پیشانی کے دائیں اور بائیں کنارے کو جبین کہا جاتا ہے گویا قبلہ رُخ کر کے آپ نے اپنے فرزند کو ایک جبین کے بل لٹایا تھا اور مروی ہے کہ بائیں رخسارے کے بل لٹایا تھا اور پھر دُنبے کو بھی اسی طرح لٹایا اور ذبح کیا اور اس کا گوشت مساکین پر تقسیم فرمایا تھا (مجمع)

اَلْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ بلا کے دو معانی ہیں (۱) امتحان (۲) نعمت ۔ اور اس جگہ دونو درست ہو سکتے ہیں یعنی بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند ہر دو کے لئے سخت اور واضح امتحان تھا یا یہ کہ بیٹے کے بدلہ میں فدیہ کو قبول کرنے میں اللہ کا ان دونو پر واضح اور بہت بڑا انعام واحسان تھا ۔

فدیہ ذبح عظیم ظاہر قرآن کے اعتبار سے حضرت اسماعیل کا فدیہ وہ دنبہ یا بکرا قرار پایا جو کوہ ثبیر سے اترا یا جس کو جنت سے بھیجا گیا اور جبریل نے اس کو چھری کے نیچے لٹایا پس ذبح ہو گیا اور ذِبح اور ذَبح میں فرق یہ ہے ذِبح اس جانور کو کہا جاتا ہے جو ذبح کیا جائے گویا وہ ذبیح کے معنی میں ہے اور ذَبح مصدر ہے جس کا معنی ہے ذبح کرنا ۔ اور عظیم اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ایک نبی کا فدیہ تھا اور ایسے نبی کا جس کی نسل سے حضرت خاتم الانبیاء تھے ۔ اور ممکن ہے کہ

جسامت وضخامت کے اعتبار سے اسے عظیم کہا گیا ہو کیونکہ وہ خوب موٹا تازہ تھا اور بروایت سابق جنت کے باغات کا پروردہ تھا اور اس اعتبار سے بھی اُسے عظیم کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس کی قربانی ایک سنّت جاریہ بن گئی پس قیامت تک کی ہونے والی قربانیاں حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے فدیہ کے طور پر قرار دی گئیں لہٰذا گویا ایک دنبہ ذبح نہیں ہوا بلکہ حضرت اسماعیل کے بدلہ میں قیامت تک قربانیوں کا ذبح عظیم کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

تفسیر نور الثقلین میں عیون الاخبار سے منقول ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا جب اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اسمٰعیل کے بجائے دنبہ کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خواہش کی کہ کاش میں اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کو راہِ خدا میں ذبح کرتا اور دنبہ اس کا فدیہ نہ بنتا اور اپنے عزیز ترین فرزند نوجوان کی موت کا صدمہ جھیل کر صبر کرتا اور مصائب پر صبر کرنے والوں کے بلند ترین درجاتِ جنّت کا مستحق ہوتا تو خداوند کریم کی طرف سے وحی ہوئی اے ابراہیم! میری تمام مخلوق میں سے تجھے سب سے محبوب ترین کون ہے؟ حضرت ابراہیم نے عرض کی اے پروردگار! تیری مخلوق میں سے تیرا حبیب محمد مصطفےٰ مجھے زیادہ عزیز ہے۔ پس ارشادِ خداوندی ہوا کہ تجھے وہ زیادہ محبوب ہے یا اپنی ذات؟ تو ابراہیم نے جواب دیا مجھے اپنی ذات سے بھی وہ زیادہ پیارا ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ تجھے اپنی اولاد زیادہ محبوب ہے یا اس کی اولاد؟ تو ابراہیم نے عرض کی کہ مجھے اپنی اولاد کی بہ نسبت اُس کی اولاد زیادہ محبوب ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ دشمنانِ دین کے ہاتھوں اس کی اولاد کا ظلم وستم سے شہید ہونا تیرے لئے زیادہ تکلیف دہ ہے یا اپنی اولاد کا میری اطاعت میں اپنے ہاتھوں ذبح کرنا؟ تو ابراہیم نے عرض کی کہ اس کی اولاد کا ظلم وستم سے دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہونا میرے لئے اپنی اولاد کے ذبح کرنے سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پس ارشاد ہوا کہ ایک گروہ جو اُمتِ محمدؐ ہونے کا دعوٰی کرتے ہوں گے اُسی کے فرزند حسین کو اُس کے بعد ظلم وجور سے اس طرح ذبح کریں گے جس طرح دنبے کو ذبح کیا جاتا ہے پس اُن پر میرا غضب نازل ہوگا۔ یہ سنتے ہی حضرت ابراہیمؑ کے دل پر غم واندوہ اس قدر مسلط ہوا کہ گریہ کو ضبط نہ کر سکے پس وحی ہوئی کہ اے ابراہیم! حسین کے بے گناہ قتل پر تیرے رونے اور گریہ کرنے کو میں نے تیرے اپنے ہاتھوں اسمٰعیل کو ذبح کرنے کے رنج وغم کا فدیہ قرار دیا ہے اور مصائب پر صبر کرنے والوں کے اعلیٰ درجاتِ جنّت میں نے تیرے لئے واجب کئے ہیں اور فَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ کا یہی مقصد ہے۔ یہی روایت تفسیر برہان میں بسند ابن بابویہ بھی منقول ہے۔ اور ذبح عظیم کی تاویل اکثر کتب میں شہادتِ امام حسین علیہ السّلام بیان کی گئی ہے۔ لیکن اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کو شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ نے بھی سفینۃ البحار میں ذکر کیا ہے کہ جب ایک شئے کو دوسری چیز کا فدیہ قرار دیا جاتا ہے تو مفدّٰی عنہ (یعنی جس کا فدیہ دیا جاتا ہے) مفدّٰی بہ (یعنی فدیہ بننے والے) سے افضل ہوتا ہے۔ پس اگر امام حسین کو حضرت اسمٰعیل کا فدیہ قرار دیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ حضرت اسمٰعیل حضرت امام حسین علیہ السّلام سے افضل تھے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت محمد وآلِ محمد علیہم السّلام حضرت اسمٰعیل کی نسل سے ہیں تو جس چیز کو حضرت اسمٰعیل کا فدیہ قرار دیا جائے وہ صرف حضرت اسماعیل کا فدیہ نہیں ہوگا بلکہ اُن کی نسل سے ہونے والے جملہ انبیاء واولیاء کا بھی وہی چیز فدیہ ہوگی پس حضرت

امام حسین علیہ السلام صرف حضرت اسمٰعیل کا فدیہ نہیں تھے بلکہ محمد وآلِ محمد علیہم السّلام کا بھی فدیہ تھے کیونکہ اگر حضرت اسمعیل ذبح ہوجاتے تو اُن سے ہونے والی یہ نسل طاہر معرضِ وجود میں نہ آسکتی پس حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی اس سلسلہ طاہرہ کا فدیہ بن گئی تو گویا امام حسین علیہ السلام جس طرح حضرت اسمعیل کا فدیہ ہوئے اسی طرح اپنے جدنامدار اور پدر عالیمقدار بلکہ پورے چہاردہ معصومین علیہم السلام کے وجود ہائے مقدسہ کا بھی فدیہ ہوئے پس فردِ واحد کو پُورے سلسلہ کا فدیہ قرار دیا گیا۔ اور سابق روایت کی رُو سے حضرت ابراہیم کے امام حسین کے غم میں رونے کو حضرت اسمٰعیل کے غم میں رونے کا فدیہ قرار دیا گیا لیکن ایک غم کو دوسرے غم کا فدیہ کہنا مجاز ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ بدلہ ہوتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کو جو درجہ اسمٰعیل کے غم میں رونے سے ملتا اب امام حسینؑ کے غم میں آنسو بہانے کا درجہ اس سے زیادہ ہے اور امام حسین کی شہادت کو فدیہ قرار دینے کی صورت میں مفدیٰ عنہ (جس کا فدیہ دیا جائے) حضرت اسمٰعیلؑ سے لے کر حضرت قائم آلِ محمد علیہم السّلام تک کا سارا نوری سلسلہ ہے اور مفدی بہ صرف امام حسین علیہ السّلام کی ذات بابرکات ہے لہذا کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا اور پیغمبر کی اس حدیث کا معنی بھی کھل کر سامنے آگیا۔ حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْن یعنی حسین مجھ سے ہے (نسل کے لحاظ سے) اور میں حسین سے ہوں (اس کے فدیہ بننے کے لحاظ سے)

نسخ قبل عمل جائز ہے یا نہیں؟

اس مقام پر اصولیین میں اختلاف ہے کہ آیا وقتِ عمل آنے سے پہلے حکم کو منسوخ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جو لوگ کہتے ہیں کہ وقتِ عمل سے پہلے حکم کو منسوخ کرنا جائز ہے وہ اِسی مقام سے استشہاد کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے فرزند کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا جو وقتِ عمل سے پہلے منسوخ بھی کر دیا گیا۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ وقت عمل سے پہلے منسوخ کرنا ناجائز ہے ورنہ حکم کا مصلحت سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ حکیم کی شان سے بعید ہے پس اس مقام پر وہ کہتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کو فرزند کے ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا بلکہ ابتدائی مقدمات کے مہیا کرنے کا ہی حکم تھا اور خواب میں انہوں نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھا تھا بیٹے کا ذبح ہونا نہیں دیکھا تھا چنانچہ اپنے فرزند کے سامنے بیان کرتے ہوئے آپ نے یہی فرمایا اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ یعنی میں نے خواب میں دیکھا کہ تجھے ذبح کرنا چاہتا ہوں تو بیٹے نے بھی ایسے ہی انداز سے جواب دیا فَافْعَلْ مَا تُؤْمَر یعنی جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے اُسے کیجئے اور میں صبر کروں گا۔ پس حکم اتنا ہی تھا کہ بیٹے کی گردن پر چھری پھیرو۔ اور باپ بیٹا دونو تعمیل حکم کے لئے تیار ہوگئے تو یہ احتمال تھا کہ اب حکم پہنچ جائے کہ بیٹے کو ذبح کر ڈالو اور حضرت ابراہیم کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ اس کے بعد حکم کی نوعیت کیا ہوگی؟ جبھی تو ان کا استقلال وعزم قابلِ مدح ہے ورنہ اگر باپ بیٹے دونو کو پہلے سے بتایا جاتا کہ حکم پروردگار صرف گردن پر چھری پھیرنے تک ہے اس کے بعد حکم کی نوعیت کچھ اور ہوگی تو باپ اور بیٹے کی ہمت و عزم اور صبر واستقلال بے معنی ہو جاتا۔ پس اپنی طرف سے جب ذبح کرنے والا اور ہونے والا ابتدائی مراحل ومقدمات کو طے کرکے عزم واستقلال کے ساتھ اگلا قدم اٹھانے کے لئے پوری طرح تیار تھے اور حکم کے منتظر تھے تو حکمِ ثانی پہنچ گیا جو باپ و بیٹے دونو کے لئے غیر متوقع تھا اور وہ یہ کہ دُنبے کو ذبح کیا جائے اور اسماعیل کو چھری کے نیچے سے ہٹایا جائے پس جبریل

نے جلدی سے پہنچ کر چھری کو اُلٹا کر دیا اور پھر دُنبے کو آگے بڑھا کر حضرت اسماعیل کو چھری کے نیچے سے کھینچ لیا پس ندا پہنچی کہ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا۔ یعنی جہاں تک تو نے خواب میں دیکھا تھا وہ پورا ہو گیا اور اس کی تم نے تصدیق کر دی ورنہ اگر خواب میں حکم ذبح کرنے کا ہوتا تو حضرت ابراہیم کا موجودہ فعل اس کی تصدیق نہ بن سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت اسمٰعیل کے ذبح ہونے میں کوئی مصلحت نہ تھی اس لئے اسمٰعیل کے ذبح کا حکم نہیں دیا گیا تھا بلکہ ابتدائی مراحل کے طے کرنے کا حکم تھا جن کی انجام دہی کے بعد ان کو امتحان سے پاس ہونے کی سند دی گئی۔ اور اللہ کو معلوم ہے کہ میرے انبیاء میرے حکم سے سرتابی نہیں کیا کرتے۔ لہذا انبیاء یا اولیاء سے امتحان لینا اس لئے نہیں ہوتا کہ ان کی کامیابی یا ناکامی کا علم ہو جائے بلکہ امتحان وہ شخص لیا کرتا ہے جو نتیجے کی خبر نہ رکھتا ہو۔ اللہ سبحانہ کو اپنی مخلوق کے ہر فرد کے متعلق روز اول سے پتہ ہے۔ پس اس کا امتحان نتیجے کی خبر حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اطاعت گذار اور نافرمان کو اپنی باقی مخلوق کے سامنے الگ الگ کرنے کے لئے ہوتا ہے تاکہ کوئی ناواقفیت کی بنا پر اشتباہ میں نہ رہے اور اس لئے بھی تاکہ مصائب و آلام میں صبر کرنے والوں کی جزا کیسی ہوتی ہے اور بے صبروں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ نیز امتحان کی بدولت نیک و بد کو ایک دوسرے سے تمیز دینا آسان ہو جاتا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں پر واضح کرنا چاہتا ہے کہ جو میرے بندے ہیں وہ میرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر لینے میں ذرہ بھر پس و پیش نہیں کرتے۔ خواہ ان کو میرے راہ میں کس قدر مصائب و آلام کے پہاڑوں سے ٹکر ہی لینی پڑ جائے حتیٰ کہ وہ میرے حکم کے سامنے جھکتے ہوئے آگ کی بھٹی میں کود جانے سے نہیں گھبراتے اور نہ اپنے عزیز ترین فرزند کی گردن پر چھری پھیرنے سے وہ گریز کرتے ہیں۔ چنانچہ اسلام کے دعویٰ کے بعد حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کا واقعہ روز روشن کی طرح عیاں ہے یعنی اسلام جس کا معنی ہے اللہ کے امر کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، تمام مسلمانوں کو ہر دور میں اسوۂ ابراہیمی پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور اسی بنا پر ملت ابراہیم کو تا قیامت منسوخ نہیں کیا گیا۔

إِنَّهُ مِنْ ⑪	كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ⑪	عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ⑩
بے شک وہ ہمارے	اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں احسان کرنیوالوں کو	ابراہیم پر
وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ⑪		عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ⑪
اور ہم نے اس کو خوشخبری دی اسحٰق کی کہ وہ نبی ہو گا صالحین میں سے		مومن بندوں میں سے تھا

وَبَشَّرْنَاهُ۔ ذبیح اللہ کے ذکر کے بعد حضرت اسحاقؑ کی بشارت اس امر کی دلیل ہے کہ سابق بشارت اسمٰعیل کی تھی۔ اور ذبیح بھی اسمٰعیل ہی تھا۔

بَارَكْنَا عَلَيْهِ۔ یعنی ہم نے ابراہیم و اسحاق دونو کو برکت عطا کی کہ حضرت عیسیٰ تک کے تمام انبیا حضرت اسحاقؑ کی نسل سے ہوئے اور محمدؐ و آل محمدؐ حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے ہیں جو حضرت ابراہیم کی ہی اولاد ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ صنعت استخدام کے طریقے پر عَلَيْهِ میں ضمیر غائب کا مرجع اسمٰعیل ہو۔ یعنی ہم نے دونو بھائیوں اسمٰعیل و اسحاق پر برکت نازل کی اور

ان دونوں کی اولاد میں سے کچھ محسن ہوں گے اور کچھ ظالم بھی ہوں گے۔

رکوع نمبر ۸ نَصَرْنَاهُمْ۔ نصر اور معونت میں یہ فرق ہے کہ نصر دشمنوں کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور معونت اُس سے عام ہے۔

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ

اور اس پر ہم نے برکت برسائی اور اسحٰق پر بھی اور ان دونوں کی اولاد میں سے اپنی ذات کے لئے

ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ

محسن اور ظالم ہوئے صاف طور پر اور ہم نے احسان کیا موسیٰ و ہارون پر

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ

اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑی تکلیف سے نجات دی اور ہم نے ان کی مدد کی

فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

پس وہی غالب ہوئے اور ہم نے ان کو واضح کتاب دی (توراۃ)

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا

اور ہم نے ان کو راہِ مستقیم کی ہدایت کی اور ہم نے باقی رکھا ان کا ذکر خیر

فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

بعد والوں میں سلام موسیٰ و ہارون پر

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا

ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں احسان کرنیوالوں کو بے شک یہ دونو ہمارے نیک بندوں

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

میں سے تھے اور تحقیق الیاس رسولوں میں سے تھا

حضرت الیاس کا ذکر

اِنَّ اِلْيَاسَ۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ الیاس اور ادریس ایک نبی کے دو نام ہیں لیکن ان کو دو ماننا زیادہ صحیح ہے اور منقول ہے کہ حضرت الیاس حضرت ہارون بن عمران کی اولاد سے تھے اور الیسع پیغمبر کے چچا زاد تھے جب بنی اسرائیل میں گمراہی اور سرکشی حد سے بڑھی تو خدا نے پہلے حزقیل پیغمبر کو بھیجا اور ان کے بعد یہ مبعوث برسالت ہوئے جب حضرت یوشع نے شام کو فتح کیا تھا تو شام کا علاقہ بنی اسرائیل کے قبائل میں انہوں نے تقسیم کر دیا تھا اور اُن میں سے جو قبیلہ بعلبک میں جا کر آباد ہوا تھا

حضرت الیاس علیہ السلام اُن کی طرف رسول مبعوث ہوئے۔ شروع شروع میں اس جگہ کے بادشاہ نے دین کو قبول کر لیا۔

لیکن بعد میں اپنی عورت کے بہکانے سے مرتد ہو گیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ پاس ہی ایک عابد کا باغ تھا اور بادشاہ کی عورت نے اُس باغ پر قبضہ کرنے کے لئے اس عابد کو قتل کرا دیا اور اس پر خود قابض ہو گئی۔ حضرت الیاس نے اُن کو اس حرکت بد سے روکا چنانچہ وہ باز نہ آئے تو آپ نے ان دونو پر بددعا کی جس کے نتیجے میں وہ دونو ہلاک ہو گئے۔ بادشاہ اور اس کی بیگم سے مذکورہ بالا اختلاف کے بعد آپ الیسع کو اپنا جانشین قرار دے کر خود روپوش ہو گئے۔ بادشاہ نے اُن کے قتل کے احکامات جاری کئے لیکن کافی تلاش کے باوجود وہ نہ مل سکے اور بعض کہتے ہیں کہ خدا نے ان کو کھانے پینے کی لذّت سے بے نیاز کر دیا اور اس کو پرواز کے لئے پر عطا کئے کہ وہ ملکوتی انسان ہے اور خداوند کریم نے اس بادشاہ پر ایک دشمن حملہ آور کو مسلط کر دیا کہ بادشاہ اور اُس کی بیگم دونو واصل جہنم ہو گئے۔ پس اللہ نے الیسع کو عہدہ رسالت عطا فرمایا اور بنو اسرائیل اس پر ایمان لائے۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ الیاس خشکی و جنگلات میں اور خضر دریاؤں میں رہتا ہے اور سالانہ حج کے موقعہ پر بمقام عرفات دونو کی ملاقات ہوتی ہے

اَتَدْعُوْنَ بَعْلاً۔ بعض مفسّرین نے کہا ہے کہ سونے کا بنا ہوا ایک بُت تھا اور وہ اس کی پوجا کرتے تھے اور کہتے ہیں یمن کی زبان میں سردار اور رب پر بعل کا لفظ بولا جاتا ہے چنانچہ وہ اپنے بت کو بعل سے تعبیر کرتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ذوالکفل حضرت الیاس کا دوسرا نام ہے۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ (۱۲۵) اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ (۱۲۶) اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ (۱۲۷) فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (۱۲۸) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ (۱۲۹) وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ (۱۳۰)

جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل (بت) کو پکارتے ہو اور چھوڑتے ہو اس کو جو بہتر پیدا کرنے والا ہے اللہ جو تمہارا رب اور تمہارے متقدمین باپ دادوں کا بھی رب ہے تو انہوں نے اس کو جھٹلایا پس وہ حاضر کئے جائیں گے (قیامت میں) سوائے اللہ کے نیک بندوں کے (کہ وہ ایمان لائے اور نہ جھٹلایا) اور ہم نے اس کا ذکرِ خیر بعد والوں میں باقی رکھا

تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب انس سے منقول ہے ایک دفعہ حضرت نبی اکرمؐ پہاڑ پر تشریف لے گئے تو پہاڑ کی چوٹی پر کوئی شخص دعا مانگ رہا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْاُمَّۃِ الْمَرْحُوْمَۃِ الْمَغْفُوْرَۃِ (اے اللہ مجھے اُمّتِ مرحومہ مغفورہ میں داخل فرما) حضورؐ وہاں پہنچے تو ایک سفید ریش دراز قد انسان دیکھا جس نے کھڑے ہو کر حضورؐ سے معانقہ کیا اور عرض کی کہ میں سال بھر میں صرف ایک دفعہ کھانا کھاتا ہوں اور ابھی میرے کھانے کا وقت ہے چنانچہ اچانک اُسی وقت آسمان سے ایک دسترخوان اُترا اور حضورؐ نے اس کے ساتھ مل کر تناول فرمایا اور معلوم ہوا کہ وہ حضرت الیاس پیغمبرؑ تھے۔

(آلِ یاسین) - ابن عباس سے منقول ہے کہ یٰسین چونکہ حضورؐ نبی اکرم کا نام ہے لہذا آلِ یٰسین سے مراد آلِ محمدؐ ہیں - اور آئمہ اہل بیت سے اس معنی میں احادیث بکثرت وارد ہیں کہ اس جگہ مراد آلِ محمدؐ ہی ہیں - اور اسی بنا پر قرآن مجید میں آلِ یٰسین کی قرأت بھی پڑھی گئی ہے اور ال کا یٰسین سے الگ تحریر ہونا اسی امر کی دلیل ہے ورنہ اگر الیاسین ہوتا تو لام اور یا کو ملا کر لکھا جاتا - اور جو لوگ الیاسین پڑھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد الیاس اور اس کی اُمت ہے جو ان پر ایمان لائی تھی جس طرح مطلب اور اس کے قبیلہ کو جمع کے طور پر مطلبین پڑھا جاتا ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اٰلِ يٰسِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

سلام آلِ یٰسین پر — ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ

بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا — اور تحقیق لوط رسولوں میں سے

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ اِلَّا

تھا — جب کہ ہم نے اس کو اور اس کے تمام خاندان کو نجات دی — سوائے

عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

ایک بڑھیا کے جو باقی رہ جانیوالوں میں تھی — پھر ہم نے ہلاک کر دیا باقی رہنے والوں کو

وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَبِالَّيْلِ

اور تحقیق تم لوگ گزرتے ہو ان کے (مقامات) سے دن — اور رات کو

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

تو کیا پس تم عقل نہیں رکھتے؟ — اور تحقیق یونس رسولوں میں سے تھا

اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۱﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ

جب کہ بھاگا کشتی کی طرف جو پُر ہو چکی تھی — پس شریک قرعہ ہوا

لَتَمُرُّوْنَ - مشرکین مکہ کو خطاب ہے کہ قوم لوط کی اُجڑی ہوئی بستیوں کو تم شام کی طرف جاتے ہوئے اور پلٹتے ہوئے صبح وشام کو دیکھتے ہو تو عبرت کیوں حاصل نہیں کرتے۔؟

رکوع نمبر ۹

حضرت یونسؑ کا ذکر

تفسیر عیاشی سے منقول ہے حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ حضرت یونس بن متی تیس برس کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے اور تینتیس برس مسلسل تبلیغ کرنے کے باوجود دو آدمیوں کے علاوہ کوئی بھی اُن پر ایمان نہ لایا حالانکہ وہ ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ تھے۔ آپ کے مزاج میں تیزی زیادہ تھی اور حوصلہ بہت کم تھا۔ اکثر روایات میں ہے کہ علاقہ موصل میں مقام نینوی میں آپ کی سکونت تھی لیکن تقنیات الدرر

ہیں فلسطین میں آپ کا مبعوث ہونا منقول ہے بہرکیف ایمان لانے والوں میں سے ایک عالم تھا جس کا نام تنوخا یا ملیخا تھا اور دوسرا عابد تھا جس کا نام روبیل منقول ہے۔ ۳۳ برس کی تبلیغ کے بعد جب نتیجہ حوصلہ افزا نہ نکلا تو عابد کے مشورہ سے بددعا کی حالانکہ عالم ساتھی ایسا کرنے سے ان کو روکتا رہا اللہ نے عذاب بھیجنے کا وعدہ کیا تو آپ عابد ساتھی کو ہمراہ لے کر چل دئیے لیکن عذاب کے آثار جونہی نمودار ہوئے تو عالم نے پوری قوم کو جمع کرکے انہیں توبہ کی طرف راغب کیا پس وہ سب مان گئے چنانچہ ان سے عذاب ٹل گیا اور جب عذاب کی تاریخ گذر جانے کے بعد حضرت یونس جائزہ لینے کے لئے پلٹے تو لوگوں کو حسب سابق کاروبار اور کھیتی باڑی میں مشغول پایا پس ایک شخص سے دریافت کیا جو آپ کو نہیں پہچانتا تھا کہ شہر والے کیسے ہیں؟ تو اُس نے کہا کہ یونس کی بددعا سے عذاب آچکا تھا لیکن قوم نے توبہ کرلی جس کی وجہ سے عذاب ٹل گیا ہے۔ اب لوگ یونس کو ڈھونڈھ رہے ہیں تاکہ اُس سے معافی مانگیں۔ پس آپ بجائے شہر میں آنے کے دوسری طرف چلے گئے اور کنارہ دریا پر پہنچے پس تیار کشتی پر سوار ہوئے جو مال اور سواریوں سے پُر تھی۔ جب وسط دریا میں پہنچی تو ایک بڑی مچھلی نے سر نکالا حضرت یونس ڈر کر دوسری طرف جا بیٹھے تو مچھلی بھی اُسی طرف آگئی۔ ملاحوں نے دیکھا تو کشتی کی غرقابی کا انہیں خطرہ لاحق ہوا۔ کہنے لگے ہم میں سے کوئی آدمی اپنے آقا سے بھاگا جا رہا ہے جب تک اس کو دریا میں نہ ڈالا جائے یہ مچھلی پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ چنانچہ قرعہ اندازی کی گئی تو یونسؑ کا نام نکلا پس آپ نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ اور مچھلی نے منہ کھول کر ان کو اپنے اندر کرلیا۔

مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

تو ہو گیا گرنے والوں میں سے پس اس کو مچھلی نے نگل لیا کہ وہ (اپنے آپ کو) ملامت کرنیوالا تھا

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ

پس اگر نہ ہوتا وہ تسبیح کرنے والوں میں سے تو ٹھہرا رہتا اس کے پیٹ میں

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۵﴾ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۶﴾

قیامت کے دن تک پس ہم نے اس کو ڈال دیا چٹیل جگہ میں کہ وہ بیمار تھا

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۷﴾ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ

اور ہم نے اگا دیا اس پر ایک کدو کا پودا اور ہم نے اس کو بھیجا ایک لاکھ یا

اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿ ﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ

اس سے بھی زیادہ قوم کی طرف پس وہ ایمان لائے تو ہم نے ان کو فائدہ پہنچایا ایک وقت تک پس ان سے پوچھو

کتابِ خصال سے منقول ہے ایک یہودی نے ایک دفعہ حضرت امیر علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ وہ کونسا قیدخانہ

ہے جو قیدی کو لے کر سیر کرتا رہا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ حضرت یونسؑ والی مچھلی ہے۔

نیز ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا تھا وہ کونسا ذی روح ہے جو دوسرے ذی روح سے نکلا لیکن دونو کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ حضرت یونس ہیں جو مچھلی کے شکم سے نکلے حالانکہ آپس میں رشتہ نہیں تھا۔

حضرت یونس کے مچھلی کے شکم میں رہنے کا عرصہ ۳، ۷، ۲۰ اور ۴۰ دن باختلاف اقوال بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر نور الثقلین میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے چار ہفتے کی کل درمیانی مدت منقول ہے۔ آپ نے فرمایا ۱۵ شوال بروز بدھ اُن کی قوم پر عذاب آیا اور اُن کی توبہ سے وہ اُسی دن ٹل بھی گیا پھر جمعرات کے دن آپ واپس پلٹے۔ اور سمندر یا دریا کے کنارے تک جاتے ہوئے اُن کو ایک ہفتہ لگا پھر ایک ہفتہ مچھلی کے پیٹ میں اور ایک ہفتہ کدو کے سایہ میں جب مچھلی نے باذنِ پروردگار اُن کو باہر پھینکا اور پھر ایک ہفتہ وہاں سے اپنی بستی تک پہنچنے میں گویا کل اٹھائیس دن کے وقفہ کے بعد آپ دوبارہ اپنی قوم میں تشریف لائے۔ مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے یہودی کے جواب میں فرمایا کہ مچھلی نے حضرت یونس کو بحرِ قلزم بحرِ مصر اور بحرِ طبرستان کی سیر کرانے کے بعد دریائے دجلہ کا رُخ کیا اور زمین کے نیچے ایسی جگہ سے گذری جہاں قارون زمین دوز ہو کر زیرِ عذاب تھا۔ اُس نے حضرت یونس کی آواز تسبیح سُن کر اپنے موکل فرشتے سے کچھ مہلت مانگی جو اُسے باذنِ پروردگار روزانہ قدِ آدم کے برابر نیچے کی طرف دھکیلتا جا رہا تھا پس فرشتے نے اس کو مہلت دی تو قارون نے پوچھا تم کون ہو۔ آپ نے فرمایا میں یونس بن متی ہوں۔ قارون نے موسیٰ و ہارون اور کلثوم (جو اس کی طرف منسوب تھی) کے متعلق پوچھا۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ سب مر چکے ہیں تو ان کے ارمان میں قارون نے سرد آہ کھینچی جس کی بدولت اس سے دنیا کا عذاب رفع ہو گیا۔ اور اِس حدیث کے آخر میں یونس کا مچھلی کے شکم میں کل نو گھنٹے رہنا مذکور ہے بہر کیف مچھلی نے دریا کے کنارے پر اُن کو اگل دیا۔ چونکہ آپ کا چمڑا اور گوشت ختم ہو چکا تھا پس خدا نے اُن کے لئے ایک کدو کا پودا پیدا کر دیا تھا جس کے سائے میں آپ دھوپ کی تکلیف سے بچ گئے اور رفتہ رفتہ ان کا گوشت پوست اپنی صحیح حالت پر آگیا۔ خداوند کریم نے کدو کی جڑ پر ایک کیڑا مسلط کر دیا جس نے جڑ کو کاٹا اور پودا خشک ہونے لگا تو حضرت یونسؑ رنجیدہ ہوئے۔ پس وحی پروردگار ہوئی کہ اس پودے پر تمہاری محنت کوئی نہیں ہوئی اور اس کے کملانے پر غمزدہ ہو رہے ہو تو ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں پر عذاب کی بددُعا کرنے سے غمزدہ کیوں نہ ہوئے اب وہ سب مومن ہو چکے ہیں لہذا دوبارہ جاؤ اور ان کو احکامِ دینیہ سکھاؤ چونکہ آپ کو واپس جانے پر شرم مانع تھا۔ اِس لئے ایک چرواہے سے فرمایا کہ میں یونس ہوں تم جا کر میری قوم کو اطلاع دو تاکہ مجھے لے جائیں۔ اُس چرواہے نے یہ کہہ کر آپ کی بات ٹھکرا دی کہ وہ تو دریا میں غرق ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے ریوڑ کی بکری اگر میرے حق میں شہادت دے دے تو مان لو گے کہ میں ہی وہی یونس ہوں چنانچہ بکری کی شہادت کے بعد جب اُس چرواہے نے اپنی قوم کو اطلاع دی تو انہوں نے بھی اس کی نہ مانی جب تک کہ بکری سے گواہی نہ حاصل کر لی۔ پس وہ سب جمع ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت عزت و احترام سے آپ کو

اپنی بستی میں لے گئے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مچھلی کے شکم سے باہر آنے کے بعد جس قوم کی طرف بھیجے گئے وہی پہلی قوم تھی اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری قوم تھی، حضرت یونسؑ کا ذکر سورہ یونس کی تفسیر میں ج، ص۱۸۱ پر بھی گذر چکا ہے۔

أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿١٥٠﴾ أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ

کیا تیرے رب کے لئے بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے ہیں؟ کیا ہم نے فرشتوں کو مؤنث

إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿١٥١﴾ أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ﴿١٥٢﴾

بنایا درحالیکہ وہ دیکھ رہے تھے؟ آگاہ ہو وہ اپنے بہتان کی بنا پر کہتے ہیں کہ

وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٥٣﴾ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى

اللہ کی اولاد ہے حالانکہ وہ بالکل جھوٹے ہیں کیا اس نے پسند کیا بیٹیوں کو بیٹوں کی

الْبَنِينَ ﴿١٥٤﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿١٥٥﴾ أَفَلَا

بجائے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا سوچتے نہیں

تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٦﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُبِينٌ ﴿١٥٧﴾ فَأْتُوا

ہو؟ یا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے تو لاؤ وہ

بِكِتَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٥٨﴾ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَ

کتاب (جس میں کوئی دلیل ہے) اگر تم سچے ہو اور انہوں نے بنا لیا اللہ اور جن

بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٥٩﴾

کے درمیان رشتہ حالانکہ جن جانتے ہیں کہ ان کو بھی حاضر کیا جاوے گا

أَلِرَبِّكَ - مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ ان آیات میں ان کی تردید ہے۔

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ - اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں۔

(۱) زندیق اور بے دین لوگوں نے کہا تھا کہ اللہ اور شیطان جو قوم جن سے ہے دونو بھائی ہیں۔ نور خیر اور نفع مند چیزوں کا خالق اللہ ہے۔ اور ظلمت شر اور نقصان وہ چیزوں کا خالق شیطان ہے۔

(۲) مشرکین مکہ نے چونکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں تجویز کیا تھا پس فرشتوں کو آنکھوں سے اوجھل ہونے کی بنا پر جن کہا گیا ہے کیونکہ جن کا اصل معنی ہے نظر نہ آنے والی چیز۔

(۳) جن لوگوں نے شیطان کی اطاعت کی گویا انہوں نے شیطان کو اللہ کے برابر سمجھ لیا اور اللہ اور اس کے درمیان معبود ہونے کا رشتہ بنا لیا۔ بہر کیف جو قول بھی ہو خدا نے اس کی پُر زور تردید فرمائی ہے۔ اور ساتھ ہی تنبیہ کی ہے کہ جن چیزوں کو تم

اللہ کا رشتہ دار سمجھتے ہو خواہ فرشتے ہوں یا جن یہ سب میرے پاس بروز محشر حاضر کئے جائیں گے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

پاک ہے اللہ اس سے جو وہ بیان کرتے ہیں مگر اللہ کے خالص بندے (اس طرح نہیں کہتے)

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۳﴾

پس تم اور جس کی تم عبادت کرتے ہو نہیں تم اللہ کے متعلق فتنہ و گمراہی ڈال سکتے

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۴﴾ وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ

مگر ان لوگوں پر جو جہنم کا ایندھن ہیں اور ہم میں جو بھی ہے اس کا اپنا مقام

مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۵﴾ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَاِنَّا

معلوم ہے اور ہم ہی صف بستہ ہیں (اس کی عبادت میں) اور ہم ہی

لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

تسبیح گذار ہیں اور تحقیق (اہل مکہ) کہتے ہیں

لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ

اگر ہمارے پاس علم ہوتا پہلے لوگوں کے متعلق تو ضرور ہم اللہ کے خالص

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ وَ

بندے ہوتے (تو جب علم آیا قرآن کے ذریعے) تو اس کا کفر کیا پس عنقریب جان لیں گے (انجام اس کا) اور

لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّهُمْ

تحقیق طے ہو چکی ہے ہماری بات اپنے رسول بندوں کے لئے کہ تحقیق وہ

فَاِنَّكُمْ۔ مشرکین کو خطاب ہے کہ تم لوگ اور تمہارے معبود مل کر بھی اللہ کے خلاف کسی کو فتنہ اور گمراہی میں نہیں ڈال سکتے سوائے ان کے جو دوزخ کا ایندھن بن چکے ہیں۔

وَمَا مِنَّا۔ یہ ملائکہ کا قول ہے یا یہ کہ جبریل نے حضورؐ کو خبر دی کہ ہم میں سے ہر ایک کا مقام معین اور معلوم ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آلِ محمدؐ کے اوصیا اور آئمہ کے متعلق یہ آیات ہیں۔

چنانچہ آپ نے راویٔ حدیث شہاب سے فرمایا یَا شِهَابُ نَحْنُ شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ وَ مَعْدِنُ الرِّسَالَةِ وَ مُخْتَلَفُ الْمَلَائِكَةِ وَ نَحْنُ عَهْدُ اللّٰهِ وَ ذِمَّتُهٗ وَ نَحْنُ وَدَائِعُ اللّٰهِ وَ حُجَّتُهٗ كُنَّا اَنْوَارًا صُفُوْفًا حَوْلَ الْعَرْشِ نُسَبِّحُ اللّٰهَ فَتُسَبِّحُ الْمَلَائِكَةُ بِتَسْبِيْحِنَا اِلٰى اَنْ هَبَطْنَا

اِلَی الْاَرْضِ فَسَبَّحْنَا وَسَبَّحَ اَهْلُ الْاَرْضِ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ الخ۔ ترجمہ اے شباب

ہم نبوت کا درخت رسالت کی کان اور فرشتوں کی آماجگاہ ہیں۔ ہم اللہ کا عہد و ذمہ اور ہم اللہ کی امانت و حجت ہیں۔ ہم

لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝١٧٣ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝١٧٤

ہی منصور ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب ہوگا

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝١٧٥ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ

پس ان سے روگردانی کرو ایک وقت تک کے لئے اور ان کو مہلت دو پس عنقریب

يُبْصِرُوْنَ ۝١٧٦ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝١٧٧ فَاِذَا

دیکھ لیں گے کیا وہ ہمارے عذاب کی جلدی چاہتے ہیں ؟ پس جب (ہمارا عذاب)

نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝١٧٨ وَتَوَلَّ

ان کے صحن میں نازل ہوگا تو جن کو ڈرایا گیا ہے اُن کی صبح بری ہوگی اور اُن سے

عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝١٧٩ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝١٨٠

روگردانی کرلو ایک وقت تک کے لئے اور مہلت دو پس عنقریب دیکھ لیں گے

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝١٨١ وَسَلٰمٌ

پاک ہے تیرا رب وہ رب جو عزت کا مالک ہے ان چیزوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں اور سلام

عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٨٢ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٨٣ ع

رسولوں پر اور حمد اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے

عالمِ انوار میں عرش کے گرد صف بستہ اللہ کی تسبیح کرتے تھے پس ہماری تسبیح کو سن کر فرشتوں نے تسبیح کی پھر زمین پر آئے تو زمین والوں نے ہماری تسبیح کو سن کر تسبیح جاری کی۔ پس ہم ہی صف بستہ عبادت گزار ہیں اور ہم ہی اس کے تسبیح کرنے والے ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا جس نے ہمارے ساتھ وفا کی تو اس نے اللہ کے عہد کی وفا کی اور جس نے ہمارے ساتھ وفا نہ کی اس نے اللہ کے عہد و ذمہ کو ٹھکرا دیا۔ اور اس معنی کی احادیث کتب امامیہ میں بکثرت موجود ہیں۔ پس اگر ان کا ظاہر فرشتوں کا مقولہ قرار دیا جائے تو اس کا باطن ائمہ طاہرین علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

وَاِنْ كَانُوْا۔ یہ اِنَّ کا مخففہ ہے اور مشرکین کا قول نقل کیا جارہا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر گذشتگان کے متعلق ہمیں معلوم ہوتا اور ہمارے پاس کتاب آتی تو ہم خالص عبادت گذار ہوتے (ذکر سے مراد کتاب لی گئی ہے) پس جب

وہ ذکر (کتاب قرآن مجید) آیا تو وہ انکار پر اُتر آئے اور ضد پر اڑ گئے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ ۔ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ رسولوں کے ساتھ ہمارا وعدہ ہے کہ آخر کار فتح حق کی ہوگی لہٰذا ان کی باتوں سے درگذر کیجئے اور وقت کا انتظار کیجئے نتیجہ جب سامنے آئے گا تو سب دیکھ لیں گے اور عذاب مانگنے والے بھی اپنا اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ اُن کی باتوں سے دوبارہ درگذر کرنے اور ان کو ٹالنے کی تاکید کی گئی ہے (تَوَلَّ عَنْهُمْ) درگذر کرو۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ ۔ الخ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص بروز قیامت اپنے میزان کو وزنی دیکھنا چاہے تو اُسے ہر مجلس میں اختتامِ کلام پر سُبْحٰنَ رَبِّكَ تا آخر ہر سہ آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت کرنی چاہیئے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

۱۴ دسمبر ۱۹۷۳ء صبح سوا آٹھ بجے بروز جمعرات مطابق ۱۹ ذوالقعدہ ۱۳۹۳ھ سورۂ صافات کی تفسیر سے فارغ ہوا ہوں

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

سُوْرَۂ صٓ

یہ سورہ مکیہ ہے۔ آیات کی تعداد بسم اللہ کے ساتھ ۸۹ ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص اس کو پڑھے گا حضرت داؤد کے لئے مسخر ہونے والے پہاڑوں کے برابر وزنی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور اس کی برکت سے خدا اس کو ہر گناہِ صغیرہ وکبیرہ سے بچنے کی توفیق دے گا اور امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس کو دنیا و آخرت میں وہ جزائے خیر دی جائے گی جو انسانوں میں سے سوائے نبی مرسل کے اور کسی کے لئے نہیں ہوگی۔ اور خدا اس کو داخلِ جنت فرمائے گا۔ اور اس کے افرادِ خاندان اور غلاموں میں سے بھی جس کو اُس سے محبت ہوگی خدا اُن کو جنت میں داخل کرے گا۔

خواص قرآن سے ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو لکھ کر کسی حاکم ووالی کے نیچے رکھے گا تو اس کی حکومت وولایت تین دن سے زیادہ قائم نہ رہے گی پس لوگوں میں اُس کے عیوب مشہور ہوں گے اور عوام اس سے متنفر ہو جائیں گے پس وہ معزول ہو جائے گا۔ اور امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اسکو لکھ کر شیشے کے برتن میں محفوظ کر کے قاضی یا والی کی جگہ پر رکھنے سے اسکی ولایت جلد ختم ہوگی اور اللہ کے حکم سے وہ تنگدستی اور سختی میں مبتلا ہوگا (البرہان)

رکوع نمبر ۱

شان نزول - تفسیر مجمع البیان میں ہے اشرافِ قریش میں سے پچیس آدمی جن میں سب کا بزرگ ولید بن مغیرہ اور اس کے علاوہ ابوجہل، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور نضر بن حارث بھی تھے - یہ سب حضرت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ ہمارے بزرگ اور سردار ہیں لہذا ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان آخری فیصلہ کریں تاکہ نت نت کے جھگڑوں سے گلوخلاصی ہو جائے کیونکہ وہ ہمیں پاگل سمجھتا ہے اور ہمارے خداؤں کو گالیاں دیتا ہے - آپ نے نبی اکرمؐ کو بلایا اور عرض کی کہ یہ تیری قوم کے سرآوردہ افراد کچھ کہنے کو آئے ہیں - آپ نے فرمایا جو بات چاہتے ہیں بے شک کہہ دیں تو انہوں نے کہا ہم صرف اتنا چاہتے ہیں کہ تو ہمیں ہمارے خداؤں کے ساتھ چھوڑ دے اور ہم تجھے تیرے خدا کے ساتھ چھوڑتے ہیں - آپ نے فرمایا میں تم سے صرف ایک ہی بات چاہتا ہوں - اور وعدہ کرتا ہوں، کہ اس کے بعد تم عرب و عجم کے مالک ہو جاؤ گے - ابوجہل نے بات بناتے ہوئے کہا واہ وا تیرے باپ کا بھلا ہو ایک چھوڑیئے ہم تو اس جیسی دس ماننے کو تیار ہیں - آپ نے فرمایا صرف اتنا کہہ دو کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ - یہ سنتے ہی سب کے سب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور منہ سے بڑبڑاتے ہوئے چلدیئے کہ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا! یعنی کیا اس نے سب خداؤں کا ایک خدا بنا لیا؟ ان کی بیہودہ گوئی سے حضور کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے اور فرمایا - اے چچا جان! اگر سورج کو اتار کر میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر بھی رکھ دیا جائے تو میں اس کلمہ کو ترک نہ کروں گا بلکہ اس کو نافذ کر کے دم لوں گا اور اپنے مشن کی خاطر خون کا آخری قطرہ بہا دینے کے لئے بھی میں تیار ہوں تو ابوطالب نے جواب دیا بے شک آپ اپنے کام کو جاری رکھنے میں کسی قیمت پر آپ کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①
(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ② بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ
ص صاحب ذکر قرآن کی قسم (کہ حق آگیا) بلکہ جو لوگ کافر ہیں تکبر اور بدبختی میں ہیں
عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ③ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا
کس قدر ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے اُمتیں کہ نہ رہا
وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ④ وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَهُمْ
ان کے لئے وقت معافی اور ان کو تعجب ہے کہ ان کے

ص - بعض کہتے ہیں سورہ کا نام ہے لہذا مبتدا محذوف کی خبر ہے اور بعض کے نزدیک اللہ کے اسماء میں سے ہے اور مقسم واقع ہوا ہے پس حرف قسم محذوف ہے -

وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ۔ اس قسم کے جواب کے متعلق چند اقوال ہیں۔ (۱) اس کا جواب محذوف ہے یعنی قرآن کی قسم حق آگیا (۲) ص صَدَقَ کا مخفف ہے اور جواب قسم مقدم ہے۔ یعنی قرآن کی قسم اس کو لانے والا محمدؐ سچا ہے۔ (۳) کَمْ اَھْلَکْنَا اس کا جواب ہے۔ لام محذوف ہے۔

لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ۔ لات کے متعلق دو قول ہیں (۱) تا کلمے کا جزو ہے اور لات لیس کے معنی میں ہے (۲) لا حرف نفی ہے اور تا حین پر داخل ہے۔ اور زائدہ ہے اور اس کی دو ترکیبیں کی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ حِیْنَ مَنَاصٍ لا کی خبر منصوب ہے اور اس کا اسم "وقت" محذوف ہے اور دوسری ترکیب یہ کی گئی ہے کہ حِیْنُ مَنَاصٍ کو لا کا اسم قرار دیا گیا ہے۔ اور خبر محذوف ہے یعنی لَاتَ حِیْنُ مَنَاصٍ لَھُمْ۔

تنبیہ۔ سیبویہ کے نزدیک لا مشابہ ہے۔ لیس کے اور تاء تانیث اس پر اس طرح زائد ہے جس طرح رُبَّ اور ثُمَّ پر بڑھائی جاتی ہے (رُبَّتَ ثُمَّتَ) اور اس زیادتی کی وجہ سے اس کے دو حکم مخصوص ہیں (۱) لفظ حین کے ساتھ مخصوص ہے (۲) ہمیشہ اس کے اسم و خبر میں سے ایک مذکور ہوگی اور دوسری محذوف ہوگی۔

مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٥﴾

ڈرانے والا انہی سے ہے اور کافروں نے کہا یہ تو جادوگر جھوٹا ہے

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿٦﴾

کیا اس نے بہت سے خداؤں کا ایک خدا بنا دیا؟ تحقیق یہ قابل تعجب چیز ہے

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ

اور ان میں سے سردار اٹھ کھڑے ہوئے (یہ کہتے ہوئے) کہ چلو اور ڈٹے رہو اپنے خداؤں پر اس

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿٧﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ

کی کوئی سوچی سمجھی ہوئی سکیم ہے یہ بات تو ہم نے دوسری کسی ملت میں بھی نہیں سنی

اَلْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ۔ اس سے مراد یا تو نصاریٰ ہیں کیونکہ یہی آخری امت ہیں۔ اور ان کے نزدیک توحید نہیں تھی کیونکہ وہ تثلیث کے قائل تھے اور ممکن ہے اس سے مراد اقوام عالم میں سے کوئی سی امت ہو کیوں کہ اس زمانہ میں توحید کے علمبردار حضورؐ ہی تھے اور ممکن ہے ملتِ آخرہ سے ان کی مراد اپنے باپ دادا کا طریقہ ہو۔

اِخْتِلَاقٌ۔ یعنی پوری انسانی سوسائٹی میں یہ عقیدہ کہیں بھی نہیں ہے کہ متعدد خداؤں کا مراسم عبادتی طریقہ چھوڑ کر صرف ایک خدا کی ہی عبادت کی جائے بلکہ یہ صرف انہی کی اپنی ایجاد ہے۔

ءَاُنْزِلَ۔ عوام الناس کو گمراہی پر ثابت قدم رکھنے کے لئے طرز بیان کو ان کے سادہ اذہان کے مطابق پیش کیا کہ

اگر اس کا پیش کردہ عقیدہ اور طریقہ خدا کی جانب سے ہوتا اور یہ قرآن بھی اُسی کا کلام ہوتا تو کیا خدا کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی بندہ اس قابل نہیں تھا کہ یہ عہدہ اس کو دیا جاتا کیونکہ نہ تو یہ ہم سے عمر میں زیادہ ہے۔ اور نہ شرف و شان میں ہم سے اس کو کوئی امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿۸﴾ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا

یہ تو صرف من گھڑت منصوبہ ہے کیا بھلا ہم سب کو چھوڑ کر اس پر قرآن آگیا؟

بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِىْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ﴿۹﴾

گویا ان کو ہمارے ذکر (قرآن) میں شک ہے کیونکہ ابھی تک میرا عذاب نہیں چکھا

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ﴿۱۰﴾

کیا ان کے پاس تیرے پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں جو غالب بخشنے والا ہے

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۟ فَلْيَرْتَقُوْا

کیا ان کے لئے آسمانوں اور زمین کا ملک ہے اور وہ جو ان کے درمیان ہے؟ پس اوپر چڑھ جائیں

فِى الْاَسْبَابِ ﴿۱۱﴾ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ﴿۱۲﴾

اسباب کے ذریعے یہاں مختلف لشکروں سے ملی ہوئی فوج شکست خوردہ ہوگی

اَمْ عِنْدَهُمْ - ان کے شبہ کا جواب ہے کہ جس کو عوام الناس شان و شرف کا مالک سمجھتے ہوں ضروری نہیں کہ اسی کو ہی خدا عہدہ رسالت و نبوت عطا فرمائے کیونکہ اللہ کی جانب سے ہدایت خلق کا عہدہ لوگوں کی امنگوں اور خواہشوں کے تابع نہیں ہوتا بلکہ وہ جس کا انتخاب کرے وہی درست ہوتا ہے چنانچہ فرمایا کہ کیا یہ لوگ اللہ کی رحمت (نبوت و رسالت) کی تقسیم کے ٹھیکیدار ہیں کہ ان کی منشاء کے مطابق ہی بنی ہو۔ اور بعینہ اسی دلیل کی رو سے مذہب شیعہ میں امام کا انتخاب اور رسول اللہ کے جانشین کا چناؤ بندوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہے نامزد کرے پس وہی صحیح خلیفہ رسول ہوگا۔

جُنْدٌ مَّا یہ ما زائدہ ہے اور ھنالک اشارہ بعید کے لئے ہے اور ھنا ھناک اور ھنالک قریب متوسط اور بعید کے لئے ہوتے ہیں جس طرح ذا۔ ذاک اور ذالک ہیں۔ پس ھنالک کا متعلق ثابت صفت ہے جندٌ کی اور مھزومٌ جندٌ کی خبر ہے یہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف صادق آئی۔ اور ممکن ہے کہ اس کو جنگ احزاب کی پیشین گوئی قرار دیا جائے اس کے بعد حضور کو تسلی دی گئی کہ آپ سے پہلے قوم نوح حضرت نوح کو قوم عاد حضرت ھود کو قوم فرعون حضرت موسٰے کو قوم ثمود حضرت صالح کو قوم لوط حضرت لوط کو اور اصحاب ایکہ حضرت شعیب کو جھٹلا چکے ہیں پس اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلاتی ہے تو گھبرائیں نہیں۔

ذُوالۡاَوۡتَادِ ۔ اوتاد وتد کی جمع ہے جس کا معنی میخ ہوا کرتا ہے اور فرعون کو ذوالاوتاد کہنے کی وجہ یہ ہے کہ لہو لعب کے لئے اُس نے لوہے کی میخوں کے ذریعے ایک کھیل بنایا ہوا تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا اور بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ حکومت کے نافرمان مجرموں کو میخوں کے ذریعے سزا دیتا تھا کہ ملزم کو زمین پر لٹا کر اس کے ہاتھوں اور پاؤں اور سر میں میخیں اور لوہے کے کیل گاڑ دیئے جاتے تھے پس وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا تھا۔

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرۡعَوۡنُ ذُو الۡأَوۡتَادِ ﴿١٢﴾

ان سے پہلے جھٹلا چکے (رسولوں کو) قوم نوح اور عاد اور فرعون میخوں والا اور

وَثَمُودُ وَقَوۡمُ لُوطٍ وَأَصۡحَابُ الۡأَيۡكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الۡأَحۡزَابُ ﴿١٣﴾

ثمود اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ یہ جماعتیں

إِنۡ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾

ان سب نے ہی جھٹلایا رسولوں کو پس صحیح تھا میرا عذاب (ان پر)

وَمَا يَنۡظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيۡحَةً وَاحِدَةً مَا لَهَا مِنۡ

اور یہ نہیں انتظار کرتے (کفار مکہ) مگر ایک ہی کڑک کا جس کے لئے وقفہ نہ

فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَنَا قِطَّنَا قَبۡلَ يَوۡمِ

ہوگا اور کہا انہوں نے اے رب ہمارا جلدی دے ہم کو اپنا حصہ یوم حساب

الۡحِسَابِ ﴿١٦﴾ اصۡبِرۡ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَا

سے پہلے صبر کرو ان پر جو وہ کہتے ہیں اور یاد کرو میرے بندے

معجزہ

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ قریش نے جمع ہو کر آپ سے سوال کیا کہ اگر سامنے والا درخت اپنی جڑوں سمیت زمین سے نکل کر آپ کی خدمت میں پہنچے تو ہم مان لیں گے آپ نے فرمایا تم پھر بھی نہ مانو گے بلکہ تم میں سے وہ لوگ موجود ہیں جو احزاب کو جمع کر کے میرا مقابلہ کریں گے پس درخت کو حکم دیا کہ اگر تو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہے اور مجھے رسول مانتا ہے اللہ کے اذن سے تو جڑوں سمیت زمین سے نکل کر میرے پاس آجا چنانچہ ایک سخت پھڑپھڑاہٹ جیسی آواز کے ساتھ وہ درخت حاضر خدمت ہوا کہ اس کی بعض شاخیں حضورؐ کے کندھے پر اور کچھ شاخیں میرے شانے پر تھیں کیونکہ میں دائیں طرف کھڑا تھا یہ دیکھ کر کفار نے ازراہِ تمرد و تکبر کہا کہ اس درخت کا نصف کٹ کر آجائے پس آپ کے اشارے سے اسی طرح ہوا پھر انہوں نے کہا کہ باقی نصف کو حکم دیجئے کہ پہلے نصف کے ساتھ جا ملے چنانچہ اسی طرح ہوا پس میں نے عرض کی کہ حضور! میں مومن اول ہوں لیکن کفار مکہ

نے جادو گر اور جھوٹا کہہ کر صاف انکار کر دیا۔ (البرہان ملخصاً)

رکوع نمبر ۱۱

صَيْحَةً وَّاحِدَةً - اس جگہ صور اول مراد لی گئی ہے یعنی قیامت کی گرفت کے منتظر ہیں۔

فواق - زبر اور پیش دونوں طرح سے یہ لفظ پڑھا جاتا ہے۔ فَوَاق اور فُوَاق جس طرح قُصَاص اور قَصَاص بچے کے ماں کا دودھ پینے کے بعد دوسری دفعہ پینے تک کے وقفے کو فواق کہا جاتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ فُواق پیش سے ہو تو مراد وقفہ مہلت ہے اور فواق زبر کے ساتھ ہو تو سانس لینے کا وقفہ مراد ہوتا ہے۔

قِطَّنَا - قط کا معنی عطیہ جائزہ ہے اور اس جگہ سے مراد حصہ ہے اور قط کا لغوی معنی قطع ہوتا ہے۔

حضرت داؤد کا واقعہ

دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ

داؤد کو جو صاحب طاقت تھا بے شک وہ رجوع کرنیوالا تھا ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کیا کہ

يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً

شام و صبح اس کے ہمراہ تسبیح کرتے تھے اور پرندے جمع ہو کر

كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ

یہ سب اسکے لئے رجوع کرنے والے تھے اور ہم نے مضبوط کیا اس کے ملک کو اور ہم نے دی اسکو حکمت

ذَا الْاَيْدِ یا تو یہاں قوت عبادت مراد ہے کہ آپ زندگی بھر نصف شب قیام کرتے رہے اور نصف زمانہ روزہ رکھتے رہے یعنی ایک دن روزہ اور دوسرے دن افطار کرتے تھے یا قوت جسمانی مراد ہے کہ ایک دفعہ مقام جنگ میں انہوں نے اپنی کھبانی سے دشمن کے سینے میں ایک پتھر نشست جما کر ایسا زور سے مارا کہ اس کے سینے کو وہ چیرتا ہوا پشت سے نکل کر دوسرے آدمی کو جا لگا کہ وہ بھی مر گیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ اس سے مراد حشمت و جلال شاہی ہو۔ چنانچہ منقول ہے کہ ۳۶ ہزار سے چالیس ہزار تک سنتری سپاہی ہر رات پہرہ دار مقرر ہوتے تھے اور ان کا دبدبہ اور رعب پوری مملکت پر چھایا رہتا تھا۔ ابن عباس سے منقول ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے دوسرے پر گائے کا دعوے دائر کیا اور اس کے پاس گواہ کوئی نہ تھا۔ پس آپ نے مقدمہ پر غور کرنے کے لئے فیصلے کو طول دے دیا چنانچہ خواب میں آپ کو حکم ہوا کہ مدعی علیہ کو قتل کر دیا جائے اور پھر دوبارہ بھی یہی حکم ہوا۔ جب آپ نے مدعی علیہ سے ذکر کیا تو اس نے مان لیا کہ واقعی میں اس مدعی کے باپ کا قاتل ہوں پس اس کو قتل کر دیا گیا جس کی وجہ سے آپ کا رعب بڑھ گیا۔ (منتخبات الدرر)

اَوَّابٌ - اَبَ يَؤُوبُ سے ہے یعنی وہ ہر باطل سے منہ موڑ کر ہر اس چیز کی طرف رجوع کرتے تھے جو اللہ کی خوشنودی کی موجب ہوا کرتی تھی۔

سَخَّرْنَا الْجِبَالَ - جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح و تقدیس پروردگار کے ساتھ آواز بلند کرتے ۔ تو پہاڑ اور پرندے اس کے جواب میں تسبیح کرتے تھے ۔ چنانچہ سورہ سبا کی تفسیر میں جلد ۱۱ میں اس کا قدرے بیان گذر چکا ہے ۔ اور ممکن ہے کہ خداوند کریم نے پرندوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے احکام کو سمجھنے کی قوت دے دی ہو ۔ اگرچہ ان کے پاس عقول نہیں تھے مگر اپنے شعور کے ساتھ وہ ان کی بات سمجھتے ہوں ۔ اور از راہ اطاعت عمل کرتے ہوں بہرکیف یہ ان کا معجزہ ہے اور خدا ہر شے پر قادر ہے ۔

وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢١﴾ وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ إِذْ

اور فصل الخطاب ۔ اور کیا تجھے پہنچی خبر جھگڑا کرنے والوں کی جب

تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢٢﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ

دیوار کو پھاند کر آئے ان کے محراب تک جب داخل ہوئے داؤد پر تو وہ گھبرا گئے ان سے

مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ

انہوں نے کہا ڈرو مت (ہم تو) دو حریف ہیں جنہوں نے ایک دوسرے پر تجاوز کیا پس

فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَاءِ

ہمارے درمیان حق کا فیصلہ کیجئے اور نہ ظلم کیجئے اور ہم کو ہدایت کیجئے سیدھے راستے کی طرف

الصِّرَاطِ ﴿٢٣﴾ إِنَّ هٰذَا أَخِي لَهٗ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ

(ایک نے کہا) تحقیق یہ اس میرے بھائی کی ننانوے دنبیاں ہیں اور میری صرف ایک دنبی ہے

فَصْلَ الْخِطَابِ - یعنی مقدمات میں فیصلہ کرنے کا قانونی ضابطہ اور اس سے مراد گواہ اور قسم ہے ۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ مدعی سے گواہ طلب کئے جائیں اور اگر اس کے پاس گواہ موجود نہ ہوں ، تو مدعی علیہ سے قسم لے کر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا جائے ۔ اور بعضوں نے فصل الخطاب سے مراد علم و فہم لیا ہے ۔

الْخَصْمِ - ہر وہ جو دوسرے پر حق کا دعوےٰ کرے اور اس کا تثنیہ جمع نہیں ہوتا بلکہ واحد و تثنیہ و جمع سب پر بولا جاتا ہے پس مدعی ایک ہو یا زیادہ سب خصم ہیں اور مدعیٰ علیہ بھی ایک ہو یا زیادہ ہوں خصم ہیں اور خصمان میں مدعی اور مدعیٰ علیہ کا تثنیہ کیا گیا ہے ۔ اگرچہ وہ اپنے مقام پر ایک ایک سے زیادہ تھے ۔

تَسَوَّرُوْا - سُور سے ہے جس کا معنی قلعہ یا چار دیواری ہے اور تَسَوُّر کا معنی ہے دیوار سے پھاند کر یا چھلانگ لگا کر گذرنا ۔

الْمِحْرَابَ - اس سے مراد وہ مقام شرف اور مسند عزت ہے جس کی خاطر دوسروں سے جنگ لڑی جائے ۔ اسی بنا پر مصلّٰی اور جائے قبلہ کو بھی محراب کہا جاتا ہے ۔ اس کے مزید معانی تفسیر کی جلد ۳ صـ۲۲۳ میں ملاحظہ فرمائیے ۔

فَفَزِعَ - چونکہ مدعی اور مدعا علیہ جب فیصلہ کے لینے کے لئے پہنچے تو وہ کچہری کا سرکاری وقت نہیں تھا نیز وہ جس راستے سے آئے تھے کسی مقدمہ کے فریقین کے لئے داخلے کا راستہ اس کے علاوہ تھا نیز مقدمہ کے فیصلہ کے لئے اُن کو بلایا نہیں گیا تھا بلکہ وہ بن بلائے اور بے دعوت اچانک آئے تھے اس لئے آپ اُن کی آمد سے خوف زدہ ہوئے۔

حضرت داؤد کی عصمت

اِس قصہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق دو طرح کے اقوال کا انکشاف ہوتا ہے ایک قول کی رُو سے حضرت داؤد کا گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے اور دوسرے قول کی رُو سے آپ کی عصمت ثابت ہوتی ہے اور یہ دُوسرا قول علمائے امامیہ کا ہے۔ پہلے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اُوریا نامی ایک صحابی کی عورت پر عاشق ہوگئے جو نہایت حسینہ وجمیلہ تھی پس اس کو قتل کرانے کے بہانے تلاش کئے گئے۔ چنانچہ آخر کار وہ قتل ہوگیا اور آپ نے اس کی عورت کے ساتھ شادی کر لی چونکہ اس سے پہلے آپ کی ۹۹ بیویاں تھیں اس لئے خداوند کریم نے ان کو تنبیہ کرنے کے لئے دو فرشتے بھیجے جو ایک فرضی مقدمہ لے آئے کہ ۹۹ دنبیوں والا شخص ایک دنبی والے سے اسی ایک دنبی کا مطالبہ کرتا ہے پس آپ نے ایک دنبی والے کے حق میں فیصلہ دے دیا اور سمجھ گئے کہ یہ میرا امتحان تھا اور غلطی پر مجھے سرزنش کرنے کا طریقہ تھا پس چالیس دن تک رو رو کر خدا سے معافی مانگتے رہے۔

وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ

اور یہ کہتا ہے کہ وہ ایک بھی مجھے دیدے اور وہ غالب ہے مجھ پر بات کرنے میں آپ نے

لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

فرمایا کہ تیری ایک دنبی کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کے سوال پر اس نے ظلم کیا اور تحقیق بہت سے بھائی وال

الْخُلَطَاۗءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

کرنے والے البتہ ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۭ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ

عمل صالح کریں (لیکن) ایسے بہت تھوڑے ہیں اور داؤد نے سمجھ لیا کہ ہم نے اس کو آزمایا ہے

قولِ اول کی تردید

(۱) حضرت داؤد علیہ السلام کو نبی تسلیم کرنے کے بعد ان کی طرف اس قسم کا واقعہ منسوب کرنا انتہائی گستاخی بے ادبی اور جسارت ہے کیونکہ اگر کسی اعلانیہ فاسق وفاجر شخص کی طرف بھی اس قسم کے واقعہ کی نسبت دی جائے تو وہ بھی اس میں اپنی توہین و ذلت سمجھے گا چہ جائیکہ ایک نبی کی طرف منسوب کیا جائے جس کو اللہ نے ایک بہت بڑی قوم کی طرف ہادی بنا کر بھیجا تھا۔

۲- کسی عام آدمی کے متعلق بھی اگر قتل مومن اور وہ بھی ناحق ثابت ہو جائے تو وہ اسلامی معاشرہ میں عزت کی

نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ قیامت کے دن بھی وہ ذلیل ورسوا محشور ہوگا تو ایک نبی جس پر خدا نے زبور جیسی کتاب نازل فرمائی اور مخلوق کا ہادی بنا کر بھیجا ہو وہ قتل جیسے سنگین جرم کے بعد نبی و ہادی کیسے رہ سکتا ہے ؟

۳۔ اس قصے کے بعد بھی خدا نے داؤد کی مدح وثنا اور زُلفیٰ اور حسن مآب اور عہدہ خلافت کی پیش کش فرمائی ہے۔ اگر داؤد کی طرف یہ نسبت درست ہوتی تو وہ یقیناً خدا کی جانب سے مزید مراعات وکرامات کے سزاوار نہ قرار دئے جاتے نہ اس قسم کا شخص اوّاب کہلانے کا مستحق ہے اور نہ اس کی طرف انابت کی نسبت صحیح ہے بلکہ ایسا شخص تو معاشرہ اسلامیہ میں نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جانے کے قابل ہے حالانکہ خدا نے اپنے نبی سید الرسل کو کفارِ مکہ کی دل آزاریوں سے تسلّی

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۵﴾ فَغَفَرْنَا

پس اس نے معافی مانگی اپنے رب سے اور جھک گیا رکوع کرتے ہوئے اور توبہ کرلی تو ہم نے

لَهٗ ذٰلِكَ ۖ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۶﴾

معاف کردیا اس کو اور تحقیق اس کو ہمارے پاس قرب حاصل ہے اور اچھی بازگشت

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ

اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ نامزد کیا

دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے عبد حضرت داؤدؑ کے ذکر سے تسلّی حاصل کیجئے چنانچہ فرمایا کہ میں نے اس کو حکمت اور فصل الخطاب عطا فرمایا اور پہاڑوں اور پرندوں کو اس کے لئے مسخر کیا۔ ان سب چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد کی طرف مذکورہ نسبت غلط اور بے بنیاد ہے۔

دوسرے قول کی بنا پر روایت متعلقہ میں نقل کا کافی اختلاف ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اُوریا بن حیان ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ لڑکی کے گھر والے بھی اس کے ساتھ رشتہ کرنے پر رضامند ہوگئے تھے لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی پیغام بھجوا دیا تو انہوں نے وہ رشتہ اُوریا کے بجائے حضرت داؤدؑ سے کردیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ کسی اسلامی لڑائی میں اوریا محاذِ جنگ پر تھا اور لڑائی میں شہید ہوگیا تو اُس کی عدت گزرنے کے بعد حضرت داؤد نے اُس کی بیوہ سے شادی کرلی۔ جب حضرت امام رضا علیہ السّلام نے عصمتِ انبیاء پر بیان دیا تو آپ کے سامنے حضرت داؤد کا متذکرہ واقعہ اس طرح پیش کیا گیا کہ حضرت داؤد نے ایک دفعہ حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت یعقوب علیہم السّلام جیسے انبیاء کے مرتبہ علیا کی خواہش کی تو وحی ہوئی کہ میں نے ان کو بلند مراتب پر آزمائش اور امتحان کے بعد فائز کیا جب کہ وہ صبر وسکون اور عزم واستقلال کے ساتھ مصائب وآلام کے طوفانوں کو عبور کرنے میں کامیاب ہوگئے، تو حضرت داؤدؑ نے عرض کی اے پروردگار میں بھی آزمائش کے لئے تیار ہوں چنانچہ امتحان کی تاریخ بتا دی گئی اور اسی معینہ

تاریخ میں آپ مشغولِ نماز تھے کہ شیطان ایک خوبصورت پرندے کی شکل میں سامنے نمودار ہوا۔ آپ نے نماز کو توڑ کر پرندے کے پکڑنے کی کوشش کی تو پرندہ چھت پر جا بیٹھا پس آپ چھت پر چڑھے تو ساتھ والے گھر میں اُوریا کی عورت کو غسل کرتے دیکھا جب کہ اُوریا جہاد کے لئے محاذِ جنگ پر تھا پس آپ اس عورت پر عاشق ہو گئے پس فوراً فوجی کمانڈر کو حکم بھیجا کہ وہ اُوریا کو تابوت کے آگے آگے رکھے کیونکہ یہ تابوت جو بنی اسرائیل میں محترم تھا جنگ میں آگے آگے رکھا جاتا تھا اور اس کی حفاظت کے لئے فوج کے لڑاکا جوان تابوت سے آگے آگے رہتے تھے اور اُن کے لئے دشمن کو مار بھگائے بغیر پیچھے ہٹنا ناجائز ہوتا تھا پس حکم داؤدی کے پیشِ نظر فوج کے کمان افسر نے اُوریا کو اگلے مورچوں میں بھیج دیا اُس نے کافی شجاعت کا مظاہرہ کیا لیکن بالآخر مرتبہ شہادت پر فائز ہوا اور اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السّلام نے اُس کی بیوہ کے ساتھ شادی کر لی اور مروی ہے کہ سلیمانؑ اسی سے پیدا ہوا)

عیون الاخبار سے منقول ہے جب آپ کے سامنے یہ واقعہ پیش ہوا تو آپ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور انا للہ و انا الیہ راجعون کا کلمہ زبان پر جاری فرمایا کہ تم لوگوں نے انبیاء کی اس قدر توہین برداشت کر لی ہے کہ وہ ایک پرندہ کی خاطر نماز جیسی عبادت کو توڑ ڈالتے تھے اور پھر عورت کا ننگا جسم دیکھ کر اُس پر عاشق ہونا اور پھر اس کے شوہر کو قتل کرانے کا منصوبہ بنانا (یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے) پس لوگوں نے عرض کی کہ حضور آپ بیان فرمائیے کہ واقعہ کیا ہے؟ تو حضرت امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا بات یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السّلام نے دل میں خیال کیا کہ خدا نے اپنی مخلوق میں مجھ سے زیادہ علم کسی کو نہیں دیا پس اللہ نے دو فرشتوں کو بھیج دیا جو دیوار پھاند کر اُن کے مصلّائے عبادت پر جا پہنچے اور ان کے سامنے صورت مسئلہ بیان کی۔ آپ نے صرف مدعی کا بیان سُنا اور مدعیٰ علیہ سے بیان لئے بغیر مدعی کے حق میں بغیر گواہوں کے فیصلہ سنا دیا۔ پس خدا کی طرف سے سرزنش کی گئی کہ ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہذا لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے اصولوں کے ماتحت فیصلہ کرو۔ اور خواہش نفس کی اطاعت کو اس میں دخل نہ دو (پس یہی ان کا ترکِ اولیٰ تھا کیونکہ جب مدعی نے اپنا بیان پیش کیا تو اگرچہ اس کے پاس گواہ نہیں تھے لیکن مدعا علیہ کی خاموشی ظاہر کر رہی تھی کہ مدعی کا بیان درست ہے اس لئے انہوں نے مدعا علیہ سے دریافت کئے بغیر فیصلہ سنا دیا اور یہ طریق کار نبی کے عظیم مرتبہ اور علم کامل کے ماتحت ان کے لئے اگرچہ جائز تھا لیکن دستور اسلامی جو رائج الوقت تھا یہ اس کے خلاف تھا کہ مدعا علیہ سے بیان لئے بغیر فیصلہ صادر کیا جائے۔ حالانکہ اگر مدعا علیہ سے بیان لئے جاتے تب بھی فیصلہ یہی رہتا پس ترکِ اولیٰ پر آپ کو سرزنش کی گئی ہے)

اس کے بعد آپ سے سوال کیا گیا۔ اے فرزند رسولؐ! پھر آپ ہی فرمایئے کہ اُوریا کے قصّے کی کیا حقیقت ہے۔؟ آپ نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السّلام کے زمانہ میں عام دستور تھا کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا یا قتل ہو جاتا تو وہ ہمیشہ بیوگی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوتی تھی اور شادی نہ کرتی تھی پس حضرت داؤد علیہ السّلام نے اللہ کے حکم سے اس رسم کو پہلے پہل ختم کیا اور اُوریا کے قتل ہو جانے کے بعد اس کی بیوہ سے شادی کر لی اور لوگوں نے ان کے متعلق غلط سلط قصے گھڑ لئے۔

(ملخص از مقتنیات الدرر) اور اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جس کو تفسیر مجمع البیان میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے متعلق ثابت ہو گیا کہ اُس نے کہا ہے کہ حضرت داؤد نے (عشقیہ طریقہ پر) اُوریا کی عورت سے شادی کی تھی تو میں اس پر دو حدیں لگاؤں گا۔ ایک حد (توہین) نبوت کی اور دوسری حد اسلام کی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص حضرت داؤد کا قصہ عام قصہ خوانوں کی حکایت کے مطابق پڑھے گا میں اُس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا (دو سزائیں دوں گا کیونکہ ایک سزا اسی کوڑے ہوتی ہے اور ڈبل ایک سو ساٹھ ہو جائے گی) (مقتنیات) اور بعض مفسرین نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ فریقین دو آدمی ہوں اور جھگڑا بھی ان کے درمیان واقع ہو۔ اور حضرت داؤد کو تنبیہ اس لئے کی گئی ہو کہ طرفین کے مکمل بیانات کے بغیر فیصلہ صادر فرمایا تھا۔

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ

پس حکم کر لوگوں میں حق کے ساتھ اور نہ اتباع کر خواہش کی ورنہ تجھے وہ گمراہ کر دے گی

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اللہ کے راستہ سے تحقیق جو لوگ بھٹکتے ہیں اللہ کے راستہ سے

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝ ۲۶

ان کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ انہوں نے بھلا دیا یوم حساب کو

اور اس قصہ کے متعلق ایک احتمال یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ شخص جو دیوار پھاند کر داخل ہوئے تھے۔ حضرت داؤد کے دشمن تھے اور قتل کرنے کے لئے آئے تھے لیکن حفاظتی انتظامات سے مرعوب ہو کر قتل پر جرأت نہ کر سکے اور اپنے متعلق قاتلانہ اقدام کے تاثر کو زائل کرنے کے لئے فوراً دریافت مسئلہ کا بہانہ بنا لیا (مقتنیات)

بروایت کافی حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک نبی نے بارگاہ پروردگار میں عرض کی تھی کہ میں کس طرح ایسی چیز کا فیصلہ کروں جس کو نہ میری آنکھ نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا ہو تو اس کو وحی ہوئی جس کا مقصد یہ ہے کہ گواہوں اور قسم سے فیصلہ کیا کرو۔ یعنی مدعی سے گواہ اور مدعا علیہ سے قسم لیا کرو۔ اور حضرت داؤد نے عرض کی تھی کہ مجھے حق کا علم دے تاکہ میں واقعی حق کے مطابق فیصلہ کروں۔ ارشادِ قدرت ہوا کہ تم اس کو برداشت نہ کر سکو گے تو حضرت داؤد نے پھر عرض دہرائی جو بارگاہِ اجابت تک پہنچی چنانچہ ایک شخص نے دوسرے پر مال کا دعویٰ دائر کر دیا اور اللہ نے وحی کی کہ مدعی نے مدعا علیہ کے باپ کو قتل کر کے یہ مال اُس سے حاصل کیا تھا پس حضرت داؤد نے فیصلہ سنایا کہ مدعی کو قتل کر کے اس کا مال مدعیٰ علیہ کو دیا جائے پس لوگوں میں اس کا چرچا ہوا۔ اور سخت نکتہ چینیاں شروع ہوئیں تو حضرت داؤد علیہ السلام کی درخواست پر آئندہ کے لئے گواہوں اور قسم پر فیصلہ صادر کرنے کا حکم جاری ہوا۔

اور مقتنیات الدرر میں اصول کافی سے منقول ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جب قائم آلِ محمدؐ کا زمانہ ہوگا تو حضرت داؤد کی طرح احکام نافذ کئے جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے آلِ داؤد کی طرح فیصلے کئے جائیں گے کہ گواہوں کی ضرورت محسوس کئے بغیر صاحبِ حق کو اپنا حق دیا جائے گا۔ حضرت داؤد کا ذکر جؔ سورہ سباء کی تفسیر میں بھی گذر چکا ہے۔

رکوع نمبر ۱۲

اثباتِ قیامت ۔ ابتدائے سورہ میں کفّارِ مکہ کا انکارِ توحید و نبوت پر اصرار اور انکارِ قیامت کا تذکرہ تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے کہدیا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا (یعنی ہمارا حصہ ہمیں قیامت سے پہلے دلوا دیجئے) اِس کے بعد بلا ربط حضرت داؤد کے ذکر کو چھیڑ دیا گیا اور پھر مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ الخ کا بیان شروع کر دیا۔ ظاہراً قرآن کے اس بیان میں بے ربطی سی معلوم ہوتی ہے تو اس کا حل یہ ہے کہ جب مدِمقابل انتہائی نااہل اور ہٹ دھرم ہو تو دانا واعظ کا فرض ہے کہ مقصودِ بیان کے لئے طرزِ تکلم میں تبدیلی پیدا کر دے چونکہ حشر نشر کے بیان کو اگر طول دیا جاتا۔ تو وہ ان کے لئے باعثِ ملول ہوتا اور انکار کے سوا اُن سے کچھ بھی توقع نہ تھی پس دلچسپی بڑھانے کے لئے کلام کا رُخ دوسری طرف تبدیل کر دیا تاکہ دوسری غیر متنازع بات کو کان دھر کر سن لیں اور آخر میں پھر ایسے انداز سے مقصودِ بیان کی طرف رجوع فرمایا کہ ہر منصف مزاج انسان کے لئے اس کے قبول کئے بغیر چارہ نہیں یعنی داؤد کے قصہ کے آخر میں فرمایا کہ لوگوں میں حق کے فیصلے کیجئے اور انسان خواہ کسی مکتبِ فکر سے تعلّق رکھتا ہو۔ حق کا ساتھ دینے کا دعوےٰ رکھتا ہے پس قرآن کا بیانِ حق کشش کا باعث بن گیا تو اس بات کی طرف توجہ دینا آسان ہو گیا کہ ظالم و مظلوم برابر نہیں اسی طرح نیک و بد میں مساوات نہیں بعض اوقات ایک شخص زندگی بھر مظلوم و مفلوک رہتا ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرا انسان ظالم و درندہ بن کر گذارتا ہے اور عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ظالم سے بدلہ لیا جائے اور مظلوم کو بدلہ دیا جائے تو

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ

اور ہم نے آسمان و زمین کو باطل (بے مقصد) پیدا نہیں کیا — یہ خیال

ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۸﴾

ان لوگوں کا ہے جو کافر ہیں پس ویل ہے کافروں کے لئے دوزخ سے

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ

کیا کریں گے ہم ایمان والوں کو اور نیک عمل کرنے والوں کو — زمین میں فساد کرنے

فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۹﴾ كِتٰبٌ

والوں کی طرح ؟ یا کریں گے ہم متقی لوگوں کو گنہگاروں کی طرح ؟ — یہ کتاب ہم نے

چونکہ دنیا میں اس کا انتظام تو ہے نہیں لہذا عقل فیصلہ کرتی ہے کہ ایک ایسا دن ضروری ہے جس میں حساب ہو اور پھر ظالم کو ظلم کی سزا اور مظلوم کو اس کا بدلہ دیا جائے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ - یہ قیامت کے اثبات کے لئے عقلی دلیل کا بیان ہے کہ مخلوق کو پیدا کرنا تین وجوہ سے خالی نہیں اور وہ یہ کہ آسمان وزمین اور جملہ مخلوق یا تو ضرر کے لئے پیدا کئے گئے ہیں یا فائدہ کے لئے یا نہ ضرر کے لئے اور نہ فائدہ کے لئے پہلی اور تیسری شق باطل ہیں کیونکہ بلا مقصد پیدا کرنا یا مقصدِ ضرر کے لئے پیدا کرنا حکیم محسن کے لئے زیبا نہیں بلکہ لازمًا ماننا پڑتا ہے کہ اس جملہ کائنات کی خلقت فائدہ رسانی کے لئے ہے اور فائدہ یا تو دنیاوی مقصود ہے یا اُخروی تو عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ اس قدر لمبے چوڑے نظام کی تخلیق کا صرف چند روزہ زندگی سے وابستہ کرنا حکیم دانا کے شایانِ شان نہیں پس یہ عقیدہ ضروری ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہوگی جس میں عدل وانصاف کے ماتحت مجرموں کو سزا اور نیک لوگوں کو جزا ملے گی۔

اَمْ نَجْعَلُ - یہ اس بیان کی مزید وضاحت ہے کہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو فسادیوں اور غلط کاروں کے برابر نہیں کیا جا سکتا - اسی طرح متقی خدا پرستوں اور فاسق وفاجر دشمنانِ خدا کو یکساں نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر جزا وسزا کے لئے کوئی دن الگ مقرر نہ ہو تو دنیا میں نیک وبد اور اچھے وبُرے کا انجام ایک جیسا ہو جائے گا کہ دنیا میں آئے اور چند روز رہ کر بے مقصد چلے گئے۔

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ - یہ مزید تنبیہ ہے کہ قرآن مجید کو ہم نے اس لئے اتارا ہے کہ اس کی آیات میں تدبّر کر کے آخرت کا راستہ ہموار کیا جائے۔

اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

اتاری ہے تجھ پر مبارک ہے تاکہ اس کی آیات میں وہ تدبر کریں اور تاکہ نصیحت پکڑیں صاحبانِ عقل

(۳۰) وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ

اور ہم نے عطا کیا داؤد کو سلیمان کہ وہ بہتر عبد تھا وہ

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ - حضرت داؤدؑ کے قصہ سابقہ کے بعد تتمہ کے طور پر حضرت سلیمانؑ کا ذکر شروع کیا اور قرآن کا دستور ہے کہ نیک وبد لوگوں کے تذکرے کے بعد ان کے انجامِ اُخروی کو بھی ذکر فرماتا ہے چنانچہ حضرت داؤدؑ وحضرت سلیمانؑ کے قصوں کے بعد فرمایا کہ اُن کا ہمارے نزدیک مقامِ قرب (زلفیٰ) اور حُسنِ مآب یعنی اچھی بازگشت ہے اور اس کا مفہومِ مخالف یہ ہوگا کہ ان کے دشمنوں اور مخالفوں کا انجام بُرا ہوگا۔

تفسیر برہان میں حضرت داؤد علیہ السّلام کے قصہ کے ذیل میں علقمہ کے سوال کا جواب حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جب کہ علقمہ نے عرض کی کہ آقا لوگ ہم کو بُری نسبت اور بُرے القاب سے یاد کرتے ہیں حالانکہ ہمارا کوئی قصور نہیں ہوتا تو امام نے فرمایا اے علقمہ! لوگوں کو کسی قیمت پر راضی نہیں کیا جا سکتا اور نہ اُن کی زبانوں پر پہرہ بٹھایا جا سکتا ہے اور

تم لوگوں کے اعتراضات اور اُن کی نیش زنیوں سے کیونکر بچنے کی توقع رکھتے ہو جب کہ اللہ کے نبی رسول اور اس کے اولیاء جج علیہم السلام اس سے نہیں بچ سکے کیا لوگوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف زنا کی نسبت نہیں دی تھی؟ کیا اُنہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف گناہوں کے ارتکاب کی نسبت نہیں دی تھی کیا ان لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ بات منسوب نہیں کی تھی کہ وہ پرندے کے پیچھے دوڑے تھے اور اُوریا کی عورت کو دیکھ کر اس پر فریفتہ ہوئے تھے۔ اس کے شوہر کو محاذ جنگ میں بھیجا اور اس کو تابوت کے آگے آگے یعنی محاذ جنگ میں اگلے مورچوں میں رہ کر دشمن سے لڑنے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ مارا گیا اور انہوں نے پھر اس کی عورت سے شادی رچالی تھی ؟ غرضیکہ کلمہ حق کہنے والوں کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیئے کہ لوگ ہمیں داد دیں گے بلکہ ایسے لوگ ہمیشہ سے تنقیدات اور اتہامات و الزامات کا نشانہ بنتے چلے آئے ہیں اور ہادی کی شان گھبرانا نہیں بلکہ کوہ گراں بن کر باطل کے سامنے ڈٹ جانا ان کی شان ہے۔

حضرت سلیمانؑ کے لئے سورج کا پلٹنا

اَوَّاب۔ اس کا معنی ابھی گیارہویں رکوع کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔
بِالْعَشِیِّ۔ اس جگہ عشی سے مراد ظہر کا وقت ہے۔

اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۳۱﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ
بے شک رجوع کرنے والا تھا جب اس پر پیش کئے گئے سہ پہر کے وقت اچھی نسل کے عمدہ
الْجِيَادُ ﴿۳۲﴾ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ
گھوڑے پس کہنے لگے میں نے گھوڑوں سے نیک محبت کی اپنے
ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۳﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ
رب کی کتاب کے پیش نظر یہاں تک کہ (سورج) پردہ میں چھپ گیا (اے فرشتو) اسے پلٹاؤ

الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ۔ صافن کی جمع ہے اور غیر ذوی العقول کی جمع صحیح الف و تا کے ساتھ خلاف قیاس ہے صافن اس گھوڑے کو کہا جاتا ہے جو تین پاؤں پر سہارا دے کر چوتھے سم کا صرف کنارا زمین پر لگائے اور یہ اچھے گھوڑوں کی علامت ہے اور جیاد جواد کی جمع ہے۔ ان گھوڑوں کو کہتے ہیں جو کھلا اور تیز قدم اٹھاتے ہوں اور مروی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو عمالقہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد ایک ہزار گھوڑے دستیاب ہوئے تھے اور وہ حضرت سلیمان کو وراثت میں ملے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان کو دمشق کی فتح کے بعد دستیاب ہوئے تھے۔

حُبَّ الْخَيْرِ۔ خیر سے مراد خیل یعنی گھوڑے ہیں اور عرب لوگ عموماً گھوڑوں کو خیر سے تعبیر کرتے تھے۔

ذِكْرِ رَبِّيْ۔ ذکر سے مراد تورات ہے یعنی میں نے اپنے پروردگار کی کتاب (تورات) کی وجہ سے گھوڑوں سے محبت کی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔

مروی ہے کہ حضرت سلیمان ایک نماز (نماز ظہر) پڑھ چکے تھے تو گھوڑے آنے شروع ہوئے۔ آپ کرسی پر تشریف فرما تھے جب ایک ہزار گھوڑے ختم ہوئے تو ادھر سورج غروب ہو گیا اور دوسری نماز قضا ہو گئی۔

روایت عامہ میں ہے کہ چودہ گھوڑے آپ کے پیش ہوئے جن کا معائنہ کرتے کرتے نماز کا وقت چلا گیا تو آپ نے وہی گھوڑے بلوائے اور اُن کی ٹانگیں اور گردنیں کاٹ ڈالیں کیونکہ اُن کی وجہ سے نماز قضا ہوئی تھی۔ اور اس فعل کے عتاب میں خدا نے حضرت سلیمانؑ سے چودہ دن سلطنت چھین لی۔ جب یہ روایت حضرت علی علیہ السّلام کے پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا یہ بالکل جھوٹ ہے بلکہ حضرت سلیمان علیہ السّلام جہاد کے لئے گھوڑوں کا معائنہ فرما رہے تھے۔ اور یہ کام بھی چونکہ کارِ خیر تھا اور اس کی وجہ سے ہی وہ ذکرِ پروردگار سے محروم ہو گئے تھے پس بامرِ پروردگار ملائکہ موکلین کو براہِ راست حکم دیا کہ سورج کو واپس پلٹاؤ چنانچہ سورج واپس پلٹا۔ اور آپ نے نماز ادا فرمائی۔ آپ نے فرمایا نبی نہ خود ظلم کرتے ہیں اور نہ ظلم کرنے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں (اور گھوڑوں کو قضائے نماز کی سزا دینا ظلم ہے)

فَطَفِقَ مَسۡحًۢا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدۡ فَتَنَّا

میرے لئے پس (نماز ادا کرنے کے لئے) پاؤں اور گردنوں کا (وہ اور ان کے ساتھی) مسح کرنے لگے اور تحقیق ہم نے

سُلَيۡمٰنَ وَاَلۡقَيۡنَا عَلٰى كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

آزمائش میں ڈالا سلیمانؑ کو اور ڈال دیا اس کی کرسی پر ایک جسم پھر پلٹا تو

قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِىۡ وَهَبۡ لِىۡ مُلۡكًا لَّا يَنۡۢبَغِىۡ لِاَحَدٍ

کہا اے رب مجھے بخش دے اور مجھے عطا کر ایسا ملک جو میرے بعد کسی کے لئے

مِّنۡۢ بَعۡدِىۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

نہ ہونا چاہیے تحقیق تو ہی بخشنے والا ہے

تفسیر صافی میں بروایت فقیہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ گھوڑوں کے معائنہ کی وجہ سے نماز فوت ہوئی تو ملائکہ کو سورج کے واپس پلٹانے کا حکم دیا پس پاؤں اور گردن کا مسح کیا۔ اور اپنے اُن صحابہ کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا جن سے نماز فوت ہوئی تھی اور یہی اُن کا وضو تھا پس جب انہوں نے نماز پڑھ لی تو سورج پھر ڈوب گیا۔ حضرت علی السّلام کے لئے سورج کا پلٹنا تفسیر کی جلد ۵ ص۸۹ پر ملاحظہ ہو۔

حضرت سلیمانؑ کا امتحان

فَتَنَّا سُلَيۡمٰنَ ۔ عام روایات میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت ایک انگوٹھی کی بدولت تھی آپ جب حمام میں جاتے تھے تو وہ انگوٹھی اپنی کسی عورت یا ملازم کے حوالے کرتے تھے پس شیطان نے ان کو ورغلا کر انگوٹھی حاصل کر لی اور اس کی بدولت حضرت سلیمان کی شکل بن کر تخت پر قابض ہو گیا اور جب اُس کی بدعادات کی بدولت لوگوں میں تنفر پیدا ہوا تو وہ اس انگوٹھی کو دریا میں پھینک کر بھاگ گیا یا یہ کہ آپ نے

ایک شیطان سے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس کس طرح گمراہ کرتے ہو تو اُس نے کہا آپ اپنی انگوٹھی مجھے دیں تاکہ میں آپ کو کرشمہ دکھلاؤں تو آپ نے وہ انگوٹھی اُس کے حوالہ کر دی تو اُس شیطان نے وہ انگوٹھی دریا میں ڈال دی اور حضرت سلیمان سے ملک جاتا رہا۔ اور چالیس شب و روز آپ ٹھوکریں کھاتے رہے آخر دریا کے کنارے ایک شکاری سے سمجھوتہ کیا کہ میں اس شکار میں تیری مدد کرتا ہوں بشرطیکہ مجھے حصے کی مچھلی دینا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جو مچھلی حضرت کے حصہ میں آئی اُس کو صاف کیا گیا تو اس کے پیٹ سے وہی انگوٹھی نکلی اور آپ دوبارہ سریر مملکت پر اس کی بدولت قابض ہو گئے اور آپ اس امتحان میں کیوں مبتلا ہوئے اس کی بھی متعدد وجوہ کتب میں مذکور ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ ایام حیض میں عورت سے مقاربت کر لی تھی بعضوں نے کہا ہے کہ ایک مشرکہ عورت سے شادی رچائی تھی اور اُس کو اسلام پر نہ لا سکے تھے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ تین دن تک لوگوں کے فیصلوں کا بائیکاٹ کر دیا تھا وغیرہ۔ اِس قسم کے تمام واقعات کی تردید میں سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب تنزیہ الانبیاء میں فرمایا ہے کہ "اس باب میں جہال نے جو قصے پیش کئے ہیں وہ کسی عقلمند کے لئے قابلِ قبول نہیں ہیں اور اس قسم کی باتیں انبیاء کی طرف منسوب کرنا یقیناً جائز نہیں ہے نہ تو نبوت کسی انگوٹھی کے تابع ہوا کرتی ہے۔ اور نہ یہ عہدہ کسی نبی سے خدا چھینتا ہے اور نہ کوئی شیطان نبی سے دھوکا کر کے اس کی شکل اختیار کر کے اس کی جگہ پر بیٹھ سکتا ہے یہ اور اس قسم کے سب خرافات شانِ نبوت کے منافی ہیں البتہ ظاہر قرآن میں جس لفظ سے یہ اشتباہ ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہے اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا (ہم نے اس کی کرسی پہ ایک جسم ڈال دیا) اور اس سے یہ معنی ہرگز نہیں نکلتا کہ ہم نے اس کی کرسی پہ مسلط کر دیا بلکہ مقصد یہ ہے کہ ہم نے سلیمان کو آزمایا کہ ایک جسد بے روح اُس کی کرسی پہ ڈال دیا) اور اس کی تاویل میں کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) قوم جن نے باہمی مشورہ کیا کہ حضرت سلیمانؑ کی اگر اولاد ہو گئی تو وہ بھی باپ کی طرح ہم پہ حکومت کریں گے لہٰذا ہم اس کی اولاد کو زندہ نہ رہنے دیں چنانچہ جب حضرت سلیمانؑ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے اس کی رضاعت و ترتیب میں پوری احتیاط سے کام لیا کیونکہ آپ کو قوم جن کی خفیہ میٹنگ کی اطلاع پہنچ چکی تھی لیکن اچانک آپ نے دیکھا کہ اُس کی کرسی پہ مردہ لاش اپنے لڑکے کی پڑی ہے اور یہی ان کی آزمائش تھی اور اس بات پہ تنبیہ تھی کہ آپ نے جنوں سے خوف زدہ ہو کر توکل کا دامن ہاتھ سے کیوں چھوڑا۔

(۲) حضرت سلیمانؑ نے بھرے مجمع میں کہہ دیا تھا کہ میں ستر عورتوں کے پاس جا کر مقاربت کروں گا جن سے لڑکے پیدا ہوں گے اور وہ سب کے سب دشمنانِ خدا سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے لیکن انشاء اللہ نہ کہا پس ان عورتوں میں کسی کو حمل نہ ہوا سوائے ایک عورت کے لیکن جب اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ بھی مردہ تھا اور اُس کی کرسی پہ ایک جسم بے جان ڈالنے کا یہی مقصد ہے (۳) امتحان و آزمائش کے طور پر خدا نے حضرت سلیمانؑ پہ بیماری نازل کر دی کہ وہ بیماری کی سختی کی وجہ سے ایک جسم بے جان کی طرح اپنی کرسی یعنی مسند پر کچھ عرصہ لیٹے رہے اور بعد میں اللہ نے ان کو شفا بخش دی اور غالباً اس امتحان کی وجہ یہ تھی کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اپنے درباریوں میں بیٹھ کر اپنی وسعت ملک و سلطنت پہ ناز و فخر کیا کہ میرے جیسی

حکومت اور کسی کو نہیں ملی پس بطور سرزنش کے اس پر آزمائش رکھ دی گئی جس کا مقصد یہ ہے کہ حقیقی حکومت و سلطنت اس اللہ کے لئے ہے جس کا ہر ایک محتاج ہے اور جس کو کوئی زوال نہیں۔

مُلکِ سلیمانؑ

ھَبْ لِیْ مُلْکًا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جس طرح باقی انبیاء کو الگ الگ مخصوص طور پر معجزات عطا ہوئے تھے مثلاً موسیٰ کو عصا اور ید بیضا صالح کو ناقہ اور داؤدؑ کو لوہے کی نرمی وغیرہ تو حضرت سلیمان نے اپنے لئے مخصوص معجزہ اللہ سے یہ طلب کیا کہ مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو ایسا عطا نہ ہو یعنی اس کو میری امتیازی شان قرار دے اور خداوند کریم نے اس کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا پس جن و انسان، چرند و پرند حشرات الارض اور ہوا پر

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ

پس ہم نے مسخر کیا اس کے لئے ہوا کو جو اس کے حکم سے چلتی تھی نرم جہاں پہنچنا ہوتا تھا

وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ ﴿۳۸﴾

اور شیاطین کو جو ہر قسم کے معمار و غواص تھے اور کچھ جکڑے ہوئے

فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ

زنجیروں میں یہ ہماری عطا ہے بطور احسان کے کسی کو دو یا روک لو اس کا

حِسَابٍ ﴿۳۹﴾ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۴۰﴾

حساب نہ ہوگا اور بے شک اس کا ہمارے پاس مقام قرب اور اچھی بازگشت ہے

ان کو حکومت بخشی اور آخر میں فرمایا کہ یہ ہمارا عطیہ ہے کسی کو کچھ بطور احسان کے دو یا اپنے پاس روک رکھو تمہارے اختیار میں ہے اور اسکا تم سے حساب بھی نہیں لیا جائے گا۔

تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بیت المقدس سے روانہ ہوئے تو اس کے تخت پر دائیں طرف تین سو کرسی انسانوں کے لئے اور بائیں طرف تین سو کرسی قوم جن کے لئے مخصوص تھی پرندے سر کے اوپر ہوا میں صف بہ صف کھڑے ہوئے سائبان کا کام دے رہے تھے اور ہوا کے دوش پر تخت سلیمان مدائن میں کسریٰ نوشیرواں کے محل تک پہنچا۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے درباریوں سے پوچھا کہ کیا تم نے میرے ملک و سلطنت کی طرح کوئی دیکھا یا سنا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں پس جانب آسمان سے ایک فرشتے نے ندا دی کہ خوشنودی خدا کے لئے ایک تسبیح کا درجہ اس ساری مملکت سے افضل ہے۔

کتاب علل الشرائع سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے ذیل میں حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السّلام نے فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ نے ہم کو وہ سب کچھ عطا فرمایا جو سلیمان کو دیا اور اللہ نے ہمیں وہ بھی دیا جس سے سلیمان اور باقی سب انبیاء

محروم ہیں۔

ایک دوسری طویل روایت کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جس کا مقصد یہ ہے کہ صرف خشک پرہیزگاری کا نام زہد نہیں ہے۔ دیکھو حضرت سلیمان بن داؤد نے اللہ سے ایسی حکومت کا سوال کیا کہ اور کسی کے لئے ایسی نہ ہو اور اللہ نے اس کی دعا کو بھی قبول فرمایا پھر حضرت سلیمان علیہ السّلام حکومت و اقتدار کے باوجود حق کہتے اور حق کرتے رہے اور اللہ نے اپنی کتاب میں کہیں بھی حضرت سلیمانؑ کے اقتدار پر نکتہ چینی نہیں کی اور نہ کسی مومن کو انگشت نمائی کا موقعہ ملا۔ اسی طرح ان سے پہلے ان کا باپ بھی صاحبِ اقتدار اور مالکِ تخت و تاج تھا۔ مقصد یہ ہے کہ اقتدار کا طمع اور حکومت کی خواہش زہد کے منافی نہیں ہے۔

بصائر الدرجات سے منقول ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ کو جو کچھ عطا ہوا اُس کے پاس صرف ایک اسمِ اعظم تھا اور مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ ۔کی روشنی میں حضرت علی علیہ السّلام کے پاس ساری کتاب کا علم تھا۔ ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ اسی ایک اسمِ اعظم کے ذریعے سے حضرت سلیمانؑ جو مانگتے تھے عطا ہوتا تھا اور جب دعا مانگتے تھے قبول ہوتی تھی اگر آج وہ ہوتے تو ہمارے محتاج ہوتے۔

احتجاج سے منقول ہے کہ یہود کے علمائے شام میں سے ایک نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے عرض کی کہ دیکھئے ہمارے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السّلام کو خدا نے وہ ملک عطا فرمایا کہ اور کسی کو عطا نہ ہوا تو آپ نے فرمایا یہ بالکل درست ہے لیکن حضرت محمد مصطفےٰؐ کو اس سے بھی افضل عطا ہوا اور وہ یہ کہ خداوند کریم نے میکائیل فرشتے کو حضورؐ کے پاس بھیجا جو اس سے پہلے کبھی زمین پر نہ اُترا تھا پس اُس نے یہ پیغام پہنچایا۔ اے محمدؐ اگر عیش پسند بادشاہ بننا چاہو تو یہ لو زمین کے خزانوں کی کنجیاں سنبھالو کہ سونے اور چاندی کے پہاڑ تمہارے ساتھ ہوں گے۔ اور آخرت کے اجر سے بھی کچھ کمی نہ ہوگی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ مجھے پسند ہے کہ اللہ کا عبد اور نبی بن کر ایک دن شکم سیر رہوں اور دو دن فاقے سے رہوں تاکہ اپنی انبیاء برادری سے جا ملوں پس خداوند کریم نے ان کو کوثر اور حقِ شفاعت عطا فرمایا۔ اور یہ انعام پوری زندگیٔ دنیا سے ستر گنا زیادہ ہے۔ اور علاوہ ازیں جنّت میں مقامِ محمود بھی آپ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ اور بروز محشر خداوند کریم آپ کو (بوقتِ حساب) عرشِ معلّٰی پر جگہ کرامت فرمائے گا اور یہ انعام حضرت سلیمان علیہ السّلام کی حکومت و بادشاہت سے بدرجہا افضل ہے۔ حضرت سلیمان کی حکومت کا ذکر ج ۱۰ صلا پر اور اُن کی موت کا ذکر ج ۱۱ صلا پر ملاحظہ ہو۔

حضرت ایوّب کا ذکر

رکوع نمبر ۱۳۔ نَادٰی رَبَّهٗ ۔ ندا اور دعا میں فرق ہے کہ ندا وہ ہے جو بآواز بلند ہو۔ اور دعا اس سے عام ہے خواہ آواز بلند سے ہو یا اخفاتی طور پر ہو یا صرف دل ہی دل میں ہو اس جگہ دَعَا نہیں بلکہ نَادٰی ہے یعنی پکار پکار کر انہوں نے اللہ سے دعا کی تھی۔

مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ ۔ حضرت ایوّب کی بیماری کے طول کی وجہ سے شیطان نے لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈال دیئے تھے کہ

اس کے قریب نہ خود جاؤ اور نہ کسی کو جانے دو بلکہ ایوب کی عورت کو گھروں میں مزدوری کرنے سے بھی روک دیا گیا اور ان کے متعلق پوری نفرت پھیلادی گئی جس کا ان لفظوں میں ایوب علیہ السلام نے شکوہ کیا ہے۔ تفسیر نورالثقلین میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل روایت منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابلیس نے حضرت ایوب کے شکر پر حسد کیا اور بارگاہِ توحید میں عرض کی کہ ایوب کا شکر نعمات کی کثرت کی وجہ سے ہے اگر اس سے یہ نعمتیں سلب کر لی جائیں تو اس قدر شکر و عبادت نہ کرے گا۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ میں نے تجھے اس کے مال و اولاد پر مسلط کیا ہے تو بے شک اس کا شکر آزمالے چنانچہ حضرت ایوب کا تمام مال اور اس کی تمام اولاد بیک وقت لقمۂ اجل ہو گئے لیکن شکر میں بجائے کمی کے اضافہ ہوا شیطان نے عرض کی کہ مجھے ایوب کی زراعت پر مسلّط کیا جائے تو ارشادِ خداوندی ہوا کہ تجھے عام اجازت ہے پس اُن کی پوری زرعی آبادی کو تباہ کر دیا گیا لیکن شکرِ ایوب میں اضافہ ہوا اسی طرح اس کے مویشیوں کو تباہ کر دیا گیا لیکن شکر میں اضافہ ہوتا

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ

اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے چھو لیا شیطان نے

بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿۴۲﴾ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ

تھکان اور مصیبت کے ساتھ (ہم نے کہا) پاؤں کی ٹھوکر مارو (پس دو چشمے نکلے تو ہم نے کہا) یہ غسل کے

بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿۴۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ

لئے ٹھنڈا اور (دوسرا) پینے کے لئے ہے اور ہم نے بخشا اس کو اپنا خاندان اور ان جیسے اور بھی ان کے ساتھ

رَحْمَةً مِنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۴۴﴾ وَخُذْ بِيَدِكَ

کہ وہ ہماری طرف سے رحمت تھی اور عقلمندوں کے لئے نصیحت تھی۔ (اور ہم نے کہا) پکڑو اپنے ہاتھ سے

ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ

ایک مٹھی بھر پس اس سے مارو اور خلافِ قسم نہ کرو ہم نے اس کو صابر پایا وہ بہتر عبد تھا

گیا۔ شیطان نے ایوب کی بدنی تکالیف کی خواہش کی تو خدا کے اذن سے حضرت ایوب کے جسم کو مصائب و آلام کا نشانہ بنا دیا گیا حتیٰ کہ شہر والوں نے تنگ آکر ان کو شہر سے نکال کر ایک غلیظ اور ناشائستہ مقام پر رہنے کے لئے مجبور کر دیا لیکن آپ کے صبر و شکر میں مزید اضافہ ہی ہوتا رہا اور آپ کی زوجہ محترمہ جناب رحمۃ بنت یوسف آپ کی خدمت گذاری اور تیمارداری کے فرائض باحسن وجوہ انجام دیتی رہی۔

ایک دفعہ چند معزز آدمی جمع ہو کر آئے اور کہنے لگے تُو نے کوئی ایسا سنگین جرم کیا ہے جس کی وجہ سے تو گرفتارِ بلا ہوا ہے تو حضرت ایوب نے جواب دیا کہ مجھے اپنے پروردگار کی قسم اور وہ خود بھی اس حقیقت کو جانتا ہے کہ میں نے زندگی بھر کسی یتیم

یا مسکین کو کھلائے بغیر کھانا نہیں کھایا۔ اور جب بھی میرے سامنے خوشنودیٔ پروردگار کے لئے دو راستے ظاہر ہوتے تو میں اس کو اختیار کیا کرتا تھا جو مشکل تر ہوتا چنانچہ وہ خاموش ہو گئے۔

آپ نے بارگاہِ توحید میں درخواست پیش کی۔ اے پروردگار! کیا میں تیرا حامد شاکر اور تسبیح گذار نہیں ہوں؟ تو خدا کی جانب سے سر پر ایک بادل نے سایہ کیا اور دس ہزار زبان سے بیک وقت جواب ملا۔ اے ایوب! لوگوں کی غفلت کے اوقات میں تجھے عبادت کی توفیق کس نے دی؟ اسی طرح تجھے تحمید تکبیر اور تسبیح کی طاقت کس نے دی؟ کیا تو اللہ پہ اپنا احسان جتلا رہا ہے؟ پس آپ نے فوراً اپنے سر میں مٹی ڈال دی اور معافی مانگنے لگے۔ حضرت ایوب کی مصیبت ختم ہوئی اور ایک فرشتہ خدا کی جانب سے نازل ہوا جس کی ٹھوکر سے خدا نے پانی کا چشمہ پیدا کر دیا اور حضرت ایوب نے اس میں غسل کیا۔ جس کی بدولت جسمانی ہر قسم کی تکلیف و بیماری ختم ہو گئی اور پہلے سے بھی زیادہ جسم تنومند اور خوبصورت ہو گیا اور خدا نے ترو تازہ باغ فوراً پیدا کر دیا اور سلب شدہ تمام نعمات واپس دے دیں پس وہ فرشتہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر پیار و محبت کی باتوں میں مشغول تھا کہ آپ کی زوجہ حضرت رحمہ[1] بنت یوسف حسب دستور روٹی کا ٹکڑا کہیں سے حاصل کر کے لائیں اس نے جگہ کی پوزیشن بدلی ہوئی دیکھی اور دو مردوں کو ایک دوسرے سے ہمکلام دیکھا تو اس سے گریہ ضبط نہ ہو سکا اور ایک چیخ مار کر فریاد کی ہائے ایوب کہاں گیا؟ تو حضرت ایوب علیہ السّلام نے جواب دیا کہ میں ایوب ہوں۔ اور خدا نے ہماری مصیبت دور کر دی ہے وہ اللہ کے انعام و اکرام کو دیکھ کر فوراً شکر کے طور پر سجدہ پروردگار میں جھک گئی۔ ادھر حضرت ایوبؑ کی نظر اٹھی تو اس کے سر کے بالوں کا ایک گچھا کترا ہوا دیکھا تو نہایت رنجیدہ ہوئے۔ اور قسم کھالی کہ میں اس کو ایک سو کوڑے ماروں گا لیکن جب اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے آپ کی خاطر ایک قوم سے غذا طلب کی تو انہوں نے مجھ سے بالوں کا گچھا طلب کر کے اس کی قیمت میں غذا دی[2] اور مروی ہے جناب رحمہ کے بال بہت خوبصورت تھے جب حضرت ایوبؑ نے اپنی زوجہ کا معقول عذر سنا تو نہایت غمناک ہوئے پس خداوند کریم نے وحی فرمائی کہ ایک کھجور کا خوشہ ملے لو جس کی ایک سو لڑیاں ہوں اور سب کو ملا کر ایک دفعہ مارو تو تمہاری قسم پوری ہو جائے گی پس آپ نے ایسا کیا پھر خداوند کریم نے حضرت ایوب کے افراد خاندان جو آزمائش سے پہلے مر چکے تھے وہ بھی دوبارہ زندہ کئے اور جو ہں آزمائش کے دوران میں مرے تھے وہ بھی دوبارہ زندہ کئے اور سب نے مل کر فرحت و سرور کی زندگی گذاری۔ جب حضرت ایوب علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ تمام تکالیف سے بڑھ کر کونسی تکلیف آپ کو لاحق ہوئی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ سب سے بڑی تکلیف دشمنوں کی شماتت اور ان کی طعنہ زنی تھی۔ اس کے بعد خدا نے حضرت ایوبؑ پر سونے اور چاندی کا مینہ برسایا چنانچہ جب ہوا کی وجہ سے کوئی ٹکڑا ادھر اُدھر گرتا تھا تو آپ دوڑ کر اسے اٹھالاتے تھے اور جب جبریل نے پوچھا کہ اے ایوب ابھی طبیعت سیر نہیں ہوئی؟ تو آپ نے جواب دیا کہ اللہ کے رزق سے کون سیر ہو سکتا ہے؟

تفسیر مجمع البیان میں بروایت قتادہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی مدت سات برس منقول ہے۔ اور

[1] درحقیقت حضرت رحمہ زوجہ ایوب حضرت یوسف کی پوتی تھی چنانچہ مفصل روایت بعد میں آرہی ہے۔ [2] اس کی ایک دوسری وجہ ص۱۰۱ پر ملاحظہ ہو

تفسیر مقتنیات الدرر میں ایک روایت کے ماتحت اٹھارہ برس منقول ہیں۔ اور حضرت ایوبؑ کی اپنی زوجہ کو ایک سو کوڑے مارنے کی قسم کی وجہ تفسیر مجمع البیان میں یہ مذکور ہے کہ شیطان لعین جناب رحمہ کے سامنے ڈاکٹر اور طبیب کے حلیے میں پیش ہوا تو بی بی نے اس کو اپنے شوہر کے علاج کے لئے کہا اس ملعون نے کہا میں علاج کرنے کے لئے تیار ہوں صرف ایک شرط پر اور وہ یہ کہ تندرستی کے بعد مجھے کہدینا کہ تو نے ہی شفا دی ہے اور بس اس کے علاوہ میں کچھ اور مطالبہ نہیں کروں گا۔ جب بی بی نے حضرت ایوبؑ کے سامنے اس کی اس شرط کا ذکر کیا تو آپ کو اپنی زوجہ پر غصہ آیا کہ تو اس خبیث کو اس شرط کے باوجود کیوں لائی ہو۔؟ پس قسم کھائی کہ اگر میں تندرست ہوا تو تجھے ایک سو کوڑے ماروں گا۔ اور بعضوں نے اس کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ بی بی کسی مطلب کے لئے باہر تشریف لے گئی اور زیادہ دیر لگادی چونکہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس ان کے سوا تیمارداری کے لئے کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا پس آپ کا دل تنگ ہوا تو قسم کھائی کہ اگر تندرست ہوا تو اس کو ایک سو تازیانہ ماروں گا پس حکم ہوا۔ خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا۔ یعنی ایک مٹھی چھڑیوں کی اٹھاؤ۔ چنانچہ ایک سو لڑیوں والا خوشہ کھجور اٹھا کر ایک دفعہ مارا اور قسم پوری ہوگئی۔

اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۵﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَ

بے شک وہ رجوع کرنیوالا تھا — اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیم — اسحاق — اور

یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۶﴾ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ

یعقوب کو جو صاحبانِ طاقت و بصیرت تھے — ہم نے ان کو خالص کر لیا

بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ

صرف دارِ آخرت کی یاد میں — اور تحقیق وہ چنے ہوئے نیک بندوں

الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ﴿۴۸﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ

میں سے تھے — اور یاد کر اسمٰعیل — یسع

اُولِی الْاَیْدِیْ۔ اس کے تین معانی ہو سکتے ہیں (۱) صاحبانِ طاقت تھے عبادت و ریاضت میں اور صاحبانِ علم و فقہ تھے (۲) صاحبانِ عمل و علم تھے اُولوالایدی سے مراد عمل کرنے والے ہیں کیونکہ عمل کو ہاتھ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (۳) صاحبانِ نعماتِ نبوت و تبلیغ اور صاحبان بصیرت و عقل تھے۔

بِخَالِصَةٍ۔ اس کی ترکیب دو طرح سے ہو سکتی ہے (۱) ذِكْرَى کو خَالِصَةٍ سے بدل بنایا جائے یعنی ہم نے ان کو دارِ آخرت کی یاد کی بدولت خالص بنا لیا۔ (۲) خالصہ کو ذکری کی طرف مضاف کیا جائے۔ یعنی دارِ آخرت کے خلوص کی وجہ سے ہم نے ان کو چن لیا۔

اَلْاَخْیَار۔ یا تو خیّر کی جمع ہے جس طرح اموات میّت کی جمع ہے اور خیّر کا معنی ہے بہت کارِ خیر کرنے والا اور یا خَیر کی

جمع ہے جس طرح قبیل کی جمع اقبال ہوا کرتی ہے۔ اور تفسیر مقتنیات الدرر میں ہے کہ الیسع اور ذوالکفل آپس میں چچازاد تھے۔ اور ذوالکفل نے ایک سو بنی اسرائیل کو قتل ہونے سے پناہ دی تھی اس لئے اس کا نام ذوالکفل مشہور ہو گیا اور اس کا اصلی نام بشیر تھا اور حضرت ایوبؑ کا فرزند تھا۔

مفصل قصہ

وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هَٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٥١﴾

اور ذوالکفل کو اور یہ سب نیکوں میں سے تھے یہ ان کا ذکر خیر ہے اور بے شک متقین کے لئے اچھی بازگشت ہے

حضرت ایوبؑ کا سلسلہ

نسب حضرت یعقوب کے بڑے بھائی حضرت عیص بن اسحٰق سے ملتا ہے۔ ایوب بن موص بن رعویل بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ کا والد ماجد حضرت موص بن رعویل بن عیص نہایت خوشحال اور مالدار آدمی تھا اور ملک شام میں سب سے بڑا دولت مند تھا حضرت ایوب تیس برس کی عمر میں اپنے باپ کے ترکہ کے وارث ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت یوسف کی اولاد مصر میں آباد تھی، چنانچہ حضرت یوسف کا فرزند حضرت افرائیم جو حضرت ایوبؑ کے دادا رعویل کا سگا چچازاد تھا ان کی سکونت بھی مصر میں تھی۔ ان کی شہزادی جناب رحمہ بنت افرائیم حسن و جمال میں اپنے دادا حضرت یوسف کے بالکل مشابہ تھیں چنانچہ حضرت افرائیم نے خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت یوسف نے اپنی قمیص حضرت رحمہ کو پہنائی اور فرمایا کہ یہ میرا حسن و جمال ہے جو میں تجھے بخشتا ہوں۔ آپ عبادت و زہد میں یگانۂ روزگار تھیں۔ حضرت ایوبؑ اپنے والد کی وفات کے بعد خواستگاری کے لئے شام سے چل کر افرائیم بن یوسف کے پاس مصر میں پہنچے۔ چنانچہ آپ کی شادی رحمہ بنت افرائیم سے ہو گئی اور اپنی زوجہ کو لے کر واپس شام میں تشریف لائے۔ رحمہ کے بطن مبارک سے آپ کے بارہ لڑکے اور بارہ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ آپ حوران اور تنبیہ کے لوگوں کے لئے رسول مبعوث ہوئے تھے نہایت خوش خلق اور نرم مزاج تھے آپ کے دسترخوان پر فقراء و مساکین کا انبوہ رہتا تھا یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری آپ کا شیوہ تھا۔ آپ نے اپنے کارداروں اور جملہ ملازمین کو حکم دے رکھا تھا کہ میری کھیتی اور باغات سے کسی کو نہ روکا جائے حتیٰ کہ حیوانات تک کو نہ روکا جاتا تھا اور باایں ہمہ حضرت ایوب پر رحمت اور برکت کی بارش برستی تھی اور ہر وقت آپ شکر پروردگار میں رطب اللسان رہتے تھے اور صبح و شام کو تمام نماز گذار آپ کے ہاں ہی کھانا کھایا کرتے تھے۔ ایک ہزار گھوڑا ایک ہزار گھوڑی ایک ہزار خچر تین ہزار اونٹ ڈیڑھ ہزار اونٹنی ایک ہزار بیل ایک ہزار گائے اور دس ہزار بکریاں وغیرہ آپ کی مالداری میں داخل تھیں اور ہر مال میں پچاس پچاس پر ایک ایک چرواہا مقرر تھا۔ پس شیطان نے ازراہِ حسد بارگاہِ پروردگار سے حضرت ایوبؑ کے امتحان کا سوال کیا جو منظور ہوا پس شیطان کے لشکر میں سے ایک نے حضرت ایوب کے تمام باغات جلا کر خاکستر کر دیئے اور دوسرے نے آپ کے تمام مویشیوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ حتیٰ کہ ان کے تمام چرواہے بھی لقمۂ اجل ہو گئے۔ حضرت ایوبؑ نماز پڑھ رہے تھے کہ خود شیطان روسیاہ نے مکارانہ گریہ کرتے ہوئے آپ کو دردانگیز خبر سنائی کہ آپ کے جملہ اموال اور باغات تباہ ہو گئے ہیں۔ اور

ریاکاری کی عبادت کرنے والے کو ایسی ہی سزا ملا کرتی ہے لیکن حضرت ایوب نے شیطان کی بات پر کان دھرے بغیر نماز کو جاری رکھا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو نہایت اطمینان وسکون سے فرمایا کہ میرے مال سب اللہ کی ملکیت ہیں وہ جو چاہے کرے اس کے بعد ہمسائے میں بسنے والوں نے زبان طعن دراز کی تو آپ نے ان کے خرافات کا جواب دیے بغیر شکر پروردگار زبان پر جاری فرمایا۔ پھر شیطان کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تو خدا کی رحمت سے مایوس اور ہر نیکی سے دور ہے ورنہ اگر تجھ میں کچھ بھلائی ہوتی تو میرے دوسرے چرواہوں کی طرح تو بھی لقمہ اجل ہو جاتا پس میرے دربار سے نکل جا۔ گویا وہ ملعون حضرت ایوب کے ملازمین میں سے کسی کی شکل میں نمودار ہوا تھا۔ کہنے لگا کسی نے سچ کہا ہے کہ متکبر لوگوں کی خدمت نہ کیا کرو اب مجھے پتہ چلا ہے کہ تو عابد نہیں تھا بلکہ ریاکار تھا۔ میں تو تیرا نوکر اور خدمتگذار تھا تو نے مجھے نوکری کا یہی صلہ دیا ہے۔ حضرت ایوب اس کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر پھر نماز میں مشغول ہو گئے۔ اور وہ خائب وخاسر واپس چلا گیا۔

پھر ارشاد پروردگار ہوا کہ اے ملعون تو نے میرے بندے ایوب کو کس طرح پایا ہے؟ اس نے عرض کی ابھی تک اس کی اولاد موجود ہے اس لئے وہ شکر کر رہا ہے چنانچہ وہاں سے اجازت لے کر واپس پلٹا تو حضرت ایوب کی تمام اولاد جو ایک عالی شان محل میں موجود تھی ان میں سے چھ لڑکوں کے نام یہ ہیں (۱) حزقل (۲) مقبل (۳) رشد (۴) رشید (۵) بہدون (۶) بشیر اور چھ لڑکیوں کے نام یہ ہیں (۱) فتحاۃ (۲) جبیدہ (۳) صالحہ (۴) عافیہ (۵) تقیہ (۶) مومنہ۔ ان کے علاوہ باقی اولاد کے نام کتب میں نہیں ملتے۔ پس شیطان نے اس محل کو ایسی جنبش دی کہ وہ دھڑم سے زمین بوس ہو گیا اور حضرت ایوب کی ساری اولاد چشم زدن میں لقمہ اجل ہو گئی۔ پس شیطان ملعون ایک ملازم کی شکل میں بناوٹی گریہ کرتا ہوا حضرت ایوبؑ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ آپ کی تمام اولاد مکان گرنے سے دب کر تباہ ہو گئی ہے۔ ان کے حسین چہرے خاک وخون میں غلطان ان کے نازنین جسم خون میں لت پت اور ان کا گوشت پوست ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو چکی ہیں۔ آپ نے شیطان کی زبان سے درد بھری داستان سن کر اپنے گریہ وبکا کو ضبط کرتے ہوئے فرمایا اے مردود! نکل جا کہ میری سب اولاد اللہ کا عطیہ تھی۔ اگر آج وہ چلی گئی تو کل میں بھی چلا جاؤں گا کیونکہ ہر زندہ انسان کا انجام موت ہے چنانچہ وہ خائب وخاسر چلا گیا۔

پھر ارشاد پروردگار ہوا کہ اے ملعون تو نے میرے بندے ایوب کو کس طرح صابر وشاکر پایا ہے تو اس ملعون نے ازراہ حسد عرض کی ابھی تو اس کا جسم تندرست ہے پس اللہ نے جسمانی تکلیف دیدی چنانچہ آپ کے جسم میں بیماری شروع ہوئی۔ اور سر سے پاؤں تک آپ کا تمام جسم ایک زخم کی مانند ہو گیا تو حضرت ایوب نے اپنی زوجہ رحمہ سے فرمایا کہ اللہ اپنے نبیوں کو آزماتا ہے اور وہ صبر کیا کرتے ہیں اور اللہ کے نزدیک صبر کرنے والوں کی نیک جزا ہوتی ہے اس کے بعد آپ سجدہ شکر میں گر گئے چنانچہ جب جناب رحمہ پر گریہ طاری ہوا تو آپ نے اس کو صبر کی تلقین فرمائی کہ تو انبیاء کی اولاد ہے اور میں بھی نبی ہوں اپنے آباء صالحین یوسف یعقوب اسحٰق اسمٰعیل اور ابراہیم علیہم السلام کے واقعات کو یاد کرو اور صبر کرو۔ اس کے بعد آپ نے رحمہ سے فرمایا کہ

میرا جسم چونکہ زخمی ہے لہذا اس مسجد سے نکال کر کھلی جگہ پر مجھے لے جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے لکڑیاں جمع کر کے ایک مختصر سی جھونپڑی بنائی اور وہاں حضرت ایوب کو منتقل کر دیا جن لوگوں پر حضرت ایوب شب و روز مہربان رہتے تھے۔ مصیبت کے دنوں میں ان کے رُخ بھی آپ سے پھر گئے اور حضرت رحمہ کو جو اُن سے توقعات وابستہ تھیں۔ اُن کی روگردانی سے سب خاک میں مل گئیں۔ حضرت ایوبؑ نے بچشم گریاں جناب رحمہ سے فرمایا کہ ہم پر صدقہ حرام ہے اور کما کر کھانا ہماری شان ہے یہ کہ کر آپ بے ساختہ رو دیئے۔ جناب رحمہ نے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ تو اولادِ انبیاء میں سے ہے اور حُسن و جمال میں اپنے جد حضرت یوسف کی وارث ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس شہر میں فاسق و فاجر لوگوں کی کثرت ہے پس روتا اس لئے ہوں کہ تو پردہ دار ہو کر خدمت گذاری کے فرائض کس طرح انجام دے گی جب کہ شیطان کے مکر و فریب کا جال ہر طرف بچھا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی جناب رحمہ کے دل کو ایک دھچکا سا لگا اور جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ پھر طبیعت پر ضبط کر کے عرض کی میرے آقا آپ نہ گھبرائیں۔ میں نبی زادی ہوں میری عصمت کا خدا محافظ ہے پس حضرت ایوبؑ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے حضرت رحمہ کو خوراک کے انتظام کے لئے گھر سے باہر جانے کی اجازت دے دی۔ پس تبنیہ والوں کے گھروں میں جھاڑو پانی اور دیگر تمام گھریلو کاروبار میں ملازمت کے فرائض انجام دے کر مزدوری وصول کرتی تھی اور اسی سے گذر بسر ہوتا تھا۔

پس شیطان نے شہر والوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا کہ یہ عورت اپنے مریض شوہر کی تیمارداری کرتی ہے اور پھر تمہارے گھروں میں بھی کام کرتی ہے ممکن ہے کہ ان کی بیماری کے جراثیم پھیل جائیں لہذا ان سے مکمل بائیکاٹ کر لینا زیادہ موزوں ہے چنانچہ انہوں نے متفقہ فیصلے سے حضرت رحمہ کا گھروں میں داخلہ ممنوع قرار دیا جناب رحمہ نے اپنے شوہر کو شہر والوں کے اس فیصلہ کی اس لئے رپورٹ نہ دی کہ مبادا اُن کے غم و اندوہ میں اضافہ ہو جائے۔

اس کے بعد شہر والوں نے ایک دفعہ مشورہ کیا کہ شہر کے ظالم کتے حضرت ایوب پر چھوڑے جائیں جو اُسے پھاڑ کھائیں جب جناب رحمہ کو پتہ چلا تو اس نے ایوبؑ کو لوگوں کے عزائم فاسدہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا میں نبی ہوں اور خدا اپنے نبیوں پر کتوں کو مسلط نہیں فرمایا کرتا چنانچہ جب اُنہوں نے کتے چھوڑے تو وہ حضرت ایوبؑ کے قریب آکر رُک گئے اور باادب آپ کو سلام کر کے واپس چلے گئے اور آئندہ کی بے ادبی کے خوف سے اُنہوں نے شہر سے کنارہ کشی کر لی حتیٰ کہ پورے شہر میں ایک کتا بھی نہ رہا۔

پس شہر والوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا تو آپ نے رحمہ سے فرمایا کہ مجھے اس بستی سے کسی دوسری بستی کی طرف لے جاؤ۔ چنانچہ وہاں سے دُور ایک رستے پر حیران و پریشان کھڑی تھی کہ دو خوبصورت نوجوان آپہنچے جن کے جسم سے نہایت پاکیزہ خوشبو آرہی تھی جناب رحمہ نے ان کی امداد سے ایک مختصر سی جھونپڑی بنائی پس جناب رحمہ نے کہا کہ تم نیک لوگ معلوم ہوتے ہو۔ میرے شوہر کے لئے دعا کرو تو اُن دونوں نے نہایت خندہ پیشانی کا مظاہرہ کیا اور کہا کہ اپنے شوہر کو ہمارے سلام پہنچا دینا۔ جب جناب رحمہ نے حضرت ایوبؑ کو اُن کا سلام پہنچایا تو آپ نے فرمایا اے رحمہ تو کس قدر خوش نصیب

ہے کہ تجھ سے فرشتے کلام کرتے ہیں کہ وہ جبریل و میکائیل تھے ۔جناب رحمہ نے عرض کی کہ میں نے آپ کے لئے جھونپڑی بنا لی ہے ۔ اب جاتی ہوں اگر کچھ آدمی مل جائیں تو اُن سے کہوں گی کہ آپ کو اُٹھا کر وہاں لے جائیں ۔چنانچہ دوبارہ چوراہے پر آکر کھڑی ہوگئی تو چار فرشتے گذرے اور جناب رحمہ کی درخواست پر وہ آئے اور انہوں نے حضرت ایوّب سے اظہارِ ہمدردی کیا اور اٹھا کر اس نئی تیار کردہ جھونپڑی میں لے آئے اور فرش پر آپ کو سلا دیا پس وہ چلے گئے اور حضرت رحمہ بدستور تیمارداری میں مشغول ہوگئی ۔ کچھ عرصہ کے بعد حوران کی لبستی کی طرف آپ منتقل ہوگئے ۔جناب رحمہ بدستور لوگوں کے گھروں میں خدمت کے فرائض انجام دیتی تھیں اور دونواس سے بسر اوقات کرتے تھے جب ایک دن ایک عورت نے طعنہ دیا تو بی بی نے جواب دیا کہ میرا نام رحمہ ہے میرا باپ اللہ کا نبی افرائیم تھا اور دادا حضرت یوسف جس کو اللہ نے صدیق کا لقب دیا ۔اُن کا باپ حضرت یعقوب جن کو اللہ نے اسرائیل کا لقب دیا اور ان کا باپ اسحٰق صفی اللہ اور اُن کا باپ ابراہیم خلیل اللہ تھا ۔ اور میں ایوّب کی زوجہ ہوں جو اللہ کا نبی ہے پس چند عورتیں مل کر حضرت ایوبؑ کی زیارت کے لئے آگئیں اور حضرت ایوب کی حالت زار کو دیکھ کر سخت روئیں ۔چنانچہ حضرت ایوّب اور جناب رحمہ پر بھی گریہ طاری ہوگیا ۔حضرت ایوبؑ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں۔

حضرت ایوّب پر وحی ہوئی کہ جس طرح میری نعمتوں پر تم نے صبر کیا ہے ۔اسی طرح مصائب پر بھی صبر کرو ۔چنانچہ ایک دفعہ جناب رحمہ گھر سے باہر گئیں لیکن کہیں سے بھی ان کو مزدوری پر غذا میسر نہ ہوسکی ۔پس رو رو کر بارگاہِ خداوندی میں اپنی تکلیف کا اظہار کیا اس کے بعد ایک بڑھیا کا دروازہ کھٹکھٹایا اور اپنا تعارف کرانے کے بعد اپنی تکلیف کا ذکر کیا تو اُس بڑھیا نے جواب دیا کہ میری لڑکی کے بال خوبصورت نہیں ہیں اور اُس کی شادی کرنا چاہتی ہوں اگر تم اپنے بالوں کا ایک گچھا مجھے دے دو تو میں اس کے بدلہ میں دو روٹیاں دوں گی ۔جناب رحمہ نے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو بدلِ ناخواستہ بڑھیا کی بات مان لی ۔ جب واپس ایوبؑ کے پاس پلٹی اور اپنا ماجرا بیان کیا تو حضرت ایوبؑ نہایت غمزدہ ہوئے پس وحی ہوئی کہ اے ایوب اس دکھ اور مصیبت کے بدلہ میں میں نے تیرا اجر زیادہ کر دیا ہے اور تیری بیوی رحمہ کو بھی جنّت میں اس تکلیف کا بہت زیادہ بدلہ دوں گا پس حضرت ایوّب خوش ہوگئے ۔

جب حضرت ایوب کی مصیبت کی انتہا ہوئی تو حضرت جبریل آئے اور حضرت ایوب سے کھڑا ہونے کو کہا جب آپ کھڑے ہوئے تو جبریل نے کہا زمین پر پاؤں کی ٹھوکر لگاؤ ۔چنانچہ ٹھوکر لگانے سے ایک صاف و شفاف چشمہ ظاہر ہوا جو برف سے سفید تر شہد سے شیریں تر اور کافور سے خوشبو میں پاکیزہ تر تھا پس اس سے پانی پیا تو اندرونی ہر قسم کی بیماری ختم ہوئی اور اس سے غسل کیا تو بیرونی مصائب دُور ہوئے اور چودھویں کے چاند کی طرح رنگ نکھر گیا پس جبریل نے جنت کا لباس پہنایا اور نعلین بھی آپ کے پیش کی اور کھانے کو ایک جنتی ناشپاتی دی جس کا نصف حصہ ایوب نے کھایا اور باقی نصف جناب رحمہ کے لئے محفوظ کر لیا تو جبریل نے کہا یہ پورا دانا آپ خود کھائیں کیوں کہ میں جناب رحمہ کے لئے دوسرا دانہ بھی لایا ہوں ۔اس

دن جناب رحمہ بستی سے تہی دست مایوس روتی ہوئی واپس آرہی تھی کہ اپنے مکان رہائش کی پوزیشن جو کہ بدلی ہوئی تھی دیکھی۔ چشمے باغات اور سبزیاں دیکھ کر ششدر سی رہ گئی اور پاکیزہ شکل جوان کو نماز پڑھتے دیکھ کر گھبرا گئی کہ شاید میں رستہ بھول چکی ہوں۔ پس دریافت کیا اے نماز گذار تجھے ایوب کی کچھ خبر ہو تو بتاؤ۔ پس آپ نے فرمایا میں ہی ایوب ہوں۔ اور خدا نے اپنے رحم و کرم سے ہمارے مصائب ختم کر دیئے۔

پس حضرت ایوبؑ کو سابق تمام نعمات واپس دی گئیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ عطا کیا گیا۔ ان کی اولاد کو پروردگار نے دوبارہ زندگی بخشی۔ بارہ بیٹوں اور بارہ بیٹیوں کو دوبارہ زندہ دیکھا۔ پھر شام کی حکومت اور عمر گذشتہ کے برابر دوبارہ عمر بھی آپ کو دی گئی۔ اور جناب رحمہ کو سو تازیانے مارنے کی جو قسم کھا چکے تھے اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ ایک خوشۂ کھجور جس کی ایک سو شاخ ہو لے ایک دفعہ مارو تو قسم پوری ہو جائے گی اور مروی ہے کہ رحمہ کو مارنے کی قسم کا موجب رحمہ کے سر کے بالوں کا کٹنا تھا جس کا ذکر کیا جا چکا ہے اور خداوند کریم نے جناب رحمہ کو وہ بالوں کا حُسن بھی دوبارہ عطا فرمایا۔ جب کسی نے ایوب سے دریافت کیا کہ تمام مصائب میں سے سخت ترین مصیبت آپ نے کونسی دیکھی تو فرمایا دشمنوں کی شماتت ہر مصیبت سے زیادہ تکلیف دہ تھی پس حضرت ایوبؑ اور رحمہ ایک عرصہ تک خوش حال زندگی بسر کرتے رہے اور بوقت وفات آپ نے اپنے تمام لڑکوں کو مہمان نوازی اور یتیم پروری کی وصیت فرمائی اور دونوں کا انتقال ایک دوسرے کے قریب قریب زمانہ میں ہوا۔ اور حضرت ایوبؑ کو اسی چشمہ کے قریب دفن کیا گیا جو آپ کے لئے آب شفا بنا تھا۔

پھر کچھ عرصہ کے بعد لام بن عاد نامی ایک بادشاہ نے شام پر حملہ کیا چنانچہ اولاد ایوب پر بھی اُس نے فتح پالی اور اس نے حضرت ایوب کے سب سے بڑے شہزادے حزقل بن ایوب کو ایک پیغام بھیجا کہ اپنے تمام اموال میں سے مجھے نصف مال بطور شاہی ٹیکس کے دیدو ورنہ زبردستی تمہارا سب مال بحق سرکار ضبط کر لیا جائے گا اور نیز اُس نے اُن کی ہمشیرہ تقیہ یا مومنہ کا رشتہ بھی طلب کیا اور ان دونوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنے کا ان کو پیغام بھیجا چنانچہ جناب حزقل بن ایوب نے جواب دیا کہ ہمارا جس قدر مال ہے اس میں فقراء مساکین یتامیٰ مسافروں اور کمزوروں کے علاوہ اور کسی کا حصہ نہیں ہے اور چونکہ تو ہمارے دین پر نہیں ہے لہذا رشتے کا سوال بھی فضول ہے اور تو نے شاہی دبدبہ اور آمرانہ رعب جتلا کر ہمیں مرعوب کرنا چاہا ہے تو یاد رکھ کہ ہم اللہ پر توکل رکھتے ہیں۔ اور ہمیں وہی تنہا کافی ہے۔ اور وہی ہمارا ولی و ناصر ہے۔ جب بادشاہ کو واپسی پیغام پہنچا تو اُس نے فوج کشی کر لی پس حزقل نے اپنے بھائیوں سے مشورہ کیا تو بشیر نے جواب دیا کہ میں آپ لوگوں کو جنگ کا مشورہ ہرگز نہ دوں گا۔ پس مناسب یہ ہے کہ مال میں سے وہ جو کچھ طلب کرے اُس کو دے دیا جائے اور رشتہ کی بات ٹال دی جائے لیکن حزقل کو یہ رائے پسند نہ آئی اور اس نے بھی مقابلہ میں اعلانِ جنگ کر دیا جس کے نتیجہ میں حزقل کو شکست ہوئی پس اس نے ان کے تمام اموال پر قبضہ کر لیا۔ اور بشیر بن ایوب بھی اپنے لشکر کے کافی حصہ کے ساتھ قید ہو گیا۔ اور حزقل خود جان بچا کر بھاگ گیا۔ اس کے بعد کافی مال جمع کر کے لام بن عاد کو بطورِ ہدیہ پیش کرنے کا تہیہ کیا تاکہ اپنے بھائی کا فدیہ دے کر اُسے آزاد کرائے تو

خواب میں اُس کو کسی نے آواز دی کہ فکر نہ کرو تمہارا بھائی آزاد ہو جائے گا۔ اور تمہارا مال بھی محفوظ رہے گا۔ اور بادشاہ ایمان کو قبول کرلے گا اور انجام کار اچھا ہوگا۔ چنانچہ جب اُس نے اپنے باقی بھائیوں کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تو وہ سارے وہاں رُک گئے۔ اور لام بن عاد کو پیغام بھیجا کہ میں کوئی مال دینے کو ہرگز تیار نہیں ہوں تو نے جو کچھ ہمارا بگاڑنا ہے بگاڑ لے۔ چنانچہ بادشاہ غصے سے لال ہو گیا اور اس نے بشیر بن ایوب سے کہا کہ تم نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میرے بھائی تمہیں مال پیش کریں گے لیکن اب اُنہوں نے صاف انکار کر دیا ہے پس تم اپنی ضمانت کے ماتحت مجھے مال دلواؤ۔ ورنہ میں تمہیں زندہ آگ میں جلا دوں گا۔ یہ بات سُنتے ہی بشیر گھبرا گیا تو ادھر حزقل بن ایوب نے اپنے بھائی بشیر کو پیغام بھیجا کہ میں نے اس اس طرح خواب میں دیکھا ہے تو بشیر بھی یہ خواب سن کر مطمئن ہو گیا۔

ادھر بادشاہ نے گہری گہری نہریں اور غاریں کھودنے کا حکم دیا اور پھر ان کو لکڑیوں سے بھرنے اور ان پر تیل ڈال کر آگ لگانے کا حکم دیا تاکہ اس میں بشیر کو زندہ ڈال کر جلا دیا جائے چنانچہ جب بشیر کو آگ میں ڈالا گیا تو بحکم پروردگار بشیر کو ذرہ بھر گزند نہ پہنچا اور بادشاہ یہ ماجرا دیکھ کر گھبرا گیا۔ چنانچہ اس نے بشیر سے دریافت کیا کہ اے اولادِ ایوب کیا تم لوگ جادوگر ہو۔ آپ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ نہیں بلکہ ہمارے جد حضرت ابراہیم خلیل بن تارخ کو بادشاہِ وقت نمرود بن کنعان نے آگ میں ڈالا تھا تو خدا نے اُن پر آگ کو گلزار کر دیا تھا اور خدا نے میرے لئے بھی آگ کو گلزار کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ بات بادشاہ کے دل میں گھر کر گئی۔ اور یہ نبوت کا معجزہ دیکھ کر اُس کا دل ایمان و معرفت کا مقام بن گیا۔ پس وہ اپنے عزائمِ فاسدہ سے تائب ہوا۔ اور صحیح معنوں میں مسلمان و مومن ہو گیا۔ اور حضرت ایوبؑ کے لڑکوں نے پھر اپنی بہن کا رشتہ بھی اُس سے کر دیا اور اسی بشیر بن ایوب کی کنیت ذوالکفل ہے کیونکہ اپنے بھائیوں کے فدیہ ادا کرنے کا کفیل ہوا تھا پس آپ ملک شام میں نبی تھے اور بادشاہ لام بن عاد آپ کے تابع فرمان ہو کر دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتا تھا حتیٰ کہ ذوالکفل کی رحلت ہو گئی اور پھر وہ مومن بادشاہ بھی مر گیا۔ اور ملک شام پر عمالقہ کا قبضہ ہو گیا اور پھر خدا نے حضرت شعیب کو ان پر نبی مبعوث فرمایا۔ ان کا نام فترون بن صیحون بن عنقاء بن ثابت بن مدین بن ابراہیم خلیل تھا۔ (ملخص البرہان)

یَدۡعُوۡنَ۔ یعنی جنتی لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے اور حور و غلمان پر حکم کریں گے۔ پس جب میوہ کی طرف اشارہ کریں گے وہ خود بخود قریب آجائے گا اور ان کو تکلیف کرنے کی ذرہ بھر ضرورت محسوس نہ ہوگی۔

جَنّٰتِ عَدۡنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الۡاَبۡوَابُ ﴿۵۱﴾ مُتَّكِـِٕيۡنَ

ہمیشہ کے باغات کہ ان کے لئے ان کے دروازے کھلے ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے

فِيۡهَا يَدۡعُوۡنَ فِيۡهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۲﴾ وَ

ہوں گے اس میں طلب کریں گے بہت سے میوہ جات کو اور مشروب کو۔ اور

قٰصِرٰتُ الطَّرۡفِ۔ یہ عورتوں کی عمدہ صفت ہے یعنی آنکھ نیچی رکھنے والی شرمیلی عورتیں اور اتراب جمع ہے ترب کی جس کا معنی سہیلیاں کیا جاتا

ہے جو ہم سن و سال اور حسنِ صورت میں ایک جیسی ہوں۔

مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ - یعنی جنّتی غذاؤں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ جس شاخ سے ایک میوہ توڑا جائے گا اس کی جگہ فوراً دوسرا موجود ہو جائے گا۔

عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۳﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ

ان کے پاس آنکھیں نیچی رکھنے والی (نوجوان حسین) ہمسن عورتیں ہوں گی — یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ

لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۵﴾

کیا گیا تھا یوم حساب کے لئے — تحقیق یہ ہمارا وہ رزق ہے — جو ختم نہ ہوگا

هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۶﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا

یہ اور بے شک سرکشوں کے لئے بڑی بازگشت ہے — جہنم میں جلیں گے پس وہ برا بچھونا ہوگا

فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۷﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۸﴾

یہ حمیم (سخت گرم) غساق (سخت سرد) — پس چکھیں اس کو

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ﴿۵۹﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ

اور دوسرا (عذاب) اسی قسم کا جس کی کئی قسمیں ہوں گی — یہ (فوج (تمہارے مقتدیوں کی) تمہارے ساتھ داخل ہے

لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا

(وہ کہیں گے) نہ خوشی دیکھیں یہ لوگ کہ وہ آگ میں جلنے والے ہیں تو کہیں گے (مقتدی) بلکہ تم کو خوشی

مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۱﴾

نصیب نہ ہو تم نے ہی یہ عذاب ہمارے لئے مہیا کیا ہے — پس وہ برا ٹھکانا ہے

حَمِیْمٌ - حمیم کا معنی سخت گرم اور غساق کا معنی سخت بدبودار غلیظ یا سخت ٹھنڈا اور بعضوں نے ذکر کیا ہے کہ غساق جہنم میں ایک تالاب ہوگا جس میں تمام زہریلے جانوروں مثلاً سانپوں اور بچھوؤں وغیرہ کی زہر جمع ہوگی اور گرم پانی کے ساتھ ملا کر جہنمیوں کو پلائی جائیگی۔

هٰذَا فَوْجٌ - پہلے جہنمی رہنما اور پیر داخل ہوں گے اور بعد میں ان کے مقتدی اور مرید داخل ہوں گے تو فرشتے ان سے کہیں گے یہ تمہارے مریدوں اور مقتدیوں کی فوج بھی تمہارے ساتھ شریک عذاب ہے پس دنیا میں اپنے مریدوں کو خوش آمدید اور مرحبا کہنے والے اس وقت ان کو لا مرحبا (یعنی تم کو خوشی نصیب نہ ہو یا دفع ہو جاؤ) کے حقارت آمیز لہجہ سے خطاب کریں گے تو مرید بھی ان کو اسی طرح تلخ اور توہین آمیز لہجہ میں جواب دیں گے لا مرحبا (تم خوشی نہ پاؤ اور دفع ہو جاؤ) یہ جہنم کا سامان تم نے ہمارے لئے مہیا کیا ہے کہ تمہارے پیچھے چل کر ہم مبتلائے عذاب ہوئے ہیں۔

قَالُوْا - پس وہ دوزخی مزید اللہ سے درخواست کریں گے کہ جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا اور ہمارے لئے جہنم کا سبب مہیا کیا تھا ان کو دوگنا عذاب دیا جائے۔ کاش کہ دنیا میں ہی انسان حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کی کوشش کرے تاکہ آخرت کی حسرت وارمان سے بچ جائے۔

مَالَنَا - مجمع البیان میں ہے کہ اس کا شانِ نزول ابوجہل اور ولید وغیرہ مشرکینِ مکہ کے حق میں ہے جو مومنین کو گمراہ سمجھتے تھے پس بروزِ محشر جب اِدھر اُدھر دوزخ میں دیکھیں گے تو ان کو صہیب، بلال اور عمار وغیرہ نظر نہ آئیں گے۔ پس آپس میں ایک دوسرے سے ازراہِ حسرت پوچھیں گے کہ جن لوگوں کو ہم گمراہ اور شرارت پسند خیال کرتے تھے وہ نظر نہیں آتے۔ اور آیت صرف انہی بیان کردہ لوگوں سے مخصوص نہیں بلکہ تا قیامت جس قدر باطل پرست ہوں گے جہنم میں پہنچ کر ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ جن کو ہم گمراہ سمجھتے تھے کہاں گئے۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جابر سے فرمایا کہ تمہارے مخالف لوگ جہنم میں تمہارے متعلق پوچھیں گے کہ وہ کہاں گئے کیا ہم دنیا میں غلطی کرتے ہوئے ان سے مسخری کرتے تھے یا اُن سے ہماری آنکھیں چندھیا گئی ہیں، اور دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا تم جنت میں عیش و عشرت سے بسر کرتے اور جہنم میں جانے والے تمہیں وہاں ڈھونڈتے ہوں گے۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي

کہیں گے اے ہمارا رب جس نے ہمارے لئے یہ چیز مہیا کی ہے پس اس پر دگنا عذاب زیادہ کر آگ میں

النَّارِ ﴿۶۲﴾ وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ

اور کہیں گے تعجب ہے کہ ہم ان بندوں کو نہیں دیکھ رہے جن کو ہم برا

مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۳﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ

سمجھتے تھے کیا ہم نے ان سے مسخری کی تھی (پس ہم غلطی پر تھے) یا ان سے

الْاَبْصَارُ ﴿۶۴﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۵﴾

ہماری آنکھیں ٹیڑھی ہو چکی ہیں؟ تحقیق اہل جہنم کا باہمی جھگڑا یقیناً ہو گا

امالی شیخ سے منقول ہے ایک دفعہ سماعہ بن مہران حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا - اے سماعہ بدترین لوگ کون ہیں؟ سماعہ نے عرض کی کہ وہ ہم ہیں۔ آپ سنتے ہی جونہی تکیہ کے سہارے لیٹے تھے فوراً اٹھ بیٹھے اور غصہ سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر پوچھا کہ لوگوں کے نزدیک بدترین لوگ کون ہیں؟ تو سماعہ کہتا ہے میں نے عرض کی اے فرزندِ رسول خدا کی قسم میں نے غلط نہیں کہا لوگوں کے نزدیک ہم بدترین مخلوق ہیں وہ ہمیں کافر اور رافضی تک کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو! جب تم کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور ان کو جہنم کی طرف دھکیلا

جائے گا پھر وہ ایک دوسرے سے تمہارے متعلق پوچھیں گے کہ وہ کہاں ہیں جن کے متعلق ہم کہتے تھے کہ وہ گمراہ اور شرارت پسند وبدترین لوگ ہیں اے سماعہ یاد رکھو کہ تم میں سے اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہوگی تو ہم بروز محشر دربار خداوندی میں اپنے قدموں سے چل کر تمہاری شفاعت کریں گے پس تم میں سے دس آدمی بھی بلکہ پانچ آدمی بھی بلکہ تین بھی بلکہ ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا پس تم ایک دوسرے سے درجات جنت میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ اور اپنے دشمن پر پرہیزگاری کے ذریعے سے برتری پیدا کرو۔

رکوع نمبر ۱۴

نَبَاٌ عَظِیۡمٌ ۔ یعنی قیامت کے حقائق توحید پروردگار کے دلائل اور سابق انبیاء کے واقعات پر مشتمل کتاب یعنی قرآن مجید نبأ عَظِیۡم ہے جس سے تم منہ موڑتے ہو۔ اگر تم لوگ اس میں تدبر کرتے تو یقینا اس نظریہ تک پہنچ جاتے کہ خدا صرف ایک ہے اور اس کا بھیجا ہوا دین برحق ہے اور تفسیر باطنی کے لحاظ سے نبأ عظیم کی تاویل امامت بھی کی گئی ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ کوئی آیت مجھ سے اکبر نہیں اور کوئی نبأ مجھ سے اعظم نہیں (برہان) بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی ۔ اس سے مراد ملائکہ ہیں۔ یہ قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ حکم پروردگار ہے کہ آپ ان قریش مکہ سے کہدیں کہ اگر یہ کلام بنا ہوتا تو بھلا مجھے ملاء اعلیٰ کے متعلق کیا علم تھا کہ فرشتوں نے آدم کی پیدائش کے وقت کیا جھگڑا کیا تھا؟ اگر مجھے اللہ کی طرف سے وحی نہ کی جاتی تو میں کس طرح تم کو آدم کی پیدائش کی تفصیلات بتا سکتا تھا؟

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنۡذِرٌ ۖ وَّمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الۡوَاحِدُ
کہدیں کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور کوئی الٰہ نہیں ہے سوائے اللہ کے جو صرف ایک ہے بڑے
الۡقَهَّارُ ﴿۶۶﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا الۡعَزِيۡزُ
قہر والا ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے سب کا رب ہے جو غالب ہے
الۡغَفَّارُ ﴿۶۷﴾ قُلۡ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيۡمٌ ۙ﴿۶۸﴾ اَنۡتُمۡ عَنۡهُ مُعۡرِضُوۡنَ
بخشنے والا ہے کہدو یہ (قرآن) بڑی خبر ہے جس سے تم لوگ (کفار مکہ) روگردان ہو
مَا كَانَ لِىَ مِنۡ عِلۡمٍ ۢ بِالۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰٓى اِذۡ ﴿۶۹﴾
مجھے کوئی خبر نہیں ملاء اعلیٰ کی جب جھگڑا

يَخۡتَصِمُوۡنَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابن عباس حضرت رسول کریم سے مروی ہے کہ مجھے خطاب رب پروردگار پہنچا کہ بتاؤ فرشتے کس بات پر ایک دوسرے سے بحث کرتے ہیں تو میں نے عرض کی اے پروردگار! مجھے اس کی خبر نہیں ہے تو ارشادِ قدرت ہوا کہ فرشتے دو موضوعات پر ایک دوسرے سے بحث کرتے ہیں۔ (۱) کفارات یعنی وہ کونسے اعمال ہیں جن کی بدولت غلطیوں کا کفارہ ہو جاتا ہے (۲) درجات یعنی وہ کون سے اعمال ہیں جن کی بدولت درجے بلند ہوتے ہیں پس کفارات

تین ہیں (۱) موسم سرما میں وضو کرنا (۲) جماعت کی طرف چل کر جانا (۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی انتظار کرنا۔ اور درجات بھی تین ہیں۔ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوۃُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ۔ یعنی سلام کی زیادتی مہمان نوازی اور لوگوں کی غفلت کے وقت نماز شب کی ادائگی۔ اور تفسیر نور الثقلین میں بروایت خصال حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ شب معراج مجھ سے سوال کیا گیا کہ فرشتوں کا موضوعِ بحث کیا چیز ہے تو میں نے بتایا درجات وکفارات۔ پھر سوال ہوا کہ درجات کیا چیز ہیں، تو میں نے چار چیزیں بتائیں (۱) موسم سرما میں وضو (۲) جماعت کی طرف چل کر جانا (۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا (۴) مرتے دم تک میری اور میری اہل بیت سے محبت رکھنا۔

ذکرِ خلقتِ آدم

يَخْتَصِمُونَ ﴿٧٠﴾ إِنْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٧١﴾

کر رہے تھے میری طرف وحی کی جاتی مگر یہ کہ ہیں صاف ڈرانے والا ہوں

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ﴿٧٢﴾

جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں ایک بشر مٹی سے

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٧٣﴾

جب ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنا روح ڈالی لوں تو گر جاؤ اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے

فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٤﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ

تو سجدہ کیا تمام کے تمام فرشتوں نے سوائے ابلیس کے

اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٧٥﴾ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا

کہ اس نے تکبر کیا اور کافر ہوا فرمایا (اللہ نے) اے ابلیس تجھے کس

مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ

چیز نے روکا کہ سجدہ کرے اس کا جس کو میں نے اپنی قدرت وحکمت سے بنایا کیا تو نے تکبر کیا ہے

نَفَخْتُ فِیْهِ۔ مقصد یہ ہے کہ اسمیں میں نے بلاواسطہ روح ڈالی ہے یعنی اس کو ماں باپ کی احتیاج کے بغیر پیدا کیا ہے حکم سجدہ اور ابلیس کا انکار اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات تفسیر کی جلد ۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔ پہلا ایڈیشن ص۹۹ تا ص۱۰۳ اور دوسرا ایڈیشن ص۸۴ تا ص۸۹

خَلَقْتُ بِیَدَیَّ۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ میں نے اس کو بذاتِ خود بغیر کسی واسطہ وسبب کے پیدا کیا ہے۔ تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ کلام عرب میں ید قوت کو بھی کہتے ہیں اور نعمت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے گویا اس جگہ معنی یہ ہے کہ ہم نے اس کو اپنی قوت ونعمت سے پیدا کیا اور دوسری روایت میں امام علی رضا علیہ السّلام سے

منقول ہے کہ اس کا معنی ہے میں نے اس کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔

عالین کا معنی

کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ۔ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت رسالت مآبؐ سے دریافت کیا کہ وہ کون ہیں جو فرشتوں سے بھی بلند ہیں۔ آپ نے فرمایا میں علی فاطمہ اور حسن وحسین ۔ ہم سرادق عرش میں اللہ کی تسبیح کرتے تھے اور فرشتے بھی ہم سے سن کر تسبیح کرتے تھے ۔ اور یہ حضرت آدم کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے کی بات ہے اور فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم بھی ہماری ہی وجہ سے ملا تھا (کیونکہ ہمارے انوار اس کی پیشانی میں تھے) چنانچہ ابلیس کے علاوہ سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا تھا۔ پس ابلیس کو خطاب بطور سرزنش کے ہوا کہ کیا تو نے تکبر کیا ہے یا اُن عالین میں سے ہے جن کے اسمائے طاہرہ سرادق عرش پر مکتوب ہیں۔ پس آپ نے فرمایا ہم اللہ کا وہ دروازہ ہیں جس سے گذر کر اللہ کی بارگاہ میں رسائی ہوتی ہے ۔ اور ہماری بدولت ہی لوگوں تک ہدایت پہنچتی ہے جو شخص ہمارے ساتھ محبت کرے گا خدا اس سے محبت رکھے گا اور اُس کو جنت کا ٹھکانہ عطا فرمائے گا ۔ اور جو ہمارے ساتھ دشمنی رکھے گا خدا اُس کا دشمن ہوگا اور اُس کو دوزخ میں جگہ دے گا ۔ اور ہمارے ساتھ محبت وہ ہی رکھے گا جس کی ولادت پاکیزہ ہوگی۔ یہ روایت ابن بابویہ کی کتاب بشارات الشیعہ سے بھی منقول ہے۔

اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۶﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ

یا تو اونچے طبقے سے ہے ؟ اس نے کہا میں اس سے اچھا ہوں کہ تو نے مجھے آگ

مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۷﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ

سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا ہے فرمایا نکل جا اس جگہ سے کہ بے شک تو

رَجِيْمٌ ﴿۷۸﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۹﴾ قَالَ

پھٹکارا ہوا ہے اور تجھ پر بدلہ کے دن تک میری لعنت رہے گی کہنے لگا

رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۸۰﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ

اے رب مجھے مہلت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں فرمایا کہ تو مہلت دئے جانے والوں

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ

ابلیس نے آدمؑ کے سجدہ سے انکار از تکبر کی قیاسی وجہ یہ بیان کی کہ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور وہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور چونکہ آگ مٹی سے افضل ہے لہٰذا افضل کے لئے مفضول کے سامنے سجدہ کرنا جائز نہیں ابلیس کا یہ قیاس اپنے مقام پر باطل ہے ۔ جس کے وجوہات ہم نے تفسیر کی جلد ۶ ص۱۱ پر بیان کی ہیں تاہم ابلیس کا یہ نظریہ واضح ہے کہ افضل کو مفضول کے سامنے نہیں جھکنا چاہیے گویا اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ افضل کو افضل جاننے کے بعد بھی اُسے مفضول کے سامنے جھکنے پر مجبور کریں یا افضل کے مفضول کے سامنے جھکنے کو ترجیح دیں وہ ابلیس سے بھی بدتر ہیں۔

فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ - اگر پہلے حق پر رفع پڑھا جائے جیسا کہ موجودہ قرائت میں ہے تو الحق مبتدا اور اس کی خبر قسمی محذوف ہوگی یا یہ کہ اس کا مبتدا محذوف ہے اور یہ اس کی خبر ہے۔ یعنی اَنَا الْحَقُّ اور اگر اس پر نصب پڑھی جائے تو اس کا عامل ناصب محذوف ہوگا جس طرح قسم میں ہوا کرتا ہے۔ جیسے اَللّٰہَ لَاَفْعَلَنَّ یہاں لَاَمْلَئَنَّ جواب قسم ہے۔

اَلْمُتَکَلِّفِیْنَ - یعنی میں نے قرآن مجید اور اس کی جملہ تعلیمات کو اپنی طرف سے تکلف کرکے ایجاد نہیں کیا بلکہ یہ سب کچھ وحی پروردگار کے ماتحت ہی ہے۔ عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے لوگو: جس کو کوئی بات معلوم ہو تو کہہ دے اور جس کو معلوم نہ ہو تو اسے کہہ دینا چاہیے اللہ اعلم۔ یعنی اس کا علم اللہ کو ہے کیونکہ اللہ کی طرف حوالہ دے دینا بھی ایک علم ہے۔ تفسیر نور الثقلین میں بروایت مصباح الشریعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ متکلف یعنی وہ شخص جو علم کے بغیر بات کرے اگر اس کی بات درست ہو تب بھی وہ غلط ہے اور تکلف کرنے والے کا نتیجہ ذلت ہوتا ہے اور بروقت اس کو سختی اور مشکل جھیلنی پڑتی ہے۔ متکلف کا ظاہر ریاکاری اور باطن منافقت ہوتا ہے اور یہی دو پر ہیں جن سے وہ پرواز کرتا ہے بہرصورت تکلف کرنا نہ صالحین کے اخلاق میں سے ہے اور نہ متقین کی علامتوں میں سے ہے۔ اور خداوند کریم نے اپنے نبی سے ہر قسم کے تکلف کی نفی فرمائی ہے۔ ما انا من المتکلفین (میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)۔

الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۱﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۲﴾ قَالَ

ہیں سے ہے ایک معلوم وقت تک کہنے لگا

فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۳﴾ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ

پس تیری عزت کی قسم ضرور میں ان کو گمراہ کروں گا سب کو سوائے تیرے خالص بندوں

الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۴﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۵﴾

کے جو ان میں سے ہوں گے فرمایا پس حق اور صرف حق ہی کہتا ہوں

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْکَ وَمِمَّنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۶﴾

کہ ضرور بھروں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے تمام پیروی کرنے والوں سے

قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ ﴿۸۷﴾

کہہ دو میں اس پر تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ ﴿۸۹﴾

یہ تو تمام جہانوں کے لئے صرف ذکر ہے اور ایک وقت کے بعد تم کو (اے کفار مکہ) اس کا پتہ چلے گا

تنبیہ ۔ جو لوگ قرآن مجید میں لفظ ید و جہ اور ساق کے اشتباہ سے اللہ کا جسم ثابت کرتے ہیں ان کی تردید ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے مخلوق کے اعضا ثابت کرے وہ کافر ہے پس نہ ایسے شخص کی گواہی قبول کرو اور نہ اس کا ذبیحہ حلال ہے ۔ پس اللہ کا وجہ اس کے انبیاء و اولیا ہیں اور اس کے ید سے مراد اس کی قدرت ہے رسلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا جب انسان اللہ کے حق کی رعایت نہ کرے اور اس کے احکام کی پیروی نہ کرے تو یہ صفت ان لوگوں کی ہے جو اللہ کی صحیح معرفت نہ رکھتے ہوں اور اس سے سچی محبت نہ رکھتے ہوں پس ایسے لوگوں کی نمازیں روزے اور روایات و علوم تم کو دھوکہ میں نہ ڈالیں کیونکہ وہ (انسان نما) گدھے ہیں اور آپ نے راوی حدیث یونس سے فرمایا ۔ اے یونس صحیح علم ہم اہل بیت کے پاس ہے ۔ ہم ہی اس کے صحیح وارث ہیں ہمیں شرح حکمت اور فصل خطاب عطا کیا گیا ہے ۔ راوی نے پوچھا کیا اہل بیت کا ہر فرد علم کا صحیح وارث ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ صرف بارہ امام ہی اس کے صحیح وارث ہیں اس کے بعد آپ نے یونس راوی حدیث کی درخواست پر پورے بارہ اماموں کے نام گن کر بتائے راوی نے عرض کی کہ کل عبداللہ بن مسعود کا بیٹا بھی آپ کے پاس آیا تھا اور اس نے بھی یہی سوال کیا تھا لیکن جو جواب آپ نے اس کو دیا تھا وہ کچھ اور تھا تو آپ نے فرمایا ہر شخص میں ہر بات کی اہلیت نہیں ہوا کرتی اور ہر بات کا محل جدا جدا ہوتا ہے تو اس جواب کا اہل ہے لہذا نا اہل کے سامنے ذکر کرنے سے گریز کرنا ۔

سورۃ الزمر

آیت نمبر ۵۳ ، ۵۴ ، ۵۵ کے علاوہ باقی سب سورہ مکیہ ہے۔

اس کی آیات کی تعداد پچھتر ہے اور یہ سورہ سورۂ سبا کے بعد نازل ہوا۔

فضائل ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص سورہ زمر کی تلاوت کرے اس کو خدا دنیا و آخرت کا شرف عطا فرمائیگا اور اس کو مال و قبیلہ کے علاوہ ایسی عزت دے گا کہ ہر دیکھنے والے کے دل میں اس کا رعب ہوگا اور اس کے جسم پر آتش جہنم حرام ہوگی اور جنت میں اس کے لئے ایک ہزار شہر تعمیر ہوگا کہ ہر شہر میں ایک ہزار محل ہوگا اور ہر محل میں ایک سو حوریں ہوں گی ۔ الحدیث

حضرت رسالتمآب سے منقول ہے کہ اس سورہ کو جو شخص لکھ کر اپنے پاس رکھے تو جو بھی اس کے پاس آئے گا اور اس کو مل کر جائے گا اس کی تعریف کریگا اور ہر جگہ اس کا شکر گذار ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے بازو پر باندھے یا اپنے بستر میں

رکھے گا تو اس کے پاس ہر آمد و رفت کرنے والا اس کی تعریف کرے گا اور اس سے ہر ملنے والا محبت سے پیش آئے گا اور اس کا گلہ نہ کرے گا۔ الحدیث۔

رکوع ۱۵ ۔ فَاعْبُدِ اللّٰہَ ۔ خطاب حضرت رسولِ اکرمؐ سے ہے اور مُراد ساری اُمت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّآ

اتارنا کتاب کا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب حکمت والا ہے ہم نے

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ

اتاری تجھ پر کتاب حق کے ساتھ پس اللہ کی عبادت کر خالص کرتے ہوئے اس

الدِّيْنَ ﴿۳﴾ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ

کے لئے دین کو آگاہ ہو اللہ کے لئے ہی ہے دین خالص اور جو لوگ بناتے ہیں اس کے علاوہ

دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى

کارساز (کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے تاکہ وہ ہم کو اللہ کے نزدیک کر دیں

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ

تحقیق اللہ ان کے درمیان حکم کرے گا اس چیز کے متعلق جس میں وہ اختلاف کرتے تھے تحقیق

اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۴﴾ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ

اللہ نہیں ہدایت کرتا ان کو جو جھوٹے اور انکاری ہیں اگر چاہتا خدا

اَلدِّیْنُ الْخَالِصُ ۔ یعنی ہر وہ کام جو بطورِ عبادت خوشنودیٔ پروردگار کے لئے سرانجام دیا جائے وہ خالص اللہ کے لئے ہی ہو۔ اس میں شہرت ریاکاری یا کسی دوسری دنیاوی غرض کی ملاوٹ نہ ہو۔ لِیُقَرِّبُوْنَا ۔ یعنی مشرکین مکہ کا دستور تھا کہ اپنی حاجات اپنے بتوں سے مانگتے تھے اور ان کو خدائی درجہ دیتے تھے اور جو کچھ اللہ کی جانب سے ان کو عطا ہوتا تھا وہ سب بتوں کی طرف منسوب کرتے تھے کہ ہمیں انہی کی بدولت ملا ہے اور جب ان کو غیر اللہ کی عبادت سے روکا جاتا تھا تو اس کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔

لَوْ اَرَادَ ۔ جن لوگوں نے خدا کے لئے اولاد تجویز کی مثلاً کفارِ مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا اور یہود نے عزیر

کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ ان سب کی تردید فرماتا ہے کہ اگر خدا کو اولاد کی غرض ہوتی تو وہ تمہاری تجویز کا محتاج نہیں بلکہ اپنی مخلوق میں سے خود ہی انتخاب کر لیتا۔

اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ

اولاد بنانا تو چن لیتا اپنی مخلوق میں سے جو چاہتا وہ پاک و منزہ ہے وہ

اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۵ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ

اللہ واحد و قہار ہے اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا

یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَسَخَّرَ

غالب کرتا ہے رات کو دن پر اور غالب کرتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ

کیا سورج اور چاند کو کہ ہر ایک اپنی مقررہ مدت تک چل رہا ہے آگاہ ہو وہی غالب

الْغَفَّارُ ۝۶ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا

بخشنے والا ہے تم کو اس نے صرف ایک نفس سے پیدا کیا پھر اس نے اس (کی باقی مٹی)

زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ یَخْلُقُكُمْ

سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور اتارے تمہارے لئے حیوانات میں سے آٹھ جوڑے تمہیں پیدا کرتا ہے

یُكَوِّرُ الَّیْلَ۔ دن اور رات کی آمد و رفت اور گھٹنے بڑھنے کی کیفیت پہلے جلد ۲ صـ۱۳ میں گذر چکی ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کی پیدائش کے بعد حضرت آدم کی زوجہ کی پیدائش کیونکر ہوئی جیسا کہ ثُمَّ کا عطف ظاہر کرتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ترتیب بیان کے لئے ہے۔ نہ کہ ترتیب پیدائش مقصود ہے یعنی اللہ نے تم کو حضرت آدم سے پیدا کیا جو صرف ایک انسان تھا اور یہاں چونکہ سوال کی گنجائش تھی کہ ایک انسان کیونکہ تھا اس کی زوجہ حوا بھی تو تھی لہٰذا تمام انسانوں کی پیدائش دو انسانوں سے ہوئی تو اس کا جواب دیا کہ درحقیقت اس کی زوجہ اسی کی بقیہ مٹی سے پیدا ہوئی۔ کیونکہ منہا میں ضمیر غائب کا مضاف محذوف ہے۔ یعنی مِنْ بقیۃ ترابھا۔ پس گویا سب انسانوں کی پیدائش صرف ایک انسان سے ہوئی۔

اَلْاَنْعَام۔ اس کی تفسیر ج ۵ صـ۲۶ میں گذر چکی ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ۔ یعنی ماں کے رحم میں تمہاری پیدائش باپ کی صلب کے بعد ہوئی یا یہ کہ نسلاً بعد نسل تم کو پیدا کیا یا یہ کہ ترتیب وار نطفہ علقہ اور مضغہ سے تم کو پیدا کیا۔

ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلی ظلمت شکم مادر دوسری ظلمت رحم مادر اور تیسری ظلمت باریک پردہ

فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ

ماؤں کے شکموں میں پیدائش کے بعد پیدائش تین تاریکیوں

ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

میں یہ اللہ تمہارا رب ہے جس کا ملک ہے کہ اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۷﴾ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ

پھر تم کس طرف بھٹکتے ہو اگر کفر کروگے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے

وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ

اور وہ نہیں پسند کرتا بندوں کے لئے کفر کو اور اگر تم شکر کروگے تو وہ اس کو تم سے پسند کرے گا

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

اور نہ بوجھ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ پھر اپنے رب کی طرف تمہاری بازگشت ہے

فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ

تو وہ تم کو خبر دے گا جو تم عمل کرتے رہے تحقیق وہ دلوں کی باتوں کو جاننے

الصُّدُوْرِ ﴿۹﴾ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ

والا ہے اور جب مس کرے انسان کو تکلیف تو اپنے رب کو پکارتا ہے

مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ

جھکتا ہوا اس کی طرف پھر جب وہ اس کو نعمت دے دے اپنی طرف سے تو بھول جاتا ہے جس کی وہ

یَرْضَہُ لَکُمْ۔ بعضوں نے اس کو یَرْضَہُوْ پڑھا ہے کیونکہ ھاء سے پہلے حرف متحرک ہے جیسے ضَرَبَہُ اور جو واؤ آخر میں نہیں لگاتے وہ کہتے ہیں کہ الف محذوف بمنزلہ مذکورہ کے ہے جس طرح یَرْضَاہُ۔ اور بعضوں نے یَرْضَہْ سکون سے بھی پڑھا ہے۔

شرک سے بچنے کی تنبیہ

ثُمَّ اِذَا خَوَّلَہٗ اس مقام پر خداوند کریم نے مشرکین کے طرز عمل اور ان کی بے شکری کو ذکر کیا ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو بڑے خشوع و خضوع سے اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں لیکن جب خداوند کریم اپنے رحم و کرم سے ان کی دعاؤں کو مستجاب کرتے ہوئے ان کے مصائب و آلام کو دور کر کے ان پر اپنی نعمت و رحمت نازل فرماتا ہے تو وہ اس کو فراموش کر بیٹھتے ہیں بلکہ اپنی مشکل کشائی اور حاجت روائی کو بجائے اس کے کہ اللہ

کی طرف منسوب کر کے اس کا شکر ادا کرتے وہ اُن اپنے پیروں اور بتوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جن کو انہوں نے دُعائیں
سُننے اور مصیبتیں دفع کرنے میں اللہ کا شریک قرار دیا ہوا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اپنی رفع حاجات اور دفع
مصائب کو بھی اپنے خود ساختہ میرے شریکوں کا کارنامہ بیان کرتے ہیں جن کو انہوں نے اپنا پیر بنا رکھا ہے۔ مشرکین مکہ کے
کرتوتوں سے نفرت کرنے والے مسلمانوں کو خدا سمجھنے کی توفیق دے جو اپنے تمام امور کو خدا کے بجائے اپنے پیروں کا کارنامہ
قرار دیتے ہیں حالانکہ مصائب کے وقت طلب دعا اللہ سے کرتے ہیں اور شیعہ حضرات کو بھی اس سلسلہ میں غیر محتاط
رویے سے گریز کرنا چاہیئے۔ اگر خدا کوئی مصیبت دُور کرے یا کوئی نعمت نازل فرمائے۔ تو یہ کہنا چاہیے کہ لطفیل محمدؐ و آلِ محمدؐ
خدا نے میری مشکل آسان فرمائی اور میرے اُوپر رحم و کرم فرمایا پس اللہ کا ہی شکر ادا کرنا انسان کا فریضہ ہے کیونکہ جو کام اللہ کے ہیں
وہ اللہ ہی کرتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد و آل محمد علیہم السلام اس کی بارگاہ میں بہترین وسیلہ ہیں نہ کہ اُس کے
شریک ہیں۔

يَدْعُوٓا إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن

دعا کرتا تھا اس سے پہلے اور بنا لیتا ہے اللہ کے لئے شریک تاکہ گمراہ کرے اس کے راستے

سَبِيلِهِۦ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَٰبِ

سے کہدو کہ فائدہ اٹھائے اپنے کفر سے تھوڑا سا کیونکہ تو دوزخ میں جانے والوں میں سے ہے (کیا یہ شخص

النَّارِ ﴿٩﴾ أَمَّنْ هُوَ قَٰنِتٌ ءَانَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَقَآئِمًا

اچھا ہے) یا وہ جو قنوت کرے رات کے اوقات میں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام میں بھی کہ آخرت

يَحْذَرُ الْءَاخِرَةَ وَيَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهِۦ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى

سے ڈرتا ہو؟ اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو؟ کہدو کہ کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ

الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَٰبِ ﴿١٠﴾

جو جانتے ہیں اور وہ جو نہیں جانتے سوائے اس کے نہیں کہ نصیحت قبول کرتے ہیں صاحبانِ عقل

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ۔ یہ دراصل اَمْ مَنْ تھا۔ اور اَم کا قاعدہ ہے کہ اس سے پہلے ہمزہ استفہام ہو لہذا یہاں اس کی پہلی عبارت کو محذوف ماننا پڑے گا۔ یعنی جو دفع مصائب اور نزول نعمت کے بعد اللہ کے بجائے اپنے من گھڑت خداؤں کی طرف اپنے امور کو منسوب کرتے ہیں وہ بہتر ہیں یا ایسے لوگ بہتر ہیں جو رات کے اوقات میں
قیام و سجود کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں آخرت کا ڈر اور رحمتِ خدا کی اُمید دونوں حالتیں
کارفرما ہیں؟

رکوع ۱۶ع۔ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ (ص۱۱۵)۔ اس مقام پر ہجرت کی طرف ترغیب دے رہا ہے کہ اگر ایک جگہ تم

عبادتِ پروردگار کا فریضہ ادا نہیں کر سکتے تو اللہ کی زمین کی وسعتیں موجود ہیں وہاں چلے جاؤ جہاں اُمورِ خیر کی بجا آوری میں تمہیں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

الصّٰبِرُوْنَ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ بروزِ محشر جب دفترِ اعمال کھلے گا تو دنیا میں مصائب و آلام برداشت کرنے والوں کو بلا حساب داخلِ جنت کیا جائے گا۔ (مجمع البیان)

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

کہدو اے میرے وہ بندے جو ایمان لائے ہو اپنے رب سے ڈرو جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا

ان کے لئے نیک جزا ہوگی اور اللہ کی زمین وسیع ہے سوائے اس کے نہیں

يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۱۱) قُلْ اِنِّىْٓ

کر پورا دیا جائے گا صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے کہدو مجھے حکم ہوا

اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (۱۲) وَ

ہے کہ عبادت کروں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین (عبادت) کو اور

اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ (۱۳) قُلْ اِنِّىْٓ اَخَافُ

مجھے حکم ملا ہے کہ ہو جاؤں پہلا جھکنے والا کہدو بے شک میں ڈرتا

اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۱۴) قُلِ اللّٰهَ

ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے کہدو میں تو صرف

اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ (۱۵) فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

اللہ کی عبادت کروں گا خالص کرتے ہوئے اسی کے لئے اپنی عبادت کو پس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا

اور تفسیر برہان میں آپ سے منقول ہے کہ کچھ لوگ جنت کے دروازہ پر پہنچیں گے اور ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کون ہو؟ تو کہیں گے ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں اوامر و نواہی پر صبر کیا تھا یعنی عبادات بجا لائے تھے اور حرام چیزوں سے پرہیز کیا تھا پس ارشاد قدرت ہوگا کہ یہ سچے ہیں ان کو جنت میں بھیج دو۔

مُخْلِصًا لَّهُ ۔ تمام امت کو عبادت میں اخلاص کی دعوت ہے اور اللہ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کی تحریک ہے اور حضور کی طرف یہ نسبت کہ اگر میں نافرمانی کروں تو عذاب خداوندی سے ڈرتا ہوں تمام اُمتِ اسلامیہ کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔

اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ہر شخص کے لئے جنت میں منزل اور اہلِ منزل موجود

ہیں پس اگر نیکی کرے گا تو وہ جنّت میں اس کو ملیں گے اور اگر نافرمانی کرے گا تو خود جہنم میں چلا جائے گا۔ اور جنّت میں جو اس کے لئے منازل و اہل وغیرہ تیار کئے گئے تھے اس کے بجائے ان لوگوں کو ملیں گے جو اللہ کا اطاعت گذار ہو کر جنت میں جائے گا۔ پس سبب اس شخص کو وہ منزل دکھائی جائے گی تو اس کی حسرت و ندامت میں اضافہ ہوگا اور یہ خسارہ بہت بڑا خسارہ ہے۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ

کہہ دو بے شک خسارہ پانے والے وہ ہیں جو اپنے نفسوں کو اور اپنے خاندان کو خسارہ میں ڈالیں

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑮

بروز محشر آگاہ ہو یہ واضح خسارہ ہے

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ

ان کے لئے اوپر آگ کی چھتریاں اور نیچے آگ کے فرش ہوں گے

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ⑯ وَالَّذِيْنَ

ایسی باتوں سے اللہ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو اے بندو! مجھ سے ڈرو اور جو لوگ

اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ

طاغوت (شیطان) کی عبادت سے بچ گئے اور اللہ کی طرف جھک گئے

لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ⑰ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ

اُن کے لئے خوشخبری ہے پس خوشخبری دو میرے بندوں کو جو بات سنتے ہیں پس اچھی (باتوں) کی

فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ

پیروی کرتے ہیں ایسے لوگ وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی اور ایسے لوگ ہی

ظُلَلٌ۔ یہ ظُلَّۃٌ کی جمع ہے جس کا معنی چھتری کیا جاتا ہے اور سر کے اوپر سایہ کرنے والی اور چھا جانے والی ہر چیز کو اس لفظ سے مجازاً تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ بادل کے ٹکڑوں کو ظُلَلٌ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سر کے اوپر سایہ فگن ہوتے ہیں اسی مناسبت سے آگ کے اُن شعلوں کو ظُلَلٌ کہا گیا ہے جو دوزخیوں کے سروں کے اُوپر ہوں گے اور قدموں کے نیچے والے شعلوں کو اس لئے ظُلَل کہا گیا ہے کہ وہ نچلے طبقے کے سروں پر ہوں گے اور ممکن ہے کہ ہر طرف سے احاطہ کرنے والی آگ کو مجازاً ظُلَلٌ سے تعبیر کیا گیا ہو۔ مقصد یہ ہے کہ وہ آگ ہر طرف سے ان پر احاطہ کرنے والی ہوگی۔

اَلطَّاغُوْت۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے ابوالبصیر سے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق تم لوگ ہو کیونکہ جس شخص نے سلطانِ جائر کی اطاعت کی گویا کہ اس نے اس کی عبادت کی۔

فبشر عبادِ ۔ آیت مجیدہ میں ان لوگوں کو جنت کی خوش خبری دی گئی ہے۔ جو تحقیق کرنے میں بخل نہیں کرتے پس ہر ایک کی دلیل کو سنتے ہیں اور جو حق ہو اس کو قبول کر لیتے ہیں ۔ اور ضمنی طور پر ان کفار کی مذمت ہے جو حق بات کو ازراہِ حسد سننا ہی گوارا نہیں کرتے ۔ اور حضرت ابالدرداء سے منقول ہے کہ اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو میں دنیا میں ایک دن کی زندگی کو بھی پسند نہ کرتا (۱) موسم گرما کے روزے (۲) رات کی عبادت (۳) اور ایسے لوگوں کی صحبت جو اچھی باتوں کو اپنے لئے چن لیتے ہیں۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ آیت ۱۸ و ۱۹، اُن تین آدمیوں کے حق میں اُتری ہیں جو زمانہ جاہلیت میں بھی لا الٰہ الا اللہ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہیں (۱) زید بن عمرو بن نفیل (۲) ابوذر غفاری (۳) سلمان فارسی ۔ پس اللہ کو وہ آدمی پسند ہے جو دل میں سننے کا حوصلہ رکھتا ہو اور دماغ میں حق و باطل کے پرکھنے کا ملکہ رکھتا ہو ۔ اور اس کے بعد حق پسندی کے تقاضوں کے ماتحت باطل سے سبکدوش ہو کر حق کے ہم آغوش ہو جائے اور اس کے سزاوار وہ افراد ہیں جو دیدہ حق بین کے ساتھ ساتھ گوش حق نیوش بھی رکھنے والے ہوں اور ایسے لوگوں کو ہی خدا نے اولوالالباب یعنی دانشمند طبقہ قرار دیا ہے۔

هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ

عقلمند ہوتے ہیں کیا وہ جس پر عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا

الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿٢٠﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ

ہے کیا تو اُن کو آگ سے بچائے گا ؟ لیکن وہ لوگ جو

اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَبْنِيَّةٌ

اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بنگلوں کے اوپر بنگلے بنائے جائیں گے جن

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢١﴾

کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا

غُرَفٌ مَبْنِيَّةٌ ۔ تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت رسالت مآبؐ سے ان بنگلوں کے متعلق سوال کیا تو آپؐ نے یہ فرمایا اے علی اللہ نے اپنے دوستوں کے لئے جو عالی شان محلات و بنگلے تعمیر فرمائے ہیں وہ یاقوت و زبرجد اور موتیوں سے ہیں جن کی چھتوں پر سونے اور چاندی کی زیبائش ہے ، ہر ہر محل کا ایک ایک ہزار دروازہ سنہری ہوگا جس پر ایک فرشتہ دربان ہوگا ۔ اور ان کے فرش رنگ برنگے ریشمی اطلس و دیبا سے ہوں گے جن کے اندر مشک کا فور اور کستوری پنہاں ہوگی ۔

ینابیعؐ ۔ جس طرح زمین کے اُوپر دریا اور چشمے موجود ہیں اسی طرح زیر زمین بھی دریا و چشمے جاری ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بعض مقامات پر بہت گہرا گڑھا کھودنے کے باوجود بھی پانی نہیں نکلتا اور بعض مقامات پر بہت جلد نکل آتا ہے نیز بعض کنووں سے شیریں پانی اور بعض سے تلخ اور بعض سے خوش ذائقہ اور بعض سے بدذائقہ نکلتا ہے جس طرح کہ ظاہر زمین کے پانیوں میں اسی

قسم کا اختلاف ہے ہے۔ اور جس طرح آسمان وزمین گردش سے قائم ہیں اسی طرح ہوا اور پانی میں بھی گردش کا نظام قائم ہے چنانچہ ہوا ہر وقت متحرک رہتی ہے اور زمین وآسمان کے درمیان اس کی ہر طرف گردش جاری رہتی ہے۔ اور زمین پر بسنے والی مخلوق کی صحت وتندرستی کا راز اسی میں مضمر ہے نیز پانی کی گردش کا سلسلہ بھی متواتر قائم ودائم ہے۔ چنانچہ آسمان سے زمین پر برستا ہے کچھ زمین اپنے اندر جذب کرتی ہے جو دوسرے مقام پر چشمہ بن کر ابلتا ہے اور جو زمین کے اوپر رہتا ہے یا چشموں کے ذریعے نکلتا ہے وہ بخارات کے ذریعے سے بادلوں میں پہنچ کر پھر واپس بذریعہ بارش کے پلٹتا ہے اور یہ دَور ہمیشہ رہتا ہے۔ اور انسانی وحیوانی زندگی بلکہ پوری زمینی آبادی کا دارومدار اسی گردش پر ہے اور زمین سے مختلف اقسام کی پیداوار اسی دَورِ گردش کے طریق پر ہے مثلاً گندم جو یا جبرہ جوار اور دیگر اجناس کو دیکھئے جو دانہ زمین میں پنہاں کیا جاتا ہے وہ انگوری بن کر نکلتا ہے پھر ترقی کرتے کرتے جب آخری منزل پر پہنچتا ہے تو خشک وزرد ہونا شروع ہوتا ہے۔ اور پک جانے کے بعد کاٹا جاتا ہے اور دانے اور بھوسہ الگ کر لئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر نئے سرے سے وہی دانے زمین سے مل کر زمینی زندگی کی بقا کے ضامن بنتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ
کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پس اس کو چشموں کی صورت میں زمین
فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ
میں جاری کیا پھر اس کے ذریعے سے مختلف اقسام کی زراعت پیدا کرتا ہے پھر
يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
خشک ہوتی ہے کہ تم اس کو زرد دیکھتے ہو پھر اس کو ریزہ ریزہ کرتا ہے تحقیق اس میں نصیحت
لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۲﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ
ہے ارباب دانش کے لئے کیا پس جس کا سینہ خدا اسلام کے لئے کھول دے پس
لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ
وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پہ ہو (اس کی طرح ہو سکتا ہے جو سخت دل ہو ؟) ویل ہے ان کے لئے جن کے دل

وعلیٰ ھذا القیاس۔ رکوع ۱۷

اَفَمَنْ شَرَحَ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ شرحِ صدر کے تین اسباب ہیں

(۱) دلائل وبراہن کی مضبوطی اور یہ صرف علماء سے ہی مختص ہے

(۲) الطافِ خداوندی کا پے در پے نزول

(۳) دل سے ازالۂ شبہات اور اس میں نیک خیالات کا ورود۔

پس جس انسان پر لطفِ خداوندی کی بارش ہو اور ادلہ قاطعہ کے ساتھ اس کا دل بھی نیک خیالات کے لئے پاکیزہ ظرف کی حیثیت رکھتا ہو تو وہ شخص اللہ کی جانب سے اپنے اندر ایک روشنی محسوس کرتا ہے پس وہ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے والا نہیں ہوتا۔ اور بروایت روضۃ الواعظین حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا ایسے شخص کی تین نشانیاں ہیں (۱) دارِ دنیا سے نفرت (۲) دارِ آخرت سے محبت (۳) موت کے لئے تیاری۔ لہٰذا ایسے شخص کا قیاس ان لوگوں پر نہیں کیا جا سکتا جن کے دل اللہ کے ذکر کو قبول نہیں کرتے۔ پس جس طرح یہ اللہ کے عطا کردہ نورانی راستہ پر گامزن ہوتا ہے۔ اس کے برعکس وہ تاریکی میں حیران و سرگردان رہتا ہے۔

مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۲﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ

ذکرِ خدا سے سخت ہیں ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں — اللہ نے اتاری اچھی بات

اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ

یعنی ایسی کتاب (جس کے مضامین) ایک دوسرے کے مشابہ اور بار بار ہیں جن کو سن کر

مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ

اللہ سے ڈرنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے چمڑے اور

وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ یَهْدِیْ

دل نرم ہو جاتے ہیں اللہ کا ذکر سننے کے لئے یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہے

اَحْسَنَ الْحَدِیْثَ

حدیث کا معنی بات ہے یعنی ویسے تو تمام انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں حدیث کہنے کے قابل ہیں لیکن قرآن مجید ان میں احسن الحدیث کا درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ فصاحت و بلاغت اور اعجاز میں دوسری کوئی کتاب سماوی اس کے ہم پلہ نہیں ہے نیز اصول و عقائد اور اعمال و جملہ فروعات پر جس طرح قرآن مجید حاوی ہے یہ شرف کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا۔ یعنی قرآن کے مضمون مضبوطی و پختگی صداقت و متانت و فصاحت و بلاغت اور حقائق و دقائق کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس میں یہ فرق نہیں کہ اس کا کچھ حصہ فصیح اور دوسرا غیر فصیح ہو بلکہ سب کی سب ایک جیسی ہے۔

مَثَانِیَ۔ یعنی قرآن کے مضامین و قصص بار بار دہرائے گئے ہیں یا یہ کہ اس کی بار بار کی تلاوت ملول آور نہیں ہوتی۔

تَقْشَعِرُّ۔ یعنی اس کے مواعظ اور قیامت کے واقعات و حقائق سن کر خدا کا خوف رکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ثُمَّ تَلِیْنُ۔ یعنی دل میں خوفِ خدا رکھنے والوں کے سامنے جب قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو قیامت کا ذکر سن کر ان کے دل لرز جاتے ہیں۔ اور ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن جب خوشخبری جنت اور وعدہ بخشش

کی آیات سنتے ہیں تو اُن کے دلوں میں اطمینان وسکون کی لہر دوڑ جاتی ہے چنانچہ حضور نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ جب خوفِ خدا سے کسی آدمی کے جسم کے بال کھڑے ہو جائیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے خشک پتے ہوا سے گرتے ہیں۔ گویا یہ اللہ کے اولیا کی نشانی ہے کہ خوفِ خدا سے لرز جائیں۔ اور ذکرِ خداوندی کے ساتھ ان کے دل مطمئن ہو جائیں نہ کہ آیاتِ قرآنیہ کو سن کر بیہوشی کی سی حالت پیدا ہو جائے یا حال آجائے بلکہ یہ مکار وعیار لوگوں کا طریقہ ہے۔

بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۴﴾

توفیق ہدایت بخشے اور جس کو وہ گمراہی میں چھوڑ دے اس کا کوئی ہادی نہیں ہو سکتا

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْۗءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ

کیا پس جو بچے اپنے منہ پر قیامت کا بدترین عذاب اور کہا جائے گا

لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۵﴾ كَذَّبَ

ظالموں کو کہ چکھو جو تم کسب کرتے تھے اس سے پہلے لوگوں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا

نے بھی جھٹلایا تو آیا ان پر عذاب اس جگہ سے کہ ان کو اس کا شعور

يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ

نہ تھا پس چکھائی ان کو اللہ نے رسوائی دنیاوی زندگی میں اور

اَفَمَنْ یَّتَّقِیْ ۔ اس کا جواب محذوف ہے۔ یعنی کیا وہ شخص جو اپنے چہرے کے ذریعے عذابِ خداوندی کو دھکیلے یعنی عذاب اس کے منہ پر پڑ رہا ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو بالکل عذاب سے محفوظ ہو؟ چہرہ چونکہ تمام اعضا سے اشرف ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا ورنہ عذاب خداوندی تو اس کے تمام جسم کو احاطہ میں لینے والا ہوگا اور ممکن ہے کہ اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے سے کنایہ ہو۔ یعنی جس کو اٹھا کر کے دوزخ میں ڈالا جائے وہ اس کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو عذاب سے بالکل محفوظ ہو۔

قِیْلَ ۔ یعنی ملائکہ جہنم اُن کو خطاب کر کے کہیں گے کہ جو کچھ تم لوگ دنیا میں کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔

کَذَّبَ الَّذِیْنَ ۔ یہ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ قوم کی تکذیب صرف آپ سے مخصوص نہیں بلکہ آپ سے پہلے گذرنے والے انبیاء بھی اسی قسم کے واقعات سے دوچار رہے ہیں اور ان کو خیال تک نہ تھا کہ ہم عذاب کی گرفت میں آئیں گے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ اچانک اُن پر عذاب آگیا پس اسی طرح کفار مکہ بھی اچانک عذاب کی گرفت میں آجائیں گے۔

مِنْ کُلِّ مَثَلٍ ۔ یعنی لوگوں کو سمجھانے اور عبرت دلانے کے لئے قرآن مجید میں ہر طرح کی مثالیں پیش کی گئی ہیں چنانچہ

گزشتہ اُمتوں کے واقعات ان کی تکذیب اور پھر مبتلائے عذاب ہونا یہ بھی موجودہ لوگوں کے سمجھانے اور ان کو عبرت دلانے کے لئے ہیں تاکہ نصیحت حاصل کر کے اپنی عاقبت سنوار سکیں۔

لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَلَقَدْ

البتہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے کاش! وہ جانتے ہوتے اور تحقیق ہم نے

ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ

بیان کی لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال تاکہ وہ نصیحت حاصل

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ

کریں قرآن عربی ہر کجی وعیب سے پاک تاکہ وہ

يَتَّقُوْنَ ﴿۲۹﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ

ڈریں بیان کی اللہ نے مثال ایک (غلام) کی کہ اس میں کافی شریک ہیں

مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا

جو آپس میں مختلف ہیں اور ایک شخص (غلام) جو خالص صرف ایک کا ہے کیا یہ دونوں برابر ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ

مثال میں الحمد للہ بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے بے شک تو مرنے والا ہے اور

اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۳۲

بے شک وہ بھی مرنے والے ہیں پھر بے شک تم بروز قیامت اپنے پروردگار کے سامنے جھگڑا کرو گے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ اس جگہ پھر دو غلاموں کی مثال پیش فرمائی ہے کہ ایک غلام وہ ہے جس کے مالک حصہ دار زیادہ ہیں۔ پس اس کو اطاعت و خوشامد سب کی کرنی پڑے گی اور سخت محنت و سختی میں اس کو رہنا پڑے گا لیکن جب اس کی مراعات کا وقت آئے گا تو ممکن ہے کہ اس کے سب آقا ایک دوسرے پر ٹال کر الگ ہو جائیں پس خدمت لینے کے لئے اور خدمت میں کوتاہی پر ناراض ہونے والے اور سزا دینے والے تو سب ہوں گے لیکن خدمت کا صلہ اور انعام دینے کے لئے ایک بھی آگے نہ بڑھے گا بلکہ ایک دوسرے پر ٹال دیں گے۔ اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا غلام ہو جس کا صرف ایک مالک ہو پس اس کو صرف ایک سردار کی خدمت کرنی پڑے گی اور ایک ہی سے انعام و اکرام حاصل کرنا پڑے گا۔ پس کفار و مشرکین جو بہت سے بتوں کی پوجا کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں مومن و موحد کی وہی مثال ہے کہ کفار دنیا میں بھی بہت سے بتوں کی پوجا کرنے کے جھنجھٹ میں پھنسے ہوئے ہیں اور آخرت میں بھی ان کو کچھ نہ ملے گا۔ اور مومن دنیا میں صرف ایک خدا کی عبادت کرتا ہے اور آخرت میں بھی اسی ایک

خدا کی طرف سے انعامات کا مستحق ہوگا۔

مُتَشٰکِسُوْنَ۔ تشاکس سے ہے جس کا معنیٰ باہمی جھگڑا کرنا ہوتا ہے کیونکہ بہت سے مالکوں کی صورت میں جھگڑا کا ہونا ضروری ہے مثلاً ایک کی منشا کچھ ہوگی اور دوسرے کی کچھ اور ہوگی۔ پس ایک حکم دے گا تو دوسرا اس کی مخالفت کرے گا اور منع کرے گا اور ایسا غلام جو دو مالکوں کا ہو وہ سختی میں رہے گا۔

پارہ ۲۴

رکوع ۱۸

كَذَّبَ بِالصِّدْقِ - تفسیر برہان، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا سچ کی تکذیب کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں جناب رسالت مآبؐ کے فرمان کو جھٹلایا۔

جَآءَ بِالصِّدْقِ - حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد حضرت رسالتمآبؐ ہے۔ اور صَدَّقَ بِہٖ سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہے اور مجمع البیان میں حضرت ابن عباس سے بھی یہی قول مروی ہے اور حلیۃ الاولیاء سے بھی آیت مجیدہ کی یہی تفسیر منقول ہے اور علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ نے اس آیت کو حضرت علی علیہ السلام کی خلافتِ بلافصل کی دلیل قرار دیا ہے۔

تنبیہ:- تفسیر مقتنیات الدرر میں ہے کہ مرجی فرقہ کے بعض اکابر نے اس آیت کے عموم سے یہ ثابت کیا ہے کہ نجات کے لئے صرف عقائد کی درستی کافی ہے اور اعمالِ صالحہ کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آیت میں سچ کہنے اور سچ کی تصدیق کرنے والوں کو ہی متقی کہا گیا ہے اور صدق سے کلمۂ توحید و عقائدِ حقہ مراد ہیں اور انہی لوگوں کو اگلی آیت

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ
پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو اللہ پہ جھوٹ بولے اور سچ کو جھٹلائے جب کہ اس کے

اِذْ جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْ
پاس پہنچ جائے؟ کیا جہنم میں نہیں ٹھکانا کافروں کا؟ اور جو آیا

جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾
سچ کو لے کر اور اس کی تصدیق کی ایسے لوگ ہی متقی ہیں

لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾
ان کے لئے ہے جو چاہیں اپنے رب کے پاس یہ احسان کرنے والوں کی جزا ہے

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ
تاکہ دور کرے اللہ ان سے برائی اس کی جو کر چکے تھے اور ان کو نہایت

میں محسنین کہا گیا ہے۔ اور انہی کے متعلق فرمایا کہ عقائدِ حقہ کی تصدیق کی بدولت ان کے سب بدترین گناہ معاف کر دئیے جائیں گے اور نیک اعمال کی ان کو بہتر سے بہترین جزا دی جائے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد عقائدِ حقہ کو لانا اور پیش کرنا ہے لیکن تصدیق اُن کی جب ہی ہو سکتی ہے کہ ان کے مطابق اعمال و کردار کی اصلاح ہو۔ مثال کے طور پر اگر اعتقادی طور پر موحد ہو لیکن عملی طور پر اس کا رویہ مشرکانہ ہو یا اعتقادی طور پر رسول اللہ کی نبوت کا قائل ہو

لیکن مقام عمل میں اگر ان کے مشن کا مخالف ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کی زبان حق کہتی ہے لیکن وہ خود اپنے اعمال سے حق کی تصدیق نہیں کرتا پس متقی و محسن وہ لوگ ہیں جن کا عمل ان کے قول کی تصدیق کرنے والا ہو۔

أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٥﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ

اچھا بدلہ دے اس کا جو وہ کرتے ہیں ۔ کیا نہیں اللہ

بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ ۚ وَمَن

کافی اپنے بندے کو ؟ اور تجھے وہ ڈراتے ہیں ان سے جو اس سے کم ہیں ۔ اور جس کو

يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ

اللہ گمراہی میں ڈال دے تو اس کو کوئی ہدایت نہیں کرسکتا ۔ اور جس کو اللہ توفیق ہدایت دے تو اس کو

مِن مُّضِلٍّ ۗ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انتِقَامٍ ﴿٣٧﴾ وَلَئِن

کوئی گمراہ نہیں کرسکتا ۔ کیا نہیں اللہ غالب بدلہ لینے والا ؟ ۔ اور اگر ان سے

سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ

سوال کرو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ؟ تو کہیں گے کہ

اللَّهُ ۚ قُلْ أَفَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ

اللہ نے ۔ کہدو کیا رائے ہے جس کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو

أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ

اگر اللہ مجھے تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ اس کی دی ہوئی تکلیف کو دور کرلینگے ؟ یا

ویخوفونک ۔ کفار مکہ حضرت نبی اکرمؐ کو بتوں سے ڈراتے تھے کہ آپ چونکہ ان کی مخالفت کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو نقصان دے دیں اللہ ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ میں خود اپنے بندے کو کافی ہوں اور جب اللہ کافی ہو تو کوئی شے ضرر پہنچا ہی نہیں سکتی۔

لئن سالتھم ۔ یعنی اگر کفار مکہ سے پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے تو صاف کہتے ہیں کہ ان کا خالق اللہ ہے لیکن باوجود اس کے پھر سورنے پکارنے اور پوجا کرنے میں اللہ کو چھوڑ کر ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور اگر خدا کوئی مصیبت دور کرتا یا نعمت نازل کرتا تو بجائے خدا کے اُن بتوں کا شکریہ ادا کرتے اور ان کی طرف اس کی نسبت دے دیتے تھے اور باایں ہمہ یہ بھی کہتے تھے کہ ان کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے ہم ان کی پرستش کرتے ہیں ۔

یقوم ۔ یعنی ان کو چیلنج کرو کہ بے شک تم مجھے تکلیف دینے میں کوئی میری رعایت نہ کرو اور اپنے امکان کے مطابق میری مخالفت کرو ۔ اور میں بھی اپنی امکانی کوششوں سے کلمہ حق کی تبلیغ کرتا رہوں گا ۔ اور جو بھی نتیجہ ہوگا سامنے آ

جائے گا کہ ناجی کون ہے اور گرفتارِ عذاب کون ہے؟

روح اور نفس

رکوع نمبر ۲ - اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ[۱۳۶] ۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنی آدم میں ایک نفس اور ایک روح ہوتا ہے اور ان دونوں کے درمیان سورج کی شعاع کی طرح رابطہ قائم ہوتا ہے عقل اور تمیز کا تعلق نفس سے ہے اور سانس و حرکت کا تعلق روح سے ہے جب انسان سو جاتا ہے تو انسان کے نفس کو قبض کر لیا جاتا ہے اور روح کو قبض نہیں کیا جاتا لیکن جب مرتا ہے تو نفس اور روح دونوں کو قبض کر لیا جاتا ہے ۔ اور بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر سونے والے کا نفس آسمان کی طرف پرواز کر جاتا ہے ۔ اور اس کی روح اس کے بدن میں موجود رہتی ہے ۔ اور نفس اور روح کے درمیان اس طرح رابطہ قائم رہتا ہے جس طرح سورج کو اپنی شعاع سے ۔ پس اگر اس کے متعلق موت کا فیصلہ ہو جائے اور خداوند کریم روح کے قبض کی اجازت دے دے

اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ

اگر وہ رحم کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک لیں گے ؟ کہہ دو مجھے اللہ کافی

اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۹﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

ہے بھروسہ کرنے والے اس پر ہی بھروسہ کرتے ہیں کہہ دو اے قوم عمل کرو اپنے

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ مَنْ

امکان کے مطابق میں بھی عمل کرتا ہوں پس عنقریب جان لو گے کہ کس

يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۱﴾

پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ

ہم نے تجھ پر اتاری کتاب لوگوں کے لئے حق کے ساتھ پس جو ہدایت

اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

پا جائے تو وہ اپنے لئے ہے اور جو گمراہ ہو تو اپنے لئے ہو گا

تو روح نفس کی طرف چلی جاتی ہے ۔ اور اگر اس کی موت نہ ہو تو نفس روح کی طرف پلٹ کر واپس آ جاتا ہے چنانچہ آپ نے بھی آیت مجیدہ پڑھی ۔ پس نفس جو کچھ ملکوت سماوات میں دیکھے تو اس کی تاویل ہوا کرتی ہے ۔ اور جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان دیکھے وہ شیطانی وسوسے ہوا کرتے ہیں اور ان کی تاویل نہیں ہوتی ۔ یعنی بعض خیالاتِ فاسدہ کی بدولت یا پیٹ بھر کر سونے کی وجہ سے جو خواب آیا کرتے ہیں ان کا تعلق بدن سے ہوا کرتا ہے جو سفلی مخلوق ہے لہذا اس کی تعبیر اور تاویل تلاش کرنے کی ضرورت

نہیں ہوتی بلکہ وہ محض وساوس شیطانی کی بنا پر ہوتے ہیں۔ اور باطہارت سونے والے انسان کو کھانا ہضم ہو جانے کے بعد جو خواب آتے ہیں اُن کا تعلّق روحانیات سے ہوتا ہے لہذا اُن کی تعبیر و تاویل ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ تفسیر کی جلد اول میں یا علی مدد کے عنوان کے ماتحت حضرت پیغمبر کی احادیث نقل کی جاچکی ہیں کہ مومن کا خواب نبوت کا ۱/۷۰ حصہ ہوا کرتا ہے۔ پس آیت مجیدہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ موت کے وقت بھی نفسوں کو لے لیتا ہے اور نیند کے وقت بھی لے لیتا ہے لیکن جن کو موت کے وقت لیتا ہے اُن کو واپس پلٹنے کی اجازت نہیں دیتا اور جن کو نیند کے وقت لیتا ہے اُن کو ایک مدّت مقررہ تک کے لئے واپس جسم کی طرف بھیج دیتا ہے اور نفس انسانی ایک تاباں و درخشاں جوہر ہے جو روحانیت کی قسم سے ہے اور عناصر کی سنخ سے نہیں ہے جب اس کا تعلّق جسم کے ساتھ ہوتا ہے تو تمام اعضا میں اس کی روشنی پھیل جاتی ہے اور اس کا نام زندگی ہے پس موت کے ذریعہ جب اس کا کنکشن بدن سے توڑ دیا جاتا ہے تو اس کی روشنی بدن کے ظاہر و باطن سے بالکل ختم ہو جاتی ہے لیکن جب اس پر نیند طاری ہو جائے تو حواس خمسہ سے اس کی روشنی چلی جاتی ہے۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ (۴۲) اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ

اور تو ان پر وکیل نہیں ہے — اللہ پورا لے لیتا ہے نفسوں کو

حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ

بوقتِ موت — اور جو نہیں مرا (اُسے لے لیتا ہے) نیند میں — پس روک لیتا ہے

الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ

اس کو جس پر موت کا فیصلہ ہو چکا ہے — اور بھیج دیتا ہے دوسرے کو — ایک مقررہ وقت تک

مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۴۳)

کے لئے — تحقیق اس میں ہیں نشانیاں — اس قوم کے لئے — جو سوچیں

البتہ بدن کے باطن حصّہ میں اس کی روشنی بحال رہتی ہے پس موت اور نیند میں قدرے مشابہت ہے۔ نیز روح اور نفس دونو کا ایک دوسرے پر بھی اطلاق ہوا کرتا ہے۔ گویا انسان میں ایک روحِ حیات ہے جس کا تعلّق صرف بدن سے ہے۔ اور ایک رُوحِ علم ہے جس کا تعلّق بدن میں صرف حواسِ ظاہرہ اور قوائے عاقلہ سے ہے پس خواب کی حالت میں روحِ علم بدن سے الگ ہو جاتی ہے۔ اور رُوحِ حیات باقی رہتی ہے اور ان دونو کے درمیان ایک لطیف سا رابطہ باقی رہتا ہے چنانچہ روحِ علم کی اطراف عالم میں سیر رُوحِ حیات سے بھی کسی حد تک منسلک رہتی ہے جس کی بدولت اُن واقعات و حقائق کو جو خواب میں نظر آتے ہیں اگرچہ وہ ایک جسم مثالی کے پنجرے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس حقیقی جسم کی طرف بھی ان کو منسوب کرنا غلط نہیں کہا جا سکتا پس موت دنیادی تعلقات سے انسان کو مکمل طور پر منقطع اور الگ کر دیتی ہے۔ اور نیند میں یہ انقطاع ناقص اور ادھورا ہوتا ہے اسی بنا پر کہا جاتا

ہے کہ نیند موت کی بہن ہے اس کے بعد ارشادِ قدرت ہے کہ نیند اور موت کے درمیان کا فرق اور رُوحِ علم اور رُوحِ حیات کا باہمی ربط اربابِ فکر اور صاحبانِ عقل و دانش کے لئے توحیدِ پروردگار اور اس کی قدرت و حکمت کی بہترین دلیل ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا ۔ جب کفار نے اپنی بُت پرستی کے جواز کا یہ عذر بارد پیش کیا کہ ہم ان بتوں کو مستقل اِلٰہ سمجھ کر ان کی عبادت نہیں کرتے بلکہ یہ چونکہ برگزیدگانِ خدا کی تصویریں اور مورتیں ہیں پس ان کی پوجا صرف اس بنا پر کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے سامنے ہمارے شفیع ہوں گے تو ان کی تردید میں یہ آیت اُتری ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے اذن کے بغیر ان بتوں کو شفیع بنا رکھا ہے مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ سے مراد مِنْ دُوْنِ اِذْنِ اللّٰہِ ہے اور اَمْ بَلْ کے معنی میں ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ کَانُوْا لَا
کیا انہوں نے بنا لئے اللہ کے علاوہ (معبود) شفاعت کرنیوالے کہدو اگر وہ نہ مالک ہوں (شفاعت
یَمْلِکُوْنَ شَیْئًا وَّ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا ؕ
میں سے) کچھ بھی اور نہ وہ عقل رکھتے ہوں؟ کہ دو اللہ کے لئے اذنِ شفاعت ہے مکمل طور پر
لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۵﴾
آسمانوں اور زمین کا ملک اسی کا ہی ہے پھر اُسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے
وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا
اور جب نام لیا جائے اللہ اکیلے کا تو گھٹتے ہیں دل ان لوگوں کے جو

قُلْ اَوَلَوْ ۔ یعنی ان مشرکوں سے کہو کہ جب وہ کسی شے کے مالک نہ ہوں گے اور نہ اُن میں کچھ سمجھ بوجھ ہے تو ایسی حالت میں وہ تمہاری شفاعت کیونکر کر سکیں گے؟ مقصد یہ ہے کہ ایک تو وہ بے جان پتھر ہیں جو ادراک و شعور سے خالی ہیں اور دوسرے [illegible] عت کا حق نہیں رکھتے پھر یہ لوگ سے شفاعت کی اُمید کس بنا پر کرتے ہیں۔ یہ استفہامِ انکاری کے رنگ میں مشرکین کے لئے دعوتِ فکر ہے۔

قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ ۔ یعنی شفاعت کی اجازت دینے کا حق صرف اللہ کو ہی حاصل ہے کیونکہ وہ تمام کائنات میں تصرف کرنے کا واحد مالک ہے پس شفیع ہر وہ نہیں ہو سکتا جس کو لوگ شفیع سمجھ بیٹھیں بلکہ شفاعت کا حق وہی رکھے گا جس کو اللہ کی جانب سے شفاعت کی اجازت مل جائے اور چونکہ اللہ نے ان بُتوں کو اذنِ شفاعت نہیں دیا لہٰذا ان کو شفیع قرار دے کر ان کی عبادت کرنا بھی بالکل لغو اور باطل ہے۔

مشرکین کے رویے کی مذمت

وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ ۔ اگرچہ مشرکین ظاہر یہ کرتے تھے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں اور بتوں کی پرستش صرف ان کو وسیلہ قرار دے کر کرتے ہیں تاکہ ان کی وجہ سے ہمیں اللہ کا قرب نصیب ہو لیکن مقامِ عمل میں ان کے جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے چنانچہ جب بھی ان کے سامنے اللہ کا نام لیا جائے یا

کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھا جائے تو ان کے تیور بدل جاتے ہیں۔ اور غصے سے لال پیلے ہونے لگتے ہیں حالانکہ اگر واقعی طور پر وہ اللہ کو الٰہ حقیقی مانتے ہوتے اور بتوں کو وسیلہ قرار دیتے ہوتے تو کلمہ توحید سن کر گھٹن محسوس نہ کرتے بلکہ خوش ہوتے اور پھر ان کے سامنے جب بتوں کا تذکرہ ہو تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بتوں کو خدا کے ساتھ برابر کا شریک مانتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دفع مصیبت یا طلب حاجت کے لئے خدا کو پکارتے ہیں لیکن جب خدا ان کی مصیبت کو دفع کرتا ہے یا ان کی حاجت کو پورا کرتا ہے تو بجائے اس کے کہ اللہ کا شکر کرتے وہ بتوں کے سامنے نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں اور مشکل کشائی وحاجت روائی کو بھی انہی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور بلا مبالغہ آج کل کی پیر پرستی سابق مشرکین کی بت پرستی سے کم نہیں ہے اور یہ وباء مسلمانوں کے ہر فرقے میں موجود ہے ——

کہ ظاہراً اگرچہ اپنے پیروں اور بزرگوں کو اولیاء اللہ کا لقب دے کر بارگاہ خداوندی میں اُن کو وسیلہ قرار دیتے ہیں لیکن مقام عمل میں اللہ کو یکسر بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ کا نام سُن کر اُن کو اس قدر خوشی محسوس نہیں ہوتی جس قدر اپنے پیر و مرشد کے نام سے ان کو سرور محسوس ہوتا ہے حتیٰ کہ بچوں کے نام رکھنے میں بھی اللہ کی عبدیت کے بجائے ایسا نام تجویز کرتے ہیں جس میں اپنے پیر کی عبدیت[1] ظاہر ہو۔ اور دعا مانگنے میں اگرچہ اللہ کو خطاب کرتے ہیں لیکن جب مشکل کشائی ہو جائے تو اس کی نسبت اللہ کی طرف دینے کی بجائے اپنے پیر کی طرف دیتے ہیں اور اللہ کا شکر کرنے کی بجائے اپنے پیر کو نذرانوں سے نوازتے ہیں حالانکہ مشرکین مکہ کے سابق مذموم رویے اور موجودہ نام نہاد مسلمانوں کے رویے میں ذرہ بھر فرق نہیں

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ

ایمان نہیں رکھتے قیامت پر اور جب نام لیا جائے ان کا جو اس کے علاوہ ہیں تو وہی لوگ خوش ہوتے

يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۴۶﴾ قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

ہیں کہہ دے کہ اے اللہ پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا جاننے

عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ

والا غیب اور شہادت کا تو فیصلہ کرے گا اپنے بندوں کے درمیان

فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۴۷﴾ وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا

جس چیز میں وہ اختلاف رکھتے ہیں اور اگر تحقیق ظلم کرنے والوں کے لئے

مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِن

ہو جاتا جو کچھ زمین میں ہے سب اور اس جتنا اس کے ساتھ اور بھی مل جائے تو سب کچھ قیامت کے

سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ

دن کے سخت عذاب سے بچنے کے لئے بطور فدیہ پیش کرتے اور ظاہر ہوگا ان کے لئے اللہ کی

[1] بہتر نام وہ ہے جس میں اللہ کی عبدیت کا اظہار ہو جس طرح عبداللہ وغیرہ اور اس کے بعد انبیاء یا آئمہ طاہرین کے ناموں میں سے کوئی نام تجویز کرنا مستحب ہے (منہ)

ہے اور جو بھی ان کو اس غلط رویے سے روکنے یا غلطی پر متوجہ کرنے کی جرأت کرے تو فوراً اُسے وہابی اور دشمن اسلام کہہ کر اپنا دل بہلا لیتے ہیں۔ خدا اُن کو سمجھنے کی توفیق دے۔ اور محمد و آلِ محمد علیہم السّلام کی صحیح تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی ہدایت فرمائے۔

يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿۴۸﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا

طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہ کرتے ہونگے اور ظاہر ہوگی ان کے سامنے برائی اس کی جو انہوں نے کمایا

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۴۹﴾ فَإِذَا مَسَّ

اور آ گھیرا ان پر (وبال اس کا) جو وہ مسخری کرتے تھے پس جب چھوئے

الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ

انسان کو تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب اس کو عطا کریں نعمت اپنی طرف سے تو کہتا ہے

إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۚ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ

یہ تو مجھے اپنے علم کی بدولت ملی ہے بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن اکثر نہیں

لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۰﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَمَا

جانتے تحقیق ایسا ہی کہا ان لوگوں نے جو پہلے تھے پس نہ

أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۵۱﴾ فَأَصَابَهُمْ

بچایا ان کو اس نے جو کماتے تھے پس پہنچی ان کو برائی

سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۚ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَٰؤُلَاءِ

اپنی کمائی کی اور ان لوگوں میں سے بھی جو ظلم کرتے ہیں ان کو بھی

فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ۔ خداوند کریم نے کفرانِ نعمت میں افراط و تفریط کے دونو طریقوں کی مذمت فرمائی ہے پہلے افراط والوں کی مذمت تھی کہ اللہ ان کو نعمت دے تو اللہ کا شکر ادا کرنے اور اس کا ذکر کرنے کے بجائے اس کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس آیت میں تفریط والوں کی مذمت ہے کہ مشکل و مصیبت کے وقت اللہ کو پکارتے ہیں لیکن جب اللہ اُن کی سن لے اور ان پر احسان فرمائے تو اُن کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ یہ نعمت ہمارے اپنے علم و فن اور جدوجہد کی بدولت ہمیں نصیب ہوئی ہے یعنی اس کو اپنی کمائی اور محنت کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور اللہ کا شکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اللہ فرماتا ہے یہ آزمائش ہے اور اس قسم کے کلمات ان سے پہلے قارون اور اس جیسے دوسرے ناشکر گذار لوگوں نے کہے تھے جن کو اپنے ظلم کی سزا بھگتنی پڑی اور ان لوگوں کو بھی ضرور اس کی سزا ملے گی اور یہ لوگ نہ خدا سے بھاگ سکتے ہیں اور نہ اس کو عاجز کر سکتے ہیں۔

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ - جو لوگ رزق کی فراوانی کو اپنے اولیاء اور پیروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اُن کی تردید ہے کہ رزق کو وسیع کرنا یا تنگ کرنا اللہ کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور جو لوگ محمد و آل محمد علیہم السلام کو قسیم الرزق کا درجہ دیتے ہیں آیت مجیدہ میں اس عقیدہ کو بھی باطل قرار دیا گیا ہے اور ہم نے اس موضوع کو اس سے پہلے کئی مقامات پر واضح کیا ہے اور کتاب لمعۃ الانوار میں بھی اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

بخشش کی اُمید

رکوع ۳

قُلْ یٰعِبَادِیَ - حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں اس سے زیادہ اُمید افزا بخشش کے لئے اور کوئی دوسری آیت نہیں ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت حمزہ کے قاتل وحشی کے لئے اُتری کہ وہ اسلام کو قبول کرنے کا ارادہ کرتا تھا لیکن توبہ کے قبول ہونے سے ڈرتا تھا پس جب یہ آیت اُتری تو اس کو تسلی ہوئی اور مسلمان ہو گیا لیکن

سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٢﴾

اپنی کمائی کی برائی پہنچے گی اور یہ عاجز کرنے والے نہیں (خدا کو)

أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ

کیا یہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ پھیلاتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہے اور تنگی بھی دیتا ہے

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٣﴾ قُلْ يَا عِبَادِيَ

تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لائیں کہہ دو اے میرے وہ

الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ

بندے جو اپنے نفسوں پر زیادتی کر چکے ہیں نہ مایوس ہو اللہ کی رحمت سے

إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾

تحقیق اللہ سب گناہ بخشتا ہے بے شک وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے

وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ

اور رجوع کرو اپنے رب کی طرف اور جھک جاؤ اس کے لئے اس سے پہلے کہ تم پر عذاب

اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ یہ آیت مکیہ ہے۔ اور حضرت حمزہ کے قاتل کے اسلام کا واقعہ ہجرت کے بہت بعد کا ہے لیکن اس کا حل یہ ہو سکتا ہے کہ آیت اگرچہ پہلے اتری تھی لیکن حمزہ کے قاتل کے کانوں تک نہ پہنچ سکی پس جب اس نے یہ آیت سنی تو بلا تاخیر کلمہ اسلام زبان پر جاری کر کے مسلمان ہو گیا۔ اور آیت مجیدہ کے مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ ہر قسم کا گناہ قابلِ بخشش ہے پس جو توبہ کر کے مرے اس کے گناہ تو یقیناً بخشے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی توبہ کے بغیر مر جائے تو اللہ کی

مشیت جو ہو گی اسی پر فیصلہ ہو گا اگر چاہے تو اس کو سزا دے اور یہ اس کا عدل ہے اور اگر چاہے تو معاف کردے اور یہ اس کا فضل ہے۔ اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ آیت شیعانِ علی کے حق میں اُتری ہے (تفسیر صافی)

جَنْبِ اللّٰہِ۔ تفسیر صافی میں امام موسےٰ کاظم علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جنب اللہ سے مراد حضرت علی علیہ السّلام اور یکے بعد دیگرے ان کی اولاد طاہرین ہے۔ اور اسی مضمون کی روایات معصومین علیہم السّلام سے بکثرت وارد ہیں چنانچہ بروایت کافی

الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ

آجائے پھر نہ مدد کئے جاؤ گے اور اتباع کرو اُن اچھے احکام کی جو تم پر تمہارے

اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ

رب کی طرف سے اُتارے گئے پہلے اس سے کہ تم پر عذاب آجائے

بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ

اچانک اور تم کو پتہ بھی نہ ہو (ایسا نہ ہو کہ پھر ا کہتا رہے نفس ہائے ارمان

یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْبِ اللّٰهِ وَاِنْ کُنْتُ

اُس پر جو میں نے اللہ کے حکم میں کوتاہی کی اور میں مسخری کرنیوالوں

لَمِنَ السّٰخِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَکُنْتُ

میں سے تھا یا یہ کہتا رہے اگر اللہ نے مجھے ہدایت کی تو میں متقی

مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۵۸﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَی الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ

ہو جاتا یا یہ کہے جب دیکھے عذاب کو کہ کاش میرے لئے

لِیْ کَرَّةً فَاَکُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۹﴾ بَلٰی قَدْ جَآءَتْکَ

ایک بار پلٹنا ہوتا تو میں نیکوں میں سے ہو جاتا ہاں بے شک تجھ تک

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا میں عین اللہ ہوں میں جنب اللہ ہوں اور میں باب اللہ ہوں۔ پس آیت کی ظاہری تفسیر وہ ہے جو تحت اللفظ ترجمہ سے ظاہر ہے اور یہ باطنی تفسیر ہے جو قیامت تک جاری و ساری ہے۔

اللہ پر جھوٹ بولنے کی سزا

کَذَبُوْا عَلَی اللّٰهِ [۱۳۲]

تفسیر مجمع البیان میں بروایت خیثمہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا جو شخص ہماری طرف نسبت دے کہ جو بات کرے گا ہم اس سے اس کی جواب طلبی کریں گے جس نے سچی نسبت دی گویا کہ اُس نے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سچی نسبت دی اور جس نے جھوٹ کہا گویا کہ اُس نے اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھا کیونکہ ہم کسی اور کی طرف

بات کو منسوب نہیں کرتے بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا اور اللہ کے رسول نے فرمایا اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور خیثمہ نے اپنے کانوں کو پکڑ کر کہا یہ بہرے ہو جائیں اگر میں نے ایسا نہ سنا ہو۔ اور دوسری روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت مجیدہ ہر اس شخص کے متعلق وارد ہوئی ہے جو ناحق طور پر امامت کا دعوے کرے۔ انتہی

اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

میری نشانیاں پہنچیں تو تو نے جھٹلایا ان کو اور تو نے تکبر کیا اور تو انکار کرنے والوں میں سے تھا

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ

اور تو بروز قیامت دیکھے گا جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا تھا ان کے چہرے سیاہ

مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۶۱﴾ وَ

ہوں گے کیا نہیں ہے دوزخ میں ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا ؟ اور

يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا

نجات دے گا اللہ ان کو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ساتھ ان کی کامیابی کے کہ نہ چھوئے گی ان کو برائی اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

وہ غمناک ہوں گے اللہ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ہر شے پر

وَّكِيْلٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

نگران ہے اسی کے لئے ہیں چابیاں آسمانوں اور زمین کی اور جن لوگوں نے کفر

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۴﴾

کیا اللہ کی نشانیوں کا وہ خسارہ پانے والے ہوں گے

پس بروز قیامت وہ روسیاہ ہو کر اٹھے گا اور سابقہ آیات میں بھی ان ہی کے متعلق ہے کہ بروز محشر حسرت و ارمان سے کہیں گے ہائے ہم نے جنب اللہ کے متعلق کوتاہی نہ کی ہوتی۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے جب کہ آپ کے پاس غلام نے آپ سے تفویض کا معنی پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے اپنے رسول کو دین کا معاملہ سپرد فرمایا اور لوگوں کو خطاب فرمایا کہ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۔الخ۔ لیکن خلق و رزق کا معاملہ تو اس نے رسول کو تفویض نہیں فرمایا بلکہ خدا خود فرماتا ہے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ یعنی اللہ خود ہی ہر شے کے پیدا کرنے والا ہے۔ الخ

رکوع ۴

اَفَغَیْرَ اللّٰہِ ۔ غیر منصوب ہے۔ اَعْبُدُ کا مفعول ہے اور تَاْمُرُوْنِّیْ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ کفار مکہ نے حضرت ابوطالب سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ اپنے بھتیجے سے کہو وہ ہمارے خداؤں کو برا نہ کہے۔ یعنی ان کو ہمارے احترام کی وجہ سے محترم سمجھے تو یہ آیت ان کے مقولہ کی تردید ہے۔

لَئِنْ اَشْرَکْتَ ۔ خطاب حضور سے ہے اور مراد اُمت ہے۔ یعنی جو بھی شرک کرے اُس کے اعمال برباد اور بیکار ہوجاتے ہیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ انبیا علیہم السلام جب معصوم ہوتے ہیں اور ان سے شرک سرزد ہو ہی نہیں سکتا تو ان کی طرف شرک کی نسبت کیوں دی گئی ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جزا کو حتمی اور اہم ثابت کرنے کے لئے غیر ممکن شرط پر اُسے مترتب کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر آسمانوں اور زمین میں اللہ کے علاوہ اور خدا بھی ہوتے تو نظام فاسد ہوجاتا لَوْ کَانَ فِیْھِمَا اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا یا جس طرح کہا جائے اگر گھوڑے کو پر لگ جائیں تو وہ اڑنے لگ جائیگا۔ پس یہاں بھی اسی طرح مطلب کو واضح کیا گیا ہے کہ شرک اعمال کی صحت کے منافی ہے حتیٰ کہ اگر آپ بھی شرک کریں تو آپ کے اعمال بھی ضائع ہوجائیں گے۔

قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَاْمُرُوْنِّیْٓ اَعْبُدُ اَیُّھَا الْجٰھِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَلَقَدْ

کیا پس غیر اللہ کی کہتے ہو کہ میں عبادت کروں اے جاہلو ! اور تحقیق

اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ

وحی کی گئی تجھ پر اور ان پر جو تجھ سے پہلے تھے اگر تو نے شرک کیا

لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۶﴾ بَلِ

تو تیرے عمل برباد ہو جائیں گے اور ضرور خسارہ پانیوالوں میں سے ہوجائیگا بلکہ صرف

اللّٰہَ فَاعْبُدْ وَکُنْ مِّنَ الشّٰکِرِیْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَا

اللہ کی عبادت کر اور شکر گذاروں میں سے ہو جا اور نہیں

حبط اور ضبط میں فرق

مذہب شیعہ کے اُصول کے مطابق ضبطِ اعمال ظلم ہے اور خدا اُس سے پاک و منزہ ہے اور حبطِ اعمال ظلم نہیں بلکہ جائز اور مطابق عدل ہے۔ ضبطِ عمل یہ ہے کہ کسی کا عمل شرائطِ صحت کے مطابق ہو لیکن کسی دوسری غلطی کی وجہ سے بطورِ سزا کے اس کو صحیح عمل کی جزا سے بھی محروم کیا جائے مثلاً ایک شخص کی نماز صحیح ہے لیکن اُس سے کوئی دوسرا گناہ سرزد ہوگیا پس اس گناہ کی سزا میں اُس کو نماز کے اجر سے محروم کرنا ضبطِ عمل ہے۔ اور یہ ظلم اور ناجائز ہے۔ اور حبطِ عمل یہ ہے کہ عمل میں وہ شرط نہ پائی جائے جس کی بدولت وہ اجر کے قابل بنتا ہے پس عدمِ شرط کی وجہ سے اس کو اجر سے محروم کیا جائے مثلاً ایک شخص نے نماز پڑھی لیکن نماز کی مقبولیت کی شرط یہ ہے کہ اُس کی نماز ریاکارانہ طور پر نہ ہو پس اگر ریاکاری کرے گا تو اس کو نماز کے اجر سے محروم کردیا جائے اور یہ حبطِ عمل ہے۔ آیت مجیدہ میں اعمال کی مقبولیت کی شرط

یہ قرار دی گئی ہے کہ عمل کرنے والا مشرک نہ ہو۔ پس اگر کوئی شخص شرک کا مرتکب ہوگا تو اُس کے جملہ اعمال اُس کے شرک کی وجہ سے قابل اجر و جزانہ رہیں گے اور حبط ہو جائیں گے اور یہ چیز خلافِ عدل نہیں ہے۔ اور اس کی مزید وضاحت ہم مقدمۂ تفسیر میں کر چکے ہیں۔ اور نیز ہماری کتاب عقائد لمعۃ الانوار میں بھی اس موضوع پر بحث کی جا چکی ہے۔

نفخ صُور

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ۔ غالباً سابقہ زمانے میں سیٹی یا وصل کے طور پر ایک سینگ کی قسم کا آلہ ہوتا تھا جس کو صور کہا جاتا تھا جو پھونک مارنے سے آواز پیدا کرتا تھا اور قافلہ کے کوچ یا قیام کے لئے سالارِ قافلہ اس کو استعمال کرتا تھا جسے نفخ صور کہتے تھے یا اس کے متبادل طبل بجا دیا کرتا تھا تاکہ ہر فرد کو مقصد سے بروقت انتباہ کیا جا سکے اسی مناسبت سے قیامتِ صغریٰ اور قیامت کبریٰ کے لئے خدا کی جانب سے کئے جانے والے اعلان کو نفخ صور سے تعبیر کیا جاتا ہے اب یہ معلوم کرنا کہ اُس کی نوعیت کیا ہوگی اس کو خدا بہتر جانتا ہے۔ بہر کیف نفخ صور (اعلانِ عام کرنے) پر مامور فرشتے کا نام اسرافیل ہے۔ اور وہ صرف اسی غرض کے لئے ہی ہر وقت چاق و چوبند ہے اور یہ نفخ صور خواہ اس کا طریق کار جو بھی ہو جب پہلی دفعہ ہوگا تو آسمان و زمین کی تمام مخلوق اُس کی بدولت عروسِ موت سے ہمکنار ہو کر وادیٔ فنا میں پہنچ جائے گی اور اس کے بعد پھر دوبارہ نفخ صور ہوگا اور سب مخلوق دوبارہ زندہ ہو کر حساب کے لئے دربارِ پروردگار میں محشور ہو جائے گی۔ اور دونو صوروں کے درمیان بعض اقوال کی روشنی میں چالیس برس کا فاصلہ ہوگا۔

قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
انہوں نے اللہ کی قدر کی جس طرح قدر کا حق تھا حالانکہ زمین ساری بروز قیامت اس کے قبضہ میں ہوگی
وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞
اور آسمان اسی کے ہی قبضہ قدرت میں سمٹے ہوئے ہیں وہ منزہ اور بلند ہے اُس سے جو یہ لوگ شرک کرتے
۶۸ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ
ہیں اور پھونکا جائیگا صور پس مرجائیں گے جو بھی آسمانوں اور جو بھی
فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ
زمین میں ہیں سوائے اُن کے جو اللہ چاہے پھر دوبارہ پھونکا جائیگا تو وہ (سب دوبارہ زندہ ہو کر)
قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۶۹ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ
کھڑے ہوئے (فیصلہ کے) منتظر ہوں گے اور چمکے گی زمین اپنے رب کے نور سے اور

اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ۔ یعنی پہلے نفخ صور سے تمام ذی روح مر جائیں گے لیکن چند وہ افراد جو مشیتِ پروردگار میں مستثنیٰ ہیں ان پر موت نہ آئے گی۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ جبریل میکائیل اسرافیل اور ملک الموت ہوں گے اور بعض کے نزدیک

راہ خدا میں شہید ہونے والے صورِ اوّل کی موت سے مستثنیٰ قرار دئیے گئے ہیں۔

قیامت صغریٰ

تفسیر برہان میں منقول ہے کہ اسرافیل کے پاس جو صُور ہے اُس کے دو رُخ ہیں ایک آسمان کی طرف اور دوسرا زمین کی طرف ہے۔ پس جب حکم پروردگار سے زمین کی طرف روانہ ہوگا تو فرشتے دیکھتے ہی جان لیں گے کہ اب اہلِ سما و اہلِ ارض کی موت کا وقت آگیا ہے۔ اور جب بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رُخ کرے گا تو زمین والے بھی سمجھ جائیں گے کہ اب ہر ایک کی موت کا وقت آپہنچا ہے۔ چنانچہ پہلی دفعہ نفخ صور ہوگا تو اس کا رُخ زمین کی طرف ہوگا۔ اور تمام ذی روح مرجائیں گے اور پھر اُس کا رُخ آسمان کی طرف کرے گا اور تمام آسمانی مخلوق لقمہ اجل ہوجائے گی اور امر پروردگار سے خود اسرافیل بھی مرجائے گا۔ پس ایک وقت تک سناٹا چھایا رہے گا آسمانوں میں اضطراب اور زمین میں سنسنی سی مسلط ہوگی۔ اور زمین ایک ایسی زمین کے روپ میں بدل جائے گی جس پر نہ پہاڑ نہ دریا نہ سبزہ اور نہ کسی قسم کی آبادی کا نشان ہوگا جس طرح روزِ اوّل اس کی تخلیق ہوئی تھی کہ اس کا دامن گناہوں سے داغدار نہ تھا۔ پس صدائے توحید ہر چہار سو گونجے گی۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (آج ملک کس کا ہے؟) اور پھر زبانِ قدرت خود ہی اس کا جواب دے گی۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (یعنی سب ملک صرف اللہ کا ہے جو اپنی قدرت سے سب پر غالب و قاہر ہے) پھر امر پروردگار سے دوبارہ سب مخلوق زندہ ہو کر حساب کے لئے پیش ہوگی۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ جب پہلی دفعہ نفخ صور ہوگا تو لوگ اپنی غافلانہ روش میں محو ہوں گے کوئی گھر میں کوئی سفر میں کوئی کھانا کھا رہا ہوگا۔ کوئی پانی پیتا ہوگا۔ کوئی بات کر رہا ہوگا۔ کوئی سن رہا ہوگا وعلیٰ ہذا القیاس۔ پس اچانک نفخ صور ہوتے ہی سب کے سب بیک وقت لقمۂ اجل ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ دریاؤں اور نہروں وچشموں کے پانی اپنے مقام پر خشک ہو جائیں گے۔ پہاڑ، درخت و مکان سب زمین کے اندر دھنس جائیں گے اور سب لوگ موت کی نیند سو جائیں گے کہ کوئی دفن کرنے والا نہ ہوگا کوئی چت اور کوئی پہلو کے بل پڑا ہوگا۔ اور روٹی کا لقمہ کسی کے ہاتھ میں رہ جائے گا اور کسی کے منہ میں پڑا ہوگا۔ پس زمین ان سب کو نگل کر اپنے پیٹ میں چھپالے گی۔ ستاروں کے باہمی روابط ٹوٹ جائیں گے۔ اور سخت زلزلہ کی وجہ سے زمین کی سطح ہموار ہو جائے گی۔ آسمانوں کے فرشتے حجاب ہائے قدرت اور سرادقات کے فرشتے حاملینِ عرش وکرسی اور کروبیین تمام کے تمام موت سے ہم آغوش ہو جائیں گے۔ پس صرف جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت بچ جائیں گے پس اللہ ملک الموت سے پوچھے گا کہ بتاؤ کون کون موت سے بچ گیا ہے؟ اس وقت ملک الموت احوالِ قیامت سے گھبرائے ہوئے انتہائی کرب و اضطراب کی حالت میں پیش بارگاہِ ربوبیت ہوگا اور عرض کرے گا اے پروردگار! اس وقت جبریل میکائیل، اسرافیل اور یہ عبد حقیر باقی ہے تو ارشاد ہوگا کہ جاؤ اور جبریل کو موت کی نیند سلا دو۔ پس ملک الموت جبریل کے پاس پہنچے گا تو اُسے سجدہ و رکوع کی حالت میں محو تسبیح پائے گا۔ پس ملک الموت کہے گا۔ اے عبد مسکین: بنو آدم اہلِ دنیا درند چرند پرند اہلِ آسمان حاملینِ عرش وکرسی ملائکہ سرادقات اور ساکنین سدرۃ المنتہیٰ سب کے سب جامِ موت پی چکے ہیں اور اب تیری باری ہے تو جبریل یہ سن کر رو رو کر عرض کرے گا۔ اے پروردگار مجھ پر موت کی تلخی کو آسان فرما پس ملک الموت

اس کو قبض کرلے گا۔ پھر اللہ ملک الموت سے پوچھے گا کہ کون کون باقی بچ گئے ہیں؟ تو ملک الموت جواب میں عرض کرے گا کہ میکائیل و اسرافیل اور تیرا یہ عبد ذلیل باقی ہے پس حکم دے گا کہ جاکر میکائیل کو موت کی نیند سلادو چنانچہ ملک الموت میکائیل کے پاس پہنچ کر کہے گا کہ اے عبد مسکین: اب بنی آدم اور جملہ مخلوق کے لئے رزق کے انتظام کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ زمین سے لے کر سرادقات عرش تک کی تمام فرشی و عرشی مخلوق جامِ موت پی کر چل بسی ہے اور مجھے اللہ نے تیری طرف بھیجا ہے۔ پس میکائیل رو رو کر عجز و انکساری سے سکراتِ موت کی آسانی کی دعا مانگے گا اور ملک الموت اس کی روح کو قبض کرلے گا پھر اللہ دریافت فرمائے گا کہ بتاؤ اب کون باقی ہے؟ تو ملک الموت جواب دے گا کہ ایک اسرافیل اور دوسرا یہ تیرا عبد حقیر (میں) باقی ہوں تو فرمائے گا کہ جاکر اسرافیل کو موت کا مزا چکھاؤ پس ملک الموت اس کے پاس جاکر پیغام موت سنائے گا تو اسرافیل کہے گا پاک و منزہ ہے وہ پروردگار جو تنہا اور اکیلا زیورِ بقا سے آراستہ ہے۔ اے اللہ! میرے اوپر موت کی تلخی کو آسان فرما پس ملک الموت اس کو بھی موت کی نیند سُلاکر بارگاہِ خداوندی میں بعجز و انکسار پیش ہوگا تو ارشاد ہوگا کہ بتاؤ اب کون باقی ہے؟ تو عرض کرے گا کہ صرف تیرا یہ عبد ضعیف (میں) باقی ہوں۔ پس بحکمِ پروردگار وہ بھی موت سے ہم آغوش ہوجائے گا۔ پس تمام آسمان اپنے رہنے والوں سے اور تمام زمینیں اپنے بسنے والوں سے خالی ہوجائیں گی۔ ہر قسم کی حس و حرکت شور و غل۔ قول و عمل اور آواز و پکار ختم ہوچکی ہوگی اور سکون و سکوت ہر سو طاری ہوگا۔ اور اللہ تبارک و تعالےٰ اپنی زبانِ قدرت سے خطاب فرمائے گا۔ اے دنیا: تیری نہریں تیرے درخت، تیرے بسنے والے تیرے آباد کار اور تیرے حکمران اور شہزادے کہاں گئے؟ جابر و ظالم اور میرا رزق کھا کر میرے غیر کی پرستش کرنے والے کہاں گئے؟ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔ آج یہ سب ملک کس کا ہے؟ پس اس کا جواب زبانِ قدرت خود ہی دے گی۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ یعنی اس اللہ کا ہے جو اپنی حکومت و سلطنت میں واحد اور سب پر غالب ہے پس ایک وقت تک زمین و آسمان باقی رہیں گے کہ ان میں کوئی متنفس بولنے والا نہ ہوگا اور بعضوں نے چالیس برس کے برابر وقفہ بیان کیا ہے۔ بہرکیف اس کے بعد خداوند کریم آبِ حیات جاری فرمائے گا جس کی بدولت زمین کی سب مخلوق میں حس و حرکت کی رَو پیدا ہوگی۔ پس گوشت و پوست اور ہڈیوں پٹھوں کے تمام ذرات ایک دوسرے کے ساتھ ملیں گے اور تمام مردہ اجسام صحیح و سالم ہوجائیں گے لیکن ان میں روح نہ ہوگی پس سب سے پہلے بحکمِ پروردگار اسرافیل زندہ ہوگا۔ اور اس کو حکم ہوگا کہ صور اٹھاؤ جس میں تمام ذوی الارواح مخلوق کی روحوں کی تعداد کے برابر سوراخ ہوں گے اور تمام ارواح کو اس میں جمع کر دیا جائے گا۔ پس اسرافیل صور کو لے کر بیت المقدس کے صخرہ (پتھر) پر کھڑا ہوگا اور آواز دے گا اور اس کے متعلق دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ (اور سنو جس دن منادی قریبی مکان سے آواز دیگا) پس اسرافیل یہ ندا دے گا۔ اَيَّتُهَا الْعِظَامُ الْبَالِيَةُ وَاللُّحُوْمُ الْمُتَقَطِّعَةُ وَالشُّعُوْرُ الْمُتَبَدِّدَةُ وَالصُّوَرُ الْمُتَفَرِّقَةُ لِيَقُمْنَ اِلَى الْعَرْضِ عَلَى الْمَلِكِ الدَّيَّانِ لِيُجَازِيَكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ۔ یعنی اے بوسیدہ ہڈیاں اے ریزہ ریزہ ہونے والا گوشت منتشر بال اور متفرق صورتیں کھڑے ہوجاؤ کہ تم نے اپنے اعمال کی جزا کے لئے اپنے جزا دینے والے بادشاہ کے

دربار میں پیش ہونا ہے۔ پس اسرافیل کی اس ندا کے بعد صور کی سوراخوں سے تمام ارواح نکل کر آسمان و زمین کی بسیط فضا میں پھیل جائیں گے۔ پس مومنوں کے ارواح نورانی ہو کر نکلیں گے اور کافروں کے ارواح تاریک و سیاہ ہو کر نکلیں گے۔ اور ہر روح اپنے اسی جسم میں داخل ہو گی جسے دنیا میں چھوڑ کر آئی تھی اور اسی شکل میں ہر ذی روح پلٹ جائے گا جس شکل کے ساتھ وہ دنیا میں تھا پس ان کے سر کی جانب سے زمین پھٹے گی اور وہ نکل کھڑے ہوں گے اور ہر انسان اپنے اعمال نامہ کے ساتھ میدانِ محشر میں آئے گا اور جس کے اعمال اچھے ہوں گے تو وہ اعمال نامہ اس کا قبر اور حشر میں مونس ہو گا۔ اور احوالِ قیامت سے اس کو تسلی دے گا۔ اور آواز آئے گی۔ اے میرے دوست گھبراؤ نہیں میں تیرے ساتھ ہوں۔ گھبراہٹ تو اُن لوگوں کے لئے ہے جو اللہ کے نافرمان تھے جنہوں نے اس کی آیات کی تکذیب کی۔ اور خواہش نفس کی اطاعت کی تم تو اللہ کے اطاعت گذار اور اس کے رسول کے تابعدار تھے۔ تم خوف اور غم سے آزاد ابھی جنت میں پہنچنے والے ہو۔ اور اگر انسان خطاکار اور گنہگار ہو گا۔ اور اس کی موت بغیر توبہ کے واقع ہو گی تو جب وہ اپنی قبر سے باہر آئے گا۔ اور وہ دنیا میں کئے ہوئے اعمالِ بد کی کتاب بھی اس کے ہمراہ ہو گی تو جب بھی سختی کے مقام سے گذرے گا تو اسے اپنے اعمالِ بد کی طرف سے ندا آئے گی۔ اے دشمنِ خدا یہ سب کچھ تیرے ہی لئے ہے۔

وُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَآءِ وَقُضِیَ

رکھی جائے گی کتاب اور لایا جائے گا نبیوں کو اور شہیدوں کو اور اُن کے

بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَوُفِّیَتْ كُلُّ

درمیان حق کا فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہو گا اور پورا دیا جائے گا ہر

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَھُوَ اَعْلَمُ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

نفس کو بدلہ اس کا جو اس نے کمایا اور وہ جاننے والا ہے جو وہ کرتے ہیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب خداوندِ کریم دوبارہ سب مخلوق کو زندہ کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو چالیس دن تک متواتر آسمان سے بارش برستی رہے گی (اور وہ پانی زمین میں رچ جائیگا) جو آبِ حیات ہو گا) پس اس کی بدولت مردوں کے تمام متفرق اجزاء اکٹھے ہوں گے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت جبریلؑ خدمتِ پیغمبر میں آئے اور آپ کو جنت البقیع کی طرف لے گئے اور ایک قبر سے خطاب کر کے کہا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ چنانچہ ایک آدمی نکلا جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے اس نے اپنے سر اور منہ سے گرد کو جھاڑا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور تکبیر کہی پھر دوسری قبر پر جا کر کہا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ تو ایک سیاہ رو ہائے ہائے کرتا ہوا نکلا پس جبریل نے دونو کو واپس جانے کا حکم دیا اور عرض کی کہ قیامت کے دن لوگ اسی طرح زندہ ہوں گے کہ مومن وہ کلمہ کہیں گے اور کافر یہ کلمہ کہیں گے۔

بِنُوْرِ رَبِّهَا ۔ [۱۳۲] اس جگہ نور کا معنی یا تو عدل ہے یعنی اُس دن زمین محشر عدلِ پروردگار کے ساتھ منور اور روشن ہوگی یا یہ کہ سورج اور چاند کے علاوہ اللہ کی جانب سے ایک مخصوص نور کی بدولت زمین محشر روشن ہوگی۔

رکوع نمبر ۵

تفسیر برہان میں ہے ایک طویل روایت میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السّلام نے فرمایا کہ جب تمام مخلوق اکٹھی کی جائے گی تو کافی دیر تک ایک تنگ و تاریک فضا میں سب کو کھڑا کر دیا جائے گا۔ اور احوال محشر میں سے یہ پہلی منزل ہوگی پس ندائے پروردگار آئے گی کہ جس کسی کا دوسرے پہ کوئی حق ہے تو ہر صاحب حق اپنے ظالم و غاصب کو پکڑ لے اور وہ اس قدر سخت وقت ہوگا کہ پسینے بہتے ہوں گے اور خوف سے ہر ایک کا بدن کانپتا ہوگا اور گریہ و بکا کی صدائیں بلند ہوں گی۔ پھر کافی وقفہ کے بعد ندا پہنچے گی کہ کوئی ہے جو اپنے حقوق دوسروں سے معاف کر دے۔ اور صاحبانِ حق عرض کریں گے

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا

اور چلائے جائیں گے کافر جہنم کی طرف ٹولے ٹولے جب وہاں پہنچیں گے تو کھولے جائیں

فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ

گے ان کے دروازے اور فرشتے ان کو کہیں گے کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے

مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ

جو پڑھتے تم پر تمہارے رب کی آیتیں اور تم کو ڈراتے اس دن کی ملاقات سے تو کہیں

هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ

گے ہاں (آئے تھے) لیکن پورا ہوا عذاب کا فیصلہ کافروں پر

﴿۷۲﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ

تو کہا جائے گا داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں سے اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے پس

مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۳﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى

برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا اور چلائے جائیں گے وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے تھے

اے پروردگار ہم اپنے حقوق کیسے معاف کریں؟ تو بحکم پروردگار خازنِ جنت جنت کے محلات کو سامنے لائے گا اور کہا جائے گا معاف کرنے والوں کو یہ انعام ملے گا تو بہت سے لوگ اپنے بھائیوں سے حقوق معاف کر دیں گے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ حضور اگر کسی کافر نے مومن کا حق غصب کیا ہو تو قیامت کے دن اُس سے کیسے وصول کیا جائے گا تو آپ نے فرمایا کہ اُس مومن کے حقوق کے برابر اس کے گناہوں کا بوجھ اُس کافر پر ڈالا جائے گا۔ پس وہ اپنے کفر کے ساتھ ساتھ مومن کے گناہوں کی سزا بھی بھگتے گا۔ پھر اس نے پوچھا اگر مسلمان کا مسلمان پر حق ہو تو وہ کس طرح وصول ہوگا۔ آپ نے فرمایا حقوق کے

برابر اس کی نیکیاں صاحبِ حق کو دی جائیں گی۔ اُس نے عرض کی کہ اگر ظالم و غاصب کے پاس نیکیاں نہ ہوں تو پھر کیا کیا جائے گا آپ نے فرمایا کہ پھر صاحبِ حق کے گناہوں کا بوجھ اس پر ڈال دیا جائے گا پس وہ اپنے گناہوں کے ساتھ اس کے گناہوں کی سزا بھگتنے پر مجبور ہوگا۔

الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ

جنت کی طرف ٹولے ٹولے یہاں تک کہ جب پہنچیں گے اور کھولے جائیں گے اس کے دروازے تو کہیں گے

لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

ان کو اس کے دربان تم پر سلام ہو تم پاکیزہ ہو پس اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا

اور کہیں گے اُس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے ساتھ اپنا وعدہ پورا کیا اور ہمیں زمین کا وارث

الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ

بنایا کہ ٹھکانا بنا سکتے ہیں جنت میں جہاں چاہیں پس خوب اجر ہوگا عمل

الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ

کرنے والوں کا اور دیکھو گے فرشتوں کو چکر لگانے والے ہوں گے عرش کے

الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ

ارد گرد تسبیح کرتے ہوئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور ان کے درمیان حق کا فیصلہ ہوگا

وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور کہا جائے گا اللہ کے لئے حمد ہے جو عالمین کا پروردگار ہے

فُتِحَتْ ۔ جہنم کے دروازوں کی روایات میں تعداد سات ہے جس کی قدرے تفصیل تفسیر کی جلد ۲ اور کتاب لمعۃ الانوار میں مذکور ہے۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جہنم کے سات طبقے ایک دوسرے کے اُوپر نیچے ہیں سب سے اوپر ہاویہ اور سب سے نیچے جہنم ہے اور بعض روایات کے ماتحت اس کا اُلٹ ہے کہ سب سے نیچے ہاویہ اور سب سے اُوپر جہنم ہے اور جنت کے تمام درجات و طبقات ایک دوسرے کے عرض میں ہیں اور کتاب خصال سے منقول ہے آپ نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ایک دروازہ سے نبی و صدیق داخل ہوں گے۔ دوسرے دروازے سے شہداء و صالحون داخل ہوں گے اس کے بعد پانچ دروازے صرف ہمارے شیعوں اور محبوں کے لئے مخصوص ہوں گے۔ اور میں پل صراط پر کھڑے ہو کر ایک ایک کو بلاتا رہوں گا اور اللہ سے عرض کرتا رہوں گا۔ اے پروردگار میرے شیعوں کو میرے محبوں اور مددگاروں کو اور میرے

موالیوں کو بچالے تو جانب عرش سے ندا آئے گی تیری دعا مقبول ہے اور میں نے تیری شفاعت قبول کی ہے پھر میرے شیعوں اور موالیوں میں سے ہر ایک ستر ستر ہزار اپنے ہمسایوں اور دوستوں کے حق میں شفاعت کر سکے گا۔ اور آخری ایک دروازے سے جملہ مسلمانوں کو داخل کیا جائے جن کے دلوں میں ذرہ برابر بھی اہل بیت محمدؐ کے حق میں بغض نہ ہوگا۔

ایک اور روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنّت کے ہر ایک دروازے کی چوڑائی چار سو سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو مومن کسی مومن کی زیارت صرف خوشنودی خدا کے لئے کرتا ہے تو اس کی روانگی سے لے کر گھر کی واپسی تک ستر ہزار فرشتے اُس کے ہمراہ چلتے ہیں۔ اور اُس کو جنّت کی خوش خبری سناتے ہیں۔ ہم نے جنّت کے دروازوں کی تعداد اور قدرے تفصیلات تفسیر کی جلد ۲ اور کتاب لمعۃ الانوار میں بیان کی ہے۔

والحمد للہ ربّ العالمین

سُورَہُ المؤمن

یہ سورہ مکیہ ہے اس میں سے صرف آیت ۵۶، ۵۷ مدنیہ ہیں اس کی آیات کی کل تعداد چھیاسی ہے۔

حضرت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا جو شخص جنّت کے باغات میں سیر کرنا چاہے وہ نماز تہجد میں حوامیم پڑھے۔ آپؐ نے فرمایا ہر شئے کا جوہر ہوتا ہے اور قرآن کا جوہر حوامیم ہیں (جن سورتوں کے شروع میں حٰم ہے)

جو شخص حٰم المؤمن کی تلاوت کرے تو تمام نبیوں، صدیقوں اور مومنوں کی روحیں اس پر درود پڑھتی ہیں اور اس کے لئے بخشش کی دعا کرتی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حوامیم قرآن کی ریحان ہیں جب ان کو پڑھو تو اس کے حفظ و تلاوت کے لئے اللہ کا شکر بجالاؤ اور بندہ جب حوامیم کو پڑھتا ہے تو اُس کے منہ سے عنبر و کستوری سے پاکیزہ تر خوشبو مہکتی ہے اور خدا اس کے پڑھنے والے پر رحمت کی بارش کرتا ہے اور اس کے ہمسایوں قریبیوں اور دوستوں پر بھی خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور قیامت کے دن عرش و کرسی اور ملائکہ مقربین سب بارگاہِ پروردگار میں اس کی سفارش کریں گے اور آپ نے فرمایا جو شخص ہر تیسرے دن حٰم المؤمن کی تلاوت کرے اُس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہوں گے اور اس کو تقویٰ نصیب ہوگا اور اُس کا انجام دنیا سے بہتر ہوگا۔ (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے حضرت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا جو شخص اس سورہ کو پڑھے قیامت کے دن

خدا اس کی اُمید کو قطع نہ کرے گا اور خدا اس کو خائفین کا اجر دے گا۔
جو شخص اس کو لکھ کر کسی کھیت یا باغ میں لٹکائے تو وہ زیادہ سرسبز ہوگا اور ترقی کرے گا اور اگر اس کو لکھ کر سرائے اور دوکان میں رکھا جائے تو اس کی خیر و برکت میں اضافہ ہوگا اور اس میں خرید و فروخت زیادہ ہوگی۔
ابن مسعود سے منقول ہے کہ جب میں حوامیم کی تلاوت کرتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں باغاتِ جنت کی سیر کر رہا ہوں (مجمع البیان)
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس کو رات کے وقت لکھ کر باغ یا کھیت میں رکھے تو اس کی خیر و برکت میں اضافہ ہوگا اور اس کی سرسبزی پھل پھول اور رونق و بہجت میں بھی غیر معمولی زیادتی ہوگی الخ (البرہان)
جس شخص کے جسم پر سفید یا سیاہ داغ ہوں پس اس سورہ مبارکہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو خدا اس کی برکت سے اس کو تندرستی اور شفا عطا فرمائے گا۔ نیز جس کے جسم پر پھوڑے نکلے ہوں تو اس سورہ مبارکہ کا تعویذ اپنے پاس رکھنے سے شفایاب ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی زیادہ ڈرتا ہو تو اس سورہ مبارکہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے بفضلِ خدا اس کا ڈر جاتا رہے گا۔
اگر اس سورہ مبارکہ کو لکھ کر دھو دیا جائے اور اس پانی سے آٹا گوندھ لیا جائے پھر اُس آٹے کو خشک کر کے باریک پیس کر سفوف تیار کر لیا جائے اور برتن میں محفوظ کر کے اُوپر ڈھکنے سے اُس کا منہ بند کر لیا جائے اور دل کی تکلیف بیہوشی غشی، درد جگر اور تلی کے لئے اُس سے ایک چٹکی بھر کے کھا لیا جائے تو باذنِ پروردگار شفایابی نصیب ہوگی اور ہر قسم کی تکلیف دُور ہو جائے گی۔ (برہان)

رکوع نمبر ۶

حٰمٓ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ قسم ہے یعنی خدا نے اپنے حلم و ملک کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ جو اس کی پناہ لے گا اس کو عذاب نہ کروں گا۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ خدا نے اپنے ناموں سے افتتاح فرمایا ہے چنانچہ حاء سے مراد حلیم حمید حکیم حی اور حنّان ہیں اور میم سے مراد ملک مجید مُبدی اور معید مراد ہیں تَنْزِیْلُ الْکِتٰب خداوند کریم نے اپنی صفات کا تذکرہ فرمایا ہے کہ یہ کتاب اُس پروردگار کی جانب سے اُتری ہے جو اپنی تمام مخلوق پر غالب و قاہر ہے۔ اور دانا و بینا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

حٰمٓ ﴿۲﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳﴾
حٰم کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب دانا ہے

اور جو بھی گناہ کرنے کے بعد دل سے توبہ کرلے تو خدائے مہربان اُس کے گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ کو قبول کرنے والا ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص گناہ کرنے کے بعد بجائے توبہ کے گناہوں پر اصرار کرے تو وہ خدا سخت عذاب دینے والا بھی ہے

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ

گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب والا صاحب احسان کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ

اس کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں اُسی کی طرف ہی بازگشت ہے نہیں جھگڑتے اللہ کی آیتوں میں مگر جنہوں

اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۵﴾

نے کفر کیا پس تجھے دھوکے میں نہ ڈالے شہروں میں آنا جانا ان کا

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ

جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے (نوح کو) اور ان کے بعد دوسرے گروہوں نے (نبیوں کو) اور

كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا

ہر امت نے چاہا اپنے رسول کو کہ اُسے قتل کردیں اور غلط طور پر جھگڑا کیا انہوں نے تاکہ پھسلا دیں

بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۶﴾ وَكَذٰلِكَ

اس کے ذریعے حق کو تو میں نے ان کو پکڑ لیا پس کس طرح تھا میرا عذاب ؟ اور اسی طرح

حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ

ثابت ہوئی بات تیرے رب کی اُن پر جو کافر ہوئے کہ بے شک وہ دوزخی

قَابِلِ التَّوْبِ - توب یا تو توبہ کی جمع ہے اور یا تَابَ یَتُوْبُ کا مصدر ہے۔

ذِي الطَّوْلِ - شدید العقاب کے بعد ذی الطول کا ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خدا کسی پر ظلم کرکے اس کو دوزخ کا عذاب نہیں دیتا بلکہ عذاب کا مستحق ہونا انسان کی اپنی نالائقی اور ناسپاس گذاری کے صدقہ میں ہے ورنہ تو ذی الطول یعنی محسن و مہربان ہے۔

صفاتِ پروردگار

تنبیہ - خداوند کریم نے آیتِ مجیدہ میں اپنی چھ صفات کا تذکرہ فرمایا ہے

(۱) غافر الذنب - بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ یہاں ذنب سے مراد گناہِ کبیرہ ہے یعنی خدا گناہانِ کبیرہ کے بخشنے والا ہے کیونکہ گناہانِ صغیرہ تو خود بخود نیکیوں کے غلبہ سے حبط ہو جاتے ہیں پس غافر الذنب کی صفت گناہانِ کبیرہ کی بخشش کو ظاہر کرتی ہے جن سے توبہ کئے بغیر مر گیا ہو کیونکہ اگر توبہ کے بعد بخشش مراد لی جائے تو دوسری صفت قابل التوب کا ذکر خالی از فائدہ ہو جائے گا - حالانکہ واوِ عاطفہ دلالت کرتی ہے کہ دونو صفتیں الگ الگ ہیں نیز مروی ہے کہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ

یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جس طرح کہ وہ گنہگار ہی نہیں پس جب توبہ خود گناہوں کو مٹانے کے
اس کی بخشش کا کیا معنی ہو گا پس اس کا معنی یہ ہے کہ اگر خدا چاہے تو توبہ نہ کرنے والے کے گناہوں کو بھی بخش
صفت شدید العقاب چوتھی صفت ذی الطول (محسن) پانچویں صفت لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور چھٹی صفت اسکی طرا ۔ ست
کا ہونا۔ اور مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کو نازل کرنے والی وہ ذات ہے جو ان صفات کی مالک ہے پس اس کی آیات میں جھگڑا
وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دل کفر کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ لہذا آپ ان کی ظاہری خوش حالی سے متاثر نہ ہوں کیونکہ
ان سے پہلی اُمتیں بھی اپنے اپنے زمانہ میں رسولوں کو جھٹلاتی رہیں لیکن جب اُن پر میرا عذاب آیا تو اُن کو کوئی طاقت میرے
عذاب سے بچا نہ سکی۔

النَّارِ ٧ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ

وہ جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں اور جو اُس (عرش کے) ارد گرد ہیں تسبیح کرتے رہتے

بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ

ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور طلب بخشش کرتے ہیں ان کے لئے جو ایمان

اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ

لائیں (اے رب تیری رحمت وعلم ہر شئی پر وسیع ہے پس بخش دے

لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ٨

ان لوگوں کو جو توبہ کریں اور چلیں تیرے راستہ پر اور ان کو بچالے دوزخ کے عذاب سے

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ

اے رب اور ان کو داخل کر جناتِ عدن میں جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور

حاملینِ عرش

اَلْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ تم اللہ کی عظمت کے متعلق نہ سوچا کرو بلکہ اللہ کی مخلوق کی عظمت کے متعلق سوچو چنانچہ اس کی مخلوق میں سے ایک فرشتہ اسرافیل ہے جس کے کندھے پر عرش کا ایک پایہ ہے اور اُس کے قدم تحت الثریٰ تک ہیں اور وہ اللہ کی عظمت کے مقابلہ میں معمولی حقیقت رکھتا ہے۔ اور
زمخشری سے منقول ہے تمام ملائکہ کو حکم دیا گیا ہے کہ صبح وشام حاملین عرش کا سلام کریں اور عرشِ پروردگار کے ایک پائے سے
دوسرے تک تیز پرواز پرندے کی اسی ہزار سال کی پرواز کی مسافت ہے اور عرش کے ارد گرد ستر ہزار صفیں طواف کرنے
والے فرشتوں کی ہیں اور ان کے ارد گرد ستر ہزار اُن فرشتوں کی ہیں جو بحالتِ قیام ذکرِ پروردگار میں رطب اللسان ہیں
اور پھر ان کے آس پاس پوری ایک لاکھ صف عبادت گذار فرشتوں کی ہے جن میں سے ہر ایک کی تسبیح دوسرے کی تسبیح

سے الگ ہے اور تمام فرشتے ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اور روایات اہل بیت میں ہے کہ ان کی استغفار محمدؐ و آل محمدؐ کے موالیوں اور شیعوں کے لئے مختص ہے (مقتنیات)

رَبَّنَا۔ قرآن مجید میں ملائکہ یا انبیاء یا مومنین کی دعاؤں کا جہاں بھی تذکرہ ہے وہاں لفظ رب سے خطاب کیا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے وقت لفظ رب کا استعمال بہتر ہے۔

وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی اے پروردگار ان کو برائیوں کے عذاب سے بچا اور اس سے پہلے بھی دعا میں جہنم کے عذاب سے بچنے کا ذکر ہے پس بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ برائیوں کا عذاب جہنم کے عذاب سے عام ہے کیونکہ برائیوں کے عذاب میں موت کی تلخی قبر کا فشار اور حساب کی سختی وغیرہ سب شامل ہیں لہذا تکرار نہیں ہے۔

مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآءِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ

جو نیک ہوں اور اُن کے باپ دادوں بیویوں اور اولادوں کو تحقیق

اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَمَنْ

تو غالب حکمت والا ہے اور بچا ان کو برائیوں سے اور جن کو تو

تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

برائیوں سے بچا لے اس دن تو تو نے ان پر رحم کیا اور یہی بڑی

الْعَظِيْمُ ⑩ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ

کامیابی ہے تحقیق جو لوگ کافر ہیں اُن کو ندا دی جائے گی کہ اللہ کا غضب بہت بڑا

اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ

ہے تمہارے اپنے نفسوں پر غضب کرنے سے (زیادہ کر) جب تم کو ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا

فَتَكْفُرُوْنَ ⑪ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ

پس تم انکار کرتے تھے کہیں گے اے رب تو نے ہم کو موت دی دو دفعہ اور زندہ کیا دو دفعہ

رکوع نمبر ۲

لَمَقْتُ اللّٰهِ۔ یعنی کافر لوگ جب اپنے اعمال بد کی بدولت جہنم میں جائیں گے تو اپنے نفسوں پر ناراض ہوں گے کہ ہدایت کو قبول نہ کیا تو ان کو خطاب پہنچے گا کہ تمہارا اپنے نفسوں پر ناراض ہونا کوئی مفید نہیں ہے کیونکہ اللہ کی ناراضگی تم پر اس سے بھی زیادہ ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی طرف پکارا اور تم نے اس کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔

فَالُوْا رَبَّنَا۔ دو موتوں اور دو زندگیوں کے متعلق تین اقوال ہیں (۱) پہلی موت یہی جو ہر ایک پر آتی ہے اور دوسری موت وہ جو قبر میں

سوال منکر ونکیر کے بعد آئے گی پس پہلی زندگی دنیاوی اور دوسری اخروی ہوگی۔

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ﴿١٢﴾

پس ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا ہے پس کیا (دوزخ سے) نکلنے کی کوئی سبیل ہے

ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ

(ان کو جواب ملے گا) یہ (عذاب) اس لئے ہے کہ جب پکارا جاتا تھا اللہ اکیلے کو تو تم انکار کرتے تھے اور اگر

تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٣﴾ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ

اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے اب حکم اللہ کا ہے جو بلند وبزرگ ہے وہ جو تمہیں دکھاتا ہے اپنی

آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا

نشانیاں اور اتارتا ہے تمہارے لئے آسمان سے رزق اور نہیں نصیحت پکڑتا مگر جو

مَن يُنِيبُ ﴿١٤﴾ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

رجوع کرے (اللہ کی طرف) پس پکارو اللہ کو خالص کرتے ہوئے اطاعت اس کے لئے

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿١٥﴾ رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ

اگرچہ ناپسند کریں کافر وہ بلند کرنے والا ہے (نیک لوگوں کے) درجات کو مالک عرش

يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

ہے بھیجتا ہے روح کو اپنے امر سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے

لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٦﴾ يَوْمَ هُم بَارِزُونَ لَا يَخْفَىٰ

تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے جس دن وہ کھلے (میدان میں) ہوں گے کہ نہیں پوشیدہ ہوگی

۲۔ پہلی نطفہ کی حالت میں اور دوسری موت زندگی کے بعد والی۔ (۳) پہلی موت دنیا والی اور دوسری قبر والی اور اس کے مقابلہ میں پہلی زندگی دنیاوی اور دوسری وہ جو سوال منکر ونکیر کے وقت ہوگی پس کافر کہیں گے اے پروردگار اب تو ہم نے دو موتیں اور دو زندگیاں دیکھ لی ہیں۔ اور ہم اپنی غلطی کو مانتے ہیں اور معافی مانگتے ہیں کہ کسی طریقہ سے ہمیں عذاب سے نجات ملے۔

اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ۔ ہر زمانہ کے مشرکوں کا یہی دستور ہے کہ صرف اللہ کو پکارا جائے تو برا مناتے ہیں اور جب اللہ کے ساتھ ان کے من گھڑت بتوں کو یا ان کے پیروں کو شریک مانا جائے تو خوشی سے جھومتے ہیں اور ہمارے معاشرہ میں بھی یہ مرض عام ہے کہ اللہ کو تنہا پکارنے سے ان کا دل نہیں بھرتا جب تک کہ پکارنے میں محمد وآل محمدؐ کو شریک نہ مانا جائے حالانکہ عقیدۃً اللہ کو واحد ولاشریک بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ خدا تنبیہ کے طور پر فرماتا ہے کہ دنیا میں تو تم میرا شریک

ماننے پر خوش ہوتے تھے اور تمہیں کھلی چھٹی دی گئی تھی اب تنہا میرا حکم چلتا ہے اور تمہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ۔ یعنی اللہ وہ ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہیں آسمان سے رزق بھیجتا ہے پس سوچ سمجھ کر صرف اُسی ایک کی ذات کے سامنے جھکو اور اپنی دعاؤں اور مناجاتوں کا مرکز اُسی کی ذات کو قرار دو تاکہ قیامت کے دن تم کو شرمساری نہ ہو۔ وہی درجات کو بلند کرنے والا ہے اور وہی سارے اقتدار کا مالک ہے۔

عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ

اللہ پر ان کی کوئی چیز (ندا آئے گی) آج حکومت کس کی ہے؟ (خود ہی جواب دیگا) اس اللہ کی ہے جو واحد

۱۷ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ

غالب ہے آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو اُس کا جو اُس نے کمایا نہ ظلم ہوگا

الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۱۸ وَأَنْذِرْهُمْ

آج تحقیق اللہ جلد ہی حساب لینے والا ہے اور اُن کو ڈراؤ قریب آنے

يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ مَا

والے دن سے جب کہ دل حنجروں تک پہنچ جائیں گے (غم وغصہ کو) ضبط کرنے والے ہوں گے

لِلظّٰلِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۱۹ يَعْلَمُ

نہ ہوگا ظالموں کا کوئی قریبی اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے (اللہ) جانتا ہے خیانت

خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۲۰ وَاللَّهُ يَقْضِي

کرنے والی آنکھ کو اور اس کو جس کو سینے پوشیدہ رکھتے ہیں اور اللہ حق کا فیصلہ

بِالْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ

کرے گا اور جو لوگ پکارتے ہیں اس کے غیر کو وہ نہیں کوئی فیصلہ کر سکتے

يُلْقِي الرُّوحَ۔ روح کا معنی قرآن، وحی، جبریل اور نبوت کیا گیا ہے اور اس مقام پر سارے معانی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

لِمَنِ الْمُلْكُ۔ ممکن ہے یہ صدا قیامت کے دن بلند کی جائے اور یہ ممکن ہے کہ قیامت صغریٰ کے وقت ہو جس کی تفصیل سورہ الزمر میں گذر چکی ہے۔ صفحہ ۱۳۵

الْآزِفَةِ۔ اَزِفَ کا معنی ہے قریب ہوا۔ اور قیامت چونکہ یقیناً آنے والی ہے اور ہر آنے والی شئی قریب ہوتی ہے پس اس مناسبت سے قیامت کو آزفہ کہا گیا ہے۔

خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ۔ یہاں صفت کی موصوف کی طرف اضافت ہے یعنی الْأَعْيُنُ الْخَائِنَةُ۔

وَاللَّهُ يَقْضِي۔ جو لوگ خدا کے ساتھ شریک ماننے پر خوش ہوتے ہیں ان کو تنبیہ ہے کہ قیامت کے دن صرف میرا

ہی فیصلہ ہوگا اور جن کو تم پکارتے ہو وہ کسی بات کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہ ہوں گے لہذا سنبھل جاؤ اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ماننے کی غلطی نہ کرو ورنہ پچھتاؤ گے جب کہ اس پچھتاوٹ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

رکوع نمبر ۸

حضرت موسیٰؑ کا ذکر

اِلٰی فِرْعَوْنَ - اگرچہ حضرت موسیٰ پوری قوم پر مبعوث برسالت ہوئے تھے لیکن یہاں صرف فرعون ہامان اور قارون کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ پوری قوم میں سردار تھے ہامان وزیر اعظم اور قارون وزیر خزانہ تھا۔ قَالُوْا اقْتُلُوْا (ص ۱۴۸) - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا دو دفعہ حکم دیا تھا پہلی دفعہ جب نجومیوں نے اس کو خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا۔ دوسری دفعہ جب حضرت موسیٰ عہدہ رسالت پر فائز ہو کر تبلیغ کے لئے

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿٢١﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي

تحقیق اللہ ہی سننے دیکھنے والا ہے کیا وہ چلتے نہیں

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ

زمین میں تاکہ دیکھیں کہ کس طرح انجام ہوا ان لوگوں کا جو گزرے ان سے

قَبْلِهِمْ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ

پہلے وہ ان سے بھی سخت تھے قوت میں اور زمین کو آباد کرنے میں

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٢٢﴾

پس (اللہ نے) ان کو ان کے گناہوں کے بدلہ میں پکڑ لیا اور ان کو اللہ سے کوئی بھی چھڑانیوالا

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا

نہ تھا یہ اس لئے کہ آتے تھے ان کے پاس رسول واضح دلیلوں کے ساتھ تو وہ کفر کرتے

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ

تھے پس ان کو اللہ نے پکڑ لیا وہ طاقتور سخت عذاب والا ہے اور تحقیق ہم

اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٤﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ

نے بھیجا موسیٰ کو اپنی آیات کے ساتھ اور واضح معجزہ کے ساتھ فرعون

هَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا یہ جادوگر اور جھوٹا ہے پس جب وہ ان کے پاس

تشریف لائے تو فرعون نے دوبارہ حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کے پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کر دو تاکہ ان کی تعداد

ہیں اضافہ نہ ہو ورنہ فوجی طاقت بڑھا کر سلطنت میں انقلاب کی کوشش کریں گے۔ اور خدمت گذاری کے لئے ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھو لیکن فرعون کے اس حکم کی تعمیل نہ ہو سکی کیونکہ خداوند کریم نے قوم فرعون پر خون مینڈک طوفان اور مکڑی کے یکے بعد دیگرے عذاب بھیج دیئے جن کا تذکرہ پہلے جلد ۶ صفحہ میں کیا جا چکا ہے۔ اور اسی کے متعلق فرماتا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کو یہ تجویز نہ بچا سکی اور آخر کار اللہ کا فیصلہ اُن پر مسلط ہو کے رہا۔

بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

حق لایا ہماری جانب سے تو کہنے لگے قتل کرو ان لوگوں کے بچوں کو جو اس پر ایمان لائے اور

وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ ۚ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي

زندہ رکھو ان کی بچیوں کو اور نہیں تھی تجویز کافروں کی مگر ناکامی

ضَلَالٍ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَ

میں اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں وہ

لْيَدْعُ رَبَّهُ ۖ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ

بلائے اپنے رب کو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہارا دین نہ تبدیل کر دے یا زمین میں

فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٧﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي

فساد برپا نہ ہو جائے اور موسیٰ نے کہا میں اپنے رب اور تمہارے رب کی

وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٨﴾

پناہ چاہتا ہوں ہر ایسے متکبر سے جو یوم حساب پر یقین نہیں رکھتا

اَقْتُلْ مُوسٰی ۔ جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے فرعون کے دربار میں پہنچ کر دلائل توحید پیش کئے تو چونکہ فرعون کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ پس جس طرح دلیل کا جواب دینے سے عاجز آجانے والے ہر غلط کار کا آخری حربہ تشدد ہوا کرتا ہے۔ فرعون نے بھی اسی حربہ کو استعمال کرنا چاہا جس طرح حضرت ابراہیمؑ کی دلیلوں کے جواب سے عاجز آکر نمرود نے اُن کو سزائے موت سنا دی تھی۔ اور زندہ آگ میں ڈال دیا تھا۔ فرعون نے بھی اپنے مشیروں سے حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کی سزائے موت کے متعلق مشورہ چاہا کہ میں اس کو قتل کرنا چاہتا ہوں اور ازراہِ تکبّر کہا کہ وہ بے شک جس خدا کا ہمیں پیغام سناتا ہے اُس کو بلائے مجھے کوئی پرواہ نہیں کیونکہ اس کو زندہ چھوڑنے سے پُورے ملک کو خطرہ لاحق ہے کہ یا تو ان کے نظریات کا پرچار عام ہوگا اور لوگ ان کے دلائل کو سن کر اپنا آبائی مذہب چھوڑتے ہوئے ان کے ہمنوا ہوتے جائیں گے۔ اور ہمارا آبائی دین ختم ہو جائے گا اور اگر ان کی مذہبی تقریروں اور دینی سرگرمیوں

پر پابندی عائد کر دی جائے تو پھر دوسرا خطرہ یہ ہے کہ ان کی اپنی قوم اُن کے ہمنوا ہو کر ممکن ہے ہمارے خلاف اعلانِ جنگ کر دے اور یہ دونو صورتیں ہماری حکومت کے لئے باعثِ انقلاب ہو سکتی ہیں لیکن فرعون کے مشیروں نے مُوسٰے کے قتل کو جلد بازی قرار دے کر بادشاہ کی تجویز مسترد کر دی کہ ان کو قتل کرنے میں اُن کے پیش کردہ شبہات کو مزید تقویت پہنچے گی اور لوگوں کے دلوں میں اس کی بے گناہی کے قتل سے اس کی ہمدردیاں پیدا ہوں گی اور مذکورہ خطرات سے دوچار ہونے کا امکان رفع نہ ہو گا لہذا زیادہ مناسب یہ ہے کہ ان کو مہلت دی جائے اور اپنے ملک کے ماہر جادوگروں اور فن کاروں کو دعوت مقابلہ دی جائے تاکہ برسرِ عام ان کے جھوٹ اور جادو کا پول کھل جائے پس فرعون نے یہ تجویز منظور کر لی۔

تفسیر برہان میں ائمہ طاہرین علیہم السّلام سے منقول ہے کہ فرعون کے مشیروں میں سے حرامزادہ کوئی نہ تھا بلکہ سب حلال زادہ تھے۔ اگر ان میں کوئی حرامزادہ ہوتا تو ضرور فرعون کو مُوسٰے کے قتل کا مشورہ دیتا کیونکہ انبیاء اور اولادِ انبیاء کو صرف اولادِ زنا ہی قتل کیا کرتے ہیں۔ اور منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قتل کا مشورہ نمرود کے مشیروں نے دیا تھا اور وہ سب حرامزادے تھے۔ اور جناب پیغمبرؐ سے حدیث صحیح میں منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام سے بغض وہی رکھے گا جو حرامزادہ ہوگا۔ گویا انبیاء و اولیاء کے دشمن حلال زادے نہیں ہوتے بلکہ حرامزادے ہوتے ہیں۔

مومن آلِ فرعون

رکوع ۶ ع ۹ ـ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ـ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مومن آلِ فرعون ـ فرعون کا چچازاد تھا۔ اور حضرت مُوسٰے پر ایمان لایا تھا۔ اور یہی وہ شخص ہے جو شہر کے پرلے کنارے سے دوڑ کر آیا اور حضرت مُوسٰے کو اطلاع دی۔ اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ ـ یعنی سردارانِ قوم تجھے قتل کرنا چاہتے ہیں پس حضرت موسٰے مصر سے بھاگ کر مدین کی طرف آگئے تھے۔ اور بعض نے تو یہ بھی کہا ہے کہ یہ فرعون کا ولی عہد تھا اور اس کا نام حبیب یا حزقیل تھا۔ اور تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ فرعونی حکومت میں یہ شاہی خزانے کا انچارج تھا اور پورے چھ سو برس تک ایمان کو چھپاتا رہا۔ اور امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرعون کا ماموں زاد تھا۔ پس نسبت کے لحاظ

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ

اور کہا مرد مومن نے آلِ فرعون میں سے جو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا

اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

کیا تم مارتے ہو ایسے مرد کو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ لایا ہے تمہارے پاس واضح دلیلیں

سے یہ آلِ فرعون سے تھا نہ کہ دین کے لحاظ سے اور ہم نے آل کی تحقیق جلد ۲ ص ۶۳ پر بیان کی ہے۔

حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ صدیق تین ہیں (۱) حبیب نجار مومن آلِ یٰسین (۲) مومن آلِ فرعون حزقیل (۳) حضرت علی بن ابی طالب اور یہ اُن سے افضل ہیں۔

اَنْ يَّقُوْلَ یہ تَقْتُلُوْنَ ۔ کا مفعول لہ ہے یعنی اُس کے قتل کی تمہارے نزدیک وجہ جواز صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتا ہے اگر اَنْ يَّقُوْلَ کے بجائے قَائِلاً ہوتا تو یہ معنی نہ نکل سکتا ۔

مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ

اپنے رب کی طرف سے اور اگر وہ جھوٹا ہوگا تو اسی پر ہوگا اپنے جھوٹ کا وبال اور اگر وہ سچا ہوگا

صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

تو پہنچے گا تمہیں بعض وہ جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہے تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا

يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۹﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ

اس کو جو حد سے تجاوز کرنے والا جھوٹا ہو اے قوم آج زمین

الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؗ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا

ہیں غالب ہونے کی حیثیت سے تمہاری حکومت ہے تو کون ہماری مدد کرے گا

مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا

اللہ کے عذاب سے اگر ہم پر آیا فرعون نے کہا میں تم کو وہی کچھ سمجھاتا ہوں جو

مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۰﴾

میں خود سمجھا ہوں اور میں نہیں رہبری کرتا تمہاری مگر درست راستے کی

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

اور اس نے کہا جو ایمان لا چکا تھا اے قوم میں ڈرتا ہوں تم پر

قَالَ الَّذِیْ ۔ یعنی مومن آل فرعون نے پہلے ان کو نرم اور قابل قبول لہجہ میں توحید پروردگار میں غور و فکر کی دعوت دی اور یہ بھی سمجھایا کہ اگر وہ معاذ اللہ جھوٹا ہے تو اس کو جھوٹ کی خود بخود سزا مل جائے گی اور اگر سچا ہے تو تم کو اس کی پیشین گوئی کے ماتحت عذاب نصیب ہوگا ۔ اس جگہ اپنی قوم کو انبیاء کی مخالفت کرنے والی قوموں کے انجام بد سے نصیحت حاصل کرنے کی دعوت دے رہا ہے کہ مبادا تم پر بھی وہ عذاب آئے جو ان پر آیا تھا اور یوم الاحزاب میں یوم کا معنی دن نہیں بلکہ مجمع البیان میں ہے کہ یوم کا معنی نعمت اور محنت بھی ہوا کرتا ہے اور یہاں مراد محنت ہے یعنی ان جماعتوں پر جو عذاب آیا تھا مجھے تم پر بھی اُسی قسم کے عذاب کا خطرہ ہے ۔

مِثْلَ دَاْبِ الخ ۔ یہ پہلے مثل سے بدل ہے ۔ یعنی قوم نوح اور قوم عاد و ثمود کا انجام دیکھ کر عبرت حاصل کرو ۔ اور ان کے بعد دوسری وہ قومیں جو نبیوں کی تکذیب کرتی رہیں ان کی ہلاکت سے عبرت حاصل کرو اور ان کا انجام بد

اللہ کی طرف سے ظلم نہیں تھا بلکہ اُن کے اپنے کردارِ بد کا بدلہ تھا۔

مِثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿٣١﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ

(سابقہ) قوموں کے عذاب کی طرح مثلاً قوم نوح قوم عاد اور قوم

وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ

ثمود (کے عذاب کی طرح) اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے اور اللہ بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا

﴿٣٢﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ

اور اے قوم! میں ڈرتا ہوں تم پر شور و پکار (قیامت) کے دن سے جس دن

تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ

تم پیٹھ دکھا کر پیچھے بھاگو گے (عذاب سے) کہ تمہیں کوئی نہ ہوگا اللہ سے بچانیوالا اور جس کو

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٤﴾ وَلَقَدْ جَاۗءَكُمْ يُوْسُفُ

اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اُسے کون ہدایت کر سکتا ہے؟ اور تحقیق تمہارے پاس یوسف آیا

مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَاۗءَكُمْ

اس سے پہلے واضح دلیلوں کے ساتھ تو تم ہمیشہ شک میں رہے اس کے متعلق جو تمہارے

بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ

پاس لایا یہاں تک کہ جب وہ چل بسا تو تم کہنے لگے کہ اس کے بعد خدا کسی کو رسول بنا کر نہ

رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ﴿٣٥﴾

بھیجے گا اسی طرح گمراہی میں چھوڑتا ہے اللہ ہر اس شخص کو جو راہِ حق سے تجاوز کرنیوالا شکی ہو

يَوْمَ التَّنَادِ۔ یعنی دنیاوی عذاب کے بعد مجھے تمہارے متعلق یوم قیامت کے عذاب کا بھی خطرہ ہے جس دن دوزخی لوگ ایک دوسرے کو ذلیل و شور سے خطاب کریں گے یا یہ کہ دوزخی بہشتیوں سے کہیں گے کہ ہمیں کچھ پانی وغیرہ دو اور بہشتی اُن سے کہیں گے بتاؤ کیسی گذر رہی ہے۔ دنیا میں تم لوگ ہم کو ذلیل سمجھتے تھے۔ تَنَادی باب تفاعل سے جس کا معنی ایک دوسرے کو پکارنا ہے۔

تُوَلُّوْنَ۔ یعنی دوزخی لوگ ایک دفعہ تو دوزخ کو دیکھ کر پیچھے بھاگنے کی کوشش کریں گے لیکن ان کی کوشش سود مند نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ وہ دوبارہ آگ میں دھکیل دیے جائیں گے۔

جَاۗءَكُمْ يُوْسُفُ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے زمانہ کا فرعون اور موسیٰ کا فرعون ایک

تھا۔ اور ممکن ہے اولاد کی طرف ان کے بزرگوں کا قصہ منسوب ہو۔ جس طرح موجودہ بنی اسرائیل کی طرف گذشتہ بنی اسرائیل کے حالات منسوب کئے گئے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ یوسف حضرت یوسف بن یعقوب کا پوتا تھا یعنی یوسف بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب (مقتنیات الدرر)

مومن آلِ فرعون نے ان کو اپنے بزرگوں کا حوالہ دیا کہ قوم قبط کی طرف اس سے پہلے حضرت یوسف رسول بنا کر بھیجے گئے تو تم نے یعنی تمہارے بزرگوں نے ان کی بھی تکذیب کی تھی۔

حضرت یوسفؑ کی پیشین گوئی

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت رسالت مآبؐ سے نقل فرمایا کہ حضرت یوسف نے بوقتِ وفات اپنے تمام خاندان کے افراد کو اکٹھا کرکے پروردگار کی حمد و ثنا بیان کی اور ان کو آنے والی سختیوں اور مصیبتوں سے مطلع فرمایا اور یہ بھی پیشگوئی کی کہ تمہارے لڑکوں کو قتل کیا جائے گا۔ اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑا جائے گا یہاں تک کہ لاوی بن یعقوب کی اولاد سے اللہ ایک قائمؑ کو ظاہر کرے گا جو لمبی قد اور گندمی رنگ کا ہوگا۔ اور اس کے بعد اس کے باقی اوصاف بھی بیان فرمائے پس ان لوگوں نے وہ وصیت نامہ اپنے پاس محفوظ کرلیا اور زمانہ غیبت شروع ہوگیا یہاں تک کہ چار سو سال گذر گئے پھر جب اُن لوگوں کو ان کی ولادت کی خبر پہنچی تو اُن کے مصائب میں اور اضافہ ہوگیا۔ پس اُنھوں نے اس عالم وفقیہ کو تلاش کیا جو ان کو حضرت قائمؑ کے حالات بیان کرتا تھا اور وہ اپنا غم غلط کرتے تھے اور بدلتے ہوئے حالات میں وہ بھی روپوش ہوگیا تھا۔ اُنھوں نے عرض کی ان مشکلات و مصائب میں آپ ہی کا دم ہماری زندگیوں کا سہارا تھا کہ آپ کی باتوں سے ہم اپنا دل بہلا لیا کرتے تھے

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ

جو لوگ جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی آیات میں بغیر دلیل کے جو ان کے پاس ہو سخت

مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ

موجب غضب ہیں اللہ کے نزدیک اور ان کے نزدیک جو ایمان لائے اسی طرح اللہ ہر ظالم متکبر کے

عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝٣٦ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰـهَامٰنُ

دل پہ مہر لگا دیتا ہے اور فرعون نے کہا اے

ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝٣٧ اَسْبَابَ

ہامان تعمیر کر میرے لئے ایک محل تاکہ پہنچ جاؤں میں اسباب تک آسمانوں کے

السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ

اسباب تک پس جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میں تو سمجھتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے

اگر آپ ہمیں اسطرح چھوڑ جائیں تو ہمارا ٹھکانہ کیا ہوگا ؟ پس وہ عالم ان کو ایک جنگل میں لایا اور آنے والے قائم کے صفات کو بیان کرنا شروع کیا وہ رات چاندنی تھی اچانک حضرت موسیٰ فرعون کے محل سرا سے نکل کر سیر و تفریح کی خاطر اپنے ہمراہ آنے والے سرکاری ملازمین سے علیحدہ ہو کر اُن کے پاس سے آگذرے جب کہ ایک خچر پر سوار تھے اور ایک پشمینہ زیب تن تھا۔ جونہی اس عالم کی آپ پر نظر پڑی تو شکل و اوصاف سے پہچان گیا۔ پس ازراہِ تعظیم کھڑا ہوا اور اُن کے قدموں کو بوسہ دیا اور آپ کی زیارت سے مشرف ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ یہ دیکھتے ہی تمام بنی اسرائیل نے شرفِ قدم بوسی حاصل کیا۔ حضرت موسیٰ نے صرف اسی قدر فرمایا کہ میں اللہ سے پُرامید ہوں کہ مستقبل قریب میں وہ تمہارے مصائب کو دُور کرے گا۔ پس آپ چلے گئے اور غیبت کا زمانہ شروع ہوگیا کیونکہ قبطی کے قتل کے بعد آپ کو وہاں سے ہجرت کرکے مدین کی طرف آنا پڑا اور حضرت شعیب کے پاس کافی عرصہ تک رہے اور یہ غیبت پہلی غیبت سے بھی سخت تر تھی جو ۵۲ برس جاری رہی اور بنی اسرائیل کا وہ عالم و فقیہ بھی مصلحتِ وقت کے ماتحت گوشۂ عزلت و تنہائی میں گمنامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگیا چنانچہ حالات سے تنگ آکر بنی اسرائیل نے ان کی خدمت میں گذارش کی کہ کم از کم آپ تو ہمیں اپنی زیارت سے محروم نہ فرمائیں۔ پھر وہ اُن کو لے کر ایک جنگل میں آیا اور اُن کو تسلّی دی کہ اب وہ وقت قریب آن پہنچا ہے اور مجھے اللہ نے وحی کی ہے کہ وہ چالیس برس کے بعد تمہاری مصیبت کو دُور کردے گا۔ وہ لوگ جو مصائب مشکلات کی چکیوں میں پس پس کر تھک چکے تھے چالیس برس کے بعد مصائب سے نجات کی خبر سُن کر بھی اُن کی ڈھارس بندھی اور انہوں نے اپنے اچھے مستقبل کی خوش خبری سُن کر بیک زبان شکرِ پروردگار زبان پر جاری کیا تو خدا نے اس عالم پر وحی کی کہ ان کے شکر کے صدقہ میں مَیں نے ان کی انتظار کے دس برس کم کر دیئے ہیں۔ اب تیس برس انتظار کے باقی ہیں۔ جب اُس عالم نے اُن کو یہ دوسرا مژدہ سنایا تو انہوں نے اللہ کی نعمت کا مزید شکر ادا کیا۔ پس خدا نے وحی کی کہ میں نے دس اور کم کر دیئے ہیں انہوں نے خوش خبری سُن کر کہا کہ ہمیں اللہ سے خیر کی ہی توقع ہے پس خدا نے وحی کی کہ میں نے دس برس اور کم کر دیئے ہیں اب صرف ۱۰ سال باقی ہیں تو انہوں نے اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ واقعی اللہ ہی مصائب و مشکلات کو ٹال سکتا ہے تو خدا نے وحی کی کہ میں نے ان کے انتظار کا وقفہ بالکل ختم کر دیا ہے لہٰذا تم کو مبارک ہو کہ تمہاری مشکل ختم ہوگئی۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک گدھے پر سوار حضرت موسیٰ پہنچ گئے۔ ابھی وہ فقیہ حضرت موسیٰ کے علائم بتانے والے ہی تھے کہ آپ اچانک ظاہر ہوگئے اور آتے ہی سلام کہا۔ اُس عالم نے پوچھا کہ آپ کا کیا نام ہے ؟ آپ نے فرمایا میں موسیٰ ہوں۔ اُس عالم نے سوال کیا آپ کے والد ماجد کا کیا نام ہے ؟ تو آپ نے جواب دیا عمران بن فاہث بن لاوی بن یعقوب تو عالم نے پھر دریافت کیا کہ آپ کیا لائے ہیں ؟ تو انہوں نے جواب دیا اللہ کی طرف سے پیغامِ رسالت لایا ہوں۔ پس اُس عالم نے کھڑے ہو کر آپ کی قدمبوسی کی اور اس وقت سے فرعون کے غرق ہونے کے زمانہ تک چالیس برس کا فاصلہ تھا۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السّلام نے بوقتِ وفات تمام اولاد یعقوب کو جمع کرکے پیشین گوئی کی تھی کہ تم پر قبطیوں کی طرف سے سخت مصائب آئیں گے۔ اور حضرت یعقوب کی اولاد سے موسیٰ بن عمران

کی بدولت ہی تمہاری مشکل کشائی ہوگی۔ اُس وقت اُن کی تعداد اسقدر تھی۔ اور لوگوں نے اپنی اولادوں کا نام عمران اور پھر موسیٰ رکھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ کی آمد سے پہلے پچاس چھوٹے موسیٰ بن عمران گذر چکے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مرد آزاد کسی قیمت پر بھی اپنی آزادی کو فروخت نہیں کیا کرتا۔ اور شریف ہر حال میں شریف رہتا ہے۔ چنانچہ ہر مصیبت کا ہنس مکھی سے استقبال کرنا اور آنے والے حوادث کے سامنے نہ جھکنا اور اپنی خودداری پر قائم رہنا جوانمرد آزاد منش انسان کا دستور زندگی ہے۔ خواہ اُسے قید و بند کی صعوبتوں سے ہی کیوں نہ دوچار ہونا پڑ جائے۔ دیکھئے مظلومیت اور غلامی اور اسیری کے پے درپے مصائب کے باوجود بھی حضرت یوسف کی مستقل مزاجی میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ نیز کنوئیں کی ظلمت اور جنگل کی وحشت ان کے عزم صمیم کو متزلزل نہ کر سکی۔ یہاں تک کہ مصائب کے بادل چھٹ گئے اور آزمائش کی گھڑیاں کٹ گئیں اور آخر کار زندان کی کالی کوٹھڑی سے نکل کر شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوگئے۔ اور جس نے غلام کر کے خریدا تھا وہ خود غلام نظر آیا اور آپ سلطان وقت کی حیثیت سے کرسئ اقتدار کے مالک ہوگئے۔ پس اسی طرح صبر کا انجام خیر ہوا کرتا ہے پس تم لوگ صبر کرو اور اپنی طبیعتوں کو صبر کا عادی بناؤ۔ تاکہ اس کے اجر کے حقدار قرار دئیے جاؤ۔

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ

اور اسی طرح مزین ہوا فرعون کے لئے اُس کا برا عمل اور راہِ حق سے وہ منحرف

السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

ہوا اور نہ تھی فرعون کی تجویز مگر ناکام

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ۔ جب مومن آلِ فرعون یعنی حضرت حزقیل نے قوم کو نصیحت کی اور سابقہ اُمتوں کے واقعات سے عبرت دلائی کہ قوم نوح و قوم عاد و ثمود اور بعد والی قوموں کے انجام بد کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرو۔ اور پھر حضرت یوسف کی وصیت اور پیشین گوئی کا بھی تذکرہ کیا تاکہ فرعون کا حضرت موسیٰ کے متعلق قتل کا ارادہ تبدیل ہو جائے۔ پس فرعون یہ سب کچھ سُننے اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کے باوجود اپنی قوم کو دھوکے میں رکھنے کے لئے اور حزقیل کی بات کا اثر مٹانے کے لئے ہامان سے خطاب کر کے کہنے لگا کہ تم میرے لئے ایک پختہ عالی شان اور بلند محل تعمیر کرو تاکہ میں اُوپر جا کر مو سے کے خدا کی حقیقت معلوم کروں۔ اور اُن اسباب تک رسائی حاصل کروں جو آسمانوں تک پہنچنے کے ذرائع ہیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ موسیٰ جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت فرعون جانتا تھا کہ نہ خدا دیکھنے کی چیز ہے اور نہ آسمانوں پر سیڑھیوں کے ذریعے سے چڑھا جا سکتا ہے اور کوئی چڑھ بھی جائے تو خدا آسمانوں پر موجود نہیں ہے یہ سب کچھ جاننے کے باوجود عوام الناس کو دھوکہ دینے اور اُن پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے لئے یہ ایک بہانا بنانا تھا کہ میں خود جا کر پتہ کرتا ہوں کہ میرے علاوہ کون ہے جس کو موسیٰ خدا کہتا ہے۔ پس شیطان نے فرعون کے لئے اُس کا کردار مزین کیا ہوا تھا اور اس قسم کے ناجائز ہتھکنڈوں سے عوام پر اپنا اقتدار قائم کئے ہوئے تھا۔

رکوع ۱۰ - وَقَالَ الَّذِیٓ اٰمَنَ - فرعون کی بات کا جہاں پر اچھا خاصہ اثر ہوا تو انہوں نے مومن آل فرعون کو بھی اپنے مسلک میں شامل ہونے کی دعوت دی اور حزقیل ظاہر طور پر قوم فرعون کے ہم خیال تھا اور باطن میں مومن تھا اور فرعون کی عدم موجودگی میں لوگوں کو نصیحت کرتا تھا

وَقَالَ الَّذِیٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۹﴾

کہا اُس نے جو ایمان لایا اے قوم! میری اتباع کرو تاکہ میں تمہیں ہدایت کروں نیکی کے راستے کی

یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ

اے قوم یہ دنیاوی زندگی صرف (معمولی) منفعت ہے اور بے شک آخرت ہمیشہ رہنے کا

دَارُ الْقَرَارِ ﴿۴۰﴾ مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ

گھر ہے جو کرے برائی تو نہ جزا پائے گا مگر اس جیسی اور جو کرے

عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ

نیکی مرد ہو یا عورت اور ہو بھی مومن تو ایسے لوگ جنت میں داخل

الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۴۱﴾ وَیٰقَوْمِ مَا لِیٓ اَدْعُوْكُمْ

ہوں گے اور بے حساب رزق دیئے جائیں گے اور اے قوم تعجب ہے کہ میں تم کو نجات

اِلَی النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِیٓ اِلَی النَّارِ ﴿۴۲﴾ تَدْعُوْنَنِیْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ

کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور

اُشْرِكَ بِهٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ

اس کے ساتھ شریک کروں ایسی چیز کو جس کا مجھے علم نہیں اور میں تم کو بلاتا ہوں طرف اللہ کے جو

الْغَفَّارِ ﴿۴۳﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ

غالب اور بخشنے والا ہے یقیناً جس کی طرف مجھے تم بلاتے ہو اس کو دعوت دینے کا کوئی حق نہیں نہ

پس جب لوگوں نے حزقیل سے فرعون کی چالاکی اور چالبازی کا ذکر کیا جس کو وہ حقیقت سمجھ رہے تھے، تو انہوں نے پھر اپنی نصیحت دہرائی کہ تم میری بات مانو کہ میں تم کو نجات کے راستے کی ہدایت کرتا ہوں اور تم باطل اور لغو باتوں کی طرف کان نہ دھرو یہیں اس چند روزہ زندگی کی منفعت پر آخرت کی دائمی زندگی کو ترجیح دو۔

لَا جَرَمَ - مومن آل فرعون نے قبطیوں سے کہا کہ جس چیز کی عبادت کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو یعنی بت پرستی یا فرعون پرستی ان کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دینے کا کوئی حق نہیں ہے یا یہ کہ اُن کی دعوت عبادت نہ دنیا میں فائدہ مند ہے اور نہ آخرت میں پس گویا کہ ان کی دعوت دعوت نہیں ہے بلکہ دعوت کا حق صرف اس ذات کو ہے جس کی طرف ہماری بازگشت ہے اور وہ اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں

ہے۔ اور اب اگرچہ میری نصیحتوں کا تم اثر نہیں لیتے لیکن ایک وقت آئے گا جب تم میری باتوں کو یاد کرو گے۔

فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ وَأَنَّ

دنیا میں اور نہ آخرت میں (اسکی دعوت کوئی دعوت نہیں) اور بیشک ہماری بازگشت اللہ تک ہے

الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿۴۴﴾ فَسَتَذْكُرُونَ مَا

اور تحقیق راہِ حق سے تجاوز کرنیوالے اصحابِ نار ہیں پس تم بھی یاد کرو گے جو میں تم کو

أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ

کہتا ہوں اور میں سونپتا ہوں اپنا معاملہ اللہ کو تحقیق اللہ بندوں پر

بِالْعِبَادِ ﴿۴۵﴾ فَوَقَاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ

آگاہ ہے پس اس کو بچا لیا اللہ نے ان تکلیفوں سے جو انہوں نے تجویز کی تھیں اور

بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا

گھیر لیا آلِ فرعون کو (غرقابی کے) برے عذاب نے آگ پر پیش کئے جاتے ہیں

غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ

صبح اور شام اور جب قائم ہو گی قیامت (تو کہا جائیگا) داخل کرو آل فرعون کو

فَوَقَاهُ اللَّهُ - جب حضرت حزقیل نے اپنی نصیحت کے آخر میں فرمایا افوض امری الی اللہ یعنی میں اپنے معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں تو اب تک جو اس نے تقیہ کیا ہوا تھا اس کا راز فاش ہو گیا اور فرعون کی رعایا کو پتہ چل گیا کہ یہ فرعون کے بجائے اللہ ہی کو اپنا رب تسلیم کرتا ہے اور اسی کی توحید کا قائل ہے پس فوراً دربار فرعون میں پہنچے اور حزقیل کے ایمان کی رپورٹ کی تو حزقیل بھی اعلانیہ طور پر حضرت موسیٰؑ کی قوم میں شامل ہو گیا اور جب آپ نے قوم کو روانگی کا حکم دیا تو وہ بھی ساتھ تھا اور باقی قوم کے ہمراہ پانی سے پار ہو گیا۔ اور فرعون کا لشکر فرعون سمیت غرق ہو گیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ فرعون کی جانب سے مومن آلِ فرعون کے لئے سزائے موت کا حکم ہوا تو بھاگ کر پہاڑ کے دامن میں چلا گیا۔ فرعون نے اس کی گرفتاری کے لئے اپنے دو نمایندے سپاہی بھیجے جب وہ پہنچے تو دیکھا حزقیل نماز میں مشغول ہے اور تمام وحشی جانور اس کے گرد پہرہ داری کے فرائض انجام دے رہے ہیں پس ان کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہو سکی اور ناکام واپس پلٹے۔

اور تفسیر نور الثقلین میں بروایت احتجاج طبرسی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایک طویل روایت میں

منقول ہے کہ فرعون کے سامنے مومن آلِ فرعون حضرت حزقیل کے متعلق رپورٹ پہنچی تو فرعون نے جواب دیا وہ میرا چچا زاد اور میرے ملک پر میرا خلیفہ اور میرا ولی عہد ہے اگر اس کے متعلق یہ جرم ثابت ہو جائے جو تم کہتے ہو تو وہ بے شک سخت سزا کا مستحق ہوگا لیکن اگر تمہاری رپورٹ غلط ثابت ہوئی تو تم کو سخت ترین سزا دی جائے گی چنانچہ حضرت حزقیل کی دربارِ فرعون میں طلبی ہوئی تو آپ نے فرعون کو خطاب کرتے ہوئے پوچھا کہ بتائیے آپ نے کبھی مجھے جھوٹ بولتے دیکھا ہے؟ فرعون نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا ان سے دریافت کیجئے کہ تمہارا رب کون ہے؟ کہنے لگے فرعون۔ تمہارا خالق کون ہے؟ اُنہوں نے کہا فرعون! تمہارا رازق کون ہے؟ کہا فرعون! تمہاری زندگی میں تمہارا کارساز اور مصیبتیں رفع کرنے والا کون ہے؟ انہوں نے کہا فرعون۔ پس حضرت حزقیل نے کہا اے بادشاہ میں تجھ کو اور تیری تمام رعایا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جو ان کا حقیقی رب ہے وہی میرا ہے جو ان کا حقیقی خالق ہے وہی میرا ہے جو ان کا رازق وہی میرا ہے اور جو ان کا کارساز وہی میرا ہے پس میرا نہ ان کے رب کے علاوہ کوئی رب ہے نہ ان کے خالق کے سوا کوئی خالق ہے اور نہ ان کے رازق کے سوا کوئی رازق ہے اور میں تجھے اور تمام حاضرین مجلس کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ان کے حقیقی رب اور خالق و رازق کے علاوہ کوئی کسی اور کو رب یا خالق یا رازق کہے میں اُس سے بیزار ہوں اور اس کی ربوبیت سے متنفر ہوں۔ اور اس کی اُلوہیت کا منکر ہوں۔ اور ان تمام مقامات پر حزقیل کے اعتقاد میں چونکہ ان کا حقیقی رب خالق و رازق صرف اللہ ہی تھا لہٰذا حزقیل نے خدائے حقیقی کی ربوبیت کا ہی اقرار کیا اور یہ نہیں کہا کہ جس کو وہ رب کہتے ہیں میرا وہی رب ہے۔ (بلکہ یہ کہا کہ جو ان کا رب ہے وہ میرا رب ہے) اور اس مطلب کو فرعون یا فرعون کے ہم پیالہ لوگ یا رعایا نہیں سمجھتے تھے پس جونہی مومن آلِ فرعون کا بیان ختم ہوا تو فرعون نے رپورٹ کرنے والوں پر عتاب کی بارش کر دی کہ تم لوگ ملک میں فساد کا بیج بونے والے اور میرے اور میرے چچازاد کے درمیان پھوٹ ڈالنے والے ہو لہٰذا تم ہی سنگین ترین سزا کے حق دار ہو پس ان کے ہاتھوں پاؤں اور سینوں میں لوہے کے کیل ٹھونسے گئے اور اُن کا گوشت اُن کے زندہ بدنوں سے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا اور اسی کے متعلق ارشادِ قدرت ہے کہ اللہ نے حزقیل کو اُن کے تجویز کردہ عذاب سے بچا لیا اور حزقیل پر چغلی کھانے والے فرعونیوں کو سخت عذاب نے گھیر لیا۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ [۱۵۷] یعنی فرعون اور قومِ فرعون کو عالمِ برزخ میں صبح و شام عذاب میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ اور اس سے قیامت کا عذاب مراد نہیں ہے۔ کیونکہ قیامت کے عذاب میں صبح اور شام نہیں بلکہ متواتر اور مسلسل وہاں عذاب ہوگا اور آیتِ مجیدہ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ جب قیامت ہوگی تو حکم دیا جائے گا کہ فرعون کی قوم کو سخت ترین عذاب میں داخل کیا جائے۔

یَتَحَاجُّوْنَ [۱۵۸] یعنی کفار جہنم میں پہنچیں گے تو غریب طبقہ کے لوگ جو سردارانِ قوم کے ڈر سے اسلام کو قبول نہ کر سکے تھے اُن کا اور امیر طبقہ کا آپس میں جھگڑا ہوگا۔ غریب طبقہ کے لوگ اُن سے کہیں گے کہ ہم تمہاری وجہ سے شرک کرتے تھے اور تمہارے ڈر سے ہم اسلام کو قبول نہ کر سکے تھے لہٰذا تم ہم سے عذاب کا حصہ لو تاکہ ہم سے کچھ تخفیف ہو، تو امیر و سردار کہیں گے کہ ہم سب کے سب

أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۷﴾ وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ

سخت عذاب میں — اور جب جھگڑا کریں گے آگ میں — پس کہیں گے

الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ

کمزور اُن کو جو متکبر تھے کہ تحقیق ہم تو تمہارے پیچھے لگے تھے کیا تم

مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ﴿۴۸﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا

اپنے ذمہ لے سکتے ہو آگ کا ایک حصہ ہم سے۔ تو کہیں گے وہ جو تکبر کرنے والے تھے

إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ

ہم سب اسی میں ہیں تحقیق اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے اور کہیں گے

الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا

دوزخ میں جلنے والے جہنم کے دربانوں کو کہ پکارو اپنے رب کو کہ ہم سے ایک دن تو عذاب کی

يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ﴿۵۰﴾ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ

تخفیف کر دے — وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح دلیلیں لے کر

بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَىٰ قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا

نہیں پہنچے تھے؟ تو وہ کہیں گے ہاں تو تھے تو کہیں گے پس خود ہی پکار لو اور کافروں کا پکارنا بے نتیجہ

فِي ضَلَالٍ ﴿۵۱﴾ إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا

ہی ہوگا — یقیناً ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان کی جو ایمان لائیں

اسی آگ میں جل رہے ہیں۔ اور اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے اگر ہم تم سے تخفیف کر سکتے تو اپنا عذاب کم نہ کر لیتے۔ جب ایک دوسرے کی مدد سے مایوس ہوں گے تو جہنم کے دربانوں سے عرض کریں گے کہ خدا کی بارگاہ میں ہماری سفارش کرو کہ وہ کسی دن ہم سے عذاب کی تخفیف کر دے تو خازنین جہنم ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نمائندگی کرنے والے رسول نہیں پہنچے تھے جو تم کو اس آگ کے عذاب سے ڈراتے؟ تو یہ جواب دیں گے کہ بے شک اللہ کے نمائندے رسول ہمیں دوزخ سے ڈرانے کے لئے آئے تھے لیکن ہم نے اپنے ضد و عناد کی وجہ سے اپنی ہٹ دھرمی نہیں چھوڑی تھی۔ اور سچی بات ہے کہ دنیا میں جنت کے ٹھیکہ دار لوگ عوام الناس کو کلمہ حق کے قبول کرنے سے روکتے ہیں اور ان کو مشرکانہ عقائد کی تعلیم دیکر اُن کے نعروں سے خوش ہوتے ہیں اور اپنی جیبوں کو گرم کر لیتے ہیں لیکن اس وقت اُن کو سمجھ آئے گی جب جہنم میں اُن کا آپس میں جھگڑا ہوگا اور فرشتے کہیں گے اب بے شک واویلا کرتے رہو تمہیں ذرہ بھر فائدہ نہیں ہے۔

رکوع ۱۱ اِنَّا لَنَنْصُرُ ۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم رسولوں کی اور مومنوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور قیامت کے دن بھی مدد کریں گے۔ دنیا میں اُن کی مدد کے کئی طریقے ہیں مثلاً تائید غیبی۔ جرأتِ قلبی۔ ہلاکتِ دشمن۔ معجزہ وکرامت۔ بیان واضح اور دلیل و برہان وغیرہ اور بعض اوقات دشمن پر ظاہری فتح و نصرت بھی اللہ کا عطیہ ہوتا ہے۔ اور قیامت کے دن جو اللہ کی نصرت ہوگی وہ یہ کہ اُن کو مقام قرب خداوندی نصیب ہوگا اور اُن کے دشمنوں کو عذاب جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (۵۲) يَوْمَ لَا يَنْفَعُ

زندگی دنیا میں اور جس دن گواہ قائم ہوں گے جس دن نہ نفع دے گی

الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (۵۳)

ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لئے لعنت ہوگی اور اُن کے لئے بُرا (دوزخ کا) گھر ہوگا

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ (۵۴)

اور ہم نے دیا موسیٰ کو ہدایت نامہ اور وارث کیا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) کا

هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (۵۵) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

جو کہ ہدایت اور نصیحت ہے صاحبانِ عقل کے لئے پس صبر کر تحقیق اللہ کا وعدہ حق

حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ

ہے اور بخشش مانگو اپنے گناہ کے لئے اور تسبیح کرو اپنے رب کی حمد کی شام کو اور سویرے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ (۵۶)

تحقیق جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی آیات میں بغیر دلیل کے جو اُن کو

هُدًى وَّذِكْرٰى ۔ یہ دونوں اگرچہ مصدر ہیں لیکن ان میں اسم فاعل کا معنی ہے اور حال واقع ہیں۔

فَاصْبِرْ ۔ اپنے پیغمبر کو تسلی دی ہے کہ سابقہ انبیاء کے قصوں کو یاد کرو اور جس طرح وہ اُمتوں کے ستانے کے باوجود صبر کرتے رہے تم بھی اسی طرح صبر کرو۔ اور اللہ کا وعدہ سچا ہے انجام کار تمہاری کامیابی ہوگی اور تمہارا دشمن رسوا اور ذلیل ہوگا۔ اور خدا کی نصرت تمہارے شامل حال ہوگی۔ اور تفسیر برہان میں روایاتِ اہل بیتؑ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں رسولوں اور مومنوں کی نصرت کے وعدے سے رجعت کا زمانہ مُراد ہے کیونکہ بہت سے رسول اور مومن ایسے گذرے ہیں جن کی دنیا میں ظاہری مدد نہیں کی گئی پس زمانِ رجعت میں یہ وعدہ پورا کیا جائے گا پس حضرت امام حسین علیہ السلام اور جملہ شہدائے کربلا کے خون کا انتقام آخرت سے پہلے دنیا میں ضرور لیا جائے گا اور وہ زمانِ رجعت ہی ہوگا۔

وَاسْتَغْفِرْ ۔ چونکہ انبیا معصوم ہوتے ہیں اور حضرت سلطان الانبیا تمام نبیوں کے سردار اور تمام سے اشرف ہیں

پس ان کو گناہ سے معافی مانگنے کا حکم اُمت کی تعلیم کے لئے ہے یعنی خطاب حضورؐ کو ہے اور مُراد اُمت ہے کہ اپنے گناہوں کے لئے طلبِ مغفرت کیا کرے ورنہ حضورؐ اپنی دعاؤں میں بخششِ گناہ کی دعا مانگتے تھے تو صرف اس لئے کہ آپ کی اتباع میں اُمت دُعا کا طریقہ سیکھ لے۔

اَتٰىهُمْ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ فَاسْتَعِذْ

(اللہ نے) دی ہو ان کے دلوں میں تکبر کے سوا کچھ نہیں حالانکہ وہ اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتے پس اللہ کی پناہ

بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

مانگو بے شک وہ سمیع بصیر ہے البتہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا

اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۸﴾

لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا مشکل ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور نہیں برابر اندھے اور بینا اور مومن نیک عمل کرنے والے

وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

اور گنہگار تم تھوڑا ہی نصیحت حاصل کرتے ہو بے شک قیامت آنے والی ہے

لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَقَالَ

جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور تمہارے

رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ

رب نے کہا کہ مجھے پکارو میں تمہاری قبول کرونگا تحقیق جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری عبادت سے

اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ ۔ یعنی نبی اکرمؐ جب آیات خداوندی کی کفار مکہ کے سامنے تلاوت کرتے تھے تو جاننے اور سمجھنے کے بعد بھی جو قریش مکہ آپ سے مسئلہ توحید میں الجھتے تھے وہ صرف اس لئے کہ ان کے دلوں میں تکبر تھا۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ ہم اکابر قریش اس یتیم کے آگے کیوں جھکیں حالانکہ وہ حضور نبی اکرمؐ کے مرتبے کی بلندی تک ہرگز ہرگز نہیں پہنچ سکتے اس کے بعد حضورؐ کو تعلیم دی گئی ہے کہ تم ان لوگوں کی پرواہ کئے بغیر اللہ کی پناہ مانگتے رہو۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ ۔ کفار قریش یہ مانتے تھے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہے اور باایں ہمہ قیامت کا انکار کرتے تھے تو ان پر اتمام حجت کے طور پر یہ دلیل قائم کی گئی ہے کہ لوگوں کو پیدا کرنا یا مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کرنا اس قدر مشکل نہیں جس قدر زمینوں کا بغیر مادہ کے پیدا کرنا اور اس میں قوائے نامیہ کا سپرد کرنا اور آسمانوں کا پیدا کر کے بغیر ستونوں کے کھڑا کرنا اور اُن کی گردش کا نظام وغیرہ مشکل ہے تو جو اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کر سکتا ہے وہ

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیونکر نہیں کر سکتا ؟

اُدْعُوْنِیْ - تفسیر مجمع البیان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ مسجد میں داخل ہونے کے بعد ایک شخص زیادہ نمازیں پڑھے ، اور دوسرا شخص زیادہ دعا مانگے ان میں سے افضل کون ہے ؟ آپ نے فرمایا جو زیادہ دعا مانگے وہ افضل ہے اور دعا سے اعراض کرنے والے کو عبادت سے تکبر کرنے والا کہا گیا ہے گویا کہ دعا کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے - چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کونسی عبادت افضل ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کو دعا کرنے سے زیادہ کوئی شے محبوب تر نہیں ہے چنانچہ دعا نہ مانگنے والے کو اس نے عبادت سے تکبر کرنے والا قرار دیا ہے - اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا مانگنا نافلہ کے بعد دعا مانگنے سے اس طرح افضل ہے جس طرح خود فریضہ نافلہ سے افضل ہے -

الٰہ اور ربّ کا اطلاق

رکوع ۱۲ - ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ - جو لوگ عوام الناس کو دھوکے میں رکھنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رب کا اطلاق جائز ہے یا یہ کہ اُن کو خالق و رازق کہنا درست ہے - ان آیات میں ان کے عقائد فاسدہ کی تردید ہے کہ آرام کرنے کے لئے رات کو بنانے والا اللہ ہی ہے اور دن کو دیکھنے کے لئے اور جملہ کاروبار کے لئے روشن بنانے والا بھی اللہ ہے جو تمہارا رب ہے اور ہر شے کو پیدا کرنے والا بھی وہی تمہارا رب ہے جس کے علاوہ اور کوئی الٰہ نہیں ہے پس تم غلط بیان کرنے والوں سے کیوں دھوکا کھاتے ہو - آیت مجیدہ میں اس عقیدہ کی کھلی تردید ہے

سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ

عنقریب داخل ہوں گے جہنم میں ذلیل ہو کر — اللہ وہ ہے جس نے بنایا تمہارے

لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ

لئے رات کو تاکہ سکون حاصل کرو اس میں اور دن کو دیکھنے کے لئے — تحقیق اللہ صاحب فضل

فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾

ہے لوگوں پر — لیکن اکثر لوگ شکر نہیں ادا کرتے

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؗ فَاَنّٰى

یہ اللہ تمہارا رب ہے — ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں — پس کہاں

تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾

دھوکہ دیئے جاتے ہو ؟ اسی طرح دھوکہ دیئے گئے وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے (اپنے بڑوں کے پیچھے لگ کر)

کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اللہ نے پیدا کیا اور باقی مخلوق کو انہوں نے پیدا کیا کیونکہ خدا فرماتا ہے ہر چیز کو اُس رب نے ہی پیدا کیا ہے

جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اس کے بعد فرمایا کہ وہی اللہ زمین کو رہائش گاہ بنانے والا آسمان کو چھت قرار دینے والا نہیں خوبصورت انسانی شکلیں دینے والا اور تم کو پاکیزہ رزق دینے والا ہے۔ اور وہی اللہ تمہارا رب ہے اور بابرکت ہے وہ اللہ جو عالمین کا رب بھی ہے پس

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ

اللہ وہ ہے جس نے بنایا زمین کو رہائش گاہ اور آسمان کو چھت اور تم کو شکل دی

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

پس بہترین شکل دی اور تم کو رزق دیا پاکیزہ چیزوں میں سے یہ اللہ تمہارا پروردگار

رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۵﴾ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ

ہے پس بابرکت ہے اللہ جو عالمین کا پروردگار ہے وہ زندہ ہے کہ اس کے سوا کوئی

اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

الٰہ نہیں پس اسی کو پکارو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اطاعت کو حمد اللہ کے لئے ہے جو

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ

عالمین کا پروردگار ہے کہہ دیجئے میں روکا گیا ہوں اس بات سے کہ عبادت کروں ان کی جن کو تم

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ۘ وَ اُمِرْتُ

پکارتے ہو اللہ کے علاوہ جب کہ پہنچ چکیں میرے پاس واضح دلیلیں اپنے رب کی طرف سے اور میں

اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ

مامور ہوں کہ جھک جاؤں عالمین کے رب کے سامنے وہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا مٹی

تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا

سے پھر نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر تم کو نکالتا ہے بچے کی حالت میں

جس طرح محمدؐ و آلِ محمدؐ کو الٰہ خالق و رازق ماننا شرک ہے اسی طرح ان کو رب کہنا بھی شرک ہے چنانچہ اس کے بعد فرماتا ہے وہ اللہ جس کی دیگر صفات میں سے ایک صفت رب بھی ہے وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور زندہ رہے گا اور اس کے علاوہ اور کوئی الٰہ نہیں یعنی ازل سے ابد تک زندہ ہونا بھی اسی اللہ اور ربّ کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور اس میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے لہذا انسانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مصائب و مشکلات میں صرف اسی ہی کی ذات کو پکارا کرو اور اسی سے ہی دعا مانگا کرو اور تمہاری عبادت خالص طور پر اسی کی ذات کے لئے ہی مخصوص ہونی چاہیے اور انسان پر جملہ مخلوق میں سے پروردگار کا خصوصی احسان ہے کہ ان کی شکل وصورت تمام

حیوانات سے ممتاز اور حسین ترین ہے اور ان کی خوراک تمام جاندار مخلوق سے صاف اور پاکیزہ تر ہے جس کا آیاتِ مذکرہ بالا میں ذکر فرمایا ہے۔

اِنِّیْ نُہِیْتُ حضورؐ کو اُمت کے سمجھانے کے لئے یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ میرے پاس جب میرے رب کی طرف سے واضح دلیلیں موجود ہیں کہ وہی ایک اکیلا ہی عبادت کا سزاوار ہے اور دعاؤں کا مستحق ہے تو اس وضاحت کے بعد میں اس امر کا پابند ہوں کہ صرف اُسی ذات کے لئے جھکوں جو عالمین کا رب ہے اور غیر اللہ کی طرف جھکنا اور ان کی پوجا کرنا یا ان سے دُعائیں مانگنا بالکل بے فائدہ ہے لہٰذا ان سے بچ کر رہنا ہی لازم ہے اور حضورؐ کے بعد ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی پرچم توحید کو اسی طرح ہی بلند رکھا اور اس تعلیم کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ فرشتوں یا سابق نبیوں یا کعبہ میں نصب شدہ پتھروں کو شریک خدا ماننا کا جائز ہے اور جو برگزیدہ ہستیاں توحید پروردگار کا درس دینے کے لئے آئی ہیں۔ خود انہی کو خدائی میں خدا کا شریک کر لینا جائز ہے درحقیقت بڑے ظالم ہیں وہ لوگ جو محمد و آلِ محمد علیہم السلام کو صفاتِ خداوندی میں شریک مانتے ہیں اور اُن کو وسیلہ کے درجہ سے بڑھا کر اُلوہیت اور ربُوبیت کا درجہ دیتے ہیں۔ ایسے لوگ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے شیعہ ہرگز نہیں بلکہ اُن کے مشنِ توحید کے دشمن ہیں خدا ان کو راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى

پھر تم کو زندہ رکھتا ہے تاکہ پہنچو اپنی جوانیوں کو پھر تاکہ ہو جاؤ بوڑھے اور بعض تم میں سے وفات پا جاتے

مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ هُوَ

ہیں اس سے پہلے اور تاکہ پہنچ جاؤ اپنی مقررہ مدت تک اور تاکہ تم سوچ سکو وہ وہ ہے

الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پس جب کرے فیصلہ کسی شئی کا تو صرف اس کے متعلق فرماتا ہے ہو جا

فَيَكُوْنُ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى

تو وہ ہو جاتی ہے کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو جھگڑتے ہیں اللہ کی آیات میں کس طرح وہ منحرف

يُصْرَفُوْنَ ﴿٧٠﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڕ

کئے جاتے ہیں جن لوگوں نے جھٹلایا کتاب کو اور اس کو جس کے ساتھ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ

پس عنقریب جان لیں گے جب کہ طوق اور زنجیر ان کی گردنوں میں ہوں گے اور ان کو گھسیٹا

رکوع ع ۱۳ ۔ اِذِ الْاَغْلٰلُ ۔ یہ غل کی جمع ہے اور اس کا معنی طوق ہے اور سلاسل جمع ہے سلسلۃ کی اور اس کا معنی زنجیر ہے

یعنی جہنمیوں کی گردنوں میں طوق و زنجیر ڈال کر دوزخ کے کھولتے ہوئے پانی میں داخل کیا جائے گا اور اس کے بعد جہنم کی آگ میں دھکیل دیا جائے گا۔

یُسْجَرُوْنَ ۔ اصل سجر کا معنی ہے جلتی ہوئی آگ پر ایندھن ڈالنا اور یہاں مقصد یہ ہے دوزخ کی جلتی ہوئی آگ پر یہ لوگ بطور ایندھن کے ڈالے جائیں گے اور پھر اُن سے دریافت کیا جائے گا کہ جن لوگوں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا تھا اور دنیا کی ہر مصیبت میں خدا کو چھوڑ کر ان کو بلایا کرتے تھے اب بھی تو اُن کو بلاؤ اب وہ کہاں گئے ہیں؟ تو اس کے جواب میں دوزخی کہیں گے وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں پھر پہلے کلام سے اعراض کرتے ہوئے کہیں گے ہم تو دنیا میں کسی کو نہیں پکارتے تھے

تَفْرَحُوْنَ ۔ فرح بطر اشر اور مرح تقریبًا ایک ہی معنی پر اطلاق کئے جاتے ہیں۔ اور بعضوں نے فرح اور مرح کو عام و خاص مطلق قرار دیا ہے کہ فرح عام خوشی کو کہتے ہیں، اور مرح سے مُراد وہ خوشی ہے جو انبیاء اولیاء اور مومنین کی تکلیف کو دیکھ کر اُن کو لاحق ہوتی تھی۔ اور بطر و اشر بھی تقریبًا اسی قسم کی خوشی پر ہی بولے جاتے ہیں۔ پس فرح کا اطلاق جائز خوشی پر بھی ہوتا ہے اور مرح کا اطلاق صرف اُس خوشی پر ہوتا ہے جو ناجائز اور باطل ہو یعنی یا تو اپنے اعمالِ فاسدہ پر خوش ہوں یا مومنوں کی تکلیفوں پر خوشی کریں اور کافروں کو گمراہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ خدا اُن کو ہدایت کے بدلے میں گمراہی کی تعلیم دیتا ہے بلکہ خدا تو ہر ایک کو ہدایت فرماتا ہے پس اس جگہ مقصد یہ ہے کہ خدا اُن کو گمراہی میں ڈھیل دیتا ہے اور اُن کو ہدایت

يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۲﴾ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۳﴾

جائے گا کھولتے ہوئے (جہنم کے) پانی میں پھر آگ میں ڈالے جائیں گے

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۴﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

پھر اُن کو کہا جائے گا کہاں ہیں وہ جن کو تم شریک مانتے تھے اللہ کے علاوہ

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا كَذٰلِكَ

کہیں گے کہ وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں بلکہ ہم تو کسی کو بھی نہیں پکارتے تھے پہلے اسی طرح

يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۵﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي

اللہ گمراہی میں چھوڑتا ہے کافروں کو یہ سزا بوجہ اس کے ہے جو تم اتراتے تھے زمین میں

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۶﴾ اُدْخُلُوْٓا

بغیر حق کے اور تم اکڑتے تھے داخل ہو جاؤ

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۷﴾

جہنم کے دروازوں سے ہمیشہ رہنے والے پس بُرا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا

پر مجبور نہیں کرنا یا یہ مطلب ہوگا کہ خدا کافروں کو گمراہی کا بدلہ دے گا۔

فَاصْبِرْ۔ صبر اور شکر کے دونو مقامات الگ الگ ہیں۔ اور دونو مقام امتحان ہیں پس اللہ کوئی ایسی چیز عطا فرمائے جو طبیعت کے موافق ہو تو اُس پر شکر کرنا امتحان سے کامیابی ہے۔ اور کوئی ایسی چیز راہ خدا میں پیش آئے جو تکلیف و مصیبت کی موجب ہو تو اُس پر صبر کرنا اور اللہ کی حمد و ثنا میں کمی نہ کرنا امتحان میں کامیابی ہے اور نعمت کے مقام پر شکر کرنا اور تکلیف کے مقام پر صبر کرنا خاصانِ خدا کا شیوہ ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ

پس صبر کرو تحقیق اللہ کا وعدہ حق ہے پس یا تو ہم تجھے دکھائیں گے بعض وہ جو اُن سے وعدہ کرتے ہیں

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ

یا تمہیں لے لیں گے پھر وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے اور تحقیق ہم نے بھیجا رسولوں کو تجھ سے

قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ

پہلے بعض اُن میں سے وہ ہیں جن کا قصہ ہم نے تجھے سُنا دیا اور اُن میں سے بعض کا قصہ تمہیں

عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

نہیں سنایا اور کسی رسول کو حق نہیں پہنچتا کہ کوئی معجزہ لے آئے بغیر اذن پروردگار کے

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِىَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۹﴾

پس جب آئے گا اللہ کا امر تو حق کا فیصلہ ہوگا اور خسارہ میں ہونگے اس مقام پر باطل کو اختیار کرنیوالے

فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ۔ مقصد یہ ہے کہ اے میرے حبیب ہم نے تیرے ساتھ تیرے دشمنوں کے عذاب کا جو وعدہ کیا ہے یا تو دنیا میں ہم تجھے دکھائیں گے یعنی تیرے دشمن تیری زندگی میں گرفتار عذاب ہوں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو بروز قیامت تو انہوں نے میرے پیش ہونا ہی ہے پس ہم وہاں اُن کو آپ کی مخالفت کا مزہ چکھائیں گے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا۔ یعنی ہم نے جس قدر رسول بھیجے ہیں اُن میں سے بعض کا قصہ ہم نے سُنایا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا اور روایات میں زیادہ مشہور یہ ہے کہ کل انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور بعض روایات میں ہے کہ کل آٹھ ہزار نبی مبعوث ہوئے ان میں سے چار ہزار صرف بنی اسرائیل سے تھے اور چار ہزار غیر بنی اسرائیل تھے۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ۔ معجزہ ہر نبی و رسول کو اللہ نے عطا فرمایا اور اتمام حجت کے لئے انبیاء کے پاس اس کا ہونا لازمی ہے لیکن اس کا اظہار اس حد تک ہوتا ہے جہاں تک اتمام حجت کا تعلق ہو اگر دشمنانِ حق اتمام حجت ہو چکنے کے بعد بھی معجزہ طلب کرنے پر مصر ہوں تو نبی کے لئے ضروری نہیں کہ ان کو معجزات دکھاتے رہیں حضرت رسالت مآب سے کفار مکہ سے نے

متعدد معجزات کا سوال کیا تھا چنانچہ انہوں نے خواہش کی تھی کہ ہمارے سامنے درخت آپ کی نبوت کی گواہی دے تو ہم مان لیں گے جب درخت نے گواہی دی تو کہنے لگے کوئی آسمانی معجزہ دکھائیں چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہوا لیکن کفار مکہ نے عناد و حسد کے پیشِ نظر اپنی ہٹ دھرمی نہ چھوڑی اور ہر معجزہ کو جادو قرار دے کر دوسرے معجزات کے طالب رہے اس مقام پر خدا ان کے مطالبہ کو ان لفظوں میں رد فرما رہا ہے کہ کسی نبی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ بغیر اذنِ پروردگار اپنی مرضی سے جب چاہے معجزہ دکھاتا رہے بلکہ یہ اللہ کے اختیار میں ہے جہاں تک اتمامِ حجت کا تعلق ہے وہ اپنی مشیت سے انبیاء کو معجزہ دکھانے پر مامور فرماتا ہے اور جو لوگ انکار پر مصر رہیں تو ان کے متعلق اس کے عذاب کا فیصلہ ہوتا ہے اور پھر اس کو کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی پس باطل پرستوں کو دائمی خسارہ کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۸۰﴾

اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہارے چوپاؤں کو تاکہ اُن میں سے بعض پر سواری کرو اور بعض کو کھاؤ

وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا

اور تمہارے لئے ان میں فائدے ہیں اور تاکہ تم پہنچو ان پر سوار ہو کر اپنی حاجتوں کو جو تمہارے سینوں میں ہیں

وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ

اور اُن پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں پس اللہ کی کونسی نشانیوں کا

تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ

تم انکار کرو گے؟ کیا یہ سیر نہیں کرتے زمین میں تاکہ دیکھیں کیسا انجام تھا ان

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ

کا جو ان سے پہلے گذرے ؟ وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں

قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۳﴾

مضبوط تھے اور زمین میں اپنے آثار کے لحاظ سے بھی زیادہ تھے تو نہ بچا سکا ان کو وہ جو انہوں نے کیا

رکوع ۱۴ — اَللّٰهُ الَّذِيْ

ان آیات میں خداوندِ کریم نے پھر اپنی نعمتوں کو دہرایا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین میں چوپائے پیدا فرمائے کہ اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو سواری اور کھانے کے کام آتے ہیں اور اُن میں سے دیگر منافع بھی تم حاصل کرتے ہو مثلاً اُون اور ریشم کپڑوں کے لئے چمڑا جوتوں کے لئے یا دیگر ضروری منافع کے لئے اُن کا دودھ پینے کے لئے اور ان کا گوشت کھانے کے لئے تم استعمال کرتے ہو اور چونکہ تمہاری ضروریاتِ زندگی اور تمدنی امور سفروں کے بغیر انجام نہیں پا سکتے پس دُور دراز کے سفروں کے لئے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے

لئے تم کو سہولت کے پیش نظر سواریوں کی ضرورت تھی تو خدا نے اپنے فضل و کرم سے خشکی کی مسافت کو طے کرنے کے لئے اونٹ گھوڑے پیدا کر دیئے اور بحری مسافت طے کرنے کے لئے کشتیوں کا انتظام فرما دیا اور پانی کو وہ قوت بخشی کہ تم کو اپنی پشت پر اٹھائے رکھے پس اللہ کی ان نعمتوں کو دیکھو اور اپنے ضمیر سے سوال کرو کہ تم کو اللہ کی کس نعمت کے انکار کی اجازت دیتا ہے ؟ اور پھر تم اللہ کی زمین میں چل پھر کر دیکھو اور صفحاتِ تاریخ کا مطالعہ کرو کہ تم سے پہلے جو لوگ زمین پر گزار کر چلے گئے۔ کیا اُن کو اپنی قوت طاقت اور کثرت موت سے بچا سکی اور جن لوگوں نے اللہ کی نعمات کی بے قدری یا بے شکری کی یا اُس کے شریک بنا لئے تو اُن کا انجام کیا ہوا۔ اُن کے

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ

پس جب ان کے پاس ان کے رسول آئے واضح دلیلیں لے کر تو خوش ہوئے اس پر جو ان کے پاس علم تھا

مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۸۴﴾

(جس کو علم سمجھتے تھے) اور گھیر لیا ان کو اس عذاب نے جس پر استہزاء کرتے تھے

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا

پس جس وقت انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے ہم اللہ پر ایمان لائے جو اکیلا ہے اور ہم انکار کرتے ہیں انکا

بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿۸۵﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا

جن کو ہم شریک بناتے تھے پس نہ نفع دیا ان کو اُن کے ایمان نے جب انہوں نے دیکھا ہمارا عذاب

بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ ﴿۸۶﴾

یہ اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہا ہے اور نقصان اٹھاتے ہیں اُسوقت کافر لوگ

آثار اب تک زمین میں باقی ہیں اور اُن کے تعمیر کردہ عالیشان محلات اور قلعے اب تک ان کی فن کاری اور کاریگری نیز قوت و طاقت کے چشم دید گواہ موجود ہیں لیکن خدا کی گرفت سے اُن کو کوئی شئی نہ بچا سکی تو تم بھی اُن کے واقعات سے عبرت حاصل کرو۔

فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ۔ یعنی جب گذشتہ اُمتوں کے پاس اللہ کی جانب سے رسول ہدایت لے کر پہنچے تو کفار نے کہا ہم خود ان باتوں کو جانتے ہیں پس وہ اپنے علم پر اتراتے رہے اور انبیاء سے کچھ حاصل نہ کر سکے بلکہ اُلٹا ان پر مسخری و مذاق کرتے رہے۔ چنانچہ تفسیر منثورات الدرر میں ہے کہ سقراط کو ایک نبی کی بعثت کے متعلق جب خبر دی گئی اور اس کو کہا گیا کہ چل کر اُس کی زیارت کر لیجئے تو سقراط نے جواب دیا کہ میں خود ہدایت یافتہ ہوں مجھے کسی دوسرے ہادی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ممکن ہے کہ فَرِحُوا کا فاعل ضمیر مرفوع انبیاء کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہو کہ جب انبیاء نے لوگوں کی جہالت کو ملاحظہ فرمایا تو خوش ہوئے کہ خدا نے ہمیں علم و ہدایت کی دولت سے نوازا ہے۔ پس انبیاء اپنے صبر و حوصلہ کی بدولت اپنے مشن میں کامیاب رہے اور کافروں کو آخر کار عذاب خداوندی میں گرفتار ہونا نصیب ہوا۔ کیونکہ وہ ہدایت حاصل کرنا تو درکنار اُلٹا انبیاء سے مذاق و مسخری کرتے تھے لیکن جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو عذاب کے ڈر سے کلمہ توحید

کے ہمنوا ہوئے اور شرک سے بیزار ہوئے لیکن اُس وقت اُن کو ایمان فائدہ نہ دے سکا۔ اور سابقہ اُمتوں میں اللہ کا یہی دستور رہا ہے ۔ پس ان کفار کو بھی ان کے واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے ورنہ جب عذاب آجائے گا تو اُس وقت کی پشیمانی کوئی فائدہ نہ دے گی اور کافروں کو خسارہ سے دوچار ہونا ہی پڑے گا ۔ والحمدُ للہ ربّ العلمین

سُوْرَۃ حٰمٓ السَّجْدَہ

یہ سورہ مکیہ ہے اور سورہ مومن کے بعد نازل ہوا ہے ۔

اس کی آیات کی تعداد چپن ہے اس کا دوسرا نام سورہ فصّلت ہے ۔

جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو شخص سورہ حٰم سجدہ کی تلاوت کریگا اس کو ایک ایک حرف کے بدلہ میں دس دس نیکیاں ملیں گی ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جو شخص سورہ حٰم سجدہ کو پڑھے گا اُس کے سامنے قیامت کے روز حدِ نگاہ تک نور ہوگا ۔ اور اُس کو خوشی نصیب ہوگی نیز اس کی دنیاوی زندگی لائق تعریف اور قابل رشک ہوگی ۔

خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس کو برتن میں لکھ کر دھوئے اور اس سے آٹا خمیر کرکے خشک کرلے اور پھر اس کا سفوف بنا کر رکھے پس اس کا ایک پھکی لینے سے دردِ دل ختم ہو جائے گا (نبویؐ)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو برتن میں لکھے اور بارش کے پانی سے دھو کر اس پانی میں سُرمے کو کھرل کرکے خشک کرلے اور اپنے پاس محفوظ رکھے پس جس شخص کی آنکھ کو سفیدی یا درد کی کوئی تکلیف ہوگی اس سرمہ کے لگانے سے وہ تکلیف جاتی رہے گی اور آشوبِ چشم اس کو کبھی نہ ہوگا اور اگر سُرمہ لگانا ممکن نہ ہو تو اُسی پانی سے آنکھ کو دھو دینے سے آشوبِ چشم جاتا رہے گا ۔

(برہان)

رکوع ۱۵ - تَنْزِيْلٌ - اس کی دو ترکیبیں کی گئی ہیں (۱) حٰمٓ سورہ کا نام ہے اور مبتداء ہے اور تنزیل اس کی خبر ہے اور کتاب تنزیل سے بدل ہے -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱)

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

حٰمٓ (۲) تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۳) كِتٰبٌ

حٰمٓ نازل شدہ رحمان ورحیم کی جانب سے ایسی کتاب ہے

فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۴) بَشِيْرًا وَّ

جس کی آیات مفصل ہیں قرآن عربی ہے اس قوم کے لئے جو علم حاصل کریں خوشخبری دینے والا اور

نَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ (۵) وَقَالُوْا

ڈرانیوالا ہے پس منہ پھیر لیا اُن کے اکثر نے پس وہ سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ

قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَفِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ

ہمارے دل پردوں میں ہیں اُس چیز کے قبول کرنے سے جس کی طرف تم ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں پر بوجھ ہے

بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ (۶) قُلْ

اور ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہے پس تو اپنی مرضی کر ہم تو اپنی مرضی کرنیوالے ہیں کہہ دیجئے

اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ میں تم جیسا بشر ہوں میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمہارا الٰہ صرف ایک الٰہ ہے پس

فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ (۷) الَّذِيْنَ

اس کی طرف سیدھے ہو جاؤ اور اسی سے معافی مانگو اور ویل ہے شرک کرنیوالوں کے لئے جو

(۲) تَنْزِيْلٌ نکرہ موصوفہ ہے لہذا مبتداء ہے اور کتاب اس کی خبر ہے اور تنزیل یعنی منزل ہے اور بعضوں نے کہا ہے حم مخفف ہے حمید مجید کا۔ اس کے بعد قرانًا عربیًا حال ہے۔

فُصِّلَتْ - بعض لوگوں نے اس سورہ مجیدہ کا نام بھی اسی لفظ کی مناسبت سے سورہ فصّلت قرار دیا ہے یعنی اس کتاب کی آیتیں مفصل ہیں۔ بایں طور کہ مختلف موضوعات پر اس میں بحث کی گئی ہے اور الگ الگ بحثیں ہیں کیونکہ تفصیل کا معنی تفریق ہوتا ہے کہیں توحید کہیں نبوت کہیں دیگر عقائد کہیں اعمال کہیں حلال وحرام کہیں تخلیق کائنات کہیں نباتات وحیوانات و دیگر مخلوقات غرضیکہ ہر قسم کے مسائل کا اس میں حل موجود ہے

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا - قرآن اس کلام جامع کا نام ہے جو اُن تمام معانی مقصودہ پر مشتمل ہے - جن کی تبلیغ کے لیے حضرت نبی اکرم کو بھیجا گیا اور انہی حروف والفاظ کا مرکب ہے جس کو پروردگار نے لوح محفوظ پر ثبت فرمایا اور فرشتہ وہاں سے نقل کر کے لایا۔

تفسیر برہان میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب سورہ شعراء کی آیت وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ اُتری تو حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ ایک بکرا ایک صاع یعنی تین یا ساڑھے تین سیر گندم یا جَو کا آٹا اور ایک بالٹی دودھ کا انتظام کرو اور تمام اکابر قریش کو مدعو کرو چنانچہ چالیس سے زیادہ سردارانِ قوم کو مدعو کر لیا گیا جن میں حضرت ابوطالب، حضرت عباس اور حضرت حمزہ بھی شریک تھے پس جب سب جمع ہوئے تو حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ جو کچھ تیار ہے لے آؤ۔ پس میں نے تعمیل حکم کرتے ہوئے دسترخوان پر کھانا رکھ دیا وہ لوگ اس کم مقدار کے کھانے کو دیکھ کر بطور تمسخر کے ہنس پڑے لیکن حضورؐ کی طبع اقدس پر ذرہ بھر ملال نہ آیا۔ آپ نے اپنی انگشت مبارک ثرید کے برتن میں چاروں طرف داخل کی اور پھر فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانا تناول کرو تو ابوجہل کہنے لگا۔ اے محمدؐ۔ ہم کیا کھائیں؟ ہم میں سے تو ایک ایک آدمی سالم بکرے کے ہمراہ بارہ بارہ سیر کی مقدار روٹی کھانے والا ہے۔ حضورؐ نے نہایت پرسکون لہجے میں ارشاد فرمایا کہ تم کھاؤ تو سہی اور میں دیکھتا ہوں کہ کتنا کھا سکتے ہو۔ چنانچہ وہ کھانے میں مشغول ہوئے حتیٰ کہ سیر ہو گئے۔ اور خدا کی قسم ابھی تک برتن میں اُن کے کھانے کے بعد کچھ بھی کم نہ ہوا۔ اور نہ اُن کے کھانے کا کچھ اثر معلوم ہوا پس حضورؐ نے بنفس نفیس ارشاد فرمایا اے اکابر قریش اور کھاؤ اور پیٹ بھر کر کھاؤ اور جس قدر جی چاہے کھاؤ لیکن کسی میں اس سے مزید کھانے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ پس آپ نے مجھے برتن اٹھا لینے کا حکم دیا اور قریشیوں سے خطاب کر کے کہا اے قوم! میرا اور تمہارا رب ایک اللہ ہے بس یہ سننا تھا کہ ابولہب بول اٹھا اور قوم سے خطاب کر کے کہنے لگا کھڑے ہو جاؤ اور ان کی مزید کوئی بات نہ سنو کیونکہ انہوں نے تم پر جادو کر لیا ہے چنانچہ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور گھروں کو چل دیئے۔ حضرت علی نے ان کا تعاقب کرنا چاہا لیکن حضورؐ نے فرمایا اے علی واپس آجاؤ ہمیں اللہ نے تبلیغ کرنے کا حکم دیا ہے ابھی لڑنے کا حکم نہیں دیا۔ اب کل کی طرح دوبارہ ان کی دعوت کا انتظام کرو اور پھر ان کو مدعو کرو۔ چنانچہ دوسرے روز پھر کھانے کا انتظام کیا گیا اور انہی لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا گیا۔ جب سب کھا چکے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تاریخ عرب میں آج تک کوئی جوان ایسا نہیں گذرا جو اپنی قوم کے لئے مجھ سے بہترین تحفہ لایا ہو کیونکہ میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری لایا ہوں۔ آپ کا فرمان سن کر ابوجہل کہنے لگا۔ محمدؐ کی باتوں سے ہمیں نہایت تعجب آتا ہے اگر ہمارے پاس کوئی ایسا آدمی ہوتا جو جادو اور کہانت کا فن جانتا ہوتا تو ہمیں ان کے فن سے مرعوب نہ ہونا پڑتا۔ عتبہ بن ربیعہ نے ابوجہل کی بات کاٹ کر کہا کہ مجھے بہتر ہے جو کچھ تو کہنا چاہتا ہے ابوجہل نے کہا پھر خاموش کیوں بیٹھا ہے کھل کر بات کرو۔ عتبہ کہنے لگا جو کچھ تیرا خیال ہے وہ غلط ہے۔ پھر اس نے حضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اے محمدؐ تو بہتر ہے یا ہاشم؟ تو بہتر ہے یا عبدالمطلب؟ تو بہتر ہے یا عبداللہ؟ تو بہتر ہے یا ابوطالب؟ یہ بتائیے کہ آپ ہمارے بزرگوں کو گمراہ کیوں کہتے ہیں اور ہمارے خداؤں کو بُرا کیوں جانتے ہیں؟ دیکھئے۔ اگر آپ کو حکومت وسلطنت کی خواہش ہے تو ہم سب مل کر آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کو تیار ہیں بے شک آپ بادشاہ ہوں اور ہم آپ کے رعایا ہوں گے اور اگر آپ شادی کے خواہشمند ہیں تو ایک چھوڑ ہم اکابر قریش کے گھروں میں آپ کی دس شادیاں کر سکتے ہیں۔ اور اگر تنگدستی کو رفع کرنے کے لئے مال و دولت کی آپ کو ضرورت ہے تو ہم باہمی چندہ کر کے آپ کو اس قدر دے سکتے ہیں جو زندگی بھر آپ کو کافی ہو بلکہ آپ

کی نسلوں تک کافی ہو۔ اس کے علاوہ اگر کوئی فرمائش ہو تو ہم تعمیل ارشاد کے لئے تیار ہیں پس عتبہ خاموش ہوا تو آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سورہ حٰم سجدہ کو شروع کیا۔ حٰمٓ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا الخ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔ آیت ۱۵۔ یعنی اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دیجئے کہ میں نے تم کو ڈرایا ہے۔ عاد اور ثمود کے عذاب کی طرح آنے والے عذاب سے۔ جب آپ یہاں تک پہنچے تو عتبہ نے اپنے منہ پر ہاتھ دیا اور خدا کا واسطہ دے کر عرض کرنے لگا کہ حضور آپ خاموش ہو جائیے یہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور مجمع سے نکل کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا چنانچہ باقی لوگ بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئے لیکن اُس کو مل نہ سکے پس وہ اپنے گھر میں داخل ہوا اور اندر بیٹھ گیا۔ پھر دوسرے دن سب قریشیوں کو ابو جہل نے جمع کیا اور اکٹھے ہو کر عتبہ کے گھر میں اُس کے پاس پہنچے تو ابو جہل نے پوچھا اے عتبہ کیا محمد کا جادو تجھ پر تو نہیں چل گیا یہ سنتے ہی عتبہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور اپنے مقام سے فوراً اُٹھ کر کہنے لگا۔ او بے حیا خاموش رہ اگر آج تو میرے گھر میں نہ ہوتا تو میں تجھے نہایت بُرے طریقے سے قتل کے گھاٹ اتار دیتا۔ تو کہتا ہے کہ محمد جادوگر ہے کاہن ہے اور شاعر ہے حالانکہ ہم سب اُن کے پاس گئے اور اُن کی باتوں کو سُنا وہ تو آسمان کے پروردگار کا کلام ہمیں سناتا ہے اور جب میں نے اُن کو اس کی قسم دی تو وہ فوراً خاموش بھی ہو گئے تھے۔ اور تم سب اُن کو صادق و امین کا خطاب دے چکے ہو اور کیا تم نے اُن کو اس سے پہلے بھی کبھی جھوٹ بولتے دیکھا ہے؟ اور اب جو کچھ وہ پڑھ رہا تھا میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ تلاوت کو پورا کرتا تو ضرور تم پر عذاب نازل ہو جاتا۔

لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ اِنَّ	
زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ تحقیق	
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۹﴾	
جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان کے لئے نہ منقطع ہونے والا اجر ہوگا	

تفسیر برہان میں حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کی تبلیغ کو آیات کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اسی مضمون کی ایک روایت منقول ہے اور ممکن ہے کہ سابق بیان آیات کا ظاہر ہو اور ولایت علی تفسیر باطنی ہو اور ان میں کوئی منافات نہیں ہے۔ پس جو لوگ پیغمبرؐ کے پیغام توحید کو سننا گوارا نہ کرتے تھے اور اس بارے میں اُن کے دلوں کانوں اور زبانوں پر مہریں تھیں وہ ان آیات کے ظاہری مصداق تھے اور جن لوگوں نے ولایت علی کے پیغام کو نہ سنا یا نہ سمجھا یا نہ مانا اُن کے بھی دلوں کانوں اور زبانوں پر مہریں ہیں۔ اور وہ ان آیات کے باطنی مصداق ہیں اور قرآن کے ظاہر اور باطن دونو پر ایمان لانا ضروری ہے۔

وَقَالُوْا۔ یعنی کفار مکہ نے حضرت رسالت مآبؐ کو دو ٹوک جواب دے دیا تھا کہ آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے ہمارے دل پردوں کے اندر ہیں یعنی آپ کی نصیحت ہمارے دلوں کی گہرائی تک اترتی ہی نہیں سکتی اور نہ ہم تیری بات سُننے کے لئے تیار ہیں اور تیرے اور

ہمارے درمیان اختلافِ عقائد کی سخت بڑی دیوار حائل ہے پس آپ ہماری ہلاکت کی کوشش کریں اور ہم آپ کی ہلاکت کی کوشش کریں گے نیز آپ ہمارے دین کو باطل کرنے پر زور صرف کریں اور ہم آپ کے مشن کو ناکام بنانے کی سعی کرتے رہیں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ ۔ اس کی تشریح و توضیح پہلے گذر چکی ہے۔

رکوع ۱۶ - بروایت عکرمہ حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے زمین کو اتوار و سوموار کے دنوں میں خلق فرمایا اور پہاڑوں کو منگل وار کے دن اور درخت پانی اور آبادیاں و ویرانے بدھوار کے روز اور یہ کل چار دن ہیں یعنی زمین اور زمین کی اقوات و خوراک کی تکمیل چار دنوں میں ہوئی یعنی صرف زمین کی پیدائش دو دنوں میں اور زمین اور پہاڑوں، درختوں، دریاؤں اور آبادیوں ویرانوں کی مکمل تخلیق چار دنوں میں ہوئی

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ

کہہ دیجئے تحقیق تم کفر کرتے ہو اس کا جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور

تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ⑩ وَجَعَلَ فِيْهَا

بناتے ہو اس کے لئے شریک وہ عالمین کا پروردگار ہے اور اس نے پیدا کئے

رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ

اس زمین میں پہاڑ، اس کے اوپر اور اس میں برکت رکھی اور اس میں مقرر کیا اس کے رہنے والوں کا

اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ⑪ ثُمَّ

رزق چار دنوں میں درست و برابر سائلین یعنی محتاج مخلوق کے لئے پھر

جن میں پہلے دو دن بھی شامل ہیں۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ دو دنوں سے مراد دو وقت ہیں پہلا وقت ابتدائے خلقت اور دوسرا وقت انتہائے زندگی ہے یعنی زمین کی ایجاد سے فنا تک کی تمام تخلیق کا کارنامہ اُسی ذاتِ واحد کی صناعی و حکمت کا مرہونِ منت ہے پس وہی لائق عبادت و پرستش ہے اور وہی رب العالمین ہے اور چار ایام میں زمینی آبادیوں کی تکمیل سے مراد چار موسم ہیں کہ زمین پر بسنے والی تمام مخلوق کا آب و دانہ اور خوراک و رہائش اور جملہ ضروریاتِ زندگی کا دار و مدار انہی چار موسموں پر ہے یعنی گرما و سرما اور خزاں و بہار پس مقصد یہ ہے کہ ابتداء پیدائش سے انتہائے عالم تک زمین کے اندر بسنے والی تمام مخلوق کا پیدا کرنا اور ان کی رہائش و جملہ ضروریاتِ زندگی کا چار موسموں کے رد و بدل سے منظم و مکمل ہونا اُسی ذاتِ علیم و حکیم کے احسان و فیض کے صدقہ میں ہے اور جو لوگ ان اُمور میں خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں وہ خدا کے دشمن ہیں۔

بٰرَكَ فِيْهَا - یعنی اللہ نے زمین میں انسانی زندگی کے لئے ہر قسم کی برکت پوشیدہ کر رکھی ہے۔

قَدَّرَ فِيْهَا - یعنی اللہ نے زمین میں انسانی تمدنی بقا کے لئے متبادل موسموں کے ذریعہ ان کے خورد و نوش کا تدریجی نظام قائم فرمایا ہے

اسْتَوٰیٓ اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ

متوجہ ہوا آسمان کی طرف درحالیکہ وہ دھواں تھا پس حکم دیا اس کو اور زمین کو کہ آؤ اطاعت گزار ہو

ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ⑪ فَقَضٰھُنَّ

کر یا مجبور ہو کر تو انہوں نے کہا ہم حاضر ہیں اطاعت کرتے ہوئے پس پورا بنایا

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا

اُن کو سات آسمان دو دنوں میں اور وحی کی ہر آسمان کی طرف ان کے کام کی اور ہم نے زینت

وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ

بخشی آسمان دنیا کو چراغوں کے ساتھ اور حفاظت کے لئے یہ تقدیر ہے

الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ⑫ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُکُمْ

غالب جاننے والے کی پس اگر اعراض کریں تو کہدو کہ میں نے تم کو ڈرایا ہے

سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۔ سائل وہی ہوتا ہے جو محتاج ہو اور اللہ کے ماسوا سب اس کے محتاج ہیں اور سَوَآءً کا معنی ہے درست اور برابر یعنی یہ نظامِ قدرت تمام ماسوا اللہ کے لئے صحیح اور مناسب ہے پس اللہ کے انعام و احسان کا انکار کرنا کفر اور کسی اور کی طرف منسوب کرنا شرک ہے۔ وبروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ خدا نے جملہ خیر بروز اتوار خلق فرمائی اور زمینوں کو سوموار کے دن پیدا کیا اور اہل زمین کے خورد و نوش کی اشیاء و اسباب کو منگل وار کے دن خلق کیا اس کے بعد آسمانوں کی تخلیق بدھوار اور خمیس کو ہوئی اور اُن کی غذاؤں کے اسباب یوم جمعہ پیدا فرمائے اور اس فرمان کا یہی مطلب ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ۔ یعنی اس نے آسمانوں زمینوں اور ان کے درمیان کی جملہ اشیاء کو چھ دنوں میں خلق فرمایا (برہان) اور سابق تاویل نہایت مناسب اور موزوں ہے۔

اِسْتَوٰیٓ اِلَی السَّمَآءِ ۔ اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی تخلیق کے بعد آسمان کو پیدا کیا گیا۔ حالانکہ دوسرے مقام پر فرماتا ہے وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَا ۔ یعنی آسمان کو پیدا کرنے کے بعد زمین کو بچھایا تو اس کا جواب دو طریقوں سے دیا گیا ہے (۱) ممکن ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کی خلقت سے مقدم ہو لیکن دحو الارض یعنی زمین کا پھیلانا اور بچھانا آسمان کی پیدائش کے بعد ہو۔ (۲) یا یہ کہ "ثم" ترتیب پیدائش کو بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ ترتیب بیان کے لئے ہے کہ کفار کو پہلے زمین اور زمین میں ہونے والی مخلوق کی پیدائش کا ذکر سنایا اور فرمایا پھر آسمان کے متعلق بھی سن لو کہ اس کا اور اس میں ہونے والے تمام اجرام کا خالق بھی وہی اللہ ہے جو زمین کا خالق ہے لہٰذا وہی لائق عبادت ہے اور وہی سزاوار ہے کہ ہر حال میں ہر دعا و پکار کے لئے اُس کو مقصود و معبود قرار دیا جائے۔

وَهِيَ دُخَانٌ - حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے جہاں تخلیق آسمان کا ذکر فرمایا ہے وہاں اسی طرح ارشاد فرمایا کہ خدا نے پہلے پانیوں کو پیدا کیا اور ہواؤں کے ذریعے سے پانیوں کی سطح میں حرکت پیدا کی۔ اس کی جھاگ سے سطح زمین کو خلعتِ وجود بخشی اور اس سے اٹھنے والے دھوئیں کو اوپر اٹھایا اور اس سے آسمان کو وجود بخشا۔

فَقَالَ لَهَا - یہ بیان بھی ترتیب خلقت کے لئے نہیں بلکہ بیان کی ترتیب کے لئے ہے کیونکہ تخلیق آسمان و زمین کے ذکر کے بعد سوال پیدا ہوتا تھا کہ خدا نے آسمان و زمین کو کس طرح پیدا فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی ایجاد میں آلات و اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی وہ تو امر کن سے چیز کو کتم عدم سے نکال کر خلعتِ وجود عطا فرمایا کرتا ہے۔ چنانچہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا بھی جب ارادہ فرمایا کہ کتم عدم سے نکل کر منصۂ وجود میں آجاؤ، خواہ طوعًا خواہ کرھًا یعنی میرا تم کو پیدا کرنا امر تکوینی ہے نہ کہ امر تشریعی جس میں مخاطب کو اختیار دیا جاتا ہے پس امر تکوینی میں مخلوق کی مجال نہیں انکار کر سکے پس جب اس کا ارادہ ہوا تو آسمان و زمین فوراً بن گئے اور ان کا فوراً بن جانا ان کی زبانِ حال سے جواب تھا کہ اے پروردگار ہم اطاعت کرتے ہوئے حاضر ہیں ہمیں تیرے حکم ایجاد میں انکار کی مجال ہی کیا ہے؟ اور ایجاد کے امر تکوینی میں خطاب صرف زمین و آسمان کو نہیں بلکہ اس میں ہونے والی جمیع ذوی العقول اور غیر ذوی العقول مخلوق بھی شامل ہے اس لئے ذوی العقول کو غلبہ دیتے ہوئے صیغے ذوی العقول کے اختیار کئے گئے ہیں چنانچہ طائعین کے بجائے طائعین اور قضاھا کے بجائے قَضٰهُنَّ کو لایا گیا ہے۔ اور سابق عکرمہ کی روایت میں ہے۔ زمین کی تخلیق چار دن میں اتوار سے بدھ تک مکمل ہوئی اور خمیس کے روز اللہ نے آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن آسمان میں چاند سورج اور ستاروں کو پیدا فرمایا پس گویا کہ چھ دنوں میں زمین و آسمان کا تخلیقی کارنامہ مکمل ہوا۔ اور ہر آسمان پر بسنے والوں کو ان کا مناسب حکم اللہ نے وحی کر دیا اور اہل ہیئت کے نزدیک اگرچہ ستارے آٹھویں آسمان یعنی فلک البروج

صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ	
عذاب سے مثل قوم عاد و ثمود کے عذاب سے جب ان کے	
الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ	
پاس رسول آئے ان کے سامنے اور ان کے بعد (اس تبلیغ کے لئے) کہ	
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا	
نہ عبادت کرو مگر اللہ کی تو وہ کہنے لگے اگر ہمارا رب چاہتا	

میں ہیں لیکن چونکہ پہلے آسمان پر نظر آتے ہیں اس لئے ان کو پہلے آسمان کی زینت قرار دیا گیا۔

مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ - اس کا ایک معنے تو یہ ہے کہ قوم عاد و ثمود کے پاس رسول ان سے پہلے بھی آئے - اور ان کے بعد بھی سلسلہ جاری رہا۔ یا یہ مقصد ہے کہ ان کے آباء کی طرف بھی آئے اور ان کی طرف بھی آئے - اور وہ

یہی پیغام لائے کہ غیر اللہ کی عبادت چھوڑ دو لیکن انہوں نے جواب دیا کہ اگر خدا کو رسول بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو فرشتوں کو بھیج دیتا لہٰذا ہم تمہاری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

هُوَ اَشَدُّ ۔ قوم عاد چونکہ بہت قدآور اور طاقت ور قوم تھی اس لئے انہوں نے اپنی طاقت و قوت پر ناز کیا اور انہیں یہ خیال نہ آیا کہ جس خالق نے ہمیں پیدا کیا ہے وہ ہم سے بھی طاقت ور ہے۔ پس انہوں نے انبیا کی تعلیم کو ٹھکرایا ۔ اور آیات خداوندی کا انکار کیا تو خداوند کریم نے تیز آندھی کا عذاب ان پر بھیج دیا کہ سب لقمۂ اجل ہوگئے۔

صَرْصَرًا ۔ یہ صِرٌّ سے ہے جس کا معنی سخت آواز پیدا کرنے والی تیز و تند ہوا ۔ اور بعضوں نے سخت سرد ہوا اس کا معنی کیا ہے اور مزید مبالغہ پیدا کرنے کے لئے صَرَّ سے صَرْصَرَ بنا دیا جاتا ہے جس طرح کَفَّ سے کفکف بنایا جاتا ہے۔

نَحِسَاتٍ ۔ یعنی جن دنوں میں ان پر عذاب بھیجا گیا تھا وہ ان لوگوں کے لئے منحوس دن تھے اور قوم عاد پر مبعوث ہونے والا پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام تھا۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ ۔ قوم ثمود کی طرف حضرت ھود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا ۔ اور انہوں نے قوم کو ہدایت کی لیکن ان لوگوں

لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَمَّا

تو اتارتا فرشتے پس ہم اس چیز کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں لیکن عاد

عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ

تو انہوں نے تکبر کیا زمین میں ناحق پس کہنے لگے کہ ہم سے طاقت میں

مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ

کون مضبوط تر ہے کیا انہیں معلوم نہیں کہ تحقیق وہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے

اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

طاقت میں مضبوط تر ہے ؟ اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْٓ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ

پس ہم نے بھیجی ان پر تیز و تند ہوا منحوس دنوں میں

لِّنُذِیْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ

تاکہ ان کو چکھائیں رسوائی کا عذاب زندگی دنیا میں

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰی وَهُمْ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ

اور آخرت کا عذاب زیادہ رسواکن ہوگا اور وہ نہ مدد کئے جائیں گے لیکن ثمود

فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ

تو ان کو ہم نے ہدایت کی تو انہوں نے پسند کیا گمراہی کو ہدایت پر پس ان کو پکڑ لیا

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

ذلت آمیز عذاب کی بجلی نے بوجہ اس کے جو کماتے تھے

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور ہم نے نجات دی ان کو جو ایمان لائے اور (اللہ سے) ڈرتے تھے

نے اپنے نبی کی نصیحت پر کان نہ دھرے اور راہِ ہدایت کو اختیار کرنے کے بجائے انہوں نے گمراہی کا راستہ ہی اپنائے رکھا اور انجام کار ان کو عذابِ خداوندی نے تہس نہس کر دیا۔

اسرار و رموز

(۱) حدیث نبویؐ میں ہے کہ ہوائیں آٹھ قسم کی ہوتی ہیں۔ جن میں سے چار باعثِ عذاب اور چار باعثِ رحمت ہیں وہ چار جو باعثِ عذاب ہیں یہ ہیں۔

عاصف، صرصر، عقیم اور سموم

اور وہ چار جو باعث رحمت ہیں وہ یہ ہیں

ناشرات، مبشرات، مرسلات اور ذاریات

۲۔ دنوں میں سعد و نحس کے متعلق علماء میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں بالذات بعض دن منحوس اور بعض دن سعد ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ آیت ان کے لئے دلیل ہے جس میں ایام کی صفت نحسات آئی ہے۔ لیکن علمائے متکلمین کے نزدیک یہ چیز باطل ہے ان کے نزدیک تمام دن ایک جیسے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے پر کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ اور اگر کسی پر سعادت یا نحوست کا اطلاق ہے تو کسی عارضہ کی وجہ سے۔ مثلاً جو دن کسی بزرگ کی ولادت کی طرف منسوب ہوا اس کو سعد کہہ دیا گیا اور جس دن کسی بزرگ کی موت واقع ہوگئی اس کو نحس کہہ دیا گیا۔ اسی طرح جس دن کسی شخص پر مصیبت واقع ہوئی وہ دن اُس کے لئے منحوس بن گیا جس طرح آیت مجیدہ میں ان دنوں پر نحوست کا اطلاق کیا گیا جن دنوں میں قوم عاد پر عذابِ خداوندی نازل ہوا اور ان دنوں کو سعد قرار دیا گیا جن میں مصیبت دُور ہوئی یا نعمتِ خداوندی کا نزول ہوا۔ اور اسی طرح دشمن کی خوشی کے دن کو نحس اور ان کی موت یا غمی کے دن کو اُس کے مقابلہ میں سعد قرار دیا جاتا ہے۔

لیکن آئمہ طاہرین علیہم السلام سے بطریق روایات احاد ایام کی سعادت و نحوست منقول ہے۔ ایام ہفتہ میں سے بعض سعد بعض نحس اور بعض کو میانہ کہا گیا ہے۔ اور ہر ماہ کی تاریخوں میں سعادت و نحوست نقل کی گئی ہے اور چونکہ سورج کی گردش

اور چاند کا سفر آسمانی برج کے راستہ سے ہوتا ہے اور بروج کے درجات کی تاثیرات میں بھی ماہرین علم نجوم فرق بیان کرتے ہیں۔ اور ان کا زمینی گردش کے ساتھ بھی مخصوص تعلق قابل انکار نہیں چنانچہ سورج جب برج عقرب میں ہو تو اس سالم مہینے میں اہل ارض پر نحوست چھائی رہتی ہے کیونکہ خزاں کا زمانہ ہوتا ہے اور ملیریائی بخار و امراض اسی زمانہ کی پیداوار ہیں اور چاند جب ہر ماہ میں کم وبیش اڑھائی دن برج عقرب میں آجائے تو اُس کے اثرات اہل زمین پر اچھے نہیں رہتے۔ اور اسی بنا پر معصومین علیہم السلام کی طرف سے ان دنوں میں نکاح اور سفر سے بچنے کی ہدایت کی گئی ہے اور قمری تاریخوں میں بالعموم ۳ - ۵ - ۱۳ - ۱۶ - ۲۱ - ۲۴ - ۲۵ ہر ماہ کی تاریخیں نحس بیان کی گئی اور ان کے مقابلہ میں بعض تاریخوں کو ہر ماہ میں سعد قرار دیا گیا ہے۔ بہرکیف ان تفصیلات کے بعد اس قدر اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اگرچہ تمام ایام شمس کی گردش سے یکساں طور پر بنتے ہیں لیکن جس طرح پروردگار نے اور کسی مخلوق میں یکسانیت و مساوات کو جگہ نہیں دی انسانوں کے خواص انسانوں کے خواص الگ الگ ہیں۔ کوئی اچھا اور کوئی بُرا ہے۔ جنوں میں اچھے و بُرے ہیں زمین کے بعض حصے لائق اور نالائق ہیں۔ پانی بعض میٹھے بعض تلخ اور بعض مفید و بعض مضر ہیں۔ ہوائیں مضر و مفید اور سرد و گرم ہیں وعلیٰ ہذا القیاس اللہ کی تمام ارضی و سماوی مخلوق خواہ جواہر ہوں خواہ اعراض سب سعد و نحس اور نیک و بد میں منقسم ہیں تو بعید نہیں کہ زمانیات کی طرح خود زمانہ بھی افراد کے لحاظ سے سعد و نحس میں یکسانیت نہ رکھتا ہو لہٰذا بعض ایام کا ذاتی طور پر سعد اور اچھے اثرات کا حامل ہونا اور بعض ایام کا نحس اور بُرے اثرات کا حامل ہونا اگرچہ متیقن نہیں تو بعید از عقل بھی نہیں ہے لیکن جب اللہ کی جانب سے ہدایت خلق پر مامور اس کے نمائندے اس امر کی تصریح کردیں کہ زمانہ میں نحس و سعد کا فرق ہے تو پھر طبیعت میں یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اللہ کی جاری کردہ سنت جو باقی مخلوق میں ہے وہ زمانہ کے افراد میں بھی ہے۔ پس بعض اوقات جس طرح زمانہ کی ذاتی سعادت کو عارضی نحوست نحس بنا دیتی ہے۔ اسی طرح زمانہ کی ذاتی نحوست کو بعض اوقات عارضی سعادت سعد بھی بنا دیتی ہے۔ جس طرح ۳ شعبان اور ۱۳ رجب ولادت معصوم کی وجہ سے سعد بن گئے اور دس محرم شہادت عظمیٰ حسینیہ کی وجہ سے نحس بن گئی۔

فَهَدَيْنٰهُمْ - ہدایت کے معنی میں معتزلہ اور اشاعرہ کے دونو فرقوں میں اختلاف ہے۔ اس کا معنی راہ دکھانا ہے یا منزل مقصود تک پہنچانا ہے چنانچہ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ - میں ہدایت کا معنی راستہ دکھانا ہے اور اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ میں ہدایت کا معنی منزل مقصود تک پہنچانا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جہاں ہدایت کی نسبت اہل ایمان کی طرف ہو وہاں اس کا معنی ثابت قدمی اور منزل مقصود تک رسائی ہوتا ہے اور جہاں اس کی نسبت کفار کی طرف ہو وہاں راہ دکھانا ہی اس کا معنی ہوتا ہے لیکن ہدایت کا سلب جہاں بھی ہوگا وہاں یقیناً اس سے مراد اس کا جبری واکراہی ذرہ گر خدا کسی کو ہدایت کی طرف مجبور نہیں کرتا یا حضورؐ نبی اکرمؐ بھی کسی کو مجبور کرکے راہ راست پر نہیں لاتے۔

فہرست سعادت ونحوستِ ایّام

	محرم		صفر
۱	جملہ امور کے لئے سعد و مبارک	۱	نحس
۲	″	۲	جملہ امور کے لئے مبارک
۳	نحس اکبر	۳	نحس اکبر
۴	سفر کے علاوہ ہر امر کے لئے مبارک	۴	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۵	نحس اکبر	۵	نحس اکبر
۶	ہر کام کے لئے مبارک خصوصاً سفر باعث زیادتی مال	۶	ہر کام کے لئے مبارک۔ سفر موجب زیادتی مال
۷	ہر کام کے لئے مبارک	۷	ہر کام کے لئے مبارک
۸	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب	۸	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۹	ہر کام کے لئے خوب سفر باعثِ فراوانیٔ مال	۹	ہر کام کے لئے خوب سفر باعث فراوانیٔ مال
۱۰	″	۱۰	نحس
۱۱	نحس	۱۱	دخول علی السلطان کے علاوہ ہر کام کو نیک
۱۲	مبارک ہر کام کے لئے	۱۲	ہر کام کے لئے خوب
۱۳	نحس اکبر	۱۳	نحس اکبر
۱۴	نحس	۱۴	ہر کام کے لئے مبارک
۱۵	قرض لینے دینے کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب	۱۵	قرض کی لین دین کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۱۶	نحس	۱۶	نحس
۱۷	درمیانہ لیکن قرض کے لئے بد	۱۷	درمیانہ ۔ لیکن قرض کی لین دین کے لئے بد
۱۸	ہر کام کے لئے خوب	۱۸	ہر کام کے لئے خوب
۱۹	″	۱۹	″
۲۰	درمیانہ	۲۰	نحس ۔ چہلم شہدائے کربلا
۲۱	نحس اکبر	۲۱	نحس اکبر
۲۲	نحس	۲۲	ہر کام کے لئے مبارک
۲۳	ہر کام کے لئے خوب	۲۳	″
۲۴	نحس اکبر	۲۴	نحس اکبر
۲۵	″	۲۵	″
۲۶	نکاح وشادی کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب	۲۶	نکاح وشادی کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۲۷	ہر کام کے لئے خوب	۲۷	ہر کام کے لئے مبارک
۲۸	″	۲۸	″ نحس بوجہ وفات رسول خداؐ
۲۹	وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب سفر باعثِ زیادتی مال	۲۹	وصیت کے علاوہ ہر کام کو خوب اور سفر موجب زیادتی مال
۳۰	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب	۳۰	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

ایام عزا کی وجہ سے اس ماہ میں خوشی وشادی کے کاموں سے بچنا چاہیئے

اس ماہ میں بھی سوگوار رہنا چاہیے اور خوشی کے کاموں سے بچنا چاہیے

ربیع الاول

۱	ہر کام کے لئے مبارک
۲	"
۳	نحس اکبر
۴	نحس
۵	نحس اکبر
۶	ہر کام کے لئے مبارک ۔ سفر موجب زیادتی مال
۷	ہر کام کے لئے مبارک
۸	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک (شہادت امام عسکریؑ)
۹	ہر کام کو مبارک سفر موجب زیادتی مال
۱۰	نحس
۱۱	ہر کام کے لئے مبارک
۱۲	"
۱۳	نحس اکبر
۱۴	ہر کام کے لئے مبارک
۱۵	قرض کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۱۶	نحس اکبر
۱۷	درمیانہ اور قرض کے لئے بد
۱۸	ہر امر کے لئے خوب
۱۹	"
۲۰	نحس
۲۱	نحس اکبر
۲۲	ہر کام کے لئے مبارک وخوب
۲۳	"
۲۴	نحس اکبر
۲۵	"
۲۶	نکاح شادی کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۲۷	ہر کام کے لئے مبارک
۲۸	"
۲۹	وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۳۰	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک

ربیع الثانی

۱	نحس
۲	ہر کام کے لئے مبارک
۳	نحس اکبر
۴	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۵	نحس اکبر
۶	ہر کام کے لئے مبارک سفر موجب زیادتی مال
۷	ہر کام کے لئے خوب و مبارک
۸	نحس
۹	ہر کام کے لئے مبارک ۔ سفر موجب زیادتی مال
۱۰	دخول علی السلطان کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب و مبارک
۱۱	نحس
۱۲	ہر کام کے لئے مبارک
۱۳	نحس اکبر
۱۴	ہر کام کے لئے مبارک
۱۵	قرض کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۱۶	نحس اکبر
۱۷	درمیانہ قرض کے لئے بد
۱۸	ہر کام کے لئے مبارک
۱۹	"
۲۰	درمیانہ ۔ سفر کے لئے خوب درخت لگانا اور مکان بنانا خوب
۲۱	نحس اکبر
۲۲	ہر کام کے لئے خوب مبارک
۲۳	ہر کام کے لئے خوب مبارک سفر موجب زیادتی مال
۲۴	نحس اکبر
۲۵	"
۲۶	شادی نکاح کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۲۷	ہر کام کے لئے مبارک
۲۸	"
۲۹	وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۳۰	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

جمادی الاولیٰ

۱	ہر کام کے لئے مبارک
۲	〃
۳	نحس اکبر
۴	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۵	نحس اکبر
۶	ہر کام کے لئے مبارک ۔ سفر موجب زیادتیٔ مال
۷	ہر کام کے لئے مبارک
۸	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۹	ہر کام کے لئے مبارک سفر موجب زیادتیٔ مال
۱۰	نحس
۱۱	〃
۱۲	ہر کام کے لئے مبارک
۱۳	نحس اکبر
۱۴	ہر کام کے لئے مبارک
۱۵	قرض کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۱۶	نحس اکبر
۱۷	درمیانہ ۔ قرض کے لئے بد
۱۸	ہر کام کے لئے خوب و مبارک
۱۹	〃
۲۰	درمیانہ لیکن سفر درخت لگانے اور مکان بنانے کے لئے خوب
۲۱	نحس اکبر
۲۲	نحس
۲۳	ہر کام کے لئے خوب اور سفر موجب زیادتیٔ مال
۲۴	نحس اکبر
۲۵	〃
۲۶	نکاح و شادی کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۲۷	ہر کام کے لئے مبارک
۲۸	〃
۲۹	وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۳۰	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک

ایام وفات خاتون
بروایت ۷۵ دن

جمادی الثانی

۱	نحس
۲	ہر کام کو مبارک
۳	نحس اکبر ایام وفات خاتون بروایت سہ ماہ
۴	سفر کے علاوہ ہر کام کو مبارک
۵	نحس اکبر
۶	ہر کام کو مبارک ۔ سفر موجب زیادتیٔ مال
۷	ہر کام کو مبارک
۸	سفر کے علاوہ ہر کام کو مبارک
۹	ہر کام کو مبارک ۔ سفر موجب زیادتیٔ مال
۱۰	دخول علی السلطان کے علاوہ ہر کام کو مبارک
۱۱	نحس
۱۲	نحس
۱۳	نحس اکبر
۱۴	ہر کام کے لئے خوب
۱۵	قرض کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۱۶	نحس اکبر
۱۷	درمیانہ قرض کے لئے بد
۱۸	ہر کام کے لئے خوب
۱۹	〃
۲۰	درمیانہ لیکن سفر درخت لگانا مکان بنانا خوب
۲۱	نحس اکبر
۲۲	ہر کام کو خوب
۲۳	〃
۲۴	نحس اکبر
۲۵	〃
۲۶	نکاح و شادی کے علاوہ ہر کام کو مبارک
۲۷	ہر کام کو مبارک
۲۸	〃
۲۹	وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۳۰	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

رجب

۱ ہر کام کے لئے خوب

۲ 〃

۳ نحس اکبر

۴ سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

۵ نحس اکبر

۶ ہر کام کے لئے مبارک۔ سفر موجب زیادتی مال

۷ ہر کام کے لئے خوب

۸ سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

۹ ہر کام کے لئے خوب سفر موجب فراوانی مال

۱۰ دخول علی السلطان کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

۱۱ نحس

۱۲ 〃

۱۳ 〃 مگر بوجہ ولادت امیر المومنینؑ سعد ہوگئی

۱۴ ہر کام کے لئے خوب

۱۵ قرض کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

۱۶ نحس اکبر

۱۷ درمیانہ۔ قرض کے لئے بد

۱۸ ہر کام کے لئے خوب

۱۹ 〃

۲۰ درمیانہ۔ مگر سفر۔ درخت لگانا مکان بنانا خوب

۲۱ نحس اکبر

۲۲ ہر کام کو مبارک

۲۳ نحس اکبر

۲۴ نحس اکبر

۲۵ 〃

۲۶ نکاح شادی کے علاوہ ہر کام کو مبارک

۲۷ ہر کام کے لئے خوب

۲۸ 〃

۲۹ وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک

۳۰ سفر کے علاوہ 〃

شعبان

۱ ہر کام کے لئے خوب

۲ 〃

۳ نحس اکبر (ولادت امام حسینؑ کی وجہ سے سعد)

۴ نحس

۵ نحس اکبر

۶ ہر کام کے لئے خوب۔ سفر موجب زیادتی مال

۷ ہر کام کے لئے خوب

۸ سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

۹ ہر کام کے لئے خوب سفر موجب فراوانی مال

۱۰ دخول علی السلطان کے علاوہ ہر کام کو مبارک

۱۱ ہر کام کے لئے خوب

۱۲ 〃

۱۳ نحس اکبر

۱۴ ہر کام کے لئے خوب

۱۵ قرض کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب (ولادت قائمؑ)

۱۶ نحس اکبر

۱۷ درمیانہ۔ قرض کے لئے بد

۱۸ ہر کام کے لئے خوب

۱۹ 〃 〃

۲۰ نحس

۲۱ نحس اکبر

۲۲ ہر کام کے لئے خوب

۲۳ 〃

۲۴ نحس اکبر

۲۵ 〃

۲۶ نحس

۲۷ ہر کام کے لئے مبارک

۲۸ 〃

۲۹ وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

۳۰ سفر کے علاوہ 〃

رمضان مبارک

۱	ہر کام کے لئے خوب
۲	"
۳	نحس اکبر
۴	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۵	نحس اکبر
۶	ہر کام کے لئے خوب ۔ سفر موجب زیادتی مال
۷	ہر کام کے لئے خوب
۸	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۹	ہر کام کے لئے خوب سفر موجب زیادتی مال
۱۰	دخول علے السلطان کے علاوہ ہر کام کو خوب
۱۱	ہر کام کے لئے خوب
۱۲	"
۱۳	نحس اکبر
۱۴	ہر کام کے لئے خوب
۱۵	قرض کے علاوہ ہر کام کو خوب
۱۶	نحس اکبر
۱۷	درمیانہ قرض کے لئے بد
۱۸	ہر کام کے لئے خوب
۱۹	" شہادتِ امیر علیہ السلام
۲۰	نحس
۲۱	نحس اکبر
۲۲	ہر کام کے لئے خوب
۲۳	"
۲۴	نحس اکبر
۲۵	"
۲۶	نکاح شادی کے علاوہ ہر کام کو خوب
۲۷	ہر کام کے لئے خوب
۲۸	"
۲۹	وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۳۰	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

شوال

۱	ہر کام کے لئے خوب
۲	نحس
۳	نحس اکبر
۴	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۵	نحس اکبر
۶	نحس
۷	ہر کام کے لئے خوب
۸	نحس
۹	ہر کام کے لئے خوب سفر موجب زیادتی مال
۱۰	دخول علے السلطان کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۱۱	ہر کام کے لئے خوب
۱۲	"
۱۳	نحس اکبر
۱۴	ہر کام کے لئے خوب
۱۵	قرض کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۱۶	نحس اکبر
۱۷	درمیانہ ۔ قرض کے لئے بد
۱۸	ہر کام کے لئے مبارک
۱۹	"
۲۰	درمیانہ مگر سفر درخت لگانا مکان بنانا خوب
۲۱	نحس اکبر
۲۲	ہر کام کے لئے خوب
۲۳	"
۲۴	نحس اکبر
۲۵	"
۲۶	نکاح شادی کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۲۷	ہر کام کے لئے خوب
۲۸	"
۲۹	وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۳۰	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

ذوالقعدہ

۱	ہر کام کے لئے مبارک
۲	〃
۳	نحس اکبر
۴	سفر کے علاوہ
۵	نحس اکبر
۶	نحس
۷	ہر کام کے لئے خوب
۸	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے مبارک
۹	ہر کام کے لئے خوب۔ سفر موجب زیادتی مال
۱۰	نحس
۱۱	ہر کام کو مبارک
۱۲	〃
۱۳	نحس اکبر
۱۴	ہر کام کے لئے مبارک
۱۵	قرض کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۱۶	نحس اکبر
۱۷	درمیانہ۔ قرض کے لئے بد
۱۸	ہر کام کے لئے خوب
۱۹	〃
۲۰	درمیانہ مگر سفر درخت لگانا مکان بنانا خوب
۲۱	نحس اکبر
۲۲	ہر کام کے لئے خوب
۲۳	〃
۲۴	نحس اکبر
۲۵	〃
۲۶	نکاح شادی کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۲۷	ہر کام کے لئے خوب
۲۸	نحس
۲۹	وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۳۰	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

ذوالحجہ

۱	ہر کام کے لئے خوب
۲	〃
۳	نحس اکبر
۴	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۵	نحس اکبر
۶	ہر کام کے لئے خوب۔ سفر موجب زیادتی مال
۷	ہر کام کے لئے خوب
۸	نحس
۹	ہر کام کے لئے خوب۔ سفر موجب زیادتی مال
۱۰	دخول علی السلطان کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۱۱	ہر کام کے لئے خوب
۱۲	〃
۱۳	نحس اکبر
۱۴	ہر کام کے لئے خوب
۱۵	قرض کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۱۶	نحس اکبر
۱۷	درمیانہ۔ قرض کے لئے بد
۱۸	ہر کام کے لئے خوب
۱۹	〃
۲۰	نحس
۲۱	نحس اکبر
۲۲	ہر کام کے لئے خوب
۲۳	〃
۲۴	نحس اکبر
۲۵	〃
۲۶	نکاح شادی کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۲۷	ہر کام کے لئے خوب
۲۸	〃
۲۹	وصیت کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب
۳۰	سفر کے علاوہ ہر کام کے لئے خوب

رکوع نمبر ۱۷ يُوزَعُوْنَ یعنی ان کو روک دیا جائے گا تاکہ سب جمع ہولیں ۔ جَآءُوْهَا یعنی جب جہنم میں پہنچیں گے تو اس سے پہلے انکے خلاف انکے اعضا
کی گواہی ہو چکی ہوگی۔ اور تمام اعضا میں سے کان اور آنکھ کو مخصوص کر لیا گیا ہے کیونکہ ان دو کے ذریعے سے انسان حق کی آواز سنتا ہے اور حق کے دلائل
اس تک پہنچتے ہیں اور آنکھ کے ذریعے سے انسان حق کے مناظر اور معجزات و کرامات کا معائنہ کرتا ہے پس جب یہ عذر پیش کریگا کہ میں نے

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا

اور جس دن اکٹھے کئے جائینگے اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف پس وہ روکے جائیں گے یہانتک کہ جب وہاں پہنچیں گے

شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱﴾

تو اُن پر ان کے کان آنکھیں اور چمڑے گواہی دینگے جو وہ عمل کرتے تھے

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ

اور اپنے چمڑوں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی ؟ تو کہیں گے ہمیں اللہ نے بولنے کی طاقت دی ہے ۔ جس

اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَمَا كُنْتُمْ

نے ہر شئی کو گویائی دی ہے اور اسی نے ہی تمہیں پیدا کیا پہلی مرتبہ اور اسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے اور تم نہیں چھپ سکتے

تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا

تھے اس بات سے کہ گواہی دیں گے تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ (چھپ سکتے تھے) اپنی آنکھوں اور

جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اپنے چمڑوں سے لیکن تمہارا خیال تھا کہ تحقیق اللہ نہیں جانتا تمہارے اکثر اعمال کو

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ

اور یہ تمہارا خیال جو تم نے اپنے رب کے متعلق کیا ہوا تھا اُسی نے تمہیں ہلاک کیا ہے

حق کی آواز اور حق کے اثبات
کی دلیلیں نہیں سنی تھیں تو
کان گواہی دیں گے کہ ہم نے
حق کی آواز اور اس کے دلائل
سنے تھے اور اگر عذر پیش
کرے گا کہ میں نے حق کے
نشانات و معجزات نہیں
دیکھے تھے تو آنکھ اس کے
خلاف گواہ ہوگی کہ بے شک
ہم نے سب کچھ دیکھا تھا
اور باقی بدن کے تمام اعضاء
اپنے متعلقہ اعمال کی گواہی
دیں گے اور جُلُوْدُهُمْ
سے مراد جسم کے باقی اعضاء
ہیں مثلاً ہاتھ پیر اور زبان وغیرہ
ہر اُس عمل کی گواہی دیں گے
جو اُن سے متعلق ہوگا اور
کان اور آنکھیں اتمام حجت کے علاوہ اپنے متعلقہ اعمال کے متعلق بھی گواہ ہوں گے ——————

—————— پس عالم بے چارگی میں کافر لوگ از راہِ حیرت اپنے اعضا سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں کر
گواہی دی حالانکہ تم میں تو بولنے کی طاقت نہیں تھی پس وہ جواب دیں گے کہ ہم کو اللہ نے طاقتِ گویائی دے دی ہے ۔ اور
بعض لوگ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جس طرح انسان کی آوازیں فضا میں محفوظ رہتی ہیں چنانچہ آلاتِ سائنس کے ذریعے سے

ان کو ضبط بھی کرلیا جاتا ہے جس طرح آج کل کی ریڈیائی آوازیں یا ٹیلی ویژن کے مناظر یا ٹیپ شدہ تقاریر وغیرہ اس کی شاہد ہیں۔ اسی طرح انسان کے جملہ حرکات وسکنات فضائے بسیط میں محفوظ ہوتے ہیں گویا انسان کی پوری زندگی کے حرکات وسکنات کی ریلیں فضائے بسیط میں محفوظ ہیں جو کراماً کاتبین کی نگرانی میں ہیں اور بروز محشر جب انسان اپنے کردار فاسد کا انکار کرے گا تو وہی ریلیں اس کو دکھادی جائیں گی۔ اور یہی اس کی وہ کھلی ہوئی کتاب ہے جس کو وہ خود پڑھ لے گا۔ اور یہی وہ اعمال نامہ ہے جو بروز محشر منظرِ عام پر پیش ہوگا اور یہی اس کے اعضا کی گواہی ہے جس کو وہ کسی طرح جھٹلا نہ سکے گا۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ تم اپنے اعمال فاسدہ

مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ

پس تم خسارہ پانیوالے ہوگئے — پس اگر صبر کریں تو آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے — اور اگر وہ

يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاۤءَ فَزَيَّنُوْا

معافی مانگیں تو ان کو معافی نہیں دی جائے گی — اور بدلہ میں دیئے ہم نے ان کو ایسے ساتھی کہ انہوں نے مزین کیا

لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ

انہوں نے مزین کیا اُن کے لئے وہ جو انکے سامنے ہے اور وہ جو ان کے پیچھے ہے اور ثابت ہوا ان پر قول عذاب ان

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢٦﴾

گروہوں میں جو اُن سے پہلے گذر گئے جنوں اور انسانوں میں سے تحقیق وہ خسارے میں تھے

کو دوسروں سے تو چھپا سکتے تھے لیکن تم اپنے کانوں آنکھوں اور دوسرے اعضا سے کس طرح چھپاؤ گے اور انکی گواہی سے کیسے بچو گے اور تمہارا تو یہ گمان تھا کہ اللہ ہماری باتوں کو نہیں جانتا یعنی اللہ کے پاس ہمارے اعمال کی لسٹ محفوظ نہ ہوگی حالانکہ تمہاری پوری زندگی کے حرکات وسکنات محفوظ ہوتے ہیں اور تمہارے اسی گمان نے ہی تم کو ہلاکت کے راستہ پر ڈال دیا تھا۔ نیز ایسے ساتھی اور دوست بھی ان کو مل جاتے ہیں جو ان کے اعمال کو ان کے سامنے مزین کرتے ہیں یعنی آگے آنے والی قیامت کے متعلق بھی ان کے حوصلے وہ بلند کرتے ہیں کہ تم جو چاہو کرتے رہو تمہیں کون پوچھتا ہے؟ اور گذشتہ کے متعلق بھی ان کو مطمئن کرتے ہیں پس وہ توبہ کی توفیق سے محروم ہوجاتا ہے پس ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ دائمی خسارہ پانیوالے ہیں

اللہ پر حسن ظن

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بروز قیامت ایک آدمی کو دوزخ کی طرف بھیجا جائے گا تو وہ پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھے گا پس اللہ کا حکم ہوگا کہ اس کو ٹھہرالو۔ چنانچہ ارشادِ باری ہوگا کہ تو نے پیچھے مڑ کر کیوں دیکھا ہے تو وہ عرض کرے گا اے پروردگار میرا تیرے متعلق یہ گمان ہرگز نہ تھا۔ پس اللہ فرمائے گا کہ تیرا میرے متعلق کیا گمان تھا تو وہ کہے گا کہ میرا تیرے متعلق بخشش کا گمان تھا اور یہ کہ تو مجھے اپنے فضل وکرم سے جنت میں بھیجے گا پس خدا فرشتوں سے فرمائے گا کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم اس نے کبھی میرے متعلق یہ گمان نہیں کیا تھا ورنہ اگر اس کا میرے متعلق یہ گمان ہوتا تو میں اس کو آتش جہنم سے خوف زدہ نہ کرتا تاہم اب اس کو چھوڑ دو اور جنت میں جانے دو۔ اس کے لئے

حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص بھی اللہ پر حسنِ ظن رکھے اللہ اس کو حسنِ ظن کا بدلہ دیتا ہے۔

رکوع نمبر ۱۸

وَقَالَ الَّذِيْنَ۔ یعنی کفار نے جب دیکھا کہ جو لوگ قرآن سنتے ہیں وہ فوج در فوج کھچ کھچ کر اسلام کے حلقہ میں داخل ہو جاتے ہیں پس انہوں نے تجویز سوچی کہ جب حضورؐ قرآن کی تلاوت کریں اُس وقت شور مچایا جائے یا سیٹیاں اور تالیاں بجائی جائیں یا کوئی دوسرا لغو مشغلہ اختیار کیا جائے تاکہ لوگوں کے کانوں تک قرآن نہ پہنچ سکے اور اس طریقہ سے اسلامی تعلیم لوگوں تک نہ پہنچ سکے گی اور ہم کامیاب ہوں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ

اور کافروں نے کہا کان نہ دھرو اس قرآن کے لئے اور لغو باتیں کرو اس میں

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا

تاکہ تم کو غلبہ حاصل ہو پس ہم البتہ ضرور چکھائیں گے کافروں کو سخت عذاب

وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ

ان کو نہایت برا بدلہ دیں گے اس کا جو وہ کرتے ہیں یہ اللہ کے دشمنوں کی جزا ہے

اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

دوزخ کہ اس میں ان کا ہمیشہ کا ٹھکانا ہوگا یہ اس کا بدلہ ہے کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

اور کہیں گے کافر اے رب ہمیں دکھا وہ دو جنوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں میں سے

وَلَنُذِيْقَنَّ۔ یعنی دنیا میں ان کو سخت عذاب میں مبتلا کریں گے اور آخرت میں ان کو اپنے شرک اور اعمالِ فاسدہ کی بدترین جزا دیں گے پس دنیاوی عذاب جنگِ بدر میں قتل ہونا اور قید ہونا تھا۔ اور اخروی سزا ہمیشہ کا جہنم اُن کے لئے ہے اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ولایت علی بن ابی طالب کو ترک کرنے والے کافروں کو دنیاوی زندگی میں بھی سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ اور آخرت میں بھی ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانا دوزخ ہے کیونکہ وہ آیاتِ پروردگار کا انکار کرتے ہیں۔ اور آیاتِ پروردگار ائمہ طاہرینؑ ہیں۔ مقصد یہ کہ آیات کی تنزیل اگرچہ کفارِ مکہ کے لئے تھی لیکن ان کی تاویل دشمنانِ اہل بیت کے لئے تاقیامت جاری رہے گی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ۔ ایک روایت میں ہے کہ جنوں میں سے پہلا گمراہ کن ابلیس ہے۔ اور آدمیوں میں سے قابیل ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جنوں اور انسانوں میں سے ہر گمراہ کرنے والا اس جگہ مراد ہے پس ان کے پیچھے چل کر جو لوگ دوزخ میں جائیں گے وہ اللہ سے درخواست کریں گے کہ ہم ان کو روندنا چاہتے ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کر کے جہنم کا راستہ

دکھایا تھا۔ اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے راویٔ حدیث سورہ بن کلیب سے فرمایا۔ خدا کی قسم اس آیت میں وہی دو آدمی مراد ہیں اور تین دفعہ آپ نے قسم کھا کر اس فقرہ کو دہرایا اور آخر میں فرمایا کہ ہم آسمان و زمین میں اللہ کے خزانہ دار ہیں۔ ایک دوسری حدیث طویل میں آپ نے فرمایا کہ ان دونو کو آگ کے تازیانوں سے پیٹا جائے گا کہ اگر تازیانہ سمندر پر پڑے تو اُس کا تمام پانی کھول جائے۔ اور ایک پہاڑ پر پڑے تو وہ خاکستر ہو جائے۔ پس ان کی اتباع کرنے والے کہیں گے کہ ہم اب ان کو اپنے پاؤں کے نیچے روندنا چاہتے ہیں تاکہ ان کا عذاب سخت تر ہو۔

تَتَنَزَّلُ - احادیث میں ہے کہ یہ آیت شیعانِ آلِ محمدؐ کے حق میں ہے کہ مرتے وقت ان کو فرشتے جنت کی خوشخبری سناتے ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب کوئی مومن موالی مرتا ہے تو جناب رسول خداؐ حضرت امیر المومنینؑ اور حسنین شریفین اس کے پاس پہنچ کر خوشخبری سناتے ہیں۔ الحدیث۔ اور تفسیر امام حسن عسکری سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ جب ملک الموت مومن کے پاس پہنچتا ہے اور اس کو حالت اضطراب میں دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ ایسے شخص کو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے جس سے ایک کھوٹا روپیہ چلا جائے اور لاکھوں کھرے روپے مل جائیں۔ ذرا اوپر کی طرف نگاہ تو اٹھاؤ پس مومن منازل جنت کو دیکھے گا تو ملک الموت کہے گا کہ دنیاوی منازل کے بدلہ میں یہ جنت کے مکانات اور نعمات تیرے لئے اور تیری نیک اولاد کے لئے ہیں کیا تجھے یہ پسند نہیں تو مومن کہے گا بے شک مجھے یہ پسند ہیں اور میں راضی ہوں پھر دوبارہ ملک الموت کہے گا کہ نگاہ اٹھاؤ تو مومن اپنے سامنے حضرت رسالت مآبؐ حضرت امیر المومنین اور آلِ اطہار علیہم السّلام کو دیکھے گا پس فرشتہ کہے گا کہ یہ تیرے سردار موجود ہیں تو کیا دنیا کے بدلہ میں تجھے ان کی رفاقت منظور نہیں "

نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ (۳۰) اِنَّ

تاکہ ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھیں تاکہ وہ ذلیل ہوں بے شک

الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر ثابت قدم رہے تو ان پر فرشتے اترتے ہیں (یہ کہتے ہوئے)

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ

کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کرو اور تم کو جنت کی بشارت ہے جس کا تم سے وعدہ

تُوْعَدُوْنَ (۳۱) نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

کیا گیا تھا ہم تمہارے دوست ہیں دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں بھی

الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (۳۲)

اور تمہارے لئے اس میں وہ کچھ ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم مانگو

تو مومن کہے گا خدا کی قسم مجھے ان کی رفاقت پسند ہے پس فرشتہ اس کو خوشخبری جنت کی دے گا - اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے گی (ملخص از برہان)

نُزُلاً - یا تو مفعول مطلق ہے یا فاعل کے معنی میں حال ہے اور مروی ہے کہ جنتی جب کسی شے کی خواہش کرے گا تو اس کے اظہار کرنے سے پہلے وہ چیز اس کو مہیا کر دی جائے گی۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۳﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا

درحالیکہ یہ میزبانی ہے غفور رحیم کی جانب سے اور اُس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہے جو اللہ کی

اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَلَا

طرف دعوت دے اور نیک عمل بجالائے اور کہے کہ میں پیروی کرنے والوں میں سے ہوں اچھی اور

تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا

بری بات ایک جیسی نہیں ہوا کرتی تم دفاع کرو اچھے طریقے سے تو وہ شخص کہ

الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَمَا يُلَقّٰىهَآ

تیرے اور اس کے درمیان دشمنی ہے مثل قریبی دوست کے ہو جائے گا اور نہیں عطا ہوتا

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۶﴾ وَاِمَّا

یہ طریقہ مگر حوصلہ مند لوگوں کو اور نہیں عطا ہوتا مگر بڑے صاحب بخت کو اور اگر

يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۷﴾

وسوسہ محسوس ہو تجھے شیطان کی طرف سے کوئی سا وسوسہ تو اللہ سے پناہ مانگو تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے

رکوع ۱۹ وَمَنْ اَحْسَنُ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے تبلیغ دین کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام نیکیوں میں سے بہت بڑی نیکی دین خداوندی کی تبلیغ ہے بشرطیکہ تبلیغ کرنے والا خود بھی عمل صالح کرنے والا ہو اور اللہ کی طرف دعوت دیتے ہوئے خود بھی اس کی طرف پوری طرح جھکنے والا ہو - اور تفسیر صافی میں بروایت عیاشی مذکور ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں اتری ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ - دشمن کی بدخلقی اور بدکلامی کا جواب خوش خلقی اور نرمی سے دیا جائے تو زیادہ موثر ہوا کرتا ہے پس آیت مجیدہ میں ارشاد ہے کہ مخالف کی بات کا دفاع احسن طریقہ سے کرو یعنی ان کے باطل کو حق سے اُن کی جہالت کو حوصلے سے۔ اور ان کی برائی کو اچھائی سے دُور کرو تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا اعلانیہ دشمن بھی ایک دن تمہارے سامنے جھک جائے گا اور دشمن کے بجائے تمہارا دوست اور اجنبی کے بجائے تمہارا قریبی ہو جائے گا لیکن تبلیغ اور دفاع کا یہ طریقہ وہی لوگ اختیار کر سکتے ہیں جو حوصلہ مند ہوں کہ دشمن کی سخت کلامی سے طیش میں نہ

آجائیں بلکہ صبر و ضبط اور سکون و اطمینان کے ماتحت خندہ پیشانی سے نرم لہجہ کے ساتھ بات کریں اور یہ طرزِ عمل ایسے لوگوں کا ہوتا ہے جو حلم و حوصلہ کے ساتھ فہم و فراست اور عقل و دانش سے بہرہ ور ہوں اور اسی کو حظِ عظیم کہا گیا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ۔ جو لوگ سورج اور چاند ستاروں کی پرستش کرتے تھے اور اپنے اس فعل بد کی توجیہ میں کہتے تھے کہ ہم ان کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ قرار دیتے ہوئے ان کی پرستش و پوجا کرتے ہیں۔ درحقیقت مقصودِ عبادت اللہ ہی ہے پس خداوندِ کریم نے اس آیت میں ان کے اس نظریہ کی تردید فرمائی ہے کہ چاند و سورج میری قدرت اور توحید کی نشانیوں میں سے ہیں اور میری مخلوق ہیں تم لوگوں کا فرض ہے کہ میری اس قسم کی نشانیوں کو دیکھ کر میری عظمت و جلالت کے سامنے سربسجود ہو جاؤ۔ اور مجھے لائقِ عبادت قرار دے کر میری کسی مخلوق کو میرا شریکِ عبادت نہ بناؤ پس اگر تمہارا یہ دعوےٰ صحیح ہے کہ مقصودِ عبادت اللہ ہے تو سورج و چاند کی پرستش کا طریقہ ترک کر کے مجھے معبودِ واحد قرار دیتے ہوئے میری عبادت کرو اور میری ذات کے لئے ہی سجدہ کرو۔ اور یہ آیت آیت

وَمِنْ اٰیٰتِہِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ
اس کی نشانیوں میں سے ہیں رات دن اور سورج و چاند نہ سجدہ کرو سورج کا

وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ
اور نہ چاند کا اور سجدہ کرو اس اللہ کا جس نے ان کو پیدا کیا اگر تم اس کی عبادت کرتے

تَعْبُدُوْنَ ۳۸ (سجدہ واجبہ) فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ
ہو پس اگر تکبر کریں تو جو لوگ تیرے رب کے قرب میں ہیں وہ دن رات اس کی

لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ ۳۹ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ
تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے بھی نہیں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم

سجدہ ہے کیونکہ اس کے اختتام پر سجدہ کرنا ضروری ہے تَعْبُدُوْنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس امر میں اختلاف ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے کس جگہ سجدہ کرنا چاہیئے چنانچہ ائمہ طاہرین علیہم السلام سے مقامِ سجدہ یہی جگہ منقول ہے۔ اور بعض لوگوں کے نزدیک مقامِ سجدہ اگلی آیت کا اختتام یعنی لَا یَسْئَمُوْنَ ہے اور اس جگہ سجدہ کرنا واجب ہے اور کتاب من لا یحضرہ الفقیہ سے منقول ہے کہ سجدہ میں یہ دعا پڑھنی چاہیئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حَقًّا حَقًّا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِیْمَانًا وَّتَصْدِیْقًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عُبُوْدِیَّةً وَّرِقًّا سَجَدْتُ لَكَ یَا رَبِّ تَعَبُّدًا وَّرِقًّا لَا مُسْتَنْكِفًا وَّلَا مُسْتَكْبِرًا بَلْ اَنَا عَبْدٌ ذَلِیْلٌ خَائِفٌ مُّسْتَجِیْرٌ۔ پس سر اٹھا کر اللہ اکبر کہے۔ قرآنی سجدہ کے باقی احکام سورہ اعراف کی تفسیر کے اختتام پر ملاحظہ فرمائیں ج ۶ ص ۱۵۱

مقام سجدہ واجبہ

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا۔ یعنی اگر چاند و سورج پرست لوگ اللہ کی عبادت میں چاند و سورج کو شریک کرنے سے باز نہ آئیں تو اللہ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس سجدہ کرنے والوں اور توحید پرستوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے جو شب و روز

اس کی عبادت میں مشغول ہیں (فرشتے)

خَاشِعَۃً ۔ بارش کی تاخیر کی وجہ سے زمین پر جو خشکی اور یبوست سی ظاہر ہوتی ہے اس کو خشوع سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ ۔ آیاتِ خداوندی میں الحاد کرنے کی کئی صورتیں ہیں (۱) جب حضورؐ تلاوت کرتے تھے تو وہ لوگ سیٹیاں بجانا شروع کر دیتے تھے تاکہ ان کی طرف کوئی توجہ نہ دے سکے (۲) آیات کے معانی میں خاص رد و بدل کر کے اور غلط تعبیریں کر کے لوگوں کو منحرف کرتے تھے (۳) یا یہ کہ توحید پروردگار کی دلیلیں سُننے سمجھنے کے باوجود ازراہِ عناد اس سے انحراف کرتے تھے پس ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ خدا ان کی سب حرکتوں کو جانتا ہے اور اپنی مصلحت سے اُن کی فوری گرفت نہیں کرتا اور لوگوں کے لئے ہر قسم کے آدمیوں کے بارے میں دعوتِ فکر کا انتظام ہے تاکہ جہنم میں جانے والوں اور پرامن محشور ہونے والوں کے انجام میں غور کر کے اپنے لئے صحیح راستہ کی تعیین کر لیں، اسی لئے فرمایا کہ کسی کو کوئی مجبوری نہیں جو چاہو عمل کرو خدا سب کے اعمال سے واقف و خبردار ہے ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۔ اس جگہ اِنَّ کی خبر یا تو محذوف ہے یعنی جو لوگ قرآن کا انکار کرتے ہیں اُن کو اپنے انکار کی سزا دی جائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں اُولٰٓئِکَ یُنَادَوْنَ کو اس کی خبر قرار دیا جائے

تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ

زمین کو خشک دیکھتے ہو پس جب ہم اس پر بارش نازل کرتے ہیں تو جھومتی اور پھولتی ہے

وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(سبزیاں کی وجہ سے) تحقیق وہ جس نے اس کو زندہ کیا مردوں کو زندہ کرتا ہے بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے

(۴۰) اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا اَفَمَنْ

تحقیق وہ لوگ جو کج روی اختیار کرتے ہیں ہماری آیات میں ہم پر وہ پوشیدہ نہیں ہیں تو کیا جس کو آگ

يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اِعْمَلُوْا

میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا جو بروزِ قیامت پُرامن حاضر ہو؟ کرو جو

مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۴۱) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

چاہو تحقیق وہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے تحقیق جن لوگوں نے انکار کیا

بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ (۴۲) لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ

قرآن کا جب وہ اُن کے پاس آیا حالانکہ وہ کتاب عزیز ہے کہ نہیں حملہ کر سکتا اس پر باطل

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ ۔ اس کی کئی تاویلیں بیان کی گئی ہیں (۱) باطل سے مراد شیطان ہے یعنی شیطان اس سے حق کو کم کرنے اور اس میں باطل کے اضافہ کرنے پر قادر نہیں ہے (۲) اس کو باطل کرنے والی کوئی کتاب نہیں خواہ اس سے پہلے کی ہو یا بعد کی ہو

یعنی کوئی کتاب اس کے مضامین ومعانی کو باطل ثابت نہیں کرسکتی (۳) گزشتہ یا آئندہ کی خبروں میں سے کوئی ایسی بات نہیں جو قرآن مجید میں ہو اور اُس کو غلط ثابت کیا جاسکے۔ (۴) پہلے اُترنے والی آیتوں اور بعد میں آنے والی آیتوں میں کہیں بھی غلطی و بطلان کی کوئی گنجائش نہیں ہے (۵) قرآن مجید کی آیات میں کسی جہت سے کوئی کمزوری و نقص نہیں ہے مثلاً بیانِ حقائق الفاظ ومعانی قصصِ تاریخ فصاحت وبلاغت اور اوامر ونواہی وغیرہ میں کہیں بھی انگشت نمائی کی جگہ نہیں ہے اور یہ کتاب ہر لحاظ سے شک وریب سے بالا ہے اور یہ کتاب تا قیامت ہر دور کے انسانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے جس کا کوئی صحیح الفطرت باضمیر انسان انکار نہیں کرسکتا قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا - یعنی اگر قرآن مجید عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں ہوتا تو عرب لوگوں کے پاس انکار کرنے کا بہانہ دستیاب ہو جاتا کہ کتاب اعجمی ہے اور رسولؐ عربی یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ پس خدا نے انہی کے خاندانوں میں سے ایک اعلیٰ خاندان کے اعلیٰ فرد کو انہی کی زبان عربی میں قرآن دے کر بھیجا تاکہ ان کے لئے انکار کا کوئی بہانہ نہ بن سکے۔

مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ

آگے سے نہ پیچھے سے نازل کردہ ہے اس حکمت والے کی جانب سے

﴿۴۳﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ

جو حمید ہے تجھے نہیں کہا جاتا مگر وہ کچھ جو رسولوں کو کہا جاتا رہا ہے تجھ سے پہلے تحقیق

رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۴﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ

تیرا رب بخشنے والا ہے (مومنوں کو) اور دردناک عذاب دینے والا ہے (منکروں کو) اور اگر کرتے ہم اس کو

قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ

قرآن عجمی تو کہتے کافر کیوں نہیں بیان کیا گیا اس کی آیات کو (عربی میں) یہ کیسے کہ کتاب عجمی اور

عَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا

رسول عربی؟ کہدو کہ یہ ان کے لئے جو ایمان لائیں ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہ لائیں ان

يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ

کے کانوں میں پردے ہیں اور یہ ان پر اندھیرا ہے ایسے لوگ بلائے جاتے ہیں

مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ

دور کے مکان سے اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب تو اس میں اختلاف کیا گیا

هُدًى وَّشِفَاۗءٌ - یعنی خالی الذہن انسان کے لئے قرآن ہدایت ہے اور کفر ونفاق و شرک کی بیماریوں میں مبتلا انسانوں

کے لئے قرآن مجید شفا و تندرستی کا پیغام ہے۔

وَالَّذِیْنَ ۔ یعنی جو لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے گویا قرآنی ہدایت کے سننے سے ان کے کان بہرے ہیں اور قرآنی حقائق اُن کے سامنے تاریکی میں ہیں اور ہدایت کی آواز ان کو یوں معلوم ہوتی ہے جس طرح کوئی دور سے بلا رہا ہو اور اس کی آواز سمجھی نہ جا سکتی ہو۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي
اور اگر بات نہ ہو چکی ہوتی تیرے رب کی طرف سے تو ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور تحقیق یہ لوگ
شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿٤٥﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَ
اس کے متعلق گہرے شک میں ہیں جو نیک عمل کرے گا تو اپنے لئے اور
مَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾
جو برا کرے گا تو اپنے لئے اور نہیں ہے تیرا پروردگار اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا۔

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۔ یعنی آپ سے پہلے حضرت موسیٰ کو کتاب دی گئی تو بعض مان گئے اور بعض لوگ انکار پر ڈٹ گئے اور اس قسم کا نظریاتی اختلاف ہمیشہ ہوتا رہا ہے لہٰذا گھبرانے کی بات نہیں آپ بے فکر ہو کر تبلیغ میں مشغول رہیں کوئی مانے تو اس کو فائدہ ہو گا جو نہ مانے گا جہنم میں جائے گا۔ اگر ایک وقت تک عذاب کے موخر کرنے کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر بھی عذاب بھیج دیا جاتا تاہم آپ ان کے ضد و انکار کی پرواہ کئے بغیر امور تبلیغ کو انجام دیتے رہیں۔

پارہ ۲۵ ع

رکوع ۱ وَیَوْمَ یُنَادِیْھِمْ۔ یعنی بروز محشر کفار و مشرکین سے ازراہِ سرزنش سوال ہوگا کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے تھے تو مشرکین اس کے جواب میں اپنے شرک کا انکار کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کے ساتھ کسی کے شریک ہونے کی شہادت دے اور دنیا میں جو اپنے بنائے ہوئے شریکوں کے متعلق گمان رکھتے تھے کہ قیامت کے دن وہ ہمیں چھڑائیں گے اس وقت وہ بات اُن کے ذہن سے اُتر جائے گی اور یقین ہوگا کہ اب چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا

اُسی کی طرف رد کیا جاتا ہے اور کوئی پھل اپنے غنچوں سے نہیں نکلتا

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اَیْنَ

اور مونث حاملہ ہوتی ہے اور نہ اس کا وضع حمل ہوتا ہے مگر یہ کہ اس کے علم میں ہے اور جس دن ان کو پکاریگا

شُرَكَآءِیْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ ﴿۴۸﴾ وَضَلَّ عَنْهُمْ

کہ میرے شریک کہاں ہیں ؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم نے تجھے بتادیا ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے

مَّا كَانُوْا یَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۴۹﴾

اور ختم ہو جائیگا ان کا وہ دعویٰ جو کرتے تھے پہلے اور ان کو یقین ہوگا کہ ان کا چھٹکارا نہیں ہے

لَا یَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ

نہیں تھکتا انسان خیر کے مانگنے سے اور اگر مس کرے اس کو تکلیف تو مایوس و

فَیَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ

نا امید ہوتا ہے اور اگر اس کو ہم اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں اس تکلیف کے بعد

ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ

جو اس کو پہنچی تھی تو کہتا ہے کہ یہ تو میرا حق ہے اور میں نہیں یقین کرتا کہ قیامت قائم ہوگی

لَا یَسْـَٔمُ۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جگہ انسان سے کافر لوگ مراد ہیں کہ وہ دنیا میں اس قدر لالچی ہوتے ہیں کہ اپنے لیے رزق اور جان و مال کی صحت و فراوانی کی دعا سے کبھی سیر نہیں ہوتے اور کسی درجہ پر پہنچ کر ان کو قناعت و حوصلہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ ہر موجودہ صورت سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو کوئی تکلیف پہنچے تو فوراً مایوسی و نا امیدی کا شکار ہو جاتے ہیں پس خیر و شر کی دونوں حالتوں میں ان کو کبھی سکون قلب نصیب نہیں ہوتا اور پھر جب تکلیف و مصیبت کے بعد خداوند کریم اپنے رحم و کرم سے اُن کی مشکل کو آسان کر دے تو وہ بجائے اس کے کہ خدا کا شکر ادا کرتے الٹا بے شکری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارا فرض ہے اور ہماری ذاتی کوششوں کی وجہ سے ہی ہماری مصیبت ختم ہوئی ہے

وَمَآ اَظُنُّ - اس جگہ ظن سے مراد یقین ہے یعنی ان کو قیامت کے آنے کا قطعًا کوئی یقین نہیں ہوتا - اور کہتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت آبھی جائے تو جس طرح دنیا میں ہم پر نعمات کی بارش رہی ہے اُسی طرح قیامت کے دن بھی ہم کو نعمات ملیں گی - اور اللہ ان کے اس خیال کی تردید میں فرماتا ہے وہ غلط سمجھے بیٹھے ہیں بلکہ ان کو ان کے اعمالِ فاسدہ کی ضرور سزا ملے گی -

وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىْٓ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّئَنَّ

اور بالفرض اگر میں اپنے رب کی طرف پلٹایا بھی گیا تو اس کے پاس میرے لئے اچھائی ہوگی پس

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ

ضرور ہم کافروں کو خبردار کریں گے اپنے اعمال سے اور ان کو چکھائیں گے سخت قسم کا عذاب

(۵۱) وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ

اور جب ہم نعمت بھیجیں انسان پر تو اعراض کرتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے (شکر سے)

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ (۵۲) قُلْ اَرَءَيْتُمْ

اور جب اس کو چھوئے تکلیف تو لمبی چوڑی دعائیں مانگنے والا ہوتا ہے کہدو کہ تمہاری کیا رائے ہے

اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ

کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو اور پھر تم اس کا انکار کرو تو کون زیادہ گمراہ ہے ایسے شخص سے

هُوَ فِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ (۵۳) سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَ

جو گہری بدبختی میں ہو عنقریب ہم ان کو دکھائیں گے اپنی نشانیاں گرد و نواح میں اور

اَعْرَضَ - یعنی جب کسی کافر بندے پر خدا کا احسان ہو تو شکرِ خداوندی سے منہ پھیرتا ہے اور پہلو ترچھا کرکے متکبرانہ رویہ اختیار کرتا ہے لیکن جب اُسی کو خدا کسی تکلیف میں مبتلا کردے تو پھر بڑی بڑی دعائیں مانگتا ہے اور اللہ کے سامنے پورے خشوع و خضوع کا اظہار کرتا ہے۔

اِنْ كَانَ - یعنی ان کفار کو دعوتِ فکر دیجئے کہ اگر بالفرض یہ قرآن یا یہ دین اللہ کی جانب سے ہی ہو تو ایسی صورت میں تمہارے انکار کا نتیجہ کیا ہوگا یعنی اس کا یہی نتیجہ ہوگا کہ تم نہایت بدبخت انسان ثابت ہوگے۔ شقاق مضاعف ثلاثی ہے اور اس کا معنی دشمنی کیا جاتا ہے - یعنی تمہارا یہ اختلاف اللہ سے دشمنی متصور ہوگا جس کی سنگین سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔

فِى الْاٰفَاقِ - خداوندکریم کی قدرت و حکمت کی نشانیاں جس طرح آفاق میں موجود ہیں اُسی طرح ہر انسان کے اپنے وجود کے اندر بھی وہ سب کچھ موجود ہے جس میں غور و فکر کرنے والا انسان عقیدہ توحید تک بآسانی پہنچ سکتا ہے - اسی بنا پر حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کی طرف منسوب ہے۔

أَتَزْعَمُ أَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيرٌ وَفِيكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ وَأَنْتَ الْكِتَابُ الْمُبِينُ الَّذِي بِأَحْرُفِهِ يَظْهَرُ الْمُضْمَرُ۔ ترجمہ۔ کیا تو اپنے آپ کو چھوٹا سا جسم سمجھتا ہے حالانکہ تجھ میں عالم اکبر کی تفصیلات کا خلاصہ موجود ہے۔ اور تو وہ کتاب مبین ہے جس کے تمام حروف رموز قدرت و رازہائے فطرت کو عیاں کرتے ہیں۔

فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ

ان کے اپنے نفسوں میں یہاں تک کہ واضح ہو جائے ان کے لئے کہ یہ حق ہے کیا نہیں کافی

يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٥٣﴾ أَلَآ إِنَّهُمْ فِي

تیرے رب کے لئے کہ وہ ہر شئے پر شہید ہے آگاہ ہو تحقیق وہ شک

مِرْيَةٍ مِّن لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَآ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ﴿٥٤﴾

میں ہیں اپنے رب کی ملاقات کے بارے میں آگاہ ہو تحقیق وہ ہر شئے پر احاطہ کرنیوالا ہے

اور اس کی مزید توضیح و تشریح ہم نے تفسیر کے مقدمہ میں ذکر کی ہے۔ پس خدا فرماتا ہے کہ آفاق اور انفس میں غور کرنے کے بعد انسان صحیح طور پر یہ نتیجہ حاصل کرسکتا ہے کہ عقیدہ توحید پروردگار بالکل ناقابل انکار ہے۔ اور اللہ ہر شئی پر شہید و گواہ ہے اور ہر شے پر علم و قدرت کے لحاظ سے محیط وحاوی ہے۔

آفاق و انفس میں خدا کی نشانیاں دکھانے کی چند تاویلیں کی گئی ہیں۔ (۱) ہم ان لوگوں کو اپنی توحید پر ناقابل تردید براہین دکھائیں گے جو آفاقِ عالم اور اقطارِ ارض میں پھیلی ہوئی ہیں مثلاً سورج و چاند کی گردش ستاروں کی چمک اور ان کی حرکات متناسبہ اسی طرح نباتات و اشجار اور دریا و پہاڑ وغیرہ کے متعلق مختلف پہلوؤں پر غور و خوض اور خود نفسِ انسانی میں حکمت و مصلحت کی صنعت کاریوں میں تدبر اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ وہ اللہ ایک ہے جو ان تمام کا خالق اور مدبّر و متقن ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

۲۔ حضرت رسالت مآبؐ کی نبوت کی صداقت کے شواہد اطرافِ مملکت کی فتوحات میں بھی ہم ان کو دکھائیں گے۔ اور آپ کی صداقت کا لوہا خود ان کے نفسوں سے بھی منوائیں گے جو فتح مکہ کے دن ظاہر ہوا۔

۳۔ آفاقی آیات سے مراد امم ماضیہ اور قرونِ گذشتہ کے واقعات سے عبرت دلانا مقصود ہے اور انفسی آیات سے جنگ بدر کے نتیجے سے عبرت حاصل کرنا مقصود ہے۔

۴۔ آفاقی آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضورؐ نے ان کو حوادث گذشتہ کے متعلق یاد دلائے تھے اور انفسی آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو انہوں نے خود حضورؐ سے طلب کئے تھے مثلاً شق القمر کا معجزہ۔

۵۔ آفاقی آیات سے مراد یہ ہے کہ گذشتہ اُمتوں نے تکذیب رسل کے نتیجہ میں جو عذاب برداشت کیا جن کے نشانات اب تک صفحۂ ارض پر باقی ہیں، اور انفس میں غور و فکر کی دعوت دے کر ان کو عقیدہ توحید کی طرف لے جانے کا الگ انتظام

لیا گیا ہے کہ جب انسان اپنی خلقت میں غور کرتا ہے کہ پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ اس کے بعد ہڈیاں گوشت پوست اور پھر اس ساری انسانی تاریک عمارت میں فانوسِ عقل کے ذریعے روشنی کا انتظام یہ سب ایسے امور ہیں جو ہر صاحبِ ضمیر اور منصف مزاج انسان کو توحید خالق کی دعوت دیتے ہیں اور اعضاء انسانی میں سے ہر ایک کا اپنے موزوں و مناسب مقام پر ہونا تدبیر خالق کی بولتی ہوئی زبان ہے ورنہ اگر یہ تخلیق اتفاقی ہوتی اور اس کو کوئی پیدا کرنے والا نہ ہوتا یا یہ کہ پیدا کرنے والے متعدد ہوتے تو اس قسم کی یکسانیت ناممکن تھی بلکہ ایک عضو کی جگہ غلطی سے دوسرا عضو لگ جاتا کان کی جگہ آنکھ اور آنکھ کی جگہ کان وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور ایسا کبھی بھی نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ پیدا کرنے والے نے اپنی حکمت کاملہ اور تدبیر اتم کے پیش نظر اپنے حسنِ اختیار سے یہ تخلیقی کارنامہ انجام دیا اور یہ اس کا محض فضل و کرم ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں پس انفس و آفاق میں غور و فکر کی دعوت سے بڑھ کر اور کوئی دلیل نہیں ہو سکتی اور ان میں غور و فکر کرنے کے بعد بھی جو توحیدِ پروردگار کے عقیدہ تک رسائی نہ حاصل کر سکے اس جیسا کوئی کم ہمت بلکہ بدبخت نہیں ہے۔

بِرَبِّكَ - فاعل ہے اور باء جارہ زائدہ ہے اَنَّهٗ الیٰ آخرہ بِرَبِّكَ سے بدل ہے یعنی کیا تیرے رب کا ہر شئے پر شاہد ہونا کافی نہیں ؟

سورۂ حٰمٓعسٓقٓ

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کا دوسرا نام شوریٰ بھی ہے اور اس کی صرف چار آیتیں مدنی ہیں۔
قُلْ لَا اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا سے لے کر لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ تک
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر چوّن ہے۔

جنابِ رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ سورہ حمعسق کی تلاوت کرنے والا ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جن پر فرشتے درود پڑھتے ہیں اور اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص حم عسق کی تلاوت کرے تو بروز محشر اس کا چہرہ چودہویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا جب دربار خداوندی میں پیش ہوگا تو ارشاد پروردگار ہوگا کہ تو نے حم عسق کی تلاوت کی اور تجھے یہ پتہ نہ تھا کہ اس کا اجر کیا ملے گا ورنہ تجھے اس سورہ کی تلاوت سے کبھی تھکاوٹ محسوس نہ ہوتی۔ اب میں تجھے اس کا بدلہ دیتا ہوں۔ چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو جنت میں داخل کرو۔ پس اس کو یاقوتِ سرخ کا

ایک محل عطا ہوگا جس کے دروازے سیڑھیاں اور روشن دان بھی یاقوت سرخ کے ہوں گے۔ اور اس قدر شفاف ہوگا کہ اُس کی دیواروں سے نظر آر پار ہو سکے گی۔ اور اس کو اس میں دو کشادہ و سیاہ چشم حوریں عطا ہوں گی نیز ایک ہزار کنیزیں اور ایک ہزار غلام بھی خدمت گذاری کے لئے عطا ہوں گے (مجمع)

تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس سورہ مبارکہ کو لکھ کر بارش کے پانی سے دھوئے پھر اُسی پانی میں سرمہ کو کھرل کرکے خشک کرے تو وہ سرمہ آنکھ کی ہر بیماری کے لئے باعث شفا ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو امن میں رہے گا اور جو شخص اس کو دھو کر پی لے تو سفر میں باامن رہے گا۔

رکوع نمبر ۲

حٰمٓ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ کے ناموں سے مخفف ہے یعنی الحکیم المثبت العالم السمیع القادر القوی بہرکیف یہ حروف مقطعات ہیں اور ان کا صحیح علم راسخون فی العلم کے پاس محفوظ ہے جس قدر سورے حٰم سے شروع ہوئے ہیں اُن میں حٰم کے بعد قرآن مجید کا ذکر ہے لیکن اس سورہ میں حٰم کے بعد عسق مذکور ہے اس قیاس کے پیش نظر بعضوں نے کہا ہے کہ عسق قرآن مجید کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۱﴾
اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)
حٰمٓ ﴿۲﴾ عٓسٓقٓ ﴿۳﴾ كَذٰلِكَ يُوۡحِىۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ
حٰمٓ — عٓسٓقٓ — اسی طرح وحی کرتا ہے تیری طرف اور اُن کی طرف جو تجھ سے پہلے
قَبۡلِكَۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۴﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى
تھے وہ اللہ جو غالب حکمت والا ہے — اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین کے اندر
الۡاَرۡضِ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ ﴿۵﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ
ہے اور وہ بلند و بزرگ ہے — قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں

كَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح تیرے اوپر گذشتہ ایام میں ہم نے وحی بھیجی اسی طرح ہر زمانہ میں ہمارا وحی کا قاعدہ یہی رہا ہے خواہ تیری طرف ہو یا گذشتہ انبیاء کی طرف ہو۔ یا یہ مقصد ہے کہ اس سورہ مجیدہ کے مضامین سابق انبیاء کی طرف بھی وحی کئے گئے تھے۔ جس طرح تیری طرف وحی کئے گئے ہیں یا یہ کہ جس طرح حضورؐ کی جانب ناقابل تردید براہین و دلائل کے ذریعے سے محکم و متقن احکام دینیہ اُمت تک پہنچائے گئے۔ اسی طرح سابق انبیاء کو بھی شرائع محکم و متقنہ کی تبلیغ پر مامور کیا گیا تھا۔ اور عزیز و حکیم کی فصل اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ خدا ایسا کرنے پر قادر و غالب ہے۔ اور وہ جو

پھر کرتا ہے حکمت کے ماتحت کرتا ہے۔ اور آسمان وزمین کی تمام تر مخلوق اس کی قدرت تامہ اور حکمت شاملہ کا ہی کرشمہ ہے۔

تَکَادُ السَّمٰوٰتُ۔ یعنی کفار نے جو اللہ کے لئے بیٹیوں کی تجویز کی تھی اس قدر سخت اور ناروا بات تھی جس سے قریب تھا کہ آسمان شگافتہ ہو جائیں۔ یا یہ معنی مراد لیا جائے کہ اللہ کی عظمت وجلالت کے پیش نظر آسمان بھی پھٹ جائیں تو بعید نہیں مِنْ فَوْقِهِنَّ کا معنی یہ ہو گا کہ وہ ذات جو اُن سے فوق ہے اور اُس کی حکومت ان پر حاوی ہے اُس کی عظمت کی بدولت آسمان کا پھٹ جانا بعید نہیں ہے۔

یَسْتَغْفِرُوْنَ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرشتوں کی دُعاء مغفرت صرف مومنوں کے لئے ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس کا مضمون صرف توبہ کرنے والے شیعہ مومنین کے لئے مخصوص ہے اگرچہ لفظ کے لحاظ سے عام ہے (نور الثقلین)

مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ

اوپر (رہنے والوں) سے اور فرشتے تسبیح کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور دعائے مغفرت کرتے ہیں

لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ

زمین والوں کے لئے آگاہ ہو تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جن لوگوں نے

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ

بنا لئے اُن کے علاوہ اولیاء تو اللہ محفوظ رکھنے والا ہے اُن کے اعمال کو اور تو نہیں ہے

بِوَكِيْلٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

اُن پر چوکیدار اور اسی طرح ہم نے وحی کی تجھ پر

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ

قرآن عربی کی تاکہ ڈرائے اہل مکہ کو اور اس کے گرد و نواح والوں کو اور ڈرائے

اَوْلِيَاۗءَ۔ اس جگہ اولیاء سے مراد وہ معبود ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کو اپنے تمام معاملات میں کارساز حاجت روا اور مشکل کشا جانتے تھے۔

حَفِيْظٌ۔ یعنی غیر اللہ کی پرستش کرنے والوں کے جمیع اعمال و کردار اللہ کے پاس محفوظ ہیں اور نوٹ شدہ ہیں جن کا وہ انکار نہ کر سکیں گے اور اللہ پر ان میں سے کوئی شے مخفی نہیں ہے بلکہ ذرہ ذرہ کا حساب ہو گا۔

اُمَّ الْقُرٰى۔ اس سے مراد مکہ ہے چونکہ سب سے پہلے مکہ کی زمین کو پانی کی سطح پر بچھایا گیا تھا اس لئے اس کو اُمّ القریٰ کہا گیا ہے یعنی تمام شہروں کی ماں اور اس جگہ مراد اہل مکہ ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اہل مکہ اور گرد و نواح والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤ۔ اور یوم حشر کا ان کو خوف دلاؤ کہ جہاں اولین و آخرین کو جمع کیا جائے گا اور تمہارا دفتر اعمال کھلے گا اُس وقت کی شرمساری اور ذلت

سے بچ جانے کی کوشش کرو کیونکہ لازماً اُس دن انسانوں کی ایک جماعت جنّت میں اور دوسری جہنّم میں جائے گی۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ ـ یعنی اگر اللہ مشیتِ تکوینی سے ہر ایک کو دینِ حق پر مجبور کرتا تو سب ایک دین پر ہوتے لیکن جزا و سزا کا قصہ باطل ہو جاتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ اپنے اختیار سے کوئی چاہے تو جنّت میں جائے اور چاہے تو دوزخ میں جائے اسی لئے دوسری جگہ مَنْ يَّشَآءُ میں مشیت سے مراد تشریعی ہے یعنی اُس نے خیر و شر کا راستہ دکھایا ہے اور دنیا میں کسی کو مجبور نہیں کیا گیا لیکن قیامت کے روز نیک لوگوں کی جزا جنت اور بدکاروں کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور اس میں ان کو کوئی اختیار نہ ہوگا پس نہ ان کا کوئی والی ہوگا اور نہ اُن کا کوئی ناصر ہوگا

يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي

قیامت کی پیشی سے جس میں کوئی شک نہیں ہے ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ دوزخ

السَّعِيرِ ⑧ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن

میں ہوگا اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک اُمّت بنا دیتا (زبردستی) لیکن وہ

يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُم مِّن وَلِيٍّ وَلَا

داخل کرتا ہے جسے چاہے اپنی رحمت میں اور ظلم کرنے والوں کا کوئی کارساز و مددگار

نَصِيرٍ ⑨ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ

نہ ہوگا بلکہ انہوں نے بنا لئے ہیں اس کے علاوہ اولیاء پس اللہ ہی ولی ہے

يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑩

اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو اور وہی ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

رکوع ۳

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ ـ یعنی دین یا دنیا کی جس بات میں تم جھگڑا کرتے ہو اُس میں حق اور باطل کا صحیح فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ کو ہی حاصل ہے لہٰذا اس کی ہدایت کی طرف رجوع کرنا ہر انسان پر فرض ہے پس جس کو وہ حق قرار دے اُس کو مان لینا چاہیے یعنی دینی یا دنیاوی اُمور میں آئین سازی کا اور حکومت کا حق صرف اللہ کی ذات کے سزاوار ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ

اور ہر وہ شے جس میں تم کو اختلاف ہو تو اس کے فیصلہ کا حق اللہ کو ہے وہی اللہ میرا رب

رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ⑪ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ

ہے اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میری بازگشت ہے ایجاد کرنے والا ہے آسمانوں

يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ـ یعنی انسان ہوں یا چوپائے ہوں ہم نے سب کی نسل کی بقا اور ترقی کو نر و مادہ کی باہمی زندگی کا مرہونِ منت قرار دیا ہے اور اسی کو طریقۂ افزائش و پیدائش قرار دیا ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ ۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں رزق کی چابیاں اللہ کے اختیار میں ہیں پس آسمان سے بارش برسا کر اور زمین میں قوت نامیہ تفویض کر کے اس نے اپنی مخلوق کے رزق کا بندوبست کیا ہے اور اسی طرح رزق کی وسعت یا تنگی بھی اسی کے ہی حیطۂ اختیار میں ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ ۔ یعنی تمہارا دین کوئی نیا نہیں بلکہ دین ایک ہے جس کا حضرت نوح اور اس کے بعد تمام انبیاء کو یکے بعد دیگرے مبلغ بنا کر بھیجا گیا تاکہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے اور اس میں تفرقہ نہ ڈالا جائے اور یہی دین جس میں توحید خالص بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ مشرکین پر بہت شاق ہے۔

لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں اور نہ کفار کے اعتراضات سے تنگ دل ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ اللہ رسالت اور نبوت کے عہدہ کے لئے جسے چاہے چن لیا کرتا ہے اور یہ چناؤ اس نے بندوں کے سپرد نہیں فرمایا پس خدا نے تمہیں اس طرح چن لیا ہے جس طرح تجھ سے پہلے انبیاء کو چنا تھا اور یہ اسی کا اپنا ہی کام ہے

وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ

اور زمین کا اس نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں میں سے جوڑے بنائے اور چوپاؤں میں سے بھی جوڑے

اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

بنائے تمہیں پیدا کرتا ہے اس طریقہ سے اس جیسی کوئی شی نہیں اور وہ سننے دیکھنے والا ہے

﴿١١﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ

اسی کی ملکیت میں ہیں آسمانوں اور زمین کی چابیاں وسعت دیتا ہے رزق میں جس کے لئے چاہے

وَيَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٢﴾ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا

اور تنگی دیتا ہے جسے چاہے وہی ہر بات کو جاننے والا ہے تمہارے لئے اس نے وہی دین بنایا جس

وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ

کے متعلق نوح کو حکم دیا اور جس کی تمہیں وحی کی اور جس کا حکم ابراہیم

وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى

اور موسیٰ و عیسیٰ کو دیا کہ قائم رکھو دین کو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو گراں ہے مشرکوں

الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ

پر وہ بات جس کی تو ان کو دعوت دیتا ہے اللہ برگزیدہ کرتا ہے اپنی طرف سے جسے چاہتا ہے

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿١٣﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ

اور ہدایت کرتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرے اور ان لوگوں نے تفرقہ نہیں ڈالا مگر علم آجانے

الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

کے بعد سرکشی کرتے ہوئے اپنے اندر اور اگر بات نہ ہو چکی ہوتی تیرے رب کی طرف سے ایک مدت معینہ تک تو

اور شرع کا معنی بیان کرنا اور ظاہر کرنا ہوتا ہے شَرَعَ الدِّیْنَ کا معنی ہے اُس نے دین کو بیان کیا اور اُسے ظاہر فرمایا۔

بَغْیًا بَیْنَهُمْ ۔ یعنی جان بوجھ کر ازراہِ سرکشی و عناد انہوں نے دین میں اختلاف و انتشار پھیلایا اور اگر اللہ کی جانب سے ایک وقت معین تک کے لئے ان کو مہلت دینے کا فیصلہ نہ کیا گیا ہوتا تو اُن کو فوراً گرفتارِ عذاب کر لیا جاتا۔

وَاِنَّ الَّذِیْنَ ۔ یعنی حضرت نوح و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے بعد جو لوگ ان کی کتابوں کے وارث ہوئے وہ حضور نبی اکرمؐ کی نبوت اور قرآن کے متعلق شکوک و شبہات میں پڑے ہوئے ہیں۔

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِن بَعْدِهِمْ لَفِي

فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان اور تحقیق وہ لوگ جو ان کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کے متعلق

شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١٥﴾ فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ ۖ وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ

گہرے شک میں ہیں پس اس کے لئے دعوت دو اور ڈٹ جاؤ جس طرح تجھے حکم ہوا ہے

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ ۖ وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ

اور نہ پیچھے چلو ان کی خواہشات کے اور کہدو کہ میں ایمان لایا اس پر جو اللہ نے نازل فرمائی کتاب

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں اللہ ہمارا اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے عمل اور تمہارے

أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۖ وَإِلَيْهِ

لئے تمہارے عمل ہیں ہمارا اور تمہارا ذاتی کوئی جھگڑا نہیں اللہ ہم کو جمع فرمائیگا اور اسی کی طرف

الْمَصِيرُ ﴿١٦﴾ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ

اور جو لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں بعد اس کے کہ ان کی بات قبول کر لی گئی بازگشت ہے

فَلِذٰلِكَ ۔ اس کا ایک معنی تو یہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے لیکن اگر لام کو تعلیل کے لئے قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ چونکہ لوگ شکوک میں پڑے ہوئے ہیں لہٰذا ان کو دینِ اسلام کی ڈٹ کر تبلیغ کرو اور قطعاً ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور واضح طور پر کہدو کہ میں ان کی تمام کتابوں پر ایمان لایا ہوں جو اللہ نے نازل فرمائی ہیں اور میں عدل و انصاف کی حکومت قائم کرنے پر مامور ہوں۔ اور تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ نجات دینے والی تین چیزیں یہ ہیں (۱) رضا و غضب کی ہر دو حالتوں میں عدل کو قائم رکھنا (۲) غنا اور فقر کی ہر دو حالتوں میں اپنی میانہ روی کی حیثیت کو برقرار رکھنا (۳) پوشیدہ اور ظاہر کی ہر دو حالتوں میں خوفِ خدا رکھنا اور تین ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں (۱) بخل کے پیچھے چلنا (۲) خواہش نفس کی اتباع کرنا (۳) خود پسندی۔

مِنْ بَعْدِ مَا ۔ چونکہ یہود و نصاریٰ مسلمانوں سے ہر وقت دین اسلام کے موضوع پر جھگڑا کرتے تھے تو اُن کے متعلق فرماتا

ہے کہ جو لوگ دینِ اسلام کی صداقت کو شکوک نگاہوں سے دیکھ کر خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں جب کہ حضور رسالت مآبؐ کی تبلیغ موثر ہو چکی ہے

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ

تو ان کا جھگڑنا فضول ہے ان کے پروردگار کے نزدیک اور اُن پر غضب ہے اور ان کے لئے

شَدِيدٌ ﴿١٧﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ

سخت عذاب ہے اللہ وہ ہے جس نے کتاب کو نازل کیا حق کے ساتھ اور میزان کو (نازل کیا) اور تجھے

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿١٨﴾ يَسْتَعْجِلُ بِهَا

کیا پتہ شاید قیامت قریب ہو؟ اس کی جلدی تو وہی لوگ چاہتے

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا وَ

ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جو ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور

يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ

جانتے ہیں کہ وہ حق ہے آگاہ ہو جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت میں

لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٩﴾ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ

البتہ وہ گہری گمراہی میں ہیں اللہ لطف کرنے والا (مہربان) ہے اپنے بندوں پر جسے چاہے رزق دیتا ہے

اور لوگ ان کی دعوتِ اسلام کو قبول کر چکے ہیں اب ان کا جھگڑنا فضول ہے اور بے بنیاد ہے کیونکہ دینِ موسیٰ اور دینِ عیسیٰ کی صداقت ثابت ہو جائے تو اس کا اسلام کی صداقت کے ساتھ کوئی تضاد نہیں کیونکہ وہ دین اپنے اپنے وقت میں درست تھے لیکن اب منسوخ ہو چکے ہیں پس اُن کی حجت اب ساقط اور ناقابلِ قبول ہے اور اسلام کی مخالفت کرنے میں اب وہ مستحق غضب اور سزاوارِ عذاب ہو چکے ہیں۔

میزان علی ہے

وَالْمِيْزَانَ ۔ یعنی اللہ نے برحق کتاب بھی اور میزان بھیجا۔ اور تفسیر برہان میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام میزان کے مصداق ہیں جہاں دوسری جگہ آتا ہے وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۔ وہاں بھی میزان سے مراد امام ہے فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ کے ذیل میں تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب مروی ہے کہ ایک دفعہ اہل یمن کی ایک جماعت بارگاہِ رسالت میں پہنچی اور انہوں نے عرض کی ہم حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت کے بقایا افراد کی اولاد میں سے ہیں اور ہمارے نبی کا وصی سام بن نوح تھا اور ہم نے اپنے نبی کی کتاب میں پڑھا ہے کہ ہر نبی صاحب معجزہ ہوا کرتا ہے اور اس کا وصی اُس کا صحیح قائم ہوتا ہے لہذا آپ فرمائیں کہ آپ کا وصی کون ہے؟ پس آپ نے علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ میرا وصی ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ اگر ہم درخواست کریں تو یہ ہمارے لئے سام بن نوح کو زندہ کر کے دکھا دے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ کے اذن سے بے شک ایسا ہی ہوگا۔ پس علی کو حکم دیا کہ مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھ کر محراب کے پاس جا کر پاؤں سے ٹھوکر مارو چنانچہ حضرت علی داخل مسجد ہوئے اور محراب کے قریب دو رکعت نماز پڑھنے

کے بعد پاؤں کی ٹھوکر ماری تو زمین شگافتہ ہوئی اور ایک لحد اور تابوت ظاہر ہوا۔ اور تابوت سے ایک بزرگ کھڑا ہوا جس کا چہرہ چودہویں کی رات کے چاند کی طرح درخشندہ تھا اُس کی ڈاڑھی لمبی تھی اور وہ اپنے سر اور بالوں سے مٹی کو جھاڑ رہا تھا پس اُس نے علی کا سلام کیا اور توحید و نبوت کی شہادت کا کلمہ پڑھنے کے بعد علی کے وصی ہونے کا اقرار کیا اور کہا کہ میں سام بن نوح ہوں پس ان لوگوں نے اپنے پاس موجودہ صحیفے کھولے اور سام بن نوح کا حلیہ پڑھا تو مان گئے پھر یمنیوں نے خواہش کی کہ ہمیں اپنے صحیفہ میں سے کچھ سنائے تو جناب سام نے ایک سورہ تلاوت کی پھر حضرت علی پر سلام کہہ کر سو گیا اور زمین اُوپر سے مل کر ہموار ہو گئی۔

بعض لوگوں نے میزان سے مراد انصاف لیا ہے یعنی اللہ نے عدل و انصاف کا حکم نازل فرمایا اور بعض مفسرین نے اس سے ترازو مراد لیا ہے کہ اللہ نے لوگوں کو صحیح وزن کرنے کے لئے پہلے پہل آسمان سے ترازو نازل کیا پھر لوگوں نے اس کی نقل زمین میں بنالی۔ اور بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد لی ہے اور یہی قول زیادہ قرینِ عقل ہے کیونکہ کتاب کے ساتھ میزان کے بھیجنے کا ذکر اسی قول سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے ورنہ کتاب میں عدل و انصاف کے جملہ احکام و قوانین جب موجود ہیں تو الگ میزان یعنی حکم انصاف بھیجنے کی کیا ضرورت ہے اور ترازو والا قول اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ پس قرآن کے ساتھ ایک ناطق ہادی کی ضرورت ہے جو معانی قرآنیہ کو صحیح طور پر لوگوں کے ذہن نشین کرے اور خود اس کے مطابق عمل کر کے لوگوں کے لئے ایک اسوہ حسنہ کی تشکیل کرے اور ان کو میزان کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کا وجود لوگوں کے لئے حق و انصاف کا میزان ہے کہ اس کے ذریعے سے حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کے درمیان فرق کیا جاسکتا ہے پس حضرت رسالت مآبؐ اپنے زمانہ میں میزان تھے جس طرح کہ ہر پیغمبر اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے حق و باطل کے امتیاز کا میزان تھا۔ اور چونکہ کوئی زمانہ حجتِ خدا سے خالی نہیں ہوسکتا لہٰذا ہر زمانہ میں اس نوعیت کے میزان کی ضرورت ہے۔ پس حضرت رسالت مآبؐ کے بعد آپ کا صحیح جانشین ہی حق و باطل کے درمیان امتیاز کا میزان قرار پائے گا۔ اور وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ اس مقصد کی مزید وضاحت کے لئے ایک روایت نقل کرنا خالی از فائدہ نہیں ہے جس کو تفسیر برہان میں اسی سورہ کی آیت ۸ کے ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو جب اطلاع ملی کہ معاویہ ایک لاکھ کا لشکر جرار لے کر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا ان کو اہلِ شام کے بجائے اہلِ شوم کہا کرو۔ یہ مضر کی اولاد ہیں جن پر حضرت داؤد علیہ السلام نے لعنت کی تھی۔ اور اللہ نے ان کو سور اور بندر کی شکل میں مسخ کیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے معاویہ کو خط لکھا کہ لوگوں کو بیچ میں مروانے کے بجائے ہم دونو کو آپس میں لڑ لینا چاہیے۔ اگر میں نے تجھے قتل کر ڈالا تو تو یقیناً جہنم میں جائے گا اور باقی لوگ تیرے شر سے محفوظ ہو جائیں گے۔ لیکن اگر میں قتل ہو گیا تو میں سیدھا جنت میں پہنچوں گا اور باقی لوگ قتل سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اور میں وہ شخص ہوں جس کا اللہ نے تورات اور انجیل میں رسول اللہ کے ناصر کے طور پر ذکر فرمایا ہے اور میں ہی شجرہ کے نیچے سب سے پہلے رسول اللہ کی بیعت کرنے والا ہوں جب معاویہ نے یہ خط اپنے بھرے دربار میں پڑھا تو ہم نشینوں نے فوراً کہہ دیا کہ واقعی علی نے تجھے

صیحح مشورہ دیا ہے اور انصاف کے مطابق دعوت دی ہے۔معاویہ نے کہا میں ایک لاکھ فوج کو ساتھ لے کر ضرور لڑوں گا
اگرچہ میں نے رسولِ خدا سے سنا ہے کہ اے علی اگر مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام فوجیں تیرے ساتھ لڑیں تب بھی تو
ظفریاب ہوگا پھر ایک ہمنشیں نے جرأت کرتے ہوئے کہہ دیا کہ اس پیشین گوئی کے باوجود اور باطل پر ہونے کے بعد تو علی سے لڑتا
کیوں ہے جب کہ وہ حق پر ہے؟ بہرکیف ابھی جنگ صفین کی تیاریاں جاری تھیں کہ بادشاہ روم کو مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کی اطلاع
ملی کہ امیر کوفہ اور امیر شام آپس میں آمادہ جنگ ہیں پس عرب تجار جو اُن دنوں ملک روم میں اپنے کاروباری سلسلہ میں گئے ہوئے
تھے۔شاہِ روم نے ان کو بلوا کر حضرت علی اور معاویہ کے متعلق مزید تفصیلات معلوم کیں اور آخرکار یہ فیصلہ ہوا کہ ان دونو کا امتحان
لیا جائے تاکہ روز روشن کی طرح واضح ہو سکے کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے؟ اگرچہ اپنے حساب میں وہ جان چکا تھا کہ
حق پر علی ہے اور باطل پر معاویہ پس اُس نے دو خط ایک معاویہ کو اور دوسرا علی کو لکھ کر روانہ کئے کہ اپنے خاندان میں سے سب
سے زیادہ عالم روانہ کریں تاکہ دونو کے حالات کا جائزہ لے کر میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ کر سکوں اور انجیل کے مطابق تم کو
اطلاع دوں کہ حکومت کا صیحح حق دار کون ہے؟ چنانچہ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اور حضرت علی نے اپنے لختِ جگر امام حسن کو
روانہ فرمایا۔جب یزید دربار شہ روم میں داخل ہوا تو اُس نے بادشاہ کے ہاتھ اور پیشانی کا بوسہ دیا اور بیٹھ گیا۔پھر حضرت امام حسن
علیہ السلام پہنچے تو انہوں نے یہ لفظ اپنی زبان پر جاری فرمائے "اُس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہودی نصرانی اور مجوسی نہیں
بنایا اور نہ مجھے اُس نے شمس و قمر اور گائے یا بت کی پرستش کرنے والا بنایا ہے بلکہ مجھے پکا مسلمان بنایا ہے۔الخ۔پس آپ
تشریف فرما ہو کر کافی دیر تک خاموش بیٹھے رہے تو بادشاہ روم نے دونو کو الگ الگ قیام گاہوں میں آرام کرنے کا فیصلہ سنایا
اس کے بعد اس نے پہلے پہل یزید کو اپنے پاس طلب کر کے تین سو تیرہ صندوقیں منگوائیں جن میں انبیاء کی تصویریں محفوظ تھیں۔پس
ایک تصویر کو پیش کر کے پوچھا کہ یہ کس کی تصویر ہے؟ تو وہ نہ بتا سکا پھر دوسری تیسری حتی کہ سب تصویریں یکے بعد دیگرے اس
کے سامنے پیش کیں لیکن وہ جاہل کسی ایک کے متعلق بھی کچھ نہ بتا سکا اس کے بعد مخلوق کے ارزاق اور مومنین و کافرین کے ارواح
کے متعلق پوچھا لیکن وہ جواب میں کچھ نہ بتا سکا۔پس حضرت امام حسن علیہ السلام کو طلب کیا اور بطور معذرت خواہی کے کہنے لگا
کہ میں نے یزید سے پہلے اس لئے سوال کیا ہے تاکہ مجمع عام میں اُس کو اپنی جہالت کا علم ہو سکے اور آپ کے فضل و علم کا اعتراف
کرنے میں لوگوں کو آسانی ہو حالانکہ اُس کے باپ اور آپ کے والد ماجد ہر دو کے اوصاف سن چکا ہوں اور انجیل کے ذریعے
جانتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ اللہ کے برحق رسول ہیں اور علی ان کا وزیر ہے پس تیرا باپ ہی رسولؐ اللہ کا صیحح وصی ہے۔اس کے
بعد اُس نے حسب سابق ایک تصویر نکالی اور پوچھا کہ یہ کس کی ہے؟ آپ نے فرمایا یہ حلیہ اور رنگ حضرت آدم کا ہے۔پھر
اُس نے دوسری تصویر نکالی تو آپ نے فرمایا کہ حضرت حوا کی شکل ہے۔تیسری شکل کے متعلق فرمایا کہ یہ حضرت آدم کے فرزند
حضرت شیثؑ کی تصویر ہے جو ایک ہزار چالیس برس زندہ رہ کر چل بسے تھے۔چوتھی تصویر کے متعلق فرمایا یہ حضرت نوح
علیہ السلام کی شکل ہے جو دو ہزار چار سو برس زندہ رہے تھے اور نو سو پچاس برس تک اُمت کو تبلیغ کرتے رہے تھے۔پھر

حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت یوسفؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت شعیبؑ۔ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السّلام کی تصویریں یکے بعد دیگرے اُس نے پیش کیں اور امام حسن علیہ السّلام نے ہر صاحب تصویر نبی کا نام بتایا اس کے بعد اور انبیا کی تصویریں اُس نے ظاہر کیں جس کا جواب امام نے شافی دیا۔ اس کے بعد گذشتہ بادشاہوں کی تصویریں اُس نے پیش کیں تو آپ نے فرمایا کہ ان تصویروں کے متعلق تورات۔ انجیل۔ زبور اور قرآن مجید میں کوئی تذکرہ نہیں ہے لہٰذا یہ دنیاوی بادشاہوں کی تصویریں ہی ہوں گی۔ یہ سن کر بادشاہِ روم نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اہل بیت رسول ہو۔ اس کے بعد شاہِ روم نے ایک اور تصویر نکالی جس کو دیکھتے ہی حضرت امام حسن علیہ السلام پر سخت گریہ طاری ہوا۔ اور آپ نے فرمایا اے بادشاہ یہ میرے جد نامدار حضرت رسالت مآبؐ کی تصویر باتنویر ہے جن کی ڈاڑھی گھنی سینہ کشادہ گردن لمبی پیشانی کھلی ناک بلند۔ دانت موتیوں کی طرح منظم چہرہ خوبصورت بال گھنگرالے خوشبو پاکیزہ کلام حسین اور زبان فصیح کے مالک تھے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جن کی شان تھی۔ آپ ۶۳ برس کی عمر میں دنیا سے تشریف لے گئے آپ کی انگوٹھی کا نقش لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ تھا۔ جس کو داہنے ہاتھ پہنتے تھے۔ آپ اپنی ذوالفقار چھڑی اونی جبہ اور اونی چادر کو بطور ترکہ چھوڑ کر دنیا سے گئے۔ بادشاہ نے سوال کیا میں نے انجیل میں دیکھا ہے کہ وہ اپنے نواسوں کے لئے بھی کچھ چھوڑ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ بھی سچ ہے لیکن وہ پہلے دن سے برسر اقتدار جماعت نے ہم سے چھین لیا تھا۔ الخ۔

پھر بادشاہ نے پوچھا وہ کونسی سات چیزیں ہیں جو اللہ نے پیدا کیں لیکن شکمِ مادر میں ان کو رہنا نصیب نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ آدم۔ حوا۔ ابراہیم کا دنبہ ناقہ صالح ابلیس ملعون سانپ جو آدم کے ہمراہ آیا۔ اور کوا جس نے قابیل کو ہابیل کا دفن کرنا سکھایا تھا اس کے بعد اُس نے مخلوق کے رزقوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ان کا انتظام چوتھے آسمان پر ہے کہ خدا اپنی مشیت اور اندازہ سے اس کو نازل فرماتا ہے پھر اُس نے ارواح کفار کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا یمن کے علاقہ میں جو وادی برہوت ہے وہ اس میں جاتے ہیں اور ارواحِ مومنین کے متعلق فرمایا کہ بیت المقدس کے قریب رہتے ہیں (اقول دوسری روایات میں ارواحِ مومنین کا ٹھکانا وادیٔ سلام بیان کیا گیا ہے جو نجف اشرف کا علاقہ ہے) پس جب قیامت ہوگی جہنمی جہنم میں اور جنتی جنت میں چلے جائیں گے۔ پس بادشاہِ روم نے یزید سے مخاطب ہو کر کہا تم ان چیزوں سے جاہل ہو کیونکہ یہ باتیں نبی یا نبی کا وصی ہی بتا سکتا ہے لہٰذا تیرا باپ جھوٹا اور ظالم ہے۔ پس حضرت امام حسن علیہ السّلام کو انعام و اکرام کے ساتھ واپس روانہ کیا اور یزید بھی خائب و خاسر واپس آیا۔ شاہِ روم نے امیر المومنین علیہ السّلام اور امیر شام کو الگ الگ خطوط لکھے معاویہ کو لکھا کہ تورات۔ انجیل۔ زبور اور قرآن کی رُو سے تمہارے پیغمبر کا صحیح جانشین علی ہے لہٰذا تجھے اس دعویٰ سے باز آجانا چاہیئے۔ اور علی علیہ السّلام کو لکھا کہ حق آپ کے ساتھ ہے اور نبوت کے علوم کے وارث آپ ہیں پس آپ بے شک لڑائی میں حق بجانب ہیں اور آپ کا دشمن آتش دوزخ کا سزاوار ہے اور انجیل میں وہ اللہ ملائکہ اور مومنین کی جانب سے لعنت کا مستحق ہے بلکہ آسمانوں اور زمین کی جملہ مخلوق اُن پر لعنت بھیجتی ہے۔

رکوع ۴ - مَن كَانَ - یعنی جو لوگ آخرت کا ارادہ کرتے ہیں خدا اُن کو دنیا کا رزق بھی پورا دیتا ہے اور آخرت بھی ان کی ہو گی لیکن جو لوگ صرف دنیا چاہتے ہیں اُن کو صرف دنیا ملے گی اور وہ آخرت کے انعامات سے بالکل محروم ہوں گے۔

وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٢٠﴾ مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ

اور وہ طاقت ور غالب ہے جو چاہے کھیتی آخرت کی تو ہم بڑھاتے ہیں

نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا

اس کی کھیتی کو اور جو چاہے کھیتی دنیا کی تو اس کو ہم اُسی سے دیتے ہیں

وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِن نَّصِيبٍ ﴿٢١﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا

اور اُس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا کیا ان کے شریک ہیں جنہوں نے

لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ

بنایا اُن کے لئے دین جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا اور اگر بات تاخیر عذاب کی نہ ہوتی

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾ تَرَى

تو ان کا فیصلہ کیا جاتا اور تحقیق ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے تو دیکھے گا

الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ وَالَّذِينَ

ظالموں کو ڈرتے ہوں گے اس سے جو انہوں نے کمایا حالانکہ وہ ان پر واقع ہوگا اور جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُم مَّا

ایمان لائے اور نیک کام کئے وہ جنت کے باغوں میں ہوں گے رب

يَشَاءُونَ عِندَ رَبِّهِمْ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ ذَٰلِكَ

کے نزدیک اُن کے لئے وہ کچھ ہوگا جو چاہیں گے یہ بہت بڑا فضل ہے یہ وہی ہے

كَلِمَةُ الْفَصْلِ - یعنی اللہ کی طرف سے اُس کی مشیت کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ گنہگاروں کی سزا کے لئے قیامت کا ہی دن مقرر ہے ورنہ اگر فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو دنیا میں سرکش لوگوں کو سرکشی کا مزہ چکھایا جاتا۔

مُشْفِقِينَ - یعنی قیامت کے دن کفار کا عذاب سے ڈرنا ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا اور وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔

رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ - روضہ اور جنت میں یہ فرق ہے کہ روضہ اُس زمین کو کہا جاتا ہے جو لہلہاتے ہوئے سبزوں کی وجہ سے سبزہ زار بنی ہوئی ہو اور جنت اُس زمین کو کہتے ہیں جس میں میوہ دار اور سایہ دار درخت بکثرت موجود ہوں۔

مودت اجر رسالت

لآ اَسْئَلُكُمْ اس کے شانِ نزول کے متعلق متعدد روایات وارد ہیں چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرمؐ جب مدینہ میں تشریف لائے اور اسلام

مستحکم بنیادوں پر ترقی کرنے لگا تو انصار نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی کہ آپ کو اس عظیم مشن کی خاطر بہت کچھ ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے اخراجات کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے لہذا ہم اپنے ذاتی اموال برضا و رغبت پیش خدمت کرتے ہیں اور حضورؐ کو ان میں تصرف کی مکمل اجازت دیتے ہیں۔ آپ نے انصار کی بات سنی کر وحی کا انتظار فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ تفسیر صافی میں ہے۔ انصار نے عرض کی کہ آپ کی بدولت خدا نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں شرف بخشا اور آپ کی وجہ سے ہی ہمارے دوست خوش ہوئے اور دشمن ذلیل ہوئے اور اب دائرہ اسلام کی وسعت کے پیش نظر گردونواح سے مختلف وفود کی آمد لازمی ہے لہذا ان کے اخراجات کے لئے ہم اپنے اموال کا ایک تہائی حصہ خوشی خوشی آپ کے پیش کرتے ہیں جسے آپ ضرور قبول فرماکر ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں پس ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ

جس کی خوشخبری دیتا ہے اپنے ان بندوں کو جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں کہہ دیجئے

لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ

میں نہیں مانگتا تم سے اس کا اجر مگر محبت قرابت داروں میں اور جو حاصل کرے

حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۴﴾ اَمْ

نیکی ہم اس کے لئے اس کے حق میں اضافہ کرتے ہیں تحقیق اللہ بخشنے والا شکر کی جزا دینے والا ہے بلکہ

یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى

وہ کہتے ہیں اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے پس اگر اللہ چاہتا تو تیرے دل پر مہر لگا دیتا

قَلْبِكَ ؕ وَیَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَیُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ

اور مٹاتا ہے اللہ باطل کو اور ثابت رکھتا ہے حق کو اپنے کلمات کے ساتھ تحقیق وہ

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۵﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ

دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے اور وہ وہ ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں کی

بروایت قرب الاسناد ایک دن حضرت نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تم پر ایک فرض عائد فرمایا ہے کیا تم اس کو ادا کرو گے تو لوگوں پر ایک سناٹا چھا گیا۔ آپ نے پھر دوسرے دن بھی ایسا ہی ایک خطاب فرمایا اور لوگوں پر سکتہ طاری رہا۔ پھر تیسرے دن بھی سامعین سے مہر خاموشی نہ ٹوٹی تب آپ نے وضاحت فرمائی کہ سونا چاندی یا کھانے اور پینے کا مطالبہ نہیں ہے تب یک زبان بولے حضور پھر فرمائیے وہ کون سا فریضہ ہے؟ پس آپ نے اس آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی تو کہنے لگے ہم یہ فریضہ ضرور ادا کریں گے لیکن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں سوائے سات آدمیوں کے اس عہد کی وفا کسی نے نہ کی۔ سلمان۔ ابوذر غفاری۔ عمار بن یاسر۔ مقداد بن اسود کندی۔ جابر بن عبداللہ انصاری۔ زید بن ارقم اور ساتواں

حضور نبی اکرمؐ کا ایک غلام اور ایک روایت میں ہے مہاجرین و انصار نے حضور سے مشترکہ خواہش کی تھی کہ آپ اسلام کی حلقہء اثر کی وسعت کے پیش نظر مرکزی انتظامی امور میں اخراجات کے لئے حسب منشا ہمارے اموال میں سے حصہ لے لیں جس کے جواب میں بذریعہ وحی حضور نے آیت مجیدہ کی تلاوت کی۔

آیت مجیدہ کی تفسیر میں تین اقوال مجمع البیان میں ذکر کئے گئے ہیں (۱) میں تم سے تبلیغ رسالت کی کوئی مزدوری نہیں طلب کرتا سوائے اس کے کہ آپس میں قرب پروردگار کی خاطر محبت و پیار سے رہو اور اپنے مابین ہر قسم کی دشمنیاں ترک کرو۔ (۲) میری تبلیغ رسالت کی مزدوری یہ ہے کہ میری قرابت اور رشتہ داری کے پیش نظر مجھ سے معاندانہ رویہ اور حاسدانہ سلوک کے بجائے محبت و پیار کا سلوک کرو۔ یعنی اگر تم مجھے رسول نہیں مانتے تو نہ سہی کم از کم تمہارا شہری ہوں اور خونی رشتہ میں تمہارا قریبی ہوں۔ پس اس قرابت کے پیش نظر مجھ سے نفرت کے بجائے محبت سے پیش آؤ۔ (۳) حضرت امام زین العابدین حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام سے منقولہ روایات میں ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ میں تم سے اجر رسالت اس کے علاوہ اور کچھ طلب نہیں کرتا کہ میرے قریبیوں، رشتہ داروں کے ساتھ محبت کرو۔ اور علمائے شیعہ کے نزدیک اسی آخری معنی کو ترجیح دی گئی ہے۔ چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب حضور نبی اکرمؐ حجۃ الوداع سے واپس مدینہ میں پہنچے تو انصار نے جمع ہو کر حضورؐ کو ان کی تبلیغی خدمات کے صلے میں کچھ مال پیش کرنے کی پیش کش کی۔ ان کے کافی اصرار کے بعد آپ نے بحکم پروردگار یہ آیت تلاوت کی تو فوراً منافقین میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ یہ سب اپنے چچا زاد کی برتری جتلانے اور اپنے خاندان کو ہماری گردنوں پر سوار کرنے کا ہی بہانہ ہے چنانچہ کل کی بات ہے کہ حج سے واپسی پر مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ کا اعلان کیا تھا اب مودۃ فی القربیٰ کو اجر رسالت کے طور پر طلب کر رہا ہے۔

بعض لوگوں نے اس کو مستثنیٰ منقطع قرار دیا ہے کیونکہ مودۃ فی القربیٰ ہر اس شخص پر واجب و لازم ہے جو دائرہ اسلام میں قدم رکھے لہذا اس کو رسالت کا اجر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مستثنیٰ متصل ہے اور مودۃ القربیٰ کو اجر رسالت قرار دیا گیا ہے اور بعینہ اس طرح ہے جس طرح ایک شخص کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش کرے اور وہ اس کے سامنے کھانا رکھ دے تو اس کو کہنا پڑتا ہے کہ بھائی جان میرا کھانا میری حاجت براری ہے آپ میری حاجت پوری کر دیں تو میں اُسی کو آپ کی دعوت قرار دے دوں گا۔ پس یہاں بھی یہی مقصد ہے کہ آپ روپے پیسے سے میری کوئی مدد نہ کریں اور نہ مجھے کوئی اس قسم کا اجر دیں بلکہ میرا اجر اور میری امداد یہ ہے کہ میرے قریبیوں کے ساتھ دوستی رکھیں حالانکہ اس محبت کا نفع بھی اُمت کے لئے ہی ہے چنانچہ دوسرے مقام پر صریح ارشاد ہے قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۔ ترجمہ۔ کہہ دیجئے کہ میں نے جو کچھ تم سے بطور اجر کے طلب کیا ہے وہ تمہاری بھلائی و بہتری کے لئے ہے گویا جس طرح تبلیغ رسالت حضور کی طرف سے اُمت پر ایک احسان عظیم تھا اسی طرح جس چیز کو رسالت کا اجر قرار دیا وہ بھی چونکہ اُمت کی بھلائی کی خاطر تھا گویا اجر رسالت حضور کی جانب سے اُمت پر دوسرا احسان ہے کیونکہ اس طریقہ سے اُمت کے لئے تاقیامت گمراہی سے بچنے کی ضمانت دی گئی ہے جیسا کہ حدیث ثقلین میں اس کی تصریح موجود ہے

پس جن لوگوں نے حضرت نبی اکرمؐ کو نبی مانا اور اجرِ رسالت یعنی مودۃ فی القربیٰ سے گریز کیا انہوں نے دوہرا نقصان اٹھایا کیونکہ ایک طرف تو وہ اجرِ رسالت ادا نہ کرکے اسلام لانے کے ثواب سے محروم ہوگئے اور دوسری طرف چونکہ اس کا نفع انہی کو حاصل ہوتا اور وہ تھا تا قیامت گمراہی سے بچنا پس آلِ رسولؐ سے محبت نہ کرکے وہ ایمان و اسلام میں ثبات و استقامت نہ پیدا کرسکے اور قیامت تک راہِ مستقیم سے بھٹکا رہنا اُن کی تقدیر بن گیا۔

احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السّلام کو قیدی دیکھ کر ایک شامی نے خوشی کا اظہار کیا تھا تو امام نے اُسے دیکھ کر فرمایا کہ تم نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی قُلْ لَاۤ اَسْئَلُکُمْ الخ اُس نے جواب دیا کہ میں نے پڑھی ہے تو آپ نے فرمایا وہ لوگ ہم ہیں جن کی مودت کو خدا نے اجرِ رسالت قرار دیا ہے چنانچہ وہ شخص تائب ہوگیا (ملخصاً)

کتاب عیون الاخبار سے مروی ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السّلام نے مامون کے بھرے دربار میں علمائے اسلام کی موجودگی میں یہ آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا کہ اس میں ایک خصوصیت حضرت پیغمبر کی ہے جس میں ان کا کوئی نبی شریک وسہیم نہیں ہے اور دوسری صفت آلِ رسولؐ کی ہے جس میں کسی نبی کی آل وقرابت ان کی شریک وسہیم نہیں ہے، چنانچہ کسی نبی کو نبوت و رسالت کا اجر طلب کرنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ انہوں نے صاف اعلان کیا کہ ہم تم لوگوں سے تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں طلب کرتے بلکہ ہمارا اجر اللہ دے گا پس حضورؐ کی ہی خصوصیت ہے کہ آپ کو اجرِ رسالت طلب کرنے کا حکم دیا گیا اور تبلیغ رسالت کی طرح اجرِ رسالت کا سوال بھی حضور پر واجب و لازم قرار دیا گیا پس جس طرح اُمور رسالت میں سے اگر کسی امر کی تبلیغ میں کوتاہی کرتے تو جو نتیجہ ہوتا بعینہٖ اگر اجرِ رسالت طلب نہ کرتے تو بھی وہی نتیجہ ہوتا۔ اسی طرح کسی نبی کی عترت کی محبت و مودت کو اجرِ رسالت کی حیثیت سے طلب نہیں کیا گیا پس آلِ رسولؐ اس شرف میں اپنی مثال آپ ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ بلا اُجرت کام کرنے والا اُس سے افضل ہوتا ہے جو اُجرت لے کر کام کرے لہٰذا اس سے دوسرے انبیا کی برتری ثابت ہوتی ہے جنہوں نے بلا اُجرت تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام دیا تو اس کا جواب اوّلاً تو یہ ہے کہ وہ اُجرت خلوص اور قربت میں مخل ہوتی ہے جس کا نفع اجیر کو پہنچتا ہو۔ اور ہم نے بیان کیا ہے کہ اس اُجرت کا نفع خود اُمت کے لئے مخصوص ہے کہ اُن کا قیامت تک گمراہی سے بچنے کا انتظام کر دیا گیا ہے لہٰذا یہ اُجرت درحقیقت اُجرت نہیں بلکہ حضور کی طرف سے اُمت پر دوھرا احسان ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ حضور نے اُجر نہیں مانگا بلکہ اجرِ رسالت کا طلب کرنا جملہ فرائضِ نبوت کی طرح حضور پر ایک فریضہ کی حیثیت سے عائد کیا گیا تھا جس کی تعمیل تبلیغ نبوت کا ایک حصہ تھی لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ گزشتہ انبیاء کی عترت کی محبت کو یہ حیثیت کیوں نہ دی گئی اور حضورؐ کی آل کو یہ خصوصیت کس لئے ملی۔ تو اس کا واضح حل یہ ہی ہو سکتا ہے کہ حضرت رسالتمآب کی آلِ اطہار کو خصوصی طور پر یہ نمایاں شرف حاصل ہے کہ مودۃ فی القربیٰ فرض کرکے خداوند کریم نے ان کے متعلق ضمانت دی ہے کہ یہ کسی وقت بھی دینی تقاضوں سے انحراف کرکے باطل کے سامنے سرنگوں نہ ہوں گے اور ان کی محبت اور مودت ہی اسلام کے صحیح پرستاروں کے لئے باطل پرستوں کی چیرہ دستیوں سے بچنے کا سامان فراہم کرنے کا بلند کردار ادا کرے گی چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا اور

اہل انصاف نے پرکھ لیا کہ اسلام پر جب بھی مشکل وقت آیا اور اہل اسلام کو جب بھی باطل پرستوں کے ہوشربا مظالم کے سائے میں طاغوتی بتوں کے سامنے جھکنے پر مجبور کیا گیا اور پوری انسانیت کو درندہ صفت حکمرانوں نے اپنے اقتدار ناپائدار کے سامنے دم بخود کردیا تو اُس وقت صرف حضور نبی اکرمؐ کی آلِ اطہار ہی تھی جس نے باطل کو للکارا اور ظالم سلاطین کے رویے کو چیلنج کرکے زندگی سے بے نیاز ہوکر میدان میں نکل کھڑی ہوئی اور باطل کی غوغا آرائی کی ذرہ بھر پرواہ نہ کرتے ہوئے طوفانِ ظلم کے سامنے کوہِ گراں بن کر جم گئی۔ بے شک ان کو وقتی طور پر شہادت کا جام شیریں نوش کرنا پڑا اور بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کو معرض قتل میں پیش کرنا پڑا نیز خواتین حرم کی دربدری کا درد بھی سہنا پڑا لیکن یہ سب کچھ گوارا کرکے باطل کے سامنے ہتھیار ڈالنا اپنی غیرت و حمیت کے منافی سمجھا۔ اور نتیجہ یہ نکلا۔ ظلم و استبداد کی بنیادوں پر کھڑا ہونے والا باطل کا پورا قلعہ پاش پاش ہوگیا اور اسلام کے رُخ پر جمی ہوئی باطل کی ساری گرد یکبار ڈھل گئی اور آنے والی نسلوں نے ایک بار اسلام کو اپنے اصلی خدّ و خال میں دیکھ لیا۔ تاریخ عالم شاہد ہے کہ بڑی سے بڑی جنگوں کی داستانیں چند روز بعد پُرانی سمجھی جاتی ہیں اور ان کو پڑھنا اور سننا تضیع اوقات قرار دیا جاتا ہے لیکن بخلاف اس کے معرکہ کربلا میں حق و باطل کی نصف یوم کی جنگ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی پرانی نہیں ہوئی کیونکہ اس میں کردارِ انسانی کی وہ مشعلیں ضوء فشاں ہیں جو رہتی دنیا تک ہر انسان کو انسانیت کے صحیح خطوط کی نشان دہی کرتی رہیں گی۔ اور تعلیماتِ اسلامیہ سے وابستگی رکھنے والے ہر معاشرہ کو تاقیامت اپنے فیوض سے بہرہ ور کرتی رہیں گی۔

اور مودۃ فی القربیٰ کا وجوب تبلیغ رسالت کا جزوِ اہم ہے کیونکہ تاقیامت بقاءِ رسالت اس سے وابستہ ہے اور آیت مجیدہ سے بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ حضور نبی اکرمؐ کے بعد امامِ اُمّت بھی آلِ رسولؐ سے ہونا چاہیے جن کی مودت فرض ہے۔ کیونکہ اگر اطاعت کسی اور کی فرض ہو اور مودت کسی اور کی واجب ہو تو بعض اوقات ان میں تضاد پیدا ہو جائے گا۔ پس جن کی مودت فرض ہے انہی کی اطاعت فرض ہونا ضروری ہے لہٰذا مودت فی القربیٰ کے فریضہ کی ادائیگی صحیح طور پر اسی وقت ہوسکتی ہے جب انہی کو اپنا پیشوا، ہادی اور امام مانا جائے اور انہی کو حضورؐ کا صحیح قائم مقام تسلیم کیا جائے۔

ایک طرف حدیث نبوی میں ہے من مات علی حب اٰل محمد مات شھیدًا۔ یعنی جو آلِ محمدؐ کی محبت میں مرتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف حدیث ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ یعنی جو شخص امامِ زمانہ کی معرفت کے بغیر مرجائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے۔ پس پہلی حدیث کا منطوق اور دوسری حدیث کا مفہوم ایک دوسرے پر تب منطبق ہوسکتے ہیں کہ امام اور ہادیٔ اُمّت آلِ محمدؐ سے ہو جن کی محبت واجب و لازم ہے۔

وَمَنۡ یَّقۡتَرِفۡ۔ اقتراف اکتساب کے معنی میں ہے یعنی جو شخص نیکی کمائے اور اس جگہ حسنہ سے مراد آلِ محمدؐ کی محبت ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا کہ وہ وہ اہل بیت ہیں جن کی مودت پروردگار نے واجب قرار دی ہے اس کے بعد آپ نے آیت مودت کی تلاوت فرمائی اور وَمَنۡ یَّقۡتَرِفۡ حَسَنَۃً پر پہنچ کر فرمایا حسنہ سے مراد ہم اہل بیت کی محبت ہے۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد اہل بیتؑ اور

اصحابِ کساء ہیں۔ تفسیر نور الثقلین میں منقول ہے حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص میری عترت سے محبت نہ رکھے وہ یا تو منافق ہوگا، یا اولادِ زنا میں سے ہوگا۔ یا ناپاک ایام میں اُس کا حمل ٹھہرا ہوگا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ - جب حضورؐ نے آیت مودت پڑھی تو منافقین میں چہ مے گوئیاں شروع ہوگئیں اور کہنے لگے کہ اپنے خاندان کو ہماری گردنوں پر سوار کرنے کا منصوبہ ہے اور یہ اللہ کا حکم نہیں بلکہ اپنی طرف سے اپنے خاندان کی برتری کا اعلان کر رہا ہے تب یہ آیت اُتری۔

يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ - یعنی اگر تو نے افترا باندھا ہوتا تو خدا ہرگز مہلت نہ دیتا بلکہ قرآن کو تیرے دل سے اٹھا لیتا لہٰذا کافروں اور منافقوں کے اعتراضات کی پرواہ کئے بغیر اپنے مشن کو آگے بڑھاتے چلو۔ اور میرا حکم سناتے چلو پس حضورؐ نے مسلمانوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کی تو وہ کہنے لگے حضور! اس قسم کی باتیں کی جاچکی ہیں تو آپ نے اِس آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائی پس وہ رونے لگ گئے اور بعضوں نے توبہ کر لی تب یہ آیت اُتری هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ الخ

وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝٢٦ وَ

اور معاف کرتا ہے برائیوں کو اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور

يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ

دعا قبول کرتا ہے ان کی جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں اور ان کو زیادہ دیتا ہے

مِّنْ فَضْلِهٖ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝٢٧ وَلَوْ بَسَطَ

اپنے فضل سے اور کافروں کے لئے سخت عذاب ہوگا اور اگر وسعت دیتا

اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ

خدا رزق میں اپنے بندوں کے لئے تو وہ سرکش ہو جاتے زمین میں لیکن وہ نازل کرتا ہے (رزق) اندازے سے

وَيَسْتَجِيْبُ۔ تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ ان لوگوں کی شان میں ہے جو غائبانہ طور پر مومن بھائیوں کے لئے دعائیں مانگتے ہیں تو فرشتے آمین کہتے ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ میں نے اس مومن کی حاجت بھی پوری کر دی جس کے لئے تو نے دعا کی ہے اور اس سے دوگنی تیری حاجات کو بھی پورا کروں گا اور اپنے فضل سے زیادتی کا یہ معنی ہے کہ جن جن لوگوں نے اس پر احسان کیا ہوگا۔ اس کی سفارش سے ان کو بھی بخش دے گا اگرچہ ان پر دوزخ واجب ہو چکی ہوگی

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ - مقصد یہ ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کا رزق اپنی صوابدید پر رکھا ہے ورنہ اگر ہر انسان کو اس کی مراد کے مطابق رزق میں وسعت دی جائے تو لوگوں میں ظلم و فساد عام ہو جائیں اور ابن عباس نے بَغَوْا کا معنی یہ کیا ہے کہ وہ اور آگے بڑھ جائیں گے یعنی جس قدر خدا اس کو رزق دیتا جائے گا وہ اور آگے بڑھنے کی دعا مانگتا جائے گا اور کسی حد پر نہ رُکے گا ایک منزل

کے بعد دوسری منزل ایک سواری کے بعد دوسری سواری اور ایک لباس کے بعد دوسرا لباس طلب کرتا رہے گا اور اس کا جی نہ بھریگا جس طرح ایک حدیث قدسی کا بیان ہے کہ بنی آدم کو کوئی شی سیر نہیں کرسکتی سوائے قبر کی مٹی کے ۔ پس خداوند کریم اپنی منشاء و مصلحت کے پیش نظر اپنے بندوں کو کم یا بیش رزق عطا فرماتا ہے وہ جسے چاہے رزق میں وسعت دیتا ہے اور جسے چاہے اُس کے رزق میں تنگی کر دیتا ہے اور وہ اپنے نظام و تدبیر میں باز پرس سے بالاتر ہے چنانچہ ایک حدیث قدسی میں ہے جسے نور الثقلین میں نقل کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے لئے بیماری اچھی ہوتی ہے اگر اس کو تندرستی دیدیجائے تو وہ فساد کرنے لگے گا اور اس کے برعکس بعض لوگوں کے لئے تندرستی اچھی ہوتی ہے اور وہ بیماری میں بگڑ جائیگا ۔ اسی طرح بعض بندوں کے لئے دولتمندی میں بھلائی ہوتی ہے اور فقر میں اس کا فساد ہوتا ہے اور اس کے برعکس بعض کے لئے فقر اچھا ہوتا ہے اور دولتمندی میں اس کا بگاڑ ہوتا ہے ۔

مَا يَشَآءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٢٨﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ

جو چاہے تحقیق وہ اپنے بندوں سے باخبر آگاہ ہے اور وہ وہ ہے جو اُتارتا ہے

الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ

بارش کو بعد اس کے کہ وہ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت کو اور وہ لائق تعریف

الْحَمِيدُ ﴿٢٩﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ

حاکم ہے اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور جو پھیلا دیے

فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٣٠﴾ وَمَا

ہیں ان میں حیوانات اور وہ ان کے اکٹھا کرنے پر جب چاہے قادر ہے اور جو بھی

أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ﴿٣١﴾

پہنچے تم کو کوئی مصیبت تو وہ اسکی وجہ سے ہوگا جو تمہارے ہاتھوں نے کیا اور بہت سی چیزوں سے تو وہ درگذر کرتا ہے

اور اللہ اپنے علم کے تحت اپنے بندوں کی تدبیر کرتا ہے ۔ نیز بعض اوقات ظالموں کو اسباب کی فراوانی اور مظلوموں اور بےکسوں کو احتیاج میں رکھنا بھی اس کی مصلحت کے ماتحت ہوتا ہے ۔ خداوند کریم رزق کی فراوانی سے انسان کا شکر آزماتا ہے اور تنگی رزق سے بعض اوقات انسان کا صبر آزماتا ہے نیز بعض اوقات کافروں کو فراوانی رزق اور مومنوں کو تنگیٔ رزق دے کر دنیاوی نعمات کی بے قدری کو ظاہر فرماتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر مال دنیا میں ذرہ بھر بھی بہتری ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ ہوتا یا کافروں کو ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ دی جاتی نیز بعض اوقات کافر کی کسی نیکی کا بدلہ اس کو دنیا میں دیا جاتا ہے تاکہ آخرت میں اُس پر عذاب حتمی ہو جائے اور مومن کا بدلہ آخرت میں رکھا جاتا ہے تاکہ دنیاوی تکالیف سہہ کر اس کی لغزشوں کی سزا دنیا میں ہو جائے اور آخرت میں اس کو جنت سے روکنے والی کوئی شے نہ ہو ۔

رکوع ۵ ۔ وَمَا أَصَابَكُمْ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا اے علیؑ! دنیا میں انسان

کوکوئی خراش یا پاؤں کی لغزش کا صدور کسی نہ کسی گناہ کے بدلہ میں ہوتا ہے اور اللہ کے عدل سے بعید ہے کہ پھر دوبارہ اس کو اس گناہ کی سزا میں گرفتار کرے اور یہ آیت گنہگار مومنوں کے لئے ہے ورنہ معصومین علیہم السلام کو جو مصائب و تکالیف پہنچتی ہیں وہ ترقیٔ حسنات اور بلندیٔ درجات کے لئے ہوتی ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اصبغ بن نباتہ سے فرمایا عبد مومن کو جب دنیا میں کسی گناہ کی سزا ملتی ہے تو اللہ کے حلم جود اور مجد سے بعید ہے کہ دوبارہ اس کو بروز قیامت اسی گناہ کی سزا دے اور مروی ہے کہ دنیا میں جب کبھی کسی مومن کو تکلیف پہنچتی ہے وہ کسی نہ کسی گناہ کی سزا ہوتی ہے پس وہ اس گناہ کی اخروی سزا سے بچ جاتا ہے۔

بروایت خصال حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا گناہوں سے بچو کیونکہ انسان پر جب بھی کوئی تکلیف یا تنگیٔ رزق کی مصیبت آتی ہے تو وہ کسی گناہ کی وجہ سے ہی ہوتی ہے یہاں تک کہ معمولی خراش اور زمین پر گر پڑنا بھی کسی گناہ کے کفارہ کے طور پر ہوتا ہے اسی طرح جب کوئی نعمت اور سہولت چلی

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور تم نہیں عاجز کرنے والے اس کو زمین میں اور نہیں تمہارا اللہ کے سوا

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٣٢﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ

کوئی ولی اور نہ کوئی مددگار اور اس کی نشانیوں میں سے ہیں سمندر میں چلنے والی کوہ پیکر

كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٣﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى

کشتیاں اگر وہ چاہے تو روک دے ہوا کو تو وہ بھی ٹھہری رہیں گی (اس (پانی) کی پشت

ظَهْرِهٖ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٤﴾ اَوْ

پر تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ہر حوصلہ مند شکر گزار کے لئے یا (چاہے تو)

يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٥﴾ وَيَعْلَمَ

ان کو ہلاک کر دے ان کے اعمال کی وجہ سے اور وہ بہت سوں سے درگزر کر لیا کرتا ہے اور جانتے ہیں

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْ اٰيٰتِنَا ۖ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾ فَمَآ

وہ جو جھگڑتے ہیں ہماری آیات میں کہ ان کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے پس جو کچھ

جاتی ہے تو کسی گناہ کی سزا ہی ہوتی ہے ورنہ اگر گناہ کے بعد اس کا تدارک توبہ اور دعا سے کیا جائے تو آنے والی مصیبت دفع ہو جایا کرتی ہے (ملخصاً از نور الثقلین)

اسی بنا پر وارد ہے کہ صدقہ کرنا بہت سی آنے والی مصیبتوں کو دفع کر دیا کرتا ہے ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ گناہ انسان کو رزق کی سہولتوں سے محروم کر دیتا ہے

الجواد۔ جاریۃ کی جمع ہے اس کا موصوف سُفُن محذوف ہے (جاری ہونے والی کشتیاں)

رواکد۔ جمع ہے راکد کی جس کا معنی ہے ٹھہرا ہوا یعنی اگر اللہ چاہے تو ہوا کو روک دے پس کشتیوں کی روانی خود بخود ختم ہو جائیگی۔

جنّتیوں کی نشانیاں

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ توحید کے بارے میں جھگڑنے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ تم دنیاوی نعمات پر گھمنڈ نہ کرو کیونکہ یہ دنیاوی زندگی تک محدود ہیں۔ اور اللہ نے نیک لوگوں کے لئے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ ان دنیاوی نعمات سے بدرجہا بہتر بھی ہیں اور دیرپا بھی ہیں اور وہ نعمتیں ان لوگوں کے لئے ہوں گی جو مندرجہ ذیل صفات اپنے اندر رکھتے ہوں گے۔

۱۔ ایمان ۲۔ اللہ پر بھروسہ ۳۔ گناہان کبیرہ سے اجتناب ۴۔ ہر قسم کی برائیوں سے پرہیز ۵۔ غصہ کے وقت درگذر کی صفت ۶۔ اللہ کے حکم کی اطاعت ۷۔ نماز کی پابندی ۸۔ باہمی مشورہ کرکے اُمور کی انجام دہی ۹۔ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا۔ ۱۰۔ دوسروں کی طرف سے زیادتی کی صورت میں ان کو صرف بدلہ دینا اور اُن پر زیادتی نہ کرنا۔

اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ

تم دیئے گئے ہو زندگانی دنیا کا فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور

وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ

دیرپا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔ اور وہ لوگ جو گناہان

يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ

کبیرہ سے بچیں اور برائیوں سے بھی اور جب غصہ میں آئیں معاف

يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ

کر دیں اور وہ لوگ جو اپنے رب کا حکم مانیں اور نماز کو قائم کریں اور

اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۹﴾

آپس میں مشورہ کرکے کام کریں اور ہمارے دیئے ہوئے سے خرچ کریں

بعض علما کے نزدیک ہر گناہ کبیرہ ہوا کرتا ہے۔ اس لئے کہ خداوند کریم کی نافرمانی کو چھوٹا کہا ہی نہیں جا سکتا البتہ گناہوں کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو ایک دوسرے کے مقابلہ میں بعض کبیرے اور بعض صغیرے ہوتے ہیں۔ پس جن جن گناہوں کے متعلق قرآن مجید میں آتشِ جہنم کی پیش کش کی ہے وہ ان گناہوں سے کبیرہ ہیں جو ان کے علاوہ ہیں۔

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا۔ یعنی جب ذاتیات کے معاملوں میں ایک دوسرے پر رنجش ہو تو معاف کر دینا اچھی وصف ہے لیکن اگر ایک شخص حقوقِ خداوندی کو پامال کرتا ہے اور اعلانیہ فاسق و فاجر ہے تو اُس کی غلطی پر ناراض ہونا مومن کی شان ہے اور کسی صورت میں اس کو معاف نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ توبہ کے ذریعے سے اللہ سے معافی نہ مانگ لے لیکن اگر اس پر شرعی تعزیر یا حد واجب ہو تو اس کو بھی معاف نہیں کیا جا سکتا خواہ توبہ بھی کر لے اور فواحش سے مراد زنا اور بدکاری ہے اور اس کا الگ ذکر کرنا اس کے باقی تمام

گناہوں میں سے بدتر ہونے کی دلیل ہے۔

اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ انصارِ مدینہ کی اس میں مدح کی گئی ہے کیونکہ حضور کی ہجرت سے پہلے انصارِ مدینہ نے باہمی مشورہ کرکے آپ کو مدینہ میں آنے کی دعوت دی تھی اور ابو ایوب انصاری کے گھر میں مشورہ کرکے اس اہم کام کو سرانجام دیا تھا اور اس آیت مجیدہ میں جملہ مسلمانوں کو باہمی مشورہ سے اُمور کی انجام دہی کا درس دیا گیا ہے۔ اور اس کی اہمیت کے پیش نظر پوری سورت کا نام بھی سورہ شوریٰ رکھا گیا ہے لیکن اس کو اصولِ اسلام کے طے کرنے کے لئے اجماع کی حجیت پر دلیل قائم کرنا غلط ہے کیونکہ باہمی مشورہ سے کام کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شرعی معاملات میں باہمی مشورہ سے دین سازی کا جواز پیدا کیا جائے پس جس طرح نماز و روزہ وغیرہ فروعی مسائل میں باہمی مشورہ سے ردّ و بدل کرنا ناجائز ہے اسی طرح اصولی مسائل میں باہمی مشورہ کے ذریعے سے ردوبدل نہیں کیا جاسکتا اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نیابت اور خلافت کا مسئلہ چونکہ اسلام میں ایک بنیادی اور اصولی مسئلہ ہے لہٰذا باہمی مشورہ سے اس کو طے نہیں کیا جاسکتا بلکہ جس طرح نبی بنانا باہمی مشورہ سے ناجائز ہے اسی طرح اس کا قائم مقام باہمی مشورہ سے بنانا بھی ناجائز ہے۔ پس آیت مجیدہ میں شوریٰ کی مدح اس بنا پر ہے کہ مومنوں کی شان یہ ہے کہ آپس میں پرخلوص ہو کر رہیں اور اپنے ذاتی معاملات میں رنجش تک نوبت ہی نہ آنے دیں تاکہ مل جل کر باہمی مشورہ سے امور کی انجام دہی سے گریز نہ کریں اور باہمی اختلاف کی صورت میں بھی اپنے برادری کے فیصلوں کے سامنے جھک جائیں اور جھگڑا و فساد تک کسی بات کو نہ جانے دیں۔

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ (۴۰) وَجَزٰٓؤُا

اور وہ لوگ کہ جب ان کو تکلیف پہنچے بغاوت کی تو بدلہ لیں اور برائی کا

سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ

بدلہ اتنی ہی برائی ہے پس جو معاف کردے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ پر ہے تحقیق

لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (۴۱) وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ

وہ نہیں دوست رکھتا ظالموں کو اور جو بدلہ لے بعد مظلوم ہونے کے تو ایسے لوگوں کو

مَا عَلَیْھِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ (۴۲) اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ

کوئی حرج نہیں ہے حرج تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم

یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِکَ

کرتے ہیں اور بغاوت کرتے ہیں زمین میں ناحق طور پر ایسے

یَنْتَصِرُوْنَ۔ مومن کی بلند شان تو یہ ہے کہ اگر کوئی اس پر زیادتی کرے تو اس کو معاف کردے لیکن اگر اس کو صرف اس کی زیادتی کا بدلہ دینے پر اکتفا کرے اور خود زیادتی نہ کرے تو یہ صفت بھی ممدوح ہے اور بدلہ کی صورت یہ ہے کہ جس قدر اس نے اس پر ظلم کیا تھا

اتنا ہی اس کو بدلہ دیا جائے لیکن معاف کردینا پھر بھی اللہ کو زیادہ پسند ہے اور سیئۃ کے بدلہ کو سیئۃ قرار دینا صرف مماثلت کی وجہ سے ہے ورنہ ظلم کرنا برا ہوتا ہے لیکن ظلم کا بدلہ دینا برا نہیں ہوتا بلکہ مظلوم حق پر ہوتا ہے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ بروز محشر ایک منادی ندا کرے گا کہ جس جس شخص کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے وہ جنت میں چلا جائے تو پوچھا جائے گا کہ کن لوگوں کا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے تو جواب ملے گا کہ وہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں لوگوں کو اپنے حقوق معاف کردئے تھے پس وہ لوگ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ اور تفسیر صافی میں کافی سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ایک دوسرے پر درگذر کرنے کی عادت بناؤ کیونکہ درگذر کرنا عزت میں زیادتی کا موجب ہے۔

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۳﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ

لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہوگا اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو تحقیق یہ بات

عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۴﴾ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ

بلند حوصلگی کی دلیل ہے اور جس کو اللہ گمراہی میں چھوڑ دے تو اس کا کوئی ولی نہیں ہوتا اس کے

بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى

سوا اور تو دیکھے گا ظالموں کو جب وہ دیکھیں گے عذاب کو تو کہیں گے کیا واپس دنیا کی

مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۵﴾ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ

طرف جانے کی کوئی صورت ہے؟ اور تو دیکھے گا کہ پیش کئے جائیں گے اُس (دوزخ) پر جھکے ہوئے

مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

ہوں گے ذلت سے کہ ترچھی نظر سے جھانکتے ہونگے اور مومن کہیں گے تحقیق

اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے خاندان کو قیامت کے دن نقصان میں

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۶﴾ وَمَا كَانَ

ڈالا آگاہ ہو تحقیق ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں ہوں گے اور ان کے لئے

لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

کوئی دوست نہ ہوں گے جو ان کی مدد کریں اللہ کے بغیر اور جس کو اللہ گمراہی میں چھوڑ دے

رکوع ۶

وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ۔ تفسیر صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ان آیات کی تاویل اس طرح مذکور ہے کہ جن لوگوں نے آلِ محمدؐ پر ظلم کیا تھا جب بروز محشر عذاب کو دیکھیں گے تو ازراہِ حسرت کہیں گے کہ ہمیں ایک دفعہ دنیا میں واپس پلٹ جانے کا موقعہ دیا جائے تو ہم علیؑ سے محبت رکھیں گے اور شرمندگی سے سر جھکائے

ہوئے ترچھی نگاہ سے مایوسانہ طور پر دیکھیں گے تو اُن کی حالت زار کو ملاحظہ کرنے کے بعد مومنین کہیں گے کہ ان ظالموں کو دائمی عذاب میں ہونا چاہیئے جنہوں نے آلِ محمد پر ظلم کے پہاڑ گرائے تھے۔

تفسیر نور الثقلین میں بروایت خصال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس میں تین خصلتیں ہوں تو اس کا ایمان کامل ہے ۱۔ ظلم پر صبر کرے ۲۔ غصہ کو ضبط کرے ۳۔ اور معاف کرنے کی عادت بنائے۔ ایک حدیث میں حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں کہ اگر تم ان پر ظلم نہ کرو گے تو وہ تم پر ضرور ظلم کریں گے۔ ۱۔ کمینہ فطرت انسان۔ ۲۔ زوجہ ۳۔ مملوک غلام۔

وَمَنْ یضلل۔ خدا کی طرف سے ضلالت کی نسبت اس لئے ہے کہ خدا کسی کو ہدایت پر مجبور نہیں کرتا اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ وہ جس کو گمراہی میں چھوڑ دے

فَمَالَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۷﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ

اس کے لئے اور کوئی راستہ نہیں ہے　مان لو حکم اپنے رب کا قبل اس کے کہ　وہ

يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ

دن آجائے جس کو کوئی ہٹا نہیں سکتا اللہ سے　نہ کوئی تمہارا ٹھکانا ہوگا اس دن　اور

وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۸﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ

نہ تم اس کو ٹھکرا سکو گے　پس اگر نہ مانیں تو ہم نے تم کو ان پر نگران کر کے نہیں بھیجا

حَفِيْظًا اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا

ہے تم پر نہیں فرض مگر صرف پہنچا دینا　اور ہم جب چکھائیں انسان کو اپنی طرف سے رحمت

رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

تو وہ خوش ہوتا ہے　اور اگر پہنچے ان کو تکلیف بوجہ اس کے جو بھیجا ان کے ہاتھوں نے

فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تو بے شک انسان کفر کرنے والا ہے　اللہ کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا ملک

فَرِحَ بِهَا۔ آیت مجیدہ میں انسان کی کم ظرفی کو بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ اس پر کوئی نعمت نازل فرمائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے لیکن جب اس کے اعمالِ زشت کی بدولت اس پر کوئی مصیبت آجائے تو رحمتِ خدا سے مایوس ہو کر کفر کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ انسان کو حالتِ نعمت میں شاکر اور حالت آزمائش میں صابر ہوتے ہیں۔

۲۱۸
يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ بیٹے کے مال میں بیٹے کی اجازت کے بغیر بھی باپ تصرف کر سکتا ہے اس کی کیا دلیل ہے تو آپ نے اس آیت مجیدہ سے استدلال فرمایا۔ کہ خداوند کریم نے اولاد کو باپ کے لئے ہبہ قرار دیا ہے اور ہبہ شدہ مال میں تصرف کرنا جائز ہے پس جب بیٹا خود باپ کیلئے ہبہ

حیثیت رکھتا ہے تو بیٹے کا مال بھی باپ کے لئے ہبہ کی حیثیت سے ہے پس جس طرح چاہے اس میں تصرّف کرنا جائز ہے کیونکہ اس کو حق حاصل ہے اسی بنا پر حضورؐ کا فرمان ہے اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ یعنی تو اور تیرا سب مال تیرے باپ کی ملکیت میں ہے۔

تہذیب الاحکام سے منقول ہے ایک شخص خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے باپ نے میرے غلام کو مجھے ستانے کے لئے آزاد کر دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو اور تیرا سب مال تیرے باپ کو اللہ نے ہبہ کیا ہے لہٰذا اس کو تیرے جسم میں اور تیرے مال میں تصرف کا حق حاصل ہے حالانکہ تجھے اس کے جسم و مال میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے۔ جب تک وہ خود اجازت نہ دے (نور الثقلین)

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ

وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے بخشتا ہے جسے چاہے بیٹیاں دیتا ہے جسے چاہے

الذُّكُورَ ﴿٥٠﴾ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَنْ

بیٹے یا دونوں عطا کرتا ہے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے

يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥١﴾ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ

بانجھ بنا دیتا ہے تحقیق وہ جاننے والا قدرت رکھنے والا ہے اور کسی بشر کے لئے یہ بات نہیں کہ اللہ

يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ

اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجتا ہے قاصد

رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴿٥٢﴾ وَ

(فرشتہ) پس وہ وحی کرتا ہے اس کے اذن سے جو چاہے تحقیق وہ بلند دانا ہے اور اسی طرح

كَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِي

ہم نے وحی کی تیری طرف روح (قرآن) کی اپنے امر سے کہ تو نہیں جانتا تھا

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ۔ یعنی بعض لوگوں کو خدا بیٹیاں دیکر بیٹوں سے محروم رکھتا ہے اور بعض کو بیٹے دے کر بیٹیوں سے محروم رکھتا ہے اور بعض کو بیٹے اور بیٹیاں ہر دو قسم کی اولاد سے سرفراز فرماتا ہے۔ يُزَوِّجُ کا معنی ہے کہ ان کو جوڑے عطا کرتا ہے یعنی بیٹے اور بیٹیاں دونو قسم کی اولاد دیتا ہے اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ رحم مادر میں بیٹے اور بیٹی کو پیدا کر کے جوڑویں پیدا کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ اس کی مشیت کے فیصلہ پر منحصر ہے اور بعض ایسے لوگ بھی ہیں جن کو بالکل اولاد سے محروم کر دیتا ہے اور وہ عقیم یعنی بانجھ ہوتے ہیں۔ پس بعض اوقات مرد صحیح اور عورت بانجھ ہوتی ہے اور بعض اوقات عورت صحیح اور مرد بانجھ ہوتا ہے اور اللہ ہر شئی پر قادر ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ ۔ یعنی کسی بشر کے ساتھ اللہ کلام نہیں کرتا مگر ان تین طریقوں سے جو بعد میں بیان کئے جا رہے ہیں۔ ۱۔ وحی ۲۔ پس پردہ ۳۔ بذریعہ جبریل۔ لغت کے لحاظ سے وحی اشارہ کے معنی میں ہوتی ہے یعنی منہ سے لفظ ادا کئے بغیر

کسی کو کسی بات کی اطلاع دینا یا تنبیہ کرنا پس الہام اور القاء یا خواب کے ذریعے سے کسی مطلب کا سمجھانا اسی قسم سے قرار دئے جا سکتے ہیں۔ اور ان سب کو وحی کہا جا سکتا ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور کی وحی الہام والقاء کے طریقہ سے ہوئی تھی اور پس پردہ کلام سے مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوق سے وہ کلام پوشیدہ ہو اور صرف وہی اس کو سمجھ سکے جس کے ساتھ کلام ہو رہی ہو جس طرح کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوئی کہ سوائے ان کے کوئی نہ سمجھ سکتا تھا یا دوسری دفعہ حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھ والے ستر آدمی سن رہے تھے اور ان کے علاوہ کوئی نہ سن سکتا تھا۔ اور وراء حجاب کا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ جس جگہ سے بات نکلتی ہو اس کو پوشیدہ رکھا جائے۔ چنانچہ کوہ طور پر وادی کی ہر جانب سے کلام ہو رہی تھی کہ پتہ نہ چلتا تھا کہ کونسی خاص جگہ سے ہے اور پس پردہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خدا پردہ کے اندر ہو اور بول رہا ہو کیونکہ یہ صفات مخلوق میں سے ہے اور خالق اس سے اجل وارفع ہے۔ اسی طرح شب معراج پس پردہ کلام ہونے کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ کلام باقی تمام سے محجوب تھی اور اس کو صرف حبیب خدا ہی سن اور سمجھ رہے تھے ایسا ہرگز نہیں کہ خدا ایک پردہ کے پیچھے تھا اور حضور پردہ کے اس طرف تھے اور کلام ہو رہا تھا کیونکہ اس سے خدا کی جسمانیت اور محدود ہونا لازم

مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ

کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ اور کیا ہم نے اس (قرآن) کو نور جس کے ذریعے سے ہدایت کرتے ہیں

مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ

ہم جسے چاہیں اپنے بندوں سے اور تحقیق تو ہدایت کرتا ہے سیدھے راستے کی طرف اس اللہ کے

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

راستے کی طرف جس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے

اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾

آگاہ ہو اللہ کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے

آتا ہے اور اس قسم کی باتیں وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خدا کو مجسم سمجھتے ہوں اور توحید پروردگار کی قدروں سے ناواقف ہوں، اسی طرح بعض غیر ذمہ دار واعظین اور جاہل شعراء کا تخیل پردہ اور اندر سے ہاتھ یا انگوٹھی کا ظاہر ہونا بالکل غلط اور نامعقول نظریات کی ترجمانی ہے۔ جس کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اور ارسال رسل کلام خدا کا تیسرا طریقہ ہے یعنی فرشتہ کو بھیج کر اپنے احکام پہنچاتا ہے جس طرح جناب رسالتمآب کی بارگاہ اطہر میں حضرت جبرئیل کلام خدا لاتے تھے۔ آیت مجیدہ سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ انبیاء علیہم السلام پر بشر کا اطلاق حقیقی ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء کی نوع الگ ہے اور باقی انسانوں کی نوع الگ ہے آیت مجیدہ میں اس کی کھلی تردید موجود ہے بلکہ انبیاء بشر ہیں اور ان کے ساتھ خدا کے کلام کرنے کی تین صورتیں ہیں جو ذکر کی جا چکی ہیں۔ اور کلام کا معنی ہے

ایسا طرزِ عمل اور ایسا ذریعہ جس کی بدولت اپنا مقصد دوسروں تک پہنچایا جاسکے۔ مثلاً درختوں کا کلام ان کی حیثیت کذائی ہے۔ چنانچہ ان کی سرسبزی ان کی خوشحالی کی ترجمانی ہے اور ان کی خشکی ان کی بدحالی کا بیان ہوتا ہے۔ اور حیوانات کا کلام اُن کی شان کے مطابق اپنے مقاصد کے اظہار کے مختلف طرق سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح جمادات و باقی اقسام موجودات کا کلام ان کی حیثیت کے مطابق ہے جس طرح اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو حکم دیا تو انہوں نے جواب دیا یعنی اپنی زبانِ حال سے ظاہر کیا اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ کہ ہم اطاعت کرتے ہوئے حاضر ہیں۔ اسی طرح جنوں اور ملائکہ کا کلام اپنی شان وحیثیت کے مطابق اظہار مافی الضمیر کے طریقوں سے ہوتا ہے اور انسان کا کلام صرف زبانی بیان سے ہوتا ہے کیونکہ ان کے اظہار مافی الضمیر کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے۔ پس خدا کا کلام کرنا مخلوقات کے کلام کی شکل نہیں تاکہ ان پر قیاس کیا جاسکے کہ چونکہ کلام کرنے میں انسان زبان کا محتاج ہے لہذا اللہ بھی کلام کرنے میں زبان کا محتاج ہوگا اس قسم کا نظریہ صرف کوتاہ نظری اور خود فریبی کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس اللہ کا کلام اس کی اپنی شانِ الوہیت کے مطابق ہے کہ وہ جس طریقہ اور ذریعہ سے اپنے احکام وجملہ فرمائشات اپنے بندوں تک پہنچائے وہ اسی کا کلام کہلاتا ہے چنانچہ بعضوں کے دل میں القاء والہام کرتا ہے بعضوں کو خواب میں ایک نظریہ کی رہنمائی فرماتا ہے۔ بعضوں کو ہاتف غیبی سے تنبیہ فرماتا ہے اور بعضوں کو فرشتہ بھیج کر اپنے ارشادات سے مطلع کرتا ہے بہرکیف وہ چاہے تو کلام کو پیدا کردے خواہ درخت سے یا پتھر و دیوار سے ہی کرے اور چاہے تو بغیر حروف والفاظ کے دل ہی دل میں اپنی بات پہنچا دے اور ان سب پر کلام کا اطلاق کیا جاسکتا ہے اور تفسیر کی تیسری جلد میں بھی اس پر مختصر سا نوٹ لکھا جا چکا ہے۔

اِلَّا وَحْیًا۔ یہ مستثنا منقطع ہے اور اَنْ یُّوْحِیَ کی تاویل میں ہے اور بعد والے اَنْ یُّرْسِلَ کا اس پر عطف ہے۔

اَوْ مِنْ وَّرَآءِ۔ یہاں مِنْ جارہ کا متعلق یُکَلِّمُ فعل محذوف ہے۔

وَكَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح ہم نے سابق انبیاء کو بذریعہ وحی کے شرائع دینیہ عطا کئے اسی طرح آپ کو بھی بذریعہ وحی کے اپنے امر سے قرآن عطا فرمایا جو رُوحِ حیات ہے یعنی کفر جو انسان کے لئے موت کا حکم رکھتا ہے قرآن روحِ حیات کا کام دے کر انسان کو حقیقی زندگی بخشتا ہے۔ اور محقق بحرانی نے ذکر کیا ہے کہ وحی کا ہونا بھی نبی کی صداقت کے ثبوت کے لئے ایک علمی معجزہ ہے کیونکہ خدا نظر تو آ نہیں سکتا پس انبیاء کے ساتھ اس کا کلام تین مراتب میں ہوا ہے۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ خدا نبی کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے اور نبی خود اس کو الفاظ کا جامہ پہناتا ہے اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ خدا نبی کے دل میں بات بھی ڈالتا ہے اور ہاتف غیبی کے ذریعے اس کے کانوں تک آواز بھی پہنچاتا ہے پس لفظ اور معنی دونو خدا کی جانب سے ہوتے ہیں اور تیسرا مرتبہ جو سب سے بلند ہے وہ یہ کہ خدا دل میں معنی کا القاء کرتا ہے اور فرشتہ سامنے دکھائی دیتا ہے جو الفاظ کی بھی وحی کرتا ہے۔

رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا۔ رُوح سے مراد قرآن یا روح القدس یا ایک فرشتہ ہے جو جبریل ومیکائیل سے عظیم تر ہے جو حضرت رسالت مآب کے ساتھ رہتا تھا اور اُن کے بعد آئمہ طاہرین علیہم السلام کے ساتھ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اور یہی آخری قول حضرت امام محمد باقرؑ و حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے۔

مَاکُنۡتَ تَدۡرِیۡ ۔ تفسیر برہان میں ہے ابوحمزہ ثمالی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس آیت مجیدہ کے متعلق تیرے ساتھیوں کا کیا خیال ہے کہ حضورؐ کسی وقت میں کتاب اور ایمان کو نہیں جانتے تھے؟ راوی نے عرض کی حضور اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا تو آپ نے فرمایا بے شک یہ درست ہے کہ ایک حالت ایسی تھی جس میں کتاب و ایمان کو نہ جانتے تھے یہاں تک کہ خداوند کریم نے آپ کی جانب روح کو بھیجا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے پس اس کے بعد آپ کو سب کچھ معلوم ہو گیا۔ اور خدا جس کو وہ روح عطا فرمائے اس میں علم و فہم آجاتا ہے۔

اس آیت مجیدہ کو پڑھ کر بعض نااہل اور بے سمجھ لوگ گھبرا کر علماء سے دست و گریباں ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک وقت میں حضور نبی اکرمؐ کتاب و ایمان کو نہ جانتے ہوں چونکہ کج بحثی اور کج فہمی کی وبا عام ہے اور بعض جہلاء نے علمی لبادہ اوڑھ کر علماء کا مقام اپنا لیا ہے پس اُن کا کام صرف یہ ہے کہ شکوک و شبہات کے ناخنوں سے وہ حقائق علمیہ کو ہر وقت نوچتے اور کریدتے ہیں، اور عوام الناس سے اپنا علمی مقام منوانے کے لئے حقیقی علماء پر ہر گند اکیچڑ اچھالتے ہوئے اُن کو بدنام کرنا اپنا کمال سمجھتے ہیں چنانچہ آیت مجیدہ کا ترجمہ تو بالکل صاف صاف ہے نہ اس کی کوئی تاویل ہو سکتی ہے اور نہ اس کا انکار کیا جا سکتا ہے پس عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کرنا آسان ہے کہ دیکھو علماء حضرت نبی اکرمؐ کو بے علم کہتے ہیں چنانچہ کئی مرتبہ ایسے ناخدا ترس انسانوں سے آیت مجیدہ مذکرہ بالا کے متعلق تبادلہ خیال کا موقع ملا ہے تو وہ صاف اور کھلا کہا علماء کو ہی معرض طعن و تشنیع قرار دے کر کوسنے لگ گئے کہ علماء نے یہ کیوں لکھا اور اُن کو ہزار سمجھایا جائے کہ علماء نے نہیں لکھا بلکہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ ذرا ہوش کرو لیکن وہ اسی ایک ہی بات کی رٹ لگائے جاتے ہیں کہ قرآن میں ہو تو ہو علماء کیوں لکھتے ہیں؟ تو اُن کو سمجھانے کا علمی طریقہ جو میں نے اختیار کیا وہ یہ ہے کہ علم اللہ کا عین ذات ہے اور حضرت رسالتمآبؐ یا ائمہ طاہرین علیہم السلام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کا علم عطیہ پروردگار ہے۔ پس لازمی طور پر ماننا پڑے گا کہ ایک وقت ایسا تھا خواہ وہ کس قدر ہی کم ہو جس میں حضورؐ کو زیور تخلیق سے آراستہ کیا گیا اور بعد میں علم سے نوازا گیا اور دوسرے مسلمانوں کی طرح ہم نہیں کہتے کہ چالیس سال یا اس سے کم و بیش عرصہ کے بعد آپ کو علم نبوت عطا کیا گیا ہو بلکہ عالم انوار کی خلقت نوری ہی فرض کر لیجئے تب بھی ایک وقت خواہ ایک لحہ بھر کا بھی تصور کر لیں ماننا پڑے گا کہ پہلے آپ کی ذات تھی پھر صفتِ علم اُن کو عطا کی گئی اس لئے کہ علم اُن کا عطیہ پروردگار ہے نہ کہ عین ذات۔

علاوہ ازیں اس میں حضورؐ کی کسرِ شان اور منقصت تب لازم آتی کہ یہ فقرہ ہماری طرف سے ہوتا۔ اگر خدا کہنے والا ہو تو اس میں کونسی منقصت ہے دیکھئے اگر بیٹا باپ کو کہے کہ اگر میں نے فلاں کام نہ کیا ہوتا تو آپ بذاتِ خود کچھ بھی نہ تھے تو یہ بیٹے کی طرف سے گستاخی ہے لیکن اگر باپ بیٹے کو کہے کہ اگر میں احسان نہ کرتا تو تیری کوئی حقیقت نہ تھی تو یہ بیٹے کی توہین نہیں ہے۔ اس مقام پر بھی اگر اُمت کے افراد میں سے کوئی کہے کہ حضورؐ کچھ جانتے نہ تھے تو گستاخی لازم آئے گی لیکن اگر اللہ خطاب کر کے فرمائے کہ آپ کچھ نہ جانتے تھے اور میں نے ہی اپنی جانب سے رُوح کو اُتارا اور آپ پر میرا ہی احسان ہے تو اس میں کوئی کسرِ شان نہیں ہے اور اللہ کی فرمائش پر ایمان رکھنا ہر انسان کا فریضہ ہے اور دوسرے مقام پر خود خدا نے اپنے حبیب کو تعلیم دی ہے وَقُلْ

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۔ یہ کہا کرو ۔ اے رب میرے علم میں زیادتی فرما ۔ اگر پہلے سے ہی سب کچھ معلوم ہو تو زیادتی علم کی دعا کس لئے تعلیم کی جارہی ہے ۔ بہرکیف حضور رسالت مآبؐ کے علم کے متعلق یہ تحدید کرنا کہ وہ کب سے عالم ہیں ہمارے عہدہ میں شامل نہیں اور نہ اُس کی ہم سے باز پرس ہوگی بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور کا علم تمام انبیاء و ملائکہ سے زیادہ ہے اور چونکہ حضورؐ قرآن کے حامل و عالم ہیں اور قرآن میں اوّلین و آخرین کے علوم موجود ہیں اور تمام کتب سماویہ کے علوم بھی اس کے اندر موجود ہیں لہذا حضورؐ کا علم اولین و آخرین کے علم پر اور تمام کتب سماویہ کے علوم پر حاوی ہے لیکن یہ کہنا کہ کب سے ہے اس کو وہ جانے جس نے حضور کو اس بلند مرتبہ پر فائز فرمایا ہے ۔ پس اُس نے جب سے دیا ہے یہ تب سے عالم ہیں ۔ اللہ کے نزدیک اگرچہ اس کی حد ضرور معین ہے لیکن ہمارا اُن کی حد معین کرنا کوتاہ بینی اور ناقدر شناسی کے سوا اور کچھ نہیں ۔ خداوند کریم ہمیں ان کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے ۔ آمین

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۔ تفسیر اہل بیت علیہم السّلام میں صراط مستقیم سے مراد حضرت علی علیہ السّلام کی ولایت ہے ۔

سُورَۃُ زُخْرُف

یہ سورہ مکیہ ہے سوائے آیت نمبر ۵۵ کے ۔

اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کے ملانے سے نوّے ہے اور یہ سورہ شوریٰ کے بعد نازل ہوئی ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جو شخص سورہ زخرف کی تلاوت کو جاری رکھے وہ قبر میں حشرات الارض سے محفوظ رہے گا اور فشار قبر سے بھی بچ جائے گا ۔ اور بروز محشر جنت میں داخل ہوگا (برہان)

حدیث نبوی میں ہے بلاحساب جنّت میں جائے گا ۔ (مجمع)

خواص قرآن میں سے ہے ۔ حضور نے فرمایا جو شخص اس کو لکھ کر پئے گا اس کو کسی مرض کے لئے دوسرے دوا کی احتیاج نہ رہے گی ۔ اور اگر مرگی والے شخص پر چھڑکا جائے تو اس کو فوراً آرام ہوگا ۔ اور اس کا شیطان جل جائے گا ۔

(برہان)

رکوع ۷ - حٰمٓ - بعضوں نے کہا ہے کہ حمید مجید کا مخفف ہے اور مقطعات قرآنیہ کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

اُمّ الکتٰب - اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید لوح محفوظ میں موجود ہے اور اس کی تاویل میں بروایت معانی الاخبار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سورہ فاتحہ میں صراط مستقیم سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں اور اس کی دلیل میں آپ نے اس آیت کو پیش فرمایا کہ اُمّ الکتاب سورہ فاتحہ کا ہی نام ہے اور علی حکیم سے مراد حضرت علی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱)

اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

حٰمٓ (۲) وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (۳) اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا

کتاب مبین کی قسم تحقیق ہم نے اس کو بنایا قرآن عربی

عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۴) وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ

تاکہ تم سمجھو اور تحقیق وہ اُمّ الکتاب میں ہمارے پاس بلند حکمت

حَكِيْمٌ (۵) اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ

والا ہے کیا پھیر لیں تم سے ذکر رُوگردانی کرتے ہوئے اس لئے کہ تم زیادتی

قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ (۶) وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ (۷)

کرنے والے لوگ ہو ؟ اور کس قدر ہم نے نبی بھیجے گذشتہ لوگوں میں

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (۸) فَاَهْلَكْنَآ

اور نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ اس کے ساتھ مسخری کرتے تھے پس ہم نے ہلاک کر دیا

اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ (۹) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ

ان کو جو طاقت میں ان سے مضبوط تر تھے اور پہلے لوگوں کی مثال گذر چکی ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کہ

علیہ السلام ہیں اور اگر اس کو قرآن کی صفت قرار دیا جائے تو مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید باقی تمام کتب سماویہ سے درجہ میں بلند ہے کیونکہ وہ منسوخ اور یہ ناسخ ہے - نیز وہ بطور معجزہ کے نہیں اُتری تھیں اور یہ معجزہ ہے نیز ان کا عمل ختم ہو چکا ہے اور یہ باقی ہے اور حکیم سے مراد پُر از حکمت یا محکم ہے اور اس صفت میں بھی قرآن مجید باقی کتب سماویہ سے امتیازی حیثیت کا حامل ہے -

اَفَنَضْرِبُ - کفار مکہ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ اگر تم لوگ اس قرآن مجید کی ہدایت پر عمل نہ کرو تو کیا ہم قرآن سنانا بھی چھوڑ دیں ؟ حالانکہ یہ بات ہرگز نہ ہوگی خواہ تم مانو یا نہ مانو ہم قرآن مجید کو ضرور نازل کریں گے۔

وَكَمْ اَرْسَلْنَا - یہ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں آپ سے پہلے بھی ہم نے جس قدر نبی بھیجے اسی طرح

لوگ ان سے مسخری کرتے رہے اور بالآخر ہم نے کفارِ مکہ سے بڑی جماعت اور مضبوط طاقت کے لوگوں کو عذاب میں مبتلا کر کے ہلاک کر ڈالا اور اُن لوگوں کی مثال ان کے سامنے موجود ہے اگر یہ نہ مانیں تو ان کا حشر بھی وہی ہوگا جو ان کا ہوا تھا۔

مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ

آسمان اور زمین کس نے بنائے ہیں؟ تو کہیں گے ان کو بنایا ہے اس نے جو غالب

الْعَلِیْمُ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ

جاننے والا ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور بنائے تمہارے لئے اس

فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

میں راستے تاکہ تم چل سکو (اپنے مقاصد کی طرف) اور وہ جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازے

مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۲﴾

سے پس ہم نے زندہ کیا اس کے ذریعے ایک مردہ شہر کو اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ

اور وہ جس نے پیدا کئے جوڑے سب اور بنائے تمہارے لئے کشتیوں اور چوپاؤں میں

وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۳﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ

سے وہ جن پر تم سواری کرتے ہو تاکہ ٹھیک ہو بیٹھو اس کی پشت پر پھر

تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ

یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب ٹھیک بیٹھ جاؤ اس پر اور کہو پاک ہے وہ

الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِنَّآ

جس نے مطیع کیا اس کو ہمارے لئے حالانکہ ہماری طاقت نہ تھی اور ہم

جَعَلَ لَكُمْ۔ یعنی اللہ نے زمین کو ہر لحاظ سے تمہارے نفع اٹھانے کے لئے مسخر کر دیا ہے کہ اس میں آرام کر سکتے ہو اور اپنے مقاصد کی طرف سفر کر سکتے ہو اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے چل پھر کر عبرت حاصل کر سکے راہِ راست کی تلاش کر سکتے ہو

تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سواری پر سوار ہو جانے کے بعد اللہ کی نعمت کا ذکر بایں طور کرے کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اسلام کی دولت عطا فرمائی اور قرآن جیسی کتاب ہدایت ہماری طرف بھیجی اور حضرت رسالت مآب کی اُمت ہونے کا ہمیں شرف بخشا اور اس کے بعد پڑھے سُبْحٰنَ الَّذِیْ تا مُنْقَلِبُوْنَ اور بروایت کافی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر سواری پر بیٹھ کر انسان اس آیت مجیدہ کو پڑھے تو اگر گر بھی جائے تو اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ باذن اللہ

اور ایک روایت میں ہے سوار ہونے کے بعد آیۃ الکرسی کی تلاوت کرے اور اپنے گناہوں کی معافی بھی اللہ سے مانگ لے
امام رضا علیہ السلام نے مصر کی طرف جانے والے ایک شخص سے فرمایا کہ اس جگہ کا پانی غیرت کو مٹاتا اور ذلت کو لاتا
ہے اور آپ نے فرمایا کہ جانے سے پہلے مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھ کر استخارہ کرلو اور سواری پر سوار ہوا کر سُبْحٰنَ الَّذِیْ الخ
پڑھو کیونکہ اگر سواری سے انسان گر بھی جائے تو کوئی نقصان اس کو نہ پہنچے گا۔ ملخصًا۔

رکوع ۸۔

اِلٰٓى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ⑮ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ

اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں اور مقرر کیا ان لوگوں نے اس کے بندوں میں سے ایک حصہ

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ⑯ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ

(بیٹیاں) تحقیق انسان صاف کفر کرنے والا ہے کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں پسند

بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ⑰ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا

کیں اور تم کو بیٹوں کے لئے چن لیا حالانکہ جب خبر دی جائے ان میں سے کسی کو اس کی

ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ

جو اللہ کے لئے اس نے مثال قرار دی ہے تو اس کا منہ کالا ہو جاتا ہے اور وہ غصے سے

كَظِيْمٌ ⑱ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى الْخِصَامِ

بھر جاتا ہے کیا (اللہ کے لئے وہ تجویز کی) جو زیور و زینت میں پلے اور جھگڑے میں (اپنا مقصد بھی) واضح

غَيْرُ مُبِيْنٍ ⑲ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ

نہ کرسکے اور بنا لیا فرشتوں کو جو اللہ کے عبادت گذار ہیں

وَاِذَا بُشِّرَ۔ یعنی وہ ایسے ظالم ہیں کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور خدا کے لئے انہوں نے بیٹیاں تجویز کرلی ہیں۔ اور خود بیٹیوں سے اس قدر گھبراتے ہیں کہ جس کو اللہ کے لئے مثال بناتے ہیں یعنی بیٹیاں (کیونکہ اولاد باپ کی مثل اور شبیہ ہوا کرتی ہے) اگر ان میں سے کسی کو بیٹی کی ولادت کی خبر سنائی جائے تو غصے سے پُر ہو جاتا ہے اور اس کا منہ کالا ہو جاتا ہے۔

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا۔ یعنی کیا اللہ کے لئے ایسی اولاد تجویز کرتے ہیں جو زیب و زینت میں پرورش پانے والی ہو۔ اور اپنے مقابل سے جھگڑنے کے وقت اپنا مقصد بھی صحیح طور پر ادا کرسکنے پر قادر نہ ہو کیونکہ بالعموم عورت اپنی کمزوری کی بنا پر اپنے دل کی بات سمجھانے سے قاصر ہوتی ہے اور اپنے مدمقابل سے مرعوب ہو کر رہ جاتی ہے اور ممکن ہے کہ کفار کی بُت پرستی کی مذمت ہو کہ تمہارے وہ بت جن کو تم زیور پہنائے رکھتے ہو اور تمہارے کسی جھگڑے کے وقت وہ اپنا فیصلہ سنانے سے بھی قاصر ہوتے ہیں ان کی پرستش کرنا کونسی عقلمندی ہے پس اس سے سمجھ لو کہ عبادت کے لائق صرف وہ اللہ ہی ہے جس کا کوئی شریک

نہیں۔ اس کے بعد کفار کے اس نظریہ کی مذمت ہے کہ انہوں نے ملائکہ کو مونث قرار دیا تھا خدا فرماتا ہے کہ اُن کے مونث ہونے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کیا تم اُن کی پیدائش کے وقت موجود تھے پس ان کی اس بات کو نوٹ کر لیا جائے گا اور قیامت کے روز ان سے باز پرس ہوگی کہ تم نے ایسا کیوں کہا تھا؟

اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ (۲۰)

عورتیں تو کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟ ان کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے پھر پوچھا جائیگا

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ

اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اُن کی پوجا نہ کرتے حالانکہ ان کو اس کا کوئی علم

عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (۲۱) اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ

نہیں ہے وہ صرف اندازے سے بات کر لیتے ہیں کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے

فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ (۲۲) بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

جس سے وہ تمسک رکھتے ہیں؟ بلکہ کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ

عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ (۲۳) كَذٰلِكَ مَآ

پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر راہ چلنے والے ہیں اور اسی طرح نہیں بھیجا

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ

ہم نے تجھ سے پہلے کسی بستی میں کوئی نذیر مگر یہ کہ اُن کے عیش پرستوں نے یہی کہا کہ

وَقَالُوْا - جب دلیلوں کا جواب معقول نہیں دے سکتے تو کھسیانے سے ہو کر خوئے بدرا بہانہ بسیار کے طریقہ پر عذر بارد یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کر سکتے اور یہ اُن کی بات معقول جواب نہیں صرف اندازہ ہی ہے جو بالکل خلاف واقع ہے۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ - اس کے بعد پھر سرزنش کے طور پر فرماتا ہے کہ کیا قرآن مجید سے پہلے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس میں بتوں کی عبادت کے جواز کی اُن کے پاس کوئی سند ہو اور اس سے وہ تمسک رکھتے ہوں حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے۔

بَلْ قَالُوْا - جب اُن کے پاس اور کوئی جواب نہیں بن آتا تو کہتے ہیں ہمارے باپ دادا اسی طریقہ پر چونکہ گامزن تھے لہٰذا ہم انہی کے طریقہ پر قائم ہیں

كَذٰلِكَ - پیغمبر کو تسلی کے طور پر فرماتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہمیشہ سے مشرکین کا یہی دستور رہا ہے کہ جس زمانہ میں بھی ہم نے کوئی نبی بھیجا اُس زمانہ کے عیش پرست لوگ یہی بہانہ بناتے تھے کہ ہمارے باپ دادا جس طریقہ پر تھے ہم اس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔

بیان توحید حضرت آدم علیہ السّلام سے حضرت خاتم الانبیاء علیہ السّلام تک جس قدر انبیاء تشریف لائے سب کی تبلیغ کا مرکزی نقطہ عقیدہ توحید ہی تھا اور قرآن مجید کی جملہ تعلیمات میں سے نظریہ توحید کو ہی بنیادی حیثیت دی گئی ہے چنانچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں توحید سے ہی کلام کی ابتداء ہے اور سورہ توحید پر اس کا اختتام ہے اور آخری دو سوروں (معوذتین) میں کلمہ حق کے خلاف وسواس ڈالنے والے شیاطین سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور اگر غور کیا جائے تو تمدن انسانی کی بقاء و ارتقاء کا راز بھی اسی عقیدہ توحید میں مضمر ہے۔ لہذا مفاد پرست طبقہ ہر دور میں عقیدہ توحید سے ہی برسر پیکار رہا ہے اور لا الٰہ الا اللہ ہی ایسا کلمہ ہے جو ہر دور میں باطل پرستوں کے ارہام کا نشانہ رہا ہے اور انبیاء علیہم السّلام کو جس قدر مصائب و آلام سہنے پڑے ہیں اسی کلمہ توحید کی تبلیغ اس کی واحد وجہ تھی اور آج تک یہی سلسلہ جاری و ساری ہے اور علماء کے لئے کلمہ توحید کی تبلیغ ہی مقام امتحان ہے اگرچہ بت پرستی نہیں لیکن اللہ کے ساتھ شرکاء ماننے والوں کی دورِ حاضر میں بھی بہتات ہے اور صرف ایک اللہ کا نام لینا ویسا ہی جرم ہے جس طرح سابق کے تاریک ادوار میں تھا خود شیعہ کہلانے والوں میں اگر کسی کام کی انجام دہی کی نسبت محمدؐ و آلِ محمدؐ کی طرف دی جائے اور کہا جائے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مہربانی سے میرا فلاں کام ہو گیا ہے تو خوشی سے بغلیں بجاتے ہیں اور اس کو صحیح عقیدہ قرار دیتے ہیں لیکن اگر یہ کہا جائے کہ اللہ نے مہربانی فرمائی ہے تو چہروں کی رونق چلی جاتی ہے۔ بلکہ جاہل طبقہ میں آج کل یہ وبا عام ہو رہی ہے اور نام نہاد مولوی صاحبان کی تائید بھی ان کو حاصل ہے مثلاً کسی کو دعا کے طور پر کہتے ہیں تجھے علی آباد رکھے یا تجھے حسین آباد رکھے وغیرہ اور اگر ان کو سمجھایا جائے کہ اس کے بجائے یوں تلفظ درست ہے "تجھے علی و حسین کے صدقہ میں اللہ آباد رکھے" تو جاہل دست و گریبان ہونے کو تیار ہو جاتے ہیں یہ وباء عوام میں جہالت کی وجہ سے ہر دور میں ہوا کرتی ہے لیکن دورِ حاضر میں چونکہ مفاد پرست ذاکر صاحبانِ منبر بھی علماء حقہ کو نیچا دکھانے کی خاطر جہلاء کی تائید کر دیتے ہیں پس وہ اپنے غلط رویہ کو ایک مستند عقیدہ قرار دے کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور عوام کو یہ باور کرا دیا جاتا ہے کہ خدا نے سب کچھ

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿۲۴﴾

ہم نے پایا ہے اپنے باپ دادا کو اس طریقہ پر اور ہم انہی کے نقش قدم پر ہی چلنے والے ہیں

قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ عَلَيْهِ

(نبی نے) کہا کیا اگر میں لایا ہوں زیادہ صحیح طریقہ اس سے جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو

آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿۲۵﴾ فَانتَقَمْنَا

پایا ہے تو پھر؟ کہنے لگے اس کو نہیں مانتے ہم جو تم لائے ہو پس ہم نے ان سے

مِنْهُمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۶﴾

اس کا بدلہ لے لیا پس دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا

محمدؐ وآلِ محمدؐ کے حوالہ کر دیا ہے پس کائنات کے جملہ اُمور میں مدبر و ناظم یہی ہیں اور اللہ اپنے مقام پر بالکل فارغ اور معطل ہے وہ نہ ان کے اختیارات میں دخل دے سکتا ہے اور نہ ان کی بات کو موڑ سکتا ہے اور یہ تفویض کا بدترین عقیدہ ہے جس کی ائمہ اہل بیت نے متعدد مرتبہ نفی فرمائی اور اس سے برأت کا اعلان فرمایا ہے۔

اور لُطف یہ کہ باپ دادا کی غلط سنّت پر چلنے والوں کو جو لوگ برملا کوستے ہیں وہ خود اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت تک محسوس نہیں کرتے اور مشرکین مکہ کی جس غلط روش کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں اس سے بھی بدتر طرزِ عمل خود اپنائے ہوئے ہیں لیکن اس میں سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے چنانچہ اسی سورہ مبارکہ میں ابتدا سے ہی توحید کا بیان جاری ہے اور مشرکین مکہ کو تنبیہات کی جا رہی ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ ان سے دریافت کرو کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ فوراً جواب میں کہیں گے کہ ان کو اللہ نے ہی پیدا فرمایا ہے لیکن باوجود اس کے پھر بھی جملہ تصرفات میں اللہ کو ایک کہنے کی جرأت نہیں کرتے بلکہ اپنے من گھڑت معبودوں کو شریک ماننا اپنا آبائی مسلک قرار دیتے ہوئے ڈٹے ہوئے ہیں۔ اور آج کل کے جہلاء تو اُن سے بھی ایک قدم آگے ہیں کہ خلق و رزق اور موت و حیات کی نسبت بھی اللہ کی طرف دینا ان کو پسند نہیں بلکہ ان اُمور میں وہ محمدؐ وآل محمدؐ کو مختارِ کل سمجھتے ہیں اور باوجود اس کے مشرکین مکہ کو مشرک کہتے ہیں اور اپنے آپ کو موحد قرار دیتے ہیں۔ پس اس پُر از فتن دور میں علماء حقہ کو کمر ہمّت باندھ کر آگے بڑھنا چاہیے کیونکہ باطل کی غوغا آرائیوں سے گھبرانے کی بندش سے آزاد ہو کر پرچم توحید کو بلند کرنا ان کا فریضہ ہے اور اس سلسلہ میں ہر مصیبت کا کھلے دل سے استقبال کرنا ان کی شان ہے اور اس صحیح عقیدہ کی ترویج ضروری ہے کہ تمام نظامِ کائنات کا واحد مالک اللہ ہے اور محمدؐ وآلِ محمدؐ اس کی بارگاہ تک رسائی کا بہترین وسیلہ ہیں پس یہ اس کے عبادت گزار بندے ہیں اور اشرف المخلوقات ہیں انسان کو سب کچھ ان کو وسیلہ قرار دے کر اللہ سے ہی مانگنا چاہیے کیونکہ دعاؤں کے سننے والا اور دینے والا صرف وہی ایک ہے جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا میں اس سے بیزار ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو

اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً

مگر وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی میری رہبری کرے گا اور کیا اللہ نے اس کو (کلمہ توحید کو) کلمہ باقیہ

رکوع ۹ - لِاَبِیْهِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام تارخ تھا۔ اس جگہ باپ سے مراد چچا ہے اور سابق جلدوں میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

اِنِّیْ بَرَآءٌ - یہ مصدر ہے واحد تثنیہ اور جمع اور مذکر و مونث سب پر حمل ہو سکتا ہے چنانچہ اِنِّیْ بَرَآءٌ نَحْنُ بَرَآءٌ کہہ سکتے ہیں اور اس کا معنی بَرِیٌّ ہے جس طرح عدل بمعنی عادل ہوتا ہے اور زَیْدٌ عَدْلٌ زَیْدَانِ عَدْلٌ اور اِمْرَأَۃٌ عَدْلٌ کہنا جائز ہے۔ یعنی ذُوْ عَدْلٍ ذَوُوْ عدل اور ذاتُ عدل۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً ۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور پوری قوم کو للکارتے ہوئے اعلانیہ پرچم توحید بلند کیا تھا اور نمرود جیسے سرکش اور مطلق العنان شہنشاہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کے باطل خداؤں سے برأت کا اعلان فرمایا تھا اور اس سلسلہ میں ہر آنے والی مصیبت کا کھلی پیشانی سے استقبال کرکے اپنے عزم و استقلال کا وہ لازوال مظاہرہ فرمایا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کی قوت ارادیہ نے باطل کے مضبوط و محکم محل کی بنیادیں کھوکھلی کرکے رکھ دیں اور دہکتی ہوئی نمرودی آگ میں باطل

فِیْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۹﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَ

اس کی پشت میں تاکہ وہ رجوع کریں بلکہ میں نے نفع دیا ان کو اور ان کے

اٰبَآءَهُمْ حَتّٰی جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۰﴾ وَ

باپ دادا کو یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور بیان کرنے والا رسول آیا اور

لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

جب ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے یہ جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے

پرستوں کی سطوت و دبدبہ کی خاکستر پر مسند نبوت لگا کر الٰہی مشعل توحید روشن کی کہ رہتی دنیا تک اس کی نظیر کا ملنا مشکل ہے۔ پس اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے ثبات قدم کے صلہ میں کلمہ توحید ان کی نسل میں رکھ دیا۔ پس ان کے بعد جس قدر انبیاءؑ آئے وہ سب حضرت ابراہیمؑ کی ہی اولاد سے تھے چنانچہ توحید پرستوں کا ایک سلسلہ حضرت اسحٰقؑ کی نسل سے چلا اور حضرت عیسیٰؑ تک منتہی ہوا اور دوسرا سلسلہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں قیامت تک جاری و ساری رہے گا اور چونکہ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں توحید پرستوں کا یقینی سلسلہ حضرت عیسیٰؑ تک آکر ختم ہو گیا لہٰذا کلمہ باقیہ فی عقبہ کا مصداق حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کا سلسلہ ہی ہو سکتا ہے جو حضرت قائم آل محمد علیہ السلام تک جاری و ساری ہے۔ اور آیت مجیدہ صاف بتلا رہی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ اور حضرت علی علیہما السلام سے حضرت ابراہیمؑ تک ان کا آبائی سلسلہ سب کا سب توحید پرست تھا کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ کلمہ توحید کو میں نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں باقی رکھا ورنہ اس سلسلہ طاہرہ میں اگر کہیں شرک گھس جاتا تو کلمہ باقیہ اس کو نہیں کہا جا سکتا اور روایت اہل بیت میں کلمہ باقیہ سے مراد آل محمد کی امامت حقہ ہے جو تا قیامت جاری رہے گی۔

تفسیر صافی میں بروایت مناقب جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے جب آپؐ سے اس آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا امامت حسینؑ کی نسل میں رہے گی اور اس کی صلب سے نو امام آئیں گے اور اس اُمت کا مہدی انہی میں سے ہوگا۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت ہمارے حق میں ہے اور امامت تا قیامت حضرت حسین علیہ السلام کی اولاد میں رہے گی (نور الثقلین)

لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۔ کفار مکہ کی فہمائش کے لئے ہے جن کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیمؑ تک پہنچتا تھا کہ ہم نے عہدہ

امامت وہدایتِ خلق حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں قیامت تک کے لئے رکھ دیا ہے تاکہ یہ لوگ جو اپنے آباء کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کی طرف رجوع کر لیں جو ان کا جد اعلیٰ تھا اور فرمایا کہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو دنیاوی طور پر مال و دولت اور خوشحالی عطا فرمائی اور پیغام حق یعنی دعوت اسلام اپنے رسول کے ذریعہ ان تک پہنچائی لیکن وہ ازراہِ انکار اس کو جادو کہہ کر راہِ حق سے دُور ہٹ گئے اس جگہ حق سے مراد قرآن مجید بھی لیا گیا ہے۔

تفسیر برہان میں سلیم بن قیس سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم مسجد میں موجود تھے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام تشریف لائے اور ہمارے درمیان میں بیٹھ گئے اور فرمانے لگے۔ سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ سَلُوْنِیْ عَنِ الْقُرْاٰنِ فَاِنَّ فِی الْقُرْاٰنِ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔ الخ۔ یعنی مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ اور مجھ سے قرآن کے متعلق سوال کرو کیونکہ اس میں اولین و آخرین کے علوم موجود ہیں اور قرآن نے کسی کے لئے بات کرنے کی جگہ نہیں چھوڑی لیکن اس کی صحیح تاویل اللہ اور راسخون فی العلم ہی سمجھتے ہیں۔ اُن میں سے ایک رسول اللہؐ تھے جن کو اللہ نے علم عطا فرمایا اور انہوں نے مجھے سکھایا۔ اور یہ سلسلہ اُن کی نسل میں قیامت تک رہے گا اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی وَبَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى الخ اور فرمایا میری نسبت رسول اللہؐ سے اس طرح ہے جس طرح ہارون کی موسیٰ سے تھی سوائے نبوت کے اور علم قیامت تک ہماری نسل میں جاری رہے گا اور یہی آیت پڑھی۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ۔ پس حضرت رسول اللہؐ ابراہیم کے عقب سے تھے اور ہم اہل بیت محمدؐ کے عقب ہیں۔

ابوہریرہ سے مروی ہے کہ میں نے كَلِمَةً بَاقِيَةً کی تفسیر رسول اللہؐ سے دریافت کی تو آپ نے فرمایا اللہ نے امامت حسین کی نسل میں رکھی ہے پس نو امام ان کی اولاد سے ہوں گے جن میں اس اُمت کا مہدی بھی ہوگا اور اگر کوئی شخص رکن اور مقام کے درمیان زندگی گذار دے لیکن اگر میری اہل بیت کے ساتھ بغض رکھتا ہو تو یقیناً دوزخ میں جائے گا۔

دوسری روایت میں ہے جب حضورؐ نے حدیث ثقلین بیان فرمائی تو اس کی وضاحت میں فرمایا اُن میں ایک قرآن ہے پس جو اس کی اتباع کرے گا ہدایت پر ہوگا اور جو اس کو ترک کرے گا وہ گمراہ ہوگا پھر فرمایا دوسرے میری اہل بیت ہے اور تین دفعہ اہل بیت کے متعلق لوگوں کو تمسک کی ہدایت فرمائی۔ راوی حدیث کہتا ہے میں نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ کیا اہل بیت سے مراد آپ کی بیویاں ہیں تو ابوہریرہ نے جواب دیا نہیں اس سے مراد ان کے خاندان کے بارہ امام ہیں جن کا قرآن میں ذکر ہے وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً الخ (برہان)

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ

اور انہوں نے کہا کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن دو لبستیوں (مکہ و طائف) کے کسی

وَقَالُوْا۔ تفسیر برہان میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے ایک طویل روایت کے ذیل میں منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت نبی اکرمؐ صحن کعبہ میں تشریف فرما تھے کہ دوسری طرف اکابر قریش جمع

سو گئے جن میں ولید بن مغیرہ مخزومی ابوالبختری بن ہشام مخزومی ابوجہل بن ہشام مخزومی عاص بن وائل اور عبداللہ بن ابی اُمیہ کے علاوہ کافی لوگ تھے حضورؐ اپنے صحابہ کی مختصر سی جماعت کو قرآن سنا رہے تھے اور دینی مسائل کی تعلیم دے رہے تھے مشرکین نے حضورؐ کے معاملہ میں باہمی مشورہ شروع کر دیا آخر میں طے ہوا کہ حضور سرورِ کائنات سے کھلے میدان میں بات کی جائے۔ ابوجہل

عَظِیْمٍ ۳۲ اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا

بڑے آدمی پر ؟ کیا وہ تقسیم کرتے ہیں تیرے رب کی رحمت کو حالانکہ ہم نے ہی ان کے

بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ

درمیان ان کی دنیاوی زندگی کی روزی تقسیم کی ہے اور بعض کو بعض پر درجات

فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ وَ

میں بلندی دی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں اور

رَحْمَتُ رَبِّكَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۳۳ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ

اللہ کا انعام اُس سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ

النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ

ایک اُمت بن جاتے (کفر پر جمع ہو جاتے) تو ہم رحمان کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی

سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ ۳۴ وَ لِبُیُوْتِهِمْ

کی کر دیتے اور سیڑھیاں بھی جن پر چڑھتے ہیں اور اُن کے گھروں کے

اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّكِـُٔوْنَ ۳۵ وَ زُخْرُفًا ؕ وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا

دروازے اور چارپائیاں جن پر تکیے لگاتے ہیں (یہ سب چاندی) اور سونے کے ہوتے اور یہ سب کچھ البتہ

مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۳۶

زندگی دنیا کے فائدہ کی چیزیں ہیں اور آخرت تیرے رب کے نزدیک متقی لوگوں کی ہے

نے سوال اٹھایا کہ اُن سے بات کون کرے گا تو عبداللہ بن ابی اُمیہ مخزومی نے کہا کہ مجادلہ اور مناظرہ کے میدان میں بات میں ہی کروں گا چنانچہ سب کے سب اُٹھ کر چلے گئے اور عبداللہ بن ابی اُمیہ نے حضورؐ کا نام لے کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے آپ پر چند اعتراضات کئے اور من جملہ اُن کے ایک یہ تھا کہ اگر خدا نے ہماری طرف رسول بھیجنا تھا تو مکہ اور طائف کی دو بستیوں میں سے کسی نامور شخصیت اور سربرآوردہ انسان کو اُس نے کیوں نہیں نامزد کیا کیونکہ اگر کوئی نامور اور دولت مند بارسوخ آدمی یہ کام انجام دیتا تو وہ زیادہ موثر ہوتا اور اُس نے مکہ کے سرداروں میں سے ولید بن مغیرہ کا اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی کا نام پیش کیا کہ عہدۂ نبوت و رسالت کے لئے یہ دو شخص زیادہ موزوں تھے۔ ان

میں سے کسی ایک کو قرآن دے کر بھیجنا زیادہ مناسب تھا آپ نے نہایت متانت اور حوصلہ سے اُن کی ساری بات سُنی اور ایک ایک کا جواب شافی دیا اور اس مذکورہ سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جس طرح تم لوگ مالِ دنیا کو اہمیت دیتے ہو اللہ کے نزدیک اس کی اتنی اہمیت و وقعت نہیں ہے بلکہ اگر مالِ دنیا کی قدر و منزلت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک پانی کا گھونٹ بھی دنیا سے نصیب نہ ہوتا اور اللہ کی رحمت کی تقسیم تمہارے ہاتھ میں نہیں بلکہ وہ اپنی رحمت کو اپنے بندوں میں خود ہی اپنی مشیت اور صوابدید سے تقسیم فرماتا ہے وہ تمہاری طرح کسی کی مالی حالت اور زر و دولت کی فراوانی سے مرعوب اور خوفزدہ نہیں ہوتا اور نہ اُس کو کسی کے مال میں طمع و لالچ ہے اور نہ خواہشاتِ نفسانیہ کی بنا پر کسی سے محبت کرتا ہے تاکہ استحقاق کے بغیر کسی کو آگے بڑھائے اور کسی کو پیچھے ہٹائے بلکہ وہ تو عادل ہے جو اُس کی اطاعت کرے وہ اُس کا پیارا ہوتا ہے خواہ دنیاوی حیثیت سے مالدار ہو یا فقیر ہو، اور خوشحالی اور مالداری بھی اُسی کی طرف سے عطیہ ہے۔ اور مخلوق میں سے کسی کو اُس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں پس اُس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تو نے فلاں کو دولت دی ہے تو اُس کو نبوت بھی دے دے اور نہ اُس کو اس کے فیصلے کے خلاف مجبور کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے اُس نے ایک شخص کو دولت دے کر بدصورت بنا دیا اور دُوسرے کو خوبصورت بنا کر دولت سے محروم کر کے فقیر بنا دیا۔ اسی طرح ایک کو عزت و شرف عطا فرما کر تنگدست کر دیا اور دوسرے کو دولت و ثروت دے کر عزت سے محروم کر دیا۔ پس غنی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں کہ مجھے دولت مندی کے ساتھ خوبصورتی کیوں نہیں دی اور خوبصورت یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے حُسنِ صورت کے ساتھ دولت مندی کیوں نہیں دی گئی اسی طرح شریف اپنے شرف کے ساتھ کسی کو دولت کا سوال نہیں کر سکتا اور دولتمند اپنی دولت کے ساتھ کسی کے شرف کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اللہ کی تقسیم ہے وہ جس طرح چاہے اُس کو نہ کوئی روک سکتا ہے اور نہ اُس کو کوئی ٹوک سکتا ہے اُس کے افعال حکمت سے خالی نہیں اور وہ ہر طرح لائق حمد و ستائش ہے چنانچہ اس کا ارشاد ہے اے محمدؐ: اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرنے والے ہیں ان کی دنیاوی معیشت کو تو ہم نے ہی تقسیم کیا ہے اور بعض کو بعض پر محتاج کر دیا تاکہ نظامِ عالم برقرار رہے۔ پس ایک کو دوسرے کے پیسے کا محتاج کیا ہے تو پیسے والے کو اُس کے مال کا محتاج کیا ہے اسی طرح ایک دوسرے کی دولت کا محتاج ہے تو دوسرا اُس کی خدمت کا محتاج ہے چنانچہ بڑے بڑے سلاطین اور دنیاوی بلند مراتب کے مالک غربا و فقراء کی طرف بعض اُمور میں محتاج ہیں کوئی اُن کے پیشے کا محتاج ہے۔ کوئی ان کی خدمت کا محتاج ہے اور کوئی اُن کے علم و حکمت کا حاجت مند ہے۔ اور بادشاہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اے اللہ تو نے مجھے بادشاہی دی ہے تو علم و حکمت کیوں نہیں دی؟ اور فقیر و غریب یہ نہیں کہہ سکتا اے پروردگار تو نے مجھے علم و حکمت عطا فرمائی ہے تو دولت کیوں نہیں دی؟ پس فرمایا ہم نے بعض کو بعض پر بعض اُمور میں فوقیت و درجات میں بلندی دے کر نظامِ عالم کو برقرار رکھا ہے تاکہ ایک دوسرے کی احتیاج سے تمدن برقرار رہے اور وہ ایک دوسرے کی خدمت کر سکنے کے قابل ہوں اور باہمی تعاون سے کام چلا سکیں سُخْرِيًّا تسخیر سے ہے یعنی ایک دوسرے کی خدمت کر سکیں۔

تقسیم رزق

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ ۔ اس جگہ رحمت سے مراد نبوت ہے۔ یعنی کسی کو نبوت عطا کرنا بندوں کا کام نہیں۔ بلکہ اللہ کا کام ہے اور یہ تقسیم بندوں کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اللہ کے قبضہ میں ہے جسے چاہے نبوت عطا فرماتا ہے۔ اور صرف نبوت نہیں بلکہ دنیاوی رزق اور معیشت کی تقسیم بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ جس کو اللہ نعمتِ نبوّت سے سرفراز فرمائے اُس کو وسعتِ رزق اور فراوانیٔ دولت بھی عطا کرے اور اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ جس کو رزق واسع اور دولت زیادہ عطا کرے اُس کو دولتِ نبوت سے بھی مالا مال کرے بلکہ یہ تقسیم اللہ کی مشیّت سے ہے۔ پس اکثر انبیاء دنیا میں رزق ظاہری کی فراوانی و وسعت سے محروم رہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیادار اور عیش پرست طبقہ ہر زمانہ میں انبیاء کی تبلیغ کے آگے حائل ہونے کی کوشش کرتا رہا اور صرف چند نبی ایسے ہیں جو دنیاوی طور پر خوشحالی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ جیسا کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان علیہما السلام نبی بھی تھے اور حکمران بھی تھے۔ حضرت یوسفؑ نے ایک زمانہ تنگ دستی اور مصائب میں گذارا لیکن دوسرے وقت میں برسرِ اقتدار بھی رہے۔ حضرت ایوّب علیہ السلام نہایت خوشحال زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن اللہ نے بطورِ امتحان اُن سے ایک مدت تک خوشحالی سلب کرلی لیکن ان کے صبر و شکر میں ذرہ بھر فرق نہ آیا پھر دوبارہ ان کو حسبِ سابق بلکہ اُس سے بھی زیادہ خوشحالی عطا کی گئی۔ اسی طرح حضرت رسالت مآبؐ کا ابتدائی دَور غربت و افلاس کا دَور تھا لیکن ہجرت کے بعد مدینہ میں شہنشاہِ وقت کی حیثیت بھی آپ کو حاصل تھی۔ اور انبیاء نے غربت اور خوشحالی کے ہر زمانہ میں خوشنودیٔ خدا کے پیش نظر بلند کردار کی وہ مشعلیں روشن فرمائیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کی ارتقاء کے لئے خضرِ راہ کا کام دیتی ہیں اور دنیا کے ہر طبقہ یعنی امیر و غریب کے لئے ہدایت کے روشن و بلند مینار کی حیثیت رکھتی ہیں پس دنیا کا غریب انسان اُن کی زندگی سے صبر کا درس لے سکتا ہے اور مصیبت زدہ انسان اُن سے راضی برضائے خدا ہونے کا سبق لے سکتا ہے۔ اور مالدار اور دولت مند انسان اُن کے اُسوہ حسنہ پر چل کر انسانی ہمدردی اور شکر خداوندی کو اپناتے ہوئے انسانیت کی صحیح خدمت میں مصروف ہوسکتا ہے

اور تقسیم معیشت و رزق کا مقصد یہ ہے کہ اللہ نے اس علل و اسباب کی دنیا میں ہر انسان کو اپنی مشیّت و مصلحت کے پیش نظر قوائے بدنیہ عطا فرمائے اور اسبابِ ظاہریہ تک اس کی رسائی کو ممکن بنادیا۔ پس ہر انسان خدا کی عطا کردہ قوت و طاقت اور علم و فراست کی بدولت تحصیل رزق و معیشت میں آگے بڑھ سکتا ہے اور توفیقِ پروردگار سے اپنے مقاصد میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ پس کسی کا دولت مند ہونا یا فقیر ہونا جہاں ایک طرف ان کی اپنی محنت و ہمت سے وابستہ ہے وہاں دوسری طرف توفیقِ پروردگار کو بھی اس میں غیر معمولی دخل حاصل ہے اور اس کی وجہ قرآن کریم نے یہی بیان کی ہے کہ تمدنِ انسان کی کامیابی اور زمین کی آبادی کا راز اسی میں ہی مضمر ہے کہ انسانوں کے درجات میں تفاوت اور امیر و غریب کا فرق موجود ہو۔ پس کوئی ذہین، کوئی کند ذہن، ایک محنتی دوسرا نکما۔ ایک لالچی دوسرا قانع۔ کوئی صابر کوئی بے صبر۔ اسی طرح بخیل و سخی۔ فضول خرچ و میانہ رَو۔ طاقتور و کمزور وغیرہ کے فطری اور خلقی امتیازات اُس نے طبیعتِ انسانی میں ودیعت فرمادئے۔ نیز تحصیل رزق کے دوسرے وسائل میں بھی بنیادی اختلافات قائم کردیئے۔ زمینوں میں سے بعض نالائق اور دوسری زرخیز اور پانیوں میں سے بعض مفید اور بعض غیر مفید

وغیرہ اُس خالق کی قدرتی تقسیمیں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا اس کے بعد فصلوں کی پختگی کے وقت ہواؤں کا ردّ و بدل اور بارشوں کی آمد یا انقطاع اور پھر بعض پختہ فصلوں پر آفاتِ سماویہ کی تباہ کاری اور بعض کا محفوظ رہ جانا وغیرہ انسانی تدابیر سے بالاتر ہے اور یہ سب اللہ ہی کے کرشمۂ قدرت کے مظاہر ہیں جن کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ پس غور و فکر کرنے والا اس نتیجہ تک بآسانی پہنچ سکتا ہے کہ اسباب رزق اور تحصیل معیشت میں محنت و ہمت کے ساتھ توفیق پروردگار تقسیم معیشت و رزق میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اسی بنا پر اس کا ارشاد ہے کہ ہم نے ہی ان کی معیشت کو ان میں تقسیم کیا ہے تاکہ نظام عالم برقرار رہے۔

اگر سارے انسان ایک جیسے ہوتے اور کوئی کسی کا محتاج نہ ہوتا تو نظام درہم برہم ہو جاتا پس ارشاد فرمایا کہ ہم نے بعض کو بعض پر تقسیم رزق اور تقسیمِ رحمت میں فوقیت دے دی تاکہ ایک دوسرے کی احتیاج باقی رہے اور نظام قائم رہے پس تقسیم رزق سے مراد قوائے جسمانیہ اور اسبابِ ظاہریہ میں تفاوت ہے۔ اور تقسیم رحمت سے مراد قوائے باطنہ علم و دانش، حلم و حوصلہ اسی طرح نبوت و رسالت اور ولایت و معرفت وغیرہ کے روحانی و عقلی مراتب میں فرق ہے پس امیر غریب کی خدمت کا محتاج ہے تو غریب امیر کی دولت کا محتاج ہے اسی طرح جاہل عالم کے علم کا محتاج ہے تو عالم جاہل کے کسب کا محتاج ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور اسی سے پوری کائنات کا نظام رواں دواں ہے اور اس میں کسی کو چون و چراں کی نہ ضرورت ہے نہ حاجت۔ پس جس طرح دولت مند کافر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہمیں اللہ نے دولت دی ہے تو نبوت ہمیں کیوں نہیں دی۔ اسی طرح کسی نبی و ولی یا مومن فقیر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہمیں روحانی دولت کے ساتھ مالی دولت کیوں نہیں عطا فرمائی پس یہ اللہ کی تقسیم ہے اور اس پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اور آیت مجیدہ میں اس عقیدہ کی بھی صراحت سے نفی ہو گئی ہے جو جاہل کہتے پھرتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام یا محمدؐ و آلِ محمدؐ قسیم الرزق ہیں۔ پس یہ عقیدہ رکھنا باطل اور قرآن کی رُو سے بالکل غلط ہے بلکہ شرک ہے۔ وَلَوْلَا اَنْ یَّکُوْنَ ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ گذشتہ آیت کے اختتام پر اللہ نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت دنیاوی مال و دولت اور ظاہری رزق سے بدرجہا بہتر ہے۔ اگرچہ تقسیم رحمت اور تقسیم دولت دو نو میرے قبضہ میں ہیں لیکن میں نے رحمت کو دولت سے بہتر قرار دیا ہے اور چونکہ لوگوں کی اکثریت کا رجحان دولت کی طرف زیادہ ہوتا ہے اسی لئے کفار و مشرکین کو حد سے زیادہ دولت نہیں دیتا اور مومنوں کو قطعی طور پر محروم نہیں کرتا تاکہ لوگ دنیاوی کشش کی بدولت ایمان سے بالکل منحرف اور برگشتہ نہ ہو جائیں ورنہ دنیا کی ہر قسم کی رنگینی و زیبائش و آرائش کے سارے سامان میں کفار و مشرکین کے لئے مخصوص کر دیتا۔ پس اُن کے گھروں کی چھتیں، دیواریں اور دروازے تک سونے کے ہوتے۔ اور مومنوں کو صرف قوت لایموت تک محدود رکھتا۔ لیکن چونکہ اس میں مومنوں کا امتحان سخت ہو جاتا اور بہت کم صاحبانِ نصیب دولتِ ایمان پر ثابت قدم رہ سکتے۔ اس لئے میں نے دنیاوی نعمات کی تقسیم میں بھی توازن کو قائم رکھا ہے اور اس کا حصول اسبابِ ظاہریہ کا مرہونِ منت قرار دیا ہے تاکہ ہر شخص ان کے ماتحت اپنی ہمّت و محنت کے قدموں پر چل کر تا حدِ ضرورت بہرہ ور ہو۔ اور امیر و غریب پر شایانِ شان فرائض عائد کر دئے تاکہ حق و باطل میں امتیاز کر کے ہر شخص اپنا مستقبل معین کر سکے۔ اور ساتھ ساتھ دنیا کے انجام بد اور تقویٰ کے انجام خیر سے اطلاع دے دی چنانچہ پہلی آیت

کے آخر میں فرمایا کہ اللہ کی رحمت یعنی روحانی مراتب و مدارج کی بلندی اُس سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں اور آخر میں فرمایا کہ ظاہری مال و دولت اور سونا اور چاندی زندگانی دنیا کے منافع ہیں جن کا آخرت سے کوئی ربط نہیں ہے اور آخرت کی زندگی تقوےٰ کرنے والوں کے لئے ہے۔

اور جن جن نبیوں کو پروردگار نے مال و دولت کے ظاہری اسباب میں زیادہ دسترس عطا فرمائی اُنہوں نے خوشنودیٔ پروردگار کی خاطر اپنے عمل سے مال و دولت کی تحقیر و تذلیل اپنی اُمت کے سامنے پیش فرمائی چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہِ وقت ہونے کے باوجود ساری زندگی اپنی محنتِ شاقہ اور کدّید سے ہی اپنے اخراجاتِ خانگی کو پورا فرماتے رہے۔ اور شاہی خزانہ رفاہِ عامہ اور مساکین کی امداد کے لئے وقف رہا۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام شہنشاہِ زمان ہونے کے باوجود محنت و مزدوری سے اپنی اور اپنے عیال کی روزی کماتے رہے۔ اور بیت المال کو مستحقین کے لئے مخصوص رکھا۔ اور حضرت رسالت مآبؐ نے مدینہ میں اقتدارِ اعلیٰ سنبھالنے کے بعد بھی امیرانہ و شاہانہ زندگی کے بجائے مسکینوں کی سی زندگی کو ترجیح دی اور حضور کی طرف یہ فقرہ منسوب ہے۔ رَبِّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ۔ یعنی اے پروردگار مجھے مسکینوں کی سی زندگی اور مسکینوں کی سی موت دینا اور بروزِ محشر بھی مجھے مساکین کے زمرہ میں محشور فرمانا۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام مملکتِ اسلامیہ کے شہنشاہ ہونے کے باوجود اپنی مزدوری سے حاصل کردہ خشک نانِ جویں پر بسر اوقات کرتے رہے اور بیت المال کو رفاہِ عامہ کے لئے اور مساکین و محتاجوں کی امداد کے لئے مخصوص رکھا۔ اور اپنے اُسوۂ حسنہ سے قیامت تک کے انسانوں کے لئے زہد و تقویٰ اور قناعت کا وہ درس دے گئے کہ ہر دور میں انسانیت ان کی بتائی ہوئی سیرت کو اپناتے ہوئے اَوجِ رفعت کی طرف قدم بڑھاتی رہے گی۔ خداوندِ کریم تمام مومنوں کو محمد و آلِ محمد کی سیرتِ حسنہ پہ گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

رکوع ۱۰

وَمَنْ یَّعْشُ۔ عشا یعشو سے ہے اس کا معنی ہے اندھا ہونا اور ذکرِ رحمان سے مراد قرآن مجید ہے یعنی جو شخص قرآن مجید سے روگردانی کرتا ہے ہم اُس کے لئے شیطان مقرر اور مقدر کر دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جو ہدایتِ قرآنیہ سے منہ موڑے لازمی طور پر کوئی نہ کوئی گمراہ کرنے والا شیطان اُس کا ساتھی بن جاتا ہے جو اُس کو ہر کارِ خیر سے علیحدگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے پس وہی شیطان جہنم تک اس کے ساتھ رہے گا جس طرح مومن کے لئے خداوندِ کریم کی جانب سے ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جو جنت تک اُس کے ساتھ رہے گا۔ بعض لوگوں نے اس جگہ شیطان سے مراد علماءِ سوء لئے ہیں جو لوگوں کو راہِ حق سے بھٹکاتے ہیں۔ اور جیب پُری کر کے خوش ہوتے ہیں۔

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ

اور جو اندھا ہو رحمٰن کے ذکر سے تو ہم مقدر کر دیتے ہیں اس کے لئے شیطان پس وہی اس کا

یٰلَیْتَ۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ دوزخی کا شیطان ساتھی اُس کے ساتھ ایک ہی زنجیر سے بندھا ہوا ہوگا۔ تو یہ ازراہِ حسرت کہے گا کاش! کہ میرے اور اس کے درمیان مشرق اور مغرب کی دُوری ہوتی تو میں اس کے پھندے میں گرفتار

ہو کر اس عذاب میں نہ پڑتا ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مشرقین سے مراد گرمی اور سردی کی مشرق ہو ۔

قَرِينٌ ﴿٣٧﴾ وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ
ساتھی ہوتا ہے اور وہ (شیاطین) اس کو پھیرتے ہیں راستہ سے اور وہ سمجھتے ہیں کہ
أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿٣٨﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَ
ہم ہدایت پر ہیں یہاں تک کہ جب ہمارے پاس پہنچے گا تو کہے گا کاش میرے اور تیرے
بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ ﴿٣٩﴾ وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ
درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا کہ تو برا ساتھی ہے اور ہرگز تم کو نہ فائدہ دیگی
الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٤٠﴾ أَفَأَنْتَ
اس دن جب کہ تم ظالم ہو (یہ بات کہ) تحقیق تم عذاب میں شریک ہو کیا تو سناتا
تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٤١﴾
ہے بہرے کو یا ہدایت کرتا ہے اندھے کو اور اس کو جو کھلی گمراہی میں ہے

معراج کی بات

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ شب معراج حضرت رسالت مآبؐ کو آواز پہنچی کہ تین چیزوں میں آپ کو آزمایا جائے گا اور آپ کو صبر کرنا ہوگا پس حضور نے صبر کا عہد کیا ارشاد ہوا ۔ پہلی بات یہ ہے کہ بھوکا رہ کر اور اپنے اور اپنے خاندان کی ضروریات پر صاحبانِ حاجت کی حاجتوں کو ترجیح دے کہ صبر کرنا پڑے گا ۔ آپ نے عرض کی میں راضی ہوں اور تیری ذات سے توفیق کا طالب ہوں پھر ارشاد ہوا ۔ دوسری بات یہ ہے کہ تجھے لوگ جھٹلائیں گے پس سخت خطرہ کی حالت میں اہل کفر کے ساتھ جسمانی و مالی قربانیاں دے کر سخت ترین جہاد کرنا پڑے گا اور اہل نفاق کی جانب سے بھی ہر قسم کی مصیبت کو سہنا پڑے گی ۔ اور اس سلسلہ میں ہر دکھ تکلیف اور لڑائی کی صورت میں ہر دردوغم کو جھیل کر صبر کرنا ہوگا آپ نے عرض کی کہ میں راضی ہوں اور تجھ سے توفیق کا طالب ہوں پھر ندا آئی کہ تیسری بات یہ ہے کہ تیرے اہل بیت کو سخت ترین مصائب کا سامنا ہوگا چنانچہ تیرے بھائی علی کو تیری اُمت گالیاں دے گی اور ہر قسم کا ظلم و ستم اُن پر ہوگا اور آخر کار ان کو قتل بھی کر دیا جائے گا ۔ آپ نے تسلیم و رضا کا سر جھکایا اور توفیق مزید طلب کی ۔ پھر ارشاد ہوا کہ تیری شاہزادی پر ظلم ہوگا اُس کو تیرے عطا کردہ حق سے محروم کر دیا جائے گا ۔ اُس کے گھر میں بلا اجازت داخل ہوں گے زد و تشدد کی وجہ سے اُس کا بچہ شکم میں شہید ہو جائے گا ۔ اور اُس کی فریاد سننے والا کوئی نہ ہوگا ۔ آپ نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور سر تسلیم جھکا کر مزید توفیق طلب کی اور صبر کا عہد کیا ۔ پھر ارشاد ہوا کہ تیری لڑکی کے بطن سے دو شاہزادے ہوں گے ۔ ایک کو لوٹا جائے گا اُس پر نیزہ کا وار ہوگا اور آخر کار زہر سے شہید کر دیا جائے گا آپ نے انا للہ ۔ الخ پڑھا اور صبر کا وعدہ کیا اور توفیق مزید طلب کی ۔ پھر ارشاد ہوا کہ دوسرے تیرے فرزند کو اُمت دعوت دے گی اور بچوں سمیت

اس کو ظلم و جور سے قتل کر ڈالے گی اور اس کے پردہ داروں کو لوٹ لیا جائے گا۔ اور اس پر زمین و آسمان گریہ کریں گے۔ حتیٰ کہ فرشتے بھی اُس کے غم میں آہ و فغاں کریں گے اور آخر کار اس کی نسل میں سے ایک مرد کو بھیجوں گا جو تیری نصرت کرے گا۔ اور اس کی شبیہ زیر عرش میرے پاس موجود ہے۔ وہ پوری زمین کو عدل سے پُر کریگا۔ پس آپ نے انا للہ پڑھا۔ پس آپ کو اُوپر کی طرف سر اُٹھانے کا حکم ہوا تو قائم آلِ محمدؐ کی شبیہ کو دیکھا۔ اس کے بعد ارشاد باری ہوا کہ تیرے بھائی کو اس کے صبر کے بدلہ میں جنت الماوی دوں گا۔ اور حوض کوثر کا اُس کو ساقی بناؤں گا کہ دوستوں کو بھر بھر کر جام پلائے گا۔ اور تیرے فرزند حسن و حسین سے میں اپنے عرش کو مزین کروں گا اور اُن کو اس قدر عطا کروں گا جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور ان کے زائرین کو بھی اتنا دوں گا جتنا وہ مانگیں گے اور تیری شہزادی کو اپنے ظالموں کے متعلق فیصلے کا اختیار دوں گا تو جب وہ اپنے ظلم کرنے والے کے متعلق دوزخ کا فیصلہ کریں گی تو ظالم ازراہِ حسرت کہے گا کاش! میں نے جنب اللہ میں کوتاہی نہ کی ہوتی۔ وَيَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا۔ یعنی ظالم اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا ہائے افسوس میں نے رسول کے ساتھ راستہ اختیار کیا ہوتا۔ کاش! میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا! اور کہے گا يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ اور اپنے ساتھی سے کہے گا کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا کہ تو میرا بُرا ساتھی تھا اور کہا جائے گا اب یہ باتیں تمہیں کوئی فائدہ نہ دیں گی کیونکہ تم سب عذاب میں بوجہ ظلم کے شریک ہو۔ اور بروز محشر سب سے پہلے حضرت محسن بن علی کا مقدمہ پیش ہوگا اور اس کے قاتل اور قنفذ کو داخل جہنم کیا جائے گا اور جہنم کے گرزوں سے ان کے سروں کو مارا جائے گا کہ اگر ان کی ایک ضرب سمندروں پر پڑے تو سب کے سب کھول جائیں گے اور پہاڑوں پر پڑے تو پگھل جائیں گے اور ان کو ایک تابوت جہنم میں بند کر کے عذاب کیا جائے گا چنانچہ ان کی محبت میں گمراہ ہونے والے خواہش کریں گے۔ رَبَّنَا اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا الخ۔ اے پروردگار ہمیں وہ دو آدمی دکھا جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ الخ ملخصاً۔

خطبہ الوسیلہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے جن دو نے قمیص خلافت کو پہنا اور میرا حق چھینا البتہ وہ بُرے گھاٹ سے اُتریں گے وہ دونو ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور ایک دوسرے سے کہیں گے يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ کاش میرے اور تیرے درمیان مغرب و مشرق کا فاصلہ ہوتا۔ الخ

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ (۴۱) اَوْ نُرِيَنَّكَ

پس اگر ہم تجھے لے جائیں تو پس ہم ان سے انتقام لیں گے یا تجھے دکھائیں گے

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ۔ یعنی یا تو تیری وفات کے بعد ہم ان سے انتقام لے لیں گے یا تجھے باقی زندہ رکھیں گے اور تیری زندگی میں ہی تجھے دکھائیں گے جو کچھ ہم نے ان کے متعلق تیرے ساتھ وعدہ کیا ہے اور تقدیر عبارت یہ ہوگی اَوْ نُبْقِيَنَّكَ

وَ ذُرِّیَّتَکَ - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضور کو اطلاع دی گئی کہ تیرے بعد تیری آل ان حالات سے دوچار ہو گی تو آپ غمزدہ رہے اور تاحین حیات کبھی نہ ہنسے اور جابر بن عبداللہ انصاری روایت کرتا ہے کہ میں حجۃ الوداع میں مقام منٰی پر لوگوں کی بہ نسبت حضورؐ سے زیادہ قریب تھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ میرے بعد کافر ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے کو قتل کرو گے اور خدا کی قسم اگر تم نے ایسا کیا تو تم مجھے ایسے لشکر میں پہچانو گے جو تمہاری گردنیں اڑائے گا اور پیچھے کی طرف مڑ کر فرمایا کہ وہ علی ہو گا - اور اسی موقعہ پر یہ آیت اتری فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ بِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اور بعض مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کو جو انتقام دکھایا وہ حضور کی ہجرت کرنے کے بعد جنگ بدر کے موقعہ پر تھا کہ اکثر صنادید قریش مارے گئے اور انہی جیسے گرفتار ہو گئے حالانکہ حضرت پیغمبر کے ہمراہ مجاہدین اسلام کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔

الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَاسْتَمْسِكْ

جس کا ہم نے اُن سے وعدہ کیا ہے کیونکہ ہم اُس پر قادر ہیں پس تمسک رکھ اس

بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۴﴾ وَاِنَّهٗ

کے ساتھ جو تجھ پر وحی کی گئی تحقیق تو سیدھے راستے پر ہے اور تحقیق یہ

لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَسْـَٔلْ

(قرآن) تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے ذکر ہے اور عنقریب تم سے پوچھا جائیگا اور سوال کر ان

مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ

سے جو تجھ سے پہلے بھیجے گئے ہمارے رسولوں میں سے کیا ہم نے مقرر کئے رحمان کے علاوہ کوئی معبود

اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع

جن کی عبادت کی جائے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ - روایات اہل بیت میں ہے کہ اس سے مراد ولائے علی بن ابی طالب ہے۔

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ - روایات اہل بیت میں ہے کہ ذکر سے مراد قرآن مجید ہے اور قوم سے مراد اہلبیت ہیں اور بعض مقامات پر ذکر سے مراد خود جناب رسالتمآبؐ کی ذات اقدس ہے اور اہل ذکر آلِ محمدؐ ہیں چنانچہ فَاسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کے تفسیر میں اسی طرح مروی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا ذکر سے مراد قرآن ہے اور ہم اس کی قوم ہیں۔ اور ہم سے ہی اس کا سوال کیا جائے گا اور بعض روایات میں ہے کہ مَسْـُٔوْلُوْنَ سے مراد عامۃ الناس ہیں۔ جن سے روز محشر

حضرت علی علیہ السّلام کی ولایت کا سوال کیا جائے گا۔

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا۔ عام مفسرین نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ سوال کر ان لوگوں سے جن کی طرف تجھ سے پہلے ہم نے رسول بھیجے یعنی اَرْسَلْنَا اِلَیْھِمْ گویا مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب یہود و نصارٰی وغیرہ سے دریافت کیجئے لیکن تفسیر اہل بیت میں اس طرح ہے کہ سابق انبیاء سے سوال کرنے کا حکم ہوا چنانچہ بعض تفاسیر اہل سنّت بھی اس پر متفق ہیں۔ تفسیر کبیر میں فخر الدین رازی نے بروایت ابن عباس اسی طرح ذکر کیا ہے کہ حضور کو سابق انبیاء سے پوچھنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن آپ نے اُن سے سوال نہ کیا۔

روایات اہل بیت علیہم السّلام میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے جو ممکن ہے راویان حدیث کے تصرّف یا عدم ضبط کی وجہ سے ہو۔ چنانچہ بعض میں ہے کہ یہ سوال بیت المعمور پر ہوا۔ اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیت المقدس میں آپ نے جمع شدہ انبیاء سے پوچھا چنانچہ بروایت کافی تفسیر برہان میں منقول ہے ایک دفعہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام حج بیت اللہ پر تشریف لے گئے اور اُسی سال خلیفہ وقت ہشام بن عبدالملک بھی حج کے لئے گیا ہوا تھا اس کے ہمراہ عمر بن خطاب کا غلام نافع بھی موجود تھا۔ اُس نے دریافت کیا کہ مقام رُکن پر کون آدمی ہے جس کے ارد گرد لوگوں کا اس قدر انبوہ ہے تو ہشام نے اُسے بتایا اُس کا نام محمد بن علی ہے اور یہ کوفہ والوں کا نبی ہے نافع نے کہا میں ابھی جا کر اس سے ایک سوال کروں گا جس کا جواب صرف نبی یا وصی نبی ہی بتا سکتا ہے پس آیا اور لوگوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اُوپر سے جھانک کر عرض کرنے لگا کہ میں نے آسمانی کتب تورات انجیل زبور اور قرآن پڑھی ہیں اور مسائل سے واقفیت حاصل کی ہے۔ اب آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں جس کے متعلق مجھے یقین ہے کہ صحیح جواب نبی یا وصی نبی ہی دے سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا جو تیری مرضی ہو سوال کر۔ پس کہنے لگا کہ حضرت رسالت مآبؐ اور حضرت عیسٰیؑ کے درمیان کس قدر مدت کا فاصلہ ہے۔ آپ نے فرمایا اپنا نظریہ بیان کروں یا تمہارا نظریہ پیش کروں اُس نے عرض کی کہ حضور دونو نظریے بیان فرمائیے۔ پس آپ نے فرمایا میرے نظریے کے ماتحت پانچ سو برس اور تیرے نظریے کے ماتحت چھ سَو برس کا فاصلہ ہے پس اُس نے یہی آیت کریمہ پڑھی اور کہنے لگا کہ جب آخری نبی حضرت عیسٰیؑ اور حضرت محمدؐ کے درمیان کم از کم پانچسو برس کی مدت کا فاصلہ ہے تو نبیوں سے سوال کس نے کیا ہوگا؟ آپ نے اس کا سوال سمجھا اور آیت معراج کی تلاوت فرمائی اور فرمایا وہ آیات جن کے متعلق آیت معراج میں صراحت ہے کہ حضور کو دکھائی گئیں اُن میں سے ایک یہ تھی کہ اللہ نے تمام انبیاء و مرسلین کو جمع کیا اور جبریل نے بحکم پروردگار اذان و اقامت کہی اور اذان میں حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ بھی کہا پس حضورؐ نے آگے بڑھ کر تمام انبیاء کو نماز پڑھائی اور اُن سے دریافت کیا کہ تم کس لئے مبعوث ہوئے ہو تو انہوں نے جواب دیا نَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ پس نافع نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا ہے بے شک تم رسول اللہ کے وصی اور برحق خلیفہ ہو تمہارے نام تورات انجیل و زبور میں موجود ہیں اور تم دوسروں کے مقابلہ میں اس امر خلافت کے زیادہ سزاوار ہو۔

اِس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سوال بیت المقدس میں ہوا اور انبیاء نے جواب میں صرف شہادت توحید و رسالت ہی بیان کی۔ اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسری روایت جو عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے وہ اس طرح ہے کہ حضورؐ نے شب معراج کا واقعہ

بیان فرماتے ہوئے ذکر کیا کہ جب میں نے بحکم پروردگار تمام انبیاء و رسل سے سوال کیا کہ تم کس لئے مبعوث برسالت ہوئے تو سب نے جواب دیا عَلٰی وَلَایَتِكَ یَا مُحَمَّدُ وَوَلَایَةِ عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِب - یعنی تیری اور علی کی ولایت پر ہم مبعوث برسالت ہوئے ہیں اس روایت میں شہادت توحید کا ذکر نہیں ہے۔ اور اسی مضمون کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی مروی ہے کہ حضور نے فرمایا جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا تو یاقوت سرخ سے بنا ہوا ایک عالی شان محل دیکھا - جبرئیل نے کہا یہ بیت المعمور ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں سے پچاس ہزار برس پہلے خلق کیا گیا ہے آپ اس میں نماز پڑھیں چنانچہ انبیاء و مرسلین کو اللہ نے جمع فرمایا اور میں نے ان کو وہاں نماز پڑھائی تو یہ وحی اُتری کہ خدا تحفۂ درود و سلام کے بعد فرماتا ہے ان ہو لوں سے دریافت کرو کہ کیونکر مبعوث برسالت ہوئے ہیں - چنانچہ آپ نے اُن سے سوال فرمایا کہ تم کس لئے بھیجے گئے تھے تو سب نے جواب دیا عَلٰی وِلَایَتِكَ وَوَلَایَةِ علی بن ابی طالب - اس میں بھی شہادت توحید کا ذکر نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رواتِ حدیث نے موقع و محل کے لحاظ سے حدیث کا کچھ حصّہ نقل کر دیا اور باقی کو محفوظ کر لیا یا مصلحت مقام کے لحاظ سے اس کے متعلق سکوت اختیار کر لیا۔ اور ابو نعیم کی حلیۃ الاولیاء سے پورا جواب اس طرح منقول ہے کہ حضور نے فرمایا جب میں نے بحکم پروردگار تمام انبیاء و مرسلین سے سوال کیا کہ تم کیونکر مبعوث ہوئے ؟ تو سب نے بیک زبان جواب دیا بُعِثْنَا عَلٰی شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْاِقْرَارِ بِنُبُوَّتِكَ وَالْوَلَایَةِ لِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کہ ہم اللہ کی توحید کی شہادت تیری نبوت کے اقرار اور علی کی ولایت کے اعلان کے بعد مبعوث برسالت و نبوت ہوئے۔ اور اسی کی مزید تشریح کرتے ہوئے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہماری ولایت اللہ کی ولایت ہے کہ کوئی بھی نبی اس کے اقرار کے بغیر مبعوث نہیں ہوسکا اور ینابیع المودۃ میں ملا سلیمان حنفی نقشبندی قندوزی نے ایک باب میں اسی حدیث میں مفصلاً بیان کیا ہے کہ لَمْ یُبْعَثْ نَبِیٌّ قَطُّ اِلَّا بِوَلَایَةِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کہ کوئی بھی نبی مبعوث نہیں ہوسکا مگر ولاء علی کی شرط پر اور امالی شیخ سے منقول ہے حضور نے فرمایا ہر نبی کو بوقت وفات اپنے وصی کے نامزد کرنے کا حکم دیا گیا اور جب مجھے یہ حکم ملا تو میں نے دریافت کیا کہ کس کو نامزد کروں تو ارشاد قدرت ہوا تم علی بن ابی طالب کو نامزد کرو کیونکہ میں نے سابق کتب میں درج کر دیا ہے کہ وہ تیرا وصی ہوگا اور میں نے اپنی مخلوق سے حتیٰ کہ انبیاء اور رسولوں سے بھی اس کا عہد لے لیا ہے۔ پس جس طرح اپنی ربوبیت اور تیری نبوت کا عہد لیا ہے اسی طرح علی کی ولایت کا بھی اُن سے عہد لیا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں یا دیگر مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں جو یہ لکھا ہے کہ حضور نے باوجود حکم پروردگار کے انبیاء سے دریافت کرنا ضروری نہ سمجھا حالانکہ حکم پروردگار سے سرتابی یا گریز کرنا شانِ نبوت کے یقیناً منافی ہے محض حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کی اہمیت پر پردہ ڈالنے کی خاطر انہوں نے یہ کھیل کھیلا ہے ادھر دامنِ رسالت داغدار ہو تو ہو لیکن اعلانِ ولائے علی دامنِ خفا میں رہے اُن کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حق بین نگاہیں باطل کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کے باوجود بھی حق کا سراغ لگا لیتی ہے پس حق کا بول بالا اور بالآخر باطل کا منہ کالا ہی ہوتا ہے۔

رکوع ع۱۱ ۔ حضرت موسیٰ کا ذکر ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا ۔ خداوند کریم نے حضور رسالت مآبؐ کو تسلی دینے کے لئے حضرت موسیٰ کا ذکر شروع کر دیا کہ جب وہ ہماری طرف سے حکم لے کر معجزات باہرہ کے ساتھ فرعون کے پاس پہنچے تو فرعون اور اس کی رعایا نے اُن کے معجزات عصا اور ید بیضا کو بھی تمسخر کا نشانہ بنایا اور ہم نے ان کو متعدد نشانیاں دکھائیں لیکن وہ ایمان نہ لائے ۔ اور

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ

اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا پس کہا کہ

اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ

میں عالمین کے رب کا بھیجا ہوا ہوں پس جب وہ ہماری نشانیاں لے کر اُن کے پاس

اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ

آیا تو وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر ہنسنے لگے اور نہیں دکھائی ہم نے ان کو نشانی مگر یہ کہ وہ پہلی سے

اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ؗ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۹﴾

بڑی ہوتی تھی اور پکڑ لیا ہم نے ان کو عذاب کے ساتھ تاکہ وہ رجوع کریں

وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

اور کہنے لگے اے جادو کرنے والا ہمارے لئے اپنے رب کو پکار جو اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے

اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ

ہم ضرور ہدایت پانیوالے ہوں گے پس جب ہم اُن سے عذاب کو دور کر دیتے تھے تو وہ عہد کو

یَنْكُثُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ

توڑ دیتے تھے اور فرعون نے اپنی قوم میں آواز دی کہنے لگا اے قوم

ہر نشانی دوسری سے بڑی تھی اور بشکل عذاب اُن پر بھیجی گئی چنانچہ جب اُن پر ایک عذاب آتا تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے درخواست کرتے کہ اے جادوگر ہمارے لئے اللہ سے دعا کرو کہ اس عذاب کو ہم سے دُور کر دے جو اُس نے تیرے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے پس ہم ضرور ایمان لائیں گے لیکن جب ہم اُن سے عذاب کو رفع کرتے تو وہ اکڑ جاتے اور وعدے کو توڑ ڈالتے پس پہلے اللہ نے طوفان کا عذاب بھیجا تو انہوں نے موسیٰؑ سے معافی مانگ لی جب عذاب دُور ہوا اور سیلاب کی وجہ سے اُن کی فصلوں کی رونق اور بڑھ گئی تو پھر کفر پر ڈٹ گئے ۔ پس اللہ نے ان کے فصلوں کو تباہ کرنے کے لئے مکڑی کو بھیج دیا چنانچہ اس نے درختوں کی کھال بھی کھا لی ۔ پس اُنہوں نے معافی مانگ لی اور عذاب ٹل جانے کے بعد پھر اکڑ گئے تو اللہ نے جوؤں کا عذاب اُن پر بھیج دیا اس کے بعد مینڈک اُن پر عذاب بن کر آ گئے اور ہر دفعہ عذاب کے دفع کی دعا موسیٰؑ سے منگواتے اور ایمان کا وعدہ کرتے لیکن عذاب کے

ٹل جانے کے بعد وعدہ کو توڑ ڈالتے تھے پس حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر معجزات دیکھنے کے بعد کفار مکہ بھی ایمان نہ لائیں، تو گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ سابق انبیاء کو اسی قسم کے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔

اَیُّھَا السَّاحِرُ۔ اس کا معنی یا تو جادوگر ہے اور یا اس کا معنی ہے جادو میں غالب آنے والا کیونکہ عربوں کا استعمال اسی قسم کا ہے کہتے ہیں حَاجَجْتُہٗ فَحَجَجْتُہٗ یعنی میں نے اس سے حجت بازی کی اور جیت گیا۔ خَاصَمْتُہٗ فَخَصَمْتُہٗ میں نے اس سے جھگڑا کیا اور جیت گیا۔ اسی طرح سَاحَرْتُہٗ فَسَحَرْتُہٗ۔ یعنی میں نے جادو میں اس کا مقابلہ کیا اور جیت گیا پس ساحر کا معنی جادو کے مقابلہ میں جیتنے والا۔ اور حضرت موسیٰ نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ایمان لائے تو تیرا ملک اور وقار باقی رہے گا۔

اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا

کیا میرے پاس مصر کی حکومت نہیں ؟ اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہتیں ؟ کیا تم نہیں

تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۲﴾ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ مَھِیْنٌ ۙ وَّلَا

دیکھتے یا (دیکھتے ہو ؟) میں اچھا ہوں اس سے جو کمزور ہے اور اپنا مطلب بھی صحیح طور

یَکَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۳﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ اَوْ جَآءَ

بیان نہیں کر سکتا ؟ (اگر سچا ہے) تو کیوں نہیں اس پر سونے کے کنگن ڈالے گئے یا اس کے ہمراہ فرشتے کیوں

مَعَہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۴﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَہٗ فَاَطَاعُوْہُ

نہیں آئے جو اس کی اتباع کرتے پس اس نے بیوقوف بنا لیا اپنی قوم کو تو انہوں نے اس کی

اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۵﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْھُمْ

اطاعت کی تحقیق وہ فاسق لوگ تھے پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے ان سے انتقام

فَاَغْرَقْنٰھُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۵۶﴾ فَجَعَلْنٰھُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِیْنَ ﴿۵۷﴾

لے لیا پس ان کو غرق کر ڈالا سب کو پس ان کو کر دیا پہلے جانے والا اور ضرب المثل بعد والوں کے لئے

اَلَیْسَ لِیْ۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دلائل اور معجزات کو غیر موثر ثابت کرنے کے لئے فرعون نے اپنی قوم میں تقریر کی اور اپنی صداقت کی دلیلیں ان چیزوں کو بنایا کہ میں ملک مصر کا بادشاہ ہوں، مال و خزانوں کا مالک ہوں ہر طریقہ سے دنیاوی سہولتیں مجھے میسر ہیں۔ اور دیکھو یہ نہریں میرے محلات کے نیچے جاری ہیں اور یہ سب اس بات کی واضح دلیلیں ہیں کہ میں حق پر ہوں اور موسیٰ کو دیکھو کہ فقیری و غریبی کا اس پر دور دورہ ہے۔ لباس پرانا گزارہ معمولی اور دیگر زندگی کی سہولتوں سے بالکل محروم ہے۔ لہٰذا میں یقیناً اس سے بہتر ہوں اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ میری زبان صاف ہے اور اس کی زبان صاف نہیں وہ کھل کر بات بھی نہیں کر سکتا لہٰذا وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے ؟

اَمْ اَنَا۔ اس مقام پر نحویوں نے اَمْ کے بعد فعل کو محذوف قرار دیا ہے تاکہ عطف درست ہو جائے یعنی افلا تبصرون ام تبصرون

لَا يَكَادُ يُبِيْنُ - منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ سے دعا مانگی تھی وَاَطْلِقْ لِسَانِيْ کہ میری زبان کا عقدہ کھول دے تو اللہ نے فرمایا اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ یعنی تیری دعا کو مستجاب کیا گیا پس حضرت موسیٰ کی زبان اب صاف تھی لیکن فرعون نے موسیٰ کی گذشتہ حالت بیان کر کے قوم کو دھوکا دینا چاہا تھا چنانچہ اس کی تقریر کامیاب رہی اور قوم کو بیوقوف بنا کر حکومت کرتا رہا اگر قوم فرعون میں کوئی دانشور ہوتا تو فرعون کی دلیلوں پر اعتراض کر سکتا تھا کیونکہ ملک کا حکمران ہونا اور مال و دولت کی فراوانی قطعًا اس امر کی دلیل نہیں بنائی جا سکتی کہ وہ حق پر بھی ہے - اور اُس زمانہ کا دستور تھا کہ جب کسی آدمی کو تخت و تاج کا وارث کیا جاتا تھا تو اس کو رسمِ تاجپوشی میں سونے کے کنگن اور سونے کا ہار بھی اس کو پہنایا جاتا تھا تو اسی بنا پر قوم کو بیوقوف بنانے میں فرعون نے اس مقامی دستور کو بھی دہرایا کہ اگر وہ اللہ کے نبی ہوتے تو ضرور آسمان سے اس پر بطور رسم و رواج کے سونے کے کنگن اُترتے اور چونکہ ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا نامزد نبی نہیں ہے -

رکوع ۱۲

وَلَمَّا ضُرِبَ - اِس کے معنی میں متعدد اقوال ہیں - (۱) جب آیت نازل ہوئی اَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ حَصَبُ جَهَنَّمَ یعنی تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہو گا تو کفار نے خوب تالیاں بجائیں کہ اگر غلط معبود جہنم میں جائیں گے تو ہمارے خداؤں کے ساتھ معاذ اللہ حضرت عیسیٰ بھی تو جہنم میں جائیں گے کیونکہ عیسائی ان کو معبود مانتے ہیں - يَصِدُّوْنَ کا معنی ہنستے اور قہقہے لگاتے ہیں (۲) جب حضرت عیسیٰ کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ جو خدا حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کر سکتا ہے وہی خدا حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کرنے پر قادر ہے

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۸﴾

اور جب بیان کی جائے ابن مریم کی مثال تو تیری قوم اس سے ہنستی اور شور مچاتی ہے

تو کفار نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عیسیٰؑ کی طرح محمدؐ بھی معبود بننے کا خواہشمند ہے لہذا چیختے ہیں کہ ہمارے آبائی خدا اس سے اچھے ہیں (۳) حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں ایک دن خدمتِ نبوی میں پہنچا جب کہ سردارانِ قریش حضورؐ کے ارد گرد جمع تھے - آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا - اے علی تیری مثال اس اُمت میں عیسیٰ بن مریم کی سی ہے کہ ایک قوم نے اس کی محبت میں اگر حد سے بڑھایا پس ہلاک ہو گئی اور ایک قوم نے بغض کی وجہ سے اس کا انکار کیا تو ہلاک ہو گئی اور ایک قوم بین بین رہی اور وہی نجات پا گئی - جب قریشیوں نے سنا تو انہوں نے اسے مذاق بنا لیا اور کہنے لگے کہ دیکھو علی کو انبیاء سے تشبیہ دے رہا ہے اور ہمارے خدا مسیح سے افضل ہیں - جب لوگوں نے مسیح کی عبادت کر لی تو ہم اپنے معبودوں کی عبادت کیوں نہ کریں یا یہ کہ اگر معبود بننے کی وجہ سے مسیح کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو ہمارے معبودوں کا ڈالا جانا بھی ہمیں منظور ہے (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں اس طرح ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اے علی تجھ میں عیسیٰ بن مریم کی مثال پائی جاتی ہے اور اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میری اُمت کے بعض لوگ تیرے حق میں وہی عقیدہ رکھیں گے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے متعلق رکھ لیا تھا تو تیرے فضائل میں اس

قدر بیان کرتا کہ تو جس جگہ سے گذرتا لوگ تیرے قدموں کی خاک اٹھا کر برکت کے لئے اپنے پاس محفوظ رکھتے یہ سنتے ہی دو اعرابی اور چند دوسرے قریشی حسد کی آگ میں جل بھن گئے کہ دیکھو اپنے چچا زاد کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جا کر ملا دیا پس یہ آیت نازل ہوئی۔ حارث بن عمرو فہری نے جب سنا تو غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور کہنے لگا اے خدا۔ اگر یہ بات حق ہے تو میرے اُوپر آسمان سے پتھر نازل فرما یا کوئی دوسرا عذاب بھیج دے تو خدا نے بذریعہ وحی اس کی اطلاع اپنے حبیب کو بھیج دی اور یہ آیت بھی نازل فرمائی کہ اللہ ان لوگوں پر عذاب نازل نہیں فرماتا جب تک آپ ان میں موجود ہیں اور اسی طرح ان پر عذاب نازل نہ کرے گا جب تک وہ استغفار کرنے والے ہوں گے۔ آپ نے حارث سے فرمایا کہ بہتر ہے توبہ کر لو تو وہ کہنے لگا اگر آپ تمام قریش کو اس فضیلت میں شریک کریں تو بہتر ہے صرف بنی ہاشم کی برتری کو میرا دل نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا یہ میرا کام نہیں بلکہ اللہ کا کام ہے اُس نے کہا اگر یہی بات ہے تو میرا دل توبہ کو قبول نہیں کرتا اور میں جاتا ہوں پس باہر نکلا ہی تھا کہ آسمان سے ایک پتھر گرا جس نے اس کا سر کچل دیا۔ پس حضورؐ پر وحی اُتری سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ الخ (ملخصًا)

ایک روایت میں آیت مجیدہ کا شانِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے سلمان فارسی کہتا ہے ایک دن حضورؐ ایک گروہ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے پس آپ نے ارشاد فرمایا ابھی ایک شخص آئے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے مشابہ ہو گا۔ پس ایک شخص فوراً اٹھ کر باہر چلا گیا تا کہ واپس آ کر شبیہ عیسیٰ ثابت ہو لیکن اس سے پہلے حضرت علی علیہ السّلام داخل ہو گئے پس وہ شخص ناکام ہو کر کہنے لگا رسولؐ اللہ نے علی کو ہم پر افضل کیا اور ابھی اس پر ان کا جی نہیں بھرا پھر حضرت عیسیٰ کی شبیہ اس کو بنا دیا۔ خدا کی قسم زمانِ جاہلیت میں ہم جن خداؤں کی پوجا کرتے تھے اس سے تو وہی ہمارے لئے بہتر تھے پس یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ابن عباس سے مروی ہے ایک قوم حضرت رسالت مآبؐ کے پاس آئی۔ اور عرض کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے تو آپ بھی زندہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم کس مردہ کو زندہ کرانا چاہتے ہو اُنہوں نے ایک مردہ کا نام لیا جس کو مرے ہوئے تھوڑا عرصہ گذرا تھا پس آپ نے علی کو بلایا اور اس کے کان میں کوئی بات کی جس کو ہم سمجھ نہ سکے پھر فرمایا کہ ان کے ہمراہ جاؤ اور میت کو اپنے اور باپ کے نام کے ساتھ بلاؤ۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام اُن کے ہمراہ گئے اور قبر پر کھڑے ہو کر یا فلاں بن فلاں کر کے اس کو پکارا تو میت زندہ ہو کر قبر سے نکل آیا پس انہوں نے اس سے کچھ سوالات کئے پھر وہ حسب سابق اپنی قبر میں سو گیا اور لوگ واپس پلٹے اور یہ چہ میگوئیاں ان میں جاری تھیں کہ عبدالمطلب کی اولاد عجیب عجیب باتیں ظاہر کرتی ہے پس یہ آیتیں اُتریں۔

اِلَّا جَدَلًا۔ تفسیر مجمع البیان میں مجادلہ اور مناظرہ کے درمیان عام و خاص مطلق کی نسبت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ مجادلہ میں ایک حق پر اور دُوسرا باطل پر ہوا کرتا ہے لیکن مناظرہ اس سے عام ہے بعض اوقات دونو مناظر حق پر بھی ہو سکتے ہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ۔ یعنی حضرت عیسیٰ ہمارا بندہ ہی تھا جس کو ہم نے ماں سے بغیر باپ کے پیدا کر کے بنی اسرائیل کے سامنے اپنی قدرت کا کرشمہ ظاہر کیا۔

لَوْ نَشَاءُ ۔ یعنی انسانوں کی بے شکری اور ناسپاس گذاری کو مدنظر رکھ کر اگر ہم چاہیں تو ان سب کو ہلاک کر دیں اور زمین میں ان کی جگہ فرشتوں کو آباد کر دیں جو ان کی جگہ ان کے قائم مقام ہو کر زمین کو آباد کریں اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تم سے ہی ملائکہ پیدا کر دیں یعنی تم کو فرشتے بنا دیں ۔

تفسیر نور الثقلین میں بروایت خصال مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے بروز شوریٰ اپنے احتجاج میں فرمایا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس دن رسول اللہؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ دروازے پر رہو اور کسی کو اندر آنے کی اجازت ہرگز نہ دو کیونکہ میرے پاس بہر زیارت چند فرشتے موجود ہیں پس میں دروازہ پر بیٹھ گیا اور حضرت عمر نے اندر آنا چاہا تو میں نے حضورؐ کے فرمان کے پیش نظر اس کو روک لیا چنانچہ وہ یکے بعد دیگرے تین دفعہ آیا اور میں اس کو ہر بار حضورؐ کے فرمان کی تعمیل میں روکتا رہا اور میں نے اس کو یہ بھی بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس زیارت کے لئے فرشتے حاضر ہیں اور ان کی تعداد اتنی ہے ۔ جب چوتھی بار آیا تو اُسے اندر جانے کی اجازت ملی پس اُس نے اندر جا کر عرض کی کہ حضور میں اس سے پہلے تین مرتبہ حاضر ہوا اور ہر بار مجھے اندر آنے سے علی نے روک دیا اور کہا کہ بارگاہِ نبوی میں اس قدر فرشتے بہر زیارت حاضر ہیں لہٰذا اندر جانا ممنوع ہے مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ انہوں نے فرشتوں کی تعداد کیسے

وَقَالُوٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ
اور کہتے ہیں کیا ہمارے خدا اچھے یا وہ ؟ وہ نہیں بیان کرتے تیرے سامنے مگر جھگڑے کے لئے
بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿٥٩﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ
بلکہ یہ قوم ہی جھگڑالو ہے نہیں وہ مگر ایسا بندہ جس پر ہم نے انعام کیا اور
وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٦٠﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ
اس کو بنی اسرائیل کے لئے مثال بنایا اور اگر ہم چاہتے تو تمہارے بدلہ میں ملائکہ
مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿٦١﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ
کو زمین میں پیچھے رہنے والے بناتے اور تحقیق وہ (نزول عیسیٰ) نشانی ہے قیامت کی

معلوم کر لی کیا وہ فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں ؟ آپ نے مجھے طلب فرمایا اور دریافت کیا کہ تو نے فرشتوں کی تعداد کیسے معلوم کر لی تو میں نے عرض کی کہ گذرتے وقت ہر فرشتہ سلام کہہ کر گذرتا تھا اور میں اُن کی آواز کو سن لیتا تھا اس لئے مجھے ان کی گنتی معلوم ہے آپ نے فرمایا ۔ بالکل درست ہے ۔ تجھ میں میرے بھائی عیسیٰ کی مشابہت موجود ہے پس حضرت عمر نکلے تو ازراہِ تعجب و انکار کہتے تھے کہ اس کو عیسیٰ سے مشابہت دے دی ؟ پس یہ آیات نازل ہوئیں ۔ پس آپ نے شوریٰ کمیٹی کے جملہ ممبران سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں یہ واقعہ معلوم ہے اور کیا اس میں میرا کوئی شریک ہے ؟ تو سب نے اقرار کیا کہ واقعی اس فضیلت میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے ۔

اور تہذیب الاحکام سے غدیر کی دو رکعت کے بعد جو دعا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔اس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ اے اللہ ہم نے تیرے رسول حضرت محمدؐ کی دعوت کو قبول کیا جو انہوں نے حضرت علی کے متعلق دی جس پر تو نے انعام کیا اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے مثال قرار دیا بے شک وہ مومنوں کا امیر و مولا ہے۔ اور قیامت تک ان کا ولی ہے کیونکہ تو نے فرمایا ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے ھاء ضمیر غائب کا مرجع نزول عیسیٰ ہے یعنی حضرت عیسیٰ کا نزول قیامت کے علائم میں سے ہے اور بعضوں نے ضمیر کا مرجع قرآن کو قرار دیا ہے کہ قرآن مجید قیامت کے علم کی دلیل ہے۔جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے کانوں حضرت رسالت مآبؐ سے سنا آپ نے فرمایا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان کا امیر کہے گا آئیے ہمیں نماز پڑھائیے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب میں کہیں گے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ تم میں سے ہی بعض دوسرے بعض کے حاکم و امیر ہیں یہ اللہ کی جانب سے اس امت کی عزت و کرامت ہے یہ روایت صحیح مسلم سے نقل کی گئی ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ ۔ یعنی تمہاری کیا حالت ہو گی جب کہ تم میں عیسیٰ بن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہی ہو گا۔

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦٢﴾

پس اس میں شک نہ کرو اور میری اتباع کرو یہ سیدھا راستہ ہے

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٣﴾ وَلَمَّا

اور نہ پھیرے تم کو شیطان تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور جب لایا

جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ

عیسیٰ واضح دلیلیں کہا میں تمہارے پاس حکمت لایا ہوں اور تاکہ تم کو وہ بعض

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿٦٤﴾

چیزیں بتاؤں جن میں تم کو اختلاف ہے پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو

حضرت علیؑ گذشتہ انبیاء سے افضل ہیں

وَلِاُبَيِّنَ بَعْضَ ۔ بروایت احتجاج طبرسی منقول ہے کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے دریافت فرمایا کہ لوگ حضرت علی السلام اور پیغمبران اولی العزم کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ تو اس نے عرض کی کہ اولوالعزم انبیاء سے وہ کسی کو فضیلت دینے پر تیار نہیں ہیں۔آپ نے فرمایا اللہ نے موسیٰ کے متعلق فرمایا۔ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۔ یعنی ہم نے اس کے لئے الواح میں ہر چیز سے کچھ نہ کچھ لکھ دیا پس مِن تبعیضہ لگا کر بعض علم کی وضاحت فرمائی۔ اور عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ ۔ یعنی تمہارے بعض اختلافی مسائل میں سے بعض کو بیان کرنے کے لئے آیا ہوں اور حضرت علیؑ

کے متعلق ارشاد فرمایا وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابِ کہ رسول کا شاہد وہ ہے جس کے پاس ساری کتاب کا علم ہے اور کتاب کے متعلق ارشاد ہے لَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۔ اور کتاب بصائر الدرجات سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ شیعہ لوگ موسیٰؑ عیسیٰؑ اور حضرت امیر المومنین علیہم السلام کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں؟ راوی نے عرض کی کہ وہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو حضرت علی علیہ السلام سے افضل جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ کیا وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے پاس وہ تمام عُلم ہے جو حضرت رسالتمآبؐ کے پاس تھا۔ راوی نے عرض کی کہ ہاں لیکن وہ اولوالعزم پیغمبروں پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے۔ آپ نے فرمایا اُن پر اللہ کی کتاب سے حجت قائم کرو۔ پس راوی نے پوچھا کہ فرمائیے کونسی آیت سے دلیل دوں، تو آپ نے حضرت موسےٰ کے متعلق یہ آیت پڑھی۔ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ کہ یہاں من تبعیضیہ داخل کر کے بعض علم مراد لیا گیا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ کے متعلق یہ آیت پڑھی وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ یہاں بھی حضرت عیسیٰ کے جزوی علم کو بیان کیا گیا ہے اور حضرت علی علیہ السلام کے متعلق ارشادِ قدرت ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔ یعنی ہم نے تم کو ان لوگوں پر شہید بنایا اور تیرے اوپر وہ کتاب اتاری جو ہر شے کے لئے واضح بیان اپنے اندر رکھتی ہے۔ پس حضرت علی علیہ السلام قرآن مجید کے عالم ہونے کی حیثیت سے سابق اولوالعزم پیغمبروں سے بھی افضل و اشرف ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ٦٥
تحقیق اللہ میرا رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے
فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
پس اختلاف کیا قوموں (یہود و نصاری) نے آپس میں پس ویل ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم کیا
مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٦﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ
دردناک عذاب سے وہ نہیں انتظار کرتے مگر قیامت کی
اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَلْاَخِلَّاءُ
کہ اُن کے پاس اچانک آئے کہ وہ اس کا شعور بھی نہ رکھتے ہوں آپس میں
يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٨﴾
دوست بھی اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقی لوگوں کے

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا گذشتہ انبیاء سے افضل ہونا دیگر ادلّہ سے بھی ثابت ہے۔

(۱) اس میں شک نہیں کہ حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام جملہ انبیاء سے افضل اور ان کے سید و سردار

ہیں اور آیت مباہلہ میں حضرت علیؑ کو نفس رسول کہا گیا ہے پس جن جن سے جناب رسول اللہ افضل ہوں گے اُن سے حضرت علی کو بھی افضل ماننا پڑ گیا کیونکہ شی اور نفس شی کا حکم ایک ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام جناب رسالتمآبؐ کے صحیح جانشین ہیں لہذا بحیثیت جانشین پیغمبر کے اُن تمام افراد سے اُن کی افضلیت ثابت ہو گی جن سے حضور کی افضلیت ثابت ہو گی۔

۳۔ حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى اٰدَمَ فِىْ عِلْمِهٖ ۔ الخ۔ یعنی جو شخص حضرت آدم کے علم حضرت نوح کے فہم حضرت ابراہیم کی خلت حضرت موسیٰ کی ہیبت حضرت عیسیٰ کا زہد اور حضرت ایوب کا صبر وغیرہ دیکھنا چاہے وہ علی کے چہرہ کی طرف دیکھے کیونکہ ان میں انبیاء کے خصائل میں سے نوے خصلتیں موجود ہیں جن کو خدا نے کسی اور میں جمع نہیں فرمایا۔ اوکما قال۔ حدیث بالفاظہم نے مقدمہ تفسیر میں اور لمعۃ الانوار میں ذکر کی ہے پس اس حدیث کی رو سے حضرت علی کی انبیاء پر افضلیت ظاہر و باہر ہے۔

۴۔ حضورؐ کا ارشاد ہے مِنْ اٰدَمَ اِلٰى عِيْسٰى تَحْتَ لِوَائِىْ اور دوسری حدیث میں ہے يَا عَلِىُّ اَنْتَ حَامِلُ لِوَائِىْ۔ یعنی حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء بروز محشر میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یا علی تو اس جھنڈے کا حامل ہو گا۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ ۔ یعنی بروز محشر عذاب کو دیکھ کر دنیا میں باہمی دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ دوستی یا تو ایمان والوں کی ہوتی ہے یا کفر رکھنے والوں کی پس اگر دو مومن ایک دوسرے کے دوست ہوں تو اُن میں سے جب ایک مرتا ہے اور اپنا جنت میں مقام دیکھتا ہے تو اپنے دوسرے مومن بھائی کے حق میں سفارش کرتا ہے کہ اے پروردگار! فلاں شخص میرا ایمانی دوست تھا۔ تیری اطاعت میں میرا معاون تھا اور تیری نافرمانی سے مجھے روکتا تھا پس اس کو نیکی اور راستی پر ثابت قدم رکھ اور اس کو جنت کا مکان عطا فرما پس خداوند کریم اس کی دعا کو مستجاب فرماتا ہے پس جب دونو بروز محشر دربار خداوندی میں حاضر ہوں گے تو ایک دوسرے کی خیر خواہی پر ایکدوسرے کا شکریہ ادا کریں گے لیکن وہ دو دوست جن کی دوستی اور کفر معصیت خداوندی میں تھی جب اُن میں سے ایک مرتا ہے اور جہنم میں اپنا مکان دیکھتا ہے تو وہ اپنے کافر دوست کا شکوہ کرنے لگتا ہے کہ پروردگار! فلاں شخص مجھے تیری نافرمانی پر اکساتا تھا۔ اور تیری اطاعت سے روکتا تھا لہذا اس کو گناہوں پر ثابت قدم رکھ تاکہ وہ بھی میری طرح اپنے کفر کا انجام دیکھے پس جب بروز محشر یہ دونو اکٹھے ہوں گے تو اپنی باہمی دوستی پر ناراضگی کا اظہار کریں گے جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ سب دوست اُس دن ایک دُوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقی لوگوں کے کہ وہ ایک دوسرے کے وہاں بھی دوست ہوں گے۔

جب دولت مند مومن کو بلایا جائے گا اور حساب لیا جائے گا پس پروردگار کی جانب سے سوال ہو گا کہ تم نے میرا دیا ہوا رزق کہاں خرچ کیا تھا؟ اور تو نے میری ملاقات کے لئے کیا کچھ عمل کیا تھا؟ پس مومن جواب دے گا۔ اے پروردگار!

میں تجھ پر ایمان لایا۔ تیرے رسولوں کی میں نے تصدیق کی اور میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور تیرے رزق کو تیری اطاعت و خوشنودی میں خرچ کیا پس ارشاد قدرت ہو گا کہ تو نے اپنے وارثوں کے لئے کیا کچھ چھوڑا تھا؟ تو مومن عرض کرے گا۔ اے پروردگار! میرا اور ان کا خالق اور رازق تو ہی تھا۔ اور تو ان کے رزق پر ویسے ہی قادر تھا جس طرح میرے رزق پر قادر تھا تو مجھے اُن کے لئے کچھ بچانے کی کیا ضرورت تھی پس میں ان کو تیری توکل کے سہارے چھوڑ آیا ہوں تو اللہ فرمائے گا۔ بے شک تو سچا ہے پس جوابات سے فارغ ہو کر جنت کی طرف جائے گا۔ پھر غریب مومن سے باز پرس ہو گی کہ تو کیا لایا؟ تو غریب مومن جواب دیگا اے پروردگار تو نے مجھے اپنے دین کی ہدایت فرمائی اور میرے اُوپر احسان کیا اور تو نے مجھے مال و دولت سے محروم کیا۔ کہ اگر ہوتا تو ممکن تھا کہ میں اس میں مشغول ہو کر تیری اطاعت سے محروم رہ جاتا پس اللہ فرمائے گا تو سچ کہتا ہے چنانچہ وہ بھی جنت میں بھیجا جائے گا۔ اس کے بعد دولتمند کافر کی باری آئے گی تو اُس کے پاس کچھ عمل نہ ہو گا جس کو پیش کر سکے اور رزق کے متعلق جواب دے گا کہ میں اپنے بچوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں تو ارشاد پروردگار ہو گا کہ کیا میں تیرے بچوں کو رزق دینے پر قادر نہیں تھا پس اگر یہ جواب دے کہ میں بھول گیا تھا تب بھی ہلاک ہو گا۔ اور اگر یہ جواب دے کہ مجھے تجھ پر اعتماد نہ تھا تب بھی ہلاک ہو گا۔ پھر غریب کافر کو پیش کیا جائے گا تو اُس سے باز پرس ہو گی تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں دنیاوی امور میں اس قدر مبتلا تھا کہ تیری عبادت کرنا ہی بھول گیا۔ پس ارشاد ہو گا کہ تو نے میرے اُوپر اعتماد کر کے مجھ سے مانگا تھا تاکہ میں تجھے عطا کرتا پس اگر کہے گا کہ میں بھول گیا تھا تب بھی ہلاک ہو گا اور اگر کہے گا کہ مجھے تجھ پر اعتماد نہیں تھا تب بھی ہلاک ہو گا۔

يَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾

اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمزدہ ہو گے

الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٧٠﴾ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ

جو لوگ ایمان لائے ہماری نشانیوں پر اور مسلمان تھے (انکو کہا جائیگا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور

أَنتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ﴿٧١﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم

تمہاری بیویاں کہ خوش رہو گے ان پر چکر لگایا جائے گا

بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ

سونے کے طشتوں اور پیالوں کے ساتھ کہ ان میں وہ ہر چیز ہو گی جس کو دل

رکوع ۱۳

لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ خوف کا تعلق آنے والی مصیبت سے اور حزن کا تعلق گذشتہ مصیبت سے ہوتا ہے اور جنت میں جانے والوں کو کہا جائے گا کہ پس پُر امن رہو کہ تمہیں نہ کوئی خوف لاحق ہو گا اور نہ حزن و ملال۔

الَّذِينَ آمَنُوا۔ یعنی وہ لوگ جنت میں جائیں گے جو عقیدہ کے لحاظ سے مومن ہوں اور عمل کے لحاظ سے مسلم ہوں یعنی اللہ کے احکام کے سامنے سرنگوں ہوں

تُحْبَرُوْنَ (صفحہ ۲۴۹) - حبور اس خوشی کو کہا جاتا ہے جس کے آثار چہرہ پر نمودار ہوں۔

صِحَافٍ - جمع ہے صحفہ کی وہ برتن جس میں کھانا رکھا اور کھایا جاتا ہے۔

اَکْوَابٍ - جمع ہے کوب کی - یہ اس برتن کو کہتے ہیں کہ لَا اُذْنَ لَہٗ وَلَا خُرْطُوْمَ - یعنی جس میں پکڑنے کے لئے دستی اور پانی گرانے کے لئے ٹوٹی لگی ہوئی نہ ہو گویا پانی پینے کے گلاس کو کوب کہتے ہیں۔

الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَ

چاہیں گے اور آنکھیں لذت اندوز ہوں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے اور

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۳﴾

یہ جنت وہ ہے جس کا تم کو وارث کیا گیا ہے بوجہ اس کے جو تم عمل کرتے تھے

لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۴﴾ اِنَّ

تمہارے لئے اس میں بہت میوہ جات ہیں جن سے تم کھاؤ گے تحقیق

الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۵﴾ لَا يُفَتَّرُ

مجرم لوگ عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے نہ تخفیف ہوگی ان

عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

سے اور وہ اس میں مایوس ہوں گے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ

كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا

وہ خود ہی ظالم تھے اور پکاریں گے اے مالک ہمیں موت دیدے

مَا تَشْتَهِيْهِ - نعمات جنت کی جامع صفت یہ ہے کہ جنت میں ہر وہ نعمت ہوگی جس کے استعمال سے نفس خوش ہوگا - اور آنکھ لذت اندوز ہوگی۔

اُوْرِثْتُمُوْهَا - ابن عباس سے مروی ہے کہ ہر شخص کے لئے آخرت میں دو گھر ہیں - ایک جنت میں اور دوسرا جہنم میں پس جنتی کو جہنم کا گھر دکھایا جائے گا - اور کہا جائے گا کہ اگر تو کافر ہوتا تو تجھے اس گھر میں بھیجا جاتا - پس وہ نعمت ایمان وجزائے جنت پر خوش ہوگا اور اللہ کا شکر ادا کرے گا اسی طرح کافر کو جنت کا گھر دکھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اگر تو مومن ہوتا تو اس گھر میں داخل ہوتا پس اس کی حسرت وارمان میں اضافہ ہوگا - اور مومن کے جہنم والے گھر کا وارث کافر کو کیا جائے گا اور کافر کے جنت والے گھر کا مومن کو وارث کیا جائے گا - اور تفسیر نور الثقلین میں احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ حضرت حجت علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ جنت میں اولاد کا سلسلہ بھی ہوگا تو آپ نے فرمایا کہ جنت میں نہ حمل ہوگا نہ ولادت اور نہ عورتوں کو حیض یا نفاس واستحاضہ کی تکلیف ہوگی اور اگر کوئی مومن اولاد کی خواہش کرے گا تو خدا بغیر حمل وولادت کے اسے دیدیگا۔

جس شکل اور رنگ میں وہ چاہے گا جس طرح اُس نے آدم کو پیدا کیا تھا۔

وَنَادَوْا ۔ مروی ہے کہ دوزخی لوگ عذاب میں گھبرا کر داروغہ جہنم مالک سے کہیں گے کہ ہمارے لئے اللہ سے درخواست کرو کہ ہمیں موت دے دے تو پھر سے ایک ہزار برس کے بعد ان کو مالک جواب دے گا خاموش رہو ابھی تک تم نے عذاب میں رہنا ہے پس ان پر موت نہ آئے گی اور ہمیشہ معذب رہیں گے۔

رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم مَّاكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَاكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ

تیرا رب تو وہ کہے گا تم نے رہنا ہے (عذاب میں) البتہ ہم تمہارے پاس حق لائے لیکن تم میں سے

أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٨﴾ أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ

اکثر حق کو ناپسند کرنے والے تھے کیا انہوں نے محکم کر لیا ہے معاملہ تو ہم بھی محکم کرنے

﴿٧٩﴾ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُم ۚ بَلَىٰ وَ

والے ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کی پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو ہاں اور

رُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾ قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ

ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس لکھتے ہیں کہہ دو اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا

وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿٨١﴾ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ

تو میں پہلا عبادت گذار ہوتا پاک ہے آسمانوں اور

وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ

زمین کا پروردگار عرش کا رب اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں پس چھوڑیئے ان کو

يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾

گھسیں (باطل میں) اور کھیلیں (دنیا میں) یہاں تک کہ ملاقات کریں اس دن کی جس کا وعدہ کئے گئے ہیں

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ

اور وہ وہ ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے اور وہ حکیم و

أَمْ أَبْرَمُوا ۔ تفسیر برہان میں ہے کہ جب حضرت رسالت مآبؐ نے حکم دیا کہ حضرت علی علیہ السلام کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو تو ایک شخص نے کہا کہ ہمیں یہ بات ہرگز گوارا نہیں کہ نبوت و امامت ایک ہی گھر میں جمع ہو جائے پس یہ اور بعد والی آیات اتریں۔

قُلْ إِن كَانَ ۔ اس آیت کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) اگر تم اس بات پر مصر ہو کہ اللہ کا بیٹا ہے تو میں پہلا شخص ہوں جو اس بات کی کھلم کھلا تردید کر کے خدائے وحدہٗ کا عبادت گذار ہوں اور اُس کی توحید کا قائل ہوں (۲) اِنْ نافیہ ہے کہ خدا کا کوئی فرزند نہیں ہے اور میں پہلا شخص ہوں جو اللہ واحد کی عبادت کرتا ہوں (۳) اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو میں پہلا شخص ہوتا جو

اس کی عبادت سے انکار کرتا کیونکہ جو صاحب اولاد ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا (۴) اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اُس کو مان لیتا کیونکہ میں پہلا عبادت گذار ہوں (۵) اگر اللہ نے کسی کو اولاد بنانا ہوتا تو میں چونکہ پہلا عبادت گذار ہوں لہذا مجھے ہی بنا لیتا لیکن وہ اولاد بنانے سے پاک و منزہ ہے۔ اور آسمانوں، زمینوں اور عرش کا مالک اس سے بلند و برتر ہے جو لوگ اس کے حق میں بیان کرتے ہیں پس وہ وحدہ لاشریک ہے، اور لائق عبادت ہے۔

وَهُوَ الَّذِي - یعنی نہ اُس کی آسمان میں اولاد ہے اور نہ زمین پس آسمانی فرشتوں کا بھی معبود ہے اور زمین میں جن و انسان کا بھی وہی الٰہ معبود ہے۔

الْعَلِيمُ ﴿٨٥﴾ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

علیم ہے اور بابرکت ہے وہ جس کے لئے ملک ہے آسمانوں اور زمین کا

وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٦﴾

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اُس کے پاس قیامت کا علم ہے اور اُس کی طرف تمہاری بازگشت ہے

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ شَهِدَ

اور نہیں مالک جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو شفاعت کے مگر وہ جو شہادت

بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٧﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ

دے حق کی اور وہ یقین بھی رکھتے ہوں اور اگر ان سے سوال کرو کہ کس نے ان کو پیدا کیا ہے

لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٨٨﴾ وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ

تو کہیں گے کہ اللہ نے پس کس طرح فریب دیے جاتے ہیں اور اس کا کہنا کہ اے پروردگار تحقیق یہ قوم

قَوْمٌ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٩﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٠﴾

ایمان نہیں لاتی پس درگذر کر اُن سے اور کہو سلام پس عنقریب جان لیں گے

اِلَّا مَنْ شَهِدَ - چونکہ پہلے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں وہ بروز محشر شفاعت کسی کی نہ کرسکیں گے تو اس سے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام اور ملائکہ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام جن کو بعض لوگوں نے خدا کا شریک ٹھہرالیا ان کا استثنا کیا گیا ہے یعنی وہ جن کو دوسروں نے معبود قرار دے لیا ہے وہ شفاعت کا حق نہ رکھیں گے سوائے اُن کے جو خود حق کے شاہد تھے یعنی انبیاء و ملائکہ وائمہ کہ اُن کو حق شفاعت ہوگا - لیکن مشرکوں کے حق میں وہ شفاعت نہیں کریں گے بلکہ مومنوں کے حق میں انکی شفاعت مقبول ہوگی - اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ جن انبیاء و ملائکہ و اولیاء کو مشرک لوگ اللہ کا شریک مانتے ہیں ان کو حق شفاعت نہ دیا جائے گا مگر ایسے لوگوں کے لئے جو حق کی شہادت دیتے ہوں گے یعنی مومنوں کے لئے وہ شفاعت کرسکیں گے جو زبان سے حق کا اعلان کرتے ہوں اور دل میں بھی اس کا صحیح عقیدہ رکھتے ہوں پس یَعْلَمُوْنَ کا معنی ہے دل میں علم و یقین

رکھتے ہوں۔

وَقِیْلِهٖ۔ مجرور ہونے کی صورت میں اس کا عطف ساعۃ پر ہے یعنی عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَعِلْمُ قِیْلِهٖ کہ اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے اور اس قول کا علم ہے جو نبی علیہ السلام نے کہا کہ اے پروردگار یہ لوگ ایمان نہیں لاتے پس حضور کو ارشاد ہوا کہ ان سے درگذر کیجئے اور سلام کہہ کر گذر جائیے وقت آنے پر ان کو انجام کا پتہ چل جائے گا۔

قُلْ سَلٰمٌ۔ جناب فضہ کی قرآن دانی۔ یہ روایت کتب سیر و تاریخ میں مذکور ہے جس کو میں نے اوراق الاحزان سے نقل کیا ہے۔ ابوالقاسم قشیری بیان کرتا ہے میں نے سفر حج کے دوران مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک بادیہ میں ایک ضعیف عورت گم گشتہ راہ اور سرگردان دیکھا پس قریب جا کر دریافت کیا کہ تو قوم جنات سے ہے یا انسانوں میں سے ہے؟ پس اس نے سب سے پہلے یہ آیت پڑھی قُلْ سَلٰمٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ جس سے میں نے سمجھا کہ یہ عورت مجھے اسلامی آئین کے تحت سلام سے ابتدا کرنے کی ہدایت کر رہی ہے پس میں نے سلام دیا اور اس کے جواب میں اس نے قرآن مجید کی دوسری آیت پڑھی سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ میں نے پھر وہی سوال دہرایا کہ قوم جنات سے ہو یا آدمیوں میں سے تو اس نے پھر آیت پڑھی یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ پس میں نے سمجھا کہ آدمی ہے پس میں نے سوال کیا کہ اس بادیہ میں پھرنے کا کیا سبب ہے تو اس نے پھر آیت پڑھی مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ میں نے سمجھا کہ اس سے راستہ گم ہو گیا ہے تو میں نے سوال کیا کہ تمہارا کس طرف جانے کا ارادہ ہے تو اس نے پھر آیت پڑھی۔ لِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ الخ۔ میں نے سمجھا کہ حج کو جا رہی ہے۔ تو پھر میں نے سوال کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لا رہی ہیں تو اس کے جواب میں اس نے آیت پڑھی۔ وَیُنَادُوْنَ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ جس سے میں سمجھا کہ بہت دور سے آرہی ہے۔ پس میں نے پوچھا کہ اپنے قافلہ سے کب جدا ہوئی؟ تو اس نے پھر قرآن کی آیت پڑھی خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ میں نے سمجھا کہ چھ دن ہوئے قافلہ سے الگ ہوئی ہے۔ پس میں نے کہا تیزی سے چلو تاکہ سفر جلدی طے ہو تو اس نے پھر قرآن کی آیت پڑھی لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جس سے میں نے سمجھا کہ وہ تیزی سے نہیں چل سکتی۔ پس میں نے پوچھا کہ تمہیں کھانا کھانے کی ضرورت ہے تو اس نے آیت پڑھی مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ جس سے میں نے سمجھا کہ اس کو کھانے کی ضرورت ہے پس میں نے کھانا پیش کیا۔ جب کھا چکی تو میں نے عرض کی کہ تو بڑھیا اور ضعیف عورت ہے اگر چل نہیں سکتی تو میرے پیچھے سواری پر سوار ہو جاؤ تاکہ سفر جلد طے ہو جائے پس اس نے پھر آیت پڑھی لَوْ کَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَۃٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ جس سے میں نے سمجھا کہ نامحرم مرد کے ساتھ سوار ہونا ناپسند کرتی ہے پس میں خود سواری سے اترا اور اس کو سوار ہونے کی دعوت دی چنانچہ وہ سوار ہو گئی اور میں پیدل روانہ ہوا پس اس نے قرآن مجید کی آیت پڑھی سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ میں نے مڑ کر اس کی طرف دیکھنا چاہا تو فوراً اس نیک بخت عورت نے آیت پڑھی قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ جس سے میں نے سمجھا کہ وہ نامحرم کی طرف نظر کرنے سے منع کر رہی ہے پس میں نے نظر نیچی کر لی اور روانہ ہوا۔ چنانچہ قافلہ دکھائی دیا

تو میں نے دریافت کہ اس قافلہ میں تیرا کون ہے تو اُس نے قرآن مجید کے چار مقامات سے چار آیتیں تلاوت کیں جن میں چار نبیوں کے نام تھے۔ (۱) مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (۲) یَا یَحْییٰ خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ (۳) یَا دَاؤُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِیْفَۃً (۴) یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذَا۔ اس بی بی کا یہ چار آیتیں پڑھنا تھا کہ چار جوان قافلہ سے الگ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہوئے پس میں نے دریافت کیا کہ ان جوانوں سے تیرا کون سا رشتہ ہے تو اُس نے قرآن مجید کی آیت تلاوت کی اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا جس سے میں نے سمجھا کہ چاروں نوجوان اس بی بی کے فرزند ہیں پس انہوں نے اپنی ماں کا سلام کیا تو بی بی نے اُن کو دیکھ کر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ یَا اَبَتِ اسْتَاجِرْہُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ۔ جس سے میں سمجھا کہ اپنے بیٹوں کو میری اُجرت دینے کی تلقین کر رہی ہے پس ہر ایک نے اپنی حیثیت کے مطابق میری خدمت کی تو اُس نے پھر آیت پڑھی۔ وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ جس سے میں نے سمجھا کہ مزید دینے کی ہدایت کر رہی ہے پس انہوں نے پھر عطیات دئے تو میں نے اُن جوانوں سے دریافت کیا کہ یہ کون بی بی ہے جو قرآن مجید کی اس قدر عالمہ ہے کہ ہر بات کا جواب قرآن مجید سے پیش کرتی ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا ھٰذِہٖ اُمُّنَا فِضَّۃُ جَارِیَۃُ الزَّھْرَاءِ وَاللّٰہِ مَا تَکَلَّمَتْ مُنْذُ عِشْرِیْنَ سَنَۃً اِلَّا بِالْقُرْاٰنِ کہ یہ ہماری والدہ جناب فضہ کنیز زہرا ہیں جنہوں نے بیس برس کے عرصہ میں سوائے کلام اللہ کے اور کوئی بات منہ سے نہیں نکالی۔

لطیفہ انبیاء پر حضرت علیؑ کی فضیلت

تفسیر برہان میں وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا آیت ۴۶ کے ذیل میں جابر بن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے مجھ سے دریافت کیا اے جابر! کونسے بھائی اچھے ہوتے ہیں تو میں نے عرض کی وہ جو پدری و مادری ہوں تو آپ نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیاء سب ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں اور میں سب سے افضل ہوں اور تمام بھائیوں سے مجھے علی بن ابی طالب زیادہ پیارا ہے۔ اور وہ میرے نزدیک تمام انبیاء سے افضل ہے۔ اور جو شخص ان سے انبیاء کو افضل جانے اُس نے مجھے بھی باقی انبیاء سے پست سمجھا اور جو مجھے ان انبیاء سے پست سمجھے وہ کافر ہے اور میں علی کو اس کی فضیلت کے ماتحت اپنا بھائی سمجھتا ہوں (اس کے بعد جابر نے کہا) کہ ان کے بھائی بھائی ہونے کا مقصد یہ ہے کہ سوائے نبوت کے باقی ہر فضل میں ایک دوسرے کے مثل تھے۔ چنانچہ ایک دوسری روایت میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضورؐ نے حضرت علی سے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی جانب سے احکام پہنچانے والا ہوں اور تو وجہ اللہ ہے جس کی اقتداء کی جائے پس میری کوئی مثل نہیں سوائے تیرے اور تیری کوئی مثل نہیں سوائے میرے۔

سُورَہ دُخَانْ

یہ سورہ مکیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت ساٹھ ہے۔
حدیث نبویؐ میں ہے جو شب جمعہ سورۂ دخان کو پڑھے اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔
دوسری حدیث میں ہے جو شخص رات کو سورہ دخان کی تلاوت کرے صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔
ایک روایت میں ہے جو شخص شب جمعہ اور روز جمعہ سورہ دخان کی تلاوت کرے اس کے لئے جنت میں گھر تعمیر ہوتا ہے۔
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اپنے فرائض اور نوافل میں سورہ دخان کی تلاوت کرے وہ بروز محشر باامن محشور ہوگا اور اسے عرش پروردگار کا سایہ نصیب ہوگا اس کا حساب آسان ہوگا اور اس کو اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ (مجمع البیان)
اور خواص قرآن میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے تو اس کو ہر حرف کے بدلے میں ایک لاکھ غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور شب جمعہ پڑھنے والے کے سارے گناہ بخشے جائیں گے اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ شیطانوں کے مکر سے محفوظ رہے گا۔ اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے سر کے نیچے رکھ کر سوئے گا وہ خواب میں اچھائی دیکھے گا۔ اور رات کے مصائب سے پرامن رہے گا۔ اور اگر اس کو دھو کر اس کا پانی درد شقیقہ والے کو پلایا جائے تو اس کا درد ختم ہوجائے گا اور اس کو لکھ کر مقام تجارت میں رکھا جائے تو اس کو کافی نفع ہوگا اور وہ مالدار ہوجائے گا۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے حکومت کی جانب سے ہر تکلیف سے محفوظ ہوگا اور ہر دیکھنے والے کے دل میں اس کا رعب قائم ہوگا اور لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ہوگی اور اس کو دھو کر اس کا پانی پینے والے پیٹ کی گھٹن اور جملہ تکالیف سے نجات پائے گا (البرہان)

رکوع ۱۴ ۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ ۔ لیلہ مبارکہ سے مُراد شبِ قدر ہے اور مبارک کا مقابلہ مشئوم ہوا کرتا ہے اور لیلہ مبارکہ یعنی شب قدر ۲۳ ماہ مبارک ہے ۔ بعض لوگوں نے پندرہ شعبان مُراد لی ہے لیکن ائمہ طاہرین سے پہلا قول منقول ہے ۔ شب قدر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے

حٰمٓ ② وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ③ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ

حٰمٓ کتاب مبین کی قسم تحقیق ہم نے اس کو نازل کیا مبارک رات

مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ④ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ⑤

میں تحقیق ہم ہیں ڈرانے والے اس (رات) میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر ہونے والی بات کا

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ⑥ رَحْمَةً مِّنْ

ہمارے حکم سے تحقیق ہم ہی بھیجنے والے ہیں رحمت تیرے رب کی

رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑦ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

طرف سے تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اور

وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ⑧ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ

جو کچھ ان کے اندر ہے سب کا پروردگار اگر تم یقین رکھنے والے ہو نہیں کوئی اللہ مگر وہ زندہ کرتا ہے

وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ⑨ بَلْ هُمْ

اور مارتا ہے تمہارا رب اور تمہارے باپ دادا گذشتگان کا رب ہے بلکہ وہ شک میں

فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ⑩ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاۗءُ بِدُخَانٍ

رہ کر کھیل میں مشغول ہیں پس انتظار کر اس دن کی کہ لائے گا آسمان ایک واضح

میں قرآن کے نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس رات لوح محفوظ سے آسمان اول پر اتارا گیا اور پھر قسط وار تئیس یا بائیس برس میں موقعہ بموقعہ اُترتا رہا یا یہ کہ شب قدر میں بیت المعمور پر اکٹھا نازل کیا گیا اور پھر حسب موقعہ تھوڑا تھوڑا اترتا رہا ۔ اور جواب قسم اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ نہیں ہے بلکہ یہ جملہ معترضہ ہے اور جواب قسم اِنَّا كُنَّا الی آخرہ ہے ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا منصوب ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں (۱) اخفش کے نزدیک امراً مصدر ہے اور آمراً فاعل کے معنی میں اَنْزَلْنَا کے فاعل سے حال ہے یعنی ہم نے نازل کیا ہے درحالیکہ ہم امر کرنیوالے ہیں ۔ اور ممکن ہے ذو اس کا مضاف محذوف ہو یعنی ذا امر جس طرح اَلْبِرّ سے مراد ذا البر ہے ۔

(۲) مفعول مطلق ہے کیونکہ یُفْرَقُ میں یُؤْمَرُ کا معنی پایا جاتا ہے ۔ اسی طرح بعد میں رَحْمَةً بھی اخفش کے نزدیک

رَاحِمِیْنَ رَحْمَۃً کی تقدیر میں حال ہے انزلنا کے فاعل سے اور باقی نحویوں کے نزدیک مفعول لہ ہے۔ یعنی ہم نے اس کو اپنی رحمت کی بنا پر نازل کیا ہے۔

مُّبِیْنٍ ﴿۱۱﴾ یَّغْشَی النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۲﴾

دھواں جو چھا جائے گا تمام لوگوں پر یہ دردناک عذاب ہے

خلیفہ رسول کا مقام

آیات سے ظاہر ہے کہ سال بھر میں ہونے والے اُمور کا فیصلہ شب قدر میں کیا جاتا ہے پس لوگوں کے ارزاق اموات اور امراض وغیرہ کا سال بھر کا بجٹ اسی رات کو منظور کیا جاتا ہے اور اللہ کو اس میں مقدم یا موخر کرنے محو یا اثبات کرنے اور کمی یا بیشی کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ اور اصول کافی سے ایک طویل روایت میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے آپ نے مقامِ امامت کی توضیح وتشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگ پوچھیں کہ اَلرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کون لوگ ہیں ؟ تو اُن کے جواب میں بے دھڑک اور ڈنکے کی چوٹ کہدو کہ راسخون فی العلم وہی ہو سکتے ہیں جن کے علم میں اختلاف نہ ہو یعنی اُن کا علم خلافِ واقع نہ ہو اور اگر وہ کہیں کہ ایسا کون ہو سکتا ہے تو کہو کہ راسخون فی العلم کا پہلا مصداق حضرت رسول اللہؐ کی ذات تھی اور بے شک اُن سے پوچھو کہ حضور نے احکام رسالت کی واقع کے مطابق تبلیغ کی یا نہیں کی تو ہر ایک کو بلاشک وریب یہ کہنا پڑے گا کہ حضور نے احکامِ واقعیہ کی تبلیغ فرمائی تو پھر ہر ذی ہوش کو سوچنے کا موقعہ ملتا ہے کہ جب حضورؐ اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما ہوئے تو کیا اُن کے قائمقام خلیفہ کے پاس ایسا علم ہے جس میں اختلاف نہ ہو یعنی جو خلاف واقع نہ ہو اگر کہا جائے کہ ایسا خلیفہ کوئی نہیں جس کے پاس علمِ واقع موجود ہو جس میں غلطی کا امکان نہ ہو تو یہ بات قطعاً غلط ہے اور بالکل خلافِ عقل ہے بلکہ ضروری ہے کہ حضور کے بعد اُن کا ایسا قائم مقام موجود ہو جو اللہ کی جانب سے موید ومسدد ہو اور رسول اللہؐ کی طرح فیصلہ کرنے کا اہل ہو اور نبوت کے علاوہ رسول اللہؐ کے تمام اوصاف کا حامل ہو کیونکہ اگر رسول اللہؐ اپنے چلے جانے کے بعد کسی ایسے آدمی کو اپنا جانشین مقرر نہ کریں جو ان کے علمی مقام کو سنبھالنے کا اہل ہو تو لازم آئے گا کہ حضور نے تا قیامت آنے والی نسلوں کو اپنے فیوض اور احکامِ خداوندی سے محروم کر دیا۔ پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور کا علم قرآن مجید سے تھا اور اپنے زمانہ کے فیصلوں کو وہ قرآن مجید کی روشنی میں حل فرماتے تھے اور آنے والے مسائل چونکہ بعد کی پیداوار ہیں لہذا ان کے متعلق یقینی علم کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے۔ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ لیلۂ مبارکہ یعنی شب قدر میں ہر امر حکیم یعنی یقینی طور پر واقع ہونے والے اُمور کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور یہ فیصلہ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اور وہ ملائکہ کو بھیجتا ہے معلوم ہوا کہ سال بھر میں ہونے والے واقعات کا فیصلہ اور اس کو لانے والے فرشتے اسی رات یعنی شب قدر میں اُترتے ہیں تو جس کے پاس اُترتے ہیں وہ اپنے زمانہ میں حضرت رسول اللہؐ کی ذات تھی۔ اور ان کے بعد ان کے صحیح قائم مقام کی ہی ذات ہو سکتی ہے پس ہر زمانہ میں ایسی ذات کا وجود ضروری ہے جس کے پاس دائمی طور پر امر پروردگار کو لے کر

فرشتے اُترتے ہیں پس اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے تو صرف انبیاء کے پاس آتے ہیں اور وہ غیر نبی کے پاس نہیں آیا کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت مجیدہ کے مضمون کے مطابق جب امر حکیم کو فیصلہ کے ساتھ ملائکہ اور روح لے کر اُترتے ہیں وہ کس کے پاس اُترتے ہیں؟ پس ماننا پڑے گا کہ رسولؐ اللہ کے صحیح خلیفہ اور جانشین کے پاس اُترتے ہیں پس خلیفہ رسول وہی ہونا چاہیئے جو اللہ کی طرف سے مؤید و مسدد ہو اور خطا سے معصوم ہو کیونکہ اللہ فرماتا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ اور اگر خلیفہ محفوظ عن الخطا اور معصوم نہ ہو تو ظلمات سے نور کی طرف لے جانے کا مقصد کیا ہے؟ پس جس کا اللہ ولی ہے وہ یقیناً خطا سے محفوظ ہے اور جو اللہ کا دشمن ہے وہی خطا کار ہے پس جس طرح امر کا آسمان سے اُترنا ضروری ہے اسی طرح اولی الامر یعنی حاکم و والی کا زمین پر ہونا لازمی ہے اور خداوند کریم اس بات سے اجل و ارفع ہے کہ حضرت محمد مصطفٰےؐ کے بعد لوگوں کو بغیر حجت کے چھوڑے

تفسیر نور الثقلین میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ لیلۃ القدر ہم سے مخفی نہیں رہتی کیونکہ اس رات میں فرشتے آکر ہمارا طواف کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ شب قدر میں ولی اللہ کے پاس (ولی الامر کے پاس) سال بھر میں ہونے والے اُمور کی تفصیل پہنچتی ہے پس اُن کو ان کے ذاتی معاملات کے متعلق بھی ہدایات موصول ہوتی ہیں۔ اور لوگوں کے معاملات کے متعلق بھی ہدایات بھیجی جاتی ہیں۔ اور سال بسال ایسا ہوتا ہے اور شب قدر کے علاوہ باقی ایام میں بھی علم خاص جو مکنون و مخزون ہے، کا اضافہ جاری رہتا ہے (ملخصاً)

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا اے گروہ شیعہ سورہ اِنَّا اَنزلنا پڑھ کر لوگوں سے اپنے مسلک کے متعلق بحث کیا کرو اسی طرح حٰمٓ والکتاب المبین الخ۔ پڑھ کر اپنے مسلک کو ثابت کیا کرو کیونکہ رسول اللہ کے بعد اولوالامر کے بارے میں اُتری ہیں۔ اور اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ یعنی ہر اُمت میں ایک نذیر گذرا ہے پس جس طرح حضرت رسول کریمؐ اپنے زمانہ میں اُمت کے لئے نذیر تھے اسی طرح جب وہ دنیا سے اُٹھے تو اُن کی جگہ اُمت کے لئے ایک نذیر کا ہونا ضروری ہے ورنہ لازم آئے گا کہ تا قیامت اُمت محمدیہ حجت خدا سے محروم ہو۔ اگر اس کے جواب میں کوئی شخص کہے کہ اُمت کے لئے قرآن مجید کافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید تنہا کافی نہیں ہو سکتا جب تک کوئی اس کی تفسیر و توضیح کرنے والا نہ ہو۔ اور حضورؐ نے اپنے بعد کے لئے مفسر قرآن کی نشان دہی فرما دی تھی۔ اور وہ علی بن ابی طالب کی ذات گرامی ہے (ملخصاً)

تفسیر نور الثقلین میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام نے مسجد کوفہ میں ایک خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا اور درود کے بعد ارشاد فرمایا اے لوگو! اس رات اس عظیم شخصیت نے رحلت فرمائی ہے جس سے اولین سبقت نہ حاصل کر سکے اور آخرین جس کی گرد راہ کو بھی نہیں پا سکتے خدا کی قسم جس رات آپ کا انتقال ہوا۔ اسی رات حضرت موسیٰ کے وصی حضرت یوشع بن نون کا انتقال ہوا۔ اور اسی رات حضرت حضرت عیسٰی علیہ السلام چرخ چہارم پر اُٹھا

لئے گئے اور اسی رات میں قرآن مجید نازل ہوا۔

ایک روایت میں اسحاق بن عمار سے منقول ہے کہ ۱۹۔۲۱۔۲۳ رمضان میں سال بھر کے اُمور کا فیصلہ ہوتا ہے کہ ۱۹ کی رات کو سب اُمور جمع کئے جاتے ہیں اور ۲۱ کی رات کو فیصلہ کیا جاتا ہے اور ۲۳ کی رات کو وہ فیصلے نافذ کئے جاتے ہیں کہ ان میں ترمیم نہیں کی جاتی۔

بروایت احتجاج طبرسی حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے جب سائل نے آپ سے حُجّ کے متعلق پُوچھا تو آپ نے فرمایا ان سے مُراد حضرت رسالت مآبؐ اور ان کے صحیح قائم مقام ہیں جو اللہ کے برگزیدہ ہیں جن کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے ساتھ ملا دیا ہے اور وہی اولوالامر ہیں جن کے متعلق فرمایا ہے اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ پھر سائل نے سوال کیا کہ اس جگہ امر سے کیا مُراد ہے؟ تو آپ نے فرمایا اس جگہ امر سے مراد وہی امر ہے جس کو شب قدر فرشتے لے کر اُترتے ہیں يُفْرَقُ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ۔ آخر میں آپ نے فرمایا اگر اس امر کا نزول صرف حضرت رسالت مآبؐ کی ذات سے مخصوص ہوتا تو مطلب کی ادائیگی فعل ماضی سے کی جاتی پس تَنَزَّلُ کی بجائے نَزَلَتْ ہوتا اور يُفْرَقُ کی بجائے فُرِقَ ہوتا۔

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی زیارتِ مطلقہ کے الفاظ بھی اسی نوعیت کے ہیں جن میں آلِ محمدؐ کو خطاب کرکے کہا جاتا ہے کہ مقادیر الامور تم میں نازل ہوتے ہیں اور تمہارے گھروں سے ہی ان کا صدور ہوتا ہے یعنی ہونے والے اُمور کے متعلق امام وقت کو حسبِ مصلحت پہلے علم دیا جاتا ہے اور اس کی بدولت اُن کا علم لوگوں تک پہنچتا ہے اور اس کا اشارہ بھی شب قدر میں ملائکہ کے نزول کی طرف ہے کہ وہ مقادیر الامور لے کر آئمہ کے پاس پہنچتے ہیں یعنی اللہ کی جانب سے سال بھر کے ہونے والے فیصلے ائمہ تک پہنچا دیتے ہیں اور آئمہ وقتی مصالح کے ماتحت لوگوں کو اُن سے خبردار کرتے ہیں۔

اِن تمام فرامین آئمہ سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ شب قدر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور وہ سال بھر کے فیصلے ساتھ لاتے ہیں اور آیت مجیدہ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ سے صاف واضح ہے کہ ہر ہونے والے امر کا فیصلہ اللہ خود کرتا ہے اور اُس میں محو و اثبات کا حق بھی اس کو حاصل ہوتا ہے اور مضارع کا صیغہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ سلسلہ سال بہ سال ہمیشہ جاری رہتا ہے پس ماننا پڑتا ہے کہ جس کے پاس فرشتے اُمور کا فیصلہ لائیں وہ ہر زمانہ میں موجود ہوگا لہذا رسالت مآبؐ کے بعد اُن کا جانشین بھی ہی ہوگا جو شب قدر میں نازل ہونے والے فرشتوں سے احکام پروردگار کو حاصل کرسکنے کا اہل ہو اور وہ اللہ کی طرف سے مؤید و مسدّد ہو۔ اور آیت مجیدہ صاف اعلان کر رہی ہے کہ یہ فیصلے ہماری طرف سے ہی ہوتے ہیں اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اور فرشتوں کو ہم ہی بھیجتے ہیں۔ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ اور ان کا نفاذ بھی اللہ ہی کے ارادہ و مشیت سے ہوتا ہے پس وسعتِ رزق یا تنگی رزق موت یا زندگی وغیرہ کے فیصلے اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور وہی فیصلہ بھی کرتا ہے اور نافذ بھی کرتا ہے لیکن فرشتے شب قدر میں نازل ہو کر صاحب الامر (جو اولوالامر کا مصداق ہے)

کو اس کی اطلاع دیتے ہیں اور وہ اگر چاہیں تو متعلقہ افراد کو مطلع کر دیں اور اگر چاہیں تو اپنے تک محدود رکھیں اور بعض سابق روایات میں، یہ بھی ہے کہ آئمہ کو سال بھر کے لئے اپنے دستور العمل اور مفصل پروگرام کی بھی اطلاع دی جاتی ہے جس کو عملی جامہ پہنانے کے وہ پابند ہوتے ہیں اور وہی کچھ کرتے ہیں جو انہیں کرنا چاہیئے۔ پس اس سے یہ بات ہرگز ظاہر نہیں ہوتی کہ یہ نظام عالم کو خود چلاتے ہیں اور تقدیریں خود نافذ کرتے ہیں نظام کو چلانے والا اور اُمور کو نافذ کرنے والا خدا ہے اور ان کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے۔ اور شب قدر کے علاوہ بھی ملائکہ ان کے پاس آتے رہتے ہیں۔

ماہ رمضان کی راتوں کی دعاؤں میں یہ فقرہ ہے۔ اے اللہ شب قدر میں سال بھر کے ہونے والے اُمور کے متعلق جو فیصلہ ہوتا ہے اس میں میرا نام بیت اللہ کے حاجیوں کی فہرست میں درج فرما اور بروایت علل الشرائع حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس رات میں سو جائے جس میں ہونے والے اُمور کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو وہ اس سال حج سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ تئیس ماہ رمضان کی رات ہے کیونکہ اس میں حاجیوں کے قافلے درج کئے جاتے ہیں اور لوگوں کے رزق اور اجلیں بلکہ سال بھر میں ہونے والے سب واقعات کا فیصلہ لکھا جاتا ہے اور تہذیب الاحکام کی ایک روایت میں ہے کہ انیسویں کی رات کو یہ فیصلے لکھے جاتے ہیں۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ لیلۃ القدر جس میں ہر ہونیوالے امر کا فیصلہ ہوتا ہے اس میں زیر عرش ایک منادی ندا کرتا ہے کہ تحقیق اللہ نے اس شخص کے جملہ گناہ معاف کر دئے جس نے اس رات حضرت سیّد الشہداء امام حسین علیہ السّلام کی زیارت کر لی۔

ایک روایت میں معصُوم سے سوال کیا گیا کہ پندرہ شعبان کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ انیسویں ماہ رمضان کو لوگوں کے رزق تقسیم کئے جاتے ہیں۔ اور اسی رات میں مرنے والوں کی آجال کا فیصلہ ہوتا ہے اور حاجیوں کے متعلق بھی لکھا جاتا ہے۔ اور خداوند کریم زمین پر بسنے والی مخلوق پر نظر رحمت کرتا ہے پس سوائے شراب خوار کے ہر ایک کو بخش دیتا ہے۔ اور تئیس کی رات ہر فیصلہ شدہ امر پر محکم ہونے کی مہر لگ جاتی ہے اور اس کو بھیج دیا جاتا ہے۔ راوی نے پوچھا کس کی طرف بھیج دیا جاتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ صاحب الامر یعنی امام زمانہ کی طرف بھیج دیا جاتا ہے پس وہ جان لیتا ہے۔ (نور الثقلین)

بروایت عیون الاخبار فضل بن شاذان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السّلام سے سنا کہ اگر کہا جائے روزے باقی مہینوں کے علاوہ ماہ رمضان میں کیوں فرض کئے گئے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ماہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں اللہ نے قرآن کو نازل فرمایا اور اسی میں ہی حضرت رسالت مآبؐ کو نبوت کے اعلان کا حکم ہوا۔ اور اسی مہینہ میں ہی وہ لیلۃ القدر ہے جو ایک ہزار مہینہ سے افضل ہے اور اسی میں ہر ہونے والے امر کا محکم فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور اسی مہینہ میں سال کی ابتداء ہے کہ سال بھر کے اُمور خیر و شر نفع و نقصان اور رزق و موت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے۔

پس ان تین راتوں میں جاگ کر عبادت پروردگار کی بجاآوری باقی ایام کی ایک ہزار مہینہ کی عبادت کے برابر ہے اور ان راتوں کے مخصوص اعمال کتاب مفاتیح الجنان شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ میں مفصل مذکور ہیں۔ ان راتوں میں حضرت سید الشہداء کی مخصوص زیارت بھی مفاتیح میں مذکور ہے پس وہ لوگ نیک نصیب اور خوش بخت ہیں جو ان راتوں میں جاگ کر عبادت اور دیگر اعمالِ صالحہ میں بسر کریں۔ اور یہ راتیں دعا اور مناجات کی راتیں ہیں۔ خداوند کریم تمام مومنوں کو اعمالِ صالحہ کی بجاآوری کی توفیق عطا فرمائے

دُخان کی وضاحت بِدُخَانٍ مُّبِینٍ۔ اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں (۱) حضرت رسالت مآبؐ نے ایک دفعہ اپنی قوم کو بددعا کی تھی کہ اے اللہ ان لوگوں کو قحط سالی کا مزہ چکھا۔ چنانچہ قریش پر قحط سالی چھا گئی۔ اور بھوک کے مارے اُن کو زمین سے آسمان تک دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔ پس مردار اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے پھر حضور کی بارگاہ میں طالبِ عفو بن کر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں تو اپنی قوم کی بھی خبر گیری کیجئے جو بھوک سے ہلاک ہو رہے ہیں پس آپ نے اُن کے حق میں دعا مانگی اور اللہ نے اُن سے اس تکلیف کو رفع فرما دیا۔

(۲) یہ کہ دھواں علائم قیامت میں سے ہے کہ جب قیامت قریب ہوگی تو ایک دھواں سا ظاہر ہوگا جو کفار کے کانوں میں داخل ہوگا کہ ان کے سر پھول جائیں گے اور مومنوں کو زکام کی سی تکلیف محسوس ہوگی اور زمین اس طرح نظر آئے گی جیسے اس پہ کافی آگ جلائی گئی ہو اور یہ صورتِ حال چالیس دن تک برقرار رہے گی۔ پس پہلی توجیہ کے مطابق الناس سے مراد اہل مکہ ہیں اور دوسری توجیہ کے مطابق الناس سے مراد تمام لوگ ہیں۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰى

اے پروردگار دور کر ہم سے عذاب بے شک ہم ایمان لانے والے ہوں گے وہ کیسے

لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ

نصیحت حاصل کریں حالانکہ ان کے پاس رسول مبین آیا پھر اس سے

تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ

پھر گئے اور کہنے لگے یہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے تحقیق ہم دور کرنے والے

قَلِیْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾ یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى

ہیں عذاب کو تھوڑے عرصہ تک کیونکہ تم پلٹ جانیوالے ہو جس دن ہم گرفت کریں گے گرفت بڑی

رَبَّنَا اكْشِفْ۔ یعنی جب عذاب ظاہر ہو تو لوگ دعائیں کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم سے عذاب کو دور کر دے تو ہم مومن ہو جائیں گے لیکن جب عذاب ٹل جاتا ہے تو وہ ویسے کے ویسے سرکش ہو جاتے ہیں چنانچہ جب حضرت رسالتمآبؐ ان لوگوں کے پاس پہنچے تو اس کو صادق اور امین ماننے کے باوجود اس سے پھر گئے اور دیوانہ کہہ کر اس کی تعلیمات کو ٹھکرا دیا۔

اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ۔ دخان کے پہلے معنی کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ جب اللہ نے اپنے حبیب کی دعا سے ان سے قحط سالی کا عذاب ٹال دیا تو وہ پھر کفر و عناد پر ڈٹ گئے لہٰذا دوبارہ جنگ بدر کی سخت گرفت میں ان کو معذب کیا گیا اور دخان کے دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ جب آثار قیامت کا دھواں ظاہر ہوگا تو لوگوں کی دعاؤں کی بدولت ایک وقت معین تک کے لئے اُن سے عذاب کو دور کر دیا جائے گا اور پھر دوبارہ مستحقین عذاب کو سخت عذاب میں دھکیل دیا جائے گا۔

اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ

تو ہم انتقام لے لیں گے اور تحقیق آزمائش میں ڈالا ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کو

وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ

حالانکہ ان کے پاس رسول کریم (موسیٰ) آیا (اور کہا) کہ آزاد کر کے مجھے اللہ کے بندے دے دو

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِنِّيْٓ

تحقیق میں تمہارے لئے امین پیغمبر ہوں اور یہ کہ اللہ پر سرکشی نہ کرو تحقیق

اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ

میں تمہارے پاس واضح معجزہ لے کر آیا ہوں اور میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ چاہتا ہوں

اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

اس سے کہ تم مجھے پتھر مارو اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو الگ ہو جاؤ

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ

پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ تحقیق یہ لوگ مجرم ہیں (پس خدا کا حکم ہوا) کہ لے جاؤ

بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ

میرے بندوں کو رات میں تحقیق تمہارا تعاقب بھی کیا جائے گا اور رہنے دو پانی کو رُکا ہوا

وَلَقَدْ فَتَنَّا۔ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، اس سے پہلے قوم فرعون کا بھی حضرت موسیٰ سے یہی دستور رہا ہے۔

اَنْ اَدُّوْا۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے جو تمہاری قید میں ہیں مجھے ادا کر دو یعنی مجھے دے دو اور اُن کو اپنی قید سے آزاد کر دو اور دوسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ عِبَادَ اللّٰهِ منادیٰ ہے اور یا حرف ندا محذوف ہے یعنی اے اللہ کے بندو! تم وہ فرائض و احکام ادا کرو جو میں تم تک لایا ہوں کیونکہ میں اللہ کا امین پیغمبر ہوں۔ اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ میں نے تم تک اللہ کا ہی پیغام پہنچایا ہے۔ اور اللہ پر سرکشی نہ کرو۔ اور میں اپنی صداقت کے لئے اپنے پاس معجزات بھی رکھتا ہوں جو اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ میں اللہ کا ہی فرستادہ ہوں۔

تَرْجُمُوْنَ - اس کا معنی پتھر یا تیر مارنا بھی ہوتا ہے۔ اور اس کا معنی اس جگہ جھٹلانا اور افتراء باندھنا بھی کیا گیا ہے۔

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا - رھو کا معنی سکون بھی کیا گیا ہے۔ اور اس کا معنی ایسی زمین جس میں نہ قدم دھنس جائیں اور نہ اتنی سخت ہو کر قدم کو ٹھوکریں لگیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کے لئے عصا مارنے سے پانی کے اندر راستے پیدا ہوئے اور آپ بنی اسرائیل کو لے کر پار ہو گئے تو چونکہ راستے برقرار تھے آپ نے ارادہ کیا کہ عصا کی ضرب مار کر راستوں کو مٹا دیا جائے اور پانی کو ملا دیا جائے تاکہ فرعون ان راستوں سے گذر کر ہمارا تعاقب نہ کر سکے تو ارشادِ قدرت ہوا کہ پانی کو اسی طرح ساکن رہنے دیا جائے تاکہ فرعون اور اس کا لشکر سارا اس میں آ جائے کیونکہ ان کے غرق ہونے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

رَهْوًا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۵﴾ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ

تحقیق وہ لشکر غرق کیا جانے والا ہے ۔ وہ کس قدر سرسبز باغات شیریں چشمے

وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۷﴾ وَّنَعْمَةٍ

لہلہاتی کھیتیاں عمدہ رہائش گاہیں اور سامان عیش جن میں خوشحال آباد تھے چھوڑ کر چلے گئے

كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۸﴾ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا

ایسا ہی ہم نے ان کا وارث دوسرے لوگوں کو

اٰخَرِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۳۰﴾

بنا دیا پس نہ ان پر آسمان و زمین نے گریہ کیا اور نہ اُن کو مہلت دی گئی

كَمْ تَرَكُوْا - یہ عبرت و نصیحت کے لئے ہے کہ فرعون اور اُس کی ساری قوم غرق ہو گئی۔ اُن کے سرسبز باغات کھیتیاں، چشمے محلات اور سامانِ تعیش و عشرت سب کچھ پیچھے رہ گیا اور خود لقمۂ عذاب ہو گئے اور اُن کے وارث ایسے لوگ ہو گئے جو اُن سے دُور کا بھی تعلق نہ رکھتے تھے اور اس دنیاوی عیش و آرام اور اس کے پورے ساز و سامان کا آخری انجام یہی ہے۔ اور آخر میں فرمایا کہ ایسے لوگوں پر نہ تو آسمان و زمین نے گریہ کیا اور نہ اُن کو مہلت دی گئی۔ حدیث نبویؐ میں ہے کہ ہر انسان کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں۔ ایک سے اس کے اعمال اُوپر جاتے ہیں اور دوسرے سے اس کا رزق نیچے اُترتا ہے پس جب انسان مرتا ہے تو یہ دونوں دروازے اس پر گریہ کرتے ہیں اور اسی مضمون کی حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

آسمان کس پر رویا

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے قتل پر آسمان نے گریہ کیا اور اس کی افقی سرخی اس کے گریہ کا نشان ہے۔ اور بروایت زرارہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آسمان حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پر چالیس دن تک روتا رہا اور ان دو کے علاوہ آسمان نے کسی کے لئے گریہ نہیں کیا۔ اور بوقت طلوع و غروب اس کی سرخی اس کے گریہ کی علامت ہے ایکدفعہ

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے سامنے حضرت امام حسین علیہ السّلام کا گذر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس پر آسمان اور زمین دونو گریہ کریں گے اور آسمان وزمین کا گریہ امام حسین اور یحییٰ علیہما السّلام کے علاوہ اور کسی کے لئے نہیں ہے۔ ایک دن آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور اردگرد آپ کے صحابہ کا مجمع تھا حسینؑ آکر سامنے کھڑا ہو گیا تو حضرت امیرؑ نے اپنا ہاتھ حسین کے سر پہ رکھا اور فرمایا اسے فرزند گرامی خداوند کریم نے قرآن مجید میں بعض لوگوں کا کنایۃً ذکر فرمایا ہے پس آپ نے یہ آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا کہ میرے بعد تو قتل کیا جائے گا اور تیرے اُوپر آسمان اور زمین گریہ کریں گے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ امام حسین علیہ السّلام کا قاتل ولد الزنا تھا۔ اور حضرت یحییٰ کا قاتل بھی ولد الزنا تھا اور امام حسین علیہ السّلام کے قتل کے بعد ایک سال تک آسمان کا رنگ سرخ رہا اور زمین و آسمان نے حضرت امام حسین اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پر گریہ کیا۔ اور ان کی سرخی ان کا گریہ تھا اور ایک روایت میں ہے کہ آسمان پر نظر آنے والی سُرخی حضرت امام حسین علیہ السّلام کے قتل کے بعد شروع ہوئی ہے کہ اس سے پہلے یہ نہیں ہوا کرتی تھی (برہان)

تفسیر برہان میں اسی آیت مجیدہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ جب کوئی نبی دنیا سے رحلت کرتا ہے تو اس پر آسمان وزمین چالیس سال تک گریہ کرتے ہیں اور جب کوئی عالم باعمل رحلت کرتا ہے تو آسمان وزمین اُس پر چالیس روز تک گریہ کرتے ہیں لیکن جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو ان پر آسمان وزمین کا گریہ دائمی ہے اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ روز شہادت آسمان سے خون کے قطرے برستے رہے اور یہ سرخی جو آسمان کے افق پر ظاہر ہوتی ہے یہ شہادت حسینؑ کے بعد سے ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ سرخی نہیں تھی اور شہادت کے روز زمین پر جہاں سے بھی کوئی پتھر اٹھایا گیا اس کے نیچے سے خون نکلا۔

امام حسینؑ کے غم میں رونے کا ثواب

تفسیر نور الثقلین میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ غم حسینؑ کی وجہ سے جس مومن کی آنکھ میں آنسو بھر آئے اور بہ کر اس کے رخسار پر آجائے تو خدا اس کو محلاتِ جنّت میں احقاب کے عرصہ تک سکونت بخشے گا (مجمع البحرین سے منقول ہے کہ احقاب ۴۳ حقب کے مجموعے کا نام ہے جب کہ ہر حقب ستر خریف کے برابر اور ہر خریف سات سو برس کے برابر اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوگا) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ دشمن سے پہنچنے والی ہماری کوئی تکلیف سن کر اگر کسی مومن کی آنکھ سے آنسو بہ کر اُس کے رخسار پر آجائے تو خدا اُس کو جنّت کا اعلیٰ مکان عطا فرمائے گا۔ اور اگر کسی مومن کو ہماری محبت کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچائی جائے اور اس کی آنکھ سے آنسو بہ کر اس کے رخسار پہ آجائے تو خداوند کریم اُس سے دنیا کی ہر قسم کی تکالیف اٹھائے گا اور قیامت کے دن وہ اس کے غضب سے امن میں ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہمارا ذکر کرے یا ہمارا ذکر اُس کے سامنے ہو پس اُس کی آنکھ سے مچھر کے پر کو تر کرنے کے برابر آنسو نکلے تو خداوند کریم اُس کے جملہ گناہ معاف فرمائے گا اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں

حضرت امام حسین علیہ السلام نے پرچم اسلام کو اُس وقت بلند کیا جب کہ یزید عنید کی سیاہ کاریاں اسلامی تعلیمات کے قریب المرگ ڈھانچے کو زندہ درگور کرنے پر تُل گئی تھیں کیونکہ اس کے کافر دل میں جنگ احد و بدر کے مقتول کافروں کی محبت کا جذبہ کارفرما تھا جو بانیانِ اسلام سے پُوری طرح انتقام لینے پر اُسے اکسا رہا تھا پس وہ وقت و حالات کی ساعدت کا منتظر تھا اور معاویہ کی موت کے بعد اُسے اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کا موقعہ مل گیا چنانچہ ہونے والے سانحہ کے جواز کا بہانہ پیدا کرنے کے لئے اُس نے امام حسین علیہ السلام سے اپنی بیعت کا ناشدنی مطالبہ کیا اور امام حسین علیہ السلام اُس کی ناپاک سازش کو پوری طرح بھانپ گئے پس اس سلسلہ میں بھاری سے بھاری قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے اور ایک نہیں بلکہ پورا نبوی خاندان اُس کے ناپاک منصوبے کو فیل کرنے کے لئے اسلام کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھلے میدان میں ڈٹ گیا ۔ اور تن من دھن اور جان مال و ناموس کی عظیم ترین قربانیاں پیش کر کے اسلام کے قریب المرگ ڈھانچے میں وہ رُوح حیات پھونکی کہ اُسے ابدی باعزت زندگی مل گئی اور یزید کے ناپاک ارادوں کو اس طرح ناکام کیا کہ یزیدیت کو قیامت تک کے لئے قعرِ مذلت نصیب ہوئی پس امام حسین کی عظیم قربانیاں انسانیت کے کندھوں پر احسانِ عظیم کے بار کی حیثیت رکھتی ہیں جن کی یاد کو تازہ کرنا ہر صحیح الفطرت باضمیر انسان کا فریضہ ہے ۔ پس ان کی مظلومیت کی داستان کو دہرانا اور ان کے غم میں آنسو بہانا ظلم و تشدد اور کافرانہ جارحیت کے خلاف آواز بلند کرنے کے مترادف ہے اور مسلمانانِ عالم کے لئے ناقابلِ فراموش درس ہے کہ اپنے مطالبۂ حق پر ڈٹ جانا اور عزم و استقلال کے قدموں پر کھڑے ہو کر ظالم و نااہل حکومت کو للکار کر فتح عظیم حاصل کرنا انسانی آزادی کا فطری حق ہے جسے کسی وقت بھی بھلایا نہیں جاسکتا اور یہی چیز فتح مندی کا وہ زریں اصُول ہے جس کو اپنانے والا کبھی اپنے مشن میں ناکامی کا منہ نہیں دیکھ سکتا ۔

آیت مجیدہ اپنے مصداق کے اعتبار سے تمام ان لوگوں کو شامل ہے جو دینِ خدا کے لئے کوئی اچھی خدمت انجام دے کر نہ جائے پس اُن کی موت نہ آسمان والوں کے لئے باعث درد ہوتی ہے اور نہ زمین والوں کے لئے کسی اہمیت کی حامل ہوتی ہے پس نہ اُن پر آسمان روتا ہے اور نہ زمین اُن کے غم میں گریہ کرتی ہے یعنی ایسے لوگوں کی موت صحیفۂ آسمان اور ورق زمین کے سینے سے حرف غلط کی طرح اُس کے مٹ جانے کے برابر ہوتی ہے کیونکہ جس کسی کی زندگی کسی حد تک اس کے عظیم کارناموں کی وجہ سے تابناک ہو ۔ اُس کی موت اسی قدر المناک اور اس کی مظلومیت اسی نسبت سے ہی دردناک اور عبرت ناک ہوتی ہے ۔ پس آیت مجیدہ کے مفہوم مخالف سے یہ بات صاف عیاں ہے کہ جو لوگ دین خداوندی کی خاطر کھپ کر جاتے ہیں خواہ اپنے پیچھے جائدادیں ، کوٹھیاں ، باغات چشمے اور دیگر فانی یادگاریں چھوڑ کر جائیں یا کچھ بھی نہ چھوڑیں اُن کا بلند کردار انسانیت کی عظیم خدمات اور دین اللہ کی بقا کی خاطر دی جانے والی اس کی بے مثال قربانیاں جس طرح آسمانِ عظمت پر نیر اعظم بن کر چمکتی ہیں اسی طرح نیلگوں چھت کے فلک بے قرار اور فرش زمرّدین کے صفحہ ناپائیدار پر اُن کے روشن کردار کے نقوش لوہے کی لکیر کی طرح انمٹ ہوتے ہیں کہ رہتی دنیا تک اسے کسی استبدادی حربے سے مٹایا نہیں جاسکتا ۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی میدانِ کربلا میں پیش کردہ قربانیاں اس سلسلہ میں سرفہرست ہیں ۔ اور اُس وقت سے اس وقت تک ہر دور کا یزید صفت حکمران واقعہ ہائلہ کربلا

کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگاتا رہا لیکن منہ کی کھاتا رہا اور باطل پرستوں کی حیلہ سازیوں اور مکاریوں کے باوجود حسینی مشن کا مہر تاباں سپہر حقیقت پر ظلم و جور کے دھندلکوں کو مات کر کے ہمیشہ جگمگاتا رہا۔ جس کی بدولت پرچم اسلام فضائے آسمانی میں اپنی پوری آن سے لہراتا رہا۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی ہی عظیم و بے مثال قربانیوں کا اثر ہے کہ آج تک اسلام اپنے صحیح خدوخال میں موجود ہے اور اسلامی تعلیمات کو کفر و شرک کی تیز سے تیز تر آندھیوں کے باوجود کسی دور میں مٹایا نہیں جاسکا۔ پس نیکیاں کرنے والے موجود رہے اور برائیوں سے نفرت کرنے والے بھی ہر دور میں پیدا ہوتے رہے پس اگر کہیں بھی باطل پرستی سرزوری دکھانے پر آجائے تو ہر دور میں حسینی مشن کو اپنانے والے سر دھڑ کی بازی لگا کر اس کے سامنے ڈٹ جانے کو انسانیت کی صحیح خدمت سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے موقعہ پر آسمان سے قطرات خون گرے یا افق کی سرخی اُن کے ماتم میں ظاہر ہوئی اور زمین سے خون اُبلا یا آثار ماتم نمودار ہوئے گویا یہ سب اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دین خداوندی کی صحیح خدمت اور مقصد توحید کی بقاء کی خاطر جان دینے والے مجاہد اعظم نے زمین اور آسمان کی ہمدردیاں مول لے لی تھیں لہذا چودہ طبق ان کی شہادت پر مرثیہ خوان تھے۔

رکوع نمبر ۱۵

الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۔ بنی اسرائیل پر ذلت آمیز عذاب یہی تھا کہ فرعون کے حکم سے ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جاتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو کنیزی اور خدمت کے لئے زندہ رکھا جاتا تھا پس اللہ نے ان کو اس عذاب سے نجات دی۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۱﴾
اور تحقیق ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو ذلت آمیز عذاب سے
مِنْ فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَقَدِ
جو فرعون کی طرف سے تھا تحقیق وہ متکبر اور حد سے گذرنے والوں میں سے تھا اور تحقیق
اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ
ہم نے ان کو جان کر عالمین پر چن لیا اور ان کو ایسی نشانیاں

مِنْ فِرْعَوْنَ یا تو عذاب سے بدل ہے یا حال واقع ہے عذاب سے یعنی ثَابِتًا مِنْ فِرْعَوْنَ۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ اس سے معلوم ہوا کہ جن کو اللہ چن لیتا ہے وہ چننے کے قابل ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کے جملہ حالات و کوائف سے مطلع ہوتا ہے پس اُس کا چناؤ ہمیشہ برمحل ہوتا ہے ہے چنانچہ بروایت عیون الاخبار حضرت رسول کریمؐ سے مروی ہے کہ خدا نے آل محمدؐ کو نبیوں کو اور فرشتوں کو چن لیا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ان سے ایسے کام سرزد نہ ہوں گے جن کی بدولت ان کا اللہ سے رشتۂ محبت ٹوٹ جائے یا وہ مستحق عذاب ہو جائیں

کامیابی کی دعا۔ تفسیر برہان میں بروایت اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ عمر بن خطاب کے زمانہ میں ایک شخص تھا

جس کے پاس آذربیجان کے علاقہ میں کافی اونٹ تھے پس وہ سرکش ہو گئے کہ یہ شخص اُن سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا عمر بن خطاب نے اس کو ایک دعا تعلیم کی لیکن اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا پھر قوم جنات کے نام ایک خط لکھا تاکہ اگر جنوں کا اثر ہو تو وہ بھی زائل ہو جائے اور وہ جن اس معاملہ میں درخواست کنندہ کی امداد کریں لیکن اس کا بھی الٹا اثر ہوا پس وہ شخص پھر دربارِ خلافت میں اپنی شکایت لے کر حاضر ہوا اور جب اُس نے اپنی ناکامی کا اور خلیفہ کے مکتوب کی بے اثری کا ذکر کیا تو خلیفہ نے اُسے اپنی توہین قرار دیتے ہوئے شکایت کرنے والے کو دربارِ خلافت سے نکال دیا۔ پس وہ شخص حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی بارگاہِ امامت میں پہنچا تو آپ نے اس کو یہ دعا تعلیم فرمائی کہ وہاں جا کر اس کو پڑھو۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ وَ اٰهْلِ بَیْتِهِ الَّذِیْنَ اخْتَرْتَهُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ اَللّٰهُمَّ فَذَلِّلْ لِیْ صُعُوْبَتَهَا وَ حِرَابَتَهَا وَ اكْفِنِیْ شَرَّهَا فَاِنَّكَ الْكَافِی الْمُعَافِی الْغَالِبُ الْقَاهِرُ۔ چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور اگلے سال جب پلٹا تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے لئے تحائف بھی لایا اور اپنی کامیابی کا مژدہ بھی اس نے سنایا آپ نے اس کو مزید برکت کی دعا دی۔ اور فرمایا کہ جس شخص کو مال اولاد اور خاندان کی نافرمانی کی تکلیف ہو یا حکمران کی طرف سے کوئی ڈر ہو تو یہ دعا پڑھے انشاء اللہ اُسے کامیابی ہو گی اور خدا اس کو ہر مشکل و مصیبت سے کفایت فرمائے گا۔

مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ﴿۳۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوْلُوْنَ
دیں جن میں ہماری طرف سے واضح نعمت تھی تحقیق یہ لوگ کہتے ہیں
﴿۳۴﴾ اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ ﴿۳۵﴾
کہ نہیں یہ مگر پہلی بار کا مرنا اور (پھر) ہمیں نہیں اٹھایا جائے گا
فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۶﴾ اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ
پس ہمارے باپ دادا کو زندہ کر لاؤ اگر تم سچے ہو کیا یہ لوگ اچھے ہیں یا
قَوْمُ تُبَّعٍ وَّالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا
تبع کی قوم اور جو اُن سے بھی پہلے تھے کہ ہم نے ان کو ہلاک کیا کیونکہ وہ

بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ سمندر کا چیرنا پتھر سے چشموں کا جاری ہونا بادل کا سایہ اور من و سلویٰ وغیرہ بنی اسرائیل پر اللہ کے خصوصی احسانات تھے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ یعنی کفارِ مکہ کسی معقول بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے بہانے بناتے چلے جاتے ہیں پس حشر و نشر کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد قطعاً زندہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور حضور سے کہتے تھے کہ اگر مردوں کا دوبارہ زندہ ہو کر محشور ہونا درست ہے تو ہمارے لئے آپ اپنے جدِ اعلیٰ قصی بن کلاب کو زندہ کر دیں تاکہ ہم اُس سے آپ کے متعلق بھی تسلی کر لیں۔

قَوْمُ تُبَّعٍ - خدا فرماتا ہے کہ مشرکین مکہ قوم تبع سے بخت و اقبال مالداری و خوشحالی اور طاقت و قوت میں زیادہ نہیں ہیں بلکہ وہ ان سے بھی کہیں زیادہ دنیاوی نعمات میں خوشحال زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے کرتوتوں کے صدقہ میں ہم نے ان کو گرفتار عذاب کر لیا تو ان کا بھی آخر وہی حشر ہوگا۔

مجمع البیان میں منقول ہے کہ تبع کا اصلی نام اسعد ابوکرب تھا اور یمن کے قبیلۂ حمیر میں سے تھا اور چونکہ یمن کے سابق حکمرانوں کے نقش قدم پر چلا اس لئے اس کو تبع کہا گیا یا یہ کہ لوگ کافی اس کی اتباع میں جمع ہوگئے تھے پس اس کو تبع کا لقب دیا گیا۔ اس نے حیرہ پر فوج کشی کی پھر سمرقند کو تاخت و تاراج کر کے اس کو دوبارہ آباد کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یمن کے ہر حکمران کو تبع کا لقب دیا جاتا تھا جس طرح ترک کے بادشاہ کو خاقان اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا اور حضرت رسالتمآبؐ سے تبع کا اسلام کو قبول کرنا بھی مروی ہے اور منقول ہے کہ قبیلۂ اوس اور خزرج کو اس نے حضرت رسالتمآبؐ کی آمد کی انتظار میں مدینہ میں سکونت کا حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر میری موجودگی میں وہ تشریف لائے تو میں ضرور ان کی نوکری کروں گا۔ اور ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے جنگ کروں گا۔ بہرصورت مفسرین نے کہا ہے کہ تبع خود اچھا آدمی تھا چنانچہ قرآن مجید میں اس کی قوم کی مذمت مذکور ہے اور اس کی مذمت نہیں کی گئی۔ اور تبع کے متعلق اوس و خزرج کو مدینہ میں ٹھہرانے کی روایت تفسیر کی دوسری جلد میں مذکور ہے۔ پہلا ایڈیشن ص۱۶۵ دوسرا ایڈیشن ص۱۲۱ پر ملاحظہ ہو۔

مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

مجرم تھے — اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان

لٰعِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

ہے کھیل کے طور پر — نہیں ان کو پیدا کیا مگر حق کے ساتھ لیکن اکثر نہیں

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۱﴾

جانتے — تحقیق فیصلے کا دن سب کے لئے وعدہ کی جگہ مقرر ہے

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ یعنی آسمان و زمین و جملہ موجوداتِ عالم کا تخلیقی کارنامہ بے مقصد اور صرف کھیل تماشا نہیں بلکہ مدبّرِ کائنات اور محسنِ موجودات نے ان تمام چیزوں کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے یعنی ایک صحیح مقصد کے لئے ان کو خلعت وجود عطا فرمائی ہے اور چونکہ کھیل و تماشا کے طور پر بنانا باطل اور لغو سب کے مترادف تھا اس لئے اس کے مقابلہ میں حق کا استعمال فرمایا یعنی یہ عظیم تخلیقی کارنامہ محض کھیل اور لغو مشغلہ کے طور پر نہیں تاکہ ان کی موت ان کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی مترادف ہو بلکہ ان کا وجود ایک صحیح مقصد اور حق کے طور پر ہے لہذا ان کی موت ایک اعلیٰ انجام کا پیش خیمہ ہوگی پس یہ دار الامتحان ہے تاکہ اپنے اختیار سے نیکی یا بدی کے راستے پر گامزن ہو کر اگلی منزل دار الجزاء کی طرف قدم بڑھائیں۔

لَا یُغْنِیْ مَوْلٰی ۔ مولیٰ کا معنی دوست حاکم ۔ مددگار ہم قسم اور چچازاد وغیرہ معانی میں استعمال ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ اُس دن ہر شخص کو اپنا عمل کام آئے گا ۔ دوسرا کوئی کسی کی کچھ بھی امداد نہیں کر سکے گا ۔ اِس لفظ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شفاعت نہ ہو گی لیکن چونکہ شفاعت محمدؐ و آلِ محمدؐ اور شفاعت مومنین حق ہے ۔ لہٰذا اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰہُ کہہ کر اس کا استثنا کر دیا یعنی جن پر اللہ کا رحم ہو گا ۔ اُن کے حق میں شفاعت کی جا سکے گی ۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس استثناء سے مقصود حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور اس کے شیعہ ہیں ۔ زید شحام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ چل رہا تھا وہ رات جمعہ کی تھی ۔ آپ نے فرمایا آج شب جمعہ ہے ۔ لہٰذا کچھ تلاوت کر و چنانچہ میں نے اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ سے شروع کیا اور یہ آیتیں پڑھیں تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم اِلَّا مَنْ رَّحِمَ کے مصداق ہم ہیں اور ہم ان کی مدد کریں گے ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہماری ولایت ہی اُس دن لوگوں کے کام آئے گی

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۔ یعنی جن لوگوں پر اللہ رحم فرمائیگا وہ قیامت کے سخت عذاب سے بچ جائیں گے یا تو ابتداءً اُن کو عذاب سے بچا لیا جائے گا یا پہلے جہنم میں اپنے کئے اعمال کی سزا بھگتنے کے لئے داخل ہوں گے اور پھر شفاعت سے اُن کو نجات مل جائے گی ۔

یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْئًا وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۲﴾

جس دن نہ کفایت کریگا کوئی دوست کسی دوست سے کچھ بھی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۳﴾ اِنَّ

مگر جس پر اللہ کا رحم ہو تحقیق وہ غالب رحم کرنے والا ہے تحقیق

شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۴﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۵﴾ كَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی

زقوم کا درخت گنہگار کا کھانا ہوگا پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا

الْبُطُوْنِ ﴿۴۶﴾ كَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ﴿۴۷﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ

پیٹ میں کھولے گا جس طرح گرم پانی کھولتا ہے اس کو پکڑو پس دھکیل دو اس کو وسط جہنم

الْجَحِیْمِ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ

پھر انڈیل دو اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی

الْحَمِیْمِ ﴿۴۹﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ﴿۵۰﴾

کا عذاب چکھ (یہ عذاب) تحقیق تو عزت دار و کریم (کہلاتا) تھا

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ

تحقیق یہ وہ ہے جس میں تم شک کرتے تھے تحقیق متقی لوگ

مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۲﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۳﴾ يَّلْبَسُوْنَ

باامن مقام میں ہونگے باغات اور چشموں میں اطلس و دیبا کے

مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۵۴﴾ كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ

لباس میں ملبوس ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے ایسا ہی ہوگا اور ہم ان کی حور عین

بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۵۵﴾ يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

سے شادی کریں گے وہاں پر امن ہوکر ہر قسم کا میوہ طلب کریں گے

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ

وہ سوائے پہلی موت کے اور کوئی موت نہ چکھیں گے اور ان کو (خدا) دوزخ

عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۷﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ

کے عذاب سے بچائے گا یہ تیرے رب کا فضل ہے اور یہ بڑی

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ

کامیابی ہے سوائے اس کے نہیں کہ اس کو ہم نے تیری زبان پر آسان کردیا تاکہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۹﴾ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۶۰﴾

وہ نصیحت حاصل کریں پس تو انتظار کر وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں

شفاعت کا عقیدہ مسلمانوں کا مسلّمہ عقیدہ ہے اور حضور رسالت مآبؐ سے بھی منقول ہے کہ جو شخص میرے معراج کا عقیدہ نہ رکھے اور میری شفاعت پر ایمان نہ رکھے وہ میری اُمت سے نہیں ہے اور آلِ محمدؐ کا اپنے شیعوں کے لئے شفاعت کرنا متواتر احادیث سے ثابت ہے بلکہ بعض خالص مومنین کو بھی حق شفاعت دیا جائے گا۔

رکوع نمبر ۱۶ ۔ الزّقّوم اسے تھوہر کہا جاتا ہے ابوجہل نے ازراہِ تمسخر کھجوروں پر مکھن ڈال کر لوگوں سے کہا تھا کہ یہ وہی زقوم ہے جس سے محمدؐ ہم کو ڈراتا ہے بعض مفسّرین نے اس جگہ اثیم سے مراد ابوجہل لیا ہے اور لفظ اثیم مطلق ہر گنہگار کو شامل ہے۔

ذُقْ اِنَّكَ ۔ چونکہ ابوجہل اپنے آپ کو مکہ میں عزیز وکریم کہتا تھا اس لئے اس کے سر پر جہنم کا کھولتا ہوا پانی ڈال کر کہا جائے گا کہ تو عزیز وکریم ہے لہٰذا اس عذاب کو چکھو۔

سُنْدُسٍ ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ سندس پہننے کا کپڑا ہوتا ہے اور استبرق نیچے بچھانے کے لئے ہوتا ہے اور یہ دونوں نہایت قیمتی کپڑے ہیں۔

مُتَقٰبِلِيْنَ ۔ یعنی بہشتی لوگوں میں باہمی منافرت نہ ہوگی تاکہ ایک دوسرے کی طرف ناراضگی سے پیٹھ کرلیں بلکہ ان میں ہمیشہ دوستانہ قائم رہے گا اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہنستے مسکراتے ہوئے زندگی بسر کریں گے۔

جلد نمبر ۱۳

13

جلد نمبر 13

انوار النجف

سُورَةُ الجَاثِيَة

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کا دوسرا نام الشریعہ بھی ہے ۔ یہ سورہ دخان کے بعد اُتری اور اس کی آیت نمبر ۱۵ مدنی ہے اور آیات کی کل تعداد بسم اللہ سمیت ۳۸ ہے ۔

جو شخص سورہ جاثیہ کو پڑھے گا بروز قیامت حساب کے وقت کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوگا اور اس کی شرم گاہ مستور ہوگی ۔ (مجمع البیان)

بروایت ابو بصیر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو سورہ جاثیہ کی تلاوت کرے گا وہ جہنم کی آگ نہ دیکھے گا اور نہ اس کے شعلوں کا بھڑکنا سنے گا ۔

خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ جابر و سرکش حکمران کے ظلم سے محفوظ رہے گا اور اس کا رعب قائم ہوگا اور ہر دیکھنے والے کی نظر میں محبوب ہوگا ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ ہر چغلخور کے شر سے محفوظ ہوگا اور اس کی غیبت نہ ہوگی اور نئے پیدا ہونے والے بچے کو اگر اس کا تعویذ باندھا جائے تو وہ باذن پروردگار ہر آفت و مصیبت سے محفوظ رہے گا ۔

(البرہان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

حٰمٓ ② تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ③ اِنَّ

حٰم اتارنا کتاب کا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب و دانا ہے تحقیق

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ④ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا

آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں مومنوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہارے پیدا کرنے میں اور جو کچھ

يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ⑤ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اُس نے پھیلائے ہیں زمین پر چلنے والے جانور ان میں نشانیاں ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اور شب و روز کے اختلاف میں

وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اور جو اللہ تعالٰے نے اتارا آسمان سے رزق پس اس کے ذریعے زندہ کیا زمین کو بعد موت کے

وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑥ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ

اور ہواؤں کے چلانے میں نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لئے یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جو ہم تلاوت کرتے ہیں تجھ پر

رکوع نمبر ۱ - توحید کا بیان اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ - یعنی جس طرح کوئی معمولی سے معمولی مصنوع بغیر صانع کے نہیں ہو سکتا تو یہ آسمان و زمین اور ان میں بسنے والی ہزاروں اقسام کی مخلوقات اور شب و روز کا ردّ و بدل ہواؤں کا تغیّر اور بارشوں کا نزول وغیرہ یہ سب بغیر کسی حکیم و مدبّر اور خالق و صانع کے کیسے ہو سکتا ہے ؟ چنانچہ معصوم سے مختصر لفظوں میں اس کا استدلال یوں منقول ہے کہ جب اُونٹ کی مینگنی اونٹ کے گذرنے پر نشانِ قدم کسی جانے والے پر دلالت کرتے ہیں تو اتنا بڑا نظام عالم اپنے خالق حکیم پر کیونکر دلالت نہیں کرتے ؟ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ توحید پروردگار کی دلیلیں اُس کی مخلوقات کی تعداد کے برابر ہیں کیونکہ اُس کا مصنوع اپنے صانع حکیم کی عظمت و حکمت و جلالت کا پتہ دیتا ہے - اور مسئلہ توحید تمام مسائل میں سے واضح مسئلہ ہے جس کا انکار سوائے سرکش و عنید کے اور کوئی نہیں کر سکتا -

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ - ان کے اختلاف سے مراد یا تو ان کا گھٹنا بڑھنا ہے یا ایک دوسرے کے بعد آنا جانا ہے - اور یا نور و ظلمت کا فرق مراد ہے اور ہر صورت اپنے خالق حکیم اور صانع مدبّر کے وجود کا پتہ دیتی ہے -

مِنْ رِّزْقٍ - آسمان سے اُترنے والی بارش ہی کو رزق سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس کی بدولت زمین کی آبادی اور اسکی سرسبزی

بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۷ وَيْلٌ لِّكُلِّ

حق کے ساتھ پس وہ کس بات پر اللہ اور اس کی آیات کے بعد ایمان لائیں گے ؟ ویل ہے ہر بہتان تراش

اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝۸ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا

گنہگار کے لئے جو اللہ کی آیات کو سنتا ہے جو اس پر پڑھی جاتی ہیں پھر ڈٹ جاتا ہے "تکبر" کرتے ہوئے

كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۹ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا

(کفر پر) گویا کہ اس نے کچھ نہیں سنا پس اس کو خوشخبری دو دردناک عذاب کی اور جب جانتا ہے ہماری آیات میں سے کچھ

شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝۱۰ مِنْ وَّرَآئِهِمْ

تو اس کو مسخری بنا لیتا ہے ایسے لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہوگا ان کے پیچھے

جَهَنَّمُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَيْـًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ

جہنم ہے اور ان کو نہ فائدہ دے گا جو انہوں نے کمایا کچھ بھی اور نہ وہ جو انہوں نے بنا لئے

وشادابی رونما ہوتی ہے جس سے اللہ کی اکثر و بیشتر مخلوق کے رزق کا سامان فراہم ہوتا ہے۔

تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ ۔ ہواؤں کی تصریف سے مراد یا تو شمال جنوب اور صبا و دبور کی ہواؤں کا مناسب مواقع پر چلنا ہے ۔ یا یہ مراد ہے کہ بعض ہوائیں رحمت کا پیغام لاتی ہیں اور بعض باعث عذاب بن کر چلتی ہیں ۔ اور یہ سب قدرت پروردگار کا کرشمہ ہیں ۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ ۔ یعنی اللہ کی فرمائشات اور اس کی آیات کے بعد اور کونسی شے ہے جس پر وہ ایمان لائیں گے اور تلاوت کا اصل معنی ہے ایک کے بعد دوسری کو فوراً اس کے پیچھے لانا چنانچہ "تالی" پیچھے آنیوالے کو کہا جاتا ہے یہاں "تلاوتِ آیات" سے مراد ہے مسلسل آیات کا لانا اور اسی مناسبت سے قرآن کے پڑھنے کو بھی تلاوت کہا جاتا ہے۔

وَيْلٌ ۔ یہ بددعا کا کلمہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں گرم پانی اور پیپ بہتا ہے ۔

اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۔ ہر وہ شخص جو جھوٹا اور بہتان تراش ہو وہ افاک کہلاتا ہے یہ افک سے مبالغہ کا صیغہ ہے ۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے بعد ہر وہ شخص جو نبوت کا یا امامت کا ناحق دعویٰ کرے وہ اس کا مصداق ہے

وَاِذَا عَلِمَ ۔ ایسے لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو دیدہ دانستہ طور پر حق کی مخالفت کرتے ہوئے لوگوں کو شبہات میں مبتلا کرتے ہیں چنانچہ ابوجہل کا مکہ میں یہی دستور تھا ۔ جب یہ آیت اُتری کہ گنہ گاروں کے لئے دوزخ میں زقوم خوراک ہوگی تو اس نے کھجور پر مکھن ڈال کر لوگوں کو کہا کہ یہ وہ زقوم ہے جس سے ہمیں محمد ڈراتا ہے اور یہ تو ہماری روزمرہ کی خوراک ہے ۔ اسی طرح نضر بن حارث بھی لوگوں کو قرآن کے مقابلہ میں ایرانی لوگوں کے قصے سنا کر حضور سے منحرف کرنے کی کوشش کرتا تھا ۔

دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١﴾ هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کے علاوہ کارساز اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا یہ ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیات کا کفر

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿١٢﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ

کرتے ہیں ان کے لئے دردناک تکلیف کا عذاب ہے اللہ وہ ہے جس نے مطیع بنایا تمہارے لئے

الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

سمندر کو تاکہ اس میں کشتیاں چل سکیں اس کے حکم سے اور تاکہ تم تلاش کرو اس کا فضل اور تاکہ تم شکر گذار

تَشْكُرُوْنَ ﴿١٣﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

بنو اور مطیع بنایا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اپنی جانب سے

مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٤﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا

تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو فکر کریں کہہ دیجئے ان کو جو ایمان لائیں کہ چشم پوشی کریں

لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٥﴾ مَنْ

ایسے لوگوں کے لئے جو نہیں امید کرتے اللہ کے دنوں کی تاکہ جزا دے اس قوم کو اس کی جو وہ کرتے ہیں جو

عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۡ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿١٦﴾

اچھا عمل کرے گا تو اس کی ذات کے لئے ہے اور جو برا کرے گا تو اس کا ہی ہوگا پھر اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤ گے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

اور تحقیق ہم نے دی بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت اور ان کو رزق دیا پاکیزہ چیزوں سے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ - یعنی دنیا میں ایسے لوگوں کے لئے عذاب ہے اور اس سے بڑا عذاب اس کے بعد جہنم ہے جس سے ان کو کوئی شے نہ بچا سکے گی۔ اور وراء کا لفظ لغاتِ اضداد میں سے شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کا معنی سامنے بھی ہے اور پیچھے بھی جس طرح مولا کا معنی آقا بھی آتا ہے اور غلام بھی اسی طرح مولا کا معنی دوست بھی ہوتا ہے اور دشمن بھی اور قرءٌ کا معنی طہر بھی ہوتا ہے اور حیض بھی۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا

اور ان کو جہانوں پر فضیلت بخشی اور دیں ہم نے ان کو واضح دلیلیں امر سے پس انہوں نے

اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

نہیں اختلاف کیا مگر علم آچکنے کے بعد باہمی بغاوت کی بنا پر تحقیق تیرا رب

يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ

ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اس کا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور پھر ہم

جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ

نے آپ کو اپنے امر سے ایک شریعت پر ٹھہرایا پس کی اتباع کرو اور نہ اتباع کرو نہ جاننے والے لوگوں

رکوع نمبر۱۸ اَللّٰهُ الَّذِیْ - بیانِ توحید کا تتمہ ہے کہ تمہارے لئے بحری سفر کو آسان اور کامیاب بنانے کے لئے اُس نے پانی کو اس قابل بنایا کہ اس میں کشتیاں اور جہاز چل سکیں۔ اس جگہ تسخیر سے مُراد یہ ہے کہ اس کو اس قابل بنایا کہ تم اپنی مرضی کے مطابق اس میں کشتیوں اور جہازوں کے ذریعے سفر کر سکو۔ اور بحر سے مُراد پانی ہے اور بحری راستہ سے ہی انسان پُوری دنیا کی سیر کر سکتا ہے اور تمام دنیا کے ملکوں کے ساتھ روابط قائم رکھنے کا یہی واحد ذریعہ ہے اور اسی پر ہی عالمی تجارت کا دارومدار ہے اور فضل سے مُراد تجارت کے ذریعے سے رزق کمانا ہے اور آخر میں فرمایا کہ یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ تم احسانات پروردگار کو سمجھو۔ اور اُن کا شکر ادا کرو۔

جَمِيْعًا مِّنْهُ - یعنی آسمانوں اور زمین کی طاقتوں کا تمہارے فوائد کے لئے مطیع فرمان ہونا سب اُس اللہ ہی کی جانب سے ہے اور اس میں فکر و نظر کرنیوالوں کے لئے توحید خالق کی دلیلیں ہیں اور بعض لوگوں نے اس کو مِنَّةً پڑھا ہے جسکا معنی یہ ہے کہ یہ سب اسی کا احسان ہے يَغْفِرُوْا - یعنی وہ لوگ جو اللہ کے عذاب کا ڈر نہیں رکھتے اور نہ وہ اللہ کے انعام کا بروز محشر طمع رکھتے ہیں۔ پس اگر مومنوں کو تکلیف پہنچائیں تو آپ مومنوں سے کہدیں کہ وہ صبر سے کام لیں اور جوابی کاروائی سے باز رہیں کیونکہ اللہ خود ہی اُن کو اعمال کی جزا دیگا تفسیر برہان میں مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو مارنیکا ارادہ فرمایا اور فوراً یہ آیت پڑھلی قُلْ لِّلَّذِيْنَ - الخ - چنانچہ تازیانہ رکھ دیا اور مارنیکا ارادہ ملتوی کردیا غلام یہ دیکھ کر رونے لگا۔ آپنے فرمایا کیوں روتا ہے؟ اُس نے عرض کی حضور میں اُن لوگوں سے نہیں ہوں جو اللہ کے ایام کی اُمید نہیں رکھتے آپنے فرمایا کہ تو اللہ کے ایام یعنی اسکی سزا و جزا پر تو ایمان رکھتا ہے؟ تو اُس نے عرض کی جی ہاں آپنے فرمایا جاؤ قبر پیغمبرؐ پر میرے لئے آمرزش کی دعا کرو اور میری طرف سے آزاد ہو۔

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

کی خواہشات کی تحقیق وہ تجھے اللہ سے کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتے اور تحقیق ظالم لوگ بعض

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۰﴾ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ

بعض کے دوست ہیں اور اللہ متقیوں کا دوست ہے یہ باعث بصیرت امور ہیں لوگوں کے

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۱﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا

لئے اور ہدایت اور رحمت ہی یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے کیا خیال کرتے ہیں وہ جو کسب کرتے ہیں

السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَاۗءً

برائیوں کا کہ ان کو ہم ایسے لوگوں کی طرح جانیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے کہ ان کی

مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

زندگی اور موت برابر ہو؟ وہ بُرا فیصلہ کرتے ہیں اور پیدا کیا اللہ نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور زمین کو حق کے ساتھ اور تاکہ بدلہ دیا جائے ہر نفس کو اُس کا جو اُس نے کمایا اور نہ وہ ظلم کئے جائیں گے

بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ :- امر سے مراد احکامِ تورات ہیں، یعنی تورات کے مفصل احکام بنی اسرائیل کو دئے گئے جن میں حضرت رسالت مآبؐ کی نبوت کی تصدیق تھی اور اُن لوگوں کو آپ کی نبوت کا اَز راہِ تورات پُورا علم تھا لیکن جب آپ تشریف لائے تو آپس کی سرکشی اور بغاوت کی بنا پر اُنہوں نے حضور کی نبوت کا انکار کیا اور آپ کی دعوت کا بائیکاٹ کردیا یا یہ کہ اپنی ریاست وشان کی خواہش کے ماتحت آپ کی مخالفت شروع کردی۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ :- یعنی حضرت مُوسٰی کے بعد ہم نے آپ کو امر ونہی کی ایک شریعت پر ٹھہرایا، اور شریعت کا معنی ہے ایسا طریقہ یا سُنّت جس پر چلنے والا منزلِ مقصُود تک پہنچ جائے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ - ان سے مراد یہودی بھی ہوسکتے ہیں، جنہوں نے تورات کی تحریف کرکے اس کے احکام بدل ڈالے اور اپنی خواہشات کے پیچھے ہو لئے اور مشرکین بھی مراد ہوسکتے ہیں جو صرف اپنی خواہشات کے ماتحت آبائی طریقہ کو سینے سے لگائے ہوئے تھے

اِجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ - تفسیر برھان میں اس کے مصداق عتبہ اور شیبہ دو ربیعہ کے بیٹے تھے، اور ولید بن عتبہ ہیں

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے اس کو جانتے ہوئے گمراہی میں چھوڑ دیا

سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ

ہے اور اس کے کان و دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا تو اس کو اللہ کے سوا کون ہدایت کر سکتا ہے

بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَقَالُوْا مَا هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

کیا تم سوچتے نہیں ؟ اور کہنے لگے کہ نہیں مگر دنیاوی زندگی جس میں ہم مرتے اور

نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ

جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے حالانکہ اس کا ان کو کچھ بھی علم نہیں ہے

اور امنوا کے مصداق حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت عبیدہ بن حارث اور حضرت علیؑ بن ابی طالب ہیں۔

سَوَاءً۔ اس کو بعض نے مرفوع پڑھا ہے اور بعض نے منصوب پڑھا ہے۔ منصوب پڑھنے کی صورت میں نَجْعَلَ کا دوسرا مفعول ہوگا۔ اور مَحْيَاهُمْ نَجْعَلَ کے مفعول سے بدل ہوگا۔

رکوع نمبر ۱۹۔ اَفَرَءَيْتَ - اس کے معنی میں تین اقوال ہیں۔ (۱) الٰہ سے مراد دین یعنی ایسے بندے موجود ہیں جن کا دین خواہشِ نفس ہے۔ پس خدا و رسول کی ہدایت پر عمل کرنا ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا بلکہ جو چاہتے ہیں کر گذرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا دین صرف یہی ہے کہ ہر قید و بند سے مکمل آزاد ہو کر جو چاہیں کر گزریں

۲۔ الٰہ سے مراد معبود یعنی بعض بندے ایسے ہیں جو معبود ماننے میں دلیل و برہان کے بجائے خواہشِ نفس کے پیچھے چلتے ہیں۔ پس جو چیز پسند آگئی۔ اور جس کو نفس نے چاہا اُسے اپنا معبود تصور کر لیا۔ چنانچہ جب ایک پتھر پسند آیا تو اس سے خدا تراش لیا اور جب اس سے کوئی بہتر چیز نظر آئی تو پہلے خدا کو نظر انداز کر کے دوسرے کو معبود قرار دیدیا و علیٰ ہذا القیاس

(۳) الٰہ ماننے سے مراد اطاعت کرنا یعنی بعض آدمی ایسے ہیں کہ اپنی خواہشِ نفس کے پیچھے چلتے ہیں۔ اور وہ اپنی خواہشِ نفس کے اسقدر [illegible] ہیں جس طرح خدا کی اطاعت کی جانی چاہیے تھی اور اس جگہ یہ سارے معانی مراد لئے جا سکتے ہیں چنانچہ آج کل مسلمانوں میں اسلامی عقائد و اعمال کی یہی حالت ہے اور اکثریت کا رجحان اسی قسم کا ہے کہ جو عقیدہ و عمل طبیعت کو پسند آگیا اور خواہش نفس نے اپنا لیا اس کو دین سمجھ لیا اور جس چیز کو خواہش نفس نے نہ اپنایا اس کو خلاف اسلام قرار دیدیا اور بہت سوں کو ہم نے دیکھا ہے جو اسلام سے ذرہ بھر رابطہ نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ مسلمانوں کے گھر میں وہ پیدا ہوئے تھے اور نام بھی مسلمانوں جیسا ماں باپ نے رکھ دیا تھا اس کے علاوہ اصولاً و فروعاً اسلام سے صرف بیگانہ نہیں بلکہ ہر وقت اسلام دشمنی کا دھواں ان کے دل و دماغ اور عمل و کردار سے بلند ہوتا رہتا ہے تاہم وہ اپنے تئیں اسلام کا ٹھیکہ دار سمجھتے ہیں اور اپنی کج دماغی کی بدولت جو کچھ انہوں نے مغرب والوں سے یا مغرب نواز لوگوں سے اسلام کی بابت سنا ہے اُسی پر

ہی وہ مطمئن ہیں اور اسلام اُسی کو ہی سمجھتے ہیں جس کا تصور اُن کے ذہن میں ہے۔

عام تو عام خاص طبقہ میں بھی یہ بیماری ہے۔ اور بعض شیعہ معزز گھرانوں میں بھی اسلامی مسلّمہ قوانین وضوابط کے مقدس جسم کو مغربیت کے پالش شدہ تحیلاتی ناخنوں سے کُریدا اور نوچا جانے لگا ہے۔ اہل مغرب کے تاثرات کو اپنانے والی نئی پود احکام اسلامیہ کی صرف تارک نہیں بلکہ دشمن بنتی چلی جا رہی ہے۔ اور خواہش نفس کی پوجا عام سے عام تر ہوتی جا رہی ہے۔ اور یہ سب کچھ گھروں میں اسلامی تعلیمات کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ اگر گھروں میں بچوں کو اسلامیات سے آگاہ کیا جاتا اور اسلام کے ضروری مسائل سے ان کو روشناس کر دیا جاتا تو یقیناً نئی پود کا مستقبل اس طرح تباہ نہ ہوتا۔

اول تو ہر شخص ہر مسئلہ کو اپنی خواہش پر ڈھالنے کے لئے غور وفکر کرتا ہے اور ہر شخص کا ذہن ہر مسئلہ کا حل اپنی خواہش کی روشنی میں تلاش کرتا ہے لہٰذا اس کو ذہنی سکون اُس وقت نصیب ہوتا ہے جب مسئلہ مطلوبہ کا حل اس کی خواہش کے عین مطابق ہو اور اسکے جذبات کا ترجمان ہو پس خواہش کے مطابق نہ ہونیوالا حل اس کے لئے نہ باعث سکون بن سکتا ہے اور نہ وہ مسئلہ اس کے لئے قابل قبول قرار پا سکتا ہے لیکن جب انسان اپنی خواہش پر اپنے خالق ومالک کی حکومت مطلقہ کو تسلیم کرے تو اس کو چار و ناچار اپنی خواہش کے فیصلہ پر خدائی فیصلہ کو ترجیح دینا پڑتی ہے اور اس صورت میں اس کا سکون قلب اور اطمینان نفس خواہش کی مطابقت سے نہیں بلکہ خالق کی اطاعت میں ہی حاصل ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اگرچہ پدری محبت کی بنا پر خواہش تھی کہ اسمٰعیل جوان ہو اور پھلے پھولے لیکن جب اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی قربانی کا حکم ملا تو پدری محبت کے جذبات اللہ کی اطاعت کے بلند جذبہ کے مقابلہ میں خود بخود فرو ہو گئے اور سکون نفس اور اطمینان قلب کی منزل اللہ کی اطاعت میں امتحان سے کامیابی حاصل کرنے میں منحصر تھی جس کو انہوں نے پا لیا اور قیامت تک کے لئے آنے والی نسلوں کو اپنی خواہشات کو قربان کرتے ہوئے اللہ کے حکم کے سامنے جھکنا سکھا گئے۔

اور یہ امر فطری ہے کہ اپنے سے مافوق کا تصور خواہش پر غالب ہوا کرتا ہے۔ مثلاً کوا لالچی جانور ہے۔ اگر اس کے سامنے ایک طرف گوشت کا ٹکڑا ہو اور دوسری طرف کوئی آدمی اس کو گرفتار کرنے کے لئے اُس کی تاک میں ہو تو وہ اپنی خواہش کو پورا کرتے ہوئے کبھی اپنے آپ کو شکاری کے حوالہ کرنا پسند نہ کرے گا۔ بلکہ اپنی خواہش اور فطری عادت حرص کو چھوڑنا پسند کرے گا۔ اسی طرح سب حیوان مافوق کی حکومت کا تصور کر کے کبھی ایسا اقدام نہیں کریں گے جو اُن کے لئے معرض خطر ہو پس اگر انسان کا ذہن یہ صحیح تصور کرے کہ مجھے کوئی پوچھنے والا بھی ہے تو یقیناً اُسے اپنی خواہشات کی قربانی دینا ہوگی۔ پس خدائی احکام کو نظر انداز کر کے خواہش نفس کے فیصلہ کو اپنانا اپنی خواہش کو خدا ماننے کے مترادف ہے۔

اللہ کے خاص بندے نبی یا امام چونکہ اپنے اُوپر اللہ کی حکومت مطلقہ کو بدل وجان تسلیم کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی خواہش نفس ہمیشہ مغلوب اور اطاعت خدا اُن پر غالب رہتی ہے۔ پس وہ معصوم ہوتے ہیں۔ اور وہ ایک لمحہ کے لئے بھی حکم خدا کی مخالفت کا تصور نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ اس کی طرف اقدام کریں۔

وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ ۔ یعنی خدا نے اس کو گمراہی میں ڈھیل دے دی ہے یا یہ کہ خدا نے اُس کو گمراہی کا بدلہ دے دیا ہے۔ اور

اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۵﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا كَانَ

بس وہ صرف گمان ہی کرتے ہیں اور جب ان پر پڑھی جائیں ہماری واضح آیتیں تو ان کی اور کوئی دلیل

حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ قُلِ اللّٰهُ

نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ کہتے ہیں ہمارے باپ دادا کو زندہ کر لاؤ اگر تم سچے ہو کہدو اللہ

اللہ کو اس کے انجام بد کا علم تھا۔

خَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ ۔ کان اور دل پر مُہر اور آنکھ پر پردے کا بیان اور اُس کی مکمل تشریح وتفسیر نیز قضاء وقدر کے مسئلہ کی پوری وضاحت تفسیر کی دوسری جلد سورہ بقرہ کے رکوع کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

وَمَا یُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۔ یعنی خواہش نفس کی پیروی کو دین سمجھنے والے اور نفس کے احکام کی اطاعت کرنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے دلوں میں عقیدہ توحید راسخ نہ ہو۔ پس وہ دنیا کی عیش وعشرت کو ہی زندگی کی کامیابی قرار دیتے ہیں۔ لہذا اُن کا مطمح نظر اسی دنیاوی زندگی تک ہی محدود ہے۔ اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ انسان کی پیدائش اور اُن کی موت وحیات زمانہ کی رفتار کے ماتحت ایک طبعی امر ہے جو ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا ورنہ اگر اُن کو یہ خیال ہوتا کہ اس عالم کا کوئی خالق اور مدبر ہے جس نے اپنے حسن اختیار سے اُس کو کتم عدم سے شرف وجود بخشا اور اسی کے حسن تدبر سے ہی یہ سارا نظام ارضی وسماوی بطریق احسن جاری وساری ہے پس اس عالم کی جزئیات کا عدم کے بعد وجود میں آنا خالق کی ازلیت کی دلیل ہے اور ان سب کا تغیر پذیر ہونا اس کے عدم تغیر کی دلیل ہے۔ اور ان سب کے زوال وفنا سے اس کے لازوال ہونے اور ربوبیت کا پتہ چلتا ہے۔ پس وہ صفات خلق سے بلند وبالا ہے۔ اور تمام مخلوق جس طرح ایجاد میں اس کی صنعت کی محتاج ہے اسی طرح بقاء میں اس کے حسن تدبیر اور فضل وکرم کی رہین منت ہے۔ پس جس طرح ابتداء خلقت اور پوری زندگی میں کائنات اس کی مرہون احسان ہے۔ اسی طرح موت اور فنا کے بعد سب کی اُس کی بارگاہ قدرت میں حاضری ہوگی اور پھر سب کو اس کے فیصلے کے سامنے سر خم کرنا ہوگا پس اگر یہ تصور قائم ہو جائے۔ اور اس عقیدہ کو پختگی سے تسلیم کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسانیت چین واطمینان کا سانس نہ لے اور ہر انسان اپنے صحیح مقصد کی طرف گامزن نہ ہو۔ پس انسانوں کی بے راہروی ظلم واستبداد بلکہ تمام معاشرتی خرابیوں کی واحد جڑ عقیدہ توحید سے بغاوت ہے۔ اس مقصد کی مزید وضاحت ہماری کتاب اسلامی سیاست میں ملاحظہ فرمادیں۔

خداوند کریم نے ان آیات مجیدہ میں مشرکین مکہ اور تمام دشمنان خدا کی غلط کاریوں کی وجہ اسی چیز کو بیان فرمایا ہے کہ یہ لوگ دنیاوی زندگی کو ہی اپنا آخری نقطۂ کامیابی قرار دیتے ہیں۔ اور موت وحیات کو رفتار زمانہ کا تقاضا قرار دے کر حقیقت سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں۔ اور خدا چونکہ بندوں کو مجبور نہیں کرتا۔ بلکہ اُس نے صاف فرمایا ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی کے لئے کوئی مجبوری نہیں لہذا جو ایمان لائے تو سوچ سمجھ کر اپنے اختیار سے ایمان کو قبول کرے اور جو انکار

يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ

تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو اکٹھا کرے گا قیامت کے دن کے لئے جس میں کوئی شک نہیں

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور اللہ کے لئے ملک آسمانوں اور

الْأَرْضِ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَخْسَرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٧﴾ وَتَرَىٰ

زمین کا ہے اور جس دن برپا ہوگی قیامت اُس دن نقصان پائیں گے باطل پرست اور ہر اُمت

کرے تو بے شک اپنی مرضی سے جہنم میں جائے۔ اللہ نے کفار کے دہری عقیدہ کو جہالت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اور اس کو دلیل و برہان سے باطل فرمایا ہے۔

مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ ۔ یعنی جب عقلی طور پر ادلّہ توحید کے ذریعے سے ان کو قائل کرایا جائے کہ صرف اللہ ہی ہے جو مارنے جلانے اور جملہ اُمورِ تکوینیہ کے انجام دینے پر قادر ہے لہذا خواہش نفس کی پیروی کی بجائے اس کی اطاعت ہی واجب و لازم ہے۔ کیونکہ مرنے کے بعد پھر ایک دن اس کی بارگاہ میں حاضری ہوگی۔ اور اعمال کی باز پُرس ہوگی۔ اور صرف زمانے کا گذرنا اور شب و روز کا متبادل انتظام ہی ہماری زندگی و موت کا موجب نہیں بلکہ یہ نظام اور جملہ ذی روح مخلوق کا نظام موت و حیات اس اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے جو سب کا خالق و مالک ہے اور اس ظاہری زندگی تک یہ معاملہ محدود نہیں بلکہ موت کے بعد ایکدفعہ پھر زندہ ہو کر اُس کے دربار میں کھڑا ہونا ہے تو ان اُمور کا کوئی دُوسرا جواب تو اُن سے بن نہیں آتا صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر اللہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر سکنے پر قادر ہے تو دنیا میں ہمارے گذشتہ اکابر کو زندہ کرا دیجئے تاکہ ہم رُوبرو ہو کر اُن سے دریافت کرلیں۔ اگر وہ لوگ آپ کی تصدیق کر دیں گے تو ہم بغیر کسی حیلہ و حجت کے آپ کی بات کو تسلیم کرلیں گے۔ مشرکین مکہ چونکہ ازراہِ عناد اس قسم کی باتیں کرتے تھے۔ اِس لئے ان کے مطالبہ کو پُورا کرنا لازم نہ سمجھا گیا۔ کیونکہ یہ مطالبہ ان کا پہلا مطالبہ نہیں تھا بلکہ کسی وقت کہتے تھے کہ اگر خدا قادر ہے تو وہ درخت خود چل کر آپ کی تصدیق کرے۔ جب درخت نے گواہی دی تو کہنے لگے درخت کا نصف حصہ چل کر آئے اور ایک نصف اپنی جگہ پہ کھڑا رہے۔ چنانچہ ایک نصف حصہ درخت کا آیا اور وہ گواہی دے کر واپس گیا۔ اور اپنے بقیہ حصہ سے جا ملا تو اُنہوں نے کچھ اور مطالبہ کر دیا۔ اور سب کچھ دیکھنے کے بعد کہہ دیا کہ یہ سب جادو ہے پھر ایک دفعہ باہمی مشورہ کے بعد یہ سوچا کہ چونکہ آسمان پر جادو کا اثر نہیں ہوتا لہٰذا حضور سے چاند کے ٹکڑے ہونے کا مطالبہ کر دیا جب یہ بات بھی پُوری ہو گئی تو کہنے لگے اُن کا جادو آسمان پر بھی اثر کرتا ہے۔ تو کسی وقت شاعر کہہ دیا۔ کسی وقت دیوانہ کہنا شروع کر دیا۔ اور عوام النّاس کو اسلامی تعلیمات سے روکنے کے لئے کوئی نہ کوئی شبہ ڈالنا اور اعتراض کرنا ان کی عادت بن گئی تھی۔ پس کسی وقت کہہ دیتے تھے اگر

كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ

کو گھٹنے ٹیکے ہوئے دیکھو گے کہ ہر اُمت کو اپنی کتاب کی طرف بلایا جائے گا اس دن تم کو بدلہ دیا جائے

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٩﴾ هَٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّا كُنَّا

گا جو تم عمل کرتے تھے یہ ہماری کتاب تمہارے خلاف حق بولتی ہے کیونکہ ہم لکھتے

نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٠﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

تھے جو تم کرتے تھے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کر گذرے

فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

تو اُن کو اُن کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا یہ ہی واضح کامیابی

الْمُبِينُ ﴿٣١﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

ہے لیکن جو لوگ کافر رہے (ان کو کہا جائے گا) کیا تم پر ہماری آیات نہ پڑھی گئی تھیں

فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ

پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ

حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ

حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں تو تم نے کہا ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے ؟

خدا قادر ہے تو مکہ کی سرزمین کو زرخیز سرزمین سے بدل دے ۔ یہاں نہریں جاری ہوں ۔ اور سرسبز لہلہاتے ہوئے باغات پیدا ہو جائیں ۔ کسی وقت کہتے تھے کہ مکہ کی پہاڑیوں کو سونے سے بدل دیجئے ۔ اور ان کے سوالات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہمارے گذشتہ اکابر کو زندہ کر دیجئے تاکہ ہم اُن سے آپ کے متعلق تسلی کر لیں اور یہ سب اگر تسلی کی خاطر اور صاف دلی در حقیقت طلبی کی بنا پر ہوتا تو ضرور اُن کا مطالبہ پورا کیا جاتا لیکن چونکہ ازراہِ عناد اُن کے سوالات تھے اس لئے صرف ادلّہ عقلیہ پر اکتفا کی گئی ۔

رکوع ع۲ :۔ جَاثِيَةً :۔ یہ جثو سے ہے یعنی گھٹنوں کے بل بیٹھنا جس طرح گذشتہ زمانہ میں مقدمہ کے فریقین قاضی و مجسٹریٹ کے سامنے بیٹھا کرتے تھے ۔ مقصد یہ ہے کہ بروز محشر عدالتِ پروردگار میں تمام لوگ اسی طرح پیش ہونگے جس طرح عدالت میں پیش ہونے کا طریقہ ہے ۔

إِنْ نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ

ہم تو گمان ہی کرتے ہیں اور نہیں اس کا کوئی یقین نہیں ہے اور ان کے سامنے اپنی کی ہوئی برائی

مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقِيْلَ

کا نتیجہ آجائے گا اور بدلہ مل جائے گا اُس کا جو وہ مسخری کرتے تھے اور کہا جائیگا

اَلْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

کہ آج ہم نے تم کو بھلا دیا جس طرح تم نے اس دن کی حاضری کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور تمہارا کوئی

نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۵﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ

مددگار نہیں ہے یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیات کو مسخری بنالیا تھا اور تمہیں زندگی دنیا نے

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۶﴾

دھوکا میں ڈالا تھا پس آج وہ نکل سکیں گے اس سے اور نہ ان کو معافی دی جائے گی۔

اِلٰى كِتٰبِهَا۔ اس جگہ کتاب سے مراد یا تو کتاب سماوی ہے یعنی ہر اُمّت سے اپنی کتاب کی اتباع کے متعلق بازپرس ہوگی اور یا یہ کہ کتاب سے مراد اعمال نامہ ہے۔ یعنی ہر اُمّت کی پیشی کے وقت اُن کے سامنے اُن کا اعمال نامہ بھی حاضر کیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ یہ ہماری کتاب یعنی تمہارا وہ اعمالنامہ جو ہمارے فرشتوں نے نوٹ کیا تھا بالکل صحیح اندراجات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں وہی کچھ لکھا گیا ہے جو تم نے کیا تھا۔

اور بعض روایات میں ہے۔ عُنْوَانُ صَحِيْفَةِ الْمُؤْمِنِ حُبُّ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔ یعنی مومن کے صحیفہ اعمال کا عنوان حضرت علیؑ کی ولا ہوگا۔ پس واقعی نیک بخت ہے وہ انسان جو زندگی میں حضرت علی علیہ السّلام کے نقش قدم پر ہو۔ اور اُن کی فرمائشات پر عمل کرے۔ کیونکہ حضرت علی کی اتباع کرنے والا یقیناً جنّت میں داخل ہوگا اور اُس کی نافرمانی کرنے والا یقیناً جہنّم میں جائے گا۔ اور حضرت علی علیہ السّلام کے قسیم النار والجنہ ہونے کا بھی یہی مطلب ہے۔

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا۔ یعنی جب کفّار کو دنیا میں کہا جائے گا کہ قیامت آنے والی ہے تو صاف کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا کوئی یقین نہیں اس جگہ ظن سے مراد شک ہے۔ اور انسانی معاشرہ کی جملہ خرابیوں کی جڑ جس طرح عقیدہ توحید کی کمزوری ہے۔ اِسی طرح قیامت کے عقیدہ کی کمزوری کو بھی اس میں بڑا دخل ہے۔ کیونکہ جب تک بازپرس کا یقین نہ ہو اس وقت تک برائیوں سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ پس انسان کی بقاء اور ارتقاء کے لئے اور اُس کی تمدنی زندگی کی اصلاح

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَلَهُ

پس اللہ کے لئے حمد ہے جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور سب جہانوں کا رب ہے اور اسی

الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۸﴾

کے لئے بزرگی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی سب پر غالب اور حکمت والا ہے

کے لئے جو نظریۂ حیات اور ضابطۂ اخلاق و کردار اسلام نے پیش کیا ہے۔ اس سے بہتر پیش کرنا صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اور جو لوگ امن و سکون کو اسلامی طرز عمل سے ہٹ کر اپنے بنائے ہوئے آئین و قوانین کی روشنی میں دیکھنے کے خواہشمند ہیں اُن کا یہ سہانا خواب ہمیشہ تشنۂ تعبیر رہے گا۔

اِتمّتہ ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ دین سے برگشتہ ہوتے ہیں وہ ہر دور میں آیاتِ قرآنیہ اور احکام اسلامیہ کا تمسخر اڑایا کرتے ہیں۔ اور زندگانیٔ دنیا کی عیش و عشرت اُن کو باز پرس سے غافل کر دیتی ہے ۔ خداوندِ کریم جملہ مسلمانوں کو بالخصوص محمد و آل محمد علیہم السّلام کی پیروی کا دم بھرنے والوں کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور خداوند کریم میری محنت کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور میرے اور میرے والدین کے لئے اس خدمت کو ذخیرۂ آخرت قرار دے ۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

۲۲ مارچ ۱۹۷۳ء بروز جمعرات صبح ۸ بجے مطابق ۱۶ ماہ صفر ۱۳۹۳ھ ختم ہوئی

۲۶
پ

سُورَۃ اُحقاف

یہ سُورہ مکیہ ہے۔ سوائے آیت ۱۰۔ ۱۵۔ ۳۵ کے

اور یہ سورہ جاثیہ کے بعد نازل ہوا۔ اور اس کی آیات کی تعداد چھتیس (۳۶) ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے جو شخص اس سُورہ مجیدہ کی ہر دن یا ہر جمعہ تلاوت کرے۔ وہ دنیا میں ہر گھبراہٹ سے اور آخرت میں ہر خطرہ سے محفوظ رہے گا۔ (برہان)

حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا تمام زمین پہ چلنے والے انسانوں سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی اور دوسرے نسخہ میں ریگ دنیا کے ذرات سے دس گنا نیکیاں درج ہیں اور اس کے دس گناہ معاف ہوں گے اور دس درجات بلند ہوں گے۔

اور جو شخص اس کو لکھے اور اپنے پاس رکھے یا دودھ پیتے بچے کو باندھے یا اس کو دھو کر اس کا پانی اس کو پلایا جائے تو وہ بچہ ہر آنے والی تکلیف سے محفوظ رہے گا جو بچوں کو لاحق ہوا کرتی ہیں اور جھولے میں باامن رہے گا اور نیز جسمانی طاقت میں بھی قوی اور مضبوط ہو گا۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر آبِ زمزم سے دھو کر پیئے گا۔ تو لوگوں میں محبوب ہو گا۔ اور اس کی بات کو نہ ٹھکرایا جاسکے گا۔ اور جس چیز کو سنے گا اس کو فراموش نہ کرے گا اور اس کا لکھ کر پاس رکھنا ہر مطلب کے لئے مفید ہے۔ اگر اس کو دھو کر اس کے پانی سے مریض کو غسل دیا جائے تو وہ باذنِ پروردگار صحت یاب ہو گا۔ (برہان)

اگر اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو جنات کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اور زیر سر لکھ کر رکھے تو جن وانس کے شر سے محفوظ رہے گا۔ (فوائد)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

حٰمٓ ② تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ③ مَا خَلَقۡنَا

حم اتارنا کتاب کا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب دانا ہے ہم نے

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِيۡنَ

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ اور مقررہ مدت کے لئے اور جو لوگ

كَفَرُوۡا عَمَّاۤ اُنۡذِرُوۡا مُعۡرِضُوۡنَ ④ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ

کافر ہیں جس سے ان کو ڈرایا گیا اس سے اعراض کرتے ہیں کہدو دیکھئے وہ جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے

مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِىۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِى

ہو مجھے دکھاؤ تو سہی انہوں نے زمین کی کس چیز کو پیدا کیا یا کیا ان کے لئے آسمانوں کے پیدا کرنے میں

السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ

کوئی حصہ ہے؟ لاؤ اس (قرآن) سے پہلے کی کوئی کتاب یا کوئی علمی دستاویز اگر تم

رکوع ۱ بیانِ توحید

گذشتہ سورہ میں مذمت شرک اور بیانِ توحید تھا۔ اس سورہ کی ابتدا بھی اُسی مضمون سے کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ہم نے آسمانوں اور زمین کو بلا مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ حق کے ساتھ اور ایک وقت معین یعنی قیامت تک کے لئے پیدا کیا تاکہ دنیا میں نیک اعمال کرنے والوں کو قیامت کے روز اچھا بدلہ جنت دیا جائے۔ اور بد اعمال کرنے والوں کو قیامت کے دن سزا دی جائے۔

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ۔ اس مقام پر اپنی توحید پر غیر کی نفی سے اس طرح استدلال فرمایا کہ تم خود منصفانہ جائزہ لو اور فیصلہ کرو کہ جن کو تم لوگ میرا شریک قرار دے کر اپنے مصائب و مشکلات و حاجات میں پکارتے ہو کیا انہوں نے زمین میں سے کسی شئے کو خلق کیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اُس شئے کا نام لو۔ اور ہمیں دکھاؤ۔ اور یقیناً تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر شئی کا خالق واحد صرف خدا ہے اور اس کا اس میں کوئی شریک نہیں پھر بے شک آسمان کی طرف توجہ کرو۔ کیا جن کو تم پکارتے ہو۔ انہوں نے آسمان میں سے کسی حصہ کو پیدا کیا ہے تاکہ اُن کا میرے ساتھ کوئی اشتراک ہو۔ بے شک قرآن مجید سے پہلے کی کسی کتاب سے اس کا حوالہ دے دو۔ اور کوئی دوسرا علمی طریقہ اختیار کر کے یہ ثابت کر دو۔ اور جب ایسا نہیں ہے تو پھر خواہ مخواہ کیوں غیر دین

صٰدِقِيْنَ ﴿۵﴾ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ

سچے ہو اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اللہ کے غیر کو پکارے جو قیامت تک اس کی

لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ وَاِذَا حُشِرَ

کوئی بات نہیں سن سکتا اور وہ تو ان کے پکارنے سے بھی غافل ہیں اور جب جمع کیا جائے

النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۷﴾ وَ

گا لوگوں کو تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے اور

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا

جب ان پر پڑھی جائیں ہماری واضح آیتیں تو کہتے ہیں کافر حق کے متعلق جب ان کے پاس

جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۸﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ

آجائے یہ تو صاف جادو ہے بلکہ کہتے ہیں اس نے افترا باندھا ہے کہدیجئے اگر میں نے افترا

فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ كَفٰى بِهٖ

کیا ہوتا تو تم اللہ سے بچانے کے لیے میری کسی شئ کے مالک نہیں ہو وہ خوب جانتا ہے جس میں تم گھستے ہو وہی میرے اور تمہارے

کو پکارتے ہو۔ حالانکہ وہ قیامت تک تمہاری سن نہیں سکتے بلکہ ان کو تمہاری دعاؤں کا بھی علم نہیں ہے۔ پس اس واضح بیان کے بعد سمجھ جاؤ اور حق کو قبول کرنے میں پس وپیش نہ کرو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ صرف ایک ہے اور وہی ہر حاجت، مطلب، مصیبت اور مشکل میں پکارے جانے کا سزاوار ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔

كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً ۔ یعنی جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور ان کو مصائب ومشکلات میں پکارتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ خود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے کہ ہم نے ان کو قطعاً اس قسم کی دعوت نہیں دی تھی۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ ۔ کافر انکار نبوت کے لئے بہانے بناتے تھے۔ کبھی معجزہ دیکھ کر اس کو جادو کہدیتے تھے اور کبھی قرآن کی آیات کو سن کر افترا سے تعبیر کر دیتے تھے۔ پس ارشاد قدرت ہوا ان سے کہدیجئے اگر یہ افترا ہوتا تو تم لوگ مجھے خدا کی گرفت سے نہ بچا سکتے یعنی وہ مجھے گرفتار کر لیتا۔

شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ⑨ قُلْ مَا

درمیان گواہ کافی ہے اور وہ غفور رحیم ہے کہہ دیجیے میں کوئی

كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ إِنْ

رسولوں میں سے نیا قسم کا نہیں ہوں میں تو نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔

أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ⑩ قُلْ أَرَأَيْتُمْ

میں نہیں پیروی کرتا مگر اس کی جو مجھ پر وحی ہو اور میں نہیں ہوں مگر صاف ڈرانے والا کہہ دیجیے دیکھو! اگر یہ (قرآن)

إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي

اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کرو (تو تم ظالم ٹھہرو گے) حالانکہ گواہی دی بنی اسرائیل میں سے ایک

إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ مِثْلِهِ فَآمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

گواہ نے اس جیسی پس وہ خود ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا

وَمَا أَدْرِي ۔ یہ دنیاوی زندگی کے متعلق ہے کہ نہ معلوم میری موت کس طرح ہوگی اور تمہارا انجام کیا ہوگا۔ میں تو وحی پروردگار کا تابع ہوں۔ جو وہ حکم دیتا ہے بجالاتا ہوں۔ لیکن آخرت کے متعلق تو حضور کو یقین تھا کہ میں جنت میں ہوں گا بلکہ اس کا سردار ہوں گا اور کفار جہنم کا ایندھن ہوں گے۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ ۔ اس کے شان نزول کے متعلق وارد ہے کہ یہودیوں میں سے عبداللہ بن سلام خفیہ طور پر اسلام لایا اور حضورؐ کے پاس آکر اس نے عرض کی کہ آپ یہودیوں سے دریافت کریں وہ میرے متعلق ضرور کہیں گے کہ یہ شخص ہماری قوم کا عالم ہے۔ پس آپ یہودیوں سے بات کرتے وقت مجھے بلالیں تو میں آپ کی گواہی دوں گا چنانچہ جب آپ نے یہودیوں کی بھری محفل میں عبداللہ بن سلام کو بلایا اور اس سے گواہی طلب کی تو اس نے تورات پڑھ کر حضور کے مسلک کی تصدیق کی اور حضور کی نشانیاں بھی اس نے تورات سے پڑھ کر سنائیں تو ان لوگوں نے عبداللہ بن سلام کی بھی تکذیب شروع کردی۔ پس عبداللہ بن سلام اعلانیہ طور پر مسلمان ہوگیا۔

لِلَّذِينَ آمَنُوا ۔ اس جگہ لام جارہ عن جارہ کے معنی میں ہے۔

إِفْكٌ قَدِيمٌ ۔ متکلمین کے نزدیک قدیم اسے کہتے ہیں جس کے وجود کی اول نہ ہو لیکن لغوی اعتبار سے قدیم کا معنی ہے پرانا۔ چونکہ قرآن مجید میں سابق انبیاء اور گذشتہ امتوں کے واقعات ہیں اس لئے ازراہ عناد ایمان نہ لانے والے

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا

ظالم لوگوں کو اور کہا ان لوگوں نے جو کافر تھے ان کے متعلق جو ایمان لائے اگر (اسلام لانا) اچھا ہوتا تو یہ لوگ ہم

سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۲﴾

سے اس کی طرف پہل نہ کرتے اور چونکہ وہ ہدایت نہ پا سکے تو کہتے ہیں یہ پرانا جھوٹ ہے

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (توراۃ آئی) کہ قابل پیروی اور باعث رحمت تھی (لیکن انہوں نے اس کو بھی نہ مانا) یہ کتاب

مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

تصدیق کرنے والی ہے درحالیکہ زبان عربی ہے تاکہ تو ڈرائے ان لوگوں کو جو ظالم ہیں اور خوشخبری ہے نیکی کرنے والوں کے لئے

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

تحقیق جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے تو ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۴﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءً

وہ غمزدہ ہوں گے ایسے لوگ جنت کے حقدار ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے یہ اس

اپنے ضد وعناد کا جواز یہ کہہ کر ثابت کرتے ہیں کہ یہ پرانے لوگوں کے پرانے قصے ہیں ورنہ اگر اس میں کوئی بہتری و بھلائی ہوتی تو ہم ضرور اس کو تسلیم کر لیتے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ ۔ اس کا متعلق تَقَدَّمَ فعل محذوف ہے اور اس کا جواب بھی محذوف ہے یعنی فَلَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ اور معنی یہ ہے کہ قرآن مجید سے پہلے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی کتاب توراۃ ان لوگوں کے پاس پہنچی کہ وہ اللہ کی جانب سے رحمت اور ان کے لئے قابل اقتدا تھی۔ لیکن انہوں نے اس سے بھی ہدایت حاصل نہ کی ۔ ورنہ بت پرستی چھوڑ دیتے۔

لِسَانًا عَرَبِيًّا۔ هٰذَا كِتٰبٌ سے حال ہے اور عربی کا معنی بھی زبان عربی ہے ۔ پس لسان کا ذکر تاکید کے طور پر ہے۔

ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام و ایمان کا زبانی اقرار کافی نہیں بلکہ اس کی تعلیمات پر استقامت سے رہنا ضروری ہے اور یہ کہ خاتمہ بھی ایمان پر ہو اور تفسیر برہان میں ہے کہ استقامت سے مراد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ

کی جزا ہے جو وہ کرتے ہیں اور ہم نے وصیت کی انسان کو اپنے والدین سے احسان کرنے کی کہ اس کو اس کی

أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ

ماں نے حمل میں اٹھایا تکلیف سے اور جنا تکلیف سے اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے یہانتک کہ جب پہنچ گیا

وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي

چالیس برس کی عمر کو تو کہنے لگا اے رب مجھے توفیق دے کہ تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر

أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي

کی ہے اور میرے والدین پر اور یہ کہ میں نیک عمل بجالاؤں جن پر تو راضی ہو اور میری

کی ولایت پر ثابت قدم رہتا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ ۔ تفسیر ظاہر کے لحاظ سے اس کا مضمون عام ہے لیکن تاویل و باطن کے طور پر حضرت امام حسین علیہ السلام اس آیت مجیدہ کے واضح مصداق ہیں۔ روایات اہلبیت علیہم السلام میں اس مضمون کی روایات بکثرت وارد ہیں۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی کہ تیری شہزادی جناب فاطمہ زہراؑ کے بطن اقدس سے بچہ پیدا ہوگا اس کو تیرے بعد تیری اُمت شہید کر دے گی چنانچہ اس خبر کے سننے کے بعد جب جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حاملہ ہوئیں تو غمگین رہیں۔ اور جب امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تب بھی غمناک رہیں۔۔ الخ

اور اگر اس کا مضمون عام رکھا جائے تو مقصد یہ ہے کہ پروردگار نے انسانوں کو ماں باپ کے ساتھ احسان کرنیکا حکم دیا ہے اور پھر ماں کے حقوق کی طرف بالخصوص متوجہ فرمایا ہے کہ کس طرح مشکلات و مصائب کا مقابلہ کر کے وہ بچے کی تربیت کا فریضہ ادا کرتی ہے جب بچہ ماں کے شکم میں ہوتا ہے تو ماں کے لئے تکلیف کا زمانہ ہوتا ہے اور جب وضع حمل کا وقت آتا ہے تو وہ بھی تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن ان شکل و تکلیف دہ حالات میں وہ اپنے بچے کی بہتری کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کرتی بلکہ وہ ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتی ہے اور بچے کی حفاظت کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کرتی ہے اور کم از کم حمل کی مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دودھ پلانے کی مدت دو سال ہے لہذا پورے اڑھائی سال تک ماں کو بچے کی تربیت کے لئے اپنے کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے اور جملہ تصرفات زندگی میں پورا احتیاط رہنا پڑتا ہے۔ اور ہر اس کام اور شغل سے گریز کرتی ہے جس کا بچے کی صحت و زندگی پر اچھا اثر نہ پڑتا ہو پس اسے اپنی طبیعت پر غیر معمولی کنٹرول

کرنا پڑتا ہے راتوں کی نیند دنوں کا آرام خورد و نوش میں آزادی اور نشست و برخاست میں غیر محتاط رویہ مکمل طور پر بدلنا پڑتا ہے۔ اور بعض مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ اگر بچہ نو ماہ کا پیدا ہو تو دودھ پلانے کی مدت کو اکیس ماہ ہونا چاہیئے تاکہ حمل و فصال کی کل مدت تیس ماہ سے نہ بڑھنے پائے اور ابن عباس کا یہی قول ہے۔

بَلَغَ اَشُدَّهٗ ۔ اس میں چار اقوال ہیں۔

(۱) اس سے مراد تینتیس برس کی عمر ہے (۲) سنِ بلوغ تک پہنچنا مراد ہے (۳) قیام حجت کا زمانہ مراد ہے تاکہ بالغ عاقل اور رشید ہو جائے (۴) اس سے مراد چالیس برس کی عمر ہے کیونکہ اسی زمانہ سے بالعموم انبیاء پر وحی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس صورت میں بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً اس کی تفسیر و توضیح ہوگی۔ اور یہی قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جبریل نے بحکم پروردگار جناب رسالت مآبؐ کو امام حسین علیہ السلام کی ولادت کی خبر دی اور ساتھ ساتھ یہ بھی خوشخبری دی کہ امامت بھی ان کی نسل سے ہوگی تو حضورؐ نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو یہ خبر سنائی۔ پس جب امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تو انہوں نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا بلکہ حضرت رسالت مآبؐ تشریف لاتے تھے اور اپنا انگوٹھا حسین کے منہ میں دیتے تھے جس سے دودھ جاری ہوتا تھا اور وہی ان کی غذا تھی لہٰذا ان کا گوشت اور خون پیغمبر کے خون سے ہے اور چھ ماہ کی مدت حمل میں عیسیٰ بن مریم اور حسین بن علی کے علاوہ اور کوئی بچہ پیدا ہو کر زندہ نہیں رہا۔ اور ابن بابویہ کی روایت میں ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی کفالت جناب ام سلمہ کے حوالہ تھی اور حضرت رسالت مآبؐ اپنی زبان مبارک حضرت حسینؑ کے منہ میں دیتے تھے اور اُس سے دودھ جاری ہوتا تھا۔ اور اُن کا گوشت اور خون جناب رسولِ خدا کے خون سے ہے کیونکہ انہوں نے نہ اپنی ماں کا اور نہ کسی دوسری عورت کا کبھی دودھ پیا تھا اور عیسیٰ بن مریم اور حسین علیہما السلام کے علاوہ اور کوئی بچہ چھ ماہ کا پیدا ہو کر زندہ نہیں رہا۔ لیکن دوسری بعض روایات میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بجائے حضرت یحییٰ بن زکریا کا ذکر موجود ہے۔

تفسیر برہان میں ہے کہ ہیثم نامی ایک شخص حضرت عمر کے زمانِ خلافت میں کہیں محاذ جنگ پر گیا اور پورے چھ ماہ گھر سے غائب رہا۔ جب واپس آیا تو چھ ماہ بعد اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ پس اُس نے عورت کو دربارِ خلافت میں حاضر کر کے رپورٹ کی کہ میں چھ ماہ غائب رہا اور اب مجھے واپس آئے ہوئے چھ ماہ ہوئے ہیں تو یہ بچہ میرا کیسے ہو سکتا ہے لیکن عورت نے حلفیہ بیان کیا کہ میں نے کوئی زنا نہیں کیا اور یہ بچہ صحیح طور پر اپنے باپ کا ہے اور عورت نے اس بات کی بھی تصدیق کر دی کہ واقعی میں شوہر کے ساتھ چھ ماہ رہی ہوں کیونکہ اس سے پہلے وہ محاذِ جنگ پر تھا یہ بیانات سننے کے بعد خلیفہ نے عورت کو زنا کا مجرم قرار دے کر رجم کا حکم دے دیا چنانچہ عورت کو ایک گڑھے میں کمر تک کھڑا کیا گیا۔ اور قریب تھا کہ پتھر مار مار کر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا لیکن اس کی خوش قسمتی سے حضرت علی کو خبر پہنچی اور وہ فوراً مقامِ سزا پر پہنچے پس آتے ہی عورت کو کھینچ لیا اور فرمایا اے عمر۔ یہ عورت سچ کہتی ہے کیونکہ خدا قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ

فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اولاد میں نیکی وصلاحیت پیدا کر میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں تیرے سامنے جھکنے والوں سے ہوں ایسے لوگوں سے ہم قبول

نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ

کرتے ہیں ان کے اچھے اعمال اور درگذر کرتے ہیں ان کی برائیوں سے درحالیکہ وہ اصحاب جنت میں ہوں گے

وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ

سچا وعدہ جو وہ کئے گئے ہیں اور وہ جو کہے اپنے ماں باپ کو کہ اُف تمہارے لئے کیا

اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ

تم کہتے ہو کہ میں قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ کئی قومیں گذر چکی ہیں مجھ سے پہلے اور وہ دونو اللہ سے فریاد کرتے ہوں

حمل اور دودھ کی مدت تیس ماہ ہے۔ پس جب دودھ کی مدت چوبیس ماہ نکال لئے جائیں تو حمل کی مدت کل چھ ماہ بنتی ہے اور عورت کا بچہ بھی چھ ماہ کا ہے لہذا حلالی ہے پس فوراً عمر نے کہا لَوْ لَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ نے آیت مجیدہ میں والدین سے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اور والدہ کے خصوصی حق کا الگ تذکرہ فرمایا ہے گویا اس کے حق میں زیادہ تاکید فرمائی ہے پس اولاد پر واجب ہے کہ اپنے والدین کے حقوق کے پیش نظر ان کی کماحقہ خدمت بجالائیں اور جب آدمی خود اپنی زندگی کے ابتدائی شباب سے گذر کر مضبوطی اور تجربہ کاری کے زمانہ میں قدم رکھتا ہے جو کہ چالیس برس کی عمر کا زمانہ ہے تو اُس وقت اپنی اولاد بھی جوان ہونے لگتی ہے۔ پس خفتہ احساسات میں بیداری آنے لگتی ہے۔ کیونکہ اپنی ذمہ داریوں کی مناسبت سے اُسے اپنے والدین کی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے اور اپنی اولاد کے طرز عمل سے وہ اپنے والدین کے حق میں اپنے طرز عمل کا جائزہ لیتا ہے پس اپنی اولاد کا جو رویہ اسے اپنے حق میں ناپسند ہوتا ہے۔ اسی قسم کے رویے کو اپنے والدین کے حق میں بھی اُسے ترک کرنا پڑتا ہے اور اپنی اولاد کا جو طریق کار اپنے لئے وہ پسند کرتا ہے اپنے والدین کے لئے اپنے طریق کار کو اسی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ یعنی یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جس میں انسان اپنی اولاد کے ذریعے سے اپنے والدین کے حقوق کو عملی طور پر سمجھنے کے قابل ہوتا ہے تو اپنے اوپر اولاد و والدین کے عائد شدہ حقوق سے عہدہ برا ہونے کے لئے اللہ سے توفیق کا طالب ہوتا ہے کہ اے پروردگار مجھے توفیق مرحمت فرما کہ تیری ان نعمات کا شکر ادا کر سکوں جو تو نے مجھ پر نازل فرمائی ہیں اور میرے والدین پر کی ہیں۔ یعنی مجھے اپنے ماتحت اور مافوق کے ہر دو قسم کے حقوق سے صحیح طور پر عہدہ برا ہونے کی توفیق دے۔ اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا مقصد صرف یہ نہیں کہ زبان سے شکر شکر کی رٹ لگاتا رہے بلکہ اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں سے خدائی ہدایات کے ماتحت عہدہ برا ہونا ہی شکر کا صحیح واصلی مفہوم ہے۔ پس اپنے لئے عمل صالح کی بجاآوری کی دعا کی جاتی ہے کہ نہ بزرگوں کے حقوق میں کوتاہی ہو اور نہ بچوں کے

وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸﴾

(اور کہیں) تجھ پر وائے ہو ایمان لا تحقیق اللہ کا وعدہ حق ہے تو وہ کہے کہ نہیں یہ کتاب مگر پرانے لوگوں کے قصے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ

ایسے لوگوں پر ثابت ہو گیا (عذاب کا) قول ایسی امتوں میں جو ان سے پہلے گذر گئیں

مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ

خواہ جن ہوں یا انسان بے شک ایسے لوگ خسارہ پانے والے ہیں اور ہر ایک کے لئے اپنے

حقوق ہیں کمی ہو ساور اپنی اولاد کے لئے بھی اصلاح کی دعا کی جاتی ہے تاکہ ان کی خیر و خوبی پورے خاندان کے لئے باعث برکت قرار پائے۔ پس اسی زمانہ میں انسان اپنی جوانی کی بیہودگیوں اور بے راہ رویوں سے بھی توبہ کرتا ہے اور خدائی احکام کے سامنے سر بھی جھکاتا ہے۔ چنانچہ آیت مجیدہ کے آخر میں خداوند کریم نے اس کے حال کی حکایت فرمائی ہے کہ اے اللہ میں نے توبہ کی اور میں جھکنے والوں میں سے ہو گیا۔

اُولٰٓئِكَ۔ جب انسان اپنی لغزشوں سے معافی مانگ لے اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کرے تو خداوند کریم ایسے لوگوں کے حق میں فرماتا ہے کہ ہم ان کے نیک اعمال کو قبول کر لیتے ہیں اور ان کی غلطیوں سے درگذر کر کے ان کو جنت میں جگہ دیتے ہیں اور یہ ہمارا سچا وعدہ ہے۔

وَالَّذِیْ قَالَ:۔ یہ آیت بالعموم تمام ان کافر لوگوں کے لئے ہے۔ جن کے والدین مومن ہوں اور اُس کو ایمان کی طرف بلائیں لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہوئے ماں باپ کی دعوتِ حق کو ٹھکرا دیں ۔تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس کا شانِ نزول عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بارے میں ہے کہ جب ابو بکر مسلمان ہوا تو اُس نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو بھی اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی۔ لیکن اس آیت مجیدہ کے مضمون کو قیامت تک کے لئے عام قرار دینا قرآنی افادیت سے زیادہ مناسب ہے۔ اور آج کل کی نئی تہذیب کے نوجوان جو سکولوں کالجوں میں مغربیت زدہ اذہان سے تربیت یافتہ ہو کر گھروں کو پلٹتے ہیں۔ انہیں اسلامی افکار و انظار سے بالکل بیگانگت ہوتی ہے بلکہ مغربی تہذیب سے متاثر ہونے کے بعد اسلامی تمدن کے حق میں دشمنی کی آگ ان کے دلوں میں روشن ہو چکی ہوتی ہے اور غیر اسلامی تہذیب میں رنگے جانے کے بعد وہ اسلامی تہذیب کی مقدس چادر کو کورانہ تقلید اور بے جا تنقید کے ناخنوں سے نوچنا اپنا محبوب مشغلہ سمجھتے ہیں تو جب ضعیف ماں باپ ان کو اسلامی تعلیمات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی جانب سے نہایت غیر شستہ اور ناشائستہ جواب سن کر ان کی تعلیم سے جہالت کی زندگی کو ترجیح دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کے ساتھ تمسخر کرنا اور اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑانا موجودہ معاشرہ میں تہذیب و تمدن کا ایک جزو بن چکا ہے۔ اور بہت کم نوجوان ہیں جن کے سینوں میں اسلامی

مِّمَّا عَمِلُوْا وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ

کئے ہوئے اعمال کی وجہ سے (الگ الگ) درجے ہوں گے تاکہ انکو اپنے اعمال (کا بدلہ) پورا پورا ملے اور ان پر ظلم نہ کیا جائیگا اور جس دن پیش کیا جائیگا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

کافروں کو دوزخ پر (تو کہا جائیگا) کہ تم اپنی لذتیں دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے ہو اور

تعلیم کی مشعلیں روشن ہیں اور اپنے اذہان کی پختہ کاری سے وہ ہر گمراہ کن افکار کی رو سے محفوظ ہونے کی سعادت سے ہمکنار ہیں قرآن مجید کی متذکرہ آیت نیک ماں باپ اور آوارہ مزاج اولاد کے درمیان قیامت تک ہونے والے مکالمات کی نشاندہی کر رہی ہے۔ اور جو کم بخت اولاد والدین کی نصیحت کو اپنی ہٹ دھرمی سے ٹھکرا دے اور قرآن مجید کے واقعات کو قصۂ پارینہ کہہ کر نظر انداز کر دے تو اُن کے لئے عذاب دائمی کی پیش کش ہے۔ اور قرآن مجید نے اس امر کو واضح فرمایا ہے کہ یہ نئی بات نہیں بلکہ ہمیشہ سے جنوں اور انسانوں میں ایسی مثالیں پیدا ہوتی چلی آئی ہیں

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ۔ یعنی نیک اعمال بجالانے والے لوگوں کے لئے جنت میں اپنے اپنے اعمال کی نسبت سے الگ الگ درجے اور مرتبے ہوں گے۔ کوئی بلند اور کوئی پست۔ اسی طرح بدکار لوگوں کے لئے اپنی اپنی بداعمالیوں کی مناسبت سے جہنم میں الگ درجے ہوں گے۔ کوئی بلند اور کوئی پست اور عام اصطلاح میں درجاتِ جہنم کو درکات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَلِيُوَفِّيَهُمْ۔ اس کا عطف محذوف پر ہے یعنی لِيَجْزِيَهُمْ وَلِيُوَفِّيَهُمْ۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ یعنی کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ یعنی کسی جہنمی کو اپنی بدعملی کی نوعیت سے زیادہ سزا نہ دی جائے گی۔ اور نہ ناکردہ گناہ کی سزا ہوگی۔ اور نہ کسی جنتی کو اپنی نیکی کی نوعیت سے کم جزا دی جائے گی۔ اور نہ کسی کی کوئی نیکی نظر انداز کی جائے گی۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ۔ مقصد یہ ہے کہ کافر لوگوں نے اگر دنیا میں کوئی نیکی کی ہوگی تو انکو اس نیکی کی جزا دنیا میں ہی دی جاچکی ہوگی۔ پس آخرت میں وہ اپنی نیکی کی جزا کا مطالبہ نہ کر سکے گا۔ چنانچہ کفار کے لئے دنیا میں اچھی خوراک عمدہ لباس اور ظاہری بخت و اقبال ان کی بعض اچھی عادات و عمدہ صفات کے بدلہ میں ہوتا ہے پس جب جہنم میں اپنے کفر و شرک و عناد کی وجہ سے پہنچیں گے اور اپنی نیکیوں کی جزا مانگیں گے تو اُن کو کہا جائے گا کہ تم دنیاوی زندگی میں لذات سے بہرہ اندوز ہو چکے ہو اور اپنے اچھے اعمال کا بدلہ لے چکے ہو۔ اب یہاں تمہارے لئے تمہاری بداعمالیوں کے بدلہ میں ذلت آمیز عذاب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور یہ عذاب تمہارے اس تکبر کا نتیجہ ہے جس کا تم زمین میں اظہار کرتے تھے اور اس فسق و فجور کا نتیجہ ہے جس کا تم زمین میں ارتکاب کرتے تھے۔ اور ناحق تکبر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں تکبر کرنے کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ تکبر صرف اللہ کی ذات کو ہی زیبا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تکبر بعض حق ہوتا ہے اور بعض ناحق ہوتا ہے۔

وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔ یعنی تم اپنی طیبات سے دنیا میں فائدہ اٹھا چکے ہو کہ حلال اور عمدہ رزق کو تم نے اللہ کی راہ میں خرچ

وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ

ان سے فائدہ مند ہو چکے ہو پس آج تمہیں ذلت آمیز عذاب کی سزا دی جانے والی ہے کیونکہ تم

فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور حق سے تجاوز کرتے تھے

نہیں کیا بلکہ اپنی لذات کے لئے ہی اُسے خرچ کیا ہے لہٰذا آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ گناہوں کے بدلہ میں عذاب ہی عذاب تمہارے حصہ میں ہے۔

زہد وتقویٰ

تفسیر مجمع البیان میں عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ حضور رسول اکرمؐ کے گھر میں آپ سے اجازت حاصل کرکے داخل ہوا جب کہ آپ اُم ابراہیم (ماریہ) کے حجرے میں ایک چھوٹی سی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے کہ جسم اطہر کا بعض حصہ زمین پر تھا اور آپ کے سر کے نیچے جو تکیہ تھا اُس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے، میں سلام کرکے بیٹھ گیا اور عرض کی یا رسول اللہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور آپ اس کے برگزیدہ و محبوب ہیں، (اُدھر قیصر و کسریٰ سونے کے تخت پر ریشم و دیباج کے بستروں پر سوتے ہیں ولیکن آپ کی حالت یہ ہے)؟ تو آپ نے فرمایا اُنہوں نے اپنی لذات دنیا میں حاصل کرلی ہیں اور یہ منقطع ہونے والی ہیں۔ اور ہم نے اپنی لذات آخرت کے لئے بچا رکھی ہیں۔ حضرت امیرالمومنین علی بن ابیطالب نے فرمایا۔ میں اپنی قمیص کو اس قدر پیوند لگا چکا ہوں کہ اب درزی کے پاس لے جاتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے مجھے کسی نے کہا ہے کہ اس کو پھینک دیجئے تو میں نے کہا ہٹ جاؤ کہ صبح کے وقت مسافر رات کے سفر کی تھکان کی مدح کرتے ہیں یعنی رات کو جس قدر سفر میں تھکان اٹھائی جائے ایک تو منزل پر جلدی پہنچتا ہے۔ دوسرے جس قدر تھکا ہو اُسی قدر منزل پر پہنچ کر اس کو آرام و سکون زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ دنیاوی تکالیف کے بعد آخرت کی لذات میں لطف زیادہ ہوگا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام غلاموں کی طرح بیٹھ کر (1) کھانا تناول فرماتے تھے اور بازار سے دو قمیص خریدتے ان میں سے اپنے غلام کو ایک کے چن (2) لینے کا حکم دیتے تھے پس جس کو غلام پسند کرلیتا تھا اور دوسری کو آپ زیب تن فرماتے تھے۔ پس آستینوں کا جو حصہ انگلیوں سے تجاوز (3) کرتا تھا اس کو کاٹ دیتے تھے اور اسی طرح ٹخنوں سے بڑھنے والے حصے کو بھی کتر ڈالتے تھے اور اپنے پنجسالہ دور حکومت میں آپ نے اینٹ پر اینٹ نہیں رکھی یعنی کوئی قصر امارت یا محل رہائش (4) نہیں تعمیر فرمایا اور نہ اپنے بعد کوئی سونا یا چاندی (5) چھوڑ کر گئے آپ کا دستور تھا کہ لوگوں کو گندم اور گوشت سے کھانا کھلاتے تھے اور خود سرکہ اور زیتون کے ساتھ (6) نانِ جویں تناول فرماتے تھے اور جب بھی آپ کے سامنے دو کام ایسے آتے جن میں رضائے پروردگار ہوتی تو آپ ان دونوں میں سے اس کو اختیار فرماتے تھے جو زیادہ مشقت طلب ہوتا (7) آپ نے اپنی زندگی میں اپنی ذاتی کمائی سے ایک ہزار (8) غلام کو آزاد کیا کہ آپ کے بعد اور کسی سے بھی یہ نہ ہو سکا۔ آپ کا دستور تھا کہ

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ

اور یاد کرو قوم عاد کے بھائی (ہود) کو جب اُس نے احقاف میں اپنی قوم کو ڈرایا حالانکہ ڈرانے والے اس سے پہلے اور اس کے بعد

بَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ

بھی گذرے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہارے متعلق بڑے دن کے عذاب

دن ورات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک ہزار رکعت نماز نافلہ پڑھا کرتے تھے اور عبادت میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام آپ کے بہت مشابہ تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام جب بصرہ میں علاء بن زیاد کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے تو اس نے اپنے بھائی عاصم بن زیاد کے متعلق اس امر کا شکوہ کیا کہ وہ ایک عبا پہن کر دنیا سے الگ تھلگ ہو گیا ہے تو آپ نے فرمایا اُسے بلاؤ۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تجھے شیطان نے دھوکہ دیا ہے۔ لہٰذا اس سے بچ۔ کیا تم کو اپنی بیوی بچوں پر ترس نہیں آتا۔ اور اللہ نے جو چیزیں تم پر حلال کی ہیں کیا وہ ان کے استعمال سے تجھ پر ناراض ہوگا؟ اُس نے عرض کی کہ آقا! آپ بھی تو کھردرا لباس اور معمولی غذا اپنے لئے پسند فرماتے ہیں (اور دنیا کی لذتوں سے روگردانی کرتے ہیں)؟ آپ نے فرمایا (میرے اوپر اپنے آپ کو قیاس نہ کرو) کیونکہ میری حیثیت تجھ جیسی نہیں ہے۔ اللہ نے ائمہ حق پر واجب کیا ہے کہ رعایا کے کمزور ترین انسانوں کی طرح زندگی گذاریں تاکہ طبقہ فقراء اپنی زندگی سے مایوس نہ ہو جائے (مجمع البیان) حضرت علی علیہ السلام کے اس طرز عمل میں تمام دنیاوی حکمرانوں کے لئے وہ درس موجود ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو پوری انسانیت کے لئے دنیاوی زندگی نمونہ جنت بن جائے۔

رکوع ۳ حضرت ہود کا ذکر

اَخَا عَادٍ ۔ چونکہ قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے اسی لئے ان کو عاد کا بھائی کہا گیا ہے۔ جیسے کہ حضرت صالح کو اخو ثمود کہا جاتا ہے۔ اسی طرح عربی میں جس شخص کو اس کی قوم کی طرف نسبت دے کر بات کرنی ہو تو لفظ اخ کو اس قوم کی طرف مضاف کر کے اس کے متعلق بات کی جاتی ہے۔ مثلاً اخو تمیم اور اخو عدی وغیرہ۔

اَلْاَحْقَافِ ۔ یہ حقف کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے ریت کا بڑا ٹیلا جو پہاڑ کی حد تک نہ پہنچا ہو۔ اس جگہ اس کے متعلق چار اقوال ہیں۔ (۱) عمان اور مہرہ کے درمیان ایک وادی کا نام ہے (ابن عباس) (۲) عمان سے حضرموت تک کے علاقہ کا نام ہے (ابن اسحٰق) (۳) یمن میں سمندر کے کنارے کے ریگستانی علاقہ کا نام ہے (۴) ہر وہ زمین جس میں جگہ بجگہ ریت کے ٹیلے ہوں اس کو احقاف کہا جاتا ہے۔

وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ ۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد بھی نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ جاری

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

تو وہ کہنے لگے کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اپنے خداؤں سے پھیر لے پس تو لے آ جس کا وعدہ کا ڈر ہے

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ

کرتا ہے اگر تو سچا ہے (حضرت ہود نے) کہا بے شک اس کا علم اللہ کو ہے اور میں تو وہ چیز تمہیں

مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا

پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ بھیجا گیا ہوں لیکن میں تم کو جاہل قوم سمجھتا ہوں پس جب انہوں نے دیکھا اس کو (جس کا وعدہ

مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ

کئے گئے تھے) بادل کی شکل میں ان کی وادیوں کی طرف آتا ہوا تو کہنے لگا یہ بادل ہم پر برسنے والا ہے بلکہ وہ وہ ہے جس کی تم نے

بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا

جلدی کی تھی (تیز) تند ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے جو اللہ کے امر سے ہر شے کو ہلاک کر دے گی پس صبح ہوئی

رہا جو ایک خدا کی عبادت کا درس دیتے رہے۔

قَالُوْا۔ جب حضرت ہود نے اپنی قوم کو بت پرستی کے چھوڑنے اور ایک خدا کی عبادت کرنے کی نصیحت فرمائی تو انہوں نے برا مانا۔ اور کہنے لگے کہ تو ہم سے اپنے آبائی خداؤں کی عبادت چھڑانے کے لئے آیا ہے لہذا ہم تمہاری بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ پس جس عذاب کا وعدہ کرتے ہو اسے لے آؤ۔ آپ نے فرمایا میں اس بات کا ذمہ دار نہیں ہوں بلکہ میرا کام ہے کہ پیغام رسالت تم تک پہنچا دوں۔ ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ اور عذاب کو جلدی بھیجے یا دیر سے بھیجے اللہ کا کام ہے البتہ تمہارے اس رویے سے میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ:۔ ضمیر غائب کا مرجع ہے۔ عذاب جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یعنی جب عذاب بادل کی شکل میں انہوں نے اپنی وادیوں کی طرف متوجہ ہوتا دیکھا تو کہنے لگے یہ ہم پر برسے گا۔ کیونکہ کافی عرصہ سے ان لوگوں پر بارش نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ لوگ قحط سالی کا شکار تھے۔ پس بادل کو آتے دیکھ کر خوش ہوئے۔ تب حضرت ہود نے فرمایا یہ برسنے والا بادل نہیں بلکہ یہ تیز آندھی ہے جس میں تمہارے لئے دردناک عذاب ہے۔

تُدَمِّرُ:۔ تدمیر کا معنی ہے ہلاک کرنا۔ پس جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو حضرت ہود اور ان کے ساتھ ایمان والے لوگوں کی مختصر جماعت ایک باغیچہ میں چلے گئے۔ اور وہ عذاب سے بال بال محفوظ رہے لیکن باقی سب قوم اور ان کے اموال وحیوانات عذاب کی نذر ہو گئے اور اس تیز و تند ہوا میں آدمی اس طرح اڑتے نظر آئے جس طرح فضائے آسمانی

لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ (۲۶) وَلَقَدْ

تو ان کے ٹھکانوں کے سوا کچھ نہ تھا اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرم لوگوں کو اور ہم نے ان

مَكَّنّٰهُمْ فِيمَا إِن مَّكَّنّٰكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً

کو قدرت دی ان چیزوں میں جن میں تم کو قدرت دی ہے اور ہم نے ان کو کان آنکھیں اور دل دیئے تو ان کو نہ

فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ

فائدہ دیا ان کے کانوں آنکھوں اور دلوں نے کچھ بھی

إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (۲۷)

کیونکہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور ان پر وہ (عذاب) اترا جس کی وہ مسخری کیا کرتے تھے

میں مُٹھی دل موجود ہوں۔ پس ان کے خالی مکانوں کے علاوہ کچھ نہ رہا۔ اور تفسیر صافی میں ہے کہ آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل تیز ہوا جاری رہی۔ ہوا نے پہلے تو ان کو ٹیلوں میں دفن کر دیا۔ پھر آہستہ آہستہ ریت اُڑتی گئی۔ اور آخر میں ان کی ریت کے نیچے مدفون لاشیں ظاہر ہو گئیں اور ہوا نے ان کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا اور ان کا قصہ سورہ ہود میں گذر چکا ہے۔ ج ۸ صـ۲۲۵

مَكَّنّٰهُمْ۔ یہ تمکین سے ہے اور تمکین کا معنی یہ ہے کہ اُس کام کے ہونے میں جن چیزوں کو دخل ہے وہ سب مہیا کی جائیں مثلاً قدرت آلات اور وہ تمام ذرائع جن پر فعل موقوف ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ تمکین کا معنی ہے کام کے ہونے میں جملہ رکاوٹوں کا مفقود ہونا۔ لیکن یہ بھی پہلے معنی میں آجاتا ہے۔ لہذا تمکین کا پہلا معنی درست ہے۔

فِيمَا إِن مَّكَّنّٰكُمْ۔ یہاں ان نافیہ ہے۔ اور ما موصولہ کے بعد ما نافیہ سے اِن نافیہ کا استعمال بہتر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ رَغِبْتُ فِيمَا مَا رَغِبْتَ فِيهِ یعنی میں نے اس چیز میں رغبت کی جس میں تم کو رغبت نہیں تھی، کے بجائے اگر کہا جائے رَغِبْتُ فِيمَا إِنْ رَغِبْتَ فِيهِ تو بہتر ہوگا۔ اس جگہ معنی یہ ہے کہ کفار مکہ کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ حضرت ہود کی قوم کو ہم نے وہ طاقت وقوت دی تھی کہ تم لوگوں کے پاس وہ نہیں ہے۔ تو جب اُس طاقتور قوم کو میرے عذاب سے کوئی شے نہ بچا سکی تو تم کیسے بچ سکو گے۔ اور بعض مفسرین نے ان کو زائدہ قرار دے کر معنی یہ کیا ہے کہ جس طرح تمہارے لئے نصیحت کے قبول کرنے کے اسباب ہم نے پیدا کئے اور سمجھانے والا رسول بھیجا اور توحید کی دلیلیں نصب کیں۔ اسی طرح ان کے لئے بھی یہ سب اسباب موجود تھے اور چونکہ انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا پس گرفتار عذاب ہو گئے۔ چنانچہ ہم نے مناظر قدرت کو دیکھنے کے لئے آنکھیں اور آوازیں سننے کے لئے کان اور سوچنے و سمجھنے کے لئے دل ان کو عطا کئے جس طرح تمہیں دیئے۔ لیکن انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا اور بالآخر گرفتار عذاب ہو گئے۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی تمام نشانیوں کا انکار کر دیتے تھے۔ اور

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور تحقیق ہم نے ہلاک کیں تمہارے گردونواح میں کئی بستیاں اور بدل بدل کر ہم نے نشانیاں بھیجیں تاکہ وہ (کفر سے) پلٹیں

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا

تو کیوں نہ مدد کی ان کی (ان خداؤں نے) جن کو انہوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنا رکھا تھا اور ان کا قرب چاہتے تھے بلکہ وہ تو ان

عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا

سے الگ رہے اور یہ ان کا بہتان تھا اور افترا تھا اور جب ہم نے تمہاری طرف ایک گروہ بھیجا

عذاب کی پیشگوئی کو مذاق میں ٹال دیتے تھے پس تم لوگ ان کے انجام بد سے عبرت و نصیحت حاصل کرو ورنہ تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو ان کا ہوا۔

رکوع ۴ ۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا ۔ اہل مکہ کو نصیحت ہے کہ تمہارے گردوپیش میں اپنی سرکشیوں کی بدولت کئی اُمتیں گرفتارِ عذاب ہو چکی ہیں مثلاً حضرت ہود کی قوم عاد جو یمن کے علاقہ میں تھی اور حضرت صالح کی قوم جو حجر (یعنی حضرموت) کے علاقہ میں تھی۔ اور حضرت لوط کی قوم جو مکہ سے شام جانے والے راستہ پر آباد تھی۔ پس تمہارا فرض ہے کہ ان کے عبرتناک انجام سے سبق سیکھو۔

وَصَرَّفْنَا ۔ لوگوں کو سمجھانے اور ان کو ہدایت کے قریب تر لانے کے لئے اللہ سبحانہ نے اپنی مہربانی سے کئی طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ اور اسی کے متعلق فرماتا ہے ہم نے بدل بدل کر ہدایت کا طریق کار اختیار کیا تاکہ شاید کوئی طریقہ ان کی طبیعتوں کے لئے مؤثر ہو جائے۔ چونکہ لوگوں کے مزاجوں میں کافی اختلاف ہے۔ بعض لوگ عقلی دلیلوں سے مطمئن ہوتے ہیں۔ بعض اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ بعض معجزہ دیکھ کر تسلی حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض نعمات خداوندی کی آمد سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ بعض کسی کے گرفتارِ عذاب ہونے سے سبق لیتے ہیں۔ بعض اچھے لوگوں کے واقعات اور ان کے نصیحت آموز قصوں سے ہدایت حاصل کر لیتے ہیں اور بعض لوگ غلط کار لوگوں کی غلطیوں کے واقعات سے متنفر ہو کر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ پس خداوند کریم نے لوگوں کو ایمان لانے اور کفر سے بچنے کے لئے یہ تمام طریقے اختیار فرمائے ہیں۔ اور یہ اس کی شانِ رحمت ہے۔ لیکن پھر بھی ناقدر شناس لوگ اپنی ضد پر ڈٹے رہے اور کفر پر اڑے رہے تو اتمام حجت کے بعد ان کو عذاب خداوندی نے گھیر لیا اور انہیں کوئی شے نہ بچا سکی۔

قُرْبَانًا ۔ قربان سے مراد ہر وہ کام جو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے عبادت ہو یا کوئی کارِ خیر ہو اور اس کی جمع قرابین ہوتی ہے۔ اس مقام پر فرماتا ہے کہ اللہ کے علاوہ انہوں نے جن کو معبود بنا رکھا ہے انہوں نے ان لوگوں سے عذاب کو کیوں نہ دفع کیا۔ اور ان کی مدد کیوں نہ کی بلکہ ایسے موقعہ پر تو وہ ان سے الگ ہو گئے تھے۔ درحقیقت ان کو معبود قرار دینا ان کی غلطی تھی۔ اور بہتان و افترا تھا۔ کیونکہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ پس وہی ایک خدا ہے جو لائق عبادت

مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا

جنوں میں سے جو قرآن سنتے تھے پس جب وہ پہنچے تو کہنے لگے چپ رہو (غور سے سنو) پس جب پورا ہوا تو وہ

ہے اور مشکل و مصیبت کے وقت اُسی کو ہی پکارنا چاہیئے اور وہی ہر قسم کی مصیبت کو دور کرتا اور ہر مشکل کو آسان فرماتا ہے جس کو وہ بیمار کرے اُسے تندرست کوئی نہیں کر سکتا اور جس کو وہ شفا بخشے اُسے کوئی بیمار نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جس کو وہ موت دے اُسے کوئی بچا نہیں سکتا اور جسے وہ زندگی دے اُسے کوئی مار نہیں سکتا نیز جس کی مصیبت کو وہ دور کرے اس کو کوئی گرفتارِ بلا نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گرفتارِ بلا کرے اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا پس معبود اور مقصود حاجات وہی ایک خدا ہے اور اس کے انبیاء و اولیاء بالخصوص حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام اُس کی بارگاہ میں اس کے قرب کا بہترین وسیلہ ہیں۔

انکشافِ عجیب تفسیر برہان میں ہے قوم عاد کے علاقہ میں معتصم عباسی نے ایک کنواں کھودنے کا حکم دیا جو تین سو قد آدم کے برابر کھودا گیا لیکن پانی برآمد نہ ہوا۔ پس مایوس ہو کر کام بند کرا دیا گیا۔ جب متوکل عباسی کا دور آیا تو اُس نے پھر کھدائی کا کام جاری کر دیا۔ چنانچہ بہت گہرائی تک جانے کے بعد ایک چٹان نکلی جب اس کو توڑا گیا تو اس سے اس قدر سرد ہوا نکلی کہ کھودنے والے سب لقمہ اجل ہو گئے۔ چنانچہ متوکل کو خبر ہوئی تو اس نے حضرت امام علی نقی علیہ السّلام سے اس کا حل طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں قوم عاد کی احقاف کی بستیاں تھیں جو عذابِ خداوندی کی لپیٹ میں آگئی تھیں۔

بروایت احتجاج طبرسی یہ واقعہ منصور دوانیقی کے زمانہ کا ہے کہ اُس نے کنواں کھودنے کا حکم دیا اور اخیر مایوس ہو کر کام بند کرا دیا تو اس کے بعد خلیفہ مہدی عباسی نے دوبارہ اسی منصوبہ پر عمل کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ کافی گہرائی تک پہنچنے کے بعد ایک سرد ہوا نکلی تو دو آدمیوں کو اُوپر سے رسّی باندھ کر لٹکایا گیا کہ حقیقتِ حال کو معلوم کریں۔ انہوں نے کافی دیر کے بعد رسّی کو حرکت دی تو انہیں واپس کھینچ لیا گیا۔ اور انہوں نے بتایا کہ وہاں عورتوں مردوں کی مسخ شدہ لاشیں ہیں۔ اور برتنوں اور گھروں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اور جو آدمیوں کے مجسمے ہیں ان کے اُوپر لباس موجود ہے۔ کوئی بیٹھا ہے کوئی لیٹا ہے اور کوئی تکیہ لگائے ہوئے ہے اور ان کو چھونے سے کپڑے خاکستر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پس حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے سامنے حقیقتِ حال کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قوم عاد ہے جن کو اصحاب احقاف کہا جاتا ہے اور یہ لوگ گرفتارِ عذاب ہوئے تھے۔

نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ۔ تفسیر صافی میں ہے نفر دس سے کم کو کہا جاتا ہے۔ اور بروایت احتجاج حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ تعداد نو تھی۔ اُن میں سے ایک نصیبین کے رہنے والا تھا۔ اور باقی آٹھ عمرو بن عامر کی اولاد سے تھے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ جنوں کے بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے ان کو توفیق دی کہ وہ اس طرف آگئے۔ اور بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ چونکہ قوم جنّ آسمانوں کی طرف جاتی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد بھی اُن کے لئے آسمانوں کے راستے بند نہ ہوئے تھے۔ اب جو شہابِ ثاقب کی وجہ سے اُن کی آسمانوں پر جانے سے رکاوٹ کی گئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ

إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن

اپنی قوم کی طرف مبلغ ہو کر چلے ۔ کہنے لگے اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد

بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣١﴾

نازل کی گئی جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے حق کی اور صراط مستقیم کی ہدایت کرتی ہے

زمین میں چل پھر کر دیکھیں کونسی بات نئی پیدا ہوئی ہے جس کی بدولت ہم آسمان کی طرف جانے سے روک دیئے گئے ہیں چنانچہ پھرتے پھراتے وادی نخلہ میں انہوں نے حضور کی زیارت کرلی جب کہ آپ عکاظ کی طرف جاتے ہوئے وہاں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ پس وہ وہاں رک گئے اور آپ کی تلاوت کان لگا کر سنی ۔ اور بہت متاثر ہوئے حتیٰ کہ واپس اپنی قوم کی طرف مبلغ بن کر پلٹے۔

تفسیر مجمع البیان میں زہری سے منقول ہے کہ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد رسول اللہ پر سخت آزمائش کا دور تھا کیونکہ آپ کی پناہ گاہ ختم ہوگئی اور ظاہری سہارا ٹوٹ گیا۔ اور حضور کو اذیت دینے میں کفار قریش کو کسی کا خوف نہ رہا تھا پس آپ مکہ سے دل تنگ ہو کر طائف تشریف لے گئے تاکہ وہاں پناہ مل جائے۔ قوم ثقیف میں سے مسعود اور اس کے دو بھائی سرداران قوم اور رؤسا تھے۔ جب آپ نے ان کے سامنے اپنی دعوت اسلامیہ کا اظہار فرمایا تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اور آپ سے مخول کرنے لگ گئے۔ چنانچہ آپ مایوس ہو کر وہاں سے پلٹے تو سرداران قوم کے اشارے سے طائف والوں نے راستے پر دو طرفہ صفیں باندھ لیں اور آپ پر سنگ باری شروع کردی۔ چنانچہ آپ کے قدم مبارک سخت زخمی ہوگئے اور بشکل وہاں سے جان بچا کر نکلے۔ اس وقت آپ کے دونوں قدموں سے خون جاری تھا۔ آپ ایک باغ کے قریب پہنچے تو اس کے اندر عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ موجود تھے۔ آپ کو ان کے دیکھنے سے مزید پریشانی ہوئی کیونکہ ان دونوں کی اسلام دشمنی کا آپ کو علم تھا۔ پس انہوں نے اپنے عداس نامی نصرانی غلام کو انگور دے کر آپ کی طرف بھیجا۔ یہ غلام دراصل نینوا کے رہنے والا تھا۔ آپ ایک پہاڑ کے ٹیلے کے سایہ میں آرام کرنے کے لئے بیٹھے تھے آپ نے اس غلام سے دریافت فرمایا کہ تو کہاں کے رہنے والا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نینوا کا باشندہ ہوں آپ نے فرمایا وہی نینوا جہاں حضرت یونس علیہ السلام نبی بن کر آئے تھے۔ اس غلام نے پوچھا کہ آپ حضرت یونس کو کیونکر پہچانتے ہیں تو آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور اسی نے ہی مجھے خبر دی ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت یونس کے واقعات سنائے تو عداس نصرانی آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور خون آلود قدموں کو اس نے بار بار چوما۔ یہ ماجرا عتبہ اور شیبہ دونوں دیکھ رہے تھے۔ جب غلام واپس ان کے پاس پلٹا تو انہوں نے اس سے قدم بوسی کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ وہ ایک نیک بخت انسان ہے اور اس نے مجھے اپنے پیغمبر حضرت یونس کا حال سنایا ہے۔ انہوں نے کہا خیال کرنا کہیں

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ

اور اے ہماری قوم اللہ کی طرف سے دعوت دینے والے کی طرف چلو اور اس پر ایمان لاؤ تاکہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ

تمہیں وہ نصرانیت سے پھسلا نہ دے۔ بہرکیف حضورؐ کافی تکالیف جھیلنے اور سفر کی صعوبت برداشت کرنے کے بعد واپس مکہ کی طرف پلٹے۔ جب آپ مقام نخلہ پر پہنچے تو رات کے وقت نماز پڑھ رہے تھے کہ مقام نصیبین کے جنوں میں سے وہاں سے ایک گروہ کا گذر ہوا۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز آپ نے شروع کی اور انہوں نے قرآن سنا اور متاثر ہو کر قوم کی طرف پلٹے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ حضور کو قوم جنات پر بھی مبعوث کیا گیا تھا اور حکم ہوا کہ ان کو پیغام توحید سناؤ۔ اور ان پر قرآن کی تلاوت کرو۔ اور اللہ نے نینوٰے کے جنوں میں سے ایک گروہ کو وہاں بھیج دیا۔ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ آج رات میں جنوں کو قرآن سنانے جاؤں گا۔ تم میں سے میرے ساتھ کون آئے گا تو عبداللہ بن مسعود نے عرض کی کہ میں حاضر ہوں۔ ابن مسعود کہتا ہے کہ آپ کے ہمراہ میں اکیلا ہی تھا۔ جب ہم مکہ سے بلندی کی طرف ایک کافی اونچی جگہ پر پہنچے تو آپ غار میں داخل ہوئے جسے شعب الحجون کہا جاتا تھا۔ اور میرے لئے ایک خط کھینچ دیا کہ اس سے باہر نہ جاؤں۔ چنانچہ خود چلے گئے اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا تو سیاہ رنگ کی مخلوق کافی آگئی کہ میرے اور حضور کے درمیان وہ حائل ہو گئے۔ حتیٰ کہ میں آپ کا آواز بھی نہ سن سکتا تھا۔ پھر واپس جانے لگ گئے اور یوں لگتا تھا جیسے بادل کے سیاہ ٹکڑے بکھر رہے ہوں۔ پس تھوڑے سے بچ گئے اور صبح تک حضورؐ اُن سے مکمل طور پر فارغ ہو گئے۔ پھر آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ تو نے بھی کچھ دیکھا ہے۔ تو میں نے عرض کی حضور! سیاہ رنگ کے لوگ جن کے لباس سفید تھے میں نے دیکھے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ نصیبین کے جنّ تھے۔

علقمہ نے عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں اُس رات آپ کے ساتھ نہ تھا کاش کہ ہوتا۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ نصیبین کے جنوں میں سے سات تھے جو حضور کے پاس آئے تھے تو آپ نے اُن کو اپنی اپنی قوم کی طرف مبلّغ بنا کر بھیجا تھا۔ بعض روایات میں نو کی تعداد ہے اور اُن میں سے ایک کا نام زوبعہ لکھا ہے۔

جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ جب حضورؐ نے سورہ الرحمٰن لوگوں پر تلاوت کی تو سب خاموش رہے۔ آپ نے فرمایا تم لوگوں سے تو جن اچھے تھے کہ جب میں پڑھتا تھا فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ تو وہ فوراً کہتے تھے۔ لَا بِشَيْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ۔

تفسیر برہان میں ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ مکہ سے عکاظ کے بھرے میلے میں لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ زید بن حارثہ بھی تھا۔ جب آپ کی دعوت کو وہاں کسی نے قبول نہ کیا تو واپس مکہ کی طرف پلٹے۔ جب وادی مجنّہ میں پہنچے تو آپ نے تہجد پڑھی۔ اس جگہ جنوں کا ایک گروہ آپ کے پاس سے گذرا تو وہ قرأت سننے کے لئے ٹھہر گیا اور ایک دوسرے کو انہوں نے کہا کہ خاموش ہو کر غور اور توجہ سے سنو۔ چنانچہ وہ نہایت متاثر ہوئے۔ اور آپ نے جب قرأت ختم کی تو وہ اپنی قوم کی طرف چلے گئے اور اپنی قوم سے انہوں

اَلِیۡمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَنۡ لَّا یُجِبۡ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَیۡسَ لَہٗ

دے دے اور جو اللہ کی جانب سے دعوت دینے والے کی بات نہ مانے گا تو وہ زمین میں عاجز کرنے والا نہیں اور نہ

مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۱﴾ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ

اس کا کوئی اس کے علاوہ دوست ہوگا ایسے لوگ واضح گمراہی میں ہیں کیا وہ نہیں دیکھتے تحقیق اللہ وہ ہے جس نے

نے بیان کیا کہ ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد اُتری ہے اور گذشتہ شریعتوں کی تصدیق کرنے والی نیز راہِ راست اور طریقِ حق کی ہدایت کرنے والی ہے اور اپنی قوم سے اُنہوں نے کہا کہ حضورؐ کے پاس چل کر اُن پر ایمان لاؤ چنانچہ وہ آئے اور ایمان لائے اور حضورؐ نے ان کو اسلام کے احکام تعلیم فرمائے پھر اس کے بعد سورہ جن نازل ہوا اور حضور نے ان پر ایک والی بھی مقرر فرمایا اور وہ وقتاً فوقتاً حضور کے پاس آکر مسائل دریافت کیا کرتے تھے اور آپ نے ان کی تعلیم حضرت علیؑ کے سپرد فرمائی تھی۔ پس جنوں میں سے مسلمان مومن یہودی نصرانی مجوسی وغیرہ ہر قسم کے افراد ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ سب جانؑ کی اولاد ہیں۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم جس طرح انسانوں کے نبی تھے۔ اسی طرح جنوں کے بھی وہ نبی تھے لہٰذا آپ کے بعد آپ کا قائم مقام وہی ہوسکتا ہے جو جنوں اور انسانوں دونوں کو اسلامی مسائل سے مطمئن کر سکے۔

بروایت احتجاج طبرسی تفسیر برہان میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے سوال کیا کہ حضرت سلیمان کے لئے شیاطین کو اللہ نے مسخر کیا تھا چنانچہ وہ قسم قسم کی تعمیرات اور تصویریں بنا کر آپ کے سامنے اپنی غلامی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک تمہارا کہنا درست ہے لیکن حضور نبی اکرمؐ کو سلیمان سے بھی زیادہ شرف اللہ نے دیا کیونکہ جو شیاطین حضرت سلیمان کے ماتحت تھے وہ اپنے کفر پر برقرار تھے لیکن حضرت محمدؐ مصطفےٰؐ کے سامنے جو جنؑ و شیاطین مسخر ہوئے وہ کفر کو چھوڑ کر ایمان و اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے اور آپ کے وہ سچے دل سے عقیدتمند تھے اور قوم جنؑ کے رؤسا میں سے نو جنؑ حضورؐ کے پاس آئے تھے۔ ایک اُن میں سے نصیبین کے رہنے والا تھا اور باقی آٹھ احجر کے علاقہ سے عمرو بن عامر کی اولاد سے تھے جن کے نام یہ ہیں (۱) شَضَاۃ (۲) مضاۃ (۳) مہسا (۴) ہذبان (۵) مزبان (۶) لیضاہ (۷) ہاضنب (۸) عمرو اور یہ قوم آپ کے پاس وادی نخل میں آئی تھی اور اس کے بعد آپ کے پاس اکہتر ہزار جنؑ آئے تھے۔ جنہوں نے آپ کی بیعت کی تھی اور یہ فضل سلیمان سے بدرجہا بہتر ہے۔ **اقول**۔ بعض روایات میں وادی نخل اور بعض میں وادی مجنہ کا لفظ شاید اس لئے ہے کہ اُس وادی کے دو نام ہوں۔

فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ۔ یعنی جو لوگ اللہ کی دعوت کو قبول نہ کریں گے وہ زمین میں اللہ کی سلطنت سے بھاگ نہیں سکتے وہ جب بھی چاہے ان کو گرفت کر سکتا ہے پس نہ وہ اس کو زمین میں رہ کر عاجز کر سکتے ہیں۔ اور نہ ان کو اللہ کی گرفت سے کوئی بچا سکتا ہے

اَوَلَمۡ یَرَوۡا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جس اللہ نے آسمان و زمین پیدا کئے اور ان کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں کیا وہ مُردوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓى اِنَّهٗ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں (تو کیا وہ نہیں) قادر مُردوں کے زندہ کرنے پر ؟ ہاں یقیناً قادر ہے

عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَي النَّارِ ۭ

کیونکہ وہ ہر شئے پر قادر ہے اور جس دن پیش کئے جائیں گے کافر لوگ دوزخ پر

اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

(تو کہا جائیگا) کیا یہ حق نہیں ؟ کہیں گے ہاں (حق ہے) پروردگار کی قسم ۔ فرمائے گا پس چکھو عذاب کو بوجہ اس کے کہ تم

کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے یعنی اَلَيْسَ الَّذِیْ خَلَقَ الخ بِقٰدِرٍ الایۃ اور یہی وجہ ہے کہ خبر پر باء زائدہ داخل ہے ۔

اُولوالعزم پیغمبر

فَاصْبِرْ۔ حضور نبی اکرم کو کفار مکہ کی ایذا رسانی اور ان کے مسلسل انکار کے بعد صبر کی تلقین سے کہ جس طرح سابق اُولوالعزم پیغمبر اپنی اُمتوں کی ایذا رسانی پر صبر کرکے وقت گذار گئے ۔ آپ بھی صبر کرتے رہیں ۔ اولوالعزم رسولوں کے متعلق پانچ اقوال ہیں ۔ پہلا قول یہ ہے کہ اولوالعزم کا معنی ہے ۔ صاحبانِ عزم واستقلال اور چونکہ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء عزم پختہ اور ارادہ قویّہ کے ساتھ پوری ثابت قدمی سے تبلیغ دین فرماتے رہے لہٰذا سب کے سب اولوالعزم تھے اور حضور کو سابق انبیاء کے طریقہ پر صبر سے تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ اس صورت میں من بیانیہ ہے ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اولوالعزم وہ چھ پیغمبر ہیں جنہوں نے انتہائی مشکل وکٹھن منازل میں صبر کیا پہلے حضرت نوح جنہوں نے قوم کی سخت سے سخت تر ایذا رسانی کے بعد بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا ۔ دوسرے حضرت ابراہیم جنہوں نے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود کر اپنے صبر وضبط کا مظاہرہ کیا ۔ اور دامنِ توحید کو ہاتھ سے نہ چھوڑا ۔ تیسرے حضرت اسحٰق جنہوں نے ذبح کے لئے اپنے آپ کو پیش کرکے انتہائی صبر کا نمونہ پیش کیا دیا اُس روایت کے ماتحت ہے جس میں ذبیح حضرت اسحٰق کو کہا گیا ہے ۔ اور ہم نے تفسیر کی جلد ۱۱ میں ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق کے بجائے حضرت اسماعیل تھے) چوتھے حضرت یعقوب جنہوں نے اپنے بیٹے یوسف کی جدائی پر صبر سے کام لیا ۔ اور آنکھوں کی بینائی کے کھو جانے کے بعد بھی بے صبری کا اظہار نہ کیا ۔ پانچویں حضرت یوسف جنہوں نے بھائیوں کی جانب سے ڈھائے جانے والے مظالم پر صبر کیا ۔ کنویں میں گرائے گئے اور قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں لیکن دامن صبر وضبط کو نہ چھوڑا ۔ اور چھٹے حضرت ایوبؑ جنہوں نے سخت اذیتوں ، تکلیفوں اور مصیبتوں کے باوجود انتہائی صبر وضبط سے کام لیا ۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ان سے مُراد وہ انبیاء ہیں جن کو دشمن سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے خندہ پیشانی سے اس کو نبھایا ۔

تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ

کفر کرتے تھے — پس صبر کر جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا — اور ان کے لئے جلدی نہ کرو (طلب عذاب کی)

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ

گویا کہ جس دن وہ دیکھیں گے وہ جس کا وعدہ کئے گئے ہیں (معلوم ہوگا) نہیں ٹھہرے (دنیا میں) مگر دن کی ایک گھڑی (یہ قرآن) تبلیغ

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع

ہے — پس نہیں ہلاک ہوگی — مگر — فاسق — قوم

چوتھا قول یہ ہے کہ اولوالعزم پیغمبر کل چار ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت نوحؑ۔ اور حضرت محمد مصطفیٰؐ۔ پانچواں قول یہ ہے کہ اولوالعزم پیغمبر وہ تھے جو نئی شریعت لے کر آئے اور اُن کی شریعت سابق شریعت کی ناسخ تھی اور وہ پانچ ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی قول ابن عباس سے بھی منقول ہے اور اکثر مفسرین کا اس پر اتفاق ہے اور حضرت امام محمد باقر حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی اسی طرح وارد ہے۔ فرمایا یہ پانچ اولوالعزم پیغمبر باقی تمام نبیوں سے افضل و برتر ہیں اور یہی قول حق ہے اور علمائے شیعہ کا اسی پر اتفاق ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت، کافی سماعہ بن مہران سے منقول ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اولوالعزم رسولوں کے متعلق فرمایا کہ وہ حضرت نوح۔ حضرت ابراہیم۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ علیٰ نبینا وعلیہم السلام ہیں راوی نے پوچھا کہ وہ کیسے اولوالعزم بن گئے تو آپ نے فرمایا کہ حضرت نوحؑ کو کتاب اور شریعت دے کر بھیجا گیا اور اُن کے بعد مبعوث ہونے والے تمام انبیاء ان کی شریعت پر عمل پیرا رہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ تشریف لائے تو نئی کتاب و شریعت لائے اور سابقہ شریعت ان کی وجہ سے منسوخ ہوگئی۔ اور جو نبی ان کے بعد آئے وہ انہی کی کتاب و شریعت پر عمل کرتے رہے پھر حضرت موسیٰؑ کتاب تورات اور شریعت الگ لے کر آئے اور سابقہ شریعت منسوخ ہوگئی۔ ان کے بعد جو نبی تشریف لائے ان کی شریعت کے تابع رہے۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ تشریف لائے اور کتاب انجیل اور شریعت جدیدہ لے کر آئے اور شریعت موسویہ منسوخ ہوگئی اور آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے جو کتاب قرآن اور شریعت اسلامیہ کے مبلغ بن کر آئے تو حضرت عیسیٰ کی شریعت منسوخ ہوگئی۔ پس ان کا حلال قیامت تک حلال رہے گا۔ اور ان کا حرام قیامت تک حرام رہے گا اور یہی اولوالعزم پیغمبر ہیں۔

سُورَۃ مُحمّدؐ

یہ سورہ مدنیہ کہلاتا ہے سوائے آیت ۱۳ کے۔ دورانِ ہجرت مدینہ کے راستہ میں یہ سورہ نازل ہوا اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت ۳۹ ہے یہ سورۂ حدید کے بعد نازل ہوا۔

تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابی بن کعب منقول ہے حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا جو شخص سورہ محمدؐ کی تلاوت کریگا ضروری ہے کہ اللہ اس کو جنت کی نہروں سے سیراب فرمائے۔

اور بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس سورہ مجیدہ کو پڑھے گا اس کو دین میں کبھی شک نہ ہوگا اور وہ شرک و کفر سے ہمیشہ محفوظ رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر میں ایک ہزار فرشتے موکل ہوں گے جو اس کی قبر میں صلوٰت بھیجیں گے اور اس کا ثواب صاحب قبر کو پہنچے گا اور وہی اس کی تشییع کریں گے اور بارگاہِ پروردگار میں مقامِ امن تک اس کو لے جائیں گے۔ پس وہ اللہ و رسول کی امان میں ہوگا۔ اور آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے حالات کا جائزہ لینا چاہے تو اس کی تلاوت کرے کیونکہ اس میں ایک آیت ہمارے حق میں ہے تو دوسری ہمارے دشمنوں سے متعلق ہے۔

تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ مجیدہ کو پڑھے گا تو قبر سے نکلتے ہوئے جس طرف کا رخ کرے گا حضرت رسول اللہؐ کا اس کو دیدار ہوگا۔ اور اللہ اس کو جنت کی نہروں سے سیراب فرمائے گا۔ اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ نیند اور بیداری میں پُر امن رہے گا۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ ہر بیماری و مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا جنوں کی اذیت اس سے دور ہوگی اور نیند و بیداری میں محفوظ رہے گا۔ اور اس کے ساتھ باندھنے سے ہر سر پر آنے والی مصیبت سے با امن رہے گا۔ باذن اللہ تعالیٰ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

(اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ② وَ الَّذِیۡنَ

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا (اللہ نے) ان کے اعمال کو ضائع کر دیا   اور جو لوگ

اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ

ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے   اور ایمان لائے اس پر جو حضرت محمدؐ پر نازل ہوئی درحالیکہ وہ ان کے پروردگار کی

رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ③ ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ

جانب سے حق ہے تو دور کر دیئے اُن سے (اللہ نے) ان کے گناہ اور ان کی حالت کو درست کر دیا   یہ اس لئے کہ جن لوگوں نے

کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ

کفر کیا وہ باطل کے تابع ہوئے   اور جو لوگ ایمان لائے وہ حق کے پیرو ہوئے اپنے رب کی جانب سے   اسی طرح

رکوع ۵

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا۔ آیت مجیدہ کا شانِ نزول اگرچہ مشرکین مکہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس کی تاویل باقی آیات کی طرح قیامت تک جاری ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس آیت کے تاویلی مصداق وہ لوگ ہیں جو پیغمبرؐ کے بعد آلِ محمدؐ کے حقوق کے غاصب ہوئے اور حضرت علیؑ کی ولایت سے منحرف ہوئے۔ اور قیامت تک کے لئے جو شخص بھی راہِ حق سے روگرداں ہو کر کفر کا راستہ اختیار کرے وہ اس آیت کا اور اس قسم کی جملہ آیات کا تاویلی مصداق ہوگا۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم منقول ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے پیغمبرؐ کی وفات کے بعد مسجد نبوی میں ایک جم غفیر سے خطاب کرتے ہوئے باآواز بلند فرمایا۔ اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا۔ الآیہ۔ تو ابن عباس نے دریافت کیا۔ اے ابوالحسن آپ نے یہ آیت کس لئے پڑھی تو آپ نے فرمایا یہ میرا کلام نہیں بلکہ قرآن کا فرمان ہے تو ابن عباس نے عرض کی آخر کس مطلب کے لئے آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی؟ کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ کافر ہو گئے۔ اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے لگ گئے ان کے اعمال برباد ہو گئے، آپ نے فرمایا۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم کو جو کچھ رسول دے دے لے لو۔ اور جس سے روکے رک جاؤ۔ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا تھا۔ ابن عباس نے کہا میں نے تو یہ سنا ہے کہ رسول اللہ نے آپ کو اپنا وصی مقرر فرمایا تھا۔ آپ نے فرمایا پھر تو نے کس بنا پر اس کی بیعت کر لی ہے۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی سے میں نے بھی بیعت کر لی۔ آپ نے فرمایا یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح گوسالہ پرستوں نے گوسالہ پر اجتماع کر لیا تھا۔ پس تمہاری مثال ان لوگوں کی سی ہو گئی جنہوں نے آگ روشن کی جب ان کا

يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ

خدا بیان کرتا ہے لوگوں کے لئے مثالیں پس جب تم ملاقات کرو (جنگ میں) کافروں سے پس ان کی

الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

گردنیں اڑاؤ یہانتک کہ جب اُن پر غالب آجاؤ تو ان کو مضبوط طور پر قیدی کر لو پھر یا تو احسان کر کے چھوڑ دیا فدیہ قبول کر کے رہا

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ۬ ذٰلِكَ ؕۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ

کر دو یہانتک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈالدے (بند ہوجائے) یہ بات (یاد رکھو) اور اگر اللہ چاہتا تو خود ان سے انتقام لے لیتا لیکن (وہ چاہتا

لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴

ہے) کہ تمہیں بعض کو بعض سے آزمائے اور جو لوگ قتل کئے گئے اللہ کی راہ میں تو ان کے اعمال کو ہرگز وہ ضائع نہ کرے گا

اِدِّگر دروش ہوگیا تو خدا نے ان کا نور سلب کر لیا اور ان کو ایسی تاریکیوں میں چھوڑا کہ کچھ نہیں دیکھ پاتے وہ گونگے بہرے اور اندھے ہیں کہ نہیں رجوع کرتے۔

بَالَهُمْ ۔ بال کا معنی دل بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی حال اور شان بھی ہوتا ہے اور یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔ اور اس کی جمع کبھی نہیں آتی۔

اَثْخَنْتُمُوْهُمْ ۔ اثخان زیادہ قتل کرنا دشمن کو زیر کرنا اور اُن پر شدت کرنا۔ اس جگہ مقصد یہ ہے کہ تم جب سختی اور زیادہ قتل کی وجہ سے دشمن پر غالب آجاؤ اور ان کو زیر کر لو کہ وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں تو اُن کو اپنی قید و گرفت میں لے لو۔

فَاِمَّا مَنًّا ۔ یہاں مَنًّا اور فِدَاءً مفعولِ مطلق ہیں۔ اور ان کا عامل وجوباً محذوف ہے یعنی **تَمُنُّوْنَ مَنًّا** اور **تُفْدُوْنَ فِدَاءً** اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں مفعول مطلق جملہ سابقہ کے مضمون کی تفصیل واقع ہو وہاں اس کا عامل وجوباً محذوف ہوا کرتا ہے۔ اور کفار قیدیوں کے متعلق آئمہ طاہرین علیہم السلام کی جانب سے ہدایت اس طرح وارد ہے کہ قیدیوں کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک وہ جو لڑائی کے دوران گرفتار ہوں اُن کے متعلق امام کو اختیار ہے کہ ان کو قتل کر دے یا اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں یا اس کا عکس اور ان کو چھوڑ دے کہ آخر مر جائیں۔ اور اس صورت میں نہ من جائز ہے اور نہ فدا جائز ہے (۲) دوسرے وہ قیدی جو جنگ ختم ہو جانے کے بعد گرفتار کئے جائیں تو اُن میں امام کو اختیار ہے کہ من کرے یعنی ازراہِ احسان اُن کو چھوڑ دے یا فداء قبول کرے یعنی مال یا مسلمان قیدیوں کے بدلے میں چھوڑ دے یا ان کو غلام بنا کر رکھے یا ان کو قتل کر دے۔ پس من و فدا یا استرقاق و قتل میں سے امام جو حکم دے اس کی اطاعت ضروری ہے۔

اَوْزَارَهَا ۔ یہ وزر کی جمع ہے جس کا معنی ہے بوجھ اور اس جگہ آلاتِ جنگ مراد ہیں۔

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝٦ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝٧

ان کی رہبری فرمائیگا اور اس کی حالت کی اصلاح کریگا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کو ان کے لئے معطر کیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝٨

اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم کرے گا

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝٩ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

اور جو لوگ کافر ہیں پس اُن کے لئے ہلاکت ہے اور ان کے اعمال برباد ہیں کیونکہ انہوں نے اس کو

كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝١٠ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي

ناپسند کیا جو اللہ نے اُتاری پس ان کے اعمال کو حبط کر دیا کیا نہیں سیر کرتے زمین

وَلَوْ يَشَاءُ - یعنی اگر اللہ چاہتا تو کفار کو بغیر جنگ کے بھی ذلیل کرسکتا تھا لیکن تم کو جہاد کا حکم دیا ہے تاکہ تمہاری آزمائش ہو۔ اور تم اپنے اختیار سے مراتب ثواب اور مدارج جنت کے مستحق ہو۔

وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ - اس لفظ کو دہرانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی جگہ بال سے مراد دینی و دنیاوی حالتوں کی اصلاح تھی جو جنت کی سبب ہے۔ اور اس جگہ بال سے مُراد خود جنت ہے یعنی ان کی جنت کو خوب سجائے گا۔

عَرَّفَهَا لَهُمْ - یعنی وہ جنت جس کی ان کے سامنے اُس نے تعریف کی ہے کہ وہ اُس کو جانتے ہوں گے یا یہ کہ اپنے اپنے جنت کے ٹھکانوں کو وہ جانتے ہوں گے۔ اور سیدھے ان میں چلے جائیں گے یا یہ کہ عرف سے ہے جس کا معنی خوشبو ہے یعنی وہ جنت جس کو اللہ نے ان کے لئے معطر کر رکھا ہے۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ - آیت مجیدہ میں پروردگار نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے کہ اگر تم خلوص نیت سے اللہ کے دین کی مدد کروگے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو ثابت کرے گا۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جہاد کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ جہاد وہ دروازہ ہے جو اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور یہ مومنوں کے لئے کرامت اور باعث رحمت ہے جو اللہ نے ان کے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ جہاد تقویٰ کا لباس اللہ کی محفوظ زرہ اور جنت کی رسید ہے جو شخص اس کو روگردانی کرکے ترک کردے اللہ اس کو ذلت کا لباس اور مصیبت کی چادر پہنائے گا۔ اور وہ خوشحالی سے دور ہوگا۔ اُس کے دل پر برائی کی اور دین پر حقارت کی مہر لگ جائے گی اور جہاد کے ضائع کرنے سے وہ رسوائی کو چکھے گا۔ انصاف سے دور اور حق سے الگ ہوگا اور اللہ کا اس پر غضب ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کے دین کی نصرت سے گریز کیا۔ الخ۔

الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؗ

ہیں تاکہ اُن لوگوں کا انجام دیکھیں جو اُن سے پہلے گذرے جن کو اللہ نے ہلاک کیا اور

وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ

کافروں کے لئے انہی جیسا عذاب ہوگا یہ اس لئے کہ اللہ کارساز ہے اُن کا جو ایمان لائے اور کافروں

الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۲﴾ ع اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا

کا کوئی کارساز نہیں بے شک اللہ داخل کرے گا ان کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ

بجالائے ان باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو لوگ کافر ہیں وہ لذت اٹھاتے ہیں اور

وَ یَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۳﴾ وَ كَاَیِّنْ

کھاتے ہیں جس طرح حیوان کھاتے ہیں اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے اور کتنی

مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا

بستیاں جو تیری اس بستی سے جس نے تجھے نکالا ہے مضبوط تھیں طاقت میں ہم نے اُن کو ہلاک کیا تو اُن کا

كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں ہے جنہوں نے حضرت علیؑ کے حق میں اُترنے والی آیات کو ناپسند کیا اور انہی کے متعلق فرماتا ہے کہ ان کے اعمال برباد ہوگئے۔

وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ۔ یعنی جس طرح گذشتہ اُمتوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی اور گرفتارِ عذاب ہوئے اسی طرح یہ لوگ بھی حق کا انکار کر کے گرفتارِ عذاب ہوں گے اور انکار کرنے والوں کے لئے انہی جیسا عذاب ہوگا۔ بہرکیف ان کا ظاہر اگرچہ زمان پیغمبر کے منکروں کے لئے ہے لیکن اُن کی تاویل اور باطن قیامت تک کے منکرین حق کے متعلق جاری رہے گی۔ رکوع ع۶

یَتَمَتَّعُوْنَ ۔ یعنی جس طرح حیوانی زندگی کھانے پینے اور دنیاوی لذّات سے بہرہ اندوز ہونے کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں رکھتی۔ اسی طرح وہ لوگ جو کافر ہیں وہ بھی اپنی زندگی کا مقصد حیوانوں کی طرح کھانا پینا اور دنیاوی لذّات سے بہرہ ور ہونا قرار دیتے ہیں۔ اور آیت میں اختصار ہے یعنی یَتَمَتَّعُوْنَ كَمَا تَتَمَتَّعُ الْاَنْعَامُ ۔ یعنی وہ دنیاوی منافع سے اس طرح لذّت اندوز ہوتے ہیں جس طرح چوپائے لذت اندوز ہوتے ہیں اور اس طرح کھاتے ہیں جس

نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۴﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ

کوئی مددگار نہ تھا پس کیا جو شخص اپنے رب کی جانب سے واضح دلیل رکھتا ہو اس جیسا ہے جس کے لئے اپنی بدعملی

سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ

مزین ہو اور وہ اپنی خواہشات کے پیرو ہوں مثال اس جنت کی جس کا متقین کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے

فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ

اس میں نہ متغیر ہونے والے پانی کی نہریں جاری ہیں اور ایسے دودھ کی نہریں جن کا ذائقہ متغیر نہ ہوگا

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَ

اور شراب کی نہریں جو پینے والوں کے لئے لذیذ ہوگا اور خالص شہد کی نہریں اور

طرح چوپائے کھاتے ہیں۔ یعنی جس طرح چوپاؤں میں حلال وحرام اور اپنے وبیگانے کی تمیز نہیں ہوتی۔ اسی طرح کافر لوگ بھی حلال وحرام اور جائز وناجائز کے فرق سے بے نیاز ہو کر کھانے پینے اور دنیاوی منافع سے لذت اندوز ہونے میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتے ہیں اور دوزخ ان کا پکا ٹھکانا ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ۔ مَثَلٌ اور مِثْلٌ مترادف ہیں جس طرح شَبَہ اور شِبہ مترادف ہیں۔ یہاں مثل مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی ان باغات کی مثال جن کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ان جیسی ہے جس طرح تم دنیا میں دیکھ چکے ہو لیکن دنیاوی باغات اور جنتی باغات میں جو فرق ہے بعد میں اس کا بیان ہے کہ ان باغات کی نہروں کا پانی کبھی بدبودار نہ ہوگا۔ وہاں نہ خراب ہونے والے دودھ کی نہریں ہوں گی۔ وغیرہ۔

اٰسِنٍ۔ اٰسِنَ یَاْسَنُ اَسَنًا یا اٰسَنًا۔ علم یعلم کے باب سے ہے اور اس کا معنی ہے بدبودار ہونا۔

تفسیر عمدۃ البیان کی ایک روایت میں ہے کہ شب معراج حضور نبی اکرمؐ نے جنت کی سیر فرمائی تو جنت کی چاروں نہروں کے منبع کو دیکھنے کے لئے ایک قبہ میں داخل ہوئے وہاں ایک ستون دیکھا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر تھا۔ خالص پانی کی نہر بسم اللہ کے میم کے حلقہ سے دودھ کی نہر لفظ اللہ کے ہاء کے حلقہ سے شہد کی نہر رحمٰن کے میم کے حلقہ سے اور شراب کی نہر رحیم کے میم کے حلقہ سے جاری تھی۔ اور بسم اللہ کی بائیں لکھا ہوا تھا کہ دنیا میں جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے گا اس کو یہ چاروں نہریں عطا ہوں گی۔ اور منقول ہے کہ دنیاوی شراب کی بدبو مستی اور سردردی کے عیوب جنّت کی شراب میں نہ ہوں گے بلکہ وہ خالص لذیذ ہوگی۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ۔ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے۔ یعنی مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ۔ یعنی جو

لَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي

ان کے لئے اس میں ہر قسم کے میوہ جات ہوں گے اور اپنے رب کی بخشش ہوگی (کیا یہ لوگ) ان جیسے ہو سکتے ہیں جو آگ میں ہمیشہ

النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٦﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ

رہیں گے اور گرم پانی پلائے جائیں گے جس سے ان کی انتڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہوں گی اور بعض ان میں سے وہ جو آپ کی باتیں سنتے ہیں

حَتَّىٰ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ

یہانتک کہ جب باہر نکلتے ہیں تو صاحبان علم سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے ابھی کیا فرمایا تھا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٧﴾ وَالَّذِينَ

ایسے لوگوں کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور جو لوگ

اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿١٨﴾ فَهَلْ يَنْظُرُونَ

ہدایت یافتہ ہیں خدا ان کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا کرتا ہے پس نہیں وہ انتظار کرتے

شخص ان نعمتوں میں ہو کیا وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو جہنم کا ایندھن ہو اور گرم کھولتا ہوا پانی اس کی خوراک ہو۔

مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۔ یعنی رسول اللہ کی مجلس میں بیٹھنے والے بعض ایسے لوگ بھی ہوا کرتے تھے کہ حضور کے وعظ و نصیحت سے ذرہ بھر فائدہ نہ اٹھاتے تھے بلکہ دامن جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور باہر جاکر ان لوگوں سے دریافت کرتے تھے جن کو اللہ نے علم و فہم کی دولت سے مالا مال کیا ہے کہ حضور نے ابھی ابھی اپنے وعظ میں کیا کچھ فرمایا تھا اور یہ ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے جو منافق طبع تھے کہ حضور کی باتوں کو دل میں جگہ نہ دیتے تھے بلکہ ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے تھے اور انہی کے متعلق فرمایا کہ ان کے دلوں پر نفاق کی مہریں ہیں اور وہ خواہشات نفس کے پابند ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ حضور جب وحی کی خبریں سناتے تھے تو ہم یاد کر لیتے تھے اور وہ لوگ باہر آکر پوچھتے تھے کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔

وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۔ یعنی خدا ان کو تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے یا یہ کہ خدا ان کو تقویٰ کا اجر عطا فرماتا ہے۔

أَنْ تَأْتِيَهُمْ ۔ یہ السَّاعَةَ سے بدل اشتمال ہے کیونکہ تاویل مصدر میں ہے یعنی إِلَّا السَّاعَةَ إِتْيَانَهَا ۔

علامات قیامت

فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۔ اشراط کا معنی علامات کیا گیا ہے۔ حضور سے مروی ہے۔ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ ۔ یعنی مبعوث ہوا ہوں درحالیکہ میں اور قیامت مثل ان دو انگلیوں کے ہیں یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کسی اور نبی کی آمد نہ ہوگی۔ تفسیر صافی میں کافی سے منقول

اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا

مگر قیامت کی کہ ان کے پاس اچانک آ جائے تو تحقیق اس کی علامات آ چکی ہیں پس وہ کہاں سے نصیحت

ہے ۔ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا علامات قیامت میں سے فالج کا عام ہونا اور اچانک موت کا زیادہ ہونا ہے ۔

تفسیر برہان اور صافی میں بروایت علی بن ابراہیم عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ حجۃ الوداع میں ہم حضور نبی کریمؐ کے ہمراہ تھے ۔ آپ نے کعبہ کے دروازہ کے حلقہ میں ہاتھ ڈالا اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا میں تم کو قیامت کی علامات بتاؤں ؟ اُس وقت حضرت سلمان رضؓ حضورؐ سے بہت زیادہ قریب کھڑے تھے ۔ سب نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ ! تو آپ نے فرمایا قیامت کے علامات میں سے ہے نماز کا ضائع کرنا ۔ شہوات کی اتباع ۔ خواہش نفس کی طرف میلان ۔ مالدار لوگوں کی تعظیم اور دنیا کے بدلہ میں دین کی سودا بازی ۔ جب یہ وقت آئے گا تو مومن کا دل اس طرح پگھلے گا جس طرح پانی میں نمک پگھلتا ہے ۔ کیونکہ وہ منکر کو دیکھے گا لیکن اُسے روک نہ سکے گا ۔ سلمان نے عرض کی حضور ! ایسا وقت بھی آئے گا ؟ تو آپ نے فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اُس زمانہ میں ظالم حکمران اور فاسق وزیر ہوں گے اور عارف لوگ ظلم کرنے والے ہوں گے اور جن کو امین سمجھا جائے گا وہ خائن ہوں گے ۔ سلمان نے ازراہِ تعجب عرض کیا کہ یا رسول اللہ ! یہ بھی ہو گا ؟ تو آپ نے فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ۔ اے سلمان ! اس وقت معروف منکر ہو گا ۔ اور منکر معروف ہو گا ۔ خائن کو امین سمجھا جائے گا ۔ اور امین کو خائن قرار دیا جائے گا ۔ جھوٹے کو سچا کہیں گے اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا ۔ پھر سلمان نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ! ایسا بھی ہو گا ؟ تو آپ نے فرمایا ۔ ہاں ہو گا ۔ پھر فرمایا ۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس وقت عورتوں کی حکومت ہو گی ۔ کنیزوں سے مشورے لئے جائیں گے منبروں پر لڑکے تقریریں کرنے والے ہوں گے ۔ جھوٹ کا رواج ہو گا ۔ زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا ۔ ... کو غنیمت قرار دیا جائے گا ۔ والدین پر لوگ جفا کریں گے ۔ دوست دوست سے بری ہو گا اور دمدار ستارہ طلوع کرے گا ۔ سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ ! ایسا بھی ہو گا ؟ تو آپ نے فرمایا ہاں ضرور ہو گا اور مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ۔ اے سلمان اُس وقت عورتیں مردوں کے ساتھ تجارت میں شریک ہوں گی ۔ بارشیں کم ہوں گی ۔ شرفاء کا دم گھٹے گا غرباء کو حقیر سمجھا جائے گا ۔ پس اُس وقت بازاروں میں یہ باتیں ہوں گی ، کوئی کہے گا میں نے کچھ نہیں بیچا ۔ دوسرا کہے گا مجھے بچت کچھ نہیں ہوئی ، اور اکثر لوگ اللہ پر ناراض ہوں گے ۔ پس سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ ایسا بھی ہو گا ؟ تو آپ نے فرمایا ہاں اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ۔ اے سلمان : ان کے بعد ایسی قومیں آئیں گی کہ بولیں گے تو ان کو قتل کیا جائے گا ۔ اور جب رہیں گے تو ان کا سب مال مباح سمجھا جائے گا ۔ اور ان کی عزت لوٹ لی جائے گی ۔ ان کے دل دھوکے اور فریب سے پُر ہوں گے ۔ اور وہ ایک دوسرے سے خوف زدہ اور مرعوب ہوں گے ۔ سلمان نے عرض کی یا رسول اللہ ! یہ بھی ہو گا ؟ تو آپ نے قسم کھا کر ہاں میں جواب دیا اور فرمایا اے سلمان : اُس وقت کوئی شے مشرق سے آئے گی

جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۹﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ

حاصل کریں گے جب وہ آجائے گی پس جان لو تحقیق کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور اپنے گناہوں کے لئے معافی

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۲۰﴾ ع وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

مانگو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے اور اللہ جانتا ہے تمہارے انجام اور ٹھکانے کو۔ اور ایمان والے کہتے ہیں کہ

کوئی چیز مغرب سے آئے گی۔ میری اُمت کے کمزور لوگوں کے لئے مصیبت ہوگی۔ نہ چھوٹے پر رحم کریں گے[30] نہ بڑوں کی عزت کریں گے۔ کسی سے غلطی سرزد ہونے کے بعد[31] چشم پوشی نہ ہوگی۔ پس ان لوگوں کے جسم انسانوں کی طرح ہوں گے اور[32] دل شیطان ہوں گے۔ سلمان نے عرض کی: یارسول اللہ! ایسا بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اے سلمان! اُس زمانہ میں مرد مردوں سے خواہش پوری کریں گے اور[33] عورتیں عورتوں سے خواہش پوری کرلیں گی۔ لڑکوں کو اس طرح اغوا کیا جائے گا[34] جس طرح لڑکیوں کو اغوا کیا جاتا ہے۔ یعنی لڑکوں پر اسی طرح غیرت کی جائے گی جس طرح لڑکیوں سے کی جاتی ہے۔ مرد عورتوں سے مشابہت کریں گے اور عورتیں[35] مردوں سے مشابہت کریں گی۔ اور عورتیں مردوں کی طرح گھوڑوں[36] پر سواری کریں گی۔ پس میری اُمت کے ان افراد پر اللہ کی لعنت ہوگی۔ پھر سلمان نے ازراہِ تعجب دریافت کیا کہ حضورؐ! ایسا بھی ہوگا؟ تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ ضرور ہوگا اور فرمایا اے سلمان! جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے گرجوں کو مزین کرتے ہیں لوگ[37] مساجد کو بھی مزین کریں گے۔ قرآن[38] کو آراستہ کریں گے۔ مینار[39] اونچے بنائیں گے۔ صفوں میں آدمی زیادہ ہوں گے جن کے دل ایک[40] دوسرے سے متنفر ہوں گے اور زبانیں مختلف ہوں گی۔ سلمان نے عرض کی حضورؐ! یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں: مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اے سلمان! اُس وقت میری اُمت کے مرد[41] سونا اور ریشم پہنیں گے۔ سلمان نے عرض کی حضورؐ: یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا ہاں: اے سلمان مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ سود خواری[42] عام ہوگی۔ سودابازی رشوت[43] و کمیشن سے ہوگی۔ پس دین نیچے ہوگا۔ دنیا[44] اوپر ہوگی۔ سلمان نے کہا یارسول اللہ! یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا۔ ہاں: ضرور ہوگا اور فرمایا اس زمانہ میں طلاق[45] زیادہ ہوگی اور اللہ کی کوئی[46] حد قائم نہ ہوگی۔ سلمان نے کہا حضورؐ! یہ بھی ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں: مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اُس وقت[47] گانا بجانا عام ہوگا اور میری اُمت کے بدترین لوگ یہ کاروبار کریں گے۔ سلمان نے عرض کی یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے قسم کھا کر ہاں میں جواب دیا۔ اور فرمایا اُس زمانہ میں دولتمند سیر کے لئے متوسط طبقہ تجارت[48] کے لئے اور غرباء لوگ ناموری کے لئے حج کو جائیں گے۔ اس زمانہ میں لوگ قرآن کو غیر اللہ کے لئے پڑھیں گے اور اُس[49] سے مزمار کا کام لیں گے اسی طرح بعض لوگ فقہ بھی غیر اللہ کے لئے حاصل کریں گے۔ اولادِ زنا عام[50] ہوگی۔ لوگ قرآن کو غنا میں پڑھیں[51] گے اور دنیا کے متوالے ہوں گے۔ سلمان نے عرض کی یارسول اللہ!

اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ

سورہ کیوں نہیں نازل ہوتا پس جب نازل ہو گئی سورہ محکمہ جس میں جنگ کرنے کا ذکر ہو

ایسا بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا ہاں ضرور ہوگا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اے سلمان! اس وقت یہ بھی ہوگا کہ جن عورتوں سے نکاح[52] حرام ہے ان کی عزت لوٹی جائے گی۔ گناہ عام ہوں گے اور نیکوں[53] پر بروں کا تسلط ہوگا۔ جھوٹ عام اور چاپلوسی[54] زیادہ ہوگی۔ دانا دم بخود ہوں گے۔[55] فاقہ مستی عام ہوگی۔ لوگ لباس[56] پر فخر کریں گے۔ بارشیں بے موسم ہوں گی۔ باجوں سارنگیوں[58] سے محبت ہوگی۔ امر بالمعروف کو برا سمجھا جائے گا اور نہی[59] عن المنکر سے گریز[57] کیا جائے گا۔ مومن اس دور میں ذلیل ترین انسان ہوگا۔ ان کے قاری و عابد ایک دوسرے[60] کو ملامت کریں گے۔ یہ لوگ ملکوت سماوی میں انجاس و انجاس پکارے جائیں گے۔ سلمان نے عرض کی۔ یا رسول اللہؐ! یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا ہاں ضرور ہوگا اے سلمان! اس وقت دولت مندوں کو سب سے زیادہ[62] خطرہ فقر کا ہوگا۔ حتیٰ کہ فقر کے ڈر سے کوئی کسی سائل کو کچھ نہ دے گا۔ ایک جمعہ سے دوسرے[63] جمعہ تک کوئی سائل کسی سے کچھ حاصل نہ کر سکے گا۔ سلمان نے عرض کی؛ حضورؐ! یہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا اس وقت عوام کے حق میں وہ بھی بولنے لگیں[64] گے جو کبھی نہ بولے ہوں گے۔ پس زمین پھٹے گی اور لوگ اس کے[65] اندر چلے جائیں گے۔ جب تک اللہ چاہے گا یہ حالت برقرار رہے گی۔

کلمہ توحید و استغفار

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضورؐ سے مروی ہے جو لا الٰہ الا اللہ پڑھے وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا۔ تفسیر برہان میں ہے حضورؐ نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ بہترین عبادت ہے اور استغفار بہترین عبادت ہے۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ روزمرہ ستر مرتبہ استغفار اور ستر مرتبہ توبہ پڑھتے تھے یعنی اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ستر مرتبہ اور پھر اَتُوْبُ اِلَی اللّٰهِ ستر مرتبہ پڑھتے تھے۔ اور مروی ہے کہ حضورؐ جہاں بیٹھتے تھے۔ اگرچہ کس قدر معمولی وقفہ بھی ہوتا تو کم از کم پچیس مرتبہ استغفر اللہ کہہ کر کھڑے ہوتے تھے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ بغیر گناہ کے ہر روز ستر مرتبہ استغفار پڑھا کرتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ روزمرہ بغیر گناہ کے آپ ایک سو مرتبہ توبہ و استغفار پڑھا کرتے تھے۔ اور مروی ہے آپ نے فرمایا استغفار بہترین دعا ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ایک سو دفعہ استغفر اللہ کہے اس کے سات سو گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور فرمایا اس انسان میں کوئی بھلائی نہیں جو روزانہ سات سو گناہ کرے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کوئی مومن گناہ کرنے کے بیس برس گذرنے کے بعد گناہ کو یاد کر کے استغفار کرے تو بھی اس کا گناہ معاف ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اس گناہ کو اس لئے یاد کرتا ہے کہ گناہ سے اس کو نفرت ہے بخلاف اس کے کافر گناہ کر کے فوراً اس کو بھول جایا کرتا ہے۔

رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ

تو وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تیری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہو

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص گناہ کرتا ہے اس کو سات گھنٹے مہلت دی جاتی ہے۔ اگر استغفار کرے تو اُس کا گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اور دوسری روایت میں آپ نے فرمایا چالیس گناہان کبیرہ کے بعد بھی اگر انسان استغفار پڑھ لے تو خدا اُس کو معاف کر دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ گناہ کرنے کے بعد شام تک اس کا گناہ نہیں لکھا جاتا اگر توبہ کرے یعنی اگر نہ توبہ کرے تو بعد میں اس کا گناہ لکھا جاتا ہے۔

لِذَنْۢبِكَ :۔ یہاں خطاب اگرچہ نبی کریم کو ہے لیکن مراد امت ہے تاکہ حضورؐ کی سنت کو اپناتے ہوئے لوگ استغفار کو اپنا طریقہ بنالیں اور یہ بہترین عبادت ہے۔ حذیفہ یمانی نے حضورؐ سے عرض کی کہ تیز زبان ہوں اور گھر والوں کو تیز زبانی سے تنگ کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ تیز زبانی مجھے دوزخ میں نہ لے جائے تو آپ نے فرمایا کہ استغفار پڑھا کرو۔ اور میں خود روزمرہ ایک سو بار استغفار پڑھتا ہوں۔

مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں (۱) اللہ تمہارے دنیاوی تصرفات کو جانتا ہے اور تمہاری اُخروی بازگشت کو بھی جانتا ہے (۲) اللہ تمہارے باپوں کی پشتوں میں اور ماؤں کے رحموں میں تقلب کو بھی جانتا ہے اور تمہارے دنیاوی ٹھکانوں کو بھی جانتا ہے (۳) اللہ تمہارے دنیاوی ہیر پھیر کو بھی جانتا ہے اور تمہارے قبروں کے ٹھکانوں کو بھی جانتا ہے (۴) اللہ تمہارے دن کے کاروبار کو اور رات کی آرام گاہوں کو جانتا ہے۔

رکوع ۷

مُّحْكَمَةٌ۔ قتادہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر جہاد کی آیتیں ہیں وہ محکم ہیں اور منافقین پر وہ بہت گراں ہیں اور ابن مسعود کی قرأت میں محکمہ کے بجائے محدثۃ منقول ہے یعنی جب ہم نئی سورت بھیجیں جس میں لڑنے کا ذکر ہو تو منافقوں پر موت کی سی غشی طاری ہو جاتی ہے۔

فَاَوْلٰى لَهُمْ۔ اس کی تین ترکیبیں کی گئی ہیں۔ (۱) اَوْلٰى فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے یعنی فَاَدْنٰهُمْ مَا یَكْرَهُوْنَ۔ یعنی ان کو وہ چیز پہنچے جس کو وہ ناپسند کرتے ہوں (۲) اَوْلٰى ویل اور عذاب کے معنی میں ہے۔ پس یہ غیر منصرف ہوگا۔ وزن فعل اور ویل کا علم ہونے کی وجہ سے۔ پس اَوْلٰى مبتدا اور لہم جار مجرور ثابت کے متعلق ہو کر اس کی خبر ہوگی یعنی ان کے لئے عذاب اور ویل ہے (۳) اَوْلٰى لَهُمْ۔ مبتدا ہے اور اس کی خبر ہے طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ یعنی ان کے لئے جزع و فزع کرنے سے زیادہ بہتر اور مناسب تھا کہ اطاعت کو قبول کر لیتے اور اچھی بات منہ سے نکالتے۔

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ۔ اس کی بھی کئی ترکیبیں کی گئی ہیں (۱) ایک ترکیب تو وہی ہے جو ابھی گزر چکی ہے کہ یہ اَوْلٰى لَهُمْ کی خبر ہے (۲) یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ اَحْسَنُ وَاَمْثَلُ لَهُمْ۔ یعنی اطاعت کرنا اور نیک بات کہنا ان کے لئے بہتر اور موزوں تھا (۳) یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی اَمْرُنَا

فَاَوْلٰی لَهُمْ ﴿۲۱﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا

پس ویل ہو ان کے لئے اطاعت کرنا اور نیک بات کہنا ان کے لئے اچھا تھا، پس جب بات کا فیصلہ ہوجاتا ہے تو اگر سچے

اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۲﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا

توڑ دیتے ہیں پس اگر اللہ کیساتھ سچ کرتے تو ان کے لئے بہتر تھا کیا تم سے یہی توقع ہے کہ اگر والی بنائے جاؤ تو فساد کروگے

فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۳﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ

زمین میں اور قطع رحمی کروگے؟ ایسے لوگوں پر اللہ نے لعنت کی ہے

فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۴﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ

پس ان کو بہرہ کردیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کردیا کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۔ یعنی ہمارا حکم اطاعت اور قول معروف ہے یعنی ہمارا حکم یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اچھی بات منہ سے نکالی جائے۔

فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۔ اس کی خبر محذوف ہے ۔ یعنی حق تو یہ ہے کہ جب ہماری طرف سے حتمی آرڈر ہوجائے تو ان کو سرتابی کی بجائے اطاعت گذاری کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اس کے برعکس جب ہمارا حکم حتمی طور پر ہو تو وہ عہد کرنے کے باوجود روگردانی کرتے ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے اِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ نَكَلُوْا وَكَذَّبُوْا ۔ یعنی جب ہمارا حکم پختہ ہوجائے تو وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور حکم کی تکذیب کرتے ہیں۔ پس اگر اپنے عہد کی ایفاء کرتے اور ہمارے حکم کے سامنے جھک جاتے تو ان کے لئے اچھا ہوتا۔

قطع رحمی سے ممانعت

فَهَلْ عَسَيْتُمْ یہ حکام وقت کو خطاب ہے کہ کیا تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت سونپ دی جائے تو تم زمین میں رشوت ستانی کا بازار گرم کرکے فساد برپا کروگے ۔ اور قطع رحمی کا ارتکاب کروگے۔ تفسیر برہان میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ قاطع الرحم سے دوستانہ نہ کرو کیونکہ اللہ کی کتاب میں اس پر تین جگہ لعنت ہوئی ہے۔ ایک تو اس جگہ پر اگلی آیت میں فرمایا۔ ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے دوسری جگہ قطع رحمی کرنے والے کے متعلق فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ اور تیسری جگہ سورہ بقرہ میں قطع رحمی کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ قطع رحمی کرتے ہیں وہ خسارے میں ہیں۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت بنی امیہ کے متعلق ہے۔

فَاَصَمَّهُمْ ۔ یعنی نہ تو کلمہ حق سنتے ہیں اور نہ آنکھوں سے دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں گویا وہ بہرے اور اندھے ہیں۔

ظواہر قرآن کی حجیت ۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ ۔ آیت مجیدہ میں قرآن مجید میں تدبر کرنے کی واضح دعوت موجود ہے

عَلٰى قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا ﴿۲۵﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ ارۡتَدُّوۡا عَلٰٓى اَدۡبَارِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ

دلوں پر پردے ہیں ؟ تحقیق جو لوگ پچھلے قدموں پر مرتد ہو کر پلٹ گئے ہدایت کے

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡهُدَى ۙ الشَّيۡطٰنُ سَوَّلَ لَهُمۡ ؕ وَاَمۡلٰى لَهُمۡ ﴿۲۶﴾ ذٰلِكَ

واضح ہونے کے بعد تو شیطان نے ان کے لئے آسان کر دیا یا مزین کر دیا اور انکو ڈھیل دیدی یہ اس لئے

بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ كَرِهُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ بَعۡضِ الۡاَمۡرِ ۚ

کہ انہوں نے کہا اُن سے جنہوں نے ناپسند کیا اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کو کہ ہم تمہاری بعض معاملات میں اطاعت کریں گے

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِسۡرَارَهُمۡ ﴿۲۷﴾ فَكَيۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ يَضۡرِبُوۡنَ

اور اللہ ان کی رازداری کو جانتا ہے پس کیا حال ہوگا جب ان کو فرشتے موت دیں گے تو ماریں گے

لیکن اس کی آیات کی تفسیر و توضیح آل محمدؐ کی ہدایات کے ماتحت ضروری ہے ورنہ تفسیر بالرائے لازم آئے گی اور حدیث متواتر میں موجود ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی اپنے رائے سے تفسیر کرے اس کی جگہ جہنم ہے۔ البتہ جن مقامات و مسائل میں آل محمدؐ کی طرف سے کوئی فرمان وارد نہ ہو اور قرآن مجید کی آیت اس پر مطابقی یا تضمنی یا التزامی طور پر دلالت کرتی ہو تو اس مقام اصولیین اور اخباریین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ اخباریین کا مسلک یہ ہے کہ ایسے مقامات پر جہاں اہل بیت کی جانب سے کوئی توضیح و تشریح موجود نہ ہو وہاں آیت قرآنیہ کی حجیّت ساقط ہے لیکن اصولیین کا مسلک یہ ہے کہ قرآنی آیات کو آل محمدؐ کی فرمائشات کے ماتحت حل کیا جائے گا لیکن جہاں آل محمدؐ کی جانب سے کوئی وضاحت موجود نہ ہوگی وہاں ظاہر قرآن حجت ہوگا اور اس پر عمل کیا جائے گا اور یہی قول صحیح ہے اور قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت استشہاد کے لئے کافی ہے۔

منافق کی نشانی

اِنَّ الَّذِيۡنَ ارۡتَدُّوۡا - تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فلاں فلاں اور فلاں مراد ہیں جنہوں نے ولایت علی کو ترک کیا۔

قَالُوۡا لِلَّذِيۡنَ - یہ بنو اُمیہ کے حق میں ہے جنہوں نے حضرت علی کے حق میں اُترنے والی آیات کو ناپسند کیا۔ اگرچہ ظاہر آیت تنزیل کے لحاظ سے معین ہو لیکن تاقیامت اس کی تاویل جاری ہے اور تمام راہ حق سے روگردانی کرنے والے لوگوں کو شامل ہے تفسیر صافی اور برہان میں کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ آیت مجیدہ فلاں فلاں اور ان کے اتباع کے حق میں اُتری کیونکہ انہوں نے بنو امیہ کو اپنے خفیہ عہد نامے میں شریک کیا اور اُن سے یہ عہد لیا کہ حکومت کو آل محمدؐ کی طرف پلٹنے نہ دیا جائے اور نہ ان کو خمس دیا جائے۔ کیونکہ اگر ان کو خمس بھی دیا گیا تو ان کے حالات سنور جائیں گے اور وہ حکومت کے چھن جانے کی بھی پرواہ نہ کریں گے۔ پس بنو امیہ نے ان کو جواب دیا سَنُطِيۡعُكُمۡ فِىۡ بَعۡضِ الۡاَمۡرِ یعنی ہم تمہاری بعض امور

وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٨﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَ

ان کے چہروں اور پشتوں پر کیونکہ انہوں نے اتباع کی ایسی شئی کی جو اللہ کے لئے موجب ناراضی تھی اور

كَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٩﴾ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي

انہوں نے ناپسند کیا اللہ کی رضا کو پس حبط کر دیئے ان کے اعمال کیا جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے

قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿٣٠﴾ وَلَوْ نَشَاءُ

وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے کینوں اور عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا؟ اور اگر ہم چاہیں تو

لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ

تجھے وہ دکھا دیں پس تو ان کو پہچان لے گا علامتوں سے اور ان کو پہچان لے گا بات کے لہجے سے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣١﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ

اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے اور ہم تم کو ضرور آزمائیں گے تاکہ جان لیں تم میں جہاد کرنے والوں

میں اطاعت کریں گے یعنی ان کو خمس سے حصہ نہ دیں گے۔ اور وہ اللہ کی نازل کردہ چیز جس کو انہوں نے ناپسند کیا تھا وہ حضرت علی کی ولایت تھی اور ان کے ہمراہ اس میٹنگ میں ابوعبیدہ بھی شامل تھا۔ پھر اگلی آیت میں ارشاد ہے کہ ان لوگوں نے اس چیز کی اطاعت کی جس پر اللہ ناراض تھا اور اللہ کی رضامندی کو انہوں نے ناپسند کیا۔ لہذا ان کے اعمال حبط ہو گئے۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے وہ یہ نہ خیال کریں کہ اللہ ان کے کینوں اور سازشوں کو ظاہر نہ کرے گا بلکہ اگر ہم چاہیں تو تم کو دکھا دیں اور تم خود ان کی علامتوں سے اور کلام کے لہجے سے بھی پہچان لو گے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ لحن القول سے مراد بغض علی ؑ ہے۔ یعنی تم منافقوں کو بغض علی کی نشانی سے خود بخود پہچان لو گے۔ ابوسعید خدری سے منقول ہے كُنَّا نَعْرِفُ الْمُنَافِقِينَ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ بِبُغْضِهِمْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ۔ یعنی زمانِ پیغمبر میں ہم منافقوں کو بغض علی کی نشانی سے پہچان لیا کرتے تھے اور جابر بن عبداللہ انصاری سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ اور عبادہ بن صامت سے مروی ہے كُنَّا نَبُورُ أَوْلَادَنَا بِحُبِّ عَلِيٍّ فَإِذَا رَأَيْنَا أَحَدَهُمْ لَا يُحِبُّهُ عَلِمْنَا أَنَّهُ لِغَيْرِ رِشْدَةٍ۔ یعنی ہم اپنی اولاد کو محبت علی کی تربیت دیتے تھے اور جب کسی کے متعلق ہمیں پتہ چلتا تھا کہ وہ علی سے محبت نہیں رکھتا تو ہمیں علم ہو جاتا تھا کہ وہ حلال زادہ نہیں ہے۔ اور انس سے منقول ہے مَا خَفِيَ مُنَافِقٌ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ بَعْدَ هَٰذِهِ الْآيَةِ۔ یعنی زمان پیغمبر میں اس آیت کے بعد کوئی منافق مخفی نہیں رہ سکا۔ اور تفسیر برہان میں اسی مضمون کی متعدد احادیث وارد ہیں۔

مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا

کو اور صبر کرنے والوں کو اور آزمالیں تمہارے پوشیدہ رازوں کو ۔ تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا ۔ اور اللہ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ

کے راستے سے روکا اور رسول سے دشمنی کی بعد اس کے کہ ان کے لئے ہدایت واضح ہو گئی وہ اللہ کو کچھ

يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا

بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ ان کے اعمال کو حبط کر دے گا اے ایمان والو

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾

اور اللہ کے راستے سے روکا پھر کفر کی حالت میں مر گئے اُن کو ہرگز اللہ نہ بخشے گا

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَ

پس کمزور نہ بنو کہ ان کو صلح کی پیشکش کرو حالانکہ تم ہی بلند ہو اور اللہ تمہارا ساتھی ہے اور

لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ

وہ ہرگز نہ کمی کرے گا تمہارے اعمال کی جزا میں بجز اس کے نہیں کہ دنیاوی زندگی لہو و لعب ہے

وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا جو شخص سبحان اللہ کہے اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے ۔ جو شخص الحمد للہ کہے اس کے لیے بھی جنت میں ایک درخت کاشت کیا جاتا ہے ۔ اور جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اُس کے لیے بھی جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے اور جو اللہ اکبر کہے اُس کے لئے بھی جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے ۔ یہ سن کر قریش میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ اس صورت میں تو جنت میں ہمارے درخت کافی ہیں ۔ آپ نے فرمایا اگر صحیح کر ان کو جلانے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ خدا فرماتا ہے لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ۔ یعنی اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو ۔

فَلَا تَهِنُوْا ۔ یعنی اپنی سستی اور کاہل کا مظاہرہ کر کے خواہ مخواہ کافروں سے صلح و آشتی کی کوشش نہ کرو بلکہ جہاد کر کے اُن سے کلمہ حق منوانے کی کوشش کرو کیونکہ حق تمہارے ساتھ ہے اور تم بلند ہی رہو گے

رکوع ۸

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۷﴾

اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقوٰے اختیار کرو تو تمہیں تمہارا اجر دے گا اور تم سے سارے اموال طلب نہ کرے گا

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ

اگر وہ تم سے طلب کرے سارے مال پس تمہیں مشقت میں ڈالے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمہارے حسد اور کینے کو ظاہر کر یگا آگاہ ہو تم

هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ

بلائے جاتے ہو تاکہ خرچ کرو اللہ کے راستے میں تو بعض تم میں سے بخل کرتے ہیں اور جو بھی

يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۗ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا

بخل کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے نفس سے بخل کرتا ہے اور اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم برگشتہ ہو جاؤ

يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۹﴾ ع

تو وہ تمہارے بدلے میں اور قوم لائے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے

پس اللہ کی نصرت پر یقین رکھو وہ تمہارا ساتھی ہے۔

وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ - یعنی خدا تم سے سارا مال نہیں مانگتا بلکہ وہ صرف نصاب مکمل ہونے کے بعد زکوٰۃ کے طور پر معمولی حصہ طلب کرتا ہے اور زکوٰۃ کے جملہ احکام و مسائل جلد ، ص تا ص پر گذر چکے ہیں۔

فَيُحْفِكُمْ احفا کا معنی ہے پیچھے پڑ کر سوال کرنا اور تہی دستی کی حالت تک پہنچا دینا۔ فرماتا ہے کہ اگر تم سے سارا مال طلب کیا جائے جو تمہیں تہی دست بنا دے تو تم بخل کرو گے تَبْخَلُوْا جزائے شرط ہے اور يُخْرِجْ کا اس پر عطف ہوگا۔ یعنی سارا مال ایک طرف تمہارے بخل کا موجب ہوگا اور ساتھ ہی وہ اللہ و رسول کے متعلق تمہارے حسد و بغض کو ظاہر کر دے گا یعنی تم خدا و رسول کے متعلق بغض رکھنے لگ جاؤ گے۔ اس لئے اس نے تمہاری آسانی کے لئے بہت کم حصہ بطور زکوٰۃ تم پر فرض کیا ہے تاکہ تم پر بوجھ بھی نہ ہو اور تم خدا و رسول پر بدظنی بھی نہ کرنے لگ جاؤ۔

هٰٓاَنْتُمْ - یعنی تمہاری کمزوریٔ ایمان کا تو یہ عالم ہے کہ تمہیں جہاد کے موقعہ پر راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو تم میں بعض لوگ بخل کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ اس کا نفع یا نقصان خود تمہاری طرف پلٹتا ہے تو گویا جو اس موقعہ پر بخل کرتا ہے وہ اپنے نفس پر بخل کرتا ہے۔

يَسْتَبْدِلْ - تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ جب آیت نازل ہوئی کہ اگر تم منحرف ہو جاؤ تو خدا تم سے بہتر قوم تمہارے

بدلہ میں لائے گا تو لوگوں نے عرض کی کہ حضور! وہ کونسی قوم ہے جس کا ذکر ہے۔ اُس وقت حضرت سلمانؓ آپ کے بالکل قریب بیٹھے تھے۔ آپؐ نے سلمان کے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا وہ یہ لوگ ہیں۔ اور فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مَنُوْطًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهُ رِجَالٌ مِنْ فَارِسٍ۔ یعنی اگر ایمان ثریّا کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا تب بھی ایرانی لوگ اُسے حاصل کر لیتے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس بارے میں مروی ہے کہ یہ خطاب قریشیوں سے تھا کہ اگر تم ایمان سے برگشتہ ہو جاؤ تو خدا تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر قوم لائے گا۔ آپ نے فرمایا اس سے مراد غلام طبقہ کے لوگ ہیں چنانچہ خدا نے غریب اور غلام طبقہ کے بہترین لوگ اسلام کے دامن سے وابستہ کر دیئے جنہوں نے اسلام میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے جو رہتی دنیا تک مسلمانوں سے خراجِ تحسین حاصل کرتے رہیں گے۔

سورۂ الفتح

یہ سورۂ مبارکہ مدنیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت تیس ہے۔
تفسیر مجمع البیان میں ابی بن کعب سے مروی ہے نبی کریمؐ نے فرمایا جو اس کی تلاوت کرے گویا وہ فتح مکہ میں میرے ساتھ شریک تھا اور دوسری روایت میں ہے گویا اس نے حضورؐ کی شجرہ کے نیچے بیعت کی تھی۔ انس سے مروی ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر ہم نہایت غمزدہ تھے کہ اچانک حضورؐ پر انا فتحنا نازل ہوا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی جو میرے لئے پوری دنیا سے بہتر ہے۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ انا فتحنا پڑھ کر اپنے اموال عورتوں اور جملہ مملوکہ اشیاء کی حفاظت کا انتظام کیا کرو کیونکہ جو شخص اس کی ہمیشہ تلاوت کرے گا اس کو قیامت کے دن ندا پہنچے گی جس کو تمام مخلوق سنے گی تو میرے مخلص بندوں میں سے ہے۔ پھر حکم ہوگا کہ اس کو میرے صالحین بندوں کے ساتھ ملا دو اور جنت النعیم میں اس کو ٹھکانا دو اور رحیق مختوم سے اس کو سیراب کرو۔ جو کافور سے ملا ہوا ہے۔
تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو لکھ کر اپنے سر کے نیچے رکھے وہ چوروں سے محفوظ رہے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر زمزم کے پانی سے دھو کر پیئے گا لوگوں کے نزدیک اس کی بات واجب القبول ہوگی اور جو چیز سنے گا اس کو یاد کرے گا۔
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص لڑائی جھگڑے کے وقت اس کو اپنے پاس رکھے گا وہ محفوظ رہے گا اور اس پر خیر کے دروازے کھل جائیں گے اور جو شخص اس کا پانی دھو کر پیئے گا اس کے دل کی دھڑکن ختم ہوگی اور اس سے رعب جاتا رہے گا۔ اور جو شخص بحری سفر میں اس کو اپنے پاس رکھے گا وہ غرقابی سے محفوظ رہے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴿۲﴾ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ

بے شک ہم نے آپ کو فتح دی تاکہ بخش دے اللہ تیری (اُمت کے) گناہ جو

رکوع ۹ فتح مبین

اس فتح مبین کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔

(۱) یہ فتح مکہ کے متعلق خوش خبری ہے کیونکہ جب صلح حدیبیہ کے بعد حضورؐ اور آپ کے صحابہ شکستہ خاطر مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہوئے تو راستہ میں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا اتری پس آپ کا چہرہ ہشاش بشاش ہو گیا۔ چنانچہ جابر سے مروی ہے کہ حدیبیہ سے پہلے ہمیں فتح مکہ کا کوئی علم نہ تھا۔

(۲) فتح خیبر کی پیشین گوئی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں مجمع بن خارجہ انصاری سے مروی ہے جب ہم حدیبیہ سے واپس پلٹے تو دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو تیز دوڑائے جا رہے ہیں۔ دریافت کرنے سے پتہ چلا کہ حضرت نبی کریمؐ پر کوئی وحی اتری ہے اس لئے لوگ وحی کو سننے کی خاطر جلدی سے پہنچنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے بھی سواریوں کو تیز کر لیا اور منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ حضور بنفس نفیس کراع الغمیم کے مقام پر انتظار فرما رہے تھے۔ پس جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے اپنی سواری کے اوپر کھڑے ہو کر اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا پڑھ کر سنائی۔ عمر نے دریافت کیا کہ حضورؐ! کیا یہ فتح ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں یہ فتح ہے اور آپ نے قسم بھی کھائی۔ چنانچہ خیبر فتح ہوا۔ اور اس کا مال غنیمت انہی لوگوں پر تقسیم ہوا جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے (۳) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس جگہ فتح سے مراد حضورؐ کی معجزات و کرامات اور دلائل و براہین کے ذریعے سے مقبولیت عام ہے اور یہی اسلام کی حقیقی فتح ہے (۴) اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے یعنی صلح حدیبیہ کے بعد حضورؐ اور آپ کے صحابہ چونکہ شکستہ خاطر تھے اور اللہ کی جانب سے وحی نازل ہوئی کہ تمہیں صلح حدیبیہ سے کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ صلح تمہارے لئے فتح مبین ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جنگ کے ذریعے سے ہی فتح ہو بلکہ درحقیقت پائدار فتح وہ ہے جو بغیر جنگ کے اصولوں پر فتح ہو جائے اور صلح حدیبیہ میں یہی فتح تھی کیونکہ مشرکین کے ساتھ جو مکمل بائیکاٹ تھی وہ ختم ہو گئی اب مسلمانوں کو مشرکوں کے ساتھ بیٹھنے اُٹھنے کی آزادی حاصل ہو گئی اور مسلمانوں کو اپنے حقائق کے نشر کا موقع ہاتھ آگیا اور آزادی سے کلمہ حق کی ترویج کی فضا سازگار ہو گئی اس لئے مشرکین میں سے جو لوگ منصف مزاج اور حق پسند تھے۔ ان کو حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے کا موقع مل گیا پس ان کے لئے اسلام کا قبول کرنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ زہری کہتا ہے کہ اسلام کو صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس صلح کی بدولت مشرکوں کو مسلمانوں کے نظریات سمجھنے کا موقعہ مل گیا جس کی بدولت بہت سے لوگوں کے دلوں میں اسلام کی حقانیت اُتر گئی اور تین سالوں کے اندر اندر

بہت کافی تعداد میں لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں کی تعداد میں اچھا خاصہ اضافہ ہو گیا۔ اور شعبی کہتا ہے کہ حدیبیہ میں بیعت رضوان کی گئی اور اس کے بعد خیبر فتح ہوا۔ اور رومیوں کو جو اہل کتاب تھے ایرانی مجوسیوں پر فتح نصیب ہوئی

حدیبیہ میں معجزۂ پیغمبر

مقام حدیبیہ میں ایک کنواں تھا جس کا پانی ختم ہو گیا تھا لیکن پیغمبر کی اعجاز نمائی سے پانی سے بھر گیا اور اس کے بارے میں متعدد روایات وارد ہیں۔ (۱) براء بن عازب سے منقول ہے کہ تم لوگ فتح مکہ کو فتح سمجھتے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بھی فتح تھی لیکن بڑی فتح حدیبیہ کے دن بیعت رضوان سے ہوئی تھی اس دن ہماری تعداد چودہ سو تھی اور حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے جس کا پانی ہم نے آتے ہی ختم کر دیا تھا حتیٰ کہ اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ تھا سب حضور کو اطلاع ہوئی تو آپ بنفس نفیس تشریف لائے اور کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے پانی منگوایا جس سے وضو فرمایا اور کلی کا پانی اس کنوئیں میں گرا دیا اور دعا مانگ کر باقی پانی بھی انڈیل دیا۔ بس تھوڑی دیر میں وہ کنواں پانی سے بھر گیا کہ ہم اور ہمارے حیوانوں نے سیر ہو کر پیا۔ سلمہ بن اکوع کی روایت میں ہے کہ آپ نے دعا کی یا کنوئیں میں لعاب دہن گرا دیا۔ پانی جوش مار کر ظاہر ہوا۔ اور اس قدر بڑھا کہ ہم نے خود بھی پیا اور حیوانوں کو بھی سیراب کیا (۲) مسور بن مخرمہ سے مروی ہے کہ حضور لڑائی کے لئے نہیں بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ جب آپ نے ساتھیوں کو ایک جگہ اُترنے کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کی یا حضرت: اس جگہ پانی نہیں ہے۔ پس آپ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک شخص کو دے کر فرمایا کہ اس جگہ ایک گڑھے میں اُتر کر اس تیر کو اس کے وسط میں گاڑ دے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تو فوراً پانی فوارے کی طرح جوش مار کر نکلا۔ پس تمام لوگوں نے اس کے ارد گرد ڈیرے ڈال دیئے (۳) عروہ سے روایت ہے کہ آپ کے پہنچنے کی خبر قریش مکہ کو پہنچی تو ان کی ایک جماعت بھی پہنچ گئی اور انہوں نے پانی پر قبضہ کر لیا تو آپ حدیبیہ پر ٹھہر گئے۔ اس زمانہ میں گرمی شدت سے پڑ رہی تھی اور آباد کنواں وہی ایک تھا جس پر قریشی قابض ہو چکے تھے۔ اور ادھر مسلمانوں کی تعداد بھی زیادہ تھی لہٰذا پیاس کے خطرہ کا دامن گیر ہونا بھی لازمی تھا۔ چند آدمیوں نے حدیبیہ کے کنوئیں میں اُتر کر اس کو کھودنا شروع کر دیا اور حضورؐ نے پانی منگوا کر وضو فرمایا اور کلی کر کے اس میں ڈالا اور باقی پانی بھی اسی کنوئیں میں انڈیل دیا پھر اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس میں پھینکا اور اللہ سے دعا کی تو بقدرت خدا پانی جوش کھا کر نکلا۔ اور اس قدر بلند ہوا کہ کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ کر لوگ چلو سے پانی پی سکتے تھے (۴) سالم بن ابی الجعد سے مروی ہے کہ میں نے جابر سے دریافت کیا کہ اُس دن تمہاری کیا تعداد تھی جس دن بیعت شجرہ واقع ہوئی تو اس نے جواب دیا کہ ایک ہزار پانچسو تھے اور پیاس کا غلبہ تھا تو حضورؐ کے پاس ایک برتن میں پانی لایا گیا آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ چنانچہ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی جاری ہو گیا پس ہم نے جی بھر کر پیا۔ میں نے پوچھا پینے والے کتنے تھے؟ تو اس نے کہا خواہ ایک لاکھ بھی ہوتے وہ سب کو کافی ہوتا لیکن ہم پندرہ سو تو تھے ہی۔

عصمت انبیا - لِيَغْفِرَ لَكَ - مذہب شیعہ کا عقیدہ ہے کہ انبیاء سب کے سب معصوم ہوتے ہیں۔ اور

گناہان صغیرہ یا کبیرہ اُن سے قطعاً صادر نہیں ہوا کرتے نہ قبل از بعثت اور نہ بعد از بعثت۔ اور تقریباً اس مسلک میں شیعہ باقی مسلمان قوموں سے امتیازی شان رکھتے ہیں۔ انبیاء کی عصمت کے متعلق تفسیر کی جلد ۲ ص۹۵ اور مقدمۂ تفسیر میں مدلل و مبرہن بیان کیا جا چکا ہے نیز کتاب لمعۃ الانوار میں اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اس مقام پر اس قدر عرض کرنا ہے کہ جب انبیاء کا معصوم ہونا ضروریاتِ مذہب میں سے ہے تو قرآن مجید کی وہ آیات جن میں انبیاء کی عصمت کے خلاف الفاظ ملتے ہیں مثلاً حضرت آدم کے متعلق عصیان یا ظلم یا غوایت کے الفاظ اسی طرح حضرت موسیٰ کے متعلق ظلم یا غوایت یا فساد کے الفاظ اور اسی طرح حضرت خاتم الانبیاء کی طرف آیت متذکرہ میں ذنب کی نسبت وغیرہ ان تمام الفاظ کی ایسی تاویل کی جائے گی جو قواعد عربیہ کے خلاف بھی نہ ہو اور عصمتِ انبیاء پر بھی کوئی دھبہ نہ آئے۔ چنانچہ ہم نے موقعہ بہ موقعہ تمام آیاتِ قرآنیہ کا مسلک آلِ محمدؐ کے ماتحت حل پیش کیا ہے۔

قرآن مجید کے اردو تراجم جو ہندوستان و پاکستان میں شائع ہوئے ہیں اُن میں سے اکثر میں آیت متذکرہ کے ترجمہ میں حضور نبی اکرمؐ کو گنہگار ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعضوں نے تو صاف اس طرح ترجمہ کیا ہے کہ خدا تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے گا۔ تفسیر مجمع البیان میں جو غیر شیعہ اقوال نقل کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں (۱) نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کے گناہ (۲) فتح مکہ سے پہلے اور فتح مکہ کے بعد کے گناہ (۳) جو ہو چکے ہیں اور جو ہونے والے ہیں ان کے متعلق مغفرت کا وعدہ ہے (۴) پہلے گناہوں سے مراد حضرت آدم و حوا کے گناہ ہیں اور بعد والے گناہوں سے حضور کی اُمت کے گناہ مراد ہیں یعنی لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِ اَبَوَيْكَ وَمَا تَاَخَّرَ مِنْ ذُنُوْبِ اُمَّتِكَ۔ یعنی ہم نے تم کو فتح عطا کی تاکہ گذشتہ تیرے ماں باپ حضرت آدم و حوا کے گناہ بخش دیئے جائیں۔ اور بعد میں تیری اُمت کے گناہ بخشے جائیں اس آخری تاویل میں اگرچہ گناہ کی نسبت حضرت نبی اکرمؐ سے نہیں لیکن حضرت آدمؑ کی طرف گناہ کی نسبت بھی ایسے ہی ناجائز ہے جس طرح حضرت نبی اکرمؐ کی طرف ناجائز ہے۔ جو لوگ گناہ سے مراد اس جگہ گناہِ صغیرہ لیتے ہیں جو قابلِ معافی ہوتے ہیں ان کا قول اس لئے باطل ہے کہ جو گناہ خود بخود قابلِ معافی ہے اُس کا حضورؐ پر احسان جتلانے کا مقصد ہی کیا ہے۔ کیونکہ احسان جتلانا تو تب صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ گناہ گرفت کے قابل ہو اور حضور کی برکت سے اُس سے درگذر کیا جائے۔ اور ثانیاً ان تمام اقوال کے باطل و عاطل ہونے کے لئے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں فتح مکہ کی بشارت دی ہے۔ اور فتح مکہ کو گناہوں کی بخشش سے کونسا ربط ہے اور اس معنی میں کیا خوبی رہے گی۔ اگر کہا جائے ہم نے آپ کو فتح دی تاکہ آپ کے یا آپ کی اُمت کے یا آپ کے والدین کے گناہ بخشے جائیں۔ اس لئے اس قسم کے تمام معانی و تراجم قابلِ قبول نہیں ہیں۔ جن میں عصمتِ انبیاء پر آنچ آئے یا فصاحت و بلاغتِ قرآنی کے منافی ہو۔

اقوالِ متذکرہ بالا کے مقابلہ میں شیعہ نقطۂ نظر سے آیت مجیدہ کے جو معانی کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں (۱) ذنب کی نسبت اگرچہ نبی اکرمؐ کی طرف ہے لیکن مراد اُمت ہے اور مفضل بن عمر کی روایت بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے کہ ایک شخص نے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت مجیدہ کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضورؐ کے دامن پر کسی گناہ کا داغ دھبہ نہیں تھا جس کی مغفرت کا وعدہ کیا جاتا بلکہ یہاں شیعانِ علی کے گناہوں کی بخشش کی ضمانت دی گئی ہے۔ یعنی ان کے سابق ولاحق گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح عمر بن یزید کی روایت میں بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی مضمون وارد ہے۔ اس تاویل میں اگرچہ انبیاء کی طرف گناہ کی نسبت کا اشکال تو ختم ہو جاتا ہے لیکن فتح کی علت یا غرض بخشش گناہ کو قرار دینا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اور سید مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ نے بھی اس معنی کی معقولیت سے انکار کیا ہے (۲) سید مرتضیٰ اعلی اللہ مقامہ نے فرمایا ہے کہ ذنب مصدر ہے اور اس کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور اس کا فاعل محذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے ذَنْبِهِمْ اِيَّاكَ یعنی کفار مکہ نے جو آپ کے حق میں گناہ کئے ہیں اور انہوں نے جو آپ کو اذیتیں پہنچائی ہیں ان سب کا ازالہ فتح مکہ سے کر دیا جائے گا۔ اور متقدم و مؤخر سے مراد یہ ہوگا کہ ہجرت سے پہلے یا ہجرت کے بعد انہوں نے پیغمبرؐ کے حق میں یا مسلمانوں کے حق میں جو بھی گستاخیاں اور شرارتیں کی ہیں اُن سب کا ازالہ فتح مکہ سے ہو جائے گا اور گذشتہ تمام زخموں پر مرہم لگ جائے گی۔ اور غفران کا معنی ڈھانپنا ہوتا ہے یعنی کفارِ مکہ کی سب سر زوریاں اور سرکشیاں جو تیرے یا مسلمانوں کے حق میں واقع ہوئی ہیں سب پر پردہ پڑ جائے گا پس وہ ذلیل ہو جائیں گے۔ اور مسلمانوں کو بالادستی نصیب ہوگی (۳) ذنب سے مراد مجازاً کمزوری لی جائے یعنی آپ کی جملہ کمزوریوں کو فتح مکہ کے بعد ختم کر دیا جائے گا پس حق کا بول بالا ہوگا اور باطل کا منہ کالا ہوگا (۴) ایک دفعہ مجھ سے میرے ایک دوست نے آیت مجیدہ کا معنی دریافت کیا اور اُس نے میرے سامنے تمام وہ اُردو تراجم پیش کئے جو سُنیوں نے کئے تھے اور اُن میں حضورؐ کے گناہوں کی بخشش مراد لی گئی ہے۔ اگرچہ شیعی تفاسیر یا تراجم میرے سامنے موجود نہ تھے فوراً اللہ نے میرے ذہن میں اس آیت مجیدہ کی ایک تاویل ڈال دی جو میں نے موقعہ پر بیان کر دی اور وہ پوری طرح مطمئن ہو گیا۔ میں نے کہا حضور کا اعلائے کلمہ حق اگرچہ اللہ کے نزدیک اور واقع میں بہت بڑی نیکی تھی لیکن کفارِ مکہ کے آبائی عقیدہ کے ماتحت وہ گناہ تھا اور مشرکین مکہ آپ کی تبلیغی مساعی جمیلہ کو گناہ سمجھتے تھے۔ پس آپ ان کی نظروں میں بہت بڑے گنہگار اور مجرم تھے اور اسی طرح جو لوگ آپ کے ہمنوا ہو جاتے تھے وہ بھی مشرکین مکہ کی نگاہوں میں مجرم اور گنہگار قرار دیئے جاتے تھے۔ پس اللہ نے اس آیت مجیدہ میں پیشین گوئی کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی تاکہ مشرکین مکہ کی نظروں میں جو آپ کے گناہ ہیں۔ وہ معاف ہو جائیں یعنی کلمہ اسلام اور دعوتِ حق پر کان دھرنے اور اسلام کے حلقہ بگوش ہونے کے بعد وہی لوگ جو آپ کو تبلیغِ اسلام میں گنہگار سمجھتے تھے کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ آپ گنہگار نہیں تھے بلکہ آپ حق بجانب تھے اور ہم گنہگار تھے یعنی یہ فتح آپ کی نظریاتی فتح ہے اور اصول کی فتح ہے۔ پس مشرکین مکہ کی نظروں میں آپ کے گناہ ثواب سے تبدیل ہو جائیں گے کیونکہ وہ خود شرک کے دائرہ سے نکل کر اسلام کے دائرہ میں آجائیں گے۔ اور اس مطلب کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ علی بن محمد بن جہم سے منقول ہے کہ میں ایک دفعہ دربارِ مامون میں

حاضر ہوا۔ اُس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام بھی تشریف فرما تھے۔ مامون نے دریافت کیا کہ اے فرزندِ رسولؐ! کیا تمہارے نزدیک انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہوتے؟ آپ نے فرمایا بے شک انبیاء معصوم ہوا کرتے ہیں تو مامون نے انبیاء کے متعلق ان آیات کی تلاوت کی جن سے انبیاء کے غیر معصوم ہونے کا شبہ پڑتا ہے۔ چنانچہ اس نے متذکرہ بالا آیت لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ الخ بھی پڑھی تو آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مشرکین مکہ کے نزدیک حضور سرورِ کائنات سے زیادہ گنہگار اور کوئی نہ تھا کیونکہ وہ اللہ کے سوا تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ جب حضورؐ نے کلمۂ توحید پیش کیا تو اُن کو بہت ناگوار گذرا اور کہنے لگے کہ اس نے سب خداؤں کو چھوڑ کر ایک خدا اختیار کر لیا ہے یہ تو قابلِ تعجب امر ہے۔ پھر بڑے بڑوں نے باہمی مشورے سے طے کیا کہ بس اپنے خداؤں کی پوجا پاٹ پر ڈٹے رہو۔ اور ان کی ایک نہ سنو۔ پس جب مکہ فتح ہوا اور یہ آیت اُتری تو اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی دعوتِ توحید کی وجہ سے مشرکین مکہ کے نزدیک آپ کے جس قدر گناہ تھے وہ سب دُھل گئے کیونکہ مشرکین مکہ میں سے بعض حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے اور بعض مکہ کو چھوڑ کر دوسرے مقامات پر چلے گئے۔ اور جو بچ گئے ان میں انکارِ توحید کی جرأت ہی نہیں رہی پس مشرکین مکہ کے نزدیک آپ کا گناہ آپ کے غلبہ کی وجہ سے مغفور ہو گیا تو مامون نے آپ کی اس توجیہ کو قبول کیا اور سراہا۔

صلح حدیبیہ

تفسیر برہان وصافی میں تفسیر علی بن ابراہیم قمی سے بروایت ابن سنان منقول ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اس سورہ مجیدہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ حضرت نبی اکرمؐ کو خواب میں اللہ کا حکم ہوا کہ مسجد الحرام میں تشریف لے جائیں اور طواف وحلق کے احکام بجا لائیں۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کو بتایا اور روانگی کا حکم دیا۔ پس کافی تعداد میں صحابہ حضورؐ کی معیت میں روانہ ہو گئے۔ جب مقام ذوالحلیفہ میں پہنچے تو عمرہ کا احرام باندھ لیا اور قربانیاں تیار کر لیں۔ چنانچہ حضورؐ نے ۶۶ اونٹ قربانی کے لئے تیار کئے اور ان کا اشعار کیا اور تلبیہ پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔ جب قریش مکہ کو حضور کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے دو سو جنگی جوانوں پر مشتمل ایک دستہ فوج کی کمان خالد بن ولید کو دے کر آپ کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے مکہ سے روانہ کیا۔ یہ سوار فوج حضور کے صحابہ کے ساتھ اعلانیہ لڑنے کی جرأت نہ کر سکی۔ نماز ظہر کا وقت آیا تو بلال نے اذان کہی اور نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اُس وقت خالد بن ولید نے اپنی فوج سے کہا کہ ہم نے وقت ضائع کر دیا ہے۔ کاش! ہم ان پر اس وقت اچانک حملہ کرتے جب وہ نماز میں مشغول تھے کیونکہ یہ لوگ نماز کو کسی قیمت پر نہیں توڑتے۔ اس کے بعد وہ نماز عصر کے وقت اپنے ارادۂ فاسدہ کی تکمیل کرنا چاہتے تھے کہ نماز خوف کا حکم نازل ہوا۔ یعنی یہ کہ آدھے آدمی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں اور ایک رکعت باجماعت پڑھ کر دوسری رکعت کو انفرادی طور پر جلدی سے ختم کر کے اپنے مورچے سنبھال لیں۔ اور جو لوگ دشمن کے سامنے مورچے جمائے ہوئے تھے وہ آکر حضور کے پیچھے اپنی نماز پڑھیں۔ اس طرح نماز بھی ادا ہو جائے گی۔ اور دشمن کو حملہ کرنے کا موقع بھی نہ ملے گا۔

دوسرے دن حضورؐ نے مقام حدیبیہ پر نزول اجلال فرمایا اور یہ مقام حرم مکہ کی آخری حد ہے۔ راستہ میں حضورؐ نے عرب قبائل کو اپنے ہمراہ چلنے کی دعوت دی تھی لیکن انہوں نے انکار کر دیا تھا وہ یہ کہتے تھے کہ محمدؐ اور اس کے اصحاب کو دل سے یہ خواہش ہی نکال دینی چاہیئے کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے۔ کیونکہ جب یہ لوگ مکہ میں پہنچیں گے تو قریش موقع پا کر ان کو قتل کر دیں گے۔ پس ان میں سے ایک نفر بھی پلٹ کر مدینہ کی طرف نہ جا سکے گا۔ ادھر جب آپ حدیبیہ میں پہنچے تو قریش مکہ نے اطلاع پاتے ہی لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کر باہمی طور پر پختہ عہد کیا کہ ہم ان کو مکہ میں ہرگز ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔ پس رسول اللہؐ نے ان کی طرف ایک آدمی روانہ فرمایا کہ میں لڑنے کے لئے نہیں آیا بلکہ میں تو صرف عبادت کرنے آیا ہوں۔ ہم مناسک ادا کرنے کے بعد اونٹ نحر کر دیں گے اور ان کا گوشت بھی تمہارے لئے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

قریش مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا جو ایک ادیب و دانشور انسان تھا۔ یہ طائف کے رہنے والا تھا اور اسی کے متعلق ہے۔ قَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ یعنی قریش مکہ کہتے تھے کہ اگر خدا نے قرآن بھیجنا تھا تو مکہ و طائف کے کسی عظیم انسان پر نازل کیوں نہیں کیا گیا وہ اس عظیم شخصیت سے یہی عروہ بن مسعود ثقفی طائفی مراد لیتے تھے۔ اس نے آ کر عرض کی کہ قریش مکہ نے لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کر ایک دوسرے سے پختہ عہد کیا ہوا ہے کہ جب تک ان میں ایک آنکھ بھی متحرک موجود ہے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے تو ان حالات میں کیا آپ کو یہ بات گوارا ہے کہ اپنی قوم اور خاندان کو تباہ کر دیں؟ آپ نے نہایت سکون و اطمینان سے اس کو جواب دیا کہ میں لڑائی کے لئے نہیں آیا ہوں بلکہ میں تو اپنے مناسک ادا کرنے کے لئے آیا ہوں پس ہم مناسک ادا کر کے اونٹ نحر کریں گے۔ اور گوشت بھی ہم ان لوگوں کے لئے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ عروہ نے عرض کی کہ آپ مناسک کی ادائیگی سے مصدود ہو چکے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا اور ان کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ قریش مکہ نے سوچا کہ حضور رسول کریمؐ اور صحابہ کی مکہ میں آمد ہماری انتہائی ذلت ہے اگر وہ مکہ میں داخل ہو گئے تو عرب قبائل کے اندر ہمارا رہا سہا وقار بھی جاتا رہے گا۔ اور عرب لوگ اس کو ہماری کمزوری خیال کریں گے اور ہر قبیلہ ہمارے اوپر جرائت کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ حفص بن احنف اور سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ حضورؐ نے ان کو دیکھتے ہی کلمۂ حسرت زبان سے جاری فرمایا کہ افسوس قریش کو لڑائی نے ختم کر دیا۔ کاش یہ لوگ میرے معاملہ میں مخل نہ ہوتے اور باقی عرب قبائل کے لئے مجھے واگذار کرتے۔ پس اگر میں سچا تھا تو نبوت کے ساتھ ساتھ سلطنت ظاہری کا بھی ان کو فائدہ پہنچتا۔ اور اگر میں (معاذ اللہ) جھوٹا تھا تو باقی عرب میرا کام تمام کر دیتے۔ بہر کیف آج قریشی لوگ مجھ سے جو کچھ منوائیں گے میں مان لوں گا بشرطیکہ ایسی بات نہ ہو جو اللہ کے لئے ناراضگی کی باعث ہو۔ چنانچہ انہوں نے عرض کی کہ آپ اس دفعہ واپس چلے جائیں تاکہ ہم آپ کے معاملہ میں مزید فکر کریں اور عرب قبائل کا ردعمل بھی دیکھیں۔ کیونکہ سب عربوں کو آپ کا تشریف لانا معلوم ہے۔ پس اگر آپ اس طریقہ سے حرم میں داخل ہو جائیں تو ہم عربوں میں ذلیل ہو جائیں گے اور دوسرے قبائل بھی ہم پر جری ہو جائیں گے۔ اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگلے سال اس مہینہ میں

تین دنوں کے لئے کعبہ کو ہم لوگ آپ کے لئے خالی کر دیں گے ۔ آپ بے شک مناسک ادا کریں ۔ پس حضورؐ نے ان کی یہ بات مان لی تو انہوں نے دوسری شرط یہ پیش کی کہ ہمارا جو آدمی آپ کے پاس جائے گا آپ اُسے ہمیں واپس کریں گے ۔ اور آپ کی جانب سے بھاگ کر جو آدمی ہمارے پاس آئے گا ہم اُس کو واپس کر دیں گے ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو تمہارا آدمی بھاگ کر ہمارے پاس آئے گا ہم واپس کر دیں گے لیکن جو ہم سے بھاگ کر تمہارے پاس آئے اُسے واپس لانے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے ۔ البتہ ہماری طرف سے یہ شرط ہوگی کہ مکہ میں جو لوگ مسلمان بن کر رہیں گے انہیں اعلانیہ طور پر شعائر اسلامیہ کے اظہار کی کھلی چھٹی ہوگی ۔ اور ان کو کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہوگی ۔ اور اُن کو اس بارے میں کوئی تکلیف نہ دی جائے گی ۔ انہوں نے اس شرط کو تسلیم کر لیا پس صلح کی گفتگو طے ہوگئی ۔ لیکن اس صلح نامہ کو سُنتے ہی صحابہ چیں بجبیں ہوگئے اور حضرت عمر کا رویہ سب سے زیادہ سخت تھا وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! کیا ہم حق بجانب نہیں ہیں ؟ آپ نے فرمایا ہاں ہم حق بجانب ہیں تو وہ کہنے لگا ہم اپنے دین میں یہ کمزوری کیوں برداشت کریں ۔ آپ نے فرمایا مجھ سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرتا ۔ وہ کہنے لگا کاش! آج میرے ساتھ چالیس آدمی بھی متفق ہو جائیں تو میں اس صلحنامے کو ٹھکرا دوں گا ۔

بہرکیف کفار قریش کے دو نمائندے صلح کی بات چیت مکمل ہونے کے بعد واپس چلے گئے تو حضرت عمر نے نبی کریمؐ سے پھر جھگڑنا شروع کر دیا کہ آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہوں گے اور سر بھی منڈوائیں گے ۔ آپ نے اس کو سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ بے شک میں نے وعدہ کیا تھا لیکن وہ اس سال کے لئے معین نہ تھا بلکہ میں نے تو کہا تھا کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ میں مکہ کو فتح کروں گا پھر طواف و سعی بھی کروں گا اور جملہ مناسک حج ادا کروں گا ۔ لیکن معترضین نے صلح کے ٹھکرانے پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اگر صلح منظور نہیں تو جا کر لڑو چنانچہ جب یہ لوگ آگے بڑھے تو کفار قریش اپنے مقام پر لڑائی کے لئے مستور تھے ۔ اُنہوں نے ان کو بری طرح پسپا کر دیا ۔ چنانچہ حضرت علی نے بھی تلوار میان سے نکال لی تو کفار قریش کے حوصلے پست ہوئے اور کہنے لگے یا علی! کیا حضرت محمدؐ نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ اپنے فیصلہ پر قائم ہیں ۔

ادھر صحابہ شرمندگی سے جب واپس آئے تو حضورؐ نے فرمایا کیا تم میرے وہی بدر والے ساتھی نہیں ہو ۔ کیا تم احد میں پہاڑوں پر چڑھنے والے جوان نہیں ہو ؟ پس سر جھکا کر عرض گذار ہوئے کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں ہم اسے چاروناچار قبول کر لیں گے ۔ پس قریش کے سابق نمائندے کفار مکہ سے مصالحانہ گفتگو کی منظوری لے کر واپس پلٹے اور صلحنامہ کو تحریری شکل میں مکمل کرنے کی کاروائی عمل میں لائی گئی ۔ حضرت علی علیہ السلام نے صلحنامہ تحریر کیا ۔ حضورؐ نے فرمایا لکھو ۔ پس حضرت علی نے سرنامے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا تو قریشی نمائندوں نے اس کو رد کیا ۔ اور کہا وہی لفظ لکھوائیے جو آپ کے بزرگ لکھا کرتے تھے یعنی بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ ۔ چنانچہ آپ نے یہی کلمہ لکھوایا ۔ اس کے بعد یہ عبارت لکھی گئی کہ یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد رسول اللہ اور قریش مکہ کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر طے پایا تو قریشی نمائندوں نے رسول اللہ کے لفظ پر جرح کی کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ

تسلیم کرتے تو یہ جھگڑا کیوں ہوتا۔ آپ اپنا نام محمد بن عبداللہ لکھوا دیجئے۔ پس آپ نے فرمایا یا علی وہی لفظ لکھیئے۔ جو یہ کہتے ہیں تو علیؑ نے عرض کی حضورؐ! آپ کے نام سے رسالت ونبوت کو حذف کرنا مجھے گوارا نہیں ہے تو حضورؐ نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر تحریر فرمایا ھٰذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَیْہِ مُحَمَّدُ بْنُ عبداللہ وَالْمَلَاُ مِنْ قُرَیْشٍ یعنی یہ وہ صلحنامہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور قریشی سرداروں کے درمیان طے ہوا جس کے شرائط حسب ذیل ہیں۔

(۱) دس برس تک فریقین جنگی کارروائیوں اور اشتعال انگیزیوں سے باز رہیں گے۔

(۲) جو شخص رسول اللہ کے دین میں داخل ہونا چاہے گا اس پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے گی اور جو قریشیوں سے اپنا عہد وابستہ رکھے گا اس پر بھی کوئی پابندی نہ ہوگی۔

(۳) قریشیوں میں سے جو کوئی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد کی طرف آئے گا (خواہ وہ مسلمان ہو) اُسے واپس کر دیا جائے گا۔ اور جو محمد کے اصحاب میں سے قریش کی طرف جائے گا اُسے قریش واپس کرنے کے پابند نہ ہوں گے اس شرط پر مسلمانوں نے اعتراض کیا لیکن حضورؐ نے فرمایا جو شخص مسلمان ہوگا اُس کا اللہ محافظ ہے۔

(۴) مکہ مکرمہ میں اسلام ظاہر ہوگا۔ اور مسلمانوں پر اپنے اسلامی اعمال بجالانے میں کوئی پابندی نہ ہوگی۔ اور دینی معاملہ میں کسی کو مجبور نہ کیا جائے گا نہ اذیت دی جائے گی اور نہ اس پر مذاق کیا جائے گا۔

(۵) اصحاب محمدؐ میں سے جو شخص حج یا عمرہ کے لئے آئے گا۔ اس کا جان ومال محفوظ ہوگا اور قریش میں سے جو شخص مصر اور شام جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے گا اُس کا جان ومال بھی محفوظ ہوگا۔ اور یہ عہد نامہ ایسی بند گٹھڑی میں محفوظ ہے جس میں نہ خیانت کی جاسکتی ہے نہ چوری (مجمع البیان)

(۶) حضرت محمد مصطفیٰ اور اس کے اصحاب اس سال اسی جگہ سے عمرہ ادا کئے بغیر واپس چلے جانے کے پابند ہوں گے۔

(۷) اگلے سال حضرت محمد مصطفیٰ اور ان کے صحابہ کو مکہ میں داخلہ کی اجازت ہوگی۔ اور تین دن کے لئے مکہ کو مسلمانوں کے لئے خالی کر دیا جائے گا۔

(۸) کوئی شخص ہتھیار لگا کر مکہ میں داخل نہ ہوگا۔ البتہ مسافروں کے لئے تلوار نیام میں بند رکھنے کی صورت میں اجازت ہوگی

(۹) اس سال قربانیوں کو اسی جگہ ذبح یا نحر کیا جائے جہاں مسلمانوں کو روک دیا گیا۔

(۱۰) یہ صلحنامہ حضرت علی علیہ السلام نے تحریر فرمایا اور مہاجرین وانصار کی گواہی ثبت کی گئی۔

اس صلحنامہ کی تکمیل کے بعد حضرت رسالتمآبؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ تجھے میرے نام سے نبوت و رسالت کے الفاظ مٹانے گوارا نہیں تھے لیکن مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی مبعوث کیا ہے۔ ان لوگوں کی اولاد تجھ سے ایسا ہی سلوک کرے گی اور تجھے مجبوراً ان کی بات ماننی پڑے گی چنانچہ جب جنگ صفین کے بعد تحکیم کے فیصلہ کا اعلان ہوا تو جنگ بندی کے معاہدہ پر طرفین کی طرف سے جو وثیقہ لکھا گیا اس پر حضرت علی علیہ السلام نے لکھوایا ھٰذَا مَا اصْطَلَحَ

عَلَيْهِ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَ مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ ۔ یعنی یہ وہ صلحنامہ ہے جو امیر المومنین علی علیہ السلام اور معاویہ کے اتفاق رائے سے طے پایا تو عمرو عاص نے فوراً اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو امیر المومنین تسلیم کر لیتے تو جنگ وجدال کیوں ہوتا اور اس قدر خون خرابے کی نوبت کیوں آتی لہٰذا آپ امیر المومنین کی لفظ اپنے نام سے حذف کرا کے صرف علی بن ابی طالب لکھوائیں۔ اُس وقت آپ نے فرمایا واقعی میرے آقائے نامدار نبی کریم کا فرمان بجا تھا اور انہوں نے جو کچھ فرمایا تھا حرف بحرف درست ثابت ہوا پس صلحنامہ کی عبارت مکمل ہو گئی۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب عہدنامہ لکھا گیا۔ اُس کی ایک نقل حضرت نبی کریمؐ کے پاس رہی اور دوسری قریش کو دی گئی۔ اسی مقام پر قبیلہ خزیمہ نے رسول اللہ کے عہد میں داخل ہونے کا اعلان کیا۔ اور قبیلہ بکر نے قریشیوں کی حمایت کا اعلان کیا۔ سہیل بن عمر اور حفص بن احنف دوسری نقل لے کر واپس قریش کی طرف پلٹ گئے۔

حضرت نبی کریمؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اونٹوں کو نحر کر لو اور سروں کو منڈوا لو۔ لیکن وہ کہنے لگے کہ کیسے یہ ہو سکتا ہے حالانکہ نہ ہم نے طواف کیا اور نہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ آپ صحابہ کے رد عمل سے غمزدہ ہو کر اُم سلمہ کے خیمہ میں داخل ہوئے اور اُم سلمہ نے عرض کی کہ حضورؐ آپ خود بنفس نفیس اپنے اونٹوں کو نحر کر کے سر منڈوا لیں۔ چنانچہ آپ کے عمل کے بعد صحابہ نے بھی بعضوں نے یقین کی بنا پر اور بعضوں نے شک و ریب میں مبتلا ہو کر چار و ناچار حضور کے عمل کی اتباع کی۔ پس آپ مدینہ کی طرف چل دیئے اور جب مقام تنعیم میں پہنچے تو ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لئے اُترے۔ وہ صحابہ جنہوں نے آپ کی صلح پر نکتہ چینی کی تھی اُنہوں نے اپنے معذرت نامے پیش کئے اور اپنی لغزش پر شرمساری کا اظہار کیا اور حضور سے معافی کی درخواست کی۔ چنانچہ آیت رضوان نازل ہوئی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔ یعنی ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی تاکہ اللہ تیرے (یعنی تیری اُمت کے) سابق و لاحق گناہ بخش دے۔

معاویہ بن عمار نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے روایت مذکورہ معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے کہ حضورؐ ماہِ ذوالقعدہ میں روانہ ہوئے تھے جب اس مقام پر پہنچے جہاں سے احرام باندھا تو صحابہ نے ہتھیار سنبھال لئے کیونکہ آپ کو خالد بن ولید کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی۔ پس آپ نے فرمایا کوئی ایسا واقف کار آدمی تلاش کرو جو کسی غیر معروف راستے سے ہمیں لے چلے۔ چنانچہ بنی مزینہ یا جہینہ کا ایک آدمی آگے بڑھا لیکن وہ اس معاملہ میں ناکام رہا تو دوسرا آدمی آگے بڑھا۔ اور وادی عقبہ میں پہنچا وہاں سے پہاڑ کی چڑھائی مشکل تھی لیکن حضورؐ نے فرمایا جو لوگ اس پر چڑھیں اُن کے گناہ اس طرح معاف ہوں گے جس طرح حطہ کہنے سے بنی اسرائیل کے معاف ہوئے تھے۔ یہ سنتے ہی قبیلہ اوس و خزرج کے جوان مرد سواریوں کو لے کر بڑھے اور اپنی ہمت سے منزل کو آسان کر لیا اور اس وقت کل تعداد اٹھارہ سو تھی۔ پس پہاڑی سے اُتر کر حدیبیہ کے مقام پر پہنچے وہاں ایک عورت اپنے بچے کو لے کر کنوئیں کے کنارے پانی لینے کے لئے بیٹھی تھی۔ مسلمانوں کے

ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۲﴾

پہلے کے ہیں اور جو بعد کے ہیں اور تیرے اوپر اپنی نعمت کو تمام کرے اور تجھے صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ

اور تجھے شاندار کامیابی عطا فرمائے وہ وہ ذات ہے جس نے سکون بخشا مومنوں کے

قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ

دلوں کو تاکہ زیادتی حاصل ہو ان کے ایمان میں ایمان کی اور اللہ کے پاس

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۴﴾ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ

آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ دانا بینا ہے تاکہ داخل کرے مومنوں کو

کثیر التعداد لشکر کو دیکھ کر عورت کا بچہ ڈر کے مارے بھاگنے لگا تو عورت نے حضورؐ کو پہچان لیا۔ پس اس نے بچے سے کہا گھبراؤ نہیں کیونکہ یہ لوگ نیک ہیں۔ چنانچہ آپ نے بنفسِ نفیس پانی طلب کیا تو عورت نے ڈول کھینچ کر پیش کیا۔ آپ نے پانی پیا اور منہ ہاتھوں کو دھویا اور باقی پانی کو اس کنوئیں میں انڈیل دیا گیا چنانچہ آپ کی برکت سے وہ پانی اب تک موجود ہے۔

مشرکین نے حضورؐ کی آمد کو روکنے کے لئے ابان بن سعید کو گھوڑے سواروں کا ایک لشکر دے کر روانہ کیا تو جب انھوں نے قربانی کے اونٹوں کو دیکھا ابو سفیان سے کہنے لگا میں ان حاجیوں کو روکنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں اور ہمارے باہمی عہد و پیمان میں یہ شق شامل نہیں کہ ہم قربانی کرنے والوں کو بھی روکیں گے۔ ابو سفیان نے اُسے خاموش کرا کے عروہ بن مسعود ثقفی کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ چنانچہ کافی دیر تک بات چیت جاری رہی لیکن یہ ملاقات کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہو گئی اور کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا تو کفار نے ایک دوسرا وفد سہیل بن عمرو کی قیادت میں بھیجا تاکہ رسولِ کریمؐ سے بات چیت کے ذریعے سے پُرامن تصفیہ تک نوبت پہنچ جائے لیکن یہ ملاقات بھی کامیاب نہ رہی اور باہمی کشمکش جوں کی توں باقی رہی۔ نہ کفار مسلمانوں کے مکہ میں داخلے پر راضی تھے اور نہ مسلمان اس امر پر راضی ہوتے تھے کہ طواف و دیگر مناسک ادا کئے بغیر واپس چلے جائیں۔ آخر کار اسی صلحنامہ پر طرفین کا فیصلہ ہوا جو سابق روایت میں گذر چکا ہے۔

نَصْرًا عَزِيْزًا۔ یعنی اللہ آپ کی ایسی مدد کرے گا کہ کوئی سرکش دشمن آپ پر غلبہ حاصل نہ کر سکے گا چنانچہ اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور دین اسلام چہار دانگ عالم میں پھیل گیا اور تمام ادیانِ عالم کے مقابلہ میں اسلام کو شاندار کامیابیاں نصیب ہوئیں۔

اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ۔ یعنی پے در پے اپنی نشانیاں اور دلائل و براہین بھیج کر مومنوں کے دلوں میں ایسی بصیرت پیدا کر دی کہ وہ دین حق پر پوری طرح مطمئن اور پُرسکون ہیں۔ اور یہی وہ نعمتِ تامہ ہے جو مومنوں کو خاص طور پر عطا ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگ

وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ

اور مومنات کو ان باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں اور دور کرے

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ ۶ وَّ

اللہ ان سے ان کی برائیاں اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے اور

يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ

تاکہ عذاب دے منافق مردوں اور عورتوں کو اور مشرک مردوں اور عورتوں کو جو اللہ پر

بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ

بدگمان کرتے ہیں ان ہی پر آئے گا برائی کا عذاب اور ان پر اللہ کا غضب اور

لَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ ۷ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ

لعنت ہے اور ان کے لئے اس نے تیار کیا ہے جہنم اور وہ بری بازگشت ہے اور اللہ کے پاس آسمانوں

جن کے ایمان غیر پختہ ہوتے ہیں وہ معمولی شبہات سے بھی متزلزل ہوجایا کرتے ہیں اس لئے کہ یقین و اطمینان سے وہ محروم ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی اس جگہ مراد لی جاسکتی ہے کہ خدا نے مومنوں کے دلوں میں جوشِ ایمانی کی بدولت وہ استقامت و قوت بخشی ہے کہ بڑے سے بڑے دشمن کے مقابلہ میں بھی ڈٹ کر کوہِ گراں کی طرح جم جاتے ہیں اور سکون و اطمینانِ قلب کی بدولت کوئی طاقت اُن کے قدموں میں لغزش نہیں ڈال سکتی۔

لِيَزْدَادُوْا۔ یعنی آثارِ فتح و کامیابی اور دلائلِ حقانیت اسلام کی بدولت اُن کے ایمان تازہ ہوتے ہیں اور ان میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ :۔ یعنی اللہ کے پاس آسمانوں اور زمین میں ملائکہ و جنات وغیرہ کی فوجیں موجود ہیں۔ اگر چاہے تو تمام دشمنانِ اسلام کو ختم کر دے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ ان مشرکوں کی پشتوں سے بعض مومن پیدا ہوں گے نیز اس کی حکمت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مومن جہاد کر کے اپنے حسنِ اختیار سے جنت کے مستحق بنیں اور ان کے گناہ معاف ہوں اور تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آگ پانی اور ہوا بھی اللہ کے لشکر ہیں جن سے بعض اوقات دشمنانِ دین کو ہلاک کیا جاتا ہے۔

ظَنَّ السَّوْءِ۔ تفسیر برہان میں اس کے مصداق وہ لوگ ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کا انکار کیا تھا۔

جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ۔ تکرار اس لئے ہے کہ پہلی جگہ مومنوں کی تسلی کے لئے تھا اور اس جگہ کافروں کے ذکر سے متصل ہے اور

وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٨﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا

اور زمین کے لشکر موجود ہیں اور اللہ غالب حکمت والا ہے ہم نے آپ کو شاہد مبشر اور نذیر

وَّنَذِيْرًا ﴿٩﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ

بنا کے بھیجا ہے تاکہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی مدد کرو اور اسکی عزت کرو اور اللہ کی صبح و

بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿١٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ

شام تسبیح کرو تحقیق جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں

فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا

پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے پس جو بیعت کو توڑے گا تو اس کا وبال خود اس پر ہی ہوگا اور جو اللہ سے کئے وعدے

عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١﴾ سَيَقُوْلُ لَكَ

کو پورا کرے گا تو اللہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا عنقریب کہیں گے آپ سے جو

الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ

پیچھے رہ گئے تھے بدوی لوگوں میں سے کہ ہمیں مال و متاع اور اہل و عیال نے مشغول کر رکھا تھا پس ہمارے لئے بخشش کی

ان کو تنبیہ کرنا مقصود ہے۔

لِتُؤْمِنُوْا ۔ بعض قاریوں نے لِيُؤْمِنُوْا پڑھا ہے اور باقی صیغے بھی اسی طرح ہیں لیکن جو لوگ لِتُؤْمِنُوْا مخاطب کے صیغے سے پڑھتے ہیں انکے نزدیک عبارت میں کچھ مقدر کرنا پڑے گا یعنی قل لهم انا ارسلناك الخ۔ مقصد یہ ہوگا کہ ان سے کہدیجئے کیونکہ ہم نے تم کو شاہد و مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے اگر رسول کو ہم نے اس لئے بھیجا ہے کہ تم ایمان لاؤ اور اس کی تعظیم و توقیر کیا تو ساتھ اس کی مدد و نصرت بھی کرو اور غائب کے صیغوں کی صورت میں تو معنی واضح ہے کہ ہم نے تم کو بھیجا ہے تاکہ یہ لوگ ایمان لائیں تا آخر۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ ۔ اس جگہ بیعت سے مراد بیعت حدیبیہ ہے جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اور تفسیر صافی میں ارشاد مفید سے منقول ہے کہ مامون نے امام رضا علیہ السّلام سے جب کہا تھا کہ آپ بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائیں تاکہ لوگ آپ کی بیعت کریں تو آپ نے اپنا ہاتھ اوپر کو بلند کیا کہ منہ کے برابر آگیا اور آپ نے فرمایا کہ صحابہ نے رسول اللہ کی بیعت اس طرح کی تھی کہ ان کے ہاتھ نیچے تھے اور حضور کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر تھا اور بیعت کا طریقہ بھی یہی ہونا

يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ

دعا کرو وہ زبانوں سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں کہدیجئے کون مالک ہوگا تمہارے لئے اللہ سے کسی

شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

چیز کا اگر وہ تم کو تکلیف دینا چاہے یا تمہیں نقصان پہنچانا چاہے بلکہ اللہ آگاہ ہے اس سے جو تم کرتے

چاہیئے کیونکہ اللہ نے رسول اللہ کے ہاتھ کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ جن لوگوں نے رسول اللہ کی بیعت کی گویا انہوں نے اللہ کی بیعت کی اور ان کے ہاتھوں کے اوپر جو رسول اللہ کا ہاتھ تھا وہ گویا ان کا نہیں بلکہ اللہ کا ہاتھ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ بیعت رضوان میں شریک تھے وہ بہت بلند رتبہ کے لوگ تھے کیونکہ اللہ نے ان کا ذکر بڑے وقیع لفظوں میں فرمایا۔ البتہ اس بیعت کے ذکر کے بعد اس شرط کا اضافہ فرمایا کہ جو لوگ اس بیعت کی وفا کریں گے ان کے لئے اجرِ عظیم ہے اور جو لوگ اس بیعت کے بعد منحرف ہو جائیں گے اور بیعت کے تقاضوں کو بھلا کر اور نبی کریمؐ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر اپنی خواہشاتِ نفس کے پیچھے چلیں گے تو ان کو یہ بیعت کوئی نفع نہ دے گی بلکہ اس بیعت شکنی کا وبال ان کے سر پہ ہوگا۔

عَلَيْهُ اللّٰه۔ حفص قاری نے ضمیر غائب پر ضمہ پڑھا ہے اور موجودہ قرآنوں میں یہی رائج ہے۔

رکوع ۱۱

سَيَقُولُ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ذوالقعدہ ۶ھ میں آپ عمرہ کرنے کی غرض سے روانہ ہونے لگے تو مدینہ کے گرد و نواح کی بستیوں کے لوگوں کو آپ نے ہمراہ جانے کے لئے دعوت دی۔ کیونکہ یہ خیال تھا کہ مبادا قریش مکہ مزاحمت کریں یا لڑائی پر آمادہ ہو جائیں تو مسلمانوں میں قوتِ دفاع کا ہونا ضروری ہے۔ اس وقت مدینہ کے گرد و نواح میں جو قبائل آباد تھے جن کو دعوتِ سفر دی گئی وہ قبیلۂ غفار۔ قبیلۂ اسلم۔ مزنیہ۔ جہنیہ۔ اشجع اور قبیلۂ دئل کے لوگ تھے۔ انہوں نے کفارِ قریش سے ڈرتے ہوئے آپ کی دعوت ٹھکرا دی۔ اور یہ بہانا بنا لیا کہ آج کل ہماری مصروفیات کے دن ہیں اور ہم اپنے اموال و عیال کو چھوڑ کر شریکِ سفر نہیں ہو سکتے۔ حضورؐ چونکہ عمرے کی نیت سے روانہ ہو رہے تھے اس لئے قربانیاں ہمراہ کر لیں تاکہ تمام لوگ جان لیں کہ یہ قافلہ حج وعمرہ کو جا رہا ہے نہ کہ لڑائی کرنے کے لئے روانہ ہے۔

يَقُولُونَ۔ خداوند کریم نے ان کے اعذارِ باردہ کی پُر زور تردید فرمائی کہ یہ لوگ منافق طبع ہیں۔ زبان سے کچھ اور کہتے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں کچھ اور ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ لوگ حضورؐ کی دعوت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان کی قندیل روشن نہیں تھی۔ لہٰذا ان کی دعائے بخشش کی خواہش بھی صرف رسمی رواداری کے طور پر تھی اُن کے دل کی آواز نہیں تھی۔

فَمَن يَمْلِكُ۔ یعنی اللہ اگر تم کو نفع یا نقصان دینا چاہے تو کون ہے جو تم کو اس سے بچا سکے۔

بَلْ ظَنَنتُمْ:۔ جن لوگوں نے حضورؐ کی دعوت کو رد کیا تھا اور حدیبیہ کی طرف جانے سے انکار کیا تھا ان کو یہ خیال تھا کہ جب مسلمان مکہ میں پہنچیں گے تو کفارِ قریش موقع پا کر ان کو قتل کر دیں گے۔ اور ان میں سے ایک بھی گھر کو نہ پلٹ سکے گا۔ پس انہوں

خَبِيرًا ﴿۱۲﴾ بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ

ہو ۔ بلکہ تم نے خیال کیا تھا کہ رسول اور مومن لوگ اب اپنے گھروں کی طرف ہرگز نہ

أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنتُمْ

پلٹیں گے اور یہی بات مزین کی گئی تمہارے دلوں میں اور تم نے بدگمانیاں کیں (رسول کے متعلق) اور تم

قَوْمًا بُورًا ﴿۱۳﴾ وَمَن لَّمْ يُؤْمِن بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

ہلاک ہونیوالی قوم ہو اور جو نہ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر تو ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں

سَعِيرًا ﴿۱۴﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ

کے لیے جہنم اور آسمانوں اور زمین کا ملک اللہ ہی کا ہے جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے گرفتارِ

مَن يَشَاءُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۵﴾ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا

عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے عنقریب کہیں گے پیچھے رہنے والے جب تم

انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا

جاؤ گے غنائم (خیبر) کی طرف تاکہ حاصل کرو ان کو کہ ہمیں اجازت دو کہ تمہارے ساتھ چلیں وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا

نے اپنی جان کی خیر منائی اور حضور کی دعوت ٹھکرائی۔ اللہ فرماتا ہے یہ بدگمانی شیطان نے ان کے دلوں میں ڈالی تھی اور یہ خیال اُن کے دلوں میں پختہ تھا بلکہ مزین تھا۔

سَیَقُولُ۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب مسلمان صلح حدیبیہ کر کے پلٹے تو خداوند کریم نے آپ کو فتح خیبر کی وحی فرمائی اور یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ وہاں سے غنیمتیں بھی حاصل ہوں گی۔ اور ساتھ یہ تخصیص بھی تھی کہ خیبر کی غنیمتیں صرف ان لوگوں میں تقسیم ہوں گی جو صلح حدیبیہ میں شامل تھے۔ پس لوگوں نے یہ خبر سنی تو جو لوگ حدیبیہ میں شریک نہ تھے اور پیچھے رہ گئے تھے اُن کے دلوں میں بھی خیبر کی طرف جانے کا لالچ پیدا ہوا۔ اور کہنے لگے کہ ہمیں بھی ساتھ لے جائیے گا۔ تو اُن کے جواب میں اللہ فرماتا ہے۔ ان پیچھے رہ جانے والے لوگوں سے کہئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ آؤ گے۔ اور اللہ نے پہلے سے ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ خیبر کی غنیمتیں صرف ان لوگوں میں ہی تقسیم ہوں گی جو صلح حدیبیہ میں شریک تھے اور تم اللہ کے فیصلے کو تبدیل نہیں کر سکتے اور نہ اللہ کے فیصلہ کو جھوٹا ثابت کیا جا سکتا ہے۔ گویا وہ لوگ جنگ خیبر میں شرکت و شمولیت کر کے اللہ کے فیصلے کو تبدیل کرنے اور اُسے جھوٹا ثابت کرنے کے درپے ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہ ہو گا بلکہ اللہ کا فیصلہ حرف بحرف ثابت ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ میں شریک تھے

كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ

کلام (فیصلہ) بدل جائے ان سے کہدو کہ ہرگز ہمارے ساتھ نہ آؤ اور اسی طرح اللہ نے پہلے بھی فرمایا ہے پس وہ کہیں گے

بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ

بلکہ تم لوگ ہم پر حسد کرتے ہو بلکہ وہ (حق کو) نہیں سمجھتے مگر کم کہدیجئے پیچھے رہ جانے والوں کو

مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ

بدؤں میں سے کہ عنقریب تم کو بلایا جائے گا ایک ایسی قوم کی طرف جو سخت جنگجو ہوں گے کہ ان سے تم لڑو گے یا وہ

يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا

مسلمان ہو جائیں گے پس اگر تم نے بات مان لی تو تم کو خدا بہتر اجر عطا کرے گا اور اگر تم پھر گئے جس طرح

تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ

پہلے پھر گئے تھے تو تم کو دردناک عذاب دے گا اندھے پر لنگڑے پر اور

وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ

مریض پر کوئی حرج نہیں (اگر جنگ کے لئے نہ جا سکیں) اور جو اللہ اور اس کے رسول

وہی خیبر جا سکے اور دوسرا کوئی بھی جنگ خیبر میں نہ جا سکا۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ ۔ یعنی جب مسلمانوں نے ان کو کہا کہ تم ہرگز نہیں جا سکو گے کیونکہ اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اُس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تو وہ جواب دیتے تھے کہ تم لوگ خواہ مخواہ ہم پر حسد کرتے ہو تاکہ ہم خیبر کی غنیمتوں میں حصہ نہ لے سکیں حالانکہ وہ خود بات کی حقیقت کو نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ مسلمان ان کو منع نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو خبر دیتے تھے کہ چونکہ اللہ کا فیصلہ ہے لہذا تم ہرگز شریک نہ ہو سکو گے کیونکہ اللہ کے وعدے میں جھوٹ نہیں ہوا کرتا اور وہ اس کو مسلمانوں کے حسد پر محمول کرتے تھے۔ اور یہ سراسر ان کی بے سمجھی تھی۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ ۔ یعنی ان لوگوں سے کہدیجئے کہ جنگ خیبر کی جنگ میں تو تمہاری شرکت نہ ہو سکے گی لیکن بعد میں ایک دوسری قوم سے جہاد درپیش ہوگا۔ اور تم لوگوں کو اُس میں شرکت کی دعوت دی جائے گی۔ اور اس سے مُراد حنین طائف موتہ اور تبوک کے غزوات ہیں۔ پس مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنا پڑے گا یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ پس ان لوگوں سے کہدو کہ اگر تم اسلام سے سچی ہمدردی رکھتے ہو تو آنے والی جنگوں کے لئے تیار رہو۔ پس اگر تم اطاعت کرو گے اور ثابت قدمی سے کفار کا

وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ

کی اطاعت کرے گا اس کو داخل کرے گا ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو پھر جائے اس کو دردناک

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

عذاب دے گا ۔ بے شک اللہ راضی ہے مومنوں سے جب کہ وہ آپ کی بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے

مقابلہ کرو گے تو اجرِ عظیم پاؤ گے ورنہ عذاب الیم کے حقدار ہو گے۔ البتہ اندھے لنگڑے اور بیمار لوگ اس حکم سے مستثنا ہیں۔

بیعت رضوان — رکوع ۱۱ ۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ ۔ قرآن مجید کے ان لفظوں سے مسلمانوں نے صحابہ کے نام کے ساتھ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لگانا سیکھا ہے۔ حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے صحابہ نے حضور پاکؐ کی بیعت کی تھی۔ اور وہ کیکر کا درخت تھا۔ اور یہ بیعت اس امر کا عہد تھا کہ ہم حضورؐ کی معیت میں ہر خطرہ کا مقابلہ کریں گے۔ اور ہر سخت سے سخت مرحلہ پر بھی حضورؐ کو چھوڑ کر کہیں نہ جائیں گے۔ اور یہ عہد حضرت رسول اللہؐ کی شریعت کے جملہ احکام کے من و عن تسلیم کرنے کا عہد تھا اور ایسا کرنے والوں کو خداوند کریم نے اپنی رضامندی کی پیش کش فرمائی ہے۔

بیعت رضوان کے بعد رَضِيَ اللّٰهُ کے الفاظ تمام صحابہ کی عدالت و ایمان کی دلیل نہیں بن سکتے۔ اسی لئے تو گذشتہ آیت نمبر ۱۱ میں اس کی وضاحت فرمائی کہ مَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ یعنی جو شخص اس بیعت کو توڑے گا تو اس کا وبال اس کے اپنے سر پر ہوگا۔ پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ کی رضامندی صرف ان صحابہ کے لئے ہے جنہوں نے بیعت کی اور پوری بقایا زندگی میں اس بیعت کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اور اس پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔ لیکن وہ لوگ جو بیعت کرتے وقت بھی دیکھا دیکھی کی بنا پر منافقانہ چال چل رہے تھے کہ ظاہر میں دوستی اور دل میں دشمنی پوشیدہ تھی یا یہ کہ اس وقت بدل و جان بیعت تو کر لی لیکن بعد میں اس کو توڑ ڈالا اور ثابت قدم نہ رہ سکے یا یہ کہ حضورؐ کی زندگی میں تو ثابت قدم رہے لیکن وفات پیغمبر کے بعد راہِ حق سے منحرف ہو گئے۔ چنانچہ بخاری شریف میں صحابہ کے ارتداد کی حدیثیں وارد ہیں اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں بعض کو نقل کیا ہے تو ایسے لوگ یقیناً رضائے پروردگار کے مستحق نہیں اور نہ یہ آیت ان کو شامل ہے۔ لہذا آیت مجیدہ کی رو سے تمام صحابہ کو عدول ثابت کرنا یا ان کو بلا استثناء جنتی کہنا اپنے نفس کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔

قصۂ بیعت و صلح حدیبیہ کی وضاحت — تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ حضورؐ مکہ کی طرف جاتے ہوئے جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کی اونٹنی رک گئی۔ آپ نے اس کو آگے بڑھانے کی کوشش کی لیکن وہ آگے بڑھنے کے بجائے بیٹھ گئی۔ صحابہ بھی یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے تو آپ نے فرمایا کہ چلتے چلتے رک جانا اس اونٹنی کی عادت نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ رک جانے میں ہماری مصلحت ہے اور اس کو اسی ذات نے روکا ہے جس نے ہاتھیوں کو روکا تھا۔ پس آپؐ نے عمر بن خطاب کو بلایا اور فرمایا کہ جا کر اہل مکہ کو

نَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۱۹

پس اللہ کو ان کے دل کی سچائی معلوم ہے لہٰذا اُس نے اُن کو سکون بخشا اور ان کو فوری فتح (فتح مکہ یا فتح خیبر) عطا کی

وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۲۰

اور بہت سی غنیمتیں جو انہوں نے حاصل کیں (غنائم خیبر یا غنائم ہوازن) اور اللہ غالب دانا ہے

ہماری آمد کی اطلاع دو تاکہ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ اور ہم بھی اعمال عمرہ بجالائیں اور قربانیاں کر کے واپس چلے جائیں تو انہوں نے معذرت پیش کی کہ وہاں میرا کوئی خاص رشتہ دار موجود نہیں ہے لہٰذا قریش مکہ کی دشمنی سے مجھے سخت خطرہ ہے اور میرے بجائے عثمان بن عفان کا بھیجنا زیادہ موزوں ہے کیونکہ اُس کا کافی قبیلہ وہاں موجود ہے۔ پس آپ نے عثمان کو اپنی طرف سے ہدایات دے کر روانہ فرمایا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کے لئے اور اعمال عمرہ بجالانے کے لئے آئے ہیں تاکہ قریشی مزاحمت نہ کریں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمان کو جاتے ہی قریشیوں نے گرفتار کر لیا اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ عثمان کو قتل کر دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اب فیصلہ کئے بغیر ہم یہاں سے حرکت نہ کریں گے۔ چنانچہ ایک کیکر کے درخت کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا۔ پس لوگوں نے مشرکوں کے ساتھ لڑنے اور فرار نہ کرنے کے عہد میں آپ کی بیعت کی۔ عبداللہ بن معقل کا بیان ہے کہ میں اس وقت حضور کے پیچھے کیکر کی ایک شاخ پکڑ کر کھڑا تھا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے صحابہ سے موت پر نہیں بلکہ فرار نہ کرنے کے عہد پر بیعت لی تھی۔ مسور بن مخرمہ کی روایت میں ہے کہ ایک ہزار سے زیادہ کی تعداد میں صحابہ مدینہ سے آئے تھے۔ جب ذوالحلیفہ میں پہنچے تو حضور نے اپنی قربانیوں کو اشعار یا تقلید کر کے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی بطور جاسوس کے روانہ فرمایا تاکہ قریشیوں کے ردِّ عمل کی اطلاع دے۔ پس جب آپ عسفان کے قریب غدیر الاشطاط کے مقام پر پہنچے تو اُس جاسوس نے واپس آکر اطلاع دی کہ قبائل قریش مختلف قبائل سے فوجیں جمع کر کے لڑائی کے لئے بالکل تیار ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ بیت اللہ تک آپ کو نہ پہنچنے دیں گے آپ نے اس خبر کی پرواہ کئے بغیر صحابہ کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔

چلتے چلتے ایک مقام پر آپ رُک گئے اور فرمایا کہ کفارِ قریش کی سوار فوج کا ایک دستہ لے کر خالد بن ولید غمیم کے مقام پر ہمارا راستہ روکنے کے لئے اُترا ہُوا ہے لہٰذا ہمیں راستہ چھوڑ کر دائیں طرف مڑ جانا چاہیئے۔ چنانچہ آپ ثنیہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کی سواری رُک گئی اور بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا یہ اس کی عادت نہیں ہے بلکہ اس کو اُس ذات نے روکا ہے جس نے ہاتھیوں کو روکا تھا۔ پس آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ قریش اگر مجھ سے ایسی چیز کا مطالبہ کریں جس میں اللہ کے حرم کی تعظیم کا راز مضمر ہو تو میں ضرور اُسے قبول کروں گا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی سواری کو چلایا تو وہ روانہ ہو گئی۔ پس آپ نے حدیبیہ کی آخری سرحد پر ایک کنوئیں کے کنارے نزولِ اجلال فرمایا۔ جس میں پانی بہت کم تھا اور تھوڑا تھوڑا رستا تھا

جس سے صحابہ سیر نہ ہو سکتے تھے۔ پس انہوں نے پیاس کی شکایت کی تو آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور پانی کے رسنے کی جگہ پر اس کو گاڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کی برکت سے کنوئیں میں پانی کافی موجود ہو گیا۔ اور سب لوگ سیراب ہوئے۔ اسی اثناء میں بدیل بن ورقا خزاعی قبیلہ خزاعہ کے چند آدمیوں کو ساتھ لیکر حاضرِ خدمت ہوا اور یہ شخص اہلِ مکہ میں سے آپ کا خیر خواہ تھا اُس نے عرض کی کہ قریش اپنی پوری طاقت کے ساتھ آپ کو بیت اللہ سے روکنے پر آمادہ ہیں اور وہ خون کا آخری قطرہ بہا دینے پر تیار ہیں۔ چنانچہ اس غرض سے انہوں نے اپنے نوزائیدہ بچوں اور اُن کی ماؤں کو بھی اپنے ہمراہ شریکِ جنگ ہونے کے لئے آمادہ کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا میں کسی سے لڑنے کے لئے نہیں بلکہ اعمالِ عمرہ بجا لانے کے لئے آیا ہوں اور قریش کو جنگوں نے کمزور کر دیا ہے اور ان کو کافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اب میں ان کو ایک مدت تک کی مہلت دیتا ہوں کہ وہ میرے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ اور مجھے دوسرے عرب قبائل سے نبٹنے کے لئے واگذار کریں۔ پھر جو راستہ دوسرے عرب اختیار کریں یہ بھی ان میں داخل ہو جائیں۔ اور اگر یہ لوگ خواہ مخواہ مجھ سے اُلجھنے کی کوشش کریں گے تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں اپنے مشن کی تکمیل کے لئے ضرور ان سے لڑوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔ بدیل بن ورقا نے واپس جا کر قریش کو حضور کا پیغام پہنچایا تو عروہ بن مسعود ثقفی نے کھڑے ہو کر قریش کے بھرے مجمع میں ایک تقریر کی اور قریش کو نصیحت کی کہ جو کچھ حضور نے پیغام بھیجا ہے اس میں تمہاری خیر خواہی کا راز مضمر ہے لہذا اس کو قبول کر لینے میں تمہیں پس و پیش نہیں کرنی چاہیئے۔ اور اگر تمہاری مرضی ہو تو مزید بات چیت کے لئے میں خود اُن کے پاس جاتا ہوں۔ تو انہوں نے کہا تم خود جاؤ اور رو برو بات کر کے کوئی اچھا فیصلہ کر کے ہمیں اطلاع دو۔ چنانچہ وہ حاضرِ بارگاہِ رسالت ہوا تو آپ نے اپنی وہی تقریر دہرائی جو اس سے قبل بدیل بن ورقا خزاعی کے سامنے کی تھی۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ آپ کے لئے اپنی قوم قریش سے لڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں اور کوئی دانشمند اپنی اصل و جڑھ کو اکھیڑنا پسند نہیں کرتا اور اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو یہ اِدھر اُدھر سے جمع ہو کر آپ کے ہمراہ آپ کی محبت کا دم بھرنے والے لوگ دوڑ جائیں گے اور آپ کو تنہا مصائب میں چھوڑ جائیں گے کیونکہ مشکل و مصیبت میں صرف اپنا خون ہی کام آتا ہے۔ یہ سُن کر ابو بکر نے اُس کو جھڑک کر کہا اُمصص بظر اللات۔ یعنی جاؤ اور لات کی شرمگاہ کو چاٹو۔ لات[1] ایک بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔ مقصد یہ کہ تم اپنے بتوں کی پوجا کرو ہمیں یہ طعنہ کیوں دیتے ہو کہ ہم رسول اللہ کو چھوڑ کر کہیں بھاگ جائیں گے۔ عروہ بن مسعود نے پوچھا یہ کون شخص ہے تو اس کو جواب دیا گیا کہ یہ ابو بکر ہے تو عروہ نے کہا کہ تیرا ایک احسان مجھ پر نہ ہوتا تو میں تجھے اس کا جواب دیتا۔ اس کے بعد دوسری باتیں ہوتی رہیں۔

مغیرہ بن شعبہ حضورؐ کے پاس کھڑا تھا اور عروہ جب بھی بات کرتا تھا تو حضور کی ریش مبارک کو ہاتھ لگاتا تھا پس مغیرہ نے جھڑک کر کہا کہ اپنے نجس ہاتھ کو حضورؐ کی ریش اقدس کے قریب نہ لے جاؤ ورنہ اس ہاتھ کو میں توڑ دوں گا۔ عروہ نے دریافت کیا یہ کون ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہے۔ پس وہ کہنے لگا کہ یہ دھوکا باز آدمی ہے اس سے اُلجھنے کا کوئی فائدہ نہیں

[1] لات طائف میں ایک بت تھا جس کی بنی ثقیف پوجا کرتے تھے

اس کا واقعہ یہ ہے کہ اسلام لانے سے پہلے مغیرہ بن شعبہ نے طائف کے چند تاجروں کے ساتھ سفر تجارت میں شرکت کی تھی تو اس نے موقعہ پاکر ان سب کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ کر اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ پس عروہ بن مسعود مقتولین کے وارثوں کے ہمراہ طائف سے چل کر مکہ میں اسی معاملہ کے فیصلہ کے لئے آیا ہوا تھا لیکن مغیرہ بن شعبہ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کو قبول کر لیا اور وہی طائف کے تاجروں سے لوٹا ہوا مال بھی پیش خدمت کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ تیرے اسلام کو ہم نے قبول کر لیا ہے لیکن تیرے اس لوٹ کھسوٹ کے مال کو ہم قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ ٹھگی اور دھوکے کا مال ہے۔

بہرکیف عروہ بن مسعود ان تمام باتوں کا جائزہ لیتا رہا اور صحابہ کا حضورؐ سے برتاؤ کا طریقہ بھی دیکھتا رہا۔ جس سے وہ خود بہت متاثر ہوا۔ چنانچہ اُس نے دیکھا کہ آپ کی زبان سے نکلا ہوا کوئی لفظ صحابہ ضائع نہ ہونے دیتے تھے اور آپ کے حکم کی فوری تعمیل کرتے تھے اور جب آپ وضو فرماتے تو صحابہ کا ہر فرد ایک دوسرے سے بڑھ کر تبرک کے لئے وہ پانی حاصل کرنے کا خواہشمند ہوتا تھا جو آپ کے اعضا سے گرتا تھا۔ اور حضورؐ کے سامنے کوئی بھی صحابی بلند آواز سے بات کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور نہ کوئی حضورؐ کی آنکھ میں آنکھ ملانے کی جسارت کرتا تھا۔ پس ان تمام باتوں سے کافی تاثر لے کر عروہ بن مسعود واپس پلٹا تو کہنے لگا کہ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں اور میں قیصر و کسریٰ و نجاشی ایسے حکمرانوں کے پاس بھی حاضر ہوا ہوں لیکن بخدا میں نے آج تک ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی تعظیم اس کے ہم نشین اتنی کرتے ہوں۔ جو محمد کی تعظیم اس کے اصحاب کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب وہ حکم کریں تو تعمیل حکم میں وہ ایک دوسرے سے سبقت کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اُن کے وضو کے پانی کو حاصل کرنے کے لئے جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں وہ ان کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند نہیں کرتے اور نہ اُن کو تیز نگاہوں سے دیکھنے کی جُرأت کر سکتے ہیں۔ بے شک انہوں نے تم لوگوں کی طرف اچھا پیغام بھیجا ہے لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ اس کو قبول کرنے میں پس و پیش نہ کرو۔

اِس کے بعد بنی کنانہ میں سے ایک شخص کو کفارِ قریش نے بطور وفد بھیجا۔ آپ نے اُس کو دیکھ کر فرمایا یہ شخص اُس قوم میں سے ہے جو بیت اللہ کی قربانیوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لہٰذا اس کے سامنے اپنی قربانیوں کو ظاہر کرو۔ تاکہ حقیقت اس کے سامنے کھل جائے۔ چنانچہ صحابہ نے اپنی قربانی کے جانوروں کو ظاہر کر کے تلبیہ کے کلمات اپنی زبانوں پر جاری کئے تو وہ شخص کافی متاثر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ قریش کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ان لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے روکیں چنانچہ اُس نے کفارِ قریش کے سامنے واپس جا کر اپنے تاثرات پیش کر دئے اور ان کو غلط اقدام سے روکنے کی فہمائش کی۔

اس کے بعد کفار کی جانب سے مکرز بن حفص بات چیت کے لئے بارگاہِ نبوی میں پہنچا۔ لیکن یہ ایک فاسق و فاجر شخص تھا۔ حضور نبی اکرمؐ کے ساتھ اس کی گفتگو کسی اچھے فیصلے تک نہ پہنچ سکی۔ اس کے بعد کفار کی طرف سے سہیل بن عمرو آیا اور حضورؐ نے اس کی آمد کو باہمی گفتگو اور اچھے فیصلے کے لئے نیک فال قرار دیا کیونکہ اس کا نام سہیل سہل سے

مشتق تھا جو سہولت، اور آسانی کے معنی میں ہے) پس بات چیت نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور فریقین میں صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ اور تحریری طور پر اسے مکمل کیا گیا جس کی تفصیل ص۲۲۳ پر ابھی گزر چکی ہے۔

باہمی معاہدہ کی تحریری تکمیل ابھی نہیں ہوئی تھی کہ کفار قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کا بیٹا ابو جندل جس کو اسلام لانے کے جرم میں قریشیوں نے پابند سلاسل کیا ہوا تھا وہ اپنے زنجیروں اور بیڑیوں کو گھسیٹتا ہوا آن پہنچا اور اُس نے اپنی مظلومیت کی درد بھری کہانی سنائی۔ اور مسلمانوں سے امداد اور فریاد رسی کی درخواست کی۔ سہیل بن عمرو نے اپنے مظلوم بیٹے کی حالت پر ترس کھانے کے بجائے انتہائی سنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ معاہدہ کی رُو سے میرے بیٹے ابو جندل کو تو آپ واپس کرنے کے پابند ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ابھی تک چونکہ معاہدہ پر طرفین کے دستخط نہیں ہوئے لہٰذا دستخطوں کے بعد طرفین پر پابندی عائد کی جا سکے گی۔ تو ابو جندل کے سنگدل باپ نے کہا کہ آپ میرے بیٹے کو واپس نہیں کریں گے تو صلحنامہ بیکار متصور ہو گا۔ آپ نے فرمایا اس کو پناہ میں لے لو تو سنگدل باپ نے بیٹے کو پناہ دینے سے بھی انکار کر دیا اور حضورؐ کے اصرار کے باوجود بھی وہ نہ مانا تو ابو جندل نے پھر مسلمانوں کو خطاب کر کے اپنی مار پٹائی اور کفار کی جانب سے دی جانے والی اذیتوں کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ مجھے واپس کفار کی طرف نہ بھیجا جائے لیکن حضورؐ نے معاہدہ کی رُو سے اس کی درخواست ٹھکرا دی۔ اسی مقام پر عمر بن خطاب نے کہا وَاللّٰہِ مَا شَکَکْتُ مُذْ اَسْلَمْتُ اِلَّا یَوْمَئِذٍ۔ یعنی میں جس دن سے مسلمان ہوا ہوں خدا کی قسم اس دن کی طرح مجھے کبھی نبوت میں شک نہیں ہوا۔ اور میں نے رسول اللہ کے پاس جا کر عرض کی۔ کیا آپ نبی نہیں ہو؟ آپ نے فرمایا۔ میں نبی ہوں۔ تو میں نے کہا کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا بے شک ہم حق پر اور دشمن باطل پر ہیں۔ تو میں نے کہا پھر ہم اس قدر کمزوری کیوں کریں؟ آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور اُس کی نافرمانی کسی صورت میں نہیں کر سکتا اور وہی ہمارا مددگار ہے۔ میں نے کہا کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا بے شک میں نے کہا تھا لیکن میں نے اس سال کے لئے نہیں کہا تھا اور یقیناً ایک وقت آئے گا کہ ہم بیت اللہ کا آکر طواف کریں گے۔

بہر کیف صلحنامہ کی تحریری تکمیل کے بعد حضورؐ نے قربانیاں ذبح کر دیں اور سر منڈوا دیا اور مسلمان واپس مدینہ پلٹ کر آ گئے کچھ دنوں بعد ابو بصیر نامی ایک قریشی مسلمان ہو کر مکہ سے بھاگا اور مدینہ میں پہنچا تو اُس کے پیچھے دو آدمی اُس کو واپس لینے کے لئے آ پہنچے۔ پس معاہدہ کی رُو سے حضورؐ نے اُس کو واپس کر دیا۔ جب مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو ابو بصیر نے اپنے ان دو ساتھیوں میں سے ایک سے تلوار طلب کی کہ عمدہ تلوار ہے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے دے دی۔ پس مسلمان نے فوراً ہی اُسی تلوار سے اُس کا کام تمام کر دیا۔ یہ دیکھ کر دوسرا کافر بھاگ کھڑا ہوا۔ اور مسجد نبوی میں ہانپتا کانپتا ہوا داخل ہو گیا۔ آپ نے فرمایا یہ شخص کسی حادثہ کا شکار ہے۔ چنانچہ اُس نے قریب پہنچ کر اپنی داستان سنائی کہ میرا ساتھی قتل کیا جا چکا ہے اور میں بھی قتل کیا جانے والا تھا کہ جان بچا کر بھاگ آیا ہوں۔ اتنے میں ابو بصیر مسلم وارد مسجد ہوا۔ اور اُس نے عرض کی حضورؐ! آپ

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا جو تم حاصل کرو گے پس یہ غنیمت تم کو اُس نے فوراً دیدی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے اُس نے روک

نے اپنے کئے ہوئے عہد کی وفا کی تھی اور مجھے واپس بھیج دیا تھا لیکن خدا نے مجھے ان لوگوں سے نجات دے دی ہے سآپ نے اس سے منہ پھیر کر صحابہ سے فرمایا کہ اس شخص نے پھر جنگ کی آگ کو بھڑکانے کی ابتدا کی ہے اسے واپس لے جاؤ۔ جب اُس نے یہ کلمات سُنے تو اُس کو یقین ہو گیا کہ مجھے دوبارہ کفار کی طرف لوٹایا جائے گا۔ لہٰذا وہ فوراً مسجد سے نکلا۔ اور ساحل سمندر کا رُخ کیا۔ اُدھر سے سہیل بن عمرو کا بیٹا ابوجندل بھی کسی طریقہ سے قریش مکہ سے جان بچا کر ساحل سمندر پر ابوبصیر سے جا ملا اور ان کے بعد جو بھی آدمی مکہ میں مسلمان ہوتا وہ وہاں سے بھاگ کر ان کے ساتھ جا ملتا۔ چنانچہ چند ہی دنوں میں ان کی اچھی خاصی ایک جماعت بن گئی۔ پس قریش کی جو جماعت سفر تجارت میں شام کا رُخ کرتی یہ لوگ اُن کو لوٹتے اور قتل کر ڈالتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے کفارِ قریش کا ناک میں دم کر دیا۔ پس اُنہوں نے مجبوراً حضورؐ کی طرف ایک وفد بھیجا کہ خدا کے لئے ان مسلمانوں کو اپنے پاس بلا لیجئے اور اب جو بھی مسلمان ہم میں سے علیحدہ ہو کر آپ کے پاس پہنچے گا ہم اس سے متعرض نہ ہوں گے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی خدا نے مسلمانوں کے ساتھ بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا جو تا قیامِ قیامت مسلمانوں کو حاصل ہوتی رہیں گی۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ۔ اس فوری غنیمت سے مراد غنیمت خیبر ہے کیونکہ اس میں مسلمانوں کو کافی مال و دولت ہاتھ آیا۔

كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضورؐ نے خیبر پر چڑھائی کا قصد فرمایا اور جا کر یہودیوں کا محاصرہ کیا تو قبیلہ اسد و غطفان کے لوگوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اب مسلمانوں کی لڑاکا فوج خیبر کے محاذ پر یہودیوں سے نبرد آزما ہے اور مدینہ میں صرف عورتیں اور بچے موجود ہیں لہٰذا مدینہ پر حملہ کر کے ان کو لوٹ لیا جائے اور بعض روایات میں ہے کہ ان قبیلوں نے خیبری یہودیوں کے ساتھ فوجی امداد کا عہد و پیمان کیا تھا۔ بہر صورت خداوند کریم نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ وہ اپنے ارادوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے قاصر رہے پس کچھ منازل طے کرنے کے بعد پشیمان ہوئے اور واپس اپنے گھروں کو چلے گئے آیت مجیدہ میں خداوند کریم مسلمانوں کو قبائل عرب کے ارادہ ہائے فاسدہ کی اور اپنے احسان کی اطلاع دے رہا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق تین اقوال منقول ہیں (۱) حدیبیہ کے سال کفارِ قریش نے چالیس جوان بھیجے تھے تاکہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کریں لیکن وہ سب کے سب گرفتار ہو گئے اور اللہ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا لیا تھا پس حضورؐ نے ان کو معاف کر دیا۔ کیونکہ آپ کا مقصد اعمال عمرہ کو بجا لانا تھا (۲) اہل مکہ نے اسّی (۸۰) آدمیوں کو بھیجا تھا جو صبح کی نماز کے وقت مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے کوہ تنعیم سے اُترے لیکن گرفتار ہو گئے اور حضورؐ نے ان کو رہا کر دیا تھا (۳) صلحنامہ لکھتے وقت تیس آدمیوں کا ایک دستہ مسلح ہو کر اچانک حملہ کرنے والا تھا کہ آپ کی بددعا سے وہ سب نابینا ہو گئے اور گرفتار کر لئے گئے پس آپ نے ان کو معاف کر دیا۔

جنگ خیبر۔ فتح حدیبیہ سے واپس آ کر حضورؐ نے بیس دن مدینہ میں آرام فرمایا اور پھر اُسی فوج کے ہمراہ ۷ھ ہجری میں

عَنكُمۡ وَلِتَكُونَ ءَايَةً لِّلۡمُؤۡمِنِينَ وَيَهۡدِيَكُمۡ صِرَٰطًا مُّسۡتَقِيمًا ﴿٢١﴾

دیئے اور تاکہ (یہ غنیمت) مومنوں کے لئے (صداقت اسلام کی) نشانی ہو اور تاکہ تم کو خدا صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے

عازم خیبر ہو گئے۔ کیونکہ یہود خیبر کافی دنوں سے مسلمانوں پر دانت پیس رہے تھے اور دن بدن فوجی طاقت بڑھا رہے تھے۔ اور یہ ڈر تھا کہ مبادا کسی دن مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیں۔ لہذا ان کی سرکوبی کے لئے لشکر کشی کرنا ضروری تھا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ سلمہ بن اکوع سے مروی ہے ہم نے رات کے وقت سفر کیا اور عامر نامی صحابی جو شاعر تھا۔ اس نے حدی خوانی کے طور پر چند اشعار پڑھے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے تو جواب ملا کہ عامر ہے۔ آپ نے فرمایا یَرْحَمُهُ اللهُ۔ پس لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص شہید ہو گا کیونکہ آپ جنگ سے پہلے جس شخص کے لئے مغفرت کی دعا فرماتے تھے وہ اس جنگ میں شہید ہو جاتا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سب سے پہلے مرحب کے ساتھ لڑتے ہوئے وہ مارا گیا تھا۔

پس مسلمانوں نے قلعہ خیبر کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس محاصرہ نے کافی طول کھینچا۔ اسلامی فوج نے اپنے مورچے مضبوط کر لئے اور لڑائی جاری رہی۔ حضورؐ نے فوج اسلام کا علم عمر بن خطاب کے حوالہ فرمایا لیکن ناکام واپس آئے وہ کہتا تھا سپاہی بزدل تھے اور سپاہی کہتے تھے سالار لشکر نے بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان دنوں حضرت نبی کریمؐ کو دردِ شقیقہ کی تکلیف تھی۔ لہذا باہر نہ آسکتے تھے جب درد کی شدت میں کمی ہوئی اور آپ تشریف لائے تو جنگ کی موجودہ پوزیشن کا جائزہ لینے کے بعد فرمایا۔ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ كَرَّارًا غَيْرَ فَرَّارٍ لَا يَرْجِعُ حَتّٰى يَفْتَحَ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ۔ یعنی کل فوج کا علم اس شخص کے حوالہ کروں گا جو اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہو گا اور اللہ و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔ کرار ہو گا فرار نہ ہو گا۔ اور فتح کے بعد وہ واپس نہ ہو گا۔ راوی کہتا ہے پیغمبرؐ کا فرمان سننے کے بعد تمام دلوں میں یہ تمنا نئے سرے سے پیدا ہو گئی کہ فوجی علم ایک بار عطا ہو۔ چنانچہ ساری رات صحابہ بستروں پر پہلو بدلتے رہے لیکن جب صبح ہوئی تو حضورؐ نے علی کو طلب کیا۔ لوگوں نے عرض کی کہ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ آپ نے حضرت علی کو طلب کر کے زبان وحی کا لعاب ان کی آنکھوں میں ڈالا۔ تو فوراً درد کافور اور چہرہ مسرور ہو گیا۔ آپ نے اپنے دست حق پرست سے علم فوج حضرت علی کے حوالہ کیا تو حضرت علی نے عرض کی میں اس وقت تک جنگ بند نہ کروں گا جب تک کہ وہ (دائرہ اسلام میں داخل ہو کر) ہم جیسے نہ ہو جائیں گے۔ حضورؐ نے مشایعت کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دیجئے۔ اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی تبلیغ کیجئے کیونکہ ایک آدمی کا بھی ہدایت پا جانا ہر بڑی سے بڑی غنیمت سے افضل ہے۔ پس حضرت علی اپنی شجاعانہ شان اور مجاہدانہ انداز سے واردِ میدانِ کارزار ہوئے۔

مرحب جو کفار یہود کا مایہ ناز بہادر تھا وہ حضرت علی کے مقابلہ میں آیا اور اس نے اپنے رجزیہ اشعار پڑھے۔

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ إِذَا الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں سلاح پوش آزمودہ کار بہادر ہوں جبکہ لڑائی کی آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں

حضرت علی السلام نے اس کے جواب میں رجزیہ اشعار میں اپنا تعارف ان لفظوں سے کرایا۔

اَنَا الَّذِیْ سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حَیْدَرَہْ کَلَیْثِ غَابَاتٍ کَرِیْہِ الْمَنْظَرَہْ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے میں بیشۂ شجاعت کا وہ شیر ہوں جس کے دیکھنے سے بہادروں پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے

اس کے بعد طرفین میں تلوار کی آمد و رفت ہوئی اور چند لمحوں بعد مرحب فی النار ہوا۔ اور پورا میدان علی کے رعب سے سکتہ میں تھا، رسول اللہ کے غلام نافع کا بیان ہے کہ میں حضرت علی کے ہمرکاب تھا جب آپ قلعۂ خیبر کے قریب پہنچے تو یہودیوں کی پوری فوج مقابلہ کے لئے نکل کھڑی ہوئی اور حضرت علی نے گھمسان کی جنگ لڑی۔ اثنائے حرب و ضرب میں ایک یہودی نے حضرت علی پر تلوار کا وار کیا جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں سے ڈھال گر گئی تو آپ نے فوراً ہی قلعۂ خیبر کے دروازے میں ہاتھ ڈالا اور اسے اکھیڑ کر ڈھال کی جگہ اس کو استعمال کیا اور لڑائی کو برابر جاری رکھا۔ آخر کار یہودیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ تب حضرت علیؑ نے اس دروازہ کو پھینک دیا۔ اس کے بعد ہم سات آدمیوں نے اس دروازہ کو پلٹنا چاہا لیکن ہم اس کو حرکت نہ دے سکے۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت علی کے دائیں ہاتھ میں تلوار تھی جس سے مسلسل جنگ کر رہے تھے تو دروازہ کو بائیں ہاتھ سے ہی اکھیڑا ہو گا کیونکہ وہی فارغ تھا اور اسی بائیں ہاتھ میں ہی اٹھا کر اسے ڈھال بنایا ہو گا۔ پس یہ علی کے بائیں ہاتھ کا کمال تھا اور دائیں ہاتھ کا کمال یہ تھا کہ یہودیوں کے ٹڈی دل لشکر کو تنہا علی نے مار مار کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ ایک یا دو بہادروں کے مارے جانے سے ہتھیار نہیں ڈالے جاتے، بلکہ جب کام کے بہادر اور چوٹی کے جنگاور ختم ہو جائیں تو باقیوں کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علی نے خیبری جنگجو بہادروں کا پوری طرح صفایا کر دیا تھا اور مرحب کے بعد رہی سہی اُن کی شان و شوخی بھی جاتی رہی۔

جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نے تنہا باب خیبر کو اٹھایا اور اس کے بعد تمام مسلمان اس پر سے گذر کر قلعہ میں داخل ہوئے۔ اور جب آپ نے پھینک دیا تو چالیس آدمی مل کر بھی اس کو نہ اٹھا سکے اور دوسری روایت میں ستر آدمیوں کا ذکر ہے۔

عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام سردی اور گرمی میں موٹی قبا زیب تن فرماتے تھے تو لوگوں کو حیرت ہوتی کہ گرمی کے موسم میں اس قسم کی موٹی قبا جس میں روئی بھی بھری ہے پہننا قابل تعجب ہے جب کہ موسم سرما میں بعض اوقات آپ باریک لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں۔ راوی کہتا ہے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم اپنے باپ سے دریافت کرو کیونکہ وہ رات بھر حضرت علی کی خدمت میں رہتا ہے۔ چنانچہ میرے باپ نے موقعہ پا کر آپ سے پوچھ ہی لیا کہ آپ کا گرمیوں میں موٹی قبا پہننا اور سردیوں میں باریک لباس کا زیب تن کرنا باعث حیرت ہے۔ آپ اس کی حقیقت سے ہمیں مطلع فرمائیں تو فرمانے لگے کیا تم لوگ خیبر میں موجود نہیں تھے۔ راوی نے عرض کی کہ ہم موجود تھے تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں

معلوم نہیں کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو علم دے کر روانہ فرمایا تھا لیکن وہ شکست کھا کر واپس پلٹے پھر علم فوج حضرت عمر کے حوالہ کیا لیکن اُسے بھی شکست کھا کر پس پا ہونا پڑا۔ تب حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ الْیَوْمَ رَجُلاً یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ کَرَّاراً غَیْرَ فَرَّارٍ (یعنی آج میں علم اس مرد میدان کے حوالہ کروں گا جو اللہ و رسول کا محب اور محبوب ہوگا اور اس کے ہاتھوں اللہ فتح نصیب کرے گا۔ وہ کرار ہوگا فرار نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضورؐ نے وہ علم مجھے عنایت فرمایا اور دعا کی اللھم اکفہ الحر والبرد اے اللہ اس کو گرمی و سردی سے محفوظ رکھ۔ بس حضور کی دعا کا ہی اثر ہے کہ مجھ پر گرمی و سردی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یہ سب دلائل النبوۃ بیہقی سے منقول ہے۔ (مجمع البیان)

اور حبیب السیر ص۱۳۲ سے اس طرح منقول ہے کہ پہلے حضرت عمر علمبردار ہو کر گئے اور ناکام پلٹے تو دوسرے روز حضرت ابوبکر تشریف لے گئے جب وہ بھی ناکام واپس آئے تو تیسرے روز پھر حضرت عمر فوج کا علم لے کر میدان میں گئے لیکن عروس فتح و کامیابی سے ہمکنار تو درکنار شکست خوردہ واپس آئے۔ تب حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کل میں علم فوج اس شخص کے حوالہ کروں گا جو کرار و غیر فرار ہوگا اور فتح کے بغیر واپس نہ پلٹے گا اور وہ اللہ اور اس کے رسول کا محب و محبوب ہوگا۔

تاریخ کامل ج ۲ ص۸۳ سے منقول ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سُرخ لباس زیب تن فرما کر عازم میدان حرب ہوئے جب قلعہ کے قریب پہنچے تو ایک یہودی نے قلعہ سے جھانک کر دریافت کیا کہ آپ کا نام نامی و اسم گرامی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں تو وہ یہودی کہنے لگا اے قوم یہود اب تم مغلوب ہی ہو گے۔

اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام علم لے کر سیدھے قلعۂ قموص کے نیچے پہنچے اور ایک پتھر کی چٹان میں علم کو نصب کر کے ٹہلنے لگے تو بالاخانہ سے ایک یہودی عالم نے جھانک کر آپ سے دریافت کیا کہ آپ کا نام و نسب کیا ہے؟ (غالباً یہ وہی شخص ہے جس کو ذاکرین نجومی سے تعبیر کرتے ہیں) آپ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں تو وہ یہودی عالم اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا مجھے تورات کی قسم تم لوگ مغلوب ہو جاؤ گے کیونکہ یہ شخص فتح کے بغیر واپس ہرگز نہ جائے گا۔ اس خبر سے یہ بات عیاں ہے کہ وہ یہودی تورات سے حضرت علی کے اوصاف اور آپ کی شجاعت کے کارناموں سے واقف تھا (مدارج النبوۃ ج ۲ ص۱۳۰)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم پر مرحب نامی بہادر کا قبضہ تھا اور انہی دو قلعوں پر گھمسان کی جنگ ہوئی باقی تمام قلعے ان سے پہلے ختم کئے جا چکے تھے (سوانح حضرت عمر حصہ دوم ص۵۵ مطبوعہ گھبرا بہار)

جب حضرت امیرالمومنین علیہ السلام میدان کو فتح کر کے واپس پلٹے تو حضرت رسالت پناہ استقبال کے لئے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور گلے لگا کر پیشانی نورانی پر بوسہ دیا۔ اور حضرت علی اس قدر خوش ہوئے کہ خوشی کے مارے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت رسالت مآبؐ نے وجہ دریافت کی تو علی نے عرض کی حضور! یہ خوشی کے آنسو

ہیں۔ اور اس موقع پر میں کیوں خوش نہ ہوں جب کہ میرے کارنامہ سے آپ اس قدر خوشنود ہیں کہ بہر استقبال خیمہ سے باہر تشریف لا کر مجھے اپنی رضامندی کا تمغہ دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تنہا راضی نہیں بلکہ خدا اور جبریل و میکائیل اور تمام ملائکہ آپ کے اس کارنامہ پہ خوشنود ہیں (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۳۰۲)

مناقب اخطب خوارزم سے منقول ہے کہ اس دن حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علی سے فرمایا کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تیرے بارے میں میری اُمت کے لوگ وہی عقیدہ رکھنے لگیں گے جو حضرت عیسٰیؑ کے متعلق نصرانیوں نے رکھا تھا تو میں تیرے متعلق ایسی بات بیان کرتا کہ تو مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گذرتا وہ تیرے قدموں کے نیچے سے خاک اُٹھا کر اُسے باعث شفا جانتے البتہ اتنا کہتا ہوں کہ تیری مجھ سے وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون کو حضرت موسٰے سے تھی الخ (منقول از ینابیع المودۃ صفحہ ۱)

اکثر روایات میں ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام خیبر میں موجود تھے اور آشوب چشم کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہوئے تھے اِس لئے محاصرے نے طول کھینچا اور یہ تصریح کہیں نہیں مل سکی کہ حضور نے چالیس دن کا وعدہ فرمایا تھا اور چالیسویں دن ہی جنگ فتح ہوئی۔ بہرکیف اس جنگ میں فتح کا سہرا حضرت علیؑ کے سر پر تھا اور آپ کی ہی بدولت یہودیوں کا تکبر و غرور خاک میں مل گیا۔ اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے سامنے دب کر زندگی گذارنے پر مجبور ہوئے اور جزیہ کی پیش کش کر کے غلامی کی زندگی قبول کر لی۔ اور مقام عبرت و افسوس ہے کہ مسلمانوں نے حضرت علی کی سیرت و کردار کو ترک کر دیا اور اُسوۂ نبوت کو چھوڑ بیٹھے جس کی بدولت مسلمانوں کو یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے کہ مٹھی بھر یہودی تمام ممالک اسلامیہ سے ٹکرانے کی جرأت کر رہے ہیں اور اسرائیلی سلطنت اسلامی ممالک کے جسم میں ایک مستقل ناسور کی حیثیت سے ظاہر ہو گئی۔ خداوند کریم مسلمانوں کو اسلام کی صحیح تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ قوت ایمانی کے ساتھ پرچم حیدری ہاتھ میں تھامے ہوئے میدانِ کارزار میں قدم بڑھا کر تمام غیر اسلامی طاقتوں سے برد آزما ہونے کی جرأت کا مظاہرہ کریں اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے اسلامی شوکت و سطوت کے ساتھ پُورے عالم میں اپنی فتح و کامرانی سے اسلامی صداقت کا لوہا منوا سکیں۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یکے بعد دیگرے خیبر کے قلعے فتح کئے جاتے رہے اور مسلمان مالِ غنیمت کو اکٹھا کرتے رہے یہاں تک کہ قلعہ وطیح اور سلالم تک پہنچے اور یہ آخری قلعے تھے اور اسلامی فوج نے ان کا دس دن سے زیادہ تک محاصرہ جاری رکھا جب کنانہ بن ابی الحقیق نامی یہودی کے مضبوط ترین قلعہ قموص[ل] کو فتح کیا گیا تو صفیہ بنت حی بن اخطب کو ایک دوسری یہودیہ عورت کے ہمراہ گرفتار کر کے حضرت بلال خدمت نبویؐ میں لایا۔ جب ان دونوں عورتوں کو یہودی مقتول جوانوں کی لاشوں کے پاس سے گذارا گیا تو دوسری یہودی عورت نے اپنا سر اور منہ پیٹ لیا اور سر میں خاک ڈال دی حضورؐ نے اس سے منہ پھیر لیا اور صفیہ پر اپنی چادر ڈال دی جس سے مسلمانوں کو علم ہو گیا کہ اس کو حرم نبویؐ میں داخل کیا گیا ہے پس آپ نے بلال سے فرمایا۔ اے بلال! کیا تمہارے دلوں میں اتنا رحم بھی نہیں کہ ان دو عورتوں کو ان کے مقتول مردوں کی لاشوں کے قریب سے گذار کر لائے ہو؟ اس کے بعد یہودی افواج نے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر دیا اور جنگ بندی کا طرفین سے خیر مقدم کیا گیا تو یہودی حکمران

ل قموص اس پہاڑی کا نام ہے جس کے دامن میں یہ قلعہ واقع تھا اور اسی مناسبت سے اس کو قلعہ قموص کہا جاتا تھا

ابن ابی الحقیق نے تاجدار اسلام حضرت رسالت مآبؐ سے نزاعات ختم کرنے کے لئے مصالحانہ گفتگو کا وقت مانگا چنانچہ آپ نے نہایت کشادہ روئی سے وقتِ ملاقات کا تعین کر دیا اور آخر کار مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہو جانے کے بعد افواجِ اسلامی کو واپس پلٹنے کا حکم دے دیا گیا۔ اس جنگ میں ۱۵ مسلمان شہید ہوئے اور ۹۳ یہودی مارے گئے۔

(۱) یہودیوں کی لڑاکا فوج جو قلعہ بند تھی ان کو عام معافی دے دی جائے۔

(۲) یہودیوں کی تمام املاک مال ومتاع اور جملہ نقدی مسلمانوں کی ملکیت متصور ہو گی۔ اور اگر کسی نے کوئی چیز چھپانے کی کوشش کی تو اُس سے عام معافی کی رعایت سلب کر لی جائے گی۔

(۳) یہودی لوگ مزارعین و آباد کاروں کی حیثیت سے وہاں رہیں گے اور جملہ آمدنیوں کی بٹائی نصف و نصف ہو گی۔

(۴) ان کی نوعیتِ جرم بتائے بغیر بھی مسلمان جس وقت چاہیں گے ان کو زمینوں اور مکانوں سے بے دخل کرنے کے مجاز ہوں گے۔

ان شرائط پر طرفین متفق ہوئے اور صلحنامہ پر طرفین کے دستخط ہو گئے۔ چنانچہ بہت کافی غنائم مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور تمام منقول و غیر منقول مال کو فوری طور پر تقسیم کر دیا گیا۔ اور زمینوں پر یہودیوں کا قبضہ بحال رکھا گیا تاکہ مزارعین کی حیثیت سے کاشت کرتے رہیں۔ اور نصف حصہ مالکانہ اپنے مسلمان حصہ دار کو دیتے رہیں۔ جس کے حصہ میں وہ زمین بطور غنیمت آئی ہو۔ اور خیبر سے اس قدر غنیمتیں مسلمانوں کو ہاتھ آئیں کہ اس قدر اور کسی جنگ میں ہاتھ نہ آئی تھیں۔ بعض مسلمانوں نے تو اس جنگ سے پہلے کبھی پیٹ بھر کر کھانا بھی نہ کھایا تھا لیکن فتح خیبر کے بعد مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور یہ سب یداللّٰہی احسان تھا جس کے سب مسلمان ممنون تھے۔

ردّ شمس

اسی جنگ سے واپسی کے موقعہ پر جب حضورؐ منزل صہبا پر پہنچے تو نماز عصر پڑھ کر حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ ابھی تک حضرت علیؑ نے فریضۂ عصر ادا نہیں کیا تھا۔ حضورؐ پر وحی کی آمد شروع ہو گئی۔ پس آفتاب غروب ہوا۔ تو اختتامِ وحی پر آپؐ نے علیؑ سے نمازِ عصر کے متعلق دریافت فرمایا۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ نہیں پڑھ سکا تو حضورؐ نے دعا مانگی۔ اے پروردگار چونکہ علیؑ میری اور تیری اطاعت میں پابند تھا لہٰذا اس کے لئے سورج کو دوبارہ پلٹا دے تاکہ نماز پڑھ لے۔ چنانچہ فوراً سورج نے پلٹا کھایا اور حضرت علیؑ نے نماز عصر ادا فرمائی (مدارج النبوۃ ج ۲ صہ ۳۱۱) اور یہ روایت علامہ دیار بکری کی تاریخ خمیس ج ۲ صہ ۶۱ سے بھی منقول ہے۔

فدک

خیبر سے متصل علاقہ فدک بھی یہودیوں کی آبادی کا علاقہ تھا اور چونکہ یہودیوں کی عسکری قوت کا مرکز اور فوجی ہیڈکوارٹر خیبر ہی تھا۔ نیز یہودیوں کی آبادیوں میں تختِ اقتدار بھی خیبریوں کے زیرِ نگیں تھا۔ اس لئے خیبر کی فتح سے پورے یہودی علاقوں پر اسلامی فتح کا جھنڈا لہرانے لگا۔ چنانچہ جب اہل فدک کو معلوم ہوا کہ خیبر میں یہودی افواج نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور متذکرہ بالا شرائط کے ماتحت صلح نامہ ہو چکا ہے تو انہوں نے حضورؐ سے خواہش کی کہ ہم اپنا پورا علاقہ

چھوڑ کر چلے جاتے ہیں پس ہمارے اموال و اراضی سب کچھ آپ لے لیں لیکن ہمیں کسی قسم کا جانی نقصان نہ پہنچایا جائے آپ نے ان کی درخواست قبول فرمالی۔ پس فدک اور خیبر کے اموال وغنائم میں یہ فرق واضح ہے کہ خیبر چونکہ فوج کشی کے ذریعے سے فتح ہوا لہٰذا اس کے غنائم میں تمام مجاہدین کا حصہ تھا لیں وہ سب میں تقسیم کیا گیا۔

لیکن چونکہ فدک فوجی کاروائی کے بغیر ہاتھ آیا تھا لہٰذا وہ رسول اللہ کے لئے مخصوص تھا اور اس میں مجاہدین کا کوئی حصہ نہ تھا۔ سوانح حضرت عمر حصہ دوم ص۲۳ پر تفسیر در منثور کی جلد ۴ ص۱۷۷ سے منقول ہے کہ فدک کے صلحنامہ کے بعد جبریل کا نزول ہوا۔ اور اٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ الآیۃ اتری۔ حضورؐ نے جبریل سے پوچھا ذوالقربیٰ کون ہیں تو جبریل نے کہا کہ فدک کو فاطمہؑ کے حوالہ کردو۔ چنانچہ حضورؐ نے جناب فاطمہ کو بلا کر ان کو فدک کا وثیقہ تحریر کردیا۔

جب مسلمانوں اور یہودیوں کے باہمی تنازعات کا وفاقی حل طے ہوگیا اور فوجی کاروائیوں کا ہمیشہ کے لئے سدِّباب کر دیا گیا تو سلام بن مشکم کی عورت زینب بنت حارث جو مرحب کی بھتیجی تھی نے حضورؐ کو کھانے کے لئے مدعو کیا اور بکرے کی چوڑی کو جو کہ آنحضورؐ کی محبوب ترین غذا تھی زہر آلود کردیا۔ جب حضورؐ کے سامنے کھانا رکھا گیا تو آپ نے اس زہر آلود ٹکڑے سے ایک ہی لقمہ کھایا اور باقی کو رکھ دیا۔ آپ کے ساتھ بشر بن البراء بن معرور نے بھی کچھ کھایا لیکن باقی لوگوں کو آپ نے روک دیا اور فرمایا کہ بکرے کا بھونا ہوا گوشت مجھے اپنے زہر آلود ہونے کی اطلاع دے رہا ہے۔ چنانچہ زینب بنت حارث کو فوراً طلب کرلیا گیا تو معمولی پوچھ گچھ کے بعد ہی اُس نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا۔ جب حضورؐ نے اس سے اس سنگین جرم کے ارتکاب کی وجہ دریافت کی تو اُس نے صاف صاف کہہ دیا کہ آپ کی قوم نے میری قوم سے جو سلوک کیا ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ پس میں نے انتقامی کاروائی کے طور پر یہ عمل کیا ہے کہ اگر سچ مچ نبی ہوگا تو وہ خود اس سے مطلع ہو جائے گا لیکن اگر دنیاوی حکمران ہوگا تو ہم ہمیشہ کے لئے اس کی گرفت سے محفوظ ہو جائیں گے۔ پس آپ نے اس کو رہا کردیا۔ چنانچہ بشر بن البراء تو اُسی زہر کے اثر سے مرگیا اور حضورؐ پر اس کا فوری اثر کچھ نہ ہوا۔ لیکن جب آپ بیمار ہوئے اور بشر کی ماں آپ کی عیادت کے لئے حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ گوشت جو میں نے تیرے بیٹے کے ہمراہ تناول کیا تھا اس کا اثر میرے جسم میں باقی رہا اور یہ بیماری بھی اُسی کے اثر کے نتیجہ میں ہے۔ اسی بنا پر اہل اسلام کے نزدیک حضورؐ کی موت شہادت کی موت تھی۔ (مجمع البیان)

وَاُخْرٰی ص۸۴۔ اس سے مراد یا تو دوسری غنیمتیں ہیں جیسے فدک و وادیٔ قریٰ اور قبیلہ ہوازن وغیرہ سے حاصل شدہ اموال یا اس سے مراد دوسری بستیاں ہیں جن کی پیشین گوئی اس آیت میں کی گئی ہے۔

قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ ص۸۴:۔ یا تو اس سے مُراد علمی احاطہ ہے یعنی اللہ کے علم میں ہے کہ تم ان پر فتح پاؤگے یا یہ کہ اس سے مُراد ہے کہ خدا نے ان کو تمہارے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ یعنی وہاں تم ہی حکومت کروگے۔ کسی اور قوم کی وہاں دسترس نہ ہوسکے گی۔

وادیٔ قریٰ۔ خیبر کی فتح کے بعد فدک والوں نے اپنا تمام علاقہ حضورؐ کے حوالہ کردیا اور جب واپس روانہ ہوئے تو مقام صہباؔ

وَاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ

اور (وعدہ کیا) اور غنیمتوں کا جن پر تم کو قدرت نہیں ہوئی حالانکہ اللہ ان پر حاوی ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت

سے گذر کر یہودیوں کی ایک آبادی وادیٔ قری میں پہنچے۔ ان لوگوں نے افواج اسلامیہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن آخر تاب نہ لا کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے اور یہ واقعہ جمادی الاخری سنہ ہجری کا ہے۔ کافی مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور جزیہ کی شرط

فتح مکہ

اگلے سال سنہ ہجری ماہ رمضان میں حضور بنفسِ نفیس مسلمانوں کی دس ہزار فوج کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے کیونکہ قریش نے صلح حدیبیہ کی شرائط کو پس پشت ڈالتے ہوئے عہدنامہ کو توڑ ڈالا تھا اور بنو خزاعہ پر ظلم کیا تھا۔ بہرکیف آپ یکم رمضان کو روانہ ہوئے اور بلا روک ٹوک مکہ میں داخل ہوئے۔ افواج اسلام کا سپہ سالار حضرت علی علیہ السلام کو مقرر کیا گیا تھا۔ حضورؐ نے مکہ میں داخلہ کے بعد عام معافی کا اعلان کر دیا۔ طواف بیت اللہ کے بعد کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور بتوں کو توڑ ڈالا۔ اور جو اونچے رکھے ہوئے تھے ان کے لئے پہلے حضرت علیؑ نے کندھا جھکایا کہ آپ سوار ہو کر خود گرائیں لیکن جب حضرت علی کی کمزوری محسوس کی تو آپ نے بنفسِ نفیس اپنا کندھا جھکا کر علیؑ کو اوپر سوار ہونے کی پیش کش کی اور بت شکنی کا حکم دیا۔ چنانچہ تعمیل حکمِ نبوی میں حضرت علیؑ نے دوشِ نبوت پر سوار ہو کر تمام بتوں کو توڑ کر گرا دیا۔ اس وقت حضرت پیغمبرؐ نے پوچھا کہ یا علیؑ تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ تو علی نے عرض کی یوں سمجھتا ہوں کہ میرے سامنے سے حجاب اُٹھ گئے ہیں۔ اور میرا سر ساقِ عرش تک پہنچ چکا ہے۔ آپ نے فرمایا اے علی تم خوشانصیب ہو کہ اللہ کا کام کر رہے ہو۔ اور میں خوشانصیب ہوں کہ حق کا بوجھ اٹھا رہا ہوں۔ بت شکنی کے بعد حضرت علیؑ دوشِ پیغمبرؐ سے اُترے تو مسکرانے لگے۔ آپ نے وجہ دریافت کی تو علی نے عرض کی حضور! ازراہِ تعجب مسکرا رہا ہوں کہ اس قدر بلندی سے چھلانگ لگانے کے باوجود مجھے کوئی چوٹ نہیں لگی تو آپ نے فرمایا جس کو محمدؐ اٹھانے والا ہو اور جبریل اتارنے والا ہو اس کو چوٹ کیوں لگے؟

"تاریخ خمیس دیار بکری ج ۲ ص ۹۶ سے چند اشعار منقول ہیں جن میں شاعر نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے (غالباً یہ اشعار حسان بن ثابت کے ہیں)

قِیْلَ لِیْ قُلْ لِعَلِیٍّ مَدْحًا ذِكْرُهٗ یُخْمِدُ نَارًا مُّوْصَدَهْ

مجھے کہا گیا علی کی تعریف کرو۔ جس کا ذکر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھا دیتا ہے

قُلْتُ لَا اَقْدِمُ فِیْ مَدْحِ امْرِءٍ ضَلَّ ذُو اللُّبِّ اِلٰی اَنْ عُبِدَ

(ازراہِ معذرت) میں نے کہا ایسے شخص کی تعریف میں نہیں کر سکتا جس کو صاحبانِ دانش نے بھٹک کر معبود ٹھہرا لیا

وَالنَّبِیُّ الْمُصْطَفٰی قَالَ لَنَا لَیْلَةَ الْمِعْرَاجِ لَمَّا صَعِدَ

اور ہمیں نبی مصطفٰے نے خبر دی جب وہ شب معراج مقام بلندی پر پہنچے،

شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۲﴾ وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ

رکھنے والا ہے اور اگر لڑائی کرتے تم سے وہ جو کافر ہیں تو پشت دکھا کر بھاگ جاتے پھر

لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۲۳﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ

نہ پاتے اپنا کوئی دوست و مددگار اللہ کا طریقہ جو پہلے سے رائج ہے

وَضَعَ اللّٰهُ بِظَهْرِیْ یَدَهٗ　　فَاَحَسَّ الْقَلْبُ اَنْ قَدْ بَرَدَهٗ

تو خدا نے میری پشت پر اپنا ہاتھ رکھا کہ دل نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی

وَعَلِیٌّ وَاضِعٌ اَقْدَامَهٗ　　فِیْ مَحَلٍّ وَضَعَ اللّٰهُ یَدَهٗ

اور علی نے اپنے قدم اس جگہ رکھے جہاں اللہ نے اپنا ہاتھ رکھا تھا

سوانح عمری حضرت عمر حصہ دوم مطبوعہ کھجوا بہار ص۲۶ اور یہ اشعار المجالس المرضیہ (علامہ محمد باقر مرحوم) میں بھی موجود ہیں

(اقول) شب معراج دوش پیغمبر پر اللہ کے ہاتھ رکھنے مقصد غالباً مہر نبوت ہی ہے کہ اس کی تحریر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تھی کیونکہ خداوند کریم جسم و جسمانیات سے پاک و مبرا ہے۔ بہرکیف حضرت علی علیہ السلام کا دوش پیغمبرؐ پر قدم رکھنا وہ شرف ہے جس میں ان کا کوئی بھی ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ اور مروی ہے کہ جب حضرت علیؑ کو مسند خلافت پیش کی گئی اور آپ منبر رسولؐ پر وہاں بیٹھے جہاں حضرت پیغمبرؐ تشریف رکھا کرتے تھے تو آپ سے پہلے خلفا چونکہ منبر کی سیڑھیوں پر بیٹھا کرتے تھے اور علیؑ اوپر چلے گئے تو لوگوں نے عبرت سے دیکھا۔ پس حضرت علیؑ نے ان سے خطاب کرکے فرمایا۔ اِنِّیْ وَضَعْتُ قَدَمَیَّ هَاتَیْنِ عَلٰی مَنْكِبَیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَمَا هٰذِهِ الْاَعْوَادُ؟ ۔ یعنی میں نے تو یہ قدم دوش پیغمبرؐ پر رکھے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں یہ لکڑیوں کا منبر کیا چیز ہے جس پر تم تعجب کر رہے ہو۔ (مجالس مرضیہ)

سُنَّةَ اللّٰهِ ۔ مفعول مطلق ہے در اصل سَنَّ اللّٰهُ سُنَّةً تھا۔ یعنی اللہ کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے انبیاء کی مدد کرتا ہے اور کافروں کو ذلیل کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اگر کفار قریش تم سے لڑ پڑتے تو وہ یقیناً ذلیل و رسوا ہوتے یا یہ کہ خیبر کی طرف پیش قدمی کے زمانہ میں قبیلہ اسد و غطفان نے جو مدینہ پر چڑھائی کی تجویز بنائی تھی۔ اگر وہ حملہ آور ہو جاتے تو یقیناً بری طرح مار کھاتے اور ان کا کوئی مددگار و دوست نہ ہوتا جو ان کو رسوائی سے بچا سکتا اور یہ اللہ کی ہمیشہ سے سنت جاریہ ہے جس کو کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی۔ فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کی بیعت کا ذکر اسی جلد کے آخر میں مذکور ہوگا۔

فتح حنین

فتح مکہ کے بعد اسی سال ۸ھ ہجری ماہ شوال میں معرکہ حنین پیش آیا کہ قبیلہ ہوازن ثقیف اہل طائف اور بنو سعد نے اجتماعی طاقت کے ذریعے شوکت اسلامی کو مٹانا چاہا تو آنحضورؐ بنفس نفیس فتح مکہ کے فوراً بعد مکہ ہی سے ۱۲ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ چنانچہ وادی حنین میں پہنچے تو لشکر کفار پہلے سے

قَبۡلُ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ﴿۲۳﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ كَفَّ اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡكُمۡ وَ

اور ہرگز اللہ کے طریقے میں تبدیلی نہ پاؤ گے ۔ اور وہ وہ ہے جس نے تمہاری اذیت سے ان کے ہاتھوں کو

اَيۡدِيَكُمۡ عَنۡهُمۡ بِبَطۡنِ مَكَّةَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ اَظۡفَرَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

روکا اور تمہارے ہاتھوں کو مکہ کے اندر ان کے قتل سے روکا بعد اس کے کہ تمہیں ان پر غلبہ دیدیا ۔ اور اللہ اس سے

بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرًا ﴿۲۴﴾ هُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ

جو تم کرتے ہو واقف ہے ۔ وہ وہی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد الحرام سے روکا

الۡحَـرَامِ وَالۡهَدۡىَ مَعۡكُوۡفًا اَنۡ يَّبۡلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوۡلَا رِجَالٌ

اور قربانیوں کو اپنے مقام ذبح تک پہنچ کر ذبح ہونے سے روکا ۔ اور اگر نہ ہوتے

اپنے مورچے سنبھال چکا تھا۔ اور انہوں نے اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ سے پہلی بار تو مسلمانوں کے حواس ٹھکانے نہ رہے اور ان کے قدم اکھڑ گئے۔ حتیٰ کہ حضرت علی عقیل عباس۔ حارث۔ ابن زبیر اور خود زبیر اور اسامہ بن زید کے علاوہ دیگر اکابر صحابہ سب دوڑ گئے۔ حضورؐ پیچھے سے پکارتے رہے او بیعت رضوان والو ٹھہر جاؤ۔ لیکن کون سنتا تھا؟ اور سیرت حلبیہ ج۳ ص۱۰۹ سے منقول ہے کہ صرف چار آدمی بچ گئے تھے۔ علی۔ عباس۔ حارث اور ابن مسعود۔ حضرت علی علیہ السلام نے اس مقام پر خوب جوہر شجاعت دکھلائے حتیٰ کہ کفار کی حملہ آور فوج کے حصلے پست ہو گئے ستر آدمی فوج کفار کے بہادروں میں سے واصل جہنم ہوئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کی دوڑ جانے والی فوج کی جان میں جان آئی اور وہ بھی واپس پلٹ کر آگئی۔ جنگ حنین کی فتح کے بعد مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا جو واپسی پر تقسیم کیا گیا اور اس تقسیم سے ان لوگوں کو بھی حصہ دیا گیا جو فتح مکہ کے وقت عام معافی میں شامل تھے۔ بہرکیف یہ سب وہ ہیں جن کا اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا زمانِ پیغمبرؐ میں ہی پورا ہوا۔ جنگ حنین کی تفصیل تفسیر کی جلد ۶ ص۳۲ پر ملاحظہ ہو۔

هُوَ الَّذِىۡ كَفَّ ۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے سال مشرکوں نے چالیس آدمی یا بروایتے اسی آدمی مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کے لئے بھیجے تھے۔ لیکن وہ اپنے ارادے میں ناکام ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کر کے خدمتِ نبوی میں حاضر کیا۔ اور حضورؐ نے کمال مہربانی سے ان کو معاف کر کے رہا کر دیا۔ پس مسلمان ان کی ایذا رسانی سے بال بال بچ گئے اور طرفین کا جنگ سے بچ جانا اور صلح کا ہو جانا اہل اسلام پر خدا کا ایک عظیم احسان تھا۔

مَعۡكُوۡفًا ۔ حال واقع ہوا ہے اس کا معنی ہے رکی ہوئی چیز جو کسی اور کام نہ آسکے۔ اور حکم شرعی یہ ہے کہ عمرہ کی قربانی کا مقام ذبح مکہ ہوتا ہے اور حج کی قربانی کا مقامِ ذبح منیٰ ہوتا ہے۔ چونکہ حضورؐ عمرہ کے اعمال کے لئے تشریف لا رہے تھے۔ لہذا

مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ

مومن مرد اور مومن عورتیں (مکہ میں) جنہیں تم نہیں پہچانتے ممکن تھا کہ تم ان کو کچل ڈالو پس لاعلمی میں تمہیں

مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا

ان کی وجہ سے رنج پہنچتا (تم کو اہل مکہ کے قتل سے اللہ نے روکا) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرے اگر (مومن و کافر)

لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (۲۶) اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

متمیز ہو سکتے تو ہم اُن میں سے کافروں کو دردناک عذاب میں گرفتار کرتے جب کہ کافر لوگوں نے اپنے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى

زمانۂ جاہلیت کی سی خودداری کو جگہ دی پس اللہ نے سکون و اطمینان کو اپنے رسول اور

ان کا احرام عمرے کا تھا اور قربانیاں بھی عمرہ کے لئے تھیں۔ اور جب کفارِ مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر آپ کو آگے جانے سے روک دیا تو قربانیوں کو وہیں حدیبیہ میں ذبح کرنا پڑا۔ اور مکہ میں لے جا کر ان کو ذبح نہ کیا جا سکا۔

صلح حدیبیہ کی علت

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْ۔ مکہ میں بعض مرد اور عورتیں موجود تھے۔ جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن تھی لیکن اہل مکہ کے ڈر سے سہمے ہوئے تھے اور اپنا مسلمان ہونا ظاہر نہ کر سکتے تھے اس آیت مجیدہ میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے باز رکھنے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ اور لَوْلَا کا جواب محذوف ہے یعنی اگر مکہ کے اندر ایسے مرد و عورتیں جو مومن ہیں اور تم اُن سے بے خبر ہو، نہ ہوتے تو تم کو ان کے ساتھ لڑنے کا حکم دے دیا جاتا۔ پس اس لئے تمہیں ان کے قتل سے روک دیا گیا ہے کہ لاعلمی کی صورت میں ان کے قتل کرنے سے تمہارے دامن پر بے گناہ مومن کے قتل کا داغ لگ جاتا۔ اور کفار کو کہنے کا موقعہ مل جاتا کہ انہوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اور مَعَرَّۃ کا معنی عیب یا ہر امر مکروہ کیا گیا ہے۔

لِيُدْخِلَ۔ یعنی تم کو قتلِ اہل مکہ سے روک دیا تاکہ غیر معروف مومنوں کے قتل سے بچ جاؤ۔ پس دونو پہ اللہ کی رحمت ہو گئی کہ یہ قتل کرنے سے اور وہ قتل ہونے سے بچ گئے۔

لَوْ تَزَيَّلُوْا۔ تزیّل کا معنی متمیز ہونا۔ یعنی اگر مومنوں اور کافروں کے درمیان اشتباہ نہ ہوتا تو کفار کے قتلِ عام کا حکم دے دیا جاتا۔

حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ:۔ حمیّت کا معنی خودداری یا احساس برتری ہے۔ اور اس جگہ کفارِ مکہ کی جاہلانہ حمیّت کی مذمّت کی گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ اپنی بڑائی اور خود بینی کی بنا پر دوسروں کی حق بات اور صحیح مقال کو بھی ماننے کے لئے تیار نہ

رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ

اور مومنوں پر نازل کیا اور ان کو کلمۂ تقویٰ (توحید) کا سہارا دیا اور وہ اس کے اہل اور حقدار

بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۲۶ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ

بھی تھے اور اللہ ہر شی کو جاننے والا ہے تحقیق سچا دکھایا اللہ نے اپنے رسول

رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ

کو خواب حق کے ساتھ کہ ضرور داخل ہو گے تم مسجد الحرام میں اگر اللہ نے چاہا

ہوتے تھے۔ کیونکہ اس میں وہ اپنی توہین خیال کرتے تھے۔ حدیبیہ کے موقع پہ کفارِ مکہ نے بعینہٖ اسی قسم کی خودداری، اور عزتِ نفس کا اظہار کیا تھا کہ چونکہ محمد ہمارے بزرگوں اور سرداروں کا قاتل ہے اگر وہ بلا مزاحمت مکہ میں چلا آئے۔ تو عرب قبائل میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔ لوگ کہیں گے قریش اس قدر کمزور ہو گئے ہیں کہ آج محمد ان کے گھروں میں ان کے سامنے کعبہ کا طواف کر رہا ہے اور وہ اُس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ اور اسی جاہلانہ خودداری نے ان کو ایمان کے قبول کرنے سے روکے رکھا۔ اور اسی بنا پر انہوں نے صلحنامہ کی تحریر کو بسم اللہ سے شروع نہ کرنے دیا۔ اس آیت مجیدہ میں واضح کیا گیا ہے کہ کفارِ مکہ اپنی اس جاہلانہ حمیت کی بنا پہ عذاب کے مستحق تھے لیکن نادانستہ طور پر بعض مومنوں کے کچلے جانے کا ڈر تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو کفارِ قریش کے قتلِ عام سے روک دیا گیا۔ اور صلح کر لی گئی۔ اور یہ صلح جنگ سے بدرجہا بہتر اور فائدہ مند تھی۔ کیونکہ جو مومن سہمے ہوئے تھے۔ ان کو علانیہ طور پر مسلمان کہلانے کا موقع مل گیا۔ اور کافروں کو مسلمانوں سے مل جل کر رہنے۔ اور اسلام کے حقائق کو سمجھنے کا موقعہ دستیاب ہو گیا۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ۔ یعنی قریشِ مکہ کی مزاحمت اور صلح حدیبیہ کے موقع پہ مسلمانوں کے جذبات تو اُبھرے تھے لیکن اللہ نے اپنی جانب سے رسول اللہ اور مومنوں کے دلوں میں سکونِ نفس اور اطمینانِ قلب کو نازل فرمایا اور کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ کا ان کو سہارا دیا جس کے وہ اہل تھے۔ حق اور احق میں اس طرح فرق ہے۔ جس طرح مستحب اور واجب دونوں حق ہیں۔ لیکن ان میں سے واجب احق ہے۔ اور بِهَا میں ھا ضمیر مجرور کا مرجع کلمۃ التقویٰ یا دخول مکہ یا نزول سکینہ قرار دیا جا سکتا ہے

رکوع ۱۲

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ۔ مروی ہے کہ عمرہ کی طرف روانگی سے پہلے جناب رسالتمآبؐ نے خواب میں مسلمانوں کو مسجد الحرام میں داخل ہوتا دیکھا تھا۔ جب آپ نے صحابہ کو اطلاع دی تو وہ نہایت خوش ہوئے اور ان کو یقین تھا کہ اسی سال ہی ہم مسجد الحرام میں داخل ہوں گے۔ لیکن جب ان کو اپنی توقع کے خلاف صلح کر کے واپس پلٹنا پڑا تو منافقوں نے خوب بغلیں بجائیں۔ پس مومنوں کو اور زیادہ رنج پہنچا تو خداوند کریم نے یہ آیت بھیجی کہ رسول اللہ کا قول سچا تھا اور اللہ نے ان کو سچا خواب دکھایا تھا جو ضرور پورا ہو گا۔ اور جب بھی اللہ چاہے گا۔ تم

اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا

پُر امن سنڈوانے والے اپنے سروں کو اور تقصیر کرنے والے کر نہ خوف کروگے پس اس کو علم ہے جو تم نہیں

فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

پس کر دی اس نے داخلہ مکہ سے پہلے قریبی فتح (فتح خیبر) وہ وہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت کے

بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ

ساتھ بھیجا اور دین حق کے ساتھ تاکہ اس کو غالب کرے تمام دینوں پر اور اللہ کافی ہے

شَهِیْدًا ﴿۲۹﴾ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى

گواہ محمد اللہ کا رسول ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت

لوگ مکہ میں پُر امن داخل ہوگے۔ تم میں سے بعض سر منڈوانے والے اور بعض تقصیر کرانے والے ہوں گے۔ اور کسی مشرک کی مزاحمت کا تم کو خطرہ نہ ہوگا۔

اور چونکہ اس آیت کے نزول اور داخلہ مکہ میں ایک سال کا فاصلہ تھا۔ لہٰذا ان شاء اللہ کا استثناء کہہ دیا تاکہ جو لوگ ان میں سے سال کے دوران میں مر جائیں ان کے حق میں آیت کا مضمون غلط ثابت نہ ہو۔

مُحَلِّقِیْنَ۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ احرام سے خارج ہونے کے لئے حلق اور تقصیر میں اختیار ہے۔ حلق کا معنی ہے سر منڈوانا۔ تقصیر کا معنی ہے سر یا ڈاڑھی یا مونچھوں میں سے کچھ بالوں کا کتروا دینا۔ اور مروی ہے کہ جو شخص پہلی دفعہ حج کو جائے اس کے لئے حلق یعنی سر کا منڈوانا افضل ہے۔ البتہ عورت پر تقصیر واجب ہے اس کے لئے حلق نہیں ہے۔

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا۔ پیغمبر کے خواب کو سن لینے کے بعد مسلمانوں کا خیال تھا کہ اسی سال یعنی ۶ھ میں ہی ہم مکہ میں بلا مزاحمت داخل ہوں گے۔ لیکن اللہ کو اس چیز کا علم تھا جس کا ان کو علم نہ تھا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک صلح حدیبیہ میں مصلحت تھی اور اس صلح کے ذریعے سے کفار قریش کو اسلامی تعلیمات کے قریب لانا زیادہ آسان ہوگیا۔ اور کافی لوگ ان میں سے صحیح معنوں میں اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ اور دوسری طرف وہ مومن مرد و عورتیں جو کفار کے ڈر سے سہمے ہوئے تھے اور اظہار اسلام نہ کر سکتے تھے وہ قتل ہونے سے بچ گئے۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد ان کو اعلانیہ اسلامی زندگی کی سعادت نصیب ہوگئی۔ اور صلح حدیبیہ کے بجائے جنگ لڑی جاتی تو یہ فائدہ حاصل نہ ہو سکتا۔

عمرہ قضا

مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ: یعنی اللہ نے داخلہ مکہ سے پہلے ایک اور فتح مسلمانوں کو عطا فرما دی۔ اور وہ تھی فتح خیبر یعنی صلح حدیبیہ کے بعد واپس مدینہ میں گئے اور وہاں بیس روزہ قیام کے بعد خیبر کی طرف ۷ھ میں چلے گئے پھر خیبر

الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا

اور آپس میں رحیم ہیں ان کو دیکھے گا رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے کہ چاہتے ہیں فضل اللہ کا

مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ

اور اس کی رضامندی اُن کی علامت اُن کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں یہ خوبیاں کی گئی ہیں

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ

اُن کی صفت تورات میں ہے اور یہی صفت ان کی انجیل میں ہے (وہ) اس انگوری کی مثل ہیں جو

شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

اپنی کونپل نکالے پس اس کو مضبوط کرے پس وہ سخت ہو جائے پس اپنی ساق پر کھڑی ہو جائے کہ کاشت کرنے والے کو خوش کرے

وادی قریٰ اور فدک کی فتوحات کے بعد واپس پلٹے تو اسی سال سنہ ۷ھ ماہ ذوالقعدہ میں عمرہ قضا کے لئے مکہ روانہ ہو گئے اور بلا روک ٹوک مسجد الحرام میں داخل ہوئے

پس مسلمان تین دن تک مکہ میں رہے اور بعد میں واپس مدینہ کی طرف چلے گئے۔ حضرت رسالتمآبؐ نے جناب جعفر طیار کی وساطت سے میمونہ بنت حارث عامریہ کی طرف شادی کا پیغام بھجوایا۔ تو اس نے اپنے نکاح کا اختیار اپنے بہنوئی حضرت عباس بن عبدالمطلب کو دیا۔ حضرت عباس کی زوجہ ام الفضل بنت حارث تھی پس حضرت عباس نے میمونہ کا نکاح حضرت رسالتمآبؐ سے کر دیا۔ طواف کعبہ کے موقعہ پر حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اپنے کندھوں سے چادریں سرکا لیں۔ اور ایسی شان سے طواف کریں کہ کفارِ قریش پر ان کا رعب طاری ہو۔ پس جب یہ لوگ طواف میں مشغول ہوئے۔ تو مکہ کے زن و مرد اور بچے بوڑھے جوان سب اُن کے طواف کی کیفیت کو دیکھنے کے لئے اِردگرد جمع ہو گئے تھے۔ اور عبداللہ بن رواحہ نے دورانِ طواف میں ایسے رجزیہ اشعار پڑھے جن میں شوکتِ اسلامی اور سطوتِ ایمانی کا برملا اظہار تھا۔

کَزَرْعٍ۔ اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی هُمْ کَزَرْعٍ پس حضورؐ کی مثل اس انگوری کی سی ہے اور صحابہ کی مثل کونپل کی سی ہے کہ ابتداء میں نہایت کمزور ہوتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ طاقت و توانائی میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جاتی ہے۔ اور آخر کار وہ وقت آجاتا ہے کہ کاشت کرنے والا اس سے خوش ہوتا ہے اور وہ اپنے پورے شباب پر پہنچتی ہے۔ پس اسی طرح خدا نے مسلمانوں کو شوکت عطا فرمائی تاکہ کفار از راہِ غیظ و غضب دیکھتے اور جلتے رہیں۔ اور نتیجہ میں حق کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل کا منہ کالا۔

ان آیات میں صلح حدیبیہ کے اسباب حقیقیہ پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور آخر میں حضرت رسالتمآبؐ کی

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

(یہ اس لئے) تاکہ کفار کو غیظ میں لائیں (لیس وہ جلتے رہیں) وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لا کر نیک اعمال بجا لائیں

مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۰﴾ ع ۱۲

بخشش کا اور اجرِ عظیم کا

پوزیشن کو واضح کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں یعنی ان کا کفار کے ساتھ معاملہ صلح اپنی خواہشات کا ترجمان نہیں تھا بلکہ بحیثیت رسول اللہ ہونے کے انہوں نے صلح کا فیصلہ کیا تھا اور مسلمان چونکہ اس صلح کے انجام خیر سے واقف نہ تھے۔ اس لئے وقتی طور پر ان کے جذبات کو ٹھیس لگی۔ لیکن بعد میں سنبھل گئے لہذا ان کی بھی آخر میں تعریف کی گئی کہ وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں الخ اور ان سب صفات کا جامع حضرت علی علیہ السلام ہے۔

حضرت علیؑ کی صلح

تفسیر صافی میں آیات متذکرہ کے ذیل میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا حضرت امیر المومنین علیہ السلام جسمانی طور پر طاقتور نہ تھے۔ اور اللہ کے دین کے معاملے میں مضبوط نہ تھے؟ تو آپ نے فرمایا وہ طاقتور اور مضبوط تھے تو سائل نے عرض کی پھر کیوں خاموش بیٹھے رہے اور دفاع نہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کو قرآن مجید کی ایک آیت نے روک رکھا تھا تو اس شخص نے عرض کی کہ وہ کونسی آیت ہے؟ تو آپ نے سورہ فتح کی آیت ۲۶ پڑھی کہ جس طرح مکہ میں ایسے مرد و عورتیں اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے جن کو مسلمان نہیں جانتے تھے۔ اگر صلح حدیبیہ نہ ہوتی اور جنگ چھڑ جاتی تو وہ خفیہ ایمان رکھنے والے کافروں کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوتے جس کا مسلمانوں کو بعد میں رنج پہنچتا اور ان کے دامنِ ایمان پر بے گناہ مسلمانوں کے قتل کا دھبہ لگ جاتا جس کا ان کو کفارہ یا دیت ادا کرنی پڑتی۔ پس صلح حدیبیہ ان دونوں کے لئے رحمت ثابت ہوئی۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام اگر تلوار اٹھاتے تو منافقوں اور کافروں کی صلبوں سے قیامت تک پیدا ہونے والے مومن ضائع ہو جاتے۔ لہذا جب تک اللہ کی وہ امانتیں جو منافقوں کے اصلاب میں مخفی تھیں ظاہر نہ ہو جاتیں تلوار نہیں چلا سکتے تھے پس جب وہ ظاہر ہو گئیں تو جن کو قتل کرنا تھا علی نے قتل کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت قائم آلِ محمد علیہ السلام کا بھی ظہور و خروج اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کافر و منافق اصلاب سے اللہ کی امانتیں خارج نہ ہو جائیں۔ **اقول** - اور جس طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگی تھی اور کلمۃ التقوی لا الہ الا اللہ سے ان کو سکونِ نفس عطا ہوا۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کی خاموشی سے محبانِ علیؑ کے جذبات کو جو ٹھیس لگتی ہے ان کو کلمۃ التقوی (ولائے محمد و آلِ محمد) سے سکونِ نفس و اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے چنانچہ تفسیر صافی میں متعدد روایات اس مضمون کی وارد ہیں کہ کلمۃ التقوی حضرت علی اور اس کی اولاد طاہرین ہے اور حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ علی وہ کلمۃ التقوی جو متقیوں کا سہارا قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ الحجرات

یہ سورہ مدینہ ہے۔

اس کی آیات بسم اللہ سمیت انیس ہیں۔

ابی بن کعب سے مروی ہے۔حضورؐ نے فرمایا جو شخص سورہ الحجرات کی تلاوت کرے گا تمام اطاعت گذاروں اور نافرمانوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج کی جائیں گی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص سورہ الحجرات کی تلاوت کرے گا بروز محشر حضرت رسالت مآبؐ کے زائرین میں محشور ہوگا۔ (مجمع البیان)

خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے اور اس کے بعد کسی لڑائی یا جھگڑے میں شامل ہو تو اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور ہر نیکی کا دروازہ اس پر کھل جائے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر مرتوع پر لٹکائے تو اس کا شیطان اس سے دور ہو جائے گا اور پھر پلٹ کر نہ آئے گا اور وہ ہر خوف سے محفوظ رہے گا۔

جو عورت اس کو دھو کر پانی پی لے تو اس کا دودھ زیادہ ہوگا بچہ محفوظ ہوگا اور وہ خود بھی ہر خوف و خطرہ سے محفوظ رہے گی۔ باذن اللہ (برہان)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اے ایمان والو اللہ اور اُس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔

رکوع نمبر ۱۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت زرارہ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا نہ تلواریں سونتی گئیں۔ نہ نماز و جنگ میں صف آرائی کی گئی۔ نہ بآواز بلند اذان کہی گئی اور نہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی کوئی آیت اُتری جب تک قبیلہ اوس و خزرج کے لوگ اسلام کے دامن سے وابستہ نہ ہوئے۔

لَا تُقَدِّمُوْا۔ باب تفعیل سے ہے لیکن باب تفعّل کے معنی میں ہے اور فعل لازم ہے یعنی لَا تَتَقَدَّمُوْا (آگے نہ بڑھو) اس جگہ اس کے معانی میں چند اقوال ہیں ① اللہ اور اس کے رسول کی اطلاع کے بغیر کسی بھی معاملہ میں حتمی فیصلہ نہ کر لیا کرو ② اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے پہلے کسی معاملہ میں جلد بازی سے امر یا نہی کا فیصلہ نہ کیا کرو۔ ③ اللہ و رسول کے مقرر کردہ اوقات سے پہلے عبادت بجالانے میں جلد بازی سے کام نہ لیا کرو۔ ④ کہنے کرنے اور چلنے میں رسول اللہ سے سبقت نہ کیا کرو بلکہ رفتار و گفتار و کردار میں رسول اللہ کے نقش قدم پر چلنا تمہارا فرض ہے ⑤ ابن عباس سے مروی ہے کہ مجلسِ پیغمبرؐ میں بیٹھنے والوں کو حضورؐ سے پہلے لب کشائی سے روکا گیا ہے کہ جب کوئی آدمی آنحضورؐ سے کوئی مسئلہ پوچھنے کی غرض سے حاضر ہو تو تم خاموش رہا کرو۔ اور حضورؐ کی بات سے سبقت نہ کیا کرو۔ ⑥ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے بعض بدتمیز آدمی جب رسول اللہ کو دروازے پر کھڑے ہو کر بآواز بلند بلاتے اور حضورؐ باہر تشریف لاتے تو وہ آپ کے آگے آگے روانہ ہو جایا کرتے تھے۔ اس آیت مجیدہ میں ان کو غلط اقدام سے روکا گیا ہے۔

اس آیت مجیدہ میں ہر چھوٹے کو بڑے کا ادب کرنا سکھایا گیا ہے۔ اولاد کو چاہیئے کہ اپنے والدین کے سامنے انہی آداب کی پاسداری کریں کہ ان سے کسی بھی معاملہ میں سبقت کرنے کی عادت کو ترک کر دیں۔ اسی طرح شاگرد کو چاہیئے کہ معانی متذکرہ بالا کی روشنی میں اپنے استاد کے ادب کا پاس کرے۔ پس کسی بات میں اُستاد سے سبقت نہ کرے اور اس کا کردار و رفتار اپنے مربی استاد کی اتباع میں ہونا چاہیئے۔ اور متعلم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ عالم سے استفادہ کرتے ہوئے آداب قرآنیہ کو اپنائے چنانچہ کسی بات میں عالم سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے اور اگر کوئی شخص عالم سے مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آئے تو متعلم کا عالم سے پہلے جواب دینے کی کوشش کرنا اس کی گستاخی اور سوء ادب ہے۔ پس وہ خاموش سنتا ہے اور استفادہ کرتا رہے۔ ممکن ہے کوئی ایسی بات عالم کہہ دے جس سے اس کے علم میں اضافہ ہو۔ البتہ اگر عالم حکم دے تو پھر متعلم اس مسئلہ کا جواب سائل کو سمجھا سکتا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا

اور اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے اے ایمان والو نہ بلند کرو

اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ

اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر اور نہ بلند آواز سے اس کو پکارو جس طرح ایک دوسرے کو

لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

پکارتے ہو مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور ہی نہ ہو تحقیق جو لوگ

لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ : حضور کی آواز پر آواز کو بلند کرنے میں یا تو ان کی توہین لازم آئے گی جو کفر ہے اور یا گستاخی اور بے ادبی لازم آئے گی اور دونو صورتیں نادرست ہیں لہذا ان کی آواز پر آواز کو بلند کرنا ممنوع ہے۔ اسی جگہ سے باقی صحابہ اور علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مراتب میں کھلا ہوا فرق معلوم ہوتا ہے کہ باقی صحابہ اگر پیغمبر کی آواز سے آواز کو بلند کریں تو گستاخ اور بے ادب سمجھے جائیں۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام بحکم پیغمبر اگر مہر نبوت پر اپنے قدموں کو بلند کریں تو گستاخی درکنار اسلام کی عظیم خدمت قرار دی جائے۔

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ ۔ اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بارگاہِ نبوی میں موجود ہونے کی صورت میں اگر حضور سے بات کرنی ہو تو نہایت ادب کے ساتھ بات کرو۔ اور لہجہ میں نرمی اور متانت کا خیال رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ آپس کے باہمی مکالمات کی طرح حضور سے بھی تند و تلخ لہجہ میں شوخی اور تیزی کے ساتھ بات کرو جس سے سوءِ ادب لازم آئے۔ اور دوسرے یہ کہ جس طرح ایک دوسرے کو نام لے کر بلاتے ہو حضور کو نام لے کر نہ بلایا کرو بلکہ یا رسول اللہ کہہ کر ادب سے حضور کو اپنی طرف متوجہ کیا کرو۔ اور حضرت رسالت مآب کی عادات شریفہ میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب کوئی ناواقف عرب آپ سے اونچے لہجہ میں بات کرتا تھا تو حضور اپنی آواز اس سے بھی بلند کرتے تھے تا کہ وہ شخص رسول کی آواز سے آواز بلند کر کے گنہگار نہ ہو اور اس کے اعمال ضائع نہ ہوں۔ مروی ہے کہ ثابت بن قیس کی آواز میں قدرتی طور پر کڑک تھی۔ بعدہ بلند آواز تھا۔ وہ کہنے لگا میرے اعمال تو ضائع ہو گئے۔ کیونکہ میری آواز رسول اللہ کی آواز سے بلند ہوتی ہے۔ پس حضور کے سامنے جب اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اہلِ جنت میں سے ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ۔ الخ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ بنی تمیم کا ایک وفد مدینہ میں پہنچا اور مسجد نبوی میں داخل ہو کر انہوں نے یا محمد کہہ کر حضور کو آوازیں مارنا شروع کر دیا۔ حضور کو ان کے اس علیانہ خطاب سے اذیت تو ہوئی لیکن باہر تشریف لائے وہ کہنے لگے ہم آپ کے ساتھ بحث کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں لہٰذا ہمارے خطیب شاعر کو اجازت دیجئے کہ وہ بات کرے چنانچہ آپ نے اجازت دی تو ان میں سے عطارد بن حاجب نامی ایک شخص کھڑا ہوا۔ اور اس نے تقریر شروع کی کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ اپنے

يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ

رسول اللہ کے پاس اپنی آواز کو نیچا رکھتے ہیں وہ وہ ہیں کہ آزما لیا ہے اللہ نے ان

قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ

کے دلوں کو تقویٰ کے لئے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے تحقیق جو لوگ آپ کو حجروں

مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ

کے پیچھے سے بلاتے ہیں ان میں سے اکثر عقل سے کورے ہیں ورنہ اگر وہ

فضل سے نوازا۔ ہمیں کافی مال و دولت عطا کی جس سے ہم اعلیٰ کام انجام دیتے ہیں۔ ہمیں اس نے عزت بخشی اور ہمیں کافی جمعیت بھی عطا فرمائی۔ اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ لوگوں میں ہمارا کوئی جواب نہیں اور نہ ہمارے فخر و اعزاز میں کوئی ہمارا شریک ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو بے شک ہمارے سامنے میدان میں آکر اپنے فضائل شمار کرے۔ میں نے مختصر لفظوں میں اپنی قومی و خاندانی وجاہت کا تذکرہ کیا ہے ورنہ اگر میں چاہوں تو اس موضوع پر بہت کچھ بیان کر سکتا ہوں لیکن اسی قدر بیان کو اس مقام پر کافی سمجھتے ہوئے بات کو ختم کرتا ہوں پس وہ بیٹھ گیا تو حضورؐ نے اس کی جوابی تقریر کے لئے ثابت بن قیس کو نامزد فرمایا تو اُس نے کھڑے ہو کر اپنا بیان شروع کیا۔ اس اللہ کی حمد ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو زیور تخلیق سے آراستہ فرمایا۔ ان میں اپنی تدبیر کو جاری کیا۔ اُس کا علم وسیع اور اس کا فضل ہر شی پر حاوی ہے۔ ہم پر اس کا احسان یہ ہے کہ اُس نے ہمیں ملوک بنایا۔ اپنی اعلیٰ مخلوق میں ایک ایسے شخص کو رسالت کے لئے منتخب فرمایا جو نسب میں کریم بات میں سچا اور حسب میں برتر ہے۔ پس اُس پر کتاب نازل کی اور اُس کو مخلوق پر امین مقرر کیا۔ جس نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی۔ پس اس کی قوم کے شریف ترین لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کیا۔ اور ان کے بعد باقی تمام لوگوں سے پیشتر ہم لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا۔ پس ہم ان کے انصار ہیں کہ ان کے پسینے پر اپنا خون بہانا سعادت سمجھتے ہیں اور ایمان کی خاطر جہاد کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ پس جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لائیں تو اُن کے اموال اور جانیں محفوظ ہیں ورنہ ان کے ساتھ ہماری جنگ جاری رہے گی۔ آخر میں میں تمام مومنوں کے لئے استغفار کرتا ہوں اور آپ سے مرخص ہوتا ہوں۔ والسلام علیکم

اس کے بعد اُن کی طرف سے زبرقان بن بدر نامی ایک شاعر اٹھا۔ جس نے اپنے خاندان کی تعریف پر مشتمل کچھ اشعار پڑھے۔ لیکن اس کے جواب میں حسان بن ثابت نے حضورؐ کی تعریف اور اسلام کی حقانیت کے موضوع پر چند اشعار پڑھے تو اقرع بن حابس تمیمی جو غالباً اس پورے وفد کا قائد تھا، نے تسلیم کر لیا کہ ان کا خطیب ہمارے خطیب سے افضل اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بدرجہا بہتر ہے۔ پس وہ سب کے سب دولت ایمان سے سرفراز ہوئے اور حضورؐ نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ کچھ عطیے دے کر ان کو مرخص فرمایا۔

صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑥

صبر کرتے تاکہ آپ خود اُن کے لئے باہر آجاتے تو ان کے لئے بہتری ہوتی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کیا کرو مبادا کسی قوم کو

ولید بن عقبہ کا فسق

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ ۔ اِس آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے بارے میں تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ کہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو حضورؐ نبی اکرمؐ نے بنی المصطلق سے صدقات وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا جب ان لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ اکٹھے ہو کر اس کی تعظیم کے لئے نکلے چونکہ ولید بن عقبہ اور ان لوگوں کے درمیان زمانۂ جاہلیت سے دشمنی چلی آرہی تھی لہٰذا وہ سمجھا کہ شاید مجھ سے لڑنے کے لئے آرہے ہیں پس وہ ڈر کے مارے بھاگ کھڑا ہوا اور واپس مدینہ میں پہنچ کر حضور نبی اکرمؐ کو غلط رپورٹ دے دی کہ وہ لوگ صدقات دینے سے انکاری ہیں۔ حضورؐ نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک جماعت کو بھیجا تو انہوں نے ازراہِ معذرت عرض کی کہ وہ صاحب تو ہمارے پاس پہنچے ہی نہیں۔ ہم صدقات دینے کے لئے اُس وقت بھی تیار تھے اور اب بھی حاضر ہیں تب یہ آیت اُتری۔ چونکہ اس شخص کے فاسق ہونے پر قرآن مجید کی نص موجود ہے لہٰذا بالعموم مسلمانوں کے دلوں سے اس کا اعتماد اٹھ گیا لیکن حضرت عثمان نے اس کو بھی اپنے اعتماد میں لے لیا اور حکومت کے ذمہ دارانہ مناصب پر اس کو تعینات کر کے مسلمانوں کے دلوں میں منافرت کا بیج بو یا۔ چنانچہ مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں بھی اس پر اظہارِ افسوس کیا ہے۔

تفسیر برہان میں احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ شام میں حضرت امام حسن علیہ السّلام اور معاویہ کے بعض ہم نشینوں کے درمیان جو ایک مباحثہ ہوا تھا۔ اُس میں امام حسن علیہ السّلام نے اِسی ولید بن عقبہ سے خطاب کر کے فرمایا تھا۔ اے ولید تو علیؑ سے دشمنی رکھنے میں اس لئے پیش پیش ہے کہ انہوں نے شراب نوشی کی سزا میں تجھے اسّی تازیانے لگوائے تھے۔ اور علیؑ نے ہی تیرے باپ کو جنگ بدر میں واصل جہنم کیا تھا۔ اگر تو علیؑ کو سب کرتا ہے تو تیرے اور علیؑ کے درمیان ایک فرق واضح موجود ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید کی دس آیتوں میں حضرت علیؑ کو مومن کہا گیا ہے۔ اور تجھے فاسق قرار دیا گیا ہے۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ۔ یعنی کیا مومن اور فاسق برابر ہو سکتے ہیں۔ اِسی طرح آیت مجیدہ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ الخ۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تجھے قریش سے کیا واسطہ تو تو اہل صفوریہ میں سے ایک کافر کی اولاد ہے۔

اس آیت مجیدہ کے متعلق روایات اہل بیت میں ہے کہ اُمّ المومنین ماریہ قبطیہ کی پاکدامنی کے لئے اُتری اور جس نے ان کی پاکدامنی پر اعتراض کیا تھا اس کو فاسق کہہ کر اس کی سرزنش کی گئی ہے۔ جب حضرت ماریہ کے ہاں ابراہیم بن رسول اللہ پیدا ہوئے تو بعض حاسدین نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ رسول اللہ کا فرزند نہیں بلکہ ماریہ کے تعلقات جریح نامی ایک قبطی کے ساتھ

قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ⑦ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ

تکلیف پہنچاؤ لاعلمی میں پس اپنے کئے پر تمہیں پشیمانی لاحق ہو اور جانو کہ تحقیق تم میں رسول اللہ

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ

موجود ہیں اگر وہ تمہاری بات مانیں بہت سی باتوں میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے محبوب بنایا تمہارے

اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ

لئے ایمان کو اور مزین کیا اس کو تمہارے دلوں میں اور ناپسند بنایا تمہارے لئے کفر

ہیں۔ اور یہ لڑکا اسی کا ہے۔ حضرت پیغمبر نے حضرت علی کو بھیجا کہ اگر وہ اس معاملہ میں مجرم ہو تو اس کا سر قلم کیا جائے۔ لیکن معلوم ہوا کہ بالکل نامرد تھا۔ اور اس نے حضرت پیغمبرؐ کے سامنے آکر بیان کیا کہ قبطی سرداروں میں یہ رواج عام ہے کہ اپنے گھروں میں ملازم رکھنے کے لئے بچپنے سے ہی ملازم بچوں کے عضو تناسل کو کاٹ دیتے ہیں تاکہ گھروں میں وہ آزادی سے آجا سکیں۔ پس حضور کی طبیعت سے وہ بوجھ ہلکا ہوا۔ جو لوگوں کی بدگوئی کی وجہ سے ہو گیا تھا۔ اور قرآن مجید نے ماریہ کی پاکدامنی کی گواہی دیدی۔ اور حاسد کو فاسق کا خطاب دے دیا۔

تفسیر برہان میں ہے زرارہ نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ عامۃ المسلمین کے نزدیک اس آیت کا مصداق ولید بن عقبہ بن ابی معیط ہے جب کہ اس نے بنی خزیمہ کے متعلق غلط اور جھوٹی رپورٹ حضورؐ کو دے دی کہ وہ کافر ہو چکے ہیں امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن جو لوگ بیان کرتے ہیں وہ اس کا ظاہر ہے اور جو ہم نے بیان کیا ہے۔ یہ اس کا باطن ہے۔ اسی قسم کا بیان تفسیر انوار النجف کی جلد ۳ صفحہ ۱۲ پر بھی گذر چکا ہے۔

خبر واحد کی حجّیت علمائے اصولیین نے اس آیت مجیدہ سے خبر واحد کی حجیت ثابت کی ہے کہ آیت مجیدہ کا صریح معنی یہ ہے کہ فاسق اگر کوئی خبر لائے تو بلا تحقیق اس کو نہ مان لو بلکہ اس کی تحقیق کرنا تم پر واجب ہے تاکہ بلا تحقیق اس خبر پر عمل کرنے کی صورت میں لاحق ہونے والی پشیمانی سے بچ جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ خبر جس میں جھوٹ کا امکان ہو اس پر عمل کرنے سے گریز کیا جائے تاکہ خبر کے خلاف واقع ہونے کی صورت میں پشیمانی سے بچا جا سکے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر خبر لانے والا عادل ہو تو اس کی خبر کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر عادل کی خبر کو بھی تسلیم نہ کیا جائے تو آیت مجیدہ میں خبر کے نہ تسلیم کرنے میں فاسق کی تخصیص خالی از فائدہ ہو جائے گی بلکہ اس سلسلہ میں عادل و فاسق کی مساوات لازم آئے گی۔

لَعَنِتُّمْ۔ عنت سے ہے اور اس کا معنی مشقت و تکلیف ہے۔

حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ میں ایمان سے مراد حضرت

وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ ؕ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَ ۸ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعۡمَةً

اور فسوق اور نافرمانی کو ایسے لوگ ہی ہدایت پانے والے ہیں اللہ کے فضل و نعمت سے

وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۹ وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا

اور اللہ جاننے والا دانا ہے اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان

بَيۡنَهُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى

صلح کراؤ پس اگر ایک ان میں سے بغاوت کرے تو اس سے جنگ کرو جو باغی ہے تا کہ اللہ کے

امیرالمومنین علیہ السلام ہیں اور کفر فسوق اور عصیان سے مراد علی الترتیب دشمنانِ علی ہیں۔

اُولٰٓـئِكَ یعنی ایمان سے محبت اور کفر و فسوق و عصیان سے نفرت کرنا جن لوگوں میں یہ صفتیں پائی جاتی ہیں وہ رشد و ہدایت کے بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور یہ بھی ان کا اپنا کمال نہیں بلکہ اُن پر اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے۔

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ۔ اس آیت مجیدہ کا شانِ نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن ابی خزرجی اور عبداللہ بن رواحہ اوسی کے قبیلوں میں لڑائی ہو گئی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت رسالت مآبؐ گدھے پر سوار ہو کر عبداللہ بن اُبی خزرجی کے پاس ٹھہرے تو آپ کے گدھے نے وہاں لید کر دی تو عبداللہ بن اُبی نے اپنے ناک پر ہاتھ رکھا تو عبداللہ بن رواحہ اوسی کہنے لگا کہ تجھ سے اور تیرے باپ سے حضورؐ کے گدھے کی لید کی بو بہتر ہے۔ پس اُس کی قوم کو یہ بات بُری معلوم ہوئی۔ ادھر اوسی بھی بگڑ گئے۔ پس کھجور کی لاٹھیوں گھونسہ بازی اور جوتوں سے خوب ایک دوسرے کی تواضع کی گئی۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس کی تاویل تا قیامت جاری ہے اور آپس میں لڑنے والے دو مومنوں کے درمیان صلح کرنا بہت بڑی دینی و ملی خدمت ہے۔ اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ سچ بول کر دو مومنوں کو آپس میں لڑانے سے وہ جھوٹ بدرجہا بہتر ہے جس کے ذریعے دو لڑنے والوں کے درمیان صلح کرائی جا سکے (دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز) اس آیت مجیدہ کی رُو سے جنگ جمل اور جنگ صفین میں جن لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام سے لڑائی کی۔ ان کو مومن ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ آیت میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ لڑنے کے بعد بھی وہ صفت ایمان اپنے اندر رکھتے ہیں اور ان کو مومن کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ ابتداء میں دو نوں گروہ مومن ہوں۔ اور ان میں سے ایک ایمان کے تقاضوں کو بھلا کر ازراہِ بغاوت دوسرے مومن گروہ سے برسرِ پیکار ہو جائے۔ پس اس صورت میں مومن گروہ صرف وہ ہو گا جو ایمان کے اصولوں پر ثابت قدم رہے لیکن جو باغی ہو چکا ہو گا یقیناً وہ مومن نہ کہلائے گا جب تک کہ وہ اپنے عقائدِ فاسدہ سے تائب نہ ہو جائے۔

فَاِنۡۢ بَغَتۡ۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی تو رسول اللہ نے فرمایا۔ اِنَّ مِنۡكُمۡ مَنۡ يُّقَاتِلُ عَلَى التَّاوِيۡلِ كَمَا قَاتَلۡتُ عَلَى التَّنۡزِيۡلِ۔ یعنی تحقیق تم میں سے

تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَإِن فَآءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوٓا

حکم کی طرف پلٹ آئے پس اگر پلٹ آئے تو صلح کرا دو دونوں کے درمیان عدل سے اور انصاف کرو

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿١٠﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ

تحقیق اللہ انصاف والوں کو دوست رکھتا ہے کیونکہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان

أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١١﴾ ع ١٣

صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ رحم کئے جاؤ

بعض وہ ہیں جو تاویل پر جہاد کریں گے جس طرح میں نے تنزیل پر جہاد کیا۔ پس لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا وہ خاصف النعل ہیں کیونکہ اس وقت حضرت علی علیہ السلام حضرت نبی کریمؐ کی نعلین کو درست کر رہے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر جنگ جمل وصفین میں شریک تھے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔ ان کا قول ہے کہ میں نے اس علم کے نیچے حضرت رسول اللہ کی ہمراہی میں تین دفعہ جہاد کیا ہے۔ اور اب یہ چوتھی بار ہے۔ پس اگر وہ لوگ ہمیں قتل کریں تو ہمیں پورا یقین ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ اور جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام نے اسی دستور پر عمل کیا۔ جو حضرت رسالت مآبؐ نے اہلِ مکہ کے ساتھ اختیار فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے فتح مکہ کے روز اعلان فرمایا تھا کہ جو اپنا دروازہ بند کر دے وہ باامن اور اس کا جان و مال محفوظ ہوگا۔ جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی باامن ہوگا۔ اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ بھی باامن ہوگا اسی طرح بعض روایات کی بنا پر جناب ام ہانی کے گھر میں پناہ لینے والوں کو بھی محفوظ قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح جنگ جمل کی فتح کے بعد حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اعلانِ عام کیا تھا کہ نہ ان کے بچوں کو قیدی بنایا جائے۔ نہ ان کے زخمیوں پر تشدد کیا جائے۔ نہ بھاگنے والوں کا تعاقب کیا جائے۔ اور جو بھی اپنا دروازہ بند کر لے یا ہتھیار ڈال دے اس کو محفوظ قرار دیا جائے۔

اور کافی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ آیت مجیدہ کی تاویل جنگ بصرہ میں ظاہر ہوئی۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خلاف بغاوت کرنے والے اس کے مصداق ثابت ہوئے۔ پس ان سے جنگ کرنا واجب تھا۔ جب تک کہ وہ تائب ہو کر راہِ حق پر نہ آجائیں۔ الخ۔ اور جنگ جمل میں علیؑ کے خلاف لڑنے والوں کو ناکثین کہا جاتا ہے کیونکہ نکث کا معنی ہے بیعت کو توڑنا۔ چنانچہ سورۂ الفتح کی گیارہویں آیت میں نکث کا معنی بیعت شکنی ہے اور چونکہ طلحہ و زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت کی تھی اور اس کو توڑ کر حضرت عائشہ کے ہمراہ جنگ جمل میں شریک ہوئے تھے۔ اس لئے ان کو اور ان کی جماعت کو ناکثین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جنگِ صفین میں معاویہ اور اس کی فوج کو قاسطین کہا جاتا ہے۔ اور جنگ نہروان میں حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے والے خارجیوں کو مارقین

کہا جاتا ہے۔

جس طرح جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے خلاف لڑنے والے باغی تھے۔ اسی طرح جنگ صفین اور نہروان میں بھی حضرت علیؑ کے خلاف لڑنے والے باغی تھے۔ اور حضرت عمار جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ رہ کر معاویہ کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے اور جناب رسالت مآبؐ کی یہ حدیث اکثر مورخین نے نقل کی ہے کہ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَة ۔ کہ اے عمار تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور جب معاویہ کی فوج کے ہاتھوں عمار قتل ہو گئے تو تمام مسلمانوں کو معاویہ کی جماعت کے باغی ہونے کا علم ہو گیا تھا اور اس حقیقت کو سید ابوالاعلیٰ مودودی نے خلافت و ملوکیت میں تسلیم کیا ہے۔

حدیث مواخات اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ۔ تفسیر برہان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ نے مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم فرمایا۔ پس ابوبکر و عمر کو اور عثمان اور عبدالرحمان بن عوف کو ایک دوسرے کا بھائی بھائی قرار دیا۔ اور باقی تمام صحابہ کے درمیان ان کی میلانِ طبع کے پیش نظر بھائی چارہ قائم کیا اور حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تو میرا بھائی ہے۔ اور میں تیرا بھائی ہوں۔ اور حدیث مواخات کتب فریقین میں تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔

ویسے تو بالعموم تا قیامت مومن ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ لیکن صیغہ مواخات پڑھ لینے کے بعد ان کے ایک دوسرے پر حقوق بڑھ جاتے ہیں تفسیر صافی میں مومنوں کی باہمی اخوت کی وجہ ایمانی وحدت کے علاوہ یہ بھی تحریر کی گئی ہے کہ مومنوں کی نسبت نبی و علیؑ سے ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا۔ اَنَا وَعَلِيٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ (میں اور علی اس امت کے باپ ہیں) اور بصائر سے مروی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ اس حدیث کا مطلب کیا ہے اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ (مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے) تو آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے مومنوں کو اپنے نور سے خلق فرمایا اور اپنی رحمت سے ان کو تربیت دی اور اپنی معرفت کے ساتھ ساتھ ہماری ولایت کی معرفت کا ان سے عہد و پیمان لیا۔ پس ہر مومن دوسرے مومن کا پدری و مادری بھائی ہوتا ہے کہ نور اور رحمت سے ان کی پیدائش ہے۔ پس نور ان کا باپ اور رحمت ان کی ماں ہے۔ نیز ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جس طرح خونی رشتہ باہمی محبت و الفت کا موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح ایمانی تعلق بھی پائدار محبت اور دائمی الفت کا سبب بنتا ہے۔ پس ایک مومن دوسرے مومن کا اس لئے بھائی ہے کہ ایمانی رشتہ کی بدولت ان کا باہمی تعلق مضبوط اور پائدار ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن ایک ماں باپ کی اولاد کی طرح ہوتے ہیں کہ ایک کو تکلیف ہو تو سب اس کی تکلیف کی وجہ سے پریشان ہو جایا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر مومن دوسرے مومن کا بھائی اور سچا دوست اور پُر خلوص معاون ہوتا ہے نہ اس کی خیانت کرتا ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی عیب جوئی کرتا ہے اور نہ اس سے وعدہ خلفی کرتا ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کو جو وصیت کی تھی اس کا مضمون یہ ہے کہ کم از کم مومن

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ

اے ایمان والو (تم میں سے) مرد دوسرے مردوں سے مسخری نہ کریں	شاید وہ ان سے بہتر ہوں

کا مومن پر یہ حق ہے کہ اس کے لئے وہ چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔ اور اس کے لئے وہ چیز پسند نہ کرو جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے۔

فَاَصْلِحُوْا[99] - امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اللہ جس صدقہ کو پسند فرماتا ہے وہ یہ ہے کہ لڑتے ہوئے لوگوں کو صلح پر آمادہ کیا جائے اور روٹھے ہوئے دلوں کو آپس میں ایک دوسرے کے قریب کیا جائے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ دیناروں کا صدقہ دینے سے دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانا مجھے محبوب تر ہے۔ اور مفضل سے آپ نے فرمایا کہ دو آدمیوں کے درمیان جو ہمارے شیعہ ہوں۔ صلح کرانے پر جس قدر روپیہ خرچ ہو۔ میرے مال سے خرچ کر دیا کرو۔ اور فرمایا کہ جو شخص دو کے درمیان صلح کراتا ہے اسے جھوٹا نہیں کہا جا سکتا۔ یعنی مصالحت کے لئے اگر جھوٹ بھی بولے۔ تو اس کا یہ گناہ قابل مواخذہ نہ ہوگا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب ایک مومن دوسرے مومن کی حاجت کو پورا کرتا ہے تو خدا اس کی حاجت کو پورا کر دیتا ہے اور جو مومن کسی مومن کی تکلیف کو دور کرتا ہے۔ خداوند کریم بروز قیامت اس سے بہت بڑی تکالیف کو دور کرے گا اور جو کسی مومن کو ڈھانپے خدا بروز قیامت اس کو ڈھانپے گا۔ اور حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علی علیہ السّلام سے فرمایا کہ مریض کی عیادت کے لئے ایک میل جانا پڑے تو جاؤ جنازہ کی تشییع کے لئے دو میل تک چلے جاؤ کسی مومن کی دعوت پر تین میل تک چلے جاؤ کسی مومن کی زیارت کو خوشنودئ خدا کے لئے چار میل تک چلے جاؤ۔ اور کسی غمزدہ کی فریاد کو سننے اور اس کی مدد کرنے کے لئے پانچ میل تک چلے جاؤ۔ اور مظلوم کی نصرت کے لئے چھ میل تک کی مسافت طے کرنے سے نہ گھبراؤ۔ اور تم پر ضروری ہے کہ اللہ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی بھی مانگتے رہو۔

مسخری کرنے سے منع

رکوع ۱۴ - لَا يَسْخَرْ - آیت مجیدہ میں مردوں اور عورتوں کو ایسی مسخری سے روکا گیا ہے جس میں دوسرے کی توہین مقصود ہو۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں اس کا شان نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ ثابت بن قیسؓ صحابی جو کانوں سے بہرہ تھا۔ اور اس کا یہ دستور تھا کہ جب مسجد میں آتا تھا تو لوگ اس کے لئے راستہ چھوڑ دیتے تھے اور وہ اطمینان سے حضورؐ کے قریب جا بیٹھتا تھا۔ ایک دن ذرا دیر سے پہنچا جب کہ نماز ہو چکی تھی پس وہ لوگوں کے شانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا راستہ دو راستہ دو کہتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ ایک شخص نے کہہ دیا یہ جگہ ٹھیک ہے یہیں بیٹھ جاؤ آگے کیوں جاتے ہو؟ پس وہ غصے سے وہیں اس شخص کے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب تھوڑی سی روشنی ہوئی تو اس نے پوچھا یہ کون ہے۔ جس نے مجھے بیٹھ جانے کو کہا تو اس شخص نے خود کہہ دیا کہ میں فلاں آدمی ہوں۔ پس قیس بن ثابت نے کہا۔ اچھا فلاں عورت کے بیٹے ہو یعنی اس کی ماں کا نام لیا اور زمانہ جاہلیت میں اس کو شرمندہ کرنے کے لئے اس کی ماں کا نام لیا جاتا تھا۔ پس اب بھی بھرے مجمع میں جب اس کی ماں کا نام لیا گیا تو اس نے شرم کے مارے سر جھکا لیا۔ پس یہ آیت اتری۔ اور

وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا

اور نہ عورتیں عورتوں سے (مسخری کریں) شاید وہ ان سے اچھی ہوں اور نہ ایک دوسرے پر طعنہ بازی کرو اور نہ بُرے القاب سے

ایسا کہنے والے کو سرزنش کی گئی - نیز دوسرے لوگوں کو ایسی حرکات سے روک دیا گیا۔

وَلَا نِسَآءٌ - عورتوں کو بھی دوسری عورتوں کے حق میں ہتک آمیز رویہ اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق مروی ہے کہ ام المومنین جناب ام سلمہؓ اپنی کمر کو ایک سفید پارچہ سے باندھ لیا کرتی تھیں اور اس کی گرہ پشت کی طرف دے کر چھوڑ دیتی تھیں کہ اس کے دونو سرے لٹکتے رہتے تھے۔ پس ایک دن حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ دیکھو اس کے پیچھے جو چیز لٹک رہی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کتے کی زبان ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ام سلمہ کا قد چھوٹا تھا اور انہوں نے اس کو چھوٹے قد کا طعنہ دیا۔ اور تفسیر صافی میں ہے کہ یہ صفیہ بنت حی بن اخطب کے متعلق ہے وہ بھی امّ المومنین تھیں - اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ طعنہ کے طور پر ان کو کہا کرتی تھیں کہ تم یہود کی اولاد ہو۔ پس اُس نے حضورؐ سے اس امر کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم اُن کو جواب دیا کرو کہ میرا باپ ہارون نبی اللہ ہے۔ میرا چچا موسٰی کلیم اللہ ہے اور میرا شوہر محمد رسول اللہ ہے لہٰذا مجھ میں کونسی کمی ہے - الخ -

عیب جوئی اور بُرے القاب سے منع

وَلَا تَلْمِزُوْٓا - لمز کا معنی ہے کسی کے متعلق ہتک آمیز پہلو اختیار کرنا اور اس کی توہین و تنقیص کا اظہار کرنا اور ہمز کا بھی یہی معنی ہے۔ بعض لوگوں نے لمز اور ہمز کے معانی میں یہ فرق کیا ہے کہ کسی کے سامنے اُس کی موجودگی میں اس کے عیوب کا اظہار لمز ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی میں ہمز ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ لمز آنکھ زبان اور اشاروں سے بھی ہو سکتا ہے اور ہمز صرف زبان سے ہوا کرتا ہے۔ بہر صورت توہین آمیز لہجہ سے کسی کے متعلق کچھ اظہار کرنا یا آنکھوں اور ہاتھوں وغیرہ کے اشارے سے اس کے عیوب کی نشاندہی کرنا یا کوئی دوسرا اس قسم کا رویہ اختیار کرنا جس سے کسی کی ہتک مقصود ہو سب حرام ہیں۔ اور آیت مجیدہ ایسے رویے سے مومنوں کو باز رہنے کی تلقین کر رہی ہے -

وَلَا تَنَابَزُوْا - نبز کا معنی ہے کسی کو اچھے یا بُرے لقب سے یاد کرنا۔ اور آیت مجیدہ میں بُرے القاب سے کسی کو ذکر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً کسی کو فقیہ۔ علامہ۔ مولوی اور قاضی وغیرہ کہنا ناجائز نہیں بلکہ ایسے القاب جن سے اس کی توہین مقصود ہو ان کا ذکر کرنا حرام ہے -

بِئْسَ الِاسْمُ - یعنی جب وہ شخص مومن ہے تو اس کو ایسے نام سے یاد کرو جو اُس کے شایانِ شان ہو اور ہرگز ایسے نام سے اُس کو نہ خطاب کرو جو مومن کی شان کے مناسب نہ ہو۔ لہٰذا ایمان لانے کے بعد اسم فسوق یعنی کفریہ نام بُری حرکت ہے اس سے مومنوں کو بچنا چاہیئے -

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص مومن پر اتہام لگائے تو اُس کے دل سے

بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ

ایک دوسرے کو بلاؤ نام کفر برا ہے ایمان کے بعد اور جو توبہ نہ کریں وہ

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ

ظالم رہیں اے ایمان والو بہت سے مقامات پہ ظن سے پرہیز کرو کیونکہ بعض اوقات

بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ

ظن پر عمل کرنا گناہ ہوتا ہے اور نہ جاسوسی کرو اور نہ ایکدوسرے کی غیبت کرو کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا

ایمان پگھل کر ختم ہو جاتا ہے جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے بھائی مومن کے کسی فعل کو اچھائی پر ڈھال لیا کرو۔ اور مومن بھائی کے منہ سے نکلنے والی بات کو اُس وقت تک بُرائی پر محمول نہ کرنا جب تک اُس سے کسی اچھے پہلو کے نکلنے کی صورت موجود ہو۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ انسان کفر کے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ جب دینی و ایمانی بھائی کی لغزشیں اور غلطیاں تلاش کرتا پھرے تاکہ کسی دن اُس کو رسوا کر سکے۔

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ ۔ آیت مجیدہ سے صاف واضح ہے کہ مومن کی عیب جوئی۔ عیب گوئی اور بُرے القاب سے اس کو پکارنا گناہ کبیرہ ہے۔ اور ان بدعادات کا مرتکب اگر توبہ نہ کرے تو وہ ظالم شمار ہوگا۔

بدگمانی سے منع

اِجْتَنِبُوْا ۔ آیت مجیدہ میں بدگمانی کرنے سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی اہل ایمان پر بدگمانی نہ کیا کرو۔ البتہ جو لوگ دائرہ ایمان سے خارج ہیں۔ ان کے اعمال کو ظاہر پر محمول کرنا۔ اور ان کی تاویل نہ کرنا ممنوع نہیں ہے۔ نیز اگر کسی مومن کو مشکوک حالت میں دیکھا جائے جس سے بدگمانی کا پیدا ہونا لازمی ہو تو اُس بدگمانی کو اپنے دل میں رکھے اور اُسے لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ بدگمانی کا ایسے حالات میں پیدا ہو جانا اضطراری امر ہے۔ البتہ اس کا ظاہر کرنا اس کے بس میں ہے لہذا اُس سے گریز کرے۔ اور اسی لئے فرمایا ہے کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۔ یعنی بعض ظن گناہ ہیں اور وہ وہ ہیں جن کو بیان کیا جائے۔ ورنہ جن کو اپنے دل میں رکھا گیا اور کسی کے سامنے ظاہر نہ کیا گیا وہ گناہ شمار نہ ہوں گے کیونکہ وہ فعل اضطراری میں داخل ہیں۔

بعض علما نے اس کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ چونکہ بعض ظنوں پر عمل کرنا واجب ہوا کرتا ہے بلکہ جن مقامات پر تحصیل علم ممکن نہ ہو اور مکلف مقام عمل میں اس کا محتاج ہو تو ظن کا حاصل کرنا واجب ہوا کرتا ہے کیونکہ انسداد باب علم کی صورت میں اگر ظن پر بھی عمل نہ کیا جائے تو بہت سے شرعی احکام میں تعطل پیدا ہو جائے گا۔ پس ایسی صورتوں میں شرعی اسباب سے حاصل ہونے والا ظن علم کے قائم مقام ہوا کرتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہوتا ہے اسی لئے آیت مجیدہ

اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ

ہے کہ کھائے اپنے مردہ بھائی کا گوشت؟ پس اس کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ توبہ قبول کرنیوالا

میں اکثر ظنون اور مظنونات سے بچنے کا حکم ہے نہ کہ تمام سے۔ کیونکہ علم کی تحصیل کے ممکن ہونے کی صورت میں طریق علم کو چھوڑ کر ظن کے پیچھے جانا گناہ ہے۔

تجسس سے منع

وَلَا تَجَسَّسُوْا۔ اس جگہ خداوند کریم نے دوسروں کی عیب جوئی سے کھلے لفظوں میں منع فرمایا ہے تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت عمر کو زمانۂ خلافت میں رپورٹ پہنچی کہ ابو محجن ثقفی شراب نوشی کرتا ہے تو انہوں نے رات کو چھاپہ مارا۔ لیکن اس سے کچھ بھی برآمد نہ ہوسکا۔ تو اس نے فوراً قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر خلیفہ کو اپنی غلطی پر ٹوکا کہ تجسس کرنا فعلِ حرام ہے۔ چنانچہ زید بن ثابت اور عبداللہ بن ارقم نے بھی اس شخص کی تائید کی۔ پس خلیفہ نے اُسے چھوڑ دیا۔ اسی طرح ایک دفعہ عبدالرحمان بن عوف کو ساتھ لے کر ایک گھر میں داخل ہوئے تو عورت کچھ شعر پڑھ رہی تھی۔ اور اس کے مرد کے ہاتھ میں ایک جام تھا۔ حضرت عمر نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو مرد نے جواب دیا کہ پانی ہے۔ اور عورت سے پوچھا تو کیا کہہ رہی تھی تو اس نے وہ اشعار سنائے جو اُس نے پڑھے تھے۔ اس کے بعد صاحبِ خانہ نے کہا کہ آپ حکمِ خداوندی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے۔ لَا تَجَسَّسُوْا۔ پس وہ واپس آئے اور اس مضمون کی روایات کتبِ تاریخ میں اور بھی وارد ہیں۔ اور ایک قرات میں جیم کے بجائے حاء وارد ہے۔ یعنی لَا تَحَسَّسُوْا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ تجسس امورِ شر میں ہوتا ہے اور جو شخص شر میں کسی کا رازدار ہو اُس کو جاسوس کہتے ہیں اور تحسس امورِ خیر میں ہوا کرتا ہے۔ اور جو شخص اچھے کاموں میں کسی کا رازدار ہو۔ اس کو اُس کا حاسوس کہتے ہیں۔ بہر کیف آیت مجیدہ میں مومنوں کی عیب جوئی سے منع کیا گیا ہے۔

غیبت سے منع

وَلَا يَغْتَبْ۔ آیت مجیدہ میں صریح طور پر غیبت سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ اس طرح ہے جس طرح کوئی کسی کا گوشت کاٹ کر کھائے۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق وارد ہے کہ پیغمبرؐ کے دو صحابیوں نے سلمان پاک کی غیبت کی اور اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے حضرت سلمان کو رسول اللہ کے پاس بھیجا۔ تاکہ حضور سے کچھ کھانے کی چیز طلب کرے۔ آپؐ نے سلمان کو اُسامہ بن زید کے پاس جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ خزانہ دار تھا لیکن اُسامہ نے جواب دیا کہ اس وقت میرے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں۔ پس سلمان خالی ہاتھ واپس آئے تو انہوں نے ایک طرف اُسامہ کے متعلق بدگمانی کی کہ اُس نے بخل سے کام لیا ہے اور دوسری طرف حضرت سلمان کے متعلق کہنے لگے کہ یہ ایسا بے برکت آدمی ہے کہ اس کو پانی سے بھرے ہوئے کنوئیں پر پانی لانے کو بھیجا جائے تو اس کنوئیں کا پانی بھی اس کے جانے سے خشک ہو جائے گا۔ پس وہ اُسامہ کی صداقت معلوم کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ جب حضورؐ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ تمہارے منہ سے گوشت کی بو آتی ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضورؐ! ہم نے آج گوشت

رَّحِيمٌ ﴿۱۳﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ

مہربان ہے اے لوگو تحقیق ہم نے تم کو مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو

شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ

قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ پہچانے جاؤ تحقیق تم میں سے اللہ کے نزدیک عزت کا وہ مستحق ہے جو اللہ سے زیادہ

قطعاً نہیں کھایا۔ آپ نے فرمایا تم نے سلمان اور اُسامہ کا گوشت کھایا ہے۔

میمون سے مروی ہے کہ میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ میرے سامنے ایک زنگی انسان کا مردہ رکھا گیا اور ایک طرف سے آواز آئی کہ اس کو کھایئے تو میں نے ازراہِ معذرت کہا کہ اس کے کھانے کا مجھے کیوں حکم دیا جا رہا ہے تو جواب ملا کہ تیرے سامنے فلاں آدمی کی غیبت ہوتی رہی اور تو سنتا رہا۔ پس میں نے کہا کہ میں نے زبان سے نہ اُس کی بُرائی بیان کی اور نہ اچھائی۔ تو جواب ملا کہ اگرچہ تو نے خود کچھ نہ کہا لیکن غیبت کرنے والے کی باتیں سُنتا رہا۔ اور اس پر راضی بھی رہا کیونکہ تو نے اس کی تردید نہیں کی۔

تفسیر برہان میں حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ کسی شخص کے ایسے عیوب و اغلاط بیان کرنا جن کو سننے والے پہلے سے جانتے ہوں۔ غیبت نہیں ہے لیکن اُس کے ایسے عیوب و اغلاط جن سے سامعین واقف نہ ہوں۔ ان کا ذکر کرنا غیبت ہے۔ اور اس کے متعلق ایسے عیوب کا ذکر کرنا جن سے وہ بَری ہو بہتان ہے۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا غیبت اُسے کہتے ہیں کہ مومن کا ایسا گناہ ذکر کیا جائے جو لوگوں کو معلوم نہ ہو۔ اور خدا نے اس کا پردہ رکھا ہوا ہو۔ اور حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جب بھی اُس کا ذکر ہو اُس کے لئے دُعائے مغفرت کی جائے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ زانی کی توبہ ہو سکتی ہے لیکن غیبت کرنے والے کی خدا توبہ قبول نہیں فرماتا جبتک کہ وہ شخص خود نہ معاف کرے جس کی غیبت کی گئی ہو۔

تفسیر صافی میں امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص لوگوں سے معاملہ کرنے میں ظلم نہ کرے بات میں جھوٹ نہ بولے۔ اور وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔ پس وہ صاحبِ مروّت اور عادل ہے۔ لہٰذا اس کی غیبت حرام ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ فاسق کی غیبت جائز ہے تاکہ لوگ اس سے بچتے رہیں۔ اور حضرت نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ غیبت کا گناہ زنا سے زیادہ ہے۔

نسلی تفاخر سے منع

خلقناکم۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ فتح مکہ کے روز حضورؐ نے بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان کہو۔ چنانچہ بلال نے اذان کہی تو عتاب بن اسید نے کہا اُس اللہ کا شکر ہے جس نے میرے باپ کو یہ دن دیکھنا نصیب نہیں کیا۔ اور ابوجہل کے بھائی حارث بن ہشام نے کہا کہ محمد کو اس کالے کوے کے علاوہ کوئی دوسرا موذن نہیں مل سکا۔ اسی طرح باقی قریشی سرداروں نے بھی اپنے نسلی فخر کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقرے کسے تو یہ

عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا

ڈرتا ہو تحقیق اللہ علیم و خبیر ہے بدویوں نے کہا ہم ایمان لا چکے اُن سے کہئے تم ایمان نہیں لائے لیکن کہو ہم اسلام لائے اور ابھی تک

آیت نازل ہوئی کہ تم سب ایک ماں باپ کی اولاد ہو۔ اور یہ قومیں اور قبائل صرف باہمی شناخت کے لئے ہیں اور شعوب و قبائل کے متعلق تین اقوال ہیں۔ (۱) شعوب کی لفظ غیر عربوں کے لئے ہے اور قبائل صرف عربوں کے لئے ہے۔ (۲) قبائل سے مراد بڑے خاندان جیسے مضر و ربیعہ وغیرہ اور شعوب سے مراد ان کی شاخیں ہیں۔ جیسے قبیلہ ربیعہ میں سے بنی بکر اور قبیلہ مضر میں سے بنی تمیم وغیرہ (۳) شعوب سے مراد بڑے خاندان اور قبائل سے مراد ان کی شاخیں یعنی دوسرے قول کا عکس۔

معیار فضیلت تقویٰ ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ یعنی اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ وہ شخص ہے جو اُس کی نافرمانی سے بچے اور اس کی اطاعت میں پیش پیش ہو۔ لہٰذا قومی بلندی قبائلی عظمت خاندانی شرافت اور نسلی تفوق انسانی برتری کا معیار نہیں۔ چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ بروز محشر اللہ فرمائے گا کہ تم لوگوں نے میرے اوامر و احکام کو پس پشت ڈال کر اپنے خاندانوں پر ناز کیا۔ آج میں تمہاری خاندانی بلندی کو پستی سے تبدیل کرتا ہوں۔ اور اپنی طرف منسوب ہونے والوں کو بلند کرتا ہوں۔ پس ارشاد ہوگا۔ کہاں ہیں متقی لوگ کیونکہ اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ وہ لوگ ہیں جو متقی ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ انسانوں میں سے کون بلند تر ہے تو آپ نے دونوں ہاتھوں میں مٹی کو اٹھا کر فرمایا کہ ان دونوں میں سے کس کو فضیلت دی جا سکتی ہے؟ پس فضیلت اُس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا جہاں اللہ نے لوگوں کے دو حصے کئے ہیں۔ اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال۔ تو مجھے ان دونوں میں سے بہترین حصے کا فرد بنایا۔ یعنی اصحاب الیمین سے قرار دیا۔ اور پھر اس نے جہاں لوگوں کو تین قسموں پر تقسیم کیا۔ اصحاب المیمنہ اصحاب المشئمہ اور سابقون تو مجھے بہترین قسم السابقون میں قرار دیا اور جہاں لوگوں کو قبائل میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین قبیلہ کا فرد بنایا۔ پس میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہوں۔ اور بلند مرتبہ ہوں اور یہ فخر کی بات نہیں اور جب قبائل کو بیوت پر تقسیم کیا تو مجھے بہترین بیت میں رکھا۔ چنانچہ فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ الخ۔ پس میں اور میرے اہل بیت گناہوں سے پاک و صاف ہیں (برہان و مجمع البیان)

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں صحابہ ایک دوسرے پر نسلی تفاخر بیان کر رہے تھے۔ اور ان میں حضرت سلمان بھی موجود تھے۔ چنانچہ عمر بن خطاب نے اُن سے نسل و خاندان کا سوال کیا تو سلمان نے جواب دیا میں سلمان ہوں۔ اور اللہ کے ایک بندے کا بیٹا ہوں۔ گمراہ تھا۔ اللہ نے حضرت محمدؐ کے وسیلے سے مجھے ہدایت بخشی۔ میں فقیر و تنگدست تھا۔ اللہ نے حضورؐ کے وسیلہ سے مجھے خوشحال کیا اور میں غلام تھا۔ پس اللہ نے حضرت رسول کریمؐ کی مہربانی سے مجھے دولت آزادی بخشی۔ اور یہی میرا حسب و نسب ہے۔ اتنے میں حضورؐ بنفس نفیس تشریف فرما ہوئے اور حضرت سلمانؓ نے آنحضورؐ سے سارا ماجرا عرض کر دیا تو آپ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا۔ اے گروہ قریش! انسان

کا حسب دین سے ہے۔ مروت کردار سے ہے۔ اور اصل عقل ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت مجیدہ پڑھی۔ اور فرمایا اللہ کے نزدیک بلند مرتبہ صاحب تقویٰ ہے۔

مجالس شیخ سے منقول ہے حضرت سلمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی بیماری کے زمانہ میں ایک دفعہ میں حاضر خدمت تھا اور جناب بتول معظمہ بھی تشریف فرما تھیں۔ حضور کی کمزوری کو دیکھ کر مخدرہ طاہرہ پر گریہ طاری ہوا۔ تو آپ نے فرمایا بیٹی صبر کرو اور میری بات سنو۔ اللہ نے تیرے باپ کو تمام مخلوق پر رسول مبعوث فرمایا اور پھر اس نے علیؑ کو چن لیا۔ اور میں نے اسی کے حکم سے تیرا عقد ان کے ساتھ کیا ہے اور اللہ کے حکم سے میں نے ان کو اپنا وزیر و وصی نامزد کیا ہے۔ اے فاطمہؑ! علیؑ تمام مسلمانوں میں حق کے لحاظ سے عظیم۔ اسلام میں مقدم۔ علم میں برتر اور حلم میں افضل ہے۔ پس جناب فاطمہؑ یہ سن کر خوش ہوئیں تو آپ نے فرمایا علیؑ اول مومن ہے۔ علیؑ نے اور تیری والدہ ماجدہ نے سب سے پہلے میرا بوجھ ہلکا کیا۔ اور میرے شریک کار بنے۔ پس علیؑ میرا بھائی۔ میرا دوست اور میری اولاد کا باپ ہے۔ اور اللہ نے علیؑ کو جو کچھ عطا فرمایا ہے۔ نہ اس قدر اس سے پہلے کسی کو دیا ہے اور نہ بعد میں کسی کو عنایت فرمائے گا۔ پس آپ نے اپنی رحلت کی پیشین گوئی فرمائی تو مخدومہ طاہرہ نے عرض کی اے اباجان! آپ نے مجھے خوش بھی کیا ہے۔ اور اپنی رحلت کی پیشین گوئی سے مجھے غمزدہ بھی کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ بیٹی دنیا میں سرور اور غم ہوا کرتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اللہ نے مخلوق کی دو قسمیں بنائیں۔ اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال۔ اور مجھے اور علیؑ کو بہترین قسم میں رکھا پھر اللہ نے مخلوق کو قبائل میں تقسیم کیا تو ہمیں بہترین قبیلے میں قرار دیا۔ اور اس کے بعد قبائل کو بیوت میں تقسیم کیا تو ہمیں بہترین بیت میں جگہ دی۔ چنانچہ فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ الخ۔ اللہ نے مجھے اور میرے اہل بیت یعنی علیؑ و حسنؑ و حسینؑ کو اور تجھے برگزیدہ فرمایا ہے۔ پس میں تمام اولاد آدم کا سید و سردار ہوں۔ علی سید العرب ہے۔ حسنؑ و حسینؑ جوانان جنت کے سید و سردار ہیں۔ اور تو سیدۃ النساء ہے۔ اور تیری ذریت میں سے مہدی ہوگا۔ جو زمین کو عدل و انصاف سے پُر کرے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔

تنبیہ:۔ خداوند کریم نے انسانی برتری کے لئے قرآن مجید میں چار معیار قرار دئیے ہیں (۱) صفت تقویٰ (۲) صفت جہاد (۳) صفت علم (۴) سبقت ایمانی۔ اور حضرت علی علیہ السلام ہر لحاظ سے تمام صحابہ پیغمبر سے افضل و برتر تھے اور ہم نے اس مطلب کو اپنی کتاب "اسلامی سیاست" میں دلائل و براہین سے واضح کیا ہے۔

اسلام اور ایمان میں فرق

قَالَتِ الْاَعْرَابُ:۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے زمانہ میں بنی اسد کے کچھ لوگ صدقہ وصول کرنے کی غرض سے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنا مسلمان ہونا انہوں نے ظاہر کیا حالانکہ وہ دل سے مومن نہ تھے۔ پس یہ آیت مجیدہ اتری اور تفسیر مجمع البیان میں وارد ہے کہ اسلام زبانی اقرار کا نام ہے جس کی بدولت اقرار کرنے والے کی جان و مال محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور ایمان ظاہری اقرار کے ساتھ قلبی عقیدہ اور تصدیق سے حاصل ہوتا ہے۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اسلام اس ظاہری طریقہ کا نام ہے جس کو لوگوں

يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ

ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے تو تمہارے اعمال کے ثواب

اَعْمَالِكُمْ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۵ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

میں کمی نہ کرے گا کچھ بھی بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے بے شک مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ

رسول پر ایمان لائیں پھر شک نہ کریں اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۱۶ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ

جہاد کریں ایسے لوگ (اپنے دعویٰ میں) سچے ہیں کہدیجئے کیا تم اللہ کو اپنا دیندار ہونا بتاتے ہو

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۱۷ يَمُنُّوْنَ

حالانکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر شئی کو جاننے والا ہے تجھ پر اپنے

نے اختیار کیا ہوا ہے۔ یعنی توحید و نبوت کی شہادت اور نماز زکوٰۃ حج اور روزہ وغیرہ اعمال کی بجا آوری یہ سب اسلام ہے

لیکن ایمان اس حقیقت کا نام ہے (ہماری ولایت) اگر انسان یہ معرفت نہ رکھتا ہو تو وہ صرف مسلمان ہی ہوگا۔ اور روایات میں وارد ہے کہ ایمان کا درجہ اسلام سے بلند ہے۔ نیز ایمان خاص ہے اور اسلام عام ہے۔ پس جو شخص اسلام کے درجہ پر فائز ہو ضروری نہیں کہ وہ مومن بھی ہو لیکن جو شخص درجہ ایمان پر فائز ہوگا وہ مسلمان ضرور ہوگا کیونکہ اسلام صرف اقرار لسانی کا نام ہے اور ایمان میں اقرار لسانی کے ساتھ تصدیق قلبی بھی ضرور ہوا کرتی ہے۔ اور متعدد روایات میں حضرت نبی اکرمؐ سے منقول ہے اَلْاِيْمَانُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْكَانِ ۔ یعنی ایمان دل کی معرفت زبان کا اقرار اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔

لَا يَلِتْكُمْ :۔ اجوف یائی ہے۔ اس کی اصل لیت ہے جس کا معنی ہے کمی کرنا۔

اَتُعَلِّمُوْنَ :۔ بنی اسد کا جو گروہ حضورؐ کے پاس ایمان کا دعویدار بن کر حاضر ہوا تھا انہوں نے اپنے صحیح دیندار ہونے کی قسمیں کھائیں۔ اور یقین دہانی کرائی۔ تو خداوند کریم نے اُن کے جواب میں فرمایا کہ مجھے اپنا دیندار ہونا نہ بتاؤ۔ کیونکہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔

يَمُنُّوْنَ :۔ تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ جنگ خندق کے موقعہ پر میں نبی اکرمؐ کے پاس موجود تھا۔ جب خندق کھودی جا رہی تھی اور لوگ اپنے فریضہ میں مشغول تھے تو حضرت علیؑ کی کھدائی کو دیکھ کر حضورؐ نے

عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ

اسلام کا احسان جتلاتے ہیں کہدیجئے مجھے اپنے اسلام کا احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ کا

يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۸﴾

تم پر احسان ہے کہ تمہیں اس نے ایمان کی ہدایت کی اگر تم سچ کہنے والے ہو

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۹﴾

تحقیق اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے

فرمایا۔ میرا باپ اس کھودنے والے پر قربان ہو۔ جبریل اس کے سامنے صفائی کرنے والا ہے۔ اور میکائیل اس کا معاون ہے۔ حالانکہ اس نے اس سے پہلے کسی انسان کی مدد نہیں کی۔ پس آپ نے عثمان کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم بھی خندق کی کھدائی کرو تو اس نے اپنا اسلام لانا جتلایا۔ پس یہ آیت اتری۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر کھدائی میں مشغول تھے کہ عثمان کا ادھر سے گذر ہوا تو گرد و غبار سے بچنے کے لئے عثمان نے اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا۔ تو عمار نے کہا مساجد تعمیر کرنے والوں اور منہ پر غبار سے بچنے کے لئے کپڑا ڈالنے والوں میں بڑا فرق ہے۔ یہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے تو عثمان نے کہا اے سوداء عورت کے بیٹے تم مجھے کہہ رہے ہو۔ پس یہ کہہ کر سیدھے حضرت نبی اکرمؐ کے پاس پہنچے اور عرض کی حضور! ہم اسلام میں اس لئے داخل نہیں ہوئے کہ ہماری عزت پر حملہ کیا جائے۔ آپ نے فرمایا اسلام تمہارا محتاج نہیں ہے۔ پس یہ آیت اتری۔ اور جنگِ خندق کی مفصل روداد ہم نے تفسیر کی جلد ۱۱ میں ذکر کی ہے۔

سُورَہ قٓ

یہ سورہ مکیہ ہے۔ صرف آیت ۳۹ مدنیہ ہے۔
آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر چھیالیس بنتی ہے۔
حضورؐ نے فرمایا جو شخص اس سورہ مجیدہ کی تلاوت کرتا رہے اس پر سکرات موت آسان ہوگی۔
جو شخص فرائض ونوافل میں اس کو پڑھے اس کا رزق وسیع ہوگا۔ بروز محشر اس کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا اور اس کا حساب آسان ہوگا۔ (مجمع البیان۔ برہان)
اگر اس سورہ مبارکہ کو لکھ کر مرگی والے انسان کو تعویذ دیا جائے تو وہ اس سے محفوظ ہوگا۔
اگر اس کو برتن میں لکھ کر دھو کر تھوڑے دودھ والی عورت پیئے تو اس کا دودھ زیادہ ہوگا۔ (برہان)
مصباح کفعمی سے منقول ہے اگر اس کو لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر پیا جائے تو پیٹ اور منہ کی تکلیف دور ہو جائے گی اور اگر اس پانی سے بچے کا منہ دھویا جائے تو اس کے دانت آسانی سے نکلیں گے۔ اور مروی ہے کہ جس کی آنکھ میں درد ہو تو تین مرتبہ پانی پر یہ آیتیں پڑھے۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ۔ پس اس پانی سے منہ کو دھویا جائے تو درد ختم ہو جائے۔ انشاءاللہ (فوائد القرآن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿٢﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا

اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں) ق اور قرآن مجید کی قسم (محمد اللہ کا رسول ہے) بلکہ ان کو تعجب ہوا کہ

رکوع ع ۱۵

ق۔ مقطعات قرآنیہ میں سے ہے اور بعضوں نے اس کا معنی کیا ہے قُضِیَ الْاَمْرُ یعنی تمام ہونے والے امور کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ قاف ایک سبز رنگ کا پہاڑ ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ زبرجد سبز کا پہاڑ ہے۔

واقعہ

تفسیر برہان میں کتاب منہج التحقیق سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ امام حسن علیہ السلام نے اپنے باپ سے عرض کی۔ کہ ہمیں اپنے فضل وکرامت میں سے کچھ دکھائیے۔ چنانچہ آپ حضرت امام حسنؑ اور حضرت سلمان رضہ کو لے کر دوش ہوا پر سوار ہو گئے۔ یہاں تک کہ کوہِ قاف پر جا پہنچے وہ زمرد سبز کا پہاڑ تھا جس پر ایک فرشتہ موجود تھا۔ اس نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو سلام کیا اور کچھ پوچھنا چاہا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو حضرت خضر کی زیارت کرنا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کی۔ جی ہاں! آپ نے فرمایا۔ جا تجھے اجازت ہے۔ پس اس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو زبان پر جاری کیا۔ اور چلا گیا۔ اور ہم اس پہاڑ پر تھوڑا سا چلے تھے کہ وہ فرشتہ حضرت خضر کی زیارت سے فارغ ہو کر واپس اپنے مقام پر پلٹ کر آ گیا۔ حضرت سلمانؓ کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ مجھے اس اللہ کی قسم جس نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر کھڑا کیا۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارے اذن کے بغیر اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا۔ اور میرے بعد حضرت حسنؑ کا بھی یہی مقام ہو گا۔ اور اس کے بعد حضرت حسینؑ اور پھر یکے بعد دیگرے ان کی اولاد سے نو اماموں کا یہی منصب ہو گا تو ہم نے سوال کیا کہ کوہ قاف پر موکل فرشتے کا نام کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا اس کا نام ترجائیل ہے تو سلمان نے عرض کی حضور! آپ کس طرح ہر رات اس مقام پر آتے اور پھر واپس پلٹے جاتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا جس طرح اب تمہیں لے آیا ہوں۔ اور مجھے اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور روح کو پیدا کیا۔ میرے پاس آسمانوں اور زمینوں کے ایسے راز ہیں کہ ان میں سے بعض کو بھی تم لوگ برداشت نہیں کر سکو گے۔ تحقیق خداوند کریم کا اسم اعظم ۷۳ حرفوں پر ہے۔ اور آصف بن برخیا کے پاس صرف ایک حرف تھا۔ جس کی بدولت تخت بلقیس تک کی درمیانی زمین دھنس گئی تھی۔ اور اس نے تخت بلقیس کو اپنے مقام سے اٹھا کر سلیمان کے پیش کر دیا تھا۔ اور چشم زدن سے پہلے پھر زمین دوبارہ اپنی جگہ پر پلٹ کر آ گئی تھی۔ اور خدا کی قسم ہمارے پاس اسم اعظم کے بہتر حروف ہیں۔ اور ایک حرف جس کا تعلق علم غیب سے ہے۔ وہ اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے بعد آپ نے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ پڑھا۔ اور فرمایا جو ہمیں پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے اور جو ہمارا انکار کرتا ہے وہ انکار کرتا ہے۔ الحدیث

کِتٰبٌ حَفِیْظٌ:۔ اگر فاعل کے معنی میں ہو تو مقصد یہ ہے کہ وہ کتاب (لوح محفوظ) ان کی تعداد اور ناموں کی محافظ ہے اور اگر مفعول کے معنی میں ہو تو مقصد یہ ہو گا کہ وہ کتاب (لوح) محفوظ ہے۔ تغیر و تبدل سے اور کمی و فنا سے بھی وہ محفوظ ہے

اَنۡ جَآءَهُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡهُمۡ فَقَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا شَىۡءٌ عَجِيۡبٌ ۳

ڈرانے والا انہی میں سے ان کے پاس آگیا پس کافروں نے کہا یہ عجیب بات ہے (کہ یہ رسول ہو گیا)

ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجۡعٌ ۢ بَعِيۡدٌ ۴ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ

کیا جب ہم مریں گے اور خاک ہو جائیں گے (تو پھر زندہ ہو کر پلٹیں گے ؟) یہ پلٹنا مشکل ہے ہمیں پتہ ہے

الۡاَرۡضُ مِنۡهُمۡ ۚ وَعِنۡدَنَا كِتٰبٌ حَفِيۡظٌ ۵ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ

جو کچھ زمین ان کے (گوشت وغیرہ) سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس محفوظ کتاب موجود ہے بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا جب

لَمَّا جَآءَهُمۡ فَهُمۡ فِىۡۤ اَمۡرٍ مَّرِيۡجٍ ۶ اَفَلَمۡ يَنۡظُرُوۡۤا اِلَى السَّمَآءِ

ان کے پاس پہنچا پس وہ خود اپنے نظریے میں متحیر ہیں کیا وہ اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے

فَوۡقَهُمۡ كَيۡفَ بَنَيۡنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ۷ وَالۡاَرۡضَ

ہم نے اس کو کیسے بنایا اور اسے زینت بخشی کہ اس میں کوئی رخنہ نہیں اور زمین کو

مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِىَ وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ ۢ بَهِيۡجٍ ۸

ہم نے بچھایا اور اُس پر پہاڑ ڈال دیئے اور اُگائی ہم نے اس میں ہر قسم کی پُر رونق (انگوریاں)

تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ ۹ وَنَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

بصیرت اور نصیحت ہر رجوع کرنے والے عبد کے لئے ہے اور ہم نے آسمان سے مبارک پانی نازل

مُّبٰرَكًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الۡحَصِيۡدِ ۱۰ وَالنَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ

کیا پس اس کے ذریعے ہم نے باغات اور کٹنے والے فصلات اُگائے اور بلند کھجوریں جن کے شگوفے

اَمۡرٍ مَّرِيۡجٍ ۔ یعنی وہ خود ایک نظریے پر قائم نہیں۔ کسی وقت دیوانہ کہتے ہیں۔ اور کسی وقت جادوگر کہہ دیتے ہیں۔ یعنی وہ ان کے بارے میں متحیر و مضطرب ہیں۔

مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍ ۔ یہاں زوج سے مراد نوع و قسم ہے اور ممکن ہے جوڑا جوڑا مراد ہو کیونکہ ماہرین نباتات کے نزدیک نباتات میں بھی نر و مادہ موجود ہیں۔

بَهِيۡجٍ :۔ یہ مبہوج بہ کے معنی میں ہے یعنی ایسی دل کش جس کو دیکھنے والا بہجت اور خوشی میں آجائے۔

لَهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ﴿١٠﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ

تہ بہ تہ ہیں (یہ سب) بندوں کی روزی کے لئے ہے اور ہم نے اس کے ذریعے زندہ کیا مردہ شہر کو اسی طرح (قبروں سے)

الْخُرُوجُ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿١٢﴾

نکلنا ہوگا جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح، اصحاب الرس، قوم عاد اور حضرت

وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿١٣﴾ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۚ

لوط کی برادری نے اور اصحاب ایکہ اور تبع کی قوم

حَبَّ الْحَصِيدِ - وہ کھیتیاں جو پکنے کے بعد کاٹی جاتی ہیں جیسے گندم و جو وغیرہ اور یہاں حصید معنی محصود ہے۔

كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ - خداوند کریم نے آیاتِ مذکورہ میں اپنے نشانہائے قدرت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جس طرح ان چیزوں کو میں نے ایجاد کیا ہے، اس طرح مرنے کے بعد قبروں سے زندہ کر کے دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہوں۔ لہذا تمہارا تعجب بے جا ہے۔

أَصْحَابُ الرَّسِّ :- یہ یمامہ کے علاقہ میں بسنے والی قوم تھی۔ ان کی عورتوں میں سحق (چپٹی) کا گناہ عام تھا۔ ان کی آبادی کنوؤں پر منحصر تھی۔ انہوں نے اپنے نبی کو ایک کنوئیں میں گرا کر اوپر سے بند کر دیا تھا اور رس اسی کنوئیں کا نام ہے آخر کار ان پر اللہ کا عذاب آیا اور وہ ہلاک ہو گئے، اس کی تفصیل تفسیر کی جلد ۱۰ ص ۱۰۷ تا ص ۱۱۱ ملاحظہ ہو۔

وَإِخْوَانُ لُوطٍ - حضرت لوطؑ کی قوم کو ان کی برادری اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ان کی اپنی قوم تھی۔

وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ :- یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے۔ ان کا ذکر تفسیر کی جلد ۱۰ ص ۲۰۹ تا ص ۲۱۲ مذکور ہے اور قوم شعیبؑ پر عذاب کی کیفیت تفسیر کی جلد ۶ ص ۶۳ تا ص ۶۵ گذر چکی ہے۔

"قوم تبع کا واقعہ"

وَقَوْمُ تُبَّعٍ :- تفسیر برہان میں اسمٰعیل بن جابر سے مروی ہے کہ میں اور میرا ایک دوست ایک دفعہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ جمع تھے اور انصار کے متعلق گفتگو چل نکلی کہ یہ کس قوم کے افراد ہیں۔ کسی نے کہا یہ یمنی لوگ ہیں۔ کسی نے کچھ اور کہا۔ چلتے چلتے ہم ایک درخت کے پاس جا پہنچے جہاں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فروکش تھے تو آپ نے ہمارے پوچھے بغیر بات شروع کر دی کہ تبع بادشاہ جب عراق سے حجاز کی طرف آیا تھا تو اس کے ہمراہ علماء اور اولادِ انبیاء کی اچھی خاصی جماعت تھی۔ جب وہ اس وادی میں پہنچے جہاں ہم موجود ہیں۔ اس زمانہ میں یہاں قبیلہ ہذیل کے لوگ آباد تھے تو کچھ لوگ تبع کے پاس آئے اور انہوں نے اہل مکہ پر حملہ کرنے کے لئے اُسے اکسایا۔ چنانچہ اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مکہ پر چڑھائی کر کے ان کے مردوں کو قتل کیا جائے۔ عورتوں بچوں کو قید کر لیا جائے اور ان کے مقدس گھر یعنی خانہ کعبہ کو گرا دیا جائے۔ جونہی اس نے اس ارادۂ فاسدہ کو دل میں جگہ دی بقدرت خدا اس کی دونوں آنکھیں پگھل کر بہ گئیں اور رخساروں تک جا پہنچیں، اس نے اسی وقت

كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿۱۵﴾ اَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ

سب نے رسولوں کو جھٹلایا پس میری دھمکی سچی ثابت ہوئی | کیا ہم پہلی دفعہ ان کو پیدا کرنے سے عاجز تھے؟ بلکہ وہ

موجودہ علماء اور اولادِ انبیاء کو دربارِ شاہی میں حاضر ہونے کا فرمان جاری کیا۔ چنانچہ سب کے سب فوراً حاضر ہو گئے۔ تو
بادشاہ نے اپنی تکلیف کا ذکر کیا۔ اور اس کی وجہ اور اس کا علاج ان سے دریافت کیا۔ وہ خاموش رہے تو بادشاہ نے ان کو
قسم دے کر دوبارہ استفسار کیا۔ انہوں نے کہا بادشاہ سلامت کیا آپ کے دل میں کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے؟ تو بادشاہ
تبعّ نے جواب دیا کہ بے شک میں نے اہلِ مکہ کو قتل کرنے اور ان کی ذرّیت کو اسیر کرنے اور ان کے مقدس گھر کو مسمار کرنے کا
ارادہ کیا ہے تو علماء و اولادِ انبیاء نے جواب دیا کہ تیری اس تکلیف کا باعث یہی چیز ہے تو بادشاہ نے اس کی وجہ دریافت کی۔
پس انہوں نے جواب دیا کہ یہ شہر حرمت والا شہر ہے اور اس میں تعمیر کردہ مقدس گھر بیت اللہ ہے اور اس جگہ کے رہنے والے
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ تبعّ نے جواب دیا کہ بے شک مجھے اس ارادہ فاسدہ کی سزا دی گئی ہے لیکن اب
اس کا علاج کیا ہو گا؟ تو انہوں نے کہا اپنے سابق ارادہ کو ختم کر کے اچھا ارادہ کر لو تو ممکن ہے اللہ تمہاری اس تکلیف کو دور کر
دے۔ چنانچہ اس نے غلط ارادہ کو بدل کر نیک ارادہ کر لیا۔ پس اس کی آنکھوں کی تکلیف ختم ہو گئی اور وہ بالکل تندرست ہو گیا
اور جن لوگوں نے اس کو غلط مشورہ دیا تھا۔ ان سب کو قتل کر دیا (اور اس جگہ قوم تبعّ سے مراد غالباً یہی لوگ ہیں جن کو تبعّ نے
مروا ڈالا تھا) اس کے بعد پوری عقیدتمندی کے ساتھ وہ مکہ میں داخل ہوا۔ بیت اللہ کی زیارت کی اور غلاف چڑھایا۔ اور متواتر
ایک ماہ تک لوگوں کو کھانا کھلایا کہ ہر دن ایک سو اونٹ نحر کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ حیوانوں کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں پر گوشت رکھا
جاتا تھا اور صحرائی جانوروں کے لئے وادیوں میں خوراک رکھی جاتی تھی۔ پس وہاں سے اس نے مدینہ کا رخ کیا اور اہلِ یمن میں سے قبیلہ
غسان کے کچھ لوگوں کو وہاں ٹھہرنے کا حکم دیا اور انہی کی اولاد انصار ہیں۔ اور اس روایت کا بقیہ حصہ تفسیر کی جلد ۲ یَسْتَفْتِحُوْنَ
کی تفسیر میں دوسرے ایڈیشن ص۱۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔ گویا قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج یمن کے قبیلہ غسان کی شاخیں تھیں۔ اور تبعّ
نے بوقتِ روانگی ان کو حکم دیا تھا کہ جب حضورؐ ظہور فرمائیں تو تم لوگ ضرور اس کی نصرت کرنا۔ اور اس وقت اگر میں ہوتا تو اس کی
غلامی کرتا۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ تبعّ مسلمان بادشاہ تھا جلد ۱۲ ص۲۶۳ پر بھی تبعّ کا ذکر گذر چکا ہے۔

ایجادِ عوالم اور قدرتِ خدا

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے جب سے زمین کو پیدا فرمایا
ہے۔ اس میں سات عالم پیدا کئے۔ جن میں اولادِ آدم نہ تھی۔ پس وہ زمین سے پیدا ہوئے
اور یکے بعد دیگرے رہے۔ ان کے بعد اللہ نے اس آدم کو پیدا کیا جو انسانوں کا باپ ہے اور اس سے اس کی ذرّیت کو پیدا کیا
خدا کی قسم جنت جب سے پیدا ہوئی۔ ارواحِ مومنین سے خالی نہیں ہوئی اور جہنم کو جب سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ بھی کفار و نافرمانوں
سے کبھی خالی نہیں ہوا۔ اور تم کیا سمجھتے ہو کہ جب قیامت قائم ہو گی اور جنتی بدن اپنے ارواح کے ساتھ جنت میں چلے جائیں گے
اور جہنمی روح اپنے بدنوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے تو خدا کی عبادت کرنے والا باقی کوئی نہ ہو گا۔ نہیں نہیں بلکہ خدا بغیر ندا مادہ

لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ⑮ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ

نئے سرے سے دوبارہ پیدا کرنے میں شک رکھتے ہیں اور تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو اس کا نفس وسوسے

بِهٖ نَفۡسُهٗ ۚۖ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ⑯ اِذۡ يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيٰنِ

ڈالتا ہے اور ہم شہ رگ سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں جب آپس میں ملتے ہیں دو ملنے والے (فرشتے)

کے بغیر ایک مخلوق پیدا کرے گا۔ جو اس کی عبادت اور تسبیح و تحمید کرتے رہیں گے۔ اُن کے لئے ایک زمین بھی ہوگی۔ اور ایک آسمان بھی ہوگا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَالسَّمٰوٰتُ الآیۃ۔

ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ خدا نے تمہارے علاوہ اور کسی کو پیدا نہیں فرمایا۔ نہیں نہیں بلکہ اس نے اس سے پہلے ہزار ہزار عالم پیدا کئے اور ہزار ہزار آدم خلق فرمائے اور تم آخری عالم میں موجود ہو۔ (یعنی اس کے بعد جو ہوگا وہ کوئی اور مخلوق ہوگی جو اللہ کی عبادت کرے گی)

اَفَعَيِيۡنَا۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا ہم پہلی دفعہ خلق کرنے سے عاجز تھے؟ پس جب وہ مانتے ہیں کہ پہلی دفعہ کا خالق میں ہوں۔ تو دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہوں۔ اس میں ان کو شک نہیں کرنا چاہیئے۔

رکوع ۱۶ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ۔ بعض کہتے ہیں ایسی رگ ہے جس کا دل سے تعلق ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا حلق سے تعلق ہے۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ ایسی رگ ہے جس کی شاخیں پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور تمام جسمانی نظام پر وہ اثر انداز ہے اور اسی کو شہ رگ کہتے ہیں۔

اِذۡ يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيٰنِ :۔ اذ ظرف کا متعلق اَقۡرَبُ ہے۔ ان دو فرشتوں میں سے جو دائیں طرف ہے وہ نیکیاں لکھتا ہے۔ اور جو بائیں طرف ہے وہ برائیاں نوٹ کرتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں محافظ فرشتے چار ہیں۔ دو دن کے لئے اور دو رات کے لئے ہوتے ہیں۔ اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر دل کے دو کان ہوتے ہیں۔ ایک کان پر فرشتہ اور دوسرے پر ایک شیطان مسلط ہوتا ہے۔ پس فرشتہ اس کو برائی سے روکتا ہے۔ اور شیطان اس کو برائی کا حکم دیتا ہے۔

اور تفسیر برہان میں حضرت نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ انسان جب نیکی کا ارادہ کرتا ہے پس اگر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اور اگر عمل کرے تو دس نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں درج کی جاتی ہیں۔ اور جب برائی کا ارادہ کرے پس اگر عمل نہ کرے تو کچھ بھی نہیں لکھا جاتا۔ اور اگر کر گذرے تو سات گھنٹے مہلت دی جاتی ہے۔ کیونکہ دائیں جانب والا فرشتہ اسے حکم دیتا ہے کہ جلدی نہ کر۔ شاید کوئی ایسی نیکی کرے جس سے اُس کا وہ گناہ مٹ جائے۔ اللہ فرماتا ہے اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ۔ یعنی نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں پس اگر وہ توبہ کرے تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا۔ لیکن اگر سات گھنٹے گذر

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝۱۸ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ

ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف جو ہر وقت اس کے ساتھ ہیں نہیں بولتا کوئی بات مگر یہ کہ اس کے ہی پاس ایک نگران

(۲۰)

عَتِيْدٌ ۝۱۹ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ

حاضر موجود ہوتا ہے اور آئے گی موت کی تلخی برحق (کہا جائے گا) یہ وہ ہے جس سے تو کنارا کرتا تھا

جائیں۔ اور وہ نہ کوئی نیکی بجالائے۔ اور نہ توبہ واستغفار کرے تو دائیں جانب والا کہتا ہے اس بدبخت انسان کا عمل لکھ لو۔

اور مروی ہے کہ فرشتہ صرف اس دعا اور قرأت کو نامۂ اعمال میں لکھتا ہے جو سنی جاسکے اور جو ذکر پروردگار انسان دل ہی دل میں کرتا رہے اُس کو فرشتہ نہیں لکھ سکتا بلکہ اس کا ثواب صرف اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہوا میں خدا نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جس کے ماتحت تین لاکھ فرشتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر فرشتہ ایک ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم ہے۔ اور یہ سب بندوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ جب سال ختم ہوتا ہے تو سجل نامی ایک فرشتہ تمام صحائف اعمال کو ایک جگہ لپیٹ کر محفوظ کر لیتا ہے۔

امام موسٰے کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ انسان جب نیکی یا بدی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتوں کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے منہ سے ایک خوشبو نکلتی ہے جس سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ اب اس کا نیک ارادہ ہے۔ لہٰذا وہ ایک نیکی لکھ لیتا ہے۔ اور جب وہ عمل کرے تو دس نیکیاں لکھتا ہے۔ اسی طرح جب برائی کا ارادہ کرے تو ایک قسم کی بدبو اُس کے منہ سے نکلتی ہے جس سے فرشتہ سمجھ جاتا ہے کہ اب اس کا برائی کا ارادہ ہے پس جب کر گذرتا ہے تو اس کی زبان قلم اور اُس کی تھوک سیاہی بن جاتی ہے۔ اور وہ عمل درج ہو جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ صبح سے شام تک اس کی برائی نہیں لکھی جاتی۔ اور اس دوران میں اگر تائب ہو جائے تو وہ مٹ جاتی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مومن بیس برس گذرنے کے بعد بھی استغفار کرے تو اُس کا گناہ مٹ جاتا ہے۔ لیکن کافر آدمی کو فوراً ہی بھول جاتا ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نے عرض کی اے پروردگار! تو نے شیطان کو میری اولاد پر مسلط کر دیا ہے، تو مجھے بھی کچھ عطا فرما۔ پس ارشاد ہوا کہ تیری اولاد اگر برائی کا ارادہ کرے گی تو کچھ نہ لکھا جائے گا۔ اور برائی کرنے کے بعد ایک ہی لکھی جائے گی۔ اور اگر نیکی کا ارادہ کرے گی تو ایک درج ہو گی۔ اور عمل کرے گی تو دس گنا لکھی جائے گی۔ پس حضرت آدمؑ نے مزید طلب کیا تو ارشاد ہوا کہ میں نے ان کے لئے مرتے دم تک توبہ کی گنجائش رکھی ہے۔ تو آدمؑ نے کہا بس کافی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس اسحٰق بن عمار آیا تو آپ نے اُس سے منہ پھیر لیا۔ اُس نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ تو نے اپنے دروازے پر دربان کھڑے کر دئے ہیں۔ اُس نے عرض کی میں نے شہرت کے ڈر

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿۲۱﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا

اور صور میں پھونکا جائے گا (کیا جائیگا) یہ وعید کا دن ہے اور ہر نفس آئے گا کہ اس کے ہمراہ ایک

سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ ﴿۲۲﴾ لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ

چلانیوالا اور ایک گواہ ہوگا تحقیق تو اس بات سے غافل تھا پس ہم نے تیرے پردے کھول دئے

سے ایسا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا شہرت سے ڈرتا ہے اور مصیبت سے نہیں ڈرتا۔ کیا تجھے معلوم نہیں جب ایک مومن دوسرے مومن سے ملاقات کرے اور مصافحہ کرے تو ان پر اللہ کی رحمت برستی ہے۔ اور جب باتیں کرنے بیٹھ جائیں تو لکھنے والے فرشتے بھی دور ہٹ جاتے ہیں کہ شاید ان کی آپس کی راز کی بات ہوگی۔ سائل نے پوچھا پھر مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ الخ۔ کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا۔ فرشتے نہیں سنتے تو خدا تو سنتا ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے جب ایک دوسرے کو دو مومن گلے لگاتے ہیں تو ان کے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں۔

سدیر سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ ہمارا دوست اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اور جیتے مرتے بھی خدا کی عبادت کیا کرتا ہے۔ میں نے عرض کی سونے اور مرنے کے بعد عبادت کا کیا مقصد ہے۔ تو آپ نے فرمایا جب وہ سوتا ہے تو خداوند کریم زمین کے فرشتوں کو حکم دیتا ہے جو اس کی بیداری تک عبادت کرتے ہیں۔ اور اس کا ثواب اس مومن کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے کہ ان کی ایک رکعت آدمیوں کی ہزار نمازوں کے برابر ہوتی ہے۔ اور مومن جب مرتا ہے تو اس کے دونوں فرشتے اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ ہمارا ساتھی مر چکا ہے۔ اب اس کے اعمال لکھنے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ لہذا ہمیں اجازت دی جائے تاکہ آسمان یا زمین کے کسی گوشے میں ہم عبادت کریں تو ان کو جواب ملتا ہے کہ آسمانوں میں میرے عبادت گذار کافی ہیں اور زمین میں بھی عبادت گذار موجود ہیں۔ پس تم اس کی قبر پر جاؤ اور عبادت کرو۔ پس ان کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوگا۔ اور ان کی ایک رکعت آدمیوں کی ہزار نمازوں کے برابر ہوگی۔ الحدیث

نُفِخَ فِي الصُّورِ :۔ اس کی تشریح تفسیر کی جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۴ پر گذر چکی ہے۔

سَائِقٌ وَّشَهِيدٌ :۔ یعنی بروز محشر ہر انسان کے ہمراہ دو فرشتے ہوں گے ایک اس کو دربار میں پیش کرنے کے لئے۔ اور دوسرا اس کے اعمال کی گواہی کے لئے ہوگا۔

فَكَشَفْنَا عَنكَ :۔ مقصد یہ ہے کہ اس دن تمام حقائق سامنے ہوں گے اور ہر آدمی اپنا انجام معلوم کرلے گا۔ اور اس فقرے کو حدیث تک ہر روز صبح کی نماز کے بعد کم از کم سات مرتبہ پڑھا جائے تو آنکھوں کی بیماریوں سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

علی قسیم الجنّۃ والنّار

اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ ۔ تفسیر برہان میں سید رضی کی کتاب مناقب فاخرہ سے منقول ہے۔ کہ ابن مسعود کہتا ہے میں ایک دن حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی :۔

غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾ وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ

لہذا تیری نظر آج تیز ہوگی اور اس کا ساتھی کہے گا یہ وہ ہے جو میرے پاس

اے آقائے نامدار! مجھے حق دکھائیے تاکہ میں اس کی اتباع کروں۔ آپ نے فرمایا اے ابن مسعود کمرے میں داخل ہوجاؤ چنانچہ میں اندر گیا تو دیکھا کہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام حالت نماز میں تھے اور نماز کے بعد انہوں نے دعا مانگی۔ اے اللہ اپنے عبد و رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے صدقے میں میرے شیعوں کے گناہ بخش دے۔ پس میں وہاں سے نکلا تاکہ اس امر کی اطلاع دینے کے لئے حضرت رسولؐ خدا کے پاس جاؤں۔ چنانچہ وہاں پہنچا تو حضورؐ کو دیکھا کہ عبادت کے بعد دعا مانگ رہے ہیں اے اللہ اپنے عبد علیؑ کے صدقہ میں میری اُمّت کے گنہگاروں کو بخش دے۔ ابن مسعود کہتا ہے مجھے حیرت ہوئی اور مدہوش سا ہو گیا۔ اتنے میں حضورؐ نے سجدے سے سر اُٹھایا تو مجھے دیکھ کر فرمانے لگے۔ اے ابن مسعود ایمان کے بعد کفر نہ کرنا۔ میں نے عرض کی حضور! میں نے علیؑ کو دیکھا تو وہ آپ کا واسطہ دے کر دُعا کر رہے تھے۔ اور آپ کو دیکھا تو علی کا واسطہ دے کر دعا فرما رہے ہیں۔ حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ اے ابن مسعود خدا نے مجھے اور علی و حسنؑ و حسینؑ کو تمام مخلوق سے دو ہزار سال پہلے اپنے نورِ عظمت سے پیدا فرمایا جب کہ نہ تسبیح تھی نہ تقدیس۔ اور میرے نور سے آسمانوں (۱) اور زمین کو پیدا کیا لیکن میں آسمانوں اور زمین سے افضل ہوں۔ اور علی کے نور سے عرش و کرسی (۲) کو پیدا کیا لیکن علیؑ عرش و کرسی سے افضل ہے۔ حسنؑ کے نور سے لوح (۳) و قلم کو پیدا کیا۔ اور حسنؑ لوح و قلم سے بہتر ہے اور حسینؑ کے نور سے جنّت اور حور عین (۴) کو خلق فرمایا لیکن حسینؑ جنّت اور حور عین سے افضل ہے۔ پس مشرق و مغرب میں ایک مرتبہ تاریکی چھاگئی تو فرشتوں نے دعا مانگی۔ اے پروردگار! ان پاک انوار کے صدقے میں ہم سے تاریکی کو دُور فرما۔ پس خداوند کریم نے ایک روح اور ایک نور کو خلق فرمایا اور نور و روح کو ملا کر اس سے جناب فاطمہؑ زہرا کو خلق فرمایا۔ جس کے نور سے مشرق و مغرب (۵) روشن ہوگئے۔ اے ابن مسعود! قیامت کے دن خدا مجھے اور علیؑ کو فرمائے گا۔ جسے چاہو جہنّم میں داخل کرو۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ۔ پس کفار سے مراد ہر وہ شخص ہے جو میری نبوت کا انکار کرے اور عنید سے مراد ہر وہ شخص جو علی اور اہل بیت کا انکار کرے

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بروز قیامت حضرت محمد مصطفےٰ اور حضرت علی مرتضےٰ صراط پر کھڑے ہوں گے اور صراط سے کوئی نہیں گذر سکے گا۔ مگر وہ جس کے پاس برأت نامہ ہوگا۔ محمد بن حمران راوی کہتا ہے میں نے پوچھ لیا کہ برأت نامہ سے کیا مُراد ہے تو آپ نے فرمایا حضرت علی اور اس کی اولاد طاہرین کی ولایت کی سند۔ پس اُس وقت ایک منادی ندا کرے گا۔ اے محمدؐ اے علیؑ جہنم میں ہر اُس شخص کو ڈالو جو نبوت سے کفار یعنی منکر ہو اور ولایت سے عنید یعنی سرکش ہو۔

ایک روایت میں حضرت رسالت مآبؐ سے جب آیت مجیدہ کا معنی دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اے علیؑ جب قیامت کے روز خدا لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کرے گا تو میں اور تو عرش کے دائیں جانب ہوں گے۔ پس اللہ ہم کو حکم دیگا کہ

عَتِيدٌ ﴿٢٤﴾ اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٥﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ

حاضر ہے (حکم ہوگا) پھینک دو تم دونو جہنم میں ہر منکر سرکش کو جو خیر سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا اور

مُّرِيبٍ ﴿٢٦﴾ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ

شکی ہے جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہرایا ہوا تھا پس اسکو سخت عذاب میں

الشَّدِيدِ ﴿٢٧﴾ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ

ڈال دو اس کا گمراہ ساتھی کہے گا اے پروردگار میں نے اسں کو گمراہ نہیں کیا تھا لیکن خود وہ گہری گمراہی میں

بَعِيدٍ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ﴿٢٩﴾

تھا (اللہ) کہے گا میرے پاس جھگڑا نہ کرو اور میں تمہارے پاس وعید پہلے بھیج چکا ہوں

اپنے دشمن ومخالفت کو جہنم میں ڈال دو۔
تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابوسعید خدری حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ بروز محشر خدا مجھے اور علیؑ کو فرمائے گا کہ اپنے دشمن کو جہنم میں ڈالو۔ اور اپنے محب اور دوست کو جنت میں داخل کرو۔ اور حضرت علی علیہ السلام کے قسیم الجنۃ والنار ہونے کی احادیث بکثرت وارد ہیں جو کہ حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ حدیث وسیلہ بھی اس مضمون پر مشتمل ہے جو تفسیر کی دوسری جلد میں مفصل مذکور ہے اور مقدمۂ تفسیر میں بھی اس مضمون کی احادیث نقل کی جاچکی ہیں۔

مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ:۔ خیر سے روکنے والا اس کا ظاہری مصداق ولید بن مغیرہ کو قرار دیا گیا ہے کہ اس سے اپنے بھتیجوں نے اسلام لانے کا مشورہ پوچھا تھا تو اس نے ان کو منع کیا تھا لیکن تاویل کے لحاظ سے تا قیامت دوسروں کو کار خیر سے روکنے والے اس آیت کے ذیل میں داخل ہوتے رہیں گے۔

اِلٰهًا اٰخَرَ:۔ یعنی وہ شخص ہے جس نے اللہ کے علاوہ کسی اور کو لائق عبادت اور مقصود حاجات ٹھہرایا ہوا تھا۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ:۔ اس جگہ قرین سے مراد وہ شیطان ہے جس نے اس کو گمراہ کر کے غلط راستے پر لگایا ہوا تھا یا اس سے مراد وہ علماء سوء ہیں جنہوں نے غلط اور ناجائز عقائد اس کو تعلیم کئے تھے۔ قیامت کے دن وہ اس سے بیزار ہوں گے اور کہیں گے ہم نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود گمراہ تھا۔ تو اس کے جواب میں ارشاد خداوندی ہوگا کہ اب میرے دربار میں جھگڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تم پر اتمام حجت کر چکا ہوں۔ اور اپنے نمائندے بھیج کر اس جہنم سے تم کو ڈرانے کا پیغام دے چکا ہوں لیکن تم نے پرواہ نہ کی۔ اب میرا قول تبدیل نہیں ہوگا وہ یہ کہ نافرمانوں کے لئے دائمی آتش جہنم ہے اور یہ میرا ظلم نہیں بلکہ عدل ہے کیونکہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۳۰﴾ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ

میرے پاس بات تبدیل نہیں کی جا سکتی اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر

امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۱﴾ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ

چکی ہے؟ اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ اور جنت قریب کی جائے گی متقیوں کے کہ نہ دور ہوگی۔

بَعِيْدٍ ﴿۳۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿۳۳﴾ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ

دکھا جائے گا، یہ وہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہر توبہ کرنے والے بچنے والے کے لئے ہے جو تنہائی میں بھی خدا سے

بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ﴿۳۴﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۵﴾

ڈرتا ہو اور رجوع کرنیوالے دل کے ساتھ (اُسکی) بارگاہ میں، آئے اس جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ یہ ہمیشگی کا دن ہے

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

ان کے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو وہاں چاہیں گے اور ہمارے پاس بہت کچھ ہے اور کس قدر ہم نے ہلاک کیا ان سے پہلے

رکوع ۱۵

هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ :- عامۃ المسلمین نے اس جگہ سخت ٹھوکر کھائی ہے کہ جب خدا جہنم کو کہے گا کیا تو بھر چکی ہے تو وہ مزید کی طالب ہوگی۔ جب تمام دشمنانِ خدا لقمۂ جہنم ہو جائیں گے تب بھی وہ ھل من مزید کی رٹ لگاتی رہے گی پھر اس کے اندر پہاڑوں کو داخل کیا جائے گا۔ تب بھی اُس کی ہوس پوری نہ ہوگی۔ آخرکار نَيَضَعُ الْجَبَّارُ فِيْهَا قَدَمَهٗ۔ یعنی خدا اپنا قدم اس میں رکھے گا تو وہ کہے گی۔ قط قط یعنی میں بھر چکی ہوں (مشکوٰۃ و بخاری وغیرہ) اور آلِ محمد جو ابوابِ مدینۂ علم ہوتے ہیں ان سے تفسیرِ قرآن حاصل نہ کرنے کے نتیجے میں اس قسم کی غلطیاں لوگوں سے صادر ہوئیں حالانکہ خدا جسم و جسمانیات سے مبرا و منزہ ہے۔ اور شیعہ کے نزدیک وہ خدا خدا نہیں جو اپنے قدم کو جہنم میں ڈالنے والا ہو۔ پس اس جگہ ھل من مزید کا استفہام انکاری ہے۔ یعنی جب اس سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تو پُر ہے؟ تو وُہ ازراہِ انکار کہے گی کہ ابھی کچھ اور بھی باقی ہے؟ یعنی میں سیر ہو چکی ہوں۔ مجھ میں مزید کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اگر اس کو استفہام انکاری نہ بھی قرار دیا جائے تو ضروری نہیں کہ خدا کو ہی اپنا پاؤں اس میں ڈالنا پڑے حالانکہ وہ اس سے منزّہ ہے بلکہ جہنم کی وسعت و قوت کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

وَاُزْلِفَتْ :- ازلاف کا معنی ہے قریب کرنا اور زلفی بمعنی قرب اسی سے ہے۔

فَنَقَّبُوْا :- نقب کا معنی راستہ بنانا ہوتا ہے۔ اور اس جگہ مقصد یہ ہے کہ انہوں نے دور دور تک شہروں اور ملکوں میں فتوحات حاصل کیں اور اپنی آمد و رفت کے لئے یہاں سے وہاں تک راستے بنا ڈالے۔ اس لئے کہ وہ خوب

مِنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٦﴾

قوموں کو جو ان سے طاقت میں مضبوط تر تھیں جنہوں نے ملک فتح کئے کیا ان کے لئے کوئی بچاؤ تھا؟

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾

تحقیق اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو صاحب دل ہو یا کان لگا کر سنے اور اس کی طرف پورا متوجہ ہو

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا

اور تحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو کچھ ان کے اندر ہے چھ دنوں میں اور ہمیں کوئی تھکان

مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ

نہیں ہوئی پس وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے سورج نکلنے سے

الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾

پہلے اور غروب سے پہلے اور رات کے بعض حصہ میں اس کی تسبیح کرو اور سجدہ کے بعد

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ

اور کان دھر کے سنو جس دن پکارے گا پکارنے والا نزدیک کے مکان سے جس دن یہ لوگ حق کی آواز

تنومند اور طاقت ور تھے۔

حضرت علی کی فضیلت

كَانَ لَهٗ قَلْبٌ :- تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ کے پاس دو اونٹنیاں بطور ہدیہ کے پہنچیں تو آپؐ نے صحابہ سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص ایسی دو رکعتیں ادا کرے جن میں کوئی دنیاوی خیال اس کے دل پر نہ گذرے تو ان میں سے ایک اونٹنی اس کو دوں گا۔ حضورؐ نے یہ اعلان تین بار دہرایا۔ کسی کو لبیک کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ پس حضرت علی علیہ السلام نے لبیک کہی۔ چنانچہ جب دو رکعت ادا کر چکے تو حضرت جبرئیل کا نزول ہوا کہ خدا تحفۂ درود و سلام کے بعد فرماتا ہے۔ حسبِ وعدہ ایک اونٹنی علی کے حوالے کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں نے شرط لگائی تھی کہ خیال اس کے دل میں کوئی نہ گذرے لیکن علیؑ نے حالت تشہد میں یہ خیال کیا تھا کہ ان میں کونسی لوں تو جبرئیل نے دوبارہ پلٹ کر عرض کی کہ خدا فرماتا ہے علیؑ کا وہ خیال دنیاوی نہ تھا بلکہ میری خوشنودی کے لئے تھا۔ کیونکہ علیؑ نے سوچا تھا کہ ایسی اونٹنی لوں گا جو زیادہ موٹی ہو تاکہ اس کو نحر کر کے مساکین پر صدقہ کروں گا۔ پس خوشی کے مارے رسول اللہ پر گریہ طاری ہوا۔ اور وہ دونوں اونٹنیاں حضرت علیؑ کے حوالے کر دیں۔ اور

بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾

سنیں گے یہ اُٹھنے کا دن ہوگا تحقیق ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم مارتے ہیں اور ہماری طرف بازگشت ہوگی

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾

جس دن زمین شگافتہ ہوگی اُن سے دنکلیں گے جلدی یہ جمع کرنا ہم پر آسان ہے

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ

ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تو اُن کے اُوپر جبر کرنے والا نہیں ہے پس قرآن کے

بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾ ع ۱۷

ساتھ نصیحت کرو اس کو جو وعید سے ڈرتا ہے

یہ آیت اُتری اِس پس ذوالقلب بھی اس آیت میں علیؑ ہے اور شہید بھی علیؑ ہے۔ چنانچہ ایک خطبے میں بھی آپ نے اسی آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ذوالقلب ہوں۔

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ :۔ آسمانوں اور زمین کی چھ دنوں میں پیدا کرنے کی تشریح تفسیر کی جلد ۶ ص۱۲ جلد ص۱۹۲ جلد ص۱۰۲ پر ملاحظہ ہو۔

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ :۔ تین اوقات نماز کا بیان ہے۔ طلوعِ شمس سے پہلے صبح کی نماز غروب سے پہلے دو نمازیں ظہر و عصر اور اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہرین کا آخر وقت غروب آفتاب ہے۔ اور رات کی نمازیں مغرب اور عشاء ہیں۔ اور ادبار السجود سے نافلہ مغرب یا جملہ فرائض کے بعد والے نوافل یا نماز وتر یا تعقیبات نماز باختلاف اقوال مراد لیے گئے ہیں۔ اور اوقاتِ نماز کا بیان اس سے پہلے تفسیر کی جلد، ص۲۴۵ پر گذر چکا ہے۔ اور اس آیت میں پانچ نمازوں کے لئے تین اوقات کا ذکر ہے۔

يُنَادِ الْمُنَادِ :۔ یہ دوسری دفعہ اسرافیل کے صور پھونکنے کا ذکر ہے اور مکان قریب سے مراد یہ ہے کہ یوں معلوم ہوگا کہ بالکل قریب کہیں سے آواز آرہی ہے۔ یعنی ہر آدمی اس کو اپنے قریب سمجھے گا۔ تفصیل جلد ۱۲ ص۱۳۲ پر گذر چکی ہے۔

سورۂ والذّاریٰت

یہ سورہ مکیہ ہے۔

آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت اکسٹھ ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے جو شخص سورہ الذاریات کی تلاوت کرے، اس کو ہر چلنے والی ہوا سے دس گنا زیادہ نیکیاں عطا ہوں گی۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص دن یا رات میں اس سورہ کو پڑھتا رہے خدا اس کی روزی آسان کرے گا اور اس کا رزق وسیع ہوگا نیز قبر میں اس کو ایک نور عطا ہوگا جو تاقیامت اس کی قبر میں روشنی کا موجب ہوگا۔

خواص القرآن سے منقول ہے۔ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا جو شخص اس کو برتن میں لکھ کر دھو کر پیئے تو اس کے پیٹ کا درد ختم ہو جائے گا اور اگر حاملہ عورت پر باندھا جائے تو وضع حمل آسان ہوگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر اس کو قریب المرگ شخص کے پاس لکھا جائے تو اس کے روح کا نکلنا آسان ہوگا۔ باذن اللہ۔

اگر کسی عمل کے ذریعے سے مرد کو عورت کے قریب جانے سے باندھ دیا گیا ہو تو زیتون کے دو پتے لے کر ایک پتے پر سورہ ذاریات کی آیت ۴۷ وَالسَّمَآءَ بَنَیۡنٰهَا الخ کو لکھ کر مرد کو کھلا دیں اور دوسرے پتے پر آیت ۴۸ وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا الخ لکھ کر عورت کو کھلا دیں، انشاء اللہ ان کی بندش دور ہو جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَالذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا ۝۱ فَالۡحٰمِلٰتِ

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں) قسم ہے ذرات کو بکھیرنے والی ہواؤں کی پانی کا بوجھ اٹھانیوالے

وِقۡرًا ۝۲ فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا ۝۳ فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ۝۴ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ ۝۵

بادلوں کی اور آسانی سے پانی کی سطح پر چلنے والی کشتیوں کی پس امر کو تقسیم کرنے والے فرشتوں کی بے شک جو تم سے وعدہ کیا گیا

لَصَادِقٌ ۝۶ وَّاِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ ۝۷ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الۡحُبُکِ ۝۸

ہے وہ سچ ہے اور تحقیق جزاء واقع ہونے والی ہے اور آسمان کی قسم جس میں دھاریاں ہیں

رکوع ۱۸

وَالذّٰرِیٰتِ :- ذرا یذرو سے ہے۔ ہوا کا مٹی کے ذرات یا تنکوں کو اڑانا اور فضا میں بکھیرنا۔ آیت مجیدہ میں ہواؤں کی قسم ہے۔ یا یہ کہ اس کا مضاف محذوف ہے۔ یعنی رَبِّ الذّٰرِیٰتِ اور معنی ہوگا ہواؤں کے رب کی قسم۔

فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا :- وِقر اور وَقر میں یہ فرق ہے کہ وَقر کانوں کے بہرہ پن کو کہا جاتا ہے اور وِقر بوجھ کو کہا جاتا ہے۔ جو پشت پر اٹھایا جائے۔ پس حاملات کا موصوف محذوف ہے۔ یعنی پانی کا بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی قسم یا مضاف محذوف ہونے کی صورت میں ان کے رب کی قسم۔

فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا :- اس کا موصوف سفن محذوف ہے یعنی پانی پر چلنے والی کشتیوں کی قسم جو آسانی سے پانی کی سطح پر تیرتی ہیں

فَالۡمُقَسِّمٰتِ :- اس کا موصوف ملائکہ محذوف ہے۔ یعنی اُمور کے تقسیم کرنے والے ملائکہ کی قسم یا اُن کے رب کی قسم۔ اگر مضاف کو محذوف مانا جائے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بندوں کے لئے غیر اللہ کی قسم کھانا ناجائز ہے۔ لیکن اللہ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی قسم کھائے جائز ہے۔

لَصَادِقٌ :- اسم فاعل کا صیغہ ہے لیکن مصدر کے قائم مقام ہے۔ یعنی وہ جو وعدہ کیا گیا ہے وہ سچ ہے۔ کیونکہ وعدہ کو سچ کہا جاتا ہے اور وعدہ کرنے والے کو سچا کہا جاتا ہے۔

اِنَّ الدِّیۡنَ :- یعنی قیامت کا دن ضرور آئے گا جس میں نیکیوں اور برائیوں کا بدلہ دیا جائے گا۔

ذَاتِ الۡحُبُکِ :- حُبُک کا واحد حباک یا حبیکہ آتا ہے اس کا معنی ہے طرائق یعنی دھاریاں۔ اور پانی کی سطح پر ہوا کی وجہ سے پیدا ہونے والی لہروں کو بھی حبک کہا جاتا ہے اور حبک کا معنی خوشنما ہونا اور دلکش ہونا بھی منقول ہے۔ اور امام علی رضا علیہ السلام سے اس کا معنی ایک دوسرے کے اُوپر نیچے ہونا مذکور ہے۔ چنانچہ آپ نے زمین پر ایک ہاتھ رکھا پھر اس کے اُوپر دوسرا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ نیچے اس طرح زمین ہے اور اس کے اوپر آسمان کا گنبد نما شامیانہ ہے پھر زمین پھر اوپر آسمان وعلیٰ ہذا القیاس۔ سات زمینیں اور سات آسمان اور سب کے اوپر اللہ کا عرش ہے (مجمع البیان) اور ممکن ہے

إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٩﴾ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ﴿١٠﴾ قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ ﴿١١﴾

تحقیق تم (محمدؐ کے متعلق) مختلف نظریے رکھتے ہو اس سے پھیر دیا جاتا ہے جو (حق سے) پھیر دیا جائے ملعون ٹھہرے شک کرنے والے

الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ﴿١٢﴾ يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٣﴾ يَوْمَ

جو گمراہی کی گہرائی میں بھٹکنے والے ہیں وہ پوچھتے ہیں جزا کا دن کب آئے گا ؟ جس دن

هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿١٤﴾ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ

وہ آگ پر عذاب دیے جائیں گے (کہا جائے گا) چکھو اپنا عذاب یہ وہ ہے جس کی تم جلدی

تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٥﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٦﴾ آخِذِينَ مَا

چاہتے تھے تحقیق متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے لیں گے وہ جو ان

اس سے سات سیاروں کی آبادیاں مراد ہوں۔ اور ہر ایک کا آسمان اسی طرح ہو جس طرح زمین والوں کا آسمان ہے اور تحقیقات حاضرہ سے کسی حد تک اسی امر کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے اور شیخ ابوالحسن شعرانی محشی مجمع البیان فرماتے ہیں کہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ سیاروں میں سے ہر کرہ ایک زمین ہے۔ اور وہ فضائے محیط جس میں وہ چکر لگاتا ہے اس کا آسمان ہے۔ روایت سابقہ میں اس آیت مجیدہ سے استشہاد کیا گیا ہے۔ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ الآية۔ یعنی اللہ نے سات آسمان بنائے اور ان جیسی زمینیں بھی۔ ان کے درمیان امر نازل ہوتا ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ صاحب الامر نبی اور اس کے بعد اس کا قائم مقام ولی ہوتا ہے۔ جس پر اوپر سے امر نازل ہوتا ہے۔ اور فرمایا ہمارے نیچے صرف ایک زمین ہے۔ باقی چھ زمینیں ہمارے اوپر ہیں (مجمع البیان والبرہان)

قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ :۔ اس آیت کی ظاہری تفسیر تو ظاہر ہے کہ مشرکین مکہ حضورؐ کے متعلق قسم قسم کی باتیں کرتے تھے۔ کبھی کہتے تھے۔ شاعر ہے۔ کبھی کہتے تھے۔ دیوانہ ہے اور کبھی جادوگر کہہ دیتے تھے۔ اور چونکہ قرآن مجید قیامت تک زندہ کتاب ہے لہذا اس کی تاویل کا تاقیامت موجود رہنا ضروری ہے۔ اور اسی بنا پر تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ پیغمبر کے بعد آپ کے قائم مقام ولی کے متعلق اُمت میں جو اختلاف پیدا ہوا۔ یہ آیت مجیدہ اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے پس جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت میں داخل ہو گئے وہ جنتی ہوئے اور جو آپ سے منحرف ہوئے وہ جہنمی ٹھہرے اسی بنا پر يُؤْفَكُ عَنْهُ۔ میں ضمیر غائب کا مرجع جنت ہے اور معنی یہ ہے کہ جنت سے پھیر دیا جائے گا۔ وہ جو علیؑ کی ولایت سے پھر جائے گا۔ اور اسی معنی کی روایت تفسیر قمی سے بھی نقل کی گئی ہے۔

اَلْخَرَّاصُوْنَ۔ یعنی جو لوگ رسول اللہ کے متعلق اندازے اور گمان کی باتیں کہتے ہیں اخرص کا معنی اندازہ کرنا ہوتا ہے۔

اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ

کو رب نے دیا کیونکہ وہ اس سے پہلے (دنیا میں) احسان کرنے والے تھے (۱) رات (۲) کو کم

الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ

سوتے تھے اور سحور کے وقت (۳) استغفار کرتے تھے اور ان کے (۴) مالوں میں

حَقٌّ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَفِيْٓ

سائل اور محروم کا حق ہوتا ہے اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور تمہارے

وہ مستحق نفرین ولعنت ہیں۔

فِيْ غَمْرَةٍ :۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جہالت کا پہلا درجہ سہو پھر غفلت اور آخری درجہ غمرہ کہلاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ کے متعلق مختلف قسم کی باتیں کرنے والے اور اپنے اندازے اور ظن سے قیاس آرائیاں کرنے والے جہالت کی آخری سٹیج پر پہنچے ہوئے ہیں۔

يَسْــَٔلُوْنَ :۔ وہ ازراہِ تمسخر پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ ان کو سرزنش کی گئی ہے کہ آخر قیامت ضرور آئے گی۔ اور ان کو اس وقت پتہ چلے گا جب جہنم کی بھٹی میں ان کو جھونک دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ اس عذاب میں جلتے رہو۔ کیونکہ یہ وہی ہے جس کے جلدی آنے کی تم خواہش کرتے تھے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ :۔ نافرمانوں اور منکروں کے لئے جہنم کے ذکر کے بعد نیک اور متقی لوگوں کے لئے جنت کا ذکر فرمایا تاکہ طالب ہدایت کے سامنے دونوں پہلو موجود ہوں۔ اور وہ اپنے نظریے کو فیصلہ کن مرحلہ تک پہنچانے میں آسانی محسوس کرے۔ پس فرمایا کہ متقی لوگ جنت میں اللہ کے عطا کردہ انعامات میں بسر کریں گے۔ اُن کی علامتیں یہ ہیں کہ وہ دنیا میں احسان کرنے والے ہیں اور ساری رات نہیں سویا کرتے بلکہ ان کی عادت یہ ہے کہ سوتے کم ہیں۔ اور جاگ کر عبادتِ پروردگار میں زیادہ وقت خرچ کرتے ہیں۔ اور سحور کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سحور کے وقت استغفار کرنے سے مراد نماز وتر کے دعائے قنوت میں ستر دفعہ استغفار پڑھنا ہے۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا رات کو ہر بندہ خود بخود تین مرتبہ جاگتا ہے۔ اگر پھر بھی نہ اُٹھے تو شیطان اس کے کان میں پیشاب کر کے چلا جاتا ہے۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ :۔ یعنی متقی اور جنتی لوگوں کی علامات میں سے ہے کہ اُن کے اموال میں سے حقوقِ واجبہ زکوٰۃ و فطرہ و نذر وغیرہ مستحقین تک پہنچتے ہیں۔ خواہ وہ سائل ہوں یا محروم ہوں۔ سائل سے مراد وہ مستحق ہے جو اپنا استحقاق ظاہر کر کے سوال کر کے وصول کرے۔ اور محروم سے مراد وہ مستحق ہے جو سوال کرنے کا عادی نہ ہو۔ اور اس کو محروم اس لئے کہا گیا ہے کہ چونکہ وہ سوال نہیں کرتا اس لئے دینے والے لوگوں کو اس کے استحقاق کا پتہ نہیں چلتا لہٰذا وہ شخص عمومی عطیات سے محروم رہتا ہے

أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢٢﴾ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٣﴾ فَوَ

نفسوں میں بھی کیا تم بصیرت حاصل نہیں کرتے — اور آسمان میں تمہارا رزق ہے — اور جو تم وعدہ کئے گئے ہو پس آسمان و

لہٰذا جس شخص کو معلوم ہو کہ فلاں مستحق ہے لیکن سوال نہیں کرتا۔ تو اس کو دینا دوسروں کو دینے سے افضل ہے۔

دلیل توحید

وَفِي الْاَرْضِ :۔ یعنی زمین اور اطرافِ عالم میں نگاہ کرنے والے انسان کے لئے توحید کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں کیونکہ کائنات کی ہر چیز اپنے اپنے مقام پر اپنے صانع ومحسن کے وجود کا پتہ دے رہی ہے۔ گویا زمین ایک ایسی کھلی ہوئی کتاب ہے جس کی ہر ہر سطر پر توحید پروردگار کا واضح بیان موجود ہے۔ اور زمین یا عالم ممکنات کی دوسری اشیاء سے غض بصر کرنے کے بعد انسان اپنے وجود میں اگر دھیان کرے تو اس کے جسم کا ہر حصہ خون کا ہر قطرہ رگ رگ۔ پٹھہ پٹھہ۔ جوڑ جوڑ اور بال بال اپنے خالق کی یکتائی کا پتہ دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَفِي أَنفُسِكُمْ۔ یعنی تمہارے اپنے نفسوں میں توحید صانع کے دلائل و براہین موجود ہیں تم کیوں غور نہیں کرتے؟ تفسیر برہان میں ہے جب ابن ابی العوجاء کے سامنے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے توحید پروردگار پر استدلال قائم فرمایا تو اس نے اعتراض کیا کہ اگر اللہ موجود ہے تو وہ رسول کیوں بھیجتا ہے۔ خود سامنے آ کر مخلوق کو اپنی عبادت کی دعوت کیوں نہیں دیتا۔ وہ خود پوشیدہ کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا۔ تیرے لئے مقام افسوس ہے کہ سمجھتے نہیں ہو جس کے آثار قدرت تیرے اپنے اندر موجود ہیں۔ وہ تجھ سے مخفی اور پوشیدہ کیونکر ہے؟ تیرا نہ ہونے کے بعد ہو جانا بچپنے کے بعد جوانی و بڑھاپا۔ طاقت کے بعد کمزوری یا کمزوری کے بعد طاقت تندرستی کے بعد بیماری۔ یا بیماری کے بعد تندرستی۔ غصے کے بعد رضامندی یا رضامندی کے بعد غصہ۔ خوشی کے بعد غمی یا غمی کے بعد خوشی۔ نفرت کے بعد محبت یا محبت کے بعد نفرت۔ سستی کے بعد عمل یا عمل کے بعد سستی۔ کراہت کے بعد چاہت یا چاہت کے بعد کراہت ڈر کے بعد رغبت یا رغبت کے بعد ڈر۔ ناامیدی کے بعد امید۔ یا امید کے بعد ناامیدی۔ اسی طرح بھول کے بعد یاد یا یاد کے بعد بھول وغیرہ۔ (یہ سب اس کے وجود کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟) وہ کہتا ہے کہ آپ اسی طرح مسلسل میرے اندر پیدا ہونے والی نفسی کیفیات کو ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ اللہ میرے سامنے موجود ہے۔

وَفِي السَّمَاءِ :۔ آسمانی رزق سے مراد بارش ہے جو زمینی آبادی کا باعث بنتی ہے یا یہ کہ آسمان میں لوح محفوظ ہے جس میں تمہارے رزق معین کر دیئے گئے ہیں اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی ثواب وعقاب اور جنت و نار یہ بھی آسمان میں ہے۔

إِنَّهُ لَحَقٌّ :۔ یعنی جو کچھ قرآن مجید میں موجود ہے یا جو کچھ میرا حبیب میری طرف سے تم کو بیان کرتا ہے وہ سب حق ہے۔ اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں جس طرح تم کو اپنے بولنے میں کوئی شک نہیں ہوتا۔

مِثْلَ مَا :۔ اگر مثل پر ضمہ پڑھا جائے تو حق کی صفت واقع ہوگا کیونکہ مثل اور غیر اس قدر مبہم ہیں کہ مضاف ہونے کے بعد بھی ان کی تنکیر باقی رہتی ہے اس لئے یہ نکرہ کی صفت واقع ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اس پر فتحہ پڑھا جائے تو یہ محلاً مرفوع اور لفظاً مبنی علی الفتحہ ہوگا۔ کیونکہ بعض نحویوں نے کہا ہے کہ جس طرح باقی اسماء مضاف ہو کر مضاف الیہ سے تعریف یا تخصیص حاصل کرتے

رَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ ع ۱۸

زمین کے رب کی قسم بے شک یہ حق ہے جس طرح کہ تم بولتے ہو

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا

کیا تمہارے پاس حضرت ابراہیم کے مکرم مہمانوں کی خبر پہنچی ؟ جب وہ آپ کے

عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

پاس آئے تو سلام کہا آپ نے جواب سلام کہا (اور دل میں کہا) کہ یہ اوپرے لوگ ہیں پس چپکے سے گھر گئے تو

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ ۚ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ

گائے کے موٹے تازے بچھڑے (کا بھنا ہوا گوشت) لائے اور ان کے آگے رکھ دیا پھر کہنے لگے کیا کھاتے نہیں ہو؟ پس ان سے

مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقْبَلَتِ

ڈر محسوس کرنے لگے تو انہوں نے کہا ڈرو نہیں اور انہوں نے ایک دانا بیٹے کی خوشخبری بھی سنائی (یہ سنتے ہی) ان کی بیوی چیختی

امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ہوئی آئی پس اس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہنے لگی (میں تو) ایک بڑھیا بانجھ عورت ہوں

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۰﴾

انہوں نے کہا اسی طرح تیرے رب نے فرمایا ہے بے شک وہ دانا بینا ہے

ہیں۔ اسی طرح اسماء مبہمہ مضاف الیہ سے بنا یعنی مبنی ہونا حاصل کرتے ہیں۔ جس طرح یَوْمَئِذٍ۔ حِیْنَئِذٍ۔ غَیْرُمَا اور مِثْلَ مَا۔ اور بعض نحویوں نے آیت مجیدہ میں مِثْلَمَا کو ایک کلمہ قرار دیا ہے اور مَا کو زائدہ بھی قرار دیا گیا ہے اور اَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ۔ مفرد کی تاویل میں ہے یعنی مِثْلَ نُطْقِکُمْ

رکوع ۱۹ هَلْ اَتٰکَ :۔ جب حضرت لوط علیہ السّلام کی قوم کو معذب کرنے کے لئے فرشتے آئے تو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پاس بشکل انسانی پہنچے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو نہ پہچانا اور ان کو اطلاع دیئے بغیر گھر میں ان کے کھانے کا بندوبست کرنے کا حکم دیدیا۔ رَوغ کا معنی ہے کسی کو اطلاع دیئے بغیر کھسک جانا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ان کو بتائے بغیر اس لئے کھانے کا انتظام فرمایا کہ اگر ان کو بتایا جائے تو مبادا از راہِ تکلف کہہ دیں کہ حضور تکلیف نہ فرمادیں۔

بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ:۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی مالداری گائے اور بیلوں میں منحصر تھی۔ پس جب وہ گائے کا موٹا تازہ بچھڑا ذبح کرکے بھون کے لائے تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو ان سے خطرہ محسوس ہوا کہ یہ کہیں ڈاکو لٹیرے نہ ہوں تب انہوں نے کہا کہ ہم خدا کے فرستادہ فرشتے ہیں لہٰذا غذا کھانے کی ضرورت نہیں رکھتے اور ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ولادتِ فرزند کی بشارت بھی انہوں نے دی جس پر ان کی عمر رسیدہ بیوی جناب سارہ نے منہ پیٹ لیا کہ میں بڑھیا اور بانجھ عورت ہوں جو اولاد جننے کے قابل ہی نہیں کیسے بچہ جنوں گی فرشتوں نے جواب دیا اللہ حکیم و علیم ہے اور اُس نے یہی حکم دے کر ہمیں بھیجا ہے۔ یہ واقعہ جلد ۷ صفحہ ۴۴ پر بیان کیا جا چکا ہے۔

پارہ ۲۷

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٢﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٣﴾

(ابراہیمؑ نے) کہا کہ تمہارا کام ہے کیا اے خدا کے فرستادہ فرشتو؟ — کہنے لگے ہمیں مجرم لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿٣٤﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٥﴾

تا کہ ان پر مٹی کے پتھر برسائیں — جو تیرے رب کے نزدیک علامت شدہ ہیں تجاوز کرنے والوں کے لئے

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٦﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ

پس وہاں سے نکال دیا ہم نے ان کو جو مومن تھے — پس نہ پایا ہم نے اس میں مسلمانوں میں سے

بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٧﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ

سوائے ایک گھر کے — اور ہم نے اس میں نشانی چھوڑ دی — ان لوگوں کے لئے جو دردناک

رکوع ۲

قَالَ فَمَا بیٹے کی بشارت سننے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ملائکہ سے دریافت کیا کہ تم کس کام کے لئے آئے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم مجرم لوگوں پر عذاب بھیجنے کے لئے اترے ہیں اور وہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھی جن میں بخل و لواطت کے علاوہ غسل جنابت نہ کرنے اور پاخانہ پھرنے کے بعد استنجاء نہ کرنے کی عادات بھی تھیں۔

حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ:۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جو لوگ گھروں میں موجود تھے۔ ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر کے ان کو غرق کر دیا گیا۔ اور جو اس موقعہ پر گھروں سے باہر تھے ان پر پتھر برسا کر ختم کر دیا گیا اور تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت لوطؑ کی بیوی جو پیچھے رہ گئی تھی وہ دھماکہ سن کر مر گئی۔

قصّہ:۔ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بتایا کہ ہم حضرت لوطؑ کی قوم کو معذب کرنے جا رہے ہیں تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت لوطؑ کے متعلق پوچھا کہ اس کا کیا حال ہوگا۔ تو فرشتوں نے کہا کہ اللہ اس کو بچا لے گا۔ عذاب سے پہلے حضرت لوطؑ کو بتایا گیا تھا کہ ہم تیری قوم کو معذب کرنے کے لئے آئیں گے۔ تم راتوں رات نکل جانا اور اپنے افراد کنبہ کو بھی لے جانا۔ اور وہ اس طرح کہ آج سمیت سات دن گذار کر آٹھویں رات عذاب آئے گا۔ چنانچہ جب وہ سات دن گذر گئے تو آٹھویں کی رات طلوع صبح کے وقت وہ فرشتے ابراہیمؑ کے پاس آئے اور لڑکے کی بشارت کے بعد عذاب قوم لوطؑ کی خبر سنائی۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے دفع عذاب کی سفارش کی تو ارشاد قدرت ہوا۔ اے ابراہیمؑ اب تم ان کی سفارش نہ کرو۔ يَاۤ اِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ یعنی اے ابراہیمؑ قوم لوطؑ کی سفارش والی بات چھوڑ دیجئے کیونکہ اللہ کی جانب سے ان کے عذاب کا حتمی فیصلہ ہو چکا ہے اور اب نہ ٹلنے والا عذاب

الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۸﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ

عذاب سے ڈرتے ہیں اور موسیٰ کے قصہ میں (بھی نشانی ہے ہماری قدرت کی) جب ہم نے اس کو واضح معجزہ دیکر فرعون

مُّبِيْنٍ ﴿۳۹﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذْنٰهُ

کی طرف بھیجا تو وہ اپنی طاقت کے بل بوتے پر اکڑ گیا اور کہنے لگا یہ جادو گر یا دیوانہ ہے پس ہم نے اس کو

وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا

اور اس کے لشکر کو اپنی گرفت میں لے لیا پس ان کو سمندر میں ڈال دیا کہ وہ قابل ملامت حال میں تھا اور قوم عاد (کی ہلاکت بھی نشانی ہے) جب

عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۲﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ

ہم نے اُن پر غیر فائدہ مند تیز و تند ہوا بھیجی جو کسی چیز کو نہ چھوڑتی تھی جہاں سے گذرتی تھی مگر یہ کہ اُسے ریزہ ریزہ کر

كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۳﴾ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

ڈالتی تھی اور قوم ثمود (کا عذاب بھی نشانی ہے) جب اُن سے کہا گیا کہ فائدہ اٹھا لو ایک وقت تک انہوں نے اپنے

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۵﴾

رب کے فرمان سے سرکشی اختیار کی تو دیکھتے ہی دیکھتے ان کو بجلی نے پکڑ لیا

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ

پس نہ وہ اٹھ سکتے تھے اور نہ کسی کو مدد کے لئے بلا سکتے تھے اور قوم نوح (کا عذاب بھی قدرت خداوندی کی نشانی ہے)

یقیناً ان پر آ کے رہے گا۔ چنانچہ اُن پر عذاب آیا اور وہ نیست و نابود ہو گئے۔ مفصل واقعہ اس سے پہلے رجلد ۷ صہ ۲۳۴ تا صہ ۲۳۶ پر ملاحظہ فرمائیے۔ اور اسی جلد میں سورہ القمر کی تفسیر میں بھی مذکور ہوگا۔

وَفِيْ مُوْسٰى :۔ مفصل واقعہ تفسیر کی دوسری جلد پہلا ایڈیشن صہ ۱۳۶ پر اور جلد ۷ صہ ۱۸۴ پر ملاحظہ ہو۔

وَفِيْ عَادٍ :۔ اس کا واقعہ تفسیر کی جلد ۷ صہ ۲۲۵ پر۔ اور اسی جلد سورہ القمر کی تفسیر میں بھی آئے گا۔

وَفِيْ ثَمُوْدَ :۔ مفصل واقعہ تفسیر کی جلد ۷ صہ ۲۲۶ پر اور جلد ۶ صہ ۴۹ ۔ اور اسی جلد میں سورہ القمر کی تفسیر میں بھی آئے گا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ :۔ مفصل واقعہ تفسیر کی جلد ۷ از صہ ۲۰۵ تا صہ ۲۲۴ ۔ اور اسی جلد میں سورہ القمر کی تفسیر میں بھی بیان ہوگا۔

رکوع ۲ : خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ :۔ خداوند کریم نے جس طرح ذی روح مخلوق کو جوڑا جوڑا خلق فرمایا ہے۔ اسی طرح

مِن قَبۡلُ ۖ إِنَّهُمۡ كَانُوا۟ قَوۡمًا فَٰسِقِينَ ﴿٤٦﴾ وَٱلسَّمَآءَ بَنَيۡنَٰهَا بِأَيۡيْدٍ وَ

جو ان سے پہلے گذری کیونکہ وہ بھی فاسق لوگ تھے اور آسمان کو ہم نے اپنی قدرت سے بنایا اور

إِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿٤٧﴾ وَٱلۡأَرۡضَ فَرَشۡنَٰهَا فَنِعۡمَ ٱلۡمَٰهِدُونَ ﴿٤٨﴾

ہم وسیع قدرت رکھنے والے ہیں اور زمین کو ہم نے بچھایا پس بہتر بچھانے والے ہیں

وَمِن كُلِّ شَيۡءٍ خَلَقۡنَا زَوۡجَيۡنِ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُونَ ﴿٤٩﴾ فَفِرُّوٓا۟

اور ہر چیز سے ہم نے جوڑا جوڑا پیدا کیا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو پس اللہ کی طرف

إِلَى ٱللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنۡهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَجۡعَلُوا۟ مَعَ ٱللَّهِ

(عذاب سے) دوڑ کے جاؤ تحقیق میں تمہارے لئے اس کی جانب سے صاف ڈرانیوالا ہوں اور نہ ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور

إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنۡهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥١﴾ كَذَٰلِكَ مَآ أَتَى

معبود تحقیق میں تمہارے لئے اس کی جانب سے صاف ڈرانیوالا ہوں اسی طرح نہیں آیا ان کی طرف جو

ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا۟ سَاحِرٌ أَوۡ مَجۡنُونٌ ﴿٥٢﴾

ان سے پہلے تھے کوئی رسول مگر یہ کہ انہوں نے کہا جادوگر یا دیوانہ ہے

أَتَوَاصَوۡا۟ بِهِۦ ۚ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُونَ ﴿٥٣﴾ فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَآ أَنتَ

کیا انہوں نے اس بات کا کچھ جوڑ کیا ہوا ہے ؟ بلکہ وہ سرکش لوگ ہیں پس ان سے روگردانی کرو پس تم ملزم

بِمَلُومٍ ﴿٥٤﴾ وَذَكِّرۡ فَإِنَّ ٱلذِّكۡرَىٰ تَنفَعُ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ﴿٥٥﴾ وَمَا

(قرار دئیے) نہ ہوگے اور نصیحت کرو کیونکہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے اور میں نے

غیر ذی روح نباتات و جمادات کو بھی جوڑا جوڑا خلق فرمایا ہے بلکہ حالات و کیفیات بھی جوڑے جوڑے ہیں۔ مثلاً دکھ سکھ سردی گرمی۔ رات دن اور آخرت میں جنت و دوزخ اور دنیا میں ایمان و کفر وغیرہ۔ اور یہ چیزیں غور و فکر کے بعد ہر ذی شعور کو وجود خالق اور اس کی یکتائی کا پتہ دیتی ہیں۔

۲ تَوَاصَوْ :۔ یعنی ان لوگوں نے ایک دوسرے کو وصیت کر رکھی ہے کہ نبیوں کی اطاعت نہ کرنا یعنی کیا گذشتہ کفار آنے والی نسلوں کو یہ وصیتیں کرتے چلے گئے ہیں ؟ اللہ فرماتا ہے کہ ایسا نہیں بلکہ ان کی سرکشی نے ان کو انبیاء کی دعوت

خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ

جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں میں نہ اُن سے کوئی نفع حاصل کرنا چاہتا ہوں اور نہ یہ

اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

چاہتا ہوں کہ مجھے کھانا دیں کیونکہ تحقیق اللہ ہی ہر ایک کو رزق دینے والا صاحب قوت طاقت ور ہے

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾

پس تحقیق ظلم کرنے والوں کے لئے اتنا ہی عذاب ہے جتنا ان جیسے گذشتہ لوگوں کا ہے پس وہ جلدی کی خواہش نہ کریں

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

پس ویل اُن کے لئے جنہوں نے کفر کیا اُس دن سے جس کا وعدہ کئے گئے ہیں

کو روکرنے پر آمادہ کیا ہے۔

فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ۔ یعنی جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کوئی فائدہ نہ نکلتا ہو وہاں امر و نہی کا ترک کرنا قابل ملامت نہیں ہے۔

ذَنُوْبًا:۔ ذنوب کا معنی ڈول ہوا کرتا ہے۔ اس جگہ مراد یہ ہے کہ جس طرح گذشتہ قومیں اپنے زمانہ کے نبیوں کی تکذیب کرکے مستحق عذاب ہوتی رہی ہیں یہ بھی ویسے ہی مستحق عذاب ہوں گے۔ یعنی جو ڈول اُن کے تھے۔ ان کے لئے بھی اُن جیسے ہونگے لہٰذا ان کو جلدی کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ وقت آنے پر یہ خود بخود گرفتار عذاب کرلئے جائیں گے۔

سورۃ الطّور

یہ سورہ مکیۃ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت پچاس ہے۔
حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو شخص سورہ الطور کی تلاوت کرتا ہے۔ اللہ پر ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنے عذاب سے امن میں رکھے اور اس کو جنّت کی نعمات سے بہرہ اندوز فرمائے۔
امام محمّد باقر علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ الطور کی تلاوت کرے اللہ اس کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی جمع کر دے گا۔
اور خواص القرآن سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا جو قیدی اس کو ہمیشہ پڑھتا رہے اُس کی رہائی آسان ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ سچ مچ ہی مجرم ہو۔
اور حضرت ابا جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جو مسافر اس سورہ مجیدہ کی تلاوت کرے وہ اپنے سفر میں ناپسندیدہ امور سے محفوظ رہے گا۔
اور بچھو کے کاٹے ہوئے آدمی پر اگر پڑھی جائے تو وہ صحت یاب ہوگا (ان شاء اللہ)
اور بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سورہ مجیدہ پانی پر پڑھ کر بچھو کے کاٹے ہوئے پر چھڑکا جائے تو تندرست ہو جائے گا۔ (برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾ وَ الطُّوۡرِ ﴿۲﴾ وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ﴿۳﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں) طور کی قسم اور لکھی ہوئی کتاب کی قسم

فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ﴿۴﴾ وَّ الۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ﴿۵﴾ وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ﴿۶﴾

جو کھلے ہوئے ورقوں میں ہے اور بیت المعمور کی قسم اور بلند چھت کی قسم

وَ الۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ﴿۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ﴿۸﴾ مَّا لَہٗ مِنۡ

اور چھلکتے ہوئے سمندر کی قسم بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہوگا جس کو کوئی دفع کرنے

دَافِعٍ ﴿۹﴾ یَّوۡمَ تَمُوۡرُ السَّمَآءُ مَوۡرًا ﴿۱۰﴾ وَّ تَسِیۡرُ الۡجِبَالُ سَیۡرًا ﴿۱۱﴾

والا نہیں جس دن آسمان چکر لگائے گا اور پہاڑ چل پڑیں گے

رکوع ۳

وَالطُّوۡرِ :- ہر پہاڑ کو طور کہا جاتا ہے لیکن جب اس پر الف و لام داخل ہو جائے تو خاص پہاڑ مراد لیا جاتا ہے اور اس جگہ کوہ سینا مراد ہے جو ارض مقدسہ میں واقع ہے۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کا کلام ہوا تھا۔

وَکِتَابٍ مَّسۡطُوۡرٍ :- اس کی مراد میں مفسرین کا اختلاف ہے (۱) اس سے مراد وہ کتاب ہے جس کو فرشتے دیکھ کر گذشتہ و آیندہ حالات کو معلوم کرتے ہیں (۲) اس سے مراد قرآن مجید ہے اور رق منشور سے مراد لوح محفوظ ہے (۳) اس سے مراد صحیفۂ اعمال ہے (۴) اس سے مراد تورات ہے (۵) اس سے مراد قرآن مجید ہے جسے لوگ کاغذات میں لکھ کر اپنے ہاں تلاوت کے لئے محفوظ کر لیتے ہیں۔ اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کتاب میں لکھا جا چکا ہے کہ اے آل محمدؐ کے شیعو! دعا سے پہلے میں تمہاری حاجات پوری کر دوں گا۔ سوال سے پہلے تمہیں دے دوں گا اور اگر تم استغفار کرو گے تو تمہارے گناہ معاف کر دوں گا۔

وَالۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ :- چوتھے آسمان پر کعبہ کی سیدھ میں ہے جس میں فرشتے ہر وقت عبادت کرتے ہیں۔ اور منقول ہے کہ ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ اور جناب نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ آسمان چہارم پر ایک چشمہ ہے۔ جس میں آب حیات ہے۔ اور جبریل صبح سویرے ہر روز اس میں غسل کرتا ہے جب اس سے باہر نکل کر اپنے پروں کو جھاڑتا ہے تو اس سے ستر ہزار قطرہ گرتا ہے۔ اور ہر قطرہ سے ایک ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ سب بیت المعمور میں داخل ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ اور بعض روایات میں پہلے اور چھٹے آسمان پر البیت المعمور کا ہونا بھی منقول ہے اور یہ کہ اس کا دوسرا نام ضراح بھی ہے

اَلۡمَسۡجُوۡرِ :- یہ سجر سے ہے جس کا معنی ہے پر ہونا اور سقف مرفوع سے مراد آسمان ہے۔

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ⑫ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ⑬

پس ویل ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے جو فضول باتوں میں دل بہلاتے ہیں

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ⑭ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا

جس دن اُن کو آگ کی طرف دھکیل دیا جائے گا (کہا جائے گا) یہ وہی آگ ہے جس کو تم جھٹلایا

تُكَذِّبُوْنَ ⑮ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ⑯ اِصْلَوْهَا

کرتے تھے کیا یہ جادو ہے یا تم دیکھتے نہیں ہو ؟ اس کو تاپو

فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۚ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ

پس صبر کرو یا نہ صبر کرو تمہارے لئے برابر ہے بجز اس کے نہیں کہ تمہیں اپنے کئے کی جزا

تَعْمَلُوْنَ ⑰ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ⑱ فٰكِهِيْنَ بِمَآ

دی جائے گی بے شک متقی لوگ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے خوش ہوں گے اُس پر

اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑲ كُلُوْا

جو اُن کو ان کے رب نے عطا کیا اور بچایا ان کو رب نے دوزخ کے عذاب سے (کہا جائے گا) کھاؤ

وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑳ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ

اور پیو خوشگوار بوجہ اس کے جو تم عمل کرتے تھے تکیہ لگانے والے ہوں گے اپنے تختوں پر

يَوْمَ تَمُوْرُ :۔ یہ مَارَ يَمُوْرُ مَوْرًا سے ہے جس کا معنی ہے آگے پیچھے ہونا مضطرب اور متحرک ہونا یا چکر لگانا۔

خَوْضٍ :۔ یعنی کفار مکہ کا دستور تھا کہ ہر وقت حضورؐ کا شکوہ کرتے اور اسلام پر نکتہ چینیاں کرکے اپنا دل بہلاتے تھے۔
اور یہ اُن کا کھیل اور شغل تھا۔

يُدَعُّوْنَ :۔ یہ مضاعف کے باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے۔ دَعَّ يَدُعُّ دَعًّا۔ اور اس کا معنی ہے زور سے دھکیلنا
یعنی جہنمیوں کو پکڑ کر ان کے ہاتھوں کو گردنوں سے باندھ دیا جائے گا۔ اور ان کے قدم ان کی پیشانی کی طرف جوڑ کر جہنم میں
زور سے پھینکا جائے گا جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ يُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ۔ یعنی قدموں
اور پیشانیوں سے پکڑ کر گرایا جائے گا۔

مُتَّكِئِيْنَ :۔ یہ اِتِّكَاء سے ہے جس کا معنی بڑے آرام اور شان سے بیٹھنا اور سُرُر جمع ہے سریر کی۔ جس کا معنی تخت

Imp.

مَصۡفُوۡفَةٍ ۚ وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ

جو صف بصف ہوں گے اور ہم ان کی کشادہ چشم حوروں سے شادی کریں گے اور جو مومن ہوں اور اُن کے پیچھے چلی ہو ان کی

ذُرِّیَّتُهُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّیَّتَهُمۡ وَمَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ

اولاد ایمان کے ساتھ ہم ملا دیں گے ان سے ان کی اولاد کو اور نہ کمی کریں گے ان کے اعمال (کی جزا) سے

مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ كُلُّ امۡرِیًٴۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیۡنٌ ﴿۲۲﴾ وَاَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ

کچھ بھی ہر شخص اپنی کمائی سے وابستہ ہوگا اور ان کو بار بار دیتے رہیں گے میوے

وَّلَحۡمٍ مِّمَّا یَشۡتَهُوۡنَ ﴿۲۳﴾ یَتَنَازَعُوۡنَ فِیۡهَا كَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِیۡهَا

اور گوشت جو وہ چاہیں گے ایکدوسرے کو دیں گے ایسے (شراب کے) پیالے جن میں نہ بیہودگی ہوگی

وَّلَا تَاۡثِیۡمٌ ﴿۲۴﴾ وَیَطُوۡفُ عَلَیۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ كَاَنَّهُمۡ لُؤۡلُؤٌ

اور نہ گناہ اور ان پر چکر لگائیں گے ایسے لڑکے ان کی خدمت کے لئے جو محفوظ موتیوں کی طرح

ہوتا ہے۔ تختوں کے اوپر قالین اور نرم نرم غالیچے رکھے ہوں گے جن پر وہ مزے سے بیٹھے ہوں گے۔ اور تقدیرِ عبارت اس طرح ہے۔ مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى نَمَارِقَ مَوْضُوْعَةٍ عَلٰى سُرُرٍ۔ یعنی وہ ایسے غالیچوں پر آرام سے تکیہ لگا کر بیٹھے ہوں گے جو عالیشان تختوں کے اُوپر بچھے ہوں گے۔ اور وہ تخت صف بصف ایکدوسرے سے ملے ہوئے ہوں گے۔ اور کشادہ چشم حوروں سے ان کی شادی ہوگی۔ حُور جمع حَوْرَا کی ہے۔ یعنی نہایت خوبصورت اور عین جمع ہے اعین کی۔ جس کا معنی ہے کشادہ چشم۔ تفسیر مجمع البیان میں زید بن ارقم سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ اہلِ کتاب میں سے ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اُس نے عرض کی کہ کیا اہلِ جنت کھائیں گے اور پئیں گے تو آپ نے فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ایک جنتی کھانے پینے اور جماع کرنے میں ایک سو مرد کی طاقت رکھتا ہوگا۔ اُس نے عرض کی کہ پھر حاجات ضروریہ کے لئے کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا اُس کے جسم سے پسینہ جاری ہوگا جس کی خوشبو عطر و کستوری کی طرح ہوگی جس کی وجہ سے ان کی غذا سب کی سب ہضم ہو جائے گی اور پیٹ ہلکے ہو جائیں گے۔

وَاتَّبَعَتْهُمْ۔ یعنی ایمان والے جنت میں جائیں گے اور اُن کی وہ اولاد جو ایمان میں اُن کے پیچھے چلنے والی تھی۔ ان کے ساتھ ملا دی جائے گی۔ اور اس میں مومنوں کی چھوٹی بڑی سب اولاد شامل ہے کیونکہ جو بڑے ہوں گے وہ تو اپنے ایمان سے ان کے تابع ہوں گے اور جو چھوٹے ہوں گے وہ مومن کی اولاد ہونے کی حیثیت سے ان کے پیچھے ہوں گے کیونکہ بچہ ایمان و کفر میں والدین کے تابع ہوا کرتا ہے۔ اور اولاد اس لئے ان کے ساتھ ملائی جائے گی تاکہ ان کے سرور اور خوشی میں اضافہ کی باعث

مَكْنُونٌ ﴿۲۵﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۶﴾ قَالُوْٓا اِنَّا

ہوں گے اور ایکدوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے (اور جواب دیں گے) کہیں گے تحقیق ہم

كُنَّا قَبْلُ فِىْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ

پہلے (دنیا میں) اپنے گھر ڈرتے تھے (عذاب سے) پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں اس نے دوزخ کے

السَّمُوْمِ ﴿۲۸﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۹﴾

عذاب سے بچالیا تحقیق ہم پہلے (دنیا میں) اس کو پکارتے تھے بے شک وہ محسن و مہربان ہے

ہو، اگرچہ اولاد کے اعمال کمزور بھی ہوں گے تاہم اپنے نیک والدین کے صدقے سے وہ بھی ان کے ساتھ چلے جائیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ مومنوں کے چھوٹے بچے جناب فاطمہؑ کے زیر تربیت ہوتے ہیں جو بروز محشر مومنوں کو بطور ہدیہ پیش کئے جائیں گے۔ (برہان)

اور ایک روایت میں ہے کہ آیت مجیدہ حضرت محمدؐ و آل محمدؐ کے حق میں اتری ہے۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو جانب عرش سے ایک منادی ندا کرے گا۔ يَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ غُضُّوا اَبْصَارَكُمْ حَتّٰى تَمُرَّ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ ۔ یعنی اے لوگو آنکھیں بند کر لو۔ تاکہ جناب فاطمہؑ بنت محمدؐ گذر جائیں پس سب سے پہلے لباس جنت میں ملبوس ہوں گی۔ اور بارہ ہزار حوران جنت ان کا استقبال کریں گی۔ جن کے پیچھے پچاس ہزار ملائکہ ہوں گے جو یاقوتی رنگ کی سواریوں پر سوار ہوں گے جن کی مہاروں میں موتی جڑے ہوں گے۔ ان کے کجاوے زبرجد کے ہوں گے جن پر سندس کی تہیں لگی ہوں گی۔ پس بی بی صراط سے گذر کر فردوس میں قدم رکھے گی۔ اور نور کے تخت پر جلوہ گر ہوگی۔ اور ان کے آس پاس حوران جنت ہوں گی۔ زیر عرش دو محل ہوں گے۔ ایک سفید جس میں ستر ہزار عالی شان بنگلے ہوں گے جن میں محمدؐ و آل محمدؐ کی رہائش ہوگی۔ اور دوسرا زرد جس میں ستر ہزار بنگلے ابراہیم و آل ابراہیم کے لئے مخصوص ہوں گے۔ پس ایک فرشتہ جانب پروردگار سے بی بی کی طرف پیغام سلام پہنچائے گا۔ اور عرض کرے گا کہ خدا فرماتا ہے جو کچھ طلب کرو میں دینے کو تیار ہوں۔ پس بی بی کہے گی کہ میں اپنی اولاد اور حبداروں کے لئے شفاعت کرتی ہوں تو وہ فرشتہ جانب پروردگار سے پھر پیام پہنچائے گا کہ آپ کی شفاعت مقبول ہے۔ پس بی بی حمد پروردگار بجالائے گی۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام یہ حدیث پڑھ کر بعد میں اسی آیت مجیدہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

تفسیر برہان میں امالی شیخ سے منقول ہے۔ محمد بن مسلم کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام دونوں سے سنا ہے کہ خداوند کریم نے امام حسین علیہ السلام کو شہادت کے صلے میں چار انعامات عطا فرمائے ہیں۔ (۱) ان کی اولاد میں امامت (۲) ان کی تربت میں شفا (۳) ان کی قبر کے پاس دعا کا مستجاب ہونا (۴) جو شخص ان کی زیارت

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۳۰﴾ اَمْ

پس نصیحت کرو کیونکہ آپ رب کی نعمت و مہربانی سے نہ کاہن ہیں نہ دیوانے بلکہ

يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۱﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا

کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے اور ہم انتظار کر رہے ہیں کہ موت یا زمانہ کے حوادث اسکو اپنی لپیٹ میں لے لیں کہدیجئے تم انتظار کرو

کے لئے جائیں تو اُس کی آمد و رفت کا زمانہ اس کی عمر میں شمار نہیں ہوتا۔ راوی کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ حضور والا! یہ چیزیں تو حسین علیہ السلام کے صدقہ میں دوسروں کو ملیں گی۔ اُن کو کیا ملا؟ تو آپ نے فرمایا۔ خدا نے ان کو اپنے جد نامدار کے ساتھ ملا دیا۔ پس وہ رسول اللہؐ کے پاس اُن کے درجہ میں ہوں گے۔ اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔ وَاَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ۔ الآیۃ۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومنوں کے بچے حضرت ابراہیمؑ اور جناب سارہ علیہا السلام کے زیر تربیت ہوتے ہیں۔ اور وہ ان کو جنت کے ایک درخت سے غذا پہنچاتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کو بہترین لباس اور عمدہ خوشبو سے آراستہ کر کے ان کے والدین کو بطور ہدیہ پیش کریں گے۔ پس وہ جنت میں اپنے ماں باپ کے ہمراہ شاہانہ شان و شوکت سے رہیں گے پھر آپ نے مذکورہ آیت کی تلاوت فرمائی۔

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ ۔ یعنی مومنوں کو ان کے اعمال خیر کی جزا پوری دے دینے کے بعد انعام و اکرام کے طور پر ان کی خوشی و سرور میں مزید اضافہ کرنے کے لئے ان کے بچے ساتھ دے دئے جائیں گے۔ اور ان کے اعمال کی جزا کو اس نعمت میں شمار نہ کیا جائے گا۔ پس ان کی جزا پوری ہوگی جس میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔

لَا لَغْوٌ فِيْهَا ۔ یعنی جنت کا شراب پاکیزہ ہوگا۔ اس میں دنیاوی شراب کی طرح بیہودگی و بدعادات و گناہ کے خواص نہ ہوں گے نہ باہمی گالی گلوچ ہوگی اور نہ اُس سے عقل زائل ہوگی۔

وَغِلْمَانٌ ۔ جنتیوں کی خدمت کے لئے خوبصورت لڑکے بکھرے ہوئے محفوظ موتیوں کی طرح معلوم ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ راوی نے پوچھا حضورؐ! جب غلام موتیوں کی طرح ہوں گے تو ان کے سردار کیسے ہوں گے؟ پس آپ نے فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ خادم پر مخدوم کی برتری اس طرح ہوگی جس طرح چودھویں کے چاند کو ستاروں پر برتری حاصل ہوتی ہے۔

اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ ۔ یعنی جنتی لوگ جنت میں جب اکٹھے بیٹھیں گے تو ایک دوسرے کے ساتھ اپنی گذشتہ دنیاوی زندگی کی باتیں کریں گے اور ایکدوسرے سے احوال پرسی کریں گے کہ ہمیں دنیا میں یہ تکلیف تھی وہ تھی وغیرہ۔

عَذَابَ السَّمُوْمِ ۔ سموم جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ پس مومن ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ تم کس طریقہ سے

فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ ﴿۳۲﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ

پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنیوالوں میں ہوں کیا ان کو ان کی عقلیں اس کا حکم دیتی ہیں ؟ بلکہ وہ سرکش

هُمْ طَاغُوْنَ ﴿۳۳﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَلْیَاْتُوْا

لوگ ہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن کو خود گھڑ لیا ہے بلکہ وہ ایمان نہیں رکھتے پھر لائیں اس

بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ

جیسا کلام اگر سچے ہیں (اگر یہ گھڑ سکتا ہے تو وہ بھی گھڑ لیں) کیا وہ پیدا کئے گئے بغیر کسی غرض کے (عبث) یا کیا

هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

وہ خود اپنے خالق ہیں ؟ یا کیا انہوں نے آسمان و زمین پیدا کئے ؟ بلکہ وہ یقین نہیں رکھتے

جنت میں آگئے تو وہ کہیں گے ہم دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کے عذاب سے ڈرتے تھے کیونکہ اشفاق کا معنی ہے رقتِ قلب اور اس کے مقابلہ میں ہے غلظت یعنی سخت دلی۔ اور سموم اس گرمی کو بھی کہا جاتا ہے۔ جو مسامات کے ذریعے سے انسان کو پہنچتی ہے اور اُسے تکلیف دیتی ہے۔

فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ :۔ یعنی اللہ کے فضل و کرم سے آپ دیوانہ یا کاہن نہیں جس طرح کہ مشرکین مکہ کہتے ہیں بلکہ آپ برحق نبی ہیں۔ لہٰذا آپ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کریں۔ کاہن وہ لوگ تھے جن کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ان کو جن غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ مشرکین مکہ کو اپنے مقام پر یقین رکھتے تھے کہ محمد مصطفےٰ کا بیان و فرمان حق ہے۔ اور ان کی نصیحت واجب الاتباع ہے لیکن ازراہِ حسد و عناد آپ کو دیوانہ کاہن کہہ کر ایک طرف اپنے آپ کو دھوکے میں ڈال کر وہ خود فریبی میں مبتلا تھے اور دوسری طرف لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈال کر ان کو راہِ حق سے برگشتہ کرتے ہوئے آتشِ حسد و عناد کو ٹھنڈا کرتے تھے۔

شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ :۔ کسی وقت حضور کو شاعر کہہ کر دل بہلا لیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دوسرے شعراء کی طرح یہ بھی ایک دن حوادثِ زمانہ یا موت کا شکار ہو جائے گا۔ اس لئے وہ درپے ایذا رہتے تھے اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں سوچتے تھے تاکہ ان کی تعلیم سے گلو خلاصی ہو جائے۔

قُلْ تَرَبَّصُوْا :۔ اللہ فرماتا ہے بے شک بلا جھجک ان سے فرما دیجئے کہ تم میری ہلاکت و موت کا انتظار کرتے رہو اسی طرح میں بھی تمہاری موت کا منتظر ہوں۔ اور اللہ ہمارے درمیان خود ہی فیصلہ کرے گا۔ اور نتیجہ کے طور پر بالآخر حق کا بول بالا ہو گا اور باطل کا منہ کالا۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴿٣٧﴾ أَمْ لَهُمْ

کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں یا کیا وہ لوگوں پر حکمران ہیں ؟ یا کیا ان کے

سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾

پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر چڑھ کر (وحی کو) سنتے ہیں (پس اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں) تو اُن میں سے جو سننے والا ہے وہ واضح دلیل لائے

أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ﴿٣٩﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن

یا کیا اُس کے لئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں ؟ یا کیا آپ اُن سے مزدوری مانگتے ہیں کہ وہ

مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٠﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾

تاوان ادا کرنے سے گھبرائے ہوئے ہیں یا کیا ان کے پاس غیب ہے پس وہ لکھ لیتے ہیں

أَمْ يَقُولُونَ :- یعنی کفارِ مکہ اسلام کو قبول نہ کرنے کا جو بھی بہانہ پیش کریں وہ سب باطل اور غلط اور بے بنیاد ہے۔ پس ان کے پاس جس قدر بہانے ہو سکتے تھے۔ ان آیات میں اُن کو شمار کیا گیا اور سب کا جواب دے دیا گیا کہ اگر وہ کہیں کہ اس نے قرآن کو خود گھڑ لیا ہے تو فرماتا ہے اگر یہ گھڑ سکتا ہے تو تم بھی فصحاء و بلغاء اور اپنی زبان کے ماہر لوگ ہو اس جیسا کلام گھڑ لاؤ۔ اور اگر تم اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہو تو یقین جان لو کہ یہ اس کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ خالق کائنات کا کلام ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں اور کوئی آدمی اس جیسا کلام لا سکتا ہی نہیں۔

أَمْ خُلِقُوا :- اگر وہ یہ عذر کریں کہ ہم بلامقصد پیدا ہو گئے یا ہم نے اپنے آپ کو خود پیدا کر لیا یا آسمانوں اور زمینوں کو بھی ہم نے پیدا کیا؟ تو اس کی وہ خود تردید کریں گے کہ ایسا نہیں بلکہ سب کا خالق واحد اللہ ہے۔ پس وہ ازراہِ حسد و عناد و ہٹ دھرمی یقین و ایمان کی دولت سے محروم ہیں۔

أَمْ عِندَهُمْ :- اگر یہ کہیں کہ ہم اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں یا حکمران ہیں جو چاہیں کرتے پھریں کوئی ہم سے پوچھنے والا نہیں ہوگا۔ حالانکہ ایسا بھی نہیں ہے۔

أَمْ لَهُمْ :- اگر وہ کہیں کہ ہم آسمان سے خود وحی سنتے ہیں اور جس مسلک کو ہم نے اختیار کیا ہے یہی سچا دین ہے تو ان سے کہیں کہ جس نے سیڑھی لگا کر اوپر جا کر وحی سنی ہے تو ذرا مجھے بھی سناؤ اور اپنی صداقت کی دلیل پیش کرو۔ اس جگہ فیہ میں فی علیٰ کے معنی میں ہے۔

أَمْ لَهُ :- اُن کا یہ کہنا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ کس قدر بیہودہ پن ہے۔ کیا ان کو بیٹے پسند ہیں اور اللہ نے اپنے لئے بیٹیاں پسند کی ہیں ؟

اَمْ یُرِیْدُوْنَ کَیْدًا ؕ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا هُمُ الْمَکِیْدُوْنَ ﴿۴۳﴾ اَمْ لَهُمْ

یا کیا وہ فریب کرنا چاہتے ہیں؟ تو وہ لوگ جو کافر ہیں خود ہی فریب خوردہ ہوں گے یا کیا ان کا

اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاِنْ یَّرَوْا کِسْفًا مِّنَ

کوئی معبود ہے اللہ کے علاوہ اللہ پاک ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں اور اگر وہ دیکھیں کوئی ٹکڑا آسمان سے

السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْکُوْمٌ ﴿۴۵﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰی یُلٰقُوْا

گرتا ہوا تو کہہ دیں گے یہ تو تہ بہ تہ بادل ہے پس ان کو چھوڑ دیجیے یہاں تک کہ ملاقات کریں

یَوْمَهُمُ الَّذِیْ فِیْهِ یُصْعَقُوْنَ ﴿۴۶﴾ یَوْمَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا

اس دن کی جس میں ہلاک کیے جائیں گے جس دن نہ فائدہ دیگی ان کو ان کی چالاکی کچھ بھی

وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِکَ

اور نہ ان کی مدد کی جا سکے گی اور تحقیق جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے عذاب ہے اس عذاب کے علاوہ

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا

دنیا میں بھی ہے، لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے اور صبر کیجیے رب کے حکم کے لئے کیونکہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۹﴾ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۵۰﴾

اور تسبیح کیجیے حمد پروردگار کی جب اٹھتے ہو اور رات میں سے (کسی حصہ میں) اس کی تسبیح کیجیے اور ستاروں کے ڈوب جانے کے بعد

تَسْئَلُهُمْ :۔ اگر وہ عذر کریں کہ ہم سے کوئی اجرت طلب کی جائے گی۔ یہ بات بھی غلط ہے لہٰذا دعوتِ اسلامیہ کے ٹھکرانے کا ان کے پاس کوئی بھی معقول عذر نہیں ہے۔

یَکْتُبُوْنَ :۔ یعنی کیا ان کے پاس غیب کی خبر موجود ہے جس کو انہوں نے لکھ لیا ہے کہ آپ ان سے پہلے مریں گے۔؟

اَمْ یُرِیْدُوْنَ :۔ جب ان کے تمام ہونیوالے عذر باطل کردئے گئے اور ثابت کیا گیا کہ اسلام کو ٹھکرانے اور نبی و قرآن کے انکار کرنے کا ان کے پاس کوئی معقول عذر نہیں تو باقی ایک بات بچ گئی اور وہ یہ کہ وہ ازراہِ مکر و فریب حضورؐ کی تبلیغات کو فیل کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو اسلام کے قبول کرنے سے روکتے ہیں تو اس پر سرزنش کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ مکر کا جواب مکر سے ہوگا۔ اور اس طریقہ سے وہ یقیناً مغلوب ہوں گے کیونکہ ان کی تجویز کے مقابلہ میں ہماری تجویز غالب ہوگی۔

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ :۔ اگر ان کا یہ خیال ہو کہ خدا کی گرفت سے پھر کوئی طاقت یا ان کا مصنوعی خدا ان کو بچا لے گا یہ ناممکن ہے۔

اِنْ تَرَوْا - یعنی اگر ہم آسمان سے کوئی ٹکڑا بھیج کر ان کو عذاب دیں تو کہیں گے کہ یہ بادل تھا یعنی اس عذاب کو اتفاقی موت قرار دیں گے۔ بہذا ان کے عذاب کے لئے اُس دن کا انتظار کیجئے۔ جب صاعقہ (نفخ صور) کے ذریعے ان پر موت آئے گی جب ان کا فریب و حیلہ بے کار ہو گا اور اُن کی مدد کوئی نہ کر سکے گا۔

دُوْنَ ذٰلِكَ: - یعنی قیامت کے عذاب سے پہلے بھی کفّار کے لئے عذاب مقرر ہیں مثلاً جنگ بدر میں ان کا ذلت کی موت سے مرنا اور بعض کا گرفتار ہونا

اوقاتِ نماز

حِیْنَ تَقُوْمُ - بعض مفسّرین نے کہا ہے کہ اس سے مُراد دوپہر کی نیند سے بیدار ہونے کا وقت ہے پس آیت میں نماز کے تین وقتوں کی طرف اشارہ ہے جس میں پانچ نمازیں آجاتی ہیں۔ یعنی دوپہر کی[1] نیند قیلولہ سے اُٹھنے کے بعد تسبیحِ پروردگار سے مراد ظہر و عصر کی دو نمازیں ہیں۔ اور مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْہُ (رات کے وقت[2] اس کی تسبیح بیان کرو) اس سے مُراد مغرب و عشاء کی نمازیں ہو سکتی ہیں اور اِدْبَارَ النُّجُوْمِ (ستاروں کے غیب[3] ہونے کے بعد) اس سے مراد صبح کی نماز ہو سکتی ہے جس طرح کہ بعض روایات میں صراحت سے مذکور ہے۔ اور حِیْنَ تَقُوْمُ کے متعلق اور اقوال بھی وارد ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس سے مراد ہے مطلق نیند سے بیدار ہونا۔ اور مقصد یہ ہے کہ جب بھی انسان نیند سے بیدار ہو تو سب سے پہلے تسبیح پروردگار اس کی زبان پر جاری ہونا چاہیئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نمازِ فریضہ کے لئے جب بھی انسان اُٹھے۔ پس تسبیح پروردگار زبان سے جاری کرے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جب کسی مجلس سے انسان اٹھے خواہ کسی کام کے لئے اٹھے یا کام سے فارغ ہو کر اُٹھے تو زبان پر تسبیح جاری کرے اور روایت میں وارد ہے کہ جب کسی مجلس کے برخاست ہونے کے بعد انسان کھڑا ہوتا ہے تو اس کا زبان سے تسبیح پروردگار کہنا اس مجلس میں ہونے والی غلطیوں سے اس کا کفارہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ یہ الفاظ منقول ہیں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسولؐ اللہ رات کے وقت اُٹھتے تھے اور اطراف آسمان پر نظر ڈال کر آل عمران کی پانچ آیتیں تلاوت فرماتے تھے جن کے آخر میں آتا ہے اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اس کے بعد نماز شب میں مشغول ہو جاتے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ آیت مجیدہ سے یہ عمومی مطلب نکلتا ہے کہ دن رات اور صبح شام انسان کا فرض ہے کہ اپنے خالق کو نہ بھلائے اور ہر وقت اس کی تسبیح اس کا وردِ زبان رہے کیونکہ وہ کسی وقت بھی انسان کو اپنے فیوض و برکات سے محروم نہیں کرتا۔

اس میں شک نہیں کہ نمازیں کل پانچ ہیں۔ صبح۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشاء۔ لیکن ان کے لئے قرآن مجید نے وقت "تین" بتلائے ہیں جو جمع صلاتین کے جواز کی دلیل ہے۔ اور اس سے پہلے سورہ ق کے آخر میں بھی اوقاتِ نماز تین بیان کئے گئے ہیں۔ جس کا بیان تفسیر کی اسی جلد میں ص۱۴۲ پر گذر چکا ہے۔ نیز جلد ۷ ص۱۲۳ پر بھی مرقوم ہو چکا ہے۔

سورۃ النجم

یہ سورہ مکیہ ہے۔ صرف آیت ۳۲ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ الآیہ مدنیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت تریسٹھ ہے۔
حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا جو شخص سورہ النجم کی تلاوت کرے تمام منکروں اور مومنوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔ اور منقول ہے کہ جو شخص دائمی طور پر دن یا رات میں سورہ النجم کی تلاوت جاری رکھے وہ خوش حال و باعزت زندگی بسر کریگا اور لوگوں کے دلوں میں اس شخص کی محبت ہوگی۔

خواص قرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ مجیدہ کو چیتے کے چمڑے پر لکھ کر اپنے پاس تعویذ رکھے تو ہر بادشاہ کے پاس جاتے ہوئے اس کا دل قوی و مضبوط ہوگا۔ اور بادشاہ اس کا احترام کرے گا اور جس کے ساتھ مناظرہ کرے گا اس پر غالب ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں))

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ② مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ③ وَمَا يَنْطِقُ

قسم ہے ستارے کی جب کہ وہ اترا — نہ گمراہ ہے تمہارا ساتھی (رسول) اور نہ بھٹکا ہوا ہے — اور وہ اپنی خواہش

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى :۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ الھوی۔ النزول اور السقوط کے معانی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ یعنی اُوپر سے نیچے کی طرف کسی چیز کا آنا۔ اس جگہ قسم کھائی گئی ہے اس نجم کی جو اُوپر سے نیچے کی طرف آیا۔ اور مفسّرین نے اس کی ظاہری تفسیر کی بنا پر کئی وجوہ بیان کی ہیں ① نجم کا معنی قسط ہوتا ہے۔ اور نجوم بمعنی اقساط عام آیا کرتا ہے اور قرآن مجید چونکہ یکجا نہیں نازل ہوا۔ بلکہ ۲۳ برس تک بالاقساط نازل ہوا۔ اس لئے مجاز مرسل کے طریقہ پر نجم کا اطلاق کیا گیا یعنی قرآن مجید کی قسم جب وہ اُترا ② نجم سے مُراد ثریا ہے اور ثریا اُن سات ستاروں کے مجموعے کا نام ہے جو یکجا ہوتے ہیں جن کو پنجابی میں عموماً کھتی کہا جاتا ہے چونکہ ستاروں میں سے عوام اس کو بالعموم جانتے ہیں۔ لہٰذا اس کے غروب کے وقت قسم کھا کر اپنے نبی کی عظمت کو واضح فرمایا ③ نجم سے مراد مطلق کوئی ستارہ ہے۔ پس ستاروں کے طلوع و غروب کے ذکر سے توحید پر برہان قائم کی گئی ہے۔ ④ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مُراد حضرت نبی اکرمؐ ہیں۔ جب کہ شبِ معراج قابَ قوسین کی منزل سے اُتر کر زمین پر تشریف لائے۔

اور تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ نجم سے مُراد قبر رسول ہے جس میں حضورؐ دفن ہوئے ہیں۔ یعنی خدا اس کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ رسولؐ اللہ کا فرمان خواہش نفس کی بنا پر نہ تھا (اور یہ تفسیر باطنی کے لحاظ سے ہے) جیسا کہ پہلے معانی ظاہری تفسیر کے لحاظ سے مفسرین نے کئے ہیں۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم اپنی مخلوق میں جس کی قسم کھائے درست ہے لیکن بندوں کے لئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے بعض کتب میں ہے اس جگہ نجم سے مراد وہ ستارہ ہے جو مدینہ میں حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی نشاندہی کے لئے اُترا چنانچہ تفسیر برہان میں ہے مرض الموت میں صحابہ نے حضرت نبی اکرمؐ سے دریافت کیا کہ آپ کے چلے جانے کے بعد مملکت اسلامیہ کا سربراہ اور آپ کا جانشین و خلیفہ کون ہوگا تو آپ خاموش رہے۔ پھر دوسری دفعہ صحابہ نے سوال دہرایا لیکن حضورؐ خاموش رہے۔ پھر تیسرے روز اسی سوال کا اعادہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا کل صبح آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹے گا۔ پس وہ جس کے گھر پر اُترے گا وہی میرا جانشین و خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ یہ اعلان سنتے ہی تمام لوگوں کے دلوں میں تمناؤں کے سمندر موجزن ہوئے۔ لہٰذا صبح ہوتے ہی ہر آدمی اپنے گھر پر ستارے کے نزول کا اُمیدوار رہا۔ پس دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سے ایک ستارہ چھوٹا جس کی روشنی نے پُوری رُوئے زمین کو منوّر کردیا اور وہ سیدھا حضرت علی علیہ السّلام کے گھر

عَنِ الْهَوٰی ﴿۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴿۵﴾ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ

سے نہیں بولتا — یہ (قرآن) تو وحی ہے جو اُن پر کی گئی — اس کو سکھایا مضبوط قوت والے

الْقُوٰی ﴿۶﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰی ﴿۷﴾ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ﴿۸﴾

نے — جو صاحب طاقت ہے — پس وہ ٹھہرا درحالیکہ — وہ — بلند افق — پر — تھا

پر اُترا تو لوگوں میں چہ مے گوئیاں شروع ہو گئیں اور کہنے لگے کہ رسول اللہ معاذ اللہ اپنے چچا زاد کی محبت میں از خود رفتہ ہو کر باتیں بناتے ہیں، پس یہ آیت اُتری کہ اس اُترنے والے ستارے کی قسم، یہ تمہارا ساتھی گمراہ نہیں اور نہ بھٹکا ہوا ہے اور نہ اپنی خواہش سے بات بناتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ابن عباس سے مروی ہے کہ ہم نے نماز عشاء پڑھی تو حضورؐ نے بعد از نماز فرمایا کل صبح کو ایک ستارہ آسمان سے ٹوٹ کر جس کے گھر میں گرے گا وہ میرے بعد میرا وصی و خلیفہ و امام ہو گا۔ تمام صحابہ صبح سویرے منتظر تھے۔ اور میرا باپ خاص طور پر اس امر کا متمنی تھا لیکن صبح کو وہ ستارہ حضرت علیؑ کے گھر پر گرا۔ تو حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا یا علیؑ مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی مبعوث فرمایا ہے تو میرے بعد خلیفہ و امام ہو گا۔ یہ سنتے ہی منافقوں نے کہنا شروع کر دیا۔ کہ آپ خدانخواستہ علی کی محبت میں از خود رفتہ ہو کر خواہش نفس کی باتیں کرتے ہیں پس یہ آیتیں اُتریں۔

بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا ذکر فرمایا تو منافقین نے لب کشائی شروع کی پس یہ آیتیں اُتریں۔ اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے یوم غدیر حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ تو لوگوں نے اعتراضات شروع کئے، پس یہ آیتیں اُتریں۔

لیکن ان تمام پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب سورہ النجم باتفاق مفسرین مکیہ ہے تو مرض الموت میں ستارہ کے ٹوٹنے کی پیشین گوئی یا دوسری اس قسم کی باتیں جو مدینہ سے تعلق رکھتی ہیں، سورہ مجیدہ کے شانِ نزول سے مطابقت نہیں رکھتیں پس اس کا بہترین حل یہی ہو سکتا ہے کہ والنجم میں نجم سے کوئی ستارہ یا قرآن مجید مراد لیا جائے، پس یہ اللہ کی جانب سے حلفیہ بیان ہے کہ پیغمبر جو کچھ فرماتا ہے وہ حق ہے اور اس کو خواہشِ نفس کے تقاضوں پر محمول کرنا غلط ہے خواہ ان کی خبر گزشتہ زمانہ کے متعلق ہو یا آئندہ کی پیشین گوئی۔ نہ یہ قرآن کو اپنی خواہش کا ترجمان بنا کر اپنی طرف سے پیش کرتا ہے۔ اور نہ حضرت علی علیہ السّلام کے متعلق جو کچھ فرماتا ہے اپنی طرف سے بنا کر سناتا ہے بلکہ اُمورِ شرعیہ و دینیہ کے متعلق آپ کے جملہ احکام و فیصلے وحی الٰہی کے تابع ہوتے ہیں۔ پس جس طرح قرآن میں شک کرنا ناجائز ہے کیونکہ یہ وحی پروردگار ہے اور خواہشِ نفس کی ترجمانی نہیں ہے۔ اسی طرح آپ حضرت علیؑ یا فاطمہؑ یا حسنؑ و حسینؑ کے متعلق بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ ان کی خواہش نفس کی ترجمانی نہیں ہوتی بلکہ وحی الٰہی کا فیصلہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں ہے کہ معراج کے طویل سفر

سے پلٹ کر جب حضورؐ نے کیفیت بیان فرمائی۔ کہ جب میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا تو جبریل نے آگے بڑھنے کو کہا۔ جب میں آگے بڑھا اور ایک عجیب سا نور ساطع دیکھا تو اللہ کی عظمت کے سامنے سجدہ ریز ہوا۔ پس ارشادِ قدرت ہوا کہ زمین میں اپنا خلیفہ کس کو چھوڑ آئے ہو (کیونکہ زمین حجتِ خدا سے خالی نہیں ہوتی) پس حضورؐ نے عرض کی عادل ترین صادق ترین، نیک ترین اور امین ترین علی بن ابی طالب کو چھوڑ آیا ہوں۔ جو میرا وصی۔ ولی وارث اور خلیفہ ہے۔ پس ارشاد ہوا کہ اس کو میرا سلام کہنا۔

اے محمدؐ۔ میں اللہ جو معبود لاشریک اور آسمانوں و زمین کا خالق ہوں۔ میں نے تیرے بھائی کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ چنانچہ میں علی الاعلیٰ ہوں۔ اور اُس کا نام میں نے علی رکھا ہے۔ اے محمدؐ: میں خدا معبود لاشریک اور آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہوں۔ میں نے تیری شہزادی کو اپنے ناموں سے نام بخشا ہے پس میں ہر شے کا فاطر ہوں اور اس کا نام میں نے فاطمہ رکھا ہے۔ اے محمدؐ: میں اللہ معبود لاشریک محسن اعظم ہوں۔ میں نے تیرے بچوں کے نام اپنے ناموں سے مشتق کئے ہیں۔ پس میں محسن ہوں۔ اور ان کے نام حسنؑ و حسینؑ تجویز کئے ہیں۔ جب آپ نے قریش کو یہ بات بتائی تو کہنے لگے یہ اپنی طرف سے باتیں بناتا ہے۔ پس یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

برسی نے بالاسناد جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر صحابہ نے عرض کی کہ سابق انبیاءؑ کی طرح آپ بھی اپنا قائم مقام اور جانشین تجویز فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ میرے رب نے وعدہ فرمایا ہے کہ جس شخص نے میرے بعد میری اُمت کا امام و پیشیر ہونا ہے اُس کے حق میں وہ آسمان سے ایک نشانی بھیجے گا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ میرے بعد اللہ کی جانب سے نامزد وصی کون ہے۔ چنانچہ جب نمازِ عشاء پڑھ چکے تو لوگ آسمان کی طرف دیکھنے لگ گئے۔ رات تاریک تھی۔ پس اچانک ایسی روشنی پیدا ہوئی۔ کہ مشرق و مغرب منورّ ہو گئے اور ایک ستارہ آسمان سے ٹوٹا اور زمین تک پہنچا اور گھروں کے اُوپر اس نے چکر لگانا شروع کیا۔ پھر حضرت علیؑ کے حجرہ کے اوپر ٹھہر گیا۔ اس کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ تمام گھروں میں اجالا پھیل گیا اور لوگ گھبرا گئے۔ پس تہلیل و تکبیر کی ہر طرف سے صدائیں بلند ہوئیں لوگ کہنے لگے حضورؐ! آج آسمان سے ایک ستارہ اُترا ہے جس نے حضرت علیؑ کے حجرہ کے اوپر اپنا پرتو ڈالا ہے تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم میرے بعد وہی امام ہوگا۔ نیز میرا وصی اور قائم مقام وہی ہے۔ اس کی اطاعت تم پر فرض و لازم ہے۔ اور اس کی مخالفت نہ کرنا اور نہ اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ وہ زمین پر میرے بعد خلیفۃ اللہ ہوگا۔ پس منافقوں نے اسی وقت سے کہنا شروع کر دیا کہ آپ نے اپنے چچازاد کے حق میں جو کہا ہے۔ وہ اپنی خواہشِ نفس سے کہا ہے چنانچہ یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

تفسیر برہان میں مناقب ابن مغازلی شافعی سے بروایت انس منقول ہے کہ زمانِ پیغمبرؐ میں ایک دفعہ آسمان سے ستارہ اُترا۔ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ اس ستارے کو دیکھو جس کے گھر میں اُترے گا وہ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ چنانچہ

لوگوں نے دیکھا کہ ستارہ حضرت علیؑ کے گھر پر اُترا۔ پس یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اور ابن عباس سے منقول ہے کہ میں چند ہاشمی جوانوں کے ہمراہ بارگاہِ نبوی میں حاضر تھا کہ اچانک ستارہ آسمان سے ٹوٹا تو آپ نے فرمایا کہ جس کے گھر میں یہ ستارہ اُترے گا وہ میرے بعد میرا وصی ہوگا۔ پس لوگوں نے دیکھا کہ ستارہ حضرت علیؑ کے گھر اُترا۔ تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ حضورؐ اپنے بھائی کی محبت میں راہِ حق سے بھٹک گئے ہیں۔ پس یہ آیتیں اُتریں۔

اقول چونکہ یہ سورہ مکیہ ہے۔ لہٰذا حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت کے لئے نامزدگی کے بعد اس سورہ مجیدہ کا نزول اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ یا تو یہ آیتیں دو دفعہ نازل ہوئیں۔ ایک دفعہ مکہ میں اور دوسری دفعہ مدینہ میں۔ اور جب مکہ میں نازل ہوئیں تو والنجم میں نجم سے مراد اُن پہلے چار معانی میں سے کوئی معنی ہوگا۔ یعنی ثریا یا مطلق کوئی ستارہ یا قرآن مجید یا حضرت رسالت مآبؐ۔ اور جب مدینہ میں نازل ہوا تو نجم سے مراد وہی ستارہ ہونا چاہیئے جو خلافت علیؑ کی علامت بن کر اُترا۔ اور پہلے چار معانی بھی مراد لیئے جائیں تو اصل مقصود کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کہ خدا نجم کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ تمہارا صاحب یعنی رسول اللہؐ نہ گمراہ ہے اور نہ بھٹکا ہوا ہے۔ اور حضرت علیؑ کے متعلق وہ جو کچھ بیان کرتا ہے یا احکام شرعیہ اسلامیہ کی جس قدر تبلیغ کرتا ہے یہ بھٹکی ہوئی ذہنیت کے نتائج نہیں اور نہ خواہشاتِ نفس کا ان پر کوئی اثر ہے بلکہ وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں خواہ علی کے بارے اور خواہ دیگر تعلیماتِ اسلامیہ کے بارے میں وہ سب خدا کی جانب سے وحی کی ترجمانی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ میں ہی یہ آیتیں اتری ہوں۔ پس ان کو مدنی کہنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ چنانچہ بعض روایات میں اس امر کی طرف اشارہ گذر چکا ہے۔

وَمَا غَوٰی۔ غوایت کا معنی ناکامی و نامرادی ہوتا ہے یعنی وہ اپنے مشن میں ناکام نہیں ہے۔

وَحْیٌ یُّوْحٰی:۔ وحی کا معنی ہے دل ہی دل میں ایک معنی کا اتار دینا۔ جس طرح فرماتا ہے کہ خدا نے نحل کو وحی کی یعنی اس کے دل میں یہ مطلب اتار دیا۔ اِسی طرح حضرت موسٰی کی ماں کو وحی کا ہونا یعنی خدا نے ان کے دل میں یہ بات اتار دی کہ اس بچے کو دودھ پلاؤ اور جب دشمن کا ڈر ہو تو اس کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو۔ اور اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کہ وحی اس خبر کو کہا جاتا ہے جس کو خدا فرشتے کے ذریعے سے نبی تک پہنچائے۔

ذُوْ مِرَّۃٍ:۔ اس کا اصل معنی ہے رسی کو بٹ دینا۔ اور اس جگہ اس کا معنی قدرت ہے پس مرّۃ قوت اور شدت کے معانی ایکدوسرے کے قریب قریب ہیں۔ یہ حضرت نبی کریمؐ کی تعریف ہے کہ آپ توحید کے معاملہ میں مضبوط اور سخت ہیں لہٰذا احکام خداوندی کی تبلیغ و ترویج سے آپ کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ اور تفسیر برہان میں حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے جس قدر انبیاء بھیجے وہ صاحب مرّۃ سوداء تھے۔

عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی:۔ یعنی حضورؐ کو شدید القوٰی نے تعلیم دی۔ یعنی یہ قرآن جو بذریعۂ وحی اتارا گیا ہے۔ یہ ان کی خواہش نفس کی ترجمانی نہیں اور نہ انہوں نے خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ آپ پر وحی کی گئی ہے اور مضبوط طاقت والے اللہ نے

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿٩﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ﴿١٠﴾ فَأَوْحٰى

پھر قریب ہوا پس جھکا | تو دو کمانوں کا اندازہ تھا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک تھا | پس وحی کی

إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى ﴿١١﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى ﴿١٢﴾

اُس نے اپنے بندے پر جو کی | نہیں جھوٹ کیا دل نے اُس میں جو دیکھا

اس کو تعلیم کیا ہے۔ اور ذو مرّۃ کا مبتدا ھو ضمیر غائب محذوف ہے۔ اس جگہ بعض مفسّرین نے شدید القوٰی سے مراد جبریل لیا ہے۔ اور ذو مرّہ سے مراد بھی جبریل لیا ہے۔ اور فاستوٰی سے مراد یہ ہے کہ شب معراج حضرت جبرّیل حضورؐ کے سامنے اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہوا۔ کیونکہ جب وہ وحی لے کر آتا تھا تو بشکل انسانی پیش ہوتا تھا۔ وہاں آپ نے چاہا کہ اس کو اپنی اصلی شکل میں دیکھیں تو وہ اصلی شکل میں صحیح پیش ہوا کہ وہ افق اعلیٰ پر تھا لیکن یہ معنی قرین عقل نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضورؐ کو جبریل کا تعلیم دینا کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ حضورؐ کو اللہ نے ہی سب کچھ تعلیم دیا ہے۔ کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ حضورؐ جبریل سے افضل و اشرف تھے۔ لیکن اگر جبریل کو آپ کا استاد قرار دیا جائے تو جبریل کی افضلیت لازم آئے گی۔ اور یہ باطل ہے۔ لہٰذا وہی پہلا معنی درست ہے کہ اللہ جو شدید القوٰی یعنی مضبوط قوت و قدرت والا ہے۔ اُس نے حضورؐ کو تعلیم دی یعنی قرآن کا علم دیا۔ اور اُسی کی وحی سے آپ نے اُمّت کو سب کچھ سنایا۔ لکھایا۔ پڑھایا۔ اور حضورؐ تبلیغ دین میں مضبوط گردہ و جگر کے مالک تھے۔ اور صحیح و سالم احکامِ الٰہیہ کے مروّج تھے اور وہ شب معراج افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے۔

ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى :۔ تدلّٰی کا معنی نیچے کی طرف جھکنا۔ اور بعض روایات میں تدلّٰی کی جگہ تدانٰی بھی ایک قرأت قرار دی گئی ہے۔ تو اس کا معنی مزید قرب ہے۔ گویا حضورؐ نے شب معراج مقامِ نور و عظمت کی طرف عبور کیا تو اس کے عجائب و غرائب مخلوقات کی سیر فرمائی۔ اور جب مشافہۃً وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو جہاں سے لفظ پیدا ہو رہے تھے اُس جگہ میں اور حضورؐ کی قوت سامعہ میں صرف دو کمانوں کے فاصلہ کے برابر فاصلہ رہ گیا تھا۔ یعنی کمان کا چلّہ اور کمان کی گولائی جہاں سے کمان کو پکڑا جاتا ہے۔ ایک قوس شمار ہوتی ہے۔ اور اگر دو کمانوں کو ملا کر اس طرح رکھا جائے کہ دونوں کے چلّے اکٹھے ہوں۔ اور کمانیں پھیلا کر ایک دوسرے کے مقابل کر دی جائیں تو ایک کمان کی گولائی سے دوسری کمان کی گولائی تک دونوں چلّوں سے گذرنے والا خط جس قدر ہوگا وہی فاصلہ تھا۔ وحی کے لفظوں کی جائے صدور سے حضورؐ کے سماع تک پھر کہہ دیا کہ اَوْ اَدْنٰی۔ یعنی اس سے بھی زیادہ قریب تھا۔ اور حضورؐ نے جب نیچے کی طرف جھک کر دیکھا اور ملکوت ارضیہ کی سیر فرمائی تو زمین سے اس قدر قریب تھے کہ حسب سابق دو کمانوں یا اس سے بھی زیادہ قریب کا فاصلہ تھا۔

قَابَ :۔ قاب۔ قیب اور قاد و قید سب ہم معنی الفاظ ہیں اور ان کا معنی مقدار کا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں نبی کریمؐ سے قوسین کا معنی دو ذراع (ہاتھ) مروی ہے۔ اور قوس کا معنی ہے ما یقاس بہ الشی۔ اور وہ ذراع ہوتا ہے۔ اور قاس لغیس میں ایک

اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ⑫ وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰی ⑬

کیا تم اس کو شک میں ڈالتے ہو اس چیز میں جسے وہ دیکھ چکا ہے اور تحقیق ایک اور دفعہ بھی اس کو دیکھا

عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی ⑭ عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰی ⑮

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جس کے نزدیک جنت الماویٰ ہے

لغت قاب یقوس بھی وارد ہے۔

فَاَوۡحٰی اِلٰی عَبۡدِهٖ :۔ تفسیر برہان میں تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے۔ سائل نے پوچھا کہ وہ وحی کیا تھی۔ تو آپ نے فرمایا وہ وحی یہ تھی کہ اللہ نے فرمایا علیؑ سید الوصیین امام المتقین اور قائد الغر المحجلین ہے۔ اور خاتم النبیین کا پہلا خلیفہ ہے۔ پس لوگوں نے اس معاملہ میں شک کیا تو آیت اتری۔

مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی :۔ یعنی جو کچھ آنکھوں سے دیکھا اس کو دل نے نہیں جھٹلایا۔ پس فرمایا اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی۔ یعنی کیا تم لوگ اس کو شک میں ڈالتے ہو۔ جو وہ خود دیکھ چکے ہیں۔ اور حضورؐ نے فرمایا مجھے تو اس کے علاوہ اور حکم ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ اعلانیہ علی کو لوگوں کے لیے منصب کر کے واضح طور پر کہہ دوں کہ یہ میرے بعد تمہارا ولی ہے۔ اور یہ وہ سفینہ ہے جس پر سوار ہونے والا پار ہوگا۔ اور جو سوار نہ ہوا وہ غرق ہوگا۔

اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ :۔ یہ باب مفاعلہ ہے مَارٰی یُمَارِی مِمَارَاةً باہمی جھگڑا اور بحث کرنا تاکہ دوسرے فریق کو اپنے نظریے سے دست بردار ہونا پڑے۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم لوگ رسول اللہؐ سے خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہو تاکہ وہ اپنے چشم دید حقائق کے متعلق شک میں پڑ جائیں۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضورؐ نے معراج سے واپس آ کر قریش مکہ کو خبر سنائی تو عتبہ بن ابی لہب نے حضور سے انتہائی گستاخانہ حرکت کی تو آپ نے اس کو بد دعا کی کہ اے اللہ اس شخص پر ایک کتے کو مسلط کر دے چنانچہ اس کے بعد وہ شخص سفر شام کو جا رہا تھا کہ راستہ میں اس پر دہشت چھا گئی۔ پس اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ مجھے رات کے وقت سونے کے لئے اپنے درمیان میں جگہ دو۔ کیونکہ میرا دل خوف کھا رہا ہے تو انہوں نے اس کو رات کے وقت اپنے درمیان میں جگہ دی۔ تاہم رات کے وقت ایک شیر آیا اور لوگوں کے درمیان داخل ہو کر اس کو چیر پھاڑ کر چلا گیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رویت اس جگہ افعال قلوب سے علم و یقین کے معنی میں ہو۔ یعنی جس چیز کو آنکھ سے دیکھ کر حضورؐ کو اطمینان و یقین حاصل ہو چکا تھا۔ اس میں دل کو ذرہ بھر شک و شبہ نہیں تھا۔ بعض لوگ اس جگہ معراج روحانی ثابت کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ حضورؐ جسم عنصری کے ساتھ تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ جسم بستر پر رہا اور روح و قلب نے عالم بالا کی سیر کی۔ اسی بنا پر آیت مذکورہ مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی کا ترجمہ کرتے ہیں کہ دل نے اس حقیقت کی تکذیب نہ کی جس کو دیکھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز کو دیکھا تو اس میں اختلاف ہے بعض کہتے

ہیں کہ جبریل کو اپنی اصلی شکل میں دیکھنا لیکن صحیح اور قرین عقل۔ دوسرا قول ہے کہ ملکوت خداوندی آثار قدرت الٰہیہ اور دلائل و براہین توحید کو ملاحظہ فرمایا اور ضمیر جو اللہ کی طرف پلٹتی ہے وہاں مضاف کو محذوف قرار دیا جائے گا۔ یعنی آیات اللہ یا مقدورات اللہ کا معائنہ کیا۔

مذہب حقہ شیعہ کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضورؐ اپنے جسد عنصری کے ساتھ (۱) معراج پر تشریف لے گئے اور اللہ نے ہی ان کو سیر کرائی۔ اور عالم بیداری میں تشریف لے گئے تھے نہ کہ عالم خواب میں۔ پس آپ نے ملکوت سماویہ اور مقدورات الٰہیہ کا آنکھوں سے معائنہ فرمایا تھا نہ کہ صرف دل اور روح نے دیکھا تھا۔ اور کسی چیز کو بیداری میں دیکھنے اور خواب میں دیکھنے کے درمیان یہ فرق ہے کہ بیداری میں چیز حقیقتاً آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے۔ اور عالم خواب میں صرف تصور ذہنی ہوتا ہے لیکن اس میں قوت باصرہ کے ادراک کا توہم ہوتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت اس میں قوت باصرہ کا کوئی دخل عمل نہیں ہوا کرتا۔

نَزْلَةً أُخْرَىٰ :۔ مفعول مطلق ہے یعنی نَازِلًا نَزْلَةً یعنی حضورؐ نے جبریل کو یا آیات پروردگار کو اترتے ہوئے یعنی واپس آتے ہوئے دوبارہ ایک دفعہ دیکھا جو لوگ خدا کی جسمانیت کے قائل ہیں وہ اس مقام پر غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حضورؐ نے شب معراج اللہ کو دیکھا چنانچہ حضرت عائشہ نے اس قسم کا عقیدہ رکھنے والوں کی پُر زور تردید کی۔ انہوں نے فرمایا میرے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب یہ سنتی ہوں لوگ کہتے ہیں کہ حضورؐ نبی اکرمؐ نے شب معراج اللہ کو دیکھا البتہ آپ نے جبریل کو اپنی اصلی حالت میں دیکھا تھا اور جو لوگ یہ کہیں کہ آنہوں نے خدا کو دیکھا ہے۔ وہ غلط کہتے ہیں کیونکہ اللہ خود فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ۔ یعنی اس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ سب کا ادراک کر سکتا ہے بلکہ حضرت رسالت مآبؐ سے پہلے بھی ایک مرتبہ کسی نے پوچھ لیا کہ کیا آپ نے شب معراج خدا کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا میں نے ایک نور دیکھا اس کے آگے حجاب دیکھے پھر آگے چل کر نور دیکھا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا یعنی جو لوگ میرے متعلق رویت خدا کے قائل ہیں وہ غلط کہتے ہیں بلکہ میں نے مناظر قدرت اور آیات پروردگار کو ہی دیکھا۔ (مجمع البیان)

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ :۔ منتہی بلندی کی اس آخری حد کو کہا گیا ہے جہاں ملائکہ جا کر رک جاتے ہیں اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے اور یہ ظرف مکان کا صیغہ ہے۔ اور وہاں ایک درخت ہے جو عرش کے دائیں جانب ہے پس اس درخت کو مقام منتہی کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اور اس کو بعض لوگوں نے شجرہ طوبیٰ قرار دیا ہے کہ اس کی شاخیں جنت کے ہر محل میں پہنچیں گی۔ اور جنتی لوگ اس کے سایہ میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے باتیں کریں گے۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ :۔ بعض کہتے ہیں یہ وہ جنت ہے جس میں حضرت آدمؑ کو ٹھہرایا گیا تھا۔

رسول اللہؐ نے کیا دیکھا؟ تفسیر برہان میں ہے ابو برزہ اسلمی بیان کرتا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے سُنا کہ حضرت علیؑ سے انہوں نے فرمایا۔ اللہ نے سات مقامات پر تجھے میرے ساتھ حاضر کیا ہے (۱) شب معراج جب مجھ سے جبریل نے سوال کیا کہ علیؑ کہاں ہے؟ میں نے کہا زمین پر اپنے پیچھے اپنا خلیفہ بنا کر آیا ہوں تو جبریل نے

کہا۔ اللہ سے دعا کیجئے تو وہ آجائے گا۔ چنانچہ میں نے دعا کی۔ پس دیکھا تو تیری مثال میرے پاس موجود تھی۔ اور فرشتے صف بصف کھڑے تھے۔ الخ (۲) جب دوسری دفعہ معراج پر گیا تو جبریل کے سوال وجواب کے بعد میں نے تیری مثال کو اپنے پاس پایا اور میں نے ساتوں آسمانوں کی مکمل سیر کی (۳) مجھے جب قوم جن کی طرف مبعوث کیا گیا تو حسب سابق جبریل کے ساتھ سوال وجواب ہوا۔ اور میں نے دعا کی تو تیری مثال ساتھ تھی اور جو باتیں میں نے ان سے کیں وہ سب تو سن رہا تھا (۴) لیلۃ القدر میں تو میرا شریک ہے (۵) میں نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے تجھے سب کچھ دے دیا۔ سوائے نبوت کے کیونکہ اس نے فرمایا کہ یہ تیرا خاصہ ہے اور تو اس کا خاتم ہے (۶) جب میں نے شب معراج انبیاء کو نماز پڑھائی تو تیری مثال میرے پیچھے تھی (۷) احزاب کی ہلاکت ہم دونوں کے ہاتھوں پر ہوئی۔ پس یہ منکرین معراج کی تردید ہے۔ اور جو لوگ جنت ونار کی خلقت کے قائل نہیں ان کی رد بھی ہے۔

جب جناب بتول معظمہ کی شادی کا وقت آیا اور جناب رسالتمآبؐ نے اپنی پارہ جگر سے تذکرہ فرمایا تو بی بی نے قریش کی عورتوں کی طرف سے علی پر کئے جانے والے اعتراضات کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا میری لخت خدا نے مجھے عالمین پر فضیلت بخشی اور چن لیا۔ اس کے بعد اس نے علی کو عالمین پر برگزیدہ فرمایا اور پھر تجھے عالمین کی عورتوں کا سردار بنایا۔ اے فاطمہؑ جب میں معراج پر گیا تو بیت المقدس کے پتھر پر اللہ کی توحید اپنی نبوت اور علی کی وزارت کو لکھا ہوا پایا اور جبریل نے کہا تیرا وزیر علی بن ابی طالب ہے۔ جب سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچا تو وہاں بھی توحید ونبوت کے ساتھ علی کی وزارت کی تحریر دیکھی اور جبریل نے ذکر کیا کہ تیرا وزیر علی بن ابی طالب ہی ہوگا۔ پھر جب عرش پر پہنچا تو عرش مجید کے ہر ہر قائمہ پر کلمہ توحید اپنا ذکر اور اپنے وزیر کا ذکر دیکھا۔ جب میں جنت میں داخل ہوا تو درخت طوبیٰ کو دیکھا جس کی اصل حضرت علیؑ کے گھر میں تھی اور جنت کے ہر گھر میں اس کی شاخیں تھیں جنت کی چوڑائی زمین وآسمان کی وسعتوں کے برابر ہے جو صرف مومنوں کے لئے سجائی گئی ہے۔ وہاں سائے میں چلنے والا مسافر ایک سو سال تک چلتا رہے تو سایہ ختم نہ ہوگا۔ چنانچہ اس کی تعریف قرآن نے وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ سے کی ہے۔ وہاں کے میوہ جات بے حد وحساب ہوں گے اور جنتیوں کا کھانا گھروں میں ہر وقت تیار ہوگا طوبیٰ کی ایک شاخ پر سینکڑوں رنگ برنگے میوے ہوں گے۔ بعض دیکھے ہوئے اور بعض ان دیکھے ہوں گے بعضوں کا نام سنا ہوگا اور بعضوں کا نام نہ سنا ہوگا۔ جب ایک میوہ توڑا جائے گا تو فوراً اس کی جگہ دوسرا پیدا ہو جائے گا اور وہاں ایک نہر جاری ہے جس سے چار شاخیں نکلتی ہیں۔ خالص پانی کی نہر خالص دودھ کی نہر خالص شراب کی نہر اور خالص شہد کی نہر، اے فاطمہؑ! خدا نے علی کو سات اوصاف عطا فرمائے ہیں جن میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

(۱) قبر سے نکل کر سب سے پہلے میرے ساتھ ہوگا (۲) پل صراط پر میرے ساتھ کھڑے ہو کر دوزخ سے کہے گا۔ اس کو لے لے اُس کو چھوڑ دے (۳) سب سے پہلے حضرت علیؑ کو لباس جنت پہنایا جائے گا (۴) عرش کی دائیں جانب میرے ساتھ علیؑ کھڑا ہوگا (۵) جنت کا سب سے پہلے دروازہ علی کھٹکھٹائے گا (۶) علیین میں میرے ہمراہ علیؑ رہیگا

(۶) میرے ساتھ پیئے گا۔ وہ رحیق مختوم جس پر کستوری کی مہر لگی ہوگی۔ اے فاطمہؑ! کیا ہوا اگر علیؑ دنیا میں مالدار نہیں (۱) آخرت کی جاگیر کا مالک تو علیؑ ہے۔ اگر قریش کی عورتیں علیؑ کو بطین کہتی ہیں تو کیا حرج ہے۔ علیؑ کا شکم علم کا خزانہ ہے (۲)۔ اور علیؑ کو انزع کہنا کوئی بری بات نہیں۔ اللہ نے حضرت علیؑ کو جناب ابوالبشر آدمؑ کا سلیہ عطا فرمایا ہے اور علیؑ کے بازوں کی لمبائی پر قریش (۳) عورتوں کا اعتراض فضول ہے کیونکہ وہ دشمنانِ اسلام کا سر قلم کرنے اور اعداء دین کے فی النار کرنے کے لئے ہیں۔ خدا اس کے ذریعے سے دین کو غالب کریگا اور اسی کے ذریعے سے اسلامی فتوحات ہوں گی۔ اور علیؑ کی پشت سے جوانانِ جنت کے سردار پیدا ہوں گے (۴) جو عرش پروردگار کی زینت ہیں۔ ہر نبی کی اولاد اپنی صلب سے اور میری اولاد علیؑ کی صلب سے ہوگی (۵)۔ اگر علیؑ نہ ہوتا تو میری ذریّت نہ ہوتی۔ الحدیث

تفسیر برہان میں مروی ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے حبیب سجستانی سے ایک طویل حدیثؒ میں فرمایا۔ جب حضور محل سدرہ تک پہنچے تو جبریلؑ رک گیا۔ اور عرض کی اے محمدؐ۔ میری منزل یہی ہے۔ میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ آپ بے شک آگے چلے جائیں۔ چنانچہ حضورؐ روانہ ہو گئے اور جبریلؑ پیچھے رہ گیا۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا۔ سدرہ کو سدرۃ المنتہیٰ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ملائکہ کراماً کاتبین لوگوں کے اعمال لکھ کر اوپر لے جاتے ہیں اور وہاں وہ فرشتے جو الحفظۃ الکرام موجود ہیں ان کی نقلیں لے کر سدرۃ المنتہیٰ تک جاتے ہیں۔ یعنی وہ مقام ان کی انتہائے پرواز کی جگہ ہے اور وہاں درخت ہے۔ جسے سدرہ کہا جاتا ہے وہاں یعنی مقام سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر حضورؐ نے اس درخت کی شاخیں زیر عرش بھی دیکھیں، اور عرش کے اردگرد بھی دیکھیں۔ وہاں ایک نور پروردگار کی تجلی ہوئی جس سے آنکھیں خیرگی محسوس کرتی تھیں۔ خداوند کریم نے آپ کے جسم میں قوتِ برداشت بڑھا دی اور آنکھوں میں قوتِ بینائی عطا فرمائی۔ پس آپ نے اللہ کی آیات میں سے بہت کچھ دیکھا۔ اور اسی کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ آپ نے دوسری دفعہ دیکھا اور اپنی آنکھوں سے اللہ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ آپ نے فرمایا سدرہ کی موٹائی دنیا کے سالوں میں سے ایک سو سال کی مسافت کے برابر ہے، اور اس کا ایک پتہ پوری دنیا کو ڈھانپ سکتا ہے اور خدا کی مخلوق میں سے بعض فرشتے ایسے ہیں جن کو خدا نے زمین کی نباتات درختوں اور کھجوروں وغیرہ پر موکل کیا ہے۔ پس زمین کا کوئی درخت محافظ فرشتوں سے خالی نہیں ہوا کرتا جو اس کی اور اس کے پھل کی حفاظت پر مامور ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو درندوں اور حشرات الارض سے کوئی سبزی وانگوری محفوظ نہ رہ سکتی۔ اور حضورؐ نے پھلدار درختوں کے نیچے خیمہ زن ہونے سے منع فرمایا کیونکہ پھلدار درختوں کے نیچے جو ملائکہ موجود ہوتے ہیں ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور پھلدار درختوں سے توحش اس لئے نہیں ہوتا کہ وہاں فرشتوں کی آمدورفت ہوتی ہے۔

ایک شخص نے امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے سوال کیا کہ جب اللہ کسی مکان کا پابند نہیں تو نبی علیہ السّلام کے آسمان پر لے جانے کا کیا مقصد تھا؟ آپ نے فرمایا ملکوت سماویہ اور عجائب قدرت کی سیر کرانا مقصود تھا۔ اور دَنَا کا معنی ہے کہ فضائے نور میں آگے بڑھے اور ملکوتِ سماویہ کو دیکھا اور دَنَا فَتَدَلّٰی کا معنی یہ ہے کہ فضائے نور میں آگے بڑھ کر مناظرِ قدرت دیکھے اور تدلّٰی کا معنی ہے کہ ملکوتِ سماویہ سے نیچے کی طرف نظر جھکا کر ملکوتِ ارضیہ کی طرف دیکھا اور آپ کو زمین کا قرب دو کمانوں کے فاصلے کے برابر معلوم ہوا

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى (۱۷) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (۱۸) لَقَدْ

جب ڈھانپ لیا سدرہ کو جس نے ڈھانپ لیا — نہ ٹیڑھی ہوئی آنکھ نہ حد سے بڑھی — تحقیق

رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (۱۹) اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى (۲۰)

انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں میں سے بڑی نشانی دیکھی — تم نے لات و عزّیٰ کو کیا سمجھا ہے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا نے محمد مصطفےٰ کو اور آگے بڑھایا اور قریب کیا پھر ایک صورت دکھائی اور فرمایا کیا آپ اس کو پہچانتے ہیں تو آپ نے ہاں میں جواب دیا اور کہا کہ یہ علیؑ کی صورت ہے۔ پس وحی کی کہ اس سے فاطمہؑ کی شادی کرو اور اس کو اپنا وصی قرار دو۔

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ ۔ اس کی تفسیر میں حضورؐ نے فرمایا کہ جبرئیل ایک بڑے درخت کے پاس کھڑا ہوا تھا جس کے ہر پتہ و شاخ پر ایک ایک فرشتہ موجود تھا۔ اور اس درخت کو نورِ پروردگار نے ڈھانپا ہوا تھا تو جبرئیل نے کہا کہ یہاں سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکتا لیکن آپ کو آگے جانا ہے تاکہ اللہ کی آیات کبریٰ کو ملاحظہ کریں۔ اس کے بعد وہ مجھے زیرِ عرش لے گیا اور باذنِ پروردگار اس نے سبز رنگ کا نہایت حسین و دل کش (سواری کے لئے) رفرف پیش کیا اور میں آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ فرشتوں کی آوازیں بھی میرے کانوں تک نہ پہنچ سکتی تھیں۔ اور وہاں مخلوق میں سے کسی شئی کا وجود نہ تھا۔ پس میرے نفس میں سکون اور دل میں سرور کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اور مجھے یوں لگا کہ سب مخلوق مر چکی ہے۔ کیونکہ مجھے اپنے سوا اور کوئی مخلوق نظر نہ آتی تھی۔ پھر کچھ وقت کے بعد خدا کی توفیق سے مجھے افاقہ سا محسوس ہوا۔ اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور دل سے اس طرح دیکھتا تھا۔ جس طرح آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے بلکہ آنکھوں کی نظر سے بھی زیادہ دکھائی دیتا تھا اور مجھے ایک ایسا نور نظر آیا جس کو آنکھیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اسی اثناء میں مجھے ذات پروردگار کی جانب سے آواز پہنچی۔ یا محمدؐ! تو میں نے عرض کی۔ لبیک ربّی پس ارشاد ہوا کیا۔ تو نے اپنی قدر و منزلت کا اندازہ کر لیا ہے جو میرے پاس تیرے لئے ہے؟ تو میں نے عرض کی۔ جی ہاں! پھر ارشاد ہوا کہ کیا تو نے اپنی اور اپنی ذریّت کی قدر و منزلت معلوم کر لی ہے؟ تو میں نے عرض کی جی ہاں۔ پھر فرمایا گیا تجھے پتہ ہے کہ ملاءِ اعلیٰ کس بات میں بحث کرتے ہیں؟ تو میں نے عرض کی۔ تیری ذات اعلم و احکم ہے اور تو ہی علام الغیوب ہے تو فرمایا کہ ملاء اعلیٰ درجات وحسنات میں بحث کرتے ہیں۔ (۱) مفروضہ نمازوں کے لئے وضو کا درست کرنا (۲) قدموں پر چل کر نمازِ جماعت کو جانا (۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا (یعنی فرشتوں کے تین گروہ ہیں۔ اور مذکورہ ذیل امور میں سے ہر ایک گروہ ایک چیز کو افضل قرار دیتا ہے) اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالتَّهَجُّدُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ (یعنی ہر وہ جس پر وارد ہو اس کو سلام کہنا اور مہمان نوازی کے طور پر کھانا کھلانا اور رات کو نمازِ تہجد کا پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اس کے بعد اٰمَنَ الرَّسُوْلُ تا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ آیات نازل ہوئیں اور ارشاد قدرت ہوا۔ کہ یہ آیتیں تیرے

لئے اور تیری اولاد کے لئے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اب میں تم سے ایک ایسی بات دریافت کرتا ہوں۔ جس کو میں خود تجھ سے بہتر جانتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ تو نے اپنے بعد کسی کو اپنا خلیفہ نامزد کیا ہے۔ تو میں نے جواب دیا زمین پر بسنے والوں میں جو سب سے زیادہ افضل ہے وہ میرا بھائی چچازاد تیرے دین کا ناصر اور تیرے دشمن کا دشمن ہے۔ جس کا نام علی بن ابی طالب ہے۔ تو ارشاد ہوا کہ بے شک تو نے درست کہا ہے۔ میں نے تجھے نبوت کے لئے چن لیا اور رسالت پر مبعوث کیا اور علی کو تیری اُمّت کا مبلّغ وشاہد قرار دیا۔ وہ تیری موجودگی میں اور تیرے بعد زمین پر میری حجت ہوگا۔ وہ میرے دوستوں کا نور اور میرے اطاعت گذاروں کا ولی ہوگا۔ اور علی وہ کلمہ ہے جو متقین کے لئے میں نے لازم کیا ہے (جس طرح سورۂ فتح کی آیت نمبر ۲۶ میں گذر چکا ہے۔ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى) اے محمدؐ! اپنی دختر نیک اختر کی شادی علیؑ سے کر دیجئے۔ کیونکہ وہی تیرا وصی اور وارث و وزیر ہے۔ وہی تجھے غسل دینے والا۔ تیرے دین کا ناصر اور تیری سنت پر شہید ہونے والا ہے۔ اور اس کو اس اُمّت کا بدترین انسان قتل کرے گا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے چند چیزوں کے متعلق حکم دیا ہے۔ اور بعض ایسے امور ہیں جن کا اظہار نہ کرنا مجھ پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ پس رفرف کے ذریعے سے میں نیچے اُترا۔ اور جبریل مجھے سدرۃ المنتہیٰ پر لایا۔ کچھ دیر وہاں قیام کیا۔ پھر جنّت میں داخل ہوا اے علیؑ۔ وہاں میں نے اپنا اور تیرا گھر دیکھا۔ اور میں جبریل کے ساتھ محو گفتگو تھا کہ اچانک نور خداوندی نے میرے اُوپر اپنا پرتو ڈالا۔ (جس طرح اُوپر کو جاتے ہوئے اس کے نور عظیم نے ڈھانپ لیا تھا گویا وہ مرۃ اولیٰ تھا اور یہ نزلۂ اُخریٰ تھا) پس خدا نے مجھے صدا دی۔ اے محمدؐ! تو میں نے لبیک کہی۔ پس ارشاد ہوا۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِىْ غَضَبِىْ۔ یعنی میری رحمت میرے غضب سے پہلے ہے۔ تو میری مخلوق میں سے میرا برگزیدہ میرا امین دوست اور رسول ہے۔ اور مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر میری تمام مخلوق ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی تجھ میں شک کرے یا تیری توہین کرے یا تیری نیک اولاد میں سے کسی کی توہین کرے تو اس کو یقیناً جہنّم میں داخل کروں گا۔ اے محمدؐ! علی مومنوں کا امیر مسلمانوں کا سردار اور نورانیوں کا قائد ہے۔ وہ سبطین کا باپ ہے جو جنّت کے جوانوں کے سردار ہیں جو ظلم وجور سے شہید کر دئے جائیں گے۔ اس کے بعد نماز اور باقی احکام کا حکم دیا گیا۔ ملخصًا (برہان)

چار بڑے فرشتے

بروایت عبداللہ بن مسعود حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ میں نے جبریل کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا کہ اس کے چھ سو پَر تھے۔ اور ہر ایک سے یاقوت اور موتی گر رہے تھے۔ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اسرافیل نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے ساتوں زمینوں کی طاقت عطا فرما تو اللہ نے اس کو پہاڑوں۔ ہواؤں اور جملہ حیوانوں کی طاقت عطا کی۔ اور اس کے سر سے قدموں تک بال منہ اور زبانیں پیدا کر دیں۔ جن کو بے حد وحساب پروں سے ڈھانپ دیا۔ پس وہ ہر زبان سے ہزار ہزار بولیوں میں تسبیح کرتا ہے۔ اور اس کی ہر سانس سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔ جو تا قیامت اللہ کی تسبیح میں مشغول رہیں گے۔ وہ ملائکہ مقربین اور حاملین عرش اور کراماً کاتبین جن کی شکل اسرافیل سے ملتی جلتی ہے۔ اور اسرافیل ہر شب وروز میں تین دفعہ جہنّم کو دیکھتا ہے تو خوف سے پگھل کر چلّہ کمان کی طرح کمزور ہو جاتا ہے۔

وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۱﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۲﴾ تِلْكَ

اور منات تیسرا بو ان کے علاوہ ہے کیا تمہارے لئے مذکر (بیٹے) ہوں اور اس کے لئے بیٹیاں ہیں؟ تو یہ

اور اس قدر گریہ کرتا ہے کہ اگر اس کے آنسو آسمان سے گرنے لگ جائیں تو زمین و آسمان کی درمیانی فضا چھلک اٹھے اور پوری دنیا غرقاب ہو جائے اور دنیا کے تمام دریا و سمندر اگر اس کے سر پر گرا دئے جائیں تو سب پانی وہاں جذب ہو جائے گا اور اس کا ایک قطرہ بھی نیچے نہ گرے گا۔ اور اگر خدا اسے رونے سے منع نہ کرتا تو پوری زمین اس کے آنسوؤں سے پر ہو کر طوفانِ نوح کی داستان دہراتی۔ اور اسرافیل کی عظمت کی یہ صورت ہے کہ جبریل نے ایک دفعہ پرواز شروع کی تو اسرافیل کے ہونٹ سے اس کے ناک تک کا فاصلہ تین سو برس میں طے کیا۔ لیکن وہ بھی پورا نہ کر سکا۔ اور میکائیل کو خدا نے اسرافیل کے پانچ سو برس بعد پیدا فرمایا۔ اس کے سر سے قدم تک تمام بال زعفران سے ہیں۔ اور اس کے پر زبرجد سبز کے ہیں۔ اس کے ہر بال پر ہزار ہزار منہ ہیں۔ اور ہر منہ میں ہزار ہزار زبانیں ہیں۔ اور ہر زبان کے ساتھ ہزار ہزار آنکھ ہے جو خوفِ خدا سے گریہ کرتی ہیں۔ اور گنہگار مومنوں پر رحم کرتے ہوئے ان کے لئے ہر آنکھ اور ہر زبان سے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اور ان کی ہر آنکھ سے ستر ہزار ہزار قطرات ٹپکتے ہیں۔ اور ہر قطرہ سے میکائیل کی شکل کا ایک ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے اور ان کو کروبیوں کہا جاتا ہے۔ اور وہ میکائیل کے مددگار ہیں جو بارشوں، سبزیوں اور درختوں کے پتوں اور پھلوں پر تعینات ہیں۔ اور سمندروں میں پانی کے جس قدر قطرے ہیں یا درختوں پر جس قدر پھل ہیں ان پر ایک ایک فرشتہ موکل موجود ہے۔ اور جبریل کو اللہ نے میکائیل کے پانچ سو برس بعد پیدا فرمایا۔ اس کے دس لاکھ اور چھ سو پر ہیں۔ اور اس کے سر سے قدم تک سب بال زعفرانی ہیں سورج اس کی آنکھوں کے درمیان ہے۔ اور اس کے تمام بال چاند ستارے ہیں۔ وہ ہر دن نور کے سمندر میں تین سو ساٹھ مرتبہ غوطہ لگاتا ہے جب نکلتا ہے تو اس کے پروں سے قطرات گرتے ہیں۔ اور ہر قطرہ سے ایک ایک فرشتہ جبریل کی شکل کا پیدا ہوتا ہے جو قیامت تک اللہ کی تسبیح کرتے رہیں گے۔ اور ان کو روحانیوں کہا جاتا ہے۔ اور ملک الموت صورت و شکل چہرہ زبان اور پروں کے لحاظ سے اسرافیل کے مشابہ ہے۔

لات منات عزّٰی

اَفَرَاَیْتُمْ: یعنی لات و منات و عزّٰی کے متعلق بتاؤ کہ ان کو تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ اُن کی عبادت کرتے ہو۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ اس جگہ مشرکین مکہ کے نظریے کے متعلق مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ بعض کہتے تھے کہ اُن کے نزدیک یہی خدا کی بیٹیاں ہیں۔ اور بعض کا خیال ہے کہ وہ چونکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ پس انہوں نے اپنے خیال سے ان کی شکل کے بت تراش لئے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ اور ان کے نام بھی اللہ کے ناموں سے مشتق کئے ہوئے تھے۔ مثلاً لات اللہ سے اور عزّٰی عزیز سے۔ بعض کا خیال ہے کہ لات (طائف) بنی ثقیف کا بت تھا اور عزّٰی بھی ایک بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ عزّٰی ایک کیکر کا بہت بڑا درخت تھا جس کی قبیلہ غطفان پرستش کرتے تھے اور حضورؐ نے ان کی طرف خالد بن ولید کو

اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۳﴾ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

تقسیم غلط ہے بجز اس کے نہیں کہ یہ نام تم نے اور تمہارے آباء نے ان کے تجویز کر لئے ہیں

مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى

اللہ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نہیں نازل کی یہ تو صرف اپنے گمان کی ہی اتباع کرتے ہیں اور جو ان کا نفس

الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۴﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ

چاہے حالانکہ ان کے پاس اپنے پروردگار کی جانب سے ہدایت پہنچ چکی ہے کیا ان کے لئے وہ کچھ

مَا تَمَنّٰى ﴿۲۵﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۶﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى

ہے جو چاہے ؟ پس اللہ کے لئے دوسری (قیامت) اور پہلی (دنیا) اور کس قدر فرشتے ہیں آسمانوں

السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ

میں کہ ان کی شفاعت کچھ فائدہ مند نہیں مگر بعد اس کے کہ جس کے لئے چاہے

اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

اللہ اجازت دیدے اور راضی ہو جائے تحقیق جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۸﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ

وہ فرشتوں کے مونث والے نام رکھتے ہیں حالانکہ ان کو اس کا کوئی علم نہیں ہے

بھیجا تھا اور اس نے درخت کاٹ ڈالا تھا۔ منات کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ مکہ و مدینہ کے درمیان یہ بت رکھا ہوا تھا بعض نے کہا ہے کہ قبیلہ ہذیل و خزاعہ کا بت تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تینوں بت کعبہ میں تھے۔

ضِيْزٰى :۔ بروزن فِعلیٰ اور اس کا قیاس فُعلیٰ ہے یا واوی ضَازَ یَضُوْزُ ضَوْزًا سے ہے یا یائی ضَازَ یَضِیْزُ ضَیْزًا سے ہے اور اس کا معنی ہے نقصان پہنچانا اور اس جگہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے بیٹوں کی تجویز اور خدا کے لئے بیٹیوں کی تجویز ان کی غیر عادلانہ روش ہے اور جو انہوں نے نام تجویز کئے ہیں ان پر بھی ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں بلکہ صرف گمان اور خواہش نفس کے پیچھے چل کر انہوں نے ایسا کیا ہے۔

مَا تَمَنّٰى :۔ یعنی انسان (کافر) چاہتا ہے کہ اس سے کوئی باز پرس نہ ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ آخرت و اولیٰ کا مالک اللہ ہے۔ اور وہ ضرور باز پرس کرے گا۔

إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٩﴾

وہ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور گمان حق کا ذرہ بھر فائدہ نہیں دیتا

فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٠﴾

پس منہ پھیر لیجئے اس سے جو ہمارے ذکر سے پھر جائے اور دنیاوی زندگی کے علاوہ اور کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو

ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن

یہ ان کے علم کی آخری منزل ہے تحقیق تیرا رب خوب جانتا ہے جو گمراہ ہو اس کے رستہ

سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿٣١﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا

سے اور وہ خوب جانتا ہے ان کو جو ہدایت پائیں اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور

فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ

زمین میں ہے تاکہ بدلہ دے ان کو جو برائی کریں اس کی جو انہوں نے کیا اور بدلہ دے ان کو

مَبْلَغُهُمْ :- یعنی ان کے عقل و دانش کی آخری منزل دنیاوی منفعت تک محدود ہے کہ وہ حیوانوں کی طرح پیٹ بھرنے کو ہی کامیاب زندگی تصور کرتے ہیں۔

رکوع ۶

لِيَجْزِيَ :- یہ لام عاقبت کے لئے ہے۔ یعنی وہ مالک ہے اور اس کا انجام یہ ہے کہ وہ جزا و سزا دے گا یعنی چونکہ وہ مالک قادر ہے اور مخلوق کو اس نے عبث پیدا نہیں کیا لہٰذا اس نے جزا و سزا کا دن مقرر کیا ہوا ہے

گناہانِ کبیرہ

كَبَائِرَ الْإِثْمِ :- تفسیر برہان میں ہے۔ ایک دفعہ عمرو بن عبید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اسی آیت مجیدہ کی تلاوت کی۔ اور پھر خاموش ہو گیا آپ نے فرمایا کیوں خاموش ہو گیا ہے۔ تو اس نے عرض کی کتاب اللہ سے گناہانِ کبیرہ کو معلوم کرنا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا (۱) اکبر الکبائر شرک ہے وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ الآیۃ (۲) اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا (۳) اللہ کی گرفت سے نڈر ہونا (۴) عقوق والدین اس کو خدا نے جبار شقی کہا ہے (۵) قتل نفس محترمہ (۶) قذف محصنہ (پاکدامن عورت کو تہمت زنا دینا) (۷) یتیم کا مال کھانا (۸) جہاد سے فرار کرنا (۹) سود خوری (۱۰) جادو (۱۱) زنا (۱۲) جھوٹی قسم (۱۳) غلول دھوکا (۱۴) زکوٰۃ نہ دینا (۱۵) جھوٹی گواہی (۱۶) یا گواہی کو چھپانا (۱۷) شراب نوشی (۱۸) ترک الصلاۃ (۱۹) عہد شکنی (۲۰) قطع رحمی (ان کو شمار کرتے ہوئے امام نے ہر یک کے ساتھ قرآن مجید کی متعلقہ آیت کی تلاوت فرمائی۔ چنانچہ جب آپ شمار کر چکے تو عمرو بن عبید روتا ہوا باہر نکلا اور چیخیں مار مار کر کہتا تھا کہ جو شخص اپنی ذاتی رائے سے کوئی بات

أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴿٣٢﴾ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ

جنہوں نے نیکی کی اچھائی کا جو لوگ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے اور بے حیائیوں سے

إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ

سوائے معمولی لغزش کے تحقیق تیرا رب کامل بخشش والا ہے وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب کہ اس نے پیدا کیا تم کو

مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا

زمین سے اور جب تم جنین تھے ماؤں کے شکم میں پس اپنے نفسوں کی پاکیزگی

أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿٣٣﴾ ع أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٤﴾

نہ بیان کرو وہ جانتا ہے جو اس سے ڈرے کیا تو نے اسے دیکھا جو پشت دکھا کر بھاگ گیا

کرے اور فضل و علم میں تمہارا مقابلہ کرے۔ وہ یقیناً ہلاک ہو گا۔ اور دوسری روایت میں فواحش سے مراد زنا اور چوری لی گئی ہے۔

عبید بن زرارہ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے گناہانِ کبیرہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کتاب علی میں ان کی تعداد سات ہے (۱) اللہ کا کفر (۲) قتل نفس (۳) عقوق والدین (۴) سود خوری (۵) ناجائز طور پر یتیم کا مال کھانا (۶) جہاد سے بھاگ جانا (۷) ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ واپس چلا جانا۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی۔ بس یہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! تو میں نے عرض کی کہ یتیم کے مال سے ایک درہم کھا لینا زیادہ گناہ ہے یا ترک الصلوٰۃ تو آپ نے فرمایا کہ ترک الصلوٰۃ۔ تو میں نے کہا کہ ترک الصلوٰۃ کو آپ نے ذکر ہی نہیں فرمایا تو آپ نے فرمایا۔ میں نے سب سے پہلے کس چیز کا نام لیا ہے؟ تو میں نے عرض کی کہ آپ نے سب سے پہلے کفر کا نام لیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ بلا وجہ نماز کو ترک کرنے والا ہمارے نزدیک کافر ہوا کرتا ہے۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ تم اپنے اعمال کی بڑائی نہ بیان کیا کرو کہ میں نمازی ہوں یا روزہ دار ہوں کیونکہ وہ زیادہ جانتا ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے کہ وہ مٹی طیّب تھی یا نجس پس وہ تمہارے مزاجوں کو خوب جانتا ہے۔ ایک دوسری حدیث یہ ہے۔ جب آپ سے عمل کے باقی رکھنے کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا جب انسان کوئی نیکی کرے یا راہِ خدا میں خرچ کرے تو اس کی نیکی لکھی جائے گی۔ لیکن اسے لوگوں کے سامنے بیان کرے تو وہ نیکی نیکی کی بجائے ظاہری نیکی لکھی جائے گی لیکن جب دوبارہ اس کو ذکر کرے گا تو وہ مٹا دی جائے گی اور ریا ہو جائیگا

اور لمم کے معنی میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے (۱) خلاف عادت کسی کام کا کر گذرنا یعنی اتفاقی طور پر گناہ کرنا اور پھر تائب

وَاَعۡطٰی قَلِیۡلًا وَّاَکۡدٰی ﴿۳۵﴾ اَعِنۡدَہٗ عِلۡمُ الۡغَیۡبِ فَهُوَ یَرٰی ﴿۳۶﴾

اور تھوڑا دیا اور بخیل ہو گیا کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ دیکھتا ہے؟

اَمۡ لَمۡ یُنَبَّاۡ بِمَا فِیۡ صُحُفِ مُوۡسٰی ﴿۳۷﴾ وَاِبۡرٰهِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی ﴿۳۸﴾

کیا اس کو خبر نہیں دی گئی جو حضرت موسیٰ کے صحیفے میں ہے اور ابراہیم کے صحیفے میں ہے جس نے وفا کی

ہو جانا۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور رسالت مآبؐ یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اِنۡ تَغۡفِرِ اللّٰهُمَّ تَغۡفِرۡ جَمًّا وَاَیُّ عَبۡدٍ لَکَ لَا اَلَمَّا

یعنی اے پروردگار اگر تو چاہے تو بہت بڑے گناہ بخش دیتا ہے اور تیرا کونسا بندہ ہے جس نے معمولی گناہ یعنی اتفاقی گناہ بھی نہ کیا ہو؟

(۲) گناہانِ صغیرہ جس طرح نامحرم پر نظر ڈالنا یا بوس وکنار کرنا وغیرہ۔ اور زمین سے تمام انسانوں کے پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم کو آدم سے پیدا کیا اور آدم زمین سے پیدا ہوئے تھے یا یہ کہ سب انسان زمین سے اُگنے والی پیداوار کھاتے ہیں جس سے مادہ منویہ پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان منی سے پیدا ہوتا ہے۔ گویا بالواسطہ اس کی پیدائش زمین سے ہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خدا تمہاری پیدائش کی اصل بھی جانتا ہے۔ اور وہ زمین ہے جس کا بعض حصہ طیب اور بعض حصہ خبیث ہوتا ہے اور وہ آگاہ ہے کہ تمہارا مادہ طیب ہے یا کہ خبیث۔ اور نیز تمہاری شکمِ مادر میں رہائش کو بھی وہ جانتا ہے۔ لہٰذا تم اپنے اعمال پر اترانا چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ حقیقت کو بہتر جانتا ہے۔

رکوع ۷

اَفَرَءَیۡتَ:۔ اس کے شانِ نزول کے متعلق مذکور ہے کہ حضرت عثمان[۱] کافی صدقہ وغیرہ کیا کرتے تھے ایک دفعہ ان کو اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا کہ تم اس قدر سخاوت نہ کیا کرو ورنہ سب کچھ خرچ کر بیٹھو گے تو عثمان نے کہا میرے گناہ بہت زیادہ ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ خدا خوش ہو جائے اور میرے گناہ معاف کر دے تو اس نے کہا مجھے اپنی اونٹنی سامان سمیت دے دو۔ میں تیرے سارے گناہ اپنے ذمہ لے لوں گا۔ چنانچہ عثمان نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد راہِ خدا میں مال خرچ کرنا چھوڑ دیا تو یہ آیت اتری کہ اس شخص کو دیکھو جو جنگِ احد میں دشمنوں سے پشت دکھا کر بھاگ گیا اور اب حیلوں بہانوں سے جان چھڑانا چاہتا ہے کہ معمولی سا روپیہ دے کر بخیل بن گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیتیں[۲] ولید بن مغیرہ کے لئے اتریں کہ اس نے رسول اللہ کا دین اختیار کیا تھا لیکن جب کافروں نے طعنہ دیا کہ تو نے بزرگوں کا دین چھوڑ دیا ہے اور ان کو تو نے گمراہ اور دوزخی سمجھا ہے۔ کہنے لگا میں تو اللہ کے عذاب سے ڈر گیا ہوں تو طعنہ دینے والے نے کہا مجھے اتنا مال دے دو تو میں عذابِ خداوندی سے تیری ضمانت لیتا ہوں۔ چنانچہ وہ دوبارہ کافر ہو گیا اور طعنہ دینے والے کو کچھ وعدہ شدہ روپیہ دیا اور باقی کا انکار کر دیا اور بعض نے کہا ہے[۳] کہ ایک شخص گھر سے اچھا خاصا روپیہ لے کر روانہ ہوا تاکہ بارگاہِ نبوی میں فیضیاب ہو۔ لیکن راستہ میں اُسے ایک کافر نے روک لیا کہ روپیہ مجھے

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿٣٨﴾ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿٣٩﴾

کہ نہ بوجھ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا اور یہ کہ نہیں انسان کے لئے مگر وہ جو خود کوشش کرے

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿٤١﴾ وَ

اور تحقیق اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی پھر اس کو پوری جزا دی جائے گی اور

أَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ﴿٤٢﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿٤٣﴾ وَأَنَّهُ

تحقیق تیرے رب کی طرف آخری منزل ہے اور تحقیق وہی رلاتا اور ہنساتا ہے اور تحقیق

هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿٤٤﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٤٥﴾

وہی مارتا اور جلاتا ہے اور اس نے پیدا کئے جوڑے نر اور مادہ

مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿٤٦﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٤٧﴾ وَأَنَّهُ

نطفے سے جب گرایا جاتا ہے (رحم میں) اور تحقیق اسی پر ہے پیدا کرنا دوبارہ اور تحقیق

دے دو۔ اور میں تیرے گناہ اپنے سر پر لے لیتا ہوں۔ پس اس نے دو روپیہ اس کو دے دیا اور مشرف باسلام نہ ہوسکا
بہر صورت یہ آیات مجیدہ ان لوگوں کے لئے دعوت تاقیامت اس قسم کی سودے بازی کریں ا سرزنش ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کیا
ایسے شخص کو علم غیب ہوجاتا ہے اور وہ دیکھ لیتا ہے کہ وہ شخص اس کا عذاب سے ضامن بن جائے گا۔ کیا ایسے لوگوں کو
حضرت موسیٰ و ابراہیمؑ کے صحیفوں کی خبر نہیں کہ ان میں صاف طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ بروز محشر نہ اٹھائے
گا اور انسان کو صرف اپنا کمایا ہوا کام دے گا۔

وَفّیٰ :- یعنی ابراہیم علیہ السلام پر جو امتحان آیا اس نے پورا کر دکھایا۔

تنبیہ - بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ والی آیت کا حکم منسوخ ہے کیونکہ شریعت محمدی میں ایک شخص کے اعمال نیابت کے طور پر دوسرے کو فائدہ دے سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک عورت نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ میرا باپ مرگیا ہے اور وہ حج نہیں کرسکا تھا تو آپ نے فرمایا تو اس کی نیابت میں حج کرسکتی ہے۔ بہرکیف نماز اور روزہ وجملہ عبادات کا اجارہ جائز ہے یا یہ کہا جائے کہ یہ عام مخصص ہے۔ یعنی کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا مگر ان مقامات پر جہاں دلیل سے ثابت ہوجائے۔

اَضْحَكَ وَاَبْكىٰ :- یعنی اس مرد نے خود ہی اپنے لئے ضحک وبکا کا سبب پیدا کیا ہے۔ یا یہ تاویل کی جائے گی کہ اللہ وہ ہے جس نے درختوں کے پھل پھول کی بدولت ہنسایا اور بادلوں کو بارش کے ذریعے رلایا۔ یا یہ کہ اللہ وہ ہے جس نے

هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۵۰﴾ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ

اُسی نے غنی کیا اور فقیر کیا اور تحقیق وہی شعریٰ کا رب ہے اور تحقیق اسی نے ہلاک

عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ وَ ثَمُوْدَا۟ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۲﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ

کیا پہلی قوم عاد کو اور ثمود کو پس نہ باقی چھوڑا اور قوم نوح کو اس سے پہلے تحقیق وہ لوگ

كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ﴿۵۳﴾ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۴﴾ فَغَشّٰىهَا

ظالم و سرکش تھے اور ہلاک کیا مؤتفکہ کو جس کو پھینک دیا پس اس کو ڈھانپ دیا

مَا غَشّٰى ﴿۵۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۶﴾ هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ

(عذاب نے) جس نے ڈھانپ لیا پس اپنے رب کی نعمتوں میں کس میں شک کرو گے؟ یہ ڈرانے والا ہے پہلے ڈرانے والوں

فرمانبردار کو اپنی رحمت سے ہنسایا اور نافرمان کو سزا دے کر رلایا۔

عَلَیْهِ النَّشْاَةَ :۔ اس جگہ علیٰ کی لفظ وجوب کو ظاہر کرتی ہے کہ بروز قیامت لوگوں کو زندہ کرکے اٹھانا اللہ پر واجب ہے کیونکہ جب اس نے مخلوق کو اعمال کے لئے مکلف فرمایا ہے تو وہ ثواب کا ضامن ہے۔ اور چونکہ مخلوق کو مصائب و آلام بھی پہنچتے ہیں لہٰذا وہ ان کے عوض کا ضامن ہے اور چونکہ دنیا میں یہ ثواب و عوض نہیں ہوتا لہٰذا ایک دوسرا مقام ایسا ضروری ہے جس میں جزا و سزا کا پورا اہتمام ہو۔ اور چونکہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے لہٰذا اس کی ایفا لازم و واجب ہے۔

اَغْنٰى وَ اَقْنٰى :۔ اس کے کئی معانی کئے گئے ہیں (۱) غنی کیا اور خادم عطا کئے (۲) غنی کیا اور اتنا دیا کہ راضی کر دیا (۳) کسی کو غنی کیا اور کسی کو فقیر کیا۔

رَبُّ الشِّعْرٰى :۔ شعریٰ ایک ستارے کا نام ہے جس کی قبیلہ خزاعہ پرستش کرتا تھا۔ کہتے ہیں سردیوں کے موسم میں جنوب کی طرف چار ستارے نمودار ہوتے ہیں جن کی ہیئت مستطیل کی سی ہوتی ہے اور ان کے درمیان میں تین ستارے ایک دوسرے سے متصل ہوتے ہیں۔ جب ان تین متصل ستاروں سے ایک وہمی خط بائیں طرف کھینچا جائے تو تقریباً سات ذراع کے فاصلہ پر وہ شعریٰ یمانی تک جا پہنچتا ہے۔ اگر دائیں طرف خط نکلے تو اتنے ہی فاصلہ پر شعریٰ شامی تک پہنچتا ہے۔

عَادَا ۨالْاُوْلٰى :۔ بعض قاریوں نے اس کو عَادَ اللُّوْلٰی پڑھا ہے۔

وَ ثَمُوْدَ :۔ اس کا عاد پر عطف ہے اور اَبْقٰى کا معمول نہیں کیونکہ ما کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا۔

وَ الْمُؤْتَفِكَةَ :۔ اس سے قوم لوط مراد ہے اور بعض روایات میں اس سے اہل بصرہ مراد لئے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے جنگ جمل کی فتح کے بعد ایک خطبہ میں اہل بصرہ کو اہل مؤتفکہ سے تعبیر کیا ہے۔

الْاُوْلٰى ﴿٥٦﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾

ہیں سے — قریب ہے آنے والی (قیامت)۔ نہیں اس کے لئے اللہ کے بغیر دور کرنے والی کوئی طاقت

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿٦٠﴾

کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو — اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو؟

وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿٦٢﴾ ع

حالانکہ تم غافل ہو — پس اللہ کا سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى: یعنی ان لوگوں پر پتھروں کی آسمان کی جانب سے سخت بارش نازل کی گئی اور مَا غَشّٰى چونکہ ان پر بھیجے جانیوالے عذاب کی اہمیت و عظمت کو ظاہر کرنا مقصود تھا اس لئے اس کو مبہم لایا گیا۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ: یعنی جن قدر امور کا تذکرہ کیا جا چکا ہے۔ یہ سب صحف ابراہیم و موسیٰ میں موجود ہیں۔ اور ان میں غور و فکر کرکے صحیح نظریہ قائم کرتے ہوئے اللہ کے دین کی طرف جھک جانا تمہارا فرض ہے۔ اور سابق امتوں کا تذکرہ کرنا تمہارے لئے اللہ کا لطف ہے جس کی بدولت تمہارے لئے قبول حق آسان ہوتا ہے۔ پس یہ بھی اس کی ایک نعمت ہے لہٰذا تم اس کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے یا شک کرو گے؟

هٰذَا نَذِيْرٌ: یہ رسول یا یہ قرآن یا یہ خبریں سابق کی طرح تمہیں خدا کی نافرمانی سے ڈرانیوالی ہیں۔

اَزِفَتْ: قیامت کو آزفہ کہا گیا ہے کیونکہ ہر آنیوالی چیز قریب ہے اور جانے والی بعید ہوا کرتی ہے۔

كَاشِفَةٌ: یا تو اسم فاعل کا صیغہ ہے یا یہ کہ عافیہ عاقبہ واقیہ اور خائنہ کی طرح مصدر ہے۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْث: یعنی اس قرآن مجید کے بیانات کو سن کر تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور مسخری کرتے ہو۔ حالانکہ یہ رونے کا مقام ہے۔

فَاسْجُدُوْا: اس جگہ سجدہ واجب ہے کیونکہ اَمر ہے اور امر وجوب کو ظاہر کرتا ہے اس سجدہ کا طریقہ گذر چکا ہے۔ جلد ١٢ صفحہ ١٥٩۔ جلد ٦ صفحہ ١٥٠۔

اگر بچہ روتا ہو تو آیت ٦٠ - ٦١ - ٦٢ کو لکھ کر اس کے گلے میں تعویذ باندھا جائے تو وہ نہ روئے گا۔

سورہ القمر

یہ سورہ مکیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت چھپن ہے۔
حضور نبی اکرم سے مروی ہے جو شخص اس سورہ مجیدہ کو پڑھتا رہے بروز قیامت اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔ اور ہر رات اس کا پڑھنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرتا رہے وہ بروز محشر اپنی قبر سے نکلے گا تو جنت کی سواری پر سوار ہو کر آئے گا۔
اور خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص نماز ظہر کے وقت بروز جمعہ لکھ کر اپنے عمامہ میں رکھے تو وہ جہاں بھی جائے وجیہہ و باعزت ہوگا۔
اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بروز جمعہ نماز ظہر کے وقت لکھ کر اس کو اپنے عمامے میں رکھنے والا لوگوں میں مقبول ہوگا۔ اور اللہ کے اذن سے مشکل کام اس پر آسان ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ﴿۲﴾ وَاِنۡ یَّرَوۡا اٰیَۃً یُّعۡرِضُوۡا وَ

قیامت قریب ہے اور چاند شق ہوا اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور

رکوع ۵

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَۃُ ۔ چونکہ حضرت رسالت مآبؐ آخری نبی ہیں ۔ اور ان کا زمانِ نبوت قیامت تک ہے ۔ پس ان کی آمد قربِ قیامت کی نشانی ہے ۔ اور حضرت رسول اللہؐ کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوا لہذا شق القمر کو قربِ قیامت کے ساتھ ذکر کیا گیا ۔

وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ قریش مکہ نے حضورؐ سے معجزہ طلب کیا تو آپ نے شق القمر کا معجزہ ان کو دکھایا ۔ اور ابن مسعود سے مروی ہے کہ شق القمر رسول اللہؐ کے لئے ہے اور سورج کا پلٹنا حضرت علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہے کیونکہ اللہ نے جو فضیلت رسول اللہ کو عطا کی ہے ۔ اسی طرح اس کے ولی کو عطا فرمائی ہے سوائے عہدۂ نبوت کے ۔ پس وہ خاتم النبیین ہیں اور یہ خاتم الوصیین ہیں ۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ شق القمر کی روایت صحابہ میں سے کثیر التعداد افراد نے نقل کی ہے ۔ مثلاً عبداللہ بن مسعود ۔ انس بن مالک ۔ حذیفہ بن الیمان ۔ ابن عمر ۔ ابن عباس اور جبیر بن مطعم وغیرہ ۔ اور تمام صحابہ میں یہ حدیث مشہور و معروف ہے ۔ اور تمام اُمتِ اسلامیہ کا اس پر اجماع منعقد ہے ۔ لہذا جن لوگوں نے اس معجزہ پیغمبر کا انکار کیا ہے ۔ یا اس کو بعید از عقل و قیاس قرار دیا ہے ۔ ان کا قول قابل اعتنا نہیں ہے اور کفارِ مکہ کے سامنے جب شق القمر ہوا تو انہوں نے اس کو جادو کہہ کر رد کر دیا تھا ۔ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی تصریح کی گئی ہے ۔

تفسیر برہان میں اس کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ مفضل بن عمرؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ۔ جب حضرت رسالت مآبؐ نے اعلانِ رسالت کے بعد قبائلِ عرب کو دعوتِ اسلام دی تو قریشیوں نے باہمی مشورہ کر کے یہ تجویز پاس کی کہ حضرت محمدؐ ہمارے گردوں کی طرح ہمیں خارقِ عادات چیزیں دکھاتا رہتا ہے ۔ اُن سے ایسی چیز کا مطالبہ کریں جو بغیر جادو کے نہیں ہو سکتا ہو چنانچہ انہوں نے چاند کے شق ہو کر زمین تک پہنچنے کی خواہش پر اتفاق رائے کیا اور حضورؐ سے عہد و پیمان پر کیا کہ اگر آپ یہ معجزہ دکھا دیں تو ہم اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے ۔ یعنی یہ کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوں ۔ اس کا ایک ٹکڑا مشعر الحرام پر اور دوسرا کوہ صفا پر اُترے تو ہم آپ کو اللہ کا برحق رسول مان لیں گے ۔ چنانچہ عہد و پیمان کے بعد لوگوں میں اعلانِ عام ہوا ۔ آنے والی چودھویں ذوالحجہ کی رات تھی ۔ پس ابولہب ابوجہل اور ابوسفیان نے خوب آوازے کسے کہ اب ہم آپ کا جادو دیکھیں گے ۔ حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ کوہِ صفا سے مشعر الحرام کی طرف

يَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٣﴾ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ

کہتے ہیں یہ پکا جادو ہے اور انہوں نے جھٹلایا اور اتباع کی اپنی خواہشات کی اور ہر امر ثابت

مُّسْتَقِرٌّ ﴿٤﴾ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّنَ الْأَنبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٥﴾

ہے اور تحقیق ان کے پاس ایسی خبریں پہنچیں جن میں نصیحت تھی

جائیے اور یہ دعا کیجئے: اے بیت الحرام کے پروردگار۔ اے بلد الحرام کے پروردگار۔ اے زمزم و مقام کے پروردگار، اے رسول تہامی کے بھیجنے والے خدا! تو ہمارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اور تو ہر شے کو جاننے والا ہے۔ اس کے بعد چاند کی طرف اشارہ کرنا کہ وہ دو ٹکڑے ہو جائے تاکہ اس کا ایک ٹکڑا کوہ صفا پر اور دوسرا مشعر پر آ ترے۔ قریشیوں نے جب یہ سنا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھو وہ تو اپنے اس معاملہ میں علیؑ سے مدد لے رہا ہے جو ابھی کمسن ہے۔ پس وہ خوب ہنسے اور خوشی سے خوب بغلیں بجانے لگے۔ لیکن حضرت رسالت مآبؐ نے ان کی پرواہ کئے بغیر حضرت علیؑ سے دوبارہ فرمایا کہ جو کچھ میں نے حکم دیا ہے تم اس کو بجا لاؤ۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے تعمیل ارشاد نبوی میں بآواز بلند دعائیہ کلمات زبان پر جاری فرمائے اور ابھی تک دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ زمین پر ایک جھٹکا سا محسوس ہوا۔ اور یوں لگا کہ ابھی زمین اپنے اوپر بسنے والوں کو نگلنے پر تیار ہے۔ اور کفار کہنے لگے کہ چاند تو دو ٹکڑے ہو نہیں سکتا۔ البتہ ہم کو جادو کے ذریعے پیوند خاک کیا جا رہا ہے۔ لیکن حضورؐ نے پورے اطمینان سے فرمایا کہ تم چاند کی طرف دیکھو۔ چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ اچانک چاند دو ٹکڑے ہوا پس اس کا ایک ٹکڑا کوہ صفا پر گرا۔ اور دوسرا مشعر پر آیا۔ حتیٰ کہ مکہ کے گھروں۔ پہاڑوں اور وادیوں میں بھی اس کی روشنی پھیل گئی۔ اور لوگوں نے خدا و رسول پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ لیکن منافق لوگ پھر بھی اس کو جادو کہنے سے باز نہ آئے اور ایک روایت میں ہے کہ عصر سے مغرب تک کے زمانہ کے برابر یہ حالت طاری رہی۔ اس کے بعد چاند واپس اپنے مقام پر چلا گیا۔ اور کفار نے ایک دوسرے کو ملامت کرنا شروع کیا۔ اور اسی دن سورہ ابی لہب نازل ہوا۔ اور ابولہب کی دشمنی اس کے بعد حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اور اہل مکہ اور گرد و نواح میں سے چھ سو بارہ آدمی مسلمان ہو گئے لیکن کفار مکہ کے خوف سے انہوں نے ایمان کو مخفی رکھا۔ پس ابولہب تادم آخر کافر رہا۔ اور ابوجہل جنگ بدر میں قتل ہوا۔ اور ابوسفیان فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام کی شوکت و دبدبہ سے مرعوب ہو کر مسلمان ہوا۔ اور ان کو طلقاء کہا جاتا ہے (ملخصاً)

ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ مفسرین و محدثین کا معجزہ شق القمر پر اجماع ہے کہ کفار نے وعدہ کیا تھا کہ اگر چاند دو ٹکڑے ہو جائے تو ہم ایمان لائیں گے۔ پس آپ نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو چاند دو ٹکڑے ہوا۔ اس کا ایک حصہ کوہ ابوقبیس پر اور دوسرا کوہ قیقعان پر یا ایک حصہ کوہ صفا پر اور دوسرا کوہ مروہ پر گرا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ تمام لوگوں پر تو جادو ہو نہیں سکتا۔ اگر باہر سے آنے والے بھی یہ ماجرا بتائیں تو ہم مان لیں گے۔ جب باہر سے آنے والوں نے بھی چاند

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٦﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ

(یہ قرآن) حکمت بالغہ ہے پس نہ کفایت کریں گے ڈرانے والے — پس ان سے اعراض کرو جس دن بلائے گا بلانے والا — غیر معروف

شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٧﴾ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ

چیز کے لئے — درحالانکہ جھکی ہونگی ان کی آنکھیں — قبروں سے اس طرح نکلیں گے — جیسے

کے دو ٹکڑے ہونے کی تصدیق کی تو وہ کفر پر ڈٹ گئے اور اسلام لانے پر موفق نہ ہوئے۔

كُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ :۔ ہر بات یعنی نیکوں کی نیکی اور بروں کی برائی ان کے اعمال نامہ میں ثابت ہے اور ان کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔

مُزْدَجَرٌ :۔ یہ زجر سے باب افتعال ہے اور قاعدہ صرفی کے ماتحت باب افتعال کی تا دال سے بدل دی گئی ہے پس مُزتجر سے مُزدَجَر بن گیا۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے پاس گذشتہ اُمتوں کی ایسی خبریں پہنچ چکی ہیں کہ اگر یہ لوگ اُن سے عبرت حاصل کرتے تو انبیاء کی تکذیب نہ کرتے اور کفر سے باز آجاتے۔ لیکن ازراہِ عناد انہوں نے ان خبروں سے نصیحت حاصل نہ کی۔

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ :۔ یعنی قرآن مجید صرف حکیم نہیں بلکہ مجسم حکمت ہے اور حکمت بالغہ ہے۔ یعنی انسان کی ترقی و کمال کے لئے اس سے بہتر دستور العمل کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ تو جو لوگ قرآن مجید کی ہدایت کو قبول نہ کریں تو ان کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ ایسے لوگوں کو ڈرانے والے کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

النُّذُرُ ۔ نذیر کی جمع ہے۔ یعنی نبیوں کا کام ہے کہ کفر و شرک کے انجام بد سے لوگوں کو ڈرائیں لیکن جو لوگ ضد و ہٹ دھرمی پر اڑ جائیں تو ان کو آتش جہنم سے کون بچا سکتا ہے؟

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ :۔ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کی بدزبانیوں کی پرواہ کئے بغیر آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ اور ان سے روگردانی کر کے ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں۔ اور اس کے بعد یَوْمَ کا عامل محذوف ہے یعنی اُذْكُرْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ۔

شَيْءٍ نُّكُرٍ :۔ آیت مجیدہ میں داعی (بلانے والے) سے مراد یا تو اسرافیل ہے۔ کیونکہ اس کی نفخ صور کے بعد لوگ میدانِ محشر کی طرف دوڑ کر جائیں گے۔ اور شئ نکر سے مراد عرصہ محشر ہے اور چونکہ وہ گھبراہٹ میں ڈال دینے والا منظر ہوگا اور اوپرا ہوگا اس لئے اس کو نکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ نکر سے مراد جہنم ہو۔ اور داعی سے مراد وہ فرشتہ ہو جو دوزخیوں کو دوزخ میں دھکیلنے پر مامور ہوگا۔ لیکن اگلی آیت سے پہلے معنی کی تصدیق ہوتی ہے کہ فضا میں پھیلی ہوئی ٹڈی کی طرح قبروں سے نکلیں گے۔

مُّهْطِعِينَ :۔ تفسیر برہان میں ہے حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے۔ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ لوگ اپنی قبروں سے بیک وقت برہنہ نکلیں گے۔ اور اُس وقت سب کے سب جوان بلا ریش ہوں گے۔ پس ایک دفعہ سب پر تاریکی چھا جائیگی

جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿٨﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا

پھیلی ہوئی مکڑی تیز چلنے والے ہوں گے بلانے والے کی طرف درحالیکہ کافر کہیں گے یہ

يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٩﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا

دن سخت مشکل ہے ان سے پہلے قوم نوح نے جھٹلایا انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ

مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿١٠﴾ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿١١﴾

پاگل ہے اور اسے جھڑکا بھی گیا تو اس نے اپنے رب کو پکارا (اے اللہ) میں مغلوب ہوں تو میری مدد کر

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿١٢﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا

تو ہم نے مرسلادھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دئے اور زمین سے چشمے اُبال دئے

اور کثرتِ اژدھام کی وجہ سے سانس پھولنے لگیں گے۔ اور پسینے سے شرابور ہوں گے۔ پس ان کی چیخ و پکار بلند ہوگی۔ اور یہ احوال قیامت میں سے پہلی منزل ہوگی۔ اسی اثنا میں پروردگار کی جانب سے ان کو آواز پہنچے گی جس سے تمام شوروغل ختم ہوجائے گا۔ آنکھیں جھک جائیں گی۔ دل کانپ رہے ہوں گے۔ اور تمام بدن پر کپکپی سی طاری ہوگی۔ اور کافر لوگ اس دن کی سختی کا اعتراف کریں گے۔

قَوْمُ نُوْحٍ :۔ مفصل ذکر گذر چکا ہے۔ جلد، صفحہ پہ ملاحظہ ہو۔ (پہلا ایڈیشن)

وَازْدُجِرَ :۔ یعنی قوم نوحؑ نے حضرت نوحؑ کو پاگل کہنے کے علاوہ جھڑکا بھی اور ڈانٹا بھی۔ اور قتل کی دھمکی دے کر ان کو دعوتِ اسلامیہ سے دست کشی پر مجبور کرنے کی کوشش بھی کی۔ چنانچہ قرآن میں ان کے قول کی حکایت موجود ہے لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يَا نُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۔ یعنی اگر تو اس وعظ سے باز نہ آئے گا۔ تو تجھ پہ پتھر برسائے جائیں گے لیکن باوجود اس کے حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی تمام حرکاتِ ناشائستہ اور کلماتِ ناپسندیدہ کی پرواہ کئے بغیر اپنے مشن تبلیغ اسلام کو جاری رکھا۔

فَدَعَا رَبَّهٗ :۔ جب آدمی کے پاس اپنے مسلک پر کوئی دلیل و برہان نہ ہو تو وہ حق کے داعی کا جواب گالی گلوچ اور ہر قسم کی سخت کلامی سے دیتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی آواز حق کو دبانے کے لئے کفار نے اسی قسم کے اوچھے حربوں سے کام لیا اور ہر قسم کی بداخلاقی کا مظاہرہ کیا اور حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ پروردگار میں اپنی مغلوبیت کا تذکرہ کر کے اپنی مدد کی درخواست پیش کی۔ وہ دلیل و برہان میں مغلوب نہ تھے بلکہ ان کی بدکلامی اور بداخلاقی سے مغلوب تھے پس آپ نے تاقیامت ہر حق کے دعوت دہندہ کے لئے یہ دستور قائم کر دیا کہ جب اہل باطل کی غوغا آرائی حد سے بڑھ

فَالۡتَقَى الۡمَآءُ عَلٰۤى اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ ﴿۱۳﴾ وَحَمَلۡنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلۡوَاحٍ

تو دونوں پانی مل گئے ایسے اندازے سے جو مقدر کیا گیا تھا اور ہم نے اس کو تختوں اور میخوں سے جڑی ہوئی (کشتی پر)

وَّدُسُرٍۙ ﴿۱۴﴾ تَجۡرِىۡ بِاَعۡيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ تَّرَكۡنٰهَاۤ

سوار کیا جو ہماری حفاظت میں چلتی تھی یہ جزا تھی اس کی جس کا کفر کیا گیا اور تحقیق کر دیا ہم نے اسکو

اٰيَةً فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۶﴾ فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ﴿۱۷﴾

نشانی تو کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا؟

جائے تو ان کی طرف سے آنے والی ہر مشکل کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ سے اپنی مظلومیت کا شکوہ کرنا چاہیئے اور اپنے مشن سے دست بردار ہونا قبول نہ کیا جائے۔ پس اللہ کی مدد ساتھ ہو جاتی ہے۔ اور مشہور ہے کہ شہید اول محمد بن مکی مصنف "اللمعۃ الدمشقیہ" کو جب حاکم شام نے سزائے موت دی تو ان کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا اور ہر ایک کا رخ ایکدوسرے کے مخالف سمت کی طرف کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اونٹوں کو ڈنڈے مار کر اپنی اپنی سمت کی طرف ہنکایا جائے تاکہ محمد بن مکی اعلی اللہ مقامہ کو پاؤں سے سر تک چیر دیا جائے۔ پس آپ نے جلادوں سے ایک ٹھیکری طلب کی۔ اور اس پر یہ دعا لکھی رَبِّ اِنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ۔ اے رب میں مغلوب ہوں۔ میری مدد فرما۔ اور اس کو اوپر فضا میں پھینکا تو تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹھیکری واپس ان کی گود میں آگری جس کے دوسرے رخ پر یہ کلمہ تحریر تھا۔ اِنۡ کُنۡتَ عَبۡدِیۡ فَاصۡطَبِرۡ یعنی اگر تو میرا بندہ ہے تو صبر کر۔

مُنۡهَمِرٍ:۔ یہ ھمر سے ہے جس کا معنی ہے انڈیلنا مقصد یہ ہے کہ آسمان سے لگا تار بارش برسائی گئی۔ جس طرح ایک بڑے برتن سے پانی کو انڈیلا جاتا ہے۔ اور زمین سے چشموں کا پانی ابلنے لگا۔ پس اوپر اور نیچے پانی ہی پانی ہو گیا۔

عَلٰۤى اَمۡرٍ قَدۡ قُدِرَ۔ یعنی آسمان اور زمین کا پانی آپس میں مل گیا اور وہ اس قدر تھا جس قدر اللہ کی جانب سے مقدر کیا گیا تھا۔

ذَاتِ اَلۡوَاحٍ۔ اس جگہ موصوف محذوف ہے یعنی سَفِيۡنَةٍ ذَاتِ اَلۡوَاحٍ۔

دُسُرٍ:۔ یہ دسار یا دسیر کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے میخ۔ یعنی وہ سفینہ لکڑیوں اور میخوں سے مضبوط جڑا ہوا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دُسر کا معنی ہے دھکیلنا اور کشتی کے سینہ کو دسر کہا جاتا ہے جو پانی کو دھکیلتا ہوا جاتا ہے۔

بِاَعۡيُنِنَا:۔ لفظی معنی ہے کہ وہ ہمارے سامنے تھی۔ اور مرادی معنی یہ ہے کہ وہ ہماری حفاظت و ضمانت میں چل رہی تھی۔

مَنۡ كَانَ كُفِرَ:۔ جس کا کفر کیا گیا وہ حضرت نوحؑ تھے۔ اور حضرت نوح کو ہم نے یہ جزا دی کہ ان کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا۔ اور جن لوگوں نے ان کو ستایا تھا۔ اور ان کی تکذیب و توہین کی تھی۔ ان کو عذاب میں گرفتار

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿۱۸﴾ كَذَّبَتْ

اور ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسان بنایا کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا ؟ جھٹلایا قوم

عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۱۹﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا

عاد نے تو ہمارا عذاب اور ڈرانا کیسا تھا ؟ ہم نے ان پر تیز ٹھنڈی ہوا بھیجی

صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ﴿۲۰﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ

اکھاڑ پھینکتی تھی لوگوں کو جس طرح جڑ سے
پیہم نحس دن میں

کر کے غرق کر دیا۔

مُدَّكِرٍ :۔ یہ بابِ افتعال سے ہے اصل میں تھا مذتکر یعنی تاء کو قاعدہ صرفی کے تحت دال سے تبدیل کر کے ذال کو دال میں ادغام کر دیا گیا۔

نُذُرِ :۔ اس کا اصل نُذُرِی ہے اور یا متکلم کو فاصلہ کی رعایت کے لئے حذف کر دیا گیا۔ اور یہ انذار کے معنی میں مصدر ہے

كَذَّبَتْ عَادٌ ۔ قومِ عاد کی ہلاکت کا ذکر جلد ۷ صفحہ ۲۲۵ پر ملاحظہ ہو۔ پہلا ایڈیشن۔

رِيحًا صَرْصَرًا :۔ صرصر اُس آندھی کو کہا جاتا ہے جس کی صرصراہٹ کی آواز سُنی جا رہی ہو۔ اور باد صرصر تیز ٹھنڈی ہوا کو کہا جاتا ہے۔ یہ رباعی مضاعف ہے۔ اس کا مجرد ہے صَرَّ جس طرح كَبَّ سے كَبْكَبَ یا نَقَّ سے نقنقہ آیا کرتا ہے

نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ :۔ یعنی عذاب کا دن ان لوگوں کے لئے یوم نحس تھا۔ اور مستمر کا معنی ہے کہ اُس دن کی سختی ان لوگوں کے لئے مسلسل اور طولانی تھی۔ چنانچہ منقول ہے کہ وہ سرد اور تیز و تند آندھی آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی۔ یہاں تک کہ اس قوم میں سے ایک فرد بھی زندہ نہ بچ سکا۔ اور مستمر کو بعض نحویوں نے یوم کی صفت قرار دیا ہے۔ اور بعضوں نے اس کو نحس کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ہر دو صورت میں معنوی طور پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور نحوست مستمرہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اُن کی یہ نحوست دنیا سے شروع ہو کر آخرت تک چلی گئی۔ کیونکہ ظاہری موت سے عذاب آخرت کا اتصال ہو گیا۔ اور مستمر عذاب میں وہ گرفتار کر لئے گئے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ وہ مہینے کے آخری بدھ کا دن تھا۔

تَنْزِعُ النَّاسَ :۔ یعنی وہ اس قدر تیز و تند ہوا تھی کہ چلتے آدمی کو زمین سے اکھاڑ کر سر کے بل گراتی تھی۔ جس سے اس کی گردن ٹوٹ جاتی۔ اور ہڈی پسلی چور چور ہو جاتی تھی۔ اور وہیں ڈھیر ہو جاتا تھا۔ اور اُن کے سر جسموں سے بالکل الگ ہو جاتے تھے۔

أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۱﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ

اکھاڑے ہوئے کھجور کے تنے تو کس طرح تھا ہمارا عذاب اور ڈرانا ؟ اور ہم نے

يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ

نصیحت کے لئے قرآن کو آسان بنایا کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا ؟ جھٹلایا تو ثمود نے ڈرانے

بِالنُّذُرِ ﴿۲۴﴾ فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ

والوں کو پس کہنے لگے کیا اپنے میں سے ایک آدمی کی اتباع کریں ہم تو پھر گمراہی اور پاگل پنے میں

وَسُعُرٍ ﴿۲۵﴾ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿۲۶﴾

ہوں گے کیا اس پر ڈالا گیا ذکر ہم سب میں سے بلکہ وہ جھوٹا متکبر ہے

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿۲۷﴾ إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ

عنقریب وہ کل (قیامت کو) جان لیں گے کہ جھوٹا متکبر کون ہے ! ہم اونٹنی کو بھیجنے والے ہیں امتحان کی

أَعْجَازُ نَخْلٍ :- یعنی وہ لوگ کھجور کے تنوں کی طرح گرے پڑے تھے اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے ہوا کی شدت سے بچنے کے لئے چھوٹی چھوٹی خندقیں اور گڑھے کھود لئے تھے۔ اور ان میں گھس گئے تھے۔ لیکن ہوا ان کو اٹھا کر ان سے اکھاڑ کر سر کے بل گراتی تھی۔

مُّنْقَعِرٍ :- یہ قعر سے ہے جس کا معنی ہے گہرائی اور اس جگہ مراد یہ ہے کہ جس طرح کھجور کے تنے جڑوں سے اکھاڑ دیئے جاتے ہیں۔ اُن لوگوں کو تیز ہوا اس طرح اکھاڑ پھینکتی تھی۔

كَذَّبَتْ :- اس جگہ نذر یا تو انذار کے معنی میں مصدر ہے یا جمع ہے نذیر کی تو چونکہ ایک رسول کی تکذیب

رکوع ۹

تمام رسولوں کی تکذیب کی موجب ہے۔ اس لئے ان کو تمام ڈرانے والوں کا مکذب ٹھہرایا گیا اور یہ حضرت صالح علیہ السّلام کی قوم تھی۔ اور ان کا مفصّل ذکر پہلے گذر چکا ہے۔ ج ۹ ص ۴۹ ج ، ص ۲۲۵۔

سُعُرٍ :- جمع ہے سعیر کی جس کا معنی آگ ہوتا ہے اور اس سے مراد تکلیف و مصیبت ہے۔ اور بعضوں نے سعر کا معنی جنون و دیوانگی بھی کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایک آدمی کی حکومت مان لینا خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال لینے کے برابر ہے یا یہ کہ یہ محض ہماری گمراہی و دیوانگی ہی ہوگی کہ ایک کے تابع ہو جائیں۔

مُرْسِلُوا النَّاقَةِ :- قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام سے یہ معجزہ طلب کیا تھا کہ اگر تو سچا ہے تو پتھر کی چٹان

فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۸﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌ

آزمائش کے لئے پس ان کا انتظار کر اور صبر کر اور ان کو خبر دے کہ پانی کی ان میں باری مقرر

بَیْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۹﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى

ہے ہر باری پر حاضر ہونا ہوگا (جس کی باری ہوگی) پس انہوں نے ساتھی کو بلایا پس اُس نے جرأت کی

فَعَقَرَ ﴿۳۰﴾ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ﴿۳۱﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ

تو اُسے ذبح کر ڈالا پھر کس طرح تھا ہمارا عذاب اور ڈرانا ؟ ہم نے ان پر ایک دھماکہ بھیجا تو وہ

صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۲﴾ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ

کواڑ کے تنکوں کی طرح (ریزہ ریزہ) ہو گئے اور ہم نے نصیحت کے لئے قرآن

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۳﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۴﴾

کو آسان بنایا تو کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا جھٹلایا قوم لوط نے ڈرانے والوں کو

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍؕ نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۵﴾ نِّعْمَةً

ہم نے ان پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی سوائے لوط کے خاندان کے جن کو ہم نے سحر کے وقت بچا لیا ہمارا انعام تھا

سے ہمارے لئے سرخ رنگ کی حاملہ اونٹنی پیدا کر جس کا بچہ پیدا ہو۔ پس وہ اونٹنی پانی پیئے۔ اور ہمیں اسی مقدار کا دودھ دے۔ چنانچہ اُن کی آزمائش کے لئے اسی صفت کی اونٹنی پیدا کی گئی۔

قِسْمَةٌ بَیْنَهُمْ :۔ اور باری اِس طرح مقرر ہوئی کہ ایک دن وہ لوگ پانی حاصل کرتے اور دوسرا دن ناقہ کے لئے ہوتا تھا۔ پس اُس دن وہ اُس ناقہ کا دودھ حاصل کرکے پیتے تھے۔

مُحْتَضَرٌ :۔ یعنی ہر باری پر باری والے کو ہی حاضر ہوتا تھا۔

صَاحِبَهُمْ :۔ اس شخص کا نام قدار بن سالف تھا۔ جس نے کمین گاہ میں بیٹھ کر پہلے اس کو تیر مارا اور پھر تلوار سے حملہ کرکے اُسے قتل کر دیا۔ اور یہ احمر ثمود تھا۔ جس کو الغلط العام کی طرح احمر عاد کہا جاتا ہے۔

هَشِیْم :۔ وہ ٹوٹی پھوٹی لکڑیاں جو کسی گرے ہوئے درخت سے الگ کی جائیں۔

الْمُحْتَظِر :۔ یہ حظیرۃ الغنم سے ہے یعنی وہ کواڑ جو بھیڑ بکریوں کی حفاظت کے لئے بنائی جائے۔

حَاصِبًا :۔ حصباء کنکروں کو کہا جاتا ہے قوم لوط پر پہلے ہوا بھیجی گئی جس میں پتھر برسائے گئے اور اس کے بعد ان کی

مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ شَكَرَ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا

اسی طرح ہم شکر کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں اور تحقیق اُس نے ان کو ہماری گرفت

فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ

سے ڈرایا تو انہوں نے اسکے ڈرانے کو ٹھکرا دیا اور تحقیق انہوں نے اس سے مہمان حاصل کرنے کی بھی کوشش کی تو ہم نے

اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٣٨﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً

ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا پس کہا چکھو میرا عذاب اور ڈرانا اور تحقیق صبح کے وقت ان پر نہ ٹلنے

عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٩﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا

والا عذاب آ گیا پس ہم نے کہا چکھو میرا عذاب اور ڈرانا اور تحقیق ہم نے

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ

قرآن کو آسان بنایا نصیحت کے لئے تو کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟ اور تحقیق آل فرعون کے پاس

زمین کو اُلٹایا گیا۔

نِعْمَةً :۔ یا تو مفعول مطلق ہے یعنی اَنْعَمْنَا اِنْعَامًا یا مفعول لہ ہے اور دونوں ترکیبوں سے معنی درست ہے۔

فَتَمَارَوْا :۔ یہ مریہ سے باب تفاعل ہے۔ یعنی جب حضرت لوط نے ان کو عذاب خداوندی سے ڈرایا تو انہوں نے جھگڑا کر کے آپ کی باتوں پر کان دھرنے کی کوشش نہ کی۔ اور اُن کا خیال تھا کہ یہ ایک آدمی ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے؟

رَاوَدُوْهُ :۔ یہ مراودت سے ہے جس کا معنی ہے حیلہ و بہانہ کر کے کسی سے کچھ حاصل کرنا تو جب فرشتے عذاب خداوندی کا آرڈر لے کر بے ریش لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے پاس پہنچے اور قوم لوط کو علم ہوا تو دوڑتے ہوئے آپ کے پاس پہنچے اور اُن کی کوشش یہ تھی کہ آپ سے مہمان حاصل کر لئے جائیں اور اپنی نفسی خواہشات کی تکمیل کی جائے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ہر چند منت وسماجت کی لیکن انہوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا پس فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ اور قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے ہیں۔

پس بقدرتِ خداوندی جب انہوں نے فرشتوں کی طرف دست درازی کا ارادہ کیا تو اندھے ہو گئے۔ اور ان کو کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور مروی ہے کہ ان کے چہرے برابر کر دئیے گئے۔ حتی کہ ان کی آنکھوں کا نشان بھی باقی نہ تھا اور حضرت لوط کے پاس فرشتوں کا آنا اور قوم کا جمع ہونا اور اس کے بعد ان کا گرفتارِ عذاب ہونا ج ص ۲۳۴ پر مذکور ہو چکا ہے

النُّذُرُ ﴿۴۲﴾ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۳﴾

نذیر پہنچے تو انہوں نے ہماری سب نشانیوں کو جھٹلایا پس ہم نے طاقتور صاحبِ اقتدار کی طرح ان کو پکڑ لیا (اے اہل مکہ)

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۴﴾ اَمْ

کیا تمہارے کافر ان کافروں سے زیادہ طاقتور ہیں؟ یا تمہارے پاس کوئی برات نامہ کتابوں میں موجود ہے؟ یا یہ کہتے ہیں

يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۵﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ

کہ ہم اکٹھے ہو کر ایکدوسرے کی مدد کر کے اپنا دفاع کریں گے؟ ان کا اجتماع شکست خوردہ ہوگا اور پشت دکھا کر

الدُّبُرَ ﴿۴۶﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۷﴾

بھاگیں گے بلکہ قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے اور قیامت زیادہ تکلیف دہ اور تلخ تر ہے

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۸﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى

بے شک مجرم لوگ گمراہی اور مصیبت میں ہوں گے جس دن آگ میں منہ کے بل گھسیٹے

رکوع ۱

اَلنُّذُرُ :۔ یا تو مصدر انذار کے معنی میں ہے۔ اور یا نذیر کی جمع ہے۔ اور ان سے مراد وہ معجزات ہیں جو فرعون کو دکھائے گئے۔ اور آلِ فرعون سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو فرعون کے مشن میں اس کے شریک کار تھے۔ اور آل کی تحقیق سابق جلدوں میں گذر چکی ہے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ :۔ یہ جنگِ بدر میں کفارِ مکہ کی شکست کی پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔

بَلِ السَّاعَةُ :۔ یعنی جنگ بدر میں جو کفار مکہ کو رسوائی پیش آئی کہ کچھ قتل ہوئے اور کچھ قید کر لئے گئے۔ اس سے قیامت کی رسوائی سخت تر ہے۔ اور جنگ بدر کی رسوائی کے بعد بھی وہ قیامت کے عذاب سے کسی طرح نہیں بچ سکیں گے۔ بلکہ وہ عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔

مَسَّ سَقَرَ :۔ سقر جہنّم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ یعنی ان کو کہا جائے گا کہ جہنّم کا ذائقہ چکھو۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام سقر ہے۔ اور بعض احادیث میں جہنّم کے ایک طبقہ کا نام سقر منقول ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ :۔ یہ منصوب علی شریطۃ التفسیر کے باب سے ہے۔ اور کلّ شی کا عامل خَلَقْنَا محذوف ہے۔ جس کی خَلَقْنَا مذکور تفسیر کر رہا ہے۔ یعنی ہم نے ہر چیز کو صحیح اندازے سے پیدا کیا ہے۔ پس ہاتھ پکڑنے کے لئے۔ پاؤں

يَوْمَ ... وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۹﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿۵۰﴾

جائیں گے (اور کہا جائیگا) آگ کا ذائقہ چکھو — تحقیق ہم نے ہر شی کو اندازے سے پیدا کیا

وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا

اور نہیں ہمارا حکم مگر ایک بار پلک جھپکنے کی طرح — اور ہم نے تم جیسوں کو ہلاک

أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي

کیا — تو کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا ؟ — اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ اعمالناموں میں محفوظ

الزُّبُرِ ﴿۵۳﴾ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُسْتَطَرٌ ﴿۵۴﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي

ہے — اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی جا چکی ہے — تحقیق متقی لوگ باغات و

جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ﴿۵۵﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُقْتَدِرٍ ﴿۵۶﴾ ع

نہروں میں ہوں گے — عمدہ نشستوں پر صاحب اقتدار مالک کے دربار میں (بیٹھے ہونگے)

چلنے کے لئے۔ زبان بولنے کے لئے آنکھ دیکھنے کے لئے۔ اور کان سننے کے لئے بنائے۔ اگر ہمارا مقرر کردہ توازن ان میں قائم نہ رہے تو نظام میں گڑبڑ ہو جائے گی۔

وَمَا أَمْرُنَا :۔ یعنی قیامت کو قائم کرنا ہمارے لئے ایک چشم زدن کے وقفے کی بات ہے۔ اس میں کوئی دیر نہ لگے گی ہم ارادہ کریں گے اور سب کچھ ہو جائے گا۔ کیوں کہ ہمارا ایک دفعہ کہنا کہ ہو جا کافی ہوتا ہے۔ اور دوبارہ ہمیں کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

أَشْيَاعَكُمْ :۔ اس جگہ اشیاع سے مراد اشباہ و امثال ہے۔ یعنی ہم نے تم جیسے کافر و منکر اس سے پہلے ہلاک کئے ہیں۔ پس ان سے نصیحت حاصل کرو۔

كُلُّ شَيْءٍ :۔ یہاں شے سے مراد عمل ہے۔ یعنی ان کے تمام اعمال ان کے زبر یعنی اعمالناموں میں تحریر کئے جا چکے ہیں کیونکہ ہر چھوٹا یا بڑا کام جو کسی نے انجام دیا ہوتا ہے وہ لکھا جاتا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ :۔ تفسیر مجمع البیان میں جابر بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ جنّت میں سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام داخل ہوں گے۔ تو ابو دجانہ انصاری نے عرض کی کہ حضور! کیا یہ سچ ہے کہ جنّت میں انبیاء کا داخلہ نہ ہو سکے گا جب تک آپ داخل نہ ہوں۔ اور امتوں کا داخلہ نہ ہو گا جب تک آپ کی امّت داخل نہ ہو؟

تو آپ نے فرمایا۔ ہاں بے شک ایسا ہی ہے۔ خداوند کریم نے آسمان و زمین کی خلقت سے دو ہزار سال قبل ایک لواء نور پیدا کیا۔ جس کے پھریرے پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَاحِبُ اللِّوَاءِ عَلِیٌّ وَّھُوَ اِمَامُ الْقَوْمِ ۔یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اللہ کا رسول ہے ۔تمام مخلوق سے آلِ محمدؐ افضل ہے ۔اور لواء کا مالک علی ہے جو قوم کا امام ہے ۔ یہ سن کر حضرت علی علیہ السّلام حمد پروردگار بجا لائے تو حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ تجھے مبارک ہو کہ جس کے دل میں تیری محبّت ہوگی ۔ وہ ہمارے ساتھ قیامت کے دن محشور ہوگا۔ اور اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَھَرٍ۔ اور ایک روایت میں معصوم نے فرمایا کہ متّقین سے مراد ہم اور ہمارے شیعہ ہیں۔ کیونکہ ملّتِ ابراہیمؑ پر ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

سورۃ الرحمٰن

یہ سورہ مدنیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر اناسی ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز کے بعد سورہ الرحمان کا پڑھنا مستحب ہے۔
اور فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے بعد کہنا چاہیئے۔ لَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ رَبِّ اُكَذِّبُ۔
آپ نے فرمایا سورہ الرحمٰن کی قرأت کو ترک نہ کیا کرو کیونکہ یہ منافقوں کے دلوں پر نہیں ٹھہرتی اور بروز محشر دربار پروردگار میں بہترین انسانی شکل میں پیش ہوگی جس سے خوشبو مہکتی ہوگی تو خداوند کریم اس سے پوچھے گا۔ کہ کس کس نے دنیا میں تیری تلاوت کو جاری رکھا تھا تو وہ اپنے پڑھنے والوں کے نام بتائے گی۔ پس ان کے چہرے سفید نورانی ہوں گے۔ اور ان کو حکم ہوگا کہ جن کی چاہو سفارش کر سکتے ہو۔ پس ان کی سفارش مقبول ہوگی اور ان کو حکم ہوگا کہ جنت میں جہاں چاہو قیام کر سکتے ہو۔
اور آپ سے مروی ہے کہ اس کو پڑھنے والا اگر رات کو مرے تو شہید مرے گا۔ اور اگر دن کو پڑھ کر مرے گا۔ تو بھی شہید مرے گا۔
اور خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ مجیدہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اس کی ہر مشکل آسان ہوگی۔ اور آشوب چشم والا آدمی اگر اس کو اپنے پاس رکھے گا تو اس کا درد ختم ہو جائے گا۔ اور اگر اس سورہ کو گھر کی دیواروں پر لکھا جائے تو کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض سے محفوظ ہوگا۔ (برہان)
اگر کوئی شخص سورہ الرحمٰن کو رات کے وقت پڑھے اور تُكَذِّبٰنِ کے بعد لَا بِشَیْءٍ مِّنْ اٰلَآئِكَ رَبِّ اُكَذِّبُ پڑھتا جائے تو خدا ایک فرشتہ موکل کرتا ہے جو اس کی صبح تک حفاظت کرتا ہے۔ اور اگر دن کو پڑھے تو فرشتہ اس کی شام تک حفاظت کرتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

(اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۲﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۴﴾ عَلَّمَهُ

رحمان نے قرآن کا علم دیا انسان کو پیدا فرمایا اسے بیان کرنا

الْبَيَانَ ﴿۵﴾ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۶﴾ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ

سکھایا سورج اور چاند ایک حساب کے ماتحت ہیں اور انگوریاں اور درخت (اس کا) سجدہ

يَسْجُدَانِ ﴿۷﴾ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ﴿۸﴾ اَلَّا تَطْغَوْا

کرتے ہیں اور اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان مقرر کیا یہ کہ نہ تجاوز کرو

رکوع ۱۱

اَلرَّحْمٰنُ۔ یہ مستقل آیت ہے کیونکہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اصل میں تھا اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ یعنی اللہ رحمان ہے۔ اور رحمان کے معنی کی وضاحت سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ اور یہ نام سوائے اللہ کے کسی پر نہیں بولا جا سکتا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ۔ اس جگہ انسان کے معنی میں چار اقوال ہیں (۱) حضرت آدم مراد ہیں اور تعلیم بیان سے تمام بولیوں کا علم مراد ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ تعلیم بیان سے مراد وہ اسم اعظم ہے جس کی بدولت تمام چیزوں کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ (۲) انسان اسم جنس ہے۔ اور اس سے مراد تمام انسان ہیں اور تعلیم بیان سے مراد ہے کہ اس نے ان کو اظہار مافی الضمیر کے لئے افہام و تفہیم کے طریقے یعنی بولنا اور لکھنا وغیرہ تعلیم فرمائیے کہ وہ سمجھ بھی سکتا ہے اور سمجھا بھی سکتا ہے (۳) انسان سے مراد حضرت رسالت مآبؐ کی ذات بابرکات ہے کہ اللہ نے ان کو بیان عطا فرمایا (۴) تفسیر برہان میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس جگہ انسان سے مراد حضرت علی علیہ السّلام ہیں کہ خداوند کریم نے ان کو تمام ضروریات انسانیہ کا علم عطا فرمایا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ سورہ الرحمٰن سب کی سب ہمارے حق میں نازل ہوئی۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر يَجْرِيَانِ محذوف ہے۔ یعنی یہ دونوں اپنے اپنے مقرر حساب سے چلتے ہیں اور ایک ہی دستور سے آسمانی سفر میں اپنی منازل کو مقررہ اوقات میں طے کرتے ہیں کہ سورج تین سو پینسٹھ دن اور چھ گھنٹوں میں اپنا دورہ پورا کرتا ہے۔ اور چاند ایک مہینہ میں اپنا چکر پورا کرتا ہے۔

اَلنَّجْمُ وَالشَّجَرُ۔ نجم سے مراد زمین سے نکلنے والی نازک کونپل جو اپنی ساق پر کھڑی نہیں ہو سکتی اور شجر سے مراد

فِي الْمِيزَانِ ⑨ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ⑩

میزان میں اور وزن کو انصاف سے قائم رکھو اور نہ کم کرو میزان میں

وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ⑪ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ

اور اس نے زمین کو لوگوں کے لئے بچھایا جس میں میوے اور کھجوریں ہیں جو شگوفوں میں بند ہوتے ہیں

⑫ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ⑬ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ⑭

اور غلہ جس میں بھوسہ اور دانے ہوتے ہیں پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو جھٹلاتے ہو؟

وہ نباتات ہیں جو اپنی ساق پر کھڑے ہوتے ہیں پس بڑے درختوں سے لے کر چھوٹے پودوں تک سب کو شامل ہے جس طرح کہ نجم کا لفظ ہر قسم کے گھاس اور بیلوں کو شامل ہے جو تنہ نہیں رکھتے۔ اور بعضوں نے نجم سے مراد ستارے لئے ہیں۔ بہرکیف اس جگہ ان اشیاء کے سجدہ سے مراد سجدہ تکوینی ہے کہ ان کی موجودہ حالت اپنے مقام پر چونکہ اپنے خالق کے وجود اور اس کی یکتائی کی دلیلیں ہیں۔ لہٰذا ان کا موجودہ حالت پر ہونا ان کا سجدہ ہے کہ وہ اپنی زبان بے زبانی سے اپنے خالق بے نیاز کی مدح و ثنا میں سرشار ہیں۔

وَضَعَ الْمِيزَانَ۔ اس جگہ میزان کے معنی میں متعدد اقوال ہیں (۱) میزان سے مراد اشیاء کی مقدار معلوم کرنے کا آلہ ترازو وغیرہ (۲) میزان سے مراد عدل و انصاف ہے۔ جس کے معیار پر پورا اترنے کا خدا نے حکم دیا ہے (۳) میزان سے مراد قرآن مجید ہے جو دین کی اصل و بنیاد ہے جس میں خداوند کریم نے ادلۂ عقلیہ و نقلیہ سے عقول کے لئے صراط مستقیم کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے (۴) روایات اہل بیت میں حضرت علی علیہ السلام کو میزان قرار دیا گیا ہے کہ شریعت مقدسہ کی پیروی کا میزان حضرت علیؑ کی اطاعت ہے۔ بہرکیف عدل و انصاف کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے لازم آئے گا کہ انسان دنیاوی امور میں بھی ایک صحیح میزان کو قائم رکھے اور ظلم و جور اور بے راہ روی و بے انصافی سے بچ کر رہے۔ اور دینی معاملات میں بھی وہ راستہ اختیار کرے جو خداوند کریم کی خوشنودی کا پیش خیمہ ہو۔ پس قرآنی تعلیمات انسان کی دنیوی و اخروی ہر دو زندگیوں کے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہیں۔ لیکن چونکہ قرآن سے استفادہ کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اور پیغمبر نے بھی اُمّت کو تنہا قرآن پر عمل کرنے کی دعوت نہیں دی بلکہ فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن اور دوسرے اہل بیت۔ جب تک ان دونو کی اطاعت کرتے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ اور دوسری روایت میں فرمایا علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ اور حدیث ثقلین فریقین میں تواتر کا درجہ رکھتی ہے پس ان فرامین سے نتیجہ یہ نکلا کہ محمدؐ و آل محمدؐ کی تعلیمات انسانی فلاح و ارتقاء کے لئے ایک ایسا میزان ہیں جس پر اچھائی و برائی کو خوب پرکھا جاسکتا ہے اور ان کی بدولت عدل و انصاف کے طریقوں کو اچھی طرح اپنایا جاسکتا ہے جس طرح کہ گذشتہ

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡفَخَّارِ ﴿۱۵﴾ وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ

انسان کو آواز کرنے والی خشک مٹی سے بنایا جو پختہ مٹی کی طرح تھی اور جنوں کو آگ کے متحرک شعلوں سے بنایا

امتوں میں ہر نبی اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے حق کی تعلیمات کو اپنانے کا میزان ہوا کرتا تھا۔ پس ارشاد قدرت ہے کہ میزان میں حد سے نہ بڑھو اور اس کے متعلق سرکشی نہ کرو۔ اور انصاف سے وزن کو قائم رکھو۔ یعنی دنیاوی و دینی اُمور میں اعتدال پسندی کو اختیار کرو تاکہ مقررہ میزان سے بھٹکنے نہ پاؤ۔

وَضَعَهَا لِلۡاَنَامِ۔ اس جگہ انام سے مُراد تمام لوگ ہیں۔ اور بعضوں نے جن و انسان مراد لئے ہیں اور بعضوں نے تمام ذی روح بھی مُراد لئے ہیں۔

ذَاتُ الۡاَکۡمَامِ:۔ کم کی جمع ہے۔ اور اس سے مُراد وہ غلاف ہے۔ جس میں میوہ و پھل بند ہوتا ہے جس طرح آج کل کی ایجادات میں ہر پھل کو محفوظ کرنے اور تادیر کار آمد بنانے کے لئے پیکنگ کی جاتی ہے۔ اور نئے نئے طریقے اس کے لئے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ خداوند کریم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمتِ شاملہ سے ان تمام پھلوں اور میوہ جات کو جن کے خراب ہونے کا خطرہ تھا۔ کتمِ عدم سے معرضِ وجود میں بھیجنے کا انتظام پیکنگ کے ذریعے سے کیا تاکہ صحیح و سالم انسانوں کے ہاتھوں تک پہنچ سکیں۔ چنانچہ کھجوروں کا پھل بند شگوفوں میں نکلتا ہے۔ اور بعد میں اس سے شگوفوں کو دُور کیا جاتا ہے تاکہ پھل کے پکنے میں رکاوٹ نہ بنے اور بعض پھل تو پکنے کے بعد بھی اپنے قدرتی ڈبوں میں بند انسانی ہاتھوں تک پہنچتے ہیں۔ جیسے اخروٹ، بادام۔ چلغوزے کیلا، سنگترہ اور مالٹا وغیرہ۔ پس انسان خود ان کے چھلکوں کو الگ کرکے میوہ و پھل سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ کی حکمت کاملہ ہے کیونکہ اگر یہ پھل کھلے رہتے تو سورج کی گرمی ہوا کی تیزی یا حشرات الارض یا ہوائی مخلوقات کی گرفت سے محفوظ نہ رہ سکتے۔ پس اس نے اپنے یدِ قدرت سے اکثر پھلوں کو پیک کرکے انسانوں کے ہاتھوں تک پہنچایا والحمد للہ رب العلمین

وَالۡحَبُّ:۔ اس جگہ حب سے مراد غلہ ہے اور عصف سے مراد اس کی شاخیں کونپلیں اور پتے ہیں جو خشک ہونے کے بعد بھوسہ کی شکل میں تبدیل ہو کر حیوانوں کی غذا بنتے ہیں اور ریحان سے مراد خالص دانہ ہے جو انسانوں کی خوراک ہوتا ہے۔

صَلۡصَال۔ اُس مٹی کو کہا جاتا ہے جس پر سے پانی پھر جائے اور خشک ہونے کے بعد اُوپر سے گذرنے کی صورت میں اس میں کھڑک کی سی آواز پیدا ہوتی ہے اور فخار اس مٹی کو کہتے ہیں جو آگ پر پختہ کرلی جائے جس طرح ٹھیکریاں وغیرہ۔

مَارِج:۔ وہ خالص آگ جس میں دھواں نہ ہو اور وہ حرکت کرتی ہوئی نظر آئے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مارج سے مُراد وہ آگ ہے جس میں سُرخ سیاہ اور سفید دھاریاں ہوں۔ پس خداوند کریم جنوں اور انسانوں کو اپنی اصلی خلقت سے آگاہ کرکے انکو تنبیہ فرماتا ہے کہ اے گروہ انسان اور اے گروہ جن تم دونو اپنی تخلیق پر غور کرو۔ اور میری نعمات پر نظر ڈالو۔ پھر جواب دو کہ کس بنا پر تم میری نافرمانی کرتے ہو۔ اور اللہ کی کس کس نعمت کو تکذیب کرسکتے ہو۔ اور پوری سورت میں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کا تکرار تمام انسانوں اور جنوں کے لئے مسلسل یاد دہانی کے طور پر ہے۔ اور متعدد نعمات میں سے ہر ایک کے

مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۷﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو جھٹلاتے ہو؟ وہ مشرقین و مغربین کا

رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ

رب ہے پس تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاتے ہو؟ اس نے دو دریاؤں

ذکر کے بعد یہ فقرہ دہرایا گیا تاکہ لوگوں کے خفتہ احساسات کو جگایا جاسکے اور اس کی خوابیدہ صلاحیت کو بیدار کیا جاسکے۔ اور اسی بنا پر یہ تکرار فصاحت کے خلاف نہیں بلکہ عین فصاحت ہے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے نار سموم کو پیدا کیا جس میں نہ گرمی تھی اور نہ اس میں دھواں تھا۔ پس اُس سے جانّ کو پیدا فرمایا۔ چنانچہ فرمایا وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ یعنی ہم نے جان کو اس سے پہلے نار سموم سے پیدا کیا۔ اور اس کا نام مارج رکھا پھر اُس سے اس کی مونث کو پیدا کیا جس کا نام مارجہ رکھا۔ اور ان دونوں سے جان کو پیدا فرمایا۔ اور جانّ کے بیٹے کا نام جنّ ہوا۔ اور اس سے جنّوں کے تمام قبائل پیدا ہوئے جن میں سے ایک ابلیس بھی ہے۔ جانّ کی اولاد جوڑا جوڑا پیدا ہوتی رہی اور جن کی اولاد بھی اسی طرح نر و مادہ جوڑا جوڑا پیدا ہوتی رہی۔ پس ان کے نوّے ہزار جوڑے پیدا ہوگئے۔ اور اس کے بعد اس قدر بڑھے کہ ذرہ ہائے ریگزار کے برابر ان کی تعداد ہوگئی۔ الحدیث۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ۔ چونکہ علم ہیئت والوں کے نزدیک سورج کا مدار ہر روز نیا ہوتا ہے اس لئے اس کے طلوع و غروب کا نقطہ ہر روز الگ ہوا کرتا ہے۔ پس اس کا ہر مطلع مشرق کہا جاسکتا ہے۔ بنابریں سال بھر میں سورج کے لئے تین سو ساٹھ مطالع ہیں جو اس کے مشارق کہے جاسکتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں اسی قدر مغارب ہوتی ہیں۔ اور برج میزان میں داخلہ کے بعد چھ ماہ تک سورج کا طلوع نقطۂ مشرق حقیقی یعنی خط استواء سے جنوب میں ہوتا ہے۔ جن میں تدریجاً ایک سو اسّی مطالع ہیں۔ اور تین ماہ چلتے ہوئے جب پورے چھ ماہ گذرنے کے بعد برج حمل پر پہنچتا ہے تو یہاں سے پھر شمال کی طرف تدریجاً چلا جاتا ہے اور ایک سو اسّی مطالع کو چھ ماہ میں یعنی تین ماہ آتے ہوئے اور تین ماہ جاتے ہوئے طے کرتا ہے۔ پس خط استواء سے جنوبی مطالع کو ایک مشرق کہا جاتا ہے جو موسم سرما کے لئے ہے۔ اور شمالی مطالع کو دوسری مشرق کہا جاتا ہے جو موسم گرما کے لئے ہے اور ان کے مقابلہ میں موسم سرما اور گرما کی مغربین بھی دو ہیں۔ اور بعض اوقات تمام مطالع کو مشرق اور تمام مغارب کو مغرب کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اور بعض مفسرین نے دو مشرقوں سے مراد مشرق شمس اور مشرق قمر لی ہے۔ اور اسی طرح مغرب شمس و مغرب قمر اس کے مقابلہ میں ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ۔ مرج کا معنی اختلاط یعنی آپس میں ملنا بھی ہوتا ہے۔ اور مرج کا معنی اپنے حال پر چھوڑ دینا بھی ہوا کرتا ہے۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے اپنی قدرت کے مناظر میں غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ دیکھو جہاں میٹھے اور تلخ پانی

يَلْتَقِيٰنِ ﴿۲۰﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۲﴾

کو ملنے کا موقع دیا ان کے درمیان ایک برزخ ہے کہ تجاوز نہیں کر سکتے پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

ان دونو سے لولو اور مرجان نکلتے ہیں پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

اور اس کے حکم سے پانیوں میں پہاڑوں کی طرح بلند کشتیاں چلتی ہیں پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو

والے دو سمندر یا دریا آپس میں ملتے ہیں تو تلخ تلخ رہتا ہے اور میٹھا میٹھا رہتا ہے۔ نہ تلخ میٹھے پر غالب آتا ہے نہ میٹھا تلخ پر غالب آتا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ موتی اور مونگے اسی جگہ سے نکلتے ہیں۔ جہاں شور اور شیریں پانی آپس میں ملتے ہیں۔ اور جس طرح ذی روح مخلوق میں نر و مادہ کی ملاقات سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح میٹھے اور تلخ دو قسم کے پانیوں کی ملاقات موتیوں کو جنم دیتی ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے مراد آسمان و زمین کے دو پانیوں کا اجتماع ہے کہ آسمان سے قطرہ گرتا ہے تو سمندر میں صدف اپنا منہ کھول لیتی ہے۔ پس جو قطرہ اس کے پیٹ میں جاتا ہے وہ موتی بن جاتا ہے۔ پس چھوٹی صدف میں موتی چھوٹا اور بڑی صدف میں موتی بڑا ہوتا ہے۔ نیز مرغی یا دوسرے جانوروں کے انڈوں میں بھی غور و فکر کی گنجائش موجود ہے کہ وہاں بھی دو قسم کے پانی آپس میں ملتے ہیں جن کے درمیان ایک قدرتی حد ہوتی ہے کہ وہ پانی ایک دوسرے پر غالب نہیں آسکتے۔ زرد زرد رہتا ہے اور سفید سفید رہتا ہے اور ان سے اللہ کی مخلوق پیدا ہوتی ہے۔ اور روایات آل محمدؐ میں اس کی تاویل تواتر سے منقول ہے کہ علم و معرفت اور فضل و کمال کے دو دریا حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہے۔ اور تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی بحرِ علم ہیں۔ اور جناب فاطمہ بحرِ نبوت ہیں۔ اور ان کی ملاقات سے جو لولو و مرجان پیدا ہوئے وہ حسن و حسین علیہما السلام ہیں۔

الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ۔ جاریہ کی جمع ہے۔ اور اس کا معنی ہے کشتیاں جو کہ پانی میں جاری ہوتی اور چلتی ہیں۔ اور منشآت کی معنی ہے مرفوعات یعنی بلند اور جواری منشآت سے مراد وہ کشتیاں ہیں جن کا بادبان بلند کیا جائے جو دور سے پہاڑ کی طرح دکھائی دیں۔ اور اس کے زور سے کشتیاں پانی کی لہروں کو چیرتی ہوئی تیزی سے سفر کی منازل کو طے کریں۔

رکوع ۱۲

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا۔ یعنی جو بھی زمین کے اوپر ہے وہ فانی ہے۔ اس جگہ ضمیر غائب کا اگرچہ مرجع مذکور نہیں تاہم مراد اس سے زمین ہے۔ پس جس طرح یہ سب چیزیں عدم سے وجود میں آئی ہیں پلٹ کر ایک مرتبہ آغوشِ عدم میں چلی جائیں گی۔

تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۶﴾ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۷﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ

جھٹلاتے ہو ۔ جو بھی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے ۔ اور تیرے رب کا وجہ باقی رہے گا جو جلال و اکرام

وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۹﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي

والا ہے ۔ پس تم اپنے رب کی کن کن مہربانیوں کا انکار کر سکتے ہو؟ اس سے مانگتا ہے جو آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۳۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

زمین میں ہے ۔ ہر دن وہ اپنی شان میں ہے ۔ پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کی تکذیب

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ :۔ عبدالسلام بن صالح ھروی (المعروف ابوالصلت ھروی) سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کی۔ اے فرزند رسول۔ اس حدیث کا کیا مطلب ہے جو لوگ بیان کرتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے پڑھنے کا ثواب وجہ اللہ کی زیارت کے برابر ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوالصلت! جو شخص لوگوں کی طرح اللہ کا چہرہ ثابت کرے وہ کافر ہے۔ ہاں اللہ کے نبی و رسول اور اُس کے حجج علیہم السلام اللہ کا وجہ ہیں کیونکہ یہ وہی ہیں جن کی بدولت اللہ کے دین اور اس کی معرفت کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے۔ اس جگہ آیت مجیدہ میں ہے کہ اللہ کا وجہ باقی رہے گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے اس سے مُراد یہ ہے کہ اللہ کی ذات باقی رہے گی کیونکہ وجہ کا معنی ذات ہوا کرتا ہے۔ اور وہی ذات عظمت و جلال کی مالک اور انعام و اکرام کی مالک ہے۔ اور اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات میں خداوند کریم اپنی نعمات کا تذکرہ کر کے بعد میں فرماتا ہے کہ تم کن کن نعمتوں کی تکذیب کر سکتے ہو؟ لیکن آیت مذکورہ میں تو تمام لوگوں کو فنا کا پیغام سنا یا گیا ہے۔ اور فنا نعمتِ وجود کے زوال کا نام ہے نہ کہ نعمت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام انسانوں کو فنا کی خبر دے کر ان کو دنیائے فانی سے جی نہ لگانے کی دعوت دی ہے اور اُخروی لازوال نعمات کی پیش کش فرمائی ہے اور یہ تنبیہ بھی غافل انسانوں کے لئے ایک نعمت و لطف ہے۔

يَسْـَٔلُهٗ ۔ یعنی زمین و آسمان کی تمام مخلوق کا حاجت روا وہی ہے لہذا آسمان والے بھی ہر وقت اُسی سے مانگتے ہیں اور زمین والے بھی ہر دم اُسی کے دریائے فیض سے سیراب ہوتے ہیں۔ اور اسی سے ہی اپنی حاجات کا سوال کرتے ہیں۔

كُلَّ يَوْمٍ ۔ یہ مفعول فیہ ہے۔ یعنی اللہ کی ہر روز شان نرالی ہے۔ روزمرہ ہزاروں حمل ٹھہرتے ہیں۔ ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہزاروں مرتے ہیں۔ کوئی تندرست ہے کوئی بیمار ہے۔ کوئی اَمیر ہے اور کوئی غریب ہے۔ اور وہ اللہ جمیع حالات میں غیر متغیر و لازوال سب کا حاکم ہے

سَنَفْرُغُ :۔ فراغ کے دو معانی استعمال ہوتے ہیں (۱) قصد کرنا (۲) کسی کام سے فارغ ہونا۔ اس جگہ پہلا معنی مُراد ہے

تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۱﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا

کرسکتے ہو؟ اے جن و انس ہم تمہارے لئے عنقریب فارغ ہو جائیں گے پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو

تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۳﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ

جھٹلاتے ہو اے گروہ جن و انس اگر تمہارے بس میں ہے کہ نکل جاؤ زمین و آسمان

اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۴﴾

کے اطراف سے تو بے شک نکل جاؤ لیکن تم نہیں نکل سکتے مگر طاقت سے (اور وہ ناممکن ہے)

یعنی ہم عنقریب (بروز محشر) تمہارا قصد کریں گے یعنی تم سے اپنے عقائد و اعمال کی بازپرس کریں گے یا یہ کہ جس طرح کوئی مصروف آدمی دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر کسی خاص کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ہم بھی عنقریب بروز محشر تمہاری طرف متوجہ ہو کر تمہاری خبر لیں گے۔ اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ثقلان سے مراد ہم اور قرآن ہیں۔ اور جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلُ بَيْتِيْ لَنْ يَفْتَرِقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ۔ یعنی میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جن میں ایک دوسری سے بڑی ہے۔ ایک کتاب اللہ جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور دوسرے میری عترت اہل بیت یہ دونو آپس سے ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں گے۔ اور مقصد یہ ہے کہ بروز محشر قرآن و اہل بیت کی مخالفت کرنے والوں سے بازپرس کی جائے گی۔ پس آیت مجیدہ میں اگر ثقلان سے مراد جنّ و انس ہوں تو معنی یہ ہوگا کہ اے جنّ و انس بروز محشر ہم تم سے خبر لیں گے۔ اور بازپرس کریں گے کہ قرآن و اہل بیت سے تم نے کیا سلوک کیا۔ اور اگر آیت میں مخاطب قرآن و اہل بیت کو قرار دیدیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اے قرآن و اہل بیت ہم بروز محشر تمہارے دشمنوں سے ضرور بازپرس کریں گے اور ان کو سزائیں دیں گے۔

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ۔ یعنی آیت مجیدہ میں چیلنج ہے کہ اگر تمہارے بس میں ہے کہ میری بازپرس سے بچنے کے لئے تم آسمان و زمین کے اطراف سے نکل کر کہیں بھاگ سکتے ہو تو بے شک بھاگ جاؤ لیکن تم یاد رکھو کہ ہرگز میری حکومت و سلطنت سے بھاگ کر تم کہیں نہیں جاسکتے کیونکہ تم جہاں بھی جاؤ گے وہاں میرا ہی ملک ہے۔ یعنی تم میری گرفت سے ہرگز نہ بچ سکو گے کیونکہ تمہارے پاس وہ طاقت و ہمت نہیں جو تم کو میری گرفت و بازپرس سے بچا سکے۔ اس لئے کہ میں خالق ہوں اور تم مخلوق ہو۔ لہذا میری نافرمانیوں سے باز آجاؤ۔

شُوَاظٌ: صفحہ ۱۸۵ آگ سے اوپر جو سبزی مائل ایک شعلہ نکلتا ہے اس کو شواظ کہتے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۵﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ

پس تم اللہ کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟ تم پر برسائے جائیں گے آگ کے شعلے اور پگھلا

نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۷﴾ فَاِذَا

ہوا تانبا پس تم اس کا بچاؤ نہ کر سکو گے تو تم اللہ کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟ پس جب

انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا

آسمان پھٹ جائیں گے پس وہ تیل کی طرح گلابی رنگ کے ہو جائیں گے پس تم اللہ کی کن مہربانیوں

تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۹﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۴۰﴾ فَبِاَیِّ

کو جھٹلاتے ہو؟ پس اس دن انسانوں اور جنوں سے ان کے گناہوں کے بارے میں نہ پوچھا جائیگا پس تم اپنے

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۱﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ

رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟ پہچانے جائیں گے مجرم لوگ اپنی علامتوں سے پس ان کو پیشانیوں اور قدموں

وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۳﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ

سے پکڑا جائیگا پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو جھٹلاتے ہو؟ یہ وہی جہنم ہے جس کا

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم اپنے بندوں کو ایک جگہ جمع کرے گا۔ پھر آسمان دنیا کو حکم دیگا تو اس کی تمام مخلوق حاضر ہوگی جو زمین پر بسنے والے جنوں۔ انسانوں اور فرشتوں کے مجموعے سے دوگنا ہوگی۔ پھر اسی طرح ساتوں آسمانوں کی مخلوق کو حاضر کیا جائے گا۔ پس تمام جنوں اور انسانوں کے اردگرد فرشتوں کی سات دیواریں بن جائیں گی اور حکم ہوگا اے جنّ و انسان اگر تم میری حکومت سے نکل بھاگنے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ۔ پس نہ نکل سکیں گے اور نہ اپنا دفاع کر سکیں گے۔

كَالدِّهَانِ: ۔ اس سے مراد وہ سفید رنگ ہے جو سرخی مائل ہو۔ اور دھان دھن کی جمع ہے۔ یعنی جس طرح تیل ایکدوسرے پر ڈالا جائے تو جو اس وقت اس کا رنگ ظاہر ہوتا ہے آسمان کی رنگت اسی جیسی ہوگی۔

لَا يُسْـَٔلُ: ۔ قیامت کے مواقف الگ الگ ہیں۔ یہ ایک موقف ہوگا جہاں کسی سے کچھ نہ پوچھا جائے گا۔ کیونکہ ہیبت محشر سے کسی کا ہوش اپنے ٹھکانے پر نہ ہوگا۔ اور دوسرے مواقف پر سوالات کئے جائیں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ۔ یعنی ان کو ٹھہراؤ کہ ان سے ایک سوال کیا جانا ہے۔ اور اس میں ایک قول یہ ہے کہ پوچھنے کی ضرورت

يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۴۴﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿۴۵﴾

مجرم لوگ انکار کرتے تھے (وہ لوگ) اس (جہنم) اور سخت کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگاتے رہیں گے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۶﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ﴿۴۷﴾

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟ اور مقام پروردگار سے جو خوف رکھے اس کے لئے دو باغ ہونگے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۸﴾ ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ﴿۴۹﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو وہ قسم وقسم کے میوہ جات سے لدے ہونگے پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا

تُكَذِّبَانِ ﴿۵۰﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ ﴿۵۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۲﴾

انکار کرتے ہو؟ ان میں دو چشمے جاری ہوں گے پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟

نہ ہوگی کیونکہ اہل جنت کے چہرے نورانی ہوں گے اور اہل دوزخ کے چہرے سیاہ و بدنما ہوں گے۔ پس دیکھنے سے پتہ چل جائے گا کہ کون دوزخی ہے اور کون جنتی ہے۔ پس فرشتے علامات سے پہچان کر جنتیوں کو جنت کی طرف روانہ کر دیں گے۔ اور دوزخیوں کو سر اور قدموں سے پکڑ کر جہنم کے تنور میں جھونک دیں گے۔ اور امام رضا علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ جو شخص عقیدہ صحیحہ رکھتا ہوگا لیکن اس سے کچھ گناہ سرزد ہو چکے ہوں گے جن سے وہ دنیا میں توبہ نہ کر سکا ہوگا تو اس کو عالم برزخ میں عذاب کیا جائے گا جس سے اس کے گناہوں کا بدلہ ہو جائے گا۔ قیامت کے روز اس سے اس کے گناہوں کی باز پرس نہ ہوگی کیونکہ وہ اس سے قبل برزخ میں ان کی سزا بھگت چکا ہوگا۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ:۔ یعنی مجرم لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے اور آنکھیں زرد ہوں گی۔ پس زبانیہ جہنم ان کو زنجیر جہنم سے اس طرح جکڑیں گے کہ ان کی پیشانی اور قدم اکٹھے ہو جائیں گے اور ان کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

يُكَذِّبُ بِهَا:۔ حضور کو خطاب ہے کہ یہ وہ جہنم ہے جس کی کافر لوگ تکذیب کرتے ہیں۔ پس ایک طرف جلتی ہوئی آگ ہوگی۔ اور دوسری طرف کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ پس ان کا ظاہری جسم آگ میں جلے گا۔ اور کھولتا ہوا پانی پئیں گے تو ان کے اندر بھی آگ ہوگی۔ اور کسی وقت ان کو عذاب سے مہلت نہ دی جائے گی اور آن اصل میں انیٌ تھا اور اس کا معنی ہے سخت گرم جس کی گرمی انتہائی درجہ تک ہو۔

مَقَامَ رَبِّهٖ۔ یعنی مَقَامَ بَيْنَ يَدَيْ رَبِّهٖ۔ مقصد یہ ہے کہ جو شخص دربار خداوندی میں پیشی کا خطرہ محسوس کر کے خواہشات وشہوات کو کچل کر سرًّا و اعلانیہ میں اللہ کا اطاعت گذار بن جائے اس کے لئے دو جنتیں (دو باغات) ہوں گے۔ ایک جنت عدن اور دوسری جنت النعیم کہ ایک اس کے اپنے لئے اور دوسری اس کے ازواج کے لئے

فِيهِمَا مِن كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴿۵۳﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۴﴾

ان میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی پھر تم اپنے رب کی کن کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۵﴾

وہ ایسے بستروں پر تکیہ لگائے ہونگے جن کا اندرونی حصہ دیباج ہوگا اور ہر دو باغات کے پختہ پھل قریب ہوں گے

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۶﴾ فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کی تکذیب کرتے ہو؟ ان میں آنکھیں جھکا کر چلنے والی (حوریں) ہونگی جن کو ان سے

يَطْمِثْهُنَّ إِنسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۵۷﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۸﴾

پہلے کسی انسان یا جن نے مس نہ کیا ہوگا پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟

یا یہ کہ ایک کے محلات سونے کے اور دوسری کے چاندی کے ہوں گے۔ جن میں قسم قسم کے میوہ جات ہوں گے۔ اور ان میں سلسبیل و تسنیم کے دو چشمے جاری ہوں گے۔ جن کا پانی کبھی گندا و میلا نہ ہوگا۔

زَوْجَانِ :۔ یعنی ہر ہر میوہ وہاں دو دو قسموں کا ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہو۔ یعنی ہر میوہ متعدد اقسام پر مشتمل ہوگا۔

بَطَائِنُهَا :۔ یعنی جن بستروں پر وہ تکیے لگا کر بیٹھے ہوں گے ان کا اندرونی حصہ استبرق (دیباج) کا ہوگا تو اس کا بیرونی حصہ یقیناً اس سے بھی اعلیٰ و ارفع ہوگا کہ جس کی نرمی و دلکشی جنتی کے لئے مزید سرور و بہجت کا اضافہ کرے گی۔

جَنَى الْجَنَّتَيْنِ :۔ یعنی بہشتی کو پھل توڑنے کے لئے کوئی تکلیف و زحمت نہ ہوگی بلکہ باغات کے پھل اس کے قریب ہوں گے چاہے تو کھڑے ہو کر پھل توڑے اور چاہے تو بیٹھ کر حاصل کرے بلکہ اگر چاہے تو بستر پر لیٹا رہے اور مختلف پھل اپنے ہاتھ سے توڑ کر کھاتا رہے۔ گویا وہ جس شاخ سے پھل توڑنا چاہے گا وہ خود بخود اس کے قریب جھک کر پہنچ جائے گی نہ ان میں کانٹے ہوں گے اور نہ سختی ہوگی۔ اور جَنىٰ لغت کے لحاظ سے پختہ پھل کو کہا جاتا ہے۔

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ :۔ عورت کے حسن میں آنکھ کا شرمیلا ہونا نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اور حوران جنت کی پروردگار نے یہی تعریف کی ہے کہ وہ شرمیلی آنکھوں کے ساتھ نظر جھکا کر چلنے والی ہوں گی۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ :۔ طمث لغت کے لحاظ سے خون کو کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ حوریں باکرہ ہوں گی جن کے پردہ بکارت کا ازالہ نہ ہو چکا ہوگا۔ یعنی ان سے پہلے کسی جن یا انسان نے ان سے ہمبستری نہ کی ہوگی۔ اور یہ آیت اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ جنوں میں بھی انسانوں کی طرح نر و مادہ کے ازدواجی تعلقات ہوا کرتے ہیں۔ پس آیت مجیدہ کا یہ معنی ہو

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۰﴾

(جسم کی لطافت وصفائی میں) گویا کہ وہ یاقوت اور مرجان ہونگی — پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو جھٹلاتے ہو

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۲﴾

احسان کی جزا نہیں مگر احسان — پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۴﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۵﴾

اور انکے علاوہ بھی دو بہشت ہوں گے — پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کا انکار کرتے ہو؟ — نہایت سرسبز

سکتا ہے کہ قوم جنات میں سے جن کو بہشت میں اپنی قوم کی حوریں ملیں گی اُن کو کسی جن نے اُن سے پہلے مَس نہ کیا ہوگا اور انسانوں میں سے جن کو اپنی صنف سے حوریں ملیں گی ان کو ان سے پہلے کسی انسان نے مس نہ کیا ہوگا۔

اَلْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَان ۔ یعنی زیبائش ملائمت اور صفائی میں حُورانِ جنّت کے اجسام یاقوت و مرجان کی طرح ہوں گے۔ اور مروی ہے کہ ریشمی سات حُلّے پہننے کے بعد بھی اس کی پنڈلی کی ہڈی کا مغز نظر آرہا ہوگا۔ جس طرح یاقوت کے ہار میں اندر کا تاگا نظر آرہا ہوتا ہے۔

جَزَاءُ الْاِحْسَانِ :۔ اس کے معنی میں کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں (۱) دنیا میں جو بھی احسان (نیکی) کرے گا آخرت میں اس کا بدلہ دیا جائے گا (۲) جو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ زبان سے جاری کرے گا اور حضرت رسالت مآبؐ کی تعلیمات پر عمل کریگا اس کی جزا جنّت ہوگی چنانچہ انس بن مالک سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے جس پر ہم توحید کا انعام کریں اس کو قیامت میں اس کی جزا جنّت دیں گے (۳) جو شخص تم سے کسی پر احسان کرے اُس کی جزا یہ ہے کہ اس پر تم بھی احسان کرو یعنی اس کا شکریہ ادا کرو۔ اور امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیت مومن و کافر اور نیک و بد کو شامل ہے کہ جس پر بھی کوئی احسان کیا جائے اُس پر اس کا بدلہ دینا ضروری ہے اور بدلہ یہ نہیں ہے کہ اس کے احسان کے برابر اس پر احسان کیا جائے بلکہ اس سے زیادہ کیا جائے ورنہ اگر تم اس پر اتنا ہی احسان کرو جتنا اس نے کیا تھا تو اس میں تمہاری کوئی خوبی نہیں ہوگی بلکہ فضیلت اسی کی رہے گی جس نے پہل کی تھی۔

جَنَّتٰنِ ۔ یعنی مذکورہ دو جنّتوں کے علاوہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے دو اور جنّتیں بھی ہوں گی تاکہ سیر و تفریح کرتے ہوئے اس کے سرور میں اضافہ ہو اور حضورؐ سے مروی ہے کہ دو جنّتیں ہوں گی جن کے محلات کی تعمیر چاندی کی اینٹوں سے ہوگی اور دو جنّتیں ہوں گی جن کے مکانات کی تعمیر سونے کی اینٹوں سے ہوگی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ اگر مومن مرد اور مومن عورت دو تو جنّت میں جائیں تو ان

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (٦٦) فِیۡهِمَا عَیۡنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ (٦٧) فَبِاَیِّ

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کو جھٹلاتے ہو؟ ان میں دو چشمے پھوٹنے والے ہوں گے پس تم

اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (٦٨) فِیۡهِمَا فَاکِهَةٌ وَّنَخۡلٌ وَّرُمَّانٌ (٦٩)

اپنے پروردگار کی کن نعمتوں کا انکار کرتے ہو؟ ان میں میوہ جات اور کھجوریں و انار ہوں گے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (٧٠) فِیۡهِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ (٧١)

پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟ ان میں عمدہ حسین (حوریں) ہوں گی

کی جنت میں رہائش کیسی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مرد کا درجہ بلند ہوگا تو اُسے اختیار دیا جائے گا۔ پس اگر وہ اس عورت کو پسند کرے گا تو اس کو مل جائے گی۔ اور اگر عورت کا درجہ بلند ہوگا تو اس کو اختیار دیا جائے گا۔ پس اگر اس نے اسی مرد کو پسند کیا تو وہ مرد اس عورت کو مل جائیگا اور جنت کے اعلیٰ درجہ میں دونوں کی رہائش ہوگی۔ اور ایک روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا جنت کو ایک نہ کہو۔ چنانچہ آیت مجیدہ میں اس کا تعدد ظاہر کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح درجہ بھی ایک نہیں بلکہ درجات ہیں ایک دُوسرے سے ملاقات کی خواہش کریں گے تو نچلے درجہ والے اُوپر کے درجے میں نہ پہنچ سکیں گے بلکہ اُوپر کے درجے والے اگر چاہیں گے تو نچلے درجے والوں سے آکر ملیں گے۔

مُدْهَامَّتٰنِ۔ دُهۡمَةٌ کا معنی سیاہی ہوتا ہے اور یہاں مُراد یہ ہے کہ وہ باغات سرسبزی و شادابی میں سیاہی مائل ہوں گے۔

نَضَّاخَتٰنِ۔ نضح اور نضخ میں فرق یہ ہے کہ نضح حاء کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے قطرہ قطرہ ہو کر ٹپکنا۔ اور نضخ خاء کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے کثرت اور زور کے ساتھ پانی کا نکلنا اس جگہ خاء کے ساتھ ہے یعنی ان دو چشموں سے پانی اُچھل اُچھل کر زور سے نکل رہا ہوگا جس میں عنبر و کستوری کی سی خوشبو ہوگی۔

فِیۡهِمَا فَاکِهَةٌ۔ کھجور اور انار اگرچہ میوہ جات میں داخل ہیں لیکن آیت مجیدہ میں فَاکِهَة کے بعد نخل اور رمان کا ذکر ان ہر دو کی اہمیت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔

رُمَّان۔ دراصل یہ رَمَّ یَرُمُّ سے ہے جس کا معنی ہے اصلاح کرنا۔ چونکہ یہ دل کی اصلاح کرتا ہے اس لئے اس کو رمان کہا جاتا ہے۔

خَیۡرٰتٌ۔ خیرۃ کی جمع ہے۔ اور مرد کے لئے خیر کا استعمال ہوتا ہے جس کی جمع خیار و اخیار آیا کرتی ہے۔ اور اس کا معنی خوش اخلاق و پاکیزہ اطوار کیا جاتا ہے۔ اور حسان کا معنی خوبرو ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ سابق کا تکرار نہیں ہے۔ بلکہ ان سے مُراد دنیا کی عورتیں ہیں جو جنت میں حور العین سے بدرجہا بہتر ہوں گی۔ اور حضرت

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۷۲) حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ (۷۳)

پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کو جھٹلاتے ہو؟ سیاہ چشم حسینائیں جو خیام میں محفوظ ہوں گی

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جنت میں ایک نہر ہے جو کوثر سے نکلتی ہے۔ اور اس کا نام خیر ہے اور کوثر ساق عرش سے نکلتا ہے جو اوصیاء کی قیام گاہ ہے۔ اور ان کے شیعہ بھی وہاں ہوں گے۔ اور اس نہر کے دونو کناروں پر حورانِ جنّت ہوں گی۔ جن کو اسی نہر کے نام کی مناسبت سے خیرات کیا جاتا ہے۔ جب ایک مومن دوسرے کو جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا کہتا ہے تو گویا وہ اس کے لئے اسی مرتبہ کی دعا کرتا ہے۔ اور زجاج سے منقول ہے کہ خیرات اصل میں خیّرات تھا اور تخفیف کرکے اس کو خیرات بنایا گیا ہے۔

حُوْرٌ۔ حوراء کی جمع ہے جس کا معنی سیاہ چشم حسینہ ہوا کرتا ہے۔ اور عین جو عیناء کی جمع ہے۔ اس کا معنی کشادہ چشم ہوتا ہے۔ اور حور عین کا معنی وہ عورتیں جن کی آنکھوں میں کشادگی کے علاوہ ان کا سفید حصہ نکھرا ہوا سفید ہو۔ اور سیاہ حصہ پورا سیاہ ہو۔ اور آنکھوں کے حسن میں یہ صفت اضافے کا باعث ہوتی ہے۔ اور مروی ہے کہ جب جنّت کی حوریں ترنم میں اپنی عمدگی بیان کریں گی تو دنیا کی مومن عورتیں جو اپنے مومن مردوں کے ساتھ جنت میں ہوں گی۔ اور ان کا حسن جنت میں حورانِ جنت سے کہیں زیادہ ہوگا۔ وہ ان کے جواب میں ترنم کے ساتھ اپنی صفاتِ حسنہ کو بیان کریں گی۔ اور ان کی آواز میں وہ حسن ہوگا کہ جنتی حوروں پر غالب آجائیں گی۔ اور مومن اپنی پوری عیش و انبساط کے ساتھ لذت و سرور سے بہرہ ور ہوں گے۔

مَقْصُوْرٰتٌ (یعنی وہ حوریں اپنے اپنے خیموں میں ہوں گی۔ اور تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ حورانِ جنت کا ایک ایک خیمہ سفید موتی کا ہوگا جس کے اندر کافی وسعت ہوگی جس میں مومن کے لئے الگ الگ آرام گاہیں بنی ہونگی۔ اور بروایت انس آپؐ سے مروی ہے کہ میں شبِ معراج ایک نہر پہ پہنچا جس کے دونو کناروں پر مرجان کے خیمے نصب تھے۔ اور مجھے سلام کی آواز پہنچی۔ میں نے جبریل سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ حورانِ جنت ہیں جو آپ کو باذن پروردگار سلام کر رہی ہیں۔ اور وہ کہہ رہی تھیں کہ ہم ہمیشہ رہنے والی ہیں کہ ہم پر موت نہ آئے گی۔ ہم میں وہ دل کشی ہے جس سے کبھی اکتاہٹ نہ ہوگی۔ اور ہم شریف و نیک لوگوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اور تفسیر برہان میں ہے کہ حورانِ جنت یاقوت و مرجان کے خیموں میں ہوں گی کہ ہر خیمہ کے چار دروازے ہوں گے اور ہر حور کے لئے ہر دروازے پر ستر ستر کنیزیں خوش رو و خورسند چاق و چوبند ان کے حکم میں پابند ہوں گی۔ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ خداوند کریم نے حورانِ جنّت کو جنّت میں ہی پیدا کیا۔ اور ہر حور ستر ستر حلہ ہائے جنت میں ملبوس ہوگی۔ اور وہ اس قدر حسین ہوں گی کہ ان کی پنڈلی کی ہڈی کا مغز بھی ستر ستر حلّوں کے باوجود نظر آرہا ہوگا۔ جس طرح سرخ پانی شیشے کے سفید برتن سے نظر آرہا ہوتا ہے۔ اور ہر جنتی میں ایک ایک سو مرد کے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۶﴾

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو جن کو ان سے پہلے کسی انسان یا جن نے مس نہ کیا ہوگا

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ

پس تم اپنے رب کی کن مہربانیوں کا انکار کرتے ہو؟ وہ تکیہ لگانے والے ہوں گے سبز ریشمی بچھونوں پر اور خوبصورت عمدہ

حِسَانٍ ﴿۷۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۸﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ

بستروں پر پس تم اپنے رب کی کن نعمتوں کی تکذیب کرتے ہو؟ بابرکت ہے تیرے پروردگار کا نام

رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۹﴾ ع ۱۳

جو جلال و اکرام کا مالک ہے

برابر طاقت ہوگی اور وہ ان سے لذت اندوز ہوگا اور ہمبستری کے بعد بھی ایسا معلوم ہوگا کہ ان کو کسی نے مس تک نہیں کیا یعنی وہ ہمیشہ عروس نو کی طرح تازہ و شگفتہ رہیں گی۔ اور مرد بھی اسی طرح ہمیشہ تازہ دم اور خوش باش رہے گا۔

لَمْ یَطْمِثْهُنَّ۔ یہ تکرار اس لئے ہے کہ حوران جنت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک وہ جو شرمیلی آنکھوں کو جھکائے ہوئے چل پھر رہی ہوں گی۔ اور دوسری وہ جو اپنے خیام کے اندر اپنی آرام گاہوں پر اپنے حسن و سنگار کے ساتھ جلوہ گر ہوں گی تاکہ جنتی آدمی خیمہ کے اندر جائے یا باہر سیر و تفریح کے لئے نکلے اسے ہر طرف بہار ہی بہار نظر آئے۔ اور ہر جگہ اس کی دل لگی کا انتظام موجود ہو۔ پس یہ ہر دو قسم کی حوریں نئی نویلی ہوں گی۔ جن کو ان سے پہلے کسی نے مس تک نہ کیا ہوگا۔ اور ان میں خوبی یہ ہوگی کہ یہ ہمیشہ اسی طرح نو بیاہتی دلھن کی طرح نئی نویلی رہیں گی۔

رَفْرَفٍ۔ اس کا معنی تر و تازہ یا آرامگاہ یا سرہانہ کیا گیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کا معنی باغات جنت کیا ہے اور اس کی واحد رَفْرَفَۃ ہے۔

عَبْقَرِیٍّ۔ اس کا معنی عمدہ و خوبصورت سنہرہ یا دیباج کیا گیا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر منقش لباس کو عبقری کہا جاتا ہے۔ اور بعضوں نے تعمیم کرکے یہاں تک کہا ہے کہ ہر وہ شئی جس کی عمدگی و نمائش میں حدت جودت ہو اس کو عبقری کہا جاتا ہے۔

آج ۹ ربیع الاول بوقت ساڑھے سات بجے صبح بروز بدھ مطابق ۳ اپریل ۱۹۶۳ء سورہ الرحمٰن کی تفسیر سے فارغ ہوا ہوں۔ والحمد للہ

سُورَۂ الواقعہ

یہ سورہ مکیّہ ہے۔ صرف ایک آیت مدنی ہے۔

آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ملا کر ستانوے بنتی ہے۔

حضرت رسولؐ اللہ نے فرمایا جو شخص سورہ واقعہ کی تلاوت کرتا رہے وہ غافلین میں سے شمار نہ ہوگا۔

آپ نے فرمایا جو شخص دنیا و آخرت اہلِ بہشت و اہلِ دوزخ اور اولین کے حالات جاننا چاہے وہ سورہ واقعہ کو پڑھے

ابن مسعود کی بیمار پُرسی کے لئے عثمان آیا تو اس نے پوچھا تجھے کیا شکایت ہے؟ ابن مسعود نے کہا کہ اپنے گناہوں کی شکایت ہے۔ پھر پُوچھا اب کیا چاہتے ہو؟ تو ابن مسعود نے کہا رحمتِ پروردگار چاہتا ہوں۔ عثمان نے پُوچھا کہ کسی طبیب کا انتظام کر دوں؟ تو ابن مسعود نے کہا کہ طبیب ہی نے تو بیمار کیا ہے۔ عثمان نے کہا کچھ رقم دے دوں ابن مسعود نے جواب دیا جب ضرورت تھی تو تو نے کچھ نہ دیا۔ اب ضرورت نہیں رہی تو تم سخاوت کر رہے ہو۔ میں نہیں لینا چاہتا، عثمان نے کہا اپنی بچیوں کے لئے لے لو۔ ابن مسعود نے کہا میں نے ان کو سورہ واقعہ یاد کرادی ہے اور حضورؐ سے میں نے سنا تھا کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کرتا رہے وہ فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا

(مجمع البیان)

امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو شخص ہر رات سونے سے پہلے سورہ واقعہ کو پڑھے بروز محشر دربارِ خداوندی میں اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جو شخص ہر شب جمعہ سورہ واقعہ کو پڑھے خدا کا محبوب ہوگا اور خدا اس کو لوگوں کا بھی محبوب بنا دیگا اور دنیا میں کبھی فقر و فاقہ اور رنج و غم کو نہ دیکھے گا اور وہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے ساتھیوں میں ہوگا۔

منقول ہے کہ یہ سورہ مجیدہ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کے لئے مخصوص ہے (برہان)

حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ اگر اس کو لکھ کر گھر میں رکھا جائے تو خیر و برکت میں اضافہ ہوگا۔ نیز وسعت رزق، توفیق، زیادتی حفظ مقبولیت اور ازالہ فقر کے لئے اس کا ہمیشہ پڑھنا بہت مفید ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے اس کے کافی فوائد منقول ہیں اُن میں سے یہ بھی ہے کہ میت پر پڑھی جائے تو اس کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور مرنے والے پر پڑھی جائے تو اس کا روح آسانی سے قبض ہوتا ہے (برہان)

فوائد القرآن میں وسعت رزق کے لئے امام زین العابدین علیہ السلام سے اس کا عمل اس طرح منقول ہے کہ نئے چاند کی پہلی سوموار کی رات سے اسکو پڑھنا شروع کرے کہ پہلی رات ایک مرتبہ دوسری رات دو مرتبہ حتیٰ کہ چودھویں رات چودہ مرتبہ اسکو پڑھے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ② لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ③ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ④

جب قائم ہوگی قیامت | اس کے قائم ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں | نیچا کرنے والی بلند کرنے والی ہوگی

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ :- اس کی نحوی ترکیب میں چند اقوال ہیں۔ (۱) اذا ظرف ہے۔ اور اس کا عامل لیس نہیں بلکہ اس سے جو نفی کا معنی سمجھا جاتا ہے۔ وہ اس کا عامل ہے یعنی لا یکون لوقعتها کاذبة اور خود لیس اس لئے اذا کا عامل نہیں کیونکہ لیس نفی حال کے لئے ہے اور اذا کا معنی استقبال کے لئے ہے (۲) اذا کا عامل محذوف ہے۔ یعنی فَازَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَخَسِرَ الْكَافِرُوْنَ اِذَا وَقَعَتْ۔ یعنی جب قیامت قائم ہوگی تو مومن کامیاب اور کافر ناکام و رسوا ہوں گے (۳) ابو علی نحوی کا قول ہے کہ اذا شرط ہے اور خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اور فا جزائیہ بھی محذوف ہے۔ یعنی فَهِيَ خَافِضَةٌ قَوْمًا وَرَافِعَةٌ قَوْمًا اور معنی یہ ہوگا کہ جب قیامت قائم ہوگی جس کے قائم ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں وہ ایک قوم کو یعنی جنتیوں کو بلند کرے گی۔ اور ایک قوم کو یعنی دوزخیوں کو پست کرے گی۔ اور اس کے بعد اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ بدل ہے اِذَا وَقَعَتْ سے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِذَا رُجَّتْ کا عامل یَقَعُ محذوف ہو۔ یعنی قیامت اس وقت واقع ہوگی جب زمین پر زلزلہ آئے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اِذَا رُجَّتْ اِذَا وَقَعَتْ کی خبر قرار دیا جائے۔ یعنی قیامت کے وقوع کا وقت وہی ہوگا۔ جو اس کے زلزلے کا وقت ہوگا۔ چنانچہ ابن جنی کا قول بھی ہے کہ اذا کو ظرفیت کے معنی سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ پس اس جگہ اذا کو ظرف قرار دے کر اس کے لئے عامل کے تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ پہلا اذا مبتدا ہے۔ اور دوسرا اذا اس کی خبر ہے۔ اور واقعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسے آزفہ۔

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ۔ یہاں کاذبہ اسم فاعل کا صیغہ نہیں بلکہ مصدر ہے جس طرح عافیہ و عاقبہ۔ یعنی جب ہونے والی بات ہوگی جس کے ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں۔ اور یہ جملہ حال ہے اور جن لوگوں نے خَافِضَةً رَّافِعَةً کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے وہ ان کو بھی دوسرا اور تیسرا حال قرار دیتے ہیں اور معنی بالکل واضح ہے۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ :- (۱) ابن عباس کا قول ہے بعض کو بلند اور بعض کو پست کرے گی (۲) حسن نے کہا ہے ایک قوم کو جہنم کی پستی کی طرف لے جائے گی۔ اور دوسری قوم کو جنت کی بلندی نصیب ہوگی (۳) جو لوگ دنیا میں متکبر اور بلند مرتبہ تھے ان کو ذلیل ہو کر جہنم کی پستی میں دھکیلا جائے گا۔ اور جو لوگ دنیا میں ذلیل اور پست سمجھے جاتے تھے ان کو ایمان و عمل کی بدولت جنت الفردوس کی بلندی نصیب ہوگی۔

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ﴿٥﴾ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿٥﴾ فَكَانَتْ

جب جھٹکا دیا جائیگا زمین کو سخت جھٹکا اور ریزہ ریزہ کیا جائے گا پہاڑوں کو کہ وہ فضا میں پھیلے ہوئے

هَبَاءً مُّنْبَثًّا ﴿٦﴾ وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿٧﴾ فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ

ذرات بن جائیں گے اور تم تین گروہوں میں بٹ جاؤ گے اصحاب میمنہ

﴿٤﴾ مَآ أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿٨﴾ وَأَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَآ أَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ

کیا کہنا اصحاب میمنہ کا ؟ اور اصحاب مشئمہ کیا ہیں اصحاب مشئمہ ؟

إِذَا رُجَّتِ - ترکیب کے لحاظ سے یا تو پہلے إِذَا سے بدل ہے یا اس کی خبر ہے یا یَقَعُ فعل محذوف کا معمول ہے اور رَجّ کا معنی سخت قسم کا زلزلہ ہوتا ہے اور ارتجاج کا معنی کانپنا ہوتا ہے۔

وَبُسَّتِ الْجِبَالُ - بس کا معنی ہے ریزہ ریزہ ہونا اور هَبَاءً اُن ذرات کو کہا جاتا ہے جو دھوپ میں پھیلے ہوئے معلوم پڑتے ہیں، جیسا کہ کمرہ میں کسی روشندان یا کھڑکی کے ذریعے سے داخل ہونے والی دھوپ میں نظر آتے ہیں یعنی قیامت کے زلزلہ کے بعد زمین ایک چٹیل میدان کی طرح ہو جائے گی کہ مُردے اس کے شکم سے باہر نکل آئیں گے، اور پہاڑ ذرات بن کر فضائے بسیط میں بکھر جائیں گے۔

فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ - یعنی وہ لوگ جن کو اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ میمنہ سے مراد یمن و برکت ہو۔ یعنی اطاعت خدا کی وجہ سے وہ لوگ یمن و برکت کے مالک ہوں گے۔ پس اصحاب المیمنہ مبتداء واقع ہے اور اس کے بعد ما اصحاب المیمنہ اس کی خبر ہے اور ما استفہامیہ ہے یعنی کیا شان ہوگی اصحاب میمنہ کی ؟ اور یہ تعجب کے لئے ہے۔ اسی طرح اس کے بعد أَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ مبتداء اور مَا أَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ اس کی خبر ہے اور تعجب کے معنی کو ظاہر کیا گیا ہے۔

تین گروہوں میں تقسیم

تفسیر برہان میں اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے عرض کی کہ لوگوں کا خیال ہے کہ مومن زنا نہیں کیا کرتا اور مومن شراب نوشی نہیں کرتا۔ مومن سود خوار نہیں ہوتا اور مومن خون ریزی نہیں کرتا۔ اور میرا بعض اوقات دل تنگ ہوتا ہے۔ جب یہ سوچتا ہوں کہ ایک شخص ہم جیسا نمازی بھی ہو۔ دعائیں بھی مانگتا ہوں۔ ہمارے ساتھ سلسلۂ نکاح بھی رکھتا ہو۔ اور احکام وراثت میں بھی ہمارے ساتھ شریک ہو۔ اور باوجود اس کے کسی ایک گناہ کی وجہ سے ایمان سے نکل جائے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے سائل کی بات کو سن کر فرمایا کہ تو نے سچ کہا میں نے رسول اللہ سے سُنا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیت میں اس کی دلیل موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے سورہ واقعہ کی ان آیات کی تلاوت فرمائی کہ خداوند کریم نے لوگوں کو تین طبقات میں تقسیم فرمایا ہے۔ پس وہ لوگ جو سابقین ہیں۔ ان سے مراد انبیاء ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نہ ہوں۔ اور

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾ وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾

میوہ جات ہونگے جو وہ چاہیں گے لے لیں گے اور پرندوں کا گوشت جو انکی خواہش ہو گی اور سیاہ و کشادہ چشم غورتیں

كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾

جو محفوظ موتیوں کی طرح ہوں گی یہ بدلہ ہوگا اس کا جو عمل کرتے تھے (دنیا میں)

سبقت لینے والے تھے تو مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کے قریب کے زمانہ میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی اور آئندہ کے زمانہ میں ایسے لوگ کم ہونگے جو سابقین کی صفت سے موصوف ہوں اور روایت سابقہ کے ماتحت اولین میں سے ہابیل مومن آل فرعون اور حبیب نجار ہیں اور آخرین میں سے حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

مَوْضُونَةٍ۔ یعنی منسوجہ اور مفسرین نے کہا ہے کہ ان کے تختوں میں سونے اور چاندی کی تاروں سے بنائی کی ہوئی ہوگی۔ پس وہ بڑے آرام و پریم سے شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ اور جنتی ملازمین حور و غلمان ضروریات کی اشیاء ہاتھوں میں لے کر ان کے درمیان پھر رہے ہوں گے۔ جس طرح کسی شاہی مہمان خانے میں دسترخوان پر حاضر ہونے والے مہمان اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور سرکاری ملازمین ہاتھوں میں ڈونگے پلیٹیں اور دیگر ضیافتی ضروریات کی اشیاء لئے ہوئے ادھر اُدھر گھومتے پھرتے ہیں تاکہ جس مہمان کی طبیعت جو کچھ پسند کرے۔ اس کے سامنے فوراً حاضر کر دیا جائے۔

يُصَدَّعُونَ۔ یہ صداع سے ہے جس کا معنی سر دردی ہوا کرتا ہے یعنی بہشت کے شراب میں یہ نقص نہیں ہوگا۔

يُنْزِفُونَ۔ یعنی جس طرح دنیاوی شراب میں نشہ اور فتور عقل ہوتا ہے وہاں یہ عیب نہ ہوگا۔

وَفَاكِهَةٍ۔ اس کا عطف اکواب پر ہے۔ یعنی جنتی غلمان کے ہاتھوں میں میوہ جات کے طشت ہوں گے۔ جن میں سے جنتی لوگ اپنی اقتاد طبع کے ماتحت جو چاہیں گے اٹھا لیں گے۔ اسی طرح پرندوں کا بھونا ہوا گوشت بھی پیش کریں گے۔ اور وہ لوگ اپنی خواہش و پسند کے مطابق لیں گے۔ اور کھائیں گے۔ غرضیکہ جس بہشتی کے دل میں جو خواہش پیدا ہوگی اسی وقت غلمان اُسے ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے سامنے آجائیں گے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عالم ازل میں جب خداوند کریم نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ان کے سامنے ایک آگ کی سی روشنی پیدا کی اور حکم دیا کہ اس میں داخل ہو جاؤ۔ پس سب سے پہلے حضرت محمد مصطفےٰ حضرت علی مرتضےٰ حضرت حسنؑ حضرت حسینؑ اور آئمہ طاہرین یکے بعد دیگرے اُس میں داخل ہوئے اور ان کے بعد ان کے شیعہ داخل ہوئے۔ پس وہی سابقین ہیں۔

وَحُورٌ عِينٌ۔ اس کا عطف غلمانؑ پر ہے۔ یعنی خدائی دسترخوان پر تناول کرنے والے بہشتی لوگوں کے لئے حور و غلمان ادھر اُدھر گشت لگا رہے ہوں گے۔ حور جمع حوراء کی ہے جس کا معنی ہے سیاہ چشم۔ اور عین جمع ہے عیناء کی جس کا معنی

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

نہ سنیں گے اس میں لغویات اور نہ گناہ کی طرف نسبت البتہ ایکدوسرے سے سلام کا خطاب سنیں گے

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾

اور اصحاب الیمین کیا کہنا اصحاب الیمین کا ؟ بیریوں کر کانٹوں سے پاک وصاف

ہے کشادہ چشم۔

اَلْمَكْنُوْنِ :۔ وہ موتی جو صدف میں بند ہو اور اس کو کسی نے چھوا تک نہ ہو۔ یعنی ان کو لولوء مکنون کی طرح کسی نے
ہاتھ تک نہ لگایا ہوگا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ ۔ یعنی بہشتی لوگ جنّت میں نہ کوئی بے ہودہ بات سُنیں گے۔ اور نہ کسی سے یہ سُنیں گے کہ تم نے گناہ کیا ہے۔ کیونکہ وہاں گناہ ہی نہ ہوگا بلکہ وہ جب سنیں گے تو اپنے دوسرے مومن بھائیوں کی جانب سے ہدیہ سلام کی آواز سنیں گے۔

سَلٰمًا ۔ یہ مفعول مطلق ہے اور اس کا عامل محذوف ہے یعنی سَلَّمَكَ اللّٰهُ سَلٰمًا گویا کہ پہلا سلامًا عامل ہے۔ سلّمك الله کے معنی میں۔ اور دوسرا مفعول مطلق ہے۔ اور پورا جملہ قیلاً سے بدل ہے۔ اور قیل قول کے معنی میں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلامًا قیلاً کی صفت ہو۔ اور یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ سلامًا مفعول ہے قیلاً کا۔

اَصْحَابَ الْيَمِيْنِ ۔ تفسیر برہان میں حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ جب خدا نے لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا تو میں (i) ان کی بہترین قسم میں تھا۔ چنانچہ اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال میں سے میں اصحاب الیمین میں سے ہوں۔ اور ان سے افضل ہوں۔ پھر جب اللہ نے ان کو تین گروہوں (ii) میں تقسیم فرمایا تو مجھے اس نے بہترین قسم میں قرار دیا کہ سابقون اصحاب المیمنہ اور اصحاب المشئمہ میں سے میں سابقون میں سے ہوں۔ اور ان سے افضل و برتر ہوں۔ اور جب اللہ نے لوگوں کو شعوب و قبائل میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین (iii) قبیلہ میں قرار دیا اور فرمایا اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَ اَكْرَمُهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ ۔ یعنی میں اولادِ آدم کا سردار اور ان میں سے کریم تر ہوں۔ اور یہ کوئی فخر نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اس کے بعد جب قبائل کو اس نے بیوت میں تقسیم فرمایا تو مجھے بہترین (iv) بیت میں رکھا جس کے متعلق ارشاد فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ الخ۔ اور میں اہلبیت والوں سے افضل ہوں۔

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۔ وہ بیری کا درخت جس کے کانٹے جھڑے ہوئے ہوں۔ یعنی بہشت میں اس جنس کے درخت ہوں گے لیکن ان کا پھل بدرجہا لذیذ و نفیس ہوگا اور طلح کا معنی بڑا درخت اور یہاں مراد اخروٹ کا درخت ہے۔ اور منضود کا معنی ہے کہ وہ نہایت گھنے اور سایہ دار ہوں گے۔

وَّطَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۲۹﴾ وَّظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴿۳۰﴾ وَّمَآءٍ مَّسۡكُوۡبٍ ﴿۳۱﴾ وَّ

اور گتھے درختوں (کے سایہ) میں ہونگے اور دور تک پھیلا ہوا سایہ اور جاری پانی اور

فَاكِهَةٍ كَثِيۡرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّفُرُشٍ

کافی میوہ جات جن کا نہ موسم ختم ہوگا اور نہ نایاب ہوں گے اور عورتیں جن کی قدر و قیمت

مَّرۡفُوۡعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰهُنَّ اِنۡشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا ﴿۳۶﴾

بلند ہوگی . جن کو ہم نے اپنی قدرت سے پیدا کیا اور ان کو باکرہ قرار دیا

فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَةٍ ۔ اس کا معنی عالی شان بستر ے بھی کیا گیا ہے۔ لیکن سیاق و سباق کے لحاظ سے اس کا معنی عورتیں لینا مناسب ہے۔ اور احادیث میں بھی عورت کو مرد کا فراش قرار دیا گیا ہے اور مرفوعہ سے مراد یہ ہے کہ حسن و جمال اور خلق و اعمال کے لحاظ سے وہ بلند پایہ و بلند قیمت ہوں گی۔ اور بعد والی آیت بھی اسی کی تائید کرتی ہے کہ ہم نے ان کو پیدا کیا اور باکرہ قرار دیا کہ ہر دفعہ وہ باکرہ ہی معلوم ہوں گی۔

عُرُبًا ۔ عروب کی جمع ہے یعنی وہ عورت جو مرد سے زیادہ محبت کرنے والی اور مرد کو بہت زیادہ چاہنے والی ہو۔

اَتۡرَابًا ۔ اس کا معنی ہمسن ہوا کرتا ہے۔ اور یہ عورتوں کی صفت ہوتا ہے جس کا معنی ہے سہیلیاں یعنی وہ سب عورتیں ایکدوسری کے لئے سہیلیوں کی طرح ہوں گی۔

داخلہ جنّت تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے کہ جب مومن دروازہ جنّت پر پہنچے گا تو اس سے جنّت میں داخلہ کا اجازت نامہ طلب کیا جائے گا چنانچہ جب وہ اس اجازت نامے سے داخل جنّت ہوگا تو سامنے صف بصف درختوں[1] کی لائنیں ہونگی جنکے ہر دو طرف میٹھے چشمے جاری ہوں گے تو دیکھ کر مسرور ہوگا۔ پس ایک چشمے[2] سے غسل کرے گا جس کی بدولت وہ کبھی کسی مرض و درد میں مبتلا نہ ہوگا اور دوسرے چشمے[3] سے پیئے گا اور اسی کے متعلق دوسرے مقام پر ارشاد ہے وَسَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا پس[4] فرشتے اس کا استقبال کریں گے۔ پس وہ ایسے باغ میں داخل ہوگا جن کی ٹہنیوں[5] پر موتی اور قسم قسم کے حلہ ہائے بہشتی ہوں گے۔ اور فرشتے اس کے سامنے جنّت کی سواریاں[6] پیش کریں گے۔ پس وہ ایک سواری پر سوار ہو کر جنّت کی سیر کرے گا اور اس کی پیشانی سے ایسا نور[7] ساطع ہوگا کہ فرشتے بھی اس پر رشک کریں گے اور ایک دوسرے سے کہیں گے کہ اس کا راستہ خالی کر دو۔ کیونکہ یہ اللہ کا مہمان[8] ہے۔ پس ایک چاندی کے محل[9] میں داخل ہوگا جو یاقوت و مرجان سے مرصّع ہوگا وہاں حورانِ جنّت[10] اس کا استقبال کریں گی پھر ایک سونے[11] کے محل میں داخل ہوگا جو یاقوت و مرجان سے جڑا ہوا ہوگا وہاں بھی اس کا عالی شان و پرشکوہ استقبال ہوگا یہاں تک کہ اسی طرح اپنے ایک ہزار[12] محلات کی سیر کرے گا اور جناب ام سلمہ رضؓ

نے حضورؐ سے سوال کیا کہ ہماری حُوران جنّت سے کیا نسبت ہو گی ؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم نماز روزہ و دیگر عبادات کی بدولت اُن سے بدرجہا افضل و برتر ہو گی۔

صفتِ جنّت

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب مومن جنّت میں داخل ہوں گے تو اُن کا قد حضرت آدمؑ کے قد کے برابر یعنی ستر ذراع ہو گا اور عمر حضرت عیسٰیؑ کے برابر تینتیس برس کی سی ہو گی زبان عربی اور جمال یوسفؑ ان کو عطا ہو گا اور اُن کو حضرت ایّوبؑ کا سا دل ہو گا جو ہر قسم کے حسد و کینہ سے پاک و صاف ہو گا۔ آپ نے فرمایا جنّتی لوگ بے ریش ہوں گے۔ ان کی آنکھیں سرمگیں ان کے سر پر تاج اور گردن میں ہار ہو گا۔ ہمیشہ خوش و خرم اور ہر قسم کے فکر و غم سے آزاد ہوں گے۔ کھانے پینے شہوت اور جماع میں ایک مرد ہزار مرد کی طاقت رکھتا ہو گا۔ اور جو غذا کھائے گا۔ چالیس برس کے عرصہ کے برابر تک اس کی لذّت زائل نہ ہو گی۔ ان کے چہرے پر نور کا پرتو ہو گا ان کے جسم ریشم کی طرح نرم و نازک ان کے رنگ سفید اور لباس سبز ہو گا۔

آپ نے فرمایا جنّت میں بسنے والے زندۂ جاوید ہوں گے۔ ان پر کبھی موت نہ آئے گی وہ بیدار رہیں گے۔ ان پر نیند کا غلبہ نہ ہو گا اور وہ غنی ہوں گے۔ کسی کے حاجت مند نہ ہوں گے نیز وہ خوش ہوں گے کبھی غمزدہ نہ ہوں گے ۔ وہ ہنسیں گے۔ لیکن ان پر کبھی رونے کی نوبت نہ آئے گی۔ ان کو بھوک پیاس برہنگی کی کبھی شکایت نہ ہو گی۔ وہ سوار ہو کر جنّت کی سیر کریں گے۔ ایک دوسرے سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہو گا۔ اور جنّت کے غلمان ہمیشہ ان کی نوکری میں چاق و چوبند موجود رہیں گے۔ الخ

آپ نے فرمایا جنّت کی زمین چاندی کی سی ہو گی۔ اور اس کی مٹی زعفران ہو گی جس پر کستوری کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہوں گے۔ اور اس کے صحن میں یاقوت و مرجان کے ٹکڑے جابجا موجود ہوں گے۔ یعنی ہر حیثیت سے وہ سجی سجائی ہو گی کہ اس میں چلتے پھرتے بیٹھتے اُٹھتے جنّتی لذت و سرور محسوس کرے گا۔

آپ نے فرمایا کہ جنّت کی نہروں کی کھدائی نہیں ہو گی بلکہ زمین کے اُوپر وہ رواں ہوں گی۔ برف سے سفید تر شہد سے شیریں تر اور مکھن سے نرم تر ہوں گی۔ نہروں کی تہ مشک خالص اور اس کے ذرات یاقوت و مرجان ہوں گے اور ہر جنّتی کی جنّت میں اس قدر وسعت ہو گی کہ اگر وہ پُورے رُوئے زمین کے تمام جنّوں اور انسانوں کو بھی اپنے ہاں دعوت پر بلانا چاہے تو سب کے کھانے پینے کے بعد بھی اس کے ہاں کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہو گی۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے حضرت رسول اللہؐ سے نقل فرمایا کہ جنّت کی کھجوروں کے تنے سنہری شاخیں زبرجد سبز کی خوشے سفید موتیوں کے اور پھل چاندی سے سفید تر شہد سے شیریں تر اور مکھن سے نرم تر ہو گا جن میں گٹھلیاں نہیں ہوں گی اور ایک خوشہ بارہ ذراع لمبا ہو گا اور جہاں سے پھل توڑا جائے گا وہ جگہ خالی نہ رہے گی بلکہ اس جیسا دوسرا موجود ہو جائے گا۔ اور اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ جنّت کے میوہ جات نہ مقطوع ہوں گے اور نہ ممنوع یعنی جس طرح دنیا کی پھلوں

کا ایک موسم ہوتا ہے جس کے بعد وہ دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اس طرح جنت کے میوہ جات کسی خاص موسم کے پابند نہ ہوں گے بلکہ جب بھی جنّتی چاہے گا اسے اپنی پسند کا میوہ دستیاب ہو گا۔ اور جس طرح دنیا کے بعض میوہ جات گرانی کی وجہ سے بعض لوگوں کی دسترس سے باہر ہو جاتے ہیں جنّت کے میوہ جات میں یہ بات نہ ہو گی بلکہ ہر جنّتی ہر قسم کا میوہ ہر زمانہ میں اپنی مرضی کے مطابق حاصل کر سکے گا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ شہداء میں سے کم از کم جنّتی کو بارہ ہزار حورانِ جنّت عطا ہوں گی۔ اور چار ہزار ان میں باکرہ ہوں گی۔ اور ہر ایک کے ستّر ستّر ہزار خادم ہوں گے اور شیریں آواز سے جب وہ جنّتی مومن کی خوش طبعی کے لئے اپنے اوصاف کا ترانہ پڑھیں گی تو پوری جنّت ان کے حسنِ آواز سے جھوم اٹھے گی۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ایک جنّتی کو آٹھ سو باکرہ اور چار ہزار ثیب عورتیں عطا ہوں گی اور باکرہ کا مقصد یہ ہے کہ جب بھی مومن ان سے ہمبستری کرے گا۔ ان کو باکرہ پائے گا اور آپ نے فرمایا حورانِ جنّت کی پیدائش جنّت کی نورانی تربت سے ہوئی ہے کہ ان کی پنڈلی کی ہڈی کا مغز ستّر حلّوں کے باہر سے بھی دیکھا جا سکے گا۔ پس جنّتی مرد کا سینہ اس کی عورت کے لئے آئینہ کا کام دے گا۔ اور عورت کا سینہ مرد کے لئے آئینے کا کام دے گا۔ اور جنّتی عورت کا ایک بال اگر آسمان و زمین کے درمیان لٹکایا جائے تو اس کی چمک سے لوگوں کی آنکھیں خیرگی محسوس کریں گی۔

ایک زندیق کے جواب میں امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جب اس نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جنّتی جب ایک میوہ توڑے گا تو اس کی جگہ دوسرا موجود ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کیا جاتا ہے اور پہلے سے کچھ کم نہیں ہوتا پھر اس نے کہا کہ کھانے پینے کے باوجود بول و براز کیوں نہیں ہو گا تو آپ نے فرمایا جنّت کی غذا میں کثافت نہیں ہو گی وہ لطیف غذا ہو گی جو پسینہ کے ذریعے سے نکل جائے گی۔ اس نے کہا کہ جنّت کی حوریں ہمبستری کے بعد باکرہ کیسے رہیں گی تو آپ نے فرمایا وہ پاکیزہ و لطیف اجزاء سے پیدا ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان کا جسم عوارض سے متاثر نہ ہو گا۔ پس وہ حیض و نفاس کی کثافتوں سے بھی پاک و منزّہ ہوں گی۔ الحدیث

ایک روایت میں حضورؐ نے فرمایا کہ اگر جنّت کی عورت تاریک شب میں دنیا کی طرف جھانک لے تو چاندنی کی روشنی سے بڑھ کر دنیا منوّر ہو جائے گی۔ اور اس کی خوشبو تمام دنیا کو معطّر کر دے گی اور جنّتی کا ایک کپڑا اگر آسمان و زمین کے درمیان ظاہر ہو تو پوری دنیا والے اس کے نور کی تاب نہ لا سکیں گے اور مدہوش ہو جائیں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ جنّت کی خوشبو پانچسو برس کی مسافت تک پہنچ جاتی ہے لیکن ایک قسم اس کو نہ سونگھ سکے گی۔ سائل نے پوچھا وہ کون؟ تو آپ نے فرمایا ماں باپ کا نافرمان۔ اور دوسری روایت میں حضورؐ

عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۳۸﴾ ع ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾

مردوں سے پیار کرنیوالی اور ہمسن ہونگی (یہ سب کچھ) اصحاب الیمین کے لئے ہے ایک گروہ اولین میں سے ہوگا

وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾

اور ایک گروہ آخرین میں سے ہوگا اور اصحاب الشمال کیا حال ہوگا اصحاب شمال کا ؟

سے منقول ہے کہ جنّت کی خوشبو ہزار سال کی مسافت تک پہنچے گی لیکن ماں باپ کا نافرمان قاطع الرحم بوڑھا زانی اور تکبّر کے لئے چادر کو زمین پر گھسیٹ کر چلنے والا جنّت کی خوشبو نہ سونگھ سکے گا۔ کیونکہ تکبّر اللہ کی ذات کو زیبا ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۔ ثُلَّةٌ کا معنی جماعت ہے۔ بعض مفسّرین نے ذکر کیا ہے کہ گذشتہ اُمتوں کے سابقین آخری نبی کی اُمّت کے سابقین سے زیادہ ہیں۔ (چنانچہ ایک روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ گذشتہ اُمتوں کے سابقین تین ہیں۔ ہابیل مومن آل فرعون اور مومن آلِ یٰسین اور آخری اُمّت کا سابق حضرت علی بن ابی طالب ہے) اور گذشتہ اُمتوں کے مومنین واصحاب الیمین، اس اُمّت کے اصحاب الیمین کے برابر ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے۔ کہ اس جگہ اولین وآخرین سے مراد اسی آخری اُمّت کے اولین وآخرین ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ آج رات میں نے انبیاء کو اپنی اُمتوں کے ساتھ دیکھا بعض کے ساتھ بڑی جماعت تھی بعض کے ہمراہ چھوٹا سا گروہ تھا بعض کے ہمراہ چند افراد تھے۔ بعض کے ہمراہ صرف ایک آدمی تھا اور بعض ایسے بھی تھے جن کے ہمراہ کوئی فرد نہ تھا اور حضرت موسٰی علیہ السّلام کو میں نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے ساتھ دیکھا تو مجھے ان کی کثرت سے تعجب ہوا۔ پس میں نے عرض کی۔ اے پروردگار! میری اُمّت کہاں ہے تو میں نے دائیں طرف دیکھا۔ مجھے تا حدِّ نگاہ لوگوں کے چہرے نظر آئے اور بائیں طرف نگاہ کی تو پوری فضا انسانوں سے پُر تھی۔ میں نے عرض کی یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ سب تیری اُمّت ہے۔ اور حکم ہوا کہ تیری اُمّت سے ستّر ہزار آدمی بلا حساب جنّت میں داخل ہوں گے۔ یہ سنتے ہی عکاشہ بن محصن اسدی نے عرض کی حضورؐ میرے لئے دُعا کیجئے کہ میں انہی میں سے ہو جاؤں تو آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر دوسرے آدمی نے بھی کھڑے ہو کر درخواست پیش کی لیکن آپ نے فرمایا کہ بس عکاشہ بازی لے گیا۔ حدیث کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ میں پُر اُمید ہوں کہ پوری جنّت کی ایک چوتھائی آبادی میری اُمّت سے ہوگی۔ پس لوگوں نے سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا تو آپ نے فرمایا کہ اُمید ہے ایک تہائی جنّت کی آبادی میری اُمّت سے ہوگی پھر لوگوں نے تکبیر کی آواز بلند کی۔

رکوع ع ۱۵

اَصْحٰبُ الشِّمَالِ۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا اور وہ یقیناً جہنمی ہوں گے۔

يَحْمُوْمٍ:۔ اس سے مراد جہنّم سے اُٹھنے والا کالا دھواں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ دوزخ میں آگ کا ایک پہاڑ ہے جس کا یہ نام ہے۔

فِي سَمُومٍ وَحَمِيمٍ (۴۲) وَظِلٍّ مِنْ يَحْمُومٍ (۴۳) لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ (۴۴)

گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں اور دوزخ کے دھوئیں کے سایہ میں ہونگے جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ اچھا ہوگا

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُتْرَفِينَ (۴۵) وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى

کیونکہ یہ لوگ اس سے پہلے (دنیا میں) خوش حال تھے اور بڑے گناہ پر اصرار کیا

الْحِنْثِ الْعَظِيمِ (۴۶) وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں

وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ (۴۷) أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ (۴۸) قُلْ

گے تو پھر از سر نو اٹھائے جائیں گے ؟ کیا ہمارے گذشتہ باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے ؟ کہہ دیجئے

إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ (۴۹) لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ

کہ اولین وآخرین ضرور جمع کئے جائیں گے ایک معین دن کی وعدہ گاہ

مَعْلُومٍ (۵۰) ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ (۵۱)

میں پھر تم اے جھٹلانے والے گمراہ لوگو !

لَآكِلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِنْ زَقُّومٍ (۵۲) فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ (۵۳)

زقوم کے پودے سے کھاؤ گے اور اسی سے اپنے پیٹوں کو پر کروگے

فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ (۵۴) فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ (۵۵)

پس اوپر سے دوزخ کا کھولتا ہوا پانی پیو گے اور ایک سانس میں پی جاؤ گے

مُتْرَفِيْنَ :- یعنی دنیاوی خوشحالی اور عیش پرستی کی وجہ سے انہوں نے آخرت کو بھلا دیا کہ توبہ پر موفق ہی نہ ہو سکے۔

اَلْحِنْثِ الْعَظِيْمِ :- اس سے مراد گناہانِ کبیرہ یا شرک ہے جس پر وہ اصرار کرتے تھے۔

شُرْبَ الْهِيْمِ :- اس کی واحد اَهیم اور مونث هیماء ہے پیاسے اونٹوں کو کہا جاتا ہے جو ایک بیماری کی وجہ سے سیراب کبھی نہ ہوں۔ عربی میں اس بیماری کا نام هیام ہے اور اس کا فاعل هائم ہوتا ہے اور احادیث میں پانی کو ایک سانس میں پی لینے کو شرب الهیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ پانی تین سانس لے کر پیتا

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۵۶﴾ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

یہ ان کا قیامت کے دن کا ٹھکانا ہوگا ہم نے تم کو پیدا کیا پس تم کیوں نہیں مانتے ؟

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

کیا وہ جو تم منی گراتے ہو کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۵۹﴾ عَلٰٓى اَنْ

ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقرر کیا اور ہم سے کوئی بھی نہیں بھاگ سکتا کہ تمہاری شکلوں کو

نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ

ہم تبدیل کر دیں اور تمہیں ایسے روپ میں پیدا کریں جس کو تم نہیں جانتے اور تحقیق تم نے پہلی دفعہ کی

النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۲﴾

پیدائش کو جان لیا تو کیوں نصیحت نہیں حاصل کرتے ؟ کیا وہ جو تم کاشت کرتے ہو

ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا

کیا تم اُسے اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں ؟ اگر ہم چاہتے تو اسے خشک گھاس بنا دیتے

چاہیے اور آپ نے فرمایا ھیم کی طرح نہ پیو۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ ھیم کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ ریت۔ یعنی جس طرح ریت پانی کو ایک دفعہ پی جاتی ہے اس طرح نہ پیا کرو۔ اور بعض روایات میں بسم اللہ پڑھے بغیر پانی پینا شرب الھیم سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ۔ یہ دلیل بعث و نشور ہے یعنی جب ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تو دوسری دفعہ زندہ کرنا اس سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ لہٰذا تمہیں ہٹ دھرمی چھوڑ کر عقیدۂ قیامت کو اپنا لینا چاہیے۔ کیونکہ جو ذات نطفۂ منی سے انسان پیدا کر سکتی ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں اور خاک کے ذرات سے دوبارہ انسان کیوں نہیں پیدا کر سکتی۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا۔ یعنی موت ہماری تقدیر سے ہے۔ کسی کو بچپنے میں کسی کو جوانی میں کسی کو بڑھاپے میں جب، چاہیں جہاں چاہیں جس طرح چاہیں ہم موت دیتے ہیں اور ہم مسبوق نہیں۔ یعنی ہماری تقدیر سے کوئی بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اور ممکن ہے۔ کہ اس کا تعلق اگلے جملے سے ہو۔ یعنی ہم مسبوق نہیں اس بات سے کہ ہم تمہاری شکلیں تبدیل کر کے کسی اور جانور کی شکل دیدیں پس جب تم پہلی دفعہ کی پیدائش کو جانتے ہو کہ پانی کے نطفہ سے ہم نے تم کو وجود بخشا تو دوبارہ پیدا کیونکر نہیں کر سکتے۔

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾

اور سوائے تعجب کے تمہارے پاس کچھ نہ ہوتا اور کہتے تحقیق ہم لٹ گئے بلکہ ہم محروم کر دیئے گئے

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ

کیا دیکھتے ہو وہ پانی جس کو تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو اتارا ہے بادل سے

الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا

یا ہم اتارنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہتے تو اس کو تلخ بنا دیتے پس تم کیوں نہیں

تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ

شکر کرتے کیا دیکھتے ہو آگ جس کو جلاتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو

شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَ

پیدا کیا یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو تذکرہ قرار دیا اور

حُطَامًا ۔ یعنی تمہاری کھیتیاں ہم ہی اگاتے ہیں اور پکاتے ہیں۔ اگر ہم ان میں غلہ نہ پیدا کریں اور خشک گھاس ہی بنا دیں تو تم تعجب کرتے رہو گے اور واویلا کرو گے کہ ہم لٹ گئے۔ اور برباد ہو گئے۔ تفکہ کا اصلی معنی سحزی کرنا ہوتا ہے۔

کاشت کے وقت دعا تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب زمین میں بیج ڈالنا چاہو تو مٹھی میں بیج لے لو اور قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ پڑھو۔ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ تین مرتبہ۔ اس کے بعد کہو بَلِ اللّٰهُ الزَّارِعُ تین مرتبہ۔ پھر کہو اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَبًّا مُبَارَكًا وَارْزُقْنَا فِيْهِ السَّلَامَةَ ۔ اس کے بعد زمین میں دانوں کو بکھیرنا اور بونا شروع کر دو۔

أُجَاجًا ۔ اس کا معنی تلخ یعنی کڑوا۔ یا سخت نمکین ہوا کرتا ہے۔ یعنی بارش کا پانی اگر ہم چاہتے تو شیریں کے بجائے کڑوا یا نمکین کر دیتے کہ نہ پینے کے کام آتا اور نہ کھیتیوں کے لئے فائدہ مند ہوتا۔

شَجَرَتَهَا ۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ آگ جلانے کے لئے زند کا استعمال کرتے تھے۔ اور وہ ایک قسم کی لکڑی تھی کہ دو لکڑیوں کو جب آپس میں رگڑا جاتا تھا تو آگ نکل آتی تھی۔ ان سب چیزوں کو پیش کر کے معاد کے لئے دلیل بنایا جا رہا ہے کہ جو اللہ درخت کی سبز لکڑی میں آگ کی قوت کو پوشیدہ رکھ سکتا ہے وہ اللہ قیامت کے قائم کرنے پر کیسے قادر نہیں؟

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ فَلَا

فائدہ لوگوں کے لئے — پس تسبیح کرو اپنے پروردگار کے نام کی جو عظیم ہے — پس مجھے

أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾

قسم ہے ستاروں کے اُترنے کی — اور تحقیق یہ اگر تم جانتے تو بڑی قسم ہے

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُ

تحقیق یہ قرآن کریم ہے — محفوظ کتاب کے اندر — جس کو مس نہیں کرتے

إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا

مگر پاک لوگ — عالمین کے پروردگار کا نازل کردہ ہے — کیا اس بات کے (اقراریں)

الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ

تم لوگ منافقت کرتے ہو — اور اپنا حصہ یہ قرار دیتے ہو کہ اس کو

مُقْوِیْنَ:۔ یہ قوا سے ہے اور قوا اس زمین کو کہتے ہیں جہاں کوئی آبادی نہ ہو۔ اور مقوی اس مسافر کو کہا جاتا ہے جو اس قسم کی اجاڑ زمین میں جا پہنچے۔ اور بعضوں نے قوت سے لیا ہے یعنی صاحبانِ قوت لوگوں کے لئے نفع مند چیز ہے۔ پس مقوی کا لفظ لغاتِ اضداد میں سے ہو جائے گا۔ یعنی یہ آگ طاقتور اور دولت مند طبقہ کے لئے اور فقیر اور بے کس لوگوں کے لئے فائدہ مند چیز ہے۔ اور دنیاوی زندگی میں تمام انسانوں کے لئے اس کا وجود نعمتِ پروردگار ہے اور اس کو تذکرہ قرار دیا تاکہ اس کو دیکھ کر آخرت کی آگ سے بچیں۔

فَلَا اُقْسِمُ:۔ اس جگہ حرف نفی لَا زائدہ ہے اور معنی ثبت ہے یعنی ستاروں کے اُترنے کے مقامات کی قسم[1] اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ نجوم کا معنی ہے اقساط اور چونکہ قرآن مجید بالاقساط نازل ہوا ہے۔ لہٰذا قرآن کے قسطوار نازل ہونے کی قسم[2] اٹھائی گئی ہے۔ اور تفسیر برہان میں نعقبہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام[3] نے فرمایا کہ ائمہ بررہ کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ گویا ائمہ حق کو نجوم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اسی قسم کو قسم عظیم قرار دیا گیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ لا نافیہ ہے۔ اور کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ انہوں نے کہا تھا یہ قرآن جادو ہے یا اشعار کا مجموعہ ہے پس خدا نے فرمایا ایسا نہیں پھر قسم اٹھائی کہ مواقع النجوم[4] کی قسم تحقیق یہ قرآن کریم ہے جو کتاب مکنون (پوشیدہ) میں ہے یعنی لوح محفوظ میں ہے۔

لَا یَمَسُّہٗ۔ یا تو خبر ہے کہ اس کو مس نہیں کرتے مگر وہ جو مطہر یعنی پاک و پاکیزہ ہیں۔ اور اس سے مراد[1] ملائکہ ہیں۔ اور

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ

جھٹلاتے ہو — تو کیوں نہیں جب یہ روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے — اور تم لوگ اس وقت دیکھ رہے

تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ہوتے ہو — اور ہم تمہاری بہ نسبت اس کے زیادہ قریب ہیں — لیکن تم نہیں دیکھتے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مَس کرنا کنایہ ہو علم سے یعنی اس کا حقیقی علم کسی کو حاصل نہیں[2] مگر ان لوگوں کو جن کو صفت طہارت سے آراستہ کیا جا چکا ہے۔ اور اگر اس کو انشاء کے معنی میں قرار دیا جائے تو اس سے اس فقہی مسئلہ کا استدلال کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کی کتابت کو جنب آدمی نہیں چھو سکتا ہیں بلا وضو قرآن کے حروف کو[3] ہاتھ لگانا یا چھونا حرام ہے۔ اور مقدمہ تفسیر میں اس کی قدرے وضاحت کی جا چکی ہے۔

مُدْهِنُوْنَ ۸۱ - دھن کا معنی تکذیب ہے یا یہ کہ سامنے اقرار اور پھر انکار جس کا دوسرا نام منافقت ہے۔

رِزْقَكُمْ ۸۲ - ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک سفر میں سخت پیاس کا غلبہ ہوا۔ تو حضورؐ نے دعا مانگی پس باران رحمت کا نزول ہوا۔ اور جب لوگ سیراب ہو چکے تو پروردگار کا شکر ادا کرنے کے بجائے بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ فلاں فلاں ستارے کی برکت سے بارش نازل ہوئی ہے۔ پس اُن کی سرزنش کے لئے ارشاد فرما رہا ہے کہ قرآن مجید میں سے تمہارا حصہ یہ ہے کہ تم اس کی تکذیب کرتے ہو یا یہ کہ رزق کا مضاف محذوف ہے۔ یعنی رزق کا شکر تم نے یہ قرار دیا ہے کہ اس کی نعمت کو جھٹلاتے ہو۔ اور اس کے غیر کی طرف نسبت دیتے ہو۔

اَلْحُلْقُوْم - اس کا معنی ہے حلق یعنی جب تم میں سے کسی مرنے والے کی سانس حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم سب دیکھ رہے ہوتے ہو تو کسی کی مجال نہیں کہ اس کی سانس کو واپس پلٹا سکے پس تمہیں ہماری قدرت کا انکار نہیں کرنا چاہیئے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ - ہم اس کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ یعنی قابض الارواح فرشتے اس کے قریب ہوتے ہیں جو ہمارے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔

فَلَوْلَا - یہ تہدید اور تنبیہ ہے کہ اگر تم لوگ بزعم خود جزا و سزا کے پابند نہیں ہو۔ اور یہ کہ تم نے قیامت میں جوابدہی کے لئے پیش نہیں ہونا تو اس مرنے والے کو واپس کیوں نہیں پلٹا لیتے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تم اس معاملے میں مجبور ہو۔ پس یقین کر لو کہ جس طرح مرنے والے کی موت کو تم نہیں ٹال سکتے۔ اسی طرح قیامت کے دن جب وہ تم کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے دربار میں بلائے گا تو اس کے فیصلے کو ٹالنا تمہارے بس میں نہیں ہوگا۔ لہٰذا انکار کو چھوڑ دو اور اس کی قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کر لو۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جب انسان کا سانس حلقوم تک پہنچتا ہے تو مومن

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

پس ایسا کیوں نہیں کہ اگر تمہاری کوئی جزا یا سزا نہیں تو اس کو واپس پلٹا لیتے اگر تم سچے ہو

(۱) فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ

پس اگر وہ (مرنے والا) مقربین سے ہوگا تو راحت اور عیش اور نعمت کے باغ ہیں

نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ

(۲) ہوگا اور اگر وہ اصحاب الیمین میں سے ہوگا پس سلام ہو

لَّكَ مِنْ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ

(3) تجھے (اے وہ جو) اصحاب الیمین میں سے ہے لیکن اگر وہ (متوفی) جھٹلانے والے گمراہوں میں

الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾

سے ہوگا تو اس کا ٹھکانا کھولتے ہوئے پانی میں اور دوزخ کی آگ کی گرمی میں ہوگا

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ ع

تحقیق یہ خبر حق الیقین ہے پس اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کرو جو عظیم ہے

کو اپنا جنت کا مکان نظر آنے لگتا ہے تو وہ خواہش کرتا ہے کہ مجھے واپس پلٹایا جائے تاکہ اپنے گھر والوں کو خوشخبری دے سکوں لیکن اس کو یہ مہلت نہیں دی جاتی۔

اَلْمُقَرَّبِيْنَ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب مومن مرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے قبر تک اس کی تشییع کرتے ہیں پس جب قبر میں اس کو داخل کیا جاتا ہے تو منکر و نکیر اس کے پاس پہنچ کر اس کو سیدھا بٹھا کر اس سے رب دین اور نبی کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ میرا دین اسلام ہے اور میرا نبی محمدؐ ہے۔ پس اس کی قبر میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جنت کا رزق اس کو پہنچایا جاتا ہے اور قرآن مجید میں اسی کا بیان ہے کہ اگر مقربین میں سے ہوگا تو روح اور ریحان اس کو نصیب ہوگا۔ یعنی قبر میں اور جنت نعیم اس کو ملے گی یعنی آخرت میں۔

اَصْحَابَ الْيَمِيْنِ۔ تفسیر برہان میں ہے ایک دفعہ حضرت نبی علیہ السلام نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا کہ ابتدائے خلق میں خداوند کریم نے تیرے متعلق حجت قائم کی تھی چنانچہ فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

سب نے کہا تھا کہ ہاں بے شک تو ہمارا رب ہے پھر پوچھا کہ کیا محمدؐ میرا رسول ہے؟ تو سب نے کہا تھا کہ ہاں وہ تیرا رسول ہے۔ پھر فرمایا کہ علی امیر المومنین ہے؟ تو تکبر و سرکشی کی بنا پر اکثر لوگوں نے انکار کر دیا تھا صرف تھوڑے ارواح نے تسلیم کر لیا تھا۔ اور وہی اصحاب الیمین ہیں۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ اصحاب الیمین سے مراد ہمارے شیعہ اور محب ہیں۔

فَسَلٰمٌ لَّكَ۔ اس کے معنی میں تین اقوال ہیں (۱) اصحاب الیمین کے بارے میں تجھ پر سلامتی ہے کہ ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ (۲) اصحاب الیمین کی جانب سے تجھ پر سلام کیا جائے گا۔ (۳) تم پر سلام ہو اے وہ لوگ جو اصحاب الیمین میں سے قرار دیئے گئے ہو۔

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مقربین سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔

الضَّآلِّیْنَ۔ تفسیر برہان کی سابقہ روایت میں ہے کہ جب کافر مرتا ہے تو زبانیہ فرشتوں میں سے ستر ہزار اس کی قبر تک جاتے ہیں اور وہ اس قدر چیختا اور چلاتا ہے کہ جن و انسان کے علاوہ تمام مخلوق اس کی آواز سنتی ہے وہ کہتا ہے ہائے مجھے ایکدفعہ واپس پلٹایا جاتا تاکہ میں مومن ہو کر مرتا اور زبانیہ فرشتے اس کو ڈانٹ کر کہتے ہیں چپ رہو۔ یہ بات اب ہرگز نہ ہوگی۔ جب اس کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور لوگ واپس چلے جاتے ہیں تو منکر و نکیر سخت ڈراؤنی شکل میں نمودار ہوتے ہیں اور اس سے رب۔ دین اور نبی کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ پس اس کی زبان میں ہچکچاہٹ پیدا ہوتی ہے تو اس کو جہنم کے تازیانوں سے سزا دیتے ہیں، پھر وہ سوال کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا پس اس پر جہنم کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ پس حمیم کا نزول قبر میں اور جہنم کا داخلہ ان کے لئے بروز محشر ہوگا۔

سُورَہ الحدِید

یہ سُورہ مدنیہ ہے۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر تیس ہے۔
نبی کریمؐ سے مروی ہے جو شخص سُورہ حدید کی تلاوت کرتا رہے اُس کا شمار مومنوں میں سے ہوگا۔
امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے جو شخص ہر رات سونے سے پہلے تمام ان سورتوں کی تلاوت کرے جن کی ابتداء تسبیح سے ہے۔ تو اُس وقت تک نہ مرے گا جب تک کہ تمام آلِ محمدؐ کی زیارت نہ کرلے اور مرنے کے بعد اس کو رسول اللہ کا پڑوس نصیب ہوگا۔
امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمیشہ نماز فریضہ میں سُورہ حدید اور سُورہ مجادلہ کو پڑھتا رہے اُس کو خدا کسی دنیاوی عذاب میں مبتلا نہ کرے گا۔ اور اپنے نفس اور اہل میں کبھی بُرائی نہ دیکھے گا نیز اس کے بدن میں بھی کوئی کمزوری لاحق نہ ہوگی۔
خواص القرآن سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو شخص سورہ حدید کی تلاوت کرے اللہ ضرور اس کو اپنے عذاب سے امن میں رکھے گا اور جنت میں اُس پر نعمات نازل کرے گا اور قیدی انسان اگر اس کی تلاوت باقاعدگی سے کرے تو اُس کو رہائی نصیب ہوگی خواہ اس کا جرم کس قدر ہی سنگین کیوں نہ ہو۔
آپؐ نے فرمایا جو شخص اس کو لکھ کر اپنے گلے میں لٹکائے تو دورانِ جنگ میں کوئی تیر یا لوہے کا آلہ اس پر کارگر نہ ہو سکے گا نیز لڑائی میں اس کا دل مضبوط رہے گا اور جس جگہ لوہا چبھ جائے تو سورہ حدید کے پڑھنے سے وہ بلا تکلیف نکل آئے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ لَهٗ

تسبیح کرتا ہے اللہ کی جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اسی کا ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳﴾

ملک آسمانوں اور زمین کا وہ جلاتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۴﴾

وہ اول ہے آخر ہے ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر شے کو جاننے والا ہے۔

رکوع ۱۷

سَبَّحَ لِلّٰهِ ۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو مخلوق ہے خواہ ذوی العقول سے ہو یا غیر ذوی العقول سے ہو سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔ پس ذوی العقول مثلاً انسان جنّ اور ملائکہ ان کی تسبیح زبان و اعتقاد و اعمال سے ہوتی ہے۔ اور غیر ذوی العقول کی تسبیح یہ ہے کہ ان کی موجودہ حالت ان کی نشوونما اور ان کی تربیت و تنظیم اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایک خالق مدبّر ہے جس نے تمام موجودات کو زیورِ تخلیق سے آراستہ فرمایا اور وہ جمیع صفاتِ کمال کا جامع اور وہی تسبیح و تحمید کا واحد سزاوار ہے۔ گویا ذوی العقول کی تسبیح تکوینی بھی ہے۔ اور تشریعی بھی لیکن غیر ذوی العقول کی تسبیح صرف تکوینی ہے۔ اور اس لحاظ سے کفار و مشرکین بھی تکوین کے لحاظ سے تسبیح پروردگار میں داخل ہیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر شئی میں ہلاکت تغیر اور زوال موجود ہے۔ اور وہ ایک رنگ سے دوسرا رنگ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ اسی طرح کمی سے زیادتی اور زیادتی سے کمی کی طرف بھی وہ متحرک ہوتے ہیں لیکن رب العلمین ان تغیّرات سے بالاتر اور منزّہ و مبرا ہے پس وہ ہر چیز سے اوّل اور سب سے آخر ہے اس کے صفات و حالات میں تغیّر نہیں اور نہ اس کے نام بدلتے ہیں مثلاً انسان میں تغیرات کی بدولت نام بدلتے رہتے ہیں۔ کسی وقت میں مٹی کسی وقت خون کسی وقت گوشت اور کسی وقت میت وغیرہ کے ناموں سے اس کو موسوم کیا جاتا ہے یا کھجور یا پھل دیکھئے پہلے بلح (بور) پھر بُسر (سرخ یا زرد) پھر تمر (خرما)، پس ان کے صفات اور نام بدلتے ہیں لیکن خدا عزّ و جل ان تبدیلیوں سے پاک و منزّہ ہے۔

امام رضا علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ خدا کے ظاہر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی کے اوپر سوار یا مسلّط ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ تمام پر قاہر و غالب ہے اور اس کی قدرت تمام چیزوں پر حاوی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ توحید

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی

وہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر تخت حکومت پر

کے متلاشیوں کے لئے خدا ہر جگہ ظاہر ہے کیونکہ وہ جہاں دیکھتا ہے وہاں خدا کی تدبیر و تقدیر کے مظاہر موجود ہیں۔ اور ہر جگہ خدا کی صنعت کے آثار ظاہر و آشکار ہیں۔ لہذا وہ کونسی چیز ہے جو اللہ سے زیادہ ظہور رکھتی ہے اور مخلوق میں سے جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ اپنی حدود و معلومہ کے لحاظ سے حواس کے سامنے آتی ہے اور اللہ کا ظاہر ہونا یہ ہے کہ اس کی قدرت و حکمت ہر چیز سے ظاہر و عیاں ہے۔ پس لفظ ایک ہے جس کا خالق اور مخلوق دونو پر اطلاق ہوتا ہے لیکن معنی الگ الگ ہے۔ اسی طرح اس کے باطن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ تمام اشیا کے حقائق و بواطن کو جانتا ہے اور ہم میں باطن وہ ہوتا ہے جو کسی شے کے اندر ہو پس لفظ ایک ہے جو خالق و مخلوق دونو پر اطلاق کیا جا سکتا ہے لیکن معانی الگ الگ ہیں۔

حضرت علیؑ کا سورج سے مکالمہ

تفسیر برہان میں جابر سے منقول ہے کہ میری عمار سے ملاقات ہوئی تو اس نے بیان کیا کہ حضورؐ نے صبح کی نماز پڑھائی اور بیٹھ گئے اور کافی لوگ وہاں موجود تھے۔ اتنے میں دن نکل آیا۔ پس حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے تو حضورؐ نے کھڑے ہو کر علیؑ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور اپنے پہلو میں ان کو بٹھایا کہ ان کے زانو آپ کے زانوؤں سے ٹکرا رہے تھے۔ پس آپ نے فرمایا یا علیؑ اٹھ کر سورج سے بات کرو کیونکہ وہ تم سے بات کرے گا۔ لوگ بھی کھڑے ہو گئے کہ دیکھیں سورج کس طرح حضرت علیؑ سے باتیں کرتا ہے۔ بعض تو یہ بھی کہنے لگے کہ حضورؐ خواہ مخواہ اپنے بھائی کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ پس علی علیہ السلام نے باہر نکل کر سورج سے خطاب کیا۔ اے سورج کیسے ہو؟ اس نے فوراً جواب دیا۔ خیر سے ہوں! اے برادر رسول۔ اے اول اے آخر اے ظاہر اے باطن۔ اے وہ جو ہر شے کو جاننے والا ہے۔ جب حضرت علیؑ پلٹے تو رسول اللہ نے فرمایا تم بتاؤ گے یا میں خود بتاؤں کہ اس نے کیا کہا ہے۔ حضرت علی نے عرض کی کہ حضور کا فرمانا ہی بہتر ہے تو آپ نے فرمایا کہ سورج کا کہنا کہ تو اول ہے اس کا یہ معنی ہے کہ تو سابق الایمان ہے اور اس کا یہ کہنا، تو آخر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تو سب سے آخر میرے غسل وغیرہ کے وقت موجود ہوگا۔ اور ظاہر کا معنی یہ ہے کہ میرے پوشیدہ رازوں پر مطلع ہوگا اور باطن کا معنی یہ ہے کہ تو میرے علم کا صحیح وارث ہوگا۔ اور ہر شے کے علم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کے نازل کردہ جملہ حلال و حرام فرائض و احکام تاویل و تنزیل۔ ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کا تو عالم ہے وَلَوْلَا ان تقول طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مَا قَالَتِ النَّصَارٰی فِیْ عِیْسٰی لَقُلْتُ فِیْكَ مَقَالًا لَا تَمُرُّ بِمَلَاءٍ اِلَّا اَخَذُوا التُّرَابَ مِنْ تحت قَدَمَیْكَ یَسْتَشْفُوْنَ بِهٖ۔ یعنی اگر مجھے اپنی امت کے ایک گروہ کے متعلق یہ ڈر نہ ہوتا کہ تجھے وہ کچھ کہہ دیں گے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے متعلق کہہ دیا تو میں تیرے متعلق ایسی بات کہتا کہ تو کسی بھی جماعت کے پاس سے گزرتا تو وہ تیرے قدموں کی خاک کو باعث شفا سمجھ کر ذخیرہ کرتے۔ پس عمار ابھی بات کہہ چکے تھے کہ حضرت سلمان آگئے تو عمار نے کہا کہ سلمان بھی اس موقعہ پر موجود تھا چنانچہ حضرت سلمان نے بھی عمار کی طرح ایسی حدیث من وعن بیان کر دی۔

الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ

متمکن ہوا وہ جانتا ہے جو کچھ داخل ہوتا ہے زمین میں اور جو کچھ نکلتا ہے اس سے اور جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے

وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۵

اور جو کچھ اس کی طرف بلند ہوتا ہے اور وہ تمہارے ہمراہ ہے تم جہاں بھی ہو اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۶ یُوْلِجُ الَّیْلَ

آسمانوں اور زمین کا ملک اُسی کا ہی ہے اور اللہ کی طرف امور کی بازگشت ہے داخل کرتا ہے

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے ایک دن حضرت رسالت مآبؐ حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے ابھی تک حضرت علی علیہ السلام نے نماز عصر ادا نہیں کی تھی جب حضورؐ بیدار ہوئے تو سورج غروب کر چکا تھا تو حضرت علیؑ نے اپنی نماز کا ذکر کیا پس آپ نے دعا کی اور سورج کو خدا نے واپس پلٹایا۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا یا علی اٹھو اور سورج سے بات کرو۔ کیونکہ وہ تجھ سے بات کرے گا۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے بارشاد نبوی سورج سے خطاب کیا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا خَلْقَ اللّٰہِ۔ یعنی اے مخلوق خدا تجھ پر میرا سلام ہو تو سورج نے جواب دیا وَعَلَیْكَ السَّلَامُ یَا اَوَّلُ یَا اٰخِرُ یَا ظَاهِرُ یَا بَاطِنُ یَا مَنْ یُنْجِیْ مُحِبِّیْهِ وَیُوْثِقُ مُبْغِضِیْهِ۔ یعنی تجھ پر سلام ہو اے اول اے آخر اے ظاہر اے باطن اے وہ جو دوستوں کو نجات دے گا اور دشمنوں کو قید کرے گا۔ پس رسول اللہؐ نے فرمایا کہ سورج نے سچ کہا اور اللہ کے امر سے ہی اس نے بات کی پس تو اوّل ہے یعنی سب سے پہلے ایمان و تصدیق میں سبقت کرنے والا ہے اور تو آخر الوصیین ہے کہ جس طرح میرے بعد نبی کوئی نہیں ہوگا۔ تیرے بعد وصی کوئی نہیں ہوگا (وصی بلا فصل) اور تو ظاہر ہے یعنی دشمنانِ اسلام پر غالب ہے اور تو باطن ہے یعنی تو عالم ہے کہ میرے علم کا جامع اور حق پروردگار کا خزانہ ہے۔ تیری اولاد اولادوں میں سے بہتر اور تیرے شیعہ ہی بروز قیامت نجیب و شریف ہوں گے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ آیت مجیدہ میں خالق کی توحید کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ہی نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں کے اندر پیدا کیا ہے اور اس تخلیقی کارنامے میں اس کا کوئی بھی شریک و سہیم نہیں ہے اور نہ اس نے اس تخلیق میں کسی کو اپنا نائب و مختار قرار دیا ہے اور چھ دنوں میں پیدا کرنے کا مقصد صرف تدریجی طریقہ کار کے اظہار کے لئے ہے کہ اگر وہ چاہے تو دفعۃً سب کو پیدا کر سکتا ہے لیکن اس کی حکمت شاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ اسباب و ذرائع کے ماتحت درجہ بدرجہ مخلوق پیدا ہو۔ جس طرح انسانی بچہ کی پیدائش نو ماہ میں تدریجاً مکمل ہوتی ہے۔ اور آسمانوں و زمین کی چھ دنوں میں پیدائش کی وضاحت تفسیر کی جلد ۶ ص۲۳ ج ص۱۹۶

اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ۔ اس کی تفسیر ج ۹ ص۱۶۶ ج ص۴۲ پر گذر چکی ہے۔

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ۔ اس کی وضاحت تفسیر کی جلد ۲ ص۲۲۴ پر گذر چکی ہے۔

فِی النَّہَارِ وَیُوْلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَھُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۷﴾

رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور وہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ ط

ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس مال سے جس کا تم کو اس نے وارث بنایا

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ ﴿۸﴾ وَمَا لَکُمْ

پس جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے خرچ کیا ان کے لئے بڑا اجر ہے اور تمہیں کیا ہو گیا

لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۚ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ وَقَدْ

ہے کہ تم ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور رسول تم کو بلاتا ہے تاکہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ درحالیکہ

اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹﴾ ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ

اس نے تم سے عہد لیا ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو وہ وہ ہے جو اتارتا ہے

عَلٰی عَبْدِہٖٓ اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط

اپنے بندے پر واضح نشانیاں تاکہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لائے

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّہَارِ :۔ اس کی تفسیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۳ پر گزر چکی ہے۔

مُّسْتَخْلَفِیْنَ :۔ راہ خدا میں خرچ کرنے پر ترغیب دی گئی ہے کہ جس طرح کسی اور نے کمایا اور تم اس کے وارث بن گئے اگر تم اس کو صحیح خرچ نہ کرو گے تو یاد رکھو کہ تم بھی چھوڑ کر چلے جاؤ گے اور کوئی اور اس کا وارث بن جائے گا۔ لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو راہ خدا میں خرچ کرو اور خوشنودی خدا کا پروانہ حاصل کرو۔

مِیْثَاقَکُمْ :۔ اس میثاق سے مراد یہ ہے کہ اس نے تم کو سوچنے سمجھنے کے لئے عقل و دانش کی دولت سے مالا مال کیا۔ اور انفس و آفاق میں عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے اسباب مہیا فرمائے۔ اور یہ ایک طرح کا ضمنی عہد ہے کہ تم شکر کے طور پر اس کی فرمائشات پر عمل کرو۔

مِنَ الظُّلُمٰتِ :۔ اس جگہ ظلمت سے مراد کفر و شرک اور نور سے مراد ایمان و عرفان ہے۔

لِلّٰہِ مِیْرَاثُ :۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے کہ آخرکار سب مال کا مالک اللہ ہی ہے لہٰذا تم خرچ کرنے میں بخل کیوں کرتے ہو۔

وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ

اور تحقیق اللہ تم پر بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نہیں خرچ کرتے

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ

اللہ کی راہ میں حالانکہ اللہ کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی تم میں برابر نہیں جنہوں

مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ

نے خرچ کیا فتح (مکہ) سے پہلے اور جہاد کیا ان لوگوں کا درجہ بلند ہے اُن سے جنہوں

الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ

نے خرچ کیا بعد میں اور جہاد کیا اور ہر ایک کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ثواب کا

قَبْلَ الْفَتْحِ ۔ چونکہ فتح مکہ سے مسلمانوں کی ضروریات اور اسلامی سلطنت کے واجبی مصارف کے پیش نظر لوگوں کے مالی ایثار و امداد کی زیادہ ضرورت تھی۔ نیز گرد و نواح کی غیر مسلم طاقتوں کے فوجی منظم و غیر منظم حملوں کے دفاع کے پیش نظر اسلامی فوج کے لئے لڑاکا قسم کے جوانوں کی بھی غیر معمولی ضرورت تھی۔ لہٰذا اس اہمیت اور وقتی ضرورت کے پیش نظر فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنی جانی و مالی قربانیاں پیش کیں وہ بدرجہا اُن سے افضل و برتر ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد یہ قربانیاں دیں۔ اگرچہ کارِ خیر ہونے میں دونو قسم کے لوگ اللہ کے نزدیک ثواب کے حقدار ہیں۔ اور اللہ نے سب کے ساتھ جزا و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے لیکن درجات میں ضرور فرق ہوگا۔ اور جزائے خیر میں یہ بھی ضروری ہے کہ جن جن لوگوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی جانب سے بیش بہا قربانیاں پیش کیں وہ جزائے خیر کے اُس وقت مستحق ہوں گے جب کہ ان کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا۔ اور تفسیر برہان میں ہے حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کرنے کے بعد دربارِ معاویہ میں ایک لمبا خطبہ پڑھا جس میں ارشاد فرمایا کہ تمام مسلمانوں میں سے میرے والد نامدار کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ وہ ایمان کی طرف سبقت کرنیوالوں میں سے سابق ترین ہیں۔ پس آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ میرے والد بزرگوار ہی اسلام و ایمان میں سابق اور ہجرت میں اول اور راہِ خدا میں خرچ کرنے میں پیشتر ہیں اس کے بعد آپ نے قرآن مجید سے متعدد آیات پیش فرمائیں جن میں حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت روزِ روشن کی طرح واضح تھی۔

رکوع ۱۸

قَرْضًا حَسَنًا ۔ روایاتِ آئمہ میں جو تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں اُن میں ہے کہ اس جگہ قرضِ حسن سے مُراد امام وقت کی بارگاہ میں ہدیہ وغیرہ پیش کرنا ہے۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک درہم جو امام کی خدمت میں بطور صلہ و ہدیہ کے پیش کیا جائے وہ ان لاکھ لاکھ درہموں سے افضل ہے جو باقی اُمورِ خیر

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١١﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا

اور اللہ آگاہ ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو کون ہے جو اللہ کو قرض دے قرض

حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١٢﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ

حسن پس اس کو • بڑھائے گا اس کے لیے اور اس کا بہترین بدلہ ہوگا جس دن تو دیکھے گا مومنوں اور

وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ

مومنات کو کہ ان کا نور دوڑ رہا ہوگا ان کے سامنے اور ان کے دائیں (فرشتے کہیں گے) تمہیں آج مبارک ہو

الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ

وہ باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں کہ تم ان میں ہمیشہ رہو گے یہ بڑی

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ

کامیابی ہے جس دن کہیں گے منافق مرد و عورتیں مومنوں

میں خرچ کئے جائیں۔

قرض حسن کے شرائط روایات میں ہے کہ صدقہ کا ثواب دس گنا اور قرض حسن کا ثواب اٹھارہ گنا ہوا کرتا ہے۔ اور قرض حسن کی اہل تحقیق نے یہ شرائط بیان کی ہیں (۱) قرض مال حلال سے ہو (۲) عمدہ مال سے قرض دے نہ کہ ردی اور خراب مال سے (۳) بحالت صحت و تندرستی دے جب کہ مال کی خود بھی حاجت رکھتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جب سانس حلقوم تک پہنچ جائے اور مال کی ضرورت سے بے نیاز ہو جائے اور کہے کہ فلاں کو اتنا دے دو۔ اور فلاں کو اس قدر دے دو (۴) ایسے شخص کو دے جو زیادہ سے زیادہ حاجت مند ہو (۵) دینے کے بعد اس کو پوشیدہ رکھے اور ہر ایک کو نہ بتاتا رہے (۶) دینے کے بعد بار بار احسان نہ جتلاتا رہے (۷) اللہ کی خوشنودی کے لئے دے (۸) ریا و شہرت کی غرض نہ رکھتا ہو (۹) جس قدر دے اس کو حقیر اور قلیل سمجھے (۱۰) اپنے پیارے مال سے دے۔

نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ۔ یعنی جب پل صراط کے عبور کرنے کا وقت ہوگا تو مومنوں کو اپنے اپنے اعمال و مراتب کے لحاظ سے نور عطا ہوگا بعض وہ ہوں گے کہ ان کے سامنے دور دراز تک نور ہی نور ہوگا۔ اور بعض وہ بھی ہوں گے کہ ان کے لئے صرف قدموں کی جگہ تک نور محدود ہوگا اور بعض ایسے ہوں گے کہ ان کے قدموں کے انگوٹھوں میں نور ہوگا کبھی روشن ہوگا اور کسی وقت بجھ جائے گا اور وہ سب اس خوشخبری میں شریک ہوں گے کہ فرشتے ان کو مبارک باد دیں گے۔ اور وہ حسب مراتب اپنے اپنے نور کی روشنی میں جلدی یا بدیر پلصراط عبور کر کے جنت میں جا پہنچیں گے۔

اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا

کو کہ ہمارا انتظار کرو تاکہ ہم تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں جواب دیا جائے گا پیچھے ہٹ جاؤ پس اور تلاش

نُوْرًا ط فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ط بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ

کرو پس ان کے درمیان ایک حد قائم کی جائے گی جس کا دروازہ ہوگا جس کے اندر رحمت ہوگی اور

ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ط (۱۴) يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ط

باہر کی طرف عذاب ہوگا (باہر والے اندر والوں کو) پکاریں گے کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں تھے

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَ

تو وہ جواب دیں گے کہ ہاں لیکن تم نے اپنے نفسوں کو فتنے میں ڈالا اور تم بانی اسلام اور مسلمانوں کی ہلاکت کی تاڑ میں رہے اور شک کرتے رہے

تفسیر برہان میں ہے۔ جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتا ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے حضرت علیؑ سے خطاب کرکے فرمایا کہ اللہ نے تیرے شیعوں اور محبوں کو سات چیزیں عطا فرمائی ہیں (۱) موت کے وقت نرمی (۲) وحشت کے وقت اُنس (۳) ظلمت کے وقت روشنی (۴) گھبراہٹ کے وقت اطمینان (۵) میزان کے وقت کامیابی (۶) پلصراط سے گذرنے کا جواز (۷) باقی لوگوں سے پہلے جنت میں داخلہ کہ ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔ اور دائیں طرف نور کا مقصد یہ ہے کہ اُن کا اعمال نامہ جو اُن کے دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ اس سے بھی نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں گی۔

تفسیر برہان میں ہے ایک دفعہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے صحابہ کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کی کوئی فضیلت ہے میں دعوے سے کہتا ہوں کہ میرا اس میں حصہ ہے لیکن میری ستر ایسی خصوصیات ہیں کہ ان میں میرا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مجھے پیغمبر نے فرمایا کہ بروز محشر میری اُمت پانچ جھنڈوں کے نیچے پیش ہوگی۔ اور پانچواں جھنڈا تیرا ہوگا۔ اور تو ان کا امام ہوگا۔ پس ان کے درمیان سُور یعنی حد قائم کی جائیگی جن کے باطن میں رحمت ہوگی۔ اور وہاں میرے شیعہ ہوں گے۔ اور باہر کی طرف جہاں عذاب ہوگا وہاں دوسرے جھنڈوں والے ہوں گے۔ اور دوسری روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب بروز محشر مومنوں اور کافروں کے درمیان سُور (حد) قائم کی جائے گی جس کے باطن میں اللہ کی رحمت اور نور ہوگا اور وہاں ہمارے شیعہ ہوں گے۔ اور اس کے ظاہر کی طرف ظلمت اور عذاب ہوگا۔ اور وہاں ہمارے دشمن کافر و منافق ہوں گے تو وہ عذاب سے گھبرا کر پرانی دوستیاں اور رواداریاں یاد دلائیں گے کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں تو مومن ان کو جواب دیں گے کہ تم گمراہ ہوگئے تھے اور حق میں تم کو شک تھا اور تم کو خواہشاتِ نفسانیہ نے دھوکے میں رکھا تھا لہذا اب پیچھے ہٹ جاؤ۔

غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۵﴾

اور تم کو خواہشات نے دھوکا دیا یہانتک کہ اللہ کا فیصلہ آگیا اور تم کو شیطان نے اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھا

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ

پس نہ لیا جائے گا تم سے فدیہ اور نہ ان لوگوں سے جو کافر ہیں تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے

هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ

وہی تمہارے لائق ہے اور وہ بری بازگشت ہے کیا ایمان لانے والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل

قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

اللہ کے ذکر کے لئے جھک جائیں اور اس کے لئے جو اللہ نے نازل کیا حق (قرآن) سے اور نہ ہوں ان لوگوں کی طرح جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَ

کتاب دی گئی اس سے پہلے پس ان کی مدت لمبی ہو گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے اور

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ جب قبروں سے نکلیں گے تو مومنوں کو حسب مراتب نور عطا ہوگا۔ اور کافر اس سے محروم ہوں گے۔ پس اس ظلمت میں مومن اپنے نور کی روشنی میں چلیں گے۔ اور کفار مومنوں کے نور کی روشنی کے سہارے پر رواںہ ہوں گے۔ لیکن ان کو الگ الگ کیا جائے گا۔ اور مومن آگے بڑھ جائیں گے تو کفار پر تاریکی چھا جائے گی۔ اور مومنوں کو آوازیں دے کر کہیں گے کہ ٹھہرو تاکہ ہم بھی تمہارے انوار سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک دفعہ تو ظلمت عام ہو جائے گی کہ کسی کو کچھ نظر نہ آسکے گا لیکن پھر مومنوں کو نور عطا ہوگا۔ اور کافر محروم رہیں گے۔ اور مومن کافروں کو کہیں گے کہ اب واپس دنیا میں جاکر نور حاصل کرو۔ کیونکہ یہ نور جو ہم کو عطا ہوا ہے یہ ہمارے ایمان و اعمال کا نور ہے جس سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔

بِسُوْرٍ - اس سور سے مراد جنت اور دوزخ کی درمیانی دیوار ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ - مروی ہے کہ بعض مسلمان ہجرت سے پہلے مکہ میں نہایت مشکل سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اور کافی تکالیف و مصائب کا سامنا بھی ان کو کرنا پڑتا تھا لیکن اطاعت خدا و رسول میں وہ ہر مشکل سے مشکل اور کٹھن سے کٹھن مرحلہ میں داخل ہوتے نہ گھبراتے تھے لیکن جب مدینہ میں ہجرت کرکے آگئے اور یہاں ان کو ہر طرح سے آسودگی میسر آئی تو عملی پہلو میں کچھ کوتاہی ان سے سرزد ہونے لگی۔ پس اعمال صالحہ میں سستی کرنے والوں کو سرزنش کے طور پر یہ خطاب کیا گیا ہے کہ تم اہل کتاب کی طرح نہ ہو جاؤ کہ مدت کے طولانی ہو جانے کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے اور وہ فسق و فجور کی وادی میں اتر گئے

كَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿١٦﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں جانو تحقیق اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو مرنے کے بعد

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ

تحقیق ہم نے بیان کردیں تمہارے لئے نشانیاں تاکہ تم سمجھو تحقیق صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں

وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١٨﴾

اور جنہوں نے قرض دیا اللہ کو قرض حسن ان کا اجر کئی گنا ہوگا اور ان کا بہترین بدلہ ہوگا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے وہی لوگ ہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا

ان کے لئے ان کا اجر و نور ہوگا اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری

حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے ذکر کے علاوہ کلام زیادہ نہ کرو۔ ورنہ دل سخت ہوجائے گا اور سخت دل اللہ سے دور ہوا کرتا ہے۔ اور سرداروں کی طرح لوگوں کے عیوب پر نگاہ نہ رکھو بلکہ غلاموں کی طرح اپنی غلطیوں کا نوٹس لیتے رہو۔ لوگ دو قسموں سے خالی نہیں یا تندرست ہوں گے یا بیمار۔ پس بیماروں کے لئے تندرستی کی دعا کیا کرو۔ اور اپنی تندرستی پہ خدا کا حمد بجا لایا کرو۔

يُحْيِ الْاَرْضَ :۔ یعنی خشک سالی کے بعد آبادی نصیب کرتا ہے یا جس طرح کافر کو کفر کے بعد ہدایت اور گنہگار کو گناہ کے بعد توبہ کی توفیق دے دے۔

اَلْمُصَّدِّقِيْنَ ۔ اس میں دو قرأتیں ہیں۔ ایک میں صاد کو تشدید سے پڑھا گیا ہے۔ اور دوسری میں صاد کو بغیر تشدید کے پڑھا گیا ہے۔ پہلی قرأت کے لحاظ سے مصّدّقین دراصل متصدّقین تھا پس قانون صرفی کے ماتحت تا کو صاد سے بدل کر ادغام کیا گیا ہے۔ اور الف و لام موصولہ ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اَلَّذِيْنَ تَصَدَّقُوْا پس اَقْرَضُوْا کا اس پر عطف صحیح ہے کہ جنہوں نے صدقہ دیا اور اللہ کو قرض حسن دیا اور دوسری قرأت کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے تصدیق کی اور سابق کی طرح الف و لام موصولہ ہوگا۔ یعنی اَلَّذِيْنَ صَدَّقُوْا وَ اَقْرَضُوْا اور عطف اسی طرح ہوگا جس طرح اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا کا عطف ہوا کرتا ہے۔

مومن شہید ہوتا ہے

وَالشُّهَدَآءُ - تفسیر مجمع البیان میں ہے ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ آپ میرے لئے شہادت کی دعا فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ مومن شہید ہوا کرتا ہے۔ اور آپ نے یہی آیت پڑھی۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص امر امامت و ولایت کا عارف ہے اور امام زمانہ کا منتظر ہے وہ ایسا ہے جس طرح کہ قائم آل محمدؐ کے ہمراہ جہاد میں مصروف ہو بلکہ حضورؐ کے ہمراہ مل کر جہاد کرنے والے جیسا ہے پھر فرمایا بلکہ وہ ایسا ہے جس طرح کہ حضورؐ کے ساتھ مل کر جہاد کرکے درجۂ شہادت پر فائز ہو چکا ہو۔ اور آپ نے پھر یہی آیت پڑھی۔ اور ایسے لوگوں کے لئے فرماتا ہے کہ بروز محشر ان کو اجر ملے گا اور ان کو نور ملے گا جس کی روشنی میں چل کر جنت کی طرف جائیں گے۔

تفسیر برہان میں ہے۔ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آیت مذکورہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے حق میں ہے۔

متعدد روایات میں وارد ہے کہ حضورؐ نے فرمایا صدیق تین ہیں (۱) حبیب نجار مومن آل یسین (۲) حزقیل مومن آل فرعون (۳) حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ کے پاس ایک دفعہ محمود نامی فرشتہ نازل ہوا جس کے کندھوں کے درمیان لکھا ہوا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ محمّد رسول الله علیؑ الصدیق الاکبر۔ پس حضورؐ نے فرمایا کہ یہ تحریر کب سے ہے تو اس نے جواب دیا حضرت آدم کی پیدائش سے بارہ ہزار سال پہلے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو اور اپنی زبانوں اور ہاتھوں کو ایذارسانی سے روکے رکھو۔ پس سیدھے جنت میں جاؤ۔ یاد رکھو جن لوگوں نے دنیا میں امام بنا رکھے ہیں۔ قیامت کے روز یہ امام اور مقتدی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور تم مزے سے رہو گے اور جو بھی تمہاری طرح یہ معرفت لے کر مریگا۔ وہ جہاد کرنے والے کی طرح شہید ہو کر مرے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے ہمیں اور ہمارے شیعوں کو چن لیا جو ہماری خوشی پر خوش ہوتے ہیں۔ اور ہماری غمی میں غمناک ہوتے ہیں۔ اور اپنی جانوں اور مالوں کی ہمارے لئے قربانی پیش کرتے ہیں اور اگر ہمارے کسی شیعہ سے کسی وقت کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے تو اس کو اس وقت تک موت نہ آئے گی۔ جب تک کہ اس غلطی کی سزا نہ بھگت لے۔ پس وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو گا جو اس کے گناہ کا کفارہ ہو گی خواہ وہ مصیبت اس کے مال میں ہو یا اس کی اولاد میں ہو یا اس کے اپنے جسم میں ہو۔ پس جب وہ اللہ کے دربار میں پیش ہو گا تو اس کے دامن پر کوئی گناہ موجود نہ ہو گا۔ اور اگر کوئی گناہ بچ گیا تو موت کی تلخی اس کا کفارہ ہو جائے گی۔ اور ہمارے شیعوں میں سے مرنے والا صدیق و شہید ہو کر مرتا ہے۔ کیونکہ وہ امر کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔ اور ہمارے ساتھ محبت اور ہمارے

دشمنوں کے ساتھ بغض صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتا ہے۔پس وہ اللہ ورسول پر صحیح ایمان رکھنے والا ہوتا ہے۔اوران کو خدا نے صدیق وشہید کہا ہے۔اور آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ زمین پر سکون رکھو۔مصائب پر صبر کرو۔ اور اپنے ہاتھوں زبانوں اور تلواروں کو بند رکھو اور جلد بازی نہ کرو۔اور تم میں سے جو بھی خدا ورسول واہل بیت کی معرفت رکھ کر مرتا ہے۔وہ شہید مرتا ہے۔خدا اس کو اس کا اجر دے گا۔اور اس کی نیت میں جس قدر نیک اعمال کا منصوبہ تھا ان تمام کی اس کو جزا دی جائے گی۔الخ۔

ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے لوگ پیش ہوں گے جن کو نوری منبروں پر جگہ دی جائے گی۔اوران کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔جن پر اولین وآخرین رشک کریں گے اور آپ نے یہ کلام تین مرتبہ دہرائی پھر چپ ہوگئے تو عمر نے پوچھا کہ کیا وہ شہداء ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک وہ شہدا تو ہوں گے لیکن وہ شہداء نہیں ہوں گے جو تم سمجھتے ہو تو عمر نے کہا کیا وہ انبیاء ہوں گے؟ آپ نے فرمایا انبیاء ہوں گے لیکن انبیاء کا معنی جو تم سمجھتے ہو وہ نہ ہوں گے۔عمر نے کہا کیا وہ اوصیاء ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا جو اوصیاء کا معنی تم سمجھتے ہو وہ نہ ہوں گے تو عمر نے کہا کیا وہ آسمان کے باشندے ہوں گے یا زمین کے ساکن ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ زمین کے باسی ہوں گے۔پس عمر نے کہا کہ ان کی نشاندہی فرمایئے تو آپ نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ حضرت علی اور ان کے شیعہ ہوں گے۔اور جو قریشی علی سے بغض رکھے گا وہ کافر ہوگا اور انصار میں سے جو علیؑ سے بغض رکھے گا وہ یہودی ہوگا۔اور عربوں سے جو علی کا دشمن ہوگا وہ حرامزادہ ہوگا۔اور باقی لوگوں میں جو آپ کا دشمن ہوگا وہ شقی ہوگا۔اے عمر! علی سے دشمنی رکھنے کے باوجود جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے

ابن عباس سے منقول ہے کہ علیؑ اس اُمت کا صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہے۔نیز ابن عباس سے یہ بھی منقول ہے کہ علی۔حمزہ اور جعفر طیار اس اُمت کے صدیق ہیں۔اور یہی اس اُمت کے شہید یعنی گواہ ہیں جو باقی انبیاء کی نبوتوں کی گواہی دیں گے کہ واقعی انہوں نے تبلیغ امامت کا فریضہ انجام دیا۔

حضرت نبی اکرمؐ سے سوال کیا گیا کہ آیت مذکورہ کس کے حق میں اُتری ہے؟ تو آپ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک لواء نور ظاہر ہوگا اور ایک منادی نداء کرے گا کہ سید الوصیین کہاں ہیں۔اور ان پر ایمان والے کہاں ہیں؟ پس حضرت علی علیہ السلام کھڑے ہوں گے اور ان کو وہ لواء نور عطا ہوگا اور اس کے سائے میں مہاجر وانصار میں سے سابق لوگ جمع ہوں گے۔پس حضرت علیؑ ایک نوری منبر پر تشریف فرما ہوں گے اور لوگ ان کے سامنے پیش ہوتے جائیں گے اور ہر ایک کو اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے اجر اور نور عطا ہوتا جائے گا اور سب کو کہا جائے گا کہ جنت میں اپنے مکانات پہچان لو۔پس حضرت اُٹھیں گے۔اور جس قدر لوگ ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوں گے سب کو لے کر جنت میں چلے جائیں گے۔پس منبر نور پر بیٹھ کر ہر ایک کو اپنا ٹھکانا اور اپنی منزل کی نشاندہی کریں گے اور جو لوگ کافر و مکذب ہوں گے

بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۲۰﴾ ع اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

آیات کو وہ دوزخ میں رہنے والے ہوں گے جان لو بجز اس کے نہیں کہ زندگانی دنیا کھیل

لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ

وتماشا ہے اور زینت و تفاخر باہمی ہے اور مال و اولاد میں کثرت (پہ ناز کرنا) ہے

كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا

جس طرح بارش کہ بھلی معلوم ہوتی ہے کافروں کو اس کی سبزی جو پھر خشک ہوتی ہے پھر تمہیں زرد

ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ

نظر آتی ہے پھر بھوسہ بن جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہوگا (کافروں کو) اور اللہ کی جانب سے

اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۱﴾ سَابِقُوْٓا اِلٰى

بخشش و رضوان ہوگی (مومنوں کے لئے) اور زندگانی دنیا ناپائدار منفعت کے علاوہ اور کچھ نہیں ایکدوسرے سے بڑھو

ان کو جہنم کی طرف بھیج دیں گے۔ ملخصاً (برہان)

رکوع ۱۹

لَهْوٌ وَّلَعِب۔ یعنی جس طرح کھیل وتماشا دنیا میں کچھ وقت کی رونق ہوتا اور پھر ختم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح دنیاوی زندگی بھی ناپائدار چیز ہے لہٰذا اس سے دل لگا کر آخرت کو بھلادینا دانشمندی نہیں ہے۔

زِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ یعنی جس طرح مال کی زیادتی دنیاوی زینت ہے اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اسی طرح اولاد و اموال میں زیادتی بھی ایک دوسرے پر برتری کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور یہ سب فانی چیزیں ہیں جس طرح بارش کی آمد سے زمین پر سبزی کی لہر جو نہایت خوشنما ہوتی ہے پھر دیکھتے ہی دیکھتے خشک ہوتی ہے اور آخر کار خس وخاشاک کی طرح پاؤں میں روندے جانے کے قابل بن جاتی ہے۔ پس آخرت کی فکر ضروری ہے جہاں یا تو عذاب شدید ہوگا۔ جو کافروں کے لئے ہے اور یا بخشش و رضوان ہوگی جو مومنوں کے لئے ہے پس ایمان وعمل کے ذریعے سے دوزخ سے بچنا۔ اور جنت حاصل کرنا عین دانشمندی ہے۔

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ ایک دوسرے سے بڑھنے کی دعوت اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ جنت میں درجات کم وبیش ہوں گے اور ہر شخص اپنے اعمال کی بنا پر اپنے مناسب درجہ کا حقدار ہوگا پس جس طرح نبیوں میں درجات کا فرق ہے اسی طرح مومنوں کے درجات میں بھی ادنیٰ واعلیٰ کا فرق ہے۔ پس مومنوں کو اعلیٰ درجات حاصل کرنے کے لئے ایکدوسرے سے سبقت لینے کی پیش کش کی گئی ہے۔ اور اس آیت میں خداوند کریم نے کسی بھی ایمان رکھنے والے کو جنت و مغفرت

مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ

اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور جنّت کی طرف جس کی وسعت آسمانوں و زمین کے برابر ہے جو تیار کی گئی

لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ

ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہ اللہ کا فضل ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

سے مایوس نہیں فرمایا اور غالباً قرآن مجید کی یہی ایک آیت ہے جس میں بخشش اور جنّت کی پیش کش ایمان والوں کے لئے ہے۔ اور اس کے ساتھ عمل کی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ اور اس کا عطیہ خداوند کریم نے اپنا فضل قرار دیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اعمال کے ذریعے سے تو کوئی انسان جنّت میں جا ہی نہیں سکتا کیونکہ انسان جس قدر اعمال صالحہ بجالائے وہ تو اس کے سابق انعامات و احسانات کا بدلہ نہیں ہو سکتے چہ جائیکہ وہ آئندہ کے لئے اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جائے۔

تفسیر برہان امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت طویلہ میں ہے کہ ایک مرتبہ نجران کے ایک پادری کو عمر نے اپنے دورِ حکومت میں اسلام کی دعوت دی تو اس پادری نے سوال کیا کہ تمہاری کتاب قرآن مجید میں ہے کہ جنّت کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے۔ اگر یہ درست ہے تو مجھے یہ سمجھایئے کہ پھر دوزخ کہاں ہے؟ چنانچہ عمر نے سر جھکا لیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام بھی حاضر مجلس تھے۔ آپ نے فرمایا کہ پادری کو مسئلہ کا جواب دو۔ تو عمر نے کہا کہ اس کا جواب آپ ہی دے دیں۔ پس آپ نے اس نجرانی پادری سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم بتاؤ کہ جب رات آتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے پادری نے کہا مجھے خیال تک نہ تھا کہ کوئی شخص مجھے مطمئن کر سکے گا لیکن آپ نے تو مجھے ایسا جواب دیا ہے کہ اب زبان کشائی کی حاجت نہیں رہی پس وہ حضرت عمر سے دریافت کرنے لگا کہ یہ جوان کون ہے؟ عمر نے کہا یہ علی بن ابی طالب ہے جو رسول اللہ کا داماد و عم زاد ہے وہ سابق الایمان ہے اور حسن و حسین کا باپ ہے۔ پھر پادری نے پوچھا اے عمر: یہ بتاؤ وہ کونسا زمین کا ٹکڑا ہے جس پر صرف ایک دفعہ سورج کی روشنی پڑی تو عمر نے کہا یہ سوال بھی اسی جوان سے کرو جس نے پہلے سوال کا جواب دیا ہے تو حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا یہ اس سمندر کی زمین ہے جس کا پانی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی خاطر پھٹ گیا تھا اور آپ اپنی قوم سمیت اس سے پار ہوئے تھے۔ پھر پادری نے سوال کیا کہ جنّت کے میوہ جات کی دنیا میں کونسی مثال ہے کہ جب وہاں سے میوہ توڑا جائے گا تو اس کی جگہ خالی نہ رہے گی۔ اس کا جواب حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے دیا کہ اس کی مثال قرآن مجید ہے کہ تمام دنیا والے اس سے اپنے مسائل حل کر لیتے ہیں۔ اور اس کے مطالب معانی میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ پھر پادری نے دریافت کیا کہ آسمان کے دروازے ہیں؟ تو عمر نے کہا کہ اسی جوان سے پوچھئے پس حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا واقعی آسمان کے دروازے ہیں تو پادری نے کہا کہ اس کا قفل کیا چیز ہے آپ نے فرمایا کہ شرک۔ تو اس نے پوچھا کہ پھر اس کی کنجی کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کلمہ توحید لا الٰہ الا اللہ اس طرح سوال و جواب کا سلسلہ قائم رہا تو پادری نے پوچھا۔ اے عمر! بتاؤ۔ تمہارا خدا کہاں ہے۔؟ تو

وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۲﴾ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ

اور اللہ بڑے فضل والا ہے نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں

حضرت عمر ناراض ہو گئے۔ پس حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھے سمجھاتا ہوں۔ سنو میں ایک دن خدمتِ نبوی میں موجود تھا کہ ایک فرشتہ نے آکر سلام کیا اور اس نے عرض کی میں ساتوں آسمانوں کے اُوپر سے خدا کی جانب سے آیا ہوں۔ پھر دوسرے نے آکر سلام دیا۔ اور حضورؐ کے دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ میں ساتویں زمین کے نیچے سے اپنے پروردگار کی جانب سے آیا ہوں اس کے بعد تیسرے نے آکر سلام عرض کیا اور آپ کے پُوچھنے پر اُس نے بتایا کہ میں انتہائے مشرق سے اپنے رب کی بارگاہ سے حاضر ہوا ہوں۔ اور پھر چوتھے فرشتے نے سلام کیا اور عرض کی کہ میں انتہائے مغرب سے اپنے خدا کی جانب سے آیا ہوں۔ پس خدا کسی ایک جگہ کا پابند نہیں وہ زمین و آسمان میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہے۔ اور ہر شئی کو جانتا ہے۔ وہ حکیم و علیم ہے اور زمین و آسمان میں سے کوئی شئی بھی اُس پر کسی وقت بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

مَآ اَصَابَ۔ حضرت امام علی بن الحسین زین العابدین علیہ السلام سے ایک شخص نے زہد کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس کے دس درجے ہیں۔ اور زہد کا آخری درجہ ورع کا پہلا زینہ ہے۔ اور ورع کا آخری درجہ یقین کا پہلا زینہ ہے۔ اور یقین کا آخری درجہ رضوانِ پروردگار کی پہلی منزل ہے کہ جو کچھ فوت ہو جائے اُس کا اسان نہ کرو اور جو مل جائے اُس پر خوشی کا اظہار نہ کرو

جب اسیرانِ اہلِ بیت کا لٹا ہوا قافلہ دربارِ شام میں پہنچا۔ اُس وقت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی گردن میں لوہے کا طوق پڑا ہوا تھا۔ یزید علید نے قیدی امام اور قیدی پردہ داروں کو دیکھ کر امام کی طرف خطاب کر کے کہا "اللہ کا شکر ہے جس نے تیرے باپ کو قتل کیا" آپ نے فرمایا۔ اُن پر خدا کی لعنت ہے جنہوں نے بے گناہ میرے باپ کو شہید کیا یہ سُن کر یزید کو غصہ آیا اور امام کے قتل کا حکم دے دیا۔ آپ نے فرمایا اگر تو مجھے قتل کرے گا تو بناتِ رسول کو وطن تک کون پہنچائے گا۔ حالانکہ میرے سوا ان کا کوئی محرم موجود نہیں ہے۔ پس یزید نے امام کے قتل کا ارادہ ملتوی کر دیا اور کہا کہ ان کو آپ خود پہنچائیں گے۔ اس کے بعد حضرت سجادؑ کی گردن سے طوقِ جامعہ کو خود کاٹنا شروع کیا۔ اور پُوچھا کہ یہ میں خود کیوں کر رہا ہوں تو آپ نے فرمایا تیرا خیال ہو گا کہ میں امام پر ایک احسان کر دوں (حالانکہ ان باتوں سے معصوم کا ناحق قتل معاف نہیں ہو سکتا) اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی ان آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ تا مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ اور فرمایا یہ آیتیں ہمارے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ اور ہم ہی وہ لوگ ہیں کہ دنیاوی منافع کے فوت ہو جانے سے غمناک نہیں ہوتے اور دنیاوی فوائد کے حاصل ہونے سے خوش نہیں ہوتے۔

اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ:- یعنی زمین میں جہاں کہیں کسی کو تکلیف پہنچتی ہے خواہ جانی ہو یا مالی وہ لوحِ محفوظ میں خلائق کی پیدائش سے بھی پہلے لکھی جا چکی ہے۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کو تمام ہونے والی کلی و جزئی واقعات اس وقت سے معلوم ہیں جب عالمِ امکان کتمِ عدم کے پردوں میں چھپا ہوا تھا اور ان تمام واقعات کا اللہ کو معلوم ہونا مشکل نہیں بلکہ آسان بات ہے۔

وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَآ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ

اور نہ تمہاری جانوں میں مگر یہ کہ وہ لوح محفوظ میں ہے ان کے پیدا کرنے سے پہلے تحقیق یہ اللہ پر آسان

يَسِيرٌ ﴿۲۳﴾ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَآ ءَاتَىٰكُمْ ط

ہے تاکہ تم ارمان نہ کرو اُس پر جو تم سے فوت ہو جائے اور نہ خوش ہو اس پر جو تم کو دے دے

وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿۲۴﴾ ٱلَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ

اور اللہ نہیں دوست رکھتا کسی متکبر فخر کرنے والے کو جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل

ٱلنَّاسَ بِٱلْبُخْلِ ط وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْغَنِيُّ ٱلْحَمِيدُ ﴿۲۵﴾

کا حکم دیتے ہیں اور جو روگردانی کرے تو تحقیق اللہ بے نیاز قابل حمد ہے

لِكَيْلَا تَأْسَوْا ۔ یعنی اللہ نے یہ انتظام اس لئے کیا ہے تاکہ تمہاری زندگی کے نشیب و فراز تمہارے سکون پر اثر انداز نہ ہوں کیونکہ جس شخص کو معلوم ہو کہ دنیا میں میرا جو کچھ نقصان ہوگا اس کا بدلہ آخرت میں مل جائے گا۔ نیز دنیا میں بھی رزق اُسی کے ذمہ ہے تو غمزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے ۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ دنیا میں جس قدر اس کے انعامات و اکرامات ہوں گے ۔ ان کے عوض شکر یا ادائیگی واجبات کا بوجھ بھی اسی قدر زیادہ ہوگا تو اس کو آنے والی نعمات پر زیادہ خوش ہونے کی بجائے ادائیگی واجبات کی فکر زیادہ کرنی چاہیئے۔ اور امام زین العابدین علیہ السّلام کے سابق فرمان کے پیش نظر یہ آیت زہد کا نچوڑ ہے ۔ اور اس سے چار خصلتیں حاصل ہوتی ہیں (۱) اگر انسان اس آیت پر عمل کرے تو بہترین اخلاق کا مجسّمہ بن جائے گا کیونکہ حسد ۔ بغض ۔ کینہ ۔ دشمنی اور بخل وغیرہ کی بدعادات کا خود بخود قلع قمع ہو جائے گا (۲) اس کی نظر میں دنیا حقیر ہو جائے گی اور اس کا دلدادہ نہ ہو سکے گا (۳) آخرت اس کی نظروں میں اہم ہو جائے گی ۔ پس اس کے لئے عمل کرے گا (۴) اللہ پر اس کی توکّل قائم ہو جائے گی ۔ کہتے ہیں ۔ کہ بزرجمہر حکیم سے کسی نے دریافت کیا کہ تم ہاتھ سے نکل جانے والی چیز پر کیوں غمزدہ نہیں ہوتے اور حاصل ہونے والی شے پر کیوں خوش نہیں ہوتے ۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاتھ سے نکل جانے والی چیز رونے دھونے سے واپس نہیں آتی اور حاصل ہونے والی چیز کو دائمی بقا نہیں ہے ۔ اور عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے کہ کسی ہونے والی شے کے متعلّق کہنا کاش کہ نہ ہوتی اور کسی ضائع ہونے والی چیز کے متعلق کہنا کہ کاش ضائع نہ ہوتی ۔ اس سے بہتر ہے کہ ایک آگ نازل ہو جو جلنے کے قابل چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دے اور جو بچ جائیں ان کو الگ کر دیا جائے۔

الْكِتَابَ ۔ اس جگہ کتاب سے مراد جنس ہے جس میں تمام انبیاء کی کتابیں اور صحیفے داخل ہیں۔

وَالْمِيزَانَ ۔ میزان سے مراد وہ دستور جس سے حق و باطل کے درمیان امتیاز کیا جاسکے ۔ اور حلال و حرام کی پرکھ ہو سکے اس میں

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ

تحقیق ہم نے واضح دلیلوں کے ساتھ رسول بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا

لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ

تاکہ لوگوں میں انصاف قائم ہو اور ہم نے لوہے کو نازل کیا جس میں بڑی طاقت ہے اور

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

لوگوں کے لئے فوائد بھی ہیں اور اس لئے تاکہ اللہ ممتاز کرے ان لوگوں کو جو غائبانہ اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں

شک نہیں کہ ہر زمانہ میں نبی کا وجود اپنے مقام پر حق و باطل کو پرکھنے کا میزان ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ کی کتاب بھی ایک میزان ہوا کرتی ہے لیکن یہاں میزان نبوت اور کتاب کے علاوہ کوئی اور شے مراد ہے تاکہ جب زمانہ کا نبی اپنی مدت کے اختتام کے بعد رحلت کر جائے تو اس میزان کے ذریعے سے حق و باطل میں امتیاز ہوتا رہے۔ پس ہر نبی کا وصی اس نبی کی امت کے لئے میزان ہوا کرتا ہے اور اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم میزان ہیں۔ اور یہی وہ میزان ہے جس کی بدولت لوگ حق و انصاف پر قائم رہ سکتے ہیں۔ اور اس میزان کو ضائع کرنا بے راہ روی و بے انصافی کا موجب ہوا کرتا ہے۔

ذوالفقار عطیہ پروردگار

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت نبی اکرمؐ سے منقول ہے کہ خدا نے چار برکتیں آسمان سے نازل فرمائیں۔ لوہا۔ آگ۔ پانی اور نمک۔ اور آسمان سے نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے انسانی منافع کے لئے ان کو پیدا کیا پس آسمان سے نازل کرنے کی نسبت ان چیزوں کی اہمیت کے پیش نظر ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر حیوانات کے متعلق فرمایا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ الخ یعنی ہم نے تمہارے لئے چوپائے نازل کئے۔ پس انسانی زندگی میں ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کی پیدائش کو آسمان سے نزول قرار دیا۔ جس طرح کسی شخص سے جب ملنا ضروری ہو اور وہ اچانک مل جائے تو کہا جاتا ہے کہ میں تو تم کو آسمانوں میں ڈھونڈ رہا تھا لیکن تم مجھے زمین پر مل گئے۔

ابن شہر آشوب سے منقول ہے کہ ابن عباس سے اس کی تفسیر میں مروی ہے۔ خداوند کریم نے جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کے ہمراہ تلوار ذوالفقار اتاری۔ جس کی خلقت آس جنت سے ہے اور اس میں باس شدید ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اسی تلوار کے ذریعے سے اپنے دشمن شیاطین سے مقابلہ کرتے تھے اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ انبیاء یکے بعد دیگرے اور صدیق یکے بعد دیگرے اس کے وارث ہوتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ یہ علی بن ابی طالب تک پہنچے گی۔ اور وہ نبی امی کے ساتھ مل کر اس ذوالفقار سے جہاد کا فریضہ ادا کریں گے۔ اور

قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا

تحقیق اللہ قوی غالب ہے اور تحقیق ہم نے نوح و ابراہیم کو بھیجا اور ان کی ذریت میں نبوت

النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٧﴾ ثُمَّ

اور کتاب کو قرار دیا پس کچھ ان میں سے ہدایت یافتہ ہوئے اور بہت ان میں سے فاسق نکلے پھر

قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ

ان کے بعد ہم نے اپنے رسولوں کا سلسلہ جاری کیا اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور اس کو

الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۚ وَ

انجیل دی اور ہم نے اس کی اتباع کرنے والوں کے دلوں میں نرمی اور رحمت ڈال دی اور

رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ

رہبانیت جو انہوں نے از خود پیدا کی کہ ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی مگر انہوں نے اللہ کی خوشنودی چاہنے کے لئے (اس کو ایجاد کیا)

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ میں ناس سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ہیں۔ اور اللہ قوی عزیز ہے کہ وہ اپنی مضبوط گرفت کے ذریعے سے حضرت علی کو کفار سے محفوظ رکھے گا اور علمائے امامیہ نے روایت کی ہے کہ اس جگہ اس آیت میں حدید سے مراد ذوالفقار ہے جو آسمان سے حضرت رسالت مآب پر اُتری۔ اور آپ نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو عطا فرمائی

(اقول) لَا سَيْفَ إِلَّا ذُوالْفِقَارِ وَلَا فَتَىٰ إِلَّا عَلِي حضرت جبرئیل کا ترانہ تھا جو جنگِ احد میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی شجاعت و جوانمردی پر داد دینے کے لئے پیش کیا گیا تھا۔

مَنَافِعُ لِلنَّاسِ :۔ یعنی لوہے کی تخلیق میں لوگوں کے بے پایاں منافع موجود ہیں۔ اور آج کل کی سائنسی ترقیوں کا تمام تر انحصار ہی لوہے کی صنعتوں پر ہے۔ اور انہی خصوصیات کی بنا پر پروردگار نے لوہے کے انزال کو اہمیت سے ذکر فرمایا۔

وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ :۔ یعنی ایک طرف تو لوگوں پر اس کا احسان عمیم و فضل جسیم ہے کہ اس نے عمومی منفعت کی چیزیں سستی اور عام کر دیں۔ اور دوسری طرف وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ ان احسانات کے شکر کے طور پر غائبانہ خدا اور رسول کی مدد کون کرتا ہے۔ اور کفرانِ نعمت کر کے دشمنی کون کرتا ہے حالانکہ خدا اپنے مقام پر قوی و عزیز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

رکوع ۲۰

قَفَّيْنَا۔ یہ تقفیہ سے ہے جس کا معنی ہے کسی شے کے پیچھے دائمی طور پر اور شئ کو رکھتے جانا یہاں مراد یہ ہے کہ ہم نے ان نبیوں کے پیچھے یکے بعد دیگرے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری رکھا۔

رَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا :۔ یعنی انہوں نے رہبانیت کی خود ایجاد کر لی۔ خدا نے ان پر فرض نہیں کی تھی اور وہ یہ کہ عورتوں

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ

پس اس کو نہ نبھا سکے جو نبھانے کا حق تھا پس ہم نے ان کو اجر دیا جو ان میں سے ایمان لائے

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا

اور بہت سے ان میں سے فاسق تھے اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول

بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ

پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا حصّہ دے گا اور تمہیں نور عطا کرے گا جس کے ذریعے تم

بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۹﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

چلوگے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے تاکہ اہلِ کتاب کو علم ہو جائے کہ

اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ

وہ اللہ کے فضل میں سے کسی شی پر قادر نہیں ہیں اور تحقیق فضل اللہ کے قبضہ میں ہے جسے

يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۰﴾ ع

چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

اور جملہ عیش وعشرت کی چیزوں سے الگ تھلگ ہو کر گوشۂ تنہائی میں عبادت خدا شب و روز بجالایا کرتے تھے۔ پس بعض ان میں سے پہاڑوں کے دامن میں اور بعض کسی جنگل میں صومعہ یعنی عبادت خانہ بنا کر ساری زندگی گذار دیا کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ بادشاہانِ وقت کی غلط کاریوں سے تنگ آکر نیک لوگوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کی رعایت نہ کر سکے۔ کیونکہ ان پر فرض عائد ہوتا تھا کہ چونکہ خوشنودیٔ خدا کی خاطر انہوں نے ترکِ دنیا کیا تھا تو جب حضرت رسالتمآبؐ تشریف لائے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوتے اور آئندہ کے لئے آپ کی ہدایات کے ماتحت اسلام کے فرائض کی بجاآوری کرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ پس اس رہبانیت کے تقاضوں کو وہ پورا نہ کر سکے۔ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں حضرت رسالتمآبؐ کے پیچھے ایک دفعہ سوار تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کوئی پتہ ہے کہ بنی اسرائیل نے یہ رہبانیت کہاں سے ایجاد کی تو میں نے عرض کی حضور! آپ خود ہی فرمایئے تو حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بعد جب جابر بادشاہوں کی حکومتیں قائم ہوئیں۔ اور انہوں نے اللہ کی نافرمانیاں کیں تو اہلِ ایمان نے احتجاج کی۔ آوازیں بلند کیں جس کے نتیجے میں باہمی جنگ شروع ہوگئی اور مسلح طاقتوں کے سامنے اہلِ ایمان قدم نہ جما سکے اور تین دفعہ اسس

نوعیت کی جنگ لڑی گئی۔ اور اہلِ ایمان کو شکست ہوئی۔ اور بہت مارے گئے۔ پس جو کچھ بچے۔ انہوں نے اس میں بھلائی سمجھی کہ گوشۂ تنہائی میں اللہ کو یاد کیا جائے اور اپنی حدِ استطاعت تک دین کی خفیہ تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ چنانچہ انہوں نے جنگلوں، پہاڑوں میں پھیل کر حفاظتِ دین کے لئے یہ راستہ اختیار کیا۔ اور اس انتظار میں رہے کہ خدا اس نبی کو بھیجے گا جس کی حضرت عیسٰی علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ پس آپ کی آمد پر بعض لوگوں نے عناد و ضد پر کمر باندھ لی۔ اور بعض لوگ ایمان لانے پر موفق ہوئے۔ جن کے متعلق فرما رہا ہے کہ جنہوں نے ایمان کو قبول کر لیا۔ ہم نے ان کو اجر دیا۔ اور بہت سے ان میں سے فاسق نکلے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کی رہبانیت یہ ہے کہ نماز و روزہ اور حج و عمرہ اور جہاد و ہجرت پر عمل کرتے رہیں اور ابن مسعود کہتا ہے کہ ایک دفعہ حضور ؐ نے فرمایا کہ حضرت عیسٰی کی اُمت میں سے دو قسم کے لوگوں نے نجات پائی۔ ایک وہ جو سلاطین جور کے کافرانہ و ملحدانہ رویّہ کے خلاف احتجاج کرنے پر قادر ہوئے اور ان سے لڑ کر جامِ شہادت نوش کر گئے۔ اور دوسرے وہ جو مقابلہ کی تاب نہ لا کر اپنے دین کو بچاتے ہوئے رہبانیت کی آڑ میں جنگلوں اور پہاڑوں میں متفرق ہو گئے۔ پس ان میں سے جن لوگوں نے مجھے تسلیم کر لیا۔ اور دولت ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ انہوں نے رہبانیت کو اپنی حدود کے ساتھ قائم کیا اور جو میرے اُوپر ایمان نہ لا سکے وہ ہلاک ہو گئے۔

لِئَلَّا یَعْلَمَ۔ اس مقام پر لا نافیہ زائدہ ہے۔ یعنی ایمان لانے والوں پر خدا کا احسان و اکرام اس امر کے لئے بھی ہے کہ اہلِ کتاب میں سے جو لوگ از راہِ عناد دولتِ ایمان سے محروم تھے ان کو پتہ چلے کہ ہم اللہ کے اس فضل سے محروم ہیں جو مومنوں کے لئے مخصوص ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ لا نافیہ ہے۔ اور بعد میں لَا یَقْدِرُوْنَ موجود ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اہلِ کتاب یہ نہ سمجھیں کہ وہ ایمان لانے اور اللہ کا فضل حاصل کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ بلکہ وہ سمجھیں کہ ہم بھی دوسرے مومنوں کی طرح ایمان لانے پر قادر ہیں۔ پس ایمان لا کر وہ بھی اسی شرف سے مشرف ہونے میں خوشی محسوس کریں۔

پاره ۲۸

سُورَہ مُجَادلہُ

یہ سُورہ مدنیہ ہے۔ سورہ منافقون کے بعد نازل ہوا۔
اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت ۲۳ ہے۔
حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا جو سورہ مجادلہ کی تلاوت کریگا وہ قیامت کے روز اللہ کے لشکر میں شمار ہوگا۔
خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو اس سورہ کو لکھ کر کسی مریض پر باندھے یا کسی مریض پر پڑھے تو اس کا درد ختم ہو جائے گا۔
اور کسی مدفون چیز پہ پڑھی جائے تو وہ محفوظ رہے گی یہاں تک کہ وہی نکالے گا جس نے دفن کی تھی۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر کسی بے آرام مریض پہ پڑھی جائے تو اس کو سکون نصیب ہوگا اور وہ سو جائے گا۔ اور اگر شب و روز اس کی تلاوت باقاعدگی سے کی جائے تو ہر ڈاکو لیٹرے سے محفوظ رہے گا۔
اگر اس کو لکھ کر غلہ کے ڈھیر میں رکھا جائے تو وہ ہر تلف کرنے والی بیماری یا کیڑوں سے محفوظ رہے گا (برہان)
حضرت صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ سورہ مجادلہ کو اگر خاک کی مٹھی پہ تین دفعہ پڑھ کر دشمن کی طرف پھینکے تو دشمن مغلوب ہوگا۔ اور اگر بیمار پہ پڑھی جائے تو اسے تسکین ہوگی اور وہ سو جائے گا۔ اور اگر ہمیشہ پڑھتا رہے تو جنوں اور انسانوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

(اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ

تحقیق سنی اللہ نے بات اُس عورت کی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی اور اللہ کی طرف شکوہ کرتی تھی اور اللہ

يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ② اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ

تمہاری باتیں سن رہا تھا تحقیق اللہ سننے دیکھنے والا ہے جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں سے ظہار

مِّنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰۤـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ

کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتیں (کیونکہ) ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ

اور تحقیق وہ اوپری بات کہتے ہیں اور جھوٹ اور تحقیق اللہ معاف کرنے والا

رکوع ۱ ظہار کا بیان

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ۔ ان آیات کے شانِ نزول کے بارے میں تفسیر مجمع البیان میں مذکور ہے کہ ایک عورت خولہ نامی جو کہ انصار کے خزرج قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ اُس کے شوہر کا نام اوس بن صامت تھا۔ ایک دن گھریلو معمولی جھگڑے کی بنا پر ان میں تلخی پیدا ہو گئی۔ اور اوس ایک جذباتی قسم کا انسان تھا۔ اُس نے فوراً ظہار کا صیغہ جاری کر دیا۔ یعنی عورت کو کہا کہ تیری پشت میرے لئے میری ماں کی پشت ہے۔ اور زمانۂ جاہلیت میں طریقہ طلاق یہی تھا جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اوس اپنے جاری کردہ الفاظ پر پشیمان ہوا لیکن اب وہ الفاظ تو واپس نہیں آسکتے تھے۔ عورت سے کہنے لگا کہ ایامِ جاہلیت میں تو ان الفاظ کو طلاق سمجھا جاتا تھا لیکن اب اسلام نے ممکن ہے اس رواج کو کالعدم قرار دے دیا ہو۔ لہذا رسالتمآبؐ کی خدمت میں پہنچ کر اس مسئلہ کا حل طلب کرنا چاہیئے۔ اور میں خود حضورؐ کے پیش ہونے سے گھبراتا ہوں تم چلی جاؤ اور مسئلہ دریافت کر آؤ جو حکم دیں گے اس پر ہمیں عمل کرنا ہو گا۔ چنانچہ وہ عورت بارگاہِ نبوی میں عین اُس وقت حاضر ہوئی جبکہ آپ حضرت عائشہ کے حجرہ میں تھے۔ اور حضرت عائشہ آپ کا سر دھو رہی تھی۔ اُس عورت نے انتظار کئے بغیر اپنا مسئلہ چھیڑ دیا جب اُس کا بیان ختم ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تو اُس مرد پر حرام ہو چکی ہے۔ عورت نے دوبارہ اپنا قصہ دُہرایا کہ میں اب دو بچوں کی ماں ہو چکی ہوں اور میرا شباب ڈھل چکا ہے۔ لہٰذا میری مشکل کو حل فرمائیے کیونکہ میں کسی طرف جانے کے قابل نہیں رہی ہوں تو آپ نے دوبارہ بھی وہی جواب دیا کہ تو اس مرد پر حرام ہو چکی ہے لیکن عورت نے سہ بارہ پھر اصرار کیا کہ حضور کوئی اس کا حل تلاش فرمائیے۔ میں

غَفُوْرٌ ③ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا

بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں پھر پشیمان ہوتے ہیں اس سے جو کہہ چکتے ہیں تو ان کا کفارہ ہے

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

غلام آزاد کرنا مس کرنے سے پہلے یہ تمہاری نصیحت کے لیے ہے اور اللہ جو تم کرتے

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ④ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

ہو جاننے والا ہے پس جو نہ پائے (مالی طاقت) تو پے درپے دو ماہ کے روزے رکھے مس

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ

کرنے سے پہلے پس جو (اس کی بھی) طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کا کھانا

سخت مجبور ہوں۔ اگر بچے اس کے حوالہ کردوں تو بچے ضائع ہو جائیں گے۔ اگر خود سنبھالوں تو میرا کمانے والا کوئی نہیں ہے خدارا میرے حال پر رحم فرمائیے۔ اور اس عورت نے اللہ کی بارگاہ میں بھی گڑگڑانا شروع کر دیا۔ اے اللہ میرے حال پر رحم فرما اور اپنے نبی پر میرے متعلق حکم نازل فرما۔ اور منقول ہے کہ اسلام کے احکام کے نفاذ کے بعد یہ پہلا ظہار تھا پس عائشہ نے اس عورت سے کہا کہ حوصلہ کرو اور انتظار کرو۔ چنانچہ وحی نازل ہوئی۔ اور آپ نے اس عورت کے شوہر کو بلایا۔ اور ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ پس آپ نے فرمایا کیا تم میں ایک (۱) غلام آزاد کرنے کی طاقت ہے تو اس نے عرض کی حضور آج کل غلاموں کی قیمتیں بہت زیادہ ہیں۔ اور میرے پاس اس قدر مال نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا پھر (۲) دو ماہ پے در پے روزے رکھ لو۔ تو اس نے عرض کی حضور میری بینائی کمزور ہے۔ اور میں دن میں جب تک تین مرتبہ روٹی نہ کھاؤں (۳) میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آنے لگتا ہے۔ لہذا روزے رکھنا میرے بس سے باہر ہے تو آپ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ تو اس نے عرض کی۔ اگر آپ اس بارے میں میری اعانت فرمادیں تو میرے لئے یہ مرحلہ آسان ہو جائے گا۔ پس آپ نے فرمایا میں پندرہ صاع تجھے دیتا ہوں اور تجھے برکت کی دعا کرتا ہوں۔

يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا۔ اس کے معنی میں کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں (۱) يَعُوْدُوْنَ کا معنی يَنْدَمُوْنَ یعنی وہ پشیمان ہوتے ہیں اور لِمَا قَالُوْا کا معنی ہے عَمَّا قَالُوْا یعنی اپنے کہے ہوئے جملے سے پشیمان ہیں (۲) اخفش کے نزدیک آیت میں قلب ہے یعنی تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ لِمَا قَالُوْا۔ اور معنی یہ ہوگا کہ پلٹتے ہیں طرف اپنی عورتوں کے (يَعُوْدُوْنَ اِلٰى نِسَآئِهِمْ) تو اپنے کہے ہوئے جملے کا کفارہ غلام آزاد کریں۔

تُوْعَظُوْنَ۔ یعنی یہ سخت سزا اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ تمہیں نصیحت حاصل ہو اور آئندہ اس قسم کی غلطی پھر نہ کرو۔

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ

یہ اس لئے تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک

اَلِيْمٌ ⑤ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَاۗدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ

عذاب ہے تحقیق جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی رسوا ہوں گے جس طرح رسوا ہوئے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ

وہ لوگ جو ان سے پہلے گذرے اور ہم نے واضح آیات نازل کیں اور کافروں کے لئے رسوا کن عذاب

مُّهِيْنٌ ⑥ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ

ہوگا جس دن ان سب کو اللہ اٹھائے گا پس ان کو خبر دیگا اس کی جو انہوں نے کیا کہ

اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑦ ع ۱

خدا کے پاس محفوظ تھا اور وہ بھول گئے تھے اور اللہ ہر شے پر گواہ ہے

شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ: پے درپے دو ماہ کے روزے اور فقہاء امامیہ کے نزدیک ایک ماہ پورے روزے رکھنے کے بعد دوسرے ماہ سے ایک روزہ بھی اگر رکھ لے تو تتابع تمام ہو جائے گا۔ اب اگر کسی مجبوری کی بنا پر روزوں کا تسلسل ترک ہو جائے تو تتابع برقرار رہے گا لیکن اکتیس روزے مکمل کرنے سے پہلے تتابع کو توڑے گا تو سابق رکھے ہوئے روزے کالعدم قرار دے جائیں گے اور پھر نئے سرے سے دو ماہ رکھنے ضروری ہوں گے۔

اِطْعَامُ سِتِّيْنَ: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا فی مسکین ½ صاع طعام دے دے۔

مسئلہ: ظہار کے لئے ضروری نہیں کہ اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دے بلکہ اگر اپنی بہن یا خالہ و پھوپھی سے تشبیہ دے تو بھی ظاہراً ظہار واقع ہو جائے گا۔ کیونکہ قرآن مجید میں اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ ہے اس میں ماں بہن کی کوئی قید نہیں البتہ بعد میں یہ فرمانا کہ وہ ان کی مائیں نہیں بن جاتیں اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ عربوں میں مروج ظہار یہی تھا کہ عورت کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں صرف ایک مثال کو بیان کرنا مقصود ہو پس جس طرح ماں کے ساتھ تشبیہ دینے کے بعد وہ عورت ماں نہیں بن جاتی۔ اسی طرح بہن کے ساتھ تشبیہ دینے سے وہ بہن بھی نہیں بن جائے گی۔

مسئلہ: ظہار چونکہ ظہر سے مشتق ہے اور اس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اگر عورت کو ماں کی پشت سے تشبیہ دے۔ تو ظہار واقع ہوگا لیکن اگر دوسرے اعضاء سے تشبیہ دے دے تو ظہار واقع نہ ہوگا۔

مسئلہ: ظہار کی صحت کے لئے وہی شرائط ہیں جو طلاق میں ہوا کرتی ہیں پس اگر غصہ کی حالت میں ظہار کرے تو اس

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَکُوْنُ مِنْ

کیاتم نہیں دیکھتے تحقیق اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے نہیں ہوتی سرگوشی تین

نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ہُوَ رَابِعُہُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ہُوَ سَادِسُہُمْ وَلَآ اَدْنٰی

آدمیوں کے درمیان مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کے درمیان مگر وہ چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے

مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْثَرَ اِلَّا ہُوَ مَعَہُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمْ

کم نہ زیادہ مگر یہ کہ وہ ان کے ساتھ ہوا کرتا ہے جہاں بھی ہوں پھر ان کو اپنے کیے ہوئے

بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ⑦ اَلَمْ تَرَ

اعمال کی خبر دیگا قیامت کے دن تحقیق اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے کیاتم نہیں دیکھتے

اِلَی الَّذِیْنَ نُہُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُہُوْا عَنْہُ وَ

ان لوگوں کو جن کو روکا گیا سرگوشی سے پھر پلٹ کر وہی کرتے ہیں جس سے ان کو روکا گیا اور

یَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْکَ

باہمی سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے ساتھ اور جب آپ کے پاس

کا کوئی حکم نہیں ہوگا۔ نیز ظہار اس طہر میں واقع ہو جس میں عورت سے ہمبستری نہ کر چکا ہو۔ اور ظہار کے لئے بھی دو عادل گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

مسئلہ: ظہار مدخولہ عورت سے صحیح ہے لیکن اگر غیر مدخولہ ہو تو ظہار کی صحت میں اشکال ہے۔

مسئلہ: ظہار کا کفارہ غلام آزاد کرنا اگر اس سے عاجز ہو تو دو ماہ پے در پے روزے رکھنا اور اگر عاجز ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا دینا کہ فی مسکین نصف صاع سے کم نہ ہو۔ اور اگر عاجز ہو ایک مد فی مسکین بھی دے سکتا ہے۔ باقی احکام بعد میں بیان ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

رکوع ۲

نُہُوْا عَنِ النَّجْوٰی۔ یہود اور منافقین کا دستور تھا کہ آپس میں ٹولیاں بنا کر بیٹھ جاتے تھے اور مومنوں کے متعلق باتیں کرتے تھے۔ اور جب اہل ایمان کا ان کے پاس سے گذر ہوتا تو آنکھوں کے اشاروں اشاروں سے ان کے متعلق ایک دوسرے کو کچھ سمجھا لیتے جس سے مومنوں کو دکھ پہنچتا تھا جب انہوں نے رسول اللہ سے شکوہ کیا تو حضورؐ نے بنفس نفیس ان کو منع فرمایا لیکن وہ پھر بھی باز نہ آئے۔

حَیُّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَیَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا

آئیں تو تجھ پر سلام دیتے ہیں جو اللہ نے نہیں دیا اور دل میں کہتے ہیں کہ اللہ ہم کو کیوں عذاب نہیں کرتا ساتھ

اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ یَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۹ یٰۤاَیُّهَا

اس کے جو ہم کہتے ہیں ان کو کافی ہے جہنم جس میں جلیں گے پس وہ بُرا ٹھکانا ہے اے

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ

ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو نہ سرگوشی کرو گناہ سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے

الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۱۰

ساتھ اور سرگوشی کرو نیکی اور تقوی کے ساتھ اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا

بجز اس کے نہیں کہ سرگوشی شیطان۔ سے ہوتی ہے تاکہ غمزدہ کرے مومنوں کو حالانکہ وہ ان کو کچھ بھی نقصان نہیں دے سکتا

وَاِذَا جَآءُوْكَ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی حضورؐ کے پاس آیا جب کہ عائشہ بھی پاس موجود تھی۔ اُس نے کہا اَلسَّامُ علیکم۔ آپ نے جواب میں کہا عَلَیْکُمْ۔ پھر دوسرا آیا اور اُس نے بھی اَلسَّامُ علیکم کہا۔ اور آپ نے ویسا ہی جواب دیا۔ پھر تیسرا آیا اور اس نے السام علیکم کہا اور حضورؐ نے ویسے ہی علیکم سے جواب دیا۔ اتنے میں عائشہ نے غصہ سے ان کو ڈانٹ کر کہا علیکم السام اے گروہ یہود یعنی تم پر موت اور غضب و لعنت خدا ہو۔ اے گروہ یہود۔ اے سوروں اور بندروں کی اولاد! یہ سن کر حضورؐ نے عائشہ کو ٹوک دیا اور فرمایا بد کلامی اچھی نہیں بلکہ رواداری اور حسن خلق انسان کا زیور ہے۔ عائشہ نے عرض کی حضورؐ آپ سنتے نہیں کہ وہ السام علیکم کہتے ہیں (یعنی تم پر موت ہو) آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی ان کو ویسے ہی جواب دیا ہے یعنی علیکم کہ وہ موت تم پر واقع ہو۔ الخ

اِذَا تَنَاجَیْتُمْ ۔ یعنی تمہاری پرائیویٹ مجلسیں یہودیوں اور منافقوں کی طرح بُری باتوں پر مشتمل نہ ہونی چاہئیں بلکہ تمہارا فرض ہے کہ جب بھی آپس میں مل بیٹھو تو ایک دوسرے سے اچھی باتیں کرو۔ اور اچھی باتیں سُنو۔ اور اُس خدا سے ہر وقت ڈرتے رہو جس کے دربار میں تم نے پیش ہونا ہے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى ۔ یعنی منافقوں اور یہودیوں کا باہمی مل بیٹھنا اور آپس میں سرگوشی کرنا شیطان کی فریبکاریوں میں سے ایک فریب کاری ہے۔ وہ دراصل مومنوں کو غم و اندوہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ ان کو ذرہ بھر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

بغیر اذن اللہ کے اور اللہ پر ہی مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے اے ایمان والو!

آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ

جب تمہیں کہا جائے کہ مجالس میں جگہ کھلی کردو تو جگہ دے دیا کرو خدا تمہارے لئے وسعت پیدا کردیگا

وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

اور جب کہا جائے کہ کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو جایا کرو خدا ان لوگوں کو بلند کرتا ہے جو تم میں سے ایمان لائیں اور جن کو علم دیا

دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا

گیا بلندی درجات اور اللہ آگاہ ہے جو تم کرتے ہو اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی

نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ

کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ پیش کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے

تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ۔ آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ کے قریب بیٹھنا پسند کیا کرتے تھے جب کسی اور آدمی کو آتا دیکھتے تھے تو اپنی اپنی جگہوں پر کھلے ہو کر بیٹھ جایا کرتے تھے تاکہ اور کوئی نہ گھس سکے۔ پس اس آیت مجیدہ میں اللہ نے آنے والوں کے لئے جگہ کو کھلا کرنے کی فہمائش کی۔ اور مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالت پناہ ایک برآمدہ میں تشریف فرما تھے اور جگہ تنگ تھی۔ اور دن بھی جمعہ کا تھا۔ اور حضور ص کا دستور تھا کہ اہلِ بدر کی کافی تعظیم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے پاس چند لوگ اہلِ بدر میں سے آگئے ان میں ایک ثابت بن قیس بھی تھا وہ مجمع کو چیر کر آگے بڑھتے گئے۔ حتیٰ کہ حضورؐ کے سامنے پہنچ گئے۔ پس انہوں نے آپ پر سلام کیا۔ اور حضورؐ نے ان کو سلام کا جواب دیا۔ پھر صحابہ کو سلام دیا اور انہوں نے بھی جواب سلام کہا۔ لیکن ان کو کسی نے بیٹھنے کی جگہ نہ دی۔ پس وہ کھڑے ہو گئے۔ حضورؐ پر ان کا کھڑا رہنا شاق گذرا تو آپ نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے مہاجرین و انصار جو بدری نہ تھے ان کو حکم دیا۔ اے فلاں اے فلاں کھڑے ہو جاؤ اور ان کے لئے جگہ خالی کرو۔ پس آپ نے اتنے آدمیوں کے نام لئے جس قدر کھڑے ہوئے لوگوں کی تعداد تھی پس ان کی جگہوں پر ان کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد منافقوں نے کہنا شروع کیا۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ بیٹھے ہوئے لوگوں کو کھڑا کر کے دوسروں کو جگہ دی گئی۔ اور حضورؐ خود بھی دیکھ رہے تھے کہ جن کو کھڑا کیا گیا تھا وہ اپنی جگہیں خالی کرنے پر تیار نہ تھے اور انہیں بدلِ ناخواستہ کھڑا ہونا پڑا۔ پس منافقوں کو

وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ ءَاَشْفَقْتُمْ

اور پاکیزگی کا باعث ہے　پس اگر نہ پاؤ تو اللہ غفور رحیم ہے　کیا تم ڈر گئے

اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ

کہ پیش کرو کہ اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ　پس جب تم نہیں کر سکے اور اللہ نے تم سے معاف

عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ

کر دیا　پس قائم کرو نماز کو　اور　ادا کرو زکوٰۃ　اور اللہ　اور اس کے رسول

رَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑬ ع

کی اطاعت کرو　اور اللہ آگاہ ہے　جو تم عمل کیا کرتے ہو

خوب مرتبہ ملا اور انہوں نے حضورؐ کے عدل و انصاف کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا پس یہ آیت اتری۔

آیت نجویٰ

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ دولت مند لوگوں کا دستور تھا کہ جب حضورؐ کی خدمت میں آتے تھے تو حضورؐ کو الگ بٹھا کر دیر دیر تک باتیں کرتے رہتے تھے۔ اور دوسرے لوگوں کو باریابی کا موقعہ بہت کم ملتا تھا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر حضورؐ سے ملنے کی خواہش ہو تو پہلے صدقہ دو۔ چنانچہ ملاقاتیوں کا سلسلہ یک دم منقطع ہو گیا۔ پس اس کے بعد آیت رخصت نازل ہوئی۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فخریہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید میں ایک آیت ایسی ہے جس پر میرے علاوہ کسی نے عمل نہیں کیا اور وہ آیت نجویٰ ہے کہ جب یہ آیت اتری تو لوگوں نے آنا بند کر دیا اور میرے پاس ایک دینار تھا جس کو تڑوا کر میں نے دس درہم لے لئے۔ پس جب بھی حضورؐ کی بارگاہ میں باریابی ہوتی۔ ایک درہم بطور صدقہ تقدیم کر دیتا۔ اس کے بعد اللہ نے اُمت سے یہ حکم اٹھا لیا۔ اور میرے علاوہ کسی کو بھی اس آیت پر عمل کرنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ اور ابن عمر کہا تھا کہ حضرت علیؑ کی تین فضیلتیں ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے میرے لئے ایک بھی ثابت ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے بھی محبوب تر ہوتی (۱) رسول کی دامادی کا شرف (۲) خیبر کے روز علم کا عطا ہونا۔ اور تیسری آیت نجویٰ اور یہ حدیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے کہ آیت نجویٰ پر عمل کرنے میں حضرت علیؑ کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

تفسیر برہان میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی گئی تو ابوبکر علی کے سامنے خندہ پیشانی کا اظہار کرتا تھا لیکن حضرت علیؑ اس کے ساتھ خوش ہو کر بات کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس نے مقام خلوت میں حضرت علی علیہ السلام سے بات شروع کر دی کہ اے ابوالحسن میں نے خلافت کو اپنی مرضی سے قبول نہیں کیا اور نہ مجھے اس کا کوئی

خاص لالچ تھا بلکہ میں اپنے اُوپر وثوق نہیں رکھتا کہ اُمت کے اُمور کو خاطر خواہ طور پر نبھا سکوں۔ نہ میرے پاس مال ہے اور نہ قبیلہ اور نہ اس قدر طاقت ہے کہ اس کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ مجھ پر ناراض ہیں حالانکہ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السّلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر تو خود اس کا طلب گار نہیں اور نہ تجھے اپنے اُوپر وثوق ہے کہ اس کام کو نبھا سکے تو تُو نے قبول کیوں کیا ہے تو حضرت ابوبکر نے جواب دیا میں نے حضرت نبی کریم سے ایک حدیث سُنی تھی کہ میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ پس جب میں نے ان کا اجماع دیکھا۔ تو حدیث پیغمبر کے ماتحت میں نے امرِ خلافت کو قبول کر لیا۔ اور اسی کو میں نے راہِ ہدایت سمجھا۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ کچھ لوگ نہ مانیں گے تو میں ہرگز سے قبول ہی نہ کرتا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا یہ جو تو نے ذکر کیا ہے کہ حضور نے فرمایا تھا کہ میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ کیا تو مجھے اُمت پیغمبر میں نہیں سمجھتا؟ اُس نے کہا کہ سمجھتا ہوں تو آپ نے فرمایا کیا سلمان۔ عمار۔ ابوذر۔ مقداد اور سعد بن عبادہ اور اس کی ہمراہی انصاری یہ سارے لوگ اُمت میں شامل نہیں ہیں؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ سب بھی اُمت میں شامل ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ان سب لوگوں کے اختلاف کے باوجود تو کیسے دعویٰ کرتا ہے کہ سب اُمت کا اجماع ہو گیا ہے۔ حالانکہ جن لوگوں کا میں نے نام لیا ہے نہ ان کے صحابی ہونے میں کوئی شک ہے اور نہ ان کی نیکی میں کوئی کلام ہے تو اُس نے جواب دیا کہ مجھے ان کا اختلاف معلوم نہ تھا بلکہ امرِ خلافت کے مستحکم ہونے کے بعد مجھے ان کے اختلاف کا علم ہوا۔ اور بعد میں مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ اگر اب استعفاء دیتا ہوں تو لوگ مرتد ہو جائیں گے۔ اور میں جانتا ہوں کہ آپ میری بہ نسبت اُمت کے زیادہ خیر خواہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ تو کیا سمجھتا ہے کہ کن صفات کا مالک امرِ خلافت کا مستحق ہو سکتا ہے گویا معیارِ خلافت تمہارے نزدیک کونسی چیز ہے؟ تو اُس نے جواب دیا کہ اُمت کا خیر خواہ ہونا باوفا ہونا منافق نہ ہونا خوش اخلاق ہونا عادل ہونا کتاب و سنّت کا عالم ہونا قادر الکلام ہونا دنیا سے زاہد ہونا اور طالبِ دنیا نہ ہونا اور ظالم سے مظلوم کا حق لینے میں جری ہونا وغیرہ اور پھر خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا۔ میں تم سے حلفیہ پوچھتا ہوں کہ یہ صفات بدرجۂ اتم تم میں موجود ہیں یا مجھ میں؟ تو اس نے جواب دیا کہ آپ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ (۱)

فرمایا۔ حلفیہ بتاؤ۔ رسول اللہ کی آواز پر سب سے پہلے لبیک میں نے کہی یا تم نے؟ اُس نے جواب دیا کہ آپ نے۔ (۲)

فرمایا حلفیہ بیان کرو کہ موسم حج میں سُورہ برأۃ کی تبلیغ کے لئے اذان میرا لقب ہے یا تمہارا؟ اُس نے جواب دیا کہ آپ کا لقب ہے۔ (۳)

فرمایا حلفیہ کہو۔ کہ غار کی رات رسول اللہ کے بستر پر اُن کا قائم مقام میں تھا یا تم؟ اُس نے کہا بے شک آپ تھے۔ (۴)

فرمایا حلفیہ بتاؤ، کہ خدا اور رسول کی ولایت کے بعد انگوٹھی کی زکوٰۃ دینے میں ولایت میرے لئے ہے یا تیرے لئے؟ اُس نے جواب دیا کہ آپ کے لئے ہے۔ (۵)

۶ فرمایا حلفیہ جواب دو کہ غدیر خم کے موقعہ پر رسول اللہ نے ہر مسلم کا مولیٰ مجھے کہا تھا کہ تجھے ؟ تو اُس نے جواب دیا آپ ہی کے متعلق حضورؐ نے فرمایا تھا۔

۷ فرمایا قسمیہ بتاؤ، ہارون کی طرح رسول اللہ کی وزارت میرے لئے ہے یا تیرے لئے ؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ آپ کے لئے ہے۔

۸ فرمایا حلفیہ کہو، مباہلہ میں رسول اللہ کے ہمراہ بیوی بچوں کے ہمراہ میں گیا تھا یا تو ؟ اُس نے کہا آپ ہی تشریف لے گئے تھے۔

۹ فرمایا حلفیہ جواب دو، آیت تطہیر میرے اور میرے خاندان کے لئے ہے یا تیرے اور تیرے خاندان کے لئے ہے ؟ اُس نے کہا کہ آپ کے لئے ہے۔

۱۰ فرمایا حلفیہ بتاؤ، کہ چادر ڈال کر رسول اللہ نے مجھے اور میری بیوی کو اپنی اہلبیت قرار دیا یا تم کو ؟ اُس نے جواب دیا کہ آپ کو۔

۱۱ فرمایا حلفیہ بتاؤ، سورہ دہر میں یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ کے مصداق ہم ہیں یا تم ؟ اُس نے جواب دیا کہ آپ لوگ ہی اس کے مصداق ہیں۔

۱۲ فرمایا حلفیہ کہو، لَا سَیۡفَ اِلَّا ذُوالفقار و لافتیٰ الّا علی کی آسمانی آواز میرے لئے ہے یا تیرے لئے ؟ اُس نے کہا کہ آپ کے لئے ہے۔

۱۳ فرمایا حلفیہ بیان کرو، نمازِ عصر کے لئے سورج میرے لئے پلٹایا گیا یا تیرے لئے ؟ اُس نے کہا آپ کے لئے۔

۱۴ فرمایا حلفیہ کہو، خیبر کے دن رسول اللہ نے علم مجھے دیا، یا تجھے ؟ اُس نے کہا کہ آپ کو عطا کیا گیا تھا۔

۱۵ فرمایا حلفیہ بتاؤ، خندق کے روز عمرو بن عبدود کو قتل کر کے رسول اللہ اور مسلمانوں کو سکون میں نے دیا تھا یا تم نے ؟ اُس نے کہا کہ یہ آپ کا حصہ ہے۔

۱۶ فرمایا حلفیہ بتاؤ، کہ قوم جن کی طرف رسول اللہ نے مجھے امین بنا کر بھیجا تھا یا تجھے۔ اُس نے جواب دیا کہ آپ کو۔

۱۷ فرمایا حلفیہ کہو، رسول اللہ نے اپنے باپ سے لے کر حضرت آدم تک پاک نسبی کی سند مجھے دی تھی یا تم کو ؟ اُس نے کہا۔ یہ بھی آپ کا حصہ ہے۔

۱۸ فرمایا حلفیہ کہو، رسول اللہ کا دامادی کا شرف مجھے حاصل ہے یا تجھے ؟ کہنے لگا یہ آپ کا شرف ہے۔

۱۹ فرمایا حلفیہ بیان کرو۔ جن کے متعلق رسول اللہ نے فرمایا تھا ھٰذَانِ سَیِّدَا شَبَابِ اَهۡلِ الۡجَنَّةِ وَ اَبُوۡهُمَا خَیۡرٌ مِّنۡهُمَا یعنی یہ دو نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ اور ان کا باپ ان سے افضل ہے۔ ان کا باپ میں ہوں یا تم ؟ اُس نے کہا یہ شرف آپ کا ہے۔

۲۰ فرمایا حلفیہ کہو۔ تیرا بھائی دو پروں کے ساتھ ملائکہ کے ہمراہ جنت میں پرواز کرتا ہے یا میرا بھائی ؟ تو اُس نے کہا کہ آپکا بھائی

۲۱ فرمایا حلفیہ جواب دو، رسول اللہ کے قرضوں اور ان کے وعدوں کی ایفاء میرے ذمہ تھی یا تیرے ذمہ تھی ؟ کہنے لگا آپکے ذمہ تھی۔

۲۲ فرمایا حلفیہ جواب دو، جس دن رسول اللہ کے پاس بھونا ہوا پرندہ آیا اور آپ نے دعا کی اے اللہ اپنا محبوب ترین بندہ بھیج

جومیرے ہمراہ کھائے۔ کیا وہ تو تھا یا میں؟ تو اُس نے جواب دیا کہ وہ آپ ہی تھے۔

فرمایا حلفیہ کہو جس کے متعلق رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ تو ناکثین قاسطین اور مارقین سے تاویل قرآن پر جہاد کرو گے کیا یہ خوشخبری تیرے لئے ہے یا میرے لئے تو اُس نے جواب دیا کہ واقعی یہ فضیلت بھی آپ کے لئے ہے۔

فرمایا حلفیہ کہو کہ رسول اللہ کا غسل وکفن تو نے کیا یا میں نے؟ تو اُس نے کہا کہ آپ نے۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، جس کو رسول اللہ نے بڑا قاضی قرار دیا وہ تم ہو یا میں؟ کہنے لگا وہ آپ ہیں۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، پیغمبر کے زمانہ میں جس کو امیر المومنین کے خطاب سے سلام کیا گیا وہ تم ہو یا میں؟ کہنے لگا وہ آپ ہیں۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، رسولؐ اللہ کی قرابت میں سبقت تم کو حاصل ہے یا مجھے؟ کہنے لگا آپ کو حاصل ہے۔

فرمایا حلفیہ جوابدو، کہ رسولؐ اللہ کی تنگ وقت میں ضیافت تم نے کی تھی یا میں نے؟ کہنے لگا آپ نے کی تھی۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، وہ کون تھا جس کو کعبہ میں بُت شکنی کے لئے رسول اللہؐ نے اپنے کندھوں پر سوار کیا اگر چاہتا تو آسمان کو چھو سکتا تھا وہ تو تھا یا میں تھا؟ ابوبکر نے جواب دیا کہ وہ آپ ہی تھے۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ وہ کون ہے جس کے متعلق رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تو میرے جھنڈے کا مالک ہے دنیا و آخرت میں؟ کہنے لگا وہ آپ ہی ہیں۔

فرمایا حلفیہ بیان کیجئے، وہ کون ہے کہ رسول اللہؐ نے مسجد کی طرف کھلنے والے سب دروازے بند کر دیے اور اُس کا دروازہ بند نہ کیا وہ تو ہے یا میں؟ اُس نے جواب دیا وہ آپ ہی تھے۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، آیت نجویٰ پر عمل کرنے والا میں ہوں یا تو؟ کہنے لگا وہ آپ ہیں۔

فرمایا حلفیہ بتاؤ، وہ کون ہے جس کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تمام لوگوں میں سے پہلا ایمان لانے والا ہے اور تمام لوگوں کے اسلام سے اس کا اسلام وزنی ہے وہ تو ہے یا میں؟ ابوبکر نے جواب دیا کہ وہ آپ ہیں۔

اِسی طرح حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے وہ تمام فضائل فرداً فرداً شمار کرتے جاتے تھے اور ابوبکر سے پوچھتے جاتے تھے اور وہ اس کا آپ کے حق میں اقرار کرتا جاتا تھا۔ آخر میں اس نے اقرار کیا کہ ان فضائل و محامد کے لحاظ سے آپ ہی اس امر کے زیادہ سزاوار ہیں تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم ان اوصاف سے خالی ہو تو تم نے اس اہم کام کا بیڑا کیوں اٹھایا ہے؟ پس وہ رونے لگا اور عرض کی کہ مجھے آج مہلت دیجئے تاکہ میں اس بارے میں غور و فکر کر لوں۔ چنانچہ واپس آکر گھر میں علیحدہ سوچتا رہا اور رات تک کسی سے ملاقات تک نہ کی حتیٰ کہ حضرت عمر کو جب ان کی حضرت علی سے ملاقات کا علم ہوا تو سارا دن تلاش کرتے رہے لیکن نہ مل سکے۔ جب رات کو حضرت ابوبکر سوئے تو عالم خواب میں رسول اللہؐ کی زیارت کی۔ حضرت ابوبکر نے سلام کیا لیکن آپؐ نے منہ پھیر لیا تو ابوبکر نے عرض کی حضورؐ کیا آپ نے مجھے کوئی حکم دیا ہے جس کی میں نے تعمیل نہیں کی؟ آپؐ نے فرمایا میں کیسے تجھے سلام کا جواب دوں حالانکہ تو نے ایسے شخص سے دشمنی کی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ

کیا تم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنہوں نے دوستی بنائی ہے ایسے لوگوں سے جن پر اللہ کا غضب ہے کہ نہ وہ تم سے ہیں اور نہ ان سے

وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا

ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں خدا نے ان کے لیئے عذاب

جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتا ہے لہٰذا حق کو صاحب حق کے حوالہ کر دو۔ ابوبکر نے دریافت کیا کہ کون صاحب حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا جس نے تجھے سرزنش کی ہے اور وہ علی ہے۔ ابوبکر نے عرض کی کہ حضورؐ بے شک میں اس کو حق روا پس کرتا ہوں۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو حضرت ابوبکر زار و قطار رو رہے تھے۔ پس حضرت علیؑ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہاتھ بڑھائیے اور مجھ سے بعیت لیجئے اور یہ کہ مسجد میں چلیئے تاکہ وہاں رات کے خواب کی حقیقت بھی لوگوں کے سامنے میں بیان کروں گا۔ اور سارا معاملہ واضح کر کے اپنی گردن کو اس بار سے ہلکا کروں گا۔ چنانچہ ان جذبات کو لے کر وہ گھر سے نکلے تو حضرت عمر جو پہلے سے ان کی تلاش میں تھے، راستے میں مل گئے۔ اس نے ابوبکر کی دگرگوں حالت دیکھ کر پہلے ہی سوال کر دیا کہ میں آپ کی حالت کو متغیر دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے؟ تو ابوبکر نے وہ ساری داستان دہرادی۔ اور رات کے خواب کا بھی تذکرہ کر دیا۔ پس حضرت عمر نے کہا میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ ان باتوں میں نہ پھنسیئے۔ اور اپنی حکومت کو نہ چھوڑیئے پس کافی لے دے کے بعد حضرت عمر اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے اور حضرت ابوبکر نے اپنے ارادہ کو ملتوی کر دیا جب حضرت علی علیہ السّلام مسجد میں پہنچے تو مسجد کو خالی پایا اور واپس آ گئے۔ پس قبر پیغمبر کی زیارت کی تو ادھر سے حضرت عمر بھی واپس آرہے تھے کہنے لگے یا علی جو آپ چاہتے ہیں اُس تک پہنچنا آسان کام نہیں۔

ایک روایت میں ہے صحابہ کے بھرے مجمع میں حضرت علی علیہ السّلام نے اعلان فرمایا کہ صحابہ میں جس کی بھی کوئی فضیلت ہے میں اُس میں اُس کے ساتھ شریک ہوں لیکن میری ستر فضیلتیں ایسی ہیں جن میں میرا کوئی بھی شریک نہیں ہے پس آپ نے ان کو شمار کرنا شروع کیا اور چوبیسویں فضیلت یہی بتائی کہ جب آیت نجویٰ اتری تو میں ایک ہی ہوں جس کے پاس ایک دینار تھا اُس کو تڑوا کر دس درہم لئے اور رسول اللہ کے ساتھ ایک ایک درہم صدقہ دینے کے بعد گفتگو کرتا رہا۔ اور جب باقی لوگ رقم خرچ کرنے سے گھبرا گئے اور رسول اللہ کے پاس آنا چھوڑ دیا تو خداوند کریم نے دوسری آیت بھیجی۔ ءَاَشْفَقْتُمْ الخ کہ کیا تم ڈر گئے۔ الخ پس پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور آیت مذکورہ پر سوائے میرے اور کوئی بھی عمل نہ کر سکا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نے اس دوران میں رسول اللہ سے دس ملاقاتیں کیں۔

رکوع ۳ — اَلَمْ تَرَ یہ اُن منافقوں کی مذمت ہے جو یہودیوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے اور اُن سے برادرانہ تعلقات قائم کرتے تھے اور مومنوں کے خصوصی راز بھی ان کے سامنے ظاہر کرتے تھے پھر اگر پیغمبر کا

شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑯ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ

شدید تیار کر رکھا ہے تحقیق وہ بُرا عمل کرتے ہیں انہوں نے بنا لیا اپنی قسموں کو

جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ⑰ لَنْ

ڈھال پس روکا (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے پس ان کے لئے رسواکن عذاب ہوگا نہ کام

تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ

آئیں گے ان کے مال اور نہ اولادیں اللہ سے کچھ بھی وہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ⑱ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا

اصحاب نار ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جس دن ان کو خدا اٹھائے گا سب کو

فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ع

پس اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم

شکوہ وشکایت یہودی کرتے تو وہ لوگ ان کے ساتھ اس میں بھی شریک ہو جاتے تھے۔ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ نہ تو وہ تم سے ہیں۔ اور اگر ان کو سرزنش کی جائے تو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی برأت کی ضمانت دینے لگتے ہیں حالانکہ انہیں اپنی منافقانہ روش کا بخوبی علم ہے۔

تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسول کریمؐ حضرت عمرؓ کے پاس سے گذرے کہ وہ ایک یہودی سے کچھ چیزیں لکھ رہا تھا پس یہ آیت اُتری۔ جب حضرت عمر رسول اللہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے بطور سرزنش فرمایا کہ تم تو یہودی کے پاس بیٹھ کر کچھ لکھ رہے تھے حالانکہ خدا نے منع فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگے حضورؐ میں نے تورات سے آپ کے فضائل نوٹ کئے ہیں اور پھر اُن کو پڑھنا شروع کر دیا اور حضورؐ کے چہرے پر غصّے کے آثار نمودار تھے۔ یہ دیکھ کر ایک انصاری کہنے لگا تم رسول اللہؐ کے چہرے کو نہیں دیکھتے کہ غصّے سے سُرخ ہو رہا ہے۔ پس عمر کہنے لگا۔ میں خدا و رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور کہنے لگا حضور! میں نے تو اس لئے یہ چیزیں نوٹ کی ہیں کہ ان میں آپ کے فضائل ہیں۔ پس حضورؐ نے فرمایا۔ اے فلاں، اگر ان میں خود موسیٰ بن عمران بھی موجود ہوتے اور تو مجھ سے روگردانی کر کے ان کی طرف جاتا تو یقیناً کافر ہو جاتا۔

یَوْمَ یَبْعَثُھُمْ۔ یعنی منافق لوگ جس طرح کفار کا اندرونی ساتھ دینے کے باوجود مومنوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم پکّے مومن ہیں۔ اسی طرح بروز محشر بھی وہ خدا کے سامنے اپنے مخلص مومن ہونے کی قسمیں کھائیں گے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم

أَلَآ إِنَّهُمْ هُمُ الْكَٰذِبُونَ ﴿١٩﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَٰنُ فَأَنسَىٰهُمْ

اچھا کام کرتے ہیں حالانکہ وہ اس خیال میں جھوٹے ہیں ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا پس ان کو اللہ کا

ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَٰنِ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَٰنِ

ذکر بھلا دیا وہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں آگاہ ہو تحقیق شیطانی ٹولہ ہی خسارہ

هُمُ الْخَٰسِرُونَ ﴿٢٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَآدُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ أُولَٰٓئِكَ

پانے والا ہوگا تحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل

فِى الْأَذَلِّينَ ﴿٢١﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا۠ وَرُسُلِىٓ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِىٌّ

لوگوں میں ہوں گے خدا نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ ضرور میں اور میرے رسول غالب ہونگے تحقیق اللہ قوت والا

عَزِيزٌ ﴿٢٢﴾ لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْءَاخِرِ يُوَآدُّونَ

غالب ہے نہ پاؤ گے ایسی قوم جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے کے باوجود ایسے لوگوں سے محبت کرے

اپنے اس کردار میں کسی اچھی پوزیشن پر ہیں۔ یعنی ہمیں یہ چالبازی فائدہ مند رہے گی۔ حالانکہ وہ اس زعم فاسد میں جھوٹے ہیں کہ ان کو اس عیاری سے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا۔

ناجی فرقہ

حِزْبُ الشَّيْطَٰنِ۔ سلیم بن قیس ھلالی نے حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اس اُمّت کے تہتّر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے بہتّر دوزخی اور ایک جنّتی ہوگا۔ تہتّر میں سے ساٹھ فرقے عامۃ المسلمین کے ہوں گے۔ اور تیرہ فرقے ان لوگوں کے ہوں گے جو ہماری محبت کا دم بھرتے ہوں گے۔ پس ان میں سے فرقہ مومنہ ناجیہ وہ ہے جو ہمارے احکام کی پیروی کرے گا اور ہمارے دشمنوں سے بیزار ہوگا۔ ہمارے حق امامت کا عارف ہوگا اور کتاب وسنّت کے لحاظ سے ہماری اطاعت کو فرض سمجھے گا۔ اور ہمارے حقوق کی معرفت سے جو اس کا دل نورانی ہوگا۔ اس میں وہ کبھی شک نہ کرے گا۔ میں اور میرے اوصیاء جو قیامت تک ہونے والے ہیں وہ ہیں جن کو خدا نے اپنی ذات کے ساتھ اور اپنے نبی کے ساتھ متعدد آیات میں ذکر فرمایا ہے۔ ہمیں خدا نے طاہر و معصوم بنایا۔ اور ہم اس کی خلق پر شہداء ہیں۔ اور اس کی زمین پر اس کی حجّت ہیں۔ ہم قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ہمارے ساتھ ہے۔ کہ ایکدوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر رسول اللہؐ کے پاس پہنچیں گے پس یہ فرقہ تہتّر فرقوں میں سے وہ ہوگا جس کو جہنم سے نجات ملے گی۔ اور تمام فتنوں اور گمراہیوں سے اس کا دامن پاک ہوگا اور وہ سچ مچ جنّتی ہوں گے اور ان میں سے ستر ہزار ایسے ہوں گے جو بلاحساب جنّت میں جائیں گے اور جو باقی بہتّر فرقہ ہوگا وہ وہ ہیں جو حق کے دشمن ہوں گے

مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ

جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں خواہ وہ اُن کے باپ دادا یا بیٹے یا بھائی یا قبیلہ کے لوگ ہی کیوں

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ

نہ ہوں ایسے لوگوں کے دلوں میں خدا نے ایمان کو پختہ کیا اور ان کی اپنے روح سے تائید

مِّنْهُ ط وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط

کی اور ان کو داخل کرے گا ایسے بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی کہ وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ط اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ط اَلَآ اِنَّ

ہوں گے خدا ان سے راضی ہوگا اور وہ خدا سے راضی ہوں گے ایسے لوگ اللہ کا گروہ ہیں آگاہ ہو اللہ کا گروہ

حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۲۲ ع ۳

ہی کامیابی حاصل کرنے والا ہوگا

دینِ شیطان کے مددگار ہوں گے۔ خدا اور رسول اور مومنوں کے دشمن ہوں گے۔ پس وہ بلا حساب جہنم میں جائیں گے وہ قیامت کے دن قسمیں کھائیں گے کہ ہم ایمان پر تھے لیکن ان کو کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا۔ خداوند کریم نے اس آیتِ مجیدہ میں مومنوں کی یہ وصف بیان فرمائی ہے کہ وہ خدا اور رسول کے دشمن سے ہرگز دوستی قائم نہ کریں گے خواہ وہ اُن کے باپ دادا یا بھائی یا بیٹے یا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں یعنی وہ خدا اور رسول کی محبت پر کسی محبت کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ ایسے لوگوں کی خدا روح سے تائید کرتا ہے۔ کہتے ہیں عبداللہ بن ابی کا بیٹا عبیداللہ پکا مومن تھا۔ ایک دفعہ وہ حضورؐ کی بارگاہ میں موجود تھا تو آپ نے پانی پیا۔ اُس نے عرض کی حضورؐ تھوڑا سا پانی بچا کر مجھے عنایت فرمانا تاکہ آپ کا پس خوردہ میں اپنے باپ کو پلاؤں شاید اس کی برکت سے اس کا دل صاف ہو جائے چنانچہ وہ حضورؐ کا پس خوردہ لایا تو باپ نے پوچھا کیا چیز ہے تو بیٹے نے کہا کہ یہ رسول اللہؐ کا پس خوردہ ہے۔ اُس منافق نے جواب دیا اس سے تو بہتر تھا کہ تو اپنی ماں کا پیشاب لاتا۔ اس سے عبیداللہ کو سخت غصہ آیا اور واپس آکر رسول اللہؐ سے اجازت طلب کی کہ آپ حکم دیں تو میں اپنے باپ کو قتل کر دوں، آپ نے فرمایا ماں باپ سے نرمی کرنا بہتر ہے۔

بِرُوْحٍ مِّنْهُ:۔ اس جگہ روح سے مراد نورِ ایمان یا قرآن یا دلیل و برہان یا روح الامین جبریل باختلاف اقوال لئے گئے ہیں۔

سُورَہ الحشر

یہ سورہ مدنیہ ہے۔ سورہ بینہ کے بعد نازل ہوا۔
آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر پچیس بنتی ہے۔

① ابن بابویہ سے منقول ہے جو شخص اس سورہ مجیدہ کی تلاوت کرے گا جنت۔ نار۔ عرش کرسی حجاب ہائے قدرت ساتوں آسمان ساتوں زمینیں ہوا۔ درخت۔ پرندے۔ پہاڑ۔ سورج۔ چاند۔ فرشتے سب اس پر درود پڑھیں گے۔ اور اس کے لئے بخشش کی دعا کریں گے اور اگر اس دن یا اس رات میں مرے گا تو شہید مرے گا (برہان)

② مروی ہے جو شخص شام کو سورۂ رحمٰن وسورۂ حشر کی تلاوت کرے صبح تک ایک فرشتہ تلوار علم کرکے اس کی حفاظت کرتا ہے (مجمع)

③ خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص شب جمعہ اس کی تلاوت کرے صبح تک ہر مصیبت سے امن میں رہے گا۔

④ جو شخص چار رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورہ حشر پڑھے تو جس کام کے لئے جائیگا کامیابی نصیب ہوگی بشرطیکہ معصیت کا کام نہ ہو۔

⑤ جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے جس کام کے لئے جائے گا فتح ہوگی بشرطیکہ گناہ کا کام نہ ہو (نبوی)

⑥ جو شخص اس کو پاکیزہ پانی سے لکھ کر پیئے گا اس کو ذہن وذکا عطا ہوگا اور نسیان کم ہو جائیگا (صادق) (بہتر ہے کہ شیشے کے برتن پر لکھ کر بارش کے پانی سے دھو کر پیا جائے) (برہان)

⑦ مشکل سے مشکل کام کے لئے اگر چالیس روز تک متواتر اس سورہ کو پڑھا جائے تو وہ مشکل آسان ہوگی۔ انشاءاللہ اور وہ مستجاب الدعوۃ ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب

الْحَكِيْمُ ② هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

دانا ہے وہ وہ ہے جس نے نکال دیا ان کو جو کافر تھے اہل کتاب میں سے

مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا

اپنے گھروں سے پہلی بار تمہارا خیال بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے ان کا خیال تھا کہ

رکوع ۴ غزوہ بنو نضیر

لِاَوَّلِ الْحَشْرِ :۔ حشر کا معنی ہوتا ہے جمع کرنا۔ اور محشر کو محشر بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ تمام لوگوں کو اس دن جمع کیا جائے گا۔ اس جگہ مقصد یہ ہے کہ شام کی طرف ان کو جلاوطن کیا گیا تھا۔ کیونکہ مروی ہے کہ قیامت کے دن بھی حشر کی جگہ زمین شام ہوگی۔ پس یہودیوں کا شام کی طرف جمع ہونا پہلا حشر ہوا۔ اور قیامت کے دن تمام مخلوق کا جمع ہونا دوسرا حشر ہوگا۔ یہ تفسیر ابن عباس سے منقول ہے یہودیوں کے قلعے مضبوط تھے اور ان کی عسکری طاقت بھی کسی حد تک ناقابلِ تسخیر تھی اور مسلمانوں کو وہم و گمان بھی نہ ہوسکتا تھا کہ وہ اس طرح اپنے آباد گھروں کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اور ان کا واقعہ یہ ہے کہ جب ہجرت کرکے حضرت نبی کریمؐ مدینہ میں پہنچے تو یہودیوں کے قبیلہ نضیر کے ساتھ یہ معاہدہ کیا گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی باہمی جنگ نہ ہوگی جب مسلمانوں نے کم تعداد میں جنگ بدر کو فتح کر لیا تو یہودیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ بخدا یہ وہی پیغمبر ہے۔ جس کی تعریف حضرت موسٰی نے کی تھی کہ اس کے جھنڈے نہ موڑا جا سکے گا لیکن جب اگلے سال جنگ احد میں مسلمانوں کو کفار کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی تو یہودیوں کو شک لاحق ہوا۔ اور انہوں نے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا۔ چنانچہ کعب بن اشرف یہودی چالیس یہودیوں کا وفد لے کر مکہ پہنچا۔ اور مشرکین مکہ کے ساتھ باہمی تعاون کا معاہدہ کر لیا۔ چنانچہ استارِ کعبہ کے سایہ میں اس معاہدہ کو رسمی طور پر پختہ کیا گیا۔ اِدھر جبریلؑ کے ذریعہ سے حضورؐ کو اطلاع پہنچ گئی کہ یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو توڑ کر کفارِ مکہ سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔

اِدھر اس کی عملی صورت یہ ہوئی کہ ایک صحابی عمرو بن امیہ ضمری نے قبیلہ بنی عامر کے دو آدمیوں کو اچانک قتل کر دیا تھا اور بنفسِ نفیس حضورؐ کعب بن اشرف یہودی کے پاس قرض لینے کے لئے گئے تاکہ مقتولین کا خون بہا ادا کیا جائے

اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ

تحقیق ان کو اپنے قلعے اللہ سے بچا لیں گے پس ان پر اللہ کا عذاب ایسے راستے

کعب بن اشرف نے ظاہراً حضورؐ کی بڑی عزت کی۔ اور گھر کی طرف روانہ ہوا تاکہ معلوم ہو کہ وہ کھانے کا انتظام کرنے جا رہا ہے لیکن وہ حضورؐ کے قتل کی سازش کے لئے روانہ ہوا تھا۔ حضورؐ اس وقت ایک دیوار کے ساتھ سہارا لے کر بیٹھے تھے۔ اور یہودیوں نے تجویز کر لی کہ یہ موقعہ غنیمت ہے۔ اور پھر اس قسم کا موقعہ شاید دستیاب نہ ہو۔ اُوپر کے مکان والے یہودی سے کہا جائے کہ ایک پتھر اُوپر سے لڑھکا دے تاکہ حضورؐ کا کام تمام ہو جائے۔ اس وقت چند صحابہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ پس جبریل نے اس سازش کی اطلاع دے دی تو آپ واپس مدینہ میں آ گئے۔ اور صحابہ کو یہودیوں کی بدعہدی کی خبر دی۔ آپ نے محمد بن مسلم انصاری کو جو کعب بن اشرف کا رضاعی بھائی تھا۔ یہودیوں کی طرف روانہ کیا کہ تمہاری بدعہدی کی بذریعہ وحی ہمیں اطلاع ہو گئی ہے۔ لہٰذا یا تو ہمارا علاقہ چھوڑ کر کہیں چلے جاؤ یا اعلانِ جنگ قبول کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ علاقہ چھوڑ دیں گے لیکن عبداللہ بن اُبی منافق نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ تم اپنے وطن کو نہ چھوڑو۔ بلکہ اعلانِ جنگ کو قبول کر لو۔ ہم بھی تمہاری مدد کریں گے۔ پھر اگر نکلنا پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہوں گے۔ اور لڑنے کی صورت میں بھی ہماری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قلعوں کی مرمت شروع کر دی اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے اور حضورؐ کی طرف اطلاع بھیج دی کہ ہمیں اعلانِ جنگ منظور ہے۔ پس مسلمانوں کی فوج پیش قدمی کے لئے تیار ہو گئی۔ تو حضورؐ نے علمِ فوج حضرت علی علیہ السّلام کے حوالہ فرمایا۔ پس آپ اسلامی لشکر کی کمان کرتے ہوئے یہودی آبادی کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضورؐ بھی بنفسِ نفیس پہنچ گئے۔ اور یہودی قلعوں کا سختی سے محاصرہ کر لیا گیا۔ ادھر عبداللہ بن ابی نے یہودیوں کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کی پرواہ تک نہ کی۔ یہودیوں نے جب اہل اسلام کی یلغار دیکھی تو انہوں نے اپنے بیرونی مکانات کو اپنے ہاتھوں خراب کرنا شروع کر دیا جو مسلمانوں کی محاصرہ کی زد میں تھے اور خود اندرونی مکانات میں قلعہ بند ہو گئے۔ پس جس یہودی کے دو مکان تھے وہ بیرونی مکان کو خود گرا کر خراب کر دیتا تھا۔ اور خود اندر والے مکان میں منتقل ہو جاتا تھا جس کی قرآن مجید نے حکایت کی ہے کہ اپنے ہاتھوں اپنے مکانات کو خراب کرتے تھے۔ اِدھر حضورؐ نے حکم دیا کہ ان کی کھجوروں کے باغات کو کاٹ دیا جائے تو یہودی پریشان ہو گئے اور انہوں نے درخواست کی کہ آپ ہمارے باغات کو خراب نہ کریں۔ اگر آپ کو غلبہ ہو گا تو آپ کے کام آئیں گے ورنہ ہمارے لئے رہنے دیں۔ جب مسلمانوں کا محاصرہ سخت ہوا اور یہودیوں پر اہلِ اسلام کا رُعب طاری ہوا تو انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ اور حضورؐ سے درخواست کی کہ ہم اپنے گھروں اور زمینوں کو چھوڑ کر چلے جانے پر رضامند ہیں آپ ہمیں قابلِ نقل و انتقال اموال کے ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تو آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہ ہو گا۔ البتہ اگر صرف اپنے کپڑوں میں جانا چاہو تو تمہیں اجازت دی جا سکتی ہے لیکن اگر کسی کو مال ساتھ لے جاتے دیکھا گیا تو اس کا خون ہمارے لئے مباح ہو گا۔ چنانچہ یہودیوں نے یہ شرط بھی منظور کر لی۔ پس فدک وادی قریٰ اور شام کی طرف چلے گئے

لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ

سے آیا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں پر رعب طاری کر دیا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب

بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۳﴾

کر رہے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں سے پس عبرت حاصل کرو اے صاحبانِ بصیرت

مجمع البیان میں ہے کہ یہودیوں پر فوج کشی کرنے سے پہلے حضورؐ نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرا دیا تھا۔ چنانچہ ان کی سازش کا انکشاف ہوا تو آپ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ کسی طرح کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگا دو۔ پس محمد بن مسلمہ آیا اور اس نے کعب بن اشرف کی کوٹھی کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس کو آواز دی اور اپنے ساتھیوں کو ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا کر دیا۔ کعب سویا ہوا تھا وہ اس کی آواز سے بیدار ہوا۔ اور اُس نے دریافت کیا کہ کون ہو؟ تو اُس نے جواب دیا میں محمد بن مسلمہ ہوں۔ تم سے قرضہ لینے کے لئے آیا ہوں۔ کعب بن اشرف نے کہا میں رہن کے بغیر قرضہ نہ دوں گا تو محمد بن مسلمہ نے کہا میں رہن رکھنے کے لئے تیار ہوں۔ اتفاق سے کعب بن اشرف نے ابھی نئی شادی کی تھی اور یہ اس کی پہلی رات تھی اس کی نو بیاہتی بیوی یہ آوازیں سن رہی تھی۔ جب کعب بستر سے کھڑا ہونے لگا تو بیوی نے روک کر کہا کہ باہر نہ جاؤ یہ کوئی سازش ہے کیونکہ مجھے اس بیرونی آواز سے خون کی بو آ رہی ہے لیکن کعب نے اس کی بات کو ٹھکرا دیا اور باہر چلا آیا۔ محمد بن مسلمہ اور وہ ایک دوسرے کو گلے لگا کر ملے اور باتوں باتوں میں محمد بن مسلمہ اس کو اپنے محل سے دور لے گیا۔ جہاں اس کے ساتھی کمین گاہ میں بیٹھے تھے تو انہوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ کعب بن اشرف نے آواز بلند کی اور اس کی عورت نے بھی واویلا کیا لیکن جب یہودی وہاں پہنچے تو کعب بن اشرف اپنے خون میں لت پت تھا۔ اور مسلمان اس کو قتل کر کے واپس جا چکے تھے جب صبح سویرے کعب کے قتل کی خبر عام ہوئی تو مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اس کے بعد اعلانِ جنگ ہوا۔ بہر کیف مسلمانوں نے جب یہودیوں کو محاصرہ کے ذریعے سخت گرفت میں لے لیا تو وہ اپنی شکست ماننے پر تیار ہوئے آپ نے فرمایا کہ تم جزیرہ عرب سے نکل جاؤ اور شام کی طرف چلے جاؤ۔ پس مصالحت کی شرط یہ تھی کہ یہودیوں کی جانیں محفوظ اور اموال ضبط صرف ان میں سے تین تین آدمیوں کے لئے ایک اونٹ اور ایک مشکیزہ پانی لے جانے کی اجازت تھی۔ پس اکثر شام اور اریحا کی طرف چلے گئے لیکن ابوالحقیق اور حی بن اخطب کے دو قبیلے خیبر میں جا آباد ہوئے اور کچھ حیرہ کی طرف گئے۔ یہ یاد رہے کہ بنو نضیر کی جلاوطنی جنگ احد کے بعد ہوئی اور بنو قریظہ کی فتح جنگِ خندق کے بعد ہوئی اور درمیان میں دو سال کا فاصلہ تھا۔

بِاَيْدِيْهِمْ۔ یہودی لوگ اپنے عمدہ گھروں کو اس لئے خراب کرتے تھے کہ مسلمانوں کے کام نہ آئیں۔ اور مسلمان ان کے گھروں کو اس لئے گراتے تھے کہ وہ جلدی سے شکست تسلیم کرلیں۔ اور چونکہ اس کے موجب یہودی خود تھے اسلئے اس تخریب

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَلَهُمْ

اور اگر اللہ نے ان کے لئے جلاوطنی مقدر نہ کی ہوتی تو ان کو دنیا میں بھی عذاب کرتا　اور آخرت میں

فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ④ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ

ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے　یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی

وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑤ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ

اور جو بھی اللہ کی مخالفت کریگا تو تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے　جو کاٹ دئے تم نے کھجور کے

لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ

درخت یا جن کو چھوڑ دیا اپنے جڑوں پر　یہ اللہ کے اذن و مشیت سے ہے　تاکہ ذلیل کرے

الْفٰسِقِيْنَ ⑥ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ

فاسق لوگوں کو　اور جو کچھ فے کیا اللہ نے اپنے رسول پر ان (یہود) کی طرف سے　تو تم نے اس پر

عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ

گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے　لیکن اللہ مسلط کرتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے

کی نسبت ان کی طرف دی گئی۔

لینۃ - اس کا معنی کھجور کا درخت ہے اور اس کی جمع لیان ہوا کرتی ہے۔ حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ دو۔ اور ان میں آگ لگا دو۔ چنانچہ یہودیوں نے عرض کی کہ حضور! آپ تو لوگوں کو ایسے کاموں سے منع فرماتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی شان سے بعید ہے کہ ایسے کام کا حکم دیں چنانچہ آپ نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے حکم امتناعی جاری فرما دیا۔ اس کے متعلق اللہ فرماتا ہے کہ جو درخت تم نے کاٹ دئے یا جو بچ گئے سب اللہ کے اذن سے ہی تھا اور یہ اس لئے تاکہ فاسق لوگ ذلیل و رسوا ہوں۔

وما افاء اللّٰہ - اس سے مراد وہ اموال ہیں جو بنو قریظہ و بنو نضیر کی فتح کے بعد اہل اسلام کے ہاتھ آئے اور یہ دو نو قبیلے مدینہ میں آباد تھے۔ اسی طرح فدک کی بستی جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھی۔ اور خیبر۔ عرینہ اور ینبع یہ بھی یہود کی آبادیاں تھیں۔ ان تمام کا مال غنیمت خدا نے رسول اللہؐ کو عطا فرمایا۔ مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ پہلی آیت صرف بنو نضیر کے اموال کے متعلق ہے۔ اور دوسری آیت تمام ان اموال کے متعلق ہے جو لڑائی کے بغیر مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٦﴾ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ

اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے جو کچھ فئے کیا اللہ نے اپنے رسول پر اہل دیہات (یہودیوں)

اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ

کی طرف سے تو وہ اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے اور اس کے قریبیوں اور یتیموں مسکینوں

وَابْنِ السَّبِیْلِ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ

اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ دولت مند طبقہ میں دست بدست نہ جاتی رہے تم میں سے اور جو کچھ تم کو رسول

الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

دے دے لے لو اور جس سے تم کو روکے رُک جاؤ اور اللہ سے ڈرو

فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ - یعنی مالِ فئے کا مالک صرف اللہ ہے اور اللہ کا رسول ہے کہ اللہ نے ان کو اختیار دے دیا۔ اور ان کے بعد رسول اللہ کے قرابتداروں کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ قربٰی۔ یتامٰی اور مساکین پر الف و لام عوض مضاف الیہ کے ہے یعنی جو آلِ رسول میں سے یتیم و مساکین و مسافر ہوں ان کو دیا جائے اگرچہ عامہ کے نزدیک اس سے ساری اُمّت کے یتیم و مسکین و مسافر مراد ہیں لیکن احادیث اہلبیت میں تواتر سے منقول ہے کہ یہ صرف بنو ہاشم کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ خاص ہمارے لئے ہے کیونکہ خدا نے ہم پر صدقہ حرام قرار دیا ہے کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں کی میل ہے۔ اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد ہمارے قریبی ہمارے یتیم، ہمارے مسکین اور ہمارے مسافر ہیں۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا، میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ سہم رسول اللہ اور سہم ذی القربٰی ہمارے لئے مخصوص ہے۔ اور باقی حصوں میں بھی ہم شریک ہیں۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہماری اطاعت فرض ہے اور انفال صرف ہمارے لئے ہے الحدیث۔

دُوْلَةً - اس سے مراد ہر وہ شے ہے جس کی ملکیت بدلتی رہے۔ اور نوبت بہ نوبت اس پر قبضے منتقل ہوتے رہیں۔ یعنی خداوند کریم نے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے مالِ فئے کو مختص کر کے ایک متوقع بداعتدالی اور بدعنوانی کا سدِّباب کر دیا۔ اور وہ یہ کہ ایسا نہ ہو کہ مالِ فئے پر صرف اغنیاء اور مالدار لوگوں کی اجارہ داری قائم ہو جائے۔ اور وہ یکے بعد دیگرے اس پر قابض ہوتے چلے جائیں۔

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ - ظاہراً یہ آیت اگرچہ اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ غنیمت کے مال سے جو کچھ تم کو رسول دیدے لے لو۔ اور جس سے روک دے رُک جاؤ۔ لیکن مورد کے لحاظ سے عام ہے۔ اور اس میں رسول اللہ کو خداوند کریم نے اُمورِ شرعیہ میں

إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٨﴾ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا

تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے ان فقراء مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور

مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ

مالوں سے نکال دیئے گئے جو چاہتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی اور اللہ اور اسکے رسول

اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿٩﴾ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ

دکے دین) کی مدد کرتے ہیں وہ لوگ سچے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جنہوں نے ٹھکانا کیا گھروں میں

وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ

اور قبول کیا ایمان کو ان سے بھی پہلے اور دوست رکھتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرکے آئے اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں

فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ

کوئی حسد اس سے جو ان (مہاجرین) کو دیا گیا اور ترجیح دیتے ہیں (دوسروں کو) اپنے اوپر اگرچہ ان کی اپنی

كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠﴾

حالت بھی نازک ہو اور جو محفوظ ہو اپنے نفس کے بخل سے پس وہ فلاح پانے والے ہیں

اختیار دیا ہے۔ اور اُمت کو ان کی اطاعت مطلقہ کی فرمائش کی ہے کہ جس چیز کو آپ واجب قرار دیں وہ واجب ہے اور جس کو حرام قرار دیں وہ حرام ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جن امور کی تفویض رسول اللہ کو کی گئی ان کے بعد ہمیں وہ تفویض کی گئی۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ۔ یہ اُن مساکین کا بیان ہے جن کو مال فے میں سے حصہ دیا جانے کی فہمائش کی گئی ہے اور یہ اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ مساکین و یتامیٰ و مسافرین سے عامۃ المسلمین مراد لئے جائیں۔ اور ممکن ہے اس سے یہ مراد ہو کہ امام وقت اپنی صوابدید سے اپنے تصرف کے ماتحت ایسے لوگوں کو اپنے اختیارِ خصوصی سے حصہ دیگا کیونکہ ان میں دوسروں کی بہ نسبت دینی فوقیت پائی جاتی ہے۔

تَبَوَّءُوا الدَّارَ۔ اس کا عطف سابق اَلَّذِین پر ہے۔ یعنی مال فے کی تقسیم میں ایسے لوگ حقدار ہوتے ہیں۔ اور اس صورت میں یُحِبُّونَ حال واقع ہے۔ اور یہ آیت انصار میں سے مستحقین کی وضاحت کرتی ہے۔ تَبَوَّءُوا الدَّارَ کا معنی ہے جنہوں نے گھروں میں سکونت رکھی ہوئی ہے یعنی جو گھروں سے نکالے نہیں گئے۔ اور وہ انصار تھے اور ایمان کا دار پر عطف لفظی ہے

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا

اور جو لوگ ان کے بعد آئے جو کہتے ہیں اے پروردگار بخش ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے

الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

پہلے ایمان لائے اور نہ کر ہمارے دلوں میں کینہ انکے حق میں جو ایمان

رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا

لائے اے پروردگار تو مہربان رحم والا ہے ۔ کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جو منافق ہیں

یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

کہتے ہیں اپنے ان بھائیوں کو جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں

نہ کہ معنوی۔ اور تقدیر یہ ہے وَاٰثَرُوا الْاِیْمَانَ یعنی جنہوں نے ایمان کو پسند کیا اور مِنْ قَبْلِهِمْ جار و مجرور کا تعلق تَبَوَّءُوا سے ہے یعنی وہ گھروں کے مالک مہاجرین سے پہلے تھے اور ایمان بھی انہوں نے اختیار کیا ۔ اور ممکن ہے ان سے وہ انصار مراد ہوں جنہوں نے بیعت عقبہ میں شمولیت کی تھی وہ ستّر انصار تھے ۔ اور یہ لوگ بہت سے مہاجرین سے پہلے ایمان لانے والے تھے ۔ اور ان انصار کی یہ صفت بھی اللہ کو پسند ہے کہ مہاجرین کو جو کچھ عطا کیا جائے ان کے دلوں میں گھٹن اور کڑھن پیدا نہیں ہوتی ۔ اور اس آیت کی دوسری نحوی ترکیب یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وَالَّذِیْنَ میں واو عاطفہ اور اَلَّذِیْنَ کو مبتدا قرار دیا جائے اور یُحِبُّوْنَ کو اس کی خبر مانا جائے اور اس صورت میں مستحقین فَے کا بیان نہ ہوگا بلکہ انصار کی مدح و ثناء قرار دی جائے گی ۔ تاویل کے لحاظ سے تمام ان لوگوں کی ثنا ہے جو اپنے اندر ایثار کی صفت رکھتے ہوں ۔

ایثار کا بیان

یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ۔ روایت میں ہے کہ جس دن بنو نضیر نے ہتھیار ڈال دئے ۔ اور اپنے تمام اموال رسول اللہ کے حوالے کر کے جلاوطنی پر آمادہ ہوئے تو حضورؐ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ تم گھروں کے مالک ہو ۔ اور مہاجر لوگ اجڑ کر آئے ہیں اگر تم یہ قربانی کرو کہ اپنے گھروں اور اموال میں سے مہاجرین کو بھی حصہ دے دو تو اس مال غنیمت کی تقسیم سے تم سب اپنا اپنا حصہ ان کے برابر لے لو ۔ اور اگر اپنے گھروں اور مالوں سے ان کو کچھ دینا پسند نہ کرو تو اس مال غنیمت کی تقسیم صرف مہاجرین کے لئے رہنے دو ۔ تو انصار نے عرض کی کہ حضورؐ ہم اپنے گھروں اور مالوں میں سے بھی ان کو پورا حصہ دیں گے ۔ اور موجودہ مال غنیمت بھی آپ ان لوگوں میں تقسیم فرما دیں ۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے ۔ اور صحابہ کرام میں ایثار کا یہ شوق تا قیامت اُمت اسلامیہ کے لئے باعث رشک ہے کہتے ہیں ایک دفعہ بھونا ہوا گوشت ایک صحابی کو بطور ہدیہ کے بھیجا گیا اور وہ بھوکا تھا تو اس نے خود نہ کھایا بلکہ ایک اور صحابی کی طرف

لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ

کہ اگر تم کو نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر

اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪

تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمہاری ضرور مدد کریں گے اور خدا گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں

بھجوا دیا یہ کہہ کر وہ مجھ سے زیادہ مستحق ہے اور اُس نے پھر ایک اور کی طرف بھجوا دیا یہ کہہ کر کہ وہ زیادہ حقدار ہے حتیٰ کہ نو آدمیوں تک یکے بعد دیگرے وہی ہدیہ گشت کرتا رہا۔ اور اُس نویں نے پھر پہلے کی طرف بھجوایا کہ ہم سے وہ زیادہ حقدار ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جنگ احد میں پانی دستیاب نہ ہو سکا۔ اور سات آدمی پیاسے تھے۔ جب ایک کو پانی دیا گیا تو اُس نے دُوسرے کو دیا۔ اور ساتویں تک اسی طرح پہنچا کہ پہلے پیاسے شدت پیاس سے مر گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا۔ اور اُس نے عرض کی کہ حضور میں سخت بھوکا ہوں۔ چونکہ حضورؐ کے اپنے گھر میں کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی ہے جو اس بھوکے کو کھانا کھلائے تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام اس کو اپنے دولت سرا پر لے آئے۔ مخدرہ طاہرہ نے اپنے بچوں کے لئے جو کچھ بچا کے رکھا ہوا تھا۔ وہ اس مہمان کے پیش کیا۔ اور بھوکے بچوں کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔ اور چراغ کو خاموش کر دیا گیا۔ تاکہ مہمان بچوں کی اور گھر والوں کی بھوک سے مطلع نہ ہو سکے۔ اور مہمان یہ سمجھتا رہا کہ گھر والے بھی میرے ہمراہ کھا رہے ہیں۔ پس مہمان نے شکم سیر ہو کر کھا لیا اور رات گذر گئی۔ جب صبح سویرے حضرت رسالت پناہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور مسکرائے اور یہ آیت مجیدہ تلاوت فرمائی (برہان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا تم میں بہتر وہ ہیں جو سخی ہیں اور بدتر وہ ہیں۔ جو بخیل ہیں۔ اللہ اس شخص کا ایمان خالص ہے جو مومن بھائیوں سے نیکی کرے اور ان کی حاجات میں کوشش کرے۔ بیشک جو شخص مومن بھائیوں سے حُسن سلوک کرتا ہے وہ اللہ کا پیارا ہوتا ہے۔ اس میں شیطان کی شکست ہے۔ اور یہی چیز جہنم سے دُوری کا سبب اور جنّت میں داخلہ کی موجب ہے۔ آپ نے جمیل بن دراج راوی حدیث سے فرمایا کہ بے شک میری یہ حدیث میرے اچھے اصحاب تک پہنچا دینا۔ راوی نے پُوچھا اچھے اصحاب سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا وہ وہی ہے جو خوش حالی اور تنگدستی کی دو نو حالتوں میں اپنے بھائیوں کی خبر گیری کرتے رہیں۔ پھر فرمایا کہ اہل دولت پر تو یہ بات آسان ہے لیکن خدا نے قرآن مجید میں ان لوگوں کی مدح فرمائی ہے جن کے پاس گنجائش نہیں ہوتی۔ اور اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور ایثار سے کام لیتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے گھر میں فاقہ تھا۔ پس رسول اکرم ص نے ایک دینار عطا فرمایا کہ جا کر خرچ کرو ابھی راستہ میں ہی تھے کہ مقداد سے ملاقات ہو گئی۔ آپ نے مقداد کی حالت پر ترس کھاتے ہوئے وہی دینار اس کو دے دیا۔

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ

(کیونکہ) اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے لڑائی کی گئی تو ان کی مدد بھی نہ کریں گے

اور خود مسجد میں جا کر سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد جناب نبی اکرمؐ مسجد میں گئے تو حضرت علی کو وہاں سوئے ہوئے پایا۔ پس آپ نے جگا کر پوچھا تو حضرت علی علیہ السّلام نے ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے جبریل نے ابھی اطلاع دی ہے اور اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اس قسم کی روایات کتب سیر میں بہت زیادہ منقول ہیں۔

ایک دفعہ حضرت رسالت مآبؐ کے پاس کچھ مال آیا تو آپ نے موجودہ لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد مہاجرین میں سے ایک شخص حاضر ہوا جو تقسیم کے وقت موجود نہ تھا لیکن بہت مسکین تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کون ہے جو اس کو اپنا حصہ دے دے۔ پس حضرت علی علیہ السّلام نے اس کو اپنا حصہ دے دیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یا علی ہر نیکی کی طرف سب سے پہلے قدم بڑھانا تیرا کام ہے تو یعسوب المومنین ہے۔ اور مال ظالموں کا یعسوب ہوا کرتا ہے۔ اور ظالم وہ لوگ ہیں جو تیرے اوپر حسد کریں گے اور تیرے خلاف علم بغاوت بلند کر کے تجھے اپنے حق سے پیچھے ہٹا دیں گے (برہان) اور حدیث میں ہے بخل اور ایمان ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (مجمع)

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا :۔ یہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے حق میں ہے جو اس صفت کو اپنے اندر رکھتے ہوں جس کا بیان کیا گیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ انقطاع ہجرت کے بعد اور انصار کے ایمان لانے کے بعد جو لوگ ایمان کی دولت سے سرافراز ہوئے ان کے حق میں یہ آیت اُتری ہے۔

رکوع ۵

اَلَمْ تَرَ :۔ یہ عبداللہ بن اُبی منافق اور اس کے ساتھیوں کے حق میں اُتری کہ جب بنو نضیر کو عہد شکنی کے بعد حضورؐ نے جلاوطنی کی دھمکی دی تو ان منافقوں نے ان کو پیغام بھیجا تھا کہ تم ہرگز نہ گھبراؤ۔ کیونکہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ اگر لڑنا پڑا تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اور اگر وطن چھوڑنا پڑا۔ تب بھی ہم تم سے جدا نہ ہوں گے۔ لیکن جب بنو نضیر پر مسلمانوں نے محاصرہ کر کے دائرہ حیات تنگ کر دیا اور ان کو وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ تو یہ منافق ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھے رہے اور ان کی امداد کو نہ پہنچے۔ پس ان کی اس منافقانہ روش کو قرآن مجید بیان کر رہا ہے۔ اور یہودیوں کو ان کا بھائی اس لئے قرار دیا گیا کہ اسلام دشمنی میں اندرونی طور پر یہ لوگ یہودیوں کے ہم خیال تھے اور دونو کا مشن ایک تھا۔ ان کا کام صرف یہ تھا کہ کمزور مسلمانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے تھے۔ اور ان کے راز حاصل کر کے یہودیوں سے بیان کرتے تھے اور ہر وقت اہلِ اسلام کے خلاف زہر اگلنا ان کی عادت تھی لیکن ان میں یہ جرأت نہ تھی کہ اعلانیہ طور پر اسلام کے خلاف آواز اٹھائیں۔ اسی لئے اسلام نے ان کی جان و مال کو محفوظ قرار دیا۔ یہی تو وجہ ہے کہ جب ان کی کسی سازش کا انکشاف ہوتا تھا تو حضورؐ کے سامنے قسمیں کھا کر اپنی صفائی پیش کرتے تھے۔

وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَاَنْتُمْ

اور اگر یہ ان کی مدد کریں بھی تو پشت دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی یقیناً ان کے دلوں

اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

میں تمہارا ڈر خدا سے بھی زیادہ ہے یہ اس لئے کہ وہ ایسی قوم ہیں کہ سوچتے

يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ

نہیں تم سے نہ لڑیں گے اکٹھے ہو کر مگر قلعہ بند بستیوں کے اندر یا دیواروں

اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا

کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کی آپس میں دشمنی سخت ہے تم ان کو اکٹھا سمجھتے ہو

وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ

حالانکہ ان کے دلوں میں پھوٹ ہے یہ اس لئے کہ وہ عقل نہیں رکھتے جس طرح کہ وہ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ

لوگ جو ان سے پہلے تھے قریب زمانے میں انہوں نے چکھا اپنے معاملے کا وبال اور ان کے لئے دردناک

لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ۔ یعنی ان منافقوں میں اتنی جرأت نہیں کہ تم سے اعلانیہ لڑ سکیں یا یہ کہ یہودیوں میں بھی اب ہمت نہ ہوگی کہ تم سے جنگ کریں۔ البتہ اپنے گھروں میں قلعہ بند ہو کر یا دیوار کے پیچھے کھڑے ہو کر اندر سے پتھر پھینکتے رہیں گے۔ سامنے آکر میدان میں تم سے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اور یہ آیت بنو نضیر کی جلاوطنی سے پہلے کی ہے۔ اور پیشین گوئی ہے۔ جو حرف بحرف سچی ثابت ہوئی۔

بَاْسُهُمْ۔ یعنی اندرونی طور پر یہودیوں کی بھی آپس میں پھوٹ ہے کہ ان کے جسم اکٹھے ہیں۔ اور دل ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں یا یہ کہ منافق اور یہودی آپس میں ایک دوسرے کے دل سے خیر خواہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں بھی صرف ظاہری دوستی ہے ورنہ اندرونی طور پر وہ بھی ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔

مِنْ قَبْلِهِمْ:۔ یعنی بنو نضیر سے پہلے بنو قینقاع بھی ان منافقوں کی چکنی چپڑی باتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں کہ انہوں نے جنگ بدر کی واپسی پر مسلمانوں سے کیا ہوا عہد توڑ دیا تھا۔ پس ان کو جلاوطن ہونا پڑا تھا۔ اس وقت بھی عبد اللہ بن ابی منافق نے ان کو پیغام بھیجا تھا کہ ڈٹ کر مقابلہ کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اور خدا فرماتا ہے یہ بعینہ شیطانی چال ہے۔ کہ

اَلِیْمٌ ⑯ كَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ

عذاب ہے جس طرح کہ شیطان جب انسان کو کہتا ہے کہ کفر کر پس جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو کہتا ہے

بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ⑰ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ

کہ میں تجھ سے بیزار ہوں میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو عالمین کا پروردگار ہے پس دونو کا انجام یہ ہوگا کہ دونو

اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ⑱ ع ۵

جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ سزا ہے ظالم لوگوں کی

شیطان کا بھی یہی دستور ہے کہ گناہ پر آمادہ کرتا ہے اور جب کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو شیطان اس سے بری ہو جاتا ہے۔ پس گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے دونو کا آخرت میں انجام ایک ہوگا کہ وہ ہمیشہ عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

حکایت عابد! مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ شیطان اگرچہ بالعموم ہر انسان کو گناہ کی دعوت دیتا ہے۔ اور انسان کے گناہ کرنے کے بعد وہ خود اس سے بَری بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اس مقام پر ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ یہ کہ بنی اسرائیل میں ایک راہب عبادت گذار تھا جس کا نام برصیصا تھا۔ وہ ایک مدّتِ مدیدہ تک اللہ کی عبادت میں مشغول رہا یہاں تک کہ وہ مستجاب الدعوہ سمجھا جاتا تھا اگر دیوانگی کے مریض اس کے پاس لائے جاتے تو اس کے تعویذ و دعا سے وہ تندرست ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک حسین وجمیل نوجوان عورت کو دیوانگی کا مرض لاحق ہوا تو شہرت کی بنا پر اس کو اپنے بھائی اس عابد کے پاس لے گئے اور علاج کے لئے وہاں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ شیطان نے مقامِ خلوت میں اس عابد کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ اس نے اس عورت سے زنا کا ارتکاب کیا۔ اور وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ جب اس کا حمل ظاہر ہوگیا تو بدنامی کے ڈر سے اس نے اس عورت کو قتل کر کے دفن کر دیا۔ شیطان نے انسانی شکل اختیار کر کے اس مقتولہ عورت کے بھائیوں میں سے ایک ایک کو عابد کا وہ کرتوت بتانا شروع کر دیا۔ چنانچہ وہ بھائی جب ایکدوسرے سے ملتے تو یہ آپس میں تذکرہ کرتے تھے کہ ایک اجنبی قسم کے انسان نے ایسی خبر کا انکشاف کیا ہے جو ماننے کے قابل ہی نہیں اور یہ خبر پھیلتے پھیلتے بادشاہ وقت تک پہنچ گئی۔ چنانچہ شاہی حکم سے جب تفتیش شروع ہوئی تو عابد نے اپنے جُرم کا اقرار کر لیا۔ پس اس کے لئے بادشاہ نے سزائے موت کا آرڈر دے دیا اور سولی پر لٹکانے کا حکم صادر کر دیا۔ اسی اثنا میں پھر شیطان ایک انسانی شکل میں اس کے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ میں نے تجھے اس مصیبت میں گرفتار کیا ہے اگر اب تو میرا حکم مان لے تو میں تجھے اس مصیبت سے چھڑا سکتا ہوں۔ عابد نے کہا میں اطاعت کے لئے تیار ہوں تو شیطان نے کہا میرا سجدہ کر لو۔ عابد نے کہا اب تو میں زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں۔ کیسے سجدہ کروں۔ پس شیطان نے کہا کہ اشارے سے سجدہ کر لینا ہی کافی ہے پس اس بدنصیب نے سُولی پر لٹکتے ہوئے شیطان کا سجدہ کر لیا اور کفر کی موت مر گیا۔ پس اس حکایت کی طرف اشارہ کر کے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا

اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ کل (قیامت) کے لئے کیا بھیج رہا ہے اور

اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

اللہ سے ڈرو تحقیق اللہ تمہارے عمل سے آگاہ ہے اور نہ ہو مثل ان لوگوں کے جنہوں نے اللہ

نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٢٠﴾ لَا يَسْتَوِي

کو بھلا دیا پس اس نے ان کو اپنے نفس بھلا دئے ایسے لوگ ہی فاسق ہوتے ہیں نہیں برابر

اللہ فرماتا ہے کہ یہودیوں کا عبداللہ بن اُبی منافق کے مشورہ پر عمل کرنا بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح عابد نے شیطان کے مشورے پر عمل کیا تھا۔ اور بعض مفسرین نے اس کو مشرکین مکہ کی مثال قرار دیا ہے کہ جنگ بدر پر شیطان نے ان کو اکسایا۔ لیکن جب مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ کی افواج کو دیکھا تو بھاگ نکلا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ پس ایسے لوگوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا و آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب اور رسوائی دائمی کے وہ مستحق ہوا کرتے ہیں۔

رکوع ۶

اتَّقُوا اللہ۔ پہلی دفعہ اتَّقُوا اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ اور گذشتہ گناہوں سے توبہ کر لو۔ اور دوسری دفعہ سے مراد یہ ہے کہ خدا سے ڈرو اور آیندہ گناہوں کے قریب نہ جاؤ۔ اور دنیا میں زیادہ انہماک کے بجائے اپنے اعمال کا جائزہ لو۔ اور یہ معلوم کرو کہ ہم نے قیامت کے لئے کون کونسے اعمال کئے ہیں کیا وہ ہمیں جنت میں لے جائیں گے یا جہنم کے موجب بنیں گے۔

نَسُوا اللہ ۔ یعنی جن لوگوں نے اللہ کے ذکر کو دنیا میں فراموش کر دیا۔ ان کو قیامت کے روز خدا ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ ان کو اپنے نفس بھول جائیں گے۔ یعنی وہ ایک دوسرے کو بھول جائیں گے کسی کو کسی کی خبر تک نہ ہوگی۔

حضرت علیؑ اور ان کے شیعہ فائزون ہیں

لَا يَسْتَوِي :۔ عطیہ بن سعد عوفی بیان کرتا ہے کہ مجھے مخدوج بن یزید ذُھلی نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ہم چند آدمیوں نے حضورؐ سے اس آیت مجیدہ کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اصحاب الجنۃ وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے میری اطاعت کی اور علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میرے بعد حضرت علی کی اطاعت کی۔ پس فرمایا عَلِيٌّ مِنِّي وَ اَنَا مِنْهُ فَمَنْ حَادَّهُ فَقَدْ حَادَّنِي وَمَنْ حَادَّنِي فَقَدْ اَسْخَطَ اللهَ ۔ یعنی علی مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ جو اس سے روگردانی کرے گا گویا اس نے مجھ سے روگردانی کی۔ اور جس نے مجھ سے روگردانی کی اس نے اللہ کو ناراض کیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ يَا عَلِيُّ حَرْبُكَ حَرْبِي وَسِلْمُكَ سِلْمِي وَ اَنْتَ الْعَلَمُ بَيْنِي وَبَيْنَ اُمَّتِي ۔ یعنی اے علیؑ تیری لڑائی میری

أَصْحٰبُ النَّارِ وَأَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۱﴾

دوزخ والے اور جنت والے اصحاب الجنۃ (جنت والے) ہی کامیاب ہیں

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ

اگر ہم اتارتے اس قرآن کو پہاڑ پر تو تُو دیکھتا کہ اللہ کے ڈر سے خشوع کرتے ہوئے

خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۲﴾

پھٹ جاتا اور لوگوں کے لئے یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں تا کہ فکر کریں

لڑائی، اور تیری صلح میری صلح ہے۔ اور میرے اور میری اُمت کے درمیان نشان ہے۔ راوی حدیث عطیہ کہتا ہے۔ کہ اس کے بعد میں زید بن ارقم کے گھر گیا۔ اور میں نے بیان کیا کہ مخدوج بن یزید سے میں یہ حدیث سُنی ہے تو زید بن ارقم کہنے لگا کہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ حضورؐ کی یہ حدیث سُننے والے میرے علاوہ سب ختم ہو چکے ہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضورؐ نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی لیکن رسول اللہ کے بعض صحابہ نے یہ حدیث سُن کر بھی حضرت علیؑ سے روگردانی اختیار کر لی تھی۔

حضرت اُمّ المومنین ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے مجھے یہ آیت پڑھائی تو میں نے دریافت کیا اصحاب نار کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا علیؑ اور اولادِ علیؑ کے ساتھ بغض رکھنے والے اور ان کی توہین کرنے والے۔ پھر میں نے عرض کی حضورؐ! فائزون کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ ہیں۔

جابر سے مروی ہے کہ بیت اللہ کے پاس ایک دفعہ ہم رسول اللہ کے پاس موجود تھے کہ اتنے میں حضرت علیؑ بھی آگئے آپ نے فرمایا کہ میرا بھائی علی آگیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ کعبہ کی طرف بڑھایا اور فرمایا مجھے اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے یہ اور اس کے شیعہ ہی کامیاب ہوں گے۔ اور دوسری روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی موجود ہے کہ یہ ایمان کے لحاظ سے سب سے اول اللہ کے عہد کو پورا کرنے والا اللہ کے احکام کو قائم کرنے والا رعایا میں عدل کرنے والا برابر کی تقسیم کرنے والا اور اللہ کے نزدیک عظیم المرتبت شخصیت کا مالک ہے اور پیغمبر کی یہ حدیث صرف شیعہ کتب میں نہیں بلکہ اہل سنت کی کتب میں بھی بکثرت منقول ہے۔ یہاں تک کہ ابن حجر مکی جیسے متعصب قسم مصنف نے بھی اپنی کتاب صواعق محرقہ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ اے علی تو اور تیرے شیعہ ہی بروز محشر چھٹکارا پانے والے ہوں گے۔ اور حضرت علی علیہ السلام کا قسیم الجنۃ والنار ہونا بھی اسی سے صاف طور پر واضح ہے کہ جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کے اطاعت گذار ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے۔ اور جو لوگ آپ کی مخالفت کریں گے اور ان سے عداوت رکھیں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ

وہ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں غیب اور شہادت کے جاننے والا ہے وہ رحمان د

الرَّحِيْمُ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ

رحیم ہے وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ملک قدوس

السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ

سلام مومن مہیمن عزیز جبار متکبر ہے پاک ہے اللہ

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۴﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ

اُس سے جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ اللہ خالق باری مصور ہے جس کے اچھے

الْحُسْنٰىؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۵﴾

نام ہیں اس کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ شی جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے

لو انزلنا۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن میں ایقان و عرفان پر مشتمل جس قدر حقائق بیان کئے گئے اور ناقابل تردید براہین سے جس طرح دعوت حقہ کو قابل قبول انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ نیز حسن اسلوب کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی عمدگی اور مشرکانہ رسوم کے غلط نتائج کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اگر اس کو پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ اپنے عظیم اور سخت جسم کے باوجود اس کی تاب برداشت نہ لاتے ہوئے پھٹ جاتا۔ یعنی اس کی مخالفت پر ہرگز ہرگز کمربستہ نہ ہوتا۔ لیکن ان کافر و مشرک لوگوں کے دل اس قدر سخت ہیں کہ باوجود حقائق قرآنیہ سننے اور سمجھنے کے اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہیں آتے۔ اور بعضوں نے بیان کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر صدق بیانی اور معجز بیانی نیز فصاحت و بلاغت پر مشتمل کلام سے پہاڑ پھٹ جانے کی صلاحیت رکھتے ہوتے تو یقیناً پھٹ جاتے لیکن کفار و مشرکین کے دل پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہیں کہ ان کو حقائق قرآنیہ کا ذرّہ بھر بھی اثر نہیں ہوتا۔

اسم اعظم جناب نبی کریمؐ سے اسم اعظم کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا آخر سورہ حشر کی تلاوت کیا کرو۔ اور منقول ہے۔ کہ جو شخص آخر سورہ حشر کو دن یا رات میں پڑھے اور مرجائے تو اس پر[1] جنت واجب ہے ایک روایت میں ہے کہ جو شخص لَوْ اَنْزَلْنَا سے لے کر آخر تک پڑھے اور مرجائے تو وہ[2] شہید مرتا ہے۔ ایک شخص نے حضورؐ سے اپنے بہرے پن[3] کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ کان پر ہاتھ رکھ کر سورہ حشر کی آخری آیتیں پڑھا کر،

اور جابر بن یزید جعفی کہتا ہے کہ مجھے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر درد پر سورہ حشر کی آخری آیتیں پڑھ کر تھوک دو اور تین بار ایسا کرو وہ ساکن ہو جائے گا باذن اللہ اور : مکارم الاخلاق سے منقول ہے کہ ایک ٹکڑا نمک کا لے کر اس پر تین دفعہ سورہ حشر کی آخری آیتیں پڑھے اور اس کو تنور میں ڈال کر جلدی واپس آ جائے تو باذن پروردگار مسّے دور ہو جائیں گے۔ اور منقول ہے کہ سورہ حشر کی آخری آیتوں کو جنّات کی اذیت دور کرنے کے لئے پڑھا جائے تو فائدہ مند ہے (فوائد القرآن)

اسمائے پروردگار

اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جناب رسالت نے فرمایا اللہ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو شمار کرے جنّت میں جائے گا۔ اور وہ یہ ہیں۔

اَللّٰہُ اَلْاِلٰہُ اَلْوَاحِدُ اَلْاَحَدُ اَلصَّمَدُ اَلْاَوَّلُ اَلْاٰخِرُ السمیع البصیرُ القدیرُ القاھرُ العلیُّ الاعلیٰ الباقی البدیعُ الباریُ الاکرمُ الظاھرُ الباطنُ الحیُّ الحکیم العلیم الحلیم الحفیظ الحقّ الحسیب الحمیدُ الحفیُّ الربُّ الرحمٰنُ الرحیمُ الذاریُ الرازق الرقیبُ الرؤوفُ الرائی السّلامُ المومن المھیمن العزیز الجبّارُ المتکبّرُ السیّد السبّوح الشھیدُ الصادقُ الصانعُ الطاھرُ العدلُ العفوُّ الغفورُ الغنیُّ الغیاثُ الفاطرُ الفردُ الفتّاحُ الفالقُ القدیمُ الملکُ القدّوسُ القویُّ القریبُ القیّومُ القابضُ الباسط قاضی الحاجات المجیدُ المولیٰ المنّانُ المحیط المبین المقیتُ المصوّرُ الکریم الکبیر الکافی کاشف الضرّ الوتر النور الوھّابُ النّاصرُ الواسع الودودُ الھادی الوفیّ الوکیل الوارثُ البرّ الباعث التوّابُ الجلیل الجوّاد الخبیر الخالق خیر الناصرین الدیّان الشکور العظیم اللطیف الشافی

دوسری روایت میں ہے حضورؐ نے فرمایا اللہ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو شمار کرے گا جنّت میں جائے گا اور اہل علم کے نزدیک ان کے شروع کرنے کا طریقہ یہ ہے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَبِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی اَللّٰہُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاھِرُ الْبَاطِنُ الْخَالِقُ الْمُصَوِّرُ الْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ الْبَارِئُ الْمُتَعَالِیْ الْجَلِیْلُ الْجَمِیْلُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الْقَادِرُ الْقَاھِرُ الْحَکِیْمُ الْقَرِیْبُ الْمُجِیْبُ الْغَنِیُّ الْوَھَّابُ الْوَدُوْدُ الشَّکُوْرُ الْمَاجِدُ الْاَحَدُ الْوَلِیُّ الْمُرْشِدُ الْغَفُوْرُ الْکَرِیْمُ الْحَلِیْمُ التَّوَّابُ الرَّبُّ الْمَجِیْدُ الْحَمِیْدُ الْوَفِیُّ الشَّھِیْدُ الْمُبِیْنُ الْبُرْھَانُ الرَّؤُوْفُ الْمُبْدِئُ الْمُعِیْدُ الْبَاعِثُ الْوَارِثُ الْقَوِیُّ الشَّدِیْدُ الضَّارُّ النَّافِعُ الْوَافِی الْحَافِظُ الرَّافِعُ الْقَابِضُ

الْبَاسِطُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ الرَّازِقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ الْقَائِمُ الْوَكِيْلُ الْجَامِعُ الْعَادِلُ الْمُعْطِيْ الْمُحْيِيْ الْمُمِيْتُ الْكَافِيْ الْهَادِيْ الْاَبَدُ الصَّادِقُ النُّوْرُ الْقَدِيْمُ الْحَقُّ الْفَرْدُ الْوِتْرُ الْوَاسِعُ الْمُحْصِيْ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْمُنْتَقِمُ الْبَدِيْعُ۔

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ :۔ اس کے مفسرین نے چار معانی بیان کئے ہیں۔

(۱) غیب سے مراد وہ امور جو بندوں کے ادراک سے باہر ہیں اور شہادت سے مراد وہ چیزیں جن کو بندے مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

(۲) غیب سے مراد وہ امور اور وہ مطالب ہیں جو حواس سے ادراک کرنے کے قابل نہ ہوں۔ اور شہادت سے مراد وہ مطالب ہیں جن کو حواس کے ذریعے سے ادراک کیا جائے (۳) غیب سے مراد راز کی باتیں اور شہادت سے مراد اعلانیہ امور

(۴) امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے غیب سے مراد وہ حقائق و امور جو ابھی تک زیور وجود سے آراستہ نہ ہو چکے ہوں۔ اور شہادت سے مراد وہ حقائق جو وجود میں آچکے ہوں۔ اور تمام تعبیروں کا مقصد ایک ہے اور وہ یہ کہ کائنات کے تمام معلومات کا وہ عالم ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

رَحْمَانٌ :۔ تمام مخلوق خواہ مومن ہوں یا کافر سب پر رحم کرنے والا۔

رَحِیْمٌ :۔ بالخصوص مومنوں پر رحم کرنے والا کیونکہ دنیا میں وہ رحمان ہے اور آخرت میں رحیم ہے۔

اَلْقُدُّوْس :۔ یعنی ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے۔ نیز شریک و اولاد سے مبرا اور صفات مخلوق سے بالاتر ہے

اَلسَّلَامُ :۔ ہر عیب سے سالم و محفوظ ہے یا یہ کہ اس کے بندے اس کے ظلم سے محفوظ ہیں کیونکہ وہ ظالم نہیں ہے

المومن :۔ امن دینے والا ہے یا یہ کہ وہ خود اپنی توحید پر ایمان و یقین رکھنے والا ہے۔

المھیمن :۔ وہ امین جو کسی کی امانت کو ضائع نہیں کرتا۔ نیز اس کا معنی شاہد اور مومن بھی کیا گیا ہے۔ اور اس کا معنی رقیب یعنی نگہبان بھی وارد ہے۔ هَيْمَنَ يُهَيْمِنُ فَهُوَ مُهَيْمِنٌ۔ اور کہتے ہیں اٰمَنَ يُؤْمِنُ سے بنا ہے۔

العَزِیْزُ :۔ وہ قادر جو کبھی مغلوب نہ ہو۔

الجَبَّارُ :۔ عظیم الشان بادشاہ کو کہا جاتا ہے۔ اور علی الاطلاق یہ نام صرف اللہ کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ یہ نام اس پر اطلاق ہوتا ہے کہ سب اس کے نیچے ہوں۔ اور اس کے مقابلہ کی تاب کسی میں نہ ہو۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ جبر سے ہے جس کا معنی اصلاح ہے پس جبّار کا معنی اصلاح کرنے والا۔

المتکبّر۔ وہ ذات جو صفات عظمت کی مستحق ہے۔ اور ہر بری صفت سے بلند و بالا ہے۔

الخالق۔ یعنی اجسام و اغراض سب کو کتم عدم سے خلعت وجود بخشنے والا ہے۔

البارئ:- یعنی سب کا ایجاد کرنے والا ہے۔ اور بغیر کسی مادہ کے ان کو پیدا کرنے والا ہے۔
المصوّر:- یعنی تمام موجودات کو اپنی مخصوص صورتیں اور شکلیں عطا کرنے والا ہے۔
ابن عباس سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا اللہ کا اسم اعظم سورہ حشر کی آخری چھ آیتوں میں ہے۔

سورہ الممتحنہ

یہ سورہ مدینہ ہے اور اس کی آیات کی کل تعداد بسم اللہ سمیت چودہ ہے۔
اس سورہ مجیدہ کا نام سورہ مودّت بھی ہے۔
تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جو شخص اس سورہ کی تلاوت کریگا تمام مومن مرد و عورتیں بروز محشر اس کی شفاعت کریں گے۔
امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اپنے فرائض و نوافل میں اس سورہ کو پڑھے تو اس کا دل ایمان کی کسوٹی پر پورا اترے گا اس کی آنکھ میں نور بڑھ جائے گا اور اس کو فکر لاحق نہ ہوگا اور نہ اس کے بدن یا اس کی اولاد میں جنون ہوگا۔
تفسیر برہان میں ہے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص اس سورہ کو پڑھے اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اس کے لئے استغفار کرتے ہیں اور اگر اسی دن یا رات میں مریگا تو شہید مریگا اور تمام مومن بروز قیامت اس کے شفیع ہوں گے۔
جو شخص اس کو لکھ کر تین دن متواتر پئے تو تلی کی تکلیف سے نجات پائیگا نہ اس میں زیادتی ہوگی نہ درد رہے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ

اللہ کے نام سے جو رحمان رحیم ہے (شروع کرتا ہوں) اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو

وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ

دوست کہ ان کی طرف محبت کے پیغامات بھیجتے رہو حالانکہ انہوں نے حق کا انکار کیا

رکوع ۲

لَا تَتَّخِذُوْا۔ یہ آیت شانِ نزول کے لحاظ سے حاطب بن ابی بلتعہ کے ساتھ مخصوص ہے اگرچہ اسکی تاویل عام ہے اور باطن کے لحاظ سے ہر اُس آدمی پر صادق آسکتی ہے جس میں اس جیسی غلطی پائی جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ میں آچکا تھا اور اس کا باقی خاندان سارے کا سارا مکہ میں تھا اور قریش کو ہر وقت یہ خوف دامنگیر رہتا تھا کہ حضرت رسول کریمؐ ان پر کہیں اچانک حملہ نہ کر دیں چنانچہ انہوں نے حاطب کے قریبی رشتہ داروں سے خواہش کی کہ حاطب سے خط لکھ کر دریافت کیا جائے۔ کہ کیا رسول کریمؐ کا مکہ والوں سے لڑنے کا کوئی ارادہ ہے یا نہیں؟ چنانچہ انہوں نے اسی مضمون کا خط حاطب کو لکھا۔ ادھر جنگ بدر کے ۲ سال بعد ایک عورت سارہ نامی یا صفیہ نامی مدینہ میں پہنچی حضورؐ نے پوچھا کیا تو مہاجر ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تو مسلمان ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا تیرے یہاں آنے کی غرض کیا ہے۔ اُس نے کہا آپ لوگ بلند خاندان کے افراد ہیں اور میرے خاندان والے سردار ختم ہو گئے ہیں مصیبت کی ماری ہوئی آپ سے خیرات لینے آئی ہوں۔ چونکہ یہ عورت مکہ میں گانے میں شہرت رکھتی تھی۔ آپنے دریافت کیا کہ مکہ کے نوجوان کہاں گئے جو تم سے گانا سنتے تو کہنے لگی جنگ بدر کے بعد کسی نے مجھ سے گانا سننے کی خواہش نہیں کی پس آپ نے حضرت عبدالمطلب کی اولاد کو حکم دیا کہ اس کی امداد کی جائے چنانچہ اس کے لئے کافی چندہ جمع ہو گیا۔ اور ان دنوں میں حضورؐ مکہ پر چڑھائی کے لئے تیاری کر رہے تھے۔ جب وہ عورت واپس مکہ کی طرف جانے لگی تو حاطب کو موقع مل گیا اور اس نے خط لکھ کر اسی عورت کے حوالے کیا اور دس دینار یا دس درہم اس کو امداد کے طور پر بھی دئے اور مکہ والوں کو صاف لکھا کہ حضرت نبی کریمؐ تم پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں لہٰذا تم ہوشیار رہو۔ چنانچہ وہ عورت خط لیکر روانہ ہوئی تو ادھر جبریل نے حضورؐ کو اطلاع دیدی پس آپ نے سات آدمیوں کو اس کے تعاقب میں روانہ فرمایا جن کے نام یہ ہیں۔ حضرت علی۔ عمار۔ عمر۔ زبیر۔ طلحہ۔ مقداد اور ابو مرثد اور یہ سب شہسوار تھے۔ حضورؐ نے ان کو ہدایت کی۔ کہ جلدی سے چلے جاؤ۔ روضۂ خاخ میں تم اس عورت کو پاؤ گے جس کے پاس حاطب کا خط ہے اُس سے خط چھین لینا اور واپس آجانا چنانچہ اسی مقام پر انہوں نے اس عورت کو جا لیا اور تفتیش کی لیکن وہ خط دستیاب نہ ہوا۔ اور عورت نے بھی اللہ کی قسم کھائی کہ میرے پاس خط نہیں ہے انہوں نے ناکام واپس آنے کا ارادہ کر لیا تو حضرت علی نے فرمایا جس نے ہمیں خبر دی ہے اس کی خبر میں جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا اس کے بعد تلوار نیام سے نکال کر عورت کو دھمکی دیکر فرمایا کہ خط نکالو ورنہ تمہارا سر قلم کر دونگا۔ تب اُس نے خط کا اقرار کیا اور اپنے سر کے بالوں سے اسے نکال کر آپ کے حوالے کیا پس وہ خط حضرت رسول کریمؐ کے پیش کیا گیا۔ حضورؐ نے حاطب کو بلوایا۔ جب وہ حاضر ہوا تو آپ نے وہ خط پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم اس خط کو پہچانتے ہو۔ اُس نے عرض کی جی ہاں: تو آپ نے فرمایا اس کا جواب دو کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی ہے؟ اس نے

مِنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ

جو تمہارے پاس پہنچا انہوں نے رسول کو اور تم کو اس لئے نکالا کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان رکھتے تھے اگر تم

بیان دیا کہ حضور! میں جب سے مسلمان ہوا ہوں نہ کبھی کفر کیا اور نہ آپ سے دھوکا کیا ہے۔ نہ منافق ہوں اور نہ میں نے دین تبدیل کیا ہے۔ پھر اُس نے کلمہ شہادتین کو زبان پر جاری کیا اور کہنے لگا کہ باقی مہاجرین جس قدر موجود ہیں مکہ میں ان کے قبیلہ کے آدمی موجود ہیں جو ان کے مکہ میں پس ماندگان کی نگہداشت کر سکتے ہیں لیکن میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ مکہ میں میرا کوئی قبیلہ نہیں جو میرے افرادِ خانہ کی محافظت کر سکے لہٰذا وہ صرف قریش مکہ کے رحم و کرم پر وہاں زندگی کے دن گذار رہے ہیں۔ اور مجھے گھر والوں نے بذریعہ خط اطلاع دی ہے کہ اہل مکہ ہمارے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آ رہے ہیں۔ پس میں نے یہ خط صرف اس لئے لکھا ہے تاکہ میرا ان پر احسان قائم ہو جائے۔ اور یا رسول اللہ میں جانتا ہوں کہ اللہ کا عذاب اُن کے سروں سے ٹل نہیں سکتا۔ اور میرا خط ان کو اللہ کی گرفت سے بچا نہیں سکتا لہٰذا میں نے یہ جرأت کر لی ہے۔ پس حضورؐ نے حاطب کی بات کو قبول کرتے ہوئے اسکی غلطی کو معاف کر دیا یہ سن کر حضرت عمر کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کی حضورؐ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سر قلم کر دوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے عمر یہ اہل بدر سے ہے۔ شاید اللہ نے اسکا گناہ معاف کر دیا ہو۔ اس کے تحت میں شیخ ابوالحسن محشی مجمع البیان تحریر فرماتے ہیں کہ بدری ہونیکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اگر بعد میں اللہ کی ناراضگی پر کمربستہ ہو جائے۔ تب بھی اس کو عذاب نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے اہل سنت کے مشہور و معروف مؤرخ محقق کا قول نقل کیا کہ اہل بدر ہونیکا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اگر وہ کافر ہو جائے تب بھی جہنم کا مستحق نہ ہو۔ البتہ جس کے متعلق یہ یقین ہو کہ اس سے توبہ سرزد ہو گی تو اللہ اس کے قتل کا حکم نہیں دیا کرتا اور شاید یہ حاطب انہی لوگوں میں سے ہو جن کی توبہ کا اللہ کو علم تھا لہٰذا اصحاب میں سے وہ گروہ جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی لیکن پیغمبر اسلام کے بعد پیغمبر کی وصیت پر ثابت قدم نہ رہے اور آلِ رسول کی ایذا کے درپے ہوئے اور آخر عمر تک اس پر ڈٹے رہے وہ یقیناً ان رعایات کے مستحق نہیں ہیں البتہ جن کے متعلق ثابت ہو جائے کہ انہوں نے غلطی کے بعد توبہ کر لی تھی تو انکی بخشش کی اُمید کیجا سکتی ہے

اَنْ تُؤْمِنُوْا۔ اس کا مضاف محذوف ہے یعنی کَرَاهَةَ اَنْ تُؤْمِنُوْا اور يُخْرِجُوْنَ کا مفعول لہ ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ۔ اس کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تم لوگ خوشنودیٔ خدا کے لئے نکالے گئے ہو تو اس نیک ارادے پر قائم رہو۔

بِالْمَوَدَّةِ [۲۶۲] اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ تم خفیہ طور پر ان کو اپنی دوستی کی یقین دہانی کراتے ہو اور اگر بِالْمَوَدَّةِ کی باء کو تعلیلیہ قرار دیا جائے تو دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ان کو راز کی باتیں بتاتے ہو اس لئے کہ اندرونی طور پر تمہاری اور ان کی دوستی قائم رہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ [۲۶۲]۔ یعنی گذشتہ گناہ تو معاف کر دیا گیا آئندہ جو بھی ایسی حرکت کریگا اسکو معافی نہ دی جائیگی اور یہ تنبیہ ہے۔

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ [۲۶۳]۔ یعنی تمہاری رواداری کی حالت یہ ہے کہ ان کو خاص خبریں بھیجتے ہو لیکن اُن کے کفر کا یہ عالم ہے کہ اگر خدانخواستہ اُنکو تم پر غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ تمہاری گالی گلوچ اور قتل و غارت سے ہرگز باز نہ آئیں گے۔

يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ [۲۶۶]۔ یعنی وہ اولاد اور رشتہ دار جن کی خاطر تم کفار سے تعلقات وابستہ کرتے ہو قیامت کے دن وہ تمہارے کام نہ

خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا

جہاد کے لئے ہی نکلے ہو میرے راستہ میں اور میری رضا کی چاہت میں (تو ڈٹ جاؤ) تم پوشیدہ طور پر ان سے اپنی دوستی ظاہر کرتے ہو حالانکہ میں جانتا

أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ

ہوں جو تم پوشیدہ کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور (آئندہ) جو تم میں سے ایسا کریگا تو سیدھے راہ سے گمراہ قرار دیا

السَّبِيلِ ﴿۲﴾ إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ

جائے گا اگر وہ تم پر غالب آجائیں تو تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کی

وَأَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿۳﴾ لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا

نیت سے بڑھائیں گے اور وہ چاہتے ہیں کہ تم (پلٹ کر) کافر ہو جاؤ ہرگز تمہیں اپنی رشتہ داریاں اور اولادیں قیامت کے دن

أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۴﴾ قَدْ

فائدہ نہ دیں گی خدا تم میں جدائی ڈال دے گا اور اللہ اس سے مطلع ہے جو تم کرتے ہو تمہارے

كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا

لئے اچھا نمونہ ہے حضرت ابراہیم اور وہ لوگ جو ان کے ہمراہ تھے جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہدیا تھا کہ ہم تم

بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ

سے اور اُن سے جن کی تم اللہ کے علاوہ عبادت کرتے ہو بری ہیں ہم تمہارے مذہب کا انکار کرتے ہیں اور تمہارے اور ہمارے درمیان

الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ

دشمنی اور بغض ہمیشہ کے لئے قائم ہو چکا ہے یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لاؤ مگر ابراہیم کا اپنے

آئیں گے کیونکہ اس دن بہشتی بہشت میں ہوگا اور رشتہ دار کافر دوزخ میں ہوگا اور ان دونوں کے درمیان مکمل جدائی ڈال دی جائے گی۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ :۔ تمام مومنوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت پر چلنے کی دعوت دیگئی ہے کہ انہوں نے دینِ خدا کی خاطر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صاف اعلان فرما دیا تھا کہ ہم تم سے بالکل الگ تھلگ ہیں پس مسلمانوں کو بھی ایسی ہی جرأت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔

اِلَّا قَوْلَ اِبْرَاهِيمَ ۔ یعنی باقی ہر بات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت حسنہ پر چلو لیکن یہ کہ اپنے کافر رشتہ داروں کے لئے بخشش کی دعا مانگنے میں اُن کے پیچھے نہ چلو کیونکہ انہوں نے آذر کے لئے دُعائے مغفرت اس وعدہ کے ماتحت کی تھی جو پہلے کر چکے تھے اور

لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ

باپ (چچا) کے لئے یہ کہنا کہ میں تیری بخشش کی دعا کرونگا اور میں نہیں مالک تیرے لئے اللہ سے کسی شی کا اے ہمارے رب تجھ پر ہماری

تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۵ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ

توکل ہے اور تیری طرف بازگشت ہے اور تیری طرف پلٹنا ہے اے ہمارے رب ہمیں نہ بنا آزمائش ان کے لئے جو کافر ہیں

كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَاۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ

اور ہمیں بخش دے اے رب تحقیق تو غالب حکمت والا ہے تحقیق تمہارے لئے ان

فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ

لوگوں میں اچھا نمونہ تھا ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت کی اُمید رکھتے ہوں اور جو منہ پھیرلے تو

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۷ ع عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ

تحقیق اللہ بے نیاز قابلِ حمد ہے شاید اللہ کردے تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جو ان میں سے

کہتے ہیں کہ آذر[1] کا رویہ منافقانہ تھا۔ ظاہر میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ایماندار تھا اور باطن میں وہ کافر تھا اور اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے لئے بخشش کی دعا کی تھی لیکن جب آذر کے کفر کا مکمل انکشاف ہوگیا تو حضرت ابراہیمؑ اس سے بالکل بری ہوگئے اور صاف کہہ دیا کہ میں تیرے لئے اللہ کی جانب سے کسی شی کی ضمانت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا۔ ظاہراً یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے کہ اے پروردگار ہمیں کافروں کے لئے باعثِ فتنہ و آزمائش نہ قرار دے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تو ہمیں اپنی جانب سے کوئی مصیبت یا فقر و فاقہ دیگا تو کفار کو کہنے کا موقعہ مل جائیگا کہ اگر وہ حق پر ہوتے تو گرفتارِ بلا کیوں ہوتے۔ لہٰذا تو ان کو یہ بات کہنے کا موقعہ نہ دے یا یہ کہ ان کو ہمارے اُوپر غلبہ دیکر مسلط نہ کر یا یہ کہ تو مہربانی فرما کہ اگر وہ ہم پر ظلم و تشدد کریں تو ہم صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے تیرے دین کی تبلیغ میں سستی نہ کریں۔

لِمَنْ كَانَ :۔ یہ بدل ہے لَكُمْ سے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت ان لوگوں کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہوں۔

رکوع ۵

عَسَى اللّٰهُ :۔ مقصد یہ ہے کہ تم لوگ ان کی کفر کی حالت میں ان سے دوستانہ تعلقات قائم نہ کرو کیونکہ اس سے ان کو اپنے کفر کی تائید ملتی ہے بلکہ تمہارا فرض ہے کہ اپنے اسلامی منشور پر ڈٹ کر رہو اور ان سے بائیکاٹ کو قائم رکھو۔ اور اللہ سے اُمید رکھو کہ ان کو ایمان کی دولت نصیب کرے تاکہ تمہاری اور ان کی دشمنی صحیح معنوں میں دوستی سے بدل جائے اور اللہ کی قدرت سے یہ بعید نہیں ہے۔ اور ایسی صورت میں خدا انکی سابق لغزشیں معاف کردیگا کیونکہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

[1] آذر حضرت ابراہیم کا چچا تھا نہ کہ باپ اور اس کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۹ صفحہ ۱۵۱ پر دیکھئے۔ دوسرا ایڈیشن

عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٨﴾ لَا يَنْهَاكُمُ

تمہارے دشمن ہیں دوستی اور اللہ قادر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے نہیں منع کرتا

اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ

اللہ تم کو اُن لوگوں سے جو دین کے معاملہ میں تم سے نہیں لڑتے اور نہ تم کو انہوں نے گھروں سے نکالا

أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٩﴾ إِنَّمَا

یہ کہ ان سے نیکی کرو اور ان سے عادلانہ رویہ اختیار کرو تحقیق اللہ انصاف کرنیوالوں کو محبوب رکھتا ہے تمہیں تو صرف

يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ

اللہ ایسے لوگوں سے روکتا ہے جو دین کی وجہ سے تم سے لڑے اور تمہیں اپنے گھروں سے نکال دیا

وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

اور تمہارے نکالنے میں ان کی مدد کی یہ کہ ان سے دوستی رکھو اور جو بھی ان سے دوستی رکھے گا پس وہ

الظَّالِمُونَ ﴿١٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ

ظالم ہوں گے اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں

لَا يَنْهَاكُمُ :- یعنی جن کافروں نے دین کے معاملہ میں تم سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی اور اپنے صلح کے عہد پر قائم ہیں۔ اور تمہاری جلاوطنی میں بھی ان کا عمل دخل نہیں ہے تو خدا ان کے ساتھ احسان کرنے سے تم کو نہیں روکتا بے شک ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے رہو۔ البتہ وہ لوگ جو دین کے معاملہ میں تم سے لڑتے جھگڑتے رہے اور تمہاری جلاوطنی کا باعث بنے یا اس میں ان کا ہاتھ تھا تو ایسے لوگوں کی دوستی سے خدا تم کو روکتا ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ - صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جو شرائط لکھی گئی تھیں ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی کافر مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آئیگا تو مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ کفار کے طلب کرنے پر اس کو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے بھاگ کر اہلِ مکہ سے جا ملے گا تو وہ اس کو واپس نہ کریں گے اور یہ معاہدہ صرف مردوں کے متعلق تھا اس میں عورتوں کی واپسی کی کوئی شق موجود نہ تھی چنانچہ ابھی عہدنامہ پر دستخط ہو ہی چکے تھے کہ ایک عورت سبیعہ بنت حارث اسلیہ مکہ سے بھاگ کر حضور کی پناہ میں آگئی اور اس کے پیچھے پیچھے اُس کا شوہر بھی آپہنچا۔ اور اُس نے اپنی بیوی کا مطالبہ کیا پس یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اس کے ایمان کا امتحان لیا اور وہ اس طرح کہ اس سے قسم لی گئی کہ وہ شوہر سے ناراض ہو کر یا سیر کرنے کے لئے یا دنیا کے کسی فائدہ کی خاطر یا کسی مسلمان

فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا

تو ان کو آزما لیا کرو اللہ ان کے ایمان کو جانتا ہے پس اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ مومن ہیں تو ان کو کفار

تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ

کی طرف واپس نہ پلٹاؤ کیونکہ نہ یہ اُن پر حلال ہیں اور نہ وہ ان پر حلال ہیں

وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ

اور دے دو ان کے مردوں کو وہ جو ان پر خرچ کر چکے ہیں (حق مہر) اور تم کو کوئی گناہ نہیں کہ ان سے نکاح کر لو جبکہ ان کا حق مہر

اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا

ادا کر دو اور نہ باقی رکھو کافر عورتوں کے نکاح کو اور مانگ لو جو تم ان پر خرچ کر چکے ہو اور وہ بھی مانگ لیں

مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱﴾

جو خرچ کر چکے ہوں یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ تمہارے درمیان حکم کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

مرد کے عشق میں مبتلا ہو کر نہیں آئی بلکہ صرف خوشنودیٔ خدا کے لئے اور اسلام کی حقانیت کے پیش نظر ہجرت کر کے آئی ہے چنانچہ اُس عورت نے اپنا حلفیہ بیان دیا پس آپ نے اس کو واپس کرنے سے انکار کر دیا اور اُس کے شوہر نے اس کو جس قدر حق مہر دیا تھا حضورؐ نے وہ اپنی جیب سے ادا کر دیا اُس کے بعد عمر بن خطاب نے اس سے نکاح کر لیا۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ :۔ عورتوں کے واپس نہ کرنے کا حکم اس لئے جاری ہوا کہ عورت کے مسلمان ہو جانے کے بعد نکاح تو اُس کا باقی نہ رہا۔ اب عورت و مرد جب ایک دوسرے پر حلال ہی نہیں تو واپس کرنا زنا کا پیش خیمہ تھا۔ اس لئے عورت کی واپسی منع کر دی گئی۔ اور جب کفار نے صلحنامے کی شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ شرط صرف مردوں کے لئے ہے اس میں عورت کا کوئی ذکر نہیں ہے

بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ :۔ عصم جمع ہے عصمت کی اور اس سے مراد نکاح ہے اور کوافر جمع ہے کافرہ کی یعنی جس مسلمان کے نکاح میں کافر عورت ہے وہ اگر اسلام کو قبول نہ کرے تو نکاح کی عصمت ختم ہو جاتی ہے اور وہ اپنے مسلمان شوہر پر حرام ہو جاتی ہے چنانچہ عمر کے نکاح میں دو کافر عورتیں تھیں اس آیت کے نزول کے بعد اُس نے ان دونو کو گھر سے نکال دیا اُن میں سے ایک نے معاویہ سے نکاح کر لیا اور دوسری جو عبداللہ بن عمر کی ماں تھی اُس نے ایک دوسرے کافر سے نکاح کر لیا جو اس کی قوم میں سے تھا۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ :۔ حکم خداوندی کے بعد مسلمان اس امر کے پابند ہو گئے کہ کفار کی طرف سے جو عورت ہجرت کر کے آتی تھی تو ان کے سابق شوہروں کے مطالبہ پر ان کو وہ حق مہر دیدیا جاتا تھا جو انہوں نے ان عورتوں پر خرچ کیا ہوا تھا لیکن مسلمانوں کی طرف سے جو عورت مرتد ہو کر کافروں کے پاس جاتی تھی تو وہ اس حکم کے پابند نہ تھے کہ مسلمانوں کے مطالبے کے بعد وہ

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ

اور اگر تم سے بھاگ جائے کوئی عورت کافروں کی طرف پھر تم کو غلبہ ہوا کافروں پر ا تو دے دو ان کو جن کی

ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ

عورتیں چلی گئیں (مال غنیمت سے) اتنا جتنا کہ وہ خرچ کر چکے تھے اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان

مُؤْمِنُوْنَ ⑫ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى

رکھتے ہو اے نبی جب تیرے پاس مومن عورتیں آئیں کہ تیری بیعت کریں اس شرط پر

ان کی عورتوں کا حق مہر واپس کر دیں جو مسلمانوں نے ان کو دیا ہوتا تھا پس اس کے متعلق ارشاد خداوندی کہ اگر تمہاری عورتیں کفار کی طرف مرتد ہو کر چلی جائیں اور تم کو کبھی جہاد کرنا نصیب ہو تو جو مال غنیمت تم کو حاصل ہو اس میں سے ان لوگوں کو دو جتنا اتنا انہوں نے ان عورتوں کو حق مہر کے طور پر دیا تھا تاکہ وہ لوگ دوسری جگہ شادی کرنے کے قابل ہو سکیں۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کا معنی اس طرح منقول ہے کہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب کسی مسلمان کی بیوی مرتد ہو کر کفار کی طرف چلی جائے اور وہ مسلمان اسی کے عقب میں یعنی اس کے پیچھے کسی عورت سے شادی کرے تو جس قدر اس کو دوسری شادی پر حق مہر ادا کرنا پڑے اس کو دیا جائے۔ یعنی امام وقت کو چاہیئے کہ اس کو خرچہ دے۔ سائل نے سوال کیا کہ اس کی عورت کافروں کے پاس چلی گئی اور اس میں مسلمانوں کا ہاتھ نہ تھا پھر مسلمانوں کے بیت المال سے اس کا خرچہ کس لئے ادا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا ایسے مواقع پر امام ہی کو خرچہ ادا کرنا چاہیئے خواہ کہیں سے غنیمت ملے یا نہ ملے اور کہیں سے رقم مل جائے تو عامۃ المسلمین میں تقسیم سے پہلے اس قسم کی ضروریات پر خرچ کرے اور جو کچھ باقی بچے وہ دوسرے مستحقین میں تقسیم کرے گویا عَاقَبْتُمْ کا معنی ہے کہ پہلی عورت کے عقب میں دوسری سے شادی کرے۔

مسئلہ۔ اگر عورت اور مرد میں سے ایک مرتد ہو جائے تو ان کا باہمی نکاح ٹوٹ جاتا ہے اگر ارتداد ملی ہو تو عدت کے اندر اندر اگر توبہ کر لیں تو اسی نکاح کو برقرار رکھا جا سکتا ہے لیکن اگر ارتداد فطری ہو تو مرد کی توبہ کے قبول ہونے میں شیعہ فقہاء میں اختلاف ہے لیکن اگر عورت مرتد ہو جائے تو عدت کے اندر اس کی توبہ کی صورت میں وہ اپنے سابق مرد کو مل جائے گی۔ اسی طرح اس کے برعکس کافر مرد و عورت دونو مسلمان ہو جائیں تو سابق نکاح برقرار رہے گا۔ اور اگر عورت مسلمان ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جائیگا اور اس کو کسی مسلمان سے نکاح کرنے کا حق حاصل ہو گا لیکن اگر مرد مسلمان ہو جائے تو عورت کے لئے عدت تک انتظار کی جائیگی۔ اگر وہ عدت کے اندر مسلمان ہو جائے تو نکاح برقرار ورنہ نکاح ختم سمجھا جائیگا البتہ اگر عورت مشرکہ نہ ہو بلکہ کتابیہ ہو تو نکاح برقرار رہے گا۔

يُبَايِعْنَكَ:۔ فتح مکہ کے روز حضرت رسالتمآبؐ نے کوہ صفا پر بیٹھ کر مردوں سے بیعت لی اس کے بعد جب عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں تو یہ حکم نازل ہوا۔ اور آپ نے عورتوں سے بیعت ان شرائط پر لی جو آیت میں مذکور ہیں اور آپ نے فرمایا میں عورتوں کے

أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ

کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں چوری نہ کریں زنا نہ کریں اپنی اولاد کو قتل نہ کریں

وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا

جھوٹا بہتان نہ باندھیں (ایسے بچے کے متعلق) جو ان کے ہاتھوں پاؤں کے سامنے ہے (جو انہوں نے جنا ہے)

يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ

اور نیکی میں تیری نافرمانی نہ کریں تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے بخشش کی دعا کرو اللہ سے تحقیق اللہ

ہاتھ سے ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتا۔ پس پانی کا پیالہ منگوایا۔ جس میں پہلے اپنا ہاتھ مبارک ڈبویا اور نکال لیا۔ پھر بیعت کرنے والی عورت کو حکم دیتے کہ اس پانی میں ہاتھ ڈالو۔ اور یہی بیعت ہے۔ چنانچہ جب ہند بنت عتبہ بیعت کے لئے حاضر ہوئی تو اس نے منہ پر نقاب ڈالا ہوا تھا اور عورتوں کے زمرے میں اوپری شکل کے ساتھ آئی تاکہ حضورؐ پہچان نہ سکیں۔ اس وقت حضرت عمرؓ حضورؐ کے قریب کچھ نیچے کھڑے ہوئے تھے۔ آپ نے عورتوں سے خطاب کر کے شرائط بیعت کو دہرایا سب سے پہلی شرط کو بیان کیا کہ شرک نہ کرنا تو ہند بولی کہ آپ نے مردوں سے یہ شرطیں نہیں منوائیں جو ہم سے منوا رہے ہیں۔ آپ خاموش رہے۔ پس اس نے وہ شرط قبول کی۔ اس کے بعد دوسری شرط آپ نے بیان کی کہ چوری نہ کرنا تو ہند نے کہا میرا شوہر بخیل ہے میں نے اس کے مال سے چوری کر کے اپنے اخراجات پورے کئے ہیں کیا وہ میرے لئے حلال ہیں۔ یہ بات ابوسفیان سن رہا تھا کہنے لگا آج سے پہلے جو کچھ کرتی رہی میں نے معاف کر دیا ہے۔ حضورؐ ہنس پڑے اور فرمایا تو ہند ہے؟ کہنے لگی جی ہاں حضورؐ۔ پس گذری باتیں معاف فرمائیے۔ اس کے بعد آپ نے تیسری شرط بیان کی کہ زنا نہ کرنا تو کہنے لگی کیا شریف عورت بھی زنا کر سکتی ہے؟ حضرت عمر بن خطاب اس کا یہ کلمہ سن کر خوب ہنسے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان اس قسم کا واقعہ گذرا تھا (یہ ہند حضرت معاویہ کی والدہ صاحبہ ہے۔)

اس کے بعد آپ نے چوتھی شرط بیان کی کہ اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں تو وہ کہنے لگی ہم نے اولادوں کو قتل نہیں کیا ہم نے بچوں کو پالا جب وہ جوان ہوئے تو آپ نے قتل کر ڈالا۔ کیونکہ ہند کا بیٹا حنظلہ بن ابوسفیان جنگ بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا تھا یہ سن کر پھر عمرؓ دوبارہ ہنسا اور حضورؐ بھی مسکرا دیئے۔ اس کے بعد آپ نے پانچویں شرط بیان کی کہ جھوٹے بہتان کے ذریعے کسی دوسرے کے بچے کو اپنے شوہر کی طرف منسوب نہ کرنا (کیونکہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے ماں کے پاؤں اور ہاتھوں کے درمیان ہوتا ہے اسی لئے کہا کہ جو تمہارے ہاتھوں اور قدموں کے درمیان ہے اس کے متعلق جھوٹا بہتان نہ باندھنا۔ یعنی

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ

بخشنے والا مہربان ہے اے ایمان والو نہ دوستی رکھو ان قوموں سے جن پر اللہ کا غضب ہے (یہودی لوگ)

عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

جو آخرت سے مایوس ہیں جس طرح کہ کافر لوگ اصحاب قبور سے مایوس ہیں

اپنے شوہر کی طرف منسوب نہ کرنا اور مقصد یہ ہے کہ حرامی نسل کو فروغ نہ دینا تو ہند کہنے لگی خدا کی قسم واقعی بہتان بری چیز ہے اور آپ نے ہمیں اچھے اخلاق کا درس دیا ہے۔ آخری چھٹی شرط آپ نے بیان فرمائی کہ نیکی کے کاموں میں میری نافرمانی نہ کرنا تو کہنے لگی جب ہم یہاں بیٹھے ہیں تو دل میں آپ کے متعلق کسی نافرمانی کا شائبہ تک نہیں ہے۔ فتح مکہ کا مفصل بیان اسی جلد ص۸۲ پر مذکور ہو چکا ہے۔

لَا تَتَوَلَّوْا۔ یعنی یہودیوں کے ساتھ محبت قائم نہ رکھو وہ دیدہ و دانستہ اسلام کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور آخرت کے ثواب سے وہ یقیناً مایوس ہیں جس طرح کہ مشرکین مکہ اصحاب قبور کے دوبارہ زندہ ہونے سے مایوس ہیں یا اصحاب قبور کی فریاد رسی سے مایوس ہیں۔

تفسیر کی تیرھویں جلد سورہ ممتحنہ کی تفسیر پر ختم ہوئی اور چودھویں آخری جلد انشاء اللہ سورہ صف سے شروع ہوگی۔ والحمد للہ رب العلمین

۳۰ اپریل ۱۹۷۰ء مطابق ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۸ بیساکھ ۲۰۲۷ بکرمی بروز منگل وار، ۷ بجے صبح فارغ ہوا ہوں اور اس جلد کی کتابت کا ثواب اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ کے روح کو بخشتا ہوں اور مومنین سے خواہش ہے کہ ایک سورہ فاتحہ پڑھ کر مرحومہ کے روح کو بخش دیں جن کا انتقال ۹ جولائی ۱۹۷۱ء مطابق ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۹۱ھ شب جمعہ ۹ بجے ہوا۔ غفرھا اللہ۔

وما توفیقی الا باللہ

جلد نمبر ۱٤

14

سورہ الصّف

★ یہ سورہ مبارکہ مدنیہ ہے اور اس کی آیات بسم اللہ سمیت پندرہ ۱۵ ہیں۔
اس سورہ کا نام سورہ حواریین اور سورۂ عیسیٰ بھی ہے۔ یہ سورہ تغابن کے بعد نازل ہُوا۔

★ حضورؐ نے فرمایا جو شخص سورہ عیسیٰ کی تلاوت کرے جب تک زندہ رہے گا حضرت عیسیٰؑ اس کے لئے استغفار کریں گے اور قیامت کے روز بھی وہ حضرت عیسیٰؑ کا رفیق جنّت میں قرار دیا جائے گا (مجمع)

★ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص سورۂ صف کو فرائض و نوافل میں ہمیشہ پڑھتا رہے تو خدا اس کو بروز محشر ملائکہ و انبیاء کی صفوں میں جگہ دے گا۔

★ مروی ہے کہ جو شخص سفر میں اس کی تلاوت جاری رکھے وہ سفر میں محفوظ رہے گا اور ہر آنے والی مصیبت سے مامون ہوگا۔

نذرانۂ عقیدت برائے علامہ حسین بخش جاڑا۔ اعلی اللہ مقامہ ● نتیجۂ فکر مولانا محمد بخش جھمکانہ آف حاجی مورا۔ ڈی۔ آئی۔ خان

عالم باعمل تھے علامہ حسین بخش
فاضل بے بدل تھے علامہ حسین بخش

تدریس میں، تحریریں، تقریریں ضرور
کہنے دو بے مثل تھے علامہ حسین بخش

مرحوم مولانا کی تھیں اَن گنت خوبیاں
ایسے صاحبِ فضل تھے علامہ حسین بخش

علمائے صالحین کے زمرہ میں بالخصوص
بیشک نمبر اوّل تھے علامہ حسین بخش

پیشِ نظر تھے جتنے مسائل مشکلہ
انہی کا ایک حل تھے علامہ حسین بخش

یادِ خدا، نبیؐ و علیؑ اہلبیتؑ سے
غافل نہ ایک پل تھے علامہ حسین بخش

اللہ کے کارخانے کی قدرت میں بے گماں
بالکل نئی شکل تھے علامہ حسین بخش

بابُ النجف ہے جاڑا ہمیشہ کی یادگار
اعلیٰ پرنسپل تھے علامہ حسین بخش

سائل بجانب حق ہے کہنے میں بالیقین
بس فاضلِ اجل تھے علامہ حسین بخش

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲﴾

تسبیح گذار ہے اللہ کے لئے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳﴾ کَبُرَ مَقۡتًا

اے ایمان والو! تم کیوں کہتے ہو ایسی بات جو خود کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک

عِنۡدَ اللّٰہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ

سخت ناراضگی کا باعث ہے یہ کہ کہو ایسی بات جو کر کے نہ دکھاؤ تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے اُن کو

یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ ﴿۵﴾

جو اللہ کی راہ میں جم کر لڑتے ہیں جس طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے

رکوع ۹

لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ ۔ یہ آیت مجیدہ تمام ان لوگوں کے لئے تاقیامت سرزنش ہے جن کا عمل ان کے قول کے موافق نہ ہو لیکن نزول کے لحاظ سے بعض کہتے ہیں یہ اس قوم کی سرزنش کے لئے ہے جنہوں نے جنگ سے پہلے بڑے بڑے دعوے کئے تھے لیکن عین جنگ کے دوران میں فرار کر گئے تھے چنانچہ اُحد کے دن رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے حتّٰی کہ حضورؐ کا چہرۂ اقدس بھی زخمی ہوا اور دندان مبارک بھی شہید ہو گئے اور مروی ہے کہ شہداء بدر کے فضائل جب لوگوں نے سُنے تو انہوں نے خواہش کی کہ آئندہ جنگ میں ہم ضرور شریک ہو کر درجۂ شہادت پر فائز ہوں گے لیکن جنگِ احد میں وہ بھی فرار کر گئے اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے ایک دفعہ حضورؐ سے خواہش کی کہ ہمیں تمام اعمال میں سے بہترین عمل کی نشاندہی کی جائے تو آپ نے ایمان خالص اور جہاد کا ذکر فرمایا۔ پس جہاد کا نام سُن کر اُن کے حوصلے پست ہو گئے۔ نیز ایک روایت میں ہے کہ جنگِ بدر میں ایک کافر مسلمان کے لئے نہایت مصیبت کا باعث بنا ہوا تھا تو موقعہ پا کر اس کو صہیب نے قتل کر دیا لیکن ایک دوسرے صاحب نے جو جنگ میں صرف تماشائی رہا کرتا تھا۔ نہ کسی کو مارتا تھا اور نہ کسی سے مار کھاتا تھا۔ فوراً خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اُس کافر کو میں نے مارا ہے چنانچہ حضورؐ خوش ہوئے کسی نے صہیب سے ذکر کیا کہ جس کو تو نے مارا ہے فلاں شخص نے حضورؐ کے سامنے دعویٰ کیا ہے

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف

اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں پس جب وہ ٹیڑھے ہوئے تو اللہ نے اُن کے دِلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور خدا

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

نہیں ہدایت کرتا فاسق لوگوں کو اور جب کہا حضرت عیسیٰ بن مریمؑ نے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ

اے اولادِ یعقوب میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اس کی جو مجھ سے پہلے تھی

کہ میں نے اس کو مارا ہے تم ذرا جاؤ اور اس حقیقت سے نقاب کشائی کرو صہیب نے کہا میں نے خوشنودی خدا کے لئے دُشمن دین کو قتل کیا ہے نہ کہ خود نمائی کے لئے پس کسی دوسرے آدمی نے پیغمبر سے ذکر کر دیا کہ حضورؐ! فلاں کافر کو تو صہیب نے قتل کیا تھا یعنی جس حضرت نے اپنی ناموری کی خاطر اس کا قتل اپنی طرف منسوب کیا ہے اُس نے غلط کہا ہے پس حضورؐ اصہیب کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کیا یہ بات درست ہے تو صہیب نے عرض کی۔ جی ہاں ایسا ہی ہے۔ بہرکیف کرسیٔ نبوت کے اردگرد وقت گذارنے والوں میں زبان کے بہادروں کی بہتات تھی جو بات کرنے میں سب سے پیش پیش نظر آتے تھے لیکن میدان میں ان کا شمار آخری صف میں ہوا کرتا تھا تاکہ پسپائی کی صورت میں وہ سب سے اوّل نظر آئیں چنانچہ مذکورہ آیتیں ایسے بہادروں کو سرزنش کر رہی ہیں کہ جو کام کر نہیں سکتے ہو اس کا زبان سے دعویٰ نہ کیا کرو۔ اور آخر میں خداوند کریم نے ان بہادروں کی تعریف فرمائی جو میدان میں کوہ گراں کی طرح جم کر لڑتے ہیں اور بڑے سے بڑے طاقتور دشمنوں کو تہہ تیغ کر کے اسلامی وقار کی سربلندی کا باعث بنتے ہیں چنانچہ انہی کو خدا نے اپنا محبوب ٹھہرایا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ حضرت حمزہؓ اور عبیدہ بن حارث کے حق میں اُتری ہے۔ اور بعض روایات میں ان کے علاوہ سہل بن حنیف اور حارث بن ابی دجانہ انصاری کا نام مذکور ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى۔ حضرت پیغمبر کو تسلی دی گئی ہے کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ آپ سے پہلے انبیاء کو بھی اپنی اُمتوں کی جانب سے اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھرے مجمع میں زنا کی تہمت لگائی گئی لیکن خداوند کریم نے حضرت موسیٰؑ کی عزت و ناموس کی خود محافظت فرمائی۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ پر حضرت ہارونؑ کے

مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا

یعنی تورات کی اور خوشخبری دینے والا ہوں ایسے رسول کی جو میرے بعد آئے گا اس کا نام نامی احمد ہوگا پس جب

جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ

وہ واضح دلیلیں لے کر آئے گا تو (بنی اسرائیل) تو کہنے لگے کہ یہ تو صاف جادو ہے اور کون زیادہ ظالم ہے اس

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

سے جو جھوٹا افترا باندھے اللہ پر حالانکہ اس کو اسلام دعوت دی جاتی ہے اور اللہ نہیں ہدایت کی

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

توفیق دیتا ظالم لوگوں کو

ناحق قتل کا الزام لگایا گیا جس سے خدا نے ان کو بری قرار دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن سے یہی فرماتے رہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں مجھے ستانا چھوڑ دو لیکن وہ اپنی غلط روش سے باز نہ آئے آخر کار خدا نے اپنے الطاف خاصہ سے ان کو محروم کر دیا اور مستحق عذاب ہوئے

حضرت عیسیٰؑ کی پیشین گوئی

اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۔ اس کے معنی میں دو وجہیں بیان کی گئی ہیں (۱) اسم فاعل حامدؔ سے مبالغہ ہے اَحْمد یعنی زیادہ حمد کرنے والا (۲) اسم مفعول محمود سے مبالغہ ہے احمد یعنی وہ جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے اور حضور نے خود فرمایا کہ میرے کئی نام ہیں میں احمد ہوں میں محمد ہوں الخ اور تفسیر برہان میں ہے ایک دفعہ ایک یہودی نے آپ پر سوال کیا کہ آپ کے اسماء محمد احمد بشیر اور نذیر میں آپ کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا نام محمدؐ اس لئے ہے کہ میں زمین محمود ہوں اور میرا نام احمد اس لئے ہے کہ میں آسمان میں احمد ہوں اور میرا نام بشیر اس لئے ہے کہ میں خدا کے فرماں برداروں کو جنّت کی خوشخبری دینے والا ہوں اور میرا نام نذیر اس لئے ہے کہ میں خدا کے نافرمانوں کو جہنم سے ڈرانے والا ہوں اور حدیث مذکور کی توجیہ بعض علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ عالم انوار میں حضرت محمد مصطفےٰؐ سب سے زیادہ اللہ کی حمد وثنا بیان فرماتے تھے حتیٰ کہ اسی نور طاہر سے تمام فرشتوں نے تسبیح و تقدیس وتحمید وتحلیل پروردگار کا درس سیکھا اس لئے آسمانوں میں ان کو احمد کہا گیا اور جب زمین پر تشریف لائے تو خدا نے اپنی برگزیدہ مخلوق میں سے جس قدر محمد مصطفےٰؐ کی تعریف وتوصیف بیان کی اتنی کسی اور کے لئے ثابت نہیں ہے تو یہ زمین میں محمد ٹھہرے گویا عالم انوار میں وہ احمد ہیں اور عالم اجسام میں وہ محمدؐ ہیں

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو پورا کرے گا اگرچہ کافر ناپسند

الْکٰفِرُوْنَ ⑨ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ

کرتے رہیں وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ

لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ⑩ ع

اس کو تمام دینوں پر غلبہ دے اگرچہ مشرک لوگ ناپسند کرتے رہیں

خداوندکریم نے حضرت عیسیٰ کی بشارت کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے حضور کی آمد کی خوشخبری اپنی قوم کو سنائی لیکن حضور کی تشریف آوری کے بعد عیسائیوں نے اس کو جادوگر کہہ کر ٹال دیا اور ایمان کی دولت سے بہرہ ور نہ ہو سکے اور تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو حضرت محمد مصطفےٰ کی آمد کی پیشین گوئی کی تھی چنانچہ قرآن مجید میں اس کا صاف اعلان دوسری جگہ موجود ہے کہ یہود و نصاریٰ دونو کو سرزنش کرتے ہوئے فرماتا ہے یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یعنی اہل کتاب لوگ حضرت محمد مصطفےٰؐ کے نام اور ان کے اوصاف کو تورات و انجیل میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں اور پھر ازراہ عناد اس کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کے معجزات کو جادو کہہ کر ٹال دیتے ہیں چنانچہ ان کے انصاف کش رویے کی مذمت فرماتے ہوئے اگلی آیت میں فرما رہا ہے کہ ان سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے کہ ان کو اسلام اور دین حق کے قبول کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے جس کی پیشین گوئی اپنے انبیاء سے سن چکے ہیں پھر وہ اللہ پر جھوٹا افترا باندھتے ہوئے اس کو ٹھکراتے ہیں اور ان کے معجزات کو جادو سے تعبیر کر کے عوام الناس کے لئے دین حق سے دوری کے موجب بنتے ہیں۔

حضرت قائم آل محمدؐ کی آمد

وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ ۔ خداوندکریم اس نور نبوت اور ہدایت کو پورا کرے گا۔ اور دین اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غلبہ عطا فرمائے گا اور اس پیشین گوئی سے مراد قائم آل محمدعج علیہ السلام کی آمد کا زمانہ ہے۔ تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ایک وقت آئے گا کہ زمین پر آباد ہونے والی ہر چھوٹی سے چھوٹی بستی میں بھی صبح و شام توحید و رسالت کی شہادت کی آوازیں بلند ہوں گی۔ ایک دوسری روایت میں ابن عباس سے منقول ہے کہ دنیا میں کوئی یہودی و نصرانی بلکہ کوئی صاحب مذہب ایسا نہ رہے گا جو اسلام کے دامن سے وابستہ نہ ہو گا اور امن اس قدر عام ہو گا کہ بکری بھیڑیا گائے، شیر اور انسان و سانپ ایک دوسرے سے مانوس ہو جائیں گے حتیٰ کہ چوہا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابٍ

اے ایمان والو کیا میں تم کو ایسی تجارت کی نشاندہی کروں جو تم کو دردناک عذاب سے

أَلِيمٍ ﴿١١﴾ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

بچالے (وہ یہ کہ) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور

بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٢﴾

جانوں سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَ

تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں

بھی کسی چیز کو کاٹ کر نقصان نہ پہنچائے گا۔ کسی پر کوئی ٹیکس نہ ہوگا۔ صلیبیں توڑ دی جائیں گی اور خنزیر کو قتل کیا جائیگا اور یہ سب کچھ اس وقت ہوگا جب حضرت قائم آل محمدؐ تشریف لائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ کوئی بھی غیر اللہ کے پوجنے والا نہ ہوگا اور زمین عدل و انصاف سے اس طرح پُر ہوگی جس طرح کہ ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی اور اللہ کے نور کے پُورا ہونے سے مراد حضرت قائم آل محمدؐ کا ظہور ہے۔ اَللّٰهُمَّ عَجِّلْ فَرَجَهٗ

تفسیر برہان میں آیت مذکورہ کے ذیل میں حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت رسالتمآبؐ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ خدا نے زمین پر نظر انتخاب ڈالی تو میرے بھائی وزیر وارث وصی اور خلیفہ ہونے کے لئے علیؑ کو چُنا تو وہ میرے بعد ہر مومن کا دوست ہے پس جو اس کا دوست ہوگا اللہ کا دوست ہوگا اور جو اس کا دشمن ہوگا اللہ کا دشمن ہوگا جو ان سے محبت رکھے گا اللہ اس سے محبت رکھے گا۔ اور جو اُن سے بغض کرے گا اللہ اس کو مبغوض قرار دے گا اور جو علیؑ سے محبت نہ کرے گا مگر مومن اور بغض نہ کرے گا مگر کافر یہ میرے بعد زمین کا نور اور ستون ہوگا اور وہ کلمۃ التقویٰ اور العروۃ الوثقیٰ ہوگا پھر آپ نے یہی آیت وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ تک پڑھی اور فرمایا کہ جو حاضرین ہیں وہ غائبین تک میری بات پہنچا دیں کہ خدا نے پھر زمین پر نظر انتخاب ڈالی اور علیؑ کی اولاد میں سے گیارہ اماموں کو چُن لیا جو یکے بعد دیگرے ہادی و مہدی ہونگے ان کو چھوڑنے والا انکو نقصان نہ پہنچا سکے گا یہ زمین پر خدا کی حجت ہوں گے اسکی مخلوق پر گواہ ہوں گے ان کا مطیع اللہ کا مطیع اور ان کا نافرمان اللہ کا نافرمان ہوگا وہ قرآن کے ساتھ اور قرآن اُن کے ساتھ ہوگا قرآن ان سے جُدا نہ ہوگا اور وہ قرآن سے جُدا نہ ہونگے یہانتک کہ کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے

رکوع ۱۰ — وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً۔ حضرت نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ جنت میں ایک محل ہوگا جسمیں ستر گھر یاقوت

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾

اور ایسی پاکیزہ رہائش گاہوں میں جو جنّتِ عدن میں ہوں گی تمہیں داخل کرے گا یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ

اور دوسری (تجارت) جو تم پسند کرتے ہو وہ اللہ کی مدد اور قریبی فتح (تم کو نصیب ہوگی) اور خوشخبری دو

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

مومنوں کو اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جس طرح کہ عیسیٰؑ بن مریمؑ

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ

نے حواریوں سے کہا تھا کہ میرا کون مددگار ہوگا اللہ کی طرف؟ تو حواریوں نے

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ

کہا کہ ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں پس ایمان لایا ایک گروہ بنی اسرائیل میں

اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي

سے اور کفر کیا ایک گروہ نے پس ہم نے مدد کی مومنوں کی

عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾ ع

ان کے دشمن کے خلاف پس وہ غالب ہوئے

سرخ یاقوت کے ہوں گے ہر گھر میں ستر کمرے زمرد سبز کے ہوں گے ہر کمرے میں ستر تخت اور ہر تخت پر ستر ستر بستر ہوگا۔ اور ہر بستر پر ایک حور ہوگی اسی طرح ہر کمرہ میں ستر ستر دسترخوان ہوں گے اور ہر دسترخوان پر ستر ستر قسم کے لذیذ کھانے موجود ہوں گے اور ہر کمرے میں ستر ستر ملازم اور کنیزیں خدمت گاری کے لئے حاضر ہوں گے اور مومن کو خدا اس قدر طاقت دے گا کہ ہر قسم کی لذت سے وہ بہرہ اندوز ہو سکے گا۔

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ یعنی ایمان لانے والوں اور جہاد کرنے والوں کے لئے اُخروی کامیابی کے علاوہ دنیاوی کامیابی بھی نصیب ہوگی اور وہ یہ کہ جہاد میں اللہ ان کا ناصر ہوگا۔ اور ان کو فتح نصیب ہوگی اور یہ تمام فتوحات اسلامیہ کی

پیشین گوئی ہے۔

لِلْحَوَارِيِّينَ ۔ان کی وجہ تسمیہ کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ مخلص تھے اور ہر عیب سے منزہ تھے۔ لہٰذا ان کو اس نام سے یاد کیا گیا یا یہ کہ وہ صفائی پسند تھے اور سفید دُھلا ہُوا لباس پہنا کرتے تھے اس لئے اُن کا یہ نام رکھا گیا ہے اور حضرت عیسیٰؑ کے بعد نصاریٰ کے تین گروہ ہوگئے ایک گروہ نے کہا کہ وہ خدا تھا اور اُوپر چلا گیا دوسرے گروہ نے کہا کہ خدا کا بیٹا تھا اور بلا لیا گیا اور تیسرے گروہ نے کہا کہ نہ خدا تھا اور نہ خدا کا بیٹا تھا بلکہ اللہ کا بندہ اور اس کا برحق رسول تھا پس پہلے دونوں گروہ کافر ہوگئے اور تیسرا گروہ مسلمان اور مومن رہا اور کافر گروہوں نے مومن گروہ کو مغلوب کر لیا لیکن جب اسلام کا چرچا ہُوا تو مومن گروہ کافروں پر غالب آگیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ عیسیٰؑ کے حواری عیسیٰؑ کے شیعہ تھے اور ہمارے حواری ہمارے شیعہ ہیں اور عیسیٰؑ کے حواریوں نے یہود کے شر سے بچانے کے لئے عیسیٰؑ کی کوئی مدد نہ کی لیکن ہمارے شیعوں کو جلایا جائے۔ عذاب دیا جائے جلا وطن کیا جائے اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو ستایا جائے تاہم وہ ہماری نصرت سے کنارہ کشی نہ کریں گے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا اگر ہمارے شیعوں کو تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے تب بھی ہماری محبت سے کنارہ کشی نہ کریں گے۔

شیعانِ علیؑ

اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ شیعان علیؑ نے ہر نازک دور میں اپنے اُوپر ہر قسم کے مظالم سہے لیکن کبھی سخت سے سخت تر حالات میں بھی حضرت علی علیہ السلام کی ولا کے پرچم سرنگوں نہیں ہونے دیا چنانچہ امیر شام معاویہ بن ابی سفیان کی ہرکاری آرزوئے نفس کے ماتحت جب حضرت علیؑ کو سب کرنا ایک سنت جاریہ بن گیا تھا تو شیعان علیؑ پر کیا گذرتی ہوگی اس کا ادنیٰ سا نمونہ علامہ مودودی کی زبان سنیئے جب حجر بن عدی و دیگر شیعان علیؑ کو گورنر کوفہ زیاد نے گرفتار کرکے معاویہ کے پاس بھیجا تو اس نے ان کے قتل کا حکم دیدیا۔

"قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم حضرت علیؑ سے برأت کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے ان لوگوں نے اس بات کے ماننے سے انکار کر دیا اور حجر نے کہا میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے" آخر کار وہ اور ان کے سات ساتھی قتل کر دیئے گئے (خلافت و ملوکیت صفحہ ۱۶۵)

بہر کیف کتب سیر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جور و استبداد کی جس چکی میں شیعان علیؑ کو پیسا جاتا رہا اور ظلم کے جس شکنجے میں جکڑ کر ان کا خون چوسا جاتا رہا مسلمانوں کی تاریخ کے صفحات پر انسانیت سوزی کا یہ سیاہ کارنامہ تاقیامت ثبت رہے گا تاہم وحشت خیز و دہشت انگیز مظالم کی وادی سے گزر کر بھی جنت ہزبرانِ شیعانِ علیؑ نے آنے والی نسلوں کے لئے اپنے قابل فخر کردار کو اساسی دستور بنا دیا جو تاقیامت شیعانِ علیؑ کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

سُورۃُ الجُمُعَۃ

★ یہ سورہ مدینہ ہے سورۃ الصّف کے بعد نازل ہوا۔

★ اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت بارہ ہے۔

★ خواص القرآن سے منقول ہے کہ جو شخص سورہ جُمعہ کی روز مرّہ تلاوت کرتا رہے تو وہ ہر خوفناک و خطرناک چیز سے امن میں رہے گا اور ہر قسم کی مصیبت اُس سے دُور رہے گی (نبوی)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو شخص دن کو بوقت صبح اور رات کو سر شام یہ سُورہ تلاوت کرتا رہے وہ وسوسۂ شیطانی سے محفوظ رہے گا اور اس دن و رات میں ہونے والی اس کی لغزشیں معاف کی جائیں گی (برہان)

★★★★★

فضائل جُمعہ

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ اللہ نے ایام میں سے جُمعہ کو، مہینوں میں سے ماہ رمضان کو راتوں میں سے شب قدر کو انبیاء میں سے محمد کو اور اوصیاء میں سے حضرت علی کو چُن لیا ہے اور اس کو تمام اوصیاء پر فضیلت بخشی ہے الحدیث

معصوم سے مروی ہے کہ بعض اوقات انسان دعا مانگتا ہے تو اس کی قبولیت جُمعہ تک کے لئے مُلتوی کر دی جاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے۔ یہ دن عید الفطر و عید قربان سے افضل ہے اسی دن میں حضرت آدمؑ پیدا ہوئے اور اسی دن میں اُنہوں نے وفات پائی اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس میں ہر دعا مستجاب ہوتی ہے بشرطیکہ ناجائز نہ ہو اور ملک مقرب سے لے کر شجر و حجر تک ہر شئی اس دن خوفزدہ ہوتی ہے کہ کہیں قیامت قائم نہ ہو جائے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ جمعہ کے دن و رات میں اللہ کے نیک بندے تہلیل تسبیح ثنائے پروردگار اور درود شریف کو ورد زبان قرار دیا کرتے ہیں

آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن حور العین دریچۂ جنّت سے جھانک کر پوچھتی ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ سے ہماری خواہش رکھتے ہیں

جناب بتول معظمہؑ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا غروب شمس کی گھڑی میں مومن کی دُعا مستجاب ہوتی ہے۔

تفسیر درمنثور میں استجابت دعا کا وقت ذکر کیا گیا ہے اور ایک روایت میں یوم عرفہ کے برابر کہا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ

تسبیح کرتا ہے اللہ کی جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے (وہ اللہ) ملک قدوس عزیز حکیم

الۡحَکِیۡمِ ﴿۲﴾ ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡہُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ

ہے۔ وہ وہ ہے جس نے مکہ والوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن پر اس کی

اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ٭ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ

آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو اچھے اخلاق سکھاتا ہے اور ان کو کتاب و شریعت کی تعلیم دیتا ہے اور تحقیق وہ

قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳﴾ وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ ؕ

لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے اور دوسرے انہی میں سے ہیں جو ابھی اُن سے نہیں ملے

رکوع ۱۱

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ - مقصد یہ ہے کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق ذی رُوح یا غیر رُوح تکوینی طور پر اپنے خالق کی تسبیح کرتی ہے اور اللہ کی حکمتِ شاملہ اور صنعتِ کاملہ پر کائنات کا ہر ذرہ بے چون وچرا اپنے زبانِ حال سے تنزیہ پروردگار میں رطب اللسان ہے اور بعض سورتوں میں سَبَّحَ اور بعض میں یُسَبِّحُ اس معنی کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اللہ ماضی و مستقبل کے تمام زمانوں میں حمد و ستائش کا سزاوار ہے۔

اَلۡاُمِّیّٖنَ - یہ اُمّیٌّ کی جمع ہے اور چونکہ مکہ کو اُمُّ الۡقُرٰی کہا جاتا ہے لہذا مکہ میں بسنے والوں کو اُمّی کہا گیا ہے اور حضرت رسالتمآبؐ کو نبیِّ اُمّی بھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے اور بعض لوگ اُمّی کا معنی ان پڑھ بھی لیتے ہیں یعنی یہ لفظ اُم کی طرف منسوب ہے پس جس طرح ماں کے شکم سے باہر آنے کے وقت بچہ کچھ نہیں جانتا ہوتا، اسی طرح وہ لوگ گویا مادر زاد حالت پر علم سے بالکل کورے تھے جن کی طرف رسول کو بھیجا گیا اور رسول اللہ بھی انہی میں سے ایک تھے یعنی ظاہری طور پر کسی سکول یا کالج میں انہوں نے داخلہ نہیں لیا تھا اور نہ کسی ماہر اُستاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔ لیکن باوجود اس کے اُن کی زبان وحی ترجمان سے علوم اوّلین و آخرین کے سمندر اُمنڈ پڑتے تھے اور زبان کو جنبش دیتے تو حکمت کے دریا بہا دیتے تھے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ خدا کی جانب سے رسول بن کر آئے تھے اور اسی کی جانب سے کتاب و حکمت کے مبلغ بن کر آئے تھے چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ

اور وہ غالب حکمت والا ہے یہ اللہ کا فضل ہے وہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل

عرض کی کہ اے فرزند رسول یہ لوگ رسول اللہ کو اُمّی کیوں کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ وہ اس سے کیا مراد لیتے ہیں؟ تو اُس نے عرض کی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ آپ نے فرمایا خدا اُن پر لعنت کرے وہ جھوٹ بکتے ہیں اللہ تو اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ میں نے اُمّی لوگوں میں اپنا رسول بھیجا جو ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگر وہ خود تعلیم یافتہ نہیں تھے تو لوگوں کو کیسے تعلیم دیتے تھے؟ اور خدا کی قسم حضرت نبی کریمؐ بہتر یا تہتر زبانوں میں لکھ پڑھ سکتے تھے (گویا اس زمانہ میں مروج زبانیں اسی قدر ہی تھیں) اور آپ کا لقب اُمّی اس لئے ہے کہ آپ اہل مکہ میں تھے اور مکہ کو اُمّ القریٰ کہا جاتا ہے۔

لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ۔ یعنی قیامت تک آنے والے مسلمان خواہ عرب ہوں یا عجم سب کے سب انہی میں سے ہیں جن کی تعلیم کے لئے حضرت رسالتمآب تشریف لائے کیونکہ حضور تا قیامت ہر انسان کے لئے کتاب و حکمت کے مبلغ تھے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ رسول اللہ نے یہ آیت پڑھی تو کسی نے پوچھ لیا کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ تو آپ نے سلمان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ فِي الثُّرَيَّا لَنَالَتْهُ رِجَالٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ یعنی اگر ایمان ثریا کی بلندیوں تک پہنچ جائے تو ایرانی لوگ وہاں تک پہنچ کر بھی ایمان کو حاصل کرلیں گے اور اس حدیث شریف میں اطراف عالم تک اسلام کے پھیلنے کی پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک دفعہ غرباء طبقہ نے خدمت نبوی عرض کی۔ کہ دولت مند لوگ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور ہم اس ثواب سے محروم ہیں۔ وہ حج کرتے ہیں اور ہم نہیں کرسکتے وہ غلام آزاد کرا سکتے ہیں اور ہم اس ثواب سے بھی قاصر ہیں۔ آپ نے فرمایا جو شخص ایک سو مرتبہ اللہ اکبر کہے اس کا ثواب غلام آزاد کرنے سے زیادہ ہے اور جو شخص ایک سو دفعہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھے تو اس کا ثواب لوگوں کے تمام دوسرے اعمال سے زیادہ ہے چنانچہ غرباء نے یہ عمل شروع کیا تو امراء نے بھی ان تسبیحات کا ورد شروع کر دیا اس کے بعد غرباء طبقہ نے عرض کی کہ حضور اب اس میں تو امراء بھی ہمارے ساتھ شریک ہیں تو آپ نے قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت فرمائی کہ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دیدے۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آسمان کے فرشتے جب زمین پر چند آدمیوں کو محمدؐ و آل محمدؐ کا ذکر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو دوسرے فرشتوں سے کہتے ہیں کہ زمین کی طرف نگاہ کرو کہ تھوڑے سے آدمی ہیں اور محمدؐ و آل محمدؐ کے ذکر میں مشغول ہیں تو دوسرے فرشتے یہی آیت پڑھتے ہیں کہ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے دیدے۔ اور حضرت اُمّ سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریمؐ سے سُنا آپ نے فرمایا کہ جب کوئی قوم زمین پر محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل میں مشغول ہو تو آسمان سے فرشتے اُترتے ہیں اور ان میں شمولیت کرتے

الْعَظِیْمِ ۝٥ مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا

والا ہے　مثال ان لوگوں کی　جن کو　تورات دی گئی　پھر انہوں نے اس پر　عمل نہ کیا

كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

مثل اُس گدھے کے ہے　جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو　بُری مثال ہے اس قوم کی جنہوں نے اللہ کی نشانیوں

ہیں جب اختتام مجلس کے بعد وہ واپس جاتے ہیں تو آسمانی فرشتے ان سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ خوشبو کیسی ہے جو ہم تمہارے وجود سے محسوس کر رہے ہیں تو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل کی کسی مجلس میں زمین پر شریک ہوئے تھے اور یہ ان لوگوں کی خوشبو کا اثر ہے جو شریک مجلس ہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں بھی اس مکان پر لے چلو تو ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ اب تو مجلس متفرق ہو گئی۔ (برہان)

عالم بے عمل

مَثَلُ الَّذِیْنَ ۔ یعنی جن لوگوں کو تورات دی گئی لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا تو اُن کی مثال اس گدھے جیسی ہے جس پر کتابیں لادی جائیں اور یہ صرف بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ علمائے اسلام کے لئے بھی درس عبرت ہے کہ جو عالم بھی اپنے علم پر عمل نہ کرے وہ کتابوں سے لدے ہوئے گدھے کی طرح ہوتا ہے چنانچہ بعض روایات میں عالم بے عمل کو بے پھل درخت سے بھی مثال دی گئی ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے جب سوال کیا گیا کہ انبیاء و اوصیاء کے بعد جنت کے اعلیٰ درجات میں کون ہوگا تو آپ نے فرمایا ہماری امت کے علماء جن کا عمل و قول ایک دوسرے کے مطابق ہوں اور پھر سوال کیا گیا کہ نمرود و شداد و فرعون وغیرہ کے بعد جہنم کے پست ترین طبقات میں کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ بھی ہماری امت کے علماء ہوں گے جن کا عمل و قول ایک دوسرے کے مطابق نہ ہوں گے اور اس حدیث کو مقدمہ تفسیر انوار النجف میں نقل کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر سخاوت نہ کرنے والے دولتمند کو قارون سے انصاف نہ کرنے والے سلطان کو فرعون سے اور علم پر عمل نہ کرنے والے عالم کو ابلیس سے مشابہت دی گئی ہے اور اس میں شک نہیں کہ جس طرح عالم باعمل ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کے لئے گمراہی سے نجات کا باعث ہوا کرتا ہے اسی طرح اس کے برعکس عالم بے عمل ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کے لئے گمراہی کا موجب ہو سکتا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ عالم بے عمل جس قدر عوام الناس کی داد و تحسین اور واہ واہ کا مستحق ہو کر دنیا کی ہر ریل پیل میں حصہ لیتا ہے اس کے برعکس عالم باعمل لوگوں کی بے توجہی اور ان کے طعن و تشنیع کا نشانہ بن کر بے کسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ خداوند کریم علماء حقہ کا سایہ قوم پر قائم رکھے اور صبر آزما حالات میں ان کو ثبات قدم کی توفیق مرحمت فرمائے اور جس دور سے ہم گذر رہے ہیں علماء سوء کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے کیونکہ عوام الناس علم و دیانت سے روز بروز جس قدر دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور لادینی کا سیلاب جس طرح ہمہ گیر ہو کر ہر خشک و تر کو اپنے دھارے میں بہائے لے جا رہا ہے اُسی قدر

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

کو جھٹلایا اور اللہ ہدایت کی توفیق نہیں دیتا ظالم لوگوں کو کہہ دیجیے اے

الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ

یہودیو! اگر تمہارا گمان ہے کہ تم اللہ کے دوست ہو نہ کہ دوسرے لوگ

دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۷

تو تم موت کی خواہش کرو (اور جنت میں چلے جاؤ) اگر سچے ہو

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

اور وہ یہ خواہش نہ کریں گے بالکل بوجہ اس کے جو کرتوت کر چکے ہیں اور خدا ظالم لوگوں

بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۸ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ

کو خوب جانتا ہے کہہ دیجیے تحقیق وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ یقیناً تم

مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

سے ملاقات کرے گی پھر پلٹائے جاؤ گے اس ذات کی طرف جو غیب و شہادت کے جاننے والا ہے پس تم

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹ ع۱

کو خبر دے گا (سزا دیگا) اس کی جو تم عمل کرتے ہو

علماء سوء کا وقار بڑھتا رہا ہے۔ جو عوام کی ہر غلط سلط رسم کو دین ثابت کرتے ہیں اور اس کے برعکس علمائے خیر کا وجود عوام الناس کیلئے ناقابل برداشت ہے جو ان کو ہر غلطی پر ٹوکتے ہیں اور ان کو جائز و ناجائز میں فرق کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور اس کی پاداش میں علمائے اعلام کی کھلے جلسوں میں توہین کی جاتی ہے اور ان کو ہر اوچھے حربے سے زیر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان پر ہر گندہ کیچڑ اچھالنے سے ذرہ بھر دریغ نہیں کیا جاتا اور یہ وہی زمانہ ہے جس کے متعلق معصوم کی پیشین گوئی موجود ہے کہ ایک وقت آئیگا جب علماء کی زبانوں پر قفل ہوگا اور جہلاء کی زبان دراز ہوگی۔ اے اللہ ہمیں راہ راست پر ثابت قدم رہنے کی توفیق مرحمت فرما

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا۔ چونکہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم حق پر ہیں اور یقیناً جنت میں جائیں گے۔ تو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ

اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر (نماز جمعہ) کی طرف دوڑ کر آؤ اور

اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ⑩

خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم دانا ہو

ان کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے تو جنت آرام وآسائش کا گھر ہے تمہیں اس دُکھ اور تکلیف کے گھر (دُنیا) سے نکل کر اُسی گھر کی طرف جانا چاہیئے جس میں آرام ہے پس موت کی خواہش کرو اور جنت میں جاؤ لیکن وہ ایسا ہرگز نہ کریں گے۔

رکوع ۱۲

مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ - لفظ جمعہ میں تین طرح کا تلفظ وارد ہے - جُمُعَہ - جُمْعَہ - جُمَعَہ یعنی میم پر ضمہ جزم اور فتحہ تینوں حرکات پڑھی گئی ہیں اور اس کی جمع جُمَعْ اور جمعات آتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ پہلے جمعہ کا نام عروبہ تھا اور کعب بن لوئ پہلا شخص ہے جس نے اس کا نام جمعہ رکھا اور خُطبہ میں اَمَّا بَعد کی اصطلاح کا موجد بھی کعب بن لوئ تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ انصار نے ایک میٹنگ میں ہجرت پیغمبر سے پہلے یہ نام تجویز کیا تھا اور وہ اس طرح کہ اسلام کی دولت سے مشرف ہونے والے انصار نے اپنے ہاں ایک خاص مجلس مشاورت کا انعقاد کیا اور یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ یہودیوں نے اپنے اجتماع کا ہفتہ وار ایک دن مقرر کیا ہوا ہے اسی طرح نصاریٰ نے بھی اپنے لئے ہفتہ میں ایک دن مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ ایک جگہ جمع ہو کر اجتماعی امور پر تبادلہ خیالات کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے لئے بھی ایک دن ضرور ہونا چاہیئے جس میں ہم سب سر جوڑ کر اکٹھے مل بیٹھیں تاکہ ہمارا قومی و ملی وقار قائم ہو۔ چنانچہ انہوں نے عروبہ کا دن تجویز کیا اور ان کا پہلا اجتماع اسعد بن زرارہ کے ہاں ہوا اور اس مجلس میں عروبہ کے بجائے اس کا نام جمعہ تجویز کیا گیا اور اسعد بن زرارہ نے ان کی ضیافت میں ایک بکری ذبح کی جو صبح و شام ان کے لئے کافی ہوئی کیونکہ اس وقت ان کی تعداد کم تھی اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا جمعہ تھا اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے جو پہلا جمعہ پڑھا وہ مسجد بنی سالم میں ادا کیا گیا۔ کیونکہ آپ مکہ سے ہجرت کرکے ۱۲ ربیع الاوّل بروز سوموار چاشت کے وقت مقام قبا پر پہنچے جہاں عمرو بن عوف کی اولاد کا ڈیرہ تھا پس وہاں ان کے لئے مسجد کی بنیاد بھی رکھی جسے مسجد قبا کہا جاتا ہے اور جمعہ تک وہاں قیام فرمایا اور جمعہ کے روز وہاں سے کوچ فرمایا اور نماز جمعہ کے وقت بنی سالم کے ڈیرہ پر پہنچے جو ایک وادی میں تھا پس وہاں آپ نے نماز جمعہ ادا فرمائی اور یہ پہلی نماز جمعہ تھی جو حضورؐ نے اپنے صحابہ کو پڑھائی اس کے بعد انہوں نے اسی جگہ کو مسجد کے لئے وقف کر دیا اور مسجد بنالی گئی اور نماز جُمعہ سے پہلے آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جسمیں خوف خدا اور دعوت تقویٰ اور دیگر اسلامی بنیادی

مسائل کو ایک جامع انداز سے واضح فرمایا پس جمعہ نماز سے پہلے خطبے ضروری قرار دیئے گئے حضورؐ کا جمعہ کا خطبہ تفسیر
مجمع البیان میں مکمل موجود ہے جس کے نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

خطبۂ جمعہ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ اَحمَدُہٗ وَاَستَعِینُہٗ وَاَستَغفِرُہٗ وَاَستَهدِیهِ وَاُومِنُ
بِهٖ وَلَا اَکفُرُہٗ وَاُعَادِیْ مَن یَّکفُرُہٗ وَاَشهَدُ اَن لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ
وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لَهٗ وَاَشهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبدُہٗ وَرَسُولُهٗ اَرسَلَهٗ بِالهُدٰی وَالنُّورِ
وَالمَوعِظَةِ عَلٰی فَترَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ وَقِلَّةٍ مِّنَ العِلمِ وَضَلَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ وَانقِطَاعٍ
مِّنَ الزَّمَانِ وَدُنُوٍّ مِّنَ السَّاعَةِ وَقُربٍ مِّنَ الاَجَلِ مَن یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُولَهٗ فَقَد
رَشَدَ وَمَن یَّعصِهِمَا فَقَد غَوٰی وَفَرَطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِیدًا اُوصِیکُم بِتَقوَی اللّٰہِ
فَاِنَّهٗ خَیرُ مَا اَوصٰی بِهِ المُسلِمُ المُسلِمَ اَن یَّحُضَّهٗ عَلَی الاٰخِرَةِ وَاَن یَّامُرَہٗ
بِتَقوَی اللّٰہِ فَاحذَرُوا مَا حَذَّرَکُمُ اللّٰہُ مِن نَّفسِهٖ وَاِنَّ تَقوَی اللّٰہِ لِمَن عَمِلَ بِهٖ عَلٰی
وَجَلٍ وَّمَخَافَةٍ مِّن رَّبِّهٖ عَونُ صِدقٍ عَلٰی مَا تَبغُونَ مِن اَمرِ الاٰخِرَةِ وَمَن یُّصلِحِ
الَّذِی بَینَهٗ وَبَینَ اللّٰہِ مِن اَمرِہٖ فِی السِّرِّ وَالعَلَانِیَةِ لَا یَنوِی بِذَالِکَ اِلَّا وَجهَ اللّٰہِ
یَکُن لَّهٗ ذِکرًا فِی عَاجِلِ اَمرِہٖ وَذُخرًا فِیمَا بَعدَ المَوتِ حِینَ یَفتَقِرُ المَرءُ اِلٰی مَا قَدَّمَ
وَمَا کَانَ مِن سِوٰی ذَالِکَ یَوَدُّ لَو اَنَّ بَینَهٗ وَبَینَهٗ اَمَدًا بَعِیدًا وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفسَهٗ
وَاللّٰہُ رَءُوفٌ بِالعِبَادِ وَالَّذِی صَدَّقَ قَولَهٗ وَنَجَزَ وَعدَہٗ لَا خُلفَ لِذَالِکَ فَاِنَّهٗ یَقُولُ
مَا یُبَدَّلُ القَولُ لَدَیَّ وَمَا اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلعَبِیدِ فَاتَّقُوا اللّٰہَ فِی عَاجِلِ اَمرِکُم وَاٰجِلِهٖ
فِی السِّرِّ وَالعَلَانِیَةِ فَاِنَّهٗ مَن یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّر عَنهُ سَیِّئَاتِهٖ وَیُعظِم لَهٗ اَجرًا وَ
مَن یَّتَّقِ اللّٰہَ فَقَد فَازَ فَوزًا عَظِیمًا وَاِنَّ تَقوَی اللّٰہِ تُوَقِّی مَقتَهٗ وَتُوَقِّی عُقُوبَتَهٗ وَتُوَقِّی
سُخطَهٗ وَاَنَّ تَقوَی اللّٰہِ تُبَیِّضُ الوُجُوہَ وَتُرضِی الرَّبَّ وَتَرفَعُ الدَّرَجَةَ خُذُوا بِحَظِّکُم
وَلَا تُفَرِّطُوا فِی جَنبِ اللّٰہِ فَقَد عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ کِتَابَهٗ وَنَهَجَ لَکُم سَبِیلَهٗ لِیَعلَمَ الَّذِینَ
صَدَقُوا وَیَعلَمَ الکَاذِبِینَ فَاَحسِنُوا کَمَا اَحسَنَ اللّٰہُ اِلَیکُم وَعَادُوا اَعدَاءَہٗ وَجَاهِدُوا
فِی سَبِیلِ اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِہٖ هُوَ اجتَبَاکُم وَسَمَّاکُمُ المُسلِمِینَ لِیَهلِکَ مَن هَلَکَ عَن
بَیِّنَةٍ وَّیَحیٰی مَن حَیَّ عَن بَیِّنَةٍ وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ فَاَکثِرُوا ذِکرَ اللّٰہِ وَاعمَلُوا
لِمَا بَعدَ الیَومِ فَاِنَّهٗ مَن یُّصلِحُ مَا بَینَهٗ وَبَینَ اللّٰہِ یَکفِهِ اللّٰہُ مَا بَینَهٗ وَبَینَ النَّاسِ
ذَالِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ یَقضِی عَلَی النَّاسِ وَلَا یَقضُونَ عَلَیهِ وَیَملِکُ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَملِکُونَ

مِنۡہُ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ

شانِ نزول

تفسیر مجمع البیان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم جناب رسولؐ اللہ کی اقتدا میں نماز جُمعہ پڑھ رہے تھے کہ ایک قافلۂ تجارت آن پہنچا پس اعلان ہوتے ہی مسجد میں کھڑے ہوئے نمازی سب دوڑ گئے اور رسولؐ اللہ کے پیچھے صرف بارہ آدمی بچ گئے جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا تو دحیہ بن خلیفہ کلبی شام سے مال تجارت لایا اور جنّت البقیع میں اُس نے دکان لگائی اُس وقت حضورؐ خُطبہ پڑھ رہے تھے پس چند آدمیوں کے علاوہ سب دوڑ گئے کیونکہ ان کو یہ ڈر تھا کہ اگر دیر سے گئے تو ضروریاتِ زندگی کی خرید سے محروم ہو جائیں گے تو حضورؐ نے باقیماندہ صحابہ سے فرمایا اگر تم بھی دوڑ جاتے اور میرے ساتھ کوئی باقی نہ رہتا تو اُس وادی پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا اور آگ بھڑک اٹھتی۔ دحیہ بن خلیفہ کلبی شام سے تمام ضروریاتِ زندگی کا سامان لایا کرتا تھا مثلاً آٹا، گندم وغیرہ اور بازار مدینہ میں اس کی دوکان کے لئے ایک جگہ مخصوص تھی پس آتے ہی وہ طبل بجایا کرتا تھا۔ اور لوگ دھڑا دھڑ اُس کے پاس پہنچ جایا کرتے تھے چنانچہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ وہ مدینہ میں آیا اور حسبِ دستور طبل بجا کر اعلان کیا وہ اتفاق سے جمعہ کا دن تھا اور حضورؐ خُطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے پس آواز سُنتے ہی سب لوگ خُطبہ چھوڑ کر دوڑ گئے۔ صرف بارہ مرد اور ایک عورت بچ گئے آپ نے فرمایا اگر یہ بھی چلے جاتے تو ان لوگوں پر بحکم خُدا آسمان سے پتھر برستے اور ایک روایت میں ہے کہ تین دفعہ ایسا اتفاق ہُوا کہ شام سے مال تجارت آیا اور لوگ جمعہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ۔ یعنی جمعہ کی نماز ہو جانے کے بعد اللہ کے ذکر یعنی نماز جمعہ کی طرف دوڑ کر آؤ اور مقصد یہ ہے کہ باقی تمام دنیاوی کام چھوڑ کر عبادت کی طرف رغبت کرو، اسی لئے جمعہ کے دن اذان کے بعد سفر کرنا حرام قرار دیا گیا ہے اور ذَرُوا الۡبَیۡعَ کے حکم سے صاف واضح ہے کہ خرید و فروخت بھی اذان جمعہ کے بعد تا اختتام نماز جُمعہ ممنوع اور حرام ہے۔ تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی تیاری کرو یعنی مونچھیں کٹواؤ بغلوں کے بال صاف کرو ناخن اترواؤ اور غسل کر کے عُمدہ لباس زیبِ تن کرو اور خوشبو لگا کر نماز کے لئے چلو۔

جُمعہ کی وجہ تسمیہ

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جمعہ کو جمعہ اس لئے کہا گیا ہے کہ اس روز اللہ نے میثاق کے وقت حضرت محمد مصطفٰے اور حضرت علی علیہ السّلام کی ولایت کے لئے تمام ارواح کو جمع کیا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ کی ولایت کے اقرار کے لئے اللہ نے تمام مخلوق کو اس دن اکٹھا کیا تھا اور مجمع البیان کی سابق روایت میں جہاں یہ کہا گیا ہے کہ جمعہ کا نام عروبہ تھا اور کعب بن لوی نے اس کا نام جُمعہ رکھا تھا یا یہ کہ ہجرت پیغمبر سے پہلے انصار نے ایک خصوصی

اجتماع میں اس کا نام عروبہ سے جمعہ بدل دیا تھا۔ اس روایت کے ساتھ اس کی منافات نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جب روز ازل میثاق لیا گیا۔ اگرچہ ضبط اوقات سے پہلے کی بات ہے لیکن کہا جاسکتا ہے کہ اگر ضبط اوقات ہوتا تو وہ میثاق جمعہ کے دن پڑتا اور اسی اجتماع کی وجہ سے ہی اس کو جمعہ کا نام دیا گیا ہے اگرچہ ظاہری دنیا میں اس کا تسمیہ کعب بن لوی یا انصار کی طرف منسوب ہے۔

فضائل جمعہ وسائل الشیعہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس شخص کو جمعہ کا دن نصیب ہو اُسے اس دن عبادت کے علاوہ اور کوئی کام نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ بندوں کی بخشش اور نزول رحمت کا دن ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک دن جمعہ کے خطبہ میں فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس میں ہر جائز دعا مقبول ہوتی ہے۔

آپ نے ایک حدیث میں فرمایا جو جمعہ کی رات کو مرے وہ فشار قبر سے محفوظ ہوتا ہے اور جمعہ کے دن میں مرے تو عذاب جہنم سے آزاد ہوتا ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی نیک کام کا ارادہ رکھتا ہو مثلاً صدقہ وخیرات وغیرہ تو وہ جمعہ کے دن کرے کیونکہ اس دن اس کا عمل دوگنا شمار ہوگا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جمعہ کے روز نیکی اور برائی دوگنی شمار ہوتی ہے۔

رسالتمآب سے مروی ہے کہ قیامت کا قیام جمعہ کے دن ظہر وعصر کے درمیانی وقفہ میں ہوگا۔

حضورؐ نے فرمایا جمعہ کے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے ہر گھنٹہ میں چھ لاکھ گنہگاروں کو جہنم سے آزادی کا پروانہ ملتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہفتہ کا دن ہمارا اتوار ہمارے شیعوں کا سوموار ہمارے دشمنوں کا منگل بنو اُمیہ کے لئے بدھ وار دوا پینے کے لئے خمیس قضاء حوائج کے لئے اور جمعہ کا دن خوشبو وپاکیزگی کے لئے ہے اور یہ مسلمانوں کی عید ہے اور عید الفطر وعید قربان سے افضل ہے اور یوم عید غدیر خم تمام عیدوں سے افضل ہے جو ۱۸ ذی الحجہ کا روز ہے اور قائم آل محمدؐ کا خروج جمعہ کے دن ہوگا اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی اور اس دن میں درود سے افضل اور کوئی عمل نہیں ہے۔

تفسیر درمنثور میں ہے کہ جمعہ کے دن آسمان وزمین کی خلقت ہوئی اسی دن جنت ونار کو خلق کیا گیا۔ اسی روز حضرت آدم پیدا ہوئے اسی دن جنت میں گئے اور اس سے باہر آئے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ شب جمعہ میں لاتعداد فرشتے زمین پر اُترتے ہیں جن کے ہاتھوں میں سونے کا قلم اور چاندی کے ورق ہوتے ہیں اور وہ ہفتہ کی رات تک محمدؐ وآل محمدؐ پر درود بھیجنے والوں کا درود وسلام ہی لکھتے ہیں پس آپ نے راوی حدیث سے فرمایا کہ جمعہ کے شب وروز میں درود وسلام زیادہ پڑھا کرو

اور سنت یہ ہے کہ ہر روز ایک سو مرتبہ اور جمعہ کے دن ایکہزار مرتبہ درود شریف پڑھا جائے اور آپ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھے تو خدا اس کی ایک سو حاجات پوری کرے گا۔ جن میں سے تیس(۳۰) دنیادی ہوں گی (باقی اخروی)۔

اور ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ شب جمعہ خدا کی جانب سے ندا ہوتی ہے کیا کوئی تائب ہے جس کی توبہ قبول کی جائے۔ کیا کوئی استغفار کرنے والا ہے۔ تاکہ اس کے گناہ بخشے جائیں۔ کیا کوئی سائل ہے؟ جس کو دیا جائے (فرشتے یہ دعا کرتے ہیں) اے اللہ دینے والوں کو عطا کر۔ اور بخل کرنے والوں کے مال تلف کر۔

آدابِ جمعہ

حجامت بنوانا، غسل کرنا، عمدہ لباس پہننا اور خوشبو لگانا جمعہ کے مستحبات میں سے ہیں اور غسل جمعہ کے متعلق بعض احادیث میں لفظ وجوب بھی وارد ہے جس کو علماء استحباب موکد پر محمول فرماتے ہیں اگر جمعہ کے دن پانی نہ ملنے یا غسل سے معذوری کا خطرہ ہو تو بروز خمیس بھی غسل جمعہ کیا جا سکتا ہے اور اگر کسی وجہ سے غسل جمعہ ترک ہو جائے تو اس کی قضا ہفتہ کے دن تک ہو سکتی ہے۔ غسل جمعہ کا وقت طلوع آفتاب کے بعد ہے اور جس قدر زوال کے قریب ہو افضل ہے۔

مسئلہ:۔ جمعہ کے دن بیس رکعت نافلہ مستحب ہے چنانچہ اس کی ترکیب حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا چھ رکعت طلوع آفتاب کے بعد پھر چھ رکعت جب سورج بلند ہو جائے پھر اس کے بعد چھ رکعت زوال سے پہلے اور پھر دو رکعت زوال کے بعد یہ کل بیس رکعت ہونگی۔ الحدیث (وسائل)

مسئلہ:۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امام جمعہ کو چاہیئے کہ سردی اور گرمی میں خطبہ جمعہ کے لئے عمامہ پہن کر آئے اور کندھوں پر چادر بھی ڈالے اور دوسری روایت میں ہے کہ بوقت خطبہ عصا پر سہارا رکھے۔

مسئلہ:۔ وسائل میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قلیب نامی ایک بدوی شخص حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی یارسول اللہ: میں کئی دفعہ حج کے لئے تیار ہوا ہوں لیکن اتفاق سے جا نہیں سکا۔ آپ نے فرمایا:۔ اے قلیب: جمعہ کی نماز میں لازمی طور پر حاضر ہوا کرو۔ کیونکہ مساکین کی یہی حج ہے

مسئلہ:۔ وسائل میں حضرت رسالتمآب سے مروی ہے کہ عمامہ کے ساتھ دو رکعت بغیر عمامہ کے چار رکعت سے افضل ہے اور شہید اول سے ذکری میں مروی ہے کہ شلوار پہنے ہوئے نماز کی ایک رکعت بغیر شلوار کی چار رکعتوں سے افضل ہے اور اسی قسم کی روایت عمامہ کے متعلق بھی وارد ہے (اقول) جب عام نماز میں عمامہ و شلوار کو اہمیت دی گئی ہے تو نماز جمعہ کے لئے ان کی اہمیت اور زیادہ ہو گی لہذا غفلت نہ کرنی چاہیئے)

مسئلہ:۔ وسائل الشیعہ میں مقنعہ مفید سے منقول ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جمعہ کے دن اور رات میں صدقہ ایکہزار کے برابر ہوتا ہے اسی طرح جمعہ کے دن یا رات میں درود شریف ایکہزار نیکی کے برابر ہے اور

درود پڑھنے والے کے ایکہزار گناہ معاف ہوں گے اور ایکہزار درجات بلند ہوں گے اور اس کا نور تا قیامت اہل سماوات کے لئے چمکتا رہے گا اور ملائکہ آسمانی اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہیں گے اور وہ فرشتہ جو قبر پیغمبر پر موکل ہے وہ بھی اس کے لئے قیامت تک دعائے بخشش کرتا رہے گا۔

مسئلہ: جمعہ کے دن زیارات کو مرد کا اپنی منکوحہ کے ساتھ ہمبستر ہونا بھی مستحب ہے۔

مسئلہ: امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جمعہ کے دن طلوع آفتاب سے پہلے قبرستان میں جانا مستحب ہے آپ نے فرمایا اہل قبور میں سے جو سختی میں ہوگا اس کو آسائش مل جائے گی اور جو آدمی ان کی زیارت کے لئے جاتا ہے ان کو پتہ ہوتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جب آدمی قبرستان سے واپس آتا ہے تو وہ غمزدہ بھی ہوتے ہیں اور طلوع آفتاب کے بعد روحیں منتشر ہو جاتی ہیں۔

مسئلہ: جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد تا اختتام نماز جمعہ سفر مکروہ ہے۔

مسئلہ: جمعہ کے روز شعر خوانی مکروہ ہے اور وسائل میں کافی احادیث اس بارے میں منقول ہیں۔

مسئلہ: جمعہ کے دن اہل خانہ کو گوشت یا میوہ جات (یعنی عمدہ غذا) مہیا کرنا مستحب ہے۔ تاکہ ان کے دلوں میں خوشی پیدا ہو۔

مسئلہ: جمعہ کے دن جس طرح ہر قسم کی نیکی کی جزا دوگنی ہوا کرتی ہے اسی طرح اس روز میں ہر برائی کی سزا بھی دوگنی ہو جاتی ہے جس طرح کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے (وسائل)

مسئلہ: حضرت رسالتمآب سے مروی ہے کہ پانچ چیزیں برص کی موجب ہیں (۱) جمعہ اور بدھ کے دن نورہ لگانا۔ (۲) وضو یا غسل سورج سے گرم شدہ پانی سے کرنا۔ (۳) جنابت کی حالت میں کھانا۔ (۴) ایام حیض میں عورت سے مجامعت کرنا۔ (۵) شکم پری کے باوجود کھانا۔

مسئلہ: جمعہ کے روز ناخن کترانا، اور مونچھوں کے بال کٹوانا مستحب ہے اور حجامت کے وقت یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰہِ عَلٰی سُنَّۃِ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ

نماز جمعہ

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جمعہ سے جمعہ تک کل ۳۵ نمازیں فرض ہیں۔ اور کسی نماز میں جماعت فرض نہیں سوائے ایک نماز جمعہ کے اور نو آدمیوں سے اس کا وجوب ساقط ہے۔ (۱) بچہ (۲) بوڑھا (۳) پاگل (۴) مسافر (۵) بیمار (۶) نابینا (۷) عورت (۸) غلام (۹) جس کا گھر دو فرسخ سے دُور ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو قدم نماز جمعہ کی طرف چل کر جائے گا اس پر آتش جہنم حرام ہے۔
امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو شخص بغیر علت کے متواتر تین جمعے چھوڑ دے اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے

اور دوسری روایت میں اس کو منافق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص نماز جمعہ کو میری موجودگی میں یا میری وفات کے بعد ترک کرے اس کو معمولی سمجھ کر یا اس کا انکار کرتے ہوئے تو خدا ایسے لوگوں کو اتفاق کی دولت سے محروم کرے گا اور ان سے برکت کو چھین لے گا ایسے لوگوں کی نہ نماز ہے نہ روزہ اور نہ حج ہے نہ زکوٰۃ حتیٰ کہ اس کی کوئی نیکی مقبول نہیں جبتک تائب نہ ہو۔

حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا جب پانچ آدمی اکٹھے ہو جائیں اور ان میں ایک پیشنماز ہو تو نماز جمعہ پڑھیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب سات آدمی ہو جائیں تو جمعہ واجب ہے اور پانچ سے کم کے لئے جمعہ جائز نہیں ہے پس جب سات ہو جائیں اور ان کو خطرہ کوئی نہ ہو تو نماز جمعہ پڑھیں۔

ایک روایت میں ہے ایک سائل نے سوال کیا کہ کیا بستی والوں پر بھی جمعہ واجب ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں البتہ اگر پیشنماز میسر نہ ہو تو چار رکعت پڑھ لیا کریں۔

آپ نے فرمایا جب جمعہ قائم ہو تو دو فرسخ تک رہنے والوں پر اس میں حاضر ہونا واجب ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا جو شخص نماز جمعہ کو جاتے ہوئے مر جائے اس کی جنت کا میں ضامن ہوں

کیا وجوب نماز جمعہ میں سلطان عادل کا وجود ضروری ہے

زرارہ سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے نماز جمعہ کے لئے ہمیں اس قدر تاکید کی کہ میں نے سمجھا شاید خود ہی پڑھائیں گے۔ لہذا عرض گذار ہوا کہ ہم نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوں گے تو آپ نے فرمایا میرا یہ مطلب نہیں کہ میں پڑھاؤں گا بلکہ میں تم کو تاکید کر رہا ہوں کہ اپنے ہاں اس کو قائم کیا کرو۔

ایک روایت میں ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے راوی حدیث سے فرمایا کہ تم اللہ کی جانب سے واجب کئے جانے والے ایک فریضہ کو ترک کرنے کی سزا میں ہلاک ہو جاؤ گے تو راوی نے عرض کی پھر ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا نماز جمعہ پڑھا کرو۔ وجوب نماز جمعہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد شیخ محمد بن حسن المعروف شیخ حر عاملی اعلی اللہ مقامہ تحریر فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کے وجوب پر ان احادیث کے علاوہ قرآن مجید اور احادیث متواترہ کی دلالت قائم ہے۔ جن کا عموم واطلاق وجود سلطان عادل کی شرط کی نفی کرتا ہے۔ البتہ جن احادیث میں لفظ امام وارد ہے اس سے مراد امام جماعت ہے۔ (کیونکہ نماز جمعہ بغیر امام جماعت کے ہو نہیں سکتی) امام جماعت کے لئے بھی شرط ہے کہ دو خطبے پڑھنے میں آزاد ہو اور اُسے کسی کا خوف نہ ہو لہذا اس جگہ امام سے مراد عام ہے معصوم ہو یا امام جماعت ہو۔ اور علمائے لغت بھی یہی کہتے ہیں۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں امام کا اطلاق ایسا ہی ہے جس طرح نماز جنازہ استسقاء

اور نماز آیات وغیرہ میں جہاں جہاں نماز میں اقتدار کا بیان ہوتا ہے۔ بہر کیف ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز جمعہ میں جماعت شرط ہے اور وہ امام کے بغیر نہیں ہو سکتی یعنی پیشنماز کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

بہر کیف زمان غیبت میں نماز جمعہ باقی شرائط کی موجودگی میں بنیت وجوب پڑھی جائے گی اور شہید ثانی اعلی اللہ مقامہ کی تحقیق کے مطابق اگر اس کے وجوب عینی کی نفی پر علماء امامیہ کا اجماع قائم نہ ہوتا تو وجوب عینی کا قول زیادہ قوی تھا لیکن اب کم از کم اس کو واجب تخییری کہنا چاہیئے یعنی نماز ظہر اور نماز جمعہ میں اختیار ہے اگرچہ نماز ظہر کے بجائے نماز جمعہ کا پڑھنا افضل ہے اور نماز جمعہ باشرائط ادا ہو جائے تو احتیاطاً نماز ظہر پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

نماز جمعہ کا طریقہ

مسئلہ:۔ نماز جمعہ کا وقت وہی ہے جو عموماً نماز ظہر کا وقت فضیلت ہوا کرتا ہے۔ اس وقت کے گذر جانے کے بعد نماز جمعہ نہیں پڑھی جائے گی بلکہ نماز ظہر ادا ہوگی۔

مسئلہ:۔ نماز جمعہ کم از کم پانچ آدمیوں کی موجودگی میں ادا ہوگی جبکہ پانچواں پیشنماز ہو اور اس کو خطبہ پڑھنے میں کوئی خوف نہ ہو۔ پہلے امام جماعت دو خطبے پڑھے گا۔ جن میں حمد و ثنائے پروردگار وعظ و نصیحت آئمہ پر درود اور دعا اور آخر میں قرآن مجید کی مختصر جامع آیت ہوگی۔ پہلا خطبہ ہم نقل کر چکے ہیں اور دوسرا خطبہ ہماری کتاب نماز امامیہ میں درج کیا جا چکا ہے۔

مسئلہ:۔ دونو خطبوں کے درمیان امام جماعت بیٹھ جائے اور اس اثناء میں حاضرین درود شریف پڑھ لیں

مسئلہ نماز جمعہ دو رکعت ہوتی ہے کیونکہ دو خطبے باقی رکعتوں کے قائمقام سمجھے جاتے ہیں۔

مسئلہ:۔ حاضرین جماعت پر واجب ہے کہ دونوں خطبے کان لگا کر سنیں۔ اور اس دوران آپس میں کلام نہ کریں۔

مسئلہ:۔ بہتر ہے کہ امام جماعت پہلی رکعت میں حمد کے بعد سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقین پڑھے اگر یاد نہ ہوں تو جو بھی سورہ پڑھے جائز ہے۔

مسئلہ:۔ نماز جمعہ میں جہر واجب ہے اور اگر ظہر پڑھی جائے تو پہلی دو رکعتوں کی قرأت میں جہر مستحب ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ

پس جب نماز ہو چکے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا رزق

فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

تلاش کرو اور اللہ کا ذکر زیادہ کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا إِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا ط

اور جب (یہ لوگ) تجارت کو دیکھتے ہیں یا لہو (طبل کی آواز سنتے ہیں) اس کی طرف دوڑ پڑتے

قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ط وَاللّٰهُ

ہیں اور تجھے بحالت قیام چھوڑ جاتے ہیں کہہ دیجئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۲﴾ ع ۱۲

بہترین رزق دینے والا ہے

فَإِذَا قُضِيَتْ - تفسیر مجمع البیان میں ہے حضورؐ نے فرمایا جمعہ کے بعد منتشر ہونے کا حکم طلب دُنیا کے لئے نہیں بلکہ عیادت مریض نماز جنازہ اور مومن بھائی کی ملاقات کے لئے ہے۔ اور بعضوں نے طلب فضل سے مراد طلب علم لیا ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جن ضروریات زندگی کے پورا کرنے کا اللہ نے وعدہ کیا ہے میں اُن کی تلاش کے لئے بھی سفر کرتا ہوں تاکہ اللہ کے نزدیک حلال کی تلاش کرنیوالوں میں میرا شمار ہو اس کے بعد آپ نے یہی آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا اگر کوئی شخص گھر کی چار دیواری کے اندر دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اور کہے کہ میرا رزق خود بخود یہاں اُترے گا تو اُس کا شمار اُن تین لوگوں میں سے ہے جن کی دعا مستجاب نہیں ہوتی عمرو بن زید راوی حدیث نے دریافت کیا کہ وہ تین لوگ کون کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ یہ ہیں (۱) جس شخص کی عورت نافرمان ہو اور اس پر بد دُعا کرے تو یہ قبول نہ ہوگی کیونکہ اس کو اللہ نے اختیار دے رکھا ہے کہ اگر نافرمان ہو تو طلاق دے کر اس سے گلو خلاصی حاصل کرے (۲) اگر کسی شخص کا کسی دوسرے پر کوئی حق ہو اور وہ اس کا انکار کر دے تو اس پر اس کی بد دعا کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ اللہ نے اس کے لکھوا لینے کا حکم دیا ہے اور اس نے عمداً اس سے پہلو تہی کی ہے (۳) کسی شخص کے پاس کھانے کے لئے کچھ ہو اور گھر کی چار دیواری میں بند ہو کر بیٹھ جائے اس بھروسے سے کہ یہ ختم ہوگا تو اللہ اور بھیج دے گا۔ ایسے شخص کی طلب رزق کے لئے

دُعا مستجاب نہ ہوگی۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ذکر سے مراد فکر ہے جس طرح حدیث میں ہے کہ ایک گھنٹہ کا فکر ایک سال کی عبادت سے افضل ہے اور بعض نے کہا ہے مقصد یہ ہے کہ بازار میں پہنچ کر کاروباری حالت میں بھی اللہ کو نہ بھلایا کرو بلکہ اس کا ذکر وردِ زبان رکھا کرو اور حضورؐ نے فرمایا کہ جو شخص بازار میں لوگوں کی کاروباری مشغولیت اور غفلت کے وقت اللہ کا ذکر کرے گا اس کے نامۂ اعمال میں ایکہزار نیکی درج ہوگی اور اس کی اس طرح بخشش ہوگی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگی۔

وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۔ عبداللہ بن مسعودؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضورؐ کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے؟ تو اس نے یہی آیت پڑھی اور کہا تَرَكُوكَ قَائِمًا سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو وہ لوگ خطبہ پڑھتے چھوڑ کر چلے جاتے تھے چنانچہ اسی بناء پر فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللّٰهِ میں ذکر سے مراد بھی خطبۂ جمعہ لیا گیا ہے کیونکہ وہ حمد و ثنائے پروردگار پر مشتمل ہوا کرتا ہے۔ اور جابر بن سمرہ سے منقول ہے کہ میں نے حضورؐ کو کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ بیٹھ کر خطبۂ جمعہ پڑھتے تھے تو جھوٹ کہتا ہے۔

مَا عِندَ اللّٰهِ ۔ یعنی خطبہ کے سننے اور وعظ و نصیحت حاصل کرنے اور جمع کر نماز جمعہ ادا کرنے کا جو ثواب اللہ کے پاس محفوظ ہے وہ اس دنیاوی منفعت سے بدرجہا بہتر ہے اور اس کا انجام نہایت خوشگوار ہے۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ۔ یعنی اگر تم لوگ خطبہ اور نماز جمعہ کو ترک نہ کرو تب بھی خدا تمہارے رزق کا بندوبست کردے گا۔ حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا اگر کوئی شخص جمعہ کے دن غسل کرکے اور عمدہ لباس پہن کر تیل خوشبو لگا کر آئے تو اس کے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے بلکہ مزید تین دنوں کے بھی گناہ بخشے جاتے ہیں بشرطیکہ اس کے گناہوں میں دو آدمیوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کا گناہ شامل نہ ہو۔ ایک روایت میں حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کے دن چھ لاکھ آدمیوں کو آتشِ جہنم سے آزاد کرتا ہے جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوتی ہے (تفسیر مجمع البیان)

تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب دحیہ کلبی شام سے مال تجارت لایا اور اس نے طبل بجا بجا کر لوگوں کو اپنے آنے کی اطلاع دی تو حضورؐ کو بحالت خطبہ چھوڑ کر لوگ دوڑ گئے اور صرف آٹھ آدمی باقی رہ گئے۔ حضرت علیؑ امام حسنؑ امام حسینؑ جناب فاطمۃ الزہراؑ سلیمان ابوذر مقداد اور یہ دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا اگر یہ آٹھ آدمی بھی نہ ہوتے تو پورے مدینہ پر آگ برستی اور قوم لوط کے عذاب کی طرح ان لوگوں پر آسمان سے پتھر برسائے جاتے پس ان لوگوں کے متعلق یہ آیت اتری۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ الخ

سورہ المنافقون

★ یہ سورہ مدنیہ ہے سورہ حج کے بعد نازل ہوا اور اس کی آیات بسم اللہ سمیت بارہ ہیں۔

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ہمارے شیعوں پر ضروری ہے کہ شب جمعہ کی نمازوں میں سورہ جمعہ اور سورہ اعلیٰ پڑھیں اور جمعہ کی نماز ظہر میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقین پڑھیں پس جو ایسا کرے گا اس نے گویا رسول اللہ کا عمل کیا اور اس کا ثواب اور جزا جنت ہوگی۔

★ رسالتمآبؐ سے منقول ہے جو شخص اس سورہ مبارکہ کی تلاوت کرے گا وہ شرک و نفاق سے بری ہوگا اگر یہ سورہ پھوڑے پر پڑھی جائے تو وہ ختم ہوگا اور اگر کسی باطنی درد پر پڑھی جائے تو درد ساکن ہوگا انشاء اللہ ایک روایت میں ہے کہ کسی مریض و دردمند پہ پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو شفا دے گا۔

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر آشوب چشم پر پڑھی جائے تو خدا اس کی تکلیف میں تخفیف کریگا۔

★ اور فوائد القرآن میں ہے کہ آیت ۵ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تا آخر کو ایسی مٹی پر پڑھے جس پہ سورج نہ پڑا ہو اور اس مٹی کو دشمن کے منہ پر چھڑک دے جبکہ وہ غافل ہو تو وہ اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔ باذن اللہ

★★★

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

(اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں)

اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡہَدُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُ اللّٰہِ ۘ وَ اللّٰہُ

جب تیرے پاس منافق آئیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک تو اللہ کا رسول ہے اور اللہ

یَعۡلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوۡلُہٗ ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ

جانتا ہے کہ بے شک تو اس کا رسول ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق

لَکٰذِبُوۡنَ ۝۲ۚ اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ

جھوٹے ہیں انہوں نے اپنی قسموں کو (اپنی حفاظت کے لئے) ڈھال بنالیا ہے پس انہوں نے اللہ کے دین

رکوع ع ۱۳

محل نزول

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیات عبداللہ بن اُبی منافق اور اس کے ساتھیوں کے حق میں اتری ۔ واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے پانچویں برس حضور کو اطلاع ملی کہ بنی المصطلق اہل اسلام سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہیں جن کی فوجی قیادت حارث بن ابی ضرار کر رہا ہے اور یہ زوجہ پیغمبر جویریہ کا باپ تھا۔ حضورؐ نے اپنے ہمراہ لڑاکا فوجی جوان لے کر بنفس نفیس ان کی طرف کوچ فرمایا چنانچہ مقام مریسیع پر جو ساحل سمندر کے قریب تھا دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی اور بالآخر بنو المصطلق کو شکست فاش ہوئی اور مسلمان کافی مال غنیمت لے کر واپس پلٹے اسی دوران میں فوج اسلام کا ایک کنوئیں پر نزول اجلال ہوا تو ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا اور وہ یہ کہ عمر بن خطاب کے غلام جہجاہ بن سعید غفاری اور انس بن سیار انصاری یا بروایتے سنان جہنی خزرجی کے درمیان پانی لینے میں جھگڑا ہو گیا تو جہجاہ نے انصاری کے منہ پر ایسے زور سے تھپڑ مارا کہ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ پس اس نے انصار کو مدد کے لئے بلایا اور جہجاہ نے مہاجرین سے امداد طلب کی چنانچہ طرفین نے تلواریں علم کرلیں اور قریب تھا کہ باہمی فساد کی آگ بھڑک اٹھے جعال نامی ایک فقیر شخص بھی جہجاہ کی مدد کر رہا تھا عبداللہ بن اُبی نے جعال کو ٹوکا تو اس نے نہایت سختی سے اس کی بات کو ٹھکرا دیا۔ جس سے عبداللہ بن اُبی کو زیادہ غصہ آیا اور انصار سے کہنے لگا کہ یہ تم (انصار) لوگوں کو اپنی کرنی کی سزا ہے تم نے ان (مہاجرین) لوگوں کو اپنے گھروں میں ٹھکانا دیا ان سے اظہار ہمدردی کیا ان کی جانوں کی حفاظت کے لئے اپنی جان و مال کی قربانیاں دیں کہ تمہاری عورتیں بیوہ ہوئیں اور تمہارے بچے یتیم ہوئے اگر ان لوگوں کو تم نکال دیتے تو ان کا

کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا پھر کہنے لگا اب جو ہم واپس مدینہ کی طرف پلٹیں گے تو ہم میں سے جو عزیز ہو گا وہ ذلیل کو نکال دے گا (اس سے اس کا اشارہ اس طرف تھا کہ ہم رسول اللہ کو مدینہ سے نکال دیں گے) اس وقت عبداللہ بن ابی کے اردگرد چند انصاری جمع تھے اور ان میں زید بن ارقم بھی موجود تھا جو ابھی بالکل نوعمر تھا اس کو غصہ آیا اور عبداللہ بن اُبی سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم تو ہی ذلیل ہے اور محمد خدا کی دی ہوئی عزت کی بدولت مومنوں کی محبت کا مرکز ہے تیری اس بکواس کے بعد میں تیرے ساتھ کبھی رابطۂ محبت قائم نہ کروں گا عبداللہ بن اُبی نے کہا تم خاموش رہو میں نے تو مذاقاً بات کہہ دی ہے۔

یہ دوپہر کا وقت تھا اور حضورؐ اس وقت مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ہمراہ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے زید بن ارقم نے آکر ساری کہانی سنادی۔ آپ نے فرمایا شاید تجھے غلط فہمی ہوئی ہو اس نے عرض کی نہیں حضورؐ! آپ نے فرمایا شاید تو اپنا غصہ نکال رہا ہے۔ کہنے لگا نہیں حضورؐ ایسا ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا شاید اس نے تجھے گالیاں دی ہوں گی زید نے عرض کی خدا کی قسم یہ بات بھی نہیں ہے۔ پس آپؐ نے اپنے غلام شقران کو سواری لانے کا حکم دیا اور فوراً سوار ہو کر روانہ ہو گئے پس لوگ جونہی سنتے گئے اپنی اپنی سواریوں پر یا پیدل روانہ ہو گئے لیکن ہر ایک کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی کہ دوپہر کی سخت گرمی میں حضورؐ کے کوچ فرمانے کی کیا وجہ ہوگی چنانچہ سعد بن عبادہ نے بڑھ کر سوال کر ہی لیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم نے عبداللہ بن اُبی کی بات سنی کہ ہم میں سے جو عزیز ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔ سعد بن عبادہ نے عرض کی حضور والا! آپ اور آپ کے ساتھی ہی عزیز ہیں اور وہ اور اس کے ساتھی ذلیل ہیں اس کے بعد سارا دن سفر جاری رہا لیکن صحابہ میں سے کسی کو بھی حضورؐ کے ساتھ بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی قبیلہ خزرج کے لوگوں نے عبداللہ بن اُبی کو نہایت بُرا بھلا کہا کہ تُو نے ایسی ذلیل حرکت کیوں کی ہے؟ تو اس نے اپنی بات سے انکار کر دیا انہوں نے کہا چلو رسول اللہ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرو تو اس نے گردن دوسری طرف پھیر دی اس کے بعد ساری رات سفر جاری رہا دوسرے دن صبح کے وقت آپ سواری سے اُترے اور تمام لوگوں نے شب بیداری کے بعد زمین پر آرام کیا۔

عبداللہ بن اُبی حضورؐ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے قسمیں کھا کر اپنی صفائی پیش کی اور کہا کہ زید نے بالکل جھوٹ کہا ہے اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پس حضورؐ نے اس کا عذر قبول کر لیا اور قبیلہ خزرج کے لوگوں نے زید بن ارقم کو بھلا کہنا شروع کر دیا کہ تم نے ایک جھوٹی بات کہہ کر خواہ مخواہ حضورؐ کو پریشان کیا ہے

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ دوران سفر میں اسید بن حضیر نے آپ سے جلدی سفر اختیار کرنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے عبداللہ بن اُبی کی بات دُہرائی۔ اُسید نے کہا آپ ہی عزیز ہیں اور وہ ذلیل ہے اگر آپ چاہیں تو اس کو نکال سکتے ہیں پھر کہنے لگا کہ وہ بے چارہ قابل رحم ہے کیونکہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اس کی پوری قوم نے موتیوں

اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ

سے روکا وہ بُرا کردار ہی ادا کرتے ہیں کیونکہ وہ پہلے ایمان لائے پھر

كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ

انہوں نے کُفر کیا تو اُن کے دلوں پر مہر لگ گئی پس وہ نہیں سمجھتے اور جب آپ ان کو

تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ

دیکھتے ہیں تو ان کے اجسام آپ کو بھلے معلوم ہوتے ہیں اگر وہ بات کریں تو آپ کان دھر کر سنتے ہیں ان کی مثال

خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ

سہارے پہ کھڑی ہوئی لکڑی جیسی ہے وہ ہر آواز کو اپنے خلاف سمجھتے ہیں وہی تمہارے دشمن ہیں

کا جڑاؤ دار تاج تیار کر رکھا تھا تاکہ اس کو اپنی قوم کا بادشاہ نامزد کریں اور اسکی تاجپوشی کی رسم قریب تھی کہ حضور تشریف لائے پس اسکی اُمنگیں خاک میں مل گئیں پس وہ اپنی تاج سے محرومی کا ذمہ دار آپکو ہی ٹھیراتا ہے لہذا آپ اسکی باتوں سے تاثر نہ لیں وہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

جب عبداللہ بن اُبی کے بیٹے جس کا نام عبداللہ تھا کو خبر پہنچی تو بارگاہِ نبوی میں حاضر ہُوا اور اُس نے عرض کی کہ میں نے سُنا ہے آپ میرے والد کو قتل کروانا چاہتے ہیں اگر یہ بات دُرست ہے تو مجھے حکم دیجئے کہ اس کا سر قلم کرکے آپ کے قدموں میں ڈال دوں اور تمام قبیلہ خزرج جانتا ہے کہ میں والدین کا بہت زیادہ خدمت گذار ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ آپ کسی اور کو میرے باپ کے قتل کا حکم دیدیں اور میرے دل میں باپ کے قاتل کے حق میں غصہ پیدا ہو اور ہو سکتا ہے کہ باپ کے قتل کے انتقام میں اس کو قتل کر بیٹھوں اور اس مومن کو قتل کرکے جہنم کا ایندھن بنوں لہذا بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے ہی حکم دیں تاکہ آپ کی اطاعت کا فریضہ میں خود بجالاؤں آپ نے فرمایا تم جاؤ اور باپ سے اچھا سلوک جاری رکھو اور جبتک وہ ظاہرًا ہمارے ساتھ ہے خدمت میں کوتاہی نہ کرو۔

بہرکیف حضورؐ نے دوسرے دن آرام فرمایا اور اس قدر لمبا سفر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ لوگ سفر کے خیال میں پڑ جائیں اور عبداللہ بن اُبی کی بات کو اہمیت دے کر فساد میں نہ پڑیں اس کے بعد پھر کوچ فرمایا اور مدینہ کے قریب ایک جگہ ڈیرہ لگایا جسے بقعار کہا جاتا ہے پس وہاں تیز آندھی چلی جس میں حضورؐ کی ناقہ گم ہوگئی اور آپ نے خبر دی کہ مدینہ میں ایک بہت بڑا منافق آج فوت ہوگیا ہے لوگوں نے پُوچھا وہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ رفاعہ مرگیا ہے یہ سُن کر ایک منافق کہنے لگا یہ عجیب بات ہے اُدھر غیب کے علم کا دعویٰ کرتا ہے ادھر اونٹنی کے گُم ہونے کا شکوہ ہے جو جبریل اس کو غیب کی خبریں سُناتا ہے وہ اس کو اونٹنی کا پتہ نہیں بتا سکتا جب حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا میں نے کبھی عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ البتہ اللہ نے مجھے اس منافق کی بات کی خبر بھی دیدی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ میری اونٹنی وادی کی فلاں گھاٹی میں موجود ہے چنانچہ وہ وہاں موجود تھی اور یہ دیکھ کر وہ منافق سچے دل سے ایمان لانے پر موفق ہُوا۔

فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

ان سے بچو ان پر خدا کی لعنت ہو کیسے روگردانی کرتے ہیں اور جب اُن سے کہا جاتے

تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ

کہ آؤ تاکہ تمہارے لئے اللہ کا رسول بخشش طلب کرے تو اپنے سروں کو چکر دیتے ہیں

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ ۔ یعنی منافق لوگوں کی شکلیں اچھی ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو وہ نہایت پیارے انداز اور میٹھے لب ولہجہ سے گویا اظہار یہ خیال ہی نہیں پڑتا کہ ان کی زبان پر کچھ اور ہے اور دل میں کچھ اور ہے۔

كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ ۔ یعنی جس طرح کھوکھلی لکڑی کا ظاہر بھلا معلوم ہوتا ہے اور اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا منافقوں کی بعینہٖ وہی مثال ہے یا یہ کہ جس طرح لکڑی کا جسم روح سے خالی ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی رُوح کے بغیر اجسام ہیں یعنی ان کی شکلیں انسانوں جیسی ہیں لیکن عقل و خرد کی اور سوجھ بوجھ کی نعمت سے محروم ہونے کی وجہ سے ان کی مثال لکڑیوں جیسی ہے۔

يَحْسَبُوْنَ ۔ یعنی اس قدر بزدل ہیں کہ جہاں کوئی دھماکہ ہو تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم پر ہی پڑنے والا ہے۔ عَلَيْهِمْ میں علی ضرر کے لئے ہے اور وہ ہر آواز کو اپنے خلاف خیال کرتے ہیں اور جب وحی اترنے والی ہو تو اُن کو یہی خیال ہوتا ہے کہ ہمارے خلاف کوئی حکم ہوگا

هُمُ الْعَدُوُّ ۔ یعنی یہ لوگ درحقیقت تمہارے دشمن ہیں اور ان سے ہر ممکن طریقہ سے بچنے کی کوشش کرو

القصہ ۔ جب آپ وارد مدینہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ بنی قینقاع میں سے ایک گبر یہودی رفاعہ بن زید کو تابوت میں رکھا جا چکا ہے۔

بروایت مجمع البیان زید بن ارقم کہتا ہے میں شرمساری سے گھر میں بیٹھ گیا اور فرطِ غم کی وجہ سے باہر نکلنا میرے لئے مشکل ہو گیا اور دوسری روایت میں ہے کہ اس نے اللہ سے دُعا کی اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن اُبی پر جھوٹا الزام نہیں لگایا تھا لہٰذا تو میری مشکل آسان فرما چنانچہ آپ پر وحی اُتری اور سورہ منافقین کی آیتیں نازل ہوئیں۔ زید کہتا ہے کہ حضورؐ نے میرے کان سے پکڑا اور اُٹھایا پھر فرمانے لگے اے لڑکے تو نے سچ کہا تھا اللہ نے قرآن بھیج کر تیری صفائی پیش کر دی ہے۔

عبداللہ بن اُبی سارے قافلے کے آخر میں تھا جب اس کے بیٹے کو معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے عبداللہ بن اُبی کو منافق قرار دیا ہے اور زید کو بری کر دیا ہے تو شہر سے باہر نکل کر اُس نے اپنے باپ کا راستہ روک دیا کہ تم اس شہر میں ہرگز داخل نہیں ہو سکو گے جبتک رسول اللہ اجازت نہ دیں اور آج پتہ چلے گا کہ عزیز کون ہے اور ذلیل

يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۞ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ

اور ازراہ تکبر روگردانی کرتے ہیں برابر ہے ان کے لئے بخشش کی دعا کرو

لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ

یا نہ کرو اللہ اُن کو ہرگز نہ بخشے گا بے شک

اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ

اللہ فاسق لوگوں کو (جبری طور پر) ہدایت کی طرف نہیں لاتا یہ وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ

کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تاکہ (بھوک سے تنگ آکر) بھاگ جائیں حالانکہ آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ يَقُوْلُوْنَ

اور زمینوں کے خزانے اللہ کے پاس ہیں لیکن منافق لوگ نہیں سمجھتے کہتے ہیں

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ

اگر ہم واپس مدینہ میں گئے تو جو ہم میں سے عزیز ہوگا ذلیل کو نکال دے گا حالانکہ عزت

کون ہے؟ چنانچہ باپ کو روک کر واپس بارگاہ نبوی میں آیا اور ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا اس کو آنے دو تو عبداللہ بن اُبی کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ چونکہ رسول اللہ کا حکم ہے لہذا سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ چنانچہ اُس نے اپنے باپ کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دی اس کے بعد وہ تھوڑے دن زندہ رہا اور مر گیا۔

تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ۔ مروی ہے کہ جب سورہ منافقین کی مذکرہ بالا آیتیں اتریں تو لوگوں نے عبداللہ بن اُبی سے کہا کہ تیرے بارے میں قرآن مجید کی سخت آیتیں نازل ہوئی ہیں تمہارا فرض ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کی معافی طلب کرو تاکہ رسول اللہ تمہارے لئے خدا سے تمہارے گناہ کی بخشش طلب کریں تو اُس نے سر کو موڑا اور کہنے لگا تم نے مجھے ایمان لانے کو کہا تو میں نے ایمان کو قبول کیا تم نے مجھے زکوٰۃ دینے کو کہا تو میں نے زکوٰۃ بھی دیدی اب اگر تم کہو کہ میں محمد کا سجدہ کروں یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

هُمُ الَّذِيْنَ۔ عبداللہ بن اُبی نے انصار سے کہا تھا کہ اگر تم لوگ ان مہاجرین کو خرچ دینا بند کر دو تو یہ خود بخود

الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩﴾ ع

اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے لئے ہے لیکن منافق اس حقیقت کو نہیں جانتے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ

اے ایمان والو! تمہیں اپنے اموال و اولاد ذکر خدا سے غافل نہ کردیں

عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ ہی خسارہ پانے

الْخَاسِرُونَ ﴿١٠﴾ وَأَنْفِقُوا مِنْ مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ

والے ہوں گے اور میرے عطا کردہ رزق سے خرچ کیا کرو قبل اس

أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي

کے کہ تم پر موت آجائے پھر کہے اے رب کاش تو مجھے

إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنْ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١﴾

تھوڑی سی مدت کی مزید ڈھیل دے دیتا تاکہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہو جاتا

مدینہ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے پس یہ آیت اسی کی طرف اشارہ ہے اور اس کا جواب بھی ہے کہ رزق کے خزانوں کے مالک یہ لوگ نہیں بلکہ اللہ خود مالک ہے۔

حضرت علیؑ کا دشمن منافق ہے

باطن آیات۔ تفسیر برہان میں ہے کہ منافقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے وصی رسول ہونے کا انکار کرتے ہیں اور آپ کی ولایت سے روگردانی کرتے ہیں اور اس کی تائید ان متواتر احادیث سے ہوتی ہے جن میں صراحت سے مروی کہ حضرت علیؑ سے بغض رکھنے والے منافق ہوا کرتے ہیں چنانچہ صواعق محرقہ ابن حجر مکی میں صہ۱۲۰ پر بروایت صحیح مسلم حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور روح کو پیدا کیا۔ حضرت رسالتمآب کا مجھ سے عہد ہے کہ میرے ساتھ نہیں محبت کرے گا مگر مومن اور نہیں دشمنی رکھے گا مگر منافق اور بروایت ترمذی ابو سعید خدری سے نقل کیا ہے کُنّا نَعرِفُ

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

اور ہرگز نہ ڈھیل دے گا اللہ کسی نفس کو جب اس کی موت آجائے اور اللہ آگاہ ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو

الْمُنَافِقِيْنَ بِبُغْضِهِمْ عَلِيًّا یعنی ہم حضرت علی علیہ السلام کے بغض کی نشانی سے منافقوں کو پہچان لیا کرتے تھے۔ اس قسم کی احادیث معنوی طور پر تواتر سے منقول ہیں پس اس اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمارے دلوں میں حضرت علیؑ اور اُن کی اولاد طاہرین کی محبت وولایت کا چراغ روشن فرماکر دولتِ ایمان سے سرفراز فرمایا۔

رکوع ۱۴

فَیَقُوْلَ رَبِّ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ جس انسان پر زکوٰۃ واجب ہو اور ادا نہ کرے یا جس پر حج واجب ہو اور نہ ادا کرے وہ مرنے کے وقت یہ تمنا کریں گے اور آیت میں صلاح سے مراد حج لی گئی ہے اور حضرت صادق علیہ السلام سے بھی اسی قسم کی روایت نقل کی گئی ہے۔

نصیحت وعبرت

آیت مجیدہ میں ہر ذی شعور کو اپنے انجام پر نظر رکھنے کی دعوت دی گئی ہے گویا زندگی کی حاصل شدہ آسائشوں میں پڑ کر موت کے بعد کی تلخیوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ زندگی میں بھی وقتی عیش درآمد میں کھو کر انقلاباتِ زمانہ کے ماتحت مستقبل کی تلخیوں کا پہلے سے علاج سوچ لینا چاہیئے پس جوان کے لئے ضروری ہے کہ جوانی کے مابعد پر نظر رکھے اور حکمران کو چاہیئے کہ کرسی اقتدار کی منتقلی کے بعد اپنے انجام کی تاریکی کو نظر انداز نہ کرے گویا ماضی کے بعد تلخ تجربہ کو ردّی کی ٹوکری میں ڈالنے کے بجائے اُسے مستقبل کا پاسبان بنانا ہوشمندی کا تقاضا ہے پس اسی دستور کے ماتحت اپنی زندگی میں ہی موت سے لئے تیار رہنے کی قرآن مجید نے دعوت دی ہے تاکہ اس وقت کفِ افسوس ملنے کے بجائے پورے اطمینان کے ساتھ دار فنا سے دار بقا کی طرف منتقلی کا شرف نصیب ہو اور انسانوں کی عمومی غافلانہ زندگی کی طرف مولائے کائنات وحلال مشکلات حضرت شاہِ ولایت امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے ایک فرمان میں اشارہ فرمایا ہے اَلنَّاسُ نِيَامٌ اِذَا مَاتُوْا انْتَبَهُوْا یعنی ظاہراً جیتے جاگتے لوگ درحقیقت خواب غفلت میں ہیں جب ان پر موت آئے گی تو جاگیں گے اور قرآن مجید کی متذکرہ بالا آیت میں اسی خواب غفلت سے جاگنے کی دعوتِ عامہ ہے اور راہِ خدا میں اپنی مطلق فالتو آمدنی کو صرف کرنے کی پیشکش ہے کیونکہ ہر رقم بچا کر موت سے ہم آغوش ہونے والا دم مرگ یہی افسوس کرے گا کہ کاش مجھے تھوڑی سی مزید زندگی حاصل ہو جاتی تاکہ اپنی بچت کو راہِ خدا میں خرچ کر کے زمرۂ صالحین میں میرا شمار ہو جاتا اور حدیث میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی میں خرچ کیا ہوا ایک درہم اُن ہزار درہموں سے زیادہ نفع بخش ہے جو اس کی موت کے بعد اس کے لئے خرچ کئے جائیں۔

سورہ تغابن

★ یہ سورۂ مدینہ ہے اور اس کی آیات بسم اللہ کو ملا کر اُنیس بنتی ہیں ۔

★ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ تغابن کی تلاوت کریگا ناگہانی موت سے محفوظ رہے گا

★ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو فریضہ میں پڑھے گا اس کے لئے یہ سورۂ مجیدہ قیامت کے روز شفیع ہوگی اور اس سے جُدا نہ ہوگی یہانتک کہ جنّت میں داخل ہوگا۔

★ تفسیر برہان میں خواص القرآن سے منقول ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والا ناگہانی موت سے محفوظ ہوگا اور اگر سلطان جابر کے سامنے پیش ہو جس کی گرفت کا خطرہ لاحق ہو تو اس کے شر سے بھی محفوظ رہے گا۔ دوسری روایت میں ہے جس کسی سے کچھ خوف ہو اگر یہ سورہ پڑھ لے تو اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔ باذن خدا ہوگی)

★ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص مسبحات (وہ سورتیں جن کی ابتدا تسبیح سے ہے) کو سونے سے پہلے پڑھے تو مرنے سے قبل قائم آل محمدؑ کی زیارت کرے گا اور مرنے کے بعد رسولؐ اللہ کے سایہ میں رہے گا۔ (فوائد القرآن)

★★★

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَ لَہُ

اللہ کی تسبیح کرتا ہے ہر وہ جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے ملک صرف اُسی کا ہے اور

الۡحَمۡدُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ② ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ

حمد صرف اسی کے لئے ہے اور وہ ہر شئ پہ قدرت رکھنے والا ہے وہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پس

فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ③

بعض تم میں سے انکاری ہیں اور بعض ماننے والے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ دیکھنے والا ہے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ

اُس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تم کو شکل دی اور نہایت اچھی شکل میں بنایا

وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ④ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ یَعۡلَمُ مَا

اور اسی کی طرف بازگشت ہے وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جانتا ہے جو کچھ

رکوع ع ۱۵

لَہُ الۡمُلۡکُ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ ۔ ملک اور حمد پہ الف لام استغراق کے لئے ہیں یعنی تمام ملک اُسی ایک خدا کا ہے جس میں اس کا کوئی شریک و حصہ دار نہیں ہے۔ لہٰذا تمام مخلوق کی حمد و ثنا کا مستحق بھی وہی ایک خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ۔ یعنی اللہ نے تم سب کو پیدا کیا اور صحیح فطرت پر آزادیٔ طبع کے ساتھ پیدا کیا اُس کے بعد کوئی کافر ہوا تو اپنی مرضی سے اور کوئی مسلمان ہوا تو اپنے اختیار سے پس بعضوں نے اپنی صحیح فطرت پہ قائم رہ کر ایمان کو قبول کر لیا اور مان لیا کہ میرا خالق خدا ہے اور بعضوں نے اپنی صحیح فطرت کے تقاضوں سے ہٹ کر وجودِ خالق کا انکار کر دیا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ ہر بچہ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے لیکن بعد کی تربیت اسے یہودی یا نصرانی بنا دیا کرتی ہے۔

فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۔ یعنی اللہ نے انسانوں کو تمام موجودات میں سے حسین ترین صورت و شکل پہ پیدا کیا ہے

تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو اور اللہ دل کی باتوں کو جاننے والا ہے

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِ

کیا تمہارے پاس اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو پہلے کفر کر گزرے تو انہوں نے اپنے کیئے کا

هِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑥ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

مزہ چکھ لیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے یہ اس لئے کہ ان کے پاس آتے تھے

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا

رسول واضح دلیلوں کے ساتھ تو کہتے تھے کہ کیا یہ انسان ہمیں ہدایت کرتے ہیں پس انکار کرتے اور منہ پھیر لیتے

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑦ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ

تھے اور اللہ بے نیاز ہے اور اللہ غنی اور لائق تعریف ہے کافروں کا خیال ہے کہ انہیں اُٹھایا

لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ

نہیں جائے گا کہہ دیجئے ہاں خدا کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے ساتھ اپنے عمل کے

اور پوری کائنات میں اس سے زیادہ حسین کوئی مخلوق نہیں ہے اور ظاہری حسن وصورت کے علاوہ انسان کو جو زیور عقل سے آراستہ کیا ہے اس کا کوئی جواب نہیں پس عقل کے مقتضا کے ماتحت اگر انسان پست کردار کو چھوڑ کر اعلیٰ کردار کو اپنا لے تو اس کی حسن صورت پر حسن سیرت کا سنگار اس کو ملائکہ کے لئے باعث رشک بنا دیتا ہے۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ ۔ یعنی گذشتہ اُمتوں نے رسولوں کی بات کو صرف اس لئے ٹھکرا دیا کہ ان کے نزدیک بشریت اور رسالت میں منافات تھی وہ سمجھتے تھے کہ جو رسول ہوتا ہے وہ بشر نہیں ہوتا پس وہ کہتے تھے۔ کہ تم بشر ہو کر ہمارے ہادی کس طرح بن سکتے ہو۔ بلکہ ہادی وہ ہونا چاہیئے جو بشر نہ ہو آج کل بھی بشریت اور نبوت میں منافات کے قائل ان سابق کافروں کا اگلا ہوا لقمہ چبا رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے خداوند کریم ان کو حق سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق بخشے۔

وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝٧ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ

اور یہ بات اللہ پر آسان ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور اُس نور پر جو ہم نے اُتارا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝٨ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ

اور اللہ تمہارے عمل سے خبردار ہے جس دن تم کو جمع کرے گا جمع کے دن کے لئے وہ تغابن

التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ

کا دن ہوگا اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتے اور نیک عمل بجا لائے اس سے اس کی لغزشیں دُور کرے گا

وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ

اور اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہونگی وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝٩ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

یہ بڑی کامیابی ہے اور جو لوگ کافر ہیں اور جھٹلایا انہوں نے ہماری آیات کو

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٠ ع ١٥

ایسے لوگ دوزخ کے مستحق ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے

آئمہ نور ہیں

وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا۔ تفسیر برہان میں ابو خالد کابلی سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اس جگہ نور سے مراد آئمہ آلِ محمدؐ ہیں یہی وہ اللہ کا نور ہیں جن کو اللہ نے نازل کیا اور یہی آسمانوں اور زمین کا نور ہیں۔ اے ابو خالد نورِ امام مومنوں کے دلوں میں سورج سے زیادہ روشنی دیتا ہے۔ ان کے ذریعے سے مومنوں کے دل منور ہوتے ہیں اور جن دلوں میں اللہ کا نور نہیں۔ وہ تاریک ہوتے ہیں اے ابو خالد ہم سے وہی محبت کریگا جس کا دل طاہر ہوگا اور دل اسی کا طاہر ہو سکتا ہے جو ہمارے احکام کو تسلیم کرلے اور ہمارے سامنے جھکنے والا ہو پس ایسے شخص کو خدا قیامت کے دن گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا۔

بروایت محمد بن فضیل امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ میں نور سے

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ

جو بھی تکلیف پہنچے وہ اللہ کے علم میں ہے اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھے۔ اللہ اُس

قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

کے دل کو سکون بخشتا ہے اور اللہ ہر شئی کا جاننے والا ہے اور اطاعت کرو اللہ اور اُس کے

الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑫

رسول کی پس اگر روگردانی کروگے تو نہیں ہے ہمارے رسولؐ پر مگر واضح طور پہ پہنچا دینا

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ⑬

اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ پر ہی مومنوں کو توکل کرنا چاہیئے

مراد حضرت امیر علیہ السلام کی ولایت ہے اور وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ میں بھی نور سے مراد امامت ہے اور اس جگہ نور سے مُراد امام ہے ۔ تفسیر مجمع البیان میں نور سے مراد قرآن مجید لیا گیا ہے اور امام و قرآن چونکہ ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوتے لہٰذا دونوں توجیہیں دُرست ہیں۔

التَّغَابُنُ ۔ غبن سے ہے جس کا معنی ہے نفع ۔ اگر تجارت میں کسی کو نفع پہنچے تو اس کو غابن کہتے ہیں۔ اور اگر نقصان پہنچے تو اس کو مغبون کہتے ہیں پس قیامت کے روز مومن اپنی دنیاوی قربانیوں کی وجہ سے نعمات جنّت حاصل کرے گا تو وہ غابن ٹھہرے گا اور اس کے برعکس جو شخص اپنی دنیاوی لذّتوں میں کھو کر جنّت سے دست کشی کرنے پر مجبور ہو گا اور جہنّم کا مستحق ہو گا تو وہ مغبون ہو گا ۔ اسی مناسبت سے قیامت کو یوم التغابن کہا گیا ہے کہ وہ دن غابن اور مغبون کے نتیجے کا دن ہے اور منقول ہے کہ ہر شخص کے لئے جنّت اور جہنّم میں ٹھکانے موجود ہیں پس جنّتی کو اس کا جہنّمی ٹھکانا بھی دکھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اگر تیرا ایمان و عمل نہ ہوتا تو تجھے وہ ٹھکانا نصیب ہوتا پس اس کی خوشی میں اضافہ ہو گا ۔ اور اللہ کا شکر کرے گا اور کافر کو جنّت کا ٹھکانا دکھایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اگر تُو نے نیک اعمال کئے ہوتے تو تجھے یہ ٹھکانا ملتا پس اس کی حسرتوں میں اضافہ ہو گا۔

رُکوع ۱۶

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ چونکہ اللہ نے کسی کو مجبور نہیں کیا اس لئے جو تکلیفیں بندوں کو بندوں کی جانب سے ظلم کے طور پر پہنچتی ہیں وہ اس لئے ہیں کہ اللہ کی طرف سے انسان نیکی اور بدی میں مختار ہے مجبور نہیں پس یہاں اذن کا معنی رضا نہیں بلکہ اس کو اختیار دینا مراد ہے اور بعضوں نے اذن

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تحقیق تمہاری بیویوں اور اولادوں میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں

فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ

ان سے بچو اور اگر تم معاف کردو اور در گذر کرو اور بخش دو تو تحقیق اللہ بخشنے

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۵﴾ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ

والا مہربان ہے سوائے اس کے نہیں تمہارے مال اور اولادیں آزمائش ہیں اور اللہ

عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا

کے نزدیک بڑا اجر ہے پس اللہ سے ڈرو جس قدر تمہاری طاقت ہو اور سنو

وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ۗ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ

اور اطاعت کرو اور خرچ کرو (اور قصد کرو) نیکی کا اپنے لئے اور جو نفس کے بخل سے بچایا جائے

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۷﴾ إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا

پس ایسے لوگ ہی چھٹکارا پانے والے ہیں اگر تم اللہ کو قرض حسن دو تو اس کو تمہارے لئے

کا معنی علم کیا ہے یعنی خداوند کریم سے کسی کی تکلیف پوشیدہ نہیں پس وہ ظالم کو سزا دے گا اور مظلوم کو جزا دے گا البتہ وہ مصائب اور تکالیف جو اللہ کی طرف پہنچتی ہیں مثلاً بیماری دنیاوی نقصان، بچوں کی موت اور عزیزوں کے دکھ درد وغیرہ تو ایسے مقامات میں اذن سے مراد اس کی مشیت ہوگی۔

إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۔ یہاں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی عورتوں میں سے اور اولاد میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو دینی لحاظ سے انسان کے دشمن ہوتے ہیں اور بعض دنیاوی لحاظ سے بھی دشمن ہوتے ہیں بعض عورتیں شوہروں کی موت کی خواہشمند ہوا کرتی ہیں تاکہ اس سے گلو خلاصی کے بعد دوسری شادی کریں اسی طرح بعض اولاد بھی باپ کی موت چاہتی ہے تاکہ اس کی حکومت کا جوا گردن سے نکلے اور اس کے وارث ہو کر ہم مطلق العنان بن جائیں اسی طرح بعض اولاد باپ کو اپنے مفاد کے لئے حرام خوری اور غلط کاری پر آمادہ کرتی ہے اور بعض بیویاں بھی اسی قسم کی ہوا کرتی ہیں۔ پس اس قسم کی اولاد اور بیویوں کی دشمنی سے خدا نے متنبہ فرمایا ہے

يُضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ۙ۱۸ عٰلِمُ

دو گنا کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ شکر کی جزا دینے والا حلیم ہے غیب اور

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۹ ع ۱۶

شہادت کے جاننے والا غالب دانا ہے۔

کہ ایسی اولاد اور بیویوں کی ہر معاملہ میں اطاعت نہ کیا کرو بلکہ مفاد دینی و دنیاوی کو ملحوظ خاطر رکھ کر قدم اٹھایا کرو اور پھر یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ اگر اُن سے تمہارے حق میں کوئی لغزش ہو جائے تو ان سے انتقام لینے کے بجائے درگذر کرنا معاف کرنا اور بخش دینا تمہارے لئے زیادہ موزوں ہے تاکہ گھریلو زندگی ناخوشگوار اور تلخ نہ ہو جائے۔ چنانچہ مکہ سے جب مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا تھا تو بعض لوگوں نے ہجرت کا ارادہ کیا لیکن اُس کی بیوی اور بچے اس کو چمٹ گئے اور اس کے سامنے رونے لگ گئے کہ ہائے تیرے بعد ہم کہاں جائیں گے؟ پس اُن کی محبت میں گرفتار ہو کر سعادت ہجرت سے وہ لوگ محروم ہوگئے پس ایسے لوگوں کو خدا نے تنبیہہ فرمائی اور بعض اپنے ارادوں میں پختہ تھے کہ جب بیوی اور بچوں نے شور مچایا تو ان کو صاف کہہ دیا کہ اگر تم میری جدائی کو برداشت نہیں کر سکتے تو میرے ساتھ ہجرت کرو۔ پس وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ۔ اس میں شک نہیں کہ مال اور اولاد انسان کے لئے بہت بڑی آزمائش کا مقام ہیں کیونکہ ان کی بدولت انسان دنیاوی امور میں مبتلا ہو کر آخرت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور بعض اوقات ان کی وجہ سے ناقابلِ عفو گناہوں میں پھنس جاتا ہے پس دُعا ہے کہ خداوند کریم ہمیں مال و اولاد کے ساتھ دینی استقامت بخشے اور خدا مال ایسا دے جو راہِ خدا میں خرچ ہو اور اولاد ایسی دے جو اطاعتِ پروردگار میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ کیونکہ جس طرح بد اولاد والدین کے لئے بعض اوقات جنت سے رکاوٹ کا باعث بنتی ہے اسی طرح نیک اولاد اپنے ماں باپ کے لئے دوزخ سے بچانے کا ذریعہ بن جایا کرتی ہے۔

سُنن ابوداؤد سُنن نسائی اور مسند احمد بن حنبل سے مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسالتمآبؐ مسجد نبوی میں وعظ فرما رہے تھے دیکھا کہ حسنؑ و حسینؑ سُرخ قمیضیں پہنے ہوئے آرہے ہیں جو بعض اوقات صغرسنی کی وجہ سے چلتے ہوئے گر پڑتے تھے۔ پس حضورؐ نے اپنے بیان کو چھوڑ کر منبر سے اُتر کر ان کو اُٹھا لیا اور اپنی گود میں بٹھا کر پھر وعظ کو جاری کیا اور قرآن مجید کی یہی آیت تلاوت فرمائی اور اس آیت کے استشہاد سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ حسنین شریفین رسولؐ اللہ کی حقیقی اولاد تھے چنانچہ ایک روایت میں صاف ہے کہ ہر نبی کی اولاد اس کی اپنی صلب سے ہوا کرتی ہے اور میری اولاد علیؑ کی صلب سے ہے۔ علیٰ ما رُوِیَ

فَاتَّقُوا اللّٰہَ ۔ یعنی جس قدر تمہاری ہمت ہو خوف خدا کرو اور اس کی دوسری جگہ وضاحت اس طرح ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ ۔ یعنی تقویٰ اس طرح اختیار کرو جس طرح تقویٰ کا حق ہے اور راہ خدا میں خرچ کرنا بھی اگرچہ اطاعت کا فرد تھا لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو الگ ذکر فرمایا کیونکہ نماز پڑھنے میں کچھ خرچ نہیں لیکن زکوٰۃ دینے میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ فَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ پر اہل بیت کے سوا کسی نے عمل نہیں کیا ہم نے اس کا اس طرح ذکر کیا کہ اس کو کبھی بھلایا نہیں اور ہم نے اس کا اس طرح شکر کیا کہ کبھی کفر کا ارتکاب نہیں کیا اور ہم نے اس کی اس طرح اطاعت کی کہ کبھی ہم سے اس کی نافرمانی سرزد نہیں جب یہ آیت مجیدہ اُتری تو صحابہ نے معذرت پیش کی پس اس کے بعد یہ دوسری آیت اُتری کہ اتنا تقویٰ کرو جس قدر تمہاری طاقت ہو۔

بخل اور شح کا بیان

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ ۔ یعنی جو بخل کی بیماری سے بچ جائے وہ کامیاب ہوا فضیل بن ابومرہ کہتا ہے کہ رات بھر میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو دعا مانگتے دیکھا آپ یہی دعا مانگ رہے تھے اے اللہ مجھے نفس کے بخل سے محفوظ رکھ تو میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا اس بیماری سے بدترین بیماری اور کونسی ہوسکتی ہے کہ خدا فرماتا ہے جو اس بیماری سے بچ گیا وہ کامیاب ہوا حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا بخیل آدمی ظالم سے بدتر ہے کیونکہ ظالم کے متعلق توقع ہوسکتی ہے کہ اپنے ظلم سے توبہ کرلے اور لوگوں کے حقوق غصب کردہ واپس دیدے لیکن بخیل آدمی سے یہ امید نہیں ہوسکتی کیونکہ بخیل آدمی زکوٰۃ صدقہ صلہ رحمی مہمان نوازی خیرات اور جملہ نیک مصارف سے محروم ہوگا اور جنت بخیل طبقہ پر حرام ہے ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ جب خدا کسی آدمی پر ناراض ہوتا ہے تو اس کو بخل کی مرض میں مبتلا کر دیتا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ بخیل وہ ہے جو واجبات کی ادائیگی سے پہلوتہی کرے۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا جو شخص زکوٰۃ مفروضہ ادا کرے اور قومی سطح پر خرچ کرے وہ بخیل نہیں ہے بخیل وہ ہے جو زکوٰۃ واجبہ بھی ادا نہ کرے اور قوم کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے لیکن اس کے علاوہ فضول کاموں پر خرچ کرے

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ شحیح بخیل سے بھی بدتر ہے کیونکہ بخیل وہ ہے جو اپنے پیسے میں بخل کرے اور شحیح وہ ہے جو لوگوں کے جیب میں پیسہ نہ دیکھ سکے بلکہ حلال یا حرام طریقہ سے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا شحیح وہ ہے جو پیسہ کو شرف سمجھے اور خرچ کرنے کو تاوان سمجھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا شحیح وہ ہے جو جائز خرچ سے گریز کرے اور ناجائز خرچ میں دریادلی

کا مظاہرہ کرے۔

جناب رسالتمآب سے منقول ہے بخیل[1] وہ ہے جو میرا نام سُن کر درود شریف نہ پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ اور بعضوں نے کہا ہے کہ بخیل وہ ہے جو خود کھائے اور دوسروں پر بخل کرے اور شحیح[2] وہ ہے جو دوسرے خرچ کرنیوالوں کے خرچ کرنے کو بھی ناپسند کرے اور ان دونوں سے بدتر لئیم[3] ہے جو کمایا ہوا مال نہ خود کھائے اور نہ دوسروں کو کھانے دے

صدقاتِ جاریہ اور مدارسِ دینیہ

بخیل اور شحیح کے مقابلہ میں سخی اور کریم ہوا کرتے ہیں چنانچہ سخی وہ ہوتا ہے جو اپنے کمائے ہوئے حلال رزق سے خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے اور کریم وہ ہوتا ہے جس کا مال صرف اپنی ضروریات کے مطابق ہی ہو لیکن وہ اپنے مصارف میں کمی کرکے دوسروں کی حاجات کو پورا کرنے کی سعادت حاصل کرے یعنی خود نہ کھائے اور دوسروں کو کھلائے اور ان دونوں میں سے بہترین انسان وہ ہے جو اپنے واجب و مستحب صدقات سے فارغ (ادا کرنے کے بعد) ہونے کے بعد خوشنودئ خدا کے لئے اپنے تمام بچت مال سے محتاجوں اور بے کسوں و بے نواؤں کی خبرگیری کرے اور زائد از ضرورت اشیاء و رقوم کو ذخیرہ و خزانہ کرنے سے گریز کرے اور سب سے زیادہ نیک بخت وہ انسان ہوتا ہے جو اپنے زائد از ضرورت اموال کو صدقہ جاریہ قرار دے دے مثلاً کوئی مسجد یا امام بارگاہ یا مدرسہ دینیہ تعمیر کرائے یا کوئی دوسرا ایسا کام کرے جس سے بنی نوع انسان کافی دیر تک استفادہ کرتے رہیں اور دورِ حاضر میں جبکہ اسلام مغربیت کی گرفت میں آکر زندگی کی آخری سسکیاں لے رہا ہے اور اس کی مظلومیت اور کس مپرسی کا یہ عالم ہے کہ مسلمان کہلانے والے بھی اسلام کا تمسخر اڑانے میں اپنی روشن خیالی محسوس کرتے ہیں حتاکہ خود مسلمان اپنے علماء کا مذاق اڑاتے ہیں اور انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں پس اپنے اموال سے زیادہ سے زیادہ رقوم مدارسِ دینیہ پر لگانا سب سے زیادہ موجب ثواب ہے جہاں قوم کے نونہال دینی و اسلامی علوم حاصل کرکے کفر و زندقہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں لہذا صدقہ جاریہ کے طور پر مدارسِ دینیہ پر زمینیں یا جائدادیں وقف کرنا بہت بڑی نیک بختی ہے میں نے اپنی ذاتی کاوش و محنت سے اپنے پس ماندہ علاقہ جانڈا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک دینی درسگاہ قائم کی ہے جس سے کافی افاضل استفادہ کرکے قوم کے لئے فریضہ ہدایت اور سلسلہ تعلیم و تعلم میں مشغول ہیں۔ مدرسہ کا نام باب النجف جانڈا ہے اور یہ زیر نظر تفسیر انوار النجف اسی دینی ادارہ کی علمی خدمات کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے پس تمام قارئین سے ادارۂ مذکورہ کی اعانت کی اپیل ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

میرے والد ماجد جو اس دینی درسگاہ کے حقیقی بانی تھے اسی سال ۱۲ / ماہ مبارک رمضان ۱۳۹۷ھ کو وفات پا گئے ہیں۔ قارئین کرام سے اُن کے لیے سورۂ فاتحہ کی استدعا ہے

سُورہ اَلطّلاق

★ یہ سورۂ مدینہ ہے اور بسم اللہ سمیت اس کی کل آیات تیرہ ہیں۔

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ طلاق اور تحریم کو نماز فریضہ میں پڑھے۔ خداوند کریم اسس کو قیامت کے خوف سے محفوظ رکھے گا اور ان کی تلاوت و مداومت کی وجہ سے خُدا اس کو جنّت میں داخل فرمائے گا کیونکہ ان دونو سورتوں میں جناب رسالتمآبؐ کو خطاب کیا گیا ہے

★ ایک حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا اس کو توبہ نصوح کی توفیق مرحمت ہوگی

★★★

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں))

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَ اَحۡصُوا

اے نبیؐ تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت کے لئے طلاق دیا کرو اور شمار کرو

الۡعِدَّۃَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡہُنَّ مِنۡ بُیُوۡتِہِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ

عدت کو اور اپنے رب سے ڈرو ان کو اپنے گھروں سے باہر نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں

رکوع ۱۷

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ - یہ خطاب نبی کریمؐ کو ہے اور مراد ساری امت ہے اور بعض مفسرین نے یہاں محذوف کا قول کیا ہے یعنی قُلۡ لِاُمَّتِکَ (اپنی امت سے کہہ دیجئے) پس اس لحاظ سے حضورؐ خود اس حکم سے مستثناء قرار دیئے جائیں گے اور پہلے معنی کے لحاظ سے حکم میں شامل رہیں گے۔

طلاق عدت

فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ - یعنی ان کو ایسے وقت میں طلاق دو جو ان کی عدت میں شمار ہو سکے چنانچہ ابن عباس اور ابن مسعود وغیرہ سے منقول ہے کہ اس طہر میں طلاق دے جس میں عورت سے مجامعت نہ کی ہو تاکہ بقیہ طہر اس کی عدت میں شمار ہو سکے پس طلاق ہوتے ہی عورت کی عدت شروع ہو جائے گی اور معنی آیت کا یہ ہوگا کہ عورت کو طلاق ایسے طہر میں دو جس کو وہ عدت میں شمار کر سکیں اور ایام حیض میں طلاق نہ دو کہ ان ایام کو وہ عدت میں شمار نہیں کر سکتیں اور یہ معنی مذہب شیعہ کے مسلک کے موافق ہے کہ عورت کی طلاق کی عدت تین طہر ہوتی ہے نہ کہ تین حیض اور آئمہ اربعہ میں سے امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔

علماء امامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس طہر میں عورت سے مجامعت کی گئی ہو اس میں اس کی طلاق واقع نہیں ہو سکتی پس اگر اس طہر میں کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے گا تو وہ غلط اور باطل متصور ہوگی کیونکہ حکم خداوندی یہ ہے کہ طلاق اس وقت دی جائے جو عدت میں شمار ہو اور وہ طہر جس میں مجامعت ہو چکی ہے وہ عدت میں شمار ہو نہیں سکتا لہذا طلاق باطل ہوگی اور اس کی علت یہ ہے کہ شریعت نے مطلقہ کے لئے عدت اس لئے ضروری قرار دی ہے تاکہ یقین ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں ہے اور بعد میں حیض کا آجانا اُس کے حمل نہ ہونے کی دلیل ہوتا ہے لیکن جس طہر میں مجامعت کی جائے اس کے بعد والا حیض حمل نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا بلکہ مجامعت کے بعد والے حیض کے لئے عورت کے رحم میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور رحم کے اطراف سے جب مادہ خاصہ ٹپکتا ہے تو مرد کی منی سے اگر اس کا اتصال ہو

جائے تو نطفہ منعقد ہو جاتا ہے ورنہ نہیں جیسا کہ دورِ حاضر کے حکیموں کا نظریہ ہے۔ واللہ اعلم

پس مجامعت والے طہر کے بعد والا حیض چونکہ عدم حمل کی علامت نہیں بن سکتا۔ لہٰذا اس طہر کو عدت میں شمار نہیں کیا جا سکتا بلکہ عدت میں شمار وہی طہر ہوگا جس میں مجامعت واقع نہ ہوئی ہو بناء بریں علماء شیعہ کے نزدیک طلاق کے لئے شرط ہے کہ ایسے طہر میں واقع ہو جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو۔

ابوحنیفہ کے نزدیک لِعِدَّتِهِنَّ میں لام قبل کے معنی میں ہے جس طرح تَوَضَّأْتُ لِلصَّلٰوةِ میں نے نماز کے لئے وضو کیا یعنی نماز سے پہلے وضو کیا اور اس جگہ معنی یہ ہوگا کہ عورتوں کو طلاق دو ان کی عدت کے لئے یعنی عدت سے پہلے لہٰذا اس کے نزدیک عدت حیض سے شروع ہوگی اور طلاق حیض سے پہلے والے طہر میں واقع ہوگی۔

مسئلہ: چونکہ قرآن مجید میں طلاق عدت کا صریحی فرمان ہے لہٰذا بیان سابق کے ماتحت حیض کے ایام میں اور طہرِ مجامعت میں طلاق باطل ہوگی اور یہی علماء شیعہ کا مسلک ہے غیر شیعہ فرقوں میں ایسی طلاق بدعت ہے لیکن باطل نہیں ہے

مسئلہ: اگر بیک وقت تین طلاق کہہ دے تو چونکہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے لہٰذا ابوحنیفہ کے نزدیک بھی بدعت تو ہوگی لیکن واقع ہو جائے گی لیکن علماء شیعہ کے نزدیک وہ صرف ایک طلاق قرار دی جائے گی۔

طلاق کے متعلق ضروری مسائل اس کی شرائط اس کی اہمیت وافادیت اور دیگر امور تفسیر کی تیسری جلد میں ملاحظہ ہوں۔ صـ۶۱، صـ۵۳۔

روایات از طریق اہلسنت

بروایت بخاری ومسلم نافع سے منقول ہے کہ ابن عمر نے اپنی عورت کو زمانِ حیض میں طلاق دی تو رسولؐ اللہ نے اس کو واپس لانے اور گھر میں رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا انتظار کرو کہ یہ طہر گذر جائے پھر اس کو حیض آئے پس جب حیض سے پاک وصاف ہو جائے تو مجامعت کئے بغیر اس کو طلاق دیدو تاکہ وہ طہر اس کی عدت میں شمار ہو اور یہ وہی عدت ہے جس کا قرآن میں ذکر ہے دوسری روایت میں ہے کہ ابن عمر نے عورت کو ایام حیض میں طلاق دی تو حضرت عمر نے رسولؐ اللہ کے سامنے ذکر کیا پس حضورؐ نے فرمایا اس سے کہو عورت کو گھر میں لے آئے اور جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تب طلاق جاری کرے یہ روایات صاف بتلاتی ہیں کہ صحابہ کے زمانہ میں بھی طلاق کا یہی دستور تھا کہ جس طہر میں عورت سے مجامعت کر چکا ہو اس میں طلاق نہیں ہو سکتی اور ایام حیض میں بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ۔ عدت کے شمار کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ طلاق کے بعد عدت کے زمانہ میں عورت اور مرد پر جو چند فرائض عائد کئے گئے ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کا یقین ہو جائے مثلاً مرد پر واجب ہے کہ عدت کے زمانہ میں عورت کو گھر سے نہ نکالے بلکہ زمانِ عدت تک اس کا نان ونفقہ اور مکان اس پر واجب ولازم ہے اور مرد کو زمانِ عدت میں رجوع کرنے کا حق بھی حاصل ہے پس اگر عدت کو شمار نہ کریں گے تو حقوق کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے

إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ۚ وَمَن يَتَعَدَّ

مگر جب کھلی ہوئی بے حیائی کا مظاہرہ کریں اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص

حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ

اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا تم نہیں جانتے شاید اللہ اس کے

اور عورت پر واجب ہے کہ زمانِ عدّت میں اپنے شوہر کے گھر سے باہر نہ جائے تاکہ مرد کے لئے عورت کی طرف رجوع کرنے کے مواقع موجود ہوں تاکہ جب چاہے رجوع کر سکے اور عورت کے باہر جانے کی صورت میں مرد کا یہ حق ضائع ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مطلقہ عورت ہار سنگار خوشبو تیل سرمہ و کاجل لگا سکتی ہے تاکہ ایّام عدّت میں مرد کی دل کشی کا باعث ہو اور اس کے لئے رجوع کی محرک ہو۔

مسئلہ:۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ تیسری طلاق کے بعد چونکہ مرد کے لئے رجوع ناجائز ہے۔ لہٰذا عورت نہ تو مکان میں رہنے کی پابند ہے اور نہ مرد کی جانب سے نان و نفقہ کی حقدار ہے۔

مسئلہ:۔ آزاد عورت کی عدّت تین طہر اور کنیزوں کی عدّت دو طہر ہوا کرتی ہے اور حیض نہ آنے کی صورت میں آزاد عورت کی عدّت تین ماہ اور کنیزوں کی عدّت ڈیڑھ ماہ ہوا کرتی ہے۔

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ - یعنی اگر عورت سے غلطی صادر ہو تو اس کو گھر سے نکالا جا سکتا ہے اور اس غلطی کے متعلق چند اقوال ہیں۔ (۱) زنا (۲) مرد کے گھر والوں کے ساتھ لڑنا جھگڑنا۔ (۳) مرد کا نافرمان ہونا

لَا تَدْرِي - یعنی خداوند کریم نے عدّت مقرر کرکے اور عورت کو تا ایّام عدّت مرد کے گھر میں پابند رہنے کا حکم دے کر ایک بہت بڑی مصلحت کو ملحوظ رکھا ہے اور وہ یہ کہ ہو سکتا ہے ان ایّام میں عورت اور مرد ٹھنڈے دل سے اپنی اپنی غلطیوں کی ٹوہ لگائیں پس اگر عورت میں غلطی ہے تو وہ اپنے ناخوشگوار انجام سے گھبرا کر اپنی اغلاطِ سابقہ سے دست کشی پر آمادہ ہو جائے اور اپنے مرد کو ایّام عدّت میں اپنی طرف سے اطمینان اور تسلّی دلا دے پس مرد رجوع کرکے اپنی ازدواجی زندگی کو آئندہ کی تلخیوں سے بچا لے اور نئے تجربہ کی طرف اقدام نہ کرے اور اگر مرد نے غلط قدم اٹھایا ہے تو ایّام عدّت تک اس کو سوچنے کا موقعہ دیا گیا ہے تاکہ عورت کی وفا شعاری اور خدمت گذاری سے متاثر ہو کر اس کو اپنے غلط اقدام پر ندامت کا موقعہ ملے اور عورت کو اس کے انجام بد سے بچاتے ہوئے رجوع کرکے پر سکون زندگی کو اپنا لیں۔ اس لئے فرماتا ہے کہ میری ان حدود کی تعیین کی مصالح کا تمہیں کیا پتہ؟ ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں ان کے لئے کوئی اچھی صورت پیدا ہو جائے اور بیک وقت تین طلاقوں میں چونکہ یہ مصلحت پوری نہیں

بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ۝ فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ

بعد کوئی نئی صورت پیدا کر دے پس جب اپنی عدت کے قریب پہنچیں تو ان کو نیکی سے اپنے پاس رکھ لو

اَوۡ فَارِقُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ

یا اچھے طریقے سے ان کو رخصت کر دو اور دو عادل گواہ قائم کرو جو تم میں سے ہوں

وَ اَقِیۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ یُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ

اور گواہی اللہ کے لئے دیا کرو اس سے نصیحت کی جاتی ہے اس کو جو اللہ اور روز آخر پر

ہوتی لہٰذا اس آیت مجیدہ کی رُو سے عورت کو بیک وقت تین طلاق کہنے سے تین طلاقیں نہیں ہوں گی بلکہ صرف ایک طلاق واقع ہو گی نیز اگر تین طلاقیں ایک وقت میں واقع ہوں تو عدت کے شمار کرنے کا حکم عبث لازم آئے گا اسی طرح ان کو گھروں سے نہ نکالنے کا حکم بھی عبث ہو گا۔

فَاِذَا بَلَغۡنَ ۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ جب عدت کو پُورا کر لیں کیونکہ عدت کے پُورا ہو جانے کے بعد مرد کو رُجوع کا حق نہیں رہتا۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ جب عدت کے اختتام کے قریب پہنچیں تو مرد کو چاہیئے کہ سوچ سمجھ کر فیصلہ یا تو اچھے طریقے سے رُجوع کر کے اس کو اپنی بیوی بنائے یا عدت گذرنے دے اور نیکی کے طریقے سے اس کو باعزت روانہ کر دے

وَ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ ۔ اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ طلاق واقع کرتے وقت دو عادل گواہ موجود ہونے چاہئیں اور یہی شیعہ مسلک ہے پس اگر طلاق کے وقت دو عادل گواہ موجود نہ ہوں گے تو طلاق باطل ہو گی۔

مسئلہ ۔ دو عورتیں اور ایک مرد کافی نہیں بلکہ دو عادل مردوں کا گواہ ہونا ضروری ہے۔

طلاق سُنّت اور طلاق عدت میں فرق

طلاق سُنّت بھی درحقیقت طلاق عدت ہوا کرتی ہے البتہ چونکہ اس کے وقوع کے طریقوں میں فرق ہے اس لئے فقہاء نے اصطلاحاً ایک کا نام طلاق سنّت اور دوسرے کا نام طلاق عدت رکھ دیا ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مرد ایسے طہر میں عورت کو طلاق دے جس میں مجامعت نہ کر چکا ہو اور طلاق کے وقت دو عادل گواہوں کو حاضر کرے پھر تین طہر تک اس کی عدت ہے اس دوران میں اگر چاہے تو عورت کی طرف رُجوع کر سکتا ہے اور یہ وہ طلاق ہے جس کا اللہ نے قرآن مجید میں حکم دیا ہے۔

زرارہ سے مروی ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو طلاق سنّت کے طریقے سے یا عدت کے

طریقے سے نہ ہو وہ باطل ہے زرارہ نے عرض کی کہ حضور والا! آپ طلاق عدّت اور طلاق سُنّت کی وضاحت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ طلاق سنّت یہ ہے کہ مرد جب عورت کو طلاق کرنا چاہے تو انتظار کرے کہ اس کے ایامِ حیض گذر جائیں پس جب پاک و صاف ہو جائے تو مجامعت کئے بغیر دو عادل گواہوں کے سامنے اس کو طلاق دیدے۔ پھر اس کی طرف رجوع نہ کرے یہاں تک کہ وہ عدّت گذار لے اور اس دوران میں اس کا نان و نفقہ اور مکان مرد کے ذمہ ہوگا پھر یہ شخص دوسروں کی طرح اس عورت کے نکاح میں اُمیدوار کی حیثیت سے ہوگا اگر وہ عورت اس کو قبول کر لے تو نئے نکاح سے پھر وہ عورت اس پر حلال ہوگی اور عدّت کے اندر اگر ان دونوں میں سے کسی کا انتقال ہوگا تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکیں گے۔

اور طلاق عدت کا طریقہ یہ ہے کہ عورت جب حیض سے پاک ہولے تو مرد اس کو دو عادل گواہوں کے روبرو طلاق کہے بشرطیکہ اس طہر میں طلاق سے پہلے اس سے مجامعت نہ کر چکا ہو اور طلاق دینے کے بعد رجوع کرلے خواہ اسی دن کرے یا چند دن گزار کے کرے بہرصورت اس طہر یا دوسرے حیض سے پہلے رجوع کرلے اور دو عادل گواہوں کو اپنے رجوع کی اطلاع دیدے پھر اس سے مجامعت کرے پھر جب عورت کو حیض آئے۔ تو حیض گذرنے کے بعد مجامعت سے پہلے پہلے دو عادل گواہوں کے سامنے اس کو دوبارہ طلاق دیدے پھر رجوع کر کے اس کے ساتھ مجامعت کرے اور پھر اس تیسرے حیض کے گذرنے کے بعد مجامعت کے بغیر دو عادل گواہوں کے رُوبرو صیغہ طلاق جاری کرے اب اس دفعہ اس کی طلاق بائن ہو جائے گی اور اس کو عورت کی طرف رجوع کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا جبتک کہ کوئی دوسرا شوہر اس کے ساتھ شادی کر کے اپنی مرضی سے اس کو طلاق نہ دے دے یا مر نہ جائے۔

پس طلاق عدّت میں پہلی دونو طلاقوں کے بعد رجوع اور مجامعت کی قید ہے اور طلاق سنّت یہ ہے کہ طلاق دے اور عدّت کے گذرنے تک اس کی طرف رُجوع نہ کرے جب عدّت گزرے گی تو عورت اس سے بائن ہو جائے گی البتہ اس کو نئے سرے سے نکاح کرنے کی اجازت ہوگی پس اگر نیا نکاح کرے اور حسب شرائط اس کو پھر طلاق سنّت کر دے تو عدّت گزرنے کے بعد چونکہ اس کی دو طلاقیں ہو چکی ہیں۔ لہذا اس کو تیسری مرتبہ پھر نکاح جدید کی اجازت ہوگی پس اگر دوسری طلاق کی عدّت کے بعد نئے سرے سے نکاح کر لیا تو وہ عورت اس پر حسب سابق حلال ہوگی پھر حسب شرائط اگر اس کو طلاق سنّت دے گا تو عدّت گذرنے کے بعد اس کو جدید نکاح کرنے کا حق نہ ہوگا اور یہ طلاق بائن ہو گی جبتک کہ کوئی دوسرا آدمی اس سے نکاح کر کے طلاق نہ کر دے پس طلاق سنّت بھی درحقیقت طلاق عدّت ہے البتہ ان کو واقع کرنے کے طریقوں میں فرق ہے لہذا یہ اعتراض کرنا فضول ہے کہ قرآن مجید نے طلاق عدّت کا حکم دیا ہے لیکن شیعہ کے نزدیک طلاق سنّت کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ طلاق سنّت بھی درحقیقت طلاق عدّت ہے باقی احکام طلاق اور طریقہ طلاق تفسیر کی جلد ثالث میں ملاحظہ ہو۔

طلاق کی مبغوضیّت حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے نبی کریمؐ سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا شادی کرو

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ

یقین رکھتا ہو اور جو اللہ سے ڈرے خدا اس کی مشکلیں آسان کرتا ہے اور اس کو

مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ

ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہوتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾

تحقیق اللہ اپنے معاملات پر قادر ہے اُس نے ہر شئ کے لئے مقدار مقرر فرمائی ہے۔

اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش بھی کانپ جاتا ہے ایک روایت میں آپ نے فرمایا اگر کوئی عورت بلا وجہ مرد سے طلاق کی خواہش کرے تو اس پر جنّت کی بُو بھی حرام ہے۔

حضورؐ نے فرمایا بدکرداری کی شکایت کے بغیر عورت کو ہرگز طلاق نہ دیا کرو نیز فرمایا طلاق کی قسم لینا یا قسم کھانا منافقوں کی نشانی ہے۔

وسعتِ رزق اور ترقی درجات کیلئے

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ سے لیکر قَدْرًا تک روزانہ پڑھنے سے رزق میں وسعت اور درجات میں بلندی عطا ہوتی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نئے چاند کے جمعرات یا جمعہ یا دو شنبہ سے اس کا عمل شروع کرے صبح کی نماز کے بعد مقام خلوت میں چالیس روز لگاتار پڑھتا رہے اور ہر روز ایک سو اُنسٹھ بار پڑھے۔ عمل شروع کرنے سے پہلے غسل کرے اور دو رکعت نماز حاجت بجالائے اور ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر عمل شروع کرے۔ دوران عمل کسی سے گفتگو نہ کرے نہ کسی طرف دیکھے اور نہایت دلجمعی اور اطمینان قلب سے عمل کو شروع کرے انشاء اللہ پہلے عشرہ میں اس کے اثرات ظاہر ہونے لگیں گے اور رزق کے دروازے اس پر کھل جائیں گے۔ اگر تا اختتام عمل دُعا مستجاب نہ ہو تو دوسرا چلّہ شروع کر دے اور اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہو۔

مؤلف کتاب فوائد القرآن مولانا سید محمد مرتضیٰ جونپوری نے اس آیت مجیدہ کے عمل کے فوائد کی تشریح میں کتاب الفرج سے ایک حکایت بھی درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک گروہ تاجروں کا کشتی میں سوار ہوا تو اچانک ہاتف غیبی کی صدا آئی کوئی ہے جو دس ہزار دینار دے تاکہ میں اس کو ایسے کلمات سکھاؤں جو غم میں پڑھے تو خوشی دیکھے اور کسی مصیبت میں پڑھے تو نجات پائے اُن میں سے ایک تاجر نے دس ہزار دینار اس ہاتف کے کہنے پر دریا میں پھینک دیئے تو ہاتف نے ورد مذکور کی اس کو تعلیم دی چنانچہ کشتی میں سوار لوگوں نے اس کو ملامت

کی لیکن اُس نے ان کی پرواہ نہ کی اور آیت مجیدہ کی تلاوت شروع کر دی۔ تقدیر کی کرنی اس طرح ہوئی کہ کشتی ایک طوفان مخالف کی زد میں آکر ٹوٹ گئی اور اسی ایک تاجر کے سوا کوئی جانبر نہ ہو سکا پس ایک تختے پر سوار ایک جزیرہ میں جا پہنچا وہاں ہر طرح کے سرسبز باغات اور چشمے دیکھے درمیان میں عالیشان محل دیکھا جس میں ایک پری پیکر حسینہ دیکھی اس کے علاوہ اور کوئی بنی آدم وہاں نہ تھا اس حسینہ خوش جمال و خوش خصال سے دریافت احوال کیا تو اُس نے ایک پُردرد کہانی سُنائی کہ میں اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی بصرہ کے رہنے والی ہوں میرا باپ تاجر تھا اور فرطِ محبت کی وجہ سے مجھے دُور دراز کے اسفار میں اپنے ہمراہ رکھتا تھا ایک دفعہ ہماری کشتی ٹوٹ گئی تو سوائے میرے اور کوئی نہ بچا تختے پر سوار تقدیر کے فیصلے کے ماتحت میں اس جزیرہ میں پہنچی ہوں یہاں ایک دیو پیکر انسان نما دریا سے نکل کر ہفتہ میں ایک بار میرے پاس آتا ہے اور بوس و کنار کر کے چلا جاتا ہے مجامعت نہیں کرتا ابھی اس کے آنے کا وقت ہے تم چلے جاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ پہنچ جائے اور تجھے مار ڈالے ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ آن پہنچا اور غُصیلے تیور سے اُس کے اُوپر اُس نے نگاہ ڈالی تو اُس نے یہی وردِ کرم پڑھا ابھی تک آیت کو پُورا نہیں کیا تھا کہ وہ دھڑم سے نیچے گرا اور وادیٔ عدم میں جا پہنچا اُس نے خوشی سے سر کو سجدہ پروردگار میں جھکا دیا اور عورت نے بھی سجدۂ شکر کیا پس اُس عورت کو اور اس کے پاس جس قدر مال و زر تھا سب کو اُٹھا کر سمندر کے کنارے پر لایا اور ایک گذرنے والی کشتی کو اشارہ کیا چنانچہ انہوں نے ان دونو کو سوار کر لیا پس بفضل خُدا وہ بصرہ میں پہنچے اُس لڑکی کے بتائے ہوئے پتہ پر اُس نے اُس کے رشتہ داروں کو اطلاع دی اور اُنہوں نے اس لڑکی کی اس کے ساتھ شادی کر دی خداوند کریم نے اس عورت کے شکم سے اس کو اولاد بخشی اور تمام اہل بصرہ میں سے وہ شخص دولتمند ہو گیا۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت ابو ذر غفاریؓ سے منقول ہے کہ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں ایک ایسی آیت موجود ہے اگر تمام لوگ اس پر کاربند ہو جائیں تو وہ سب کے لئے کافی و وافی ہے اس کے بعد آپ نے یہی آیت پڑھی وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ الآیہ۔ پس آپ بار بار پڑھتے رہے اور یہی کلمہ دہراتے رہے۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ حدیث میں ہے جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ قوی بننا چاہے وہ اللہ پر توکل کرے۔

ص۵۳ پ۱۰ وَاللّٰٓئِیْ یَئِسْنَ۔ یہ حکم ان عورتوں کے لئے ہے جن کا خون حیض بند ہو لیکن ابھی سن یاس تک نہ پہنچی ہوں اور شک ہو کہ ان کا حیض ختم ہو چکا ہے یا یہ بندش کسی بیماری کی وجہ سے ہے پس اگر آزاد ہوں تو طلاق کے بعد ان کی عدت تین ماہ اور اگر کنیزیں ہوں تو ایسی صورت میں اُن کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی جس طرح کہ گذر چکا ہے

ص۵۳ پ۱۰ وَاللّٰٓئِیْ لَمْ يَحِضْنَ۔ اس کا عطف پچھلے حکم پر ہے یعنی کبر سنی کی وجہ سے اگر خون رُک جائے یا ابتداء جوانی میں کسی عورت کو خون نہ آئے حالانکہ اُسے خون آنا چاہیئے تو مدخولہ ہو جانے کے بعد ایسی عورت کو اگر طلاق ہو جائے تو آزاد ہونے کی صورت میں اس کی عدت تین ماہ اور کنیز ہونے کی صورت میں اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی۔

وَالّٰٓـئِیۡ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ

اور جو حیض سے مایوس ہو جائیں تمہاری عورتوں میں سے اگر ان کے حیض کا شک ہو

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ وَّالّٰٓـئِیۡ لَمۡ یَحِضۡنَ ؕ وَاُولَاتُ

تو اُن کی عدّت تین ماہ ہے اور جن عورتوں کو حیض نہیں آتا (ان کی عدّت بھی تین ماہ ہے)

الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ؕ وَمَنۡ یَّتَّقِ

اور حمل والی عورتیں اُن کی عدّت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے اور جو اللہ سے ڈرے

اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ یُسۡرًا ۞۵ ذٰلِكَ اَمۡرُ اللّٰهِ

اللہ اُس کے معاملات کو آسان فرماتا ہے یہ اللہ کا حکم ہے

اَنۡزَلَهٗۤ اِلَیۡكُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرۡ عَنۡهُ

جو تم پر اُس نے نازل کیا اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اُس کے گناہوں کو

سَیِّاٰتِهٖ وَیُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ۞۶ اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَیۡثُ

مٹا دیتا ہے اور اس کا اجر بڑھا دیتا ہے ان (عورتوں کو) ٹھہراؤ جہاں

وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ ۔ یہ حکم الگ ہے یعنی جس عورت کو طلاق دی گئی ہو اور وہ حاملہ ہو تو اس کی عدّت وضع حمل ہو گی پس وضع حمل تک اس کا نان و نفقہ اور مکان مرد پر واجب ہوگا اور وضع حمل کے بعد عورت کے اخراجات کا بوجھ مرد سے ہٹ جائے گا اور عورت اگر اس کے بچے کو پالے گی اور دُودھ پلائے گی تو مرد سے اس کی اُجرت کا حق بھی طلب کر سکتی ہے۔

مسئلہ ۔ اگر مطلقہ عورت بچے کو دودھ پلائے تو مرد کو حق نہیں پہنچتا کہ اس سے زبردستی بچہ چھین لے ہاں اگر بچے کے لئے کوئی دوسری دایہ کم اُجرت پر میسّر آسکتی ہے یا مفت پلانے والی مل سکتی ہے تو مرد اپنا بچہ ماں سے لے کر دوسری دایہ کو دے سکتا ہے لیکن اگر ماں بھی اسی اُجرت پر راضی ہو جائے یا مُفت پلانے پر آمادہ ہو تو وُہ بچے کی تربیت کی زیادہ حقدار ہے پھر مرد کو اس سے بچہ چھین لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ اگر ایک عورت کے پیٹ میں دو بچے ہوں تو پہلے بچے کی ولادت کے بعد اس کی عدّت ختم

سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ط

تم خود ٹھہرے ہو اپنی حیثیت سے اور ان کو نہ ستاؤ کہ ان کے لئے وہاں رہنا دشوار ہو جائے

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ

اور اگر حمل والی ہیں تو اُن پہ خرچ جاری رکھو یہاں تک کہ وضع حمل کر لیں

حَمْلَهُنَّ ج فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ج وَاْتَمِرُوْا

پس اگر وہ خود دُودھ پلائیں تمہارے لئے تو ان کو مزدوری دو اور قبول کر لو

بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ج وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝٦

(شرعی فیصلہ) اپنے درمیان نیکی سے اور اگر اتفاق رائے نہ ہو سکے تو کوئی دوسری عورت اس کو دودھ پلائے گی

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ

اور چاہیئے کہ صاحب وسعت اپنی وُسعت سے خرچ کرے اور جس پہ رزق کی تنگی ہے

ہو جائے گی لیکن دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی۔ جب تک کہ دوسرا بچہ پیدا نہ ہو جائے کیونکہ وضع حمل مکمل طور پہ اُسی وقت ہو گا جب آخری بچہ پیدا ہو جائے۔

مسئلہ:۔ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کی عدّت ا**بعد الاجلین** ہوگی اگر چار ماہ دس دن کے اندر وضع حمل نہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہو گی اور اگر وضع حمل پہلے ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہو گی

سَكَنْتُمْ ۔ یعنی مرد پہ واجب ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق ایام عدت میں عورت کو مکان مہیا کرے۔ جس میں اس کا گذارہ ہو سکے۔

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ ۔ یعنی مرد کیلئے نا جائز ہے کہ عورت کو ایسا تنگ کرے کہ اس کے لئے وہاں رہ کر عدت گذارنا مشکل ہو جائے

فَاِنْ اَرْضَعْنَ ۔ یعنی اگر مطلقہ خود اپنے بچے کو دودھ پلانے کی خواہش کرے تو اسی کو اُجرت دیکر بچے کو دودھ پلوایا جائے

وَاْتَمِرُوْا ۔ عورت اور مرد دونو کو خطاب ہے کہ اللہ کے تشکیل کردہ احکام کی پیروی کرنے میں تم دونو باہمی اتفاق کر لو ورنہ اگر تم میں اتفاق رائے نہ ہو سکا مثلاً عورت اُجرت کا زیادہ مطالبہ کرے تو پھر مرد کو حق پہنچتا ہے کہ کسی دوسری عورت کی خدمت حاصل کر لے۔ لِيُنْفِقْ ۔ یعنی ہر مرد پہ اپنی حیثیت کے مطابق اپنی عورت کا نان و نفقہ واجب ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ:۔ طلاق بائن کے بعد مرد پہ عورت مطلقہ کا نان و نفقہ ساقط ہے لیکن حاملہ مطلقہ کے متعلق قرآن کا صریحی

فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ

وہ اتنا ہی خرچ کرے جو اللہ نے اس کو دیا ہے کسی کو اللہ اپنی حیثیت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا شاید اللہ تنگی

اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝۷ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ

کے بعد اس کو وسعت دیدے اور کس قدر بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی

رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا

اور اس کے رسولوں (کے حکم سے) تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو بدترین عذاب میں گرفتار

نُّكْرًا ۝۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝۹

کرلیا پس انہوں نے اپنے کئے کا وبال چکھ لیا اور ان کا انجام کار خسارہ رہا

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ڃ

اُن کے لئے تیار کیا اللہ نے عذاب سخت پس اللہ سے ڈرو عقل والو! وہ جو ایمان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ڟ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا

لائے ہو تحقیق اللہ نے تم پر اتارا ذکر ایسا رسول جو تم پہ

امر ہے کہ جبتک وضع حمل نہ ہو اس کا نان ونفقہ مرد پر واجب ہے اور مرد پر ضروری ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ دے وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر مرد عورت کو قوت لایموت کے برابر بھی خرچہ نہ دے سکتا ہو تو اس کو طلاق دے دینی چاہیئے

مسئلہ :۔ حاملہ عورت مطلقہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے اگر طلاق کے فوراً بعد وضع حمل ہو جائے تو فوراً نکاح کر سکتی ہے اور اگر نو ماہ تک نہ ہو تو اس ساری مدت تک نکاح ثانی نہیں کر سکتی۔

رکوع ۱۸

كَاَيِّنْ ۔ اصل میں اَيٌّ تھا اس پر کاف جارہ داخل ہوا جس طرح ذَا اور ذَالِكَ پر داخل ہوا کرتا ہے اور اس کاف کا کوئی محل اعراب نہیں ہے پس كَاَيِّنْ مبتدا ہو کر دفوع ہے جس طرح كَذَالِكَ ہوا کرتا ہے۔ یا جس طرح بِحَسْبِكَ ہوتا ہے۔

رَسُوْلًا ۔ یہ یا تو ذکر سے البدل الکل ہے اور رسول سے مراد جبرائیل یا حضور رسالتمآب ہیں اور یہ بھی

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اللہ کی واضح آیات پڑھتا ہے تاکہ نکالے اُن کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال

الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ

بجا لائے (کفر کی) تاریکیوں سے طرف نور (ایمان) کے اور جو اللہ پہ ایمان لائے اور

يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

نیک عمل کرے اس کو داخل کرے گا ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں

فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ

ہمیشہ رہیں گے اس کا رزق اللہ نے بہت اچھا بنایا ہے اللہ وہ ہے جس نے سات

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ

آسمان بنائے اور اسی طرح زمینیں اترتا ہے (اللہ سے) امر ان کے درمیان (صاحب امر پر)

ہو سکتا ہے کہ فعل محذوف کا مفعول ہو یعنی اَرْسَلَ رَسُوْلًا اور اس صورت میں رسول سے مراد حضرت محمدؐ مصطفٰے ہوں گے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول سے مراد حضرت رسالتمآبؐ ہیں۔

مِنَ الظُّلُمَاتِ۔ ظلمت سے مراد کفر اور نور سے مراد ایمان یا ظلمت سے مراد جہالت اور نور سے مراد علم لیا گیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہر صفتِ خیر نور ہے اور ہر صفتِ شر ظلمت ہے پس خدا نے انسانوں کو حضرت رسالتمآبؐ کی ذاتِ والاصفات کی بدولت ہر صفت بد کو چھوڑنے اور ہر صفتِ خیر کو اپنانے کی دعوتِ عامہ دی ہے تو جو خدائی نمائندہ لوگوں کو ظلمت سے نور کی طرف بلاتا ہے، ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی ظلمانی صفات سے مبرا ہو اور نورانی صفات کا حامل ہو پس اس کو بذاتِ خود نورِ کل ہونا چاہیئے جس کا دوسرا معنی معصوم ہے۔

وَمِنَ الْاَرْضِ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قرآن مجید میں آسمانوں کے سات ہونے کا ذکر کافی جگہوں پر ہے لیکن زمینوں کا سات ہونا صرف اسی آیت میں ہے لیکن اس میں محققین کو اختلاف ہے کہ وہ سات زمینیں پہلو بہ پہلو ہیں اور درمیان میں سات سمندر وغیرہ حائل ہیں یا یہ کہ وہ تہہ بہ تہہ ہیں جس طرح کہ آسمانوں کے متعلق نظریہ چلا آرہا ہے لیکن اگر پیاز کے چھلکوں کی طرح تہہ بہ تہہ ہوں تو وہ ایک زمین ہوگی سات نہ رہیں گی اور ابن عباس سے منقول ہے کہ وہ سات تہہ بہ تہہ نہیں بلکہ پہلو بہ پہلو ہیں اور درمیان میں سمندر حدّ فاصل ہیں گویا سات زمینوں سے مراد

لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ
تاکہ تم جان لو کہ تحقیق اللہ ہر شئی پر قادر ہے اور تحقیق اللہ ہر شئی
بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ⑫ ع ۱۸
کے علم کا احاطہ رکھتا ہے

سات بر اعظم ہیں لیکن بروایت عیاشی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ تہہ بہ تہہ ہیں لیکن اس طرح کی پہلی زمین کے اوپر گنبد کی طرح پہلا آسمان پھر دوسری زمین کے اوپر دوسرا آسمان اور اسی ترتیب سے ساتویں آسمان کے اوپر عرش اعظم گویا ان کی ترتیب پیاز کے پردوں کی طرح ہے لیکن ہر دو زمینوں کے درمیان آسمان اور آخری آسمان کے اوپر زمین نہیں بلکہ عرش ہے۔

آجکل کے جغرافیائی معلومات کے پیش نظر ابن عباس کا قول عقول متوسطہ کے لئے قابل قبول ہے۔ لیکن عقول عالیہ کے نزدیک روایت متذکرہ بھی قابل تسلیم ہے چنانچہ جدید تحقیق اور سائنسی انکشافات کے ماتحت جبکہ آسمان کو ایک حدِ نگاہ کی حیثیت حاصل ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ سات زمینیں الگ فضا میں موجود ہوں اور ہر زمین کے گرد اس کا اپنا آسمان محو گردش ہو چنانچہ سیارات سبعہ میں سے ہر ایک کو زمین کہا گیا ہے اور ہر ایک کے اردگرد ایک فضائے آسمانی کو محیط قرار دیا گیا ہے اور بعض کو بنجر اور بعض کو آباد و معمور کہنے کے اقوال بھی ہیں اور بعض احادیث میں اس قسم کے اشارات موجود ہیں

یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ۔ یعنی آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جہت اعلیٰ کی طرف سے خدا کا امر صاحب الامر پر نازل ہوتا ہے جو کہ رسول یا اُس کا جانشین ہوتا ہے یا یہ کہ خدا کا تکوینی فیصلہ جہت اعلیٰ سے زمین پر نافذ رہتا ہے۔

سُورہ التحریم

★ یہ سورۂ مجیدہ مدنیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت تیرہ ہے۔

★ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ التحریم کی تلاوت کرے گا تو وہ توبہ نصوح پر موفق ہوگا۔ اور اگر کسی نیش زدہ پر پڑھی جائے تو اس کو شفا ہوگی اور اس میں زہر کا اثر نہ ہوگا اور اگر مرگی والے انسان پہ اس کی تحریر کو دھو کر چھڑکا جائے تو اس کا شیطان جل جائے گا (شفا پائے گا)

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کے کئی فوائد منقول ہیں۔

① اگر مریض پر دم کی جائے تو اس کو تسکین پہنچے گی۔

② اگر خوفزدہ پر پڑھی جائے تو اس کو تسکین پہنچے گی۔

③ اگر مرگی والے انسان پر پڑھی جائے تو اس کو بھی فائدہ ہوگا

④ جس کو نیند نہ آتی ہو اس پر پڑھی جائے تو وہ سو جائے گا۔

⑤ اگر زیادہ مقدار میں پڑھی جائے تو پڑھنے والا ہر قرضہ کے بوجھ سے سبکدوش ہوگا (برہان)

★★★

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ‌ۚ تَبۡتَغِىۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ‌ؕ

اے نبیؐ! تو کیوں اپنے اوپر اس چیز کو حرام کرتا ہے جو اللہ نے حلال کی ہے کیا تو اپنی عورتوں کی خوشنودی چاہتا ہے

رکوع ۱۹

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ ۔ اس کے سبب نزول کے متعلق متعدد روایات منقول ہیں۔

(۱) حضور رسالتمآبؐ کا دستور تھا کہ صبح کی نماز کے بعد ہر بیوی کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے اور حفصہ بنت عمر کو کہیں سے شہد بطور ہدیہ کے ملا تھا تو جب حضورؐ اس کے حجرے میں جاتے تھے وہ شہد پیش کرتی تھیں اور حضورؐ کو کچھ دیر ہو جایا کرتی تھی عائشہ کو یہ بات پسند نہ آئی چنانچہ اُس نے جویریہ حبشیہ سے کہا کہ جب حضورؐ حفصہ کے حجرے میں داخل ہوں تو وہاں جا کر حضورؐ کے زیادہ ٹھہرنے کی وجہ معلوم کر کے ہمیں اطلاع دے چنانچہ اس نے حقیقت حال سے عائشہ کو خبر دیدی تو عائشہ نے باقی تمام ازواج پیغمبر کو اپنے ساتھ متفق کر کے یہ سازش بنائی کہ تم میں سے جس کے پاس بھی حضورؐ تشریف لائیں اپنی ناک پر ہاتھ رکھ کر کہنا کہ حضورؐ کے منہ سے (معاذاللہ) مغافیر کی بو آتی ہے۔ (مغافیر ایک بدبودار سی چیز کا نام ہے) اور حضور بنفس نفیس خود ناپسند فرماتے تھے کہ ان کے دہان اقدس سے غیر پاکیزہ بو برآمد ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے جب آپ سودہ کے حجرے میں داخل ہوئے تو سودہ کہتی ہے میرا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ حضورؐ کی طرف بدبو سے نسبت دوں لیکن عائشہ سے ڈر کر میں نے کہہ دیا کہ اے آقا آپ کے دہان مبارک سے بدبو کیسی ہے؟ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ میں نے تو حفصہ کے حجرہ سے شہد کا استعمال کیا ہے۔ اس کے بعد جس جس عورت کے حجرے میں آپ تشریف لے جاتے تھے ہر بیوی وہی فقرے دھراتی تھی جب آپ عائشہ کے پاس گئے تو اُس نے بھی اپنی ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے فوراً کہا کہ مجھے مغافیر کی بدبو آتی ہے کیا آپ نے کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے تو حفصہ نے شہد کھلایا تھا عائشہ کہنے لگی شاید اس کی مکھی مغافیر کے پودے پر بیٹھی ہو گی آپ نے اسی وقت قسم کھا کر کہہ دیا کہ میں آئندہ اس کو ہرگز نہ کھاؤں گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ شہد پیش کرنے والی حضرت اُمّ سلمہؓ تھیں۔

(۲) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضورؐ زینب بنت جحش کے گھر زیادہ ٹھہرتے تھے کیونکہ وہ آپ کی خدمت میں شہد پیش کرتی تھی اور آپ تناول فرماتے تھے ایک دفعہ میں نے اور حفصہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی حضورؐ تشریف لائیں گے ہم ناک پر ہاتھ رکھ کر کہیں گے کہ آپ سے مغافیر کی بدبو آتی ہے شاید آپ

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے تحقیق اللہ نے تم پر اپنی قسموں کا کفارہ فرض کیا ہے

نے مغافیر کا استعمال کیا ہے چنانچہ انہوں نے کہا تو آپ نے فرمایا میں نے تو زینب بنت جحش کے ہاں شہد پیا ہے لیکن اگر ایسی بات ہے تو میں آیندہ کبھی اس کو استعمال نہ کروں گا ۔

(۳) منقول ہے کہ حضورؐ نے عورتوں کے پاس جانے کی باریاں مقرر کی ہوئی تھیں ایک دن حفصہ کی باری تھی کہ اُس نے اپنے باپ کے پاس جانے کی آپ سے اجازت طلب کر لی تو آپ نے اس کو اجازت دیدی تو وہ چلی گئی آپ نے اسی حجرہ میں ماریہ قبطیہ کو بلا لیا جو آپ کو ہدیہ کے طور پر ملی تھی اور حفصہ کے ہی حجرہ میں اس سے مباشرت کر لی اسی دوران میں حفصہ واپس آئی اور دروازہ کو اندر سے بند پایا تو باہر بیٹھ گئی جب آپ باہر تشریف لائے تو چہرہ انور سے عرق کے قطرے ٹپک رہے تھے حفصہ نے شور مچانا شروع کر دیا کہ کیا آپ نے مجھے اسی لئے رخصت دی تھی کہ ایک اپنی کنیز کو میرے گھر میں بلا کر میرے ہی بستر پر اور میری باری کے دن میں اُس سے مباشرت بھی کریں کیا میرا کوئی حق نہیں تھا؟ آپ نے نہایت متانت سے فرمایا کہ وہ بھی میری کنیز ہے اور میرے لئے حلال ہے شور نہ کرو اور خاموش ہو جاؤ پس تیری خوشنودی کی خاطر میں آئندہ کے لئے اس کو اپنے اوپر حرام قرار دیتا ہوں لیکن اس بات کو بطور امانت اپنے اندر محفوظ رکھنا کسی دوسری کو خبر نہ دینا چنانچہ اس وقت تو وہ چُپ ہو گئی لیکن جب حضورؐ باہر تشریف لے گئے تو فوراً عائشہ کے دروازہ کی کنڈی کو کھٹکھٹایا اور کہا تجھے مبارک ہو کہ رسولؐ اللہ نے اپنے اوپر ماریہ کو حرام قرار دیا ہے اب اُس سے ہماری جان چھوٹ گئی اور عائشہ کو سارا مفصل واقعہ اُس نے سنا دیا کیونکہ یہ دونو آپس میں سہیلیاں تھیں اور باہمی اتفاق کی وجہ سے باقی تمام ازواج پر غالب تھیں چنانچہ یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی تو آپ نے حفصہ کو طلاق کہہ دی اور باقی عورتوں سے ایک ماہ تک کے لئے قطع تعلق کر کے ماریہ کے پاس قیام کر لیا یہانتک کہ آیت تخییر نازل ہوئی جس کا بیان تفسیر کی جلد ۱۱ صـ۲۰۶ پر گذر چکا ہے ۔ اور اسی واقعہ کے متعلق بعض آیات کا ذکر تفسیر کی جلد ۱۱ صـ۱۸۴ پر بھی ہو چکا ہے ۔

(۴) ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ عائشہ کی باری کا دن تھا کہ حضورؐ نے ماریہ سے مباشرت کر لی اور حفصہ کو اس کی خبر ہو گئی پس آپ نے حفصہ سے کہا کہ میرے اس واقعہ کی اطلاع عائشہ کو نہ دینا اور میں تم کو دو باتیں بتاتا ہوں ایک یہ کہ ماریہ کو اپنے اُوپر ہمیشہ کے لئے حرام کرتا ہوں اور دوسرے یہ کہ میرے بعد ابوبکر کے پاس حکومت آئے گی اور اس کے بعد عمر حکمران ہو گا ۔ پس اس نے اس راز کا افشاء کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ دونوں نے اپنے باپ کو ملنے والی حکومت کی بشارت بھی سُنا دی اس کے بعد آیات متذکرہ نازل ہوئیں ۔

اَقُوْلُ ۔ اس آخری روایت پر وضع کے آثار بالکل ظاہر ہیں عائشہ کی باری میں ماریہ سے مقاربت کرنا اور عائشہ

وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ

اور اللہ تمہارا مولا ہے وہ جاننے والا حکیم ہے اور جب نبی اپنی بیویوں میں سے

کو خبر نہ ہو سکنا وغیرہ بعید از عقل ہیں غالباً یہ ساری روایت شیخین کی خلافت کی درستی کی خاطر ہی وضع کی گئی ہے لیکن اس روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ رسول خدا کا اپنے علم نبوت کے ماتحت آنے والے واقعات کی پیش گوئی کرنا اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی مثلاً حضورؐ نے خبر دی کہ میرے بعد فتنے ہوں گے یا یہ کہ آخری زمانہ میں لوگ دین سے منحرف ہو جائیں گے اور گمراہی عام ہو جائے گی تو ایسی خبریں حضورؐ کے علم کی وسعت اور آپ کی صداقت کی دلیلیں ہیں اور واقعات کا اُسی طرح رونما ہونا جس طرح آپ نے خبر دی تھی آپ کی نبوت کی دلیل ہے لیکن اس قسم کی پیشین گوئیوں کو ہونے والے واقعات کے جواز کی دلیل ہرگز قرار نہیں جا سکتا پس اسی طرح اگر روایت متذکرہ سند کے لحاظ سے صحیح مانی جائے تو ابوبکر وعمر کی ہونے والی حکومتوں کی پیشین گوئی ہے نہ کہ ان کی خلافت کی صحت وجواز کی سند۔ ورنہ اگر ان کی خلافت کے جواز کے متعلق بات کرنی ہوتی تو حضور کو چاہیے تھا کہ خود حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے کہہ دیتے اور لوگوں کے بھرے مجمع میں اس کا اعلان فرما دیتے کہ میرے بعد فلاں وفلاں علی الترتیب خلیفہ ہوں گے اور تاریخ طبری وغیرہ کی نقل کے مطابق حضرت ابوبکر مرتے وقت یہ ارمان ظاہر نہ کرتے کہ کاش میں نے رسولؐ اللہ سے دریافت کر لیا ہوتا کہ آپ کے بعد خلافت کا حقدار کون ہے؟ ہاں البتہ حضرت علی علیہ السلام کے متعلق بھرے مجمع میں بھی اور انفرادی طور پر بھی ایک نہیں بلکہ بیسیوں حدیثیں موجود ہیں۔ جن میں آپ نے صراحت سے فرمایا کہ میرے بعد علیؑ ہی میرا وصی ہوگا۔ سب سے پہلے دعوت عشیرہ کے موقعہ پر اور سب سے آخر خم غدیر کے خطبہ میں صاف ارشاد فرمایا کہ علی میرا جانشین ہے اور جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے اور ہم نے اس مسئلہ کی وضاحت اپنی کتاب امامت وملوکیت اور اسلامی سیاست میں نہایت قابل قبول انداز سے کی ہے۔ حقیقت کے متلاشیوں کو کتب متذکرہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

لِمَ تُحَرِّمُ۔ مغافیر والی روایت میں شہد کے ترک کرنے کی قسم ہو یا دوسری روایت کے ماتحت ماریہ سے قطع تعلقی کی قسم ہو دونوں صورتیں گناہ کی موجب نہیں جو دامن نبوت کے لئے داغ کا باعث بنیں اور لِمَ تُحَرِّمُ کا خطاب بھی سرزنش کے طور پر نہیں کیونکہ جب مطلوب تک پہنچنے کے دو راستے ہوں ایک بامشقت اور دوسرا بے مشقت پس کوئی انسان بامشقت راستے کو اختیار کرے تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ آپ نے یہ راستہ کیوں اختیار کیا ہے اور وہ راستہ کیوں ترک کیا ہے تو اس قسم کے خطاب کو سرزنش نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اسے اظہار محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ
کسی سے راز کی بات ہے پس وہ (افشاء راز کرکے) کسی کو بتا دے اور اللہ اس کو ظاہر کر دے تو وہ کچھ حصہ
بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ
جتلا دے اور کچھ حصے سے درگذر کرے پس جب اس کو بتائے تو وہ پوچھتی ہے کہ تجھے کس نے خبر

عَرَّفَ بَعْضَهٗ ۔ یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ حضور نے حفصہ کو دو باتیں بتائی تھیں ایک یہ کہ ماریہ کے پاس نہ جاؤں گا اور دوسرا یہ کہ میرے بعد ابوبکر و عمر یکے بعد دیگرے حکمران ہوں گے تو جب حفصہ نے افشاء راز کرتے ہوئے عائشہ تک بات پہنچا دی اور وحی نازل ہوئی تو حضورؐ نے حفصہ کو بعض حصہ جتلایا یعنی یہ کہ تو نے ماریہ کی تحریم کے متعلق میرا راز افشاء کیوں کیا ہے اور دوسری بات سے اعراض کر لیا۔ یعنی ابوبکر و عمر کی حکومت کے راز کے افشاء کا ذکر نہ کیا۔ اس روایت کے متعلق پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وضع اور تصنع کے آثار اس پر واضح ہیں۔ تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم منقول ہے کہ جب حضور نے حفصہ سے کہا کہ تم شور نہ مچاؤ میں آئندہ ماریہ سے مقاربت نہیں کروں گا اور افشاء راز بھی نہ کرنا لیکن اس نے عائشہ کو بتا دیا تو پھر اُس نے اپنے باپ سے ذکر کیا اور حفصہ نے بھی اپنے باپ کو خبر دیدی تو ان چاروں باپ بیٹیوں نے حضورؐ کو زہر دینے کی تجویز کر لی پس یہ آیات مجیدہ نازل ہوئیں تو حضورؐ نے حفصہ سے افشاءِ راز والی بات تو کہہ دی لیکن دوسری بات کے اظہار سے کریمانہ طور پر چشم پوشی کر لی اُس نے پوچھا کہ آپ کو کس نے خبر دی ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے خبر دی ہے جو علیم و خبیر ہے اس روایت کی صداقت کے شواہد بھی موجود ہیں اور قرین عقل بھی ہے بخلاف پہلی روایت کے کیونکہ ماریہ کی تحریم کے ساتھ ابوبکر و عمر کی حکومت کا کوئی جوڑ نہیں اور کسی فصیح و بلیغ کی شان سے بعید ہے کہ بے تکی باتیں کہے اور علماء معانی کے نزدیک معطوف و معطوف علیہ میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے چنانچہ یہ درست ہے کہ کہا جائے میں نے چاند اور سورج کو دیکھا لیکن یہ عطف غلط اور ناجائز ہے اگر کہا جائے میں نے چاند اور مشکا اور مدینہ دیکھا اس لئے کہ معطوف و معطوف علیہ میں کوئی مناسبت نہیں ہے پس یہ تو قرین عقل ہے کہ آپ نے افشاء راز کی ممانعت کی ہو لیکن انہوں نے افشاء کر کے زنانہ غیرت و حسد میں اگر حضورؐ کی ایذاء رسانی کا قصد کیا ہو لیکن یہ بات قطعاً بے جوڑ ہے کہ حضور نے فرمایا ہو کہ میں ماریہ سے مقاربت نہ کروں گا۔ اور میرے بعد ابوبکر و عمر کی حکومت ہوگی بھلا ماریہ کی مقاربت سے شیخین کی حکومت کا کونسا جوڑ ہے؟ تاکہ عطف کو صحیح قرار دیا جا سکے۔

کفارہ قسم

تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۔ یعنی خدا نے تم پر ایسی چیز فرض کر دی ہے جس کے بعد تم پر قسمیں حلال ہو جاتی ہیں یعنی قسم کی مخالفت کرنے کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور وہ ہے کفارہ ۔ اور مجمع البیان میں ہے

هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ④ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ

دی ہے؟ تو نبی نے جواب دیا کہ مجھے علیم و خبیر ذات نے خبر دی ہے اگر اللہ کی طرف تم دونو توبہ کر لو (تو ٹھیک) کیونکہ

صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ

تمہارے دل سخت ہو چکے ہیں اور اگر اُس کے خلاف ایک دوسری کی پشت پناہی کرو گی تو بے شک اللہ اس کا مولا ہے

کہ آپ نے کفارہ کے طور پہ ایک غلام آزاد کر دیا اور ماریہ قبطیہ مادر ابراہیم کی طرف رجوع کر لیا اور حضور کی ام ولد کنیز تھی اور تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ حضورؐ نے دس مسکینوں کو ایک ایک مد طعام دیا تو راوی حدیث نے پوچھا اگر کوئی شخص کپڑا دے تو کس قدر دے آپ نے فرمایا کم از کم اس قدر ہو کہ مسکین اپنی شرمگاہ کو ڈھانپ سکے۔

مسئلہ:۔ ترک مجامعت کی قسم کھانے کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنانا ہے۔

مسئلہ:۔ اس امر میں فقہاء اسلام کے درمیان اختلاف ہے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت سے کہہ دے کہ تو مجھ پر حرام ہے تو کیا اس قسم کی عبارت سے عورت حرام ہو جائیگی یا نہ اور اس کو طلاق کہیں گے یا نہ؟ امام مالک کا قول ہے کہ یہ فقرہ تین طلاقوں کے قائمقام ہے لہذا عورت کو طلاق بائن ہو جائیگی ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر اس فقرہ سے اس کی مراد ظہار ہے تو ظہار کے احکام اس پر نافذ ہونگے اور اگر اس کی مراد ایلاء ہے تو ایلاء کا حکم نافذ ہوگا اور اگر اس نے طلاق مراد لی ہے تو طلاق بائن ہوگی اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو عام قسم کی شمار ہوگی اور علماء امامیہ کے نزدیک اس سے نہ طلاق لازم آتی ہے نہ ایلاء نہ ظہار بلکہ یہ فقرہ لغو ہے ہاں البتہ قسم کھائے تو اس کا کفارہ اس پر لازم آئیگا۔

مسئلہ:۔ واجب یا مستحب کے ترک پر اور حرام یا مکروہ کے فعل پر اگر قسم کھائی جائے تو وہ قسم باطل ہے اور اس کے خلاف کرنے پر کوئی کفارہ نہیں ہے ہاں البتہ ترک مباح پر قسم ہو سکتی اور قسم وہی صحیح ہوتی ہے جو اللہ کے نام سے ہے۔

اِنْ تَتُوْبَا۔ رسول اللہ کی جن دو بیویوں کے دل ٹیڑھے ہونے کی قرآن نے اطلاع دی ہے ان کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں صحیح بخاری سے نقل کیا گیا ہے کہ ابن عباس نے حضرت عمر سے دریافت کیا کہ وہ دو عورتیں کون تھیں جنہوں نے رسول اللہ کے خلاف ایک دوسری سے تعاون کیا تھا (جن کو توبہ کا حکم دیا گیا ہے) تو حضرت عمر نے جواب دیا وہ عائشہ اور حفصہ تھیں اور یہ بات ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ اللہ نے اُن کے دلوں کی کجی کی خبر دی ہے۔

وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ ⑤

اور جبریل اور مومنین میں سے صالح اور فرشتے اس کے بعد مددگار ہیں۔

عَسَىٰ رَبُّهُ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ

اگر وہ تم کو طلاق دے دے تو اللہ اس کو تم سے اچھی بیویاں بدلہ میں دے گا جو

مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ⑥

مسلمان مومن قنوت کرنے والی توبہ کرنے والی عبادت گذار روزہ دار بعض بیوہ اور بعض کنواری ہوں گی

اور ان کو توبہ کرنے کی بھی دعوت دی ہے لیکن اس امر کا کہیں تذکرہ نہیں کہ انہوں نے اللہ کی اس پیش کش کے بعد توبہ کرلی ہو یا ان کے دلوں کی کجی دور ہوگئی ہو۔ اس آیت میں ان کو چیلنج بھی کیا گیا ہے کہ اگر تم رسولؐ اللہ کے خلاف محاذ آرائی کرکے ایک دوسری کی معاونت کروگی تو اللہ اور صالح المومنین اور جبریل اور تمام فرشتے اس کے معاون و مددگار ہوں گے یعنی تمہاری رسول اللہ سے جنگ اللہ اور اس کے فرشتوں اور صالح المومنین کے ساتھ جنگ ہوگی۔

صالح المومنین سے مراد حضرت علیؑ ہے

وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ سنی و شیعہ روایات میں وارد ہے کہ صالح المومنین سے مراد امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا حضرت نبی کریمؐ نے دو مرتبہ تمام صحابہ کے ساتھ حضرت علیؑ کا تعارف کرایا۔ ایک دفعہ (غدیر خم پر) فرمایا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اور دوسری دفعہ جب یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی تو رسولؐ اللہ نے حضرت علی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا أَيُّهَا النَّاسُ هٰذَا صَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ (اے لوگو! صالح المومنین یہ ہے) اور تفسیر درمنثور میں اسماء بنت عمیس سے منقول ہے میں نے اپنے کانوں حضورؐ کی زبانی سنا کہ صالح المومنین سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں اور اسی قسم کی روایت تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر علیہ السلام سے بھی منقول ہے کہ دو دفعہ رسولؐ اللہ نے علی کا تعارف کرایا پہلی دفعہ حضورؐ نے صحابہ سے پوچھا تم جانتے ہو کہ میرے بعد تمہارا ولی کون ہے؟ تو انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں پس یہی آیت مجیدہ پڑھی اور فرمایا کہ میرے بعد علیؑ تمہارا ولی ہے اور دوسری دفعہ غدیر خم کے میدان میں فرمایا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ

بروایت ابن بابویہ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضورؐ نبی کریم نے فرمایا۔ اے لوگو! خدا نے مجھے حکم دیا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ

وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا

اور پتھر ہوں گے جن پر موکل فرشتے سخت اور مضبوط ہوں گے جو اللہ کے

میں علی کو امام و خلیفہ و وصی مقرر کروں اور یہ کہ اس کو اپنا بھائی و وزیر نامزد کروں۔ اے لوگو! علی میرے بعد ہدایت کا دروازہ اللہ کا نمائندہ اور صالح المومنین ہے اور اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی بات سے کس کی بات اچھی ہو سکتی ہے۔ اے لوگو! علیؑ مجھ سے ہے اور اس کی اولاد میری اولاد ہے وہ میری بیٹی کا شوہر ہے اس کا امر و نہی میرا امر و نہی ہے اس کی اطاعت تم پر واجب اور نافرمانی حرام ہے کیونکہ اس کی اطاعت میری اطاعت اور اس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے لوگو! علیؑ اس امت کا صدیق، فارق، ہارون، یوشع آصف و شمعون ہے یہ گناہوں کی معافی کا دروازہ ہے اور کشتی نجات ہے یہ اس امت کا طالوت اور ذوالقرنین ہے لوگو! تحقیق وہ لوگوں کے لئے مقام امتحان ہے وہ اللہ کی جانب سے حجت عظمیٰ آیت کبریٰ امام ہدیٰ اور العروۃ الوثقیٰ ہے۔ اے لوگو! علی دوزخ کا قسیم ہے اس کا دوست اس میں داخل نہ ہوگا اور اس کا دشمن اس سے بچ نہ سکے گا اور وہ جنت کا قسیم ہے کہ اس کا دشمن اس میں داخل نہ ہوگا اور اس کا دوست اس سے محروم نہ ہوگا۔ لوگو! میں نے تمہاری خیرخواہی کا حق ادا کر دیا ہے اور اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا ہے لیکن تم لوگ خیرخواہوں کی باتوں کو پسند نہیں کرتے بس اتنی بات کہہ کر میں اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو شخص ظاہراً دعوائے ایمان کرے تو وہ اس خطاب میں شامل ہے خواہ اندر سے منافق ہی کیوں نہ ہو جس طرح کہ ابلیس فرشتوں میں آدم کے سجدہ کے وقت خطاب میں شامل تھا۔

قُوْا اَنْفُسَكُمْ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ خود بھی اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اپنے زیر اثر خاندان کے افراد کو بھی خدا کی نافرمانی سے بچنے کا حکم دو اور اپنی اولاد کی تربیت اس طرح کرو کہ وہ خدا و رسول کے فرمانبردار بنیں چنانچہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت رسالتمآب کی خدمت میں رو کر عرض کی کہ حضور! میں تو اپنے نفس کی اصلاح سے عاجز ہوں اپنے گھر والوں کی ذمہ داری کا بوجھ کس طرح اٹھا سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا تیرا فرض اتنا ہے کہ تو ان کو ان چیزوں کا حکم دے جن کا اپنے نفس کو پابند کرتا ہے اور ان افعال سے ان کو منع کر جن سے تو خود رکتا ہے۔

اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا
حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم دیئے جاتے ہیں بجالاتے ہیں اے کفر کرنے والو! آج (بروز قیامت) عذر
تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۖ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا
پیش نہ کرو سوائے اس کے نہیں تمہیں اپنے کئے کی جزا دی جارہی ہے اے ایمان
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ
والو! اللہ کی طرف توبہ کرو پختہ اور خالص توبہ اُمید ہے تمہارا پروردگار تمہارے
يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ان کو اللہ کے اوامر و نواہی کی تبلیغ کرو اگر وہ مان گئے تو گویا تم نے ان کو دوزخ سے بچا لیا اور اگر وہ نہ مانیں تو تم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

وَالْحِجَارَةُ۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا نے ایک حدیث میں فرمایا اس سے مراد گندھک کے پہاڑ ہیں۔

شِدَادٌ۔ وہ ملائکہ جو دوزخیوں کے عذاب پر مؤکل ہیں وہ سخت مزاج اور طاقتور ہیں وہ دوزخیوں پر رحم کرنا جانتے ہی نہیں ان میں سے جو سرگروہ ہیں وہ انیس ہیں جن کو زبانیہ کہا جاتا ہے اور باقی ان کے ماتحت ہیں۔

رکوع ۲۰

تَوْبَةً نَّصُوْحًا۔ اس جگہ نصوح کا معنی خالص کیا گیا ہے یعنی ایسی توبہ جو خالصۃً اللہ کے لئے کی گئی ہو اور حضورؐ نے فرمایا اس توبہ سے مراد وہ توبہ ہے کہ توبہ کرنے والا گناہ کی طرف بالکل رجوع نہ کرے جس طرح دودھ پستان سے نکلنے کے بعد واپس پستان میں نہیں جاتا پس توبۂ نصوح ایسی توبہ ہے کہ انسان گذشتہ پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے اس سے باز رہنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہو اور بعض نے کہا ہے کہ زبان سے استغفار کرے دل سے نادم ہو اور بدن کو گناہ سے پوری طرح روک لے۔

معاویہ بن وہب سے مروی ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا آپ نے فرمایا جب انسان توبہ نصوح کرتا ہے تو خدا اس کو دوست رکھتا ہے اور دنیا و آخرت میں اس پر پردہ ڈال دیتا ہے میں نے دریافت کیا کہ پردہ ڈالنے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ فرشتوں نے اس کے جسقدر سابق گناہ لکھے ہیں اللہ ان کو

الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ

جاری ہوں گی جس دن نہ شرمندہ کرے گا اللہ نبی کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے اُن کا نور

يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا

اُن کے آگے اور دائیں دوڑتا ہوگا وہ کہیں گے اے رب پورا کر ہمارے

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ۹ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ

لئے ہمارے نور کو اور ہمیں بخش دے بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اے نبی کفار اور منافقین سے

فراموش کرا دیتا ہے اور اس کے اعضاء کی طرف وحی کرتا ہے کہ تم پر اپنے مالک کا پردہ رکھنا ضروری ہے اور زمین کو بھی حکم دیتا ہے کہ اس نے سابق جو کچھ تیری پشت پر گناہ کئے ہیں ان کو چھپا دو پس یہ شخص جب بارگاہ پروردگار میں حاضر ہوگا تو کوئی چیز اس کے گناہوں کی شہادت دینے والی موجود نہ ہوگی۔

امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے توبہ نصوح یہ ہے کہ اس کا باطن ظاہر کی طرح ہو جائے بلکہ اس سے بھی بہتر ہو جائے

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس جگہ نور سے مراد آئمہ اہلبیت ہیں جو بروز قیامت مومنوں کے آگے آگے اور دائیں طرف ہوں گے اور ان کو محلات جنت میں اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچائیں گے اسی طرح سورہ الحدید میں فرماتا ہے جس کی وضاحت تفسیر کی جلد ۱۳ ص ۲۱۹ میں گذر چکی ہے۔ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ اس جگہ بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نور سے مراد امام ہے جس کی تم لوگ پیروی کرتے ہو۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن شہر آشوب ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت علی جناب فاطمہ حسنین شریفین اور حمزہ و جعفر طیار پل صراط پر پہنچیں گے اور علیؑ و فاطمہ کے لئے پل صراط پر دنیا سے ستر گنا زیادہ نور ہوگا پس سب سے پہلے پل صراط کو اہلبیت محمدؐ عبور کریں گے۔ جو بجلی کی چمک کی طرح ادھر سے اُدھر پہنچ جائیں گے اس کے بعد گذرنے والے اپنے مراتب کے لحاظ سے گذریں گے کچھ تیز رو گھوڑے کی طرح کچھ انسان دوڑ کر کچھ چل کر کچھ گھٹنوں کے بل اور کچھ ان سے بھی کمزور حالت میں ہوں گے اور گذرتے وقت پل کی چوڑائی مومنوں کے لئے کھلی ہوگی اور گناہگاروں کے لئے نہایت تنگ و باریک ہوگی حضرت امیر المومنین علیہ السلام جس سواری پر سوار ہوں گے اس کا کجاوہ زمرد سبز کا ہوگا اور جناب بتول کا یاقوت سرخ سے ہوگا اور ان کے اردگرد ستر ہزار حوریں ہوں گی۔

حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا یا علیؑ خدا نے تیرے شیعہ اور محبوں کو سات انعامات عطا فرمائے ہیں (۱) موت کے وقت

الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ

جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بُرا

الْمَصِيْرُ ﴿١٠﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ

ٹھکانا ہے کافروں کے لئے اللہ نے زوجہ نوح اور زوجہ

امْرَاَتَ لُوْطٍ ۚ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

لوط کی مثال بیان فرمائی ہے جو ہمارے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پس انہوں نے ان سے بے وفائی کی

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ

تو وہ (نبی بھی) نہ ٹال سکے ان سے اللہ (کی گرفت کو) کچھ بھی اور کہا گیا داخل ہو جاؤ جہنم میں

آسانی (۲) وحشت قبر کے وقت انس (۳) ظلمت قبر کے وقت نور (۴) گھبراہٹ کے وقت امن (۵) میزان میں انصاف (۶) پل صراط کا گذرنا (۷) سب سے پہلے داخلہ جنت۔ اور ان کا نور ان کے آگے آگے ہوگا۔ اور دعا کریں گے اے اللہ ہمارے نور میں اور زیادتی اور برکت فرما۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت مجیدہ کی توضیح میں ارشاد فرمایا کہ حضرت رسول اللہ نے کفار سے جہاد کیا اور حضرت علی علیہ السلام نے منافقوں سے جہاد کیا اور حضور رسالتمآب نے ایک مشہور حدیث میں حضرت علیؑ سے فرمایا تھا کہ میں قرآن کی تنزیل کے مطابق جہاد کرتا ہوں اور تو قرآن کی تاویل کے مطابق جہاد کرے گا اور چونکہ قرآن مجید کی تاویل تا قیامت زندہ ہے اس لئے اس خطاب میں النبیؐ کے لفظ کا تنزیلی مصداق حضرت محمد مصطفےٰ ہے اور تاویلی مصداق حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہے پس پیغمبر نے تنزیلی طور پر کفار سے جنگ کی اور حضرت علی نے تاویلی مصداق کی حیثیت سے منافقوں سے جنگیں کیں اور حضرت قائم آل محمد علیہ السلام بھی اسی لفظ کے تاویلی مصداق ہیں جو اپنے ظہور اور خروج کے بعد اسی آیت کے حکم کے ماتحت کفار و منافقین سے جہاد کر کے علم اسلام کو بلند کریں گے اور ظلم و جور سے پُر دنیا کو عدل و انصاف سے معمور کریں گے۔ آیت کی مزید تشریح تفسیر کی جلد ۲ ص۹۶ پر گذر چکی ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا۔ کہتے ہیں حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویاں کافر تھیں لیکن یہ بات قرین عقل اس لئے نہیں کہ نبی کا کافرہ سے رشتہ نہیں ہوتا البتہ ان کا منافق ہونا قابل تسلیم ہے جس طرح کہ بعض مفسرین نے کہا ہے پس ان کو اس لحاظ سے کافر کہا گیا کہ زبان سے مومنہ تھیں اور دل سے کافرہ تھیں اور ان کی خیانت یہ نہیں کہ وہ

مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ⑪ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ

داخل ہونے والوں کے ہمراہ اور مومنوں کے لئے اللہ نے زوجہ فرعون کی مثال

فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ

بیان فرمائی جب اس نے کہا اے پروردگار میرے لئے جنت میں گھر بنادے اور مجھے

مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ⑫ وَمَرْيَمَ

فرعون اور اس کے عمل سے بچالے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے اور مریمؑ

ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا

دختر عمران (کی مثال دی) جس نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنا رُوح پھونک دیا

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ⑬ ع۲

اور اُس نے تصدیق کی کلمات پروردگار کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ اطاعت گذاروں میں سے تھی

بدکار اور بدچلن تھیں بلکہ اُن کی خیانت یہ تھی کہ نبی کے راز کا افشاء کرتی تھیں چونکہ آیت مجیدہ حضرت رسالتمآبؐ کی دونو بیویوں کو تنبیہہ کرنے کے طور پر نازل ہوئی ہے لہذا ان کو کھلے لفظوں میں چیلنج کیا گیا ہے کہ نبیؐ سے نکاح کے رشتے پر ناز نہ کرو۔ بلکہ عملاً اپنے ایمان ونیکی کا ثبوت دو اور حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں کی مثال سامنے رکھ کر عبرت حاصل کرو کہ ان کو اپنے شوہروں کی نبوت عذاب خدا سے نہ بچاسکی تو تم حضرت محمد مصطفےٰؐ کے افشاء راز کے بعد کیسے بچ سکو گی؟

تفسیر مجمع البیان میں حضرت نوحؑ کی عورت کا نام واغلہ یا والغہ منقول ہے اور اس کی خیانت یہ تھی کہ لوگوں کو حضرت نوحؑ کا دیوانہ ہونا بتاتی تھی اور اگر کوئی غریب آدمی حضرت نوحؑ پہ ایمان لاتا تو بڑے بڑوں کو اس کی اطلاع دیدیا کرتی تھی اور حضرت لوطؑ کی عورت کا نام واہلہ یا والہہ منقول ہے اور اس کی خیانت یہ تھی کہ حضرت لوطؑ کے پاس آنے والے مہمانوں کی اطلاع قوم کے بدمعاش لوگوں کو دیا کرتی تھی۔ بہرکیف ان کی خیانت یہی تھی کہ اپنے شوہروں کے رازوں کا افشاء کرتی تھیں۔ اس کی مزید توضیح تفسیر کی جلد ۲ میں پہلے ایڈیشن کے صفحہ ۲۱۹ اور دوسرے ایڈیشن کے صفحہ ۲۱۴ پر ملاحظہ ہو۔

اِمْرَاَتَ فِرْعَوْنَ پچھلی آیت میں اور اس آیت میں کل تین مقامات پر اِمْرَاَتَ کو تاء کے ساتھ لکھا گیا ہے ورنہ ھا کے ساتھ لکھا جاتا ہے اسی طرح اگلی آیت میں اِبْنَتَ کے لفظ کو تاء کے ساتھ لکھا گیا ہے حالانکہ اس کو ہاء کے

ساتھ لکھنا چاہیئے فرعون کی عورت کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا جو دل ہی دل میں تو پہلے سے مومنہ تھی لیکن جادوگروں کے مقابلہ میں جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا معجزہ دیکھا تو جادوگروں کے اعلان اسلام کے ساتھ اس نے بھی موسیٰؑ پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا چنانچہ جب دوسرے جادوگروں کو سزا دی گئی تو زوجہ فرعون آسیہ کو بھی سزا سنا دی گئی اور وہ اس طرح کہ اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کے کیل ٹھونک کر اس کو دھوپ میں ڈال دیا گیا اور مروی ہے کہ جب لوگوں نے اس کو دھوپ میں ڈالدیا تو فرشتوں نے اس کے اوپر اپنے پروں کا سایہ کر دیا اور اس نے دُعا کی کہ اے پروردگار مجھے جنّت کا گھر عطا کر اور فرعون اور اس کے مظالم سے مجھے نجات عطا فرما چنانچہ اس کو اللہ نے جنت میں اٹھالیا اور دوسری روایت میں ہے کہ فرعون کے عذاب سے پہلے اس کا رُوح خدا نے قبض کر لیا اور جنت میں داخل کر دیا پس وہ مردہ جسم کو عذاب کرتے رہے

تفسیر درمنثور میں ہے رسالتمآبؐ نے فرمایا جنت کی عورتوں میں چار افضل ہیں۔

(۱) خدیجہ بنت خویلد (۲) فاطمہ بنت محمد (۳) مریم بنت عمران (۴) آسیہ بنت مزاحم

اور بروایت طبرانی منقول ہے حضورؐ نے فرمایا خداوندکریم نے جنّت میں مجھے مریمؑ بنت عمران، زوجہ فرعون اور خواہر موسیٰ عطا فرمائی ہیں۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ - پس حضرت پیغمبر کی عورتوں کو بالخصوص اور تمام لوگوں کو بالعموم یہ درس دیا گیا ہے کہ دوسروں کے نیک اعمال کا بھروسہ نہ کریں بلکہ خود میدان عمل میں قدم بڑھائیں اور نبی علیہ السّلام کی بیویوں کو خصوصی طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ نوح و لوط کی بیویوں کی مثل نہ ہو بلکہ آسیہ و مریم کی سیرت کو اپناؤ۔

تفسیر مجمع البیان میں حضرت نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ کامل مرد کافی گذرے ہیں لیکن عورتوں میں سے کامل صرف چار ہیں ایک آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون دوسری مریم بنت عمران تیسری خدیجہ بنت خویلد اور چوتھی جناب فاطمہ بنت محمدؐ اور روایت میں ہے کہ آسیہ و مریم جنت میں حضرت رسالتمآب کی زوجیت میں ہوں گی چنانچہ جب جناب خدیجہ کی زندگی کے آخری لمحات تھے تو حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا اے خدیجہ تیرا فراق مجھے ناپسند ہے لیکن اس قسم کی تلخیوں میں خدا نے خیر کثیر کا راز مضمر کیا ہے پس جب تو اپنی سوکنوں کے پاس جانا تو اُن کو میرے سلام کہنا حضرت خدیجہ نے عرض کی یارسولؐ اللہ میری سوکنیں کون ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم اور حکیمہ یا کلیمہ خواہر موسیٰ تو جناب خدیجہ نے قبول فرمایا (عام تاریخوں میں خواہر موسیٰ کا نام کلثوم یا کلثمہ لکھا گیا ہے۔

پارہ ۲۹

سورۃ الملک

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت اکتیس ۳۱ ہے۔

★ اس سورہ کا نام واقیہ اور منجیہ بھی ہے کیونکہ رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ یہ اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے بچاتی ہے

★ حضورؐ نے فرمایا جس نے سورہ ملک کی تلاوت کی گویا کہ اس نے لیلۃ القدر میں شب بیداری کی۔

★ حضورؐ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں سورہ ملک ہر مومن کو یاد ہونی چاہیئے۔

★ آپ نے فرمایا قرآن مجید کی ایک سورت (ملک) ہے جس کی تیس ۳۰ آیتیں ہیں اس کی شفاعت مقبول ہے وہ اپنے پڑھنے والے کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرے گی۔

★ آپ نے فرمایا جب مومن قبر میں سوئے گا تو فرشتے پاؤں کی طرف سے اس کے پاس آئیں گے پس اس کے پاؤں کہیں گے اس کو کچھ نہ کہو کیونکہ یہ ہمارے اوپر کھڑے ہو کر سورہ ملک کی تلاوت کیا کرتا تھا پس فرشتے سر کی طرف آئیں گے تو زبان پکارے گی اس کو کچھ نہ کہو کیونکہ یہ میرے ذریعے سے سورہ ملک کی تلاوت کرتا تھا اور آپ نے فرمایا یہ سورۃ عذاب قبر سے حفاظت کرتا ہے

★ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ نماز عشاء کے بعد میں ہمیشہ سورۃ ملک کو پڑھا کرتا ہوں اور پھر آپ نے گذشتہ روایت کی طرح ارشاد فرمایا اور اس میں یہ زیادتی ہے کہ جب منکر ونکیر اس کے سینے کے برابر پہنچینگے تو اس کے سینے سے آواز آئیگی تم اس کو کچھ نہ کہو کیونکہ اس کے سینے میں سورہ ملک محفوظ ہے آپ نے فرمایا میرے والد بزرگوار زندگی بھر اس کو صبح اور شام پڑھا کرتے تھے

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص سونے سے پہلے نماز فریضہ میں سورہ ملک کی تلاوت کرے گا وہ صبح تک اللہ کی امان میں رہے گا اور قیامت کے دن بھی اس کو امان نصیب ہوگی اور جنت میں داخل ہوگا۔

★ خواص القرآن سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا اس کا پڑھنا عید الفطر کی رات عبادت خدا میں شب بیداری کے برابر ثواب رکھتا ہے اور جو شخص اس کو یاد کرے تو یہ سورہ قبر میں اس کی مونس ہوگی اور ہر عذاب سے اس کو بچائیگی اور اللہ کے نزدیک اس کی شفیع ہوگی اور قیامت تک اس کی محافظ ہوگی اس کی وحشت کیلئے باعث امان اور اس کی تنہائی کیلئے مونس وغمخوار ثابت ہوگی۔

اور آپ نے فرمایا اگر میت کے لئے سورہ ملک کو پڑھا جائے تو فوراً اس کے پاس پہنچے گی اور اس کی تکلیف کو ختم کردے گی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ② الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ

بلند و برتر ہے وہ ذات جس کے قبضہ میں ملک ہے اور وہ ہر شی پر قدرت والا ہے جس نے موت و حیات کو

وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ③ الَّذِيْ

پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کے عمل اچھے ہیں اور وہ غالب بخشنے والا ہے جس نے

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ

سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کئے کہ رحمٰن کی مخلوق میں تمہیں کوئی فرق نظر نہ آئے گا

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ④ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ

پس بار بار دیکھو کیا تمہیں کوئی عیب نظر آتا ہے پھر نگاہ کو بار بار اٹھا کر دیکھو (اور عیب تلاش کرو)

رکوع ۱

تَبٰرَكَ الَّذِيْ ۔ خداوند کریم نے اپنی قدرت عظمت اور سلطنت کے اعلان کے ساتھ سورہ مجیدہ کا افتتاح فرمایا کہ تمام کائنات کی ملکیت اس واحد اللہ کے قبضہ میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور جس طرح وہ سب کا موجد ہے اسی طرح وہ سب کا مدبّر بھی ہے ۔ تبارک کا مادہ برکت ہے اور اس کا لغوی معنی زیادتی و برتری ہے اور باب تفاعل مبالغہ کے لئے ہے اور ید کا معنی ہاتھ اور احسان ہوا کرتا ہے اس جگہ مجازاً اس سے مراد قدرت تامّہ اور حکومت کاملہ ہے اور بعد والا جملہ اسی معنی کی تاکید و تقریر کے لئے ہے ۔

اَلَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ یعنی وہ ساری کائنات کے عدم و وجود کا مالک ہے کہ جب چاہے کسی کو موت دے دے اور جب چاہے زندگی بخش دے چونکہ پچھلی آیت میں اللہ کے مالک الملک اور علی کل شی قدیر ہونے کا اعلان ہے لہذا اس آیت میں اس کی قدرت و ملک کے بعض آثار و احکام کی وضاحت ہے ۔ موت اور حیات کے مفہوم کی تعیین میں کافی اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک ان میں تضاد کی نسبت ہے گویا موت ایک وجودی صفت ہے جو حیات کی ضد ہے اور بعض علماء ان میں عدم و ملکہ کی نسبت کے قائل ہیں یعنی حیات صفت وجودی ہے اور موت اس کے اعدام کا نام ہے ۔

لِيَبْلُوَكُمْ ۔ یعنی موت و حیات کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ بندوں کا صحیح جائزہ لیا جا سکے کہ ان میں سے اچھے اعمال کون بجا لاتا ہے تاکہ ان کے اعمال کی مناسبت سے ان کے مراتب کی بلندی و پستی کو ظاہر کیا جائے اور اسی مناسبت سے

إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۝٥ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ

تو تمہاری نظر تھک کر ناکام واپس پلٹے گی اور تحقیق ہم نے زینت دی آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے

وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ۝٦ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا

اور ان کو شیطانوں کے بھگانے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے تیار کیا ہے ان (شیطانوں) کیلئے عذاب دوزخ اور جو اپنے رب کا انکار کریں

ان کو جزا و سزا کا مستحق گردانا جائے اور اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ موت و حیات ہی انسان کے عملی میدان میں محرک اولی ہیں کیونکہ زندگی عملی دنیا میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہے اور موت کا تصور اس کے لئے اچھائی و خوبی کا باعث و محرک ہے اور عمل سے مراد اس جگہ عقل و جسم دونوں کے اعمال ہیں پس عقل کا عمل علم اور جسم کا عمل اس کے مطابق کردار کا ادا کرنا ہے اور ذکر موت کو اس لئے مقدم کیا گیا ہے کہ وہ زندگی کی بہ نسبت عمل صالح کی زیادہ محرک ہوتی ہے۔

أَحْسَنُ عَمَلًا - حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے عمل کثیر کی تعریف نہیں کی بلکہ اچھے عمل کی تعریف کی اور اچھا عمل وہ ہے جس میں خلوص تو جہ قلب اور نیت صادقہ ہو پس خلوص کا تھوڑا عمل بد نیتی کے زیادہ عمل سے بہتر ہے۔

زَيَّنَّا السَّمَاءَ - یہ جملہ جواب قسم ہے کیونکہ لَقَدْ کا لام وہی ہے جو جواب قسم کے لئے آتا ہے پس کلام کو زور دار بنانے کے لئے جملہ قسمیہ استعمال کیا گیا ہے اور مصابیح جمع ہے مصباح کی جس کا معنی چراغ ہوتا ہے اور آسمانی ستاروں کو چراغوں سے تشبیہ دے کر مشبہ کو حذف کر کے مشبہ بہ کا استعمال استعارہ ہے جو بلغاء کے کلام میں کثرت سے پایا جاتا ہے اور خداوند کریم نے اپنی حکمت شاملہ و قدرت کاملہ سے انسانوں کے لئے نجوم سماویہ میں کافی فوائد پنہاں کئے ہیں (۱) جس طرح رہائشی مکان کی چھت میں بجلی کے قمقمے یا قندیلوں کی جا بجا آویزش دیدہ زیب و جاذب نظر ہو کر رہائش پذیر افراد کے لئے دلجمعی و خوش طبعی کا باعث ہوتی ہے اس طرح آسمانی ستاروں کی چمک و دمک زمین پر بسنے والوں کے لئے تاریکی شب میں دل آویزی کا باعث ہوتی ہے (۲) آسمانی ستاروں کی چمک کی وجہ سے تاریک رات میں بھی قدرے روشنی پائی جاتی ہے جو آمد و رفت اور ضروری مشاغل میں مددگار ثابت ہوتی ہے ورنہ جب بادلوں کی وجہ سے ستارے پوشیدہ ہوتے ہیں تو تاریکی اسقدر ہو جاتی ہے کہ کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ (۳) آسمانی ستاروں کی حرکات سے رات کے وقت مسافروں کے لئے جہت سفر کا معلوم کرنا آسان ہوتا ہے (۴) ان کی حرکات و مناسب بلندی و پستی سے لوگ رات کے اوقات کی تعیین کر سکتے ہیں (۵) ان کو شیاطین کے لئے رجوم قرار دیا گیا ہے اور مروی ہے کہ پہلے شیاطین آسمانوں کی طرف جاتے تھے اور وہاں سے خبریں لا کر کاہن لوگوں کو بتاتے تھے لیکن حضرت رسالتمآبؐ کی برکت سے ان کو آسمانوں کی آمد و رفت سے روک دیا گیا ہے پس جب بھی کوئی شیطان ادھر کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے اس پر شہاب ثاقب برساتے ہیں اور فلاسفہ نے شہاب ثاقب کی جو توجیہہ کی ہے اس کی احادیث میں تائید نہیں ملتی۔

جبر و تفویض خداوند کریم نے ان آیات مجیدہ میں عقیدہ جبر و تفویض کی نفی فرمائی ہے چنانچہ پہلے پہل موت و حیات کی تخلیق

کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہ انسان کی حسن کارکردگی کے لئے محرکات ہیں کیونکہ اگر انسان اپنے اعمال و افعال میں مجبور ہوتا یا نیکی و بدی کی بجاآوری میں مختار کل ہوتا تو آزمائش کا ذکر بے ربط رہ جاتا۔ آسمان کی تخلیق اس کا بغیر ستونوں کے قیام ستارگان سماوی کا تذکرہ پرندوں کی آسمانی فضا میں پرواز اور دیگر نعمات کا ذکر خیر اور اس کے ساتھ ساتھ کفار کی مذمت یہ سب انسان کے لئے دعوت فکر کی حیثیت رکھتے ہیں پس اللہ نے نہ تو انسانوں کو نیکی یا برائی پر مجبور کیا ہے اور نہ ان کو مہمل چھوڑ دیا ہے کہ جو چاہیں کرتے پھریں کہ نہ ان کے لئے شریعت ہو اور نہ کوئی حد ہو۔

چنانچہ اس بارے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جبر و تفویض کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِيْضَ بَلْ اَمْرٌ بَيْنَ الْاَمْرَيْنِ پھر سوال کیا گیا کہ فرزند رسول! اس کا مطلب سمجھایئے تو آپ نے فرمایا (۱) صحت ہوش و حواس (۲) مانع کا نہ ہونا (۳) وقت میں گنجائش (۴) مالی طاقت (۵) سبب محرک۔ یہ پانچ شرائط ہیں اگر ان میں سے کسی کی کمی ہوگی تو اسی مناسبت سے اس کی تکلیف میں تخفیف ہوگی۔ آپ نے فرمایا میں جبر، تفویض اور درمیانی منزل کی اس طرح وضاحت کرتا ہوں کہ کوئی کھٹک باقی نہ رہے گی۔

جو شخص یہ کہے کہ اللہ نے بندوں کو گناہوں پر مجبور کیا ہے اور پھر گناہوں پر سزا بھی دے گا تو ایسا شخص خدا کے قرآن کو جھٹلاتا ہے کیونکہ خدا خود فرماتا ہے۔ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (یعنی خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا) اور اس قسم کی آیات کافی ہیں پس جو شخص بندے کو گناہوں پر مجبور سمجھتا ہے وہ اللہ کی طرف ظلم کی نسبت دیتا ہے اور قرآن کی تکذیب کرتا ہے اور جو قرآن کی تکذیب کرے وہ باتفاق امت کافر ہے۔

آپ نے فرمایا وہ تفویض جس کی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے نفی فرمائی وہ یہ ہے کہ کہا جائے کہ خدا نے اپنے بندوں کو نیکی یا برائی کی بجاآوری میں مختار کل بنایا ہے اور انہیں مہمل چھوڑ دیا ہے کہ جو چاہیں کرتے پھریں ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی گویا تفویض کا معنی ہے ڈھیل دینا تو آئمہ ہدیٰ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ اپنے بندوں کو اس طرح ڈھیل دیدے تو بندے جو کچھ کرتے پھریں اسی پر اللہ کی رضا ہونی چاہیئے اور اس کو ثواب بھی دینا چاہیئے اور ایسی صورت میں سزا کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ ڈھیل دو صورتوں میں ہو سکتی ہے (۱) یا تو بندے ایکا کر کے زبردستی اپنا مطالبہ منوالیں کہ ہم جو کچھ کرتے پھریں ہم سے باز پرس کرنے کا خدا کو کوئی حق نہیں ہے خواہ اس کو ہمارا کوئی فعل پسند ہو یا نہ ہو (۲) یا یہ کہ اللہ اوامر و نواہی میں بندوں کی اطاعت طلبی سے عاجز آگیا ہو پس اس نے بندوں کو کھلی چھٹی دیدی ہو کہ جو چاہو کرو تمہیں کل اختیار ہے۔ اور یہ اس طرح ہے کہ کوئی آدمی اپنی خدمت کے لئے کوئی نوکر رکھے اور اسے اپنے اوامر و نواہی سمجھا کر سزا و انعام کی پیشکش کرنے کے بعد اسے اپنی ملازمت میں آزاد کر دے تو نافرمانی کی صورت میں غلام یہ عذر پیش کرے کہ تو نے مجھے آزادی دیدی تھی لہٰذا میں اطاعت و نافرمانی کے اختیار کرنے میں بھی آزاد تھا (تو سراسر تمام عقلاء کے نزدیک اس کا یہ عذر ناقابل قبول ہوگا) پس جو شخص انسان کو اپنے اعمال میں مختار کل یعنی آزاد محض سمجھے تو گویا اس نے اللہ کو عاجز قرار دیا اور اللہ کے اوامر و نواہی کو باطل سمجھا۔ حالانکہ خداوند کریم نے مخلوق کو اپنی

قدرت سے پیدا فرمایا اور ان کو اوامر و نواہی میں اطاعت کرنے کی توفیق بھی دی پس وہ اطاعت پہ راضی ہوتا ہے اور معصیت سے منع فرماتا ہے اور نافرمان کی مذمت کرتا ہے اور اللہ کو جو پسند ہے اس کا حکم دیتا ہے اور جو ناپسند ہے اس سے منع کرتا ہے اور اپنی عطا کردہ طاقت و قوت کی مناسبت سے اطاعت کرنے والوں کو جزاء اور نافرمانی کرنے والوں کو سزا بھی دے گا۔ اور وہ عادل ہے اور اگر اُس نے اپنے بندوں کو مہمل چھوڑا ہوتا اور کرنے یا نہ کرنے میں مختار بنایا ہوتا تو قریش مکہ جب امیہ بن ابی الصلت اور مسعود ثقفی کو انتخاب کر رہے تھے کہ یہ دونو محمدؐ سے افضل ہیں تو انہی پر قرآن کو اترنا چاہیے تھا (پس اللہ نے قریش کی خواہش کو رد کیا اور حضرت محمد مصطفٰے پر قرآن کو نازل فرمایا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ نے بندوں کی پسند یا ناپسند میں ان کو مختار نہیں بنایا۔)

پس ثابت ہوا کہ انسان نہ تو اپنے افعال پر مجبور ہے اور نہ اپنی پسند و ناپسند میں مختار و آزاد ہے کہ جو چاہے اس سے باز پُرس نہ ہو پس درمیانی راستہ درست ہے کہ نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ امرٌ بین الامرین۔

ایک دفعہ عبایہ بن ربعی نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے استطاعت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا تو خود جواب دے کیا تو اللہ کے بغیر استطاعت رکھتا ہے یا اللہ کے ساتھ؟ تو وہ جواب میں خاموش ہو گیا آپ نے فرمایا اگر کہو کہ میں خود استطاعت رکھتا ہوں تو بھی واجب القتل اور اگر کہو کہ اللہ کے ساتھ استطاعت رکھتا ہوں تو بھی واجب القتل تو اس نے عرض کی پھر کیا کہنا چاہیے آپ نے فرمایا اس طرح کہو کہ میں اللہ کی عنایت اور اُسکی توفیق سے استطاعت رکھتا ہوں پس اگر وہ طاقت دیدے تو اس کی عطا ہے اور اگر لے لے تو اس کا امتحان ہے پس وہ ہر چیز کا مالک ہے اور جسکا تو مالک ہے اسکا بھی درحقیقت وہی مالک ہے اور جس پر اُس نے تجھ کو قدرت دی ہے اس کا بھی وہی مالک ہے یہ جو کہا جاتا ہے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ اس کا مطلب یہ ہے کہ لَاحَوْلَ یعنی اللہ کی نافرمانیوں سے بچنا ناممکن ہے مگر اس شخص کیلئے جس کو اللہ توفیق عصمت عطا فرمائے اور لَاقُوَّةَ یعنی اللہ کی اطاعت پر کاربند رہنا مشکل ہے مگر اس کے لئے جس کی خدا یاوری کرے۔ پس وہ شخص آگے بڑھا اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ دیا۔

اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی تمام آیتیں پڑھیں جن میں آزمائش و ابتلاء کا ذکر ہے اور فرمایا ان سب سے مراد اختیار ہے یعنی اگر جبر و تفویض ہوتی تو اس اختیار کا معنی ہی کچھ نہیں رہتا۔ پھر آپ نے آیت پڑھی۔ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَيُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ۔ اور فرمایا کہ اگر لوگ اس کے معنی میں اشتباہ کریں اور سوال کریں تو ان کے جواب میں ہم کہیں گے معنی یہ ہے کہ خدا ہدایت پر قادر ہے اور گمراہی پر بھی قادر ہے لیکن لوگوں کو ان دونوں میں سے کسی پر مجبور نہیں کرتا ورنہ سزا و جزا کا قصہ ہی باطل ہو جاتا اور ہدایت کا معنی راستہ دکھانا بھی ہوا کرتا ہے اور قرآن میں جو آیات متشابہ ہیں وہ آیات محکمات کے احکام کو باطل نہیں کرتیں البتہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیات کا سہارا لے کر محکمات کو نظر انداز کر دیتے ہیں (ملخص از برہان)

صفحہ۲ پر۔ اُلْقِيَ فِيْهَا۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ بعض جہنمیوں کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو وہ عرض کرے گا اے پروردگار مجھے تجھ سے یہ توقع نہ تھی میں تو تیری بخشش کی ہی توقع رکھتا تھا پس حکم ہو گا کہ اس کو آزاد کر دو۔

صفحہ نمبر۲ پر۔ اَوْ نَعْقِلُ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اعمال کی جزا عقل کے مطابق ملے گی چنانچہ تفسیر صافی میں حضرت

بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝٦ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا

ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے جب اس میں ڈالے جائیں گے اور اس کی چیخ سنیں گے

شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝٧ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ

درحالیکہ وہ کھولتا ہوگا قریب ہوگا کہ غصے سے پھٹ جائے جب بھی اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا۔

سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝٨ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ

تو ان سے اس کے دربان پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا کوئی نہ آیا؟ تو کہیں گے ہاں بے شک ڈرانے والا آیا تھا

فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝٩

تو ہم نے اس کو جھٹلایا اور کہا کہ نہیں اتاری کوئی چیز اللہ نے تم نہیں ہو مگر بڑی گمراہی میں

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝١٠ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ

اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا عقل رکھتے ہوتے تو دوزخیوں میں سے نہ ہوتے پس اپنی غلطیوں کو مان لیں گے

فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝١١ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ

پس دوری ہے دوزخیوں کے لئے تحقیق جو لوگ غائبانہ طور پر اپنے رب سے ڈرتے ہیں

پیغمبر سے مروی ہے کہ انسان مجاہد ہو نمازی ہو روزہ دار ہو اور دیگر تمام نیکیاں کرتا ہو لیکن اس کو اعمال کی جزا اس کے عقل کے مطابق ہی ملے گی چنانچہ بروایت انس لوگوں نے ایک آدمی کی نیکی کی تعریف کی تو حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ اس کی عقل کیسی ہے لوگوں نے کہا حضورؐ ہم اس کی نیکی کی تعریف کرتے ہیں اور آپ اس کی عقل کے متعلق پوچھتے ہیں آپ نے فرمایا احمق بعض اوقات فاسق وفاجر لوگوں کی بہ نسبت حماقت کی وجہ سے سخت قسم کی غلطی کا مرتکب ہوجاتا ہے اس لئے قیامت کے دن جزا اور سزا درجات عقل کی مناسبت سے ہوں گے۔

بالْغَيْبِ۔ محلاً منصوب ہے غائبین کے معنی میں ہے اور حال ہے۔

صفحہ ۱۳ پر أَلَا يَعْلَمُ۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ خدا عالم ہے لیکن وہ مخلوق کی طرح علم حادث کی وجہ سے عالم نہیں کہ واقعہ کے ہوجانے کے بعد اس کو علم حادث ہو یا کسی گذشتہ یا آئندہ کے متعلق فکر کرکے اس کو علم حاصل ہوتا ہو۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ قبل از ایجاد ہر شئے کو تفصیلاً جانتا ہے اور ماضی وحاضر و مستقبل سب اس کے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١٣﴾ وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ

ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے اور تم پوشیدہ کرو بات اپنی یا اسے ظاہر کرو وہ سینوں

عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٤﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٥﴾

کی بات کو بھی جانتا ہے کیا نہیں جانتا وہ جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ لطیف و خبیر ہے

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ

وہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مطیع بنایا پس اس کے راستوں میں چلو اور اس کے رزق سے کھاؤ

وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ﴿١٦﴾ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ

اور اسی کی طرف ہی بازگشت ہوگی کیا تم نڈر ہو اس کی گرفت سے جس کا اقتدار آسمان پر بھی ہے کہ تمہیں زمین نگل جائے

فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿١٧﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ

درحالیکہ وہ حرکت کر رہی ہو یا کیا تم نڈر ہو اس سے جس کی حکومت آسمان میں ہے کہ برسائے تم پر پتھروں کی بارش پھر تمہیں پتہ

سامنے حاضر ہیں پس اس کے عالم ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ جاہل نہیں نیز خالق و مخلوق دونو کو عالم کا نام دیا جاتا ہے لیکن معنی الگ الگ ہے کیونکہ مخلوق کا علم جہل کے بعد ہوتا ہے اور خالق کا علم اس کی عین ذات ہے اسی طرح لطیف و خبیر کا نام بھی خالق و مخلوق پر بولا جاتا ہے لیکن معانی الگ الگ ہیں پس اللہ لطیف ہے یعنی عقل و وہم اس کے ادراک سے قاصر ہیں اور مخلوق میں لطیف ہونے کا معنی اس کی باریکی یا نزاکت ہوا کرتا ہے اسی طرح اللہ خبیر ہے کہ اس سے کوئی شئے اوجھل نہیں اور بندہ جہالت کے بعد خبیر بنا کرتا ہے۔

مَنْ خَلَقَ۔ ممکن ہے محلاً مرفوع ہو اور یَعْلَمُ کا فاعل ہو پس معنی وہ ہوگا جو تحت اللفظ موجود ہے اور اگر اس کو محلاً منصوب قرار دیا جائے تو یَعْلَمُ کا مفعول بنے گا اور معنی یہ ہوگا کہ کیا وہ ان کو نہیں جانتا جن کو اس نے خود پیدا فرمایا ہے اور دونو ترکیبیں اور معانی صحیح ہیں۔

رکوع ۲

مَنَاكِبِهَا۔ خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں دعوت معرفت کے لئے اپنے احسانات و انعامات میں غور کرنے کی دعوت دی ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ذلول بنایا یعنی مطیع و مفید کہ اس میں گھر بنا سکتے ہو کھیتی باڑی کر کے روزی کما سکتے ہو اور سیر و تفریح کے لئے چل پھر سکتے ہو نہ اتنی گرم ہے کہ جلا دے نہ اس قدر سرد ہے کہ جما دے نہ اتنی سخت ہے کہ چلتے وقت پاؤں کو زخمی کر دے اور نہ اسقدر نرم ہے کہ اس میں چلنے والا دھنس جائے مناکب جمع ہے منکب کی جس کا معنی کندھا ہے اور کشاف سے منقول ہے کہ اونٹ کا کندھا اس کا نازک ترین مقام ہے پس جو اونٹ کندھے پر اپنے سوار کو برداشت کرے وہ انتہائی مطیع سمجھا جاتا ہے پس اس مقام پر زمین کو انسان کے لئے انتہائی مطیع ثابت کرنے

فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۸﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ

چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟ اور تحقیق جھٹلایا ان لوگوں نے جو پہلے تھے تو میرا

كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۹﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔ مَا

عذاب کیسا تھا؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا پرندوں کو اپنے اُوپر جو پر کھولتے اور سمیٹتے ہیں ان کو

يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ ۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ

(فضائے آسمانی میں) روکنے والا اللہ ہی ہے بے شک وہ ہر شئی کو دیکھنے والا ہے تمہارے پاس کونسا ایسا

هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا

لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے اللہ کے سامنے کافر لوگ۔ تو دھوکے

کے لئے اس کے کندھوں پر سواری کا ذکر فرمایا اور بعض مفسرین نے مناکب سے مراد پہاڑ لئے ہیں کیونکہ کندھا جسم انسانی میں بلند حصے کو کہتے ہیں گویا پہاڑ اس مناسبت سے زمین کے کندھے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے اطراف وجوانب مراد ہیں۔

ءَاَمِنْتُمْ۔ خداوندکریم اس سے اجل و ارفع ہے کہ کسی ایک مکان کا پابند ہو پس وہ ہر جگہ ہر وقت موجود ہے لیکن چونکہ عوامی اذہان جہتِ علو کی طرف اللہ کے عرش و کرسی کو منسوب کرتے ہیں چنانچہ اسی مناسبت سے دُعا کے لئے ہاتھوں کا آسمان کی طرف بلند کرنا بتایا گیا ہے پس یہاں بھی اسی مناسبت سے کہا گیا ہے کہ کیا تم اُس ذات کی گرفت سے نڈر ہو جس کا اقتدار آسمان پر ہے اگرچہ اس کا اقتدار تمام کائنات پر ہے لیکن آسمان کا ذکر اس کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اگر وہ چاہے آسمان سے بارش کی بجائے تم پر پتھر نازل کر دے جس طرح قوم لوط کے لئے ہوا یا تیز آندھی بھیج دے جسمیں عذاب کا سامان ہو

نَكِيْرِ۔ اس کا مضاف الیہ یاءِ متکلم محذوف ہے جسطرح پہلی آیت میں نذیر کا مضاف الیہ یاءِ متکلم کو محذوف کہا گیا ہے تاکہ آیتوں کے فواصل میں مناسبت قائم رہے نکیر انکار سے ہے لیکن اس جگہ کنایہ عذاب سے ہے۔

صٰٓفّٰتٍ۔ بعض پرندے ہوا میں پر پھیلا کر اڑتے ہیں اور ان کی اس پرواز کو صفیف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور بعض پرندے پروں کو کھولتے اور بند کرتے ہیں اور اس پرواز کو دفیف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس جن پرندوں کی دفیف صفیف پر غالب ہو وہ شرعاً حلال شمار ہوتے ہیں اور اس کے برعکس جن کی صفیف غالب ہو وہ حرام ہوا کرتے ہیں۔ خداوندکریم نے اپنی قدرت کا اظہار فرما کر کفار کو دعوتِ فکر دی ہے کہ وہ صرف اللہ ہی ہے جس نے پرندوں کو فضائے آسمانی میں گرنے سے محفوظ رکھا ہے۔ پس وہ اس کھلی فضا میں پرواز کرتے پھرتے ہیں۔

جُنْدٌ لَّكُمْ۔ یعنی اگر خدا کسی کو گرفت کرنا چاہے تو کسی کے پاس کوئی ایسا لشکر یا فوج نہیں جو عذابِ خداوندی سے

فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا

میں ہی ہیں تمہیں کون ہے جو رزق دے سکے اگر وہ اپنا رزق بند کر دے بلکہ گھس گئے ہیں

فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۲﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ

سرکشی اور دُوری میں کیا وہ جو چلتا ہے؟ اوندھا منہ کے بل زیادہ صحیح ہے یا وہ جو سیدھا

سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ

ہو کر سیدھے راستہ پر چلتا ہے؟ کہہ دیجئے وہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں کان

وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ

اور آنکھیں اور دل عطا فرمائے تم (اس کا) کم ہی شکر ادا کرتے ہو کہہ دیجئے وہ وہ ہے جس نے تم کو

فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

زمین میں پیدا کیا اور اُسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم

اس کو بچا سکے اور چونکہ جند کا لفظ مفرد ہے اس لئے ضمیر مفرد لائی گئی ہے اسی طرح اگر وہ اپنا رزق روک لے تو کوئی انسان بلکہ کوئی ذی رُوح زندگی کا ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتا پس منکرین اور کفار کے پاس سرکشی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

مُکِبًّا۔ اس سے مراد ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو صراطِ مستقیم سے ہٹا ہوا ہو اور اس کی تاویل دشمنانِ آلِ محمدؐ سے بھی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں معصوم سے مروی ہے کہ صراطِ مستقیم سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں اور اس پر چلنے والے وہی ہیں جو حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولادِ طاہرین علیہم السلام کے دین پر قائم ہوں اور اوندھے منہ چلنے والے وہ لوگ ہیں جو ولایت علی علیہ السلام سے منحرف ہوں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے قسم کھا کر فرمایا کہ صراطِ مستقیم سے مراد حضرت علی علیہ السلام اور باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ہمراہ میں مسجد الحرام میں موجود تھا اور لوگ طواف میں مشغول تھے آپ نے فرمایا لوگ ایامِ جہالت میں بھی اسی طرح طواف کیا کرتے تھے کہ ان کو نہ حق کا پتہ ہے اور نہ دین کو سمجھے ہیں آخر میں آپ نے فرمایا اے فضیل خدا کی قسم کوئی حاجی نہیں سوائے تمہارے پس نہ تمہارے سوا کسی کے گناہوں کی بخشش ہے اور نہ کسی کا عمل قبول ہے اور تم ہی اس آیت مجیدہ کے حقیقی مصداق ہو اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ الآیہ پھر فرمایا پس تم نماز پڑھو زکوٰۃ دو اور اپنی زبانوں کو محفوظ رکھو اور سیدھے جنت میں جاؤ۔

دانت کا درد | داڑھ میں درد ہو اس پر انگلی رکھ کر آیت ۲۴ کو سات مرتبہ پڑھنے سے درد ختم ہو جائے گا۔ (درِ منثور)

صٰدِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا

سچے ہو؟ کہہ دیجئے اس کا علم اللہ کو ہی ہے اور بجز اس کے نہیں کہ میں تو صاف ڈرانے والا ہوں پس جب اس

رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ

کو اپنے قریب دیکھیں گے تو بُرے ہو جائیں گے چہرے اُن لوگوں کے جو کافر ہیں اور کہا جائے گا یہ وہ ہے جو تم

تَدَّعُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ

طلب کرتے تھے کہہ دیجئے کیا تم دیکھتے ہو اگر مجھے اور میرے ساتھیوں کو خدا ہلاک کرے یا ہم پر رحم کرے تو

يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ

کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ کہہ دیجئے وہ رحمان ہے جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں اور اسی

تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ

پر ہم نے توکل کی ہے تم جان لوگے کہ کھلی گمراہی میں کون تھا؟ کہہ دیجئے تم کیا دیکھتے ہو اگر تمہارا پانی

مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۱﴾ ع ۲ ★

زمین میں نیچے چلا جائے تو تم کو میٹھا پانی کون مہیا کرے گا

وُجُوْهُ الَّذِيْنَ ۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروز محشر جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے شیعوں کی بلند منازل دیکھیں گے تو دشمنوں کے منہ بُرے ہو جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ یہی وہ لقب ہے (امیر المومنین) کہ تم اپنے لئے اس کا ادعا کرتے تھے۔

علی کا بلندی مقام

تفسیر برہان میں ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بروز محشر جب اللہ مخلوق کو جمع کرے گا تو سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام سے سوال ہوگا کہ کیا تو نے دین حق کی تبلیغ کی تھی؟ تو وہ عرض کریں گے کہ ہاں! تو اس سے گواہ طلب کئے جائیں گے چنانچہ وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے پاس پہنچیں گے جبکہ آپ زعفرانی کے منبر پر تشریف فرما ہوں گے اور علیؑ بھی آپ کے ہمراہ ہوں گے پس حضرت نوحؑ اپنی تبلیغ کی گواہی کی التجا کریں گے تو آپ جعفر و حمزہ کو حکم دیں گے کہ جاؤ اور حضرت نوحؑ کی تبلیغ کی گواہی دو پس حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت جعفر و حمزہ ہی انبیاء کی تبلیغات کی گواہی دیں گے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی اس وقت علی کہاں ہوں گے آپ نے فرمایا علی کا مرتبہ

اس سے بلند ہے بہرکیف اہلبیتؑ سے اس قسم کی روایات بکثرت وارد ہیں کہ حضرت علی کا مقام بلند دیکھ کر بروز محشر ظالم وغاصب لوگوں کے منہ سیاہ ہوں گے اور ان کو سرزنش ہوگی اور اس آیت مجیدہ کے باطنی مصداق وہی لوگ ہیں۔

امام غائب

اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ۔ آیت مجیدہ کا ظاہر تو وہی ہے جو تحت اللفظ ترجمے سے منکشف ہوتا ہے لیکن اس کی تاویل حضرت حجتہ علیہ السلام کا زمانہ غیبت ہے۔ چنانچہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا آئمہ اللہ اور مخلوق کے درمیان ابواب اللہ ہیں اگر ان میں سے ایک غائب ہو جائے تو تمہارے پاس میٹھا پانی یعنی عالم امام کون لائے گا اور متعدد روایات میں ہے کہ اگر امام وقت غائب ہو جائے تو اس کی بجائے نیا امام کہاں سے لاؤ گے جو تمہیں احکام خداوندی بتائے گا اور تفسیر برہان میں حضرت عمارؓ سے مروی ہے کہ میں ایک جنگ میں حضرت نبی کریم کے ہمراہ تھا حضرت علیؑ نے چن چن کے کفار کے سربرآوردہ اشخاص اور ان کے نشانچیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیئے تو میں نے عرض کی آج علیؑ نے جہاد کا حق ادا کر دیا پس آپؐ نے فرمایا ایسا کیوں نہ ہو۔ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں وہ میرے علم کا وارث میرے قرضوں کے ادا کرنے والا میرے وعدوں کے پورا کرنے والا اور میرے بعد میرا خلیفہ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو میرے بعد مومن کی پہچان نہ ہو سکتی اس کی جنگ میری جنگ اور میری جنگ اللہ کی جنگ ہے اور اس کی صلح میری صلح اور میری صلح اللہ کی صلح ہے یہ میرے نواسوں کا باپ ہے اور آئمہ اسی کی صلب سے ہوں گے جن میں سے ایک مہدی اُمت ہوگا تو میں نے عرض کی کہ مہدی کون ہوگا۔ آپ نے فرمایا اے خدا حضرت حسینؑ کی اولاد سے نو امام پیدا کرے گا اور نواں مہدی ہوگا جو ایک وقت تک غائب رہے گا چنانچہ ارشاد قدرت ہے اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا الآیہ اس کی غیبت اس کی قدر لمبی ہوگی کہ کچھ لوگ مایوس ہو جائیں گے اور کچھ ثابت قدم رہیں گے پس وہ اگر زمین کو جور و ظلم سے بھر جانے کے بعد عدل و انصاف سے پُر کریگا وہ تاویل قرآن پر جہاد کرے گا جس طرح میں نے تنزیل پر جہاد کیا ہے وہ میرا ہمنام اور میرے مشابہ ہوگا۔

اے عمار: میرے بعد فتنے ہوں گے پس علیؑ کا ساتھ نہ چھوڑنا اِنَّهٗ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَهٗ اے عمار تو میرے بعد ناکثین و قاسطین سے لڑے گا اور تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ (تجھے باغی گروہ قتل کرے گا) عمار نے عرض کی اس میں آپ کی اور اللہ کی خوشنودی ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں اور تیرا آخری رزق دودھ ہوگا۔ پس جب صفین کا دن آیا تو عمار نے تین دفعہ اذن جہاد طلب کیا اور حضرت علیؑ ٹالتے رہے آخری دفعہ رو دیئے اور فرمایا یہ وہی دن ہے جس کا رسولؐ اللہ نے وعدہ فرمایا تھا پس سواری سے اترے اور عمار کو گلے سے لگا کے فرمایا خدا تجھے جزائے خیر دے تو میرا اچھا بھائی اور دوست تھا پھر دونو روتے رہے عمار نے عرض کی میں نے بابصیرت ہو کر تیری اتباع کی ہے۔ کیونکہ میں نے بروز خیبر حضرت رسول اکرمؐ سے سُنا تھا یَا عَمَّارُ: سَتَكُوْنُ بَعْدِیْ فِتْنَةٌ فَاِذَا كَانَ ذَالِكَ فَاتَّبِعْ عَلِيًّا وَحِزْبَهٗ فَاِنَّهٗ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَهٗ یعنی میرے بعد فتنے و فسادات ہوں گے پس جب رونما ہوں تو علیؑ اور اس کی جماعت کی اتباع کرنا کیونکہ علیؑ حق کے ساتھ ہوگا۔ اور حق علیؑ کے ساتھ ہوگا۔ اے امیرالمومنینؑ آپ کو خدا اسلام سے جزائے خیر کرامت فرمائے پس آپ نے حق ادا کیا تبلیغ بھی کی۔

اور نصیحت بھی کی ۔ پھر عمار سواری پر سوار ہوا اور حضرت علیؑ بھی سوار ہوئے عمار جب جہاد کے لئے روانہ ہونے لگا تو پانی مانگا تو ایک انصاری نے دودھ کا جام دیا جس کو عمار نے پیا اور کہا میرے ساتھ پیغمبر کا وعدہ بھی اسی طرح تھا کہ دنیا سے آخری رزق میرا دودھ ہوگا پھر شیر غضبناک کی طرح دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اور اٹھارہ ملاعین کو واصل جہنم کیا پس دو شامیوں نے مل کر اکٹھا حملہ کیا جس سے آپ شہید ہوگئے ۔ رات کے وقت حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے مقتولین کا چکر لگایا اور حضرت عمارؓ کو شہید پایا تو ان کا سر گود میں رکھ کر روئے اور مرثیہ بھی پڑھا۔

سُوْرَۃُ الْقَلَمِ

- ★ یہ سورۂ مکیہ ہے مگر آیت ۱۷ سے ۳۳ تک اور آیت ۴۸ سے ۵۰ تک مدنی ہیں یہ سورہ علق کے بعد نازل ہوا۔
- ★ حضرت رسالتمآب نے فرمایا جو شخص سورہ ن والقلم کو فریضہ یا نافلہ میں پڑھے وہ تنگی رزق میں مبتلا نہ ہوگا۔
- ★ خواص القرآن سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا اس کو لکھ کر درد والی ، ڈاڑھ پر لٹکایا جائے تو درد فوراً ختم ہوجائے گا۔
- ★ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ملا کر اس کی کل آیات ترپن ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝۲ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝۳

ن ۔ قسم ہے قلم کی اور اس کی جو لکھتے ہیں آپ اللہ کی نعمت سے دیوانے نہیں ہیں

رکوع ۳

نٓ وَالْقَلَمِ ۔ نٓ کی تفسیر میں چند اقوال وارد ہیں (۱) سورہ کا نام ہے (۲) اس مچھلی کا نام ہے جس کی پشت پر یہ زمین قائم ہے (۳) تین سورتوں کے حروف مقطعات جمع کئے جائیں تو اللہ کا نام الرحمن بنتا ہے الر ۔ حم ۔ نٓ ۔ پس یہاں نٓ الرحمن کا حرف ہے (۴) اس سے مراد دوات ہے (۵) اس سے مراد لوح ہے گویا خدا نے لوح و قلم کی قسم سے بیان کو شروع فرمایا ہے جس طرح کہ اس سے پہلے توجیہہ کے مطابق قلم و دوات کی قسم سے

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۞ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞ فَسَتُبْصِرُ

اور تحقیق آپ کا اجر غیر مقطوع ہوگا اور تحقیق آپ خلق عظیم پہ ہیں پس عنقریب آپ دیکھیں گے

بیان کا افتتاح ہے (۶) بعضوں نے اس سے عام دریائی مچھلی مراد لی ہے کیونکہ ن کا معنی مچھلی ہوتا ہے اور مچھلی کے شکم میں رہنے کی وجہ سے حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ذوالنون ہوا ہے (۷) ایک روایت میں ہے کہ جنت کی ایک نہر کا نام نونؔ ہے جو بحکم خدا خشک ہو کر سیاہی بن گئی۔ یہ دودھ سے سفید تر اور شہد سے شیریں تر تھی پس اللہ نے قلم کو حکم دیا تو اس نے قیامت تک مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ سب کچھ لکھ دیا۔ (۸) تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ نونؔ قلم اور لوح الگ الگ فرشتوں کے نام ہیں کہ نونؔ سے قلم اور قلم سے لوح اور لوح سے اسرافیل اور اسرافیل سے میکائیل اور میکائیل سے جبریل لے کر انبیاء تک وحی کی خبریں لایا کرتا ہے (۹) نونؔ حضرت رسالتمآبؐ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور القلم حضرت امیرالمومنین کا نام ہے جیسا کہ برہان میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے۔

قلم کی قسم کھانا قلم کی اہمیت کو واضح کرتا ہے اسی بناء پہ کہا گیا ہے کہ اِنَّ الْبَيَانَ بَيَانَانِ بَيَانُ اللِّسَانِ وَبَيَانُ الْبَنَانِ وَبَيَانُ اللِّسَانِ تُدْرِسُهُ الْاَعْوَامُ وَبَيَانُ الْاَقْلَامِ بَاقٍ عَلٰى مَرِّ الْاَيَّامِ یعنی بیان کی دو قسمیں ہیں ایک زبان کا بیان اور دوسرا انگلیوں کا بیان اور زبان کے بیان کو سالوں کے گذرنے سے کہنگی لاحق ہوتی ہے لیکن قلم کا بیان زمانہ گذرنے کے بعد تازہ بتازہ باقی رہتا ہے اسی لئے تو حضرت رسالتمآبؐ نے امت کو گمراہی سے بچانے کے لئے اور ان کی راہ حق پہ ثابت قدمی کو برقرار رکھنے کیلئے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں قلم دوات و کاغذ طلب فرمایا تھا تاکہ قرآن و اہلبیت سے تمسک رکھنے کے زبانی فرمان کو زیب قرطاس کر کے ابدالاباد تک کے لئے ایک محکم دستاویز ان کے حوالہ کیا جائے تاکہ کبھی گمراہ نہ ہونے پائیں لیکن بعض مفاد پرست لوگوں کی ہنگامہ آرائی آڑے آگئی اور اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا نہ جا سکا اور روایات میں ہے کہ حضرت عمر نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ یعنی ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) کہہ دیا تھا اور یہ کہ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَهْجُرُ یعنی حضورؐ معاذ اللہ بیماری کی شدت کی وجہ سے ہذیان کہہ رہے ہیں، چنانچہ لوگوں کا شور و غل زیادہ ہو گیا اور آپ نے فرمایا: قُوْمُوْا عَنِّيْ یعنی یہاں سے چلے جاؤ یہ پورا واقعہ کتب صحاح احادیث میں صراحت سے موجود ہے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیتیں کفار و مشرکین کے اس قول کا جواب ہیں يَا اَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ یعنی اے وہ جس پر قرآن نازل کیا گیا تو تو دیوانہ ہے پس خدا نے ان کے جواب میں فرمایا کہ نون و قلم و کتابت کی قسم کہ آپ اللہ کے فضل و کرم سے دیوانہ نہیں اور تبلیغ احکام رسالت کی وجہ سے لامتناہی جزا کے مستحق ہیں اور کفار و مشرکین کی زبان درازیوں تلخ نوائیوں اور ترش کلامیوں کو اپنے حلم و حوصلہ سے برداشت کر کے خلق عظیم پر قائم ہیں یا یہ کہ آپ ایک مشن کو چلا رہے ہیں جیسا کہ خلق عظیم کا معنی دین عظیم کیا گیا ہے بے شک مستقبل قریب میں آپ دیکھ لیں گے اور ان پر بھی یہ بات واضح ہو جائے گی کہ تم ہر دو فریقین میں سے دیوانہ و پاگل کون تھا؟

تفسیر برہان کی متعدد روایات کا مضمون یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق بیانات جاری فرمائے تو منافقین نے آپس میں کہنا شروع کر دیا تھا کہ آپ معاذاللہ علیؑ کی محبت میں ازخود رفتہ (دیوانے) ہو گئے ہیں اور ابو ایوب انصاری سے مروی ہے کہ آپ نے علیؑ کے بازو کو پکڑ کر ان کو بلند کر کے فرمایا تھا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ (جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے) تو لوگوں نے آپس میں کہا تھا کہ آپ اپنے چچازاد کی محبت میں دیوانے ہو چکے ہیں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا کہ حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ جس کے دل میں میری سچی محبت ہوگی یقیناً اس کے دل میں علیؑ کی سچی محبت ہوگی اور علیؑ سے فرمایا یا علیؑ جو شخص تیرے ساتھ بغض رکھنے کے باوجود میری محبت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے تو دو منافق ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ رسولؐ اللہ اس نوجوان کے حق میں دیوانگی کی باتیں کہہ رہے ہیں پس یہ آیتیں ان لوگوں کے متعلق ہیں اور خدا نے قسمیہ بیان فرمایا کہ آپ اللہ کے فضل سے دیوانے نہیں پس آپ کو اس تبلیغ کا لاتناہی اجر ملے گا۔ اور ہر دو فریقین کو پتہ چل جائے گا کہ ان دونوں میں سے دیوانہ کون ہے؟ اسی قسم کی ایک روایت تفسیر مجمع البیان میں بھی ہے بہرکیف یہ روایات آیات مجیدہ کے شانِ نزول کے پیش نظر ہیں لیکن چونکہ قرآن مجید کی تاویل تاقیامت جاری ہے اور ہر ہر آیت کے لئے قیامت تک مصادیق پیدا ہوتے چلے جائیں گے تو سب سے پہلے ان آیات کی تاویل اس وقت ظاہر ہوئی۔ جب حضورؐ نے قلم دوات و کاغذ طلب فرمایا اور کہنے والے نے حضورؐ کی طرف ہذیان و دیوانگی کی نسبت دیکر حضورؐ کی فرمائش کے وزن کو کم ثابت کرنے کی جسارت کی پس ان آیات کی تاویل ان لوگوں کی سرزنش کے لئے ہے اور حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ قلم دوات اور مضمون کتابت کی قسم کہ آپ ازخود رفتگی یا دیوانگی یا ہذیان میں خدا کے فضل و کرم سے مبتلا نہیں ہیں بےشک آپ کو اس کا اجر ملے گا آپ خلق عظیم کے مالک ہیں اور ہر دو فریق کو پتہ چل جائے گا کہ دیوانہ کون تھا؟ اور اللہ کو معلوم ہے کہ گمراہ کون ہے؟ اور راہِ ہدایت پر چلنے والے کون ہیں؟

وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۔ یعنی وہ جو ملائکہ لکھتے ہیں اخبارِ وحی سے یا اعمال عباد سے اور اگر ما کو مصدریہ بنایا جائے تو مابعد کے ساتھ مل کر مصدر کے معنی میں ہو جائے گا پس پہلی صورت میں معنے ہوگا قلم اور مکتوب کی قسم اور دوسری صورت میں معنی ہوگا قلم اور کتابت کی قسم

مَا اَنْتَ ۔ یہ جوابِ قسم ہے **بِنِعْمَةِ رَبِّكَ** یہ اس طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ تو اللہ کے فضل سے جاہل نہیں ہے یا جسطرح کہا جاتا ہے کہ تو بحمداللہ دیوانہ نہیں ہے اور بعضوں نے با کو تعلیل کا قرار دیا ہے یعنی تو اللہ کی نعمت نبوت کی وجہ سے دیوانگی کے عیب سے پاک ہے۔

غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۔ اس کے دو معانی ہو سکتے ہیں **مَنّ** کا معنی قطع کرنا بھی ہوتا ہے اور اس کا معنی احسان جتلانا بھی ہوتا ہے پس پہلے لحاظ سے معنی ہوگا کہ آپ کا اجر غیر مقطوع و لاتناہی ہوگا اور دوسرے لحاظ سے معنی ہوگا کہ آپ کو اجر دیا جائے گا۔ وہ احسان جتلانے کے نقص سے بھی پاک ہوگا اور ابن عباس سے مروی ہے کہ ہر نبی کو اس کے دین میں داخل ہونے والے تمام افراد کے اجر کے برابر اجر دیا جائے گا۔

خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۔ اس کا معنی دین عظیم بھی کیا گیا ہے اور اخلاق حسنہ بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً حق بات پر ڈٹ جانا۔ سخاوت

وَيُبْصِرُوْنَ ﴿٦﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿٧﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ

اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے؟ تحقیق تیرا رب جانتا ہے جو اس کے راستہ سے

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٨﴾ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٩﴾

بھٹکا ہوا ہے اور وہی جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو پس نہ بات مانو جھٹلانے والوں کی

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿١٠﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿١١﴾

وہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنی تبلیغی پالیسی کو نرم کردیں تاکہ وہ بھی نرمی کریں اور نہ بات مانو ہر قسم کھانے والے ذلیل کی

ملنساری خیر خواہی حسن تدبیر نرمی رواداری دعوتِ اسلامیہ میں پیش آنے والے مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ درگزر کرنا، معافی دینا مومنین کی کھلے دل سے مدد کرنا اور حسد و بغض و کینے سے پاک و مبرّا رہنا وغیرہ آپ کے اخلاق کریمانہ تھے اور عائشہ سے مروی ہے کہ سورہ مومنین کی ابتدائی آیات آپ کے اخلاق حسنہ کی ترجمان ہیں اور اس سے زیادہ کسی کے اخلاق کی اور کیا تعریف ہوسکتی ہے جب اللہ نے فرمادیا کہ آپ خلق عظیم پر ہیں اور حضورؐ سے مروی ہے بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی میں مکارم اخلاق کو پھیلانے آیا ہوں (مجمع) اور آپ سے منقول ہے حسن خلق رکھنے والے انسان کو عابد شب زندہ دار اور صائم النہار کا درجہ ملتا ہے اور ابوالدرداءؓ سے منقول ہے حضورؐ نے بروز محشر میزان اعمال میں حسن خلق سے زیادہ وزنی عمل اور کوئی نہ ہوگا اور امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا حسن اخلاق کو اپناؤ کیونکہ حسن خلق والا یقیناً جنت میں جائے گا اور بدخلقی سے بچو کیونکہ بد اخلاق یقیناً جہنم میں جائے گا اور آپ سے مروی ہے کہ اللہ کا محبوب ترین انسان وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور لوگوں میں ملنسار ہو اور اللہ کا مبغوض ترین بندہ وہ ہے جو چغلخوری سے لوگوں کو ایک دوسرے سے جُدا کرے اور بری الذمہ لوگوں کے عیب تلاش کرے اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے ایسے چہرے خلق فرمائے جو اپنے حاجتمند بھائیوں کی حاجت براری کرتے ہیں اور اللہ اچھے اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔

اَلْمَفْتُوْنُ - یہ فتنہ سے ہے اور اس کا اصل معنی آزمائش و ابتلاء ہے اور اس جگہ مفتون کا معنی ہے مبتلا بالجنون یعنی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ دیوانگی میں مبتلا کون ہے؟

ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ - اس کے مصداق وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت علیؑ کی محبت کی وجہ سے حضورؐ کو دیوانہ کہا (مجمع)

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ - یعنی کفّار و مشرکین کی خواہش ہے کہ آپ اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں شدّت کو چھوڑ دیں اور رواداری سے کام لیں تو خداوند کریم نے دین کے معاملہ سہل انگاری و سستی کی نہی فرمادی اور فرمایا کہ ان کی باتوں میں آپ ہرگز نہ آئیں اور اپنے مشن کو جاری رکھیں۔

هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿۱۳﴾

جو غیبت گو ہے چغلخوری کے ساتھ چلنے والا ہے نیکی سے روکنے والا سرکش گنہگار ہے بدمزاج ظالم علاوہ ازیں حرامزادہ ہے

أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿۱۴﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۵﴾

اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے جب اس پر ہماری آیات پڑھی جائیں تو کہتا ہے کہ گذرے ہوئے لوگوں کی کہانیاں ہیں

سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ﴿۱۶﴾ إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا

ہم ان کی ناک پر نشان لگائیں گے ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا جس طرح ڈالا ایک باغ والوں کو جب انہوں نے قسم کھائی

وَلَا تُطِعْ ۔ یہ آیات مکہ کے ایک مشرک رئیس ولید بن مغیرہ کے حق میں اتری ہیں تفسیر مجمع البیان میں ابن قتیبہ کا قول منقول ہے کہ قرآن مجید میں کسی شخص کی اس قدر مذمت نہیں کی گئی ۔ جتنی کہ ولید بن مغیرہ کی کی گئی ہے کہ اس کے تمام عیوب بیان کر دیئے گئے ہیں جھوٹی قسمیں کھانے والا کذاب ذلیل لوگوں کی عیب جوئی کرنے والا چغلخور خیر کو روکنے والا بخیل سرکش فاسق و فاجر اکھڑ مزاج ظالم اور آخر میں فرمایا ان سب بدصفات کے علاوہ حرامزادہ بھی ہے ۔ زنیم کا معنی حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے جس کی اصل نہ ہو یعنی حرامزادہ اور بعضوں نے اس کا معنی کمینہ بیان کیا ہے اور جناب رسالتمآبؐ سے اس کا معنی بہت کھانے پینے والا اور ظالم منقول ہے تفسیر صافی میں بھی ان آیات کا ظاہری مصداق ولید بن مغیرہ کو قرار دیا گیا ہے لیکن تفسیر قمی سے ان کا تاویلی مصداق ثانی کو بیان کیا گیا ہے

أَن كَانَ ۔ یعنی اس کے مالدار ہونے اور صاحب اولاد ہونے کو دیکھ کر اس کی باتوں میں نہ آئیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہاں ہمزہ حرف استفہام مقدر ہے یعنی ءَ أَن كَانَ اور معنی یہ ہے کہ کیا وہ اپنے مالدار اور صاحب اولاد ہونے کی وجہ سے حق کی بات کو ٹھکراتا ہے اور آیات کی تکذیب کرتا ہے حالانکہ اُسے نعمت پروردگار کا شکر ادا کرنا چاہیئے تھا ۔

اَلْخُرْطُوم ۔ اس کا معنی ہے ناک یعنی قیامت کے روز اس کی ناک پر ایسا نشان ہوگا کہ اس سے سب لوگ اس کو پہچان لیں گے کہ یہ دشمن پیغمبر ہے اور مروی ہے کہ جنگ بدر میں اس کی ناک پر تلوار کا زخم لگا تھا اور قمی سے منقول ہے کہ زمان رجعت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے دشمنوں چہروں پر نشان لگائیں گے جس سے وہ دور سے پہچانے جاسکیں ۔

إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ ۔ تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جو دنیا میں انسان کے لئے تنگیٔ رزق کا باعث بن جاتے ہیں اور بروایت قمی آپ سے مروی ہے کہ اہل مکہ پر بھوک کا عذاب نازل ہوا

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے اہل مکہ پر قحط و بھوک کا عذاب اس طرح بھیجا جس طرح ان سے پہلے ایک باغ کے مالکوں پر بھیجا تھا اور ان کا واقعہ اس طرح ہے کہ صنعائے یمن سے دور نو میل کے فاصلہ پر مقام رضوان یا حروان پر ایک شخص کا باغ تھا جس سے اس کو کافی آمدنی تھی پس وہ شخص اپنی ضرورت سے فالتو آمدنی کو غربا و مساکین میں تقسیم کر دیا کرتا تھا اور

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ⑱ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ⑲ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ

کہ ہم صبح کو اس کی کٹائی کریں گے اور انشاءاللہ نہ کہا پس اس پر پڑی پڑنے والی آفت پروردگار کی جانب سے

رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ⑳ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ㉑ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ㉒

جبکہ وہ محو خواب تھے (رات کے وقت) پس وہ پھل سے خالی ہو گیا انہوں نے صبح سویرے ایک دوسرے کو بلایا

اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ㉓ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ

کہ اپنی کھیتی کی طرف چلیں اگر تم اس کو کاٹنے والے ہو پس چل دیئے اور وہ چپکے چپکے

يَتَخَافَتُوْنَ ㉔ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ㉕ وَّغَدَوْا

جا رہے تھے تاکہ آج کوئی مسکین (طالب خیرات) ان کے پاس نہ پہنچے اور وہ (بزعم خویش)

باغ کی فصل کے موقعہ پر اس کے پاس فقراء و مساکین جمع ہو جاتے تھے جب اس کی وفات ہوئی تو اس کے پانچ بیٹوں نے باہمی مشورہ کیا کہ آئندہ ہم مساکین کو دینے کے بجائے ذخیرہ اندوزی کریں گے اور جائیداد کو تدریجاً بڑھائیں گے البتہ ان میں سے ایک جو سب سے چھوٹا تھا لیکن دانا تھا جس کو قرآن مجید میں وسط کہا گیا ہے وہ ان کو اس بُرے اقدام سے روکتا رہا۔ بہرکیف باپ کی موت کے بعد ان کے باغ کو پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ پھل لگا تو انہوں نے فقراء و مساکین کو نہ دینے کا پکا معاہدہ کر لیا۔ جب باغ کا پھل پک گیا تو جس صبح کو انہوں نے باغ کا فصل کاٹنے کے لئے جانا تھا اسی رات اللہ نے باغ پر آفت نازل کر دی جس سے اس کا تمام پھل جل گیا اور وہ باغ بغیر پھل کے رہ گیا یہ لوگ صبح سویرے اُٹھے اور باغ کی طرف چل دیئے اور وہ خوش خوش جا رہے تھے کہ اس سال کا سارا فصل ذخیرہ کریں گے اور آمدنی کے بڑھانے کے وسائل پیدا کر کے رئیس سے رئیس تر ہوتے جائیں گے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اگر وہ چاہے تو پختہ فصل کو تباہ کر سکتا ہے چنانچہ جب وہ پہنچے اور باغ کو تباہ پایا تو پہلے ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ ہمارا وہی باغ ہے جو کل تک پھل سے لدا ہوا تھا شاید ہم کہیں راستہ بھول گئے ہیں لیکن انہیں بعد میں خیال آیا کہ وہ فقراء و مساکین کے محروم کرنے کی نیت فاسدہ کا عذاب ہمارے فصل کی تباہی کی صورت میں نمودار ہوا ہے اور اس وقت اس نیک بھائی کو بھی بات کرنے کی جرأت ہوئی۔ اُس نے کہا میں پہلے ہی کہتا تھا کہ تم اللہ کا کفرانِ نعمت نہ کرو بلکہ اس کی تسبیح و تحمید کرو چنانچہ انہوں نے تسبیح خدا زبان پہ جاری کی اور توبہ کر لی۔

لَيَصْرِمُنَّهَا۔ کھجور کے پھل اُتارنے کو صرام اور جداد کہا جاتا ہے جس طرح گندم وغیرہ کے فصل کاٹنے کو حصاد اور انگور کے پھل توڑنے کو قطاف کہا جاتا ہے ان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا باغ کھجوروں کا تھا پس صریم کا معنی ہو گا جس کا پھل اتار لیا گیا ہو۔

يَتَخَافَتُوْنَ۔ یہ تخافت سے ہے یعنی خاموشی سے چھپ کر جا رہے تھے تاکہ فقراء کو خبر نہ ہو سکے۔

عَلٰی حَرۡدٍ قٰدِرِیۡنَ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوۡهَا قَالُوۡۤا اِنَّا لَضَآلُّوۡنَ ﴿۲۷﴾ بَلۡ نَحۡنُ

کسی کو کچھ نہ دینے کی ٹھان کر جا رہے تھے پس جب کھیتی کو دیکھا تو کہنے لگے شاید ہم راستہ بھول گئے ہیں۔ پھر ان کو یقین ہوا تو کہنے لگے

مَحۡرُوۡمُوۡنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ اَوۡسَطُهُمۡ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ لَوۡلَا تُسَبِّحُوۡنَ ﴿۲۹﴾

ہم محروم کر دیئے گئے ہیں ان میں سے دانا نے کہا کیا میں نے تم کو نہیں کہا تھا تم نے کیوں نہ اللہ کا شکر کیا؟

قَالُوۡا سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۳۰﴾ فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ

کہنے لگے ہمارا رب لائق تسبیح ہے ہم ہی ظالم ہیں پس وہ ایک دوسرے کو

یَّتَلَاوَمُوۡنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِیۡنَ ﴿۳۲﴾ عَسٰی رَبُّنَاۤ اَنۡ یُّبۡدِلَنَا خَیۡرًا

کوسنے لگ گئے اور کہنے لگے ہائے ہم سرکش ہو گئے امید ہے ہمارا رب ہمیں اس کا اچھا بدلہ دیدے

مِّنۡهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوۡنَ ﴿۳۳﴾ كَذٰلِكَ الۡعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَكۡبَرُ ۘ لَوۡ كَانُوۡا

ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں اسی طرح ہمارا عذاب ہے اور آخرت کا عذاب سخت تر ہے

یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۴﴾ ع اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۳۵﴾ اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ

اگر وہ جانیں تحقیق متقین کے لئے اپنے رب کے پاس نعمتوں کے باغات ہوں گے کیا ہم مسلمانوں کو

عَلٰی حَرۡدٍ - حرد کا معنی ہے روکنا یعنی وہ اپنے خیال میں مساکین کو روکنے پر قادر ہو کر جا رہے تھے۔

اَوۡسَطُهُمۡ - یعنی جو ان میں سے نیک و لائق تھا جس طرح کہا جاتا ہے خَیۡرُ الۡاُمُوۡرِ اَوۡسَاطُهَا چنانچہ امت اسلامیہ اگرچہ تمام امتوں سے آخر میں ہے لیکن اس کو امتِ وسط کہا گیا ہے اور اس کا معنی خیر الامم ہے پس اللہ کی ناراضگی کے آثار دیکھ کر اپنے چھوٹے بھائی کی تحریک پر سب نے توبہ کر لی اور نیکی کا عہد کیا تو عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق خدا نے ان کو اس کے بدلے میں ایک اور باغ دیا جس کا نام حیوان تھا جس میں صرف انگور تھے اور ان کے ایک خوشے کو خچر اٹھا سکتا تھا (مجمع)

کَذٰلِکَ الۡعَذَابُ اہل مکہ کے لئے سرزنش ہے کہ یہ تو ہمارا دنیاوی عذاب ہے لیکن آخرت کا عذاب اس سے بھی سخت تر ہوگا۔

رکوع ۴

اَفَنَجۡعَلُ - کفار کہتے تھے کہ اگر قیامت کے دن کوئی جزا ہو گی جس طرح کہ محمد کہتا ہے تو یقیناً مسلمانوں سے وہاں بھی ہماری حالت بہتر ہو گی اور جس طرح مسلمان دنیا میں تنگدستی اور بدحالی کا شکار ہیں قیامت کے دن بھی یہ بدحال ہوں گے اور ہم خوشحال ہوں گے تو ان کی رد میں خدا فرماتا ہے کہ متقیوں کے لئے قیامت کے دن جنات ہوں گی اور کافر

كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾

مجرموں کی طرح قرار دیں گے؟ تمہیں کیا ہے کیسی باتیں کرتے ہو؟ یا کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس سے پڑھتے ہو؟

اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

کہ تمہارے سلئے وہی کچھ ہوگا جو تم چاہو گے؟ یا کیا تمہارے لئے ہمارے اُوپر پکے عہد ہیں قیامت تک کے لئے

اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ

کہ تمہارے لئے وہی کچھ ہوگا جو تم چاہو گے؟ ان سے پوچھئے اس بات پر تمہارا کون ضامن ہے؟ یا کیا ان کے

شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ

شریک ہیں (جو انہوں نے معبود بنا رکھے ہیں) تو ان شریکوں کو لائیں اگر سچے ہیں جس دن معاملہ سخت ہو جائے گا

وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ

اور ان کو سجدے کی دعوت دی جائے گی پس نہ کر سکیں گے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ان پر ذلت

عذاب میں مبتلا ہوں گے اور یہ ہرگز نہ ہوگا کہ ہم مسلمانوں اور مجرموں کو ایک طرح کی جزا دیں پھر ان کو سیلنج کر کے فرماتا ہے کہ بتاؤ تو سہی کہ کونسی آسمانی کتاب تمہارے پاس ہے جس میں لکھا ہو کہ تمہیں وہاں حسب منشاء نعمات ملیں گی یا تمہارا ہمارے اُوپر کونسا عہدنامہ واجب ہے کہ تم جو حکم کرو گے اسے پورا کیا جائے گا اگر ایسی بات ہے تو گواہ لے آؤ یا کیا وہ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو تمہیں قیامت کے دن نفع پہنچائیں گے تو ان کو سامنے لاؤ۔ پس یاد رکھو یہ سب جھوٹی تمنائیں ہیں اور قیامت کے دن تمہارا عذاب سخت ہوگا اور مومن جنت میں ہوں گے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ ۔ یعنی قیامت کے دن معاملہ نہایت سخت ہوگا اور حالت کی سختی ان کو سجدہ کرنے کی دعوت دے گی لیکن وہ سجدہ نہ کر سکیں گے اور اگر کریں گے تو فائدہ مند نہ ہوگا کیونکہ دنیا میں جب صحیح و سالم تھے اور ان کو سجدہ کی دعوت دی جاتی تھی تو انکار کرتے تھے یعنی دنیا میں ان کو نماز کے لئے بلایا جاتا تھا تو انکار کرتے تھے اب اگر حالات کی سختی سے متاثر ہو کر سجدہ کریں تو کیا فائدہ؟ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت تارک الجماعت کے لئے سرزنش کے طور پر اتری ہے تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ربیع بن خیثم کو فالج ہوا تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر مسجد میں نماز پڑھنے جاتا تھا جب اس سے کہا گیا کہ اس حالت میں تجھے گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھنا چاہیے کیونکہ شرعی تکلیف تم سے ساقط ہے تو اس کے جواب میں کہتا تھا کہ جس شخص کے کانوں میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کی آواز پہنچے اسے گھٹنوں کے بل بھی مسجد تک جانا چاہیے ایک روایت میں ہے کہ بروز محشر سجدہ کی طرف بلایا جائے گا

ذِلَّةٌ ۚ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَذَرْنِي وَ

چھائی ہوئی ہوگی حالانکہ (دنیا میں) ان کو سجدے کیلئے بلایا جاتا تھا حالانکہ وہ تندرست تھے (لیکن سجدہ نہ کرتے تھے) تو اس بات کے

مَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ لا

جھٹلانے والوں سے میں نپٹ لوں گا ان کو ہم ڈھیل دیتے ہیں اس طرح کہ وہ نہیں جانتے

وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۶﴾ اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

اور میں ان کی مہلت لمبی کرتا ہوں تحقیق میرا عذاب مضبوط ہے کیا آپ ان سے بدلہ مانگتے ہیں کہ وہ تاوان ادا کرنے سے

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ج اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۸﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

گھبراتے ہیں یا ان کے پاس غیب کی باتیں ہیں جن کو وہ لکھ لیتے ہیں؟ پس تم پروردگار کے حکم کے آگے

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۹﴾ ط لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ

صبر کرو اور صاحب حوت (یونس) کی طرح جلد بازی نہ کرو جب اس نے پکارا درحالیکہ مغموم تھا اگر اس کا تدارک پروردگار

پس مومن فوراً جھک جائیں گے اور کافروں کی پیٹھ اکڑ جائے گی پس وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

فَذَرْنِيْ۔ یہ ایک محاورہ ہے تنبیہہ کے طور پر ارشاد ہے کہ ان مکذبین کو میرے حوالے کر دو میں ان سے نپٹ لوں گا۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب انسان پر اللہ کی نعمت آئے اور وہ گناہ کرنے کے بعد توبہ پر موفق نہ ہوسکے تو اسی کا نام استدراج ہے اور بعض لوگ اسی سے دھوکا کھا جاتے ہیں کہ اللہ فلاں پر راضی نہ ہوتا تو اس پر نعمات کی بارش کیوں ہوتی؟ اور خدا فرماتا ہے کہ میں کفار لوگوں کو مہلت اور ڈھیل دے دیتا ہوں اور فوری گرفت نہیں کرتا کیونکہ جلد بازی وہ کرے جس کو کسی کے بھاگ جانے کا خوف ہو اور میری گرفت اسقدر مضبوط ہے کہ کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ۔ یعنی کیا ان لوگوں کے پاس کوئی غیب کا علم ہے جس کو سینہ بہ سینہ محفوظ کر لیتے ہیں یا لکھ لیتے ہیں کہ اس علم کی رُو سے اُن کو اپنی نجات اُخروی کا یقین حاصل ہے حالانکہ یہ سب دھوکا ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ۔ حضورؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان کی ایذا رسانی پر صبر سے کام لیں اور حضرت یونسؑ (صاحب الحوت) کی طرح قوم کے عذاب کی جلدی کی خواہش نہ کریں اور نہ اپنی قوم کی تکذیب سے تنگ آکر کسی دوسرے علاقہ کا رُخ کریں

مَكْظُوْم۔ اس کا معنی محبوس عن التصرف یا مغموم کیا گیا ہے اور حضرت یونس کی دُعا یہی تھی لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ الآیہ

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ۔ یعنی اگر خدا حضرت یونسؑ کی دُعا کو مستجاب نہ کرتا اور اپنی رحمت سے اس کو نجات نہ دیتا اور شکم ماہی

نِعۡمَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ وَهُوَ مَذۡمُوۡمٌ ﴿۵۰﴾ فَاجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ

کی نعمت نہ کرتی تو مذموم حالت کے ساتھ میدان میں ڈالا جاتا پس رب نے اُس کو چُن لیا تو اس

مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۵۱﴾ وَاِنۡ يَّكَادُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَيُزۡلِقُوۡنَكَ بِاَبۡصَارِهِمۡ

کو صالحین میں سے قرار دیدیا اور تحقیق قریب ہے کہ کافر لوگ آپ کو اپنی نظر بد سے پھسلائیں جب قرآن کو سنیں

لَمَّا سَمِعُوا الذِّكۡرَ وَيَقُوۡلُوۡنَ اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۵۲﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۵۳﴾ ع

اور وہ کہتے ہیں کہ (معاذاللہ) یہ دیوانہ ہے حالانکہ نہیں یہ قرآن مگر ذکر عالمین کے لئے

کے زندان سے اس کو خلاصی عطا نہ کرتا ـــــــ اور اس کو مچھلی کے پیٹ سے زندہ باہر نہ کرتا تو وہ مذموم حالت میں ہی ہوتا اور قطعاً قابل تعریف نہ ہوتا لیکن اللہ نے اس کی دُعا کو مستجاب کیا تو وہ زندہ شکم ماہی سے باہر آیا اور اللہ نے اس کو عہدۂ نبوت سے سرفراز فرما کر دوبارہ قوم کی طرف بھیجا اور وہ باعزت اپنی قوم میں زندہ رہے۔

لَيُزۡلِقُوۡنَكَ ۔ کفار لوگ کسی کو اپنی نظر سے متاثر کرنے کے لئے ایک عمل کرتے تھے کہ تین دن تک کچھ کھائے بغیر رہتے اور جس کو نظر بد کا شکار کرنا ہوتا اس کی تعریف کرنے لگ جاتے حتیٰ کہ اس کو گرا دیتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے کہ وہ لوگ اپنی طرف سے کوشش کرتے ہیں کہ آپ کو نظر بد کا شکار کریں جبکہ وہ آپ کی زبانِ درفشاں سے قرآن سنتے ہیں لیکن آپ کو اللہ ان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ لہٰذا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور وہ آپ کے وقار سے گھبرا کر اپنے حسد و کدورت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے آپ کو دیوانہ کہہ دیتے تھے پس آیت مجیدہ میں آپ کو تسلی دی گئی ہے اور صبر و حوصلہ کی تلقین کی گئی ہے اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب بروز غدیر خم حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو بلند کر کے مَنۡ كُنۡتُ مَوۡلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوۡلَاهُ فرمایا، تو منافقوں کے گروہ نے گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ رسول اللہؐ (معاذاللہ) مجنون ہو گئے ہیں پس جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوا اِنۡ يَّكَادُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا الایہ اور لَمَّا سَمِعُوا الذِّكۡرَ میں ذکر سے مراد حضرت علیؑ علیہ السلام ہیں۔

اور مروی ہے کہ سورہ القلم کی آخری دونو آیتیں نظر بد کا تعویذ ہیں اور درد چشم کا حرز بھی ہیں۔

سُوۡرَةُ الۡحَآقَّةِ

★ یہ سورہ مکیہ ہے سورہ ملک کے بعد نازل ہُوا اور بسم اللہ سمیت اس کی کل آیات ترپن ۵۳ ہیں۔

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سورہ الحاقہ کو زیادہ پڑھا کرو اور فرائض و نوافل میں اس کا پڑھنا ایمان کی نشانی ہے کیونکہ یہ سورہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی تعریف اور معاویہ کی مذمت میں اترا ہے۔

★ حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے جو اس سورہ کی تلاوت کرے گا اس کا حساب آسان ہوگا۔

★ آپ سے مروی ہے کہ اس سورہ کو لکھ کر حاملہ عورت کو باندھا جائے تو اس کا حمل محفوظ رہے گا۔

★ اگر اس کو لکھ کر دھوکر دودھ پیتے بچے کو پلایا جائے تو وہ ذکی و صاحب حافظہ ہوگا۔

★ نیز امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حاملہ باندھے تو بچہ محفوظ رہے گا اور بچے کو پلایا جائے تو وہ ذکی ہوگا اور خدا اس کو صحیح و سالم رکھے گا اور اس کی تربیت اچھی ہوگی۔

★ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سورہ کے قاری کا دین اس سے مسلوب نہ ہوگا یہانتک کہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلۡحَآقَّۃُ ۝۲ مَا الۡحَآقَّۃُ ۝۳ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحَآقَّۃُ ۝۴ کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَ

یقیناً آنے والی کیا ہے یقیناً آنے والی اور تو کیا جانے کیا ہے یقیناً آنے والی؟ جھٹلایا قوم ثمود نے و

عَادٌۢ بِالۡقَارِعَۃِ ۝۵ فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُہۡلِکُوۡا بِالطَّاغِیَۃِ ۝۶ وَ اَمَّا عَادٌ فَاُہۡلِکُوۡا

عاد نے قیامت کو پس ثمود (قوم صالح) ان کو تو ہلاک کیا گیا سرکشی کی بدولت اور عاد پس ان کو ہلاک کیا گیا

رکوع ۵

اَلۡحَآقَّۃُ۔ قیامت کے کئی ناموں میں سے ایک نام ہے ترکیب نحوی میں مبتدا ہے اور ما الحاقہ اس کی خبر ہے ظاہراً استفہام ہے اور اس سے مراد اس کی عظمت شان ہے اور یہ حق سے ہے جس کا معنی وجوب ہے پس الحاقہ کا معنی ہے وہ جس کا وقوع واجب اور یقینی ہے۔

وَمَا اَدۡرَاکَ۔ ثوری سے منقول ہے کہ پورے قرآن میں معلوم کیلئے مَا اَدۡرَاکَ اور غیر معلوم کے لئے وما یدریک استعمال ہوا ہے

بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿٦﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ

سخت ٹھنڈی تیز و تند ہوا سے جس کو ان پر مسلط رکھا سات راتیں اور آٹھ دن پے در پے

حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿٧﴾

پس تم دیکھتے ان دنوں میں قوم کو پچھاڑا ہوا یوں لگتا تھا جیسے کھوکھلے کھجوروں کے تنے ہوں

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿٨﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ

پس کیا ان میں سے کوئی باقی رہا؟ اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگ اور موتفکات نے

بِالْخَاطِئَةِ ﴿٩﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿١٠﴾

غلطیاں کیں پس اپنے رب کے نمائندوں کو جھٹلایا تو اس نے ان کو بُری طرح پکڑ لیا

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ

ہم نے جب پانی حد سے بڑھا تو تم کو اٹھالیا چلنے والی (کشتی) میں تاکہ اس کو تمہارے لئے نصیحت قرار دیں اور

اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿١٢﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَّحُمِلَتِ

محفوظ رکھنے والے اس کو محفوظ رکھیں پس جب پھونکا جائے گا صور میں ایک دفعہ اور زمین و آسمان

اَلْقَارِعَة۔ یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس کا معنی ہے دل کو ہلا دینے والی۔

الطّاغیہ۔ عافیہ کی طرح مصدر ہے اور طغیان کا معنی سرکشی ہوا کرتا ہے۔

عَادٌ۔ یہ حضرت ہود کی قوم تھی جن پر تیز و تند سرد ہوا کا عذاب آیا اور آٹھ دن متواتر رہا۔ پس ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکا۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ اس کی تاویل امام محمد باقر علیہ السلام سے ثالث منقول ہے اور مَنْ قَبْلَهٗ سے مراد اوّل و ثانی اور موتفکات سے مراد اہل بصرہ اور خاطئہ سے مراد سرکش عورت ہے چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام نے اہل بصرہ کو اہل موتفکہ کے نام سے خطاب کیا تھا

اَلْجَارِيَة یعنی جاری ہونے والی اور یہاں مراد کشتی نوح ہے جو پانی کے طوفان میں ہر شئی کا جوڑا جوڑا اپنی پشت پر اٹھا کر روانہ ہوئی اور جوان عمر عورت کو بھی جاریہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں جوانی کا خون جاری ہوتا ہے۔

اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ۔ یعنی جو کچھ اللہ کی جانب سے نازل ہوتا ہے اس کو اذن واعیہ محفوظ رکھتے ہیں اور روایات خاصہ و عامہ میں بکثرت منقول ہے کہ اس کے مصداق حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں تفسیر مجمع البیان میں ہے حضرت رسالتمآب نے

الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿١٥﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٦﴾

کو اٹھالیا جائے گا پس ان کو ایک ہی دفعہ ہموار کر دیا جائے گا تو اس دن واقع ہونیوالی (قیامت) واقع ہوگی

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿١٧﴾ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا

اور پھٹ جائے گا آسمان کہ وہ اس دن کمزور ہوگا اور فرشتے اس کے اطراف میں ہوں گے

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿١٨﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا

اور تیرے رب کے عرش کو اس دن اپنے اُوپر اٹھانے والے آٹھ ہوں گے اس دن تم پیش کئے جاؤ گے

علیؑ سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھے اپنے قریب کروں اور دُور نہ کروں اور تجھے علم دوں تاکہ تو اسے محفوظ رکھے اور اللہ پر حق ہے کہ تو محفوظ اور یاد رکھے چنانچہ یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی اور ایک روایت میں ہے حضورؐ نے اس کے بعد دُعا کی کہ اے اللہ اذن واعیہ علیؑ کے کان قرار دے اور ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت یعنی وَتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ اتری تو حضورؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ میں نے اللہ سے دُعا کی ہے کہ اس کے مصداق تیرے کان ہوں اور تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ حضرت نبی کریمؐ سے سُنا ہے اُسے محفوظ کر لیا ہے اور بھلایا نہیں۔

نُفِخَ فِی الصُّوْرِ ۔ نفخ صور کی لفظی تشریح اور اس کی کیفیت اور قیام قیامت کی قدرے تفصیل تفسیر کی جلد ۱۲ میں ص ۱۲۴ تا ص ۱۲۷ گذر چکی ہے۔

دَكَّةً وَّاحِدَةً ۔ دک کا معنی ہے پھیلانا یعنی زمینوں اور پہاڑوں کے نشیب و فراز کو ختم کر دیا جائے گا پس وہ سب کی سب ایک جیسی ہموار ہو جائے گی اور تثنیہ کا صیغہ اس لئے لایا گیا ہے کہ عام زمینوں کو ایک فرد اور تمام پہاڑوں کو ایک فرد قرار دیا گیا ہے اور منقول ہے نفخ صور سے اپنی جگہوں سے اکھڑ کر ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور ذرہ ذرہ ہو جائیں گے پس تیز ہوا ان ذرات کو بکھیر دے گی پس ساری زمین ایک ہموار سطح ہو جائے گی۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ ۔ یعنی آسمان بھی نفخ صور کے بعد پھٹ جائیں گے یہ لفظ سورہ رحمان بھی آچکا ہے۔

اَرْجَآئِهَا ۔ رجا کی جمع ہے جس کا معنی طرف اور کنارا ہے یعنی ملائکہ اطراف آسمان میں پھیل جائیں گے اور نیک و بد لوگوں کی جزا یا سزا کے منتظر ہوں گے۔

يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ ۔ تفسیر برہان میں ہے کہ دنیا میں حاملین عرش چار فرشتے ہیں ایک انسان کی شکل میں ہے جو انسانوں کے لئے رزق طلب کرتا ہے دوسرا مرغ کی شکل میں ہے جو پرندوں کے لئے رزق کا طالب ہے تیسرا شیر کی شکل میں ہے جو درندوں کے لئے رزق کا طالب ہے اور چوتھا بیل کی صورت میں ہے جو باقی چوپاؤں کے لئے رزق طلب کرتا ہے پس قیامت کے دن چار

تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۹﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ

کہ تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی پس جس کو اپنی کتاب دائیں ہاتھ میں دی گئی تو وہ اعلانیہ کہے گا آؤ

اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۲۰﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۱﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ

میری کتاب کو پڑھ لو مجھے پہلے سے یقین تھا کہ میں اپنا حساب پاؤں گا پس وہ پسندیدہ زندگی

رَّاضِيَةٍ ﴿۲۲﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۲۳﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۴﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا

میں ہوگا عالیشان باغ میں جس کے پھل اس کے قریب ہوں گے (کہا جائے گا) کھاؤ پیو

اور بڑھا دیئے جائیں گے پس حاملین عرش بروز قیامت آٹھ ہوں گے اور بعض تفاسیر میں عرش سے علم مراد لیا گیا ہے یعنی اللہ کے علم کے حاملین آٹھ ہیں جیسا کہ ابن بابویہ قدس سرہ سے اعتقادات میں مروی ہے چار اوّلین میں سے ہیں حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، اور حضرت عیسیٰؑ ہیں اور چار آخرین میں سے ہیں حضرت محمد مصطفےٰ حضرت علیؑ مرتضیٰ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ۔

تُعْرَضُوْنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں علاّمہ طبرسی فرماتے ہیں کہ اللہ کے سامنے پیش ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ علم حاصل کرنے کے لئے ان سے بیان لے گا بلکہ اللہ کو تو پہلے سے سب کچھ معلوم ہے بلکہ اس دن کے بیانات اور شہادات سے نیکوں کی نیکی اور بروں کی برائی کو منظر عام پر لانا مطلوب ہوگا تاکہ تمام اہل محشر جان لیں کہ فلاں شخص جنّت میں کیوں جا رہا ہے اور فلاں جہنم میں کیوں جھونکا جا رہا ہے پس کسی کی کوئی بات اہل محشر پر مخفی نہ رہ سکے گی۔

هَاؤُمُ ۔ یہ اسمائے افعال میں سے امر کے معنی میں ہے اور جمع کے لئے مستعمل ہے اہل حجاز کی لغت میں واحد مذکر کے لئے هَاءُ يَا رِجَالُ ۔ یعنی لو اے لوگو! اور ایک مؤنث کے لئے هَاءِ يَا امْرَأَةُ یعنی تو لے ایک عورت اور تثنیہ مونث کیلئے هَاءُمَا اور جمع مؤنث کو هَاؤُنَّ سے خطاب کیا جاتا ہے اور بنی تمیم کے نزدیک هَاءَ ۔ هَاءَا ۔ هَاءُوْا ۔ هَائِيْ ۔ هَائَا ۔ هَأْنَ کے صیغوں سے خطاب کیا جاتا ہے اور بعض عرب ہمزہ کی جگہ کاف استعمال کرتے ہیں یعنی هَاكَ هَاكُمَا هَاكُمْ هَاكِ هَاكُمَا هَاكُنَّ اور اس کا معنی ہوتا ہے خُذْ یعنی لے ۔ مقصد یہ ہے کہ جنتی لوگوں کو جب اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ملیں گے تو خوشی خوشی لوگوں سے کہیں گے لو یہ ہمارے اعمالنامے پڑھو کہ ہمیں تو پہلے سے یقین تھا کہ ہمیں اپنے اعمال کی جزا ملے گی تفسیر برہان میں ہے کہ اس کا پہلا مصداق حضرت علیؑ ہے اور اس کی تاویل قیامت تک کے مومنوں کے حق میں جاری ہے۔

كِتٰبِيَهْ ۔ یہاں هَاء کا اضافہ آیات کے فواصل کی مطابقت کے لئے ہے اور اس کو هَاءِ استراحت کہا جاتا ہے۔

رَاضِيَةٍ ۔ اس جگہ راضیہ مرضیہ کے معنی میں ہے یعنی پسندیدہ زندگی میں ہوگا۔

هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿۲۵﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ

تمہیں خوش گوار ہو بوجہ ان اعمال کے جو گذرے ایام میں تم کر چکے ہو اور لیکن جس کو اپنی کتاب بائیں ہاتھ میں دی جائے گی

فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۶﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۷﴾ ج يٰلَيْتَهَا كَانَتِ

تو کہے گا ہائے کاش مجھے کتاب نہ دی جاتی اور مجھے اپنا حساب معلوم نہ ہوتا ہائے کاشش مجھے موت

الْقَاضِيَةَ ﴿۲۸﴾ ج مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ ﴿۲۹﴾ ج هَلَكَ عَنِّىْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۳۰﴾ ج خُذُوْهُ

ختم کر دیتی مجھے اپنے مال نے کچھ بھی فائدہ نہ دیا میرا عقیدہ بھی بے کار ثابت ہوا (کہا جائے گا) اس کو پکڑو

فَغُلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۲﴾ ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا

پھر جکڑ دو پھر دوزخ میں جھونک دو پھر ایک زنجیر میں جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہوگی اس کو

فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۳﴾ ط اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۴﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى

پرو دو کیونکہ یہ خدائے عظیم پر ایمان نہ رکھتا تھا اور نہیں آمادہ ہوتا تھا

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۔ جنت کے پھل جنتی کے قریب ہوں گے کہ بستر پر سوئے ہوئے بھی ہاتھ بڑھا کر میوے توڑ سکے گا کہ نہ کانٹا ہوگا اور نہ دُوری ہوگی اور کھانے پینے کے بعد ان کے فضلات یعنی بول و براز وغیرہ نہ ہوں گے بلکہ پورے طور پر وہ جزو بدن بن جائیں گے اور تفسیر برہان میں ہے کہ جب مومن کا کھانے کو جی چاہے گا تو سفید رنگ کے پرندے اپنے پروں پر قسم قسم کے کھانے اُٹھا اُٹھا کر لائیں گے اور مومن حسب منشا جو چاہے گا کھائے گا۔ اور اگر میوہ جات کھانا چاہے گا تو پھلدار درختوں کی شاخیں خود بخود جھک کر اس کے قریب ہوں گی اور حسب منشاء میوہ جات توڑ کر کھائے گا۔

بِشِمَالِهٖ ۔ یعنی دوزخی لوگ جن کو اعمالنامے بائیں ہاتھ میں ملیں گے وہ وہاں کفِ افسوس ملیں گے کِتَابِیَہ اور حِسَابِیَہ کے آخر میں ہائے استراحت لگی ہوئی ہے تاکہ آیات کے فواصل ایک دوسرے کے مطابق ہو جائیں۔

کَانَتِ الْقَاضِیَہ ۔ یعنی وہ چاہیں گے کہ کاش ہماری موت ہمیں ختم کر دیتی ——— اور ہمیں قیامت میں محشور نہ کیا جاتا یا یہ کہ عذاب ہم کو ختم کر دے تاکہ ہمیشگی کے عذاب میں مبتلا نہ رہیں لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوگی۔

هَلَكَ عَنِّیْ یعنی جو میں دلیل و حجت اپنے مذہب پر رکھتا تھا وہ سب بے کار اور غلط ثابت ہوئی۔

ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ۔ یہاں عبارت میں تقدم و تاخر ہے کیونکہ پہلے زنجیر میں پرو دیا جائے گا اور بعد میں جہنم میں جھونکا جائے گا۔

صفحہ ۹۷ پر ۔ طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ واجبات شرعیہ خمس و زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ کرتا تھا۔ تفسیر برہان میں حضرت امام

طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ﴿٣٥﴾ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ

کسی مسکین کے کھلانے پر پس اس کا اس دن کوئی دوست نہ ہوگا اور پیپ کے سوا اس کی

غِسْلِينٍ ﴿٣٦﴾ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿٣٧﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٨﴾

کوئی غذا نہ ہوگی اس غذا کو گنہگار لوگ ہی کھائیں گے پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو

وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ

اور ان کی جو تم نہیں دیکھتے تحقیق یہ رسول کریم کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں

قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِيلٌ

تم کم ہی ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے تم کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو یہ تو عالمین

مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا

کے پروردگار کی تنزیل ہے اور اگر جھوٹی نسبت دیتا ہمارے اوپر بعض اقوال کی تو ہم اس کو

محمد باقر علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے کہ جب اللہ کا حکم ہوگا کہ اس کو پکڑ لو اور زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں جھونک دو تو تعمیل حکم پروردگار کے لئے ستر ہزار فرشتے پہنچ جائیں گے کوئی اس کی ڈاڑھی نوچے گا کوئی اس کا گوشت کھائے گا اور کوئی اس کی ہڈیاں توڑے گا اور وہ رحم کی درخواست کرے گا لیکن اس کی ایک نہ سنی جائے گی پس ایک فرشتہ اس کے سینہ میں ایک زبردست گھونسہ مارے گا کہ وہ ستر ہزار سال جہنم کے شعلوں میں رہے گا اور حسرت سے کہے گا۔ کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی اسی حدیث میں آپ نے فرمایا جس زنجیر میں اس کو جکڑا جائے گا اس کے حلقے بارش کے قطرے کے برابر ہوں گے کہ اس کا ایک حلقہ اگر زمین کے پہاڑوں پر رکھا جائے تو اس کی گرمی سے تمام روئے زمین کے پہاڑ پگھل جائیں۔

غِسْلِينٍ جہنمیوں کے جسم سے بہنے والی پیپ کو غسلین کہا گیا ہے اور مروی ہے کہ دوزخیوں کے درجے ہوں گے بعض کی غذا زقوم ہوگی اور بعض کی غذا غسلین ہوگی اور بعض کی غذا ضریع یعنی تارکول ہوگی۔

رکوع ۶

فَلَا أُقْسِمُ۔ اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں (۱) کلمہ لا کلام مشرکین کی نفی ہے یعنی جو مشرک کہتے ہیں وہ غلط ہے اور مبصر و غیر مبصر تمام اشیاء کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ محمد مصطفٰے کا قول ہے۔ (۲) لا زائد ہے جس طرح قسم سے پہلے زائد آیا کرتا ہے (۳) یہ لا نفی کی قسم کے لئے ہے کہ بات اسقدر واضح ہے کہ قسم کھا کر بیان کرنے کی ضرورت نہیں

رَسُولٍ كَرِيمٍ۔ یعنی یہ قرآن جبریل کا لایا ہوا ہے نہ کسی شاعر کا کلام ہے اور نہ کسی کاہن کی باتیں ہیں۔ رسول کریم سے مراد

مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۶﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

پوری طاقت سے گرفت کرتے اور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے پس تم میں سے کوئی بھی اس کو

عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ

چھڑا نہ سکتا تحقیق یہ متقی لوگوں کے لئے نصیحت ہے اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ تحقیق

مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ

تم میں جھٹلانے والے ہوں گے اور تحقیق یہ حسرت ہوگی کافروں پر (بروز قیامت) اور تحقیق وہ حق الیقین

الْيَقِيْنِ ﴿۵۲﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۳﴾ ع

ہے پس اپنے عظیم پروردگار کے نام کی تسبیح پڑھا کرو

جبرئیل امین ہے تفسیر برہان میں ہے کہ جناب حضرت رسالتمآب نے حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کا اعلان فرمایا تو بعض منافق کہنے لگے کہ یہ جبرئیل کا لایا ہوا حکم نہیں بلکہ ان کا خود ساختہ ہے اور شاعرانہ تخیل ہے تو خدا نے قسمیہ انداز سے فرمایا کہ حضرت علیؑ کی ولایت کا حکم میری طرف سے جبرئیل لایا ہے یہ کسی شاعر یا کاہن کا تخیلاتی منصوبہ نہیں ہے بلکہ رب العالمین کی جانب سے اس کو جبرئیل ہی لایا ہے کیونکہ اگر نبی کریم اپنی طرف سے باتیں بنا کر منسوب کرتا تو ہم اس کی گرفت کرتے اور اس کی شہ رگ کو کاٹ دیتے اور علیؑ کی ولایت متقی لوگوں کے لئے تذکرہ ہے اور ہمیں پتہ ہے کہ تم میں سے اس کے جھٹلانے والے بھی ہیں۔ لیکن یہ جھٹلانا کافروں کے لئے بروز محشر باعث حسرت ہوگا اور ولایت علیؑ حق الیقین ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروز غدیر خم جب آپؐ نے ولایت علیؑ کا پیغام سنایا تو ایک شخص عدوی نے اس کو جھٹلایا تو یہ آیتیں اتریں۔ اگرچہ آیات متذکرہ کا مضمون عام ہے اور رسولؐ اللہ کے مکذبین تمام کو شامل ہے لیکن حدیث غدیر خم انہی مضامین میں سے ایک ہے جس کو لوگوں نے جھٹلایا لہذا تاویل کے لحاظ سے آیاتِ مجیدہ کا منکرینِ ولایتِ علیؑ کو شامل ہونا بعید نہیں ہے اور تفسیر برہان کی روایت غالباً آیات مجیدہ کے باطن کا بیان ہے۔

لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۔ حق اور یقین ایک چیز ہیں اور حق کی یقین کی طرف اضافت اس طرح ہے جس طرح مسجد الجامع میں مسجد کی جامع کی طرف اضافت ہے یا دارالآخرہ میں دار کی آخرت کی طرف اضافت ہے۔

سُوۡرَہ المعارج

- یہ سورہ مکیہ ہے اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت ۴۵ ہے۔
- حضورِ اکرم نے فرمایا جو شخص سورہ المعارج کی تلاوت کرے تمام امانات وعہد کی رعایت کرنے والوں اور نماز کی محافظت کرنے والوں کے برابر اس کو اجر عطا ہوگا اور امام محمد باقرؑ نے فرمایا جو اس کو پڑھے گا قیامت کے دن اس سے گناہوں کی بازپُرس نہ ہوگی اور حضرت محمد مصطفےٰؐ کے ہمراہ جنت میں داخل ہوگا
- اور خواص القرآن سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا اگر کوئی قیدی اس کو پڑھے تو خدا اس کی مصیبت کو دور کرے گا اور صحیح وسالم اپنے گھر پہنچ جائے گا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس کو رات کے وقت پڑھ کر سوئے جنابت واحتلام سے محفوظ ہوگا اور صبح تک امان میں رہے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۲﴾ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ ﴿۳﴾ مِّنَ اللّٰہِ

مانگا ایک مانگنے والے نے واقع ہونے والا عذاب کافروں کے لئے جس کو روکنے والا کوئی نہیں اللہ کی جانب سے

رکوع ۶

سَاَلَ۔ بعض قاریوں نے مہموز العین پڑھا ہے اور بعضوں نے سَالَ اجوف کر کے پڑھا ہے اور اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں ① نضر بن کلدہ نے کہا تھا کہ اگر محمد حق کہتا ہے تو اے اللہ مجھ پر عذاب بھیج دے ② مشرکوں نے آپ سے پوچھا تھا کہ جس عذاب کی آپ خبریں سنایا کرتے ہیں وہ کس پر ہوگا تو یہ آیتیں اُتریں کہ وہ کافروں کے لئے ہوگا۔ جس کو کوئی روک نہیں سکتا ③ حضورؐ نے کافروں کے لئے عذاب کے واقع ہونے کا اللہ سے سوال کیا تھا ④ تفسیر برہان میں ہے جنگ بدر کے موقعہ پر ابوجہل نے عذاب طلب کیا تھا کہ اے اللہ جو جھوٹا ہے اس پر عذاب نازل فرما ⑤ اگر اجوف پڑھا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ واقع ہونے والے عذاب کا سیلاب آگیا کافروں پر جس کو کوئی روک نہیں سکتا ⑥ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب غدیر خُم کے روز حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا مَنۡ کُنۡتُ مَوۡلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوۡلَاہُ یعنی جس کا میں مولا ہوں

ذِی الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ

جو بلندیوں کا مالک ہے جس کی طرف ملائکہ اور روح بلند ہوں گے ایسے دن میں جس کی مقدار (دنیاوی حساب سے)

اس کا علیؑ مولا ہے تو یہ خبر تمام شہروں دیہاتوں میں پھیل گئی پس اس خبر سے متاثر ہو کر حارث بن نعمان فہری خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوا کہ آپ نے کلمہ توحید کی دعوت دی اپنی رسالت کا پیغام دیا۔ جہاد، حج، روزہ، نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا تو ہم نے سب قبول کر لیا اس پر بھی آپ کا جی نہ بھرا حتاکہ اس نوجوان کو آپ نے ہمارے اُوپر مسلط کر دیا اور کہہ دیا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ کیا یہ بات آپ نے اپنی خواہش سے کہی ہے یا یہ بھی اللہ کا حکم ہے تو آپؐ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے یہ بات بھی اللہ کی جانب سے ہے پس یہ سنتے ہی وہ دشمن علیؑ واپس پلٹا اور یہ کہا اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَاءِ یعنی اے اللہ اگر یہ بات تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یعنی ہمیں تیرا عذاب منظور ہے اور ولائے علیؑ منظور نہیں ہے پس اسی وقت اس کے سر پہ پتھر پڑا اور وہ وہیں کا وہیں ڈھیر ہو گیا اور تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ اعلانِ ولایت کے بعد ابھی تک حضورؐ ابطح میں موجود تھے کہ حارث بن نعمان فہری آیا اور اپنی ناقہ سے اُتر کر بارگاہ نبوی میں اس نے یا محمد کے خطاب سے اپنے سوالات پیش کئے اور آخر میں اپنے لئے عذاب طلب کیا پس اس کے سر پہ پتھر پڑا جو اس کی دبر سے جا نکلا اور وہ وہیں فی النار ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اس کو فرمایا کہ یا توبہ کر لو یا چلے جاؤ تو اُس نے کہا کہ میرا توبہ کو جی نہیں چاہتا البتہ چلے جانے کو تیار ہوں چنانچہ وہ چلا ہی تھا کہ عذاب خدا کی لپیٹ میں آگیا۔

روایت میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شخص نمازی روزہ دار حاجی زکوٰۃ کا پابند اور موحد کلمہ گو تھا لیکن اعلانِ غدیری کی مخالفت اور حضرت علیؑ کی ولایت سے سرتابی کی بدولت حضورؐ کے سامنے واصل جہنم ہو گیا اور اسی بناء پر معصومینؑ سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نامہ اعمال میں جس قدر بھی نیکیاں موجود ہوں لیکن اگر وہ حضرت علیؑ کی ولایت کا قائل نہ ہو تو خداوند کریم اس کو جہنم میں ڈال دے گا اور اس کے تمام اعمال حبط ہو جائیں گے۔

ذِی الْمَعَارِجِ۔ معرج کی جمع ہے جس کا معنی ہے جائے عروج یعنی بلندی اور اللہ تمام بلندیوں اور عظمتوں کا مالک ہے وہ جس کو چاہے بلندی عطا فرما سکتا ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ آسمانوں کا مالک ہے کیوں آسمان فرشتوں کے بلند ہونے کے مقامات ہیں۔

تَعْرُجُ الْمَلَائِکَۃُ۔ یہ جملہ مستأنفہ ہے اور معارج کی بلندیوں کی تفصیل ہے اور روح سے مراد جبرئیل امین ہے اور اس کا الگ ذکر کر کے ملائکہ پہ عطف اس کی برتری و عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے اور اس کے معنی میں چند اقوال ہیں (۱) جس دن اللہ فرشتوں کو عروج کا حکم دے گا وہ ایک دن میں اس قدر فاصلہ طے کریں گے کہ ان کے غیر کو اگر وہ فاصلہ طے کرنا پڑتا تو پچاس ہزار سال میں طے ہوتا اور وہ فاصلہ تحت الثریٰ سے فوق السمٰوٰت کا ہے اور جہاں سورۂ سجدہ میں ایک دن کی مقدار ایک ہزار سال

خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۵﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۷﴾

پچاس ہزار سال ہوگی پس صبر کرو اچھا صبر وہ اس دن کو دُور سمجھتے ہیں

وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۸﴾ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۹﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۱۰﴾

اور ہم اس کو قریب جانتے ہیں جس دن آسمان تیل کے تلچھٹ کے رنگ کا ہوگا اور پہاڑ دھنی ہوئی کپاس کی طرح ہوں گے

وَلَا يَسْئَلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ﴿۱۱﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ

اور کوئی دوست، دوست کی خبر نہ لے گا ان کو دکھائے جائیں گے جس دن چاہے گا مجرم کہ کاش فدیہ دیتا اس

بیان کی گئی ہے اس فاصلہ سے سطح زمین سے آسمان اول تک کا فاصلہ مراد ہے ② اس سے مراد یوم قیامت ہے کہ اُس دن جس قدر فیصلے ہوں گے اگر دنیا کے ایام ہوتے تو پچاس ہزار سال کا وقت صرف ہوتا ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ وہ تو بہت لمبا دن ہوگا؟ تو آپؐ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مومن کو نماز فریضہ پر صرف ہونے والے وقت کی مقدار معلوم ہوگی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر حساب قیامت غیر اللہ کے سپرد ہوتا تو پچاس ہزار سال ختم ہو جاتے اور حساب ختم نہ ہوتا لیکن خدا تو ایک ہی ساعت میں حساب لے لے گا اور ابھی ایک دن بھی نہ گذرا ہوگا کہ جنتیوں کو جنت اور دوزخیوں کو دوزخ میں جانے کا آرڈر ہو جائے گا پس وہ اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں گے۔ ③ ملائکہ کی زمین کی طرف نزول و عروج کی کل مدت پچاس ہزار سال دنیاوی سال بنتے ہیں کسی کو معلوم نہیں کہ کس قدر گذر چکی ہے اور کتنی باقی ہے ④ تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا ملائکہ اور رُوح شب قدر کی صبح کو نبی یا وصی نبی سے رخصت ہو کر واپس عروج کرتے ہیں ⑤ بروایت احتجاج حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے شب معراج، مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک ایک ماہ کا فاصلہ طے کیا اور وہاں سے ملکوت سما کی طرف پچاس ہزار سال کا فاصلہ طے کیا اور یہ سب آمد و رفت ایک تہائی شب میں ہوئی ⑥ بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قیامت کے پچاس موقف ہوں گے اور ہر موقف پر ایک ہزار سال وقوف ہوگا اور آپ نے یہی آیت پڑھی ⑦ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ زمانہ رجعت کے متعلق ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ آئیں گے تو ان کا دور حکومت پچاس ہزار سال ہوگا اور حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کا دورِ حکومت ۴۴ ہزار برس ہوگا۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا یعنی صبر کیجئے اور کفار کی طعنہ زنیوں سے نہ گھبرائیے وہ قیامت کو دُور سمجھتے ہیں اور ہم اس کو قریب سمجھتے ہیں پس يَرَوْنَهٗ میں رویت کا معنی ظن ہے اور نَرٰىهُ میں رویت کا معنی یقین ہے اور یہ افعال قلوب میں سے ہے۔

كَالْمُهْلِ۔ اس کا معنی پگھلا ہوا سیسہ یا پگھلا ہوا تانبہ یا چاندی بھی کہا گیا ہے یعنی آسمان بھی پگھلا ہوا معلوم ہوگا۔

عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾
دن کے عذاب کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی اور بھائی کو اور اپنے قبیلے کو جن کو پناہ دیتا اور پاتا تھا
وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾
اور تمام زمین والوں کو پھر وہ فدیہ اس کو بچا لیتا لیکن یہ بات ہرگز نہ ہوگی تحقیق وہ آگ ہے کھینچنے والی ہے
تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿١٨﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿١٩﴾
تمام اعضاء کو وہ بلائے گی ہر اس کو جو حق سے روگردان ہوا اور پھر گیا اور مال کو جمع کیا اور بخل کیا تحقیق انسان حریص پیدا ہوا ہے

كَالْعِهْنِ ۔ یعنی پہاڑ جب ذرہ ذرہ ہو کر اڑیں گے تو دھنی ہوئی کپاس کی طرح معلوم ہوں گے۔

وَلَا يَسْأَلُ ۔ اس کو قاریوں نے معلوم کے صیغے سے بھی پڑھا ہے اور معنی وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے۔ اور مجہول کا صیغہ بھی پڑھا گیا ہے اور معنی یہ ہوگا کہ کسی دوست سے دوست کا پتہ نہ پوچھا جائے گا یعنی ہیبت محشر اور ہول قیامت سے ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا۔

يُبَصَّرُونَهُمْ ۔ اس کے معنی میں چند اقوال ہیں ○ مومنوں کو کافروں کا عذاب دکھایا جائے گا ○ گمراہ پیروں کے مریدوں کو اپنے پیروں کا معذّب ہونا دکھایا جائے گا ○ فرشتوں کو لوگوں کے انجام سے باخبر کیا جائے گا تاکہ وہ جنتیوں کو پہچان کر جنت میں پہنچائیں اور جہنمیوں کو پہچان کر جہنم کی طرف لے جائیں۔ ○ کافروں کو ایک دوسرے کا تعارف کرایا جائے گا۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ ۔ مودّت میں محبت کے ساتھ ساتھ تمنی کا معنی بھی ہوتا ہے پس اس دن عذاب اس قدر شدید ہوگا کہ جہنمی لوگ اپنے بیٹوں بیویوں بھائیوں اور قبیلہ کے لوگوں کو اپنے عذاب کا فدیہ بنانے کی خواہش رکھیں گے بلکہ پوری روئے زمین کی آبادی کو اپنے سر پر آئے ہوئے عذاب کا فدیہ بنانے کی تمنا کریں گے لیکن ان کی یہ حسرت پوری نہ ہوگی۔

كَلَّا ۔ یعنی ہرگز ہرگز ان کا کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا۔

إِنَّهَا لَظَىٰ ۔ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام لظی بھی ہے اور شوی انسان کے تمام اعضاء پر بولا جا سکتا ہے جن کی ضرب مہلک نہ ہو یعنی آتش جہنم اس کے تمام اعضا کو اپنی طرف کھینچے گی اور جلائے گی لیکن اس پر موت نہ آئے گی۔

تَدْعُوا ۔ یعنی آتش دوزخ ہر اس آدمی کو اپنی طرف بلائے گی جو ایمان سے منہ پھیرنے والا تھا اور حق سے روگردان تھا۔ اور کہتے ہیں اس دن آگ بقدرتِ خدا گویا ہو کر دوزخیوں کو اپنے طرف بلائے گی۔

فَأَوْعَىٰ ۔ یعنی مال کو جمع کر کے وعاء میں رکھا یا دَورِ حاضر کی اصطلاح میں بنک میں جمع کیا اور صحیح مصرف پر خرچ نہ کیا۔

هَلُوعًا ۔ بعد والی دونوں آیتیں اس لفظ کی تفسیر ہیں۔

إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿۲۱﴾ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿۲۲﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿۲۳﴾ الَّذِينَ

جب اس کو تکلیف پہنچے تو بے صبرا ہوتا ہے اور جب اس کو خوشحالی پہنچے تو بخیل ہوتا ہے مگر نماز گذار لوگ جو اپنی نمازوں

هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿۲۵﴾

کو پابندی سے ادا کرتے ہیں اور وہ جن کے اموال میں حصّہ مقرر ہے

لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۲۷﴾ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ

مانگنے والے اور نہ مانگنے والے مستحقین کیلئے اور وہ جو روز قیامت کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ جو اپنے پروردگار

عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿۲۸﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿۲۹﴾ وَالَّذِينَ

کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک ان کے رب کا عذاب غیر مامون ہے اور وہ جو

هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۳۰﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ

اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور سوائے ان کے جن کے وہ مالک ہیں کیونکہ ایسے

غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۳۱﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِينَ

لوگ قابل ملامت نہیں ہیں اور جو اس کے علاوہ خواہش کرے تو وہ تجاوز کرنے والے ہیں اور وہ جو اپنی

هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِينَ هُم بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿۳۴﴾

امانتوں اور عہدوں کی پاس کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شہادتوں پر قائم ہیں

دَائِمُونَ ۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ نوافل کے بارے میں ہے اور آیت ۲۵ نماز ہائے واجبہ کے متعلق ہے ۔

اَلْمَحْرُوم ۔ وہ لوگ جو سوال کرنے سے شرماتے ہوں اور نیک لوگوں کی علامات میں سے ہے کہ اپنے کمائے ہوئے حلال مال میں سے مستحقین کو دیتے ہوں اور اس میں زکوٰۃ واجبہ و صدقات و خیرات و صلہ رحمی وغیرہ سب داخل ہیں ۔

غَیْرُ مَامُونٍ ۔ یعنی اللہ کا عذاب ایسا نہیں کہ اس سے انسان بالکل نڈر ہو جائے پس ڈرتے رہنا ہی مومن کی شان ہے ۔

اُولٰٓئِکَ ۔ یعنی وہ نماز گذار لوگ جن میں یہ مذکورہ صفات پائی جائیں (۱) نوافل کی پابندی (۲) راہ خدا میں خرچ (۳) قیامت کی تصدیق (۴) خوف خدا (۵) پاکدامنی (۶) ادائے امانت (۷) وفائے عہد (۸) ادائے شہادات (۹) نماز ہائے واجبہ کی ادائگی

پس یہ لوگ انہی صفات حسنہ کی بدولت جنت میں کرامت پائیں گے ۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۵﴾ أُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ

اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ایسے لوگ ہی جنت میں

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۷﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ

باکرامت ہوں گے پس ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ تیرے پاس تجھے گھور گھور کے دیکھتے ہیں؟ دائیں بائیں

وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۸﴾ أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُّدْخَلَ

گروہ گروہ ہیں کیا طمع رکھتا ہے ان میں سے ہر انسان کہ نعمتوں کے باغات

جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۹﴾ كَلَّا ۖ إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ

میں داخل ہوگا؟ ہرگز نہیں ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس چیز سے جس کو وہ جانتے ہیں پس قسم ہے مشارق

رکوع ۸

فَمَالِ الَّذِيْنَ - ترکیب نحوی کے اعتبار سے ما مبتدا اور لِلَّذِيْنَ اس کی خبر ہے اور قِبَلَكَ حال ہے كَفَرُوْا کی ضمیر سے اور اس کے بعد مُهْطِعِيْنَ دوسرا حال ہے اور عَنِ الْيَمِيْنِ جار و مجرور کا متعلق عِزِيْنَ ہے جو تیسرا حال ہے یہ حضورؐ کے پاس بیٹھنے والے اور دائیں بائیں صحبت نبوی سے شرفیاب ہونے والے منافقوں اور کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کو کیا ہوگیا ہے کہ تیرے پاس تیرے دائیں بائیں بیٹھنے کے باوجود تجھے ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہیں اور تیری بات کا اثر نہیں لیتے۔ اِهطاع کا معنی ہے پھٹی پھٹی نظروں سے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا عِزِيْنَ جمع ہے عِزَةٌ کی اور خلاف قیاس یہ جمع واؤ ونون کے ساتھ ہوتی ہے۔

أَيَطْمَعُ - کافروں نے کہا تھا کہ اگر محمد سچ کہتا ہے تو جس جنت کی خوشخبری دیتا ہے وہ یقیناً ہمارے لئے ہی ہوگی پس جس طرح دنیا میں اللہ نے ہم کو خوش حال کیا اور مسلمانوں کو فقر و فاقہ دیا اسی طرح بروز محشر بھی ہمیں جنت دے گا اور مسلمان اس دن بھی نعمات پروردگار سے محروم رہیں گے پس ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا کیونکہ ہم نے جس چیز سے ان کو پیدا کیا ہے اس کا ان کو علم ہے یعنی وہ منی اور نجس پانی سے پیدا ہوئے ہیں اور نجس مادہ سے پیدا ہونے والا جنت میں نہیں جاسکتا جب تک اچھی صفات اپنے اندر نہ رکھتا ہو جو گزشتہ آیات میں گنوائی جا چکی ہیں

لَا أُقْسِمُ - یہ لا زائد ہے جو قسم سے پہلے آیا کرتا ہے۔

رَبِّ الْمَشٰرِقِ - تفسیر برہان میں ہے ایک دفعہ ابن کوا نے حضرت علی علیہ السلام پر اس وقت سوال کیا جب آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔ أَيُّهَا النَّاسُ سَلُوْنِيْ فَإِنَّ بَيْنَ جَوَانِحِيْ عِلْمًا جَمًّا - اے لوگو مجھ سے سوال کرو بے شک میرے سینے کے اندر علم وافر موجود ہے ابن کوا نے کہا کہ قرآن مجید میں تضاد موجود ہے آپ نے فرمایا ہرگز نہیں اس نے قرآن مجید

وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ

و مغارب کے رب کی ہم قدرت رکھتے ہیں کہ ان سے اچھے لوگ ان کے بدلہ میں لے آئیں اور ہم مغلوب

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ

نہیں ہیں پس ان کو چھوڑ دیجئے باتیں بنائیں اور مسخری کریں یہاں تک کہ ملاقات کریں گے اس دن کی

الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ

جس کا وعدہ کئے گئے ہیں جس دن نکلیں گے اپنی قبروں سے جلدی جیسا کہ اپنے معبودوں

اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ

کی طرف دوڑے جا رہے ہیں ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی اور ان پر ذلّت چھائی ہوگی یہ وہ

الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ ع

دن ہوگا جس کا وہ وعدہ کئے گئے ہیں

کی آیتیں پیش کیں کہ ایک جگہ فرماتا ہے مشرق و مغرب کا رب ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے مشرقین و مغربین کا رب ہے اور تیسری جگہ فرماتا ہے کہ مشارق و مغارب کا رب ہے آپ نے فرمایا کہ تینوں آیتیں درست ہیں کہ عرف عام کے اعتبار سے ایک مشرق اور ایک مغرب ہے اگر تھوڑی سی دقت کی جائے تو معلوم ہوگا کہ موسم سرما اور موسم گرما کی طلوع و غروب کی منازل الگ الگ ہیں لہذا دو مشرقیں ہیں ایک سرما کی اور دوسری گرما کی اسی طرح دو مغربیں ہیں ایک سرما کی اور دوسری گرما کی اور اگر مزید دقت کی جائے تو معلوم ہوگا تو سورج کا ہر دن طلوع و غروب ایک نئے مدار پہ ہوتا ہے لہذا تین سو ساٹھ مشرقیں ہیں اور اتنی ہی مغربیں ہیں

فَذَرْهُمْ ۔ یعنی کفار اگر باتوں باتوں میں آپ کو تنگ کریں یا ہنسی مذاق میں بات کو ٹال دیں تو گھبرانے کی ضرورت نہیں آخر وہ دن آجائے گا جس دن ان کو اپنے کئے کا عذاب بھگتنا ہوگا۔

اِلٰى نُصُبٍ ۔ یعنی اس روز کی سختی سے گھبرا کر اس طرح دوڑیں گے جیسا کہ دنیا میں اپنے جھنڈے کی طرف یا عبادت کے لئے اپنے بتوں کی طرف دوڑے جاتے ہیں۔

سُورۂ نوح

★ یہ سورہ مکیہ ہے۔

★ اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ملا کر ۲۹ ہے۔

★ حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ نوح کی تلاوت کرے گا حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد کے برابر اس کو اجر عطا ہوگا۔

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اللہ و رسول پر ایمان رکھتا ہو اور اس کی کتاب قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہو اسے سورہ نوح کی تلاوت کرنی چاہیئے کیونکہ جو شخص بھی اس کی قربۃً الی اللہ تلاوت کرے گا خواہ نماز نافلہ میں پڑھے یا فریضہ میں خدا اس کو ابرار کے مساکن میں جگہ دے گا اور اپنی جنت کے علاوہ اس کو تین جنتیں الگ ملیں گی اور خداوند کریم اس کو دو سو حور کنواری اور چار ہزار ثیب عطا فرمائے گا۔

★ خواص القرآن سے منقول ہے کہ طلب حاجت کے لئے جو شخص سورہ نوح کو پڑھے گا اس کی حاجت پوری ہوگی انشاء اللہ (نوری)

★ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ نوح کو دن و رات میں پڑھتا رہے وہ اتنے تک نہ دے گا جب تک کہ اپنی منزل جنت میں نہ دیکھ لے۔

✡✡✡✡

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ

تحقیق ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈراؤ قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب

أَلِيمٌ ﴿٢﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٣﴾ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ

آئے تو انہوں نے قوم سے کہا میں تمہیں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو

رکوع ۹	حضرت نوح علیہ السّلام کا ذکر	حضرت نوحؑ کا ذکر تفسیر کی جلد ۷ ص ۲۰۸ پر مفصّل گذر

وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

اور میری بات مانو تاکہ وہ تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں وقت مقرر تک مہلت دیدے

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ

تحقیق اللہ کی مقررکردہ اجل جب آجائے تو مہلت نہیں دی جاتی کاش تم جانتے ہوتے (نوح نے) کہا اے رب میں

دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا ﴿٥﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾

نے اپنی قوم کو شب و روز دعوت دی پس وہ میری دعوت کے بعد ایمان سے دُور ہونے ہیں بڑھتے رہے

وَ اِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا

اور میں جب بھی ان کو تیری بخشش کی طرف بلاتا ہوں وہ کانوں ایں انگلیاں دے دیتے ہیں اور کپڑوں سے

ثِيَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾

منہ ڈھانپ لیتے ہیں اور کفر پر پکے ہیں اور تکبر پر ڈٹے ہوئے ہیں پھر میں نے ان کو باواز بلند دعوت دی

ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ

پھر میں نے ان کو اعلانیہ بھی کہا اور پوشیدہ طور پر الگ الگ بھی پکارا پس میں نے کہا

چکا ہے اور جلد ۱۱ ص ۱۰۷ پر اور جلد ۱۲ ص ۱۶۸ پر اشارہ موجود ہے۔

اَجَلٍ مُّسَمًّى اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجلیں دو ہیں ایک اجل مبرم محتوم ہے جس کو اجل مسمی کہا گیا ہے اور دوسری اجل غیر مبرم ہے اس جگہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے وعدہ فرمایا کہ تم استغفار کرو تاکہ تمہیں اجل مسمی تک مہلت مل جائے اور دنیاوی عذاب سے بچ جاؤ کیونکہ اجل مسمٰی تو حتمی اجل ہے اس سے کوئی بھی آگے نہیں بڑھ سکتا مسلہ کی مزید وضاحت تفسیر کی جلد ۵ ص ۱۹۱ اور جلد ۸ ص ۱۴۵ پر ملاحظہ ہو۔

جِهَارًا۔ یعنی میں نے تبلیغ کا ہر طریقہ استعمال کیا ہے تنہائی میں بھرے مجمع میں تلخ لہجہ سے نرم گفتگو سے اور خفیہ طور پر اور اعلانیہ انداز سے لیکن ان لوگوں پر ذرہ بھی اثر نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ عذاب کے مستحق ہیں۔

فَقُلْتُ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انسانی فطری جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی قوم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم اللہ سے استغفار کرو گے تو وہ تمہیں قحط سالی و بدحالی سے نجات دے گا (کیونکہ ان لوگوں پر قحط کی وبا پھوٹ پڑی تھی) اور تمہارے

اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ﴿١١﴾

اپنے رب سے بخشش طلب کرو بے شک وہ بخشنے والا ہے وہ تمہارے اوپر آسمان سے باران رحمت نازل کرے گا

وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ﴿١٢﴾ مَا لَكُمْ

اور تمہارے اموال و اولاد کو بڑھائے گا اور تمہارے لئے باغات پیدا کرے گا اور تمہیں نہروں سے سیراب کریگا کیا ہے تمہیں

اموال و رزق میں زیادتی ہوگی نیز اولاد بھی بکثرت عطا کرے گا لیکن وہ لوگ اس پیشکش کو ٹھکرا کر کفر پہ ڈٹے رہے۔

طلب اولاد و دیگر حاجات

تفسیر مجمع البیان میں ہے ایک شخص امام حسن علیہ السلام کے پاس آیا اور اُس نے قحط کی شکایت کی اور آپ نے (۱) اس کو کثرت استغفار کا ورد بتایا۔ دوسرے نے فقر و فاقہ کا شکوہ کیا تو آپنے اس کو بھی (۲) استغفار کا وظیفہ تعلیم کیا پھر تیسرا طلب اولاد کے (۳) لئے آیا تو آپ نے اس کو بھی کثرت استغفار کا عمل تعلیم کیا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ مختلف حاجات پیش کرنے والے لوگوں کو آپ نے صرف ایک ہی ورد بتایا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپنے جواب دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو استغفار کی تعلیم دی تھی اور تمام حاجات کا حل اسی میں بتایا (۴) تھا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کی کہ میں بڑا مالدار ہوں لیکن اولاد نہ ہونیکی وجہ سے پریشان ہوں تو آپ نے فرمایا کہ ایک سال تک پچھلی رات ایک سو مرتبہ روزانہ استغفار پڑھا کرو اور اگر کسی (۵) رات کو ترک ہو جائے تو دن میں اس کی قضا کر لیا کرو تفسیر برہان میں ہے ایک دفعہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ہشام بن عبد الملک کو ملنے گئے تو بادشاہ کی ملاقات کا وقت نہ مل سکا پس آپ نے شاہی دربان سے فرمایا جو بے اولاد تھا کہ تو میری ملاقات کروا دے تو میں تجھے اولاد کے لئے ایک عمل تعلیم کروں گا پس اُس نے ملاقات کرادی اور امام علیہ السلام نے ہشام سے کھل کر گفتگو کی اور اس نے امام علیہ السلام کے تمام مطالبات پورے کر دیئے پس واپسی پر دربان نے وعدہ یاد دلایا تو آپ نے فرمایا کہ ہر صبح (۶) اور شام کو ستر مرتبہ سبحان اللہ اور دس مرتبہ استغفر اللہ پڑھو اور آخر میں نو دفعہ سبحان اللہ! پڑھ کر آخر میں استغفار پڑھو ساتھ آیت اِسْتَغْفِرُوْا سے لے کر اَنْهَارًا تک کے چنانچہ اُس نے یہ عمل کیا اور صاحب اولاد ہوا۔ راوی حدیث سلیمان کہتا ہے کہ میں نے اپنی چچازاد لڑکی سے شادی کی تھی اور مجھے اولاد نہ ہوئی تو میں نے اپنی زوجہ کو یہ عمل بتایا تو اس نے جب یہ عمل کیا تو خدا نے فرزند عطا فرمایا اور وہ عورت کہتی تھی جب میں اس عمل کو دہراتی ہوں تو حاملہ ہو جاتی ہوں۔

فوائد القرآن میں طب ائمہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اولاد نہ ہونے کی شکایت کی اور اس کی عمر ساٹھ برس کی تھی تو آپ نے فرمایا (7) تین دن متواتر نماز عشاء کے بعد اور نماز صبح کے بعد ستر مرتبہ سبحان اللہ اور ستر مرتبہ استغفر اللہ پڑھو اور آخر میں آیت اِسْتَغْفِرُوْا سے لے کر اَنْهَارًا تک ایک مرتبہ پڑھو اور تیسری رات یہ عمل کرنے کے بعد عورت سے ہمبستری کرو۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا اور خدا نے اس کو اگلے سال فرزند عطا فرما کر اس کی آنکھ کو ٹھنڈک بخشی۔

وسائل الشیعہ سے منقول ہے کہ معاویہ کے دربان کو امام حسنؑ علیہ السلام نے طلب اولاد کے لئے کثرت استغفار کا ورد بتایا

لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝١٣ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝١٤ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ

کہ تم اللہ کی عظمت کا لحاظ نہیں کرتے ۔۔ حالانکہ اس نے تمہیں تدریجاً پیدا کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ کس طرح اس نے

اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝١٥ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ

سات آسمان طبق در طبق پیدا کئے اور اس نے چاند کو ان میں نور بنایا اور سورج کو چراغ

سِرَاجًا ۝١٦ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝١٧ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ

بنایا اور اللہ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا پھر اس میں تم کو پلٹائے گا اور

اِخْرَاجًا ۝١٨ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝١٩ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝٢٠ ع

نکالے گا اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو بساط بنایا تاکہ اس کے کھلے راستوں پہ چلو پھرو

اور اس نے درود شروع کیا تو آخر میں دس اولادوں کا باپ ہوا معاویہ کے کہنے پر جب آپ سے اس درد کا مدرک پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ استغفار کرنے والے کے لئے سورہ ہود میں ہے يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ اور سورہ نوح میں ہے۔
يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ الخ

اَطْوَارًا ۔ یعنی درجہ بہ درجہ کئی ادوار میں اس نے تم کو پیدا کیا پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر ہڈی و گوشت اور آخر میں اسے شکل انسانی عطا فرما کر اشرف المخلوقات بنا دیا ۔ اسی طرح پیدا ہونے کے بعد بچپنہ جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں بھی اس کے فضل و کرم کی مرہون منت ہیں اور عظمت و وحدتِ خالق کی براہین ہیں اور بعضوں نے اطوار سے مراد صفاتی اختلاف لیا ہے کہ بعضوں کو امیر اور بعضوں کو فقیر اسی طرح تندرستی و بیماری اور خوبصورتی و بدصورتی میں اختلاف کے ساتھ پیدا کیا

اَلْقَمَرَ فِيْهِنَّ ۔ اللہ نے آسمانوں میں چاند کو پیدا کر کے اس کو نور بخشا حالانکہ وہ ایک آسمان میں ہے تو یہ استعمال بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ ان گھروں میں ایک کنواں ہے حالانکہ ایک گھر میں ہوتا ہے۔

نُوْرًا ۔ نور صرف روشنی کو کہتے ہیں جو عرض قائم بالغیر ہے اس لئے قمر کو نور کہا گیا ہے کیونکہ اس کی روشنی سورج سے مستفاد ہے اور سورج سے چونکہ روشنی نکلتی ہے اس لئے اس کو سراج کہا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ ۔ زمین سے پیدا ہونے سے مراد حضرت آدمؑ و حوا کی تخلیق ہے جو مٹی سے ہوئی یا یہ کہ ہر انسان زمین سے پیدا ہونے والی غذائیں کھاتا ہے اور انہی سے اس کا خون گوشت و پوست تیار ہوتا ہے اور اسی سے مادہ منویہ بنتا ہے جو آنے والی نسل کا مادۂ پیدائش ہے لہذا انسانوں کو زمین کی نبات کہنا اسی اعتبار سے ہے۔

بِسَاطًا ۔ یعنی اللہ نے زمین کو انسانوں کی سہولت کے لئے بنا دیا نہ گرم نہ سرد نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم بلکہ انسانی ضروریات

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ

نوحؑ نے عرض کی اے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی اور ایسے شخص کی اتباع کی جس کو مال و اولاد نے

إِلَّا خَسَارًا ﴿۲۲﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۳﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ

نقصان کی طرف بڑھایا اور ان لوگوں نے بہت بڑا مکر کیا اور کہا کہ اپنے خداؤں کو نہ چھوڑو اور نہ چھوڑو

کے مطابق اس کو پیدا کیا تاکہ رہائش و خوراک و سیر سیاحت اس پر آسان رہے۔

سُبُلًا فِجَاجًا - فجاج جمع ہے فج کی جس کا معنی ہے کھلا راستہ اور بعضوں نے سبل میدانی زمینوں کے راستوں کو اور فجاج پہاڑی راستوں کو کہا ہے اور خداوند کریم نے ان تمام نعمتوں کو دعوت شکر کے لئے گنوایا ہے تاکہ توحید پر عقیدہ پختہ ہو جانے کے بعد شکر گذار بنیں۔

رکوع نمبر ۱

قَالَ نُوحٌ - حضرت نوح علیہ السلام نے کافی عرصہ تک تبلیغ کرنے کے بعد اللہ سے دعا کی کہ یہ لوگ میری نہیں مانتے بلکہ اپنے امراء و رؤسا طبقہ کی مانتے ہیں جو مال و اولاد کے گھمنڈ میں میرے ساتھ برسر پیکار ہیں اور میرے متعلق بری تجویزیں سوچتے ہیں اور مروی ہے کہ انہوں نے کمینے لوگوں کو حضرت نوحؑ کے قتل پر اکسایا تھا

لَا تَذَرُنَّ - پہلے الہہ کے لفظ میں سارے بت شامل تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے لیکن تعظیم و اکرام کے طور پر ان بعد والے پانچ بتوں کا نام لیا گیا جس طرح تعمیم کے بعد تخصیص کا دستور ہے۔

بت پرستی

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے وَدّ، سواع یغوث یعوق اور نسر نیک آدمی گذرے ہیں جن کا لوگوں کے دلوں میں کافی وقار تھا جب وہ دنیا سے چلے گئے تو کافی عرصہ تک لوگ ان کی یاد میں نیکیاں بجا لاتے تھے اور ان کی زندگیوں کو قابل رشک قرار دے کر اعمال صالحہ کی طرف اقدام کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ شیطان نے ان کو یہ سبق پڑھایا کہ ان گذشتہ بزرگوں کی مورتیاں اور تصویریں بنالی جائیں اور ان کو سامنے رکھا جائے تاکہ ان کی وجہ سے عبادت کا شوق اور زیادہ ہو جب اسی طور و طریقہ پر ایک نسل گذر گئی تو دوسری نسل کو شیطان نے پڑھایا کہ تمہارے باپ دادا تو ان بتوں کو خدا سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے لہذا تم بھی ان کو معبود و حاجت روا قرار دیکر انہی کی عبادت کرو پس بت پرستی کا رواج قائم ہو گیا اور آنے والی نسلیں پوری طرح اس وباء کی لپیٹ میں آگئیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ہندوستان کے کسی پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السلام کے جسد کو محفوظ کیا ہوا تھا اور خود نگرانی کرتے تھے تاکہ کفار حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کا طواف نہ کرنے لگ جائیں پس شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کی مثال ایک پتھر کا جسم بنا لیا جائے اور اس کا طواف کیا جائے چنانچہ پانچ بت بنائے گئے جن کا نام سابق میں مذکور ہو چکا ہے اور لوگ اپنے اپنے مقام پر ان کا طواف کرنے لگ گئے

وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ

ود کو نہ سواع کو اور نہ یغوث یعوق نسر کو اور تحقیق انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ

اور نہیں بڑھاتے ظالموں کو مگر گمراہی کی طرف اپنے گناہوں کی وجہ سے غرق کئے گئے پس داخل کئے گئے جہنم میں

حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد یہ بت بھی غرقابی کے بعد مٹی اور گارے میں چھپ گئے تھے اور وہ مدفون ہی رہے حتیٰ کہ مشرکین عرب کے لئے شیطان نے نئے سرے سے ان کو ظاہر کر دیا پس صنم وُد کو بنی قضاعہ نے اپنا معبود قرار دے دیا اور دومتہ الجندل کے مقام پر انہوں نے اس کو رکھا ہوا تھا اور اس کی عبادت کرتے تھے اور بنی قضاعہ کے بعد بنو کلب اس پر قابض ہوئے اور وہ بھی نسل در نسل اس کی پوجا کرتے رہے کہ اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا بنی طے کے ایک قبیلہ نے یغوث کو اپنا معبود قرار دے لیا اور بنی ناجیہ نے ان سے یہ بت چھیننا چاہا لیکن ان کو کامیابی حاصل نہ ہوئی اسی طرح یعوق بنی کہلان کا چند پشتوں تک معبود رہا پھر قبیلہ ہمدان کی تحویل میں آیا اور ان کی عقیدتمندی کا مرکز رہا اور نسر کی عبادت قبیلہ خثعم کرتا تھا اور سواع کی پوجا ذی الکلاع کی اولاد کرتی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ یہ قبیلۂ ہذیل کا معبود تھا جو مقام رہاط میں قیام پذیر تھے اور یغوث بنی مراد کا معبود تھا اور یعوق قبیلہ ہمدان کا نسر آل ذی الکلاع کا جو حمیر کی شاخ تھی اور لات ثقیف کا معبود بنا ہوا تھا اور صنم عزیٰ کی عبادت قبائل سلیم وغطفان وجشم ونصر وسعد کرتے تھے اور منات قبیلہ قدید کی عقیدت کا مرکز تھا اور اساف نائلہ دو بت اہل مکہ کے معبود تھے چنانچہ اساف حجر اسود کے سامنے اور نائلہ رکن یمانی کے سامنے نصب تھے اور صنم ہبل کعبہ کے اندر تھا واقدی سے منقول ہے کہ وُدّ مرد کی صورت میں سواع عورت کی شکل میں یغوث شیر کی صورت میں یعوق گھوڑے کی شکل میں اور نسر گِدھ کی صورت میں تھا۔

جناب علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ سیرت امیر المومنین علیہ السلام جلد اوّل صـ۲۶۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ عمر بن لحی خزاعی نے ۲۰۰ء میں مصر وشام کے علاقہ میں عمالقہ کو بت پرستی کرتے دیکھا تو اُسے بتوں کی پرستش میں اگرچہ کوئی فائدہ نظر نہ آیا تھا مگر ترشے ہوئے بتوں کی صنعت اُسے بھا گئی اور چند بت اٹھا کر مکہ لے آیا اور انہیں خانہ کعبہ کے گرد وپیش نصب کر کے لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دی رفتہ رفتہ اہل مکہ کی اکثریت نے بت پرستی اختیار کر لی اور خانہ کعبہ صنم کدہ اور مکہ بت پرستی کا مرکز بن گیا قریش کا سب سے بڑا دیوتا ھبل تھا جو خانہ کعبہ میں بلندی پر نصب تھا اور اس کے آس پاس سینکڑوں بُت ایک دوسرے سے جڑے بندھے رکھے تھے اور سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں ایک ایک دن ایک ایک کی پوجا کے لئے خاص کر دیا گیا تھا اہل مکہ کی دیکھا دیکھی اطراف وجوانب کے لوگ بھی بت پرستی کی طرف مائل ہو گئے اور جب حج کے لئے مکہ آتے تو حرم سے پتھر اٹھا کر ساتھ لے جاتے اور انہیں مکہ کے بتوں کی شکل وصورت میں تراش کر اپنے ہاں نصب کر لیتے یہاں تک کہ تمام عرب میں بت پرستی

فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى

پس اللہ کے سوا انہوں نے اپنا کسی کو مددگار نہ پایا اور نوحؑ نے عرض کی اے رب زمین پر

عام ہوگئی اور ہر قبیلہ نے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ بت بنا لیا مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر مقام نخلہ پر عزّیٰ کی مورتی نصب تھی جو قریش و کنانہ کی عقیدت کا مرکز تھی طائف میں لات نصب تھا۔ جو بنی ثقیف کا دیوتا تھا مدینہ سے کچھ فاصلہ پر منات نصب تھا جو اوس و خزرج و غسان کا دیوتا کہلاتا تھا نجران میں قبیلۂ ہمدان یعوق کی پوجا کرتا تھا ینبع کے اطراف میں قبیلۂ ہذیل کا بت سواع نصب تھا اور دومتہ الجندل میں بنی کلب کا دیوتا وُدّ تھا اسی طرح مختلف قبیلوں میں دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا ہوتی تھی کچھ بت پرست ان حس و حرکت سے خالی اور فہم و شعور سے عاری پتھروں کو اللہ کا شریک کار سمجھتے تھے اور ان کے سامنے گڑگڑاتے جھولیاں پھیلاتے اور مرادیں مانگتے تھے" الخ تفسیر برہان میں ہے کہ قریش لوگ کعبہ کے اردگرد والے بتوں پر مسک و عنبر چھڑک دیا کرتے تھے یغوث دروازہ کے سامنے تھا یعوق داہنی طرف اور نسر بائیں جانب تھا پس وہ یغوث کا سجدہ کرکے آگے بڑھتے تھے اور اس کے بعد تلبیہ بھی پڑھتے تھے الخ

بُت شکنی

سیرت امیرالمومنین علیہ السلام صد ۲۶۴ پر مفتی صاحب قبلہ تحریر فرماتے ہیں" مکہ پر فوج کشی کا یہ مقصد نہ تھا کہ پیغمبر اپنی مملکت کے حدود کو وسعت دیں اور فاتح کشور کہلائیں بلکہ اصل مقصد بُت پرستی کو مٹا کر توحید کا پرچم بلند کرنا تھا چنانچہ مکہ کو زیرنگیں کرنے کے بعد سب سے پہلے بتوں کی شکست و ریخت کی طرف توجہ فرمائی اور پہلے دیواروں پر بنی ہوئی فرشتوں اور نبیوں کی تصویروں کو مٹایا اور پھر حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر نیچے والے بتوں کو توڑا اور جب نیچے والے بُت توڑے جاچکے تو اوپر والے بتوں کو توڑنے کے لئے حضرت علیؑ سے فرمایا تم میرے کاندھوں پر بلند ہوکر بتوں کو توڑو گے یا میں تمہارے شانوں پر سوار ہوکر انہیں توڑوں۔ عرض کیا یارسول اللہ آپ میرے کاندھوں پر سوار ہوکر انہیں توڑیں جب پیغمبر آپ کے کاندھوں پر سوار ہوئے تو آپ نے کمزوری وضعف کا احساس کیا پیغمبر آپ کے کاندھوں سے اتر گئے اور فرمایا کہ اے علیؑ تم میرے کاندھوں پر سوار ہوجاؤ حضرت علیؑ دوش پیغمبر پر بلند ہوئے اور چھوٹے موٹے بتوں کے علاوہ ھبل کو جو آہنی میخوں سے گڑا ہوا تھا جھٹکا دیکر اکھاڑ لیا اور زمین پر اس طرح پھینکا کہ پاش پاش ہوگیا قریش کے لئے یہ منظر کتنا عبرت خیز ہوگا کہ کل تک جس کے آگے پیشانیاں رگڑتے رہے تھے اور احد میں جس کی جے کے نعرے لگائے تھے آج اس کے ٹکڑے پیغمبر کے قدموں میں پڑے ہوئے عجز و بے بسی کی تصویر بنے ہوئے تھے حضرت علیؑ اس صنم اکبر کو توڑنے کے بعد میزاب کی طرف سے نیچے اترے اور مسکراتے ہوئے پیغمبر سے کہا یارسول اللہ میں اتنی بلندی پر سے کودا ہوں مگر ذرا چوٹ نہیں آئی۔ فرمایا اے علیؑ چوٹ کیونکر آتی جبکہ محمدؐ نے تمہیں بلند کیا ہے اور جبریل امین نے تمہیں اُتارا ہے۔ فتح مکہ کا واقعہ جلد ۱۳ صد ۸۴ پر مرقوم ہے۔

وَقَالَ نُوحٌ۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی اطلاع ہو چکی تھی إِنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ اسی بنا پر انہوں نے دُعا میں عرض کی کہ اب مومن ہونے والا تو کوئی ہے نہیں لہٰذا ان پر عذاب نازل فرما۔

الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ

کافروں میں سے کسی کو آباد رہنے والا باقی نہ چھوڑ کیونکہ تو اگر ان کو چھوڑ دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے

وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ

اور فاجر و منکر کے سوا کوئی اولاد نہ جنیں گے ۔ اے رب بخش دے مجھ کو میرے والدین کو اور وہ جو

بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ إِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

مومن ہوکر میرے گھر آئیں اور سب مومن مردوں و عورتوں کو اور ظالموں کو ہلاک کر دے

وَلَا يَلِدُوْا ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ عذاب کی آمد سے چالیس سال پیشتر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں خدانے عورتوں کو عقیم بنا دیا تھا اور مردوں کی صلبوں کو ناقابل اولاد قرار دے دیا تھا لہذا بوقت عذاب آپ کی قوم میں کوئی نابالغ نہ تھا۔

مسجد کوفہ کا درجہ

وَلِوَالِدَيَّ ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے والدین مومن تھے باپ کا نام لمک بن متوشلخ اور ماں کا نام سمحا بنت انوش تھا۔ تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام مسجد کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے عرض کی کہ حضورؐ! میں خوشنودی خدا کے لئے مسجد اقصٰی کی زیارت کے لئے چلا ہوں لہذا جناب کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا ہوں آپؑ نے فرمایا اگر ثواب کی غرض ہے تو اپنی سواری کو فروخت کردو اور زادِ راہ کو کھاتے رہو اور اس مسجد میں نماز پڑھو کیونکہ اس مسجد میں نماز فریضہ (۱) حج کا ثواب رکھتی ہے اور نافلہ عمرہ کا ثواب (۲) رکھتا ہے اور اس کے ہر طرف (۳) بارہ میل تک اللہ نے برکت رکھی ہے۔ یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اس میں ستر نبیوں (۴) اور ستر ولیوں نے نماز پڑھی ہے اور اسی سے حضرت نوحؑ کی کشتی (۵) روانہ ہوئی تھی اور اس مسجد میں جب بھی کسی مصیبت زدہ نے دعا مانگی ہے خدانے اُس کی مصیبت دور فرمائی ہے۔

سُوْرَةُ الْجِنّ

★ یہ سورہ مکیہ ہے اور سورہ اعراف کے بعد نازل ہوا ہے۔

★ اس کی آیات بسم اللہ سمیت ۲۹ ہیں۔

★ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص اس سورہ مبارکہ کی کثرت سے تلاوت کرے گا اس کو دنیا میں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

قُلۡ اُوۡحِىَ اِلَىَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا

کہہ دیجئے مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے سنا تو (اپنی قوم سے) کہا ہم نے عجیب قرآن

قوم جن کی آنکھ سانس اور جادو ٹونہ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور وہ حضرت محمد مصطفیٰ کی ہمراہی میں محشور ہوگا

★ حضورؐ سے منقول ہے کہ جو اس سورہ کو پڑھے تمام قوم جنات کی تعداد کے برابر اس کو اجر ملے گا اور قوم جن کے شر سے محفوظ رہیگا

★ سلطانِ جابر کی طرف جاتے ہوئے اس کو پڑھے تو وہ اس کے شر سے محفوظ رہے گا اور اگر اس کو قیدی پڑھے تو جلد آزاد ہوگا اور اس کو ہمیشہ پڑھنے والے تنگی اور تنگدستی سے محفوظ ہوں گے۔ (برہان) (حضرت جعفر صادق علیہ السلام)

★ مصباح کفعمی سے منقول ہے جو شخص اس کو لکھ کر پیئے تو اس کا حافظہ اچھا ہوگا اور جس سے مناظرہ کرے گا اس پر غالب ہوگا اور جہاں یہ سورہ پڑھا جائے تو جن بھاگ جاتے ہیں اس کا پڑھنا حاکم سے امان کا باعث ہے خزانہ کی حفاظت کا موجب ہے قیدی کی رہائی کا وسیلہ ہے اور قرض کی ادائیگی کا ذریعہ ہے۔ (فوائد القرآن)

رکوع نمبر ۱۱

قوم جن ۔ ابوالحسن شعرانی محشیٔ مجمع البیان نے ذکر کیا ہے کہ قوم جن کے متعلق تین طرح کی بحث کی جاتی ہے ① ان کے وجود و ماہیت کی بحث ② کیا شہاب ثاقب کا وجود اسلام سے قبل تھا یا نہ تھا ③ پیغمبر کی تشریف آوری کے بعد شہب نے شیطانوں اور جنوں کو آسمانوں کی طرف جانے سے کس طرح روکا۔

پہلی بحث

وجود قوم جن :۔ اگرچہ ہم ان کی ماہیت اور کیفیت پیدائش کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ ان کی تکلیف کی نوعیت کیا ہے اور نہ ان کے باقی احوال کی وضاحت کر سکتے ہیں تاہم ان کے وجود کو ماننا ضروری ہے کیونکہ احادیث پیغمبر سے متواتر ثابت ہے اور قرآن مجید بھی صراحت سے اعلان کر رہا ہے لہذا ہمارا فرض ہے کہ اجمالی طور پر ان کے متعلق ان کے وجود کا عقیدہ رکھا جائے اور فلاسفہ نے اگرچہ ان کے متعلق تحقیقی فیصلہ نہیں کیا تاہم ان کے عدم کی بھی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

دوسری بحث

سورہ حجر میں گذر چکا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی شہاب ثاقب کا وجود تھا لیکن اس کا وقوع کبھی کبھی ہوا اور اس کو کسی امر عجیب اور حادثۂ غریبہ کی دلیل قرار دیا جاتا رہا چنانچہ مبعث پیغمبر کے وقت بھی ہوا اور سنہ ۳۲۹ھ میں بھی ہوا جب غیبت کبریٰ واقع ہوئی اور اسی سال علامہ کلینی قدس روحہ اور علی بن بابویہ اعلی اللہ مقامہ کا انتقال بھی ہوا

تیسری بحث

اس میں شک نہیں کہ قبل از اسلام عرب میں کاہنوں کا دور تھا اور کہانت ایک خاص فن تھا جس طرح آج

قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾	يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ	فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ	وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ		
سنا ہے	جو نیکی کی ہدایت کرتا ہے	پس ہم اس پر ایمان لائے	اور ہم ہرگز اپنے رب کا کسی کو شریک نہیں		

کل مسمریزم کا چرچا ہے وہ لوگ قوتِ باطنیہ کی بدولت آنے والے امور کی پیشین گوئیاں کرتے تھے پس مبعث پیغمبر کے بعد ان کا فن باطل باطل ہو گیا اور یہ بھی حضورؐ کے معجزات میں سے ہے یعنی دفعتہً و اچانک کسی عادی سبب کے بغیر ایک پورے فن کا ختم ہونا کیونکہ اس قسم کے متداول فنون وقتی حکومتوں کی پالیسیوں کے ساتھ یا رفتار زمانہ کی کارستانیوں کی بدولت رفتہ رفتہ ختم ہوتے ہیں بہرکیف کاہنین کی خبروں کا ختم ہو جانا تو یقینی ہے اور دلالتِ قرآنی بھی اس پر شاہد ہے اگرچہ اس کی تفصیل ہم نہیں بتا سکتے اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جن اور شیاطین سے مراد ایک معنی ہے اور فخرالدین رازی نے جن کے متعلق بہت کچھ ذکر کیا ہے جس میں صحیح و ضعیف کی ملاوٹ ہے تاہم اس میں کچھ باتیں فائدہ مند بھی ہیں۔ اس نے جنوں کے متعلق دو قول نقل کئے ہیں ایک تو یہ کہ وہ نفوس ناطقہ کی طرح موجودات مجردہ ہیں اور دوسرا یہ کہ وہ جسم لطیف رکھتے ہیں اور انسان کو نظر نہیں آسکتے اور اس نے ذکر کیا ہے کہ ان کے رُوح کا ابدان کے ساتھ تعلق ایک خاص قسم کا ہے اور محقق شعرانی کہتے ہیں کہ اُن کی یہ بات قابل تسلیم ہے کیونکہ جس طرح ہمارے نفس اور بدن کا باہمی تعلق ہے یہ ضروری نہیں کہ ان کا تعلق بھی اسی نوعیت کا ہو بلکہ مشاہدہ کی بات ہے کہ بعض اوقات نفوس قویّہ دوسرے ابدان پر بھی اثر انداز ہوا کرتے ہیں تو اُن کا اُن ابدان کے ساتھ تعلق ایک خاص قسم کا ہی ہوا کرتا ہے اور رازی نے یہ ذکر بھی کیا ہے کہ قوم جن اجسام لطیفہ رکھنے کے باوجود بھی مشکل و سخت کام انجام دے سکتے ہیں اور ان کی لطافتِ جسم اس کے منافی نہیں ہے ہم نے قوم جن کے متعلق اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں کافی روشنی ڈالی ہے لہٰذا صاحب ذوق کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے بہرکیف قوم جن ہلکے پھلکے لطیف اجسام رکھتی ہے جو نہ فرشتوں کی طرح نوری اور نہ آدمیوں کی طرح خاکی ہیں بلکہ وہ ناری ہیں اور ان کی کیفیت کو خدا بہتر جانتا ہے۔

قُرْاٰنًا عَجَبًا۔ اور قرآن مجید کو عجب اس لئے کہا گیا ہے کہ باوجودیکہ حروف تہجی اور الفاظ متداولہ عربیہ سے مرکب ہے لیکن معانی و مقاصد اور روانی و تسلسل کے اعتبار سے اپنی نظیر صرف آپ ہے پس خارق عادت ہونے کے لحاظ سے اس کو عجب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَاٰمَنَّا بِهٖ۔ اس آیت مجیدہ کا صریح اعلان ہے کہ حضورؐ قوم جن و انس ہر دو کی طرف مبعوث تھے اور اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قوم جن ذوی العقول ہیں اور عربی لغت کو جان سکتے ہیں نیز وہ معجزہ و غیر معجزہ میں تمیز کر سکتے ہیں کیونکہ حضورؐ سے قرآن مجید کی آیات کو سن کے واپس جانے والے جن اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور ان کے سامنے قرآن کا اعجاز بیان کرتے تھے۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ اپنے صحابہ کے ہمراہ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے جب شیاطین کو آسمانی خبروں سے روک دیا گیا تو ان کو تشویش لاحق ہوئی کہ ہم آسمان کی طرف جاتے ہیں تو ہم پر شہاب ثاقب برسائے جاتے ہیں

اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾ وَّ اَنَّهٗ		
بنائیں گے	اور تحقیق ہمارے رب کی عظمت بلند ہے جس کا نہ بیوی ہے نہ بچہ	اور تحقیق
كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ		
ہم میں سے بیوقوف (شیطان) اللہ پہ ناجائز باتیں کرتا ہے	اور تحقیق ہمارا گمان تھا کہ	

اس کی وجہ دریافت کرنی چاہیئے پس مشرق و مغرب کی طرف اس حقیقت کی چھان بین کے لئے ان کے وفد روانہ ہوئے چنانچہ ان کا ایک گروہ مکہ کی طرف آیا۔ جب حضورؐ بازار عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نخل عامد کے پاس سے گذرے تو نماز کا وقت تھا اور آپ اپنے صحابہ کو نماز صبح پڑھا رہے تھے پس جنوں کے وفد نے کلام اللہ کو سنا تو فوراً ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ کہ یہی چیز ہے جس نے ہمارے لئے آسمانوں کے دروازے بند کر دیئے ہیں پس واپس چلے اور انہوں نے اپنے سفر کی پوری روداد اپنی قوم پر پیش کی جس کو اللہ نے زبان دی اپنے نبی پر نازل فرمایا۔

بروایت بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ ایک رات حضرت نبی کریمؐ ہم سے غائب ہوگئے جس کی ہمیں کافی فکر لاحق ہوئی پس وادیوں اور گھاٹیوں میں ہم آپ کو ڈھونڈتے رہے اچانک آپ کوہ حراء سے آتے ہوئے دکھائی دیئے ہم نے اپنی تشویش بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک جن نے دعوت دی تھی پس میں نے ان کے ہاں جا کر قرآن مجید کی تلاوت کی چنانچہ آپ نے ان کے نشانات دکھائے ایک روایت میں ہے کہ وہ نو جن تھے اور ابوحمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ وہ وادی شیصبان کے رہنے والے تھے اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ وہ نصیبین کے رہنے والے سات جن تھے جن کو حضورؐ نے دیکھا پس وہ آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہوگئے اور آپ نے ان کو باقی جنوں کی طرف مبلغ بنا کر روانہ فرمایا۔

اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا۔ آیت ۲ میں اَنَّهٗ آیت ۳ میں اَنَّهٗ اور آیت ۴ میں اَنَّهٗ ہے اور ان تینوں میں ہمزہ کو مفتوح پڑھا گیا ہے اور قاعدہ نحویہ کے لحاظ سے اِنَّ کسرۂ ہمزہ کے ساتھ ہونا چاہیئے کیونکہ قول جن کا مقولہ ہے کیونکہ اِنَّا سَمِعْنَا پر معطوف ہے اور طبری نے یہی قول پسند کیا ہے اور جن لوگوں نے فتحہ پڑھا ہے وہ اس کا معطوف علیہ بِهٖ کو قرار دیتے ہیں یعنی اٰمَنَّا بِهٖ وَ اٰمَنَّا بِاَنَّهٗ تَعٰلٰى اور بعد والے اَنَّ کے کسرہ و فتحہ کے بھی یہی وجوہ ہیں۔

جد کا معنی جلال و عظمت ہے اور بعض نے قدرت یا نعمات یا ذکر بھی مراد لیا ہے۔

سَفِيْهُنَا۔ اس سے مراد ابلیس ہے یعنی انہوں نے مان لیا کہ ابلیس نے غلط راستہ اختیار کیا ہوا ہے اور شطط کا معنی ہے راہ حق سے ہٹ جانا۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ۔ یعنی ان جنوں نے یہ بات مان لی کہ ہم اللہ کا شریک مانتے تھے لیکن صرف اس غلط فہمی کے ماتحت ہمیں یہ گمان تک نہ تھا کہ جنوں یا انسانوں میں سے کوئی فرد اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرے گا اور ہم سمجھتے رہے کہ شرک

الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝٦ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ

انسان اور جن ہرگز اللہ پر جھوٹ نہیں کہتے اور تحقیق انسانوں میں سے بعض مرد قوم جن کے

يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝٧ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا

بعض مردوں کی پناہ لیتے تھے تو وہ ان کو گمراہی میں بڑھاتے تھے اور تحقیق تمہاری طرح ان کو بھی

ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝٨ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا

یہی گمان تھا کہ ہرگز اللہ کسی کو نہ اٹھائے گا اور تحقیق ہم نے آسمان کی طرف جانا چاہا تو معلوم ہوا

مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝٩ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ

کہ وہ سخت نگہبانوں اور شہب سے پر ہے اور تحقیق ہم اُن میں سن سکنے کے مقامات پر بیٹھا کرتے تھے

فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝١٠ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ

پس جو شخص اب سننے کی کوشش کرے گا تو اپنے لئے شہاب ثاقب کو انتظار میں پائے گا اور ہم نہیں سمجھ سکتے کیا سختی کا ارادہ کیا

اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝١١ وَّاَنَّا مِنَّا

گیا ہے زمین والوں کے ساتھ یا اللہ نے ان کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرمایا ہے؟ اور تحقیق ہم میں سے

کرنے میں ہم خدا کو راضی کر رہے ہیں کیونکہ کہنے والوں نے ہمیں یہی کہہ رکھا تھا اور اب جو قرآن سنا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اللہ پہ بہتان لگا رکھا تھا لہذا اب ہم نے شرک سے توبہ کر لی ہے

رِجَالٌ۔ عرب جاہلوں کا دستور تھا کہ جب سفر میں کسی وادی سے گذرتے تھے جہاں جنوں کی حرکات کا انہیں ڈر رہتا تھا تو وادی میں قدم رکھتے ہی یہ کلمات زبان پر جاری کرتے تھے اَعُوْذُ بِعَزِيْزِ هٰذَا الْوَادِيْ مِنْ شَرِّ سُفَهَآءِ قَوْمِهٖ یعنی میں اس وادی کے عزیز کی پناہ لیتا ہوں تاکہ اس قوم کے بیوقوفوں کی ایذاء رسانی سے بچ جاؤں اور ان کا خیال تھا کہ اس طریقہ سے وہ قوم جن کی شرارتوں سے بچ جاتے ہیں سب سے پہلے یہ رسم یمنیوں نے ایجاد کی پھر رفتہ رفتہ پورے عرب میں پھیل گئی اور رہق کا معنی ہے گناہ کا لاحق ہونا اور لڑکے جوان کو مراہق کہا جاتا ہے جب بچپنے کی حدود سے گذر کر جوانی کی حدود کو لاحق ہو جائے۔

اَنَّهُمْ ظَنُّوْا۔ قرآن مجید کو سن کر ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو کر جب یہ جن واپس اپنی قوم کے پاس پہنچے تو ان کو اپنی پوری سرگزشت سنائی اور ان کو دین اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا۔ پس کہنے لگے کہ جس طرح

الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۝١١ۙ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ

نیک بھی ہیں اور اس سے کم درجہ کے بھی ہیں (اور) متعدد گروہ ہیں اور تحقیق ہم نے یقین کر لیا ہے

لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝١٢ۙ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا

کہ نہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں کہ نہ بھاگ کر ہم اس کو عاجز بنا سکتے ہیں اور تحقیق ہم نے جب

الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝١٣ۙ

ہدایت سنی تو ایمان لائے پس جو بھی اپنے رب پر ایمان لائے اسے نقصان و ظلم کے لاحق ہونے کا کوئی خوف نہ ہوگا

قوم جن بروز قیامت دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں رکھتی اسی طرح انسان بھی دوبارہ زندہ ہو کر محشور ہونے کو نہیں مانتے تھے لیکن قرآن مجید کے سننے کے بعد ہمیں حشر و نشر کا یقین ہو گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اَنَّهُمْ الخ جنوں کا مقولہ نہ ہو بلکہ جملہ معترضہ ہو اور کفار مکہ سے خطاب ہو کہ اے اہل مکہ جس طرح تم حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے بعد کسی نبی کی آمد کا یقین نہیں رکھتے اسی طرح قوم جن کا بھی یہی خیال تھا لیکن قرآن مجید کو سن کر وہ مومن ہو چکے ہیں لہٰذا تم بھی مومن بن جاؤ کیونکہ رسول تمہاری جنس سے ہے اور اس کی اور تمہاری بولی بھی ایک ہے۔

وَاَنَّا لَمَسْنَا ۔ یعنی ہم نے آسمان کی طرف جانا چاہا تو شہب ثاقبہ اور فرشتوں کے ذریعے ہمیں روک دیا گیا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب لانے والا اللہ کا سچا رسول ہے اور اس کا دین برحق ہے کیونکہ انہی کے اعزاز و اکرام کی خاطر ہی ہمارے اوپر آسمانی دروازے بند کر دیئے گئے ہیں حالانکہ اس سے پہلے ہم جایا کرتے تھے اور آسمانی خبریں سن کر لوٹتے تھے لیکن اب جو جائے گا اسے شہاب ثاقب کے ذریعے واپس بھگایا جائے گا اور بعضوں نے کہا ہے کہ شہب ثاقب حضورؐ کی بعثت سے پہلے بھی تھے لیکن بعثت نبوی سے پہلے قوم جن کے لئے آسمانی رفعتوں کو طے کرنے پر کوئی [illegible] نہ تھی لیکن بعثت کے بعد ان کو اوپر جانے سے شہب ثاقبہ کے ذریعے روک دیا گیا۔

لَا نَدْرِيْٓ ۔ یعنی ہدایت یافتہ جنوں کا مقولہ ہے کہ ہم اس نئے آسمانی نظام کو دیکھ کر متعجب ہیں کہ یا تو اس سے بنی آدم اور زمینی مخلوق کے لئے کوئی آزمائش مقصود ہے اور یا ہدایت و رشد کی خاطر ایسا کیا گیا ہے۔

الصّٰلِحُوْنَ ۔ قوم جن کا اعتراف ہے کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہیں اور بد بھی ہیں اور ہم مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح انسانوں میں مختلف مذاہب ہیں قوم جن بھی اسی طرح مذہبی تفرق کا شکار ہے [illegible] ان میں بھی شیعہ سنی قدریہ و مرجیہ وغیرہ موجود ہیں اسی طرح کافر و مشرک بھی ان میں ہیں

اِنَّا ظَنَنَّآ ۔ اس جگہ ظن کا معنی یقین ہے اب قرآن مجید سننے کے بعد ہمیں اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت کا یقین ہو گیا ہے

وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾

اور تحقیق ہم میں سے مسلمان بھی ہیں اور ہم میں سے ظالم بھی ہیں پس جو اسلام لائے انہوں نے ہدایت پائی

وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ

لیکن ظالم لوگ پس وہ تو جہنم کا ایندھن ہیں اور اگر وہ طریقہ اسلام پر ثابت قدم ہو جاتے

لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا

تو ہم ان کو وافر پانی سے سیراب کرتے تاکہ انہیں آزمائیں اور جو شخص اعراض کرے اپنے رب کے ذکر سے تو وہ اسے بڑھتے ہوئے عذاب

بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا۔ اس کے تین معانی کئے گئے ہیں ① ان کو کسی کم و بیش نقصان کا اندیشہ نہ ہوگا ② بخس کا معنی نیکیوں کی کمی اور رھق کا معنی گناہوں کی زیادتی یعنی نہ ان کو نیکیوں سے کم جزا دی جائے گی اور نہ ان کو کردہ گناہوں سے زیادہ سزا دی جائے گی ③ بخس کا معنی نقصان اور رھق کا معنی ظلم و عدوان ہے۔

اَلْقٰسِطُوْنَ۔ یعنی راہ حق سے انحراف کرنے والے اسی بناء پر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ جنگ صفین میں لڑنے والے لشکرِ معاویہ کو قاسطین کہا جاتا ہے۔ جس طرح جنگ جمل میں آپ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کو ناکثین اور اہل نہروان کو مارقین کہتے ہیں۔

وَ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا۔ اس جگہ اَنْ کے متعلق نحویوں کے دو قول ہیں ① اَنَّ ثقیلہ کا مخففہ ہے اور اُوْحِیَ کا معمول ہے اور اَنْ اور فعل کے درمیان لَوْ کا فاصلہ اس طرح ہے جس طرح عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ میں اَنْ اور فعل کے درمیان سین کا فاصلہ ہے ② لو حرف شرط ہے اور اس پر اَنْ اس طرح داخل ہے جس طرح اِنْ حرف شرط پر لام داخل ہو جاتا ہے۔ جیسے لَئِنْ اور اس کے معنی میں۔ دو قول ہیں ایک وہ جو تحت اللفظ موجود ہے اور دوسرا یہ کہ اگر یہ لوگ کفر پر برقرار رہیں تو ہم ان کو وافر پانی سے سیراب کریں گے۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ اگر تمام جن و انس یا تمام اہل مکہ اللہ کے دین کو اختیار کریں تو ان کو زمین کی برکات سے بہرہ ور کیا جائے گا اور قحط سالی اور بدحالی کا کبھی منہ نہ دیکھیں گے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اگر لوگ کفر پر ڈٹ جائیں تو ہم ان کا رزق وافر کر دیتے ہیں تاکہ ان کا امتحان ہو اور بروز قیامت ان کی گرفت سخت ہو اسی لئے کہا گیا ہے کہ پانی سے سیرابی کثرت مال کا ذریعہ ہے اور کثرتِ مال آزمائش اور فتنہ کی پیش کش ہے اور روایاتِ اہلبیت میں ہے کہ استقامت سے مراد ولاءِ آل محمدؐ پر ثابت قدم رہنا ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر تمام جن و انس ولاءِ آل محمدؐ پر اتفاق کر لیتے اور اسی دین حق پر ثابت قدم رہتے تو ان کی دنیا جنت ہوتی اور رزق وافر سے بہرہ ہوتے۔

عَذَابًا صَعَدًا۔ یعنی ذکر پروردگار سے اعراض کرنے والوں کو بامشقت عذاب دیا جائے گا۔

صَعَدًا ﴿۱۸﴾ وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۹﴾ وَّ اَنَّهٗ لَمَّا

میں داخل کرے گا اور تحقیق مساجد اللہ کے لئے ہیں پس اس کے ساتھ کسی کو (شریک قرار دیکر) نہ بلاؤ اور تحقیق جب بھی

اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ۔ یعنی مساجد جائے عبادت ہیں پروردگار کے لئے لہذا ان میں صرف اسی ایک کی عبادت کیا کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور بعضوں نے مساجد کا معنی نماز کیا ہے کہ نمازیں صرف اللہ کے لئے پڑھا کرو اور اس کا عبادت میں کسی کو شریک قرار نہ دو اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ معتصم خلیفہ عباسی کو امام محمد تقی علیہ السلام نے مساجد کا معنی اعضائے سبعہ بتایا جو سجدہ میں زمین سے مس ہوتے ہیں اور اس کی تفصیل اس طرح منقول ہے کہ دربار معتصم میں ایک چور کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا مسئلہ پیش آیا تو درباری علماء میں ہاتھ کی حد پر اتفاق نہ ہو سکا۔ ایک نے کہا چور کا ہاتھ کندھے سے کاٹ لیا جائے دوسرے نے کہنی سے کاٹنا بتایا اور تیسرے نے کلائی سے اسے جدا کرنے کا فتویٰ دیا اور ہر ایک نے اپنے مسلک پر دلائل پیش کیں کندھے والے نے عرف عام کو پیش کیا۔ کہنی والے نے آیت وضو سے تمسک کیا اور کلائی والے نے آیت تیمم پڑھ ڈالی معتصم نے ایک درباری کے کہنے پر امام محمد تقی علیہ السلام کو بلوایا پہلے تو امام نے معذرت کی لیکن خلیفہ کے اصرار پر تشریف لائے اور درباری علماء کے ہر سہ اقوال کو رد فرمایا اور ہاتھ کاٹنے میں ہاتھ کی حد صرف انگلیوں تک مقرر فرمائی اور آپ نے استدلال میں اِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ۔ پڑھا کہ اعضاء سبعہ جن پر سجدہ کیا جاتا ہے یہ اللہ کے لئے ہیں اور سزا سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ کی علامت ہے (اقول) یہ آیت قطع پر وارد ہے جس طرح آیت نفی حرج و عسر آیت وضو پر حاکم ہیں لہذا اس جگہ مقام سجدہ کو بچا کر باقی حصہ کو کاٹ دینا چاہیے تاکہ دونو آیتوں پر عمل ہو جائے اور قرآن مجید میں صرف انگلیوں پر بھی ہاتھ کا اطلاق وارد ہوتا ہے چنانچہ یہودیوں کے متعلق ارشاد قدرت ہے۔ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ۔ یعنی کتاب تورات کی آیات کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور پھر ان کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اور ہمیشہ کتابت انگلیوں سے ہوا کرتی ہے نہ کہ کلائی و کہنی و کندھے سے لہذا قرآن کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سے مراد یہی حصہ ہے جس کو کاٹا جانا چاہیے نیز چوری میں بھی دخل اسی حصہ کو ہے پس معتصم مطمئن ہوا اور چور کی سزا امام محمد تقی علیہ السلام کے حکم سے مقرر ہوئی اور آخر کار یہی چیز ان کی شہادت کی موجب بنی کیونکہ درباری چیف جسٹس ابن ابی داؤد نے سخت برہمی کا اظہار کیا اور اس نے معتصم کو بالآخر امام کے قتل پر آمادہ کر لیا۔ اور ہم نے مقدمہ تفسیر ہٰذا میں "معجز نما کی ضرورت" کے عنوان کے ذیل میں بھی یہ روایت نقل کی ہے اور تفسیر برہان میں بروایت عیاشی ملخصاً مذکور ہے۔

مساجد کا معنی اور طریقہ نماز شیعہ

اور تفسیر برہان میں بروایت کلینی حماد بن عیسیٰ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھے فرمایا اے حماد! کیا تو نماز خوبی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے؟ تو میں نے عرض کی حضور! میں نے نماز کے متعلق حریز کی کتاب یاد کی ہوئی ہے تو آپ نے

فرمایا اے حماد ! اس میں کوئی حرج نہیں کھڑے ہو کر میرے سامنے نماز پڑھو، حماد کہتا ہے کہ میں اُن کے سامنے قبلہ رو کھڑا ہو گیا اور نماز پڑھی پس فرمانے لگے۔ اے حماد ! تجھے نماز پڑھنی نہیں آتی اور کس قدر بُری بات ہے کہ انسان کی ساٹھ یا ستر برس زندگی گذر جائے اور ایک نماز بھی اس نے صحیح نہ پڑھی ہو حماد کہتا ہے مجھے حضورؑ کے اس فرمان سے دل میں خجالت محسوس ہوئی پس میں نے عرض کی قبلہ ! میری جان آپ پر فدا ہو آپ مجھے نماز کا طریقہ سکھائیں پس امام عالیمقام قبلہ رُو کھڑے ہو گئے اور اپنے دونو ہاتھ رانوں تک لٹکائے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ملی ہوئی تھیں اور قدموں کے درمیان کا فاصلہ تین کھلی انگلیوں کے برابر تھا اور پاؤں کی انگلیوں کا رُخ بھی قبلہ کی جانب تھا جن میں کوئی کجی نہ تھی پس خشوع وخضوع سے آپ نے تکبیر کہی پس سورہ فاتحہ کو ترتیل کے ساتھ پڑھا اس کے بعد سورہ توحید کو پڑھا اور ایک سانس کا وقفہ کر کے حالتِ قیام میں دونو ہاتھوں کو منہ کے برابر تک بلند کیا اور خشوع کے ساتھ تکبیر کہی اور رُکوع میں گئے اور اپنے دونو کفِ دست سے گھٹنوں کو پیچھے کی طرف دھکیلا اور ہاتھوں کی انگلیاں اس وقت کھلی تھیں اور پشت سر کے برابر سیدھی تھی کہ اگر اُوپر ایک قطرہ پانی پڑتا تو وہ بہہ نہ سکتا اس حالت میں گردن دراز تھی اور آنکھیں بند تھیں پس نہایت ترتیل کے ساتھ تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھا اور پھر کھڑے ہو گئے اور حالتِ قیام میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہا اور اسی قیام کی حالت میں اللہ اکبر کہا اور ہاتھوں کو مُنہ کے برابر تک بلند فرمایا پھر سجدہ میں گئے پس گھٹنوں کے سامنے ہاتھوں کو قبلہ رُخ اور منہ کے برابر رکھا اس وقت ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی تھیں پس آپ نے تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى زبان پر جاری فرمایا جبکہ جسم کا کوئی حصہ آٹھ اعضاء کے علاوہ زمین پر لگا ہوا نہ تھا وہ آٹھ اعضاء یہ ہیں دونو ہتھیلیاں دونو گھٹنے دونو پاؤں کے انگوٹھے پیشانی اور ناک کا کنارہ (چنانچہ بعد میں آپ نے فرمایا کہ ان میں سے سات اعضاء کا زمین پر ٹیکنا فرض ہے دونو ہتھیلیاں دونو گھٹنے دونو پاؤں کے انگوٹھے اور پیشانی اور انہی کا قرآن مجید میں ذکر ہے اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا اور ناک کا زمین پر رکھنا سنت ہے) اس کے بعد سجدے سے سر اُٹھایا جب دُرست بیٹھ گئے تو تکبیر کہی اور اس طرح بیٹھے کہ دائیں قدم کی پشت بائیں قدم کے تلوے سے لگی ہوئی تھیں اور جسم کا بوجھ بائیں ران پر تھا پس اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ پڑھا اور اسی حالت میں پھر تکبیر کہی اور بعد میں دوسرے سجدہ کے لئے جُھکے اور وہی ذکر پڑھا جو پہلے سجدہ میں پڑھا تھا اور اعضاء مذکورہ کے علاوہ جسم کا کوئی حصہ زمین پر لگا ہوا نہ تھا کہنیاں بھی زمین سے اٹھی ہوئی تھیں پھر اسی طریقہ سے دوسری رکعت پڑھی اور جب تشہد میں بیٹھے تو ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی تھیں پس سلام پڑھا اور مجھے فرمایا۔ اے حماد۔ نماز اس طرح پڑھا کرو اور اسی روایت کو شیخ صدوق اعلی اللہ مقامہٗ نے فقیہ میں بھی نقل فرمایا ہے

تَنْبِيْه: بعض مومنین رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر پڑھتے ہیں حالانکہ امام عالیمقام کے بتائے ہوئے طریقہ کی بناء پر حالتِ قیام میں تکبیر کہہ کر بعد میں رکوع کی طرف جھکنا چاہیئے اسی طرح اُٹھتے ہوئے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہنا درست نہیں بلکہ کھڑے ہو کر حالتِ قیام میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہہ کر بعد میں سجدہ کی طرف جُھکنا چاہیئے اسی طرح

قُلْ إِنَّمَآ أَدْعُوا ۔ وَأَنَّهُۥ لَمَّا قَامَ عَبْدُ ٱللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا۟ يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿٢٠﴾

اللہ کا بندہ (محمدؐ) اس کو پکارنے کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اس پر ہجوم ہو جاتے ہیں کہہ دیجئے میں تو اپنے رب کو پکارتا

رَبِّى وَلَآ أُشْرِكُ بِهِۦٓ أَحَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ إِنِّى لَآ أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا

ہوں اور اس کا کسی کو شریک نہیں کرتا کہہ دیجئے میں تو تمہارے لئے کسی نقصان نا نفع کا مالک

سجدے سے اُٹھ بیٹھنے کے بعد حالتِ قعود میں اللہ اکبر کہنا چاہیئے اور اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ کہکر حالتِ قعود ہی میں تکبیر کہہ کر دوسرے سجدہ میں جانا چاہیئے اور حالتِ قعود میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر اُٹھنا شروع کیا جائے اور اُٹھنے کی حالت میں بِحَوْلِ اللّٰہِ وَقُوَّتِہٖ اَقُوْمُ وَ اَقْعُدُ پڑھنا چاہیئے گویا پوری نماز کے اذکار حالتِ سکون واطمینان میں بجالانے چاہئیں صرف بِحَوْلِ اللّٰہ قعود سے قیام کی طرف حرکت کرنے کی حالت میں پڑھا جاتا ہے۔ نماز کے باقی احکام ومسائل تفسیر کی جلد ۹ میں ص۴۷ تا ص۶۰ پر ملاحظہ ہوں۔

قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ ۔ اس کے معانی متعدد کئے گئے ہیں (۱) جب بھی حضورؐ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو قرآن مجید سُننے کیلئے قوم جن ہجوم کرلیتی ہے اور ایک دوسرے پر چڑھ آتے ہیں (۲) جنوں نے واپس جاکر اپنی قوم سے بیان کیا کہ جب حضورؐ نماز پڑھتے ہیں تو قرآن سُننے کے لئے صحابہ ایک دوسرے سے سبقت لینے اور مقام قرب حاصل کرنے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں اور حضورؐ کے اردگرد لوگوں کا ہجوم ہو جاتا ہے (۳) جب آپ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے ہیں تو روکاوٹیں ڈالنے کے لئے اور آپ کی ایذاء رسانی کے لئے کفارِ قریش دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کے اردگرد ہجوم واکٹھ ہو جاتا ہے۔

رکوع ۱۲ مقام توحید

وَلَآ اُشْرِکُ بِہٖ ۔ قریش نے حضورؐ کو کہا تھا کہ تم نے ایک بہت بڑا دعویٰ کیا ہے اور ایسی چیز پیش کی ہے جو اس سے پہلے ہم نے نہیں سُنی تھی لہٰذا مناسب ہے کہ اس سے باز آجاؤ تو بحکم پروردگار آپ نے فرمایا میں تو صرف اپنے رب کو ہی پکارتا ہوں اور اس کا کسی کو شریک نہیں قرار دیتا۔ اس میں شک نہیں کہ مقام توحید ہی جس قدر اہم ہے اُسی قدر اس کی تبلیغ کٹھن ہے لوگوں کی خواہشاتی آزادی وآوارگی صرف توحید کے عقیدہ کے بعد ہی کنٹرول میں لائی جاسکتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں خواہش پرست وعیاش طبع طبقہ عقیدۂ توحید کو للکارتا رہا اور تمام انبیاء سابقین کی زندگیاں زیادہ تر اسی عقیدہ کی تبلیغ وحفاظت میں صرف ہوئیں۔ اور لوگوں کی اکثریت ہمیشہ ہاؤ ہو کی تابع ہوا کرتی ہے اور تحقیق بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا کرتی ہے اس لئے توحید کا پیغام بڑی ہمت والوں کا کام ہے بڑے بڑوں کو مفاد پرست عوام طبقہ جو تحقیق سے سروکار نہیں رکھتا خدا ماننے پر تل جاتا تھا تاکہ خوشامد کے ذریعہ کاسہ لیسی شکم پُری اور تکمیل خواہشات میں زیادہ سے زیادہ بہرہ اندوز ہو سکے اور انبیاء چونکہ خارق عادت معجزات کے حامل ہوا کرتے ہیں اس لئے عوام الناس کے متعلق یہ خطرہ ناگزیر ہے کہ وہ اپنی خوشامدانہ افتادِ طبع کے ماتحت اعجاز پیغمبری کو دیکھ کر کہیں ان کو خدا نہ سمجھ بیٹھیں اسی لئے کہ تحقیق طلب لوگ ہی مقام توحید کو دلیل وبرہان سے سمجھنے کی کوشش

رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ

نہیں ہوں کہہ دیجئے مجھے اللہ سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا اور ہرگز میں کسی کو اس کے سوا

مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِسٰلٰتِہٖ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ

جائے پناہ نہیں سمجھتا مگر اللہ کی جانب سے تبلیغ اور اس کی پیغام رسانی (میرا کام ہے) اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اُن کیلئے

کرتے ہیں ورنہ بھیڑ چال مخلوق کے لئے جہاں صرف سیم وزر کی فراوانی اس کے خدا کہلوانے کے لئے کافی سمجھی جاتی ہو وہاں ان کے نزدیک کسی خارق عادت معجزہ کا اظہار یقیناً خدا کہلانے کا محرک بن سکتا ہے اس لئے پروردگار نے انبیاء کی دعوت میں مقام توحید کی وضاحت وتبلیغ کو اہم قرار دیا اور اسی کو دین کی اصل کہا گیا اور حضرت رسالتمآبؐ چونکہ تمام انبیاء کے سلطان تھے ان پر بھی ربوبیت کا شک ناگزیر تھا لہٰذا انہوں نے واضح لفظوں سے اعلان فرما دیا کہ میں تو اپنی ہر مشکل میں اللہ کو ہی پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیتا۔ اور اسی نکتہ کے پیش نظر پہلی آیت میں حضرت نبی کریمؐ کو عبداللہ کے نام سے یاد کیا گیا تاکہ یہ ذہن نشین ہو جائے کہ یہ اللہ کا عبد ہے اور اسی کو پکارا کرتا ہے اور لوگوں کو ہر مشکل ومصیبت میں اس ایک کے پکارنے اور اُسی کی طرف رُجوع کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اسی اسوۂ حسنہ پر گامزن ہوتے ہوئے جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے اکثر مکاتیب میں اپنے آپ کو عبداللہ لکھا ہے تاکہ لوگ مافوق البشر کمالات سے متاثر ہو کر ان کو کہیں خدا نہ کہہ دیں۔ پس انسان کیلئے اپنی تمام حاجات ومشکلات میں اللہ کی طرف رُجوع کرنا عین دین ہے پس وہی اسی لائق ہے کہ اس کو پکارا جائے اور حضرت محمدؐ وآل محمدؐ اس کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں انہوں نے انسانوں کو توحید کا سبق پڑھایا اور انہوں نے ہی دین اسلام کا حقیقی راستہ دکھایا اور انہی کے وسیلہ سے ہی دعائیں مستجاب ہوا کرتی ہیں اسی لئے معصومؑ کا فرمان ہے کہ دعا کی مقبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اول وآخر میں محمدؐ وآل محمدؐ پر درود بھیجا جائے۔

لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ۔ مقام توحید کو پختہ کرنے کے لئے مزید فرمایا کہ اگر تم کو نقصان وضرر ومصیبت ومشکل درپیش ہو تو اللہ کی طرف رجوع کیا کرو اور اسی کو پکارا کرو اور اگر کوئی چیز طلب کرنی ہو تو اسی سے ہی مانگا کرو پس جس طرح کسی بے جان کو اللہ کا شریک ماننا کفر ہے اسی طرح کسی جاندار کو شریک کہنا بھی کفر ہے اور میں بحیثیت پیغمبر تمہیں شرک سے روکنے کے لئے آیا ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم دوسروں کو چھوڑ کر خود مجھے اس کا شریک ماننے لگ جاؤ۔ حاشا وکلا میں اس کا عبد ہوں شریک نہیں ہوں اور نہ میں تمہارے کسی نفع ونقصان کا مالک ہوں اور میں اپنے لئے اللہ کو ہی جاہ پناہ سمجھتا ہوں اور تمہیں بھی اسی کی دعوت دیتا ہوں اور جب مجھے اللہ کے علاوہ نہ کوئی بچا سکتا ہے اور نہ جائے پناہ بن سکتا ہے تو تمہیں بھی اسی ایک کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور اسی امر کی تبلیغ پر میں مامور ہو کر آیا ہوں۔

اِلَّا بَلٰغًا۔ یعنی میں تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں مگر تبلیغ کا علم بردار ہوں اور بَلٰغًا بدل ہے مُلْتَحَدًا سے۔

نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ

دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہاں تک کہ جب دیکھیں گے وہ چیز جس کا وعدہ کئے گئے ہیں تو جان

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ

لیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کے ساتھی کم ہیں کہہ دیجئے میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے جس کا تم وعدہ

اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا

کئے گئے ہو یا اللہ اس کی مدت کو بڑھائے گا؟ وہ غیب کے جاننے والا ہے پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر جس کو

مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

چن لے رسولوں میں سے کیونکہ تحقیق وہ اپنے ماقبل و مابعد کے متعلق صحیح راستہ پہ گامزن ہوا کرتا ہے

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع

تاکہ اُسے پتہ ہو کہ وہ اپنے رب کے پیغامات پہنچا چکے ہیں اور (اللہ) احاطہ کرنیوالا ہے ہر اس چیز کا جو ان کے پاس ہے اور احصا کرنیوالا ہے ہر شی کی تعداد کا

حَتّٰٓى اِذَا - یعنی جب کفار اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آئیں گے تو ان کو پتہ چلے گا کہ ان کے مددگار یعنی بت کمزور ہیں یا مومنوں کا مددگار یعنی اللہ کمزور ہے اور ان کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے لشکر کی تعداد کم ہے یا اُن کے لشکر کی نفری تھوڑی ہے؟

اِنْ اَدْرِيْ - یعنی تمہارے عذاب کی تاریخ کا مجھے کوئی علم نہیں ہے نزدیک ہے یا دُور ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى - یعنی علم غیب سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا لیکن اللہ اپنے رسُولوں میں سے جس کو جس قدر دیدے وہ دے سکتا ہے بلکہ دیدیتا ہے تاکہ وہ اپنے سے پہلے ہادیانِ دین یا اپنے سے بعد والے نمائندگانِ توحید کے صحیح مسلک پہ گامزن ہو سکے اور یہ اندازہ کرنا کہ اللہ نے کس رسول کو کتنا دیا؟ مشکل ہے البتہ ہر رسول کو اُس نے اس کے شان کے مطابق دیا تاکہ پُوری طرح وہ اپنی اُمت کو ہر ممکن طریقہ سے مطمئن کر سکے اور حضرت محمد مصطفیٰؐ چونکہ تمام رسولوں کے سلطان اور سب سے افضل ہیں لہذا ان کو تمام رسولوں سے زیادہ دیا اور اسقدر دیا جسقدر ان کی عالمی رسالت کے ماتحت ان کے شایانِ شان تھا پس تمام نبیوں اور رسولوں سے زیادہ دیا اور حضرت علیؑ سے حضرت مہدی علیہم السلام تک تمام آئمہ چونکہ حضرت محمدؐ مصطفےٰ کے صحیح جانشین ہیں لہذا غیوب کا علم رکھنے میں تمام انبیاء مرسلین سے افضل و برتر ہیں اور ترکیب نحوی کے اعتبار سے مَنِ ارْتَضٰى میں اسم موصول مبتداء ہے اور فَاِنَّهٗ اس کی خبر ہے اور آخر میں فرمایا کہ جس نبی و رسول کو جس قدر علم ہے وہ اللہ کے احاطۂ علم کے اندر ہے اور وہ خود جانتا ہے کہ اس نے کس کو کتنا دیا ہے۔

سورہ مزمّل

- یہ سورہ مکیہ ہے بعض اس کو مدنی کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کی کچھ آیات مکی اور کچھ مدنی ہیں اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر اکیس ۲۱ ہے۔
- حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ مزمل کی تلاوت کرتا ہے گا وہ دنیا میں بدحالی سے محفوظ رہے گا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص نماز عشاء میں یا نماز تہجد میں سورہ مزمل کی تلاوت کرے گا تو بروز محشر شب و روز اس کے شاہد ہوں گے اور ایسے شخص کی زندگی اور موت دونو پاکیزہ ہوں گی۔
- تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو باقاعدگی سے ہر روز پڑھتا رہے اس کو جناب رسالتمآبؐ کی زیارت نصیب ہو گی اور جو نیکی اللہ سے طلب کرے گا اس کو دی جائے گی اور جو شخص اس کو شب جمعہ میں ایک سو مرتبہ پڑھے اس کے ایک سو گناہ معاف ہوں گے اور ایک سو نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس کو ہمیشہ پڑھتا رہے دنیا و آخرت کی بدحالی اس سے دور ہو گی اور رسالتمآبؐ کی زیارت اس کو نصیب ہو گی۔
- دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے تمام انسانوں اور جنوں کے برابر غلام آزاد کرنے کا ثواب اس کو ملے گا اور دین و دنیا کی سختیاں اس سے دور ہوں گی اور عالم خواب میں رسالتمآب کی زیارت اس کو نصیب ہو گی پس اُن سے جو چاہے مانگ لے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ② قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ③ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ④

اے کملی اوڑھنے والے رات کو اٹھو (عبادت کیلئے) مگر کم نصف رات یا اس سے کم کر دو تھوڑا سا

رکوع ۱۳

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ - یہ باب تفعل سے ہے کیونکہ اصل میں تَزَمَّلَ يَتَزَمَّلُ تَزَمُّلًا فَهُوَ مُتَزَمِّلٌ سے ہے پس قاعدہ صرفی کے لحاظ سے تاء کو زاء سے تبدیل کر کے زاء کو زاء میں ادغام کر دیا گیا اور مُزَّمِّل بن گیا اس کا لغوی معنی ہے اپنے اوپر کپڑا لپیٹ لینا اور جب یہ سورہ اترا اس وقت حضورؐ اپنے جسد اطہر پر کملی لپیٹے ہوئے تھے اور حضورؐ کے ناموں میں سے ایک نام مزمل بھی ہے۔

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۵ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۶ اِنَّ نَاشِئَةَ

یا اس سے کچھ زیادہ کر دو اور قرآن کو ترتیل سے پڑھا کرو تحقیق ہم تیرے اوپر ایک وزن دار کلام اتاریں گے تحقیق اٹھنا

الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۝۷ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝۸

رات کا بہت زیادہ مشقت کا موجب بھی ہے اور قرأت کیلئے مناسب و موزوں بھی ہے بے شک تمہارے لئے دن میں چلنے پھرنے کا وقت کافی ہے

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا - یہ رات کی عبادت کے لئے قیام کا امر ہے اور نِصْفَهٗ بدل بعض ہے لیل سے یعنی رات کا نصف حصہ یا اس سے کچھ کم یا بیش وقت عبادت کے لئے قیام کرو اور اس سے نماز تہجد کا وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے لیکن اسی سورہ کے آخری حصہ میں رخصت نازل ہوئی اور مروی ہے کہ نبی کریم اور صحابہ رات کو عبادت کے لئے قیام کرتے تھے اور چونکہ اس زمانہ میں ٹائم کو صحیح معلوم کرنے کے لئے آلات موجود نہ تھے اس لئے رات کا اکثر حصہ بیداری میں کاٹتے تھے اور ایک سال تک اس وجوبی امر کے ماتحت نماز تہجد پابندی سے ادا ہوتی رہی پھر سال کے وقفہ کے بعد اس سورہ کا آخری حصہ نازل ہوا جس میں حکم ہوا کہ اس مشقت کو چھوڑ دو اور اسی قدر شب بیداری کرو جتنا ممکن ہو فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ

اِلَّا قَلِيْلًا - استثنا ہے یعنی ہمیشہ رات کا نصف یا کم و بیش حصہ عبادت کرو مگر تھوڑی راتیں جب سفر یا کوئی دوسرا عذر پیش ہو

اَوِ انْقُصْ - یعنی نصف شب سے کچھ کم کر دو یا کچھ زیادہ کر دو۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ - یعنی ادائیگی حروف و الفاظ میں محتاط رہو اور حروف کو اپنے مخارج سے ادا کرو حضرت ابن عباس کہا کرتے تھے کہ میں ترتیل کے ساتھ صرف سورہ بقرہ پڑھوں تو وہ مجھے بلا ترتیل قرآن کے ختم کر لینے سے محبوب تر ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے اس کا معنی یہ منقول ہے کہ اس کو واضح اور صحیح اس طرح پڑھو کہ نہ اشعار کی طرح جلدی سے پڑھو اور ریگ کے دانوں کی طرح بکھیر کر پڑھو بس اس طرح پڑھو کہ اس سے سخت دل بھی نرم ہو جائیں اور آخر سورہ تک جلدی پہنچنے کا خیال نہ کیا کرو اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس آیت میں جنت کا ذکر ہو تو ٹھہر کر جنت کی دعا کر لیا کرو اور جس آیت میں دوزخ کا تذکرہ ہو تو رک کر اس سے پناہ مانگ لیا کرو اور بروایت ابوبصیر آپ سے ترتیل کا معنی منقول ہے کہ حسین آواز اور اچھے لہجے سے قرآن کی تلاوت کیا کرو اور ام سلمہؓ سے منقول ہے کہ حضرت رسول کریم تلاوت قرآن میں آیت آیت پڑھ کر خاموش ہو جایا کرتے تھے اور یہ کہ قاری قرآن کو بروز محشر ندا آئے گی کہ قرآن کو پڑھتا جا اور مدارج جنت پر چڑھتا جا۔

قَوْلًا ثَقِيْلًا - قرآن کو قول ثقیل اس لئے کہا گیا ہے کہ اس پر پابندی سے عمل کرنا عام طبائع پر ثقیل ہوتا ہے یا یہ کہ یہ کلام ایک وزنی کلام ہے عام کلاموں کی طرح نہیں ہے یا یہ کہ قیامت کے روز میزان عمل میں یہ کلام وزنی ثابت ہوگا۔

نَاشِئَةَ الَّيْلِ - صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے آخر شب میں تہجد کے لئے اٹھنا۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝٩ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا

اور اللہ کے نام کو یاد کرو اور اسی کی طرف یکسوئی اختیار کرو جو مشرق و مغرب کا رب ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں

هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝١٠ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۝١١

پس اسی کو جائے اعتماد سمجھو اور صبر کرو جو کچھ وہ کہتے ہیں اور اُن سے اچھے انداز میں قطع تعلق کر لو

اَشَدُّ وَطْأً یعنی پچھلی رات کا اُٹھنا اگرچہ مشقّت طلب تو ہے لیکن عبادت کے لئے موزوں ہے قیل سے مراد قول یعنی عبادت ہے کیونکہ اس وقت سکون اور خاموشی ہوتی ہے لہذا یہ وقت خضوع و خشوع کے لئے زیادہ موزوں ہے اور اگلی آیت میں ہے کہ کاروبار کے لئے دن کافی ہوتا ہے لہذا رات کا یہ حصہ یادِ خدا میں ہی بسر کر لیا کرو۔ علامہ طبرسی فرماتے ہیں اس سے ان لوگوں کے عذر کی نفی ہوتی ہے جو نماز تہجد کو تعلیم و تعلّم کے بہانہ سے چھوڑ دیتے ہیں اس پر محشی شیخ ابوالحسن شعرانی تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ طبرسی نے دور حاضر میں طلباء و مدرسین کی بدعادت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ نماز تہجد کو ترک کرتے ہیں اور بہانہ تعلیم و تعلّم کو قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں ہمارے زمانہ میں تو علامہ طبرسی کے زمانہ سے بھی بات بہت آگے بڑھ چکی ہے کہ تہجّد پڑھنا تو درکنار طالبعلموں کو صحیح قرأت کا بھی پتہ نہیں ہے اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ علم تجوید واجب نہیں ہے اور یہ یاد رہے کہ شریعت میں بعض ایسے امور کا حکم ہے جن کے لئے اہل خبرہ کی طرف رجوع ضروری ہوا کرتا ہے مثلاً استقبال قبلہ کے لئے علم ہیئت کے ماہرین صحیح رائے دیں گے اور بلاد دین کے لئے عامۃ الناس کا عرف صحیح فیصلہ کرے گا اسی طرح قرأت صحیحہ کا فیصلہ علم صرف و نحو سے ہوگا اور ترتیل کا تعین علم تجوید سے ہوگا۔

اقول:۔ سابق علماء اپنے زمانہ کے مدرسین و طلباء کی نماز تہجّد میں سہل انگاری کا رونا روتے تھے اگر وہ آج ہوتے تو دیکھتے کہ نماز تہجد تو درکنار صبح و مغرب و ظہرین کے نوافل کی پرواہ نہیں کی جاتی اسی طرح نماز کو باجماعت ادا کرنا بھی تاوان سمجھا جاتا ہے خداوند کریم ہمیں نوافل و واجبات پر پابندی و مواظبت کی توفیق مرحمت فرمائے۔

تَبَتَّلْ إِلَيْهِ - یہ بتل سے ہے جس کا معنی ہے قطع کرنا اور یہاں دنیاوی امور سے قطع تعلق اور صرف اللہ کی طرف رجوع کرنا مراد ہے اور اسی بناء پر حضرت فاطمہ زہرا کو بتول کہا جاتا ہے اور اس کا معنی اخلاص و توکّل بھی کیا گیا ہے اور اس کے بعد مصدر بطور مفعول مطلق کے تَبَتُّل ہونا چاہیئے تھا لیکن آیات کے فواصل کی رعایت کے لئے باب تفعّل کے بجائے باب تفعیل تبتیل لایا گیا ہے اور صادقین علیہما السلام سے اس جگہ تبتل سے مراد نماز میں رفع یدین لیا گیا ہے۔

وَاصْبِرْ - یعنی کفار مکہ آپ کو ساحر شاعر یا دیوانہ جو کچھ بھی کہیں آپ صبر و حوصلہ کا دامن نہ چھوڑیں۔

وَاهْجُرْهُمْ ہجر جمیل سے مراد یہ ہے کہ کفار سے دل ہی دل میں قطع تعلق رکھئے اور اس کو ظاہر نہ ہونے دیجئے تاکہ تبلیغ رسالت میں رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے اور معاشرہ میں یہ صفت نہایت اعلیٰ کردار کی غماز ہے۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۱۲ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا

اور ناز و نعمت سے پرورده قرآن کو جھٹلانے والوں کو میرے حوالہ کر دو اور انہیں تھوڑی مہلت دیدو تحقیق ہمارے پاس طوق و زنجیر

وَجَحِيمًا ۱۳ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۱۴ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ

بھی ہیں اور بھڑکتی ہوئی آگ بھی ہے اور گلوگیر کھانا اور دردناک عذاب بھی ہے جس دن زمین و پہاڑ کانپیں گے

وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَهِيلًا ۱۵ إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ

اور پہاڑ ریت کے ٹیلے (کی مانند ذرات) ہوں گے تحقیق ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم پر شاہد ہے

كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۱۶ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا

جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا پس فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سخت

وَبِيلًا ۱۷ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۱۸

طور پر پکڑ لیا پس تم کس طرح بچو گے اگر تم نے کفر کیا اس دن سے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا

وَذَرْنِي - ذَرْ اور دَعْ کا معنی ایک ہے ان کا صرف مضارع یَذَرُ و یَدَعُ استعمال ہوا کرتا ہے اور معنی یہ ہے کہ مجھے اور ان ناز پروردہ کافروں کو چھوڑ دیجئے یعنی ان کا معاملہ میرے حوالے کر دیجئے اور جلد بازی کی ضرورت نہیں بیشک لمبی ڈھیل دیدیجئے کیونکہ یہ لوگ میری گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

جَحِيمًا - بھڑکتی ہوئی آگ کو کہتے ہیں اور جہنم کے ایک طبقہ کا نام بھی جحیم ہے۔

ذَا غُصَّةٍ - یعنی جہنمیوں کو ایسی غذا ملے گی جو گلوگیر ہوگی اور اس سے مراد زقوم بھی لی گئی ہے۔

مَهِيلًا - جب ریت کے ڈھیر میں سے ریت نیچے سے نکالی جائے تو اوپر والی گرنا شروع ہو جاتی ہے اسی کو مہیل کہتے ہیں اور اهالة التراب کا یہی معنی ہوا کرتا ہے یعنی اس دن پہاڑوں کی سختی ختم ہوگی اور وہ ذرات ریگ طرح ہوں گے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا - اللہ نے اس آیت مجیدہ میں امتِ محمدیہ کو امتِ موسویہ سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح ہم نے موسیٰ کی طرف رسول بھیجا تھا اسی طرح تمہاری طرف بھی رسول بھیجا ہے اور فرعون نے رسول کی نافرمانی کی اور اس کا حشر و انجام تمہارے سامنے ہے کہ ہم نے کس طرح سختی سے اس کو گرفتار عذاب کر لیا تھا پس تم اگر دانا ہو تو اس کی گرفتاری سے نصیحت حاصل کرو اور اُس جیسے حالات اپنے اندر پیدا کرنے سے گریز کرو اور اس مشابہت کی تفصیل ہم نے تفسیر کی دوسری جلد صفحہ ۱۶۴ تا صفحہ ۱۷۰ پر کر دی ہے لہذا اس جگہ دھرانے کی ضرورت نہیں۔

وَبِيلًا - ہر ثقیل کو وبیل کہا جاتا ہے اور نہ ہضم ہونے والے کھانے کو بھی اسی لئے وبیل کہتے ہیں پس موٹے قطرات والی بارش

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ

آسمان اُس دن پھٹ جائے گا اس کا وعدہ ہو کے رہے گا تحقیق یہ نصیحت ہے پس جو چاہے

شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى

اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرلے تحقیق تیرا رب جانتا ہے کہ تم (بعض اوقات) دو تہائی شب سے

مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ

کم قیام کرتے ہو اور (بعض اوقات) نصف شب اور (بعض اوقات) تہائی شب اور تیرے ہمراہیوں کا گروہ بھی (ایسا کرتا ہے) اور اللہ ہی

الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ

شب و روز کی مقدار مقرر کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ تم ہرگز اس کا صحیح تعین نہ کرسکو گے پس اُس نے تم پر رحم کیا پس جس قدر

الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي

قرآن پڑھنا آسان ہو پڑھا کرو اس کو علم ہے کہ تم میں سے بیمار بھی ہوں گے اور بعض زمین میں سفر کر رہے ہوں گے تاکہ

الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ

اللہ کا رزق تلاش کریں اور دوسرے بعض اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہوں گے

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا

لہٰذا جو کچھ اس میں سے آسان ہو پڑھ لیا کرو اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو اچھا قرضہ دو

کو وابل مصیبت کو وبال اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے۔

مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ۔ حرف جار با فی کے معنی میں ہے کہ اس دن کی شدت سے آسمان پھٹ جائے گا اور وہ دن اس قدر سخت ہوگا کہ اس کی سختی بچوں کو بوڑھا کر دے گی یا یہ کہ اس قدر لمبا ہوگا کہ بچے اس وقفے میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں گے۔ یعنی اگر اس قدر طول یا سختی دنیا میں دیکھی جاتی تو بچوں کو بھی بوڑھا کر دیتی ورنہ وہاں قیامت کے روز تو بچوں کے بوڑھا ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور السَّمَآءُ کو مذکر استعمال کیا گیا ہے کیونکہ لفظ مذکر ہے یا چھت کے معنی میں ہے یا اِمْرَاَةٌ مُطْفِلٌ وَمُرْضِعٌ کی طرح ہے یعنی ذات طفل و ذاتُ رِضَاعٍ۔

رکوع نمبر ۱۴ اَنَّكَ تَقُوْمُ۔ ابتداء سورہ میں رات کے قیام کا امر تھا جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ پس صحابہ بعض اوقات

حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ

اور جو کچھ بھی تم اپنے لئے بھیجو گے نیکی لسے اللہ کے پاس پاؤ گے عمدہ اور اعظم

خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١﴾ ع

اجر کے اعتبار سے اور اللہ سے بخشش طلب کرو تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

رات بھر جاگ لیتے تھے تاکہ معین وقت سے ہمارا قیام کم نہ رہے تو یہاں اس حکم میں تخفیف کی گئی ہے اور وجوب کے بجائے اس کو سنت قرار دیا گیا ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ جو بعض صحابہ حضورؐ کے ہمراہ ساری رات کھڑے ہو کر عبادت میں گذارتے تھے حتاکہ ان کے پاؤں متورم ہو جاتے تھے وہ حضرت علیؑ اور حضرت ابوذر تھے۔

وَاللَّهُ يُقَدِّرُ۔ یعنی شب و روز کے اوقات کا صحیح اندازہ تو اللہ کو ہی معلوم ہے اور تم لوگ اس کا ہرگز احصار نہیں کر سکتے لہٰذا اللہ نے تم پر اپنے فضل و کرم سے تخفیف کر دی ہے کہ اب جس قدر تمہیں آسان ہو پڑھ لیا کرو بعضوں نے اس جگہ نماز تہجد مراد لی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مطلق قرآن کی تلاوت کا حکم استحبابی ہے اور اس کی مقدار میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے پچاس آیات بعض نے ایک سو آیات اور بعض نے دو سو آیات روزمرہ پڑھنے کی کم از کم حد مقرر کی ہے۔

سُورہ مدثر

★ یہ سورہ مکیہ ہے۔

★ آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ملا کر ستاون ہے

★ حدیث نبوی میں ہے کہ سورہ مدثر کی تلاوت کرنے والے کو حضورؐ کی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کی تعداد سے دس گنا اجر ملیگا

★ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص نماز فریضہ میں سورہ مدثر کی تلاوت کرے گا خداوند کریم اس کو حضرت محمدؐ مصطفیٰ کے درجہ میں جگہ دے گا اور دنیا میں اس کو کوئی بدبختی مس نہ کرے گی۔

★ فوائد القرآن میں مصباح کفعمی سے مروی ہے کہ جو شخص اس سورہ کی تلاوت روزانہ باقاعدگی سے کرے گا تو اس کے آخر میں جو دعا کرے گا وہ مستجاب ہوگی اور اگر حفظ قرآن کی دعا کرے گا تو حافظ قرآن ہو گا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر حفظ قرآن کی دعا کرے تو اس وقت تک اس پر موت نہ آئے گی جب تک قرآن کو حفظ نہ کر لے گا اور اگر اس سے بھی زیادہ کی دعا کرے تو وہ بھی مقبول ہوگی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

(اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے شروع کرتا ہوں)

یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ ﴿۲﴾ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ﴿۳﴾ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرۡ ﴿۴﴾ وَ ثِیَابَکَ فَطَہِّرۡ ﴿۵﴾ وَ الرُّجۡزَ

اے لحاف اوڑھنے والے — اٹھو ڈراؤ — اور اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کرو — اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو — اور نجاست سے

فَاہۡجُرۡ ﴿۶﴾ وَ لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَکۡثِرُ ﴿۷﴾ وَ لِرَبِّکَ فَاصۡبِرۡ ﴿۸﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ ﴿۹﴾

دُور رہو — اور زیادہ حاصل کرنے کے لئے احسان مت کرو — اور اپنے رب کے لئے صبر کرو — پس جب پھونکا جائے گا صور میں

رکوع نمبر ۱۵

یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ۔ دثار سے باب تفعل ہے اور اصل میں متدثر تھا پس تاء کو دال میں ادغام کیا گیا جس طرح مزمّل کی تعلیل میں گذر چکا ہے اور دثار لباس کو کہا جاتا ہے روایات عامہ میں ہے کہ حضور پر جب پہلی دفعہ وحی اتری تو غیبی آواز کو سُن کر ڈر گئے اور اس قدر گھبرائے کہ گھر میں پہنچ کر فرمایا دَثِّرُوْنِیْ دَثِّرُوْنِیْ یعنی مجھے کپڑوں میں چھپاؤ مجھ پر لحاف وغیرہ ڈال کر مجھے چھپاؤ لیکن جبریل اسی حالت میں یہ سورہ لائے اور کہا یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ۔ اے لباس اوڑھنے والے اٹھو اور اپنی قوم کو ڈراؤ۔ علامہ طبرسی صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی طرف واضح براہین کے ساتھ وحی فرماتا ہے اور نبی کو پتہ ہوتا ہے کہ مجھ پر وحی ہو رہی ہے لہذا نبی کو نہ ڈر لگتا ہے اور نہ گھبرایا کرتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ حضورؐ نے ایک چھوٹی سی چادر اپنے جسم اطہر پر لپیٹی ہوئی تھی اور سو رہے تھے پس وحی نازل ہوئی اے مدثر نیند سے جاگو اور فریضہ تبلیغ ادا کرو اور آنحضرتؐ کے وہ نام جن کا قرآن میں ذکر ہے ان میں سے ایک مدثر بھی ہے۔

وَ رَبَّکَ فَکَبِّرۡ۔ مفعول کی تقدیم حصر کے لئے ہے کہ صرف اپنے رب کی کبریائی کا نعرہ لگاؤ۔ اللہ اکبر

ثِیَابَکَ اپنے لباس کو پاک رکھو یہ خطاب اگرچہ حضورؐ کو ہے لیکن مراد ساری امت ہے اور ثیاب سے مراد نفس بھی لیا گیا ہے کہ نفس کو گناہوں سے پاک کرو اور بعضوں نے ثیاب سے مراد بیویاں لی ہیں کہ ان کو نیکی کی ہدایت کرو اور روایات اہلبیت میں ہے کہ اس جگہ چادر یا شلوار کو لمبا رکھنے سے روکا گیا ہے تاکہ زمین پر گھسیٹ کر اُسے نجاست سے آلودہ نہ کرے۔

تَسۡتَکۡثِرُ۔ بعض لوگ کسی کو کچھ دیتے ہیں تاکہ وہ بدلہ میں اس کو اس سے زیادہ عطا کرے پس اللہ نے اس عادت سے روکا ہے

اَلنَّاقُوۡر۔ یہ فاعول کا وزن ہے وہ چیز جس پر آواز نکالنے کے لئے چوٹ لگائی جائے اور اس جگہ نفخ صور مراد ہے اور اس کا ذکر اس سے پہلے جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۴ پر گذر چکا ہے اور تفسیر برہان میں ہے نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ یعنی امام غائب کے کانوں میں ندا پہنچے گی اور ایک روایت میں ہے کہ ناقور کا معنی ندا ہے اور ظہور قائمؑ کے دن حضرت جبریل آسمان سے ندا دے گا پس وہ دن حضرت علیؑ کی ولایت کا انکار کرنے والوں کیلئے نہایت سخت ہوگا۔

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۱۰﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۱﴾ ذَرْنِيْ وَمَنْ

تو وہ دن مشکل دن ہوگا کافروں پہ غیر آسان ہوگا میرے ہی حوالہ کرو

خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۴﴾

جسے میں نے تنہا پیدا کیا اور دیا میں نے اس کو مال زیادہ اور بیٹے حاضر

وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۵﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۶﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ

اور میں نے اس کو ہر طرح کی سہولتیں دیں پھر وہ مزید کا خواہشمند بھی ہے ہرگز نہیں کیونکہ وہ ہماری

لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۷﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۹﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ

آیات کا منکر ہے اسے بڑھتے ہوئے عذاب کی تکلیف دوں گا اس نے سوچا اور اندازہ کیا اس پہ لعنت ہو

خُلِقْتَ وَحِيْدًا ۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ میں نے تنہا ہی اس کو پیدا کیا ہے دوسرا یہ بھی ہو سکتا ہے جب وہ پیدا ہوا تو تنہا تھا اور یہ ولید بن مغیرہ کے متعلق ہے اور صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ وحید کا معنی ولد الزنا ہے چنانچہ ہشام بن ولید بن مغیرہ کی اولاد میں سے ایک شخص نے فخریہ کہا کہ میں وحید کی اولاد سے ہوں تو امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر اس کو وحید کے معنی کا پتہ ہوتا تو اس پر فخر نہ کرتا۔ راوی نے پوچھا کہ اس کا معنی کیا ہے تو آپ نے فرمایا وحید اس کو کہتے ہیں جس کے باپ کا پتہ نہ ہو اور تفسیر برہان میں ہے اس کی وجہ تسمیہ ولید اس لئے ہوئی کہ اس نے تمام قریشیوں سے غلاف بیت اللہ کے متعلق کہا تھا کہ ایک سال تم سب مل کر اس کا غلاف دیا کرو اور ایک سال میں وحید یعنی اکیلا اس پہ غلاف چڑھاؤں گا اور اس کے مالدار ہونے کا قرآن نے خود ذکر کیا ہے اور ایک روایت میں وحید سے مراد شیطان ہے کیونکہ وہ بھی ماں اور باپ کے بغیر پیدا ہوا ہے

مَالًا مَّمْدُوْدًا یعنی پھیلا ہوا مال اور اس سے کثرت مال مراد ہے اور منقول ہے کہ مکہ سے طائف تک اس کی ملکیت تھی اونٹ گھوڑے اور بیل عدد حساب سے زیادہ تھے اسی طرح غلہ کے انبار اس کے پاس تھے اور لاکھوں دینار نقد اس کے خزانہ میں تھے اور غلاموں اور کنیزوں کی بھی فراوانی تھی۔

بَنِيْنَ شُهُوْدًا ۔ باختلاف روایات اس کے تیرہ یا سات بیٹے تھے اور سب گھر میں حاضر رہتے تھے کیونکہ امارت و ریاست کی وجہ سے ان کو سفر تجارت کی ضرورت ہی نہ تھی اور منقول ہے کہ ان آیات کے نزول کے بعد ولید کے بخت کو زوال شروع ہوا اور پھر ہمیشہ گھاٹے میں رہا۔

صَعُوْدًا ۔ منقول ہے کہ جہنم میں ایک صاف پتھر کی چٹان ہوگی جس پہ ولید کو چڑھنے کا حکم ہوگا کچھ فرشتے لوہے کے زنجیروں سے باندھ کر اس کو اوپر کھینچیں گے اور کچھ لوہے کے گرزوں سے اس کو پیچھے سے ماریں گے جب چوٹی پہ پہنچے گا تو چھوڑ

قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۳﴾ ثُمَّ

اس نے اندازہ کیسے کیا؟ پھر اس پر لعنت ہو اس نے کیسے اندازہ کیا پھر اس نے غور کیا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا پھر پیچھے

أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿۲۵﴾ إِنْ هَٰذَا إِلَّا قَوْلُ

کو ہٹا اور تکبر کیا تو کہنے لگا یہ کچھ نہیں سوائے جادو کے جسے سیکھا گیا ہے یہ کچھ نہیں سوائے ایک انسان

الْبَشَرِ ﴿۲۶﴾ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿۲۷﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۸﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿۲۹﴾

کے قول کے عنقریب ہم اسے سقر میں جلائیں گے تمہیں کیا پتہ کہ وہ سقر کیا ہے؟ وہ نہ بچاتی اور نہ چھوڑتی ہے

دیں گے کہ وہ دھڑام جہنم کی تہہ پر جا پہنچے گا پھر اس کو اوپر لے جائیں گے اور چالیس برس کی چڑھائی ہوگی پس اسی عذاب میں وہ مبتلا رہے گا۔ العیاذ باللہ

فَقُتِلَ۔ یہ بددعا کا کلمہ ہے یعنی اس پر لعنت ہو وہ اس قسم کی باتیں کیوں سوچتا ہے کہ آیاتِ خداوندی کو جادو کہتا ہے اور حضورؐ کی تردید کی فکر میں لگا رہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو انسانی کلام ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

عَبَسَ۔ عبس کا معنی ترشروئی ہے اور اس کی ضد طلاقت وبشاشت ہے۔

وَبَسَرَ۔ یہ بسور سے ہے اور اس کا معنی ہے چہرہ پر غم وغصہ وکراہت کے آثار کا نمودار ہونا۔

شانِ نزول تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حٰمٓ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ آیتیں اتریں تو حضورؐ نے مسجد میں ان کی تلاوت کی اس وقت ولید بن مغیرہ مخزومی قریب سے سُن رہا تھا جب حضورؐ نے محسوس فرمایا کہ ولید سُن رہا ہے تو آپ نے ان آیات کو دھرایا چنانچہ ولید سُن کر جب قوم کی طرف واپس پلٹا تو بنی مخزوم کی بھری مجلس میں اُس نے کہا بخدا میں نے محمدؐ سے جو ابھی کلام سُنا ہے یہ نہ کسی انسان کا ہے اور نہ کسی جن کا ہے بے شک وہ کلام شیریں بھی ہے اور دلکش بھی اس کا ظاہر رنگین وپھلدار ہے اور اس کا باطن پُرمغز وپُراسرار ہے اور اس کا مقابلہ ہرگز نہیں کیا جاسکتا یہ کہہ کر وہ گھر چلا گیا لیکن قریش میں یہ بات چل نکلی کہ اب ولید بھی محمدؐ کے پھندے میں آگیا ہے اب قوم قریش سب کی سب محمدؐ کے دین کی طرف جُھک جائے گی اور ولید کو ریحانۂ قریش کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ یہ باتیں سن کر ابوجہل کو طیش آیا اُس نے کہا ولید کو میں ہی سمجھاؤں گا چنانچہ وہ غضبناک شکل بنا کر ولید کے پہلو میں جا بیٹھا جب اُس نے دریافت فرمایا کہ بھتیجے میں دیکھتا ہوں تیری شکل غضبناک ہے، خیر تو ہے؟ تو ابوجہل نے کہا میں نے قریش سے منہ منہ کی باتیں سُنی ہیں؟ کہتے ہیں ولید بوڑھا ہوگیا ہے ـــــ اور اس کا توازنِ دماغی بگڑ چکا ہے ان کا خیال ہے کہ تو محمدؐ کی چکنی چپڑی باتوں کے جال میں پھنس چکا ہے یہ سُن کر ولید اُٹھ کھڑا ہُوا اور ابوجہل کے ہمراہ دوبارہ قریش کی مجلس میں وارد ہُوا اور کہنے لگا اے قریش تم کہتے ہو کہ محمدؐ دیوانہ ہے میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کبھی اُس نے دیوانگی کی بات کہی ہے؟ تو سب نے

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٣٠﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣١﴾ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً

چمڑے کو متغیر کر دیتی ہے اس پر انیس (فرشتے) ہیں اور ہم نے نہیں بنائے موکلین جہنم مگر فرشتے

وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا

اور نہیں مقرر کی ہم نے ان کی یہ تعداد مگر کافروں کی آزمائش کے لئے تاکہ (ایک طرف) اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو

الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ

یقین ہو جائے اور (دوسری طرف) مومنوں کے ایمان میں زیادتی ہو اور نہ شک کریں اہل کتاب اور مومنین

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا

اور تاکہ کہنے کا موقعہ ملے ان کو جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کافروں کو کہ اللہ کی اس مثال سے کیا مراد

مَثَلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ

ہے تاکہ گمراہ کرے جسے چاہے اور ہدایت کرے جسے چاہے اور اللہ کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا سوائے

کہا ہرگز نہیں۔ پھر اُس نے کہا تم کہتے ہو کہ وہ کاہن ہے کیا تم نے اس کو اس قسم کی باتیں کہتے سُنا ہے تو سب نے مل کر کہا کہ ہرگز نہیں اُس نے کہا تم کہتے ہو کہ وہ شاعر ہے تو کیا تم نے اس کو کبھی شعر کہتے سُنا ہے؟ تو سب نے کہا کہ ہرگز نہیں کیونکہ حضورؐ اعلانِ نبوت سے پہلے صادق و امین کے القاب سے معروف تھے پس قریش نے مل کر سوال کیا ہے؟ کہ اب تم بتاؤ وہ کیا ہے تو ولید نے غور و فکر کرنا شروع کیا اور غور و فکر کے بعد اس نے ایک نتیجہ نکالا اور وہ یہ کہ معاذ اللہ محمد جادوگر ہے اور اسی کو قرآن کی مذکورہ آیات بیان کر رہی ہیں کہ اُس نے سوچا اور اندازہ کیا پھر یہ نتیجہ نکالا پس مُنہ بناتے ہوئے چہرہ پر تیوری چڑھاتے ہوئے اُس نے کہا وہ جادوگر ہے کیونکہ جادوگر اپنے جادو کی وجہ سے باپ بیٹوں میں اور شوہر و بیوی میں پھوٹ ڈالا کرتے تھے اور انہوں نے بھی پھوٹ ڈال دی ہے۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۔ دربانانِ جہنم کی تعداد اُنیس ہے جن کی آنکھیں بجلی کی طرح دانت بڑھے ہوئے کہ اُن کے دھان سے آگ کے شعلے نکلیں گے۔ بہرکیف ان کی شکل سخت ڈراؤنی ہوگی خدا نے ان کو عذاب کے لئے ہی پیدا کیا ہے کہ ان میں رحم پیدا ہی نہیں ہوا۔ ان میں سے ہر ایک ستر ہزار دوزخیوں کو ایک مٹھی میں اُٹھا کر اکٹھا جہنم میں پھینک دے گا انیس کی تعداد اس لئے بیان کی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی کتب میں بھی یہی تعداد مذکور تھی اسی لئے فرمایا ہے کہ یہ تعداد اس لئے ہے کہ ایک طرف اہل کتاب مطمئن ہو جائیں گے اور ان کو حضورؐ کی صداقت کا یقین ہو جائے گا اور دوسری طرف مومن بھی مطمئن ہوں گے۔

إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿۳۳﴾

اس کے' اور یہ نہیں مگر انسانوں کے لئے نصیحت (ان کی خواہش) ہرگز نہیں (پوری ہوگی) چاند کی قسم رات کی قسم جب واپس جاتی ہے

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَن

صبح کی قسم جب روشن ہوتی ہے تحقیق وہ (سقر) ایک بہت بڑی آگ ہے انسانوں میں سے اس کے لئے ڈرانے والی ہے جو چاہے تو اپنے

شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾

اختیار سے (اطاعت کی طرف) آگے بڑھے یا پیچھے ہٹے ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال میں مرہون ہوگا

لِيَقُولَ ۔ یہ لام عاقبت کی ہے یعنی انجام کار منافقوں نے اور کافروں نے یہی کہنا ہے کہ یہ تعداد اور یہ مثال کیوں دی گئی ہے؟

رکوع نمبر ۱۶

وَالْقَمَرِ ۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے اور طلوع و غروب میں چونکہ استعجاب پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو مقسم بہ قرار دیا گیا ہے۔

وَاللَّيْلِ ۔ چونکہ شب و روز کے تبادل نظام میں پروردگار کی عجیب و غریب پُر از حکمت تدبیر ہے اور توحید کو سمجھنے کے لئے ذوی العقول کے لئے اس میں دعوتِ فکر ہے اس لئے رات کے جانے اور دن کے آنے کی قسم کھائی اور اسی بناء پر شاید وَالنَّهَارِ إِذْ أَدْبَرَ وَاللَّيْلِ إِذْ أَظْلَمَ نہیں فرمایا کیونکہ روشنی کے بعد تاریکی کی آمد کا بیان اتنا روح پرور نہیں ہوتا جس قدر تاریکی کے بعد روشنی کی آمد کا ذکر دلنشین و بہجت افزا ہوا کرتا ہے۔

إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ۔ یہ جواب قسم ہے اور ھا ضمیر غائب کا مرجع سقر ہے اور کُبَر جمع ہے کُبریٰ کی۔

نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ۔ بعض نے کہا ہے کہ نذیر حال ہے ضمیر غائب کے مرجع سے جو سقر ہے اور اس کو مذکر اس طرح لایا گیا ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے اِمْرَأَةٌ طَالِقٌ یعنی ذات طلاق پس یہاں بھی ذات انذار مراد ہے اور بعض نے اس کو صفت نبی قرار دیا ہے کہ اے نبی قُم یعنی اُٹھو درحالیکہ تم انسانوں کے لئے نذیر ہو۔

لِمَن شَاءَ ۔ یعنی یہ نذارت اس کے لئے ہے جو اپنے اختیار و ارادہ سے اطاعت کی طرف بڑھ سکتا ہو یا پیچھے ہٹ سکتا ہو اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے افعال میں فاعل مختار ہے اور نیکیوں کی طرف اقدام کرنے کو تقدم اور برائیوں کی طرف رجوع کرنے کو تاخر سے تعبیر کرنا لطافت سے خالی نہیں ہے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو بھی ہماری ولایت کی طرف بڑھے گا وہ جہنم سے ہٹ جائے گا اور جو بھی ہماری ولایت سے پیچھے ہٹے گا وہ جہنم کی طرف بڑھ جائے گا۔

كُلُّ نَفْسٍ ۔ یعنی ہر انسان اپنے اعمال کا مرہون ہوگا پس بداعمال والے اپنی بدعملی میں مرہون ہونگے کہ ان کی خلاصی ناممکن ہوگی جس طرح رہن شدہ چیز زرِ رہن ادا کرنے کے بغیر آزاد نہیں کرائی جا سکتی اور اصحاب الیمین کا استثناء کیا گیا ہے یعنی وہ جن کو اعمالنامے دائیں

اِلَّاۤ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ ﴿۴۰﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ ۛ۟ یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۴۲﴾

سوائے اصحاب الیمین کے کہ وہ باغات میں ہوں گے ایک دوسرے سے پوچھیں گے مجرمین کے متعلق (ان سے کہیں گے)

مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ﴿۴۳﴾ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ لَمۡ نَکُ

کیا چیز لائی تمہیں جہنم میں؟ کہیں گے ہم نماز واجب ادا نہ کرتے تھے اور ہم مسکینوں کو

نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ ﴿ۙ﴾ وَ کُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ ﴿ۙ﴾ وَ کُنَّا نُکَذِّبُ

کھانا نہیں کھلاتے تھے اور ہم گھسنے والوں کے ہمراہ (باطل میں) گھس جاتے تھے اور ہم یوم قیامت کی

بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿ۙ﴾ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الۡیَقِیۡنُ ﴿ؕ﴾ فَمَا تَنۡفَعُہُمۡ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیۡنَ ﴿ؕ﴾

تکذیب کرتے تھے یہاںتک کہ ہمیں موت آگئی پس نہ ان کو فائدہ دے گی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت

ہاتھ میں ملیں گے وہ قیود جہنم سے آزاد ہوں گے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم اور ہمارے شیعہ ہی اصحاب الیمین ہیں

مَا سَلَکَکُمۡ - یعنی بہشتی لوگ جہنم کی طرف جھانک کر دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ تمہارا جہنم میں آنے کا کیا سبب ہے؟ تو وہ جواب میں کہیں گے کہ ہم نماز گذار نہیں تھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفار سے بھی نماز کے بارے میں باز پرس ہوگی اگرچہ کافر ہوتے ہوئے ان کی نماز صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ اگلی آیت کے قرینہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جواب دینے والے کافر ہوں گے جو جواب میں کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے مسکینوں کا حق زکوٰۃ فطرہ و صدقات وغیرہ ادا نہ کرتے تھے اور باطل پرست لوگوں کے ساتھ بیہودہ باتوں میں گھس جاتے تھے اور ہم یوم قیامت کی تکذیب کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ قیامت کا انکار کافر ہی کرتے ہیں۔

اَلۡیَقِیۡنُ - یقین کا معنی موت ہے یا یقین کا معنی ہے علم یعنی وہ کہیں گے کہ اپنے دوزخی ہونے کا علم ہمیں ہوگیا ہے۔

فَمَا تَنۡفَعُہُمۡ - یعنی کفار کو شفاعت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ مومنوں کو اپنی غلطیوں کے بارے میں شفاعت ضرور فائدہ دے گی اور انبیاء اپنے اپنے مقام پر اپنے امتیوں کی شفاعت کریں گے لیکن محمدؐ و آل محمدؑ کو تمام انبیاء سے حق شفاعت زیادہ عطا ہوگا انسان کو چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ اطاعت پروردگار کی سعی کرے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے اس کے بعد جو گناہ اس کے ذمہ بچ جائیں گے محمدؐ و آل محمدؑ کی شفاعت سے معاف ہوجائیں گے بلکہ بعض مومنوں کو بھی حق شفاعت دیا جائے گا کیونکہ حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ایک جنتی مومن عرض کرے گا۔ اے پروردگار فلاں آدمی نے مجھے ایک پانی کا گلاس دنیا میں پلایا تھا۔ پس اس کو بخش دے تو وہ بخشا جائے گا اور مروی ہے کہ بعض مومنین قبیلۂ مضر و ربیعہ کے برابر گناہگاروں کی شفاعت کریں گے جو مقبول ہوگی اور تفسیر برہان میں مروی ہے کہ اگر دشمنانِ آل محمدؐ کے لئے تمام ملائکہ و انبیاء بھی سفارش کریں تو مقبول نہ ہوگی۔

کَاَنَّہُمۡ حُمُرٌ (صفحہ نمبر ۲۷ پر) یعنی یہ لوگ قرآن سے اس طرح بھاگتے ہیں جس طرح جنگلی گدھے شیر سے بھاگتے ہیں اور یہ حال در حال ہے یعنی حال متداخلہ ہے مُعۡرِضِیۡنَ حال ہے ھُمۡ سے اور یہ حال ہے مُعۡرِضِیۡنَ کی ضمیر فاعل سے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٥٠﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥١﴾

اور ان کو کیا ہوا ہے ؟ کہ نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں گویا کہ وہ جنگلی گدھے ہیں

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥٢﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ

جو شیر سے بھاگ رہے ہوں بلکہ ان میں سے ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ انہیں الگ الگ

صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٣﴾ كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٤﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٥﴾

صحیفے دیئے جائیں یہ ہرگز نہ ہوگا بلکہ وہ آخرت سے ڈرتے نہیں ہیں ہرگز نہیں تحقیق یہ نصیحت ہے

فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٦﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ

پس جو چاہے نصیحت لے لے اور وہ نصیحت نہ لیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے (کہ ان کو مجبور کر دے) وہ اس لائق ہے

وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٧﴾

کہ اس سے ڈرا جائے اور بخشنے کا سزاوار ہے

بَلْ يُرِيدُ ۔ یعنی کفار مکہ کا ہر فرد اس امر کا خواہشمند ہے کہ اس پر آسمان سے الگ کتاب اُترے جس میں محمد کی تصدیق ہو یا یہ کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس پر مستقل کتاب نازل ہو اور وہ اس پہ خود عمل کرے کسی کا تابع شمار نہ ہو۔

كَلَّا ۔ یعنی ان کی منشا ہرگز پوری نہیں ہوسکتی اور خدا ان کی خواہشات کا پابند نہیں ہے جب حقیقت ان کے سامنے کھل چکی ہے تو ان کا انکار کرنا اور الگ کتاب مانگنا یہ سب بہانے ہیں (خوئے بدرا بہانہ بسیار) اس لئے کہ ان کو آخرت کی گرفت کا خطرہ نہیں ہے بہرکیف قرآن نصیحت کی کتاب ہے جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے

إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۔ اس جگہ مشیت سے مراد جبر ہے یعنی وہ لوگ اپنی مرضی سے تو ایمان لاتے نہیں ہیں مگر یہ کہ خدا ان کو مجبور کر دے۔ لیکن خدا مجبور نہیں کرتا وہ تو چاہتا ہے کہ ہر شخص اپنے اختیار و ارادہ سے نیکی کا راستہ اختیار کرے تاکہ مستحق جزا ہو۔

هُوَ أَهْلُ ۔ یعنی اللہ اس لائق ہے کہ اس کی نافرمانی سے گریز کیا جائے اور جو ایسا کرے گا پھر اللہ کی شان یہ ہے کہ اس کی غلطیوں سے درگزر فرما کر اس کو بخش دے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حدیث قدسی میں ہے اللہ فرماتا ہے میں اس لائق ہوں کہ میری نافرمانی سے گریز کیا جائے اور میں اس کے اہل ہوں کہ شرک نہ کرنے والوں کو جنت میں داخل کر دوں اور آپ نے فرمایا کہ خدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ وہ اہل توحید کو جہنم میں داخل نہ کرے گا اور حدیث سلسلۃ الذہب میں امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ کلمہ توحید پڑھنے والے جنت میں جائیں گے لیکن شروط کے ساتھ اور ہم اہل بیت اس کی شرطوں میں سے ایک شرط ہیں۔

سورۃ القیامۃ

- یہ سورہ مکیہ ہے
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ملا کر اکتالیس ۴۱ ہے۔
- حضرت نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ قیامت کی تلاوت کرے گا قیامت کے دن پر ایمان لانے والوں میں محشور ہوگا اور اس کا چہرہ اہل محشر میں چمکتا نظر آئے گا۔
- امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو ہمیشہ پڑھتا رہے اور اس کے مضمون پر عامل بھی ہو تو قیامت کے روز نہایت حسین وجمیل محشور ہوگا یہ سورہ اس کے سامنے ہنستا ہوا ہوگا اور اس کو خوشخبری دے گا۔ یہانتک کہ پل صراط سے عبور کریگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا ہمیشہ پڑھتے رہنا وسعتِ رزق حفاظت جان ومال اور لوگوں میں محبوبیت کا موجب ہے۔
- اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کی قرأت خشوع پیدا کرتی ہے اور پاکدامنی اور حفاظت کی موجب ہے اور جو بھی اس کو پڑھے گا اس کو کسی بادشاہ کا خوف وہراس نہ رہے گا اور اس کو پڑھنے والا شب وروز اللہ کی حفاظت میں رہے گا۔ باذن اللہ
- مصباح کفعمی سے منقول ہے کہ اس کی تلاوت سے دل مضبوط ہوتا ہے اور اس کو لکھ کر دھو کر پیا جائے تو طاقت کا موجب ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝١

اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

لَاۤ اُقۡسِمُ بِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ۝٢ وَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ۝٣ اَيَحۡسَبُ

مجھے قسم ہے یوم قیامت کی اور مجھے قسم ہے نفس لوّامہ کی (تم ضرور محشور کئے جاؤگے) کیا یہ سمجھتا ہے

رکوع ۱۷

لَاۤ اُقۡسِمُ ۔ لا زائدہ ہے اور اس پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ لا اور ما اور دیگر حروف زوائد ہمیشہ دو کلاموں کے درمیان آتے ہیں نہ کہ ابتداء کلام میں تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قرآن مجید سارا کلام واحد متصل ہے لہذا اس لا کو ابتداء کلام میں نہیں شمار کیا جا سکتا بہرکیف لَاۤ اُقۡسِمُ میں لا زائدہ ہوا کرتا ہے اور مراد قسم کھانا ہے نہ کہ نفی قسم اور جواب قسم محذوف ہے کہ کفار کا قول انکار حشر والا صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ تم ضرور محشور ہوگے۔

بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ۔ اس میں تین اقوال ہیں۔ (۱) اس سے مراد ہر نفس ہے خواہ مومن ہو یا کافر کیونکہ بروز قیامت نفس مومن اپنے

الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝۴ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝۵

انسان کہ ہم ہرگز نہ جمع کریں گے اس کی ہڈیوں کو؟ ہاں! ہم قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کو درست کر دیں

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝۶ يَسْــَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝۷ فَاِذَا

بلکہ انسان چاہتا ہے کہ آنے والی زندگی میں فسق و فجور کرتا رہے۔ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا پس جب

بَرِقَ الْبَصَرُ ۝۸ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝۹ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝۱۰ يَقُوْلُ

آنکھ بے نور ہوگی اور چاند کو گہن ہوگا اور سورج و چاند کو جمع کیا جائے گا کہے گا

الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝۱۱ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝۱۲ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ ۝۱۳

اس دن انسان کہ کہاں ہے؟ بھاگنے کی جگہ؟ ہرگز کوئی جائے پناہ نہ ہوگی تیرے رب کی طرف ہی اس دن ٹھکانا ہوگا

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝۱۴ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝۱۵

خبر دی جائے گی انسان کو اس دن اپنے پہلے اور پچھلے اعمال کی بلکہ انسان اپنے نفس (کے حالات) پر مطلع ہے

آپ کو ملامت کرے گا کہ کاش نیکیاں زیادہ کی ہوتیں اور نفس کافرہ ترکِ نیکی پر اور ارتکاب گناہ پر اپنے آپ کو ملامت کرے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے کافر نفس مراد ہے کہ اپنے آپ کو کفر و سرکشی کے اختیار کرنے پر ملامت کرے گا اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں صرف نفس مومن مراد ہے جو اپنے آپ کو ہر وقت خوفِ خدا کی تلقین کرتا ہے اور حُبِّ دنیا پر ملامت کرتا ہے۔

اَیَحْسَبُ ۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا ان کافر لوگوں کا خیال ہے کہ ہم ان کی ہڈیوں کو جمع نہ کرسکیں گے؟ وہ غلط خیال کرتے ہیں بلکہ یقیناً ہم اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں اور اس کے اعضا میں سے چھوٹے حصوں کو حتیٰ کہ اس کی انگلیوں کے پوروں کو بھی اپنی پہلی حالت کی طرح دوبارہ پلٹائیں گے اور انسان قیامت کے انکار پر اس لئے مصر ہے کہ وہ آنے والی زندگی میں کھل کر برائی کر سکے اور باز پرس سے بے نیاز ہو کر آوارگی کا مظاہرہ بے باکی سے کر سکے اس لئے بطور تمسخر دریافت کرتا ہے کہ وہ قیامت کب آئے گی جس کا تم وعدہ کرتے ہو؟

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۔ یعنی موت کے وقت جب آنکھ ٹکٹکی باندھے گی یا ہول محشر کی وجہ سے جب آنکھ چندھیا جائے گی اور ازراہِ تحیر اس کو کچھ نظر نہ آسکے گا پس چاند بے نور ہوگا اور چاند و سورج یکساں طور پر تاریک ہوں گے اور ان کے جمع ہونے کا یہی مطلب ہے

كَلَّا لَا وَزَرَ ۔ پہلے خیال کی نفی کَلَّا سے کی گئی ہے کہ ہرگز ان کو کسی طرف بھاگنے کا راستہ نہ مل سکے گا اور نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور وَزَر کا معنی قلعہ اور جائے پناہ ہوتا ہے اور اسی مناسبت سے وزیر کو وزیر کہا جاتا ہے کہ وہ رعایا کے لئے جائے پناہ ہوا کرتا ہے۔

وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۶﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۷﴾ اِنَّ عَلَيْنَا

اگرچہ ظاہرًا عذر داریاں پیش کرتا پھرے نہ حرکت دو اس کے ساتھ اپنی زبان کو جلدی کرنے کے لئے تحقیق اس کا

قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۔ اس کے کئی معانی ہو سکتے ہیں (۱) جو اعمال پہلے کئے اور جو بعد میں کئے (۲) جو اعمال اپنی زندگی میں کئے اور جو صدقات جاریہ چھوڑ کر مرا یا کوئی سنّت چھوڑ کر مرا جس پر بعد میں لوگ عمل کرتے رہے (۳) جن برائیوں کی طرف قدم بڑھایا اور جن نیکیوں سے پیچھے ہٹا (۴) جن اعمال کو ادا کیا اور جن کو ترک کیا (۵) جو نیکیاں بجا لایا اور جن کو چھوڑ دیا (۶) جو مال راہِ خدا میں خرچ کیا اور جو اولاد یا دیگر ورثاء کے لئے چھوڑ کر مرا۔

بَلِ الْاِنْسَانُ ۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ انسان کو اس کے کئے ہوئے تمام اعمال کی خبر دی جائے گی اور اس آیت میں فرماتا ہے کہ انسان کو خبر دینے کی کیا ضرورت ہے ہر انسان اپنے حالات سے خود باخبر ہوتا ہے چنانچہ خود انسان کے اپنے اعضاء بروزِ محشر اس کے اعمال کی گواہی دیں گے اگرچہ وہ اپنی طرف سے کئی عذر داریاں پیش کرتا رہے گا اور اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ انسان اپنے اندر جو نیّت بھی رکھتا ہو اس کو وہ خود اچھی طرح جانتا ہے اگرچہ لوگوں کے سامنے اس کی کئی تاویلیں کرتا رہے اور جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ انسان جو بات دل میں رکھتے خدا اس کو اسی طرح جزا دے گا اگر نیکی کا قصد تھا تو نیک جزا پائے گا اور اگر برائی کا قصد تھا تو اس کا برا بدلہ پائے گا ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ بیماری جس میں انسان روزہ نہ رکھے اس کی کیا حد ہے تو آپ نے فرمایا کہ انسان اپنے حالات کو خود جان سکتا ہے پس آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

مَعَاذِيْرَهٗ ۔ لغت بنی طے میں اس کا معنی ستر ہے یعنی پس پردہ اگر انسان برائی کرے اور ظاہر نیکی کرے تو وہ خود اپنی حقیقت جانتا ہے مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کے جواز کے لئے ہزاروں عذر بہانے تراش کے پیش کرتا رہے وہ اپنی حقیقت اور نیّت سے خود واقف ہوتا ہے لہذا اس کو قیامت کے دن جزا اور سزا اس کی نیّت پر ملے گی۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ ۔ عام مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب جبریل قرآن مجید کی آیتیں لاتا تھا تو حضورؐ فورًا ان کو دہراتے تھے اور یاد کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ بھول نہ جائیں لہذا جبریل کے ختم کرنے سے پہلے آپ پڑھنے لگ جاتے تھے پس خداوند کریم نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا کہ آپ قرآن پڑھنے میں جلد بازی سے کام نہ لیا کریں کیونکہ قرآن کا جمع کرنا اور مکمل کرنا ہمارا کام ہے۔

اقول ۔ ہمارے اصول کے اعتبار سے یہ معنی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں حضرت رسالتمآب کی شان میں توہین پائی جاتی ہے، نیز قرآن مجید کا نظم ونسق بھی اس کی اجازت نہیں دیتا پس سابق و لاحق کے مضمون کو ملحوظ رکھتے ہوئے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ خطاب حضور سے متعلق نہیں ہے بلکہ قیامت کے دن پیش ہونے والے وہ حضرات جن کو دنیا میں قیامت پر یقین نہیں تھا اس کے مخاطب ہیں کہ جب ان کو نامہ اعمال دیا جائے گا تو وہ جلدی جلدی اس کو پڑھنے کی کوشش کریں گے لہذا نہ اس سے قرآن کی تلاوت مراد ہے اور نہ حضورؐ کو خطاب کیا گیا ہے پس ان کو کہا جائے گا کہ جلدی سے کام نہ لو بلکہ ٹھہر ٹھہر کر اپنے اعمال نامہ کو دیکھو کہ تمہارے تمام عذر غلط ہیں جو تم پیش کرتے ہو اور ہر انسان اپنے کرتوتوں پر خود اچھی طرح مطلع ہوگا کیونکہ اس کے اعمالنامہ میں سب کچھ موجود ہوگا پس جب اپنی غلطیاں دیکھے گا تو گھبرائے گا پس اس کو کہا جائے گا

جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝

جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے پس جب ہم اس کو پڑھیں تو پیچھے تم بھی پڑھو پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۱﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۲﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۳﴾

ہرگز نہیں تم تو جلدی کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو کئی چہرے اس دن ہشاش بشاش ہوں گے

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۴﴾ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ﴿۲۵﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۶﴾

اپنے رب کی رحمت کی انتظار میں ہوں گے اور کئی چہرے اس دن مرجھائے ہوں گے ان کو یقین ہو گا کہ انہیں سزا دی جانے والی ہے

کہ ابھی جلدی نہ کرو کیونکہ تیرے سارے اعمال کا جمع کر کے پیش کرنا ہمارے ذمہ ہے جب ہم ان سب کو تیرے سامنے رکھیں گے تو پڑھ لینا تاکہ تیرے اُوپر حجت تمام ہو جائے پھر ہمارے ذمہ ہے اس چیز کا بیان کرنا جو دنیا میں تجھے کہا گیا تھا کہ بداعمالیوں کی سزا جہنم ہے اور تو جھٹلاتا تھا

قُرْاٰنَهٗ - قرآن کا معنی جمع کرنا اور مرتب کرنا بھی ہوا کرتا ہے اور یہ رجحان اور نقصان کے وزن پر مصدر ہے

اَلْعَاجِلَةَ - یعنی تم لوگ دنیاوی نفع کو دیکھتے ہو اور آخرت کا نفع یا نقصان بھول جاتے ہو۔

نَاضِرَةٌ - ترو تازہ اور ہشاش بشاش یعنی خداوند کریم جنت میں جانے والے امیدواروں کے چہروں کو منور کر دے گا تاکہ تمام اہل محشر اور ملائکہ کو پتہ چل سکے کہ یہ لوگ نجات پانے والے ہیں اور وجوہ کا مضاف محذوف ہے یعنی اصحاب الوجوہ جس طرح يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ میں مراد يُؤْذُوْنَ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ ہے کیونکہ اللہ کو اذیت نہیں ہوتی۔

نَاظِرَةٌ - جو لوگ خدا کے دیکھنے کے قائل ہیں وہ اس آیت مجیدہ کے ظاہر سے دھوکا کھاتے ہیں اور ہم اس معنی کی تحقیق علامہ طبرسی کی زبانی پیش کرتے ہیں تاکہ مسئلہ صاف ہو جائے اور غلط فہمی دُور ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں اس جگہ نظر کے دو معانی کئے گئے ہیں (۱) آنکھ سے دیکھنا (۲) انتظار کرنا۔ جن لوگوں نے یہاں آنکھ سے دیکھنا مراد لیا ہے پھر ان کے دو گروہ ہیں ایک تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور دوسرے کہتے ہیں کہ مضاف محذوف ہے یعنی اِلٰى ثَوَابِ رَبِّهَا یعنی جنتی لوگ اپنے رب کی نعمتوں کی طرف دیکھنے والے ہوں گے اور وجوہ جمع ہے وجہ کی جس کا معنی ہے چہرہ اور دیکھنے کی نسبت چہرہ کی طرف دی گئی ہے حالانکہ یہ کام آنکھ کا ہے تو یہ اس لئے کہ آنکھ چہرہ کی جزو ہے پس جزو کے فعل کی کل کی طرف نسبت مجاز مرسل کے طریق پر کی گئی ہے۔

رویتِ خدا کا قول باطل ہے

مذہب امامیہ کے عقیدہ میں خدا کی رویت ناممکن ہے اور یہ کہ خدا نہ دنیا میں نظر آسکتا ہے اور نہ قیامت کے دن نظر آئے گا نہ اس کو عام انسان دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کو اولیاء وانبیاء و ملائکہ دیکھ سکتے ہیں اس لئے کہ دوسری جگہ اللہ کا صاف ارشاد ہے کہ اس کو کوئی آنکھ نہیں پا سکتی۔ علامہ طبرسیؒ نے رویت خدا کے بُطلان کی تین دلیلیں پیش کی ہیں۔ (۱) جس چیز کو آنکھ دیکھتی ہے اس کی طرف آنکھ سے اشارہ کیا جا سکتا ہے اور خدا کی طرف آنکھ سے اشارہ

کرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا ناممکن ہے (۲) آنکھ اس شئی کو دیکھ سکتی ہے جو اس کے سامنے ہو اور خدا سامنے کی قید سے آزاد ہے کیونکہ اس کے لئے کسی مکان میں محدود ہونا ناممکن ہے (۳) دیکھنے کا معنی یہ ہے کہ آنکھ سے نکلنے والی شعاع اس سے متصل ہو جائے جس کو دیکھا جا رہا ہے اور اللہ اس بات سے اجل وارفع ہے کہ اس سے شعاع کا اتصال ہو سکے۔

نکتہ لطیفہ:۔ آیت مجیدہ میں نَاظِرَۃٌ کی لفظ ہے اور یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ دیکھنا اور ہے اور دیکھ لینا اور ہے کیونکہ نظر کا معنی ہے دیکھنا اور رؤیت کا معنی ہے دیکھ لینا۔ لہذا نظر کو رؤیت لازم نہیں ہے پس اگر نظر کی نسبت آنکھ کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے دیکھ لینے کی کوشش کرنا اور اگر اس کی نسبت قلب کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے معرفت حاصل کرنے کی سعی کرنا اور عام اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ میں فلاں کی طرف دیکھتا رہا یہانتک کہ اس کو دیکھ لیا حالانکہ شئی اپنی غایت خود نہیں ہوا کرتی اور ہم ہر ناظر کو ناظر تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے رائی نہیں کہہ سکتے پس آیت مجیدہ میں ناظرۃ کی لفظ رؤیت کو ثابت نہیں کر سکتی۔

نَاظِرَۃ کا دوسرا معنی انتظار کرنے والی۔ یعنی مومنوں کی آنکھیں اللہ کی نعمات کا انتظار کرنے والی ہونگی۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے یہی معنی مروی ہے۔ البتہ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انتظار کو الیٰ کے ساتھ تعدیہ کی ضرورت نہیں ہوتی تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ الیٰ حرف جر نہیں بلکہ آلاء کی واحد ہے جس کا معنی ہے نعمت اور دوسرا یہ کہ ناظر بمعنی منتظر کلام عرب میں الیٰ کے ساتھ متعدی ہوا کرتا ہے چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے ؏ اِنِّیْ اِلَیْكَ لِمَا وَعَدْتَ لَنَاظِرٌ اور بعضوں نے اس کا معنی کیا ہے کہ امید کرنے والی ہوں گی اور بعض نے کہا ہے کہ وہ اللہ پر ہی بھروسہ کرنے والی ہوں گی۔ بہر حال انتظار یا بھروسہ یا امید ان سب کا مفہوم قریب قریب ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ انتظار کس وقت ہوگی بعض کہتے ہیں کہ جنت ونار کا فیصلہ ہو چکنے کے بعد ہر فریق اپنے انجام کا منتظر ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جنت میں پہنچ جانے کے بعد جنتی لوگ ایک نعمت کے بعد دوسری کے منتظر ہوں گے اور یہ چیز ان کے سرور میں اضافہ کی موجب ہوگی

نتیجۃ الکلام اگر نظر کا معنی آنکھ کا دیکھنا ہے تو مضاف محذوف ہے یعنی اللہ کی نعمتوں کو دیکھیں گے اور اگر معنی انتظار ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یکے بعد دیگرے اللہ کے انعامات کے منتظر رہیں گے اور اگر بیک وقت دونو معانی مراد لئے جائیں تو بھی سید مرتضےٰ علم الہدیٰ کے قول کے مطابق صحیح ہے کہ ایک لفظ بیک وقت اپنے معنائے حقیقی و مجازی میں مستعمل ہو سکتا ہے جبکہ ان دونوں میں تنافی نہ ہو مگر دوسرے اصولیین اس استعمال کی صحت کا انکار کرتے ہیں کہ جس طرح لفظ مشترک بیک وقت دو معانی میں مستعمل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کوئی لفظ بیک وقت اپنے معنائے حقیقی و مجازی میں بھی استعمال نہیں ہو سکتا کیونکہ معنائے مجازی میں استعمال کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ معنائے حقیقی سے قرینہ صارفہ موجود ہے اور معنائے حقیقی میں استعمال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرینۂ صارفہ کوئی نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے پس لفظ کا استعمال بیک وقت معنی حقیقی اور معنی مجازی میں اجتماع متنافیین کا موجب ہے البتہ اگر ایک ہی لفظ کو دو دفعہ استعمال کیا جائے اور ایک استعمال میں اس کا معنی حقیقی اور دوسرے استعمال میں اس کا معنی مجازی مراد لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

یہاں پھر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر نظر کا معنی انتظار لیا جائے تو اس کا مقصد یہ ہوگا جنتی لوگوں کو نعمات پروردگار کا انتظار ہوگا اور انتظار نعمت، نعمت نہیں بلکہ مصیبت ہوا کرتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس نعمت کا انتظار مصیبت ہوا کرتا ہے جس کی احتیاج ہو اور اس کے بغیر چارہ کار کوئی نہیں ہو لیکن وہ نعمت جو سردست ضروری نہیں کیونکہ اس کی متبادل نعمتیں موجود ہیں اور مستقبل قریب میں اس کے حاصل ہونے کا بھی یقین ہو تو ایسی صورت میں اس کا انتظار فرحت و سرور کا پیش خیمہ ہوتا ہے نہ کہ باعث دکھ و مصیبت پس انتظار وہ تکلیف دہ ہوتی جس میں انتظار والی چیز کا حاصل ہونا یقینی نہ ہو اور دست رس اس کی ضرورت بھی لاحق ہو کہ اس کا نہ حاصل ہونا نقصان کا موجب ہو۔ پھر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ غم و سرور کی نسبت آیات متذکرہ میں وجوہ کی طرف کیوں دی گئی ہے حالانکہ خوشی و غمی تو انسان کو لاحق ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ انسان کی خوشی و غمی کا ظہور چہرہ سے ہوتا ہے چنانچہ کسی انسان کا چہرہ ہشاش بشاش دیکھ کر اس کی باطنی خوشی کا سراغ لگایا جاتا ہے اور مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اس کی باطنی غمی کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ لہذا خوشی و غمی کو وجوہ کی طرف منسوب کرنا مجاز مرسل کے طریق پر ہے اور مقصد یہ ہے کہ جب مومنین وارد محشر ہوں گے تو ان کے چہروں کی رونق و بہجت سے تمام اہل محشر جان لیں گے کہ یہ لوگ جنتی ہیں اور چونکہ کافروں کو اپنے اعمال و عقائد فاسدہ کی بناء پر اپنے دوزخ میں ڈالے جانے کا انجام نظر آرہا ہوگا تو غم و کوفت کی وجہ سے ان کے چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے پس تمام اہل محشر جان لیں گے کہ یہ لوگ جہنمی ہیں اور باسرہ کا معنی ہے متغیر و بدشکل اور فاقرہ کا معنی ہے ایسی مصیبت جو کمر کو توڑ دے فقار ریڑھ کی ہڈی کے مہروں کو کہتے ہیں یعنی فقار کے توڑنے والی مصیبت کا ان کو ظن ہوگا اور اس مقام پر ظن کو یقین کے معنی میں لینا درست نہیں کیونکہ اگر ظن علم کے معنی میں ہو تو بعد والا اَنْ ناصبہ فعل نہ ہوگا بلکہ اَنَّ کا مخفف ہو جائے گا۔

رویت خداوندی کی مزید وضاحت

تفسیر برہان میں ابوالصلت ہروی سے منقول ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ لوگ روایت کرتے ہیں کہ جنتی لوگ اپنی منازل میں بیٹھ کر اپنے رب کی زیارت کریں گے اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا اے ابوالصلت خداوندکریم نے اپنے حبیب رسولؐ اللہ کو تمام انبیاء و ملائکہ پر فضیلت دی ہے پس ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور ان کی بیعت اللہ کی بیعت اور ان کی زیارت اللہ کی زیارت شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنی جو رسولؐ اللہ کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے نیز فرمایا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یعنی جن لوگوں نے رسولؐ اللہ کی بیعت کی انہوں نے اللہ کی بیعت کی اور ان کے ہاتھوں پہ اللہ کا ہاتھ تھا۔ اسی طرح حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا مَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيٰوتِيْ اَوْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَقَدْ زَارَ اللّٰهَ یعنی جس نے میری زندگی میں یا میرے مرنے کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے اللہ کی زیارت کی اور حضورؐ کا درجہ جنت میں سب سے بلند ترین ہوگا پس جس نے ان کے درجہ میں ان کی زیارت کی تو گویا اُس نے اللہ کی زیارت کرلی۔

ابوالصلت نے عرض کی آقائے نامدار یہ فرمایئے جو لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے اس کا بدلہ یہ ہے کہ آخرت میں ان کو اللہ کے چہرہ کا دیدار ہوگا اس کا کیا مطلب ہے تو آپ نے فرمایا اے ابوالصلت! جو شخص اللہ کے لئے چہرہ ثابت کرے وہ کافر ہے اس کے انبیاء و رسل و آئمہ اللہ کے چہرے ہیں کہ ان کے ذریعے سے خدا پہچانا جاتا ہے اور ان ہی کی بدولت اللہ کے دین کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے آپ نے فرمایا پس انبیاء و رسل و آئمہ کی ان کے درجات میں زیارت مومنوں کو نصیب ہوگی۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ

ہرگز نہیں (مانیں گے لیکن) جب رُوح ہنسلیوں تک پہنچے گی اور کہا جائے گا کہ کوئی ہے طبیب؟ اور اس (مرنے والے) کو جدائی کا یقین ہوگا اور پنڈلی

السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿٣١﴾

دوسری پنڈلی سے ٹکرائے گی (کہا جائے گا) آج تیرے رب کی طرف جانا ہے پس نہ تو اُس نے تصدیق کی نہ نماز پڑھی

وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهِ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾

لیکن جھٹلایا اور منہ موڑا پھر اپنے خاندان کی طرف انگڑائی لیتا ہوا پلٹا (کہا جائے گا) تیرے لئے ویل ہو پس ویل ہو

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً

پھر تیرے لئے ویل ہو پس ویل ہو کیا یہ انسان سمجھتا ہے کہ اس کو مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا گرایا ہوا

مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ

نطفہ نہیں تھا؟ پھر علقہ بنا پس اس نے اس کو صحیح بنایا پس اس نطفہ سے

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٣٩﴾ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ

نر اور مادہ کے جوڑے کو پیدا کیا کیا وہ خدا اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو

اور یہ اُن کا بہت بڑا ثواب ہے اور حضرت رسول اللہ نے فرمایا جو شخص میری اہلبیت و عترت سے بغض رکھے گا وہ بروز محشر میری زیارت سے محروم ہوگا۔ الحدیث

نوافل یومیہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ روزانہ اکاون رکعت نماز پڑھنے والے اور ہر ماہ میں تین روزے سنتی رکھنے والے بروز محشر نورانی چہروں کے ساتھ محشور ہوں گے اور چودہویں کے چاند کی طرح اُن کا چہرہ چمکتا ہوگا پس وہ اللہ سے حضرت محمد مصطفےٰ کی زیارت کی خواہش کریں گے پس حضورؐ کے لئے ایک نور کا منبر نصب ہوگا جس کی اکہتر سیڑھی ہوگی اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام بھی ان کے ہمراہ ہوں گے اور تمام آل محمدؐ کے شیعہ ان کے ارد گرد ہوں گے اور انہی کے متعلق فرماتا ہے۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ پس ان پر نور کی برسات ہوگی کہ واپسی پر حوریں بھی ان کو دیکھنے کی تاب نہ رکھیں گی پس ایسی جزا کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیئے۔

التَّرَاقِيَ ترقوہ کی جمع ہے ہنسلی کی ہڈی کو کہتے ہیں اور اس جگہ مراد حلق ہے یعنی جب سانس حلق تک پہنچے گی۔

یُحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ۝۴۰ ع۱۸

زندہ کر دے؟ (یقیناً وہ قادر ہے)

رَاقٍ۔ رقیہ سے ہے جس کا معنی ہے طلب شفا بذریعۂ اسماء اللہ اور یہاں مراد طبیب یا دم کرنے والا پیر ہے۔

اَلسَّاقُ بِالسَّاقِ۔ یہاں شدّت نزع مراد ہے کہ مریض کسی وقت پاؤں لمبے کرتا ہے پھر اکٹھے کر لیتا ہے یا یہ مراد ہے کہ ساقِ دنیا ساقِ آخرت کے ساتھ ملنے والی ہے اور عرب لوگ لڑائی کی شدّت کو بھی قیام علی الساق سے تعبیر کرتے تھے۔

رکوع ۶ ع۱۸

فَلَا صَدَّقَ۔ تفسیر برہان و صافی میں ہے کہ جب حضرت پیغمبر نے خطبۂ غدیریہ کے بعد حضرت علیؑ کی امامت کا اعلان فرمایا تو معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ پر تکیہ لیتے ہوئے انگڑائی لی اور کہا کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے پس یہ آیت اتری کہ نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی الخ پس آپ نے چاہا کہ منبر پہ ہی اس سے برأت کا اعلان کر دیں تو ارشاد ہوا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ الخ پس آپ خاموش ہو گئے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ ابوجہل کے بارے میں ہے اور اَولٰی لَکَ بد دعائیہ فقرہ ہے جس کا معنی ہے کہ تیرے لئے ذلیل و ہلاکت ہو اور ترکیب کے لحاظ سے اولٰی مبتدا ہے اور لَکَ اس کی خبر ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَلشَّرُّ مبتداء محذوف کی اَولٰی خبر ہے۔

سورۃ الدھر

- اس سورہ کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے لیکن تفسیر برہان میں ہے کہ یہ سورہ مدنیہ ہے اور سورہ الرحمٰن کے بعد نازل ہوا ہے۔
- اور تفاسیر میں ہے کہ اس کی آیات علی و فاطمہ و حسن و حسین و فضہ کے حق میں اتریں لہٰذا اس کا مکی ہونا بعید از قیاس ہے۔
- اس سورہ مجیدہ کو الانسان۔ الدّھر اور ھل اَتٰی بھی کہا جاتا ہے اور اس کا نام سورۃ الابرار بھی ہے۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ اکتیس ۳۱ ہے لہٰذا کل آیات بتیس ۳۲ ہیں۔
- حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا اس کی جزا جنّت و حریر ہوگی۔
- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص ہر جمعرات کو صبح کو یہ سورہ پڑھے گا خدا اس کو جنّت میں ایک سو باکرہ اور چار ہزار غیر باکرہ حوریں عطا فرمائے گا اور حضرت رسالتمآبؐ کے قریب اس کو مکان ملے گا۔
- خواص القرآن سے منقول ہے جو شخص اس کو ہمیشہ پڑھتا رہے اس کا نفس قوی ہوگا اور جو شخص اس کو لکھ کر دھو لے اور اس پانی کو پی لے تو درد دل سے صحت یاب ہوگا اس کا جسم تندرست ہوگا اور بیماری دور ہو جائے گی۔
- فوائد القرآن میں مصباح کفعمی سے منقول ہے کہ جو شخص اس کو لڑائی میں پڑھے تو اس کا دشمن مغلوب ہوگا اور پھوڑے پر لکھ کر لگائی جائے تو وہ ختم ہو جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا ﴿۲﴾

کیا انسان پر زمانہ میں سے ایسا وقت گذرا ہے کہ وہ ایسی چیز تھا جو قابل ذکر نہ ہو

اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ اَمۡشَاجٍ ٭ۖ نَّبۡتَلِیۡهِ فَجَعَلۡنٰهُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۳﴾

ہم نے انسان کو (عورت و مرد کے) مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کو آزمائیں پس اس کو سننے دیکھنے والا بنایا

اِنَّا هَدَیۡنٰهُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوۡرًا ﴿۴﴾ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ

ہم نے اس کو راستہ کی ہدایت کر دی خواہ شاکر بنے یا کافر بنے ہم نے کافروں کے لئے زنجیر

رکوع ۱۹

هَلۡ اَتٰی یہ هَلۡ قَدۡ کے معنی میں ہے یعنی یقیناً انسان پر ایک ایسا وقت آیا ہے جبکہ وہ قابل ذکر چیز نہ تھا اور استفہام کا لہجہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے تاکہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے پس جب انسان اپنی پیدائش پر غور کرے گا تو یقیناً سمجھ لے گا کہ جس اللہ نے مجھے ایک ناقابل ذکر حالت سے نکال کر ایک قابل ذکر حد تک پہنچا دیا ہے وہ یقیناً میرا خالق محسن ہے اور اس کا شکر ادا کرنا میرا فریضۂ انسانیت ہے اس کے بعد وضاحت سے ذکر فرمایا کہ ہم نے انسان کو عورت و مرد کے ملے جلے نطفے سے پیدا کیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے پہلے اَلۡاِنۡسَان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کا جسم روح کے بغیر چالیس برس پڑا رہا اور ایک روایت میں ایک سو بیس برس کا ذکر ہے اس کے بعد اس میں نفخ روح ہوا اور مسجود ملائکہ بنا۔ اور دوسری آیت میں انسان سے مراد اولاد آدم ہے۔

اَمۡشَاجٍ۔ یعنی عورت و مرد کے مخلوط نطفے سے انسان پیدا ہوا پس اگر عورت کا مادۂ منویہ غالب ہو تو بچے میں مادری اوصاف غالب ہوتے ہیں اور اگر مرد کا مادۂ منویہ غالب آجائے تو بچہ مرد کے اوصاف سے متصف ہوتا ہے (ابن عباس) اور بعض مفسرین نے امشاج کا معنی اطوار و ادوار کہا ہے یعنی نطفہ سے انسان کی پیدائش مختلف ادوار سے گذر کر آخری منزل تک پہنچتی ہے کہ نطفہ سے علقہ پھر مضغہ اور پھر گوشت ہڈی پسلی اور آخری منزل نفخ روح کے بعد انسان بنتا ہے اور بعضوں نے امشاج سے مراد کیفیات لی ہیں کہ حرارت برودت رطوبت اور یبوست کی کیفیتوں کا حامل بنا کر ہم نے اس کو پیدا کیا ہے۔

هَدَیۡنٰه۔ یعنی اللہ نے انسان کو خیر و شر کے دونوں راستے دکھا کر شکر کرنے یا کفر کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ انسان اپنے اختیار سے جو راستہ چاہے لے لے البتہ بروز محشر کافروں کیلئے عذاب جہنم اور مومنوں کے لئے جنت کی پیش کش فرما دی تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔

سَلٰسِلَا۟ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا ﴿۴﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا

اور طوق بیڑیاں اور بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے بے شک ابرار ایسے پیالے پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی

كَافُوْرًا ﴿۵﴾ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ﴿۶﴾ یُوْفُوْنَ

(کافور) ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اس کو جاری کریں گے جس طرح چاہیں گے (جن کی صفت یہ ہے) کہ نذر

بِالنَّذْرِ وَ یَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا ﴿۷﴾ وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ

کی ایفاء کرتے ہیں اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کا عذاب پھیلا ہوا ہوگا اور وہ کھانا کھلاتے ہیں

نزول ھل اتی

اِنَّ الْاَبْرَارَ - علامہ طبرسی نے دعویٰ کیا ہے کہ عامہ وخاصہ کی روایات میں اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیات علی وفاطمہ وحسن وحسین اور ان کی کنیز فضہ کے حق میں اتری ہیں واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حسنین شریفین بیمار ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام نے ان کی شفایابی کے لئے تین دن کے روزوں کی منت مانی پس جناب بتول نے بھی یہی منت مانی اور جناب فضہ نے بھی منت مان لی چنانچہ حسنین شریفین تندرست ہوئے تو ایفائے نذر کے لئے روزے رکھے گئے گھر میں اس روز کھانے کا غلہ نہیں تھا پس حضرت علیؑ علیہ السلام نے ایک یہودی سے ایک صاع جَو لئے تاکہ اس کے بدلہ میں ان کو اون کات کر دی جائے پس جناب بتولؑ نے ایک تہائی کا آٹا خمیر کیا اور روٹیاں پکائیں جب کھانے کو تیار ہوئے تو دروازہ پر ایک مسکین نے صدا دی اور سب کھانا اُٹھا کر اس کے حوالے کیا گیا اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیا دوسرے دن پھر ایک تہائی آٹا خمیر کر کے روٹی تیار کی تو ایک یتیم نے دروازہ پہ دستک دی اور کھانا اس کو دے دیا گیا پھر تیسرے روز ایک اسیر نے سوال کیا تو کھانا اس کے حوالہ کر دیا گیا اور پانی سے روزہ افطار کر لیا گیا۔ پس سورہ ھل اتی نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے یہودی کے باغ میں پانی دیکر مزدوری پر جَو حاصل کئے تھے اور ہر رات جَو کے آٹے سے ہریرہ تیار کیا جاتا رہا جو سائل کو خیرات میں دیا گیا (مجمع البیان)

علامہ طبرسی قدس سرہٗ فرماتے ہیں یہ روایات صاف دلالت کرتی ہیں یہ کہ سورہ مدنیہ ہے اس کے بعد انہوں نے مکی ومدنی سورتوں کی ترتیب تفصیل وار ابن عباس کی روایت سے بیان فرمائی اور آخر میں فرمایا کہ اگرچہ اس میں طول ہو گیا ہے لیکن چونکہ بعض دشمنانِ اہل بیت نے تعصب وعناد کی خاطر یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ یہ سورہ مکیہ ہے لہذا اہلبیت طاہرینؑ کا مسکین ویتیم واسیر کو کھانا کھلانے کا قصہ فرضی ہے تاکہ آلِ محمدؐ کی یہ منقبت وفضیلت ختم ہو جائے اس لئے ہم نے تمام سور قرآنیہ کی ترتیب اور مکی ومدنی سورتوں کی تفصیل ذکر کر دی ہے تاکہ یہ اعتراض دفع ہو جائے۔ مقدمہ تفسیر کے نئے ایڈیشن میں بھی ہم نے سور قرآنیہ کے ترتیب نزول کی روایات نقل کی ہیں جن میں سورہ دھر کو مدنی قرار دیا گیا ہے۔

ترتیب سُور قرآن

بروایت ابنِ عباس

ابوعلی فضل بن حسن طبرسی قال حدثنا السید ابوالحمد مہدی بن نزار الحسینی القائنی قال اخبرنا الحکم ابوالقاسم عبیداللہ بن عبداللہ الحسکانی قال حدثنا ابونصر المفسر بالاسناد عن عثمان بن عطاء عن ابن عباسؓ

مکہ میں اترنے والی سورتیں ترتیب وار اس طرح ہیں

اوّل ما نزل بمکة

۱ اقرأ باسم ربك	۱۷ الكافرون	۳۳ ق	۴۹ بنی اسرائیل
۲ ن والقلم	۱۸ الفیل	۳۴ لا اقسم بهذا البلد	۵۰ یونس
۳ المزمل	۱۹ الفلق	۳۵ الطارق	۵۱ هود
۴ المدثر	۲۰ الناس	۳۶ الفاتحه	۵۲ یوسف
۵ تبت	۲۱ التوحید	۳۷ ص	۵۳ الحجر
۶ اذا الشمس كورت	۲۲ والنجم	۳۸ الاعراف	۵۴ الانعام
۷ الاعلیٰ	۲۳ عبس	۳۹ قل اوحی	۵۵ الصافات
۸ واللیل اذا یغشیٰ	۲۴ القدر	۴۰ یٰسٓ	۵۶ لقمان
۹ والفجر	۲۵ والشمس	۴۱ الفرقان	۵۷ القمر
۱۰ والضحیٰ	۲۶ البروج	۴۲ الملآئکه	۵۸ سبا
۱۱ الم نشرح	۲۷ والتین	۴۳ کھیعص	۵۹ الزمر
۱۲ والعصر	۲۸ لایلاف	۴۴ طٰه	۶۰ حم مومن
۱۳ والعادیات	۲۹ القارعه	۴۵ الواقعه	۶۱ حم سجده
۱۴ الکوثر	۳۰ القیامه	۴۶ الشعراء	۶۲ حمعسق
۱۵ التکاثر	۳۱ الهمزه	۴۷ النمل	۶۳ الزخرف
۱۶ ارأیت	۳۲ والمرسلات	۴۸ القصص	۶۴ الدخان

۶۵ الجاثیہ	۷۱ نوح	۷۷ الملک	۸۳ الانشقاق
۶۶ الاحقاف	۷۲ ابراھیم	۷۸ الحاقہ	۸۴ الروم
۶۷ الذاریات	۷۳ الانبیاء	۷۹ المعارج	۸۵ العنکبوت
۶۸ الغاشیہ	۷۴ المومنون	۸۰ عم یتساءلون	۸۶ المطففین
۶۹ الکہف	۷۵ الم تنزیل	۸۱ النازعات	
۷۰ النحل	۷۶ الطور	۸۲ الانفطار	

یہ ۸۶ سورتیں ہیں جو مکہ میں اس ترتیب سے نازل ہوئیں۔

اس کے بعد مدینہ میں نازل ہونے والی سورتوں کی ترتیب اس طرح ہے۔

۸۷ البقرہ	۹۴ الحدید	۱۰۱ الحشر	۱۰۸ التحریم
۸۸ الانفال	۹۵ محمد	۱۰۲ اذا جاء نصر اللہ	۱۰۹ الجمعہ
۸۹ آل عمران	۹۶ الرعد	۱۰۳ النور	۱۱۰ التغابن
۹۰ الاحزاب	۹۷ الرحمٰن	۱۰۴ الحج	۱۱۱ الصف
۹۱ الممتحنہ	۹۸ الدھر (ھل اتی)	۱۰۵ المنافقون	۱۱۲ المائدہ
۹۲ النساء	۹۹ الطلاق	۱۰۶ المجادلہ	۱۱۳ الفتح
۹۳ اذا زلزلت	۱۰۰ لم یکن	۱۰۷ الحجرات	۱۱۴ التوبہ

یہ ۲۸ سورتیں ہیں جو مدینہ میں اتریں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے مکہ میں سب سے پہلے سورہ فاتحہ اتری اور اس کے بعد سورہ اقراء اتری۔ کل ۱۱۴ سورتیں ہیں اس کی کل آیات ۶۲۳۶ ہیں اور کل حروف ۳۲۱۲۵۰ ہیں اس کو نیک لوگ پڑھتے ہیں اور اولیاء اس پر مداومت کرتے ہیں۔

عَلٰی حُبِّهٖ مِسۡکِیۡنًا وَّیَتِیۡمًا وَّاَسِیۡرًا ⑨ اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡهِ اللّٰهِ لَا نُرِیۡدُ

اس کی چاہت کے باوجود مسکین و یتیم و قیدی کو (اور کہتے ہیں) کہ سوائے اس کے نہیں ہم تمہیں خوشنودی خدا کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس واقعہ کی تفصیل اس طرح مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ حسنین شریفین بیمار ہوئے اور حضرت رسالتمآبؐ بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے آپ کے ہمراہ دو آدمی اور بھی تھے حضرت علی علیہ السلام نے تین دن کے روزوں کی منت مانی تو جناب فاطمہؑ اور حسنینؑ نے بھی منت مان لی اور جناب فضہ نے بھی منت مان لی چنانچہ اللہ نے تندرستی عطا فرمائی تو سب نے روزے رکھ لئے تو چونکہ گھر میں کھانے کو کوئی چیز نہ تھی حضرت علی علیہ السلام ایک یہودی شمعون نامی کے پاس گئے جو اُون کا کاروبار کرتا تھا آپ اس سے کچھ اُون لائے تاکہ جناب بتولؑ اس کو کات کر دیں گی اور اس کے بدلہ میں تین صاع جَو اجرت مقرر ہوئے پس آپ جَو اور اُون گھر میں لائے جناب مخدرۂ طاہرہ نے ایک تہائی اُون کات کر ایک تہائی جَوؤں کو چکی میں پیسا اور اُس کے آٹے کی پانچ روٹیاں تیار کیں جب حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نماز مغرب باجماعت پڑھ کر واپس پلٹے تو دسترخوان چنا گیا اور کھانا حاضر کیا گیا پس ایک لقمہ توڑا ہی تھا کہ در پر ایک مسکین نے صدا دی تو سب نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کھانا مسکین کے حوالہ کر دیا گیا پھر دوسرے دن بی بی عالیہ نے دوسری تہائی اون کاتی اور تہائی جَوؤں کو پیس کر کھانا تیار کیا اور حسب سابق دسترخوان پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک یتیم نے دروازہ پر دستک دی پس سب نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور کھانا یتیم کے حوالہ کر دیا گیا۔ پھر تیسرے دن بتول معظمہ نے باقی تہائی اُون کات کر باقی تہائی جو پیس کر کھانا تیار کیا تو حسب سابق ایک اسیر نے صدا دی اور تمام کھانا اس کو اٹھا کر دے دیا گیا اور ہر تین دن خود پانی سے افطار کرتے رہے تیسرے دن حضرت علی علیہ السلام بچوں کو ہمراہ لئے خدمت نبوی میں مشرف ہوئے اور حسنین شریفین شکم خالی کی وجہ سے کانپ رہے تھے پس حضورؐ ان کو ہمراہ لے کر واپس گھر میں گئے تو جناب فاطمہؑ کی حالت کمزوری کا بھی مشاہدہ فرمایا پس بیٹی کو گلے سے لگایا اتنے میں جبریل امین سورہ ھل اتٰی لے کر نازل ہوئے۔

عَلٰی حُبِّهٖ ـ ضمیر غائب کا مرجع اللہ بھی ہو سکتا ہے یعنی اللہ کی محبت پر دیتے ہیں لیکن اس کا مرجع طعام کو قرار دینا بہتر ہے یعنی طعام کی خواہش کے باوجود اپنی خواہش کو خوشنودی خدا کے لئے نظر انداز کر کے سائل کو دے دیتے ہیں۔

اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ ـ معصوم فرماتے ہیں کہ اگرچہ انہوں نے یہ بات نہ کہی تھی البتہ ان کے دل کی آواز تھی جس کو قرآن نے بیان کر دیا اور تفسیر مجمع البیان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا یہ ہر مومن کے حق میں تا قیامت جاری ہے جو بھی اس طرح کرے۔

ابرار کون ہوتے ہیں؟

ان آیات مجیدہ میں ابرار کے متعدد اوصاف بیان کئے گئے ہیں ① نذر کی ایفا کرنا ② یوم قیامت کا خوف ③ ایثار شعاری یعنی حاجتمند ہونے کے باوجود مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلانا ④ احسان کرنے کے بعد بدلہ اور شکریہ کی توقع نہ رکھنا ⑤ اپنے پروردگار کا خوف دل میں ہونا اور ابرار کی جو تعریفیں کی گئی ہیں وہ یہ ہیں (۱) وہ وہ ہیں جو اللہ کے فرماں بردار ہوں اور اپنے کردار میں احسان شعار ہوں (۲) وہ وہ ہیں جو لوگوں کو تکلیف نہ دیں اور شر پر راضی نہ ہوں (۳) وہ جو اپنے اُوپر عائد شدہ حقوق واجبہ و مستحبہ کو ادا کریں۔ اہلبیت اور ان کے موافقین اور اکثر مخالفین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس جگہ ابرار کے مصداق علیؑ و فاطمہؑ و حسن و حسین ہیں اور یہ آیات ان ہی ذوات مقدسہ کے بارے میں اتری ہیں۔

مِنكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُورًا ﴿١٠﴾ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿١١﴾

سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو سخت و دشوار ہوگا

فَوَقَٰهُمُ ٱللَّهُ شَرَّ ذَٰلِكَ ٱلْيَوْمِ وَلَقَّىٰهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿١٢﴾ وَجَزَىٰهُم

پس اللہ نے ان کو اس دن کی گرفت سے بچا لیا اور ان کو تازگی و سرور عنایت فرمایا اور اس نے ان کو جزا

بِمَا صَبَرُوا۟ جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿١٣﴾ مُّتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى ٱلْأَرَآئِكِ ۖ لَا يَرَوْنَ فِيهَا

میں دیا بوجہ صبر کے جنت اور ریشمی لباس درحالیکہ تکیہ لگانے والے ہوں گے اپنے تختوں پر کہ نہ وہاں دھوپ جلانے

كَافُورًا - جنت میں ایک چشمہ کا نام ہے جس کی خوشبو پاکیزہ ہوگی۔

تَفْجِيرًا - یعنی جنتی لوگ جہاں چاہیں گے اس کا پانی بہا لے جائیں گے اور کہتے ہیں کہ جنت کی نہریں زمین کے کھودے بغیر چلیں گی پس جب مومن نہر کو چلانا چاہے گا تو زمین پر خط کھینچ گا اور پانی اسی راستہ پر چلنا شروع ہو جائے گا اور ادھر اُدھر نہ پھیلے گا

شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا - یعنی ہول محشر سخت ہوگا یا یہ کہ عذاب قیامت جہنمیوں کے لئے ہمہ گیر ہوگا اور عذاب کو شر اس لئے کہا گیا ہے کہ جلنے والوں کے لئے اس میں خیر کی کوئی امید نہ ہوگی

يُطْعِمُونَ - یعنی وہ لوگ اپنی حاجت پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کا نام ایثار ہے حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو مسلمان خود بھوکا ہونے کے باوجود دوسرے مسلمان کو کھانا کھلائے خداوندکریم اس کو جنت کے میوہ جات عنایت فرمائے گا اور جو مسلمان حاجتمند ہونے کے باوجود دوسرے برہنہ مسلمان کو لباس پہنائے خداوندکریم اس کو حلہ ہائے بہشتی پہنائے گا اور جو مسلمان خود پیاسا ہونے کے باوجود دوسرے پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا تو خداوندکریم اس کو رحیق سے سیراب فرمائے گا۔

مِسْكِينًا - مسکین وہ جس کے پاس کچھ نہ ہو یتیم وہ ہے جس کا باپ نہ ہو اور اسیر جو قیدی ہو اور بعضوں نے عورت مراد لی ہے کیونکہ یہ بھی مرد کی قید میں ہوتی ہے لہذا اس کے حقوق کا ادا کرنا نہایت ضروری ہے اور اسی مطلب کی روایات تفسیر برہان میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہیں آپؑ نے فرمایا کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے عیال پر خرچ کرنے کے لئے تنگدلی کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ وسعت قلبی کا ثبوت دے تاکہ وہ اس کی موت کی تمنا نہ کریں پس جب انسان پر اللہ نعمت نازل کرے تو وہ اپنے عیال پر خرچ کرنے میں فراخدلی سے کام لے۔

جَزَاهُمْ - اس کا لَقَّاهُمْ پر عطف ہے یعنی ان کو اللہ نے اپنے صبر و حوصلہ کی بدولت باغات جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے۔

الْأَرَائِكِ - یہ اریکہ کی جمع ہے جس کا معنی ہے تخت اور بعض نے کہا ہے کہ تخت کے اوپر بچھائے جانے والے تکیوں اور سرہانوں

شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝۱۴ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ۝۱۵

والی دیکھیں گے اور نہ سردی (تکلیف دہ) اور درحالیکہ (جنتی درختوں کے) سائے ان کے قریب ہوں گے اور ان کے پھل پوری طرح ان کے قبضہ میں ہونگے

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۟ ۝۱۶ قَوَارِيْرَا۟

اور چاندی کے پیالوں اور گلاسوں کے ساتھ ان پر چکر لگانے والے غلام مقرر ہونگے کہ وہ پیالے شیشے کے ہونگے ایسے رو پہلے شیشے

مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ۝۱۷ وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝۱۸

جن کو انہوں نے صحیح اندازہ سے پُر کیا ہوگا اور جنتی لوگوں کو سیراب کیا جائے گا ایسے پیالے سے جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝۱۹ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا

جو ایسے چشمے سے پیا جائے گا جس کا نام سلسبیل ہے اور ان پر ہمیشہ رہنے والے لڑکے چکر لگائیں گے کہ جب ان کو دیکھو گے

رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ۝۲۰ وَاِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا

تو سمجھو گے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اور جب تم وہاں نگاہ دوڑاؤ گے تو ہر طرف نعمتیں اور وسیع ملک

اور گدوں کو ارائک کہا جاتا ہے بہرکیف جنتی لوگ اپنی منازل جنت میں سکون و آرام و شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ بیٹھے ہوں گے کہ نہ وہاں جلانے والی دھوپ ہوگی اور نہ ٹھٹھرانے والی سردی ہوگی۔

دَانِيَةً۔ یعنی جنت کا سایہ ان کے سروں پر لازوال ہوگا اور جنت کے پھل ان کے مطیع ہوں گے کہ اٹھیں گے تو پھل اونچے ہو جائیں گے اور بیٹھیں گے تو پھل جھک آئیں گے اور سوئیں گے تو پھل زیادہ لٹک کر قریب پہنچیں گے کہ کسی وقت ان کو پھل توڑنے کی تکلیف نہ ہوگی پس ان کے لئے نہ دوری مانع ہوگی اور نہ کوئی کانٹا وغیرہ ہوگا۔ تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جنت کے دروازہ پر ایک درخت ہے جس کا ایک پتہ ایکہزار آدمیوں پر سایہ کرے گا اور اس درخت کے دائیں جانب ایک پاکیزہ چشمہ ہے کہ جب مومن اس کا پانی پئیں گے تو حسد و کدورت ان کے دلوں سے ختم ہو جائے گی۔

قَوَارِيْرَا۟۔ پہلے قواریر سے بدل ہے اور قارورہ کی جمع ہے جس کا معنی ہوتا ہے شیشے کا برتن گویا اس قدر صاف و شفاف چاندی سے بنائے جائیں گے کہ وہ شیشے کی طرح شفاف ہوگی اس لئے اس پر قواریر کا اطلاق صحیح ہوگا

قَدَّرُوْهَا۔ یعنی غلام وہ پیالے ان کی حاجت کے مطابق پُر کردیں گے کہ نہ وہ بڑے ہونگے اور نہ ضرورت سے کم ہونگے اور نہ ان کے اٹھانے سے وزن محسوس ہوگا

زَنْجَبِيْلًا۔ ایک خوشبودار چیز ہے جس کے طبی منافع بھی بکثرت ہیں چونکہ عربوں میں نہایت پسندیدہ تھی اس لئے اس کا ذکر کیا گیا

كَبِيرًا ﴿٢١﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوٓا أَسَاوِرَ

دیکھو گے ان کے اوپر سندس سبز اور استبرق کا لباس ہوگا اور ان کو چاندی کے بازو بند پہنائے

مِن فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢٢﴾ إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ

جائیں گے اور ان کو ان کا پروردگار شراب طہور سے سیراب کرے گا (کہا جائے گا) تحقیق یہ تمہاری جزا ہے اور تمہاری

جَزَآءً وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا ﴿٢٣﴾ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنزِيلًا ﴿٢٤﴾

دنیا میں سعی مشکور ہے (اور اس کا بدلہ ہے) تحقیق ہم نے تیرے اوپر قرآن اتارا جس طرح اتارنے کا حق ہے

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٥﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ

پس اپنے رب کے حکم (کی تبلیغ) کے لئے (لوگوں کی تکذیب پہ) صبر کرو اور ان میں سے کسی گنہگار و منکر کی بات نہ مانو اور صبح و شام اپنے

اور جنت میں جو زنجبیل ہو گی وہ اس ظاہری دنیاوی زنجبیل سے بدرجہا بہتر ہو گی۔

عَيْنًا۔ یہ بدل ہے سابق سے مقصد یہ ہے کہ وہ زنجبیل ایسے چشمے سے نکلے گی جس کا نام سلسبیل ہے۔

لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا۔ یعنی وہ لڑکے (غلمان) بہشتیوں کی خدمت کے لئے اِدھر اُدھر پھیلے ہونگے جس طرح موتی بکھرے ہوئے ہوتے ہیں

وَمُلْكًا كَبِيرًا۔ منقول ہے کہ کم از کم بہشتی کا گھر اس قدر وسیع ہوگا کہ ایک ہزار سال کی مسافت تک اس کی نظر پہنچے گی اور ہر طرف اس کی حدِ نگاہ تک اس کی ملکیّت ہو گی اور قریب و بعید کو یکساں دیکھ سکے گا اور لطف یہ کہ اس کی یہ سلطنت دائمی ہو گی جس کو زوال نہ ہوگا

عٰلِيَهُمْ یہ فَوْقَهُمْ کے معنی میں ہے اور سندس باریک ریشمی لباس کو کہا جاتا ہے اور استبرق کا معنی دیباج ہے۔

مِنْ فِضَّةٍ یعنی جنت میں بسنے والوں کو ریشمی و دیباجی لباس پہنائے جائیں گے اور ساتھ ساتھ صاف و شفاف چاندی کے زیور بھی ان کی تزیین کے لئے ہونگے جو سونے اور یاقوت سے بھی زیادہ چمکدار اور خوبصورت ہوں گے

شَرَابًا طَهُورًا۔ منقول ہے کہ ایک بہشتی دنیا کے سو آدمی کے برابر طاقتور ہوگا اور سو آدمیوں کے برابر کھا پی سکے گا پس جب جنتی غذائیں کھائے گا تو اوپر شراب طہور پی لے گا پس سب کا سب ہضم ہو جائے گا اور بول و براز کے بجائے اس کے جسم سے پسینہ کی طرح قطرات برآمد ہوں گے جو مسک و عنبر سے زیادہ خوشبودار ہوں گے پس پاک و پاکیزہ رہے گا اور نجاست اس کے قریب نہ آئے گی۔

رکوع نمبر ۲۰

اٰثِمًا۔ آثم سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور کفور سے مراد ولید بن مغیرہ ہے کیونکہ ان دونوں نے حضورؐ سے کہا تھا کہ اگر آپ اپنی تبلیغ سے باز آجائیں تو ہم آپ کو مال و دولت سے غنی کر دیں گے اور تیری شادی تیری مرضی کے مطابق کریں گے

رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٢٦﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿٢٧﴾

رب کا نام یاد کیا کرو اور رات کے کچھ حصہ میں اس کیلئے سجدہ کرو اور رات بھر اس کی تسبیح کرو

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٨﴾ نَحْنُ

تحقیق یہ لوگ دنیاوی فوائد کو دوست رکھتے ہیں اور اس سخت دن کو نظر انداز کرتے ہیں جو بعد میں آنے والا ہے ہم نے ان کو

خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿٢٩﴾

پیدا کیا اور ہم نے ان کے اعضاء کو مضبوط کیا اور جب ہم چاہیں ان کی جگہ ان جیسوں کو تبدیل کر سکتے ہیں

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ ۔ اس جگہ پھر نماز کے اوقات کا بیان کیا گیا ہے کیونکہ بکرہ کے ذکر سے صبح کی نماز اور اصیل سے ظہر وعصر کا وقت مراد لیا جاسکتا ہے اور اس میں ذکر پروردگار سے مراد نماز ظہرین لی جاسکتی ہے اور مِنَ الَّيْلِ سے رات کا کچھ حصہ مراد ہے اور مغرب وعشاء کی دو نمازوں کو رات کے ابتدائی حصہ میں ادا کرنا اس جگہ مراد لیا جاسکتا ہے ۔ پس قرآن مجید میں پانچ نمازوں کے لئے تین اوقات متعدد مقامات پر بتائے گئے ہیں جو شیعی فقہ کے عین مطابق ہے ۔ اس مسئلہ کی قدرے تفصیل تفسیر کی جلد ۹ ص۴۷ پر ملاحظہ ہو۔

وَسَبِّحْهُ ۔ یہاں امر استحباب کے لئے ہے اور اس تسبیح سے مراد نماز تہجد ہے جسطرح کہ امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ سے احمد بن محمد بن بزنطی نے اس تسبیح کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے نماز شب مراد ہے۔

الْعَاجِلَةَ ۔ اس سے مراد دار دنیا ہے یعنی کافر لوگ صرف دنیاوی منفعت کو ملحوظ رکھتے ہیں اور آخرت کے دن کو فراموش کرتے ہیں جو کافروں کے لئے نہایت سخت ہوگا۔

شَدَدْنَا ۔ اس کا اصلی معنی ہے باندھنا اور اسی مناسبت سے قیدی کو اسیر کہا جاتا ہے اور اس جگہ اس سے مراد انسان کے تمام اعضاء بدن ہیں جن میں انسان جکڑا اور بندھا ہوا ہے ۔

بَدَّلْنَا ۔ یہ کفار کے لئے دھمکی اور تنبیہ ہے کہ اللہ کی ڈھیل سے دھوکا نہ کھاؤ اور اپنی مضبوطی جسم اور فراوانی نعمت پر نہ اتراؤ کیونکہ جس طرح اللہ تمہارے پیدا کرنے پر قادر ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر کے تمہاری جگہ دوسری قوموں کو بھی آباد کر سکتا ہے اور نصیحت کا کارگر اور موثر طریقہ یہی ہے کہ ترغیب اور ترہیب دونوں پر مشتمل ہو۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ ۔ پہلی جگہ مشیت سے مراد اختیار ہے اور دوسری جگہ مشیت کا معنی اجبار ہے یعنی تم لوگ اللہ کی رضامندی کا راستہ اختیار نہیں کرو گے مگر جبکہ اللہ تم کو مجبور کرے لیکن اللہ تو کسی کو مجبور کرتا نہیں ہے بلکہ اس نے تو ہر انسان کو مختار بنا دیا ہے کہ چاہے تو ایمان کو اختیار کرے اور چاہے تو کفر کو اختیار کرے اور اس کا یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تم جو کچھ چاہتے ہو اللہ وہی کچھ چاہتا

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ

تحقیق یہ قرآن نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی خوشنودی کا راستہ اختیار کرے اور تم نہیں چاہتے

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ

مگر وہ جو اللہ چاہتا ہے تحقیق اللہ علیم وحکیم ہے داخل کرتا ہے جسے چاہے اپنی

رَحْمَتِهٖ ۚ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۱﴾ ع ۲۰

رحمت میں اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے

ہے کیونکہ اس طریقہ سے تو پھر دعوت حق باطل ہو جائے گی۔ البتہ معصوم اگر اس کا مخاطب قرار دیا جائے تو معنی صحیح ہو جائے گا کیونکہ معصوم ایسی چیز نہیں چاہتا جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو اسی بناء پر حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ نے قلوب آئمہ کو اپنے ارادہ کا مورد قرار دیا ہے کہ جو چیز وہ چاہتا ہے یہ چاہتے ہیں۔ (برہان)

سورہ المرسلات

- یہ سورہ مکیّہ ہے
- اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ملا کر اکاون ہے
- حضرت نبی کریمؐ سے منقول ہے کہ جو شخص سورہ مرسلات کی تلاوت کرے گا وہ مشرکین میں سے محشور نہ ہوگا۔
- اور جو شخص کسی دشمن سے جھگڑا کے وقت اس کو پڑھے گا تو اللہ اس کو قوت دے گا اور وہ غالب ہوگا۔
- آپ نے فرمایا اگر قاضی یا والی کے سامنے اپنے مدمقابل کو زیر کرنے کے لئے اس سورہ کو پڑھا جائے تو خدا دشمن کے مقابلہ میں اس کی مدد فرمائے گا
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر اس سورہ کو لکھ کر پیاز کے پانی سے دھویا جائے اور پیٹ کے درد والا اس پانی کو پئے تو اس کو شفا ملے گی۔ باذن اللہ
- فوائد القرآن میں مصباح کفعمی سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو پوست آہو پر زعفران وگلاب سے لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اس کی نیند کم ہو جائے گی اور بیدار رہے گا اور محفوظ رہے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۝۲ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۝۳ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۝۴ فَالۡفٰرِقٰتِ

ان کی قسم جن کو پے در پے بھیجا گیا ان تیز ہواؤں کی قسم جو نہایت تیزی سے چلیں ان کی قسم جو پھیلائیں اور منتشر کریں پس ایک کو دوسری سے

فَرۡقًا ۝۵ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ۝۶ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۝۷ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ۝۸ فَاِذَا

جدا کریں پس ذکر کا القاء کریں از قبیل اعذار ہو یا انذار ہو بجز اس کے نہیں جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور واقع ہوگا

النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۝۹ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۝۱۰ وَاِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ۝۱۱ وَاِذَا

جب ستارے بے نور ہوں گے اور جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ اکھاڑے جائیں گے اور جب

الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ۝۱۲ لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ۝۱۳ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۝۱۴ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ

رسولوں کو وقت معین پر جمع کیا جائے گا کہ کس دن کے لئے ان کو مہلت دی گئی تھی؟ فیصلہ کے دن کے لئے تمہیں کیا معلوم فیصلہ کا دن کیا

رکوع نمبر ۲۱

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا۔ اس کے معنی میں چند اقوال ہیں۔ (۱) مرسلات کا موصوف ریاح ہے اور عُرف کا اصلی معنی ہے گھوڑے کی گردن کے بال پس معنی یہ ہوگا کہ ان ہواؤں کی قسم جو گھوڑے کے بالوں کی طرح مسلسل اور پے در پے چلتی ہیں (۲) اس کا موصوف ملائکہ ہے اور عرف کا معنی معروف ہے یعنی ان فرشتوں کی قسم جو نیکی کے احکام لے کر انبیاء کی طرف بھیجے جاتے ہیں (۳) اس کا موصوف ذوات انبیاء کی قسم جن کو نیکی کے احکام دیکر بھیجا گیا۔

وَالنّٰشِرٰتِ۔ اس کے معنی میں بھی اقوال ہیں (۱) ناشرات سے مراد وہ ہوائیں جو بادلوں کو منتشر کرتی ہیں (۲) ملائکہ جو اللہ کے پیغامات کو نشر کرتے ہیں (۳) بارشیں جو سبزیوں اور پھلوں کو نشر کرتی ہیں اور جملہ قسم ہے اور عاصفات سے مراد صرف ہوائیں لی گئی ہیں

فَالۡفٰرِقٰتِ۔ اس کے معنی میں بھی اقوال ہیں (۱) ملائکہ جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے احکام لاتے ہیں (۲) آیات قرآنیہ جو حلال و حرام اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتی ہیں (۳) وہ ہوائیں جو بادلوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں۔

فَالۡمُلۡقِیٰتِ۔ اس سے مراد ملائکہ ہیں جو انبیاء کی طرف احکام خداوندی کا القاء کرتے ہیں۔

عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا یعنی جس ذکر کا ملائکہ القاء کرتے ہیں یا تو از قبیل عذر ہے یعنی قطع عذر اور اتمام حجت کے لئے ہے یا جہنم سے ڈرانے کے لئے ہے۔

الْفَصْلِ ﴿١٥﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٦﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ

ہے ؟ ویل ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا پھر بعد والوں کو ان کے

الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٨﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٩﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٠﴾

پیچھے چلاتے ہیں مجرمین کے ساتھ ہم اسی طرح سلوک کرتے ہیں ویل ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٢١﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢٣﴾

کیا تم کو ہم نے حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا ؟ پس اس کو ٹھیرایا با امن قرار گاہ میں ایک مقرر وقت تک

فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٥﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ

پس ہم اس پر قادر ہوئے اور ہم خوب قادر ہیں ویل ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے کیا ہم نے زمین کو تمہارا

الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٦﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿٢٧﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ

مسکن نہیں بنایا ؟ زندوں اور مردوں کے لئے اور اس میں ہم نے اونچے پہاڑ پیدا کر دیئے اور

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ - یہ فقرہ جواب قسم ہے کہ جس دن کا یعنی قیامت کا تم وعدہ کئے گئے ہو وہ ضرور واقع ہو گا۔

اُقِّتَتْ - وُقِّتَتْ سے واو کو الف کر دیا گیا اور اُقِّتَتْ بن گیا یعنی رسولوں کو اپنے وقت پر جمع کیا جائے گا۔

لِاَيِّ يَوْمٍ - یا تو لوگوں کے استعجاب کو بیان کیا گیا ہے کہ لوگ تعجب سے کہتے ہیں کہ وہ کون سا دن ہے جس کے لئے مہلت دی گئی ہے یا یہ کہ دنیا میں لوگ انبیاء کو کہتے رہتے ہیں کہ وہ کون سا دن ہے اور کب آئے گا جس کا تم وعدہ کرتے ہو پس اس کا جواب ہے لِيَوْمِ الْفَصْلِ یعنی فیصلہ کے دن کے لئے تم کو مہلت دی گئی ہے اور اسی دن انبیاء اپنی امتوں پر شہادت دینے کے لئے حاضر ہوں گے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ - الگ الگ نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اس فقرہ کو دھرایا گیا ہے لہذا یہ تکرار عین فصاحت ہے۔

مَآءٍ مَّهِيْنٍ - ایک حقیر پانی سے ایک صاحب عقل و دانش مخلوق کا پیدا کرنا صاحبان فکر و عمل کے لئے وجود خالق اور اس کی تدبیر اتم و اکمل کی ناقابل تردید برہان ہے اور اس کا انکار کرنا عقل کے بدیہی فیصلے کا انکار ہے۔

قَرَارٍ مَّكِيْنٍ اس سے مراد رحم مادر ہے جس میں نطفۂ انسانیہ کو تربیت کے لئے ٹھہرایا گیا ہے۔

فَقَدَرْنَا - اس کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رحم کے اندر انسان کی پیدائش ہماری تقدیر سے ہوئی ہے اور ہمیں علم تھا کہ یہ چھوٹا ہوگا یا طویل خوبصورت ہوگا یا بدصورت اور عورت ہے یا مرد وغیرہ پس جو مقدار ہم نے مقرر کی ہے اس پر ہی پیدا ہوا اور ہم خوب مقدار کرنے والے

وَّ اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ

ہم نے میٹھے پانی سے تم کو سیراب کیا ویل ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے (کہا جائے گا) جاؤ اس آگ کی طرف جس کو

بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ

جھٹلاتے تھے جاؤ ایسے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں کہ نہ تو وہ ڈھانپے گا اور نہ شعلوں کی

مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ

گرمی سے بچائے گا اور وہ چنگاریاں پھینکے گا جو محلات کی طرح بڑی ہوں گی کہ وہ سیاہ اونٹنیاں معلوم ہوں گی ویل ہے

يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اس دن جھٹلانے والوں کے لئے یہ وہ دن ہوگا کہ وہ نہ بول سکیں گے اور نہ ان کو عذر خواہی کی اجازت ملے گی

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

ویل ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے (کہا جائے گا) یہ فیصلہ کا دن ہے ہم نے تم کو جمع کیا ہے اور پہلے لوگوں کو بھی

فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۲

پس اگر تمہارے پاس کوئی بچنے کی تجویز ہے تو وہ تجویز کرو ویل ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے

ہیں اور دوسرا معنی وہی ہے جو تحت اللفظ موجود ہے۔

كِفَاتًا - كَفَتَ كِفَاتًا یعنی ضَمَّ ضَمًّا اس جگہ کفات سے مراد قرارگاہ اور مسکن ہے اور زمین زندہ انسانوں کا مسکن ہے اور مردہ انسانوں کے لئے قبرستان ہے پس دونو حالتوں میں قرارگاہ ہے۔

اِنْطَلِقُوْا - یعنی کافروں کو کہا جائے گا کہ تم جس آگ کی تکذیب کرتے تھے اب اسی میں چلو۔ اور ایسے سایہ کی طرف چلو جس کے تین شعبے ہیں یعنی اوپر دائیں اور بائیں ہر طرف سے وہ گھیرے گی یا یہ کہ اس کا دھواں گھیرے گا جس کا نہ سایہ ہوگا اور نہ گرمی سے بچت ہوگی۔

جِمٰلَتٌ - جمال جمع ہے جمل کی اور تا تانیث اس لئے لگائی گئی ہے کہ جمع تانیث کے حکم میں ہوتی ہے اور صفر جمع ہے صفرای کی اور اس جگہ سیاہ اونٹنیاں مراد ہیں کیونکہ سیاہ اونٹ جو مائل بزردی ہوں ان کو عرب صفر سے تعبیر کرتے ہیں۔

لَا يَنْطِقُوْنَ - مروی ہے کہ جنت میں کئی موقف ہوں گے پس بعض مواقف میں بولنے کی اجازت نہ ہوگی اور بعض میں ہوگی۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَٰلٍ وَعُيُونٍ ﴿۴۲﴾ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۴۳﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا

تحقیق متقی لوگ پسندیدہ سایوں اور چشموں اور میووں میں ہوں گے (ان کو کہا جائے گا) کہ کھاؤ اور پیو تمہیں

هَنِيٓـًٔا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۴﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۴۵﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

خوشگوار ہو بوجہ اس کے جو تم عمل کرتے تھے (دنیا میں) ہم اسی طرح احسان کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں ویل ہے اس دن جھٹلانے

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۶﴾ كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ ﴿۴۷﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

والوں کے لئے (ان کو کہو) کہ کھاؤ اور فائدہ اٹھاؤ تھوڑے دن کیونکہ تم لوگ مجرم ہو ویل ہے اس دن جھٹلانے

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۴۸﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿۴۹﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

والوں کے لئے اور جب ان کو کہا جائے کہ رکوع کرو تو وہ رکوع نہیں کرتے ویل ہے اس دن جھٹلانے

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۵۰﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾ ع ۲۲

والوں کے لئے پس اس قرآن کے بعد کس بات پر وہ ایمان لائیں گے

رکوع نمبر ۲۲

إِنَّ الْمُتَّقِينَ - ان آیات میں متقی لوگوں کی حسن بازگشت کا ذکر فرمایا کہ وہ من مانی چھاؤں میں بہتے چشموں کے درمیان اور قسم قسم کے میوہ جات کی فراوانی میں لطف اندوز ہوں گے اور جس قدر کھائیں گے ہضم کریں گے اور گندگی و بدبو و بول و براز سے پاک و صاف ہوں گے ان کے فضلات کی بجائے ان کو پسینہ آئے گا جو عنبر کی طرح خوشبودار ہوگا۔

كُلُوا یہ پھر مکذبین کے متعلق ہے کہ ان سے کہہ دیجئے بیشک دنیا میں جی بھر کر کھا پی لو اور نفع اٹھالو۔

وَإِذَا قِيلَ - مروی ہے ایک قوم (بنی ثقیف) کو جب حضورؐ نے نماز کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ یہ جھکنا ہماری توہین ہے اور حضورؐ نے فرمایا وہ دین ہی کیا ہے جس میں رکوع و سجود نہ ہوں۔ پس یہ آیت اتری اور بعض کہتے ہیں کہ جب قیامت کے دن سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو وہ اس وقت بھی اکڑ جائیں گے اور ممکن ہے کہ ہر نماز اس سے مراد ہو کیونکہ آیت میں تخصیص نہیں ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔

پارہ نمبر ۳۰

سُورۃ عَمّ

- یہ سورہ مکیہ ہے۔ اس کو سورہ نبا بھی کہا جاتا ہے۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سمیت بیالیس[۴۲] ہے
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص روزمرہ بلاناغہ یہ سورہ تلاوت کرتا رہے ایک سال کے اندر اندر اس کو زیارت بیت الحرام (خانہ کعبہ) نصیب ہوگی
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کو یاد کرے اور اس کی تلاوت کرتا رہے تو اس کا بروز محشر حساب صلوٰۃ مکتوبہ کے وقفہ کے برابر ہوگا یہانتک کہ جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے جوؤں سے محفوظ رہے گا اور طاقت ور ہوگا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس کو بیداری کے لئے پڑھے گا تو وہ بیدار رہے گا اور جو شخص سفر میں اس کی تلاوت کرے گا وہ رات کے سفر میں باامن ہوگا اور چوروں ڈاکوؤں سے محفوظ ہوگا۔
- مصباح کفعمی سے منقول ہے جو شخص اس کو دھو کر پئے گا تو درد شکم سے نجات پائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

(اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ② عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ③ الَّذِیۡ ہُمۡ فِیۡہِ مُخۡتَلِفُوۡنَ ④

کس چیز کے متعلق ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں؟ نبا عظیم کے متعلق؟ وہ کہ جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں

رکوع نمبر ۱

عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ۔ جب آنحضرتؐ مبعوث برسالت ہوئے اور لوگوں کو توحید کا پیغام سنایا اور حشر نشر کے متعلق بیان فرمایا اور اس بارے میں قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کی تو کافروں نے ایک دوسرے سے استفہام انکاری کے طور پر پوچھنا شروع کر دیا کہ یہ کیا کہتا ہے، اور کیا لایا ہے؟ پس اللہ نے یہ سورہ نازل فرمایا کہ یہ لوگ ایک دوسرے سے کس چیز کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ ہاں! ہاں، وہ نبا عظیم یعنی قرآن مجید یا توحید و رسالت و خلافت و حشر و نشر وغیرہ کے متعلق ایک دوسرے سے سوال کرتے پھرتے ہیں اور منہ منہ کی باتیں کرتے ہیں کوئی کہتا ہے وہ ٹھیک کہتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ وہ غلط کہتا ہے (معاذاللہ) یعنی کفار قریش حضورؐ کی ابتدائی تبلیغی تقاریر کو سن کر نظریاتی کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔

نبأ عظیم کا باطن

چونکہ قرآن کے ظاہر اور باطن پر ایمان رکھنا ضروری ہے پس نبا عظیم کا ظاہری اور تنزیلی مصداق وہی ہے جو عام مفسرین نے ذکر کیا ہے لیکن اس کا باطنی و تاویلی مصداق حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی ذات (گرامی) ہے

چنانچہ ابوحمزہ ثمالی کے سوال کے جواب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضرت علی علیہ السلام خود فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی کوئی آیت مجھ سے بڑی نہیں ہے اور اللہ کی کوئی نبا مجھ سے اعظم نہیں ہے اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے بھی اسی مضمون کی ایک روایت وارد ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہے اور آخر میں ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میری ولایت گزشتہ امتوں پر بھی پیش کی گئی تھی، حضرت امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا اے علیؑ! تو حجۃ اللہ ہے تو باب اللہ ہے تو اللہ کا راستہ ہے تو نبأ عظیم ہے تو صراط مستقیم ہے تو مثل اعلیٰ ہے تو امام المسلمین امیر المومنین خیر الوصیین اور سید الصدیقین ہے تو فاروق اعظم تو صدیق اکبر تو میرا خلیفہ تو میرے دین کا قاضی اور تو میرے وعدوں کو پورا کرنے والا ہے یا علیؑ تو میرے بعد مظلوم تو متروک اور تو مہجور ہوگا میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ تیرا گروہ میرا گروہ اور میرا گروہ اللہ کا گروہ ہوگا۔ اور تیرے دشمنوں کا گروہ شیطانی گروہ ہوگا۔ (برہان)

ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا آیت مجیدہ میں نبأ عظیم سے مراد حضرت رسالتمآبؐ اس لئے نہیں ہیں کہ ان میں اختلاف نہیں ہے اور جس میں اختلاف ہے وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں لہذا اس جگہ نبأ عظیم کا مصداق بھی وہی ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ نبأ عظیم سے مراد حضرت علی علیہ السلام کی ولایت ہے۔

تفسیر برہان میں طرق مخالفین سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ صخر بن حرب نے پوچھا اے محمدؐ! تیرے بعد یہ معاملہ کس کے سپرد ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا میرے بعد اس کا وارث ہوگا وہ جس کی منزلت مجھ سے وہی ہے جو ہارونؑ کی موسیٰؑ سے تھی پس یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی کہ کس چیز کے متعلق یہ لوگ سوال کرتے ہیں؟ ہاں بے شک نبأ عظیم کے متعلق پوچھتے ہیں پس بعض لوگ اس کی ولایت و خلافت کی تصدیق کریں گے اور بعض انکار کریں گے اس کے بعد لفظ کَلَّا ان کے نظریے کی رد کے لئے ہے یعنی ان لوگوں نے غلط سوچا ہے بے شک عنقریب ان لوگوں کو اس کی خلافت و امامت کا علم ہو جائے گا جب قبر میں ان سے اس کا سوال ہوگا اور جہاں بھی کوئی مرے زمین کے مشرق میں یا مغرب میں خشکی میں یا تری میں قبر میں منکر و نکیر اس سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور ان کی خلافت کا سوال کریں گے وہ پوچھیں گے تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ اور تیرا امام کون ہے؟

منقول ہے کہ جنگ صفین کے دوران ایک دن ایک شخص لشکر شام سے نکلا جو سلاح پوش تھا اور اس نے سر پر قرآن بھی اٹھا رکھا تھا اور یہی آیت پڑھ رہا تھا عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ الخ راوی کہتا ہے کہ میں نے اس کے مقابلہ میں جانے کا ارادہ کیا تو حضرت علیؑ نے مجھے روک دیا۔ اور خود بنفس نفیس آگے بڑھے پس آپ نے فرمایا اے بندۂ خدا، تو اس نبأ عظیم کو جانتا ہے جس میں تم لوگوں کو اختلاف ہے تو اس نے جواب نفی میں دیا، پس آپ نے قسم کھا کر فرمایا خدا کی قسم وہ نبأ عظیم میں ہوں جس میں تم لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور جس کی ولایت میں تم نے جھگڑا کیا ہے پس اقرار کرنے کے بعد تم لوگ میری ولایت سے منحرف ہو گئے ہو اور اپنی بغاوت کی وجہ سے تم ہلاک ہوئے ہو حالانکہ میری ہی تلوار کی بدولت تم کو نجات ملی تھی اور غدیر کے روز تم نے مجھے پہچان لیا تھا اور پھر قیامت کے دن بھی جان لوگے اس کے بعد آپ نے تلوار کو حرکت دی اور اس کے سر کو قلم کر دیا۔ اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا وہ نبأ عظیم میں ہوں جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں اس

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝٥ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ۝٦ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ۝٧ وَ

خبردار! عنقریب جان لیں گے پھر خبردار! عنقریب وہ جان لیں گے کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور

الْجِبَالَ أَوْتَادًا ۝٨ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ۝٩ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝١٠ وَجَعَلْنَا

پہاڑوں کو میخیں (زمین کی) اور ہم نے تم کو جوڑا جوڑا بنایا اور ہم نے بنایا تمہاری نیند کو آرام اور بنایا

اللَّيْلَ لِبَاسًا ۝١١ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١٢ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝١٣

رات کو لباس اور بنایا دن کو معاش اور بنائے تمہارے اوپر سات آسمان

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَّاجًا ۝١٤ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۝١٥

اور بنایا سورج کو چمکنے والا اور نازل کیا ہم نے بادلوں سے پے در پے ٹپکنے والا پانی

وقت ان کو پتہ چلے گا جب میں جنّت و دوزخ کے درمیان کھڑا ہو کر دوزخ سے کہوں گا یہ میرا ہے اس کو چھوڑ دے اور وہ تیرا ہے اس کو لے لے۔

اَلَمْ نَجْعَل۔ خداوندکریم نے ان آیات میں اپنی توحید کو سمجھانے کے لئے قرینِ عقل مفصّل بیان جاری فرمایا کہ جو لوگ حضرت رسالتمآبؐ کی تبلیغات کا انکار کرتے ہیں یا بنظرِ استعجاب ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں وہ ان چیزوں میں ذرا فکر کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ میرا رسول سچ کہتا ہے۔ ہم نے زمین کو بچھایا اور اس کو ہلنے سے محفوظ رکھنے کے لئے اوپر پہاڑوں کو میخوں کی حیثیت سے گاڑ دیا اور تمہیں جوڑا جوڑا یعنی مذکر و مونث پیدا کیا تاکہ نسل کا سلسلہ برقرار رہے۔ یا یہ کہ سیاہ و سفید کوتاہ و طویل وغیرہ اقسام میں منقسم کر دیا تاکہ باہمی امتیاز کے علاوہ اللہ کی حسین صنعت کا اقرار کرتے رہو اور رات کو تمہارا لباس مقرر کیا کیونکہ وہ تمہیں ڈھانپ لیتی ہے اور دن کے کاروبار کی تھکاوٹ کے بعد نیند کو سکون و آرام بنا دیا تاکہ اس کے بعد پھر تازہ دم ہو کر اپنی معیشت کے لئے دن بھر کام کاج میں مصروف رہ سکو۔ یہ تمام چیزیں غور و فکر کرنے والے انسان کو توحیدِ پروردگار اور اس کے حسنِ تدبّر کے اعتراف کی دعوت دینے کے لئے کافی ہیں۔

وَبَنَيْنَا۔ اس کے بعد عالمِ علوی کی مصنوعاتِ پروردگار کی طرف نگاہ دوڑائی جائے تو مزید یقین و معرفت پیدا ہوتی ہے مثلاً فرماتا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے سات آسمان بنائے اور ایک جگمگاتا چمکتا ہوا چراغ یعنی سورج پیدا کیا جو ایک طرف تمہیں روشنی پہنچائے اور دوسری طرف اپنی گرمی سے تمہارے فصلات کو پکائے اور آسمان سے بارش کو برسایا تاکہ زمین کی آبادی قائم رہے۔ معصرات کا معنی ہوائیں بھی کیا گیا ہے جو بادلوں کو جمع کرتی ہیں اور ثجّاج کا معنی زور سے گرنے والا موسلا دھار بارش کا پانی بھی مراد لیا گیا ہے۔

لِنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ

تاکہ ہم ... اس کے ذریعہ سے نکالیں دانے اور انگوری اور باغات گھنے تحقیق فیصلے کا دن وعدے کا

مِيْقَاتًا ﴿۱۸﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۹﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ

مقرر ہے جس دن صور پھونکا جائے گا پس تم ٹولے ٹولے ہو کر آؤ گے اور آسمان کے دروازے کھول دیئے

اَبْوَابًا ﴿۲۰﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ

جائیں گے اور پہاڑوں کو ہٹا دیا جائے گا پس وہ سراب معلوم ہوں گے تحقیق جہنم ہی (ان کی)

حبًّا ۔ نبات پر اس کا عطف ہے اور اس کو عطف خاص علی العام کہتے ہیں اور الفافًا کا واحد لف ہے بالتخفیف اور اس سے مراد ہیں گھنے درخت یا ایسے درخت جن کی شاخیں گھنی ہوں۔

یوم ینفخ ۔ اس کا مفصل بیان تفسیر کی جلد ۱۲ ص ۱۳۴ پر گذر چکا ہے۔

جہنمیوں کی اقسام

اَفْوَاجًا ۔ یعنی ہر ملت اپنے نبی کے ساتھ یا ہر قوم اپنے امام کے ساتھ محشور ہو گی ایک دن معاذ بن جبل ابو ایوب انصاری کے گھر میں حضرت رسالتمآب کے پہلو میں بیٹھا تھا تو معاذ نے آپ سے اسی آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا اے معاذ! تو نے بڑا سوال کیا ہے؟ اس کے بعد آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور فرمایا اے معاذ بروز محشر میری امت کے لوگ دس گروہوں میں اٹھیں گے کہ خداوندکریم ان کو مسلمانوں سے الگ کردے گا (۱) بعض بندروں کی شکل میں اٹھیں گے (۲) بعض کی صورت سوروں کی طرح ہو گی (۳) بعض اُلٹے لٹکے ہوئے ہوں گے اور منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے (۴) بعض اندھے ہوں گے (۵) بعض بہرے ہوں گے (۶) بعض گونگے ہوں گے (۷) بعض اپنی زبانوں کو چباتے ہوں گے کہ ان کے منہ سے پیپ بہتی ہو گی جس سے تمام اہل محشر نفرت کریں گے (۸) بعض کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے اور ان کو آگ کے درختوں پر سولی پر لٹکایا جائے گا (۹) بعض کی بدبو مردار جانور سے بھی زیادہ ہو گی (۱۰) بعض کے اجسام پر قطران کے جبّے ہوں گے جو ان کے چمڑوں سے چپٹے ہوئے ہوں گے۔

آپ نے فرمایا (۱) جن کی شکل بندروں جیسی ہو گی وہ چغلخور ہوں گے (۲) سور کی شکل والے حرام خور ہوں گے (۳) اُلٹے لٹکے ہوئے سودخور ہوں گے (۴) غلط فیصلہ کرنے والے قاضی ومجسٹریٹ اندھے محشور ہوں گے (۵، ۶) بہرے وگونگے وہ لوگ ہوں گے جو اپنے اعمال پر دنیا میں اتراتے اور تکبر کرتے تھے (۷) اپنی زبانوں کو چبانے والے وہ علماء وقاضی ہوں گے جن کے دنیا میں اعمال ان کے اقوال کے موافق نہ تھے (۸) ہاتھ پیر کٹے ہوئے وہ لوگ ہوں گے جو ہمسایوں کو تکلیف دیتے تھے اور جہنم میں سولی لٹکے ہوئے وہ ہوں گے جو بادشاہوں کے درباروں میں لوگوں کی شکایت لے جاتے تھے (۹) بدبودار وہ ہوں گے جو دنیا میں شہوت پرستی میں

مِرْصَادًا ﴿٢٢﴾ لِّلطَّاغِينَ مَآبًا ﴿٢٣﴾ لَّابِثِينَ فِيهَآ أَحْقَابًا ﴿٢٤﴾ لَا يَذُوقُونَ

انتظار گاہ ہے جو سرکشوں کی بازگشت ہے جس میں ٹھہریں گے صدیوں تک نہ وہاں نیند

فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ﴿٢٥﴾ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٢٦﴾ جَزَآءً وِفَاقًا ﴿٢٧﴾ إِنَّهُمْ

کا ذائقہ چکھیں گے اور نہ پانی کا مگر کھولتا ہوا پانی اور پیپ یہ ان کی پوری جزا ہے ۔ تحقیق وہ

كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿٢٨﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٩﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ

حساب کی امید بھی نہ رکھتے تھے اور سختی سے ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے ہر اُن کے عمل کو کتاب میں

كِتَابًا ﴿٣٠﴾ فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣١﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣٢﴾

احصا کیا ہے پس (کہا جائیگا) چکھو پس ہم تمہیں زیادہ کریں گے مگر عذاب میں بے شک متقی لوگوں کے لئے کامیابی ہے (ان کیلئے)

حَدَآئِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٤﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٥﴾ لَا يَسْمَعُونَ

باغ ہیں اور انگور ہیں اُبھرے ہوئے پستانوں والی نوجوان ہمسن عورتیں ہونگی اور چھلکتے ہوئے پیالے ہوں گے نہ سنیں گے وہاں

محو تھے اور اپنے اموال سے حقوق واجبہ نہ ادا کرتے تھے (۱۰) قطران کے جبّے وہ پہنیں گے جو دنیا میں تکبّر و غرور کرتے تھے۔

سُيِّرَتِ الْجِبَالُ ۔ یعنی پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرکے اڑا دیا جائے گا پس سراب کی طرح معلوم ہوں گے یعنی دکھائی دیں گے لیکن درحقیقت وہ ہوں گے نہیں۔

أَحْقَابًا ۔ یہ حقب کی جمع ہے ایک حقب ستر خریف کا اور ایک خریف سات سو برس کا اور ایک برس تین سو ساٹھ دن کا اور ایک دن دنیا کے ایک ہزار سالوں کے برابر ہوگا اور بعضوں نے ایک حقب کی مقدار ستر ہزار سال بیان کی ہے ۔ جبکہ ان سالوں کا ایک دن ہزار سالوں کے برابر ہوگا ۔ بہرکیف جہنم میں رہنے کی مدت مقرر نہیں پس وہ حقب در حقب جہنم میں رہیں گے ۔

بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۔ یہاں برد سے مراد نیند ہے اور شراب سے مراد پانی ہے ۔

جَزَآءً وِفَاقًا ۔ یعنی یہ کہ ان کے اعمال کے برابر پوری جزا ہوگی ظلم نہ ہوگا۔

فِيهَا لَغْوًا وَّلَا كِذَّٰبًا ۝٣٥ جَزَآءً مِّن رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝٣٦ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ

کوئی لغو بات اور نہ جھوٹ — بدلہ تیرے رب کی طرف سے عطائے کثیر — وہ جو رب ہے آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ۝٣٧ يَوْمَ يَقُومُ

و زمین کا اور جو ان کے درمیان ہے رحمٰن ہے ان کو طاقت نہیں ہوگی اس سے خطاب کرنے کی جس دن

الرُّوحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ

کھڑے ہوں گے رُوح اور فرشتے صف بہ صف نہ بولیں گے مگر وہ جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ بات

رکوع نمبر ۲

كِذَّابًا ۔ یعنی ایک دوسرے کی تکذیب کرنا وہاں نہ ہوگا مقصد یہ ہے کہ پرسکون ماحول ہوگا اور جھگڑا فساد نہ ہوگا
جَزَاءً ۔ مفعول مطلق ہے یعنی جَازَاهُمْ جَزَاءً وَّأَعْطَاهُمْ عَطَاءً۔

لَا يَمْلِكُونَ ۔ یعنی اس دن کسی کو بات کرنے کی اجازت نہ ہوگی مگر وہ جن کو اللہ کی جانب سے اذن حاصل ہو۔

يَقُومُ الرُّوحُ ۔ تفسیر مجمع البیان میں رُوح کے متعلق متعدد اقوال ہیں (۱) بنی آدم کی شکل میں ملائکہ کے علاوہ ایک مخلوق ہے کہ بروز محشر وہ ایک صف میں ہوں گے اور فرشتے دوسری صف ہوں گے (۲) روح ایک بہت بڑا فرشتہ ہے پس قیامت کے روز وہ اکیلا ایک صف ہوگا۔ اور تمام فرشتے دوسری صف ہوں گے اور جسامت میں تمام فرشتوں کے برابر ہوگا۔ (۳) لوگوں کے ارواح مراد ہیں کہ ایک صف میں یہ ہوں گے اور دوسری صف میں فرشتے ہوں گے (۴) رُوح سے مراد جبرئیل ہے اور مروی ہے کہ جبرئیل اللہ کے خوف سے کانپتا ہے تو اس کے ہر لرزہ سے ایک لاکھ فرشتے پیدا ہوتے ہیں اور تمام فرشتے صف بہ صف اللہ کے سامنے سرنگوں ہیں۔ (۵) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے جسامت میں بڑا ہے۔

مَنْ أَذِنَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت معاویہ بن عمار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا خدا کی قسم قیامت کے روز ماذون ہم ہوں گے اور صواب و صحیح کہنے والے ہم ہی ہوں گے۔ راوی نے دریافت کیا کہ حضورؑ! آپ اس دن کیا کہیں گے تو آپ نے فرمایا کہ ہم اپنے اللہ کی تمجید و تحمید کریں گے (تحمد اور تمجد دو نسخے ہیں) اور حضرت رسول اللہؐ پر صلوات بھیجیں گے اور اپنے شیعوں کے حق میں شفاعت کریں گے پس ہمارا پروردگار ہماری سفارش کو رد نہ فرمائے گا اس روایت کو تفسیر برہان میں متعدد طرق سے نقل کیا گیا ہے۔

صہ ۱۶۷ پر۔ ذَالِكَ ۔ قیامت کی آمد کا اعلان کرنے کے بعد کفار کو دعوت دی کہ میں نے مجبور نہیں کیا بلکہ تمہیں با اختیار بنا دیا۔ اب سمجھ لینے کے بعد جو بھی اپنے پروردگار کی طرف بازگشت چاہتا ہے تو نیک اعمال بجا لائے۔

صفحہ نمبر ۱۶۷ پر۔ عَذَابًا قَرِيبًا ۔ اس سے مراد عذاب آخرت ہے اور ہر یقینی واقع ہونے والی چیز کو قریب کہا جا سکتا ہے۔

صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ

بھی صحیح کہے گا یہ دن حق ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف اپنی باز گشت بنا ئے ہم نے تمہیں ڈرایا عذاب

عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ

قریب سے جس دن دیکھے گا انسان ان اعمال کی طرف جنہیں اپنے آگے بھیج چکا تھا اور کافر

يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع

کہے گا ہائے افسوس میں مٹی ہوتا

يَوْمَ يَنْظُرُ- یعنی تمام لوگ اپنے اعمال کی جزا یا سزا کا انتظار کر رہے ہوں گے پس کئی ثواب کی اُمید میں ہونگے اور کئی گرفتارِ عذاب ہونے کا انتظار کر رہے ہوں گے اور ایسے لوگ موت کی تمنا کریں گے اور کہیں گے کہ کاش کہ ہم مٹی اور خاک ہوتے ۔تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ قیامت کے روز زمین کو کھینچ کر لمبا بنا دیا جائے گا اور تمام ذی رُوح مخلوق درند چرند پرند حیوانوں اور انسانوں کو زندہ کیا جائے گا پس حیوانات میں قصاص کا حکم ہوگا حتیٰ کہ بے سینگ بکری کو اگر سینگ والی نے مارا ہوگا تو اس کا بھی قصاص لیا جائے گا اور مروی ہے کہ اس قصاص کے بعد اُن سے کہا جائے گا کہ تم کو انسان کا خادم بنا کر پیدا کیا گیا ہے اور تم زندگی بھر ان کے مطیع رہے ہو لہٰذا اب اپنی سابق حالت کی طرف پلٹ جاؤ ۔چنانچہ وہ سب موت کی نیند سوئیں گے اور حسب سابق مٹی ہو جائیں گے ۔ جب کافر لوگ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم دنیا میں خنزیر ہوتے پس اس جیسا کھاتے پیتے اور مرجاتے اور اب قیامت کے روز دوسرے حیوانات کی طرح مٹی ہو جاتے ۔تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ بروز محشر کافر کہے گا کاش میں ترابی یعنی حیدری ہوتا ایک روایت میں عبداللہ بن عباس سے سوال سے کیا گیا کہ رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ کو ابوتراب کیوں کہا ؟ تو انہوں نے جواب دیا اس لئے کہ حضرت علیؑ صاحب العصر ہیں اور حجۃ اللہ ہیں انہی کی بدولت زمین کی بقا و سکون ہے آپ نے فرمایا قیامت کے روز کافر ۔۔ کہے گا کہ کاش میں تراب ہوتا یعنی شیعہ علی ہوتا۔

سورہ النازعات

- یہ سورہ مکیہ ہے سورہ نبأ کے بعد نازل ہوا۔
- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ملا کر اس کی آیات کی کل تعداد سینتالیس ۴۷ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ

قسم ہے سختی سے کھینچنے والوں کی — اور خوش ہو کر جانے والوں کی — اور تیزی سے جانے والوں کی — پس سبقت کرنے

- تفسیر مجمع البیان میں ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص سورہ النازعات کی تلاوت کرے گا قیامت کے روز نہ اس کو روکا جائے گا اور
- نہ اس سے حساب لیا جائے گا مگر فریضہ نماز کی مقدار کے برابر یہاں تک کہ جنت میں داخل ہوگا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو اس کو پڑھے گا وہ سیراب مرے گا سیراب اٹھے گا اور سیراب جنت میں جائے گا۔
- خواص القرآن سے منقول ہے نبی کریمؐ نے فرمایا جو اس سورہ کو پڑھے گا وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ اور اللہ قیامت کے روز اس کو ٹھنڈا جام عطا فرمائے گا اور دشمنوں کا سامنا کرتے وقت جو شخص اس سورہ کو پڑھ لے گا۔ تو وہ دشمن اس سے ٹل جائیں گے اور اس کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے پس یہ شخص ان سے بچ جائے گا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص دشمنوں کو سامنے دیکھ کر یہ سورہ پڑھ لے گا تو اس کو وہ دیکھ نہ سکیں گے اور اس سے اعراض کریں گے اور جب انسان ایسے دشمن کے پاس جا رہا ہو جس سے اس کو خطرہ لاحق ہو پس اس سورہ مجیدہ کو پڑھ لے بوقت دخول تو اس سے نجات پائے گا۔ اور اللہ کے اذن سے محفوظ رہے گا۔
- مصباح کفعمی سے فوائد القرآن میں منقول ہے کہ اگر چشمہ سے پانی نہ نکلے تو تین دن اس چشمہ پر یہ سورہ سات بار روزانہ پڑھی جائے پس پانی جاری ہو جائے گا اور گمشدہ دفینہ پہ یہ سورہ پڑھا جائے تو وہ باذن خدا معلوم ہو جائیگا۔

رکوع نمبر ۲

وَالنّٰزِعٰتِ ۔ نزع کا معنی ہے کمان کے وتر کو کھینچنا اور غرق اسم مصدر ہے اور اس کو اغراق کی بجگہ استعمال کیا گیا ہے جس طرح کہا جاتا ہے اَغۡرَقَ فِی النَّزۡعِ یعنی اس نے پورے زور سے کھینچا اور اس جگہ اس کے معنی میں چند اقوال ہیں ① اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کے ارواح کو سختی سے کھینچتے ہیں یا مطلق روح قبض کرنے والے ملائکہ مراد ہیں۔ ② ستارے مراد ہیں جو طلوع و غروب کرتے ہیں گویا کہ ان کو کھینچ کر لایا جاتا ہے۔ ③ کمانیں مراد ہیں جن کو میدان جنگ میں کھینچا جاتا ہے اور ناشطات سے مراد پھر وہ تیر ہونگے جن کو رہا کیا جاتا ہے اور اس صورت میں ان مجاہدین کی قسم کھائی گئی ہے جو تیر و کمان سے جنگ کرتے ہیں۔

وَالنّٰشِطٰتِ ۔ نشط کا معنی آزاد ہونا یا خوش ہونا اور کھینچ لینا بھی ہوتا ہے اور اس کے معنی میں چند اقوال ہیں ① کمانوں سے رہا ہونے والے تیر جس طرح گذر چکا ہے ② فرشتے جو ارواح کو کھینچتے ہیں ③ مومنین کے نفوس جو موت کے وقت آزادی کے لئے شوق

سَبْقًا ۝۵ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۶ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝۷ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝۸

والوں کی پس امر کی تدبیر کرنیوالوں کی (تم ضرور اٹھائے جاؤ گے) جس دن زلزلہ ہوگا سخت اس کے پیچھے دوسرا ہوگا

ہوتے ہیں کیونکہ مروی ہے کہ ہر مومن کو موت کے وقت جنّت کا مکان دکھایا جاتا ہے اور حوران جنّت بھی اس کے سامنے لائی جاتی ہیں۔ پس وہ رُوح کے بدن سے نکلنے میں خوشی محسوس کرتا ہے ④ آنے جانے والے ستارے مراد ہیں ⑤ تفسیر برہان میں ہے حضرت رسالتمآبؐ نے معاذ سے فرمایا کہ لوگوں کو نہ پھاڑا کرو ورنہ تمہیں جہنم کے کتے پھاڑیں گے چنانچہ آپ نے وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا پڑھا اور فرمایا کہ ناشطات جہنم کے کتے ہیں جو جہنمیوں کا گوشت پھاڑیں گے اور نشط کا معنی پھاڑنا ہے

وَالسّٰبِحٰتِ۔ اس کے معنی میں اقوال ہیں۔ ① وہ فرشتے جو مومنوں کے ارواح قبض کرکے آزاد کر دیتے ہیں پس وہ اس تیزی سے چلتے ہیں جس طرح تیرنے والا تیرتا ہے ② اس سے مراد تیزی سے اترنے والے فرشتے ہیں ③ تیزی سے جانے والے ستارے مراد ہیں ④ غازیوں کے گھوڑے مراد ہیں جو تیز دوڑتے ہیں

فَالسّٰبِقٰتِ۔ اس میں بھی اقوال ہیں۔ ملائکہ یا ستارے یا غازیوں کے گھوڑے مراد ہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ۔ اس کے معنی میں بھی اقوال ہیں ① وہ ملائکہ جو سال سے سال تک تدبیر امور کرتے ہیں ② چار فرشتے مراد ہیں جو تمام نظامِ عالم میں مختلف ڈیوٹیوں پر کام کرنے والے فرشتوں کے سربراہ ہیں مثلاً جبرئیل ہواؤں پر موکل ہے اور اس کے ماتحت کافی ملائکہ ہیں۔ میکائیل سبزیوں اور بارشوں پر موکل ہے اور اس کے ماتحت بہت سے فرشتے ہیں۔ عزرائیل (ملک الموت) قبض ارواح پر موکل ہے اور اس کے ماتحت کافی ملائکہ ہیں اسرافیل صاحب صُور ایک سال سے دوسرے سال تک کے امور لاتا ہے اور ارزاق خلائق پر اس کی ڈیوٹی ہے اور اس کے ماتحت بہت سے فرشتے کام کرتے ہیں۔ ③ اس سے افلاک مراد ہیں بہرکیف ان تمام کی اللہ نے قسم کھائی ہے اور جوابِ قسم محذوف ہے کہ مجھے قسم ہے ان چیزوں کی کہ تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کو حق پہنچتا ہے کہ اپنی مصنوعات میں سے اپنی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے جس چیز کی چاہے قسم کھا سکتا ہے لیکن انسانوں کے لئے سوائے اس کی ذات کے کسی کی قسم نہیں کھانی چاہیئے پس شرعی قسم وہی ہوا کرتی ہے جو اللہ کے نام سے کھائی جائے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ۔ رجف کا معنی ہے کانپنا اور یہاں زلزلہ مراد ہے اور معنی یہ ہے کہ اے منکرین حجت تم ضرور محشور کئے جاؤ گے۔ جس دن زلزلہ ہوگا اور اس دن سے مراد صور اُولیٰ کا نفخ ہے جس کی تفصیل جلد ۱۲ ص ۱۲۴ پر گذر چکی ہے اور رادفہ سے مراد نفخ ثانی ہے جو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے ہوگی اور اس پر موکل اسرافیل ہے پس لوگ زندہ ہوں گے اور خوف خدا سے جسموں پر کپکپی طاری ہوگی اور آنکھیں جھکی ہوں گی

صفحہ نمبر ۱۷۰ آیہ۔ يَقُوْلُوْنَ۔ حافرہ۔ بعضوں نے اس کا معنی کیا ہے پہلی حالت کیونکہ عرب ابتداء امر کو حافرہ سے تعبیر کرتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ کفار ازراہِ تعجب و انکار کہتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم پہلی حالت پر پلٹائے جائیں گے جبکہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو

قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿۹﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿۱۰﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَ اِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ

دل اس دن دھڑکنے والے ہوں گے — آنکھیں جھکنے والی ہوں گی — کہتے ہیں کیا ہم پلٹائے جائیں گے پہلی

فِى الْحَافِرَةِ ﴿۱۱﴾ ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿۱۲﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۳﴾

حالت کی طرف — کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے — کہتے ہیں پھر تو وہ نقصان دہ پلٹنا ہوگا

فَاِنَّمَا هِىَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۴﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۵﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿۱۶﴾

سوائے اس کے نہیں وہ ایک ہی دھماکہ ہوگا — پس وہ کھلی زمین پہ ہوں گے — کیا تمہارے پاس پہنچی موسٰی کی بات ؟

جائیں گی اور بعضوں نے حافرہ سے مراد حیات ثانیہ لی ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم - مرنے کے بعد حیات ثانیہ کی طرف پلٹائے جائیں گے ؟ اور بعضوں نے کہا ہے کہ حافرہ کا معنی ہے محفورہ جس طرح مَآءٍ دَافِقٍ سے مراد مدفوق ہوتا ہے تو گویا کافروں نے کہا کہ کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جانے کے بعد پھر قبروں میں پلٹائے جائیں گے ؟

قَالُوْا - پھر کہتے ہیں اگر یہ بات درست ہے تو یقیناً دوبارہ محشور ہونا موجب خسارہ ہوگا کیونکہ دنیاوی تقسیم کے بعد عذاب کی طرف منتقل ہونا یقیناً خسارہ ہے اور خسارہ کی کرّہ کی طرف نسبت مجاز مرسل ہے جس طرح دوسرے مقام پر راضیہ کی نفس کی طرف نسبت موجود ہے ۔

فَاِنَّمَا هِىَ - ان کے قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ دوبارہ زندہ کرنا میرے لئے کوئی مشکل نہیں ہے بس صرف ایک ہی دفعہ اسرافیل صور پھونکے گا اور قبروں میں سونے والے زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور نفخ صور کی کیفیت ہم نے کتاب لمعۃ الانوار میں درج کی ہے نیز تفسیر کی جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۴ پر بھی مفصل گزر چکی ہے ۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ - اور تمام روئے زمین کو ساہرہ کہا جاتا ہے کیونکہ جنگل کو ساہرۃ اس لئے کہتے تھے کہ مسافر لوگ ڈر کے مارے نیند نہیں کرتے تھے بلکہ بیدار رہتے تھے اس کے بعد تعمیم کر کے ساری زمین کو ساہرہ کہا گیا اور اس جگہ مراد عرصۂ قیامت ہے یعنی جب حضرت اسرافیل دوبارہ صور پھونکے گا تو تمام مُردے زمین سے نکل کھڑے ہوں گے اور اس طرح دربار خداوندی میں پیش ہوں گے کہ وہاں ہیبت و وحشت اور انجام کی فکر کی وجہ سے کسی کو نیند نہ آئے گی بلکہ انتظار اور خوف میں بیدار ہوں گے اور اسی مناسبت سے عرصۂ محشر کو ساہرہ کہا گیا ہے ؟

هَلْ اَتٰىكَ - کفار کو اولّہ و براہین سے توحید کا درس دینے کے بعد خداوند کریم نے ایک سابق سرکش کا ذکر فرمایا اور اس کی ضد و ہٹ دھرمی کے بعد اس کی گرفت کا ذکر کیا تاکہ کفار و قریش کے لئے باعث نصیحت ہو جائے طریقہ تبلیغ میں یہ روتیہ اس قدر پیارا ہے کہ منصف طبائع اس کی جاذبیت پر عش عش کر اٹھتی ہیں اور اس کو ٹھکرانا ناممکن ہو جاتا ہے اللہ نے موسٰی کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیکر طریقہ تبلیغ بھی

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑯ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ⑰

جب اس کو اپنے رب نے وادیٔ مقدس طوٰی میں بلاکر فرمایا فرعون کی طرف جائیے کہ وہ سرکش ہے

فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ ⑱ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ⑲ فَأَرَاهُ

تو اس کو کہو کہ کیا تم کو پاک ہونے کی خواہش ہے اور میں تجھے اپنے رب کی طرف راستہ دکھاؤں تاکہ تو غلطیوں سے ڈر جائے

الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ⑳ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ㉑ ثُمَّ أَدْبَرَ يَسْعَىٰ ㉒ فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ㉓

پس اس کو بڑا معجزہ دکھایا تو اس نے جھٹلایا اور نافرمان رہا پھر پیچھے ہٹا تاکہ جواب کی کوشش کرے پس قوم کو جمع کیا

فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ㉔ فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ㉕

اور آواز دی پس کہا میں خود تمہارا بلند خدا ہوں تو اس کو اللہ نے پکڑ لیا پہلی اور پچھلی سزا کے لئے

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِمَنْ يَخْشَىٰ ㉖ أَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا ㉗

تحقیق اس میں عبرت ہے اس کے لئے جو ڈرے کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمانوں کا جن کو اس نے بنایا ہے

سمجھا دیا کہ اس کو پیارے اور قابل قبول انداز سے کہو کہ کیا تجھے پاک ہونے کی خواہش ہے؟ پھر اس کو معجزہ دکھایا تاکہ اس کو یقین ہو جائے کہ یہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے حکم سنا رہا ہے لیکن اس بدبخت نے انکار کیا اور اپنی ربوبیت کا اعلان کر دیا ایک دفعہ اس نے اعلان کیا تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي۔ کہ میں اپنے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں سمجھتا اور اب اعلیٰ پروردگار ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور ان دونوں اعلانوں میں چالیس برس کا فاصلہ تھا پس دریائے نیل میں غرقابی دونوں اعلانوں کی اکٹھی سزا ہوگئی اور یہ کفار مکہ کے لئے باعث عبرت ہے۔

رکوع نمبر ۴

ءَأَنْتُمْ أَشَدُّ - فرعون کی ضد اور ہٹ دھرمی کی بدولت اس کے گرفتار ہونے کا باعث عبرت و نصیحت قصہ ذکر کرنے کے بعد کفار مکہ کو ادلہ و براہین سے سمجھانے کی طرف عود فرمایا کہ دیکھو تم اپنی دوبارہ موت کے بعد زندگی پر تعجب کرتے ہو حالانکہ تمہارا پیدا کرنا آسمانوں کے پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں دیکھو اس نے آسمانوں کو کیسے بنایا اس کی چھت کی بلندی اور برابری کو اندھیر شب و روز کے متبادل انتظام کو دیکھو لیل اور ضحیٰ کی اضافت ضمیر غائب کی طرف ہے جو آسمان کی طرف رجوع کرتی ہے گویا شب و روز کی آمد کو آسمانوں سے منسوب کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کا طلوع و غروب ہی دن و رات کو جنم دیتا ہے اور سورج کا تعلق آسمانوں سے ہے۔

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۳۰﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ

اُن کی چھتوں کی بلند کیا اور درست کیا اُن کی رات کو تاریک کیا اور صبح کو نکالا اور اس کے علاوہ زمین

ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۱﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۲﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۳﴾

کو بچھایا اس سے اس کا پانی اور چراگاہیں نکالیں اور پہاڑوں کو نصب کیا

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۴﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۵﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ

تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے نفع کے لئے پس جب آئے گی قیامت کبریٰ جس دن یاد کرے گا

الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۶﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۷﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۸﴾

انسان اس کو جو اُس نے عمل کیا ہوگا اور ظاہر کی جائے گی جحیم دیکھنے والوں کے لئے پس جو بھی سرکشی ہوگا جس نے

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۹﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۰﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ

زندگی دنیا کے مقام کو ترجیح دی ہوگی تو جہنم اس کا ٹھکانا ہوگا اور لیکن جو اپنے رب کے

وَالْاَرْضَ ۔ آسمانوں کی تخلیق کے بعد زمین کی خلقت کا ذکر فرمایا اور آیت میں بعد کا لفظ ترتیب خلقیت کے لئے نہیں بلکہ ترتیب بیان کے لئے ہے کہ پہلے آسمانوں کی تخلیق میں غور کرو اور اس کے بعد زمین کی پیدائش میں غور کرو کہ اس کو بچھایا اور اس سے پانی اور انگوریاں ظاہر کیں اور اس پر پہاڑ نصب کر گئے یہ سب تمہارے اور تمہارے حیوانوں کی منفعت کے لئے اس نے کیا ہے اور ترتیب تخلیق اس لئے نہیں کہ دوسری جگہ صاف طور پر ارشاد فرمایا کہ زمین کی خلقت کے بعد آسمان کو پیدا کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا:۔
ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ الخ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق سے پہلے ہو لیکن دحوالارض بعد میں ہو اور اس آیت میں دحوالارض کو آسمان کی تخلیق کے بعد کہا گیا ہے لہذا کوئی منافات نہیں ہے۔

اَلطَّآمَّةُ ۔ طَمَّ يَطِمُّ کا معنی بلند ہونا ہے اور اسی مناسبت سے مصیبت کو بھی طامّة کہتے ہیں کہ انسان کے حواس و حرکات پر چھا جاتی ہے اور قیامت کو بھی اسی مناسبت سے طامہ کہا گیا ہے کیونکہ ہر طامہ کے اُوپر طامہ ہوتی ہے لیکن قیامت ہر طامہ پر بلند ہے لہذا اس کو الطامۃ الکبریٰ کہا گیا ہے۔

معرفتِ توحید

قرآن کا اسلوب بیان اس قدر پیارا اور دلکش ہے کہ اس کو دیکھ کر انسان کو قلبی سکون محسوس ہوتا ہے اور اس میں غور کرنے والے انسان کے لئے معرفت کی نئی نئی راہیں کھلتی جاتی ہیں اس سورہ مجیدہ کا

مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى ﴿۴۱﴾

سامنے پیشی سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہشات سے روکا ہوگا تو تحقیق جنت اس کا ٹھکانا ہوگی

يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا ﴿۴۲﴾ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ﴿۴۳﴾

تجھ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے متعلق کہ کب اس کا وقوع ہوگا؟ تمہارا اس کے علم سے کیا واسطہ؟

إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ﴿۴۴﴾ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَخْشٰهَا ﴿۴۵﴾ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ

اس کے علم کا منتہیٰ اللہ تک ہے تو تو صرف ڈرانے والا ہے جو ڈرے جس دن دیکھیں گے

يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحٰهَا ﴿۴۶﴾ ع

تو ان کو معلوم ہوگا کہ دنیا میں نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک رات یا دن

موضوع بیان اثباتِ قیامت ہے شروع میں قسمیہ بیان کے ذریعے وقوعِ قیامت کا اعلان فرمایا اور قسمیں اس لئے کھائیں کہ منکرینِ بعث کا انکار شدید تھا اور سخت انکار کا جواب زور دار بیان سے ہی ہوا کرتا ہے اور قسم کا لہجہ بیان کو نہایت زوردار بناتا ہے اثباتِ قیامت کے زور دار بیان کے بعد کفار کا اعتراض ذکر کیا کہ بوسیدہ ہو جانے کے بعد کیسے ہم زندہ ہوں گے؟ تو اللہ نے اس سوال کا جواب دیا کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں صرف نفخ صور ہوگی دھماکہ ہوگا اور تم قبروں سے زندہ نکل کر محشور ہو جاؤ گے اس کے بعد بیان کو مزید پختہ کرنے اور کفارِ مکہ کے ضد و ہٹ دھرمی کو توڑنے کے لئے فرعون کے انکار اور اس کی ہٹ دھرمی کا ذکر کیا۔ تاکہ ان لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور آخر میں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونے کے استحالہ کو عقلی دلیل سے رد فرمایا کہ تمہارا پہلی دفعہ یا دوسری دفعہ پیدا کرنا آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے یقیناً مشکل نہیں پس جو خدا اتنی بڑی پُر از حکمت و مصلحت محکم اور منظم تخلیق پر قادر ہے وہ یقیناً تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور سب سے آخر میں جزا اور سزا کا ذکر فرمایا کیونکہ دلیل اور تذکرۂ احسان کے بعد بہشت کا طمع یا گرفت کا ڈر نصیحت کے قبول کرنے کا آخری طریقہ ہے اور اس قسم کا جامع اور مختصر بیان صرف قرآن کریم کا حصہ ہے۔

خوفِ خدا

أَمَّا مَنْ خَافَ ۔ تفسیر برہان میں حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص اپنی بیوی کے ہمراہ کہیں سفر کر رہا تھا کہ سمندر کے سفر میں ان کی کشتی ڈوب گئی اور وہ مرد مر گیا لیکن اس کی عورت ایک تختے پر سوار ہو کر زندگی بچانے میں کامیاب ہو گئی پس ایک جزیرہ میں پہنچی کہ وہاں ایک مرد کو دیکھا جو سخت ڈاکو اور ناخدا ترس انسان تھا جب اس کو تنہا عورت کا علم ہوا تو بدکاری کی ٹھان لی عورت نے ہر چند دفاع کیا لیکن آخر کار وہ غالب آ گیا تو عورت نے ایک سرد آہ

کھینچی اس کا جسم کانپ گیا اس مرد کے سوال کرنے پر اُس نے جواب دیا کہ آسمان کے پروردگار سے ڈرتی ہوں تو اس مرد نے پوچھا کہ تو نے ایسی کونسی غلطی کی ہے جس کی بدولت اس قدر خوف کر رہی ہے تو وہ کہنے لگی کہ اس کی عزت کی قسم میں نے اس سے پہلے اس قسم کی غلطی کبھی نہیں کی پس اس مرد کے دل میں خوف خدا پیدا ہوا اور اپنے ارادہ فاسدہ سے تائب ہو گیا پس گھر کی طرف روانہ ہوا کہ ایک راہب سے ملاقات ہو گئی جو اپنے زمانہ کا بہت بڑا عابد و زاہد تھا پس اس راہب نے کہا کہ ہم دونو شریک سفر ہیں اور سورج سخت گرم ہے خدا سے دعا کریں کہ ہمارے سروں پر سایہ کے لئے بادل کو بھیج دے اس مرد جوان نے کہا کہ میں تو بڑا گنہگار انسان ہوں لہذا اللہ سے کچھ مانگنے کی جرأت نہیں کر سکتا تو راہب نے کہا کہ میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو چنانچہ عابد نے دعا کی اور اس نوجوان نے آمین کہی پس خداوند کریم نے ان کے سروں پر ایک بادل کا سایہ بھیج دیا اور وہ کافی دُور تک سفر میں شریک رہے جب دوراہے پر پہنچے اور ہر ایک نے الگ الگ راستہ لیا تو بادل نے راہب کو چھوڑ کر اس نوجوان کے سر پر سایہ ڈالا اور اسی طرف روانہ ہوا جس طرف وہ نوجوان جا رہا تھا پس راہب کہنے لگا کہ اے جوان تو بہت نیک ہے کیونکہ ہماری دعا بھی تیری وجہ سے مستجاب ہوئی اور بادل بھی تیری خاطر آیا ہے بتاؤ تم نے کونسی نیکی کی ہے تو اس نے اپنی توبہ کی سرگزشت سنائی پس راہب نے کہا کہ تیری سابق غلطی معاف ہو چکی ہے لہذا آئندہ سنبھل کر رہنا۔

سورہ عبس

- یہ سورہ مکیہ ہے۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ملا کر (۴۳) ہے
- حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو تلاوت کرے گا تو قبر سے ہنستا ہوا نکلے گا۔ اور جو شخص اس کو ہرن کی جھلی پر لکھ کر لٹکائے تو جس طرف کا رُخ کرے گا خیر و خوبی پائے گا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر مسافر اس کو دورانِ سفر میں پڑھے تو اس سفر میں کامیابی سے ہمکنار ہو گا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص سورہ عبس اور سورہ تکویر کی تلاوت کرے گا وہ جنت میں اس کے سایہ میں ہو گا۔ اور اس کی کرامت کے مقام پر ہو گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى ﴿۲﴾ اَنۡ جَآءَهُ الۡاَعۡمٰى ﴿۳﴾ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى ﴿۴﴾

اُس نے ترشروئی کی اور منہ پھیرا کیونکہ اس کے پاس نابینا آیا اور تمہیں کیا معلوم شاید یہ نابینا پاکیزگی چاہتا ہو

رکوع نمبر ۵

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤى ۔ عام مفسرین نے عَبَسَ اور تَوَلّٰى کا فاعل حضرت رسالتمآبؐ کو قرار دیا ہے اور اس کا شانِ نزول یہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نبی کریمؐ قریشی سرداروں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور وہ پانچ آدمی تھے۔ عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل، عباس ابن عبدالمطلب، اُبی اور امیہ بن خلف ان لوگوں کے ساتھ آپ محوِ گفتگو تھے کہ آپ کا نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم آن پہنچا اور اُس نے آواز دی اور اجازت چاہی کہ کچھ مسائل دریافت کرے تو چونکہ آپ کو قریشی سرداروں کی دلجوئی مطلوب تھی کہ شاید ان میں سے کوئی اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائے پس آپ نے نابینا صحابی کی درخواست کو نظر انداز کر کے قریشیوں سے گفتگو کو جاری رکھا اور دل میں خیال فرمایا کہ قریشی یہ نہ کہیں کہ غلام طبقہ اور اندھے لوگ ہی حضورؐ کے کلمہ گو ہیں پس یہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں آپ کو سرزنش کی گئی۔

علامہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ فرماتے ہیں اس روایت میں حضورؐ رسالتمآبؐ کی تنقیص شان ہے اور قرآن کے صریح فرمان کی خلاف ورزی بھی ہے کیونکہ اس میں ترشروئی کا ذکر ہے حالانکہ حضورؐ تو کفار سے بھی ترشروئی سے پیش نہ آتے تھے چہ جائیکہ صحابہ سے ترشروئی کریں اس روایت میں حضورؐ کی ، لدار لوگوں کی طرف رغبت کا ذکر ہے حالانکہ آپ اخلاق کریمانہ کے مالک تھے اور غرباء طبقہ سے بے توجہی آپ کا شیوہ نہ تھا اور اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ کی آیت اس مضمون کی نفی کرنے کے لئے کافی ہے۔ نیز ضمیر غائب کا مرجع حضورؐ کو قرار دینے پر کوئی خاص قرینہ بھی نہیں ہے۔ لہذا روایت مذکورہ قابل قبول نہیں ہے پس صحیح روایت وہ ہے جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک شخص جس کا تعلق بنی امیہ سے تھا خدمت نبوی میں موجود تھا کہ عبداللہ بن ام مکتوم آن پہنچا تو وہ اموی شخص اس نابینا صحابی کو دیکھ کر کڑھنے لگا اور اس نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے تاکہ اس نابینا سے مس نہ ہوں پس خداوند کریم نے اس اموی کا ذکر کیا اور نابینا صحابی کی مدح سرائی کی اور تفسیر برہان میں ہے اموی سے مراد عثمان بن عفان ہے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عبداللہ بن ام مکتوم جب بھی خدمت نبوی میں آتا تھا آپ اس کی کافی دلجوئی و دلداری کرتے تھے

وَمَا يُدۡرِيۡكَ ۔ یہ خطاب حضور کی طرف متوجہ ہے اگر دنیا دار طبقہ غرباء سے نفرت کریں اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں تو آپ اس کی پرواہ نہ کریں ظاہراً کسی کو کیا معلوم کہ وہی نابینا پاک باطن ہو یا نصیحت کو سن کر قبول کرے اور فائدہ اٹھائے۔ يُدۡرِيۡكَ میں خطاب اگرچہ آپ کو ہے لیکن مراد امت کا ہر فرد ہو سکتا ہے۔

أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٤﴾ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ﴿٥﴾ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾

یا نصیحت حاصل کرے پس اس کو نصیحت فائدہ دے مگر حال جو دولتمند ہو تو آپ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں

وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ ﴿٨﴾ وَهُوَ يَخْشَىٰ ﴿٩﴾ فَأَنتَ

حالانکہ تجھ پر کوئی حرج نہیں اگر وہ پاکیزگی کو قبول نہ کرے لیکن جو تیرے پاس کوشش کر کے آئے اور اس کے دل میں ڈر بھی ہو پس آپ اس سے

عَنْهُ تَلَهَّىٰ ﴿١٠﴾ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿١٢﴾ فِي صُحُفٍ

لاپرواہی برتیں (یہ مناسب نہیں) آگاہ ہو یہ نصیحت ہے پس جو چاہے اس کو یاد کرے (قرآن) مکرم صحیفوں میں

مُّكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٤﴾ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾

ہے جو بلند مرتبہ اور پاک ہیں ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے جو باعزت و نیک ہیں

قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ﴿١٧﴾ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿١٨﴾ مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ

لعنت ہو انسان پہ (جو کافر ہے) کس چیز نے اس کو کافر بنایا؟ اللہ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفہ سے اس کو پیدا کیا پس اس کی

أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ۔ یعنی ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی دولتمند آپ کی بارگاہ میں آجائے تو آپ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اسی اثناء میں اگر کوئی غریب آجائے تو اس کو نظر انداز کر دیں کیونکہ کسی کافر کا دین کو قبول نہ کرنا تیرے لئے نقصان دہ نہیں لیکن مومن کا ناراض ہونا اور اس کا استفادہ سے محروم ہونا نقصان دہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی مشرک و کافر کو ایمان کی طرف دعوت دینے سے مومن کو ایمان پہ ثابت قدم رکھنے کی تلقین کرنا بہتر ہے۔

كَلَّا إِنَّهَا ۔ قرآن مجید کی تعریف ہے اور ضمیر غائب کا مرجع آیات الٰہیہ ہیں۔

صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۔ یعنی قرآن مجید اللہ کی متبرک و معظم کتابوں میں محفوظ ہے اور اس سے مراد لوح محفوظ ہے یا سابقہ کتب ہیں۔

مَّرْفُوعَةٍ ۔ بالاز اس سے مراد شان کی بلندی ہے یا مکانی بلندی مراد ہے کہ آسمان ہفتم پر ہیں۔

مُّطَهَّرَةٍ ۔ یعنی نجاست سے پاک ہیں یا شک و شبہ سے بلند و بالا ہیں۔

سَفَرَةٍ ۔ سفیر کی جمع ہے اور اس سے مراد ملائکہ ہیں یا مطلق حاملین قرآن ہیں جو قرآن پر عمل بھی کرتے ہیں۔

قُتِلَ الْإِنسَانُ ۔ یہ تنبیہ اور سرزنش ہے اور مَا أَكْفَرَهُ فعل تعجب کا صیغہ ہے مقصد یہ ہے کہ انسان صاحب عقل و دانش ہونے کے بعد کیوں فکر نہیں کرتا اور اس پر حیف اور تف ہے کہ اپنے خالق کو بھی نہیں سمجھ سکتا اور اگر جی میں غور و فکر کرتا تو کوئی چیز

فَقَدَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ

مقدارِ معین کی | پھر اس کے لئے راستہ آسان کیا | پھر اس کو موت دی پس قبر دی | پھر جب چاہے گا تو اس کو

اَنْشَرَهٗ ﴿۲۳﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ﴿۲۵﴾

محشور کرے گا | آگاہ ہو جو کچھ اس کو اللہ نے حکم دیا وہ پورا نہ کرسکا | پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے کی طرف غور کرے

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۶﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۷﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۸﴾

کہ ہم نے (اُوپر سے) پانی موسلا دھار برسایا | پھر زمین کا پیٹ چیرا | اور اس سے غلہ کو اُگایا

اسکو معرفتِ توحید سے نہ روک سکتی کیونکہ ایسی کوئی بات ہی نہیں جو اس کو کفر کی دعوت دے رب سے پہلے تو اس کو سوچنا چاہیئے کہ مجھے کس چیز سے بنایا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے ایسا نطفہ جس میں زندگی نہ تھی نہ حس و حرکت نہ شعور و احساس پس ایک مدت مقررہ کے اندر اندر اس کے اعضاء کا بن جانا گوشت پوست کا پیدا ہوجانا ہڈیوں اور پسلیوں کا جگہ بہ جگہ موجود ہوجانا اور پھر سارے جسم میں خون کی نالیوں کا جال بچھ جانا اور اندرونی بیرونی تمام اعضاء کی مقررہ ساخت اور پُر از حکمت اُن کا اپنی اپنی جگہ پر مصروفِ کار ہونا یہ سب چیزیں وجود خالق اور اس کی یکتائی کی ناقابلِ تردید دلیلیں ہیں اگر کوئی رگ مقررہ موجودہ مقدار سے بڑھ جائے تو بیماری اور اگر گھٹ جائے تو بیماری اور مصیبت اور ظاہر ہے کہ پانی کے نطفہ میں کوئی رُوح اور حس نہ تھی لیکن شکم مادر میں ایک مقررمیعاد کے بعد وہ کہاں سے آئی اور کیونکر آئی ؟ تو ماننا پڑتا ہے کہ اس کارخانہ کا نظام چلانے والا وہ اللہ ہی ہے۔ جو ان تمام اسباب و مسببات کے حقائق کو جانتا ہے اور حسب مصلحت تخلیق کا فریضہ انجام دیتا ہے پس شکم مادر میں اس نے اس کی مقدار مقرر کردی کہ کیسا ہوگا کتنا ہوگا ؟ زندگی کتنی پائے گا وغیرہ اور وہ محسن حقیقی اس لائق ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے پس ایک وقت تک شکم مادر میں رہنے کے بعد اس کی پیدائش کا راستہ آسان کرنے والا بھی وہی خدا ہے پھر زندگی کے بعد موت اور اس کے بعد قبر میں رکھنے والا پھر بروز قیامت دوبارہ اس کو زندہ کرکے محشور کرنے والا خدا ہی ہے پس اللہ نے انسان کو جو شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے اگر بندہ شکر کرے تو ہزار کوشش کے باوجود بھی اس کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ - اپنی تخلیق میں غور کرنے کے بعد انسان کو اپنے خورد و نوش کی طرف متوجہ فرمایا کہ جن چیزوں سے تم اپنا پیٹ بھرتے ہو ذرا سوچو تو سہی کہ ایک طرف تو ہم نے زمین کو اس قابل بنایا کہ وہ نباتات کی خدمت کرسکے اور دوسری طرف آسمانوں سے پانی برسایا تاکہ نباتات کی نشوونما میں زمین کی طاقتوں کو اجاگر کرے پس کائنات کی تمام طاقتیں انسان کے خورد و نوش کے انتظام میں مصروف ہیں سورج کی تمازت چاند کی چاندنی ستاروں کی چمک ہوا کی تیزی و سستی یا سردی و گرمی پھر موسموں کی تبدیلی وغیرہ ان تمام چیزوں کو غلہ جات میوہ جات اور سبزیوں ترکاریوں اور باغات وغیرہ کی تربیت و حفاظت میں ایک عظیم دخل ہے بلکہ کائنات کی مشینری

وَّعِنَبًا وَّقَضۡبًا ﴿۲۸﴾ وَّ زَيۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴿۳۱﴾

اور انگور و گھاس (اُگائے) اور زیتون و کھجور (کو پیدا کیا) اور گھنے باغات (پیدا کئے) اور میوہ جات و چراگاہیں (پیدا کیں)

مَّتَاعًا لَّكُمۡ وَلِاَنۡعَامِكُمۡ ﴿۳۲﴾ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوۡمَ يَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ

تمہارے اور تمہارے حیوانوں کے فائدہ کے لئے پس جب آئے گی قیامت جس دن بھاگے گا ہر انسان اپنے

اَخِيۡهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِيۡهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيۡهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امۡرِئٍ مِّنۡهُمۡ

بھائی سے اور ماں سے اور باپ سے اور بیوی اور بچوں سے ہر شخص کے لئے اس دن ایسی حالت

يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ﴿۳۹﴾

ہوگی کہ وہ اس میں مشغول ہوگا بعض چہرے اس دن روشن ہنستے ہوئے اور خوش ہوں گے

کا ہر پرزہ اپنے اپنے کام میں مصروف ہے اور انسان اس خاموش کارخانہ قدرت سے حسبِ منشاء اپنی خوراک مہیا کرتا ہے پس غور کیا جائے تو انسان کو ایک روٹی کا لقمہ تب ہی مہیا ہوتا ہے جب زمین و آسمان کی قدرتی طاقتیں اپنے فرائض کو پوری طرح ادا کریں۔ ان آیات میں اللہ نے اپنے کارخانہ قدرت کی سیر کی دعوت دی ہے اور اس کے باوجود بھی تم اس کی نعمات کا شکر ادا نہ کرو تو تم پر تف ہے وَفَاكِهَةً وَّاَبًّا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت ابوبکر سے اس آیت مجیدہ کی تفسیر کا سوال کر دیا تو آپ فرمانے لگے مجھے کونسا آسمان سایہ دے گا اور کونسی زمین اپنی پشت پر اُٹھائے گی اگر اللہ کے کلام میں اپنی جانب سے کوئی بات کہہ دوں جس کو میں نہ جانتا ہوں فَاكِهَةً کا معنی تو معلوم تھا سائل صرف اَبًّا کا معنی پوچھنا چاہتا تھا شیخ مفید سے ارشاد میں منقول ہے کہ یہ بات حضرت امیر المومنین علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ! اسے یہ بھی معلوم نہیں ہے۔ کہ اَبّ کا معنی گھاس ہوتا ہے جبکہ قرآن میں فاکھہ واب کے بعد مذکور ہے کہ تمہارے اور تمہارے حیوانوں کے لئے ہے اور ظاہر ہے کہ میوہ انسان کے لئے ہے تو جو چیز حیوانوں کے لئے اللہ نے پیدا کی وہ گھاس ہی ہے اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں اس پہ مزید بحث کی ہے۔

اَلصَّآخَّةُ:۔ صَخَّ يَصِخُّ صَكَّ يَصِكُّ کے معنی میں ہے یعنی سخت آواز پیدا کرنے والی اور اس سے مراد قیامت ہے۔

يَوۡمَ يَفِرُّ۔ قیامت کی سختی اور ہیبت کا بیان ہے کہ ہر انسان اسقدر حیران و پریشان ہوگا اور ہول محشر سے اسقدر خوفزدہ ہوگا کہ کسی قریبی کو قریبی کا خیال تک نہ رہے گا اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا ایک دفعہ حضرت پیغمبر نے ہول محشر کا تذکرہ فرمایا اور ذکر کیا کہ بروز محشر لوگ برہنہ محشور ہوں گے اور پسینہ ان کے منہ تک پہنچا ہوا ہوگا آپ کے ایک حرم محترم نے عرض کی کہ حضور! پھر لوگ

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤١﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤٢﴾ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ
اور بعض چہرے اس دن غمگین ہونگے کہ ان پر مایوسی کی سیاہی چھائی ہوگی وہ کافر بدکار
الْفَجَرَةُ ﴿٤٣﴾ ع٥
ہوں گے

ایک دوسرے کو ننگا دیکھیں گے تو آپ نے فرمایا کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کی فرصت کہاں ہوگی ہر آدمی اپنے عرق میں غرق ہوگا۔ اور ہر شخص کو اپنی فکر لگی ہوگی چنانچہ آپ نے یہی آیات پڑھیں۔

وُجُوْهٌ۔ پس مومنوں کے چہرے ہشاش بشاش ہونگے اور وہ خوش خوش جنت کی طرف جائیں گے اور کافروں مشرکوں اور منافقوں کے چہروں پر مایوسی چھائی ہوئی ہوگی۔ غبرہ کا معنی بھی تاریکی اور سیاہی ہے اور قترہ دھوئیں کی سیاہی کو کہا جاتا ہے یعنی ان کے چہرے کالے ہوں گے۔

سُوْرَۂ تکویر

- یہ سورہ مکیہ ہے۔
- اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ملا کر تیس (۳۰) بنتی ہے۔
- حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جو سورہ تکویر کو پڑھے گا اللہ اس کو اس دن رسوا نہ کرے گا جس دن صحیفے کھلیں گے۔
- آپ نے فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ خدا اس پر بروز محشر نظر رحمت کرے تو اس کو سورہ تکویر کی تلاوت کرنی چاہیئے۔
- حضورؐ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے بال بہت جلد سفید ہوگئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عما یتساءلون، سورۂ تکویر نے بوڑھا کر دیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ رسالتمآب کے بالوں میں تاآخر سفیدی نہیں آئی تھی چنانچہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے جب آپ کو غسل دیا تو آپ کی ریش اقدس کے چند بال سفید تھے پس اس صورت میں سابقہ روایت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر کسی آدمی کے خوف خدا سے بال سفید ہوجاتے تو مذکورہ سورتوں کے پڑھنے سے بالوں کو سفید ہوجانا چاہیئے۔
- خواص القرآن سے منقول ہے اگر کسی کی آنکھ میں درد ہو تو یہ سورہ اس پر پڑھ کر دم کیا جائے باذن اللہ تندرست ہوگا۔
- دوسری روایت میں ہے آنکھ کے درد والا اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو درد ختم ہوجائے گا۔ باذن اللہ
- فوائد القرآن میں مصباح کفعمی سے منقول ہے کہ اس سورہ کی تلاوت کرنے سے آنکھوں کی بینائی کو طاقت پہنچتی ہے اور اس کی تلاوت آشوب چشم اور جالے کو دور کرتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝١

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝٢ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝٣ وَاِذَا الْجِبَالُ

جب سورج کی روشنی کو لپیٹ لیا جائے گا اور جب ستارے اپنی جگہ چھوڑ دیں گے اور جب پہاڑ ہٹائے

سُيِّرَتْ ۝٤ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝٥ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝٦ وَاِذَا

جائیں گے اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں معطل کر دی جائیں گی اور جب جانوروں کو جمع کیا جائے گا اور جب

الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝٧ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝٨ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝٩

سمندروں کو آگ سے بھر دیا جائے گا اور جب نفوس کو جوڑا جوڑا کر دیا جائے گا اور جب زندہ در گور کے متعلق پوچھا جائے گا

رکوع نمبر ۶

كُوِّرَتْ - تکویر کا معنی گول کر کے لپیٹنا اور اسی بناء پر عمامہ کے پیچ کو کور کہا جاتا ہے مقصد یہ ہے سورج کی پھیلی ہوئی روشنی کو لپیٹ لیا جائے گا یعنی اس کی اطراف و اکناف میں پھیلی ہوئی روشنی ختم ہو جائے گی اور وہ تاریک ہو جائے گا۔

اِنْكَدَرَتْ - انکدار کا معنی انقلاب ہوتا ہے اور مقصد یہ ہے کہ ستارے ٹوٹ پڑیں گے۔

اَلْعِشَارُ - جمع ہے عشراء کی اور دس ماہ کی حاملہ ناقہ کو وضع حمل کے بعد عشراء کہتے ہیں اور عرب لوگوں کا مال دار طبقہ ایسی اونٹنیوں کو قیمتی مال تصور کرتا تھا اور ان سے ان کو بڑی محبت تھی اور یہاں مقصد یہ ہے کہ اس دن پیاری سے پیاری چیزوں کا خیال دل سے نکل جائے گا اور ایسی ناقاؤں کو پوچھنے والا کوئی بھی نہ ہوگا۔

اَلْوُحُوْشُ - یعنی ایک دوسرے سے بدلہ لینے کے لئے ان کو جمع کیا جائے گا اور بدلہ کے بعد ان کو ختم کر دیا جائے گا۔

سُجِّرَتْ - تسجیر کا معنی پُر کرنا ہوتا ہے اور اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) میٹھا اور کڑوا ملا کر ایک کر دیا جائے گا (۲) پیپ سے بھر دیا جائے گا (۳) اس کو آگ لگا دی جائے گی پس آگ سے پُر کر دیا جائے گا (۴) خشک کر دیا جائے گا۔

زُوِّجَتْ - اس کے معنی میں بھی اقوال ہیں۔ (۱) نیک لوگ جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا جوڑا ہوں گے اور جہنمی دوزخ میں ایک دوسرے کے ہمراہ ہوں گے (۲) نیکوں کو حوروں کے ساتھ جوڑا جوڑا کر دیا جائے گا۔ (۳) ہر انسان کو اپنے مشاکل کے ساتھ جوڑا کر دیا جائے گا۔

اَلْمَوْءٗدَةُ - وَاَدَ يَئِدُ سے ہے جس کا معنی ہے زندہ درگور کرنا اور عرب لوگ زمانہ جاہلیت میں اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے

تھے تاکہ ان کے اخراجات کا بوجھ نہ پڑے اور جوان ہونے کے بعد کسی کو داماد نہ بنانا پڑے اور یہ رسم پورے عرب قبائل میں روئی کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی اور قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ موجود ہے کہ جب عربوں کو لڑکے کی پیدائش کی اطلاع ملتی تو خوش ہو جاتے تھے اور جب لڑکی کی ولادت سنتے تو ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے تھے ایک دفعہ ایک عرب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ زمانِ جاہلیت میں میں نے اپنی آٹھ لڑکیاں زندہ درگور کی تھیں اس کا کیا کفارہ ہے تو آپؐ نے فرمایا ہر لڑکی کی طرف سے ایک ایک غلام راہِ خدا میں آزاد کر دے تو اس نے عرض کی میرے پاس اونٹ کافی ہیں تو آپ نے فرمایا ہر لڑکی کے بدلہ میں ایک اونٹ راہ خدا میں دے دے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب عورت کو دردِ زہ لاحق ہوتا تھا تو وہ گڑھا کھود کر اوپر بیٹھ جاتی تھیں پس جب بچی پیدا ہوتی تھی تو اس گڑھے میں ڈال کر اوپر مٹی ڈال دیا کرتی تھیں اور اگر بچہ پیدا ہوتا تو اس کو محفوظ کر لیتی تھی

اسلام کا صنفِ نازک پر احسان عظیم ہے کہ اس کی تعلیمات کی بدولت ان کا یہ عذاب ختم ہوا ہندو قوم میں رسمِ ستی کا رواج تھا کہ شوہر کے مرنے کے بعد عورت کو بھی مرد کی میت کے ساتھ آگ میں جھونک دیا جاتا تھا اسلام نے عورت کو مرد کے برابر جینے کا حق دیا ہے البتہ اس کی وضع و ساخت کے موافق اس کے شایانِ شان اس کے فرائض و حقوق الگ مقرر فرمائے ہیں۔

حضرت نبی کریمؐ سے عزل متعلق دریافت کیا گیا یعنی مجامعت کے بعد اگر مرد اپنی منی کو عورت کے رحم سے باہر ضائع کرنا چاہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا یہ وادِ خفی ہے یعنی لڑکی کے پیدا ہونے کے بعد اس کو دفن کرنا۔ وادِ جلی تھا اور یہ وادِ خفی ہے گویا یہ بھی زندہ درگور کرنے کا ادنیٰ فرد ہے اور اسی بناء پر بعض علماء نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور دوسرے علماء اس نہی کو کراہت پر محمول کرتے ہیں اور دونو کی رضامندی سے عزل کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن بچے کو پیٹ میں ضائع کرنا تمام علماء اسلام کے نزدیک متفقہ طور پر حرام ہے۔

قیامت کے دن زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو طاقت گویائی دی جائے گی پس وہ میدان محشر میں اپنی مظلومیت کو پیش کریں گی اور طالبِ انصاف ہونگی کہ ہمیں کس جرم میں قتل کیا گیا تھا اور حدیث نبوی میں ہے کہ دنیا میں جو بھی ظلم و جور سے بے گناہ قتل کئے گئے وہ بروز محشر اٹھیں گے تو ان کی رگوں سے خون جاری ہوگا اور اگرچہ رنگ خون کا ہوگا لیکن اس سے کستوری کی خوشبو برآمد ہوگی اور ہر مقتول اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے محشور ہوگا اور فریاد کرے گا اے پروردگار اس سے دریافت کیا جائے کہ کس جرم میں اس نے مجھے زندگی سے محروم کیا تھا اور اسی بناء پر یہ روایت ذاکرین میں عام ہے کہ حضرت سید الشہداء اپنے بہتر ساتھیوں کے ہمراہ میدانِ محشر میں وارد ہوں گے تو ان کی رگہائے گردن سے خون جاری ہوگا اور ہر مقتول نے اپنے قاتل کا ہاتھ پکڑا ہوگا اور مقدمہ عدالتِ عالیہ پروردگار میں پیش ہوگا۔

ہمارے ہاں جو مذموم رسم موجود ہے کہ لڑکی کو جوان ہونے کے بعد شادی سے محروم رکھا جاتا ہے بعض خاندانوں میں تو اس لئے کہ ہمیں مقابل کا جوڑ نہیں ملتا اور بعض اس لئے کہ لڑکی صاحب جائیداد ہوتی ہے اور جائیداد کا جانا گوارا نہیں ہوتا اور بعض لڑکیوں کی ہائی تعلیم شادی سے رکاوٹ کا باعث بن جاتی ہے اور بعض ایسے گھرانے بھی ہیں کہ شوہر کے مرجانے کے بعد نوعمر عورتوں کو دوسری شادی

بِ قُتِلَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۲﴾

کہ وہ کس سبب سے قتل کی گئی — اور صحیفہ ہائے اعمال کھولے جائیں گے — اور جب آسمان (کا نیلگوں چھلکا) اتار لیا جائے گا

وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ

اور جب دوزخ کو بھڑکایا جائے گا — اور جب جنت کو سنوارا جائے گا — تو جان لے گا ہر انسان جو حاضر (عمل)

اَحْضَرَتْ ﴿۱۵﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۶﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۷﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۸﴾

کے پاس ہوگا — پس قسم ہے (دن بھر) پوشیدہ رہنے والے — چلنے والے غروب کرنیوالے — ستاروں کی اور رات کی

سے محروم کر دیتے ہیں کیونکہ دوسری شادی اپنے لئے باعث توہین سمجھتے ہیں بہرکیف اگر شرعی خاص عذر کوئی نہ ہو تو یہ صورتیں زندہ درگور کرنے کی مثل ہیں اور میدان محشر میں ایسی مظلوم لڑکیاں بھی دربار خداوندی میں اپنا مقدمہ ضرور پیش کریں گی پس ان کے والدین یا اولاد کو جوابدہی کے لئے تیار ہونا چاہیئے

بعض روایات میں مَوْءُدَۃ کی بجائے مُوَدَّۃ پڑھا گیا ہے یعنی بروز محشر آل محمد کی محبت و مودت کا سوال ہوگا اور جو لوگ آل محمد کی مودت کے سلسلہ میں قتل کئے گئے ان کے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ کیوں قتل ہوئے؟

تفسیر برہان میں جابر جعفی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا جو شخص ہماری مودت میں قتل کیا گیا وہ بروز محشر اپنے قاتل کو پکڑ کر پوچھے گا کہ مجھے کس جرم میں قتل کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت مجیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حق میں ہے۔

بہرکیف چونکہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور دونو پر ایمان رکھنا ضروری ہے لہذا ہر مقتول جو بے گناہ قتل کیا گیا ہو اس کا مصداق باطنی و تاویلی بن سکتا ہے اور تاقیامت قرآن کی تاویل جاری ہے۔

عَلِمَتْ۔ یہ جواب شرط ہے اس سے پہلے قیامت کے علائم کو بیان کیا گیا ہے جب یہ تمام علامتیں ظاہر ہونگی اور قیامت قائم ہوگی تو ہر انسان کو پتہ چلے گا کہ میں اپنے ہمراہ کیا کچھ لایا ہوں پس نیک لوگوں کو بھی افسوس ہوگا کہ کاش نیکی زیادہ کی ہوتی اور بروں کو افسوس ہوگا کہ کاش برائی نہ کی ہوتی۔

فَلَآ اُقْسِمُ۔ یہ قسم ہے اور لا زائد ہے اور خُنَّس جمع ہے خانس کی یعنی دن کو پوشیدہ رہنے والے ستارے اور شیطان کو خنّاس اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آنکھوں سے پوشیدہ رہتا ہے یا یہ کہ اللہ کے ذکر کے وقت بھاگ جاتا ہے اور چھپ جاتا ہے۔

اَلْجَوَارِ۔ یہ جاریہ کی جمع ہے یعنی چلنے والیاں اور کنّس جمع ہے کانس کی اور کنّس کا معنی بھی چھپ جانا ہوتا ہے اور اس سے مراد ستاروں کا اپنے برجوں میں غروب کرنا ہے اور اس سے مراد زحل مشتری مریخ زہرہ و عطارد میں جن کو سیارے کہا جاتا ہے۔

وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۙ﴿۱۹﴾ ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى

جب چھا جائے اور صبح کی جب روشن ہو جائے تحقیق یہ (قرآن) بھیجے ہوئے مکرم (فرشتے یعنی جبریل) کا قول ہے جو صاحب قوت ہے صاحب عرش

الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ ۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ ؕ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲۲﴾

کے پاس مکین ہے فرمانروا ہے پھر امین ہے (اور وہ اللہ کی طرف لایا ہے) اور تمہارا ساتھی (نبی کریمؐ) پاگل نہیں

وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِيۡنِ ۚ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ ۚ﴿۲۴﴾

اور تحقیق حضورؐ نے جبریل کو افق مبین پر دیکھا تھا اور وہ غیب کی خبریں دینے میں بخیل نہیں ہے

عَسۡعَسَ ۔ یہ لغات اضداد میں سے ہے ۔ رات آئی تو کہتے ہیں عَسۡعَسَ الَّيۡلُ ۔ اور رات گئی تب بھی کہا جاتا ہے **عسعس الَّيۡلُ** ۔ اور اس کو اُلٹ پڑھا جائے تب بھی معنی وہی ہے گویا عَسۡعَسَ کی بجائے سَعۡسَعَ بھی درست ہے جس طرح صَعَقَ اور صَقَعَ

رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۔ یعنی یہ قرآن مجید حضرت محمد مصطفےؐ کا ذاتی کلام نہیں بلکہ جبرئیل کا آوردہ ہے جو اسے اللہ کی جانب سے لایا ہے اور جبرئیل کی صفات یہ ہیں رسولِ کریمؑ یعنی اللہ کا فرستادہ اور مکرم اور ذی قوۃ ہے چنانچہ ایک پر سے اُس نے پوری قوم کو زمین سمیت اکھاڑ کر اُلٹا کر دیا تھا اور عرش کے مالک کے قرب میں مکین ہے یعنی مقرب بارگاہ خداوندی ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ کے مکان کے پاس اس کا مکان ہے کیونکہ اللہ ، مکان وزمان کی قیود سے بلند و بالا ہے ۔

مُطَاعٍ ۔ یعنی تمام ملائکہ خواہ دربانانِ جنت ہوں یا خازنانِ جہنم یا دوسرے فرشتے سب کے سب جبریل کے اطاعت گذار ہیں ۔ اور جبریل ان سب کا فرمان روا ہے اور وحی خداوندی پر امین بھی ہے ایک دفعہ حضرت نبی کریمؐ نے جبریل سے پوچھا کہ خدا نے ان آیات میں تیری بڑی تعریف کی ہے رسول کریمؑ ذی قوت مطاع اور امین یہ سب تیرے صفات اللہ نے بیان کئے ہیں بھلا بتاؤ کہ تیری قوت کس قدر ہے تو اس نے عرض کی حضورؐ ! میں نے قوم لوط کی بستیوں کو اکھیڑا تھا کہ ہر بستی میں چار چار ہزار جنگی جوان موجود تھے بچوں اور عورتوں اور بوڑھوں کی تعداد ان کے علاوہ تھی اور تحت الثریٰ سے میں نے ان کے خطے کو اکھیڑا تھا اور اس قدر بلندی پر لے گیا کہ اہل زمین کے مرغوں اور کتوں کی آوازیں اہل آسمان سُن سکتے تھے اور وہاں سے میں نے ان کو الٹا کر کے گرا دیا تھا ۔

وَمَا صَاحِبُكُمۡ ۔ یہ بھی جواب قسم ہے یعنی خدا فرماتا ہے کہ مجھے قسم ہے اشیاء مذکورہ کی کہ نہ تو قرآن حضورؐ کا اپنا کلام ہے بلکہ اس کو جبریل امین نے خدا سے حاصل کر کے ان تک پہنچایا ہے اور نہ آپ کو دیوانگی لاحق ہے اور انہوں نے جبریل کو ایک مرتبہ اپنی اصلی حالت میں بھی دیکھا تھا ۔ یعنی شب معراج افق المبین پر اس کو دیکھا تھا اور میرا رسول غیب کی خبریں بتانے میں بخل نہیں کرتا بلکہ جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ تم تک پہنچاتا ہے پس نہ اس میں خیانت ہے نہ بخل ۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيمٍ ﴿۲۶﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۷﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِينَ ﴿۲۸﴾

اور نہ یہ قرآن شیطان رجیم کا قول ہے تو تم کہاں جاتے ہو؟ (یعنی کیسی باتیں کرتے ہو) یہ نہیں مگر عالمین کے لئے نصیحت

لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۳۰﴾

جو بھی تم میں سے سیدھے راستے پر چلنا چاہے اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو عالمین کا پروردگار ہے

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ ۔ مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ معاذ اللہ اُن پر شیطان القاء کرتا ہے تو خدا نے اس کی نفی فرمائی کہ یہ کلام شیطان رجیم کا قول نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے اور عالمین کے لئے نصیحت ہے ۔ اور لِمَنْ شَاءَ بدل ہے لِلْعَالَمِيْنَ سے ۔

وَمَا تَشَاءُوْن ۔ یعنی کفار مکہ تم نہیں چاہو گے جب تک کہ اللہ نہ چاہے یعنی اللہ تم کو مجبور کرے تب تم مسلمان ہو گے ۔ حالانکہ وہ کسی کو بھی مجبور نہیں کرتا ۔ یا یہ کہ اس آخری جملہ کے مصداق محمد و آل محمد ہیں کہ وہ اللہ کی مشیت کا محل ہیں کہ وہ اپنی مشیت کو اللہ کی مشیت کے تابع رکھتے ہیں اور جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہ بھی اسے چاہتے ہیں اور یہ عصمت کا دوسرا مفہوم ہے ۔

سُوْرَۂ الانفطار

- یہ سورہ مکیہ ہے اور سورہ النازعات کے بعد نازل ہوا ہے ۔
- بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ساتھ ملا کر اس کی کل آیات کی تعداد بیس[۲۰] ہے
- حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص سورہ انفطار اور سورہ انشقاق کو نماز فریضہ و نافلہ میں باقاعدہ پڑھتا رہے تو بروز قیامت اللہ اور اس بندے کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا اور بلاواسطہ اس پر اللہ کی نظر رحمت رہے گی ۔
- دوسری روایت میں ہے کہ جو اس سورہ مجیدہ کو پڑھتا رہے تو بروز محشر جب صحیفہ اعمال کھلے گا تو اللہ اس کو رسوائی سے محفوظ رکھے گا اور اس کی شرمگاہ مستور ہوگی اور اس کی حالت اچھی ہوگی اور اگر کوئی قیدی اس کو باقاعدہ پڑھے اور لکھ کر اپنے پاس رکھے تو اس کو قید سے نجات ملے گی اور آنے والے خطرات سے محفوظ رہے گا اور بہت جلد حالات اس کے سازگار ہو جائیں گے
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر بارش برس رہی ہو اور کوئی شخص اس سورہ کی تلاوت کرے تو بارش کے قطرات کے برابر اس کے گناہ معاف کئے جائیں گے اور اس کو پڑھ کر آنکھوں پر دم کیا جائے تو آنکھوں کی نظر قوی ہوگی اور آنکھوں کا درد یا آنکھوں کا چندھیا جانا ختم ہو جائے گا باذن اللہ ۔ (برہان)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ﴿۲﴾ وَاِذَا الۡكَوَاكِبُ انۡتَثَرَتۡ ﴿۳﴾ وَاِذَا الۡبِحَارُ

جب آسمان پھٹ جائے گا — اور جب ستارے ٹوٹ کر گریں گے — اور جب سمندروں کو جاری کرکے

فُجِّرَتۡ ﴿۴﴾ وَاِذَا الۡقُبُوۡرُ بُعۡثِرَتۡ ﴿۵﴾ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَاَخَّرَتۡ ﴿۶﴾

ملا دیا جائے گا — اور جب قبروں سے مُردوں کو اُٹھایا جائے گا — جان لے گا انسان جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑ آیا

رکوع نمبر ۱

اِنۡفَطَرَتۡ۔ انفطار انشقاق اور انصداع تینوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کا معنی ہے پھٹ جانا یعنی ان کا اتصال نہ رہے گا اور ختم ہو جائیں گے۔

اِنۡتَثَرَتۡ۔ یہ نثر سے ہے جس کے مقابلہ میں نظم ہے مقصد یہ ہے کہ ان کی روشنی ختم ہو جائے گی اور آسمان پر ان کی بہار کا سماں نہ رہے گا یعنی جب آسمان کا شامیانہ نہ رہے گا تو یہ قمقمے کس طرح باقی رہیں گے؟

فُجِّرَتۡ۔ تفجیر کا معنی ہے جاری ہونا یعنی ان کی حدود اور بند ٹوٹ جائیں گے اور سب پانی شیریں و نمکین آپس میں مل جائیں گے پس سارا سمندر ایک ہو جائے گا اور بعضوں نے اس کا معنی خشک ہونا بھی کیا ہے۔

بُعۡثِرَتۡ۔ یعنی ان کی مٹی کو ہٹایا جائے گا تاکہ مُردے ان سے نکل کھڑے ہوں۔

صدقہ جاریہ

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ۔ انسان کو اپنے گذشتہ و لاحقہ اعمال کا علم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو تمام سابقہ و لاحقہ اعمال کی جزا ملے گی سابقہ اعمال سے وہ اعمال مراد ہیں جو اس نے خود کئے اور لاحقہ یعنی بعد والے اعمال سے وہ مراد ہیں جو سنت جاریہ یا صدقہ جاریہ چھوڑ کر مرا ہو گا، مثلاً اگر کوئی انسان مسجد یا مدرسہ دینیہ یا اسی قسم کا کوئی کام چھوڑ کر مرے تو جب تک مسجد رہے گی اور نمازی اس میں نماز پڑھتے رہیں گے اور جب تک وہ مدرسہ رہے گا اور لوگ اس سے دینی علوم حاصل کرتے رہیں گے تو بانی مسجد و مدرسہ کے نامہ اعمال میں ثواب کا اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی انسان اپنی نیک اولاد چھوڑ کر مرے یا نیک شاگرد چھوڑ کر جائے تو یہ بھی اس کا صدقہ جاریہ رہے گا و علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی دینی کتاب لکھ کر جائے تو جب تک اس کتاب سے استفادہ ہوتا رہے گا۔ اس کے نامہ اعمال میں ثواب درج ہوتا رہے گا اور اس کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص کوئی بُری بنیاد رکھ جائے تو اس کو اپنی برائی کا بدلہ بھی ملے گا اور تاقیامت جس قدر لوگ اس کی برائی کے نتیجے میں برائی کریں گے ان کا وبال بھی اس کے سر پر ہو گا، اس طرح بُری کتاب لکھنے والے کو اپنی غلطی کا بدلہ بھی ملے گا اور تاقیامت جس قدر لوگ اس کی کتاب سے گمراہ ہونگے ان کی گمراہی کا وبال بھی اس کو بھگتنا پڑے گا اور حضرت نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص نیکی

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ

اے انسان تجھے کس چیز نے مغرور کر دیا ہے اپنے رب کریم کے ساتھ جس نے تجھے پیدا کیا درست کیا پس

فَعَدَلَكَ ۝۷ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ

معتدل جسم عطا کیا جس صورت میں چاہا تجھے مرکب کیا آگاہ ہو بلکہ تم قیامت کو

کی سنت کو جاری کرے تو اس کو اپنے عمل کے علاوہ ان تمام لوگوں کے اعمال کے برابر بھی جزا دی جائے گی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کی جزا بھی کم نہ ہوگی اسی طرح اگر کوئی شخص بری عادت کو جاری کرے تو اس کو اپنی برائی کے علاوہ تمام ان لوگوں کی برائیوں کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کی اپنی سزا بھی کم نہ ہوگی پس نیک بخت ہیں وہ لوگ جو خود بھی اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اور بعد والوں کے لئے نیکی کرنے کی سُنت قائم کر جاتے ہیں اور اپنے پیچھے صدقہ جاریہ چھوڑ کر مرتے ہیں اور بدنصیب ہیں وہ بندے جو خود بھی برائی کرتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی برائی کا راستہ ہموار کر کے ان کے لئے بدعادات کا طریقہ چھوڑ کر مرتے ہیں

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ ۔ قیامت کا منظر پیش کرنے کے بعد انسان کو اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی دعوت دی تاکہ سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں اور انجام خیر یا انجام بد کو ملحوظ خاطر رکھ کر عملی دنیا میں قدم رکھیں اور اعمال کی نوعیت کا بھی جائزہ لے لیں کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن کی اچھائی یا برائی مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے پس وہ اللہ جو مرنے کے بعد ہونے والی نیکیوں کی بھی جزا دے سکتا ہے اور اس طرح مرنے کے بعد ہونے والی برائیوں کی بھی گرفت کر سکتا ہے تو یہ انسان کس قدر مغرور ہے کہ اس دانا بینا خالق کی قدرتوں، حکمتوں، اور مہربانیوں کو نظر انداز کر کے بے سوچے سمجھے زندگی کے لمحات کو ضائع کر بیٹھتا ہے پس ایسی نیکیوں میں کوتاہی کرتا ہے جو مرنے کے بعد بھی اس کے کام آسکیں اور ایسی برائیوں کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جو مرنے کے بعد بھی اس کو نقصان پہنچائیں اس کے بعد پھر اپنے احسانات کا تذکرہ فرمایا اور انسان کو اپنی تخلیق کے حسن کے مطالعہ کی دعوت دی کہ وہ خدا جس نے تمہیں نطفہ سے پیدا کیا حالانکہ تم کچھ نہ تھے پس درست کیا کہ دیکھنے سننے بولنے والا انسان بنایا اور آنکھیں کان ناک، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ دیکر تمہیں معتدل قد و قامت دیکر پیدا کیا اور اس کے بعد عورت یا مرد بلند یا کوتاہ سیاہ یا سفید وغیرہ کیفیات میں سے اس نے اپنی مرضی سے جس طرح چاہا بنا دیا پس ان تمام امور میں غور کرنے کے بعد تمہیں مان لینا چاہیئے کہ ہمارا خالق مدبر و حکیم ہے اور علٰی کُلِّ شَیْءٍ قدیر بھی ہے اور وہ ہمارا محسن بھی ہے کہ اگر چاہتا تو کسی اور ذلیل صورت میں پیدا کر دیتا یا کسی حیوان کے لباس میں ظاہر کر دیتا یہ اس محسن حقیقی کا احسان ہے کہ اس نے انسان بنایا لہٰذا اے انسان تجھے اس کے احسان فراموش نہیں کرنے چاہئیں اور اس کے درگذر سے تجھے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔

كَلَّا بَلْ ۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ ہاں ہاں! تجھے ایک چیز دھوکے میں ڈال رہی ہے اور وہ یہ کہ تیرا قیامت پر ایمان نہیں

بِالدِّيْنِ ۝١٠ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝١١ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝١٢ يَعْلَمُوْنَ

جھٹلاتے ہو اور تحقیق تمہارے اُوپر (اعمال کی) حفاظت کرنیوالے کرم لکھنے والے (موجود ہیں) وہ جانتے ہیں جو

مَا تَفْعَلُوْنَ ۝١٣ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝١٤ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝١٥

تم کرتے ہو تحقیق نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور تحقیق فاجر لوگ دوزخ میں ہونگے

يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ۝١٦ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ۝١٧ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ

تاپیں گے اس کو قیامت کے دن کہ وہ اس سے غائب نہ ہوں گے اور تجھے کیا معلوم کہ قیامت کا

الدِّيْنِ ۝١٨ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝١٩ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ

دن کیا ہے؟ پھر تجھے کیا خبر کہ قیامت کا دن کیا ہے؟ وہ دن ہے جس دن کوئی کسی کے لئے

لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ۗ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۝١٩ ع

کسی چیز کا مالک نہ ہوگا اور معاملہ، مکمل طور پر اللہ کے سپرد ہوگا۔

اور تجھے اپنی بازپرس کا یقین نہیں بلکہ تو قیامت اور بدلہ کے دن کو جھٹلاتا ہے لیکن یاد رکھ قیامت ضرور آئے گی اور تجھے نیکی کی جزا اور برائی کی سزا ضرور ملے گی اور ہماری طرف سے تمہارے اُوپر فرشتے مقرر ہیں جو تمہاری ہر نیکی یا بدی کو یاد رکھتے ہیں۔ وہ کرام ہیں یعنی اللہ کے نزدیک باعزت و کرامت ہیں اور وہ تمہارے اعمال کو لکھنے والے ہیں اور پھر نوٹ کرلو کہ اس دن نیک لوگ جنت میں اور بدلوگ جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ رہیں گے کہ اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی غائب نہ ہوں گے اور یہ بھی یقین رکھو کہ اس دن کسی کو کوئی اختیار نہ ہوگا اور نہ کسی کی حکومت چلے گی بلکہ اس دن کے مکمل اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہونگے اور اسی ایک اللہ کی حکومت ہوگی۔

سورہ المطففین

- یہ سورہ مکیہ ہے جو عنکبوت کے بعد نازل ہوا اور مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں سب سے آخر میں سورہ نازل ہُوا، اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ملا کر سینتیس ہے۔
- حدیث نبوی میں ہے جو اس سورہ مجیدہ کی تلاوت کرے گا وہ بروزِ محشر رحیق مختوم سے سیراب ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ② الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ③

ویل ہے تھوڑا تھوڑا چرانے والوں کے لئے جو لوگوں سے تول یا ناپ کر چیز لیں تو پوری لیں

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ④ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ⑤

اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو کم دیں کیا ان کو یہ یقین نہیں کہ ان کو اٹھایا جائے گا

- اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو نماز فریضہ میں پڑھے گا اس کو خدا جہنم سے امان دیگا۔
- پس نہ وہ جہنم کو دیکھے گا اور نہ جہنم اس کو دیکھے گی اور نہ وہ دوزخ کی پل کو عبور کرے گا اور نہ اس کا حساب ہوگا۔
- خواص القرآن سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا اگر اس سورہ کو کسی خزانہ پر پڑھا جائے تو وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس چیز پر اس سورہ کو پڑھا جائے وہ چیز محفوظ رہے گی اور حشرات الارض اس کے نزدیک نہ آئیں گے۔ انشاء اللہ

رکوع نمبر۸

وَيْلٌ ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب حضورؐ مکہ سے ہجرت کرکے وارد مدینہ ہوئے تو مدینہ کے دکان دار اس مرض میں مبتلا تھے کہ لینے کے وقت پورا لیتے اور دیتے وقت کم دیتے تھے اور اس کا نام ہے تطفیف ۔ چنانچہ ابوجہینہ نامی ایک شخص تھا اس نے لین اور دین کے لئے دو پیمانے رکھے ہوئے تھے بڑے پیمانے سے چیز لیتا تھا اور چھوٹے پیمانے سے دیتا تھا پس یہ آیتیں اتریں اور حضورؐ نے ان کو پڑھ کر سنائیں تو لوگ اس بدعادت سے رک گئے ۔

تطفیف طفف سے ہے اور تھوڑی چیز پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور مطفف چونکہ تھوڑی چیز کی ہی چوری کرتا ہے اس لئے اس پر اس نام کا اطلاق کیا گیا ہے اور علامہ سید محمد کاظم طباطبائی اعلی اللہ مقامہ سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک تطفیف مطلق کمی کرنا ہے خواہ کیل و وزن میں ہو یا عدد و ذرع ہو۔

اِذَا اكْتَالُوْا ۔ یہاں صرف کیل کا نام لیا گیا ہے حالانکہ کیل اور وزن دونو میں وہ ایسا کرتے تھے اس لئے کہ چونکہ لین دین کیل و وزن دونو سے ہوتا تھا پس کیل کے ذکر میں وزن بھی سمجھا جاتا ہے چنانچہ اگلا فقرہ اس پر دلالت کرتا ہے ۔

اَلَا يَظُنُّ ۔ ہر بری عادت کو تب ہی چھوڑا جا سکتا ہے جب باز پرس کا ڈر ہو اس لئے اسلام نے عقیدہ قیامت پر زور دیا ہے اور جگہ بہ جگہ اس پر دلائل قائم کئے ہیں اس جگہ فرماتا ہے کیا ان لوگوں کو اپنے مبعوث ہونے کا یقین نہیں ہے اور حضرت مقداد بن اسودؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ قیامت کے دن سورج قریب آجائے گا یہاں تک کہ ایک یا

لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٦﴾ كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ

ایک بڑے دن کے لئے جس دن لوگ عالمین کے پروردگار کے سامنے حاضر ہوں گے آگاہ ہو تحقیق فاجر لوگوں کی کتاب

الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ﴿٧﴾ وَمَآ أَدْرٰكَ مَا سِجِّينٌ ﴿٨﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُومٌ ﴿٩﴾

سجین میں ہو گی اور تمہیں کیا معلوم سجین کیا ہے؟ کتاب مرقوم ہے

دو میل کا فاصلہ رہ جائے گا راوی حدیث کہتا ہے میں نہیں سمجھ سکا اس میل سے مراد فاصلہ ناپنے والا میل ہے یا آنکھوں میں سرمہ لگانے والا سرمچو ہے جس کو عربی زبان میں میل کہا جاتا ہے اور مقصد یہ ہے کہ سورج بہت نزدیک ہو گا جیسے عام اصطلاح میں کہا جاتا ہے کہ نیزے برابر ہو گا پس لوگ اپنے عرق میں غرق ہوں گے اور اپنے اعمال کی مناسبت سے وہ عرق میں ڈوبے ہوئے ہوں گے کسی کی ایڑی تک ہو گا تو کسی کے منہ تک پہنچے گا اور راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ نے یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ دہان اقدس پر رکھا اور فرمایا بعض لوگوں کو اپنے عرق کی اس طرح لگام چڑھی ہو گی۔

كَلَّآ۔ اس کو حرف ردع کہا جاتا ہے جو کسی کو کسی بات پر جھڑکنے کے لئے اور سختی سے منع کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔

كِتٰبَ الْفُجَّارِ اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں (۱) یعنی فاجر لوگوں کی کتاب میں درج ہو گا کہ ایسے لوگ سجین میں جائیں گے اور حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ سجین ساتویں زمین کے بھی نیچے ہے (۲) مروی ہے کہ ابن عباس نے کعب الاحبار سے دریافت کیا کہ اس آیت کا معنی کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ روح فاجر کو آسمان کی طرف لے جایا جائے گا تو آسمان اس سے انکار کرے گا پس اس کو زمین پر لایا جائے تو زمین بھی اس کے قبول کرنے سے انکار کرے گی پس ساتویں زمین کے نیچے اس کو پہنچایا جائے گا اور وہاں سجین ہے جہاں ابلیس کا لشکر رہتا ہے (۳) ایک قول ہے کہ سجین جہنم میں ایک کنواں ہے جس کا منہ کھلا ہے اور اس کے مقابلہ میں فلق بھی جہنم میں ایک کنواں ہے جس کا منہ بند ہے (۴) بعض نے کہا ہے کہ سجین جہنمیوں کی کتاب کا نام ہے جس طرح آیت مجیدہ سے ظاہر ہوتا ہے یعنی جس کتاب میں کفار پر عذاب جہنم فرض کیا گیا ہے اس کتاب کا نام سجین ہے۔ (۵) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ساتویں زمین کا نام ہے۔

سِجِّينٍ۔ یہ سجن سے ہے اور فِعِّيل کے وزن پر ہے اور سجین مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی وہ قید خانہ جس میں قیدی کو ہمیشہ رہنا ہو اور سخت دشوار ہو چنانچہ شریب شارب سے سکیر مسکر سے اور شریر شر سے مبالغہ کے اوزان ہیں۔

وَمَآ أَدْرٰكَ۔ یعنی تمہیں کیا پتہ کہ سجین کیا ہے اور یہ استفہام سجین کی ہیبت کو بڑھانے کے لئے لایا گیا ہے تاکہ مجرم لوگ اپنے جرم سے باز رہنے کی سعادت حاصل کر سکیں اور اس کے بعد کتاب مرقوم کے متعلق بعض نے کہا ہے کہ یہ سجین کی تفسیر ہے لیکن علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ سجین کی تفسیر نہیں بلکہ کتاب الفجار کی تفسیر ہے یعنی فجار کی کتاب جو سجین میں ہو گی وہ کتاب مرقوم ہے یعنی تحریر شدہ ہے اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ کے مصداق شیخین ہیں۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿١٢﴾ وَمَا

ویل ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لئے جو یوم قیامت کی تکذیب کرتے ہیں اور اس

يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٣﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ

کی تکذیب نہیں کرتے مگر سب سرکش گنہگار جب ایسے شخص پر ہماری آیات کی تلاوت کی جائے تو کہتا ہے

الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٤﴾ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٥﴾ كَلَّآ اِنَّهُمْ

یہ تو گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں خبردار! بلکہ ان کے دلوں پر سیاہی چھائی ہے اس کی جو کسب کرتے ہیں خبردار! تحقیق

عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿١٧﴾

وہ اپنے رب سے اس دن (اس کی رحمت سے) پوشیدہ ہوں گے پھر تحقیق وہ جلیں گے دوزخ میں

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٨﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ

پھر کہا جائے گا یہ وہ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے خبردار! نیک لوگوں کی کتاب

مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ - یعنی سرکش اور گنہگار لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں کیونکہ قیامت کی باز پرس کا خطرہ ان کی عیاشیوں میں خلل انداز ہوتا ہے پس سرے سے قیامت کو مانتے ہی نہیں۔

اَسَاطِيْرُ - جمع ہے اسطورہ کی یعنی گزشتہ لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں جن کو حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

رَانَ - یہ رَین سے ہے اور اس کا معنی ہے غلبہ یعنی ان لوگوں کے دلوں پر غلبہ ہے اس چیز کا جو وہ کماتے ہیں اور مروی ہے کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک نکتہ سیاہ پیدا ہو جاتا ہے جب دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نکتہ پیدا ہوتا ہے۔ جوں جوں گناہ بڑھتے جاتے ہیں سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ سیاہی غالب آجاتی ہے پس ایسا شخص توبہ کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا۔ اور روایت میں ہے کہ ہر انسان کے دل میں سفید نکتہ ہے جب گناہ کرتا ہے تو اس میں سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے پس اگر توبہ کر لے تو وہ سیاہی دھل جاتی ہے لیکن اگر بجائے توبہ کے دوسرا گناہ کر لے تو وہ سیاہی بڑھ جاتی ہے اور گناہ بڑھتے بڑھتے ان کی سیاہی دل کی سفیدی پہ چھا جاتی ہے تو وہ پھر توبہ نہیں کر پاتا اور نہ نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور آیت میں رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ کا یہ معنی ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان کا دل زنگ آلود ہوتا ہے پس جب اللہ کی نعمات کا ذکر کیا جائے تو اس سے دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے اور کفر کی عادت گناہوں کی کثرت اور فسق و فجور میں انہماک توبہ کے خیال سے غافل کرنے والے اسباب ہیں پس ایسے

لَفِيۡ عِلِّيِّيۡنَ ﴿۱۹﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا عِلِّيُّوۡنَ ﴿۲۰﴾ كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ ﴿۲۱﴾ يَّشۡهَدُهُ

علّیین میں ہوگی تمہیں کیا پتہ علیون کیا ہے ؟ کتاب مرقوم ہے جس کو مقرب

الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِيۡ نَعِيۡمٍ ﴿۲۳﴾ عَلَى الۡاَرَآئِكِ يَنۡظُرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

دیکھتے ہیں تحقیق نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اپنے تختوں پر دیکھ رہے ہوں گے

تَعۡرِفُ فِيۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِيۡمِ ﴿۲۵﴾ يُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِيۡقٍ مَّخۡتُوۡمٍ ﴿۲۶﴾

ان کے چہروں سے نعمات خداوندی کی تازگی تم معلوم کرو گے ان کو سیراب کیا جائے گا رحیق مختوم سے

خِتٰمُهٗ مِسۡكٌ ؕ وَفِيۡ ذٰلِكَ فَلۡيَتَنَافَسِ الۡمُتَنَافِسُوۡنَ ﴿۲۷﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنۡ

جس پر مہر کستوری کی ہوگی اور اس میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہیئے اور اس میں تسنیم کی

لوگ بروز محشر اللہ کی رحمت سے محجوب ہوں گے۔

كِتٰبَ الۡاَبۡرَارِ ۔ فجار کے مقابلہ میں ابرار کا ذکر ہے کہ ان کی کتاب علّیین میں ہوگی ۔یعنی مراتب عالیہ میں ہوگی جہاں مومنین کے ارواح کی قیام گاہ ہے اور علیون کے معنی میں بھی اقوال ہیں (۱) علیّوں کا معنی جنّت (۲) بلندی کے مراتب (۳) بعضوں نے کہا ہے کہ وہ زبرجد سبز کی تختی ہے جو عرش کے نیچے ہے اور اس میں مومنوں کے اعمال درج کئے جاتے ہیں (۴) ایک روایت میں ہے کہ علّیین ساتویں آسمان پر زیر عرش ہے۔

كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ ۔ یہ کتاب کی صفت ہے جس طرح پہلے گذر چکا ہے اور مروی ہے کہ جب علّیین والے جنّت کی کی طرف دیکھیں گے تو جنّت چمک اٹھے گی اور جنتی کہیں گے کہ آج علّیین کے بسنے والے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔

مَخۡتُوۡم ۔ یعنی مہر شدہ شراب اور ایسی مہر جو مسک یعنی کستوری کی ہوگی معنی یہ ہے کہ جنّت کی شراب بدبودار نہ ہوگی بلکہ خوشبودار ہوگی اور مروی ہے اگر دنیا کا آدمی اس میں اپنی انگلی ڈال کر باہر نکالے تو تمام اہل زمین خواہ انسان ہوں یا حیوان تمام کے تمام اس کی خوشبو کو محسوس کریں گے حدیث میں ہے کہ گرمیوں کے روزہ رکھنے والوں کو رحیق مختوم سے سیراب کیا جائے گا اور حضرت پیغمبر نے فرمایا یا علیؑ جو شخص دنیا میں شراب کو ترک کرے گا خدا اس کو بروز محشر رحیق مختوم سے سیراب کرے گا۔

مِزَاجُهٗ ۔ یعنی جنتیوں کیلئے رحیق مختوم شراب میں تسنیم کی شراب کی آمیزش بھی کی جائے گی جس سے اس کے لطف میں مزید اضافہ ہوگا

صفحہ نمبر ۱۹۲ پر عَيۡنًا ۔ یعنی تسنیم ایک جنتی شراب کا ایسا چشمہ ہے جس سے خاص خاص جنتی جو نہایت مقرب ہوں گے پئیں گے اور عام جنّتیوں کو جو شراب دی جائیگی اس میں اس تسنیم کی آمیزش ہوگی ، خالص تسنیم نہ ہوگی اور جنّت کی اعلیٰ ترین شراب کا نام تسنیم ہے۔

تَسْنِيمٍ ﴿٢٨﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا

ملاوٹ ہوگی وہ چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ پئیں گے تحقیق وہ لوگ جو مجرم تھے

مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣١﴾

ایمان لانے والوں پر ہنستے تھے اور جب ان کے پاس سے گذرتے تو ایک دوسرے کو اشارے کرتے تھے

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣٢﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا

اور جب گھروں کو پلٹتے تھے تو مزاح کرتے ہوئے پلٹتے تھے اور جب ان کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٤﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ

کہ تحقیق یہ لوگ گمراہ ہیں حالانکہ ان کو ان مومنوں کا نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا پس آج مومن لوگ

آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٥﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٣٦﴾

اُن کفار سے ہنسی کریں گے تختوں پر بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہوں گے

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٧﴾ ع

(اور کہیں گے) کیا بدلہ دیا گیا ہے کفار کو اس کا جو کرتے تھے

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۔ مروی ہے کہ مجرموں سے مراد منافق ہیں اور آمَنُوا کا مصداق علیؑ بن ابی طالب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل جب اصحاب نبی کے پاس سے گذرتے تھے مثلاً عمار خباب اور بلال وغیرہ تو وہ ان سے مزاح کرتے تھے اور ایک دوسرے کو اشارے کرتے تھے یعنی مومنوں کی توہین کا ہر ممکن طریقہ اختیار کرتے تھے اور مومنوں کو گمراہ کہتے تھے ان کے جواب میں اللہ فرماتا ہے کہ یہ لوگ کوئی مومنوں پر چوکیدار تو مقرر نہیں ہیں کہ ایسی باتیں کرتے ہیں ۔

فَالْيَوْمَ پس قیامت کے دن جب مومن جنت میں جائیں گے اور کفار دوزخ میں جلیں گے تو مومن بھی کافروں سے مسخری کریں گے اور ہنسی اڑائیں گے اور اپنے اپنے تختوں پر بیٹھ کر ان کو جہنم میں جلتا دیکھیں گے اور ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کفار کو اپنے کرتوتوں کا بدلہ مل گیا ہے اور ممکن ہے کہ هَلْ ثُوِّبَ فرشتوں کا قول ہو یا اللہ کا قول ہو کہ مومنوں سے خطاب کر کے استعمال کیا جائے گا تاکہ مومنوں کی دلجوئی ہو جائے ۔

سورہ الانشقاق

- یہ سورہ مکیہ ہے سورہ الانفطار کے بعد نازل ہوا ہے۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ملا کر چھبیس (۲۶) ہے۔
- جو شخص اس سورہ مجیدہ کی تلاوت کرے گا حدیث نبوی میں ہے کہ اس کو اعمال نامہ بروز محشر پس پشت سے نہیں دیا جائے گا اور اگر اس کو لکھ کر اس عورت پر باندھ دیا جائے جس کا بچہ جننا مشکل ہو گیا ہو تو فوراً بچہ پیدا ہو جائے گا اور تکلیف نہ ہوگی اور دوسری روایت میں ہے اگر یہ سورہ اس عورت پر پڑھا جائے تب بھی بچہ فوراً پیدا ہو جائے گا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے عسر ولادت کو دور کرنے کے لئے درد زہ والی عورت پر باندھی جائے اور وضع حمل کے بعد فوراً اس کو کھول لینا چاہیے اور اگر اس کو کسی حیوان پر لٹکایا جائے تو وہ بھی ہر قسم کی مصیبت سے محفوظ رہے گا اور اگر گھر کی چار دیواری پر لکھا جائے تو حشرات الارض سے حفاظت ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ﴿۲﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۳﴾ وَإِذَا الْأَرْضُ

جب آسمان پھٹے گا اور اپنے ربّ کے (حکم کے) سامنے کان دھرے گا اور اس کے لئے سزاوار بھی یہی ہے اور جب زمین پھیلائی

مُدَّتْ ﴿۴﴾ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۵﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۶﴾

جائے گا اور جو کچھ اس میں ہے اس کو پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے (حکم کے) سامنے کان دھرے گی اور اس کیلئے سزاوار بھی یہی ہے

رکوع نمبر ۹

اِذَا السَّمَآءُ ۔ علائم قیامت کا ذکر ہے اور انشقاق کا معنی ہے پھیل کر پھٹ جانا۔

وَاَذِنَتْ ۔ اس کا معنی ہے کان دھرنا یعنی اطاعت کرنا یعنی حکم پروردگار کی اطاعت کرتے ہوئے پھٹ جائیگا۔

وَحُقَّتْ ۔ یعنی آسمان کے لئے حق اور سزاوار ہے کہ امر پروردگار کی اطاعت بے چوں و چرا کرے۔

مُدَّتْ ۔ زمین کو پھیلایا جائے گا یعنی اس میں کوئی نشیب و فراز باقی نہ رہے گا حتیٰ کہ پہاڑ و ٹیلے وغیرہ سب اڑا دیئے جائیں گے اور زمین کا میدان بالکل ہموار ہو جائے گا اور اس کے لئے امر پروردگار کی اطاعت کرنا حق ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۝٦ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ

اے انسان! تو کافی مشقت کرکے اپنے رب کی طرف جانے والا ہے پس اس کی (جزا کی) ملاقات کرے گا پس لیکن جس کو اعمالنامہ دائیں

كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۝٧ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝٨ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ

ہاتھ میں دیا گیا تو اس کا حساب آسان ہوگا اور اپنے اہل کی طرف خوش خوش

مَسْرُورًا ۝٩ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۝١٠ فَسَوْفَ يَدْعُو

پلٹے گا اور لیکن جس کو اعمالنامہ پیٹھ کے پیچھے ملے گا تو عنقریب اپنی ہلاکت و تباہی پر شور

ثُبُورًا ۝١١ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۝١٢ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ۝١٣ إِنَّهُ

مچائے گا اور جہنم میں جلے گا بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل میں خوشحال تھا اسے خیال

ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ۝١٤ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ۝١٥ فَلَا أُقْسِمُ

تھا کہ ہرگز نہ پلٹایا جائے گا ہاں ہاں تحقیق اس کا رب اس کو خوب جانتا ہے پس مغربی سرخی کی قسم

بِالشَّفَقِ ۝١٦ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝١٧ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ۝١٨ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن

اور رات کی اور رات میں پناہ لینے والی چیزوں کی قسم اور چاند کی قسم جب پورا ہو تم درجہ بدرجہ سوار ہوگے

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ ۔ تمام انسانوں کو خطاب ہے کہ تم اپنے اعمال و کردار کے ساتھ اپنے رب کے سامنے پیش ہوگے اور جن اعمال کی بجاآوری میں تم کو تکلیف محسوس ہوتی ہے ان کی جزا تم کو ضرور ملے گی اور اللہ کی ملاقات سے مراد اس کی جزا کی ملاقات ہے۔

حِسَابًا يَسِيرًا ۔ یعنی جن لوگوں کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا یا جو لوگ توبہ کر چکے ہوں گے اور اعمالنامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہوگا تو ان کو حساب کی سختی سے بچا لیا جائے گا اور بہشتی مکانات میں اپنی حوروں کی طرف جو اس وقت اس کی اہل ہونگی خوش و خرم واپس پلٹے گا۔

وَرَاءَ ظَهْرِهِ ۔ منقول ہے کہ جہنمیوں کے دائیں ہاتھ گردن سے بندھے ہوں گے اور ان کا بایاں ہاتھ پس پشت ہوگا لہذا اس کو اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں ملے گا۔

ثُبُورًا ۔ ثبور کا معنی ہلاکت و مصیبت ہے یعنی وہ واثبوراہ ہائے ہلاکت کی آواز بلند کرے گا۔

مَسْرُورًا ۔ یعنی کافر لوگ دنیا میں خوش ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ دنیا کو ہی اپنا مقام سمجھتے ہیں اور آخرت کی فکر سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

طَبَقٍ ﴿٢٠﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢١﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ

آگے بڑھو گے ۔ ان کو کیا ہے کہ نہیں ایمان لاتے اور جب ان پر پڑھا جائے قرآن تو

لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢٢﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٣﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

سجدہ نہیں کرتے بل جو لوگ کافر ہیں جھٹلاتے ہیں اور اللہ جانتا ہے جو دل

يُوعُونَ ﴿٢٤﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

میں رکھتے ہیں پس ان کو خوشخبری دو دردناک عذاب کی سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور نیک عمل

لیکن اس کے برخلاف مومن دنیا میں غمگین رہتے ہیں کیونکہ ان کو آخرت کی فکر دامن گیر رہتی ہے اسی لئے حدیث میں کہا گیا ہے کہ الدُّنْيَا سِجْنٌ لِلْمُؤْمِنِ وَجَنَّةٌ لِلْكَافِرِ یعنی دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے ۔

وَمَا وَسَقَ ۔ وسق کا معنی ہے جمع کرنا اور رات کی آمد ہر شئ کو اپنی جگہ پر واپس لاتی ہے اس لئے ہر ذی روح کی قسم مراد ہے یا یہ کہ رات کو ستارے آجاتے ہیں جو دن کو غائب رہتے ہیں ۔ لہٰذا ممکن ہے ستارگان کی قسم مراد ہو ۔

اِتَّسَقَ ۔ یہ بھی وسق سے باب افتعال ہے جس کا معنی ہے جمع ہونا اور یہاں کمال مراد ہے ۔

طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۔ طبق کا معنی حال ہے یعنی ایک حالت کے بعد دوسری حالت تک منتقل ہوگا یا درجہ بدرجہ تمہاری ترقی ہے بعضوں نے کہا ہے کہ شب معراج پیغمبرؐ کو یہ خطاب ہوا تھا کہ درجہ بدرجہ (۱) آگے بڑھتے جاؤ گے یا مومنوں کو عام خطاب (۲) ہے کہ درجہ بدرجہ منازل آخرت کو طے کرو گے اور ممکن ہے ہر انسان کو خطاب ہو کہ تم نے دنیا میں درجہ بدرجہ بڑھنا ہے موت کے بعد حیات پھر موت پھر برزخ پھر حشر پھر حساب وغیرہ یا نرمی سختی دکھ سکھ اور صحت و بیماری کے درجات مراد ہیں اور ممکن ہے ترتیب (۱) پیدائش مراد ہو کہ نطفہ علقہ مضغہ ہڈیاں گوشت جنین ولید رضیع فطیم یافع ناشی مترعرع مراہق محتلم بالغ امرد ملتحی مستوی شاب کہل شیخ اور ھرم کے درجات طے کرکے موت سے ہم آغوش ہو جاؤ گے یعنی پیدا ہونے سے مرنے تک طبق در طبق اور درجہ بدرجہ حالات تبدیل کرو گے اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم لوگ بھی گذشتہ امتوں کی طرح سابق کردار کو دہراؤ گے جو حرکات ان سے سرزد ہوئیں وہی تم سے بھی ہوں گی اور ممکن ہے تمام معانی مراد ہوں اور تفسیر برہان میں ہے کہ شب معراج حضورؐ کو خطاب ہوا تھا اور آپ فرماتے ہیں کہ جب منزل قاب قوسین پر پہنچا تو مجھے ارشاد پروردگار ہوا يَا مُحَمَّدُ اِقْرَءْ مِنِّي عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ السَّلَامَ یعنی اے محمد واپس زمین پر پہنچ کر علی کو میرے سلام کہنا اور اسے یہ بھی بتانا اِنِّي اُحِبُّهٗ وَاُحِبُّ مَنْ يُحِبُّهٗ کہ میں اس کو محبوب رکھتا ہوں اور جو بھی اس سے محبت رکھے میں اس کو بھی دوست رکھتا ہوں اور چونکہ علیؑ سے مجھے محبت ہے اس لئے میں نے اس کا نام بھی اپنے نام سے تجویز کیا ہے کہ میں علی عظیم ہوں اور وہ علیؑ ہے اور میں محمود ہوں اور تو محمدؐ ہے اور اگر کوئی شخص میری بجائے کم ایک ہزار سال

الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ ع

بجالائے تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہوگا۔

عبادت کرے یعنی حضرت نوحؑ کے برابر تبلیغ و عبادت کرے اور بروز محشر میرے پیش ہو تو اس کی تمام عبادت میرے نزدیک علیؑ کی ایک نیکی کے برابر ہوگی۔

لَا يَسْجُدُوْنَ۔ کفار کو تنبیہ ہے کہ اس قدر واضح بیان کے بعد وہ ایمان کی دولت سے بہرہ اندوز کیوں نہیں ہوتے اور جب قرآن پڑھا جائے تو اللہ کے سامنے کیوں نہیں جھکتے اور منقول ہے کہ سورہ انشقاق پڑھ کر حضورؐ سجدہ میں گرجایا کرتے تھے۔

يُوْعُوْنَ یہ دعا سے ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جو کچھ دلوں میں رکھتے ہیں خدا ان کے تمام رازوں کو جانتا ہے اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارے دل دعا ہیں لہٰذا ان میں اچھی باتیں رکھا کرو۔

سُورہ البُروج

- یہ سورہ مکیّہ ہے۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ملا کر تیئیس (۲۳) بنتی ہے۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سورہ البروج کی نماز فریضہ میں تلاوت کرے گا وہ بروز محشر انبیاء و مرسلین کے ساتھ محشور ہوگا (برہان)
- حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص سورہ بُروج کی تلاوت کرے گا تو ہر جمعہ و عرفہ میں جمع ہونیوالے لوگوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کی لکھی جائیں گی اور اس سورہ کی تلاوت خطرناک اور سخت مقامات سے بچاتی ہے۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس بچّے کا دُودھ چھڑانا ہو یہ سورہ لکھ کر اس کو باندھ دی جائے۔ تو آسانی سے دودھ چھوڑ دے گا۔ اور اگر سوتے وقت یہ سورہ پڑھ لیا جائے تو صبح تک امان خداوندی میں رات بسر ہوگی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۲ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۳ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۴

بُرجوں والے آسمان کی قسم	وعدہ شدہ دن (روز قیامت) کی قسم	شاہد و مشہود کی قسم

رکوع نمبر ۱

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۔ آسمان میں بارہ بُرج ہیں اور علمائے ہیئت و نجوم کے نزدیک ان کے نام یہ ہیں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ ہر ماہ سُورج ایک بُرج میں رہتا ہے ان برجوں میں سے پہلے چھ بُرج دائرۃ الاستواء سے جنوب کی طرف ہیں اور آخری چھ دائرہ مذکورہ سے شمال کی طرف ہیں عموماً اکیس مارچ کو سُورج برج حمل میں داخل ہوتا ہے اور اس وقت دن اور رات تقریباً برابر ہوتے ہیں اور اس کے بعد دن بڑھنا شروع ہوتے ہیں اور تدریجاً رات کم ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ اکیس جون کو جبکہ سورج بُرج سرطان میں داخل ہوتا ہے تو بڑے سے بڑا دن اور چھوٹی سے چھوٹی رات ہوتی ہے اس کے بعد دن میں گھٹاؤ شروع ہو جاتا ہے اور جب اکیس ستمبر سُورج نقطہ اعتدال خریفی پر پہنچ کر برج میزان میں داخل ہوتا ہے تو دوبارہ دن و رات برابر ہو جاتے ہیں اور سُورج دائرۃ الاستواء سے جنوب کی طرف مائل ہوتا جاتا ہے پس دن تدریجاً گھٹتے جاتے ہیں اور راتیں تدریجاً بڑھتی جاتی ہیں حتیٰ کہ ۲۱ دسمبر کو سورج جب بُرج جدی میں داخل لیتا ہے تو چھوٹے سے چھوٹا دن اور بڑی سے بڑی رات ہوتی ہے اس کے بعد رات تدریجاً کم ہوتی جاتی ہیں اور دن بڑھتے جاتے ہیں یہانتک کہ حسب سابق ۲۱ مارچ کو سُورج نقطہ اعتدال ربیعی پر پہنچتا ہے تو دن رات برابر ہو جاتے ہیں یعنی بُرج حمل کے بعد سورج دائرۃ الاستواء سے شمال کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کے مَیل شمالی کی آخری حد ۲۱ جون کو تقریباً ۲۴ درجے ہوتی ہے اور برج میزان کے بعد میل جنوبی شروع ہوتی ہے جس کی آخری حد ۲۱ دسمبر کو ہوتی ہے علم ہیئت کے جاننے والوں کے لئے ان بروج کی سیر بڑے دقائق و حقائق کے سمجھنے کا پیش خیمہ ہے

تفسیر برہان میں، ابن عباس سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر عبادت ہے میرا ذکر عبادت ہے علیؑ کا ذکر عبادت ہے اور اس کے بعد اس کی اولاد میں سے آئمہ کا ذکر عبادت ہے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے برحق نبی مبعوث فرمایا اور مجھے تمام مخلوق سے افضل قرار دیا میرا وصی تمام اوصیاء سے افضل ہے اور وہ تمام بندوں پر اللہ کی حجت ہے اور اس کی مخلوق پر اس کا خلیفہ ہے اور میرے بعد آئمہ اسی کی اولاد سے ہونگے ان کی بدولت خدا زمین والوں سے عذاب کو ٹال دیتا ہے ان ہی کی بدولت آسمان زمین پر نہیں ٹوٹ پڑتا انہی کی وجہ سے پہاڑ اپنی جگہوں پہ قائم ہیں انہی کی بدولت لوگوں پر بارانِ رحمت برستی ہے اور انہی کے صدقہ میں زمین انگوریوں کو جنم دیتی ہے وہ واقعی اللہ کے اولیاء اور اس کے خلفاء ہیں ان کی تعداد مہینوں کی تعداد کے برابر ہے اور وہ بارہ ہے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقباء کی تعداد تھی اس کے بعد حضورؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ الخ

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۝۵ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۝۶ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ ۝۷

لعنت ہے اصحاب اخدود پر جنہوں نے بھڑکتی ہوئی آگ روشن کی جبکہ وہ (مومنوں کو جلانے کیلئے) اس کے اردگرد بیٹھنے والے تھے

اور فرمایا اے ابن عباس! کیا تو سمجھتا ہے کہ اللہ نے اس آسمان اور اس کے برجوں کی قسم کھائی ہے؟ ابن عباس کہتا ہے میں نے عرض کی حضور تو پھر اللہ نے کس چیز کی قسم کھائی ہے تو آپ نے فرمایا وہ آسمان میں ہوں اور بارہ برج میرے بعد میں ہونے والے بارہ امام ہیں جن کا پہلا علیؑ اور آخری مہدی ہو گا۔

وَشَاهِدٍ وَّمَشۡهُوۡدٍ۔ اس میں متعدد اقوال ہیں ○ شاہد یوم جمعہ اور مشہود یوم عرفہ ○ شاہد حضرت رسالتمآبؐ اور مشہود یوم قیامت تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک شخص ایک دفعہ مسجد نبوی میں داخل ہُوا تو دیکھا کہ ایک شخص احادیث نبویہ بیان کر رہا ہے تو اس نے اس سے شاہد و مشہود کا معنی پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ شاہد یوم جُمعہ ہے اور مشہود یوم عرفہ ہے۔ پس وہ شخص آگے بڑھا اور ایک دوسرے کو احادیث بیان کرتے دیکھا تو اس سے شاہد و مشہود کا معنی پوچھا اس نے جواب دیا کہ شاہد کا معنی ہے یوم جمعہ اور مشہود سے مراد یوم نحر ہے پس اس سے آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت نورانی چہرے والا نوعمر شہزادہ احادیث نبویہ بیان کر رہا ہے تو اس شخص نے ان سے بھی شاہد و مشہود کا معنی دریافت کیا پس انہوں نے جواب دیا کہ شاہد سے مراد حضرت رسالتمآبؐ ہیں اور مشہود سے مراد یوم قیامت ہے اور ساتھ انہوں نے یہ آیت بھی پڑھی۔ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا الآیہ وہ شخص کہتا ہے جب میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پہلا شخص حدیثیں بیان کرنے والا ابن عباس تھا اور دوسرا ابن عمر تھا اور تیسرا حضرت امام حسنؑ علیہ السلام تھا ○ شاہد یوم نحر اور مشہود یوم عرفہ ○ شاہد یوم عرفہ اور مشہود یوم جمعہ اور ابوالدرداء سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا میرے اُوپر جمعہ کے روز درود زیادہ بھیجا کرو کیونکہ یہ ملائکہ کی حاضری کا دن ہے اور جو شخص بھی اس دن میرے اُوپر درود بھیجتا ہے مجھے اس کی اطلاع دیجاتی ہے تو راوی کہتا ہے میں نے سوال کیا کہ آیا موت کے بعد بھی آپ پہ درود بھیجا جائے تو آپ کو معلوم ہو جاتا ہے پس آپ نے فرمایا کہ زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام ہے اور جو نبی ہوتا ہے وہ ظاہری موت کے بعد بھی زندہ ہوتا ہے اور اللہ کا رزق کھاتا ہے ○ شاہد فرشتے اور مشہود یوم قیامت ○ شاہد سے مراد وہ جو بروز محشر لوگوں پر گواہی دیں گے اور مشہود جن پر گواہی دی جائے گی ○ شاہد یہ امت اور مشہود گذشتہ امتیں ○ شاہد اعضاء بنی آدم اور مشہود خود بنی آدم ○ شاہد حجر اسود اور مشہود حاجی ○ شاہد شب و روز اور مشہود ابن آدم ○ شاہد انبیاء مشہود خاتم الانبیاء ○ شاہد اللہ مشہود کلمہ توحید ○ شاہد خلق اور مشہود حق۔ پس یہ ۱۲ اقوال ہیں جو مجمع البیان میں بیان کئے گئے ہیں اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ شاہد حضرت رسالتمآبؐ و حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ہیں۔

اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ۔ زمین میں کھودے ہوئے شگاف جس طرح آجکل فوجی لوگ زمین میں مورچے بنالیا کرتے ہیں اور اصحاب الاخدود سے مراد زمانہ سابق کے وہ ظالم حکمران ہیں جنہوں نے تبلیغ اسلام کرنے والوں اور ایمان لانے والوں کو نشانہ عذاب بنایا اور زمین میں نالیاں دہریں کھود کر ان کو آگ سے بھر دیا اور ایمان لانے والوں کو اس آگ میں زندہ پھونک دیا۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان و دیگر تفاسیر میں متعدد واقعات کی نشاندہی کی گئی ہے ہم عبرت و نصیحت کی خاطر ان میں سے بعض کا تذکرہ کرتے ہیں۔

تفسیر مجمع البیان میں صحیح مسلم سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا سابق زمانہ میں ایک بادشاہ تھا جس نے رعایا پر تسلط قائم رکھنے کے لئے ایک جادوگر کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں جب جادوگر کا بڑھاپے کا زمانہ آیا تو اس نے بادشاہ سے خواہش کی کہ مجھے ایک لڑکا دیا جائے جس کو میں اپنا فن جادو سکھا دوں تاکہ میری موت کے بعد وہ شاہی خدمات انجام دیتا رہے چنانچہ جادو کی تربیت حاصل کرنے کے لئے بادشاہ نے ایک لڑکا نامزد کر دیا اتفاق سے بادشاہ اور جادوگر کی منزلوں کے درمیان ایک عبادت گزار راہب کا مکان تھا وہ بچہ آتے جاتے ہوئے جب اس راہب کے پاس سے گذرتا تو اس کی نصیحتوں کو سننے کے لئے کچھ دیر ٹھہر جاتا تھا جس کے نتیجے میں جادوگر کے پاس دیر سے جاتا تو جادوگر سزا دیتا تھا اور گھر دیر سے جاتا تھا تو گھر والوں سے سرزنش کا مستحق گردانا جاتا تھا پس اس لڑکے نے اپنی اس مشکل کا ذکر راہب سے کر دیا تو راہب نے کہا کہ میرا نام نہ لیا کرو بلکہ اگر گھر والے دیر کی وجہ پوچھیں تو جادوگر کے پاس ٹھہر جانے کا بہانہ کر لیا کرو اور اگر جادوگر دیر سے پہنچنے کی وجہ پوچھے تو گھر والوں کی رکاوٹ کا عذر پیش کر لیا کرو پس اس طریقہ سے اس لڑکے نے راہب سے دین سیکھ لیا ایک دفعہ لوگوں پر ایک خونخوار جانور نے حملہ کر دیا اور اسی لڑکے کا ادھر سے گزر ہوا پس اس نے ایک پتھر اٹھایا اور دعا مانگی کہ اے اللہ اگر راہب کا دین برحق ہے تو اس جانور کو موت دیدے پس اس زور سے پتھر مارا کہ وہ جانور کے لئے پیغام موت ثابت ہوا اور لوگ اس سے نجات پاکر گھروں کو چلے گئے لڑکے نے اس واقعہ کا تذکرہ راہب سے کیا تو اس نے کہا بیٹے! تم پر امتحان آئے گا لیکن یاد رکھنا کہ ہمارے متعلق کسی کو کچھ نہ بتانا۔ چنانچہ وہ لڑکا نہایت دیندار اور مستجاب الدعوات ہو گیا حتیٰ کہ کوڑھ اور برص کی بیماریوں والے اس کی دعا کی برکت سے شفایاب ہونے لگے۔ ایک دفعہ بادشاہ کے مصاحبین میں سے ایک شخص نابینا ہو گیا تو اس نے لڑکے کو کافی دولت کی پیش کش کی کہ تو مجھے شفایاب کر دے۔ تو لڑکے نے جواب دیا میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا کیونکہ یہ اللہ کا کام ہے پس اگر تو ایمان کو قبول کرے تو میں تیرے لئے اللہ سے دعا کروں گا اور خدا تجھے آنکھوں کی بینائی عطا فرمائے گا چنانچہ وہ لڑکے کی نصیحت کو مان کر مومن ہو گیا اور لڑکے نے اس کے حق میں دعا کی پس اللہ نے اس کو قوت بینائی دیدی۔ جب وہ مصاحب دربار شاہی میں شفایابی کے بعد حاضر ہوا تو بادشاہ نے دریافت کیا تجھے کس نے شفا بخشی ہے؟ تو اس نے صاف کہہ دیا کہ مجھے اللہ نے شفا بخشی ہے بادشاہ کہنے لگا میرے علاوہ کوئی اور اللہ بھی ہے؟ تو اس نے کہا اللہ وہ ہے جو تیرا بھی خدا ہے اور میرا بھی خدا ہے بادشاہ نے پوچھا تجھے یہ سبق کس نے پڑھایا ہے؟ تو اس نے لڑکے کا نام لیا پس بادشاہ نے اس لڑکے کو بھرے دربار میں منگوایا اور پوچھا کہ کیا تو لوگوں کو شفایاب کرتا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں نہیں بلکہ اللہ کرتا ہے تو بادشاہ نے کہا کیا میرے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہے تو لڑکے نے جواب دیا ہاں وہ خدا ہے جو تیرا بھی خدا ہے اور میرا بھی خدا ہے پس لڑکے پر اسقدر تشدد کیا گیا کہ اس نے راہب کی نشاندہی کر دی چنانچہ سب سے پہلے اس راہب کو آرے سے چیر دیا گیا اور لڑکے کے لئے حکم جاری کر دیا گیا کہ اگر یہ اپنے دین سے باز نہ آئے تو اس کو پہاڑ کی چوٹی سے زمین پر گرا دیا جائے تاکہ اس کی ہڈیاں پسلیاں چور چور ہو جائیں چنانچہ جب جلاد لوگ اس کو لے چلے تو اس نے اللہ سے دعا کی اے پروردگار! تو مجھے ان لوگوں کے شر سے نجات عطا فرما پس پہاڑ کو زلزلہ آیا اور وہ سب کے سب دب کر مر گئے اور لڑکا صحیح و سالم دربار شاہی میں زندہ واپس پہنچا اور بادشاہ کے سوال کے جواب میں کہدیا کہ مجھے اللہ نے ان کی گرفت سے بچا لیا ہے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو سمندر میں لے جا کر غرقاب کر دیا جائے چنانچہ جب لوگ اس کو کشتی میں سوار کر کے

گہرے سمندر کے پانی میں لے گئے تو لڑکے کی دُعا سے کشتی اُلٹ گئی اور وہ سارے ڈوب کر مر گئے اور لڑکا زندہ بچ کر واپس آگیا جب بادشاہ نے وجہ پوچھی تو لڑکے نے صاف کہہ دیا کہ مجھے اللہ نے محفوظ رکھ لیا ہے۔ اس کے بعد لڑکے نے کہا۔ اے بادشاہ اگر تو مجھے مروانا چاہتا ہے تو جس طرح میں بتاؤں اس طریقہ سے مجھے قتل کر و تب کامیاب ہوگے اور وہ یہ کہ تمام رعایا کو جمع کر لو اور مجھے کھجور کے تنے پر لٹکا کر میرے ترکش سے تیر نکالو اور تیر کو کمان پر رکھ کر یہ کلمہ کہو۔ اس لڑکے کے پروردگار کے نام سے تیر مار رہا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور تیر اس لڑکے کی کنپٹی میں مارا جس سے وہ لڑکا درجہ شہادت پر فائز ہو گیا اور تمام حاضرین نے اُسی وقت کلمہ توحید زبان پر جاری کر لیا اور کہا کہ ہم اس لڑکے کے خدا پر ایمان لائے ہیں۔ بعض مصاحبین نے بادشاہ سے کہا کہ لڑکا اپنی قربانی دیکر لوگوں کو توحید کا درس دینے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ وہ خود تو مر گیا لیکن ہزاروں کو مسلمان کر گیا پس بادشاہ کو طیش آیا اور اُس نے اخدود کھودنے کا حکم دیا چنانچہ شہر کی ہر گلی کے سرے پر ایک ایک اخدود کھودی گئی اور لکڑیاں ڈال کر ان میں آگ روشن کرائی گئی اور مومنوں کو اس آگ میں جلانے کا حکم دیا گیا لیکن مومن لوگ خود بخود اپنے ایمان کی حفاظت کی خاطر اس میں چھلانگیں لگانے لگ گئے سب سے آخر میں ایک عورت آئی جس کی گود میں ایک بچہ تھا تو اُس بچہ نے ماں سے کہا اماں جان صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ کیونکہ تو حق کے راستہ پر گامزن ہے۔

اور ابن مسیب سے منقول ہے کہ عمر بن خطاب کے زمانۂ خلافت میں یہ رپورٹ پہنچی کہ لوگوں نے ایک جگہ کھودی ہے اور وہاں سے اس نوجوان کی میت نکلی ہے جس نے اپنی کنپٹی پر ہاتھ رکھا ہوا ہے تو عمرؓ نے اُن کو تحریراً حکم دیا کہ اس جگہ کو بند کر دو اور اسے وہیں دفن کر دو۔

دوسری روایت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک بادشاہ نے حالت نشہ میں اپنی لڑکی یا بہن سے زنا کر لیا جب نشہ ٹوٹا تو اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لئے اس نے علاج سوچا تو کسی مشیر نے اسے مشورہ دیا کہ عذر بہانہ سوچنے کے بجائے تم حکم دیدو کہ بہن بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہے اور اسی کو آئین مملکت قرار دیدو اور حکم عدولی کرنے والے افراد کو سنگین سزائیں دو چنانچہ اس نے حکم نافذ کر دیا اور خلاف ورزی کرنے والے اور شاہی حکم کے خلاف زبان کھولنے والے افراد کے لئے زمین میں نہریں کھدوا دیں اور ان میں آگ روشن کرا دی پس جو بادشاہ کے دین کو قبول کرتا تھا اس کو انعامات سے نوازا جاتا تھا اور حکم عدولی کرنے والوں کو آگ میں جھونک دیا جاتا تھا۔

تیسری روایت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے حبشیوں کی طرف ایک حبشی کو نبی بنا کر بھیجا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا اور ان کے بادشاہ نے اس نبی اور اس پر ایمان لانے والوں کو گرفتار کر لیا اور اخدود کھدوا کر آگ روشن کرائی اور لوگوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ جو ہمارے دین پر ہے وہ آگ میں کود جائے چنانچہ مومنوں نے آگ میں چھلانگ لگا دی آخر میں ایک عورت آئی جس کے پاس ایک ماہ کا بچہ تھا پس آگ میں جاتے ہوئے اُس عورت کو بچے پر رحم آیا تو بچہ نے زبان کھولی اور کہا اماں جان گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے آگ میں پھینک دے اور خود بھی آگ میں کود جا کیونکہ خدا کی قسم اللہ کی راہ میں یہ قربانی ایک معمولی بات ہے چنانچہ اس عورت نے بھی آگ میں چھلانگ لگا دی اور مہد میں بولنے والے بچوں میں سے ایک بچہ یہ بھی ہے۔

وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۸ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ

اور وہ جو کچھ مومنوں کے ساتھ کر رہے تھے اس پر خود گواہ تھے اور انہوں نے اُن سے انتقام نہیں لیا مگر اس

ایک روایت میں ہے کہ جن لوگوں نے اخدود کھدوا کر مومنین کو آگ میں جلایا ان کی تعداد دس ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ تین ہیں ایک شام میں تھا جس کا نام انطیانوس تھا جو رومی باشندہ تھا دوسرا فارس میں تھا اور وہ بخت نصر ہے اور تیسرا عرب کی سرزمین میں نجران کے رہنے والا تھا جس کا نام یوسف بن ذوالنواس تھا اور اس کا قصہ اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بعد عرب میں دو آدمی انجیل کے قاری تھے ایک زمین تہامہ میں اور دوسرا نجران میں جو علاقہ یمن میں تھا پس یہ نجران والا قاری کسی بڑے آدمی کے ہاں ملازم تھا اور انجیل کو پڑھا کرتا تھا اُس امیر کی لڑکی نے ایک دفعہ دیکھا کہ انجیل پڑھتے ہوئے اس کے چہرہ سے نور ساطع ہے تو اُس لڑکی نے اپنے باپ کو بتایا کہ ہمارا ملازم کوئی ایسی کلام پڑھتا ہے جس کی بدولت اس کے مُنہ سے نُور ساطع ہوتا ہے چنانچہ اس امیر نے اس نور کا مشاہدہ کیا تو اپنے ملازم کو بلا کر حقیقت دریافت کی کافی اصرار کے بعد اس نے بتایا کہ میں دین عیسیٰ پر ہوں اور اللہ کی کتاب انجیل کی تلاوت کرتا ہوں پس وہ امیر اپنے پُورے خاندان سمیت مسلمان ہو گیا اور تقریباً زن و مرد ۸۰ کی تعداد میں مسلمان ہو گئے جب یوسف بن ذولواس بن شراجیل بن تبع حمیری کو اس معاملہ کی رپورٹ پہنچی تو اُس نے زمین میں خندقیں کھدوا کر اُن میں آگ روشن کرائی پس جو شخص دین عیسیٰ سے مرتد ہو جاتا تھا اس کو معافی دی جاتی تھی اور جو ثابت قدم رہتا تھا اس کو آگ میں جھونک دیا جاتا تھا چنانچہ مومن آگ میں ڈال دیئے گئے اور سب سے آخر ایک عورت کو لایا گیا جس کی گود میں چھوٹا سا بچہ تھا جو بول نہ سکتا تھا جب ماں نے بچے کو دیکھا تو ترس کھانے لگی لیکن بچہ فوراً گویا ہوا اے اماں جان! جو آگ اس کے بعد ہو گی وہ کبھی خاموش نہ ہو گی۔ لہٰذا اس آگ سے ہرگز نہ گھبراؤ۔ چنانچہ بچے کی بات کو سُن کر اُس نے بھی آگ میں چھلانگ لگا دی اور اللہ نے ماں بیٹے دونو کو جنت میں داخل کر دیا اور کل ۸۰ آدمی تھے جنہوں نے آگ میں چھلانگ لگائی تھی اور ابن عباس سے منقول ہے جو آگ میں جلنے سے انکار کرتے تھے ان کو تازیانوں سے پیٹا جاتا تھا حتاکہ آگ میں جانے سے پہلے ان کے رُوح جنت میں پہنچ جاتے تھے اور تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ یہ شخص قوم حمیر کا آخری بادشاہ تھا اور مذہب یہود اس نے اختیار کیا تھا اور نصرانیوں کو یہودیت کی طرف جبراً لاتا تھا اور جن لوگوں کو اس نے مُرتد کرنے کیلئے قتل کیا ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔

ایک روایت میں ہے بخت نصر کے بیٹے بہرقیہ نے حضرت دانیال اور اُس کے ماننے والوں کو ایک کنویں میں ڈال کر اُوپر آگ روشن کر دی تھی جو ان کے لئے گلزار بن گئی تھی پھر خونخوار درندوں کے حوالے ان کو کیا تھا لیکن خدا نے ان کو محفوظ رکھا (برہان)

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۔ یعنی وہ لوگ کناروں پر بیٹھ کر مومنوں کے جلنے کا تماشا دیکھتے تھے اور منقول ہے کہ ان کے دو گروہ تھے ایک تو وہ تھا جو مومنوں کو جلاتا تھا اور دوسرا گروہ جلانے میں شریک نہ تھا لیکن تماشائی تھا اور جلانے والوں کے فعل پر راضی تھا پس خدا نے ان دونو پر لعنت بھیجی ہے منقول ہے کہ خداوند کریم نے مومنوں کے ارواح کو آگ میں جانے سے پہلے جنت میں پہنچا دیا اور خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ وہی آگ خندقوں سے نکل کر کافروں کے کپڑوں میں لگ گئی اور وہ خود اپنی جلائی ہوئی آگ کی لپیٹ میں آ کر لقمۂ اجل ہو گئے (مجمع البیان)

شُهُوْدٌ ۔ قعود جمع ہے قاعد کی اور شہود جمع ہے شاہد کی اس جگہ مراد وہ لوگ ہیں جو واقعہ میں حاضر تھے۔

يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۹﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

کہ وہ لائق حمد اللہ غالب پر ایمان لائے جس کے پاس آسمانوں اور زمین کا ملک ہے

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اور اللہ ہر شئی پر گواہ ہے تحقیق جن لوگوں نے مردوں اور عورتوں کو آزمائش میں ڈالا

ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۭ ﴿۱۱﴾ اِنَّ

پھر توبہ نہ کی (اور مرگئے) تو ان کے لئے جہنّم کا عذاب ہوگا اور ان کے لئے جلنے کا عذاب ہوگا تحقیق

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ڛ

جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۲﴾ۭ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۳﴾ۭ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ

یہ بڑی کامیابی ہے تحقیق تیرے رب کی گرفت سخت ہے تحقیق وہ پیدا کرتا ہے اور مرنے

وَيُعِيْدُ ﴿۱۴﴾ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۵﴾ۙ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۶﴾ۙ فَعَّالٌ

کے بعد لوٹاتا ہے اور وہ غالب لائق محبت ہے عرش کا مالک ہے بزرگ ہے جو چاہتا ہے

لَمْ يَتُوْبُوْا ۔ یعنی مومنوں کو ستانے کے بعد اپنے کفر و شرک پر برقرار رہے اور توبہ کئے بغیر مرگئے ایسے لوگوں کے لئے جہنّم میں قسم قسم کا عذاب ہوگا اور دیگر عذابوں کے علاوہ آگ میں جلنے کا عذاب بھی ہوگا۔ اسی بنا پر عذاب جہنّم اور عذاب حریق کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عذاب جہنّم سے اُخروی عذاب مراد ہو اور عذاب الحریق سے مراد دنیاوی عذاب ہو جس طرح کہ منقول ہے کہ وہ جب مومنوں کو آگ میں جھونکتے تھے تو آگ کے شعلے ان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے تھے اور وہ خود بھی جل کر خاکستر ہو جاتے تھے ۔ اور مومنوں کے ارواح کو خدا آگ سے پہلے جنت میں پہنچا دیتا تھا۔

اَلْوَدُوْدُ ۔ ممکن ہے فعول بمعنی فاعل ہو یعنی مومنوں سے محبت کرنے والا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فعول بمعنی مفعول ہو یعنی وہ ذات جس سے مومنوں کو محبت کرنی چاہیئے یعنی لائق محبت اور اللہ دونوں اعتبار سے ودود ہے ۔

المجید ۔ جن لوگوں نے مجید کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے تو انہوں نے اس کو اللہ کی صفت قرار دیا کہ وہ اللہ صاحب مجد و بزرگی ہے

لِّمَا یُرِیۡدُ ﴿۱۶﴾ هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ الۡجُنُوۡدِ ﴿۱۷﴾ فِرۡعَوۡنَ وَ ثَمُوۡدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ

اسے کرنے والا ہے کیا تیرے پاس لشکروں کا قصہ پہنچا فرعون و ثمود کا (کہ کس طرح ہلاک ہوئے) بلکہ جو

الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فِیۡ تَكۡذِیۡبٍ ﴿۱۹﴾ وَّ اللّٰهُ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ مُّحِیۡطٌ ﴿۲۰﴾

لوگ کافر ہیں جھٹلانے میں ہیں اور اللہ ان پر احاطہ کرنے والا ہے

بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ ﴿۲۱﴾ فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴿۲۲﴾ ع

بلکہ یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں ہے

اور عرش کا مالک ہے اور جن لوگوں نے مجید کو جر کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اس کو عرش کی صفت قرار دیا ہے اور معنی یہ ہوگا اللہ عرش مجید کا مالک ہے اور اکثر قاریوں نے اس کو رفع کے ساتھ پڑھ کر اللہ کی صفت بنایا ہے۔

اَلۡجُنُوۡد - یعنی وہ کفار جنہوں نے اپنے لشکروں اور فوجوں کے ساتھ انبیاء اللہ کو خوفزدہ کیا جس طرح فرعون و ثمود وغیرہ تو خداوند کریم نے انبیاء کو صبر کی توفیق دی اور اپنے دشمنوں کو عبرتناک سزائیں دیں جن کو رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا۔

فِیۡ تَكۡذِیۡبٍ یعنی اگر کفار مکہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ پرواہ نہ کریں وہ خدا کی گرفت سے ہرگز بچ نہیں سکتے۔

قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ - یعنی کفار نے جادو یا شعبدہ کہانت کہکر لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنے کی ہر چند کوشش کی لیکن بالآخران کے غلط پروپیگنڈے باطل ہوئے اور ثابت ہوگیا کہ یہ قرآن مجید اللہ کا بھیجا ہوا کلام ہے جس میں اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ ہے اور اس کے عذاب کا ذکر بھی ہے اور اس کی گرفت کے قصے بھی ہیں تاکہ ہر ممکن طریق سے لوگوں کو راہ حق کے قریب کیا جائے۔

فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ - یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محفوظ لوح کی صفت ہو یعنی لوح محفوظ میں ہے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ وہ ایک سفید موتی کی طرح ہے جس کی لمبائی آسمان و زمین کے مابین فاصلہ کے برابر ہے اور چوڑائی مشرق و مغرب کے فاصلہ کے برابر ہے اور بعضوں نے اسرافیل کی پیشانی کو لوح محفوظ قرار دیا ہے اور بعضوں نے عرش کے دائیں طرف اس کا مقام بتایا ہے

اور اگر محفوظ کو قرآن کی صفت قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ قرآن مجید تغیر و تبدل اور نقص و عیب سے محفوظ ہے اور لوح میں موجود ہے جس سے جبرائیل حسب ضرورت بحکم پروردگار احکام انبیاء کی طرف لایا کرتا ہے۔

سورہ الطارق

- یہ سورہ مکیہ ہے
- اس کی آیات بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ملا کر اٹھارہ ہیں
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص سورہ الطارق کی تلاوت کرے گا ستارگان سما سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی
- اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص نماز فریضہ میں اس سورہ کو پڑھے بروز قیامت اللہ کے نزدیک اس کی منزلت بلند ہوگی اور انبیاء کا ساتھ اس کو نصیب ہوگا۔
- خواص القرآن سے مروی ہے حضرت رسالتمآب نے فرمایا اگر اس سورہ کو کسی پاک برتن میں لکھا جائے اور پانی سے دھو دیا جائے تو اس پانی سے جس زخم کو دھو دیا جائے گا وہ زخم خراب نہ ہوگا اور اگر کسی دوسری شیئ پر اس کو پڑھا جائے تو وہ محفوظ ہوگی اور اس کا مالک اس سے مامون ہوگا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کے پانی سے زخم دھویا جائے تو درست ہو جائے گا اور اس میں پیپ پیدا نہ ہوگی اور اگر کسی دوائی پر اس کو پڑھ کر پیا جائے تو اس میں شفا ہوگی (برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۲﴾ وَمَآ اَدۡرٰکَ

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں) آسمان اور طارق کی قسم تمہیں کیا خبر کہ طارق

مَا الطَّارِقُ ﴿۳﴾ النَّجۡمُ الثَّاقِبُ ﴿۴﴾ اِنۡ کُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَیۡہَا حَافِظٌ ﴿۵﴾

کیا ہے؟ وہ بلند و روشن ستارہ ہے تحقیق ہر نفس کے اوپر نگہبان موجود ہے

رکوع نمبر ۱۱

وَالطَّارِقِ - طرق کا معنی ہے کھٹکھٹانا اور کوٹنا اس لئے لوہے کے ہتھوڑے کو مطرقہ کہا جاتا ہے اور دروازہ کھٹکھٹانے والے کو طارق کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے ہر رات کے کنے والے مہمان کو بھی طارق کہا جاتا ہے کیونکہ وہ کنڈی کھٹکھٹاتا ہے اور اسی مناسبت سے رات کے وقت طلوع کرنے والے ستارے کو بھی طارق کہا گیا ہے۔

الثَّاقِبُ - اس کا معنی روشن بھی ہے اور اس کا معنی نہایت بلند بھی کیا جاتا ہے اور اس جگہ دونوں صحیح ہیں۔

اِنۡ کُلُّ نَفۡسٍ - اگر لَمَّا کو تشدید سے پڑھا جائے تو یہ اِلَّا کے معنی میں ہوگا اور اِنۡ نافیہ ہوگا اور جملہ جواب قسم ہوگا اور اگر لَمَا

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝۵ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝۶ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ

پس انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کس سے پیدا ہوا؟ وہ ٹپکنے والے پانی سے پیدا ہوا ہے جو صلب اور

الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝۷ إِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝۸ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝۹

پسلیوں سے نکلتا ہے ؛ تحقیق وہ (اللہ) اس کو پلٹانے پر بھی قادر ہے جس دن مخفی راز ظاہر کیے جائیں گے

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝۱۰ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝۱۱ وَالْأَرْضِ ذَاتِ

پس نہ اس کے پاس کوئی طاقت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا بارش برسانے والے آسمان کی قسم اور انگوریاں پیدا کرنے والی زمین کی

الصَّدْعِ ۝۱۲ إِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝۱۳ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝۱۴ إِنَّهُمْ يَكِيدُوْنَ

قسم تحقیق یہ (وقوع قیامت) فیصلہ شدہ پکی بات ہے اور وہ مسخری نہیں تحقیق یہ لوگ تجویزیں

کو تشدید کے بغیر پڑھا جائے تو اِنْ اِنَّ کا مخفف ہوگا اور لَمَا کا لام اس بات کی نشانی ہے کہ اِنْ مخففہ ہے نافیہ نہیں ہے اور لام کے بعد ما اس طرح ہے جس طرح فَبِمَا رَحْمَةٍ میں باءِ جارہ کے بعد ما واقع ہے اور اس صورت میں معنی وہی ہے جو تحت اللفظ ذکر کیا گیا ہے اور لَمَّا کو تشدید کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کوئی نفس نہیں مگر یہ کہ اس کے اُوپر حافظ موجود ہے یعنی ایسا فرشتہ جو اس کے اعمال اور افعال کو نوٹ کرتا ہے

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ ۔ اس جگہ انسان سے مراد کافر ہے یعنی وہ انسان جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنی پیدائش میں غور کرے کہ ٹپکنے والے پانی سے اس کو کس طرح پیدا کیا گیا ہے پس جو خدا شکم مادر میں اس کو تدریجی ارتقاء کی منازل سے گذار کر پانی سے انسان بنا سکتا ہے وہی خدا اس کو مرنے کے بعد دوبارہ پلٹانے پر بھی قادر ہے۔

اَلصُّلْبِ التَّرَائِبِ ۔ بعض کہتے ہیں کہ مرد کی منی صلب سے عورت کی منی ترائب سے نکلتی ہے اور ترائب تریبۃ کی جمع ہے۔ سینے سے اُوپر ہنسلی کی ہڈیوں کو ترائب کہا جاتا ہے۔

السَّرَائِرُ ۔ اللہ اور بندے کے درمیان جو فرائض پوشیدہ ہیں اور راز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت پیغمبر سے منقول ہے وہ چار ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور غسل جنابت کیونکہ دوسرے آدمیوں کو پتہ نہیں چل سکتا کہ اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں اسی طرح روزہ رکھا ہے یا نہیں اور غسل کیا ہے یا نہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے یہ فرائض ادا کئے ہیں یا نہ ؟ پس قیامت وہ دن ہے جس دن انسان کے مخفی فرائض کا اختبار کیا جائے گا اور منظر عام پر ان کو لایا جائے گا۔

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ ۔ یعنی اس دن بدکردار لوگوں کے پاس اللہ کے عذاب سے بچانے والی نہ کوئی طاقت ہوگی اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا

كَيْدًا ۙ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ۚ ۖ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۠ ع۱۱

کرتے ہیں اور میں بھی تجویز ہوں پس کافروں کو (قیامت تک کیلئے) تھوڑی سی مہلت دیدیجئے

ذَاتِ الرَّجْعِ ۔ الرّجع کا معنی رجوع سے ہے اور آب کثیر کو الرجع کہا جاتا ہے جس کو ہوا کے تھپیڑے متحرک کریں۔

ذَاتِ الصَّدْعِ ۔ صدع کا معنی شگاف ہے اور زمین کو پیدا ہونے والی انگوریاں شگاف کرکے باہر نکلتی ہیں۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ ۔ یہ جواب قسم ہے کہ مجھے آسمان و زمین کی قسم قیامت کا وعدہ فیصلہ شدہ ہے اور پکی بات ہے کہ کفار کو اس دن کا عذاب بھگتنا پڑے گا اور یہ مسخری اور ہنسی کی بات نہیں ہے اس کے بعد حضورؐ کو تسلّی دی گئی ہے کہ آپ ان کفّار کو بے شک مہلت دیدیں میں قیامت کے روز ان کی سرکشیوں کی ان کو سزا دے دوں گا۔ آپ کو مزید غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور اس خطاب میں تمام مبلّغین امت اور ہادیانِ دین کو تسلّی دی گئی ہے کہ تبلیغ کے راستہ میں پیش آنے والے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے اور کفّار و منکرین کی ایذا رسانیوں سے گھبراہٹ نہیں کرنی چاہیئے قیامت کے دن جو نتیجہ نکلے گا وہ ان کے لئے رسوا کن ہوگا اور مومنوں کے لئے مژدۂ جانفزا ہوگا

سورۃ الاعلیٰ

- یہ سورہ مکیہ ہے
- اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ملا کر اس کی آیات کی تعداد بیس ۲۰ ہے۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا حضرت محمد مصطفےٰ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ پہ اترنے والی کتب کے تمام حروف سے دس گنا زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گی۔
- حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ اس سورہ کو بہت دوست رکھتے تھے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ جب بھی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھتے تھے تو فوراً کہتے تھے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جو شخص اس سورہ کو فریضہ یا نافلہ میں پڑھے گا قیامت کے دن اس کو حکم ہوگا کہ جنّت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جا اور منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام عموماً اس سورہ کو فریضہ نماز میں پڑھا کرتے تھے۔
- اور مروی ہے کہ جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ اتری تو رسالتمآبؐ نے فرمایا یہ تسبیح نماز کے رکوع میں پڑھا کرو اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اتری تو آپ نے اس کو سجدہ میں پڑھنے کا حکم دیدیا۔
- خواص القرآن سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا درد کرنے والے کان پر اس سورہ کا پڑھنا درد کو ختم کرتا ہے اور بواسیر پہ اگر پڑھی جائے تو بواسیر سے آرام ہوگا اور بواسیر کے لئے اس کا تعویذ لکھ کر اپنے پاس رکھنا مفید ہے اسی طرح گردن کے درد کے لئے اس کو پڑھ کر دم کرنے سے درد کو آرام ہوگا نیز ہر متورم حصّہ پر اس کو پڑھنا فائدہ مند ہے۔ (برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ﴿۲﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡ قَدَّرَ فَهَدٰی ﴿۴﴾

اپنے بلند رب کے نام کی تسبیح کر جس نے پیدا کیا اور درست بنایا اور جس نے مقدر کیا پس ہدایت کی

وَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰی ﴿۵﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰی ﴿۶﴾ سَنُقۡرِئُکَ

اور جس نے گھاس کو (زمین سے) نکالا پھر اس کو سیاہی مائل تنکوں میں بدل دیا ہم تجھے پڑھائیں گے کہ تمہیں

فَلَا تَنۡسٰۤی ﴿۷﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَ مَا یَخۡفٰی ﴿۸﴾ وَ نُیَسِّرُکَ

نسیان نہ ہوگا مگر وہ جو اللہ چاہے تحقیق وہ ظاہر و مخفی کو جانتا ہے اور ہم آسانی پیدا

رکوع نمبر ۱۲

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ - تسبیح کا معنی تنزیہ ہے یعنی اپنے پروردگار کی ان تمام چیزوں سے تنزیہ بیان کرو جو اس کی ذات کو زیبا نہیں ہیں اور اسم کی تنزیہ سے مراد مسمی کی تنزیہ ہے اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا جب یہ آیت پڑھو تو بعد میں کہا کرو سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی

فَسَوّٰی - یعنی پیدا کیا اور درست پیدا کیا یا یہ کہ سیدھی قامت والا پیدا کیا اور حیوانوں کی طرح نہیں بنایا۔

قَدَّرَ فَهَدٰی - یعنی اس نے اپنی تقدیر و مشیت کے ماتحت پیدا کیا اور اس کے بعد ہر ذی حیات کے لئے اسباب رزق مقرر کئے اور ہر ایک کو اس کی تلاش کی ہدایت بخشی۔ چنانچہ بچوں کو ماں کا پستان چوس کر غذا حاصل کرنا بتایا اور پرندوں کے بچوں کو اپنے ماں باپ کے منہ سے غذا حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی وعلیٰ ہذا القیاس اسی طرح ہر جنس کے جوڑے کو تعلقات جنسیہ کے قائم کرنے کی ہدایت بخشی تاکہ نسلوں کی بقا سے زمین کی آبادی قائم رہے اور یہ سب اس کی حسن تدبیر کے نتائج ہیں۔

غُثَآءً اَحۡوٰی - یعنی حیوانوں کی خوراک کے لئے اس نے گھاس اگایا جو خشک ہو کر تنکوں میں تبدیل ہو جایا کرتا ہے

فَلَا تَنۡسٰی - اللہ نے اس آیت میں حضرت پیغمبر سے وعدہ کیا ہے کہ آپ کو نسیان طاری نہ ہوگا اور ساتھ اپنی مشیت کا استثناء کر دیا یعنی آپ کو نسیان نہ ہوگا مگر اللہ کو انساء پر قدرت ہے اگر چاہے تو انساء کر سکتا ہے اور علمائے امامیہ کے نزدیک حضرت رسالتمآبؐ کا سہو و نسیان باطل ہے کیونکہ اگر آپ کو نسیان لاحق ہو تو مسائل شرعیہ (1) اور تبلیغ احکام الٰہیہ میں بھی نسیان کا احتمال باقی ہوگا لہذا ان کی کسی بات پر اعتماد نہ ہو سکے گا بلکہ شک رہے گا کہ شاید آپ کو نسیان ہوا ہو اور عصمت (2) کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ کو نسیان نہ ہو کیونکہ نسیان کی صورت میں خطاء اور غلطی کا امکان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ منافی عصمت ہے۔

لِلْيُسْرٰى ﴿٩﴾ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ﴿١٠﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ﴿١١﴾

کر دیں گے تیرے لیے جنت کیلئے پس نصیحت کرو اگر نصیحت فائدہ مند ہو عنقریب وہ نصیحت لے گا جس کو ڈر ہوگا

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿١٢﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿١٣﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ

اور اس سے بدبخت آدمی گریز کرے گا جو بڑی آگ میں جلے گا پھر وہاں نہ مرے گا

فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿١٤﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿١٥﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿١٦﴾

اور نہ زندہ ہوگا تحقیق کامیاب ہوا وہ جس نے زکوٰۃ دی اور اپنے رب کا نام یاد کیا اور نماز پڑھی

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿١٧﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿١٨﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي

بلکہ تم لوگ زندگی دنیا کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے تحقیق یہ پہلے

الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٩﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿٢٠﴾

صحیفوں میں بھی ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں

مَنْ تَزَكّٰى۔ اس جگہ زکوٰۃ سے مراد فطرہ ہے اور بعد میں صلوٰۃ سے مراد نماز عید ہے لیکن اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکیہ ہے اور نماز عید اور زکوٰۃ فطرہ کا وجوب مدینہ میں نازل ہوا تو علامہ طبرسی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ابتدائی آیات مکہ میں اتری ہوں۔ اور اس کی تکمیل مدینہ میں ہوئی ہو اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تزکیہ سے مراد شرک و کفر سے پاک ہونا ہے۔

ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ یعنی اللہ کا ذکر کر کے صلوٰۃ میں داخل ہو پس اس ذکر سے بعض مفسرین نے تکبیرۃ الاحرام مراد لی ہے اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ حالتِ نماز میں خشوع و خضوع قائم رہنا چاہیے اور اللہ کی یاد دل میں ہونی چاہیے۔

فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى یعنی نماز پڑھنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے کتب سابقہ میں ممدوح ہیں۔

صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ حضرت موسیٰ سے پہلے کوئی کتاب اللہ نے نہیں بھیجی لیکن اس آیت مجیدہ میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرمؐ سے دریافت کیا کہ کل نبی کتنے مبعوث ہوئے تو آپ نے فرمایا اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے پھر میں نے عرض کی کہ ان میں سے رسول کتنے تھے تو آپ نے فرمایا کہ تین سو تیرہ رسولؑ تھے اور باقی صرف انبیاء تھے میں نے عرض کی کہ کیا حضرت آدمؑ بھی نبی تھے تو آپ نے فرمایا ہاں، اس کے بعد آپ نے فرمایا اے ابوذر! چار نبی عرب تھے ہود۔ صالح۔ شعیب اور میں پھر ابوذر کہتا ہے میں نے دریافت کیا اللہ نے کل کس قدر کتابیں نازل فرمائیں تو آپ نے جواب دیا کہ اللہ نے ایک سو چار

کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے حضرت آدمؑ پر دس صحیفے حضرت شیث پر پچاس صحیفے اور حضرت اخنوخ (ادریس) پر تیس صحیفے اور یہ پہلا شخص ہے جس نے لکھنا ایجاد کیا اور حضرت ابراہیم پر دس صحیفے نازل ہوئے (یہ کل ایک سو صحیفہ ہے) اور چار کتابیں ہیں۔ تورات، انجیل، زبور اور قرآن اور مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے میں درج تھا عقلمند انسان کو چاہیئے کہ اپنی زبان پر کنٹرول کرنے والا ہو۔ اپنے زمانے سے باخبر ہو اور اپنے فرائض کی بجا آوری میں مگن رہے اور مروی ہے کہ خدا کی جانب سے اترنے والی کتابیں سب کی سب ماہ مبارک رمضان میں نازل ہوئیں (مجمع)

تفسیر برہان میں یہ روایت مفصل ہے کہ ابوذر نے حضورؐ سے متعدد سوال کئے اور آپ نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔

ابوذر نے پوچھا تحیہ مسجد کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا دو رکعت نماز

ابوذر نے دریافت کیا نماز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اچھا موضوع ہے کوئی تھوڑی پڑھے یا بہت پڑھے۔

〃 کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا اللہ پر ایمان رکھنا اور جہاد کرنا

〃 رات کا کونسا حصہ افضل ہے؟ فرمایا پچھلی رات کا حصہ

〃 صدقہ کونسا افضل ہے؟ 〃 کم از کم جس قدر دے سکے مستحق کو پوشیدہ کر کے دیدے

〃 روزہ کیا ہے؟ 〃 ایسا فرض ہے جس کا اجر اللہ کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔

〃 کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ 〃 جس کی قیمت زیادہ ہو اور اہل خانہ کو عزیز تر ہو۔

〃 کونسا جہاد افضل ہے؟ 〃 جس میں اس کی سواری بھی کام آجائے اور اس کا خون بھی گرایا جائے۔

〃 آپ پر سب سے عظیم تر آیت کونسی اتری ہے؟ فرمایا آیۃ الکرسی اس کے بعد آپ نے فرمایا اے ابوذر تمام آسمان کرسی کے اندر اس طرح ہیں جس طرح ایک وسیع جنگل میں ہاتھ کا چھلا پڑا ہو اور عرش کی کرسی سے وہی نسبت ہے؟ جو باقی سمانوں کو کرسی سے ہے؛

اس روایت میں ہے کہ صحف ابراہیم میں یہ بات بھی ہے کہ عقلمند انسان کو وقت تقسیم کرنا چاہیئے ایک گھنٹہ اس کا اللہ کی عبادت کے لئے ضروری ہے ایک گھنٹہ اللہ کی نعمات و مصنوعات میں غور و فکر کرے اور ایک گھنٹہ وہ اللہ کی حلال کردہ نعمات سے لذت اندوز ہو اور اس کا یہ گھنٹہ جو ہے وہ سابق پروگرام کا بھی معاون ثابت ہوگا۔

عقلمند آدمی کو تین چیزوں کی طلب چاہیئے۔ معاش کی اصلاح قیامت کے لئے زادِ راہ اور حلال سے لذت اندوز ہونا اور صحف موسیٰ علیہ السلام میں عبرتیں موجود ہیں۔ تعجب ہے انسان کے لئے جس کو موت کا یقین بھی ہو اور پھر وہ خوش رہے۔ تعجب ہے انسان پر جس کو حساب کا یقین ہو اور ہنسے تعجب ہے اس انسان پر جو دنیا کی بے وفائی اور اس کے انقلابات دیکھتا ہو اور پھر بھی اسی پر مطمئن رہے آگے چل کر منقول ہے کہ ابوذر نے عرض کی حضور مجھے نصیحت فرمائیے تو آپ نے فرمایا تقویٰ اختیار کرو یہ سب سے بہتر ہے ابوذر نے عرض کی کچھ اور تو فرمایا چپ کو لازم پکڑو کہ خاموشی شیاطین کو بھگانے کے لئے کافی ہے اور دین کے معاملہ میں بہتر معاون ہے۔ ابوذر نے عرض کی کچھ اور فرمائیے تو آپ نے فرمایا بہت ہنسنا چھوڑ دو کیونکہ اس سے دل مُردہ ہوتا ہے ابوذر نے کہا کچھ اور تو آپ نے فرمایا مساکین سے محبت کیا کرو اور ان کی صحبت اختیار کرو ابوذر نے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَةِ ﴿۲﴾ وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿۳﴾ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿۴﴾

کیا تیرے پاس قیامت کی خبر پہنچی ہے؟ اس دن چہرے جھکے ہوئے ہوں گے عمل کرنیوالے اور مشقت اٹھانے والے ہوں گے

کہا کچھ اور تو آپ نے فرمایا حق بات کہو اگرچہ تلخ ہو۔ ابوذر نے عرض کی کچھ اور تو آپ نے فرمایا حق بات کہو اور اللہ کے معاملہ میں کسی کی ملامت سے خوف نہ کرو۔ الحدیث

سورہ الغاشیہ

- یہ سورہ مکیہ ہے جو سورہ الذاریات کے بعد نازل ہوا۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر ستائیس بنتی ہے۔
- حدیث نبوی میں ہے جو اس کی تلاوت کرے گا اس کا حساب آسان ہوگا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اپنے فرائض و نوافل میں سورہ الغاشیہ کو ہمیشہ پڑھتا رہے۔ خداوند کریم دنیا و آخرت میں اس کو اپنی رحمت سے ڈھانپے گا اور بروز محشر اس کو عذاب جہنم سے امان عطا فرمائے گا
- حدیث نبوی میں ہے کہ اگر یہ سورہ کسی بچے پر پڑھی جائے خواہ انسان کا بچہ ہو یا حیوان کا بچہ ہو اور وہ روتا یا ڈرتا ہو تو اس سورہ مجیدہ کی برکت سے اس میں سکون آجائے گا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر یہ سورہ درد کرنے والی ڈاڑھ پر پڑھا جائے تو اس کا درد ساکن ہو جائے گا۔ باذن اللہ اور اگر کھانے کی چیز پر اس کو پڑھا جائے تو اس کے برے اثرات سے محفوظ رہے گا اور سلامتی پائے گا۔

رکوع نمبر ۱۳

اَلۡغَاشِیَة۔ چھا جانے والی اور اس سے مراد قیامت کا دن ہے اس کے بعد قیامت کی سختی کا تذکرہ ہے کہ اس دن کی سختی اور شدت کی وجہ سے لوگوں کے چہرے جھکے ہوئے ہوں گے۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ۔ اس کا ایک معنی تو یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں برے اعمال کئے اور وہ آخرت میں جہنم کی سختی جھیلیں گے پس وہ عامل تھے دنیا میں اور ناصب ہوں گے قیامت کے دن اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اس سے اہل بدعت اور باطل مذاہب والے لوگ مراد ہیں جنہوں نے دنیا میں اعمال کئے لیکن حق سے نصب و عداوت رکھتے تھے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول

تَصۡلٰی نَارًا حَامِیَۃً ﴿۴﴾ تُسۡقٰی مِنۡ عَیۡنٍ اٰنِیَۃٍ ﴿۵﴾ لَیۡسَ لَہُمۡ طَعَامٌ اِلَّا

سخت آگ میں جلیں گے — سخت گرم چشمے سے سیراب کئے جائیں گے — ان کے لئے کھانا نہ ہوگا مگر

مِنۡ ضَرِیۡعٍ ﴿۶﴾ لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ﴿۷﴾ وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَۃٌ ﴿۸﴾

ضریع سے — جو نہ موٹا کرے گی اور نہ بھوک کو ختم کرے گی — کئی چہرے اس دن خوش حال ہوں گے

لِّسَعۡیِہَا رَاضِیَۃٌ ﴿۹﴾ فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿۱۰﴾ لَّا تَسۡمَعُ فِیۡہَا لَاغِیَۃً ﴿۱۱﴾ فِیۡہَا

اپنے اعمال پر راضی ہوں گے — بلند جنت میں ہوں گے — کہ وہاں کوئی لغو بات نہ سنیں گے — اس میں چشمہ

عَیۡنٌ جَارِیَۃٌ ﴿۱۲﴾ فِیۡہَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَۃٌ ﴿۱۳﴾ وَّ اَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَۃٌ ﴿۱۴﴾

جاری ہوگا — اس میں تخت بلند ہوں گے — اور پیالے رکھے ہوئے ہوں گے

ہے کہ ہمارے ساتھ نصب و عداوت کرنے والا خواہ کس قدر عبادت کرے وہ اس آیت کا مصداق ہے پس آگ میں جلے گا۔

عَیۡنٍ اٰنِیَۃٍ ۔ آنیۃ کا معنی سخت گرم ہے۔

ضَرِیۡع ۔ یہ ایک ایسی گھاس ہے جس کو سوائے اونٹ کے کوئی جانور نہیں کھاتا اور اس میں کانٹے بھی ہوتے ہیں اور قیامت کے دن جہنمیوں کو جو ضریع کھلائی جائے گی وہ کانٹے دار، بدبودار اور سخت گرم ہوگی اور مروی ہے کہ خدا جہنمیوں پر بھوک بھیجے گا اور اس کے بعد ان کو ضریع کی غذا دی جائے گی اسی طرح ان پر پیاس کو غالب کرے گا اور ایک ہزار سال کی پیاس کے بعد ان کو آنیہ سے سیراب کرے گا کہ نہ بھوک مٹے گی اور نہ پیاس بجھے گی اور عذاب سخت سے سخت تر ہوگا۔

وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاعِمَۃٌ ۔ یعنی خوش خوش ہوں گے بعض چہرے کہ ان پر نعمات پروردگار کا اثر ظاہر ہوگا اور وہ دنیا میں کئے ہوئے اعمال اور مساعی جمیلہ پر راضی ہوں گے۔ تفسیر برہان میں ابن بابویہ کی بشارات الشیعہ سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام قبر رسول اور منبر کے درمیان اپنے صحابہ میں فرما رہے تھے کہ میں تمہارے ارواح اور تمہاری اچھی شہرت کو محبوب رکھتا ہوں پس تقویٰ و اجتہاد سے ہماری مدد کرو اور یاد رکھو کہ ہماری ولایت تقویٰ و اجتہاد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور تم میں جو بھی کسی کو اپنا امام سمجھے تو اسے چاہیئے کہ اس کی پیروی کرے تم اللہ کا گروہ اور اللہ کے انصار ہو تم السابقون الاولون ہو کہ دنیا میں ہماری ولایت کی طرف تم نے سبقت کی اور آخرت میں جنت کی طرف سبقت کرو گے میں اللہ و رسول کی جانب سے تمہاری جنت کا ضامن ہوں تم پاکیزہ ہو اور تمہاری عورتیں بھی پاکیزہ ہیں ہر مومن عورت حور ہے اور ہر مومن مرد صدیق ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا تم کو خوشخبری ہو کہ رسول کریمؐ تمام امت میں سے صرف شیعوں پر ہی راضی ہو کر گئے ہیں یاد رکھو ہر شیٔ کے لئے عروہ(1) ہوتا ہے اور دین کا عروہ شیعہ ہیں ہر شیٔ کے لئے شرف ہوتا ہے

وَّنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ﴿۱۶﴾ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ

اور صف بصف قالین بچھے ہوں گے اور غالیچے پھیلے ہوئے ہوں گے کیا (یہ منکر لوگ) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح

كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ

پیدا کیا گیا اور آسمانوں کو کس طرح بلند کیا گیا اور پہاڑوں کو کس طرح نصب

نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾

کیا گیا اور زمین کو کس طرح بچھایا گیا؟ (اگر غور کرتے تو ایمان لاتے) پس تم نصیحت کرو تمہارا کام نصیحت کرنا ہے

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ

تم ان پر چوکیدار نہیں ہو لیکن جو شخص پیچھے ہٹے گا اور کافر ہوگا تو اس کو عذاب دے گا

الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾ ع ۱۳

اللہ بڑا عذاب تحقیق ہماری طرف ان کی بازگشت ہے پھر ہم پر ان کا حساب ہے؟

اور دین کا شرف شیعہ ہیں ہر شے کے لئے سردار ہوتے ہیں اور مجالس کی سردار شیعہ کی مجالس ہیں اسی طرح ہر شئی کا امام ہوتا ہے اور زمینوں کی امام وہ زمین ہے جس میں شیعہ آباد ہوں اور ہر شئی کی خواہش ہوتی ہے اور دنیا کی خواہش شیعوں کی آبادی سے پوری ہوتی ہے آخر میں فرمایا کہ جنت میں تمہارے مخالفین کا کوئی حصہ نہیں ہے خواہ کس قدر ہی اعمال کیوں نہ بجا لائیں وہ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ کے مصداق ہیں اور اہلبیت کی روایات میں ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ شیعیان آل محمدؐ کے حق میں ہے اور عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ ناصبیوں کے حق میں ہے۔

سُرُرٌ۔ یہ سریر کی جمع ہے اور خوشی و سرور کے ساتھ بیٹھنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے اور مراد تخت ہیں اور بلند اس لئے ہونگے تاکہ تمام لوگ دیکھیں کہ ان لوگوں کی شان اللہ کے نزدیک کس قدر بلند ہے اور وہ تخت زبرجد یاقوت اور دیگر موتیوں سے جڑے ہوئے ہوں گے۔

اَكْوَابٌ۔ یہ کوب کی جمع ہے یعنی پیالہ اور مقصد یہ ہے کہ چشمہ ہائے جنت کے کناروں پر جنتی مشروب سے پُر پیالے موجود ہونگے

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ۔ دوزخیوں کے عذاب اور جنتیوں کی نعمات بیان فرمانے کے بعد پھر ایک مرتبہ کفار کو دعوت فکر دی ہے کہ حشر و نشر کے انکار کرنے والو ذرا اونٹ کی تخلیق میں غور کرو اور یہ سوچو کہ اس قدر بڑی قد و قامت والے جانور کو کس ذات نے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور اس کے منافع میں غور کرو اس کے علاوہ آسمان کی تخلیق اور اس کی بغیر ستونوں کی بقا اور پھر پہاڑوں کا وجود اور اس کی سربلند چوٹیاں اسی طرح زمین کا پھیلاؤ اور اس کی آبادیاں پس ان تمام چیزوں میں غور و فکر کرنے کے بعد تم خود آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہو

کہ وہ خدا جو ان تمام چیزوں کا خالق اور مدبر ہے وہی لائق عبادت ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ دوبارہ زندہ کرکے جزا وسزا دینے پر بھی قادر ہے

جنّت ونار کا قسیم علیؑ ہے

اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ ۔ جابر سے منقول ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب بروز قیامت خدا اوّلین و آخرین کو جمع کرے گا تو سب سے پہلے حضرت رسالتمآبؐ کو حلّۂ بہشتی پہنایا جائیگا اور اس کے بعد حضرت علیؑ کو بھی پہنایا جائے گا۔ اس کے بعد ہم کو حاضر کیا جائے گا اور لوگوں کا حساب ہمارے حوالے کیا جائے گا پس خدا کی قسم ہم ہی جنّتیوں کو جنّت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں داخل کریں گے باقی تمام انبیاء کو دو صفوں میں عرش کے پاس ٹھہرایا جائے گا۔ یہاں تک کہ لوگوں کا حساب ختم ہوگا جب تمام لوگ اپنی منازل میں پہنچ جائیں گے تو بحکم خداوند کریم حضرت علیؑ جنّتیوں کی جنّت میں شادی کریں گے اور یہ اللہ کی طرف سے حضرت علیؑ کی فضیلت ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے پس علیؑ ہی دوزخیوں کو دوزخ میں بھیجے گا اور بہشتیوں کو بہشت کے دروازوں سے داخل کرے گا اور دوزخ اور بہشت کے دروازوں کی چابیاں حضرت علیؑ علیہ السلام کے پاس ہوں گی۔

تفسیر برہان میں اس معنی کی روایات بکثرت وارد ہیں کہ معصوم نے فرمایا بروز قیامت ہمارے شیعوں کا حساب ہمارے ذمہ ہوگا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ کُلُّ اُمَّۃٍ یُحَاسِبُہَا اِمَامُ زَمَانِہَا یعنی قیامت کے روز ہر امّت کا حساب اس کا امام زمانہ لے گا اور زیارت جامعہ میں صاف طور پر ہے فَاِیَابُ الۡخَلۡقِ اِلَیۡکُمۡ وَحِسَابُہُمۡ عَلَیۡکُمۡ یعنی لوگوں کی بازگشت تمہاری طرف ہوگی اور ان کے حساب بھی تمہارے ذمہ ہوگا اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضورؑ نے فرمایا جب بروز محشر حساب ہوگا اور اپنے شیعوں کا حساب ہمارے حوالے کیا جائے گا تو ان پر جو حقوق اللہ ہوں گے تو ان کے متعلق ہم حکم جاری کریں گے اور خدا منظوری دے دیگا اور جو حقوق الناس ہوں گے وہ بھی ہم معاف کرا دیں گے اور جو حقوق ہمارے متعلق ہوں گے وہ ہم خود معاف کردیں گے اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہوں گے ہم جہاں بھی ہوں گے ۔

سُورہ الفجر

- یہ سُورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات بسم اللہ کو ملا کر اکتیس ہیں ۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سورہ کو فرائض ونوافل میں پڑھا کرو کیونکہ یہ امام حسین علیہ السلام کی سورت ہے اور جو شخص اس کو پڑھے گا وہ بروز محشر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ جنّت میں ہوگا اور اللہ عزیز وحکیم ہے ۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا اس کے پڑھنے والوں کی تعداد سے دس گنا اس کے گناہ معاف ہوں گے اور قیامت کے دن اس کو نور عطا ہوگا اور جو شخص اس سورہ کو لکھ کر اپنی کمر کے ساتھ باندھ کر اپنی حلال عورت سے ہمبستری کرے گا خدا اس کو فرزند عطا کرے گا جو اس کی آنکھ کی ٹھنڈک ثابت ہوگا دوسری روایت میں ہے باعث برکت ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَالۡفَجۡرِ ﴿۲﴾ وَلَيَالٍ عَشۡرٍ ﴿۳﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ﴿۴﴾ وَالَّيۡلِ اِذَا يَسۡرِ ﴿۵﴾

فجر کی قسم — دس راتوں کی قسم — شفع اور وتر کی قسم — رات کی قسم جب گذرتی ہے

هَلۡ فِىۡ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِىۡ حِجۡرٍ ﴿۶﴾ اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۷﴾

کیا اس میں قسم ہے صاحب عقل کے لئے ؟ — کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟

○ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس سورہ کو صبح کے وقت پڑھے تو دوسری صبح تک ہر شئے سے با امن رہے گا (برہان)

رکوع نمبر ۱۴

وَالۡفَجۡرِ ۔ اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں ① فجر سے مراد محرم کی فجر ہے اور اس کے بعد کی دس راتیں ہیں ② فجر سے مراد قربانی کے دن کی صبح اور اس سے پہلے کی دس راتیں ③ فجر سے مراد مطلق صبح اور دس راتوں سے مراد ماہ رمضان کی آخری دس راتیں ④ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دس راتیں جو کوہ طور پہ تتمہ کے طور پہ اضافہ کی گئی تھیں

وَالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۔ اس میں بھی چند اقوال ہیں ۔ ① شفع سے مراد ہر جوڑا اور وتر سے مراد ہر فرد ہے ② شفع سے مراد تمام مخلوق اور وتر سے مراد خود ذات واجب الوجود ہے ③ اس سے مراد نماز شب کی شفع اور وتر کی رکعتیں ہیں ④ شفع سے مراد یوم نحر اور وتر سے مراد یوم عرفہ ہے ⑤ شفع سے مراد عام دن راتیں اور وتر سے مراد قیامت کا دن ہے ۔ ⑥ شفع سے مراد علیؑ و فاطمہؑ اور وتر سے مراد نبی کریم ہے ⑦ شفع سے مراد صفا و مروہ ہے اور وتر سے مراد خانہ کعبہ ہے ۔

تاویل آیات

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فجر سے مراد حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کی تشریف آوری ہے اور لیالِ عشر سے مراد حضرت حسن علیہ السلام سے لے کر حضرت حسن عسکری علیہ السلام تک دس امام ہیں جو ظلم و جور کی تاریکیوں میں وقت گذار گئے اور شفع سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں اور وتر سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ہیں الحدیث اور ایک روایت میں ہے کہ شفع سے مراد حضرت رسالتمآبؐ اور امیر المومنینؑ ہیں اور وتر سے مراد ذات واجب الوجود ہے ۔

وَالَّيۡلِ اِذَا يَسۡرِ ۔ بالعموم ہر رات کے گذرنے کی قسم ہے کیونکہ اس میں حکمت و صنعت پروردگار کی طرف توجہ کرنے اور فکر کرنے کا درس ملتا ہے اور اس کی تاویل ظالم حکومتوں کے ختم ہونے اور عدل کا دن طلوع ہونے سے کی جاسکتی ہے ۔

هَلۡ فِىۡ ذٰلِكَ ۔ یہ سوالیہ فقرہ ہے کہ کیا ان امور مذکورہ کے ساتھ قسم کھانے سے صاحبان عقل کو اطمینان ہوسکتا ہے ؟ یہ

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ

ارم جو ذات العماد تھا — جس کی طرح شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا — اور ثمود

بیان مذکور کو مزید زوردار کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے اور مقصد یہ ہے کہ صاحبان عقل و دانش امور مبینہ میں اگر غور کریں تو ان کو ضرور توحید پروردگار کی طرف صحیح راستہ مل جائے گا۔

اَلَمْ تَرَ۔ قسم اور جواب قسم کے درمیان پھر ایک جملہ معترضہ کو استعمال کیا گیا تاکہ سامعین کی توجہ کو زیادہ سے زیادہ جذب کیا جا سکے۔ تاکہ وہ منکرین کی گرفتاریٔ عذاب سے عبرت حاصل کر کے دامن حق کے ساتھ وابستہ ہونے کی جرأت کر سکیں

بِعَادٍ۔ عاد کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ ان لوگوں کی عمریں لمبی تھیں اور اجسام بہت موٹے تازے اور طاقتور تھے اور حضرت ہودؑ کی قوم تھی اور ارم کے متعلق بعضوں نے کہا ہے کہ ان کے قبیلہ کا نام ہے اور کہتے ہیں کہ عاد دو تھے ایک عاد ارم جس کے متعلق دوسری جگہ ارشاد فرمایا اَهْلَكَ عَادًا الْاُوْلٰى (اس نے عاد اُولیٰ کو ہلاک کیا) اور بعض کہتے ہیں کہ عاد کے دادا کا نام ارم تھا اور ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح اور بعض کا خیال ہے کہ ارم اس شہر کا نام ہے جس میں یہ قوم آباد تھی بعض نے دمشق کو ارم کہا ہے اور بعض نے اسکندریہ کا نام لیا ہے اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ارم اس شہر کا نام ہے جس کو شدّاد نے تعمیر کرایا تھا اور بعض کہتے ہیں عاد کا لقب ارم ہے اور لفظ ارم عاد کا بدل ہے یا عطف ہے اور ارم غیر منصرف ہے کیونکہ معرفہ اور مونث ہے

ذَاتِ الْعِمَادِ۔ چونکہ ان کی قد و قامت درازتھی اس لئے ان کو ذات العماد کہا گیا ہے ان کی جسامت اور قوت کے متعلق مروی ہے کہ ان میں سے ایک آدمی پتھر کی بہت بڑی چٹان کو اٹھا لیا کرتا تھا اور ایک پورے قبیلہ پر گرا کر اس کو تباہ کر دیا کرتا تھا اور بعضوں نے ذات العماد کا معنی یہ لیا ہے کہ ان کے محلات اور رہائش گاہیں پختہ اور مضبوط تھیں۔

شدّاد کا واقعہ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کعب الاحبار سے منقول ہے کہ وہ شہر جس کا نام ارم ذات العماد ہے اس کو شدّاد ابن عاد نے تعمیر کرایا تھا اور یہ عاد اُولیٰ کا واقعہ ہے اور حضرت ہود علیہ السّلام کی قوم عاد اس عاد اُولیٰ کی نسل سے تھی بہرکیف عاد اوّل کے دو بیٹے تھے شدّاد اور شدید باپ کے مرنے کے بعد یہ دونوں حکمران ہو گئے۔ اور شدید کے مرنے کے بعد شدّاد ملک بھر کا بلکہ دنیا بھر کا واحد فرمان روا ہو گیا کہ باقی تمام زمین کے حکمران اس کے زیر نگیں کام کرتے تھے چنانچہ اس نے انبیاء کی تبلیغ کو فیل کرنے کے بعد لوگوں سے اپنی خدائی منوانے کی خاطر بہشت کی تعمیر کا منصوبہ بنایا اور خدا کے وعدہ کے مقابلہ میں اس سرکش و ظالم بادشاہ نے لوگوں کی گمراہی کے لئے یہ نیا جال تیار کرنے کا ڈھونگ رچایا چنانچہ شہر ارم ذات العماد کا نقشہ تیار کیا گیا اور اسی منظور شدہ نقشہ پر تعمیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس نے ایک سو اعلیٰ درجہ کے ماہرین فن معماروں کی خدمات حاصل کیں اور ہر معمار کے ماتحت ایک ایک ہزار کارندے معین کئے اور گرد و نواح کے تمام چھوٹے بڑے حکمرانوں کو سونا چاندی اور زر و جواہر

فراہم کرنے کا آرڈر جاری کر دیا چنانچہ سونے اور چاندی کی اینٹوں سے منظور شدہ نقشہ کے مطابق کمرہ جات بننے شروع ہوئے اور سہ منزلہ عمارتیں نہایت عمدہ ترتیب و وضع کے ساتھ بنتی گئیں ہر ہر منزل کا دروازہ شہر کے بڑے دروازہ کی مثل تھا اور درمیان میں عالیشان سڑکیں تھیں جن پر تعمیر ہونے والے دو طرفہ مکانات کے دروازے بالکل ایک دوسرے کے بالمقابل تھے ان کے فرش زعفران و کستوری سے مخلوط کئے گئے تھے اور ان میں موتیوں کی جڑاوت نہایت اچھے طریقہ سے ہوئی تھی اور یہ سڑک کے کناروں پر دو طرفہ پھلدار درخت کاشت کئے گئے اور پختہ نہریں اور پانی کی نالیاں جاری کر دی گئیں اور جن نالیوں سے پانی گھروں تک پہنچایا گیا وہ سب خالص چاندی کی تھیں نیز زبرجد اور یاقوت کی نہایت اچھی ترتیب و تنظیم سے جڑاوٹ مکانوں اور گلی کوچوں کی خوبصورتی میں سونے پر سہاگہ کا کام دیتی تھی۔ پورے شہر کے اردگرد ایک مضبوط فصیل تیار کی گئی جس کی گول سڑک (سرکلر روڈ) کے بیرونی کنارے سے متصل چوگرد ایک ہزار عمدہ محلات تعمیر کرائے گئے تاکہ شہر کی رونق و زینت دوبالا ہو جائے اور سالہا سال اس شہر کی تعمیر پر خرچ ہوئے اور بے انداز دولت صرف ہوئی جب شداد کو شہر ارم کی تعمیر کی اطلاع پہنچی تو وہ اپنے پورے لشکر اور جاہ و جلال کے ساتھ شہر ارم کی سیر کو تیار ہوا لیکن آسمان سے بجلی گری اور اس شہر میں داخل ہونے سے پہلے وہ واصل جہنم ہو گیا اور ایک روایت میں میں نے دیکھا ہے کہ شہر کے بڑے دروازہ کا ایک تختہ جو یاقوت احمر کا مطلوب تھا اس کو پوری مملکت سے دستیاب نہ ہو سکا تو حضرت جبرئیل بحکم پروردگار بشکل تاجر یاقوت احمر کا تختہ لایا اور وہ پورا بہشت اس کی قیمت میں مانگا بادشاہ نے چوتھائی تہائی نصف تک دینے کی رضامندی ظاہر کی لیکن جبریل نے نہ مانا آخر پورا بہشت دینے پر سودا ہو گیا۔ جب دروازہ نصب ہو گیا اور بادشاہ نے اندر جانے کا ارادہ کیا تو جبریل نے حقوق مالکانہ کی بناء پر روک دیا کہ آپ میری اجازت کے بغیر اندر نہیں جا سکتے اس لئے کہ آپ اس کو میرے ہاتھوں بیچ چکے ہیں بادشاہ نے زبردستی داخل ہونے کا ارادہ کیا تو قہر خدا کی بجلی نازل ہوئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ معاویہ کی حکومت کے زمانہ میں عبداللہ بن قلابہ نامی ایک شخص اپنے گمشدہ اونٹوں کی تلاش میں نکلا اور عدن کے جنگلات میں پھرتے پھراتے وہ اس عجیب و غریب شہر میں آپہنچا اور یاقوت سفید و سرخ سے مرصع دروازوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا جب اندر داخل ہوا تو اس کو یہ شہر انسانی آبادی سے بالکل خالی نظر آیا پس اس نے دل میں خیال کیا کہ شاید یہ وہی جنت ہے جس کا حضرت نبی کریم نے مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے ان مکانات میں زبرجد و یاقوت و زر و جواہر اس مضبوطی سے جڑے ہوئے تھے کہ یہ شخص کافی کوشش کے باوجود کسی چیز کو اکھاڑ نہ سکا البتہ زعفران و مسک میں سے کچھ نہ کچھ اپنے ہمراہ واپس لایا اور لوگوں کو اس شہر کی عظمت و خوبصورتی کی اطلاع دی چنانچہ رفتہ رفتہ یہ خبر معاویہ تک پہنچی تو اُس نے اس کو حاضر دربار ہونے کا حکم دیا پس وہ حاضر دربار ہوا اور معاویہ نے کعب الاحبار کو بلا کر اس کے سامنے یہ تذکرہ کیا تو کعب الاحبار نے پورے واقعہ سے نقاب کشائی کی اور کہا کہ تیرے زمانہ میں ایک شخص کوتاہ قد جس کے ابرو پر داغ ہو گا اور گردن پر بھی ایک نشان ہو گا اپنے گم شدہ اونٹوں کو تلاش کرتے کرتے اس شہر میں داخل ہو گا چنانچہ جب کعب نے دیکھا تو معاویہ کے پہلو میں یہ شخص بیٹھا ہوا تھا کعب نے فوراً اس کو دیکھ کر کہہ دیا کہ بخدا یہ وہی شخص ہے جس کے متعلق میں خبر دے رہا ہوں۔

الذین جابوا الصخر بالواد ⑩ وفرعون ذی الاوتاد ⑪ الذین

جنہوں نے وادی کے پتھروں کو چیرا اور فرعون جو صاحب اوتاد تھا جنہوں نے

طغوا فی البلاد ⑫ فاکثروا فیھا الفساد ⑬ فصب علیھم ربک

سرکشی کی شہروں میں پس شہروں میں کافی فساد پھیلایا پس تیرے رب نے ان پر عذاب کے

سوط عذاب ⑭ ان ربک لبالمرصاد ⑮ فاما الانسان اذا

تازیانے برسائے تحقیق تیرا رب گھات میں ہے بہرحال جب انسان کو اپنا رب

ما ابتلٰه ربه فاکرمه ونعمه فیقول ربی اکرمن ⑯ واما اذا

آزمائش میں ڈالے پس اس کو نعمت وکرامت بخشے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے کرامت بخشی اور لیکن جب اس کو

ما ابتلٰه فقدر علیه رزقه فیقول ربی اھانن ⑰ کلا بل

آزمائش میں ڈالے اور اس کا رزق تنگ کردے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کیا ہے یہ ہرگز نہیں

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ ۔حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود تھی۔ جو پہاڑوں میں پتھروں کو تراش کر اپنے گھر بناتے تھے۔

وَفِرْعَوْنَ ۔فرعون کو ذی الاوتاد اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ظالم اپنے مخالفین کو زمین پر لٹا کر اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں لوہے کے کیل ٹھونک دیا کرتا تھا تاکہ وہ تڑپ تڑپ کر مرجائے چنانچہ جب جادوگروں کے ایمان لانے کے ساتھ ساتھ حضرت آسیہ نے بھی اپنے ایمان کا اعلان کردیا تو اس دشمن خدا نے اس پاکباز خاتون کو زمین پر سلا کر اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں بھی لوہے کے کیل ٹھونک دیئے اور اس کی پشت پر ایک لوہے کی چکی ڈال دی پس اس کی روح پرواز کر گئی اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کی روح کو پہلے اٹھالیا اور وہ لوگ مردہ جسم میں کیل ٹھونکتے رہے اس کا قصہ اسی جلد میں ص پر گذر چکا ہے۔

سَوْطَ عَذَاب ۔یعنی وہ تازیانہ جس کے ساتھ ان کو سزا دی گئی وہ عذاب کا تازیانہ تھا اور قصہ سابق جلدوں میں گذر چکا ہے۔

لَبِالْمِرْصَاد ۔گھات اور کمین گاہ کو مرصاد کہا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے اللہ ان کے گرفتار کرنے پر اس طرح قادر ہے جس طرح کمین گاہ میں چھپ کر بیٹھا ہوا انسان آنے والے غافل دشمن سے انتقام لینے پر قادر ہوا کرتا ہے اور یہ جملہ جواب قسم ہے۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ ۔یعنی خداوند کریم اپنی مصلحت وحکمت کے ماتحت کسی کو رزق فراوانی سے دیتا ہے اور کسی کو غربت وافلاس دیتا ہے تو اس لئے نہیں کہ جس کو اس نے دولت دی وہ اس کے اکرام واعزاز کے لئے ہے اور جس کو غربت دی اس

لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٩﴾

بلکہ تم یتیم کا اکرام نہیں کرتے ہو اور نہ یتیم کو کھلانے پر ایک دوسرے کو اکساتے ہو

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿٢٠﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢١﴾ كَلَّا إِذَا

اور تم میراث کو کھاتے ہو بے تحاشا کھانا اور مال کو پیار کرتے ہو سخت محبت کے ساتھ ایسا ہرگز نہیں

دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢٢﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٣﴾

ہونا چاہیئے۔ جب کوٹ کر زمین کو ہموار کیا جائے گا پوری طرح اور حکم پروردگار آئے گا اور فرشتے صف بصف آئیں گے

کو وہ ذلیل کرنا چاہتا ہے بلکہ یہ دونو حالتیں انسان کا امتحان ہے پس دولتمند کو مال دیکر اس کے شکر کا امتحان لیتا ہے اور فقیر کو تنگدستی میں مبتلا کرکے اس کے صبر کا امتحان لیتا ہے۔

کَلَّا۔ یعنی یہ بات ہرگز نہیں کہ میں کسی کو دولت اکرام کی خاطر دیتا ہوں اور تنگدستی ذلت کیلئے دیتا ہوں کیونکہ اکرام اور ذلت کا معیار میرے نزدیک اطاعت اور معصیت ہے پس جو شخص میرا اطاعت گذار ہے وہ میرے نزدیک عزت دار اور مکرم ہے خواہ مفلس و نادار ہی کیوں نہ ہو اور جو شخص میرا نافرمان ہے وہ میرے نزدیک ذلیل اور بے عزت ہے خواہ دنیا دار و دولتمند ہی کیوں نہ ہو۔

بَل لَّا تُكْرِمُونَ۔ یعنی میرے نزدیک کسی کی تذلیل و توہین کا معیار معصیت ہے نہ کہ غربت۔ اور تمہاری معصیت یہ ہے کہ تم یتیموں کا احترام و اکرام نہیں کرتے ہو اور یتیموں کا احترام واکرام یہ ہے کہ ان کی سرپرستی کی جائے اور ان کے مال کی نگرانی کی جائے اور حضورؐ نے فرمایا کہ یتیم کی تربیت کرنے والے اور جنت کے درمیان انگشت سبابہ و وسطیٰ کا فاصلہ ہے یعنی یتیم کا سرپرست بالکل جنت کے قریب ہے اور کفار میں دستور تھا کہ یتیموں کو وراثت سے محروم کرکے ان کا مال خود کھاجاتے تھے لہذا ان کو سرزنش کی گئی ہے اور یتامیٰ کا حق جتلایا گیا ہے تاکہ لوگ اس بارے میں احتیاط کریں۔

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ۔ اس جگہ بھی بالخصوص یتامیٰ کی جائداد و وراثت پر غاصبانہ تسلط کی مذمت کی گئی ہے کہ تم لوگ یتیموں کی وراثت کو دبا جاتے ہو اور اس کو اس انداز سے کھاتے ہو کہ تمہیں حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے کا ہوش بھی نہیں رہتا۔

کَلَّا۔ معصیت سے روکنے کے لئے تنبیہ فرماتا ہے کہ تم کو ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیئے اور اس وقت کو مدنظر رکھو جب زمین کو ہموار کر دیا جائے گا یعنی زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور دُكَّتْ کا معنی مدّت کیا گیا ہے پس پہاڑوں اور میدانوں کو ایک جیسا بنایا جائے گا۔ یہ گھر محلات، مکانات ٹیلے درخت پہاڑ وغیرہ سب ختم ہونگے اور زمین چٹیل میدان کی طرح ہوگی۔

جَاءَ رَبُّكَ۔ چونکہ اللہ مکان نہیں رکھتا اور نہ وہ مکان کا محتاج ہے اور آنا جانا اس کو لازم ہے جو مکان کا پابند ہو۔ لہذا اس جگہ مقصد یہ ہے کہ جب پروردگار کا امر آئے گا یعنی اس کی حکومت کا دن ہوگا اور فرشتے صف بہ صف پیش ہوں گے پس ہر آسمان کے

وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ (۲۳)

اور اس دن جہنم کو لایا جائے گا اُس دن نصیحت لے گا انسان اور اس کو نصیحت کا کیا فائدہ ؟

یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ (۲۴) فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ (۲۵)

کہے گا ہائے کاش ! اس زندگی کے لئے میں نے کچھ عمل بھیجا ہوتا پس اس دن (اس قدر دیگا) کہ کوئی بھی اس کی سزا جیسی سزا نہیں دے سکتا

فرشتوں کی الگ الگ ایک صف ہو گی اور بعض نے کہا ہے کہ نماز جماعت کی صفوں کی طرح فرشتوں کی آگے اور پیچھے صفیں ہوگی۔

وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ ۔ اس دن جہنم کو لایا جائے گا کہ ہزار ہزار فرشتے اس کو لانے والے ہوں گے اس کے شعلے بلند ہوں گے اور بڑے بڑے انگارے اُڑ اُڑ کر اِدھر اُدھر پڑ رہے ہوں گے پس جہنم کی آواز بلند ہو گی اور خوف خدا سے اس کو بھی لرزہ طاری ہوگا تو ارشاد خداوندی ہوگا کہ میں نے تجھے عذاب نہیں کرنا بلکہ تیرے ذریعے سے اپنے دشمنوں کو عذاب کروں گا پس جہنم سجدہ خدا بجالائے گا اور اس کے دھوئیں سے محشر میں تاریکی پھیل جائے گی زبانیہ فرشتے اس پر مؤکل ہوں گے اور جہنم کے شعلوں اور اڑتے ہوئے چنگاروں کو دیکھ کر نبی مرسل ملک مقرب اور ولی منتجب بھی کانپ جائیں گے اور ہر ایک کی نفسی نفسی کی صدا بلند ہوگی اور حضورؐ کی زبان مبارک سے اُمتی اُمتی کا ورد جاری ہوگا اور تفسیر برہان کی ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب تمام مخلوق کو محشور کیا جائے گا اس کی آواز کی گرج اور بھڑکتے شعلوں کو دیکھ کر تمام مخلوق دہل جائیگی اور اللہ کا فیصلہ نہ ہوتا تو ساری مخلوق اس کو دیکھتے ہی دہل کر مر جاتی اور جب اس کے شعلے باہر نکلیں گے تو تمام فرشتے اور انبیاء بھی نفسی نفسی کی صدا بلند کریں گے اور حضرت سلطان الانبیاء اُمتی اُمتی کا نعرہ لگائیں گے۔

پس دوزخ پر ایک پل بچھایا جائے جو بال سے باریک تر اور تلوار سے تیز تر ہوگا اور اس پر تین منزلیں ہوں گی پہلی منزل (۱) پر صلہ رحمی اور امانت کا سوال ہوگا اور دوسری (۲) پر نماز کی باز پرس اور تیسری (۳) رحمت پروردگار کی منزل ہو گی پس اسی وقت فرشتے بھی معافی معافی کی صدا بلند کریں گے اور انسان پروانوں کی طرح کٹ کٹ کر جہنم میں گر رہے ہوں گے اور مرصاد انہی منازل میں سے رحمت پروردگار والی منزل کا نام ہے اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جہنم کی پل پر سات موقف ہوں گے۔ پہلے موقف پر انسان کو روکا جائے گا۔ اور اس سے توحید پروردگار کا سوال ہوگا اگر اس سے پاس ہوگیا تو دوسرے موقف پر نماز کا سوال ہوگا اگر اس سے گذر گیا تو تیسرے موقف پر زکوٰۃ کی باز پرس ہو گی اس کے بعد چوتھے موقف پر ماہ رمضان کے روزوں کا سوال ہوگا اور پانچویں موقف پر حج بیت اللہ کا سوال ہوگا اور چھٹے موقف پر عمرہ واجبہ کا سوال ہوگا اور آخری ساتویں موقف پر مظالم یعنی حقوق الناس کا سوال ہوگا اگر اس موقف سے صحیح و سالم بچ نکلا اور پاس ہوگیا تو پار چلا جائے گا ورنہ حکم ہوگا کہ اس کے نیک اعمال کو بدلہ میں رکھتے جاؤ پس اگر بدلہ ہوگیا تو پھر بھی جنت میں بھیجا جائے گا ورنہ آتش جہنم میں گرا دیا جائے گا۔ بہر کیف عقیدہ کی صحت کے بعد سب سے پہلے اعمال میں سے نماز کا سوال ہوگا پس اہل ایمان کو چاہیے کہ نماز میں غفلت نہ کریں۔ ؎ روز محشر کہ جاں گداز بود اولین پرسش نماز بود

یَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ ۔ یعنی عذاب پروردگار کو دیکھ کر اُس دن کفار توبہ کریں گے لیکن اللہ فرماتا ہے اُس دن کی توبہ اُن کو کچھ

وَلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيٓ اِلٰى

اور نہ اس کی گرفت کی طرح کوئی گرفت کرسکتا ہے اے مطمئن نفس ! پلٹ جا اپنے رب کی

رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

نعمات کی طرف راضی ہوکر اور رضا پاکر پس میرے بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا

فائدہ زندگی۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ ساتھ کئے ہوئے اعمال کا جائزہ لے کر اپنی غلط کاریوں سے اپنی زندگی میں توبہ کرلے اور روایات میں ہے کہ جو شخص زندگی میں توبہ کرتا ہے اس کے ذمہ پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَا لَا ذَنْبَ لَهٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا اس کی مثل ہوجاتا ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ یعنی موت کے وقت جن کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہو یا جن کا اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا ہو ان کو خطاب ہوگا۔ اے اطمینان والا نفس تیرے اوپر خدا راضی ہے اور تو اسی کے انعامات پر راضی ہوکر انعامات پروردگار کی طرف روانہ ہو اور نیک بندوں کے گروہ میں اور جنت پروردگار میں داخل ہوجا۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے مومن کے پاس جب روح کو قبض کرنیوالا فرشتہ پہنچتا ہے تو مومن گھبراتا ہے پس ملک الموت کہتا ہے اے اللہ کے پیارے گھبرا نہیں مجھے اس اللہ کی قسم جس نے محمدؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا میں تیرے باپ سے بھی زیادہ تجھ پہ مہربان ثابت ہوں گا۔ ذرا آنکھیں تو کھولو پس وہ اپنے سامنے پنجتن پاک اور باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام کی مثالیں دیکھے گا اور اس کو بتایا جائے گا کہ یہ بزرگ رسولؐ اللہ ہیں اور وہ امیرالمومنینؑ ہیں اور فاطمہ زہرا اور باقی ذوات طاہرہ ہیں پس مومن خوش ہوگا اور رب العزت کی جانب سے ایک منادی ندا کرے گا يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ یعنی اے اطمینان والی نفس راضی و مرضی ہوکر اپنے پروردگار کی طرف روانہ ہوجا پس میرے بندوں یعنی محمدؐ و آل محمدؐ کے زمرے میں داخل ہوجا پس اس وقت مومن کو روح کے قبض ہونے کا جو سرور ہوگا وہ بہت زیادہ ہوگا ایک روایت میں ہے کہ آیت مجیدہ میں نفس۔ مطمئنہ کا مصداق حضرت امیرالمومنین علیہ السلام ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یہ سورہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مختص ہے۔ اور نفس مطمئنہ سے مراد بھی حضرت حسین علیہ السلام ہیں اور مروی ہے کہ جو شخص اس سورہ کی ہمیشہ تلاوت کرتا رہے وہ امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ ہوگا۔ بہرکیف اس آیت کی تاویل حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے حق میں جاری ہے اور ان کے بعد ان کے نقش قدم پر چلنے والے محمدؐ و آل محمدؐ کے حبدار تاقیامت اس آیت کی تاویل میں شامل ہوتے رہیں گے۔ والحمدللہ۔

سُورۃُ البَلَد

- یہ سورہ مکیہ ہے۔
- اس کی آیات بسم اللہ کو ملا کر اکیس ۲۱ ہیں
- حدیث نبوی میں ہے جو اس کی تلاوت کرے گا قیامت کے روز اللہ کے غضب سے مامون ہوگا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا جو شخص نماز فریضہ میں اس سورہ کی تلاوت کرے گا تو دنیا میں بھی نیک لوگوں میں شمار ہوگا۔ اور قیامت کے دن بھی اسی کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کی اللہ کے نزدیک بلند منزلت ہوگی اور انبیاء، وشہداء وصالحین کا رفیق ہوگا۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کو لکھ کر کسی بچے کی گردن میں یا کسی دوسرے پیدا ہونے والے حیوان کے بچے کی گردن میں ڈال دے تو وہ بچہ بچوں کو عارض ہونیوالی بیماریوں سے محفوظ رہے گا اور مروی ہے کہ وہ بچہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ اور رونے کی بیماری سے بھی بچ جائے گا اور اُمّ الصبیان سے بھی محفوظ ہوگا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس بچّہ کو یہ سورہ لکھ کر باندھا جائے وہ نقص سے محفوظ ہوگا اور اس کو دھو کر اگر اس کا پانی بچے کے ناک میں کھینچا جائے تو ناک کی بیماریوں سے محفوظ رہے گا اور اس کی تربیت نہایت اچھی ہوگی۔

(برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ② وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ③ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ④

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی — حالانکہ تو قیام پذیر ہے اس شہر میں — اور والد کی قسم اور اس کی اولاد کی قسم

رکوع نمبر ۱۵

لَاۤ اُقۡسِمُ ۔ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ قسم مکہ معظمہ کی ہے اور اس کی عظمت کی وجہ یہ بتائی کہ آپ کا مسکن ہے اور آپ اسی میں قیام پذیر ہیں۔ کیونکہ حِلٌّ کا معنی ساکنٌ ہے اور اس کے علاوہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿٤﴾ أَيَحْسَبُ أَنْ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿٥﴾

تحقیق ہم نے انسان کو سختی میں پیدا کیا ۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی بھی قادر نہ ہوگا ؟

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا ﴿٦﴾ أَيَحْسَبُ أَنْ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿٧﴾ أَلَمْ

کہتا ہے کہ میں نے کافی مال خرچ کر دیا ہے ۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا ؟ کیا ہم نے

حِلٌّ کے دو معنی اور بھی ہیں حَلَالٌ اور مُحِلٌّ پس اسی اعتبار سے اس کی تفسیر میں بھی دو قول اور پائے جاتے ہیں (۱) آپ اس شہر میں حلال سمجھے گئے ہیں یعنی وہ عرب جو اس شہر میں کسی کو تکلیف دینا جائز نہیں سمجھتے تھے حتاکہ اپنے باپ کے قاتل سے بھی مکہ کی حدود میں انتقام نہ لیتے تھے لیکن انہوں نے حضورؐ کو اسی مکہ میں ستایا اور قسم قسم کی اذیتیں دیں حتاکہ حضور کو شہر بدر کر دیا یعنی کسی چیز کو اس شہر میں حل نہ سمجھا گیا لیکن حضور کو حِل سمجھا گیا (۲) مکہ میں آپ کو فتح مکہ کے سال مُحِلّ قرار دیا گیا کہ آپ پر کفار قریش کا قتل حلال قرار دیا گیا چنانچہ ابن اخطل کو استار کعبہ کو پکڑے ہونے کے باوجود قتل کر دیا گیا اور اسی طرح بعض دیگر افراد کو بھی قتل کیا گیا اور آپ نے فرمایا کہ یہ شہر نہ مجھ سے پہلے کبھی حلال ہوا اور نہ میرے بعد کبھی حلال ہوگا اور میرے لئے بھی آج دن کے کچھ حصہ کے علاوہ کبھی حلال نہیں ہوگا

وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ ۔ اللہ نے اس میں والد اور مولود کی قسم کھائی ہے اور اس کی تعیین میں اختلاف ہے (۱) آدمؑ اور اس کی پوری ذریت مراد ہے کیونکہ باقی تمام مخلوق سے یہ ایک نرالی مخلوق ہے جس نے پوری روئے زمین کو آباد کیا (۲) آدمؑ اور اس کی وہ اولاد جو انبیاءؑ و مرسلین تھے مراد لئے گئے ہیں ۔ (۳) حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اور اس کی اولاد مراد ہے کیونکہ انہوں نے ہی کعبہ کو تعمیر کیا تھا (۴) ہر باپ و بیٹے کی قسم کھائی گئی ہے (۵) تفسیر برہان میں روایات اہلبیت میں ہے کہ والد سے مراد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور اولاد سے مراد آئمہ طاہرینؑ ہیں جو ان کی عترت طاہرہ ہیں اختصاص مفید سے منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اور میری اولاد سے اوصیاء آئمہ ہیں اور مُحدّث ہیں پھر آپ نے نام لیا حسن حسینؑ اور علی بن الحسینؑ (جو اس وقت شیر خوارگی کے عالم میں تھے) پھر یکے بعد دیگرے سب کے نام لئے اور فرمایا خداوند کریم نے وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ میں انہی کی قسم کھائی ہے کہ والد سے مراد رسولؐ اللہ ہے اور اولاد سے مراد اوصیاء طاہرینؑ ہیں سائل نے پوچھا کیا دو امام بیک وقت ہو سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایسی صورت میں ایک ناطق ہوگا اور دوسرا صامت ہوگا اور ایک روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اور آئمہ طاہرینؑ اور جناب فاطمہ یہ سب کے سب مُحدّث تھے ۔

لَقَدْ خَلَقْنَا ۔ یہ جواب قسم ہے یعنی ہم نے انسان کو مشکل اور سخت امور کی انجام دہی کے لئے پیدا کیا ہے مثلاً سردیوں میں غسل جنابت اور صبح سویرے بستروں کو چھوڑ کر عبادت کے لئے حاضری وغیرہ سخت امور ہیں جن کو انسان نے انجام دینا ہے اور باقی مخلوقات اس قسم کے فرائض سے سبکدوش ہے اور بعضوں نے کبد کا معنی استقامت لیا ہے یعنی ہم نے انسان کو سیدھی قد و قامت میں پیدا کیا ہے ۔

لَنْ يَقْدِرَ ۔ ابو الاشدین نامی ایک طاقتور عرب تھا جس نے حضورؐ کی مساعی جمیلہ کو مٹانے کے لئے کافی دولت خرچ کی تھی اور طاقتور اس قدر تھا کہ اگر وہ عکاظی چمڑے پر بیٹھ جاتا اور دس آدمی چمڑے کو کھینچتے تو چمڑا پھٹ جاتا تھا لیکن وہ شخص اپنی جگہ سے نہ ہلتا تھا پس اس کو تنبیہ کی گئی کہ اپنی طاقت و دولت کے بھروسہ

نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ﴿۹﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ﴿۱۰﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۱﴾ فَلَا اقْتَحَمَ

نہیں بنائیں اس کی دو آنکھیں | اور زبان اور دو ہونٹ | اور اس کو دو واضح راستوں کی ہدایت کی | پس اس نے

الْعَقَبَةَ ﴿۱۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۳﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۴﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ

نہیں عبور کیا | مشکل راستہ کو اور تجھے کیا خبر کہ مشکل راستہ کیا ہے؟ | گردن آزاد کرنا | یا بھوک کے دن | کھانا

ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۵﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ

کھلانا | قرابت دار یتیم کو | یا مفلس مسکین کو | پھر (ان صفات کے علاوہ)

پر اسے یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ مجھے گرفتارِ عذاب کرنے پر کوئی قادر نہ ہوگا۔

اَهْلَكْتُ مَالًا کہتے ہیں حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف نے کوئی گناہ کیا تھا اور حضورؐ نے اس کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔ پس وہ کہتا پھرتا تھا کہ جب سے مسلمان ہوا ہوں میرا تو سارا مال کفارات وصدقات پر خرچ ہوگیا ہے اور تفسیر برہان میں ہے کہ بروز خندق جب عمرو بن عبدود کو حضرت علی علیہ السلام نے اسلام کی دعوت دی تھی تو اس نے جواب دیا تھا کہ آج تک اسلام کے مٹانے کے لئے میں نے اپنا سارا مال خرچ کر دیا ہے۔ لہذا اب کس منہ سے اسلام کو قبول کرلوں اور حضرت پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن زمین سے کسی آدمی کے قدم نہ ہل سکیں گے جب تک اس سے چار چیزوں کا سوال کیا جائے گا۔ زندگی کو کہاں خرچ کیا۔ مال کو کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ علم پر کیا عمل کیا اور چوتھا محبت آل محمدؐ کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

اَيَحْسَبُ۔ یعنی جو شخص خرچ نہ کرے اور خرچ کرنے کا دعویٰ کرے اس کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو دیکھا کسی نے نہیں ہے

اَلَمْ نَجْعَلْ۔ خداوند کریم نے اپنی نعمات کا تذکرہ شروع کر دیا تاکہ ہدایت کے قبول کرنے میں آسانی ہو کہ ہم نے اس کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں دیں اور بولنے کے لئے زبان دی اور حضورؐ سے مروی ہے کہ حدیث قدسی میں اللہ فرماتا ہے اے اولاد آدم اگر تم کو زبان نافرمانی کی طرف لے جانا چاہے یعنی بے ہودہ الفاظ بولنا چاہے تو دو ہونٹ میں نے اس کی قید بنائے ہیں لہذا اس کو بند کر دو اور اگر تمہاری آنکھیں آوارگی اختیار کرنے لگیں تو دو پلکیں اسکی قید ہیں ان کو بند کر دو اسی طرح اگر شرمگاہ میں آوارگی کی شوق پیدا ہو تو اس کو کنٹرول میں رکھو۔

النَّجْدَيْنِ۔ نجد بلند جگہ کو کہا جاتا ہے اس جگہ نیکی و بدی کے دو راستے مراد ہیں اور چونکہ یہ دونوں راستے واضح اور ظاہر ہیں۔ اور بلندی بھی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے ہوتی ہے اسی مناسبت سے اچھی اچھائی اور برائی کے دونوں راستوں کو نجدین سے تعبیر کیا گیا ہے

فَلَا اقْتَحَمَ۔ اقتحام کا معنی ہے نہایت دشوار گذار راستہ کو محنت و کاوش سے عبور کرنا اور عقبہ سخت مشکل اور بلند پہاڑی چوٹی کو کہا جاتا ہے اس جگہ جہاد نفس کو اقتحام عقبہ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی انسان اطاعت خداوندی میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیوں نہیں کرتا۔ اور لائے نفی کے متعلق بھی تین اقوال ہیں۔ (۱) نفی کے معنی یعنی انسان نے اطاعت خداوندی میں مشکل مراحل طے نہیں کئے (۲) دعائیہ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۸﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

وہ جو ان لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی وصیت کریں ایسے لوگ وہ ہوں گے جن کا اعمال نامہ

الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۲۰﴾ عَلَيْهِمْ

دائیں ہاتھ میں ہوگا اور جو لوگ کافر ہیں ہماری آیات سے ان کا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ ان کے اوپر

نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۱﴾ ع

بھڑکتی ہوئی آگ مسلط ہوگی

فقرہ ہے کہ اس کو مشکل گھاٹیوں کا عبور کرنا نصیب نہ ہوگا ﴿۳﴾ تنبیہ کے لئے ھَلاَّ کے معنی میں ہے کہ انسان نے ان منازل کو طے کیوں نہیں کیا ؟ اور مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تمہارے آگے جہنم میں ایک دشوار گذار عقبہ ہے کہ اس سے گنہگار نہ گذر سکیں گے گویا اطاعت خداوندی سے اس کو سر کرنے کی کوشش کرو۔

مَا الْعَقَبَةُ ۔ یہ سوالیہ ہے کہ وہ دشوار گذار چوٹی کونسی ہے جس کو عبور کرنے کی ہمت کرنی ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غلام آزاد کرو اور چونکہ غلام کا آزاد کرنا ہر شخص کے بس میں نہیں ہے ۔ لہذا سہولت کے پیش نظر اختیار دیا گیا کہ اگر یہ نہیں تو پھر بھوکے لوگوں کو کھانا کھلاؤ ایک دفعہ ایک اعرابی نے خدمت نبوی میں عرض کی کہ حضورؐ ! مجھے کوئی ایسا عمل تعلیم فرمائیے جو جنت میں جانے کا موجب بن سکے تو آپ نے فرمایا تو نے بات تو تھوڑی کی ہے لیکن سوال بہت بڑا کیا ہے (لہذا جواب سنو کہ جنت میں جانے کے لئے اعتق نسمہ کرو اور فک رقبہ کرو۔ سائل نے دریافت کیا کہ عتق نسمہ اور فک رقبہ میں کیا فرق ہے تو آپ نے فرمایا کہ عتق نسمہ ہے غلام کا آزاد کرنا اور فک رقبہ کا معنی ہے غلام کی آزادی میں پیسہ کی مدد کرنا۔ اس کے علاوہ قرابت داروں کے ساتھ اُن کے ظلم کے باوجود صلہ رحمی کرو اور بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔ پیاسوں کو پانی پلاؤ، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور یہ کام نہ کر سکو تو کم از کم زبان کو اپنے کنٹرول میں رکھو۔ کہ بات کرو تو اچھی ورنہ خاموش رہو اور ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا جو شخص کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے خداوند کریم اس کو جنت میں داخل کرے گا اور جابر سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا بھوکے مسلمان کو کھلانا اسباب مغفرت میں سے ہے ایک شخص نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے اپنے بیٹے کی بیماری کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ اس کو کہو اپنے ہاتھ سے روٹی کا صدقہ کرے اور آیات مجیدہ میں قرابت دار یتیم کو فقیر و مسکین پر سبقت دی گئی ہے اور ان تمام نیکیوں کے بعد آخر میں ایمان کی شرط بھی لگائی گئی ہے تفسیر مجمع البیان ہے کہ جہنم پر ایک پل بچھائی جائے گی جو تلوار کی دھار کی طرح تیز ہوگی اس کی ایکہزار سال کی چڑھائی ایکہزار سال کی لمبائی اور ایکہزار سال کی اترائی ہوگی اور اس کے اردگرد کانٹے ہوں گے پس بعض لوگ بجلی کی طرح گذر جائیں گے ۔ بعض تیز ہوا کی طرح عبور کریں گے بعض تیز رو گھوڑے کی طرح دوڑ کر جائیں گے بعض انسانوں کی طرح دوڑیں گے اور بعض چل کر جائیں گے بعض گھٹنوں کے

بل اور بعض گرتے پڑتے مشکل سے گذریں گے اور بعض اوندھے منہ جہنم میں گریں گے ۔
تفسیر اہلبیت میں ہے کہ عقبہ سے مراد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی ولایت ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ تمام لوگ جہنم کی قید و غلامی میں ہیں پس جو ہماری طاعت و ولایت میں داخل ہوگا وہ آتش جہنم سے آزاد ہوگا اور عقبہ ہماری ولایت کا نام ہے اس میں شک نہیں کہ سب اعمال کی مقبولیت کا دار و مدار ایمان پر ہے اور ایمان صحیح نہیں ہو سکتا جب تک آل محمد کی ولایت حاصل نہ ہو لہذا تفسیر باطنی کے اعتبار سے عقبہ سے مراد ولاء آل محمد درست ہے خداوند کریم ہمیں محمد و آل محمد علیہم السلام کی ولایت و محبت پر ثابت قدم رکھے آمین اور روایات آل محمد میں ہے کہ اصحاب مشئمہ سے مراد دشمنان آل محمد ہیں ۔

سُورۃ الشّمس

- یہ سورۃ مکیہ ہے سورہ القدر کے بعد نازل ہوا ہے ۔
- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ملا کر اس کی آیات کی تعداد سولہ ہے ۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے گا اس کو تمام ان چیزوں کے برابر ثواب ملے گا جن پر سورج اور چاند روشنی ڈالتے ہیں
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص سورہ الشمس ، سورہ اللیل ، سورہ الضحیٰ اور سورہ الم نشرح کی دن یا رات میں تلاوت کرے گا تو اس کے سامنے کی تمام چیزیں بروز محشر اس کے حق میں گواہی دیں گی بلکہ زمین کے بسنے والی ہر مخلوق اس کے حق میں گواہی دے گی اور اللہ فرمائے گا تمہاری گواہی مقبول ہے لہذا میرے بندے کو جنت میں لے جاؤ اور یہ میرا فضل و احسان ہے
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص توفیق سے محروم ہو وہ اس سورہ کو زیادہ پڑھے خداوند کریم اس کی توفیق میں اضافہ کرے گا۔ وہ جہاں بھی جائے گا نفع مند ہوگا اس کا حافظہ زیادہ ہوگا اور لوگوں میں اس کی مقبولیت بڑھے گی اور اس کا مرتبہ بلند ہوگا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس کا رزق کم ہو اور توفیق میسر نہ ہو اور خسارہ زیادہ پڑتا ہو تو ایسا شخص اس سورہ کو ہمیشہ پڑھتا رہے خداوند کریم اس کی برکت سے اس کی توفیق میں زیادتی کرے گا اور جو شخص اس سورہ کو لکھ کر دھولے اور اس کا پانی پئے تو دھڑکن سے محفوظ رہے گا۔ (برہان)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىهَا ﴿۲﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ﴿۳﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ﴿۴﴾

سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی قسم جب اس کے پیچھے آتا ہے اور دن کی قسم جب تاریکی کو دُور کرتا ہے

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىهَا ﴿۵﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ﴿۶﴾ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰىهَا ﴿۷﴾

اور رات کی قسم جب اس پر چھا جاتی ہے آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم اور زمین اور اس کو بچھانے والے کی قسم

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ﴿۸﴾ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا ﴿۹﴾ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ

اور نفس اور اس کو بنانے والے کی قسم کہ اسی کو برائی اور تقویٰ کا الہام کیا تحقیق وہ کامیاب ہوا جس نے

رُکوع نمبر ۱۶

وَالشَّمۡسِ ۔ تفسیر باطنی کے اعتبار سے روایات اہل بیت سے منقول ہے کہ سُورج سے مراد حضرت رسالتمآبؐ اور قمر سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں کہ جس طرح چاند سورج کے بعد طلوع کرتا ہے۔ اسی طرح وصی کا درجہ نبی کے بعد ہے اور لیل کی باطنی تفسیر کے لحاظ سے وہ حکام جور مراد ہیں جنہوں نے اسلامی تعلیمات کو ختم کر کے رکھ دیا اور ناجائز طور پر منبر حکومت کے غاصب ہو گئے اور نہار سے مراد یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرینؑ ہیں اور اس کا جلی فرد حضرت قائم آل محمدؐ ہے جو ظلم وجور کی تاریکیوں کو دُور کریگا اور تفسیر ظاہر کے لحاظ سے ان تمام چیزوں کی قسم اس لئے کھائی گئی ہے کہ یہ چیزیں صنعت پروردگار کے عظیم شاہکار ہیں اور ان میں غور و فکر کرنے سے انسان دین اسلام کو سمجھنے پر موفق ہوتا ہے اور ضحیٰ صبح کے وقت کو کہتے ہیں جب سُورج کی روشنی پُوری طرح پھیل جائے

وَمَا بَنٰهَا ۔ اس جگہ ما کو مصدریہ بھی کہا گیا ہے اور ما کو من کے معنی میں موصولہ بھی کہا گیا ہے اور دونو احتمال جائز ہیں پس اگر مصدریہ ہوگا تو آسمان اور اُس کی بنا کی قسم اور اگر بمعنی من موصولہ ہو تو معنی ہوگا آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم یعنی خدا نے اپنی قسم کھائی ہے اور بعد والی آیتوں میں بھی ما کی یہی تفسیر ہوگی۔

تفسیر برہان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ شمس سے مراد حضرت نبی کریمؐ اور قمر سے مراد حضرت علیؑ ہیں اور نہار سے مراد حسنؑ حسینؑ علیہما السلام اور لیل سے مراد بنی اُمیہ ہیں اور ایک روایت میں وَالنَّهَارِ کی تاویل حضرت قائم آل محمدؐ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت رسول کریمؐ نے فرمایا جب میں تبلیغ رسالت کے لئے مامور ہُوا تو بنی اُمیہ کو میں نے اپنی رسالت کا پیغام دیا پس انہوں نے مجھے جھٹلایا اس کے بعد میں نے بنو ہاشم کو دعوت دی تو حضرت علی علیہ السلام نے میری ظاہر و خفیہ ہر دو طریق سے حمایت کی اور حضرت ابوطالب نے

زَكّٰىهَا ۝۱۰ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝۱۱ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۲ اِذِ

اس کو پاک رکھا اور ناکام ہوا جس نے اس کو ناپاک رکھا جھٹلایا قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی بدولت جبکہ کھڑا ہوا

انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۳ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝۱۴ فَكَذَّبُوْهُ

اسکا بد بخت ترین پس ان کو رسول اللہ (صالح پیغمبر) نے کہا کہ اللہ کی ناقہ اور اس کے پینے کے بارے میں (اللہ سے ڈرو) تو انہوں

فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۵ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۶

نے اس کو جھٹلایا پس اس کے پیر کاٹ ڈالے پس ان پر ان کے رب نے ان کے گناہ کا عذاب نازل کیا اور ان کو ختم کر دیا اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا

حمایت ظاہر بظاہر کی لیکن ایمان کو دل میں مخفی رکھا پس جبریل نے اللہ کے حکم سے اپنا جھنڈا بنی ہاشم میں گاڑ دیا۔ اور ابلیس نے اپنا جھنڈا بنی اُمیہ میں نصب کر دیا تو پس وہ اور اُن کی اولاد، ہماری اور ہماری اولاد کی قیامت تک دشمن رہے گی۔

فَاَلْهَمَهَا۔ یعنی خداوندکریم نے انسان کو عقل کی دولت دیکر نیکی اور برائی کے دونو راستوں کے سمجھنے کی توفیق دیدی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ۔ یہ جواب قسم ہے کہ جو بھی نفس کو پاک رکھے وہ کامیاب ہوگا اور جو بھی بداعمالیوں کے ذریعے سے اپنے نفس کو گنہگار بنائے گا، وہ ناکام ہوگا اور خداوندکریم مجبور نہیں کرتا بلکہ ہر انسان نے اپنے اختیاری اعمال کی بدولت نیک یا بد ہونا ہے۔

اَشْقٰهَا۔ قوم ثمود کا بدبخت ترین انسان قدار بن سالف تھا جس نے صالح پیغمبر کی ناقہ کو قتل کیا تھا اور تفسیر برہان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم اسی قدار کی نسل سے تھا اور دونو کا قصہ بھی ایک جیسا ہے کہ قدار رباب نامی عورت کے عشق میں گرفتار ہو کر ناقۂ صالح کا قاتل بنا اور عبدالرحمٰن بن ملجم قطام نامی عورت کے عشق میں حضرت علیؑ کا قاتل ہوا اور مجمع البیان میں ہے حضرت عمار بن یاسر روایت کرتے ہیں کہ ایک غزوہ سے واپسی پر میں اور حضرت علیؑ ایک کھجوروں کے جھنڈ میں سوئے ہوئے تھے۔ کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ہم دونو کو خواب سے بیدار کیا اس وقت ہمارے جسموں پر مٹی پڑی ہوئی تھی پس آپ نے فرمایا کیا میں تم کو زمانے کے بدبخت ترین دو انسانوں کا پتہ دوں تو ہم نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا ایک قوم ثمود کا احمر جو ناقۂ صالح کو قتل کرنے والا تھا اور دوسرا وہ ہے جو تیرے سر پر تلوار کا وار کرے گا پس آپ نے حضرت علیؑ کے سر پہ ہاتھ رکھا اور ڈاڑھی پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس کو یعنی ڈاڑھی کو اس کے خون سے یعنی سر کے خون سے رنگین کرے گا۔

فَدَمْدَمَ۔ دمدمہ کا معنی ہلاک کرنا ہوتا ہے اور خداوندکریم جس کو ہلاک کرے اسے یہ خطرہ نہیں ہے کہ وہ لوگ مجھ سے انتقام لیں گے کیونکہ کوئی طاقت اس پر غالب نہیں ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے یا اس سے انتقام لے سکے۔

سُورۃ واللّیل

- یہ سورہ مکیہ ہے۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر بائیس ۲۲ بنتی ہے۔
- حدیث نبوی میں ہے جو اس سورہ کو پڑھے گا، خداوند کریم اس کو اس قدر عطا کرے گا کہ وہ راضی ہو گا اور خدا اس کو تنگدستی سے محفوظ رکھے گا اور اس کی توفیقات میں اضافہ فرمائے گا اور اس کو اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے گا اور جو شخص سونے سے پہلے اس سورہ کو پندرہ مرتبہ پڑھے تو اپنی نیند میں وہ اچھی باتیں دیکھے گا جن کو وہ پسند کرتا ہوگا اور برائی نہ دیکھے گا اور جو شخص نماز عشاء میں اس کو پڑھے گا تو گویا اس نے ایک چوتھائی قرآن کی تلاوت کی اور اس کی نماز مقبول ہوگی۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو پندرہ مرتبہ پڑھے تو وہ ناپسندیدہ امر نہ دیکھے گا اور نیند میں خدا اس کو امن میں رکھے گا اور اگر بے ہوش اور مرگی والے انسان پر اس سورہ کو پڑھا جائے تو وہ فوراً ہوش میں آجائے گا باذن اللہ (برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اللہ کے نام سے رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝ إِنَّ سَعْيَكُمْ

رات کی قسم جب چھا جاتی ہے — دن کی قسم جب تاریکی کو دور کرتا ہے — اس کی قسم جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا — تحقیق تمہاری کوششیں

رکوع نمبر ۱

وَاللَّيْلِ ۔ رات اور دن کی قسم کو پھر دہرایا تاکہ صاحبان فکر ان کے متبادل انتظام میں غور کر کے توحید کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کریں اور خداوند کریم اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی قسم کھائے درست ہے البتہ مخلوق کے لئے زیبا نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی قسم کھائیں اس لئے کہ وہ قسم قسم نہیں جو اللہ کے بغیر کسی بزرگ کی کھائی جائے اور اس کی باطنی تفسیر وہی ہے جو پہلی سورت میں گذر چکی ہے۔

وَمَا خَلَقَ یہ مَا مَنۡ موصولہ کے معنی میں ہے اور خدا نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے

لَشَتّٰیؕ ﴿۵﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ﴿۶﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ﴿۷﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰیؕ ﴿۸﴾

مختلف ہیں بہرحال جو سخاوت کرے اور خوف خدا کرے اور نیکی کی تصدیق کرے تو ہم اس کو مزید نیکیوں کی توفیق دینگے

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ﴿۹﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ﴿۱۰﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰیؕ ﴿۱۱﴾ وَمَا یُغْنِیْ

اور لیکن جو بخل کرے اور لاپرواہی کرے اور نیکی کو جھٹلائے تو ہم اس کے لئے مشکلات کا راستہ آسان کرینگے اور اس کو

عَنْہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰیؕ ﴿۱۲﴾ اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی ﴿۱۴﴾

مال فائدہ نہ دے گا جب وہ گریگا (دوزخ میں) تحقیق ہمارے اوپر ہے ہدایت کرنا اور تحقیق ہمارے لئے ہے آخرت اور اولیٰ

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی ﴿۱۵﴾ لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَی ﴿۱۶﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰیؕ ﴿۱۷﴾

پس میں نے تم کو بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا ہے جس میں نہ جلے گا مگر بدبخت وہ جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ﴿۱۸﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَكّٰی ﴿۱۹﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ

اور اس سے بچے گا خدا سے ڈرنے والا جس نے اپنا مال (راہ خدا میں) دیا تاکہ پاک وصاف ہو جائے اور کسی کا اس پر احسان نہ تھا جس کا

اِنَّ سَعْیَكُمْ۔ یہ جواب قسم ہے اور معنی یہ ہے کہ اعمال بجالانے والوں کے عمل مختلف ہوا کرتے ہیں بعض لوگ جنّت کے لئے عمل کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ آخرت کو نظر انداز کرکے دنیاوی فلاح وبہبود کو ہی ملحوظ رکھتے ہیں۔

ابن عباس سے منقول ہے کہ انصار میں سے ایک شخص کی کھجور تھی جو ایک ہمسایہ میں رہنے والے غریب ونادار شخص کے گھر پر جھکی ہوئی تھی پس یہ کھجور کا مالک جب پھل اُتارنے کے لئے کھجور پر چڑھتا تھا تو بعض اوقات کھجور کے دانے گر کر اس غریب ونادار شخص کے صحن میں جا پڑتے تھے اور اُس کے غریب چھوٹے بچے اٹھا لیتے تھے تو یہ شخص کھجور سے اتر کر ان بچوں سے کھجور کے دانے چھین لیتا تھا اور بعض اوقات ان کے مُنہ میں انگلی ڈال کر ان کے منہ سے بھی کھجور کا دانا نکال لیا کرتا تھا اور ان بچوں کے رونے کی پرواہ نہ کرتا تھا پس غریب نے بارگاہ نبوی میں شکایت کی تو آپ نے کھجور کے مالک کو بلا کر فرمایا مجھے کھجور کا درخت فروخت کر دو کہ اس کے بدلہ میں تجھے جنت کی کھجور کا درخت دونگا تو اُس نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا جنت میں پُورا باغ دوں گا، تب بھی اس نے نہ مانا اور کہا، کہ میرے پاس کھجوروں کا باغ ہے لیکن اس کا خرما تمام باغ کے خرما سے بہتر ہے پس آپ خاموش ہو گئے ابوالاحداح نامی ایک صحابی نے یہ بات سُنی تو وہ اس کھجور کے مالک کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس کھجور کا سودا میرے ساتھ کرو چنانچہ وہ اس ایک کھجور کے بدلہ میں چالیس کھجوریں لینے پر رضامند ہُوا اور ابوالدحداح نے گواہوں کے سامنے سودا پکا کر لیا اور اس کے بعد خدمت نبوی حاضر ہو کر عرض گذار

نِعْمَةٍ تُجْزٰىٓ ﴿٢٠﴾ إِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلٰى ﴿٢١﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢٢﴾ ع

اس نے بدلہ دیا ہو مگر اس نے اپنے بزرگ و برتر خدا کی خوشنودی کے لئے (دیا تھا) اور عنقریب وہ (اس کی جزا پر) راضی ہوگا

ہوا کہ حضور جنت والی کھجور کا سودا آپ میرے ساتھ کریں کیونکہ وہ کھجور کا درخت اب میری ملکیت میں ہے اور میں وہ آپ کی ملکیت میں دیتا ہوں۔ پس آپ نے قبول فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنت میں صرف ایک کھجور نہیں بلکہ تجھے باغات جنت عطا ہوں گے پس آپ اس غریب آدمی کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا اے بندۂ خدا یہ کھجور اب تیری ہے بے شک خود بھی اس کا پھل کھاؤ اور اپنے بچوں کو بھی کھلاؤ۔ پس قرآن مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اور یہ ہے سخاوت اور ایثار شعاری جس کی بدولت اسلام تمام ادیان عالم سے سبقت لے گیا ہے اگر دنیا کے بھر کے مسلمان پیغمبر کی ان تعلیمات کو اپنالیں تو نہ دنیا میں کوئی انسان بھوکا رہ سکتا ہے اور نہ کوئی گداگر ہو سکتا ہے بلکہ ساری دنیا میں کوئی دوسرا دین رہ ہی نہیں سکتا اگر مسلمان صحیح ہو جائیں۔

اَمَّا مَنْ اَعْطٰی۔ اس کا مصداق تنزیل کے طور پر ابوالدحداح ہے اور تاویل اس کی قیامت تک جاری ہے۔

اَمَّا مَنْ بَخِلَ۔ اس کا ظاہری مصداق وہ ہے جس نے بخل کیا تھا اور تاویل اس کی بھی تاقیامت جاری ہے۔

سُورَۃُ الضُّحٰی

- یہ سورہ مکیہ ہے۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر بارہ بنتی ہے۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس کی تلاوت کرے گا اس کو خدا جنت میں راضی کرے گا اور حضرت محمد مصطفےٰؐ اس کی شفاعت کریں گے اور ہر یتیم و سائل کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج کی جائیں گی۔
- اگر اس سورہ مجیدہ کو کسی گمشدہ کے نام کے ساتھ لکھا جائے گا تو صحیح و سالم واپس آئے گا اور اگر کوئی انسان کوئی چیز بھول جائے تو یاد آنے پر اس سورہ مجیدہ کی تلاوت کرے۔ پس وہ چیز خدا کی حفاظت میں ہو گی اور اس کو صحیح و سالم مل جائیگی اگر گمشدہ ساتھی کے نام پر اس سورہ کو روزانہ پڑھا جائے تو وہ ساتھی لازماً پلٹ کر واپس آئے گا (نبوی)

تنبیہ: فقہی نقطہ نظر سے سورہ الضحیٰ اور سورہ الم نشرح ایک شمار ہوتی ہیں لہذا اگر اس سورہ کو نماز فریضہ میں پڑھنا ہو تو اس کے بعد سورہ الم نشرح کو بھی ضرور پڑھے ورنہ نماز باطل ہو گی اور دونوں سورتوں کو پڑھنے کی صورت میں اَلَمْ نَشْرَحْ کی ابتدائی بسم اللہ کو بھی پڑھنا پڑے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿١﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَالضُّحٰى ﴿٢﴾ وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿٣﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿٤﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ

ضحیٰ کی قسم — رات کی قسم جب ڈھانپ لے — نہیں چھوڑا تجھے تیرے رب نے اور نہ ناراض ہوا ہے — اور البتہ آخرت

خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿٥﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿٦﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ

تیرے لئے اُولیٰ سے بہتر ہے — اور عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہوگا — کیا تجھے اُس نے

يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٨﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٩﴾

یتیم نہیں پایا — پس تجھے پناہ دی اور تجھے (لوگوں کی نظروں میں) ضال پایا — پس ہدایت کی اور تجھے تنگدست پایا تو غنی کردیا

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿١٠﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١١﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ

بہرحال یتیم پر قہر نہ کرنا — اور سائل کو نہ جھڑکنا — اور نعمت پروردگار کو لوگوں

فَحَدِّثْ ﴿١٢﴾ ع

میں بیان کرنا

رُکوع نمبر ۱۸

اِذَا سَجٰى۔ یہ سَجُوٌ سے ہے اور اس کا معنی ہے سکون یعنی رات جب جم جائے اور بعضوں نے کہا ہے کہ مضاف محذوف ہے یعنی رب الضحٰی اور رب اللیل یعنی خدا نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے اور بعد میں جواب قسم ہے۔

مَا وَدَّعَكَ۔ مجمع البیان میں ہے کہ یہودیوں نے ذوالقرنین اصحاب کہف اور رُوح کے متعلق حضورؐ سے سوالات کئے تھے۔ تو آپ نے انشاء اللہ کہے بغیر ان سے وعدہ کرلیا تھا پس چند دن ۱۵ پندرہ یا ۱۲ بارہ یا زیادہ سے زیادہ چالیس ۴۰ دن تک وحی کی آمد بند ہوگئی پس کفار نے کہنا شروع کر دیا کہ اب محمدؐ کا خدا اُس سے ناراض ہوگیا ہے چنانچہ بعد میں جبریل یہ سورہ لایا۔ اس دوران میں ابولہب کی بیوی اُم جمیل بنت حرب جو ابوسفیان کی بہن تھی اس نے بھی ناسزا الفاظ کہے تھے۔

مَا وَدَّعَكَ۔ یہ جواب قسم ہے کہ نہ خدا نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ وہ تجھ پر ناراض ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ ۔ یعنی قیامت کے دن خدا تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو گا اور اس سے مراد شفاعت ہے اور حضرت محمد حنفیہ سے مروی ہے کہ جس آیت کو لوگ اپنی بخشش کا بہت بڑا سہارا سمجھتے ہیں وہ یہ ہے اَلَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ الخ اور ہمارے یعنی اہلبیت کے نزدیک یہ آیت سب سے زیادہ بخشش کا سہارا ہے کہ خدا اپنے حبیب سے وعدہ فرما رہا ہے کہ تمہارا رب تمہیں اس قدر دے گا کہ تم راضی ہو گے اور اس سے مراد شفاعت ہے چنانچہ مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نبی کریمؐ، حضرت بتولؑ معظمہ کے گھر میں داخل ہوئے جبکہ مخدرۂ طاہرہ کی اوڑھنی اونٹ کے کھردرے بالوں کی تھی بچہ گود میں تھا اور آپ آسیہ گردانی کے فرائض انجام دے رہی تھیں پس دیکھتے ہی آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا دنیا کی سخت زندگی آخرت کی شیریں زندگی کے بدلہ میں ہے پس یہ آیت اتری وَلَسَوْفَ الآیہ اور رسولؐ اللہ کی رضا یہ ہے کہ اپنے اہلبیت کو سب سے پہلے جنت میں داخل کرے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے جد کی رضا یہ ہے کہ کوئی موحد آتش دوزخ کا ایندھن نہ بننے پائے (بشرطیکہ نبوت و امامت کے متعلق بھی عقیدہ صحیح رکھتا ہو)

اَلَمْ يَجِدْكَ ۔ خداوند کریمؐ نے حضورؐ پر اپنے احسانات کا تذکرہ فرمایا کہ آپ یتیم تھے اور بظاہر آپ کا کفیل کوئی نہ تھا کیونکہ دو برس کے سن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آٹھ برس کی عمر میں جد نامدار حضرت عبدالمطلب کا سایہ بھی اٹھ گیا تو خداوند کریمؐ نے حضرت ابوطالب کے دل میں ان کی محبت ڈال دی اور وہ اپنی اولاد سے بھی زیادہ آپ سے محبت کرتے تھے اور حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب کی ماں ایک تھی جبکہ دوسرے بھائی دوسری ماؤں کی اولاد تھے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ حضورؐ کو اللہ نے یتیمی کیوں دی؟ تو آپ نے فرمایا تاکہ کسی مخلوق کو اللہ کے حبیب سے برتری نہ رہے اور کسی کو آپؐ پر بالادستی کا حق حاصل نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں تبلیغی سرگرمیوں میں رکاوٹ کا امکان ہوتا ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا ۔ اس کے متعدد معانی کئے گئے ہیں لیکن سب سے مناسب معنی جو آپ کی عصمت و برتری کے شایانِ شان ہے وہ یہ ہے کہ ضال کا معنی مضلول ہے یعنی آپ کے بارے میں لوگ گمراہ تھے یا یہ کہ لوگ آپ کو گمراہ سمجھتے تھے پس خدا نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ لوگوں کے نظریئے بدل گئے اور نظریاتی انقلاب نے لوگوں کو اپنی غلطیوں کا احساس دلایا پس لوگ حضورؐ کی وجہ سے ہدایت کے قریب ہوتے چلے گئے۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا ۔ یعنی دولت کے اعتبار سے آپ تہی دست تھے پس خدیجہؑ کے مال سے اللہ نے ان کو لوگوں سے غنی کر دیا۔

اَمَّا الْيَتِيْمَ ۔ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا جو شخص یتیم کے سر پر رحم کا ہاتھ رکھے تو جس قدر بال اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے خداوند کریم ہر بال کے بدلہ میں اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی کا اضافہ اور ایک گناہ کی کمی کرے گا اور قیامت کے دن اسکو نور عطا کرے گا اور مروی ہے کہ یتیم کی فریاد عرش کو ہلا دیتی ہے اور یہ کہ یتیم پرور جنت کے بالکل قریب ہوا کرتا ہے۔

اَمَّا السَّآئِلَ ۔ سائل کو جھڑکنا ممنوع ہے البتہ جو کچھ دے سکے اس کو دیدے اور مروی ہے کہ اگرچہ سائل گھوڑے پر بھی سوار ہو تب بھی کچھ نہ کچھ اس کو دے دینا چاہیئے اور بعض نے سائل سے مراد طالب علم لیا ہے۔

بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔ حضورؐ پر اللہ کی نعمت نبوت و رسالت تھی پس اس کا لوگوں میں اعلان کرنا آپ کے فرائض میں سے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ﴿۲﴾ وَ وَضَعۡنَا عَنۡکَ وِزۡرَکَ ﴿۳﴾ الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ

کیا ہم نے نہیں کھولا تیرے لئے تیرے سینے کو — اور ہم نے اتار دیا تجھ سے تیرا بوجھ — جس نے تیری پشت

تھا اور یہ تحدیث نعمت پروردگار تھی اور اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی انسان پہ اللہ نعمت نازل فرمائے تو اس کا بیان کرنا شکر نعمت میں داخل ہے۔

سورہ الم نشرح

- یہ سورہ مکیہ ہے۔
- اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر نو ہے
- حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے اس کو اللہ یقین اور عافیت عطا فرمائے گا۔
- اور جو شخص اس سورہ کو سینے کے درد پر پڑھے یا لکھ کر پاس رکھے تو سینے کے درد سے شفا پائے گا
- حضرت رسول کریمؐ نے فرمایا اگر کسی شخص کا پیشاب بند ہو تو کسی برتن پہ اس سورہ کو لکھ کر اس کا پانی پئے تو پیشاب کی بندش ختم ہو جائے گی اور اللہ اس کا اخراج آسان کر دے گا۔
- اگر دل اور سینے کی تکلیف پہ اس کو پڑھا جائے تو شفا ہو گی اور جس کو سردی زیادہ لگی ہو اس سورہ کو دھو کر پلانے سے اس کی سردی دُور ہو گی (باذن اللہ) (برہان)

رکوع نمبر ۱۹

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ: علمائے امامیہ کے نزدیک یہ سورہ اور اس سے پہلی سورہ ایک سورہ کے حکم میں ہیں وہاں خداوند کریم نے اپنے حبیب پر اپنے احسانات کا تذکرہ کیا تھا کہ اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا الخ اور اس جگہ فرماتا ہے اَلَمۡ نَشۡرَحۡ الخ کیا ہم نے تیرے سینے کو نہیں کشادہ کیا کہ علوم نبوت اور علوم قرآنیہ کا اس کو مخزن بنایا۔ جن لوگوں نے یہ روایت کی ہے کہ حضورؐ کے پاس جبرئیل آیا اور ان کے سینے کا اپریشن کر کے سیاہ نقطہ نکالا اور اس کی جگہ نور نبوت بھر کر پھر زخم کو سی دیا گیا یہ شیعہ عقیدہ کی رُو سے بالکل باطل ہے کیونکہ اپریشن کے ذریعے سے نہ جہالت کو نکالا جا سکتا ہے اور نہ نبوت کو بھرا جا سکتا ہے پس عقلاً یہ روایت مضحکہ خیز ہونے کے علاوہ اس میں شانِ نبوت کی تنقیص بھی ہے۔

ظَهْرَكَ ۝۳	وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴	فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۵	إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ
بھاری کر دی تھی	اور ہم نے تیرا ذکر بلند کیا	پس تحقیق مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے	بے شک مشکل کے ساتھ
يُسْرًا ۝۶	فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷	وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸ ع	
آسانی ہوتی ہے	پس جب فارغ ہو تو مشقت اٹھا	اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت کر	

روایاتِ اہلبیت سے ثابت ہے کہ جس طرح یتیم ہونے کی کمی حضرت ابوطالب کی کفالت سے پوری ہوئی اور تنگدستی کی کمی حضرت خدیجہ کی دولت سے پوری ہوئی اسی طرح سینہ کی کشادگی حضرت علی کی ولایت و محبّت سے ہوئی اور دشمنوں کی مخالفانہ سرگرمیوں کی وجہ سے پُشت کے بوجھ کی تکلیف حضرت علی علیہ السلام کی تائید و نصرت سے دُور ہوئی۔

رَفَعْنَا لَكَ۔ حضور کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جہاں جہاں توحید کا نعرہ بلند ہوتا ہے وہاں حضور کا نام نامی بھی ساتھ ہوتا ہے چنانچہ مسلمانوں کے قریۂ قریۂ میں تاقیامت اذان میں اور تشہد نماز میں شہادت توحید کے ساتھ ساتھ حضور کی نبوت کی شہادت بھی دی جاتی ہے۔

فَانْصَبْ۔ یعنی نماز سے فارغ ہو کر دعا و دیگر تعقیبات کی مشقّت اٹھایا کرو اور روایات اہلبیت میں تواتر سے منقول ہے کہ یہ حکم حضور کو حجۃ الوداع کے موقعہ پر ملا کہ جب حج کے اعمال سے فراغت حاصل کرو تو اعلانیہ اپنے بھائی علیؑ کو لوگوں کے لئے اپنا خلیفہ نامزد کرلو چنانچہ آپ نے خم غدیر کے بھرے مجمع میں فرمایا۔ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔

سُورَةُ وَالتِّيْن

- یہ سورہ مکیہ ہے جو سورہ بُروج کے بعد نازل ہُوا
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر نو بنتی ہے۔
- حضور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص یہ سورہ فرائض یا نوافل میں پڑھتا رہیگا اس کو جنّت میں اپنی مرضی کے مطابق مکان ملے گا۔
- حدیثِ نبوی میں ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے گا اس کو اجر بے حساب دیا جائے گا گویا کہ اس نے حضورِ سرورِ کائنات کی غمزدہ حالت میں زیارت کی اور خدا نے اس کی مشکل کو حل فرما دیا اور اگر اس سورہ کو حاضر کھانے پر پڑھ لیا جائے تو اس کے مضرات سے خدا اس کو محفوظ رکھے گا اگر اس میں زہر ہوگی تب بھی شفا سے بدل جائے گی۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر اس سورہ کو لکھ لیا جائے روٹی کے کسی ٹکڑے پر اور اس کو پڑھ بھی لیا جائے تو اس کے مُضر اثرات ختم ہو جائیں گے اور بقدرت خدا وہ باعثِ شفا ثابت ہوگی۔

(برہان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَالتِّیۡنِ وَالزَّیۡتُوۡنِ ﴿۲﴾ وَطُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ ﴿۳﴾ وَھٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِیۡنِ ﴿۴﴾

انجیر و زیتون کی قسم — طور سینین کی قسم — اور اس بلد امین (مکہ) کی قسم

لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ﴿۵﴾ ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ﴿۶﴾

تحقیق ہم نے انسان کو بہترین قد و قامت میں پیدا کیا — پھر اس کو سافلین سے بھی اسفل حالت کی طرف پلٹا دیا

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿۷﴾ فَمَا یُکَذِّبُکَ

مگر ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے تو ان کے لئے اجر غیر منقطع ہوگا — پس تجھے اے انسان

بَعۡدُ بِالدِّیۡنِ ﴿۸﴾ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۹﴾ ع ۲۰

کیا چیز پھیرتی ہے دین سے کیا اللہ احکم الحاکمین نہیں ہے؟

رکوع نمبر ۲۰

وَالتِّیۡنِ - یعنی انجیر اور زیتون ایک مشہور پھل ہے شام وار دن میں ان کے درخت زیادہ ہوتے ہیں - تین کے متعلق حضرت پیغمبر سے منقول ہے اگر میں کہتا کہ جنت سے کوئی میوہ اترا ہے تو اس تین یعنی انجیر کے متعلق کہتا یہ میوہ گٹھلی کے بغیر ہے اس کو زیادہ کھایا کرو کہ یہ بواسیر کا نافع ہے اس کی تفسیر میں چند اقوال ہیں (۱) تین دمشق کا پہاڑ اور زیتون بیت المقدس کا پہاڑ ہے چونکہ ان پہاڑوں پر یہ درخت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں لہذا ان کا نام بھی یہی رکھا گیا (۲) دمشق کی جامع مسجد کا نام بھی یہی رکھا گیا۔ (۲) دمشق کی جامع مسجد کا نام اور بیت المقدس کا نام زیتون ہے۔ (۳) تین مسجد الحرام اور زیتون مسجد اقصیٰ ہے (۴) تین کی تاویل حسن اور زیتون کی تاویل حسین ہے

طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ - اس کا معنی مبارک ہے اور سینین اور سیناء مترادف ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہر وہ پہاڑ جو پھلدار درختوں سے لدا ہوا ہو اس کو سینین کہا جاتا ہے اور اس کی تاویل حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ہیں اور البلد الامین کی تاویل سرور کائنات ہیں۔

اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ - پست حالتوں میں انسان سافل ہوا کرتا ہے مثلاً بوڑھا، بے عقل، بیمار، کمزور، زمین گیر، بچہ وغیرہ اور یہ سب سافلین شمار ہوتے ہیں اور اس کے بعد سخت بڑھاپے کی حالت کو اسفل سافلین کہا گیا ہے اور بعضوں نے اس سے کفار مراد لئے ہیں جو جہنم میں ڈالے جائیں گے اور اسفل سافلین کی طرف پلٹایا جانا یہی ہے اور اس کے تاویلی مصداق دشمن آل محمد ہیں

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا - یعنی جو مومن ہوگا وہ انتہائی بڑھاپے کے بعد بھی اسفل سافلین کی طرف نہیں پلٹایا جائے گا چنانچہ حضرت

رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ بچہ جب تک جوانی کو نہیں پہنچتا اس وقت تک اس کے نیک اعمال اس کے والدین کے نامۂ اعمال میں درج کئے جاتے ہیں اور اس کی بداعمالیوں کو نہیں لکھا جاتا پس جب وہ جوانی کی فضا میں قدم رکھتا ہے تو دو لکھنے والے فرشتے غلط کاریوں سے اس کی محافظت کرنے پر مامور ہوتے ہیں اور وہ اس کو سیدھے راستہ پر چلاتے ہیں۔ یہانتک کہ جب اسلامی زندگی میں اس کو چالیس برس گذرتے ہیں تو خداوندکریم اس کو جنون جذام اور برص کی تینوں موذی مرضوں سے امان دیتا ہے پس جب پچاس برس کا ہوتا ہے تو خدا اس کا حساب خفیف کر دیتا ہے اور جب ساٹھ سال کا ہوتا ہے تو خدا اس کو انابت کی توفیق مرحمت فرماتا ہے جب ستر برس کو پہنچتا ہے تو ملائکہ سما اس کی محبت پر مامور ہوتے ہیں پس جب اسی سال کو پہنچتا ہے تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے خاندان میں اس کی شفاعت مقبول ہوتی ہے اور آسمان میں اس کا نام اسیر اللہ (اللہ کا قیدی) ہوتا ہے اور جب اس عمر سے بھی تجاوز کر جائے تو جسقدر اعمال اس کے نامہ اعمال میں جوانی کے دوران میں لکھے جاتے تھے اسی طرح اس کے اعمال درج ہوتے رہیں گے اور اس کے گناہ نہ لکھے جائیں گے۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بِالدِّيْنِ - یعنی اے انسان ان چیزوں میں غور وفکر کرنے کے بعد تجھے کیا چیز دین حق سے روکتی ہے اور روایات اہلبیت میں بکثرت وارد ہے کہ اس جگہ دین کی تاویل ولایت امیرالمومنین علیہ السلام ہے۔

سُورۂ العلق

- یہ سورہ مکیہ ہے جو سب سے پہلے نازل ہوا۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر بیس بنتی ہے۔
- حدیث نبوی میں ہے جس نے اس سورہ کی تلاوت کی گویا اس نے تمام سُورِ مفصلات کی تلاوت کی۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس کو دن یا رات میں پڑھے پھر اسی دن یا رات میں مر جائے تو وہ شہید مرتا ہے اور اس کا ثواب رسول اللہؐ کے ہمراہ جہاد کرنیوالوں کے برابر ہوتا ہے (مجمع البیان)
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص بحری سفر میں اس کو پڑھے غرق سے محفوظ رہے گا اور اگر اس کو خزانہ کے دروازہ پر پڑھا جائے تو وہ خزانہ ہر آفت اور چوری سے محفوظ رہے گا۔ یہانتک کہ مالک اُس سے ہر چیز خود نکالے (مطلق سفر میں اس کا پڑھنا حرزِ جان اور باعثِ امان ہے (الصادق)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ‌ۚ ﴿۲﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ‌ۚ ﴿۳﴾

پڑھ اپنے رب کا نام لے کر جس نے پیدا کیا — اس نے انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا

اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُۙ ﴿۴﴾ الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِۙ ﴿۵﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ

پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے — جس نے قلم سے لکھنا سکھایا — انسان کو وہ کچھ سکھایا کہ

مَا لَمۡ يَعۡلَمۡؕ ﴿۶﴾ كَلَّاۤ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَيَطۡغٰٓىۙ ﴿۷﴾ اَنۡ رَّاٰهُ اسۡتَغۡنٰىؕ ﴿۸﴾

وہ جانتا نہ تھا — آگاہ ہو تحقیق انسان سرکشی کرتا ہے — کیونکہ وہ اپنے آپ کو مستغنی جانتا ہے

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجۡعٰىؕ ﴿۹﴾ اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يَنۡهٰىۙ ﴿۱۰﴾ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰىؕ ﴿۱۱﴾

حالانکہ تیرے رب کی طرف بازگشت ہے — کیا دیکھتے ہو اسے جو روکتا ہے — بندے کو جب وہ نماز پڑھے

رکوع نمبر۲۱

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ — مفسرین کے درمیان مشہور قول یہ ہے کہ یہ سورہ مبارکہ سب سے پہلے نازل ہونے والا سورہ ہے البتہ بعض نے کہا ہے کہ سب سے پہلے سورہ مدثر نازل ہوا اور بعض سورہ فاتحہ کے متعلق رائے رکھتے ہیں لیکن یہ روایت کہ جب پہلی دفعہ جبریل نازل ہوا تو حضورؐ ڈر گئے اور لحاف میں چھپ گئے یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے اور عقیدہ شیعہ کی رُو سے اس کا باطل ہونا ظاہر ہے بلکہ پہلی دفعہ غارِ حرا میں جبرئیل آپ پر نازل ہُوا جبکہ وہ نظر نہیں آرہا تھا تو آپ عبادت سے فارغ ہو کر جب گھر تشریف لائے تو خدیجہ طاہرہ سے ذکر فرمایا اور خدیجہ نے جواب دیا کہ آپ ادائے امانت صلہ رحمی اور صدق بیانی میں اپنی نظیر آپ ہیں لہذا یہ اللہ کے فضل وکرم کے آثار ہیں جن کا ظہور ہو رہا ہے چنانچہ خدیجہ کے چچازاد ورقہ بن نوفل کے سامنے جب تذکرہ ہوا تو اُس نے بھی اپنی رائے یہی ظاہر کی اس کے بعد جب دوسری دفعہ جبرئیل آیا تو اس نے بسم اللہ سے لے کر وَلَا الضَّآلِّيۡنَ تک پورا سورہ فاتحہ پڑھ ڈالا اور حضورؐ سے کہا اِقۡرَاۡ یعنی آپ پڑھیں جب آپ وحی لے کر پلٹے اور ورقہ بن نوفل نے قرآن کی آیتیں سُنیں تو فوراً ایمان لایا اور کہنے لگا کہ آپ یقیناً حضرت عیسیٰ بن مریم کی پیشین گوئی کا نتیجہ ہیں اور شریعتِ موسوی کی طرح مالکِ شریعت ہیں اگر میری زندگی باقی تو میں ہر طرح سے آپ کی نُصرت کا فریضہ ادا کروں گا چنانچہ اس کی موت کے بعد آپ نے اس کو جنت کے باغات میں دیکھا۔

أَرَءَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰٓ ⑪ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰٓ ⑫ أَرَءَيْتَ إِن كَذَّبَ

کیا دیکھتے ہو اگر وہ بندہ صحیح راستہ پہ ہو یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو (تو پھر روکنے والے کا انجام کیا ہوگا) کیا دیکھتے ہو اگر یہ (روکنے والا)

وَتَوَلَّىٰٓ ⑬ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ⑭ كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًۢا

جھٹلا اور راہ حق سے پھرا ہوا ہو کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھتا ہے آگاہ ہو اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی سے پکڑ کر

بِالنَّاصِيَةِ ⑮ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ⑯ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُۥ ⑰ سَنَدْعُ

(جہنم کی طرف) کھینچیں گے جھوٹی خطاکار پیشانی سے پکڑ کر پھر پکارے اپنی مجلس کو عنقریب ہم بلائیں گے

الزَّبَانِيَةَ ۝ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب ۝ السجدة ع

زبانیہ (جہنم کے خازن فرشتوں کو) آگاہ ہو اس کی اطاعت نہ کرو اور سجدہ کرو اور اس کا قرب حاصل کرو

دوسری روایت میں ہے کہ خدیجہ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد جب آپ کی عمر شریف چالیس برس پوری ہوئی تو غار حرا میں عبادت کے دوران آپ نے غائبانہ آواز سنی اور خدیجہ سے اس کا تذکرہ کیا جب دوسرے دن گئے تو جبرئیل ایک حسین ترین شکل میں پیش ہوا اور اس نے سلام کا پیغام خداوندی سنایا کہ آپ جن وانس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے لہذا ان کو دین حق کی تبلیغ فرمائیں اور عقیدہ توحید نبوت و ولایت کی ان کو دعوت دیں اس کے بعد جبرئیل نے زمین پر اپنا پر مارا کہ پانی کا شیریں چشمہ نمودار ہوا، آپ نے اس سے کچھ پیا اور وضو فرمایا اور جبرئیل نے سورہ علق کی آیات آپ پر پڑھیں اور واپس چلا گیا واپسی پر آپ جس درخت، پتھر، کنکرے کے پاس سے گذرتے تھے، السلام علیک یارسول اللہ سے وہ آپ کا استقبال کرتے تھے پس خدیجہ سے آپ نے واقعہ بیان کیا تو وہ بھی خوش ہوئیں

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ - خداوند کریم نے قلم سے لکھنے کا علم دیکر انسان پر احسان عظیم فرمایا اور یہی قلم ہی وہ عطیہ پروردگار ہے جو علوم کی بقا کا ذریعہ ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے پاس علم کتابت تھا ورنہ حضور پر اس احسان جتلانے کا معنی ہی اور کوئی نہیں ہے

إِنَّ الْإِنسَانَ - یعنی کافر انسان نعمات پروردگار کو سمجھنے کے بعد بھی اور اپنی نطفہ سے پیدائش کو جان لینے کے بعد بھی اپنے آپ کو مستغنی جانتا ہے اور سرکشی کرتے ہوئے دین خداوندی سے باغی ہوجاتا ہے۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي - کہتے ہیں کہ ابوجہل نے جب حضورؐ کو نماز پڑھتے دیکھا تو اس نے ازراہ تکبر لوگوں سے کہا کہ جب یہ سجدہ میں جائے گا تو میں اس کی گردن پہ پاؤں رکھ دوں گا چنانچہ جب آپ نماز میں مشغول ہوئے اور سجدہ میں گئے تو اس نے آگے بڑھنے کی جرأت کی لیکن کانپتا ہانپتا فوراً واپس آیا اور لوگوں کے سوال کے جواب میں کہنے لگا کہ میں نے دیکھا میرے اور محمدؐ کے درمیان ایک آگ کی خندق موجود تھی اور پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز تھی۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا اگر وہ بدبخت آگے بڑھتا تو ملائکہ اس کے گوشت

ریزہ ریزہ کر دیتے اور اس کے بعد عبارت میں اختصار ہے اور جواب اس کا محذوف ہے یعنی ایسے شخص کی سزا اللہ کے نزدیک سنگین ہو گی۔

بِالنَّاصِيَةِ ۔ یعنی وہ نماز سے حضورؐ کو روکنے والا اگر اپنے رویہ سے باز نہ آیا اور اسی حالت میں مرگیا تو ہم بروز محشر اس کو پیشانی سے پکڑ کر جہنم میں ڈال دیں گے اور نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ بدل ہے النَّاصِيَة سے اور ہر وہ شخص جو کسی کو نماز پروردگار سے روکے وہ اس آیت کا تاویلی مصداق ہو گا اور خداوند کریم ہر متکبر کو سزا دیتا ہے۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَه ۔ جب ابوجہل نے سُنا کہ میرے متعلق تہدید کی آیت اُتری ہے تو اس نے کہا کہ میں ایک مجلس اور انجمن کا سربراہ ہوں مجھے کون پکڑ سکتا ہے؟ تو یہ آیت اتری کہ جب گرفتار عذاب ہو گا تو بے شک وہ اپنی انجمن کو بلائے لیکن اس کی کوئی بھی مدد نہ کر سکے گا۔

عبرت و نصیحت

تفسیر برہان میں ہے کہ خداوند کریم نے جس قدر مخلوق پیدا کی، ہر زبردست کے اُوپر زبردست پیدا کئے تاکہ تکبّر کا علاج ہوتا رہے۔ چنانچہ بروایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے پہلے سمندروں کو پیدا کیا تو اس نے اپنے تلاطم میں آکر فخر کیا کہ مجھ پر کون غالب ہو سکتا ہے پس اللہ نے اس کے اُوپر زمین کا فرش بچھا دیا اور اس کا تلاطم دب کر رہ گیا۔ پھر زمین نے فخر کیا تو اس کے ہیجان کو سر بفلک پہاڑوں کی میخوں سے ختم کر دیا گیا۔ پھر پہاڑوں نے فخر سے سر بلند کیا تو خدا نے اس کی سرکوبی کے لئے لوہے کو پیدا فرمایا اور جب لوہے نے اپنی سختی اور مضبوطی پر فخر کیا تو اس کو توڑنے کے لئے اللہ نے آگ کو پیدا فرمایا اور جب آگ نے اپنی حرارت پر ناز کیا تو خدا نے پانی کو اس کی حرارت پر غالب آنے کے لئے پیدا کیا اور جب پانی نے فخر کیا تو خدا نے اس پر ہوا کی حکومت دیدی جو پانی کو اڑا کرلے جائے اور جب ہوا نے فخر کیا تو اس پر حکومت کرنے کے لئے خدا نے انسان کو پیدا کیا کہ انسان کی بنی ہوئی اشیاء کے سامنے ہوا بے بس ہو گئی اور جب انسان نے فخر کیا تو اس کے تکبّر کا سر نیچا کرنے کے لئے خدا نے موت کو پیدا کیا اور جب موت نے فخر کیا تو خداوند کریم نے اعلان فرمایا کہ بروز محشر جنت اور دوزخ کے درمیان تجھے ذبح کر دیا جائے گا جس کے بعد تجھے کبھی زندہ نہ کیا جائے گا۔ پس موت بھی خوف خدا سے ترساں و لرزاں رہتی ہے۔ آپ نے فرمایا حلم غصّے پر غالب ہے اور رحمت ناراضگی پر غالب ہے اور صدقہ گناہ پر غالب ہے۔

سُوْرَةُ الْقَدْر

- یہ سورہ مکیّہ ہے۔ سورہ عبس کے بعد نازل ہُوا۔
- اس کی آیات بسم اللہ کو ملا کر چھ بنتی ہیں۔
- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو سورہ قدر کو باآواز بلند پڑھے گویا اُس نے تلوار برہنہ کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور جس نے دل میں اس سورہ کو پڑھا تو وہ اس طرح ہے جیسے اللہ کی راہ میں ذبح ہو کر اپنے خون میں تڑپ رہا ہو اور جو شخص

اس کو دس مرتبہ پڑھے اس کے ایک ہزار گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نئے گھڑے میں پانی ڈال کر شب قدر میں اس پانی پر سورہ قدر تینتیس دفعہ پڑھی جائے اور اس گھڑے کو لٹکا دیا جائے پس اس سے پانی پیا جائے اور وضو بھی کیا جائے اور کم شدہ پانی کا اس میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ تو باعث برکت ہے۔
- آپ نے فرمایا جو شخص اس سورہ کو نماز فریضہ میں پڑھے اسے آواز پہنچتی ہے کہ تیرے سابق گناہ معاف ہوگئے ہیں۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھے تو اس کو ایک دفعہ پڑھنے کا ثواب ماہ رمضان کے روزوں کے برابر ہے۔
- اگر اس کو کسی خزانہ کے دروازہ پر پڑھا جائے تو وہ خزانہ ہر آفت و برائی سے محفوظ رہے گا۔ یہانتک کہ مالک خود نکال لے۔
- اس کی تلاوت کرنے والا خیر البریہ کا ساتھی ہوگا اور اگر اس سورہ کو نئے برتن پر لکھا جائے اور صاحب لقوہ اس میں نظر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرمائے گا۔
- امام محمد تقی علیہ السلام سے اس سورہ کا بکثرت تلاوت کرنا، ادائے قرض اور وسعت رزق کے لئے مؤثر ہونا منقول ہے۔ (فوائد القرآن)
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سوتے وقت سورۃ القدر کا گیارہ مرتبہ پڑھنا حفاظت کا موجب ہے۔
- بادشاہ و حاکم وقت کے سامنے سورۃ القدر کو پڑھکر جانا اس کی مغلوبیت کا باعث ہے۔
- اگر دشمن کے سامنے جاتے ہوئے اس سورہ کو پڑھا جائے تو پڑھنے والا ظفریاب ہوگا۔ اور منقول ہے کہ وسعت رزق کے لئے اس کا زیادہ پڑھنا مجربات میں سے ہے
- فقہ الرضا سے منقول ہے کہ ادائیگی قرض کے لئے استغفار کا زیادہ پڑھنا اور سورہ قدر کی تلاوت زیادہ کرنا بہت فائدہ مند ہے۔
- فوائد القرآن میں منقول ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام شب و روز کی تمام نمازوں میں پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃ القدر اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے۔
- ایک روایت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا اس شخص پر رحم فرمائے جو سورہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ کی تلاوت کرے اور آپ نے فرمایا ہر چیز کے لئے ثمرہ ہوتا ہے اور قرآن کا ثمرہ سورہ انا انزلناہ ہے۔ ہر چیز کے لئے خزانہ ہوتا ہے اور فقرا کا یا بروایتے قرآن کا خزانہ انا انزلناہ ہے۔ ہر چیز کے لئے مدد ہوتی ہے اور کمزوروں کی مدد انا انزلناہ ہے۔ ہر چیز کے لئے کشادگی ہوتی ہے اور تنگدستوں کی کشادگی سورہ انا انزلناہ ہے۔ ہر چیز کے لئے عصمت ہوتی ہے اور مومنوں کی عصمت انا انزلنا ہے۔ ہر چیز کے لئے ہدایت ہوتی ہے اور نماز گذاروں کی ہدایت انا انزلناہ ہے۔ ہر چیز کا سردار ہوتا ہے اور قرآن یا بروایتے علم کی سردار انا انزلنا ہے ہر چیز کی زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت انا انزلناہ ہے۔ ہر چیز کا خیمہ ہوتا ہے اور عبادت گذاروں کا خیمہ انا انزلناہے اور ہر چیز کے لئے حجت اور دلیل ہوا کرتی ہے اور حضرت رسالتمآب کے بعد حجت انا انزلناہ ہے الخ
- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ سورہ اہل فقر و فاقہ کے لئے خزانہ ہے اور مروی ہے کہ جو شخص اس کو

کسی خزانہ پر پڑھے تو وہ محفوظ رہے گا جو شخص اس کو دھو کر پی لے تو اس کی بصارت میں نور اور دل میں یقین پیدا ہوگا اور اللہ اس کو حکمت نصیب کرے گا اگر اس کو غمزدہ یا مسافر یا مریض یا قیدی پڑھے تو اس کی مشکل آسان ہوگی۔ اگر اس کو زراعت پر پڑھا جائے تو اس میں برکت ہوگی۔ اگر اس کو مٹی کے برتن پر لکھ کر بارش کے پانی سے دھو دیا جائے تو اس پانی میں شکر ملا کر پینا درد دل سے شفایابی کا موجب ہے اگر زوال آفتاب کے وقت اس کو ایک سو مرتبہ پڑھا جائے تو جناب رسالتمآبؐ کی خواب میں زیارت نصیب ہوگی۔

- بروایت مکارم الاخلاق امام علی زین العابدینؑ علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سواری پر سوار ہوتے وقت سورہ انا انزلنا کی تلاوت کر لیا کرے تو صحیح و سالم اس سے اُترے گا اور اس کے گناہ بھی بخشے جائیں گے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کر سکتی تو میں کہتا انا انزلنا کے پڑھنے والا تقدیر پر سبقت کر سکتا ہے پس جو شخص ارادہ سفر کرے اور گھر سے نکلتے وقت سورہ انا انزلنا کی تلاوت کرے تو صحیح و سالم گھر واپس پلٹے گا۔
- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اگر کسی شخص کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہوتی ہو تو جب اپنی عورت سے ہمبستری کا ارادہ کرے اپنا دایاں ہاتھ عورت کی ناف کی دائیں طرف رکھے اور سات مرتبہ انا انزلنا پڑھ کر مجامعت کرے تو اس کی مراد پوری ہوگی پس جب حمل ظاہر ہو تو پھر عورت کی ناف کے دائیں جانب ہاتھ رکھ کر سات مرتبہ انا انزلنا پڑھے راوی کہتا ہے کہ میں نے یہی عمل کیا اور خداوند کریم نے مجھے سات فرزند عطا فرمائے اور دوسروں نے بھی یہی عمل کیا تو خدا نے ان کو بھی اولاد نرینہ عطا فرمائی (مکارم الاخلاق)
- اگر بچہ کی ولادت میں تکلیف پیدا ہو جائے تو پانی پر انا انزلنا پڑھ کر عورت کو پلایا جائے فوراً بچہ پیدا ہو جائے گا۔
- امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن کی قبر پر سات مرتبہ انا انزلنا پڑھنا چاہیے اس سے صاحب قبر اور پڑھنے والے دونوں کے گناہ بخشے جائیں گے
- مصباح کفعمی سے نماز وحشت کا طریقہ حضرت نبی کریمؐ سے اس طرح منقول ہے کہ کسی مومن کے دفن کی پہلی رات اس کے لئے دو رکعت نماز پڑھی جائے کہ پہلی رکعت میں نماز فاتحہ کے بعد ایک مرتبہ آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورہ انا انزلنا اور سلام کے بعد ان رکعتوں کا ثواب میت کو بخش دے تو خداوند کریم اسی وقت ایک ہزار فرشتے بھیجے گا کہ ہر فرشتہ کے ہاتھ میں حلۂ بہشتی ہوگا اور اس کی قبر کو وسعت دی جائے گی اور اس کے پڑھنے والے کو بھی اجر عظیم عطا ہوگا آپ نے فرمایا میت پر پہلی قبر کی رات نہایت اندوہناک ہوتی ہے لہٰذا اپنے مُردوں پر اس رات صدقہ دیکر رحم کرو اور اگر صدقہ نہ دے سکو تو مذکورہ طریقہ سے نماز ہدیہ پڑھا کرو۔
- اور منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہر روز اپنے والدین کے لئے (نماز ہدیہ والدین) اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ انا انزلنا اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ کوثر پڑھتے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۝۲ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۝۳

ہم نے اس کو اُتارا شب قدر میں اور تجھے کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟

لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ۝۴ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡہَا

شب قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور رُوح اُترتے ہیں اپنے

بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ۝۵ سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۝۶

پروردگار کے اذن سے ۔ سلامتی ہے یہ طلوع فجر تک

۝ منقول ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام جب نیا کپڑا پہنتے تھے تو پانی پر دس مرتبہ سورہ اِنَّا اَنزَلنا دس مرتبہ قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد اور دس مرتبہ قُل یٰاَیُّہَا الکافِرُون ۔ کو پڑھ کر دہ پانی اس کپڑے پر چھڑک دیتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص یہ عمل کرے تو جب تک کپڑے کی ایک تار بھی اس کے بدن پر رہے گی وہ امان میں رہے گا۔

رکوع نمبر ۲۲

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۔ اس جگہ چند چیزیں غور طلب ہیں سب سے پہلے نزول قرآن کے متعلق علمائے تفسیر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس جگہ شب قدر میں قرآن کے اتارنے کا کیا مطلب ہے تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ قرآن مجید پورے کا پورا لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا تک شب قدر میں اُتارا گیا اور اس کے بعد جبریل بحکم جلیل ۲۳ برس کے عرصہ میں حسب مصلحت آیات قرآنیہ کو خدمت نبویہ میں پہنچاتا رہا۔ اور اس میں دوسرا قول یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء شب قدر میں ہوئی اور تیسرا قول یہ ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے موکلین تک شب قدر میں قرآن مجید کا وہ حصہ اترتا تھا جو اس شب قدر سے لے کر آئندہ سال کی شب قدر تک جبریل نے وقتاً فوقتاً حضرت نبی اکرمؐ تک پہنچانا ہوتا تھا۔ بہرکیف قرآن مجید کا لوح محفوظ سے نزول شب قدر میں ہوا اور اس کی تائید قرآن مجید کی دوسری آیت بھی کرتی ہے۔ شَہۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ یعنی ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا اور یوم مبعث کا رجب میں ہونا اس سے منافات نہیں رکھتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کو اظہار رسالت کا حکم ماہ رجب میں دیا گیا ہو اور قرآن کی ابتداء ماہ رمضان سے ہوئی ہو اور منقول ہے کہ ابتدا چھ ماہ تک آپ پر وحی رؤیائے صادقہ (خواب) کے ذریعہ سے ہوتی رہی جو پورے زمانہ رسالت ۲۳ سال کا ۱/۴۶ حصہ بنتا ہے اور تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ تورات ۶ رمضان کو انجیل

۱۲ رمضان کی رات زبور ۱۸ رمضان کی رات کو اور قرآن شب قدر میں نازل ہوا۔

قدر کا معنی

قَدَر اور قَدْر دو لفظیں ہیں جن کے معانی الگ الگ ہیں قَدَر کا معنی ہے اندازہ اور اسی سے تقدیر بنتا ہے اور قضا و قدر کا مفہوم اسی سے ہے[1] اور قَدْر کا معنی عزت و منزلت[2]۔ بعض مفسرین نے اس جگہ قَدْر کو قَدَر سے اخذ کیا ہے اور کہا ہے کہ لَیْلَۃُ الْقَدْر کو اس لئے لَیْلَۃُ الْقَدْر کہتے ہیں کہ یہ قضا و قدر کی رات ہے[1]۔ اور اس رات میں سال بھر کے فیصلے کئے جاتے ہیں جو فرشتے خدا کے اذن سے زمین پر اُتر کر نبی یا قائمقام نبی تک پہنچاتے ہیں اور بعض نے قدر کا معنی شرف و عزت لیا ہے[2] اور لَیْلَۃُ الْقَدْر کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ یہ رات شان و منزلت کے اعتبار سے باقی تمام راتوں سے افضل ہے اور جو شخص پہلے صاحب عزت نہ ہو اس رات کی بیداری اور عبادت کے بعد وہ اللہ کے نزدیک صاحب عزت بن جاتا ہے اور بعض نے وجہ تسمیہ میں کہا ہے کہ کتاب ذی قدر، رسول ذی قدر کی طرف، امت ذی قدر کی خاطر ذی قدر فرشتے کی وساطت سے اسی رات میں آتری لہذا یہ رات بھی لیلۃ القدر کہلانے کی مستحق ہو گئی۔

لَیْلَۃُ الْقَدْر کی تعیین

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سال بھر ایک غیر معین رات لیلۃ القدر ہے اور خداوند کریم نے اس کو مخفی رکھا ہے تاکہ لوگ سال بھر عبادت خداوندی میں دلچسپی محسوس کریں جس طرح نماز وسطیٰ کو نمازوں[1] میں مخفی کر دیا تاکہ پوری پانچ نمازوں میں خشوع و خضوع بحال رہے اسی طرح خدا نے اپنے اسماء مبارکہ میں اسم اعظم[2] کو مخفی رکھ دیا تاکہ اللہ کے تمام ناموں کو وردِ زبان اور حرزِ جان قرار دینے کی شوق قائم رہے اور ساعات جمعہ میں[3] سے ایک ساعت کو وقتِ استجابت دُعا قرار دیا اور اس کو باقی ساعات میں مخفی رکھا تاکہ جمعہ کی شب و روز میں کسی لحمہ بھی دُعا و مناجات سے غفلت نہ برتی جائے اور عبادت و دعا سے تھکان محسوس نہ ہو۔

بعضوں نے اوّل رمضان کی رات کو اور بعض نے ۱۷ رمضان کی رات کو شب قدر کہا ہے اسی طرح ۲۱ رمضان اور ۲۳ رمضان ۲۷ رمضان ۲۹ رمضان کے اقوال بھی ہیں اور روایاتِ اہلبیتؑ میں ۲۱ اور ۲۳ رمضان کی راتوں کو شب قدر کہا گیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ۱۹ رمضان کی رات کو حاجیوں کے وفد لکھے جاتے ہیں لہذا اس رات کو جاگ کر اللہ سے دعا کرنی چاہیے اور مروی ہے کہ شب قدر میں چونکہ سال بھر کے امور کا فیصلہ ہوتا ہے یعنی اموات ارزاق اور بیماریوں و تنگدستیوں کا فیصلہ لیلۃ القدر میں ہوتا ہے۔ لہذا معصوم نے فرمایا کہ ان راتوں میں جاگ کے اللہ سے دعا مانگو ایک سو رکعت نماز پڑھو اور ان راتوں میں غسل کر کے عبادت میں مشغول ہونا چاہیے زرارہ کہتا ہے میں نے سوال کیا کہ کونسی راتوں میں غسل مستحب ہے تو معصوم نے ۱۹، ۲۱، ۲۳ رمضان کی راتوں کے متعلق فرمایا لَیْلَۃُ الْقَدْر کے اعمال کتب اعمال میں مفصل درج ہے۔

لَیْلَۃُ الْقَدْر کی فضیلت

لَیْلَۃُ الْقَدْر کے حق میں ارشاد قدرت ہے خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ کہ یہ ہزار مہینے سے بہتر ہے پس اس کی عبادت ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے اس کا صدقہ ہزار مہینے کے اس جیسے صدقات سے افضل ہے اور اس کا روزہ ہزار مہینوں کے روزوں سے افضل ہے ایک مرتبہ حضورؐ کے

سامنے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا نام لیا گیا کہ اس نے پورے ایکہزار مہینے راہ خدا میں جہاد کرنے کے لئے وقف کر دیئے تھے تو آپ پر سورہ القدر نازل ہوا اور خطاب ہوا کہ اے میرے حبیب تیری امت کے لئے ایک شب القدر اوروں کے ایکہزار ماہ سے افضل ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے بنی امیہ کی حکومت کے ایکہزار مہینہ سے تیری ایک رات (شب قدر) افضل ہے۔

ولی امر کے پاس ملائکہ کی آمد

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ نے ابتدائے آفرینش سے لیلۃ القدر کو خلق فرمایا اور اس نے فیصلہ کر دیا کہ یہ رات ہر سال میں ہو گی اور اس میں آئندہ سال اس رات کے آنے تک کے فیصلے جملہ امور اور ان کا تفصیلی طریق کار لے کر فرشتے نازل ہونگے اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ اس کی جانب سے آنے والے تمام انبیاء و رسل و آئمہ محدثون پر اس رات کے فیصلوں کو حجت قرار دیا جائے گا اور جبرئیل جو احکام لاتا ہے وہ اس رات میں نازل ہونے والے امور کے علاوہ ہوتے ہیں، سائل نے سوال کیا کہ کیا جبرئیل یا دوسرے فرشتے محدثون پر بھی نازل ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا انبیاء و رسل پر تو یقیناً نازل ہوتے ہیں لیکن باقیوں پر صرف اس رات میں نازل ہوتے ہیں چنانچہ بخدا روح اور دیگر ملائکہ لیلۃ القدر میں حضرت آدمؑ پر اترے اور خدا کی قسم آدمؑ اپنا وصی چھوڑ کر مرے اور حضرت آدمؑ کے بعد جس قدر انبیاء آئے اس رات میں ان پر امور نازل ہوتے رہے اور ہر نبی کے بعد اس کے وصی پر نزول امر رہا اور آدم سے لیکر خاتم تک ہر نبی کو اسی رات میں یہ امر بھی پہنچتا رہا کہ اپنے بعد کے لئے وصی کو نامزد کرو اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کے اوصیاء کے متعلق قرآن میں فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ الخ یعنی خداوند کریم نے ان کو نبی کے بعد اپنے علم دین اور عبادت کے لئے اپنا خلیفہ قرار دیا جس طرح حضرت آدم کے اوصیاء ان کے بعد اللہ کے خلیفہ تھے اور بعد والے دوسرے نبی کی بعثت تک وہ اوصیاء تبلیغی امور سرانجام دیتے رہے اور چونکہ حضرت محمد مصطفیٰ کے بعد تو کسی نبی نے آنا نہیں ہے لہذا محمد مصطفیٰ کے بعد تاقیامت ان کے اوصیاء کو علم سپرد کر دیا گیا اور وہ ہم ہیں۔ لہذا ہم سے سوال کر لیا کرو لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا جب دین ظاہر ہوگا اور لوگوں میں اختلاف ختم ہو جائے گا کیونکہ اس کے لئے ایک لمبی مدت کا انتظار ہے، جب وہ وقت آئے گا تو امر ایک ہوگا اور یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ مومنوں میں اختلاف کو ختم کر دیا جائے گا اسی لئے تو ان کو شہداء قرار دیا گیا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ہم پر شہید ہیں اور ہم شیعوں پر شہید ہیں اور ہمارے شیعہ لوگوں پر شہید ہیں اور یہ اللہ کو ناپسند ہے کہ اس میں اختلاف ہو یا اس کے علم میں تناقض ہو۔

آپ نے فرمایا جو شخص سورہ انا انزلنا اور اس کی تفسیر پر اجمالی ایمان رکھے اس کی فضیلت ایمان نہ رکھنے والوں پر اس طرح ہے جس طرح انسانوں کو حیوانات پر فضیلت حاصل ہے اور خداوند کریم اسی پر ایمان لانے والوں کی بدولت ایمان نہ لانے والوں سے بھی عذاب کو ٹال دیتا ہے جس طرح مجاہدین کے ذریعہ سے قاعدین کی مصیبت ٹل جاتی ہے اور اس زمانہ میں تو حج اور عمرہ کے علاوہ دوسرا کوئی جہاد ہی نہیں ہے۔

ایک شخص نے عرض کی اگر آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات میں عرض کروں؟ آپ نے فرمایا بے شک سوال کرو میں ناراض نہ ہونگا پس اس نے عرض کی ہمیں معلوم ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ جب دنیا سے گئے تو حضرت علیؑ کو اپنے تمام علوم کا وارث بنا کر گئے

۱۲ رمضان کی رات زبور ۱۸ رمضان کی رات کو اور قرآن شب قدر میں نازل ہوا۔

قدر کا معنی

قَدَر اور قَدْر دو لفظیں ہیں جن کے معانی الگ الگ ہیں قَدَر کا معنی ہے اندازہ اور اسی سے تقدیر بنتی ہے اور قضا و قدر کا مفہوم اسی سے ہے اور قَدْر کا معنی عزت و منزلت۔ بعض مفسرین نے اس جگہ قدر (۱) کو قَدَر سے اخذ کیا ہے اور کہا ہے کہ لَیْلَةُ الْقَدْر کو اس لئے لَیْلَةُ الْقَدْر کہتے ہیں کہ یہ قضا و قدر کی رات ہے۔ اور اس رات میں سال بھر کے فیصلے کئے جاتے ہیں جو فرشتے خُدا کے اذن سے زمین پر اُتر کر نبی یا قائمقام نبی تک پہنچاتے ہیں اور بعض نے قدر کا معنی شرف و عزت (۲) لیا ہے اور لَیْلَةُ الْقَدْر کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے کہ یہ رات شان و منزلت کے اعتبار سے باقی تمام راتوں سے افضل ہے اور جو شخص پہلے صاحب عزت نہ ہو اس رات کی بیداری اور عبادت کے بعد وہ اللہ کے نزدیک صاحب عزت بن جاتا ہے اور بعض نے وجہ تسمیہ میں کہا ہے کہ کتاب ذی قدر، رسول ذی قدر کی طرف، امت ذی قدر کی خاطر ذی قدر فرشتے کی وساطت سے اسی رات میں اُتری لہٰذا یہ رات بھی لیلۃ القدر کہلانے کی مستحق ہو گئی۔

لَیْلَةُ الْقَدْر کی تعیین

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سال بھر ایک غیر معین رات لیلۃ القدر ہے اور خداوند کریم نے اس کو مخفی رکھا ہے تاکہ لوگ سال بھر عبادت خداوندی میں دلچسپی محسوس کریں جس طرح نماز وسطیٰ کو نمازوں (۱) میں مخفی کر دیا تاکہ پوری پانچ نمازوں میں خشوع و خضوع بحال رہے اسی طرح خدا نے اپنے اسماء مبارکہ میں اسم اعظم (۲) کو مخفی رکھ دیا تاکہ اللہ کے تمام ناموں کو وردِ زبان اور حرزِ جان قرار دینے کی شوق قائم رہے اور ساعات جمعہ میں (۳) سے ایک ساعت کو وقتِ استجابت دُعا قرار دیا اور اس کو باقی ساعات میں مخفی رکھا تاکہ جمعہ کی شب و روز میں کسی لمحہ بھی دُعا و مناجات سے غفلت نہ برتی جائے اور عبادت و دعا سے تھکان محسوس نہ ہو۔

بعضوں نے اول رمضان کی رات کو اور بعض نے ۱۷ رمضان کی رات کو شب قدر کہا ہے اسی طرح ۲۱ رمضان اور ۲۳ رمضان ۲۷ رمضان ۱۱ رمضان کے اقوال بھی ہیں اور روایات اہلبیت میں ۲۱ اور ۲۳ رمضان کی راتوں کو شب قدر کہا گیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ۱۹ رمضان کی رات کو حاجیوں کے وفد لکھے جاتے ہیں لہٰذا اس رات کو جاگ کر اللہ سے دعا کرنی چاہیئے اور مروی ہے کہ شب قدر میں چونکہ سال بھر کے امور کا فیصلہ ہوتا ہے یعنی اموات ارزاق اور بیماریوں و تنگدستیوں کا فیصلہ لیلۃ القدر میں ہوتا ہے۔ لہٰذا معصوم نے فرمایا کہ ان راتوں میں جاگ کے اللہ سے دعا مانگو ایک سو رکعت نماز پڑھو اور ان راتوں میں غسل کر کے عبادت میں مشغول ہونا چاہیئے زرارہ کہتا ہے میں نے سوال کیا کہ کونسی راتوں میں غسل مستحب ہے تو معصوم نے ۱۹، ۲۱، ۲۳ رمضان کی راتوں کے متعلق فرمایا لَیْلَةُ الْقَدْر کے اعمال کتب اعمال میں مفصل درج ہے۔

لَیْلَةُ الْقَدْر کی فضیلت

لَیْلَةُ الْقَدْر کے حق میں ارشاد قدرت ہے خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ کہ یہ ہزار مہینے سے بہتر ہے پس اس کی عبادت ہزار مہینے کی عبادت سے افضل ہے اس کا صدقہ ہزار مہینے کے اس جیسے صدقات سے افضل ہے اور اس کا روزہ ہزار مہینوں کے روزوں سے افضل ہے ایک مرتبہ حضورؐ کے

سامنے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا نام لیا گیا کہ اس نے پورے ایکہزار مہینے راہ خدا میں جہاد کرنے کے لئے وقف کر دیئے تھے تو آپ پر سورہ القدر نازل ہوا اور خطاب ہوا کہ اے میرے حبیب تیری امت کے لئے ایک شب القدر اور دن کے ایکہزار ماہ سے افضل ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے بنی اُمیّہ کی حکومت کے ایکہزار مہینہ سے تیری ایک رات (شب قدر) افضل ہے۔

ولی امر کے پاس ملائکہ کی آمد

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ نے ابتدائے آفرینش سے لیلۃ القدر کو خلق فرمایا اور اس نے فیصلہ کر دیا کہ یہ رات ہر سال میں ہوگی اور اس میں آئندہ سال اس رات کے آنے تک کے فیصلے جملہ امور اور ان کا تفصیلی طریق کار لے کر فرشتے نازل ہونگے اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ اس کی جانب سے آنے والے تمام انبیاء و رسل و آئمہ محدثون پر اس رات کے فیصلوں کو حجت قرار دیا جائیگا اور جبرئیل جو احکام لاتا ہے وہ اس رات میں نازل ہونے والے امور کے علاوہ ہوتے ہیں، سائل نے سوال کیا کہ کیا جبرئیل یا دوسرے فرشتے محدثون پر بھی نازل ہوتے ہیں تو آپ نے فرمایا انبیاء و رسل پر تو یقیناً نازل ہوتے ہیں لیکن باقیوں پر صرف اس رات میں نازل ہوتے ہیں چنانچہ بخدا روح اور دیگر ملائکہ لیلۃ القدر میں حضرت آدمؑ پر اُترے اور خدا کی قسم آدمؑ اپنا وصی چھوڑ کر مرے اور حضرت آدمؑ کے بعد جس قدر انبیاء آئے اس رات میں ان پر امور نازل ہوتے رہے اور ہر نبی کے بعد اس کے وصی پر نزول امر رہا اور آدم سے لیکر خاتم تک ہر نبی کو اسی رات میں یہ امر بھی پہنچتا رہا کہ اپنے بعد کے لئے وصی کو نامزد کرو اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کے اوصیاء کے متعلق قرآن میں فرمایا وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ الخ یعنی خداوند کریم نے ان کو نبی کے بعد اپنے علم دین اور عبادت کے لئے اپنا خلیفہ قرار دیا جس طرح حضرت آدم کے اوصیاء ان کے بعد اللہ کے خلیفہ تھے اور بعد والے دوسرے نبی کی بعثت تک وہ اوصیاء تبلیغی امور سرانجام دیتے رہے اور چونکہ حضرت محمد مصطفیٰ کے بعد تو کسی نبی نے آنا نہیں ہے لہذا محمد مصطفیٰ کے بعد تا قیامت ان کے اوصیاء کو علم سپرد کر دیا گیا اور وہ ہم ہیں۔ لہذا ہم سے سوال کر لیا کرو لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا جب دین ظاہر ہوگا اور لوگوں میں اختلاف ختم ہو جائے گا کیونکہ اس کے لئے ایک لمبی مدت کا انتظار ہے، جب وہ وقت آئے گا تو امر ایک ہوگا اور یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ مومنوں میں اختلاف کو ختم کر دیا جائے گا اسی لئے تو ان کو شہداء قرار دیا گیا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ہم پر شہید ہیں اور ہم شیعوں پر شہید ہیں اور ہمارے شیعہ لوگوں پر شہید ہیں اور یہ اللہ کو ناپسند ہے کہ اس میں اختلاف ہو یا اس کے علم میں تناقض ہو۔

آپ نے فرمایا جو شخص سورہ انا انزلنا اور اس کی تفسیر پر اجمالی ایمان رکھتے اس کی فضیلت ایمان نہ رکھنے والوں پر اس طرح ہے جس طرح انسانوں کو حیوانات پر فضیلت حاصل ہے اور خداوند کریم اس پر ایمان لانے والوں کی بدولت ایمان نہ لانے والوں سے بھی عذاب کو ٹال دیتا ہے جس طرح مجاہدین کے ذریعہ سے قاعدین کی مصیبت ٹل جاتی ہے اور اس زمانہ میں تو حج اور عُمرہ کے علاوہ دوسرا کوئی جہاد ہی نہیں ہے۔

ایک شخص نے عرض کی اگر آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات میں عرض کروں؟ آپؑ نے فرمایا بے شک سوال کرو میں ناراض نہ ہونگا پس اس نے عرض کی ہمیں معلوم ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ جب دنیا سے گئے تو حضرت علیؑ کو اپنے تمام علوم کا وارث بنا کر گئے

اور شب قدر میں روح اور فرشتے نئے علوم بھی لے کر آتے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کے پاس حضرت رسالتمآب کا علم بھی تھا اور اس کے علاوہ وہ علم بھی تھا جو شب قدر فرشتے لاتے رہے پس ان کا علم تو اُن کے علم سے زیادہ ہو گیا۔ لہٰذا اس سوال کا حل فرمائیے؟ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے سنتے ہی فرمایا تو کون انسان ہے؟ اور میرے پاس تجھے کون لایا ہے؟ اس نے عرض کی حضورؑ! میں دین کا طالب ہوں اور اپنی خوش قسمتی مجھے طلب دین کے لئے آپ کے ہاں لائی ہے۔ آپ نے فرمایا میں جو کچھ کہوں اس کو سمجھنے کی کوشش کرنا حضرت نبیؐ کریم جب معراج پر تشریف لے گئے تو اللہ نے کان وما یکون کے علوم ان کو عطا فرمائے لیکن ان میں سے اکثر (قواعد وکلیہ کی حیثیت سے) مجمل وتفصیل طلب تھے جن کی تفاصیل ملائکہ اور رُوح کے ذریعے سے شب قدر میں بھیجی جاتی ہیں پس تا حین حیات پیغمبر کے پاس ان کی تفاصیل کا علم آتا رہا اور ان کے بعد اوصیاء کے ساتھ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پس حضرت امیر المومنین علیہ السلام تمام علوم کو اجمالاً (قواعد کلیہ کی حیثیت سے) جانتے تھے لیکن ان کی تفاصیل شب قدر میں اللہ کی جانب سے ملائکہ لاتے تھے اور یکے بعد دیگرے آئمہ کی بھی یہی حالت ہے کہ فرشتے اللہ کی طرف سے تفصیل احکام لاتے تھے کہ مثلاً یہ کرنا ہے یا وہ کرنا ہے اور اسطرح کرنا ہے ایسے امور کے متعلق جن کے کلیات کا علم اُن کو پہلے سے ہوا کرتا تھا۔ سائل نے عرض کی کہ جن علوم کے کلیات کو وہ پہلے سے جانتے تھے شب ہائے قدر میں ان کے علاوہ ان کے پاس کونسا علم آتا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ وہ چیز ہے جس کو ظاہر کرنے کا آئمہ کو اذن نہیں دیا گیا اور اس کی تفسیر کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے پھر سائل نے عرض کی کیا یہ ہو سکتا ہے کہ امام کا علم نبی کے علم سے زیادہ ہو آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ وصی اتنا ہی جانتا ہے جتنا کہ اس کے نبی نے اس کو بذریعہ وصیت پہنچایا ہے سائل نے پوچھا کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اوصیاء میں سے بعض کو وہ علم حاصل ہے جو دوسرے اوصیاء کو حاصل نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ بلکہ نبی جب دنیا سے رحلت کرتا ہے تو اس کا تمام علم وصی کے پاس ہوتا ہے اور اس کے بعد شب قدر میں فرشتے بندوں کے درمیان نافذ کئے جانے والے احکام کی تفاصیل لایا کرتے ہیں۔ سائل نے پوچھا کیا ان نافذ ہونے والے احکام کا علم آئمہ کو پہلے نہیں ہوا کرتا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ان کو علم تو ہوتا ہے لیکن اس کو نافذ نہیں کر سکتے جب تک شب قدر میں اس کا حکم نہ دیا جائے کہ اگلے سال تک کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ پس سائل نے عرض کی کہ میں اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا جو انکار کرے گا وہ ہمارا نہیں ہوگا۔ سائل نے عرض کی کیا نبی علیہ السلام کو شب ہائے قدر میں ایسے علوم بھی بتائے جاتے تھے جو پہلے ان کو معلوم نہ ہوں آپ نے فرمایا ایسا سوال کرنا تیرے لئے جائز نہیں ہے بس اتنا جان لو کہ نبی جب رحلت کرتا ہے تو اس کا تمام علم اس کے وصی کے پاس ہوتا ہے اور اسی طرح جب وصی رحلت کرتا ہے۔ تو اس کا علم اس کے بعد والے وصی کے پاس ہوا کرتا ہے۔ سائل نے عرض کی کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ شب قدر ہر سال آتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا جب ماہ مبارک رمضان آئے پس ہر رات سورہ دخان کو ایک سو بار پڑھا کرو جب ۲۳ رمضان کی رات آئے گی تو تم پر یہ راز منکشف ہو جائے گا سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہر شب وروز میں شیاطین آئمہ ضلالت کے پاس آتے ہیں۔ اور اتنی ہی مقدار میں فرشتے امام حق کے پاس آتے ہیں اور شب قدر میں بہت کافی تعداد ملائکہ کی آئمہ حق کے پاس اُترتی ہے اور ایسا

ہی شیاطین امام باطل کے پاس جاتے ہیں پس جب امام باطل لوگوں سے بیان کرے کہ میں نے یہ دیکھا وہ دیکھا تو امام حق ہی یہ انکشاف کر سکتا ہے کہ تو نے شیاطین کو دیکھا ہے اور جو کچھ خبریں تجھے معلوم ہیں وہ شیاطین کی بتلائی ہوئی ہیں پس حق کی خبریں فرشتے صرف امام حق کے پاس لاتے ہیں پس شب قدر ہمارے لئے ہے اور حضورؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق بوقت وفات فرمایا تھا کہ یہ میرے بعد تمہارا ولی وحاکم ہے اگر تم اس کی اطاعت کروگے تو ہدایت پر رہوگے اور خداوند کریم کی شان سے بعید ہے کہ اپنا امر رُوح وملائکہ کے ذریعے کسی کافر کو بھیجے اور اگر لوگ کہیں کہ کسی پر نہیں اترتا تو یہ جھوٹ اور گمراہی ہے کیونکہ جب رُوح اور فرشتے امر کو لاتے ہیں تو یقیناً ایسا فرد زمین پر ہونا چاہیے جس پر وہ امر کو لائیں (ملخصاً از برہان)

ایک روایت میں ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر لیلۃ القدر اُٹھ جائے تو قرآن بھی اُٹھ جائے گا۔

آپ نے فرمایا ۱۹ ر رمضان کو امور جمع کئے جائے جاتے ہیں۔ ۲۱ ر رمضان کو فیصلہ ہوتا ہے اور ۲۳ ر رمضان کو نافذ کئے جاتے ہیں۔

اقول: شب قدر میں ملائکہ اور روح کا نازل ہونا واضح ہے اور یہ کہ وہ امر لے کر اُترتے ہیں لہذا جس کے پاس اُترتے ہیں وہ فاسق وفاجر تو ہو نہیں سکتا۔ لہذا ماننا پڑتا ہے کہ معصوم کے پاس اترتے ہیں اور وہ نبی یا نبی کا قائم مقام اس کا وصی ہی ہو سکتا ہے اور روایت سابقہ کی بناء پر تمام نافذ ہونے والے امور کی تفاصیل کو لے کر ملائکہ اترتے ہیں جن کے کلیات کا علم معصوم کو پہلے سے ہوا کرتا ہے چنانچہ غالباً اسی طرف حضرت امیر المومنین کے فرمان کا اشارہ ہے کہ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَلْفَ بَابٍ مِّنَ الْعِلْمِ یُفْتَحُ لِیْ مِنْ کُلِّ بَابٍ اَلْفَ اَلْفَ بَابٍ یعنی مجھے حضورؐ پیغمبر نے علم کا ایکہزار دروازہ تعلیم فرمایا اور میرے سامنے ہر دروازہ سے ہزار ہزار دروازے خود کھل گئے اور پیغمبر کو رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کا ارشاد پروردگار بھی غالباً اسی نکتہ کی وضاحت کے لئے ہے۔ بہرکیف بعض علوم وہ ہیں جن کی اطلاع آئمہ طاہرین علیہم السلام لوگوں کو دے دیتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو ان کی ذات تک ہی محدود ہیں اور اس کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور شب قدر کے متعلق بعض ضروری بحثیں تفسیر کی جلد ۱۲ میں ص ۲۵۶ تا ص ۲۶۰ ملاحظہ ہوں اور شب ہائے قدر کے اعمال مفاتیح الجنان یا دیگر کتب اعمال سے معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

کُلِّ اَمْرٍ اس جگہ مِنْ جر باء کے معنی میں ہے یعنی خیر و برکت و موت و رزق وغیرہ جملہ اُمور کا فیصلہ ساتھ لے کر ولی امر پر اُترتے ہیں خواہ وہ نبی ہو یا وصی نبی ہو اور اس معنی کے لحاظ سے امر پر وقف تام ہوگا اس کے بعد سَلٰمٌ خبر مقدم اور ھی کی ضمیر غائب جس کا مرجع لیلۃ القدر ہے یہ مبتدا مؤخر ہے یعنی یہ رات شرور ومصائب اور وساوس شیطانیہ سے سلامتی کی باعث ہے۔ چنانچہ سورہ دخان میں اسی رات کو لیلۃ مبارکہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعضوں نے معنی یہ کیا ہے کہ اولیاء اللہ پر ملائکہ اس رات سلام کرتے ہیں اور بعضوں نے بِاِذْنِ رَبِّھِمْ پر وقف کیا ہے اور معنی یہ کیا ہے کہ شب قدر میں فرشتے اور رُوح نازل ہوتے ہیں پروردگار کے اذن سے۔ ہر اس امر کو ساتھ لے کر جس میں سلامتی اور خیر وبرکت ہو اور یہ سلامتی اور خیر وبرکت طلوع فجر تک رہتی ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ امر پر وقف ہو اور معنی وہی ہو جو تحت اللفظ موجود ہے۔

سُورہ البیّنۃ

- بعض نے اس سورہ کو مکیہ کہا ہے۔ لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک مدینہ ہے اور سورہ طلاق کے بعد نازل ہوا ہے۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت نو ہے۔
- حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا اگر لوگوں کو اس سورہ مجیدہ کے فوائد کا پتہ ہو تو اس کو سیکھنے کے لئے گھر بار کو چھوڑ دیں اور بنی قضاعہ کے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور فرمائیے اس کا کیا ثواب ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس سورہ کو منافق نہیں پڑھا کرتا اور نہ وہ شخص اس کو پڑھتا ہے جس کے دل میں اللہ کے متعلق شک ہو اور جب سے خداوند کریم نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا ہے اسی وقت سے ملائکہ مقربین اسی سورہ کو ورد سمجھ کر پڑھتے ہیں اور کبھی اس کی قرأت سے غفلت نہیں کرتے
- اگر کوئی شخص اس کو رات کے وقت پڑھے تو خدا ملائکہ کو بھیجتا ہے جو اس کی دین و دنیا کے امور میں حفاظت کرتے ہیں اور اس کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص ان کو پڑھے تو تمام ان چیزوں کے برابر اس کو ثواب ملے گا جن پر سورج نے روشنی پھیلائی الخ
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر اس سورہ کو نئے برتن پر لکھا جائے اور صاحب لقوہ اسمیں نظر کرے۔ تو وہ شفایاب ہوگا۔
- اگر اس کو روٹی پر لکھا جائے اور چور کو کھلائی جائے تو لقمہ اس کے منہ میں پھنس جائے گا (فوائد القرآن)
- اگر چور کا نام لے کر کسی انگوٹھی پر اس سورہ کو پڑھا جائے تو انگوٹھی حرکت میں آجائے گی (فوائد)
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر اس کو لکھ کر یرقان کا مریض لٹکائے تو شفایاب ہوگا۔ (فوائد)
- سفیدی چشم اور برص کے لئے اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھنا اور اس کا پانی پینا موجب شفا ہے (فوائد)
- اگر حاملہ عورت اس کا پانی پیئے حمل محفوظ ہوگا اور وضع حمل آسان ہوگا (فوائد)
- اگر طعام پر لکھا جائے تو اس کے ضرر سے محفوظ ہوگا اور اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھنا تمام دردوں کے لئے مفید ہے (فوائد) اگر چوراہے کی مٹی لے کر اس پر یہ سورہ پڑھا جائے پس یہ مٹی ان لوگوں پر چھڑکی جائے جو ضلالت اور گمراہی کے لئے جمع ہوں تو ان میں تفرقہ پڑجائے گا۔ (فوائد القرآن)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۱

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مشرک لوگ (اپنے کفر سے) الگ ہونے والے نہ تھے یہاں تک

حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۲ رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ۳

کہ آیا ان کے پاس بیّنہ اللہ کی جانب سے رسول جو ان پر پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے

فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ۴ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ

جن میں مضبوط و پائیدار تحریریں ہیں اور نہ اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی مگر بیّنہ

مَا جَآءَتۡہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۵ وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ

کے آجانے کے بعد حالانکہ ان کو نہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ اللہ کی عبادت کریں

لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَ یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیۡنُ

اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے باطل سے روگردان ہوکر اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی مضبوط اور پائیدار

الۡقَیِّمَۃِ ۶ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ

دین ہے تحقیق جنہوں نے کفر کیا یعنی اہل کتاب اور مشرکین تو وہ لوگ دوزخ میں جائیں گے

رکوع نمبر ۲۳

اَلۡبَیِّنَۃ ۔ اس جگہ بیّنہ سے مراد حضرت رسول اکرمؐ کی ذات ہے

کُتُبٌ قَیِّمَۃ ۔ قرآن مجید کے ہر مضمون کو ایک الگ الگ کتاب قرار دیا گیا ہے جو اپنے ناقابل تردید بیانات کی وجہ سے مضبوط اور پائیدار ہے اور صحف جمع صحیفہ ہے گویا قرآن کے ہر ہر سورہ یا آیہ کو الگ صحیفہ کہا گیا ہے ۔

دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃ ۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی دِیۡنُ الۡمِلَّۃِ الۡقَیِّمَۃ ۔

خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃ شیعہ ہیں

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۔ حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت رسول کریمؐ

جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٦ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

اس میں ہمیشہ رہیں گے　کہ وہ لوگ بدترین مخلوق ہیں　تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝٧ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ

عمل نیک بجا لائے　وہ لوگ بہترین مخلوق ہیں　ان کی جزا ان کے رب کے نزدیک جنات

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

عدن ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے　خدا ان سے راضی ہوگا

وَرَضُوْا عَنْهُ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝٨ ع ۲۳

اور وہ خدا (کی نعمات) پر راضی ہوں گے یہ انعام اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے

نے یہ آیت پڑھ کر میری طرف دیکھا اور فرمایا یا علیؑ اس سے مراد تمہارے شیعہ ہیں۔

تفسیر برہان میں ہے کہ رسولؐ اکرم نے مرض الموت میں اپنی شہزادی سے فرمایا کہ علیؑ کو بلاؤ پس خاتون جنت کے فرمان کے ماتحت حضرت امام حسن علیہ السلام بلانے کے لئے گئے جب حضرت علی علیہ السلام تشریف لائے تو جناب بتول معظمہ غمزدہ تھیں۔ اور حضورؐ اپنی دختر نیک اختر کو تلقین صبر کر رہے تھے اور گریبان چاک اور واویلا کرنے سے باز رہنے کی وصیت فرما رہے تھے اس کے بعد حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اپنے کان میرے منہ کے قریب کرو چنانچہ حضرت علیؑ نے اپنے کان دہان رسالت کے قریب کئے تو حضورؐ نے یہی آیت کریمہ پڑھی اور فرمایا یا علیؑ اس سے مراد تم اور تمہارے شیعہ ہیں جو روشن چہروں کے ساتھ سیراب شدہ محشور ہوں گے اور فرمایا شَرُّ الْبَرِيَّةِ سے مراد تیرے دشمن اور تیرے دشمنوں کے دوست ہیں جن کے بروز محشر چہرے سیاہ ہوں گے۔ اور پیاسے محشور ہوں گے پس یہ آیت تمہارے لئے ہے اور اس سے پہلی آیت تیرے دشمنوں کے لئے ہے۔

ابو رافع سے منقول ہے کہ مجلس شوریٰ میں حضرت علی علیہ السلام نے اہل شوریٰ سے حلفیہ دریافت فرمایا کہ کیا تم اس دن موجود نہ تھے جب میں رسولؐ اللہ کی خدمت میں پہنچا اور آپؐ نے کعبہ کی طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا تھا کہ مجھے کعبہ کے پروردگار کی قسم یہ اور اس کے شیعہ قیامت کے روز کامیاب ہوں گے پھر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ علیؑ تم میں سے اول مومن ہے۔ اللہ کے احکام کو مضبوطی سے حاصل کرنے والا ہے۔ اللہ کے عہد کی وفا کرنے والا ہے احکام الٰہیہ میں صحیح فیصلے کرنے والا ہے رعیت میں عدل کرنے والا ہے تقسیم برابر کرنے والا ہے اور درجہ ومنزلت کے لحاظ سے اللہ کے نزدیک عظیم تر ہے اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تو حضورؐ اور تم لوگوں نے بھی تکبیر کہی تھی اور تم سب نے مجھے مبارکباد بھی کہی تھی؟ تو اہل شوریٰ میں سے کسی نے اس روایت کی تکذیب کی جرأت نہ کی اور سب

نے کہا یا علیؑ بے شک آپ نے سچ فرمایا ہے۔

روایاتِ اہلبیت میں تواتر سے منقول ہے کہ خیرالبریہ سے مراد حضرت علیؑ اور آپ کے شیعہ ہیں چنانچہ یہ بروزِ محشر تاج بہشتی پہنا کر واردِ محشر کیے جائیں گے ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور سب حوضِ کوثر پر اکٹھے ہوں گے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ اور اہلبیت کے حق میں ہے۔

سُورہ اِذَا زُلزِلَت

- یہ سورہ مدنیہ ہے سورہ نساء کے بعد نازل ہوا۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر نو بنتی ہے۔
- حدیثِ نبوی میں ہے جس نے اس سورہ کو پڑھا گویا اس نے سورہ بقرہ کی تلاوت کی اور اس کو ایک چوتھائی قرآن کے ختم کا ثواب ملے گا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سورہ اِذَا زُلزِلَت کو نوافل میں پڑھے وہ کبھی زلزلے کی موت نہ مرے گا نہ اس پر بجلی گرے گی اور نہ آفاتِ دنیاویہ میں سے کسی آفت میں مبتلا ہوگا اور جب مرے گا تو خدا کا حکم ہوگا کہ اے میرے بندے جنت تیرے لئے مباح ہے۔ جہاں چاہو رہو تجھے روکنے والا کوئی نہیں ہے۔
- تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب اس سورہ کی تلاوت کرنے والا مرتا ہے تو ایک فرشتہ خدا کی جانب سے ملک الموت کو حکم دیتا ہے کہ اللہ کے ولی کے ساتھ نرمی کرنا کیونکہ یہ مجھے بہت یاد کرتا تھا اور اس سورہ کی تلاوت کرتا تھا اور خود یہ سورہ بھی ملک الموت سے سفارش کرے گی تو ملک الموت جواب دے گا کہ مجھے خود خدا نے حکم دیا ہے کہ میں اس مرنے والے کا حکم مانوں اگر وہ اجازت دے گا تو اس کی رُوح کو قبض کروں گا چنانچہ جب مرنے والے کے سامنے جنت سے پردہ اُٹھایا جاتا ہے تو وہ خود موت کی خواہش کرتا ہے اور نہایت آسانی سے اس کی رُوح کھینچ لی جاتی ہے اور پھر ستر ہزار فرشتے اس کو جنت تک لے جاتے ہیں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں۔
- خواص القرآن سے منقول ہے کہ باریک روٹی پر اس سورہ کو لکھ کر چور کو کھلایا جائے تو اس کے حلق میں لقمہ پھنس جائے گا۔ اسی طرح اگر چور کا نام لے کر انگوٹھی پر اس کو پڑھا جائے تو انگوٹھی حرکت کرنے لگے گی اور اگر اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے اور داخلۂ سلطان کے وقت اس کو پڑھے تو بادشاہ کی گرفت سے محفوظ ہوگا۔ اگر اس کو نئے برتن میں لکھا جائے اور صاحب لقوہ دیکھے تو وہ باذن اللہ شفایاب ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ② وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ③

جب زلزلہ ہوگا زمین کو سخت زلزلہ اور زمین اپنے دفینے باہر نکالے گی

وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ④ يَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ⑤ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰی

اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوگیا ہے؟ اُس دن وہ اپنی خبریں بتائے گی کہ تیرے رب نے مجھے وحی

رکوع نمبر ۲۴

قَالَ الۡاِنۡسَانُ - یعنی جب قیامت خیز زلزلہ ہوگا اور زمین کے نشیب و فراز سب برابر ہو کر زمین کے خزینے و دفینے و مُردے سب کچھ باہر آجائیں گے تو انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے۔ تفسیر برہان میں ہے ایک دفعہ ابوبکر کے زمانہ خلافت میں زمین مدینہ میں سخت زلزلہ آیا لوگ گھبرا کر ابوبکر و عمر کے پاس جمع ہوئے یہ دونو تمام رعایا کو لے کر حضرت علی علیہ السلام کے در دولت پر حاضر ہوئے جبکہ آپ کی طبیعت پر کوئی اضطراب نہ تھا پس آپ ان کے ساتھ شہر سے نکل کر ایک ٹیلے پر آکر بیٹھے اور لوگ ان کے اردگرد بیٹھ گئے۔ اس وقت مدینے کے مکانات کی دیواریں سخت طور پر ہل رہی تھیں آپ نے لوگوں کو تسلی دیتے ہوئے ہونٹوں کو حرکت دی کچھ پڑھا اور زمین پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ ٹھہر جا۔ چنانچہ زلزلہ موقوف ہوگیا اور زمین میں سکون آگیا سب لوگ حیران ہوئے تو آپ نے فرمایا یہ گھبرانے کی بات نہیں ہے میں وہ انسان ہوں جس کے بارے میں خدا نے فرمایا قَالَ الۡاِنۡسَانُ الخ پس زلزلہ قیامت کے وقت میں زمین سے کہوں گا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اور وہ مجھے ہی حالات بتائے گی۔

دوسری روایت میں ہے کہ یہ زلزلہ خلافت ثانیہ کے زمانہ میں آیا اور اس قدر سخت تھا کہ لوگ گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور مدینہ سے بھاگ جانے کی فکر میں تھے کہ خلیفہ کی درخواست پر آپ نے بدری صحابہ کی ایک جماعت کو اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا اور مقداد ابوذر سلمان و عمار کو لے کر بقیع میں آئے پس زمین پر پاؤں کی ٹھوکر لگائی اور فرمایا مَا لَكِ؟ تین مرتبہ تجھے کیا ہوگیا ہے؟ پس زمین ساکن ہوگئی اور آپ نے فرمایا مجھے رسول اللہ نے اس دن کی اور اس ساعت کی اور اس واقعہ کی خبر دی تھی اور یقیناً آپ کا فرمان سچا تھا اس کے بعد آپ نے یہ سورہ مجیدہ پڑھی اور فرمایا جب وہ زلزلہ ہوگا اس وقت بھی میں اسی طرح کہوں گا۔ الخبر بہرکیف روایات اہل بیت میں بکثرت وارد ہے کہ زلزلہ قیامت کے وقت زمین سے کلام کرنے والے حضرت علیؑ ہوں گے۔

تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا - اس کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ زمین بروز محشر لوگوں کے اعمال کی گواہی دے گی اور انسانوں کی طرح فصیح زبان میں کلام کرے گی۔ حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ وضو صحیح کیا کرو۔ کیونکہ نماز جو اعمال میں بہترین عمل ہے اس کا

لَهَا ۝٦ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝٧ فَمَنْ يَّعْمَلْ

کی ہے ؟ اس دن نکلیں گے لوگ گروہ گروہ ہوکر تاکہ اپنے اعمال کو دیکھیں تو جس نے رائی برابر

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٨ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝٩ ع۲۲

نیکی کی ہوگی اس کو دیکھے گا اور جس نے رائی برابر برائی کی ہوگی اس کو دیکھے گا

دارو مدار وضو کی صحت پر ہے اور زمین سے بچو اور ڈرو یہ تمہاری ماں ہے اور یہ ہر انسان کے نیک یا بد اعمال کی قیامت کے دن گواہی دے گی۔ ابوسعید خدری کہتا ہے کہ جب تم جنگل میں ہو تو باواز بلند اذان کہا کرو کیونکہ میں نے پیغمبر سے سنا تھا کہ زمین کے ہر نشیب و فراز بروز محشر اس کی گواہی دیں گے۔

لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ۔ یعنی لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کی جزا دکھائی جائے گی یا یہ کہ لوگوں کو صحائف اعمال دکھلائے جائیں گے جن میں اُن کی ہر نیکی یا برائی درج ہوگی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ چونکہ ہر شخص کو نیکی یا بدی کا بدلہ ملے گا تو کافر کو اس کی نیکی کا بدلہ دنیا میں ہی ملے گا۔ پس جب دنیا سے رخصت ہوگا تو اس کی کوئی نیکی ایسی نہ ہوگی جس کی جزا نہ پاچکا ہو اور مومن کو ہر برائی کی سزا دنیا میں دی جائے گی پس اس کی جان و مال و اولاد و احباب کی تکالیف اس کے گناہوں کا بدلہ ہوں گی یہاں تک کہ جب دنیا سے رخصت ہوگا تو اس کا کوئی گناہ ایسا نہ ہوگا جس کی وہ سزا نہ پاچکا ہو پس کافر کے پاس قیامت کے دن نیکی کوئی نہ ہوگی جس پر وہ جنت کا مطالبہ کرے اور مومن کے پاس کوئی گناہ نہ ہوگا جس کے بدلہ میں اسے دوزخ میں جھونکا جائے۔ البتہ ایسے گناہ جن کا دنیا میں بدلہ نہیں ہوسکتا جس طرح قتل مومن اور زنائے محصنہ وغیرہ تو ان سے اجتناب ضروری ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے۔ کہ بعض اوقات انسان بعض نیکیوں کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور گناہانِ صغیرہ کو معمولی سمجھ کر نہیں چھوڑتے۔ اس آیت مجیدہ میں تنبیہہ کی گئی ہے کہ کسی بھی نیکی کو معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دو اور کسی بھی گناہ کو صغیرہ سمجھ کر ارتکاب نہ کرو کیونکہ بروز قیامت رائی برابر نیکی کی جزا کو دیکھ کر بھی انسان کو مزید خوشی حاصل ہوگی اور رائی کے برابر برائی کی سزا بھی ناقابل برداشت ہوگی۔ مروی ہے کہ ایک دن فرزدق شاعر کے دادے نے حضور پاک سے درخواست کی تھی کہ آپ مجھے نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا تھا ماں باپ اور قریبیوں سے نیکی کیا کرو۔ اور زبان و شرمگاہ کو اپنے قابو میں رکھو الخبر

سُورۂ والعادیات

- یہ سورہ مکیہ ہے اور بعضوں نے اس کو مدنیہ کہا ہے اور اس کے شانِ نزول کا واقعہ اس کا مدنی ہونا ظاہر کرتا ہے۔ واللہ اعلم
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت ۱۲ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ﴿۲﴾ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ﴿۳﴾ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ﴿۴﴾

تیز سانس لے کر دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم پس رگڑ سے آگ پیدا کرنے والوں کی قسم پس صبح کو دشمن پر لوٹ برپا کرنے والوں کی قسم

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿۵﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿۶﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ

کہ انہوں نے اپنی تیز دوڑ سے غبار اڑایا پس دشمن کے ہجوم میں گھس گئے بے شک تحقیق انسان اپنے رب کا

لَكَنُوْدٌ ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِیْدٌ ﴿۸﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ ﴿۹﴾

انکاری ہے اور تحقیق وہ اس چیز پر گواہ ہے اور تحقیق وہ مال کی محبت میں سخت ہے

- حدیث نبوی میں ہے جو شخص سورہ والعادیات کی تلاوت کرے عرفات و مزدلفہ میں رہنے والے حاجیوں کی تعداد سے دس گنا ثواب اس کے نامہ اعمال میں درج ہوگا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص سورہ والعادیات کی روزمرہ باقاعدہ تلاوت کرتا رہے وہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھیوں میں محشور ہوگا۔
- حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص اس سورہ کی باقاعدہ روزمرہ تلاوت کرے اس کو پورے قرآن کے ختم کا ثواب ہوگا اور اگر اس کو مقروض پڑھے گا تو اس کا قرضہ ادا ہو جائے گا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کو پڑھنے والا خائف ہو تو بامن ہوگا بھوکا ہو تو سیر ہوگا پیاسا ہو تو اس کی پیاس ختم ہو جائے گی اور اگر اس کو مقروض پڑھے تو بہت جلد بار قرض سے سبکدوش ہوگا۔ باذن اللہ
- فوائد القرآن میں ہے اگر اس سورہ کو نئے برتن پر لکھا جائے اور آب باران سے دھویا جائے اور درد والا آدمی اس پانی کو معمولی شکر ملا کر پیتا رہے تو اس کا درد ختم ہو جائے گا۔

رکوع نمبر ۲۵

وَالْعَادِیَاتِ ۔ اس کا موصوف فرسان محذوف ہے اور اس آیت میں خداوند کریم میدان جنگ میں دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم کھا رہا ہے جو کہ جب تیز دوڑتے ہیں تو ان کے سانس بھی تیز ہوتے ہیں اور ان کے سموں سے آگ کی چنگاریاں اٹھتی ہیں۔

غزوہ ذات السلاسل

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جب غزوہ ذات السلاسل میں حضورؐ نے یکے بعد دیگرے صحابہ کی ناکامی

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ﴿١٠﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ﴿١١﴾ إِنَّ رَبَّهُم

کیا وہ نہیں جانتا کہ جب قبروں والوں کو اٹھایا جائے گا اور جو باتیں سینوں میں ہیں ان کو ظاہر کیا جائے گا تحقیق ان کا پروردگار

بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿١٢﴾ ع

اس دن ان کے (اعمال کی اُن کو جزا دے گا کیونکہ وہ ان کے) اعمال سے خبردار ہے

کے بعد حضرت علیؑ کو بھیجا اور وہ فاتح ہو کر پلٹے تو یہ سورہ نازل ہوا اس کی تفصیل تفسیر سورہ برہان میں اس طرح ہے کہ وادیٔ یابس کے باشندوں نے اسلام کے خلاف آپس میں عہد کیا اور شمع اسلام کے گل کرنے کا ایک جامع منصوبہ تیار کیا ادھر جبرئیل نے خدمت نبوی میں پہنچ کر وادی یابس کے کافر باشندوں کے ارادہ فاسدہ کی اطلاع دے دی جن کے جنگی جوانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ آپ نے چار ہزار صحابہ کا لشکر جرار دیکر ابوبکر کو ان کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا جب فوج اسلام وادیٔ یابس کے قریب پہنچی تو وہاں کا سردار اپنے دو سو فوجی آفیسروں کے ہمراہ فوج اسلام کے سربراہ سے گفتگو کرنے کے لئے نکلا ابوبکر نے اپنے بیان میں کہا کہ میں اللہ کے رسول کا فرستادہ ہوں اور دعوتِ اسلام سے کر آیا ہوں اگر آپ لوگ اسلام کی دعوت قبول کرلیں گے تو ہم آپس میں بھائی بھائی ہوں گے اور بصورت دیگر ہمارے اُوپر واجب ہوگا کہ تم سے جنگ کریں انہوں نے ابوبکر کی بات سنتے ہی نہایت تند و تلخ لہجہ سے دعوتِ اسلام کو ٹھکراتے ہوئے اپنی تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھا اور دھمکی دیکر کہا خبردار ہمارے بارہ ہزار جنگی جوان تمہاری بوٹی بوٹی کر دیں گے پس مناسب یہ ہے کہ یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ تمہارا انجام بُرا ہوگا پس ان کی کثرت سے مرعوب ہو کر فوج اسلام نے باعزت پسپا ہونے میں بہتری سمجھی چنانچہ واپس باعافیت مدینہ میں پہنچے آپ نے دوبارہ حضرت عمر کو اسی فوج کا سالار مقرر کر کے روانہ فرمایا تو نتیجہ پھر بھی وہی نکلا کہ کفار کی دھمکی کو نہ برداشت کرتے ہوئے جان بچا کر بخیریت واپس آنے میں بھلائی سمجھی اور فوج اسلام دوبارہ واپس آئی اب تیسری مرتبہ شیر بیشہ شجاعت شہنشاہ ولایت حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو انہی مجاہدین کی فوجی کمان حوالے کر کے حضورؐ نے روانہ فرمایا جب وادیٔ یابس کے قریب پہنچے تو دستور سابق کے ماتحت کفار کا سالار اپنے دو سو خصوصی ارکان دولت کے ہمراہ ابتدائی گفتگو کے لئے حاضر ہوا تو حضرت علیؑ نے دعوتِ اسلام کو پیش کیا اور بصورت دیگر جنگ کا اعلان فرمایا انہوں نے حسب سابق بڑبڑا کر فوج اسلام کو مرعوب کرنے کی کوشش کی لیکن اسد کردگار نے ان کی دھمکیوں کی پرواہ کئے بغیر اعلان جنگ کو دھرایا اور اپنے عزم صمیم کا دوبارہ برملا اظہار فرمایا آپ نے اس گفتگو کے بعد اپنی فوج کو جنگ کے لئے تیار رہنے کا حکم دے دیا اور پوری مستعدی کے ساتھ دشمن کے سامنے ڈٹ جانے کا ہر مجاہد سے پیمان لے لیا چنانچہ مجاہدین نے شوقِ جہاد میں گن گن کر رات کی گھڑیاں گذاریں اور صبح کی نماز اول وقت میں ادا کر کے جہاد کے لئے کمربستہ ہوگئے اور علی الصباح کفار پر دھاوا بول دیا جس کے نتیجہ میں کفار کے جنگی جوان تاب مقابلہ نہ لاتے ہوئے لقمۂ اجل ہوتے چلے گئے اور مجاہدینِ اسلام نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ کچھ دیر کے بعد وادیٔ یابس میں اسلام کا جھنڈا لہراتا ہوا نظر آیا اس جنگ میں بہت کافی مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا پس کامیاب و کامران ہو کر ادھر فوج اسلام مراجعت

فرمائے مدینہ ہوئی تو جبرئیل نے پہنچ کر علی کی فتح کی خوشخبری سنادی اور یہ سورہ نازل ہوا۔ پس حضرت پیغمبر اہل مدینہ کو ساتھ لے کر مدینہ سے تین میل باہر تک علیؑ کے استقبال کے لئے تشریف لائے۔ جب حضرت علیؑ قریب آئے تو احتراماً گھوڑے سے اُترے اور پیغمبر نے علیؑ کو گلے لگا لیا اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضور نے صبح کی نماز میں بھی سورہ والعادیات پڑھی تھی اور چونکہ صحابہ نے اس سے پہلے یہ سورہ نہیں سنا تھا وہ حیران ہو کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے تب آپ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے حضرت علیؑ کی فتح کی بشارت دی ہے اور یہ سورہ بھی ہمراہ لایا ہے۔

لَكَنُودٌ۔ اس کا معنی ہے منکر اور حدیث نبوی میں ہے کہ الكنود الَّذِيْ يَاكُلُ وَحْدَهٗ وَيَمْنَعُ رِفْدَهٗ وَيَضْرِبُ عَبْدَهٗ یعنی کنود وہ ہے جو تنہا کھائے اور مہمان کو کچھ نہ دے اور اپنے غلام پر ظلم کرے۔

سورہ القارعہ

- یہ سورہ مکیہ ہے
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کو ملا کر بارہ بنتی ہے۔
- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص سورہ القارعہ کو ہر روز پڑھے اور زیادہ پڑھے تو خدا اس کو فتنۂ دجال سے محفوظ رکھے گا اور روز قیامت جہنم کی گرمی سے بھی اس کو بچائے گا۔
- حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص سورہ القارعہ کو پڑھے گا بروز محشر اس کا میزان وزنی ہوگا۔
- اگر کاروباری تنگدست آدمی اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو خداوند کریم اس پر رزق کے دروازے کھول دے گا۔
- اور وسعت رزق کے لئے اس کا زیادہ پڑھنا نہایت مفید ہے اور اگر اس سورہ کو نوافل یا فرائض میں پڑھا جائے تو خداوند کریم اس کے رزق میں زیادتی فرمائے گا اور اس کی بدحالی خوشحالی سے بدل جائے گی۔
- مصباح کفعمی سے منقول ہے کہ اس سورہ کو طشت پر لکھا جائے اور عرق گلاب سے دھو کر اس کے پانی کو اس کے مکان میں چھڑکا جائے جہاں حشرات الارض زیادہ ہوں تو باذن پروردگار حشرات الارض وہاں سے نکل جائیں۔ (فوائد)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلۡقَارِعَۃُ ۝۲ مَا الۡقَارِعَۃُ ۝۳ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَۃُ ۝۴ یَوۡمَ یَكُوۡنُ النَّاسُ

قارعہ (قیامت) قارعہ کیا ہے؟ تمہیں کیا معلوم قارعہ کیا ہے؟ جس دن لوگ پھیلے ہوئے

كَالۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۝۵ وَتَكُوۡنُ الۡجِبَالُ كَالۡعِهۡنِ الۡمَنۡفُوۡشِ ۝۶ فَاَمَّا مَنۡ

پتنگوں کی طرح معلوم ہوں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی کپاس کی طرح ریزہ ریزہ نظر آئیں گے پس جس کا

ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ۝۷ فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ ۝۸ وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗ ۝۹

میزان عمل بھاری ہوگا تو وہ خوش حال زندگی میں ہوگا اور لیکن جس کا میزان عمل ہلکا ہوگا

فَاُمُّهٗ هَاوِیَۃٌ ۝۱۰ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا هِیَهۡ ۝۱۱ نَارٌ حَامِیَۃٌ ۝۱۲ ع۲۶

تو اس کی ماں (ٹھکانا) جہنم میں ہوگا تجھے کیا خبر کہ وہ کیا ہے؟ بھڑکتی ہوئی آگ ہے

رکوع نمبر ۲۶

اَلۡفَرَاشِ الۡمَبۡثُوۡثِ ۔ دوسری جگہ الجراد المنتشر سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اس دن کے ہول سے انسان پھیلی ہوئی ٹڈی یا مکڑی یا پتنگوں کی طرح نظر آئے گا کہ عالم مدہوشی و بدحواسی میں اسے یہ نہ معلوم ہو سکے گا کہ میری منزل کس طرف ہے۔

فَاُمُّهٗ هَاوِیَۃٌ ۔ یعنی اس کا مسکن و ماوی جہنم ہوگا جس طرح بچے کیلئے ماں جائے سکون ہوا کرتی ہے تفسیر برہان میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوران سفر میں ایک اجڑی ہوئی بستی سے گذرے اور ادھر ادھر پھیلے ہوئے مردوں کو دیکھ کر فرمایا یہ لوگ گرفتار عذاب ہو کر مرے ہیں ورنہ ایک دوسرے کو دفن کرتے چنانچہ حواریین کی درخواست پہ آپ نے ان کو صدا دی تو ایک نے جواب دیا لبیک یا روح اللہ! آپ نے دریافت کیا کہ تمہارا یہ انجام کس لئے ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہم صبح کو تندرست تھے اور شام کو گرفتار عذاب ہو کر اس جہنم میں ڈال دیئے گئے جس کا نام ہاویہ ہے جہاں آگ کے سمندر بھی ہیں اور آگ کے پہاڑ بھی ہیں آپ نے فرمایا اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا دنیا کی محبت اور طواغیت کی اطاعت نے ہمارا یہ انجام کر دیا ہم دنیا کے اس طرح سے محب تھے جس طرح بچہ ماں سے محبت کرتا ہے کہ آجائے تو خوش ہوتا ہے اور چلی جائے تو روتا ہے اور خدا کے بجائے اپنے بڑے بڑوں (طواغیت) کی عبادت و اطاعت ہمارا دین تھا۔ میری باقی قوم کو جہنم کی لگامیں لگی ہیں کہ وہ بول نہیں سکتے اور میرا عذاب اُن سے

کم ہے کیونکہ میں اُن کے ساتھ شریک نہیں تھا لیکن اُن کو روکتا بھی نہیں تھا پس ایک بال سے جہنم میں لٹکا ہوا ہوں۔ اور اس ڈر میں ہوں کہ کب اس میں گرایا جاؤں گا پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کی خشک روٹی کھا کر مزبلہ پر سو جانا۔ جبکہ دین میں سلامتی ہو اس شکم پُری سے بہتر ہے جس میں دین نہ ہو۔

سورہ التکاثر

- یہ سورہ مکیہ ہے سورہ الکوثر کے بعد نازل ہوا۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ملا کر نو بنتی ہے۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص سوتے وقت اس سورہ کو پڑھے عذاب قبر سے محفوظ ہوگا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اس سورہ کو نماز فریضہ میں پڑھے اس کو ایک سو شہید کا ثواب ملے گا اور اس کی اقتدا میں چالیس صفیں فرشتوں کی نماز پڑھیں گی۔ اور اگر نافلہ میں پڑھا جائے تو پچاس شہیدوں کا اس کو ثواب ملیگا
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے اس سے دنیاوی نعمات کا حساب نہ لیا جائے گا اور نماز عصر کے وقت پڑھے تو دوسرے دن کے غروب شمس تک وہ اللہ کی امان میں رہے گا نیز مروی ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والے کو آسمانی مخلوق اللہ کا شکر ادا کرنے والا کہتی ہے۔
- مصباح کفعمی سے منقول ہے کہ دردسر پر اس کا پڑھنا درد کو ختم کرتا ہے۔
- میت کے لئے دفن کی رات جو نماز ہدیۂ میت پڑھی جاتی ہے اس کا ایک طریقہ تو وہ ہے جو سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَا کے بیان میں گذر چکا ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دو مرتبہ سورہ قل ھو اللہ احد پڑھا جائے اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس مرتبہ سورہ التکاثر پڑھا جائے اور سلام کے بعد درود شریف پڑھ کر یہ فقرہ پڑھا جائے اَللّٰھُمَّ ابْعَثْ ثَوَابَھَا اِلٰی قَبْرِ فلاں اور فلاں کی جگہ میت کا نام لے اور البلد الامین سے تیسرا طریقہ یہ بھی منقول ہے۔ کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور توحید دو مرتبہ اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ التکاثر دس مرتبہ پڑھی جائے۔
- لوگوں کی محبت حاصل کرنے کے لئے ہر روز اکیس ۲۱ مرتبہ اس سورہ کا پڑھنا مفید ہے۔ (اوراد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ② حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ③ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④

تمہیں کثرت پر فخر کرنے نے غافل کر دیا حتی کہ تم قبرستان پہنچ گئے آگاہ ہو عنقریب جان لوگے

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ⑤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑥ لَتَرَوُنَّ

پھر آگاہ ہو عنقریب جان لوگے آگاہ ہو کاش کہ تم حقیقت کو علم الیقین سے جانتے ہوتے (تو فخر نہ کرتے) ضرور

الْجَحِيْمَ ⑦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ⑧ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ⑨ ع

دیکھو گے جہنم کو پھر ضرور دیکھو گے اس کو عین الیقین سے پھر تم سے اس دن نعمتوں کا سوال کیا جائے گا۔

رکوع نمبر ۲۷

اَلْهٰكُمُ - عرب لوگ زمانہ جاہلیت میں اپنی مال و اولاد کی کثرت پر اور قوم و قبیلہ کی کثرت پر ناز کرتے تھے اور بھری محفلوں میں ایک دوسرے پر سبقت و برتری کا معیار اسی کثرت کو قرار دیتے تھے حتاکہ بعض اوقات مرجانے والوں کی قبروں کو شمار کرنے لگ جاتے تھے تو خداوند کریم ان کی سرزنش میں فرماتا ہے کہ کثرت مال و افراد معیار برتری نہیں بلکہ نیک اعمال معیار فوقیت ہیں اور اگر تم حقیقت کو سمجھتے ہوتے تو یہ فخر نہ کرتے جب موت کے ساتھ ہم آغوش ہو کر قبر میں دفن ہو جانا ہے تو اس تفاخر کا کیا فائدہ اور علم الیقین اس علم کو کہتے ہیں جو شک و شبہ کے بعد حاصل ہو۔ اس لئے اللہ کے علم کو یقین نہیں کہا جاتا اور عارف لوگوں کے نزدیک علم الیقین دلیل کے بعد پیدا ہونے والے یقین کا نام ہے اور عین الیقین کا درجہ بلند ہے کہ وہ دیکھ لینے کے بعد حاصل ہونے والے یقین کو کہا جاتا ہے اور حق الیقین آخری منزل ہے کہ چکھ لینے کے بعد جو یقین حاصل ہو اس کو حق الیقین کہا جاتا ہے۔

لَتُسْـَٔلُنَّ - یعنی قیامت کے روز ہر نعمت کا سوال ہوگا لیکن امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا تین چیزوں کے متعلق سوال نہ ہوگا (۱) جسم ڈھانپنے کا کپڑا (۲) پیٹ بھرنے کے لئے روٹی کا ٹکڑا (۳) اور سر چھپانے کے لئے حسب ضرورت مکان روایات اہلبیت میں تواتر سے منقول ہے کہ جس نعمت کا بروز محشر سوال ہوگا وہ ولائے علی بن ابیطالب ہے اور بعض روایات میں ہے کہ توحید و نبوت و امامت کا سوال ہوگا ایک روایت میں معصوم نے فرمایا کہ مہمان کو کھانا کھلانے کے بعد مہمان نواز کا مہمان سے نوالوں کا حساب لینا۔ اس کی شان سے بعید ہے تو خداوند کریم کس طرح روٹی کے نوالوں کا حساب لے گا؟ البتہ ولائے آل محمدؐ کا ہی سوال ہوگا۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوحنیفہ سے نعیم کا معنی پوچھا تو اس نے عام نعمتیں شمار کیں آپ نے فرمایا

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝۱

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَالۡعَصۡرِ ۝۲ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ ۝۳ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

عصر کی قسم — تحقیق انسان خسارے میں ہے — مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح بجا لائے

وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۝۴ ع۲۸

اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی

کہ اس طرح تو وقوف بہت لمبا ہو جائے گا بس وہاں تو صرف ہماری ولاء کا ہی سوال ہوگا۔

سورہ العصر

- یہ سورہ مکیہ ہے اور بسم اللہ کے علاوہ اس کی آیات تین ہیں۔
- حدیث میں ہے جو شخص اس کو پڑھے گا اس کا خاتمہ صبر پر ہوگا اور بروز محشر اصحاب حق میں شمار ہوگا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص نوافل میں سورہ والعصر کو پڑھے قیامت کے روز اس کا چہرہ نورانی ہوگا اور وہ ہنستا ہوا خنکی چشم کے ساتھ داخل جنّت ہوگا۔
- حدیث نبوی میں ہے جو اس کو پڑھے گا اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کا خاتمہ خیریت سے ہوگا
- اگر کسی زمین میں دفن ہونیوالی چیز پر پڑھی جائے یا خزانہ پہ پڑھی جائے تو وہ محفوظ ہوگا۔
- مصباح کفعمی سے منقول ہے کہ صاحب بخار پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہوگا۔
- اگر اس کو نماز عشار کے بعد لکھ کر اپنے پاس رکھے اور حاکم کے پاس جائے تو امان میں ہوگا۔

رُکوع نمبر ۲۸

وَالۡعَصۡرِ۔ ان آیاتِ مجیدہ میں پروردگار عالم نے اسلام کے منشور کو نہایت مختصر اور جامع انداز سے چار نکات میں بند کر کے رکھ دیا۔ جن کی تفاصیل کے لئے ضخیم کتابیں درکار ہوتی ہیں۔ گویا خداوند کریم نے حلفیہ بیان جاری کر کے فرمایا کہ ہر انسان اگر اپنے جذبات کو اپنا پیشرو بنا کر زندگی کے کٹھن منازل کو عبور کرنا چاہے تو یقیناً وہ خسارے سے بچ نہیں سکتا سوائے ان لوگوں کے جو منشور اسلامی کے بیان کردہ چار نکات کو اپنی زندگی کا دستور العمل قرار دیں

① عقائد کے لحاظ سے مومن ہونا یعنی توحید و عدل و نبوت و امامت و قیامت پر عقیدہ کا مضبوط کر لینا جس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "اسلامی سیاست" میں مبرہن اور مدلل طریق سے بیان کی ہے ② اعمال صالحہ کا بجالانا اور ان کے تین شعبے ہیں وُہ اعمال جو حق اللہ شمار ہوتے ہیں، دوسرے وہ اعمال جن کا تعلق انسان کے اپنے نفس سے ہے اور تیسرے وہ اعمال جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کا دائرہ بہت وسیع ہے حق والدین حق زوجہ حق اولاد حق ہمسایہ حق سلطان حق رعایا حق غلام حق حیوانات وغیرہ پس ان تمام حقوق میں خدا کی جانب سے متعینہ حدود کی پاسداری کرنا انسانیت کا بہت بلند مقام ہے ③ ایک دوسرے کو حق کی وصیّت کرنا اگرچہ اعمال صالحہ کے ضمن میں یہ آجاتا ہے لیکن تمام حقوق واجبہ میں اس کو اہمیت حاصل ہے اس لئے اس کو الگ ذکر کیا گیا ہے ④ ایک دوسرے کو مصائب و آلام کے مقامات پر تلقین صبر کرنا یہ بھی اعمال صالحہ کے ضمن میں آسکتا ہے لیکن اہمیّت کے پیش نظر اس کو بھی الگ ذکر کیا گیا ہے اور تیسرے اور چوتھے نکتے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ منشور اسلامی کے ان چار نکات پر جس طرح کربلا والوں نے عمل کیا وہ اپنی مثال آپ ہے اس لئے اگر کہا جائے کہ اس سورہ کے مضمون کے تاویلی مصداق مجاہدین کربلا ہیں تو بالکل بجا ہے قیامت تک کے انسانوں کیلئے اُن کا اسوہ حسنہ اوج انسانیت تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے اسی لئے ان کی یاد کو تازہ کرنا اور ان کی یاد منانا انسانیت کا اہم فریضہ ہے۔

سُورۂ الھمزہ

- یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ سمیت دس ہے
- حدیث میں ہے جو شخص سورہ ہمزہ کی تلاوت کرے گا کفار مکہ جو حضورؐ سے مسخری کرتے تھے کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج ہونگی۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو فرائض میں پڑھے گا اس سے فقر دُور ہوگا اور اس کا رزق کھچ کر اس کی طرف آئے گا اور بُری موت اس کو نہ آئے گی۔
- حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص اس کو پڑھے یا لکھے درد کرنے والی آنکھ کے لئے تو باذن اللہ اس کا درد ختم ہو جائیگا۔
- اور اگر کوئی نظر بد کا شکار ہو تو اس پر یہ سورہ پڑھنے سے نظر بد کا اثر دُور ہو جائے گا (بقدرۃ اللہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۳﴾

ویل ہے ہر غیبت کنندہ زبان دراز کے لئے جس نے مال کو جمع کیا اور گنا

يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ۚ﴿۴﴾ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ۖ﴿۵﴾ وَمَاۤ

وہ سمجھتا ہے کہ تحقیق اس کا مال اس کو زندہ رکھے گا ہرگز نہیں وہ ضرور پھینکا جائے گا جہنم حطمہ میں اور تجھے

اَدۡرٰىكَ مَا الۡحُطَمَةُ ؕ﴿۶﴾ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ۙ﴿۷﴾ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ عَلَى

کیا پتہ کہ حطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکنے والی آگ ہے جو دلوں پر چھا جاتی

الۡاَفۡـئِدَةِ ؕ﴿۸﴾ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ۙ﴿۹﴾ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۱۰﴾

ہے۔ تحقیق وہ ان پر محیط کی جائے گی لمبے ستونوں کے اندر

رکوع نمبر ۲۹

هُمَزَةٍ ۔ کا معنی غیبت کرنے والا اور لمزہ کا معنی آنکھ ہاتھ اور زبان سے طعنہ زنی کرنے والا اور کہتے ہیں۔ اس سے مراد مغیرہ ہے جو حضورؐ کی غیبت بھی کرتا تھا اور سامنے آکر طعنہ زنی بھی کرتا تھا۔

عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۔ اس سے مراد یا تو جہنم کے ستون ہیں یا وہ میخیں ہیں جو جہنم کے دروازوں کو بند کرنے کے لئے استعمال کی جائیں گی۔

سُورَۃُ الفِیل

- یہ سورہ مکیہ ہے سورہ الکافرون کے بعد نازل ہوا۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ملا کر چھ ہے۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس سورہ کو نماز فریضہ میں پڑھے تو بروز محشر ہر سہل و جبل اس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ﴿۲﴾ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے اصحاب الفیل سے کیا کیا؟ کیا اُن کی باطل تجویز کو اُس نے بے کار

فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ﴿۳﴾ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ﴿۴﴾ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ

نہیں کر دیا تھا؟ اور اس نے ابابیل بھیج دیئے جو ان کو سخت سنگریزے

مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ﴿۵﴾ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ﴿۶﴾ ع

مارتے تھے پس کر دیا ان کو بھوسے کی طرح جسکو حیوان کھاتے ہیں

کی نماز کی گواہی دیں گے اور خداوند کریم کی طرف سے ندا آئے گی کہ تمہاری گواہی مقبول ہے۔ بے شک میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ کے دوست ہیں اور اللہ کو ان کا عمل محبوب ہے۔

- **مسئلہ** :۔ فقہائے امامیہ کے نزدیک سورہ الفیل اور سورہ لایلاف قریش ایک سورہ کے حکم میں ہیں لہٰذا اگر یہ سورہ نماز میں پڑھا جائے گا تو اس کے بعد سورہ لایلاف کا بھی پڑھنا ضروری ہوگا۔
- حدیثِ نبوی میں ہے کہ جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا خدا اس کو عذاب سے امان دے گا اور دنیا میں مسخ ہونے سے محفوظ رہے گا اگر حملہ آور کے نیزہ پہ پڑھی جائے تو اس کے نیزے کا پھل ٹوٹ جائے گا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کسی مصیبت زدہ پر یہ سورہ پڑھی جائے تو اس کا دشمن فوراً بھاگ جائے گا۔ اور اس کا پڑھنا قوتِ قلب کا باعث ہے۔
- **عمل برائے حفاظت** بر کتاب اوراد میں ہے کہ اگر ظالم حاکم کے پاس جانا ہو تو کٓھٰیٰعٓصٓ کو پڑھے اور ہر حرف پہ دائیں ہاتھ کی ایک انگلی انگوٹھے سے شروع کر کے بند کرتا جائے اور آخر میں مٹھی بند کرے پھر حٰمٓ عٓسٓقٓ کو پڑھے اور ہر حرف پہ بائیں ہاتھ کی ایک انگلی بند کرتا جائے کہ انگوٹھے پر ختم کرے اور مٹھی بند کرے پس کمرے میں داخل ہو اور حاکم کے رو برو سورہ الفیل کو پڑھے اور لفظ تَرۡمِیۡہِمۡ کو دس دفعہ پڑھے کہ ہر دفعہ ایک انگلی کو شروع سے کھولتا جائے جب سب انگلیاں کھل جائیں تو سورہ کو پورا کرے پس حاکم کے شر سے محفوظ رہے گا۔

رکوع نمبر ۳۰ | اَبَابِیۡلَ ۔ اس کی واحد اَبُّول یا ابالہ ہے ایک پرندے کا نام ہے جو چڑیا سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔

سِجِّيلٍ :۔ ایک سخت قسم کے پتھر کو کہا جاتا ہے جو عام پتھروں کی بہ نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے۔

كَعَصْفٍ :۔ بھوسے کو اور گھاس کے خشک تنکوں کو عصف کہا جاتا ہے یعنی جس طرح بھوسہ بیکار زمین پر پھیلا رہتا ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اسی طرح ان کی لاشیں بھی زمین پر بکھری پڑی تھیں کہ ان کا پُرسانِ حال کوئی نہ تھا۔

اصحاب الفیل کا واقعہ

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ تبع کو جب یمنیوں نے قتل کر دیا تو اس کا بیٹا قیصر روم کے پاس فریاد لے کے گیا پس قیصر روم نے سوڈان کے بادشاہ نجاشی کو اس کی سفارش لکھی یہ نجاشی پیغمبر کے زمانہ کے نجاشی کا دادا تھا پس نجاشی نے ساٹھ ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار اہل یمن کی سرکوبی کے لئے روزبہ نامی شخص کے زیر کمان روانہ کیا چنانچہ یمن فتح ہوا اور وہاں پر قابض قوم حمیر کا اقتدار ختم ہو گیا پس روزبہ وہاں کا حکمران ٹھیرا جو نجاشی کے زیر اثر تھا روزبہ کی فوج کا ایک افسر جس کا نام ابرہہ اور کنیت ابویکسوم تھی نہایت چُست و چالاک تھا اس نے پوری فوج میں اپنا اثر ورسوخ بڑھا کر روزبہ کی مخالفت شروع کر دی اور آخر کار اس کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر خود اس کی جگہ حکمران بن بیٹھا اور نجاشی کو اپنی اطاعت کا یقین دلا کر اس کو راضی کر لیا جب اس کا اقتدار مضبوط ہو گیا تو اس نے کعبہ کے مقابلہ میں یمن میں کعبہ تعمیر کرایا تا کہ لوگ بیت اللہ کو چھوڑ کر یمنی کعبہ کی حج کریں اور اس کو عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے دیدہ زیب اور جاذب نظر بناتے ہوئے اس کو سُنہری محرابوں سے خوب سجایا چنانچہ یمنی لوگ اس کا طواف کرنے لگ گئے۔

ایک دفعہ عرب کا ایک بڑا قبیلہ بنی کنانہ وارد یمن ہوا تو بنی کنانہ کے آدمی نے یمنی کعبہ کو دیکھنے کے بہانہ سے اندر جا کر پاخانہ کر دیا جب ابرہہ خود اپنے کعبہ کی زیارت کے لئے آگے بڑھا تو اس نے کعبہ کے اندر غلاظت دیکھ کر اپنی نصرانیت کی قسم کھائی کہ میں عربوں کے کعبہ کو مسمار کر کے رہوں گا چنانچہ اس نے اپنی فوج کو جسمیں ہاتھی سواروں کا ایک دستہ بھی تھا حجاز کی طرف پیش قدمی کا آرڈر دے دیا اشعرون و خثعم کے قبائل نے اس کی دعوت کو قبول کر کے فوج میں شمولیت اختیار کر لی اور تاریخ مقرر پر ابرہہ کی فوج یمن سے روانہ ہوئی۔ راستہ میں بھی ابرہہ کے حکم سے اس کے ایک فوجی نے عرب قبائل کو یمنی کعبہ کے طواف کا مشورہ دیا لیکن پھر بنی کنانہ کے ایک شخص نے اس فوجی کا سرتن سے جُدا کر دیا جس کی خبر سُنتے ہی ابرہہ کو بہت غصہ آیا اور اس انتقام کا جذبہ اس کے دل میں زیادہ تیز ہو گیا جب یہ لشکر طائف کے پاس سے گذرا تو وہاں کے رہنے والے قبیلہ ھذیل کے ایک آدمی نفیل نامی کو راستہ معلوم کرنے کے لئے ساتھ لے لیا حتیٰ کہ مکہ سے چھ میل دُور مقام مغمس پر انہوں نے فوجی مورچے بنا کر قیام کر لیا اور ایک دستہ مکہ کی وادیوں میں گھومنے اور حالات کا جائزہ لینے کے لئے روانہ کر دیا مکہ میں بسنے والے عرب قبائل نے جونہی ابرہہ کی فوج دیکھی وہ گھروں کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر روپوش ہو گئے صرف حضرت عبدالمطلب بچ گئے جن کے قبضہ میں چاہ زمزم کا چارج تھا اور دوسرے شیبہ بن عثمان عبدری جو بیت اللہ کا دربان تھا مکہ میں موجود تھا ابرہہ کے گشتی فوجی دستے نے قریشیوں کے اونٹ قبضہ میں کر لئے جنمیں دو سو اونٹ صرف عبدالمطلب کے تھے جب ان کو معلوم ہوا تو وہ اپنے اونٹوں کی واپسی کے لئے ابرہہ کی فوجی چھاؤنی میں داخل ہوئے اور ابرہہ کی قیامگاہ کے دروازہ پہ پہنچے اس وقت دروازہ کا سنتری اشعرون قبیلہ کا ایک سپاہی تھا جو عبدالمطلب کی شخصیت

سے خوب واقف تھا اس نے اندر جاکر اجازت لی اور اچھے انداز سے عبدالمطلب کا تعارف کرایا جب آپ اندر تشریف لے گئے تو ان کی ظاہری شکل وشباہت اور باوقار نورانی چہرہ کی عظمت سے متاثر ہوکر تخت سے نیچے اُترا اور آپ کے ہمراہ فرش پر بیٹھ کر احوال پُرسی کے بعد آپ سے تشریف آوری کی وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا تمہاری گشتی فوج نے ہمارے اُونٹ چرالئے ہیں اور ان کی بازیابی کے لئے آیا ہوں ابرہہ ایک مرتبہ دریائے حیرت میں ڈوب گیا اور کچھ سنبھل کر کہنے لگا میں تو آپ کو بہت بڑا دانا سمجھتا تھا لیکن آپ کے اس سوال سے میں کچھ شش و پنج میں پڑ گیا ہوں آپ نے فرمایا وہ کیسے ؟ تو اُس نے جواب دیا کہ میں یمن سے اس قدر لشکر جرار لے کر تمہارے کعبے کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں جس پر تمہارے وقار اور شرف کا دارومدار ہے دانشمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ اپنے دوسو اونٹ نظر انداز کرکے اپنے بیت الشرف کعبۃ اللہ کی سفارش فرماتے اور اس اہم حاجت کا ذکر کرتے اور میں یقیناً آپ کے احترام کی خاطر مان لیتا۔ آپ نے نہایت اطمینان ومتانت سے ابرہہ کی بات سُن کر جواب دیا کہ میں تو اپنے مال کی واپسی کے لئے حاضر ہوا ہوں جس گھر کو گرانے کے لئے تم لوگ آئے ہو اس کا بھی ایک مالک ہے وہ اُس کی حفاظت کا خود ذمہ دار ہے اس بات کو سُن کر ابرہہ گھبرا گیا اور اونٹوں کی واپسی کا حکم دے دیا آپ اپنے اونٹ لے کر واپس پلٹ کر آگئے۔ اس رات ابرہہ اور اس کی فوج یوں محسوس کر رہی تھی کہ گویا عذابِ خداوندی ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے پس بے حس وحرکت موت کے سایہ میں انہوں نے رات گذاری۔ ان کے ہمراہ قبیلہ ھذیل کا جو آدمی رہنمائی کے لئے آیا تھا وہ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور اشعرون وخثعم نے بھی بیت اللہ پر چڑھائی سے انکار کر دیا حضرت عبدالمطلب جب واپس آنے لگے تھے تو ابرہہ کی فوج کے بڑے ہاتھی محمود نامی کے پاس سے گذرے اور ہاتھی کے کان میں کہا کہ تمہیں پتہ ہے ابرہہ تم کو کیوں لایا ہے ؟ اُس نے سر ہلاکر نفی میں جواب دیا پھر آپ نے فرمایا یہ تو بیت اللہ کو مسمار کرنے کے لئے آئے ہیں کیا تم ان کا ساتھ دوگے تو پھر ہاتھی نے سر ہلاکر نفی میں جواب دیا پس آپ چلے گئے۔

جب صبح سویرے ابرہہ کی فوج نے ہاتھیوں کو مکہ کی طرف بڑھانا چاہا تو بڑے ہاتھی کے قدم رُک گئے ہرچند اس پر تشدّد کیا گیا لیکن وہ نہ ہلا جب اس کو پیچھے کی طرف چلاتے تھے تو چلتا تھا لیکن جب آگے بڑھانا چاہتے تھے تو وہ رُک جاتا تھا اور دوسرے ہاتھی محمود نامی ہاتھی کی اقتدار میں رُک جاتے تھے۔

اِدھر حضرت عبدالمطلب نے اپنے کسی غلام کو حکم دیا کہ پہاڑ پر چڑھ کر دیکھو کوئی چیز نظر آتی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اپنے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ کو حکم دیا کہ کوہ ابوقبیس پر چڑھ کر دیکھو اگر کوئی چیز ہو مجھے خبر دینا چنانچہ جناب عبداللہ کوہ ابوقبیس پر چڑھے تو سمندر کی جانب سے ابابیل کے غولوں کو سیلاب کی طرح آتے دیکھا کہ ان کی سیاہی شب تاریک کی طرح تھی پس وہ پرندے کوہ ابوقبیس پر اُترے پھر کعبہ کے سات چکر انہوں نے لگائے اور سات طواف صفا ومروہ کے کئے۔ یہ ماجرا دیکھ کر حضرت عبداللہ نے اپنے والد ماجد کو اطلاع دی اور دوسری روایت کے ماتحت جب غلام نے خبر دی اور بتایا کہ ہر ہر پرندے کی چونچ میں ایک سنگریزہ ہے اور دو پاؤں میں دو سنگریزے ہیں تو عبدالمطلب نے فرمایا عبدالمطلب کے رب کی قسم یہ اس قوم کے لئے ہی آئے ہیں۔ مجمع البیان کی روایت کے مطابق طلوعِ شمس کے وقت پرندے پہنچ گئے ہر ایک پرندہ کے پاس تین سنگریزے تھے اور وہ جہاں پڑتے تھے جسم سے

پار ہو جاتے تھے گویا خدائی فوج کا ہر سپاہی دشمن فوج کے تین تین سپاہیوں کے لئے کافی تھا۔ پس جب ایک پرندہ تین فائر کر چکتا اور تین دشمنوں کو واصل جہنم کر لیتا تو وہ غائب ہو جاتا تھا اور دوسرا نمودار ہو جاتا تھا یہانتک کہ ابرہہ کا لشکر مارا گیا اور ابرہہ کو ایک سنگریزہ لگا جس سے وہ بھاگ کھڑا ہوا اور وہ زخم بڑھتا رہا حتی کہ یمن کی زمین میں پہنچ کر وہ فی النار ہو گیا اور قبیلۂ اشعرون اور خثعم نے چونکہ کعبہ پر چڑھائی کا انکار کر دیا تھا۔ لہٰذا ان کا کوئی آدمی قتل نہ ہوا اور مروی ہے کہ وہ پرندے بادل کی طرح ابرہہ کی فوج کے سروں پر منڈلا رہے تھے اور ان میں سے ہر ہر پرندہ تین تین دشمنوں کے مارنے کے لئے قدرت کی جانب سے مامور تھا پس وہ کافر کے سر کے اوپر سنگریزے کو چھوڑتا تھا اور وہ سنگریزہ اس کی دبر سے پار ہو جاتا تھا اور منقول ہے کہ صرف ایک آدمی ان میں سے بھاگنے میں کامیاب ہو گیا اور اس کے حصہ کا ایک پرندہ بھی سنگریزہ چونچ میں پکڑ کر اس کے تعاقب میں رہا جب اس شخص نے فوج ابرہہ کی تباہی کا ذکر سنایا اور کہا کہ پرندوں نے فوج کو مارا ہے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ پرندہ کس قدر تھا پس اس نے اوپر کو دیکھا تو وہی پرندہ اوپر پھر رہا تھا اس نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ پرندے اسی قسم کے تھے چنانچہ اس کے یہ الفاظ ختم ہوئے تو اس پرندے نے سنگریزہ چھوڑ دیا اور وہ اس کے سر پر لگ کر دبر سے نیچے پار ہو گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اور یہ پرندے نہ اس سے پہلے کسی نے دیکھے تھے اور نہ بعد میں دیکھے گئے۔

تنبیہ:- جو لوگ معجزات کا انکار کرتے ہیں ان کے لئے اصحاب الفیل کی تباہی کا قصہ مہمیز عبرت و نصیحت ہے کیونکہ ملحد و بے دین لوگ طوفان نوح یا فرعون کی غرقابی یا تیز آندھی وغیرہ کا عذاب کے عادی وطبعی اسباب کہکر معجزہ کا انکار کر دیتے ہیں لیکن اصحاب الفیل کی تباہی ایک غیر عادی طور پر ہونے کے باوجود ناقابل انکار حقیقت ہے اور جو لوگ حضرت پیغمبرؐ کی تکذیب پر ہر وقت کمربستہ رہتے تھے اصحاب الفیل کا قصہ سن کر ان کو آپ کے جھٹلانے کی جرأت نہ ہو سکی کیونکہ اس وقت یہ قصہ پرانا نہ تھا اور عرب لوگ اخبار متواترہ سے اس کو جانتے تھے نیز بعض سن رسیدہ لوگوں کا تو چشم دید واقعہ تھا اور یہ قصہ رسولؐ اللہ کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے جس کا انکار صرف کور باطن ہی کر سکتا ہے

سورہ لایلاف

- یہ سورہ مکیہ ہے اور والتین کے بعد نازل ہوا ہے۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کے علاوہ چار ہے۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو سورہ لایلاف کی زیادہ تلاوت کرے، خداوند کریم اس کو جنت کی سواری پر سوار کرکے محشور کرے گا اور نور کے دسترخوان پر اس کو جگہ ملے گا۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھے کعبہ کے طواف و اعتکاف کرنیوالوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں اس کے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿۲﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ﴿۳﴾ فَلْيَعْبُدُوْا

قریش کی محبت کے لئے کہ ان کی محبت سردیوں اور گرمیوں کے سفر پہ موقوف ہے پس انہیں چاہیئے

رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿۴﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۵﴾

کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک کے بعد کھانا دیا اور خوف سے امن میں رکھا

نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔

- سورہ فیل اور سورہ قریش دونو ایک سورہ ہیں اور نماز میں جہاں ایک پڑھی جائے وہاں دوسری کا پڑھنا بھی واجب ہے
- حدیث نبوی میں ہے کہ اگر اس سورہ کو کھانے پر پڑھا جائے تو اس کے ضرر رساں اثرات ختم ہونگے اور وہ باعثِ شفا ہوگی
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر اس سورہ کو پانی پر پڑھ کر دل کے مریض پر وہ پانی چھڑکا جائے تو وہ تندرست ہو جائے گا۔
- مصباح کفعمی سے منقول ہے کہ اگر بھوکا آدمی اس کو طلوع آفتاب سے پہلے پڑھے تو خداوند کریم اس کے لئے روزی کا پہنچنا آسان کر دے گا۔

رکوع نمبر ۳۱

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ - ایلاف الفت سے ہے اور جار کا متعلق فعل محذوف ہے جس کا ربط پہلی سورت سے ہے یعنی ہم نے ابرہہ کی فوج کو تباہ کر ڈالا قریش کی محبت کے لئے اور ان کی بیت اللہ کے ساتھ مانوسیت کو برقرار رکھنے کے لئے کیونکہ اگر ہم ان کی مدد نہ کرتے اور ابرہہ کی فوج چھا جاتی تو قریش کو مکہ چھوڑنا پڑتا پس ہم نے ان کے دشمن کو شکست دیدی تاکہ یہ لوگ بامن ہو کر کعبہ کی مجاورت میں زندگی گذاریں اور اس لئے کہ یہ مقام خاتم الانبیاء کی ولادت کا مقام ہے پس قریش کے لئے مکہ کی رہائش کو دشمن کی پس پائی سے زیادہ قابل قبول بنا دیا۔

قریش کا معنی ہے کہ چونکہ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے نہ اُن کے پاس زراعت تھی اور نہ مالداری بلکہ غیر ملکی تجارت کر کے بسر اوقات کرتے تھے اور یہ نضر بن کنانہ کی اولاد تھے اور نضر کی اولاد کو ہی قریش کہا جاتا ہے اور حرم کعبہ کی زیارت اور حرم کعبہ کی مجاورت کی وجہ سے پوری عرب آبادی ان کا احترام کرتی تھی حتیٰ کہ اگر کہیں قافلہ چوروں اور ڈاکوؤں کی زد میں آجاتا تھا اور کوئی شخص کہتا تھا کہ میں حرم کعبہ کا مجاور ہوں تو چور و ڈاکو اس کو چھوڑ دیا کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی ان پر چڑھائی نہ کر سکتا تھا۔ پس خدا فرماتا ہے کہ ہم نے ابرہہ کی فوج کو پرندوں سے مروایا تاکہ ان کی عقیدت میں اضافہ ہو اور ان کی کعبہ سے محبت برقرار رہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَرَءَيۡتَ الَّذِىۡ يُكَذِّبُ بِالدِّيۡنِ ﴿۲﴾ فَذٰلِكَ الَّذِىۡ يَدُعُّ الۡيَتِيۡمَ ﴿۳﴾

کیا تونے دیکھا وہ شخص جو دین کو جھٹلاتا ہے پس وہ وہ ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے

پس ان کو بھی چاہیے کہ اس گھر کے مالک کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

اِیۡلٰفِہِمۡ - یہ پہلے ایلاف سے بدل ہے سال بھر میں قریشی دو سفر کرتے تھے سردیوں میں یمن کی طرف جاتے تھے کیونکہ یہ علاقہ ساحل بحر پر ہونے کی وجہ سے گرم تھا اور گرمیوں میں شام جاتے تھے کیونکہ یہ علاقہ سرد تھا اور بعض نے کہا ہے کہ دونو سفر شام کی طرف تھے۔ البتہ سردیوں میں سمندر کے کنارے کنارے جاتے تھے اور گرمیوں میں بصریٰ واذرعات کے راستے سے جاتے تھے پس یہ اپنے ہاں سے چمڑے کا سامان لے جاتے تھے اور وہاں سے کپڑا غلہ اور دیگر ضروریات زندگی خرید لاتے تھے۔

سورہ الماعون

- اس سورہ کے مکی و مدنی ہونے میں اختلاف ہے اور تفسیر برہان میں ہے کہ پہلی تین آیتیں مدنی ہیں اور بعد والی چار آیتیں مکی ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے علاوہ اس کی کل تعداد سات ہے۔
- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اس سورہ کو فرائض و نوافل میں پڑھے اس کی نمازیں اور روزے مقبول ہوں گے اور قیامت کے دن اس کا حساب نہ ہوگا۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا اس کے گناہ بخشے جائیں گے بشرطیکہ زکوٰۃ ادا کر چکا ہو اور جو شخص نماز صبح کے بعد ایک سو مرتبہ اس کو پڑھے آئندہ صبح تک وہ خدا کی حفاظت میں ہوگا۔
- فوائد القرآن میں منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص سورہ ماعون کو اکتالیس مرتبہ پڑھے وہ اور اس کی اولاد محتاج نہ ہوں گے اور سورہ کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے دس مرتبہ درود شریف پڑھ لینا چاہیے۔

(اقول) اس سے ظاہر ہے کہ یہ عمل صرف ایک دن کا نہیں بلکہ وقت مقررہ پر ہر روز اس عمل کو جاری رکھا جائے۔

رکوع نمبر ۳۲

اَرَءَيۡتَ - چونکہ پہلی تین آیتیں مکی ہیں لہذا ان کے شان نزول میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد عاص بن وائل یا ولید بن مغیرہ یا ابوسفیان ہے کہتے ہیں کہ وہ ایک ہفتہ میں دو اونٹ نحر کرتا تھا ایک دفعہ اس کے دستر خوان پر ایک یتیم آیا تو اس نے اس کو لاٹھی کی نوک سے دھکیل کر باہر کر دیا پھر کیف جو بھی یہ صفات رکھتا ہو وہ

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ

اور مسکین کو کھلانے پر (نہ رغبت کراتا ہے اور) نہ رغبت دلاتا ہے پس ویل ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے

عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶ وَيَمْنَعُوْنَ

غفلت کرتے ہیں ایسے لوگ جو ریا کرتے ہیں اور معمولی ضروریات زندگی سے

الْمَاعُوْنَ ۝۷ ع ۳۲

لوگوں کو محروم رکھتے ہیں

ان آیات کا قیامت تک مصداق بن سکتا ہے اور تاویل باطنی کے اعتبار سے دین سے مراد ولایت علیؑ ہے۔

وَيْلٌ۔ نماز سے سہو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو معمولی سمجھتے ہیں اور اس کے ترک ہوجانے کی پرواہ نہیں کرتے اور اس سے تارک نماز مراد ہیں اور وہ وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب پڑھتے ہیں تو لوگوں کے دکھلاوے کے لئے پڑھتے ہیں۔

اَلْمَاعُوْن اس سے مراد وہ عام ضروریات زندگی کی چیزیں ہیں۔ جو لوگ ایک دوسرے کو عاریتہً دے دیا کرتے ہیں مثلاً ڈول، گلاس، بالٹی، ہتھوڑا، چاقو چھری وغیرہ یا وہ چیزیں جن سے روکا نہیں جاتا جس طرح پانی اور بعض روایات میں قرضہ اور زکوٰۃ بھی مراد لی گئی ہے اور بعضوں نے ہر معروف اس سے مراد لی ہے پس ضروریات زندگی کی ان چیزوں کی لین دین سے دوسروں کو محروم کرنا ناجائز ہے البتہ اگر وہ شخص ضائع کرنے والا یا خیانت کرنے والا ہو تو ایسی صورت میں اس کو نہ دینا گناہ نہیں ہے

چنانچہ تفسیر برہان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص نے ماعون کی تفسیر پوچھی جب آپ نے وضاحت کی تو سائل نے عرض کی کہ حضورؑ ہمارا ایک ہمسایہ ہے جو مانگنے پر چیز لے جاتا ہے لیکن اسے توڑ دیتا ہے یا ضائع کر دیتا ہے تو پھر ہم کیا کریں آپ نے فرمایا ایسے شخص کو نہ دینا گناہ نہیں ہے۔

سورہ الکوثر

- یہ سورہ مکیہ ہے اور بسم اللہ کے علاوہ اس کی آیات تین ہیں۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص فرائض اور نوافل میں یہ سورہ پڑھے اُسے کوثر نصیب ہوگا۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص سورہ کوثر کی تلاوت کرے اس کو نہر جنت سے سیراب کیا جائے گا اور قیامت تک عید کے موقعہ پر قربان ہونے والے جانوروں کی تعداد سے دس گنا اس کو اجر نصیب ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ﴿۲﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ﴿۳﴾ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۴﴾ ع

ہم نے تجھے کوثر عطا کیا — پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر — تحقیق تیرا دشمن دم بریدہ ہے

○ جو شخص شب جمعہ ہونے سے پہلے ایک سو مرتبہ سورہ کوثر کو پڑھے وہ خواب میں حضرت رسالتمآبؐ کی زیارت کرے گا۔

○ مصباح کفعمی سے منقول ہے اگر جانور کے پیٹ میں درد ہو تو اس سورہ کو اس کے داہنے کان میں تین مرتبہ پڑھے اور بائیں کان میں بھی تین مرتبہ پڑھے پس اس جانور کے پہلو پر لات مارے تو وہ اٹھ کھڑا ہو گا۔ (باذن اللہ)

رکوع نمبر ۲۳ | کوثر کا معنی

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ۔ کوثر کے معنی میں اس جگہ اختلاف ہے اس کا وزن ہے فوعل اور کثرت سے مشتق ہے اور اس کا معنی خیر کثیر ہے لیکن اس جگہ وہ کونسی خیر کثیر ہے جو مراد لی گئی ہے۔ (۱) بعض نے کہا ہے کہ جنت کی نہر کا نام کوثر ہے۔ چنانچہ اس سورہ کے نزول کے بعد لوگوں نے دریافت کیا اور حضورؐ نے بتایا کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے جس کا پانی دودھ سے سفید تر ہے اور اس کے کناروں پر یاقوت اور موتیوں کے گھرے ہیں اور اس کے شان نزول میں مروی ہے کہ حضور کا فرزند عبداللہ نامی جو جناب خدیجہ کے بطن اطہر سے تھا فوت ہو گیا۔ تو لوگ آپ کو ابتر کے نام سے پکارتے تھے کیونکہ بے اولاد کو وہ ابتر کہا کرتے تھے پس جب یہ سورہ نازل ہوا تو آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے مجھے بیٹے کے بدلے میں نہر جنت کوثر عطا فرمائی

انس سے مروی ہے کہ ایک دن حضورؐ تشریف فرما تھے اور صحابہ آپ کے اردگرد جمع تھے کہ آپ کو اونگھ سی آئی جب آنکھ کھلی تو مسکرا دیئے اور فرمایا ابھی میرے اوپر ایک سورہ نازل ہوا ہے پس آپ نے سورۂ کوثر کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ کوثر کیا ہے ؟ تو سب نے عرض کی کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا جنت میں ایک نہر ہے جس کے کنارے پر آسمانی ستاروں کی تعداد میں پیالے رکھے ہوئے ہیں اور میری امت کے لوگ وہاں میرے پاس وارد ہوں گے۔ جب ان لوگوں میں سے بعض لوگوں کو دھکیل کر دور کیا جائے گا تو میں کہوں گا۔ اے پروردگار یہ لوگ میرے امتی ہیں۔ تو جواب ملے گا تجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعتیں کی ہیں۔ رواہ مسلم فی الصحیح

تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے حضور سے کوثر کا مطلب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کوثر ایک جنت کی نہر ہے جو خدا نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ حضرت علیؑ نے اس کی مزید تشریح طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ نہر زیر عرش جاری ہے اس کا پانی دودھ سے سفید تر شہد سے شیریں تر اور مکھن سے ملائم تر ہو گا۔ اس میں زبرجد یاقوت اور مرجان کے سنگریزے ہوں گے اس کے کناروں کا گھاس زعفران ہو گا اور اس کی مٹی کستوری ہو گی اس کے بعد آپ نے حضرت امیر علیہ السلام کے

شانوں پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ نہر میرے اور تیرے اور تیرے دوستوں کے لئے ہوگی ایک روایت میں ہے کہ اس کی گہرائی ستر ہزار فرسخ کے برابر ہوگی ایک روایت میں ہے حضورؐ نے فرمایا میری اور میرے اہلبیت کی منازل کوثر کے کنارے پر ہوں گی جو یاقوت و جواہر سے تعمیر شدہ ہوں گے۔

عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے نبی کریمؐ نے فرمایا خداوند کریم نے مجھے پانچ چیزیں عطا فرمائی ہیں اور علیؑ کو بھی پانچ چیزیں عطا کی ہیں (۱) مجھے اللہ نے جوامع الکلم عطا فرمائے اور علی کو جوامع العلم عطا کیا (۲) مجھے اللہ نے نبوت دی علی کو وصی بنایا۔ (۳) مجھے اللہ نے کوثر دیا علی کو سلسبیل عطا کیا (۴) مجھے وحی عطا کی علی کو الہام دیا (۵) مجھے آسمانوں کی سیر کرائی اور علیؑ کے لئے آسمانوں اور حجابوں کے دروازے کھول دیئے یہانتک کہ وہ مجھے دیکھتے رہے اور میں اُسے دیکھتا رہا اس کے بعد حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے میں نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے اے ابن عباس سب سے پہلے جو اللہ نے مجھ سے کلام کیا تو فرمایا اے محمدؐ نیچے نگاہ کرو جب میں نے نیچے دیکھا تو حجاب پھٹ چکے تھے اور آسمانوں کے دروازے کھل چکے تھے اور علیؑ کو میں نے دیکھا تو وہ سر اُٹھا کر میری طرف دیکھ رہے تھے پس میں نے علیؑ سے بھی باتیں کیں۔

ابن عباس نے دریافت کیا کہ اللہ نے کیا کلام فرمایا تو حضورؐ نے جواب دیا۔ اللہ نے فرمایا اے محمدؐ میں نے علیؑ کو تیرا وصی وزیر اور خلیفہ مقرر کیا ہے اس کو بتا دینا حالانکہ وہ اب بھی سن رہا ہے پس میں نے علی سے اسی وقت کہہ دیا جبکہ میں بارگاہ ربوبیت میں تھا اور علیؑ نے اسی وقت جواب دیا کہ میں نے یہ عہدہ قبول کر لیا اور اطاعت کر لی ہے پس اسی وقت اللہ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ علی پر سلام کرو چنانچہ تمام ملائکہ نے علیؑ کو سلام کیا اور علیؑ نے سب کے سلام کا جواب دیا اور میں نے دیکھا کہ ملائکہ ایک دوسرے کو بھی یہ خوشخبری سُنا رہے تھے اس کے بعد جو میں ملائکہ کے پاس سے گذرا تو تمام نے مجھے علیؑ کے ولیعہد کی مبارک باد دی اور کہنے لگے کہ ہمیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق نبی بنایا تمام ملائکہ علیؑ کی خلافت سے خوشنود ہوئے ہیں اور میں نے دیکھا کہ حاملین عرش کی گردنیں زمین کی طرف جھک گئی تھیں تو جبرئیل نے کہا اس سے پہلے باقی تمام ملائکہ نے خوشی خوشی علیؑ کے چہرہ کی زیارت کر لی تھی۔ حاملین عرش کو اب اجازت ملی ہے پس وہ اب علیؑ کے چہرہ کی زیارت کرنے کے لئے گردنیں جھکائے ہوئے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں جب میں زمین پر اُترا تو میں علیؑ کو قصہ سُنا رہا تھا اور وہ مجھے معراج کی ساری سرگذشت سُنا رہے تھے پس میں جان گیا کہ میں نے جہاں جہاں قدم رکھا ہے علیؑ وہاں وہاں دیکھتے رہے کیونکہ ان کے لئے حجابات اٹھا لئے گئے تھے۔

ابن عباس نے عرض کی کہ آپ مجھے کوئی وصیت فرمائیں تو آپ نے فرمایا میں تجھے علی کی محبت کی وصیت کرتا ہوں اور مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی بنایا ہے خدا کسی عبد کی نیکی قبول نہیں کرے گا جبتک اس کے دامن میں علیؑ کی ولا نہ ہوگی پس اگر کسی کے پاس علیؑ کی ولا ہوگی تو عمل قبول ہوگا ورنہ کوئی عمل قابل قبول نہ ہوگا اور داخل جہنم ہوگا اور مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبی بنایا ہے جن لوگوں نے خدا کے لئے اولاد تجویز کی ہے دوزخ کی آگ ان سے بھی زیادہ علیؑ کے دشمنوں کو مقام غضب قرار دے گی۔ اے ابن عباس یہ ہو نہیں سکتا لیکن اگر بفرض محال ملائکہ اور انبیاء کے دلوں میں بھی علیؑ کے حق میں بغض

پیدا ہو جائے تو وہ بھی دوزخ میں جائیں گے۔ ابن عباس کہتا ہے میں نے عرض کی کیا کوئی شخص علیؑ سے بغض بھی رکھتا ہے آپ نے فرمایا ہاں وہ میری اُمّت کے بعض لوگ جن کا درحقیقت اسلام سے کوئی واسطہ بھی نہیں ہوگا۔ وہ علیؑ سے بغض رکھیں گے اور ان کے بغض کی نشانی یہ ہے کہ گھٹیا قسم کے لوگوں کو علیؑ پر فضیلت دیں گے اور مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے برحق نبی بنایا ہے کہ اللہ نے مجھ سے بہتر کوئی نبی نہیں پیدا کیا اور علیؑ سے بہتر کوئی وصی نہیں بنایا پس ابن عباس کہتا ہے کہ میں نے رسول اللہؐ کے فرمان پر پورا عمل کیا۔

جب وقت وفات میں حضورؐ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا اے ابن عباس علی کے مخالف کا مخالف بن کر رہنا اور اس کا مددگار نہ بننا میں نے عرض کی حضورؐ! آپ لوگوں کو یہ حکم کیوں نہیں دیتے تو آپ رو دیئے اور بہت دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا اگر تو اللہ کی رضا چاہتا ہے تو علی کے طریقہ کو نہ چھوڑنا پس ادھر کا رُخ کر جدھر کا رُخ علیؑ کرے اور اسی کو اپنا امام مانو پس اس کے دشمن کو دشمن سمجھو اور اس کے دوست کو دوست سمجھو ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے جوامع الکلم کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس سے قرآن مجید مراد ہے۔

تفسیر صافی میں خصال سے مروی ہے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نبی کریم کے ہمراہ اپنی عترت سمیت حوض کوثر پر ہوں گا پس جس کو ہماری ضرورت ہو وہ ہماری ہدایت پر عمل کرے ہمیں شفاعت کا حق حاصل ہے پس تم لوگ حوض کوثر پر ہماری ملاقات کی کوشش کرو کیونکہ ہم اپنے دشمنوں کو وہاں سے دُور بھگائیں گے اور اپنے دوستوں کو سیراب کریں گے تو جس نے وہاں سے ایک گھونٹ پی لیا کبھی پیاسا نہ ہوگا (النہر)

نہر جنت کے علاوہ کوثر کے اور معانی بھی کیے گئے ہیں (۲) خیر کثیر، شفاعت، علم، عمل، کتاب، شرف دارین، ذریت طیبہ کثرت اتباع، بہر کیف ہر معنی کے اعتبار سے آپ کوثر کے مالک ہیں۔ کثرت ذریت کا یہ عالم ہے کہ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک جس قدر انسانی آبادی موجود ہے ذریت پیغمبر کم و بیش ہر جگہ آباد ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ۔ اس نماز سے مراد نماز عید ہے جس کے بعد نحر کیا جاتا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس نماز سے مراد نماز صبح ہے جس کے بعد قربانی کی جا سکتی ہے اور روایات اہلبیت میں ہے کہ نحر سے مراد نماز کے وقت تکبیر کے لئے سینہ تک ہاتھوں کا بلند کرنا ہے یعنی رفع یدین کا حکم دیا گیا ہے۔

هُوَ الْاَبْتَرُ۔ یعنی تیرا دشمن خیر سے محروم ہے اور بعض نے کہا ہے اس سے مراد عاص بن وائل ہے جو رسول اللہ کو ابتر کہتا تھا وہ حضورؐ کو اس لئے ابتر کہتا تھا کہ یہ اکیلا ہے جب یہ مر جائے گا تو بعد میں اس کے دین کو چلانے والا کوئی نہ ہوگا پس اس کا دین ختم ہو جائے گا خداوند کریم نے اس کے اس حیلہ کی تردید فرمائی ہے کہ اے رسول تجھے خدا نے اولاد کثیر امت کثیرہ عطا کی ہے پس تیرا دین اور تیری نسل قیامت تک باقی رہے گی اور تیرا دشمن ابتر رہے گا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ وہ اولاد سے محروم رہا اور جو اولاد اس کی طرف منسوب کی گئی۔ وہ درحقیقت کسی اور کا نطفہ تھی۔

قرآن مجید کا یہ چھوٹا سا سورہ تصدیق نبوت اور صداقت اسلام کا بہت بڑا شہکار ہے (۱) اس میں وہ خبر ہے جو دشمنوں کے دلوں میں پنہاں تھا ان کو سمجھنے کا موقع مل گیا کہ اگر اللہ کا کلام نہ ہوتا تو اس کو ہماری یہ مخفی باتیں کیسے معلوم ہوتیں (۲) اس میں پیشین گوئی ہے۔ کثرتِ اولاد اور کثرتِ اشیاع کی چنانچہ دین اسلام کا چہار دانگ عالم میں پھیلاؤ حضورؐ کی تصدیق ہے اور قرآن کی صداقت کی اٹل دلیل ہے۔ (۳) تمام فصحاء عرب اور بلغاء زمانہ پورے قرآن کا بجائے خود اسی ایک سورہ کا مقابلہ نہ کر سکے چنانچہ عکاظ کے میلے کے موقعہ پر کسی مسلمان نے یہ سورہ ایک نمایاں مقام پر چسپاں کر دیا تو فصیح ترین خطیب وقت کو اس کے نیچے لکھنا پڑا۔ مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرِ یعنی یہ انسان کا کلام نہیں ہے اور یہ اسلام کی حقانیت کی ناقابلِ تردید برہان ہے (۴) اس سورہ کی آخری آیت میں دشمنوں کے انقطاع کی پیشین گوئی ہے جو حرف بہ حرف سچی ثابت ہوئی (۵) اس سورہ مجیدہ کے حرف تھوڑے لفظ نپے تلے اور مطالب وسیعہ کے ساتھ ساتھ فواصل کی رعایت حسنِ تالیف اور صنعتِ تقابل نے عربوں کو محمد مصطفٰے کے قدموں میں جھکنے پر مجبور کر دیا اور ان کو یہ کہنا پڑا کہ قرآن کلام اللہ ہے اور محمد رسولؐ اللہ ہے

سُورہ الکافرون

- یہ سورہ مکیہ ہے سورہ الماعون کے بعد نازل ہوا اس کو سورہ جحد بھی کہتے ہیں۔
- اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ چھ ہے۔
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھے گا گویا اس نے ایک چوتھائی قرآن پڑھ لیا اس سے سرکش شیطان دور ہوں گے اور وہ شرک سے بری ہوگا اور بروز محشر بڑی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔
- آپ نے فرمایا سفر میں کامیابی اور خیر و خوبی دیکھنے کے لئے بوقت روانگی پانچ سورتوں کو پڑھ لینا چاہیے۔ سورہ کافرون، سورہ النصر، سورہ توحید، سورہ فلق اور سورہ ناس۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سورہ کو ختم کرنے کے بعد تین مرتبہ کہے دِیْنِی الْاِسْلَام
- ایک حدیث میں ہے جو شخص فریضہ نماز میں سورہ کافرون اور سورہ اخلاص کو پڑھے تو اس کے اور اس کے والدین کے اور اس کی اولاد کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اگر وہ شقی ہو تو اس کا نام دیوان اشقیاء سے کاٹ کر دیوان سعداء میں درج کیا جاتا ہے اس کے بعد اس کی زندگی سعید ہوگی اور مرے گا تو شہید مرے گا اور بروز محشر شہید اُٹھے گا۔
- وسائل الشیعہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابن سنان سے فرمایا کہ صبح کی نماز میں جو سورہ چاہو پڑھو لیکن میں یہ پسند کرتا ہوں کہ سورہ جحد اور سورہ اخلاص کو پڑھوں اور اسی مضمون کی روایات بکثرت وارد ہیں اور آپ سے منقول ہے سات نمازوں میں ان دو سورتوں کو ترک نہ کیا جائے (۱) دو رکعت قبل فجر (۲) دو رکعت زوال کے وقت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ② لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ③ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ

کہہ دیجئے اے کافرو! میں نہیں پوجتا اس کو جس کو تم پوجتے ہو اور نہ تم پوجنے والے ہو جس کو میں

مَآ اَعْبُدُ ④ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ⑤ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ

پوجتا ہوں اور نہ میں پوجنے والا ہوں اس کو جس کی تم پوجا کرتے ہو اور نہ تم پوجنے والے ہو جس کی میں پوجا

اَعْبُدُ ⑥ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ⑦ ع

کرتا ہوں پس تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین

③ دو رکعت بعد مغرب ④ دو رکعت اول نماز شب ⑤ دو رکعت احرام ⑥ دو رکعت نماز فجر ⑦ اور دو رکعت نماز طواف

خواص القرآن سے منقول ہے کہ سونے سے پہلے اس سورہ کا پڑھنا حفاظت کا موجب ہے نیز وارد ہے کہ طلوع شمس کے وقت اس سورہ کو دس مرتبہ پڑھ کر جو دعا مانگی جائے مستجاب ہوگی۔

رکوع نمبر ۲۴

يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۔ ایک دفعہ اکابر قریش عاص بن وائل ولید بن مغیرہ اور امیہ بن خلف وغیرہ حضورؐ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ہم آپ سے مصالحت کرنا چاہتے ہیں اور وہ اس طرح کہ ایک سال آپ ہمارے خداؤں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم تیرے خدا کی عبادت کریں پس اگر تیرا دین درست ہو تو ہم بھی اس میں شریک ہوں گے اور اگر ہمارا دین درست ہو تو آپ بھی ہمارے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے پس اس طریقہ سے ہماری باہمی دشمنی بھی ختم ہو جائے گی اور نت نئے فسادات سے بھی جان بچ جائے گی پس یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ نے کفار کی بھری مجلس میں پہنچ کر ان کو سنا دیں جس کو سنتے ہی کفار غصہ سے تلملا اُٹھے اور حضور و صحابہ کے لئے پہلے کی بہ نسبت زیادہ درپے ایذاء ہو گئے۔

آیتوں کے تکرار کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کافروں نے اپنا نظریہ تکرار سے پیش کیا تھا لہذا جواب میں بھی تکرار نازل ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفار کے انکار شدید کے جواب میں تاکید مزید کے لئے کیا گیا ہے تاکہ ان کو اپنی غلط فہمی کا پورا احساس ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیتوں میں ماضی و حال کی نفی ہے یعنی نہ میں فی الحال تمہارے معبودوں کی عبادت کو قبول کرتا ہوں اور نہ تم فی الحال میرے معبود برحق کی عبادت کو قبول کرتے ہو اور آخری آیتوں میں مستقبل کی نفی ہے کہ نہ میں کبھی تمہارے معبودوں کے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ﴿۲﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ

جب آچکی اللہ کی مدد اور فتح اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین

سامنے جھکوں گا اور نہ تم میرے خدائے واحد کی جانب جھکو گے گویا اس میں ایک طرح کی پیشین گوئی بھی ہے جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔

لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ : یعنی تمہارے دین کی جزا تمہارے لئے اور میرے دین کی جزا میرے لئے ہے گویا مضاف محذوف ہے جَزَآءُ دِیۡنِکُمۡ اور جَزَاءُ دِیۡنِیۡ۔ اور ممکن ہے کہ دین کا معنی جزا ہو اور معنی یہ ہو کہ تمہارے لئے تمہارا بدلہ اور میرے لئے میرا بدلہ ہوگا۔

سُورۃ النّصر

- یہ سورۃ مدنیہ ہے اور اس کی آیات بسم اللہ کے علاوہ تین ہیں ۔ تفسیر برہان میں ہے کہ یہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر نازل ہوئی جبکہ آپ منیٰ میں تھے پس اس کا شمار مدنی سورتوں میں ہے اور یہ سب سے آخری سورہ ہے جو سورہ توبہ کے بعد نازل ہوا
- حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھے یوں سمجھے گویا فتح مکہ کے وقت وہ حضورؐ کے ہمراہ تھا۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص نماز فریضہ یا نافلہ میں اس سورہ کو پڑھے خداوند کریم اس کی تمام اعداء کے مقابلہ میں مدد فرمائے گا اور جب محشور ہوگا تو اس کے پاس کتاب ہوگی جو بولے گی کہ اس شخص کے لئے عذاب جہنم سے امان ہے۔ اور یہ شخص خود اپنے کانوں سے سُنے گا پس جس چیز کے پاس سے گذرے گا اس کو خوشخبری سنائے گی اور داخل جنت ہوگا اور دنیا میں اس کے لئے امور خیر کے دروازے اس قدر کھلیں گے کہ نہ اس نے کبھی ان کی تمنا کی ہوگی اور نہ اس کے دل پہ ہوں گے
- حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص اس سورہ کو نماز میں پڑھے تو اس کی نماز مقبول ہوگی۔

رکوع نمبر ۳۵

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ : جب مکہ فتح ہو چکا تو عربوں نے فیصلہ کر لیا کہ محمدؐ نے اہل حرم کو فتح کر لیا ہے۔ حالانکہ اس کو اصحاب الفیل فتح نہ کر سکے تھے پس جس اللہ نے محمدؐ کو فتح مکہ عطا فرمائی ہے اس کا دین حق ہے لہذا اس میں شامل ہونا چاہیئے۔ فتح مکہ سے پہلے اکا دکا مسلمان ہوتے تھے لیکن اب فوج در فوج اور قبیلوں کے قبیلے اسلام

اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

میں شامل ہو رہے ہیں پس اپنے پروردگار کے حمد کی تسبیح کرو اور اس سے بخشش طلب کرو بے شک وہ رجوع رحمت کرنے والا ہے

کے حلقہ بگوش ہونے لگ گئے۔

فتح مکہ

جب صلح حدیبیہ کی تحریر مکمل ہو چکی جس کا بیان تفسیر کی جلد ۱۳ صد ۹۱ پر گذر چکا ہے اور اس کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ عربوں کا جو قبیلہ جس فریق سے ملنا چاہے اس پر کوئی پابندی نہ ہو گی اور صلحنامہ کی رُو سے فریقین میں شامل شدہ قبائل کو کسی فریق کی طرف سے چھیڑا نہ جائے گا چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے حضرت رسالتمآبؐ کے ساتھ ملنے کا اعلان کر دیا اور بنو بکر نے قریشیوں کے ساتھ تعاون کا اعلان کر دیا اور ان دو قبیلوں کی مدتوں سے دشمنی چلی آرہی تھی اس صلح کے بعد بھی اچانک بنو بکر اور بنو خزاعہ میں فساد اٹھ کھڑا ہوا اور قریشیوں نے کھل کر بنو بکر کی اسلحہ جنگ سے مدد کی اور خفیہ طور پر فوجی امداد بھی دیتے رہے اور عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو بنو بکر کی امداد میں پیش پیش تھے اس صورتِ حال کے بعد بنی خزاعہ کا ایک شخص عمرو بن سالم خزاعی نے مدینہ کا رُخ کیا تاکہ آنحضورؐ کو کفار مکہ کی عہد شکنی کی اطلاع دے اور یہی شخص درحقیقت فتح مکہ کا موجب بنا چنانچہ اس نے مسجد نبوی میں پہنچکر اپنی دردبھری داستان سنائی اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی بھی آپہنچا اور اس نے بھی قریش مکہ کی طرف سے ہونے والی عہد شکنی کا ماجرا دھرایا اور اپنے حالیہ نقصانات کی فہرست پیش کی پس یہ دونو شخص حضورؐ کو اطلاع دیکر واپس مکہ کی طرف پلٹے اور حضورؐ نے مکہ پر فوج کشی کا عزم مصمم کر لیا اور آپ نے پیشین گوئی کے طور پر فرما دیا کہ عنقریب ابوسفیان تجدید عہد کے لئے ضرور آئے گا اور رستہ میں اس کی ملاقات بدیل بن ورقاء سے بھی ہو گی۔

قریش مکہ کو چونکہ اپنی عہد شکنی کا احساس تھا لہذا اپنی عہد شکنی پر پردہ ڈالنے اور انتقام سے بچنے کے لئے انہوں نے ابوسفیان کو مدینہ کی طرف روانہ کیا تاکہ صلح کے معاہدہ کی تجدید کرائی جاسکے اور آنے والے خطرات سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا جائے چنانچہ بدیل بن ورقاء خزاعی جب مدینہ سے واپس ہو کر مقام عسفان پر پہنچا تو اُدھر سے آتے ہوئے ابوسفیان سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ ابوسفیان سے پوچھا کہاں سے آرہے ہو تو بدیل نے جواب دیا ساحل بحر پر گھومنے کے لئے گیا تھا اور اب واپس جارہا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ حضرت محمد کے پاس تو نہیں گئے تھے؟ بدیل نے جواب دیا کہ نہیں۔ جب بدیل چلا گیا تو ابوسفیان نے کہا اگر وہ مدینہ گیا ہو گا تو میں ابھی معلوم کر لوں گا کیونکہ اس نے اپنے اونٹ کو کھجور کی گٹھلیاں کھلائی ہوں گی پس بدیل کی ناقہ کی مینگنیوں کو مسلا تو کھجور کی گٹھلی نکلی۔ کہنے لگا یقیناً بدیل مدینہ گیا تھا۔

اس کے بعد ابوسفیان مدینہ میں پہنچا اور بارگاہِ نبوت میں پہنچکر عرض گذار ہوا کہ اپنی قوم پر رحم کیجئے اور عہدنامہ صلح کی تجدید فرمائیے آپ نے فرمایا کیا تم نے عہد شکنی کی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا ہم تو سابق کئے گئے عہدنامہ کے پابند ہیں اس کے بعد بعض صحابہ سے ملا تاکہ عہد صلح کی تجدید ہو سکے تو انہوں نے معذرت ظاہر کی کہ ہم رسول اللہ کے تابع فرمان ہیں جو وہ حکم دیں گے ہم اطاعت کریں گے۔ یہ تجدید عہد ان کا کام ہے ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے پھر اپنی بیٹی حرم

پیغمبر اُمّ حبیبہ کے پاس گیا اور جاتے ہی حضرت پیغمبر کے بستر پر بیٹھنے کے ارادہ سے آگے بڑھا تو اُمّ حبیبہ نے فوراً بستر لپیٹ کر الگ کر لیا۔ وہ کہنے لگا۔ بیٹی کیا میں بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہوں؟ تو وہ کہنے لگی ابا جان! یہ بستر حضرت پیغمبر کا ہے اور تم اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہو کیونکہ تم مشرک اور نجس ہو اس کے بعد جناب بتولِ معظمہ کے درِ دولت پر حاضر ہوا تاکہ تجدید عہد کی سفارش کرائے لیکن بی بی پاک نے بھی انکار کر دیا کہنے لگا کہ حسنین شریفین کو سفارش کے لئے لے جاتا ہوں مخدورہ طاہرہ نے فرمایا کہ میں ان کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجتی یہ کام میرے ابا جان کا ہے وہ جو حکم دیں ہم اطاعت کریں گے۔

اس کے بعد وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی درخواست کو دھرایا تو آپ نے فرمایا تم قوم قریش کے بزرگ ہو مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو جاؤ اور خود کہو کہ میں نے قریش کو امان دیدی ہے اور اس کلمہ کے کہنے کے بعد واپس چلے جاؤ اس نے عرض کی اس کا کیا فائدہ ہو گا؟ تو آپ نے فرمایا فائدہ ہو یا نہ ہو اس کے علاوہ کوئی طریقہ کارگر ہو نہیں سکتا کیونکہ کسی مسلمان میں یہ جرأت نہیں کہ رسولؐ اللہ کے فرمان پر سبقت کر سکیں۔ چنانچہ ابوسفیان نے مسجد نبوی کے دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا میں نے قریش کو امان دیدی ہے اور اس کے بعد وہ واپس مکہ چلا گیا جب مکہ والوں نے احوال پرسی کی اور اس نے اپنا ماجرا سنایا تو انہوں نے کہا تیرے کہنے سے ہمیں کیا فائدہ ہو گا تو ابوسفیان نے جواب دیا اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہو نہیں سکتی تھی۔ بہرکیف اس کے بعد حضرت نبی کریمؐ نے مکہ پر چڑھائی کا اعلان کر دیا اور خبر رسانوں اور جاسوسوں پر کڑی نگرانی کا حکم دیدیا چنانچہ حاطب بن ابی بلتعہ نے جو خط لکھ کر ایک عورت کے حوالہ کیا تھا اور بذریعہ وحی آپ کو اطلاع ہوئی تو حضرت علیؑ کو چند آدمیوں سمیت بھیج دیا گیا آخر کار تفتیش کے بعد عورت سے خط برآمد ہوا اور حاطب کو سرزنش ہوئی اور اس کا قصہ سورہ ممتحنہ کی تفسیر میں مرقوم ہو چکا ہے جلد ۱۳ صفحہ ۲۶۴

حضرت رسالتمآبؐ نے یکم رمضان یا ۸ رمضان ۸ھ کو دس ہزار مجاہدین کی فوج ظفر موج کے ساتھ مکہ کی طرف پیش قدمی فرمائی جن میں چار سو گھوڑے سوار تھے جب آپ مکہ کے قریب پہنچے تو اُدھر سے آپ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور پھوپھی زاد عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ آپ سے راستہ میں آ ملے تو اپنے ہاں نزولِ اجلال فرمانے کی پیش کش کی آپ نے ان کی دعوت کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا کیونکہ یہ دونو شخص مکہ میں کھل کر حضورؐ کے خلاف زبان درازی کرتے تھے جب آپ کے چچا زاد کو حضورؐ کی ناراضگی کی اطلاع پہنچی تو اس کے ہمراہ اس کا لڑکا بھی تھا کہنے لگا اگر حضورؐ مجھے مہربانی کا شرف نہ بخشیں گے تو میں اپنے بچے کو ساتھ لے کر جنگلوں کی طرف رُخ کر لوں گا اور بھوکا و پیاسا مر جاؤں گا جب حضور کو اطلاع پہنچی تو رحم و کرم کا مظاہرہ فرماتے ہوئے آپ نے باپ بیٹے دونوں کو اجازت دیدی چنانچہ دونوں بارگاہِ نبوی میں پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آپ مقام مر الظہران پر پہنچے تو اس وقت تک قریش مکہ کو صحیح حالات کا کوئی علم نہ تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ اسلامی فوج کہاں تک پہنچ چکی ہے چنانچہ اسی رات کو ابوسفیان بن حرب۔ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء حالات حاضرہ کا جائزہ لینے کے لئے مکہ سے باہر نکلے اور عباس بن عبدالمطلب نے رسولؐ اللہ کے خچر پر سوار ہو کر اس طرف کا رُخ کیا جہاں پیلو کے درختوں کا جھنڈ تھا۔ شاید کوئی دودھ

فروش یا ایندھن طلب کرنیوالا یا کوئی دوسرا شخص مکہ کی طرف آتا ہوا مل گیا تو پوچھ لیا جائے کہ اسلامی فوج کا کیمپ کہاں نصب ہے تاکہ وہاں پہنچکر امان نامہ حاصل کر لیا جائے چنانچہ ان جھاڑیوں میں سرگرداں پھر رہا تھا کہ اچانک ابوسفیان ۔حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کی آوازیں کان میں پڑیں تاریکی شب میں اگرچہ نظر کچھ نہ آتا تھا تاہم ابوسفیان کی آواز کو پہچان کر عباس نے کہا ابوحنظلہ ہو تو اُس نے کہا تم ابوالفضل ہو پس ایک دوسرے سے ملے تو ابوسفیان نے کہا کوئی نئی خبر ہو تو بتائیے عباس نے کہا دس ہزار کا اسلامی لشکر لیکر حضرت محمدؐ مکہ کے قریب پہنچ چکے ہیں اور تم میں طاقت نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکو تو ابوسفیان نے کہا اب کیا کرنا چاہیئے ۔عباس نے کہا میرے پیچھے سوار ہو جاؤ تاکہ وہاں جاکر حضورؐ سے امان نامہ حاصل کیا جائے ورنہ تجھے تو دیکھتے ہی موت کے گھاٹ اُتار دیں گے پس ابوسفیان عباس کے پیچھے سوار ہو گیا اور نبوی خیام کا رُخ کیا سب سے پہلے عمر بن خطاب کے خیمہ کے پاس سے گذرے تو اُس نے دیکھ کر کہا۔ اے ابوسفیان ! اللہ کا شکر ہے کہ امان وعہد سے پہلے پہلے ہمیں تیری گردن زدنی کا موقعہ ملا ہے جب اُس نے یہ آواز سُنی تو خچر کو تیز دوڑایا تاکہ مبادا امان حاصل کرنے سے پہلے مارا جاؤں چنانچہ عمر کے پہنچنے سے پہلے خیمہ نبوی میں داخل ہو گیا۔

پس عمر بن خطاب نے پہنچتے ہی عرض کی یارسول اللہ ! یہ ابوسفیان دشمن خدا حاضر ہے اور عہد وعقد کے بغیر خدا نے ہمیں اس پر تسلط عطا کیا ہے لہذا اذن دیجئے تاکہ اس کا سر قلم کر لوں ۔عباس کہتا ہے میں نے کہا یارسول اللہ میں نے اس کو امان دی ہے لہذا اس کے قتل کا حکم نہ دیجئے ۔جب عمر نے ابوسفیان کے قتل کا اصرار کیا تو میں نے کہا اے عمر ! یہ ضد چھوڑ دو وہ بنی عبد مناف میں سے ہے اس لئے اس کے قتل کے درپے ہو ورنہ اگر وہ بنی عدی سے ہوتا تو تم ضرور معاف کر دیتے ۔عمر نے کہا اے عباس یہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں تم بخدا جس دن اسلام لائے تھے مجھے تیرا اسلام لانا اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے بھی محبوب تر تھا اس کے بعد حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ جاؤ ہم نے اس کو امان دے دی ہے لہذا اس کو میرے پاس دوبارہ لے آنا۔

عباس کہتا ہے کہ میں صبح سویرے ابوسفیان کو ساتھ لے کر خدمت نبوی میں پہنچا آپ نے فرمایا۔ اے ابوسفیان ! ابھی تک تم کو خدا کے ایک ہونے کا یقین نہیں ہوا تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ تیرا حلم رحم کرم اور صلہ رحمی کا ملاحظہ کرتے ہوئے یوم بدر اور یوم اُحد میں سمجھ لیا تھا اگر خدا کے علاوہ کوئی دوسرا اللہ ہوتا تو ضرور ہماری امداد کرتا ۔آپ نے فرمایا پھر ابھی تک مجھے اللہ کا رسول ماننے میں تمہیں کیوں تامل ہے کہنے لگا کہ میرے دل کو ابتک کوئی تسلی نہیں ہوئی ۔یہ سنتے ہی عباس نے بھڑک کر کہا تیرے اُوپر وائے ہو کلمہ حق فوراً زبان پر جاری کرو ورنہ تمہاری گردن اڑادی جائے گی ۔پس اُس نے فوراً کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا۔

حضورؐ نے عباس سے فرمایا کہ وادی کے تنگ مقام پر جاکر اس کو کھڑا کر دو تاکہ خدائی مجاہد فوج کی تعداد اپنی آنکھوں سے دیکھ لے ۔چنانچہ عباس نے اس کو ایک تنگ موڑ پر روک دیا اور فوجیں گذرنا شروع ہوئیں پس عباس بتاتا رہا کہ یہ فلاں قبیلہ ہے وہ فلاں قبیلہ تھا یہاں تک کہ حضرت رسالتمآبؐ مہاجرین و انصار کے ایک عظیم دستے کے ہمراہ گذرے تو میں نے کہا کہ یہ رسول اللہ کا خصوصی پاسبان دستہ ہے جن میں کوئی بزدل نہیں ہے اور ان سب کا لباس (وردی) سبز رنگ تھی ۔پس ابوسفیان کہنے لگا۔ اے عباس ! تیرے بھتیجے کی حکومت بہت مضبوط اور وسیع ہے تو عباس نے کہا یہ نبوت کا کرشمہ ہے ملک گیری کی ہوس نہیں ہے ۔ اس کے بعد حکیم بن حزام

اور بدیل بن ورقا نے اسلام کا کلمہ پڑھا تو آپ نے ان دونوں کو آگے آگے چلنے کا حکم دیا اور فرمایا تم اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دیتے چلو اور یہ بھی اعلان کر دو کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امان ہے اور جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے وہ بھی مامون ہوگا اور ابوسفیان کا گھر پہاڑی کے اُوپر تھا اور حکیم کا گھر نیچے تھا اور اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرے یا ہاتھ باندھ کر ان کو بلند کرے اس کے لئے بھی امان ہوگی۔ ان کے عقب میں آپ نے زبیر کو بھیجا اور مہاجرین کا اس کو امیر قرار دے دیا تاکہ مکہ کے بالائی حصہ میں مقام حجون پر علم اسلام کو نصب کرے اور فرمایا تم خود وہاں رہنا جب تک کہ میں پہنچ نہ جاؤں پس آپ مکہ میں داخل ہوئے اور ایک خیمہ نصب کیا گیا جس میں آپ نے آرام فرمایا پس سعد بن عبادہ کو انصار کا علم سپرد فرمایا اور خالد بن ولید کو بنی قضاعہ و بنی سلیم کی سرکردگی عطا کی اور حکم دیا کہ مکہ کے زیریں حصہ سے داخل شہر ہوں اور گھروں سے دور علم اسلام کو نصب کر لیں اور سب مجاہدین کو حکم دیا کہ قتل و غارت و خونریزی سے گریز کریں صرف اس آدمی سے لڑیں جو ان سے لڑنے کا ارادہ کرے۔ البتہ چار مردوں اور دو عورتوں کے قتل کا حکم دیا جہاں بھی ہوں حتاکہ استار کعبہ سے اگر چمٹے ہوئے ہوں تب بھی ان کو قتل کر دیا جائے (۱) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (۲) حویرث بن نفیل (۳) ابن اخطل (۴) مقیس بن صبابہ اور دو گانے والی عورتیں وہ جو حضرت رسول کریمؐ کی ہجو کے شعر پڑھا کرتی تھیں۔ حضرت علی نے حویرث اور ایک گانے والی کو قتل کیا جبکہ دوسری بھاگ گئی۔ مقیس بن صبابہ بازار میں مارا گیا اور ابن اخطل کو سعید بن حریث نے قتل کیا جبکہ وہ استار کعبہ سے لپٹا ہوا تھا۔

ابوسفیان نے بھاگ کر حضرت رسول کریم کی رکاب کا بوسہ دیا اور عرض کی کہ سعد ایسے رجزیہ اشعار پڑھ رہا ہے جن سے قتل و غارت کی بو آتی ہے آپ نے فوراً علیؑ کو بھیجا تاکہ سعد سے علم لے لیا جائے اور حکم دیا کہ تم خود علم لے کر داخل مکہ ہو جاؤ اور نرمی و آشتی کے ساتھ داخل ہو پس حضرت علیؑ نے تعمیل حکم نبوی میں سر تسلیم خم کر لیا اور حکم پیغمبر کو بجا لانے کی سعادت حاصل کی۔

جب حضورؐ مکہ میں داخل ہوئے تو تمام صنادید یعنی اکابر قریش کعبہ کے اندر گھس گئے اور انہیں یقین تھا کہ آج ہم اسلام کی تلوار سے جانبر نہ ہو سکیں گے پس حضورؐ مسجد الحرام میں داخل ہوئے اور کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ ایک مختصر سا خطبہ پڑھا۔ جس میں اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانا۔ یہ دونو عہدے حسب سابق برقرار رہیں گے اور اسی خاندان میں رہیں گے جن میں پہلے سے چلے آرہے ہیں اور یاد رکھو۔ مکہ اللہ کا حرم ہے نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال تھا اور نہ میرے لئے سوائے اس ایک گھنٹہ کے اور نہ میرے بعد تا قیامت کسی کے لئے حلال ہوگا نہ یہاں گھاس کاٹا جائے گا نہ درخت کٹے گا نہ کسی پرندہ کو شکار کیا جائے گا نہ ڈرایا جائے گا اور نہ یہاں کا کم و بیش لقطہ کسی کے لئے حلال ہوگا البتہ مالک تک پہنچانے کے لئے اس کا اُٹھانا جائز ہوگا اس کے بعد فرمایا۔ اے مکہ والو! تم بدترین ہمسائے تھے تم نے ہمیں جھٹلایا۔ جلا وطن کیا اور اس قدر ستایا کہ مجھے یہاں سے نکل جانے کے بعد آرام سے نہ بیٹھنے دیا ان تمام باتوں کے باوجود میں نے تم کو معاف کیا ہے پس تم طلقاء ہو۔ پس یہ کہنا تھا کہ قریش مکہ کی جان میں جان آئی۔ یوں لگتا تھا کہ ابھی قبروں سے نکلے ہیں پس سب کے سب داخل اسلام ہوئے اسی وجہ سے ان کو طلقاء کہا جاتا ہے ابن الزبعری بھی اسی دن مسلمان ہوا۔ اس وقت کعبہ کے ارد گرد تین سو ساٹھ بت تھے پس آپ جاء الحق الآیۃ بھی پڑھتے تھے اور لاٹھی سے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ﴿۲﴾ مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿۳﴾ سَيَصۡلٰى

ہلاک ہوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ بھی ہلاک ہو نہیں فائدہ دیا اس کو اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا عنقریب جلے گا

نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿۴﴾ وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ﴿۵﴾ فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ

جہنم میں جو بھڑکنے والی ہے اور اس کی عورت بھی جو لکڑیاں اُٹھانے والی ہے اس کی گردن میں کھجور

مِّنۡ مَّسَدٍ ﴿۶﴾ ع ۳۵

کا رسہ ہوگا

سب کو گرانے جاتے تھے اور کعبہ کے اندر داخل نہ ہوئے جب تک بتوں سے اس کو پاک نہ کر لیا گیا اور حضرت ابراہیم و اسماعیل کے مجسموں کو بھی کعبہ سے باہر نکال دیا گیا۔ فتح مکہ کا مختصر سا ذکر تفسیر کی جلد ۱۲ صہ ۸۴ پر بھی مذکور ہے۔

سورہ تبت

- یہ سورہ مکیہ ہے اس کو سورہ لہب اور سورہ مسد بھی کہا جاتا ہے۔
- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ اس کی آیات پانچ ہیں۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب تم سورہ لہب کو پڑھو تو ابولہب پر بددعا کیا کرو کہ رسول اللہؐ اور قرآن مجید کو جھٹلانے والا تھا۔
- خواص القرآن سے منقول ہے کہ پیٹ کی تکلیف پر پڑھنے سے پیٹ کو آرام ہوتا ہے اور اگر سوتے وقت اس سورہ کو پڑھا جائے تو امن کا باعث ہے۔

رکوع نمبر ۳۶

تَبَّتۡ يَدَاۤ ۔ تب اور تباب کا معنی ہے خسران ہے جو ہلاکت تک پہنچا دے اور یہاں اس سے مراد ہلاکت لی گئی ہے یا تو یہ انشاء اور بددعا کے معنی میں ہے اور یا یہ خبر ہے یعنی اس کے ہاتھ بھی تباہ اور خود بھی تباہ ہوا اور جہنم کا ایندھن بنا اور ہاتھوں کی تخصیص اس لئے ہے کہ عمل ہاتھوں سے کیا جاتا ہے۔ ابولہب کا نام عبدالعزّٰی

تھا چونکہ گورا اور خوبصورت تھا اور اس کے رخسارے آگ کے شعلوں کی طرح سُرخ تھے اس لئے اس کی کنیت ابولہب ہوگئی
حضور کا چچا تھا۔ حضرت عبدالمطلب کا بیٹا تھا لیکن پیغمبر کا سخت ترین دشمن تھا جب حضورؐ نے اس کو کفر پہ دوزخ کی سزا سنائی۔ تو
اس نے کہا کہ میں اپنا مال و اولاد فدیہ دے دوں گا۔ تو اس کی اللہ نے رد فرمائی کہ اس کو مال اور اولاد کچھ بھی فائدہ نہ دیں گے اور
مَاكَسَبَ سے مراد اولاد ہے۔

وَامْرَاَتُهٗ ۔ ابولہب کی عورت کا نام ام جمیل تھا حرب کی بیٹی اور ابوسفیان کی بہن تھی اس کا دستور تھا کہ حضورؐ کے
راستہ میں خاردار لکڑیاں ڈال دیتی تھی تاکہ آپ کو اذیت پہنچے اور ممکن ہے حمالۃ الحطب چغلخوری سے کنایہ کیا گیا ہو چنانچہ عرب کنایہ
میں کہتے تھے کہ فلاں شخص فلاں کے لئے آگ بھڑکانے کے لئے لکڑیاں اٹھائے پھرتا ہے یعنی چغلخوری کرتا ہے۔ سَيَصْلٰى کے فاعل
پر اس کا عطف ہے یعنی ابولہب اور اس کی بیوی دونوں ! دوزخ میں جلیں گے اور حَمَّالَةَ الْحَطَبِ منصوص بالذم ہے۔
اور اعنی یا اَذُمُّ اس کا فعل محذوف ہے اور اسی لئے حمالۃ منصوب ہے کیونکہ اس کا یہ مفعول ہے۔

مَسَدٍ ۔ لیف خرما کے رسے کو کہتے ہیں اور یہ لفظ صرف اس کی توہین و تذلیل کے لئے استعمال کیا گیا ہے یعنی قیامت
کے دن سونے اور چاندی کے ہاروں کے بجائے اس کی گردن میں رسے ہوں گے اور مروی ہے کہ جہنم کے خاردار آتشی زنجیر اس
کی گردن میں ہوں گے اور مروی ہے کہ یہ ام جمیل بد زبان عورت تھی۔ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو بڑبڑاتی ہوئی مسجد حرام میں آئی اس
وقت حضرت ابوبکر بھی آپ کے پاس بیٹھے تھے ابوبکر نے عرض کی کہ حضور! وہ ام جمیل ادھر آرہی ہے ہوسکتا ہے کہ آپ کی شان
میں گستاخانہ لب ولہجہ استعمال کرے آپ نے فرمایا یہ مجھے نہ دیکھے گی چنانچہ آپ نے قرآن مجید کی کچھ آیات پڑھیں اور اس کی
آنکھوں سے محفوظ ہوگئے جس طرح دوسرے مقام پر ارشاد قدرت ہے کہ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور کافروں کے
درمیان حجاب پیدا کر دیتے ہیں پس وہ آکر ابوبکر کو کہنے لگی کہ تمہارے رسولؐ نے میری ہجو کی ہے ابوبکر نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہے
پس وہ چلی گئی اور یہ لفظ کہہ گئی کہ تمام لوگ جانتے ہیں کہ میں قریش کے ایک بڑے سردار کی بیٹی ہوں (میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے)

سُورہ اخلاص

- یہ سورہ مکیہ ہے سورہ ناس کے بعد نازل ہوا اس کو سورہ توحید اور سورہ قل بھی کہا جاتا ہے۔
- بسم اللہ کے علاوہ اس کی آیات چار ہیں۔
- حدیث نبوی میں ہے جس نے اس سورہ کو پڑھا گویا اس نے ایک تہائی قرآن کا ختم کیا اور ایمان لانے والوں کی تعداد سے دس دس گنا نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں درج کی جائیں گی۔
- آپ نے فرمایا کیا تم لوگ سونے سے پہلے ایک تہائی قرآن نہیں پڑھ سکتے تو لوگوں نے عرض کی یہ تو مشکل ہے آپؐ نے

فرمایا سورۂ قل پڑھ لیا کرو۔

○ بروایت انس آپ نے فرمایا جو شخص ایک بار یہ سورہ پڑھے اس پر برکت نازل ہوگی اور جو دو مرتبہ پڑھے اس پر اور اس کے اہل پر برکت نازل ہوگی اور تین دفعہ پڑھنے سے ان پر اور ان کے ہمسایوں پر برکت نازل ہوگی اگر بارہ دفعہ پڑھے تو جنت میں اس کے لئے بارہ محل تعمیر ہونگے اور کراماً کاتبین ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ چلو اپنے بھائی کے جنتی محلوں کو دیکھیں اگر ایک سو بار پڑھے تو ۲۵ برس کے گناہ معاف ہونگے بشرطیکہ حقوق مالیہ وقتل ان میں شامل نہ ہوں اور اگر چار سو دفعہ پڑھے تو چار سو برس کے گناہ معاف ہوں گے اور اگر ہزار مرتبہ پڑھے تو اس کو اس وقت تک موت نہ آئے گی جبتک جنت میں اپنا مکان دیکھ نہ لے۔

● ایک شخص نے فقر و تنگدستی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا جب گھر میں داخل ہو تو سلام دیا کرو خواہ کوئی آدمی موجود نہ ہو اور پھر سورۂ قل ایک دفعہ پڑھا کرو چنانچہ ایسا کرنے سے خدا نے اس پر رزق کے دروازے کھول دیئے۔

● جب سعد بن معاذ کے جنازہ پر جبرئیل سمیت ستر ہزار فرشتے شامل نماز ہوئے تو حضورؐ نے ان سے وجہ شمولیت دریافت کی تو جبرئیل نے کہا یہ شخص اٹھتے بیٹھتے آتے جاتے چلتے پھرتے سورہ قل کی تلاوت کیا کرتا تھا۔

○ ایک روایت میں ہے جس شخص نے نماز پنجگانہ میں سارے دن کسی بھی نماز میں سورہ قل نہ پڑھی تو گویا اس نے نماز نہیں پڑھی۔

○ ایک روایت میں ہے جس شخص نے سات دن متواتر کسی نماز میں بھی سورہ توحید نہیں پڑھی اگر مرگیا تو ابولہب کے دین پر مرے گا

● ایک روایت میں ہے اگر مرض یا سختی میں کسی نے سورہ قل کو ترک کر دیا تو موت آنے کی صورت میں وہ جہنمی مرے گا۔

○ حدیث نبوی میں ہے جو شخص نماز فریضہ کے بعد سورہ قل کو پڑھے اس نے گویا دین و دنیا کی بھلائی کو جمع کر لیا پس اس کے والدین کے اور اس کی اولاد کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

● حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے فرمایا جس نے صبح کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ سورہ توحید کو پڑھا گویا اس نے شیطان کا ناک رگڑ دیا

○ جو شخص کسی جبار کے پاس جاتے ہوئے سورۂ قل کو پڑھ لے تو خدا اس کو اس سے نجات دے گا پس سورۂ توحید کو اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں پڑھ دے تو اس کی خیر سے بہرہ ور ہوگا اور اس کے شر سے محفوظ ہوگا

○ دوسری روایت میں ہے کہ سلطان جابر کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو دیکھتے ہوئے تین دفعہ سورہ توحید پڑھے اور اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیاں بند کر لے پس صحیح و سالم و بعافیت واپس آئے گا۔

● روایات میں ہے کہ نماز ہائے فریضہ میں پہلی رکعت میں سورہ انا انزلنا اور دوسری میں سورہ قل کو پڑھنا بہتر ہے۔

○ روایات میں ہے کہ نماز میں ہر سورہ سے عدول جائز ہے لیکن سورہ جحد اور سورہ توحید سے عدول جائز نہیں ہے۔

● سفر کو جاتے ہوئے گھر سے نکلتے وقت دس مرتبہ سورہ توحید کا پڑھنا سلامتی کا موجب ہے (صادقؑ)

● ایک سانس سے سورہ توحید کو پڑھنا مکروہ ہے (صادقؑ)

- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سورہ توحید کا پڑھنا ہر چہار آسمانی کتب کی ایک تہائی کی قرأت کا ثواب رکھتا ہے
- ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص نماز تہجد کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں تیس تیس مرتبہ سورہ توحید کو پڑھے تو اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔
- روایات اہلبیت میں ہے کہ سورہ توحید ختم کرنے کے بعد کہے كَذَالِكَ اللّٰهُ رَبِّيْ تین مرتبہ
- ایک روایت میں ہے جو شخص سورہ توحید کو ایک مرتبہ پڑھے تو ایک تہائی قرآن کا ثواب دو مرتبہ پڑھے تو دو تہائی قرآن کا ثواب اور اگر تین مرتبہ پڑھے تو پورے ختم قرآن کا ثواب اس کو ملے گا۔
- ایک دن صحابہ کے بھرے مجمع میں حضورؐ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی آدمی ہے جو ہمیشہ کا روزہ دار ہو تو سلمان نے عرض کی۔ جی ہاں! وہ میں ہوں پھر آپ نے پوچھا کوئی تم میں سے ہمیشہ کا شب بیدار بھی ہے تو سلمان نے عرض کی جی ہاں! میں ہوں پھر آپ نے پوچھا تم میں سے کوئی ہر روز ختم قرآن کرنے والا بھی ہے تو سلمان نے عرض کی جی ہاں! وہ بھی میں ہوں سلمان کے اس دعویٰ سے بعض صحابہ کو طیش آیا کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! یہ عجمی شخص خواہ مخواہ اپنی برتری قائم کرنا چاہتا ہے ورنہ ہم نے اس کو کئی دفعہ دن میں کھاتے دیکھا ہے رات کو سوتے دیکھا ہے اور قرآن بھی بہت کم پڑھتے دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا تم میں سے لقمان حکیم جیسا دانا کہاں ہے؛ خود اس سے دریافت کرو تو وہ جواب دے گا پس اس صحابی نے کہا اے سلمان میں نے کئی دفعہ تم کو دن میں کھاتے دیکھا ہے پھر روزہ دار کیسے ہو تو سلمان نے جواب دیا میں ہر ماہ میں تین روزے رکھتا ہوں اور خدا کے نزدیک ایک نیکی دس کا ثواب رکھتی ہے نیز میں ماہ شعبان کے روزے رکھتا ہوں جو صوم الدھر کا ثواب رکھتے ہیں پھر اس نے سوال کیا کہ تم رات بھر سوتے ہو پھر شب بیداری کا دعویٰ کیوں کیا؛ سلمان نے جواب دیا میں نے پیغمبر سے سنا ہے کہ جو شخص رات کو وضو کر کے سو جائے اس کو شب بیداری کا ثواب ملتا ہے پھر اس نے سوال کیا کہ ختم قرآن کیسے کرتے ہو تو سلمان نے جواب دیا کہ میں نے پیغمبر کی زبان سے سنا ہے جبکہ علی سے فرما رہے تھے یا علی تیری مثال میری امت سے اس طرح ہے جس طرح سورہ توحید کی مثال پورے قرآن سے ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ سورہ قل کو پڑھے تو ایک تہائی قرآن کا ثواب، دو دفعہ پڑھے تو دو تہائی قرآن کا ثواب اور اگر تین دفعہ پڑھے تو پورے قرآن کے ختم کا ثواب اس کو ملے گا اسی طرح جو شخص صرف زبان سے تیرے ساتھ محبت کرے اس کا ایمان ایک تہائی کامل ہوگا اور دل اور زبان سے ایمان لائے تو اس کا دو تہائی ایمان کامل اور جو دل و زبان سے ایمان لائے اور ہاتھ سے تیری نصرت کرے تو اس کا ایمان بالکل کامل ہوگا اور فرمایا اے علیؑ مجھے اللہ کی قسم جس نے مجھے برحق نبی بنایا ہے اگر زمین والے تجھ سے اس طرح محبت کرتے جس طرح آسمان والے کرتے ہیں تو خدا کسی کو آتش جہنم میں نہ ڈالتا جب سلمان نے یہ جوابات دیئے تو تمام صحابہ خاموش ہو گئے۔
- فوائد القرآن میں مروی ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا تھا کہ تم اپنے رب کی نسبت بیان کرو۔ آپ تین دن خاموش رہے پھر یہ سورہ نازل ہوا اسی لئے تو اس سورہ کا نام نسبۃ الرب بھی ہے اور اس کا پڑھنا مومن مخلص ہونے کی نشانی ہے)۔

نماز فاطمہ کا طریقہ یہ ہے کہ چار رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد پچاس مرتبہ سورہ قل پڑھے (فوائد)

مکارم الاخلاق سے منقول ہے امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کے سر میں درد ہو یا کوئی اور تکلیف ہو تو منہ کے سامنے ہاتھوں کو کھول کر سورہ فاتحہ، سورہ قل، سورہ فلق و سورہ ناس کو پڑھ کر ہاتھوں کو منہ پر پھیرے تو انشاء اللہ شفا ہو گی۔ حدیث نبوی میں ہے قبرستان سے گذرتے ہوئے اگر گیارہ مرتبہ قل شریف کو پڑھے اور دفن ہونیوالوں کو بخش دے تو ان کی تعداد کے برابر اس کو ثواب ملے گا۔

بہر کیف سورہ اخلاص کے زیادہ پڑھنے کی احادیث میں محمدؐ و آل محمدؐ کی طرف سے فرمائشات بہت زیادہ ہیں اور کتب اعمال کے مطالعہ سے اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے جب اس سورہ کا پڑھنا ثلث قرآن کا ثواب رکھتا ہے اور تین دفعہ پڑھنے سے ختم قرآن کا ثواب ملتا ہے تو اس سے زیادہ اور کیا فضیلت باقی رہ جاتی ہے۔

عبداللہ بن سلام مکہ میں آیا اور خدمت پیغمبر میں وارد ہوا۔ جناب نبی کریمؐ نے فرمایا تجھے اللہ کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ کیا تورات میں مجھے اللہ کا رسول کہا گیا ہے تو عبداللہ بن سلام نے عرض کی اپنے پروردگار کی صفت بیان فرمائیے۔ پس آنحضورؐ نے سورہ توحید کی تلاوت کی اور وہ مسلمان ہو گیا لیکن پہلے تقیہ میں رہا اور جب ہجرت کر کے آپ وارد مدینہ ہوئے تو وہ اعلانیہ مسلمان ہو گیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴿۲﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ﴿۳﴾ لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ﴿۴﴾

کہہ دو اللہ ایک ہے اللہ صمد ہے نہ اُس نے جنا اور نہ جنا گیا

وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴿۵﴾ ع

اور نہ اس کا کوئی کفو ہے

رکوع نمبر ۳۷

ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۔ ہو ضمیر فصل ہے اور یہ کنایہ ہے ذات واجب الوجود سے یعنی وہ جس کی تم نسبت دریافت کرتے ہو اللہ ہے اور وہ ایک اکیلا ہے جس کا کوئی شریک و نظیر نہیں ہے اور اپنے تمام صفات و افعال میں تنہا ہے اس کا کوئی مثیل و شبیہ نہیں ہے ہم نے توحید پروردگار کی ہر چہار اقسام یعنی توحید در ذات توحید در صفات، توحید در عبادت اور توحید در افعال اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں مفصل و مدلل بیان کی ہیں۔ نیز کتاب اسلامی سیاست میں بھی توحید پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت خضر نے عالم خواب میں حضرت علی علیہ السلام سے کہا تھا

کہ دشمن پر فتحیابی کے لئے یَا هُوَ یَا مَنْ لَا هُوَ اِلَّا هُوَ کا ورد کرنا چاہیئے جب حضرت علیؑ نے حضرت پیغمبر سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا یہ اسم اعظم ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ اس لفظ یعنی صمد کے کئی معانی منقول ہیں۔ (۱) جس کی حکومت کے اوپر کسی کی حکومت نہ ہو (۲) وہ دائم جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا (۳) صمد وہ ہے جو کھوکھلا نہ ہو بلکہ ٹھوس ہو (۴) صمد وہ ہے جو کھانے پینے اور سونے کا حاجتمند نہ ہو (۵) صمد وہ سردار جس کے اُوپر کوئی سردار نہ ہو (۶) صمد وہ ہے جو خود قائم ہو اور اپنے وجود و قیام میں کسی کا محتاج نہ ہو (۷) صمد وہ ہے جو کون و فساد سے بالاتر ہو (۸) صمد وہ ہے جو نظائر سے نہ پہچانا جائے (۹) صمد وہ ہے جس کا شریک کوئی نہ ہو اس کو کسی شیے کی حفاظت سے تھکان نہ ہو اور نہ کوئی شے اس سے اوجھل ہو (۱۰) صمد وہ ہے جب کسی شیٔ کا ارادہ کرے تو وہ ہو جائے (۱۱) صمد وہ ہے جو تمام اشیاء کو بغیر مادہ کے ایجاد کرے (۱۲) حضرت امام حسین علیہ السّلام نے فرمایا آیات خود صمد کی تفسیر ہیں کہ صمد وہ ہے جو نہ جنے نہ جنا جائے اور جس کی کوئی کفو نہ ہو (۱۳) وہ جو قلیل و کثیر میں مقصود حاجات ہو (۱۴) حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا کہ الصمد کے پانچ حروف ہیں۔ الف اس کی اِنّیت کی دلیل ہے کہ وہ ازلی و ابدی موجود ہے اور لام اس کی الوہیت کی دلیل ہے اور الف لام کا نہ پڑھا جانا اس کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہونے کے باوجود اس قدر لطیف ہے کہ نہ اس کو حواس ظاہرہ پا سکتے ہیں اور نہ حواس باطنہ کے ادراک میں آسکتا ہے پس جس طرح الف لام کتابت میں ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح اللہ بھی اپنے افعال سے پہچانا جاتا ہے اور صاد اس کے صادق ہونے کی دلیل ہے۔ اور دال اس کے دائم ہونے کی دلیل ہے۔

لَمْ یَلِدْ۔ یہ یہود و نصاریٰ کے نظریوں کی تردید ہے کہ نہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے اور نہ عزیز اللہ کا فرزند ہے کیونکہ خدا کسی کا باپ نہیں ہے پس مشرکین مکّہ کی بھی تردید ہو گئی جو یہ کہتے تھے کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔

وَلَمْ یُوْلَدْ۔ یعنی خدا سرمدی ہے ایسا نہیں کہ اس سے پہلے کوئی اور ہو جس نے اس خدا کو جنم دیا ہو پس یہی ایک خدا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ یعنی اللہ کا کوئی کفو و ہمسر نہیں ہے اور قاریوں کے نزدیک کفوا کو چار طرح پڑھا جا سکتا ہے۔
کُفُوًا - کُفْوًا - کُفُؤًا - کُفْؤًا -

سورہ الفلق

○ یہ سورہ مکیہ ہے جو سورہ فیل کے بعد نازل ہوا ○ بسم اللہ کے علاوہ اس کی آیات پانچ ہیں۔ ○ تہذیب شیخ سے منقول ہے کہ وتر کی پہلی دو رکعت میں جن کو شفع سے تعبیر کیا جاتا ہے معوذتین کو پڑھا جائے اور تیسری رکعت جو وتر کہلاتی ہے اس میں سورہ توحید کو پڑھا جائے ○ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جس نے نماز وتر میں معوذتین اور قل کو پڑھا اس کو کہا جاتا ہے اے عبد خدا تجھے خوشخبری ہو کہ تیری نماز مقبول ہے ○ حدیث نبوی میں ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ ان جیسی اور کوئی نہیں اور وہ معوذتان ہیں ○ ایک

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ﴿۲﴾ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۳﴾ وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۴﴾

کہدو میں پناہ لیتا ہوں رب فلق کی اس کی ہر پیدا کردہ چیز کے شر سے اور رات کے شر سے جب وہ داخل ہو

وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ﴿۵﴾ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۶﴾ ع ۲۷

اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے

روایت میں آپ نے فرمایا قرآن کی باقی سورتوں سے یہ دونوں افضل ہیں۔ ○ عامہ کی روایات میں ہے کہ کسی یہودی نے آپ پر جادو کیا تھا اور دونو سورتوں کی تلاوت سے جادو کا اثر زائل کیا گیا ○ علامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں یہ چیز ہمارے عقیدہ کی رُو سے باطل ہے کیونکہ اللہ نے قرآن میں متعدد مقامات پر آپ کے مسحور ہونے کی نفی فرمائی ہے یعنی یہ وہ رسول ہے جس پر جادو نہیں کیا گیا کیونکہ اگر رسول پر جادو کا اثر ہوسکتا ہوتا تو وہ لوگ آپ کو قتل کرنے پر بھی قادر ہو جاتے حالانکہ ایسا نہیں ہوسکا ○ نظر بد سے حفاظت کے لئے ان دونوں سورتوں کا تعویذ باندھنا خوب ہے اور حضورؐ سے مروی ہے کہ اگر کسی کو کوئی شئی پسند ہو تو فوراً یہ کلمات کہے اللّٰہ اللّٰہ مَا شَآءَ اللّٰہ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ پس اس کی نظر سے کوئی شے متاثر نہ ہوگی حضور نے فرمایا جو شخص سوتے وقت اس سورہ کو پڑھے اس کو حج عمرہ اور روزے کا ثواب ملے گا اور یہ ہر نظر بد کا تعویذ ہے اور ویسے بھی اس کا تعویذ نفع مند ہے اور جو شخص ماہ رمضان کی راتوں میں اس سورہ کو پڑھے نافلہ یا فریضہ نماز میں تو اس کو مکہ میں روزے رکھنے اور حج و عمرہ کرنے کا ثواب ملے گا۔

رکوع نمبر ۳۸

بِرَبِّ الۡفَلَقِ۔ فلق کا معنی شگاف واضح یا جُدا ہونا اور صبح کو اسی مناسبت سے فلق کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی سفیدی رات کی سیاہی سے بالکل علیحدہ اور جُدا ہوا کرتی ہے عامہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ پر ایک یہودی عورت نے جادو کیا تو آپ پر یہ سورتیں اتریں پس آپ پڑھتے گئے اور جادو کا اثر زائل ہوتا گیا اور ساتھ ساتھ جبرئیل یہ کلمات پڑھتا تھا۔ بِاسۡمِ اللّٰہِ اَرۡقِیۡکَ مِنۡ شَرِّ کُلِّ شَیۡءٍ یُّؤۡذِیۡکَ مِنۡ حَاسِدٍ وَّ عَیۡنٍ وَّاللّٰہُ یَشۡفِیۡکَ اور شیعہ امامیہ کی رُو سے یہ روایت موضوعہ ہے کیونکہ اس کو ماننے سے تو حضور کی ساری نبوت مشکوک ہو جاتی ہے حالانکہ خدا نے قرآن مجید میں متعدد مرتبہ آپ کے مسحور ہونے کی نفی فرمائی ہے۔

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ یعنی اللہ کی پیدا کردہ تمام مخلوق کے شر سے خواہ وہ ذی رُوح ہو یا غیر ذی رُوح اور انسان ہو یا جن ہو۔

وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ۔ یہ تخصیص بعد تعمیم ہے اس لئے کہ ان چیزوں کا شر باقی ہر صاحب شر کے شر سے زیادہ اہم ہے۔ عموماً رات کے وقت چور ڈاکو درندے حشرات الارض میں سے موذی جانور زیادہ اذیت دیتے ہیں اس لئے رات کے شر سے پناہ مانگنے کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے اور ضرر کر آنے والی ہر شئی کو غاسق کہا جاتا ہے لیکن یہاں رات مراد ہے کیونکہ اسمیں بھی ضرر رساں طبقہ کو ضرر کا کھل کر موقعہ مل جاتا ہے اور وقوب کا معنی دخول ہوتا ہے۔

اَلنَّفّٰثٰتِ ۔ اس سے مراد وہ جادوگر عورتیں ہیں جو کپڑے یا تاگے کی گرہوں یا پھونک مار کر جادو کر کے نقصان دیتی ہیں۔

حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۔ یعنی حاسد کے شر سے پناہ چاہتا ہوں جب وہ حسد کرے ویسے دل میں حسد کا پیدا ہو جانا غیر اختیاری امر ہے البتہ اس کا استعمال کرنا فاعل کے اپنے اختیار میں ہوتا ہے اسی لئے حاسد کے شر سے پناہ طلب کی گئی جبکہ وہ حسد کو استعمال کرے۔

حسد کی مذمت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا حسد ایمان کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ کھاتی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے ان کا ایک کوتاہ قد حواری ان کے ہمراہ تھا، جب ایک ندی سے گذرنے لگے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا نام لیا اور پانی کی سطح سے پار ہو گئے جب اس حواری نے دیکھا تو اس نے بھی اللہ کا نام لیا اور پانی کی سطح پر چلنے لگا پس فوراً اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میرے اور عیسیٰ کے درمیان تو کوئی فرق ہی نہیں جس طرح وہ اللہ کا نام لیکر پانی پر چل سکتے ہیں میں بھی پانی میں چل رہا ہوں پس یہ خیال دل میں آیا تو فوراً پانی میں ڈوب گیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو نکال کر باہر کیا اور فرمایا بتاؤ تیرے دل میں کیا خیال گذرا تھا تو اس نے اپنا جرم بیان کیا پس آپ نے اس کو توبہ کی تلقین فرمائی چنانچہ اس نے توبہ کی اور دوبارہ اس کو اپنا کھویا ہوا مرتبہ مل گیا۔ بلند مرتبہ والوں کے مرتبہ کی خواہش کرنا یا اُن پر حسد کرنا نہایت بُرا ہے آپ نے فرمایا خبردار ایک دوسرے پر حسد نہ کیا کرو

ایک روایت میں ہے کہ فلق جہنم کی ایک غار کا نام ہے جس میں ستر ہزار گھر اور ہر گھر میں ستر ہزار مکان اور ہر مکان میں ستر ہزار ناگ اور ہر ناگ کے ستر ہزار زہریلے دانت ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب سات آدمیوں کا ہوگا ایک قابیل دوسرا نمرود تیسرا فرعون اور دو آدمی بنی اسرائیل کے جنہوں نے یہود و نصاریٰ کو گمراہ کیا اور دو آدمی اس امت کے ہوں گے اور ان سات آدمیوں کو جہنم کے سمندر کے نیچے فلق کے اندر داخل کیا جائے گا۔

ایک روایت میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ جہنم کے نیچے والے تابوت میں اوّلین میں سے چھ آدمی ہونگے قابیل، نمرود، فرعون، سامری، قارون اور ہامان اور آخرین میں سے بھی چھ ہوں گے نعثل، معاویہ، عمرو عاص ابو موسیٰ اشعری اور دو آدمیوں کے نام محدث کو بھول گئے (برہان) ایک روایت میں عمرو عاص اور ابو موسیٰ کی جگہ ابن ملجم و رئیس نہروان کا نام ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حسد دین کے لئے آفت ہے اسی طرح خود پسندی اور عجب بھی۔ آپ نے فرمایا مومن رشک کرتا ہے حسد نہیں کرتا اور منافق حسد کرتا ہے رشک نہیں کرتا۔

سورہ النّاس

○ یہ سورہ مکیہ ہے جو فلق کے بعد نازل ہُوا ○ اس کی آیات کی تعداد بسم اللہ کے علاوہ چھ ہے۔ ○ سورہ فلق اور سورہ ناس کو معوذتین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان دونوں کو نظر بد کے تعویذ کے طور پر لکھا اور باندھا جاتا ہے ○ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کیا معوذتین قرآن میں داخل ہیں اور جنہوں نے ان کو قرآن میں شامل نہیں کیا انہوں نے غلطی کی ہے اور ان کو نماز فریضہ میں پڑھا جا سکتا ہے الخبر ○ حدیث نبوی میں ہے جو شخص اس سورہ کو کسی درد پر پڑھے تو اس کو آرام ہوگا۔ باذن اللہ ○ آپ نے فرمایا جو شخص سوتے وقت اس سورہ کو پڑھے تو یہ سوتے وقت اس کا تعویذ ہوگا اور ہر درد و تکلیف و آفت کیلئے یہ سورہ تعویذ ہے اور باعث شفا ہے ○ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اپنے گھر میں ہر رات اس سورہ کی تلاوت کرے گا وہ تو ہم جن اور وسواس سے نجات پائیگا اور جو شخص اس سورہ کو لکھ کر چھوٹے بچے کے گلے میں لٹکائے تو وہ بچہ جنات کی اذیت سے محفوظ ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۲﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۳﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۴﴾ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۵

کہو دو میں لوگوں کے رب کی پناہ لیتا ہوں جو لوگوں کا مالک ہے لوگوں کا معبود ہے وسواس الخناس کے شر

الۡخَنَّاسِ ﴿۵﴾ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ﴿۶﴾ مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۷﴾

سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے جنوں میں سے اور انسانوں میں سے

رکوع نمبر ۲۹

مَلِكِ النَّاس ۔ مالک مشتق ہے مِلک سے ۔ سورہ فاتحہ میں مالک اور مَلِک دونو کا پڑھنا جائز ہوتا ہے لیکن یہاں صرف مَلِک ہی پڑھا جائے گا کیونکہ ملک کے معنی میں تدبیر مُلک کا مفہوم ہے جو مالک میں نہیں پایا جاتا اور خداوند کریم اگرچہ تمام کائنات کا رب ہے لیکن صرف رب الناس اس لئے کہا گیا ہے کہ لوگوں میں سے بعض عظیم و متکبر مزاج بھی ہوتے ہیں جن کے شر سے ڈرا جاتا ہے پس ربوبیت کو ناس کی طرف مضاف کیا گیا تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ اللہ ہر متکبر و عظیم کا بھی پروردگار ہے اور وہ ہی کمزوروں کے لئے جائے پناہ ہے اسی طرح لوگوں میں بادشاہ بھی ہوتے ہیں جن کے شر سے رعایا کو خطرہ رہتا ہے پس مَلِک النّاس کہا گیا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو سکے کہ وہ بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے جو کمزور رعایا کیلئے جائے پناہ ہے اور چونکہ لوگ بعض اوقات غیر اللہ کے پجاری بھی ہوتے ہیں تو الٰہ النّاس کہا گیا ہے کہ درحقیقت لوگوں کیلئے عبادت اسی ایک اللہ کی کرنی چاہیئے جو تمام کا معبود حقیقی ہے اور بعض مفسرین نے ناس کے لفظ میں تکرار کا یہ جواب دیا ہے کہ پہلی جگہ ناس سے مراد جنین ہیں جو محتاج تربیت ہوتے ہیں اس لئے ربّ النّاس کہا اور دوسری جگہ ناس سے مراد اطفال ہیں جو اپنی تدبیر کے آپ مالک نہیں ہوتے اس لئے ملک النّاس کہا اور تیسری جگہ ناس سے مراد بالغ لوگ ہیں جن پر عبادت فرض ہے پس الٰہ النّاس کہا کہ لوگوں کا معبود حقیقی اللہ ہے اور چوتھی جگہ ناس سے مراد علماء ہیں کیونکہ شیطان انہی کو وسوسے ڈال کر اپنا ایجنٹ بنانے کی کوشش کرتا ہے اور جاہل کے وسوسے سے شیطان کو اتنا فائدہ نہیں کیونکہ وہ اگر گمراہ ہوگا تو تنہا ہوگا لیکن اگر عالم گمراہ ہو جائے تو ہزاروں کو وہ گمراہ کر سکتا ہے اور آخر میں ناس سے مراد خود شیاطین ہیں جو دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۔ اس کی تقدیر اس طرح ہے مِنۡ شَرِّ ذِی الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاس یعنی ایسے شیطان کے شر سے جو صاحب وسواس ہے یا اس طرح ہوگا مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡوَاقِعِ مِنَ الۡخَنَّاسِ یعنی ایسے وسواس کے شر سے جو خناس کی طرف سے ڈالا جاتا ہے اور خناس خنوس سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ظاہر ہونے کے بعد چھپ جانا جس طرح ستاروں کو خُنّس کہا گیا ہے کیونکہ ظاہر ہونے کے بعد چھپ جایا کرتے ہیں اور اسی طرح شیطان کو خناس کہا جاتا ہے کہ وہ نظروں سے چھپا رہتا ہے۔

مِنَ الۡجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۔ یہاں مِن بیانیہ ہے یعنی وہ خناس شیطان جو وسوسے ڈالتا ہے جنوں سے بھی ہوتا ہے اور انسانوں سے بھی ہوتا ہے اور حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ مومن کے دل میں دو کان ہوتے ہیں ایک کان میں فرشتہ خدا کی جانب سے نمائندگی کے طور پر نیکی کا القاء کرتا ہے اور دوسرے کان میں خناس شیطانی وسوسے ڈالتا ہے پس مومن شیطانی وساوس سے بچ کر فرشتے کی رہنمائی میں نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اسی کے متعلق ارشاد ہے

وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ اور اسی بنا پر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کا پڑھنا قرآن سے پہلے مستحب قرار دیا گیا ہے تاکہ شیطانی وساوس سے دل پاک و صاف رہے۔ والحمد للہ رب العالمین اَوَّلًا وَّ آخِرًا وَّ بَاطِنًا وَّ ظَاهِرًا۔

اس اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے نامساعد حالات کے باوجود مجھے اپنے کلام کی حسب استطاعت تفسیر و توضیح کے لئے موفق بنایا اگر اس کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو اس ذرّہ بے مقدار کی کیا مجال کہ اسقدر اہم و مشکل کام کو سرانجام دے سکتا اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی تائید غیبی نے ہی کمر ہمت بندھائی جس کی بدولت میں اپنے پروردگار کی بارگاہِ عزت و جلال میں اس کے کلام مقدس کی تفسیر میں توفیق پاکر سرخروئی کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

اے اللہ اس ذرۂ بے مقدار سے تیری حمد و ثنا کما حقہٗ ادا نہیں ہو سکتی نہ اس زبان میں اسقدر وسعت ہے اور نہ قلم میں اتنی ہمت ہے اور نہ وہم و گمان و عقل و ادراک میں اسقدر حوصلہ ہے کہ تیرا کما حقہٗ حمد و شکر ادا کر سکوں پس میری اس کوشش کو بارگاہِ قبولیت میں جگہ دے اور روزِ قیامت کے لئے اس کو میرے لئے میرے والدین و اولاد و اقرباء و اساتذہ و تلامذہ و جملہ احباب و اکابر کے لئے ذخیرہ قرار دے اور ہماری لغزشوں سے درگزر فرما اور مومنین کرام کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرما۔

آج بروز جمعرات ۲۲ اپریل ۱۹۷۶ء مطابق ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ یعنی ۱۰ ر بیساکھ سنہ ۲۰۳۳ بکرمی بوقت ۲ بجے بعد نماز ظہر تفسیر قرآن مجید انوار النجف فی اسرار المصحف سے بحمد للہ عہدہ برآ ہو سکا ہوں پس اس کو ذخیرۂ یوم معاد قرار دیتے ہوئے حضرت قائم آل محمد عج کی بارگاہِ عصمت میں بطور ہدیہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا اپنے لئے باعثِ صد افتخار سمجھتا ہوں۔

اس تفسیر کی ابتدا نجف اشرف میں رہائش کے دوران ۱۹۵۷ء میں ہو گئی تھی اور اسی مناسبت سے اس کا نام بھی انوار النجف تجویز ہوا تھا لیکن وطن مالوف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پہنچنے کے بعد اس کی باقاعدہ تحقیق و تدقیق کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام شب سوموار ۲۲ دسمبر ۱۹۵۸ء مطابق ۱۰ جمادی الثانیہ ۱۳۷۸ھ ۸ رپوہ سنہ ۲۰۱۵ بکرمی سے ہوا۔

گویا شمسی لحاظ سے کل عرصہ ۱۷ سال اور ۴ ماہ صرف ہوا۔ اور قمری اعتبار سے ۱۷ سال ۱۰ ماہ اور گیارہ دن میں یہ اہم کام پایۂ تکمیل کو پہنچا لیکن اس عرصہ میں تفسیر کے علاوہ دوسری کتابیں بھی زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں چنانچہ المجالس الفاخرہ، المجالس المرضیہ، لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار، اصحاب الیمین، امامت و ملوکیت در جواب خلافت و ملوکیت، اسلامی سیاست، نماز امامیہ اور ترجمہ الدین والاسلام بندہ حقیر کی مسلسل محنت و کاوش سے بفضل خدا وندی و بتائید معصومین علیہ السلام منصہ شہود پر آ چکی ہیں اور پورے پاکستان کے مومنین ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ والمنۃ للہ ثم الحمد للہ اوّلاً و آخراً کما هو اهله وصلی اللہ علی محمد خیر بریته والعترة الطاهرة علیهم افضل التحیة والسلام واللعنة الدائمة علی اعدائهم الیٰ یوم الدین۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعُهُ الذِّكْرٰی

اَنَا العبد الحقیر الراجی رحمة ربه القدیر حسین بخش ولد اللہ بخش جاڑا عفی اللہ عنهما وشکر سعیهما بجاہ محمد و آله

خواص سور قرآنیہ

جلد نمبر ۱۵

تفسیر الوار النجف

خواص سور قرآنیہ

۱۔ سورہ یسین کو لکھ کر بازو پر باندھے۔ لوگ مسخر ہوں گے۔

۲۔ بیمار پر ۴۱ دفعہ سورہ الحمد پڑھنے سے وہ باذن اللہ تندرست ہوگا۔

۳۔ جس پر جادو ہوا ہو اس پر تین دفعہ سورہ بقرہ پڑھی جائے کہ درمیان میں اور کوئی بات نہ کی جائے تو جادو کا اثر ختم ہو جائے گا۔

۴۔ سورہ نساء پڑھنے سے عورت و مرد کا باہمی جھگڑا ختم ہوگا اور اگر عورت اس کو گلے میں باندھے تو بہتر ہے۔

۵۔ جملہ مطالب کے لئے سورہ مائدہ کا پڑھنا خوب ہے۔

۶۔ سورہ برأت کو ۴۱ دفعہ پڑھے تو دشمن پر فتح ہوگی۔ اپنے سامان میں رکھے تو محفوظ ہوگا۔

۷۔ قیدی اگر سورہ انفال کو سات دفعہ پڑھے تو باذن اللہ آزاد ہوگا۔

۸۔ دشمن پر فتح و غلبہ کے لئے سورہ یونس کو ۲۱ دفعہ پڑھے۔ اگر اس کو مشک و زعفران سے لکھ کر باندھے تو جن و پری سے محفوظ ہوگا۔ اگر مس کے طشت پر لکھ کر تالاب کے پانی سے دھو کر آٹا خمیرہ کیا جائے اور وہ روٹی مشکوک لوگوں کو کھلائی جائے تو چور کے منہ میں لقمہ پھنس جائے گا۔

۹۔ سورہ حجر کو زعفران سے لکھ کر دھو کر پینے سے دودھ زیادہ ہوگا۔ لکھ کر جیب میں رکھے تو آمدنی بڑھ جائیگی اور دکان پر لوگوں کا رش ہوگا نیز دشمن مقہور و مغلوب ہوں گے۔

اگر باغ میں دفن کی جائے تو اس کا پھل نہ گرے گا۔

اگر اہل فسق کے درمیان دفن کی جائے تو ان میں پھوٹ پڑ جائے گی اور ہلاک ہوں گے۔

۱۰۔ سورہ نحل کو لکھ کر دفن کیا جائے تو باغ کا پھل گر جائے گا۔

اہل فسق میں دفن کی جائے تو وہ متفرق و ہلاک ہو جائیں گے۔

۱۱۔ سورہ نمل کو ایک ہفتہ مسلسل پڑھنے سے حاجات پوری ہوں گی۔

۱۲۔ سورہ احزاب کو لکھ کر پاس رکھنے سے لڑکی کا بخت کشادہ ہوگا۔

۱۳۔ سورہ عنکبوت کو دھو کر پینے سے تپ سے شفا ہوگی۔ غمزدہ کا غم دور ہوگا سستی دور ہوگی۔ اگر نیند نہ آتی ہو تو انگلی اپنی ناف پر رکھ کر گھمائے اور سورہ عنکبوت پڑھے تو اس کو نیند آجائے گی اس کو کھانے سے تپ دق ختم ہوگا

۱۴۔ سورہ حدید لکھ کر پاس رکھنے سے اس پر لوہے کا ہتھیار کارگر نہ ہوگا۔

۱۵۔ سورہ قَدْ سَمِعَ اللّٰہ کو خاک پر تین دفعہ پڑھ کر دشمن کی طرف پھینکے تو دشمن مغلوب و مقہور ہوگا۔
اگر اس کو ہمیشہ پڑھے تو شر جن و انس سے محفوظ رہے گا۔

۱۶۔ قبرستان کی مٹی پر سات دفعہ سورہ طلاق پڑھ کر جس گھر میں ڈالے طلاق واقع ہوگی۔

۱۷۔ سورہ طارق کو ۱۱ قبرستانوں کی مٹی پر سات دفعہ پڑھ کر دشمن کے آستانہ میں دفن کرے۔ دشمن مغلوب ہوگا۔

۱۸۔ مرد بستہ سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ کو مشک و زعفران سے لکھ کر پاس رکھے کھل جائے گا۔

۱۹۔ سورہ قدر کا ورد وسعت رزق کا باعث ہے۔

- نئے لباس پہننے سے پہلے دس دفعہ سورہ قدر دس دفعہ سورہ کافرون اور دس دفعہ توحید پڑھ کر پانی پر دم کرکے وہ پانی نئے لباس پر چھڑکے تو رزق وسیع ہوگا۔
- پچھلی رات سورہ قدر کو ۱۵ دفعہ پڑھتے رہنا وسعت رزق کا موجب ہے۔

۲۰۔ سونے سے پہلے دس مرتبہ سورہ والتین پڑھ کر نیت کرے کہ اگر دشمن میرے ساتھ صلح نہ کرے تو اس پر اللہ بانیٔ مسلط کردے اور پھر ۲۰۰ دفعہ پڑھے یا طرخمیثا یا ستیثا

۲۱۔ دو شخصوں کے درمیان جدائی ڈالنے کے لئے ان کے پاؤں کی خاک پر ۱۶ دفعہ سورہ زُلْزِلَتْ پڑھ کر اپنی تھوک سے تر کرکے آگ میں ڈال دے تو جدائی ہوگی۔

۲۲۔ اگر مرد عورت پر ظلم کرتا ہو اور عورت طلاق چاہے تو سورہ قارعہ کو لکھ کر گھر میں دفن کردے۔ انشاءاللہ طلاق ہو جائے گی۔

۲۳۔ سورہ فیل کو نافلہ صبح کی رکعت میں پڑھنے سے دشمن مغلوب ہوگا۔

نوٹ :۔ جہاں تفریق و ہلاکی دشمن کا عمل کرے تو یہ خیال رہے کہ مومن کے لئے نہ کرے اور ناجائز نہ کرے ورنہ وہ خود اس کا وبال اٹھائے گا۔

۲۴۔ سورہ آل عمران از اول تا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ لکھ کر عورت پاس رکھے تو خدا اس کی برکت سے اس کو اولاد عطا فرمائے گا۔

الالف

آل کی تحقیق:- آلُ الرَّجُلِ خَاصَّتُهُ الَّذِینَ یَؤُولُ اَمْرُهُ اِلَیْهِمْ وَاَمْرُهُمْ اِلَیْہِ۔ ترجمہ: آل انسان کے ان خاص متعلقین کو کہا جاتا ہے جس پر اس کو اعتماد کلی ہو کہ اس کے ہر پیچیدہ امر کا حل ان کے ذریعے سے ہو اور وہ بھی اس پر اعتماد کلی رکھتے ہوں کہ اپنے ہر پیچیدہ مسئلہ کو اس کے بغیر حل نہ کر سکتے ہوں۔ پس فرعون کی آل میں وہ لوگ داخل ہوں گے۔ جن پر حکومتی معاملات میں فرعون کو اعتماد کلی تھا اور حضرت محمد مصطفےٰ کی آل میں وہ افراد شامل ہوں گے جن پر نبوتی امور میں حضورؐ کو اعتماد کلی حاصل ہو آل اور اہل دونوں کا معنی ایک ہے لہٰذا آل محمدؐ میں جو افراد داخل ہیں اہلبیت محمدؐ میں بھی وہی داخل ہیں۔ اگرچہ استعمال میں لفظ اہل اشراف و ارزال سب پر بولی جاتی ہے اور لفظ آل صرف اشراف کے لئے مخصوص ہے خواہ شرف دینی ہو یا دنیاوی۔

پس آلِ محمدؐ کے دائرہ میں اصحاب و ازواج کو شامل کرنے کے لئے آلِ فرعون کی مثال کو پیش کرنا قرآنی اسلوب بیان سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ جلد ۶ ص۴۷ تا ص۴۸

علماء نے آلِ محمدؐ کا مصداق آپ کی عترت معصومین کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا حضورؐ کی اکلوتی شہزادی جناب فاطمہؑ اور حضرت علی علیہ السلام سے لے کر حضرت حجۃ العصر صاحب الزمان علیہ السلام تک بارہ امام آپ کی آل ہیں۔ بنابریں جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کو آل محمدؐ سے خارج کرنے یا سمجھنے پر مصر ہیں انہوں نے آل کے معنی کو نہیں سمجھا۔ اہلبیت کی تعیین اور تخصیص کے متعلق مفصل بحث۔ ج ۱۱ ص۱۸۸ تا ص۱۹۶

آل فرعون:- اس دائرہ میں وہ تمام افراد داخل ہیں جو حکومتی نظم و نسق اور جملہ مذہبی ملکی، خانگی اور اسرار و رموز میں اس کے معتمد تھے پس ارکین سلطنت ممبران مجلس مشاورت حکام مملکت اور آفیسران و اہلکاران دولت کے علاوہ عوام و خواص میں سے اس کے جملہ بہی خواہان اس کی آل میں داخل تھے جن پر متعدد عذاب آئے اور آخر کار غرقاب ہو کر واصل جہنم ہوئے۔ آل فرعون پر متعدد عذاب آئے۔

(۱) قحط سالی (۲) نقص ثمرات یعنی پیداوار کی کمی (۳) طوفان (۴) مکڑی (۵) قمل (جوئیں) (۶) مینڈک (۷) خون (۸) غرقابی

جب ایک عذاب آتا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معافی مانگ لیتے تھے اور جب حضرت موسیٰ کی دعا سے عذاب ٹل جاتا تھا تو پھر سرکشی پر ڈٹ جاتے تھے آخر کار وہ عذاب آیا جو ٹلنے والا نہ تھا پس سب کے سب غرق ہو گئے۔ تح ص ۷۵ تا ص ۸۱

اس مقام پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر آل سے مراد معتمدین کی جماعت ہو تو مومن آل فرعون پر آل کا اطلاق کیسے صحیح ہوگا اور آسیہ اس زمرہ میں کیسے شامل ہوگی ؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرعون کے نظریہ میں یہ دونوں اس کے معتمدین میں سے تھے اور وہ ان کو اپنی آل سمجھتا تھا اور قرآن مجید کے اطلاق سے مومن آل فرعون کا آل فرعون سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗ الایہ سورہ المومن ع یعنی چونکہ فرعون سے وہ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا اور اس نے جو بات کہی وہ ظاہر کے اعتبار سے بھی اور واقع کے لحاظ سے بھی فرعون کی خیر خواہی تھی اور خود فرعون اور اس کے عملہ نے اس کی رائے کو معاندانہ اختلاف پر محمول نہیں کیا بلکہ اس کی آزادانہ اختلافی رائے کو ایک مصلحانہ فیصلہ سمجھتے رہے۔ چنانچہ اس نے اپنے اختلافی فیصلہ کو اس طرح مدلل اور قابل قبول انداز میں بیان کیا کہ فرعون اور اس کی پوری کابینہ کو اس کی نیت پر شک کرنے کی جرأت نہ ہو سکی چنانچہ قرآن مجید میں اس کی تقریر کا متن یہ ہے۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّکُمْ ؕ وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ؕ وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ الایہ سورہ المومن ع ۲۸ ترجمہ۔ کیا تم ایسے شخص کے (موسیٰ کے) قتل کے درپے ہو جس کا جرم تمہاری نگاہوں میں صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کو اپنا رب مانتا ہے اور اس بارے میں وہ تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس واضح دلیلیں بھی لے کر آیا ہے اور بالفرض اگر وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا بھی ہو تو اپنے جھوٹ کا وبال وہ خود ہی بھگتے گا لیکن اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے تو یقیناً تمہیں اس انجام بد کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا اس نے وعدہ کیا ہے۔ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے اس نے کہا اے میری قوم اس وقت تمہارے پاس حکومت ہے اور زمین پر تمہارا اقتدار قائم ہے لیکن اگر (موسیٰ کے کہنے کے مطابق) ہم پر بصورت انکار اللہ کا عذاب نازل ہو تو بتاؤ کہ ہمارا کون مددگار ہو سکے گا ؟

فرعون نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ مَآ اُرِیْکُمْ اِلَّا مَآ اَرٰی وَمَآ اَهْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ ترجمہ :۔ میں تو تم کو وہی راستہ دکھا رہا ہوں جس کو میں نے خود صحیح سمجھ رکھا ہے اور اپنی دانست کے مطابق میں تو تمہیں سیدھے راستے کی ہدایت کر رہا ہوں۔ آگے تمہاری مرضی اس پر عمل کرو یا نہ کرو۔

مومن آل فرعون نے کہا۔ اے میری قوم سابقہ اقوام کے منفی رویہ کی بدولت جو ان کا حشر ہوا میں تو تمہارے انداز فکر کو دیکھ کر اسی قسم کے انجام بد سے خوفزدہ ہو رہا ہوں۔ دیکھو قوم نوح اور قوم عاد و ثمود کا کیا حشر ہوا اور ان کے بعد آنے والی گذشتہ بعض امتوں پر کیا گزری ؟ حالانکہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا اور اس دنیاوی عذاب کے علاوہ مجھے

تو قیامت کا ڈر بھی ہے کہ اللہ کے سوا اُس دن تمہیں کون پناہ دے گا؟ اس کے بعد اس نے اپنی پوری تقریر میں جہاں اللہ کی توحید بیان کرنے کے بعد اس کی اطاعت پر زور دیا۔ وہاں اس کی نافرمانی کے انجام بد سے بھی نہایت پر زور لہجہ میں ڈرایا اور اپنے بیان کے آخر میں دلشگاف الفاظ میں اعلان کیا۔ فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ۔ ترجمہ۔ یعنی اب تو تم میری باتوں پر یقین نہیں کرتے لیکن وقت آنے پر میری باتوں کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ تحقیق اللہ بندوں کے احوال سے آگاہ ہے پس ظاہری طور سے یہ شخص فرعون کی آل میں شمار ہوتا تھا اور اس کی تقریر بھی درحقیقت فرعون کی خیر خواہی پر مبنی تھی لیکن چونکہ سچا مومن تھا پس اللہ کے علم میں وہ آل فرعون کا فرد نہیں تھا گویا وہ شخص مومن تھا جس کا شمار ظاہری طور پر آل فرعون میں سے تھا چنانچہ اگلی آیت میں اس کا واضح اعلان موجود ہے۔ فَوَقَاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ۴۵۔ ترجمہ۔ پس اللہ نے اس کو اُن کے مکر کے بُرے انجام سے بچا لیا اور آل فرعون کو بُرے عذاب نے گھیر لیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مومن آل فرعون اللہ کے نزدیک آل فرعون میں شامل نہیں تھا کیونکہ آل فرعون غرق ہو گئی۔ اور وہ بچ گیا۔

نیز اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رجل مومن۔ آل فرعون میں سے تھا۔ یعنی جو لوگ آل فرعون میں شمار ہوتے تھے یہ اُن میں پیدا ہوا اور ان میں ہی اس نے پرورش پائی لیکن ان کی صحبت اور ان کے درمیان بود و باش اس کے نظریات پر اثر انداز نہ ہو سکی اور وہ مومن کامل رہا جس طرح حضرت پیغمبرؐ کے متعلق ہے۔ رَسُولٌ مِّنْهُمْ کہ حضورؐ اہل مکہ میں پیدا ہوئے اور ان ہی کے معاشرہ میں پلے بڑھے تاہم ان کی عادات بد کا ان کی ذات ستودہ صفات پر کچھ اثر نہ ہوا۔

آل موسیٰؑ و آل ہارونؑ۔ پ۲ ع۱۶۔ عرب میں آل فلاں بول کر وہ شخص بعض اوقات مراد لیا جاتا ہے جس کی طرف آل مضاف ہو اسی بنا پر یہاں آل موسیٰ سے موسیٰ اور آل ہارون سے مراد خود ہارون ہیں اور وہ تابوت جو بنی اسرائیل کیلئے سکینہ تھا اس میں حضرت موسیٰ کی نعلین اور حضرت ہارون کا عمامہ تھا جس پر بقیہ کا اطلاق ہوا ہے۔ ج۲ ص۱۲۱۔ سورہ آل عمران کے فضائل ج۳ ص۱۸۷

آل ابراہیمؑ و آل عمرانؑ۔ پ۳ رکوع۱۲۔ تفسیر عمدۃ البیان میں ہے کہ تفسیر اہلبیت میں آل عمران سے مراد حضرت علی بن ابیطالب ہیں اور بروایت ابن عباس حضرت نبی اکرمؐ نے فرمایا میں آل ابراہیمؑ ہوں اور علی آل عمران ہیں و ظاہر ہے کہ آل کا مصداق معصوم لوگ ہیں کیونکہ اصطفاء غیر معصوم کا نہیں ہو سکتا۔ ج۳ ص۲۱۸۔ سورہ آل عمران کو لکھ کر جو شخص اپنے پاس رکھے روزی فراخ ہو گی۔ ج۳ ص۱۸۱

(۱) سورہ آل عمران کے اعداد ۱۸۴۹۵۶ ہیں اس کا نقش مثلث اپنے پاس رکھنا وسعت رزق کا موجب ہے اور اس

٧٨٦

٦١٦٥٣	٦١٦٤٨	٦١٦٥٥
٦١٦٥٤	٦١٦٥٢	٦١٦٥٠
٦١٦٤٩	٦١٦٥٦	٦١٦٥١

سورہ کو روزانہ ۱۳ دفعہ پڑھنا ادائیگی قرض کے لئے مفید ہے نقش یہ ہے۔

۲۔ سورہ آل عمران کو زعفران سے لکھ کر گلے میں باندھنے سے عورت صاحب اولاد ہوگی۔ انشاء اللہ

۳۔ آیۃ الملک کی زیادہ تلاوت بھی وسعتِ رزق کی موجب ہے۔ واللہ اعلم

سورہ آل عمران از ابتداء تا ھوالعزیزالحکیم لکھ کر عورت اپنے پاس رکھے۔ اللہ اس کو اولاد دے گا۔ فوائد ص۲۴۹

(۱) سورہ آل عمران کی آیت:
یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا تا آخر جو کی روٹی پر لکھ کر بھاگنے والے نوکر اور بھاگنے والی عورت کو کھلائے۔ انشاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ ص۲۴۴ کنوز

(۲) آل عمران کی آیت۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ تا بِذَاتِ الصُّدُوْر چالیس دن اور ہر دن چالیس مرتبہ پڑھے۔ مشکل آسان ہوگی۔ اگر دشمن کے لئے ۲۹ دن ہر روز ۲۹ بار پڑھے۔ دشمن دفع ہوگا۔

(۳) اگر ۱۹ دن ہر روز ۱۹ بار پڑھے۔ دولتمند ہوگا۔ اگر اہل وعیال کے لئے ہر روز پانچ دفعہ پڑھتا رہے مقصد حاصل ہوگا درد سر کے لئے ۷ دفعہ پڑھ کر دم کرے ٹھیک ہوگا۔

(۴) دشمن کے مقابلہ میں پڑھے تو دشمن ذلیل ومقہور ہوگا۔ اگر گھوڑے کی گردن میں لکھ کر باندھے گھوڑا نہ تھکے گا ص۲۴۵ کنوز

آل محمدؐ تفسیر برہان میں تفسیر ثعلبی سے منقول ہے ابو وائل کہتا ہے کہ مصحفِ ابن مسعود میں آل عمران کے بجائے آل محمدؐ درج تھا اور بعض روایات میں یہ ہے کہ آل ابراہیمؑ سے مراد آل محمدؐ ہیں اور جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ لوگوں پر تعجب ہے کہ آل ابراہیم و آل عمران کے ذکر سے تو خوش ہوتے ہیں مگر آل محمدؐ کے ذکر سے ان کے دل گھٹتے ہیں اور پھر آپؐ نے حلفیہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص ستر نبیوں کے اعمال کے برابر بھی اپنی نیکیاں پیش کرے گا تو بجز ولائے علیؑ کے اس کی کوئی نیکی مقبول نہ ہوگی۔ ج۳ ص۲۱۵

○ حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں امت مسلمہ سے مراد آل محمدؐ ہیں اور خیر امت اور امت وسط سے مراد بھی آل محمدؐ ہیں ج۲ ص۱۸۹-۱۹۰

آل محمدؐ ابواب اللہ۔ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِھَا۔ پ۲ ع۸ کی تفسیر میں ج۳ ص۸ اور ج۶ ص۳۵۔ حدیث۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا ج۳ ص۸ و ج۲ ص۷ ، ج۱ ص۲۶ ، ج۱۱ ص۲۳ ، ج۱۳ ص۱۳۱

○ آل محمد العروۃ الوثقیٰ ہیں۔ ج۳ ص۱۳۹ اور تفسیر حبل اللہ۔ ج۴ ص۲۴ و ص۲۵ اور تفسیر وسیلہ میں ج۵ ص۹۷ اور ج۱۱ ص۱۳۹ ، آل رسول پر ظلم ج۶ ص۱۲۱ ، درود میں آل کا ذکر ضروری ہے۔ ج۱۱ ص۲۱۱

آل محمدؐ قرآن کے حقیقی مفسر ہیں۔ مقدمہ تفسیر میں متعدد عناوین کے ماتحت اس مقصد پر بحث کی گئی ہے اور ج میں مقطعا قرآنیہ کی بحث میں ص۴۹ پر یہ بحث موجود ہے نیز ج۳ میں راسخون فی العلم کی تفسیر میں ص۱۹۵ سے لے کر متعدد صفحات کی بحث موجود ہے۔ بئر معطلہ کی تاویل آل محمد ہے۔ ج۱۰ ص۳۸

○ شیعہ چونکہ آل محمدؐ کی تفسیر کے علاوہ دوسری کسی تفسیر کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے اس لئے حسبنا کے دعویداروں نے شیعوں کو منکر قرآن کہا اور اس قسم کے اوچھے اور بے بنیاد ہتھکنڈوں سے شیعوں کو بدنام کرنے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اس کی تفصیل ج۶ ص۱۰ و ص۱۷ پر ملاحظہ فرمائیں اور ج ص۱۰ پر اہل ذکر کی تفسیر میں آل محمد کا مفسر قرآن ہونا تفصیل سے مندرج ہے۔ نیز ج۱۱ ص۲۶۲ و ص۲۶۳ پر بھی اسی مقصد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ۔ حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند اسمٰعیل کے لئے اپنی امت سے فرمائش کی تھی کہ ان سے وفا کرنا لیکن امت نے عمل نہ کیا۔ ج۲ ص۱۰۔ اسی طرح باقی انبیاء نے بھی اپنی امتوں سے اپنے اپنے اوصیاء کے متعلق عہد لیا تھا۔ چنانچہ حضرت آدمؑ نے شیث کے لئے نوحؑ نے سام کے لئے موسیٰؑ نے یوشع کے لئے عیسیٰ نے چرخ چہارم پر جانے سے پہلے شمعون کے لئے امت سے وفا کا عہد لیا تھا لیکن امت نے پورا نہ کیا اور حضرت پیغمبرؐ نے علی کی ولی عہدی کا امت سے عہد لیا۔

○ ذکر امتحان ابراہیمؑ و عہدۂ امامت۔ ج۲ ص۱۰ ص۱۷۵ ص۱۷۸

○ توحید کے موضوع پر نمرود سے مناظرہ ج۳ ص۱۴۲ یہاں بعض مقررین کے غلط استدلال اور غلو آمیز بیان پر بھی تنبیہ کی گئی ہے۔ اور نماز عصر کے لئے سورج کا غروب کے بعد واپس پلٹنا حضرت علی علیہ السلام کی عظمت شان کا واضح ترین معجزہ ہے۔

○ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ سے ایک ہزار سال پہلے گزرے ج۳ ص۲۵۸۔ پس وہ نہ بقول یہود یہودی تھے اور نہ بقول نصاریٰ نصرانی تھے۔ بلکہ وہ حنیف مسلم تھے۔ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا۔ پ۳ ع۱۵ حضرت ابو طالب ان کے آخری وصی تھے۔ ج۵ ص۲۱۱

○ جس دن حضرت ابراہیمؑ پر آتش نمرودی گلزار ہوئی وہ غدیر کا دن تھا پس انہوں نے خوشی میں روزہ رکھا۔ ج۵ ص۳۷ اور وسیلہ کی تفسیر میں ہے کہ آپ نے اپنی دعا میں محمد و آل محمد کو وسیلہ قرار دیا تھا۔ ص۹۸ ج۹ ص۲۲۵

○ حضرت ابراہیم کے والد ماجد کا نام نامی تارخ تھا جو پکا مسلمان اور چونکہ آپ کی تربیت آذر نے کی تھی جو بقول حجاج حضرت ابراہیم کا نانا تھا یا چچا تھا۔ پس مجازاً اس پر اب کا اطلاق کیا گیا۔ ج۵ ص۲۳۱ ج۲ ص۱۸۲

○ حضرت ابراہیمؑ کی ولادت کا قصہ ج۵ ص۲۳۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی ماں سے نمرود کی جواب طلبی۔ ج۹ ص۲۳۳

○ حضرت ابراہیمؑ نے ملکوت سما کی سیر کی تو جانب عرش حضرت علیؑ فاطمہ حسن و حسین علیہم السلام کے انوار دیکھے

اور ان کے ارد گرد نو اماموں کے انوار دیکھے ایک روایت میں ہے پہلے حضرت محمدؐ کا نور دیکھا۔ پھر انوار آئمہ دیکھے اور ان کے ارد گرد تا حد نگاہ انوار دیکھے۔ پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ علیؑ کے شیعوں کے انوار ہیں۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے شیعوں کی علامتیں دریافت کیں تو جواب ملا کہ ان کی پانچ علامتیں ہیں

(۱) اکاون رکعت نماز (یعنی سترہ رکعت فرض اور ۳۴ رکعت نوافل جو کتب فقہیہ میں تفصیل سے مذکور ہیں۔)

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آواز سے پڑھنا خواہ نماز میں پڑھے یا کسی دوسرے کام کی ابتداء میں پڑھے۔

(۳) رکوع سے پہلے نماز میں دعا قنوت کا پڑھنا (دعائے قنوت دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھی جاتی ہے)

(۴) زمین پر سجدہ کرنا۔

(۵) دائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا پہننا (نگینہ کی کوئی تعیین نہیں ہے)

- پس حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی۔ اے اللہ مجھے حضرت علیؑ کے شیعوں سے قرار دے پس جواب ملا کہ تیری دعا مقبول ہے اور بعض روایات میں زیارت اربعین کو بھی علائم شیعہ میں سے قرار دیا گیا ہے۔ ج۵ ص۲۳۳
- چاند، سورج اور ستارہ پرستوں کو اپنے انداز خاص سے دعوت توحید دینا۔ ص۲۳۴
- مونچھیں کتروانا، ناخن لینا، بغلوں کو صاف کرنا، زیر ناف بال مونڈنا اور ختنہ کرنا ملتِ ابراہیمی کے مختصات میں سے ہیں۔ ج۵ ص۲۷۱ حنیفیت دس چیزیں ہیں۔ ج۲ ص۱۷۱۔ ملتِ ابراہیم ج۵ ص۲۷۱
- حضرت ابراہیمؑ نے جب نمرود کے ملک سے ہجرت فرمائی تو حضرت لوطؑ ان کے ہمراہ تھے جو آپ کے چچا زاد یا خالہ زاد اور نسبتی بھائی تھے یعنی حضرت سارہؑ کے بھائی تھے۔ ج ص۵۵ مسجد سہلہ میں آپ کا گھر تھا ج ص۲۵
- جب آگ میں جاتے ہوئے حضرت جبریلؑ نے مدد کی پیش کش کی تو آپ نے فرمایا مجھے اللہ کی مدد کافی ہے ج ص۱۴
- چچا کے لئے دعا کرنا ص۱۳۲۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتے آئے تو چونکہ بشکل انسان تھے۔ آپ نے ان کی ضیافت کے لئے گوسالہ ذبح کر کے اس کا گوشت بھون کر پیش کیا جب انہوں نے کھانے سے انکار کیا تو آپ خوفزدہ ہوئے پس انہوں نے حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحٰق کی پیدائش کی خوشخبری سنائی۔ ج ص۲۲۵۔ ج۱۳ ص۱۲۸ ج۵ ص۱۸۵
- پ۱۲ ع۶ میں ہے کہ جب حضرت سارہ بنت ہاران زوجہ ابراہیمؑ نے بچے کی خوشخبری سنی تو از راہ تعجب کہنے لگی یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تو بوڑھی ہو چکی ہوں کیونکہ اس وقت ان کی عمر ۹۹ برس تھی ج ص۲۲۶ اور پ۲۶ رکوع۱۹ میں ہے کہ بچے کی خبر سن کر چیخی اور اپنا منہ پیٹ لیا۔ ج۳ ص۱۲۸
- جب حضرت ابراہیمؑ کو آتش نمرودی میں جھونک دیا گیا تو اللہ کا حکم ہوا۔ اے جبرئیل فوراً پہنچو ورنہ اگر تیرے پہنچنے سے پہلے ابراہیم آگ میں جلا گیا تو مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے کاٹ دوں گا چنانچہ وہ آگ

میں نہ پہنچنے پائے تھے کہ جبرئیل نے حاضر ہو کر اپنی مدد کی پیش کش کی تو انہوں نے جواب دیا مجھے اللہ کی مدد کی ضرورت ہے تیری نہیں اور جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جواں سال فرزند حضرت اسمٰعیل کی گردن پر چھری رکھی تو پھر اسی حلفیہ انداز سے جبریل کو اللہ نے حکم دیا کہ اگر تیرے پہنچنے سے پہلے اسماعیل کی گردن پر چھری چل گئی تو تیرا نام فرشتوں کی صف سے کاٹ دوں گا چنانچہ اس نے فوراً پہنچ کر چھری کو الٹا دیا اور فدیہ پیش کر کے ذبح کرا دیا ج۶ ص۱۶۔ ج۹ ص۲۳۷ حضرت ابراہیم کی طرف تین جھوٹوں کی نسبت غلط ہے۔ تقیہ کا ثبوت ج۶ ص۶۵

- حضرت ابراہیمؑ کو جب آتش نمرودی میں ڈالا گیا تھا تو جبریل نے جنت سے ایک قمیص لا کر حضرت ابراہیمؑ کو پہنا دی تھی اور وہی قمیص آپ نے بطور تعویذ حضرت اسحٰق کے گلے میں باندھ دی تھی اور انہوں نے حضرت یعقوب کے گلے میں بطور تعویذ ڈالی تھی اور انہوں نے چاندی کی تختی میں بند کر کے حضرت یوسف کے بازو میں تعویذ کے طور پر باندھ دی تھی چنانچہ زندان مصر میں وہی قمیص حضرت یوسف نے باہر نکالی اور بشیر کے حوالہ کی تو اس کی خوشبو حضرت یعقوب نے ملک شام میں محسوس فرمائی۔ کیونکہ جنتی لباس کی خوشبو مومن کو ایک ہزار سال کی مسافت سے بھی محسوس ہو سکتی ہے اور وہی قمیص تبرکات انبیاء میں حضرت پیغمبرؐ تک پہنچی اور مروی ہے کہ قائم آل محمدؑ خروج کریں گے تو وہ قمیص ان کے پاس ہوگی۔ ج۹ ص۷۰ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ کسی کتاب میں میں نے دیکھا ہے کہ جناب فاطمہ زہراؑ نے وہ قمیص جناب زینب کے حوالہ کی تھی اور یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب تجھ سے حسین یہ قمیص طلب کرے تو سمجھ لینا کہ وہ گھڑی لحظہ کا مہمان ہے۔
- جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہو چکے تو دعا مانگی رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا الآیہ پ۱۳ سورہ ابراہیم۔ اے رب اس شہر کو بلد امن قرار دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ
- میں نے تیرے گھر کے قریب اپنی ذریت کی رہائش رکھی ہے تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے۔ ج۶ ص۱۵۸
- ملت ابراہیمی پر چلنے کا حکم ج۶ ص۲۵۔ سفر معراج میں حضورؐ نے پہلے آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کی اور دیکھا کہ مومنین کے بچوں کی وہ تربیت کر رہے تھے۔ ج۶ ص۲۶
- مقام محمود پر حضورؐ کے دائیں جانب حضرت ابراہیم کا مقام ہوگا۔ ج۹ ص۶۱
- مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے بال سیاہ رہتے تھے۔ پہلے پہل حضرت ابراہیمؑ نے بال سفید دیکھے تو عرض کی اے پروردگار! یہ کیا ہے تو جواب ملا یہ وقار ہے پس آپ نے دعا مانگی۔ اے اللہ میرے وقار کو زیادہ کر ج۹ ص۱۳۷
- حضرت ابراہیمؑ کا اپنے چچے آذر کو دعوت توحید دینا۔ ج۹ ص۱۵۱ ص۲۲۹۔
- آپ کی بت شکنی پ۱۷ سورہ انبیاء رکوع ۵ تفسیر ج۹ ص۲۳۰ و ص۲۳۱
- آپ پر مقدمہ چلایا گیا اور سزائے موت (آگ میں ڈالنے) کا فیصلہ سنایا گیا ص۲۳۲۔ اس وقت آپ کی عمر سولہ ۱۶

برس تھی ج۹ ص۲۳۵

- ○ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے پوچھا کہ حضرت موسیٰؑ جادوگروں کے مقابلہ میں گھبرا گئے تھے لیکن حضرت ابراہیمؑ تو آگ سے بھی نہ گھبرائے۔ آپ نے جواب دیا کہ ابراہیمؑ کی صلب میں محمدؐ و آل محمدؐ کے انوار تھے ج۲ ص۲۳۶
- ○ نمرودی حکومت کی جانب سے حضرت ابراہیمؑ کی جلاوطنی کا حکم ج۹ ص۲۳۷
- ○ نمرود کی لڑکی کا اسلام قبول کرنا۔ ج۹ ص۲۳۹
- ○ تعمیر کعبہ اور تطہیر کعبہ کا حکم۔ ج۱ ص۲۱۔ صحف ابراہیمؑ یکم رمضان یا ۳ ماہ رمضان کو نازل ہوئے ج۲ ص۲۳۰
- ○ کوہ ابو قبیس پر بلند ہو کر باذنِ پروردگار حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی۔ پس پشتوں میں ہونے والوں نے بھی اس آواز پر لبیک کہی اور مروی ہے کہ اہل یمن نے پہل کی تھی۔ ج۱ ص۲۲
- ○ مروی ہے جن لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کی آواز پر لبیک کہی تھی وہی لوگ حج سے مشرف ہوں گے ص۲۳
- ○ حضرت ابراہیمؑ کو جس مقام پر خلیل اللہ کا لقب ملا وہ مقام طور ہے۔ ص۲۳۶
- ○ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر سورۂ شعراء آیت ۶۹ پ۱۹ ج۱ ص۲۰
- ○ اسم اعظم کے تہتر حروف میں سے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آٹھ حروف تھے۔ ص۲۴۸

نصیحت۔ غریب و امیر دونوں طبقوں کے لئے اللہ نے انبیاء میں مثالیں قائم کر دی ہیں۔ پس غریب لوگ حضرت ابراہیمؑ و حضرت موسیٰؑ کی دردبھری زندگیوں کو مشعلِ راہ قرار دیں کہ انہوں نے اپنے دَور کے ظالم ترین انسانوں کے مظالم کا مقابلہ کر کے پرچم توحید اور ناموسِ شرافت کی لاج رکھی اور ظالم حکمران ان کو جادۂ حق سے پھسلا نہ سکے پس آخر کار متکبر حکمرانوں کا تکبر خاک و پانی میں مل گیا اور حق و حقیقت کو دنیا نے پہچان لیا۔ ج۱۱ ص۵۹

- ○ جب عزرائیل روح قبض کرنے کو آیا تو خلیل نے کہا کیا کوئی دوست دوست کی موت چاہتا ہے؟ اور عزرائیل کو حکم پروردگار ہوا جا کر خلیل سے کہو۔ کیا کوئی دوست دوست کی ملاقات سے گھبراتا ہے؟ ج۱۱ ص۶۰
- ○ حضرت ابراہیم کی دعوت توحید اور موثر انداز تبلیغ ج۱۱ ص۶۲
- ○ حضرت ابراہیمؑ پر مقدمہ چلایا گیا اور آخر کار زندہ جلائے جانے کا فیصلہ صادر ہوا۔ آپ نے آگ میں جانا منظور کر لیا لیکن پرچم توحید کو سرنگوں نہ ہونے دیا ج۱۱ ص۶۴، ص۶۵، ج۹ ص۲۳۵۔ چھپکلی آگ کو پھونک مار کر تیز کرتی تھی اور مینڈک پانی ڈال کر بجھاتا تھا ج۹ ص۲۳۶ حضرت کوفہ کے نواح میں آباد تھے اور دشمنانِ اسلام کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر شام کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے۔ ج۱۱ ص۶۷۔ جب آپ اپنے مویشیوں کو ساتھ لے جانے لگے تو نمرودی ایجنٹوں نے کہا کہ یہ مال ہمارے ملک کی پیداوار ہے لہٰذا اس کو ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہے تو آپ نے جواب میں فرمایا پھر اس کے بدلہ میں مجھے زندگی کا وہ حصہ واپس کر دیا جائے جو میں نے اس ملک میں گزاری ہے۔ چنانچہ مقامی عدالت میں مقدمہ

پیش ہوا تو حضرت ابراہیم کو اپنا مال ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی ۔ ج ۹ ص ۲۳۷

○ إِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۔ پارہ ۲۳ ۔ سورہ صافات رکوع ۶ تفسیر جلد ۱۲ ص ۴۲

○ ملکوت سما کی سیر اور انوار آئمہ اور ارواح شیعہ کا دیدار پھر دعا مانگنا ۔ ص ۴۳

○ ایک شخص نے حضرت سجادؑ سے عرض کی کہ میں آپ کا شیعہ ہوں تو آپؑ نے فرمایا کیا تو ابراہیم کے درجہ پر فائز ہے ؟ ص ۴۵

○ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ۔ آذر کا ذکر ۔ نمرودیوں کے عرس و میلہ میں شرکت سے معذرت کہ میں بیمار ہوں ۔

○ علم نجوم کے جائز یا ناجائز ہونے کا ذکر ۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی اور سزائے موت ۔ ج ۱۲ ص ۵۰ تا ص ۵۲

○ حضرت ابراہیم کی ہجرت اور قبطی حکمران کے سامنے تقیہ حضرت سارہ کی طرف بادشاہ نے دست درازی کا ارادہ کیا اور اس کا ہاتھ شل ہوگیا آخر کار بادشاہ دعائے ابراہیم سے تندرست ہوگیا اور ستم کی معافی کے علاوہ دیگر انعامات واکرامات سے نوازا حتیٰ کہ جناب ہاجرہ بھی بطور کنیزی کے آپ کے حوالہ کی اور جناب سارہ کی خواہش کے مطابق

○ آپ نے جناب ہاجرہ سے نکاح کرکے اس کو حرم سرا میں داخل فرمایا ۔ ج ۱۲ ص ۵۴ ص ۵۵

○ حضرت ابراہیمؑ کو فرزند کی بشارت اور پھر فرزند کے ذبح کرنے کا حکم ۔ ج ۱۲ ص ۵۶ تا ص ۵۹

○ ذبیح اللہ کون تھے حضرت اسحٰقؑ یا حضرت اسمٰعیل ص ۶۰ تا ص ۶۲

○ حضرت پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں ۔ ایک اسمٰعیل دوسرے عبداللہ کیونکہ حضرت عبدالمطلب نے منت مانی تھی اگر اللہ مجھے دس فرزند عطا فرمائے تو میں ایک کو خوشنودی خدا کے لئے قربان کروں گا ۔ چنانچہ قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا اور سو اونٹ بطور فدیہ نحر کئے گئے ۔ ج ۱۲ ص ۶۳ ، ص ۶۴

○ دنبہ کا فدیہ ذبح عظیم کے لئے ج ۱۲ ص ۶۴ ، ص ۶۵

○ حضرت ابراہیم کی آذر کے معبودوں سے بیزاری اور یہ کہ خدا نے نبوت اس کی نسل میں رکھ دی ۔ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ ۔ پارہ ۲۵ زخرف رکوع ۹ اور آل محمدؐ اس کے مصداق ہیں ج ۱۲ ص ۲۲۸ تا ص ۲۳

○ حضرت ابراہیمؑ اولوالعزم پیغمبروں میں سے تھے ج ۱۳ ص ۲۶۶ ، ص ۲۶۷

○ حضرت ابراہیمؑ کے نقش قدم پر چلنے کا حکم ۔ ج ۱۳ ص ۲۶۶ ، ص ۲۶۷

○ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ۔ ابراہیمؑ کے زمانہ کا فرعون اور اس کے مشیر حرامزادے تھے ۔ جنہوں نے ابراہیمؑ کے لئے سزائے موت کا فیصلہ کیا اور بخلاف اس کے موسیٰ کا فرعون اور اس کے مشیر حلال زادے تھے ۔ جنہوں نے حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے میدان مقابلہ تجویز کیا جسمیں جادوگروں اور موسیٰؑ کو مقابلہ کی دعوت دی گئی ۔ ج ۹ ص ۲۳۳

- حضرت ابراہیمؑ کا ایک عابد سے دعا منگوانا۔ ج۹ ص۱۵۴

آبِ حیات ۔ شفاعت کے بعد جب جہنمی لوگ جہنم سے نکلیں گے تو ان کو آبِ حیات کی نہر میں داخل کیا جائے گا۔ جس سے ان کا گوشت پوست نیا اگ آئے گا۔ ج۴ ص۹۰

- حضرت خضرؑ جناب ذوالقرنین کی فوج میں بھرتی ہوئے۔ رفتہ رفتہ فوجی جرنیل بن گئے اور سفر ظلمات طے کر کے آبِ حیات کے چشمہ تک جا پہنچے اور پانی پی لینے کے بعد حیاتِ جاوداں حاصل کر لی۔ ج۹ ص۱۲۰ و ص۱۲۲
- بہشتی لوگ آبِ حیات کے چشمہ سے غسل کریں گے۔ ج۹ ص۱۶۵
- ہر چیز کی فنا کے بعد خدا آبِ حیات جاری کرے گا۔ جس سے حشر کے لئے تمام ذی روح از سرِ نو زندہ ہونگے ج۱۲ ص۱۳۶ مروی ہے کہ چرخ چہارم پر ایک چشمہ ہے جسمیں آبِ حیات ہے۔ ج۱۳ ص۱۳۵

آبائے نبیؐ ۔ شیعہ عقیدہ کی رُو سے آبائے نبیؐ تا آدم مسلمان تھے ج۸ ص۱۹۵ ، ج۹ ص۱۵۱ ، ج۲ ص۱۸۲

- وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۔ پ۱۹ سورہ شعراء۔ آبائے نبی کا اسلام تفصیل سے ملاحظہ ہو۔ ج۱ ص۲۱۸
- اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے ثبات قدم کے صلہ میں کلمہ توحید ان کی نسل میں رکھ دیا۔ ج۱۳ ص۲۲۹

ابلیس ۔ مدتوں ملائکہ کے ہمراہ شریک عبادت پروردگار رہا۔ لیکن سجدہ خلیفہ کے امتحان میں پتہ چلا کہ نوریوں کی طویل صحبت کے بعد بھی ناری ناری ہوا کرتا ہے۔ ج۲ ص۸۳

- جن تھا یا فرشتہ؟ قوی قول یہی ہے کہ وہ جن تھا۔ ج۲ ص۸۳
- حق پر پردہ ڈالنے والے علماء ابلیس و فرعون کی طرح بد ہیں۔ ج۲ ص۲۰۴
- ابلیس نے قسم کھا کر کہا کہ جب تک بنی آدم کے جسموں میں روح رہے گی ان کو گمراہ کرتا رہوں گا تو اللہ نے فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں معاف کرتا رہوں گا ج۴ ص۵۱ و ص۵۲
- ابلیس کا قیاس۔ ج۶ ص۹ تکبر ص۱۲ قیاس کی مذمت ص۱۳ جو شخص دین میں قیاس کرے گا۔ اس کا حشر ابلیس کے ساتھ ہوگا اور زمانہ قائمؑ تک ابلیس کو مہلت دی گئی۔ ج۶ ص۱۴
- ابلیس ہر طور طریقہ سے اور ہر حیلہ و بہانہ سے گمراہ کرتا ہے۔ ص۱۵
- ابلیس کا وسوسہ ج۶ ص۱۹ و ص۲۰
- حضرت پیغمبرؐ کی ولادت کے وقت شیاطین پر شہاب ثاقب ٹوٹے تو انہوں نے ابلیس کو ماجرا سنایا پس ابلیس سٹپٹایا اور زمین حرم پر ملائکہ کا ہجوم دیکھا تو وجہ پوچھی جواب ملا کہ آج سید الانبیاء کی ولادت ہوئی ہے اور مروی ہے کہ عیسیٰ کی ولادت سے پہلے ساتوں آسمانوں پر جایا کرتا تھا پس عیسیٰ کی ولادت کے بعد تین آسمانوں سے روکا گیا اور حضورؐ کی ولادت کے بعد تمام آسمانوں سے روک دیا گیا۔ ج۳ ص۱۲۴

- انکار سجدہ آدمؑ اور حسد ج ۸ ص ۱۸۰۔ ابلیس پر لعنت کی ابتدا جبریل نے کی۔
- ابلیس نے چوتھے آسمان پر دو رکعت نماز پڑھی تھی جو چھ ہزار سال میں تمام ہوئی۔ ج ۸ ص ۱۸۱
- ابلیس نے پوچھا میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ (جب اس کو نکالا گیا) جواب ملا غلیظ مقامات۔
- پوچھا میرا مؤذن کون ہوگا؟ جواب ملا۔ طبلہ و سارنگی۔

میری غذا کیا ہوگی؟ جواب ملا۔ ہر وہ چیز جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔

میرا مشروب کیا ہوگا؟	"	ہر قسم کی شراب
میرا گھر کہاں ہوگا؟	"	حمام
میری مجلس کہاں ہوگی؟	"	بازار اور عورتوں کے اجتماعات میں
میرا لباس کیا ہوگا؟	"	راگ و رنگ
میری شکارگاہ کیا ہوگی؟	"	عورتیں

- حضرت آدمؑ نے عرض کی اے پروردگار! میرے لئے کیا ہوگا۔ جواب ملا تین چیزیں ہیں۔ ایک مخصوص میرے لئے۔ دوسری مخصوص تیرے لئے اور تیسری تیرے اور میرے درمیان شرک۔
- جو میرے لئے مخصوص ہے وہ ہے عبادت اس میں کوئی میرا شریک نہیں۔
- جو تیرے لئے مخصوص ہے وہ ہے ہر نیکی کا بدلہ دس گنا۔
- اور جو مشترک ہے وہ یہ کہ تمہارا کام ہے دعا مانگنا اور میرا کام ہے قبول کرنا۔
- پس ابلیس سٹپٹایا اور چلایا کہ ہائے اب میں کیا کروں گا؟ ج ۸ ص ۱۸۲
- انکار سجدہ۔ ج ۱۲ ص ۱۴ و ص ۱۲ اللہ نے فرمایا کہ میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہ ہوگا۔ ص ۱۴
- ابراہیمؑ کو منجنیق پر بٹھا کر آگ میں ڈالنے کی تجویز ابلیس نے بتائی تھی۔ ج ۸ ص ۲۳۴
- حضرت زکریاؑ کا سراغ قوم یہود کو ابلیس نے بتایا تھا۔ ج ۸ ص ۲۵
- وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ پ ۲۲ سبا ع ۲۔ ابلیس نے انکارِ سجدہ کو بعد راندہِ درگاہ ہوتے ہی اعلان کیا تھا کہ میں اولاد آدمؑ کو گمراہ کروں گا پس جو بھی شیطانی چالوں میں پھنس گیا۔ اس نے ابلیس کے ظن کی تصدیق کر دی۔ چنانچہ بروایت امام محمد باقر علیہ السلام جب حضرت پیغمبرؐ نے بروز غدیر علیؑ کو اپنا قائم مقام نامزد فرمایا تو ابلیس نے اپنی اسمبلی اور مشاورتی کمیٹی میں اپنی چالوں کی ناکامی کے خطرہ کا ذکر کیا لیکن جب منافق پارٹی نے اپنی خفیہ میٹنگوں میں حضورؐ کے اعلان غدیری کی مخالفت کا اظہار کیا تو ابلیس کو تسکین ہوئی اور جب وفاتِ پیغمبرؐ کے بعد لوگوں نے علیؑ سے منہ موڑ لیا تو ابلیس نے ایک خوشی کی تقریب منائی اور اپنے مریدوں کے اجتماع عظیم

میں اعلان کیا کہ اب ہمارا مشن کامیاب ہے۔ ج۱۱ ص۲۴۴

○ ابلیس نے حضرت ایوبؑ کے صبر و شکر پر حسد کیا اور عرض کی۔ اے پروردگار! اگر تو ایوبؑ سے نعمات کو سلب کرے تو میں دیکھوں وہ کیسے شکر کرتا ہے؟ چنانچہ حضرت ایوبؑ کی نعمتیں سلب ہوگئیں۔ لیکن شکر میں کمی نہ ہوئی۔ چنانچہ اولاد مرگئی باغات تباہ ہوگئے اور جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوگئے تاہم شکر میں کمی واقع نہ ہوئی ج۱۱ ص۹۵

○ قوم جنات میں پہلا گمراہ کرنے والا ابلیس ہے۔ ج۱۲ ص۱۸۶

ابولہب :- دعوتِ عشیرہ میں ابولہب کی شرارت۔ ج۵ ص۲۰۱ ج۷ ص۲۱۵ ج۱۲ ص۱۷۰

○ ابولہب و دیگر اکابر قریش کی خواہش پر معجزہ شق القمر ج۱۳ ص۱۶۵

○ ابولہب اور اس کی عورت ام جمیل بنت حرب بن امیہ۔ ج۱۴ ص۲۸۰

ابوطالبؑ :- زمانہ جاہلیت میں آپ نے ایک عابد سے ملاقات کی جس نے دو سو ستر برس اللہ کی عبادت کی تھی اور اس نے آپ کو ولی اللہ کے باپ ہونے کی بشارت سنائی۔ ج۵ ص۱۶۱۔ بچے کا نام پوچھنے کے لئے اشعار اور ان کا جواب ص۱۶۱

○ حضرت پیغمبرؐ ابوطالب کی وجہ سے کفار مکہ کی اذیتوں سے محفوظ ہے۔ ج۵ ص۱۴۵

○ حضرت ابوطالب کے مومن ہونے پر دلائل۔ ج۵ ص۲۰۰ تا ص۲۱۰ ج۱۱ ص۲۴ تا ص۲۶

○ آپ حضرت ابراہیمؑ کے آخری وصی تھے ج۵ ص۲۱۱ ان کا اصلی نام عمران تھا۔ ج۳ ص۲۱۸

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت اور اسلام کی سربلندی میں حضرت ابوطالب کی خدمات نمایاں ہیں۔ ج۶ ص۱۱۷

○ حضرت ابوطالب نے اپنے فرزند علیؑ کو تاکید کی کہ ان کا طریقہ نہ چھوڑنا۔ ج۶ ص۱۱۹

○ کفار مکہ نے حضرت پیغمبرؐ کو زر و دولت اور شادی وغیرہ کا بوساطت ابوطالب لالچ دیا تاکہ دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کو روک دیں۔ لیکن آپ نے اپنے عہد کو دہرایا۔ پس ابوطالب نے اعلان کر دیا کہ تم نے میرے بیٹے کو کوئی تکلیف پہنچائی تو میں تم کو (رئیس قریش مکہ) قتل کر دونگا۔ اس کے بعد چار سال شعب ابی طالب میں حضورؐ کی نگرانی کی اور نگہبانی کا فریضہ انجام دیا۔ ج۶ ص۱۹۴

○ آپ نے ظاہری طور پر بھی کلمہ اسلام زبان پر جاری کیا۔ ج۶ ص۱۹۵

○ جناب فاطمہ بنت اسد حضرت علیؑ کو کعبہ سے لا رہی تھیں کہ حضرت ابوطالب نے آگے بڑھ کر ولی اللہ کا استقبال کیا تو حضرت علیؑ نے لبہائے نازنین کو جنبش دی اور کہا السلام علیک یا ابۃ و رحمۃ اللہ ج۷ ص۵۳

○ دعوت عشیرہ میں حضرت ابوطالب کا کردار۔ ج۱ ص۲۱۵ و ص۲۱۶

○ قریش مکہ کے سامنے حضرت پیغمبرؐ کا اعلانِ حق بوساطتِ ابوطالب ج۱۲ ص۵۸

○ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد کفار مکہ کی ایذا رسانی بڑھ گئی۔ آپ طائف تشریف لے گئے اور سلسلہ تبلیغ شروع کیا۔ لیکن انہوں نے تکذیب کی۔ پس آپ نے واپس آنے کا ارادہ کیا تو راستہ کے دونوں طرف لوگ کھڑے ہو گئے اور آپ پر پتھر برسائے گئے چنانچہ آپ شدید زخمی ہو گئے۔ ج۱۳ ص۳۴

ابوذرؓ ۔ حضورؐ نبی اکرم نے فرمایا آسمان کے نیچے اور زمین کی پشت پر ابوذر جیسا سچا انسان نہیں۔ ج۲ ص۶۶

○ یہودیوں کی قرآن نے مذمت کی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو جلاوطن کرتے ہیں۔ پ۱ بقرہ آیت ۸۵

○ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس کے تاویلی مصداق حضرت ابوذر غفاری ہیں جن کو مسلمانوں کے خلیفہ نے ربذہ کی طرف جلاوطن کیا تھا۔ ج۲ ص۱۳۸

○ آپ کے ہاں ایک دفعہ ایک مہمان وارد ہوا تو آپ نے عمدہ اونٹ نحر کر دیا۔ اور فرمایا مال میں تین شریک ہیں۔ ایک تقدیر جو موت و ہلاکت سے مال کو ختم کرتی ہے دوسرے وارث جو موت کے منتظر ہیں جب مالک مرے گا تو وہ لے جائیں گے تیسرے خود مالک پس اسے باقیوں سے سست نہیں ہونا چاہیئے۔ ج۲ ص۱۵۸

○ حضرت ابوذرؓ پر کمیونسٹ ہونے کا الزام بے بنیاد ہے۔ ج۳ ص۱۶۸

○ حضرت رسالتمآبؐ نے ابوذر سے فرمایا تھا کہ جس کا خاتمہ نماز شب پر ہوا اس پر جنت واجب ہے۔ ج۳ ص۲۳

○ مقداد ابوذر اور سلمان کے علاوہ لوگ وفات پیغمبر کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ ج۴ ص۵۹

○ ایک روایت میں آل عمران کی آیت ۱۹۵ کا مصداق ابوذر سلمان اور عمار کو کہا گیا ہے۔ ج۴ ص۱۰۰

○ چاہ زمزم کے کنارے ابن عباس حدیثیں سنا رہا تھا تو ایک شخص عمامہ پوش وارد ہوا اور ابن عباس حدیث کے مقابلہ میں اس نے بھی حدیث سنانا شروع کیا۔ ابن عباس نے پوچھا تم کون ہو؟ جواب دیا میں جندب بن جنادہ ابوذر غفاری ہوں۔ اس کے بعد حالت رکوع میں انگوٹھی دینے والی علیؑ کی چشم دید فضیلت بیان کی اور دیگر فضائل بھی سنائے۔ ج۵ ص۱۲۹

○ جب بارہ منافقوں نے بیعت غدیری کے بعد واپسی پر جحفہ اور ابوا کے درمیان حضورؐ کے خلاف منصوبہ بنایا تھا تو حذیفہ نے آپ کی ناقہ کی مہار پکڑ رکھی تھی اور سلمان و ابوذر آپ کے دائیں بائیں تھے۔ ج۵ ص۱۴۵

○ جنگ تبوک میں جاتے ہوئے حضرت ابوذرؓ تاخیر سے کاروانِ رسالت سے جا ملے اور عذر ظاہر کیا کہ میرا اونٹ بیمار تھا اور طے مسافت سے قاصر تھا۔ لہذا پیدل چل کر آیا ہوں۔ پانی کا مشکیزہ پر تھا لیکن لب پیاسے تھے آپ نے فرمایا اس کی کیا وجہ ہے تو عرض کی حضورؐ! میں ایک صاف و شفاف سرد و شیریں چشمہ سے گزرا اور مشکیزہ پر کر لیا

لیکن دل میں عہد کر لیا جب تک پہلے اس پانی سے حضورؐ نہ پئیں گے۔ میں خود نہ پیوں گا۔ پس یہ پانی آپ کی خدمت میں لایا ہوں۔ آپ نے ابوذر کے حق میں دعا خیر کی اور فرمایا۔ اے ابوذر تیری زندگی تنہائی کی اور موت بھی تنہائی کی ہو گی اور تو داخل بہشت ہوگا حالت غربت میں تیری موت واقع ہوگی پس عراق سے کچھ لوگ آئیں گے اور تیری تجہیز و تکفین و تدفین کا انتظام کریں گے۔ ج صـ ۱۰۹

- موسم حج میں ابونخلہ نے ابوذر سے سوال کیا کہ اختلاف کی صورت میں ہمیں کس کی پیروی کرنی چاہیئے تو ابوذر نے جواب دیا کہ قرآن و علی کو لازم پکڑو کیونکہ میں نے نبی کریمؐ سے سُنا ہے۔ علیؑ پہلا شخص ہے جس نے میری تصدیق کی اور علیؑ بروز محشر سب سے پہلے میرا مصافحہ کرے گا۔ یہی صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہے۔ الخ ج صـ ۱۱۹
- حدیث بساط میں ہے کہ حضورؐ نے چادر بچھائی اور ابوبکر عمر ابوذر و سلمان کو اس کے چاروں گوشوں پر بٹھایا اور علیؑ کو درمیان بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر سب کو علیؑ کا بحیثیت امام سلام کرنے کا حکم دیا اور علیؑ سے فرمایا کہ سورج سے بات کرو۔ چنانچہ علیؑ نے سورج کو خطاب کر کے فرمایا۔ اے اللہ کی روشن نشانی السلام علیک۔ پس سورج میں کپکپی پیدا ہوئی اور جواب دیا وعلیک السلام یا ولی اللہ۔ اس کے بعد حضورؐ نے دعا مانگی اور بساط (چادر) نے پرواز کی اور اصحاب کہف کے دروازہ پر جا اتری پس ہر ایک نے اصحاب کہف کو سلام کہا لیکن کسی کو جواب نہ ملا۔ آخر میں حضرت علیؑ نے ان کو سلام کہا پس سب نے جواب میں کہا وعلیک السلام یا وصی محمد۔ اور سوال کے جواب میں انہوں نے کہا ہم نبی یا وصی نبی کو ہی سلام کرنا جانتے ہیں واپسی پر ایک مقام پر اترے تو علیؑ نے پاؤں کی ٹھوکر ماری۔ پس ایک پانی کا شیریں چشمہ ظاہر ہوا۔ آپ نے وضو کیا اور ہم سب نے وضو کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اب صبح کی نماز کا کچھ حصہ باجماعت ادا کر سکو گے چنانچہ ہمیں ہوا نے اٹھایا اور مسجد نبوی میں پہنچے تو حضورؐ ایک رکعت ختم کر چکے تھے۔ ج ۹ صـ ۸۳ ، صـ ۸۴
- ابوذر غفاری اور سلمان فارسی زمانہ جاہلیت میں بھی لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے۔ ج ۱۲ صـ ۱۱
- وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الایۃ پ ۱۵ کہف آیت ۲۸۔ اس کا مصداق سلمان ابوذر صہیب عمار اور خباب ہیں ج ۹ صـ ۹۴
 حدیث ثقلین حضرت ابوذر نے نقل کی ج ۱ صـ ۵۸

ابوبکر ۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں حضرت ابوبکر کو سب سے بڑا مفسر قرآن قرار دیا لیکن عذر پیش کر دیا کہ ان کی فوری وفات کی وجہ سے ان سے آثار تفسیر منقول نہ ہو سکے حتیٰ کہ پورے قرآن مجید میں سے آپ سے صرف دس سوالات کئے گئے اور ان میں سے بعض کا جواب دے سکے۔ مقدمہ تفسیر ج ۱، صـ ۱۵۲ تا صـ ۱۵۷

- حضرت علیؑ کے علم سے موازنہ۔ مقدمہ تفسیر صـ ۱۶۰۔ حضرت ابوبکر کی شجاعت پر تبصرہ ج ۵ صـ ۱۲۶
- حضرت ابوبکر کی مرتے دم پشیمانی مقدمہ صـ ۱۶۲
- حضرت علیؑ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی مقدمہ صـ ۱۶۷

- جناب فاطمہ کی ابوبکر پر ناراضگی زندگی بھر مقدمہ ص ۱۵ ۔ احراق باب فاطمہ ص ۱۷۱
- حضرت ابوبکر نے فرمایا جب جنگ احد میں صحابہ فرار گئے تھے تو سب سے پہلے واپس آنے والوں میں مَیں تھا ج۴ ص۹
- حضرت ابوبکر کی طرف سے امام فخر الدین کی وکالت ج۶ ص ۱۲۴ و ص ۱۲۸
- بحیثیت خلیفہ رسولؐ کے ایک یہودی کے حضرت ابوبکر سے سوالات ج۵ ص ۱۹۱-۱۹۲
- سورۂ برأت کی تبلیغ سے ابوبکر کی معزولی اور علی کی تعیناتی ج۸ ص ۸ تا ۱۰
- حضرت پیغمبرؐ حضرت ابوبکر کو غارِ حرا میں لے گئے ۔ ج۸ ص ۵۹ تا ص ۶۳
- حضرت ابوبکر کی ہجرت میں امام رازی کا وکیلانہ موقف ج۸ ص ۱۱۶ تا ص ۱۱۸
- حدیث فدک اور عمر کا سندِ رسول کو پھاڑنا ۔ ج۹ ص ۲۳ ج۱۱ ص ۱۱۴ تا ص ۱۱۷
- حدیث بساط میں حضرت ابوبکر و عمر کا علی کے ہمراہ اصحاب کہف کے پاس جانا ۔ ج۹ ص ۸۳ ۔
- خلافت کے بارے میں حضرت علیؑ کی ابوبکر سے مفصل گفتگو اور مدلل احتجاج ۔ زیر تفسیر آیت نجویٰ پ ۲۸ مجادلہ ج۱۳ ص ۲۳۸ تا ص ۲۴۲
- وضعی حدیث ابوبکر و عمر کی خلافت کی دلیل نہیں ہو سکتی ۔ ج۱۴ ص ۶۰ ، ص ۶۱
- فَاكِهَةً وَأَبًّا پ ۳۰ حضرت ابوبکر سے اس کی تفسیر پوچھی گئی تو اس کو جواب نہ آیا ۔ ج۱۴ ص ۱۷۵

ابوجہل ۔ ایک دن حضورؐ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل نے کہا کوئی ہے جو اس کی نماز کو توڑ دے ؟ چنانچہ ابن زبعری نے ایک جانور کی اوجھڑی آپ پر گرا دی جس سے حضورؐ کا چہرہ اور جسم اقدس ملوث ہو گیا پس آپ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب سے شکایت کی تو آپ فوراً تلوار میان سے کھینچ کر آ گئے اور عبداللہ زبعری پر وہی اوجھڑی ڈال دی اور کفار قریش کو سخت تنبیہہ کی ج۵ ص ۲۰۲

- ایک دفعہ ابوجہل نے حضرت پیغمبرؐ سے مصافحہ کیا اور لوگوں کے اعتراض کے جواب میں کہنے لگا ۔ بخدا مجھے یقین ہے کہ یہ سچا ہے لیکن ہم اولاد عبد مناف کے تابع نہیں بننا چاہیے اور آپ سے خطاب کر کے کہا کہ ہم تیری تکذیب نہیں کرتے بلکہ تیرے دین کی تکذیب کرتے ہیں ج۶ ص ۲۱۴
- جنگِ بدر میں ابوجہل نے مسلمانوں کی قلیل فوج کو دیکھ کر کہا تھا یہ تو ہمارا ایک لقمہ ہے اگر ہم اپنے غلاموں کو حکم دیں تو وہ بھی ان کو زندہ گرفتار کر کے لائیں گے ۔ ج۶ ص ۱۸۱
- ابوجہل نے کفار سے کہا تھا کہ حوصلہ سے لڑو پس اہل یثرب کو مار دو اور قریش کو زندہ گرفتار کرو ۔ ج۶ ص ۱۸۳
- عمرو بن جموح انصاری اور ابوجہل کا مقابلہ ہوا ۔ عمرو نے ابوجہل کی ران پر تلوار ماری کہ وہ کٹ گئی اور ابوجہل نے عمرو کا بازو کاٹ دیا لیکن تھوڑا چمڑا بچ گیا تھا جس سے اس کا بازو لٹک رہا تھا تو اس نے لٹکتے ہوئے ہاتھ کی انگلیوں پر

پاؤں رکھ کر اوپر کو انگڑائی لی۔ تو وہ چھپر ٹوٹ گیا اور باز نیچے گر گیا۔

- عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ میں ابوجہل کو قتل کرنے کے لئے بڑھا اور اس کی گردن پر پاؤں رکھا تو وہ کہنے لگا اے بکریوں کے چرواہے تونے بلند جگہ پر قدم رکھا ہے۔ کاش اولاد عبدالمطلب میں سے میرا کوئی قاتل ہوتا پس اس کا سر کاٹ کر بارگاہِ نبوی میں پیش کیا تو حضور نے سجدۂ شکر ادا کیا بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل نے اپنے قاتل سے کہا تھا کہ میرا سر ذرا بلند کر کے کاٹنا تاکہ میرا سر دوسرے سروں سے بلند رہے کیونکہ میں قوم کا سردار ہوں ج ۳ صـ ۱۸۳ و صـ ۱۸۴

- ابوجہل نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! ہمارا دین پرانا ہے اور محمد کا دین نیا ہے ان دونوں میں سے جو اچھا ہے۔ تو اس کو فتح عطا فرما۔ ج صـ ۱۸۶

- ایک شخص نے عرض کی حضور! میں نے ابوجہل کی پشت پر ایک نشان دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا یہ فرشتے کی مار کا نشان ہے۔ ج ۶ صـ ۲۴۳

- جب آپ نے معراج کی خبر سنائی تو ابوجہل کے کہنے سے قریشیوں نے پوچھا اگر آپ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو بتائیے بیت المقدس کے محراب کتنے ہیں۔ قندیلیں کتنی ہیں، ستون کتنے ہیں؟ فوراً جبریل نے نقشہ پیش کر دیا تو آپ نے سب کچھ بتا دیا جو انہوں نے پوچھا تھا۔ ج ۶ صـ ۲۵۸۔ ابوجہل کا عنادی رویہ ج ۶ صـ ۷

- ابوجہل کی ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تمیمی اور باپ کا نام ہشام مخزومی تھا۔ اس کا ایک مادری بھائی عیاش بن ربیعہ مخزومی اسلام لا کر مدینہ کی طرف بھاگ گیا تھا تو ان کی ماں اسماء نے بھوک ہڑتال شروع کر دی تھی پس ابوجہل اور حارث اپنی ماں کی خوشنودی کے لئے مدینہ میں آگئے اور منت سماجت کر کے عیاش کو واپس لائے اور راستہ میں اس پر تشدد کیا تاکہ وہ اسلام سے منحرف ہو جائے پس اس نے تقیہ کر لیا اور دل میں قسم کھائی کہ جب کبھی حارث اکیلا ملے گا تو اس کو قتل کروں گا کیونکہ یہ سنگدل زیادہ تشدد کرنے والا تھا پس جب حضور کو یہ ہجرت کا حکم ہوا تو حارث بھی مسلمان ہو گیا اور حضور کی اس نے بیعت بھی کر لی۔ لیکن عیاش کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ پس تنہائی میں موقعہ پا کر عیاش نے حارث کو قتل کر دیا اور پھر نادم ہوا کہ ہائے میں نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے۔ ج ۹ صـ ۶۸ و صـ ۶۹

- ابوجہل کا دستور تھا کہ قریشیوں کو جمع کر کے کہتا تھا کہ آج میں تم کو زقوم کھلاؤں گا پس خرما اور مکھن کو ملا کر اُن کی ضیافت کرتا تھا اور کہتا تھا ——— کہ یہی تو زقوم ہے جس سے محمد ہمیں ڈراتا ہے ج ۱۱ صـ ۱۳۴ صـ ۱۳۵ ج ۱۲ صـ ۴۱ ج ۱۳ صـ ۸

- ابوجہل نے قسم کھائی تھی کہ جب آپ نماز میں ہوں گے تو میں ان پر ایک پتھر گراؤں گا۔ چنانچہ جب وہ پتھر اٹھا

کرنے گیا اور مارنے کا ارادہ کیا تو وہ پتھر اس کے ہاتھ سے چپٹ گیا۔ ج ۱۲ ص ۸

○ مَالَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا الایہ پ ۲۳ ص ابوجہل اور ولید مغیرہ کے حق میں اُتری ہے۔ ج ۱۲ ص ۱۰۵

○ دعوتِ عشیرہ کے دن ابوجہل نے کہا تھا اگر ہم میں کوئی ایسا آدمی ہوتا جو فن کہانت اور جادو جانتا ہوتا تو ہمیں ان کے (محمد کے) فن سے مرعوب نہ ہونا پڑتا۔ ج ۱۲ ص ۱۷۱

○ ولید بن مغیرہ پر ابوجہل کی مکارانہ روش کا اثر ج ۱۴ ص ۱۲۳

ابوسفیان ۔ جنگِ احد میں ابوسفیان اپنی بیگم ہند بنت عتبہ کو بھی ساتھ لایا تھا ج ۴ ص ۲۷

○ ابوسفیان نے خالد بن ولید کو ایک درہ پر دو سو فوجیوں کے ساتھ تعینات کیا تھا تاکہ جب دونو فوجیں آپس میں مصروف پیکار ہوں تو پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دے تاکہ وہ گھیرے میں آجائیں۔ ج ۴ ص ۲۷

○ ابوسفیان کی جنگ احد میں پوزیشن ج ۴ ص ۵۶ فتح مکہ کے روز ابوسفیان کی امان ج ۱۴ ص ۲۷۶ و ص ۲۷۷

○ جنگ بدر میں شکست کھانے کے بعد ابوسفیان کا شام سے لایا ہوا مال اگلے انتقامی جنگ کیلئے ریزرو کر دیا گیا ج ۶ ص ۱۹۴

○ شب معراج حضرت پیغمبرؐ ابوسفیان کے قافلے کے پاس سے گزرے تھے۔ ج ۵ ص ۲۵۸

○ حضورؐ کی بددعا سے جب مکہ میں قحط پھیلا تو ابوسفیان نے درخواست کی تھی کہ حضورؐ! آپ کیسے رحمۃ للعالمین ہیں کہ ہمارے بڑوں کو تلوار سے مار دیا ہے اور اب بچوں کو بھوک سے مارتے ہو؟ ج ۱۳ ص ۸

○ حمنہ بنت ابی سفیان سعد بن وقاص کی ماں تھی جس کا بیٹا عمر بن سعد کربلا میں یزیدی افواج کا کمانڈر تھا ج ۱۱ ص ۷

ابوہریرہ ۔ کھانا امیر شام کے دسترخوان پر اور نماز علیؑ کے پیچھے خوب ہے۔ ج ۵ ص ۹

ابولہب ۔ ابولہب کانا تھا۔ دعوتِ عشیرہ کے دن حضرت ابوطالب نے اس کو ڈانٹ کر کہا کہ او یک چشم خاموش ہو جا۔ ج ۱۴ ص ۲۱۸

○ ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا اور اس کی عورت ام جمیل ابوسفیان کی بہن تھی۔ یہ دونوں دشمنی پیغمبرؐ میں پیش پیش رہتے تھے۔ سورہ تبت کی تفسیر ج ۱۴ ص ۲۷۹ و ص ۲۸۰

ابوحنیفہ ۔ کتاب اقامۃ الحجہ سے منقول ہے کہ ابوحنیفہ ہر رات ایکہزار نماز پڑھتے تھے اور رابعہ بصریہ کا ایک ہزار رکعت پڑھنا بھی مذکور ہے اور بعض کتابوں سے ابوحنیفہ کا چالیس برس تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھنا منقول ہے۔ مقدمہ تفسیر ص ۵۲ باوجود اس کے حضرت علیؑ کی ایک ہزار رکعت شبانہ روز پر اعتراض ہے۔ مقدمہ ص ۵۱

○ امام موسیٰ کاظمؑ اور ابوحنیفہ ج ۲ ص ۵۷

○ امام جعفر صادقؑ سے ابوحنیفہ کی ملاقات اور مسائل پر گفتگو مقدمہ تفسیر ص ۵۷ تا ص ۶۰ ج ۱ ص ۱۰ ج ۱ ص ۱۸۵

- مسئلہ خیر و شر پر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ابوحنیفہ سے گفتگو۔ ج۲ ص۵۰
- امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوحنیفہ سے فرمایا کہ قیاس نہ کیا کرو کیونکہ پہلا قیاس کرنے والا ابلیس ہے کیونکہ اس نے قیاس کر کے آگ کو مٹی سے افضل سمجھا اور سجدۂ آدمؑ سے انکاری ہو گیا۔ ج۱ ص۱۳
- ابوحنیفہ و دیگر فقہائے اہلسنت کے نزدیک مشرکین طاہر ہیں۔ ج۲ ص۳۷
- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا (جبکہ ابوحنیفہ اور سفیان ثوری مسجد الحرام میں ایک جگہ موجود تھے) ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ لوگ اللہ کے دین سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ ج۱ ص۱۹۴
- ابوحنیفہ سے ایک شخص نے لاشیٔ کا معنی دریافت کیا تو اس نے اس کو ایک خچر دیکر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ ان سے اس کی قیمت لاشیٔ وصول کرنا۔ آپ نے خچر رکھ لیا اور فرمایا ابوحنیفہ سے کہنا کہ صبح اس کی قیمت وصول کر لینا۔ چنانچہ صبح جب سورج بلند ہوا تو آپ ابوحنیفہ کو صحرا کی طرف لے چلے اور چمکتے ہوئے سراب پر نظر پڑی تو آپ نے فرمایا لو اے ابوحنیفہ یہ تمہارے خچر کی قیمت ہے۔ اور آپ نے سورہ نور کی آیت ۳۹ پڑھی اور فرمایا کہ اس کو اللہ نے لاشیٔ قرار دیا ہے۔ پس ابوحنیفہ نادم واپس آیا۔ ج۱ ص۱۴۷
- ابوحنیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضرت سلیمان پیغمبر نے ہدہد کو کیوں طلب کیا تھا آپ نے فرمایا۔ ہدہد زمین میں پانی کو دیکھ سکتا ہے جس طرح تم شیشی میں تیل کو دیکھتے ہو۔ الخ ص۲۲۴

اجماع ۔ خداوندکریم نے عہدۂ نبوت و خلافت کے لئے اپنا انتخاب ہی نافذ العمل قرار دیا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کی رائے کا کوئی دخل نہیں چنانچہ قرآنی تعلیمات کو اگر مشعل راہ قرار دیا جائے تو زمین کے حکمرانوں کے لئے بھی اللہ نے بنیادی اصول قرآن مجید میں ذکر فرما دیئے ہیں۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کی زمینی خلافت کا جب اللہ نے اعلان فرمایا تھا تو فرشتوں نے خلافت ارضی کے لئے زہد و تقدس کی شرط کو ضروری قرار دیتے ہوئے اولاد آدمؑ پر خونریزی و فساد کا الزام لگا کر انہیں خلافت کے لئے ناموزوں قرار دیا تھا تو اللہ نے ان کی اس اجماعی آواز کو ٹھکراتے ہوئے انتخاب آدمؑ کی وجہ اس کی علمی برتری بیان فرمائی تھی۔ ج۱ ص۷۹ تا ص۸۴

- اسی طرح جب بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے حکمران مانگا تھا تو بامر خداوندی طالوت کا نام نبی نے پیش کیا تھا جس کے خلاف بنی اسرائیل نے متفقہ آواز اٹھائی تھی کہ وہ تو مالدار نہیں تھے نبی اللہ نے کہا کہ اللہ نے اس کو علم و جسم میں طاقتور بنایا ہے لہذا وہی سزاوار حکومت ہے۔ ج۲ ص۱۱۲ تا ص۱۱۹ و ص۱۲۶
- فرشتوں نے زمینی حکومت کے لئے زاہد و پرہیزگار ہونا لازمی سمجھا تھا۔
- بنی اسرائیل نے حکومت کے لئے مالدار ہونا لازمی شرط قرار دیا تھا۔

○ اللہ نے قرآن مجید میں ان دونوں نظریات کو ٹھکرا دیا اور فرمایا حکومت کے لئے علم اور جرأت و طاقت ضروری ہے کیونکہ اندرونی معاملات کو سلجھانے کے لئے علم ضروری ہے اور بیرون طاقتوں کے دفاع کے لئے جسمانی طاقت ضروری ہے پس حضرت آدمؑ کی تخلیق کے وقت بیرونی دفاع کی ضرورت ہی نہ تھی پس وہاں صرف آدمؑ کی علمی برتری کو معیارِ خلافت قرار دے دیا تھا اور حضرت طالوت کے زمانہ میں دفاعی طاقت ضروری تھی اس لئے علم کے ساتھ طاقت و شجاعت کو شرطِ حکومت قرار دیا گیا۔

○ پس اگر کسی نبی کی قائمقامی بحیثیت اصلاحِ خلق اور تبلیغ دین ہو تو وہاں صرف علمی برتری کافی ہے لیکن اگر تبلیغ دین کے ساتھ حکمرانی بھی ملحوظ ہو تو وہاں نائب نبیؐ میں علم و شجاعت کی دونوں صفتوں کو بدرجہ اتم موجود ہونا چاہیئے۔ تب اس کی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہوگی اور ہم دعویٰ سے کہتے ہیں اور بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ حضرت پیغمبرؐ کے بعد حضرت علیؑ ان دونوں صفتوں میں اپنی مثال آپ تھے۔ لہٰذا وہ خلافت کے لئے سزاوار تھے اور ان کے خلاف اجماع کا ہونا کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتا۔

○ حکومت کا اہل وہی ہو سکتا ہے جو اہل ہو خواہ لوگ اس کو چنیں یا نہ چنیں۔ ج۵ ص۱۰۵ ج۶ ص۱۳۶

○ اجماع کی تردید۔ ج۶ ص۱۰۲، ص۱۰۳۔ ج۱۰ ص۱۱۳، ص۱۱۴ ج۳ ص۱۱۸ ج۵ ص۸۱ ج ص۱۳۶

اجرِ رسالت ۔ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ۔ پ۲۵ ع۴ ج۱۲ ص۲۰۶

اجل محتوم و غیر محتوم ۔ اجل محتوم نہیں ٹل سکتی۔ ج۴ ص۶۹ ج۶ ص۳۰، ص۲۴۵

○ اجل مبرم اور اجل موقوف ج۶ ص۱۹، ص۲۲۶

○ اجل غیر محتوم میں کمی بیشی ہوا کرتی ہے۔ ج۱۱ ص۲۶

احرام حج و عمرہ ۔ ج۳ ص۱۳۰ تا ص۱۷۱۔ ج۵ ص۱۶، ص۱۶۶ تا ص۱۷۰

احقاف ۔ سورہ احقاف کے فضائل ج۱۳ ص۱۸۱ احقاف کا معنی ج۱۳ ص۲۹

○ قوم عاد کی احقاف کی بستیاں جو گرفتار عذاب ہوئیں ان کا عجیب انکشاف ج۱۳ ص۳۳

○ سورہ احقاف کے اعداد کا مربع اپنے پاس رکھنا جن و پری کے شر سے حفاظت کے لئے اچھا ہے۔ ترتیب وضعی کے ساتھ ۱۸۴۳۶ سے شروع کر کے پُر کریں۔

احسان ۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے زمین کو تمہارے مزاج کے مطابق خلق فرمایا، نہ گرم نہ سرد نہ سخت نہ نرم تاکہ تم اس سے خاطر خواہ استفادہ کر سکو ج۲ ص۷۱ ص۷۳

○ مومن پر احسان کرنا اللہ کے قرب کا بہترین وسیلہ ہے ج۲ ص۴۳ و ص۱۶۲

○ احسانات پروردگار کا تذکرہ ج۲ ص۴۶ ج۱۲ ص۱۶۶

- بنی اسرائیل پر احسانات و نعمات پروردگار ج ۱ ص ۱۰۴
- حضرت پیغمبرؐ کی بعثت اُمت مسلمہ پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے ج ۳ ص ۱۹۶
- وہ بہادر نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو طاقت رکھنے کے باوجود کمزور کو معاف کر دے ج ۶ ص ۵۰
- احسان کر کے جتانا احسان کو ضائع کرتا ہے ج ۲ ص ۴۸
- محسن کی تین نشانیاں (۱) ساتھی کی جگہ تنگ ہو تو اسے کھلا کر دے (۲) محتاج ہو تو اس کی مدد کرے (۳) بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کرے ج ۲ ص ۳۵
- مومن پر مومن کا حق ہے کہ اس کا گلہ نہ سنے ورنہ اٹھ جائے حضرت مالک اشتر کا کردار ج ۱۰ ص ۱۲۵
- احسانِ مومن تفسیر ج ۱۱ ص ۴۸ ج ۸ ص ۲۳
- احسان کر کے جتلانے والے بروز محشر نظر رحمت سے محروم ہوں گے ج ۳ ص ۲۶۵
- فرعون نے حضرت موسیٰ پر اپنے احسانات جتلائے ج ۲ ص ۱۹۳
- گذشتہ امتوں کے مقابلہ میں امتِ اسلامیہ پر خدائی احسانات ج ۳ ص ۱۸۳ تا ص ۱۸۵

اختلاف ۔ اختلاف و انتشار کا علاج ۔ ج ۳ ص ۳۶
- انسان کی تخلیق میں امزجہ کا اختلاف ج ۴ ص ۱۰۴
- حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا میرے بعد اختلافات ہوں گے اور اے عمار! تجھے باغی جماعت قتل کرے گی ۔ اے عمار! سب کو چھوڑ دینا لیکن علیؑ کا دامن نہ چھوڑنا ج ۵ ص ۸۱ و ص ۸۲
- کفار باوجود باہمی اختلافات کے مومنوں کے مقابلہ میں سب ایک ہیں ج ۱ ص ۱
- فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ پ ۱۸ ع ۴ آپس میں پھوٹ ڈالنے والوں کو تنبیہ ج ۱ ص ۵۰

اخلاق و آداب ۔ میت کے متعلق مروجہ آداب رسوم ۔ مقدمہ تفسیر ص ۴۶
- درس اخلاق ج ۱ ص ۱۳۴ و ص ۲۳۵ گھریلو احکام و آداب ج ۱ ص ۱۵۴ و ص ۱۵۵ ج ۱ ص ۵۴ و ص ۴۳ ج ۵ ص ۹۶ ص ۲۲۲
- آداب و اطوار ج ۱ ص ۱۵ ج ۱ ص ۲۴ و ص ۱۵۹ و ص ۱۷۱ ، حقوق معاشرہ ج ۱ ص ۸۷ تبلیغ کا طریقہ ج ۱۲ ص ۱۸۵
- حضرت لقمان کے ارشادات ج ۱۱ ص ۱۳۰ تا ص ۱۳۲
- عزیزوں کے لئے بزرگوں کے آداب ج ۱۳ ص ۲۸ ص ۹۳ و ص ۱۰۱ تا ص ۱۰۶ و ص ۲۳۷
- نیک لوگوں کے اوصاف ج ۱۴ ص ۱۵۰

اخلاص ۔ نَحْنُ لَهُ مُخْلِصُوْنَ ۔ پ ۱ آیت ۱۳۹ بقرہ ج ۲ ص ۱۸۴
- جس شخص کا ظرف ایمان دولتِ اخلاص سے پُر ہو وہی شاکر ہو سکتا ہے اسی لئے ابلیس نے بھی کہہ دیا تھا

کہ تیرے مخلص بندوں کو میں گمراہ نہ کر سکوں گا ج۴ ص۹۱

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْن پ۲۳ ع۱۶ ج۱۳ ص۱۵ پر خلوص نمازِ تہجد کا ثواب ج۴ ص۳۳

اخروٹ ۔ وَطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ پ۲۷ واقعہ اخروٹ کا درخت مقصود ہے ج۱۳ ص۱۹۸

حضرت آدم علیہ السلام ۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ پ۱ ع۵ ذکر خلقت آدم ج۲ ص۸

- سجدہ آدمؑ سے ابلیس کا انکار ج۲ ص۸۴ تا ص۸۸ ج۹ ص۲۰۵ ج۱۲ ص۱۰۷
- آدمؑ کا جنت سے خروج و شجرہ کا مطلب اور توبہ آدمؑ ج۲ ص۸۹ تا ص۹۸
- حجراسود کو آدم اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے اور آدمؑ کی توبہ مقام حطیم پر تھی ۔ ج۴ ص۱۱
- سلسلہ اولاد آدمؑ بھائی بہنوں کے باہمی نکاح سے نہیں بلکہ حضرت آدمؑ کے لڑکے شیث کے لئے حور بھیجی گئی جس سے چار لڑکے پیدا ہوئے اور یافث کے لئے جن عورت بھیجی گئی اور اس سے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں پھر ان کے آپس میں رشتے ہوئے اور باقی اولاد پیدا ہوئی ۔ ج۴ ص۱۰۶ ص۱۰۷
- اور حضرت حوا جناب آدمؑ کی پسلی سے نہیں بلکہ ان کی بقیہ مٹی سے پیدا ہوئی ۔ ج۴ ص۱۰۷ ج۶ ص۱۴۶
- حضرت آدمؑ کا ہابیل پر گریہ کرنا صرف محبت پدری کی بنا پر نہیں تھا بلکہ اس لئے تھا کہ وہ اوصاف ولایت کا حامل تھا اور آپ اس کو اپنا وصی مقرر کرنا چاہتے تھے پس قابیل نے حسد کر کے اس کو قتل کر ڈالا ۔ ج۵ ص۹۴
- جب شیطان نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو گمراہ کرنے کا اعلان کیا تھا تو حضرت آدمؑ نے عرض کی تھی اے پروردگار! تو نے ابلیس کو میری اولاد پر مسلط کر دیا ہے پس میری اولاد کیا کرے گی ؟ تو جواب ملا تھا کہ تیری اولاد کی برائی ایک لکھی جائے گی اور نیکی ایک کے بجائے دس لکھی جائیں گی اور سانس کے حلقوم تک پہنچنے تک میں نے ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے ج۵ ص۲۷ ج۱۳ ص۱۱۶
- خلقت آدمؑ حکم سجدہ اور قیاس ابلیس کی غلطی ج۶ ص۸
- وسوسہ شیطان اور آدم کے ترک اولیٰ کی حقیقت ج۶ ص۱۶ تا ص۱۸
- بنی آدم سے میثاق وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ الآیہ پ۹ سورہ اعراف ع۱۲ ج۶ ص۱۱۳
- حضرت آدمؑ کا گھر مسجد کوفہ کے مقام پر تھا ج۷ ص۱۲۵
- حضرت آدمؑ کی تخلیق بروز جمعہ ہوئی ج۷ ص۱۹۲
- حضرت آدمؑ فراق جنت میں بہت زیادہ روئے ج ص۴۲ اور معارج النبوۃ سے منقول ہے کہ آپ نے ہابیل کے غم میں گریہ بھی کیا اور سر میں خاک بھی ڈالی ۔ ج۸ ص۴۲ آدمؑ نے تعمیر بیت اللہ کی اور طواف کیا ج۱۱ ص۳۱

حضرت آدمؑ سے پہلے سات عالم گذرے ہیں جو اولاد آدم نہ تھے ج صـ۱۶۴ ج ۱۳ صـ۱۱۴

- تخلیق آدمؑ کے لئے مشرق و مغرب اور ہر پستی و بلندی کی مٹی لائی گئی جب فرشتے مٹی لانے کے لئے جاتے تھے تو زمین فریاد کرتی تھی چنانچہ جبرئیل و میکائیل یکے بعد دیگرے زمین کی فریاد سے متاثر ہو کر ناکام واپس آئے تو خدا نے عزرائیل کو بھیجا پس اس نے زمین کی فریاد پر کان دھرے بغیر ہر جگہ سے ایک ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور واپس آیا اور اللہ نے پھر اسی کو قبض ارواح پر متعین فرمایا
- پتلائے خاکی میں روح جانب دماغ سے داخل ہوا۔ آنکھیں کھلیں کلمہ طیبہ پر نگاہ پڑی کانوں میں تسبیح ملائکہ کی آواز آئی جب روح ناک کے نتھنوں تک پہنچی تو چھینک لی اور حواس خمسہ کے بند سوراخ کھل گئے آدمؑ نے الحمد للہ کا کلمہ زبان سے جاری کیا تو جواب یرحمک اللہ ملا
- داخلہ روح کے بعد ملائکہ کو آدم کے لئے سجدہ کا حکم ہوا اور یہ جمعہ کا دن زوال کا وقت تھا۔ پس عصر تک ملائکہ سر بسجود رہے اسی لئے جمعہ اولاد آدم کے لئے عید کا تہوار ہے ج صـ۱۷۸
- سفر معراج میں حضورؐ نے آسمان اولیٰ پر حضرت آدمؑ سے ملاقات کی ج صـ۲۶
- ذکر سجدہ آدم ج صـ۷ و صـ۱۰۲ اللہ نے فرمایا میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہوگا پ۱۵ بنی اسرائیل ع
- محشر کی سختی سے گھبرا کر لوگ حضرت آدمؑ کا رخ کریں گے تو وہ ترک اولیٰ کا عذر پیش کریں گے۔ ج صـ۶۱
- آدمؑ کا امتحان کلمات سے ہوا پس صفوت ملی ج صـ۱۳۲
- آدم و حوا کی جدائی کے بعد آدمؑ کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا گیا تھا ج صـ۱۳۱
- اسم اعظم تہتر ناموں میں سے حضرت آدمؑ کو پچیس نام صرف ملے تھے۔ ج صـ۲۴۸
- حضرت آدمؑ کے جسم کو حضرت نوحؑ نے ہندوستان کے کسی پہاڑ پر محفوظ کیا ہوا تھا اور خود نگرانی کرتے تھے تاکہ لوگ ان کی قبر کا طواف نہ کرنے لگ جائیں پس شیطان کے بہکانے سے لوگوں نے ان کی مثال کا پتھر گھڑ لیا اور اس کا طواف شروع کر دیا۔ ج صـ۱۱۰

ادریس ۔ادریسؑ کو جنت میں اٹھایا گیا۔ ج صـ۱۲۷

- حضرت ادریس کا گھر مسجد سہلہ میں تھا ج صـ۲۵ ج صـ۱۵۷
- شب معراج چرخ چہارم پر حضورؐ کی حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی تھی ج صـ۲۶۱
- ان کی اصلی نام اخنوخ تھا حضرت نوحؑ کے دادا تھے اور درس کتب کی وجہ سے ان کا نام ادریس ہو گیا تھا اور یہ پہلا انسان ہے جس نے لکھنے اور کپڑا سینے کی ایجاد کی آپ علم حساب و ہیئت کے ماہر تھے ج صـ۱۵۷
- ایک روایت میں ہے کہ حضرت ادریسؑ کو زندہ بہشت میں اٹھا لیا گیا اور حضرت الیاس جنگلوں میں رہائش

پذیر ہیں ج ۹ صـ ۱۱۹

اور دوسری روایت میں ہے کہ ادریسؑ کی روح چوتھے اور پانچویں آسمان کے درمیان قبض کی گئی صـ ۱۵۷

اذان ۔ نماز فریضہ سے پہلے اذان مستحب ہے ۔ ج ۵ صـ ۱۳۵

○ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ پ ۱۰ سورہ برأت حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ میں اذان کے مصداق علیؑ ہے ج ۷ صـ ۱۶

○ کیفیت اذان و اقامت ج ۹ صـ ۵۴

آذر ۔ جہاں جہاں آذر کو حضرت ابراہیمؑ کا باپ کہا گیا ہے سب مجاز ہے کیونکہ قرآن میں چچا اور دادا پر اب کا اطلاق موجود ہے جو مجاز ہے مثلاً حضرت یعقوب کو اولاد نے کہا کہ ہم تیرے آباء کے خدا کی پرستش کریں گے جو ابراہیمؑ اسحٰق اور اسماعیل تھے اور واضح ہے حضرت ابراہیمؑ آپ کے دادا اور اسماعیل چچا تھے ۔ ج ۱ صـ ۱۸۲ ج ۵ صـ ۲۳۱ ۔ ج ۶ صـ ۱۳۲ ج ۹ صـ ۱۵۱ و صـ ۱۲۹ و ج ۱۲ صـ ۵۰

○ حضرت ابراہیمؑ کی آذر کے لئے دعا ایک کئے ہوئے وعدہ کے ماتحت تھی ۔ ج ۱۳ صـ ۲۶۶

ارض مقدس ۔ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ پ ۶ رکوع ۴ ج ۵ صـ ۸۵

ارتداد ۔ مقدمہ تفسیر صـ ۱۴۵ و صـ ۱۴۹ و ج ۲ صـ ۲۹ و ج ۴ صـ ۱۲۴ مرتدین کو دھمکی ج ۵ صـ ۱۲۵ ج ۶ صـ ۹۹

○ جنگ اُحد میں جب حضرت پیغمبرؐ کی خبر موت مشہور ہوئی تو بعض صحابہ نے پچھلے آبائی مذہب کی طرف پلٹ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا ۔ ج ۴ صـ ۵۸ صـ ۷۱

○ مرتد کون کون ہوئے ج ۵ صـ ۱۲۱ تا صـ ۱۲۴ و صـ ۱۲۶ مالک بن نویرہ پکا مومن تھا ج ۵ صـ ۱۲۶

○ بتول معظمہ کی دردناک کہانی ۔ آپ نے فرمایا اپنے بال پریشان کر کے اپنے بابا کی قمیص کو سر پر رکھ کر بددعا کروں گی اور فرمایا کہ صالح پیغمبرؑ کی ناقہ کی عزت محمدؐ سے زیادہ نہ تھی حتیٰ کہ مسجد نبوی کی دیواریں بلند ہو گئیں اور حضرت علیؑ نے سلمان کو فرمایا کہ جا کر خاتون سے کہو کہ بددعا نہ کریں ۔ ج ۶ صـ ۵۳ صـ ۵۴

○ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے پیغمبرؐ کے باوفا صحابہ سلمان مقداد اور ابوذر کا نام لیا تو راوی نے عمار کے متعلق پوچھ لیا آپ نے فرمایا کہ وہ پہلے پھسل گئے تھے اور پھر سنبھلے تھے ج ۶ صـ ۱۰۱

○ بعض صحابہ کا ارتداد ج ۱۳ صـ ۲۹۵ ۔ ارتداد موجب جواز قتل ہے ج ۹ صـ ۲۷

○ مرتد ملی و مرتد فطری کی تعریف اور احکام ج ۳ صـ ۱۹ ج ۱۳ صـ ۲۷

حضرت ارمیاء ۔ جو حضرت شعیاء کے بعد قوم بخت نصر پر مبعوث ہوئے آپ حضرت ہارونؑ کی اولاد سے تھے ۔ ج ۹ صـ ۱۱

○ ارمیاء کا قصہ ج ۳ صـ ۱۴۶ و صـ ۱۴۸ و ج ۹ صـ ۱۱

ازدواجی زندگی پر تبصرہ ج۳ صـ۵۶ ، ازدواج پیغمبر ج۱۱ صـ۱۸۲ و صـ۱۹۵ و صـ۲۰۶ ج۱۴ صـ۵۹ رسول اللہؐ کے کثرت ازدواج پر اعتراض و جواب ج۶ صـ۱۱۵

استخارہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے مصر جانے والے ایک آدمی سے فرمایا کہ مصر کا پانی غیرت کو ہٹاتا اور ذلت کو لاتا ہے پس مسجد نبوی میں دو رکعت نماز پڑھو اور استخارہ کر کے سواری پر سوار ہو۔ سُبْحٰنَ الَّذِی۔ الآیہ پڑھو اور چلے جاؤ اگر یہ آیت پڑھ کر کوئی آدمی سواری سے گر بھی جائے تو نقصان نہ ہوگا۔ ج۱۲ صـ۲۲۵

د	ی	ل	ا	ا	ل	ی	ف	ل	ف	و	ا	و	ل	ی
خ	ی	ی	ی	ص	ت	ل	ص	س	ر	ه	ص	ه	ل	س
ه	د	ف	ج	ح	ف	خ	ا	ت	ذ	ق	ی	م	ص	ی
ی	ل	ع	ا	ت	ه	ن	و	ه	ر	ی	ج	ل	د	ذ
ظ	ل	ذ	ا	م	ل	ا	ا	ا	ل	ا	ه	ت	ر	ف
م	ل	ل	م	ل	ا	و	ا	ی	ر	ا	ا	ا	م	ل
ب	د	ہ	ی	ح	م	ت	ر	ن	ش	ہ	ذ	ص	س	ر
ا	ا	ی	ا	و	ا	ی	ا	ص	ل	م	ت	ر	م	ل
ر	ن	و	ح	و	م	ت	ط	ا	و	ی	ا	ز	ا	ن
و	ل	م	ع	ح	ب	ن	ل	ف	و	و	ر	ا	ص	و
ا	ع	ع	ب	ب	ا	ق	ل	ت	ل	ز	ث	و	ه	ل
ب	ا	ر	ی	و	و	ل	ع	ص	ت	ن	ک	ا	ا	ل
و	ن	ب	ه	م	ه	ل	ل	ا	س	ق	ر	ع	ر	ا
س	د	م	ر	ر	خ	س	ا	ح	ر	و	ص	و	ی	ی
ی	م	ش	و	ل	ر	ر	ب	ر	ر	ک	ن	ہ	ت	ث

○ استخارہ درج کیا جاتا ہے جو حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی طرف منسوب ہے تین دفعہ درود پھر تین دفعہ آیۃ الکرسی پس نیت کر کے اپنی انگلی کسی ایک خانہ پر رکھے اور وہاں سے ۹، ۹ خانے آگے گن کر نویں خانہ کا حرف لکھ لے یہ ایک سطر بن جائے گی جب آخری سطر پر پہنچے تو پہلی سطروں کو نو نو کر کے گنتا جائے اور علیٰ ہذا القیاس نواں حرف پہلی سطر بناتا جائے جہاں سے شروع ہوا تھا وہاں تک پہنچ جائے پس جو جواب نکلے اس پر عمل کرے۔

○ استخارہ کے طریقے عملیات کی کتابوں میں موجود ہیں۔

اسماعیلؑ حضرت اسماعیلؑ اپنے باپ کے نامزد خلیفہ تھے

یہودیوں کے انکار نبوت کی وجہ صرف یہ حسد تھا کہ آپ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے۔ ج۲ صـ۱۴۲

حضرت ابراہیمؑ کا اسماعیلؑ و ہاجرہ کو لے کر ہجرت کرنا ج۲ صـ۱۷۵ و صـ۱۷۸

ایک عابد کا حضرت اسماعیلؑ سے نسب دریافت کرنا۔ ج۹ صـ۱۵۴

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ۔ پ۱۶ مریم ع۔ حضرت اسمٰعیل بن ابراہیمؑ قوم جرہم کی طرف مبعوث برسالت تھے۔ وعدہ کے پابند تھے حتیٰ کہ ایک شخص نے وعدہ کرنے کے بعد ایک جگہ پر اس کی انتظار میں ایک جگہ ایک سال کھڑے رہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آیت مجیدہ میں اسمٰعیل بن ابراہیمؑ کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ اسماعیلؑ بن حزقیل ہیں جن کو ان کی قوم نے نہایت بے دردی سے شہید کیا تھا۔ ج۹ صـ۱۵۶ نہایت صابر اور متحمل مزاج تھے صـ۲۴۵

جب فرشتے نے پوچھا کہ تیری قوم کو کونسا عذاب دیا جائے تو جواب دیا مجھے حسین علیہ السلام کی طرح صبر و شکر پسند ہے ج۹ صـ۱۵۷

حضرت اسمٰعیلؑ کی گردن پر چھری چلنے سے پہلے جبرئیل نے دنبہ پیش کر دیا۔ ج ۹ صـ۲۲۷

ایک مرتبہ حضرت اسمٰعیل نے دیکھا کہ اسحٰق باپ کی گود میں بیٹھا ہے تو اس کو دھکیل کر فوراً اس کی جگہ

بیٹھ گئے اور حضرت سارہ یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں تو انہوں نے فوراً عرض کی کہ جناب عالی میرا اور ہاجرہ کا گزر ایک جگہ نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا ان کو یہاں سے نکال دیجئے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ ان دونوں کو مکہ کی سرزمین میں چھوڑ آئے۔ ج۲ ص۵۶۔ ج۲ ص۱۷۸

○ اور مروی ہے کہ اسمٰعیل حضرت اسحٰق سے ۱۳ سال بڑے تھے۔ ج۲ ص۵۶

○ حضرت اسمٰعیلؑ نے عرض کی باباجان جو حکم ہوا ہے اسے پورا کیجئے۔ میں ذبح ہونے کے لئے تیار ہوں۔ ج۱۲ ص۵۸

○ ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ تھے نہ کہ اسحٰق۔ ج۲ ص۱۲

اسحٰقؑ ۔ یہودیوں نے حضرت پیغمبرؐ کی نبوت کا انکار اس لئے کیا کہ آپ اسحٰق کی اولاد سے نہ تھے ج۲ ص۱۴۲

○ والدۂ اسحٰق کے حسد کی وجہ سے ابراہیمؑ نے اسمٰعیل و ہاجرہ کو مکہ پہنچا دیا۔ ج۲ ص۱۷۸

○ اسحٰق کی پیدائش کی بشارت ج۷ ص۵۸ ج۱۲ ص۵۶ ج۱۲ ص۲۹

○ ذبیح اسحٰقؑ نہیں تھے ج۱۲ ص۶۱ بعض روایات میں ہے کہ اسحٰقؑ اولوالعزم انبیاء میں سے تھے۔ ج۲ ص۱۳

استاد ۔ قرآن پڑھنے والے اور پڑھانے والے یعنی استاد شاگرد ہر دو کے لئے ہر چیز حتیٰ کہ دریائی مچھلیاں استغفار کرتی ہیں۔ مقدمہ تفسیر ص۲۷۔ استاد کو شاگرد نہیں بنایا کرتے بلکہ ذمہ دار حکومت اس کو نامزد کرتی ہے اسی طرح قرآن کے استاد بھی اللہ نے ہی نامزد فرمائے۔ ج۵ ص۱۸۔ استاد کے حقوق ج۲ ص۱۱۱

اسلام : حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا۔ اَسْلِمْ یعنی جھک جا تو جواب دیا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ پس حضرت ابراہیمؑ و یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو بھی وصیت فرمائی کہ تمہاری موت بھی اسلام پر ہی ہونی چاہیے۔ بقرہ آیت ۱۳۱

○ پس حکم پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے۔ **اسلام** ۔ خواہ حکم کی مصلحت واضح ہو یا پردہ اخفا میں ہو چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے پرچم توحید کو بلند کرتے ہوئے نار نمرود میں داخل ہونا قبول کر لیا لیکن حکم پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے ذرہ بھر نہ ہچکچائے۔ اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ کی گردن پر چھری رکھنے میں ذرہ بھر لغزش پیدا نہ ہوئی۔ چنانچہ باپ و بیٹے دونوں نے دعا مانگی۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ کہ ہم دونوں باپ بیٹے کو اپنے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے قرار دے۔ جب اس مرحلہ سے گزر چکے۔ اور تاج امامت مل چکا۔ تو اپنی ذریت کے لئے عہدہ امامت کی خواہش کی۔ جیسا کہ آیت ۱۲۴ میں مذکور ہے اور جواب ملا کہ یہ عہدہ جلیلہ ظالموں کو نہیں مل سکتا۔ پس دونوں باپ بیٹے نے دعا مانگی۔ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ آیت ۱۲۸

پس اللہ نے ان کی دعا کو مستجاب فرمایا۔ چنانچہ محمدؐ و آل محمدؐ آپ کی وہ ذریت ہیں جو مقام تسلیم میں اپنی مثال آپ ہیں۔

اسلام و ایمان: اسلامی افواج کو بعض اوقات شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے تاکہ لوگ اسلام کی صداقت کے ماتحت اس کو قبول کریں نہ کہ فتح و غلبہ کا دین سمجھ کر اس کے سامنے جھکیں۔ ج۴ ص۵۶

- ○ تحویل قبلہ سے لوگوں کو شک ہوا کہ شاید پہلی نمازیں ضائع ہوگئیں جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئیں تو اللہ نے فرمایا۔ میں تمہارا ایمان ضائع نہیں کرتا یہاں ایمان سے مراد نمازیں ہیں۔ ج۲ ص۱۸۸
- ○ مسلمان وہ ہے جو حضرت پیغمبرؐ اور اس کی آل کے اسوۂ حسنہ پر گامزن ہو۔ ج۶ ص۱۱۱ و ص۱۱۲

علامات مومن ج۶ ص۱۶۱ تا ص۱۶۳

- ○ ایمان لانے والوں کے تین گروہ (۱) مہاجرین سابقین (۲) انصار سابقین (۳) ان کے نقش قدم پر چلنے والے۔ ج۸ ص۱۲۱
- ○ مومن کا ایمان خوف و رجا کے درمیان ہوتا ہے ج۹ ص۲۲۵ و ج۴ ص۲۷۔ یعنی اتنا خوف خدا بھی نہ ہو کہ اللہ کی بخشش سے مایوس ہو جائے اور اتنا بخشش کا طمع بھی نہ ہو کہ عذاب خدا سے نڈر ہو جائے بلکہ ایک طرف اس کو جنت کا لالچ ہو اور دوسری طرف اس کو اللہ کی گرفت کا ڈر بھی ہو۔ ج۱۱ ص۲۶ و ص۱۳۲
- ○ حدیث میں ہے مسلمان وہ ہے کہ باقی مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے کہ دوسرے مومن اس کے شر سے محفوظ رہیں۔ ج۴ ص۱۹۷۔ مقصد یہ ہے مسلمان یا مومن ہونا صرف زبانی دعوی کا نام نہیں بلکہ اگر دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہو تو کم از کم دوسرے لوگ اس کے شر سے بچے رہیں۔
- ○ حضرت ابراہیمؑ کا مقام تسلیم اور حضرت اسمٰعیل کا جواب ج۱۲ ص۵۸ و ص۶۸
- ○ اسلام و ایمان میں فرق ج۱۳ ص۱۰۱ اسلام و اشتراکیت ج۳ ص۱۰۲
- ○ ملت اسلام دین خداوندی ہے ج۲ ص۱۸۱ و ص۱۸۲
- ○ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ پارہ۳ آل عمران ع۱۰ ج۳ ص۲۰
- ○ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا الخ پ۳ آل عمران آیت ۸۵
- ○ جب قائم آل محمدؐ کی حکومت ہوگی تو تمام دنیا میں اسلام ہوگا۔ ج۳ ص۲۷
- ○ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ پ۳ آیۃ الکرسی۔ دین اسلام میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے۔ ج۳ ص۱۳۷ و ص۱۳۸

اسلام کے اصول ناقابلِ تردید ہیں۔ پس اسلام رعب کا مذہب نہیں بلکہ اس کے حقائق بذریعہ دلائل قابل قبول ہیں
ج۴ صـ۵۶ ج۵ صـ۲۱۵

- ایک شخص حضرت پیغمبرؐ کو قتل کرنے آیا۔ آپ کے ہاتھ میں تلوار تھی اور اس نے طلب کرلی۔ آپ نے بے دریغ وہ تلوار اس کو دیدی وہ شخص حیران و ششدر رہ گیا کہ میں نے تو ان کو قتل کرنے کے لئے ان سے تلوار مانگی ہے اور انہوں نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر مجھے وہ دیدی ہے۔ پس اس نے پوچھا کہ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ۔ پس وہ شخص فوراً قدموں میں گر گیا۔ اور اسلام کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔ ج۵ صـ۴۷ اسلامی ریاست کا سربراہ معصوم ہونا چاہیئے۔ ج۱ صـ۱۱۳ تا صـ۱۱۵۔
- اسلام اپنے مبنی بر صداقت اصولوں کی بدولت مقبول عام ہوا ہے۔ ج۲ صـ۱۸ ج۳ صـ۱۰۵
- دین اسلام جبری دین نہیں بلکہ اختیاری دین ہے ج۲ صـ۱۵۶۔ آئین اسلام بنانے والا اللہ ہے۔ ج۱۲ صـ۱۹۹۔
- اسلام کا تہذیب و تمدن اقوام عالم کے لئے ایک مثالی راستہ ہے۔ ج۹ صـ۲۷ ج۵ صـ۲۲۱

اسلام اور سرمایہ دار: ج۳ صـ۱۶۵، ج۹ صـ۲۶

- زکوٰۃ و سخاوت کی تاکید اور سود کی حرمت سرمایہ داری کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ ج۲ صـ۹۴ و صـ۵۰ ج۳ صـ۷۴ و ۵۰۔

استغفار: نماز تہجد میں استغفار کرنا۔ ج۹ صـ۵۲ وبالاسحار ھم یستغفرون ج۱۳ صـ۲۶۔ پ۲۶ ذاریات

- حضرت ابراہیمؑ کی آذر کے لئے استغفار ج۹ صـ۱۵۳
- استغفار کا طریقہ اور اس کا ثواب و فوائد۔ ج۱۳ صـ۳۸ و صـ۴۹ ج۱۴ صـ۱۰۸ ج۴ صـ۵۱
- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس میں چار صفتیں ہوں وہ اللہ کے نور اعظم میں ہوا کرتا ہے۔
- (۱) توحید و رسالت سے تمسک رکھتا ہو۔ (۲) مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ الخ پڑھتا ہو (۳) نعمت پر اللہ کی حمد کرے (۴) گناہ صادر ہو تو استغفار کرے۔ یعنی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ کہے ج۲ صـ۱۹۹
- سحر کے وقت استغفار کرنے والوں کی بدولت اللہ بعض اوقات زمین والوں سے عذاب ٹال دیتا ہے۔ ج۳ صـ۲۰۵
- حضرت پیغمبرؐ کیلئے حکم استغفار امت کی تعلیم کے لئے ہے۔ ج۱۱ صـ۱۵۹ و صـ۱۶۰۔ استغفار پڑھنا

○ متقیوں کی نشانی ہے۔ ج۱۳ ص۱۲۶

آسیہ زوجہ فرعون ۔ تمام عالم کی چار منتخب عورتوں میں سے ایک آسیہ زن فرعون ہے۔ ج۳ ص۱۲۰ و ص۲۹۹۔ ج۱۴ ص۱۱

○ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کی گود میں بیٹھ کر اس کی ڈاڑھی کے بال نوچے تو فرعون کو غصہ آیا پس آسیہ نے سفارش کی کہ یہ تو بچہ ہے چنانچہ دو طشت پیش کئے ایک میں آگ کے انگارے اور دوسرے میں لعل و جواہر پس حضرت موسیٰؑ نے انگاروں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ایک کو اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ اور پھر رونا شروع کر دیا۔ ج۹ ص۱۷۹

○ موسیٰؑ کا صندوق آیا تو فرعون و آسیہ اپنی سیرگاہ میں تالاب کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے یہ تالاب ایک نہر کے کنارے پر تھا جو دریا سے نکل کر فرعون کی سیرگاہ میں داخل ہو کر تالاب سے گذر کر باغ کو سیراب کرتی تھی پس موسیٰؑ کا صندوق دریا سے نکل کر نہر میں اور پھر تالاب میں داخل ہوا۔ پس آسیہ نے بڑھ کر کنارے کے قریب کیا اور کھولا تو حسین و جمیل شہزادے پر نظر پڑی ج۹ ص۱۸۱ ج۱۱ ص۱

○ آسیہ بنت مزاحم چھپ کر اللہ کی عبادت کیا کرتی تھیں۔ ج۱ ص۵۲ ج۴ ص۱۸

مصریوں میں تین آدمی موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے۔ ایک آسیہ دوسرے مومن آل فرعون اور تیسرے ایک مریم نامی عورت تھی۔ ج۱۱ ص۱۹۹

○ آسیہ نے زندگی میں ایک پلک جھپکنے کی مدت میں بھی شرک نہ کیا تھا ج۱۲ ص۱۸۔ حضرت موسیٰؑ کی پھوپھی تھیں (احباب رسولؐ) ج۱ ص۱۹۹

آسمان ۔ تخلیق آسمان پہلے ہے یا تخلیق زمین؟ ج۲ ص۲۷ ج۱۲ ص۱۷۳

○ مدت خلقت آسمان و زمین ج۷ ص۱۹۲ ج۱۱ ص۱۴۴۔ آسمانوں کی تفصیلات ج۱ ص۶۲ ج۱۳ ص۲۱۳

○ اللہ نے بغیر ستونوں کے آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ ج۸ ص۱۰۱ ج۱۱ ص۱۳۵

○ بروز محشر آسمان و زمین کی تبدیلی کا مطلب۔ ج۹ ص۱۹۳

○ معراج کا سفرنامہ ج۹ ص۲۶

○ حضرت یحییٰ اور حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر آسمان رو دیا۔ ج۹ ص۱۳۹ ج۱ ص۲۶۳

○ ہیئت دانوں کے نزدیک افلاک (آسمانوں کی تعداد) اور ان کی تردید؟ ج۹ ص۲۲۳

○ سات آسمانوں اور سات زمینوں کی ترتیب۔ ج۱۳ ص۱۲۴ و ص۱۲۵۔ ج۱۴ ص۵۶

اسم اعظم ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مقطعات قرآنیہ اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم

پر مشتمل ہیں جس کے ذریعے سے دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ ج ۲ صہ ۴۵

- اسم اعظم - یا اللہ برائے قضائے حاجت دو رکعت نماز، ہر رکعت میں الحمد للہ کے بعد آیۃ الکرسی ایک دفعہ اور سورۂ توحید ۱۲ دفعہ پھر ۸۰ دفعہ احدی صمدی پڑھے سلام کے بعد کھڑے ہو کر پکارے ۹۹ دفعہ یَا اَللہ انشاء اللہ مطلب پورا ہوگا۔
- **چار رکعت نماز حاجت** - پہلی رکعت حمد کے بعد ۱۱ دفعہ قل، دوسری رکعت حمد کے بعد ۲۱ دفعہ قل تیسری رکعت حمد کے بعد ۲۱ دفعہ قل چوتھی رکعت حمد کے بعد ۴۱ دفعہ قل۔

بعد از سلام ۵۱ دفعہ قل اور ۵۱ دفعہ درود شریف پھر سجدہ میں سر رکھ کر ۱۰۰ دفعہ یا اللہ کہہ کر دعا مانگے۔ حضرت پیغمبرؐ کا وعدہ ہے کہ ہر دعا مستجاب ہوگی اور ہر حاجت پوری ہوگی۔

- چالیس روز مسلسل۔ ۲۰۵۱ مرتبہ کہیعص و حمعسق برائے وسعت رزق۔ کشکول ۳۱۴۔
ہر مشکل و غم کے دور ہونے کے لئے۔ حروف مقطعات قرآنیہ کو روزانہ اس ترتیب عدد سے پڑھے۔
المص (۱ بار) - المر (۱ بار) - الر (۱ بار) - کہیعص (۲۹ بار) - طٰہٰ (۱۴ بار) - طسم (۱۲ بار) - طس (۹ بار) - یٰس (۱۰ بار) - ص (۹ بار)۔ انشاء اللہ مشکل آسان ہوگی اور غم و پریشانی دور ہوگی۔
- اسم اعظم - یافتاح - وسعت رزق کے لئے، زیر آسمان نصف شب کے بعد آستین الٹ کر رو بقبلہ ہو کر ۱۳۰ دفعہ پڑھے۔
- سورۂ فاتحہ - دو رکعت نماز الحمد کے بعد ہر رکعت میں تین دفعہ سورہ توحید اور بعد از نماز سات دفعہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دعا مانگے جو حاجت بھی ہے پوری ہوگی اگر دن ہے تو شام سے پہلے اور رات ہے تو طلوع شمس سے پہلے حاجت پوری ہوگی۔
- اَیَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ پ۱ بقرہ آیت ۸۷ بعضوں نے روح القدس سے مراد اسم اعظم لیا ہے۔ ج ۱ صہ ۱۳۹۔
- اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یہ اسم اعظم ہے اور قرآن مجید میں پانچ مقامات پر ہے۔ ج ۳ صہ ۱۸۸
- بلعم بن باعورا کے پاس اسم اعظم ہونے کی تردید۔ ج ۶ صہ ۱۳۳
- اسم اعظم کی حقیقت ج ۶ صہ ۱۳۶۔ حضرت علی کا نام اسم اعظم ہے ج ۶ صہ ۱۳۸
- اسماء اللہ توقیفیہ ہیں۔ ج ۶ صہ ۸ و صہ ۳۹ ج ۹ صہ ۷۸
- حضرت آصف بن برخیا کے پاس اسم اعظم تھا اس نے پڑھا زمین سرک گئی تو انہوں نے تخت اٹھا لیا پھر زمین اپنی حالت پہ ہوگئی اور آل محمدؐ کے پاس تہتر ہیں سے بہتر اسم اعظم ہیں ج ۱۰ صہ ۲۴۷ ج ۱۳ صہ ۱۱۱

- حضرت سلیمانؑ پیغمبرؑ کے پاس ایک اسم اعظم تھا ج۱۲ ص۹۴
- اسم اعظم اور اسم حسنیٰ۔ ج۱۳ ص۲۶۰ و ص۲۶۱۔ اسماء آدمؑ ج۲ ص۸

آصف بن برخیا۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت سلیمان کے بعد ابلیس نے جادو ایجاد کیا اور اس کو لکھ کر ایک دفتر میں سربمہر کر دیا اور اس کی نسبت آصف بن برخیا کی طرف دے دی اور اس کو تخت سلیمان کے نیچے دفن کر دیا اور لوگوں کو بتا دیا۔ تب کافروں نے کہنا شروع کر دیا۔ کہ ان کی حکومت جادو کے زور پر تھی پس اللہ نے جادو کی حرمت کو بیان فرمایا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی برائت کا اعلان فرمایا۔ ج۲ ص۱۴۹

- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا آصف بن برخیا کا علم حضرت علی کے علم کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح پر مچھر کے پر پانی کا قطرہ موجزن سمندر کے مقابلہ میں۔ ج۸ ص۱۴۳
- حضرت سلیمان آصف سے اعلم تھے۔ ج۹ ص۱۲۲۔ تخت بلقیس کا چشم زدن میں لانا۔ ج۱ ص۲۴۶
- اصحاب الاعراف کا ذکر۔ ج۶ ص۶ ص۳۴ تا ص۳۸
- اصحاب الیمین پ۲۷ واقعہ ج۱۳ ص۱۹۸ ص۲۰۲۔ ہم نے شہدائے کربلا کے حالات پر ایک کتاب لکھی ہے۔
- جس کا نام اصحاب الیمین ہے۔ اصحاب الیمین کے اوصاف ج۱۳ ص۲۰۸ ج۱۱ ص۲۶۶
- اصحاب الشمال ج۱۳ ص۲۰۲
- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ہمارے شیعہ اصحاب الیمین ہیں ج۱۴ ص۱۳۶
- اصحاب کہف و الرقیم کا مفصل قصہ ج۹ ص۸۴
- اصحاب ایکہ ج۱۳ ص۱۱۳ ج۸ ص۱۹۱
- اصحاب الحجر ج۸ ص۱۹۱۔ اصحاب فیل ج۴ ص۱۱ ج۱۴ ص۲۶۳
- اصحاب انطاکیہ۔ مفصل ذکر ج۱۲ ص۱۲ پر ملاحظہ ہو۔
- اصحاب الرس۔ ج۱۳ ص۱۱۳ اور ج۱ ص۱۷۶ تا ص۱۷۸۔ اصحاب رس کے بارہ شہر تھے ج۱ ص۱۷۸
- اصحاب صفہ۔ مدینہ میں غربا و فقرا کا ایک گروہ تھا جن کی خبرگیری اور طعام و پانی کا انتظام حضور بنفسِ نفیس کرتے تھے۔ ج۵ ص۱۲۲
- اصحاب الجنۃ۔ ج۲ ص۱۳۶ ج۴ ص۵۸ و ص۷۷ ج۵ ص۱۹۰ ج۸ ص۱۶۴ و ص۱۸۴ و ص۱۲۹ ج۷ ص۱۳۰ ج۸ ص۶۵ و ص۱۵۱ ج۱ ص۳۸ ج۱۱ ص۲۶۶ ج۱۲ ص۲۶ و ص۴۰ و ص۱۱۵ و ص۱۵۱ و ص۲۱۴ و ص۲۵۰ ج۱۳ ص۱۹۷ و ص۱۹۹ ج۱۴ ص۹۶ و ص۱۵۲ و ص۱۷۹۔ جنت صابرین کے لئے ہے ج۳ ص۱۲۴

اصحاب نار ج۲ ص۷، ج۶ ص۳۰ ج۷ ص۱۳۶ ج۹ ص۶۵ و ص۱۵۱ و ص۲۰۲ ج۱۲ ص۳۵ و ص۱۰۴ و ص۱۵۱ و ص۱۵۷ ص۱۶۴ و ص۲۵ ج۱۳ ص۲۰۹ ج۱۴ ص۹۶ و ص۱۰۲ و ص۱۶۴ ۔

○ اصول و فروع پر بحث ۔ ج۵ ص۱۲ ج۶ ص۲۱۴

اطاعت و معرفت: اطاعت کے تین درجے ہیں۔ ایک اطاعت برائے خوف۔ دوسرے اطاعت برائے طمع اور تیسرے اطاعت معرفت۔ چنانچہ حضرت امیر علیہ السلام کی مناجات کے الفاظ ہیں کہ اے اللہ میں تیری اطاعت نہ جہنم کے ڈر سے اور نہ جنت کے لالچ سے کرتا ہوں بلکہ اس لئے تیری عبادت کرتا ہوں کہ تو لائق عبادت ہے۔ ج۲ ص۷

○ اطاعت والدین ۔ ج۲ ص۱۳۰ و ص۱۳۱

○ اطاعت پروردگار اور تقویٰ کی حقیقت ۔ ج۴ ص۲۲ ج۱۲ ص۲۱۴

اعضاء کی گواہی: قیامت کے دن انسان کے اعضاء اپنے متعلقہ اعمال کے گواہ ہوں گے۔ ج۵ ص۱۹۹ و ص۲۱۲ و ص۲۲۸ ۔ ج۹ ص۳۰ ج۱۱ ص۱۸۴ ج۱۴ ص۱۴۰

اعمالنامہ: کُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ پ۱۵ ع۲ ہر انسان کو اعمالنامہ دیا جائے گا۔ یہاں طائر سے مراد اعمالنامہ ہے جو اس کی گردن میں لٹکایا جائے گا۔ ج۹ ص۱۸ و ص۱۰۴

○ جب لوگ اپنے اعمالنامہ میں درج شدہ اعمال کا انکار کریں گے تو ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ ج۹ ص۳۰

○ یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ میں بعض لوگوں نے امام کا معنی اعمالنامہ کیا ہے ج۹ ص۴۴ نامہ اعمال کا دیا جانا ۔ ج۱۴ ص۱۴۰ اور جنتیوں کو اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں اور دوزخیوں کو بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ج۱۴ ص۱۹۴ ج۱۳ ص۲۰۲

اعراف: سورہ اعراف کے فضائل ج۶ ص۴ اور اعراف کا ذکر ج۶ ص۳۳ ج۱۲ ص۱۰۴

افک: واقعہ افک میں سُنی مفسرین کی رائے اور شیعہ علماء کی تحقیق ۔ ج۱۰ ص۱۲۱

○ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ کی تشریح اور بہتان تراشی ج۱۲ ص۷ و ص۲۱ ۔

افطار: روزہ افطار کرانے کا ثواب ج۲ ص۲۲۰ ۔ افطاری کا وقت ج۲ ص۲۲۸

○ مستحب روزہ کے افطار کرانے کا ثواب ج۵ ص۳۸

آگ: آگ کو پوجنے کی ابتداء قابیل سے ہوئی ۔ ج۵ ص۹۲

○ ابلیس کا نظریہ تھا کہ آگ افضل ہے اور مٹی مفضول ہے اس لئے اس نے آدم کے سجدہ سے انکار

کیا تھا اس نظریہ کی مدلل تردید ۔ ج ۶ ص ۱۱۱ ج ۱۲ ص ۱۰۸

- حضرت لوط کی بیوی قوم کو لوط کے مہمانوں کی اطلاع دینے کے لئے چھت پر آگ روشن کر دیتی تھی ج ۶ ص ۵۶ ۔
- جو شخص سورۂ برأت کو لکھ کر اپنی ٹوپی میں رکھے اس کے مکان کو آگ نہ لگ سکے گی ۔ ج ۷ ص ۵
- دنیا وی آگ آخرت کی آگ کا سترواں حصہ ہے جس کو ستر دفعہ بجھایا گیا ہے ۔ ج ۸ ص ۱۳۸
- حضرت شعیبؑ سے رخصت ہو کر حضرت موسیٰ نے مصر کی طرف جاتے ہوئے رات کو جانب طور ایک
- آگ دیکھی اور وہاں پہنچے تو شرف کلام پایا ۔ ج ۹ ص ۱۷۳ ج ۱۱ ص ۳۴
- حضرت موسیٰؑ کا آگ کے انگاروں والے طشت میں ہاتھ ڈالنا ۔ ج ۹ ص ۱۷۹ ج ۱۱ ص ۲۲ و ص ۳۶
- **آگ میں اللہ کا خلیل** ۔ ج ۹ ص ۲۳۶ ج ۱۱ ص ۷۵ ج ۱۲ ص ۵۳
- موسیٰؑ کی ماں کا موسیٰؑ کو تنور میں رکھنا اور آگ کا گلزار ہونا ج ۱۱ ص ۱
- اللہ وہ ہے جو سبز درخت سے آگ پیدا کرنے پر قادر ہے ۔ ج ۱۲ ص ۳۱ ج ۱۳ ص ۲۰۵
- بشیر بن ایوبؑ کو اپنے زمانہ کے بادشاہ نے آگ میں ڈالا تھا لیکن ان کو آگ نے نہیں جلایا تھا ج ۱۲ ص ۱۰۳
- دوزخ میں ایک آگ کا پہاڑ ہے جس کا نام یحموم ہے ۔ ج ۱۳ ص ۲۰۲

الیسع : حضرت الیاس کے جانشین تھے ۔ ج ۱۲ ص ۷۰ حضرت ایوبؑ کے بھتیجے اور ذوالکفل کے چچا زاد بھائی تھے ج ۱۲ ص ۹۸

- نیز الیسع حضرت الیاسؑ کے بھی چچا زاد بھائی تھے ۔

الیاس : حضرت حزقیل پیغمبرؑ کے بعد بنی اسرائیل پر مبعوث برسالت ہوئے ج ۱۲ ص ۶۹

- حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ الیاس خشکیوں میں اور خضر دریاؤں میں رہتے ہیں اور دونوں کی ملاقات
- ہر سال مقام عرفات پر ہوتی ہے ج ۱۲ ص ۷۰ ج ۹ ص ۱۱۹

اِل یٰسین : ابن عباس سے منقول ہے کہ یٰسین حضرت پیغمبرؐ کا نام اور ال یاسین سے مراد آل محمد ہے اسی لئے

- بعض راویوں نے اِل کے بجائے آل یٰسین بھی پڑھا ہے اور بعض لوگ اِل یٰسین سے مراد حضرت الیاس اور اس کی امت لیتے ہیں ج ۱۲ ص ۷۱

اِلٰہ : ج ۱ ص ۸۴ و ص ۱۶۴ ج ۱۲ ص ۱۲۱ بعض لوگ اپنی خواہشِ نفس کو اِلٰہ سمجھتے ہیں ۔ ج ۱۳ ص ۱۱

- اللہ نیند نہیں کرتا ۔ حضرت موسیٰؑ کی قوم نے سوال کیا تھا کہ کیا اللہ نیند کرتا ہے ؟ ج ۲ ص ۱۳۶

اُمّت : امت واحد کی تشریح جلد ۳ ص ۳۳ فلسفۂ وحدت ص ۳۴ ج ۷ ص ۱۵۶ و ص ۱۹۴

○ امت وسط ج ۲ صـ ۱۸۱ و صـ ۱۸۹ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد میں امتِ مسلمہ ہونے کی دعا کی اور وہ
○ امت مسلمہ محمد و آل محمد علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ ہیں۔ پ ۲ بقرہ ج ۲ صـ ۱۸۷ و صـ ۱۹۱
○ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ پ ۴ آل عمران ع ۳ ج ۳ صـ ۳۰
○ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا میری امت میں بھی یہودیوں کی طرح ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو میری نسل کے دشمن ہوں گے اور میری شریعت کو تبدیل کریں گے جس طرح یہودیوں نے زکریا و یحییٰ کو قتل کیا۔ پس جس طرح ان پر خدا کی لعنت ہے ان پر بھی خدا کی لعنت ہوگی۔ ج ۲ صـ ۱۳۸
○ امت اسلامیہ کے لئے بنی اسرائیل کے واقعات درس عبرت ہیں ج ۲ صـ ۱۴۴
○ امتِ محمدیہ کی بنی اسرائیل سے مشابہت ج ۲ صـ ۱۲۹ ج ۱۴ صـ ۱۲۸
○ جنت میں جانے والوں میں امتِ محمد کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔ ج ۱۱ صـ ۲۰۲

امری مخلوق۔ ج ۱ صـ ۶۹

امانت: امانت کی ادائگی بعفری اور مومن کی نشانی ہے۔ ج ۲ صـ ۱۲۵ ج ۶ صـ ۱۳۳ ج ۱۴ صـ ۱۰۳
○ امانت کی ادائگی خوبیٔ کردار کی ضمانت ہے۔
○ حضرت علیؑ نے رسولؐ اللہ کی امانتیں ادا کیں۔ ج ۶ صـ ۶۳
○ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ پ ۲۲ ع ۶ اس جگہ امانت سے مراد ولایتِ امامت ہے۔ ج ۱۱ صـ ۲۱۹

امیون: ج ۲ صـ ۱۲۷ ج ۳ صـ ۲۶۳ ج ۱۴ صـ ۱۴

ام سلمہ۔ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والی عورتوں میں ام سلمہ بھی تھیں۔ ج ۴ صـ ۹۹
○ ام سلمہ کا بھائی عبداللہ بن ابی امیہ نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ ج ۹ صـ ۴۳
○ ام سلمہ اپنی کمر کو ایک سفید پارچہ سے باندھ لیا کرتی تھیں۔ ج ۱۳ صـ ۱۰۲

ام ایمن: جب جناب خاتون جنت نے فدک کا دعویٰ دائر کیا تو حضرت علیؑ اور ام ایمن نے بی بی کے
○ حق میں گواہی دی تھی چنانچہ ابوبکر نے بی بی کو حق دے دیا اور تحریری دستاویز بی بی کے حوالہ کی
○ واپسی پر عمر نے وہ دستاویز لے کر پھاڑ ڈالی۔ ج ۹ صـ ۲۳ ج ۱۱ صـ ۱۱۴

ام القریٰ۔ مکہ کا نام ہے اور سب سے پہلے اسی جگہ کی زمین کو پیدا کیا گیا اور اس کے بعد باقی زمین کو پھیلایا گیا اور زمین پر پہلا گھر کعبہ ہے اسی وجہ سے اس کو امّ القریٰ کہا جاتا ہے۔ ج ۵ صـ ۲۳ ج ۱۲ صـ ۱۹۸
○ حضرت قائم آل محمدؑ جب مکہ سے کوفہ کی طرف کوچ کریں گے تو حضرت موسیٰؑ والا پتھر ان کے ہمراہ ہوگا پس ہر منزل پر اس کو رکھیں گے تو اس سے چشمہ پھوٹے گا۔ پس پیاسا سیراب ہوگا اور بھوکا سیر

ہوگا۔ ج۶ ص۱۰۱

○ ام القریٰ کے بسنے والوں کو امییّن کہا گیا ہے ج۱۴ ص۱۴

امّ الکتاب ۔ اُم موسیٰؑ ۔ حضرت موسیٰؑ کی ماں کا دل خالی ہوگیا ۔ ج۱۱ ص۱۹

○ عاملین میں یہ مشہور ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ ماجدہ کا نام ایک اسم اعظم ہے یہ اسم اعظم حضرت موسیٰؑ کے نانا کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی دختر کا نام وہی رکھ دیا۔ اس نام کے بارے میں شدید اختلاف ہے چنانچہ متعدد نام منقول ہیں عملیات میں بھی الگ الگ عبارات مذکور ہیں ۔ چنانچہ برخود ۔ یوخود ۔ نخوات حنتہ ۔ طیسوم ۔ قیسوم ۔ ہیشوم ۔ یوخاند ۔ یوخانذ ۔ یوخابت ۔ یوخالبط ۔ ھُلیابنت رغبا وغیرہ ذکر کئے گئے ہیں

○ اس کے لئے عمل بھی مختلف طور پر عاملین نے ذکر کئے ہیں ۔

(۱) چالیس دن باشرائط وحدت مکان وزمان کے ساتھ ۔

۲۱ دن	۶۰۰ دفعہ پڑھے	یاضناکبًا یا بحق اوی
۹ دن	۶۰۰ دفعہ ″	یاملکیا بحق ابد
۱۰ دن	۶۰۰ دفعہ ″	یاملکیا یا یوخود

(۲) تین روزہ عمل باشرائط :

روزانہ ایک ہزار دفعہ

شاکودش

هَلیش مُهَیَالِ کَشَمَالِ هشنُو مشاکوش بحق یوخابط یوخابد یوخابت

(۳) ذوالنون مصری سے نقل کیا گیا ہے ۔ ۷ دن روزانہ سات مسکینوں پر صدقہ اور صبح وشام لبان ذکر کی دھونی پنجگانہ نماز کے بعد سات دفعہ پڑھے :۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ربّ هُلیا بنتِ رغبا المومنۃ الصدیقۃِ اُمّ مُوسٰی علیہ السّلام وَباللہِ العزیزِ الحکیمِ الکبیر المتکبر المھیمن العظیم الرحمٰنِ الرّحیم الّذی یُفتَحُ بِہِ الاَطْبَاقُ واستنارَتْ بِنُوْرِہِ الاٰفاقُ وَفُتِحَتْ بِہِ الاَقاسِیْ اِفْتَحْ ھٰذا القُفل اوھٰذَا الغِلّ ۔

عمل مکمل ہونے کے بعد ۔ قفل یا غل پر پڑھنے سے وہ کھل جائے گا ۔ واللہ اعلم

(۴) نوچندی بدھ کی رات سے شروع تین رات کا عمل باترک جلالی وجمالی دن کو روزہ پہلی رات تین ہزار دفعہ پھر دو راتیں پانچ پانچ ہزار دفعہ اِلٰھِیْ بِحُرْمَۃِ اُمّ مُوسٰیؑ یوخابد علیا

سَہِّلْ كُلَّ صَعْبَةٍ يَا فَتَّاحُ اِفْتَحْ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔

۵۔ وہی سابق عمل۔ اس فرق کے ساتھ۔ اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ اُمِّ مُوْسٰى يُوْخَابِدُ عُلْيَا سَہِّلْ كُلَّ صَعْبَةٍ يَا مُسَخِّرُ سَخِّرْ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔

جس عورت کے شکم میں بچہ مرگیا ہو تو ایک مٹی کے کورے برتن پر یہ آیت لکھی جائے۔ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فَارِغًا تا مومنین اور بارش کے پانی سے دھوکر اس عورت کو پلائیں اللہ کے حکم سے اس کی خلاصی ہو جائے گی۔

امامت : اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا پ۱ ج۲ ص۱۷۰

- بروز قیامت مقتدی اپنے جھوٹے اماموں سے بیزار ہوں گے۔ ج۲ ص۲۰۰
- امام کا نصب کرنا اللہ کا کام ہے نہ کہ امت کا ج۵ ص۸۱ و ص۱۰۱ و ص۱۰۵ و ص۱۸۶ ج۱۰ ص۱۱۴
- امام شکم مادر میں بھی سن سکتا ہے ج۵ ص۲۴۹
- امام کی ضرورت ج۲ ص۸۵ و ص۱۳۰ مقدمہ تفسیر ص۲۳ ج۶ ص۸۸
- بارہ اماموں کی پیشین گوئی اور مفصل بیان مقدمہ تفسیر ص۷۱ و ص۷۷ و ص۹۰ ج۲ ص۱۶۹ ج۵ ص۶۷ و ص۹۷
- لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ایک روایت میں کتاب مبین سے مراد امام مبین ہے ج۵ ص۲۲۵
- امام مبین کی تشریح ج۱۲ ص۱۱ مقام آئمہ ج۵ ص۲۵۳ و ص۲۵۳ ج۶ ص۱۰۱ ج۹ ص۲۹
- غیبت کے زمانہ میں امام کی معرفت ج۲ ص۵۲ آئمہ کے علم کی وسعت ج۵ ص۲۲۵
- امام و قرآن لازم و ملزوم ہیں ج۲ ص۲۱ ج۹ ص۲۷ ج۱۱ ص۲۶۳ ج۱۲ ص۱۱۰
- خَيْرُ اُمَّةٍ سے مراد خیر آئمہ ہے ج۴ ص۳۰ کتاب مبین سے مراد امام مبین ہے ج۵ ص۲۲۵
- قیامت کے دن آئمہ کی تشریف آوری ج۴ ص۹۳
- تعداد آئمہ ج۶ ص۱۰ ج۷ ص۴۷ ج۸ ص۱۱۱ و ص۲۶۱ ج۱۰ ص۱۵۴ ج۱۱ ص۱۳ ج۱۱ ص۱۵۲ ج۱۲ ص۱۲۹
- حضرت خضر نے بارہ اماموں کی امامت کی گواہی دی۔ ج۹ ص۱۲۱
- آیت نور میں باطنی تفسیر کی رو سے آئمہ اثنا عشر مراد ہیں۔ ج۱۰ ص۱۴۳
- اَنَا وَعَلِيٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ ج۱ ص۲۱۹ باقی آئمہ اثنا عشر ج۱ ص۲۲۱
- اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى کی تاویل آئمہ ہیں ج۱۱ ص۱۳۹
- ہر شخص کو اپنے امام کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ ج۹ ص۳۴

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: نیکی کی تبلیغ اور اس کے شرائط ج ۳ ص ۲۰۹

- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ ج ۲ ص ۲۶ ج ۱۳ ص ۱۳۳ و ج ۵ ص ۱۵۲
- حضرت جعفر طیار کا نجاشی کے سامنے پیغمبر کی صفات کا تذکرہ کہ وہ امر بالمعروف کرتے ہیں۔ ج ۵ ص ۱۵۵
- مومن کی علامات میں سے ہے نیکی کا حکم کرنا۔ ج ۷ ص ۹۵
- حجت خدا کے لئے ضروری ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے موقع محل کا خیال کریں ج ۵ ص ۳۵
- وہ گناہ جو کسی مصیبت کا پیش خیمہ بنتے ہیں ان میں سے ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرسکنے کے باوجود ترک کرنا ہے ج ۱۱ ص ۱۲۰

امن: کعبہ جائے امن ہے ج ۴ ص ۱۷ و ۵ ص ۱۶۲

- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوحنیفہ سے جائے امن کا مصداق دریافت کیا مقدمہ تفسیر ص ۴۶
- امن کے لئے عمل فوائد سورہ مریم۔ ج ۱۱ ص ۲۴۳
- سِیْرُوْا فِیْهَا لَیَالِیَ وَاَیَّامًا اٰمِنِیْنَ۔ سورہ سبا پ ۲۲ ج ۱۱ ص ۲۴۳
- سورہ جن کی تلاوت جادو جنات کے شر سے امن کی موجب ہے ج ۱۴ ص ۱۱۴

انسان۔ انسان کی تدریجی ارتقائی منازل اور عالمی انسانی یونیورسٹی کا تدریجی نظام تعلیم مقدمہ تفسیر ص ۹۶

- انسان فاعل خود مختار ہے ج ۲ ص ۵۰۔ انسان کی تدریجی خلقت ج ۲ ص ۷۰ و ج ۱۴ ص ۱۹۵
- انسان کیا ہے؟ ج ۳ ص ۲۵ انسان کو اللہ نے نفس واحدہ سے خلق فرمایا۔ ج ۴ ص ۱۰۴ و ج ۶ ص ۱۴۹ ج ۱۲ ص ۱۱۲
- سلسلہ اولاد آدم۔ ج ۴ ص ۱۰۰ تا ص ۱۰۳ انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ ج ۵ ص ۱۸۹ ج ۶ ص ۱۰۰ ج ۱۱ ص ۳۴
- صلصال سے انسانی پیدائش۔ ج ۸ ص ۷۷ خلقت آدم ج ۸ ص ۱۸۱ نطفہ و علقہ و مضغہ کی ترتیب ج ۱۰ ص ۱۱
- سلالہ سے پیدائش ج ۱۰ ص ۵۵۔
- انسان اپنی پیدائش میں فکر کرے تو دعوت توحید ملتی ہے ج ۱۱ ص ۱۰۰ و ج ۱۴ ص ۱۹۵
- اللہ وہ ہے جس نے انسان کو ایک مادہ منویہ سے پیدا کر کے اشرف المخلوقات بنا دیا ج ۱۱ ص ۱۲۵
- وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ کی تفسیر پ ۲۳ یٰسین ج ۱۲ ص ۲۸
- انسان کی پیدائش زمین سے ہے ج ۱۳ ص ۱۲۰ خَلَقَ الْاِنْسَانَ سورہ رحمٰن پ ۲۷ ج ۱۳ ص ۱۰۸
- جسم انسان عالم اکبر کا خلاصہ ہے ج ۲ ص ۱۲۷ مقدمہ تفسیر ص ۱۰۲ تا ص ۱۰۵
- کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ: پ ۱۵ ع ۸ ج ۹ ص ۴۲ انسانی پیدائش ج ۱۴ ص ۱۴۶ و ص ۱۵۰ و ص ۱۷۷

انتخاب خداوندی: مقدمہ تفسیر ص ۹۷ و ص ۱۰۹ معیار انتخاب علم ہے۔ ج ۲ ص ۱۸ طالوت کے انتخاب کا معیار علم و جسم

میں توانائی - ج ۱۴ ص ۱۱ اللہ اس کو منتخب کرتا ہے جو معیار پر پورا اترا ہو - ج ۲ ص ۱۲ و ص ۱۸ و ص ۲۰

○ حق انتخاب ج ۶ ص ۱۰۱ ج ۱۱ ص ۱۴ ج ۱۱ ص ۵ ج ۱۲ ص ۸ و ص ۲۰

○ اللہ نے زمین پر نظر انتخاب ڈالی اور علیؑ کو چن لیا - ج ۳ ص ۱۸۵ ج ۹ ص ۱۳

انگوٹھی : حضرت علی علیہ السلام نے حالتِ رکوع میں سائل کو انگوٹھی دی اور آیت ولایت اتری ج ۵ ص ۱۲۹

○ دوسرے لوگوں نے بھی انگوٹھی دی لیکن آیت نہ اتری ج ۵ ص ۱۳۳ انگوٹھی کی حقیقت ج ۵ ص ۱۳۴

○ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا مومن کی علامت ہے ج ۵ ص ۲۳۳ ج ۱۲ ص ۴۳

○ حضرت سلیمان کی انگوٹھی ج ۱۲ ص ۹۱

انجیل - بعض لوگوں نے روح القدس سے مراد انجیل لی ہے ج ۲ ص ۱۳۹ اور انجیل ۱۳ ماہ رمضان کو نازل ہوئی ج ۲ ص ۲۳

○ بعضوں نے اس کو فارسی لفظ کہا ہے اور بعض اس کو یونانی لفظ کہتے ہیں اور اس کا معنی ہے بشارت ج ۲ ص ۱۹۰

○ انجیل تحریف کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں رہی - ج ۳ ص ۲۳ - انجیل میں صرف پند و نصائح تھے اور تورات کے بعض احکام شاقہ کی منسوخی تھی اس میں میراث و حدود و تعزیرات کے احکام نہیں تھے بلکہ تورات کے احکام نافذ العمل تھے - ج ۳ ص ۲۴۱ موجودہ انجیلیں چار ہیں (۱) انجیل متی (۲) انجیل مرقس (۳) انجیل لوقا انجیل یوحنا ج ۳ ص ۲۶۸ و ص ۲۶۹

○ انجیل اپنے وقت میں نافذ العمل تھی لیکن اب منسوخ ہے ج ۵ ص ۱۱۵ یہودی انجیل کے قائل نہیں تھے ج ۶ ص ۱۴

○ انجیل میں حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت اور حضرت علی کی ولایت کا تذکرہ ہے ج ۱۲ ص ۲۰۴

اولاد - اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم دینے کی فضیلت مقدمہ تفسیر ص ۲۷

○ حضورؐ نے فرمایا ہر نبی کی اولاد اپنی صلب سے ہے اور میری اولاد علی کی صلب سے ہے ج ۵ ص ۳۳

○ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا اولاد میوۂ دل اور خنکئ چشم ہے نیز باعث بزدلی و بخل و موجب غم و حزن بھی ہے ج ۳ ص ۲۰۵

○ عورت کے لئے اولاد کی تربیت کا ثواب کہ دودھ کا ایک گھونٹ پلانا اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کے برابر ہے - ج ۴ ص ۱۱۹

○ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا استدلال کہ حسنین شریفین رسول اللہؐ کی صلبی اولاد ہیں ج ۵ ص ۲۳۶ و ص ۲۳۷

○ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ ج ۵ ص ۲۶۶ - طلب اولاد ج ۱۴ ص ۱۰۸

○ عورت سے مجامعت کرتے وقت اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو پیدا ہونے والی اولاد میں شیطان شریک ہوگا ج ۹ ص ۴۱

- اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی تفسیر پ ۱۵ کہف ج ۹ ص ۱۰۱
- نیک لڑکیاں باقیات وصالحات میں سے ہیں ج ۹ ص ۱۰۱
- اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ پ ۲۸ تغابن ج ۱۴ ص ۱۲ و ص ۱۲۴

اوقات نماز ۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ پ ۱۲ ہود ج ۷ ص ۲۴۰

- لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ۔ پ ۱۵ بنی اسرائیل ج ۹ ص ۴۲
- سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ ۔ طٰہٰ ج ۹ ص ۲۱۹
- اوقات نماز ۔ ج ۱۳ ص ۱۴۳ ج ۱۴ ص ۱۵۴

اوّل مخلوق ۔ اول مخلوق پر تفصیلی بحث مقدمہ تفسیر ص ۱۷۵ ج ۱ ص ۹۸ ج ۱ ص ۱۰۲

- تفسیر برہان میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عالم ازل میں اللہ نے مخلوق کو پیدا کر کے ان کے سامنے ایک روشنی پیدا کی اور اس میں داخل ہونے کا حکم دیا پس سب سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرین علیہم السلام اور پھر ان کے شیعہ داخل ہوئے پس وہی سابقین ہیں ۔ ج ۱۲ ص ۱۹۷

اوس خزرج ۔ یہ دونوں عرب قبائل مدینہ میں آباد تھے اور یہودیوں کا قبیلہ بنی نضیر خزرج کا حلیف تھا اور قبیلہ قریظہ اوس کا ہم قسم تھا ج ۱ ص ۱۳۷ و ص ۱۴۱

- اوس و خزرج کی باہمی لڑائی ج ۴ ص ۲۰ ج ۵ ص ۱۱۳
- تبع بادشاہ کا اوس و خزرج کو مدینہ میں چھوڑنا ۔ ج ۱۳ ص ۱۱۳ و ص ۱۱۴

اولوالامر ۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ الآیہ پ ۶ مائدہ کی تفسیر ج ۵ ص ۱۲۹

- اولوالامر کی بحث ۔ ج ۴ ص ۱۸۰ و ص ۱۸۸ ج ۱۲ ص ۱۵۹ ج ۱۴ ص ۵۷

اونٹ : اونٹ کا گوشت حضرت یعقوب علیہ السلام نے منت کے طور پر ترک کر دیا تھا ۔ ج ۴ ص ۳

- عربوں میں اونٹ کو خرید کر اس پر جوئے کے ذریعے جیت ہار کی بازی لگانے کا دستور تھا ۔ ج ۵ ص ۱۸
- شب معراج حضرت پیغمبرؐ کی براق ابوجہل کے قافلہ کے پاس سے گزرا وہ گمشدہ اونٹ کی تلاش کر رہے تھے ۔ ج ۹ ص ۲۵۸
- شب معراج پیغمبرؐ نے ایک اونٹوں کی قطار دیکھی جس پر صندوق لدے ہوئے تھے جبرئیل نے کہا یہ تیری دختر نیک اختر کا جہیز ہے جب ایک اونٹ سے ایک صندوق کو اتار کر کھولا تو اس میں کتابیں اور ہر کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کے اکیس ہزار فضائل درج تھے ۔

اولوالعزم پیغمبرؑ ۔ ج۳ ص۱۳۲ ج۹ ص۳۷ و ص۱۱ ج۱۱ ص۱۶۱ ج۱۲ ص۲۷

لفظ اہل کا بیان ۔ ج۷ ص۲۱۲ پر لفظ اہل پر روشنی ڈالی گئی اور حضرت نوحؑ کے بیٹے اور بیوی کے استثناء کی وجہ بیان کی گئی ہے پس آل اور اہل کی تحقیق ہو جانے کے بعد حضرت سارہ زوجہ ابراہیمؑ پر اہلبیتؑ کے اطلاق کو انبیاء کی تمام بیویوں پر اہل بیت کے اطلاق کی دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا ۔ ج۷ ص۲۲۶ اور جناب رسالتمآبؐ کے اہل بیت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ ہیں ۔ بیویاں اور اصحاب اس میں شامل نہیں ہیں ۔ ج۱۱ ص۱۹۲ پر عقلی و نقلی براہین سے ثابت کیا گیا ہے ۔

اہل الکتاب ۔ اہل کتاب کی عورت سے متعہ جائز ہے ج۵ ص۵۲

اہل کتاب کے احکام ج۷ ص۳۸ و ص۳۹ اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے ۔ ج۱۱ ص۴۳ ۔

ایثار کا بیان ۔ ج۱۳ ص۲۵۳

ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۲۰

ایمان والوں کا سید و سردار علیؑ ہے ۔ ج۲ ص۱۹۷ ج۵ ص۱۰۶ و ص۱۰۸ ایمان والوں کے تین گروہ ج۷ ص۱۲۱

ایذاء پیغمبرؐ ۔ حضورؐ نے فرمایا جس نے علیؑ کو ایذاء دی اس نے مجھے ایذاء پہنچائی ۔ ج۲ ص۱۶۸

آپ نے فرمایا کسی نبی کو اتنی اذیت نہیں پہنچائی گئی جتنی مجھے پہنچائی گئی ۔ ج۵ ص۴

آپ نے فرمایا جس نے علیؑ کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی اور وہ قیامت کے دن یہودی یا نصرانی ہو کر اٹھے گا ۔ ج۵ ص۱۲۷

ایذاء رسولؐ گناہ ہے جس نے فاطمہؑ کو اذیت دی اس نے رسولؐ کو ایذاء پہنچائی ج۷ ص۸۸ و ص۸۹

ایذاء علیؑ ایذاء رسول ہے ۔ ج۱۱ ص۲۱۳

ایلاء کا بیان ۔ ج۵ ص۵۹

ایوبؑ ۔ حضرت ایوبؑ کا ذکر ج۹ ص۲۴۴ ، حضرت لقمان حکیم ، حضرت ایوبؑ کے بھانجے تھے اور بعض نے خالہ زاد کہا ہے ج۱۱ ص۱۳۱ حضرت ایوبؑ کا مفصل ذکر ج۱۲ ص۹۴ تا ص۱۰۳

حضرت ایوب کے بارہ فرزند تھے جو دوبارہ زندہ کئے گئے ۔ ج۱۲ ص۱۰۲

حضرت ذوالکفل آپ کے شہزادے تھے جن کا نام بشیر تھا ۔ ج۱۲ ص۱۰۳

بعض لوگوں نے حضرت ایوبؑ کو اولوالعزم پیغمبروں میں شامل کیا ہے ج۱۲ ص۲۷

آیۃ الکرسی کی فضیلت اور اس کے خواص ۔ ج۳ ص۱۳۵

آیۃ الکرسی کا عمل

ہر مطلب کے لئے چالیس دن کرنا ہے

۱۔ آیۃ الکرسی اس طرح پڑھے کہ دونوں ہاتھ کی دس انگلیاں ترتیب وار دس مقامات پر بند کرے۔ ابتداء دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اور آخر میں بائیں ہاتھ کا انگوٹھا۔ ۱۔ھو ۲۔ القیوم ۳۔ نوم ۴۔ فی الارض ۵۔ باذنہ ۶۔ خلفھم ۷۔ شاء ۸۔ الارض ۹۔ حفظھما ۱۰۔ العظیم یشفع عندہ پڑھتے ہوئے دوعین کے درمیان مطلب خیر طلب کرے اور یعلم ما کی دونوں میموں کے درمیان دفع شر طلب کرے پوری پڑھ لینے کے بعد ۳ بار سورہ الم نشرح ۳ بار توحید ۳ بار درود شریف پھر آسمان کی طرف دیکھ کر حاجت طلب کرے اور دس دفعہ سورہ الحمد پڑھے۔ اور ہر مرتبہ انگلیاں کھولتا جائے پہلے بائیں ہاتھ کا انگوٹھا اور آخر میں دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور اوپر کی طرف پھونک مارے۔

۲۔ برائے ہلاکئ دشمن۔ صبح سویرے طلوع فجر کے وقت قبلہ رُخ ہو کر ۲۱ مرتبہ آیۃ الکرسی پڑھے اور سات دن مسلسل پڑھے (کسی سے کلام کئے بغیر شروع کرے) یعلم ما کی دونوں میموں کے درمیان ہلاکتِ دشمن کا ارادہ کرے۔

۳۔ **برائے محبت**۔ عمل سابق صرف یشفع عندہ کی دونوں عین کے درمیان محبوب کا تصور کرے۔

۴۔ نصف شب چار رکعت نماز حاجت ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد دس بار آیۃ الکرسی آخری سلام کے بعد یہ دُعا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ یَا اللہ ۱۰ بار کہے پھر کہے:۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ یَا مَنْ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ آیۃِ الْکُرْسِی عِنْدَکَ اپنی حاجت کا نام لے کر مانگے پھر کہے وَ اَنْ تَتَوَلّٰنِیْ جَمِیْعَ مَارِبِیْ وَمَقَاصِدِیْ وَمَا اَطْلُبُہٗ مِنْکَ (حاجت طلب کرے اول و آخر درود شریف ان شاء اللہ حاجت پوری ہوگی۔

الباء

○ باءِ بسملہ ۔ ج۲ ص۱۱ و ص۱۲

جامعہ علمیہ
باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی ابتدا تعمیر ۔ مقدمہ تفسیر ص۲ تا ص۹

○ ابتدائی نقشہ باب النجف ج۱ ص۲ مومنین سے اپیل کی گئی ہے کہ جامعہ علمیہ باب النجف کی ہر ممکن مدد کریں۔ تاکہ یہ مدرسہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کے منازل طے کرے ج۲ ص۲۱۹ و ج۵ ص۲۶۰ و ج۶ ص۱۹۵ و ج۷ ص۲۵۶ ۔

باپ ۔ بچہ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زبان پر جاری کرے تو اس کے ماں باپ اور استاد کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اگر باپ مر چکا ہو تو اس کی قبر پہ ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے ۔ ج۲ ص۱۸

○ بچے کو باپ کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کا صلہ ۔ ج۲ ص۱۲۴

○ ماں باپ کی اطاعت و خدمت ج۲ ص۱۳۰ تا ص۱۳۳ و ج۱۱ ص۶۸

○ باپ و بیٹے کے لئے حضرت علیؑ کی دعا ۔ ج۲ ص۱۴۶

○ مجازاً چچا اور دادا پر باپ کا اطلاق صحیح ہے ج۱ ص۱۸۲ ج۹ ص۱۵۲

○ بچے کے گوشت چربی اور خون پر ماں کا اثر ہوتا ہے اور ہڈیوں رگوں اور پٹھوں پہ باپ کا اثر ہوتا ہے ج۷ ص۱۰۹

○ مشرک و کافر ماں باپ کے لئے بخشش کی دعا نہ کرے ج۷ ص۱۰۱ البتہ مستضعف کے لئے دعا بخشش ہو سکتی ہے ۔ ج۷ ص۱۳۲ ۔ اولاد پر ماں باپ کے حقوق ۔ ج۹ ص۲۰ و ص۲۱

○ باپ کو اولاد کے مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہے ج۱ ص۱۵۸ ج۱۲ ص۲۱۷ و ص۲۱۸

○ اولاد کشی حرام ہے ج۹ ص۲۶

○ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا میں اور علی اس امت کے باپ ہیں ج۱۱ ص۱۸ ج۱۳ ص۱۰۰

○ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

○ حضرت پیغمبرؐ نے زید بن حارثہ کلبی کو متبنّیٰ بنایا تھا ج۱۱ ص۱۵۵

○ عبداللہ بن ابی منافق کا بیٹا عبیدؓ پکا اور سچا مومن تھا ۔ ج۱۳ ص۲۴۵

○ ایک شخص نے پیغمبرؐ سے اپنے باپ کے متعلق پوچھا تو پیغمبرؐ نے فرمایا تیرا باپ فلاں ہے اور جو اس کا مشہور باپ تھا اس کا نام نہ لیا تو پس حضرت عمر نے کہا ہم خدا و رسولؐ کی پناہ چاہتے ہیں گویا ہم ایسی بات نہیں پوچھتے۔ ج ۵ صـ ۱۷۴

بارہ نقیب بنی اسرائیل ۔ ج ۵ صـ ۴۷ ۔ بارہ امام مقدمہ تفسیر صـ ۸ و صـ ۲۲۴ ۔ شب معراج بارہ دیکھے ج ۳ صـ ۱۸۵ ج ۵ صـ ۵۸ و صـ ۸۲ ج ۲ صـ ۱۶۹ ج ۱ صـ ۲۲۱ ۔ بارہ منافق ج ۵ صـ ۱۴۵

باطل معبود اور جھوٹے امام و پیر ۔ پیروکار اپنے پیروں سے بیزار ہوں گے ۔ ج ۲ صـ ۲۰ ج ۱۲ صـ ۳۸

○ جھوٹے پیر اپنے مریدوں کے ہمراہ داخل جہنم ہوں گے ۔ ج ۱۱ صـ ۲۹ ج ۷ صـ ۱۶

○ باطل خداؤں سے متنفر کرنے اور حق کی طرف بلانے کے لئے حضرت ابراہیم کا استدلالی رویہ ۔ ج ۱۲ صـ ۵۲

○ قیامت کے دن پیروکاروں کو کہا جائے گا کہ اب مدد کے لئے ان کو بلاؤ جن کو پوجا کرتے تھے تو وہ جواب دیں گے کہ وہ اب بات نہیں سنتے ج ۱۲ صـ ۱۶۴

○ پس قیامت کے دن باطل پرست پچھتائیں گے ۔ ج ۱۱ صـ ۱۸۹

بارش ۔ آسمان سے بارش برسا کر اللہ زمین کو زندہ کرتا ہے ج ۲ صـ ۲۰۵ و صـ ۲۰۶ ج ۱۲ صـ ۱۱۸ ج ۱ صـ ۱۸۱

○ بارش کا پانی شہد اور عورت کے حق مہر سے حاصل کردہ کوئی چیز ملا کر درد شکم کا علاج ج ۴ صـ ۱۱۱

○ بارش کے پانی کے فقہی احکام ج ۱ صـ ۱۸۰ تا صـ ۱۸۲

○ بارش سے پہلے ٹھنڈی ہوا بطور خوشخبری کے ہے ۔ ج ۱۱ صـ ۱۲۲

○ ایک سفر میں حضرت پیغمبرؐ کی دعا سے اللہ نے بارش نازل کی تو بعض منافقین نے کہا کہ یہ فلاں ستارے کی برکت ہے ایسے لوگوں کی اللہ سرزنش کر رہا ہے ۔ ج ۱۳ صـ ۲۰ ۔ بارش کے لئے دعا ج ۶ صـ ۴۹

باقیات صالحات ۔ انسان اپنی زندگی میں کوئی ایسا نیک کام کرے جس کے آثار باقی رہیں تو وہ اس کے لئے باقیات و صالحات ہوں گے اور نیک اولاد بھی باقیات و صالحات میں شمار ہوتی ہے ۔ ج ۸ صـ ۱۰۰ صـ ۱۰۱ و صـ ۹۴ ج ۱۲ صـ ۱۰

بُت ۔ واجب التعظیم چیزوں کی تعظیم کرنا بت پرستی نہیں ہے ۔ ج ۲ صـ ۳۰ و صـ ۳۱

○ بت پرستی شرک ہے اور شرک ظلم ہے پس عہدہ امامت ظالم کو نہیں مل سکتا ج ۲ صـ ۱۷۲

○ عمرو بن لحی خزاعی پہلا شخص ہے جس نے کعبہ میں بت لا کر رکھے اور پہلا بت جو کعبہ میں رکھا اس کا نام ہبل تھا اور یہ بت وہ شام سے منوا کر لایا تھا ۔ ج ۴ صـ ۱۵ و ج ۱۲ صـ ۱۱۱

○ کفار کا دستور تھا کہ بتوں کے لئے اپنی آمدنی میں سے ایک حصہ مقرر کر لیتے تھے ۔ ج ۵ صـ ۲۵۵

- قوم صالح کے پاس ستر بُت تھے جن کی وہ پوجا کرتے تھے ج۶ ص۴۸ ناقہ اس پتھر سے پیدا ہوئی جس کی وہ عزت کرتے تھے۔ ج ص۴۹
- قوم موسیٰ کی بُت پرستی ج۶ ص۹۹ آذر کی بُت فروشی ج ۵ ص۲۳۲
- جس نے ایک لمحہ بھر کے لئے بھی بُت پرستی نہیں کی وہ ذات علیؑ ہے ج۷ ص۱۲
- ایسی چیزوں کی پرستش سے ممانعت جو نہ نفع دیں اور نہ نقصان اور وہ بُت ہیں ج۷ ص۱۵۵
- بروز محشر بے جان بت بھی بول کر اپنے پرستاروں سے بیزاری کریں گے۔ ج۷ ص۱۹۰
- حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی تھی اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ ج۸ ص۱۵۸
- کعبہ سے حضرت علیؑ کی بت شکنی۔ ج۹ ص۶۲ ج۱۴ ص۱۱۲۔ بت پرستی کی مذمت ج۱۲ ص۲۲۵
- حضرت ابراہیمؑ نے قوم کو بُت پرستی سے منع کیا تو وہ نہ رُکے پس عید کے دن باہر گئے تو آپ نے تمام بتوں کو توڑ دیا اور تیسہ بڑے بُت کے کندھے پر رکھ دیا جب انہوں نے واپس آکر پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ کام اس بڑے بُت کا ہے اگر وہ بول سکتا ہے تو اس سے پوچھ لو ج۹ ص۲۲۳ تا ص۲۳۲
- عرب کعبہ میں نصب شدہ بتوں پر عنبر و کستوری مل دیا کرتے تھے پہلے یغوث کا پھر یعوق کا اور سب سے آخر میں نسر کا سجدہ کرتے تھے ج۱ ص۴۷ بت پرستوں کا انجام ج۱ ص۱۷۸
- کفّار نے کہا آپ ہمارے لات و عزیٰ کا ذکر چھوڑ دیں تو ہم آپ سے مزاحمت نہ کریں گے ج ص۱۵۵
- بروایت ابن مسعود مکہ میں ۳۶۰ بت تھے ج۱۱ ص۲۵۴
- کفار نے کہا تھا کہ ہم بتوں کو الٰہ سمجھ کر ان کی عبادت نہیں کرتے بلکہ یہ برگزیدگان خدا کی تصویریں اور مورتیاں ہیں پس ان کو تقرب بارگاہ خداوندی کا باعث سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں۔ ج۱۲ ص۱۲۷

بچھو۔ موت کافر کے لئے سانپ و بچھو کے ڈسنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے ج۱ ص۹

- حالت احرام میں ناگ اور بچھو کو مارنا جائز ہے اور اس پر ایک نبی نے لعنت کی تھی۔ ج۵ ص۱۶۷
- سورہ نمل لکھ کر گھر میں رکھنے سے بچھو نکل جاتے ہیں ج ص۲۲۲
- بچھو کے کاٹنے پر سورۂ الطور دم کرنا مفید ہے ج۱۳ ص۱۳۴

بحیرہ کی تشریح - ج۵ ص۱۴۷ و ص۲۶۴ ج ص۲۰۵

بخشش۔ اللہ جسے چاہے بخشش دے ج۴ ص۴

- بخشش کی طرف قدم بڑھاؤ۔ ج۴ ص۴۸۔ بہلول کی بخشش ج۴ ص۵۳
- مقامات مغفرت ۱۔ ماں باپ کی خدمت ۲۔ مقام عرفات پر دعائے مغفرت ۳۔ لیلۃ القدر ج۱ ص۳۰ و ص۳۱

بخشش کی امید ج۱۲ ص۱۳۰

بخت نصر ۔ ج۳ ص۱۴۶ ۔ بنی اسرائیل کی سرکشی کے نتیجہ میں ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا گیا ۔ ج۵ ص۱۳۸ ج۶ ص۱۱۱ و ج۹ ص۹ و ص۱۱

بخل ۔ جنت کے تیسرے دروازے پر لکھا ہوا ہے ۔ جھوٹوں بخیلوں اور ظالموں پر لعنت

- حرص اور بخل شہوت کی دو فرعیں ہیں ۔ ج۲ ص۲۴ بخل کرنے والے کا اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا ج۳ ص۱۵۹
- بخیل برا انسان ہے ج۳ ص۱۶۳ بخیل اللہ سے دور جنت سے دور اور لوگوں سے دور ہوتا ہے ج۴ ص۴۹
- مانع الزکوٰۃ کو بخیل کہا گیا ہے ج۴ ص۹ یہودیوں کو بخل اور لعنت کے عذاب میں گرفتار کیا گیا ۔ ج۵ ص۱۳۷
- حضرت لوط کی قوم بخیل تھی پس مہمانوں کو روکنے کے لئے انہوں نے غیر فطری فعل شروع کر دیا ج۶ ص۵۵
- خرچ نہ کرنے کی رغبت شیطان دلاتا ہے ۔ ج۶ ص۱۶
- بخیلوں اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کو عذاب کی دھمکی ہے ۔ ج۶ ص۴۴
- بخل منافق کی علامت ہے ج۶ ص۹۳
- ایک فرشتہ ہے جس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ بخیل پر بد دعا کرتا ہے ج۸ ص۱۹۴ ج۱۱ ص۲۵۰
- بخل اور اسراف سے ممانعت ج۹ ص۲۴ معاشی عدم توازن بخل ہی کی بدولت ہے ج۹ ص۲۶
- بخل کی مذمت پ۱۵ ع۱۱ ج۹ ص۵۰ ۔ بخل ایک عذاب ہے ج۹ ص۲۰۰ ج۱۱ ص۲۴ ج۱۳ ص۲۵۴
- رزق وسیع ہوتے ہوئے نمک و روٹی پر قناعت کرنا بھی بخل اور کنجوسی ہے ۔ ج۱۰ ص۱۸۶
- قارون اپنی ذات کے لئے بھی بخیل تھا ۔ ج۱۱ ص۵۳
- اہل و عیال اور قریبیوں پر بخل کرنا ایسا گناہ ہے جو وقار کو ختم کر دیتا ہے ۔ ج۱۱ ص۱۲۱
- بخل مہلکات میں سے ہے ج۱۲ ص۲۰۱ ۔ فتح مکہ کے بعد ہند مادر معاویہ نے بوقت بیعت ابوسفیان کے بخل کا شکوہ کیا ۔ ج۱۳ ص۲۷۱ بخل اور شح کا بیان ج۱۴ ص۴۳
- بخل کا انجام بد ۔ ج۱۴ ص۸۶-۸۷ سخی نوجوان سن رسیدہ عابد بخیل سے بہتر ہے ج۳ ص۱۶۳

بداء ۔ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ الخ ج۲ ص۶۲ ج۵ ص۱۳۸ ج۵ ص۱۹۰ ج۸ ص۱۴۰ ج۱۱ ص۱۰۳ و ص۲۶۰

بدعت ۔ ابن تیمیہ نے حضرت علی علیہ السلام کی یومیہ ایک ہزار رکعت کو بدعت کہا اس کے جوابات مقدمہ تفسیر ص۵۱
کفر و بدعت خواہش نفس کی فروعات میں سے ہیں ج۲ ص۴۴

- اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ پ۴ آل عمران بدعت ایجاد کرنے والے اور خواہش پرست لوگ مراد ہیں ج۳ ص۲۹
- تاریخ الخلفاء میں بدعات کی اولیات کا نام دیگر بدعتی لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے ۔ ج۵ ص۱۴۵

بدعادات ۔ ج۵ صہ۱۵۵ و صہ۲۶۶ ج صہ۱۳۲ ۔ بدکار کو سزا اس کے گناہ کے برابر ملے گی ج صہ۱۵۹

○ ہر بدکاری و برائی کا انجام بھگتیں گے وہ جنہوں نے حضرت علیؓ کا حق غصب کیا ج صہ۲۰۵ برائی صہ۲۳۹

○ گناہوں کی تفصیل ج۱۱ صہ۱۱ برائی پر ناراض ہونا مومن کی شان ہے ج صہ۲۱۴

○ برائی کے ارادہ سے کچھ نہیں لکھا جاتا بلکہ جب برائی کرے تو صرف ایک لکھی جاتی ہے اور توبہ کرلے تو وہ بھی ختم ہو جاتی ہے ج۱۳ صہ۱۱۶ بدگمانی گناہ کبیرہ ہے ج۱۱ صہ۱۰۳

برگزیدہ خواتین ۔ حضرت مریم کا ذکر ج۳ صہ۲۱۹ ۔ انتخاب مریم ودیگر برگزیدہ عورتیں ج۳ صہ۲۲۸

○ چار عورتیں محدثہ تھیں یعنی جن سے ملائکہ کلام کرتے تھے (۱) سارہ (۲) مادر موسیٰؑ (۳) مریم (۴) فاطمہ ج۱ صہ۴۲

بروج ۔ سورج اور چاند کا دورہ ج۵ صہ۲۴۲ جَعَلْنَا فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا پ۱۴ حجر ج۶ صہ۱۰۲

○ زمانہ طالب علمی میں علم ہیئت کا شوق ج۹ صہ۱۱ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا پ۱۹ فرقان ج۱۰ صہ۱۸۳

○ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ پ۲۳ یٰسین ج۱۲ صہ۲۲ رَبُّ الْمَشَارِقِ پ۲۳ صفت مشارق کی تشریح ج۱۲ صہ۳۳

○ بروج میں اثرات ج۱۱ صہ۱۱ رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ پ۲۷ رحمٰن ج۱۳ صہ۱۸۱

○ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ پ۳۰ بروج ج۱۴ صہ۱۹۷

سورۂ برأت کے فضائل ۔ ج صہ

برزخ ۔ عالم برزخ کا حال ۔ ج صہ۱۵۵ ج۹ صہ۱۰ ج۱ صہ۹۱ و صہ۵۵

○ قیامت کے لئے اٹھنے کے وقت عالم برزخ ایک گھنٹہ معلوم ہوگا ج صہ۱۲۵ ج۱۲ صہ۴۴

برابری کی نفی ۔ جب اللہ کی مخلوق ایک دوسری کی برابری نہیں کرسکتی تو اللہ کے برابر کون ہوسکتا ہے ج صہ۲۹۹

○ عورت و مرد کی برابری کا دعویٰ صرف شہوانی خواہشات کی پیداوار ہے ج۹ صہ۱

○ اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق کو پکارنا درست نہیں ج۱۱ صہ۲۶۱

برہنہ ۔ جنت کے دوسرے دروازہ پر تحریر ہے جو بروز محشر برہنگی سے بچنا چاہے تو وہ دنیا میں برہنہ جسم لوگوں کو خوشنودئ خدا کے لئے لباس پہنائے ج۱ صہ۴۶ ۔ فتح مکہ کے بعد کعبہ کا برہنہ طواف ختم ہوا ورنہ اس سے پہلے لوگ برہنہ طواف کرتے تھے ۔ ج صہ۱۴ ج۲ صہ۱۵۸

○ تیئیسویں روزہ کا ثواب تمام امت محمدیہ کے برابر برہنہ لوگوں کو لباس پہنانے کے برابر ہے ج۳ صہ۲۲۴

بروز محشر لوگ قبروں سے برہنہ محشور ہوں گے ۔ ج۹ صہ۱۰۱

براق ۔ براق کا حلیہ ج۸ ص۲۵ بڑھاپا عمر کا رذیل ترین حصہ ہے۔ ج۸ ص۱۱

بسم اللہ ۔ باءِ بسم اللہ کا نقطہ علی ہے ج۲ ص۹ فضائل بسم اللہ ص۱۸ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
سوائے سورۂ برأت کے ہر سورہ کا جزو ہے ج۲ ص۲۰ بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا مومن کی نشانی ہے ج۵ ص۲۳۳

○ بسم اللہ سورہ برأت کا جزو نہیں ہے ج۶ ص۶ حلال عورت سے مجامعت کے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہیئے ورنہ

○ اولاد میں شیطان شریک ہوتا ہے ج۸ ص۱۸ ج۹ ص۴ جب حضورؐ نماز پڑھتے تھے تو قریشی جمع ہو جاتے تھے پس جب آپ بسم اللہ کو آواز سے پڑھتے تھے تو وہ بھاگ جاتے تھے۔ ۹ ج۹ ص۳۵

○ شب معراج حضرت پیغمبرؐ نے جنت کی چاروں نہروں کے منبع کو دیکھا ایک ستون پر بسم اللہ الرحمن الرحیم تحریر تھا بسم اللہ کے میم کے حلقہ سے پانی کی نہر لفظ اللہ کے ھا کے حلقہ سے دودھ کی نہر رحمٰن کی میم کے حلقہ سے شہد کی نہر اور رحیم کی میم کے حلقہ سے شراب کی نہر جاری تھی اور بسم اللہ کے باء پر لکھا تھا جو دنیا میں (ہر جائز کام کے لئے) بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے گا یہ چاروں نہریں اس کو عطا ہوں گی۔ ج۱۳ ص۴۴ ج۲ ص۱۹

بسم اللہ کا عمل ؛ فتح مندی اور کامیابی کے لئے ،

شرف آفتاب میں بسم اللہ کا مربع پُر کر کے پاس رکھے۔

۷۸۶

بسم	الله	الرحمٰن	الرحیم
الرحمٰن	الرحیم	بسم	الله
الرحیم	الرحمٰن	الله	بسم
الله	بسم	الرحیم	الرحمٰن

○ اور اس کی پشت پر اس کے ابجدی اعداد کا مربع پُر کرے جس کی ابتداء ۱۸۹ سے ہوگی۔ اور طبعی ترتیب سے پُر کرنا ہوگا مشک و زعفران و گلاب سے پُر کرے۔

○ ۷۸۶ دفعہ روزانہ آیت شریفہ کا ورد بھی کرے اور ۱۳۲ دفعہ درود شریف بھی روزانہ پڑھے۔
فتح کے دروازے کھلیں گے۔ انشاء اللہ
اور سابق مربع طبعی چال سے بھی پُر کیا جا سکتا ہے

○ **ہر مقصد کے لئے ؛**

باشرائط وحدت مکان وحدت زمان اور باطہارت جسم و روح و باطہارت لباس و مکان ۱۲ رات مسلسل پڑھے بسم اللہ الرحمن الرحیم بحق بسم اللہ الرحمن الرحیم ۷۸۶ مرتبہ ابتداء جمعہ سے کرے۔

○ ہر روز ۷۸۶ دفعہ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بعد میں ۱۱۵ دفعہ درود شریف پڑھنے سے ہر دعا مستجاب ہو گی۔

○ اگر بطور ورد کے ۱۵۰ دفعہ روزانہ بسم اللہ شریف پڑھی جائے تو خداوند کریم اس کو باطنی علوم عطا فرمائے گا اور لوگوں میں اس کا وقار زیادہ ہوگا۔ (کشکول)

بشر ۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا پ۷ ع یعنی اگر ہم کسی فرشتے کو بھی نبی بنا کر بھیجتے تو اس کو بھی بشکل انسانی بھیجتے اور یہ لوگ پھر یہی بہانا بناتے کہ ہم کسی بشر کو نبی نہیں مانتے۔ گویا کفار کے اذہان میں بشریت اور رسالت کے درمیان منافات ان کو راہِ حق اختیار کرنے سے ہمیشہ روکتی رہی ہے، ج۵ صہ ۱۹۴

○ دعوتِ نبوت کو ٹھکرانے کا بہانہ یہی تھا کہ یہ تو بشر ہیں ج۲ صہ ۲۰۳ ج۳ صہ ۱۴۹ و صہ ۲۱۰ ، ج۱۰ صہ ۹۴ ج۱۰ صہ ۱۲۶ ج۱۲ صہ ۱۵ ج۱۴ صہ ۳۸ ج۱ صہ ۲۰۸

○ حضرت پیغمبرؐ کی وضاحت ج۹ صہ ۷۲ بشریت و رسالت ج۹ صہ ۷۳ ج۹ صہ ۱۳۴

○ رسولؐ اور بشر ج۱ صہ ۲۱۶ مسئلہ نور و بشر ج۱ صہ ۱۰۲

○ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا الخ پ۱۹ فرقان تفسیر صہ ۱۸۳

○ وہ بشیر جو یوسفؑ کی خبر لایا۔ بشیر کا یوسفؑ کو خریدنا۔ ج۸ صہ ۸۱

بغض علی ۔ مقدمہ تفسیر صہ ۱۲۵ ج۲ صہ ۱۵ ۔ حضرت پیغمبرؐ کا خطبہ ختم ہوا تو ایک خوبصورت شخص نمودار ہوا اور اس نے کہا آج پیغمبرؐ نے ایک ایسی گرہ باندھی ہے جس کو سوائے کافر کے کوئی نہ کھولے گا حضرت عمر نے پیغمبرؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا وہ کہنے والا جبرئیل تھا۔ ج۵ صہ ۳۵

○ جنگ خندق میں عمرو بن عبدود نے مبارز طلبی کی تو عمر بولا ایک سفر میں ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کیا تو یہ شخص تلوار نکال کر اور ایک پنجسالہ شتر کو ڈھال بنا کر ان پر حملہ آور ہو گیا تھا چنانچہ وہ بھاگ گئے تھے ج۵ صہ ۸۹

○ تاویل قرآن کے مطابق جہاد کرنے والے علیؑ تھے ج۵ صہ ۱۲۶

○ حالت رکوع میں انگوٹھی دینے پر اعتراض اور اس کا جواب ج۵ صہ ۱۳۲

○ علی صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہے ج۷ صہ ۱۱۹

○ علی سے محبت کرنا مومن کی نشانی ہے اور علی سے بغض منافق اور ولدالحرام کی نشانی ہے ج۱۳ صہ ۵۲

○ **ملکہ بلقیس کا ذکر** ۔ ج۱۰ صہ ۲۳۷

○ **بلال مؤذن رسول** ۔ ج۱۳ صہ ۱۰۵

○ **بلعم بن باعوزا** ۔ ج ۶ ص ۱۳۱

بندر ۔ مچھلی کا شکار کرنے والے بنی اسرائیل بندروں کی شکلوں میں مسخ ہو گئے تھے ج ۱ ص ۱۲۰ ج ۵ ص ۱۵۲ ج ۶ ص ۱۰۹ و ص ۱۱۰

○ بعض لامذہب لوگوں کا خیال ہے کہ انسان کی ابتداء بندر سے ہے اور اس کی تردید ص ۷ ص ۱۰۸

بنو امیہ ۔ حضرت پیغمبرؐ نے خواب میں بنو امیہ کو اپنے منبروں پر سوار دیکھا تو پریشان ہوئے ۔ ج ۱۰ ص ۲۱۴

○ شجرہ ملعونہ کی تفسیر ج ۹ ص ۴۸

بنی اسرائیل ۔ بنی اسرائیل کو خطاب ج ۲ ص ۹۹ بنی اسرائیل پر نعمات خداوندی ۔ ج ۲ ص ۱۰۴

○ رؤیت خدا کا سوال ج ۲ ص ۱۱۱

○ واقعہ قتل اور اس کا انجام ج ۲ ص ۱۲۳ بنی اسرائیل کی بدعنوانیاں ج ۲ ص ۱۶۰ مسلمانوں کیلئے درس عبرت ج ۲ ص ۱۶۴

○ بنی اسرائیل نے ایک گھنٹہ میں صبح کے وقت ۴۳ نبی قتل کئے اور جب نیکوں کی ایک سو بارہ افراد پر مشتمل جماعت نے ان کو اس فعل سے روکا تو بعد دوپہر اسی دن ان سب کو بھی قتل کر دیا گیا ج ۳ ص ۲۰۸

○ نقبائے بنی اسرائیل اور عوج بن عنق ج ۵ ص ۴۷ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل ج ۵ ص ۸۶

○ بنی اسرائیل کو ہدایت ج ۵ ص ۹۲ ۔ کتاب اللہ میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے تھے ج ۲ ص ۱۲۸

○ بنی اسرائیل کے لئے آسمان سے مائدہ نازل ہوا ج ۵ ص ۱۸۲ بنی اسرائیل سے امت اسلامیہ کو تشبیہ ج ۱۰ ص ۲۶۴ ج ۵ ص ۸۸

○ گوسالہ پرستی اور حضرت موسیٰؑ کا غصہ ۔ ج ۶ ص ۹۹ بنی اسرائیل پر پہاڑ کو بلند کیا گیا ۔ طاؤس یمانی نے یہ سوال کیا تھا کہ وہ کون سا پرندہ ہے جو صرف ایک دفعہ اُڑا ہے اور حضرت محمد باقر علیہ السلام کا جواب ج ۶ ص ۱۱۲

○ بنی اسرائیل کے فسادات ج ۹ ص ۹ تا ۱۲ حضرت امام زین العابدین نے فرمایا بنی امیہ میں میری زندگی ایسی ہے جیسی بنی اسرائیل کی زندگی تھی فرعونی دور میں ۔ ج ۹ ص ۳۹ ص ۴۰

○ حضرت موسیٰؑ کی دعا کہ ہارونؑ کو میرا ساتھی قرار دے ۔ ج ۹ ص ۱۷۸

○ بنی اسرائیل کو سرزنش ۔ ج ۹ ص ۱۹۳ ۔ فرعون سے حضرت موسیٰؑ کا مکالمہ ج ۱۰ ص ۱۹۳ و ص ۱۹۴

بوڑھا ۔ والدین کا نافرمان ۔ قاطع الرحم متکبر اور بوڑھا زناکار جنت کی بو نہ سونگھیں گے ج ۱۳ ص ۲۰۲

بہلول تائب کا واقعہ ۔ ج ۴ ص ۲۵

بھیڑیا ۔ امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ حیوانوں میں سے تین حیوان جنت میں جائیں گے (۱) بلعم باعور کی گدھی ، اصحاب کہف کا کتا اور ایک ظالم سپاہی کے بچے کو چیر کھانے والا بھیڑیا ۔ ج ۶ ص ۱۳۲

بیعت ۔ حضرت قائم آل محمدؐ ظہور فرمائیں گے تو جبرئیل ان کی بیعت کریں گے اور انسانوں میں سب سے

پہلے تین سو تیرہ آدمی آپ کی بیعت کریں گے جو بادل کے ٹکڑوں کی طرح فوراً اُن کے پاس جمع ہو جائیں گے۔ ج ۲ ص ۱۹۳

- بروز غدیر خطبۂ پیغمبرؐ کے بعد لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی اور تین روز تک بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ ج ۵ ص ۳۴
- ظہور امام کے وقت مخلص شیعہ دوبارہ زندہ ہو کر ان کی بیعت کریں گے ج ۶ ص ۲۰۹
- حضرت علیؑ کو ابوبکر کی بیعت کے لئے کہا گیا تو آپ نے قبر رسولؐ کو مخاطب کر کے کہا۔ یَابْنَ الْعَمِّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ ج ۶ ص ۹۸ و ج ۹ ص ۹۸ و ص ۱۹۹
- بیعت حدیبیہ ج ۱۳ ص ۹۸، بیعت رضوان ج ۱۳ ص ۴۲، فتح مکہ کے بعد طلقاء کی بیعت ج ۱۳ ص ۲۷

البیت المعمور

بعض روایات میں ہے کہ قرآن ماہ رمضان میں بیت المعمور پر اترا اور پھر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا۔ ج ۲ ص ۲۳ ج ۱۲ ص ۲۵۶

- فرشتے ہر سال البیت المعمور کا حج کرتے ہیں ج ۶ ص ۲۶۱۔ البیت المعمور میں ایک نور کی تختی ہے جس پر محمد علی حسن حسین اور باقی آئمہ اور قیامت تک ہونے والے تمام شیعوں کے نام درج ہیں اور فرشتے اوقاتِ نماز میں ان کے لئے دعائے خیر و برکت کرتے ہیں ج ۶ ص ۲۶۱
- مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المعمور ہے۔ ج ۹ ص ۳
- وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الخ پ ۲۵ زخرف بیت المعمور پر حضورؐ کا نماز پڑھانا اور پوچھنا کہ تم کس طرح مبعوث برسالت ہوئے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ توحید و نبوت کے بعد ولایت علی بن ابی طالب کے اقرار کے بعد ہم مبعوث بنبوت ہوئے ج ۱۲ ص ۲۳۹
- البیت المعمور چوتھے آسمان پر کعبہ کی سیدھ میں ہے ملائکہ کی عبادت گاہ ہے۔ ج ۱۳ ص ۱۳۵

بیر معونہ

بیر معونہ۔ ج ۴ ص ۲۶۔ شہدائے بیر معونہ کا واقعہ ج ۴ ص ۸۱ و ص ۸۲

بیت المقدس

بیت المقدس۔ بیت المقدس کی بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام نے رکھی تھی۔ ج ۲ ص ۱۱۴

- بیت المقدس قبلہ اوّل تھا۔ ج ۲ ص ۱۸۱ و ص ۱۷۹ ج ۲ ص ۲۶۲
- ہجرت کے بعد بھی کچھ عرصہ تک مسلمانوں کا قبلہ رہا ج ۲ ص ۱۹۰
- کیا بیت المقدس زمین پر پہلی عبادت گاہ ہے؟ ج ۴ ص ۱۳
- جس کنوئیں میں یوسفؑ کو بھائیوں نے گرایا تھا بعض کہتے ہیں وہ بیت المقدس کا کنواں تھا ج ۸ ص ۱۳
- باپ کی وصیت کے مطابق حضرت یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ کو بیت المقدس میں دفن کیا ج ۸ ص ۸۵

- شب معراج حضورؐ نے بیت المقدس کی سیر کی
- بعض مفسرین نے مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس لیا ہے
- بیت المقدس کو خراب کیا گیا ج۹ صـ۱۰ و صـ۱۱ سکندر نے بھی بیت المقدس پر حملہ کیا تھا ج۹ صـ۱۲۳
- حضرت زکریا و یحییٰ کی عبادت گاہ بیت المقدس تھی ج۹ صـ۲۵
- فرعون نے خواب میں دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ اٹھی جس نے مصر کا رخ کیا اور چھا گئی اور اس نے تمام قبطیوں کے گھروں کو جلا کر خاکستر کا ڈھیر کر دیا اور بنی اسرائیل کو کچھ گزند نہ پہنچا۔ اس کے درباریوں نے یہ تعبیر دی کہ اس شہر سے ایک آدمی خروج کرے گا جو اہل مصر کی ہلاکت کا موجب ہو گا ج۱۱ صـ۸۷
- ایک دفعہ ایرانیوں نے رومیوں کو شکست دیکر بیت المقدس پر قبضہ کر لیا مگر آئندہ جنگ میں رومیوں نے ایرانیوں پر فتح پائی اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور یہ بعینہ اسی دن ہوا جب جنگ بدر میں مسلمانوں نے قریش مکہ پر فتح پائی ج۱۱ صـ۱۰۳
- بیت المقدس کی تعمیر ج۱۱ صـ۲۲۹

پ

پچاس نمازیں ۔ گذشتہ امتوں پر پچاس نمازیں واجب تھیں ج۳ صـ۱۸۴

پیشین گوئی حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ میں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم کھاؤ گے اور گھروں میں ذخیرہ کرو گے۔ ج۲ صـ۲۳۹

- حضرت یوسفؑ کی پیشین گوئی کرنا۔ ج۵ صـ۱۹
- حضرت یوسفؑ نے بوقت وفات تمام اولاد یعقوب کو وصیت کی تھی کہ قبطیوں کی طرف سے تم پر مصائب آئیں گے اور موسیٰؑ بن عمران کی بدولت ہی تم کو خلاصی نصیب ہو گی۔ اس وقت ان کی کل تعداد اسی تھی پس لوگوں نے اپنی اولادوں کا نام عمران اور پھر موسیٰؑ رکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کی تشریف آوری سے پہلے پچاس چھوٹے موسیٰؑ بن عمران گذر چکے تھے ج۲ صـ۱۵۲ تا صـ۱۵۴
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیشین گوئی کی تھی کہ میرے بعد نبی آئے گا جس کا نام احمد ہو گا ج۱۴ صـ۸

پکارنا ۔ غیر اللہ کو پکارنا ناجائز ہے ج۱۲ صـ۱۹

پیٹنا ۔ جنگ احد کے بعد جب مدینہ میں نبی کریمؐ کی خبر وفات پہنچی تو جناب خاتون جنت پیٹتی ہوئی باہر آئیں چنانچہ

تمام زنانِ ہاشمیہ سیتی اور نوحہ کرتی ہوئی باہر نکلیں ج۴ ص۶۰

پانی پینا ۔ بسم اللہ پڑھ کر پانی پینا چاہیئے ج۲ ص۱۹ ۔ تین سانس میں پینا چاہیئے ج۱۳ ص۲۰۳

○ جنت کے دوسرے دروازے پر لکھا ہے اگر قیامت کی پیاس سے بچنا ہے تو پیاسوں کو پانی پلاؤ ج۲ ص۷۶

پرندہ ۔ حرم کی حدود میں آئے ہوئے پرندہ کو امان ہے جب تک حرم سے نکل نہ جائے ج۱ ص۱۸

○ پرندوں میں حلال وہ ہیں جن میں چار صفات پائی جائیں (۱) درندہ نہ ہو (۲) اڑنے میں پر مار کر اڑتا ہو۔
(۳) دانہ بھرنے کی اس کے اندر تھیلی ہو (۴) اس کے حرام ہونے پر نص نہ ہو ج۵ ص۵۰

○ وہ کونسا پرندہ ہے جو صرف ایک دفعہ اڑا ہے؟ جواب ۔ کوہ طور ج۶ ص۱۱۲

○ قیدی نے حضرت یوسف سے پوچھا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے میرے سر پر طبق طعام ہے۔
اور گوشت خور پرندے اس سے کھاتے ہیں ج۸ ص۳۵

○ حضرت موسیٰؑ و خضرؑ نے دریا کے کنارے ایک پرندہ دیکھا تھا خطاف یا تیتر ج۸ ص۲۳۵

○ پرندے نے چونچ میں پانی لیا مشرق کی طرف پھینکا اور پھر لیا اور مغرب کی طرف پھینکا پھر آسمان کی طرف پھینکا اور آخر میں زمین کی طرف ڈالا ۔ دونوں نبی موسیٰؑ و خضرؑ حیران تھے کہ ایک فرشتہ بشکل آدمی نمودار ہوا اور وجہ پوچھی انہوں نے بیان کی اور اس ملک نے جواب دیا اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ حلفیہ کہہ رہا ہے مجھے اس ذات کی قسم جس نے مشرق کو مشرق اور مغرب کو مغرب بنایا آسمان کا زریں شامیانہ اور زمین کا خاکی فرش بچھایا وہ آخری زمانہ میں ایک نبی بھیجے گا جس کا نام محمد ہوگا اور اس کا ایک وصی ہوگا جس کا نام علیؑ ہوگا۔ تم دونوں کا علم اس کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جس طرح قطرہ آب بھرے سمندر کے مقابلہ میں ج۸ ص۲۳۶

○ کوئی پرندہ اس وقت شکار ہوتا ہے جب ذکر خدا کو بھول جائے ج۹ ص۳۴

○ حضرت داؤد کی تسبیح میں جوابی طور پر پہاڑ اور پرندے بھی تسبیح پڑھتے تھے ج۹ ص۲۴۲ ج۱۱ ص۲۶۲ ج۱۲ ص۳۰۸

○ حضرت داؤد و سلیمان پرندوں کی زبانیں جانتے تھے ۔ ج۱۰ ص۲۳۰

○ حضرت سلیمان کے تخت پر پرندے پر پھیلا کر سایہ کئے رہتے تھے ۔ ج۱۰ ص۲۳۲

○ ھدھد کی غیر حاضری اور تادیبی جھڑکی ۔ ج۱۰ ص۲۳۴

○ ھدھد کا واپس آکر حضرت سلیمان کو ملکہ بلقیس کی حکومت کی اطلاع دینا ج۱۰ ص۲۳۸

○ پرندوں کا ہوا میں پرواز کرنا صنعت پروردگار کا عظیم کرشمہ ہے ۔ ج۱۴ ص۵۲

○ حاملین عرش چار فرشتے ہیں ایک بشکل انسانی انسانوں کے لئے رزق طلب کرتا ہے اور دوسرا بشکل

مرغ پرندوں کے لئے طالب رزق ہے تیسرا شکل شیر جو درندوں کے لئے طالب رزق ہے چوتھا شکل

○ بیل جو عام چوپایوں کے لئے طالب رزق ہے۔ ج۴ ص۹۴

پیرو مرید ۔ بروز قیامت جھوٹے پیر و مرید ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ ج۲ ص۲۰ ج۱۱ ص۵ ج۱۲ ص۱۰۴ ج۱ ص۱۲۱

○ ہر پیروکار اپنے امام و مرشد کے پیچھے جہاں وہ جائے گا یہ بھی جائے گا ج۹ ص۹۱

○ مشرکین کو اپنے خداؤں (باطل معبودوں) سمیت جہنم میں داخل کیا جائے گا ج۹ ص۲۵۳

○ پیر پرستوں کا رویہ ج۲ ص۱۲۸

پیشاب پاخانہ ۔ جب موسیٰؑ نے عصا پھینکا تو فرعون کا پاخانہ نکل گیا۔ ج۶ ص۹۸ ج۱ ص۱۹۷

○ حرام جانور کا پیشاب اور پاخانہ نجس ہوا کرتے ہیں۔ ج۳ ص۳۸

پوپ پادری ۔ نجاشی نے ماریہ قبطیہ کو حضورؐ کی کنیزی کے لئے بھیجا تھا اور پوپ پادری بھی بھیجے تھے تاکہ آپ کا کلام سنیں اور حقیقت اسلامیہ کا جائزہ لیں۔ ج۵ ص۱۱۰

پناہ از شیطان ۔ کام سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا چاہیئے ج۱ ص۱

پتھر پہاڑ ۔ جو پتھر حضرت موسیٰؑ کے پاس تھا بعض کہتے ہیں کہ عام پتھر تھا اور بعض نے کہا ہے کہ خاص قسم کا پتھر تھا جو ہر وقت ان کے پاس ہوتا بوقت ضرورت اس پر عصا مارتے تھے اور اس سے پانی کے چشمے ابل پڑتے تھے اور وہی پتھر قائم آل محمد کے پاس ہوگا۔ ج۲ ص۱۱۶

○ بعض پتھروں سے پانی نکلتا ہے اور بعض سخت ہوتے ہیں۔ ج۲ ص۱۲۶

○ لوگوں نے حضرت پیغمبرؐ کی خدمت میں عرض کی اگر آپ کی گواہی پہاڑ دے دیں تو ہم مان جائیں گے پس حضورؐ بنفس نفیس پہاڑ کے دامن میں تشریف لے گئے اور کہا اے پہاڑ! بحق محمد و آلہ جن کی برکت سے حاملین عرش کا بوجھ ہلکا ہوا اور بحق محمد و آلہ جن کے ذریعہ توبہ آدمؑ قبول ہوئی اور بحق محمد و آلہ جن کی بدولت ادریس جنت میں اٹھائے گئے تو محمد کی گواہی دے پس پہاڑ کا پہاڑ اور اس سے پانی جاری ہوا اور کلمہ شہادت کی صدا گونجی۔ ج۲ ص۱۲۷

○ مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر حضرت اسمٰعیلؑ کی زوجہ نے حضرت ابراہیمؑ کو نہلایا تھا اور وہی جگہ مصلائے ابراہیمی ہے۔ ج۲ ص۱۷۴ ص۱۷۵

○ حجر اسود کعبہ کے ایک گوشہ میں نصب ہے یہ پتھر آدمؑ کے ہمراہ جنت سے آیا تھا ج۴ ص۱۱

○ جنگ احد میں لشکر اسلام کے سپاہی پہاڑی بکروں کی طرح پہاڑوں پر چڑھتے ج۴ ص۳۹

○ ھندہ مادر معاویہ نے حضرت حمزہ کا جگر چبانا چاہا تو اللہ نے اسے پتھر کی طرح سخت کر دیا۔ پس اس نے مُنہ سے نکال کر پھینک دیا اور ملائکہ نے دوبارہ اسے اپنے اصلی مقام پر جوڑ دیا۔ ج ۴ ص ۱۴

○ حضرت صالح کی قوم پہاڑوں کو کرید کر ان میں اپنے گھر بناتی تھی ج ۶ ص ۴۸

○ جس پتھر سے حضرت صالح کی اونٹنی پیدا ہوئی وہ اُن کے نزدیک بڑا متبرک تھا ج ۶ ص ۴۹

○ حضرت صالح کو قتل کرنے کے لئے قوم کے چند بدمعاش اُن کی عبادت گاہ کے قریب ایک پہاڑ کی غار میں جا چھپے تو اللہ نے ان پر پہاڑ کو گرا دیا۔ ج ۶ ص ۵۱

○ غزوہ تبوک کی طرف جاتے ہوئے حضرت پیغمبرؐ اسی پتھر کے پاس سے گذرے۔ ج ۶ ص ۵۳

○ آپ نے ناقہ کے بچے کے پڑھنے کا مقام بھی بتایا پھر آپ نے فرمایا اس امت کا شقی ترین انسان وہ تھا جس نے ناقہ کو ذبح کیا اور اس امت کا شقی ترین انسان حضرت علیؑ کو قتل کرے گا ج ۶ ص ۵۳

○ خاتون جنت نے ناقہ صالح کی مثال دے کر اللہ سے دعا کی تھی ج ۶ ص ۵۳

○ قوم لوط پر پتھروں کی بارش برسائی گئی۔ ج ۶ ص ۵۵

○ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام دمشق میں دربار ھشام سے واپسی پر مدین سے گذرے تو لوگوں نے دروازہ بند کر دیا پس آپ پہاڑی پر چڑھے اور بَقِيَّةُ اللهِ خَيْرٌ لَّكُمْ الخ آیت پڑھی تو لوگوں نے دروازہ کھولا ج ۶ ص ۵۹

○ جب موسیٰؑ کی قوم نے گوسالہ پرستی شروع کی تو ان دنوں آپ کوہ طور پر تھے۔ ج ۶ ص ۹۷

○ حضرت موسیٰؑ کو تورات عطا ہوئی تو قوم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا پس اللہ نے کوہ طور کو ان پر بلند کیا تو ڈر کے مارے سجدہ میں پڑ گئے ج ۶ ص ۱۱۲

○ اللہ نے پہاڑوں پر وحی کی کہ میں نوحؑ کی کشتی کو کسی پہاڑ پر ٹھیراؤں گا تو ہر پہاڑ نے سر بلند کیا لیکن کوہ جودی نے تواضع اختیار کیا پس نوحؑ کی کشتی نے کوہ جودی پر قرار پکڑا ج ۷ ص ۲۱

○ اللہ نے زمین پر پہاڑ زمین کے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے پیدا کئے گویا یہ زمین کی میخیں ہیں۔ ج ۸ ص ۲۰۱

○ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک خطبے میں اس حقیقت پر مکمل روشنی ڈالی ہے۔

○ کفار کو تنبیہہ کی گئی کہ اگر تم پتھر یا اس سے بھی سخت تر بن جاؤ تب بھی خدا تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا ج ۹ ص ۳۶

○ مومن کی تعریف ہے کہ پہاڑ کی طرح اپنے عقیدہ پر جم کر رہے ج ۱ ص ۲۱

○ فرعون کی طرف نو نشانیوں میں سے ایک یہ پتھر بھی ہے جو موسیٰؑ کے پاس تھا۔ ج ۹ ص ۷۶

○ پہاڑ کی بڑی غار کو کہف اور چھوٹی کو غار کہا جاتا ہے۔ ج ۱ ص ۸

○ ایک قول ہے کہ رقیم پتھر کی تختی کا نام ہے جس پر اصحاب کہف کا واقعہ درج ہے۔ ج ۱ ص ۸

○ حضرت موسیٰ و یوشع جب مجمع البحرین پر پہنچے تو وہاں ایک شخص سویا ہوا تھا۔ جس کا سرہانہ ایک پتھر تھا۔ حضرت یوشع نے مچھلی کباب شدہ کو پتھر پہ رکھ دیا تو آبِ حیات کے قطرے پڑنے سے زندہ ہوکر پانی میں کود گئی۔ ج ۹ صـــ ۱۰۱

○ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک درہ تھا جس سے گذر کر یاجوج و ماجوج ادھر کی آبادیوں کو نقصان پہنچاتے تھے پس ذوالقرنین نے درمیان میں ایک بند تعمیر کرکے وہ راستہ بند کر دیا۔ ج ۹ صـــ ۱۲۶ و صـــ ۱۲۷

○ پتھر اور پہاڑ بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ مصروف تسبیح ہو جایا کرتے تھے ج ۱ صـــ ۲۴۲

پاکستان ۔ پاک و بھارت جنگ نے مسلمانوں کو اسلام کے زیادہ قریب کر دیا تھا ج ۶ صـــ ۵۰

○ دورانِ جنگ میں پاکستان ج ۶ صـــ ۶۵ پاکستان پر دوسرا بھارت کا حملہ ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء ج ۱۱ صـــ ۱۵۴ اور ۱۷ دسمبر کو جنگ بندی ج ۱۱ صـــ ۱۸۳

پنجگانہ نماز ۔ ج ۹ صـــ ۵ نماز پنجگانہ بھی باقیات و صالحات میں سے ہے ج ۹ صـــ ۱۰۱

○ امتِ محمدیہ میں پانچ وقت کا نمازی اور ماہ رمضان کا روزہ دار عابدین میں شمار ہوں گے ج ۹ صـــ ۲۵۸

○ نمازیں پانچ ہیں لیکن اوقات تین ہیں ج ۱۴ صـــ ۱۵۴ اوقات نماز کے بیان میں ملاحظہ ہو۔ صـــ ۴۴ کا حوالہ۔

پردہ کا حکم ۔ ج ۱ صـــ ۱۲۹ و صـــ ۱۵۶ ج ۱۱ صـــ ۲۱۵

پانچ ۔ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا میری امت میرے پاس پانچ علم لے کر وارد ہوگی۔

پہلا علم ۔ میری امت کے گوسالہ کا ہوگا۔ ان سے ثقلین کے متعلق باز پرس ہوگی۔

دوسرا علم ۔ فرعون امت کا ہوگا ان سے بھی ثقلین کی بابت پوچھا جائے گا۔

تیسرا علم ۔ میری امت کے سامری کا جھنڈا ہوگا اور وہی سوال ہوگا۔

چوتھا علم ۔ خوارج کا ہوگا یہ سب جہنم بھیجے جائیں گے۔

پانچواں علم ۔ حضرت علی ابن ابیطالب کا ہوگا ان کے چہرے سفید ہونگے داخل جنت ہوں گے ج ۷ صـــ ۲۹

پانچ دریا جنت کی نہریں ہیں ۔ ۱۔ سیحون دریائے سندھ اپنے معاونوں سمیت ۲۔ جیحون علاقہ بلخ میں ہے ۳۔ دجلہ ۴۔ فرات ۵۔ دریائے نیل ج ۱ صـــ ۶۳

اللہ فرماتا ہے میں نے پانچ کو پانچ میں رکھا ہے

علم کو بھوک میں رکھا ہے لیکن لوگ شکم سیری میں چاہتے ہیں۔

راحت کو جنت میں رکھا ہے لیکن لوگ دنیا چاہتے ہیں۔

تونگری کو قناعت میں رکھا ہے لیکن لوگ اس کو زر و مال میں ڈھونڈتے ہیں۔

عزت کو اپنے دروازہ پر رکھا ہے لوگ بادشاہوں کے دروازوں سے ڈھونڈتے ہیں۔
اپنی رضا کو خواہش نفس کی مخالفت میں رکھا ہے لوگ خواہش کی اطاعت میں چاہتے ہیں۔
پس وہ ان چیزوں کو کیسے پا سکتے ہیں۔ ج ۱۱ صـ ۲۵۹

علامات مومن پانچ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں گذر چکی ہیں۔

پل صراط ۔ نماز تہجد پڑھنے والا پل صراط سے بامن گذرے گا۔ ج ۴ صـ ۳۳

○ مومن اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے گذریں گے۔ ج ۱۴ صـ ۶۷

التاء

تمام و کمال میں فرق ۔ تمامیت اجزاء کے لحاظ سے اور کمال اثر کے لحاظ سے ہوتا ہے ج ۳ صـ ۲۳ و صـ ۲۷ ج ۶ صـ ۸۵

○ ولایت علیؑ کے پہنچانے سے پہلے اسلام تمام ہو چکا تھا اور اب اکمال کی سند دی گئی ج ۵ صـ ۴۱

تقصیر ۔ ج ۳ صـ ۱۹ و صـ ۲۱

تابوت بنی اسرائیل ۔ ج ۲ صـ ۱۷۰

توحید ۔ حضرت علی علیہ السلام کا جبریل کو درس توحید دینا ۔ مقدمہ تفسیر صـ ۱۷۱

○ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کا فرمان اور بیان توحید ج ۲ صـ ۱۷

○ ادلہ توحید یعنی مقام توحید پر قرآن مجید کا بیان کردہ چھ دلیلیں ۔ ج ۲ صـ ۱۷

○ حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے نمرود کے دربار میں توحید پر پیش کی جانے والی دلیلیں ج ۳ صـ ۱۴۳

○ اہل نجران کے ساتھ مناظرہ میں مقام توحید اور نفی ولد پر پیغمبرؐ کی طرف سے پیش کردہ چار دلائل ج ۳ صـ ۱۸۹

○ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ پ ۳ آل عمران مقام توحید ج ۳ صـ ۲۰۵

○ بیان توحید ج ۴ صـ ۹۵ ج ۵ صـ ۱۹۱ ۔ دلیل بر وجود خدا از روئے سائنس ج ۴ صـ ۹۶ صنعت پروردگار ج ۶ صـ ۱۰

○ فَلَمَّا جَنَّ پ ۷ انعام حضرت ابراہیمؑ کا طریق استدلال بر توحید ج ۵ صـ ۲۳۳

○ غیر خدا کو پکارنے کی مذمت ج ۶ صـ ۱۴۹ بیان توحید ج ۷ صـ ۲۰۲ تنزیہ کی دعوت توحید ج ۸ صـ ۹۶ و صـ ۱۰۱ و صـ ۱۱۲
صـ ۱۱۶ و صـ ۱۹۷

○ کَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ پ ۱۳ ع ۶ یوسف ج ۶ صـ ۹۴ موت و حیات اللہ کے قبضہ میں ہے ج ۶ صـ ۱۲۶

○ دلیل توحید ج ۹ صـ ۳۳ دعوت توحید ج ۹ صـ ۱۲ و صـ ۱۷۱ و صـ ۲۲ بیان توحید ج ۱ صـ ۱۶۳

- دقیانوس بادشاہ کا قصہ اور اس کے درباری وزراء کی میٹنگ میں توحید پر نتیجہ خیز بحث ج۹ صـ۸۴
- دعوتِ توحید ج۹ صـ۴۷ ذکر توحید ج۱ صـ۱۵ توحید پر دو عقلی دلیلیں (۱) دلیل تمانیز (۲) دلیل تمانع ج۱ صـ۸۵
- بیان توحید اَمَّنْ خَلَقَ پ۲۰ پندرہ افعال جن میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ج۱ صـ۲۵۲
- توحید کا بیان حضرت ابراہیم کی زبانی ج۲ صـ۲۳ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا ج۲ صـ۸۵ دلیل توحید ج۱ صـ۱۱۸
- وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ پ۲۱ عنکبوت ج۱۰ صـ۹۸ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ پ۲۱ روم ع۲ ج۱۰ صـ۱۰۶
- قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ پ۲۲ سبا ع۲ ج۱۰ صـ۲۵۲ بیان توحید وصفت علماء ج۱۰ صـ۲۶۴
- منکرین توحید کی تردید ج۱۱ صـ۷۸ اللہ جسم نہیں رکھتا ج۱۱ صـ۱۱۰
- لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ج۱۱ صـ۲۶ و صـ۱۳۵
- اِلٰہ اور رب کا اطلاق ج۱۲ صـ۱۶۱
- اللہ پر حسن ظن ج۱۲ صـ۱۸۵ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ پ۲۴ حٰم سجدہ ج۱۲ صـ۱۸۹
- اَتَزْعَمُ اَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيْرٌ مقدمہ تفسیر صـ۱۷۲ ج۱۲ صـ۲۲۷
- اللہ اولاد نہیں رکھتا ج۱۲ صـ۲۲۵ بیان توحید ج۱۱ صـ۲۲۷
- دلائل بر توحید ج۱۳ صـ۶ و صـ۱۹ ج۱۳ صـ۱۲۷
- ایک دفعہ نجران کے ایک پادری کو عمر نے اپنے دورِ حکومت میں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اس نے چند سوالات کئے مثلاً اس نے پوچھا آسمان کے دروازوں کا قفل کیا ہے تو عمر لاجواب ہو گیا حضرت علی نے فرمایا کہ شرک، اس نے پوچھا پھر اس کی کنجی کیا ہے آپ نے فرمایا کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پھر اس نے پوچھا۔ اے عمر: بتاؤ تمہارا خدا کہاں ہے تو عمر ناراض ہو گیا پس علیؑ نے دلائل سے اس کو سمجھایا کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور ہر وقت ہر شے سے خبردار ہے ج۱۳ صـ۲۲۳ و صـ۲۲۴
- مقام توحید ج۱۳ صـ۱۲۲ و صـ۱۶۴، معرفت توحید ج۱۴ صـ۱۷۱ خوف خدا ج۱۴ صـ۱۷۳
- توحید کے پرستاروں کی آزمائشات ج۱۴ صـ۱۹۹

تنزیل اور انزال میں فرق۔ تنزیل تدریجاً اتارنا اور انزال بیک وقت اتارنا ج۱ صـ۱۹۰

تورات۔ یہودیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ قرآن مجید اصلی تورات کا مصدق ہے اس پر ایمان لاؤ اور قرآن میں تحریف کر کے عوام کو گمراہ نہ کرو ج۱ صـ۱۰۱
- تم لوگ تورات کے بعض احکام کو مانتے ہو اور بعض کا کفر کرتے ہو۔ ج۱ صـ۱۳۷
- تورات موسیٰ ۶ ماہ رمضان کو اتری۔ ج۱ صـ۲۳

○ توراۃ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے شریعت ۔ ج۲ ص۱۹

○ توراۃ میں اللہ کے احکام موجود تھے لیکن یہودی لوگ ان سے انحراف کرکے دوسرا راستہ اختیار کر لیتے تھے ج۵ ص۱۱۱

○ یہودیوں کو حکم دیا گیا ہے کہ صحیح توراۃ کی پیروی کرو اور وہ محمدؐ کی نبوت کی تصدیق کرتی ہے ج۵ ص۱۲۶ ج۱۳ ص۱۰

الواح موسیٰ میں تمام علوم درج تھے اور وہ زبرجد کی تختیاں تھیں جو پہاڑ کے دامن میں بحکم پروردگار دفن کردی گئی تھیں چنانچہ یمن سے ایک قافلہ وہاں سے گذرا اچانک وہ پہاڑ پھٹا اور تختیاں نمودار ہوئیں پس انہوں نے اٹھالیں جب پیغمبرؐ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کہاں ہے وہ چیز جو تمہیں ملی ہے؟ انہوں نے پوچھا آپ کو کس نے بتایا ہے؟ فرمایا مجھے جبریل نے خبر دی ہے وہ لوگ مسلمان ہوگئے وہ تختیاں آپؐ نے حضرت علیؑ کے حوالے کیں وہ تمام علوم حضرت علیؑ نے خود لکھ لیے اور اسی کا نام جفر ہے جو آئمہ کے پاس موجود ہے ج۱ ص۹۴

○ جب توراۃ کو قبول کرنے سے یہودیوں نے انکار کیا تو ان پر پہاڑ کوہ طور بلند کیا گیا پس وہ ایمان لائے ج۱ ص۱۱۲

حضرت موسیٰؑ توراۃ لائے تھے تو اس کی امت نے بھی اختلاف کیا تھا ج۱ ص۲۳۸

○ حضرت موسیٰؑ کو جب توراۃ ملی تو دل میں سوچا کہ مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے پس حکم ہوا کہ جاکر دو دریاؤں کے درمیان میرے ایک بندے کی پیروی کرو اور اس سے کچھ سیکھو۔ ج۹ ص۱۰۶

○ لوگوں نے توراۃ اور قرآن کو جادو کہا ۔ ج۱۱ ص۴۲

تجسّس :۔ مومنین کی خفیہ باتوں کے سراغ لگانے کی کوشش کرنا اور تجسس کرنا ممنوع ہے ج۱۳ ص۱۰۴

تفسیر بالرائے :۔ تفسیر بالرائے کرنے والے کی بازگشت جہنم ہے مقدمہ تفسیر ص۸۴

○ جو لوگ قرآن مجید کا علم آل محمدؐ سے حاصل نہیں کرتے اور اپنی رائے اس میں داخل کرتے ہیں ان کی تفسیر ناقابل اعتماد ہے کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر بالرائے گناہ کبیرہ ہے ۔ ج۲ ص۱۹۸ مقدمہ تفسیر ص۸۰ و ۹۷

تفسیر و تاویل قرآن :۔ مقدمہ تفسیر ص۴۲ ، ص۱۰۰ ص۱۰۱ ج۳ ص۲۰۱ ج۹ ص۱۱۲ ج۱ ص۱۰

○ ایسا نہیں کہ اگر کوئی آیت کسی خاص آدمی کے حق میں اتری اور وہ مر گیا تو آیت بھی مر گئی بلکہ آیت تا قیامت زندہ ہے اور اس کی تاویل تا قیامت باقی رہے گی جس طرح شمس و قمر ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۰۱

○ تاویل قرآن اور عبادات ظاہریہ مقدمہ تفسیر ص۱۱۹ ۔ تفسیر قرآن کا علم مقدمہ ص۲۱

○ تاویل کا معنی و تشریح ج۳ ص۱۹۹ ج۶ ص۱۱ ، تنزیل و تاویل ج۱۱ ص۱۱۱

○ آیت نور کی چھ تاویلیں اور بیوت کی تفسیر ج۱۰ از ص۱۴۰ تا ص۱۴۴

تقیّہ :۔ جواز تقیہ پر قرآنی فیصلہ ج۳ ص۲۱۴

- تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ اے قافلہ والو تم چور ہو حالانکہ وہ چور نہ تھے اور تقیہ و توریہ دو الگ الگ لفظیں ہیں جن میں ہر ایک کا مطلب جُدا جُدا ہے ج۸ ص۶۴
- بیان تقیہ اور حضرت عمار کا واقعہ۔ عمار کے والد یاسر کو تشدد کر کے کفار نے شہید کر دیا اور عمار نے تشدد سے بچنے کے لئے زبان پر کلمات کفر از راہ تقیہ جاری کر لئے تھے حضورؐ نے جب واقعہ سُنا تو رو دیئے اور فرمایا اگر پھر بھی ایسا مقام کبھی پیش آ جائے تو تقیہ کر لینا۔ ج۸ ص۲۴۵ تا ص۲۴۷
- حضرت موسیٰؑ کی بہن کا تقیہ یَكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ پ۲۰ قصص ج۱۱ ص۲۱
- حضرت عمار کا تقیہ۔ ج۱۱ ص۹۶
- مومن بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی اور دشمنان دین سے تقیہ دونوں فرض ہیں۔ ج۱۲ ص۵
- مومن آل فرعون کا نام حزقیل تھا جو فرعون کا چچازاد تھا پس اس نے تقیہ کر کے اپنی جان بچائی جس کا قرآن میں ذکر موجود ہے۔ ج۱۲ ص۱۵۷

تحویل قبلہ: بحث تحویل قبلہ ج۲ ص۱۸۷

- دو قبلے ہیں پہلا قبلہ بیت المقدس اور دوسرا کعبہ ج۲ ص۲۶۲

توبہ: ابلیس کی گمراہی کے مقابلہ میں اللہ نے اولاد آدم کے لئے توبہ مقرر کی ہے۔ ج۱ ص۸۸

- قبول توبہ آدم ج۲ ص۹۶ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کے بعد توبہ ج۲ ص۱۰۸
- بنی اسرائیل کو باب حطہ سے گزرنے کا حکم تھا اور شیعان آل محمدؐ کے لئے آل محمد باب حطہ ہیں ج۲ ص۱۱۵
- موت سے پہلے توبہ کرنے والا گرفتار عذاب نہ ہوگا۔ ج۳ ص۲۷۱
- مقام حطیم پر حضرت آدمؑ کی توبہ مقبول ہوئی۔ ج۴ ص۱۱
- گناہ سے توبہ کرنا۔ ج۴ ص۱۵۸۔ توبہ بہلول ج۴ ص۵۴ توبہ جلد ۱ ص۱۸۶ و ج۶ ص۱۹۸ و ص۲۱۱
- جو بھی از راہ جہالت گناہ کر بیٹھے اور پھر توبہ کر لے تو خدا غفور رحیم ہے۔ ج۵ ص۲۱۴
- جب انسان گناہ کرتا ہے تو دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے پس اگر توبہ کر لے تو وہ دھل جاتا ہے ورنہ جوں جوں گناہ کرتا جائے گا وہ نقطہ بڑھتا چلا جائے گا حتیٰ کہ اس کا پورا دل سیاہ ہو جائے گا اور پھر ایسا انسان توبہ کی طرف مائل نہیں ہوا کرتا۔ ج۶ ص۹۴ ج۱۴ ص۱۹۰
- پہلے لوگ گناہ کرتے تھے تو ان کو فوراً سزا مل جاتی تھی لیکن امت محمد پر اللہ کا یہ احسان ہے ان کو گناہ کے بعد توبہ کی مہلت دی گئی ہے۔ ج۶ ص۱۰۵
- فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ۔ پ۹ سورۃ انفال۔ حضرت پیغمبرؐ نے علیؑ کے فضائل بیان کئے

تو ایک بدوی سیخ پا ہوا پس آپ نے اس کو توبہ کی فہمائش کی لیکن وہ نہ مانا پس اس پر پتھر نازل ہوا اور مر گیا۔ ج۶ ص۱۹۲

- ○ جو صحابہ غزوہ تبوک میں ساتھ نہیں گئے تھے ان کی توبہ کا ذکر ج۷ ص۱۱۱
- ○ ایک شخص نے گانا سننے کے لئے اپنا ٹھہرنا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا فوراً توبہ کرو۔ ج۹ ص۳۱
- ○ جب آدم کی توبہ قبول ہوئی تو آسمان سے مینہ برسا اور زمین نے سبزی اگائی۔ ج۹ ص۲۲۳
- ○ توبہ مذنبین کی ہوا کرتی ہے نہ کہ مجرمین کی۔ ج۱ ص۲۰۳
- ○ جو شخص نماز پڑھتا رہے وہ ضرور ایک دن اپنی غلطیوں سے توبہ کرنے پر موفق ہو جائے گا۔ ج۱۱ ص۹۰
- ○ توبہ کا وسیلہ آلِ محمدؐ کی ولا ہے۔ ج۱۲ ص۴۷
- ○ حضرت حمزہ کے قاتل وحشی نے جب مسلمان ہونا چاہا تو اس کی توبہ کے لئے آیت اتری۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔ پ۲۴ زمر۔ پس وہ مسلمان ہو گیا۔ ج۱۲ ص۱۳۰
- ○ نیکی ایک کرے تو دس گنا اور برائی ایک کرے تو سات گھنٹہ تک نہیں لکھی جاتی پس اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ سات گھنٹے کے بعد ایک کی ایک ہی لکھی جائے گی۔ ج۱۳ ص۱۱۵
- ○ بغیر توبہ کے مرنے والے کو برزخ میں اس کے گناہوں کی سزا دی جائے گی اگر مومن ہے ج۱۳ ص۱۸۶
- ○ رسول اللہؐ کی دو بیویوں کو خدا نے توبہ کی فہمائش کی کہ اگر توبہ کر لو تو فبہا ورنہ تمہارے دل راہِ راست سے بھٹک چکے ہیں اور ابن عباس سے عمر نے پوچھا کہ وہ دو بیویاں کون تھیں تو اس نے جواب دیا کہ وہ عائشہ اور حفصہ تھیں (تفسیر ابن کثیر میں یہ روایت درج ہے) ج۱۳ ص۶۳
- ○ تَوْبَةً نَّصُوْحًا پ۲۸ ج۱۴ ص۹۶

تعویذ حفاظت : سورہ الاعراف کو زعفران سے لکھ کر اپنے پاس رکھنا حفاظت کا باعث ہے۔ ج۶ ص۴

- ○ آیۃ الکرسی کا صبح و شام پڑھنا چور، ڈاکو، آتش زنی بلکہ ہر قسم کے موذیوں سے حفاظت کا موجب ہے۔ ج۳ ص۱۳۶
- ○ سورہ انفال کا لکھ کر اپنے پاس رکھنا ایک حفاظتی قلعہ ہے۔ ج۶ ص۱۴۴
- ○ سورہ ابراہیمؑ کا لکھ کر بچے کو باندھنا حفاظت کا موجب ہے۔ ج۶ ص۱۴۴
- ○ سورہ کہف کو لکھ کر غلہ میں رکھنا کیڑوں مکوڑوں سے حفاظت کا موجب ہے اور گھر میں رکھنا فقر و قرضہ لوگوں کی اذیتوں سے بچنے کا تعویذ ہے۔ ج۹ ص۷۹
- ○ حاکم جابر کے سامنے کھیعص سے دائیں ہاتھ کی انگلیاں بند کرے اور حمعسق سے بائیں ہاتھ کی انگلیاں بند کرے انشاء اللہ اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔ ج۹ ص۱۳۵۔ سورہ مریم کا تعویذ باعث برکت ہے ج۹ ص۱۳۵

- سورہ شعراء کی تلاوت کرے چوری سے محفوظ ہوگا۔ ج۱۱ صـ۱۸۹
- سورہ نمل کو لکھ کر رکھنا موجب حفاظت ہے۔ ج۱۱ صـ۲۲۲
- سورہ سبا کو لکھ کر پاس رکھنا موجب حفاظت ہے۔ ج۱۱ صـ۲۲۳
- سورہ یسین ج۱۲ صـ۱۹، سورہ صافات صـ۳۱ کو اپنے پاس رکھنا موجب حفاظت ہے۔
- جاثیہ، احقاف، محمد، فتح، حجرات، ق، نجم، رحمٰن، مجادلہ اور ممتحنہ سورتوں کو لکھ کر اپنے پاس بطور تعویذ رکھنا موجب حفاظت ہے۔ تفسیر کی جلد ۱۳ میں ان کا ذکر موجود ہے اسی طرح جلد ۱۴ میں آنے والی سورتوں صف، منافقون، تغابن، حاقہ، معارج، قیامت، مرسلات، عم، مطففین، انشقاق کو بطور تعویذ پاس رکھنا باعث برکت ہے۔

تعویذ برکت: قمیص ابراہیمؑ تعویذ یوسف تھا۔ ج۷ صـ۹۰۔ سورۂ مومن کا تعویذ باعث برکت ہے ج۱۲ صـ۱۴۱

- سورہ قمر کا تعویذ باعث عزت ہے۔ ج۱۳ صـ۱۴۴

تفکر، ترتیل قرآن: قرآن مجید کو تعلقہ لسانی کے طور پر نہیں بلکہ ایسے انداز سے پڑھے کہ اس کا دل پر اثر ہو اس لئے حکم ہے کہ جب آیات جنت سامنے آئیں تو دعا مانگے اور جب آیات جہنم سامنے آئیں تو پناہ مانگے۔ مقدمہ تفسیر صـ۸۲۔ دعوت تدبر و تفکر مقدمہ صـ۲۲

- حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ دلوں کو فکر سے بیدار کرو اور معصوم نے فرمایا، عبادتوں میں سے بہتر عبادت یہ ہے کہ اللہ اور اس کی قدرت میں فکر کیا جائے۔ ج۴ صـ۹۵
- تفکر کی دعوت قرآن مجید میں عام ہے۔ تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِّنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ۔ ایک گھنٹہ کا تفکر رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ تفکر ہی معرفت کا ذریعہ ہے۔ ج۴ صـ۱۴۱ تا صـ۱۴۲
- جو شخص قرآن کے معانی میں تدبر کرے وہ معرفت و ایقان کی دولت سے مالامال ہوتا ہے۔ ج۴ صـ۱۳۴
- فکر کرنے والوں کے لئے درس معرفت ج۸ صـ۲۰۔ دعوت فکر ج۱۳ صـ۹
- مومنوں کی صفت ہے کہ تفکر و تدبر کر کے منازل معرفت پر فائز المرام ہوتے ہیں۔ ج۱ صـ۱۸۸

تسخیر: مقدمہ تفسیر صـ۳۱

تکبر: خود پسندی اور تکبر غضب کی فرعیں ہیں۔ ج۲ صـ۴۴

- تکبر نے ابلیس کو ملعون بنا دیا۔ ج۲ صـ۸۳، ج۸ صـ۱۱، ج۹ صـ۱۰
- جس میں تین عادتیں ہوں وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ تکبر، خیانت، قرضہ ج۶ صـ۵۰
- مومن کا میدان جنگ میں ناز و ادا سے چلنا اللہ کو پسند ہے لیکن گلیوں اور راستوں میں ناز و ادا

سے چلنا اللہ کو پسند نہیں ہے۔ ج ۵ ص ۶۵۔ تکبر کی چال ممنوع ہے۔ ج ۱ ص ۳۲

- دار آخرت ان لوگوں کے لئے ہے جو تکبر نہیں کرتے۔ پ ۲۰ قصص۔ معصوم نے فرمایا۔ جس شخص کو اپنے جوتے کے تسمے پر بھی ناز ہوگا وہ بھی اس آیت کے مفہوم میں آئے گا۔ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ۔ ج ۱۱ ص ۶۱
- متکبرانہ انداز اختیار کرنے والوں سے خدا انتقام لیتا ہے۔ ج ۱۱ ص ۱۲۰
- تکبر سے چلنا اور اکڑ کر چلنا اللہ کو ناپسند ہے۔ ج ۱۱ ص ۱۳۷
- بروز خندق دشمن کو قتل کر کے علیؑ ناز و ادا کی چال چل کر واپس پلٹے تو علیؑ کی فاتحانہ چال پر کسی نے اعتراض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ دشمن دین کے مقابلہ میں مجاہد کا متکبرانہ انداز بھی اللہ کو پسند ہے۔ ج ۱۱ ص ۱۷۵
- دعا نہ مانگنے والے کو متکبر کہا گیا ہے اور افضل عبادت دعا کو قرار دیا گیا ہے۔ ج ۱۲ ص ۱۶۱
- حضورؐ نے فرمایا۔ قاطع الرحم بوڑھا زانی اور تکبر سے چادر گھسیٹ کر چلنے والا جنت کی خوشبو نہ سونگھیں گے ج ۱۳ ص ۲۰۲
- تکبر کرنے والے روز محشر بہرے اور گونگے اٹھیں گے۔ ج ۱۴ ص ۱۲۴

کلام معصومؑ کی توہین: مقدمہ تفسیر ص ۴۵۔ کسی مومن کی توہین۔ ج ۱۳ ص ۱۰۲، ص ۱۱۲

تقویٰ: ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کی تفسیر ج ۱ ص ۵۰۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فضیل سے فرمایا کہ ہمارے موالیوں کو میرا سلام کہنا اور پیغام دینا کہ ہم اللہ کی جانب سے تمہاری کسی بات کے ضامن نہیں مگر پرہیزگاری اور تقویٰ کے ساتھ پس اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو قابو میں رکھو۔ ج ۲ ص ۱۹۱۔ ایک روایت میں ہے خیثمہ سے فرمایا کہ ان کو تقویٰ کی وصیت کرنا۔ ج ۶ ص ۳۸ و ص ۱۷۱

- بیان تقویٰ ج ۴ ص ۲۲۔ حقیقت میں صبر و تقویٰ لازم و ملزوم ہیں۔ ج ۴ ص ۳۵۔ شیعوں کے لئے پرہیزگاری ضروری ہے۔ ج ۴ ص ۱۳۵
- متقین کے اوصاف ج ۱ ص ۴۷۔ حکم تقویٰ ج ۴ ص ۱۰۴۔ علیؑ سے متقی لوگ محبت کریں گے۔ ج ۵ ص ۳۳
- درجات ایمان و تقویٰ۔ ج ۵ ص ۱۶۵ حق کا دامن تھام لینا اور باطل سے اجتناب کرنا تقویٰ ہے۔ ج ۵ ص ۱۷۳
- متقی لوگ جنت میں جائیں گے۔ ج ۴ ص ۸۰ ج ۵ ص ۱۸۴۔ کہیں گے خدا نے خیر محض بھیجا تھا جس میں ہدایت و خیر تھی ج ۸ ص ۲۰۶
- فرشتے ان کا سلام کریں گے اور ان کو جنت کی بشارت دیں گے۔ ج ۸ ص ۲۰۷
- اللہ کی منع کردہ چیزوں سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ج ۸ ص ۲۳۷۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّنَھَرٍ پ ۲۷ قمر ج ۱۳ ص ۱۷۶
- متقی لوگ قیامت کے دن بھی ایک دوسرے کے دوست ہوں گے۔ ج ۱۲ ص ۲۴۸۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّعُیُوْنٍ پ ۲۹ مرسلات ج ۱۴ ص ۱۵۹
- تقویٰ معیار فضیلت ہے ج ۱۳ ص ۱۰۲۔ متقین کی نشانیاں ج ۱۳ ص ۱۲۶

○ تقویٰ مومن کی نشانی ہے۔ ج ۱۶ صہ ۱۹۹

تبع - یہودیوں نے حضرت پیغمبرؐ کی آمد کی انتظار میں مدینہ بسایا تھا۔ جب بادشاہ وقت تبع کو اطلاع ہوئی تو اس نے چڑھائی کردی۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ تبع نے کافی دنوں تک محاصرہ رکھا لیکن تھک گیا۔ اور صلح کرلی آخر کار اوس اور خزرج کو اس نے وہاں ٹھہرایا تاکہ آنے والے نبی کی خود مدد کریں گے اور ہمیں بھی اطلاع دیں گے۔ ج ۲ صہ ۱۴۱

○ کعبہ پر مکمل غلاف پہلی دفعہ تبع نے رو پہلی چادروں سے چڑھایا تھا۔

○ تبع کا اصل نام اسعد ابوکرب تھا اور یمن کے قبیلہ حمیر سے تھا۔ اس نے حمیر پر فوج کشی اور نیز سمرقند کو تاراج کر کے دوبارہ آباد کیا اور کہتے ہیں یمن کے حکمرانوں کا لقب تبع ہوا کرتا تھا جس طرح ترکیوں کو خاقان اور رومیوں کو قیصر کہا جاتا ہے۔ ج ۱۲ صہ ۲۶۸

○ حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ بادشاہ تبع جب عراق سے حجاز کی طرف آیا تو اس کے ہمراہ علماء اور اولاد انبیاء کی ایک جماعت تھی پھر اس نے مکہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا تو اسے آنکھوں کی تکلیف لاحق ہوئی۔ پس علماء و اولاد انبیاء کو بلا کر ان کے سامنے اپنی تکلیف کا ذکر کیا تو انہوں نے پوچھا کیا تو نے کوئی نئی بات سوچی ہے؟ تو جواب دیا کہ ہاں میں نے مکہ پر حملہ کر کے اہل مکہ کے قتل کرنے اور کعبہ مسمار کرنے کا ارادہ کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس تکلیف کی موجب یہی چیز ہے کیونکہ یہ شہر حرمت والا شہر ہے اور وہ مقدس گھر بیت اللہ ہے اور وہ لوگ اولاد ابراہیم ہیں چنانچہ ان کے مشورہ سے اس نے وہ ارادہ بدل دیا اور تکلیف رفع ہو گئی اور جن لوگوں نے وہ غلط مشورہ دیا تھا ان سب کو قتل کر دیا پس مکہ میں داخل ہوا اور کعبہ پر غلاف چڑھایا اور ایک مہینہ تک لنگر جاری کیا پھر مدینہ میں آیا اور قبیلہ غسان کے بنی نزاد لوگوں کو وہاں ٹھہرایا اور انہی کی اولاد انصار کہلاتی ہے اور ابن عباس سے مروی ہے کہ تبع مسلمان بادشاہ تھا۔ ج ۱۴ صہ ۱۳ و صہ ۱۱۴

تہجد : نماز تہجد کی فضیلت۔ ج ۴ صہ ۳۲، ج ۵ صہ ۵، ج ۱۱ صہ ۱۴۹، ج ۱۲ صہ ۱۰، و ج ۱۳ صہ ۱۵۴۔ باقیات و صالحات کی ایک تعبیر نماز تہجد بھی ہے۔ ج ۹ صہ ۱۰۱

○ قم اللیل پ ۲۹۔ مزمل ج ۱۴ صہ ۱۲۶ و صہ ۱۲۷ و صہ ۱۵۴

تختِ سلیمان - ج ۱۱ صہ ۲۲۱، صہ ۲۳۷ و ج ۱۲ صہ ۹۳

تکلّف : تکلف کرنے والا ظاہراً ریاکار اور درحقیقت منافق ہوا کرتا ہے۔ ج ۱۲ صہ ۱۰۹

تشبّہ : خدا نے چار قسم کے آدمیوں پر لعنت کی ہے جو مرد اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بناتا ہے اور جو عورت اپنے آپ کو مردوں کے مشابہ بناتی ہے اور تیسرا وہ جو کنوارا رہنا پسند کرے اور چوتھا مسخری کرنے والا ج ۱۱ صہ ۱۲۴

تحقیق : علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کی تحقیق ۔ دربارۂ تقویم ج۱۰ ص۱۴۷
- قبیلہ وحیؔ کے معانی و مفاہیم میں تحقیقی جائزہ ۔ ج۱۰ ص۲۲۴
- جدید تحقیقات سے استفادہ ۔ ج۸ ص۱۰۴
- قبلہ کے متعلق جدید تحقیق ۔ ج۲ ص۵۴
- تحقیق کرنے والے قابل مدح ہیں ۔ ج۱۲ ص۱۱۷

تبلیغ : طریقۂ تبلیغ ۔ ج۸ ص۲۵ ، ص۲۵۱ ، ج۱۱ ص۲۴۶ ، ج۱۲ ص۱۲۴
- حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ تبلیغ ۔ ج۹ ص۱۵۲ ۔ حضرت لوطؑ کی تبلیغ ج۱۱ ص۷
- تبلیغ قابلِ قبول اور احسن انداز سے ہونی چاہیے ۔ ج۱۰ ص۸۶
- حضرت نوحؑ کا زمانہ تبلیغ ۹۵۰ برس تھا ۔ ج۱۱ ص۷
- شاہ روم نے علیؑ و معاویہ ہر دو سے نمائندے طلب کئے ۔ علیؑ نے حسنؑ کو اور معاویہ نے یزید کو بھیجا ۔ وہاں یزید ناکام ہوا اور شاہ روم نے حضرت علیؑ کے حق میں فیصلہ دے دیا ۔ ج۱۴ ص۲۰۴

تفویض : مسئلہ تفویض، مقدمہ تفسیر ص۲۵۶ ج۱۲ ص۲۶۸

تصویر کشی ۔ ج۱۱ ص۲۳۱ ۔ شاہ روم کے پاس تصاویر انبیاء تھیں ۔ ج۱۴ ص۲۰۴

تدبیر ۔ انسانی اعضاء میں تدبیر پروردگار ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۸۱ ۔ ج۱۴ ص۱۵۷
- تدبیر امر اللہ کرتا ہے ۔ ج۷ ص۱۲۲ و ص۱۹۳ و ج۸ ص۱۰۲ و ص۱۶۷ ۔ ج۹ ص۲۵ و ص۲۲۲ ، ج۱۰ ص۶۲
- اللہ اپنے علم کے ماتحت بندوں کی تدبیر کرتا ہے کسی کو امیر کسی کو غریب کرنا اسی کی تدبیر ہے ۔ ج۱۲ ص۲۱۲
- کسی کو بیٹے اور کسی کو بیٹیاں اسی کی تدبیر ہے ۔ ج۱۲ ص۲۱۸
- حضرت پیغمبرؐ کی بارگاہ میں قریش کا وفد اور تدبیر پروردگار پر گفتگو ۔ ج۱۲ ص۲۳۱ تا ص۲۳۴

توکّل : توکّل کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے ۔ ج۴ ص۴۵
- اللہ پر توکّل کرنا اہل جنت کی نشانی ہے ۔ ج۱۲ ص۲۱۴

تیمّم کا بیان ۔ ج۴ ص۱۷۰ پر مفصل موجود ہے ۔
- وضو میں جن اعضاء کو دھونے کا حکم تیمم میں ان کے مسح کا حکم ہے ۔ ج۵ ص۶۵

تحریف : شیعہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل نہیں ہیں ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۱۴
- قرآن کے الفاظ میں تغیر و تبدل نہیں البتہ قرآن کے معانی میں ردّ و بدل کیا گیا ۔ ج۹ ص۴۹
- تحریف قرآن کا ذکر ج۱۱ ص۱۵۵ پر دیکھئے ۔

تقلید - تقلید ضروری ہے لیکن تقلید اعلم کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ مقدمہ تفسیر صـ۱۵۵ ج ۶ صـ۱۵۵ ج صـ۲۱۴

○ قرآن اور مسئلہ تقلید۔ مقدمہ تفسیر صـ۲۰۷ ج صـ۱۲۸۔ مسئلہ اجتہاد و تقلید ج صـ۱۳۹

تحلیہ و تخلیہ : یعنی انسان کو انسانیت کے بلند مقام پر فائز ہونے کے لئے پہلے عادات رذیلہ سے بچنا ضروری ہے تاکہ اس کے بعد حسنِ کردار اس کے مقام کو نمایاں کر دے جس طرح کسی انسان کو عمدہ لباس پہنانا فائدہ مند نہیں جبتک کہ جسم کو آلائشات بدنیہ سے پاک و صاف نہ کرے پس عادات خبیثہ سے بچنا مقام تخلیہ ہے اور صفات حسنہ سے آراستگی مقام تحلیہ ہے۔

○ برائیوں کو چھوڑنا اور نیکیوں کو اپنانا۔ ج۲ صـ۲۱۹ و ج صـ۲۳۸

○ آل محمدؐ کے حق میں نازل ہونے والی آیت تطہیر میں پہلے اذہاب رجس یعنی تخلیہ کا ذکر ہے اور اس کے بعد تطہیر تحلیہ کی نشاندہی ہے۔ ج۱۱ صـ۱۹۱۔ اور کلمہ شہادت میں پہلے لَا اِلٰہَ تخلیہ کا مقام ہے اور پھر اِلَّا اللّٰہ تحلیہ کی منزل ہے۔

تبرّی و تولّی - یہ بھی تخلیہ اور تحلیہ کی دو تعبیریں ہیں۔ دشمنان آل محمدؐ سے نفرت تبرّی ہے اور آل محمدؐ سے محبت تولّی ہے۔ ج۱ صـ۲۹ تبرّی کی وضاحت ج صـ۶۔ پس مقام تخلیہ سے مقام تحلیہ اہم ہے جیسا کہ ج صـ۷ پر ایک لطیفہ اسی امر کو ظاہر کرتا ہے اور اچھی تبلیغ یہی ہے کہ پہلے برائیوں سے نفرت دلائی جائے پھر نیکیوں کا امر کیا جائے۔ ج صـ۱۸۶

○ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دعوت میں جہاں پہلے باطل خداؤں کے نقائص بیان کئے وہاں بعد میں اللہ کے اوصاف بیان کئے تاکہ باطل سے نفرت اور حق سے محبت پیدا ہو اور تخلیہ کے ساتھ تحلیہ کا حسن واضح ہو جائے۔ ج صـ۲۰۱

○ بُرے قرین سے تبرّا ج۱ صـ۱۷۴

تطہیر - آیت تطہیر کی تفسیر و تشریح۔ ج۱۱ صـ۱۸۸

الثاء

ثمود۔ قوم ثمود کی طرف حضرت صالح مبعوث ہوئے۔ ج۶ ص۴۷ ج۱۲ ص۱۶۲

○ قوم ثمود کا مسکن وادیٔ قریٰ تھا۔ ج۱۱ ص۴۷، ج۶ ص۲۲۲، ج۱۳ ص۱۷۱

حدیث ثقلین۔ مقدمہ تفسیر ص۶۵ و ص۶۳ و ص۸۵ و ص۱۴۲۔ ثقلین سے امت کا سلوک ص۱۴۵۔ ج۲ ص۴۱ ج۲ ص۵۳، ج۳ ص۲۷ و ص۱۹۷۔ ج۴ ص۲۵ و ص۲۹۔ ج۵ ص۶۵ و ص۷۱ و ص۸۱ و ص۱۲۳ و ص۱۴۴، ج۷ ص۷۶ ج۸ ص۱۱ و ص۱۱۲ و ص۲۱۱۔ ج۱۱ ص۱۹۳ و ج۱۲ ص۲۳۰ ج۱۳ ص۱۸۴

ثالث ثلٰثہ۔ پ۶ مائدہ۔ عیسائی عقیدہ کی تردید جو کہتے تھے کہ خدا تین میں سے تیسرا ہے۔ ج۵ ص۱۴۸

ثنویہ فرقہ۔ یہ لوگ نور و ظلمت کو مدبر خلق مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک نیکیوں کے خالق کا نام یزدان اور برائیوں کے خالق کا نام اہرمن ہے اور اس کی دوسری تعبیر نور و ظلمت ہے۔ یعنی نور خالق خیر اور ظلمت خالق شر ہے جلد۵ ص۱۸۵ و ص۲۴۴ و جلد۷ ص۴۲۔ ثنویہ فرقہ کو دعوت توحید ج۸ ص۲۱۵

ثانی اثنین۔ حضرت پیغمبرؐ اور یار غار ج۸ ص۵۱

ثواب: قرأت قرآن کا ثواب۔ مقدمہ تفسیر ص۴۰ و ص۴۱۔ روزوں کا ثواب جلد۱ ص۲۲۰ تا ص۲۲۵

○ روزہ افطار کرنے کا ثواب ج۲ ص۲۳۳۔ عورت کے لئے بچہ پالنے کا ثواب ج۲ ص۲۳۶

○ ثواب شہدا ج۳ ص۸۲۔ روزۂ غدیر کا ثواب ج۵ ص۳۷

○ ثعلبہ نامی شخص کا واقعہ جو پیغمبرؐ کی دعا سے مالدار ہو گیا لیکن زکوٰۃ مال کا انکاری ہو کر اسلامی تعلیمات سے منحرف ہو گیا (یہ واقعہ مالدار لوگوں کے لئے باعث عبرت ہے) جلد۷ ص۹۵

ثقیف قوم کے جد اعلیٰ کا نام ابو رغال تھا جو حضرت صالحؑ کی قوم سے تھا اور بوقت عذاب یہ شخص حرم خدا میں تھا جب حرم سے نکلا تو گرفتار عذاب ہوا۔ ج۶ ص۵۳

اَلجیم

جہاد ۔ (جذب و دفع) کا فلسفہ ج۳ ص۱۲۷ ۔ ماں کی خدمت جہاد ہے ج۲ ص۱۳۱ ۔ جہاد نفس افضل جہاد ہے ۔ ج۴ ص۵۰ و ص۵۷ ج۶ ص۲۷ ۔

○ جہاد کی مصلحت ج۳ ص۳۹ و ص۱۳۴ ۔ جہاد واجب کفائی ہے یعنی اگر سب مسلمان ترک کر دیں تو سب گنہگار ہوں گے لیکن اگر کچھ آدمی مصروف جہاد ہو جائیں جو دشمن کے مقابلہ میں کافی ہوں تو باقیوں سے ساقط ہے ج۳ ص۱۳ و ص۱۴

○ دشمنانِ خدا سے جہاد کے وجوب کی علت ۔ ج۵ ص۲۱ ۔ حضرت علیؑ کے نزدیک جہاد سے فرار کرنا کفر ہے ۔ ج۵ ص۵۳ ج۱۳ ص۱۵۸ ۔

○ جہاد کا حکم ۔ ج۷ ص۳۹ و ص۹۶ و ص۱۴۱ ج۱۳ ص۴۲ ۔ قوموں کی ترقی کا راز مجاہدانہ زندگی میں مضمر ہے ۔ ج۷ ص۴۹ و ص۶۴ ۔

○ ثواب جہاد ۔ ج۴ ص۸۳

○ جنگ در ماہ حرام ۔ حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا حرام ہے ۔ ج۲ ص۳۴ ۔ ج۷ ص۴۵ ۔ جنگِ پاکستان ج۱۱ ص۱۵۴

جُوا ۔ جوئے سے حاصل ہونے والا مال حرام ہے ۔ ج۲ ص۲۴ ج۳ ص۴۹ ۔ جوئے کی حرمت ۔ ج۹ ص۱۶۳

○ قوم لوطؑ پر عذاب کی وجوہات میں سے ایک وجہ ان کی جوا بازی تھی ۔ ج۱۱ ص۸۱

○ وہ گناہ جو بے عزتی و بے حرمتی کے موجب ہیں ان میں سے جوا بازی بھی ہے ۔ ج۱۱ ص۱۲۰

جادو ۔ جادو کے دفع ہونے کا عمل ج۶ ص۱۴۰

جَفر ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ الواح موسیٰ میں علم جفر تھا وہ ایک پہاڑ میں دفن تھیں چنانچہ زمانِ پیغمبرؐ میں ایک یمنی قافلہ ان کو نکال کر حضورؐ کے پاس لایا ۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی قلم سے لکھنے کا حکم دیا اور امام نے فرمایا وہ جفر اب بھی ہمارے پاس موجود ہے ۔ ج۶ ص۹۴ ۔

○ علم جفر ایک وسیع علم ہے سب سے پہلے جفر کے لکھنے کا طریقہ معلوم ہونا ضروری ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ۔ (۱) جفر جامع (۲) جفر کبیر اور دونو کا طریقہ الگ الگ ہے ۔

○ **شرائط کتابت** :۔ (۱) طہارت اربعہ یعنی ظاہر و باطن دل اور زبان کو پاک رکھنا ضروری ہے ۔ (۲) جس مکان میں جفر لکھی جائے سفید پاکیزہ سرکشودہ ۔ برلب آب رواں ہو ۔

(۳) تنہائی میں لکھے کھانا کم حلال وطیب غذا ہو۔
(۴) نیند کم ذکر زیادہ لکھتے وقت متفکر نہ ہو باطمینان ہو۔
(۵) چار حروف آپس میں متصل نہ ہوں خصوصاً پہلے دو حرف اور اضلاع سے بھی ملحق نہ ہوں۔
(۶) حروف کی آنکھیں کھلی ہوں۔
(۷) کوئی حرف کھر چا نہ جائے اصلاح و غلط نہ ہو نقطے درست ہوں۔
(۸) کاغذ بے سوراخ و بے داغ ہو۔
(۹) کتابت سعد ایام و سعد ساعات میں ہو۔
(۱۰) قمر حضیض و عقرب و نحوست میں نہ ہو۔
(۱۱) بخورات پاکیزہ ہوں۔
(۱۲) لوگوں سے میل جول کم اور دنیاوی مشاغل سے آزاد ہو لہو ولغو سے پرہیز ضروری ہے۔
(۱۳) تمام خانہ جات مربع قائم الزوایا اور متساوی الاضلاع ہوں۔
(۱۴) ایک ہزار دن میں کتابت مکمل ہوگی بروز ہفتہ اور کسوف وخسوف میں نہ لکھی جائے گی۔
(۱۵) مکان عورتوں کی گذر سے پاک ہو۔
(۱۶) مکان پاکیزہ بدن ولباس پاک بستر پاک تقویٰ و صدق لازم
(۱۷) بوقت کتابت کتے اور گدھے کی آواز کان میں نہ آئے۔
(۱۸) کاغذ روشنائی خوراک پاک اور حلال ہو۔

فوائد جفر

اگر باشرائط لکھی جائے۔

- جس گھر میں ہوگی وہ گھر آفات وبلیات سے محفوظ ہوگا۔
- لکھنے والے کو غائب چیزوں کا علم ہوگا
- مرگ مفاجات سے اللہ محفوظ رکھے گا۔
- اہل خانہ کی بد دعائیں اور بری خصلتیں نیکی سے بدل جائیں گی۔
- اس گھر میں چور ڈاکو نہ گھس سکیں گے۔ ورنہ ذلیل ہوں گے۔
- صاحب کتابت کی دعا مستجاب ہوگی اور لوگوں کی نظروں میں محترم ومکرم ہوگا۔

- جس گھر میں ہو وہ برکتوں کے نزول کا مرکز ہوگا۔
- سفر میں ساتھ ہو تو سفر پرامن ہوگا۔
- ترتیب ابجدی سے یا ترتیب ہجائی سے لکھی جاسکتی ہے۔
- اس کے اسماء یہ ہیں: تکسیر اعظم، اسم کبیر، جفر جامع، عقل فعال، لوح محفوظ اور مصحف قمری۔
- یہ کل اٹھائیس ۲۸ اجزا ہوں گے جن کو اقالیم کہا جاتا ہے (اقالیم ۲۸) ہر اقلیم (ہر جزو) کے ۲۸ صفحات ہونگے جن کو شہر کہا جاتا ہے (کل صفحات ۷۸۴)۔ ہر شہر یعنی ہر صفحہ پر ۲۸ سطریں ہوں گی جن کو محلہ کہا جاتا ہے (کل سطریں (محلے) ۲۱۹۵۲)۔ ہر محلہ یعنی ہر سطر میں ۲۸ خانہ جات ہوں گے جن کو بیت کہا جاتا ہے۔ کل خانے (۶۱۴۶۵۶) اور ہر خانہ میں چار حرف ہوں گے جنہیں ساکنین کہا جاتا ہے۔ ۲۴۵۸۶۲۴۔
- جفر جامع کی کتابت میں پہلے خانہ پھر محلہ پھر شہر اور آخر میں اقلیم درج ہوتا ہے

	خانہ ۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	
سطر اوّل (محلہ)	اااا	ب ااا	ج ااا	د ااا	ھ ااا	و ااا	ز ااا	ح ااا	ط ااا	تاغین
سطر ۲	اب اا	بب اا	جب اا	دب اا	ھب اا	وب اا	زب اا	حب اا	طب اا	〃
سطر ۳	اج اا	بج اا	جج اا	دج اا	ھج اا	وج اا	زج اا	حج اا	طج اا	〃
سطر ۴	اد اا	بد اا	جو اا	دو اا	ھد اا	ود اا	زد اا	حد اا	طد اا	〃
سطر ۵	اھ اا	بھ اا	جھ اا	دھ اا	ھھ اا	وھ اا	زھ اا	حھ اا	طھ اا	〃

اقلیم اوّل کا شہر دوم

- یعنی پہلا حرف خانے کا دوسرا حرف محلہ کا تیسرا حرف شہر کا اور چوتھا حرف اقلیم کا ہے

اقلیم اول، صفحہ دوم											
اول سطر	اا ب ا	ب ا ب ا	ج ا ب ا	د ا ب ا	ھ ا ب ا	و ا ب ا	ز ا ب ا	ح ا ب ا	ط ا ب ا	ی ا ب ا	ک ا ب ا
دوم سطر	ا ب ب ا	ب ب ب ا	ج ب ب ا	د ب ب ا	ھ ب ب ا	و ب ب ا	ز ب ب ا	ح ب ب ا	ط ب ب ا	ی ب ب ا	ک ب ب ا
سوم سطر	ا ج ب ا	ب ج ب ا	ج ج ب ا	د ج ب ا	ھ ج ب ا	و ج ب ا	ز ج ب ا	ح ج ب ا	ط ج ب ا	ی ج ب ا	ک ج ب ا

اسی طرح ۲۸ صفحات پُر ہوں گے۔

اور بعد دوسری جزو (اقلیم شروع ہوگی) تو چوتھا حرف ب ہوگا۔

جزو ۲ (یعنی اقلیم ۲)

صفحہ سطر ۱	ااا ب	ب اا ب	ج اا ب	د اا ب	ھ اا ب	و اا ب	ز اا ب	ح اا ب	ط اا ب	ی اا ب	ک اا ب	ل اا ب	م اا ب	ن اا ب
صفحہ سطر ۲	ا ب ب	ب ا ب ب	ج ا ب ب	د ا ب ب	ھ ا ب ب	و ا ب ب	ز ا ب ب	ح ا ب ب	ط ا ب ب	ی ا ب ب	ک ا ب ب	ل ا ب ب	م ا ب ب	ن ا ب ب

اور جفر کبیر میں اس کے برعکس پہلے اقلیم پھر شہر پھر محلہ پھر آخر میں خانہ لکھا جاتا ہے۔

جفر کبیر کے لکھنے کا طریقہ

○ اگر ۲۸ حروف کی تکسیر نہ کر سکے تو حروف نورانیہ مقطعات، جو چودہ ہیں ان

۱۱۱۱	۱۱۱ب	۱۱۱ج	۱۱۱د	۱۱۱ھ	۱۱۱و	۱۱۱ز	۱۱۱ح	۱۱۱ط
۱۱ب۱	۱۱ب ب	۱۱ب ج	۱۱ب د	۱۱ب ھ	۱۱ب و	۱۱ب ز	۱۱ب ح	۱۱ب ط

کی تکسیر کرے بہت فوائد اس میں موجود ہیں خصوصاً وسعتِ رزق و عزت نفس وہ یہ ہیں۔

ا ل م ص ر ک ھ ی ع ط س ح ق ن

۱۱۱۱	۱۱۱ل	۱۱۱م	۱۱۱ص	۱۱۱ر	۱۱۱ک	۱۱۱ھ	۱۱۱ی	۱۱۱ع	۱۱۱ط	۱۱۱س	۱۱۱ح	۱۱۱ق	۱۱۱ن
۱۱ل ا	۱۱ل ل	۱۱ل م	۱۱ل ص	۱۱ل ر	۱۱ل ک	۱۱ل ھ	۱۱ل ی	۱۱ل ع	۱۱ل ط	۱۱ل س	۱۱ل ح	۱۱ل ق	۱۱ل ن

○ جفر جامع کے طریق پر پُر کرے۔ ○ ہر رات چودہ صفحات پُر کرے۔

○ اور چودہ راتیں اسی طرح پُر کرے۔

○ قمر زائد النور میں پُر کرے۔

○ اور چودہ مہینے عمل کو مسلسل کرے۔ ترقیٔ درجات۔ بلندی عزت و اقبال اور وسعت رزق کے لئے۔

جنگِ بدر: جنگِ بدر کی طرف اشارہ۔ ج۳ ص۲۰۳، ج۱ ص۴۳ و ص۴۵ ج۵ ص۱۱۸ جنگ بدر کی تفصیل ج۶ ص۱۵۵ تا ص۱۸۶ جنگ بدر میں ملائکہ کی آمد۔ ج۶ ص۲۴۳۔ جنگ بدر ج۷ ص۲۵۳ ج۱۱ ص۱۰۳ و ص۱۵۱ ج۱۴ ص۶

○ حضرت پیغمبرؐ سے دشمنی کے نتیجے میں کفار مکہ جنگ بدر کے عذاب میں گرفتار ہوئے ج۹ ص۲۶ ج۱۰ ص۱۲۲ ج۱۲ ص۲۳۸

جنگِ تبوک: غزوہ تبوک کے موقعہ پر منافقین کا رویہ ج۹ ص۹۲ و ص۹۴ اور ج۱۱ ص۱۵۹۔ غزوہ تبوک سے واپسی کے موقعہ پر بعض منافقین نے حضرت پیغمبرؐ کے قتل کا ارادہ کیا تھا جبکہ حضورؐ پہاڑی راستہ عبور کر رہے تھے اور حذیفہ کے ہاتھ میں سواری کی مہار تھی ان منافقوں نے اپنے چہروں پر نقاب ڈالے ہوئے تھے جن کو پہچانا نہ جا سکا لیکن حضورؐ نے حذیفہ کو ان بارہ آدمیوں کے نام بتا دیئے تھے شاید اسی بناء پر حضرت عمر حذیفہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا ان ناموں میں سے حضورؐ نے میرا نام تو نہیں لیا تھا جیسا کہ میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے بھی ذکر کیا ہے۔ خدا جانے حضرت عمر کو اپنے اوپر شک کیوں تھا؟

○ غزوہ تبوک کا تفصیلی جائزہ ج۹ ص۱۰۳ تا ص۱۱۱ میں ملاحظہ فرمائیے۔ توبہ کرنے والوں کا ذکر ص۱۲۶ پر موجود ہے۔

جنگ خندق۔ حی بن اخطب یہودی کی ریشہ دوانیاں ہی جنگ خندق کا موجب ہوئی۔ ج۲ ص۱۵۲ ج۵ ص۱۵۳ پر بھی موجود ہے۔ جنگ خندق سے پہلے ماہ رمضان میں رات کو سو چکنے کے بعد کھانا حرام ہو جاتا تھا چنانچہ مطعم بن جبیر دن کا تھکا ماندہ جب گھر پہنچا تو بیوی کے کھانا لے آنے سے پہلے اس کو نیند آگئی جب بیدار

ہوا تو اس نے کہا کیونکہ میں سوچ چکا ہوں لہٰذا اب کھانا میرے اوپر حرام ہے پس دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیا اور خندق کی کھدائی میں شامل ہوگیا چنانچہ اسی دوران میں وہ بے ہوش ہوگیا اور بعض دیگر صحابہ بھی تکلیف زدہ ہوئے۔ تب پہلا حکم منسوخ ہوا اور رات بھر تا طلوع صبح کھانے کی اجازت ہوگئی ج۲ ص۲۳

○ جنگ خندق میں کھدائی کے حصص مقرر ہوئے تو حضرت سلمانؓ کو پیغمبرؐ نے اپنے ساتھ ملا کر فرمایا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ ج۲ ص۲۱۱

○ جب دوران جنگ میں خندق کو پار کرکے عمرو بن عبدود نے مسلمانوں کو للکارا تو کسی میں اس کے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ تھی چنانچہ حضرت عمر نے ایک گزرا واقعہ یاد دلا کر لوگوں کے حوصلے پست کر دیئے انہوں نے بیان کیا ایک دفعہ سفر شام میں یہ شخص ہمارا رفیق سفر تھا اور ڈاکوؤں کے ایک ہزار پر مشتمل بھاری اور مسلح گروہ نے ہم پر حملہ کر دیا تو اس شخص نے ہاتھ میں تلوار لی اور ایک پنجسالہ اونٹ کو ایک ہاتھ میں بطور ڈھال اٹھا کر ڈاکوؤں کے مسلح گروہ پر حملہ کر دیا پس وہ ڈر کے مارے قافلہ والوں کا سب لوٹا ہوا مال واسباب چھوڑ کر بھاگ گئے پس صحابہ میں بزدلی کی لہر دوڑ گئی اور حضرت علیؑ نے باذن پیغمبرؐ میدان جہاد میں قدم رکھا اور عمرو بن عبدود کو داخل جہنم کرکے ایمان کل کا خطاب پایا۔ ج۵ ص۸۹۔ نقلاً از معارج النبوۃ جنگ خندق کے موقعہ پر سورج واپس پلٹا تھا۔ ج۵ ص۸۶

○ جنگ خندق کی طرف اشارہ۔ ج۲ ص۲۵، ج۳ ص۱۱۔ جنگ خندق کی تفصیل ج۱۲ ص۱۶۳ تا ص۱۸۱

○ جنگ خندق میں بعض صحابہ کی پہلو تہی۔ ج۱۳ ص۱۰۰

جنگ خیبر۔ حضورؐ نے فرمایا آج علم اس کو دونگا جو خدا و رسول کا محبوب اور محب ہوگا اور کرار و غیر فرار ہوگا ذیل آیت يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ پ۶ مائدہ ج۵ ص۱۲ اور ص۱۲۵ پر بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے نیز ج۵ ص۱۱ اور ج۶ ص۱۶ پر بھی مذکور ہے۔

○ حضرت جعفر طیارؓ حبشہ کے کامیاب دورہ کے بعد خیبر میں حاضر بارگاہ پیغمبرؐ ہوئے تو حضورؐ بہت خوش ہوئے۔ ج۵ ص۱۶۰ اور حضرت جعفر طیار کو ایک نماز تعلیم فرمائی جس کو زندگی بھر میں ایک دفعہ پڑھنے والے کے بھی تمام گناہوں کی بخشش کی ضمانت دی گئی ہے۔ نماز مذکور کا طریقہ ہم نے اپنی کتاب انوار شرعیہ میں ذکر کیا ہے۔ جنگ خیبر کی تفصیل ج۱۲ ص۷۷ تا ص۸۲ ملاحظہ فرمائیں اور سورہ فتح میں مبین سے مراد جنگ خیبر کی فتح ہے جس کا سہرا حضرت علی علیہ السلام کے سر پر ہے۔ ج۱۳ ص۵

جنگ جمل۔ حضرت علیؑ کی حکومت کو ناکام بنانے کے لئے جنگ جمل چھیڑ دیا گیا۔ ج۵ ص۲۷

○ حضرت علیؑ سے جنگ جمل کرنے والوں کو ناکثین کہا جاتا ہے۔ ج۵ ص۱۲ ج۶ ص۲۰، ج۶ ص۲۴ و ج۱۴ ص۱۱۹

○ جنگ جمل کی فتح کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا رویہ۔ ج۱۳ صہ۹۹

○ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جنگ جمل کی فتح کے بعد اہل بصرہ کو اہل موتفکہ سے تعبیر فرمایا۔ ج۱۳ صہ۱۶۲ و ج۱۴ صہ۹۳

جنگ صفین۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک باریک قمیص پہن کر مصروف جہاد تھے تو حضرت محمد حنفیہ کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اے فرزند! تیرے باپ کو پرواہ نہیں کہ موت پر داخل ہو یا موت اس کی طرف آجائے۔ ج۱۴ صہ۱۲۴۔ حضورؐ نے عمارؓ سے فرمایا تھا کہ تجھے باغی جماعت قتل کرے گی اور تاکید فرمائی کہ حق کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ ج۵ صہ۸۲۔ جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ لڑنے والوں کو قاسطین کہا جاتا ہے۔ ج۵ صہ۱۲، ج۷ صہ۲۱ و صہ۲۲ و ج۱۴ صہ۱۱۹۔ فیصلہ تحکیم بعد جنگ صفین ج۷ صہ۹۴

○ جنگ صفین سے واپسی پر حضرت علیؑ کے لئے غروب کے بعد سورج واپس پلٹا آپ نے نماز ظہر و عصر پڑھی۔ ج۶ صہ۵

جنگ نہروان۔ فیصلہ تحکیم کے بعد خوارج کے گروہ نے حضرت علیؑ سے لڑائی کی اور اسی جنگ کو جنگِ نہروان کہا جاتا ہے۔ ج۱۴ صہ۱۱۹۔

○ اور اس جنگ میں حضرت علیؑ کے مخالفین کو مارقین کہتے ہیں۔ ج۵ صہ۱۲ ناکثین قاسطین مارقین ج۷ صہ۲۱

خلاصۃ القول۔ یوں تو حضرت علیؑ کی پوری زندگی مرقع جہاد ہے لیکن اگر نظر تحقیق سے جائزہ لیا جائے تو یقین ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ نے اعلائے کلمہ حق کے لئے تین محاذوں پر جہاد فرمایا۔ (۱) محاذِ توحید چنانچہ جنگِ بدر اور جنگ احد، جنگ خندق و حنین وغیرہ مشرکین کے ساتھ لڑی گئیں اور کلمہ توحید ہی بنیاد اختلاف تھا۔ پس ان جنگوں میں فاتحانہ انداز سے حضرت علیؑ نے پرچم توحید کو بلند فرمایا (۲) محاذِ رسالت۔ یہ جنگِ خیبر ہے جہاں مدمقابل مشرک نہیں بلکہ یہود تھے جو کلمہ توحید کا اقرار کرنے کے بعد حضرت پیغمبرؐ کی نبوت و رسالت کے منکر تھے پس حضرت علیؑ نے اس جنگ میں نمایاں فتح حاصل کر کے پرچم کفر کو سرنگوں کر کے پرچم رسالت کو بلند فرمایا۔ (۳) محاذِ ولایت۔ یہ جنگ جمل جنگ صفین اور جنگِ نہروان کی تین جنگیں ہیں۔ جن میں حضرت علیؑ کے مدمقابل نہ تو کلمہ توحید کے منکر تھے اور نہ کلمہ رسالت کا انکار کرتے تھے صرف مقام ولایت کے منکر اور خلافتِ علیؑ کے دشمن تھے پس آپ نے ان جنگوں میں فاتحانہ کردار ادا فرمایا۔ گویا حضرت علی علیہ السلام پوری زندگی میں تین محاذوں پر لڑے چنانچہ محاذ توحید پر شرک کو شکست دیکر لا الہ الا اللہ کی لاج رکھی اور محاذ رسالت پر کفر کو زیر کر کے محمد رسول اللہ کا کلمہ پڑھوایا اور محاذ ولایت پر منافقین سے نبرد آزما ہو کر کلمہ ولایت سے لوگوں کو روشناس

کرایا۔ اس طرح سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ مکمل ہوا۔
حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ جس طرح میں تنزیل قرآن کے ماتحت جنگ کرتا ہوں حضرت علیؑ تاویل قرآن کے مطابق جنگ کرے گا وہ جمل صفین اور نہروان کی تین جنگیں ہیں جو مرتد لوگوں کے ساتھ حضرت علیؑ نے لڑیں۔ ج ۵ صـ ۱۲۱ ۔ زیر آیت عـ ۲۶ سورہ مائدہ ۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اس آیت کا مصداق میں ہوں۔

معکوس ذہنیت کے مصائب

- یہ دور جو آجکل کے منچلے لوگوں کی خود ساختہ و خود پرداختہ اصطلاح کے مطابق روشنی کا دور ہے سائنسی دور ہے اور انسان کے لئے ارتقائی دور ہے کس قدر مقام تعجب ہے کہ اپنے افکار و انظار کو اغیار کی کاسہ لیسی کی بدولت ان کی چاہ کے سانچے میں ڈھالنے کی ہر ممکن کوشش کو عمل میں لانے کے باوجود روشن خیالی اور بلند دماغی کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے ان مسلمانوں کے لئے اسے ارتقائی دور کہنا کس طرح زیبا ہے جن کا اپنے ذہن و دماغ کا صرف دیوالیہ ہی نہیں بلکہ جنازہ نکل چکا ہے۔ اپنے سونے سے اغیار کے پیتل کو بنظر استحسان دیکھنے والے۔ اپنے حسن عمل کو دوسروں کی بداعمالیوں پر قربان کرنے والے اپنے حیا کو اغیار کی بے حیائی کی بھینٹ چڑھانے والے اپنی شرافت کو مغرب کی بے حیائی پر نچھاور کرنے والے بلکہ اپنی ہر اچھی و نیک ادا سے اغیار کے افسوسناک و المناک و خطرناک کردار کو ترجیح دینے والے مسلمانوں سے انسان کیونکر توقع رکھ سکتا ہے کہ ان کی نگاہوں میں حق و صداقت کی بھی کچھ وقعت ہے یا یہ کہ باطل و جھوٹ اور مکر و فریب بھی قابل اجتناب چیزیں ہیں۔ جبکہ حق و صداقت کی طرفداری ہی رجعت پسندی کے خطاب کی پیش خیمہ ہو۔
- پورا معاشرہ ذہنی انحطاط کی اس منزل پر پہنچ چکا ہے کہ حق کو حق کہنے والا جھینپتا ہے اور اگر کہہ گزرے تو اس کے بھیانک انجام سے خوفزدہ رہتا ہے اور ایسے شخص کی طرف استعجاب میں ڈوب کر عوامی نظریں اٹھتی ہیں اور کافی دیر تک اس کا تعاقب کرتی ہیں جس کے نتیجہ میں بالآخر حق کو حق کہنے اور اپنی حق گوئی کو اپنی ناقابل عفو غلطی تصور کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔
- دوسری طرف مکر و فریب اور کذب و باطل کے اوڑھنے بچھونے میں بسر کرنے والا ننگ انسانیت فرد حق و صداقت سے ٹکرانا اپنی جوانمردی اور بلند ہمتی تصور کرتا ہے اور جب ٹکرانے لگتا ہے تو پورے معاشرہ کو اپنی داد تحسین بلکہ امداد و تائید پر آمادہ کرتا ہے اور ایسے شخص کو عوامی جذبات خیرسگالی کے پیغامات

سے نوازتے ہیں ہر سو حسن ہوتے ہیں۔

- مقامِ حیرت ہے کہ ترقی پذیر اذہان اہلِ مغرب کی ٹیڑھی راہوں پر چلتے ہوئے تو مُلا کی تنقید کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کرتے لیکن جب حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب واضح آشکار طور پر پر سامنے آئیں تو مُلا کی باتوں پر کان دھرتے ہوئے حق و انصاف کا ساتھ دینے سے گریز کرتے ہیں اس سے بڑھ کر ذہنی انحطاط اور کیا ہو سکتا ہے۔

جنگِ احد : ج۴ ص۳۶ پر جنگ احد کا ذکر ہے اور جنگ اُحد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ستر تھی جن میں صرف چار مہاجر تھے باقی سب انصاری تھے ان کی مکمل فہرست ج۴ کے ص۴۲ پر درج ہے۔

- جنگِ احد سے واپس چلے جانے کے بعد کفار نے راستہ ہی میں ایک منصوبہ تیار کر لیا کہ واپس جا کر مدینہ میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا جائے تاکہ آئندہ کے لئے مسلمانوں کو کفار کے خلاف جنگ لڑنے کی جرأت نہ ہو سکے ادھر مسلمانوں کو حکم ہوا کہ تم ان کا تعاقب کرو تاکہ وہ اِدھر منہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ ج۴ ص۵۵
- جنگ اُحد کے بعد ابلیس کی پالیسی سے قتل پیغمبرؐ کی افواہ عام ہوئی تو بعض مسلمان ارتداد کی طرف مائل ہونے لگے پس ان کی سرزنش میں قرآن نازل ہوا۔ ص۵۸۔ صحابہ میں جنگ کے عزائم ج۴ ص۱
- جناب فاطمہؑ زہرا روتی پیٹتی ہوئی میدان احد کی طرف روانہ ہوئیں۔ ص۶۰

توحید بنتِ رسولؐ ۔ اس روایت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ شہید کے غم میں رونا پیٹنا جائز ہے بلکہ اولادِ پیغمبرؐ کی سُنت ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت پیغمبرؐ کی دختر صرف ایک تھی ورنہ اگر کوئی اور بیٹی ہوتی تو قتل پیغمبرؐ کی افواہ عام ہونے کے بعد وہ بھی ضرور میدان احد کی طرف نکل کھڑی ہوتی۔ اور تاریخ اس کا نام لینے سے قطعاً بخل نہ کرتی اور عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ سب سے کم سن بچی یعنی جناب فاطمہؑ تو تین میل کا فاصلہ طے کر کے اپنے والد کی خبر گیری کے لئے تشریف لے جائیں اور بڑی بیٹیاں باپ کے قتل ہونے کی خبر سننے کے باوجود ٹس سے مس تک نہ ہوں پس معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب کی حقیقی لڑکی صرف ایک ہی تھی جس کا نام فاطمہؑ زہرا ہے باقی پالتو لڑکیاں تھیں کیونکہ اگر حقیقی بیٹیاں ہوتیں تو ان کے خون میں بھی کشش اور تڑپ ضرور ہوتی۔

- جنگِ احد میں حضرت علیؑ کا کردار ج۴ ص۶۲۔ صحابہ کا فرار ص۶۴۔ حضرت علیؑ سے جب پیغمبرؐ نے پوچھا یا علیؑ آپ کیوں نہیں بھاگے تو علیؑ نے جواب دیا کیا یہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کروں؟ ص۶۵
- حضرت عمر کا قول ہے کہ میں بھاگ کر پہاڑی بکرے کی طرح پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔ ص۶۷

جنگِ حنین : ج۷ ص۳۲ تا ص۳۶۔ ج۱۳ ص۸۵

جنگِ ذات السلاسل ۔ ج ۱ صـ۱۱ پر اشارہ موجود ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ وادیٔ یابس کے کفار نے اسلام کے خلاف باہمی عہد کیا جن کے جنگی جوانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی پس جبریلؑ نے آپ کو خبر دی تو آپ نے حضرت ابوبکر کو چار ہزار فوجی جوان دے کر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا۔ جب اسلامی لشکر وادی یابس کے قریب پہنچے تو وہاں کا کافر سردار اپنے دو سو فوجی آفیسران کے ہمراہ اسلامی فوج سے مذاکرات کرنے کے لئے نکلا۔ جب انہوں نے اسلام کی دعوت دی اور اسلام قبول نہ کرنے پر جنگ کی دھمکی دی تو کافر سردار نے تند و تلخ لہجے میں دعوتِ اسلام کو ٹھکراتے ہوئے قبضہ تلوار پہ ہاتھ رکھا اور اعلانِ جنگ کے ساتھ اپنی بارہ ہزار فوج کو میدان کارزار میں اترنے کا آرڈر دے دیا۔ اس کے نتیجہ میں حضرت ابوبکر نے اپنی فوج کو میدان چھوڑنے اور واپس مدینہ جانے کا حکم صادر فرمادیا اور خیریت سے مدینہ پہنچ گئے اس کے بعد حضورؐ نے اپنی فوج حضرت عمر کو دے کر وادی مذکور کے کفار کی سرکوبی کے لئے دوبارہ بھیج دی لیکن حسب سابق ان کے بھی قدم نہ جم سکے اور ناکام واپس آئے پس تیسری مرتبہ شیر بیشہ شجاعت حضرت اسداللہ الغالب کرار غیر فرار علی علیہ السلام کو انہی سابق مجاہدین کی لڑاکا فوج کی کمان دے کر اذن جہاد عطا فرمایا جب آپ وہاں پہنچے تو کافر فوج کے کمان افسر نے حسب سابق دعوتِ اسلام کو ٹھکراتے ہوئے اپنے رعب کا سکہ بٹھانے کی کوشش کی لیکن ادھر شیر خدا نے للکار کر اس کو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی دھمکی دے کر اپنی فوج ظفر فوج کو میدانِ جنگ میں کود پڑنے کے لئے تیاری کا حکم دے دیا چنانچہ انہوں نے رات کی گھڑیاں گن گن کر گزاریں اور صبح سویرے نماز ادا کرنے کے بعد آمادہ جنگ ہو گئے مقابلہ ہوا فوج کفار کے سپاہی تاب نہ لا سکے پس مجاہدین اسلام نے کفار کو تہ تیغ کر کے وادی یابس میں اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔ جبریلؑ نے فتح کی خوشخبری حضرت پیغمبرؐ کو سنائی تو آپؐ بنفسِ نفیس مدینہ سے تین میل تک علیؑ کے استقبال کے لئے تشریف لائے تو علیؑ کو گلے لگا لیا چنانچہ سورہ والعادیات حضرت علیؑ کی فتح کی خوشخبری کے طور پر نازل ہوا۔ ج ۱۴ صـ۲۵۴

جبریلؑ و میکائیلؑ ۔ بعض علماء کے نزدیک روح القدس سے مراد جبریلؑ ہے۔ ج ۲ صـ۱۳۹

○ یہودی لوگ جبریلؑ کو دشمن سمجھتے تھے اور میکائیلؑ کو اپنا دوست سمجھتے تھے۔ ج ۲ صـ۱۴۷

○ حضرت پیغمبرؐ نے غدیر کے دن خطبہ کے بعد حضرت علیؑ کی ولایت کا صحابہ سے عہد لیا تو حضرت جبرئیلؑ ایک خوبصورت جوان کی شکل میں ظاہر ہوئے اور کہنے لگے آج پیغمبرؐ نے ایسا عہد و پیمان لیا ہے جس کو سوائے کافر کے کوئی بھی توڑنے کی کوشش نہ کرے گا حضرت عمر نے یہ بات رسالتمآبؐ کے سامنے دہرائی تو حضورؐ نے فرمایا یہ کلمات کہنے والا جبرئیل تھا خبردار اس گرہ کو کھولنے کی کوشش نہ کرنا۔ ج ۵ صـ۳۵

- روایت میں ہے جب حضرت قائم آل محمدؑ کا ظہور ہوگا تو تین سو تیرہ اصحاب کے علاوہ جبرئیل دائیں طرف اور میکائیل بائیں جانب اور پانچ ہزار ملائکہ بھی ان کے ہمراہ ہوں گے۔ ج ۹ ص ۱۹۶
- حضرت موسیٰ کی قوم جب دریا میں داخل ہوئی تو پیچھے فرعون کا لشکر تعاقب میں تھا پس جبرئیل بشکل انسان ایک گھوڑی پر سوار ہو کر آگے بڑھا تب فرعون کا گھوڑا اس کے پیچھے دریا میں داخل ہوا۔ ج ص ۱۸۱
- نار نمرودی میں حضرت جبرئیلؑ نے جنت سے قمیص لاکر حضرت خلیل کو پہنائی تھی اور وہی قمیص حضرت یعقوب نے حضرت یوسفؑ کے گلے میں بطور تعویذ باندھی تھی۔ ج ص ۱۶ اور منقول ہے کہ یہی قمیص حضرت یوسفؑ نے بشیر کو دی تھی جس کی خوشبو حضرت یعقوبؑ تک پہنچی تھی اور اسی قمیص کو آنکھوں پر لگایا تو بینائی درست ہوگئی۔ جبرئیل کی تیز رفتاری۔ ج ص ۱۶ ج ۹ ص ۲۳۵
- جبرئیل کو ذی قوت کہا گیا ہے کہ اس نے ایک پر سے پوری ایک قوم کو زمین سمیت اکھیڑ کر الٹا دیا تھا ج ۱۴ ص ۱۸۳
- شب معراج ایک مقام جبرئیل نے کہا اگر اس سے آگے بڑھتا ہوں تو جلتا ہوں۔ ج ص ۲۲ ج ص ۲۶۶ ج ۱۳ ص ۱۵۳

جبر و اختیار ۔ ج ۲ ص ۵۴ تا ص ۶۴ ان مسائل پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ہر وہ فعل جس پر بندے کو ملامت اور سرزنش کی جا سکے وہ انسان کا اختیاری فعل ہے اور ہر وہ فعل جس پر بندے کو سرزنش اور ملامت نہ کی جا سکے وہ اللہ کا فعل ہے مثلاً انسان کو سرزنش کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تو نے زنا کیوں کیا تو نے نماز کیوں نہیں پڑھی وغیرہ یہ اس کے اختیاری فعل ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تو بیمار کیوں ہوا تو سفید یا سیاہ کیوں ہے؟ پس معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے افعال ہیں۔ ص ۵۵

- عقیدہ جبر کی تردید ج ۲ ص ۴۴ و ص ۵۰ ج ۵ ص ۲۵۲ ج ص ۱۰۳ ج ۱ ص ۶۱
- جبر و تفویض پر جلد ۱۴ میں ص ۱۴۳ تا ص ۱۵۰ پر کافی بحث کی گئی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ نہ انسان اپنے افعال میں مجبور ہے اور نہ اپنی پسند و ناپسند میں مختار کل ہے کہ جو چاہے کرتا پھرے بلکہ درمیانی راستہ درست ہے اسی بناء پر معصوم نے فرمایا۔ لاجبر ولا تفویض بل امر بین الامرین۔ اللہ نے انسان کو خیر و شر کے دونوں راستے دکھا دیئے اور اپنے اختیار سے اس کو نیکی کرنے کا حکم دیا پس وہ مجبور کسی کو نہیں کرتا۔ ج ۱۴ ص ۱۴۶ و ص ۱۵۴ و ص ۱۸۴

جُرم ۔ جرم اور ذنب میں فرق یہ ہے کہ جرم وہ گناہ ہے جو قابل بخشش نہ ہو اور ذنب وہ گناہ ہے جو قابل بخشش ہو اس لئے انبیاء و آئمہ شفیع المذنبین ہیں شفیع المجرمین نہیں ہیں۔ ج ۱ ص ۲۰۳

جمع قرآن ۔ مقدمہ تفسیر ص ۱۳ و ص ۱۴۱ جمع قرآن پر مفصل بحث موجود ہے۔

جمعہ ۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ نماز جمعہ میں حاضر ہونے والے لوگوں کی تین قسمیں ہیں ایک قسم ایسے لوگوں کی ہے جو نماز جمعہ کے لئے پیش نماز سے پہلے آتے ہیں اور سکون و اطمینان سے انتظار کرتے ہیں ایسے لوگوں کا جمعہ میں آنا اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہے اور تین دنوں کا ثواب زائد بھی ہے اور دوسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جو پہلے آتے ہیں اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت گزارتے ہیں پس اُن کا نصیب وہی گپیں ہیں اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو عین خطبہ کے وقت پہنچے اور نماز جمعہ ادا کر کے چلے گئے ان کی دعائیں اگر خدا چاہے تو منظور کر لے ۔ ج ۵ ص ۲۷

○ جمعہ و عیدین میں غسل کرنا اور سفید لباس پہننا مستحب ہے اور جمعہ و عید کے دن زینت کا لباس پہن کر جانا مستحب ہے۔ ج ۶ ص ۲۴ ۔ بروز جمعہ خوشبو لگانا مستحب ہے ۔ ص ۲۵ اور روایت میں ہے کہ زمین و آسمان کی تخلیق بروز جمعہ مکمل ہوئی ۔ ص ۳۹

○ حضرت یعقوب کے بیٹوں نے اپنے باپ سے دعائے مغفرت مانگی تھی تو حضرت یعقوب نے ان سے شب جمعہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ پس آپ نے دعا مانگی جو مقبول ہوئی اور خدا نے ان کو معاف کر دیا ج ۸ ص ۸۲

○ حضرت موسیٰ جب اپنی بیوی صفورا بنت شعیبؑ کو اپنے ہمراہ لے کر واپس جا رہے تھے اور رات کے وقت کوہ طور کے پاس سے گزرے جہاں آگ کی روشنی دیکھی تو کرشمۂ قدرت دیکھا اور سلسلہ کلام پروردگار شروع ہوا یہ جمعہ کی رات تھی ۔ ج ۹ ص ۱۰۳ ۔

○ ملائکہ آسمان چہارم ہر جمعہ علیؑ اور شیعیانِ علیؑ کی محبت کا عہد تازہ کرتے ہیں ۔ ج ۵ ص ۲۶۱

○ ایک دفعہ بروز جمعہ دحیہ کلبی شام سے سامان تجارت لایا تو اس نے شہر سے باہر دف بجانا شروع کیا پس لوگ خطبہ پیغمبرؐ چھوڑ کر بھاگ گئے اور صرف چند مخصوص بچ گئے۔ جن کی خدا نے مدح فرمائی ۔ ج ۱ ص ۱۴۴ و ج ۱۴ ص ۲۸

○ شب جمعہ اور روز جمعہ کی عبادت کا ثواب باقی ایام سے زیادہ ہوتا ہے ۔ ج ۱۱ ص ۱۵ ۔

○ فضائل جمعہ ج ۱۴ ص ۲۱ تا ص ۲۳

○ سورہ جمعہ کے فضائل ج ۱۴ ص ۱۳ ۔ نماز جمعہ ص ۲۳

جھوٹ ۔ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہے ۔ ج ۲ ص ۴۶ ۔ خدا و رسول و آئمہ پر عمداً جھوٹ بولنا روزہ کو باطل کرتا ہے ص ۲۲۶ ۔ جھوٹ منافقت کی نشانی ہے ۔ ج ۳ ص ۲۶۳

○ آیت مباہلہ کی تفسیر اور سچوں اور جھوٹوں کے درمیان فرق ج ۳ ص ۲۴۳ ۔ جھوٹ کی حرمت ج ۵ ص ۲۶۶

- ایک شخص نے حضرت پیغمبرؐ سے اپنے گناہوں کا شکوہ کیا تو آپؐ نے فرمایا جھوٹ بولنا چھوڑ دو چنانچہ جب گھر واپس آیا تو گناہ کا ارادہ کیا۔ پھر سوچا کہ پیغمبرؐ کے پاس جاؤں گا تو کیا جواب دونگا جبکہ ترک جھوٹ کا وعدہ کر آیا ہوں پس اس گناہ کو چھوڑ دیا اور رفتہ رفتہ اس سے تمام گناہ چھوٹ گئے۔ ج۶ ص۱۳۷
- مومن کے علائم میں سے ہے کہ جھوٹ نہ بولے۔ ج۶ ص۱۶۶۔ اصلاح کی خاطر جھوٹ بولنا جائز ہے۔ ج ص۶۵
- چنانچہ مثل مشہور ہے ، دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز ، یعنی وہ جھوٹ جس میں مصلحت ہو اس سچائی سے بہتر ہے جو فتنہ فساد کی بنیاد ہو۔ اسی بناء پہ مذہب شیعہ میں تقیہ جائز ہے اور روایت میں ہے کہ جھوٹی قسم کھانے اور جھوٹ بولنے سے زندگی کم ہوتی ہے اور موت قریب ہوتی ہے۔ ج۱۱ ص۱۰
- خدا و رسول و آئمہ پہ جھوٹ باندھنے کی سزا ج۱۲ ص۱۳۱ پیغمبرؐ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے منافق تھے ج۵ ص۱۰۹

جنابت

جنابت اور غسل جنابت کا بیان۔ ج۵ ص۶۷ تا ص۷۰

- جنبی آدمی کے لئے قرآن مجید کی سات آیات سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے اور آیات سجدہ کا پڑھنا حرام ہے۔
مقدمہ تفسیر ص۴۳

جوان

ہونے کے علامات ج۹ ص۲۹۔

جن

نصیبین کے نو جن قرآن سننے آئے ج۱۳ ص۲۳۔ جنوں کی شرارت ج۱۲ ص۹۲

- قوم جن کی طرف بھیجا جانے والا نبی یوسف تھا۔ ج۵ ص۲۵۴۔ مشرکوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنالیا۔ ج۵ ص۲۴۴۔ ج۵ ص۴۷
- مقام نصیبین کے نو جن آئے تھے جنہوں نے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی پھر اکہتر ہزار جنوں نے بیعت کی تھی ج۱۲ ص۳۹
- قوم جن کی پیدائش نار سموم سے مارج اور اس کی بیوی مارجہ پیدا ہوئے ان سے جان پیدا ہوا اور اس سے جن پیدا ہوا اور ابلیس اسی کی اولاد سے ہے اس کی بیوی لہباد بنت روحا اس میاں بیوی کا جوڑا بلیقس لڑکا اور طونہ لڑکی تھے پھر فقطس لڑکا اور فقطسہ لڑکی اور پھر اولاد بڑھ گئی اور بنی آدم کے ایک کے مقابلہ میں اس کے سات بچے پیدا ہوتے تھے۔ ج ص۲۱ و ص۲۰۰
- قوم جن ج۱۱ ص۱۱۴۔ سورۂ جن کو پڑھنے سے جن بھاگ جاتے ہیں۔ ج۱۴ ص۱۱۴
- تسخیر جنات کے لئے سورہ جن روزانہ پڑھے یا اس کے عدد نقش مثلث طبعی پُر کرے۔ اس کے اعداد ۶۰۶۳۲ ہیں۔ پُر کرنے کا طریقہ سامنے درج ہے۔

۶	۱	۸
۷	۵	۳
۲	۹	۴

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ابو حنیفہ سے گفتگو مقدمہ تفسیر صہ تا صہ۔ امام صادقؑ کا سوال کہ اللہ تعالیٰ کو کیوں استعمال کیا ہے ۔ ج ۱ صہ ۱۸۵

- آپ کا ابو حنیفہ کو خچر کے بدلہ میں لاشی یعنی سراب پیش کرنا ۔ ج ۱ صہ ۱۴۷
- امام جعفر صادق علیہ السلام کے قیمتی عمدہ لباس پہ سفیان ثوری نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ اُوپر کا قیمتی لباس لوگوں کے لئے بطور وضعداری کے ہے اور اندر اس کے کھردرا لباس خوشنودی خدا کے لئے ہے لیکن تو نے اپنے جسم کی آسائش کے لئے اندر قیمتی لباس پہنا ہوا ہے اور اوپر لوگوں کے دکھاوے کے لئے کھردرا لباس پہنا ہوا ہے ۔ ج ۶ صہ ۲۷

جعفر طیارؓ ۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۲۱ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت جعفر طیارؓ اور ان کے چالیس ساتھیوں کے حق میں اتری ہے جو حبشہ کی طرف ہجرت کرکے گئے تھے ج ۲ صہ ۱۶۳

- حضرت جعفر طیارؓ کی حبشہ کی طرف ہجرت کا مفصل قصہ ۔ ج ۵ صہ ۱۵۵ تا صہ ۱۵۸
- حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کی ولادت اسماء بنت عمیس کے شکم سے حبشہ میں ہی ہوئی تھی صہ ۱۶۰
- حضرت ابو طالبؑ اپنے فرزند جعفر طیارؓ اور علیؑ کو حضرت پیغمبرؐ کی نصرت کی تلقین فرمایا کرتے تھے ۔ صہ ۲۰۲
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروز محشر جب حضرت نوحؑ سے تبلیغ نبوت کے گواہ مانگے جائیں گے تو حضرت جعفر طیارؓ اور حمزہؓ ان کی گواہی دیں گے راوی نے پوچھا کہ علیؑ اس وقت کہاں ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ علیؑ کا مرتبہ اس سے بلند تر ہے ۔ ج ۱۴ صہ ۸

جوتا ۔ حضرت امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ جو شخص زرد رنگ کا جوتا پہنے گا تو جبتک وہ جوتا اس کے پاؤں میں رہے گا ۔ اسے خوشی نصیب ہوگی نیز مال اور علم اس کو نصیب ہوگا ۔ ج ۲ صہ ۱۲۳

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادیٔ مقدس میں جوتا اتارنے کا حکم ہوا تھا یا تو اس لئے تاکہ آپ کے پاؤں وادیٔ مقدس سے مس ہوں یا اس لئے کہ اس سے تواضع مقصود تھی اور اس کی تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں بیوی کی فکر تھی پس ارشاد ہوا کہ اس فکر کو دل سے نکال دو گویا جوتا اتارنا دل کو فکر سے آزاد کرنے کا کنایہ ہے ۔ ج ۹ صہ ۱۷۴

جہنّم ۔ جہنم کے سات طبقے ہیں ۔ جحیم ۔ لظی ۔ سقر ۔ حطمہ ۔ ہاویہ ۔ سعیر جہنم ج صہ ۱۸۲

جو لاسے ۔ حضرت مریمؑ کے ہاں جب حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تو حکم ہوا کھجور کو حرکت دیجئے تاکہ وہ تازہ پھل گرائے اور منقول ہے کہ نوزائیدہ بچے کی ماں اگر تازہ کھجور کھائے تو بچہ حلیم ہوگا ۔ نیز نفاس کے ایام میں کھجور تازہ کا

کھانا دکھ درد کا علاج ہے۔ بہرکیف اس دن ایک میلہ تھا اور حضرت مریمؑ کو میلہ پر جاتے ہوئے چند جولاہے راستہ میں ملے جو خچروں پر سوار تھے۔ آپ نے ان سے کھجور تک جانے کا راستہ پوچھا تو انہوں نے غیر مہذب انداز میں جواب دیا جس پر جناب مریمؑ کو غصہ آیا اور ان پر بد دعا کی کہ خدا تمہارے پیشہ کو ذلیل کرے اس کے بعد تاجروں کا گروہ سامنے آیا جنہوں نے جناب مریم کی عزت و تکریم کی۔ پس آپ نے ان کے حق میں دعا خیر دی کہ خدا تمہارے پیشہ میں برکت دے۔ ج ص ۱۴۵

چ

چاند۔ لوگوں نے حضورؐ سے چاند کی کمی یا زیادتی کے متعلق سوال کیا تو جواب ملا کہ اللہ نے اس کو تمہارے اوقات کے تعین کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ج ۲ ص ۴۔ رات کو عبادت کرنے والے کے حق میں ہے کہ بروز محشر اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگا۔ ج ۴ ص ۳۳

- حضرت ابراہیمؑ نے چاند پرستوں کے اعتقاد کو باطل کرنے کے لئے یہ طریقہ استعمال کیا کہ پہلے فرمایا یہ میرا رب ہے پھر جب چاند ڈوبا تو فرمایا میں ڈوبنے والوں کو خدا ہرگز تسلیم نہیں کرتا۔ لوگوں کو سمجھانے کا یہ بہت عمدہ طریقہ تھا۔ ج ۵ ص ۲۴۳۔ چاند بارہ برجوں کو ۲۸ دنوں میں طے کرتا ہے۔ ج ۵ ص ۲۴۲
- چاند کی گردش کے متعلق علامہ مفتی جعفر حسین صاحب قدس سرہ کا جامع بیان۔ ج ۷ ص ۱۴۷ تا ص ۱۵۱
- چاند و سورج کی تسخیر ج ۸ ص ۱۰۰ ج ۹ ص ۲۲۳۔ چاند کی فتح کے خواب۔ ج ۱ ص ۲۳۹ و ص ۲۴۹
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا چاند کی سطح پر کلمہ توحید کلمہ نبوت اور علی کا امیر المومنین ہونا تحریر ہے اور یہی وہ سیاہی ہے جو ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ ج ۹ ص ۱۰۔ چاند گہن لگے تو نماز آیات واجب ہوتی ہے۔ ج ۹ ص ۴۸
- پہلی رات کا چاند ج ۱۱ ص ۲۲ آپؐ نے فرمایا اگر سورج میرے دائیں ہاتھ پر اور چاند بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تب بھی تبلیغ کو جاری رکھوں گا۔ ج ۱۲ ص ۷۵۔
- چاند کو نور اور سورج کو سراج کہا گیا۔ ج ۱۴ ص ۱۰۹۔ چاند کی قسم کھائی۔ ص ۱۲۵ و ص ۲۲۶
- سورج سے مراد حضرت پیغمبرؐ اور چاند سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ ج ۱۴ ص ۲۲۶
- سورۃ القمر کے فضائل۔ ج ۱۳ ص ۱۶۴۔ معجزہ شق القمر یعنی چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔ ج ۱۳ ص ۱۶۵

چادر۔ چادر کو زمین پر گھسیٹ کر چلنے والا۔ حضورؐ نے فرمایا تین قسم کے لوگ رحمت خداوندی سے محروم ہوں گے

(۱) احسان کر کے جتانے والا (۲) جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا (۳) چادر گھسیٹ کر چلنے والا۔

چار نہریں۔ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ شب معراج میں ایک جنت کے گنبد نما مکان میں داخل ہوا دیکھا تو ایک ستون پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تحریر تھا۔ ایک پانی کی نہر بسم اللہ کی میم سے دودھ کی نہر لفظ اللہ کے حلقہ ھاء سے شہد کی نہر رحمٰن کے حلقۂ میم سے شراب کی نہر رحیم کے حلقۂ میم سے جاری تھی اور اوپر لکھا ہوا تھا کہ جو شخص دنیا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے گا۔ اس کو یہ چار نہریں عطا کروں گا۔ ج۱ ص۹۱ ج۳ ص۴۴۔ چار نہریں۔ ج۱۳ ص۱۵۲ و ج۶ ص۷۹

چار فرشتے۔ مروی ہے نفخ صور کے وقت انبیاء و آئمہ کے علاوہ چار فرشتوں پر بھی گھبراہٹ طاری نہ ہوگی اور وہ چار یہ ہیں۔ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل ج۱ ص۲۶۶ اور دوسری روایت میں ہے کہ ان چار فرشتوں پر بھی گھبراہٹ طاری ہوگی۔ ج۲ ص۱۳۵ پر مفصل بیان موجود ہے۔

- جبرئیلؑ کے متعلق حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اس کے چھ سو پر ہیں اور ہر ایک سے یاقوت و موتی جھڑتے ہیں
- اسرافیل کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ جبرائیل نے ایک دفعہ پرواز کی تو اسرافیل کے ناک سے ہونٹ تک کا فاصلہ اس نے تین سو برس میں طے کیا (اور جبریل کی تیز پروازی باب الجیم میں مذکور ہو چکی ہے)
- میکائیل کو اللہ نے اسرافیل کے پانچسو برس بعد پیدا فرمایا اور اس کی آنسو سے ٹپکنے والے قطرات سے جو ملائکہ پیدا ہوتے ہیں ان کو کروبین کہا جاتا ہے۔
- جبرئیل کو اللہ نے میکائیل کے پانچسو برس بعد پیدا فرمایا اور اس کے پروں سے گرنے والے قطرات سے جو فرشتے پیدا ہوتے ہیں ان کو روحانیین کہا جاتا ہے اور ملک الموت صورت و شکل میں اسرافیل کے مشابہ ہے۔ مفصل روایت ج۳ ص۱۵۵ و ص۱۵۶ پر مذکور ہے۔
- حاملین عرش چار فرشتے ہیں۔ ایک انسانوں کی شکل کا ہے جو انسانوں کے لئے رزق طلب کرتا ہے۔ دوسرا مرغ کی شکل کا ہے جو پرندوں کے لئے طالب رزق ہے تیسرا شیر کی شکل کا ہے تو درندوں کے لئے رزق مانگتا ہے اور چوتھا بیل کی شکل کا ہے جو باقی چوپایوں کے لئے رزق طلب کرتا ہے۔ ج۱۴ ص۹۴
- مدبرات چار فرشتے ہیں (۱) جبرائیل جو ہواؤں پر موکل ہے (۲) میکائیل سبزیوں پر موکل ہے اور بارشیں بھی برساتا ہے۔ (۳) ملک الموت عزرائیل جو قبض ارواح پر موکل ہے۔ (۴) اسرافیل جو نفخ صور کرے گا اور ایک سال سے دوسرے سال تک کے امور آسمان سے زمین پر لاتا ہے۔ ج۱۴ ص۹۴
- چار نبی بادشاہ گزرے ہیں۔ (۱) ذوالقرنین (۲) داؤد (۳) سلیمانؑ (۴) حضرت یوسفؑ ج۱ ص۱۳۰
- چار شخصوں کے لئے سورج پلٹا (۱) یوشع بن نون (۲) حضرت سلیمانؑ (۳) حضرت سید الانبیاء (۴) حضرت علیؑ۔ ج۵ ص۸۶

چار یار: ترمذی و مشکوٰۃ سے منقول ہے کہ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے چار افراد سے محبت کا حکم دیا۔ اور یہ کہ وہ خود بھی ان سے محبت کرتا ہے لوگوں نے ان کے نام دریافت کئے تو آپؐ نے فرمایا ایک ان میں سے علیؑ ہے باقی تین ابوذر، مقداد اور سلمان ہیں۔ ج۵ ص۲

چار عورتیں۔ روایت میں ہے کہ پوری کائنات میں چار عورتیں محدثہ تھیں (۱) سارہ (۲) مادر موسیٰ (۳) حضرت مریم (۴) حضرت فاطمہؑ (یعنی ان سے ملائکہ کلام کرتے تھے۔ ج۱ ص۴۲

○ احادیث بکثرت وارد ہیں کہ خدا نے عالمین میں سے چار عورتوں کو منتخب فرمایا۔ مریم بنت عمران۔ خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ اور آسیہ زوجۂ فرعون ج۳ ص۲۲۹، ص۲۲ ج۱۴ ص۷

چوتھا خلیفہ۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص مجھے چوتھا خلیفہ نہ مانے اس پر اللہ کی لعنت ہے تو اس کی تشریح میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نص قرآن کی رو سے علیؑ چوتھا خلیفہ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان ہے اور وہ پہلا خلیفہ ہے اس کے بعد قرآن میں داؤد کی خلافت کا اعلان ہے اور وہ دوسرا خلیفہ ہے پھر حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰ کا خلیفہ تھا اور وہ تیسرا ہے ان کے بعد حضرت علیؑ حضرت محمدؐ کا خلیفہ ہے پس وہ چوتھا خلیفہ ہے۔ ج۲ ص۸۴

○ چار بادشاہ جنہوں نے روئے زمین پر حکومت کی (۱) سلیمان (۲) ذوالقرنین یہ دو مسلمان تھے۔ (۳) نمرود (۴) بخت نصر یہ دونوں کافر تھے۔ ج۳ ص۱۴۴ ج۹ ص۱۳۱۔ چار نبی جو عیسیٰؑ اور خاتم الانبیاء کے درمیان گذرے یونس یحییٰ شمعون خالد ج۵ ص۸۴

چادر والی حدیث (حدیث بساط) برہان بروایت ابن شہر آشوب۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے چادر بچھائی اور اس کے چاروں گوشوں پر ابوبکر عمر ابوذر اور سلمان کو بٹھایا اور علی کو سب کے درمیان بیٹھنے کا حکم دیا پھر سب کو علیؑ کے سلام کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب نے تعمیل کی پھر علی سے فرمایا کہ سورج سے بات کرو پس علیؑ نے سورج کو سلام کہا تو سورج نے جواب میں کہا وعلیک السلام یا ولی اللہ پیغمبرؐ کی دعا سے چادر نے ہوا میں پرواز کیا اور اصحاب کہف کے پاس جا کر اتارا سب نے اصحاب کہف کو یکے بعد دیگرے سلام کہا لیکن کسی کو جواب نہ ملا پس علی نے سلام دیا تو سب نے جواب دیا۔ علیک السلام یا وصی محمدؐ اور انہوں نے سلام کے جواب میں کہا کہ ہم نبی یا وصی نبی کو ہی سلام کرنا جانتے ہیں۔ پس پھر اسی چادر پر بیٹھے اور راستہ میں اتر کر ایک جگہ وضو کیا پھر چادر پر بیٹھے اور عین اسی وقت مسجد نبوی میں جا اترے جبکہ حضورؐ صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں تھے۔ ج۹ ص۸۳

○ چادر تطہیر کے متعلق احادیث۔ ج۱۱ ص۱۹۳ تا ص۱۹۶

چہاردہ معصومینؑ ۔ مروی ہے کہ ملائکہ کے سامنے چہاردہ معصومین علیہم السلام کے انوار پیش کئے گئے تھے اور حکم ہوا کہ تم ان کے نام بتاؤ تو ملائکہ تفصیل وار بتانے سے عاجز آگئے تھے ۔ ج ۲ ص ۷۹

○ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ حضرت موسیٰ جادوگروں کی رسیوں کے سانپ دیکھ کر گھبرا گئے تھے لیکن حضرت ابراہیمؑ نارِ نمرودی سے نہ گھبرائے اس کی کیا وجہ ہے ؟ تو آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم کی صلب میں حضرات محمدؐ و آل محمدؐ (چہاردہ معصومین) کے انوار تھے اس لئے وہ نہ گھبرائے ج ۹ ص ۲۳۷ ۔

○ آیت نور کی تاویل چہاردہ معصومین علیہم السلام سے کی گئی ہے ۔ ج ۱ ص ۱۴۳

○ حضرت ابراہیمؑ نے ملکوت سما کی سیر کی اور چہاردہ معصومینؑ کے انوار دیکھے ۔ ج ۵ ص ۲۲۳

چور ۔ آیۃ الکرسی کو لکھ کر کھیت میں دفن کرنے سے وہ کھیت چوری سے محفوظ ہوگا ۔ اگر آیۃ الکرسی کو لکھ کر گھر میں رکھا جائے تو گھر چوری سے محفوظ رہتا ہے ۔ ج ۳ ص ۱۳۶

○ چور کو ڈھونڈنے کا طریقہ ۔ ج ۷ ص ۱۴۳ ۔

○ روٹی کے لقمہ پر سورہ بیّنہ لکھ کر کھلایا جائے تو چور کے حلق میں لقمہ اٹک جائے گا ۔ ج ۱۴ ص ۲۴۷ اور اگر چور کا نام لے کر یہ سورہ انگوٹھی پر پڑھا جائے انگوٹھی حرکت کرے گی ۔ ص ۲۴۷

○ سورہ شعراء کی تلاوت کرنے والے کے گھر چور داخل نہیں ہوگا ۔ ج ۱ ص ۱۸۹

○ سورہ مریم کو گھر کی دیوار پر لکھے تو وہ گھر چوری سے محفوظ ہوگا ۔ ج ۹ ص ۱۳۵ ۔ ج ۶ ص ۵

○ چور کی سزا پر مفصل بحث ۔ ج ۵ ص ۹۹ تا ص ۱۰۵ ۔ سورہ فتح کو لکھ کر اپنے پاس رکھنا چور سے حفاظت کی ضامن ہے ۔ ج ۱۳ ص ۵۶

○ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا مومن ہوتے ہوئے انسان چوری نہیں کر سکتا ۔ ج ۶ ص ۱۶۹

○ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرف چوری کی نسبت ۔ ج ۸ ص ۶۴ و ص ۶۶ ۔ دشمن علیؑ خطرناک چور ہیں ۔ ج ۵ ص ۱۲۲

○ معتصم عباسی کے زمانہ ایک چور گرفتار ہوا اور اس کی سزا کے متعلق فقہائے امت میں اختلاف تھا کہ ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے پس امام محمد تقی علیہ السلام نے دلائل سے ثابت کیا کہ ہاتھ کی چار انگلیاں کاٹ دی جائیں چنانچہ امام کے فرمان کے مطابق چور کو سزا دی گئی ۔ مقدمہ تفسیر ص ۶۶ و ص ۶۷ ، ج ۱۴ ص ۱۲۰

○ سفر میں سورہ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ کی تلاوت کرنے والا چور ڈاکو سے محفوظ رہے گا ۔ ج ۱۴ ص ۱۶۱ و ص ۲۴۷

○ سفر میں چور یا درندہ کا خطرہ ہو تو نماز خوف پڑھی جاتی ہے ۔ ج ۳ ص ۹۱ ۔

چور پکڑنا ۔ فعصیٰ فرعون الرّسول فاخذناہ اخذا وبیلا جو کی روٹی کے چند ٹکڑوں پر لکھ کر مشکوک

آدمیوں کو کھلائے جو چور ہوگا اس کے حلق میں ٹکڑا پھنس جائے گا۔ صـ ۳۴۱ کنوز

۲۔ **گمشدہ یا گریختہ کو حاصل کرنا**۔ مثلث پُر کرکے اس کی پشت پر گم شدہ یا گریختہ کا نام لکھیں اور یہ آیت لکھیں۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ پس تعویذ کو بھاری پتھر کے نیچے دبا دیں گم شدہ یا گریختہ واپس آئے گا۔ (مجرب)

۳۔ **نابالغ بچے** کے ہاتھ پر روشنائی اور روغن لگا کر یہ عزیمت پڑھے پھر جو یا ماش کے دانے بچے کو مارے ۷ یا ۹ دانے مارنے کے بعد چور کی شکل آئے گی۔ پس اس کو پہچان لے یا نام و ولدیت و پورا پتہ اس سے پوچھ کر لکھ دے۔ عزیمت یہ ہے۔ عزمتُ علیکم فتحون فتحون فتحون جثتک جثتک جثتک شفیعًا شفیعًا شفیعًا عطیشًا عطیشًا عطیشًا سرذرًا سرذرًا سرذرًا قدذرًا قدذرًا قدذرًا سهلًا سهلًا سهلًا نهلًا نهلًا نهلًا احضروا من جانب المشرق والمغرب بحق سلیمن ابن داود علیہما السلام

۴۔ نقش کو پتھر کے نیچے رکھیں۔ گریختہ واپس آئے گا۔

بستم راہ مغرب فلان بن فلان

د	بدوح	ب
بدوح	بدوح	بدوح
ح و	بدوح	ح و

بستم راہ جنوب فلاں بن فلاں

۱۱۱۱ ۱۱۱۱ ۱۱۱۱ کہیعص ۱۱ ۱۸ الم

بستم راہ شمال فلاں بن فلاں

چور پکڑنے کا ایک تعویذ۔ چوری کا مال یا گریختہ کو واپس بلانے کے لئے۔

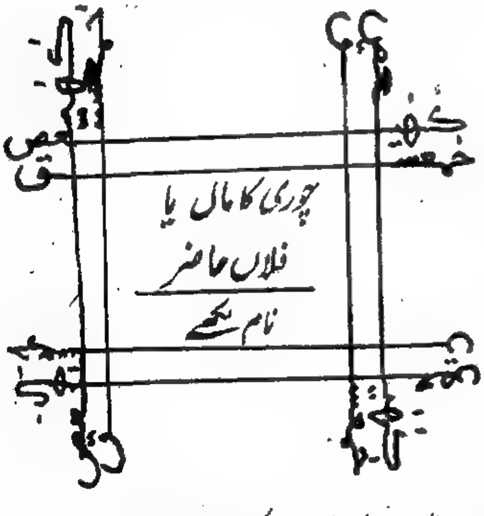

○ یہ نقش کاغذ پر لکھ کر درمیان میں چوری کا مال لکھے یا غائب یا گمشدہ کا نام لکھے اور درمیان میں کیل یا میخ چبھو کر زمین میں گاڑ دے انشاء اللہ مال یا غائب واپس آئے گا۔

چور پکڑنے کا عمل۔ سورہ یونس کو طشت میں لکھ کر نیچے مشکوک لوگوں کے نام لکھے پس دھو کر اسی پانی سے آٹا خمیر کرکے روٹی پکائے اور مشکوک لوگوں کو کھانے کے لئے دے تو لقمہ چور کے حلق میں پھنس جائیگا۔ ج صـ ۱۴۳

○ یا مستنکیتا سرہانے کے نیچے لکھ کر رکھے اور سو جائے چوری معلوم ہو جائے گی۔

چور ڈھونڈنے کا طریقہ ۔ قرآن مجید کی سورۂ کہف آیت ۔ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۔ ایک سطر میں ہو ایک میخ لیں کہ اس کا پچھلا حصہ آیت پر اور نوک باہر ہو پس قرآن کو بند کر کے اوپر تاگا لپیٹ لیں کہ میخ ادھر اُدھر نہ ہو۔ پس دو آدمی روبرو بیٹھیں کہ پڑھنے والے کی پشت قبلہ کی طرف ہو اور سامنے والے کا رُخ ہو پس میخ کی نوک زمین پر رکھیں اور ہاتھوں سے تھامے رکھیں اور سورہ یٰسین کو مُتَّقِحون تک تین تین دفعہ پڑھیں مشکوک کا نام میخ کی نوک کے نیچے رکھیں پس جس نام کے ساتھ تیسری دفعہ پھر جائے وہی چور ہو گا۔

۲۔ آیت ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ اور مشکوک کا نام لکھ کر آٹے میں بند کر کے گولیاں بنالیں اور پانی میں ڈالے جس گولی میں چور کا نام ہو گا وہ نہ ڈوبے گی۔ باقی ڈوب جائیں گی۔

چشمہ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پتھر تھا جس پر عصا کو مارتے تھے اور اس سے پانی کے چشمے پھوٹتے تھے ۔ ج صـ۱۱۶ وہی پتھر حضرت قائم آل محمدؐ کے پاس ہو گا پس اس سے پانی کا چشمہ پھوٹے گا جس سے بھوکا شکم پُر کرے گا اور پیاسے کی پیاس بجھے گی ۔ ج صـ۱۰۱ ۔ حضورؐ نے شب معراج چشمہ کوثر سے پیا اور چشمہ رحمت سے غسل کیا ۔ ج صـ۲۹۳

○ اصحاب کہف جس غار میں گئے اس کے سامنے ایک چشمہ تھا جس سے انہوں نے پہلے پانی پیا پھر داخل ہوئے ۔ ج۹ صـ۸۷ ۔ جب تین سو نو برس کے بعد اُٹھے باہر دیکھا تو نہ چشمہ تھا نہ پھلدار درخت تھے بحر حیرت میں ڈوب گئے کہ ایک رات کے اندر پانی کا چشمہ کیسے خشک ہو گیا اور درخت کہاں غائب ہو گئے ؟ صـ۹۰

○ چشمہ آب حیات کے کنارے پر حضرت موسیٰ پہنچے تو پانی پڑنے سے مچھلی زندہ ہو کر چلی گئی۔

○ حضرت ذوالقرنین کو آب حیات کا چشمہ نہ مل سکا لیکن حضرت خضرؑ نے پالیا ۔ صـ۱۲۲

○ چشمہ شراب طہور ج۹ صـ۱۹۵ ۔ اس کے پینے سے حسد وغیرہ ختم ہوں گے ۔

○ اللہ نے طوفان کے بعد حضرت نوحؑ کے لئے ایک چشمہ پیدا فرمایا ۔ جس کا نام نوشاب تھا اور حضرت سام نے اس کے کنارہ پر درخت صنوبر لگایا تھا ۔ ج صـ۱۷۸

○ ایک روایت میں ہے کہ زمین پر پانی کا پہلا چشمہ وہ ہے جو حضرت صالحؑ کے لئے ظاہر کیا گیا تھا جس سے ایک دن ناقہ صالحؑ سیراب ہوتی تھی اور دوسرا دن قوم کے لئے تھا ج صـ۲۰۹

- جنت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام کافور ہے۔ ج۸ ص۱۵۱
- ایک سلسبیل نامی چشمہ ہے جس سے زنجبیل (ادرک) نکلے گی۔ ج۸ ص۱۵۳
- اگر کسی چشمہ سے پانی نہ نکل رہا ہو تو تین دن مسلسل اس جگہ سورہ والنازعات پڑھی جائے پس باذن خدا پانی نکل آئے گا۔ ج۸ ص۱۶۸
- جنتی لوگ چشمہ آب حیات سے غسل کریں گے۔ ج۹ ص۱۶۵
- آسمان چہارم پر ایک چشمہ ہے جس میں آب حیات ہے۔ ج۱۳ ص۱۳۵
- جبرئیل کی ٹھوکر سے پانی کا ایک صاف شفاف شیریں چشمہ ظاہر ہوا جس سے حضرت ایوبؑ نے پیا پس سب بیماریاں دور ہوگئیں پس اس میں غسل کیا تو جسمانی بیرونی مصائب ختم ہوگئے اور رنگ نکھر گیا۔ ج۲ ص۱۰۱

چھپتی۔ جس طرح مرد عورت تسکین شہوت کے لئے جمع ہوتے ہیں اگر دو عورتیں اسی طرح جمع ہوں تو ان کے اس فعل بد کو چھپتی کہا جاتا ہے۔ اصحاب رس پر عذاب کی وجہ یہی تھی ان کی عورتیں آپس میں یہی فعل کرتی تھیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا چھپتی (مساحقت) کی سزا زانی کی سزا کے برابر ہے۔ آپ نے فرمایا ایسی عورتوں کو جہنم میں آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ راوی نے مساحقت کی حرمت پر دلیل مانگی، تو معصومؑ نے اصحاب رس کے متعلق نازل ہونے والی آیت پڑھی اور فرمایا اصحاب رس پر عذاب اسی فعل بد کی وجہ سے نازل ہوا تھا۔ ج۸ ص۱۷۰، ج۱۳ ص۱۱۳

چرخہ کاتنا۔ رزق حلال کا پیش خیمہ ہے۔ ج۱۳ ص۱۶۱۔ منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جب سزائے موت ہوئی تو نمرود کی خوشنودی کے لئے عورتیں چرخہ کاتنے کی مزدوری بھی چخہ کے لئے بطور چندہ پیش کرتی تھیں۔ ج۱ ص۲۲۴

چخہ۔ وہ مقام جس میں آگ جلائی گئی اور حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈالا گیا ۲۰ × ۲۰ ذراع لمبا چوڑا تھا اور تیس ہاتھ اس کی بلندی تھی۔ ج۱۲ ص۵۳

چھپکلی۔ جب ابراہیمؑ نار نمرودی میں تھے تو چھپکلی آگ کو تیز کرتی تھی۔ ج۱ ص۲۳۶

چوہا۔ سورہ نمل کو لکھ کر گھر میں رکھنے سے چوہا اور دیگر نقصان دینے والے حشرات نکل جاتے ہیں۔ ج۸ ص۲۲۲

- حالت احرام میں بھی چوہے کو مارنا جرم نہیں ہے۔ ج۶ ص۱۶۷
- مشرکین مکہ پر ایک دفعہ خدا نے چوہوں کا عذاب نازل کیا تھا۔ ج۸ ص۸۲

چغلی۔ یہ سخت گناہ ہے چنانچہ بنی اسرائیل نے انبیاء کی چغلی کھا کر ان کو قتل کروایا تھا۔ ج۲ ص۱۱۷

- بروز محشر چغلخور بندروں کی شکل میں مسخ ہوں گے۔ ج۱۳ ص۱۶۴

چیونٹی ۔ ابن عباس کہتا ہے ۔ میں علیؑ کے ہمراہ تھا ۔ وادی میں چیونٹیوں کی کثرت دیکھ کر کہا پاک ہے وہ ذات جو ان کی تعداد کو جانتی ہے ۔ علیؑ نے فرمایا کہو پاک ہے جس نے اس مخلوق کو پیدا کیا ورنہ تعداد تو بجائے خود میں ان کے نر و مادہ کو بھی جانتا ہوں ۔ ج ۱۲ ص ۱۲ ۔

حضرت سلیمان سے چیونٹی کی گفتگو ج ۱ ص ۲۲ ۔ چیونٹی کی دعا ج ۱ ص ۲۳۵

(حا) ح

حب علیؑ ۔ حب علیؑ ایمان اور بغض علیؑ نفاق ۔ مقدمہ تفسیر ص ۱۹

- علیؑ کے حبدار مساکین ہیں اور ان کی دستگیری کرنے والا جنت کے بلند درجات میں ہوگا ۔ ج ۲ ص ۱۳۴
- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا محبان علیؑ کو پیغام کہ تقویٰ اختیار کرو ۔ ج ۲ ص ۱۹۰ ، ج ۶ ص ۳۸
- اگر لوگ علیؑ کی محبت پر اجماع کر لیتے تو خدا جہنم کو پیدا نہ کرتا ۔ ج ۳ ص ۲۰۸ ، ج ۶ ص ۲۶۷
- حضرت علیؑ کے محبوں کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہونگے ۔ ج ۲ ص ۲۹
- یوم غدیر محبت علیؑ کا اعلان عام ۔ ج ۵ ص ۳۵ ۔ نبی کے چار یار ص ۷
- ولایت علیؑ ذیل آیت انما ولیکم اللہ الخ ج ۶ ص ۱۲۹
- نام علیؑ کی تاثیر ج ۸ ص ۱۳۱ ۔ ولائے علیؑ ص ۱۷۴
- حضرت علیؑ کی محبت گناہوں کو کھاتی ہے ۔ ج ۸ ص ۲۴۱ محبان علیؑ کا مقام ج ۹ ص ۱۳۴
- اہلبیت کی محبت گناہوں کا کفارہ بنتی ہے ۔ ج ۱ ص ۱۸۶ مَن مَاتَ عَلیٰ حُبِّ آلِ محمد مَاتَ شہیدا ۔ ج ۱۲ ص ۲۱ ج ۲ ص ۱۹۷ ۔
- حضرت علیؑ نے فرمایا ہماری محبت اور ہمارے دشمنوں کی محبت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی ۔ ج ۱۰ ص ۱۵۶
- آل محمد کی محبت کا بدلہ جنت کی نعمات ۔ ج ۱۱ ص ۲۶
- علیؑ کی محبت کے ٹکٹ کے بغیر پل صراط سے کوئی نہ گزر سکے گا ۔ ج ۱۲ ص ۳
- آل محمد کی محبت میں مرنے والا شہید ہوتا ہے ۔ ج ۱۲ ص ۳۷
- علیؑ کا محب علیؑ کے ساتھ محشور ہوگا ۔ ج ۱۳ ص ۱۶۱ ۔ بروز محشر محبت علیؑ کا سوال ہوگا ۔ ج ۱۳ ص ۱۸۲
- بروز محشر آل محمدؐ کی محبت کا سوال ہوگا ۔ ج ۱۴ ص ۱۸۲ ، ج ۱۲ ص ۳۷

برائے حب - جو شخص سورۂ رمز کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا اس سے ہر ملنے والا محبت کرے گا۔ ج۲ ص۱۱۱

اسی طرح جو شخص سورہ احقاف کو دھو کر پیئے محبوب خلائق ہوگا۔ ج۱۳ ص۱۸۱

سورہ تکاثر کو ہر روز اکیس مرتبہ پڑھنا محبوب خلائق بنا دیتا ہے۔ ج۱۴ ص۲۵۷

طالب و مطلوب کے اعداد کے برابر پابندی زمان و مکان کے ساتھ باطہارت مقام خلوت میں عروج ماہ میں یہ آیت مجیدہ سات روز مسلسل پڑھے - عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ بَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰہُ قَدِیْرٌ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یَامُسَخِّرُ سَخِّرْلِیْ فلاں بن فلاں (مطلوب کا نام لے) بِلُطْفِكَ الْخَفِیِّ۔

۲۔ دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سات دفعہ آیت مذکورہ پڑھے اور سلام کے بعد کہے۔ اَللّٰهُمَّ لَیِّنْ قَلْبَ فلاں بن فلاں كَمَا لَیَّنْتَ الْحَدِیْدَ لِدَاوُدَ عَلَیْهِ السَّلَام۔

۳۔ جفری عمل۔

عدد طالب + ۲۲۰ ٪ ۲ (اگر کسر نہ ہو تو) - ۴ اور اگر کسر ہو تو منفی ۳

عدد مطلوب + ۲۸۴ ٪ (اگر کسر نہ ہو تو) - ۴ ، ، ، ، ،

مثلاً طالب تقی ۵۱۰ + ۲۲۰ = ۷۳۰ ٪ ۲ = ۳۶۵ - ۴ = ۳۶۱

مطلوب نقی ۱۶۰ + ۲۸۴ = ۴۴۴ ٪ ۲ = ۲۲۲ - ۴ = ۲۱۸

ترتیب طبعی سے مربع پُر کرنا ہے اور خانہ ۵ میں ۲ کا اضافہ ہوگا۔

لیکن اگر کسر ہو تو خانہ ۵ اضافہ ایک کا ہی ہوگا۔

مثلاً طالب جعفر ۳۵۳ + ۲۲۰ ٪ ۲ = ۲۸۶½ کر کے - ۳، ۲۸۳

مطلوب احمد ۵۳ + ۲۸۴ ÷ ۲ = ۱۶۸½ - ۳ = ۱۶۵

۷۸۶

۳۶۹	۲۲۰	۲۲۴	۳۶۱
۲۲۳	۳۶۲	۳۶۸	۲۲۱
۳۶۳	۲۲۶	۲۱۸	۳۶۷
۲۱۹	۳۶۶	۳۶۴	۲۲۵

یہ تعویذ طالب اپنے پاس رکھے یا میاں بیوی ہیں تو اپنے کمرہ میں لٹکا دیں محبت زیادہ ہوگی۔

۷۸۶

۲۹۰	۱۶۷	۱۷۰	۲۸۳
۱۶۹	۲۸۴	۲۸۹	۱۶۸
۲۸۵	۱۷۲	۱۶۵	۲۸۸
۱۶۶	۲۸۷	۲۸۲	۱۷۱

یہاں پانچویں خانہ میں اضافہ نہیں ہے۔

- حب شیخین اگر دل میں رائی کے برابر بھی ہوئی تو بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ فرمان صادقؑ۔ ج۳ ص۱۸۲

حبشہ کی طرف ہجرت۔ ج۵ ص۱۵۵۔ اللہ نے حبشیوں کی طرف ایک حبشی نبی بھیجا انہوں نے اس کو جھٹلایا
بادشاہ وقت نے اس پر ایمان لانے والوں کو گرفتار کر کے آگ سے بھری ہوئی اخدود میں ڈالدیا ج۱۲ ص۲۰

حج۔ حج کا بیان ج۳ ص۱۲ تا ص۲۸، ج۴ ص۱۸ تا ۱۹۔ حجۃ الوداع۔ ج۵ ص۱۳۹

- حج کے بعض احکام ج۵ ص۱۶۶ و ص۱۶۷ و ج۱ ص۲۶ تا ص۳۱
- حضرت ابوبکر کو حضرت پیغمبرؐ نے امیر الحج بنا کر بھیجا پس سورۂ برأت نازل ہوا اور حضرت علیؑ کو آپؐ نے
اس کے پیچھے روانہ فرمایا اور ابوبکر کو واپس بلالیا۔ ج۶ ص۱۲۔ حج اکبر کا معنی ج۶ ص۱۷
- عرب لوگ حج کے مہینے کو ہر سال تبدیل کر دیا کرتے تھے لیکن اسلام نے اس ردّ و بدل کو روک دیا۔
ج۶ ص۴۷
- حج کے بارے میں زہری کا امام زین العابدینؑ پر اعتراض اور آپ کا جواب۔ ج۸ ص۱۳۱
- حضرت ابراہیمؑ نے کوہ ابوقبیس پر کھڑے ہو کر لوگوں کو حج بیت اللہ کی دعوت دی تھی ان کی آواز مشرق
سے مغرب تک پہنچی تھا کہ قیامت تک آنے والی نسلوں نے بھی عالم ارواح میں آپ کی آواز
سُنی پس جس رُوح نے لبیک کہی تھی وہی حج پر موفق ہوتا ہے۔ ج۸ ص۱۶۰۔ ایک روایت میں ہے
کہ آپ نے مقام ابراہیمؑ پر کھڑے ہو کر لوگوں کو دعوت دی تھی۔ ج۸ ص۱۶۱۔ دعوتِ ابراہیمؑ ج۱۲ ص۲۲ و ص۲۳
- عبدالرحمن بن کثیر کہتا ہے میں دورانِ حج حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ تھا آپ نے فرمایا کہ
شور و غل تو زیادہ ہے لیکن حاجی لوگ بہت کم ہیں۔ ج۸ ص۱۸۹
- روایت میں ہے جس پر حج واجب ہو اور اس کو ٹالتا رہے اور مر جائے تو بروز محشر اندھا محشور ہوگا۔
ج۹ ص۴۴ و ص۲۰۰
- حضرت خضرؑ علیہ السلام ہر سال حج پر تشریف لا جاتے ہیں۔ ج۹ ص۱۲۲
- حدود حرم میں جرم کرنے والے کو سزا بھی حدود حرم کے اندر دی جا سکتی ہے۔ ج۱۰ ص۲۰
- رسولؐ اللہ کا خواب اور صلح حدیبیہ کے بعد واپسی ج۱۳ ص۸۸ تا ص۹۰
- باپ کا حج بیٹی بھی نیابت میں کر سکتی ہے۔ ج۱۳ ص۱۶۱
- جو لوگ حج کی طاقت نہیں رکھتے حضورؐ نے فرمایا نماز جمعہ مساکین کا حج ہے۔ ج۱۴ ص۲۲
- دشمن آل محمد کا حج باطل ہوا کرتا ہے۔ ج۱۴ ص۷۹۔ حجت کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری دوسری باطنی حجت
ظاہری نبی و امام اور حجت۔ باطنی عقل۔ ج۵ ص۲۶۵

- کعبہ کی تعمیر نو کے وقت حجر اسود کو نصب حضرت پیغمبرؐ نے ہی کیا۔ ج۴ ص۹
- حجر اسود کو حضرت آدمؑ اپنے ساتھ زمین پر لائے تھے اور بنی آدم کے عہد و پیمان اس کو تفویض کئے گئے ہیں پس بروز محشر اپنی زیارت کرنے والوں کے حق میں گواہی دے گا۔ ج۴ ص۱۱۔ سورہ حجرات کے فضائل اس کو دھو کر عورت پی لے تو دودھ زیادہ ہوگا۔ ج۱۱ ص۲۶۰

حبل - واعتصموا بحبل اللہ کی تفسیر ج۴ ص۲۴

حبل الورید۔ ج۱۴ ص۱۱۵

حبیب نجار - مومن آل یٰسین ج۵ ص۸۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جو دو مبلغ انطاکیہ میں پہنچے تو وہ سب سے پہلے حبیب نجار کو ملے۔ ج۱۲ ص۱۲۔ حبیب نجار کا بادشاہ انطاکیہ کو مشورہ ص۲۰۔ حبیب نجار کا اپنی قوم کو مشورہ ص۱۸۔ مومن آل یٰسین کے متعلق معصوم نے فرمایا وہ ہمارا خالص شیعہ ہے ص۲۸

- حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا صدیقین تین ہیں (۱) مومن آل فرعون (۲) مومن آل یٰسین حبیب نجار (۳) علی ابن ابیطالب ج۱۲ ص۱۴۹۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا سابقون چار آدمی ہیں (۱) ہابیل ابن آدم (۲) مومن آل فرعون (۳) حبیب نجار مومن آل یٰسین (۴) علی بن ابیطالب ج۱۳ ص۱۹۶ و ص۱۹۷ و ص۲۰۲۔ ایک حدیث میں ہے صدیق تین حبیب نجار مومن آل یٰسین (۲) حزقیل مومن آل فرعون (۳) حضرت علی بن ابی طالب ج۱۳ ص۲۲

حاطب بن ابی بلتعہ کا افشاء راز - یہ شخص مکہ سے مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ آیا ہوا تھا۔ پس اس نے حضرت پیغمبرؐ کا راز مکہ والوں پر فاش کر دیا۔ لیکن بعد میں حضرت پیغمبرؐ نے اس کو معافی دیدی۔ ج۱۳ ص۲۹۴

حبط عمل - مقدمہ تفسیر ص۲۳ و ص۲۴۴ و ص۲۴۵۔ دشمن علیؑ کے اعمال حبط و رائیگاں ہوں گے۔ ج۵ ص۳۳

- اگر خاتمہ ایمان پر نہ ہو تو سابق اعمال حبط و ضائع ہو جاتے ہیں۔ ج۲ ص۱۲۵ اور حبط عمل کا معنی یہ ہے کہ اس شخص کا عمل قابل جزا نہیں رہتا۔ ص۱۹۷ ج۱۲ ص۱۳۳
- سورہ الحدید کے فضائل۔ ج۱۳ ص۲۱۰۔ اَنْزَلْنَا الحدید کی تفسیر ص۲۲۶۔ ذوالفقار حیدری ص۲۲۷

حدیبیہ - صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمانوں نے فتح مکہ کر لیا تو ان کے دلوں میں حدیبیہ سے واپس جانے کے انتقام کا جذبہ تھا تو حضورؐ نے مسلمانوں کو انتقامی کارروائیوں سے روک دیا۔ ج۵ ص۱۶

- حدیبیہ کے صلح نامہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور محمد رسول اللہ کے الفاظ حضرت علیؑ نے لکھے تو کفار نے کٹوا دیئے۔ ج۲ ص۱۳۵۔ صلح حدیبیہ اور فتح۔ ج۱۳ ص۵۴ و ص۵۸
- صلح حدیبیہ کے وجوہ اور مصالح۔ ج۱۳ ص۸۰ تا ص۹۱۔ حسان بن ثابت کا قصیدہ۔ ج۵ ص۳۰ حزقیل پیغمبر ج۳ ص۱۰۰ خواص خمسہ ج۲ ص۱۰۔ مومن آل فرعون کا نام حزقیل تھا۔ ج۱۳ ص۲۲

حُسن ۔ مردوں کا حُسن عقل میں ہے اور عورتوں کی عقل حُسن میں ہے۔ ج۱ ص۹۲

- امام حسن علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا اگر میں دُعا کروں تو اللہ عراق کو شام اور شام کو عراق بنا دے مرد کو عورت اور عورت کو مرد کر دے ایک منافق ناصبی نے کہا اگر یہ طاقت ہوتی تو معاویہ سے صلح کیوں کرتے؟ آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے عورت! یہ مردوں کا مجمع ہے تو چلی جا اور اب تیری سابقہ عورت مرد ہو چکی ہے۔ اب تیرے بطن سے ایک خنثیٰ پیدا ہوگا چنانچہ اس شخص نے اپنے آپ کو عورت پایا اور گھر پہنچا تو اس کی بیوی مرد تھی پس مجامعت کے بعد اس کے پیٹ سے خنثیٰ پیدا ہوا پھر وہ دونو حاضر خدمت امام ہوئے اور معافی کے خواستگار ہوئے تو اللہ نے توبہ قبول کر لی اور اپنی اصلی حالت پر پلٹ گئے کیونکہ امام نے ان کو معافی دے دی۔ مقدمہ تفسیر ص۳۳ و ص۳۴
- حضرت پیغمبرؐ نے امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے قاتلوں کو یہودی اور لعنتی کہا۔ ج۲ ص۱۲۶
- امام حسنؑ کا حُسن خلق۔ ج۲ ص۵۱
- حضرت علیؑ سے کسی نے حالتِ احرام میں شتر مرغ کے انڈے توڑنے کا کفارہ پوچھا تو آپ نے فرمایا میرے فرزند حسن سے پوچھ لو۔ امام حسن نے سائل سے فرمایا کہ نر اونٹ کو مادہ پر بٹھاؤ (انڈوں کی مقدار کے برابر) پس جس قدر بچے پیدا ہوں ان کی قربانی دو حضرت علیؑ نے فرمایا اے فرزند بعض اوقات ناقہ حاملہ نہیں ہوتی۔ تو امام حسنؑ نے عرض۔ ابا جان! بعض اوقات انڈے بھی تو خراب نکلتے ہیں۔ ج۵ ص۱۶۸
- امام حسنؑ و امام حسین علیہما السلام کا صلبی اولاد رسول ہونے کا ثبوت۔ ج۵ ص۲۳۶ و ص۲۳۷۔ ج۹ ص۱۵۸
- ایک دفعہ معاویہ نے امام حسنؑ سے سوال کیا کہ میری اور آپ کی ڈاڑھی کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ تو آپ نے آیت پڑھی۔ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ الخ ... ج۴ ص۴۲
- وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ الخ امام حسنؑ نے یہ آیت پڑھ کر مروان سے فرمایا تو اور تیری اولاد شجرہ ملعونہ ہے۔ ج۹ ص۳۹ امام حسن و امام حسینؑ کا رسولؐ کے کندھوں پر سوار ہونا۔ ج۹ ص۶۴
- امام حسنؑ نے حضرت خضرؑ کو مسائل سمجھائے۔ ج۹ ص۱۲۱ امام حسنؑ کی دربار شام میں معاویہ کے درباریوں سے گفتگو ج۹ ص۱۵۱
- امام حسن و امام حسینؑ بچپنے سے ہی کامل العقل تھے۔ ج۹ ص۱۴۱ دونو جوانان جنت کے سردار ہیں۔ ج۱ ص۲۲۱
- حضرت پیغمبرؐ نے حسنین شریفین کو اپنی اولاد کہا۔ ج۱۱ ص۲۰۱
- شاہ روم نے امام حسنؑ سے سوال کیا کہ وہ سات چیزیں کونسی ہیں جو ماں کے شکم سے پیدا نہیں ہوئیں آپ نے جواب میں فرمایا (۱) آدم (۲) حوا (۳) اسمٰعیل کے فدیہ والا دنبہ (۴) سانپ جنتی (۵) کوا (۶) ناقہ صالحؑ (۷) ابلیس (نوٹ:۔ سانپ سے مراد وہ ہے جو حضرت آدمؑ کے ساتھ آیا تھا اور کوا وہ جس نے حضرت ہابیل کا دفن

کرنا قابیل کو سکھایا تھا۔ ج۱ صـ۲۰۵ ۔ شاہ روم کے مفصل سوالات و جوابات اسی جلد ۱۲ کے صـ۲۰۴ و صـ۲۰۵ پر دیکھیں۔

○ حضرت امیر علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسن کا خطبہ۔ ج۱۲ صـ۲۵۸

○ حاملین عرش کی تاویل حاملین علم کی گئی ہے چار اولین میں سے نوحؑ ابراہیمؑ موسیٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام اور چار آخرین میں سے، حضرت محمدؐ حضرت علیؑ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ ج۱۴ صـ۹۵

○ مختلف حاجات پیش کرنے والوں کو امام حسن علیہ السلام نے استغفار کا ورد تعلیم فرمایا۔ ج۱۳ صـ۱۰۱

○ حسنین شریفین کی بیماری اور منت اور نزول ھل اتٰی۔ ج۱۳ صـ۱۴۷

○ حضرت امام حسین علیہ السلام نے آخری رخصت کے وقت اپنے بیمار فرزند کو سب سے پہلے نماز کی وصیت فرمائی۔ ج۲ صـ۱۰۲

○ حضرت پیغمبرؐ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میری امت کے بعض لوگ میری ذریت و نسل کے پاکیزہ افراد کو قتل کریں گے۔ پس حضرت حسینؑ کی اولاد سے ایک مہدی کو خدا بھیجے گا جو ان سے انتقام لے گا پس حسینؑ اور اس کے دوستوں کے قاتلوں پر لعنت ہے اللہ کی رحمت حسینؑ کے عزاداروں پہ اور ان پہ جو ان کے قاتلوں پر لعنت بھیجیں اور جو شخص حسینؑ کے قتل پر راضی ہو گا اس کا شمار بھی قاتلان حسینؑ سے ہو گا۔ ج۲ صـ۱۳۸ و صـ۱۳۹، مصائب امام حسینؑ ج۲ صـ۱۹۹

○ قائم آل محمدؐ تشریف لائیں گے اور قاتلان امام حسینؑ کی اولاد سے قصاص لیں گے۔ راوی نے امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ قاتل تو یہ لوگ نہ ہوں گے۔ بلکہ قتل تو کیا تھا ان لوگوں نے جو میدان کربلا میں حاضر تھے اور اللہ فرماتا ہے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا؟ آپ نے جواب دیا جو شخص کسی کے فعل پر راضی ہو وہ اسی جرم کا مرتکب سمجھا جاتا ہے چونکہ یہ لوگ اپنے قاتلین آباد کے فعل پر راضی ہوں گے لہذا ان سے بھی قتل کا قصاص لیا جائے گا۔ ج۲ صـ۱۰۱ و ج۴ صـ۹۱، خ۱ صـ۳۶، ج۱۳ صـ۱۵۹۔

○ امام حسینؑ کا مدفن کربلا ہے زمین کربلا کا ذکر اور خصوصیات۔ ج۴ صـ۱۱ تا صـ۱۴

○ امام حسینؑ نے مکہ سے احرام حج کو اعمال عمرہ بجا لا کر ختم کر دیا اور روانہ ہو گئے۔ صـ۱۸

○ الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ صـ۴۳ خ۱ صـ۲۲۱

○ وہ حسین ہے جس کا ایک سجدہ جو انتہائی کرب و بے چینی کے عالم میں خشوع و خضوع کا ایسا مرقع تھا کہ انبیاء و ملائکہ بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے جس کی جبین نیاز نے تپتی ہوئی ریتی پر کفر و استبداد کے

ابھرتے ہوئے ناز توڑ دیئے اور پوری کائنات میں سجدہ و ساجدین اور عبادت و عابدین سے اپنا مقام منوا لیا اور قیامت تک کے لئے بقائے اسلام کی ضمانت دے دی۔ ج ۵ ص ۱۱۔ امام پاک جب شہید ہوئے تو ان کے جسم پر پشم کا جبہ تھا۔ ج ۱ ص ۲۵

- حضرت شہربانو کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے نکاح میں آنا۔ اس پر سُنی مناظر کا اعتراض اور حضرت ملک العلماء ملک فیض محمد لکھیالوی مرحوم کا منہ توڑ جواب۔ ج ۵ ص ۴۴
- حضرت امام حسین علیہ السلام کے سبط رسول ہونے کی وجہ تسمیہ حسین منی وانا من الحسین۔ ج ۲ ص ۵
- ایک شخص نے امام حسین علیہ السلام سے رقم کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا میں تم سے تین سوال پوچھا اگر سارے جوابات دیئے تو جو کچھ مانگا سب دوں گا ورنہ جس قدر جواب دوگے اتنا ہی دوں گا کیونکہ میرے نانا نے فرمایا ہے المعروف بقدر المعرفہ یعنی کسی کے ساتھ بھلائی اتنی کرو جتنی وہ معرفت رکھتا ہو۔
- آپ نے پوچھا تمام اعمال سے افضل کون سا عمل ہے؟ اس نے جواب دیا معرفت خدا۔
- پھر پوچھا مصیبت کے وقت سہارا کیا چیز بنتی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ توکل بر خدا۔
- پھر پوچھا۔ انسان کی زینت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ علم با عمل۔
- آپ نے پوچھا۔ اگر علم نہ ہو تو زینت کیا ہے؟ اس نے کہا مال ساتھ سخاوت کے۔
- آپ نے فرمایا۔ اگر مال نہ ہو تو زینت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ فقر صبر کے ساتھ۔
- آپ نے فرمایا۔ صبر نہ ہو تو پھر اس نے جواب دیا۔ بجلی آسمان سے گرے اور اس کو جلا دے۔
- آپ نے سوال کے بدلہ میں اس کو ایک ہزار دینار عطا فرمایا اور ایک انگوٹھی بطور انعام دی جس کا نگینہ دو سو کی قیمت کا تھا فرمایا اس کو اپنے بال بچوں کے اخراجات پر صرف کرنا۔ ج ۳ ص ۱۴۳ و ص ۱۴۴ ج ۵ ص ۵
- کیا امام حسین کے غم میں رونا بے صبری ہے؟ اس کا مدلل جواب ج ۵ ص ۱
- غم حسین میں رونے کے دلائل اور رونے کے نتائج۔ ج ۵ ص ۱۲
- امام حسین علیہ السلام کا حسن خلق۔ ایک دفعہ گروہ مساکین کے پاس سے گزرے وہ کھانا کھا رہے تھے انہوں نے آپ کو مدعو کر لیا تو آپ وہیں ان کے پاس زمین ہی پر بکھرے ہوئے روٹی کے ٹکڑے ان کے ہمراہ کھانے لگ گئے۔ ج ۲ ص ۲۰۴
- ایک دفعہ آپ کے غلام نے نجس جگہ پر پڑے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کو اٹھا کر دھو کر کھا لیا تو آپ نے

خوش ہو کر اسے آزاد کر دیا اور فرمایا جو شخص اللہ کی نعمت کی قدر کرے وہ آتشِ جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے تو پھر میں اس کی قدر کیوں نہ کروں۔ ج صـ ۲۴۹ ۔ ج۱۱ صـ ۹۷ و ج۶ صـ ۱۴۳

- دوشِ رسولؐ پر اور حالتِ نماز میں پشت پر سوار ہونا۔ ج۹ صـ ۲۴
- حضرت زکریاؑ کو پنجتن پاک کے نام تعلیم کئے گئے تو عرض کی بارِ پروردگار! جب پانچواں نام لیتا ہوں تو میرے اوپر گریہ طاری ہو جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ پس کھٰیٰعص کے ذریعے ان کو اطلاع دی گئی۔ کاف سے مراد کربلا ھا سے مراد ہلاکت یا سے مراد یزید عین سے مراد عطش اور صاد سے مراد صبر ہے۔
- حضرت زکریاؑ تین دن مسلسل مسجد میں صفِ ماتم بچھا کر روتے رہے۔ ج۹ صـ ۱۳۶
- امام حسین علیہ السلام اور حضرت یحییٰ میں مشابہت۔ ج۹ صـ ۱۳۸
- حضرت اسمٰعیلؑ نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ مجھے حسینؑ کی طرح صبر محبوب ہے۔ ج۹ صـ ۱۵۷
- انبیاء سابقین کے مجموعی مصائب سے بھی بڑھ کر مصائب و آلام میں گھر جانے کے بعد امام حسینؑ نے جو جلوۂ جمالِ پروردگار کے دیدار کا کربلا کی تپتی ہوئی ریتی پر تمازتِ آفتاب کی پوری تیزی کے دوران تیروں تلواروں پتھروں اور نیزوں کی موسلا دھار بارش میں لطف اٹھایا اس کی نظیر ناممکن ہے۔ ج۱۱ صـ ۸۸ و صـ ۸۹
- امام حسین علیہ السلام کی زیارت زیادتیِ رزق اور درازیِ عمر کی موجب ہوتی ہے۔ ج۱۱ صـ ۲۶۰
- کیا حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت اسمٰعیل کے فدیہ تھے؟ تشریح ج۱۲ صـ ۶۶ و صـ ۶۷
- حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت ایک طرف اسلام کی بقاء کی ضمانت ہے اور ساتھ ساتھ اس کا ذکر ایک زندہ معجزہ ہے۔ ج۱۲ صـ ۲۱
- حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے سلسلۂ امامت اسمٰعیلؑ کی نسل میں پھر مخصوص طور پر امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں تا قیامت قائم رہے گا۔ ج۱۲ صـ ۲۲۹ ۔ حسینؑ کے مصائب کا سننا علمائے اسلام نے ناجائز قرار دیا تھا تاکہ صحابہ پر بدگمانی نہ ہو۔ مقدمہ تفسیر صـ ۱۰۳
- شبِ معراج حضرت پیغمبرؐ کو عترت پر آنے والے مصائب کی اطلاع دی گئی تھی۔ ج۱۲ صـ ۲۳۶
- امام حسین علیہ السلام کی زیارت بخششِ گناہان کی موجب ہے۔ ج۱۲ صـ ۲۶۰
- حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر آسمان نے گریہ کیا چنانچہ بوقتِ طلوعِ آفتاب و غروبِ آفتاب سرخی کا نمودار ہونا شہادت امام حسینؑ کے بعد سے ہے اور یہی اس کا گریہ ہے۔ ج۱۲ صـ ۲۶۳ ج۲ صـ ۲۰۳ ج۹ صـ ۱۳۹
- حضرت جبرئیل نے خبر دی کہ جناب فاطمہؑ کے بطنِ اطہر سے جو بچہ پیدا ہوگا اس کو تیری امت بے جرم و خطا

قتل کر دے گی۔ پس ایام حمل میں بھی اور بعد از پیدائش بھی خاتون جنت غمگین رہیں۔ ج۱۳ ص۲۳

- امام حسینؑ پیغمبرؐ کی زبان چوس کر پلے۔ ج۱۳ ص۲۴ امام حسینؑ کے غم میں رونے کا ثواب۔ ج۱۳ ص۲۶۴
- امام حسین علیہ السلام کو چار امتیازات خصوصی طور پر عطا ہوئے۔ (۱) اولاد میں امامت (۲) خاک میں شفا (۳) ان کی قبر کے پاس دعا کا منظور ہونا۔ (۴) زیارت پر جانے والے کا زمانۂ زیارت اس کی زندگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور خود رسولؐ اللہ کے درجہ میں ہوں گے۔ ج۱۳ ص۱۳۸ و ص۱۳۹۔ تارک زیارت کی عمر و رزق میں کمی ہوتی ہے ج۱۳ ص۲۶
- حسن و حسین علیہما السلام کے نام اللہ کے نام محسن سے مشتق ہیں۔ ج۱۳ ص۱۴۷
- حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا ہر نبی کی اولاد اپنی صلب سے ہے اور میری اولاد علی کی صلب سے ہے۔ ج۱۳ ص۴۲

حشر ۔ فرعون نے موسیٰؑ سے سوال کیا تھا کہ حشر و نشر کب ہوگا؟ ج۹ ص۱۸۶

- اللہ کے لئے کسی کے مرنے کے بعد اس کا دوبارہ زندہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ ج۱۱ ص۲۲۶ ج۲ ص۲۶
- ہر شیئ کی فنا کے بعد دوبارہ حشر نشر کی تفصیل۔ ج۱۱ ص۱۳۶ ج۱۳ ص۱۱۷۔ حضرموت کی وجہ تسمیہ ج۱ ص۳۸
- کسی مشکل کام کے پیش آنے پر چالیس روز تک سورہ حشر کی تلاوت سے مشکل حل ہو جائے گی۔ ج۱۳ ص۲۴۶

حرام زادہ علیؑ کا دشمن ہوتا ہے امام حسنؑ کی ولید بن عقبہ کو تنبیہہ ج۱۱ ص۱۵۱ حرامزادہ دشمن علی۔ ج۱ ص۲۱۱

- حرامزادہ اپنے عقائد و کردار کی بدولت جوابدہ ہوگا ورنہ ماں باپ کی غلطی کا یہ جوابدہ نہیں ہے۔ ج۱۱ ص۲۶۲
- منقول ہے کہ فرعون کے مشیر حلال زادے تھے انہوں نے فرعون کو موسیٰؑ کے قتل کا مشورہ نہیں دیا تھا لیکن نمرود کے مشیر حرامزادے تھے جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے سزائے موت تجویز کی تھی ج۹ ص۱۴۹
- حرام کھانے والے بروز محشر سور کی شکل میں محشور ہوں گے۔ ج۱۲ ص۱۱۴ حرامزادے پیدا کرنیوالی عورت کا عذاب ج۲ ص۲۶۴

حٰم سجدہ کو برتن میں لکھ کر دھو کر آٹا خمیر کرے اور اس آٹے کا سفوف بنا کر رکھے ایک چٹکی درد دل کو ختم کر دیتی ہے اور اگر بارش کے پانی سے دھو کر آنکھ میں ڈالا جائے تو آشوب چشم کے لئے مفید ہے۔ ج۱۳ ص۱۲۶

(اقول) سات دفعہ حم لکھ کر سر پر باندھے تو درد سر ختم ہوگا۔ حم حم حم حم حم حم حم۔

حقوق ۔ مومن وہ ہے جو مومنین کے حقوق کا خیال رکھے۔ ج۱ ص۱۳۲ تا ص۱۳۶ ج۹ ص۴۲

- عثمان بن مظعون کو حضورؐ نے حقوق کی ادائیگی کی تاکید فرمائی۔ ج۵ ص۱۲۱
- شیطان حقوق کی ادائیگی سے مومنوں کو روکتا ہے۔ ج۱ ص۱۵
- حقوق والدین کی پرواہ نہ کرنے والے کا انجام ج۲ ص۱۴۹ اولاد پر والدین کا خرچ واجب ہوتا ہے اگر ان کو ضرورت ہو ج۳ ص۴۳
- حقوق تین قسم کے ہیں (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق النفس (۳) حقوق الناس۔ مومن کو چاہیئے کہ ان ہر سہ حقوق

کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے مفصل بیان ۔ ج ص ۲۳۶ تا ص ۲۴۰ ملاحظہ فرمائیے نیز ج ۱ ص ۵۷

- حقوق والدین ج ۹ ص ۲ و ج ۲ ص ۱۳۰ تا ص ۱۳۳ ۔ ایک مرتبہ مہدی خلیفہ عباسی نے لوگوں کے حقوق دلوائے تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ہمیں بھی اپنے حقوق واپس ملنے چاہئیں خلیفہ نے پوچھا وہ کیا ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا وہ فدک اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ ہے ۔ ج ۱ ص ۲۲ ۔ ابوبکر نے ایک دفعہ حق خاتون واپس کیا اور تحریر بھی کر دی لیکن عمر نے وہ لے کر پھاڑ ڈالی وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ پ ۱۵ آیت ۲۶ کی تفسیر میں ہے کہ اس حق سے مراد فدک اور اس کا علاقہ ہے ۔ ص ۲۳ و ص ۲۴
- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا سواری کے بھی چھ حقوق ہیں (۱) اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے (۲) اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر اس کو روکے نہ رکھے (۳) اترتے ہی اس کو چارہ یا دانہ پیش کرے (۴) اس کے منہ پر نہ مارے (۵) اس کے منہ پر داغ نہ لگائے (۶) جب پانی کے پاس سے گزرے تو اس کو پانی پینے کی مہلت دے ۔ ج ۹ ص ۳۴
- حقوق کی ادائیگی کرنے والے بروز محشر گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے ج ۹ ص ۲۵۶
- قیامت کے روز پہلی منزل پر حقوق الناس کا سوال ہوگا اور ہر مظلوم کو حکم ہوگا کہ اپنے غاصب سے اپنے حقوق وصول کر و ج ۲ ص ۱۳۵ حقوق نہ ادا کرنے والے بدبودار محشور ہوں گے ۔ ج ۱۲ ص ۱۲۴
- عورت اور مرد کے حقوق ۔ ج ۳ ص ۱۱
- کاشتکار پر کھیتی کے حقوق ۔ ج ۵ ص ۲۶۲
- بڑے بیٹے پر واجب ہے کہ والدین کے واجبات ادا کرے چنانچہ ان کی قضا نمازوں کا پڑھنا اس پر واجب ہے ۔ ج ۹ ص ۷۹
- والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے ساتھ ساتھ والدہ کے لئے خصوصی تاکید فرمائی ۔ ج ۱۳ ص ۲۵

حکمت ۔ حکمت کی تفسیر اطاعت خدا معرفت امام اور گناہوں سے اجتناب کی گئی ہے اسی طرح علم قرآن ، علم دین اور معرفت و خوف خدا بھی حکمت سے مراد لئے گئے ہیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حکمت کا معنی معرفت اور دین میں فقہ حاصل کرنا بتایا ۔ آپ نے فرمایا حکمت معرفت کا نور تقویٰ کی میراث اور سچائی کا پھل ہے اگر میں کہوں کہ کوئی نعمت ، نعمت حکمت سے زیادہ قیمتی و بلند تر نہیں تو بجا ہوگا ۔ ج ص ۱۶۱

حکومت جور کی طرف مقدمہ لے جانا حرام ہے ۔ ج ۲ ص ۱۴۰ ۔ حکومت جور سے محبت حرام ہے ۔ ج ۵ ص ۱۵۳

- حکومت جور کی مذمت ج ص ۲۳ حکومت جور کی تشریح ۔ ج ص ۵۵ ۔ سورہ رعد کو رات کو لکھ کر حاکم جور کے دروازہ پر لٹکایا جائے تو اس کی حکومت ختم ہو جائے گی ۔ ج ص ۱۰

حلالہ کا صحیح طریقہ جو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ ج۳ صـ۲

حلال و حرام ۔ حلال جانور صـ۱۴ حرام جانور کون سے ہیں۔ ج۵ صـ۱۷ حلیت و حرمت کا معیار صـ۱۹ تا صـ۲۴ و صـ۴۲ تا صـ۵

- اضطراری حالت میں حرام اس قدر کھایا جا سکتا ہے کہ جان بچ جائے ۔ ج۵ صـ۲۵
- عربوں کے نزدیک حلال و حرام کا معیار اور حکم خداوندی۔ ج۵ صـ۲۵ و صـ۲۶۳ ج۶ صـ۱۷ ج۱۱ صـ۴۶

حیوانات ۔ جو شخص حیوانات کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا بروز محشر وہی حیوان اس پر مسلط ہو کر اس کو ماریں گے بعض اس کو دانتوں سے کاٹیں گے اور بعض پاؤں تلے روندیں گے۔ ج۶ صـ۹

- اللہ نے حیوانات کی تخلیق انسانوں کی منافع کے لئے فرمائی ہے کہ سردیوں اور گرمیوں کے لباس ان کی اُون و چمڑوں سے بنائے جا سکتے ہیں۔ کھانے کے کام آتے ہیں سواری اور بار برداری کا فائدہ لیا جا سکتا ہے یہ حیوانات گھر کی زینت ہیں۔ ج۶ صـ۱۹۵ وہ مادہ حیوانات جن سے دودھ حاصل ہوتا ہے اگر سوچا جائے تو اللہ کا کس قدر احسان ہے کہ خون اور گوبر کے درمیان سے خالص دودھ تیار کر کے انسان کو دیتا ہے۔ ج۶ صـ۲۲۴
- حیوانوں کے چمڑوں اور اُون سے ہلکے پھلکے گھر بنائے جا سکتے ہیں۔ ج۶ صـ۲۳۱
- حیوانات کی تفصیلات ج۱۱ صـ۱۴۹ ۔ دریائی جانوروں نے ایک دفعہ حضرت سلیمان سے ایک دن کی خوراک کا مطالبہ کیا تو آپ نے منظور فرمایا آپ نے ایک ماہ تک دریا کے کنارے غلہ جمع کرایا جو پہاڑ بن گیا پس ایک دریائی جانور (مچھلی) نے سر باہر نکالا اور سب غلہ کو ایک لقمہ میں کھالیا اور حضرت سلیمان سے مزید خوراک کا مطالبہ کیا حضرت سلیمان نے اس سے پوچھا کہ سمندر میں تیری مثل کوئی اور جانور بھی ہے تو اُس نے کہا ہزار ہا۔ ج۱۱ صـ۱۴۹

حاملہ ۔ عورت کو اللہ کی راہ میں مرابطہ کا ثواب ملتا ہے۔ ج۴ صـ۱۱۸

- ہر مؤنث کے شکم میں جو کچھ ہے اس کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ ج۶ صـ۱۱۲
- حمل کا اسقاط بھی قتل نفس شمار ہوتا ہے ج۹ صـ۲۷ حضرت مریمؑ کا حمل ج۹ صـ۱۴۳
- نمرود کے حکم سے بچنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی والدہ کے حمل کو اللہ نے مخفی رکھا حتیٰ کہ دایہ عورتوں کو باوجود گہری تفتیش کے بھی پتہ نہ چل سکا۔ ج۹ صـ۱۵۳ ۔ حمل گرانے کا خون بہا۔ ج۱۱ صـ۵۹
- حضرت موسیٰؑ کی والدہ کا حمل مخفی کر دیا گیا۔
- حضرت فاطمہؓ حضرت امام حسینؓ سے حاملہ ہوئیں تو غمگین تھیں اور جب حسینؓ پیدا ہوئے تو غمگین تھیں۔ ج۱۳ صـ۲۳

بچے کے حمل و فصال کی کل مدت قرآن مجید نے تیس ماہ بتلائی ہے تو چونکہ دوسرے مقام پر دودھ کی مدت حولین کاملین بتائی گئی ہے لہذا ثابت ہوا مدت حمل چھ ماہ ہو سکتی ہے۔

حاملین عرش ۔ ج۲ ص۱۴۳ ج۱۴ ص۹۵

- حضرت حمزہؓ کی جنگ احد میں شہادت اور لاش کا مثلہ ج۴ ص۳۹ ۔ حضرت حمزہ کے قاتل نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا ۔ ج۶ ص۱۲۲
- جعفر طیار اور حمزہ بروز محشر انبیاء کی گواہی دیں گے ۔ ج۱۴ ص۸۰

حضرت حنظلہ (غسیل ملائکہ) جس کی اسی رات شادی ہوئی تھی اور شب عروسی کی صبح کو جنگ احد تھا پس شامل ہوا اور شہید ہو گیا حضورؐ نے فرمایا کہ اس کو ملائکہ خود غسل دے رہے ہیں اسی لئے اس کا لقب (غسیل ملائکہ) ہو گیا ۔ ج۴ ص۴۰ ۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد علاقہ یمن میں نبی مبعوث ہوا جس کا نام حنظلہ تھا ج ص۲۱۸ د ج۱ ص۳۸ امت نے ان کو قتل کر دیا ۔ ج۱ ص۱۷۸

حور ۔ زمین پر اترنے والے فرشتے جب واپس جاتے ہیں تو حوران جنت ان سے خاک شفا بطور تبرک مانگتی ہیں ۔ ج۴ ص۱۴۰

- اولاد آدم کا سلسلہ نسل چلانے کے لئے اللہ نے شیث کے لئے حور بھیجی جس کا نام نزلہ تھا اور یافث کے لئے حور بھیجی جس کا نام منزلہ تھا پس شیث کا لڑکا اور یافث کی لڑکی اور پھر ان کے باہمی نکاح سے اولاد آدم بڑھی ۔ ج۴ ص۱۰۶
- جنتی لوگ ہر آلائش سے پاک و صاف ہو کر جنت میں پہنچیں گے تو حوریں ان کا استقبال کریں گی ج ص۱۴۶ جب مومن کی طرف حور دیکھے گی تو اس کے نور سے محلات جنت روشن ہو جائیں گے ۔ ج۱۱ ص۱۵۰
- حوران جنت پیار و محبت سے پیش آئیں گی ۔ ج۱۱ ص۲۶۷
- حور جمع ہے حوراء کی جس کا معنی ہے کشادہ چشم ۔ ج۱۳ ص۱۳۷
- قاصرات الطرف کی تشریح ص۱۸۷ حوران جنت کی تعریف ص۱۹۰ حور عین کشادہ و سیاہ چشم ص۱۹۷
- ایک ایک جنتی کو سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں حوریں ملیں گی ص۲۰۱
- سورہ نوح کے فضائل میں ہے کہ اس سورہ کی تلاوت کرنے والے کو سینکڑوں حوریں ملیں گی ۔ ج۱۴ ص۱۰۶

حوا ۔ حضرت حوا کی پیدائش ج۲ ص۱۰۵ ج۶ ص۱۴۶ ۔ ابلیس کا حوا پر وسوسہ ڈالنا ۔ ج۲ ص۹۲ ۔ آدم و حوا کا گریہ ج۵ ص۹۵

حواریین کی تشریح ج۳ ص۲۴۲ ۔ حواریین نے حضرت عیسیٰؑ سے مائدہ کے اترنے کا سوال کیا تو حضرت عیسیٰؑ نے دعا مانگی پس سرخ رنگ کے رومال میں ایک مائدہ اترا ۔ ج۵ ص۱۸۲

○ حیات مسیحؑ ج۳ ص۲۴۲ تا ص۲۴۶

حیض کا بیان ۔ حیض ونفاس والی عورت پر قرآن مجید کی سور عزائم کا پڑھنا حرام ہے ۔ مقدمہ ص۴۳

○ مسائل حیض ج۳ ص۵۳ تا ص۵۵ ۔ یہودیوں کی جن بدعادتوں کی وجہ سے ان پر عذاب آئے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایام حیض میں عورتوں سے ہمبستری کرتے تھے ۔ ج۵ ص۱۵۳

○ حیض کا آنا عورت کے بلوغ کی علامت ہے ۔ ج۹ ص۲۹

خا

○ خاک شفا کے خصوصیات ج۴ ص۱۴ ۔ مٹی کا کھانا حرام ہے لیکن خاک شفا کو بطور علاج کے ایک نخود کے دانہ کے برابر تک کھایا جاسکتا ہے ۔ ج۵ ص۸ نماز میں خاک شفا پر سجدہ کرنا مقبولیت نماز باعث ہے اور اعمال کی رکاوٹ کے حجابات خاک شفا پر سجدہ کرنے سے دور ہو جاتے ہیں ۔ ج۹ ص۶

خالد بن سنان عبسی نبی ۔ مروی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور خاتم الانبیاءؐ کے درمیان چار نبی مبعوث ہوئے ان میں ایک کا نام خالد بن سنان تھا ۔ ج۹ ص۸۴ ۔ منقول ہے کہ حضرت پیغمبرؐ سے پہلے عربوں میں دو نبی مبعوث ہوئے ایک خالد بن سنان عبسی اور دوسرے قس بن ساعدہ ۔ ج۱۲ ص۸

خالد بن ولید ۔ جنگ احد میں خالد بن ولید کا اسلامی فوج پر حملہ ۔ ج۴ ص۵۷ و ص۵۸

○ علیؑ کے قتل کے لئے خالد بن ولید کو تیار کیا گیا ۔ ج۱۱ ص۱۱۴

اقول :۔ خالد بن ولید کو سیف اللہ کا لقب کسی نے نہیں دیا بلکہ اس نے اپنے لئے خود ہی تجویز کیا چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں سورہ فتح کی آیت هُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ الخ کے ذیل میں ہے کہ خالد نے خود کہا میں اللہ اور اس کے رسول کی تلوار ہوں پس اس کو سیف اللہ کہا گیا ۔ جلد ۴ ص۱۹۲

خاموشی عبادت ہے جبتک مومن خاموش رہے اس کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں (فرمان صادقؑ) ج۶ ص۲۷ ابوذر کا قول ہے کہ زبان نیکی و بدی کی کنجی ہے پس سونے اور چاندی کی طرح اس پر مہر لگاؤ ص۲۷

خبر واحد کی حجیت ج۲ ص۸ و ج۸ ص۱۳۸ و ج۹ ص۲۹ و ج۱۳ ص۹۷

خبیث چیزوں کو اللہ نے حرام کیا اور طیبات کو حلال کیا ۔ ج۵ ص۴۹

○ بعض خبائث کا ذکر ص۲۶۴ ۔ قوم لوط کی خبیث عادتیں ۔ ج۹ ص۲۳۸

- اَلْخَبِیْثَات کی تشریح ۔ ج۲ ص۱۲۷

ختم قرآن کی حد ۔ مقدمہ تفسیر ص۴۷ ماہ رمضان میں تیسرے دن ختم قرآن کرے تو خوب ہے ۔ ج۲ ص۲۳۳

- حضرت علیؑ ایک رکاب میں پاؤں رکھتے تو دوسری رکاب تک قرآن ختم کر لیتے تھے ۔ مقدمہ تفسیر ص۴۹
- نمازِ تہجد میں ختم قرآن ص۵۱ و ص۵۴
- خَتَمَ اللّٰہ کی تفسیر ج۱ ص۵۴ ۔ ختم کی وضاحت ص۶۱ تا ص۶۴ ج۶ ص۱۴ ج۹ ص۱۰۵
- بروزِ محشر زبانوں پر مہر لگ جائے گی اور باقی اعضاء اپنے اعمال کا خود اعتراف کریں گے اور اعضاء کی گواہی کا یہی مطلب ہے ۔ ج۱۲ ص۲۷ و ۲۸ ۔ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے منکرین کے دلوں کانوں اور زبانوں پر مہر لگی ہوئی ہے ۔ ج۱۲ ص۱۷۱ ۔ منافقوں کے دلوں پر ختم یعنی مہر ہوتی ہے کہ پیغمبرؐ کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتے تھے ۔ ج۱۳ ص۴۵
- خاتم الانبیاء کا معجزہ قرآن تا قیامت رہے گا ۔ مقدمہ تفسیر ص۶۳
- قرآن اور ختم نبوت ص۹۵ ۔ ختم نبوت کی عقلی دلیل ج۶ ص۵۸
- حضورؐ نے فرمایا میں خاتم النبیین ہوں ج۹ ص۱۰۰ ۔ ختم نبوت ج۱۱ ص۲۰۱

ختنہ کرنا ملتِ ابراہیمی ہے ۔ ج۲ ص۱۷۱ ج۵ ص۲۷

حضرت خدیجہؓ ام المومنین ان چار عورتوں میں سے ہیں ۔ جن کو اللہ نے چن لیا ۔ ج۳ ص۲۲۰ و ص۲۲۹ ج۱۴ ص۷

- حضرت ابوطالب اور جناب خدیجہؓ اہل ایمان کے محسن ہیں ج۸ ص۱۱۷ ۔ سب سے پہلے حضرت پیغمبرؐ کے پیچھے حضرت علیؑ اور خدیجہؓ نے نماز پڑھی ص۱۱۹ ۔ شب معراج حضورؐ نے شجرہ طوبیٰ کا پھل کھایا جو مادہ تخلیق فاطمہؑ بنا پس زمین پر واپس آئے تو جناب خدیجہؓ کے رحم میں وہ منتقل ہوا ۔ ج۸ ص۱۳۲
- اللہ نے فرمایا ۔ زمین پر واپس پہنچنا تو خدیجہؓ کو میرا سلام کہنا ۔ ج۸ ص۲۵۹
- جناب خدیجہ چونکہ خاتونِ جنت کی ماں ہے اس لئے مسلمانوں کو اس کی فضیلت گوارا نہیں ۔ ج۱۱ ص۲۰۷

خرچ ۔ راہِ خدا میں خرچ کرنا متقین کی نشانی ہے ۔ ج۲ ص۵۲ و ص۵۳ ص۱۳۴ ص۱۳۹ خرچ کا طریقہ ج۳ ص۱۱۰ و ص۱۵۴

- مساکین و مستحقین کو دے کر جتلانا نہیں چاہیئے ص۱۵۸ شیطان راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکتا ہے ص۱۵۹
- راہِ خدا میں عمدہ چیز دینی چاہیئے ص۱۶۱ راہِ خدا میں خرچ کرنے کے آداب ص۱۹۲ راہِ خدا میں خرچ نہ کرنے والے کا عذاب ج۴ ص۲۴ ۔ حدیث قدسی میں ہے مال میرا ہے اور فقراء میری عیال ہیں پس جو شخص میرے مال کو خرچ کرنے سے میری عیال پر بخل کرے گا اس کو جہنم میں داخل کروں گا ۔ ج۷ ص۵
- جو بھی راہِ خدا میں خرچ کرے خدا اس کو بدلہ دیتا ہے ۔ ج۱۱ ص۲۵۰ ۔ مومن کی علامت راہِ خدا میں خرچ ج۶ ص۱۹۴

○ قیامت کے دن سوال ہوگا کہ مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا؟ ج ص ۳۰
○ مومن وہ ہے جو اپنے اوپر خرچ کرنے سے پہلے مومن دوستوں پر خرچ کرنے کو زیادہ پسند کرے ج ص ۲۹
○ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا جنتی کی نشانی ہے ج ص ۲۲۱ و ج ص ۱۰۲
خزانہ ڈھونڈنے کا طریقہ ۔ ج ص ۱۸۹
خضاب لگانا ج ص ۲۷
خوشبو ۔ خوشبو کا استعمال کرنا مستحب ہے بالخصوص بروز جمعہ نماز جمعہ کے لئے خوشبو لگانا بہت ثواب ہے ج ص ۲۰
خضرؑ ۔ مسجد سہلہ میں حضرت خضرؑ کا مقام ہے ج ص ۲۵ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر موسیٰؑ اور خضرؑ کے
درمیان میں ہوتا تو ان دونوں کو سمجھاتا اور پوچھتا ۔ ج ص ۲۳۵ ج ص ۱۱۱ حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کا قصہ ج ص ۱۰۲
○ حضرت خضرؑ کی طولانی زندگی ۔ ص ۱۱۸ اور یہ ممکن ہے کہ حضرت خضرؑ کو بعض علوم ایسے دیئے گئے ہوں جن
حضرت موسیٰؑ کا دامن خالی ہو حالانکہ وہ اولوالعزم پیغمبر تھے ج ص ۱۳۶
○ حضرت خضر دریاؤں میں رہتے ہیں ج ص ۲ حضرت امیرؑ کا اعجاز اور خضر پیغمبرؑ کی زیارت ج ص ۱۱۱
○ حضرت خضرؑ اور حضرت علیؑ کا مکالمہ ج ص ۱۵۵
خلع ۔ اور اس کے احکام ج ص ۲۹ تا ص ۳۱
خلق ۔ اللہ نے زمین کو مناسب طریقہ پر خلق فرمایا نہ گرم نہ سرد نہ نرم نہ سخت تاکہ انسان اس پر آسانی سے بود و باش کر سکیں ج
○ ص ۶ ج ص ۱۲ ذکر خلقت آدمؑ ج ص ۳۰ حوا کی پیدائش ج ص ۳۱ آسمانوں کو بغیر ستونوں کے قائم کیا ص ۶ و ص ۱۵۵
○ اس کے امر کن سے مخلوق پیدا ہو جاتی ہے ص ۵۹ حضرت عیسیٰؑ کا پرندہ کو پیدا کرنا ج ص ۲۳۹ و ج ص ۱۸۱
○ مٹی سے خلق فرمایا ج ص ۱۸۹ بدیع السموات ج ص ۲۲۳ چھ دنوں میں تکمیل خلقت ج ص ۳۹ ج ص ۱۱۲ ج ص ۱۲۱ مسئلہ خلق و رزق ج ص ۲۵۱
○ احسن الخالقین ج ص ۱۰ اللہ ہر شئی کا خالق ہے ج ص ۱۲ ص ۱۵ اول مخلوق ج ص ۱۲۶ ج ص ۵۹ خلقت انسان و پیدائش جن ۔ ج ص ۱۸۱
○ خلقت آدمؑ ص ۷۰ خلقت پر قدرت ج ص ۵ ج ص ۳۱ موجودات عالم کا تخلیقی کارنامہ ج ص ۱۰۷
○ خلق و اختیار ج ص ۲۹ رزق خلق کی تقسیم ج ص ۹۷ اللہ حقیقی خالق ہے ۔ ج ص ۱۵۴
○ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور خالق ہے؟ ج ص ۲۵۷ موت کے بعد دوبارہ پیدا ہوں گے؟ ج ص ۱۳۶
○ اللہ کے سوا کسی کو خالق یا رازق کہنا درست نہیں ج ص ۱۲۱ ترتیب خلقت ص ۱۴۲ و ص ۱۴۷ و ج ص ۲۱۳ ج ص ۱۶۲
○ تخلیق بالذات نہیں بلکہ اس نے اپنے ارادہ و اختیار سے خلق فرمایا ہے ۔ ج ص ۱۹۶ ۔ آسمان و زمین کی تخلیق لہو و لعب
سے منزہ ہے ص ۲۹۸ خلق آسمان و زمین ج ص ۱۹ ج ص ۱۰۹ تخلیق انسان ج ص ۱۸۶
○ اللہ نے انسان کو بہترین شکل و صورت پر خلق فرمایا ج ص ۳۰ نطفہ امشاج سے انسان کو پیدا کیا ۔ ج ص ۱۴۶ ۔ خلق عظیم ج ص ۴۴

خنزیر حرام ہے ج ۱ ص ۱۳ و ص ۲۵ و ص ۲۶۲ خنزیر پر چڑھ کر طعنا بے حیائی ہے اس لئے حرام ہے ص ۲۹
○ بعض امتیں خنزیر کی شکل میں مسخ ہوئیں ۔ ج ۵ ص ۱۵۱ و ص ۱۹۲ و ص ۱۹۴ ۔ خنزیر نجس العین ہے ۔ ج ص ۱۳۸ ○

خلیفہ وخلافت ۔ خلیفہ رسول کا انتخاب ۔ مقدمہ تفسیر ص ۱۲ ۔ محمد مصطفیٰ کا جانشین وہ ہو سکتا ہے جو گزشتہ تمام انبیاء پر حکومت کر سکتا ہو (کیونکہ حضور خود سید الانبیاء تھے) لہٰذا اس کا معصوم ہونا بھی ضروری ہے ۔ ص ۹۹

○ **إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً** ۔ ج ۱ ص ۶۹ خلافت علیؑ پر دلیل ص ۲۰۲ علیؑ خلیفۃ اللہ ہیں ص ۱۰ و ج ۳ ص ۱۱۶
○ حبل اللہ سے مراد علی خلیفۂ رسول ہے ج ۳ ص ۱۱ خلافت علیؑ ج ۵ ص ۲ خلافت علیؑ اور حدیث غدیر ص ۲۸
○ خاتم الانبیاء کا خلیفہ اور جانشین وہ ہو سکتا ہے جو ان کی صفات کا جامع ہو جس طرح وہ عالمی نبی تھے یہ
عالمی امام ہوگا اور اس معیار پر پورا اترنے والا سوائے علیؑ کے کوئی دوسرا نہیں ہے ج ص ۵۸ ○
○ جس طرح موسیٰؑ نے ہارونؑ کو نامزد کیا تھا حضرت پیغمبرؐ نے بھی علیؑ کو نامزد فرمایا تھا ج ص ۸۹
مدیث برأت دلیل خلافت ج ص ۱ علامہ حلی کا استدلال اجعلتم سقایۃ الحاج الخ دلیل خلافت علیؑ ج ص ۳۱ ○
○ **كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ** ۔ دلیل خلافت ہے ج ص ۱۳۳ **یؤت کل ذی فضل فضلہ** دلیل خلافت علیؑ ہے ج ص ۱۸۹
○ **أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي** دلیل خلافت ج ص ۹۶ ۔ مقصد معراج دو باتیں تعین خلافت علیؑ اور شادی بتولؑ ج ص ۲۹۴ ○
○ مقصد معراج خلافت علیؑ ج ص ۵ حضرت پیغمبرؐ نے اپنے خلیفہ کی نامزدگی تصریح کے بجائے کنایہ کے رنگ میں کی ۔ ج ص ۲۵۹ ○
○ نص خلافت ج ص ۱۱۳ دعوت عشیرہ کے موقعہ پر خلافت علیؑ کا اعلان ج ص ۲۱۲ خلیفہ رسول کا مقام ج ص ۱۴ ○
○ ستارہ جس کے گھر پر اترے گا وہ خلیفہ ہوگا ۔ ج ص ۱۲ و ص ۱۲۷ ○
○ امام علی رضا علیہ السلام سے کلمہ اس طرح مروی ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَخَلِيفَتُهُ حَقًّا ۔ ج ص ۲۵۹ ○
○ شیعوں کے نزدیک خلیفہ رسول وہ ہے جس کو اللہ منتخب فرمائے ۔ ج ص [illegible] ○ حضرت لقمان نے خلافت کو قبول نہ کیا اور
حضرت داؤد نے قبول کر لیا ج ص ۱۳۱ ۔ آیت الآیت حضرت علیؑ کی خلافت پر دلیل واضح ہے ج ص ۱۳۴ ○

خمس کا بیان ۔ ج ص ۲۰۸ تا ص ۲۳۶ خمس حضرت عیسیٰ کی شریعت میں بھی تھا ۔ ج ص ۹۱

خواہشِ نفس ہی انسان کو خدا سے دور رکھتی ہے ج ص ۴۲ خواہش نفس انسان کی دشمن ہے ص ۲۲ ج ص ۱۳۵ یہودیوں کی خواہش تھی کہ
بیت المقدس ہی قبلہ رہے پس یہودیت سے نکل کر اسلام قبول کرنے والوں کو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا دشوار تھا پس تحویل قبلہ
کا حکم ان کو خواہش نفس کے خلاف جہاد کرنے کا حکم تھا ○
○ خواہشات کو کچلنا جہاد عظیم ہے ۔ ج ص ۵ ۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا مجھے تم پر دو چیزوں کا خطرہ ہے ایک خواہش کی اتباع ○
اور دوسرے طول امل ج ص ۱۶۹ وہ شخص خائب ہے جو نفس کی اتباع کرے اور لمبی امیدیں رکھے ج ص ۱۴۲ ۔ حدیث قدسی میں ہے میں نے پانچ چیزیں
کو پانچ چیزوں میں رکھا ہے چنانچہ پانچواں یہ ہے کہ میں نے اپنی رضا کو خواہش نفس کی مخالفت میں رکھا ہے اور لوگ اس کی خواہش کی

اطاعت میں طلب کرتے ہیں پس وہ کیسے پا سکتے ہیں۔ ج ۱۱ ص ۲۵۹

○ ہلاک کرنے والی تین چیزیں ہیں (۱) بخل (۲) خواہش نفس کی اتباع (۳) خود پسندی۔ ج ۱۲ ص ۲۰۱

○ خواہش ختم ہی نہیں ہوتی ایک کے بعد دوسری خواہش بڑھتی چلی جاتی ہے اسی لئے حدیث قدسی میں ہے انسان کو نہیں سیر کرتی مگر قبر کی مٹی ج ۱۲ ص ۲۱۲۔ بعض لوگ اپنی خواہش کو معبود سمجھتے ہیں۔ ج ۱۳ ص ۱۱

خواب میں وہی چیز نظر آسکتی ہے جو عالم بیداری میں دیکھنے کے قابل ہو پس خدا چونکہ عالم بیداری میں نظر نہیں آسکتا لہذا جو شخص کہے کہ میں نے خواب میں خدا کو دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے مقدمہ تفسیر ص ۱۰۵

○ عالم خواب میں روح کی کچھ آزادی ج ۲ ص ۳۷ تا ص ۳۹۔ خواب میں زندگی۔ ج ۲ ص ۱۹۸

○ خواب کی چار قسمیں (۱) خواب من جانب اللہ (۲) وسوسۂ شیطانی (۳) مزاج کی خرابی کی وجہ سے (۴) افکار کی زیادتی سے پہلی قسم کا خواب الہام ہے باقی تینوں قسمیں اضغاث احلام ہیں۔ ج ۷ ص ۲۳۸

○ خواب کی حقیقت ج ۹ ص ۷ تا ص ۱۱۔ حضرت یعقوب کا خواب ج ۹ ص ۱۲

○ مومن کا خواب نبوت کا ایک جزو ہے۔ ج ۲ ص ۳۹

○ حضرت یوسفؑ نے زندان مصر میں قیدیوں سے فرمایا کہ میں خواب کی تعبیر جانتا ہوں ج ۹ ص ۳۴ و ص ۳۵

○ بادشاہ مصر کا خواب ج ۹ ص ۴۰ تا ص ۴۲ حضرت یوسفؑ کی تعبیر ص ۴۴

○ حضرت یوسفؑ کی ماں مر چکی تھی لیکن تعبیر خواب کو آنکھوں سے دیکھنے کے لئے زندہ کی گئی ج ۹ ص ۸۵

○ تعبیر خواب ج ۹ ص ۸۰ تا ص ۸۹ حضورؐ نے خواب میں دیکھا کہ بندر آپ کے منبر پر ناچ رہے تھے۔ ج ۹ ص ۳۹

○ جادوگروں نے خواہش کی تھی کہ ہم موسیٰ کی نیند دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ ان کے لئے موقع فراہم کیا گیا پس انہوں نے دیکھا کہ موسیٰ محو خواب ہیں اور عصا بصورت اژدھا پہرہ دے رہا ہے کہنے لگے یہ معجزہ ہے جادو نہیں کیونکہ جادو نیند کی حالت میں باقی نہیں رہتا۔ ج ۹ ص ۱۹۱

○ جو شخص سورہ انبیاء لکھ کر اپنی کمر سے باندھ لے وہ خواب میں عجائبات دیکھے گا۔ ج ۹ ص ۲۱۴ (جو شخص سوتے وقت ۶۲ دفعہ آیت نور پڑھ کر سوئے تو عالم خواب میں عجائبات دیکھے گا)

○ فرعون نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی جانب سے ایک آگ اٹھی جس نے مصر کا رخ کیا اور چھا گئی اس کو تعبیر یہ بتلائی کہ بنی اسرائیل سے ایک آدمی اٹھے گا جو تیری حکومت کی تباہی کا باعث ہوگا چنانچہ اس نے بنی اسرائیل پر مظالم شروع کر دیئے ج ۱۱ ص ۸۰۔ حضرت ابراہیمؑ کو فرزند کے ذبح کرنے کا حکم خواب میں ملا۔ ج ۱۲ ص ۵۰

○ خواب میں قبض نفس ہوتا ہے اور موت میں قبض روح ہوتا ہے۔ ج ۱۲ ص ۱۲۵

○ حضرت پیغمبرؐ نے خواب میں مسجد الحرام کا داخلہ دیکھا تھا۔ ج ۱۳ ص ۵۸

○ عاتکہ بنت عبد المطلب کا جنگ بدر سے پہلے خواب کہ ایک شتر سوار کہتا ہے موت کی تیاری کر لو ج ۶ ص ۱۲۵ و ص ۱۲۶ بخت نصر نے خواب دیکھا اور مقامی نجومی اس کی تعبیر نہ بتا سکے تو سب کو قتل کیا دانیال نے تعبیر بتائی کہ تو تین تک قتل ہو جائیگا چنانچہ وہ تعبیر حرف بحرف صحیح نکلی۔ ج ۲ ص ۱۴۵

- سورہ دخان کو لکھ کر سرہانے رکھ کر سوئے تو خواب میں اچھائی دیکھے گا۔ ج۱۲ ص۲۵۵
- انبیاء کے خواب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک یہ کہ آنے والے واقعہ کو بعینہٖ دیکھیں جس طرح حضورؐ نے فتح مکہ خواب میں دیکھی دوسرے یہ کہ ایسی چیز جس کی تاویل آنے والا واقعہ ہو جس طرح حضرت یوسفؑ کا خواب گیارہ ستاروں اور چاند و سورج کا سجدہ ج۱۱ ص۵

خونریزی ۔ بنی آدم کی خونریزی کا فرشتوں کو پہلے سے خطرہ تھا ج۹ ص۷ ۔ یہودی قبائل کو اوس خزرج کے ساتھ مل کر خونریزی ج۲ ص۱۳۷

- اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے زندہ ہوتے ہیں۔ ج۷ ص۱۹۷
- ایسا فعل جس سے منہ میں خون آجائے روزدار کے لئے مکروہ ہے۔ ج۲ ص۲۲۸
- حضرت علیؑ کو جنگ احد میں صرف سامنے کی طرف سے ستر زخم لگے تھے۔ ج۴ ص۴
- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو لوگ ہمارے قاتلوں کو مومن سمجھتے ہیں ان کے لباس قیامت تک ہمارے خون سے آلودہ رہیں گے۔ ج۴ ص۹۲
- ہر جانور کا خون حرام ہوتا ہے۔ ج۵ ص۱۰ و ص۱۹ و ص۲۶۴ ۔ حلال جانور کی ذبح کے وقت چار رگیں کاٹی جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ خون نکل جائے۔ ج۵ ص۲۲ ۔ خون کی قیمت سحت میں شمار ہے۔ ص۱۱۱
- فرعونیوں پر آنے والے عذابوں میں سے ایک عذاب خون تھا کہ ان کیلئے پانی خون بن جاتا تھا۔ ج۸ ص۸ ج۸ ص۹ ج۱۲ ص۱۴۸
- حضرت پیغمبرؐ کی بددعا سے چالیس منافقین پر خون کا عذاب آیا۔ جن کے ناک اور منہ سے خون جاری رہتا تھا اور آخرکار وہ واصل جہنم ہو گئے۔ ج۶ ص۵۳ ۔ خون جہندہ رکھنے والے جانوروں کا خون نجس ہوتا ہے البتہ حلال ذبح شدہ جانور کا خون جو اندر رہ جاتا ہے وہ نجس نہیں ہوتا لیکن حرام ہوتا ہے۔ ج۵ ص۳۸
- حضرت یوسفؑ کے بھائی یوسف کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر واپس آئے اور کہا کہ یوسفؑ کو بھیڑیے نے کھایا ہے۔ ج ص۱۹
- غصہ کے وقت اولاد یعقوب کے جسم سے زرد رنگ کا خون ٹپکتا تھا۔ ج ص۶۹
- حضرت یحییٰؑ اور حضرت حسینؑ دونوں کی شہادت پر آسمان خون رویا۔ ج۹ ص۱۲۹
- سورہ لقمان کو لکھ کر زخم پر لٹکانے سے خون بند ہو جائے گا۔ ج۱۱ ص۱۲۸
- قتل خطا کا بدلہ قتل نہیں بلکہ خون بہا ہوتا ہے۔ اگر آزاد غلام کو قتل کرے تو قصاص نہیں بلکہ خون بہا لیا جائیگا اور اگر مرد عورت کو قتل کرے تو دو صورتیں ہیں یا تو مرد سے خون بہا لیا جائے گا یا قصاص کی صورت میں نصف دیت عورت کے ولی کو ادا کرنی پڑے گی۔ ج۲ ص۲۱۳ ۔ اگر عمدی قتل میں وارث مقتول قصاص معاف کر کے خون بہا پر راضی ہو جائے تو قاتل سے قصاص معاف ہو جائے گا۔ ج۲ ص۲۱۲
- حمل کے خون بہا کی تفصیل ج۱ ص۵۹

خوف ۔ مومن کا ایمان خوف و رجا کے درمیان ہوتا ہے۔ ج۴ ص۴۲ ج ص۱۶۱ ج ص۶ ج ص۲۴۸ ج۱۱ ص۱۳۲

- خوف و حزن میں فرق ج۲ ص۹۳ بچہ خوفزدہ ہو یعنی ڈرتا ہو تو سورہ غاشیہ اس پر پڑھی جائے اس کو سکون ہوگا۔ ج۱۴ ص۲۱۰

- جہنم کے پہلے دروازہ پر مرقوم ہے (۱) اللہ سے امید وابستہ کرنے والا نیک بخت ہے (۲) اللہ کا خوف رکھنے والا بے خوف ہے (۳) اللہ کے غیر سے امید وابستہ کرنے والا اللہ کے غیر سے خوفزدہ رہے گا۔ ج۲ صہ۲۶
- وہ لوگ بدبخت ہیں جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے اس سے ڈرتے نہیں۔ ج۲ صہ۱۱۳
- خوفِ خدا میں رونا شیعہ کی علامت ہے۔ ج۲ صہ۱۰۳
- خوفِ خدا میں آنسو کا ایک قطرہ محشر کی ذلت سے بچاتا ہے ج۲ صہ۱۵۹
- مخبتین کی چار علامتیں (۱) اللہ کے ذکر سے ان کے دل خوفزدہ ہوں (۲) مصیبت پر صبر کریں (۳) نماز ادا کریں (۴) خداداد رزق سے حقوق ادا کریں۔ ج۱ صہ۳۳
- جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہے اُسے اعمالِ حسنہ کی بجا آوری میں سستی نہ کرنی چاہیئے ج۱ صہ۲۰
- تین چیزیں نجات دینے والی ہیں (۱) رضا و غضب کی دونوں حالتوں میں عدل کو قائم رکھنا (۲) غنا و فقر کی دونوں حالتوں میں میانہ روی کو قائم رکھنا (۳) پوشیدہ و ظاہر دونوں حالتوں میں خوفِ خدا رکھنا ج۲ صہ۲۰۱
- اللہ کی گرفت سے نڈر ہونا مومن کی شان نہیں ہے۔ ج۴ صہ۱۰۳
- ایک عورت کی کہانی جس کے دل میں خوفِ خدا تھا پس اس کی وجہ سے اس مرد کے دل میں بھی خوفِ خدا پیدا ہو گیا جو اس سے زنا کا ارادہ رکھتا تھا پس تائب ہو گیا ج۴ صہ۱۰۲ ج۲ صہ۱۶۱
- خوفِ خدا کی ایک آنسو جہنم کے سمندروں کو خشک کرنے کے لئے کافی ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ بروز محشر ہر آنکھ روئے گی مگر تین آنکھیں نہ روئیں گی (۱) جو دنیا میں حرام سے بچی رہی ہوں (۲) جو رات کو اطاعتِ خدا میں بیدار رہی ہوں (۳) جو اثنائے شب میں خوفِ خدا سے روئی ہوں ج۲ صہ۱۶۱ جس شخص کے دل میں اللہ کا خوف ہو خدا ہر شیٔ کے دل میں اس کا خوف پیدا کر دیتا ہے اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ ہر شیٔ سے ڈرتا ہے۔ ج۲ صہ۱۶۰

خیرات خیرات کرنے کے آداب میں سے ہے کہ جتلائے نہیں اگر کوئی شخص سائل سے ترشروئی کرے یا پہلے اسے جھڑکے پھر کچھ دے یا کچھ دینے کے بعد اس سے کوئی کام کروائے ان صورتوں میں احسان کی جزا باطل ہو جاتی ہے اور اگر سائل خود ترش کلامی یا ترشروئی کرے یا بے جا سوال کرے تو درگذر کرنا بہتر ہے۔ حضرت علیؑ نے خضرؑ سے پوچھا کہ کوئی اچھی بات سناؤ۔ تو خضرؑ نے کہا کہ مالدار لوگوں کی فقراء پر شفقت اگر ثواب کے لئے ہو تو خوب ہے آپ نے فرمایا اس سے بہتر سناؤ تو خضرؑ خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا اس سے بہتر یہ ہے کہ فقراء لوگ ازراہ خودداری اللہ پر توکل کر کے مالدار لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا چھوڑ دیں۔ ج۳ صہ۱۵۵

○ بیدک الخیر میں الخیر کی شرح اور یہ کہ اللہ فاعل خیر ہے ج۳ ص۲۱۱

خیانت ۔ خیانت سے حاصل کردہ مال حرام ہے ج۱ ص۲۶۲ ۔ خیانت کرنا گناہ کبیرہ ہے ۔ ج۵ ص۲۶۲

○ جس شخص میں تین عادتیں پائی جاتی ہیں وہ منافق ہے خواہ اپنے آپ کو مومن کہلانے والا نمازی اور روزہ دار ہی ہو (۱) جھوٹا (۲) وعدہ شکنی کرنے والا (۳) خیانت کرنے والا ج۳ ص۲۹۳

○ جو شخص جس چیز کی خیانت کرے گا بروز محشر اسے گردن پر اٹھا کر محشور ہوگا ج ص۲۹

○ آل محمدؐ کے حقوق پر پردہ ڈالنا امت اسلامیہ کی خیانت ہے ۔ ج۵ ص۷۹

○ امانت میں خیانت کرنا مومن کی شان نہیں ہے ۔ ج ص۱۶۶ ج ص۵ کفر و شرک بھی خیانت ہے ج۶ ص۲۵۷

○ حضرت نوحؑ کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ اپنے شوہر کو دیوانہ اور پاگل کہتی تھی ۔ اور حضرت لوطؑ کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ اپنے شوہر نبی کی راز داری میں خیانت کرتی تھیں ۔ ازواج نبی کی پاکدامنی میں شک کرنا گناہ ہے ج۵ ص۲۱۳ ج۱ ص۸۲ ج۱ ص۹۸ خیانت کرنے والے پر خدا کی لعنت ج۵ ص۱۲

الدّال

دانیال ۔ دانیال پیغمبر کو بخت نصر نے کنوئیں میں ڈال دیا یہ کنواں بابل کے قریب تھا بیت المقدس کے نبی کو وحی ہوئی کہ بابل کے کنوئیں میں دانیال کو غذا پہنچاؤ چنانچہ وہ نبی انہیں غذا پہنچاتا رہا آخر بخت نصر نے خواب میں دیکھا کہ اس کا سر لوہے کا پاؤں پیتل کے اور سینہ سونے کا ہے تعبیر دریافت کی لیکن نجومی نہ بتا سکے تو سب کو قتل کر دیا حضرت دانیال نے خواب اور تعبیر دونوں بتا دیئے اور فرمایا تو تین دن تک قتل ہو جائے گا پس حضرت دانیال کو اس نے کنوئیں سے باہر نکالا اور کہا کہ اگر تیسرے دن میں قتل نہ ہوا تو تجھے قتل کر دونگا چنانچہ تیسرے دن عالم پریشانی میں گھر سے باہر نکلا اور غلام کو حکم دیا کہ تلوار لے لو اور جو بھی تیرے سامنے آئے اسے قتل کر دو خواہ میں خود ہی کیوں نہ ہوں پس غلام نے اس کو قتل کر دیا اور یہ غلام ایرانی نسل کا تھا جس کا بخت نصر کو پتہ نہ تھا اور حضرت دانیال نے کہا تھا کہ تجھے ایرانی نسل کا غلام قتل کرے گا ۔ ج۳ ص۱۴۸

○ بخت نصر کے بعد خدا نے بہمن بن اسفندیار کو بھیجا اس نے بنی اسرائیل کے قیدیوں کو آزاد کیا اور حکومت دانیال کے حوالہ کر دی ۔ ج ص۱۰

داؤدؑ ۔ داؤد کے متعلق وارد ہے کہ گھوڑے پر زین رکھی جاتی تھی تو زین رکھنے کی مدت میں وہ زبور ختم کرلیا کرتے تھے ۔ مقدمہ تفسیر صلا

- طالوت و جالوت کی لڑائی میں حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کیا ۔ پس طالوت نے حسب وعدہ اپنی لڑکی داؤد سے بیاہ دی اور بعد میں طالوت کے بعد تخت حکومت پر فائز ہوئے ۔ ج ۱ ص ۱۲۳ ۔ حضرت داؤد کی شجاعت ص ۱۲۴ ، ۱۲۵ ۔ کفر کرنے والے بنی اسرائیل پر داؤدؑ و عیسیٰؑ کی لعنت ہے ج ۵ ص ۱۵۲
- حضرت داؤدؑ پر وحی ہوئی کہ جو شخص میرے اوپر اعتماد کرے تو میں اس کی حفاظت کے اسباب خود پیدا کرتا ہوں اور جو مجھے چھوڑ کر غیر پر بھروسہ کرے تو میں زمین و آسمان کے اندر اس کی کامیابی کے وسائل قطع کردیتا ہوں ۔ ج ۵ ص ۱۶۲
- حضرت داؤد کے گھر میں ایک سو بیویاں تھیں ۔ ج ۵ ص ۲۴ ۔ حضرت داؤد کو دی گئی کتاب کا نام زبور ہے ج ۵ ص ۳۶ حضرت داؤد کا فیصلہ ج ۹ ص ۲۴۱ ۔ داؤد کے وصی کا تعین ص ۲۴۱ داؤد زرہ کا موجد ہے ص ۲۴۲
- حضرت داؤد کو وحی ہوئی اگر تمام اہل سما و ارض مجھ سے مانگیں اور ہر مانگنے والے کو پوری دنیا کا ستر گنا دیا جاؤں تب بھی میرے خزانہ میں کمی واقع نہ ہوگی ۔ جس طرح نوک سوزن کو سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے سمندر کے پانی میں کمی نہیں آتی ۔ ج ۹ ص ۱۴۹ ۔ وراثت انبیاء حضرت سلیمانؑ داود کے وارث تھے ص ۲۲۸ تا ص ۲۳۰
- حضرت داؤد کے زمانہ میں اللہ نے سلیمانؑ کو فیصلہ کی فہم عطا کی تاکہ داؤد کے بعد ان کی جانشینی میں شک نہ ہو ۔ ج ۹ ص ۲۴۷
- حضرت داؤد و لقمان کا زمانہ ایک تھا لیکن لقمان ان سے بڑے تھے جس دن داؤد نے جالوت کو قتل کیا تھا اس دن لقمان بھی ساتھ تھے ۔ ایک دن حضرت لقمانؑ ملنے آئے تو داؤد زرہ بنا رہے تھے پوچھنا چاہا کہ کیا کر رہے ہو لیکن خاموش رہے جب زرہ تیار ہو گئی اور حضرت داؤد نے اپنے جسم پر پہن لی اور فرمایا کہ یہ لڑائی کا بہترین لباس ہے حضرت لقمان نے کہا خاموشی بہت بڑی دانشمندی ہے لیکن اپنانے والے کم ہیں ۔ ج ۱۱ ص ۱۳۱
- حضرت داؤد کا ذکر ان کی حکومت کا لحن اور ان کی کاریگری ۔ ج ۱۱ ص ۲۲۶ تا ص ۲۲۸
- حضرت داود کا واقعہ ان کی قوت و طاقت اور حشمت و جاہ و جلال و عصمت داودؑ ۔ ج ۱۲ ص ۸۲ تا ص ۸۸
- حضرت داؤد پر غلط الزام ج ۱۲ ص ۹۰ حضرت داؤد و سلیمان حکمران نبی تھے ۔ ج ۱۱ ص ۲۲۳ لیکن حضرت داؤد نے زندگی بھر کما کر روٹی کھائی اور شاہی خزانہ رفاہ عامہ کے لئے وقف رہا اسی طرح حضرت سلیمانؑ شہنشاہ ہونے کے باوجود محنت مزدوری کر کے گذارا کرتے تھے اور بیت المال کو مستحقین پر تقسیم فرماتے تھے ۔ ج ۱۱ ص ۲۲۵

داڑھی ۔ اللہ کے نزدیک تین آدمی مکرم ہیں (۱) مسلمہ سفید ریش (جس کے داڑھی کے بال سفید ہوں (۲) امام عادل (۳) حامل قرآن مقدمہ تفسیر ص۲۹ داڑھی رکھنا ملت ابراہیمی ہے ج۲ ص۱۷۱ ۔ داڑھی منڈوانا حرام ہے ج۶ ص۱۶

○ ڈاڑھی میں کنگھی کرنا مستحب ہے ۔ ج۶ ص۲۴ ۔ حضرت پیغمبرؐ ڈاڑھی پر اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کی طرف چالیس دفعہ کنگھی پھیرتے تھے حضرت صادق علیہ السلام ہر نماز کے بعد کنگھی کیا کرتے تھے ص۲۵ رسولؐ اللہ کی ڈاڑھی گھنی تھی ج۱۲ ص۲۰۵ حضرت موسیٰؑ کا حضرت ہارون کی ڈاڑھی پکڑنے کا مطلب ج۶ ص۹۹ فرعون کی داڑھی میں موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ ج۹ ص۱۰۱ و ج۱۱ ص۲۲ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ڈاڑھی میں سفید بال دیکھا پس حمد پروردگار بجالائے ص۲۳۱ ۔ نماز کی حالت میں داڑھی کھجلانا منافی خشوع ہے ج۱۰ ص۵۴ اس امت کا بدبخت وہ ہے جو یا علیؑ تیری داڑھی کو رنگین کرے گا ۔ ج۷ ص۵۳ معاویہ کی داڑھی خبیث زمین کی پیداوار کی طرح ۔ ج۷ ص۴۲

دخان ۔ سورہ دخان کے فضائل و خواص ۔ ج۱۲ ص۲۵۵ ۔ دخان کی تفسیر ص۲۶۱

درود شریف ۔ حضرت موسیٰؑ نے بحکم پروردگار اپنی قوم کو محمد و آل محمدؐ پر درود پڑھنا تعلیم فرمایا تو اس کی برکت سے ان کے مصائب دور ہوگئے اور عورتوں نے درود کو وردِ زبان بنایا تو فرعونیوں کو ان کی آبروریزی پر قدرت نہ ہو سکی اور فرعون کے تشدد کے باوجود بنی اسرائیل کی تعداد میں کمی نہ ہوئی ۔ ج۲ ص۱۰۵ و ص۱۰۶

○ بنی اسرائیل کو جس گائے کے ذبح کا حکم ہوا وہ ایسے نوجوان کی تھی جو محمد و آل محمدؐ پر درود پڑھتا تھا ج۲ ص۱۲۴

○ محمد و آل محمدؐ پر درود کا ثبوت ج۲ ص۲۰۲ ۔ دعا سے قبل و بعد درود پڑھنے سے دعا مقبول ہوتی ہے ج۶ ص۱۳۸

○ درود پڑھنا آل محمدؐ کی تعظیم ہے ج۶ ص۱۲ ۔ منقول ہے کہ نماز جماعت کی پہلی صف پر فرشتے درود بھیجتے ہیں ج۶ ص۱۷۶ ۔

○ ہر روز درود شریف ایک سو دفعہ اور بروز جمعہ ایک ہزار دفعہ پڑھنا وسعتِ رزق کا موجب ہے ۔

○ حدیث میں ہے جمعہ کے شب و روز میں درود و سلام زیادہ پڑھا کرو ۔ ج۱۴ ص۲۱ ۔ درود کی برکت سے زندگی میں اضافہ ۔ ج۱ ص۱۲۵ ۔

○ ایک حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن یا رات میں ایک دفعہ درود پڑھنا ایک ہزار نیکی کے برابر ہے ج۱۴ ص۲۲

درس معرفت ۔ سورہ فاتحہ کی آیات میں غور و فکر معرفت توحید کا درس ہے ۔ ج۲ ص۱۴

عبادت کے تین مرتبے ہیں ۔ عبادت عرفان، عبادت خوف اور عبادتِ طمع اور سب سے بلند درجہ عبادت عرفان کا ہے اس لئے دعوتِ عبادت سے دعوتِ معرفت کا مقام مقدم ہے ۔ ج۲ ص۷ و ص۱۴۳ ۔

○ مراتب معرفت ج۴ ص۱۲ معرفت کے موضوع پر نتیجہ خیز عقلی بحث ج۵ ص۱ درس معرفت ج۶ ص۱۲۴ ج۶ ص۲۰ و ص۲۳۰

تفکر برائے معرفت۔ ج ۱ ص ۱۳۱۔ درس آموز مثال ج ۹ ص ۹۷ عبادت معرفت ج ۹ ص ۲۵۱ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان حق ترجمان اگر ہو سکے تو ایسی زندگی گزارو جس میں تمہیں کوئی نہ پہچانے اور اسی موضوع پر حضرت علی علیہ السلام کی تقریر جس میں آپ نے فرمایا ہماری معرفت رکھنے والوں کے لیے نجات کی امید ہے سوائے تین قسم کے لوگوں کے (۱) ظالم حکمران کا دوست (۲) ناجائز خواہش رکھنے والا (۳) اعلانیہ فاسق ج ۱ ص ۷۷۔ حضرت سلیمانؑ کے سامنے ہدہد کے بیان پر علامہ طبرسی کا تبصرہ ج ۱ ص ۲۳۸ و ص ۲۳۹۔

- امام حسین علیہ السلام نے سائل کو فرمایا المعروف بقدر المعرفہ یعنی کسی پر احسان اتنا کرنا چاہیے جس قدر اس کی معرفت ہو۔ ج ۱۱ ص ۹۷ و ج ۶ ص ۱۲۳

دربار شام میں سجادؑ ج ۱۳ ص ۲۲۴۔ دربار شام میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا داخلہ ج ۶ ص ۵۸

درجات۔ درجات یقین و معرفت و تقویٰ ج ۲ ص ۲۲ تا ص ۲۷ و ص ۳۱ و ص ۸۷ ج ۵ ص ۱۶۵ ج ۱۳ ص ۲۲۴

درخت۔ شجرہ کی تحقیق جس سے حضرت آدمؑ کو روکا گیا تھا ج ۲ ص ۹۵

- مروی ہے سخاوت جنت کا درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں پس جو شخص اس کی کسی شاخ سے وابستہ ہوا وہ اس کو جنت میں لے جائیگی اسی راہ بخل بھی جہنم کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں پھیلی ہوئیں ہیں۔ پس جس نے اس کی کسی شاخ سے تمسک کیا وہ اس کو جہنم میں لے جائے گی۔ ج ۲ ص ۴۹
- وہ درخت کھجور کے تھے جن پر جادوگروں کو پھانسی دی گئی جو موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے۔ ج ۶ ص ۴۲

  شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ۔ ج ۸ ص ۱۵۳
- جس غار میں اصحاب کہف داخل ہوئے اس کے دروازہ پر پھلدار درخت تھے انہوں نے پہلے پھل کھائے اور پھر اندر داخل ہو کر سو رہے۔ ج ۹ ص ۸۷ شجرہ ملعونہ سے بنی امیہ مراد ہیں۔ ج ۸ ص ۱۲۲ و ج ۱ ص ۳۸ و ص ۳۹

  حضرت موسیٰؑ نے جس درخت سے آگ کے شعلے دیکھے اور پھر آگ لینے کے لئے وہاں پہنچے وہ عناب کا درخت تھا جس سے اللہ نے کلام کیا۔ ج ۹ ص ۱۷۳، ج ۱۱ ص ۳۴
- حضرت زکریاؑ ایک درخت کے خول میں چھپے ہوئے تھے کہ یہودیوں نے اس کو آرہ سے کاٹ دیا پس حضرت زکریاؑ شہید ہو گئے اور یہ مشورہ ان کو شیطان نے دیا تھا۔ ج ۹ ص ۲۵
- بادشاہ عادل ہو تو درختوں کے پھلوں میں برکت ہوتی ہے اور ظلم سے برکت چلی جاتی ہے ج ۸ ص ۵۲
- بعضوں نے کہا ہے کہ ایکہ کا معنی درختوں کا جھنڈ ہے اور وہ حضرت شعیب کی قوم کا مسکن تھا۔ ج ۸ ص ۱۸۹، ج ۱ ص ۲۱۰

درختوں سے سرسبز مقام کو سیناء کہتے ہیں اور طورِ سینا اسی سے ہے۔ ج۱ ص۲۳

- مروی ہے کہ عرش کے نیچے ایک درخت ہے جس کے ہر مرتبہ پر ایک ذی روح کا نام درج ہے پس جس کی موت آتی ہے اس کے نام کا پتہ درخت سے ٹوٹ کر ملک الموت کے سامنے آگرتا ہے پس وہ اس کی روح قبض کر لیتا ہے۔ ج۱۱ ص۱۴۶ و ص۱۴۷
- سرسبز درخت سے آگ پیدا کرنے پر اللہ قادر ہے۔ ج۱۱ ص۳۱
- جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے اس کی شاخ ہر مومن گھر میں ہوگی۔ ج۶ ص۱۲۷ ج۸ ص۱۳۳
- ایک روایت میں ہے کہ طوبیٰ کا درخت حضرت علی علیہ السلام کے گھر میں ہوگا۔ ج۸ ص۲۷
- جنت میں ایک درخت ہے جس کا ایک پتہ ایک لاکھ آدمی پر سایہ فگن ہوگا اس کے دائیں طرف شراب طہور کا چشمہ ہے اور بائیں طرف آبِ حیات کا چشمہ ہے۔ ج۹ ص۱۲۵
- جنت میں ایک درخت ہے جو تسبیح پروردگار کرتے ہوئے جھومتا ہے۔ ج۱۱ ص۱۴۹
- پیغمبرؐ کے حکم سے درخت کا چل کر آنا۔ ج۱۲ ص۸۔ ج۱۳ ص۱۴
- جس درخت کے نیچے بیعت رضوان واقع ہوئی وہ کیکر کا درخت تھا۔ ج۱۳ ص۴۲
- جنگِ احد میں حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹ گئی تو پیغمبرؐ نے درخت خرما کی شاخ توڑ کر دی جو تلوار بن گئی ج۴ ص۴۰

درد۔ سورہ یونس کی آیت ۵۷ قَدْ جَآءَتْكُمْ الخ پڑھ کر دم کی جائے تو درد سینہ ختم ہو جائے گا۔ باذن اللہ۔ ج۴ ص۱۲۹۔ سورہ والذاریات کو دھو کر پینے سے دردِ شکم ختم ہوگا۔ انشاء اللہ اور اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھنے سے وضع حمل میں آسانی ہوگی ج۱۳ ص۱۲۳۔ سورہ المرسلات کو لکھ کر پیاز کے پانی سے دھو کر پینے سے دردِ شکم دور ہوگا۔ ج۱۴ ص۱۵۵۔ سورہ عم کو دھو کر پینا دردِ شکم کے لئے مفید ہے ص۱۶۱

- سورہ حم سجدہ کو لکھ کر دھوئے اور اسی پانی سے آٹا خمیر کر کے خشک کرے اور اس کا سفوف بنا کر اپنے پاس رکھے اس کی ایک چٹکی لینے سے درد دل ختم ہوگا۔ ج۱۲ ص۱۶۸ سورہ دھر کو دھو کر پینے سے درد دل ختم ہوگا ج۱۴ ص۱۲۵
- برتن پر سورہ حم سجدہ کو لکھے اور آبِ باراں سے دھوئے پھر اس پانی میں سرمہ کو کھرل کر کے خشک کرے۔ وہ دردِ چشم بلکہ آنکھ کی ہر بیماری کے لئے فائدہ مند ہے ص۱۱ ص۱۶۸ نیز سورہ حمعسق کی بھی یہی خاصیت منقول ہے ص۱۲ ص۱۹۷۔ سورہ دخان کو دھو کر پینے سے دردِ شقیقہ اور دردِ شکم کی تکالیف سے نجات ہوگی ج۱۲ ص۲۵۵
- سورہ والعادیات لکھ کر آبِ باراں سے دھو کر پیئے تو دردوں سے نجات ملے گی انشاء اللہ ج۱۴ ص۲۵۳۔
- سورہ ملک کی آیت ۲۴ کو سات دفعہ پڑھ کر دم کرنے سے ڈاڑھ کا درد ختم ہوگا۔ ج۱۴ ص۷۹

درگذر کرنا۔ غصہ کو ضبط کرنا اور احسان کرنا متقین کا شیوہ ہے۔ ج۴ ص۵۰۔ امام زین العابدین علیہ السلام اور

- امام حسن علیہ السلام کے واقعات ص۵۰ ص۵۱ درگذر کرنا اخلاق پیغمبرؐ میں سے ہے۔ ج۴ ص۴۳ تا ص۴۵
- درگذر کرنا اہل جنت کی نشانیوں میں سے ہے۔ ج۱۲ ص۲۱۴

دسترخوان ۔ جو حضرت عیسیٰؑ کی دعا سے نازل ہوا۔ ج۵ ص۱۸۲ ص۱۸۳

دشمنِ علیؑ ۔ منافق ہوتا ہے۔ مقدمہ تفسیر ص۱۲۶ و ص۱۲۷ ج۱۴ ص۴۴ ۔ دشمنِ علیؑ رسوا ہوتے رہے ص۸۴

- جھوٹے پیر و مرید بروز قیامت ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ ج۲ ص۲۰۷
- حضرت علیؑ کی ولایت سے برگشتہ کرنا بھی قتل کے برابر گناہ ہے۔ ج۶ ص۲۱۲ و ص۲۱۳
- بہترین عمل اللہ کے دوستوں سے تولا کرنا اور دشمنوں سے تبرا کرنا ہے۔ ج۵ ص۱۱۹
- دشمنانِ علیؑ کی نشاندہی از کتاب بخاری۔ ج۵ ص۱۲۳ مفصل بیان تا ص۱۲۹
- دشمنانِ علیؑ ج۵ ص۲۷ و ج۱۲ ص۱۸۱ ۔ آل کا دشمن نبی کا دشمن ہے۔ ج۷ ص۱۲۵
- علیؑ کے فضائل سن کر دشمن علیؑ کا جلنا اور عذاب خدا میں گرفتار ہونا۔ ج۵ ص۱۹۲
- دشمنانِ آلِ محمدؐ کا طریقۂ دشمنی۔ ج۴ ص۱۵ و ج۴ ص۱۴۶

دشمن سے نجات پانا اور دشمن کو مغلوب کرنا۔

(۱) دس دن کا عمل سنیچر سے شروع کرے ہر روز ۱۲۰۰ دفعہ پڑھے۔ یَا مَنْ یَکْفِیْ مِنْ کُلِّ شَیْئٍ وَلَا یَکْفِیْ مِنْہُ شَیْئٌ فَاکْفِنِیْ شَرَّ اَعْدَائِیْ کَیْفَ شِئْتَ یا قوی یا غنی یا ملی یادفی

(۲) دس۱۰ دفعہ پڑھے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کٓھٰیٰعٓصٓ وَحٰمٓ عٓسٓقٓ دشمن سے محفوظ رہے گا۔

(۳) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ کو ایک جگہ ایک ہزار ایک دفعہ پڑھے ۔۱۰۰۱

(۴) پورا الٰہی خاک پر اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا تا لَا یَمْلِکُوْنَ سات دفعہ پڑھ کر دشمن کی طرف پھینکے تو دشمن مغلوب ہوگا۔

(۵) قُلْ جَآءَ الْحَقُّ تا قریب لکھ کر ویران کنوئیں کے پانی سے دھو کر دشمن کے گھر چھڑکنے سے دشمن ظلم پر قادر نہ ہو سکے گا (واللہ اعلم)

(۶) دس دن کا عمل۔ پابندیٔ وقت وحدت زبان و مکان طہارت۔

روزانہ ایک ہزار دفعہ سورۃ الفیل پڑھے اور دسویں دن جاری پانی میں بیٹھ کر یہ دعا پڑھے:۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْحَاضِرُ الْمُحِیْطُ بِمَکْنُوْنَاتِ السَّرَائِرِ وَالضَّمَائِرِ اَللّٰھُمَّ عَزَّ الظَّالِمُ وَقَلَّ النَّاصِرُ وَاَنْتَ الْمُطَّلِعُ الْعَالِمُ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ مَالِکُہٗ فَاَھْلِکْہُ اَللّٰھُمَّ سَرْبِلْہُ سِرْبَالَ

الْهَوَانِ وَقِيْمَتُهُ الرَّدٰی ۔ اس کے بعد دس دفعہ کہے اَللّٰھُمَّ اَقْصِفْهُ پھر کہے ۔ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۔ دشمن ہلاک ہوگا (لیکن مومن کے لئے یہ کام نہ کرے)

(۷) دشمن کے شر سے بچنے کے لئے آیاتِ کفایت کی روزانہ تلاوت کرے ۲۳۲۸ بار وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۔

(۸) مجلس واحد میں ۱۲ ہزار دفعہ پڑھے ۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ

(۹) لا الٰہ الا انت انی کنت من الظّٰلِمِیْنَ ستر ہزار دفعہ پڑھے پہلے پانچ دن پانچ ہزار سے کم نہ پڑھے

(۱۰) روزانہ ستر دفعہ پڑھے ۔ یا اللہ یا محمد یا علی یا فاطمہ یا صاحب الزمان ادرکنی ولا تہلکنی

(۱۱) دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کو ۱۱ دن ہر روز گیارہ مرتبہ وحدت مکان وحدت زمان و طہارت کے ساتھ باشرائط پڑھے اور نقش مذکور کو زرد رنگ کے کپڑے پر بروز ہفتہ ساعت عطارد میں لکھ کر اپنی ٹوپی یا پگڑی میں رکھے ۔ انشاء اللہ دشمن مغلوب ہوگا ۔ نقش کو مشک و گلاب و زعفران سے لکھے ۔ وہ نقش یہ ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۷۸۶

اذا جاء	نصر الله	والفتح	ورأیت	الناس	یدخلون	فی دین	الله
نصر الله	والفتح	ورأیت	الناس	یدخلون	فی دین	الله	افواجا
والفتح	ورأیت	الناس	یدخلون	فی دین	الله	افواجا	فسبح
ورأیت	الناس	یدخلون	فی دین	الله	افواجا	فسبح	بحمد
الناس	یدخلون	فی دین	الله	افواجا	فسبح	بحمد	ربك
یدخلون	فی دین	الله	افواجا	فسبح	بحمد	ربك	واستغفرہ
فی دین	الله	افواجا	فسبح	بحمد	ربك	واستغفرہ	انه کان
الله	افواجا	فسبح	بحمد	ربك	واستغفرہ	انه کان	توابا

(۱۲) دشمن کا نام دو سین کے درمیان امتزاج کر کے لکھ کر اپنے ہاتھ میں رکھے پس دشمن مغلوب ہوگا مثلاً دشمن کا نام ہے ۔ زید ۔ ز ی د کو سین کے درمیان اس طرح لکھے ۔ س ز س ی س د س ۔ سزسیسدس ۔

(۱۳) سورہ تبّت کے اعداد ۵۸۲۶ کی مثلث پُر کر کے پاس رکھیں ۔

۷۸۶

العلیم	السمیع	وھو اللہ	فسیکفیکھم
فسیکفیکھم	وھو اللہ	السمیع	العلیم
السمیع	العلیم	فسیکفیکھم	وھو اللہ
وھو اللہ	فسیکفیکھم	العلیم	السمیع

(۱۴) دشمن کے نام کے عدد سورۃ تبت کے اعداد میں جمع کر کے ۳۶۰ منفی کریں اور ۹ پر تقسیم کر کے حاصل قسمت کا مربع پُر کر کے پاس رکھیں۔

(۱۵) دشمن کو مطیع کرنے کے لئے مشک و زعفران وگلاب سے لکھ کر اپنے پاس رکھے۔

دُعا برائے ظہور حجت:- اَللّٰھُمَّ کُنْ لِوَلِیِّکَ الْحُجَّۃِ بْنِ الْحَسَنِ صَلَوٰاتُکَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰبَآئِہٖ فِیْ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ وَلِیًّا وَّحَافِظًا وَّقَائِدًا وَّ نَاصِرًا وَّدَلِیْلًا وَّ عَیْنًا حَتّٰی تُسْکِنَہٗ اَرْضَکَ طَوْعًا وَّ تُمَتِّعَہٗ فِیْھَا طَوِیْلًا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّلْ فَرَجَھُمْ وَسَھِّلْ مَخْرَجَھُمْ وَاَھْلِکْ اَعْدَآئَھُمْ اَجْمَعِیْنَ۔

مقدمہ تفسیر ص۱۰۴ ج ص۱۹۴

- حضرت علیؑ کی دعا اور بددعا ج ص۱۴۶ ۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور حضرت پیغمبرؐ کا فرمان کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہوں۔ ج ۲ ص۱۷۲ حضرت ابراہیمؑ کی رزق اولاد کے لئے دُعا ج ۲ ص۱۷۷
- ماہ رمضان میں دعا ج۲ ص۲۲۱ ۔ قبولیت دعا میں تاخیر ج ۲ ص۲۳۲
- فاسق کو اپنے مال کا امین نہیں بنانا چاہیے ورنہ بصورت دیگر اگر نقصان ہو جائے تو ایسے شخص پر بددعا کرنا بے سود ہے۔ ج ۴ ص۱۱۹ و ص۱۲۰ ۔ افعال وضو کی دعائیں ۔ ج ۵ ص۶۶
- محمد و آل محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگی جائے تو مقبول ہوتی ہے۔ ج ۵ ص۲۱۲
- بہترین دعا وہ ہے جو یکسوئی اور چپکے سے مانگی جائے۔ ج ۵ ص۲۲۷
- بلعم بن باعور کی بددعا ج ۶ ص۱۳۱ ۔ خدا کسی کی دعا یا بددعا کے قبول کرنے کا پابند نہیں ہے ج ۶ ص۱۳۳ و ص۱۳۴
- تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کی تفسیر ج ۶ ص۱۳۶ ۔ دعا کی تاکید و طریقہ ج ۶ ص۱۳۹
- دل میں خوف خدا رکھنے والے کی دعا مستجاب ہوتی ہے۔ ج ۶ ص۱۴۰
- منافق کے لئے دعا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ج ۷ ص۱۰۱ مشرک کے لئے دُعا کرنا بے سود ہے ص۱۳۲
- حضرت موسیٰؑ کی فرعون کے لئے بددعا ۔ ج ۷ ص۱۷۵
- حضرت یوسفؑ کی کنوئیں میں دُعا ج ۸ ص۱۵ قید میں دعا ص۳۸ و ص۴۲ قیدیوں کے لئے دُعا ص۴۶

- حضرت یعقوب کی دعا ص۸ ۔ دعائے فرج ص۹۴ ۔ رسالتمآبؐ کی دعا ص۱۱۷ ۔ دعا کرنا پکارنا ص۱۱۸
- حضرت ابراہیمؑ کی دعا و دعوت ج ص۱۶۰ انسان کا دعا مانگنا ج۱ ص۱۶ نماز وتر میں دعائے قنوت ج۱ ص۵۲
- اصحاب کہف کی دعا ج۱ ص۹۳ اصحاب رقیم کی دعا ص۸۲ حضرت زکریاؑ کی دعا ص۱۲۷ و ص۱۳۹
- حضرت ابراہیمؑ کی آزر کے لئے دعا ص۱۵۳ و ص۱۵۴ ۔ حضرت ابراہیمؑ نے سفید بال دیکھا تو پوچھا پروردگار! یہ کیا ہے؟ تو جواب ملا یہ وقار ہے پس آپ نے دعا کی کہ اے اللہ میرے وقار کو زیادہ کر۔ ج۹ ص۱۳۷
- دعا کے وقت ہاتھوں کو بلند کرنے کا مقصد ج۹ ص۱۷۲ ج۱۱ ص۴۸
- حضرت موسیٰؑ کی دعا ج۹ ص۱۷۷ و ص۱۷۹ ۔ آیات قرآنیہ علیؑ کی وزارت کے لئے حضرت پیغمبرؐ کی دعا ج۹ ص۱۷۸
- آتش نمرودی میں جانے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کی دعا۔ ج۹ ص۲۳۵ ۔ مقام عرفات میں دعا قبول ہے ج۱۰ ص۲۵
- لوگ غیر اللہ سے مانگتے ہیں لیکن اللہ ان کو دے دیتا ہے پس وہ سمجھتے ہیں کہ غیر اللہ نے ہماری دعاؤں کو منظور کیا ہے پس وہ زیادہ گمراہ ہوتے ہیں ج۱۰ ص۱۷ مومن کی شان ہے کہ جس قدر عبادت میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی عظمت و جلال پروردگار ان کے دلوں میں زیادہ ہوتی ہے اور مومن کا ایمان خوف و رجا کے درمیان ہوتا ہے ج۱۰ ص۱۸۵ ۔ دعا بہت بڑی عبادت ہے۔ ص۱۸۹ ج۱۲ ص۱۶۱
- دعا اللہ کی ذات سے ہی مخصوص ہونی چاہیئے ج۱۱ ص۸۴ ۔ والدین کی نافرمانی ایسا گناہ ہے جو دعا کو نامقبول بناتا ہے اور عذاب کو قریب لاتا ہے ص۱۲۱ مومن پر اللہ کا احسان ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی لوگوں کی دعاؤں کا دروازہ اس کے لئے کھلا رہتا ہے۔ ص۱۳۸
- حضرت یونسؑ کو قوم پر بد دعا کرنے پر تنبیہہ ج۱۲ ص۴۳
- انسان دعا سے نہیں تھکتا۔ ج۱۲ ص۱۹۳ زراعت کے وقت دعا۔ ج۱۳ ص۲۰۵
- آل محمدؐ کے شیعو! دعا سے پہلے تمہاری حاجات کو پورا کروں گا ج۱۳ ص۱۲۵ ۔ زنا سے تائب کی دعا۔ ج۱۴ ص۱۶۴ ج۷ ص۱۶۰
- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تین آدمیوں کی دعا قبول نہیں ہوتی (۱) نافرمان عورت پر شوہر کی بد دعا کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس لئے کہ مرد چاہے تو اسے طلاق دے سکتا ہے (۲) جس نے کسی کو قرضہ دیا اور لکھوایا نہیں اگر وہ انکار کر دے تو قرض خواہ پر اس کی بد دعا مقبول نہیں ہوتی (۳) کسی کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو اور گھر کی چار دیواری میں بند ہو کر اللہ سے دعا مانگے اور کمائے نہیں اس کی دعا مقبول نہ ہوگی۔ ج۱۴ ص۲۶
- دعائے قنوت شیعوں کی علامت ہے ج۵ ص۲۳۳ و ج۱۲ ص۴۳ ۔ دعائے قنوت کا بیان ج۳ ص۹

○ وتر کے قنوت میں ستر دفعہ استغفار متقین کی نشانی ہے۔ ج ۱۲ ص ۱۲۱

دعوتِ عشیرہ کے دن جب ابولہب نے مجمع کو منتشر کر دیا تو حضرت ابوطالب نے عرض کی کہ میں آپ کے حکم کو قبول کرنے والا ہوں۔ بے شک آپ خدا کے احکام پورے کریں میں تابعدار رہوں گا ج ۵ ص ۲۰۱

○ دعوتِ عشیرہ کے موقعہ پر حضرت علیؑ نے لبیک کہی آپ نے وعدہ فرمایا کہ جو میرا ساتھ دے گا وہ میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا ایک روایت میں ہے کہ شعب میں اس دعوت کا انتظام تھا۔ چالیس اکابر قریش شریک دعوت تھے تمام کتب سیر میں واقعہ موجود ہے حضرت ابوطالب اور حضرت علیؑ یعنی ان دو باپ بیٹوں کے علاوہ کسی نے بھی حضورؐ کی دعوت پر لبیک کہنے کی جرأت نہ کی۔ ج ۱ ص ۲۱۵ تا ص ۲۱۸

○ دعوتِ عشیرہ کے موقعہ پر عتبہ بن ربیعہ کا ردعمل ج ۱۱ ص ۱۷۰ و ص ۱۷۱ دعوتِ عمل ج ۲ ص ۲۱۶

○ دعوتِ حق کا بیان ج ۲ ص ص ۱۷۳ دعوتِ غور و فکر ج ۵ ص ۲۰۳ دعوت برائے معرفت توحید ج ۵ ص ۲۲۴ ج ۱ ص ۸۳ ص ۱۷۰

○ دعوتِ فکر برائے ولائے علیؑ ج ۱ ص ۱۳ دعوتِ انصاف برائے ارباب فکر ج ۱ ص ۱۰۶ و ص ۲۶۴ ج ۱۱ ص ۱۹۴ ج ۱۲ ص ۱۲۳

○ اگر کوئی شخص نیکی کی دعوت دے تو اس کے نامۂ اعمال میں ان لوگوں کی نیکیاں بھی درج ہونگی جنہوں نے اس کی دعوت کو قبول کر کے نیکیاں کی تھیں اور اگر کوئی شخص برائی کی دعوت دے تو اس کے نامۂ اعمال میں ان تمام لوگوں کی برائیاں بھی درج ہونگی جنہوں نے اس کی دعوت کو قبول کر کے وہ برائیاں کی تھیں ج ۵ ص ۲۰۴

دقیانوس ۔ ملک روم کا بادشاہ تھا۔ افسوس نامی شہر اس کا پایۂ تخت تھا اس کا زمانہ ۲۵۰ء کے قریب ہے ج ۱ ص ۸۳ یہ دراصل ایران کا بادشاہ تھا اور سلمان بادشاہ کے مرنے کے بعد حکومت روم پر بھی اس نے قبضہ کر لیا تھا ص ۸۴

دُنبہ ۔ فدیہ اسمٰعیلؑ کوہ ثبیر کی چوٹی سے جبریلؑ نے پکڑ کر چھری کے نیچے لٹا دیا۔ ج ۱۲ ص ۶۱

○ مروی ہے کہ یہ دُنبہ بہشت سے آیا اور آسمان سے اترا یہ کسی ماں کے شکم سے نہیں۔ ج ۱۲ ص ۶۴

دنیا ۔ دنیا کی قیمت اگر پر مچھر کے برابر بھی اللہ کے نزدیک ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ ہوتا ج ۱ ص ۲۱

○ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے ج ۱۱ ص ۴۸ ۔ دنیا دار امتحان ہے۔ ج ۱۱ ص ۵۹

دیدارِ خدا ناممکن ہے دنیا و آخرت میں ج ۵ ص ۹۱ ان سات میں سے ایک دنبہ ہے جو ماں کے شکم سے نہیں ج ۱۲ ص ۲۰۵

دھریہ عقیدہ کی تردید اللہ نے اپنے اختیار سے تمام عالم کو خلق فرمایا ہے نہ کہ مادہ و طبیعت سے اور نہ خود بخود بغیر مادہ کے چیزیں بن گئیں ج ۵ ص ۱۹۰ ج ۵ ص ۱۴۱ و ۲۴۲ ۔ تدبیر الامور دھریت کو باطل کرتا ہے ج ۵ ص ۱۴۲ کفر کی پانچ قسمیں اور ان کی تردید پہلی دھریوں کا کفر اور اس کا بطلان ج ۱۱ ص ۱۱۱ مادہ و طبیعت کے پرستاروں کی تردید ج ۱۲ ص ۲۸

○ خیر و شر کے الگ الگ خالق کہنے والوں کی تردید ج ۱۲ ص ۴ ، ج ۵ ص ۲۴۲ ۔ دھریوں کی تردید ج ۱۱ ص ۱۳

دودھ ۔ جس عورت کا دودھ کم ہو سورہ حجر زعفران سے لکھ کر دھو کر پئے تو دودھ زیادہ ہوگا۔ ج ۵ ص ۱۶۴

- سورہ یٰسین کو دھو کر پینے سے بھی دودھ زیادہ ہوتا ہے۔ ج ۱۴ ص ۵ سورہ ق کا پینا بھی دودھ بڑھاتا ہے ج ۱۱ ص ۱۱۰
- موسیٰ کو دودھ پلانے کیلئے مرضعہ کی تلاش ج ۱۱ ص ۱۸ بچے کو دودھ پلانے والی اگر روزہ نقصان دے تو افطار کرے اور پھر قضا رکھے۔ ج ۲ ص ۲۳۲
- عورت کا بچے کو ایک دفعہ دودھ پلانا راہ خدا میں غلام آزاد کرنے کے برابر ہے ج ۲ ص ۲۳۶ و ج ۴ ص ۱۱۹
- اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ گوبر اور خون کے درمیان سے وہ خالص دودھ تیار کر کے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ ج ۸ ص ۲۲۴ و ص ۲۲۵

دین خدا سے انحراف کی ابتدا سورۂ آل عمران آیت ۸۳ ج ۱ ص ۱۰ ضرورت دین ج ۲ ص ۳۸

- دین میں اختلاف ج ۱ ص ۱۰ ج ۲ ص ۵۶ و ص ۱۲۴ دین اسلام ج ۲ ص ۱۰۷ دین اسلام دین فطرت ہے اور حضرت ابراہیم اسی دین فطرت یعنی اسلام پر تھے ج ۲ ص ۲۶ ابراہیم حنیف تھے یعنی تمام ادیان باطلہ سے کنارہ کش تھے ص ۲۶۱
- اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اللہ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے ج ۳ ص ۲۷
- آیت اکمال دین ج ۵ ص ۲۵ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ بروز غدیر اتری ص ۲۹
- بادشاہ حبشہ نجاشی کے سامنے حضرت جعفر طیار نے دین اسلام کی وضاحت کی ج ۵ ص ۱۵۷
- کفار حضرت شعیب سے کہتے تھے کہ تم ہمارے دین پر پلٹ آؤ ج ۶ ص ۶۱
- اگر خدا جبر و اکراہ سے چاہتا تو سب لوگوں کا دین ایک ہوتا۔ ج ۷ ص ۲۴۴ ج ۸ ص ۲۴۶ ج ۹ ص ۲۷ ج ۱۳ ص ۱۳
- دین فطرت ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنین ولی اللہ ج ۱۱ ص ۱۱۰ و ص ۱۲۲
- یہ دین نیا نہیں بلکہ وہی ہے جس کی تمام انبیاء تبلیغ کرتے رہے۔ ج ۱۲ ص ۲۰ دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے۔ ج ۲ ص ۱۰ و ص ۴۵، ج ۳ ص ۱۲۷
- دین میں فساد اور اختلاف و انتشار کا بیج انہوں نے بویا جنہوں نے اقتدار کی خاطر بیعت غدیر کو توڑا۔ ج ۴ ص ۱۳۰

ڈ

ڈاکو کی سزا۔ ج ۵ ص ۹۵

- سورہ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ کی تلاوت کرنے والا چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ رہے گا۔ ج ۱۴ ص ۱۲۱

ذال

ذبح۔ مقتول کو زندہ کرنے کے لئے بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم ج ۱ ص ۱۲۴ تا ص ۱۲۶

- حلال جانور ذبح کے بغیر مر جائے تو حرام ہوتا ہے لیکن مرنے والے جانور کو اگر مرنے سے پہلے ذبح کر لیا جائے تو حلال ہے۔ ج ۵ ص ۱۸
- نصب شدہ پتھروں (بتوں) پر ذبح ہونے والا حرام ہوتا ہے ج ۵ ص ۱۸ و ص ۱۹ ج ۵ ص ۲۹۴۔ ذبح کے شرائط ص ۲۰ تا ص ۲۲
- غیر مذبوح جانور کا کھانا حرام ہے البتہ اضطراری حالت میں کھانا معاف ہے۔ ص ۲۵
- ذبح کے احکام ج ۵ ص ۲۶ تا ۴۸۔ احرام عمرہ میں شکار کے کفارہ کا جانور کعبہ کے سامنے اور احرام حج میں شکار کے کفارہ کا جانور منیٰ میں ذبح کرے۔ ج ۵ ص ۱۲۸

- فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا۔ ج۲ ص۱۰۵
- حضرت ابراہیمؑ کو فرزند کے ذبح کرنے کا حکم۔ ج۱۲ ص۵۸ ذبیح اللہ کون ہے؟ ص۶۰
- حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبیح اللہ ہونے کے دلائل ص۶۳۔ ذبح عظیم ص۶۴ و ص۹۵
- امام زین العابدینؑ اپنے غلاموں کو طلوعِ فجر سے پہلے ذبح کرنے سے منع کرتے تھے۔ ج۵ ص۲۴۲

ذخیرہ اندوزی "اسلام اور سرمایہ داری" کے عنوان کے تحت مفصل بحث۔ ج۳ ص۱۶۵ تا ص۱۶۸

- نیز "نقدی کے وجود" کے عنوان کے تحت بھی اس مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے۔ ج۳ ص۱۷۶
- ذخیرہ شدہ رقم کے ساتھ بروز محشر آتش جہنم سے گرم کر کے ذخیرہ اندوزوں کو داغا جائے گا۔ ج۷ ص۱۶۵
- ذخیرہ اندوزی کرنے والے کے لئے عذاب جہنم کی پیش کش۔ ج۸ ص۲۴ و ص۲۵
- ذخیرہ اندوزی کو روکنا ہی غربت زدہ لوگوں کی غربت کا علاج ہے نہ کہ ضبط تولید ج۱ ص۲۶
- اللہ کی تمام مخلوق میں ذخیرہ اندوزی کی عادت تین قوموں میں ہے (۱) انسان (۲) چوہا (۳) چیونٹی ج۱۱ ص۹۸
اور ان تینوں میں سے انسان بدترین ذخیرہ اندوز ہے۔

ذکرِ خدا۔ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ تسبیح فاطمہ اللہ کا ذکر کثیر ہے۔ ج۲ ص۱۹۶ و ج۱۱ ص۲۰۲

- بہترین انسان وہ ہے جس کا بولنا ذکر ہو۔ ج۴ ص۹۵۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو شخص چالیس دن تک
- اللہ کے ذکر کی مدت مقرر کرے خدا اس کو دنیا سے بے نیاز کر دے گا اور اس پر اس کے نفس کی بیماری کا علاج واضح فرما دے گا اور اس کے دل میں حکمت کو جگہ دے گا اور اس کی زبان پر حکمت کو جاری کرے گا ج۸ ص۱۰۱
- اللہ کے ذکر سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے ج۸ ص۳۲۱۔ اہل ذکر کون ہیں؟ ج۸ ص۱۱۱
- وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ج۱۱ ص۱۰۱ اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ج۱۱ ص۲۰۲۔ ذکر کثیر تسبیحات اربعہ ہیں
- لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ الخ ذنب کی توجیہہ ج۱۲ ص۵۸ تا ص۶۱

ذوالفقار۔ جنگ احد میں حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹ گئی تو پیغمبرؐ نے شاخ خرما توڑ کر دی جو تلوار آبدار بن گئی۔ آخر وہ بھی ٹوٹ گئی آخر آپ نے ذوالفقار دے دی اور حضرت جبرائیلؑ نے آسمان و زمین کے درمیان سنہری کرسی پہ بیٹھ کر یہ شعر پڑھا۔ لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار ج۲ ص۴۳ و ص۶۱

- کانت ضربات علی بن ابی طالب ابکارا کان اذا اعتلی قدّ و اذا اعترض قطّ یعنی حضرت علیؑ کی ضربیں نئی نرالی ہوتی تھیں اوپر سے وار کرتے تو چیر ڈالتے اور ایک جانب سے وار کرتے تو کاٹ ڈالتے تھے۔ ج۲ ص۹
- ذوالفقار عطیہ پروردگار ج۱۳ ص۲۲۶ و ص۲۲۷

ذوالکفل نبی۔ ج۹ ص۲۴۵ بعض کہتے ہیں کہ ذوالکفل حضرت الیاسؑ کا دوسرا نام ہے۔ ج۱۲ ص۸۰

○ یہ حضرت ایوبؑ کے فرزند تھے ان کا نام بشیر تھا اور لقب ذوالکفل تھا ۔ ج۱۲ ص۱۰۳ اور ملک شام کے بادشاہ تھے

ذوالحمار عنسی اس نے پیغمبر اسلام کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا اور آخر کار فیروز دیلمی کے ہاتھوں مارا گیا ۔ ج۵ ص۱۲۱

ذوالقربیٰ ۔ سے مراد رسول اللہؐ کے قرابت دار ج ص۲۳۸

○ وآت ذاالقربیٰ حقہ سے مراد فدک ہے ۔ ج۹ ص۲۲ و ص۲۳

ذوالقرنین ۔ حضرت خضرؑ ذوالقرنین کی فوج میں بھرتی ہوئے اور افسر اعلیٰ بن گئے ۔ ج۹ ص۱۲۰

○ ذوالقرنین کا ذکر ج۹ ص۱۲۳ تا ص۱۲۸ ۔ یورپی اقوام سکندر کے زمانہ میں غیر مہذب قومیں تھیں اور درندہ صفت انسان تھے ۔ پس سکندر ذوالقرنین نے سد سکندری کے ذریعے ان کا راستہ بند کر کے امن قائم کیا ۔ ج۹ ص۱۲۹

الراء

○ رَاعِنَا کہنے سے مسلمانوں کو روک دیا گیا کیونکہ یہودی اس کا معنی توہین رسولؐ لیتے تھے ۔ ج۲ ص۱۵۳

رؤیت خدا ۔ بنی اسرائیل نے رؤیت خدا کا سوال کیا ۔ ج۲ ص۱۱۱

○ موسیٰؑ نے کہا رَبِّ اَرِنِیْ (اے اللہ مجھے دیدار کرا) جواب ملا لَنْ تَرَانِیْ یعنی تو ہرگز نہ دیکھ سکے گا ۔ پس تجلی ہوئی موسیٰؑ بے ہوش ہوئے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوا ۔ ج۶ ص۹۱ ص۹۲

○ رؤیت خدا کا قول باطل ہے ۔ ج۴ ص۱۴۱ تا ص۱۴۳

راسخون ۔ سورۂ فاتحہ کے راز و رموز راسخون فی العلم ہی جان سکتے ہیں ۔ ج۲ ص۱۱

○ مقطعات قرآنیہ کو بھی راسخون فی العلم ہی جان سکتے ہیں ۔ ج۲ ص۴۹ ج۱ ص۱۴۷

○ راسخون فی العلم کی وضاحت ج۳ ص۱۹۵ تا ص۲۰۰ ج۱۲ ص۲۵۷

راز ۔ انبیاء و آئمہ کا راز افشا کرنے والے ج۸ ص۳۱ ۔ موسیٰؑ کی دایہ نے راز فاش نہ کیا ۔ ج۱۱ ص۹ و ۱۸

○ منافق مسلمانوں کا راز فاش کرتے تھے ۔ ج۱۳ ص۲۵۵ و ص۲۶۴

رافضی ۔ شیعوں سے نفرت دلانے کے لئے ملاؤں نے ان کو رافضی کہنا شروع کر دیا پس جو بھی ایک دفعہ رافضی کا نام سنتا ہے اس کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ پس شیعہ کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتا چنانچہ امیر طرمطار بادشاہ نے شیعہ کا نام سنا تو گھبرا گیا اور کہا تم مجھے رافضی بنانا چاہتے ہو؟ ج۲ ص۲۰۲

○ امام جعفر صادق علیہ السلام نے لفظ رافضی کی تشریح فرمائی ۔ ج۱۲ ص۴۶ و ص۸۹ و ص۱۰۵

رات دن میں کمی و بیشی اور موسموں کا تبادلہ یہ سب وجود خالق مدبر کے وجود پر دلائل ہیں ج۲ ص۲۰۵ ج۱۴ ص۱۹۷ د

ج۲ ص۱۱۳ و ج۴ ص۹۶ و ج ص۱۵۱ ج ص۱۰۲ و ص۱۰۵ ج۹ ص۷ ج۱۱ ص۱۴ یُولِجُ اللَّیْلَ الخ ج۱۱ ص۲۶۰

- اللہ دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ج۱ ص۴۴ و ج۲ ص۱۱۲ و ج۱۳ ص۶ و ص۲۱۴
- دن اور رات کا متبادل انتظام اللہ کے بندوں پر رحمت ہے ورنہ اگر دن ہمیشہ ہوتا یا رات ہمیشہ رہتی تو یقیناً نظام کائنات درہم برہم ہو جاتا اور انسان کی زندگی خوشگوار نہ رہتی ج۱۱ ص۵۰
- رات دن سے مقدم نہیں ج۱۲ ص۲۳ کیونکہ پہلے دن ہوتا ہے اور اس کے غروب سے رات بنتی ہے۔
- اللہ نے رات کے جانے کی اور دن کے نمودار ہونے کی قسم کھائی ہے۔ ج۱۴ ص۱۳۵

ربّ ۔ اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ کی تفسیر ربوبیت اور خلق دونوں صفتوں کی وضاحت ج۲ ص۸ و ص۱۰

- فرعون نے پوچھا کہ عالمین کا رب کون ہے ؟ تو موسیٰؑ نے وضاحت کی کہ وہ ہے جو تیرا اور تیرے آباء
- موسیٰؑ کا رب سے مکالمہ ج۱۱ ص۷۸ و ص۸۰ اِلٰہ اور ربّ ج۱۲ ص۱۶۱ و ص۱۶۲
- رَبّانی کی جمع ربانیون ج۳ ص۲۶۶ ۔ ربّیُّون کی تشریح ج۴ ص۶۱ و ص۶۳ رَبَّانِیُّوْن کی شرح ج۵ ص۱۱۲
- ربانیون کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ لوگوں کو برائیوں سے کیوں نہیں روکتے۔ ج۵ ص۱۳۶

رجس ۔ شطرنج چوپڑ اور ہر شرطیہ کھیل مثلاً تاش وغیرہ سب رجس ہیں۔ ج۵ ص۲۸

- اہلبیت سے رجس کی دوری۔ ج۱۱ ص۱۸۹

رجعت کا بیان۔ ج۲ ص۱۱۲ ج۳ ص۱۳۱ و ص۱۰۸۔ رجعت کے موقعہ پر مومن زندہ ہو کر امام کا ساتھ دیں گے ج۵ ص۲۰۹

- ثبوت رجعت ج۹ ص۲۵۲ ج۱ ص۲۶۴ ج۱۲ ص۱۵۹۔ زمان رجعت ج۱۴ ص۱۰۱۔

رجم کا حکم ج۳ ص۲۰۹ و ص۲۱۰ ج۱ ص۱۱۱

رحمہ ۔ زوجہ ایوب پیغمبر حضرت یوسفؑ کی پوتی یا بیٹی تھیں ج۱۱ ص۹۶ و ص۹۸

رزق حلال سے خرچ کرنا متقین کی نشانی ہے ج۱ ص۵۲ آیۃ الکرسی کو ہر فرض نماز کے بعد پڑھنا رزق کی زیادتی کا موجب ہے ج۳ ص۱۳۶

- سورہ القارعہ کو فرائض و نوافل میں پڑھنا رزق کی زیادتی کا باعث ہے ج۱۴ ص۲۵۵
- اور کنگھی کرنے سے رزق بڑھتا ہے۔ ج۶ ص۲۴
- سورہ آل عمران کو لکھ کر پاس رکھنا رزق کی زیادتی کا باعث ہے ج۳ ص۱۸۱۔ سورہ انّا انزلناہ زیادہ پڑھنا فراوانی رزق ہے ج۱۴ ص۲۴۰
- اللہ کے نزدیک رزق مقدّر ہے لہذا ظالموں کو بھی اپنا حصہ پورا ملتا ہے ج۶ ص۳۰ وسعت رزق کا حل ج۱۴ ص۵۱
- اللہ ہر ایک کو رزق دیتا ہے۔ ج۷ ص۱۹۱ ج۹ ص۱۰۵ ج۱۳ ص۶۔ محمدؐ و آل محمدؐ وسیلہ خلق و رزق ہیں۔ ج۶ ص۲۵۲۔ ج۵ ص۳۲ و ص۱۸۱
- حضرت یوسفؑ نے قید سے رہائی کی درخواست بادشاہ سے کی تو جبرئیلؑ نازل ہوئے پاؤں پر ٹھوکر ماری تو ساتویں زمین تک پڑے

کھل گئے یوسفؑ نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا پتھر تھا پس جبریلؑ نے اس کو دو ٹکڑے کیا یوسفؑ نے دیکھا تو اُس میں ایک کیڑا تھا جبریلؑ نے پوچھا بتاؤ اس کیڑے کا رازق کون ہے؟ جواب دیا کہ اللہ ہے جبریلؑ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ میں ساتوں زمینوں کی گہرائی میں پتھر کے اندر چھوٹے سے کیڑے کو فراموش نہیں کرتا تو تجھے کیسے بھول سکتا ہوں کہ تو نے رہائی کی درخواست ایک بندے سے کی ہے لہٰذا ابھی چند برس اور بھی گذار دے ج ۱ ص ۲۹

- رزق کی بے قدری سلب رزق کی باعث بنتی ہے قرآن مجید میں ایک بستی کا ذکر ہے جس کے باشندوں کو اللہ نے وسیع رزق دیا تو انہوں نے روٹی کے ٹکڑوں سے استنجا کرنا شروع کر دیا پس اللہ نے بارانِ رحمت روک لی اور قحط ڈال دیا پس نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نجس آلود روٹی کے ٹکڑے ان کو کھانے پڑے۔
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے والد اس رومال سے ہاتھ صاف نہ کرتے تھے جس میں کوئی کھانا لگا ہوا ہو جبتک کہ پہلے چوس نہ لیں اور میں بھی دسترخوان پر گرے ہوئے چھوٹے چھوٹے روٹی کے ٹکڑوں کو تلاش کرتا ہوں تو میرے غلام ہنستے ہیں پھر آپ نے بستی والوں کی مثال دی اور فرمایا کھانے کے بعد میں انگلیوں کو چاٹ بھی لیتا ہوں الخ ج ۸ ص ۱۴۳۔ رزق خلق اور تقسیم ج ۱ ص ۹۰ تقسیم رزق ج ۱ ص ۱۱۳ و ص ۱۴۳ و ج ۲ ص ۱۳۰ و ص ۲۳۳۔ اللہ کے سوا کسی کو رازق نہیں کہا جا سکتا ج ۲ ص ۱۲۱ و ص ۱۶۲ و ص ۲۰۰ و ص ۲۱۲۔ شب قدر میں سال بھر کے رزق کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ج ۱۲ ص ۲۶۰
- زیارتِ امام حسینؑ رزق و عمر میں زیادتی کا موجب ہے۔ ج ۱۱ ص ۲۶۰

اصحابِ رَس کا بیان ج ۱ ص ۱۶۲ تا ص ۱۶۷ و ج ۱۳ ص ۱۱۳

رسم قل خوانی مقدمہ تفسیر ص ۱۴۴ تا ص ۱۴۷۔ عربوں کی بدعادات و رسوم ج ۵ ص ۲۵۵ و ص ۲۶۱ ج ۶ ص ۲۱۷

- غلط رسوم ج ۶ ص ۱۶ مشرکین مکہ میں رسم تھی کہ عورتیں مرد بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے۔ ج ۶ ص ۲۳
- جاہلی رسوم مدارس دینیہ کی کثرت سے ہی ختم ہو سکتی ہیں۔ ج ۶ ص ۱۹۴۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم۔ ج ۱۴ ص ۱۸۰ تا ص ۱۸۲
- اچھی رسم قائم کرنے والے کو ثواب پہنچتا رہے گا جبتک اس پر عمل ہوتا رہے گا اسی طرح بری رسم ایجاد کرنے والے پر عتاب کا وزن بڑھتا رہے گا جبتک اس پر عمل ہوتا رہے گا۔ ج ۶ ص ۱۱۳ ج ۱۲ ص ۱۰
- رسم پردہ اور حقیقت پردہ ج ۱ ص ۱۳۲
- حضرت لوطؑ کی قوم بری رسوم میں مبتلا تھی پس ان پر عذاب آیا۔ ج ۱۱ ص ۴

رشوت ۔ یہودی عوام کو اپنے علماء کا رشوت خور ہونا معلوم تھا پھر بھی ان کی تقلید کرتے تھے ج ۲ ص ۱۲۸ ج ۴ ص ۹۴

- رشوت حرام ہے۔ ج ۲ ص ۲۴ رشوت سحت ہے (حرام ہے) ج ۵ ص ۱۰ و ص ۱۱۱ و ص ۱۵۳
- کفار مکہ کے وفد نے شاہِ حبشہ نجاشی کو جو رشوت دی وہ اس نے واپس کر دی۔ ج ۵ ص ۱۵۸
- رشوت خور پر اللہ کا غضب ہوتا ہے۔ ج ۵ ص ۲۳۸

رضا ۔ علیؑ نے بستر پیغمبرؐ پر سو کر شبِ ہجرت رضائے پروردگار لے لی ج ۳ ص ۴۰

- رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً کا مصداق ذاتِ حسینؑ ہے ج ۱۴ ص ۲۲۰

- سورہ بینہ کے آخر میں جن لوگوں کو رضا پروردگار کی سند دی گئی ہے وہ شیعان علیؑ ہیں۔ ج۱۴ ص۲۴۷
- بیعت رضوان میں جو صحابہ شریک تھے ان سے خدا راضی ہے بشرطیکہ خاتمہ ایمان پر ہوا ہو۔ ج۱۳ ص۴۲
- کسی کے فعل پر راضی ہونے والا اسی فعل کا فاعل سمجھا جائے گا پس جو لوگ امام حسینؑ کے قاتلوں پر راضی ہیں وہ بھی قاتلان حسینؑ میں شامل ہیں جن سے حضرت مہدیؑ انتقام لیں گے۔ ج۲ ص۱۳۸ و ص۱۳۹ و ج۳ ص۱۰ و ص۲۰۸ و ج۴ ص۱۹ و ص۹۷ ج۵ ص۲۷۲ آیت رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کی تشریح ج ص۱۱۳ و ص۱۲۱ تا ص۱۲۳

رضاع کے احکام ج۲ ص۷۵ تا ص۸۱ حضرت یوسفؑ کی دودھ پلانے والی کے بچے کا نام بشیر تھا جو حضرت یعقوبؑ کی طرف حضرت یوسفؑ کی قمیص اور خبر لایا بقول مشہور۔ ج۸ ص۸۱ و ص۸۲ رضاعی محرمات یعنی رضاع کی وجہ سے حرام ہونے والی عورتیں ج۴ ص۱۵۵۔ رضاع کے شرائط ص۱۵۶

- موسیٰؑ پر ہر مرضعہ کا دودھ حرام کر دیا گیا آخرکار ماں نے ہی دودھ پلایا۔ ج۹ ص۱۸۲ و ج۱۱ ص۲۱
- حمل و رضاع کی کل مدت دو سال ہے۔ ج۱۳ ص۲۳
- دوسری دودھ پلانے والی عورت کے مقابلہ میں ماں کی رضاعت کا حق مقدم ہے ج۱۴ ص۵۳ و ص۵۴
- حضرت مریمؑ کی رضاعی ماں حضرت زکریاؑ کی بیوی تھیں۔ ج ص۲۲۱

روزہ۔ ماہ رمضان کے فضائل ج۲ ص۲۱۹ روزہ کے احکام ج ص۲۱۹ تا ص۲۳۸ روزہ و اعتکاف ص۲۳۹

- روزہ عید غدیر تمام زندگی کے روزوں سے افضل ہے ج۵ ص۳۶۔ اسی دن حضرت ابراہیمؑ نے نار نمرود سے نجات کی خوشی میں روزہ رکھا اور موسیٰؑ نے ہارونؑ کے وصی مقرر کرنے کی خوشی میں روزہ رکھا ج۵ ص۳۷
- اگر ایک شخص نے عید غدیر کا مستحب روزہ رکھا ہوا ہو اور دوسرا کوئی مومن عید غدیر کی خوشی میں اس کو کھانے پر مدعو کر لے تو اس کو روزہ جتلائے بغیر دعوت قبول کر لے اور کھانا کھالے پس دوہرا ثواب مل جائیگا ج۵ ص۳۸ و ص۳۹
- کفارہ کے روزے پے درپے رکھے جاتے ہیں۔ ج۵ ص۱۲۹
- مومن کے علامات میں سے دن کو روزہ رکھنا ج ص۱۶۶۔ ایک حدیث میں ہے جس نے ماہ رمضان کا ایک روزہ قضا کیا وہ ایمان سے خارج ہوا۔ ج۶ ص۱۶۸

رہبانیت۔ صحابی رسولؐ عثمان بن مظعون نے ترک دنیا پر عہد کر لیا۔ دن کو روزہ رات کو عبادت اور تمام لذات کا ترک شیوہ بنا لیا حضرت پیغمبرؐ نے اس کے گھر پہنچ کر تنبیہہ فرمائی کہ میرے دین میں رہبانیت نہیں ہے بے شک روزہ بھی رکھو اور بے روزہ بھی رہو بالکل تارک دنیا نہ بنو بلکہ شریعت کی حدود کے اندر ہر جائز کام کرو۔ میری امت کی سیاحت روزہ ہے اور رہبانیت جہاد ہے۔ ج۵ ص۱۶۱ و ص۱۶۲ و ج۷ ص۲۸

- ایک راہب اور دوسرا تائب ان کی عبرت آمیز اور نصیحت آموز کہانی۔ ج۶ ص۱۶۱

○ رہبانیت کی تفسیر ج۱۳ ص۲۲۸

رُوح ۔ انسان کے تمام اعضا میں موجود ہے اگر چلی جائے تو سب بے کار ہے لیکن تمام اعضا میں ہوتے ہوئے تمام اعضاء کے ادراک سے باہر ہے اسی طرح اللہ پُوری کائنات میں موجود ہے لیکن سب کے ادراک سے باہر ہے جس طرح عالم اصغر یعنی جسم انسانی کا مدبر روح ہے اسی طرح عالم اکبر کا مدبر اللہ ہے۔

○ رُوح ہر حصہ میں ہے لیکن کسی کو نظر نہیں آتا اسی طرح اللہ ہر جگہ ہے لیکن نظر نہیں آتا۔

○ جس طرح انسانی عقل تمام اعضاء سے رُوح کا وجود منواتی ہے کہ اگر رُوح نہ ہوتی تو اعضاء بے کار ہوتے اسی طرح عقل کل رسولؐ اللہ تمام عالم سے وجود باری منوانے کے لئے ہیں۔ پُوری تفصیل مقدمہ تفسیر ص۱۷۳ تا ص۱۷۸

○ انسان دو اہم جزوں سے مرکب ہے ایک جسم دوسرے رُوح پس روح محل معرفت ہے اور جسم محلّ عمل ج۲ ص۱۶

○ روح جسم عنصری سے آزاد ہو کر متعدد مقامات پر چشم زدن میں پہنچتا ہے۔ بحث لطیف ج۲ ص۳۷ تا ص۴۰

○ روح القدس کی تشریح ج۲ ص۱۳۹ ۔ مریمؑ کو عیسیٰؑ کی بشارت اسی نے دی تھی۔ ج۳ ص۲۳۴

○ ولایت علیؑ اسلام کے ڈھانچے میں رُوح کی حیثیت رکھتی ہے ج۵ ص۴۱

○ ملک الموت رُوحیں قبض کرتا ہے ج۵ ص۲۲۶ ۔ کافروں کی رُوح سختی سے قبض کرتے ہیں۔ ج۵ ص۲۴۰

○ عالم ذر میں تمام ارواح کو توحید و نبوت و امامت کی دعوت دی گئی تھی جنہوں نے وہاں قبول کی تھی وہ یہاں بھی قبول کرتے ہیں اور جنہوں نے وہاں انکار کیا تھا وہ یہاں بھی انکار کرتے ہیں۔ ج۶ ص۹۴ و ۹۵

○ ارواح سے اقرار اطاعت ج۸ ص۱۲۵ ۔ رُوح آدمؑ کے پتلائے خاکی میں داخل ہوئی۔ چھینک لی مسام کھل گئے الحمد للہ کہا اور یہ جمعہ کا دن تھا۔ پس فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہُوا چونکہ اسی دن فرشتے آدمؑ کے سامنے جھکے تھے۔ پس یہ دن اولاد آدمؑ کے لئے عید کا دن قرار دیا گیا۔ ج۸ ص۱۶۹

○ اسرار روحانیہ ج۸ ص۱۸۳ ۔ انبیاء میں پانچ روحیں موجود ہوتی ہیں (۱) روح القدس (۲) روح ایمان (۳) رُوح القوۃ (۴) رُوح شہوت (۵) رُوح بدن۔ ج۸ ص۱۸۳ و ج۳ ص۱۳۳ و ج۹ ص۲۸ ج۱۳ ص۱۹۵

○ رُوح کی تفسیر ج۸ ص۱۹۷ ج۱۴ ص۱۶۲ ۔ رُوح کے متعلق سوال ج۹ ص۶۶ رُوح کی حقیقت ج۹ ص۶۷

○ حضرت ادریسؑ کی قبض روح کی کیفیت ج۹ ص۱۵۶ ۔ ایک روایت میں ہے کہ رُوح کو سب سے پہلے حضرت آدمؑ کے قدموں میں جاری کیا گیا ج۹ ص۲۲۵ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو ہمارے حق میں ایک شعر کہے اس کی رُوح القدس سے تائید ہوتی ہے ج۱۰ ص۲۲۱ روح اور نفس کی تفسیر ج۱۲ ص۱۲۵

○ نفخ صور کے بعد تمام ارواح کی حالت یہ ہوگی کہ مومنوں کے ارواح نورانی اور کافروں کے ارواح سیاہ ہوں گے

اور اپنے اجسام میں داخل ہوں گے جس طرح دنیا میں تھے۔ ج۱۲ ص۱۳۷

○ ارواح کفار وادی برہوت میں اور ارواح مومنین وادی سلام میں رہتے ہیں۔ ج۱۱ ص۲۰۵

○ رُوحًا مِنْ اَمْرِنَا ج۱۲ ص۲۲۰۔ ج۱۳ ص۲۴۵۔ ملائکہ اور روح اولوالامر کے پاس اترتے ہیں۔ ج۱۲ ص۲۵۸

رہن۔ قرضہ کی ضمانت کے طور رکھا جاتا ہے۔ ج۳ ص۱۸۱

ریاکاری۔ کے اعمال سب باطل قاری قرآن مالدار اور مجاہد جنہوں نے ریا کی خاطر عمل کیا تھا۔ دربار توحید میں پیش ہوں گے تو ان کے اعمال ٹھکرا دیئے جائیں گے (کیونکہ ریا کے لئے تھے) ج۲ ص۱۵۶

○ ایک آدمی باآواز بلند تہلیل وتکبیر پڑھ رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تم کسی بہرے کو بلا رہے ہو ج۶ ص۱۴۱

○ ریا سے کیا ہوا عمل حبط (ضائع) ہوگا ج ص۱۹۷۔ ریا کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے ج۹ ص۱۳۳

○ حدیث میں ہے کہ ریاکاری تنگی رزق کا موجب بنتی ہے ج۶ ص۱۲۱ تکلف کرنے والے کا ظاہر ریا اور باطن منافقت ہوتی ہے ج۱۲ ص۱۰۹ جو کام اللہ کے لئے کیا جائے اس کو ریا سے پاک ہونا چاہیے

زاء

زبور۔ حضرت داؤد سواری پر زین رکھنے کا حکم دیتے تھے اور زین رکھنے سے پہلے زبور کو ختم کر لیتے تھے مقدمہ تفسیر ص۵

○ حضرت داؤد پر نازل ہونے والی کتاب کا نام زبور ہے ویسے ہر کتاب کو زبور کہتے ہیں، ج۳۰ ص۲۰ و ص۲۵۷

○ زبور اور کتاب کے معنی میں فرق یہ ہے کہ لکھی ہوئی کو کتاب کہتے ہیں اور پتھر یا دیوار پر کندہ شدہ کو زبور کہا جاتا ہے۔ ج۳۰ ص۲۶۳

زرہ۔ حضرت داؤد نے زرہ بنانے کی ایجاد کی اللہ فرماتا ہے ہم نے داؤد کو صنعت لبوس تعلیم دی اور لبوس ہر جنگی ہتھیار کو کہتے ہیں اور مروی ہے کہ آپ ہر روز ایک زرہ تیار کر لیتے تھے کیونکہ ان کے ہاتھ میں لوہا گندھے ہوئے آٹے کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ ج۹ ص۲۴۲ و ج۱۱ ص۲۲۷ و ص۲۲۸

○ ایک دن زرہ بنا رہے تھے تو حضرت لقمان آکر بیٹھ گئے خیال آیا پوچھ لوں کیا بنا رہے ہو؟ پس چپ رہے جب زرہ تیار ہوئی تو داؤد نے خود پہن کر کہا کیا اچھا جنگی لباس ہے تو حضرت لقمان نے کہا خاموشی بہت بڑی حکمت ہے حضرت داؤد نے کہا بے شک آپ کا لقب حکیم بجا ہے ج۱۱ ص۱۳۰

زرد رنگ کی گائے ذبح کرنے کا نبی اسرائیل کو حکم ہوا تھا حدیث میں ہے کہ جو شخص زرد رنگ کا جوتا پہنے جب تک جوتا

اس کے پاؤں میں رہے گا اس کو خوشی نصیب ہوگی اور مال وعلم نصیب ہوگا۔ ج۲ ص۱۲۳

زقوم ۔ جب حضورؐ نے آیت پڑھی جس میں زقوم کو دوزخیوں کی غذا کہا گیا ہے تو ابن زبعری نے فوراً کہہ دیا کہ بربر کی زبان میں مکھن اور کھجور کو زقوم کہتے ہیں عوام چونکہ زقوم سے آشنا نہ تھے پس ابوجہل نے اپنی کنیز سے کہا کہ جاؤ زقوم لے آؤ پس وہ کھجوروں پر مکھن ڈال کر لے آئی ابوجہل نے حاضرین کو اس کے کھانے کی دعوت دی اور کہا یہی وہ زقوم ہے جس سے محمد ہمیں ڈراتا ہے۔ ج۱۲ ص۲۰ و ص۹۱ و ص۲۰۷ ج۱۳ ص۸

زکوٰۃ ۔ زکوٰۃ کا حکم ج۲ ص۱۰۱ و ص۱۳۶۔ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کا عذاب۔ ج۴ ص۹ ج۱۴ ص۹۶ و ص۱۳۶

- زکوٰۃ نہ ادا کرنے کے بہانہ سے ابوبکر کے حکم سے جن لوگوں کو قتل کیا گیا وہ مرتد نہیں بلکہ سچے مسلمان تھے۔ (مالک بن نویرہ اور اس کا خاندان بنی یربوع اور بنو حنیفہ) ہاں ان کا قصور یہ تھا کہ علیؑ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو خلیفہ رسولؐ نہیں مانتے تھے ج۵ ص۱۲۶ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کی مذمت ج۷ ص۱۰۲
- وہ حق جس کی ادائیگی نہ کرنے پر گرفت ہوگی وہ زکوٰۃ ہے اور جس کی عدم ادائیگی پر مواخذہ نہیں ہوگا وہ فصل کی کٹائی کے موقعہ پر سائلین کو مٹھی بھر دینا ہے ج۵ ص۲۶۲ انگوٹھی کی زکوٰۃ علیؑ نے دی ج۵ ص۱۲۹
- مومن کی نشانیوں میں سے ہے زکوٰۃ ادا کرنا ج۷ ص۱۹۴ و ص۱۹۶ و ج۸ ص۹۵ زکوٰۃ نہ ادا کرنا فقر کو لاتا ہے ج۱۱ ص۱۲۱
- زکوٰۃ کا بیان اور مفصل احکام ج۷ ص۴۳ تا ص۸۵۔ ثعلبہ کا واقعہ جو غریب تھا پھر حضورؐ کی دعا سے مالدار ہوا اور زکوٰۃ کے حکم سے انکاری ہو کر زمرہ منافقین میں شامل ہو گیا۔ ج۷ ص۹۸ و ص۹۹
- وجوب زکوٰۃ کا حکم ج۸ ص۱۲۵۔ بحار الانوار کی ایک روایت میں ہے کہ موسیٰؑ نے اپنی قوم کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ جو ایک ہزار میں سے ایک تھا پس قارون نے ایک عورت کو دو ہزار رشوت دے کر موسیٰؑ پہ زنا کی تہمت لگانے کا منصوبہ بنایا اور آخر حضرت موسیٰؑ کی بد دعا سے خزانہ سمیت زمین میں دھنس گیا ج۱۱ ص۵۵ حضرت علیؑ کی زکوٰۃ انگوٹھی پر رازی کا اعتراض اور اس کا جواب ج۵ ص۱۳۲

زکریاؑ کا حضرت مریمؑ کی کفالت کا ذکر ج۳ ص۲۲۱۔ زکریاؑ کو یحییٰؑ کو بشارت ج۳ ص۲۲۴

- حضرت زکریاؑ کی دعا برائے طلب اولاد ج۹ ص۱۳۷۔ حضرت زکریاؑ کے وعظ سے حضرت یحییٰؑ کا گریہ ج۹ ص۲۴۹

زلزلہ قیامت سے زمین کربلا محفوظ ہوگی۔ ج۱ ص۱۴۱

- قوم صالحؑ زلزلہ اور دھماکہ سے غرق ہوئی۔ ج۶ ص۵۲ ج۱۱ ص۸۳
- حضرت شعیبؑ کی قوم بھی زلزلہ سے ہلاک ہوئی۔ ج۶ ص۶۲
- مروی ہے جب زنا عام ہو تو زلزلے زیادہ آتے ہیں۔ ج۹ ص۲۷۔ زناکاری زلزلوں کو لاتی ہے ج۱۱ ص۱۲۱
- زلزلہ قیامت ج۱۵ ص۸ و ص۱۰

زلیخا ۔ زلیخا سے حضرت یوسفؑ کی شادی ج ۷ ص ۹۱

زمزم ۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے پاؤں رگڑنے کی جگہ سے جاری ہوا۔ ج ۲ ص ۱

○ زمزم آیات بینات میں سے ہے ج ۲ ص ۱۱ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے پاس زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی ڈیوٹی تھی اور عثمان بن شیبہ کعبہ کا کلیدار تھا۔ ان دونوں نے حضرت علیؑ پر اپنے اپنے عہدے کا فخر کیا تو آیت اتری اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ الخ آیت ۱۹ سورہ برأت ج ۷ ص ۳

○ زمزم کے کنارے ایک دن حضرت عباسؓ بیٹھے تھے کہ ایک شامی نے اعتراض کیا کہ علی کے ہاتھوں کئی مومن قتل ہوئے ہیں تو ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ حضرت موسیٰؑ خضرؑ کے قتل کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور اس کو بے گناہ سمجھ کر حضرت خضرؑ پر معترض ہوئے حالانکہ خضر کے فعل میں اللہ کی رضا تھی اسی طرح ان کے قتل میں بھی اللہ کی رضا تھی لیکن جاہل اس کی حقیقت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ ج ۹ ص ۱۲۲ و ص ۱۲۳

○ ایک مرتبہ زمزم کے کنارہ پر ابن عباسؓ اور ابوذر غفاری آکر بیٹھے اور انہوں نے حضرت علیؑ کو حالت رکوع میں انگوٹھی دینے کی اور آیت ولایت اترنے کی چشم دید حکایت بیان کی ج ۵ ص ۱۲۹

زندگی ۔ جو شخص حج سے فارغ ہو کر اگلے سال کی حج کی نیت کرے اس کی زندگی بڑھ جاتی ہے ج ۲ ص ۱۴۷ زنا کرنے سے زندگی گھٹ جاتی ہے ج ۹ ص ۲۷ مروی ہے کہ زیارت حسینؑ کرنے والے کی زندگی میں اضافہ ہوتا ہے ج ۳ ص ۱۳۸ اور تارک زیارت کی عمر و رزق میں کمی ہوتی ہے ج ۲ ص ۲۲

○ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے کا مطلب ج ۳ ص ۲۱۳

○ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی مذمت ج ۵ ص ۲۵۹ و ص ۲۶۱ و ج ص ۲۱۸ ج ۹ ص ۲۵ ج ۱۴ ص ۱۸۱

زنا کی سزا تورات میں بھی رجم تھی لیکن یہودی علماء امراء طبقہ سے رشوت لے کر تورات میں تحریف کر دیتے تھے ایک دفعہ یہودیوں کے امراء طبقہ میں سے کسی نے زنا کیا تو اس کو رجم سے بچانے کے لئے حضرت پیغمبرؐ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے بھی سزائے رجم بیان فرمائی ج ۲ ص ۲۰۹ و ص ۲۱۰ ج ۵ ص ۱۰۸

○ زنا سے توبہ کرنے والے کا واقعہ ج ۴ ص ۵۲

○ زنا ظاہر ہو یا پوشیدہ سب حرام ہے ج ۵ ص ۲۵ ج ص ۲۹

○ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ایمان کے ہوتے ہوئے انسان زنا نہیں کر سکتا ج ص ۱۶۹

○ حضورؐ نے فرمایا بروز محشر سات شخص اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے (۱) امام عادل (۲) جوان عابد (۳) محب مسجد (۴) وہ دو شخص جو اللہ کی اطاعت میں اکٹھے ہوں (۵) وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کی عظمت کو یاد کر کے روئے۔ (۶) وہ شخص جس کو تنہائی میں کوئی عورت زنا کی دعوت دے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے

ڈرتا ہوں (۷) وہ شخص جو خفیہ صدقہ کرے ج ۶ ص ۲۷ زناکاری زلزلوں کو لاتی ہے۔ ج ۱۱ ص ۱۲۱

- شب معراج حضورؐ نے زانی مردوں اور زانیہ عورتوں کو عذاب شدید میں گرفتار دیکھا۔ ج ۶ ص ۲۶۳ و ص ۲۶۴
- وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى ج ۹ ص ۲۷ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی عورت سے زنا کرتا ہوا دیکھے تو اس کے لئے اس کا قتل جائز ہے۔ ج ۹ ص ۲۸
- زنا کی شرعی سزا ج ۱ ص ۱۱۱۔ قذف یعنی زنا کی تہمت لگانے کی سزا ج ۱ ص ۱۱۶ و ص ۱۱۴
- عباد الرحمٰن یعنی اللہ کے خاص بندے ان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ زنا نہیں کرتے۔ ج ۱ ص ۱۸۶
- زنا گناہانِ کبیرہ میں سے ہے ج ۱۳ ص ۱۵۱ بوڑھا زانی جنت کی بو نہ سونگھے گا۔ ج ۱۳ ص ۲۰۲
- ایک بادشاہ نے اپنی بیٹی یا بہن سے زنا کیا اور پھر اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کے لئے بہن بیٹی کے نکاح کو قانونی شکل دے دی پس جن لوگوں نے یہ قانون تسلیم کر لیا ان کو انعامات دیئے گئے اور جنہوں نے انکار کیا انہیں آگ کی بھری ہوئی خندقوں میں جھونک دیا گیا اور وہی لوگ اصحاب الاخدود ہیں۔ ج ۱۲ ص ۲۱۰
- زنا سے توبہ کرنے والا ج ۶ ص ۱۹۰ و ج ۱۳ ص ۱۷۴

زمین کی تخلیق مقدم ہے یا آسمان کی؟ سوال وجواب ج ۲ ص ۵۸ ج ۱۱ ص ۱۰۲

- زمین و آسمان کا مالک اللہ ہے ج ۳ ص ۹ ج ۱۳ ص ۱۲۲ و ص ۱۲۵
- زمین کی صفات حسنہ اور آگ سے افضلیت ج ۵ ص ۱۰
- زمین و آسمان کی پیدائش چھ دنوں میں ج ۶ ص ۳۹ ج ۱۱ ص ۱۴۲ ج ۱۲ ص ۱۰۲
- زمین کے صفات وخصوصیات ج ۶ ص ۱۰۷ و ص ۱۰۵
- زمین و آسمان کا تکوینی و قہری سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے۔ ج ۶ ص ۱۱۹
- بروز حشر زمین تبدیل کی جائے گی۔ ج ۶ ص ۱۶۲
- زمین پر اللہ نے دریا و نہریں انسانی ضرورت کے لئے پیدا کیں۔ ج ۱ ص ۶۲
- موسیٰؑ کی بدعا سے قارون کو زمین نے نگل لیا۔ ج ۱۱ ص ۵۵
- سات زمینیں ج ۱۴ ص ۵۶۔ زمین کی تخلیق میں انسانی منافع ج ۱۱ ص ۵۷ و ص ۱۰۹
- زمین زندہ انسانوں کا مسکن اور مردہ انسانوں کا مدفن ہے ج ۱۴ ص ۱۵۱

زہد وتقویٰ۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا میرے شیعوں کو کہہ دینا کہ میں تمہارا ضامن نہیں ہوں مگر پرہیزگاری اور تقویٰ کے ساتھ ج ۲ ص ۱۹۷ تقویٰ کے مراتب [illegible] ۱۹۵

- پرہیزگاری کا معنی ہے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنا۔ ج ۵ ص ۲۱۹ آئمہ کا ترک لذات ج ۶ ص ۲۶ تا ص ۲۸

- حضرت یحییٰ کا زہد و تقویٰ ج۵ ص۲۴۹۔ عثمان بن مظعون کا زہد۔ ج۵ ص۱۶۱
- حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا مجھے پسند ہے کہ اللہ کا عبد و نبی بن کر ایک دن شکم سیر اور دو دن فاقے سے رہوں ج۱۲ ص۹۴
- امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا زہد کا آخری درجہ ورع کا پہلا زینہ ہے اور ورع کا آخری درجہ یقین کی پہلی منزل ہے اور یقین کا آخری درجہ رضوان پروردگار کی پہلی منزل ہے فوت ہونے والی چیز کا ارمان نہ کرو اور مل جانے والی چیز پر خوشی کا اظہار نہ کرو۔ ج۱۳ ص۲۲۴
- زید بن حارثہ جو حضورؐ کا متبنیٰ تھا اس کا زینب سے نکاح ہوا پھر اس نے اس کو اپنی مرضی سے طلاق دے دی تو حضرت پیغمبرؐ نے بحکم پروردگار اس سے شادی کر لی۔ ج۲ ص۱۱۶
- امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا جنہوں نے مچھلی کا شکار کیا وہ مسخ ہو گئے تو کیا ہوگا ان لوگوں کا جنہوں نے اولاد پیغمبرؐ کو ناحق قتل کیا اور ان کی حرمت کی ہتک کی؟ ج۲ ص۱۲۰
- آپ نے فرمایا ہمارے نانا ہمارے حق میں احسان کرنے کی امت کو فرمائش کر گئے تھے لیکن مسلمانوں نے ہمیں اتنے دکھ پہنچائے کہ اگر وہ ستانے کی وصیت کر جاتے تو مسلمان ہمیں اس سے زیادہ دکھ نہ پہنچا سکتے۔ ج۲ ص۱۲۳
- ایک شخص نے امام زین العابدینؑ سے گستاخانہ کلام کیا تو آپ اس کے گھر چلے گئے اس کو خیال آیا کہ شاید بدلہ دینے آئے ہیں لیکن آپ نے فرمایا بھائی جو کچھ تو نے مجھے کہا ہے اگر حق تھا تو میں اس کی اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور اگر غلط تھا تو میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ پس فوراً اس نے معافی مانگ لی۔ ج۲ ص۸ ج۳ ص۸
- آپ واقعہ کربلا کے بعد ۲۵ برس متواتر روئے ج۳ ص۲
- آپ سے احوال پرسی کی گئی تو آپ نے فرمایا ہماری حالت ایسی ہے جس طرح فرعونی دور میں بنی اسرائیل کی تھی۔ ج۹ ص۳۹، ص۴
- امام زین العابدین علیہ السلام دربار شام میں پہنچے تو لوہے کا گراں طوق ان کی گردن میں تھا۔ ج۱۳ ص۲۲۴

سین

سات چیزیں جو ماں کے شکم سے نہیں ہیں (امام حسنؑ سے شاہ روم کا سوال) ج۱۲ ص۲۰۵ سات آدمیوں پر رحمت ج۳ ص۱۹۳

سام بن نوحؑ کو حضرت علیؑ کا ٹھوکر مار کر زندہ کرنا ۔ ج ۱۲ ص ۲۰۳

سانپ بروز محشر زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے پر مسلط ہوگا بصورت اژدہا ۔ ج ۴ ص ۱۰

- سانپ بچھو چوہے کا حالت احرام میں مارنا بھی جائز ہے ۔ ج ۵ ص ۱۹۷
- عصائے موسیٰؑ کا سانپ بننا ج ۶ ص ۱۹ و ج ۸ ص ۱۷۶ ج ۹ ص ۱۱۲ ج ۱۰ ص ۱۹۷ و ص ۲۲۵ ج ۱۱ ص ۳۵
- حضرت پیغمبرؐ نے موسیٰؑ والا معجزہ دکھایا ۔ ج ۷ ص ۱۸ ۔ یہ سانپ ان سات میں سے ہے جو ماں کے شکم سے نہیں ج ۱۲ ص ۲۰۵
- غار میں سانپ نے حضرت ابوبکر کو کاٹا ۔ ج ۷ ص ۵۳
- حضرت یوسفؑ کو جس کنوئیں میں گرایا گیا اس میں سانپ تھے لیکن حضرت یوسفؑ کو نہ کاٹا ۔ ج ۸ ص ۱۷
- جہنم کے زہریلے سانپ جو کافر پر قبر میں مسلط ہوں گے ۔ ج ۹ ص ۲۰۸
- سوال کیا گیا کہ جادوگروں کے سانپ دیکھ کر حضرت موسیٰؑ گھبرا گئے تھے لیکن آگ سے حضرت ابراہیمؑ نہ گھبرائے تو حضرت جعفر صادقؑ نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کی صلب میں محمدؐ و آل محمدؐ کے انوار تھے ۔ ج ۹ ص ۲۳۶ و ص ۲۳۷
- جو شخص ہرن کی جھلی پر سورہ نمل لکھ کر گھر میں رکھے تو سانپ بچھو بھیڑیا باولا کتا وغیرہ موذی جانور داخل نہ ہوں گے ۔ ج ۱۰ ص ۲۲۲ ۔ ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی کا پڑھنا سانپ بچھو کا تعویذ ہے ۔ ج ۳ ص ۱۳۶

سائبہ ۔ بحیرہ وصیلہ اور حامی کی تشریح ج ۵ ص ۱۷۴ و ص ۱۷۵ ۔ سائبہ وغیرہ کے متعلق مشرکین کا احتجاج ج ۵ ص ۲۰۷

ملک سبا اور ملکہ سبا بلقیس کا ذکر ج ۱۰ ص ۲۳۷ قوم سبا کا واقعہ ج ۱۱ ص ۲۳۹

سارہ ۔ ایک قول ہے کہ حضرت لوط کی بہن تھی ۔ ج ۲ ص ۵۵

- حضرت سارہ کو بچے کی خوشخبری اور لفظ اہل بیت سے خطاب ج ۷ ص ۲۲۶ ج ۸ ص ۱۸۵ ج ۱۱ ص ۵۰ ج ۱۲ ص ۵۲
- ابراہیمؑ نے عراق سے ہجرت کی تو سارہ ہمراہ تھی ملک شام کی سرحد پر کسٹم آفیسر سے بات چیت ج ۱۲ ص ۵۴
- بادشاہ نے مسلمان ہوکر حضرت ہاجرہ کو سارہ کی خدمت کے لئے دیدیا ج ۱۲ ص ۵۵

سابقون اولون کی تشریح ج ۷ ص ۱۱۳ ۔ سابق الایمان علیؑ ہے ج ۷ ص ۱۱۸

- سابقون ج ۱۳ ص ۱۹۶ و ص ۱۹۵ و ص ۲۰۲ ۔ سابقین چار ہیں ہابیل مومن آل فرعون حبیب نجار اور علیؑ ۔

سامری ۔ بنی اسرائیل کے پاس جو قبطیوں کے زیورات تھے ان کو آگ میں ڈال کر گوسالہ بنایا اور جبرئیل کی گھوڑی کے قدموں کی مٹی اٹھا کر اس میں ڈال دی تو اس سے آواز پیدا ہوئی پس سامری کے کہنے سے بنی اسرائیل نے اس کی پوجا شروع کردی ۔ ج ۲ ص ۱۰۸ و ج ۹ ص ۱۹۵

- جس طرح ہارون کی مخالفت کرنے والا سامری تھا اسی طرح اس امت میں علیؑ کی مخالفت کرنے والا اس امت کا سامری ہے ص ۱۹۹

- اور حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا بروز محشر تیسرے نمبر پر میری امت کے سامری کا جھنڈا ہوگا ج ۲ ص ۲۹ حضرت موسیٰؑ کی امت ہارونؑ کے منع کرنے کے باوجود گوسالہ پرستی سے باز نہ آئی اور امت محمدیہ حضرت علیؑ کی اتمام حجت کے باوجود اپنے دور کے سامری کی اطاعت کرتی رہی۔ ج ۶ ص ۱۹۰ و ص ۱۰۹ سامری اور گوسالہ ج ۶ ص ۹۲ و ص ۱۰۲
- سامری کے متعلق خیالات ج ۶ ص ۱۹۵ حضرت موسیٰؑ نے سامری کو قوم سے نکال دیا اور وہ مبتلائے عذاب ہوا۔ ج ۶ ص ۲۰۰

سب کرنا ۔ شیعہ کی طرف سب صحابہ کی نسبت دینا افتراء ہے کیونکہ شیعہ مذہب کی رو سے سب کرنا اور گالی دینا فعل حرام ہے اور سیرت آئمہ اہلبیت کے خلاف ہے مقدمہ تفسیر ص ۱۱

- سب کرنا گناہ ہے۔ تم جھوٹے خداؤں کی پوجا کرنے والوں کو سب نہ کرو ورنہ وہ تمہارے حقیقی خدا کو سب کریں گے حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا یا علیؑ جو تجھے سب کرے گا گویا اس نے مجھے سب کیا۔ ج ۵ ص ۲۴۶

ستارہ ۔ حضرت ابراہیمؑ نے ستارہ پرستی نہیں کی تھی بلکہ ان لوگوں کو سمجھانے کا ایک طریقہ اختیار کیا تھا کہ تمہارے عقیدہ کے مطابق چلو ستارہ کو خدا مان لیں لیکن دیکھیں کہ اس میں خدائی صفات بھی ہیں جب وہ ڈوبا تو فرمایا ڈوبنے والے کو خدا نہیں کہا جا سکتا ج ۵ ص ۲۳۴

- یوسفؑ کے لئے گیارہ ستاروں کا سجدہ خواب تھا جس کی تعبیر اس کے گیارہ بھائیوں کی اطاعت تھی ج ۸ ص ۳
- ستارہ قطبی جو جانب شمال میں افق سے ۳۲ درجے بلند ہے بعض مقامات پر اس کو دائیں کندھے کی سیدھ پر رکھا جائے تو منہ قبلہ "کعبہ" کی طرف ہو جاتا ہے۔ ج ۲ ص ۳۵
- ہر ستارے کا مدار جدا ہے ص ۱۲ ص ۲۳ ج ۱۳ ص ۱۲۵ یہ ستارے آسمان دنیا کی زینت ہیں۔ ج ۱۲ ص ۳۳ ج ۱۴ ص ۴۲
- علم نجوم ص ۵۲ وَالنَّجْم کی تفسیر ج ۱۳ ص ۱۴۵ تا ص ۱۴۸

سیارات سبعہ ۔ چاند ۔ عطارد ۔ زہرہ ۔ سورج ۔ مریخ ۔ مشتری ۔ زحل ۔ ہر ایک کا آسمان الگ ہے ج ۱۴ ص ۵

سجدہ ۔ قرآن مجید میں چار سورتیں ہیں جنمیں سجدہ واجب ہے ۔ الم سجدہ ۔ حم سجدہ ۔ النجم ۔ العلق مقدمہ تفسیر ص ۴۳

- حضرت آدم کے سجدہ کا حکم اور ابلیس کا انکار ج ۱ ص ۷۴ تا ص ۸۱ آذر علم نجوم کا ماہر تھا ج ۵ ص ۲۳۱
- بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے دروازہ سے گذرنے کا حکم تھا وہ باب حطہ یعنی باب استغفار تھا اور پیغمبرؐ نے فرمایا میری امت کے لئے علیؑ باب حطہ ہے ج ۱ ص ۱۱۵
- حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والا اسلامی گروہ ۸۲ زن و مرد اور بچوں پر مشتمل تھا نجاشی کا سلام کیا لیکن سجدہ نہ کیا نجاشی نے پوچھا تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم صرف اللہ کا سجدہ کرتے ہیں اور بس ج ۵ ص ۱۵
- سجدہ شکر شیعان علی کی علامت ہے ج ۵ ص ۲۲۳ ۔ سجدہ و ذکر سجدہ ج ۹ ص ۵۵
- ابلیس سجدہ آدم کے حکم میں شامل تھا ج ص ۱۱ ۔ قرآنی سجدے ان کا طریقہ اور ذکر سجدہ ج ص ۱۵۳ و ص ۱۵۴

○ سجدہ تعظیمی ج۶ ص۸۶ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے ج۶ ص۱۱۸ سجدہ تکوینی و سجدہ تشریعی ج۶ ص۱۱۹

○ ملائکہ کا سجدہ کس نوعیت کا تھا۔ ج۶ ص۱۱۹

○ فرشتوں کی ایک جماعت ہے جب سے پیدا ہوئے ہیں سجدہ میں ہیں اور ان کے آنسوؤں کے قطرات سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں وہ بروز قیامت سجدہ سے سر اٹھائیں گے اور کہیں گے اے پروردگار! جو تیری عبادت کا حق تھا ہم ادا نہیں کر سکے ج۶ ص۲۱۵

○ دو سجدے ہر رکعت میں ارکان نماز میں سے ہیں ج۹ ص۵۶ ۔ سجدہ سہو ج۹ ص۵۹

○ ہر شی اللہ کا سجدہ کرتی ہے لیکن ذوی العقول کا سجدہ تشریعی اور باقیوں کا تکوینی ہے۔ ج۱۲ ص۱۶

○ ہدہد نے سلیمانؑ کو رپورٹ دی کہ ملکہ بلقیس اور اس کی قوم سورج کا سجدہ کرتے ہیں۔ ج۱۲ ص۲۳۶ تا ص۲۴۰

○ چاند سورج کا سجدہ نہ کرو بلکہ اللہ کا سجدہ کرو ج۱۲ ص۱۸۹

سجین کی تشریح ج۱۴ ص۱۸۹

سحت ۔ بروایت درمنثور پیغمبرؐ سے مروی ہے۔ سحت یہ چیزیں ہیں۔ کتے کی قیمت، بندر کی قیمت، سور کی قیمت شراب کی قیمت، مردار کی قیمت، خون کی قیمت، نر حیوان کی مادہ سے ملانے کی اجرت، رونے والیوں کی اجرت، گانے والیوں کی اجرت، جادوگر و قیافہ شناس کی اجرت، مردار جانوروں کی کھال کی قیمت، بت بنانے کی اجرت، سفارش کا ہدیہ، جہاد میں جانے کی اجرت۔ ایک روایت میں رشوت زنا کی اجرت، خیانت، امام مال یتیم سود اور ہر مسکر کی قیمت یہ سب سحت میں داخل ہیں۔ ج۵ ص۱۰۹ و ص۱۳۶

سخاوت ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اپنے مال سے حق واجب نکال کر مستحقین تک پہنچا دے وہ سخی ہے اور جو حقوق واجبہ ادا نہ کرے وہ بخیل ہے۔ ج۳ ص۱۱۳

○ متقین کی پہلی صفت سخاوت ہے ج۲ ص۴۹ مالدار انسان کی زینت سخاوت ہے ج۲ ص۱۴۳ ج۱۱ ص۵۸

○ معصومؑ نے فرمایا بہتر وہ ہیں جو سخی ہیں اور بدتر وہ ہیں جو بخیل ہیں۔ ج۱۳ ص۲۵۴

سدرۃ المنتہیٰ کا ایک پتہ ایک بڑی جماعت کو سایہ دے سکتا ہے ج۶ ص۲۶۳

○ شب معراج جب حضورؐ مقام سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو جبریل رک گئے اور حضورؐ آگے چلے گئے ج۱۳ ص۱۵۳ و ص۱۵۴

سعادت و نحوست ایام ج۱۲ ص۱۷۷ تا ص۱۸۳

○ سعد نامی ایک شخص بنی امیہ میں سے تھا اور معصومؑ اس کو سعد الخیر کے نام سے پکارتے تھے۔ ج۶ ص۱۶۲

سفر ۔ ماہ رمضان کا روزہ سفر مباح میں ناجائز ہے اور بعد میں اس کی قضا لازم ہے ج۲ ص۲۲۸ ۔ شہر الطلاق سفر ص۲۲۸

○ ماہ رمضان میں سفر کے متعلق احکام و ہدایات ج۲ ص۲۳۰ تا ص۲۳۲

- سفر کے اخراجات اور واپسی تک گھر والوں کے خرچہ رقم پاس ہو تو حج واجب ہے بشرطیکہ رکاوٹ کوئی نہ ہو ج۴ ص۱۹
- اگر عورت کے لئے محرم میسر نہ ہو لیکن سفر پُرامن ہو تو حج کو جا سکتی ہے۔ ج۴ ص۱۹
- سفر کے ایام میں شرائط کے ساتھ نماز قصر ہوتی ہے نماز قصر اور اس کے مسائل ج۴ ص۲۳۱ تا ص۲۳۴
- اگر سفر میں دشمن کا خطرہ لاحق ہو تو نماز خوف پڑھی جائے گی۔ ج۴ ص۲۳۵
- زمین میں سفر کر کے انسان عبرت و نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ ج۱۱ ص۲۲۴
- سفر میں سورہ الطور کی تلاوت کرنے والا ناپسندیدہ امور سے محفوظ رہتا ہے ج۱۳ ص۱۳۴

سفینہ ۔ اللہ نے اپنی حکمت ... و مصلحت سے پانیوں کو کشتیوں کے بوجھ اٹھانے کی طاقت دیکر انسانوں کو سہولت دے دی۔ ج۴ ص۲۰۶

- حضرت خضرؑ نے کشتی کو شگاف کر کے ڈبو دیا۔ ج۹ ص۱۱۴
- بادشاہ وقت چالو کشتیوں کو ضبط کر رہا تھا اس لئے خضرؑ نے کشتی کو عیب دار کر کے بچا دیا۔ ج۹ ص۱۱۶
- حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم ہوا اور اس میں ہر جنس کا جوڑا جوڑا سوار کرنے کا بھی حکم ہوا۔ ج۷ ص۲۱۰
- کشتی نوحؑ کا حلیہ ج۷ ص۲۱۱ ۔ پانی کے سفر کے لئے کشتیاں بھی اللہ نے مسخر کیں۔ ج۱۲ ص۲۳
- حضرت نوحؑ کی کشتی پانی میں چل کر باعث نجات ہوئی ج۱۳ ص۱۶۹

سفیان ثوری نے امام جعفر صادق علیہ السلام پر عمدہ لباس پہننے کا اعتراض کیا آپ نے فرمایا میں نے اوپر لوگوں کے لئے اچھا لباس پہنا اور اندر اپنے بدن کے لئے کھردرا لباس پہنا ہے لیکن تو نے اوپر لوگوں کے دکھا دے کے لئے کھردرا پہن رکھا ہے اور اپنے نفس کے لئے اندر عمدہ لباس پہنا ہے آپ نے اوپر کا کپڑا اٹھایا تو ایسا ہی تھا۔ ج۷ ص۲۴

سقر ۔ جہنم کا ایک طبقہ ہے جس کا نام سقر ہے۔ ج۱۳ ص۱۷۴

سقراط کو جب اپنے زمانہ کے نبی کی بعثت کی خبر سنائی گئی تو اس نے کہا میں خود ہدایت یافتہ ہوں مجھے کسی دوسرے ہادی کی ضرورت نہیں ہے۔ ج۱۲ ص۱۹۷

سکینہ ۔ تابوت بنی اسرائیل میں سکینہ تھا۔ ج۳ ص۱۲۱

- اللہ نے اپنا سکینہ اپنے رسولؐ پر نازل کیا (غار ثور میں) ج۶ ص۵۱
- اللہ نے مومنوں کے قلوب میں سکینہ (سکون) نازل فرمایا سکینہ سے مراد دلائل و براہین جن کی بدولت ان کے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو گیا۔ ج۱۲ ص۹۶

سلیمانؑ ۔ سلیمانؑ پر جادو کی تہمت لگائی گئی حالانکہ سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کیا۔ ج۱ ص۱۴۸

- غزالی نے سرالعالمین میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے جو انگوٹھی رکوع میں دی تھی وہ سلیمانؑ کی تھی۔ ج۵ ص۱۳۴
- حضرت علیؑ نے فرمایا میرا ملک سلیمانؑ بن داؤدؑ کے ملک سے بڑا ہے۔ ج۵ ص۲۱۲
- ہدہد پرندے کے پاس وہ علم تھا جو سلیمانؑ کے پاس نہ تھا۔ ج۸ ص۱۳۶
- سلیمانؑ نبی کے گھر میں تین سو بیویوں کے علاوہ سات سو کنیزیں تھیں ج۸ ص۱۴۰
- حضرت سلیمانؑ نے حضرت داؤدؑ کے فیصلہ کو تبدیل کرایا ج۸ ص۲۲۱ سلیمانؑ کی حکومت ج۸ ص۲۲۳
- حضرت سلیمانؑ نے باوجود انتہائی بلندی اور لشکری شور و غل کے زمین پر دھیمی آواز سے بولنے والی چیونٹی کی آواز سن لی۔ ج۸ ص۲۲
- حضرت سلیمانؑ کے لشکر کا یومیہ خرچہ سات کُر غلہ تھا۔ ج۸ ص۱۴۹ حضرت سلیمانؑ کا قصہ ج۸ ص۲۲۶
- حضرت سلیمانؑ کی فوجی چھاؤنی تین سو میل کی حدود میں تھی۔ ج۸ ص۲۳۱
- حضرت سلیمانؑ کے لئے ہوا مسخر تھی تیز رو گھوڑے کی دو ماہ کی مسافت ان کا تخت ہوا میں ایک دن میں پہنچاتا تھا۔ ج۸ ص۲۲۵
- بیت المقدس کی تعمیر ج۸ ص۲۲۹ ۔ حضرت سلیمانؑ کی موت ج۸ ص۲۳۶
- حضرت سلیمانؑ کے لئے سورج واپس پلٹا گھوڑوں کا معائنہ کر رہے تھے کہ نماز قضا ہو گئی ج۱۲ ص۹۰ ص۹۱
- حضرت سلیمانؑ کا امتحان۔ ج۱۲ ص۹۱ ۔ ملک سلیمانؑ جن انسان چرند پرند حشرات الارض اور ہوا پر حکومت ج۱۲ ص۹۳ شہنشاہ ہونے کے باوجود مزدوری کر کے اپنا اور بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ ج۱۲ ص۲۳۵

سلمانؓ ۔ اگر دین آسمان سے معلق ہوتا تو ایرانی لوگ وہاں سے بھی حاصل کر لیتے ج۲ ص۶۶ ج۱۲ ص۱۵

- السلمانؓ منا اہل البیت ج۲ ص۶۶ ج۳ ص۲۱۱ ۔ خندق کی کھدائی میں سلمانؓ کو حضورؐ نے اپنا ساتھی بنایا۔ سلمانؓ نصرانیت کے زمانہ میں بھی اندرونی طور پر حضورؐ پر ایمان رکھتا تھا۔ ج۳ ص۱۱۹
- سلمانؓ نے کہا جو جبریل کا دشمن وہ میکائیل کا بھی دشمن ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اے سلمانؓ! آیت نے تیری تصدیق کر دی ہے۔ ج۳ ص۱۴۰
- سلمانؓ نے بی بی سے کہا کہ آپ بددعا نہ کریں۔ بی بی نے فرمایا میرا حق غصب ہوا طمانچہ مارا گیا۔ دروازہ گرا میں نے صبر کیا اب کیسے صبر کروں؟ تو سلمانؓ نے عرض کی علیؑ نے ایسا فرمایا ہے تو بی بی نے سر جھکا لیا۔ ج۴ ص۵۴
- سلمانؓ و ابودجانہ انصاری اور مالک اشتر حضرت قائمؑ کے ہمراہ ہوں گے ج۴ ص۱۰۱

- سلمانؓ سے مروی ہے میں حضورؐ کے ہمراہ تھا آپ نے ایک خشک درخت کی ٹہنی کو ہلایا تو اس کے پتے گر گئے آپ نے فرمایا جب وضو کر کے مومن نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اسی طرح گر جاتے ہیں۔ ج۱ صـ۲۴۱
- حدیث بساط میں سلمانؓ شامل تھا۔ ج۹ صـ۸۳
- سلمانؓ ابوذرؓ صہیب عمار اور جناب نادار صحابہ تھے جن کے متعلق امراء کہتے تھے کہ ہمیں ان سے بدبو آتی ہے پس قرآن مجید کی آیت اتری کہ آپ ان لوگوں کا ساتھ نہ چھوڑیں۔ ج۹ صـ۹۴
- سلمانؓ سے بارہ اماموں والی روایت منقول ہے اور حضورؐ نے فرمایا میرے بارہویں جانشین کے ہمراہ تو بھی زندہ ہو کر اٹھے گا تو خوشی کے مارے آنکھوں سے آنسو آ گئے اور کہا اب موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ج۱۱ صـ۱۳۴
- سلمانؓ کے لئے جنگ خندق پہلا جنگ تھا ج۱۱ صـ۱۹۴ بشارت والی آیت کا مصداق ہے سلمانؓ ج۱۲ صـ۱۱۷
- سلمانؓ کو پیغمبرؐ کا آخری زمانہ کے مسلمانوں کی غلط کاریاں بتانا اور سلمانؓ کا رونا۔ ج۱۳ صـ۴۶
- جب آیت اتری کہ اگر تم گمراہ ہو جاؤ تو خدا تم سے بہتر لوگ لائے گا لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ سلمانؓ حضورؐ کے پاس بیٹھا تھا آپ نے اس کے زانو پر ہاتھ رکھ کر فرمایا وہ یہ لوگ ہیں۔ ج۱۳ صـ۵۵
- دو صحابیوں نے سلمانؓ و اسامہؓ کا گلہ کیا تو آپؐ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ تمہارے منہ سے گوشت کی بدبو آتی ہے انہوں نے جواب دیا حضورؐ! ہم نے گوشت کھایا ہی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا، تم نے سلمانؓ و اسامہؓ کا گلہ کیا ہے۔ ج۱۳ صـ۱۰۴
- سلمانؓ کو ساتھ لے کر حضرت علیؑ نے معجزہ دکھایا۔ ج۱۳ صـ۱۱۱
- حضرت علیؑ نے سورج سے کلام کیا جبکہ اس موقعہ پر عمارؓ و سلمانؓ دونوں موجود تھے۔ ج۱۳ صـ۲۱۲

سلام ۔ رسول اللہؐ کے بعض غریب و مسکین صحابہ سے مالدار لوگ نفرت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آپؐ ان لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیں۔ اللہ نے حضورؐ کو ایسا کرنے سے منع فرمایا اور حکم ہوا کہ جب آپ کے پاس یہ غریب لوگ آئیں تو آپ ان کو سلام علیکم کہیں چنانچہ جب وہ آتے تھے تو حضورؐ سلام علیکم کی پہل کرتے تھے اور فرماتے تھے اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے جن پر پہلے سلام کرنے کا مجھے حکم ملا ہے۔ ج۵ صـ۲۲۳

- اعراف پہ کھڑے ہوئے گنہگار مومن جنت میں جانے والوں کو سلام کہیں گے اور خود بھی جنت کے امیدوار ہوں گے۔ ج۶ صـ۳۵
- امام محمد باقر علیہ السلام نے دربار ہشام میں شاہ و رعایا سب کو ایک ہی سلام سے خطاب کیا۔ ج۷ صـ۵۸

- حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا ہر چھوٹے بڑے کو سلام کہنا عقلمند کی نشانی ہے۔ ج۶ ص۱۶۸
- خدا کی جانب سے بہشتیوں کو ہدیہ و تحیہ کے طور پر سلام پہنچے گا۔ ج۶ ص۲۵۲
- سلام کے چار معانی ہیں (۱) سلام کہنا (۲) ایک پودا ہے (۳) سلامت کی جمع سلام ہے (۴) اللہ کا نام ہے، اسی سے ہے دارالسلام۔ ج۶ ص۲۲۷
- یعقوبؑ و یوسفؑ کی ملاقات میں سلام کی پہل یعقوبؑ نے کی تھی۔ ج۶ ص۸۳
- سلام اولاد آدم کے لئے تحیہ ہے اور حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا۔ جنت میں جانے کا آسان نسخہ ہے۔
اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَافْشُوا السَّلَامَ وَصَلُّوا فِی اللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ وَادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ یعنی کھانا کھلاؤ سلام ہر ایک کو کرو نماز شب پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ پس سلامتی سے جنت میں چلے جاؤ۔ ج۹ ص۱۷۹ و ص۱۸۱، ج۲ ص۱۰۲، ج۳ ص۱۵۴۔ شب معراج آسمانی فرشتوں نے عرض کی کہ زمین پر پہنچ کر علیؑ کو ہمارا سلام کہنا۔ ج۶ ص۱۶۱۔ خدیجہ کو اللہ کا سلام ج۶ ص۲۵۹۔
- حدیث بساط میں ہے کہ اصحاب کہف نے صرف علیؑ کو سلام کا جواب دیا اور انہوں نے سوال کے جواب میں کہہ دیا کہ ہم صرف نبی یا وصی نبی کو ہی سلام کرنا جانتے ہیں۔ ج۹ ص۸۴
- حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کی ملاقات اور موسیٰ کا سلام کہنا خضرؑ نے جواب میں کہا اے بنی اسرائیل کے پیغمبر تجھ پر میرا بھی سلام ہو موسیٰؑ نے پوچھا تجھے میرے پیغمبرؐ ہونے کا علم کیسے ہے تو خضرؑ نے جواب دیا جس نے تجھے میرا پتہ بتایا مجھے اسی نے بتایا۔ ج۹ ص۱۰۹
- اپنے گھروں میں داخل ہوتے وقت بھی سلام کہنا چاہیئے اگر گھر میں کوئی آدمی موجود نہ ہو تو اس طرح کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا مِنْ رَّبِّنَا اللہ نے اس کو اپنا تحیہ قرار دیا ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو تاکہ خیر و برکت ہو ج۱ ص۱۵۹ اشب قدر میں ملائکہ اولیاء اللہ پر سلام کہتے ہیں ج۱ ص۲۴۶
- مومن سے ملک الموت کی ملاقات کے وقت ملک الموت مومن کو سلام کرے گا۔ ج۱۱ ص۲۰۴
- بہشتیوں کو کہا جائے گا اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِیْنَ ج۱۲ ص۲۶ اور فرشتے اللہ کی طرف سے ان کو سلام پہنچائیں گے۔ ج۱۲ ص۲۷
- مومن لوگ بہشت میں کوئی دوسری بات نہ سنیں گے بلکہ مومن بھائیوں کی جانب سے سلام سلام کی صدا سنیں گے۔ ج۱۳ ص۱۹۸

سوال کرنا اللہ کو پسند نہیں حدیث میں ہے کہ جو شخص گذارا ہو سکنے کے باوجود سوال کرے وہ بروز محشر بدنما چہرہ کے ساتھ اٹھے گا۔ ج۳ ص۱۶۴

- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہمارے شیعہ وہ ہیں جو کتے کی طرح بھونکیں نہیں کوے کی طرح لالچی نہ ہوں اور ہمارے دشمن سے سوال نہ کریں خواہ بھوک سے مر ہی جائیں۔ ج۶ ص۱۶۷

سود خوری۔ سود کھانے کا گناہ اور مسائل ج۳ ص۱۶۹ تا ص۱۷۱۔ سود کھانے والے کا عذاب ج۳ ص۱۷۱ تا ص۱۷۴

- سود سے منع ج۴ ص۲۷۔ سود سحت کی قسم ہے۔ ج۵ ص۱۱۱۔ یہودیوں پر لعنت کی وجہ سود خوری تھی ج۵ ص۱۵۳
- سود خوری گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔ ج۷ ص۱۶۴ و ج۱۱ ص۱۱۰ و ج۱۴ ص۱۵۸۔ سود خور آلِ فرعون کی طرح آگ کی بھٹی میں جھونکے جائیں گے۔ ج۹ ص۲۲۴
- سود خوری پر مفصل نوٹ ج۱۱ ص۱۱۷ و ص۱۱۸۔ سود خور جہنم میں اُلٹے لٹکائے جائیں گے۔ ج۴ ص۱۶۴۔

سورج۔ حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے سامنے توحید کے اثبات میں احتجاج کیا تھا کہ خدا مشرق سے ابھارتا ہے اگر تو خدا ہے تو اسے مغرب سے ابھار دے پس وہ شرمندہ ہُوا۔ ج۳ ص۱۴۳

- حضرت علیؑ کے لئے سورج غروب کے بعد مغرب سے واپس پلٹا اس مسئلہ پر بحث ج۳ ص۱۴۳
- ردِ شمس جنگ صفین سے واپسی پر بابل کے علاقہ میں۔ ج۵ ص۸۲ و ص۸۵۔ زمانِ پیغمبرؐ میں ردِ شمس۔ ج۵ ص۸۶
- ابو منصور مظفر واعظ کا واقعہ ج۵ ص۸۴
- حضرت ابراہیمؑ سورج یا چاند و ستارہ پرست نہ تھے بلکہ ان کی پرستش کرنے والوں سے اُن کے مسلمات کی روشنی میں بات کر رہے تھے کہ چلو میں تمہارے عقیدہ کے مطابق اپنا رب مان لیتا ہوں لیکن جب اُن کا غروب دیکھا تو اُن کی پرستش کرنے والوں کو سمجھایا کہ دیکھو جس میں تغیر ہو یا طلوع و غروب ہو وہ رب نہیں ہو سکتے لہٰذا میں تو ان کو ربّ نہیں مان سکتا بلکہ اس کو خدا مانتا ہوں جو ان سب کا خالق ہے پس توحید کو سمجھانے کا ایک مؤثر طریقۂ کار تھا۔ ج۵ ص۲۳۴
- شمس و قمر کو اللہ نے حساب کے لئے بنایا ہے کہ شمس کے دور سے سال اور چاند کے دور سے مہینہ بنتا ہے۔ ج۵ ص۲۴۲ و ج۱۴ ص۲۲
- سورج کا مغرب سے طلوع کرنا علائم ظہور سے ہے۔ ج۵ ص۲۶۹، چاند سورج سے روشنی لیتا ہے ج۷ ص۱۴۷۔ مفصل بیان تا ص۱۵۳
- سورج و چاند اللہ کے حکم کے سامنے مسخر ہیں۔ ج۶ ص۱۰۲ یہ دونو اللہ کی نشانیاں ہیں۔ ج۹ ص۱۷
- سورج کو گہن لگے تو نماز کسوف (نمازِ آیات) واجب ہوتی ہے۔ ج۹ ص۴۸
- حضرت علیؑ کا سورج سے کلام کرنا ج۱ ص۸۳ ج۱۳ ص۲۱۲ حضرت یوشعؑ بن نون کے لئے سورج کا پلٹنا۔ ج۵ ص۸۵
- سورج بوقت طلوع اصحاب کہف کی دائیں جانب اور بوقت غروب بائیں جانب ہوتا ہے۔ ج۹ ص۸۷

○ مشرقی ممالک میں جب ذوالقرنین پہنچے تو اس وقت یہ لوگ متمدن نہیں تھے اور لباس کی قید سے آزاد تھے چنانچہ ارشاد قدرت ہے کہ سورج کے علاوہ ان کا کوئی ستر نہ تھا مغرب الشمس اور مطلع الشمس سے مراد غالباً مغرب اقصیٰ اور مشرق اقصیٰ ہے یعنی جہانتک حضرت ذوالقرنین پہنچ سکے تھے ۔ ج ۹ ص ۱۲۵

○ سورج اور چاند اپنے اپنے محوروں پر گردش کرتے ہیں ۔ ج ۹ ص ۲۲۳

○ اگر یہ لوگ سورج کو اتار کر میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں تب بھی کلمہ حق کی تبلیغ سے نہ رکوں گا ۔ ج ۱۱ ص ۵

○ حضرت سلیمانؑ کے لئے سورج پلٹنا ج ۱۱ ص ۹ و ص ۱۱ ۔ حضرت علیؑ کے لئے ردشمس ج ۱۱ ص ۸۲

○ چار شخصیتوں کے لئے سورج واپس پلٹا (۱) وصی موسیٰ یوشع بن نون (۲) حضرت سلیمانؑ (۳) حضرت رسالتمآبؐ محمد مصطفیٰ (۴) حضرت علی علیہ السلام ج ۱۱ ص ۸۶

سیّد کو بروز محشر پیغمبرؐ کی قرابت فائدہ دے گی ۔ ج ۵ ص ۱۴۲

الشین

شادی ۔ حضرت اسمٰعیل کی قبیلہ جرہم میں پہلی شادی پھر دوسری شادی ۔ ج ۲ ص ۱۷۵

○ مرد کے لئے چار تک شادیاں جائز ہیں ۔ ج ۴ ص ۱۱ ۔ شادی برکت و رزق کی موجب ہوا کرتی ہے ۔ ج ۱۰ ص ۱۳۴

○ لڑکی کی بروقت شادی نہ کرنا گناہ ہے ۔ ج ۵ ص ۲۶۱ ۔ شادی کی پیش کش کو رد کرنا درست نہیں ہے ۔ ج ۱۰ ص ۱۳۴

○ زلیخا و یوسفؑ کی شادی ج ۸ ص ۹ ۔ رسول اللہؐ کی زیادہ شادیوں پر اعتراض اور اس کا جواب ۔ ج ۹ ص ۱۳۹

○ جاہلوں کی بد رسم بیوہ عورت کی شادی نہ کرنا ۔ ج ۹ ص ۲۱۵

○ معراج کے مقاصد میں سے ایک مقصد علیؑ و بتولؑ کی شادی تھی ج ۹ ص ۲۶۴

○ جس عورت کی شادی نہ ہوتی ہو سورہ طٰہٰ کو دھو کر اس پانی سے غسل کرے شادی جلد ہوگی ۔ ج ۹ ص ۱۶۹

○ شادی کرنے کا حکم ج ۱۰ ص ۱۳۲ ۔ حضرت سلیمانؑ کو ملکہ بلقیس سے شادی ج ۱۰ ص ۲۵۲

○ حضرت موسیٰؑ کی حضرت شعیبؑ کی لڑکی سے شادی ۔ ج ۱۰ ص ۳۲۲ ۔ حضرت لوطؑ کی دوسری شادی اور حضرت ابراہیمؑ کی سارہ سے شادی ج ۱۱ ص ۵۳ شادی کا خواہشمند سورہ احزاب لکھ کر اپنے پاس رکھے تو شادی جلد ہوگی ج ۱۱ ص ۱۵۴

○ طلحہ عائشہ سے شادی کرنے کا خواہشمند تھا ۔ ج ۱۱ ص ۲۰۹

شبِ قدر ۔ شب قدر میں قرآن نازل ہوا اور شب قدر ماہِ رمضان کا دل ہے۔ ج ۲ ص ۲۳۱

- ہر انسان کی اجل شب قدر میں ملک الموت کو بتائی جاتی ہے پس وہ اس پہ عمل کرتی ہے۔ ج ۶ ص ۳۱
- شب قدر ۲۳ ماہ رمضان کی رات ہے اور اسی کو لیلۂ مبارکہ کہا گیا ہے۔ ج ۱۲ ص ۲۵۶
- شب قدر میں روح اور ملائکہ نبی یا وصیؑ نبی کے پاس رہتے ہیں اور صبح کو واپس جاتے ہیں۔ ج ۱۲ ص ۱۰۱
- شب قدر کی تعیین اور فضیلت اور ملائکہ کی آمد ج ۱۴ ص ۲۴۲ تا ص ۲۴۶

شترمرغ کے انڈے اگر حالت احرام میں توڑ دے تو اتنے ہی نر اونٹ اونٹنیوں پر بٹھائے پس جتنے بچے نکلیں اُن کی قربانی دے۔ ج ۵ ص ۱۶۸

شجاعت حیدر کرار۔ جنگِ صفین میں ایک بار باریک قمیص کے ساتھ بغیر زرہ کے مصروف جہاد تھے تو حضرت حسن مجتبیٰؑ نے عرض کی، ابا جان! یہ کیوں؟ تو آپ نے فرمایا۔ اِنَّ اَبَاكَ لَا يُبَالِيْ وَقَعَ عَلَى الْمَوْتِ اَوْ وَقَعَ الْمَوْتُ عَلَيْهِ یعنی تیرے باپ کو پرواہ نہیں کہ موت پر جا پڑے یا موت اس پر آ پڑے۔ ج ۱ ص ۱۴۴ و ص ۱۴۵

- جنگ احد میں جب یار بھاگ گئے تو نسیبہ نامی عورت نے اپنے بیٹے کے شہید ہونے کے بعد اس کی تلوار لے لی اور جہاد شروع کر دیا اور پیغمبرؐ کے اردگرد پروانہ وار گھومتی رہی اور آپ کی حفاظت کا فریضہ ادا کیا، چنانچہ حضورؐ نے فرمایا کہ ان بھاگنے والوں سے تو یہ نسیبہ افضل ہے۔ ج ۴ ص ۲۹ و ص ۴۲
- شیخ طوسی قدہ اور عالم معتزلی سنی کے درمیان مناظرہ میں ابوبکر کی شجاعت پر دلچسپ بحث ج ۵ ص ۱۲۶ و ص ۱۲۷
- میدانِ صفین میں عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کی شجاعت پر حضرت علیؑ خود عباس کا لباس پہن کر وارد میدان ہوئے اور جوہر شجاعت دکھائے ج ۶ ص ۲۲۔ حنین میں علیؑ کی شجاعت ج ۶ ص ۳۴
- اِذَا اعْتَلٰی قَدَّ وَاِذَا اعْتَرَضَ قَطَّ علیؑ کی ضربتیں نئے رنگ کی ہوتی تھیں جب اوپر سے مارتے تو چیر دیتے تھے اور جب ایک طرف سے مارتے تو برابر دو حصوں میں کاٹ دیتے تھے۔ ج ۶ ص ۲۱
- امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ علیؑ بڑے بہادر تھے لیکن کعبہ میں پیغمبرؐ کا بوجھ نہ اٹھا سکے کیا وجہ ہے؟ پھر آپ کا جواب۔ ج ۹ ص ۱۳ و ص ۱۴

شریعت ۔ گزشتہ شریعتوں کے مقابلہ میں شریعت اسلامی نہایت سہل ہے۔ ج ۳ ص ۱۸۳ تا ص ۱۸۵

شراب ۔ شراب کی مذمت، شراب و شطرنج کی مذمت۔ ج ۳ ص ۲۰ تا ص ۲۱ و ج ۵ ص ۱۲۳۔ شرابی کو بے وقوف اور بے عقل کہا گیا ہے ج ۲ ص ۱۱۸ و ص ۱۱۹۔ شراب خور مثل بت پرست کے ہے ج ۵ ص ۲۰۔ حرمت شراب ج ۵ ص ۲۰ ج ۶ ص ۲۱

- شراب کی قیمت سحت ہے ج ۵ ص ۱۱۰۔ مسخ ہونیوالوں کی برائیوں میں ایک برائی شراب خوری بھی تھی۔ ج ۵ ص ۱۵۳

- شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت ہے۔ ۱۔ کاشت کنندہ ۲۔ محافظ ۳۔ نچوڑنے والا۔ ۴۔ پینے والا ۵۔ پلانے والا ۶۔ اٹھانے والا ۷۔ جس کی طرف لایا جائے ۸۔ بائع ۹۔ مشتری ۱۰۔ اس کی قیمت کھانے والا ج۵ ص۶۳
- بعض روایات میں زناکاری چوری اور شراب نوشی کو ظلم کہا گیا ہے۔ ج۲ ص۲۲۵
- ناقہ کے قتل کی وجہ شراب نوشی تھی۔ ج۱ ص۱۵ جس نے شراب پیا وہ ایمان سے خارج ہے۔ ج۲ ص۱۲۸
- شراب نجس ہے ج۱ ص۳۵ (فقہا کے نزدیک شراب کی نجاست پیشاب کی نجاست سے بھی زیادہ ہے چنانچہ اگر مجبوری کے عالم میں شراب اور پیشاب سامنے ہوں تو پیشاب کو اختیار کرے شراب نہ پیے، شراب نوشی گناہ کبیرہ ہے۔ ج۱۱ ص۱۵۵
- شرابی کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی اور جہنم میں اس کو صدید پلایا جائے گا۔ ج۱ ص۱۵
- شراب شیطان کا مشروب ہے ج۱ ص۱۹۲ مسکر کا معنی شراب ج۱ ص۲۲۵
- کیا مومن شراب پیتا ہے؟ ج۱ ص۶۸ اگر سورۃ المومنون کو لکھ کر شرابی کے گلے میں ڈالیں تو وہ شراب سے نفرت کرے گا ج۱ ص۵۱
- شراب و شطرنج ان گناہوں میں سے ہیں جو بے عزتی کے موجب ہیں۔ ج۱۱ ص۱۲۰
- شراب نوشی کی سزا میں حضرت علیؑ نے ولید بن عقبہ کو اسّی تازیانہ مارا تھا۔ ج۱۲ ص۱۵۱
- شراب میں چار دنیاوی عیب ہیں بے ہوشی سردردی قے اور پیشاب کی زیادتی ج۲ ص۲ لیکن جنت کی شراب ان عیبوں سے پاک ہے کیونکہ جنت کی شراب پاکیزہ ہوگی۔ ج۱۲ ص۱۳۹۔ شرابا طہورا ج۱۴ ص۱۵۱ شراب مختوم ج۱۴ ص۱۹۱
- شطرنج اور تاش وغیرہ رجس ہیں ج۱ ص۲۸ شطرنج کی حرمت ج۲ ص۹ ج۹ ص۲۲۹

شفا ۔ آیات قرآنیہ میں شفا ہے مقدمہ تفسیر ص۳۲ ج۱ ص۶۵

- سورۃ فاتحہ کا پڑھنا باعث شفا ہے ج۱ ص۸ خاک شفا ج۲ ص۱۲ ج۶ ص۶
- قرآنی و اسلامی تعلیمات امراض روحانیہ کے لئے باعث شفا ہیں ج۲ ص۵ ج۱۲ ص۱۹۲
- حضورؐ سے منقول ہے کہ منّ یعنی کھمبی کا پانی امراض چشم کے لئے باعث شفا ہے۔ ج۲ ص۱۱۳
- اللہ کے فرمان کی اطاعت موجب شفا ہے اس پر جرح کرنا دانشمندی نہیں۔ ج۲ ص۱۸۹
- سورۂ انعام کو مشک و زعفران سے لکھ کر پھر دھو کر پینے سے دکھوں دردوں سے شفا حاصل ہوگی۔ ج۵ ص۱۸۷
- شہد کو اللہ نے شفا قرار دیا ہے شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ۔ سورہ نحل ص۶۹ ج۵ ص۲۲۹

- حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے پیٹ کے مریض کو قرآنی نسخہ تعلیم فرمایا جس کے تین اجزا ہیں۔ (۱) شہد باعث شفا ہے (۲) بارش کا پانی جو باعث برکت ہے (۳) عورت کے حق مہر سے کوئی چیز جس کو قرآن نے هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا کہا ہے۔ مریض نے ان تینوں چیزوں کو ملا کر استعمال کیا۔ وہ شفایاب ہو گیا۔ ج۱ ص۱۸۱
- سورہ قصص کو لکھ کر آب باراں سے دھو کر پینے سے تمام دردوں سے شفایابی کی ضمانت ہے۔ ج۱۱ ص۶
- اور سورہ عنکبوت ولقمان وسجدہ وفاطر سے بھی یہی فوائد منقول ہیں۔ ج۱۱ ص۶۵ وص۱۲۸ وص۱۴۳ و ص۲۵۵
- سورہ یٰسین اور سورہ مومن کو لکھنا اور پینا بھی شفایابی کی ضمانت ہے۔ ج۱۲ ص۳ وص۱۴۱ و ج۱۳ ص۱۲۸

شفاعت – تارکِ نماز کے لئے شفاعت نہ ہوگی۔ ج۲ ص۱۰۲۔ محمد و آل محمدؐ شفاعت کریں گے۔ ج۲ ص۱۰۴ ج۵ ص۱۷۵۔ ج۱۵ ص۵۸ ص۲۰۲۔ ج۶ ص۱۲۸ ج۹ ص۲۲۸ ج۱ ص۱۰۶ ج۴ ص۱۳۶ وص۱۲۲

- نماز تہجد پڑھنے والوں کو اپنے اہل خانہ کے متعلق شفاعت کا حق دیا جائے گا۔ ج۴ ص۳۳
- بعض لوگوں کو شفاعت پہنچے گی جبکہ جہنم میں جل کر ان کے چہرے سیاہ ہو چکے ہوں گے۔ ج۴ ص۹۸
- مسجد کوفہ اپنے نمازیوں کے لئے شفاعت کرے گی۔ ج۶ ص۲۵
- شفاعت اور نصرت میں فرق ج۶ ص۲۰۸
- گنہگار مومنوں کے لئے شفاعت کا دروازہ کھلا ہے۔ ج۱۱ ص۱۳۸
- حضرت رسالتمآبؐ باذن پروردگار اپنی امت کی شفاعت کریں گے۔ سابق انبیاء کو بھی حق شفا حاصل ہوگا۔ اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ایک ایک مومن قبیلہ مضر و ربیعہ کے افراد کے برابر گنہگاروں کی شفاعت کریں گے ج۱۲ ص۲۴۵ وص۲۴۶ حضرت پیغمبرؐ کا حق شفاعت دنیاوی حکومتوں اور زندگیٔ دنیا سے ستر گنا افضل ہے ج۱۲ ص۹۴۔ شفاعت کا حق ان کو حاصل ہوگا جن کو اللہ اذن دے گا۔ ج۱۲ ص۱۲۷
- حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا میرے شیعوں اور موالیوں میں سے ہر ایک اپنے ہمسایوں اور دوستوں کے حق میں شفاعت کرے گا۔ ج۱۲ ص۱۴۰ وص۲۶۹۔ جناب خاتون جنت سے شفاعت کریں گی۔ ج۱۳ ص۱۳۸

شرک – حضرت پیغمبرؐ کی وصیت ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا ج۲ ص۱۳۰۔ جو کسی وقت بھی شرک کی نجاست میں آلودہ رہ چکا ہو وہ کبھی عہدۂ امامت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ ج۲ ص۱۰۲

- غیر خدا کو پکارنے کی مذمت ج۶ ص۱۴۹۔ شرک کی نفی پر دلائل ج۸ ص۱۶۲ وص۱۶۳ وص۱۰۳
- غیر اللہ کا سجدہ کرنا شرک ہے ج۹ ص۶۸۔ کیا مومن شرک کرتے ہیں؟ ج۹ ص۹۵ شرک عملی سے منع ج۹ ص۱۳۲
- رجس اوثان سے منع ج۱۰ ص۲۸ مشرکوں کے شرک کی اصلی بنیاد ج۱۰ ص۱۶۹ ج۱۱ ص۱۱۲ وص۱۱۳، شرک کی نفی ج۱۱ ص۱۰۹

- تارک صلوٰۃ مشرک ہے ج۱۱ ص۱۱۰ و ص۱۱۱ فرشتوں کو خدا کا خطاب کہ جن لوگوں نے تمہاری پرستش کی ہے کیا تم نے ان کو کہا تھا ج۱۱ ص۲۵۱ ۔ مشرکین کو تنبیہہ ج۱۱ ص۲۶۸ ۔ بت پرستی اور پیر پرستی ج۱۲ ص۵۱ و ص۱۲۵
- مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کو پوجتے تھے ج۱۳ ص۴۷ شرک سے بچنے کی تنبیہہ ج۱۲ ص۱۱۳
- مشرکین کے رویے کی مذمت ج۱۱ ص۱۲۷ و ص۱۲۹ و ص۱۳۳ و ص۱۹۲ شرک گناہِ کبیرہ ہے ج۱۳ ص۱۵۸
- جو لوگ شعائر اللہ اور مزارات مقدسہ کی تعظیم و احترام کو شرک سمجھتے ہیں ان کے دندان شکن جوابات ج۲ ص۲۸

شعیاؑ پیغمبرؑ کو بنی اسرائیل نے قتل کیا ۔ ج۱ ص۹ و ص۱۱

شعب ابیطالب کا ذکر ج۵ ص۲۰۳

شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ ہے ج۲ ص۲۸ ج۱ ص۳۱ و ص۳۲ ، صفا و مروہ شعائر اللہ ہیں ۔ ج۲ ص۲۰۳
- شعائر اللہ کی تفسیر ج۵ ص۱۵
- شعر پڑھنا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے مگر مطالب حقہ پر مشتمل اشعار میں کراہت نہیں ہے ج۲ ص۲۲۸
- اشعار حضرت ابوطالبؑ مشتمل بر عقائد اسلامیہ ج۵ ص۲۰۴ ۔ مسجد میں شعر خوانی سے منع ج۴ ص۲۹
- شعر خوانی (جو بے ہودہ ہو) شیطانی فعل ہے ج۴ ص۱۸۲ سورۃ الشعراء کے فضائل ج۱۰ ص۱۸۹
- شعراء کے معنی کی وضاحت ج۱۰ ص۲۲ پیغمبرؐ کی طرف شعر و شاعری کی نسبت کی تردید ۔ ج۱۲ ص۲۹
- شعریٰ کا معنی ج۱۳ ص۱۹۲

شعیبؑ ۔ شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ کو عصا دیا تھا ج۲ ص۱۱۶ ج۴ ص۱۷۰ حضرت شعیبؑ کی امت پر عذاب آیا کیونکہ ان کی امت کے نیک لوگ بروں کو نہ منع کرتے تھے اور نہ ان سے نفرت کرتے تھے ج۴ ص۲۸ عذاب بوقت دوپہر آیا ج۶ ص۹
- حضرت شعیبؑ کا ذکر ج۶ ص۵۷ و ص۵۹ و ج۸ ص۲۳۲ ج۱۰ ص۲۱ اصحاب مدین سے مراد حضرت شعیبؑ کی قوم ہے ۔ ج۸ ص۹۵
- اصحاب ایکہ و اصحاب مدین دونو پیغمبرؑ حضرت شعیب تھے ج۸ ص۱۸۹ ج۱۳ ص۱۱۳ حضرت موسیٰؑ فرعونیوں کا قتل کرنے کے بعد وہاں سے بھاگے اور حضرت شعیب کے پاس پہنچے ج۹ ص۸۳ ج۱۱ ص۲۸ اور ایک روایت میں ہے کہ اصحاب رس کے نبی بھی شعیبؑ تھے ج۱۱ ص۱۶۸
- حضرتؑ ذوالکفل کے بعد حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے ۔ ج۱۲ ص۱۰۳

شکم مادر میں کلام ج۳ ص۲۲۶

شک عمر در نبوت ج۱۳ ص۷۶

شکر کی دو قسمیں ہیں ایک ذات پر اور دوسرا احسانات پر اور الحمد للہ کہنے میں دونوں شکر آ جاتے ہیں ج۲ ص۱۱۳

- شاکرین کی تفسیر ج۴ ص۶۱ جس کے پاس شکر ہو زیادتی نعمت سے محروم نہیں ہوتا ج۳ ص۱۲۳ ج۵ ص۱۱۵ و ص۱۴۷
- ناشکری کی مذمت ج۲ ص۱۵۷ و ج۱۱ ص۱۹۳۔ صبر و شکر کی وضاحت۔ ج۶ ص۱۹۴ و ج۹ ص۱۵۷ و ص۲۱۰۔ ج۱۱ ص۱۴۱ ج۱۲ ص۱۶۵ و ص۲۱۷

شکار۔ مچھلی کا شکار بروز ہفتہ بنی اسرائیل پر حرام تھا ج۲ ص۱۱۹ اپنے بچوں اور بیوی کے گذارا کے لئے شکار جائز ہے البتہ لہو و لعب کے طور پر شکار کرنا حرام ہے حضرت ابراہیمؑ جب ایک مرتبہ حضرت اسمٰعیلؑ کو ملنے گئے تھے تو وہ شکار کے لئے باہر گئے ہوئے تھے ج۲ ص۱۷۵

- شکاری کتے کے ذریعے کئے ہوئے شکار کے بعض احکام ج۵ ص۲۳ تا ص۲۶ ملک العلماء کا لطیفہ ص۲۴
- شکاری کتے کی خرید و فروخت جائز ہے ج۵ ص۲۴ اور غیر شکاری کتے کی قیمت سحت ہے ج۵ ص۱۱۰
- حالت احرام میں شکار کا حکم ج۵ ص۱۲۶ تا ص۱۹۸ شکار محرم کے متعلق یحیی بن اکثم کا سوال اور حضرت امام محمد تقیؑ کا دندان شکن جواب۔ ج۵ ص۱۷۱

شمعون حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر جانے سے پہلے حضرت شمعون کو اپنا وصی نامزد فرمایا تھا ج۲ ص۱۰۱

- حضرت یوسفؑ کے بھائیوں میں ایک کا نام شمعون تھا جس کو حضرت یوسفؑ نے اپنے پاس رکھ لیا تھا جبکہ دوسرے بھائی بن یامین کو لانے کے لئے واپس کنعان گئے تھے ج۸ ص۵۰ حضرت شمعون کے عیسیٰؑ کے وصی ہونے کی تاریخ یوم غدیر تھی ج۵ ص۳۸ حضرت شمعون کا انطاکیہ کی طرف مبلغ بن کر جانا۔ ج۱۲ ص۱۳

شہد میں آب باراں اور عورت کے مہر میں سے کسی شے کو ملانا۔ پیٹ کی تکلیف کے لئے نسخہ۔ ج۴ ص۱۱۱

- حضرت پیغمبرؐ نے شہد استعمال کیا تو عائشہ و حفصہ نے سازش کی کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے۔ ج۱۴ ص۵۹

شہر حرام۔ یعنی حرمت والا مہینہ (ماہ رجب ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم) ج۵ ص۱۵

شہاب ثاقب۔ قوم جنات کو آسمانوں پر جانے سے روکتے ہیں۔ ج۸ ص۲۳ ج۱۲ ص۱۱۸ ج۵ ص۱۲۳

شہادت۔ شہداء کی زندگی۔ ج۲ ص۱۹۶ تا ص۱۹۸

- شہدائے احد کی فہرست ج۴ ص۲۲ شہدائے بیر معونہ کا غم ج۴ ص۲۶ و ص۸۱
- بر وقت شہادت حضرت علیؑ نے کہا تھا۔ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَہ ج۵ ص۹۰ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا یا علیؑ تجھے اس امت کا بدترین آدمی شہید کرے گا ج۵ ص۵۳۔ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والے جادوگروں کی شہادت ج۸ ص۲۰ جو شخص ہر رات سورہ کہف کی تلاوت کرے اس کی موت شہادت ہوگی۔ ج۹ ص۴۹
- شہادت حسینؑ کی پیشین گوئی ج۹ ص۱۳۶ شہادت حضرت زکریا ج۹ ص۲۵۰ شہادت سعد بن معاذ ج۱۱ ص۱۸۳

○ حضرت محسن بن علی علیہ السلام کی شہادت کی پیشین گوئی۔ ج ۱۲ ص ۲۳۶

○ حضرت پیغمبرؐ نے خیبری یہودیہ عورت کی زہر سے شہادت پائی ج ۱۲ ص ۸۳

اقول:- ہم کافی تحقیق اور جستجو کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ صاحبانِ اقتدار کی اپنے گھناؤنے جرم پر پردہ ڈالنے کی ایک سازش ہے ورنہ چند سال تک زہر بدن میں رہ کر آہستہ آہستہ عمل کرتی رہے یہ ناممکن ہے حالانکہ زہر کا کام ہے نظام بدن کو درہم برہم کر دینا اور خون انسانی کو خراب کر دینا اگر زہر جزو بدن بن جائے تو پھر وہ نظام بدن کو خراب کر دیتا اور اگر زہر جزو بدن بن جائے تو پھر وہ نظام بدن کو خراب نہیں کرتی بلکہ موافق ہوجایا کرتی ہے اس میں شک نہیں کہ حضورؐ کو زہر دی گئی لیکن نہ کہ خیبر میں بلکہ گھر میں اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس نے یہ جسارت کی تو اس کا انکشاف صحیح بخاری سے ہوتا ہے۔ ہماری کتاب اصحاب رسولؐ دیکھیئے۔

○ شہید اول محمد بن مکی مصنف کتاب لمعہ دمشقیہ کا سانحۂ شہادت۔ ج ۱۲ ص ۱۶۹

○ مومن کی موت شہادت ہے مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ محمد مات شَہِیْدًا ج ۱۳ ص ۲۲

شیخی فرقہ ج ۵ ص ۱۲۵۔ ہماری ذاتی تحقیق یہ ہے کہ شیخ احمد احسائی کا دامن ان الزامات سے پاک ہے جو اس کی طرف منسوب ہیں۔ ج ۱ ص ۱۱۱

اقول:- بعض علمائے قم سے تبادلہ خیالات ہوا تو انہوں نے بھی ہمارے اس خیال کی تصدیق فرمائی اور جن کو شیخی کہا جاتا ہے وہ بھی دوسرے شیعوں کی طرح پانچ اصول دین اور دس فروع دین کے قائل ہیں۔ آجکل شیخی اور خالصی کی تفریق بعض مولویوں کی تنگ ظرفی کے نتیجے میں ہے۔

شیر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب داخل دربارِ فرعون ہوئے تو شیر آپ کے قدموں میں گر گئے۔ ج ۱۱ ص ۳۸

شیطان کے شر سے بچنے کے لئے سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیتیں اور آیۃ الکرسی کو پڑھنا چاہیئے ج ۲ ص ۴۲

○ شیطان گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ج ۲ ص ۶۰ نمازی انسان سے شیطان خوفزدہ رہتا ہے ج ۲ ص ۱۰۱ اور شب جمعہ سورۂ صافات کو پڑھنا ج ۱۲ ص ۳۱

○ شیاطین نے حکومت سلیمان کے اندر جادو کو ترویج دی ج ۲ ص ۱۴۸۔ شیاطین اپنے اولیاء کی طرف وحی کرتے ہیں ج ۵ ص ۲۵۱ شیطان کو زنجیروں میں جکڑ کر پیش کیا جائے گا تو ایک دوسرے شخص کو اس کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔ شیطان ازراہِ عبرت پوچھے گا یہ میرا ثانی کون ہے؟ تو جواب ملے گا یہ وہ ہے جس نے علیؑ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ج ۵ ص ۱۵۳۔ ولادت پیغمبرؐ کی رات شہاب ثاقب کے ذریعے شیطانوں کو آسمانوں سے روک دیا گیا۔ ج ۵ ص ۱۰۳

○ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان کے جال مختلف ہیں ج ۵ ص ۱۸۱ و ص ۱۸۲ ج ۹ ص ۴۰ و ص ۴۱

- شیطان مومن کو ولایت علیؑ سے نہیں ہٹا سکتا البتہ باقی بُرے کام کرا لیتا ہے۔ ج۳ ص۲۴۳
- ہر زمانہ کا شیطان اپنے پیروکاروں کے ہمراہ داخل جہنم ہوگا ج۹ ص۶۱ و ص۱۶۱
- جن لوگوں نے شیطان کی اطاعت کی گویا انہوں نے شیطان کو اللہ کے برابر ٹھیرایا ج۱۲ ص۴۷
- شیطان کا حضرت سلیمانؑ سے انگوٹھی حاصل کرنا شیعہ عقیدہ کے خلاف ہے ج۱۱ ص۹۱ و ص۹۲
- شیطان کی چال ج۱۲ ص۹۷ و ص۹۸۔ شیطان کا اطاعت گذار جہنم میں شیطان کا ساتھی ہوگا۔ ج۱۲ ص۲۲۵
- شیطان نے ایک عابد کو گمراہ کیا (ایک حکایت) ج۱۳ ص۲۵۷

شیثؑ۔ حضرت آدمؑ نے حضرت شیثؑ کو اپنا وصی نامزد کیا لیکن امّت آدم نے اس سے وفا نہ کی ج۲ ص۱۰۱

شیعہ۔ قرآن سے شیعہ کا تمسک اس کے ثبوت میں تصریحات علمائے شیعہ عمل علمائے شیعہ شیعوں کا کردار و عمل اور شیعوں پر بہتان (کہ ان کا قرآن پر ایمان نہیں اور اس کا مدلل جواب) مفصل بحث مقدمہ تفسیر میں از ص۱۱۲ تا ص۱۱۹ ملاحظہ فرمائیں ج۶ ص۱۰۱

- بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے متعلق شیعہ عقیدہ کہ آیا جزو سورہ ہے یا نہیں مقدمہ تفسیر ص۱۳۶
- شیعہ عقیدہ کی رو سے یا علی مدد کہنا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے منافی نہیں ج۲ ص۲۱
- متقین علیؑ کے شیعہ ہیں ج۲ ص۵۲۔ شیعہ کی موت کے وقت معصوم آتے ہیں ج۱۲ ص۱۸۷
- شیعوں کو تنبیہہ ج۱ ص۴۳ و ص۲۱۷ و ص۲۳۱ ج۱۲ ص۱۱۴
- بروز محشر نیک شیعہ گنہگار شیعوں کی شفاعت کریں گے ج۱ ص۱۰۴ ج۹ ص۲۰۳ ج۱۰ ص۲۰۱
- جو عالم جاہل شیعوں کو جہالت سے نکال کر نورِ علم تک پہنچائے اس کے سر پر نورانی تاج ہوگا ج۲ ص۱۳۴
- شیعہ وہ ہے کہ جس محلہ میں آباد ہو اس میں اس سے بڑھ کر امین اور دیانت دار دوسرا کوئی نہ ہو ج۲ ص۱۳۵
- سلطان غازان خان کا مذہب حقہ شیعہ کو قبول کرنے کا مفصل واقعہ ج۱ ص۲۰۰ تا ص۲۰۲
- قوم شیعہ کی خصوصیات ج۲ ص۲۱۱۔ شیعہ قوم کی بدعملی قابل افسوس ہے ص۲۱۳
- شیعیانِ آلِ محمدؑ اُن ہی سے ہیں۔ ج۳ ص۱۶۹ ج۱۲ ص۱۹۷ قوم شیعہ پر امام رازی کا اعتراض اور اس کا دندان شکن جواب ج۵ ص۲۷ و ص۱۲۵
- شیعہ فرقہ بہتر فرقوں میں سے ناجی فرقہ ہے ج۵ ص۹۷۔ حکومتِ جور کی ملازمت سے منع ج۵ ص۱۵۲ ج۶ ص۱۲۸
- شیعہ آل محمد کو خدا کا شریک نہیں مانتے ج۵ ص۱۸۱ و ص۲۱۷ ج۶ ص۱۲۳
- حضرت ابراہیمؑ نے انوار دیکھے اور شیعوں کی علامات دریافت کیں۔ ج۵ ص۲۳۳
- شیعہ آئمہ کے ساتھ محشور ہوں گے۔ ج۷ ص۹۳ و ج۹ ص۶۱۔ شیعہ صابر ہیں۔ ج۸ ص۱۲۸

- تارک صلوٰۃ مشرک ہے ج۱۱ ص۱۰ و ص۱۱۱ فرشتوں کو خدا کا خطاب کہ جن لوگوں نے تمہاری پرستش کی ہے کیا تم نے ان کو کہا تھا ج۱۱ ص۲۵۱۔ مشرکین کو تنبیہ ج۱۱ ص۲۶۸۔ بت پرستی اور پیر پرستی ج۱۲ ص۱۵ و ص۱۲۵
- مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھ کر ان کو پوجتے تھے ج۴ ص۴۲ شرک سے بچنے کی تنبیہ ج۱۲ ص۱۱۳
- مشرکین کے رویے کی مذمت ج۱۲ ص۱۲۷ و ص۱۲۹ و ص۱۳۳ و ص۱۹۲ شرک گناہ کبیرہ ہے ج۱۳ ص۱۵۸
- جو لوگ شعائر اللہ اور ضرائح مقدسہ کی تعظیم واحترام کو شرک سمجھتے ہیں ان کے دندان شکن جوابات ج۲ ص۲۸

شعیاؑ پیغمبرؑ کو بنی اسرائیل نے قتل کیا۔ ج۱ ص۱ و ص۱۱

شعب ابیطالب کا ذکر ج۵ ص۲۰۴

شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ ہے ج۲ ص۲۸ ج۱ ص۳۱ و ص۳۲، صفا و مروہ شعائر اللہ ہیں۔ ج۱ ص۲۰۳

- شعائر اللہ کی تفسیر ج۵ ص۱۵
- شعر پڑھنا روزہ دار کے لئے مکروہ ہے مگر مطالب حقہ پر مشتمل اشعار میں کراہت نہیں ہے ج۲ ص۲۲۸
- اشعار حضرت ابوطالبؑ مشتمل بر عقائد اسلامیہ ج۵ ص۲۰۴۔ مسجد میں شعر خوانی سے منع ج۷ ص۲۹
- شعر خوانی (جو بے ہودہ ہو) شیطانی فعل ہے ج۵ ص۱۸۲ سورۃ الشعراء کے فضائل ج۱ ص۱۸۹
- شعراء کے معنی کی وضاحت ج۱ ص۲۲ پیغمبرؐ کی طرف شعر و شاعری کی نسبت کی تردید۔ ج۱۴ ص۲۹
- شعریٰ کا معنی ج۱۳ ص۱۶۲

شعیبؑ۔ شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ کو عصا دیا تھا ج۲ ص۱۱۶ ج۴ ص۱۰۱ حضرت شعیبؑ کی امت پر عذاب آیا کیونکہ ان کی امت کے نیک لوگ بروں کو نہ منع کرتے تھے اور نہ ان سے نفرت کرتے تھے ج۴ ص۲۸ عذاب بوقت دوپہر آیا ج۶ ص۹

- حضرت شعیبؑ کا ذکر ج۶ ص۵۷ و ص۵۹ و ج۸ ص۲۳۲ ج۱ ص۲۱۱ واصحاب مدین سے مراد حضرت شعیبؑ کی قوم ہے۔ ج۸ ص۹۵
- اصحاب ایکہ و اصحاب مدین دونو پیغمبرؑ حضرت شعیبؑ تھے ج۸ ص۱۸۹ ج۱۳ ص۱۱۱ حضرت موسیٰؑ فرعونیوں کا قتل کرنے کے بعد وہاں سے بھاگے اور حضرت شعیبؑ کے پاس پہنچے ج۹ ص۹۳ ج۱۱ ص۲۸ اور ایک روایت میں ہے کہ اصحاب رس کے نبی بھی شعیبؑ تھے ج۱ ص۱۰۸
- حضرتؑ ذوالکفل کے بعد حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے۔ ج۱۲ ص۱۰۳

شکم مادر میں کلام ج۳ ص۲۲۶

شک عمر در نبوت ج۱۳ ص۴۶

شکر کی دو قسمیں ہیں ایک ذات پر اور دوسرا احسانات پر اور الحمدللہ کہنے میں دونوں شکر آجاتے ہیں ج۲ ص۱۳

- شاکرین کی تفسیر ج۴ ص۶۱ جس کے پاس شکر ہو زیادتی نعمت سے محروم نہیں ہوتا ج۶ ص۱۲۳ ج۵ ص۱۱۵ و ص۱۴۷
- ناشکری کی مذمت ج۶ ص۱۵۷ و ج۱۲ ص۱۹۳ ۔ صبر و شکر کی وضاحت ۔ ج۷ ص۱۹۴ و ج۹ ص۱۵۷ و ص۲۱۰ ۔ ج۱۱ ص۱۴۱ ج۱۲ ص۱۶۵ و ص۲۱۷

شکار ۔ مچھلی کا شکار بروز ہفتہ بنی اسرائیل پر حرام تھا ج۲ ص۱۱۹ اپنے بچوں اور بیوی کے گذارا کے لئے شکار جائز ہے البتہ لہو و لعب کے طور پر شکار کرنا حرام ہے حضرت ابراہیمؑ جب ایک مرتبہ حضرت اسمٰعیلؑ کو ملنے گئے تھے تو وہ شکار کے لئے باہر گئے ہوئے تھے ج۲ ص۱۷۵

- شکاری کتے کے ذریعے کئے ہوئے شکار کے بعض احکام ج۵ ص۲۴ تا ص۲۶ ملک العلماء کا لطیفہ ص۲۴
- شکاری کتے کی خرید و فروخت جائز ہے ج۵ ص۲۴ اور غیر شکاری کتے کی قیمت سحت ہے ج۵ ص۱۱۰
- حالت احرام میں شکار کا حکم ج۵ ص۱۲۶ تا ص۱۲۸ شکار محرم کے متعلق یحییٰ بن اکثم کا سوال اور حضرت امام محمد تقیؑ کا دندان شکن جواب ۔ ج۵ ص۱۳۱

شمعون حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر جانے سے پہلے حضرت شمعون کو اپنا وصی نامزد فرمایا تھا ج۲ ص۱۰

- حضرت یوسفؑ کے بھائیوں میں ایک کا نام شمعون تھا جس کو حضرت یوسفؑ نے اپنے پاس رکھ لیا تھا جبکہ دوسرے بھائی بن یامین کو لانے کے لئے واپس کنعان گئے تھے ج۸ ص۵۵ حضرت شمعون کے عیسیٰؑ کے وصی ہونے کی تاریخ یوم غدیر تھی ج۵ ص۳۸ حضرت شمعون کا انطاکیہ کی طرف مبلغ بن کر جانا ۔ ج۱۲ ص۱۳

شہد میں آب باراں اور عورت کے مہر میں سے کسی شی کو ملانا ۔ پیٹ کی تکلیف کے لئے نسخہ ۔ ج۴ ص۱۱۱

- حضرت پیغمبرؐ نے شہد استعمال کیا تو عائشہ و حفصہ نے سازش کی کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے ۔ ج۱۴ ص۵۹

شہر حرام ۔ یعنی حرمت والا مہینہ (ماہ رجب ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم) ج۵ ص۱۵

شہاب ثاقب ۔ قوم جنات کو آسمانوں پر جانے سے روکتے ہیں ۔ ج۱۱ ص۳۲ ج۱۲ ص۱۱۸ ج۵ ص۱۴۳

شہادت ۔ شہداء کی زندگی ۔ ج۲ ص۱۹۶ تا ص۱۹۸

- شہداء احد کی فہرست ج۴ ص۴۲ شہداء بیر معونہ کا غم ج۴ ص۴۶ و ص۸۰
- بوقت شہادت حضرت علیؑ نے کہا تھا ۔ فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَة ج۵ ص۹۸ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا یا علیؑ تجھے اس امت کا بدترین آدمی شہید کرے گا ج۶ ص۵۳ ۔ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والے جادوگروں کی شہادت ج۶ ص۴۲ جو شخص ہر رات سورہ کہف کی تلاوت کرے اس کی موت شہادت ہوگی ۔ ج۹ ص۶۹
- شہادت حسینؑ کی پیشین گوئی ج۹ ص۱۳۶ شہادت حضرت زکریا ج۹ ص۲۵۰ شہادت سعد بن معاذ ج۱۱ ص۱۸۳

○ حضرت محسن بن علی علیہ السلام کی شہادت کی پیشین گوئی۔ ج۲ ص۲۳۶

○ حضرت پیغمبرؐ نے خیبری یہودیہ عورت کی زہر سے شہادت پائی ج۱۳ ص۵۳

اقول:۔ ہم کافی تحقیق اور جستجو کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ صاحبانِ اقتدار کی اپنے گناؤنے جرم پر پردہ ڈالنے کی ایک سازش ہے ورنہ چند سال تک زہر بدن میں رہ کر آہستہ آہستہ عمل کرتی رہے یہ ناممکن ہے حالانکہ زہر کا کام ہے نظام بدن کو درہم برہم کر دینا اور خونِ انسانی کو خراب کر دینا اگر زہر جزو بدن بن جائے تو پھر وہ نظام بدن کو خراب کر دیتا اور اگر زہر جزو بدن بن جائے تو پھر وہ نظام بدن کو خراب نہیں کرتی بلکہ موافق ہو جایا کرتی ہے اس میں شک نہیں کہ حضورؐ کو زہر دی گئی لیکن نہ کہ خیبر میں بلکہ گھر میں اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس نے یہ جسارت کی تو اس کا انکشاف صحیح بخاری سے ہوتا ہے۔ ہماری کتاب اصحاب رسول دیکھیے۔

○ شہید اول محمد بن مکی مصنف کتاب لمعہ دمشقیہ کا سانحۂ شہادت۔ ج۱۳ ص۱۲۹

○ مومن کی موت شہادت ہے مَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ اٰلِ محمد مات شَهِيدًا ج۱۳ ص۲۲

شیخی فرقہ ج۲ ص۱۲۵۔ ہماری ذاتی تحقیق یہ ہے کہ شیخ احمد احسائی کا دامن ان الزامات سے پاک ہے جو اس کی طرف منسوب ہیں۔ ج۱ ص۱۱

اقول:۔ بعض علمائے قم سے تبادلہ خیالات ہوا تو انہوں نے بھی ہمارے اس خیال کی تصدیق فرمائی اور جن کو شیخی کہا جاتا ہے وہ بھی دوسرے شیعوں کی طرح پانچ اصول دین اور دس فروع دین کے قائل ہیں۔ آجکل شیخی اور خالصی کی تفریق بعض مولویوں کی تنگ ظرفی کے نتیجے میں ہے۔

شیر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب داخل دربار فرعون ہوئے تو شیر آپ کے قدموں میں گر گئے۔ ج۱ ص۳۸

شیطان کے شر سے بچنے کے لئے سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیتیں اور آیۃ الکرسی کو پڑھنا چاہیے ج۲ ص۴

○ شیطان گمراہی کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ج۲ ص۶ نمازی انسان سے شیطان خوفزدہ رہتا ہے ج۲ ص۱۰ اور شب جمعہ سورۂ صافات کو پڑھنا ج۱۲ ص۳۱

○ شیاطین نے حکومت سلیمان کے اندر جادو کو ترویج دی ج۲ ص۱۴۳۔ شیاطین اپنے اولیاء کی طرف وحی کرتے ہیں ج۶ ص۱۲۵ شیطان کو زنجیروں میں جکڑ کر پیش کیا جائے گا تو ایک دوسرے شخص کو اس کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔ شیطان ازراہ عبرت پوچھے گا یہ میرا ثانی کون ہے؟ تو جواب ملے گا یہ وہ ہے جس نے علیؑ کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ج۶ ص۱۵۲۔ ولایت پیغمبرؐ کی رات شہاب ثاقب کے ذریعے شیطانوں کو آسمانوں سے روک دیا گیا۔ ج۶ ص۱۰۳

○ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے شیطان کے جال مختلف ہیں ج۶ ص۱۸۱ و ص۱۸۲ ج۹ ص۴۲ و ص۱۴

- شیطان مومن کو ولایت علیؑ سے نہیں ہٹا سکتا البتہ باقی برے کام کرا لیتا ہے۔ ج۸ ص۲۴۳
- ہر زمانہ کا شیطان اپنے پیروکاروں کے ہمراہ داخل جہنم ہوگا ج۹ ص۶۱ و ص۱۶۱
- جن لوگوں نے شیطان کی اطاعت کی گویا انہوں نے شیطان کو اللہ کے برابر ٹھیرایا ج۱۲ ص۴۷
- شیطان کا حضرت سلیمانؑ سے انگوٹھی حاصل کرنا شیعہ عقیدہ کے خلاف ہے ج۱۲ ص۹۱ و ص۹۲
- شیطان کی چال ج۱۲ ص۹۷ و ص۹۸۔ شیطان کا اطاعت گذار جہنم میں شیطان کا ساتھی ہوگا۔ ج۱۲ ص۲۳۵
- شیطان نے ایک عابد کو گمراہ کیا (ایک حکایت) ج۱۳ ص۲۵۷

شیثؑ ۔ حضرت آدمؑ نے حضرت شیثؑ کو اپنا وصی نامزد کیا لیکن امت آدم نے اس سے وفا نہ کی ج۲ ص۱۰۱

شیعہ ۔ قرآن سے شیعہ کا تمسک اس کے ثبوت میں تصریحات علمائے شیعہ عمل علمائے شیعہ شیعوں کا کردار و عمل اور شیعوں پر بہتان (کہ ان کا قرآن پر ایمان نہیں اور اس کا مدلل جواب) مفصل بحث مقدمہ تفسیر میں از ص۱۱۲ تا ص۱۱۹ ملاحظہ فرمائیں ج۱ ص۱۰۱

- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق شیعہ عقیدہ کہ آیا جزو سورہ ہے یا نہیں مقدمہ تفسیر ص۱۳۶
- شیعہ عقیدہ کی رو سے یا علی مدد کہنا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے منافی نہیں ج۱ ص۲۱
- متقین علیؑ کے شیعہ ہیں ج۱ ص۵۲۔ شیعہ کی موت کے وقت معصوم آتے ہیں ج۱۲ ص۱۸۷
- شیعوں کو تنبیہہ ج۱ ص۳۷ و ص۱۱۷ و ص۲۲۱ ج۱۲ ص۱۱۴
- بروز محشر نیک شیعہ گنہگار شیعوں کی شفاعت کریں گے ج۱ ص۱۰۴ ج۹ ص۲۰۳ ج۱۰ ص۱۰۲
- جو عالم جاہل شیعوں کو جہالت سے نکال کر نور علم تک پہنچائے اس کے سر پر نورانی تاج ہوگا ج۲ ص۱۳۴
- شیعہ وہ ہے کہ جس محلہ میں آباد ہو اس میں اس سے بڑھ کر امین اور دیانت دار دوسرا کوئی نہ ہو ج۲ ص۱۳۵
- سلطان غازان خان کا مذہب حقہ شیعہ کو قبول کرنے کا مفصل واقعہ ج۱ ص۲۰۰ تا ص۲۰۲
- قوم شیعہ کی خصوصیات ج۲ ص۲۱۷۔ شیعہ قوم کی بدعملی قابل افسوس ہے ص۲۳۱
- شیعیانِ آل محمدؐ ان ہی سے ہیں۔ ج۳ ص۱۹۱ ج۱۳ ص۱۹۷ قوم شیعہ پر امام رازی کا اعتراض اور اس کا دندان شکن جواب ج۵ ص۲۷ و ص۱۲۵
- شیعہ فرقہ بہتر فرقوں میں سے ناجی فرقہ ہے ج۵ ص۹۷ حکومت جور کی ملازمت سے منع ج۵ ص۱۵۲ ج۶ ص۱۲۸
- شیعہ آل محمد کو خدا کا شریک نہیں مانتے ج۵ ص۱۸۱ و ص۲۱۷ ج۶ ص۱۶۳
- حضرت ابراہیمؑ نے انوار دیکھے اور شیعوں کی علامات دریافت کیں۔ ج۵ ص۲۳۳
- شیعہ آئمہ کے ساتھ محشور ہوں گے۔ ج۶ ص۹۳ و ج۹ ص۶۱۔ شیعہ صابر ہیں۔ ج۶ ص۱۲۸

○ مقدمۂ فدک پر رازی کی بحث و جواب ۔ ج ۶ ص ۱۴۶

○ شیعوں کا مسلک غیر متزلزل ہے ج ۲ ص ۹۱ و ج ۵ ص ۱۵۵ دعا کا طریقہ ج ۵ ص ۱۱۸

○ شیعوں کا غم حسینؑ میں رونا بدعت نہیں ہے ج ۵ ص ۴۷ فرشتوں سے شیعان علیؑ کی محبت کا عہد لیا گیا ہے ج ۵ ص ۲۶۱

○ یا علیؑ تو اور تیرے شیعہ جنت میں جائیں گے ۔ ج ۵ ص ۱۸۴ ج ۹ ص ۱۵۹ و ص ۱۶۶ ج ۱۳ ص ۲۲۱ و ص ۲۵۸

○ قائمؑ کی آمد پر مخصوص شیعہ اٹھیں گے ۔ ج ۵ ص ۲۰۹ ج ۹ ص ۲۵۲

○ شیعہ کون ہیں؟ ج ۵ ص ۲۱۳ شیعہ جنتی کا مکان ج ۹ ص ۱۴

○ شیعوں کو نصیحت و تنبیہہ ج ۹ ص ۱۴ ۔ ایک شیعہ گنہگار کا واقعہ ج ۱۲ ص ۲۸ و ص ۲۹

○ نبی کی بیویوں کے متعلق شیعوں کا عقیدہ ج ۱ ص ۱۲۵ ۔ مقام شیعہ ج ۱۳ ص ۱۳۵

○ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تمہیں یہ نام (شیعہ) مبارک ہو ج ۱۱ ص ۲۵

○ حضرت ابراہیمؑ پر شیعہ کا اطلاق ج ۱۲ ص ۴۲ شیعہ اور محب میں فرق ص ۱۰۱

○ گنہگار شیعوں کی آئمہ سفارش کریں گے ۔ ج ۱۲ ص ۲۶۹ و ص ۲۷۰

○ معاویہ کے دور میں شیعان علیؑ پر مظالم ج ۱۳ ص ۱۲

○ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا یا علیؑ اللہ نے تیرے شیعوں کو سات انعامات عطا فرمائے ہیں (۱) موت کے وقت آسانی (۲) وحشت قبر کے وقت انس (۳) ظلمت قبر کے وقت نور (۴) گھبراہٹ کے وقت امن (۵) میزان میں انصاف (۶) پل صراط سے عبور (۷) سب سے پہلے داخلۂ جنت ج ۱۴ ص ۶۷ و ص ۶۸

○ بروز محشر کافر کہے گا کاش میں تراب (شیعہ) ہوتا ۔ ج ۱۴ ص ۱۶۷

صاد

○ صاد زیر عرش ایک چشمہ ہے جس سے حضرت پیغمبرؐ نے شب معراج وضو کیا تھا ج ۵ ص ۲۶۱

○ سورہ ص کے فضائل ج ۱۲ ص ۴۷ ۔ سورہ صافات کے فضائل ج ۱۲ ص ۳۱

صدقہ ۔ جہنم کے ایک دروازہ پر مرقوم ہے کہ میں صدقہ دینے والوں پر حرام ہوں ج ۲ ص ۴۶

○ صدقہ کا ثواب ج ۲ ص ۱۳۶ و ص ۵۲ ۔ صدقہ جاریہ ج ۲ ص ۲۱۶ و ج ۱۲ ص ۱۰ و ج ۱۴ ص ۱۸۵ ۔ صدقہ کے اقسام ج ۳ ص ۱۱۱ ج ۵ ص ۱۳۲ ۔

○ صدقہ کا مصرف ج ۳ ص ۱۲۴ ج ۴ ص ۶ ج ۵ ص ۹۳ اصلاح بین الناس بھی ایک صدقہ ہے ۔ ج ۶ ص ۱۵۸

- خفیہ صدقہ دینا اللہ کو محبوب ہے ج۲ ص۲۷ و ج۲ ص۱۵۷۔ صدقہ کے فوائد ج۲ ص۴۵
- (صدقہ اللہ کے ہاتھ پر جاتا ہے) کی وضاحت ج۲ ص۱۲۶ نیک کاموں میں خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔ ج۱۱ ص۲۵۰
- لوگوں کو خوش کرنے کے لئے صدقہ دینا شرک عملی ہے ج۱ ص۱۳۳ صدقہ گناہوں کا کفارہ ہے ج۱۱ ص۱۴۹
- کیا جو کچھ پیغمبرؐ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہوا کرتا ہے؟ اس مفروضہ کا مدلل جواب ج۴ ص۱۴۵ تا ص۱۴۸ اور کیا جاگیر فدک بھی ایک صدقہ کی حیثیت سے تھی؟ وضاحت ج۱۱ ص۱۱۴

صادقین
کے ساتھ ہونے کا معنی اور صادقین کا مصداق ج۸ ص۱۳۳ و ص۱۳۴ صداقت اور حق ج۵ ص۹۰

- پیغمبرؐ کی تصدیق کرنے والا سب سے پہلا شخص حضرت ابوطالب ہے ج۱ ص۲۱

صابی
بعض کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کے دین پر تھے اور بعض کے نزدیک حضرت داؤدؑ کے پیرو تھے ج۵ ص۱۲۷

صالحؑ
کا ذکر ج۶ ص۲۴ و ج۶ ص۲۲۲ و ج۸ ص۱۸۹ و ج۹ ص۲۰ و ص۲۵۲

- حضرت صالحؑ کی وفات حضرموت کے علاقہ میں ہوئی اسی لئے اس کو حضرموت کہا جاتا ہے ج۹ ص۲۸
- قوم عاد کی طرف مبعوث ہونے والا نبی صالح تھا۔ ج۱۱ ص۱۷۵
- حضرت صالحؑ کی ناقہ ان سات جانوروں میں سے ہے جو ماں کے شکم سے پیدا نہیں ہوئے ج۱۲ ص۲۰۵
- حضرت صالحؑ نے ناقہ کا معجزہ قوم ثمود نے طلب کیا تھا۔ ج۱۳ ص۱۷

صاحب الامر
کے معنی کی وضاحت ج۱۳ ص۱۲۵

- صحابہ کا طرز عمل اور خلافت۔ مقدمہ تفسیر ص۹۱ تا ص۹۵
- صحابہ اور علم قرآن۔ مقدمہ تفسیر ص۱۵۰
- صحابہ کے دلوں میں آل رسولؐ کی حرمت مقدمہ تفسیر ص۱۲۷
- بعض صحابہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ ج۴ ص۲۹
- جنگ احد میں صحابہ کا کردار ج۴ ص۳ و ص۵۹ و ص۶۳ و ص۶۷ و ص۷۰
- صہیب بلال عمار اور جناب صحابہ پیغمبرؐ جو کفار کی ایذاء رسانیوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچے قرآن مجید میں ان کی تعریف موجود ہے۔ ج۹ ص۲۱۰
- صحابہ میں سے امراء طبقہ کو تنبیہ اور سرزنش ج۹ ص۹۶
- صلح حدیبیہ کی تفصیل اور بعض صحابہ کا کردار ج۱۳ ص۶۵ و ص۶۷
- صحابہ کو پیغمبرؐ کی مجلس کے آداب کی تلقین ج۱۳ ص۹۳ و ص۹۴
- صحابہ کے باہمی جھگڑے ج۱۳ ص۹۸ تا ص۱۰۱

- پیغمبرؐ کے عبادت میں شریک صحابہ ج ۱۴ ص ۱۳
- حضرت پیغمبرؐ کے ایک نابینا صحابی ابن ام کلثوم سے ایک امیر صحابی کی نفرت اور خدائی سرزنش ج ۱۴ ص ۱۷۵

صحرائے سینا ۔ بنی اسرائیل کا صحرائے سینا میں آنا اور رہنا۔ ج ۲ ص ۱۱۳

- بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں ۴۰ سالہ زندگی کے اہم نکات ۔ ج ۲ ص ۱۱۷

صحف ۔ حضرت ابراہیمؑ پر ۳ رمضان کو صحیفے نازل ہوئے ج ۲ ص ۲۳

- حضرت آدمؑ پر دس صحیفے شیثؑ پر پچاس اور ادریسؑ پر تیس ابراہیمؑ پر دس کل صحیفے ایک سو ہیں ج ۱۴ ص ۲۰۹

صبر ۔ اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ الاٰية ج ۲ ص ۱۹۷

- صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری۔ ص ۱۹۸ ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا صبر ص ۱۹۹
- کیا رونا غم حسینؑ میں بے صبری ہے؟ اس کا جواب ص ۲۰۰ ہلاکو خان کے پوتے کے بیٹے سلطان غازان خان کے دربار کا ایک واقعہ اور پھر امیر طرمطار کے مشورہ سے اس کا شیعہ ہونا اس کے بعد شاہ خدا بندہ کے دربار میں حنفی و شافعی مناظرہ اور پھر امیر طرمطار کے مشورہ سے علامہ حلی کو بلا کر شیعہ و سنی کے مابین مناظرہ اور آخر شاہ خدا بندہ کا شیعہ ہونا ج ۲ ص ۲۰۲
- صبر و تقویٰ کی فضیلت ج ۴ ص ۳۵ و ص ۵۷
- صبر کی حقیقت ج ۴ ص ۱۰۱ عورت کے صبر کا ثواب ایک لطیفہ کی شکل ہیں ۔ ج ۴ ص ۱۱۸ و ص ۱۱۹
- صبر و شکر کا بیان ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عابد کے پاس پہنچے جو صابر و شاکر تھا اور بادل اس کا تابع تھا پس اس نے بادل کو بلا کر حضرت موسیٰؑ کو سوار کرکے وطن واپس پہنچایا۔ ج ۴ ص ۱۹۴ و ص ۱۹۵
- صبر کا انجام ج ۸ ص ۱۲۸ ۔ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے اور حضرت موسیٰؑ نے صبر کرنے کا وعدہ کیا اور ان کے ہمراہ ہوئے ۔ ج ۹ ص ۱۰۱
- حضرت ایوبؑ کا صبر ج ۹ ص ۲۴۴ ۔ تلقین صبر ج ۱۰ ص ۱۷۱ ج ۱۱ ص ۱۳۷ و ص ۱۴۱ و ص ۲۴۹ و ج ۱۲ ص ۹۸ تا ص ۱۰۳
- مفصل قصہ ج ۱۱ ص ۹۸ ۔ صبر کا انجام خیر ج ۱۲ ص ۱۵۴ و ص ۱۵۹ و ص ۱۶۵ ۔ صابر کامل الایمان ہوتا ہے ج ۱۲ ص ۲۱۷
- حضرت پیغمبرؐ نے شب معراج تین مقامات پر صبر کا عہد کیا (۱) اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینے پر صبر (۲) کفار مشرکین کی تکذیب و طعنہ زنی پر صبر (۳) جہاد کرتے ہوئے ہر جسمانی تکلیف پر صبر ج ۱۲ ص ۲۳۶
- منقول ہے کہ تنگیٔ رزق سے بھی مومنوں کے صبر کو آزماتا ہے ۔ ج ۱۲ ص ۲۱۲

صراط ۔ جو شخص اپنے بیٹے کو قرآن کا علم پڑھائے تو قرآن اس کو پل صراط سے بجلی کی طرح پار کرے گا۔ مقدمہ ص ۲۸

- صراطِ مستقیم کی تلاش مقدمہ ص ۱۶۳ ۔ ماہ رمضان میں اخلاق کو پاکیزہ رکھنے والوں کے قدم پل صراط سے گزرتے ہوئے نہ ڈگمگائیں گے ج ۲ ص ۲۲ ۔ حضرت علیؑ پل صراط سے مومنوں کو پار کریں گے ج ۶ ص ۱۴۵ ج ۱۲ ص ۱۳۹ ج ۱۴ ص ۷۹
- صراطِ مستقیم سے مراد علیؑ اور ان کی اولاد اوصیائے طاہرینؑ ہیں ج ۵ ص ۲۶۷ شیطان صراط مستقیم پر سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور چونکہ صراط مستقیم سے مراد حضرت علیؑ ہے لہٰذا شیطان علیؑ کے ماننے والوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں رہتا ہے اور ان کو ہی نیک کاموں مثلاً نماز روزہ وغیرہ سے روکتا ہے ج ۶ ص ۱۵
- بعض مفسرین نے اعراف کا معنی صراط لیا ہے ۔ ج ۶ ص ۳۴
- تفسیر برہان میں منقول ہے کہ عمر بن خطاب نے اعتراض کیا کہ حضورؐ آپ علیؑ کو ہارونؑ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ہارون کا قرآن میں ذکر موجود ہے اور علیؑ کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں تو آپؐ نے فرمایا کیا اللہ نے نہیں فرمایا هٰذَا صِرَاطٌ عَلِيٌّ مُسْتَقِيْمٌ ج ۸ ص ۱۸۲ تفسیر سورہ حجر ۔ صراط مستقیم علیؑ ہے ج ۱۰ ص ۸
- پل صراط سے وہ ہی گذر سکے گا جس کے پاس حضرت علیؑ کی طرف سے اجازت نامہ ہوگا ج ۱۲ ص ۳۶
- صراط پر آل محمد کا نور ج ۱۴ ص ۶۷
- صفیہ بنت عبدالمطلب کے ساتھ عمر کا گستاخانہ کلام ج ۵ ص ۱۷۳
- صفا مروہ کا ذکر ج ۲ ص ۲۰۳

صلح ۔ دو آدمیوں یا دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے سورہ طٰہٰ کا نقش فائدہ مند ہے ج ۹ ص ۱۲۹

- دو لڑنے والوں کے درمیان صلح کرانا بہت بڑی دینی خدمت ہے ۔ ج ۱۳ ص ۹۸ تا ص ۱۰۱
- صلح حدیبیہ کی طرف اشارہ ج ۳ ص ۹ و ج ۱۳ ص ۵۷ و ص ۵۹ و ص ۸۹ صلح حدیبیہ کی تفصیل ج ۱۳ ص ۶۱ تا ص ۶۷ و ج ۱۳ ص ۲۶۸
- صلح حسنؑ دین کی حفاظت کے پیش نظر تھی ۔ ج ۵ ص ۱۰ صلح علیؑ ج ۱۳ ص ۹۱

صلہ رحمی ۔ ج ۴ ص ۱۰۸

صندوق موسیٰؑ ج ۲ ص ۱۰ و ص ۱۲ ۔ اصحاب کہف کے نام و سفر نامہ ایک صندوق میں محفوظ تھا ج ۹ ص ۹۱

صنوبر ۔ (شاہ درخت) قوم رس اس کی پوجا کرتی تھی ۔ ج ۱۰ ص ۱۷۱

صلوات ۔ صبر کرنے والوں پر صلوات ہے ج ۲ ص ۱۹۸ و ص ۲۰۲

- اللہ کی صلوات کا مقصد رحمت بھیجنا ہے ۔ ج ۱۱ ص ۲۰۳ و ص ۲۱۰

- مقدمۂ فدک پر رازی کی بحث و جواب ۔ ج۴ ص۱۴۶
- شیعوں کا مسلک غیر متزلزل ہے ج۴ ص۹۱ و ج۴ ص۱۵۵ دعا کا طریقہ ج۴ ص۱۱۸
- شیعوں کا غم حسینؑ میں رونا بدعت نہیں ہے ج۴ ص۲۴۷ فرشتوں سے شیعان علیؑ کی محبت کا عہد لیا گیا ہے ج۴ ص۲۶۱
- یا علیؑ تو اور تیرے شیعہ جنت میں جائیں گے۔ ج۴ ص۱۸۴ ج۶ ص۱۵۹ و ص۱۶۶ ج۱۲ ص۲۲۱ و ص۲۵۸
- قائم کی آمد پر مخصوص شیعہ اٹھیں گے۔ ج۴ ص۲۰۹ ج۹ ص۲۵۲
- شیعہ کون ہیں؟ ج۴ ص۲۱۳ شیعہ جنتی کا مکان ج۹ ص۱۶
- شیعوں کو نصیحت و تنبیہہ ج۹ ص۱۴۱ ۔ ایک شیعہ گنہگار کا واقعہ ج۱۲ ص۴۸ و ص۴۹
- نبی کی بیویوں کے متعلق شیعوں کا عقیدہ ج۴ ص۱۲۵ ۔ مقام شیعہ ج۱۲ ص۱۳۵
- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تمہیں یہ نام (شیعہ) مبارک ہو ج۱۱ ص۲۵
- حضرت ابراہیمؑ پر شیعہ کا اطلاق ج۱۲ ص۲۲ شیعہ اور محب میں فرق ص۲۱
- گنہگار شیعوں کی آئمہ سفارش کریں گے۔ ج۱۲ ص۲۶۹ و ص۲۷۰
- معاویہ کے دور میں شیعان علیؑ پر مظالم ج۱۳ ص۱۲
- حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا یا علیؑ اللہ نے تیرے شیعوں کو سات انعامات عطا فرمائے ہیں (۱) موت کے وقت آسانی (۲) وحشت قبر کے وقت انس (۳) ظلمت قبر کے وقت نور (۴) گھبراہٹ کے وقت امن (۵) میزان میں انصاف (۶) پل صراط سے عبور (۷) سب سے پہلے داخلۂ جنت ج۱۴ ص۶۷ و ص۶۸
- بروز محشر کافر کہے گا کاش میں تراب (شیعہ) ہوتا۔ ج۱۴ ص۱۶۷

صاد

- صاد زیر عرش ایک چشمہ ہے جس سے حضرت پیغمبرؐ نے شب معراج وضو کیا تھا ج۴ ص۲۶۱
- سورہ ص کے فضائل ج۱۲ ص۷۷ ۔ سورہ صافات کے فضائل ج۱۲ ص۳۱

صدقہ ۔ جہنم کے ایک دروازہ پر مرقوم ہے کہ میں صدقہ دینے والوں پر حرام ہوں ج۶ ص۴۶

- صدقہ کا ثواب ج۲ ص۱۲۶ و ص۵۲ ۔ صدقہ جاریہ ج۱ ص۲۱۶ و ج۱۲ ص۱۰ و ج۱۴ ص۱۸۵ ۔ صدقہ کے اقسام ج۲ ص۱۱۱ ج۶ ص۱۳۲ ۔
- صدقہ کا مصرف ج۲ ص۱۲۴ ج۴ ص[illegible] ج۵ ص۹۳ اصلاح بین الناس بھی ایک صدقہ ہے۔ ج۴ ص۱۵۸

○ خفیہ صدقہ دینا اللہ کو محبوب ہے ج ۲ ص ۱۴۷ و ج ۲ ص ۱۵۶ ۔ صدقہ کے فوائد ج ۲ ص ۷۵

○ (صدقہ اللہ کے ہاتھ پہ جاتا ہے) کی وضاحت ج ۸ ص ۱۲۶ نیک کاموں میں خرچ کرنا بھی صدقہ ہے ۔ ج ۱۱ ص ۲۵۰

○ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے صدقہ دینا شرک عملی ہے ج ۲ ص ۱۲۳ صدقہ گناہوں کا کفارہ ہے ج ۱۱ ص ۱۴۹

○ کیا جو کچھ پیغمبرؐ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہوا کرتا ہے ؟ اس مفروضہ کا مدلل جواب ج ۲ ص ۱۴۵ تا ص ۱۴۸ اور کیا
جاگیر فدک بھی ایک صدقہ کی حیثیت سے تھی ؟ وضاحت ج ۱۱ ص ۱۱۴

صادقین کے ساتھ ہونے کا معنی اور صادقین کا مصداق ج ۸ ص ۱۳۳ و ص ۱۳۴ ۔ صداقت اور حق ج ۸ ص ۹۰

○ پیغمبرؐ کی تصدیق کرنے والا سب سے پہلا شخص حضرت ابوطالب ہے ج ۱ ص ۲۱۶

صابی بعض کہتے ہیں کہ حضرت نوحؑ کے دین پر تھے اور بعض کے نزدیک حضرت داؤد کے پیرو تھے ج ۵ ص ۱۴۷

صالحؑ کا ذکر ج ۶ ص ۴۱ و ج ۹ ص ۲۲۲ و ج ۸ ص ۱۸۹ و ج ۱ ص ۲۰۰ و ص ۲۵۲

○ حضرت صالحؑ کی وفات حضرموت کے علاقہ میں ہوئی اسی لئے اس کو حضرموت کہا جاتا ہے ج ۱ ص ۳۸

○ قوم عاد کی طرف مبعوث ہونے والا نبی صالح تھا ۔ ج ۱۲ ص ۱۷۵

○ حضرت صالحؑ کی ناقہ ان سات جانوروں میں سے ہے جو ماں کے شکم سے پیدا نہیں ہوئے ج ۱۲ ص ۲۰۵

○ حضرت صالحؑ سے ناقہ کا معجزہ قوم ثمود نے طلب کیا تھا ۔ ج ۱۳ ص ۱۷۱

صاحب الامر کے معنی کی وضاحت ج ۱۳ ص ۱۲۵

○ صحابہ کا طرزِ عمل اور خلافت ۔ مقدمہ تفسیر ص ۹۱ تا ص ۹۵

○ صحابہ اور علم قرآن ۔ مقدمہ تفسیر ص ۱۵۰

○ صحابہ کے دلوں میں آلِ رسولؐ کی حرمت مقدمہ تفسیر ص ۱۴۷

○ بعض صحابہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے ۔ ج ۴ ص ۲۹

○ جنگ احد میں صحابہ کا کردار ج ۴ ص ۳ و ص ۵۹ و ص ۲۳ و ص ۴۷ و ص ۷

○ صہیب بلال عمار اور جناب صحابہ پیغمبرؐ جو کفار کی ایذاء رسانیوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچے قرآن مجید
میں ان کی تعریف موجود ہے ۔ ج ۸ ص ۲۱۰

○ صحابہ میں سے امراء طبقہ کو تنبیہ اور سرزنش ج ۹ ص ۹۶

○ صلح حدیبیہ کی تفصیل اور بعض صحابہ کا کردار ج ۱۳ ص ۶۵ و ص ۷۶

○ صحابہ کو پیغمبرؐ کی مجلس کے آداب کی تلقین ج ۱۳ ص ۹۳ و ص ۹۴

○ صحابہ کے باہمی جھگڑے ج ۱۳ ص ۹۸ تا ص ۱۰۱

○ پیغمبرؐ کے عبادت میں شریک صحابہ ج۱۴ ص۱۳

○ حضرت پیغمبرؐ کے ایک نابینا صحابی ابن ام کلثوم سے ایک امیر صحابی کی نفرت اور خدائی سرزنش ج۱۴ ص۱۷۵

صحرائے سینا ۔ بنی اسرائیل کا صحرائے سینا میں آنا اور رہنا ۔ ج۲ ص۱۱۳

○ بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں ۴۰ سالہ زندگی کے اہم نکات ۔ ج۲ ص۱۱۷

صحف ۔ حضرت ابراہیمؑ پر ۳ رمضان کو صحیفے نازل ہوئے ج۲ ص۲۳

○ حضرت آدمؑ پر دس صحیفے شیثؑ پر پچاس ادریسؑ پر تیس ابراہیمؑ پر دس کل صحیفے ایک سو ہیں ج۱۴ ص۲۰۹

صبر ۔ اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃ الآیۃ ج۲ ص۱۹۷

○ صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری ۔ ص۱۹۸ ۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا صبر ص۱۹۹

○ کیا رونا غم حسینؑ میں بے صبری ہے ؟ اس کا جواب ص۲۰۰ ہلاکو خان کے پوتے کے بیٹے سلطان غازان خان کے دربار کا ایک واقعہ اور پھر امیر طرمطار کے مشورہ سے اس کا شیعہ ہونا اس کے بعد شاہ خدا بندہ کے دربار میں حنفی و شافعی مناظرہ اور پھر امیر طرمطار کے مشورہ سے علامہ حلی کو بلا کر شیعہ و سنی کے مابین مناظرہ اور آخر شاہ خدا بندہ کا شیعہ ہونا ج۲ ص۲۰۲

○ صبر و تقویٰ کی فضیلت ج۴ ص۳۵ و ص۵۶

○ صبر کی حقیقت ج۴ ص۱۰۱ عورت کے صبر کا ثواب ایک لطیفہ کی شکل ہیں ۔ ج۴ ص۱۱۸ و ص۱۱۹

○ صبر و شکر کا بیان ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک عابد کے پاس پہنچے جو صابر و شاکر تھا اور بادل اس کا تابع تھا پس اس نے بادل کو بلا کر حضرت موسیٰؑ کو سوار کر کے وطن واپس پہنچایا ۔ ج۶ ص۱۹۴ و ص۱۹۵

○ صبر کا انجام ج۹ ص۱۲۸ ۔ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے اور حضرت موسیٰؑ نے صبر کرنے کا وعدہ کیا اور ان کے ہمراہ ہوئے ۔ ج۹ ص۱۰۹

○ حضرت ایوبؑ کا صبر ج۹ ص۲۴۴ ۔ تلقین صبر ج۶ ص۱۰۱ ج۱۱ ص۱۳۶ و ص۱۴۱ و ص۲۴۹ ، ج۱۲ ص۹۸ تا ص۱۰۳

○ مفصل نقشہ ج۱۲ ص۹۸ ۔ صبر کا انجام خیر ج۱۲ ص۱۵۴ و ص۱۵۹ و ص۱۶۵ ۔ صابر کامل الایمان ہوتا ہے ج۱۲ ص۲۱۵

○ حضرت پیغمبرؐ نے شب معراج تین مقامات پر صبر کا عہد کیا (۱) اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینے پر صبر (۲) کفار مشرکین کی تکذیب و طعنہ زنی پر صبر (۳) جہاد کرتے ہوئے ہر جسمانی تکلیف پر صبر ج۱۲ ص۲۳۶

○ منقول ہے کہ تنگیٔ رزق سے بھی مومنوں کے صبر کو آزماتا ہے ۔ ج۱۴ ص۲۱۲

صراط ۔ جو شخص اپنے بیٹے کو قرآن کا علم پڑھائے تو قرآن اس کو پل صراط سے بجلی کی طرح پار کرے گا ۔ مقدمہ ص۲۸

○ صراطِ مستقیم کی تلاش مقدمہ ص۱۹۳ ۔ ماہ رمضان میں اخلاق کو پاکیزہ رکھنے والوں کے قدم پل صراط سے گزرتے ہوئے نہ ڈگمگائیں گے ج۲ ص۲۲ ۔ حضرت علیؑ پل صراط سے مومنوں کو پار کریں گے ج۵ ص۱۴۵ ج۱۲ ص۱۳۹ ج۱۴ ص۷۹

○ صراطِ مستقیم سے مراد علیؑ اور ان کی اولاد اوصیائے طاہرینؑ ہیں ج۵ ص۲۶۷ شیطان صراط مستقیم پہ سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور چونکہ صراط مستقیم سے مراد حضرت علیؑ ہے لہذا شیطان علیؑ کے ماننے والوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں رہتا ہے اور ان کو ہی نیک کاموں مثلاً نماز روزہ وغیرہ سے روکتا ہے ج۶ ص۱۵

○ بعض مفسرین نے اعراف کا معنی صراط لیا ہے ۔ ج۶ ص۳۴

○ تفسیر برہان میں منقول ہے کہ عمر بن خطاب نے اعتراض کیا کہ حضورؐ آپ علیؑ کو ہارونؑ سے تشبیہ دیتے ہیں ۔ حالانکہ ہارون کا قرآن میں ذکر موجود ہے اور علیؑ کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں تو آپؐ نے فرمایا کیا اللہ نے نہیں فرمایا هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ج۸ ص۱۸۲ تفسیر سورہ حجر ۔ صراط مستقیم علیؑ ہے ج۱ ص۸

○ پل صراط سے وہ ہی گذر سکے گا جس کے پاس حضرت علیؑ کی طرف سے اجازت نامہ ہوگا ج۱۲ ص۳۶

○ صراط پر آل محمد کا نور ج۱۴ ص۶۷

○ صفیہ بنت عبد المطلب کے ساتھ عمر کا گستاخانہ کلام ج۵ ص۱۶۳

○ صفا و مروہ کا ذکر ج۲ ص۲۰۳

صلح ۔ دو آدمیوں یا دو گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے سورہ طہٰ کا نقش فائدہ مند ہے ج۹ ص۱۲۹

○ دو لڑنے والوں کے درمیان صلح کرانا بہت بڑی دینی خدمت ہے ۔ ج۱۳ ص۹۸ تا ص۱۰۱

○ صلح حدیبیہ کی طرف اشارہ ج۳ ص۹ و ج۱۳ ص۵۷ ص۸۵ و ص۸۹ صلح حدیبیہ کی تفصیل ج۱۲ ص۶۱ تا ص۶۵ و ج۱۳ ص۲۶۸

○ صلح حسنؑ دین کی حفاظت کے پیش نظر تھی ۔ ج۵ ص۱ صلح علیؑ ج۱۳ ص۹۱

صلہ رحمی ۔ ج۴ ص۱۰۸

صندوق موسیٰؑ ج۲ ص۱ و ص۱۲ ۔ اصحاب کہف کے نام و سفرنامہ ایک صندوق میں محفوظ تھا ج۹ ص۹۱

صنوبر ۔ (شاہ درخت) قوم رس اس کی پوجا کرتی تھی ۔ ج۱ ص۱۷۷

صلوات ۔ صبر کرنے والوں پر صلوات ہے ج۲ ص۱۹۵ و ص۲۰۲

○ اللہ کی صلوات کا مقصد رحمت بھیجنا ہے ۔ ج۱۱ ص۲۰۳ و ص۲۱۰

ضاد

ضبط اعمال اور حبط اعمال کا فرق ۔ مقدمہ تفسیر ص ۲۴۴ ۔ احباط اعمال کے ذیل میں ملاحظہ ہو نیز ج۲ ص۱۹۷ اور ج۱۲ ص۱۳۳ پر بھی وضاحت کی گئی ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے صحیح اعمال کو کسی دوسری غلطی کی وجہ سے جزا سے محروم کرنا ضبط ہے اور ظلم ہے لیکن کسی کے اعمال کا باطل ہونے کی وجہ سے جزا سے محروم ہونا حبط ہے اور یہ عین عدل ہے مثلاً عبادت کی صحت میں عقیدہ کی درستی شرط ہے پس جو عبادت عقیدۂ فاسدہ سے ہو وہ باطل اور حبط ہے لائق جزا نہیں لیکن اس کے مقابلہ میں عقیدہ صحیحہ کے ساتھ بجالانے والے کی جزا کو کالعدم قرار دینا ضبط ہے اور ظلم ہے۔

الطاء

طبیب ہندی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو ۔ مقدمہ تفسیر ص۸۱
دربار ہارون میں انگریز ڈاکٹر نے قرآن کی جامعیت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس میں طب کا کوئی ذکر نہیں تو اسلامی مفکر علی بن حسین بن واقد نے برجستہ جواب دیا کہ قرآن مجید نے کلوا واشربوا ولا تُسْرِفُوا کہہ کر ساری طب کو ایک جملہ میں بند کر کے رکھ دیا ہے تو ڈاکٹر نے سر تسلیم خم کر دیا ۔ ج۲ ص۲۶

- ارسطا طالیس حکیم سکندر ذوالقرنین کا استاد تھا اور سکندر کی فتوحات کے بعد ارسطو کی کوششوں سے دنیا کے گوشے گوشے میں علوم طبیہ و دیگر علوم کے مدارس جاری کئے گئے ۔ ج۹ ص۱۲۳
- معدہ کی تکلیف اور بدہضمی کا علاج امام جعفر صادق علیہ السلام نے بتایا کہ کھانا صرف دو وقت کھایا کرو اور درمیان میں کچھ نہ کھاؤ اور قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال فرمایا ۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۔ آپ نے فرمایا اس سے تجاوز کرنے سے بدن کا نظام فاسد ہو جاتا ہے ۔ ج۹ ص۱۵۹
- قرآن مجید میں طبی مشورے موجود ہیں لیکن ان کا صحیح علم انہی لوگوں کو ہے جو قرآن کے ظاہر و باطن کو جان سکتے ہیں چنانچہ ایک درد شکم میں مبتلا مریض نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے اپنے درد کی

شکایت کی تو آپ نے فرمایا اس کا علاج قرآن مجید میں موجود ہے وہ یہ کہ اپنی بیوی کے مال سے کوئی شی خرید لو شہد لے لو اور بارش کا پانی ان تینوں اجزاء کو ملا کر پی لو اس نے بیوی سے کچھ لے کر اس کی شہد خرید لی اور بارش کا پانی پی لیا اور درد شکم سے مکمل شفایاب ہوگیا۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا قرآن مجید میں اللہ نے بیوی کے عطا کردہ مال کے متعلق فرمایا **كُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا** اور بارش کے پانی کو مبارک کہا اور شہد کے متعلق فرمایا کہ اس میں شفا ہے تو تینوں جب ملیں گی تو ھنیئاً مریئاً بھی ہونگی ج۲ ص۱۱۱ اور میں نے خود اس نسخہ کو آزمایا ایک دفعہ کالا باغ میں سید منور حسین شاہ مرحوم کے پیٹ میں تکلیف تھی اور کوئی علاج کارگر نہ ہوا تو مذکورہ بالا نسخہ استعمال کرتے ہی فوراً ٹھیک ہو گئے تھے۔

برائے مطالب عظیمہ :- ۱۰۰ دفعہ طٰہٰ ایک دفعہ قل ھو اللہ احد اسی طرح ۸ دفعہ دھرائے اس کے بعد سورہ قل ھو اللہ احد کو ۱۷ دفعہ پڑھے انشاء اللہ مقصد پورا ہوگا۔

طٰہٰ کے اعداد کا مربع لڑکی کے اچھے رشتے کے لئے اور جادو سے حفاظت کے لئے ابتداء ۱۳ ۸ ۹۹ سے کرے اور خانہ ۱۳ میں ایک زیادہ کرے۔

طٰہٰ ۔ سورہ طٰہٰ کے فضائل ج۹ ص۱۲۹ ۔ لفظ طٰہٰ کی تحقیق ص۱۷۱ ص۱۷۱ ۔

طلب ۔ علم کی اہمیت اور طلب علم کی ضرورت پر مقدمہ تفسیر کے اوائل میں روشنی ڈالی گئی ہے نیز تفسیر کی دوسری جلد میں ص۱۳۳ و ص۱۳۴ پر مزید گفتگو کی گئی ہے طالب علم کی مدد کرنا ایک کے بدلہ میں ایک لاکھ کا ثواب ہے ج۳ ص۱۱۱

○ جن لوگوں کے لئے جنت کی بشارت دی گئی ہے ان میں سائحون بھی ہیں اور بعض علماء نے فرمایا ان سے مراد زمین میں طلب علم کے لئے سفر کرنے والے ہیں۔ ج ص۱۳۱ ۔ عظمت علم اور طلب علم کے آداب ج۹ ص۱۱۱

○ حضرت پیغمبرؐ کو طلب علم کی فہمائش کی گئی **قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا** ج۹ ص۲۰۴ حضرت لقمان نے اپنی وصیتوں میں علم کی اہمیت پر زور دیا اور طلب علم کو ضروری قرار دیا ج۱۱ ص۱۳۲

طلب اولاد ۔ شوہر اور بیوی کی باہمی ہمبستری میں طلب اولاد کی نیت مستحب ہے۔ ج۲ ص۲۳۶

○ سورہ آل عمران کو زعفران سے لکھ کر اپنے پاس رکھنے کی برکت سے اللہ اولاد عطا فرماتا ہے ج۳ ص۱۸۷

طلب اولاد کے لئے عمل ج۱ ص۲۴۷ و ج۱۲ ص۱۰۸

طلقاء ان کو کہا جاتا ہے جو اسلام کے دبدبہ سے مرعوب ہو کر فتح مکہ کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے جیسے ابوسفیان وغیرہ ج۳ ص۱۹۶

○ فتح مکہ کی قدرے تفصیل تفسیر کی آخری جلد میں از صفحہ ۲۷۵ تا ص۲۷۸ ملاحظہ فرمائیں۔

طلاق ۔ طلاق عدت، طلاق سنت اور اس کے شرائط اور پھر بائن اور رجعی کی تفصیلات ج۳ ص۶۵ تا ص۹۲ ج۱۴ ص۶۲ تا ص۶۵

○ طلاق اور ظہار میں فرق ۔ ج۱۱ ص۱۵۷ ۔ اگر دخول سے پہلے طلاق ہو تو عورت بنصف حق مہر کی حقدار ہوتی ہے ۔ ج۱۱ ص۲۰۵

○ تین قسم کے لوگوں کی دعا مستجاب نہیں ہوتی ان میں سے ایک وہ ہے جس کی عورت نافرمان ہو اس کی بددعا اس لئے قبول نہیں کہ وہ اس کو طلاق دیکر گلو خلاصی کر سکتا ہے ۔ ج۱۴ ص۲۶ سورہ طلاق ج۱۴ ص۴۵

طلوعِ فجر ۔ ماہ رمضان میں کھانے پینے کا آخری وقت طلوعِ فجر ہے ج۲ ص۲۳۸ ۔ نماز تہجد کا آخر اور نماز صبح کا اول وقت طلوعِ فجر ہے ۔ ج۹ ص۵۰ و ص۵۱

طلیحہ بن خویلد ۔ نبوت کا جھوٹا دعویدار تھا جس کی زمانِ پیغمبرؐ میں سرکوبی کی گئی ۔ ج۵ ص۱۳۲

طلحہ ۔ عائشہ سے شادی کرنے کا خواہشمند تھا ۔ ج۱۱ ص۲۰۹

طالوت ۔ طالوت کا انتخاب اور معیار انتخاب ج۳ ص۱۱۱ و ج۱ ص۱۱۴ ۔ طالوت و جالوت کی لڑائی ۔ ج۲ ص۱۲۳

طولانی زندگی ۔ حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کی طولانی زندگی پر اعتراض کرنے والے اگر تاریخ انسانیت کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ بہت سے انسان ایسے گذرے ہیں جن کی زندگیاں کافی طولانی تھیں اور اب تک زندہ رہنے والوں میں حضرت ادریسؑ حضرت الیاسؑ حضرت خضرؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کتب میں موجود و مسطور ہے ۔ قدرے تفصیل کے لئے تفسیر کی جلد ۹ ص۱۱۹ ملاحظہ ہو۔

طائف ۔ حجاز میں ایک مشہور شہر ہے ۔ کفار مکہ نے ایک یہ بھی اعتراض کیا تھا کہ اگر خدا نے انسانوں کی تبلیغ کے لئے کوئی اپنا نمائندہ نامزد کرنا ہوتا تو مکہ اور طائف کے شہروں میں کسی نامور بارسوخ شخصیت کو نامزد فرماتا۔ چنانچہ مکہ سے ولید بن مغیرہ کا اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی کا نام انہوں نے لیا تھا اور سورہ زخرف میں ان کے اس سوال کو نہایت سختی سے ٹھکرایا گیا ۔ ج۱۲ ص۲۳۱ اور حضور اہل مکہ کی زیادتیوں سے گھبرا کر حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد بنفس نفیس طائف میں تشریف لائے تھے اور جب آپ نے تبلیغ فرمائی تو اہل طائف نے آپ پر پتھر برسائے چنانچہ کبیدہ خاطر وہاں سے واپس آئے مکہ پہنچنے سے پہلے جب مقام نخلہ میں پہنچے تو قوم جن کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور حضور کی نبوت پر ایمان لائے ۔ ج۱۳ ص۲۴ و ص۲۵

طواف ۔ کعبہ کے اردگرد چکر لگانا طواف کہلاتا ہے اس کے اقسام و طریقہ ج۲ ص۱۷ تا ص۲۳ مذکور ہے۔

○ منقول ہے کہ کفار مکہ مرد و عورتیں ننگا ہو کر طواف کیا کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ جن کپڑوں میں گناہ کر چکے ہیں وہ اس قابل نہیں کہ بوقت طواف جسم پر موجود ہوں ۔ ج۶ ص۲۳ و ص۲۵

○ منقول ہے کہ باہر سے وارد ہونے والا کوئی مسافر یا دیہاتی اگر طواف کرتا تو رسم یہ تھی کہ جس لباس میں وہ طواف کرتا تھا بعد از طواف اس کو صدقہ میں وہ لباس دینا پڑتا تھا کیونکہ طواف کے بعد وہ اس لباس کو پہننا اچھا نہ سمجھتے تھے جسمیں وہ طواف کرتے تھے اس لئے دیہاتی لوگ اکثر عاریتاً یا کرایہ پر لباس حاصل کر کے اسمیں طواف کر لیتے تھے چنانچہ بیرونجات سے آنے والوں کیلئے لباس مہیا کرنا اور کرایہ وصول کرنا ایک کاروبار تھا آدمی کو عاریتہً یا کرایہ پر لباس نہ مل سکتا اور اپنے پاس بھی وافر لباس نہ ہوتا ۔ تو وہ

ننگا ہوکر طواف کر لیا کرتے تھے چنانچہ ایک خوبصورت عورت ایک دفعہ طواف کے لئے آئی تو اس کو عاریۃً یا کرایہ پر لباس مہیا نہ ہو سکا تو اس نے ننگا ہونا گوارا کر لیا اور بعد میں لباس کو صدقہ کرنا گوارا نہ کیا ج ۱۲ صـ۱۲ حضرت علی علیہ السلام جب سورہ برأت کی تبلیغ کے لئے تشریف لائے تو اعلان کر دیا کہ آج کے بعد کوئی بھی ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا۔ ج ۶ صـ۱۲ و صـ۱۳

○ ایک روایت میں ہے کہ کعبہ کے آس پاس اللہ کی ایک سو بیس رحمتیں ہیں۔ ساٹھ طواف کرنے والوں کے لئے چالیس نمازیوں کے لئے اور باقی بیس زائرین کعبہ کے لئے ہیں۔ ج ۱ صـ۲۲

طاغوت ۔ حاکم جور کی طرف فیصلہ لے جانا ایسا ہے جس طرح طاغوت کی طرف لے جانا۔ ج ۲ صـ۲۴

○ طاغوت کا معنی و مصداق۔ بعض روایات میں غاصب حقوق آل محمدؐ کو طاغوت کہا گیا ہے۔ ج ۳ صـ۱۳۹

○ طاغوت کے پجاری۔ ج ۵ صـ۱۳۶ و ج ۸ صـ۲۰۸ و ج ۱۲ صـ۱۱۶

طاعون ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکم عدولی پر قوم موسیٰؑ طاعون کے عذاب میں مبتلا ہوئی اور ایک گھنٹہ کے اندر ان کے ہزاروں آدمی لقمۂ اجل ہو گئے۔ ج ۲ صـ۱۱۴ ج ۵ صـ۸۶ ج ۶ صـ۸۱

طوبیٰ ۔ جنت میں ایک درخت ہے جس کی اصل حضرت پیغمبرؐ کے گھر میں ہو گی اور شاخیں جنتیوں کے گھروں میں پہنچیں گی۔ ج ۷ صـ۱۶۶

○ دوسری روایت میں طوبیٰ کی اصل حضرت امیر علیہ السلام کے گھر میں ذکر کی گئی ہے (طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ) شب معراج حضرت پیغمبرؐ نے طوبیٰ کا پھل کھایا تھا ج ۸ صـ۱۲۳ و صـ۱۳۴ و صـ۲۶۷ و صـ۲۶۳۔ طوبیٰ درخت کا ایک ایک پتہ ایک لاکھ آدمیوں پر سایہ فگن ہو سکتا ہے۔ ج ۹ صـ۱۲۵

طوفان ۔ حضرت آدم کے لئے قبۂ نور اترا تھا جس کو طوفان نوحؑ کے وقت اٹھا لیا گیا تھا۔ ج ۲ صـ۱۸ ج ۷ صـ۲۸

○ آل فرعون پر جو متعدد عذاب نازل ہوئے ان میں سے ایک عذاب طوفان بھی تھا۔ ج ۶ صـ۸۷ ج ۹ صـ۷۵ ج ۱۲ صـ۱۴۸ و صـ۲۱۱

○ طوفان نوحؑ کے بعد حضرت آدم کی نسل حضرت نوحؑ سے چلی اس لئے یہ آدم ثانی ہیں۔ ج ۷ صـ۴۴

○ حضرت پیغمبرؐ کے زمانہ میں اسلام پر طوفان کا عذاب بھی آیا۔ ج ۶ صـ۸۳

○ طوفان نوحؑ۔ ج ۷ صـ۲۱۳ تا صـ۲۱۸ ج ۹ صـ۷۶

○ ذوالقرنین کا زمانہ نوحؑ کے بعد ہے اور انہوں نے مکان بنانے کی ابتدا فرمائی۔ ج ۹ صـ۱۳۰

○ قوم سبا پر طوفانی عذاب (سیل العرم) ج ۱۱ صـ۲۴۱

طور ۔ بنی اسرائیل کی طرف سے رویت خدا کا سوال اور کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ کا جانا۔ ج ۲ صـ۱۱۱

○ کوہ طور کا قوم بنی اسرائیل کے سروں پر بلند ہونا۔ ج ۲ صـ۱۱۱ ج ۹ صـ۱۱۲

○ حضرت موسیٰؑ کا وعدہ طور اور چالیس راتوں کا قیام ج۶ ص۸۴ حضرت موسیٰؑ کے طور پر جانے کے بعد قوم کی گوسالہ پرستی اور حضرت ہارونؑ سے قوم کا برتاؤ ج۶ ص۹۶ حضرت پیغمبرؐ نے معراج پر جاتے ہوئے طور پر بھی دو رکعت نماز پڑھی تھی ج۸ ص۲۹

○ طور کی لفظی تشریح ج۱ ص۶۳ - طسم کی تاویل میں بعضوں نے طا سے مراد طور لیا ہے - ج۱ ص۱۹

○ حضرت موسیٰؑ کا کوہ طور پر پہلی دفعہ گذر اور کلام کی ابتداء ج۱۱ ص۳۴ ۔حضرت موسیٰ کی وفات طور پر ج۱۱ ص۶۰

○ سورہ الطور کے خواص و فوائد ج۱۳ ص۱۳۴

○ طاہر و حلال میں فرق ج۵ ص۲۳ طہارت حیوان مذبوح ص۲۴ حنیفیت طاہرہ ج۲ ص۱۷ آیت تطہیر ج۱۱ ص۱۸۸

○ طاہر و طیب ج۱ ص۱۰۵ طہارت ج۲ ص۱۵۵ طہٰ ج۱ ص۲۱ ج۱۴ ص۱۳۱

○ طیبات کا بیان ج۵ ص۴۸ ص۴۹ ، طیب و خبیث برابر نہیں ج۵ ص۱۴۳ و ص۲۵

البلد الطیّب ۔ حضرت امام حسنؑ سے معاویہ نے پوچھا تیری اور میری ڈاڑھی کا قرآن میں کہاں ذکر ہے تو آپ نے آیت پڑھی جس کا مقصد ہے کہ پاکیزہ زمین اچھا فصل اُگاتی ہے اور خبیث زمین کم اُگاتی ہے - ج۶ ص۴۲

○ طیبین مومنین کو فرشتے سلام کریں گے ج۸ ص۲۰۵ ۔ طیبؔ مردوں کے لئے طیب عورتیں - ج۱ ص۱۲۷

ظاء

ظلم ۔ ظلم کی تین قسمیں ہیں - ج۸ ص۴۷ اپنے نفس پر ظلم ، مخلوق پر ظلم اور خدا پر ظلم اور احادیث میں ہے کہ خدا پر ظلم ہے شرک کرنا اور یہ ناقابل بخشش ہے اور بندوں کا حق کھانا ایسا ظلم ہے جس کا بدلہ لیا جائے گا اور اپنے نفس پر ظلم اگر اللہ چاہے تو بخش دے شرک ہوائے نفس کا کرشمہ ہے بندوں پر ظلم غضب کا نتیجہ ہے اور اپنے نفس پر ظلم شہوت کی پیداوار ہے پس ہوائے نفس سے کفر و بدعت جنم لیتے ہیں ۔ غضب خود پسندی اور تکبر کی جڑ ہے اور شہوت حرص اور بخل کی محرک ہوتی ہے ج۱ ص۴۴ جہنم کے پہلے دروازہ پر تحریر ہے جھوٹوں بخیلوں اور ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ص۴۶

○ ظالم کو عہدۂ امامت نہیں مل سکتا ۔یہاں ظلم سے مراد ہر قسم کا گناہ ہے ص۱۴۲

○ آل محمدؐ پر ظلم کرنے والوں کا بُرا حشر - ج۴ ص۲۹ اور مروی ہے کہ جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

کے فریضہ کو ترک کردیں تو خدا ان پر ظالم حاکم کو مسلط کر دیتا ہے۔ ج۴ ص۲۸ زنا چوری اور شراب خوری کو ظلم کہا گیا ہے۔ ج۵ ص۲۳۵

- افترا، کذب اور آیات کو جھٹلانا ظلم ہے ج۶ ص۳ حق ولایت کی تکذیب کرنے والا ظالم ہے۔ ج۶ ص۳۳
- مومن کے اوصاف میں سے ہے کہ وہ دوسرے مومن پر ظلم نہیں کرتا ج۶ ص۱۲۶ آل رسولؐ پر ظلم ج۷ ص۱۲۱ ج۱ ص۲۲۱
- اللہ پر افترا، بڑا ظلم ہے ص۱۵۵ ظالموں کی طرف جھکاؤ کی نہی ص۲۳۹ مظلوم کو خدا ظالم سے بدلہ دلاتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے مَنْ اٰذٰی جَارَهٗ وَرَّثَهُ اللّٰہُ دَارَهٗ جو اپنے ہمسایہ پر ظلم کرتا ہے اور تکلیف دیتا ہے خدا اس ہمسایہ کو اس کا وارث بنا دیتا ہے ج۸ ص۱۴۹ حضرت ابراہیمؑ کی دعا۔ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور امامت کا عہدہ ظالم حاصل نہیں کر سکتا۔ ص۱۵۸
- ظالم کی تباہی کے لئے سورہ نمل لکھ کر عمل کیا جا سکتا ہے۔ ج۸ ص۱۹۶ ظالم کی توبہ ص۲۲۲
- ظلم پستی کردار کا آخری درجہ ہے ج۸ ص۲۳۸۔ بروز محشر ظالم کو اپنے اعمال بد کی سزا ملے گی اور مظلوم کے بعض گناہوں کا بوجھ بھی اس پر ڈال دیا جائے گا جس طرح کہ مظلوم کو ظالم کی بعض نیکیاں دی جائیں گی ج۹ ص۱۶۰
- سورۂ حج کا عمل ظالم حکمران کا اقتدار ختم کرنے کے لئے ج۱۰ ص۶۔ مظلوموں کو اقتدار ملے گا اور ظالموں کو بدلہ دیا جائے گا۔ زمانہ رجعت ج۱۰ ص۱۴ و ۱۵
- کسی پر ظلم کرنا یا مظلوم کی مدد کر سکنے کے باوجود اس کی مدد نہ کرنا بدترین گناہوں میں سے ہے ج۱۱ ص۱۲۰
- حضرت لقمان حکیم نے اپنی وصیتوں میں ظالم کا ساتھ دینے سے منع فرمایا ہے ص۱۳۲
- ظالم اور مقصد کی تشریح ج۱۱ ص۲۶۵۔ ظالم کو ظلم کا بدلہ دینا ظلم نہیں بلکہ عدل ہے ج۱۲ ص۲۱۶
- تین ایسے شخص جن پر اگر ظلم نہ کیا جائے تو وہ ظلم کرتے ہیں (۱) کمینہ فطرت (۲) زوجہ (۳) مملوک غلام ج۱۲ ص۲۱۷

ظلمات ثلث کی تشریح ج۱۲ ص۱۱۳

ظہور قائم آل محمدؐ - ج۲ ص۱۹۳ و ص۱۹۹۔ ج۳ ص۱۰ و ص۲۴ و ص۲۷ ج۴ ص۹۱ ج۵ ص۲۷۲ ج۹ ص۲۱۲ و ص۲۵۲

- حضرت قائم آل محمدؐ کی آمد کا معجزہ یہ ہوگا کہ اس دور کے موجودہ تمام آلات سے ان کا قدم اوپر ہوگا ج۶ ص۴۲ اور حضرت موسیٰؑ کا پتھر ان کے پاس ہوگا ج۶ ص۱۰۲ جزیرہ خضرا کا قصہ ج۶ از صفحہ ۱۹۲ قائم کی آمد کے بعد سد سکندری توڑا جائے گا ج۹ ص۱۲۸ آمد قائم ج۱۰ ص۳۶ ص۱۵۲ و ص۱۹۱ ص۲۶۴ ج۱۱ ص۱۲ و ص۱۴ و ص۱۵۲ و ص۲۵۴ و ج۱۴ ص۱۳۱
- ایک بنی اسرائیل کے واعظ کا چاندنی رات میں آنے والے قائم کی علامات کا بیان کرنا اور ادھر اچانک حضرت موسیٰؑ کی آمد ج۱۲ ص۱۵۳
- ظاہر و باطن قرآن ج۱ ص۱۱۲ ج۲ ص۱۶۴ ج۱ ص۱۰۴

○ ظہار کا بیان۔ ج۱۱ ص۱۵۷ ج۱۳ ص۲۳۲

ظن ج۸ ص۳۸۔ حجیت ظن (خبر واحد) ج۹ ص۲۹۔ حسن ظن ج۱۲ ص۱۸۵۔ سوءظن ج۱۳ ص۱۰۳

العین

عربی۔ قرآن عربی زبان میں اترا۔ ج۶ ص۶۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی زبان عربی تھی۔ ج۸ ص۴۶

عبدالمطلب۔ حضرت پیغمبرؐ محمد مصطفیٰ کے دادا تھے۔ انہوں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ مجھے دس فرزند عطا فرمائے تو میں اس کی رضا کے لئے ایک بچہ قربان کروں گا چنانچہ اللہ نے دس فرزند ان کو عطا فرمائے۔ اور قربانی کا قرعہ عبداللہ کے نام پر آیا پھر دوبارہ حضرت عبداللہ کا نام پھر سہ بارہ بھی آخرکار اونٹوں کا فدیہ دیا گیا اسی لئے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں ایک حضرت اسماعیل اور دوسرے حضرت عبداللہ۔ ج۴ ص۲۳

○ حضرت عبدالمطلب کی ابرہہ سے گفتگو اور واقعہ اصحاب الفیل ج۱۴ ص۲۶۴

○ عبادت گذار برصیصا نامی جس کو شیطان نے بہکا دیا۔ ج۱۳ ص۲۵۷۔ بلعم بن باعورا کا واقعہ ج۶ ص۱۳۱

○ عبادتِ علیؑ پر اعتراض اور اس کا دندان شکن مدلل و مبرہن جواب ج۱ ص۱۵۔ عبادت ابلیس ج۲ ص۸۸

○ عبادت ج۲ ص۱۶ و ص۱۹ ج۴ ص۲۳ عبادت کی حقیقت معرفت و ذکر ہے ص۹۵ ج۸ ص۲۶ و ص۱۹۵ ص۲۴۳

○ ایک عابد کی حضرت ابراہیمؑ سے بات چیت ج۹ ص۱۵۴۔ حضرت یحییٰ کی عبادت ج۹ ص۲۵۰ مَا عَبَدْتُكَ خَوْفًا مِنْ نَارِكَ وَلَا طَمَعًا فِي جَنَّتِكَ بَلْ وَجَدْتُكَ اَهْلًا لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ مقولہ امیرالمومنین ج۱ ص۲۵۱ دعا مانگنا بہت بڑی عبادت ہے ج۱۱ ص۱۶۱۔ عبادت کی دعوت عامہ ج۲ ص۲۹ عبدیت ص۸۰ ج۴ ص۲۳۔ ج۸ ص۱۹۵ ج۹ ص۱۴۷ ص۲۵۱

○ عباد اور عبید میں فرق۔ ج۳ ص۲۴۵

عبرت۔ ج۲ ص۸۸ و ص۱۱۰ و ص۱۱۵ و ص۱۲۱ و ص۱۲۰ ج۴ ص۵۵ و ج۵ ص۷۶ و ص۹۶ و ص۱۴۸ و ص۲۵۷ ج۶ ص۱۵ و ص۱۰۲ ص۱۶۴ ج۷ ص۱۰ ج۸ ص۲۲۴ ج۹ ص۳۱ و ص۹۹ ج۱۰ ص۳۸ و ص۱۵۶ و ص۱۷۱ و ص۱۸۷ و ص۲۰۷ ج۱۱ ص۱۵۳ و ص۹۱ و ص۲۴۳ و ج۱۲ ص۱۲۰ و ص۱۲۷ ج۱۳ ص۳۲ ج۱۴ ص۳۵ و ص۱۷۱ و ص۱۹۸ قوم احقاف کا انکشاف ج۱۳ ص۳۳

عدت۔ طلاق کی عدت ج۲ ص۷۰ عدت وفات ص۸۳ عدت کی مصلحت ج۳ ص۱۰۱

عزاداری ۔ عزاداری کی غرض وغایت ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۱۹ ۔ عزاداری پر خرچ کرنا ج۳ ص۱۱۱

○ عزاداری کے مراسم میں اصلاح کی ضرورت ج۵ ص۲۵۸

عزیرؑ کا ذکر ۔ ج۳ ص۱۴۵ و ص۱۴۸

عرش کا ذکر ۔ اللہ کے عرش پر ہونے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ مکان کا پابند ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمام علوی و سفلی مخلوقات پر اس کو حق حکومت حاصل ہے چنانچہ ج۶ ص۷۲ اور ج۹ ص۱۷۲ و ج۱۱ ص۱۴۴ و ج۱۳ ص۲۱۳ پہ اسی کی طرف اشارہ موجود ہے تخلیق ارض و سما اور عرش کا پانی پر ہونے کا مقصد ج۷ ص۱۹۲ ۔ شب معراج جب حضرت پیغمبرؐ عرش پر پہنچے تو دیکھا ساق عرش پر علیؑ کا نام تحریر تھا ۔ ج۸ ص۲۶۷ ۔ عرش کے سامنے مقام محمود ہے جہاں حضرت پیغمبرؐ بروز محشر تشریف فرما ہوں گے ۔ ج۹ ص۶۱

○ حاملین عرش ۔ ج۱۲ ص۱۴۳ و ج۱۴ ص۹۴

عزّیٰ ۔ عزّیٰ نامی ایک بت تھا جس کی زمانہ جاہلیت میں پوجا کی جاتی تھی اور ایک قول کے مطابق عزّیٰ نامی ایک بہت بڑا درخت تھا جس کی قبیلۂ غطفان عبادت کرتے تھے ۔ ج۱۳ ص۱۵۶

عدل ۔ عورتوں کے معاملہ میں عدل اسلامی کی تشریح ج۳ ص۹۹ و ج۴ ص۱۱۱

○ عدل و انصاف کا حکم ج۵ ص۲۷ و ج۸ ص۲۳۶ ۔ مفسدین کو سزا عین عدل ہے ج۵ ص۱۹۵

○ بعض مسلمانوں کا حضورؐ کی عدالت پہ اعتراض اور اس کا جواب ج۶ ص۲۷ ۔ حضرت یوسف کی عادلانہ حکومت ج۸ ص۴۹ و ص۵۲ ۔ حضرت مہدی زمین کو عدل سے پُر کریں گے ج۱۲ ص۲۳۷

عثمان ۔ کا جمع قرآن مقدمہ تفسیر ص۱۳۱ ۔ عثمان کا قرآن جلانا ۔ مقدمہ ص۱۴۱ جنگ احد میں ج۴ ص۷

○ آیت میں سرزنش ج۵ ص۱۱۸ و ص۱۲۴ و ج۸ ص۱۵۰ و عثمان بن مظعونؓ صحابیٔ رسول کا ذکر ج۷ ص۲۸ ج۵ ص۲۳۹

○ عَبَسَ وَتَوَلّٰی کا مصداق ۔ ج۱۴ ص۱۷۵

عرس کی رسم بد ۔ ج۱۲ ص۵۱

عصائے موسیٰؑ میں کراماتی پہلو ج۱ ص۱۰۶ ج۵ ص۲۴۶ و ج۸ ص۱۱۹ و ج۱۲ ص۲۶۳ ۔ عصا کی حقیقت ج۲ ص۱۱۶ ج۶ ص۶۶ ج۱۱ ص۳۳ عصا کی فضیلت ۔ ج۱ ص۶۹ و ص۹۴

○ حضرت پیغمبرؐ کا معجزہ عصا ج۱ ص۱۸ عصائے موسیٰؑ و الواح آل محمدؐ کے پاس ہیں ج۶ ص۱۰ عصائے موسیٰؑ کے فوائد ج۱ ص۱۰۵

○ عصائے سلیمانؑ کا معجزہ ج۸ ص۲۳ ۔ عصائے بلقیس جو سلیمان کے امتحان کے لئے بھیجا گیا تھا ۔ ج۸ ص۲۴۳

عصمتِ انبیاء ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۹۲ ج۹ ص۲۰۹ و ج۱۳ ص۴۸ حضرت آدمؑ کا جنت سے خروج منافی عصمت نہیں ج۲ ص۸۹

○ حضرت آدمؑ کی عصمت پر اعتراض اور اس کا جواب ج۲ ص۹۴ و ص۹۸ ۔ عہدۂ امامت ظالم کو نہیں دیا جا سکتا پس

امام وہ ہوسکتا ہے جو معصوم ہو۔ ج۲ ص۱۷۲۔ چونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں لہذا ان کا صحیح مقام وہی ہوسکتا ہے جو معصوم ہو ج۱ ص۸۹ صفتِ عصمت نور ہے۔ ج۲ ص۲۰۵ ج۷ ص۱۰۵۔ عصمت یوسفؑ ج۸ ص۲۴

○ حضرت یونسؑ کی عصمت پر بحث ج۹ ص۲۴۶ حضرت ابراہیمؑ کی عصمت ج۷ ص۲۰۱ حضرت موسیٰؑ کا قبطی کو قتل کر کے اپنی طرف ظلم کی نسبت دینا اور اس کی توجیہہ ج۱۱ ص۲۵۔ حضرت داؤدؑ کا امتحان اور مقام عصمت ج۱۲ ص۸۴ و ص۸۵۔ حضرت سلیمانؑ کی عصمت پر بحث ج۱۱ ص۹۲

عقل کا مقام ج۱ ص۱۶۹، بے عقل پر کنٹرول کا حکم ج۲ ص۱۱۸۔ عقل کی عظمت ص۱۰ ج۴ ص۷۶ ج۱۳ ص۱۰۷

عکرمہ ۔ عکرمہ ابن ابی جہل کا اسلام قبول کرنا۔ ج۱۱ ص۱۴۱

عکاظ ۔ عربوں میں سالانہ اجتماع کے لئے ایک مقام مخصوص تھا جس کو عکاظ کہتے ہیں یہاں ایک عظیم اجتماع ہوا کرتا تھا اور یہ اجتماع فاسق و فاجر لوگوں تک محدود نہیں تھا بلکہ عرب کے دانشور بھی اس میلہ میں شریک ہوتے تھے۔ شعراء عرب اور فصحاء و بلغاء و ادبا کا جم غفیر یہاں ہوتا تھا۔ پس شعراء اپنا کلام منظوم اور خطباء اپنا کلام منثور دانشوروں کے طبقہ میں پیش کرتے تھے پس شاعر اعظم یا خطیب اعظم یا ادیب اعظم کا ایک بورڈ کے ذریعے انتخاب عمل میں لایا جاتا تھا چنانچہ اسی میلہ میں حضورؐ تشریف لائے اور قرآن مجید کی بعض آیات کی تلاوت فرمائی جس کے سامنے فصحاء و بلغاء و خطباء و ادباء کی گردنیں جھک گئیں اور قرآن مجید کو بے مثال ولاجواب کلام قرار دیتے ہوئے انہیں ماننا پڑا کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔

○ حضرت پیغمبرؐ نے زید بن حارثہؓ کو اسی اجتماع میں تشریف لا کر اس کے باپ سے قیمتہً خرید فرمایا تھا۔ اور یہی زید حضرت پیغمبرؐ کا متبنّیٰ تھا ج۱۱ ص۱۵۷۔ عکاظ کی طرف آتے ہوئے مقام نخلہ پر آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ قوم جن کے بعض افراد نے شرف اسلام قبول کیا۔ ج۱۳ ص۳۴ ج۱۴ ص۱۱۵

علیؑ ۔ حضرت علیؑ قرآن کی رو سے چوتھے خلیفہ ہیں۔ پہلا آدمؑ، دوسرا داؤدؑ، تیسرا ہارونؑ چوتھا علیؑ خلیفہ پیغمبرؐ ہے۔ ج۲ ص۸۴ ج۵ ص۱۸۶۔

○ حضرت علیؑ کو اللہ نے منتخب فرمایا اور پیغمبرؐ نے غدیر میں اعلان کیا۔ مقدمہ ص۹۲ ج۵ ص۲۸ و ص۱۰۶ و ص۱۲۹ و ج۳ ص۱۱۸ و ص۱۱۹۔ مقدمہ ص۸۸۔ ج۱۱ ص۱۶۰

○ حضرت عمارؓ کو پیغمبرؐ کا فرمان کہ اختلاف کی صورت میں علیؑ کو نہ چھوڑنا۔ ج۵ ص۸۲ و ص۲۵

○ حضرت علیؑ کا مقام ج۶ ص۱۳۷ تا ص۱۳۹ علیؑ کی نامزدگی۔ ج۱۱ ص۱۰۷ ج۲ ص۱۰۰۔ مقام علیؑ مقدمہ ص۱۵۸ ج۵ ص۸۸

○ حضرت علیؑ کی ایک ہزار رکعت روزانہ نماز پر اعتراض اور اس کے دندان شکن جوابات۔ مقدمہ تفسیر ص۵۱

○ علی مع القرآن مقدمہ ص۶۵ و ص۲۰۶ ج۵ ص۳۶ و ص۶۴ و ج۹ ص۷۶۔ صحابہ کا اعتراف ص۸۱۔ دعویٰ سلونی ص۸۲

- علیؑ کے اندر انبیاء کے کمالات موجود ہیں۔ مقدمہ ص ۱۰۹۔ ایک رکاب سے دوسری رکاب تک ختم قرآن مقدمہ ص ۴۹
- بغض علیؑ منافق کی نشانی ہے۔ مقدمہ ص ۱۲۶۔ علیؑ حافظ قرآن ہے۔ مقدمہ ص ۱۳۲
- حضرت علیؑ کا مقام۔ مقدمہ ص ۱۵۸ و ص ۴۲۶ موازنہ مقدمہ ص ۱۴۰۔ صراط مستقیم۔ مقدمہ ص ۱۶۳ ج ۱۳ ص ۱۰۷ ج ۸ ص ۱۴۸
- علیؑ کے پاس صحابہ کی جماعت کا آنا بقول ابن قتیبہ مقدمہ ص ۱۶۹ علیؑ کی محبت بمقدمہ ص ۲۳۶ ج ۱ ص ۲۲۱ ج ۱۲ ص ۵۰
- حضرت علیؑ کی مناجات۔ اے اللہ میں تیری عبادت نہ جہنم کے ڈر سے اور نہ جنت کے لالچ میں کرتا ہوں۔ بلکہ اس لئے تیری عبادت کرتا ہوں کہ تو عبادت کے لائق ہے۔ ج ۴ ص ۸۔ ج ۹ ص ۱۵۲
- علیؑ باب حطہ ہے۔ ج ۲ ص ۱۱۵۔ علیؑ کا دشمن محمدؐ کا دشمن ہے۔ ج ۲ ص ۱۳۰ ج ۱ ص ۲۲۱
- اَنَا وَعَلِیٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ ج ۲ ص ۱۳۲ دابۃ الارض کی تاویل علیؑ ہیں۔ ج ۱ ص ۲۶۳
- علیؑ کی دعا پر اعتراض کرنے والے کا انجام عبرتناک ج ۲ ص ۱۴۶۔ حدیث ثقلین۔ ج ۵ ص ۲۵ ج ۶ ص ۶۰
- علیؑ جامع اوصاف کمال ہے۔ ج ۲ ص ۲۱۱۔ حامل لواء علیؑ ہیں۔ ج ۱۲ ص ۲۴۸
- علیؑ حبل اللہ ہے ج ۴ ص ۲۵۔ کعبہ میں حضرت علیؑ کی ولادت با سعادت ج ۱۲ ص ۸ ج ۱ ص ۶۲
- جنگ احد میں حضرت علیؑ کے جسم اطہر پر ساٹھ سے زیادہ زخم لگے تھے۔ ج ۴ ص ۵ و ص ۹۲ اسی زخم تھے ص ۶۳
- حضرت علیؑ منادی ہوں گے ج ۴ ص ۹۸۔ علیؑ گزشتہ انبیاء سے افضل ہیں۔ ج ۳ ص ۲۴۶
- حضرت علیؑ کو ہجرت کے وقت ابوسفیان کی شرارت ج ۴ ص ۹۹ وفائے عہد اور خلافت علیؑ ج ۵ ص ۹
- حضرت علیؑ کی مناجات۔ اے اللہ میرے فخر کے لئے کافی ہے کہ تو میرا پروردگار ہے اور میری عزت کے لئے کافی ہے کہ میں تیرا عبادت گذار ہوں۔ نیز عرض کی۔ اے اللہ میں نے تجھے اپنا رب پایا جیسے میں چاہتا تھا۔ پس تو مجھے اپنا ایسا عبد قرار دے جیسے تو چاہتا ہے۔ ج ۵ ص ۸ قرآن مجید میں جہاں کہیں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وارد ہوا ہے تو ان کے رئیس و امیر حضرت علیؑ ہیں۔ ج ۵ ص ۱۱
- علم علیؑ ج ۵ ص ۲۶ ایک یہودی عالم سے سوال و جواب ج ۵ ص ۱۹۲۔ امام شکم مادر میں بھی سن سکتا ہے ج ۵ ص ۲۴۹۔
- مدینۃ العلم ج ۶ ص ۶۰
- حضرت علیؑ کے لئے ردّ شمس اور ابومنصور مظفر کا واقعہ ج ۶ ص ۸۶
- حضرت علیؑ صدیق ہیں۔ ج ۶ ص ۸ ج ۱۲ ص ۱۸۔ علیؑ ایمان کل ہیں۔ ج ۱ ص ۱۴۳۔ ج ۱۲ ص ۱۲۳ و ص ۱۴۹
- حضرت علیؑ کے فضائل دوستوں اور دشمنوں نے چھپائے دوستوں نے ڈر سے اور دشمنوں نے حسد سے لیکن جب تشدد کا شکنجہ ڈھیلا ہوا اور زبانوں سے پہرے اٹھے تو دنیا نے دیکھ لیا کہ علیؑ کے فضائل نے زمین و آسمان کی وسعتوں کو بھر دیا۔ ج ۶ ص ۸۵۔ حضرت علیؑ کے پاس ۷۲ اسم اعظم تھے۔ ج ۱۳ ص ۱۱۱

○ مقام اعراف پر علیؑ ہوں گے۔ ج ۴ ص ۳۴۔ علیؑ کے ساتھ عثمان کا جھگڑا۔ ج ۲ ص ۱۵۰

○ علیؑ مع الحق۔ ج ۶ ص ۶۰۔ ج ۸ ص ۱۶۰۔ ج ۹ ص ۹۰۔ سیرت علیؑ ج ۱ ص ۲۰۔ میزان علیؑ ہے۔ ج ۱۳ ص ۱۴۹

○ حضرت علیؑ کا بتولؑ کو صبر کی تلقین کرنا۔ ج ۴ ص ۵۴۔ بیعت کا مطالبہ ج ۶ ص ۹۰، ص ۹۸ و ص ۲۵۲

○ حضرت علیؑ الواح موسیٰؑ کے عالم تھے اور یہ علم جفر تھا۔ ج ۴ ص ۱۴

○ حضرت علیؑ نے راس الجالوت سے امت موسوی کی فرقہ بندی کے متعلق سوال کیا ج ۲ ص ۱۰۶

○ خلافت کے بارے میں حضرت علیؑ کی ابوبکر سے تفصیلی گفتگو اور سوال وجواب اور پھر عمر کی دخل اندازی۔ ج ۳ ص ۲۳۹ تا ص ۲۴۲۔ علیؑ اور امیر شام کے درمیان شاہ روم کی مصالحانہ کوشش۔ ج ۲ ص ۲۰۴ و ص ۲۰۵

○ روز میثاق حضرت علیؑ کی کا اقرار لیا گیا۔ ج ۲ ص ۱۳۰ مقدمہ ص ۱۵ ج ۱ ص ۱۶۱

○ حضرت علیؑ میں اوصاف انبیاء موجود تھے۔ ج ۲ ص ۱۳۰ ج ۳ ص ۱۴۸

○ سورہ برأت کی تبلیغ پر حضرت علیؑ کو مامور فرما کر حضرت پیغمبرؐ نے بھیجا۔ ج ۲ ص ۸ و ج ۵ ص ۱۹۲ و ج ۷ ص ۳۷

○ مقام تفاخر میں حضرت علیؑ نے اپنا اسلامی و ایمانی اقدام بیان فرمایا اور اللہ نے آیت نازل فرمائی۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ الآیہ ج ۲ ص ۳۰

○ جنگ تبوک میں حضرت علیؑ مدینہ میں بحیثیت قائم مقام پیغمبرؐ کے ٹھیرے تھے ج ۲ ص ۱۰۱

○ حضرت علیؑ سابق الایمان ہیں۔ ج ۲ ص ۱۱۱۔ مرنے والے کے سرہانے علی۔ ج ۲ ص ۱۶۱

○ حضرت علیؑ شاہد رسولؐ ہے۔ ج ۲ ص ۱۹۹۔ لسان صدق علی ہیں۔ ج ۱ ص ۲۱۰

○ اِذَا اعْتَلٰى قَدَّ وَ اِذَا اعْتَرَضَ قَطَّ۔ یعنی حضرت علیؑ اوپر سے وار کرتے تھے تو برابر دو حصوں میں چیر دیتے تھے اور ایک جانب سے وار کرتے تھے تو دشمن کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ج ۴ ص ۲۹

○ جنت میں درخت طوبیٰ کی اصل علیؑ کے گھر میں اور شاخیں مومنوں کے گھروں میں ہونگی۔ ج ۲ ص ۳۳

○ حضرت علیؑ کے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔ حد سے بڑھانے والے غالی اور گھٹانے والے مقصر ناصبی اور یہ دونوں فرقے کفار کے حکم میں ہیں۔ ج ۸ ص ۱۶۶

○ حضرت علیؑ کی مثال شب معراج ج ۷ ص ۲۶۶

○ جانشین پیغمبرؐ کے لئے ستارے کی آمد ج ۳ ص ۱۴۵

○ حضرت علیؑ کی معراج دوش پیغمبرؐ پر ج ۹ ص ۸ ج ۱۳ ص ۸۴ ذکر علیؑ عبادت ج ۱۴ ص ۱۹۷

○ علیؑ کی بت شکنی کا منظر ج ۹ ص ۱۴ ج ۱۳ ص ۸۴ ایذاء علیؑ ایذاء رسولؐ ہے۔ ج ۱ ص ۲۱۳

○ حضرت علیؑ کا چادر پر سوار ہو کر اصحاب کہف کے پاس جا کر بات چیت کرنا حدیث بساط۔ ج ۹ ص ۸۳ ج ۱۴ ص ۱۱۱

- حضرت علیؑ اور خضرؑ کی گفتگو ج۹ صـ۱۲۱ ۔ موسیٰؑ و خضرؑ کا علم حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ج صـ۲۳۹
- حضرت علیؑ کے فضائل کی کوئی حد نہیں۔ ج۹ صـ۱۳۲ ۔ فضائل علیؑ بزبان پیغمبرؐ ج۱۳ صـ۱۵۲
- حضرت علیؑ نے تلوار کیوں نہیں اٹھائی؟ ج۹ صـ۱۹۹ ، ج۱۳ صـ۹۱
- حضرت علیؑ گلیوں کوچوں میں گشت کر کے بھولے بھٹکے ناتواں نادار اور مسافر لوگوں کی خبر گیری کیا کرتے تھے اور دکانداروں کو مواعظِ حسنہ سے سرفراز فرماتے تھے۔ ج۱۱ صـ۶۱
- حضرت پیغمبرؐ کی تصدیق کرنے والے پہلے شخص حضرت علیؑ تھے۔ ج۱۱ صـ۴۶
- حضرت علیؑ کی ابوبکر سے جناب فاطمہؑ کی عظمت کے موضوع پر بحث ج۱۱ صـ۱۱۵ و صـ۱۱۶ و صـ۱۱۷
- شب معراج حضرت پیغمبرؐ نے ملک الموت سے تبادلہ خیالات کیا تو عزرائیل نے جواب دیا کہ تمام ذوی الارواح کی روحیں میں قبض کرتا ہوں لیکن علیؑ اور آپ کی روحوں کا قبض کرنا میرے اختیار سے باہر ہے بلکہ اللہ خود ہی اپنی مشیت سے آپکی روحوں کو قبض کرے گا۔ ج۱۱ صـ۱۴۷ علیؑ کے باقی فضائل صـ۱۴۷
- حضرت پیغمبرؐ کا دعا مانگنا اے اللہ علیؑ کے صدقہ میں میری امت کے گناہ معاف کر دے اور علیؑ عرض کر رہے تھے کہ اے اللہ حضرت پیغمبرؐ کے صدقہ میں میرے شیعوں کے گناہ بخش دے۔ راوی ابن مسعود ج۱۳ صـ۱۱۸
- حضرت علیؑ کی عبادت کی بلندی جس میں کوئی دنیاوی خیال نہیں۔ ج۱۴ صـ۱۲۱
- صالح المومنین سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ ج۱۱ صـ۱۴ علی کا مقام بلند صـ۸۰ و صـ۸۱ ج۱۴ صـ۲۴۷
- حضرت علیؑ کے ابوتراب لقب کی وجہ یہ ہے کہ زمین ان کی بدولت باقی ہے۔ ج۱۴ صـ۱۲۷
- صحابہ کرام علم کے معترف تھے مقدمہ صـ۸۱ ج۳ صـ۱۹۹ ۔ علم الکتاب حضرت علیؑ کے پاس ہے۔ ج صـ۱۴۲
- علم علیؑ ۔ مقدمہ صـ۸۳ و صـ۸۶ و صـ۱۳۳ و صـ۱۵ و صـ۱۲۵ ۔ حضرت علیؑ نے ابن عباس کو فرمایا کہ اگر تفسیر کرنے بیٹھ جاؤں تو صرف فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بار ہو سکتے ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ میرا اور تمام صحابہ کا علم علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے پانی کا ایک قطرہ سمندر کے مقابلہ میں۔ ج۲ صـ۱۱ ج۲ صـ۱۹۶
- أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا ج۲ صـ۱۱ و ج صـ۶ ۔ نقطہ بائے بسم اللہ ج۲ صـ۲۶ و صـ۲۷
- حضرت علیؑ نے فرمایا اگر چاہوں تو چالیس اونٹ بار بسم اللہ کی تفسیر سے بار کر دوں۔ ج۲ صـ۲۷
- حضرت علی کا علمی افتخار ج۳ صـ۸۴ ۔ علیؑ امام مبین ہے۔ ج۳ صـ۱۱ ۔ علم کتاب علی کے پاس ہے۔ ج صـ۱۴۱
- حضرت علیؑ قرآن کے ظاہر و باطن کے عالم تھے۔ ج۳ صـ۱۲۴ ۔ مقدمہ صـ۱۰۴ و صـ۱۵۱ ۔ ج۱ صـ۱۷۷
- حضرت علیؑ گذشتہ انبیاء سے افضل ہیں۔ ج۱۳ صـ۲۴۶ و صـ۲۴۷ دعویٰ سلونی۔ ج۱۴ صـ۱۰۴
- علی بن یقطین کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا خط ج۵ صـ۹۶

عمل نام علیؑ ۔ دشمن کے دفع کرنے اور برکت کے لئے ۔ نماز صبح کے بعد پڑھے ۔ ۱۰ دفعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

یاقاھر العدو یا والی الولی　　　یا مظھر العجائب یا مرتضےٰ علی

۲۔ پابندی مکان و زمان و طہارت کے ساتھ ۔ دو رکعت نماز حاجت کے بعد بلا فاصلہ ۱۱۰ دفعہ درود شریف اور اس کے بعد ایک ہزار پانچسو ستر دفعہ یا علیؑ کا ورد کریں ۔ اختتام پر اپنے مقصد کی دعا مانگ کر آخر میں دس دفعہ درود شریف یہ دس راتیں مسلسل عمل کرے کامیابی ہوگی ۔ انشاء اللہ

۳۔ حل مشکلات کے لئے یا علیؑ کا نقش مثلث اپنے پاس رکھیں ۔

۴۔ عباس کے عدد ۱۳۳ ہیں ۔

نماز جمعہ کے بعد بلا فاصلہ بلا کلام ۱۳۳ مرتبہ کہے ۔ یا کاشف الکرب عن وجہ الحسین اکشف کربی بحق اخیک الحسین ۔

۵۔ ہمزاد کے لئے ۲۱ رات مسلسل باشرائط پڑھے ۔ کہ بعیت رحمٰن حاضر ہو شیطان تجھے حضرت علیؑ کی آن علی آیا علی آیا ۔ تاریک کمرہ میں بیٹھے اور پشت کی طرف چراغ ہو اور نظر کو اپنی سایہ کی گردن پر ٹکائے رکھے اور ہاتھ میں چھری ہو اور اس کا اشارہ گردن کی طرف ہو ۔

حصار کے لئے پڑھے :۔ یا حافظ یا حفیظ یا رقیب یا وکیل یا اللہ آگے محمد پیچھے محمد دائیں ہاتھ کو حضرت امام حسن بائیں ہاتھ کو حضرت امام حسین کلید داود پیغمبر قفل سلیمان علیہ السلام نگہبان پاک ذات اللہ بحق لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔　انگلی پر دم کرکے تین دفعہ پھر حصار کرے ۔

۶۔ دشمن کی ہلاکت کے لئے (مومن کے لئے نہ کرے) دستے کہ زدی مرۂ بن قیس یا صاحب اسرار یک بار دیگر بر کمر دشمن ما زن یا حیدر کرار　　یا حیدر کرار ۳۴۵ دفعہ تین رات مسلسل باشرائط پڑھے ۔ دشمن کا تصور کرکے غیر مستعمل چاقو کھول کر اس کا اشارہ دشمن کی طرف کرے ۔

۷۔ تسخیر کے لئے صبح سویرے سورج کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر نادِ علیؑ پڑھے اور جب تک پڑھتا رہے آنکھ نہ جھپکنے پائے سات دفعہ روزانہ اور ۲۱ دن پڑھے ۔

عالین کا معنی اور مصداق ج۱۲ ص۱۰۸

علم ۔ علم کی ضرورت ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۲ علم کی اہمیت اور علماء کا مقام ص۸ و ج۹ ص۱۷۵ ج۱ ص۷۶ علم تفسیر کا مقام ج۱ ص۲۱

- ○ علوم کی ترتیب ص۲۴ رزق کی تاویل علم ج۲ ص۳۵ ۔ علماء حق اور علماء سوء میں فرق ج۲ ص۱۲۸ ج۲ ص۲۰۴
- ○ علمائے صالحین کا مقام ج۲ ص۱۳۳ ج ص۹ ج۱۱ ص۲۶۴ ج۱۱ ص۲۶۴ ۔ اہل علم کی فضیلت ج۳ ص۲۰۶ علم و عمل ج۴ ص۸
- ○ علم غیب ۔ ج۴ ص۵۵ ج ص۱۴۵ ج ص۱۴۴ ج۵ ص۲۲۱ و ج۱۴ ص۳۱ و ص۱۲۴ ۔ ج ص۲۴۷ و ص۲۵۲ ج۱۱ ص۱۴۲

- علم قرآن اور صحابہ ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۵
- اللہ نے جاہلوں سے سیکھنے کا عہد بعد میں لیا اور علماء سے سکھانے کا عہد پہلے لیا ۔ ج۲ ص۹۴
- عالم اور متعلم کے لئے آداب و فرائض ۔ مقدمہ تفسیر ص۳۰ علم کی عظمت و آداب ج۹ ص۱۱۱
- علماء سوء کا حشر کیا ہوگا ۔ مقدمہ تفسیر ص۲۱۹ و ج۱۴ ص۱۹۴ ۔ عالم کی تقلید واجب نہیں ۔ مقدمہ تفسیر ص۲۱۲ و ص۱۷ و ص۲۰
- علماء سوء بدترین ہیں ۔ مقدمہ ص۱۹ و ج۱ ص۲۰۴ ج۲ ص۱۰۶ و ص۱۲۲ و ص۱۵۲ و ص۱۵۵ و ص۲۰۳ ج۹ ص۱۵ و ص۲۱۷ ج۱ ص۲۲۰ ج۱۲ ص۳۸ و ص۲۲۵ ج۱۳ ص۱۱۹ ج۱۴ ص۱۷ ۔ علماء سوء کے حق میں دعا مقبول نہیں ہوتی ۔ مقدمہ ص۳۰ سبط ابن الجوزی مقدمہ ص۸۴
- علماء یہود کا طرز عمل ج۲ ص۱۲۷ تا ص۱۲۹ ج۳ ص۹۴ ج۵ ص۲۵۹ ج۶ ص۲۲ ج۸ ص۹۷ ج۹ ص۱۱۳
- علماء کے خلاف ہنگامہ ج۶ ص۲۴۹ ۔ علم یوسفؑ ج۸ ص۲۳ ۔ علم وصی سلیمانؑ ج۱۱ ص۲۴۹
- اللہ کا علم عین ذات ہے ۔ ج۱۴ ص۲۲
- علم پیغمبرؐ ج۵ ص۱۰۸
- حضرت پیغمبرؐ کا علم عین ذات نہیں مَا کُنْتَ تَدْرِیْ کی تشریح ج۲ ص۲۲۱

علّیین کی تشریح ۔ ج۱۴ ص۱۹۱

- علامات ظہور قائمؑ ۔ ج۲ ص۲۰۴ ج۱۲ ص۲۴۶ ۔ علامات قیامت ج۱۲ ص۲۶۱ ج۱۳ ص۴۵
- عالم اکبر و عالم اصغر ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۴۲ ج۱۲ ص۱۹۵ ج۱۳ ص۱۱۴
- علامات مومن ۔ ج۲ ص۱۲۰ تا ص۱۴۲ ج۶ ص۹۵ ج۹ ص۲۸ ج۱ ص۸۵

عمّار ۔ حضرت عمارؓ سے ہی روایت منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر تمام لوگ ایک رخ کو اور تنہا علیؑ ایک رخ کو چلے تو تمام لوگوں کے رخ کو چھوڑ کر علیؑ کے رخ پر چلنا ۔ ج۵ ص۸۲ و ص۱۲۴ ج۶ ص۱۵۵ ج۶ ص۲۷ ۔ مقدادؓ و سلمانؓ و ابوذرؓ سے عمارؓ کا مرتبہ کم ہے ۔ ج۴ ص۵۹ و ج۶ ص۱۰۱ ۔ ایک دفعہ عمارؓ نے حضرت امیرؑ سے اپنے مقروض ہونے کی شکایت کی تو آپؑ نے فرمایا کہ پتھر اٹھالو اور میرے واسطہ سے دعا مانگو اللہ اس کو سونا بنا دے گا چنانچہ ایسا ہوا تو آپؑ نے فرمایا اس سے ضرورت کے مطابق توڑ لو اور باقی رکھ دو اور فرمایا اس کو میرا واسطہ دو تو وہ نرم ہو جائے گا کیونکہ میرے ہی وسیلہ سے اللہ نے داؤدؑ پر لوہا نرم کیا تھا چنانچہ عمارؓ نے علیؑ کا واسطہ دیا تو وہ نرم ہو گیا اور عمارؓ نے اپنی ضرورت کے مطابق لے لیا پس باقی پہلے کی طرح پتھر ہو گیا ۔ ج۲ ص۱۳۸

- عمار کا واقعہ اور تقیہ ج۶ ص۲۴۵ ۔ دابۃ الارض والی روایت عمارؓ سے منقول ہے ۔ ج۱ ص۲۶۲
- عمارؓ ساباطی صحابیِ امام جعفر صادق علیہ السلام کا واقعہ ج۲ ص۴۶
- حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ اے عمارؓ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا ۔ ج۱۴ ص۸۱

- عمرہ کا ذکر۔ ج۲ ص۲۰۳۔ عمرہ کا بیان۔ ج۳ ص۱۴ و ص۱۵ ج۵ ص۱۶۸ عمرہ قضا ج۱۳ ص۸۹
- عمران تین گزرے ہیں ایک موسیٰؑ کے والد دوسرے مریمؑ کے والد اور تیسرے ابوطالب جن کا نام عمران تھا ج۳ ص۲۱۸
- جناب مریمؑ کے والد عمران بن ماثان تھے ج۳ ص۲۱۹
- عمر نے رات کو اپنی عورت سے ہمبستری کی جبکہ رات کو بھی روزہ فرض تھا۔ ج۲ ص۲۳۶
- جنگ احد میں عمر ج۴ ص۵۹ جب لوگ چھوڑ بھاگے تو میں پہاڑ پہ چڑھ گیا۔ ج۴ ص۶۰
- اعلان غدیر کے بعد جب عمر بھی خلافت علیؑ کا عہد کر چکا تو جبرئیل نے انسانی شکل میں آکر اعلان کیا کہ اس عہد کو کوئی کافر ہی توڑے گا تو عمر کے پوچھنے پر پیغمبرؐ نے فرمایا وہ اعلان کرنے والا جبرئیلؑ تھا۔ خبردار اس عہد کو توڑنے کی کوشش نہ کرنا ورنہ خدا و رسولؐ و مومنین تم سے بے زار ہوں گے ج۵ ص۳۵۔ ہر نبی کی امت میں دو شیطان گزرے ہیں جو ان کی موجودگی میں ان کو نقصان پہنچاتے رہے اور بعد میں امت کو گمراہ کرتے رہے اس نبی کی امت میں چلتر اور زیرک دو آدمی تھے ج۵ ص۲۴۸
- کاغذ قلم دوات مانگی گئی تو عمر نے حَسْبُنَا كِتَابَ الله کہہ کر ٹھکرا دیا ج۵ ص۱۳۱ ج۱۴ ص۸۳
- حضرت علیؑ کی انگوٹھی کے بعد عمر نے بھی اسی کی نقل کی اور چالیس دن تک دیتا رہا لیکن آیت نہ اتری۔ ج۵ ص۱۳۳
- احیاء العلوم غزالی سے منقول ہے کہ عمر حذیفہ سے پوچھا کرتا تھا کہ میرا نام منافقوں میں تو نہیں ہے۔ ج۵ ص۱۴۵
- حضرت پیغمبرؐ سے جب کسی نے اپنے باپ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا تیرا باپ وہ نہیں جس کی طرف تو منسوب ہے تو عمر نے پیغمبرؐ کے سوال کے جواب میں کہا کہ میں اس قسم کا سوال کرتا ہی نہیں ہوں۔ ج۵ ص۱۴۷
- جنگ حنین میں عمر کا کردار ج۱ ص۳۴۔ عمر نے خاتونِ جنت کی سند پھاڑ دی۔ ج۹ ص۲۳ و ج۱۱ ص۱۱۴
- حدیث بساط میں عمر و ابوبکر کا مقام ج۹ ص۸۳
- حضرت علیؑ سے ابوبکر و عمر کی فدک کے بارے میں گفتگو ج۱۱ ص۱۱۵
- عمر نے حضرت علیؑ کے قتل کی تجویز پیش کی جس کے لئے خالد بن ولید کو چنا گیا لیکن ناکامی ہوئی۔ ج۱۱ ص۱۱۶
- جنگ خندق میں عمر کی بزدلی اور عمر بن عبدود سے مقابلہ کرنے سے گریز کا بہانہ۔ ج۱۱ ص۱۷۱ ج۵ ص۸۹
- عمر نے اپنی بیٹی کے منہ پر طمانچہ مارا۔ ج۱۱ ص۱۸۴۔ حضرت علیؑ کا عمر سے احتجاج ج۱۲ ص۲۴۵
- عمر کو حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میری محبت کی نشانی ہے علیؑ سے محبت۔ ج۱۲ ص۳۷
- ایک شخص کا عمر سے درخواست کرنا اور اس کا انجام ج۱۲ ص۲۶۷
- عمر کا تجسس اور ایک مدینہ کی عورت کا عمر کو تنبیہ کرنا کہ تمہارا تجسس قرآن کے منافی ہے ج۱۳ ص۱۰۴
- عمر کی ایک پادری سے گفتگو اور ناکامی پھر حضرت علیؑ کی مشکلکشائی۔ ج۱۳ ص۲۲۳

○ عمر کی یہودیوں سے میل جول ج۱۳ ص۲۴۳۔ عمر اور ہندہ مادر معاویہ ج۱۳ ص۲۴۱
○ عمر نے بوقت موت جزع فزع کیا اور ابن عباس سے کہا کہ میری گھبراہٹ علیؑ کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔
کاش پوری زمین سونا ہوتی اور میں سب کو فدیہ دیکر اس گھبراہٹ سے نجات پاتا۔ ج۵ ص۹۸

عمالقہ۔ عمالقہ کا مکہ پر غلبہ ج۲ ص۱۵۔ حضرت یوشع نے سات ماہ میں عمالقہ کے شہر اریحا کو فتح کیا۔ ج۵ ص۸۵
○ عمالقہ حضرت موسیٰؑ کی قوم کو عمالقہ سے جہاد کا حکم ہوا وہ اس وقت ایک بستی میں آباد تھے جس کا نام اریحا تھا اور
یہ بیت المقدس کے قریب تھی کیونکہ بیت المقدس کی بنیاد حضرت داؤدؑ نے
ڈالی تھی اس وقت قوم عمالقہ کا سردار عوج بن عنق تھا۔ ج۲ ص۱۱۳۔ یہودیوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم نہیں لڑیں گے
تو اور تیرا خدا خود جا کر ان سے لڑو۔ ج۲ ص۱۱۴ ج۵ ص۴۶
○ مصر کا بادشاہ قوم عمالقہ سے تھا جس کا اصل نام ریان بن ولید تھا۔ ج۸ ص۲۲

عاد۔ عاد قوم کا مسکن احقاف تھا۔ ج۱۱ ص۴۴۔ بہت طاقتور قوم تھی ان پر مبعوث ہونے والا نبی صالح تھا ج۱۲ ص۱۵۱

عوج۔ عوج بن عنق کا ذکر ج۵ ص۴۷۔ روایت کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ عوج ایک فرضی شخصیت ہے اور من گھڑت
افسانوں میں سے اس کا ذکر ایک افسانوی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ ہم نے تفسیر میں بھی اس کی تردید کی ہے۔
○ عربی زبان قرآن کی زبان ہے۔ ج۸ ص۲۔ حضرت یوسفؑ نے جب شاہ مصر سے عربی زبان میں گفتگو کی تو بادشاہ کے
سوال کے جواب میں فرمایا یہ میرے چچا اسمٰعیل کی بولی ہے۔ ج۸ ص۴۶

عورت صالحہ۔ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا جس شخص کو قلب شاکر لسان ذاکر اور عورت صالحہ مل جائے تو اس کو دین و
دنیا کی خوبی مل گئی۔ ج۳ ص۲۱ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا اگر غیر اللہ کا سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ شوہر کا سجدہ
کریں۔ ج۴ ص۸۲ حضرت لوطؑ کی پہلی بیوی بہت نیک تھی۔ ج۱۱ ص۴۰ اور حضرت اسحقؑ کی بیوی حضرت لوط کی بیٹی
تھی جس کا نام رباب بنت لوط تھا۔ ج۱۱ ص۴۰
○ حضرت لوطؑ کی دوسری بیوی ایک فتنہ تھی ج۱۱ ص۴۰ عورت کا فتنہ ج۳ ص۲۰۴ ج۹ ص۱۸۳
○ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا یحییٰ بن اکثم سے سوال کرنا کہ وہ عورت کونسی ہے جو ایک دن رات میں ایک مرد پر
○ پانچ دفعہ حلال اور پانچ دفعہ حرام ہو۔ ج۵ ص۱۷۱
○ عورت کا شادی کے لئے انتخاب ج۴ ص۵۵ ج۶ ص۱۴۶
○ عورت کی آزادی کا تصور۔ ج۳ ص۱۲۲ ص۱۲۴ ج۶ ص۱۴۶
○ عورت کی ایذا رسانی سے ممانعت ج۳ ص۷۳ تا ص۷۶
○ عورت پر اسلام کے احسانات ج۳ ص۹۳ و ص۱۰۲

- عورت ومرد میں مساوات ج۳ ص۹۷ و ج۵ ص۲۱ و ج۶ ص۱۴۶
- عہد شکنی کی مذمت ج۲ ص۵۷ و ص۱۴۷ ج۹ ص۲۹۔ یہودیوں سے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کے اقرار کا عہد لیا گیا تھا جس کو انہوں نے توڑ ڈالا۔ ج۲ ص۹۹ و ص۱۳۷ ہر نبی نے امت سے اپنے وصی سے وفا کرنے کا عہد لیا۔ ج۲ ص۱۰ ج۵ ص۲۴
- وفائے عہد اور خلافت علیؑ ج۵ ص۶۔ وفا عہد کی تاکید ج۵ ص۱۰ و ص۷۷ و ص۸۳ ج۶ ص۱۱۷ ج۸ ص۱۹ ج۸ ص۱۳۳
- عہد شکنی گناہ کبیرہ ہے۔ ج۵ ص۲۲۶ ج۱۰ ص۱۲۱ ج۱۴ ص۱۵۸۔ عہد و پیمان جو کفار سے تھے ان کی چار ماہ مدت مقرر کر دی گئی ج۷ ص۱۲ و ص۱۳
- فرزندان یعقوب کا عہد ج۸ ص۹ وفائے عہد اور صلہ رحمی ج۸ ص۱۲۲ ج۱ ص۵۷
- حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ سے عہد کر کے ان کو اپنا داماد بنایا تھا ج۱۱ ص۲۳

عید غدیر ۔ ج۵ ص۳۵ تا ص۳۸۔ نماز عیدین ج۱ ص۴۹

عائشہ کا قصۂ افک ج۱۰ ص۱۲۱۔ احترام عائشہ ج۱۰ ص۱۲۵۔ مومنوں کی ماں ج۱۱ ص۱۵۹

- واقعہ مغافیر پیغمبرؐ کی دو بیویوں کی سازش ج۱۴ ص۵۹۔ اِنْ تَتُوْبَا ص۶۳

عیب جوئی سے ممانعت۔ ج۵ ص۱۶۷، ج۷ ص۲۲۲ ج۱۱ ص۱۲ ج۱ ص۱۰۲

حضرت عیسیٰؑ ۔ قائم آل محمدؐ کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔ مقدمہ تفسیر ص۱۹

- حضرت عیسیٰؑ کے وصی حضرت شمعون تھے۔ ج۱ ص۱۰
- حضرت عیسیٰؑ کے معجزات ج۱ ص۱۳۹ ج۵ ص۱۸۱ ج۶ ص۲۶ ج۹ ص۱۴۰
- حضرت عیسیٰؑ کی والدہ پر یہودیوں نے تہمت لگائی۔ ج۲ ص۱۱۵ ج۹ ص۱۴۶
- حضرت عیسیٰؑ کی حضرت یحییٰ سے مشابہت ج۲ ص۲۲۴ حضرت عیسیٰؑ سات برس کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے ج۹ ص۱۴۶
- حضرت مریمؑ کو حضرت عیسیٰؑ کی بشارت ج۳ ص۲۳۴
- حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اور حضرت خاتم الانبیاء کی ولادت میں ۵۶۹ سال شمسی کا فاصلہ تھا۔ ج۵ ص۸۴ ج۱۲ ص۲۳۹
- حضرت عیسیٰؑ سے پہلے بنی اسرائیل میں موسیٰؑ کے بعد ایک ہزار انبیاء کی بعثت ہوئی۔ ج۵ ص۹
- حضرت عیسیٰؑ نے بوقت گرفتاری محمدؐ وآل محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگی تھی۔ ج۵ ص۹۰
- عیسائیوں کے تین گروہ ہیں، یعقوبیہ، نسطوریہ، ملکائیہ ج۵ ص۱۴۸
- حضرت عیسیٰؑ کے متعلق غلو کرنے والوں کو تنبیہ ج۵ ص۱۵۱
- نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ طیار کا حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بیان ج۵ ص۱۵۷
- نزول مائدہ ج۵ ص۱۸۲ و ص۱۸۳ اور جنہوں نے خیانت کی سور کی شکل میں مسخ ہو گئے۔ ج۵ ص۱۸۴
- حضرت عیسیٰؑ ماں کی طرف منسوب تھے ج۵ ص۲۳۷۔ حضرت عیسیٰؑ کا وعظ۔ ج۱۳ ص۲۱۹

- حضرت عیسیٰؑ کا کہنا کہ میں اپنے باپ کی طرف جاتا ہوں۔ توضیح مطلب ج ۶ ص ۱۴
- حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کربلا میں۔ ج ۹ ص ۱۴۳ تا ص ۱۴۵ حضرت عیسیٰؑ کی امت کے ۷۲ فرقے صرف ایک ناجی ج ۷ ص ۲۶
- حضرت مہدیؑ کی آمد اور حضرت عیسیٰؑ کا نزول ج ۹ ص ۲۵۲ ج ۱۲ ص ۲۴۶
- حضرت عیسیٰؑ کے پاس اسم اعظم کے دو حرف تھے۔ ج ۱ ص ۲۴۷
- حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کفار مکہ کی حضرت پیغمبرؐ سے گفتگو اور عنادی رویہ ج ۱۲ ص ۲۴۳
- حضرت عیسیٰؑ شب قدر میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ ج ۱۲ ص ۲۵۸
- حضرت عیسیٰؑ کی امت میں نجات پانے والے ج ۳ ص ۲۲۹
- حضرت عیسیٰؑ کی پیشین گوئی ج ۲ ص ۸ حضرت عیسیٰؑ کس حیثیت سے دوبارہ تشریف لائیں گے۔ مقدمہ تفسیر ص ۹۷ و ص ۹۸
- عیسیٰؑ بن زید بن علیؑ بن الحسینؑ کی لڑکی فوت ہوئی تو وہ اس بات پر بہت روئے کہ کاش ان کی لڑکی کو آخر عمر تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ میں سید زادی ہوں۔ مقدمہ تفسیر ص ۳۳

غین

غار ثور کا ذکر ج ۶ ص ۱۹۱۔ غار ثور کا محل وقوع ج ۵ ص ۵۵۔ آیت غار سے فضائل کا استنباط اور ان کا جواب ج ۵ ص ۵۴ تا ص ۶۴

- غار رقیم ج ۹ ص ۸۱ و ص ۸۲۔ حدیث بساط میں علیؑ کا غار کے دروازہ پر جانا ج ۹ ص ۸۳
- وہ سات آدمی جو دقیانوس کے ڈر سے نکلے تھے اور اب تک غار میں موجود ہیں۔ مفصل قصہ ج ۹ ص ۸۴ تا ص ۹۳
- اِنْ اَصْبَحَ مَاۗءُكُمْ غَوْرًا حضرت قائم آل محمدؑ کی غیبت کی طرف اشارہ ہے۔ ج ۱۴ ص ۸۱
- غدیری اعلان۔ مقدمہ تفسیر ص ۹۳ و ص ۱۱۱ ج ۱۳ ص ۱۴۶۔ حدیث غدیر ج ۵ ص ۲۸ تا ص ۸۲۔ میثاق غدیر ج ۵ ص ۱۷ و ص ۹۰ و ص ۹۷
- خم غدیر کا دور ج ۵ ص ۱۳۹ تا ص ۱۴۵۔ عہد غدیر ج ۲ ص ۱۳۰ و ص ۲۴۰ ج ۶ ص ۱۴۲ ج ۱۱ ص ۱۲۰ و ص ۱۹۳ ج ۱۴ ص ۶۴ و ص ۸۴ و ص ۹۱ و ص ۹۸ و ص ۹۹ و ص ۱۴۵

غرقابی فرعون۔ ج ۲ ص ۱۰۶۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ کی دعا اور غرقابی فرعون میں چالیس برس کا فاصلہ تھا ج ۷ ص ۱۷۹

- جبرئیل کا بشکل انسانی فرعون پر اتمام حجت کرنا اور اس سے نافرمان غلام کی سزا کا تعین کرانا کہ وہ دریا میں غرق کر دیا جائے چنانچہ جبرئیل نے اس سے لکھوا لیا اور جب وہ غرق کرنے لگا تو اس کا نوشتہ اس کے سامنے پیش کیا کہ یہ تیرا اپنا فیصلہ ہے۔ ج ۷ ص ۱۸۰ و ص ۱۸۱

غروبِ آفتاب کی نشانی مشرقی سرخی کا زوال ہے جو افطارِ صوم اور نمازِ مغرب کا وقت ہے۔ ج۶ ص۲۳۸

غزواتِ نبویہ کی فہرست ج۴ ص۴۴۔ غزوہ بنو نضیر کی تفصیل ج۱۱ ص۲۴۰۔ غزوہ بنو قریظہ ج۷ ص۱۸۸

غسل۔ غسل جنابت سنت ابراہیمی ہے۔ ج۲ ص۱۷۱۔ غسل جنابت کا ثواب۔ ج۲ ص۲۳۷۔ غسل حیض کا بیان ج۳ ص۵۳ تا ص۵۵

○ غسل میت ج۵ ص۲۴۔ غسل یوم غدیر مستحب ہے ج۵ ص۳۸۔ غسل جنابت کا وجوب ج۵ ص۵۲ و از ص۶۷ تا ص۷۰

○ غسل جمعہ و عیدین ج۲ ص۲۴۔ قوم لوط کی دیگر برائیوں میں سے ایک برائی یہ بھی تھی کہ وہ غسل جنابت نہ کرتے تھے۔ ج۷ ص۵۵ ج۱۲ ص۱۳۰

○ حضرت مریمؑ کے لئے اللہ نے نہر پیدا کر دی تاکہ غسل بھی کر لیں اور پانی بھی پئیں ج۹ ص۱۴۴۔ جنتی لوگ داخلہ جنت سے پہلے شراب طہور کے چشمے سے غسل کریں گے جس کی وجہ سے حسد و کینہ وغیرہ کی آلائشوں سے پاک ہو جائیں گے ج۹ ص۱۹۵۔ غسل جمعہ اور اس کے آداب ج۱۴ ص۲۲

○ غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ شہیدِ احد کا لقب ہے جس کو ملائکہ نے غسل دیا تھا ج۳ ص۳۰ ج۴ ص۱۲۹ و ج۱ ص۱۶۰

غصّہ کے وقت اپنے نفس پر جو قابو نہ پا سکے وہ شیعہ نہیں۔ ج۱ ص۱۳۵۔ غصہ کو ضبط کرنا متقی کی نشانی ہے ج۴ ص۵ ج۱۲ ص۲۱۷

○ غصہ کو دور کرنے کا طریقہ ج۷ ص۱۵۱

غلام احمد قادیانی کے عقیدہ موت مسیحؑ کی تردید ج۲ ص۲۴۲ تا ص۲۴۶

غلو کی تردید۔ ج۲ ص۱۵۹ ج۳ ص۲۶۶ ج۵ ص۱۵۱ ج۶ ص۱۲۱ و ص۱۵۰ ج۷ ص۱۲۲ و ص۱۹۵ و ص۲۳۰ ج۹ ص۱۴۸ و ص۲۵۵ ج۱ ص۱۳ و ص۱۱ ج۱۱ ص۴۵ و ص۲۵۱ و ج۱۲ ص۳۸

غلام مکاتب و مشروط ج۱ ص۱۳۵۔ غلام کا مال مولا کا مال شمار ہوتا ہے۔ ج۱ ص۱۵۰۔ غلمانِ جنت ج۱۳ ص۱۳۹ و ص۱۹۷

غلط طریقہ سے کمائی حرام ہے ج۲ ص۲۴۰۔ غلاف کعبہ ج۲ ص۱۰

غمِ حسینؑ ج۲ ص۱۳۹ و ص۱۹۹ و ص۲۰۰ ج۴ ص۹۰۔ غمِ حسین ایک مشن ہے۔ ج۵ ص۱۵۰ ج۷ ص۲۰۹ و ص۲۱۰

○ آدمؑ کا غم منانا ج۵ ص۹۴ و ص۹۵ غم صحابہ یوم احد ج۴ ص۶۷

غنیمت ج۷ ص۱۵۶، ج۸ ص۲۵ و ج۱۳ ص۷۰ اِنَّمَا غَنِمْتُمْ ج۷ ص۲۰۸

غَیبتِ امام۔ ج۵ ص۱۰۱

غِیبت ج۵ ص۲۲۸ ج۱ ص۱۴۸ و ص۱۶۲ ج۷ ص۱۲۳ ج۱۳ ص۱۰۲

غیرت۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے دشمن مقتول کی زرہ نہ اتاری اور فرمایا میری غیرت سے بعید ہے۔ ج۱۱ ص۱۷۵

غیر اللہ کو پکارنے کی مذمت۔ ج۷ ص۱۲۹ ج۱۰ ص۶۸ و ص۱۰۰ ج۱۱ ص۲۶۱ و ص۲۶۸

ف

الفاء

فتح ۔ یَستَفتِحُونَ کی تشریح اور یہودیوں کا نظریہ ج ۱ ص ۱۴۲

- فتح مکہ کی بشارت ج ۶ ص ۱۵۶ و ص ۱۵۸ ۔ فتح مکہ کے موقعہ پر عبداللہ بن امیہ یعنی ام سلمہ کے بھائی کا اسلام قبول ہوگیا ج ۹ ص ۲
- فتح اور مداولت ایام ج ۴ ص ۵ ۔ مومن کی فتح ج ۵ ص ۱۱۹ ج ۹ ج ۱ ص ۴۶ ج ۱ ص ۲۶۷ ج ۱۱ ص ۳ و ص ۵
- فتح اور کامیابی کا بھی ایک نشہ ہوا کرتا ہے ۔ ج ۶ ص ۶۰ ۔ فرقان کا معنی فتح بھی کیا گیا ہے ۔ ج ۶ ص ۱۹۱
- فتح مکہ کے وقت معاہدہ ۔ ج ۶ ص ۱۴ فتح مکہ کے بعد حج ہمیشہ کے لئے ماہ ذی الحجہ میں مقرر کی گئی ۔ ج ۶ ص ۴۸
- فتح مکہ کے روز حضورؐ نے چار آدمیوں کا خون مباح کیا تھا خواہ وہ استار کعبہ سے لپٹے ہوئے ہیں ۔ (۱) عکرمہ بن ابوجہل (۲) عبداللہ ابن اخطل (۳) قیس بن صبابہ (۴) عبداللہ بن سعد بن ابی السرح ج ۱۱ ص ۱۴۱
- حضورؐ کو فتح مکہ کی خوشخبری خواب میں دی گئی تھی ج ۱۲ ص ۵ فتح مکہ کے روز بلال نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی ج ۱۳ ص ۱۰۵
- سورہ فتح کے فضائل ج ۱۲ ص ۵۶ فتح مبین ص ۵۹ فتح مکہ ص ۸۴ فتح حنین ص ۸۵
- فتح مکہ کے پہلے اور بعد والوں میں مراتب کا فرق ج ۱۳ ص ۲۱۵
- فتح مکہ کے روز حضور نے کوہ صفا پر بیٹھ کر لوگوں سے بیعت لی اور ہند مادر معاویہ نے بھی بیعت کی ج ۱۳ ص ۲۷۱
- فتح کے لئے سورہ دہر ج ۱۴ ص ۱۴۵ اور النازعات ص ۱۹۸ سورہ فاتحہ ۔ ج ۲ ص ۲
- ابوجہل کی دعا کہ حق کو فتح نصیب ہو ۔ ج ۶ ص ۱۸۱
- فتویٰ دینے والا فقیہ ج ۱ ص ۲۲ و ص ۲۴ امام جعفر صادقؑ کی فتویٰ دینے کے بارے میں ابوحنیفہ سے گفتگو ۔ ج ۱ ص ۴۵
- علم کے بغیر فتویٰ دینے والے شخص پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں ۔ ج ۱ ص ۳۰
- ابوحنیفہ کا فتویٰ اور فقہی استدلال ۔ ج ۱ ص ۳۵

فترت کا زمانہ حضرت عیسیٰؑ اور خاتم الانبیاء کے درمیان کا زمانہ ہے اور اس زمانہ میں چار نبی مبعوث ہوئے ۔ یونس، یحییٰ شمعون اور خالد بن سنان عبسی علیہم السلام ج ۵ ص ۴۴

فدک ۔ مقدمہ تفسیر ص ۱۴۵ تا ص ۱۴۹ ج ۹ ص ۲۲ ج ۱۱ ص ۱۱۴ تا ص ۱۱۶ ج ۱۳ ص ۲۸ و ص ۲۵

- مقام فدک میں یہودیوں کی آبادی کے اسباب ج ۲ ص ۱۳۸ روزے کا فدیہ ج ۲ ص ۲۲۹ قتل کا فدیہ ج ۵ ص ۹۳
- حج میں شکار کا فدیہ ج ۵ ص ۱۲۵ جنگ بدر میں قیدیوں کا فدیہ ج ۶ ص ۱۸۵ و ص ۲۵۳ ، حنین میں فدیہ ج ۶ ص ۳۶

- فدیہ اسمٰعیلؑ ذبح عظیم ج۱۲ ص۶۵ قیامت کے دن مجرم سے کوئی فدیہ قبول نہ کیا جائے گا۔ ج۱۴ ص۱۰۲
- عمر نے بوقت وفات جزع فزع کیا اور ساری دنیا کو فدیہ دینے کی خواہش ظاہر کی۔ ج۵ ص۹۸

فرعون کا ذکر۔ ج۲ ص۱۰۵ و ص۱۰۶ تا ص۱۰۸ و ص۱۶۵ و ج۶ ص۱۴۶ ج۱۳ ص۲۴۱ ۔ دربار فرعون میں موسیٰ کا داخلہ ج۶ ص۶۵ ج۱ ص۱۹۲

- فرعون نے بلعم بن باعوراء سے موسیٰؑ کے خلاف بددعا کرنے کی خواہش کی تھی ج۶ ص۱۳۱
- فرعون کا جادوگروں کو جمع کرنا ج۶ ص۱۷۶ ۔ مفصل واقعہ تا ص۱۸۱ و ج۱ ص۱۹۶ و ص۲۲۵
- حضرت یوسفؑ کے زمانہ کا فرعون قابوس بن مصعب تھا ج۶ ص۱۴۲ ایک روایت میں ہے کہ اس کا نام ولید بن مصعب تھا اور یہی فرعون حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تھا اور حضرت یوسفؑ اور موسیٰؑ کے درمیان چار سو سال کا فاصلہ تھا۔ ج۶ ص۶۵
- حضرت موسیٰؑ کا ہاتھ فرعون کی ڈاڑھی میں ج۹ ص۱۰۵ ج۱۱ ص۲۲۔ فرعون کا تعاقب کرنا۔ ج۱ ص۱۹۷
- ابراہیمؑ کے زمانہ کا فرعون حرامزادہ تھا جس نے نبی کے قتل کا حکم دیا اور موسیٰؑ کے زمانہ کا فرعون اور اس کے مشیر حلال زادے تھے جنہوں نے نبی کے قتل کا حکم نہ دیا۔ ج۹ ص۲۳۳ و ص۲۳۴ و ج۲ ص۱۴۹
- فرعونی مظالم کی ابتداء ج۱۱ ص۸ موسیٰؑ فرعون کی گود میں ج۶ ص۱۶ تا ص۲۲
- رافضی کا لقب فرعونیوں نے جادوگروں کو دیا تھا جو باطل کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے ج۳ ص۴۶ اور فرعون کا لقب ذوالاوتاد تھا ج۱۲ ص۸
- فرعون کی مومنہ بیوی ج۱۴ ص۲۹ ۔ فرعونیوں پر متعدد عذاب ج۶ ص۸۰ مومن آل فرعون ج۱۲ ص۱۴۹

ڈاڑھ کے درد کا عمل جس ڈاڑھ میں درد ہو اسی جانب رخسار کے اوپر انگلی سے لکھا جائے (فرعون غرق شد) وہ تھوک دے پھر دوبارہ لکھے اور تھوکے تیسری دفعہ درد ختم ہو جائے گا۔ الگ الگ حرف بھی لکھے جا سکتے ہیں۔

ف ر ع و ن غ ر ق ش د

فروعی احکام میں کفار مکلف ہوا کرتے ہیں۔ ج۳ ص۵۴

فرقان کا معنی۔ ج۲ ص۲۳ ج۳ ص۱۹۰ ج۱ ص۲۲۵

فردوس کا گھر شہداء کو ملے گا۔ ج۲ ص۸۳ فردوس دراصل رومی زبان کا لفظ ہے اور جنت الفردوس جنت کے بہترین درجہ کا نام ہے اور جنت کی چار نہریں (دودھ، پانی، شراب اور شہد کی) اسی سے نکلتی ہیں اور یہ جنت کا بلند ترین مقام ہے ج۱ ص۱۳۲ ۔ جنت الفردوس کو باقی جنتوں سے وہ نسبت ہے جو محمدؐ و آل محمدؐ کی باقی مخلوق سے ہے ج۱ ص۱۵۶

فرشتہ پر بحث ج۱ ص۸۶ ۔ دو فرشتوں کی طرف جادو کی نسبت ج۱ ص۱۵۰ ۔ جبرئیل و میکائیل ج۲ ص۱۴۷

- فرشتے خاک شفا کو بطور تحفہ اوپر لے جاتے ہیں۔ ج۲ ص۱۲ جنگ بدر میں فرشتے ج۴ ص۴۴ ج۶ ص۲۳۹ و ص۲۴۲ تا ص۲۴۴

- انبیاء فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں۔ ج۲ ص۲۱۔ فرشتوں کی تعداد ج۳ ص۱۳ و ج۱ ص۱۴۸۔ فرشتوں کی تسبیح گذاری ج۲ ص۵۸
- رعد فرشتہ بادل کو چلاتا ہے۔ ج۳ ص۱۱۲۔ شب معراج فرشتے ج۲ ص۲۵۹ و ص۲۶۰
- اصحاب کہف میں سے ہر ایک کے لئے دو دو فرشتے مقرر ہیں جو ان کے پہلو بدلتے ہیں ج۳ ص۵۸
- فرشتوں کا آدم کیلئے جھکنا ج۲ ص۵۸ ج۹ ص۱۰۲ حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتوں کی آمد ج۱۱ ص۸۰ تا ص۸۱
- فرشتے کا حضرت ادریس کے ساتھ مکالمہ ج۹ ص۱۵۰۔ فرشتوں کے حلیے ج۱۱ ص۹۵۲
- شب معراج حضرت پیغمبرؐ سے ملک الموت فرشتے نے حضرت علیؑ کی احوال پرسی کی تو حضورؐ نے فرمایا تو علیؑ کو کیسے پہچانتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا نے تمام مخلوق کی قبض روح میرے ذمہ کی ہے لیکن آپ اور علیؑ میری گرفت سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ کی روحیں وہ خود اپنی مشیت سے قبض کرے گا۔ ج۱۱ ص۱۴۷۔ دربانانِ جہنم ج۴ ص۱۳۴
- فرشتوں کی ذکر آل محمدؐ سے دلچسپی ج۱۴ ص۱۵۔ فرشتوں کا نزول ج۱۴ ص۱۰۰ و ص۲۴۴ تا ص۲۴۶

فرقہ بندی ۔ حضورؐ نے فرمایا بنی اسرائیل کے بہتر۷۲ فرقے ہوئے اور میری امت کے تہتر۷۳ فرقے ہونگے ان میں سے صرف ایک ناجی ہوگا اور باقی سب دوزخی ہوں گے ج۱ ص۱۹۶ ج۴ ص۱۶ ج۵ ص۹۰ و ص۲۰۰ و ج۷ ص۸۳ و ص۱۰۳ و ص۱۴۰

- جن کے چہرے سفید نورانی ہوں گے ان کا علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں ہوگا۔ ج۲ ص۲۹

فشار قبر ۔ جو شخص سورہ نساء کی تلاوت کرتا رہے فشار قبر سے محفوظ ہوگا ج۳ ص۱۰۳

- نماز تہجد فشار قبر سے بچنے کا ذریعہ ہے ج۱ ص۵۱

فیصلے :۔ حضرت ابراہیمؑ کے اموال کے متعلق نمرودی حکومت کے قاضیوں کے فیصلے ج۱ ص۲۳۷

- حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ اور حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ ج۹ ص۲۴۰
- حضرت سلیمانؑ کی چیونٹی سے جواب طلبی۔ ج۱ ص۲۳۱ و ص۲۳۲ و ص۲۳۳
- ارکان دولت کے سامنے ملکہ بلقیس کی تقریر اور آخری فیصلہ ج۱ ص۲۴۱ تا ص۲۴۴
- ایک خارجی کا حضرت علیؑ کے فیصلہ پر اعتراض کرنا اور پھر سیاہ کتے کی شکل میں مسخ ہونا۔ ج۱ ص۲۴۸
- جنگ صفین کے موقعہ پر حکمین یعنی عمرو عاص اور ابوموسیٰ اشعری کا فیصلہ ج۱ ص۹۴
- ابوبکر کے دربار میں فدک کا مقدمہ اور خلیفہ کا فیصلہ۔ ج۱۱ ص۱۱۴
- حضرت داؤد کا فیصلہ۔ ج۱۲ ص۸۲ و ص۸۳ و ص۸۴ و ص۸۵۔ قاضی کوفہ ابن ابی لیلہ کے فیصلے۔ ج۱۲ ص۲۶
- غلط فیصلہ کرنے والے بروز قیامت اندھے محشور ہوں گے۔ ج۱۴ ص۱۲۴

فضہ ۔ خادمہ خاتون جنت کی قرآن دانی۔ ج۱۲ ص۲۵۳

فضول خرچی ۔ اللہ کو پسند نہیں ہے۔ ج۶ ص۲۵ و ص۱۹۴

فاطمہؑ ۔ جناب فاطمہؑ کا طلب حق اور احتجاج اور ابوبکر کا انکار حق فاطمہ ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۲۵ تا ص۱۲۷ و ج۵ ص۱۲۵ تا ص۱۲۸

- جناب فاطمہؑ اور حضرت علی علیہ السلام کا انصار سے طلب نصرت کرنا ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۲۶
- عمر کا دروازہ جلانے کی دھمکی دینا ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۲۶ ۔ ابوبکر و عمر کی معذرت خواہی ۔ ص۱۲۷
- احراق باب فاطمہ ص۱۲۷ ۔ ایذاء فاطمہؑ ایذاء رسولؐ ہے ج۸ ص۹ و ص۱۲۳ ج۱۱ ص۲۱۴
- اللہ نے چار عورتوں کو تمام عالم کی عورتوں پر منتخب فرمایا ۔ مریمؑ ۔ آسیہ ۔ خدیجہ ۔ فاطمہؑ ج۳ ص۲۲ و ص۲۲۹ ج۱۴ ص۷
- جس طرح جناب مریمؑ کے لئے اللہ کی طرف سے کھانا آتا تھا جناب فاطمہؑ کے لئے بھی آتا تھا ۔ ج۳ ص۲۲۲
- شکم مادر میں جناب فاطمہؑ زہراؑ اپنی ماں سے ہمکلام ہوا کرتی تھیں ۔ ج۳ ص۲۲۷
- جناب فاطمہؑ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں ۔ ج۳ ص۲۳۱ ج۷ ص۸۹
- جنگ احد میں پیغمبرؐ کے قتل ہونے کی خبر پھیلی تو جناب فاطمہؑ وہاں روتی ہوئی پہنچیں ۔ ج۴ ص۲۱ و ص۶۰ و ص۶۶
- فواطم ثلث ہجرت کے وقت حضرت علیؑ کے ہمراہ مدینہ پہنچیں فاطمہؑ زہرا بنت اسد اور فاطمہ بنت زبیر ج۴ ص۹۹
- جناب فاطمہؑ نے فرمایا خَلُّوا عَنِ ابْنِ عَمِّی الخ اے مسلمانو! علیؑ کو چھوڑ دو ۔ ورنہ میں سر کے بال پریشان کروں گی اور رسولؐ اللہ کی قمیص اپنے سر پر رکھ کر بد دعا کروں گی ۔ چنانچہ مسجد نبوی کی دیواریں بلند ہوئیں اور عذاب کے آثار نمودار ہوئے پس مسلمانوں نے عرض کی ۔ بی بی ! آپ بد دعا نہ کریں چنانچہ بی بی نے ہاتھ نیچے کر لئے ۔ ج۶ ص۳۰ و ص۵۴ و ص۲۵۲
- رونے والے پانچ ہیں (۱) آدمؑ فراق حوا میں (۲) یعقوبؑ فراق یوسفؑ میں (۳) یوسفؑ زندان مصر میں (۴) بتول معظمہؑ نے اتنا گریہ کیا کہ مسلمانان مدینہ تنگ آ گئے اور درخواست کی کہ دن کو روئیے یا رات کو روئیے (۵) حضرت امام زین العابدینؑ علیہ السلام کربلا کے بعد ۳۵ برس روئے ج۶ ص۳۹ و ص۴۰
- حضرت پیغمبرؐ نے شب معراج درخت طوبیٰ سے پھل کھایا اور نور فاطمہؑ اسی رات شکم خدیجہ کی طرف منتقل ہوا حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ فاطمہؑ کے پیار سے مجھے طوبیٰ کی خوشبو آتی ہے ۔ ج۸ ص۱۳۳
- فاطمہ کی شادی اللہ نے علیؑ کو دی ہے ج۸ ص۱۳۴ ج۱۳ ص۱۵۲ احترام فاطمہؑ ج۱ ص۶۴ ، تسبیح فاطمہؑ ج۱۱ ص۹۱
- فدک حق فاطمہؑ عطیہ پروردگار ہے ۔ وَآتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ ج۹ ص۲۲ تا ص۲۴ ج۱۱ ص۱۱۴
- حضرت پیغمبرؐ در دولت زہراؑ پر آیت تطہیر تلاوت فرماتے تھے ج۹ ص۲۱۱
- جب یہ آیت اتری کہ اے مسلمانو! رسولؐ اللہ کو اس طرح نہ بلایا کرو جس طرح ایک دوسرے کو بلایا کرتے ہو بلکہ یا رسول اللہ کر کے بلایا کرو تو جناب فاطمہؑ نے بھی عرض کی ۔ یا رسولؐ اللہ تو حضورؐ نے فرمایا ۔ بیٹی یہ خطاب تمہارے لئے نہیں ہے کیونکہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں بلکہ تم اباجان کر کے بلایا کرو کیونکہ یہ کہنا مجھے پسند ہے اور اس سے اللہ بھی خوش ہوتا ہے ج۱۰ ص۱۶۱

- اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کفو نہ ہوتا ج۱ ص۱۸۳ مرج البحرین علیؑ و فاطمہؑ ج۱۳ ص۱۸۲
- رسولؐ اللہ کی بیٹی ایک فاطمہؑ ہے ج۱۱ ص۲۱۶ ایثار فاطمہؑ ج۱۳ ص۲۵۴
- شب معراج جناب رسولؐ اللہ کو جناب فاطمہؑ کی مصیبت اور محسن کی شہادت کی اطلاع دی گئی تھی۔ ج۱۲ ص۲۳۶
- میدان محشر میں جناب فاطمہؑ کی آمد غُضُّوا اَبْصَارَکُمْ ج۱۳ ص۱۳۸

فاطمہؑ بنت اسد تعظیم پیغمبرؐ کے لئے کھڑی ہوتی تھیں ج۲ ص۲۲۷۔ مکہ سے مدینہ تک سفر ہجرت میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تھیں ج۴ ص۹۱۔ جناب فاطمہ بنت اسد کا تربیت پیغمبرؐ میں حصہ ج۵ ص۲۰۶
- کفن فاطمہؑ بنت اسد ج۵ ص۲۴۳ ج۲ ص۱۴۳ و ص۱۷۳ ج۹ ص۱۰۱ فاطمہؑ بنت اسد کے بطن مبارک سے حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کعبہ میں ج۱ ص۵۲ تا ص۵۴

فالج سے وہ انسان محفوظ رہے گا جو بوقت خواب آیۃ الکرسی کو پڑھ کر سوئے ج۳ ص۱۳۶
- فے و انفال ج۶ ص۱۵۶ و ج۱۲ ص۲۵۰

فوائد عصائے موسیٰؑ۔ ج۹ ص۱۷۵ و ص۱۷۶ فوائد حج ج۱ ص۲۶

فوٹوگرافی ص۲۳ تا ص۱۳۶۔ فکر کی دعوت ج۴ ص۹۵ و ج ص۱۴۱

فقہ۔ مقدمہ ص۱۲ و ص۲۳

قاف

ق۔ سورۂ ق کے فضائل ج۱۳ ص۱۱۱، کوہ قاف ص۱۱۱
- قادیانیوں کی رد مسئلہ حیات مسیح ج۳ ص۲۴۲ تا ص۲۴۶
- قبض روح حضرت نوحؑ ج۶ ص۴۴۔ قابض الارواح کی آمد ج۱۱ ص۱۴۵ و ص۲۰۴ و ج۱۴ ص۱۲۸

قائم آل محمدؐ۔ مقدمہ تفسیر ص۹۹۔ دعائے ظہور مقدمہ ص۱۰۴۔ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ میں غیب کی تاویل قائم آل محمدؐ سے کی گئی ہے ج۲ ص۵۲۔ قائم آل محمدؐ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو سزائے موت دیں گے۔ ج۲ ص۱۰۲ ج۵ ص۲۱۹
- قاتلان حسینؑ سے بدلہ لیں گے ج۱ ص۱۳۸ و ص۱۲۹ ج۲ ص۹۱ ج۵ ص۲۷۲ ظہور قائم آل محمد ج۲ ص۱۹۲ و ج۹ ص۱۱ و ص۲۵۹
- حضرت قائمؑ خاتم الائمہ ہیں۔ ج۵ ص۲۴ ج۵ ص۱۲۶
- زمانۂ غیبت میں امام کا انتظار کرنے والے خوف و حزن سے محفوظ ہوں گے ج۵ ص۲۲۹

- شیطان کو قائم آل محمدؐ کی آمد تک مہلت دی گئی ہے ج۶ ص۱۴ ج۶ ص۱۸۱ حسرت برائے ظہور قائمؑ ج۲ ص۸۳
- عصائے موسیٰؑ حضرت قائم آل محمدؐ کے پاس محفوظ ہے ج۱ ص۶۹ و ص۱۰۱
- اصحاب کہف یوشع بن نون مومن آل فرعون سلمان ابو دجانہ انصاری اور مالک اشتر قائمؑ کے ہمراہ ہوں گے۔ ج۶ ص۱۰۱ و ج۹ ص۹۴
- جزیرہ خضرؑ کا واقعہ ج۲ ص۱۹۲۔ عیسیٰ حضرت قائم آل محمدؐ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے۔ ج۳ ص۲۳ ج۹ ص۱۸۹ ج۱۱ ص۱۴۶
- قائم آل محمدؐ کے زندہ موجود ہونے پر حدیث ثقلین متواتر ناقابل تردید دلیل ہے ج۳ ص۱۱۳
- قمیص یوسفؑ بھی حضرت قائم آل محمدؐ کے پاس محفوظ ہے۔ ج۸ ص۷۹
- زمانہ حجت خدا سے خالی نہیں ہوتا۔ ج۸ ص۱۱۰۔ ایام اللہ سے مراد زمانۂ قائمؑ ہے۔ ج۸ ص۱۴۶
- اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ سے مراد حضرت قائم آل محمد علیہ السلام کا زمانہ ہے ج۸ ص۱۹۷ ج۹ ص۲۱۹
- قائمؑ کی آمد پر مومن لوگ دوبارہ زندہ ہو کر آپ کے ہمراہ ہوں گے ج۸ ص۱۰۱ ج۱ ص۲۵۸ ص۱۵۹
- مروی ہے کہ جو شخص سورہ بنی اسرائیل کی تلاوت متواتر کرتا رہے وہ قائمؑ کے ہمراہ اٹھے گا۔ ج۸ ص۲۵۳
- شب معراج حضورؐ کو قائم آل محمدؐ کی بشارت سنائی گئی۔ ج۸ ص۲۶۴
- حضرت خضرؑ حضرت قائم آل محمدؐ کے ہمراہ اور ان کے مونس ہیں۔ ج۹ ص۱۲۲
- آمد مہدیؑ کی پیشین گوئی۔ ج۱ ص۱۵۲ و ص۱۱۱ و ص۲۶۴ ج۱۱ ص۱ و ص۱۸ ج۸ ص۲۶۴
- ولادت حضرت قائم آل محمدؐ۔ ج۱۱ ص۱۲ و ص۱۵۳۔ دعائے ظہور ج۲ ص۱۹۴
- حضرت قائم آل محمدؐ کے زمانہ میں داؤدی فیصلے ہوں گے۔ ج۱۲ ص۸۸
- شب معراج حضرت پیغمبرؐ نے شبیہ قائم آل محمدؐ کو دیکھا۔ ج۱۲ ص۲۳۷

قارون۔ ج۱۱ ص۵۱۔ قارون کا ذریعہ آمدنی۔ ج۱۱ ص۵۳۔ قارون کا ایک بدکار عورت کو حضرت موسیٰؑ کے خلاف تیار کرنا۔ ج۱۱ ص۲۱۸

- قارون کا معذب ہونا اور حضرت یونسؑ سے اس کی گفتگو۔ ج۱۲ ص۴۳
- قارون سلطنت فرعونی میں وزیر خزانہ کے عہدہ پر مامور تھا۔ ج۱۲ ص۱۴۷

قابیل قاتل ہابیل ج۴ ص۱۰۶ ج۵ ص۹۰ تا ص۹۵۔ قابیل کی اولاد ج۶ ص۴۳ ج۱۱ ص۴۲

- جنوں میں پہلا گمراہ کن ابلیس اور انسانوں میں پہلا گمراہ کن قابیل ہے۔ ج۱۲ ص۱۸۲

قانون۔ قرآن مجید ایک ایسا قانون ہے جو انسان کی زندگی کو باوقار بنانے کے لئے اپنی مثال آپ ہے اس لئے کہ یہ اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ مقدمہ تفسیر ص۹۲

قبطی ۔ فرعون مصر قبطی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا بنو اسرائیل تمام قبطیوں کے مظالم کے شکار تھے ۔ ج۲ ص۱۰۵ ج۱۱ ص۷

- قبطیوں پر عذاب ج۸ ص۶ ۔ قبطیوں کے زیورات بنی اسرائیل کے پاس تھے اور قبطیوں کے غرق ہونے کے بعد سامری نے ان زیورات کو پگھلا کر گوسالہ بنایا تھا ج۹ ص۱۷ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبطی کو قتل کرنا ج۹ ص۲۳ و ص۱۸۲ ج۱۱ ص۲۳

قبر ۔ سورۂ یٰسین کی تلاوت سے قبرستان والوں کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے ۔ مقدمہ تفسیر ص۴۵

- عبادت میں شب بیداری قبر کو روشن کرتی ہے ۔ ج۴ ص۳۳ ۔ قبر کن کا واقعہ ج۴ ص۵۲
- قبر میں ولائے علیؑ کا سوال ج۹ ص۱۰۴ قبر و برزخ کا حال ج۵ ص۱۵۵ ، ج۹ ص۲۰۷ و ص۲۵۷
- بروز جمعہ طلوع آفتاب سے پہلے قبرستان جانا مستحب ہے اہل قبور کا عذاب ہلکا ہو جاتا ہے اور مومن روحیں خوش ہوتی ہیں اور اس کی واپسی پر وہ غمزدہ ہوتی ہیں ج۱۴ ص۲۳
- قوم سبا کے چھ قبائل تھے ۔ ج۱ ص۲۳ ۔ چھ قبیلوں کی علاقائی تقسیم ج۱۱ ص۲۴۲

قبلہ ۔ تحویل قبلہ پر یہودیوں کے اعتراض کا جواب ج۲ ص۱۵۷ تحویل قبلہ ج۲ ص۱۸۷ و ص۱۹۵

- صابیوں کا قبلہ سمت جنوب ہے ۔ ج۲ ص۱۲۲ ۔ برادران یوسف کا سجدہ تعظیمی تھا یعنی جس طرح کعبہ کو قبلہ قرار دیکر اللہ کو سجدہ کیا جاتا ہے اسی طرح یوسف کو تعظیمی طور پر قبلہ قرار دیکر اولاد یعقوب نے اللہ کا شکر کرتے ہوئے اللہ کا ہی سجدہ کیا تھا ۔ ج۸ ص۸۶ ۔ تحقیق قبلہ ج۹ ص۵۳

قتل ۔ بنی اسرائیل کا فرعون کے ہاتھوں قتل عام ۔ ج۲ ص۱۰۵

- گوسالہ پرستی کی سزا میں بنی اسرائیل کا ایک دوسرے کو قتل کرنا ۔ ج۲ ص۱۰۹
- بنی اسرائیل کا انبیاء کے قتل کے درپے ہونا ۔ ج۲ ص۱۱۶ و ص۱۱۷ ج۳ ص۲۰۸ ج۴ ص۲۱
- بنی اسرائیل کے ایک مالدار شخص کا قتل اور گائے کے ذبح کرنے کا حکم ج۲ ص۱۲۳
- جو شخص کسی کے قتل پر راضی ہو تو وہ بھی قاتلوں میں شمار ہوگا ۔ ج۴ ص۹۳ ۔ امام حسین علیہ السلام کے قتل پر راضی ہونے والے امام کے قاتل شمار ہوں گے ۔ ج۴ ص۹۱
- ہابیل کا قتل ج۵ ص۹۱ ۔ قتل کا گناہ ۔ ج۵ ص۹۲ تا ص۹۵ ج۱۱ ص۱۱۰ و ص۱۲۰
- عربوں میں لڑکیوں کے قتل کرنے کی بدعادت ج۵ ص۲۵۶
- قتل اولاد گناہ کبیرہ ہے ۔ ج۵ ص۲۶۶ ۔ قتل نفس گناہ کبیرہ ہے ج۶ ص۱۶۴ ج۹ ص۲۷ ج۱۳ ص۱۵۸
- ناقہ صالح کا قتل ج۶ ص۵ ۔ حضرت موسیٰؑ کا بچے کو قتل کرنا ۔ ج۹ ص۱۱۳
- موسیٰ کا فرعونی قتل سے بچ جانا اللہ کا احسان تھا ۔ ج۹ ص۱۸۳

○ قتل ناحق سے بچ کر رہنا مومن کی شان ہے ج۱۰ ص۱۸۶ قبطی کا قتل ج۱۱ ص۲۳ تا ص۲۷

○ حضرت موسیٰؑ نے عرض کی تھی اے پروردگار میں نے فرعونیوں کا آدمی قتل کیا ہوا ہے۔ اب بسلسلۂ تبلیغ اس کے پاس کیسے جا سکتا ہوں۔ ج۱۰ ص۱۹۲۔ کیا کہنا حضرت علیؑ کا کہ قریشیوں کے نامی افراد کو قتل کرنے کے باوجود سورۂ برأت کی تبلیغ کے لئے نہ گھبرائے۔ ج۱۱ ص۲۷

○ قتل کے ڈر سے تقیہ جائز ہے۔ ج۱۱ ص۶۹ حضرت موسیٰؑ پر ہارونؑ کے قتل کا الزام۔ ج۱۴ ص۸

قدر و قضا۔ ج۲ ص۵۴ تا ص۵۹ و ج۵ ص۱۱۴ و ج۶ ص۱۱۸

قدریہ۔ ج۲ ص۵۵ ج۴ ص۹۲

قذف کی سزا (کسی عورت پر زنا کی تہمت لگانا) ج۱۰ ص۱۱۶ و ص۱۱۷

قرآن میں تفکر و تدبر ج۳ ص۹۶ ج۴ ص۹۴ ج۵ ص۱۲۵ ج۱۰ ص۱۸۰ ج۱۱ ص۹۵۔ فضائل قرآن۔ مقدمہ تفسیر ص۲۵۔ حاملین قرآن کے اوصاف ص۲۸۔

○ قاری کے آداب ص۳۰ ج۵ ص۲۴۲ و قرآن و عمل تسخیر ص۳۱ ج۶ ص۱۵۲۔ تلاوت قرآن ص۳۶

○ تلاوت قرآن کا سننا ج۶ ص۱۵۲۔ قرآن خوانی و قل خوانی ص۴۳۔ ترتیل قرآن ص۴۷۔ قرآن کی قرائتیں ص۵۵

○ قرآن کا اعجاز۔ ج۵ ص۱۳۱ و ص۵۰ ج۹ ص۸۰ ج۵ ص۱۸۱ و ج۱۱ ص۹۵۔ قرآن و اہلبیت ص۲۹ و ص۱۴۵ ص۱۱ ص۲۲۳ ج۲ ص۳۱ ج۵ ص۲۳۵

○ قرآن کی تفسیر و تاویل ص۴۲ ج۱۲ ص۱۸۶۔ قرآن و عترت ص۸۵ و ج۱۴ ص۱۲۰ ج۶ ص۷۶ ج۹ ص۱۹۴ قرآن و ختم نبوت ص۹۵

○ قرآن و وجود مہدی ص۹۹۔ قرآن کا ظاہر و باطن ص۱۰۴ و ج۳ ص۲۰۰ و ص۲۶۲

○ قرآن سے شیعہ کا تمسک ص۱۱۲۔ تاویل قرآن و عبادات ص۱۱۹۔ جامع قرآن ص۱۲۳ ج۵ ص۱۸۹ ج۵ ص۲۷

○ جمع قرآن میں اختلاف ص۱۳۰، نزول قرآن ص۱۳۵ ج۲ ص۲۳ ج۱۲ ص۲۵۹، احراق قرآن ص۱۴۱

○ صحابہ میں علم قرآن ص۱۵۰۔ قرآن و مسئلہ تقلید ص۲۰۰۔ قرآن شفا ہے۔ ج۴ ص۱۱۱ ج۹ ص۲۵ ج۶ ص۱۶۸

○ قرآن تا قیامت زندہ ہے۔ ج۲ ص۱۲۴ ج۵ ص۸ و ج۵ ص۱۱۲ و ص۱۳۰ قرآن و سبع مثانی ج۲ ص۸ ج۵ ص۱۰۹

○ قرآن میں حروف مقطعات ج۲ ص۳۴۔ قرآن میں ربط ج۲ ص۱۰۳ ج۵ ص۱۱۵۔ قرآن آخری کتاب ج۶ ص۸۹

○ قرآن میں محکمات و متشابہات ج۳ ص۱۹۱۔ قرآنی سجدے ج۶ ص۱۵۲۔ تحریف قرآن کی نفی ج۵ ص۱۶۹ ج۱۱ ص۱۵۵

○ قرآن ج۵ ص۲۳۹ ج۶ ص۳۵ ج۱۰ ص۱۶۵ و ص۲۲۳ و ص۲۶۱ و ص۲۶۳ ج۱۱ ص۱۵ ص۱۴۴ ج۱۱ ص۲۲۳ و ص۱۲۹ و ص۲۳۸ ج۱۲ ص۱۰۵-۱۱۵-۱۲۶

قربانی۔ یہودیوں کے قتل کا معمہ حل کرنے کے لئے گائے کی قربانی کا حکم ج۲ ص۱۲۳

○ منیٰ میں قربانی کا حکم ج۳ ص۲۱ و ص۲۴، یہودیوں میں کسی قربانی کی مقبولیت کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ اترتی تھی اور اس کو جلا دیتی تھی۔ ج۳ ص۹۲ حج قران والے کی قربانی۔ ج۵ ص۱۵

○ ہابیل و قابیل کی قربانی کا واقعہ ج۵ ص۹۱ ۔ قربانی کے دن کا تعین ج۲ ص۱۶

○ قربانی کا محل و مقام ج۲ ص۳۲ ۔ قربانی کا حکم ص۳۲ ۔ حضرت ابراہیمؑ کو فرزند کی قربانی کرنے کا حکم ج۱۲ ص۵۸

قرض ۔ ج۳ ص۱۷۱ ج۴ ص۶۶ ۔ قرضہ ادا نہ کر کے مرنے والے کا عذاب ج۲ ص۲۶۳ ۔ سورہ کہف کو لکھ کر گھر میں رکھنے والا قرضہ سے محفوظ رہے گا ج۹ ص۴۹ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ گناہ جو انسان کے وقار کو ختم کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرضہ لے کر ادا کرنے کی نیت نہ کرنا ۔ ج۲ ص۱۱۱

○ قرض کے شرائط اور روایات میں ہے کہ صدقہ کا ثواب دس گنا اور قرض کا ثواب ۱۸ گنا ہوتا ہے ۔ ج۱۳ ص۲۱۶

○ قرضہ کی ادائیگی کا عمل ج۱۳ ص۵ و ص۱۱۴ ج۲ ص۲۱۵

قحط ۔ حضرت ہود علیہ السلام کی امت کو اللہ نے حضرت ہودؑ کی نافرمانی کی سزا میں قحط کی سزا کا عذاب دیا یہ لوگ قوم عاد کہلاتے تھے آخر کار ان پر بارش کا عذاب آیا جس میں ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے اور وہ لوگ تباہ ہو گئے ۔ ج۲ ص۴۶

○ قوم مضر پر حضور نبی اکرمؐ کی بددعا سے قحط کا عذاب آیا پھر آپ کے معاف کرنے سے وہ عذاب ٹل گیا ۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کی بددعا سے فرعونیوں پر قحط کا عذاب نازل ہوا تھا ۔ ج۶ ص۸۳ ۔ مروی ہے کہ مکہ والوں پر سات برس تک قحط کا عذاب رہا حتی کہ چمڑے اور خون آلود اون بھی کھا گئے اور مروی ہے کہ ایک امت نے نعمت پروردگار کا کفران کیا اور آٹے اور روٹی کو استنجاء کے طور پر استعمال کرنے لگ گئے پس اللہ نے ان کو قحط کی سزا دی پس وہ گندگی میں لتھڑے ہوئے ٹکڑے کھانے پر مجبور ہو گئے ۔ ج۸ ص۲۴۸ و ص۲۴۹ و ج۱۵ ص۸۱ ص۸۱ و ج۱۱ ص۱۵۲

○ ایک دفعہ حضرت سلیمان پیغمبرؑ کے زمانہ میں قحط پڑا تو آپ اپنی رعایا کو ہمراہ لے کر دعا کے لئے نکلے دیکھا کہ ایک چیونٹی مناجات کر رہی تھی پس آپ نے اپنی قوم سے فرمایا اب واپس چلے جاؤ کیونکہ یہ عاجز مخلوق محو دعا ہے اور خدا اس کمزور مخلوق کی دعا کو مستجاب فرما کر باران رحمت نازل فرمائے گا ۔ ج۱۴ ص۲۳۵

○ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر بھی قحط کا عذاب نازل کیا گیا ج۱۴ ص۲۵۳

○ جنگ خندق کے زمانہ میں سخت قحط تھا ۔ ج۱۱ ص۱۶۹

قرابت رسولؐ ۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز ہر نسب و قرابت منقطع ہو گی سوائے قرابت پیغمبرؐ کے ۔ ج۶ ص۵۱

○ حضورؐ نے فرمایا بروز محشر میری قرابت فائدہ دے گی ۔ ج۲ ص۱۱۱ ج۱۶ ص۸۹

○ ذی القربیٰ سے مراد آل محمدؐ ہیں ۔ ج۴ ص۲۳۸

قرعہ ۔ حضرت مریم کی تربیت کے لئے قرعہ اندازی کی گئی اور حضرت زکریا کے نام کا قرعہ نکلا پس آپ نے تربیت کے فرائض انجام دیئے اور حضرت زکریا کی زوجہ حضرت مریمؑ کی خالہ تھیں ۔ ج۳ ص۲۲۱

- ○ حضرت یوسفؑ نے ایک بھائی کو قرعہ اندازی کے ذریعہ اپنے پاس رکھا تھا ج ص۵۴
- ○ حضرت یونسؑ کے نام کا قرعہ کے ذریعہ نکالا گیا تھا پس آپ دریا میں کود کر مچھلی کے شکم میں چلے گئے ج۱۲ ص۴۲
- ○ یہی وجہ ہے کہ مشتبہ امور میں قرعہ اندازی کے ذریعہ سے ایک کی تعیین شرعی حیثیت سے درست ہے چنانچہ وارد ہے ۔ اَلْقُرْعَۃُ لِکُلِّ اَمْرٍ مُشْکِل ۔

قرن ۔ اسّی برس کے عرصہ کو قرن کہا جاتا ہے ۔ ج۵ ص۱۹۲ ۔ ۱۲۰ یا ۱۰۰ یا ۸۰ یا ۴۰ برس کے اقوال بھی ہیں ۔ ج۶ ص۱۹

- ○ قرن سے مجازاً اہل قرن مراد لئے جاتے ہیں ۔ ج۱۱ ص۴۱ قریش کو شیطان کا بہکانا ج۳ ص۲۴۱ ج۱۱ ص۱۲۴ ج۱۲ ص۱۱۲ ج۱۴ ص۲۶۶

قسم کھانے سے منع ج۳ ص۵۸ ۔ عورت سے ہمبستری نہ کرنے کی قسم کو ایلا کہتے ہیں ۔ ج۳ ص۵۹

- ○ قسم کا کفارہ ج۵ ص۱۶۲ ۔ قسم کے احکام ج۵ ص۱۶۱

قسیم الجنۃ والنار ۔ آل محمد قسیم جنت و نار ہوں گے ج۶ ص۳۴ ۔ علی قسیم الجنۃ والنار ہوگا ج ص۲۶ ۔ ج۲ ص۱۲۳ ج۱ ص۲۱۳ ج۳ ص۱۱۷ ۔ مقدمہ تفسیر ص۲۳۶

قصر ۔ ج۲ ص۲۲۸ نماز قصر کا بیان ج۴ ص۲۲۹ تا ص۲۳۴

قصاص ۔ ج۲ ص۲۱۱ تا ص۲۱۳ ج۵ ص۹۵ و ص۱۰۶ و ج۹ ص۲۸ قیامت میں قصاص ج۱۴ ص۱۲۷

قضا ۔ باپ کی قضا نماز و روزہ بڑے بیٹے پر واجب ہوتی ہیں ۔ ج۲ ص۲۱۵

- ○ قضا روزوں کے احکام ج۲ ص۲۳۱ ۔ حضرت سلیمانؑ کو قضا کا علم دیا گیا ۔ ج۱۰ ص۱۲۷ ۔ غلط فیصلہ کرنے والے "قاضی" مجسٹریٹ بروز محشر اندھے محشور ہوں گے ج۱۴ ص۱۴۳ ۔ قاضیوں کی ناانصافی بارانِ رحمت کو روکتی ہے ج۱۱ ص۱۲۱ و ص۱۲۸

قطع رحمی و صلہ رحمی ۔ ج۲ ص۴۵ و ص۱۲۳ و ص۲۲۰ ج۳ ص۱۰۸ ۔ صلہ رحمی مومن کا کام ہے ۔ ج۸ ص۱۰۱

- ○ آل محمد سے صلہ رحمی ضروری ہے ۔ ج۸ ص۱۲۶ و ص۱۲۹ و ص۱۳۰ و ص۱۲۳ و ص۲۳۶ و ج۱ ص۱۲۳ ۔ امام علی زین العابدینؑ نے فرمایا وہ گناہ جو ندامت کا باعث بنتے ہیں ان میں سے ایک صلہ رحمی کو ترک کرنا ہے اور فرمایا وہ گناہ جو موت کے قریب کرتے ہیں ان میں ایک قطع رحمی ہے ج۱۱ ص۱۲۰ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا صلہ رحمی عمر کو بڑھاتی ہے اور قطع رحمی گھٹاتی ہے ج۱۱ ص۲۶۰ ۔ قطع رحمی کرنے والے سے دوستی نہ کرو کیونکہ قرآن مجید میں اس پر تین مقامات پر لعنت بھیجی گئی ہے ۔ ج۱۳ ص۵۰ ۔ قطع رحمی گناہانِ کبیرہ میں سے ہے ج۱۳ ص۱۵۸
- ○ قطع رحمی کرنے والا جنت کی بو نہ سونگھے گا ج۱۳ ص۲۰۲ ۔ سورہ القلم ج۱۴ ص۸۲ و ص۸۳

قمر۔ سورۃ القمر کے خواص ج۱۳ ص۱۶۴۔ شق القمر ج۱۳ ص۱۶۵۔ چاند کا دورہ ایک ماہ میں پورا ہوتا ہے ج۱۳ ص۱۶۸

- سورہ الشمس میں شمس سے باطنی طور پر حضرت پیغمبرؐ اور قمر سے باطنی طور پر حضرت علیؑ مراد ہیں۔ ج۱۴ ص۲۲۶

قنوت۔ نماز وتر میں قنوت۔ ج۹ ص۵۲

قیامت۔ ج۲ ص۱۴۳ و ص۲۰۰ ج۵ ص۱۶۹، قیامت کا منظر ج۵ ص۱۹۹۔ قیامت کے روز سوال ہوگا کہ تو فلاں مسئلہ کو جانتا تھا یا نہیں اگر کہے کہ جانتا تھا تو فرمائے گا پھر تو نے عمل میں کوتاہی کیوں کی؟ اور اگر کہے گا نہیں تو سرزنش ہوگی کہ پھر تو نے سیکھا کیوں نہیں؟ ج۵ ص۲۶۶۔ علم قیامت ج۶ ص۱۴۴

- مواقف قیامت ج۶ ص۲۳۶ و ص۲۳۷۔ ج۱۴ ص۸۵۔ قیامت کے دن گواہی۔ ج۶ ص۲۳۳
- قیامت کے دن چار سوالات ج۹ ص۳۲ ج۱۲ ص۳۷۔ وقوع قیامت ج۱ ص۲۰۲ ج۱۱ ص۲۱۵ و ج۱۴ ص۲۲۳
- قیامت پر کفار کے اعتراضات ج۱۳ ص۲۵۔ بروز قیامت ولائے علیؑ کا سوال ج۱۲ ص۳۶ اثبات قیامت ج۱۲ ص۸۸
- قیامت صغریٰ ج۱۲ ص۱۳۵ تا ص۱۴۰ بروز قیامت حامل لوا حضرت علیؑ ہوں گے ج۱۲ ص۲۴۸
- قیامت کے دن سوال وجواب ج۱۲ ص۲۴۴ تا ص۲۵۱، پیشی قیامت ج۱۳ ص۱۵ و ص۱۶
- علامات قیامت ج۱۴ ص۴۵ حجۃ الوداع کے موقعہ پر قرب قیامت کی علامات اور حضورؐ کا ایک طویل اور جامع خطبہ اور حضرت سلیمانؑ کا گریہ ج۱۴ ص۴۶ تا ص۴۸
- آمد قیامت ج۱۴ ص۱۹۳ تا ص۱۹۸ ج۱۴ ص۱۰۰ و ص۱۰۱ و ص۱۲۸ و ص۱۶۷ ج۱۴ ص۱۸۸ و ص۱۸۹
- قیامت کے دن زندہ درگور کی جانے والی لڑکیوں کے متعلق سوال ہوگا۔ ج۱۴ ص۱۸۰ تا ص۱۸۲

قیاس۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ابوحنیفہ کو قیاس سے روکنا۔ مقدمہ تفسیر ص۵۰ تا ص۵۲

- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس ہے ج۲ ص۵۸
- قیاس ابلیس ج۶ ص۱۱، قیاس کی مذمت ج۶ ص۱۳ و ص۱۴

قید۔ دنیا مومن کے لئے قید اور کافر کے لئے جنت ہے۔ ج۴ ص۱۱ ج۱ ص۴۸

- دربار ہشام میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا داخلہ اور پھر قید کا حکم لیکن قید خانہ میں بھی لوگ آپ کے ہمنوا ہو گئے تو اس نے آزاد کر دیا ج۶ ص۵۸۔ جب جادوگروں کو ایمان لانے کی سزا فرعون کی طرف سے دی گئی تو ہامان نے موسیٰؑ کو دین قبول کرنے والوں یعنی بنی اسرائیل کو قید کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ بنی اسرائیل کی گرفتاریاں شروع ہو گئیں پس اللہ نے یکے بعد دیگرے فرعونیوں پر عذاب نازل کئے پس حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر وہ بنی اسرائیل کے آزاد کرنے کا وعدہ کرتا تھا لیکن جب عذاب ٹل جاتا تھا تو قارون کے مشورہ کے مطابق وعدہ پورا نہ کرتا تھا۔ پہلے قحط کا عذاب پھر پیداوار کی کمی کا عذاب پھر سیلاب کا عذاب،

پھر مکڑی، پھر جوئیں، پھر مینڈکوں کا عذاب اور بعد میں خون کا عذاب اور سات عذابوں کے بعد آخر غرقابی کا عذاب آیا جو ٹل نہ سکا اور بنی اسرائیل فرعون کی قید سے مستقل طور پر آزاد ہو گئے ج ۶ ص ۴۷ تا ص ۸۰

- یوسفؑ کنوئیں کی قید میں ج ۶ ص ۱۸ ، یوسف زندان مصر میں ج ۶ ص ۳۴ قید سے رہائی کی دعا ج ۶ ص ۳۸
- حضرت یوسفؑ کا زندان مصر میں گریہ ج ۶ ص ۴۰ قید خانہ کے متعلق حضرت یوسفؑ کا نظریہ ج ۶ ص ۴۶
- زندان سے رہائی کے لئے دعا ج ۶ ص ۹۴
- کلمہ حق کی پاداش میں نبی قید ہوتے رہے ج ۹ ص ۱۱
- حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے شکم میں ۳ یا ۷ یا ۲۰ یا ۴۰ دن قید رہے ج ۱۲ ص ۳۰
- اگر کوئی قیدی سورہ الطور کی تلاوت کرتا رہے تو جلد رہائی ہو گی۔ ج ۱۱ ص ۱۳۲
- سورہ المعارج کا پڑھنا بھی قید سے آزادی کا موجب ہوتا ہے۔ ج ۱۴ ص ۹۹
- سورہ جن کی تلاوت قید سے آزادی کی موجب ہے۔ ج ۱۴ ص ۱۲۱

قیصر ۔ روم کے بادشاہوں کو قیصر کہا جاتا ہے۔ ج ۲ ص ۱۰۱

- قیصر و کسریٰ یعنی شاہ روم اور شاہ ایران کی باہمی جنگ ج ۱۱ ص ۱۰۲
- قیصر کی فتح کی خوشخبری۔ ج ۱۱ ص ۱۶۵

کاف

کامیابی کیلئے عمل ۔

۱۔ دعائے قاموس کو ۹۹ دفعہ پڑھنے سے مقصد میں کامیابی ہوتی ہے ۔

۲۔ جس مقصد کے لئے جانا چاہے یہ تعویذ لکھ کر بازو پہ باندھ لے ۔ یدع حبه له همه

۳۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۔ پندرہ دن مسلسل روزانہ ۸۱۸ مرتبہ ابتداء از چہار شنبہ ۔ باشرائط طہارت وحدت مکان وزمان وغذائے حلال ۔

۴۔ چھ دن کا عمل ۔ لا الٰہ الا اللہ ۔ وحدت مکان وزمان وغذائے حلال اتوار کو گیارہ ہزار پھر ایکہزار کا ہر روز اضافہ حتیٰ کہ بروز جمعہ سولہ ہزار پڑھے ۔

۵۔ روزانہ یاحی یاقیوم ۱۷۴ مرتبہ پڑھنے سے کامیابی ہو گی ۔

۶۔ چار رکعت نماز حاجت پڑھے۔
پہلی رکعت میں حمد کے بعد وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ
دوسری رکعت میں حمد کے بعد لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ
وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ۔
تیسری رکعت میں بعد از حمد حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔
چوتھی رکعت میں بعد از حمد وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔
۷۔ حروف مقطعات قرآنیہ لکھ کر اپنے پاس بطور تعویذ رکھے۔
۸۔ چالیس دن سورہ مزمل پڑھے ہر روز ۱۱ مرتبہ بانشراط۔
۹۔ سورہ ہود کو ہرن کے چمڑے پر لکھ کر پاس رکھنا کامیابی کا موجب ہے۔ ج صـ۱۸۸
۱۰۔ کامیابی کے لئے دعا ج۹ صـ۶۲ وصـ۹۹ وصـ۱۶۹ و ج۱۲ صـ۲۶۶ و ج۱۳ صـ۲۳۱ وصـ۲۴۶

کالب بن یوحنا۔ حضرت محمدؐ وحضرت علیؑ کا نام لے کر کالب بن یوحنا نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بارہ میل کا پانی کا سفر طے کیا جس طرح زمین پر سفر کیا جاتا ہے ج صـ۱۰۱ یہ شخص یہودا کی اولاد میں سے تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارہ نقباء میں سے تھا ج۵ صـ۲۰ مروی ہے کہ یوشع بن نون اور کالب دونوں حضرت موسیٰؑ کے چچازاد تھے ج۵ صـ۸۹ اور حضرت موسیٰؑ کے بعد فاتحانہ طور پر اریحا میں داخل ہوئے۔ ج۵ صـ۹۰

کبوتر۔ شب ہجرت غار کے دروازہ پر کبوتر کے جوڑے نے گھونسلا بنا لیا تھا تاکہ کفار کی توجہ غار کے اندر جھانکنے سے ہٹ جائے۔ ج صـ۵

کتاب مکنون ج۳ صـ۲۰ الکتاب ج۱ صـ۵ ج صـ۱۰۱ علمائے یہود کی کتاب تورات میں تحریف کی مذمت ج۲ صـ۱۲۹

- کتاب کے کچھ حصے پر عمل اور کچھ حصے کی مخالفت پر مذمت ج۲ صـ۱۳۷ وصـ۱۴۷۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا دعویٰ کہ جنت میں ہم جائیں گے اور ایک دوسرے کی نفی ج۲ صـ۱۵۵ وصـ۱۵۶
- کتاب پر ایمان لانے والے ج صـ۱۱۳ ج۴ صـ۳۵ وصـ۳۸ ج۹ صـ۱۱۲
- کتاب اور اہل کتاب ج۲ صـ۲۶ نور وکتاب مبین ج۵ صـ۸۰ تا صـ۸۲ وصـ۱۱۲ پیغمبرؐ نے وصیت نامہ لکھنے کیلئے کاغذ و دوات طلب فرمائی تو عمر نے کہا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ آخر کار پیغمبرؐ نے فرمایا قوموا عنی۔ ج۵ صـ۱۳۱ کتاب کا علم علیؑ کے پاس ہے۔ ج صـ۱۴۲۔ کتاب کے معنی کی تعیین ج۱۳ صـ۱۶ کتاب مرقوم ج۱۴ صـ۱۸۹ وصـ۱۹۱
- اعمال کی کتابت کرنے والے فرشتے ج۱ صـ۱۱۶ و ج۲ صـ۱۰ ج صـ۱۱۳ ج۹ صـ۴۷ ج۱۳ صـ۱۱۵ و ج۱۴ صـ۱۸۷
- اہل جنت کو کتاب دائیں ہاتھ میں اور اہل دوزخ کو بائیں ہاتھ میں ملے گی۔ ج۱۴ صـ۱۹۲

کتا۔ سیکھے ہوئے کتے کا شکار جائز اور حلال ہے۔ ج ۵ صد ۴۲ و صد ۴۳۔ ملک العلماء کا استدلال ج ۵ صد ۴۴

○ کتا رکھنا اور کتا پالنا ج ۵ صد ۴۴ صد ۴۵۔ کتے کی نجاست اور حرمت ج ۵ صد ۴۹۔ کتے کی قیمت سحت ہے ج ۵ صد ۱۱۰
اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا۔ ج ۶ صد ۱۳۲ (اس روایت کی تاویل) آیات الٰہیہ کی تکذیب کرنے والوں کو کتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ج صد ۱۳۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہمارے شیعہ وہ ہیں جو کتے کی طرح بھونکیں نہیں، کوے کی طرح لالچی نہ ہوں اور ہمارے دشمن کے سامنے دست سوال دراز نہ کریں خواہ بھوک سے مر ہی جائیں ج صد ۱۲۷۔ کتا نجس العین ہے۔ ج صد ۳۵۔ اصحاب کہف کا ہمراہی کتا ج ۵ صد ۵۲ و صد ۵۳۔ باؤلے کتے سے بچنے کا تعویذ ج صد ۲۲۲۔ حضرت علی علیہ السلام کے اشارے سے ایک خارجی لوگوں کی بھری مجلس میں کتا بن گیا پھر حضرت علی کی معافی سے انسان بن گیا۔ ج صد ۲۲۵

کثرت سوال سے منع۔ حضرت عمر نے حضرت پیغمبر کی پھوپھی صفیہ سے گستاخانہ لہجے میں کہا تھا کہ تم لوگوں کو قرابت رسول فائدہ نہ دے گی۔ اس نے حضور کو بتایا تو آپ نے بھرے مجمع میں ارشاد فرمایا کہ میں مقام محمود پر ہوں گا تو شفاعت کروں گا اور آج جو شخص اپنے باپ کے متعلق مجھ سے پوچھے گا میں اس کو بتا دوں گا پس ایک شخص نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ تیرا باپ وہ نہیں ہے جس کی طرف تو منسوب ہے۔ پھر دوسرے نے پوچھا تو فرمایا تو صحیح باپ کی طرف منسوب ہے پھر آپ نے فرمایا وہ شخص کیوں نہیں سوال کرتا جو کہتا ہے کہ میری قرابت کوئی فائدہ نہ دے گی پس حضرت عمر کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ میں خدا و رسول کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں مجھے معاف فرمایئے۔ پس آپ نے فرمایا کہ زیادہ سوال کرنے سے گریز کیا کرو۔ دیکھو حضرت موسیٰ کی امت نے بار بار سوال کر کے گائے کے ذبح کے معاملہ میں ایک مصیبت میں پھنس گئی۔ ج ۵ صد ۱۶۴

○ کثرت مال و اولاد بھی ایک نشہ ہے ج صد ۶۰۔ اہل ثروت و دولت ہمیشہ حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ ج صد ۲۴۸ ج ۱۱ صد ۲۵۸ و صد ۲۲۲ و صد ۲۲۳

کدو۔ حضرت یونس مچھلی کے شکم سے باہر آئے تو کدو کی بیل کے سایہ میں رہے ج ۱۱ صد ۴۳

کربلا۔ ابوثمامہ صیداوی نے نماز کا ذکر کیا تو امام حسین نے دعا دی کہ خدا تجھے نمازیوں میں محشور فرمائے۔ ج صد ۱۰۲

○ کربلا و کعبہ کا تقابل ج ۲ صد ۱۸۱۔ سلطان کربلا کا صبر ج ۲ صد ۱۹۹

○ زمین کربلا ج ۱ صد ۱۲ تا صد ۱۸۔ کربلا والوں کا تقویٰ ج ۱ صد ۱۳۔ و ج ۵ صد ۱۵۲۔ کربلا والوں کے مشن کی تبلیغ کرنے والوں کو نصیحت ج ۵ صد ۲۵۵ تا صد ۲۶۰۔ کاف سے اشارہ کربلا ج صد ۱۳۶

○ مروی ہے کہ عیسیٰ کی ولادت زمین کربلا پر ہوئی ج ۹ صد ۱۴۴۔ ذکر کربلا ج ۵ صد ۲۱۱

کرامت مومن ۔ ج۱۱ ص۴۸ و ص۴۱

کرسی ۔ آیۃ الکرسی کے فضائل ج۳ ص۱۳۵ ۔ کرسی پروردگار ج۴ ص۱۳۷

کسریٰ ۔ ایران کے حکمرانوں کا لقب تھا ج۲ ص۱۰۵ ۔ ولادت پیغمبرؐ کے وقت ایوان کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں اور ایوان کے چودہ کنگرے گر گئے ج۵ ص۱۷۴ ۔ کسریٰ و قیصر روم کی جنگ ۔ ج۱۱ ص۱۰۲

○ خندق کی کھدائی کے وقت حضرت پیغمبرؐ کی کدال کی ضرب سے کسریٰ کے محلات نظر آئے ج۱۱ ص۱۶۵

کشتی حضرت نوحؑ کی کشتی ج۹ ص۲۱۱ تا ص۲۱۸ و ج۶ ص۲۴ حضرت خضر اور حضرت موسیٰؑ کا کشتی پہ سوار ہونا اور حضرت خضرؑ کا کشتی میں سوراخ کرنا ۔ ج۹ ص۱۱۱ سوراخ کرنے کی وجہ ج۹ ص۱۱۶ ۔ حضرت نوحؑ نے ۲۰۰ برس کشتی بنانے میں صرف کیے ۔ ج۱۱ ص۲۰ پانی کا کشتیوں کو اپنی پشت پہ اٹھا کر لوگوں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک لے جانا بھی اللہ کی عظمت و توحید کی ناقابل تردید برہان ہے ۔ ج۱۱ ص۱۴۱ و ج۱۴ ص۱۲

کفر ۔ ضدی مزاج کفار کا طرز عمل ۔ ج۲ ص۵۳ و ص۹۰ و ج۵ ص۱۹۳ و ص۱۱۰ و ص۲۴۶ و ص۲۴۸ و ج۶ ص۱۵۲ و ج۸ ص۱۵۴ و ج۹ ص۸۰ و ص۸۷ و ج۱۱ ص۹۹ و ج۱۳ ص۱۷

○ کافروں کو دوست بنانا ممنوع ہے ۔ ج۲ ص۲۱ ۔ کفار احکام فروعیہ میں بھی مکلف ہوتے ہیں ج۵ ص۵۴

○ کافروں بلکہ مطلق بے دینوں کی مجلس میں بیٹھنا حرام ہے جبکہ وہ اسلام کے خلاف باتیں کر رہے ہوں ج۵ ص۲۲۸ و ج۵ ص۲۳۹ و ج۱۳ ص۲۶۴ و ص۲۶۷

کعبہ ۔ جب مسلمانوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تو یہودیوں نے اعتراضات شروع کر دیے تھے کہ یہ لوگ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں لہذا ہمارا مذہب حق ہے ۔ پس آیت نازل ہوئی کہ مشرق و مغرب سب اللہ کے لیے ہیں جس طرف بھی منہ کر کے نماز ادا کی جائے صحیح ہے اور اس آیت سے نوافل کو غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھ لینے کا جواز ثابت کیا گیا ہے ۔ ج۲ ص۱۵۷

○ تعمیر کعبہ ج۲ ص۱۶۸ ۔ زمین کعبہ پر اسمٰعیل و ہاجرہ کا فرش ہونا ۔ ج۲ ص۱۷۰ ج۵ ص۱۵۱

○ کعبہ کو بیت عتیق بھی کہا گیا ہے ج۱ ص۱۸۰ ج۱ ص۲۷ ۔ یہودیوں کے اعتراضات کا جواب ج۲ ص۱۸۱ و ص۱۶۱ طالب علم کی امداد اور علماء کی امداد کو تعمیر کعبہ سے تشبیہ کی وجہ ج۱ ص۲۱

○ کعبہ کا تفصیلی ذکر ج۲ ص۳ تا ص۱۹ ۔ کعبہ کا احترام و فضائل ج۵ ص۱۷۲ ج۱ ص۲۶۷ ۔ کفار مکہ نے ابوطالب سے بائیکاٹ کے لیے عہدنامہ لکھ کر کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیا تھا ۔ ج۵ ص۲۰۳

○ کعبہ سے حضرت علیؑ کی بت شکنی ج۱ ص۶۲ تا ص۶۴ ج۱۴ ص۱۱۲ ۔ ولادت علیؑ در کعبہ ج۱ ص۵۲ تا ص۵۴

○ کعبہ کی تطہیر کا حکم ج۱ ص۲۱ ۔ کفار کا جنگ خندق کی روانگی کے وقت کعبہ کے سامنے عہد ج۱۱ ص۱۶۳

○ تبع کا کعبہ پر غلاف چڑھانا ج۱۳ ص۱۱۳ ۔ کعبہ میں بت رکھنے کی ابتداء ج۱۴ ص۱۱۱

کفّارہ ۔ قسم کا کفارہ ج۵ ص۱۶۲ ۔ دوران احرام شکار کا کفارہ ج۵ ص۱۶۷ تا ص۱۷۱ و ج۱۴ ص۲۲

○ بعض اوقات مومنوں کے گناہوں کا کفارہ پہلے ہوجایا کرتا ہے ۔ ج۱۲ ص۲۷ و ص۲۱۲ ظہارہ کا کفارہ ج۱۳ ص۲۲۳ تا ص۲۲۵

کفن ۔ بہلول نامی شخص جو کفن چوری کرتا تھا پھر اس کی توبہ کا قصہ ج۴ ص۵۲ ۔ مردوں کو اچھے کفن پہنائے جائیں کیونکہ بروز محشر وہ اپنے اکفان پر فخر کریں گے ۔ ج۵ ص۲۴۱ ج۶ ص۲۷ جناب فاطمہ بنت اسد کا کفن رسول اللہ کی قمیص سے ہوا ج۶ ص۱۷۲

کلمہ ۔ وہ کلمات جن کی بدولت حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ مقبول ہوئی ۔ ج۲ ص۱۶ ○ وہ کلمات جن سے حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا گیا ۔ ج۲ ص۱۷ ○ وہ کلمات جو حضرت پیغمبرؐ نے شب معراج جنت کے دروازوں پر مرقوم دیکھے ۔ ج۲ ص۲۷

○ وہ کلمات جو جہنم کے دروازوں پر مرقوم تھے ۔ ج۲ ص۲۶

○ کلمہ طیبہ توحید و نبوت و ولایت پر مشتمل ساق عرش پر مرقوم تھا ۔ ج۲ ص۱۵ ، ج۶ ص۲۶۷

○ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کلمہ کا اطلاق اور اس کی وضاحت ۔ ج۳ ص۲۳۵

○ کلمۃ اللہ بلند اور کلمہ کفر پست (غار ثور کا واقعہ) ج۷ ص۵۲ و ص۶۴ و ص۶۶

○ کلمات اللہ ج۷ ص۱۷۷ ۔ کلمہ یعقوب ج۸ ص۱۷ ۔ حضرت پیغمبرؐ نے شب معراج انبیاء سے سوال کیا تو انہوں نے توحید و نبوت و ولایت کی شہادت کا کلمہ پیش کیا ۔ ج۹ ص۲۶۲

○ کلمات اللہ کی حد نہیں ہے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہم اللہ کے وہ کلمات ہیں جن کے فضائل کی کوئی حد نہیں ہے ۔ ج۱۰ ص۱۴

○ جس فطرت پر اللہ نے بندوں کو پیدا فرمایا ہے وہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علی امیر المومنین ولی اللّٰہ ج۱۱ ص۱۱۰

○ اور الکلم الطیب سے بھی مراد یہی کلمات ہیں ۔ ج۱۱ ص۲۵۹ ۔ قیامت کے دن جہنم سے بچنے کا جو برأت نامہ ملے گا ۔ اس پر بھی یہی تحریر ہوگا ۔ ج۱۱ ص۳۶ ۔ کلمہ باقیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ہے ج۱۲ ص۲۲۹

○ کلمہ کی وضاحت ج۱۳ ص۲۱۴ و ص۲۲

کلام ۔ بے محل کلام کرنا اللہ کی رحمت سے دوری کا باعث ہے ۔ ج۲ ص۲۴

○ قرآن مجید کے حروف مقطعات ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں یعنی اے منکرین ! یہ کتاب انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم اپنا کلام مرتب کرتے ہو اگر یہ اللہ کا کلام نہ ہوتا تو تم لوگ اس کے مقابلہ سے عاجز نہ ہوتے پس تمہارا اس کے مقابلہ سے عاجز آجانا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ بندے کا نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے ۔ ج۲ ص۲۹

○ اللہ کا کلام سننے کے لئے حضرت موسیٰؑ انتخاب کر کے ستر آدمیوں کو لے گئے تاکہ وہ اپنے کانوں سے اللہ کا کلام سنیں چنانچہ جب کلام سُنا تو کہنے لگے کلام کرنے والا تو نظر نہیں آتا ہم کیسے جانیں کہ بولنے والا اللہ ہے ج۲ ص۱۱۱۔ اللہ کے کلام کا معنی ج۱۲ ص۲۱۹ وص۲۲۰

○ اللہ کے کُن کہنے کا مطلب ج۲ ص۱۵۹۔ کلام کی حقیقت ج۱ ص۲۳

○ اللہ کے کلام کی حقیقت کے متعلق متکلمین کی تحقیق ج۳ ص۱۳۲ وص۲۲۵

○ حضرت عیسیٰؑ کا بچپنے میں کلام کرنا ج۵ ص۱۸ ج۹ ص۱۴۷

○ حضرت موسیٰؑ سے کلام خدا۔ ج۹ ص۱۷۳ وص۱۷۶ و ج۱۱ ص۲۴

کنگھی کرنا ۔ ڈاڑھی میں کنگھی کرنا سنت پیغمبرؐ ہے ۔ ج۸ ص۲۴

کنواں ۔ جس میں یوسف کو گرایا گیا۔ ج۸ ص۱۳ ص۱۵ ص۲۰۔ حضرموت کا کنواں ج۸ ص۲۸

○ کنوئیں کے قید خانہ میں ایک نبی کو ڈالا گیا۔ ج۸ ص۱۸

○ حضرت موسیٰؑ کا کنوئیں پر پہنچ کر حضرت شعیبؑ کی لڑکیوں کے مال کو سیراب کرنا ج۱۱ ص۲۸ وص۱۰۱

کوا ۔ قابیل نے ہابیل کو دفن کرنا کوے سے سیکھا ج۵ ص۹۱ و ج۱۲ ص۲۰۵

○ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہمارے شیعہ کتوں کی طرح بھونکتے نہیں اور کوے کی طرح لالچی نہیں

○ ہوتے اور غیر سے سوال نہیں کرتے خواہ وہ بھوک سے مرجائیں ۔ ج۲ ص۱۹۷

کوثر ۔ قرآن واہلبیت ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گے یہانتک کہ حوض کوثر پر پہنچیں گے ج۱ ص۸۰ ج۵ ص۱۴۴

○ حوض کوثر کا مالک علی ہوگا ۔ ج۲ ص۱۰۱ ۔ علیؑ کے دوست کوثر پئیں گے ۔ ج۲ ص۲۱

○ حضورؐ نے فرمایا جو میری سنت سے منہ پھیرے گا بروز قیامت فرشتے کوثر سے اس کا منہ پھیر دیں گے اور اس کو دنیا میں تو یہ نصیب نہ ہوگی ۔ ج۴ ص۹۲

○ حضرت پیغمبرؐ حوض کوثر پر ہوں گے تو چند صحابہ کو وہاں سے ہٹایا جائے گا کیونکہ وہ پیغمبرؐ کے بعد مرتد ہوگئے تھے ۔ نقلاً از بخاری ۔ ج۱ ص۱۳۹ و ج۶ ص۹۹ ۔ کوثر نبیؐ کا ہے ج۱۲ ص۹۳ ۔ کوثر ج۱۳ ص۱۹۰

کوفہ ۔ کوفہ کی مسجد ج۵ ص۲۳ ۔ کوفہ کی مسجد میں نماز کی فضیلت ۔ ج۸ ص۲۶۵ ج۱۴ ص۱۱۳

○ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ وہ کھجور کا درخت جس سے حضرت مریمؑ کو خرما نصیب ہوئے تھے وہ کوفہ میں تھا ۔ ج۹ ص۱۴۵

کوہ صفا و مروہ ۔ پانی کی تلاش میں جناب ہاجرہ کا صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ج۲ ص۱۷۹

○ صفا و مروہ کی وجہ تسمیہ ج۲ ص۲۰۲ ۔ سعی بین الصفا و مروہ ج۲ ص۲۰۴

کہانت - فرعون کو کاہنوں نے خبر دی تھی کہ ایک بچہ بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری حکومت کا خاتمہ ہوگا پس اس نے بنی اسرائیل پر مظالم شروع کر دیئے۔ ج۱ ص۱۰۵ ج۱۱ ص۸

○ عمل کہانت حرام ہے ج۱ ص۱۵۱۔ کاہن کی اجرت سحت ہے۔ ج۵ ص۱۱

○ حضرت ابوطالب کو ایک کاہنہ کا خبر دینا۔ ج۵ ص۲۰۶۔ علم کہانت ج۵ ص۱۷۲

○ شیاطین کاہن لوگوں پر جھوٹی باتوں کا القاء کرتے ہیں۔ ج۱۰ ص۲۱۹

○ امام علی زین العابدین علیہ السلام نے کہانت کو ان گناہوں میں شمار فرمایا ہے جو ہوا کو تاریک کرتے ہیں ج۱۱ ص۱۲

کھجوروں کی تعبیر کا طریقہ ج۵ ص۱۰۴ و ص۱۰۵۔ مومن جادوگروں کو فرعون نے کھجوروں پر سولی دی۔ ج۶ ص۶۲

○ کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ سے مثال دی گئی ہے اور شجرہ طیبہ کھجور کا درخت ہے۔ ج۵ ص۱۵۴

○ اصحاب کہف میں سے تملیخا نے اپنا کھجوروں کا باغ فروخت کیا تھا جس سے ۳ درہم اس کو وصول ہوئے اور وہی رقم لے کر بازار سے روٹیاں خریدنے گیا تھا۔ ج۹ ص۸۶

○ اَزْكٰى طَعَامًا سے مراد بقول معصومؑ کھجور کا پھل ہے۔ ج۹ ص۹۰

○ حضرت مریمؑ وضع حمل کے لئے ایک خشک درخت کے پاس پہنچیں اور وہ کھجور کا درخت تھا۔ ج۹ ص۱۴۳

○ اسی درخت (کھجور) کو آپ نے حرکت دی تو اس نے پھل گرائے، کھجور کا تر و تازہ ہو کر ثمر آور ہونا جناب مریمؑ کے معجزات میں سے ہے ج۹ ص۱۴۳۔ حضرت موسیٰؑ کی آزمائش کے لئے فرعون نے دو طشت منگوائے تھے ایک کھجوروں کا اور دوسرا آگ کے انگاروں کا۔ پس آپ نے ایک انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈالا تو زبان تتلی ہوگئی اللہ نے اس ہاتھ کو ید بیضا کر دیا اور زبان کو کلام کا شرف عطا فرمایا۔ ج۹ ص۱۶۹

○ حضرت صالحؑ کی قوم کے پاس کھجوروں کے خوش نما باغات تھے۔ ج۱۰ ص۲۰

کہف - اصحاب کہف حضرت قائم آل محمد کے ہمراہ ہوں گے ج۶ ص۱۰۱۔ آیت اَمْ حَسِبْتَ تا عَجَبًا کو کسی پرانی قبر کی مٹی پر سات دفعہ پڑھ کر کسی سوئے ہوئے کے سینے پر چھڑک دیا جائے تو وہ بیدار نہ ہوگا۔ واللہ اعلم
جانوروں میں سے اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا۔ ج۶ ص۱۳۲۔ سورہ کہف کے فضائل ج۹ ص۴۹

○ اصحاب کہف کا قصہ ج۹ ص۸۱

○ حدیث بساط جس میں صحابہ پیغمبرؐ کا چادر پہ بیٹھ کر ہوا میں پرواز کر کے اصحاب کہف پر سلام کرنے کا تذکرہ ہے چادر کے چار گوشوں پر ابوبکر و عمر و ابوذر و سلمان اور درمیان میں علی تشریف فرما تھے۔ ج۹ ص۸۳

○ اصحاب کہف کے اسماء گرامی ج۹ ص۹۳

اصحاب کہف کے ناموں کے خواص - (۱) مکسلمینا ایک کپڑے پر لکھ کر آگ میں ڈالے آگ بجھ جائے گی

(۲) تملیخا۔ دریا میں ڈالنے سے اس کا جوش ٹوٹ جائے گا۔ (۳) مرطونس۔ چلنے والا اپنی ران سے باندھ لے نہ تھکے گا۔ (۴) فلیونس۔ سامان میں لکھ کر رکھنے سے مال چوری نہ ہوگا۔ (۵) سارنوش۔ بیمار پر باندھا جائے تندرست ہوگا۔ (۶) ذونوانس۔ کامیابی کے لئے پاس رکھئے۔ (۷) کفشطیونس۔ نام لکھ کر پلانے سے محبت ہوگی اور درد چشم ختم ہوگا۔ واللہ اعلم

کھیعص۔ ج۹ ص۱۳۶۔ عمل برائے کامیابی درمیدان، درمقدمہ و در امتحان۔ دروازہ کے باہر کھڑے ہو کر پڑھے کھیعص اور ہر حرف پر دائیں ہاتھ کی انگلیاں بند کرے۔ چھوٹی انگلی سے شروع کرے پھر حمعسق پڑھ کر بائیں ہاتھ کی انگلیاں بند کرے بڑی سے شروع کر کے چھوٹی پر ختم کرے اس کے بعد سورۃ الفیل کی تلاوت کرے ترمیہم کو دس دفعہ دہرائے اور ہر دفعہ ایک ایک انگلی کو کھولتا جائے۔ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی آخر میں کھولے یعنی جس ترتیب سے بند کی تھی کھولنے میں آخری سے شروع کر کے پہلی کی طرف آئے اور اس کے بعد سورہ الفیل کو مکمل کر کے اپنے سینے پر اور سامنے کمرے یا میدان کی طرف پھونکیں مارے انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

گ

گائے۔ بنی اسرائیل کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم۔ ج۲ ص۱۲۲

- گائے کی پوجا۔ ج۲ ص۸۱۔ گوسالہ پرستی ج۲ ص۱۰۸ و ص۱۲۹، ج۵ ص۱۳۶ و ص۸۳ ج۱ ص۴۰
- گوسالہ پرستی میں مسلمانوں کی بنی اسرائیل سے مشابہت ج۲ ص۱۶۹ و ج۶ ص۸۹
- بروز محشر امت پیغمبر کے گوسالہ کا ایک الگ جھنڈا ہوگا۔ ج۴ ص۲۹
- ایک روایت میں ہے کہ فرعون گائے پرست تھا اور لوگوں کو بھی گائے پرستی کی دعوت دیتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ سامری نے لوگوں کو گوسالہ پرستی میں مبتلا کر ڈالا۔ ج۶ ص۴۳۔ سامری اور گوسالہ ج۶ ص۹۶ و ص۱۰۲ گوسالہ پرستوں کو سزا دی گئی۔ ج۶ ص۱۰۱
- سعید بن جبیر کے قول کے مطابق سامری اہل کرمان سے تھا اور موسیٰ کے لشکر میں پیش پیش تھا جبرئیل جس گھوڑے پر سوار تھا اس گھوڑے کے قدموں کی جگہ پر مٹی میں حرکت پیدا ہوتی تھی۔ پس سامری نے وہ مٹی

اٹھائی اور بنی اسرائیل کو گمراہ کرنے کے لئے قبطیوں سے حاصل شدہ سونے کو پگھلا کر وہ مٹی اس میں ڈالی گئی تو
اس میں حرکت پیدا ہوئی پس شیطان نے ان کو اس کے پوجا کرنے کی دعوت دی چنانچہ چھ لاکھ میں سے صرف
بارہ ہزار ثابت قدم رہے اور اکثریت گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوگئی۔ ج۹ ص۱۹۵ اور مروی ہے کہ وہ لوگ گوسالہ کو
درمیان میں کھڑا کر کے اس کے ارد گرد ناچتے کودتے اور ڈھول باجے بجاتے تھے۔ ج۹ ص۱۹۶

گانا۔ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ میں بعض اوقات طہارت خانہ
میں جاتا ہوں تو پڑوس میں عورتیں گا رہی ہوتی ہیں اور سننے کے لئے بیٹھا رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ایسا مت
کیا کرو قیامت کے روز ہر عضو سے اس کے متعلقہ اعمال کی بازپرس ہوگی۔ پس اس شخص نے توبہ کی اور غسل
توبہ کر کے نماز پڑھی اور گانا حرام ہے خواہ قرآن کی آیتیں پڑھ کر گایا جائے یا حمد و ثنائے پروردگار یا تعریف و
توصیف محمدؐ و آل اطہارؑ کو گا کر پیش کیا جائے سب ناجائز اور حرام ہے۔ ج۹ ص۳۱

قول زور سے مراد غنا (گانا) لیا گیا ہے۔ ج۱ ص۱۱ و ص۱۸۱۔ اسی طرح لهوالحدیث سے مراد بھی غنا (گانا) ہے۔ ج۱۱
ص۱۳۵۔ منقول ہے کہ جس کے کان دنیا میں غنا سننے کے عادی ہوں وہ بروز محشر اہل جنت کے قاریوں کی آواز
سننے پر توفیق نہ پائے گا (یعنی جنت میں داخل نہ ہوگا) ج۱۱ ص۱۳۵

گدھ۔ ایک ضرب المثل ہے کہ فلان ابرّ من النسر یعنی فلاں شخص گدھ سے بھی زیادہ اپنے والدین کا اطاعت گذار
اور فرمانبردار ہے۔

- فرعون نے ایک تابوت بنوا کر چاروں کونوں پر گدھوں کو بٹھایا اور اوپر گوشت لٹکا دیا تاکہ وہ گوشت حاصل کرنے
کے لئے اوپر اڑیں اور تابوت کو ان کے پاؤں سے باندھ دیا۔ فرعون اور ہامان دونوں اس میں بیٹھ گئے
پس گدھوں نے زور لگایا اور اڑیں چنانچہ تابوت کو بہت اوپر لے گئیں اور فرعون نے دیکھا کہ آسمان ویسے
ہی بلند ہے جیسے پہلے تھا پس واپس زمین پر اتر آئے۔ ج۱۱ ص۳۸

گدھا۔ حضورؐ بنفس نفیس کسر نفسی کے طور عموماً گدھے کی سواری کرتے تھے اور اس کو گھاس چارا خود ڈالتے تھے ج۲ ص۲

- بلعم بن باعور کی سواری گدھے کا ذکر ج۶ ص۱۳۲۔ گدھا اور جنت ج۶ ص۱۳۲ و ج۹ ص۲۳
- حضرت موسیٰؑ جب تبلیغ پر مامور ہو کر پہلے پہل فرعون کے دربار میں گئے تو پاؤں میں گدھے کے چمڑے کے
جوتا تھا پس پیغام بھیجا کہ میں پروردگار کی جانب سے رسول بن کر آیا ہوں۔ ج۱۱ ص۳۸۔ گدھے کی آواز کو اللہ
نے انکر الاصوات (نہایت کرخت آواز) کہا ہے۔ ج۱۱ ص۱۳۳

گداگر۔ گداگروں نے قرآن مجید کو آلہ گداگری قرار دے دیا ہے۔ ج۱ ص۲۸۔ گداگری اتنی بری صفت ہے کہ حضرت
امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہمارے شیعہ وہ ہیں جو کتوں کی طرح بھونکیں نہیں کوے کی طرح لالچی نہ ہوں

اور ہمارے دشمن سے سوال نہ کریں خواہ بھوک سے مر جائیں۔ ج۶ ص۱۶۷

○ مانگنا ہے تو اللہ سے مانگو۔ ج۶ ص۱۶۳

گریہ۔ مصائب میں گریہ کرنا فطری امر ہے۔ ج۲ ص۲۰

○ خوفِ خدا میں رونے والی آنکھ قیامت کے دن نہ روئے گی اور مروی ہے کہ آنسو کا ایک قطرہ آتشِ جہنم کے سمندروں کو ختم کر دیتا ہے۔ ج۶ ص۱۶۱۔ خدا جن لوگوں کو بروزِ قیامت اپنی رحمت کا سایہ دے گا ان میں سے ایک وہ ہے جو عظمتِ پروردگار کو یاد کر کے گریہ کرے۔ ج۶ ص۲۷

○ سب سے زیادہ گریہ کرنے والے پانچ ہیں۔ آدم و حوا اتنے روئے کہ ان کے آنسو کا پانی پرندوں نے پیا حضرت یعقوبؑ فراقِ یوسفؑ میں رو کر آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو گئے۔ حضرت یوسفؑ زندانِ مصر میں اس قدر روئے کہ تمام قیدی تنگ آ گئے اور پانچویں جناب بتولِ معظمہ امت کے مظالم سے اس قدر روئیں کہ اہلِ مدینہ ان کے گریہ سے تنگ آ گئے اور حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ بتولؑ سے کہیں یا دن کو روئیں یا رات کو روئیں اور جنت البقیع میں حضرت علیؑ نے بیت الحزن بنا دیا جس میں وہ رویا کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ حضرت سجاد علیہ السلام ۳۵ برس بعد واقعہ کربلا روتے رہے۔ ج۲ ص۲۰۔ گریہ کرنا بے صبری نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ کو انتہائی گریہ کے باوجود اللہ نے کظیم کہا ہے بے صبر نہیں کہا پس شیعانِ علیؑ کا آلِ محمدؐ کے غم میں گریہ کرنا بھی بے صبری نہیں ج۶ ص۲۰ اور حضرت یعقوبؑ نے کثرتِ گریہ کے باوجود اپنے آپ کو صبرِ جمیل کی صفت سے متصف فرمایا نیز اللہ نے بھی آپ کے گریہ کو قرآن میں سراہا ج۶ ص۲۳

○ قومِ شیعہ کے غمِ حسینؑ میں رونے پر اعتراض کرنے والوں کے لئے حضرت یعقوبؑ کا گریہ ایک دعوتِ فکر کی حیثیت رکھتا ہے اور غمِ حسینؑ دنیا میں ایک زندہ معجزہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ج۶ ص۲۴

○ کھیعص کی تفسیر میں ہے کہ حضرت زکریاؑ کو پنجتن پاک کے نام بتائے گئے پس حضرت زکریاؑ محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ و حسنؑ کا نام لیتے تو دل خوش ہوتا لیکن حسینؑ کا نام لیتے ہی رونے لگ جاتے تھے الخ ج۶ ص۱۲۶

○ حضرت یحییٰؑ کا خوفِ خدا میں گریہ ج۱ ص۲۷۹

○ حضرت شعیبؑ کا محبتِ خدا میں گریہ ج۱۱ ص۲۱

گناہانِ کبیرہ۔ حضورؐ نے فرمایا نمازی شیطان سے دور رہتا ہے لیکن جب وہ نماز کو ترک کرے تو شیطان کو جرأت ہو جاتی ہے پس وہ اس کو گناہانِ کبیرہ میں بھی مبتلا کر دیتا ہے۔ ج۲ ص۱۰۲

○ انبیاء گناہانِ کبیرہ و صغیرہ سے پاک ہوا کرتے ہیں۔ ج۲ ص۱۶۲۔ اور جو شخص ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور روزہ کے تمام آداب کا خیال رکھے تو وہ ماہِ رمضان کے نکلتے ہی خود گناہوں کے دلدل سے نکل جاتا ہے

ج۷ ص۲۲۲ ۔ گناہوں سے توبہ کرنے سے دعا مقبول ہوتی ہے ج۷ ص۲۳۵

- گناہ سے توبہ کرنا ج۴ ص۵۱ ۔ بہلول تائب کا واقعہ ج۴ ص۵۲
- گناہ کبیرہ کرنے سے بھی نہی عن المنکر نہ کرنا سخت تر گناہ ہے ۔ ج۵ ص۱۳۶
- اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا گناہ کبیرہ کی بھی بخشش کا موجب ہو جاتا ہے ۔ ج۵ ص۱۷۳
- گناہِ کبیرہ کے دو پہلو ہیں خدا کی نفی کردہ چیزوں کو مثبت کرنا چنانچہ بت پرستی و شرک اس میں داخل ہیں اور خدا کی ثابت کردہ چیز کی نفی کرنا مثلاً انکار نبوت و ولائت وغیرہ ج۷ ص۳۰
- بعض اوقات گناہانِ کبیرہ کی سزا دنیا میں ہو جاتی ہے ۔ ج۷ ص۱۹۸ ج۱۲ ص۴۴ و ص۲۱۳
- گناہانِ کبیرہ کی مختصر فہرست ج۱۱ ص۱۱۰ ۔ گناہانِ کبیرہ کی تفصیل اور گناہوں کے اثرات ج۱۱ ص۱۲۰
- ہر گناہ سے بچنا ضروری ہے ۔ ج۱۱ ص۱۳۷

گہوارے میں کلام کرنے والا حضرت عیسیٰؑ ج۳ ص۲۳۶ ج۹ ص۱۴۶

گوز زنی ۔ قوم لوط کی بدعادات میں سے یہ بھی تھا کہ اعلانیہ بغیر شرم حیا کے بھری مجلس میں گوز زنی کیا کرتے تھے ۔ ج۹ ص۲۳۹ ج۱۱ ص۲۲ و ص۸۱

گھوڑ دوڑ ۔ لہو و لعب کی حرمت سے مستثنیٰ ہے ۔ ج۴ ص۱۴

- حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا براق جنت کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ہے جس کو اللہ نے میرے لئے مسخر فرمایا ج۶ ص۲۵۸ ۔ فرعون کا گھوڑا پانی سے گھبرایا تو جبرئیل نے گھوڑی آگے بڑھا دی پس فرعون اس کے پیچھے داخل ہوا اور لشکر سمیت غرق ہوا ۔ ج۸ ص۱۹۹ ۔ حضرت سلیمان نے بلقیس کے سوال کے جواب میں اس کے نمائندے کو گھوڑے کے پسینے کے پانی کی شیشی بھر دی تھی ۔ ج۱ ص۲۴۳ ۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جب فرشتے آئے تو گھوڑوں پر سوار تھے ۔ ج۱۱ ص۲۲ ۔ حضرت سلیمانؑ کے آگے گھوڑوں کا پیش ہونا اور صافن اس گھوڑے کو کہا جاتا ہے جو تین پاؤں زمین پر ٹیک کر چوتھے پاؤں کا صرف کنارا زمین پہ لگائے اور یہ عمدہ گھوڑے کی علامت ہے ج۱۲ ص۹۱ ، ص۹۱

ل

لالچ ۔ مَا نَنْسَخْ کی تفسیر میں ہے کہ منسوخ آیات میں سے ایک آیت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اولاد آدمؑ کو اگر مال

کی دو دادیاں مل جائیں تو وہ تیسری کی خواہش بھی کرے گا اور اولادِ آدم کا پیٹ صرف قبر کی مٹی ہی پُر کرے گی الخ

○ لوٹ کھسوٹ کے لالچ نے ہی صحابہ کو میدان اُحد میں جیتی ہوئی جنگ ہارنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ اگر پچاس آدمی اپنی ڈیوٹی پر ڈٹے رہتے اور لوٹ کے لالچ میں نہ آتے اور درہ کو نہ چھوڑتے تو خالد بن ولید کا لشکر پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکتا اور مسلمانوں کو پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ جانے کی تکلیف اور شکست کی شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔ ج۱ ص۵۴

○ اور حدیث میں لالچ کو اصول کفر میں سے شمار کیا گیا ہے۔ ج۲ ص۱۲ لالچ ایک نشہ ہے کہ کسی ناصح کی نصیحت اس پر اثر ہی نہیں کرتی۔ ج۲ ص۹ اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہمارا شیعہ وہ ہے جو کتے کی طرح بھونکے نہیں اور کوے کی طرح لالچی نہ ہو الخ ج۲ ص۱۹۶

لباس ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے قیمتی لباس پر سفیان ثوری کا اعتراض اور امام کی طرف سے اس کا منہ توڑ جواب اسی طرح عباد بن صامت کا طعن اور اس کا مسکت جواب ۔ج۶ ص۲۷

○ حضرت یوسف علیہ السلام کا تخت مصر پر شاہی لباس ۔ ج۶ ص۲۵ ۔ اور سفید لباس کو لباسِ تقویٰ کہا گیا ہے ج۶ ص۲۲ ۔ جمعہ و عیدین میں سفید لباس پہننا مستحب ہے ۔ ج۶ ص۲۴

لعان کا بیان ج۱ ص۱۱۸ تا ص۱۲۰

○ لعنت کا ذکر حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا جس مال سے زکوٰۃ ادا نہ ہو اس پر لعنت ہے ۔ ج۴ ص۱۰۲ حضرت پیغمبرؐ سے ایک حدیث میں منقول ہے یہودیوں کے وہ اسلاف جنہوں نے زکریا و یحییٰ کو قتل کیا ان پر لعنت اور ان کے فعل پر راضی ہونے والی ان کی اولادوں پر بھی لعنت ہے اسی طرح امام حسینؑ اور ان کے محبوں اور مددگاروں کے قاتلوں پر بھی اللہ کی لعنت ہے اور جو شخص تقیہ کے بغیر ان پر لعنت نہ کرے اس پر بھی لعنت ہے ۔ج۷ ص۱۳۸

○ جس طرح موسیٰؑ کے قائم مقام انبیاء کے قاتل مستحق لعنت تھے اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰؐ کے اوصیاء کے قاتل بھی مستحق لعنت ہیں ۔ ج۲ ص۱۱۹ ۔ حق کو چھپانے والوں پر لعنت ج۲ ص۲۰۳ ۔ حق کا انکار کرنے والوں پر لعنت ج۲ ص۲۰۴ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے قدریہ خوارج اور مرجئہ پر لعنت کی اور فرمایا جو لوگ ہمارے قاتلوں کو مومن کہتے ہیں تا قیامت ان کے لباس ہمارے خون سے رنگین رہیں گے یعنی ان کے فعل پر راضی ہونے والا انہی میں سے شمار ہوگا ۔ ج۴ ص۹۲

○ لعنت کا معنی ہے رحمتِ خدا سے دُوری ۔ اللہ فرماتا ہے یہودیوں کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت بھیجی ہے ج۵ ص۱۶۷ ۔ پس جس قوم نے حضرت موسیٰؑ کے عہد کو توڑا تو وہ مستحق لعنت ہوئے تو جن لوگوں نے سلطان

الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ کے عہد کو توڑا وہ کس طرح اللہ کی لعنت سے بچ سکتے ہیں۔

- میثاق انبیاء کو توڑنے والے مستحق عذاب و لعنت ہوتے ہیں۔ ج۵ ص۴۵
- جن لوگوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ان پر لعنت ہے۔ ج۵ ص۱۳۷
- حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان اور زمین کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ ج۶ ص۳۰۔ شجرہ ملعونہ کی تشریح ج۹ ص۳۸ تا ص۴۰
- ناحق پیر و مرید بروز محشر ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ ج۲ ص۲۰۷ و ج۱۱ ص۴۵
- جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے اپنا نسب جوڑے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ ج۱۱ ص۱۵۸
- تفسیر آیت مباہلہ میں جھوٹوں پر اللہ کی لعنت اور مباہلہ کا معنی بھی ہے ایک دوسرے پر لعنت کی دعا ج۳ ص۲۴۸
- ایک مرتبہ امام حسن علیہ السلام نے مروان سے فرمایا کہ میں تجھے یا تیرے باپ کو سب نہیں کرتا لیکن خدا نے تجھ پر تیرے باپ پر اور تیرے خاندان پر تیری اولاد پر اور تیرے باپ کی قیامت تک ہونے والی نسل پر اپنے نبی کی زبانی لعنت بھیجی ہے شجرہ ملعونہ کی تفسیر ج۹ ص۳۹

لولا ۔ حضرت عمر مسائل مشکلہ میں حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ یہ جملہ ان کی زبانی مشہور ہے۔ لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَر۔ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ مقدمہ تفسیر ص۱۳۳ و ص۱۸۲۔ بحوالہ مناقب خوارزمی الریاض النضرہ و مطالب السؤول۔ ج۳ ص۱۹۹ و ج۱۳ ص۲۵

- لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاك ج۹ ص۲۵۸

لقمان ۔ مروی ہے کہ حضرت لقمان تنہائی کو زیادہ پسند فرماتے تھے ایک دفعہ ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ تنہائی فکر کے لئے مفید ہے اور فکر جنت کا راستہ ہے (فکر در توحید) ج۴ ص۹۶

- ایک دفعہ حضرت لقمان حضرت داؤد کو ملنے آئے تو وہ زرہ بنا رہے تھے۔ پس لقمان خاموش بیٹھے دیکھتے رہے جب زرہ بن چکی تو داؤد نے پہن کر فرمایا کہ جنگ کا یہ بہترین لباس ہے پس حضرت لقمان نے فرمایا خاموشی بہت اچھی چیز ہے لیکن اس پر عمل کرنے والے کم ہوں گے۔ ج۹ ص۲۴۲
- سورہ لقمان کے خواص و اثرات ج۱۱ ص۱۲۸۔ حضرت لقمان کا تاریخی ذکر اور ان کے اقوال ص۱۲۹ تا ص۱۳۳
- حضرت لقمان کی نصیحتیں ج۱۱ ص۱۳۷۔ حضرت لقمان حضرت ایوب کے بھانجے یا خالہ زاد تھے۔ ج۱۱ ص۱۳۱

لواء الحمد ۔ حضرت پیغمبرؐ کو مقام محمود پر لواء الحمد عطا ہو گا جس کے سایہ میں تمام انبیاء ہوں گے۔ ج۹ ص۶۲

- حضورؐ نے فرمایا آدمؑ سے لے کر عیسیٰ تک تمام نبی میرے لواء کے نیچے ہوں گے اور حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تو اس لواء کا حامل ہو گا۔ ج۱۲ ص۲۴۰ و ج۱۳ ص۱۷۶ و ص۲۱۱

لوح محفوظ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سلسلۂ اولاد آدمؑ کے ذیل میں ایک حدیث طویل میں منقول ہے کہ خداوند کریم نے تخلیق آدمؑ سے دو ہزار سال پہلے لوح محفوظ میں قیامت تک ہونے والے واقعات کو ثبت کر دیا چنانچہ قلم قدرت سے بھائی اور بہن کے نکاح کی حرمت بھی درج ہے ۔ ج۴ ص۱۰۶

○ دو دفتر ہیں ایک کتاب محو اثبات اور دوسری ام الکتاب پہلی کو لوح محو اثبات کہا جاتا ہے اور دوسری کو لوح محفوظ کہا جاتا ہے ۔ ج ص۱۴۱ ۔ اور علامہ فیض کاشانی نے ذکر کیا ہے کہ لوح قضا سے مراد لوح محفوظ ہے اور لوح قدر سے مراد لوح محو اثبات ہے ۔ ج ص۱۷۶

○ قیامت سے پہلے سب کا فنا ہونا لوح محفوظ میں مسطور ہے ۔ ج۹ ص۳۸ و ص۱۸۶

○ ایک مقام پر ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ لیا گیا ہے ۔ ج۱۲ ص۲۲۳

○ شب قدر میں نزول قرآن کا مطلب ہے کہ لوح محفوظ سے آسمان اول کی طرف اتارا گیا ۔ ج۱۱ ص۲۵۶

○ لوح محفوظ کا ذکر ج۱۳ ص۱۱۱ و ص۱۱۷ و ص۱۳۵ اور ج۱۴ ص۸۲ پر موجود ہے ۔

لوط ۔ ج ص۵۴ میں حضرت لوطؑ کا واقعہ موجود ہے ۔ ج ص۲۲۸ و ج ص۱۸۷ و ج۹ ص۲۳۸ و ج۱ ص۲۵۵

○ قوم لوط کی ایک بستی تھی جس کا نام سدوم تھا مشرکین مکہ شام کی طرف بغرض تجارت آتے جاتے وہاں سے گذرتے تھے اور وہ بستی گرفتار عذاب ہوئی ۔ ج ص۱۷۰ و ج۱۱ ص۲۴ ۔ قوم لوط میں لواطہ کی بدعادت موجود تھی ۔ ج ص۲۱۰ ۔ حضرت لوط کا مفصل قصہ ج۱۱ ص۲۶ تا ص۳۰ و ج۱۴ ص۱۷۳

○ حضرت لوطؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی مائیں دو سگی بہنیں تھیں اور ان کے باپ کا نام لاحج تھا جو عہدۂ نبوت پر فائز تھا اور حضرت سارہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی خالہ زاد تھی جو بہت بڑی جاگیردار تھی ۔ ج۱۲ ص۵۴ ۔ حضرت لوطؑ کی بہن تھی ص۵۵

○ حضرت لوطؑ کی قوم کی بدعادات یعنی لواطت اور پاخانہ پھرنے کے بعد استنجا نہ کرنا اور غسل جنابت نہ کرنا وغیرہ ج۱۳ ص۱۳۰ ۔ لوطؑ اور نوحؑ کی بیویوں سے بری عورتوں کی مثال ج۱۴ ص۹۸

○ قوم لوطؑ کی ایک ایک بستی میں چار چار ہزار جنگی جوان موجود تھے ۔ ج۱۴ ص۱۸۳

○ لوطؑ کی بیٹی رباب اسحٰقؑ کی زوجہ اور یعقوبؑ کی ماں تھی ۔ ج۱۱ ص۳۰ و ص۷۹

لواطہ ۔ شاہ خدا بندہ کے دربار میں شافعی و حنفی علماء کے مابین مناظرہ میں شافعی عالم کا ثابت کرنا کہ ابو حنیفہ کے نزدیک لواطہ پر کوئی حد مقرر نہیں ہے ۔ ج۲ ص۲۰۱ ۔ مغربی ملکوں میں لواطت کی حیثیت ج۴ ص۱۱۳ ۔ لواطت کی ابتدا قوم لوط سے ہوئی ۔ ج ص۵۵ و ج ص۱۸۶

○ لواطہ کی سزا قتل ہے ۔ ج۹ ص۲۸

لہجہ - لہجہ علی میں کلام خدا شب معراج - ج ص ۲۶۶

لیلۃ القدر - ج ۱۴ ص ۲۴۳

میم

ماریہ قبطیہ ام المومنین - جس زمانہ میں حضرت جعفر طیار حبشہ میں تھے تو ان کا لڑکا وہیں پیدا ہوا تھا اور حبشہ کے بادشاہ نے ماریہ قبطیہ کو حضرت پیغمبرؐ کے لئے بھیجا تھا جو آپ کے فرزند ابراہیمؑ کی والدہ تھیں - ج ۵ ص ۱۶۱

- تفاسیر اہل بیتؑ میں آیت افک میں جناب ماریہ قبطیہ کی پاکیزگی کا ذکر ہے کیونکہ بعض لوگوں نے اس کی پاکدامنی پر شک کیا تھا کہ اس کے اپنے غلام کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں - پس حضرت علیؑ کو حضرت پیغمبرؐ نے تحقیق پر مامور فرمایا تو آپ کی تحقیق کے مطابق ماریہ پاکدامن ثابت ہوئیں کیونکہ وہ غلام خصی تھا ج ص ۱۲۱
- حضور نبی اکرمؐ کی زوجات میں سے ماریہ قبطیہ مال غنیمت میں سے تھیں اور مملوکہ تھیں ج ۱۱ ص ۲۰۵ - اور اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ والی آیت بھی ایک روایت کے ماتحت حضرت ماریہ کی پاکدامنی کے لئے نازل ہوئی - ج ۱۳ ص ۹۲ - ماریہ سے عائشہ و حفصہ کا حسد - ج ۱۴ ص ۶

مارج - اس کے معنی کی تفصیل ج ۹ ص ۱۸ پر ملاحظہ ہو -

- مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ کی تفسیر ج ۱۳ ص ۱۸۱ و ج ۱ ص ۱۸۲

مبارات کے احکام - ج ۳ ص ۶۹ و ص ۷

مباہلہ ج ۳ ص ۲۴۳ تا ص ۲۵۱ - ایک روایت میں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا حالت رکوع میں انگوٹھی دینے کا واقعہ ۲۴ ذوالحجہ کے دن تھا جس دن مباہلہ ہوا - ج ۵ ص ۱۳۴

متعہ - عورت کے ساتھ متعہ کرنے کا ثبوت - ج ۴ ص ۱۶ - **مثل** - ج ۲ ص ۴۲ و ج ص ۲۲۱ و ص ۲۲۸ و ص ۲۲۴ و ج ۱۱ ص ۱۰۹

مجوسی - جو ماں بہن سے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں - ج ۲ ص ۵۵ - نیز مجوسیوں کا دستور تھا کہ ذبح شدہ کو نہیں کھاتے تھے بلکہ اس کا گلہ دبا کر مار دیتے اور پھر اس کا گوشت کھاتے تھے - ج ۵ ص ۱۹

- قوم یہود کو سرکشی کی سزا ایک دفعہ بخت نصر کے ذریعے پھر فطرس نامی رومی بادشاہ کے ذریعے اور پھر تیسری دفعہ مجوسیوں کے ذریعہ سے دی گئی - ج ۵ ص ۱۳۸ - ایک قول یہ بھی ہے کہ دقیانوس بادشاہ جس کے ڈر سے

اصحاب کہف بھاگ آئے تھے وہ مجوسی تھا۔ ج ۹ ص ۸۳۔ اس کا شہر طرسوس کے گرد و نواح میں تھا جس کا نام افسوس لکھا ہے اور اس میں مجوسیوں کی کثرت تھی ص ۹۰

○ مجوسی بھی اہل کتاب کہلاتے ہیں لیکن ان کے متعلق تحقیق نہیں ہو سکی۔ ج ۷ ص ۱۵

مجلس۔ صحابہ کا دستور تھا کہ حضور نبی اکرمؐ کے پاس بیٹھنا پسند کرتے تھے چنانچہ جب کسی اور کو آتا دیکھتے تو زیادہ پھیل کر بیٹھ جاتے تاکہ آنے والے کی جگہ نہ بچے خداوند کریم نے ایسا کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ نئے آنے والوں کو جگہ دے دیا کرو تاکہ وہ فیض سے محروم نہ رہیں۔ ج ۱۳ ص ۲۳۶۔ عموماً مجالس عزا میں یہ نقص پایا جاتا ہے کہ نیا آنے والا پہلے بیٹھے ہوئے لوگوں میں مشکل سے جگہ پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ زیادہ سے زیادہ پھیل جاتے ہیں پس ایسے لوگوں کو قرآن کے فرمان سے درس لینا چاہیئے۔

مجسمہ سازی۔ ج ۱۱ ص ۲۳۱۔ مجرم۔ ج ۱ ص ۲۰۳ و ج ۱۱ ص ۵۵ و ص ۱۲۰

مچھلی۔ قوم یہود پر مچھلی کے شکار کی حرمت اور ان کی حیلہ سازی۔ ج ۲ ص ۱۱۹ و ج ۶ ص ۱۰۰۔ چونکہ بروز ہفتہ ان پر شکار ممنوع تھا پس وہ مچھلیوں کو پھنسانے کے لئے تالاب بنا لیتے تھے۔ جب مچھلیاں ان میں داخل ہوئیں تو ان کی واپسی کا راستہ بند کر لیتے اور ہفتہ کے گزرنے کے بعد ان کو پکڑ لیتے تھے۔ جب یہودیوں نے حضرت پیغمبرؐ پر تحویل قبلہ کے وقت اعتراض کیا کہ اگر بیت المقدس کی طرف منہ کرنا غلط تھا تو اب تک تم نے اس کو قبلہ کیوں بنائے رکھا اگر صحیح تھا تو اب اس سے انحراف کیونکر جائز ہے؟ پس آپؐ نے ان کو یہ جواب دیا کہ تم لوگوں پر ہفتہ کے دن شکار ممنوع تھا اگر یہ شکار حرام ہے تو باقی دنوں میں جائز کیوں ہے؟ اور اگر جائز ہے تو ہفتہ کے دن حرام کیوں ہے؟ پس وہ لاجواب ہو گئے۔

○ مچھلی وہی حلال ہے جس کے اوپر چھلکا ہو۔ ج ۵ ص ۸۰

○ حضرت عیسیٰؑ کی دعا سے جو مائدہ آسمان سے اترا تھا اس میں نو بچی ہوئی مچھلیاں تھیں۔ ج ۵ ص ۱۸۲

○ بنی اسرائیل میں سے بعض لوگ نافرمانیوں کی بدولت بے چھلکا مچھلی کی شکل میں مسخ ہوئے۔ ج ۵ ص ۱۸۴

○ حضرت یونسؑ کا مچھلی کے شکم میں چلا جانا ج ۸ ص ۱۸۳۔ زیادہ سے زیادہ چالیس دن مچھلی کے شکم میں رہے ج ۱۲ ص ۱۵۵ تا ۱۵۸

○ حضرت موسیٰؑ بھونی ہوئی مچھلی کو ساتھ لے کر حضرت خضر کی تلاش میں نکلے تھے پس آب حیات کے کنارے بیٹھ کر جب وضو کیا تو چند پانی کے قطرات پڑنے سے وہ مچھلی زندہ ہو کر پانی میں کود گئی۔ ج ۹ ص ۱۰۷

○ حضرت خضرؑ نے بھی ایک مچھلی کے ذریعہ سے چشمۂ آب حیات تلاش کیا تھا کیونکہ وہ زندہ ہو کر اس میں کود گئی اور خضرؑ نے اس کو ڈھونڈتے ہوئے اسی چشمہ کا پانی پی لیا اور سکندر ذوالقرنین کو واقعہ کی اطلاع دی لیکن سکندر کو وہ چشمہ نہ مل سکا۔ ج ۹ ص ۱۲۲

○ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مچھلی کو دعوت پر بلایا چنانچہ ایک پہاڑ پر غلہ کا انتظام کیا لیکن مچھلی نے اس سارے غلہ کو ایک نوالہ میں ہڑپ کر لیا۔ ج۵ ص۱۴۹

○ حضرت سلیمانؑ نے جو ملکہ بلقیس کے لئے محل تیار کرایا تھا اس کے سامنے ایک تالاب بنوایا جس پر آئینہ کاری کی گئی اور اس میں مختلف اقسام کی مچھلیاں چھوڑی گئیں ج۸ ص۲۵۱

○ ن والقلم کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ نون ایک مچھلی کا نام ہے جس کی پشت پر یہ زمین بچھی ہوئی ہے ج۱۴ ص۸۲ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ نون ہر مچھلی کو کہا جاتا ہے اور حضرت یونس علیہ السلام کا لقب ذوالنون اسی لئے ہے کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ ج۱۴ ص۸۳

محبت۔ دو آدمیوں سے رائی برابر محبت رکھنے والا ہرگز داخل جنت نہ ہوگا۔ ج۱ ص۱۸۱

○ حضرت یوسفؑ نے فرمایا میرے ساتھ جس جس نے محبت کی اس نے مجھے مصیبت میں ڈالا پھوپھی یا خالہ نے محبت کی تو میری طرف چوری کی نسبت دی گئی۔ باپ نے محبت کی تو کنوئیں میں ڈالا گیا اور زلیخا نے محبت کی تو قید کی کوٹھڑی نصیب ہوئی۔ ج۸ ص۳۵

○ اللہ سے محبت کرنی ہے تو محمد و آل محمد کی اطاعت کرو۔ ج۳ ص۱۱۹ و ص۲۱۱

○ قرآن کی محبت اور آل محمدؐ کی محبت لازم وملزوم ہیں۔ مقدمہ تفسیر ص۱۲۹

○ اطاعت خدا۔ محمد و آل محمد کی اطاعت ہے۔ ج۷ ص۱۰ ج۱۲ ص۱۰۰

○ محبت کا دعویٰ بغیر عمل فضول ہے۔ ج۶ ص۳۸ و ص۱۰۲

○ محبت علی کا کرشمہ، ابو مظفر واعظ کا قصہ۔ ج۵ ص۸۵

محب اور شیعہ میں فرق۔ ج۱۲ ص۳۴ تا ص۳۵۔ مومن کی مومن سے محبت۔ ج۵ ص۱۱۹

محکم ومتشابہ۔ قرآن کے محکمات ومتشابہات کا علم حضرت علیؑ کے پاس تھا۔ مقدمہ ص۸۴

اقول:۔ اللہ نے قرآن مجید میں محکمات کے ساتھ متشابہات رکھ کر قیامت تک امت مسلمہ کو راسخون فی العلم کا محتاج کر دیا ہے تاکہ کبھی بھی کوئی حسبنا کتاب اللہ کا دعویٰ نہ کر سکے اور اسی مضمون کی روایت معصوم سے بھی منقول ہے۔

○ محکمات ومتشابہات کا مفصل بیان۔ ج۳ ص۱۱ تا ص۱۹۹ ملاحظہ ہو۔

○ قرآن کی آیات محکم ہیں ج۸ ص۱۸۱ و ج۱۲ ص۴۹۔ قرآن کتاب متشابہ ہے۔ ج۱۲ ص۱۱۹

محراب۔ لفظی تشریح ج۳ ص۲۲۳۔ جائے نماز کو محراب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ محراب حرب سے ہے اور اس کا معنی ہے جنگ چونکہ جائے نماز شیطان سے جنگ کرنے کا مقام ہے اس لئے اس کو محراب کہا جاتا ہے ج۱ ص۱۴۰

مسجد اقصیٰ کے محرابوں کو بلوری قسم کے پتھروں سے سجایا گیا تھا۔ ج ۱ ص ۲۳۰

حضرت محمد مصطفیٰ۔ حروفِ تہجی میں ا کی نسبت اللہ سے جو سب سے اوّل ہے اور ب کی نسبت حضرت

- محمد مصطفیٰؐ سے اور با کے نیچے نقطہ کو نسبت علیؑ سے ہے۔ ج ۲ ص ۲۶
- حضورؐ نے اگلی انبیاء کی طرح علیؑ کو اپنا وصی نامزد فرمایا ج ۲ ص ۱۰۰۔ فرمایا۔ اَنَا وَعَلِی اَبَوَا هٰذِهِ الاُمة ج ۲ ص ۱۳۲
- یہودی لوگ پہلے زمانہ حضرت پیغمبرؐ کی آمد کے منتظر تھے۔ ج ۲ ص ۱۴۰
- یہود و نصاریٰ کو پتہ تھا کہ آخری نبی دو قبلوں کی طرف نماز پڑھے گا۔ ج ۲ ص ۱۹۱
- حضرت پیغمبرؐ کی گیارہ خصوصیات ج ۴ ص ۲۱۔ جنگِ احد میں معجزہ ج ۴ ص ۵۸
- حضورؐ کا دانت مبارک شہید ہوا۔ ج ۴ ص ۶۶۔ قیامت کے دن آپ کا مقام ج ۴ ص ۹۳ ج ۵ ص ۱۸۵
- آپ کے تعدد ازواج پر اعتراض اور اس کا دندان شکن جواب ج ۴ ص ۱۱۵
- حضورؐ کا ارشاد کہ کسی نبی کو اتنی اذیتیں نہیں دی گئیں جس قدر مجھے دی گئیں اور حضرت علیؑ تنہا وہ ذات شریف ہے جو ہر مشکل مرحلہ پر جان جوکھوں میں ڈال کر حضورؐ کے سامنے سینہ سپر رہے۔ ج ۵ ص ۸۰۔ اوّلنا محمد واٰخرنا محمد الخ ج ۵ ص ۸۰
- حضرت پیغمبرؐ کے لیے دو دفعہ سورج پلٹا۔ ج ۵ ص ۸۶
- یہودِ خیبر نے زانی مرد و عورت کی سزا دریافت کی تو آپ نے بحکم خدا رجم کا حکم دیا اور ابن صوریا سے مفصل گفتگو ج ۵ ص ۱۰۸ پر ملاحظہ ہو۔
- حضورؐ نے فرمایا کوئی شخص بھی جنت میں اپنے اعمال کی بدولت داخل نہ ہو سکے گا لوگوں نے عرض کی۔ یارسول اللہؐ! آپ بھی؟ فرمایا ہاں جب تک وہ اپنی رحمت سے ڈھانپ نہ لے اور جو بھی رنج و غم پہنچتا ہے اس کو سوائے اللہ کے کوئی دفع نہیں کر سکتا۔ ج ۵ ص ۱۹۶
- حضورؐ پاک کی نبوت عالمی و کلی تھی اس لئے آپ کا قرآن ارتقاء انسانی کے جملہ اصول و قواعد پر حاوی ہے ج ۶ ص ۸۵ آپ نے فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدم وَلَا فَخْرَ ج ۶ ص ۱۰۶ و ج ۱۳ ص ۱۹۸
- حضرت یوسفؑ نے زلیخا سے فرمایا کہ تو میرے حسن پر گردیدہ ہے اگر تم خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰؐ کا دیدار کرتیں تو کیسے برداشت کرتیں؟ کہنے لگی واقعی وہ آپ سے حسین تر ہیں یوسفؑ نے پوچھا تو نے غائبانہ کیسے تصدیق کر لی تو کہنے لگی ان کا نام نامی سنتے ہی میرے دل نے تسلیم کر لیا پس بخت جاگے قسمت نے پلٹا کھایا جوانی واپس آئی اور وحی پروردگار کی بدولت حضرت یوسفؑ نے اس کو اپنے نکاح میں لے کر حرم سرا میں داخل کر لیا۔ ج ۸ ص ۹۲، ۹۳

- حضورؐ کی بددعا سے آپ کے دشمنوں پر عذاب خداوندی۔ ج ص ۱۱
- حضورؐ کی ولادت کے وقت ظہور معجزات۔ ج ص ۱۷۲
- اللہ کی جانب سے حضورؐ کی نزاہت وبراءت کی توضیح۔ ج ص ۷
- حضورؐ کے معراج جسمانی کے امکان پر سائنسی استدلال۔ ج۱ ص ۲۴۹
- تورات میں حضورؐ کی تعریفیں موجود تھیں۔ ج۱۱ ص ۴۲
- حضرت پیغمبرؐ نے زندگی میں غربت اور سلطانی کے دونوں دور دیکھے ج۱۱ ص ۶ و ص ۹۸ و ج۱۲ ص ۲۳۳
- حضورؐ نے کسی سے پڑھنا لکھنا نہ سیکھا تھا ورنہ مشرکین کہہ دیتے کہ یہ پڑھا لکھا آدمی ہے اور سابقہ کہانیوں کو بنا بنا کر ہمارے سامنے دہراتا ہے۔ ج۱۱ ص ۹۴
- تورات میں حضورؐ کے اوصاف ایک یہودی پادری کی زبانی۔ ج۱۱ ص ۱۲۸
- حضورؐ تمام لوگوں کے لئے بشیر ونذیر ہو کر مبعوث ہوئے۔ ج۱۱ ص ۲۴۲
- آپؐ نے فرمایا اَنَا ابْنُ الذَّبِيحَيْنِ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ ج۱۲ ص ۹۳
- حضرت الیاس پیغمبرؐ سے حضورؐ کی ملاقات اور دعوت ج۱۲ ص ۷
- حضرت پیغمبرؐ کو اللہ نے دولت کی پیش کش کی تو آپ نے فرمایا میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور ایک دن بھوک سے گذاروں مجھے زیادہ پسند ہے۔ ج۱۲ ص ۹۴
- مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ کی تشریح۔ ج۱۲ ص ۲۲۱
- حضورؐ کی دعا اے اللہ مجھے مسکین زندگی دے اور مسکین ہو کر مروں اور بروز محشر مساکین کے زمرہ میں میرا حشر ہو۔ ج۱۲ ص ۲۳۵
- اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں پہلا عبادت گذار ہوں۔ ج۱۲ ص ۲۵۲
- آپ کی سادہ زندگی کا یہ عالم تھا کہ کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تکیہ سر کے نیچے رکھتے تھے ج۱۳ ص ۲۸
- سورہ محمد کے پڑھنے کے فضائل۔ ج۱۳ ص ۳۹
- ایک دفعہ ابن مسعود نے عرض کی مجھے حق دکھایئے آپ نے فرمایا اس کمرہ میں داخل ہو اس نے دیکھا کہ حضرت علیؑ حضرت محمدؐ کے واسطہ سے اپنے شیعوں کی بخشش کی دعا مانگ رہے تھے وہ جب واپس حضرت پیغمبرؐ کو اطلاع دینے کیلئے نکلا تو حضورؐ اپنی دعا میں حضرت علیؑ کے واسطہ سے امت کی بخشش کی دعا مانگ رہے تھے آپ نے فرمایا ابن مسعود اب ایمان کے بعد کفر نہ کرنا آخر میں فرمایا بروز محشر میں اور علیؑ ہر کفار وعنید کو جہنم میں پھینکیں گے کفار سے مراد نبوت کا دشمن اور عنید سے مراد علیؑ کی ولایت کا دشمن۔ ج۱۳ ص ۱۱۸
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش گوئی کی تھی کہ میرے بعد جو نبی آئے گا اس کا نام احمد ہوگا۔ ج۱۴ ص ۸

- انجیل میں حضرت مسیحؑ کی یہ پیش گوئی بھی ہے کہ میرے بعد فارقلیط آئے گا یہ یونانی لفظ ہے۔ جس کا معنی محمد بنتا ہے۔ ج۶ ص۱۰۵

امام محمد باقر علیہ السلام کا دربار ہشام بن عبدالملک میں داخلہ اور دلائل امامت سننے کے بعد آپ کی قید کا حکم۔ آپ کے حسن اخلاق سے صرف قیدی نہیں بلکہ تمام اہل شام آپ کے گرویدہ ہو گئے پس ہشام نے رہا کر کے واپس مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔

- تین روز کے متواتر سفر کے بعد آپ مدین پہنچے تو لوگوں نے دروازے بند کر لئے پس آپ نے وہ آیت پڑھی جو حضرت شعیب نے اپنی تبلیغ میں پڑھی تھی اور آپ نے فرمایا میں بقیۃ اللہ ہوں پس لوگوں نے دروازہ کھولا اور آپ اندر داخل ہوئے ج۱ ص۹۹ و ۱۰۵
- طاؤس یمانی سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی گفتگو۔ طاؤس نے پوچھا وہ کون سا پرندہ ہے جو صرف ایک دفعہ اڑا۔ آپ نے فرمایا وہ طور سینا ہے، جو اڑ کر بنی اسرائیل پر سایہ فگن ہوا تھا جس میں قسم قسم کے عذابوں کا منظر تھا۔ ج۱ ص۱۱۱
- وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا کی تفسیر میں نافع غلام عمر نے ہشام کے کہنے پر دوران حج حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا کہ حضرت پیغمبرؐ اور عیسیٰؑ کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے عقیدہ کے مطابق ۵۰۰ برس اور میرے عقیدہ کے مطابق ۶۰۰ برس پس فوراً اس نے اعتراض کیا کہ سابق انبیاء سے سوال کرنے کا مقصد؟ تو آپ نے آیت معراج پڑھ دی اور فرمایا کہ تمام انبیاء جمع تھے اور جبرئیلؑ نے اذان کہی اور حضورؐ نے ان سے سوال کیا اور انہوں نے جواب دیا اور حضورؐ کی رسالت کی گواہی دی بعد شہادت توحید کے۔

اقول: دوسری روایت میں توحید اور نبوت، و ولایت کی گواہی سب نے دی جیسا کہ ملا سلیمان حنفی قندوزی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ج۱۲ ص۱۲۹ و ص۱۴۰

- امام محمد تقی علیہ السلام سے معتصم کا چور کی سزا کے متعلق دریافت کرنا اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا قرآن سے صرف، ہاتھ کی انگلیوں کے کاٹنے کا حکم ثابت کرنا۔ مقدمہ تفسیر ص۶۶
- امام محمد تقی علیہ السلام کم سنی میں امام تھے۔ ج۹ ص۱۴۱ و ج۵ ص۹۹
- امام محمد تقی علیہ السلام کا یحییٰ بن اکثم سے مناظرہ ج۵ ص۱۶۱ تا ص۱۷۱
- امام پر سوال کیا گیا کہ آپ بچپنے میں کیسے امام بن گئے تو آپ نے سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا حوالہ دیا کہ وہ بھی بچپنے میں نبی ہوئے تھے۔ ج۱ ص۲۲

مدد ۔ آئمہ طاہرین علیہم السلام سے مدد مانگنے سے شرک لازم نہیں آتا ۔ ج۱ ص۲۱

- یا علیؑ مدد ۔ ج۱ ص۲۷
- مدارس دینیہ کی مدد ضروری ہے ۔ ج۹ ص۱۱۴
- اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ رسولوں اور مومنوں کی مدد فرماتا ہے ج۱۲ ص۱۸۹
- مومن آل فرعون کی اللہ نے کیسے مدد فرمائی ؟ ج۱۲ ص۱۵۶
- آل محمد بروز محشر شیعوں کی مدد کریں گے ۔ ج۲ ص۱۰۴

مدینہ ۔ حرم رسول ہے اس کا پہلا نام یثرب تھا ۔

مدارس ۔ مدرسہ باب النجف جاڑا کی تعمیر کی ابتداء اور حائل شدہ مشکلات ۔ مقدمہ ص۴

- دینی مدرسوں میں قرآنی علوم کی تدریس ضروری ہے ۔ مقدمہ ص۲۱ و ۲۲
- دینی درس گاہوں میں خرچ کرنا صدقہ جاریہ ہے ۔ ج۲ ص۲۱۶ و ص۲۱۷ و ج۵ ص۲۶
- دور حاضر میں زکوٰۃ کا بہترین مصرف مدارس دینیہ ہیں ۔ ج۶ ص۸۶
- مدارس دینیہ کا وجود غنیمت ہے ۔ ج۶ ص۲۴۹

مرگی ۔ سورہ قٓ لکھ کر اپنے پاس رکھے مرگی سے محفوظ ہوگا ۔ باذن اللہ ج۱۳ ص۱۱

مرتد ۔ مرتد کی دو قسمیں ہیں ۔ مرتد ملی ۔ مرتد فطری ۔

- مرتد ملی وہ ہے جو کافر والدین کے گھر پیدا ہوا اور با اختیار ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو کر دوبارہ کافر ہو جائے
- مرتد فطری وہ ہے جو مسلمان والدین کے ہاں پیدا ہوا اور پھر کافر ہو جائے ۔
- اکثر علماء کے نزدیک مرتد فطری کی توبہ قبول نہیں بلکہ مرتد ہوتے ہی وہ واجب القتل ہوگا اس کی بیوی اس سے فارغ اور اس کی جائیداد تقسیم ہو جائے گی لیکن بعض علماء کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہے اور مرتد ملی کو توبہ کی دعوت دی جائے گی اور توبہ نہ کرنے کے بعد وہ واجب القتل ہوگا ۔ ج۳ ص۲۶
- جنگ احد کے بعد جب حضورؐ کی موت کی خبر مشہور ہوئی تو بعض صحابہ مرتد ہو کر کفر کی طرف پلٹنے پہ آمادہ ہو گئے تھے اور حضرت پیغمبرؐ کی وفات کے بعد تو بہت سے مرتد ہو گئے ۔ ج۳ ص۵۹
- اور حضورؐ کے بعد بہت سے صحابہ کے مرتد ہونے کی روایات بخاری شریف میں بھی موجود ہیں ۔ مقدمہ تفسیر ص۱۴۵ و ص۱۴۷

مریمؑ ۔ حضرت مریمؑ کی پیدائش و تربیت کا تفصیلی ذکر ۔ ج۳ ص۲۱۹ تا ص۲۲۳

- جناب مریمؑ کا برگزیدہ ہونا ۔ ج۳ ص۲۲۸ تا ص۲۳۷
- عیسائیوں کا ایک گروہ تین خداؤں کے قائل ہیں جن کو اقانیم ثلثہ کہتے ہیں ۔ باپ ، بیٹا اور روح القدس یا مریمؑ اس

- فرقہ کو ملکائیہ کہا جاتا ہے۔ ج۵ ص۱۴۵ حضرت جعفر طیار نے نجاشی بادشاہ کے سامنے سورۂ مریمؑ کی تلاوت کر کے اس کو مطمئن کیا تھا ج۵ ص۱۵۷
- مسجد براثا حضرت مریمؑ کی بھی عبادت گاہ ہے۔ ج۶ ص۲۶
- سورہ مریمؑ کے فضائل۔ ج۹ ص۱۳۵
- حضرت مریمؑ کا حضرت عیسیٰؑ کو جنم دینا۔ ج۹ ص۱۴۲ تا ص۱۴۶
- حضرت مریمؑ و حضرت عیسیٰؑ بذات خود ایک معجزہ تھے۔ ج۹ ص۲۴۰
- حضرت مریمؑ کی طرف حضرت زکریاؑ کی زنا کی نسبت دیکر ابلیس لوگوں کو بھڑکاتا تھا۔ ج۹ ص۲۵
- حضرت علی علیہ السلام کی ولادت کے موقعہ پر جناب فاطمہ بنت اسد نے اپنی مریم بنت عمران پر برتری کا اعلان فرمایا تھا کہ عیسیٰ کی ولادت کے بعد ان کو خشک کھجور کے ہلانے کا حکم ہوا تھا اور تر و تازہ کھجور سے ان کی ضیافت کی گئی تھی لیکن میں تین دن متواتر اللہ کے دستر خوان پر مہمان ہو کر بہشتی کھانے اور میوہ ہائے جنت کھاتی رہی ہوں۔ ج۱ ص۵۲
- تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ مصریوں میں سے حضرت موسیٰ کی دعوت پر صرف تین آدمی مسلمان ہوئے تھے (۱) آسیہ زن فرعون (۲) مومن آل فرعون (۳) مریم نامی ایک عورت
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک بہن کا نام مریم بنت عمران تھا جو کالب بن یوحنا کی زوجہ تھیں۔ نقلاً از لوامع التنزیل ص۲۱۸ ج۵ ص۳

مرجئہ ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مرجئہ فرقہ پر دو دفعہ لعنت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ وہ فرقہ ہے جو ہمارے قاتلین کو مومن سمجھتا ہے پس تا قیامت ان کے لباس ہمارے خون سے رنگے رہیں گے ج۲ ص۱۲

مروان ۔ شجرہ ملعونہ کی تفسیر میں ہے کہ یہ شجرہ ملعونہ بنی امیہ ہیں اور حضورؐ نے دیکھا تھا کہ میرے منبر پر بندر ناچ رہے ہیں اور یہ لوگ اسی خواب کی تعبیر ہیں۔ ج۹ ص۳۹

- مروی ہے کہ مروان کو اپنی بیوی نے جو یزید کی بیوہ تھی قتل کیا۔ خزائن نراقی ص۲۵۳

مُردار ۔ تفسیر کی جلد۵ ص۱۹ تا ص۲۵ میں تفصیل موجود ہے ص۲۸ و ج۶ ص۳۸

مسمریزم ۔ اس علم کو علما نے حرام قرار دیا ہے۔ ج۲ ص۱۵۲
- اس کی تھوڑی سی وضاحت ج۲ ص۱۵۲ پر موجود ہے۔

مسیح ۔ کی لفظی تشریح اور معنوی وضاحت۔ ج۳ ص۱۲۶
- مسیح ابن مریم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ماں صدیقہ تھیں۔ ج۵ ص۱۲۹

مسخری ۔ قرآن کو انتہائی تیزی سے پڑھنا کہ سمجھ کچھ نہ آئے یہ قرآن کے ساتھ مسخری ہے۔ مقدمہ ص۴۹

○ منافقوں نے کہا کہ ہم مومنوں کے ساتھ میل جول صرف ان سے تمسخر کے لئے رکھتے ہیں تو اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بروز محشر ان کو اس مسخری کا جواب مسخری سے دیا جائے گا۔ ج۱ ص۶۱ و ج۱۴ ص۱۹۲

○ جب حضرت موسیٰ نے قاتلوں کو تلاش کرنے کے لئے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا آپ ہم سے مسخری کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا مسخری کرنا جاہلوں کا کام ہے جس سے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ ج۱ ص۱۲۳

○ حکم خداوندی ہے کہ جو لوگ تمہارے دین کو مسخری و مذاق سمجھتے ہیں ان سے دوستی نہ رکھو۔ ج۵ ص۱۳۴ ایسی مجلس سے اٹھ جانے کا حکم ہے جہاں دین سے مسخری ہو رہی ہو۔ ج۵ ص۲۲۵

○ زلیخا نے حضرت یوسفؑ سے کہا آپ مجھ سے مسخری کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا مسخری نہیں بلکہ اگر تو چاہے تو میرے حرم سرا میں داخل ہو جا۔ ج۹ ص۴۹

○ حق والوں سے مسخری کرنا جاہلوں کا ہمیشہ کا دستور ہے۔ ج۲ ص۱۷۰ و ج۷ ص۱۹۱ ج۱۲ ص۲۴۴

○ رسول اللہ پر مسخری کرنے والوں کو اللہ نے بدترین سزائیں دیں۔ ج۲ ص۱۹۳

○ کفار کا مومنوں سے مسخری کرنا۔ ج۲ ص۹۔ ایسے لوگ ایک دن اپنی مسخری کا مزا چکھیں گے۔ ج۱۳ ص۱۹۱، ج۱۲ ص۱۰۵

○ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا چار آدمیوں پر اللہ کی لعنت ہے (۱) اولاد کے ڈر سے شادی نہ کرنے والا (۲) مرد ہو کر

○ عورتوں سے مشابہت کرنے والا (۳) وہ عورت جو مردوں کے مشابہ بننے کی کوشش کرے (۴) لوگوں سے مسخری کرنے والا۔ ج۲ ص۱۳۴

○ وہ گناہ تین ہیں جن کا انتقام خود خدا لیتا ہے۔ مومن پر بغاوت، تکبر اور مسخری۔ ج۱۲ ص۱۱

○ حضرت لقمان نے زندگی بھر کسی سے مزاح (تمسخر) نہ کیا۔ ج۱ ص۱۲۹

○ مسخری کرنے سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔ ج۱۳ ص۱۱

مسواک ۔ حضرت پیغمبرؐ صبح سویرے مسواک کرتے تھے۔ ج۲ ص۹۶

○ مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اس کے فوائد بہت زیادہ ہیں۔ نماز و قرآن خوانی سے پہلے اس کی بہت تاکید ہے۔

مسیلمہ کذاب ۔ اس نے حضورؐ کے زمانہ میں دعوائے نبوت کیا تھا آخرکار ابوبکر کے زمانہ میں اسی حبشی کے ہاتھوں قتل ہوا جس نے حضرت حمزہ کو قتل کیا تھا اسی لئے کہا کرتا تھا کہ میں نے زمانہ کفر میں بہترین انسان کو قتل کیا اور زمانۂ اسلام میں بدترین کو قتل کیا ہے۔ ج۱ ص۱۲۱ و ص۱۲۲

مسجد ۔ مسجد ذو القبلتین بنی عبد الاشہل کی مسجد ہے جس میں انہوں نے دو رکعت بیت المقدس کی طرف منہ کر کے

پڑھی پس معلوم ہوا کہ قبلہ تبدیل ہو چکا ہے تو پہلی دو رکعت کعبہ کی طرف منہ کرکے پڑھ لی پہلے مرد آگے تھے پھر عورتیں آگے ہوگئیں ۔ ج۲ ص۱۹۱

- ○ تعمیر مسجد ایک صدقہ جاریہ ہے ۔ ج۱ ص۲۱۶ ۔ مسجد قبا مسجد ضرار ۔ ج۶ ص۱۲۸
- ○ تعمیر مساجد و احکام مساجد ۔ ج۶ ص۲۳ ۔ آداب مسجد ج۶ ص۱۸ ۔ مسجد کوفہ ج۶ ص۲۱۴ ج۱۴ ص۱۱۳
- ○ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ ۔ ج۹ ص۳ ۔ غار اصحاب کہف کے باہر مسجد تعمیر کرائی گئی ۔ ج۹ ص۱۲۰
- ○ مسجد سہلہ ادریس نبی کا گھر تھا جہاں کپڑے سیا کرتے تھے ۔ ج۹ ص۱۵۱
- ○ مساجد کی تشریح ج۱۴ ص۱۲۰
- ○ مسجد شجرہ اہل مدینہ کے لئے میقات ہے جہاں سے احرام باندھا جاتا ہے ج۲ ص۲۳

مسخ ۔ شہوت غضب اور خواہش نفس کی پیروی کی وجہ سے امت موسیٰ میں مسخ واقع ہوا ۔ ج۲ ص۲۴

- ○ نافرمانی کرکے بنی اسرائیل بندر کی شکل میں مسخ ہوئے ۔ ج۱ ص۱۱۱ و ج۲ ص۱۱۰
- ○ خداوند کریم نے کئی قوموں کو کئی شکلوں میں مسخ کر دیا ۔ مثلاً سور ، بندر ، ریچھ وغیرہ پس ان جانوروں کا گوشت حرام قرار دیا گیا ۔ ج۵ ص۱
- ○ مسخ شدہ جانور ، ریچھ ، بندر ، چمگادڑ اور مور وغیرہ سب حرام ہیں ۔ ج۵ ص۵
- ○ بنی اسرائیل بندر ، ریچھ اور سور کی شکل میں مسخ ہوئے اسی طرح ریچھ اور سور کی شکلوں میں بعض دشمنان علیؑ کا مسخ ہونا بھی روایات میں ہے ج۵ ص۴ ۔ دشمن امام حسن مرد سے عورت بن گیا ۔ مقدمہ تفسیر ص۳۳
- ○ دشمن علیؑ کتے کی شکل میں مسخ ہو گیا ۔ ج۱ ص۲۲۸
- ○ حضرت عیسیٰؑ سے دسترخوان کے نزول کا سوال کرکے پھر کافر ہونیوالے مسخ ہو گئے ۔ ج۵ ص۱۴۴
- ○ مٹی مچھلی کی شکل میں سوسمار کی شکل میں اور سور کی شکل میں مسخ ہوئے ۔ ج۵ ص۱۸۴
- ○ مروی ہے کہ اساف و نائلہ زنا کرکے پتھروں کی شکل میں مسخ ہو گئے ۔ ج۲ ص۲۳
- ○ حضرت لوطؑ کی نافرمان بیوی سیاہ پتھر کی شکل میں مسخ ہو گئی ۔ ج۱۱ ص۸۰ و ص۸۱
- ○ حضرت داؤد کی بددعا سے سور و بندر کی شکل میں مسخ ہونے والے شامی تھے ۔ ج۱۲ ص۲۰۳

مسائل مشکلہ میں عمر کا قول ۔ لولا علی لهلك عمر ۔ ج۳ ص۱۹۹ ، ج۶ ص۱۲۹ و مقدمہ ص۱۳۳

- ○ مسائل مشکلہ ج۶ ص۲۲۲ ۔ جسم کی موت کے بعد اس کے حشر کے متعلق معتزلہ اور اشاعرہ کا اختلاف ج۶ ص۲۲۳

مشرق و مغرب ۔ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۔ ج۲ ص۱۵۰ و ص۱۱۲ و ص۲۱۰

- ○ ہر طرف اللہ ہے ۔ ج۲ ص۱۹۲ ۔ ذوالقرنین بادل کی سواری کرتے تھے اور مشرق و مغرب پر ان کا سکہ تھا ج

ص۱۲۷۔ مشارق ومغارب کی تشریح ج۱۱ ص۲۳۲۔ مشرقین ومغربین کی وضاحت۔ ج۱۳ ص۱۸۱

مشرکین کی تردید۔ ج۱ ص۱۵۸، ج۵ ص۱۸۸ و ص۲۳۵ و ص۲۴۴، ج۶ ص۱۵۰، ج۸ ص۱۱۲ و ج۸ ص۲۰۲ و ص۲۲۹۔ مشرکین بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کرتے تھے ج۶ ص۱۳۳۔ مشرکین کو سزا۔ ج۶ ص۸۲۔ مشرکین کا دارالندوہ میں اجتماع اور حضورؐ کے خلاف سازش ج۶ ص۱۹۱۔ مشرکین نجس ہیں۔ ج۷ ص۳۶

- مشرکین کے لئے دعا سے منع ج۷ ص۱۳۲۔ مشرکین کو تہدید ج۹ ص۱۳۰۔ مشرکین کا انجام ج۹ ص۲۵۳
- شرک کی نفی۔ ج۱۱ ص۱۰۹، ج۱۲ ص۱۲۰ و ص۲۵۱

مشورہ۔ ج۴ ص۴۳۔ باہمی مشورہ کرکے کام کرنا اہل جنت کی نشانی ہے۔ ج۱۲ ص۲۱۴ و ص۲۱۵

مصر۔ مصر سے موسیٰؑ کی بنی اسرائیل کو ہمراہ لے کر روانگی اور فرعون کا تعاقب۔ ج۱ ص۱۰۶

- حضرت یوسفؑ کے زمانہ میں مصر کا حکمران ولید بن مصعب تھا جس کا لقب فرعون تھا اور حضرت موسیٰؑ کے وقت بھی وہی فرعون تخت مصر پر قابض تھا اور یوسفؑ کے مصر میں داخلے اور موسیٰؑ کے داخلۂ مصر میں چار سو برس کا فاصلہ تھا۔ ج۶ ص۶۵
- موسیٰؑ کا مصر میں داخلہ ج۹ ص۱۸۲ و ج۱ ص۱۱۷

مصلائے ابراہیمؑ۔ جو مقام ابراہیمؑ ہے۔ ج۲ ص۱۴۲

- ایک روایت میں ہے کہ اگر ایک شخص حج پا پیادہ کرے کوہ احد کے برابر راہ خدا میں سونا خرچ کرے اور مظلوم ہو کر رکن اور مقام کے درمیان قتل ہو جائے لیکن اگر علی کی ولا دل میں نہیں تو نیک اعمال کے باوجود جہنم کا ایندھن بنے گا۔

مصیبت۔ محمد وآل محمد کے وسیلہ سے دعا مانگی تو بنی اسرائیل سے مصیبت ٹل گئی۔ ج۲ ص۱۰۹ و ص۱۲۵

- بنی اسرائیل تابوت کی بے حرمتی کی بدولت مبتلائے عذاب ہوئے۔ ج۳ ص۱۲۰ و ص۱۴۶
- عبادت گذاروں کی بدولت بدکاروں سے بھی عذاب ومصیبت ٹل جایا کرتی ہے۔ ج۳ ص۲۰۵
- مومن پہاڑ کی چوٹی پر ہو تو بھی اس کی آزمائش کے لئے کوئی شیطان وہاں پہنچ جائے گا۔ ج۵ ص۲۴۸
- کسی کی مصیبت پر خوش ہونا اچھا نہیں۔ ج۶ ص۱۰
- مصائب زہراؑ ج۱ ص۵۳ و ص۵۴ و ص۹۸ ومقدمہ تفسیر ص۱۷۱، مصائب کربلا ج۲ ص۱۹۹، ج۹ ص۱۳۶ و ص۱۳۹ و ج۱۱ ص۸۹
- مومن دنیا میں مبتلائے مصیبت ہوا کرتا ہے۔ ج۷ ص۱۲۸، ج۱۱ ص۶۶، ج۱۴ ص۴
- حضرت یونسؑ کی قوم سے توبہ کے باعث مصیبت ٹل گئی۔ ج۷ ص۱۸۳
- حضرت یوسفؑ کے مصائب۔ ج۸ ص۸۳ و ص۸۴

- مصیبت میں صبر کرنا بہت بڑی عبادت ہے ۔ ج ۸ ص ۱۱۱ ۔ شیعوں کا صبر ج ۸ ص ۱۱۰
- حضرت خضرؑ نے موسیٰ و یوشع کے سامنے مصائب آل محمدؐ پڑھے تو دونوں نبی سخت روئے ۔ ج ۹ ص ۱۰۹
- حضرت ایوبؑ کے مصائب ۔ ج ۹ ص ۲۴۴ و ج ۱۲ ص ۹۸ تا ص ۱۰۲
- مصائب آل محمد ۔ ج ۱ ص ۲۹ و ج ۲ ص ۸۶ و ص ۸۹ و ج ۷ ص ۲۳۶ ج ۸ ص ۱۲۱ و ج ۹ ص ۸۷ و ج ۱۳ ص ۲۲۴ ، مقدمہ تفسیر ص ۱۰۳
- بنی اسرائیل کا مصائب سے تنگ آکر حضرت موسیٰؑ کی آمد کیلئے دعائیں مانگنا چنانچہ ایک چاندنی رات میں بنی اسرائیل کا اجتماع تھا اور ان کا عالم حضرت موسیٰؑ کے اوصاف بیان کر رہا تھا کہ وہ لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہوگا وغیرہ اچانک حضرت موسیٰؑ وہاں پہنچ گئے ۔ ج ۲ ص ۲۳
- صدقہ مصائب کو دفع کر دیتا ہے ۔ ج ۳ ص ۲۱۳

مصافحہ ۔ عید غدیر کے روز مومنین ایک دوسرے سے مصافحہ کریں تو بہت ثواب ہے ۔ ج ۲ ص ۳۶

- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جب دو مومن ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت سے خشک پتے جھڑتے ہیں ۔ ج ۸ ص ۱۳۴
- جب مومن ایک دوسرے سے مصافحہ کریں تو ان پر اللہ کی رحمت برستی ہے ج ۳ ص ۱۱

معراج ۔ مقدمہ تفسیر ص ۴۲ و ج ۲ ص ۱۴ و ج ۹ ص ۶۳ و ج ۷ ص ۱۰۱ و ص ۱۸۳ ۔ شب معراج دودھ ، شراب ، پانی اور شہد کی چار نہریں دیکھیں جو بسم اللہ پڑھنے والے کو عطا ہوں گی ۔ ج ۱ ص ۱۵ و ج ۲ ص ۱۲۹

- شب معراج جنت کے دروازوں پر کیا کیا دیکھا ۔ ج ۲ ص ۲۲ ، ۲۳ ۔ اثبات معراج ج ۸ ص ۱۹۳ و ج ۲ ص ۲۴۹
- لہجہ علیؑ میں شب معراج کلام ہوا ۔ ج ۲ ص ۱۵۹ و ج ۱۳ ص ۱۴۹
- شب معراج کی باتیں ۔ ج ۳ ص ۱۰۱ و ج ۹ ص ۲۲ و ج ۲ ص ۲۱۹
- شب معراج حضورؐ نے جانب عرش اپنے بارہ وصیوں کو مصروف عبادت دیکھا ۔ ج ۳ ص ۱۸۵ و ص ۱۸۶
- شب معراج آدم و موسیٰؑ سے ملاقات ج ۲ ص ۸ و ج ۱۱ ص ۱۵۱ ۔ جبرئیل کا قول لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَةً لَاحْتَرَقْتُ جناحی اگر میں یہاں سے انگلی برابر بھی آگے بڑھوں تو میرے پر جل جائیں گے ۔ ج ۹ ص ۲۲
- جبرئیل نے عرض کی آپ وہاں پہنچے جہاں آج تک کوئی نبی مرسل یا ملک مقرب نہیں پہنچ سکا ۔ ج ۸ ص ۱۲۸
- واپس آکر صحابہ کو بتایا اور اس کی نشانی یہ ہے کہ فلاں مقام پر ابوسفیان کا سرخ رنگ کا اونٹ گم ہو گیا اور وہ اس کی تلاش میں تھے ۔ ج ۸ ص ۱۸۵
- تفصیل واقعہ معراج ۔ ج ۸ ص ۲۵۵ تا ص ۲۷۱ و ج ۹ ص ۷۸ تا ص ۸۰ و ج ۱۲ ص ۱۵۱
- شب معراج حضورؐ نے ایک خوشبو سونگھی تو جبرئیل نے عرض کی یہ اس گھر سے آرہی ہے جس کے مالکوں

کو محبت خدا کے جرم میں قتل کر دیا گیا تھا۔ ج۹ ص۹، ص۱۲، موسیٰ کا معراج کوہ طور تھا۔ ج۱ ص۸۸۔ اور نماز ہر مومن کا معراج ہے۔ ص۸۸ ج۲ ص۴۴

- حضورؐ کی ملک الموت سے ملاقات۔ ج۱ ص۱۴۶ و ص۱۴۷
- حضورؐ نے شب معراج جبرئیل کو دیکھا کہ اس کے چھ لاکھ پر تھے۔ ج۱ ص۲۵۷
- شب معراج اللہ نے فرمایا فرشتوں کا موضوع بحث دو چیزیں ہیں کفارات اور درجات۔ پس کفارات تین ہیں۔ موسم سرما میں وضو، جماعت کی طرف چل کر جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار پس یہ گناہ کا کفارہ ہیں اور درجات بھی تین ہیں۔ ہر ایک پر سلام کہنا، بھوکوں کو روٹی کھلانا اور نماز شب ج۲ ص۱۰ و ص۱۱
- شب معراج حضورؐ سے تین چیزوں پر صبر کرنے کا عہد لیا گیا تھا (۱) خود بھوکا رہ کر دوسروں کی حاجت روائی پر صبر (۲) لوگوں کے جھٹلانے پر صبر (۳) آل پر مصائب ہوں گے پھر صبر کرنا۔ ج۲ ص۱۳۶
- وَاشْتَعَلَ مَنْ اَذْ شَفْقَۃ کی تفسیر ج۲ ص۲۳۸ تا ص۲۴۰
- شب معراج اللہ کی جانب سے سوال ہوا کہ زمین پر تمہارا خلیفہ کون ہے؟ تو عرض کی علی بن ابی طالب پس ارشاد باری ہوا کہ زمین پر پہنچ کر میری جانب سے علیؑ کو سلام کہنا۔ ج۱۲ ص۱۴۷ و ج۱۴ ص۱۹۵

معجزہ ۔ امام حسنؑ کا معجزہ مقدمہ تفسیر ص۳۳۔ معجزہ کی وضاحت۔ مقدمہ ص۵۷

- قرآن میں اعجازی پہلو گیارہ ہیں۔ مقدمہ تفسیر ص۶۱ تا ۹۱۔ معجزہ کی ضرورت۔ مقدمہ ص۶۲
- پتھر سے پانی کا نکلنا موسیٰ کا معجزہ تھا۔ ج۲ ص۱۱۱
- علیؑ کے اعجاز سے مریض لاعلاج کا تندرست ہونا۔ ج۲ ص۱۴۶
- حضرت ابراہیمؑ کے پاؤں کے نیچے پتھر موم ہو جاتا تھا جیسا کہ مقام ابراہیمؑ۔ ج۲ ص۱۶۲
- اسباب و علل کے بغیر شیٔ کا معرض وجود میں آنے کا نام معجزہ ہے۔ ج۳ ص۱۹۰
- حضرت عیسیٰؑ کے معجزات ج۳ ص۲۲۹ ج۵ ص۱۸۱۔ نزول مائدہ۔ ج۵ ص۱۸۳ و ص۱۸۴
- آیات بینات ج۴ ص۱۱، حدیبیہ کے مقام پر معجزہ ج۲ ص۵۸
- معجزات پیغمبرؐ۔ ج۲ ص۱۱، ص۵۸ و ج۵ ص۱۰ ج۶ ص۱۸ و ص۸۴ و ج ص۱۱۷ و ص۱۴۳ و ج۱ ص۱۴۱
- حضرت علیؑ کے معجزہ سے جنگ احد کے زخمیوں کا تندرست ہونا۔ ج۴ ص۹۲
- حضرت موسیٰؑ کے معجزات ج۵ ص۹۰، ج۶ ص۲۷ و ص۶۹ و ص۷۰ تا ص۷۳ و ج۹ ص۱۶۲ و ج۱ ص۱۹۵ و ص۲۲۶ و ج۱ ص۳۴ تا ص۳۸
- نام علیؑ کی تاثیر ج۳ ص۱۳۸، معجزہ علیؑ ص۱۳۹، ج۶ ص۲۶ و ص۱۰۸، حدیث بساط ج۹ ص۸۳ ج۱ ص۲۴۸
- امام جعفر صادقؑ کا معجزہ۔ ج ص۴۷

- معجزہ درحقیقت فعل خدا ہوتا ہے۔ ج۱ ص۱۶۴ وص۲۵۴ وج۸ ص۱۴۰ وج۹ ص۴۲، ج۱۰ ص۲۲۶
- انبیاء کا چیلنج بھی ایک معجزہ تھا۔ ج۸ ص۲۲۱۔ داؤدؑ کا معجزہ۔ ج۱۲ ص۸۳
- حضرت یوسفؑ کی قمیص کا یعقوبؑ کے لئے باعث بینائی بننا بھی معجزہ تھا۔ ج۸ ص۸۰
- حضرت رسول کریمؐ کا علیؑ کی فریاد پر قبر سے ہاتھ باہر نکالنا۔ ج۹ ص۹۹
- حضرت خضرؑ نے باعجاز نبوت لوگوں کو اپنے گھروں تک پہنچایا۔ ج۹ ص۱۲۰
- حضرت موسیٰؑ و یوشعؑ کے ہاتھوں میں پکی ہوئی مچھلی آب حیات کے قطرات سے زندہ ہوگئی۔ ج۹ ص۱۰۸
- حضرت مریمؑ سے صادر ہونیوالے معجزات ج۹ ص۱۴۴
- حضرت مریمؑ وعیسیٰؑ دونو بذات خود معجزہ تھے۔ ج۹ ص۱۴۷ وص۱۹۰ وج۱۰ ص۲۹
- حضرت زکریاؑ کو بیٹے کی بشارت بڑھاپے میں معجزہ ہے۔ ج۹ ص۱۴۰ وص۲۴۸
- ولادت علیؑ کے معجزات ج۱۰ ص۵۲ تا ص۵۴
- حضرت سلیمانؑ کے معجزات۔ ج۱۰ ص۲۳۰۔ تخت بلقیس کا حاضر کرنا ص۲۴۶ تا ص۲۴۸ وص۲۵۲
- کفار کا پیغمبر سے معجزات طلب کرنا۔ ج۱۱ ص۹۴ و۹۵ وج۱۲ ص۱۰۸ وج۱۲ ص۱۶۶ وج۱۳ ص۱۴
- خندق کے موقعہ پر چند معجزات کا ظہور۔ ج۱۱ ص۱۶۵ تا ص۱۶۷
- معجزۂ پیغمبرؐ ابوجہل کے ہاتھ کا خشک ہو جانا اور ولید کا اندھا ہونا ج۱۲ ص۹۸
- امام حسن عسکریؑ کے اعجاز سے ایک شیعہ ومحب علیؑ کا حاکم وقت کی سزا سے محفوظ رہنا۔ ج۱۲ ص۴۸ وص۴۹
- حضرت ابراہیمؑ کے اعجاز سے قبطی حکمران کا ہاتھ خشک ہونا۔ ج۱۲ ص۵۴ وص۵۵
- حضرت ایوبؑ کا معجزہ کہ کتے حملہ نہ کر سکے۔ ج۱۲ ص۱۰۰
- حضرت ذوالکفلؑ کا معجزہ ج۱۲ ص۱۰۳ علیؑ کے فضائل کا ہم تک پہنچنا معجزہ ہے۔ ج۵ ص۸
- حضورؐ کے معجزہ سے دعوت ذوالعشیرہ میں تھوڑا کھانا بہت سے لوگوں پر کافی ہوا۔ ج۱۱ ص۱۷۰
- حضرت علیؑ کی دعا سے سام بن نوحؑ کا زندہ ہو کر علیؑ کی ولایت کی گواہی دینا۔ ج۱۲ ص۲۰۳

معرفت کا درس۔ ج۱ ص۱۸۵۔ مراتب معرفت ج۵ ص۱۶۵

معاویہ۔ نماز سے بسم اللہ کا حذف کرنا معاویہ کی سنت ہے۔ ج۲ ص۲۲
- معاویہ پہلا شخص ہے جس نے مکہ میں گھر کا دروازہ بنایا۔ ج۱۰ ص۲۱
- معاویہ کا لاشیٔ کا معنی دریافت کرنے کے لئے حضرت علیؑ کی طرف گھوڑا بھیجنا جس کی قیمت لاشیٔ قرار دی پس آپ نے جنگل میں سراب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ لاشیٔ ہے لو کیونکہ سورہ نور کی آیت ص۱۸

میں سراب کو لاشی کہا گیا ہے ۔ ج ۱ ص ۱۴۶

○ معاویہ کو خال المومنین کہنا غلط ہے ۔ ج ۱۱ ص ۱۵۹

○ شاہِ روم کا معاویہ و علیؑ کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے نمائندے طلب کرنا ۔ پس معاویہ کی طرف سے یزید اور حضرت علیؑ کی جانب سے حسن مجتبیٰ پہنچے اور شاہ روم نے مختلف سوالات کئے انبیاء کی تصویریں دکھائیں اور مسائل پوچھے جن سے یزید آیا اور حسن مجتبیٰؑ نے سب مسائل حل فرمائے اور جوابات سے شاہِ روم کو مطمئن کیا پس شاہ روم نے حضرت علیؑ کے حق میں فیصلہ دیا ۔ ج ۱۱ ص ۲۰۳ تا ص ۲۰۵

○ قوم عمالقہ کے سردار کا نام بھی معاویہ تھا جس کے باپ کا نام بکر تھا ۔ ج ۶ ص ۲۶ ۔ یہ لوگ مکہ میں آباد تھے ۔

معاف کرنا ۔ قاتل کو معاف کرنا ، اللہ کی جانب سے تخفیف ہے ۔ ج ۲ ص ۲۱۲

○ امام علی زین العابدین علیہ السلام کا اپنے گستاخ کو معاف کرنا ۔ ج ۴ ص ۵۰

○ اسی طرح اپنی کنیز کو جس کے ہاتھ سے لوٹا گرا اور آپ کے سر پر چوٹ آئی معاف کرنا ۔ ج ۴ ص ۵۰

○ اسی طرح امام حسن علیہ السلام کا اپنے غلام کو معاف کرنا ۔ ج ۴ ص ۵۱

○ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا خداوند کریم معاف کرنیوالے کی عزت بڑھاتا ہے ۔ ص ۵۱

○ معاف کر دینا گناہوں کی بخشش کا موجب ہے ۔ ج ۵ ص ۱۱۴ و ج ۱۲ ص ۲۱۴

○ جن لوگوں نے دنیا میں لوگوں کو اپنے حقوق معاف کر دیئے وہ بلا حساب جنتی ہیں ۔ ج ۱۲ ص ۲۱۶

○ معاف کرنا ایمان کامل کی نشانی ہے ۔ ج ۱۲ ص ۲۱۷

مفہوم کی حجیت اور اس کے اقسام ج ۱ ص ۳۶

مقطعاتِ قرآنیہ ۔ ج ۱ ص ۴۸ تا ص ۵۰

مقام محمود ۔ ج ۹ ص ۲۰ و ۲۱

مقروض ۔ مقروض تنگدست کو مہلت دینا چاہیئے ۔ ج ۲ ص ۲۱۲ ج ۳ ص ۱۰۵

مکّہ ۔ مکہ میں داخلہ کے لئے غسل مستحب ہے ج ۲ ص ۱۰

○ مکہ کی وجہ تسمیہ ج ۲ ص ۸ ۔ زمین مکہ کے خصوصیات ج ۲ ص ۱۰

○ معراج کے متعلق اہل مکہ کا ردِّ عمل ۔ ج ۹ ص ۵۸

○ حضرت ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ و ہاجرہ کو مکہ میں چھوڑا اور واپس چلے گئے ۔ ج ۲ ص ۱۰۵

○ خدیجہ و ابوطالب کی وفات کے بعد مکہ سے چلے جانے کا حکم ہوا کہ اس بستی سے چلے جاؤ جس کے بسنے والے ظالم لوگ ہیں ۔ ج ۵ ص ۱۵ ۔ حرمت مکہ ج ۱ ص ۲۶

○ مکہ کی قسم کھائی اللہ نے لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ ج۱۴ ص۲۲۱

مکھی ۔ شہد تیار کرنے والی مکھی۔ ج ص۲۲۶ تا ص۲۲۸۔ مکھی کا زندہ ہونا۔ ج۲ ص۹

مکڑی کا عذاب فرعونیوں پر ج ص... و ص۸۲ ج۹ ص۵۵۔ مکڑی ج۱۱ ص۸۳ ج۱۲ ص۱۴۸ و ص۲۴۱۔

○ غار ثور پر مکڑی کا جالا۔ ج ص۵۰

ملّت ۔ ملتِ ابراہیمی۔ ج۲ ص۱۸۱۔ قوم شعیبؑ کہتی تھی ہماری ملت میں پلٹ آؤ۔ ج ص۶۱

○ ملتِ ابراہیمی کی اتباع کا حکم۔ ج ص۲۵۱ و ج۱ ص۴۹

مال داری ۔ حضرت سارہ مالدار عورت اور صاحب جائداد تھی جب ابراہیمؑ پر بت شکنی کا مقدمہ چلایا گیا اور آخر سزائے موت ہوئی پھر آگ گلزار بنی تو نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کی تمام املاک منقولہ و غیر منقولہ بحق سرکار ضبط کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ ج۱۲ ص۵۴

○ حضرت ایوب علیہ السلام بہت بڑے مالدار تھے۔ ایوب بن موص بن رعویل بن عیص بن اسحٰق، ان کی شادی جناب رحمہ سے ہوئی۔ رحمہ بنت افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق۔ ج۱۲ ص۹۵

○ رحمہ خاتون کا باپ افرائیم تھا جس کی ماں زلیخا تھی ج۱۲ ص۹۵۔ یا۔ دوسری روایت کے مطابق افرائیم اور رحمہ بہن بھائی دونوں زلیخا کی اولاد تھے۔ ج ص۹۳

مالک الملک ۔ ج۳ ص۲۱۱۔ آیت مبارکہ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تا حساب

عمل برائے دولت و کیمیا و جفر ۔ در یک مجلس ۱۵۹۵۱۔

سات دن علیحدگی میں۔ با پابندی شرائط وحدت مکان و زمان و طہارت کاملہ بخور عود۔ پہلے یٰسین ہدیہ امیر المومنینؑ پھر ایک ہزار کھیعص و حمعسق (عشق؟) آخر میں کھلے دل سے صدقہ۔ دوران ورد ال م ل ک کاغذ پر لکھ کر نظر م کے سر پر رکھے۔ یا چالیس دن بعد از نماز صبح یٰسین ہدیہ امیرؑ و باشرائط ورد ۳۹۸۹ برائے عہدۂ حکومت و وسعت رزق و کشائش کار رہا۔ ابتداء عمل خمیس یا شب جمعہ سے ہو، بخور مناسب ضروری ہے۔ یا چالیس روز باشرائط آیت کی تلاوت اور ال م ل ک کی میم کی آنکھ پر نظر جما کر ۲۹ بار ورد آیت برائے فراوانی دولت روزانہ عمل سے پہلے ایک فاتحہ ہدیہ امیرؑ۔

○ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ج۲ ص۱۳۵ و ص۱۴۶

○ مِلک اور مُلک میں فرق ج۳ ص۲۱۲۔ مالک کی تشریح ج۲ ص۱۵ و ص۱۶

ممتحنہ ۔ سورہ ممتحنہ کے فضائل۔ ج۱۳ ص۲۶۳

منبر ۔ منبر پالان پر یوم غدیر ۱۱ بجے دن حضورؐ کی عظیم الشان تقریر۔ ج۵ ص۳۲ و ص۱۴۰

مناۃ ۔ ایک بت کا نام ہے ۔ ج۱۳ ص۱۵۶
منیٰ ۔ ج۳ ص۲۰ و ص۲۲ ۔ قربانی کا مقام منیٰ ہے احرام حج میں ۔ ج۵ ص۱۶۸
منافق ۔ منافق کی وجہ تسمیہ ج۲ ص۵۴ ۔ منافقین کا ذکر ج۲ ص۶۵ تا ص۶۱
○ جنگ احد میں منافقوں کا کردار ج۴ ص۵۹ ۔ منافقوں کی عادت ۔ ج۴ ص۱۰۲ و ص۱۹۴ ج۵ ص۲۲۴ و ج۶ ص۸۱ و ص۸۳ ج۷ ص۸۰ و ص۹۱ و ج۱۳ ص۲۵۵
○ رسول اللہ کے قتل کی سازش کرنے والے منافق آدمی بارہ تھے ۔ ج۵ ص۱۴۵
○ اذان سن کر مسجد سے نکل جانے والا منافق ہے ۔ ج۷ ص۲۸
○ منافقوں کی نشانیاں ۔ ج۷ ص۹۳ و ص۱۲۱ ۔ منافقوں کے ساتھ جہاد کا حکم ۔ ج۷ ص۹۶ و ص۱۲۵ و ج۱۳ ص۵۱
○ منافقوں کے لئے رسول اللہ بھی دعا کریں تو فائدہ نہ ہوگا ۔ ج۷ ص۱۰۰ ۔ دو منافقوں کی سزا ۔ ج۱۲ ص۱۸۷
○ منافق کا جنازہ ج۷ ص۱۰۲ ۔ منافقوں نے مسجد ضرار بنالی ۔ ج۷ ص۱۲۵
○ قارون موسیٰ کی قوم میں منافق تھا ج۱۱ ص۵۰ ۔ حضرت لوط کی بیوی منافقہ تھی ۔ ج۱۱ ص۹۰
○ تکلف کرنے والے کا ظاہر روا داری اور باطن منافقت ہوتا ہے ۔ ج۱۱ ص۱۰۹
○ مُدْهِنُوْنَ کا معنی منافقون ج۱۳ ص۲۰۶ ۔ سورہ منافقون ج۱۴ ص۲۸
مناظرہ ۔ نمرود با ابراہیم ج۳ ص۱۴۲ ۔ امام محمد تقیؑ با یحییٰ اکثم ۔ ج۵ ص۱۶۹
○ ہشام بن حکم کا ابن ابی العوجاء سے مناظرہ ج۴ ص۱۱۱ ۔ جعفر طیار کی نجاشی کے دربار میں گفتگو ج۵ ص۱۵۶
○ حسنین کے اولاد رسول ثابت کرنے پر مناظرہ ج۵ ص۲۳۶ ۔ جزیہ پر مناظرہ ج۷ ص۳۹ ۔ مناظرہ کا طریقہ ج۱۱ ص۹۱
○ ابن زبعری کا حضورؐ سے مناظرہ ج۹ ص۲۵۴ ۔ ہمارا ایک جاہل سے مناظرہ ج۱ ص۴۷ ۔ ملک فیض محمد مکھیالوی کا سنی مولوی سے مناظرہ ۔ ج۱۱ ص۲۱۷ و ج۵ ص۲۴ ۔ قریشیوں کا حضورؐ سے مناظرہ ۔ ج۱۱ ص۲۳۱
من وسلویٰ ۔ ج۲ ص۱۱۲ ۔ منکر و نکیر ج۳ ص۱۵۶ و ج۲ ص۲۱۶
مونچھیں ۔ مونچھیں کترانا ملت ابراہیمی ہے ۔ ج۲ ص۱۵۱ و ج۵ ص۲۷۱ و ج۱۴ ص۲۰
موسم ۔ سردی گرمی اور بہار و خزاں کی تبدیلی اللہ کا انسانوں پر بلکہ روئے زمین پر بسنے والی جملہ مخلوق پر احسان عظیم ہے ج۶ ص۱۶۳ و ج۸ ص۱۰۲ و ج۱۲ ص۱۱۸ و ص۱۶۹
موسیٰ ۔ موسیٰ کی قوم میں مسخ ج۲ ص۴۴ ۔ اللہ کا علم ازلی بندے کے اختیار کے منافی نہیں ۔ چنانچہ موسیٰ کو فرعون کی طرف
○ تبلیغ کے لئے بھیجا گیا حالانکہ اللہ کو علم تھا کہ وہ ایمان نہ لائے گا ۔ ج۶ ص۶۲
○ موسیٰ کو جملہ انبیاء محمد و آل محمد کا واسطہ دیکر دعا مانگتے تھے ۔ ج۲ ص۹۷ و ج۵ ص۹۴

- حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا انتقال صحرائے سینا میں ہوا۔ ج۲ ص۱۱۳
- موسیٰؑ کی امت سے امتِ محمدیہ کی مشابہت ج۱ ص۱۶۶، ج۵ ص۶۹، ج۶ ص۸۱ و ص۸۹ و ص۹۸
- حضرت موسیٰؑ کو شرف کلام زمین کربلا پر نصیب ہوا۔ ج۲ ص۱۴۰
- حضرت موسیٰؑ کا ذکر ج۲ ص۱۵ ۔ عصائے موسیٰؑ ص۶۶ ج۳ ص۱۰۵ و ص۲۳۴ و ج۹ ص۱۵۵ و ص۱۷۲ ج۱۰ ص۱۹۱ تا ص۲۰۰ و ج۲ ص۲۲۴ تا ص۲۲۶
- حضرت موسیٰؑ کا دین قبول کرنے والوں کی گرفتاریاں۔ ج۳ ص۳۰
- موسیٰؑ کا وعدہ طور ج۶ ص۸۴ ۔ الواح موسیٰؑ ۔ ج۶ ص۹۴ و ج۹ ص۱۹۴
- موسیٰؑ کا انتخاب ستر آدمیوں کو چنا اور طور پر لے گئے ج۶ ص۱۰۲
- حضرت موسیٰؑ نے امت محمدیہ سے ہونے کی دعا مانگی تھی۔ ج۶ ص۱۰۶
- موسیٰؑ کی امت کے اکہتر فرقے ہوں گے ایک جنتی باقی جہنمی۔ ج۶ ص۱۰۸
- موسیٰؑ کی امت کے سروں پر کوہ طور کو بلند کیا گیا۔ ج۲ ص۱۱۱ و ج۶ ص۱۱۲
- حضرت موسیٰؑ کی ایک عابد سے ملاقات جو لوہار تھا جس نے بادل کو حکم دیکر موسیٰؑ کو گھر پہنچایا۔ ج۹ ص۱۹۵
- خزائن نراقی ص۳۱۴ پر ہے کہ جو شخص حضرت موسیٰؑ کی نقالی کرتا تھا وہ عذاب خداوندی (غرقابی) سے بچ گیا پس ارشاد ہوا کہ وہ تیری نقل کرتے ہوئے تیری شبیہ بنتا تھا تو میں نے تیری شبیہ کا احترام کرتے ہوئے اس کو غرق ہونے سے بچا لیا ہے۔
- حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کی ملاقات پرندہ کو دریا کے کنارے دیکھا امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر وہاں میں ہوتا تو دونوں کو عاجز کر دیتا۔ ج۹ ص۲۳۵ ۔ اور صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر میں ہوتا تو ثابت کرتا کہ میں ان دونوں سے اعلم ہوں۔ ج۹ ص۲۳۶ ۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس اسم اعظم کے چار حروف تھے۔ ج۱۰ ص۲۴۸
- موسیٰؑ و خضرؑ کا قصہ۔ ج۱۰ ص۱۰۸ تا ص۱۱۸
- حضرت موسیٰؑ کی ولادت۔ ج۱ ص۱۸۰ و دیگر واقعات تا ص۱۹۲ و ج۱ ص۳۰ تا ص۵۰ و ج۱۱ ص۱۴۰ تا ص۱۴۱
- حضرت موسیٰؑ نے لذت کلام پروردگار میں ہر شی سے کنارہ کشی کر لی ج۱۱ ص۸۰ و ص۸۵
- حضرت موسیٰؑ کا قد لمبا شکل گندمی اور بال گھنگریالے تھے۔ ج۱۱ ص۱۵۰
- حضرت موسیٰؑ کو قوم نے بہت تکلیفیں پہنچائیں۔ ج۱۱ ص۲۱۸
- حضرت موسیٰؑ کے ذکر و مصائب سے حضرت پیغمبرؐ کو تسلی دی گئی۔ ج۱۱ ص۱۲۱ و ج۱۳ ص۱۳۱ و ج۱۴ ص۷
- حضرت نبی کریمؐ ایک دفعہ گزرے تو عمر ایک یہودی سے کچھ چیزیں نوٹ کر رہا تھا۔ آپ نے غصہ سے فرمایا۔ اے

فلاں : اگر آج موسیٰؑ خود بھی موجود ہوتے اور تو مجھے چھوڑ کر اس کے پاس جاتا تو کافر ہو جاتا ۔ ج ۱۳ ص ۲۴۳

موت ۔ موت کے بعد رسومات ۔ مقدمہ تفسیر ص ۴۲ ۔ سورۂ فاتحہ کے فضائل میں ہے کہ یہ باعث شفا ہے بلکہ اگر اس کے پڑھنے سے مردہ زندہ ہو جائے تو تعجب نہ کیا جائے ۔ ج ۲ ص ۹

- موت آنے کے بعد گائے کے حصہ کو مارنے سے اس کو زندہ کرنا ۔ ج ۱ ص ۱۲۵
- یہودیوں کو تنبیہ اگر سچے ہو تو موت کی تمنا کرو ۔ ج ۱ ص ۴۵
- حضرت علیؑ نے فرمایا ۔ موت میرے اُوپر آئے یا میں موت پر جاؤں کوئی پرواہ نہیں ہے ۔ ج ۲ ص ۱۲۵
- شہادت کی موت زندگی ہے ۔ ج ۱ ص ۱۹۱ ۔ موت و شہادت میں فرق ۔ ج ۵ ص ۲۴
- اے بنی آدمؑ موت تیزی سے تیری طرف متوجہ ہے ۔ ج ۳ ص ۲۱۶
- موت کے بعد زندگی حضرت عزیرؑ کا واقعہ ج ۳ ص ۱۲۵ ۔ کفر کے بعد ایمان بھی موت کے بعد زندگی ہے ج ۵ ص ۲۵۱ ، ج ۶ ص ۳۶ ۔ حضرت ابراہیمؑ کا چار پرندوں کو زندہ ہوتے دیکھنا ۔ ج ۳ ص ۱۵۱
- حضرت عیسیٰؑ کا مردہ کو زندہ کرنا ۔ ج ۳ ص ۲۴۰ و ج ۵ ص ۱۸۳ ۔ رسول اللہ کا مردوں کو زندہ کرنا ۔ ج ۱۲ ص ۱۳۷
- اپنی موت مرنے والا جانور نجس اور حرام ہوتا ہے ۔ ج ۵ ص ۲۴
- کافر پر موت کی تلخی ۔ ج ۵ ص ۲۴۰ و ج ص ۱۵۰ ، ج ۱۱ ص ۲۴۴ ، دوبارہ زندگی ۔ ج ۱ ص ۱۲ و ج ۱ ص ۲۶۰ و ج ۱۱ ص ۱۰۸ و ج ۱۲ ص ۳۰ و ص ۳۵
- کافر کی موت قیامت ہے ج ۶ ص ۱۳۱ و ج ۱ ص ۹ ۔ مسئلہ موت و حیات ۔ ج ص ۲۵۳ ج ۱ ص ۸ و ج ۱۴ ص ۴۲
- حضرت نوحؑ کی موت ۔ ج ۶ ص ۴۴ و ج ۱۱ ص ۴۲ ۔ ذکر موت ج ۹ ص ۲۲۴ و ج ۱۲ ص ۲۵
- ہارونؑ کی موت ۔ ج ۶ ص ۱۰۳ ۔ ہارونؑ کو موسیٰؑ نے پکارا تو اس نے قبر سے جواب دیکر موسیٰؑ کی برأت کا اعلان کیا ۔ ج ۶ ص ۱۰۳
- بیج سے نبات اور نطفہ سے حیوان پیدا کرنا یہ بھی مردہ کو زندہ کرنا ہے ۔ ج ۶ ص ۴۲ و ج ص ۱۲۲
- مرنے والے کے سرہانے علیؑ آتے ہیں اور اس کو خوشخبری سناتے ہیں ۔ ج ص ۱۷۱ و ج ۱۲ ص ۱۸۰
- مومن مرتا ہے تو شجرہ طیبہ سے ایک پتہ گر جاتا ہے ۔ ج ص ۱۵۵
- مومن زندہ ہو کر قائم آل محمدؐ کی بیعت کریں گے ۔ ج ص ۲۰۹ و ج ۱ ص ۲۶۴
- ملک الموت سے پیغمبرؐ کی شب معراج ملاقات ج ص ۲۶۰ و ج ۱۱ ص ۱۴۶
- موت کے بعد مچھلی کا آب حیات کے کنارے زندہ ہونا ۔ ج ۹ ص ۱۰۸
- جس کو موت کا یقین ہے وہ ہنستا کیوں ہے ؟ ج ۹ ص ۱۱۸ ۔ موت کا منظر ج ص ۸

○ بروز محشر موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ ج۹ ص۱۵۱ و ص۱۵۲
○ حضرت ایوب کی اولاد کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ ج۹ ص۲۴۴
○ ملک الموت کی آمد ج۱۱ ص۱۴۵۔ موت کی تلخیاں۔ ج۱۱ ص۱۴۷ و ج۵ ص۲۲۶
○ حضرت سلیمان کی موت ج۱۱ ص۲۳۷ تا ص۲۳۹
○ من مات علی حب آل محمدؐ مات شہیدا۔ مقدمہ تفسیر ص۲۲۲ و ص۲۲۳
○ موت عمومی نفخ صور و قیامت صغریٰ۔ ج۱۱ ص۱۳۴ تا ص۱۳۷ و ج۱۴ ص۱۶۹
○ موت کے بعد زندگی پھر موت۔ ج۱۲ ص۱۴۴ و ص۱۴۵ و ص۱۸۷ و ج۱۴ ص۱۶۳
○ وفات اور توفی ج۳ ص۲۴۳۔ حضرت عیسیٰ کے متعلق قادیانی کے مزعومہ کا رد ص۲۴۲ و ص۲۴۳
○ موت اور وفات میں فرق۔ ج۳ ص۲۴۴ و ص۲۴۵ و ج۵ ص۲۲۶

مولا۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ ج۵ ص۲۹ و ص۱۴۱ ج۹ ص۱۴ و ص۱۱ و ص۱۴ و ص۲۵۹ و ج۱۲ ص۲۰۸ و ج۱۴ ص۸

موتفکہ۔ ج۱۳ ص۱۶۲۔ قوم لوط مراد ہے یا اہل بصرہ مراد ہیں چنانچہ جنگ جمل کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے ان کو اہل موتفکہ کہا ہے۔ ج۱۳ ص۱۶۲

مواقیت قیامت۔ ج۵ ص۱۹۹ و ج۸ ص۳۹ و ج۱۲ ص۳۶ و ج۱۳ ص۱۸۵ و ج۱۴ ص۱۰۱

مومن۔ مومن کے حقوق کی نگہداشت۔ ج۲ ص۷

○ مومن موت سے نہیں ڈرتے بلکہ تمنا کرتے ہیں۔ ج۲ ص۱۴۵
○ مومن حضرت قائم آل محمد کے ساتھ ہوں گے۔ ج۲ ص۱۹۴
○ مومن کی مومن سے محبت کا ثواب۔ ج۵ ص۱۱۹۔ مومن شہید ہوتا ہے۔ ج۱۳ ص۲۲۰
○ مومن کی آزمائش ہوتی ہے جہاں بھی ہو۔ ج۵ ص۲۴۸
○ مومن کے علامات۔ ج۶ ص۱۲۰، ج۸ ص۱۱۶ و ص۱۲۵ و ص۱۳۴ و ج۱۲ ص۱۱۹
○ مومن کا انجام۔ ج۸ ص۱۹۷ و ج۹ ص۱۵۹ و ج۱۳ ص۲۱۸ و ص۲۲۳
○ مومن وہ ہے جس کے دل میں خوف خدا اور امید بخشش برابر ہوں۔ ج۸ ص۷۶ و ج۹ ص۲۴۸
○ سورہ مومنون کے فضائل ج۱۰ ص۵۔ صفات مومنین ص۵۲ ج۱۳ ص۱۹۴۔ سورہ مومنون کے فضائل۔ ج۱۱ ص۱۴۰
○ رسول کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ ج۱۱ ص۱۵۹
○ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ج۱۱ ص۱۶۰
○ مومن آل فرعون۔ ج۵ ص۸۶۔ مومن آل فرعون قائم آل محمد کے ہمراہ ہوگا۔ ج۸ ص۱۰۲ و ج۸ ص۱۷۷

- مصریوں میں سے تین آدمی مومن ہوئے آسیہ مومن آل فرعون تیسری ایک مریم نامی عورت ۔ ج۱ ص۱۹۹
غالباً یہ عورت فرعون کی زوجہ کی مشاطہ تھی ۔ ج۱ ص۱۷۱
- مومن آل فرعون کا نام حزقیل تھا ۔ ج۱۲ ص۱۸
- مومن آل یٰسین کا نام حبیب نجار تھا جو حضرت عیسیٰؑ کے نمائندوں کا مددگار تھا ۔ ج۱۲ ص۱۸
- مومن آل فرعون اور مومن آل یٰسین شیعہ آل محمد تھے ۔ ج۱۲ ص۲۸
- مومن آل فرعون ۔ فرعون کا چچا زاد تھا جو موسیٰؑ پر ایمان لایا تھا ۔ ج۱۲ ص۱۴۹ ۔ یہ شخص حکومت فرعونی میں وزیر خزانہ تھا اور اسی نے حضرت موسیٰؑ کو اطلاع دی تھی کہ یہ لوگ تجھے قتل کرنے کے درپے ہیں لہٰذا یہاں سے بھاگ جاؤ ۔ ص۱۴۹
- حضورؐ نے فرمایا صدیق تین ہیں ۔ حبیب نجار مومن آل یٰسین حزقیل مومن آل فرعون اور تیسرے علی بن ابیطالب ۔ ج۱۲ ص۱۴۹ و ج۱۳ ص۲۲۰ ۔
- جب فرعون کو حزقیل یعنی مومن آل فرعون کے ایمان کا پتہ چلا تو اس نے اس کی گرفتاری کے لئے وہ سپاہی بھیجے جب وہ وہاں پہنچے تو آپ نماز پڑھ رہے تھے اور جنگلی درندے اس کی حفاظت کر رہے تھے پس وہ ناکام واپس پلٹے اور حضرت حزقیل اتمام حجت کے بعد حضرت موسیٰؑ کی قوم میں اعلانیہ شامل ہو گیا ۔ ج۱۲ ص۱۵۶
- سابقین چار ہیں ۔ ہابیل ۔ مومن آل فرعون ۔ مومن آل یٰسین اور علیؑ ۔ ج۱۳ ص۱۹۶ و ص۲۰۲
- مومن کا غیر مومن سے رشتہ ناجائز ہے ۔ ج۳ ص۵۱
- مومن کی غیر مومن سے دوستی ناجائز ہے ۔ ج۵ ص۱۵۳

مہر نکاح ۔ ج۳ ص۵۸ ۔ مہر نبوت پر علیؑ کا قدم ۔ ج۱۳ ص۵۴ و ۵۵

مہمان نوازی ۔ (کھانا کھلانا) جنت کے دوسرے دروازہ پر مرقوم ہے کہ جو قیامت کی بھوک سے بچنا چاہے ۔ وہ بھوکے کو کھانا کھلائے ۔ ج۲

- عید غدیر کے دن مومنوں کو کھانا کھلانا بہت ثواب ہے ۔ ج۵ ص۲۸
- مستحب روزہ بھی کھولا جا سکتا ہے اگر مومن کھانے پر مدعو کرے ۔ ج۵ ص۲۸ و ص۲۷
- مومن کی علامت ہے مسکینوں کو کھانا کھلانا ۔ ج۲ ص۱۲۲ و ج۱۲ ص۱۰۷
- عقلمندوں کی علامتوں میں سے ہے مہمان نوازی (کھانا کھلانا) ج۲ ص۱۲۸ و ج۱۳ ص۱۵۴
- حضرت یعقوبؑ کے دروازہ سے سائل خالی واپس گیا تو وحی ہوئی کہ امتحان کے لئے تیار ہو جاؤ اور اسی رات

یوسفؑ نے بھی خواب دیکھا اس کے بعد ہر روز روٹی کھانے والوں کو صبح و شام دعوت دیا کرتے تھے کہ جس نے کھانا کھانا ہو یعقوبؑ کے دسترخوان پر کھائے۔ ج ۱۲ ص۵ و ص۵۰

- جو مومنوں کو کھانا کھلائے اللہ اس کو تین جنتوں سے کھانا کھلائے گا۔ ج ص۱۳۴
- اہل انطاکیہ نے حضرت موسیٰؑ و خضر کو کھانا نہ کھلایا۔ ج ۹ ص۱۱۵
- مل کر کھانا بہتر ہے تنہا کھانے سے۔ ج ۱۰ ص۱۵۹
- حضرت شعیبؑ کا حضرت موسیٰؑ کو کھانے کی دعوت دینا۔ ج ۱۰ ص۳۱
- حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی۔ ج ۱۱ ص۸
- آل محمدؐ کا مسکین، یتیم و اسیر کو کھانا کھلانا اور سورہ دھر۔ ج ۱۴ ص۱۵

مؤذن ۔ مؤذن اذان دے گا کہ ظالموں پر خدا کی لعنت اور وہ مؤذن علیؑ ہوگا۔ ج ص۳۲

مواخات ۔ حضورؐ نے مہاجرین و انصار کے درمیان صیغۂ مواخات جاری کیا تو علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا اور فرمایا

أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ۔ ج ص۱۵۱

- باہمی مواخات یعنی بھائی چارہ میں اگر محبت و پیار کے اعتبار سے تمام ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ لیکن یہ مواخات وراثت کو ثابت نہیں کرتی کیونکہ وارث وہ بھائی ہوتا ہے جو رحم کے اعتبار سے بھائی ہو۔ ج ص۱۲۱
- پیغمبرؐ نے صحابہ میں بھائی چارہ قائم کیا اور صیغہ مواخات جاری فرمایا۔ مثلاً ابوبکر و عمر اور عثمان و عبدالرحمٰن ایک دوسرے کے بھائی بن گئے تو حضرت علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ ج ۱۳ ص۱۰

مینڈک ۔ فرعونیوں پر مینڈک کا عذاب۔ ج ص۸ مشرکین مکہ پر مینڈکوں کا عذاب ج ص۸ و ج ص۵ ج ۱۴ ص۵ و ص۲۴۱

- مروی ہے کہ جب ابراہیمؑ آگ میں تھے تو چھپکلی اس کو ہوا دے رہی تھی اور مینڈک اس پر پانی ڈال کر اس کو ٹھنڈا کرنے میں مصروف تھا۔ ج ۹ ص۲۳۶

میزان ۔ بروز قیامت اعمال انسانی کے لئے میزان کا ہونا۔ ج ص۸ و ج ص۱۹

- تفسیر اہل بیت میں ہے کہ میزان سے مراد اپنے زمانہ کے نبی یا امام کی اطاعت ہے۔ ج ۹ ص۲۸۸
- ولایت علی میزان ہے کہ حکم ہوگا۔ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ان کو ٹھہراؤ ان سے پوچھنا ہے اور ولایت علیؑ کا سوال ہوگا۔ ج ۱۲ ص۳۶
- جو شخص قیامت کے دن اپنے میزان کو بھارا دیکھنا چاہے اسے اختتام کلام پر سُبْحَانَ رَبِّكَ الخ پڑھنا چاہیئے۔ ج ۱۲ ص۸۔ میزان کی وضاحت ج ۱۳ ص۱۷۹

○ امت محمدیہ کے لئے بروز محشر میزان علی ہوگا۔ ج۱۲ ص۲۰۲ و ج۱۳ ص۱۷۹ و ص۲۲۶

○ جس کا میزان بھارا جنتی اور جس کا میزان ہلکا وہ جہنمی ہوگا۔ ج۱۴ ص۲۵۷

میوہ جات کا بیان۔ ج۱۱ ص۱۸۱

میثاق۔ وہ میثاق جو بنی اسرائیل سے لیا گیا۔ ج۱ ص۱۳۷ و ج۵ ص۷ و ص۱۴۷ و ج۶ ص۶۵

○ میثاق انبیاء۔ ج۲ ص۲۲۹ و ص۲۷۰ و ج۱۱ ص۱۶۱

○ عہد روز میثاق کی حقیقت کہ تمام ارواح سے کس طرح عہد لیا گیا۔ ج۶ ص۱۱۳

○ حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ روز ازل سے خدا نے اپنی ربوبیت اور میری رسالت اور علیؑ کی ولایت کا اقرار لیا تھا۔ ج۱۳ ص۲۰۸ و ص۲۰۹

میمونہ بنت حارث سے حضورؐ کا نکاح یہ عباس بن عبدالمطلب کی سالی تھی۔ ج۹ ص۹

میقات۔ جس مقام سے احرام باندھ کر حاجی جاتے ہیں۔ اس کو میقات کہا جاتا ہے اور میقات کل چھ ہیں

○ جس کی تفصیل تفسیر میں موجود ہے۔ ج۲ ص۱۵

○ وقت اور میقات میں فرق اور میقات موسیٰ۔ ج۶ ص۸۲ و ص۸۵ و ص۹

ن

ضرورت نبی۔ ج۳ ص۱۴۰ و ص۱۴۱ و مقدمہ تفسیر ص۱۸۶ و ج۶ ص۱۴۴

ختم نبوت۔ مقدمہ تفسیر ص۹۵

○ عصمت انبیاء۔ مقدمہ تفسیر ص۱۹۲ ج۹ ص۲۴ و ج۲ ص۹۸

○ مقام نبوت۔ ج۹ ص۹ و ص۱۳ و ص۲۴ و ج۱۲ ص۱۶۵ و ج۱۱ ص۶۲

○ حضرت یوسف کی نسل سے نبوت کو ختم کر دیا گیا۔ ج۶ ص۸۴

○ نبی کی اولویت۔ ج۱۱ ص۱۵۱ و ج۱۱ ص۲۳

○ تعداد انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ ج۳ ص۱۳۲ و ج۹ ص۲۴۵ و ج۱۲ ص۱۲۵

○ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں۔ ج۶ ص۲۱ بناء عظیم ج۱۲ ص۱۰۶ و ج۱۴ ص۱۶۱

○ مراتب انبیاء میں فرق۔ مقدمہ تفسیر ص۹۳ و ج۳ ص۳۲ و ج۴ ص۸۴ و ج۶ ص۵۴ تا ص۵۸ و ج۱۳ ص۲۰۲

○ نبی اور رسول میں فرق ۔ ج۳ ص۲۳۸ و ج۹ ص۱۵۵ و ج۱۰ ص۴۰، ص۴۱

ناخن ۔ ناخن اور زیر ناف بال صاف کرنا ملت ابراہیمی ہے ۔ ج۲ ص۱۷۱ و ج۵ ص۲۷

○ نماز جمعہ کو جاتے ہوئے بال اتروانا اور ناخن کترانا مستحب ہے ۔ ج۱۴ ص۲۰

ناکثین ۔ مارقین و قاسطین ۔ ج۷ ص۲۰ و ص۲۱ ۔ ناپ تول میں کمی سے منع ۔ ج۱۴ ص۱۸۸

ناد علی ۔ ج۴ ص۴۱ ۔ ناقۂ صالح ۔ ج۶ ص۴۹ تا ص۵۲

نجاشی ۔ نجاشی بادشاہ حبشہ اپنے ملک میں فوت ہوا اس کا اصل نام عطیہ تھا اور حضرت پیغمبرؐ نے مدینہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی ۔ ج۴ ص۱۰ ۔ نجاشی کے پاس مسلمانوں کا ہجرت کر کے جانا اور اس وفد کا سربراہ جعفر طیار تھا چنانچہ مفصل گفتگو کے بعد بادشاہ کی ہمدردیاں مسلمانوں نے حاصل کر لیں اور کفار کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ۔ ج۵ ص۱۵۴ تا ص۱۵۸ و ص۱۶۰

نجاست مشرکین ۔ ج۷ ص۳۶ و ص۳۷ ۔ نجاسات ج۷ ص۳۸

○ نجس اور حرام میں فرق ج۵ ص۲۳

○ نجاست کے رفع اور دفع میں فرق ج۱ ص۲۱

نجف اشرف ۔ نجف اشرف میں حضرت علیؑ کے روضہ میں آدم و نوح مدفون ہیں ۔ ج۷ ص۴۴

○ نجف اسی جگہ کا نام ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کو شرف کلام نصیب ہوا ۔ ج۱ ص۶۳

نجم ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا استدلال چلو یہ ستارہ خدا سہی جب ڈوبا تو فرمایا یہ خدا کی شان نہیں پھر چاند پرستوں سے خطاب کیا اور آخر میں سورج پرستوں پر اتمام حجت کر کے فرمایا میں شرک سے بری ہوں ج۵ ص۲۲۴

○ اس اللہ نے چاند، سورج، چاند ستارے تمہارے لئے مسخر کئے ۔ ج۷ ص۲۰

○ نجم تمہارے لئے باعث ہدایت ہیں اس سے مراد آل محمد ہیں ۔ ج۷ ص۲۰۱

○ حضرت خضرؑ کے والد علم نجوم کے ماہر تھے ۔ ج۹ ص۱۲۱

○ نجومیوں کی باتوں پر ایمان لانا فضا کی تاریکی کا باعث ہے ۔ ج۱ ص۱۲

○ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں علم نجوم کا چرچا تھا ۔ ج۱۲ ص۵۳

○ فرعون کو نجومیوں نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا بچہ تیری سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا ۔ ج۱۱ ص۴۷

○ سورۂ نجم کے فضائل ۔ ج۱۳ ص۱۴۴ ، نجم کی قسم ص۱۲۵

○ نجم و شجر اللہ کا سجدہ کرتے ہیں ۔ ج۱۳ ص۱۸۱

○ مواقع نجوم کی قسم قرآن کریم کو مطہرون ہی مَس کر سکتے ہیں۔ ج۱۳ ص۲۰۲

نجویٰ۔ سرگوشی، بری قسم کی سرگوشی سے منع ہے۔ ج۱۳ ص۲۳۶

○ آیت نجویٰ جس پر حضرت علیؑ نے ہی عمل کیا۔ سورہ مجادلہ۔ ج۱۳ ص۲۳۸

ناجی فرقہ۔ امت محمدیہ کے تہتر فرقوں میں سے ناجی ایک فرقہ ہے ج۲ ص۱۶۷ و ج۴ ص۲۶ ج۵ ص۱۴۴ و ص۲۰۰ ج۶ ص۱۴ ج۸ ص۱۹۵ ج۱۳ ص۲۴۴۔ ناجی وہی ہوں گے جو آل محمد کا دامن تھام لیں گے تفصیل ملاحظہ ج۵ ص۸ و ص۸۱ ج۷ ص۸۴ و ص۱۰۰

○ نجران کے نصاریٰ سے بحث پھر مباہلہ۔ ج۳ ص۲۴۷

نحر کرنا۔ اونٹ کے لئے ہے۔ ج۵ ص۲۲ و ص۴۷

نذر۔ ج۲ ص۲۱۹ و ص۱۴ ص۱۴۷

نسخ۔ قرآن کے تمام ناسخ و منسوخ کا علم علیؑ کے پاس ہے۔ مقدمہ ص۱۷ و ص۸۴ و ص۱۲۸

○ ناسخ و منسوخ کا تفصیلی جائزہ۔ مقدمہ تفسیر ۱۴۳

○ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ کی تفسیر جلد ۲ ص۱۵۳ و ص۲۱۴ و ص۲۳۹ و ج۵ ص۵ و ج۶ ص۲۴۴

○ انجیل منسوخ ہو چکی ہے۔ ج۵ ص۱۱۵۔ انفال منسوخ نہیں ہیں۔ ج۶ ص۱۵۶

○ پہلے جب صیغۂ اخوت جاری ہوا تو ایک کے مرنے کے بعد دوسرا اس کا وارث ہوتا تھا لیکن آیت اولوا الارحام نے اس وراثت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ج۷ ص۱۶۱

○ کیا وقت عمل سے پہلے حکم کا نسخ جائز ہے یا نہیں۔ ج۲ ص۹۰

نسائنا:۔ آیت مباہلہ کی تفسیر ج۳ ص۲۵۰ تا ص۲۵۵

نسلی تفاخر۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ۔ ج۷ ص۲۰ و ج۱۳ ص۱۰۵

نسیان۔ نسیان کی نفی۔ ج۱ ص۱۵۳، ج۵ ص۲۲۸۔ امت محمدیہ سے نسیان معاف ج۳ ص۱۸۴

○ جب انشاء اللہ کہنا بھول جائے تو جب بھی یاد آئے کہہ لینا چاہیئے۔ ج۹ ص۹۳ موسیٰؑ اور یوشعؑ کو مچھلی بھول گئی۔ ج۹ ص۱۰۸۔ سورہ حشر کو دھو کر پینے سے نسیان کم ہوتا ہے۔ ج۱۳ ص۲۴۶

نصاریٰ۔ لفظی فصاحت ج۱ ص۱۲۲۔ نصاریٰ کے تین گروہ۔ ج۵ ص۷۰ و ج۹ ص۱۵

○ نصاریٰ و صابئین و یہود کے ایمان لانے کی وضاحت ج۲ ص۱۱۸ و ج۵ ص۱۴۷

○ نصرانی بادشاہ حبشہ عطیہ المعروف نجاشی کی طرف مسلمانوں کی ہجرت ج۵ ص۱۵۴

○ شاہ روم نصرانی کی معاویہ و حضرت علیؑ کے درمیان مصالحتی کوشش۔ ج۱۲ ص۲۰۴

نطفہ و منی۔ نطفہ و منی سے پیدا ہونے والا بچہ کبھی ماں کے اور کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اس کی وجہ کیا ہے یہودی

کا سوال اور حضرت پیغمبرؐ کا جواب - ج۲ ص۱۴۶

- نطفہ ومنی کا اخراج روزے کا مبطل ہے - ج۲ ص۲۲۶
- نمی کی نجاست - ج۵ ص۲۳ و ص۹۸ و ج۷ ص۳۸ و ج۱۴ ص۱۵۷ و ص۱۷۷
- نطفہ سے انسان - ج۶ ص۳۶ و ص۴۲ و ص۱۴۸ و ص۱۹۸ و ج۹ ص۲۲۵ و ج۱۰ ص۵۸ و ج۱۱ ص۱۳۶ و ج۱۲ ص۳۰ ج۱۳ ص۲۰۴
- شکم مادر میں نطفہ پر بروج کے اثرات کا ترتب - ج۹ ص۱۲۱

نظر بد - ج۸ ص۶۰ و ج۱۱ ص۱۲۵ و ج۱۲ ص۷ و ج۱۴ ص۹۱

نعمات خداوندی - ج۸ ص۱۹۹ و ص۲۰۲ و ص۲۲۴ و ص۲۲۸ و ص۲۴۸ و ج۹ ص۴۲ و ج۱۰ ص۴۴ و ص۶۴ و ص۷۹ و ص۱۳۸ و ص۲۰۷
ج۱۱ ص۱۳۸ و ج۱۴ ص۹۰

نفس لوامہ - ج۱۴ ص۱۳۸

نفخ صور - ج۵ ص۲۳۱ و ج۸ ص۱۸۳ و ج۹ ص۱۲۸ و ج۱۰ ص۲۶۵ و ج۱۲ ص۲۵ و ص۳۵ -

- نفخ صور تک حضرت خضرؑ کو موت نہیں آئے گی - ج۹ ص۱۲۲
- نفخ اوّل اور نفخ ثانی میں چالیس برس کا فاصلہ ہوگا - ج۹ ص۱۶۰ - پچاس برس کا فاصلہ ہوگا - ج۱۰ ص۸۹
- فزع اکبر سے مراد نفخ صور ہے - ج۹ ص۲۵۷
- قیامت صغریٰ اسی کو کہتے ہیں - ص۱۳۴ تا ص۱۳۹

نقدی کا فلسفہ - ج۳ ص۱۷۵ و ج ص۴۳

نکاح - ج۳ ص۹۷ تا ص۱۰۰ و ص۲۰۲ و ج۴ ص۱۰۵

- مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت - ج۵ ص۵۲
- امام محمد تقی علیہ السلام کے مامون کی لڑکی ام الفضل سے نکاح کے سلسلہ میں بنی عباس کی سازشیں اور یحییٰ بن اکثم سے بھرے دربار میں مناظرہ - ج۵ ص۱۶۹
- ایک عورت کا ایک مرد پر ۲۴ گھنٹے کے اندر چار دفعہ حرام ہونا اور چار دفعہ حلال ہونا - ج۵ ص۱۷۱
- ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا جواز - ج۴ ص۱۱۱ تا ص۱۱۲
- عورت مرد پر تین طریقوں سے حلال ہے (۱) نکاح بامیراث (۲) نکاح بلامیراث (متعہ) (۳) ملکیت یعنی منکوحہ ممتوعہ اور کنیز مرد پر حلال ہیں تفصیلی مسائل کتب فقہیہ میں موجود ہے - ج۱ ص۵۶ - جس شوہر دار عورت سے کوئی مرد زنا کرے وہ عورت ہمیشہ کے لئے اس مرد پر حرام ہو جاتی ہے - ج۱۰ ص۱۱۶ تا ص۱۲۰

زینب بنت جحش سے حضرت پیغمبرؐ کا نکاح - ج۱۱ ص۱۹۶ تا ص۲۰۰

نگینہ۔ وہ انگوٹھی جو حضرت علیؑ نے رکوع میں دی تھی اس کا نگینہ یاقوت سرخ کا تھا۔ ج۵ ص۱۳۴

نماز۔ نماز مومن کے لئے معراج ہے۔ ج۲ ص۲۴ ج۹ ص۹۰ و ج۱۴ ص۲۴۳

- نماز متقی لوگوں کی علامت ہے۔ ج۱ ص۵۲ و ج۶ ص۱۶۶ و ص۱۶۸ و ص۱۷۱ و ص۱۷۳ ج۱ ص۳۳ و ص۵۳ ج۲ ص۳۷ و ج۱۴ ص۲۱۴
- تارک نماز کو اللہ نے مشرک کہا ہے۔ ج۲ ص۸۹ و ص۱۳۶ و ج۸ ص۱۴۴ و ج۱۱ ص۱۱۱ و ص۱۲۰
- نماز کا حکم۔ ج۱ ص۱۰۱ و ص۱۵۵ و ص۲۲۱ و ج۲ ص۸۱ و ص۹۵ و ص۲۴۰ و ص۲۴۱ و ج۸ ص۱۲۹ و ج۹ ص۲۷ تا ص۶۰ و ص۸۲ و ج۱۴ ص۱۰۳

نماز وسطیٰ۔ ج۳ ص۸۶ و ص۸۷

- وہ نمازی جس نے نماز کی ایک رکعت بھی نہیں پڑھی لیکن سیدھا جنت میں گیا۔ ج۴ ص۹۴
- با اطمینان دو رکعت نماز بد دلی کی رات بھر کی نماز سے افضل ہے۔ ج۴ ص۹۹
- رابطوا کی تفسیر میں حضرت پیغمبرؐ نے فرمایا کہ افضل الاعمال تین ہیں (۱) وضو مکمل کرنا (۲) نماز با جماعت کی طرف جانا (۳) نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ ج۴ ص۱۰۲

نماز غفیلہ۔ مغرب و عشاء کے درمیان دو رکعت پہلی میں بعد از حمد وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ الآیہ اور دوسری رکعت میں بعد از حمد وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ الآیۃ اس نماز کے بعد جو دعا مانگی جائے اللہ قبول فرمائے گا (الصادقؑ) ج۵ ص۲۲۵

- نماز کے لئے جاتے وقت عمدہ لباس پہن کر اور تیاری کر کے جانا چاہیے۔ ج۶ ص۲۴
- نماز قبول تو باقی اعمال بھی قبول ورنہ باقی اعمال مردود ہوں گے۔ ج۶ ص۱۱۲
- مسجد سہلہ میں نماز کا ثواب ج۶ ص۲۵۔ مسجد کوفہ میں نماز کا درجہ ج۶ ص۲۱۵ و ج۶ ص۲۲۵
- حدیث بساط اور صبح کی نماز ج۹ ص۸۳۔ موسیٰؑ کو حکم نماز۔ ج۹ ص۱۴۴
- حضرت علی علیہ السلام کی عبادت نہ غلامانہ نہ تاجرانہ بلکہ عابدانہ تھی۔ ج۹ ص۲۵۱
- نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ ج۱۱ ص۳۸۔ نماز وتر ج۹ ص۵۲
- حضرت ابراہیمؑ کی ملکوت سما کی سیر اور شیعہ کے علائم میں نماز اکاون رکعت ج۱۲ ص۳۴ و ج۵ ص۲۳۳
- فرشتوں کا موضوع بحث دو چیزیں ہیں (۱) کفارات (۲) درجات۔ کفارات تین ہیں۔ موسم سرما کا وضو، جماعت کی طرف جانا اور اگلی نماز کا انتظار کرنا اور درجات بھی تین ہیں۔ سلام کہنا۔ روٹی دینا اور رات کو عبادت خدا میں بسر کرنا۔ ج۱۲ ص۱۰۱ و ج۱۲ ص۱۵۴

نماز جمعہ۔ ج۴ ص۲۳ تا ص۲۷۔ طریقہ نماز شیعہ۔ ج۴ ص۱۲۰ تا ص۱۲۲

جہنمی کہیں گے ہم نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے گئے۔ ج ۱۴ ص ۱۳۶

○ نافلہ نماز کا ثواب ج ۱۴ ص ۱۴۴۔ نماز خوف کا بیان ج ۳ ص ۱۰۱۔ ج ۳ ص ۹۱ ج ۵ ص ۴۷

نماز با جماعت ۔ ج ۲ ص ۲۱۰ و ج ۴ ص ۱۰۲ و ج ۱۱ ص ۱ و ص ۱۰۰۔ نماز با جماعت میں قرأت ج ۶ ص ۱۵۳۔ نماز با جماعت نہ پڑھنے والوں سے بائیکاٹ کا حکم۔ ج ص ۲۱۸۔ جس مسجد میں نماز نہ پڑھی جائے بروز محشر شکوہ کرے گی۔ ج ۶ ص ۱۸۴

○ حضرت یوسف کے بھائیوں نے یوسف کو کنوئیں میں ڈال کر نماز با جماعت ادا کر کے اللہ سے دعا مانگی کہ اے پروردگار! ہمارا راز فاش نہ کرنا۔ ج ص ۱۱۸۔ نماز با جماعت مردوں کے لئے اگلی صف میں کھڑا ہونا زیادتی ثواب کا موجب ہے اور عورتوں کے لئے پچھلی صف میں کھڑا ہونا بہتر ہے ج ص ۱۲۱۔ حضرت پیغمبرؐ نے شب معراج البیت المعمور پر نماز انبیاء کو پڑھائی تو یہ آیت اتری فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ۔ سورۂ یونس آیت ۹۴۔ پس حضورؐ نے سوال کیا تو سب نے جواب دیا کہ ہم اللہ کی الوہیت تیری نبوت اور علیؑ کی امیرالمومنین ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ج ص ۲۹۲۔ نماز با جماعت کا ثواب ج ۱۴ ص ۸۹

نمرود کا ذکر ۔ حضرت ابراہیمؑ کا نمرود کے بھرے دربار میں موضوع توحید پر مناظرہ ج ۱۲ ص ۱۴۲ تا ص ۱۴۴

○ آذر نمرود کا مختار عام اور وزیر مملکت تھا اور علم نجوم میں کافی مہارت رکھتا تھا۔ ج ۵ ص ۲۳۱

○ نمرود بن کنعان۔ ج ص ۲۰۶۔ آتش نمرودی سے ابراہیمؑ کا نجات پانا یوم غدیر تھا۔ ج ۵ ص ۳۰

○ نمرود و بخت نصر وہ کافر ہیں جو پوری دنیا کے فرمانروا تھے۔ ج ۹ ص ۱۳۰

○ نمرود کے حکم قتل کے ڈر سے حضرت ابراہیمؑ کی تربیت مخفی ہوتی رہی۔ ج ۵ ص ۲۳۱ و ج ۹ ص ۱۵۳ و ص ۱۵۴

○ ابراہیمؑ پر بت شکنی کا کیس اور نمرود کی طرف سے آگ میں پھینک دینے کا حکم ج ۹ ص ۲۳۲

○ نمرود کی لڑکی رعضہ کا ایمان اور سزائے موت۔ ج ۹ ص ۲۳۹

○ نمرود کے مشیران سلطنت سب حرامزادے تھے جنہوں نے ابراہیمؑ کو سزائے موت کا حکم دیا تھا۔ ج ۱۱ ص ۱۴۹

○ آتش نمرودی میں انگاروں کے مصلا پہ بیٹھ کر کلمہ حق کو بلند کرنا ابراہیمؑ کا کام تھا۔ ج ۱۲ ص ۲۲۹

○ نمرود کا عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لئے غبارہ میں بیٹھ کر اسے پرندوں کے ذریعے اڑانا۔ ج ص ۱۲۳

○ نمرودی آگ میں حضرت جبرئیل نے ابراہیمؑ کو مدد کی پیش کش کی تو ابراہیمؑ نے کہا مجھے اللہ کافی ہے۔ ج ص ۱۰۴

نیکی کرنا ۔ خداوند کریم بعض نیک لوگوں کی بدولت گنہگاروں کو بھی عذاب سے امان دے دیتا ہے۔ ج ۳ ص ۱۲۶

○ گناہ ایک کا ایک اور نیکی کا بدلہ ایک کا دس گنا لکھا جاتا ہے۔ ج ۲ ص ۳۵ ج ۳ ص ۱۸۴

○ نیکی کی دعوت دینے والے کے نامۂ اعمال میں وہ تمام نیکیاں درج ہونگی جو اس کے کہنے پر لوگوں نے کی ہوں گی اور برائی کی دعوت دینے والے کے نامہ اعمال میں وہ تمام برائیاں درج ہوں گی جو اس کے کہنے

پر لوگوں نے نیکی کی پڑنگی۔ ج ۲ صفحہ ۲۰۵

- نیکی کی نیت بھی نیکی ہے اور مومن کو اس کا ثواب بھی ملے گا۔ ج ۹ صفحہ ۹۹
- اگر انسان نیکی کا ارادہ کرے تو ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر نیکی کرے تو دس گنا لکھی جائے گی اور اگر برائی کا ارادہ کرے تو کچھ نہ لکھا جائے گا لیکن اگر گناہ کرلے تو سات گھنٹے تک کچھ نہیں لکھا جاتا کہ شاید توبہ کرے اور سات گھنٹوں کے بعد بھی ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔ ج ۱۳ صفحہ ۱۱۵ و صفحہ ۱۱۶
- نو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے لئے گناہ کرنے کے باوجود انسان مرفوع القلم ہوتا ہے (۱) وہ گناہ جو بھول کر کرے (۲) غلطی سے برائی ہو جائے بلا ارادہ (۳) لاعلمی (۴) بے بسی (۵) ظالم کے ظلم کے ڈر سے جو گناہ ہو۔ (۶) حالت اضطرار میں جو گناہ کرے (۷) فال بد (۸) توحید کے بارے میں غلط اندازِ فکر جب پر وہ خود راضی نہ ہو۔ (۹) حسد جبکہ اس پر عمل پیرا نہ ہو۔ ج ۲ صفحہ ۱۸۶ و ج ۹ صفحہ ۲۶

نیک اولاد ۔ بنی اسرائیل میں ایک نیک بیٹے کی کہانی جس کی گائے خریدی گئی اور مردہ لاش کو زندہ کیا گیا اور اس نے اپنے قاتلوں کی نشاندہی کی۔ ج ۱ صفحہ ۱۲۴ ۔ نیک اولاد ۔ ج ۹ صفحہ ۲۱

- نیک اولاد کے فرائض ۔ ج ۲ صفحہ ۱۳۰ ۔ حضرت نوحؑ کا نیک بیٹا ج صفحہ ۲۴
- نیک باپ کی اولاد کی اللہ حفاظت فرماتا ہے ۔ ج ۹ صفحہ ۱۱۸
- نیک اولاد باپ کے لئے الباقیات الصالحات ہے۔ ج ۹ صفحہ ۱۰۱ ۔ نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے ج ۲ صفحہ ۱ ج ۱۴ صفحہ ۱۸۵ ۔ نئی نسل کی تربیت ۔ ج ۹ صفحہ ۲۶

حضرت نوحؑ ۔ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے سام کو اپنا ولی عہد مقرر فرمایا۔ ج ۲ صفحہ ۱۰

- حضرت نوحؑ کا ذکر ج ۵ صفحہ ۲۳۶ و ج صفحہ ۴۲ تا صفحہ ۴۴ و صفحہ ۷۷ و ج صفحہ ۱۷۳ و صفحہ ۲۰۳ و ج ۹ صفحہ ۲۳۹ و ج صفحہ ۱۴ و صفحہ ۲۰۲ ج ۱۱ صفحہ ۸۷ و ج ۱۳ صفحہ ۱۳۱ و صفحہ ۱۶۸
- حضرت نوحؑ کا گھر مسجد کوفہ کے مقام پر تھا۔ ج صفحہ ۲۵
- حضرت نوحؑ کا اپنے بیٹے کی سفارش ترک اولیٰ تھا۔ ج ۶ صفحہ ۱۱
- حضرت نوحؑ کے پاس اسم اعظم کے پندرہ حروف تھے ۔ ج ۱ صفحہ ۲۴۳
- شاہ روم نے جو تصویریں حسن علیہ السلام کے پیش کی تھیں ان میں حضرت نوحؑ کی تصویر تھی جس کو امام نے پہچانا اور فرمایا کہ ان کی عمر ۲۴۰۰ برس تھی اور یزید نہ بتا سکا تھا۔ ج ۱۲ صفحہ ۲۰۴
- حضرت نوح اولوالعزم نبی تھے۔ ج ۹ صفحہ ۳۷
- حضرت نوحؑ اور حضرت لوط کی بیویوں کی مثالیں کہ وہ اپنے شوہروں کی وفادار نہ تھیں۔ ج ۱۴ صفحہ ۹۸

- حضرت نوحؑ کی تبلیغ رسالت کی گواہی کے لئے حضرت پیغمبرؐ حضرت جعفر طیار اور حضرت حمزہ کو بھیجیں گے پس وہ ان کی گواہی دیں گے۔ راوی نے پوچھا کہ اس وقت علیؑ کہاں ہوں گے؟ تو معصوم نے فرمایا علیؑ کی شان اس سے اجل ہے یعنی وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے گواہ ہوں گے۔ ج ۱۴ ص ۸۰
- سورہ نوحؑ کے فضائل۔ ج ۱۴ ص ۱۰

نور۔ اَنَا وَ عَلِی من نو واحد۔ ج ۲ ص ۱۱ و ص ۲۶ ج ۵ ص ۸۰ و ص ۲۳۳ و ج ۱ ص ۹۸ و ص ۲۱۹

- اَلنُّوْرِ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ سے مراد حضرت علیؑ و باقی آئمہ ہیں۔ ج ۶ ص ۱۰۵
- نور نبی و نور علی کی وضاحت۔ ج ۸ ص ۱۵۲۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِی ج ۸ ص ۱۶۶ و ج ۱۰ ص ۹۸
- نور کی حقیقت ج ۱ ص ۹۴۔ قرآن میں نور کا استعمال ج ۱ ص ۹۶۔ نور ھدی اور رحمت۔ ج ۱ ص ۹۷
- اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ کی تاویل و تشریح ج ۱ ص ۱۳۷۔ آئمہ نور ہیں ج ۱۴ ص ۳۹ و ص ۶۷ ان کے نور سے کائنات پیدا ہوئی ج ۱۳ ص ۱۱۸

نہی عن المنکر۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ فریضہ اس شخص کا ہے جس کی بات موثر ہو اور اس کے اہل ہو اور خود اپنے قول پر عمل کرنے والا ہو اور معصوم نے فرمایا اس شخص پر خدا کی لعنت ہے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور خود نہ کرے اور لوگوں کو برائیوں سے روکے اور خود نہ رُکے اور رسولؐ اللہ سے مروی ہے جبتک معروف کا امر کرنے والے اور منکر سے روکنے والے رہیں گے تو خیر و برکت ہوتی رہے گی ج ۴ ص ۲۶ و ص ۲۷ و ج ۵ ص ۱۷۶

- برائی کرنے والے اور برائی سے روک سکنے کے باوجود نہ روکنے والے بنی اسرائیل عذاب میں گرفتار ہو گئے اور وہ بچ گئے جو برائی سے روک نہ سکتے تھے پس انہوں نے ان سے قطع تعلق کر لی۔ ج ۵ ص ۱۵۲ و ص ۱۳۶، ج ۶ ص ۱۱۰
- جعفر طیار نے دربار نجاشی میں بیان کیا کہ ہمارا نبی نیکی کا امر کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اپنی موثر تقریر سے نجاشی کا دل موہ لیا۔ ج ۵ ص ۱۵۷
- نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر سکنے کے باوجود نہ کرنے والا گویا اعلانیہ اللہ سے دشمنی کرتا ہے۔ اور جو شخص ظالم لوگوں کی زندگی کو پسند کرے وہ گویا گناہ کو پسند کرتا ہے۔ ج ۵ ص ۲۱۹
- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایمان کی نشانی ہے۔ ج ۸ ص ۹۵ و ص ۱۳۱ و ص ۲۴۳ و ج ۱۱ ص ۱۴۷
- تبلیغ کا مؤثر طریق کار یہ ہے کہ امر و نہی کو بر محل بجا لائے۔ ج ۸ ص ۳۵
- حضرت لوطؑ نے نہی عن المنکر کا فریضہ کس طرح انجام دیا۔ ج ۱۱ ص ۷۰
- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کرنا کسی نہ کسی مصیبت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ ج ۱۱ ص ۱۲۰

○ حضرت ابراہیمؑ کا طریق نہی عن المنکر۔ ج ۱۲ ص ۵۲

○ جہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہونے کا امکان نہ ہو۔ وہاں امر و نہی کا ترک کرنا قابل ملامت نہیں ہے۔ ج ۱۳ ص ۱۳۳

نوع مفرد۔ ج ۱۱ ص ۱۰۹ و ص ۱۲۸

الواو

والدین ۔ جو ماں باپ اپنی اولاد کی اچھی تربیت کریں بروز محشر ان کے درجات بلند ہوں گے چنانچہ اپنے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دلوانے والے والدین کو قیامت کے دن تاج کرامت عطا ہوگا اور فرشتے کہیں گے کہ یہ شرف تمہیں اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے کے عوض میں ملا ہے۔ مقدمہ تفسیر ص ۲۷

○ مروی ہے کہ والدین کی طرف مہر و محبت سے دیکھنا عبادت ہے۔ مقدمہ تفسیر ص ۳۹

○ والد کے اطاعت گذار اسرائیلی بچہ کو دنیا میں بدلہ۔ ج ۲ ص ۱۲۴ ۔ والدین کی اطاعت۔ ج ۲ ص ۱۳۰

○ والدین اگر اولاد کی اچھی تربیت کریں تو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنیں گے۔ ج ۶ ص ۲۱۶

○ والدین کی نافرمانی سنگین گناہ ہے۔ ج ۵ ص ۲۶۶ و ج ۶ ص ۱۶۴ و ج ۱۱ ص ۱۰۱ و ج ۱۳ ص ۱۵۵ و ج ۲ ص ۱۲۸

○ والدین کے ساتھ نیکی دانشمندی کی علامت ہے۔ ج ۶ ص ۱۹۸

○ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا وہ ہمارا شیعہ نہیں جو والدین کے ساتھ نیکی نہیں کرتا۔ ج ۷ ص ۱۷۰

○ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص والدین کی طرف غصہ کی نگاہ کرے اس کی نماز قبول نہیں۔ ج ۷ ص ۱۷۱

○ والدۂ ماجدہ حضرت امیرالمومنین کا ذکر خیر۔ ج ۶ ص ۱۷۴

○ دنیاوی امور میں والدین کی اطاعت واجب ہے۔ ج ۴ ص ۳۲ و ج ۱۱ ص ۶۴ و ص ۶۸

○ والدین کے نافرمان بیٹے کا بُرا انجام۔ ج ۸ ص ۱۷۹

○ جب حضرت یوسفؑ کی ملاقات کے لئے حضرت یعقوبؑ مصر پہنچے تو سواری سے پیدل ہو گئے لیکن حضرت یوسف پیدل نہ ہوئے پس حضرت یوسفؑ کی نسل سے نبوت ختم ہو گئی۔ ج ۸ ص ۸۳

○ والدین سے نیکی کرنا آخرت کی منزل کو آسان بناتا ہے۔ ج ۸ ص ۱۲۷

○ والدین کے حقوق۔ ج ۹ ص ۲ و ص ۱۴ و ج ۱۱ ص ۱۳۶ و ج ۱۳ ص ۲۵ و ص ۹۳

- والدین مومن تھے اور بیٹا نافرمان تھا جس کو حضرت خضرؑ نے قتل کیا تھا۔ ج۹ ص۱۱۷
- اور وہ والدین نیک تھے جن کے یتیم بچوں کی دیوار کو حضرت خضرؑ نے مرمت کیا تھا۔ ج۹ ص۱۱۸
- حضرت عیسیٰؑ نے گہوارہ میں کہا تھا کہ میں اپنی اولاد کے ساتھ نیکی کرنے پر مامور ہوا ہوں۔ ج۹ ص۱۴۹
- ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے اور پھر والدین اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ ج۱۰ ص۱۱
- نیک والدین کی اولاد کو بھی بروز محشر کافی سہولت میسر ہوگی۔ ج۱۳ ص۱۳۸
- والدین کا نافرمان جنت کی بو بھی نہ سونگھ سکے گا جو پانچسو برس کی مسافت تک پہنچتی ہے۔ ج۱۳ ص۲۰۱
- حضرت نوحؑ کے والدین لمک بن متوشلخ اور سمحا بنت انوش مومن تھے۔ ج۱۴ ص۱۱۳
- وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ کی تفسیر میں اقوال۔ ج۱۴ ص۲۲۲

وادی برہوت۔ جس میں کفار کے ارواح جاتے ہیں۔ ج۲ ص۳۲

- اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ یہاں طوی بدل ہے وادی مقدس سے یعنی موسیٰؑ کو خطاب ہوا کہ جوتے اتار دو کیونکہ آپ وادی مقدس میں ہیں جو کہ وادی طوی ہے۔ ج۹ ص۱۶۴
- حضرت موسیٰؑ کا وادی مقدس میں ورود اور توحید سے مکالمہ۔ ج۱۰ ص۲۲۵ و ج۱۱ ص۳۴
- وادی نمل سے حضرت سلیمان بن داؤدؑ کا گذر اور چیونٹی کی تقریر۔ ج۱۱ ص۲۲۲ و ص۲۲۳
- وادی قری میں شہر حجر کے نو باشندے جنہوں نے حضرت صالحؑ کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ ج۱۱ ص۲۵۲
- وادی قری قوم ثمود کا مسکن تھی۔ ج۱۱ ص۳۹۔ لیکن حضرت پیغمبرؐ کے زمانہ میں یہ جگہ یہودیوں کے قبضہ میں تھی۔ چنانچہ خیبر کی فتح کے بعد وادی قری کے یہودیوں نے ہتھیار ڈالے۔ ج۱۳ ص۸۳

دثنی۔ دثنی فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ موجودات عالم کی ہر شی کا رب الگ الگ ہے۔ ج۴ ص۶۹۔ بلکہ دو مستقل خداؤں کے قائل تھے ایک خالق خیر اور اسے نور سے تعبیر کرتے تھے اور دوسرا خالق شر اور اس کو وہ ظلمت سے تعبیر کرتے تھے حضرت رسالتمآبؐ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا اگر ضدیں دو ہوں تو خدا دو ہوں گے لیکن اگر ضدیں دو سے زیادہ ہوں تو پھر خدا کتنے ہوں گے جیسے الوان مختلفہ تو وہ لاجواب ہو گئے۔ ج۶ ص۲۲

- دقیانوس ثنی فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ج۹ ص۸۳

وحشی قاتل حمزہ مسیلمہ کذاب کا قاتل تھا۔ ج۵ ص۱۲۲۔ وحشی کی توبہ۔ ج۱۱ ص۱۳۰

- وحشی نے حمزہ کا جگر نکال کر ہند اور معاویہ کو بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ ج۴ ص۲۹

وجہ اللہ علیؑ ہے۔ ج۱۲ ص۲۵۴ و ج۱۳ ص۱۸۳

وحی۔ ابن صوریا کے سوال کے جواب میں حضورؐ نے وحی کی حقیقت بیان فرمائی۔ ج۱ ص۱۷۰ و ج۵ ص۱۰۹

- شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ ج۵ ص۲۵۱
- رویائے صادقہ کو الہام یا وحی کہا جاتا ہے۔ ج۸ ص۱۱۔ بعض انبیاء پر وحی اسی قسم کی تھی۔ ج۸ ص۲۵
- روایات میں ہے کہ رویائے صادقہ نبوت کا ایک حصہ ہے۔ ج۲ ص۳۷ و ص۳۸
- حضرت یوسفؑ پر بچپنے میں وحی ہوئی جس طرح کہ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر ہوئی۔ ج۸ ص۱۸
- حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کی زندگی کا بذریعہ وحی علم تھا۔ ج۸ ص۷
- لفظ وحی کی تفسیر اور وحی کی اقسام ج۸ ص۲۲۶۔ ج۱۲ ص۲۱۸ و ج۱۳ ص۱۴۸۔ انبیاء پر وحی۔ ج۱۲ ص۱۹۷
- اسکندر ذوالقرنین پر وحی ہوتی تھی۔ ج۹ ص۱۲۴
- حضرت پیغمبرؐ پر وحی کی تاخیر کی وجہ ج۹ ص۱۶۰۔ حضرت موسیٰؑ پر پہلی وحی۔ ج۹ ص۱۷۴ و ج۱۱ ص۳۴
- حضرت داؤدؑ نے اپنے وصی کا تعین وحی کے ذریعہ کیا۔ ج۹ ص۲۴۱
- حضورؐ پر وحی عربی زبان میں ہوتی اور اگر کوئی آدمی کسی دوسری زبان سے آپ سے ہمکلام ہوتا تھا تو وہ بھی آپ کے کانوں تک عربی زبان میں ترجمہ ہو کر پہنچتی تھی اور خدا خود ترجمان ہوتا تھا۔ ج۸ ص۲۱۴
- حضرت سلیمانؑ کو وحی ہوئی کہ جہاں بھی کوئی مخلوق بات کرے گی ہوا اس کی آواز کو تیرے کانوں تک پہنچا دے گی۔ ج۱ ص۲۳۲
- حضرت موسیٰؑ کی والدہ پر وحی کی حقیقت۔ ج۱۱ ص۱۵
- شب معراج حضورؐ پر جو وحی ہوئی اس میں علیؑ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا اعلان تھا۔ ج۱۳ ص۱۵۰۔ آغاز وحی ج۱۴ ص۱۳۱

ورد نام علیؑ ۔ خیبر کا یہودی حضرت علیؑ کے ہمسفر تھا تو راستہ میں پانی عبور کرنا تھا۔ پس یہودی نے ورد پڑھا۔ اور پار ہو گیا۔ پس علیؑ نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو پانی خشک ہو گیا۔ یہودی نے پوچھا تو نے کیا عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا پہلے تو ہی بتا کہ تو نے کیا پڑھا تھا۔ اس نے جواب دیا ــــ میں آخری نبی کے وصی کے نام کے ورد کی بدولت پار ہوتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جس کے نام کی برکت سے تو پار ہوا ہے۔ وہ علی میں ہوں پس یہودی قدموں میں گرا اور فوراً مسلمان ہو گیا۔ ج۶ ص۱۳۸

یا علیؑ کے ورد کا طریقہ :

- علامہ نہاوندی سے منقول ہے وقت معین میں اور مکان معین میں باشرائط پڑھیں۔

کوئی بھی حاجت درپیش ہو قربۃً الی اللہ دو رکعت نماز پڑھیں اور سلام کے بعد بلا فاصلہ ۱۱۰ دفعہ درود شریف اور کلام کئے بغیر اسی جگہ پر اسی حالت میں ایک ہزار پانچسو ستر (۱۵۷۰) دفعہ یا علیؑ کا ورد کریں پھر اپنی حاجت کا ذکر کر کے دس دفعہ پڑھیں۔ اور مسلسل دس راتیں عمل جاری رکھیں جو بھی مشکل ہو گی آسان ہو جائے گی انشاء اللہ۔ (مجرب)

حضرت عباس کے نام کا وِرد۔

(۱) نماز جمعہ یا ظہر جمعہ کے بعد کلام کئے بغیر ۱۳۳ دفعہ پڑھے۔ سات دن مسلسل

یَا کَاشِفَ الْکَرْبِ عَنْ وَجْہِ الْحُسَیْنِ

اِکْشِفْ کَرْبِیْ بِحَقِّ اَخِیْکَ الْحُسَیْنِ

(۲) بدھ کی رات شروع ایک ہفتہ مسلسل۔ یا عبد اللہ ابا الفضل پھر سو دفعہ یہ اشعار پڑھے۔

اے ماہ بنی ہاشم خورشید لقا عباس
اے نور دل حیدر شمع شہداء عباس
از درد وغم ایام من رو بتو آوردم
دست من مسکین گیر از بہر خدا عباس

انشاء اللہ ہر مشکل آسان ہوگی۔

- اَمَّنْ یُجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْءَ کا ورد حل مشکلات کے لئے اکسیر کا کام دیتا ہے۔ ج۱ ص۲۶۰

وراثت ۔حضرت ابوبکر سے کلالہ کا معنی پوچھا گیا جو مرنے والے کے وارث ہوتے ہیں۔ مقدمہ تفسیر ص۱۵۶

- بعض لوگوں نے آیت وراثت کو آیت وصیت کا ناسخ قرار دیا ہے۔ ج۲ ص۲۱۴
- وراثت کے احکام کی تفصیل۔ ج۴ ص۱۲۲ تا ص۱۴۵۔ کلالہ کی وراثت۔ ج۴ ص۲۷۶
- حضرت پیغمبرؐ سے مروی ہے کہ ہر شخص کے لئے دو دو گھر ہیں ایک جنت میں دوسرا جہنم میں پس کافر شخص مومن کے دوزخ والے گھر کا وارث ہوگا اور مومن کافر کے جنت والے گھر کا وارث ہوگا۔ ج۱ ص۳۲
- جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا امام وارث ہوتا ہے۔ ج۴ ص۱۵۵
- طبقات وراثت میں قریبی کی موجودگی میں بعید وارث نہیں ہو سکتا۔ وَاُولُوا الْاَرْحَام۔ ج۶ ص۲۵۶ و ج۱۱ ص۱۶۱
- جناب زہراؑ کا حق وراثت اور رازی کی منطق۔ ج۹ ص۹۰
- حضرت زکریاؑ کا اپنے وارث کے لئے دعا مانگنا اگر نبیوں کا وارث کوئی نہیں ہوتا تو حضرت زکریاؑ کی دعا کا کیا معنی؟ ج۹ ص۱۳۶۔ حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث تھے۔ ج۱۰ ص۲۲۸
- وارث کتاب کون کون لوگ ہیں؟ ج۱۱ ص۲۶۵
- عمالقہ پر فتح حاصل کرنے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک ہزار گھوڑے ملے تھے جو وراثت میں حضرت سلیمانؑ کو ملے تھے۔ ج۱۲ ص۹۰

وسوسہ شیطانی کو شیطانی وحی بھی کہا جاتا ہے۔ ج۳ ص۲۲۵

- وسواس خناس شیطانی فوج کا ایک نامور جرنیل ہے جس کو مشکل مقامات سر کرنے کیلئے بھیجا جاتا ہے۔ ج۴ ص۵۲
- شیطان کا آدم پر وسواس کا جال۔ ج۶ ص۱۷۔ طریقۂ وسواس ج۲ ص۹۲ مقدمۂ تفسیر ص۱۹۹ و ج۱ ص۴۱
- وسوسہ کی حقیقت نیز وسواس اور الہام میں فرق۔ ج۶ ص۲۰ و ۲۱ و ج۱۲ ص۱۲۵
- جنگِ بدر کے دن شیطان نے سراقہ بن مالک کی شکل میں آکر قریش مکہ کو ڈھارس دی ج۶ ص۱۸۳ و ص۲۴۱
- وساوس شیطانیہ کی مثال پانی کے اوپر آنے والی جھاگ کی سی ہے جو بہت جلد نیست و نابود ہو جاتی ہے ج۸ ص۱۲۴۔ حضرت آدم پر وسواس کا جال ڈال کر ابلیس کو فطرت انسانی کا پتہ چل گیا کہ اس کو راہِ راست سے کیونکر بھٹکایا جا سکتا ہے پس خم ٹھونک کر کہا کہ میں اولادِ آدمؑ کو گمراہ کروں گا۔ ج۹ ص۴۰

وسیلہ۔ بارہ امام بفرمانِ پیغمبرؐ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں۔ مقدمہ تفسیر ص۷۱ ج۵ ص۱۸۱ و ص۲۱۷

- محمد و آل محمدؐ کو وسیلہ قرار دیکر اور ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے۔ ج۲ ص۱۳۱ و ج۸ ص۱۶۷ و ص۱۹۱
- قبول توبہ آدمؑ بوسیلہ اسمائے محمد و آل محمد ہوئی۔ ج۲ ص۹۶ و ج۹ ص۱۸۸
- حضرت کالب بن یوحنا نے بوسیلۂ محمد و آل محمدؐ دریا کا پاٹ عبور کیا۔ ج۲ ص۱۰۷
- بنی اسرائیل سے وسیلۂ محمد و آل محمدؐ سے قتل کی سزا برطرف ہوئی۔ ج۲ ص۱۰۹
- جس گائے کا حصہ مارنے سے مقتول زندہ ہوا۔ وہ بنی اسرائیل میں ایک نوجوان کے پاس تھی جو والدین کا فرمانبردار تھا اور محمد و آل محمد پر درود پڑھا کرتا تھا۔ ج۲ ص۱۲۴
- وسیلہ کے تلاش کرنے کا حکم۔ ج۵ ص۹۷ و ج۶ ص۱۳۵ و ص۱۳۸ و ص۱۵۰ و ج۱۱ ص۸۵ و ص۹۹
- محمد و آل محمدؐ انبیاء کا بھی وسیلہ ہیں۔ ج۹ ص۱۸۸ و ص۱۹۱
- دعا مانگنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ محمد و آل محمدؐ کے واسطہ سے مانگی جائے۔ ج۲ ص۱۱۴ و ج۱۴ ص۱۹۷ و ج۸ ص۱۱۸
- حضرت علیؑ کا حضرت محمد کا واسطہ دے کر دعا مانگنا اور حضورؐ کا علیؑ کے وسیلہ سے دعا مانگنا۔ ج۱۳ ص۱۱۸

وسعتِ رزق۔ نماز تہجد وسعتِ رزق کا باعث ہے۔ ج۴ ص۳۱۲

- سورہ یوسف کو لکھ کر دھو کر پی لینا وسعتِ رزق کا موجب ہے۔ ج۸ ص۵
- سورہ حجر کو زعفران سے لکھ کر پاس رکھنا وسعتِ رزق کا موجب ہے۔ ج۸ ص۱۶۴
- صبح و شام سورہ یٰسین کی تلاوت رزق کو بڑھاتی ہے۔ ج۱۲ ص۷
- سورہ ذاریات کی تلاوت سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ ج۱۳ ص۱۲۳
- سورۂ واقعہ کی بکثرت تلاوت سے رزق میں زیادتی ہوتی ہے۔ ج۱۳ ص۱۹۲

○ وسعتِ رزق اور ترقی درجات کا عمل۔ ج۲ صہ۱۵

○ جو شخص سورہ جن کی زیادہ تلاوت کرے رزق وسیع ہوگا اور قرضے ادا ہوں گے۔ باذن اللہ ج۲ صہ۱۱۲

وسعتِ رزق کے لئے۔

○ حضرت پیغمبرؐ سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ ..... تا قَدْرًا چالیس دن پڑھے ہر روز ۱۵۹ دفعہ اور چالیسویں دن ۱۷۸ دفعہ۔ ابتداء عمل جمعرات یا جمعہ یا سوموار کرے اور ابتداء میں غسل کرکے پاکیزہ لباس پہنے اور دو رکعت نماز بجالائے انشاء اللہ بند کاروبار کھل جائے گا اور رزق فراوانی سے پہنچے گا۔ شروع عمل میں پہلے ایک سو دفعہ درود شریف اور اختتام عمل پر بھی ایک سو دفعہ درود شریف پڑھے۔

(۲) آیت مجیدہ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ ..... تا بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ ۴۱ دن ہر دن ۴۱ دفعہ پڑھے اوّل و آخر درود شریف کم از کم ایک سو دفعہ پڑھے۔ شروع جمعہ یا اتوار کو ساعت اوّل میں غسل کرکے پہلے دو رکعت نماز پڑھے سلام کے بعد کسی سے کلام کئے بغیر قبلہ رُخ باوضو ورد مذکور پڑھے۔ آیت الملک لکھی ہوئی سامنے رکھے اور ورد کے دوران اپنی نظر اَلْمُلْکِ کی میم پر جمائے رکھے۔

(۳) یہ عمل مقدس اردبیلی کی طرف منسوب ہے کہ پندرہ ہزار نو سو چھپن دفعہ آیت ملک کا ورد کرے مال و دولت یا عہدۂ سلطنت نیز علم کیمیا و جفر نصیب ہوگا۔ پورے سات دن خلوت اختیار کرے اور روزہ رکھے کسی سے بات نہ کرے اور جس کمرہ میں عمل کرے اس کو خوشبو سے معطر رکھے صبح کی نماز کے بعد پہلے سورہ یٰسین پڑھ کر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی رُوح کو ہدیہ کرے اور پہلے روز یٰسین کی تلاوت کے بعد ایک ہزار دفعہ پڑھے کھیعص وحمعسق اَغِثْنِیْ اس کے بعد آیت مجیدہ کا ورد شروع کرے اور ایک نشست میں ۵۹۵۶ بار پڑھے۔ اختتام عمل کھلے دل سے صدقہ کرے اور بخل نہ کرے۔ عمل کی ابتداء یوم خمیس سے کرے۔

اگر اتنی تعداد میں نہ پڑھ سکے تو با شرائط طہارت وخلوت و روزہ و ترک حیوانات و رزق حلال چالیس دن بعد از نماز صبح سورہ یٰسین ہدیہ امیر المومنین اور پھر ورد آیت مذکورہ ۳۹۸۹ دفعہ ایک نشست میں پڑھے۔ اور ہر روز ورد سے فارغ ہو کر حسب حیثیت صدقہ کھجور کے ۲۹ دانے کرے۔ انشاء اللہ حاجت پوری ہوگی اور اَلْمُلْکِ لکھ کر پوری مدت میں ورد کرتے ہوئے نظر میم پر جمائے رکھے ابتداء یوم خمیس یا شب جمعہ سے ہو اور ہر روز ورد مکمل کرنے کے بعد سورہ والشمس، سورہ والضحیٰ اور سورہ الم نشرح سات سات دفعہ پڑھے اور دوران عمل کسی سے بات نہ کرے۔

وسعتِ رزق کے لئے بعض اعمال پہلے بھی متفرق طور پر گذر چکے ہیں۔

○ ۴۱ دن مسلسل چار رکعت نماز پڑھتا رہے پہلی رکعت میں الحمد کے بعد اٰمَنَ الرَّسُوْلُ تا آخر تین دفعہ دوسری

رکعت میں بھی الحمد کے بعد تین دفعہ آیت مذکورہ تیسری رکعت میں الحمد کے بعد ۱۵ دفعہ سورہ اِذَا زُلْزِلَتِ اور چوتھی رکعت میں الحمد کے بعد سورہ توحید ـــــ یہ دو دو رکعت کر کے پڑھے اور آخر میں ۱۱۰۰ دفعہ آیۃ الکرسی تا العلی العظیم پڑھے۔

وصیت کا حکم۔ ج۲ ص۲۱۳ و ج۴ ص۱۷۱۔ ہر امام نے وقت اخیر میں نماز کی وصیت فرمائی۔ ج۲ ص۱۰۲

- وصیت پیغمبرؐ کو نظر انداز کرنا مسلمانوں میں انتشار کا باعث ہوا ہے۔ ج۵ ص۱۸
- وصایائے حضرت ابوطالبؑ (کہ حضرت محمدؐ کو نہ چھوڑنا) ج۵ ص۲۰۱
- وصیت پیغمبرؐ تھی کہ یا علیؑ اپنے حق کے لئے جنگ نہ کرنا جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ کی ہارونؑ کو وصیت تھی کہ اصلاح کرنا اور فسادیوں کی اتباع نہ کرنا۔ ج۶ ص۹
- اگر زہراؑ کا حق نہ ہوتا تو حضورؐ پر ضروری تھا کہ وصیت کر جاتے کہ میرا بحیثیت نبی ہونے کے کوئی وارث نہیں ہے لہذا میری اولاد کو اس بارے میں مطالبہ کرنے اور جھگڑنے کا کوئی حق نہیں حالانکہ حضورؐ نے اپنی بیٹی کو کوئی اس قسم کی وصیت نہیں فرمائی تھی۔ ج۶ ص۹
- حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو چار وصیتیں کیں (۱) گھر میں میری تنہائی نہ بھولنا (۲) امن میں میری وحشت کو نہ بھولنا (۳) میری بھوک و پیاس کو یاد رکھنا۔ (۴) میری جوانی کو یاد رکھنا۔ ج۸ ص۱
- جنہوں نے وصیت پیغمبرؐ پر عمل کیا وہ شفاعت پیغمبرؐ سے ناجی ہوں گے۔ ج۸ ص۱۲۸
- وصیت نامہ۔ ج۹ ص۱۶۶۔ حضرت علیؑ کے وصیت نامے کی عبادت۔ ج۹ ص۱۵۱
- وصیت امیرالمومنینؑ۔ میرا جنازہ پشت کوفہ کی طرف لے جانا جہاں رک جائے وہاں مجھے دفن کر دینا۔ ج۱۰ ص۶۳۔ وصیت نہ کرنا ان گناہوں میں سے ہے جو ندامت کا باعث بنتے ہیں۔ ج۱۱ ص۱۲۰
- حضرت لقمان کی وصیتیں۔ ج۱۱ ص۱۳۳۔ وصیت ابراہیمؑ ویعقوبؑ۔ ج۲ ص۱۸۱
- حضرت پیغمبرؐ نے وصیت لکھنے کے لئے آخری وقت میں قلم و دوات طلب فرمائی۔ ج۲ ص۱۳۸ و ج۴ ص۱۲۱
- مومن کی شان ہے حق اور صبر کی وصیت کرنا۔ ج۱۴ ص۲۲۶
- اوصیائے پیغمبرؐ۔ مقدمہ تفسیر ص۹ و ج۲ ص۱۹۱ و ص۱۷۱ و ج۲ ص۲۴ و ص۲۶۔ ج۵ ص۲۳۳ و ج۱۱ ص۱۴۷
- تمام انبیاء نے یکے بعد دیگرے اپنا اپنا وصی نامزد فرمایا۔ ج۲ ص۱۰۱
- حضرت ابوطالب حضرت ابراہیمؑ کے آخری وصی تھے۔ ج۵ ص۲۱۱
- پیغمبرؐ نے شب معراج اپنے اوصیاء طاہرینؑ کو دیکھا۔ ج۹ ص۳
- حدیث بساط میں اصحاب کہف نے علیؑ کو یا وصی کے لفظ سے سلام کیا۔ ج۹ ص۸۴

- حضرت داؤد نے حضرت سلیمانؑ کو اپنا وصی معین فرمایا۔ ج۹ ص۲۴۱
- دعوت عشیرہ میں حضرت پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا وصی نامزد فرمایا۔ ج۱۰ ص۲۱۶
- وصی سلیمان آصف بن برخیا کے پاس ایک اسم اعظم تھا اور علیؑ فرماتے ہیں میرے پاس بہتر اسم اعظم ہیں اور کل تہتر میں سے صرف ایک اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ ج۱۱ ص۲۴
- حضرت نوحؑ نے بحکم پروردگار سام کو اپنا وصی نامزد فرمایا۔ ج۷ ص۴۰
- ہر نبی کو اس کا وصی غسل دیا کرتا ہے اور میرا وصی علیؑ ہے۔ ج۱ ص۱۸۸
- حضرت نوحؑ کی امت کے بعض افراد اہل یمن میں سے حاضر بارگاہ ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے نبی کا وصی سام تھا آپ کا وصی کون ہے؟ تو فرمایا میرا وصی علیؑ ہے پس ان کی درخواست پر حضرت علیؑ نے حضرت سام بن نوحؑ کو زندہ کیا تو انہوں نے زندہ ہو کر علیؑ کو سلام کیا اور حضرت علیؑ کے وصی نبی ہونے کا اعتراف کیا چنانچہ سام نے صحیفہ نوحؑ میں سے ایک سورہ کی تلاوت فرمائی اور پھر حضرت علیؑ کا اسلام کر کے دوبارہ موت کی نیند میں سو گیا۔ ج۱۲ ص۲۰۲ و ص۲۰۳

وصیلہ کی وضاحت اور کفار کا طرز عمل۔ ج۵ ص۱۱۵

وضوء ۔ تلاوت قرآن مجید کے وقت با وضو ہونا بہتر ہے۔ مقدمہ تفسیر ص۴۳

- وضو کا بیان۔ ج۵ ص۵۳ تا ص۶۶
- غسل جنابت کے بعد نماز کے لئے وضو کی ضرورت نہیں ہے باقی ہر غسل کے ساتھ اول یا آخر میں نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے۔ ج۵ ص۷۰

وضع حمل ۔ حاملہ عورت کو اگر طلاق دی جائے تو اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔ ج۲ ص۹۰

- اگر شوہر مر جائے تو حاملہ عورت کی عدت (ابعد الاجلین) ہو گی یعنی اگر وضع حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہو گی لیکن اگر چار ماہ دس دن گزرنے کے بعد وضع حمل ہو تو عدت وضع حمل ہو گی۔ ج۲ ص۸۲ و ج۱۴ ص۵۴
- سورہ الذاریات کو لکھ کر باندھنے سے وضع حمل آسان ہوتا ہے۔ ج۱۳ ص۱۲۳
- سورہ انشقاق کا لکھ کر باندھنا بھی وضع حمل کو آسان کرتا ہے۔ ج۱۴ ص۱۹۳

وعظ ۔ ابو منصور مظفر واعظ بغدادی نے فضائل علیؑ بیان کئے تو بادل فضا میں پھیل گئے اور معلوم ہونے لگا کہ اب شام ہو گئی ہے پس واعظ نے اٹھ کر سورج کو خطاب کر کے چند اشعار کہے جن کا مقصد یہ تھا کہ اے سورج جب تک میں آل نبی اور بالخصوص علیؑ کے فضائل کو بیان نہ کر لوں غروب نہ کرنا چنانچہ ابھی تک اس کے اشعار ختم نہ

ہوئے تھے کہ بادل پھٹے اور سورج نمودار ہو گیا۔ ج۵ ص۸۴

- ربانیوں کی تفسیر میں ہے کہ ربانی کا معنی ہے واعظ۔ ج۵ ص۱۱۲۔ حضرت زکریاؑ کے وعظ کا یحییٰؑ پر اثر۔ ج۶ ص۲۴۹
- بنی اسرائیل پر عذاب آیا تو اسی ہزار میں سے صرف دس ہزار بچ گئے جو واعظ تھے۔ ج۶ ص۱۱
- اللہ نے موسیٰؑ کو وعظ کرنے کا طریقہ بتایا کہ فرعون مزاج لوگوں کے لئے نرم لہجہ میں گفتگو کرنا مفید ہوتا ہے کیونکہ تلخ کلامی یا جوش کی باتیں ایسے مقام پر نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ ج۹ ص۱۸۴
- وعظ و نصیحت میں غور و تدبر کرنا اللہ کے نیک بندوں کی نشانی ہے۔ ج۱ ص۱۸۶
- دانا واعظ کا فرض ہے کہ نااہل کو سمجھانے کے لئے مؤثر انداز اختیار کرے۔ ج۱۲ ص۵۸

وقوف عرفات ۔ ج۳ ص۱۱۵ ۔ وقوف مشعر ج۳ ص۱۱۰

ولادت ۔ ولادت علیؑ در کعبہ۔ ج۴ ص۱۶ و ج۱ ص۵۲

- ولادت موسیٰؑ۔ ج۱۱ ص۸۔ ولادت قائمؑ ج۱۱ ص۱۲۔ ولادت ابراہیمؑ۔ ج۵ ص۲۳۲ و ج۹ ص۱۵۳

ولایت ۔ حضرت امام علی زین العابدینؑ نے فرمایا اگر کسی شخص کی حضرت نوحؑ کے برابر عمر ہو اور رکن اور مقام کے درمیان ساری زندگی عبادت کرتا رہے لیکن اگر ہماری ولایت کا قائل نہیں تو اس کو یہ عبادت کوئی فائدہ نہ دے سکے گی۔ ج۲ ص۱۱

- حضرت علیؑ کی ولایت کے بارے میں اللہ کی طرف سے تسکین۔ ج۲ ص۴۶
- آیت ولایت اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ الخ ج۵ ص۱۲۹ تا ص۱۳۴
- سابق کتابوں میں نبوت محمدؐ اور ولایت علیؑ کا ذکر تھا۔ ج۵ ص۱۳۹
- ولایت علیؑ کے متعلق خطبہ غدیریہ کے بعد حسان بن ثابت کے اشعار۔ ج۶ ص۱۴۴
- یوم الست تمام ارواح پر ولایت علیؑ کو پیش کیا گیا تھا۔ ج۶ ص۲۴ و ص۱۲۵
- ولایت علیؑ کا انبیاء سے اقرار۔ ج۸ ص۱۳۰ و ص۱۳۱ و ج۱ ص۲۱۳ و ج۹ ص۲۰۹ و ص۲۴۲
- مرنے کے وقت ولائے علیؑ کا فائدہ۔ ج۶ ص۱۶
- حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولایت عہد (ولیعہدی) ج۶ ص۵
- شب معراج حضرت پیغمبرؐ کے سوال کے جواب میں البیت المعمور پر تمام انبیاء نے جواب دیا تھا کہ ہم آپ کی اور علیؑ کی ولایت کی شرط پر مبعوث ہوئے ہیں۔ ج۶ ص۲۶۲ و ج۲ ص۲۰
- حضورؐ کو زندگی بھر میں ایک سو بیس مرتبہ معراج ہوئی اور ہر دفعہ ولایت علیؑ کا حکم ہوا۔ ج۶ ص۲۶۲
- حضرت زکریاؑ کا فرزند یحییٰ درجہ ولایت پر تھا ھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا۔ ج۱ ص۱۳۷ و ص۲۴۹

- ولایت بمعنی نصرت ۔ ج۱۱ ص۸۳ ۔ ولایت علیؑ ج۱۱ ص۱۵۳
- ولایت علیؑ فرمان خداوندی ہے ۔ ج۱ ص۹۸ و ج۵ ص۱۵ و ج۵ ص۲۶
- بروز محشر حکم ہوگا ان کو روک لو کہ ابھی ان سے کچھ پوچھا جانے والا ہے یعنی قِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ عَنْ وِلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِب ج۱۱ ص۱۴۳ و ج۱ ص۱۳۶ و ۳۸
- کالب بن یوحنا نے نبوت محمد اور ولایت علیؑ کا نعرہ لگا کر گھوڑے کو پانی میں داخل کیا ۔ ج۱ ص۱۰
- انکار ولایت علیؑ کا نام سیئہ ہے ۔ ج۱ ص۱۲۹ و ص۱۳۱ و ج۵ ص۱۳۱ و ج۱ ص۱۲۷
- شب ہجرت حکم ہوا کہ واپس جا کر سید ولی کو سلام کہنا (علیؑ) ج۱ ص۱۸۶
- اسلام سے مراد حضرت علیؑ کی ولایت کو تسلیم کرنا ہے ۔ ج۱ ص۱۰
- حضرت پیغمبر نے فرمایا اگر کسی کے پاس ستر نبیوں کے عمل بھی ہوں تو بھی جبتک میری اور علیؑ کی ولا کو پیش نہ کریگا اس کا کوئی مقبول نہ ہوگا ۔ ج۲ ص۲۱ و ج۵ ص۵۲ و ص۵۸
- آل محمد کی ولایت سے درجات میں بلندی ہوتی ہے ۔ ج۲ ص۴
- ولایت علیؑ کے اعلان کے بعد اسلام کو کمال کی سند ملی ۔ ج۵ ص۱۳ و ص۱۲
- نور سے مراد ولائے علیؑ ہے ۔ ج۵ ص۲۵ ۔ پیغام ولایت ج۱ ص۱۲۶
- ولایت علیؑ کے صدقہ میں مومن کی ایک نیکی دس گنا ثواب کا موجب بنتی ہے ۔ ج۵ ص۲۰
- قبر میں ولائے علیؑ کے بغیر گذارا نہ ہوگا ۔ ج۱ ص۲۴ و ص۱۴۲
- ولایت علیؑ کلید جنت ہے ۔ ج۶ ص۳ و ج۱ ص۱۲۵ ۔ ولایت علیؑ فریضہ ہے ۔ ج۱ ص۲۰
- شیطان مومن کو ولایت علیؑ سے نہیں بھٹکا سکتا ۔ ج۱ ص۲۲۳
- ولائے علیؑ ۔ ج۱ ص۱۳ تا ص۱۲ و ج۱ ص۱۵۵ و ص۱۵۱ و ص۱۹۳ و ج۱ ص۱۱ و ج۲ ص۱۱ و ج۱۳ ص۲۲
- ذکر سے مراد ولائے علیؑ ہے ۔ ج۹ ص۱۱۵
- صراط مستقیم سے مراد ولاء علیؑ ہے ج۱ ص۱
- فرشتے محمد و آل محمد کی ولا رکھنے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں ۔ ج۱ ص۱۴۲
- منکرین ولایت کا ٹھکانہ جہنم ہے ۔ ج۹ ص۱۹ ۔ ج۲ ص۴
- عنوان صحیفة المومن حب علیؑ ۔ ج۱۳ ص۱۶

ولید بن مغیرہ کے سامنے عثمان بن مظعون نے یہ آیت پڑھی ۔ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ الخ تو ولید کہنے لگا اگر محمدؐ نے یہ بات کہی ہے تو خوب ہے اور اگر اس کے خدا نے کہی ہے تو

خوب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے خود بنفسِ نفیس یہ آیت اس کے سامنے پڑھی تو اس نے دوبارہ پڑھنے کی خواہش کی چنانچہ آپ نے دوبارہ پڑھی تو کہنے لگا بے شک کلام شیریں بیان دلکش شاخیں پھلدار اور اس کی جڑیں گہری ہیں اور یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔ ج ۲ ص ۲۲۹ و ج ۱۱ ص ۱۳۳

- ایک دفعہ ابوجہل نے حضورؐ کو پتھر مارنے کی کوشش کی تو وہ پتھر اس کے ہاتھ سے چمٹ گیا اور ناکام واپس آیا پس بنی مخزوم کا دوسرا آدمی آگے بڑھا جبکہ حضورؐ نماز میں مشغول تھے تو اللہ نے اس کی بینائی سلب کر لی پس وہ بھی ناکام ہوا۔ ج ۲ ص ۹ و ۱۰
- ایک دفعہ تمام صنادید قریش ولید بن مغیرہ کی قیادت میں حضورؐ کے پاس وفد کی صورت میں پہنچے کہ آپ ہمارے خداؤں کا شکوہ نہ کیا کریں تو آپ نے برملا فرمادیا۔ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه پس وہ منہ بناتے اور بڑبڑاتے واپس چلے گئے۔ ج ۲ ص ۴
- ایک دفعہ ولید بن مغیرہ کی قیادت میں ابوالبختری بن ہشام اور ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل اور عبداللہ بن ابی امیہ خدمتِ پیغمبرؐ میں آئے جبکہ حضورؐ صحنِ کعبہ میں اپنے صحابہ کو دینی مسائل کی تعلیم دے رہے تھے عبداللہ بن ابی اُمیہ نے کہا اے محمدؐ! اگر خدا نے رسولؐ بھیجنا تھا تو مکہ اور طائف کے نامور سرداروں کو اس عہدۂ جلیلہ کے لئے نامزد فرماتا۔ مکہ کے سردار ولید بن مغیرہ اور طائف کا سردار عروہ بن مسعود ثقفی دونوں بارسوخ آدمی ہیں آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ کے نزدیک دولت و مال کی قیمت ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں ہے تم کون ہو؟ اللہ کی رحمت کو تقسیم کرنے والے وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔ ج ۲ ص ۲۳۱ و ص ۲۳۲
- مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ کا مصداق ولید بن مغیرہ ہے۔ ج ۳ ص ۱۱۹
- ولید بن مغیرہ قرآنی آیات سے متاثر ہو کر ایک دفعہ مسلمان ہو گیا تھا لیکن کفار کی طعنہ زنی سے گھبرا کر دوبارہ اس نے کفر کو اختیار کر لیا تھا۔ ج ۳ ص ۱۶۱
- سورہ القلم کی آیات وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ الخ ولید بن مغیرہ کے حق میں اتریں یعنی جھوٹی قسمیں کھانے والا، چغلخور، کذاب، نیکی سے روکنے والا، سرکش، فاسق، اکھڑ مزاج اور زنیم (یعنی حرامزادہ) اور اس کا تاویلی مصداق ثانی کو کہا گیا ہے۔ ج ۴ ص ۸۶
- وحید کا مصداق ولید بن مغیرہ ہے۔ ج ۴ ص ۱۳۲
- اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا میں آثم سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور کفور سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔ ج ۴ ص ۱۵۳

ولید بن عقبہ بن ابی معیط نے حضرت علیؑ کے سامنے اپنی بڑائی و برتری بیان کی تو علیؑ نے جواب میں کہا۔ اے فاسق خاموش ہو جاؤ پس قرآن کی آیت اتری کہ مومن اور فاسق دونوں برابر نہیں۔ ج ۳ ص ۱۵۰

- امام حسن علیہ السلام نے ولید بن عقبہ سے فرمایا کہ تم اپنی ماں سے دریافت کرو کہ اس نے تجھے اپنے باپ سے ہٹا کر عقبہ کا بیٹا کیسے بنا دیا ہے۔ ج۱۴ ص۱۵۱
- ولید بن عقبہ کا فاسق ہونا۔ قرآن کی گواہی ہے کہ وہ فاسق ہے لیکن عثمان نے اپنے دور اقتدار میں اس کو اپنے اعتماد میں لے لیا جس پر مودودی نے خلافت و ملوکیت میں اظہار افسوس کیا ہے۔ ج۱۱ ص۹۱

ویل۔ جہنم میں ایک وادی ہے جس کا نام ویل ہے۔ ج۱۳ ص۸

ھاء

ہابیل۔ قابیل کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ج۲ ص۱۱ و ج۵ ص۸

- ہابیل کے بعد اللہ نے آدمؑ کو شیث دیا جو ہبۃ اللہ سے موسوم تھا۔ ج۲ ص۱۲۹ و ج۵ ص۹۲

ہارون۔ کوہ طور پر جاتے ہوئے موسیٰؑ نے ہارون کو اپنا خلیفہ نامزد فرمایا۔ ج۲ ص۱۱ و ج۳ ص۸۸ و ص۹۲

- ہارون اور موسیٰؑ کا انتقال تیہ میں ہوا۔ ج۲ ص۱۱۳
- حضرت علیؑ کی ہارون سے تشبیہ۔ ج۲ ص۱۲۸ و ص۱۲۱ و ج۵ ص۲۴ و ص۱۳۰ و ج۷ ص۸۱ و ص۸۵ و ج۸ ص۱۱۱ و ج۹ ص۱۱۹ و ص۲۵۹ و ج۱۱ ص۲۴
- ہارون کی نافرمانی کرنے والے دوزخی ہیں۔ ج۶ ص۱۱۲
- حضرت موسیٰؑ نے ہارون کی ڈاڑھی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ ج۷ ص۹۱
- حضرت موسیٰؑ پر ہارونؑ کے قتل کا الزام۔ ج۲ ص۱۱۵ و ج۷ ص۱۱۵ و ج۱۴ ص۸
- ہارون کے بیٹوں کا نام شبر و شبیر تھا۔ ج۷ ص۱۲
- حضرت ہارونؑ نے واپسی پر موسیٰؑ سے پوچھا تھا کہ آپ خضرؑ سے کیا سیکھ کر آئے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ دریا کے کنارے پر ہم نے پرندہ دیکھا تھا جس نے دریا سے چونچ میں پانی لیا اور دریا کی طرف پھینکا تو انسانی شکل میں ایک فرشتے نے آکر بتایا کہ وہ شش جہت کے خالق کی قسم کھا کر بتا رہا تھا کہ آخر الزمان پیغمبرؐ کا ایک وصی ہوگا اور تم دونوں کا علم اس کے مقابلہ میں اس طرح ہوگا جس طرح قطرہ سمندر کے مقابلہ میں۔ ج۷ ص۱۳
- حضرت علیؑ کو جب مجبور کر کے بیعت کے لئے لے چلے تو آپ نے وہی آیت پڑھی جس میں ہارونؑ نے

- موسیٰؑ کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار فرمایا تھا۔ ج۹ ص۹۸
- ہارون کی اولاد میں سے ہونے کی وجہ سے مریمؑ کو اخت ہارون کہا گیا۔ ج۹ ص۱۴۶
- جس وقت حضرت موسیٰؑ حضرت شعیبؑ کے ہاں وقت گزار کر مراجعت فرمائے مصر ہوئے تو اس وقت ہارونؑ مصر میں تھے۔ پس ان کو وحی ہوئی کہ ایک منزل چل کر حضرت موسیٰؑ کا استقبال کریں پس یہاں سے دونوں مل کر بحیثیت مبلغ مصر میں داخل ہوئے۔ ج۹ ص۱۸۳۔
- ہاروت و ماروت کا واقعہ۔ ج۲ ص۱۵۰

ہاجرہ۔ ہاجرہ کے انتقال کے بعد مکہ میں حضرت ابراہیمؑ کی تشریف آوری۔ ج۲ ص۱۶۵

- ہاجرہ اور ان کی ہجرت کی مفصل داستان۔ ج۲ ص۱۷۷ تا ص۱۸۰ و ج۸ ص۱۵۸
- ہاجرہ کیسے جناب سارہ کی کنیزی میں آئی؟ ج۱۲ ص۵۵

ہجرت۔ یہودی لوگ شروع شروع میں حضرت پیغمبرؐ کی ہجرت گاہ سمجھ کر اپنا اصلی وطن چھوڑ کر مدینہ میں آکر آباد ہوئے تھے عرب کے بادشاہ تبع نے ان پر چڑھائی کی لیکن وہ فتح نہ کر سکا آخر وہ عرب کے دو قبیلے اوس اور خزرج کو حضورؐ کی آمد کی انتظار کے لئے چھوڑ گیا۔ ج۱ ص۱۳۱

- حضورؐ کو ہجرت کا حکم اس وقت ہوا جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ ج۴ ص۹۸ و ص۹۹ و ج۸ ص۵۔
- ہجرت حبشہ کی مفصل روداد۔ ج۵ ص۱۵۴ تا ص۱۵۸
- ہجرت پیغمبرؐ۔ ج۱ ص۱۹۱۔ ہجرت کا مفصل بیان۔ ج۸ ص۵ و ج۹ ص۴۶
- ہجرت کا حکم ج۴ ص۲۲۱۔ جس شہر میں عالم دین موجود نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔ ج۴ ص۲۲۵
- ہجرت کی رات علی بستر پیغمبرؐ پر سوئے۔ ج۳ ص۳ و ج۸ ص۵۵ و ص۱۱۸
- ہجرت کرنے والے ان سے افضل ہیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ ج۴ ص۲۵۶ و ج۸ ص۳۱
- ہجرت کا حسن اور حضرت علیؑ کی فضیلت۔ ج۸ ص۱۱۱
- جادوگروں کی کامیابی کے بعد موسیٰؑ کی قوم سمیت وہاں سے ہجرت کا حکم ہوا۔ ج۱۰ ص۱۹۴
- ہجرت نہ کرسکنے والوں پر اہل مکہ کا تشدد۔ ج۱۱ ص۲۶ و ص۲۹
- حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ کی ہجرت کوفہ سے شام کی طرف۔ ج۸ ص۲۶
- ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف پلٹ جانا گناہ کبیرہ ہے۔ ج۱۱ ص۱۱
- شعب ابی طالب کی طرف ہجرت۔ ج۵ ص۲۰۳
- شب ہجرت آپ گھر سے نکلے تو کافر آپ کو نہ دیکھ سکے۔ ج۱۲ ص۹۔ ابوبکر راستہ میں ملے اور کہا کہ مجھے

ساتھ لے چلیں ورنہ میں کفار کو بتا دوں گا۔ ج۸ ص۵

ہدیہ جو ملکہ بلقیس نے سلیمانؑ کی طرف بھیجا۔ ج۱ ص۲۴۲۔ حضرت حمزہ کا جگر ہند کے پیش کیا گیا۔ ج۴ ص۳۹

ہُدہُد ۔ حضرت سلیمانؑ کو پانی کی تلاش کے لئے ہدہد کی ضرورت تھی۔ ج۸ ص۱۳۶

- ہُدہُد کی غیبت اور سلیمانؑ کی ناراضگی کی مفصل داستان۔ ج۱۰ ص۲۳۴ تا ص۲۴۴
- عملیات کی کتابوں میں ہدہد کے خواص بہت پائے جاتے ہیں۔ مثلاً

(۱) جس مقام کو ہدہد کے ناک کا دھواں دیا جائے کیڑے مکوڑے وہاں سے بھاگ جائیں گے۔
(۲) اگر کوئی شخص ہُدہُد کی دائیں آنکھ کو خشک کر کے پیس کر اس کا سُرمہ آنکھوں میں تین دفعہ لگالے تو جو بھی اس کو دیکھے گا اس سے محبت کرے گا۔
(۳) ہدہد کی زبان خشک کر کے تین دفعہ کھلانے سے بچہ قرآن خوان ہوگا۔
(۴) ہدہد کا پنجہ بھیڑیئے کے چمڑے کے ٹکڑے کے ساتھ گھوڑے کی گردن میں باندھنے سے گھوڑا تیز دوڑے گا۔
(۵) حاملہ عورت اگر ہدہد کا پنجہ اپنے پاس رکھے تو لڑکا پیدا ہوگا۔ واللہ اعلم جامع الفوائد ص۳۰۳

ہدایت کا طریقہ :

- ہدایت اصول میں اور فروع میں ان دونو کو اِھْدِنَا شامل ہے۔ ج۱ ص۱۴
- ہدایت ورشد کے تین طریقے ہیں۔ ج۳ ص۱۵۲ و ج۹ ص۹۶
- ہادی کیسا ہونا چاہیئے (وسیلہ کی تلاش کا حکم) ج۵ ص۹
- ہشام بن عبدالملک اور امام محمد باقر علیہ السلام۔ ج۷ ص۵۸ و ج۱۲ ص۲۳۹

ہفتہ (سنیچر کا دن)۔ مچھلی کا شکار کرنا یہودیوں پر ہفتہ کے دن حرام تھا لیکن وہ پانی کے چھوٹے تالابوں میں ان کو پھنسا لیتے تھے اور اتوار کے دن پکڑ کر کھا لیتے تھے۔ ج۲ ص۱۱۹ و ص۱۸۹، ج۶ ص۱۰۸ و ص۱۱۱ و ج۸ ص۲۵۱

- یوم ہفتہ یہودیوں کے لئے متبرک دن اور یوم عبادت تھا۔ ج۵ ص۸۵ و ج۶ ص۱۱۱ و ج۱۱ ص۱۸۲
- ہفتہ کے دن میں سرکشی کی بدولت بنی اسرائیل پر لعنت اور عذاب آیا۔ ج۵ ص۱۵۲
- فرعونیوں پر جو عذاب آتے رہے وہ ایک ہفتہ کے لئے تھے یعنی سنیچر سے سنیچر تک۔ ج۶ ص۸

ہلاکو خان کا پوتا سلطان محمد المعروف خدا بندہ علامہ حلی قدہٗ کے ناقابل تردید دلائل سن کر شیعہ ہو گیا ج۲ ص۲۰۰ تا ص۲۰۲

ہلاکت سے بچنے کا حکم۔ ج۲ ص۱۱

- ہلاکت اور شہادت میں فرق۔ ج۱۱ ص۲۳

هَلْ اَتٰی کا نزول۔ ج۱۴ ص۱۴۷۔

ہمزاد۔ تسخیر ہمزاد وجنات کو علماء شیعہ نے جادو کی قسم قرار دیا ہے۔ مقدمہ تفسیر ص۳۶

- تسخیر ہمزاد وملائکہ وجنات مسمریزم وغیرہ کو علماء نے از قسم جادو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ ج۲ ص۱۵۲
- ہمسایہ سے حسن سلوک مومن کی علامت ہے۔ ج۴ ص۱۲۶ و ص۱۲۸ و ص۱۷۰ و ص۱۷۱
- حدیث میں ہے جو شخص اپنے ہمسایہ کو اذیت دے خدا اس کو اس کا وارث بنا دیتا ہے۔ ج۸ ص۱۴۹
- ہمسایہ، مہمان اور والدین اگرچہ کافر بھی ہوں تاہم ان کی عزت کرنی چاہیئے۔ ج۹ ص۲۲
- مومن وہ ہے جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ رہے۔ ج۱۱ ص۱۹۷
- ہمسایوں کو اذیت دینے والے بروز محشر لولے محشور ہوں گے۔ ج۱۴ ص۱۲۴
- ہند مادر معاویہ نے حضرت حمزہ کا جگر چبایا۔ ج۴ ص۳۹
- ہند جنگ اُحد میں گا نا گا کر کافر فوجیوں کے دل بڑھاتی تھی۔ ج۴ ص۵۸
- فتح مکہ کے موقعہ پر ہند کی بیعت اور اسلام ج۱۳ ص۱۷۱

ہوا۔ نباتات کے نر و مادہ کے ملاپ کے لئے پروردگار نے ہوائیں بھیج دیں۔ ج۸ ص۱۰۴

- حدیث بساط میں ہے ہوا نے مسخر ہو کر بساط پر بیٹھنے والوں کو غار تک پہنچایا۔ ج۹ ص۸۴
- بارش سے پہلے ہواؤں کا بھیجنا اللہ کی رحمت واسعہ کی دلیل ہے۔ ج۱۱ ص۱۲۲
- ہوا کی گردش نظام آئمہ اکمل کے ماتحت ہے۔ ج۱۲ ص۱۱۸
- ہوا کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ان میں چار باعث رحمت ہیں اور چار باعث عذاب ہیں۔ باعث رحمت یہ ہیں ناشرات، مبشرات، مرسلات، ذاریات اور باعث عذاب چار یہ ہیں، عاصف، صرصر عقیم اور سموم۔ ج۱۲ ص۱۷۶
- قوم عاد پر ہوائے صرصر عذاب کے طور پر بھیجی گئی۔ ج۱۳ ص۱۷۰

ہودؑ کا ذکر۔ ج۲ ص۴۵ و ج۷ ص۲۲۰ و ج۱۰ ص۲۰۵ و ج۱۳ ص۲۹

ہول قیامت۔ ج۸ ص۱۶۲ و ج۹ ص۶۱ و ج۱۰ صـ و ص۹۱ و ج۱۴ ص۸۹ و ص۱۰۲ و ص۱۳۹ و ص۱۷۸

- حضرت یعقوبؑ نے ملک الموت سے حضرت یوسفؑ کی زندگی کے بارے میں پوچھا تھا۔ ج۱۲ ص۴۲
- حضرت یعقوبؑ کا فراق یوسفؑ میں گریہ۔ ج۱۲ ص۴۳ و ص۴۵
- بعض علماء نے حضرت یعقوبؑ و یوسفؑ کو اولوالعزم پیغمبرؑ میں شمار کیا ہے۔ ج۱۳ ص۳۷

یقین کے چار مراتب۔ یقین، علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین۔ ج۳ ص۱۵۲ و ج۴ ص۲۲

یوسفؑ۔ ایک قوم جنات میں نبی تھا جس کا نام یوسفؑ تھا۔ ج۵ ص۲۵۴

- قصہ حضرت یوسفؑ۔ ج۱۲ ص۶
- سورہ یوسفؑ کو لکھ کر پاس رکھنا ترقی و مراتب اور وسعت رزق کے لئے موزوں ہے۔
- نقش مربع پاس رکھے ۱۲۵۹۸۷ سے ابتداء سے خانہ نہم میں ایک زیادہ کرے۔

یونسؑ۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد مبعوث ہونے والے نبیوں میں ان کا نام بھی ہے۔ ج۵ ص۸۴

- حضرت یونسؑ نے شکم ماہی میں محمد و آل محمدؐ کے وسیلہ سے دعا مانگی۔ ج۵ ص۹۸
- حضرت یونسؑ کا ذکر۔ ج۶ ص۱۸۲ تا ص۱۸۴ و ج۹ ص۲۴۶ و ج۱۲ ص۱ و ج۱۴ ص۹
- حضرت یونسؑ کو ذوالنون کہنے کی وجہ۔ ج۱۴ ص۸۳

یوشع بن نون۔ ج۲ ص۱۱۴۔ حضرت موسیٰ کے نامزد جانشین تھے۔ ج۲ ص۱۶۷ و ج۵ ص۶۷ و ص۸۹ و ص۱۳۳

- یوشع بن نون حضرت یوسفؑ کی اولاد سے تھے۔ ج۵ ص۴۴
- یوشع بن نون کے لئے ردشمس ج۵ ص۸۶
- موسیٰؑ اور ہارونؑ کی وفات کے بعد یوشع بن نون اور کالب فاتحانہ طور پر اریحا میں داخل ہوئے۔ ج۵ ص۹۰
- حضرت موسیٰؑ کی قوم میں ناجی فرقہ وہی ہے جو ان کے وصی یوشعؑ کا پیرو کار ہو۔ ج۶ ص۸۹
- حضرت قائمؑ کا ظہور ہوگا تو یوشع بن نون ان کے ہمراہ ہوں گے۔ ج۶ ص۱۰۱ و ج۹ ص۹۴
- خضرؑ کی ملاقات کے وقت موسیٰؑ کے ہمراہ حضرت یوشعؑ بن نون تھے۔ ج۹ ص۱۰۶
- بعض روایات میں ہے کہ یوشعؑ بن نون کو ذوالکفل کہتے ہیں۔ ج۹ ص۲۴۵
- حضرت یوشعؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد تیس برس زندہ رہے۔ ج۱۱ ص۱۸۸
- حضرت یوشعؑ کی وفات بھی اسی رات ہوئی جس رات حضرت علیؑ کی شہادت ہوئی۔ ج۱۲ ص۲۵۸

جامع الفوائد صفحہ ۲۳۷

خواصِ آیات

سورۂ یٰسین کی ۸۳ آیات ہیں اور ہر آیت کے الگ الگ خواص ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آسانی مشکلات، وسعتِ رزق، حفاظت از مکر وسوسہ شیطان، دوریٔ مصائب شرفِ آفتاب میں مشک و زعفران و گلاب سے مربع طبعی پُر کریں اور پشت پر اس کے اعداد ۷۸۶ کا مربع ہو۔ پاس رکھیں۔

یٰسٓ ۝۱

بخشش گناہ عمل گذر چکا ہے

وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝۲

ہر روز ۱۰۰ دفعہ برائے زیادتی نعمت۔

اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۳

پڑھ کر دیوانے مرگی والے اور آسیب زدہ پر دم کرے

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۴

قرب خداوندی کے لئے روزانہ بعد از نماز صبح ۱۰۰ دفعہ۔

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝۵

تسخیر شیاطین کے لئے روزانہ بعد از نماز صبح ۱۰۰ دفعہ۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ فَھُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۶

دشمن کا خوف دُور کرنے کے لئے پڑھے اور لکھ کر پاس رکھے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِھِمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۷

جنگل میں تنہائی کا ڈر دور کرنے کے لئے ۱۰۰ دفعہ پڑھے۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِھِمْ اَغْلٰلًا فَھِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ فَھُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸

تسخیر کے لئے اس کا نقش انگوٹھی پر کرا کے انگلی میں پہنے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ
سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا
فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۹

دشمن کے خطرے کو دور کرنے کے لئے فلفل سفید پر پڑھے اور آگ میں ڈال دے۔

وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ
أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۱۰

بستہ کو کشادہ کرنے کے لئے نیلے رنگ کے تاگے پر پڑھ کر کسی پرانی قبر میں اس کو دفن کر دے۔

إِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ
وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ
فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَ
أَجْرٍ كَرِيمٍ ۱۱

کسی کی نیند کو باندھنے کے لئے پرانی قبر کی مٹی پر پڑھ کر اس کا گارا بنا کر دیوار پر لیپ دے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ
مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ
وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي
إِمَامٍ مُبِينٍ ۱۲

امراء و سلاطین کے نزدیک مقبول ہونے کے لئے مشک و زعفران سے لکھ کر پاس رکھے۔

پہلی مبین۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا أَصْحَابَ
الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ۱۳

بخت کھلنے کے لئے کاغذ پر لکھ کر عرق گلاب سے دھو کر پئے۔

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ
فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا
بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ
مُرْسَلُونَ ۱۴

مشک و زعفران سے لکھ کر احمق دیوانے کے بازو پر باندھے۔

قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ
مِثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَٰنُ
مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا
تَكْذِبُونَ ۱۵

آنکھ کے درد کے لئے مشک و زعفران سے لکھ کر پاس رکھے۔

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ

مرض خناق کو دور کرنے کے لئے مشک و

لَمُرْسَلُوْنَ ⑯

زعفران سے لکھ کر پاس رکھے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ⑰

دوسری مبین

دو آدمیوں کے درمیان دشمنی کو دور کرنے کے لئے اس کو لکھ کر مغلوب اپنے پاس رکھے۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ
لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ
وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ ⑱

سرکش سواری کو مطیع کرنے کے لئے زرد کاغذ پر لکھ کر اس کے گلے میں ڈالے۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ
ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
مُّسْرِفُوْنَ ⑲

آسانی وضع حمل کے لئے لکھ کر عرق گلاب سے دھو کر پئے۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ
رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ
اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ⑳

طلب اولاد کے لئے مشک و زعفران سے لکھ کر عورت اپنے پاس رکھے

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ
اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ㉑

طلب اولاد کے لئے مشک و زعفران سے لکھ کر عورت اپنے پاس رکھے۔

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ
فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ㉒

برائے آسانی وضع حمل۔

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً
اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ
لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ
شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ㉓

برائے دفع بیماری لکھ کر پانی میں ڈالے اور تین دن وہ پانی پیئے۔

اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ㉔

تیسری مبین

لکھ کر پانی میں ڈال کر اس کے پانی سے عورت غسل نفاس کرے۔

إِنِّي آمَنتُ بِرَبِّكُمْ
فَاسْمَعُونِ ﴿٢٥﴾

تاگے پر دم کرکے تپ والا آدمی گلے میں ڈالے۔

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ
يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾

تعویذ لکھ کر پاؤں سے باندھے تو پیدل چلنے والا نہ تھکے گا۔

بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي
مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٧﴾

سردردی کے لئے مشک و زعفران سے لکھ کر باندھے۔

وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ
مِن بَعْدِهِ مِن جُندٍ مِّنَ
السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنزِلِينَ ﴿٢٨﴾

ڈھیلے پر لکھ کر قبض والے آدمی کا نام لکھا جائے اور اسے پانی میں ڈالا جائے

إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً
فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ ﴿٢٩﴾

جس بچے کو نیند نہ آئے یہ لکھ کر اس کے گہوارے سے باندھ دیا جائے

يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا
يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا
بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٠﴾

شر اعداء کو دفع کرنے کے لئے مشک زعفران سے لکھ کر پاس رکھے۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم
مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ
لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾

مقہوری دشمن کے لئے لکھ کر پاس رکھے۔

وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾

جنات کے دفع کرنے کے لئے پاس رکھئے۔

وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ
أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا
حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿٣٣﴾

برص و جذام کے دفع کے لئے مشک و زعفران سے لکھ کر پاس رکھے۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن
نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا
فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾

دشمن کی زبان بندی کے لئے لکھ اسے پتھر کے نیچے رکھیں۔

لِيَأْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا
عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا
يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

فشار قبر کے دفع کے لیے کفنی پر لکھا جائے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ
كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ
وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾

نکسیر بند کرنے کے لیے انگلی سے مریض کی پیشانی پر لکھیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ښ نَسْلَخُ
مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ
مُّظْلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾

تسخیر کے لیے مقام خلوت میں ۳۰۰ دفعہ پڑھیں۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ
لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ
الْعَلِيْمِ ﴿٣٨﴾

دشمن کو ذلیل کرنے کے لیے اس کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى
عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿٣٩﴾

گھوڑے کا جنون دفع کرنے کے لیے لکھ کر اس کی گردن میں باندھیں۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ
تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ
سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ
فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٤٠﴾

ہر حاجت کے لیے شب جمعہ سات مرتبہ پڑھنی چاہیئے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا
ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ
الْمَشْحُوْنِ ﴿٤١﴾

پل صراط سے گذرنے کی آسانی کے لیے ہمیشہ اس کا ورد کیا کریں۔

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ
مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿٤٢﴾

پیغمبر کے خواب میں زیارت کرنے کیلئے ۳۰ راتیں ہر رات ۳۰ بار پڑھیں۔

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ

فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ
يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾
اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا
اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا
مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا
خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾
وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ
مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا
عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ
اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ
اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾
مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً
تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿۴۹﴾
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً
وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع
وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا
هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى
رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

ہر روز ۱۰۰ دفعہ پڑھنے والا کامل ایمان ہو کر دنیا سے مرے گا۔

اس کو ہمیشہ پڑھنے والا اہل جنت سے ہوگا۔

جو شخص اس کو ہمیشہ کا ورد بنائے اس میں نیکیوں کی مزید صلاحیت پیدا ہوگی۔

اس کا ورد کرنے والا تنگدست نہ ہوگا۔

اس کا ورد بنانے والے پر سوال قبر آسان ہوگا۔

چوتھی مبین

اس کو ورد کرنے والا اور اپنے پاس رکھنے والا ڈوب کر نہ مرے گا۔

لکھ کر پاس رکھتے سنگباری کا اس پر اثر نہ ہوگا۔

اس کو پڑھنے والے پر عجیب و غریب راز ظاہر ہوں گے۔

سات دفعہ درود پڑھ کر اس کو پڑھے مراد پوری ہوگی۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ
مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ
الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾

نوشادر پر پڑھ کر اسے آگ میں ڈال
دیں دشمن کی زبان بند ہوگی۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً
فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

لکھ کر پاس رکھے سارا زمانہ دشمن ہو تو
بھی اس پر کامیاب نہ ہوں گے۔

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا
وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۴﴾

مربع میں لکھ کر پاس رکھنے سے
کوئی کاٹنے والا جانور نہ کاٹے گا۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ
فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ﴿۵۵﴾

اپنے پاس لکھ کر رکھے تو دشمن اس
سے خوفزدہ رہیں گے۔

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ
عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾

لکھ کر پاس رکھنے والا دست نگر
و محتاج نہ ہوگا۔

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ
مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾

پاس لکھ کر رکھنے مال و عمر میں
برکت ہوگی۔

سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ
رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾

ہمیشہ پڑھنے سے عمر لمبی ہوگی اور شہدا
کا ثواب ملے گا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

ہمیشہ پڑھنا ایک ہزار ختم قرآن
کے برابر ہے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ
اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○

اس کا مربع لکھ کر پاس رکھنے والا
عزیز خلائق و مکرم ہوگا۔

پانچواں مبین

وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ
مُّسْتَقِيْمٌ ○

لکھ کر پاس رکھنے والے سے ہمزاد
خوفزدہ رہے گا۔

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا

اس کو درد بنانے والا جنت میں

كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾	جائے گا اور کبھی گمراہ نہ ہوگا۔
هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾	کفن پر لکھنے سے عذاب قبر نہ ہوگا۔
اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾	اس کے پڑھنے سے نقصان بیابان سے محفوظ ہوگا۔
الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٦٥﴾	لکھ کر اس کا پانی پیئے اسہال بند ہوں گے۔
وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿٦٦﴾	ذات الجنب (نمونیہ) کے دفع کرنے کے لئے لکھ کر باندھے۔
وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ﴿٦٧﴾	برائے دفع وسوسہ شیطان روزانہ تین دفعہ پڑھے۔
وَمَن نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾	فقرو فاقہ کو دُور کرنے کے لئے صبح سویرے پڑھا کرے۔
وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿٦٩﴾	درد چشم کے لئے ستر دفعہ پڑھ کر آنکھ پر دم کرے۔
	چھٹی مبین
لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٧٠﴾	ریگ مثانہ کے لئے مشک و زعفران سے لکھ کر کھائے۔
أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُم مِّمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿٧١﴾	برائے دفع باد استسقاء لکھ کر دھو کر اس کا پانی پیئے۔ عورت یا ہر مادہ کا دودھ بڑھانے کیلئے لکھ کر باندھے

وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا	کسی بھی شی پر [illegible] دفعہ پڑھ کر جس کو کھلائے
رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾	وہ اس کا دوست ہوگا۔
وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَ	رونے والے بچے کے بازو پہ
مَشَارِبُ ۚ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾	باندھے۔
وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ	ہر بیماری کے لئے برتن پہ لکھ
آلِهَةً لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٧٤﴾	کر دھو کر پیئے۔
لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ	کفن پر لکھنے سے عذاب قبر نہ
وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾	ہوگا۔
فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا	طلب اولاد کے لئے پوست آہو
نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا	پر اس کا مربع لکھ کر باندھے۔
يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾	
أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا	مرگی کے لئے نیلے کپڑے پر لکھ کر
خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا	باندھے۔
هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ﴿٧٧﴾	**ساتویں مبین**
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ	بے ہوشی اور نیم سر درد کے لئے ستر بار
خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَنْ يُحْيِي	پڑھ کر دم کرے یا تعویذ بنائے۔
الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾	
قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي	
أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ	نظر بد کے لئے لکھ کر پاس رکھیں۔
وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾	
الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ	دفع دشمن کے لئے ڈھیلے پر لکھ کر
مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ	جاری پانی میں ڈالے۔
نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ	
تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾	
أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ	بوقت روانگی لکھ کر اپنے اوپر دم

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ
عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ
بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾
اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا
اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾
فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ
مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

کرے دشمن اس کو نہ دیکھ سکے گا۔

باد کے لئے لکھ کر باندھے شفا ہوگی۔

تمام حاجات کے لئے اس کا ورد کریں۔